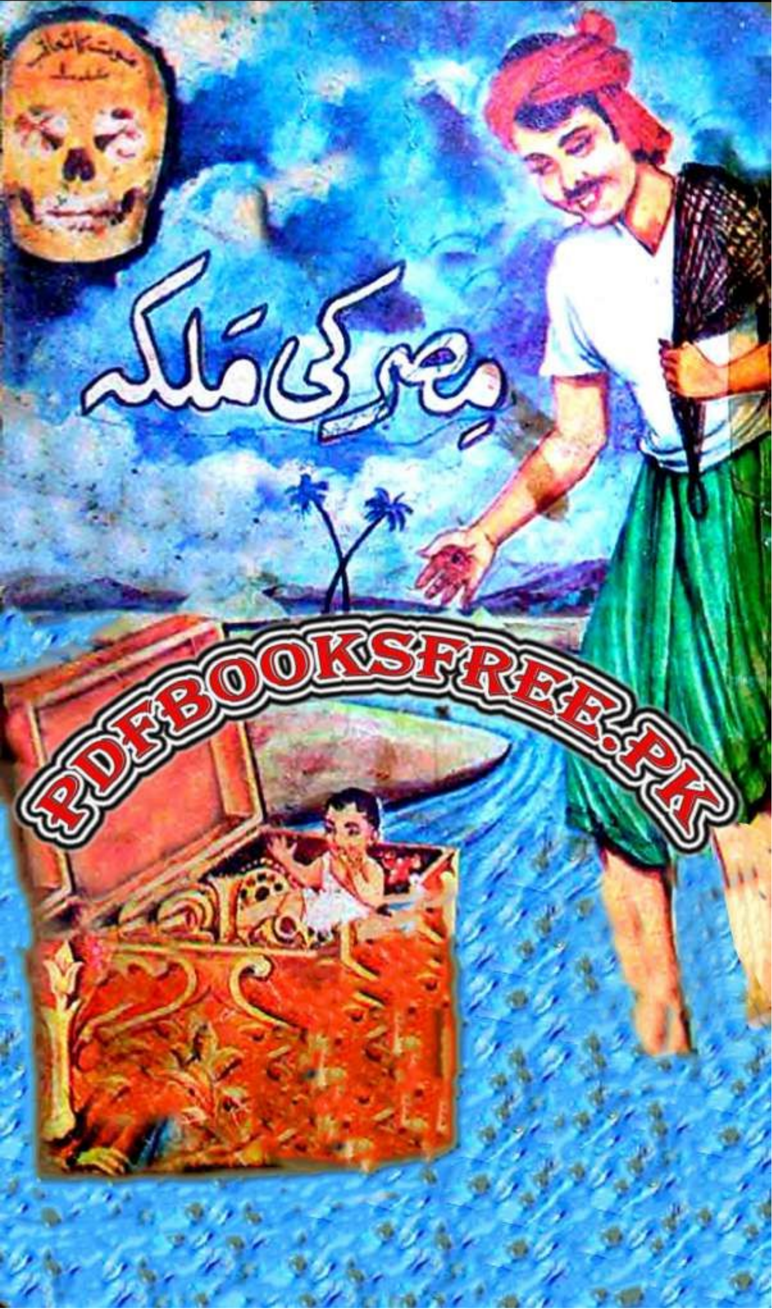

مصر کی ملکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۱

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

مصر کی ملکہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

موت کی گود میں
مصر کا شہزادہ
نفرتیتی
پُراسرار ملاقات
شام کا سفر
صندوقچی کا راز
فرعون اخناتون
شاہی دربار
فرعون کا قتل
تم نہیں مرو گے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچو!

انسان کی تاریخ بڑی بڑی مزے دار، دل چسپ اور پُر اسرار کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ شروع شروع میں انسان دیوتاؤں کے آگے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ اُڑن کھٹولے بنا کر اُڑا کرتے تھے۔ آدمی کی کھوپڑی کھول کر اُسے دوبارا جوڑ دیا کرتے تھے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بابل و نینوا کی وادی میں ستاروں سے کچھ لوگ اُتر کر آئے تھے۔ مصر کے جادوگر پتھر میں جان ڈال دیتے تھے۔ ہم نے آپ کی دل چسپی اور آپ کی تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے دُنیا کی ساری تاریخ میں سے انتہائی دل چسپ، پُر اسرار اور حیرت انگیز کہانیاں چُن لی ہیں اور آپ کو قسط وار سُناتے جائیں گے۔

ہماری پہلی کہانی قدیم مُلک مصر سے شروع ہوتی ہے۔ فرعون کو نجومیوں نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو اُسے ہلاک کر دے گا۔ فرعون کی ملکہ اپنے بیٹے کو خفیہ طور پر ایک ننھی سی کشتی میں ڈال کر دریائے نیل کی لہروں کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ لڑکا مصر کا شہزادہ ہے۔ مگر ایک ماہی گیر کے جھونپڑے میں عنبر کے نام سے پرورش پاتا ہے۔ جوان ہو کر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرعون کا بیٹا ہے۔ وہ اپنی ملکہ ماں سے ملتا ہے۔ اُس کا بے وفا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوست فرعون اور اُس کی ملکہ کو قتل کروا کر خود فرعون بن بیٹھتا ہے اور عنبر کو جلا وطن کر دیتا ہے۔ عنبر اپنی ماں کی قبر پر جاتا ہے۔ وہاں ایک مقدس آواز اُسے دُعا دیتی ہے کہ وُہ کبھی نہیں مرے گا اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ عنبر ایک بادبانی جہاز پر سوار ہوتا ہے۔ صبح اُٹھ کر دیکھتا ہے کہ جہاز کے سارے ملاح اور کپتان غائب ہیں۔ وُہ جہاز پر اکیلا ہے اور جہاز بپھرے ہوئے سمندر میں اپنے آپ بہا چلا جا رہا ہے۔

اے حمید

آ کتاب محبت کو پھر یاد کریں
بھولے ہوئے بچپن کو صیاد کریں
نئے درد پرانے درد مل جل کر
تیری میری زندگی برباد کریں

THE BEST GROUP

اردو ناولز

ONLY FOR NOVEL LOVERS

Contact us on Whatsapp
Pakistan Zindabad: +92 343 7008883
Salman Saleem: +92 304 8890501

Paid Urdu Novels available

No Controversial Book will be ✗ shared. ✗
Do Respect
Have Respect

جنت کے پتے
نمرہ احمد
قراقرم کا تاج محل
میرے خواب میرے جگنو
پیر کامل
امر بیل
لاحاصل
میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کی گود میں

دریائے نیل بڑی خاموشی سے بہہ رہا ہے ۔

اس وقت آدھی رات گزر چکی ہے۔ قدیم مصر کے گہرے نیلے آسمان پر ستارے سفید موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ زمانہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، آج سے پونے پانچ ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ ہماری تہذیب کی تاریخ شروع ہو رہی ہے۔ یہ مصر کے فرعونوں کا زمانہ ہے۔ دریائے نیل کے نیلے پانی میں ستاروں کا عکس جھلملا رہا ہے۔ دریا کے کنارے کھجوروں کے جھنڈ دُور تک چلے گئے ہیں۔ کہیں زیتون کے درختوں کے جھاڑ ہیں اور کہیں انجیر کے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ تھیبس کا شہر سو رہا ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے لوگ اپنے اپنے کچے پکے گھروں میں آرام کر رہے ہیں۔ سنسان گلیوں میں کسی وقت پہریدار کی آواز گونج جاتی ہے ۔

دریائے نیل کے کنارے شہر سے باہر، ایک پختہ مکان میں زیتون کے تیل کا لیمپ جل رہا ہے۔ اس لیمپ کی روشنی میں ایک اُدھیڑ عمر کی عورت لکڑی کے صندوق میں سے پتھر ناپنے والا فیتہ تلاش کر رہی ہے۔ بارہ چودہ برس کا ایک نوعمر لڑکا جس کا نام عنبر ہے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس کھڑا ہے۔ عنبر کا باپ وہاں سے چار پانچ میل دُور صحرا میں ایک اہرام میں کام کر رہا ہے۔ عنبر کے باپ کا نام رجال ہے۔ وُہ اہرام بنانے میں ماہر ہے۔ اہرام پتھروں کی اُس تکونی عمارت کو کہتے ہیں جس میں مرے ہُوئے فرعون کی لاش کو دوائیاں لگا کر غلاموں، کنیزوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

عنبر اصل میں اس بوڑھی عورت اور بوڑھے باپ رجال کا بیٹا نہیں ہے۔ آج سے بارہ تیرہ برس پہلے عنبر اُنہیں دریائے نیل کی لہروں پر ایک ننھی سی کشتی میں بہتا ہُوا ملا تھا۔ وُہ زمانہ مصر کے ایک ظالم فرعون کا زمانہ تھا۔ نجومیوں نے فرعون کو بتایا تھا کہ اُس کے محل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر اسے زہر دے کر ہلاک کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ محل میں جو بھی نیا بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جاتے۔ چار پانچ برس کے اندر اندر جتنے بچے محل میں پیدا ہُوئے اُن سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ آخر ایک رات عنبر فرعون کی ملکہ نفریتی کے ہاں پیدا ہُوا ملکہ کو معلوم تھا کہ فرعون کو پتا چل گیا تو وُہ اُسے ضرور قتل کرا دے گا۔ اس نے اپنی ایک کنیز کے ساتھ مل کر بچے کو ایک ننھی سی کشتی میں لٹایا اور دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اُسے یقین تھا کہ اُس کا بیٹا ضرور کسی نہ کسی کسان یا ماہی گیر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ آ جائے گا اور وہیں پرورش پائے گا۔ اِس طرح وہ قتل ہونے سے بچ جائے گا اور کم از کم زندہ تو رہے گا۔ اگر خُدا کو منظور ہُوا اور زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی اُس کی بیٹے سے ضرور مُلاقات ہو جائے گی۔ فرعون کو بچّے کی پیدائش کا کوئی علم نہ ہوا۔ اُسے یہی کہا گیا کہ ملکہ کے ہاں مُردہ بچّی پیدا ہُوئی ہے جسے دفن کر دیا گیا ہے۔ اُدھر ننّھا عنبر شہزادہ گھاس پھُونس کی بنی ہُوئی چھوٹی سی کشتی میں دریا کی لہروں پر بہتا ہُوا بہت آگے نکل گیا۔ دن چڑھا تو ادھیڑ عُمر کا اہرام مِصر کا انجنیئر رجال دریا کنارے پتّھر کٹوا رہا تھا کہ اُس نے کشتی میں ایک بچّے کو دیکھا۔ وہ اُسے اُٹھا کر گھر لے آیا۔ اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی بیوی بچّے کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئی۔ اُنہوں نے عنبر کو اپنے بچّے کی طرح پالنا شروع کر دیا۔ اب عنبر اُس گھر میں پل کر چودہ برس کا ہو گیا تھا۔ اُسے بالکل نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اُن کا بیٹا نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے عنبر کو دریائے نیل سے اُٹھا کر پالا ہے۔ وہ رجال کو ہی اپنا اصل باپ اور اُس کی بیوی کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ وہ دونوں بھی عنبر سے اپنے بچّے کی طرح ہی پیار کرتے تھے۔

عنبر اپنے باپ کے ساتھ ہی بچپن سے کام کرتا آیا تھا اور وہ بھی اہرام بنانے کا کام سیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اپنے باپ سے جنگلی بوٹیوں سے دوائیاں بنانے اور بیمار لوگوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علاج کرنے کا ہُنر بھی سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اُس رات وُہ بھی اپنے باپ کے ساتھ شہر سے چار کوس کے فاصلے پر ایک نئے اہرام کی تعمیر کا کام کر رہا تھا۔ اُس کا باپ رجال ہمیشہ عنبر کو اپنے ساتھ کام پر رکھتا تھا۔ اچانک پتھروں کو ماپنے والا فیتہ ٹوٹ گیا۔ عنبر کے باپ نے اُسے گھر بھیجا کہ وُہ صندوق میں سے نیا فیتہ لے آئے۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر گھر آیا اور ماں سے کہا کہ اُسے ابا جان نے نیا فیتہ لینے بھیجا ہے۔ اُس کی ماں نے صندوق میں سے تلاش کے بعد نیا فیتہ نکال کر دیا اور کہا:

"عنبر بیٹا یہ لو فیتہ۔۔۔ اور ہوشیار رہ کر واپس جانا"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"فکر نہ کرو ماں، مَیں ایک انجینئر باپ کا بہادر بیٹا ہُوں"

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹا"

عنبر نے فیتہ جیب میں رکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے دوڑاتے ہُوئے دریائے نیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ اہرام کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ زیتون اور کھجوروں کے جھنڈ اندھیرے کی سیاہ چادر اوڑھے دور سے بھوت معلوم ہو رہے تھے۔ مگر عنبر کو کسی قسم کا خوف یا ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا اس لیے کہ وُہ اپنے باپ کے ساتھ اکثر راتوں کو کام کرتا رہتا تھا اور اِدھر سے کئی بار گزرا کرتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راستے میں ریت کے ایک اونچے ٹیلے کے دامن میں انجیروں کا ایک چھوٹا سا باغ تھا جس میں ایک جھونپڑی تھی۔ اس جھونپڑی میں اناطول نام کا ایک درویش رہتا تھا۔ اناطول درویش عنبر سے بہت پیار کرتا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اناطول اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ عنبر نے گھوڑے پر قریب سے گزرتے ہوئے اُسے سلام کیا اور آگے نکل گیا۔ اناطول نے آنکھیں کھول کر عنبر کو گھوڑے پر جاتے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اناطول درویش کو معلوم تھا کہ عنبر ملکہ نفرتیتی کا بیٹا ہے۔ وہ فرعون مصر کی اولاد ہے اور شہزادہ ہے۔ وہ انجینئر رجال کا اصلی بیٹا نہیں ہے۔ مگر اس نے عنبر کو کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مصر کا شہزادہ ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا، عنبر کو بتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر فرعون کو پتا چل گیا کہ اُس کا بیٹا خفیہ طور پر رجال کے گھر میں پرورش پا رہا ہے تو وہ اُسے گرفتار کروا کر ضرور قتل کروا دے گا۔ اب تک فرعون کتنے ہی محل میں پیدا ہونے والے شہزادوں کو قتل کروا چکا تھا۔

عنبر کو اہرام اب سامنے نظر آ رہا تھا جہاں اُس کا باپ رجال دوسرے مزدوروں اور کاریگروں کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ فرعون کے حکم سے اُس کے بوڑھے دادا کے لیے یہ اہرام خاص طور پر بنایا جا رہا تھا۔ کیوں کہ دادا فرعون بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اُس کی زندگی کا چراغ گل ہونے کو تھا اِس لیے فرعون عاطون کے حکم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اہرام جلدی سے جلدی تیار کروایا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عنبر کے باپ رجال کو راتوں کو بھی کام کرنا پڑ رہا تھا۔ عنبر نے اہرام میں پہنچ کر فیتہ اپنے باپ کے حوالے کیا اور خود بھی اُس کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

رجال بڑے بڑے کٹے ہوئے چورس پتھروں میں لوہے کی سلئی سے نشان لگاتا جاتا تھا اور عنبر ان نشانوں پر یادداشت کے لیے سفید روغن پھیرتا جاتا تھا۔ دونوں باپ بیٹا اہرام کے نچلے تہہ خانے میں کام کر رہے تھے۔ یہ وہ تہہ خانہ تھا جس کے اندر بُڈھے فرعون کی لاش کو تابوت میں بند کر کے رکھا جانا تھا۔ تہہ خانے کی دیواریں قیمتی پتھروں سے چُن دی گئی تھیں۔ درمیان میں سنگِ مرمر کا ایک شاندار چبوترا بنایا گیا تھا۔ اِس چبوترے پر فرعون کے تابوت کو ہمیشہ کے لیے رکھ دیا جانا تھا۔ دیواروں کے طاقوں میں سونے کے شمعدان روشن تھے۔ اس تہہ خانے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جو ایک بہت بڑی پتھر کی سِل تھی۔ تابوت کو تہہ خانے میں رکھ دینے کے بعد اِس سِل کو آہستہ آہستہ اپنے آپ ہی بند ہو جانا تھا۔ اس کے بعد سِل کو کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔

اُس زمانے میں دستور تھا کہ بادشاہ مرتا تو اُس کے نوکر، کنیزیں، کھانے پینے کا سامان، برتن، آرام کرنے کا پلنگ اور اُس کے سونے جواہرات اُس کے ساتھ ہی تہہ خانے میں دفن کر دیئے جاتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں کہ اُن لوگوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد اگلے جہان میں بادشاہ زندہ ہو جاتا ہے اور اسے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچ ہزار سال بعد آج کے زمانے میں جب ان اہرام مصر کی کھدائی ہوئی اور آثارِ قدیمہ کے ماہر تہہ خانوں کی پتھریلی سل توڑ کر اندر داخل ہوئے تو وہاں اُنھیں غلاموں اور کنیزوں کی لاشوں کے پنجر بھی ملے ۔

ابھی تو ہم اُس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں۔ جب یہ اہرام تعمیر ہو رہے تھے ۔

عنبر اپنے باپ رجال کے ساتھ کام کر رہا تھا کہ ان کا گھریلو ملازم پورکا چبوترے پر رکھی جانے والی سنگِ مرمر کی سفید سل اُٹھائے اندر داخل ہوا۔ اُس نے سنگِ مرمر کی سل زمین پر رکھی اور اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر بولا :

" بڑے آقا، بادشاہوں کے مقبرے بناتے بناتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ اگر میں بادشاہ ہوتا تو کبھی اپنا مقبرہ نہ بناتا "

رجال نے مسکرا کر کہا :

پورکا، اگر تم فرعون ہوتے تو میں تمہارا مقبرہ بڑا شاندار بناتا "

عنبر نے کہا :

پورکا، کیا خبر اگلے برس تم بادشاہ بن جاؤ "

ملازم پورکا جس کی عمر چالیس سال تھی اور جو ایک بیل کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہٹا کٹّا تھا ہنس کر کہنے لگا :

"چھوٹے آقا عنبر، میری اتنی قسمت کہاں کہ میں بادشاہ بن جاؤں۔ میں تو غلام پیدا ہوا اور غلام ہی مروں گا !"

بوڑھے رجال نے کہا :

"فکر نہ کرو پولکا، میں تمہاری لاش کو محنوط کروا کر بادشاہوں کے مقبرے میں ہی دفن کروں گا۔

پولکا قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا :

"بڑے آقا، یہ پتھر دل مقبرے بادشاہوں ہی کو سلامت رہیں میرے لیے مٹی کی کچی قبر ہی بہت ہوگی۔ مگر کبھی کبھی دل میں خواہش ضرور پیدا ہوتی ہے کہ کاش، میں بھی بادشاہ ہوتا۔ پیٹ بھر کر مور، ہرن اور تیتر کا گوشت کھاتا۔ خرطوم کے سیب اور یوروشلم کی میٹھی انجیریں کھاتا اور نرم نرم بستر پر سوتا اور غلام مور کے پنکھوں سے مجھے ہوا دے رہے ہوتے۔"

بوڑھے رجال نے زیرِ لب مسکرا کر کہا :

"اچھا، ابھی تو اٹھ کر باہر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔ بادشاہ بننے کا خواب پھر دیکھ لینا !"

پولکا زمین پر سے اٹھا اور اتنا کہہ کر باہر نکل گیا :

"ہائے ری قسمت، بے چارے پولکا۔ تیری قسمت میں تو پتھر ڈھونے ہی لکھے ہیں !"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کے جانے کے بعد بوڑھا رجال اور عنبر دیر تک ہنستے رہے۔ پورکا اُن کا بڑا وفادار غلام تھا۔ عنبر چھوٹا سا تھا جب رجال نے یہ غلام بابل کی منڈی سے خریدا تھا۔ اُس زمانے میں بڑے بڑے شہروں میں ہر سال منڈیاں لگا کرتی تھیں جہاں گائے بھینسوں اور گھوڑوں کے ساتھ ساتھ غلام بھی بکا کرتے تھے۔ لوگ گھوڑوں اور مویشیوں کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کے غلام بھی خرید کر گھروں کو لے جاتے تھے۔ امیر لوگ ان غلاموں سے بڑا سخت کام لیتے۔ وہ دن بھر اُن سے کھیتوں میں ہل چلواتے، گوڈی کرواتے، باغوں میں جانوروں کی طرح کام کرواتے اور بہت کم کھانے کو دیتے۔ سخت محنت اور کم خوراک کی وجہ سے غلام بہت جلد بیمار اور کمزور ہو کر مَر جاتے۔ امیر لوگ اُن کے مَرنے کے بعد منڈی سے نیا غلام خرید لیتے۔

مگر بوڑھا رجال پورکا غلام سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ وہ جو خود کھاتا وہی اپنے غلام پورکا کو دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ پورکا اپنے آقا رجال اور اُس کے بیٹے عنبر اور اُس کی بوڑھی ماں سے بہت پیار کرتا تھا۔ وُہ اُن کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا اور اُن کی ذرا سی تکلیف پر اپنی جان قربان کرنے پر بھی تیار ہو جاتا۔ بوڑھے رجال نے پورکا غلام کو بھی نہیں بتایا تھا کہ عنبر اُس کا اپنا بیٹا نہیں ہے بلکہ مصر کے شاہی محل کا شہزادہ ہے۔ عنبر کی ننھی سی کشتی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اُسے جو شاہی مُہر ملی تھی وُہ اُس نے اور اُس کی بیوی نے ایک پُرانے صندوق میں سنبھال کر رکھی ہُوئی تھی۔

رات بھر اہرام میں کام کرنے کے بعد صُبح کے وقت رجال، عنبر اور پورکا واپس اپنے گھر آ گئے۔ عنبر کی ماں نے ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔ ناشتے میں اونٹ کے پائے کا شوربہ اور خمیری روٹی تھی، سب نے مل کر ناشتہ کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ عنبر سو کر اُٹھا تو دوپہر ہو رہی تھی۔ اُس کا باپ رجال اور غلام پورکا ابھی تک سو رہے تھے۔ اُس کی ماں دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہُوئی تھی۔ عنبر نے غلیل ہاتھ میں لی اور باہر نکل آیا۔ پیچھے سے اُس کی ماں نے آواز دی۔

"بیٹا عنبر! زیادہ دُور نہ جانا۔ کھانا تھوڑی دیر میں تیار ہونے والا ہے۔"

"میں دریا کنارے مرغابیاں مارنے جا رہا ہُوں۔ ابھی واپس آ جاؤں گا۔"

اُس کی ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر عنبر کو روکا بھی تو وُہ کبھی نہیں رُکے گا۔

عنبر آخر شہزادہ تھا۔ ضِد اور دلیری اُس کی فطرت میں کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ وُہ شکار کا بھی بہت شوقین تھا۔ گھوڑ سواری بھی بہت پسند کرتا تھا۔ مگر اس وقت وُہ پیدل ہی غلیل ہاتھ میں لیے دریائے نیل کے کنارے کنارے چل پڑا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ آسمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بر خلافِ معمول ہلکے ہلکے بادل چھا رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دریائے نیل کا پانی بڑے سکون سے بہہ رہا تھا اور ماہی گیر کشتیوں میں بیٹھے مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔

عنبر کو پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ عنبر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یہ بوڑھا گوگوش تھا جو گھوڑوں کا چارہ فروخت کرتا تھا اور اس وقت اپنے مکان کے آگے اُگی ہوئی انگور کی بیل کو پانی دے رہا تھا۔

"سلام چچا!"

"جیتے رہو بیٹا عنبر، کہاں جا رہے ہو اِس وقت؟"

"مرغابیوں کا شکار کھیلنے جا رہا ہوں چچا!"

"بیٹے جانوروں کو نہ مارا کرو۔ یہ تو قدرت کی معصوم بھولی بھالی نشانیاں ہیں!"

"چچا کیا کروں مجھے شکار اچھا لگتا ہے!"

"وہ تو ٹھیک ہے عنبر بیٹا، مگر کبھی کبھی جانوروں سے پیار بھی کیا کرو۔ یہ اچھی بات ہے!"

"ابھی تو شکار کر لوں چچا، پھر پیار بھی کر لوں گا!"

"تمہاری مرضی بیٹے، ویسے تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں!"

دونوں باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک دریا کے اُوپر کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے شور سا مچا اور ماہی گیروں نے اپنی کشتیاں کناروں کی طرف لانی شروع کر دیں۔ پھر شاہی غلاموں کا ایک بیڑا آیا اور اُس نے ماہی گیروں کو ہنٹروں سے مارنا شروع کر دیا۔

" کمینو، بھاگو یہاں سے، تمہیں معلوم نہیں، شاہی ملکہ کی سواری آ رہی ہے، بھاگو۔ دفعان ہو جاؤ یہاں سے !"

ماہی گیروں میں افراتفری مچ گئی اور دیکھتے دیکھتے دریائے نیل کی سطح بالکل خالی ہو گئی۔ عنبر نے گوگوش سے پوچھا:

" یہ شاہی سواری کس کی آ رہی ہے بابا ؟"

" میرے خیال میں ملکہ نفریتی کی سواری آ رہی ہے۔ اندر آ جاؤ عنبر، یہاں رُکنا ٹھیک نہیں۔ ابھی شاہی غلام ہنٹر لے کر آ جائیں گے !"

عنبر نے ضد کی کہ وُہ وہیں کھڑا رہے گا اور دیکھے گا، کون غلام اُس کو ہاتھ لگاتا ہے۔ مگر گوگوش اُسے کھینچتا ہُوا اندر لے گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

" پاگل ہو گئے ہو کیا؟ تمہیں معلوم نہیں، جب ملکہ کی سواری آتی ہے تو دریا پر کوئی چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی !"

عنبر خاموش رہا اور کھڑکی کے سُوراخ میں سے دریا کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر میں دریا کے اُوپر کی جانب سے ملکہ مصر نفریتی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی بجرا نمودار ہوا۔ جب وہ گوگوش کے مکان کے قریب سے گزرا تو عنبر نے دیکھا کہ سینکڑوں کنیزوں کے جھرمٹ میں مصر کی باوقار ملکہ ایک عالی شان عماری میں بیٹھی ہے اور کنیزیں مورچھل ہلا رہی ہیں اور بار بار اِرد گِرد خوشبودار عطر چھڑک رہی ہیں۔ کافی فاصلے پر آگے آگے غلام اور فوج کے سپاہی راستہ صاف کرتے جا رہے ہیں۔ اچانک عنبر نے دروازہ کھولا اور دوڑ کر دریا کنارے جا کھڑا ہوا یہ بڑی جرأت کا کام ہی نہیں تھا بلکہ شاہی سواری کے خلاف ایک بہت بڑا جرم بھی تھا۔ ملکہ نے دیکھا کہ چودہ برس کا ایک خوبصورت لڑکا دریا کنارے کھڑا بڑے شوق سے ملکہ کی سواری کو دریا میں سے گزرتے دیکھ رہا ہے۔ ایک دم فوج کا سپہ سالار آگے بڑھا اور اُس نے عنبر کو قتل کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی ہی تھی کہ ملکہ نے اُسے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔

"لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔"

عنبر کو ملکہ نفریتی کے حضور پیش کیا گیا۔ عنبر ابھی ملکہ نفریتی کا بیٹا تھا۔ مگر وہ اُس سے بے خبر تھی۔ ماں شاہی ملکہ کے لباس میں تھی اور بیٹا ایک معمولی کپڑوں میں ننگے پاؤں غلیل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ لیکن خون آخر خون ہوتا ہے۔ ماں کے خون نے ایک بار تو جوش مارا۔ وہ ٹکٹکی باندھے عنبر کی نیلی آنکھوں اور سیاہ ریشمی بالوں کو دیکھنے لگی۔ پھر بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو؟"

عنبر نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا:

"میں رجال اہرام بنانے والے کا بیٹا ہوں ملکہ"

"تم شاہی سواری کو دیکھ کر چھپے کیوں نہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ملکہ کی سواری کے وقت جو کوئی باہر ہو اُسے قتل کر دیا جاتا ہے؟"

"مجھے معلوم تھا ملکہ عالیہ"

"تو پھر تم مکان سے باہر کیوں آ گئے؟"

"ملکہ عالیہ کی شاہی سواری دیکھنے باہر آ گیا تھا"

"اور اگر تمہیں سپاہی قتل کر دیتے تو؟"

"میں اُن کا مقابلہ کرتا ملکہ عالیہ"

یہ ایک دلیرانہ جواب تھا۔ ملکہ کے خون نے ایک بار پھر جوش مارا۔ اِس قسم کا جواب مصر کا ایک عام لڑکا ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ ملکہ نفرتیتی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اتنے میں سپہ سالار نے جھک کر عرض کی:

"ملکہ عالیہ، محل میں آپ کا انتظار ہو رہا ہوگا"

ملکہ مصر جیسے خیالات سے چونک اُٹھی:

"ہاں، ہاں۔ شاہی سواری کو چلنے کا حکم دیا جائے"

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟"

"عنبر"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو"

عنبر نے جھک کر ملکہ کو سلام کیا اور واپس اپنے مکان میں آ گیا۔ شاہی سواری آگے چل پڑی۔ ملکہ نفرتیتی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اُسے اپنا بیٹا، اپنے جگر کا ٹکڑا یاد آ رہا تھا جس کو اُس نے قتل ہونے سے بچانے کے لیے دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ اُس کا بیٹا مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ وہ ضرور کسی نہ کسی ماہی گیر کے ہاں پرورش پا رہا ہے۔ ملکہ نے دس برس تک خفیہ طور پر اپنے بچّے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے پناہ کوششیں کی تھیں۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر جانے اُسے اپنے بچّے کا خیال آ گیا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ کہیں عنبر ہی اُس کا بیٹا تو نہیں؟

مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصر کا شہزادہ

●

عنبر مکان میں داخل ہُوا تو گوگوش نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

وُہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ پریشان نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا عنبر نے بھی تو کمال کر دیا تھا۔ وُہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر شاہی سواری کو دیکھنے باہر نکل گیا تھا؛ حالاں کہ اُسے معلوم تھا کہ اِس جُرم کی سزا موت ہے۔ اُس نے عنبر سے کہا:

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے تھے لڑکے؟ آخر یہ تمھیں کیا سُوجھی؟"

عنبر نے سینہ تان کر کہا:

"مَیں ملکہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"غضب خُدا کا، تمھیں معلوم نہیں تھا کہ وُہ لوگ تمھیں ہلاک کر دیں گے؟"

"معلوم تھا، مگر مَیں بھی مقابلے کے لیے تیار ہو کر گیا تھا۔"

"مگر تم اکیلے شاہی فوج کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے؟"

"کم از کم دو ایک کو تو ضرور مار کر مَرتا چچا!"

گوگوش نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے! ورنہ میں تمہارے باپ کو کیا منہ دکھاتا؟"

"چچا، شاہی فوج میں اتنی جرأت نہیں کہ مجھے مار سکے۔ میں بہادر لڑکا ہوں!"

گوگوش نے ہاتھ باندھ کر آنکھیں بند کر لیں اور خدا کا شکر ادا کیا کہ عنبر موت کے منہ سے بچ کر واپس آ گیا۔ پھر اس نے بڑے شوق سے پوچھا:

"اچھا، لڑکے یہ تو بتاؤ ملکہ نے تمہیں کیا کہا؟"

"ملکہ نے مجھ سے میرا نام پوچھا، باپ کا نام پوچھا اور کہا کہ میں مکان سے باہر کیوں نکل آیا ہوں؟"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا، آپ کی سواری دیکھنے نکل آیا تھا۔"

"پھر ملکہ نے کیا کہا؟"

"ملکہ نے کہا، اگر میرے سپاہی تمہیں قتل کر دیتے تو کیا ہوتا؟"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے یہی کہا کہ میں بہادری سے ان کا مقابلہ کرتا۔"

"پھر ملکہ کیا کہنے لگیں؟"

"پہلے تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر بولیں کہ تم بڑے بہادر لڑکے ہو۔ جاؤ واپس اپنے گھر چلے جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ربِ عظیم، تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو نے ملکہ کے دل میں رحم ڈال دیا۔ نہیں تو خدا جانے آج کیا ہو جاتا۔۔۔ اچھا لڑکے، اب یہاں سے اپنے گھر بھاگ جاؤ اور خبردار آئندہ ایسی جرأت پھر کبھی نہ کرنا۔"

عنبر نے غلیل لہراتے ہوئے ہنس کر کہا:

"میں تو پھر ملکہ کی سواری دیکھنے گھر سے نکل آؤں گا!"

"جاتا ہے یا نہیں بیوقوف کہیں کے؟ میں آج ہی تیرے باپ سے شکایت کروں گا۔"

"خدا حافظ چچا!"

عنبر ہنستا ہوا گوگوش کے مکان سے باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا اپنے لنگوٹیے دوست قہرمان کے ہاں پہنچا۔ قہرمان عمر میں عنبر سے دو سال بڑا تھا، یعنی سولہ برس کا تھا۔ وہ ایک پنیر بنانے والے کا بیٹا تھا۔ جب عنبر نے اسے بھی یہ بھیانک واقعہ سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور عنبر کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا:

"یہ کام تو تم نے وہ کیا کہ میں خود کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

"کیا ہے؟"

"یہ کہ میں ایک روز شاہی فوج کا کپتان بن جاؤں۔ میرے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں لوہے کا ہنٹر ہو۔ میں گھوڑے پر

سوار ہو کر غلاموں کے پاس جاؤں اور اُن کو زور زور سے ہنٹر ماروں۔"

عنبر نے کہا:

"مگر قہرمان غلاموں پر ظلم کرنا کوئی بہادری کی بات نہیں۔ مزا تو دشمن کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرنے میں آتا ہے۔"

قہرمان بولا:

"بھئی، میری تو یہی خواہش ہے اور تم دیکھنا ایک نہ ایک دن مَیں ضرور فوج کا کپتان بنوں گا۔"

"اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے قہرمان۔ ویسے تمہارا ڈیل ڈول اِتنا ہے کہ تم کپتان بن سکو۔"

"عنبر یاد رکھو، اگر مَیں بادشاہ کی فوج کا کپتان بن گیا تو تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھوں گا اور نیل کے کنارے ایک شان دار محل بنوا کر دوں گا۔"

"مجھے تمہارے بنوائے ہُوئے محل کی ضرورت نہیں قہرمان، میں اپنا محل خود بنواؤں گا۔"

"چلو ہم دونوں اپنے اپنے محل خود بنوائیں گے۔ اچھا، اب چلو دریا کنارے چل کر مچھلیاں پکڑتے ہیں۔"

دونوں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دریا کنارے چل پڑے۔

دوپہر کے کھانے پر عنبر اپنے ساتھ مچھلیاں لایا۔ ماں نے کہا:

"بیٹا، تم نے بڑی دیر کر دی۔ تمہارا باپ کب سے تمہارا انتظار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہا ہے۔"

عنبر دوسرے کمرے میں گیا تو اُس کا باپ رجال لکڑی کے کٹورے میں زیتون کا تیل ڈال رہا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھ کر پوچھا:

"اتنی دیر کہاں کر دی بیٹے؟"

"آبا، آج مَیں نے ملکہ مِصر سے باتیں کیں۔"

بوڑھے رجال کے ہاتھوں سے زیتون کے تیل کا کٹورا گرتے گرتے بچا۔

"کیا کہا؟"

"ہاں آبا، مَیں نے مصر کی ملکہ سے باتیں کی ہیں۔ اُس نے خود مجھے بُلایا تھا۔"

"یہ تُم کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟" عنبر کی ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہُوئے کہا۔

دونوں ماں باپ عنبر کی بات سُن کر سکتے میں آ گئے تھے۔ وُہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ملکہ ایک روز اپنے بیٹے سے گفتگو کر سکتی ہے۔ عنبر نے باپ اور ماں کو شاہی سواری کا سارا واقعہ سُنا دیا۔ دونوں بوڑھے میاں بیوی بڑے غور سے واقعے کا ایک ایک لفظ سُنتے رہے۔ عنبر کہہ رہا تھا:

"ملکہ نے مجھ سے پُوچھا، تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

بوڑھے رجال نے پریشان ہو کر پُوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر تم نے کیا جواب دیا ؟"

"میں نے کہا، میرے ابّو کا نام رجال ہے اور وہ اہرام بناتا ہے۔"

"ملکہ نے کیا کہا ؟"

"کچھ نہیں، وہ اصل میں میری بہادری پر بہت خوش تھی۔ پھر اُس نے مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔"

ماں نے کہا :

"ربِّ عظیم، تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تُو نے میرے بیٹے کی جان بچائی۔"

باپ نے پوچھا :

"ملکہ نے تم سے اور کچھ نہیں پوچھا ؟"

"بس میرا نام پوچھا اور پھر چُپ ہو گئیں۔"

"چُپ ہو گئیں ؟"

"ہاں ابّا جان، بالکل خاموش ہو گئیں۔ مجھے تو ایسے لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہیں۔ وہ میری طرف بڑے غور سے دیکھتی رہی تھیں۔"

"ملکہ عالیہ نے کچھ اور تو نہیں کہا ؟"

"اوں ہوں۔"

بوڑھے رجال نے اطمینان کا سانس لیا اور عنبر سے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا چلو، اب ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھا لو۔"

کھانے کے دوران میں بوڑھا رجال یہی سوچتا رہا کہ کہیں ملکہ عالیہ نے اپنے بیٹے کو پہچان تو نہیں لیا۔ اصل میں بوڑھا رجال نہیں چاہتا تھا کہ ابھی ملکہ اپنے بیٹے کو پہچانے۔ وہ چاہتا تھا کہ عنبر ذرا اور بڑا ہو جائے۔ پھر وہ خود اُس کو لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اُسے بتائے گا کہ عنبر اُس کا شہزادہ بیٹا ہے۔ اُسے پوری اُمید تھی کہ اِس کے عوض ملکہ عالیہ اُسے ڈھیر سارا انعام و کرام دے گی۔ دُوسری طرف اُسے یہ بھی خوف تھا کہ کہیں فرعون اُسے قتل ہی نہ کروا دے۔

اسی لیے بوڑھا رجال ابھی تک خاموش تھا۔ وہ کبھی کبھی یہ بھی سوچتا کہ فرعون کے مرنے تک اِس بھید کو چھپائے رکھنا چاہیے۔ فرعون مر جائے تو وہ بڑی آسانی سے ملکہ مصر کے سامنے اُس کے بیٹے کے راز کو افشا کر سکتا ہے۔ پھر عنبر کی زندگی محفوظ ہوگی۔ کھانے کے بعد عنبر سو گیا تو رجال نے اپنی بیوی سے کہا:

"کہیں ایسا تو نہیں ہُوا کہ ملکہ نے اپنے بیٹے کو پہچان لیا ہو؟"

بیوی نے کہا:

"بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ عنبر کی عمر ایک دن تھی کہ ملکہ نے اسے دریائے نیل کی لہروں پر بہا دیا تھا۔ چودہ برس بعد وہ اسے کیسے پہچان سکتی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر بھی مجھے ڈر ہے۔ اگر ملکہ نے اپنے بیٹے کو پہچان لیا ہے تو وہ ضرور اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر ملکہ نے عنبر کو ہم سے واپس لے لیا تو یقینی طور پر فرعون کو اِس کا علم ہو جائے گا اور وہ عنبر کے ساتھ ہی ساتھ ہم دونوں کو بھی قتل کروا دے گا۔"

رجال کی بیوی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر کہنے لگی:

"رجال! تم وہم کرنے لگے ہو۔ ملکہ اتنے برس گزر جانے پر عنبر کو کبھی نہیں پہچان سکتی۔"

"مگر وہ ماں ہے اور ماں کا خون جوش مار سکتا ہے۔"

فرض کریں، اگر عنبر کو اُس نے پہچان بھی لیا ہوگا تو وہ کبھی عنبر کو واپس محل میں بُلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اُسے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اِس طرح فرعون کو بیٹے کا پتا چل جائے گا اور وہ نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق اُسے فوراً قتل کروا دے گا اور کوئی عجب نہیں کہ وہ ملکہ کو بھی ساتھ ہی مروا دے۔"

"یہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بھی محتاط رہنا چاہیے۔"

"فکر نہ کرو، ربِ عظیم ہماری حفاظت کرے گا۔"

بوڑھے رجال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"کیا خیال ہے، میں عنبر کو لے کر ملکہ عالیہ کی خدمت میں حاضر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ ہو جاؤں ؟"

"کس لیے ؟"

"اُسے شاہی مُہر کے ساتھ اُس کی امانت واپس کرنے۔"

"خُدا کے لیے ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ اِس طرح حکہ اور عنبر سمیت ہم سب بادشاہ کے ظلم کا نشانہ بن جائیں گے۔"

"اِس کا مطلب ہے کہ ہمیں ہر حال میں فرعون کی مَوت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہاں، اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔"

اتنے میں پولکا غلام شکار کی ہُوئی مُرغابیوں اور اُبلی ہُوئی انجیروں کی ٹوکری لیے اندر آیا۔ رجال نے پُوچھا:

"یہ کہاں سے لائے ہو پولکا ؟"

پولکا نے بھینگی آنکھ پونچھ کر کہا:

"مرغابیاں تو مَیں نے ڈنڈا مار مار کر خود شکار کی ہیں اور انجیریں میں طوفون درزی کے باغ سے توڑ کر لایا ہُوں۔"

"کیا طوفون سے تم نے انجیریں توڑنے کی اجازت لے لی تھی ؟"

"پہلے اجازت نہیں لی تھی۔ مگر جب وُہ مجھے انجیریں توڑتے دیکھ کر باغ میں آگیا تو میں نے اُس سے معافی مانگ کر اجازت حاصل کرلی تھی۔"

"تمہیں ہزار بار سمجھایا ہے پولکا، کہ کبھی کسی کے باغ سے بغیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجازت کے پھل مت توڑا کرو۔ مگر تم باز نہیں آتے۔ تم ضرور کسی نہ کسی سے میری لڑائی کراؤ گے۔"

"میرے آقا، لوگوں کے باغ پھلوں سے لدے ہوئے دیکھ کر آپ کے غلام کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ میں بے تاب ہو کر باغ میں گھس جاتا ہوں اور پھل توڑنا شروع کر دیتا ہوں۔"

"اور اگر کسی نے تمہاری پٹائی کر دی تو؟"

"تو مار کھا کر معافی مانگ لوں گا۔ مگر ربِ عظیم کی قسم توڑے ہوئے پھل ہرگز واپس نہیں کروں گا۔ مار بھی کھاتا جاؤں گا اور پھل بھی کھاتا جاؤں گا۔"

"اچھا بابا، اب ہمارا سر نہ کھاؤ۔ جاؤ لے جاؤ یہ مرغابیاں اور انجیروں کو یہاں سے۔ اسے تم اکیلے ہی کھانا۔ میں چوری کا مال کھا کر اپنا بڑھاپا خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

غلام نے چونک کر کہا:

"میرے آقا آپ اسے چوری کا مال کہتے ہیں؟ حضور، یہ تو میری محنت کا پھل ہے۔ خدا کی قسم پورے ایک سو ایک ٹکے کھائے ہیں میں نے ان انجیروں کے لیے اور ایک بھی انجیر باغ کے مالک کو واپس نہیں کی۔"

"بھئی اب چلتے بھی جاؤ۔"

"جا رہا ہوں میرے آقا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصل میں بوڑھا رجال ملکہ مصر کی سواری والے واقعے کے سلسلے میں پریشان تھا اور وُہ غلام پورکا کی بک بک جھک جھک سُننے کو تیار نہیں تھا۔ غلام چلا گیا تو دُوسرے کمرے میں جا کر وُہ کھجُور کی چٹائی پر سوئے ہُوئے عنبر کو غور سے اور محبت سے دیکھنے لگا۔ نیلی آنکھیں، سیاہ ریشمی بال، تیکھا شاہی ناک۔ وُہ بالکل مصر کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ رجال دیر تک اُسے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھکائے واپس چل دیا۔ اُسے عنبر سے اپنے بیٹے کی طرح پیار تھا اور وُہ اُس کی جُدائی کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نفریتی

●

محل میں آکر ملکہ مصر نفریتی اپنے بچّے کے لیے اُداس ہوگئی۔

اُس نے اپنے بادشاہ فرعون عاطون کے ڈر سے اپنے بچّے کو دریا کے سپُرد تو کر دیا تھا، مگر وُہ اُسے ایک پل کے لیے بھی بھُلا نہ سکی تھی۔ اُس ننھی سی جان کو چھوٹی کشتی میں سوار کرا کر دریا میں بہا دینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وُہ کسی ماہی گیر کے ہاتھ لگ جائے اور اُسی کے گھر میں پرورش پائے۔ اگر ربِ عظیم کو منظور ہُوا تو کبھی نہ کبھی تو ماں کو اُس کا بچھڑا ہُوا بچہ مل ہی جائے گا۔ ظالم اور سنگ دل فرعون کے خوف سے ملکہ کھُل کر تو اپنے بچّے کو تلاش نہ کر سکتی تھی، لیکن اندر ہی اندر وُہ اِسی ٹوہ میں رہتی کہ کہیں سے اُسے اپنے بچّے کی خبر مل جائے۔ چودہ برس گزر گئے تھے اور ملکہ نفریتی اپنے بچھڑے ہُوئے جگر کے ٹکڑے کے لیے سُلگ رہی تھی۔ بھلا کون ایسی ماں ہے جو اپنے بچّے کو بھُلا دے۔ مَرے ہُوئے پر صبر آ جاتا ہے مگر اپنے ہاتھ سے جُدا کیے ہُوئے بچّے کو کون بھُلا سکتا ہے۔

ملکہ نفریتی کو اُمید تھی کہ ایک نہ ایک دن اُس کا بیٹا اُسے ضرور مل جائے گا۔ اُس کی راز دار صرف اُس کی ملازمہ شارمین تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شارمین نے ہی چودہ برس پہلے ننھے شہزادے کے لیے ننھی سی کشتی تیار کی تھی۔ اُس میں اُس کے لیے دُودھ کی بوتل، سونے کے سِکّے اور نرم نرم سرہانے رکھے تھے اور شاہی مُہر تکیے کے نیچے چھپا دی تھی۔ جس وقت ملکہ کی شاہی سواری دریائے نیل کی سیر سے واپس محل میں پہنچی تو شارمین نے دیکھ لیا تھا کہ ملکہ اپنے بچے کے لیے بے حد غمگین ہے۔ رجال کے بیٹے عنبر کے ساتھ ملکہ کی گفتگو اُس نے بھی سُنی تھی اور ملکہ کی اُداسی کو بھی خاص طور پر محسوس کیا تھا مگر وُہ خاموش رہی تھی۔ اِس لیے کہ اُسے اندیشہ تھا کہ ملکہ نفریتی بچے کے بارے میں گفتگو چھیڑنے سے اور پریشان نہ ہو جائے۔ محل میں آنے کے بعد ملکہ نے خواب گاہ میں سے تمام کنیزوں کو چلے جانے کا حکم دیا اور خود آرام دِہ مسہری پر لیٹ گئی۔ جب تمام کنیزیں چلی گئیں اور خواب گاہ بالکل خالی ہو گئی تو ملکہ نے شارمین سے کہا:

"شارمین!"

"حُکم ملکہ عالیہ!"

"تم نے اُس لڑکے کو دیکھا تھا جو آج ہماری سواری کی جھلک دیکھنے دریا کے کنارے آ گیا تھا؟"

"دیکھا تھا ملکہ عالیہ!"

"اُس کی شکل وصورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

شارمین نے عنبر کو بڑے غور سے دیکھا تھا اور کچھ اندازہ لگایا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اُس کی شکل شہزادے سے ملتی جُلتی ہے۔ لیکن چُونکہ اُسے یقین نہیں تھا اِس لیے وُہ ملکہ کے آگے ہامی نہیں بھر سکتی تھی۔ اُسے اپنی ملکہ کی صحت کا بھی بہت خیال تھا۔ وُہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اُس کی ملکہ ایک ایسے لڑکے کے لیے پریشان ہو جو ہو سکتا ہے شہزادہ نہ ہو! چنانچہ اُس نے بڑی عقل مندی سے کہا:

"شکل وصورت بھولی بھالی تھی ملکہ عالیہ اُس کی"

ملکہ نے سفید شاہین کے پَروں والے پنکھے کو پَرے پھینکتے ہُوئے کہا:

"ہمارا مطلب یہ نہیں شارہین، ہم تُم سے یہ پُوچھنا چاہتے ہیں ہیں کہ اُس لڑکے کی شکل ہمارے بچّے سے تو نہیں ملتی تھی؟"

"نہیں ملکہ عالیہ، مجھے تو محسوس نہیں ہُوا"

ملکہ نفریتی نے سرد آہ بھر کر کہا:

"پھر اُس لڑکے کو دیکھ کر ہمارے دل پر ہاتھ کیوں پڑا تھا؟ ہمارے خُون نے جوش کیوں مارا تھا؟"

شارہین نے جلدی سے کہا:

"یہ آپ کا وہم ہے ملکہ عالیہ، چُونکہ آپ ہر وقت بچّے کی یاد میں گُم رہتی ہیں"

"تو پھر میرا بچّہ کہاں ہے؟ مجھے بتاؤ شارہین، میرا ننھا شہزادہ کس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گھر میں پرورش پا رہا ہے؟ اب تو وہ بڑا ہو گیا ہوگا۔ اُس کی آنکھیں بھی تو نیلی تھیں؟"

"بجا ہے ملکہ عالیہ، شہزادے کی آنکھیں نیلی تھیں۔ مگر ہر نیلی آنکھوں والا بچہ تو شہزادہ نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن میرا شہزادہ کیوں نہیں مل رہا؟ میں اُس کی یاد میں چودہ برس سے تڑپ رہی ہوں۔ ابھی کتنی دیر مجھے اور تڑپنا ہوگا شارمین؟"

شارمین نے بڑے ادب سے کہا:

"رب عظیم پر بھروسہ رکھیں ملکہ عالیہ، ننھا شہزادہ ایک دن ضرور آپ کے پاس آ جائے گا۔"

"مگر وہ دن کب آئے گا شارمین؟"

"رب عظیم نے چاہا تو بہت جلد وہ دن آ جائے گا۔"

ملکہ نفرتیتی نے غم سے بوجھل سر نرم تکیوں پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ شارمین نے بلّور کی صراحی میں سے طیونس کے سینچے گلاب کے پھولوں کا عرق نکال کر ملکہ عالیہ کے پاؤں پر لگایا اور مور کے پَروں کے پنکھے سے ہوا کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب ملکہ کی طبیعت سنبھلی تو اُس نے شارمین کو دیکھ کر کہا:

"شارمین، تم میری بڑی ہی وفادار اور راز دار کنیز ہو۔ اس وقت میں تم سے ملکہ بن کر نہیں بلکہ ایک بچھڑے ہوئے بچے کی ماں بن کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ رہی ہُوں کہ مجھے میرا شہزادہ مِلا دو۔ اب مَیں اُس کی جُدائی میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

شازمین نے تسلّی دیتے ہُوئے کہا:

"گھبرائیے نہیں ملکہ عالیہ، شہزادہ بہت جلد آپ کو مِل جائے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وُہ آپ کے پاس آنے ہی والا ہے۔"

ملکہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وُہ اپنی کنیز شارمین سے اِس قِسم کی تسلّی کی باتیں چودہ برس سے سُن رہی تھی۔ اب اُس کا دل صبر سے بھر گیا تھا۔ اچانک اُس نے آنکھیں کھول کر کہا:

"دریا کنارے اناطول درویش رہتا ہے۔ اُس نے ایک بار کہا تھا کہ شہزادہ زندہ ہے اور ایک نہ ایک دن مجھے ضرور مل جائے گا۔ مَیں اُس کے پاس جا کر ایک بار پھر پُوچھنا چاہتی ہُوں کہ میرے جگر کا ٹکڑا مجھے کب آن ملے گا؟"

شارمین نے کہا:

"مگر ملکہ عالیہ، آپ کا وہاں جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"مَیں وہاں ضرور جاؤں گی۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی تو مَیں اکیلی اپنے بچّے کے لیے جاؤں گی۔"

شارمین نے ادب سے سر جُھکا کر کہا:

"جو حُکم ملکہ سلامت، مَیں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

شارمین نہیں چاہتی تھی کہ ملکہ اناطول درویش کے پاس جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا خطرہ مول ہے۔ کیونکہ اگر فرعون کو معلوم ہو گیا تو وہ ملکہ کے ساتھ ساتھ شارمین کی بھی گردن اُڑا سکتا تھا۔ مگر وہ ملکہ کے حکم کے آگے بھی سر نہ اُٹھا سکتی تھی۔ مجبوراً اُسے ہاں کرنی پڑی۔ اس لیے کہ ملکہ ایک ماں تھی اور ماں اپنے گم شدہ بچے کو تلاش کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتی۔

"ہم آج ہی رات اناطول درویش کے پاس چلیں گے۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ!"

آدھی رات کو ملکہ اور کنیز شارمین نے سیاہ لبادے سر سے پاؤں تک اوڑھے اور خواب گاہ سے نکل کر ایک خفیہ راستے سے ہوتی ہوئیں محل سے باہر نکل آئیں۔ یہاں ایک حبشی پہریدار دو سیاہ عربی گھوڑے لیے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی ملکہ اور شارمین محل سے باہر نکلیں، حبشی نے سر جھکا دیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور آدھی رات کے اندھیرے میں دریائے نیل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

حبشی محافظ اُن کے پیچھے پیچھے گھوڑے پر چلا آ رہا تھا۔ اس حبشی پہریدار کو کافی انعام دے کر شارمین نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اُسے صرف یہی بتایا گیا تھا کہ ملکہ کو سر درد رہتا ہے جس کا دَم کروانے وہ درویش اناطول کے پاس جا رہی ہیں۔ ملکہ اور شارمین کے سیاہ عربی گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ وہ بہت جلد دریائے نیل کے کنارے انجیر کے درختوں کے جھنڈوں کے پاس پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئیں۔ اُنھوں نے ذرا فاصلے پر گھوڑے حبشی محافظ کے حوالے کیے اور جھونپڑی کی طرف بڑھیں۔ اُس وقت درویش اناطول اپنی جھونپڑی میں بیٹھا خُدا کی عبادت کر رہا تھا۔ اناطول ایک بڑا پرہیزگار، عبادت گزار اور نیک درویش تھا۔ اُسے دُنیا کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ اُسے صرف خُدا اور اُس کی مخلوق سے پیار تھا اور اُن کے دُکھوں میں کام آنے کے لیے ہر وقت تیّار رہتا تھا۔ اتنے میں ملکہ نفریتی اور شارمین جھونپڑی کے دروازے پر پہنچ گئیں اُنھوں نے درویش اناطول کو عبادت کرتے دیکھا تو زمین پر دو زانو جُھک کر ادب سے بیٹھ گئیں۔ درویش اُن کی آمد سے بالکل بے خبر اپنے خُدا کی عبادت میں مصروف رہا۔ پھر جب وُہ فارغ ہُوا تو اُس نے پلٹ کر ملکہ اور شارمین کو دیکھا۔

اناطول درویش سمجھ گیا کہ وُہ اُس کے پاس کس لیے آئی ہیں۔ اُس نے اُسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وُہ ابھی ملکہ کو ہرگز نہیں بتائے گا کہ اُس کا بیٹا شہزادہ ایک محنت کش کے گھر عنبر کے نام سے پرورش پا رہا ہے۔ اس لیے کہ اناطول اسے ابھی مناسب خیال نہیں کرتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ جب تک فرعون زندہ ہے عنبر کے راز کو ظاہر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیوں کہ ملکہ سے یہ راز چھپایا نہیں جا سکے گا۔ وُہ ماں ہے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر کسی نہ کسی کو بتا دے گی کہ اُس کا بچّہ اُسے واپس مل گیا ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر فرعون شہزادے کو فوراً قتل کروا دے گا! چنانچہ درویش اناطول نے ملکہ کی طرف دیکھ کر کہا:

”خوش آمدید ملکہ عالیہ!“

ملکہ اور شارمین نے جھک کر آداب کیا اور کہا:

”اے خدا رسیدہ بزرگ، میں تمہارے پاس اپنے دل کے غم کو دُور کرنے آئی ہوں۔“

درویش نے کہا:

”ملکہ، اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں ضرور تمہاری خدمت کروں گا۔ مجھے تو انسانوں کی خدمت کر کے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ کہو تم کیا سوال لے کر اِس فقیر کی جھونپڑی میں آئی ہو؟“

ملکہ نے سردِ آہ بھر کر کہا:

”اے خدا رسیدہ درویش، آپ نے ایک بار کہا تھا کہ میرا بچہ زندہ ہے اور وہ مجھے ایک نہ ایک دن ضرور مل جائے گا۔“

”ہاں، میں نے کہا تھا۔“

”کل میں اپنے شاہی بجرے میں بیٹھی دریا کی سیر کر رہی تھی کہ میں نے ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں نیلی تھیں اور بال سیاہ تھے۔ اُسے دیکھ کر میرے خون نے جوش مارا اور میری مامتا بیدار ہوگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا شہزادہ ہے۔ اے نیک درویش، مجھے بتاؤ کہ وہ میرا بیٹا تو نہیں؟“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درویش اناطول کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وُہی ملکہ کا بیٹا ہے۔ وہی ملک مصر کا شہزادہ ہے۔ لیکن وُہ ابھی اِس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اِسی میں خُدا کی مرضی بھی تھی اور اِسی میں ملکہ مصر، شہزادہ اور عنبر کے ماں باپ کی بھلائی تھی۔ اس نے کہا :

"مَیں ابھی عالم جذب میں جا کر تمہیں بتاتا ہُوں۔"

اس کے ساتھ ہی اناطول درویش نے آنکھیں بند کر لیں اور جیسے عالم جذب میں گُم ہو گیا۔ کافی دیر آنکھیں بند کیے سر جُھکاتے رکھنے کے بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ ملکہ نے بے تابی سے پُوچھا :

"کیا حُکم ہُوا اے نیک دل انسان ؟"

درویش نے گہری اور پُراَسرار آواز میں کہا :

"ابھی تمہارا شہزادہ تمہیں نہیں ملے گا ملکہ، تمہیں کچھ عرصہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔"

ملکہ کا چہرہ اُتر گیا۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا :

"حضور اتنا فرما دیجیے کہ کیا میرا شہزادہ زندہ سلامت ہے ؟"

درویش اناطول نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے کے بعد آنکھیں کھول کر کہا :

"ہاں ملکہ عالیہ، تمہارا شہزادہ زندہ ہے اور بڑی اچھی جگہ پر پرورش پا رہا ہے۔"

ملکہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کہاں ہے حضور؟"

"یہ بتانے کا مجھے ربِ عظیم کی طرف سے حکم نہیں ہے ملکہ، اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ تمہیں مِل جائے گا اور ماں کا کلیجہ بیٹے کے ملاپ سے ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

ملکہ نفریتی نے سانس بھر کر اُداس آواز میں پُوچھا:

"ابھی بدنصیب ماں کو کتنا انتظار کرنا ہوگا حضور؟"

"بہت تھوڑا عرصہ ملکہ، بہت تھوڑا عرصہ۔"

شارمین نے آہستہ سے ملکہ کے کان میں کہا کہ کوئی دم میں دن کا اُجالا پھیلنے والا ہے۔ اِس لیے اُنہیں جلدی واپس محل پہنچ جانا چاہیے۔ ملکہ نے سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی درویش کے قدموں میں رکھ کر کہا:

"یہ ایک حقیر نذر ہے حضور!"

درویش اناطول نے سونے کے سکوں کی تھیلی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤ ملکہ، ہمارے لیے سونا اور مٹی ایک برابر ہے۔"

ملکہ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"حضور، گستاخی معاف، یہ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔"

درویش نے ذرا تلخ لہجے میں کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم اپنی خوشی کے لیے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتیں ملکہ، اس مٹی کی تھیلی کو یہاں سے اٹھا کر واپس محل میں لے جاؤ۔ یہ سونے کے سانپ محل کے اندر ہی پھنکارتے اچھے لگتے ہیں"

ملکہ نے شادین کو اشارہ کیا۔ اُس نے سونے کی تھیلی اُٹھالی۔ ملکہ نفریتی نے ہاتھ باندھ کر ادب سے سلام کیا اور جھونپڑی سے باہر نکل آئی۔ کچھ دُور انجیر کے درختوں تلے حبشی غلام سیاہ گھوڑے لیے اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ شادین نے ٹھیک کہا تھا۔ آسمان پر دن کا اُجالا پھیلنے والا تھا اور اُنہیں بہت جلد واپس محل میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور گھوڑوں کی باگیں ڈھیل چھوڑ دیں۔

عربی گھوڑے محل کی طرف بھاگنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُر اَسرار مُلاقات

●

ملکہ کے جانے کے بعد درویش اناطول فکر مند ہو گیا۔

چودہ برس کے طویل انتظار کے بعد ملکہ مصر ایک ماں کی طرح آج پہلی بار اپنے بچھڑے ہوئے بچے کے لیے پریشان ہوئی تھی اور اس کی وجہ سوائے اِس کے اور کچھ نہیں تھی کہ اُس نے دریائے نیل کے کنارے عنبر کو دیکھ لیا تھا جو حقیقی معنوں میں اُس کا بیٹا تھا۔ درویش اناطول نے محسوس کیا کہ ملکہ اب حد سے آگے گزر جائے گی۔ وُہ ہر قیمت پر یہ معلوم کروانے کی کوشش کرے گی کہ عنبر کون ہے اور رجال کے گھر میں وُہ کیسے آیا تھا؟ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وُہ اِس راز پر سے پردہ اُٹھانے میں کامیاب ہو گئی۔ تو وہ عنبر کو حاصل کرے گی۔ ہو سکتا ہے وُہ اُسے اپنے ساتھ محل میں لے جائے اور خفیہ طور پر اُس کی پرورش کرے۔ لیکن فرعون کا محل اُس کے جاسوسوں سے بھرا ہُوا تھا۔ یہ بات وہاں کسی سے بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ جُوں ہی فرعون کو پتا چلا کہ اُس کی جان کا دشمن شہزادہ اُس کے محل کے اندر ہی پروان چڑھ رہا ہے تو وُہ اُسے ہلاک کروا دے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ رجال اور اُس کی اُدھیڑ عمر بیوی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی قتل کروا دے۔

رجال یہ سوچ کر پریشان ہو گیا۔ فرعون کی موت تک اِس راز کو چھپائے رکھنا بہت ضروری تھا۔ رجال کو معلوم تھا کہ ملکہ اب رجال کے گھر جا کر عنبر سے باتیں کرنے اور تحقیقات کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ رجال سے مِل کر اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دے گا۔ وہ دن چڑھنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سُورج کافی نکل آیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ رجال اہرام مصر پہنچ چکا ہو گا تو وُہ جھونپڑی سے روانہ ہو گیا۔

گرمی صُبح ہی سے پڑنے لگی تھی اور مصر کے صحرا کے سُورج میں تپش تھی۔ مگر درویش اناطول اِس تپش کا عادی تھا۔ ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ اُس جگہ پہنچ گیا جہاں رجال اہرام مصر کی تعمیر کا کام کر رہا تھا۔ اُس نے ایک غلام کے ہاتھ پیغام بھجوایا تو رجال کپڑے سے ہاتھ پونچھتا ہُوا اہرام کے غار سے باہر آ گیا۔ وُہ اپنے سامنے درویش اناطول کو دیکھ کر بولا:

"آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ مجھے حکم کر دیتے، مَیں خود آپ کے ہاں حاضر ہو جاتا۔"

درویش نے کہا:

"رجال کام ہی ایسا تھا کہ ہمیں خود تمہارے پاس آنا پڑا۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ ہم کھجوروں کے سائے میں بیٹھ کر بات کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جیسے آپ فرمائیں!"

وہ دونوں قریب ہی کھجُوروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ رجال کو معلوم تھا کہ اناطول عنبر کے بارے میں سب کُچھ جانتا ہے۔ درویش اناطول نے بیٹھتے ہی کہا:

"میرے پاس رات ملکہ مصر آئی تھیں!"

رجال چونک اُٹھا:

"کیا فرمایا سرکار! ملکہ مصر نفرتیتی آپ کے پاس تشریف لائی تھیں؟"

"ہاں رجال، میری بات غور سے سُنو!"

رجال ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔ درویش اناطول نے کہا:

"مَیں جانتا ہُوں، عنبر سے تم کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح پیار ہے اور تم اُس کی جُدائی گوارا نہیں کر سکتے!"

"حضور، مَیں نے عنبر کو اپنا بیٹا سمجھ کر پالا ہے۔ اگر اُسے کُچھ ہو گیا تو میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑے گی!"

"اِسی لیے تو مَیں خود چل کر تمہارے پاس آیا ہُوں۔ جو کُچھ مَیں کہہ رہا ہُوں اُسے غور سے سُنو۔ ملکہ نفرتیتی نے جب سے عنبر کو دیکھا ہے اُسے شک ہو گیا ہے کہ وُہی اُس کا بیٹا ہے اور اب وُہ ہر ممکن طریقے سے عنبر کے بارے میں تحقیق کرنے کے بعد اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ جب کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک کی ملکہ کوئی کوشش کرے تو وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے۔"

رجال نے پریشان ہو کر کہا:

"مگر حضور! میں اور عنبر کی ماں بچے کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے۔"

"تم جدائی کو رو رہے ہو رجال۔ مجھے عنبر اور تم دونوں میاں بیوی کی زندگی خطرے میں محسوس ہو رہی ہے۔"

رجال چونک پڑا۔

"وہ کیسے حضور؟"

"وہ ایسے کہ اگر ملکہ نفرتیتی کو پتا چل گیا کہ عنبر ہی اس کا بیٹا ہے تو وہ اسے تمہارے گھر سے لے جائے گی۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گی۔ عنبر شاہی محل میں رہے گا اور شاہی محل میں یہ راز زیادہ دیر تک راز نہ رہ سکے گا کہ عنبر فرعون کا بیٹا ہے، اور فرعون کے بیٹے کے بارے میں سب کو علم ہے کہ نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق وہ اپنے باپ کو قتل کر دے گا۔ پس فرعون یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کا قاتل اس کی گود میں پروان چڑھے۔ وہ عنبر کے ساتھ ان لوگوں کو بھی تیروں سے چھلنی کروا دے گا جنہوں نے عنبر کی پرورش کی تھی۔"

رجال نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا:

"آپ صحیح فرما رہے ہیں میرے آقا۔ اب اس کا کچھ علاج بھی فرمایئے، میں کیا کروں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درویش اناطول سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اُس نے نظریں اُٹھا کر کہا:

"اِس مُشکل مسئلے کا ایک ہی حل ہے اور وُہ یہ کہ تم کسی نہ کسی طرح کچھ عرصے کے لیے عنبر کو اپنی بہن کے ہاں مُلک شام بھجوا دو۔ جب حالات موافق ہو جائیں گے تو اُسے واپس بُلا لینا۔"

"بہت بہتر حضور، میں ایسا ہی کرتا ہُوں!"

"ایک بات کا دھیان رکھنا۔ اگر تم سے کوئی بھی پُوچھے کہ عنبر کہاں ہے تو تم نے یہی مشہور کر دینا ہے کہ وُہ تم کو چھوڑ کر خدا جانے کہاں چلا گیا ہے بلکہ کچھ روز تم نے اُس کے غم میں جھوٹ موٹ بیمار بھی پڑ جانا ہے!"

"ایسا ہی ہوگا میرے آقا!"

"بس مجھے یہی کہنا تھا۔ اب میں جاتا ہُوں۔ تم کل ہی عنبر کو شام کی طرف روانہ کر دو اور اُس کے جاتے ہی مشہور کر دو کہ عنبر تمہیں چھوڑ کر گھر سے بھاگ گیا ہے!"

"بہتر حضور!"

اِس کے بعد درویش اناطول واپس اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہوگیا۔

ریحان نے اُسی وقت درویش اناطول کی تجویز پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ عنبر اس کے ساتھ ہی اہرام کے سب سے پچھلے غار میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام کر رہا تھا۔ وُہ نیچے آیا تو عنبر نے پُوچھا :

"ابا جان، اُوپر کس سے باتیں کر رہے تھے ؟"

رجال نے اصل بات چھپاتے ہُوئے کہا :

"شاہی محل سے ایک ہرکارہ یہ کہنے آیا تھا کہ سنگ مرمر کا چبوترہ زیادہ اُونچا نہ بنایا جائے۔ مَیں اُس سے چبوترے کی نئی پیمائش لے رہا تھا"

عنبر نے سنگ مرمر پر چھینی چلاتے ہُوئے کہا :

"ان بادشاہوں کے سر میں کیا سودا سما گیا ہے کہ وُہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ چبوترہ اگر زیادہ اُونچا نہیں ہوگا تو بھلا اِس سے کیا فرق پڑے گا"

رجال نے کہا :

"ایسا نہ کہو بیٹے، ہم بادشاہ کے غلام ہیں۔ ہمیں جو حکم ملے اُس پر عمل کرنا ہے، بس"

شام کو کام سے فارغ ہو کر دونوں باپ بیٹا اور غلام پولکا گھر پہنچے تو کھانا تیار تھا۔ پولکا نے سُونگھتے ہُوئے کہا :

"اماں نے آج معلوم ہوتا ہے مگرمچھ پکایا ہے ؟"

عنبر کی ماں نے لکڑی کی ڈوئی اُس کے ہاتھ پر مار کر کہا :

"کبھی زبان کو بند بھی رکھا کرو پولکا۔ آج تو مَیں نے مرغابی چاول بنائے ہیں"

"رب عظیم کی قسم مُرغابی چاول تو میرا من بھاتا کھاجا ہے"

غلام پولکا نے خوش ہو کر کہا:

کھانے کے بعد غلام پولکا انگوروں کی گوڈی کرنے چلا گیا۔

رہبال نے ساری بات اپنی بیوی کو بتا دی۔ وہ پہلے تو بڑی پریشان ہوئی۔ پھر اُس نے بھی درویش اناطول کی تجویز کو پسند کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں عنبر کو جلد سے جلد شام کی طرف روانہ کر دینا چاہیے"

"میں آج ہی عنبر سے بات کروں گا۔ وہ بھی کئی دن سے کہہ رہا ہے کہ میں کام کرتے کرتے تھک گیا ہوں"

رات کو جب باپ بیٹا سونے لگے تو رہبال نے عنبر سے بات شروع کر دی۔ اُس نے اُسے کہا کہ وہ چاہتا ہے، عنبر کچھ دیر کے لیے ہوا بدلی کے واسطے اُس کی بہن کے پاس ملک شام چلا جائے۔ عنبر نے خوش ہو کر کہا:

"ابا جان، آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں تو کئی روز سے چاہ رہا تھا کہ کہیں سیر و تفریح کے لیے نکل جاؤں۔ اہرام کے ٹھنڈے نم آلود مقبروں نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے"

"تو پھر بیٹا عنبر میری طرف سے بے شک تم صبح ہی سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تم چاہو تو پولکا تمہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا"

"مگر ابا جان، آپ اکیلے کیسے کام کریں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم میری فکر نہ کرو بیٹے، کام تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ تمہاری صحت پر کام کا بُرا اثر نہ پڑے۔ کچھ عرصہ شام میں رہ کر تم پھر سے تروتازہ اور شگفتہ ہو جاؤ گے۔ میں بہن کے نام ایک خط تمہیں ساتھ کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے ابا جان، مَیں کل صبح سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

رجال نے ربّ عظیم کا شکریہ ادا کیا کہ اِتنا مشکل مرحلہ اتنی آسانی سے طے ہو گیا تھا۔ اُسے عنبر کی ضدی عادت سے ڈر تھا کہ کہیں وُہ انکار نہ کر دے۔ مگر اُس نے تو خوشی کا اظہار کیا تھا اور کل صبح وُہ سفر پر روانہ بھی ہو رہا تھا۔ رجال کو یُوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے اُس کے سینے پر سے پتھر کی بھاری سِل اٹھا کر پرے پھینک دی ہے۔ اب وہ عنبر کی زندگی کی طرف سے مطمئن تھا۔ یہ اُس کی قسمت تھی کہ ربّ عظیم نے اُسے ایک ایسے بیٹے کا باپ بنا دیا تھا جو اُس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ فرعونِ مصر کی اولاد تھی اور بادشاہوں کی سازشوں سے وُہ پُوری طرح واقف تھا۔ شاہی محلوں میں باپ یا بیٹے کو زہر دے کر ہلاک کر دینا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ لیکن رجال ایک محنت کش انسان تھا۔ ایک غریب مزدور تھا۔ اُس کی زندگی کی ساری کمائی اولاد کی محبّت تھی۔ وہ اولاد کا غم برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عنبر کو ملک شام کی طرف بھجوانے کے فیصلے سے بہت خوش تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دُوسری جانب عنبر بھی خلافِ توقع سفر پر روانہ ہونے کو بے تاب تھا۔

وُہ منہ اندھیرے ہی اُٹھ بیٹھا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ پولکا بھی آنکھیں مَلتا ہوا جاگ پڑا۔ وُہ زیادہ دیر تک سوتے رہنے کا عادی تھا اور جلدی جگا دیے جانے پر بڑبڑ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"میرے آقا! کیا یہ سفر کل شام تک کے لیے ملتوی نہیں ہو سکتا؟"

رجال نے اُسے ڈانٹ کر کہا:

"بکواس بند کرو پولکا!"

پولکا دُبک کر خاموش ہو گیا۔ رجال تو یہ کبھی گوارا ہی نہیں کر سکتا تھا کہ عنبر کے ذہن میں ایک پَل کے لیے بھی سفر کو ملتوی کر دینے کا خیال پیدا ہو۔ ربِّ عظیم کا شکر تھا کہ وُہ بڑے انہماک سے تیاریوں میں لگا ہُوا تھا۔ عنبر کی ماں نے اُس کے کپڑے ایک تھیلے میں رکھ دیے۔ راستے کے لیے اُسے بزنخ کا بھُنا ہُوا گوشت ساتھ کر دیا۔ پولکا گھوڑوں کو چارہ ڈال کر اُن کی مالش کر رہا تھا اور بڑبڑائے جا رہا تھا۔

سُورج نکلنے سے پہلے دونوں گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ باپ نے عنبر کو سینے سے لگایا۔ ماں نے سر پر ہاتھ پھیر کر ماتھا چُوما اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا:

"بیٹے، ربِ عظیم تمہارا سفر حفاظت سے طے کرائے۔"

"بیٹا، راستے میں پڑاؤ کرتے جانا۔"

"فکر نہ کریں ابّا جان، میں بڑے آرام سے شام پہنچ جاؤں گا۔"

رجال نے پورکا کے کان کھینچ کر کہا:

"پورکا، عنبر کی حفاظت اور آرام کا خاص خیال رکھنا اور منزل پر پہنچا کر فوراً واپس آکر ہمیں خیریت کی اطلاع دینا۔"

"جو حکم میرے آقا، مگر برائے مہربانی میرے کان چھوڑ دیجیے۔"

عنبر نے گھوڑے پر سوار ہو کر کہا:

"خدا حافظ ابّا جان، خدا حافظ امّی جان۔"

"خدا حافظ بیٹے۔"

عنبر اور پورکا نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور دونوں تازہ دم گھوڑے خوشی سے ہنہناتے ہوئے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ رجال اور اُس کی بیوی عنبر کو اُس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ اُنہیں نظر آتا رہا۔ آخر جب دونوں گھوڑے ریت کے ٹیلوں کے پیچھے غائب ہو گئے تو وہ مکان کے اندر آ گئے۔ رجال نے سکھ کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا:

"عنبر ایک بہت بڑی آفت سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اب ہمیں ہر ایک کو یہی بتانا ہے کہ عنبر کسی بات سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر چلا گیا ہے اور پولکا کو ہم نے اُس کی تلاش میں روانہ کیا ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

اُس روز رجال جھوٹ موٹ بہانہ بنا کر عنبر کے غم میں بستر پر لیٹ گیا۔ سارے محلّے میں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ عنبر کسی بات پر جھگڑ کر باپ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا ہے۔ لوگوں نے رجال کے گھر آ کر اُس سے ہمدردی کا اظہار کیا اور تسلّی دی کہ ربِ عظیم اُس کے بچھڑے ہوئے بیٹے کو جلد ملا دے گا۔ رجال نے بڑی اچھی اداکاری کی اور وہ ہمسایوں کے سامنے جھوٹے آنسو بھی بہاتا رہا۔ جب سب لوگ اور عورتیں چلی گئیں تو دونوں میاں بیوی مسکراتے ہوئے بستروں سے اُٹھ کر باورچی خانے میں گئے اور جی بھر کر کھانا کھا کر سو گئے۔

آدھی رات گزر چکی تھی کہ رجال کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اُس نے بیوی کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود اُٹھ کر مکان کی ڈیوڑھی میں آ کر بولا:

"کون ہے باہر؟"

باہر سے کسی عورت کی آواز آئی:

"دروازہ کھولو، ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

رجال کا دل دھڑک اُٹھا کہ آدھی رات کو یہ عورت کون اُس سے ملنے آئی ہے۔ اُس نے دروازہ کھولا تو ایک عورت جس کا رنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گورا تھا اور سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی اندر آ گئی۔ رجال نے اُسے کمرے میں لے جا کر کھجور کے مونڈھے پر بٹھایا۔ اور کہا:

"محترم بہن، آپ نے آدھی رات کے وقت اتنی تکلیف کیوں اُٹھائی؟"

یہ پُر اسرار سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی عورت جو رات کے اندھیرے میں رجال کے گھر آئی تھی، ملکہ مصر نفریتی کی خاص کنیز شارمین تھی۔ ملکہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عنبر کو رات کے وقت خفیہ طور پر اپنے محل میں بلائے گی اور پوچھے گی کہ وہ کون ہے اور رجال کے گھر کیسے آیا تھا۔ لیکن اُسے شام ہی کو معلوم ہو گیا کہ عنبر گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اُسے خیال آیا کہ شاید رجال نے جان بوجھ کر اُسے بھگا دیا ہے۔ مگر اُس کے جاسوس حبشی نے آ کر اطلاع کی کہ عنبر کے باپ کا غم سے بُرا حال ہے اور وہ بستر پر بیمار پڑا ہے۔ ملکہ نے رات کو حبشی غلام کے ہمراہ شارمین کو صحیح صورت حال معلوم کرانے کے لیے رجال کے گھر بھیجا تھا۔

شارمین نے مونڈھے پر بیٹھتے ہی کہا:

"سنو رجال، میں ملکہ مصر نفریتی کی طرف سے تمہارے پاس یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ عنبر کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رجال سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ جس کا اُسے اندیشہ تھا وہی بات ہو کر رہی تھی۔ اُس نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ عین وقت پر وہ عنبر کو گھر سے بھگا چکا تھا۔ رجال نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"نیک دل بہن، عنبر میرے دل پر جُدائی کا داغ لگا کر گھر سے چلا گیا ہے۔ وہ کام سے جی چرانے لگا تھا۔ پرسوں مَیں نے اُسے سب کے سامنے ڈانٹ دیا۔ بس اِس کا اُس نے بُرا مانا اور کل وہ گھر سے فرار ہو گیا۔ اُس کے غم میں میرا اور اُس کی ماں کا بُرا حال ہو رہا ہے۔"

شارین کو یقین سا آ گیا کہ رجال سچ کہہ رہا ہے۔ اُس نے پُوچھا:

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ عنبر بھاگ کر کِدھر گیا ہو گا؟"

"مَیں کیا عرض کر سکتا ہُوں اچھی بہن، میرا تو کوئی رشتے دار بھی کہیں نہیں ہے۔ ربِ عظیم میرے لختِ جگر کو جلدی واپس لائے، نہیں تو اُس کی ماں تو غم سے مر جائے گی۔ مگر نیک دل بہن، ملکہ عالیہ نے اِس غریب کے بچے کو کس لیے یاد کیا تھا؟"

اب شارین نے جھوٹ بولتے ہُوئے کہا:

"سپہ سالار کو غصہ تھا کہ اُس روز تمہارے بیٹے نے شاہی سواری کے گزرنے کے وقت باہر نکل کر گستاخی کیوں کی۔ ملکہ کو معلوم ہُوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ سپہ سالار عنبر کو مَروانا چاہتا ہے تو اُنہیں فکر ہُوئی اور مُجھے بھیجا کہ معلوم کروں کہ عنبر محفوظ ہے؟"

رجال سمجھ گیا کہ شارین جُھوٹ بول رہی ہے۔ وُہ دونوں ہی جُھوٹ بول رہے تھے۔ مگر دونوں ایک دُوسرے کے جھوٹ سے بے خبر تھے۔ رجال نے شارین سے کہا کہ وُہ ملکہ عالیہ کا اُس کی طرف سے شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے اُس کے بیٹے کا اتنا فکر کیا۔ پھر وُہ رونے لگا۔ شارین نے اُسے تسلی دی اور جلدی سے باہر نکل گئی۔ کھجور کے درختوں تلے حبشی غلام گھوڑے لیے انتظار کر رہا تھا۔ شارین گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں گُم ہو گئی۔ رجال نے بیوی کو جگا کر ساری بات بتائی تو اُس نے بھی ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ عنبر کی جان بچ گئی تھی اور وُہ مصر سے نکل گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شام کا سفر

●

ملکہ مصر کو عنبر کے گھر سے بھاگ جانے کا بڑا صدمہ ہُوا۔ اُس کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ وُہ عنبر کو اپنے شاہی محل میں بُلا کر وُہ نشانیاں دیکھنا چاہتی تھی جو اُس کے ننھے بچے کے جسم پر تھیں۔ خاص طور پر وُہ شاہی مُہر کے بارے میں اُس سے دریافت کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی عنبر گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ملکہ نفریتی کو اب یقین ہو گیا تھا کہ عنبر ہی اُس کا بیٹا ہے۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ عنبر کے باپ رجال کو بُلا کر پُوچھے کہ یہ بچہ اُس نے کہاں سے حاصل کیا تھا۔ بس خیال کے ساتھ ہی اُس نے شازین کو دُوسری بار وہاں روانہ کیا اور تاکید کی کہ رجال کو ساتھ لے کر آئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رجال ملکہ کے محل میں اُس کے حضور کھڑا تھا۔ ملکہ نے بڑی مروّت سے کہا:

"رجال، ہم تُم سے ایک نہایت راز کی بات پُوچھنے والے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ تُم مُنہ سے جھُوٹ نہیں بولو گے۔"

"ضرور پُوچھیے ملکہ عالیہ۔"

"یہ بتاؤ کہ عنبر تمہارا لڑکا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ملکہ عالیہ، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عنبر میرا ہی بیٹا ہے۔ یہی ایک میری اولاد ہے۔ آج سے پندرہ برس پہلے وہ میرے ہاں پیدا ہوا تو میں نے دیوتاؤں کے حضور قربانی پیش کی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے رجال کہ عنبر تمہارا ہی بیٹا ہے؟"

"مجھے بالکل اسی طرح یقین ہے ملکہ عالیہ جس طرح میں آپ کے حضور کھڑا ہوں۔"

"تم جا سکتے ہو رجال۔"

رجال کے جانے کے بعد ملکہ کا دماغ دو قسم کے خیالات میں اُلجھ گیا۔ کبھی اُسے خیال آتا کہ رجال جھوٹ بول رہا ہے اور عنبر اُس کا بیٹا نہیں بلکہ مصر کا شہزادہ ہے اور کبھی اُسے یہ وہم گھیر لیتا کہ ہو سکتا ہے کہ عنبر مصر کا شہزادہ نہ ہو۔ اُس نے شارمین سے مشورہ طلب کیا۔ شارمین نے کہا:

"ملکہ عالیہ، اِس کا فیصلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ عنبر یہاں موجود ہو اور ہم اُس کی نشانیاں دیکھیں۔ مجھے یاد ہے شہزادے کے دائیں بازو پر سیاہ تل کا نشان تھا۔"

"مگر عنبر تو مصر سے نکل چکا ہے۔ خود رجال کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے رجال جھوٹ بول رہا ہو۔"

"یہ کیوں کر معلوم ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ابھی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ ایک کنیز نے آ کر عرض کی کہ حبشی غلام زمردِ شرفِ باریابی چاہتا ہے۔ ملکہ نے اُسے اندر بھجوانے کا اشارہ کیا۔ زمرد حبشی ملکہ مصر کا خاص غلام تھا اور وہ اُس کے لیے محل کے اندر جاسوسی کرتا تھا اور اُسے دشمنوں کی سازشوں سے باخبر رکھتا تھا۔ ملکہ نے پہلے ہی روز سے حبشی زمرد کو عنبر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے کام پر لگا رکھا تھا۔

زمردِ حبشی نے اندر آ کر جھک کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے پوچھا:

"زمرد کیا خبر لائے؟"

زمرد حبشی بولا:

"ملکہ عالیہ کا اقبال بلند ہو۔ میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ عنبر اِس وقت ملک شام کی طرف سفر کر رہا ہے۔"

ملکہ نے بے تابی سے کہا:

"کیا یہ خبر پکی ہے زمرد؟"

"ملکہ عالیہ، میری اطلاع کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔"

ملکہ نے مسہری پر سے اُٹھ کر کہا:

"زمرد، فوراً اپنے ساتھ دو آدمی لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہو جاؤ اور عنبر کو حاصل کر کے ہمارے حضور پیش کرو۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور سُنو، عنبر کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"بہتر ملکہ عالیہ۔"

زمرد حبشی نے جُھک کر تین بار سلام کیا اور خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔ اُس کے جاتے ہی ملکہ نے خوش ہو کر شارمین کی طرف دیکھا:

"شارمین، ربِ عظیم کی مرضی یہی ہے کہ مجھے میرا بچھڑا ہُوا بچہ مل جائے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ملکہ عالیہ، زمرد عنبر کو ضرور لے آئے گا۔"

"زمرد برق رفتار شاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر تعاقب کرے گا وُہ ضرور عنبر کو راستے میں پکڑ لے گا۔"

"ربِ عظیم نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔"

زمرد حبشی نے فوراً شاہی اصطبل سے برق رفتار عربی گھوڑے نکلوا کر اُن پر زین کسی۔ اپنے ساتھ دو آدمی لیے اور ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ وُہ سارا دن گھوڑوں پر سفر کرتے رہے۔ شام کے وقت اُنہوں نے راستے میں ایک جگہ نہر کنارے پڑاؤ کیا اور گھوڑوں کو پانی پینے اور گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ ایک پہر آرام کرنے کے بعد وُہ رات کے اندھیرے میں دوبارا اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ صحرا کے آسمان پر ستارے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے اور ان کی ہلکی ہلکی روشنی میں صحرا کی ریت دُھندلی نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ رہی تھی۔ زمرد سارے راستوں سے باخبر تھا۔ وہ ان راستوں پر کئی بار سفر کر چکا تھا۔ عنبر اُس سے ایک رات اور ایک دن آگے نکل چکا تھا۔ اِس لیے وہ چاہتا تھا کہ آرام کیے بغیر سفر کر کے یہ فاصلہ پُورا کرے اور عنبر کو شام پہنچنے سے پہلے ہی جا لے۔

اب ہم عنبر اور اُس کے غلام پولکا کی طرف آتے ہیں۔

انہیں مصر کے صحراؤں میں سفر کرتے ہُوئے ایک دن اور ایک رات ہو گئی تھی۔ پہلی رات انہوں نے بالکل آرام نہ کیا۔ وہ جلد از جلد مصر کی سرحدوں سے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن دوسری رات آئی تو وُہ بے حد تھک چُکے تھے۔ گھوڑوں کا بھی تھکن سے بُرا حال تھا۔ دُور ریت کے ٹیلوں کے درمیان اُنہیں روشنی ٹمٹماتی نظر آئی۔

پولکا نے کہا:

"میرے آقا' دن رات سفر کرتے کرتے تو میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ کیوں نہ یہ رات کسی سرائے میں بسر کی جائے؟"

عنبر نے ریت کے ٹیلوں کی روشنی کی طرف دیکھ کر کہا،

"میں بھی تھک گیا ہُوں۔ سامنے ضرور کسی سرائے کی روشنی ہے چل کر معلوم کرتے ہیں۔ اگر یہ سرائے ہُوئی تو رات وہیں بسر کریں گے اور اگلی صبح سفر پر روانہ ہوں گے"

"ربِ عظیم' یہ روشنی سرائے کی ہو"

پولکا نے دُعا مانگی اور عنبر کے پیچھے پیچھے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے اُس ٹیلے کے پاس پہنچ چکے تھے جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ کھجوروں کے درختوں میں گھری ہوئی یہ ایک پرانی سی عمارت تھی جس کے باہر طاق میں مشعل روشن تھی۔ عنبر اور پولکا نے گھوڑے ایک درخت سے باندھے اور دروازے پر دستک دی۔ کئی بار دستک دینے کے بعد ایک بوڑھی عورت نے آنکھیں مَلتے ہوئے دروازہ کھولا اور پوچھا:

"تم لوگ کون ہو جو آدھی رات کو میری نیند خراب کرنے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"اماں، ہم مسافر ہیں اور شام کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ہم رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔"

پولکا نے پوچھا:

"اماں، کیا یہ سرائے ہے؟"

بوڑھی عورت نے کہا:

"یہ سرائے نہیں ہے۔ لیکن اگر تمہارے پاس مجھے انعام میں دینے کے لیے سونے کے دو ٹکڑے ہیں تو میں تمہارے سونے کا اور تمہارے گھوڑوں کے لیے چارے کا بندوبست کر سکتی ہوں۔"

"ہم تمہیں سونے کے سکے ابھی دیے دیتے ہیں اماں۔ تم ہمارے لیے کھانے پینے، سونے اور ہمارے گھوڑوں کے لیے چارے کا انتظام کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اندر آ جاؤ۔" بوڑھی عورت نے کہا۔

عنبر اور اُس کا غلام پولکا اس پُرانی عمارت کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ایک طاق میں مشعل جل رہی تھی۔ بوڑھی عورت دونوں کو ایک کمرے میں لے گئی۔ جہاں زمین پر سُوکھا گھاس بچھا ہُوا تھا۔

"تم یہاں آرام کرو، مَیں تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاتی ہُوں۔"

"اور گھوڑوں کا کیا ہوگا؟" پولکا نے جھٹ پُوچھا۔

"اُن کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ پہلے تم تو کھا لو۔"

یہ کہہ کر بوڑھی عورت کمرے سے باہر نکل گئی۔ کمرے کے کونے میں ایک چھوٹی سی شمع روشن تھی جس کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ کمرہ بڑا پُر اسرار لگ رہا تھا۔ پولکا نے چاروں طرف ڈیلے گھما کر دیکھا:

"میرے آقا، مجھے تو یہ بھُوتوں کا گھر معلوم ہوتا ہے اور یہ عورت بھُوتوں کی ماں لگتی ہے۔"

"خاموش بھی رہا کرو احمق، ایک تو اس عورت نے ہمیں رات رہنے کو جگہ دی۔ ہمارے گھوڑوں کے لیے اور ہمارے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اُوپر سے تم اُسے بھُوتوں کی ماں کہہ رہے ہو؟"

"ہم نے اُسے سونا بھی تو دیا ہے۔"

"پھر کیا ہُوا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اگر یہ عورت ہمیں اندر آنے کی اجازت نہ دیتی تو تم سونا دے کر کچھ خرید سکتے تھے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کچھ بھی کہو میرے آقا مجھے تو یہ عورت چڑیل معلوم ہوتی ہے۔"

وُہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بوڑھی عورت اُن کے لیے گرم دُودھ اور جَو کی روٹی لے کر آ گئی۔ اُنہوں نے روٹی دودھ کے ساتھ کھائی اور رب عظیم کا شکر ادا کیا۔ تھوڑی دیر وُہ باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ دو دِن کے وہ تھکے ماندے تھے۔ ایسے سوئے کہ انہیں ہوش ہی نہ رہا۔

باہر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سرائے والی نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر تین حبشی گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔ پہلے تو وُہ ڈر گئی۔ پھر حوصلہ کر کے بولی:

"تم لوگ کون ہو؟"

یہ زمرّد حبشی اور اُس کے ساتھی تھے جو عنبر کی تلاش میں اُس سرائے تک پہنچ گئے تھے جہاں [illegible] ٹھہرا تھا۔ اصل میں عنبر کی بھی دروازے کی آواز سے آنکھ کھُل گئی تھی اور وُہ اُن دونوں کی باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ زمرّد حبشی نے سرائے والی کو بتایا کہ وُہ مسافر ہیں اور رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ سرائے کی مالکہ نے اُن سے بھی سونے کے ٹکڑوں کا مطالبہ کیا۔ زمرّد حبشی نے فوراً سونے کے دو ٹکڑے دے دیے۔ بوڑھی عورت انہیں لے کر عنبر کے ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی فرش پر سُوکھا ہُوا گھاس بچھا تھا۔ زمرّد حبشی نے بوڑھی عورت سے پُوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اماں، کیا یہاں اِس سے پہلے بھی کوئی مسافر آیا تھا ؟"

سرائے والی نے بے دلی سے جواب دیا :

"مسافر تو یہاں آتے ہی رہتے ہیں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ ناشتہ صبح ہی ملے گا۔"

"کوئی بات نہیں اماں، ہم صبح کچھ کھا پی لیں گے ہمیں بھوک بھی نہیں ہے۔"

بوڑھی عورت کمرے سے باہر نکل گئی۔ عنبر نے کمرے کے دروازے کے بند ہونے کی آواز سُنی۔ اُس کا یہی خیال تھا کہ دو تین مسافر آ کر سرائے میں اُترے ہیں۔ وُہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ زمرد حبشی نے اپنے ساتھیوں سے باتیں شروع کر دیں۔ عنبر یُوں ہی لیٹے لیٹے آنکھیں بند کیے اُن کی باتیں سُننے لگا۔ زمرد نے کہا :

"مجھے یقین ہے، وُہ زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا۔"

دُوسرا ساتھی بولا :

"ربِ عظیم نے چاہا تو ہم کل دن میں اُسے کہیں نہ کہیں ضرور پکڑ لیں گے۔"

تیسرے نے کہا :

"اگر وُہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو ہم ملکہ کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔"

زمرد نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اُسے ضرور پکڑ لیں گے۔"

"اور اُسے ملکہ عالیہ کے حوالے کر کے ڈھیر سارا انعام حاصل کریں گے۔"

"ضرور، ضرور!"

زمرد نے کہا:

"یاد رکھو، اگر اُس کا نام عنبر ہے تو مجھے بھی زمرد کہتے ہیں۔ ملکہ مصر کا خاص جاسوس۔ مجھ سے بچ کر وہ کہیں نہیں جا سکتا!"

عنبر تو چونک اُٹھا۔ اُسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لوگ اُسے گرفتار کرنے گھر سے نکلے ہیں۔ اُسے یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ وہ ملکہ مصر کے کہنے پر اُس کی تلاش میں نکلے ہیں۔ عنبر نے پولکا کو جگا کر سارا معاملہ سنایا تو وہ بھی بڑی اُلجھن میں پھنس گیا اور بولا:

"سوال یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں گرفتار کرنے کیوں آئے ہیں؟ اور پھر ملکہ عالیہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ تمہیں گرفتار کروائے؟"

عنبر بولا:

"اِس میں ضرور کوئی گہرا راز چھپا ہے۔ بہرحال یہ تو ایک حقیقت ہے کہ یہ لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں اور اگر اُنہیں معلوم ہو گیا کہ میں اِسی سرائے میں اُن کے ساتھ والے کمرے میں سو رہا ہوں تو وہ ہر حالت میں مجھے قابو کر لیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولکا سہم کر بولا:

"پھر کیا ہوگا میرے آقا، میں اپنے مالک کی بہن کو کیا مُنہ دکھاؤں گا شام جا کر؟"

"گھبراؤ نہیں پولکا، ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"ابھی؟"

"ہاں ابھی، اسی وقت!"

دونوں بڑی خاموشی سے اُٹھے۔ اُنہوں نے چادریں اپنے جسم کے گرد لپیٹیں اور آہستہ سے دروازہ کھول کر ڈیوڑھی میں آ گئے۔ طاق میں مشعل جل رہی تھی۔ اُس کی روشنی رات بھر جلنے کے بعد دُھندلی ہو گئی تھی۔ عنبر نے پولکا کا ہاتھ تھاما اور ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کھُلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ وُہ ریت پر تیز تیز قدم اُٹھاتے کھجور کے ان جھُنڈوں کے پاس آ گئے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہُوئے تھے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وُہ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور اُنہیں ایڑ لگا کر شام کی سرحد کی طرف ہو گئے۔

صبح زمرد حبشی ناشتے کا انتظار کر رہا تھا کہ سرائے کی مالکہ دُودھ اور جَو کی روٹی لے کر اندر داخل ہُوئی۔ وُہ زور زور سے بول رہی تھی:

"عجیب پاگل لوگ تھے۔ نہ ناشتہ کیا، نہ بتایا اور راتوں رات

بھاگ گئے ۔"

زمرد نے پُوچھا :

"کون بھاگ گئے ماں جی ؟"

"مسافر، جو تمہارے ساتھ والے کمرے میں اُترے تھے ۔"

زمرد نے ناشتہ کرتے ہُوئے پُوچھا :

"کون تھے وُہ ؟"

سرائے کی مالکہ بولی :

"ایک غلام تھا اور دوسرا نوجوان لڑکا تھا۔ نیلی نیلی آنکھوں والا۔ اُس نے مجھے سونے کے سِکّے بھی دِیے تھے۔ کسی امیر گھرانے کا معلوم ہوتا تھا ۔"

زمرد حبشی کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا گر پڑا :

"وُہ کب آئے تھے ؟"

"تمہارے آنے سے کوئی ایک پہر گھڑی پہلے آئے تھے ۔"

زمرد فوراً اُٹھا اور ساتھیوں سے بولا :

"جلدی سے گھوڑوں پر زین کسو، عنبر بھاگنے نہ پائے ۔"

سرائے کی مالکہ منہ ہی دیکھتی رہ گئی اور تینوں حبشی سرائے سے نِکل گھوڑوں پر سوار ہو کر دَوڑ پڑے ۔ وُہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ رات بھر کی شبنم سے ریت سخت ہو گئی تھی اور گھوڑے بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ مگر وُہ عنبر سے بہت پیچھے تھے۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پولکا اُس وقت شام کی سرحدوں پر پہنچ چکے تھے۔ اُنھوں نے سرحدی چوکی پر پہریداروں کو سونے کے سکّے دیئے اور دمشق شہر کے دروازے میں داخل ہوگئے۔ دن کا ایک پہر ہوچکا تھا اور شہر میں خوب چہل پہل تھی۔ پولکا عنبر کو لے کر سیدھا رجال کی بہن کے گھر پہنچ گیا۔ رجال کی بہن نے عنبر کو گلے سے لگایا اور شام کی رسم کے مطابق اُس کے ماتھے پر زیتون کے تیل میں اُنگلی ڈبو کر لگائی۔

"ربِّ عظیم تمہاری حفاظت کرے"

اُدھر زمرد حبشی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق میں داخل ہو چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صندوقچی کا راز

زمرد حبشی نے دمشق میں عنبر کی تلاش شروع کر دی ۔

اُس نے ایک ایک سرائے چھان ماری۔ مگر عنبر کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ پندرہ دنوں کی انتھک تلاش کے بعد جب وُہ ناکام ہوگیا تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس مصر کو روانہ ہوگیا۔ اُس نے ملکہ مصر کو جاکر بتایا کہ عنبر کا ملک شام میں کوئی پتا نہیں چل سکا۔ ملکہ زمرد پر بہت برسی۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب وُہ کیا کر سکتی تھی مجبوراً صبر کرکے بیٹھ گئی۔ عنبر نے خُفیہ طور پر اپنے باپ کو پیغام بھجوایا کہ راستے میں ملکہ کے غلام اُس کو گرفتار کرنے کے لیے تعاقب کر رہے تھے، اِس کی کیا وجہ ہے؟ ریحان کا ماتھا ٹھنکا۔ تو گویا ملکہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ عنبر ملک شام کی طرف روانہ ہُوا ہے۔ اُس نے عنبر کو کہلوا بھیجا کہ وُہ شام میں ہی رہے اور ابھی کچھ عرصہ وطن کا رُخ نہ کرے۔ کیوں کہ ملکہ مصر اُس کو قید کرنے کی فکر میں ہے۔ اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سپہ سالار کا ملکہ پر بہت اثر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ عنبر کو گرفتار کرکے ہلاک کر دیا جائے۔ یہ بات اگرچہ غلط تھی مگر عنبر کی بہتری اِسی میں تھی۔ اُسے جب یہ پیغام ملا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو وُہ بڑا پریشان ہُوا۔ پولکا نے اُس سے کہا :

"میرے آقا، اب وطن ہرگز نہ جائیے گا۔ نہیں تو ظالم سپہ سالار آپ کو مروا دے گا۔"

عنبر خاموش رہا۔ اُس نے شام میں ایک حکیم کے ہاں ملازمت کر لی اور اُس سے جڑی بوٹیوں اور بیماروں کی دواؤں کا کام سیکھنے لگا۔ پولکا کو زیتون کے باغ میں پھلوں کی رکھوالی کا کام مِل گیا۔ وقت اسی طرح گزرنے لگا۔ پانچ برس بیت گئے۔ اِس دوران میں ایک بار رجال اور اُس کی بیوی دمشق آکر چپکے سے عنبر سے مِل گئے۔ وُہ فرعون کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اُس کی موت کے بعد ملکہ پر عنبر کے شہزادے ہونے کا راز فاش کر دیں۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا۔ اس عرصے میں عنبر کو ساری جڑی بوٹیوں کا علم حاصل ہو چکا تھا۔ اب وُہ اپنے اُستاد سے کھوپڑی کھول کر دماغ کا آپریشن کرنے کا فن سیکھنے لگا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ قدیم مصر کے ڈاکٹر بڑے لائق تھے۔ وہ دماغ کا علاج کھوپڑی کھول کر کرتے تھے۔ اِس کام میں وُہ اِس قدر ماہر تھے کہ بڑے آرام سے انسان کی آدھی کھوپڑی کھول دیتے اور پھر نازک اوزاروں کی مدد سے دماغ کا آپریشن کرکے مریض کو اچھا کر دیتے۔ پانچ برس کے اندر اندر عنبر اِس فن میں بھی ماہر ہوگیا۔ اُس نے اپنے اُستاد کے سامنے کئی مریضوں کی کھوپڑی کھول کر اُن کا علاج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا اور اُنہیں شفایاب کیا۔ اِس دوران میں عنبر کے ماں باپ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ عنبر پُورا جوان ہو چکا تھا۔ اُس کی پھوپھی کا بھی انتقال ہو چکا تھا اور وُہ پورلکا کے ساتھ اپنے استاد کی حویلی میں رہتا تھا۔ اُسی سال مصر میں بہت بڑا سیلاب آیا۔ عنبر کے دوست قہرمان نے اُسے خبر دی کہ اُس کے ماں باپ سیلاب میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ عنبر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وُہ اپنے مرحوم ماں باپ کی قبروں پر دُعا مانگنے کے لیے بھی مصر نہیں جا سکتا تھا۔ وُہ صبر شکر کر کے دمشق میں ہی بیٹھا رہا۔

اُسے شام آئے بارہ برس گزر گئے تھے۔

اِس عرصے میں اُسے پتا چلا کہ فرعون مر گیا ہے اور اُس کی جگہ اُس کا چھوٹا بھائی اخناتون تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ عنبر اِسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے پورلکا کو ساتھ لیا اور ایک روز اپنے استاد کو الوداع کہہ کر مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وُہ پُورے تیرہ برس بعد اپنے وطن مصر آ رہا تھا۔ جب وُہ وہاں سے گیا تھا تو نوعمر لڑکا تھا۔ مگر اب پُورا جوان ہو چکا تھا اور طِبّ میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ مصر پہنچ کر وُہ سب سے پہلے اپنے پُرانے گھر گیا۔ گھر کو سیلاب بہا کر لے گیا تھا۔ وہاں اب سوائے مٹی اور ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے اور کچھ نہ تھا۔ وُہ سیدھا اپنے بچپن کے دوست قہرمان کے گھر آ گیا۔ قہرمان بھی اب جوان ہو گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وہ فرعون کی شاہی فوج میں ملازم تھا۔ قہرمان اپنے پرانے دوست عنبر کو دیکھ کر اُس سے لپٹ گیا۔ پھر اُس نے اس کے ماں باپ کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور اُسے ماں باپ کی قبروں پر لے گیا۔ عنبر نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کی قبروں پر دُعا مانگی اور واپس قہرمان کے گھر آگیا۔ قہرمان کا گھر بڑا خوبصورت اور سجا ہُوا تھا۔ وہ ایک قوی ہیکل فوجی جوان بن گیا تھا۔ جس کو بڑی اچھی تنخواہ ملتی تھی۔

" مجھے خوشی ہوئی ہے قہرمان کہ تم شاہی فوج میں چلے گئے ہو۔"

قہرمان نے کہا:

" ابھی تمھیں عنقریب یہ سُن کر بھی خوشی ہوگی کہ میں مصر کا فرعون بن گیا ہوں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

" رب عظیم کرے کہ ایسا ہی ہو۔"

" ایسا ہی ہوگا عنبر، تم دیکھ لینا۔ ایک دن میرے ہاتھ میں مقدس چھڑی ہوگی۔ سر پر سونے کا عقابی تاج ہوگا اور میں مصر کے تخت پر فرعون بنا بیٹھا ہوں گا۔"

کچھ دیر وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اچانک قہرمان بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے ہاں، میں تو بھول ہی گیا۔ تمہارے باپ نے مرتے ہوئے مجھے ایک صندوقچی دی تھی اور کہا تھا کہ یہ عنبر کو دے دینا۔ تمہاری امانت میرے پاس محفوظ ہے۔ وہ تم لے لو۔"

"شکریہ قہرمان، کہاں ہے میری امانت؟"

قہرمان اپنے کمرے میں گیا اور سفید رنگ کی ایک ہاتھی دانت کی صندوقچی لے کر آ گیا۔

"یہ لو بھائی اپنی امانت۔"

"شکریہ قہرمان، اچھا اب میں جاتا ہوں۔"

"پھر کب آؤ گے؟"

"کل شام کو آؤں گا۔"

قہرمان نے کہا:

"ضرور آنا۔ تمہیں اپنے ایک دوست سے ملاؤں گا۔"

"ضرور آؤں گا۔"

عنبر ہاتھی دانت کی صندوقچی لے کر واپس سرائے میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ بوڑھا گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو چکا ہے۔ عنبر پر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اب وہ اس دُنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بہت دیر سرائے کے اندھیرے کمرے میں لیٹا آنسو بہاتا رہا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور ہمت کر کے اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے گرم دُودھ کا ایک پیالہ پیا اور صندوقچی کھول کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے دیکھنے لگا کہ مرحوم باپ نے اُس کے نام کیا کچھ چھوڑا ہے۔ سب سے پہلے اُسے اپنے باپ کا ایک خط ملا۔ اُس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اِس خط میں عنبر کے باپ رجال نے سارا راز کھول کر بیان کر دیا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد عنبر حیرت میں گم ہو کر رہ گیا — تو کیا وہ رجال کا بیٹا نہیں ہے؟ کیا وہ فرعون کا بیٹا ہے؟ کیا ملکہ مصر اُس کی ماں ہے؟ عنبر کا جسم اِس خیال سے کانپ گیا کہ وہ ایک ظالم فرعون کا بیٹا ہے۔ رجال نے خط کے آخر میں لکھا تھا:

"پیارے بیٹے، تمہیں اِس صندوقچی میں ایک شاہی مہر بھی ملے گی۔ یہ مہر فرعون کی خاص مہر ہے اور سوائے شہزادے کے اور کسی کے پاس نہیں ہو سکتی۔ یہ مہر ہمیں اس کشتی میں ہی ملی تھی جس میں لٹا کر تمہیں دریائے نیل میں بہا دیا گیا تھا۔"

عنبر نے صندوقچی کا نچلا حصہ الٹ دیا۔ فرعون کی سونے کی شاہی مہر سرخ مخمل کے غلاف میں لپٹی ہوئی اُس کے سامنے پڑی تھی۔ عنبر نے مہر اُٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ اُس نے خط کو بھی سنبھال کر رکھ لیا اور عجیب قسم کے خیالات میں کھویا ہوا سو گیا۔ اگلے روز اٹھ کر وہ قہرمان کے پاس گیا۔ قہرمان وردی پہن کر شاہی محل جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اُس کا دو سفید گھوڑوں والا رتھ اُس کے مکان کے باہر کھڑا تھا۔ اُس نے عنبر کو آتے دیکھ کر اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش آمدید کہا۔

"دوست، تم رات آئے نہیں۔ تمہیں ایک خاص جگہ لے کر چلنا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"میں تھکا ہوا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی ہوش نہ رہی۔"

"خیر کوئی بات نہیں، آج چلیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"قہرمان، میں اس شہر میں طبابت کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں، میں تمہارا دوست ہوں۔ تم جس قسم کی مدد چاہو میں کرنے کو تیار ہوں۔"

عنبر بولا:

"میں اس شہر کی کسی چھوٹی سی حویلی میں بیماروں کے لیے ایک شفا خانہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ ہنر اپنے استاد سے سیکھا ہے اور چاہتا ہوں کہ دکھی اور بیمار لوگوں کی خدمت کروں۔"

قہرمان نے کہا:

"یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں آج ہی اس کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ دریا کنارے میری اپنی حویلی خالی پڑی ہے تم وہی لے لو اور اپنا کام شروع کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۱

"تمہارا شکریہ قہرمان، تم میرے سچے دوست ہو۔"

لمبا تڑنگا قہرمان قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور عنبر کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولا:

"یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عنبر، ہم دونوں دوست ہیں۔ سچے دوست ہیں اور ہمیشہ دوست رہیں گے۔ اگر تم کہو تو میں شاہی فوج میں بھی تمہیں نوکری دلوا سکتا ہوں۔"

"نہیں دوست، میں بیمار لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ مگر ہاں آج شام میرے ساتھ چلنا مت بھولنا۔"

"میں شام کو ضرور آؤں گا۔"

شام کو قہرمان عنبر کو لے کر تھیبن شہر کی ایک بہت مشہور اور امیر ترین رقاصہ کے پاس لے گیا جہاں شہر کے اُمراء اور شاعر لوگ آ کر وقت گزارتے تھے۔ اس رقاصہ کا نام طلالہ تھا۔ وہ بڑی پُر وقار اور خوبصورت عورت تھی۔ قہرمان نے طلالہ سے عنبر کا تعارف کروایا۔ وہ عنبر سے باتیں کرنے لگی۔ اب عنبر دُوسرے تیسرے طلالہ کے ہاں جاتا۔

اس عرصے میں عنبر نے حویلی میں اپنا شفا خانہ بنا لیا تھا جہاں سینکڑوں مریض آ کر اپنا علاج کرواتے تھے۔ عنبر نے کئی امیر لوگوں کا دماغی آپریشن بھی بڑی کامیابی سے کیا اور خوب دولت کمائی، لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وُہ اپنی ساری دولت رقاصہ طلالہ کے گھر آکر خرچ کر دیتا۔ یہ ایک بُری عادت تھی جو اُس کے دوست نے اُسے ڈال دی تھی۔ عنبر چونکہ خاندانی آدمی تھا۔ اس لیے وہ بُرائی سے بچنا چاہتا تھا۔ ایک روز اس نے طلالہ سے کہا۔

"طلالہ، مَیں چاہتا ہُوں کہ تُم مجُھ سے شادی کر لو تاکہ ہم دونوں ایک شریفانہ اور نیک زندگی بسر کریں۔"

طلالہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور بولی:

"کیا تمہارے پاس اتنی دولت ہے کہ مجُھ سے بیاہ کر سکو؟"

عنبر نے کہا:

"تم جو مانگو، مَیں وُہ دینے کو تیار ہُوں، تاکہ تمہیں اس بُری زندگی سے نجات ملے اور میرا بھی گھر آباد ہو۔"

طلالہ نے کہا:

"اپنے آپریشن کے اوزار لاکر مجُھے دے دو۔"

عنبر کانپ اُٹھا۔ اُس زمانے میں آپریشن کے اوزار بیحد مقدس سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ اُن سے بیمار لوگوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ان اوزاروں پر نیکی کے فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے۔ مگر عنبر نے انکار نہ کیا اور محض اس خیال سے کہ اگر اتنی قربانی دے کر ایک بھٹکا ہُوا انسان سیدھی راہ پر آجاتا ہے تو یہ سودا کوئی مہنگا نہیں ہے۔ طلالہ بڑی حیران ہُوئی۔ اُسے یہ ہرگز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُمید نہیں تھی کہ عنبر اوزاروں ایسی مقدّس شئے اُسے دینے پر تیار ہوگا۔ ویسے بھی اُس دَور میں آپریشن کے اوزار سونے سے بھی زیادہ مہنگے تھے۔

دُوسرے روز عنبر نے سارے کے سارے اوزار لا کر طلالہ کے حوالے کر دیے۔ طلالہ نے اوزار لے کر اپنے صندوق میں بند کر دیے اور تالی بجا کر دو ہٹّے کٹّے حبشیوں کو بُلایا اور کہا:

"اِس نوجوان کو دھکّے دے کر میرے گھر سے باہر نکال دو۔"

عنبر حیرت زدہ ہو کر طلالہ کا منہ دیکھنے لگا:

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہی ہو طلالہ؟"

طلالہ نے غصّے میں گرج کر کہا:

"اور تم کیا سمجھتے ہو کہ مَیں تم ایسے بھکاری سے شادی کروں گی؟ نکل جاؤ میرے گھر سے اور پھر کبھی اِدھر کا رُخ کیا تو گردن کٹوا دوں گی!"

عنبر کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ہٹّے کٹّے حبشی آگے بڑھے۔ اُنہوں نے عنبر کو اُٹھایا اور دروازے میں سے بڑے زور کے ساتھ باہر گلی میں پھینک دیا۔ عنبر کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ آسمان پر بادل زور سے گرجے۔ بجلی چمکی اور بارش شروع ہوگئی۔ عنبر کو ہوش آیا تو وہ کیچڑ میں لت پت تھا اور اُس پر بارش کا پانی گر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کے دل نے عبرت پکڑ لی تھی۔

وُہ چپکے سے اُٹھا اور اپنی حویلی میں آکر تخت پوش پر لیٹ گیا۔ پھر اُس نے غسل کیا۔ اپنے زخموں پر مرہم لگائی۔ کپڑے بدلے اور بستر پر لیٹ گیا۔ ایک ہفتے کے بعد اُس کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ اُس نے قہرمان سے کوئی بات نہ کی۔ اِس لیے کہ اب قہرمان فرعون کی فوج کا سپہ سالار بن چکا تھا اور اپنا مکان چھوڑ کر شاہی محل میں ہی رہتا تھا۔ وہ بہت کم عنبر سے ملتا تھا۔ عنبر نے غسل کے بعد دُھلے ہُوئے پُرانے کپڑے پہنے اور آخری بار طلالہ سے ملاقات کرنے اُس کے عالی شان مکان پر آگیا۔ طلالہ نے اُسے اندر بُلوانے سے انکار کر دیا۔ عنبر نے کہلوا بھیجا کہ وُہ اُس کے لیے ایک تحفہ لایا ہے۔ طلالہ نے لاؤنج میں آکر اُسے بُلوا لیا۔ وُہ ایک شاندار مسہری پر بیٹھی تھی۔ عنبر نے اُس کے پاس آکر جیب سے فرعون کی سونے کی شاہی مُہر نکال کر کہا:

"اِسے پہچانتی ہو؟"

طلالہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وُہ فرعون کی شاہی مہر کو صاف طور پر پہچان گئی تھی۔ اُس نے کہا:

"ہاں ہاں، یہ شاہی مُہر ہے!"

"اس کو غور سے دیکھ لو!"

"مَیں دیکھ رہی ہُوں عنبر! یہ فرعون کی شاہی مہر ہے۔ مگر یہ تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس کیسے آ گئی؟"

"اِس لیے کہ یہ میری ہے۔ یہ میرا حق ہے"

"کیا مطلب؟"

عنبر نے حقارت سے طلالہ کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم بدنصیب ہو طلالہ، ایک وقت آئے گا جب تمہیں علم ہوگا کہ تم نے عنبر سے نہیں بلکہ فرعون مصر کے بیٹے سے شادی سے انکار کیا تھا۔ پھر تم پچھتاؤ گی۔ مگر کچھ نہ ہو سکے گا"

اِتنا کہہ کر عنبر بڑی تیزی سے واپس ہو گیا۔ طلالہ اسے پکارتی ہی رہ گئی۔ مگر عنبر اِس اثنا میں مکان سے باہر جا چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرعون اخناتون

فرعون اخناتون تخت پر بیٹھا تو اُس کی عمر بائیس تیئس برس تھی۔ اخناتون کا بڑا بھائی عاطون فرعون بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ عنبر کا باپ تھا اور اُسی نے حکم دے رکھا تھا کہ اُس کی کبھی بھی ملکہ کے ہاں اگر لڑکا پیدا ہو تو اُسے قتل کر دیا جائے عنبر کی قسمت اچھی تھی کہ وہ اپنی ماں ملکہ نفریتی کی عقلمندی سے دریا کی لہروں پر بہتا ہوا رجال کے گھر جا پہنچا اور بچ گیا۔ اُس کی موت کے بعد لوگوں نے سُکھ کا سانس لیا۔ اخناتون بڑا نرم دل نیک اور رعایا کا ہمدرد بادشاہ تھا۔ مگر تاریخی اعتبار سے جو بات اس میں سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ وہ یہ تھی کہ یہ فرعون بُتوں کی پُوجا نہیں کرتا تھا۔ اِس سے پہلے جتنے بھی فرعون گزرے تھے وہ مختلف بُتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ انہوں نے بجلی، بادل، پہاڑ، ستارے، سانپ اور سورج کے بُت بنا رکھے تھے جن کی وہ مندروں میں پرستش کیا کرتے۔ مصر کے پائے تخت تھیبس میں سورج دیوتا کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس مندر میں سورج کے ساتھ ساتھ آگ، پانی، بجلی اور سانپ کے دیوتاؤں کی بھی پُوجا ہوتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخناتون فرعون نے تخت پر بیٹھتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ بتوں کی پوجا کے خلاف ہے۔ اس سے پہلے فرعون اپنے آپ کو بھی خدا کہا کرتے تھے۔ اخناتون نے اعلان کیا کہ وہ خدا نہیں ہے ۔ سورج، آگ، بجلی، بادل اور سانپ بھی خدا نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق ہے۔ خدا ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہستی ہے۔

پیارے ساتھیو، یہ آج سے ٹھیک تین ہزار تین سو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ اخناتون فرعون نے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ جس نے ساری چیزیں بنائی ہیں مگر اس کو کسی نے نہیں بنایا۔ کوئی اس کا ثانی نہیں۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کسی نے اسے پیدا کیا ہے۔ مصر کے فرعونوں کی پوری تاریخ میں یہ پہلا فرعون تھا جو توحید پرست تھا۔ یعنی جو ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کی بیوہ ملکہ نفرتیتی سے شادی کر لی اور کرناک شہر میں ایک بہت بڑی عبادت گاہ بنائی۔ جس میں کوئی بت نہیں تھا، اس میں وہ آسمان کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتا۔ اخناتون بڑے زبردست کردار کا مالک تھا۔ وہ ایک خدا کا پرستار تھا۔ وہ تخت و تاج کے علاوہ ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ مگر ان چیزوں سے اسے ذرا بھر بھی محبت نہیں تھی۔

اس نے اپنی تمام کنیزوں، لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وُہ اپنے کام آپ ہی کرنے کی کوشش کرتا۔ اُس نے لوگوں کے پُرانے مذہب یعنی بُت پرستی کو خلاف قانون قرار دے کر بڑا انقلابی قدم اُٹھایا تھا۔ اکثر لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ خاص طور پر بُتوں کے بڑے پجاری تو آگ بگولا ہو گئے۔ کیونکہ ان کے حلوے مانڈے چلتے ہی بُتوں کی پُوجا کرنے والوں کے سر پر تھے۔ مگر اخناتون کے سامنے آنکھ نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اِس لیے کہ وُہ مصر کا بادشاہ تھا۔ مگر ان پجاریوں نے اندر ہی اندر اخناتون کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

عنبر کا بچپن کا دوست قہرمان اب مصر کی فوج کا سپہ سالار بن چکا تھا۔ وُہ اِس چکّر میں تھا کہ کسی طرح اخناتون فرعون کا تختہ الٹ کر خود تخت پر قبضہ کرے۔ وہ بڑی جدوجہد اور محنت کے بعد سپہ سالار کے عہدے تک پُہنچا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ دربار کے سارے پجاری اخناتون کے خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے پجاریوں کو ساتھ ملانے کا فیصلہ کر لیا۔ بڑے پجاری کا نام ارشمس تھا۔ ایک روز قہرمان نے ارشمس کو اپنے ساتھ لیا اور رتھ پر سوار کروا کر شہر سے باہر انگوروں کے باغ میں لے گیا۔ یہاں انگور کی بیلوں کے سائے میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ بنا تھا۔ دونوں چبوترے پر بیٹھ گئے۔ پجاری ارشمس نے کہا:

"اے مصری فوج کے سپہ سالار قہرمان! آپ نے مجھے کس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاد کیا؟"

قہرمان نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ارشمس! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ فرعون اخناتون حد سے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ہمارے باپ دادا کے مذہب کو برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اُس نے ہمارے مندروں میں ہمارے بُتوں کو توڑ دیا ہے۔ اُس نے حکم دے دیا ہے کہ اب ان مندروں میں بُتوں کی پوجا نہیں ہوگی بلکہ ایک خدا آتون کی پوجا ہوگی۔"

ارشمس بولا:

"فرعون نے ہمارے مذہب میں مداخلت کر کے ساری رعایا کو ناراض کر لیا ہے۔ کوئی پجاری ایسا نہیں جو فرعون کے حق میں ہو، اُسے اچھا سمجھتا ہو۔ اُس نے ہمارے آباؤ اجداد کے بُتوں کی توہین کی ہے۔ اُس نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس کی سزا اُسے دیوتا ضرور دیں گے۔"

قہرمان بولا:

"میں آسمانی دیوتاؤں کی طرف سے فرعون کو اُس کے گناہ کی سزا دینا چاہتا ہوں کہ فرعون کو تخت سے اُتار کر جلا وطن کر دیا جائے اور اپنے باپ دادا کے مذہب کو پھر سے بحال کیا جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو سو سال بعد ہمارے مذہب کا کوئی نام لینے والا بھی دکھائی نہ دے گا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارشمس گہری سوچ میں پڑ گیا ۔

"قہرمان، آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ ہمارے آبائی مذہب کی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنا چاہتے ہیں یا تخت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟"

ارشمس نے قہرمان کے دل کی بڑی کمزور رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ مگر قہرمان بھی بڑا چالاک تھا۔ اُس نے اپنے دل کی بات چھپاتے ہوئے کہا:

"مجھے مصر کے تخت و تاج سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مَیں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کا کھویا ہوا وقار پھر سے بلند کیا جائے۔ مندروں میں پھر سے ہمارے بُتوں کی پوجا ہو، گھروں میں پھر سے ہمارے بُتوں کی حمد و ثنا کے ترانے گونجیں اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ فرعون مصر کو تخت سے نہیں اُتارا جاتا۔ میرا مقصد صرف فرعون کو تخت سے ہٹانا ہے۔ میری طرف سے کوئی فرعون آ جائے۔ مگر وہ ہمارے مذہب میں دخل نہ دے۔"

ارشمس اندر ہی اندر سمجھ گیا تھا کہ قہرمان کو اپنے باپ دادا کے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اُسے اگر کوئی غرض یا لالچ ہے تو صرف مصر کے تخت و تاج حاصل کرنے کا لالچ ہے۔ چنانچہ وہ اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فرعون کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مخالفت کو اپنی غرض کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے بھی اپنے دل کی بات چھپائے رکھی۔ وُہ بھی یہی چاہتا تھا کہ مندروں میں پھر سے بُتوں کی پُوجا شروع ہو جائے اور اُس کا حلوہ مانڈہ چلتا رہے، فرعون چاہے کوئی بھی آجائے۔

اُس نے سر ہلا کر کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو قہرمان، اگر تمہارا عقیدہ یہی ہے، تو مَیں تمہارے ساتھ ہُوں۔ مصر کے تمام پُجاری تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی ذلت ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرسکتے!"

"مَیں یہی چاہتا ہُوں اور اسی پر عمل کروں گا!"

اِس کے بعد قہرمان بڑے پُجاری کو لے کر واپس چل پڑا۔

محل میں فرعون اخناتون کے خلاف اندر ہی اندر ایک گہری سازش پکنے لگی۔

بڑے پُجاری ارشمس اور سپہ سالار قہرمان نے تمام بڑے بڑے درباریوں کو فرعون کے خلاف سازش میں اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب وُہ مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ فوج کا ایک طبقہ نیک دل فرعون کی انسانی ہمدردی اور اصلاحات سے بہت متاثر ہے۔ اِس لیے کہ اُس نے فوج کے بعض افسروں کی تنخواہیں بڑھا دی تھیں۔ ان کا راشن بھی دُگنا کر دیا تھا۔ اُن کے بچوں کے لیے دریائے نیل کے کنارے خوبصورت مکان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنوا دیئے تھے۔ اس کے خلاف قہرمان نے اندر ہی اندر زہر پھیلانا شروع کر دیا کہ فرعون نے فوج کے ایک حصّے کو رشوت دے کر خریدنے کی کوشش کی ہے۔ پجاریوں نے بھی فوج میں یہ بات عام کر دی کہ فرعون اخناتون سے دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔

عنبر فرعون کی اصلاحات سے بہت خوش تھا۔ وہ اخناتون کی شرافت اور انسانی محبّت کے جذبے اور ایک خُدا کی عبادت کرنے کے خیال سے بہت متاثر تھا۔ مگر وہ محل سے باہر تھا اور بادشاہ کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ قہرمان بادشاہ کے خلاف پجاریوں اور درباریوں کو اپنے ساتھ ملا کر سازش کر رہا ہے۔ وُہ بادشاہ کی مدد کرنا چاہتا تھا اور مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔

فرعون اخناتون کی یہ عادت تھی کہ وُہ آدھی رات کو اُٹھ کر غسل کرتا۔ پاک صاف ہو کر نیا لباس پہنتا اور اکیلا ہی محل سے نکل کر دریا کنارے ریت کے ٹیلوں کے پاس جا کر زمین پر قالین بچھا کر خُدا کی عبادت کرتا۔ قہرمان بادشاہ کی اِس عادت سے باخبر تھا۔ اُس نے بادشاہ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اپنے ایک خاص رازدار فوجی کو قہرمان نے تیر کمان دے کر ریت کے ٹیلے کے پیچھے بٹھا دیا کہ جوُں ہی بادشاہ خدا کی عبادت کرنے بیٹھے وہ تیر کمان سے اُسے ہلاک کر دے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ قہرمان فرعون کے خلاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بغاوت کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور وہ نیک دل فرعون کو ہلاک کرکے خود مصر کے تخت پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔

ایک روز وُہ قہرمان کے دل کا راز معلوم کرنے اس کے گھر گیا۔ قہرمان عنبر کو دیکھ کر بڑا خوش ہُوا۔ اُس نے عنبر کو مور کا بھُنا ہُوا گوشت کھلایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ عنبر نے جان بُوجھ کر چہرہ اداس بنا لیا۔

قہرمان نے پوچھا:

"کیا بات ہے عنبر، آج تم اُداس نظر آ رہے ہو؟"

عنبر نے جھوٹ موٹ آہ بھری اور کہا:

"قہرمان، تمھیں کیا بتاؤں۔ جب سے فرعون اخناتون تخت پر بیٹھا ہے، مَیں پریشان ہو گیا ہُوں۔ جس وقت میں یہ سوچتا ہُوں کہ ہمارے باپ دادا کا پُرانا مذہب نیست و نابود ہو جائے گا تو میرا دل غم کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اخناتون کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وُہ ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب کو تباہ کرے اور ہمارے دیوتاؤں کی مورتیوں کو توڑ کر انھیں مندروں سے نکال دے۔"

قہرمان بڑا خوش ہُوا کہ عنبر بھی اُس کا ہم خیال تھا اور فرعون اخناتون کے خلاف تھا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"اِس بات سے مَیں بھی بہت پریشان ہُوں عنبر، اور ساری رعایا پریشان ہے۔ سارے پُجاری اور درباری پریشان ہیں۔ وہ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ اجنبی قوتیں ہمارے مذہب پر قاتلانہ حملہ کرے"

"قاتلانہ حملہ تو اُس نے کر دیا ہے قہرمان، اِس وقت مصر کے کسی مندر میں ہمارے مذہب کا، ہمارے دیوتاؤں کا ایک بھی بُت نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم نے غفلت کی تو دیوتاؤں کا ہم پر قہر نازل نہیں ہوگا؟"

"قہر تو ضرور نازل ہوگا"

"پھر اِس کا علاج کیا ہے؟ ہم کس طرح اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم کس طریقے پر عمل کر کے اپنے پُرانے اور آبائی دین کو تباہی سے بچا سکتے ہیں؟"

قہرمان سوچنے لگا کہ وہ اپنی سکیم کے بارے میں عنبر کو آگاہ کرے یا نہ کرے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی اِس کا وقت نہیں آیا۔ اُس نے کہا:

"یہ سوچنا رعایا کا کام ہے۔ پُجاریوں اور درباریوں کا کام ہے۔ مَیں تو ایک سپاہی ہُوں۔ میرا کام ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ مَیں تمہیں کیا بتا سکتا ہُوں۔ تم سوچو کہ تمہیں اپنے مذہب کو بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟"

عنبر سمجھ گیا کہ قہرمان اُس کو دامن نہیں پکڑانا چاہتا۔ قہرمان بڑا چالاک تھا۔ عنبر نے بات آگے بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور تھوڑی دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وُہ اپنی حویلی میں واپس آ گیا۔ عنبر پریشان تھا۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ قہرمان نے نیکدل فرعون اخناتون کو قتل کروا کر خود تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ وہ اخناتون کو قہرمان کی ہلاکت سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ماں ملکہ نفریتی کے پاس جا کر اپنا آپ ظاہر کر دے۔ اُسے کہہ دے کہ وہی اُس کا بیٹا ہے اور قہرمان کی سازش سے آگاہ کر دے۔ وہ رات کو بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آخر وُہ اُٹھا اور حویلی سے باہر نکل کر دریا کنارے ٹہلنے لگا۔ رات کے وقت جنگلی جانوروں کے خطرے کے خیال سے اُس نے اپنا تیر کمان کندھے پر ڈال لیا تھا۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اِس موسم کا اثر عنبر کی طبیعت پر بہت اچھا پڑا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے دریا کنارے کافی دُور نکل گیا۔ دریائے نیل کا پانی بڑے سکون اور خاموشی کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اُس میں سے ستاروں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ عنبر ریت کے ٹیلوں کے درمیان ٹہلتا ٹہلتا ایک کھلے میدان میں پُہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی سفید لباس پہنے قالین پر بیٹھا آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے عبادت کر رہا ہے۔

ایک رتھ قریب ہی کھڑا تھا۔ اچانک عنبر کو خیال آیا کہ کہیں وُہ فرعون مصر اخناتون تو نہیں؟ اُس نے سُن رکھا تھا کہ فرعون اکثر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راتوں کو دریائے نیل کے کنارے خدا کی عبادت کیا کرتا ہے۔ عنبر ایک چھوٹے سے ٹیلے کی اوٹ میں ہوکر بیٹھ گیا اور فرعون مصر کو خدا کی عبادت کرتے دیکھنے لگا۔ اُس کا خیال صحیح تھا۔ جس شخص کو وُہ ریت پر بیٹھے عبادت کرتے دیکھ رہا تھا وہ فرعون مصر ہی تھا۔ فرعون دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے گردن جھکائے قالین پر دوزانو بیٹھا خدا کی عبادت میں محو تھا۔ عنبر کا دل بھی خدا کی محبت سے لبریز ہوگیا۔

عنبر اس منظر کو دیکھنے میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک اُس نے محسوس کیا ایک سایہ ریت کے ٹیلے سے نکل کر فرعون کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عنبر چوکنا ہوگیا۔ سایہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا فرعون کے عقب سے آگے چلا جا رہا تھا۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں فرعون کے خلاف کوئی بھیانک سازش پر عمل تو نہیں ہو رہا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سایہ فرعون کے عقب میں پہنچ کر اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اُس نے چمڑے کی پیٹی میں ہاتھ ڈال کر چمکتا ہوا خنجر نکال لیا۔ عنبر کانپ اُٹھا۔ اُس نے فوراً تیر کمان میں جوڑ کر قاتل کا نشانہ باندھا۔ ٹھیک جب قاتل نے فرعون کو قتل کرنے کے لیے خنجر والا ہاتھ اُوپر اُٹھایا تو اِدھر سے عنبر نے کمان کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر سیدھا قاتل کی پیٹھ میں جا کر لگا اور آر پار ہوگیا۔ قاتل منہ کے بل ریت پر گر کر تڑپنے لگا۔ عنبر ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر فرعون کے قریب آگیا۔ فرعون کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی تک کوئی خبر نہ تھی کہ اس پر قاتلانہ حملے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ اُس نے عبادت سے فارغ ہو کر عنبر کو اور ایک سپاہی کو زمین پر مرے ہوئے دیکھا تو پوچھا :

"اِس کو کس نے مارا ؟"

عنبر نے جُھک کر تین بار سلام کیا اور سارا معاملہ کھول کر بیان کر دیا۔ فرعون کو جب معلوم ہُوا کہ عنبر نے اُس کی جان بچائی ہے تو وُہ بہت خوش ہُوا۔ اس نے عنبر کا ہاتھ تھام کر کہا :

"تم نے میری جان بچائی ہے نوجوان، بولو تم کیا مانگتے ہو؟ تم جو مانگو گے وُہ مَیں تمہیں دُوں گا۔ اِس لیے کہ مَیں مصر کا بادشاہ فرعون ہُوں"

عنبر نے ایک بار پھر جُھک کر آداب کیا اور کہا :

"آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے جہاں پناہ، رب عظیم کا شکر ہے کہ مَیں اتفاق سے ٹہلتے ٹہلتے اِدھر آ نکلا اور آپ کی جان بچ گئی"

فرعون اخناتون نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر کہا :

"زندگی اور مَوت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی انسانوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ وُہی انسانوں کو موت سے ہم کنار کرتا ہے اُس نے مجھے مَوت سے بچانا چاہا اور تمہیں میرے پاس تیر کمان لے کر بھیج دیا۔ تمہارا نام کیا ہے ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عنبر جہاں پناہ۔"

"تم کیا کرتے ہو؟"

"میں حکیم ہوں جہاں پناہ، جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، آج سے تم ہمارے شاہی حکیم ہو۔ کیا تمہیں یہ عہدہ قبول ہے؟"

عنبر اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ جھٹ کورنش بجا لا کر بولا:

"اس سے بڑھ کر میری عزت افزائی اور کیا ہو گی جہاں پناہ، میں آپ کی خدمت کر کے فخر محسوس کروں گا۔"

فرعون نے اپنی انگوٹھی اُتار کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا:

"صبح تم محل میں آجانا۔ یہ انگوٹھی تمہیں بغیر کسی رکاوٹ کے میرے پاس پہنچا دے گی۔"

فرعون اخناتون رتھ پر سوار ہو کر محل کی طرف چل دیا۔ عنبر تھوڑی دیر وہاں کھڑا سپاہی کی لاش کو دیکھتا رہا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اُس کا وہاں زیادہ دیر ٹھہرے رہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس شخص نے اس سپاہی کو فرعون کے قتل کے لیے بھیجا ہے وہ یہاں پہنچنے والے ہوں۔ عنبر وہاں سے ہٹ گیا اور ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں میں سے گزرتا دریا کنارے سے ہو کر اپنی حویلی میں واپس آگیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی میں واپس آکر وہ باقی ساری رات اِس واقعے پر سوچتا رہا۔ یہ اُس کی خوش بختی تھی کہ فرعون نے خود اُسے شاہی طبیب کے عہدے پر فائز کر دیا تھا جب کہ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ محل میں کس طرح داخل ہو۔ وہ بڑی بیتابی سے صبح کا انتظار کرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی دربار

فرعون مصر اخناتون کا دربار لگا تھا۔

فرعون کی سواری ابھی نہیں آئی تھی۔ اس کا سونے کا عالیشان تخت ابھی خالی تھا۔ تخت کے اوپر سونے کا چھتر پڑا تھا۔ جس میں نہایت قیمتی ہیرے جواہرات جڑے تھے۔ دو سیاہ فام حبشی باز کے سفید پَروں کے بڑے بڑے مورچھل لیے ادب سے کھڑے تھے۔ دربار میں سارے درباری، امیر وزیر، فوج کے اعلیٰ افسر، دُوسرے ملکوں کے سفیر، پُجاری، سیاست دان، دانشور اور ملک کے چُنے ہُوئے لوگ شاہی لباس پہنے سونے چاندی کی زرنگار کرسیوں پر بیٹھے بادشاہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سپہ سالار قہرمان بھی وہاں شاہی وردی پہنے موجود تھا۔ اس کے پاس ہی عنبر انتہائی بیش قیمت کپڑوں میں ملبوس دوسرے درباریوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا۔

فرعون اخناتون کے عہد میں مصر نے بڑی ترقی کی تھی۔ وہ دَور مصر کی قدیم تہذیب کے عروج کا دَور تھا۔ بڑے بڑے اہرام مصر تعمیر ہو چکے تھے۔ ملک میں خوش حالی تھی۔ لوگ محنت سے کام کرتے تھے۔ دریائے نیل پر بند باندھ کر سیلاب کی تباہ کاریوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روک لیا گیا تھا۔ دُنیا کے ہر مہذب ملک کا سفیر فرعون مصر کے دربار میں موجود تھا۔ اخناتون نے کئی ملکوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو بحیرۂ روم کے ساحلوں تک بڑھا لیا تھا۔ اُس وقت مصر کی حکومت دُنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی۔ فرعون کا دربار کا شان و شکوہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ دُنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کا دربار ہے۔ دربار کے در و دیوار سے دبدبہ، رُعب، عظمت اور شوکت ٹپکتی تھی

قہرمان کو پتا چل گیا تھا کہ عنبر اُس کے بھیجے ہوئے سپاہی کو ہلاک کر کے اور فرعون کی جان بچانے کے صلے میں دربار میں داخل ہوا ہے۔ اُسے اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ اُس کے جگری دوست کی وجہ سے اُس کی سازش ناکام ہو گئی۔ اگر اُس رات عنبر سپاہی کو ہلاک نہ کرتا تو آج اخناتون کی جگہ سپہ سالار قہرمان مصر کے تخت پر بیٹھا ہوتا۔ لیکن وہ عنبر کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر بھی یہ صدمہ اُس کے دل پر نقش ہو گیا تھا اور وہ عنبر سے نفرت کرنے لگا تھا۔ عنبر کو دربار میں شاہی حکیم کا مقام حاصل کرتے دیکھ کر اس نفرت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر قہرمان نے دل کی بات دل ہی میں رکھی تھی۔ اور عنبر کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا تھا بلکہ دربار میں داخل ہوتے دیکھ کر اُس نے عنبر کو گلے لگا لیا تھا اور مبارک باد دی تھی۔

"تم نے بہادری کا کام کیا ہے عنبر، فرعون کی جان بچا کر تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اُس کی محبت اور خوشنودی حاصل کر لی ہے۔ میری دُعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔ تم بہت ترقّی کرو گے۔"

"شکریہ قہرمان، تم میرے جگری دوست ہو۔ اس وقت اگر تمہیں خوشی نہیں ہو گی تو پھر کس کو خوشی ہو گی۔ مَیں تمہاری دُعاؤں کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہُوں۔"

اِس کے باوجود عنبر کا دل بھی قہرمان کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ قہرمان اُس سے ناراض ہے کیوں کہ اُس نے فرعون کی جان بچا کر قہرمان کے منصوبے پر پانی پھیر دیا ہے۔ لیکن اُوپر سے وُہ بھی قہرمان سے خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔"

اتنے میں بڑے زور سے سینکڑوں نفیریوں نے بج کر فرعون مصر کے دربار میں تشریف لانے کا اعلان کیا۔ سارا دربار ادب سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اِس سے پہلے جب فرعون مصر دربار میں داخل ہوتا تھا تو سارے درباری سجدے میں گر جایا کرتے تھے۔ لیکن اخناتون نے اُنہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا کیوں کہ اُس کے خیال میں انسان کو سجدہ صرف خُدا کے سامنے کرنا چاہیے۔ کم خواب اور اطلس کے پردے ایک طرف ہٹے اور فرعون اخناتون اپنی چہیتی بیوی اور عنبر کی والدہ ملکہ مصر نفریتی کے ساتھ خدمت گاروں اور محافظوں کے جلو میں دربار میں داخل ہُوا۔ ہر طرف ایک رُعب سا چھا گیا۔ دربار میں سناٹا طاری ہو گیا۔ فرعون اور ملکہ بیش قیمت سونے کے تاروں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منڈھا ہُوا شاہی لباس اور سونے کے تاج پہنے تخت پر آکر بیٹھ گئے۔

خدام ادب سے ایک طرف سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ غلاموں نے مورچھل ہلانے شروع کر دیے۔ درباری فرعون کا اشارہ پاکر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دربار میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ اُس وقت کوئی زیادہ زور سے سانس بھی لیتا تو اُس کی آواز بھی آجاتی

وزیر دربار نے آگے بڑھ کر تخت کو بوسہ دیا اور عرض کی۔

" ملکہ نوبیہ کی جانب سے حضور کی خدمت میں تحائف پیشِ خدمت ہیں۔"

اِس کے ساتھ ہی اشوری اور سوڈانی غلام سروں پر سونے چاندی کے طشت لیے آئے اور بادشاہ اخناتون کی خدمت میں رکھتے گئے۔ یہ طشت چین کے سلک، سوڈان کے سیاہ چیتوں کی کھالوں، بحیرہ روم کے عود و عنبر، یمن کے سچے موتیوں، سمرقند کے سیاہ ہرن کی کستوری، افریقہ کے جواہرات اور گولکنڈہ کے زمرد اور نوبیہ کی کانوں سے نکلے ہوئے سونے کے سکوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اِس کے بعد سمیریا کے شہنشاہ کی طرف سے ہندی اور بابلی کنیزوں کا تحفہ پیش کیا گیا جسے اخناتون نے شکریے کے ساتھ واپس کر دینے کا حکم دیا۔

" سمیریا کے شہنشاہ کو ہماری طرف سے شکریے کا پیغام دینے کے بعد کہا جائے کہ ہم نے اپنی تمام کنیزوں کو آزاد کر دیا ہے۔ ہمیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قسم کے تحفوں کی ضرورت نہیں ہے !"

سمیریا کے سفیر نے ادب سے سر جھکا کر کہا :

"جو حکم شہنشاہ جہاں !"

فرعون اخناتون کے وزیر دربار نے ایک ملک شام کی جانب سے موصول ہوئے تحفوں کو پیش کرنا چاہا تو فرعون نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا اور کہا :

"اُس نوجوان کو پیش کیا جائے جس نے کل رات صحرا میں ہماری جان بچائی تھی !"

دربار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ سپہ سالار قہرمان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ بڑے پجاری ارشمس کا بھی رنگ اُتر گیا۔ اُنھیں یوں محسوس ہُوا جیسے فرعون پر اُن کی سازش کا راز کھُل گیا ہے اور ابھی وُہ اُن دونوں کے قتل کا حکم دے دے گا۔ قہرمان نے سوچا کہ اگر اُس کے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا تو وُہ اُسی وقت آگے بڑھ کر فرعون کو قتل کر دے گا اور تخت پر قبضہ کرے گا۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ قہرمان ایک دلیر سپہ سالار تھا۔ اُس میں ایسا کر گزرنے کی جرأت تھی۔ وزیر دربار نے عصا فرش پر مارتے ہوئے کہا :

"نوجوان عنبر کو حضورِ شہنشاہ پیش کیا جائے !"

درباریوں کی قطاروں سے ایک کرسی پر سے عنبر اُٹھا اور فرعون کے سامنے آ کر تین بار ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ فرعون نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا :

" ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے خلاف کچھ لوگوں نے محض اِس لیے سازش کی اور ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی کہ ہم نے مُلک سے جہالت دُور کر کے ایک خدائے بزرگ و برتر کی پرستش کا حکم صادر کیا ہے۔ ہم نے اپنے ملک، اپنی قوم اور اپنے مذہب کو گناہ سے بچا لیا ہے۔ ہم نے ایک نیک قدم اٹھایا ہے۔ ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ خُدا کو ہماری زندگی منظور تھی۔ اُس نے ہمیں اِس نوجوان کو بھیج کر بچا لیا۔ ہم اس نوجوان سے خوش ہیں اور آج بھرے دربار میں اعلان کرتے ہیں کہ آج سے عنبر ہمارا شاہی حکیم ہوگا۔"

اِس اعلان کے ساتھ ہی خدمت گاروں نے نفیریاں زور زور سے بجا کر عنبر کے شاہی حکیم بنائے جانے کا اعلان کر دیا۔ فرعون نے اپنے گلے سے ہیرے موتیوں کا بڑا ہی قیمتی ہار اُتار کر خود عنبر کے گلے میں ڈالا۔

" یہ ہماری طرف سے تمہیں انعام ہے۔ آج سے تم ہمارے دربار کے اعلیٰ عہدے پر مامور ہوگے۔ تم شاہی خاندان کا علاج کروگے۔ اس کے علاوہ تم ہمارے دوست بھی ہوگے۔"

عنبر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا :

" شاہ معظم، آپ نے مجھے جس عزت سے نوازا ہے مَیں اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے آپ کا ممنون ہُوں۔ خُدا نے چاہا تو مَیں اِس خدمت پر پُورا اُتروں گا۔"

فرعون نے اعلان کیا:

"دربار برخاست کیا جاتا ہے!"

ملکہ نفریتی اُس وقت سے عنبر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی مامتا نے ایک بار پھر جوش مارا تھا۔ اُسے یُوں لگ رہا تھا جیسے یہی وہ عنبر جو اُس کا بیٹا تھا۔ دربار برخاست ہو گیا۔ فرعون ملکہ کو ساتھ لے کر اپنے شاہی ایوان کی طرف چل دیا۔ درباریوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو مبارک باد دی۔ بڑے پجاری نے حسد کی نظر سے عنبر کو دیکھا۔ قہرمان نے منافقت سے کام لیتے ہُوئے عنبر کو گلے سے لگا لیا اور کہا:

"مبارک ہو عنبر! ربّ عظیم کی قسم آج کا دن میری زندگی کا حسین ترین دن ہے۔ تم اِسی لائق تھے کہ تمھیں شاہی حکیم کا عہدہ دیا جاتا۔ آج تمھارے اعزاز میں ایک زبردست دعوت ہو گی۔"

یہ شان دار دعوت قہرمان کے اپنے عالی شان مکان میں دی گئی۔ اِس میں درباریوں کے علاوہ شہر کے تمام معزز ترین لوگ بھی شریک تھے۔ ہر طرف کھانے پینے کے طشت لگے تھے۔ مہمان قہقہے لگاتے، باتیں کرتے کھا رہے تھے۔ اِس دعوت میں طلالہ بھی موجود تھی۔ عنبر نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ مُسکرا کر آگے بڑھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے عنبر کو مُبارک باد دی۔

"مُبارک ہو عنبر تمہیں، اُمید ہے تم ہم لوگوں کا دربار میں ضرور خیال رکھو گے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے نکل گیا اور درباریوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

طلالہ نے قہرمان کو ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف بلایا:

"کیا بات ہے طلالہ؟ عنبر تم سے ناراض کیوں ہے؟ مَیں ایک عرصے بعد تم سے مِل رہا ہُوں۔ کیا کوئی جھگڑا ہو گیا تھا؟"

طلالہ نے کہا:

"اِدھر انجیر کے درختوں میں آ جاؤ۔ مَیں تم سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہُوں۔"

قہرمان طلالہ کے ساتھ اُس طرف ہو گیا جہاں انجیر کے درختوں کا جھنڈ تھا اور سنگ مرمر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔

"کہو، وُہ کون سی راز کی بات ہے؟ جو تم مجھے کہنا چاہتی ہو؟"

طلالہ نے اِدھر اُدھر غور سے دیکھا اور کہا:

"سنو قہرمان، جس نوجوان عنبر کو تم اپنا دوست سمجھتے ہو وُہ کس کا بیٹا ہے؟"

قہرمان نے بڑے سکون سے کہا:

"رجال ماہر تعمیرات کا بیٹا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"غلط ہے۔ وہ رجال کا بیٹا نہیں ہے۔"

قہرمان نے مذاق سے قہقہہ لگا کر کہا:

"تو کیا وہ تمہارا بیٹا ہے؟"

طلالہ بولی:

"مذاق کا وقت نہیں ہے قہرمان، میری بات غور سے سنو۔ عنبر مصر کا شہزادہ ہے۔ اس کے پاس شاہی خاندان کی مہر ہے۔"

قہرمان چونک پڑا:

"کیا کہا؟ عنبر مصر کا شہزادہ ہے؟"

"ہاں، اس کے پاس فرعون کی شاہی مہر ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ مہر عنبر نے خود مجھے دکھائی تھی۔"

اس کے بعد طلالہ نے قہرمان کو ساری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح عنبر نے اس سے شادی کی خواہش کی۔ طلالہ نے اس سے جراحی کے آلات ہتھیا کر اپنے غلاموں سے کہہ کر اسے مکان سے باہر پھینکوا دیا اور پھر کس طرح عنبر نے اسے شاہی مہر دکھا کر کہا کہ طلالہ نے جس نوجوان کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا ہے وہ مصر کا شہزادہ ہے۔ قہرمان سوچنے لگا، پھر ہاتھ ہلا کر بولا:

"نہیں نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں بچپن سے عنبر کو جانتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوں۔ وُہ رجال کے گھر میں پیدا ہُوا۔ ہم دونوں چھوٹے تھے جب دریا کنارے کھیلا کرتے تھے۔ پھر وُہ بھلا مصر کا شہزادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اُس نے وُہ مُہر کہیں سے چُرائی ہو گی"۔

"بہر حال جو کچھ بھی ہو۔ فرعون کی شاہی مہر اُس کے پاس موجود ہے۔ تمہیں اُس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے قہرمان!"

قہرمان نے حسبِ عادت ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا:

"طلالہ، قہرمان ایک دلیر سپہ سالار ہے۔ وُہ کسی سے خُوف نہیں کھاتا، ہاں لوگوں کو اس سے ضرور ڈرنا چاہیے"۔

وُہ دعوت میں آ گئے۔ قہرمان عنبر کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ پھر وُہ اُسے ایک طرف لے گیا۔ اُس کے دل میں طلالہ کی بات نے ایک اُلجھن سی پیدا کر دی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا تھا مگر عنبر کے پاس فرعون کی شاہی مُہر کا ہونا خطرے سے خالی نہیں تھا اور اگر کسی طرح یہ مُہر قہرمان کے پاس آجائے تو وُہ اُس سے بڑا فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اُس نے عنبر سے کہا:

"عنبر، تم میرے بچپن کے دوست ہو۔ اگر میں تم سے کوئی بات پُوچھوں تو کیا سچ سچ بتاؤ گے؟"

"ضرور سچ سچ بتا دوں گا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"کیا تمہارے قبضے میں فرعون کی شاہی مہر ہے؟ اور اگر ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو تم نے وہ کہاں سے حاصل کی تھی ؟"

شاہی مُہر کا حال عنبر کسی حالت میں بھی قہرمان کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے اُس کے سوال میں فوراً کہا :

"تمہیں کسی نے غلط کہا ہے دوست، میرے پاس بھلا شاہی مُہر کہاں سے آ سکتی تھی ؟"

"مجھے طلالہ نے کہا ہے۔"

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اب سمجھا، مَیں نے طلالہ کو ایک جھوٹی مُہر دکھائی تھی۔ اُس نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مَیں نے اُس کو جلانے کے لیے کہا تھا کہ میرے پاس شاہی مُہر ہے اور یہ کہ میں مِصر کا شہزادہ ہُوں۔ کمال ہے قہرمان، تم نے یقین بھی کر لیا۔ آخر مَیں تمہارے ساتھ پلا بڑھا ہُوں۔ کیا تمہیں یقین آ سکتا ہے کہ مَیں مِصر کا شہزادہ ہُوں !"

"یہی تو مَیں بھی حیران تھا کہ عنبر میری آنکھوں کے سامنے پل بڑھ کر میرے ساتھ ہی جوان ہُوا۔ پھر بھلا وہ مِصر کا شہزادہ کیسے ہو گیا !"

عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ قہرمان کے دل میں طلالہ نے اپنی مکاری سے جو بات ڈالی تھی وہ اُس نے بڑی حکمت عملی اور ہوشیاری سے نکال دی تھی۔ لیکن یہ اُس کا وہم تھا۔ اِس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ قہرمان کے دل میں عنبر کے بارے میں شک ضرور پیدا ہو گیا تھا۔ آخر اُس کے پاس شاہی مُہر کہاں سے آ گئی تھی؟ قہرمان نے اِس بارے میں پُوری تحقیق کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رات گئے دعوت ختم ہو گئی۔ عنبر اپنی حویلی میں آ کر لیٹ گیا۔ وہ بڑا تھکا ہُوا تھا اُسے بہت جلد نیند آ گئی۔ دُوسرے روز وہ شاہی لباس پہن کر شاہی رتھ میں سوار ہو کر فرعون کے دربار میں پہنچ گیا۔ اسے تمام درباریوں نے پہلے روز دربار میں آنے پر مبارک باد دی۔ عنبر کی نگاہیں قہرمان کو تلاش کر رہی تھیں مگر وُہ اُسے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عنبر کے قریب سے بڑا پُجاری شاہی عصا ہاتھ میں لیے مُنہ ہی مُنہ میں کوئی منتر پڑھتا گزرا۔ عنبر نے اُس سے قہرمان کے بارے میں پُوچھا:

"مقدس پروہت، کیا آپ کو معلوم ہے قہرمان کہاں ہے؟"

بڑے پُجاری نے رُک کر عنبر کی طرف نگاہیں اُٹھائیں اور بڑی رعونت سے کہا:

"ہمیں سپہ سالار سے کیا کام، ہمیں کیا معلوم کہ وُہ کہاں ہے؟"

اتنا کہہ کر پُجاری آگے بڑھ گیا۔ عنبر سوچتا رہا کہ بڑے پُجاری کی اِس رعونت اور تکبر کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وُہ عنبر سے نفرت کرتا ہو۔ اِس لیے کہ قہرمان نے اُسے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ملا لیا ہو۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے فرعون کو قتل کرنے کی سازش میں بڑے پجاری کا بھی ہاتھ تھا۔

ایک سیاہ چشم کنیز عنبر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارا کر کے آگے نکل گئی۔ پہلے تو عنبر ذرا ٹھٹھکا۔ اِس خیال سے کہ درباری اُسے ایک کنیز کے پیچھے جاتے کیا خیال کریں گے۔ مگر کنیز نے ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر اُسے دوبارا اشارا کیا تو وُہ رُک نہ سکا۔ آگے بڑھ کر اُس نے کنیز کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ کنیز اُسے لے کر شاہی محل کے پچھلے حصّے کی طرف لے آئی۔ یہاں ایک باغ تھا جس میں دُنیا بھر کے درخت اور پھُول دار پَودے لگے تھے۔ سنگِ مرمر کے فوّارے جگہ جگہ چل رہے تھے۔ ایک عالی شان بارہ دری کے اندر سنگِ مرمر کے چبوترے پر فرعون کا بُت لگا ہُوا تھا۔ داہنی جانب شاہی محل کے زنانہ حصّے کا پچھواڑہ تھا۔ اِس محل میں ملکہ اپنی بے شمار کنیزوں، خادماؤں اور ماماؤں کے ساتھ رہتی تھی۔ دروازوں پر سیاہ فام حبشی غلاموں کے پہرے لگے تھے۔ یہ حبشی پہرے دار ننگی تلواریں لیے چاق و چوبند کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر ایک پل کے لیے رُک گیا۔ کنیز نے عنبر کو رُکتے دیکھا تو قریب آ کر کہا:

"میرے آقا، بے فکر ہو کر آگے بڑھیے۔ ملکہ عالیہ آپ کی راہ دیکھ رہی ہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کا دل دھڑکنے لگا تو گویا وہ عرصہ پندرہ برس کے بعد اپنی حقیقی ماں کو ملنے جا رہا تھا۔ اُس کا دل ماں کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چُپ چاپ کنیز کے پیچھے پیچھے چلتا محل میں داخل ہو گیا۔ حبشی غلاموں نے کنیز کے ساتھ عنبر کو دیکھ کر سر جُھکاتے اور پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے عنبر کو ملکہ کے محل میں داخل ہونے کے لیے راستہ دے رہے ہوں۔ عنبر محل کی چوڑی چوڑی خوبصورت سیڑھیاں چڑھتا اُوپر کی منزل میں آ گیا۔ یہاں سنگِ مرمر کے ستونوں کے درمیان ایک غلام گردش مغربی دالان کی طرف نکل گئی تھی۔ اس دالان کے آخر میں ملکہ کا شاہی کمرہ تھا۔ اس کمرے کے باہر خواجہ سرا پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر کو کنیز کے ساتھ آتے دیکھ کر اُنہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اندر ایک عالی شان تخت پر ملکہ مصر بیٹھی تھیں۔ وہ اُدھیڑ عمر ہو رہی تھیں۔ چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ملکہ نے عنبر کو غور سے دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرعون کا قتل

ملکہ نفریتی نے اشارے سے کنیز کو باہر چلے جانے کو کہا۔

کنیز سر جھکا کر شاہی حجلے سے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں ماں بیٹا دونوں اکیلے تھے۔ ملکہ نے عنبر کو اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور کہا:

"عنبر، کیا تمہیں یقین ہے کہ تم رجال کے بیٹے ہو؟"

عنبر نے ایک نظر ملکہ کو، اپنی ماں کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس کا دل ماں کے قدموں پر نچھاور ہونے کو بے تاب ہو گیا۔ اُس نے سر جھکا لیا۔ ملکہ نے اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔ اُس نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عنبر نے اپنے خون میں ماں کی ممتا کو محسوس کیا۔ اُس نے آنسو بھری پلکیں اُٹھا کر کہا:

"ملکہ عالیہ، مجھے درویش اناطول نے بتایا ہے کہ میں ایک ننھی سی کشتی میں دریائے نیل کی موجوں پر بہتا چلا جا رہا تھا کہ ایک صبح میرے ماں باپ نے مجھے وہاں سے اٹھا لیا اور گھر لا کر پرورش شروع کر دی"

ملکہ کی پلکوں پر آنسوؤں کے ستارے لرزنے لگے۔ اُس نے کہا:
"اُس کشتی میں ایک شاہی مُہر بھی تھی۔"

"وہ مُہر میرے پاس موجود ہے ملکہ عالیہ، میرا باپ مرتے وقت وہ مجھے دے گیا تھا اور ایک خط میں یہ لکھ گیا تھا کہ مَیں اُس کا بیٹا نہیں ہُوں بلکہ مصر کے شہزادوں میں سے ہُوں۔"

عنبر نے شاہی عبا کی جیب میں سے باپ کا خط اور شاہی مُہر نکال کر ملکہ کے سامنے رکھ دی۔ ملکہ نے خط کو غور سے پڑھا۔ پھر شاہی مُہر کو دیکھا اور "میرے بیٹے" کہہ کر عنبر کو اپنے سینے سے لگا لیا دونوں ماں بیٹے کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ پندرہ برس کے بعد ماں اور بیٹے کا ملاپ ہُوا تھا۔ وہ کتنی دیر ایک دوسرے کے پاس بیٹھے مامتا بھری باتیں کرتے رہے۔

"میرے بیٹے، اگر تیرے باپ نے تمہیں قتل کرنے کا حکم نہ دے رکھا ہوتا تو میں تمہیں کیسے اپنے سے جُدا کرتی؟ میں نے کلیجے پر پتھر باندھ کر تمہیں دریا کے سپُرد کیا تھا۔ مَیں نے اپنے ربِ عظیم کے حضور دُعا کی تھی کہ وُہ تمہاری رکھوالی کرے اور تمہیں جلد مجھ سے ملا دے۔ ربِ عظیم نے آج میری دُعا قبول کر لی ہے۔ آج کا دن میری زندگی کا سنہری دن ہے۔ خوش قسمت دن ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا پھر مجھ سے آن ملا ہے۔"

عنبر نے اپنی ماں کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماں، میں بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اتنے عرصے کے بعد تم سے آن ملا۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں کبھی اپنی ماں سے نہ مل سکتا تھا۔"

ملکہ نے اُسی وقت شارمین کو طلب کیا۔ شارمین بھی اُدھیڑ عمر کی ہو چکی تھی۔ وہ اندر آئی تو ملکہ نے کہا:

"شارمین، یہ میرا بیٹا عنبر ہے۔ تم نے ہی اُسے کشتی میں سوار کیا تھا جب اِس کی عمر بمشکل ایک دن تھی۔ کیا وُہی ناک نقشہ نہیں ہے میرے بچے کا؟"

شارمین نے کہا:

"ملکہ عالیہ، میں تو پہلے ہی آپ سے کہتی تھی کہ عنبر آپ ہی کا بیٹا ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی ہیں اور آپ کے بچے کی آنکھیں بھی نیلی تھیں اور پھر شاہی مُہر سوائے آپ کے بچے کے اور کسی کے پاس نہیں ہو سکتی۔"

"شارمین، عنبر مجھے مل گیا۔ میرا بیٹا مجھے واپس مل گیا۔ اگر میں اپنے بیٹے کو دیکھے بغیر مر جاتی تو میری رُوح کو کبھی سکون نصیب نہ ہوتا۔ اب میں آرام سے مر سکوں گی۔"

عنبر نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر کہا:

"ایسا نہ کہو میری ماں، میں تمہیں ہرگز ہرگز مرنے نہیں دُوں گا۔"

ملکہ نے سرد آہ بھر کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں کیا معلوم کہ میرے اور فرعون مصر اخناتون کے قتل کے لیے دربار میں کیسی کیسی گھناؤنی سازشیں ہو رہی ہیں۔ اخناتون بھولا بھالا فرعون ہے۔ دربار کے اکثر لوگ اُس کے خلاف ہو گئے ہیں اور بڑا پجاری سپہ سالار کے ساتھ مل کر بغاوت کا منصوبہ بنا رہا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے اس کی خبر ہے ملکہ عالم۔"

"پھر تم اس کے لیے کیا کر سکتے ہو بیٹا؟ دراصل ہم سب کو مل کر اس سازش کو ناکام بنا دینا چاہیے۔ قہرمان ایک زبردست چال چل رہا ہے۔ اُس کا ارادہ فرعون مصر اور مجھے قتل کر کے تخت پر زبردستی قبضہ حاصل کرنا ہے۔"

"وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا ماں، میں اس کا مقابلہ کروں گا آپ اُس کا مقابلہ کریں گی۔ ہم سب مل کر اُس کا مقابلہ کریں گے۔"

"بڑا پجاری اور فوج کا بہت بڑا حصہ اُس کے ساتھ ہے عنبر۔"

"پھر کیا ہوا ماں، ہم ہر حالت میں قہرمان کے ناپاک عزائم کا مقابلہ کریں گے۔"

ملکہ نفریتی نے اپنے بیٹے، اپنے شہزادے کا ماتھا چوم کر کہا:

"تم واقعی میرے بہادر بیٹے ہو عنبر۔ تم ایک دلیر اور جرأت مند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے ہو۔ مَیں جانتی ہُوں، تم اپنے ماں باپ کے تخت و تاج اور عزت پر آنچ نہ آنے دو گے۔ مگر تم قہرمان اور بڑے پجاری کی طاقت کا غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ اُن دونوں نے درباریوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے۔ اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بڑی ہوشیاری اور سیاست سے کام لینا پڑے گا۔"

"تم مجھے جیسا حکم کرو، مَیں تیار ہُوں ماں۔"

"میرے خیال میں ہمیں چھوٹے پجاری اور وزیر دربار کو ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لینا ہو گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قہرمان اور بڑے پجاری کے خلاف بڑی آسانی سے صف آرا ہو جائیں گے۔ یہ میرا کام ہے۔ مَیں آج ہی اُن دونوں کو الگ بُلا کر اُن سے بات کرتی ہُوں۔"

"آخر انہیں کیا پڑی ہے ماں کہ وہ سپہ سالار اور بڑے پروہت کے خلاف محاذ کھولیں گے؟"

"میں وزیر دربار کے بیٹے کو سپہ سالار بنا دوں گی اور چھوٹے پجاری کو بڑے پروہت کا درجہ دے دوں گی۔"

"میرے خیال میں یہ حکمت عملی مناسب رہے گی۔"

ملکہ نے کچھ سوچ کر کہا:

"ایک بات کا ہمیں خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی دربار میں کسی پر یہ راز نہیں کھلنا چاہیے کہ تم شہزادے ہو اور مجھ سے مل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکے ہو۔ اسی لیے مَیں نے تمہیں آج بڑے خفیہ طریقے سے محل میں منگوایا ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا ماں۔"

"اب میرے بیٹے تم جا سکتے ہو۔ کل شام تم مجھ سے ملنے آنا، مَیں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ۔"

عنبر ماں کے قدموں کو ہاتھ لگا کر واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد دربار لگا۔ فرعون مصر اخناتون اور ملکہ نفریتی نفریوں کے شور میں تخت پر آ کر جلوہ افروز ہوئے۔ دربار میں فرعون نے دوسرے اعلیٰ درباریوں کے ساتھ عنبر کو بھی کرسی پیش کی اور ضروری کارروائی کے بعد دربار برخاست ہو گیا۔

اس دوران میں ملکہ نفریتی نے عنبر کی طرف دو ایک بار غور سے دیکھا۔ جیسے اُسے کہہ رہی ہو "میرے بیٹے ابھی کسی پر ماں بیٹے کے ملاپ کا راز نہ کھلے۔"

دربار برخاست ہونے کے بعد قہرمان نے عنبر سے اِدھر اُدھر دو تین باتیں کیں اور رخصت لے کر شاہی مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ شاہی مہمان خانے کے باہر انجیر کے درختوں کے جھنڈ میں یا پُجاری اور فرعون کا ایک خاص ملازم ایک رتھ پر بیٹھے قہرمان انتظار کر رہے تھے۔ قہرمان اُنہیں ساتھ لے کر قلعے کی طرف روانہ

ہو گیا۔ قلعے کے شمالی بُرج کے نیچے ایک پُرانے اہرام کے کھنڈر میں اُنھوں نے اپنی خفیہ مُلاقات شروع کر دی۔ اِس ملاقات میں یہ طے پانا تھا کہ کس وقت آج رات فرعون مصر اور ملکہ مصر کو ہلاک کر دیا جائے۔

"میرے خیال میں آدھی رات کے بعد انہیں زہر دے کر ہلاک کر دینا چاہیے۔"

یہ رائے بڑے پُجاری نے دی تھی۔ قہرمان سوچنے لگا۔ وُہ ایک ہی وقت میں دونوں کو ہلاک کرنے کے حق میں تھا اور اِس کے لیے رات کے شروع کا حصّہ اُس کے خیال میں بے حد موزوں تھا۔ اُس نے فرعون کے خاص ملازم کو سونے کے سکّوں کی ایک تھیلی دیتے ہُوئے کہا:

"یہ لو اپنا انعام اور کام خوش اسلوبی سے ختم کرنے کے بعد تمھیں ترقی دے کر داروغۂ مطبخ بنا دیا جائے گا۔ تمھارا یہ کام ہے کہ رات کو جب بادشاہ اور ملکہ کھانا کھانے بیٹھیں تو تم سب کی آنکھ بچا کر صرف بادشاہ اور ملکہ کے کھانے میں یہ زہر ملا دو۔ یہ زہر پھیکا ہے اور اِس کا اثر ایک پل کے اندر اندر ہو جاتا ہے۔ اگر تم نے یہ کام کامیابی سے کر دیا تو تمھیں اور انعام دیا جائے گا۔"

فرعون کے ملازمِ خاص نے زہر کی چمڑے کی بوتل قہرمان سے لے کر اپنی جیب میں رکھتے ہُوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ربِ زیوس کی قسم، آج کی رات فرعون اور ملکہ کی آخری رات ہوگی۔ کل وہ اِس دُنیا میں نہیں ہوں گے۔"

"شاباش!"

اِس کے بعد بڑے پجاری اور قہرمان نے آپس میں کچھ دیر صلاح مشورہ کیا اور پھر واپس روانہ ہو گئے۔ قہرمان نے ایک بڑا زبردست منصوبہ بنایا تھا۔ فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے یہ ایک بڑی ہی خوفناک سازش تھی۔ قہرمان کا منصوبہ یہ تھا کہ فرعون اور ملکہ کے ہلاک ہوتے ہی فوراً اُن کی موت کا اعلان کرکے تخت پر قبضہ حاصل کر لیا جائے۔ ملک کی تمام سرحدیں بند کر دی جائیں۔ غیر ملکی سفیروں کی حویلیوں کے باہر پہرہ لگایا جائے اور فرعون کے حامیوں کو فوراً سرِعام قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک گھناؤنی سازش تھی جس سے بے خبر فرعون بڑے سکون سے اپنے محل کی عبادت گاہ میں ربِّ عظیم کی عبادت کر رہا تھا۔ وہ بڑے عجز و انکسار کے ساتھ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے، سر جھکائے دُعا مانگ رہا تھا۔ دوسری طرف ملکہ نفرتیتی اپنی خواب گاہ میں خرطوم کے ریشمی پردوں کے پیچھے عود و عنبر کی خوشبوؤں میں آرام دہ مسہری پر بیٹھی شارہین کے ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی اور خراسانی ہرن کی اُون کے بنے ہوئے دھاگے سے بُنائی بھی کر رہی تھی۔

ملکہ نفرتیتی نے شارہین کو سارے راز سے آگاہ کر رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے وزیر دربار اور نائب پجاری کو بلا کر ان سے ساری بات طے کر لی تھی۔ انہیں تیار کر لیا تھا کہ وہ قہرمان اور بڑے پجاری کے خلاف ہر قسم کی سازش میں ان کا ساتھ دیں۔ دونوں درباری ملکہ کے سامنے سر جھکا کر راضی بہ رضا ہو گئے تھے۔ مگر قسمت ملکہ کے ان تمام منصوبوں پر مسکرا رہی تھی۔ جوں جوں شام کے کھانے کا وقت قریب آ رہا تھا، ملکہ کی موت کا وقت بھی قریب آتا جا رہا تھا۔

رات کا کھانا فرعون اخناتون اور ملکہ نفرتیتی ہمیشہ مل کر کھاتے تھے۔ حسب معمول جب رات کے کھانے کا وقت آیا تو کنیزوں نے دست کی سلفچی لا کر ملکہ مصر کے ہاتھ دھلائے اور انہیں کاشان کی ریشمی شال سے پونچھ کر خشک کیا۔ پھر ملکہ کے بالوں میں کنول کے سفید پھولوں کا گجرا سجایا اور اس کی ریشمی عبا تھام کر کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑیں۔ کھانے کے کمرے میں ایک طرف سے ملکہ مصر اور دوسری طرف سے فرعون مصر داخل ہوا۔ دونوں ایک جگہ پہنچ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے۔ وسط میں سونے چاندی کی طشتریوں میں قسم قسم کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ ایسے کھانے کبھی کسی بادشاہ کی میز پر بھی کم دیکھنے میں آئے ہوں گے۔ دنیا کا کوئی پرندہ ایسا نہیں تھا جس کا بھنا ہوا گوشت وہاں موجود نہ تھا۔ کوئی مٹھائی اور پھل ایسا نہیں تھا جو وہاں میز پر موجود نہ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ مصر اور فرعون اخناتون ساتھ ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ نوکروں نے کھانا ڈالنا شروع کر دیا۔ فرعون کا ملازم خاص اپنی مکّار آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہُوئے مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بادشاہ اور ملکہ کو سوڈان کے سیاہ انگوروں کا رس بہت پسند ہے اور کھانے کے بعد وُہ انگور کے رس کا ایک ایک گلاس ضرور پیتے ہیں۔

اُس ملازم خاص نے زہر اسی وقت کے لیے بچا کر رکھا ہُوا تھا۔ کھانے کی محفل کوئی دو گھنٹے تک جاری رہی۔ فرعون اور ملکہ کھانا بھی کھاتے رہے اور باتیں بھی کرتے رہے۔ اس اثنا میں قہرمان فوج کے دستوں میں اپنے خاص فوجی افسروں کو ضروری ہدایات دے چکا تھا۔ بڑے پجاری نے بھی دربار کے اپنے مخصوص طبقے کو اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ قہرمان بادشاہ کے محل کی بارہ دری میں بڑے پجاری کے ساتھ چھُپ کر بیٹھا فرعون اور ملکہ مصر کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد جب انگور کا رس پینے کا وقت آیا تو بادشاہ نے ملازم خاص کی طرف اشارا کیا۔ ملازم خاص نے ادب سے سر جھُکایا اور پردے کے پیچھے جا کر جیب سے زہر کی بوتل نکالی۔ اور دونوں گلاسوں میں زہر کا ایک ایک قطرہ انڈیل دیا۔ یہ زہر بے حد زہرِ قاتل تھا اور اس کا ایک قطرہ پچاس آدمیوں کو ہلاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکتا تھا۔ انگور کے رس میں زہر ملا کر ملازم خاص سونے کے طشت میں دونوں گلاس سجا کر باہر آ گیا۔ جھروکے کی جالیوں میں سے بڑا پجاری اور قہرمان یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جُوں جُوں فرعون اور ملکہ کی مَوت کی گھڑی قریب آ رہی تھی۔ اُن کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جب اُنھوں نے ملازم خاص کو انگوروں کا رس بادشاہ اور ملکہ کی طرف بڑھاتے دیکھا تو وُہ دم بخود سے ہو کر نتیجے کے سامنے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ ایک پَل کے اندر اندر نتیجہ اُن کے سامنے آنے والا تھا۔ قہرمان ایک پَل کے بعد مصر کا بادشاہ بننے والا تھا۔ شاہی تخت و تاج کا مالک بننے والا تھا۔

ملکہ اور فرعون اخناتون نے انگوروں کے سیاہ میٹھے مگر زہر آلود رس کے گلاسوں کو ہاتھوں میں تھام کر ایک دوسرے کی طرف مُسکرا کر دیکھا اور ــــ اُسے غٹاغٹ پی گئے۔ اس سے بے خبر کہ اُن گلاسوں میں بڑا مہلک زہر ملا ہُوا تھا۔ بادشاہ اور ملکہ نے اس کے گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہی تھے کہ ملازم خاص فوراً دوسرے کمرے میں روپوش ہو گیا۔ جُوں ہی رس کے گلاس خالی ہُوئے بادشاہ اور ملکہ کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ اُنھوں نے ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ قاتل زہر معدے میں جا کر اپنا کام کر چکا تھا۔ اُن کے ہاتھوں پر پسینہ آ گیا۔ اُنھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بولنا چاہا مگر زبان جیسے پتھر کی ہوگئی۔ اُس نے بولنے سے انکار کر دیا۔ ملکہ نے اپنا ہاتھ فرعون کی طرف پھیلانا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ نہ اُٹھ سکا۔ دونوں کے چہرے سبز ہوگئے۔ اُن کے جسم ٹھنڈے پڑ گئے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دھڑام سے نیچے بیش قیمت قالین پر مُردہ ہوکر گر پڑے۔

اُن کے گرتے ہی ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ کنیزوں اور ملازموں کی چیخیں نکل گئیں۔ نوکروں نے شور مچاتے ہوئے اِدھر اُدھر دوڑنا شروع کر دیا۔ حبشی غلام بھاگ کر اندر آگئے۔ اُنہوں نے بادشاہ کو اُٹھانا چاہا مگر بادشاہ کا جسم مر کر پتھر ہوگیا تھا۔ اِتنے میں ننگی تلوار ہاتھ میں لیے سپہ سالار فوج قہرمان اندر داخل ہُوا اور اُس نے آتے ہی اعلان کیا:

"خبردار! اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی۔ فرعون مر چُکا ہے۔ آج سے مَیں فرعونِ مصر ہُوں!"

ایک وفادار حبشی خنجر لے کر قہرمان کی طرف بڑھا۔ قہرمان نے تلوار کے ایک ہی وار سے حبشی کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس کے بعد کسی کو آگے بڑھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ قہرمان فوراً شاہی محل کے دیوانِ خاص میں آیا۔ وہاں فرعون کے قتل کی خبر پہنچ چُکی تھی اور فرعون کے وفادار درباری شور مچا رہے تھے۔ قہرمان نے آتے ہی بادشاہ کے حامی درباریوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ دس گیارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درباریوں کو قتل کر چکا تو باقیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اُدھر فوج میں سپہ سالار قہرمان کے حامی افسروں نے بادشاہ کے وفادار افسروں کو ہلاک کر کے ساری فوج کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ بڑے پجاری نے نائب پجاری کو قتل کرنے کے بعد سارے پروہتوں کی حمایت حاصل کر لی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ فرعون مر چکا ہے اور اُن کا پُرانا مذہب نئے فرعون قہرمان نے بحال کر دیا ہے۔ قہرمان نے دربار کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے فرعون ہونے کا اعلان کر دیا۔ سارے دربار پر سناٹا چھایا تھا۔ وُہ اپنے سر پر سونے کا تاج رکھ کر اپنے وفادار فوجی سرداروں کے ساتھ چبوترے کی طرف بڑھا اور تخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ فوجی سرداروں نے زور زور سے نعرے لگائے جس کا جواب درباریوں نے بھی نعروں سے دیا۔

اِس کا مطلب یہ تھا کہ دربار نے قہرمان کو فرعون تسلیم کر لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تُم نہیں مَرو گے

قہرمان فرعون بن کر مصر کے تخت پر بیٹھ گیا۔

اُس نے راتوں رات اخناتون اور ملکہ نفریتی کی لاشوں کو ایک بہت قدیم بادشاہ کے اہرام میں دفن کروا دیا۔ اگلے روز عنبر سو کر اُٹھا اور محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج اُسے اپنی والدہ ملکہ کے ساتھ مل کر بہت سی اہم باتوں پر گفتگو کرنی تھی۔ محل میں آتے ہی اُسے یہ اندوہناک خبر ملی کہ قہرمان نے سازش کر کے اُس کے چچا فرعون اور والدہ ملکہ کو ہلاک کرنے کے بعد مصر کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ خبر عنبر کے لیے انتہائی افسوسناک اور حیران کُن تھی۔ وُہ خبر سُن کر بُت بنا رہ گیا۔ مگر سانپ نکل چُکا تھا۔ تیر کمان سے نکل گیا تھا۔ وُہ سوائے خاموش رہ کر اپنی والدہ ملکہ اور چچا کا سوگ منانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا، بلکہ کھُلے بندوں قہرمان کے آگے غم کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ قہرمان نے فوج، پجاریوں اور سارے اہلِ دربار کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چند ایک درباری جو مقتول فرعون کے حامیوں میں سے تھے۔ وُہ بھی قہرمان کے آگے خاموش ہو گئے تھے۔ اِس لیے کہ اُس نے اپنے مخالفوں کو رات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی رات میں بڑی بے دردی سے قتل کروا دیا تھا ۔

عنبر کے نزدیک اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قہرمان کو فرعون مصر بننے پر مبارک باد دے اور خاموش رہ کر مناسب وقت کا انتظار کرے ۔ اُسے اپنی والدہ کے قتل کا بے حد دُکھ تھا ۔ اُس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور وُہ قہرمان سے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا ۔ مگر اس وقت وہ مجبور اور بے بس تھا ۔ اُس نے اپنے شدید غم کو دل کے اندر ہی دفن کر دیا اور قہرمان کو مبارک باد دینے اُس کے خاص محل میں آگیا قہرمان سونے کے میز پر شاہی تاج ایک طشت میں رکھے اُسے فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا ۔ اس نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ سُنی تو جھٹ تلوار نکال کر پلٹا ۔ مگر اپنے سامنے عنبر کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا ۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ وُہ ابھی تلوار کے ایک ہی وار سے عنبر کا سر قلم کر دے ۔ کیوں کہ اُسے یقین ہو چُکا تھا کہ عنبر ملکہ مصر کا بیٹا ہے ۔ وُہ مصر کا شہزادہ ہے اور فرعون کے تخت کا جائز وارث ہے ۔ ہو سکتا ہے وہ بھی تخت کے لیے اُس کے خلاف کوئی سازش کھڑی کر دے ۔ لیکن پھر اُس نے یہ سوچ کر تلوار میان میں کر لی کہ قہرمان کی طاقت کے آگے عنبر کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔

اُس نے چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ سے عنبر کی طرف ہاتھ بڑھایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے بھی چہرے پر مصنوعی مُسکراہٹ لاتے ہُوئے قہرمان کا ہاتھ تھام کر دبایا اور کہا :

"مِصر کا تخت مبارک ہو دوست، مجھے اُمید ہے کہ تم رعایا کے لیے ایک نیک دل اور ہمدرد بادشاہ ثابت ہو گے۔ لوگوں کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس لیے کہ اخناتون نے عوام کے مذہب کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کو ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

قہرمان کو اچھی طرح احساس تھا کہ عنبر جھوٹ بول رہا ہے ــــ اصل میں اُسے قہرمان کے فرعون بننے کی کوئی خوشی نہیں، بلکہ سخت رنج ہے کہ اُس نے اُس کی والدہ ملکہ کو ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ مگر اُس نے عنبر پر اپنے دل کی بات ظاہر نہ کی اور قہقہہ لگا کر سینہ تان کر بولا :

"عنبر، مَیں نے اپنے زورِ بازو سے مِصر کے تخت پر قبضہ کیا ہے۔ اخناتون نے لوگوں کے مذہب کے خلاف جو سنگین جرم کیا تھا اُس کی سزا اُسے مِل کر رہی۔ میں نے عوام کے پُرانے مذہب کو پھر سے بحال کر دیا ہے۔ اب مندروں اور گھروں میں اور شاہی عبادت گاہ میں پُرانے بُتوں کی پُوجا ہو گی۔ لوگ مجھ سے خوش ہیں اور مَیں بہت جلد اپنا جشنِ تاجپوشی مناؤں گا۔"

عنبر کے دل کو جیسے کسی نے اپنی مُٹھی میں لے لیا۔ جشنِ تاجپوشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سُن کر اُسے صدمہ ہُوا۔ اِس لیے کہ یہ تاج و تخت اُس کا حق تھا جس تاج کو قہرمان نے اپنے سر پر رکھا ہُوا تھا وہ تاج عنبر کی ملکیت تھا، مگر تقدیر نے عنبر کے خلاف اور قہرمان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا، مگر عنبر کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز حق و انصاف کا فیصلہ ضرور ہو گا۔ کیونکہ ربِ عظیم کے ہاں دیر ضرور ہو جاتی ہے مگر اندھیر کبھی نہیں ہوتا۔ اُس نے خوشی کے انداز میں کہا :

"میں بڑی بے تابی سے جشنِ تاجپوشی کے دن کا انتظار کروں گا قہرمان، تم میرے پُرانے دوست ہو۔ جتنی خوشی مجھے ہو گی اور بھلا کِسے ہو سکتی ہے ؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں تمہیں بے شمار خوشیوں کے موقعے دوں گا۔ میں اتنی فتوحات حاصل کروں گا کہ تمہیں میرے لیے قدم قدم پر خوشی منانی ہو گی اور میرے لیے تمہیں خوشی مناتے دیکھ کر مجھے سب سے زیادہ خوشی ہو گی"

عنبر اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ قہرمان اُس پر چوٹ کر رہا ہے۔ اُسے حسد کی آگ میں جلانا چاہتا ہے۔ اُس کے دل کو اندر ہی اندر کچوکے لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن وُہ صبر سے کام لینے کے سوا اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ قہرمان نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا :

"دوست، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دربار میں تمہارا عہدہ برقراد رہے گا !"

"شکریہ قہرمان، مجھے تم سے اسی انصاف کی اُمید تھی !"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک قہرمان نے تیز لہجے میں کہا :

"یہ انصاف نہیں عنبر! بلکہ میری دوست نوازی ہے۔ انصاف کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اگر میں تمہارے بارے میں انصاف کا تقاضا پورا کرتا تو شاید تمہیں خوشی نہ ہوتی۔ مگر میں نے دوستی سے کام لیا ہے اور تمہارے عہدے کو برقرار رکھا ہے"

عنبر نے بڑی موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا :

"میں حضور کا اِس کے لیے بھی دل سے شکر گزار ہوں!"

اتنے میں بڑا پجاری اور وزیر دربار اندر داخل ہوئے۔ وزیر دربار نے آتے ہی کہا :

"مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ بات کرنی ہے عزت پناہ!"

قہرمان نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا :

"اب تم جا سکتے ہو!"

عنبر نے جھک کر سلام کیا اور شاہی ایوان سے باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر وہ سیدھا دربار خاص کی طرف آگیا۔ اُس نے ہر کسی سے باتوں ہی باتوں میں بڑے طریقے سے معلوم کرنے کی سرتوڑ کوشش کی کہ نئے فرعون نے پُرانے فرعون اخناتون اور اُس کی ملکہ نفریتی کی لاشوں کو کہاں دفن کیا ہے۔ مگر کوئی شخص بھی اُسے کچھ نہ بتا سکا۔ اصل میں کسی کو بھی علم نہ تھا کہ اخناتون اور اُس کی ملکہ کو ہلاک کرنے کے بعد کہاں دفن کیا گیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر شاہی محل سے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا اور بظاہر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر حقیقت میں وہ درویش اناطول کے پاس جانا چاہتا تھا اِس خیال سے کہ فرعون کا سُراغرساں اُس کا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ اُس نے اپنی حویلی کو جانے والا راستہ اختیار کیا۔ ایک جگہ کھجوروں کے جُھنڈ کے پاس پہنچ کر اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ کوئی بھی اُس کا پیچھا نہیں کر رہا تو اُس نے گھوڑا درویش اناطول کے جھونپڑے کی طرف ڈال دیا۔ دریائے نیل کے کنارے سرپٹ گھوڑا دوڑاتے وہ بہت جلد درویش اناطول کی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

اُس وقت درویش اپنی جھونپڑی سے باہر انار کے درختوں کی چھاؤں میں بوریے پر بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ عنبر گھوڑا ایک طرف کھڑا کر کے ریت پر بیٹھ گیا اور اناطول کی عبادت کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اناطول نے عبادت سے فارغ ہونے کے بعد عنبر کو دیکھا اور اُٹھ کر اُسے گلے لگا لیا۔ عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ درویش نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"مجھے ایک ایک بات معلوم ہے عنبر بیٹے، تم مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ مجھے تمہارے چچا اور تمہاری والدہ ملکہ کی موت کا بے حد صدمہ ہُوا ہے۔ تمہارے دوست قہرمان نے ان دونوں کو ہلاک کر کے ایک سنگین جرم کیا ہے۔ ایک ہولناک ظلم کیا ہے۔ اُس نے اپنی تباہی کو آواز دی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک تخت پر نہ بیٹھ سکے گا۔ ظالم کو آخر اُس کے کیے کی سزا ضرور ملتی ہے۔ رب عظیم کا قانون سچا ہے۔ وہ ظلم کرنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو کبھی معاف نہیں کرتا!"

عنبر نے کہا:

"میرے آقا! میرے ساتھ جو سب سے بڑا ظلم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے اپنی والدہ اور چچا کی قبروں کا بھی کچھ علم نہیں ہے۔ قہرمان نے اس خیال سے کہ لوگ اُن کی پوجا شروع نہ کر دیں، قتل کرنے کے بعد دونوں کی لاشوں کو کسی خفیہ جگہ دفن کر دیا ہے۔ خدا جانے اُس نے اُنہیں دفن کیا ہے یا دریا میں بہا دیا ہے۔"

درویش نے سر ہلا کر کہا: "بادشاہ اور ملکہ کی رُوحیں قہرمان سے اس ظلم کا ضرور بدلہ لیں گی۔"

عنبر کہنے لگا: "اُن کے بدلہ لینے سے پہلے میں قہرمان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ ابھی میرے پر کٹے ہوئے ہیں۔ ابھی میں مجبور ہوں۔ ابھی میں اکیلا اور بے یار و مددگار ہوں۔ مگر بہت جلد ربِ عظیم کی مہربانی سے میرے ساتھ پوری فوج اور پورا دربار ہوگا اور میں قہرمان کی گردن اڑا کر اس سے اپنا جائز حق مصر کا تاج و تخت چھین لوں گا۔"

"ربِ عظیم نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا عنبر! فی الحال تمہیں صبر اور حکمت عملی سے کام لینا ہوگا اور مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

عنبر نے سر جھکا لیا اور پلکوں پر آنسو بھر کر بولا:

"اے بزرگ ہستی! مجھے یہ بتایئے کہ میری والدہ ملکہ کی قبر کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درویش اناطول نے یہ سوال سن کر آنکھیں بند کر لیں اور ریت پر دو زانو ہو کر مراقبے میں بیٹھ گیا۔ کافی دیر مراقبہ کرنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا:

"عنبر، تمہاری والدہ ملکہ اور چچا کی قبریں میں تمہارے پڑدادا کے پڑدادا فرعون کے اہرام کے کھنڈروں میں دیکھ رہا ہوں۔ تم وہاں جا کر اُن کی قبروں پر دُعا پڑھ سکتے ہو۔ یہ کھنڈر شہر کے شمال مشرق میں ہیں۔"

"شکریہ درویش خدامست، میں ابھی دُعا پڑھنے جا رہا ہوں۔"

درویش اناطول سے اجازت لے کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور قدیم اہرام کے کھنڈروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے وہ وہاں پہنچ گیا۔ اہرام کے یہ کھنڈر ویران اور اُجاڑ پڑے تھے۔ گھوڑے کو باہر باندھ کر وہ اہرام کے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں چاروں طرف ٹھنڈا اور مرطوب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اُس نے مشعل جلا کر ہاتھوں میں تھام لی۔ اچانک ایک طرف سے ایک جانور اُڑ کر اس کے سر پر پھڑپھڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی اُسے ایک آواز آئی:

"اے شہزادے، کیا تُو اپنی والدہ ملکہ کی قبر کی تلاش میں آیا ہے؟"

عنبر کو یوں لگا جیسے یہ آواز اُس کے پڑدادا کی رُوح کی ہو۔ اُس نے کہا:

"ہاں اے مقدس آواز، ربِ عظیم تجھے اپنی رحمت سے نوازے۔ میری رہنمائی کر اور بتا کہ میری والدہ کی قبر کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز پھر سُنائی دی: "اس کے لیے تجھے میری ایک شرط ماننی ہوگی۔ اگر تم نے میری شرط تسلیم کر لی تو مَیں تجھے تمہاری والدہ ملکہ کی قبر تک پہنچا دُوں گا۔ لیکن اگر تم نے میری شرط نہ مانی تو تم ساری زندگی ان غاروں میں بھٹکتے رہو گے اور تمہیں اپنی ماں کی قبر کا پتا نہ چل سکے گا۔"

عنبر نے جلدی سے کہا:

"مجھے اپنی شرط بتاؤ، مَیں اُسے تسلیم کروں گا۔"

آواز نے کہا:

"تمہیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہنا ہوگا کہ اے ربِ زیوس، مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے۔ مجھ پر موت حرام کر دے۔"

عنبر ذرا ہچکچایا: "یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے!"

آواز نے غصّے میں کہا:

"تو پھر ان غاروں میں ساری عمر بھٹکتا پھر۔ مَیں جا رہا ہُوں۔"

"نہیں نہیں، ایسا نہ کرنا۔ مَیں تیار ہُوں۔"

اور عنبر نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"اے ربِ زیوس، مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے۔ مجھ پر موت حرام کر دے۔"

فضا میں ایک شیطانی قہقہہ بلند ہُوا اور غار کی دیواریں گونج اُٹھیں:

"نیچے دیکھو، تمہاری والدہ کی قبر تمہارے سامنے ہے۔"

عنبر نے جُھک کر دیکھا ایک گڑھے میں دو قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک قبر پر اُس کی والدہ کا نام اور دوسری پر اُس کے چچا زیرین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخناتون کا نام کندہ تھا۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر دونوں قبروں پر دُعا مانگی۔ اور غار سے باہر نکلنے سے پہلے آواز کو مخاطب کر کے بولا:

"اے آواز مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے ہمیشہ کی زندگی کیوں دلوائی ہے؟"

ایک بار پھر شیطانی قہقہہ گونجا اور جواب ملا:

"اِس لیے کہ میں ہمیشہ کے جہنمی عذاب سے چھٹکارا پا سکوں۔ سُنو، اب تمہیں رات کے پچھلے پہر دریا پر پہنچنا ہوگا۔ وہاں ایک جہاز تمہارے انتظار میں کھڑا ہوگا۔ یہ ہمیشہ کی زندگی کا جہاز ہوگا۔ تم اُس پر سوار ہو جاؤ گے۔ اگر تم نے اپنی شرط اور قسم کے مطابق ایسا نہ کیا تو تمہاری والدہ کی رُوح قیامت تک سخت عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی۔"

عنبر نے فوراً کہا:

"مَیں ضرور پہنچ جاؤں گا۔ ربِ عظیم، میری والدہ ملکہ کی رُوح کو عذاب سے محفوظ رکھے۔"

ربِ عظیم کے نام پر ایک بار پھر ایسا شیطانی قہقہہ گونجا جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی سے پتھروں کے ساتھ نیچے لڑھک رہا ہو۔ اس کے بعد آواز غائب ہو گئی۔ عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ اُس کی مشعل بجھ کر اندر ہی کہیں گر چکی تھی۔

گھوڑے پر سوار ہو کر وہ سیدھا اپنی حویلی میں آ گیا۔ وہ بڑا حیران تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ ہمیشہ زندہ رہے اور اُسے کبھی بھی موت نہ آئے۔ اِس چیز کو آزمانے کے لیے اُس نے خنجر لے کر اپنے بازو پر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خراش ڈالی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بازو کی کھال کٹ گئی لیکن خون کا ایک قطرہ بھی باہر نہ نکلا۔ اس کے ساتھ ہی زخم اپنے آپ مل گیا۔ وہ ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ اسے باہر گھوڑوں کے رکنے اور حویلی کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ ایک دم کھلا اور دو سپاہی تلواریں سونتے اُس کی طرف بڑھے۔

"ہم فرعون مصر کے نام پر تجھے گرفتار کرتے ہیں۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے زندہ زمین میں دفن کر دیں۔"

عنبر پہلے تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ وہ تو مر نہیں سکتا۔ کیوں نہ مقابلہ ہی کرے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے بھی تلوار نکال لی۔ دونوں سپاہی اُس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ بڑا زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ عنبر اگر تلوار بازی میں ماہر تھا تو وہ سپاہی بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ ایک کا دوسے مقابلہ تھا۔ کبھی عنبر کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی سپاہی اُسے دھکیلتے ہوئے دیوار تک لے جاتے۔ آخر ایک کامیاب راؤنڈ کھیل کر عنبر نے ایک زوردار وار کر کے ایک سپاہی کی گردن اُڑا دی۔ دوسرا سپاہی اپنے ساتھی کی موت سے غضبناک ہو گیا۔ اُس نے تلوار کا ایک بھرپور وار عنبر کی گردن پر کیا۔ تلوار سیدھی عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ مگر گردن کٹنے کی بجائے تلوار جھنجھنا کر اُچٹ گئی۔ جیسے کسی لوہے کی ڈھال سے ٹکرائی ہو۔ چھن کی آواز پیدا ہوئی اور گردن کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔

سپاہی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے ایسا شدید اور بھرپور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وار کیا تھا کہ اگر پتھر پر بھی کیا جاتا تو اُس کے بھی ٹکڑے اُڑ جاتے۔ مگر عنبر کی گردن پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی۔ وُہ گھبرا گیا۔ عنبر نے اُس کی گھبراہٹ سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے تلوار اس کے دل میں اُتار دی۔ ایک چیخ کے ساتھ سپاہی مُردہ ہو کر گر پڑا۔ عنبر نے تلوار نیام میں کی۔ اپنی حویلی کو ایک نظر دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کی طرف اُٹھ دوڑا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں فرعون کی فوج اُس کی تلاش میں نہ آ رہی ہو۔ اگرچہ وُہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی اسے ڈر تھا کہ زمین کے اندر دفن ہونے سے کہیں اُس کا سانس نہ رُک جائے اور دم گھٹنے سے نہ مر جاتے۔ اُسے کیا خبر تھی کہ وُہ زمین میں دفن ہونے کے بعد بھی ہزاروں سال تک بغیر سانس لیے اور کچھ کھائے پیئے زندہ رہ سکتا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی۔ وُہ دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ تو دریا کنارے ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز لنگر انداز تھا۔ جہاز پر روشنی ہو رہی تھی اور ملاحوں کے گیت گانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وُہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کس کو آواز دے کہ جہاز سے ایک چھوٹی سی کشتی اُتر کر اُس کے پاس آئی اور ایک اَدھیڑ عمر جہازی نے کہا:

"تشریف لائیے، ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔"

عنبر چُپ چاپ کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی اُسے لے کر بادبانی جہاز کے ساتھ لگ گئی۔ ایک سیڑھی کے ذریعے عنبر جہاز کے اُوپر آ گیا۔ وہاں جہازی گیت گاتے ہُوئے اپنے کام میں لگے تھے۔ عنبر کو سوار ہوتا دیکھ کر جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کپتان نے جہاز کا لنگر اُٹھوا دیا اور جہاز نے پچھلے پہر کی ہواؤں میں دریا میں سفر شروع کر دیا۔ رات بھر اور اگلے دن سفر کرنے کے بعد جہاز کھلے سمندر میں داخل ہو گیا۔ اس دوران میں جہاز پر کسی نے بھی عنبر سے کوئی بات نہ کی تھی۔ سارے جہازی اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ عنبر جب کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اُس کی طرف دیکھ کر خاموشی سے مسکراتا اور بغیر جواب دیے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا۔

رات ہو گئی۔ اُس رات سمندر میں طوفان آ گیا۔ صبح طوفان تھم گیا ـــ بادلوں میں سے سورج نکلا تو عنبر اپنے لکڑی کے کیبن سے نکل کر عرشے پر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہاں ایک بھی جہازی نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر کپتان کے کمرے میں گیا۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ نیچے آیا۔ جہاز کے چپّو اپنے آپ چل رہے تھے۔ ملاّحوں کے گیت گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مگر ایک بھی ملاّح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ سارے جہاز میں گھوم گیا۔ سارے کا سارا جہاز خالی تھا۔ پھر ملاّحوں کے گیت کی آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ چپّو اپنے آپ چلتے رہے۔ جہاز کسی نامعلوم منزل کی طرف سمندر کی لہروں پر بہتا رہا۔ عنبر اُس خالی اور ویران جہاز پر شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تنہا رہ گیا ـــ کیا وہ موت سے زندگی کی طرف جا رہا تھا؟

خالی جہاز عنبر کو لے کر کہاں پہنچا ؟

اُس نے فرعون سے کیسے انتقام لیا ؟

یہ سب کچھ اس ناول کے دُوسرے حِصّے "فرعون کی تباہی" میں پڑھیے۔

فرعون کی تباہی

اے۔ حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۔ ۲
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

فرعون کی تباہی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ اچھرہ، لاہور

قیمت : Rs. 46/00

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹، سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۔۲/ ۵۴۰۰۰

ISBN - 969 - 31 - 0365 - 3

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

قدرت کا انتقام
سنگ دل ہینی بال
ویران شہر
شاہی جاسوس
فرعون کی تباہی
قاتلانہ حملہ
اسے آگ میں ڈال دو
انسانی قربانی
طلالہ کی روح
آسمانی آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچّو،

عنبر ایک بادبانی جہاز پر سوار ملک مصر سے روانہ ہُوا تھا۔ اُسے دُعا ملی تھی کہ وُہ کبھی نہیں مرے گا۔ لوگ بوڑھے ہو کر مر جائیں گے مگر وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کو تلوار ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اُس کا خون نہیں نکلے گا اُس کا زخم اپنے آپ ربڑ کی طرح بند ہو جائے گا۔ وہ ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو افریقہ کے ساحل پر اُتر گیا۔ اُس نے ایک بستی میں جا کر کچھ خریدنا چاہا۔ فرعون مصر کے سونے کے سکّے دیے تو لوگ حیران رہ گئے۔ ایک آدمی نے کہا :

"یہ سکّے تو ایک ہزار سال پُرانے ہیں۔"

دوستو، عنبر ایک ہی رات میں جہاز میں سوئے سوئے ایک ہزار سال آگے نکل گیا تھا۔ ایک ہزار برس گزر گئے تھے اور اس کی صرف ایک رات ہی گزری تھی۔ وہ ہینی بال کے دربار میں جاتا ہے۔ فرعون سے بدلہ لینے کے لیے ملک مصر پر حملہ کرواتا ہے۔ اُس پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ ہینی بال ایک معصوم لڑکی کو بعل دیوتا کے آگے قربان کر کے آگ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ عنبر راتوں رات اُس لڑکی کو بچا کر قلعے سے بھاگ جاتا ہے۔ فوج پیچھا کرتی ہے۔ وہ پکڑے جانے والے ہوتے ہیں کہ طلالہ کی رُوح آسمان سے بجلی گرا کر فوج کو بھسم کر دیتی ہے۔ عنبر ملک نوبیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کی ملکہ سے ملاقات کرتا ہے۔ ہینی بال ملکہ کے ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ عنبر اس کی مدد کرتا ہے اور ملکہ کی موت کے بعد دشمنوں میں گھر جاتا ہے۔ طلالہ کی رُوح اسے قید سے نکالتی ہے اور وُہ رات کے اندھیرے میں فرار ہو کر نمرود کے ملک کو روانہ ہو جاتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدرت کا انتقام

عنبر کو دیوی نے دعا یا بد دعا دی تھی کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ وقت گزرتا چلا جائے گا۔ لوگ پیدا ہوں گے اور بوڑھے ہو کر مر جائیں گے۔ قومیں ابھریں گی اور مٹ جائیں گی۔ بادشاہ تخت پر بیٹھیں گے اور ایک ایک کر کے تخت چھوڑ کر مقبروں میں دفن ہوتے جائیں گے۔ مگر عنبر کو موت نہیں آئے گی۔ وہ ہر حکومت میں، ہر عہد میں، ہر مقام میں، ہر بادشاہ کے دور میں زندہ رہے گا۔ اگر وہ کچھ کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے۔ پینا چاہے تو پی سکتا ہے۔ مگر نہ اسے کبھی بھوک لگے گی اور نہ پیاس لگے گی۔ وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کے چہرے پر جھریاں نہیں پڑیں گی۔ اس کے بال سفید نہیں ہوں گے۔ اس کی کمر کبھی نہیں جھکے گی۔ وہ کبھی بوڑھا نہیں ہو گا۔ وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پیارے دوستو! آپ اس کتاب کے پہلے حصے میں پڑھ چکے ہیں کہ مصر کا جلا وطن شہزادہ عنبر اپنے چچا فرعون اخناتون اور والدہ ملکہ نفرتیتی کے قتل کے بعد مصر سے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر بھاگ گیا۔ دیوی کی آواز نے اسے کہا تھا کہ وہ دریائے نیل کے کنارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُہنچ جائے۔ وہاں ایک جہاز اُسے تیار ملے گا جو اُسے مصر سے فرار ہونے میں مدد دے گا۔ عنبر دریا پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جہاز کے کپتان نے اُسے جہاز پر سوار کرایا۔ جہاز پر ملّاح اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ کسی ملّاح نے عنبر سے کوئی بات نہ کی۔ عنبر نے جس ملّاح سے بھی کوئی بات پُوچھی جواب میں وُہ ملّاح صرف مُسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ جہاز کا کپتان بھی خاموش تھا اور اپنا کام کر رہا تھا۔ عنبر سوچنے لگا یہ لوگ کیسے ہیں کہ اُس سے کوئی بات نہیں کرتے اور اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ جہاز کھُلے سمندر میں پہنچا تو رات ہو گئی۔ عنبر نے سوچا کہ صبح اُٹھ کر وُہ جہاز کے کپتان سے مل کر ضرور پُوچھنے کی کوشش کرے گا کہ یہ جہاز کدھر جا رہا ہے اور ملّاح اُس سے بات کیوں نہیں کرتے؟

رات کو وُہ کچھ دیر بادبانی جہاز کے عرشے پر کھڑا سمندر کی لہروں کو اندھیرے میں دیکھتا رہا۔ پھر وُہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں جا کر فرش پر قالین بچھا کر سو گیا۔ صبح اُس کی آنکھ کھُلی تو کمرے کے گول سوراخ میں سے دُھوپ اندر آ رہی تھی۔ وُہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر اُوپر آیا۔ پہلی بات اُسے یہ محسوس ہُوئی کہ اُسے بھُوک نہیں محسوس ہو رہی تھی؛ حالاں کہ ہر روز صبح اُسے بھُوک لگتی تھی اور وُہ ناشتہ کرتا تھا۔ مگر اُس روز اُسے بالکل بھُوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ طبیعت بھی ہر طرح سے ہشاش بشاش تھی۔ وُہ جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے عرشے پر آگیا۔ یہاں ایک بھی ملاح نہیں تھا۔ وہ جہاز کے کپتان کے کمرے میں گیا۔ وہاں ہر شے موجود تھی مگر کپتان موجود نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر نیچے گیا جہاں غلام حبشی قطاروں میں بیٹھے چپو چلایا کرتے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چپو سمندر میں اپنے آپ چل رہے تھے مگر حبشی ملاح ایک بھی نہیں تھا۔ عنبر کو پسینہ آگیا۔

اے ربِ عظیم، یہ ماجرا کیا ہے؟

اس نے سارا جہاز گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تو کیا وہ جہاز پر اکیلا رہ گیا تھا؟ آخر یہ سارے ملاح اور کپتان کہاں چلے گئے! رات کو تو سب کے سب جہاز پر موجود تھے۔ سمندر کی لہریں بڑی پُرسکون تھیں اور جہاز کے بادبان کھلے تھے اور وہ اپنے آپ کسی نامعلوم منزل کی طرف سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا۔ عنبر سر کو پکڑ کر بادبان کے لکڑی کے موٹے کھمبے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ راتوں رات دنیا کیسے بدل گئی تھی! اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ بحری جہاز پر اکیلا رہ گیا ہے اور وہاں ایک بھی ملاح موجود نہیں ہے۔ کیا دیوی کی بددعا صحیح ثابت ہو رہی تھی؟ کیا وہ ہمیشہ کے لیے زندہ اور غیر فانی ہو گیا تھا! وہ اُٹھ کر بے چینی کے عالم میں لکڑی کے فرش پر ٹہلنے لگا۔ وہ کہاں جا رہا تھا! کس طرف جا رہا تھا۔ وہ جہاز کے کپتان کے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آ گیا۔ اس نے قطب نما کو دیکھا۔ بادبانی جہاز جنوب مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بہت جلد افریقہ کے کسی ملک کے ساحل پر لگنے والا تھا۔

اچانک اسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر اوپر عرشے پر آیا۔ جہاز کے اوپر گدھ کی شکل کا ایک بہت بڑا پرندہ پر پھیلائے منڈلا رہا تھا۔ وہ رک رک کر بڑی بھیانک [illegible] چیخ رہا تھا۔ عنبر بادبان کے کھمبے کے ساتھ لگا [illegible] سے حیرت [illegible] دیکھتا رہا۔ کچھ دیر جہاز کے اوپر منڈلانے کے بعد پرندہ [illegible] سے اوپر اڑتا ہوا غائب ہو گیا۔ عنبر نیچے آ گیا۔ اسے بھوک [illegible] محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے عادت سے مجبور [illegible] اپنے کمرے میں جا کر جو کی سوکھی روٹی مرغابی کے بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کھائی اور قالین پر لیٹ کر غور کرنے لگا۔ اس کے ساتھ کیسا واقعہ پیش آ رہا تھا۔

غور کرتے کرتے اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ اٹھا تو شام ہو رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سارا دن سوتا رہا تھا۔ جہاز اسی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ سمندر پر رات کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھری ہوئی تھی اور نیچے اس کے چپو اپنے آپ چل رہے تھے۔ کچھ دیر وہ عرشے پر کھڑا سمندر میں سورج کو غروب ہوتے دیکھتا۔ پھر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اُس نے موم کی شمع روشن کر لی تھی جس کی دُھندلی روشنی میں وہ بستر پر لیٹا گزرے ہوئے زمانے اور آنے والے وقت کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ جانے رات کتنی دیر تک وہ بستر پر لیٹا پہلو بدلتا رہا۔ پھر وہ گہری نیند میں کھو گیا۔ صبح دن چڑھے وہ اُٹھا اور عرشے پر آکر ایک بار پھر وہ کھڑا ہو کر سمندر کا نظارہ کرنے لگا۔

سمندر کا رنگ مٹیالا ہو گیا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں دریا کا پانی اُس میں شامل ہونا شروع ہو گیا تھا اور وہ زمین کے قریب پہنچنے والا تھا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد آسمان پر مرغابیوں نے چکر لگانا شروع کر دیا۔ یہ بھی اِس بات کا اشارہ تھا کہ زمین قریب ہے۔ دوپہر کے بعد عنبر کو دُور ساحل کی لکیر نظر آئی۔

جہاز دھیمی رفتار کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف اپنے آپ بڑھ رہا تھا۔ شام تک عرشے پر کھڑا وہ زمین کی کالی لکیر کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ جب رات ہو گئی اور وہ تھک گیا تو نیچے اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر پڑا اور سو گیا۔ اکیلے جہاز میں اُسے کسی وقت خوف بھی محسوس ہوتا تھا۔ اگلے روز سورج نکلنے کے بعد عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے مرغابیوں کی آوازیں سُنیں۔ وہ لپک کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اُس کا جہاز اپنے آپ رُک گیا تھا اور کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ساحل تھا جہاں ناریل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے درختوں کے جُھنڈ دھوپ میں چمک رہے تھے ۔

وہ حیران ہو رہا تھا کہ جہاز سمندر میں اپنے آپ کیسے کھڑا ہوگیا ۔

اُس نے پانی میں کشتی اُتاری اور اُس میں سوار ہو کر اُسے کھیتا ہُوا ساحل کی طرف چل پڑا ۔ اپنا جھولا اور تلوار اُس نے گلے میں لٹکا رکھی تھی ۔ جھولے میں جَو کی خشک روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور فرعونِ مصر کے سونے کے چند سکے تھے ۔ ساحل پر پہنچ کر اُس نے کشتی ایک طرف کھینچ کر کنارے کے درخت سے باندھ دی ۔ ساحل ویران پڑا تھا ۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جہاں وہ اُترا ہے وہ کسی جزیرے کا ساحل ہے یا کسی نئے ملک کا کنارا ہے ۔ ایک کچا راستہ جنگل کے بیچ میں سے جا رہا تھا ۔ اِس راستے کو دیکھ کر عنبر کو معلوم ہوا کہ وہاں سے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں ۔ راستے پر گھوڑوں کے سُموں کے نشان بھی تھے ۔ اب وہ بڑا ہوشیار ہو کر چلا جا رہا تھا ۔ کیونکہ اُسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ جس علاقے میں جا رہا ہے وہ دشمن کا علاقہ ہے یا وہاں آدم خور وحشی آباد ہیں ۔ چلتے چلتے وہ جنگل سے باہر نکل آیا ۔ اب اُس کے سامنے کسی گاؤں کی بستی کا ایک چھوٹا سا بازار تھا جہاں ننگ دھڑنگ حبشی بچے مٹی میں کھیل رہے تھے ۔ دکانوں پر سیاہ فام حبشی بیٹھے تھے ۔ کالی کالی حبشی عورتیں چیزیں خرید رہی تھیں ۔ عنبر بازار میں سے گزر رہا تھا ۔ اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس کیا کہ لوگ اُس کے مصری لباس کو عجیب وغریب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

دو چار بچے اُس کے نیلے رنگ کے لمبے کُرتے کو دیکھ کر اُس کے پیچھے تالیاں بجانے لگے۔ عنبر کچھ گھبرا گیا اور ایک دکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس دُکان پر تیر کمان بک رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ یہ تیر کمان کسی سنہری دھات کے تھے جبکہ مصر میں جہاں سے وُہ آ رہا تھا۔ سیاہ دھات کے تیر کمان استعمال ہوتے تھے۔ وُہ اِسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ حبشی دکاندار نے اپنی زبان میں کچھ پُوچھا۔ عنبر وہ زبان نہ سمجھ سکا۔ عنبر نے اشاروں میں تیر کمان کی قیمت پُوچھی۔ دوکاندار نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا۔ عنبر نے جیب سے سونے کے چند سِکّے نکال کر اُس کے آگے رکھ دیے تاکہ اُسے جتنے سکّوں کی ضرورت ہو لے لے۔ دُکاندار سکّوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے فوراً آواز دے کر ساتھ کے دُکانداروں کو اکٹھا کر لیا۔ سبھی سونے کے سکّوں کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ آخر ایک بوڑھا حبشی آگے بڑھا۔ اور اُس نے ٹوٹی پھوٹی پُرانی قبطی زبان میں عنبر سے پُوچھا:

"یہ سِکّے تم نے مِصر کے کون سے اہرام سے کھودے ہیں؟"

عنبر نے کہا کہ وُہ تو ابھی دو روز پہلے مصر سے سِکّے جیب میں ڈال کر چلا ہے۔ اُس نے کسی اہرام سے نہیں کھودے۔ بلکہ اپنے گھر سے لیے ہیں۔ بوڑھا آدمی سکتے میں آ گیا۔ اُس نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سونے کے سکے تو آج سے ایک ہزار برس پہلے مصر کے فرعون اخناتون کے زمانے میں چلا کرتے تھے۔"

عنبر پر گویا بجلی سی گری۔ تو کیا وہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے؟ کیا اُس کے چچا فرعون اخناتون اور والدہ ملکہ نفرتیتی کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں؟ وہ اسی حیرانی میں تھا کہ حبشی بوڑھا بولا:

"اے نوجوان مصری، تم کہاں سے آرہے ہو؟"

"مصر کے شہر تھیبس سے، وہاں میرا گھر ہے۔"

"مگر مصر کے شہر تھیبس کو تباہ ہوئے ایک ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اُس کے تو محض کھنڈر اب باقی ہیں۔ اب تو مصر کا دارالسلطنت میمفس شہر ہے۔"

عنبر کو چکر آگیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ دکاندار اُسے تعجب سے تک رہے تھے۔ بوڑھے حبشی نے کہا:

"تم مصر کے شہر سے کب روانہ ہوئے تھے؟"

"میں پرسوں بادبانی جہاز پر بیٹھ کر وہاں سے چلا تھا۔"

"تمہارا جہاز کہاں ہے؟"

"سمندر کے کنارے کھڑا ہے۔"

بوڑھے حبشی نے اس وقت کچھ لوگوں کو سمندر کی طرف دوڑایا کہ جا کر دریافت کرو سمندر کے کنارے کوئی جہاز کھڑا ہے؟ تھوڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر بعد اُنھوں نے آ کر بتایا کہ سمندر دُور دُور تک خالی ہے۔ وہاں کوئی جہاز تو کیا ایک کشتی تک نہیں ہے۔

عنبر نے کہا:

"مگر میں تو ابھی ابھی جہاز کو سمندر کے کنارے چھوڑ کر آیا ہوں"

بوڑھے حبشی نے محسوس کیا کہ نوجوان مصری کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ اُس نے عنبر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"بیٹا! تم یہاں بیٹھ کر تربوز کا ٹھنڈا پانی پیو۔ شاید تمہارے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے"

"لیکن ـــ لیکن میں آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں پرسوں مصر کے شہر تھیبس سے بادبانی جہاز میں بیٹھ کر چلا تھا۔ وہاں میرے چچا فرعون اخناتون کو سپہ سالار نے قتل کر دیا تھا۔۔۔"

سارے دکاندار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ بوڑھے حبشی نے کہا:

"اے نوجوان! تمہارے پاگل ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ اخناتون اور اُس کی ملکہ نفرتیتی کو قتل ہوئے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اُن کی قبریں بھی اہرام کے اندر پرانی ہو گئی ہیں۔ جس سپہ سالار تھران نے انہیں قتل کر کے تخت پر قبضہ کیا تھا اُس کی ہڈیاں بھی قبر میں گل سڑ گئی ہیں"

عنبر نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو مصر پر کس کی حکومت ہے؟"

"ابو سمبل کے پڑپوتے کی جو ایک کمزور حکمران ہے اور اشوری حملہ آوروں کی زد میں رہتا ہے۔ مصر کی حکومت کمزور ہو کر زوال کی طرف جا رہی ہے۔"

عنبر کو یقین ہو گیا تھا کہ دیوی کی دُعا یا بددعا سچ ہو گئی ہے اور بادبانی جہاز میں سفر کرتے کرتے وہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے۔ سب لوگ مر کھپ گئے ہیں۔ مگر وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ بات وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں بازار میں شور سا مچا اور لوگ بھاگ کر اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔ ایک گھوڑ سوار فوجی لباس میں وہاں آ کر رُک گیا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

بوڑھے حبشی نے جُھک کر کہا:

"اے معزز سردار! یہ نوجوان کہتا ہے کہ یہ فرعون اخناتون کے مصر سے یہاں آ رہا ہے؛ حالاں کہ فرعون اخناتون کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اس کے پاس فرعون اخناتون کے دور کے سونے کے سکے بھی ہیں جو آج کل کہیں نہیں چلتے۔"

حبشی سردار گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُس نے پہلے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورا اور پھر کہا:

"اِس کا لباس بھی ایک ہزار برس پُرانے مصر کا ہے۔ تمہارا نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا ہے نوجوان ؟"

"عنبر"

"تم کون ہو ؟"

"میں مصر کا شہزادہ ہوں۔ اخناتون میرا چچا ہے اور ملکہ نفرتی میری والدہ ہے"

سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"خاموش"

چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ سردار نے کہا۔

"سونے کے سکے مجھے دکھاؤ"

عنبر نے سونے کے سکے سردار کو دیے۔ سردار سکوں کو ہتھیلی پر لے کر غور سے دیکھنے لگا۔ سکے بالکل نئے اور چمکیلے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی ابھی شاہی خزانے سے نکالے گئے ہیں۔ کھدائی میں نکلے ہوئے سکے سیاہ پڑ چکے ہوتے ہیں۔ سردار بھی چکر میں آ گیا۔ اُس نے پوچھا:

"تم مصر سے یہاں کس طرح پہنچے ؟"

"اپنے ہوائی جہاز پر"

"تمہارا جہاز کہاں کھڑا ہے ؟"

"میں جہاز کو ساحل سمندر پر چھوڑ کر آیا تھا مگر یہ لوگ ابھی ابھی سمندر دیکھ کر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں کوئی جہاز نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

بوڑھے حبشی نے کہا:

"معزز سردار، سمندر خالی ہے۔ وہاں کوئی جہاز نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔"

سردار نے عنبر کی نبض دیکھی اور کہا:

"تمہیں بخار معلوم ہوتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میں خود حکیم ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تندرست ہوں۔"

پھر تم پاگلوں ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ایک ہزار سال پیچھے سے زندہ سلامت چلے آ رہے ہو۔"

"یہ حقیقت ہے معزز سردار، میں نے جہاز میں ایک ہی دن میں ایک ہزار سال عبور کر لیے ہیں۔"

لوگوں نے پھر قہقہے لگائے اور عنبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیا

سردار نے لوگوں کو چپ کراتے ہوئے عنبر سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ نوجوان، تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور اس بستی میں تمہیں میری حویلی کے سوا اور کہیں آرام نہیں مل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا ۔"

"حبشی سردار عنبر کو ساتھ لے کر اپنی حویلی میں آ گیا۔

سردار کی حویلی اُس بستی کے کنارے پر تھی۔ اس کے ارد گرد زیتون اور کھجور کے درختوں کا بڑا گھنا اور خوبصورت باغ تھا جہاں سیاہ پتھر کے تخت بچھے ہوئے تھے۔ سردار عنبر کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ یہاں دیواروں پر تلواریں اور نیزے سجے تھے۔ فرش پر حسین اور قیمتی ایرانی قالین اور عربی ریشم کی چادریں بچھی تھیں۔

سردار نے پوچھا:

"کیا کھاؤ پیو گے؟"

"مجھے نہ بھوک ہے نہ پیاس۔"

سردار ہنس پڑا۔ اُس نے تالی بجائی۔ ایک حبشی خادمہ چاندی کے طشت میں تازہ کٹا ہُوا رس دار تربوز اور کھجوریں لے کر اندر آئی اور ان کے درمیان رکھ کر واپس چلی گئی۔ سردار نے کہا:

"اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو اور یہ ایک ہزار سال پُرانے سونے کے سکّے تم نے کہاں سے حاصل کیے ہیں؟"

عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سچ سچ بتا دی۔ سردار گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اسے عنبر کی باتوں سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ مگر یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ ایک ہزار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سال سے زندہ ہے اور اُسے موت نہیں آئی۔ اس کے باوجود عنبر کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اِس دنیا میں رہتے ہوئے ایک ہزار سال زندہ نہیں رہ سکتا۔

سردار نے کہا:

"عنبر تم آرام کرو۔ شاید نیند کر لینے سے تمہارے دماغ پر اچھا اثر پڑے گا۔"

اب عنبر نے پُوچھا:

"اِس مُلک کا نام کیا ہے۔ جہاں اس وقت میں موجود ہُوں؟"

سردار نے کہا:

"تم اِس وقت مُلک افریقہ میں ہو اور یہاں ہینی بال کی حکومت ہے۔ میں صوبے کے گورنر کا بھانجا ہُوں اور اس بستی کا سردار ہُوں۔ مصر میں فرعونوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس وقت وہاں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ ابو سمبل کے پڑپوتے فرعون کو لوگ قتل کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہمارا بادشاہ ہینی بال مصر پر حملہ کرنے ہی والا ہے۔ پھر مصر پر ہماری حکومت ہو گی۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

سردار ہنس پڑا:

"تم ہمارے لباس اور اپنے لباس کو دیکھو۔ اپنی زبان اور ہماری

زبان کو دیکھو۔ اپنے سونے کے سکّوں اور ہمارے چمڑے کے سکّوں کو دیکھو۔ اپنی پُرانی بھدّی تلوار اور ہماری تلوار اور تانبے کی دھات کے تیر کمان کو دیکھو۔ کیا تمہیں ان سب میں ایک ہزار سال کا فرق دکھائی نہیں دے رہا؟"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو سردار!"

"اچھا اب تم آرام کرو۔ صبح باتیں کریں گے!"

سردار چلا گیا۔ عنبر اکیلا بستر پر لیٹ کر غور کرنے لگا کہ خدا جانے اب حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ تو کر دیا گیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اُسے تاریخ کے کِس کِس دَور میں سے کون کون سی مصیبتیں برداشت کرتے ہُوئے گزرنا ہوگا——

اِس بات کا اُسے یقین تھا کہ اُس پر اعتبار کوئی نہیں کرے گا۔ اِس لیے اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ اُسی ملک کے لوگوں کا بھیس بدل لے گا اور اب کِسی سے نہیں کہے گا کہ وُہ ایک ہزار سال سے زندہ چلا آ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنگ دل ہیلنی بال

•

حبشی سردار ساری رات غور کرتا رہا ۔

اُسے معلوم تھا کہ افریقہ کا بادشاہ ہیلنی بال مصر پر حملہ کرکے ے فتح کرنا چاہتا ہے ۔ اگر سردار اِس سلسلے میں ہیلنی بال کی مدد کرے تو وُہ فوج میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے ۔ اِس کے لیے ضروری تھا کہ عنبر کو استعمال کیا جائے ۔ مصر کے بارے میں عنبر کی معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُسے مصر کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لیے اُس سے جاسوسی کرائی جائے ۔ سردار نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر کو ساتھ لے کر بادشاہ ہیلنی بال کے دربار میں جائے گا ۔ صبح اُٹھ کر اس نے عنبر کے ساتھ ناشتہ کیا اور کہا :

"عنبر : میں چاہتا ہُوں کہ تم ہمارے ملک میں آئے ہو تو تمہا ملاقات بادشاہ ہیلنی بال سے کرائی جائے ۔ وُہ تم سے مل کر یقیناً خوش ہوگا ۔ کیا تم ہمارے بادشاہ سے ملنا چاہتے ہو عنبر ؟"

"کیوں نہیں ، ضرور ملنا چاہوں گا ۔"

عنبر نے سوچا کہ اب اُسے اپنے آپ کو تاریخ کے دھا کے حوالے کر دینا چاہیے ۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا ۔ ویسے بھی اُ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی خواہش تھی کہ ایک معمولی مسافر کی طرح ایک سردار کی حویلی میں پڑا رہنے سے بہتر ہے کہ دربار میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل کیا جائے آخر وہ مصر کا شہزادہ تھا۔ وہ گھٹیا درجے کے ماحول میں ہرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار نے اُس کے دل کی بات کہی تھی۔ وہ تو چاہتا تھا کہ بادشاہ تک رسائی حاصل کرے۔ سردار نے خوش ہو کر کہا:

"بس ٹھیک ہے۔ ہم کل ہی دارالحکومت ایلام کی طرف روانہ ہو جائیں گے"

دوسرے دن سردار اپنے محافظوں اور عنبر کو ساتھ لے کر ایلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایلام افریقہ کی اُس بستی سے تین دن کی مُسافت پر تھا۔ اعلیٰ نسل کے تازہ دم عربی گھوڑوں پر سوار سردار اور عنبر نے یہ سفر دو دن اور دوپہر میں طے کر لیا۔ تیسرے روز اُنہیں دُور سے ایلام شہر کی فصیل نظر آنے لگی۔

ایلام کا شہر بہت بڑا تھا۔ اس کے ارد گرد ایک بڑی مضبوط اور چوڑی فصیل تھی جس کے چار دروازے تھے۔ فصیل کے ارد گرد پانی سے بھری ہوئی ایک گہری کھائی چلی گئی تھی۔ فصیل کے بُرجوں پر ہر وقت پہرے دار موجود رہتے تھے۔ ایلام کے اندر بادشاہ سلیمی اِل کا شان دار محل تھا۔ شہر کے بڑے دروازے سے داخل ہوتے ہُوئے پہریداروں نے اُنہیں روک لیا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دکھائی تو پہریداروں نے ادب سے سر جُھکا دیا اور بگل بجا کر سردار کا خیر مقدم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ عنبر بڑی شان کے ساتھ سردار کے ہمراہ شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ لوگ زرق برق لباس میں ملبوس تھے اور خوش حال دکھائی دے رہے تھے۔ دکانوں کے اندر بک رہے، مشک عنبر، قیمتی جواہرات، چاندی کے برتنوں اور قسم قسم کا سامان بھرا پڑا تھا۔ کارواں سراؤں کے باہر سپاہی اور مزدور لکڑی کے تختوں پر بیٹھے پھلوں کا رس پی رہے تھے۔ ایک بازی گر چوک کے بیچ میں رسی تانے اُس پر رقص کر رہا تھا اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔

مندر میں ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ عنبر نے سردار سے پوچھا:

"یہ لوگ کس کی پوجا کرتے ہیں؟"

سردار نے کہا:

"ہم لوگ دیوتا مردوک کی پرستش کرتے ہیں۔ جس نے ہمارے لیے پانی بنایا اور جو ہماری گائے بھینسوں کو دودھ دیتا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا مردوک خود چل پھر سکتا ہے؟"

سردار نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"اے نوجوان، ہمارے مقدس دیوتا کے بارے میں ایسی بات زبان سے مت نکالو۔ مردوک ہمارا دیوتا ہے۔ وہ اگرچہ مندر میں پتھر کا ایک بُت ہے۔ مگر وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر خاموش رہا۔ وُہ سردار کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وُہ کبھی بھی پتھر کے بُت کو خُدا ماننے پر تیار نہیں تھا۔ وُہ جس ماں کا بیٹا تھا اُس نے صرف ایک اور واحد خدا کی پُوجا کی تھی اور کل تک عنبر بھی اسی خُدا کی پُوجا کرتا آیا تھا۔ جو تمام زمین و آسمان کا مالک ہے۔ مگر اُس وقت مناسب یہی تھا کہ وُہ اہلِ ایلام کے مردود دیوتا کے بارے میں کچھ نہ کہے۔

سردار ایک شاندار حویلی کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ نوکروں نے آگے بڑھ کر گھوڑے تھام لیے۔ سردار عنبر کو ساتھ لے کر ایک نہایت سجے ہُوئے پُرتکلف کمرے میں آ گیا جہاں دیواروں پر بیش قیمت قالین ہرن اور شیر کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ زمین پر کمخواب کا فرش بچھا تھا۔ چاندی کی تپائیوں پر رنگین صراحیوں میں انگوروں کا رس بھرا ہُوا تھا۔ جگہ جگہ دیوار گیروں میں چاندی کے شمعدان رکھے تھے جن میں زیتون کا تیل پڑا تھا۔

اُس رات سردار نے عنبر کے اعزاز میں دعوت دی اور شہر کے معززین کو بھی بُلایا۔ سردار نے ان سب سے [illegible] تعارف کرواتے ہُوئے کہا:

" یہ میرا دوست اور ایک بہادر شاہی سردار ہے ":

وُہ عنبر کو مصر کا باشندہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ایلام میں لوگ مصریوں کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے اور ان سب کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم تھا کہ بادشاہ ہینی بال مصر پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ دعوت میں کئی بھینسے، ہرن، مور، خرگوش، نیل گائے اور زرافے ذبح کیے گئے۔ دسترخوان پر ہر قسم کا بھنا ہوا گوشت، طرح طرح کا پھل، خشک باداموں کے آٹے کی روٹی اور انگوروں کا رس موجود تھا۔

دعوت جاری تھی۔ ہر طرف ایک شور و غل مچا تھا کہ سردار عنبر کو ساتھ لے کر حویلی کے باغ میں آ گیا۔ سنگ مرمر کے حوض میں سرخ مچھلیاں تیر رہی تھیں اور فوارے چل رہے تھے۔ سردار نے کہا:

"عنبر، بادشاہ سے کل ملاقات ہو گی۔ میں نے ظلِ ہما شاہ افریقہ ہینی بال کو پیغام بھجوا دیا ہے۔ اور سنو، میں تمہیں بادشاہ سے شام کے ایک سردار کا بہادر بیٹا کہہ کر ملاؤں گا۔ یاد رکھو بادشاہ کو یہ کسی صورت بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم مصری ہو۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ تم مصر کے شاہی دربار میں کچھ عرصہ گزار چکے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"سردار، تم جیسا کہتے ہو ایسا ہی ہو گا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ بادشاہ پر یہ ظاہر نہ ہو کہ میں مصر کا شہزادہ ہوں تو ایسا نہیں ہو گا۔"

"اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے عنبر، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ہینی بال کے دربار میں ایک اعلیٰ مقام دلواؤں — کیا تمہاری یہ خواہش نہیں کہ تم شاہی لباس پہن کر بادشاہ کے دربار میں بیٹھو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ضرور، میں تو یہی چاہتا ہوں۔ بلکہ میری شروع ہی سے یہ خواہش رہی ہے کہ دربار میں رہوں۔ میں ہمیشہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہا ہوں۔"

"تو پھر جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح عمل کرنا۔ رب مردوک نے چاہا تو تم بہت جلد دربار میں وہ مقام حاصل کر لو گے کہ بڑے بڑے درباری تم پر رشک کریں گے۔"

"فکر نہ کرو سردار، میں تمہاری ہدایت کے مطابق آگے چلوں گا۔ تم جو کچھ کہو گے اُسی پر عمل کروں گا۔"

"شاباش عنبر! مجھے تم سے یہی اُمید تھی اور پھر تمہاری بھلائی بھی اِسی میں ہے۔ کل ہم دربار شاہی میں چلیں گے۔"

"بے شک۔"

دوسرے دن سردار نے عنبر کو بڑا قیمتی اور شان دار لباس پہنایا خود بھی شاہی خلعت زیب تن کی اور سجے سجائے گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ شاہی محل شہر کے درمیان میں ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا۔ سنگ مرمر کی سیڑھیوں والا راستہ محل کے بڑے دروازے تک جاتا تھا۔ دروازے پر دربان نے انہیں روکا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دکھائی تو دروازہ کھول دیا گیا۔ اب وہ محل کی چار دیواری میں داخل ہو چکے تھے۔

یہ محل مصر کے بادشاہوں کے محل سے بالکل مختلف تھا۔ محل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ستون تکونے تھے اور محرابیں بھی تکون کی شکل میں تھیں۔ سارے کا سارا محل سُرخ پتھر کا بنا ہُوا تھا اور اس پر کسی قلعے کا گمان ہوتا تھا۔ سردار عنبر کو ساتھ لے کر دربار کے بڑے ہال میں آگیا۔ یہاں درباریوں نے سردار سے ملاقات کی۔ سردار نے تمام درباریوں سے عنبر کا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ وُہ شام کے ایک سردار کا بیٹا ہے اور بادشاہ سلامت کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے آیا ہے۔

"یقیناً یہ شاہی نوجوان ہمارے عظیم ترین شہنشاہ سے مل کر خوش ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"کیوں نہیں، مجھے شہنشاہ ظلِ ہُما کی محبت ہی یہاں تک کھینچ لائی ہے۔"

سردار بہت خوش ہُوا کہ عنبر ٹھیک اُس کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ اتنے میں سارا محل طبل اور تاشوں کی تیز آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سارے درباری اپنی اپنی جگہوں پر ادب سے سر جُھکائے کھڑے ہوگئے۔ سارے دربار میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جہاں ایک پل پہلے اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ وہاں اب ایسی خموشی چھا گئی تھی کہ اگر ایک تنکا بھی گرے تو اُس کی آواز آ جائے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت بھی ہال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تشریف لا رہے ہیں۔

لمبے تڑنگے فوجی سپاہیوں کا ایک دستہ ہتھیاروں سے لیس دربار میں داخل ہو کر تخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی افریقہ کا جابر اور سنگ دل بادشاہ سینی بال دربار میں داخل ہوا۔ وہ فوجی لباس میں تھا۔ تلوار اس کے پہلو میں لٹک رہی تھی۔ اُس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ بازوؤں پر سونے کی زنجیریں چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی۔ گھنی سیاہ ڈاڑھی مونچھوں میں چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھیں سُرخ چیتے کی مانند تھیں۔ وہ آگے بڑھ کر سنگ سرخ کی سیڑھیاں چڑھتا تخت پر بیٹھ گیا۔ اس تخت پر دُنیا جہان کے قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہُوئے تھے۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ایک بوڑھے درباری نے آگے بڑھ کر کہا:

"حضور کا سایہ رعایا پر سلامت رہے۔ ظلِ ہُما کی برکت سے رعایا خوش حال رہے۔"

تمام درباریوں نے سر جُھکا کر کچھ کہا۔ پھر وزیر دربار نے آگے بڑھ کر سونے کی تھالی میں رکھا ہُوا مردوک کے مندر کا مقدس زیتون کا تیل بڑے پُجاری کی طرف بڑھایا۔ بڑے پجاری نے آگے بڑھ کر سجدہ کیا اور بادشاہ کے قدموں پر مقدس تیل کا نشان بنا دیا۔ پھر وہ اُسی طرح اُلٹے پاؤں واپس آ کر ایک طرف چُپ چاپ سر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھکائے کھڑا ہوگیا۔ وزیر دربار چمڑے کی دستاویز کھول کر کچھ پڑھنے لگا تھا کہ ہینی بال نے بلند آواز میں کہا :

" ہمارے بھانجے سردار گیمات کو پیش کیا جائے "

سردار درباریوں کی قطار میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے تخت کے پاس جا کر دو بار جُھک کر ہینی بال کو سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہینی بال نے پُوچھا :

"گیمات، وہ شامی نوجوان کہاں ہے جس کو تم ہم سے ملانے لائے ہو؟"

"خدمت اُقدس میں حاضر ہے عالی جاہ"

"اُسے پیش کرو"

"جو حکم عالی جاہ"

اس کے ساتھ ہی سردار نے اشارہ کیا۔ عنبر شاہان وار شاہی لباس میں ملبوس آگے بڑھا اور بادشاہ کو تین بار سلام کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دربار میں ایک سکتہ سا چھا گیا۔ عنبر نے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ وزیر جنگ نے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن کو جھکانا چاہا۔ مگر ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر کہا :

"اسے مجبور نہ کیا جائے"

دربار میں سناٹا طاری ہوگیا۔ ہینی بال نے پُوچھا :

"اے نوجوان، تم کہاں سے آئے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے سردار کے رٹے رٹائے فقرے دُہرا دیے۔ ہینی بال تخت سے اُتر کر عنبر کے قریب آ گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ہینی بال ایک ہٹا کٹا تنومند آدمی ہے۔ وہ بادشاہ کم اور سپاہی زیادہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے چہرے سے سنگدلی اور ظلم ٹپک رہا تھا۔ ہینی بال نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ عنبر کی رگوں میں بھی شاہی خون گردش کر رہا تھا۔ اگر وُہ بھی شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو شاید ہینی بال کی خوف ناک نظروں کو برداشت نہ کر سکتا۔ مگر شہزادہ ہونے کی وجہ سے وُہ دربار میں ایک سنگ دل اور جابر بادشاہ کے سامنے بڑے وقار اور جرأت کے ساتھ کھڑا تھا۔ ہینی بال نوجوان عنبر کی جرأت اور پُر وقار شخصیت سے بہت متاثر ہُوا۔ کہنے لگا:

"تمہاری نیلی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم شام کی مصری سرحد کے قریب کے رہنے والے ہو۔"

یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔ سردار نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا کہ نہ جانے عنبر اس کا کیا جواب دے۔ مگر عنبر بادشاہوں کے مزاج اور دربار کی سیاست کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس نے فرعون کا عظیم الشان سازشوں والا دربار دیکھا تھا۔ ہینی بال کا دربار اُسے ڈرا نہیں سکتا تھا۔ اُس نے جھٹ کہا:

"جہاں پناہ! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔ میرے والد صاحب کے دادا شام کی مصری سرحد کے رہنے والے تھے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہینی بال نے اچانک غصّے میں آ کر کہا :

" مگر تم مِصری نہیں ہو۔ ٹھیک ہے ناں ؟ "

عنبر نے جھٹ کہا :

" مَیں مِصری نہیں ہُوں عالی جاہ، مصریوں نے میرے آبا و اجداد کو قتل کر کے ان کی جاگیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ مَیں تو مصریوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہُوں "

ہینی بال نے خوش ہو کر کہا :

" شاباش، شاباش۔ ہمیں ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے میرے بھانجے نے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔ تم دربار کے بعد مجھے ملنا "

عنبر نے سر جُھکا کر کہا :

" جو حُکم عالی جاہ "

دربار برخاست ہو گیا۔ ہینی بال چلا گیا۔ درباریوں نے عنبر اور سردار کو گھیر لیا اور عنبر کی جرأت کی داد دینے لگے۔ شام کو سردار ہینی بال کے خاص محل میں آ گیا۔ ہینی بال کمرے کے وسط میں کھڑا زمین پر بنا ہُوا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے سردار بھانجے کو اندر آتے دیکھا اور پھر بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے لگا۔ اچانک سردار کی طرف پلٹ کر بولا :

" کیا یہ شاہی سردار کا بیٹا مصر کے درباریوں سے واقف ہے؟ "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہاں پناہ، یہ نوجوان اپنے باپ کے ساتھ کئی برس فرعون کے دربار میں رہا ہے۔"

ہینی بال نے زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا:

"پھر تم اُسے کیوں نہیں مصر روانہ کرتے؟ کیا تمہیں اس پر بھروسہ ہے؟"

سردار نے کہا:

"پورا پورا بھروسہ ہے جہاں پناہ۔"

ہینی بال بولا:

"ہوں — اگر اس نے غداری کی تو میں مصر پہنچ کر اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گا عالم پناہ، اُسے آپ سے عقیدت ہے۔" سردار نے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے اُسے کل زر و جواہرات دے کر مصر روانہ کر دو، اور کہو کہ مصری فوج کی پوری تعداد، اور منجنیقوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر کے جلد میرے پاس آ جائے۔"

"جو حکم عالم پناہ۔"

سردار نے جھک کر سجدہ کیا اور واپس اپنی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ اگر عنبر نے پوری پوری جاسوسی کی تو ہینی بال کی فتح یقینی ہو گی اور اُسے ضرور کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا عہدہ انعام میں مل جائے گا۔ سردار اسی عہدے کے لالچ میں عنبر کو مصر میں جاسوسی کرنے بھیج رہا تھا۔ عنبر اس لیے مصر جانے پر راضی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنے کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی ایک ہزار برس گزر چکے ہیں اور تھیبس کا شہر تباہ ہو کر کھنڈر بن چکا ہے ؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویران شہر

رات کو سردار اپنے ساتھ عنبر کو ایک قہوہ خانے میں لے گیا۔ یہ قہوہ خانہ شہر ایلام کے مشرقی دروازے کے پہلو میں تھا۔ یہاں لوگ لکڑی کی چوکیوں کے اردگرد بیٹھے قہوہ پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہیں کوئی سپاہی جنگ میں دشمن کے ساتھ اپنی بہادری کی کہانی سنا رہا تھا۔ کہیں کوئی بیوپاری دوسرے تاجر سے کاروبار کی بات کر رہا تھا۔ کہیں کوئی ملاح سمندر کے عجیب و غریب واقعات سنا رہا تھا۔ قہوہ خانے کے اندر ہلکا ہلکا شور سا مچ رہا تھا۔ سردار کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر قہوہ خانے کا مالک لپک کر آگے بڑھا اور اس نے جھک کر سلام کیا۔

"اگر حضور پسند فرمائیں تو میں سیاہ انگوروں کی بیل کے نیچے تخت بچھا دوں؟"

سردار نے کہا:

"ہاں وہاں مناسب رہے گا، یہاں شور ہے۔ ہم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"جو حکم حضور۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قہوہ خانے کے مالک نے اُسی وقت قہوہ خانے کے عقب میں سیاہ انگوروں کے باغ میں مشعل جلا کر سنگ سُرخ کا تخت بچھا دیا اور اُوپر خرطوم کا سفید کھیس ڈال دیا۔ عنبر اور سردار وہاں بیٹھ گئے۔ قہوہ آ گیا اور وہ قہوہ پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ عنبر نے قہوے کی تعریف کی اور کہا کہ ایلام میں قہوہ بہت لذیذ ہوتا ہے۔ سردار نے اُسے بتایا کہ جنوبی افریقہ اپنے لذیذ اور خالص قہوے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے بعد وُہ ہینی بال کے دربار کی باتیں کرنے لگے۔ عنبر ہینی بال کی مردانہ وجاہت اور سیاہ فا شخصیت سے بہت متاثر ہُوا تھا۔ سردار نے مناسب موقع دیکھ کر بات شروع کرتے ہُوئے عنبر کو بتایا کہ ہینی بال چاہتا ہے کہ وہ مصر جاکر وہاں بعض ضروری معلومات حاصل کر کے لائے۔ ہینی بال مصر پر آخری اور فیصلہ کُن حملہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ مصری فوج اور منجنیقوں کی تعداد کے بارے میں مکمل تفصیل چاہ

ہے۔

عنبر کو معلوم تھا کہ سردار اُس سے یہی بات کرے گا اور وُہ مصر جاکر یہ معلومات فراہم کرنے کے لیے ذہنی طور پر راضی بھی تھا کیونکہ مصر کے فرعون نے اُس کی والدہ اور چچا کو قتل کر کے اُس خاندان کی بنیاد ڈالی تھی جو آج وہاں حکمران تھا۔ عنبر چاہتا تھ کہ اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تاکہ وہ اپنی وال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قتل کا انتقام لے سکے۔ پھر بھی وہ سردار پر یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ جاسوسی کرنے پر صرف اُس کی خاطر راضی ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا:

"معزز سردار، جاسوسی اچھا کام نہیں۔ لیکن میں تمہاری خاطر یہ کام بھی کر لوں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"میں تمہاری ہر شرط ماننے پر تیار ہوں۔"

"شرط یہ ہے کہ میری معلومات اگر درست ثابت ہوئیں تو میں ہینی بال کے دربار میں ایک عہدہ طلب کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں دربار میں عہدہ دلوا دوں گا۔"

"تو پھر میرے مصر پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔"

سردار بہت خوش ہوا کہ عنبر نے بہت جلد اُس کی بات مان لی تھی! ورنہ اُسے خیال تھا کہ عنبر شاید مصری ہونے کی وجہ سے جاسوسی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ لیکن اُسے کیا معلوم کہ عنبر تو مصر کے شاہی خاندان سے اپنی والدہ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

سردار نے اُسی روز عنبر کے مصر کی طرف کوچ کرنے کا بندوبست کر دیا۔ عنبر کے ساتھ اس نے چھ سواروں کا ایک دستہ کر دیا، جن کا فرض یہ تھا کہ وہ عنبر کو اپنی حفاظت میں مصر کی سرحد پر پہنچا کر واپس آ جائیں گے۔ منہ اندھیرے یہ چھوٹا سا قافلہ مصر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانب روانہ ہوگیا۔

ایلام شہر سے مصر کی سرحد سات دن رات کی مسافت پر تھی۔ دن کے وقت یہ لوگ سفر کرتے اور رات کو کوئی مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ کر لیتے۔ چھٹے روز شام کے وقت یہ لوگ صحرا میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک آسمان پر دھند سی چھا گئی۔ ہوا بند ہوگئی اور حبس سا ہوگیا۔ سپاہیوں نے فوراً ایک جگہ ریت میں خیمے لگا دیے۔ عنبر نے سفر جاری رکھنے کے لیے کہا تو سپاہی نے کہا:

"سردار! بڑا زبردست آندھی کا طوفان آرہا ہے۔ اگر ہم نے خیموں میں پناہ نہ لی تو ہم ریت کے تودوں میں دب کر رہ جائیں گے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی وہ بمشکل خیمے کے اندر گھس کر لیٹنے ہی پائے تھے کہ آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ یہ آندھی اس قدر شدید تھی کہ خیمے کے باہر ہزاروں شیر دھاڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ ساری رات آندھی چلتی رہی۔ سپاہی خیموں کو ہاتھوں اور پاؤں سے تھامے رہے۔ ہر لمحے یہی فکر تھا کہ ابھی خیمہ اڑ جائے گا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سپاہی تیز آندھی میں باہر نکل کر خیمے کے اوپر پڑی ہوئی ریت صاف کر دیتے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یقیناً ریت کے ٹیلے تلے دب کر رہ جاتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کے پچھلے پہر طوفان تھم گیا۔ آسمان ایک دم صاف ہوگیا۔ اُنھوں نے خیمے سے باہر نکل کر دیکھا۔ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہُوا تھا جہاں پہلے ٹیلے تھے وہاں صحرا تھا، اور جہاں پہلے صحرا تھا وہاں اب ریت کے بڑے بڑے ٹیلے کھڑے ہوگئے تھے۔ اُنھوں نے خیمے اکھاڑ کر گھوڑوں پر رکھے اور ستاروں کی رہنمائی میں سفر شروع کر دیا۔ صبح کو سورج نکل آیا اور رات بھر کی شبنم میں بھیگی ٹھنڈی ریت ایک پہر دن گزرنے کے بعد انگاروں کی طرح گرم ہونا شروع ہوگئی۔ مگر اُنھوں نے پاؤں کے گرد چمڑا لپیٹ رکھا تھا اور سروں پر دُھوپ سے بچنے کے لیے عمامے باندھ رکھے تھے۔

دوپہر کے وقت اُنھوں نے ایک نخلستان میں پڑاؤ کیا۔ یہ نخلستان صحرا کے بیچ میں جنّت کا ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔ کھجُوروں کے جُھنڈ کی ٹھنڈی چھاؤں میں چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی بے حد ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اُنھوں نے خود بھی جی بھر کر پیا اور گھوڑوں کو بھی نہلا کر پانی پلایا۔ تیسرے پہر جب دھوپ ڈھلنے لگی تو وہ ایک بار پھر تازہ دم ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ساری رات وُہ صحرا میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں سفر کرتے رہے۔

ستارے آسمان پر بڑے بڑے ہیرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ سپاہی تاروں کی رہنمائی میں سفر کرنے کے عادی تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چناں چہ جب رات ڈھل گئی اور آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تو انہیں دُور ملک مصر کے اہرام دکھائی دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مصر کی سرحد میں داخل ہونے والے تھے۔ سرحد کے پاس آکر سپاہیوں نے عنبر کو خدا حافظ کہا اور واپس ایلام کی سمت مُڑ گئے۔

عنبر ملک مصر کی سرحد پر اکیلا کھڑا تھا۔ یہ وُہ ملک تھا جس کی آب و ہوا میں وُہ پَل کر جوان ہُوا تھا اور جس کے ایک فرعون نے اُس کی والدہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا کہ اگر اُس نے فرعون کے خاندان سے انتقام نہ لیا تو اُس کی ماں اور نیک دل چچا کی رُوح تڑپتی رہے گی۔ مصر کی سرحد میں وُہ ایک ہزار سال کے بعد داخل ہو رہا تھا۔ اس اثنا میں کتنے ہی فرعون مصر کے تخت پر بیٹھ کر مر کھپ گئے تھے۔ اس وقت مصر کے تخت پر ابوسمبل کا پڑپوتا بیٹھا تھا۔ وہ ایک کمزور اور عیش پسند فرعون تھا۔ اپنے آرام کی خاطر وہ لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کروا دیتا تھا۔ ہر طرف خانہ جنگی کا سماں تھا۔ مصر کی سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سرحدوں پر چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے ملک حملہ کرتے اور لُوٹ مار کر کے بھاگ جاتے۔ ملک میں ہر طرف ایک افراتفری مچی تھی۔ جس وقت عنبر مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے چند ایک مصری فوجیوں نے روک لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون ہو تم! اور کہاں سے آرہے ہو؟"

عنبر اُس وقت ایک شہر شہر پھر کر بیماروں کا علاج کرنے والے حکیم کے بھیس میں تھا۔ اُس نے کہا:

"میرا نام عنبر حکیم ہے۔ میں فلسطین کے صوبے سے آیا ہُوں۔ مَیں دُکھی اور بیمار انسانوں کی تیمار داری کرتا ہُوں۔"

سپاہی نے کہا:

"تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ہمارا ایک سپاہی کل سے سخت بیمار ہے۔ اُس کا علاج کرو۔ اگر تم نے اُسے تندرست کر دیا تو تمہیں سرحد عبور کرنے کی اجازت مل جائے گی؛ ورنہ تمہیں اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔"

عنبر دل میں گھبرا گیا کہ یہ کس مصیبت میں وہ پھنس گیا ہے مگر اسے اپنی دوائیوں اور خدائے واحد پر بڑا بھروسا تھا۔ اُس نے کہا:

"مجھے مریض کے پاس لے چلو۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

پہریدار عنبر کو ساتھ لے کر چوکی کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ کوٹھڑی کے اندر ایک مصری سپاہی کھجور کی چٹائی پر پڑا تھا۔ وہ نیم بے ہوش تھا۔ بُخار سے اُس کا جسم پھُنک رہا تھا۔ عنبر نے اُس کی نبض دیکھی۔ پھر اُس کی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ اپنی صندوقچی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جڑی بوٹیوں کا عرق نکال کر مٹی کے پیالے میں ڈالا اور بیہوش سپاہی کے حلق میں اُنڈیل دیا۔ اِس کے بعد اُس نے ٹھنڈی ریت کا لیپ اُس کے ماتھے پر کرنا شروع کر دیا۔ ریت گرم ہو جاتی تو وُہ اُسے اُتار کر اُس کی جگہ تازہ ریت کا لیپ کر دیتا۔

چند لمحوں کے بعد مریض کا بخار ٹوٹ گیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ سپاہی پہریدار بہت خوش ہوئے اور اُس نے عنبر کو سرحد عبور کرنے کی اجازت دے دی۔

عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ اُس کی جان عذاب سے چھوٹی۔ مصر کی سرحد سے ایک کچا راستہ جو کہ پتھروں سے اَٹا ہوا تھا، اہرام کی طرف جاتا تھا۔ عنبر گھوڑے پر سوار اِس راستے سے گزرتا ہوا اہرام کے کھنڈروں کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے یاد آیا کہ آج سے ایک ہزار برس پہلے جب وہ ان اہرام میں آیا کرتا تھا تو ابھی اِس کی بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ مگر ایک ہزار برس گزر جانے کے بعد آج اُس اہرام کے پتھروں کے ٹکڑے اُڑ گئے تھے اور جگہ جگہ خشک جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ وُہ زمانے کی بے رحم تبدیلیوں پر غور کرتا ہوا آگے گزر گیا۔

سرحد عبور کرتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ فرعون کو قتل کر کے فوج کے سپہ سالار تہارکہ نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ گویا اُس وقت مصر پر فوج کی حکومت تھی۔ راستے میں عنبر کو کئی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوجی دستے ملے جو گشت کر رہے تھے۔ عنبر اُنہیں سلام کرتا ہُوا آگے گزر جاتا۔ سب سے پہلی بستی جو اُسے ملی وُہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اِس قصبے کے کچے مکانوں پر ویرانی برس رہی تھی۔ عنبر کو پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی بار دروازے پر ہاتھ مارنے کے بعد ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا۔ وُہ ڈرا ہُوا تھا اور اُس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اُس نے سہم کر پُوچھا:

"کون ہو تم؟ اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ تھا مہارکہ کے سپاہی لُوٹ کر لے گئے۔"

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دی اور کہا کہ وہ صرف تھوڑا سا پانی پینا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اُسے پیاس لگی ہے۔ بوڑھے نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا:

"اندر آ جاؤ۔"

عنبر ڈیوڑھی میں ایک چٹائی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے آدمی نے اُسے اور اُس کے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اُس نے بتایا کہ مہارکہ نے فرعون کو قتل کر دیا ہے اور لوگوں پر بڑا ظلم ڈھا رہا ہے۔ اُس کے سپاہی ہر طرف لُوٹ مار کر رہے ہیں۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ عنبر نے پُوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے، فوجیوں کی چھاؤنی کس جگہ ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں پرسوں شہر گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ فوجیوں کی کوٹھڑیاں شہر سے باہر دریائے نیل کے کنارے ابوسمبل کے اہرام کے پاس بنی ہوئی تھیں۔"

عنبر نے پوچھا:

"بابا! کیا مہارکہ کے پاس بہت زیادہ فوج ہے؟"

"اگر زیادہ فوج نہ ہوتی تو وہ تخت پر کیسے قبضہ کرتا؟ اُس نے بے پناہ فوج بھرتی کر رکھی ہے۔"

"کیا اُس کی فوج میں سنگ باری کرنے والی منجنیقیں بھی ہیں؟"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

عنبر نے بات ٹالتے ہوئے کہا:

"میں صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔"

اس کے بعد عنبر نے بوڑھے مصری کا شکریہ ادا کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ بوڑھے مصری سے اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مصر کے دارالسلطنت کا نام اب میمفس ہے۔ پُرانا دارالحکومت تھیبس کھنڈر بن چکا ہے۔ نیا دارالحکومت وہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر واقع ہے۔ عنبر ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو وُہ ایک نخلستان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ یہاں اُس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور انگور توڑ کر کھائے۔ گھوڑے کو بھی گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ دیر آرام کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد وُہ میمفس کی طرف چل پڑا۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ اُسے مصر کے سب سے بڑے شہر اور دارالحکومت میمفس کی فصیل کے آثار نظر آئے۔ شہر کے دروازے پر اُسے پہریداروں نے روک لیا۔

"تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کہاں جانا ہے؟"

یہاں بھی عنبر نے یہی کہا کہ وُہ فلسطین کے ایک صوبے سے آیا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ چل پھر کر بیماروں کا علاج کرتا ہے اور میمفس میں اپنے ایک حکیم دوست سے ملنے آیا ہے۔ اُس نے پہریداروں میں مشک اور نافہ تقسیم کیا اور یوں اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ وُہ مصر کے نئے دارالحکومت میمفس میں داخل ہوگیا۔ اس شہر کو آباد ہوئے ایک ہزار سال گزر گئے تھے۔ ایک ہزار برس پہلے عنبر کے زمانے میں اس شہر کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ شہر بھی دریائے نیل کے کنارے پر ہی آباد کیا گیا تھا، مگر یہ اُوپر کی طرف تھا۔ یہاں سیلاب کا خطرہ نہیں تھا۔ عنبر رات ہونے سے پہلے ایک کارواں سرائے میں پہنچ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک قافلہ اُترا ہوا تھا اور ہر طرف بڑی چہل پہل تھی۔ مگر عنبر نے محسوس کیا کہ لوگوں کے چہروں پر ایک پریشانی اور وحشت سی ہے۔ کوئی بھی شخص اُسے مطمئن نظر نہ آیا۔ نوکر کو کچھ سکے دے کر اُس نے گھوڑے کے چارے پانی کا بندوبست کرنے کو کہا اور خود تھوڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت کھا پی کر سرائے کے صحن میں لکڑی کی ایک چوکی پر بیٹھ کر قہوہ پینے لگا۔ سرائے کا مالک بھی اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا :

"میری بیوی کئی سال سے بیمار ہے۔ اگر تم اُس کا علاج کر دو تو میں ساری عمر تمہارا غلام رہوں گا"

"مَیں اُس کا علاج کروں گا۔ تمہاری بیوی ضرور اچھی ہو جائے گی"

عنبر نے سرائے کے مالک کی بیوی کا علاج شروع کر دیا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر بیمار عورت تندرست ہو گئی۔ سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا :

"تم اس کے عوض مجھ سے جو مانگو تمہیں دُوں گا"

عنبر نے کہا :

"مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف اپنی سرائے کے ایک کمرے میں کچھ عرصہ رہنے کی اجازت دے دو۔ میں اس کے عوض تمہیں پُوری اُجرت ادا کروں گا"

"نہیں، مَیں تمہارا حق تمہیں ضرور دُوں گا"

عنبر بہت خوش ہُوا کہ اُس کی رہائش کا مسئلہ بغیر کسی شور شرابے کے بڑی آسانی سے طے پا گیا تھا۔ اُس نے بازار سے کچھ ضروری سامان خریدا اور سرائے کے ایک کمرے میں ڈیرے لگا لیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پُرانے دارالحکومت تھیبس کا پتہ دریافت کیا اور ایک روز اُس کی جانب چل پڑا۔

تھیبس شہر اُس کا وطن تھا۔ وُہ اِسی شہر میں پیدا ہُوا تھا۔ یہیں اُس نے رجال کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اس جگہ وُہ اپنے بے وفا دوست قہرمان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ یہیں قہرمان نے فرعون بننے کے بعد اُس کی والدہ ملکہ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اسی شہر کے باہر اہرام میں اُس کی ماں کی قبر تھی۔ عنبر اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنا اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتا تھا۔ پُرانے شہر تھیبس کے کھنڈر نئے شہر میمفس سے کافی فاصلے پر تھے۔ اپنے وطن کے کھنڈروں میں پُہنچ کر عنبر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہاں سوائے ویران کھنڈروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اُس کا وُہ گھر تھا جہاں وُہ پَلا تھا، نہ وُہ آنگن تھا جہاں کھیل کُود کر وُہ جوان ہُوا تھا۔ اُس کے بے وفا دوست قہرمان کا گھر بھی تباہ و برباد ہوچُکا تھا۔ اُس کے باپ فرعون کا محل ریت اور پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل ہوچُکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ ستون کھڑا تھا جو بس گرنے ہی والا تھا۔

درویش اناطون کی جھونپڑی کے باقی رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دریائے نیل بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر کچھ پرے ہو گیا تھا۔ پُرانے اہرام کے پتھروں کے کنارے اُڑ گئے تھے اور جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ خشک جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ عنبر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ ایک ہزار سال بعد وہاں آیا ہے؛ حالاں کہ ایک ماہ پہلے وہ اپنے شہر اور محل کو ہنستا بستا چھوڑ گیا تھا۔ مگر ایک ہزار برس گزر گئے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے تلاش کرتا ہوا پرانے اہرام کے غار میں پہنچا۔ اِس غار کا دروازہ بڑے سے پتھر نے بند کر رکھا تھا۔ اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ اس کی والدہ ملکہ کی قبر اُس غار کے اندر ہے۔

وہ اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی جاسوس

●

اہرام کے غار میں جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

عنبر اپنی والدہ ملکہ کی قبر پہ دُعا پڑھے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وُہ ایک ہزار برس کے بعد اپنی والدہ کی قبر پر دُعا پڑھنے آیا تھا۔ اُس نے اہرام اور اُس کے غار کو بھی پہچان لیا تھا۔ اُسے اس غار میں سے اپنی پیاری ماں کی ممتا کی خوشبو آ رہی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ وُہ اندر کیسے جائے۔ غار کے آگے جو بڑا سا پتھر گرا ہُوا تھا وُہ ہزار برس گزر جانے کے بعد اُس اہرام کا ایک حصّہ بن گیا تھا۔ عنبر نے اِدھر اُدھر سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر وُہ کامیاب نہ ہو سکا۔

اچانک اُسے غار کے چھت کے کونے میں ایک سوراخ سا نظر آیا۔ اُس نے ہاتھ اندر ڈال کر محسوس کیا کہ اندر سے مٹی بھربھری ہے۔ اب وہ وہاں سے مٹی ہٹانے لگا۔ کافی دیر تک مٹی ہٹانے کے بعد اُس نے غار میں اتنا سوراخ کر لیا کہ وہ رینگ کر غار کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ ہزار سال گزر جانے کے بعد جانے اندر کیسے کیسے کیڑے کوڑے پیدا ہو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے۔ اُس نے پتھر رگڑ کر مشعل جلائی اور خدائے واحد کا نام لے کر رینگتا ہوا غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا جسے مشعل کی روشنی دُور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ غار کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ فضا میں نمی اور گھٹن تھی۔ مگر ماں کی محبت ان سب پاؤں پر حاوی ہو چکی تھی۔ اکیلے عنبر غار کے اندر مشعل ہاتھ میں لیے آگے بڑھتا رہا۔ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اُس نے ماں کی قبر کو پہچان لیا۔ قبر کا پتھر ویسے ہی تھا۔ صرف اُس پر چھت سے گری ہوئی مٹی اور ریت جگہ جگہ پڑی تھی۔ عنبر بے اختیار ماں کی قبر سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ رونے کے بعد جب اُس کے دل کا غبار دُھل گیا تو اُس نے ہاتھ اُٹھا کر آنکھیں بند کیں اور دُعا پڑھنے لگا۔ دُعا پڑھنے کے بعد وہ اپنے چچا کی قبر پر گیا اور وہاں بھی دُعا پڑھی۔

وہ ماں کی قبر پر بیٹھ گیا اور اپنی گزری ہوئی اور آنے والی زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وہ ایک ہزار سال سے زندہ تھا۔ موت اُس پر حرام کر دی گئی تھی۔ ابھی خدا جانے اُسے کتنے ہزار سال اور زندہ رہنا تھا۔ کسی وقت اِس خیال سے اُسے خوشی بھی ہوتی کہ وہ تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ وہ نئی نئی حکومتوں کو عروج پر جاتے اور پھر برباد ہو کر مٹتے دیکھ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر کسی وقت وہ اُداس بھی ہو جاتا کہ کہیں وہ اتنی لمبی عمر سے اُکتا نہ جائے۔ اگر وہ اُکتا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیوں کہ مر تو وہ سکے گا نہیں۔

عنبر نے بیٹھے بیٹھے محسوس کیا کہ اُسے کہیں سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی ہے۔ وہ مشعل ہاتھ میں لے کر اُس طرف چل پڑا، جدھر سے پانی کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کہیں قریب ہی پتھروں میں کوئی چشمہ بہہ رہا ہو۔ عنبر آگے بڑھتا گیا۔ غار اب بائیں جانب کو گھوم گئی تھی اور چشمہ بہنے کی آواز زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی تھی۔ تھوڑی دُور تک چلنے کے بعد عنبر ایک چشمے پر پہنچ گیا۔ یہاں پر پانی اہرام کے پہاڑ کی چھت میں سے ایک پتلی سی دھار کی شکل میں پتھروں میں گر رہا تھا جہاں جمع ہو کر وہ چشمے کی صورت میں بہہ کر غار کے اندر ہی اندر کسی نامعلوم مقام کی طرف جا رہا تھا۔

عنبر نے مشعل ایک طرف رکھ کر چشمے میں ہاتھ ڈالا۔ پانی بیحد ٹھنڈا تھا۔ اس نے پانی کا ایک گھونٹ پیا ہی تھا کہ غار میں زلزلہ سا آ گیا۔ عنبر خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ زلزلے کی وجہ سے غار کی دیواریں کانپ رہی تھیں اور چھت میں سے کچھ پتھر نکل کر چشمے کے پانی میں گر پڑے۔ عنبر نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں غار کی چھت نہ بیٹھ جائے۔ وہ مشعل ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں لے کر واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ زلزلہ رُک گیا۔ پھر اُسے ایک آواز سُنائی دی۔

"عنبر، کیا تم میری آواز کو پہچانتے ہو؟"

عنبر نے فوراً اُس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ہمدرد اور شفیق بزرگ اناطول درویش کی آواز تھی۔

"میرے بزرگ درویش اناطول! یہ آپ ہی کی آواز ہے۔ میں نے آپ کی آواز پہچان لی ہے۔"

"میرے بیٹے، تم نے میری آواز کو ٹھیک پہچانا۔ میں اناطول درویش کی روح ہوں۔ سُنو، تم اپنی والدہ کے بارے میں فکر کرنا چھوڑ دو۔ تمھاری والدہ کی رُوح جنّت میں آرام کر رہی ہے۔"

"کیا مَیں اپنی والدہ کی رُوح سے مل سکتا ہُوں؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ربّ عظیم نے تمھاری والدہ کی رُوح کو جنّت کے سب سے بلند حصّے میں پُہنچا دیا ہے۔ تم سے ملنے کے لیے رُوح کو بہت نیچے آنا پڑے گا اور اِس سے اُسے تکلیف ہو گی۔"

عنبر نے بے تابی سے کہا:

ربّ عظیم کا واسطہ ہے اناطول، مجھے بھی میری ماں کے پاس پُہنچا دو۔ مَیں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

"ایسا ناممکن ہے عنبر، تم اب زندہ رہو گے۔ قیامت تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندہ رہو گے۔ یہ تمہاری تقدیر کا فیصلہ ہے۔ تم اگر چاہو بھی تو مر نہ سکو گے۔"

"یہ تو ایک عذاب ہے اناطول!"

"جسے تم عذاب کہہ رہے ہو، وہ تمہاری خوش قسمتی ہے عنبر! رب عظیم نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ تم تاریخ کا سارا کھیل اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ تہذیبوں کو ابھرتے اور مٹتے دیکھو۔ بہاروں کو آتے اور پھولوں کو ہر موسم میں کھلتے دیکھو۔ تم پرندوں اور چشموں کے نغموں کو قیامت تک سنتے رہو گے۔ پھر بھلا تم گھاٹے میں کیسے ہو؟ تم تو بڑے فائدے میں ہو۔ تم نے تو آبِ حیات پی لیا ہے۔"

"لیکن اناطول، میں قیامت تک زندہ رہنا نہیں چاہتا!"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا عنبر۔ تمہاری تقدیر لکھی جا چکی ہے!"

"اناطول، کیا تم مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ نہارکہ نے کتنی فوج تیار رکھی ہے اور اس کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟"

"عنبر بیٹے، یہ دنیا والوں کی چیزیں ہیں اور دنیا والے ہی اسے جانتے ہیں۔ ہم کو ان کے معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں ہینی بال نے اسی لیے یہاں بھیجا ہے۔ پس تم اس کام کو خود ہی کر دو گے۔ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اچھا! الوداع!"

"اناطول، اناطول!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"الوداع، الوداع، الوداع"

عنبر بزرگ درویش انا طول کی روح کو پکارتا ہی رہ گیا اور اُس
کی روح کی آواز اُسے الوداع کہتی دُور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی
اب غار میں سوائے چشمے کے بہنے کی آواز کے اور کوئی آواز نہیں
تھی۔ عنبر کے لیے اب وہاں کھڑے رہنا بے کار تھا۔ اُس نے مشعل
اٹھائی اور واپس چل پڑا۔ ماں کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے اُس
نے ایک بار پھر دُعا پڑھی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر
وہ مشعل کو بجھا کر غار میں سے باہر نکل آیا۔ غار کے اندر اندھیرا تھ
مگر باہر تھیبس کے ویران کھنڈروں پر سورج چمک رہا تھا اور صحرا ک
ریت گرم ہو رہی تھی۔ عنبر کا گھوڑا کھجوروں کے نیچے گھاس چر رہا ت
وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس کارواں سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔

کارواں سرائے میں واپس آ کر وہ سوچنے لگا کہ مصر کی فوجوں کے
بارے میں مکمل معلومات کہاں سے مہیا کرے۔ یہ کام کافی مشکل تھ
اُس نے کسی سے اِس کا ذکر نہ کیا تھا۔ سرائے کے مالک کو اُس
نے یہی بتایا تھا کہ وہ میمفس میں بیماروں کا علاج کر کے اپنی روزی
کمانے آیا ہے! چنانچہ سرائے میں ہی مریضوں نے اُس کے پاس
آنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت سارے
شہر میں پھیل گئی۔ ایک روز وہ [illegible] بیٹھک میں اکیلا بیٹھا جڑی
بوٹیوں کو رگڑ کر دوائی بنا رہا تھا کہ باہر ایک گھوڑ سوار سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رُکا۔ اُس نے عنبر سے آ کر کہا کہ فوج کا ایک کماندار شدید سر درد میں مبتلا ہے۔ اُس نے عنبر کو اپنے محل میں بُلایا ہے۔ عنبر تو اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ فوراً سپاہی کے ساتھ چل پڑا۔

سپاہی عنبر کو فوج کے کماندار کے چھوٹے سے محل میں لے گیا کماندار شدید سردرد میں مُبتلا بستر پر لیٹا تڑپ رہا تھا۔ عنبر نے اُس کی حالت دیکھ کر فوراً ایک دوائی پلائی۔ اُسے کچھ افاقہ ہو گیا۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا :

" یہ کیسی دوائی ہے جس نے فوراً میرا سردرد دُور کر دیا "

عنبر نے کہا :

" یہ درد عارضی طور پر دُور ہُوا ہے۔ پُورا علاج کرنے کے لیے آپ کے سر کو ایک جگہ سے کھول کر دیکھنا ہوگا "

کماندار نے چونک کر کہا :

" کیا تم کھوپڑی کھولنے کے فن سے واقف ہو ؟"

" کیوں نہیں جناب، میرے باپ دادا یہی کام کرتے آئے ہیں "

" اور اگر مَیں مر گیا تو ؟"

" ایسا کبھی نہیں ہُوا جناب کہ مَیں نے کسی کی کھوپڑی کھول کر علاج کیا ہو اور وہ مریض مَر گیا ہو "

" یاد رکھو، اگر میں مَر گیا تو میرے سپاہی تمہاری گردن قلم کر دیں گے۔ کیا یہ شرط تمہیں منظور ہے ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"منظور ہے۔"

"تو پھر تیاری کرو۔"

عنبر نے کھوپڑی کھولنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اوزار نکا کر گرم پانی میں ڈال دیے۔ کماندار کا سارا سر مونڈ ڈالا۔ پھر اُ ایک دوائی پلا کر بے ہوش کر دیا۔ جب وہ پوری طرح بے ہوش ہو گیا تو عنبر نے ربِ عظیم کا نام لے کر تیز دھار والے چاقو۔ کماندار کی کھوپڑی کے ایک طرف چورس نشان لگایا اور گہرا شگا ڈال کر وہاں سے کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔ اس کے بعد اُ نے باریک تار اندر ڈال کر مغز میں ایک طرف جمع شدہ غدود ٹکڑے کو باہر نکال دیا۔ اب اُس نے جلدی سے کھوپڑی کا ٹکڑ اُسی جگہ جما کر وہاں سونے کے تاروں سے ٹانکے لگا کر کھال کے اوپر منڈھ دی۔ کھال کے زخم پر دوائی لگا کر اُس نے باندھ کر سر کو بستر پر لٹا دیا اور سب کو ہدایت کر دی کہ ہو آنے پر انہیں سر ہلانے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس دوران میں عنبر کماندار کی بیوی کے پاس جا کر اُ حوصلہ دینے لگا۔ اُس کی بیوی بڑی پریشان تھی۔ عنبر نے اُسے دلا دیا اور کہا کہ اب اُس کے خاوند کو زندگی بھر سر میں درد نہ ہوگا۔ تیسرے پہر کماندار کو ہوش آ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول د اور اپنی بیوی کو بُلا کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ کماندار کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تندرستی کے آثار تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر زخم ٹھیک ہو گیا اور کمانڈار بھلا چنگا ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ وُہ عنبر کے علاج سے اِس قدر خوش ہُوا کہ اُس نے عنبر کو اپنا بھائی بنا لیا اور کہا:

"تم جب اور جس وقت چاہو بلا روک ٹوک میرے محل میں آسکتے ہو۔ تمہیں کوئی نہیں روک سکے گا"

عنبر یہی چاہتا تھا۔ اب اُس نے کمانڈار کے محل میں آنا جانا شروع کر دیا۔ اُسے معلوم ہُوا کہ یہی وہ کمانڈار ہے جس کے ماتحت منجنیقیں چلانے والی فوج کا دستہ ہے۔ عنبر نے ایک مہینے کے اندر ہی کمانڈار پر اپنا اعتبار جما لیا۔ اپنی باتوں سے اُس نے ظاہر کیا کہ اُسے سوائے بیماروں کے علاج کے اور کسی شے سے دل چسپی نہیں ہے۔

"پھر بھی کبھی کبھی دل میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ وُہ شَے اپنی آنکھوں سے دیکھوں جو دشمن کے قلعے اور فوج پر بھاری پتھر اور آگ پھینکتی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم ہماری بے مثال منجنیقیں دیکھنا چاہتے ہو عنبر!"

"اگر آپ کی مرضی ہو تو دکھا دیں۔ اگر آپ نہیں چاہتے تو بے شک نہ دکھائیں۔ مَیں ناراض نہ ہوں گا۔"

کمانڈار نے عنبر کی پیٹھ ٹھونک کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے میری جان بچا کر اور مجھے درد سے نجات دِلا کر مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم جو بھی خواہش کرو اُسے پُورا کرنا میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہُوں۔ کل اسی وقت میرے ساتھ چلنا۔ مَیں تمہیں مصری فوج کا سب سے خطرناک ہتھیار منجنیق دکھاؤں گا۔"

"میں آپ کا بے حد شکر گزار ہُوں گا۔"

دوسرے روز عنبر بڑی تیاری کرکے کماندار کے محل میں پُہنچ گیا۔ وہ اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ وُہ دل ہی دل میں بے حد خوش تھا۔ یہ وُہ راز تھا جو اُسے سوائے کماندار کے اور کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ محل میں کماندار اُس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ وہ عنبر کو اپنے شاندار فوجی رتھ میں بٹھا کر اہرامِ مصر کے علاقے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اہرام کے عقب میں ایک بہت بڑے پہاڑ کو کھود کر اُس کے اندر ایک بے حد لمبا چوڑا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ کمرہ اُونچا اور وسیع تھا۔ یہاں فرعون کی فوج کا سب سے خطرناک ہتھیار پڑا تھا جس سے ہینی بال ایسا بادشاہ بھی گھبراتا تھا۔ عنبر اِس کشادہ ہال کمرے میں داخل ہُوا۔

کماندار نے ہاتھ کے اشارے سے کہا:

"دیکھو، یہ ہیں ہماری فوج کی طاقت ور منجنیقیں، جو بڑے سے بڑے دشمن کی فوج کو تہس نہس کر سکتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اِس قدر لمبا چوڑا ہال کمرہ بے شمار منجنیقوں سے لدا ہُوا تھا۔ یہ گویا اُس زمانے کی توپ تھی اور دشمن کے لیے تباہی کا پیغام لاتی تھی۔ عنبر ایک ایک توپ کو غور سے دیکھنے لگا:

"مجھے بڑی خوشی ہُوئی ہے کہ آپ ایسے بہادر جرنیلوں نے مصر کی فوج کو ایسے خطرناک ہتھیار سے لیس کر رکھا ہے۔ رب عظیم کی قسم دشمن ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

کمانڈر نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہم دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔"

"بے شک، بے شک!"

عنبر نے مصر آنے کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اب وُہ اُس سلطنت سے انتقام لے سکتا تھا۔ جس کے بادشاہ نے اُس کے خاندان کو برباد کیا تھا۔ کمانڈر کے ساتھ عنبر اُس کے محل میں آگیا۔ دوپہر کا کھانا اُس نے محل میں ہی کھایا۔ شام کو وُہ کمانڈر سے اجازت لے کر واپس کاروان سرائے میں آگیا۔ اب وُہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر وُہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس پر شک پڑے۔ اُس نے یہ مشہور کر دیا کہ وُہ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں بابل کے جنگلوں میں جانا چاہتا ہے۔ کسی کو بھلا عنبر کی اِس خواہش پر کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ حکیم تھا اور اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیشہ جڑی بوٹیوں کی تلاش رہتی تھی؛ چناں چہ ایک روز اُس نے کماندار سے اجازت طلب کی۔ کماندر نے کہا:

"مجھے امید ہے، تم بہت جلد جڑی بوٹیاں تلاش کرکے واپس میمفس آ جاؤ گے۔"

"میں ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کی خدمت میں ہوں گا۔"

"تمہارا آنا اِس لیے بھی ضروری ہے کہ میں بادشاہ سے کہہ کر تمہیں شاہی طبیب کے عہدے پر فائز کرانا چاہتا ہوں۔"

"یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہو گی جناب، ورنہ میں کس لائق ہوں۔"

"نہیں نہیں عنبر، تم اپنے وقت کے ایک ماہر طبیب ہو۔ شاہی دربار کی کرسی تمہارا حق ہے اور میں یہ حق تمہیں ضرور دلوا کر رہوں گا۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

"میں تمہاری واپسی کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔"

"میں آپ کو زیادہ انتظار کی زحمت نہیں دوں گا۔"

اسی رات پچھلے پہر عنبر مصر سے واپس روانہ ہو گیا۔ کماندار نے فوج کا ایک خاص دستہ عنبر کے ساتھ کر دیا۔ آتی دفعہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔ مگر جاتی دفعہ وہ ایک شان دار فوجی رتھ میں سوار تھا جسے چھ تنومند عربی گھوڑے چلا رہے تھے۔ ان تیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفتار رتھوں کی وجہ سے اُنھوں نے تین روز کی مسافت صرف ڈیڑھ دن میں طے کر لی ۔

دوسرے دن شام کو وہ مصر کی سرحد پر کھڑا تھا۔ اُس نے دواؤں کا جھولا اپنے کندھے پر ڈالا۔ اپنے سفید گھوڑے پر سوار ہُوا اور سپاہیوں سے ہاتھ ہلا کر واپس ایلام کی طرف چل پڑا۔ اُس کا دل خوشی سے اُچھل رہا تھا۔ وہ جلدی سے جلدی ایلام پہنچ کر سردار اور سینی بال کو خود فرعونوں کی فوج اور منجنیقوں کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ جُوں جُوں افریقہ کی سرحد قریب آ رہی تھی عنبر کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا ۔

فرعون کی تباہی

رات کے پچھلے پہر عنبر ایلام پہنچ گیا۔

سردار ابھی تک دربار میں تھا۔ شاید مصر پر حملے کے بارے میں کوئی خاص اجلاس ہو رہا تھا۔ عنبر نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا ہینی بال کے شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہینی بال اپنے جرنیلوں اور سردار کے ساتھ اپنے خاص کمرے میں جنگ کے بارے میں خفیہ اجلاس کر رہا تھا۔ عنبر نے حبشی غلاموں کے ہاتھوں اندر پیغام پہنچایا تو ہینی بال نے اُسے فوراً اندر بلا لیا۔ سردار نے دروازے پر اس کا خیر مقدم کیا۔

"عنبر! تم ٹھیک وقت پر آ گئے۔ جہاں پناہ کئی بار تمہارے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔"

عنبر نے ہینی بال کو جھک کر سلام کیا۔ ہینی بال نے اُسے اپنے قریب بٹھایا اور کہا:

"اگرچہ ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ مگر ہمیں اُمید ہے کہ تم مصر سے کامیاب لوٹے ہو گے۔"

عنبر نے بڑے ادب سے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہاں پناہ، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں فرعونوں کے دیس میں جاؤں اور کامیاب واپس نہ لوٹوں۔"

"تو کیا تم ساری معلومات لے آئے ہو؟"

"کیوں نہیں جہاں پناہ۔"

عنبر نے چمڑے کا ایک نقشہ میز پر پھیلا دیا۔ یہ نقشہ اُس نے میمفس میں کارواں سرائے کے کمرے میں بیٹھ کر بنایا تھا۔ ہینی بال، سردار اور جرنیل بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے لگے۔ عنبر نے ایک جگہ اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ پُرانے فرعونوں کے اہرام ہیں۔ اِن اہراموں کے عقب میں یہ ایک پہاڑی ہے۔ اِس پہاڑی کے اندر ایک لمبا چوڑا ہال کمرہ ہے جس میں سینکڑوں کی تعداد میں منجنیقیں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔"

ہینی بال خوشی سے نقشے کو دیکھ کر بولا:

"کیا فرعون ہمارکرکی ساری منجنیقیں اسی پہاڑی کے اندر جمع ہیں؟"

عنبر کہنے لگا:

"جہاں پناہ، میں اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر آرہا ہوں۔" پھر اُس نے کمانڈر کا علاج کیا۔ اُس کی کھوپڑی کھول کر ہمیشہ کے لیے اُسے سر درد کی شکایت سے نجات دلائی۔ پھر اُس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعتماد حاصل کیا اور ایک روز اُس کے ساتھ جا کر اس پہاڑی کے اندر موجود ساری منجنیقوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہینی بال عنبر کی ہوشیاری، فراست اور دلیری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے کہا:

"اے شام کے طبیب، تم بلاشبہ اِس لائق ہو کہ تمہیں فوج کا بلند سے بلند عہدہ دیا جائے۔ یہ بتاؤ کہ فرعون کی فوج کے بارے میں تم نے کیا معلومات حاصل کیں؟"

عنبر نے ہینی بال کو بتایا کہ فرعون مہارکہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد فوج کی تعداد کو تھوڑا سا بڑھا دیا ہے۔ اُس نے فوجیوں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اِس وقت فرعون کے پاس پچاس ہزار پیدل فوج اور پچیس ہزار گھوڑ سوار فوج موجود ہے۔

"یہ فوج کس جگہ قیام رکھتی ہے؟"

"آدھی فوج شہر سے باہر ایک عمارت میں رہتی ہے اور باقی آدھی فوج شاہی محل کے باہر پتھر کی چھتوں والے مکانوں میں رہتی ہے۔"

"کیا اُن کے پاس ہاتھی بھی ہیں؟"

"ہاتھیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ زیادہ تر ہاتھی میمفس میں منجنیقیں اِدھر سے اُدھر لے جانے کے کام آتے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس پانچ سو ہاتھی ہیں جو فرعون کی فوج کو ایک ہی ریلے میں کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ خطرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منجنیقوں سے تھا۔ اس لیے کہ اس فن میں مصریوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے اس بارے میں ہمیں پوری معلومات فراہم کر دیں۔ اب فرعون مہارکہ شکست سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ شکست اس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔"

پھر ہینی بال نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ فرعون کے ملک پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جرنیلوں نے سر جھکایا اور باہر نکل گئے۔ ہینی بال، سردار اور عنبر آدھی رات تک بات چیت کرتے رہے۔ ہینی بال کا خیال تھا کہ جس وقت فوج فرعون کی سرزمین پر پہنچے تو بہادر سپاہیوں کا ایک خاص دستہ پہاڑی پر حملہ کر کے تمام کی تمام منجنیقوں کو آگ لگا دے۔ عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، میرا خیال ہے۔ ہماری فوج کو یہ کام چڑھائی سے ایک روز پہلے رات کو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہمیں عام حملہ کر دینا ہوگا۔"

"تمہارا خیال بھی صحیح ہے۔ پہاڑی پر حملہ ہم رات کے وقت خفیہ طریقے سے اچانک کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا دستہ ہاتھیوں کے اصطبل میں آگ لگا دے گا تاکہ ہاتھی بدک کر بھاگ جائیں اور اپنے ہی ملک میں تباہی پھیلا دیں۔"

"اور ٹھیک اسی افراتفری میں ہماری فوج کو دشمن پر عام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حملہ بول دینا ہوگا۔ "

"ایسا ہی ہوگا۔ "

آدھی رات کے بعد سردار اور عنبر واپس اپنی حویلی میں آئے تو وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ وہ بیٹھتے ہی سو گئے۔ صبح اُٹھ کر وہ محل میں پہنچ گئے۔ فوج میں تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔ اسلحہ خانے میں دھڑا دھڑ تیر کمان، نیزے، تلواریں اور دوسرا جنگی سامان تیار کیا جا رہا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ساری فوج کو حملے کے لیے تیار کر دیا گیا۔

اور پھر ایک روز ہنی بال کی ستر ہزار فوج نے فرعون کے شہر میمفس کی طرف کوچ بول دیا۔ فوج نے دس ٹکڑیوں میں الگ الگ راستوں سے اپنا سفر شروع کیا۔ رتھوں پر سوار فوجیوں کا دستہ دریا کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ ہاتھیوں کا دستہ پہاڑی راستے کو چھوڑ کر میدانی راستے سے چلا۔ گھوڑ سوار ہنی بال کے ساتھ تھے اور پیدل فوج ایک بہت بڑے جہاز میں سوار ہو کر دریائے نیل کے دہانے کی طرف روانہ ہو گئی۔ گیارہ روز کے سفر کے بعد یہ ساری کی ساری فوج مصر کی سرحد پر ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پیدل فوج جہازوں سے اُتر کر دریائے نیل کے کنارے کنارے چلتی گھوڑ سواروں، ہاتھی والوں اور رتھ سواروں سے آن ملی۔ منجنیقیں بھی ساری کی ساری صحیح سلامت پہنچ گئیں۔ یہ ساری جنگی کارروائی بڑی خاموشی اور رازداری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہُوئی۔ پھر بھی مخبر کرنے والے جاسوسوں نے فرعون مصر تہارکہ کو خبر کر دی کہ ہینی بال افریقہ سے بڑی فوج لے کر مصر کی سرحد پر پہنچ گیا ہے۔

فرعون نے جنگ کا اعلان کر دیا اور میمفس شہر کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اُس نے پہاڑی پر پہرہ بٹھا دیا۔ ایک لاکھ پیدل اور گھوڑ سوار فوج کو لے کر شہر سے باہر نکل آیا اور ایک ریتیلے میدان میں ٹیلوں کے درمیان پڑاؤ ڈال کر دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ شہر کی فصیل کے اُوپر سپاہی تیر کمان لے کر چڑھ گئے تھے۔ وہاں کھولتے ہُوئے تیل کے بڑے بڑے کڑاہے بھی رکھ دیے گئے تھے۔ یہ کھولتا ہُوا تیل دُشمن کے اُن سپاہیوں پر انڈیلا جاتا تھا جو فصیل کی دیوار پر سیڑھی لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

اب ہینی بال نے اپنی خاص چال چلی۔ اُس نے بیس ہزار فوج کو پیچھے رکھا۔ پندرہ ہزار فوجیوں کو آگ لگانے کا سامان دے کر پیچھے سے ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ کر دیا اور خود تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامنے کی طرف سے اُس میدان کی طرف بڑھنے لگا جہاں فرعون تہارکہ کی فوجوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فرعون کی فوج کو سامنے کی طرف اُلجھائے رکھے۔ تاکہ عقب کی طرف جانے والی پندرہ ہزار فوج کے سپاہیوں کو پہاڑی پر حملہ کر کے منجنیقوں کو آگ لگانے کا موقع مل جائے۔ فرعون اُن منجنیقوں کو آخری وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نکالنا چاہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کی ایک لاکھ فوج ہینی بال کے سپاہیوں کو کچل کر رکھ دے گی۔

جنگ شروع ہوگئی۔ سپاہی شیروں کی طرح لڑنے لگے۔ تیروں نیزوں کی بارش شروع ہوگئی۔ تلوار بجلی کی طرح چلنے لگی۔ دوسری طرف پندرہ ہزار سپاہیوں نے اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر حملہ کر دیا۔ وہاں فرعون کی مختصر سی فوج تھی۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے اُسے ہلاک کرکے پہاڑی کا دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر اُنہیں بے شمار منجنیقیں نظر آئیں تو وُہ حیران رہ گئے۔ عنبر کی جاسوسی کام کر گئی تھی۔ سپاہیوں نے ساری منجنیقوں پر رال کا تیل پھینک کر آگ لگا دی۔ منجنیقیں لکڑی کی تھیں۔ رال نے بھڑک کر اُنہیں جلانا شروع کر دیا۔ سپاہی آگ لگا کر واپس چل پڑے۔

میدان جنگ میں لڑائی ہو رہی تھی کہ کسی نے فرعون کو آکر بتایا کہ دشمن نے پہاڑی پر حملہ کرکے ساری منجنیقوں کو آگ لگا دی ہے۔ یہ فرعون کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ وُہ بوکھلا گیا۔ مگر اُس نے ہمت نہ ہاری اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ وُہ اپنے ہاتھی سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہوکر اُسے دوڑاتا ہُوا اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر پہنچ گیا۔ پہاڑی کے دروازے سے آگ کے شعلے آتش فشاں پہاڑ کی طرح باہر نکل رہے تھے۔ پہاڑی کے اندر ساری کی ساری منجنیقیں جل کر راکھ ہو رہی تھیں۔ فرعون وہیں سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس میدان جنگ میں آگیا۔ ہینی بال کو معلوم ہُوا کہ دشمن کا سارا اسلحہ جل کر راکھ ہوگیا ہے تو اُس نے ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ہینی بال کی ساری فوج کا حملہ تھا اور اِس قدر شدید تھا کہ فرعون کی فوج کے قدم اُکھڑنا شروع ہوگئے۔ فرعون کے جرنیل اپنے سپاہیوں کی ہمّت بڑھانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ مگر ہینی بال کی تازہ دم فوج کا دباؤ شدید ہو رہا تھا۔ آخر فرعون کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ہینی بال اب خود میدان جنگ میں کُود پڑا اور دُشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ یہ عالم دیکھ کر فرعون کی فوج کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اُس نے شہر کی فصیل کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ فرعون اس سے پہلے بھاگ کر شہر میں داخل ہو چکا تھا۔

ہینی بال بھاگتی ہُوئی فوج پر نیزے اور تیر برسا رہا تھا۔ ہزاروں فوجی ہلاک کر دیے گئے۔ ہینی بال فصیل کے قریب پہنچ کر رُک گیا اُس نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور فصیل پر منجنیقوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ مگر یہ منجنیقیں ہلکی قسم کی تھیں۔

ہینی بال نے ہاتھیوں کو چھوڑ دیا تاکہ وُہ شہر کے دروازے کو توڑ ڈالیں۔ فصیل کے اوپر بیٹھے ہُوئے سپاہیوں نے ہاتھیوں پر کھولتا ہُوا گرم گرم تیل انڈیل دیا۔ ہاتھی جل کر مر گئے اور سینکڑوں فوجی بھی جل کر بھسم ہو گئے۔ ہینی بال نے حملہ روک دیا۔ فوج واپس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیموں میں آرام کرنے لگی ۔ لاشوں کو جلا دیا گیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی ۔ ہینی بال نے اپنے سپہ سالاروں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا ۔ عنبر بھی اِس اجلاس میں شریک تھا ۔ وُہ رات گئے تک اِس مسئلے پر غور کرتے رہے کہ شہر کی فصیل کو توڑ کر اندر کیسے داخل ہُوا جائے ۔ پتھر پھینکنے والی لکڑی کی مشینیں کمزور تھیں ۔ فصیل کے اُوپر فوجوں کی بہت بڑی تعداد تیر کمان ' نیزے اور کھولتا ہُوا تیل لیے بیٹھی تھی ۔ ایک جرنیل نے کہا کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جائے ۔ شہر کے اندر کی خوراک اور پانی ختم ہو جانے پر فرطون خود بخود ہتھیار ڈال دے گا ۔ اِس پر عنبر نے کہا :

" مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ اِس بڑے شہر میں پانی اور خوراک اس قدر موجود ہے کہ فرطون کی فوج ایک سال تک زندہ رہ سکتی ہے "

ہینی بال نے گرج کر کہا :

" میں ایک سال تک انتظار نہیں کر سکتا ۔ جو کچھ کرنا ہے کل ہی ہو جانا چاہیے "

سپہ سالار نے کہا :

" پھر جیسا آپ کا حکم ہو ہم اسی پر عمل کریں گے ۔ ہماری فوج آپ کے اشارے پر جان کی بازی لگا دے گی "

ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل ہم فیصلہ کن حملہ کریں گے۔ ایک ہی ہلّے میں شہر کی فصیل کے دروازے کو توڑ کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ۔"

دوسرے دن ہینی بال کی تازہ دم فوج نے جنّوں اور بھوتوں کی طرح میمفس شہر کی فصیل پر حملہ کر دیا۔ وہ قد آدم ڈھالوں کی آڑ میں سیڑھیاں لے کر آگے بڑھے اور شہر کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ فرعون کی فوج نے اُن پر تیر، نیزے اور کھولتا ہُوا تیل انڈیلنا شروع کر دیا۔ بے شمار فوجی جل کر بھسم ہو گئے۔ مگر اُن کی جگہ تازہ دم سپاہی آ گئے۔ آخر ہینی بال کی فوج کے کچھ سپاہی دیوار کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُنہوں نے فصیل کے کئی مورچوں پر قبضہ کر کے فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔

اس فتح نے ہینی بال کی فوج میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک دی۔ وہ پہاڑ بن کر شہر کے بڑے دروازے سے ٹکرا گئے۔ ہاتھیوں نے اِس زور سے ٹکریں ماریں کہ شہر پناہ کے دروازے اُکھڑ کر گر پڑے۔ ہینی بال کی فوج فتح کے نعرے لگاتی شہر میں داخل ہو گئی۔ اُنہوں نے مصر کا دارالحکومت فتح کر لیا تھا۔ فرعون کی فوج نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے شہر میں لُوٹ مار اور قتلِ عام شروع کر دیا۔ انہوں نے مکانوں کو آگ لگا دی۔ حویلیوں کو لُوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ ہینی بال اپنے خاص گھوڑ سوار دستے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ فرعون کے محل کی طرف بڑھنے لگا۔

فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ محل کے بڑے دروازے پر آخری مقابلہ کیا۔ مگر اب وُہ جنگ ہار چکا تھا۔ سپاہی اُس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ ہیلنی بال نے لڑتے لڑتے آگے بڑھ کر فرعون پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا اور اُس کی گردن قلم کر کے سر نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

"فرعون قتل کر دیا گیا ہے"

ہیلنی بال ایک فاتح بادشاہ کی حیثیت سے فرعون کے محل میں داخل ہوگیا۔ اُس نے فرعون کی ملکہ کو حراست میں لے لیا اور شاہزادیوں کو محل کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ اِس کے بعد اُس نے فرعون کا سونے کا تاج سر پر رکھا اور ہیرے موتیوں والے انتہائی قیمتی تخت پر بیٹھ کر اعلان کیا:

"آج سے فرعونوں کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ مصر کے لوگ آزاد ہیں۔ قتلِ عام بند کر دیا جائے۔ کسی مکان کو لُوٹ کر آگ نہ لگائی جائے۔ لوگوں کو اجازت ہے کہ وُہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کریں۔ کسان کھیتوں میں کام کریں۔ اُنہیں ہر طرح کا آرام دیا جائے گا۔ ان پر سے ناجائز ٹیکس ہٹا دیے جائیں گے۔ فرعون یہاں کا خدا بن بیٹھا تھا۔ مگر مَیں خدا نہیں ہوں۔ مَیں آپ کا بادشاہ ہیلنی بال ہوں۔ جس کا جھنڈا سارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افریقہ میں لہراتا ہے۔"

اِس اعلان کے ساتھ ہی شہر میں قتلِ عام اور لوٹ مار بند کر دی گئی۔ مگر اِس دوران میں ہینی بال کے وحشی سپاہیوں نے ہزاروں انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا اور سینکڑوں مکانوں کو لُوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ عنبر جلے ہُوئے۔ لاشوں سے بھرے ہُوئے بازاروں میں سے گزرتا اُس کاروان سرائے تک گیا جہاں وُہ آ کر ٹھہرا تھا۔

سرائے کے مالک کا سارا سامان ٹوٹا پڑا تھا اور اُس کی لاش ایک چبوترے پر خُون میں نہائی ہُوئی پڑی تھی۔ عنبر محل میں واپس آگیا۔ وُہ کماندار اور اُس کی بیوی نے عنبر کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ کماندار کے محل کو بھی سپاہیوں نے لُوٹ لیا تھا۔ کماندار کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور اُس کی لاش ایک صندوق کے اُوپر پڑی تھی۔

اُسے معلوم ہُوا کہ کماندار کی بیوی کو بھی دوسری شہزادیوں اور کنیزوں کے ساتھ خاص محل کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے عنبر کو خوشی ہُوئی کہ وہ عورت ہلاک ہونے سے بچ گئی ہے۔ وُہ اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ مصیبت میں اُس عورت نے عنبر کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا۔ وُہ کماندار کی بیوی کے انسانی برتاؤ کا اُسے بدلہ دینا چاہتا تھا؛ چنانچہ وُہ زنانہ محل کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چل پڑا۔ وہ ہیبنی بال کا خاص آدمی تھا۔ اُسے محل کے پہریداروں نے بالکل نہ روکا۔ وُہ محل کے اندر داخل ہو کر کماندار کی بیوی کو تلاش کرنے لگا۔ آخر وُہ اُسے ایک درخت کے نیچے بال کھولے اُداس بیٹھی مل گئی۔ وُہ اُس کے قریب گیا تو کماندار کی بیوی نے اُس کی طرف حیرانی اور نفرت سے دیکھا۔

"تم ہیبنی بال کے جاسوس تھے۔ تم نے ہمارے ساتھ دُشمنی کی۔ مَیں تم سے نفرت کرتی ہُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاتلانہ حملہ

●

مصری کماندار کی بیوی عنبر کو جاسوس سمجھتی تھی۔

عنبر نے اُسے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنی رٹ لگاتی گئی اور یہی بار بار کہتی کہ عنبر نے فرعون کے ساتھ غداری کی ہے۔ آخر عنبر نے کہا:

"بیگم صاحبہ، میں آپ کے پاس اس لیے نہیں آیا کہ آپ مجھے جاسوس ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ نے مجھ سے اچھا برتاؤ کیا تھا۔ میں اس برتاؤ کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

بیگم نے نفرت سے مُنہ پھیر لیا۔

"مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں ایک غیر مُلکی جاسوس اور اپنے دشمن سے کوئی خدمت نہیں لینا چاہتی۔"

"یہ آپ کی بھُول ہے۔ میں دُشمن نہیں ہُوں۔"

بیگم نے غصّے میں آکر کہا:

"تم میرے دشمن ہی نہیں، میرے خاوند کے قاتل بھی ہو۔ اگر تم ہینی بال کے لیے جاسوسی نہ کرتے تو آج میرا سہاگ سلامت ہوتا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم قاتل ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

عنبر کو بھی غصّہ آ گیا۔ اُس نے کہا:

"سُنو بیگم صاحبہ، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں فرعون مصر مہارکہ کا دشمن تھا۔ اِس لیے کہ اس خاندان نے میری والدہ ملکہ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ میں مصر کے شاہی خاندان کا فرد ہوں۔ میں فرعون عاطون کا بیٹا ہوں۔ ملکہ نفریتی میری ماں تھی۔ فرعون قہران نے میری ماں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ آج ایک ہزار برس بعد میں نے اس کے خاندان سے بدلہ لیا ہے۔"

عنبر کی باتوں کو بیگم حیرت سے منہ کھولے سُن رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں بیگم صاحبہ، میں ایک ہزار برس سے زندہ ہوں اور شاید ابھی کئی ہزار برس زندہ رہوں گا۔"

بیگم اُس کا مُنہ ہی تکتی رہ گئی اور وُہ محل سے باہر نکل آیا۔

ہینی بال نے فرعون کی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے عنبر کو وزیر دربار مقرر کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور عزت تھی جو عنبر کو ملی۔ اِس کی توقع سردار کو بھی نہیں تھی۔ اُوپر سے تو اُس نے عنبر کو مبارک باد دی، لیکن دل میں وُہ حسد سے جل گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہینی بال کا وُہ خود وزیر دربار بننا چاہتا تھا۔ اس کی بہت بڑی شکست ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے معلوم تھا کہ ہینی بال اب اپنے فیصلے کو بدل نہیں سکتا۔ ایک بار جو وُہ فیصلہ کر دے تو اُس پر ڈٹ جایا کرتا ہے۔

سردار نے بھی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اُس نے سوچا کہ وُہ اگر ساری زندگی بھی کوشش کرتا رہے تو اب وزیرِ دربار کبھی نہیں بن سکتا۔ اِس کی ایک ہی صُورت ہے کہ کسی طرح عنبر کو راستے سے صاف کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ ہینی بال کا وزیر بن سکتا ہے۔ عنبر کو ہلاک کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ مصیبت صرف یہی تھی کہ عنبر کو ہینی بال بہت پسند کرنے لگا تھا۔ وُہ دربار میں اُس کو اپنے ساتھ بٹھاتا تھا۔ حکومت کے بارے میں ہر بات پر اُس سے مشورہ لیتا تھا۔ عنبر نے بھی اپنی خداداد لیاقت اور جرأت کی وجہ سے ہینی بال کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ وہ شاہی محل میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتا تھا اور شاہی رتھ پر سواری کرتا تھا۔

سردار نے سوچا کہ کیوں نہ ہینی بال کے دل میں عنبر کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے تاکہ بادشاہ اپنے طور پر ہی عنبر کو عہدے سے ہٹا کر جلا وطن کر دے۔

سردار نے اپنے خطرناک منصوبے پر سوچنا شروع کر دیا۔ اُس نے کئی تدبیریں سوچیں۔ آخر ایک تدبیر اُسے پسند آگئی۔ اس کے لیے سردار نے دربار کی سب سے خوبصورت اور بادشاہ ہینی بال کی منظورِ نظر کنیز ہائمہ کو اپنے محل میں بُلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہائرہ مُلک نوبیہ کی رہنے والی تھی اور اُس کی پیدائش ملکہ نوبیہ کے محل میں ہُوئی تھی۔ وُہ دربار کی سازشوں اور جوڑ توڑ سے پُوری طرح واقف تھی۔ سردار نے اُسے بُلا بھیجا تو وہ سمجھ گئی کہ ضرور سردار اُس سے کوئی خاص اور خطرناک کام لینا چاہتا ہے۔ وُہ شام کے وقت، سردار کے محل میں سیاہ لبادہ اوڑھے داخل ہُوئی۔ سردار اُسے لے کر محل کے اُوپر والے چوبارے میں لے گیا۔

ہائرہ نے لبادہ اُتار کر رکھتے ہُوئے کہا:

"سردار! آپ نے اِس کنیز کو کیسے یاد کیا؟"

سردار نے کھڑکیوں کا پردہ گرا کر کہا:

"ہائرہ! تم بادشاہ ہی کی منظورِ نظر کنیز نہیں ہو بلکہ میں بھی تمہاری بہُت عزّت کرتا ہُوں۔ صرف اِس لیے کہ تم ایک عقلمند اور دلیر عورت ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مَیں نے شروع شروع میں ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔ تم نے مجھ سے جس قسم کی مدد مانگی۔ مَیں نے وُہ تمہیں دی تھی۔ اب وقت آیا ہے کہ تم میرے لیے ایک کام کرو۔"

ہائرہ نے کہا:

"کنیز کو حُکم دیجیے۔"

"کام بڑی راز داری کا ہے۔"

"مَیں ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہُوں میرے آقا۔ آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ میں اگر ساری عمر بھی آپ کی خدمت کرتی رہوں تو وہ نہیں اُتر سکتے۔ آپ حکم کر کے تو دیکھیے۔"

سردار نے ہائمہ سے کہا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے کہ عنبر وزیر دربار بادشاہ ہینی بال کی نظروں سے گر جائے بلکہ وہ اُسے مصر سے جلا وطن بھی کر دے۔ ہائمہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"میرے آقا! بھلا یہ کام بھی کوئی مشکل کام ہے؟ میں ایسا چکر چلاؤں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں عنبر کا سر قلم کروا دوں۔"

"نہیں نہیں، ابھی اِس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اُسے جلا وطن کر دیا جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا حضور۔"

اِس کے بعد ہائمہ چلی گئی اور اُس نے اپنی سازش پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ ہینی بال کو فرعون کے محل سے سُرخ موتیوں کا ایک بہت قیمتی ہار ملا تھا جو اُس نے اپنی چہیتی ملکہ کو تحفے کے طور پر دے دیا تھا۔ ہینی بال کو یہ ہار بہت پسند تھا اور وہ اُسے ہمیشہ ملکہ کے گلے میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ ملکہ ہمیشہ اسے اپنے گلے میں پہنے رکھتی تھی۔ صرف رات کو سونے کے وقت وہ اُسے اُتار کر ایک صندوق میں بند کر دیتی تھی۔ ہائمہ ملکہ کی خاص کنیز تھی۔ وہی ملکہ کو غسل کرواتی اور اس کا لباس تبدیل کرواتی تھی۔ ملکہ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانُر پر بہت اعتبار تھا۔ بانُر کے مکار ذہن نے عنبر کے خلاف ایک تدبیر سوچی اور اس کے مطابق ایک رات وُہ ملکہ کی خواب گاہ میں گئی۔ ملکہ سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ بانُر نے ملکہ کے سیاہ بالوں میں کنگھی کی۔ چہرے پر اُبٹن مَلا۔ اُس کا شاہی لباس سنبھال کر رکھا۔ اُسے رات کا لباس پہنایا۔ ملکہ نے گلے میں سے ہار اُتار کر کہا :

" بانُر اسے سنبھال کر رکھ دو "

" جو حکم ملکہ عالیہ "

بانُر نے سُرخ موتیوں کا قیمتی ہار ملکہ کے ہاتھ سے لے کر اُس کے سامنے صندوق میں بند کر دیا۔ ملکہ مسہری پر لیٹ گئی۔ بانُر نے ساز پر ایک گیت چھیڑ دیا۔ اتنے میں بارہ دری میں نیلے آسمان پر چاند نکل آیا تھا ملکہ نے چاند کو دیکھا تو کہا :

" میری مسہری بارہ دری میں لگا دو بانُر۔ میں چاندنی رات میں سونا چاہتی ہُوں "

" جو حکم ملکہ عالیہ "

اور بانُر نے کنیزوں کو بُلوا کر ملکہ کی مسہری باہر بارہ دری میں لگوا دی۔ تھوڑی دیر وُہ ملکہ کے پاس بیٹھی اُسے میٹھے میٹھے گیت سناتی رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ ملکہ سو گئی ہے تو دبے پاؤں اُٹھ کر باہر آ گئی۔ اُس نے صندوق کے پاس کھڑے ہو کر ایک بار پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلٹ کر اطمینان کیا کہ ملکہ سو رہی ہے ۔ پھر وہ صندوق پر جھکی۔ پلک جھپکنے میں صندوق کھول کر سُرخ موتیوں کا ہار نکال کر جیب میں ڈالا اور صندوق بند کر کے کمرے سے باہر نکل گئی ۔

اُس کے خطرناک منصوبے کا پہلا حصّہ مکمل ہو گیا تھا ۔

رات کے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھی عنبر کے محل میں پہنچی ۔ وہ پچھلے خفیہ دروازے سے اُس کی خواب گاہ میں داخل ہوئی ۔ عنبر ابھی تک دربار سے واپس نہیں آیا تھا ۔ نائرہ کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا ۔ اُس نے عنبر کی مسہری کی چادر اٹھائی اور اُس کے نیچے موتیوں کا ہار چھپا دیا ۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ بڑی تیزی سے خواب گاہ سے باہر نکل آئی ۔ خفیہ دروازے سے نکل کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور واپس ملکہ کے محل میں آ گئی ۔ اُسے کسی نے آتے جاتے نہ دیکھا تھا ۔ اُس کا سارا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا ۔ اب صرف یہی ایک کسر باقی تھی کہ صبح اُٹھ کر ملکہ نے ہار تلاش کرنا تھا اور نائرہ نے اُس سے یہ کہنا تھا کہ تمام درباریوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے کیوں کہ تمام درباری اُس ہار کو پسند کرتے تھے ۔

وہ بڑے آرام سے سو گئی ۔ وہ اپنے کام پر بہت خوش تھی ۔

صبح صبح ہی وہ اُٹھ کر ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئی ۔ ملکہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی اور غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی ۔ ماہمہ نے ملکہ کا لباس تبدیل کروادیا ۔ اُس کے بال بنائے ۔ اُس کا بناؤ سنگار کیا اور جب سُرخ ہار صندوق میں سے نکالنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو چیخ مار کر بولی :

"ملکہ عالیہ ہار چوری ہو گیا ؟"

اب اُدھر کی بھی سُنیئے ۔ آدھی رات کو دربار سے عنبر گھر واپس آیا تو بے حد تھکا ہُوا تھا ۔ وہ غسل کرنے کے بعد اپنی مسہری کی طرف آیا تو اچانک اُسے مسہری کی چادر کچھ مَیلی مَیلی سی محسوس ہُوئی ۔ اُس نے حبشی غلام کو آواز دی ۔

"زمُرّد !"

حبشی غلام حاضر ہُوا تو اُس نے کہا :

"مسہری کی چادر بدل دو ۔"

غلام نے ادب سے سر جُھکایا اور مسہری پر سے چادر اُلٹ دی ۔ چادر کا ہٹنا تھا کہ نیچے سُرخ موتیوں کا ہار شمع دان کی روشنی میں چمکنے لگا ۔ عنبر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ۔

"یہ ہار یہاں کیسے آگیا ؟"

حبشی غلام بھی پریشان سا ہو گیا ۔ عنبر کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے ۔ اُس نے فوراً سُرخ موتیوں کا ہار پلنگ پر سے اُٹھا کر جیب میں رکھا ۔ باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا بادشاہ ہینی بال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے محل میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دربار سے واپس [illegible]کر سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ غلام نے جھک کر عرض کی کہ وزیرِ دربار شرفِ ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ بادشاہ نے کہا:

"لیکن ابھی ابھی تو وہ مجھ سے مل کر گئے ہیں۔"

"عالم پناہ، وہ کوئی ضروری بات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، انہیں اندر بلاؤ۔"

عنبر نے بادشاہ کی شاہی خواب گاہ میں داخل ہو کر جھک کر سلام کیا اور موتیوں کا سُرخ ہار بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"یہ — یہ تو ہماری ملکہ کا ہار ہے عنبر، یہ تمہارے پاس کیسے آگیا؟"

عنبر نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ بادشاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ عنبر نے کہا:

"حضور، مجھے تو اپنے خلاف یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے میں ہار لے کر سیدھا آپ کے حضور آگیا ہوں۔"

"اگر ایسی بات ہوئی تو میں سازشیوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ لوگ میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔ تم جا کر آرام کرو۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

اس وقت دن کی روشنی پھیلنے ہی والی تھی۔ بادشاہ نے ہار ہاتھ میں پکڑا اور سیدھا ملکہ کے کمرے میں آگیا۔ ملکہ اپنی کنیز نائمہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ پریشان بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا :

"ملکہ، کیا آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے ؟"

"آپ کو کیسے پتہ چلا ؟"

"اِس لیے کہ وہ ہمارے پاس محفوظ ہے"

بادشاہ نے جب سُرخ موتیوں کا قیمتی ہار نکال کر ملکہ کے سامنے رکھا تو ملکہ سے بڑھ کر حیرانی کنیز نائمہ کو ہوئی۔ وہ بُت کی بُت بن کر رہ گئی کہ عنبر کی مسہری کے نیچے سے یہ ہار اتنی جلدی یہاں کیسے آ گیا۔ بادشاہ نے صاف صاف بتا دیا کہ کسی نے شرارت کر کے تمہاری خواب گاہ سے ہار چُرایا اور وزیر دربار کے گھر چُھپا دیا تھا، وزیر دربار کو اچانک ہار کا علم ہو گیا اور وہ اُسی وقت ہار لے کر ہماری خدمت میں حاضر ہو گیا۔

نائمہ کی سازش پر پانی پھر گیا تھا۔

سردار کو سخت مایوسی ہوئی۔ اب اُس نے عنبر کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ اِس کام کے لیے اُس نے ایک حبشی غلام کی خدمات حاصل کیں۔ اُسے سونے چاندی اور زر و جواہر کا لالچ دے کر کہا کہ وہ راتوں رات وزیر دربار عنبر کو قتل کر دے۔ حبشی غلام عنبر کے محل کا پہریدار تھا۔ عنبر کے قتل کا وقت مقرر کر دیا گیا۔

ایک رات عنبر دربار سے لوٹ کر محل میں واپس آیا تو اُسے پیاس محسوس ہوئی۔ اُس نے غلام کو بُلا کر انگوروں کا تازہ رس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکلوایا اور ایک گلاس پی کر مسہری پر لیٹ گیا۔ وہ دیر تک پہلو بدلتا رہا۔ پھر اُسے نیند آ گئی۔ اُدھر پہریدار حبشی غلام اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ سیاہ لبادے میں لپیٹ کر کمر کے ساتھ انتہائی تیز خنجر لگائے محل کی عقبی سیڑھیوں میں سے ہوتا ہوا چوبارے کی چھت پر آ گیا۔

رات کی خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ حبشی نے چوبارے کی چھت پر سے عنبر کی چھت پر چھلانگ لگا دی۔ اُس کی دھمک عنبر نے بالکل محسوس نہ کی کیونکہ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی دبے پاؤں نیچے دالان میں اُتر آیا۔ اب وہ خواب گاہ میں داخل ہونے کا موقع تلاش کر رہا تھا جو جلد ہی اُسے مل گیا۔ اتفاق سے وہاں اُس وقت کوئی غلام پہرے پر موجود نہ تھا۔ حبشی نے پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ وزیرِ دربار عنبر اپنی مسہری پر بے سُدھ ہو کر گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی چپکے سے خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ بلی کی طرح سرکتا ہوا عنبر کے سرہانے کی جانب آ گیا۔

وہ بڑی گہری نگاہوں سے سانس روکے عنبر کو غور سے تکنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ عنبر نیند میں بالکل مدہوش ہے تو اُس نے کمر میں ہاتھ ڈال کر لمبا اور تیز دھار والا خنجر نکالا۔ اُسے فضا میں بلند کیا اور ایک ہی جھٹکے سے عنبر کے سینے میں پیوست کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کی اچانک آنکھ کھُل گئی۔ مگر قاتل پے درپے دو تین وار سینے پر کرکے بھاگ چُکا تھا۔ عنبر خاموشی سے لیٹا رہا۔ اِس لیے کہ خنجر اُس کی جان نہیں لے سکتا تھا۔ وُہ تو ہمیشہ کے لیے لافانی ہوچُکا تھا؛ چنانچہ وُہی ہُوا۔ خنجر لگنے سے عنبر کے سینے سے خُون کی ایک بُوند بھی نہ نکلی۔ سینے پر خنجر سے زخم ہُوا جو اپنے آپ رل گیا۔

عنبر پھر گہری نیند سوگیا۔ حبشی غلام سیدھا سردار کے ہاں پہنچا اور اُس نے جاکر بتایا کہ اُس نے خنجر کے تین وار عنبر کے سینے پر کرکے اُسے مَوت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ سردار نے اُسے موتیوں کا ایک ہار اور سونے کے کچھ سکّے انعام کے طور پر دیے اور خاموش رہنے کی ہدایت کرکے اُسے واپس بھیج دیا حبشی غلام نے واپس اپنے گھر آکر کمر میں سے خنجر نکال کر اسے دھوکر صاف کرنا چاہا تو وُہ یہ دیکھ کر تعجب میں آگیا کہ خنجر پر خون کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا۔ اُس نے سوچا شاید خُون اُس کے کپڑوں کے ساتھ رگڑ کر مِٹ گیا ہے۔ اُس نے اپنے کپڑے دیکھے۔ وہاں بھی خون کا کوئی دھبہ تک نہ تھا۔ وُہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بہرحال اُس نے پانی سے خنجر کو صاف کیا اور سوگیا۔

صبح دن نکلا تو سردار سب سے پہلے دربار میں آگیا۔ وُہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنا چاہتا تھا کہ جب دربار میں عنبر کے قتل کی خبر پہنچتی ہے تو بادشاہ پر اُس کا کیا اثر ہوتا ہے ۔ وہ دربار میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ درباری محل میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے ۔ حبشی قاتل باہر دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ وزیرِ دربار عنبر شاہی رتھ میں سے اُتر کر محل کی سیڑھیوں کی طرف آ رہا ہے ۔ حبشی نے کل رات اُسے خود قتل کیا تھا ۔ اُس کے سینے پر خنجر کے تین بھرپور ہاتھ مارے تھے ۔ اگر وُہ مرا نہیں تھا تو کم از کم زخمی ہی ہُوا ہوتا ۔ مگر وُہ روز کی طرح چاق و چوبند چلا آ رہا تھا۔ جب وُہ حبشی کے قریب سے گزرا تو حبشی کو غش آ گیا ۔

سردار بڑا خوش تھا کہ اُس کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ عنبر دُور ہو گئی ہے اور اب وہ بہت جلد ہینی بال کا وزیرِ دربار چُن لیا جائے گا ۔ لیکن ایکا ایکی عنبر کو شاہی لباس میں اپنے سامنے دیکھ کر اُس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اُسے حبشی نے یقین دلایا تھا کہ عنبر مر چُکا ہے اور اُس نے خود اُسے تین وار کر کے ہلاک کیا ہے ۔ وُہ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ عنبر نے آگے بڑھ کر سردار سے ہاتھ ملایا ۔

" صبح بخیر سردار "

سردار نے ظاہری طور پر خندہ پیشانی سے اُس کے سلام کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا اور وہاں سے لپک کر باہر آگیا۔ اسے پتہ چلا کہ حبشی پہریدار ابھی گھوڑے سے دھم سے زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا تھا اور اب اپنے گھر میں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِسے آگ میں ڈال دو

•

دربار میں عنبر سے سردار نے زیادہ بات چیت نہ کی ۔

چونکہ اس کے دل میں چور تھا ۔ اِس لیے وُہ عنبر سے آنکھ ملاتے ہُوئے گھبراتا تھا ۔ عنبر کو بھی خوب معلوم ہوگیا تھا کہ اُس کے قتل کی سازش میں سردار کا ہاتھ ہے ۔ کیوں کہ وُہ اُس کے اونچے رُتبے سے حسد کرتا ہے اور اُسے قتل کرکے خود وزیر دربار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے ۔ سردار دربار سے نکل کر خُفیہ طور پر سیدھا حبشی غلام کے گھر گیا ۔ وُہ اب پُوری طرح ہوش میں تھا اور زمین پر بیٹھا ریت پر لکیریں ڈال رہا تھا ۔ اُس نے حبشی سے پُوچھا :

”تم نے عنبر کو قتل نہیں کیا تھا زمرّد ؟“

حبشی غلام نے جُھک کر ادب سے کہا :

”سردار ، میں ربّ زیوس کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ مَیں نے خود اِس ہاتھ سے عنبر کے سینے میں خنجر کے تین بھرپُور وار کیے تھے ۔ اگر میرے وار کسی ہاتھی کے سینے پر پڑتے تو ایک بار وُہ بھی لڑکھڑا کر گر پڑتا ۔ مگر عنبر پر کوئی اثر ہی نہیں ہُوا ۔“

"آخر ایسا کیوں ہُوا ؟"

"یہی تو مَیں نہیں سمجھ سکا۔ آخر وہ گوشت پوست کا آدمی ہے۔ سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اُس کے جسم سے نہ کوئی خُون نکلا اور نہ کوئی زخم ہی ہُوا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں ؟"

"حضورؑ، میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص ضرور کوئی جن بھوت ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ؟"

اتنا کہہ کر سردار واپس اپنی حویلی میں آگیا۔ وُہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ عنبر نے ٹھیک کہا تھا کہ وُہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے۔ اگر وُہ ایک ہزار برس سے زندہ نہ ہوتا تو آج مرچکا ہوتا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ موت اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دُور بھاگ گئی ہے۔ وُہ کبھی نہیں مَر سکتا۔ اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ مَیں نے غلطی کی جو اُس پر قاتلانہ حملہ کروایا۔ کاش اس حقیقت پر مجھے پہلے اعتبار آگیا ہوتا۔ کیا خبر عنبر کو شک ہوگیا ہو کہ قاتلانہ حملے کے پیچھے میرا ہاتھ ہے! سردار نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وُہ عنبر سے اُس کی ہمیشہ کی زندگی کا راز معلوم کرکے رہے گا تاکہ وُہ بھی ہمیشگی کی زندگی پالے اور کبھی نہ مَر سکے۔

رات کو عنبر سے ملنے کے بعد سردار نے پُوچھا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عنبر! کیا یہ سچ ہے کہ تم واقعی ہمیشہ کے لیے غیرفانی بنا دیے گئے ہو؟"

عنبر نے گہری نظر سے سردار کو دیکھا اور کہا:

"کیا تمہیں اب بھی شک ہے سردار؟"

سردار نے شرمندہ سا ہو کر کہا:

"نہیں عنبر! مجھے اب کوئی شک نہیں رہا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ تم واقعی ایک ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو لیکن اگر تم مجھے بھی اپنی ہمیشہ کی زندگی کے راز میں شریک کر لو تو میں تمہارا یہ احسان قیامت تک نہیں بھولوں گا۔"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے سردار۔ میں اپنی مرضی سے ہمیشہ کے لیے غیرفانی نہیں ہوا۔ مجھے ایک دعا یا بددعا نے ایسا کر دیا ہے۔"

"کیا تم وہ دعا یا بددعا مجھے نہیں دے سکتے؟"

"میں اگر کوشش بھی کروں تو ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تم مجھ سے چھپا رہے ہو عنبر۔ تمہیں وہ راز ضرور معلوم ہے جس سے انسان ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں مرتا۔"

"میں ربّ عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں سردار کہ مجھے وہ راز ہرگز ہرگز نہیں معلوم۔"

"اچھا تو پھر میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردار اُس وقت تو خاموش ہو گیا۔ مگر اُس نے یہ بات دل پر نقش کر لی کہ عنبر نے اُسے جان بوجھ کر ہمیشہ زندہ رہنے کا راز نہیں بتایا۔ وہ اب ایک دوسری ترکیب سے عنبر کو راستے سے ہٹانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ وہ عنبر کے راز کے بارے میں ہینی بال سے بات کرے۔ ظاہر ہے بادشاہ ضرور چاہے گا کہ ہمیشہ زندہ رہ کر حکومت کرتا رہے۔ وہ عنبر کو بُلا کر اُس سے کبھی نہ مرنے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ عنبر نے اگر انکار کیا تو وہ ضرور اُسے کسی نہ کسی طریقے سے مروا دے گا۔

اِس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے وہ ایک روز ہینی بال کے حجلہ خاص میں پہنچ گیا۔ اس وقت ہینی بال نوبیہ پر چڑھائی کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ سردار نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد ہینی بال سے کہا:

"عالی جاہ، اگر آپ اتنے ملک فتح کرنے کے بعد بھی اُسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تو اِس کا کیا فائدہ!"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ہینی بال نے بھویں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے حضور، کہ انسان چاہے ساری دنیا کو فتح کرلے پھر بھی اُسے ایک نہ ایک روز مر جانا ہے اور اِس دُنیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو خالی ہاتھ چھوڑ کر چلے جانا ہے "

" یہ تو ہر انسان کی تقدیر میں لکھا ہے "

" لیکن خالی جاہ، اگر آپ چاہیں تو ہمیشہ کے لیے رہ سکتے ہیں۔ تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں "

" وہ کیسے ؟ "

" وہ ایسے کہ اِس کا ایک راز ہے۔ اگر آپ اُس راز کو جان لیں تو آپ پر بھی موت حرام ہو سکتی ہے۔ پھر آپ قیامت تک اِس مُلک پر حکومت کر سکتے ہیں "

" وہ راز کیا ہے سردار ؟ "

" وہ راز ہمارے دربار کے صرف ایک درباری کو معلوم ہے مگر وہ اِس راز کو کسی قیمت پر بتانے کو تیار نہیں "

ہینی بال نے سردار کے قریب آ کر پوچھا :

" وہ درباری کون ہے جو ہمارے دربار میں بیٹھا ہمیشہ زندہ رہنے کا راز دل میں چھپائے ہوئے ہے "

" اُس کا نام عنبر وزیر دربار ہے خالی جاہ "

" کیا مطلب ؟ "

" مطلب یہ سرکار خالی، کہ عنبر وزیر دربار ہمیشہ کے لیے غیر فانی ہو گیا ہے۔ اُس کو قیامت تک زندہ رہنے کا راز معلوم ہو گیا ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے ۔ وُہ اصل میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہے ۔"

" یہ تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو ؟"

" یہ فضول باتیں نہیں ہیں سرکار، مَیں سچ کہہ رہا ہُوں عنبر ایک ہزار برس سے تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے ۔ وُہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے ۔ اُسے موت نہیں چھُو سکتی ۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو اُسے قتل کروا کر دیکھ لیں ۔ وہ پھر سے زندہ ہو جائے گا ۔"

ہینی بال نے اِس قسم کی باتیں پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں ۔ وُہ تعجب سے سردار کو دیکھنے لگا ۔ پھر بولا :

" اگر یہ سچ نہ ہُوا تو تمہاری سزا کیا ہو گی ؟"

" مجھے بے شک چمڑے کے بورے میں بند کر کے دریائے نیل میں پھینکوا دیں ۔"

" کیا تمہیں منظور ہے ؟"

" منظور ہے عالی جاہ ۔"

" ٹھیک ہے ، ہم ابھی اس کا فیصلہ کیے دیتے ہیں ۔"

بادشاہ نے فوراً وزیر دربار عنبر کو طلب کر لیا ۔ عنبر نے محل میں لوگوں کا ہجوم اور سردار کے مکّار چہرے کو دیکھا تو ایک بار تو وُہ بے چارا گھبرا گیا ۔ وُہ سمجھ گیا کہ اِس دفعہ سردار نے ضرور کوئی نئی اور خطرناک چال چلی ہو گی ۔ ہینی بال نے وزیر دربار کو اپنے تخت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سامنے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ عنبر تخت کے سامنے درباریوں کے درمیان میں آکر کھڑا ہوگیا۔ ہینی بال نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کرکے کہا :

" اے وزیرِ دربار، کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک ہزار برس سے زندہ چلے آرہے ہو! دوسرے یہ کہ تم فرعون مصر کی اولاد میں سے ہو اور تم پر موت حرام ہے، تم مر نہیں سکتے ؟ "

عنبر کے لیے اب جھوٹ بولنے کا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ سچ سچ بادشاہ کے سامنے بیان کردے، اُس نے کہا :

" آپ نے میرے بارے میں بالکل درست سُنا ہے۔ آپ کا یہ غلام ایک ہزار برس سے زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا اور میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہُوں "

ہینی بال ایک پل کے لیے چُپ رہا۔ سارے دربار میں بھی سنّاٹا طاری ہوگیا۔ بادشاہ نے کہا :

" اِس سلسلے میں کیا تم کوئی ثبوت پیش کرسکتے ہو؟ "

عنبر نے کہا :

" جہاں پناہ، میرے پاس اِس کے سوا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ ایک روز آپ سب لوگ موت کا ذائقہ چکھ کر ہمیشہ کی نیند سو جائیں گے اور میں زندہ رہوں گا "

ہینی بال نے کہا :

" اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ تمہیں کبھی مَوت نہیں آ سکتی "

" کبھی نہیں عالی جاہ "

" اور اگر ہم تمہیں مار کر دکھا دیں تو ؟ "

بادشاہ کی زبان سے یہ بات نکلنے کے بعد سارے دربار پر سناٹا چھا گیا ۔ سردار دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا ۔ وُہ یہی چاہتا تھا ۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا :

" اگر مجھے مَرنا ہوتا حضور، اگر موت میری قسمت میں لکھی ہوتی تو میں ایک ہزار سال سے زندہ نہ چلا آ رہا ہوتا "

ہینی بال نے غصّے میں آ کر کہا :

" لیکن اگر ہم تمہیں مار دیں تو پھر تم کیا کہو گے ؟ "

" حضور، پھر تو میں کچھ کہنے کے قابل رہوں گا ہی نہیں ۔ لیکن شرط یہی ہے کہ آپ مجھے مروا سکے تو ــــ مگر میرا خیال ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکیں گے "

ہینی بال تخت پر سے اُٹھ کھڑا ہُوا ۔ یہ اُس کی توہین تھی ۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا :

" وزیرِ دربار، تم نے یہ بات کہہ کر سارے دربار میں ہماری طاقت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے "

عنبر نے جُھک کر کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہرگز نہیں حضورِ انور، ہرگز نہیں، مَیں نے صرف یہ عرض کی ہے کہ موت مجھ بدقسمت کی تقدیر میں نہیں ہے۔"

"ہم تمہاری تقدیر بدل کر رکھ دیں گے۔ ہم تمہیں موت کی آغوش میں سُلا کر تمہارے دعوے کو غلط ثابت کر دیں گے۔"

اِس کے ساتھ ہی اُس نے جلّاد کو دربار میں طلب کر لیا۔ سردار کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اُسے پُورا یقین تھا کہ اب عنبر تلوار کے وار سے نہیں بچ سکے گا۔ سارے درباری دم بخود ہو گئے۔ انہیں عنبر کی عقل پر افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ ضد کر کے اپنے آپ کو ہلاک کروا رہا ہے۔ بادشاہ نے آخری بار کہا:

"کیا اب بھی تم کہتے ہو کہ تم مر نہیں سکتے؟"

عنبر نے بڑے ادب سے جُھک کر کہا:

"میں آپ سے ایک بہت بڑی حقیقت بیان کر رہا ہُوں حضورِ انور، جب تک مجھ پر مقدس آواز کی دُعا کا اثر ہے، مَیں کبھی نہیں مر سکتا۔"

"ہم تمہاری مقدس آواز کو تسلیم نہیں کرتے۔"

"تو پھر مَیں حاضر ہُوں عالی جاہ۔"

ہینی بال نے جلّاد کو اشارہ کیا۔ جلّاد نے آگے بڑھ کر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ پُوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مارا۔ درباریوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اُنہیں یقین تھا کہ جب وہ آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھولیں گے تو وزیرِ دربار کا سر دھڑ سے جُدا ہو کر فرش پر گرا ہوگا اور دھڑ الگ تڑپ رہا ہوگا۔ لیکن جب اُنہوں نے آنکھیں کھولیں تو عنبر ویسے ہی کھڑا تھا اور اُس کا سر گردن پر ہی ٹِکا ہُوا تھا سردار خاموش تھا۔ ہیلنی بال کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر جلّاد کو اشارہ کیا۔

جلّاد نے ایک بار پھر تلوار کا وار عنبر کی گردن پر کیا۔ تلوار پُورے زور کے ساتھ عنبر کی گردن پر لگی اور دوسری طرف سے نکل گئی۔ لیکن ہُوا یہ کہ گردن جہاں جہاں سے کٹتی۔ وہاں وہاں سے دوبارہ جڑ جاتی، نہ زخم ہوتا، نہ خون نکلتا۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا:

"اِس کے اُوپر سے ہاتھی گزارا جائے۔"

سارے دربار پر سنّاٹا چھا گیا۔

اُسی وقت ہاتھی لایا گیا۔ عنبر کو فرش پر لِٹا کر اُس کے اُوپر لکڑی کا ایک تختہ رکھ دیا گیا۔ مہاوت نے بادشاہ کا اشارا پا کر ہاتھی کو آگے بڑھایا۔ ہزاروں من وزن کا ہاتھی اُس تختے کے اُوپر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ جس کے نیچے وزیرِ دربار عنبر لیٹا ہُوا تھا۔ جتنی دیر ہاتھی عنبر کے اُوپر کھڑا رہا، عنبر اُس کے نیچے بڑے اطمینان سے لیٹا بادشاہ سے باتیں کرتا رہا اور بار بار مُسکرا کر کہتا رہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ظلِ ہُما، آپ کو کب یقین آئے گا کہ مَیں مَر نہیں سکتا؟"

بادشاہ نے تنگ آ کر حکم دیا:

"وزیرِ دربار کو کھولتے ہُوئے تیل کے کڑاہے میں ڈال دیا جائے۔"

اِس حکم پر سارے درباری خاموش ہوگئے۔ اُنہیں یقین تھا کہ کھولتے ہُوئے تیل میں گرائے جانے کے بعد عنبر کی مَوت یقینی ہوگی۔ اُسی وقت دربار میں حبشی غلام ایک کڑاؤ کو لے آئے۔ اُس میں زیتون کا تیل کھول رہا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عنبر کو اس کڑاؤ میں ڈال دیا جائے۔ دو حبشیوں نے عنبر کو پکڑنے کی کوشش کی تو اُس نے کہا:

"اِس کی کیا ضرورت ہے عالم پناہ، مَیں خود چلتے ہُوئے تیل میں اُتر جاتا ہُوں۔"

اِتنا کہہ کر عنبر نے جُوتے اُتار کر الگ رکھے اور بڑے سکُون سے کھولتے ہُوئے تیل کے کڑاؤ میں اُتر گیا۔ جس طرح بچے پانی سے بھرے ہُوئے تالاب میں اُتر جاتے ہیں۔ عنبر کے کھولتے ہُوئے کڑاؤ میں اُترنے سے نہ تو جلنے کی آواز آئی اور نہ ہی عنبر کا جسم جل کر سیاہ ہُوا۔ کھولتا ہُوا تیل یُوں اُس کے جسم سے چھُو رہا تھا جیسے وُہ چشمے کا ٹھنڈا پانی ہو۔ عنبر کھولتے ہُوئے گرم گرم تیل کو دونوں چُلّوؤں میں بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے وہ چشمے کے ٹھنڈے پانی میں نہا رہا ہو۔

سارا دربار اِس کرامت پر دنگ رہ گیا۔ بادشاہ ہینی بال تخت سے نیچے اُتر کر عنبر کے پاس آ گیا۔ اُس نے ایک چڑیا کو پنجرے میں سے نکال کر کڑاؤ کے اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ شُوں کی آواز کے ساتھ ہی چڑیا ایک سیکنڈ کے اندر اندر بھن کر پکوڑا بن گئی۔ مگر وُہی اُبلتا ہُوا گرم تیل عنبر کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

بادشاہ نے ہار مان لی۔ اُس نے اشارہ کرکے عنبر کو کھولتے ہوئے تیل سے باہر آ جانے کو کہا۔ عنبر چلّو بھر تیل ہاتھ میں لے کر باہر آ گیا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس نے یہ تیل سردار کے ہاتھ پر پھینک دیا۔ سردار کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ عنبر نے کہا

"میرا خیال ہے سردار اب تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں مَر نہیں سکتا اور اب تم مجھے قتل کروانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

ہینی بال نے پُوچھا کہ یہ کیا شرارت ہے؟ عنبر نے الف سے لے کر یے تک بادشاہ کو ساری کہانی سُنا دی کہ کس طرح سردار نے ہار چوری کروا کر میری مسہری کے نیچے رکھی تاکہ مجھ پر چوری کا الزام لگا کر آپ کی نگاہوں میں مجھے ذلیل کرے اور پھر اس میں ناکام ہو کر کس طرح اُس نے اپنے حبشی کی مدد سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ پر خنجر سے حملہ کروایا۔ مگر میں زندہ رہا۔ ہینی بال سردار کے کرتوت سن کر غصے میں آگیا۔ اس نے اسی وقت سردار کو گرفتار کر کے تہہ خانے میں ڈال دینے کا حکم صادر کر دیا اور عنبر سے کہا:

"محترم درویش نوجوان، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ساری زندگی میرے ملک میں رہو اور میری تاریخ مرتب کرو"

"جو حکم عالی جاہ، بندہ ہر خدمت کے لیے تیار ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسانی قربانی

بادشاہ ہیلنی بال کے دربار میں عنبر کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا۔ وہ وزیر دربار تو تھا ہی، لیکن اب بادشاہ نے اُس کی خاص قابلیّت اور خداداد لیاقت سے متاثر ہوکر اُسے یہ کام سونپ دیا کہ وُہ اُس کے عہد حکومت کی تاریخ لکھا کرے۔ عنبر ہر روز رات کو دن کے گزرے ہُوئے واقعات قلمبند کرکے دُوسرے روز بادشاہ کو دکھاتا۔ عام طور پر بادشاہ اُس کے لکھے ہُوئے واقعات کو پسند کرکے اُسے شاہی تاریخ میں شامل کرلینے کا حُکم صادر کر دیتا۔ ایلام شہر میں لوگ بُتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ یہ بُت مختلف جانوروں کے تھے۔ کوئی قبیلہ بھینس کی پُوجا کرتا تھا۔ کوئی گینڈے کی پُوجا کرتا تھا۔ کوئی سانپ کی اور کوئی مگرمچھ کی پُوجا کرتا تھا عنبر کسی بُت کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ وُہ ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک تھا اور جس کا کوئی بُت نہیں تھا۔ وُہ رات کو سونے سے پہلے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگا کرتا۔

شہر کے درمیان میں لعل دیوتا کا بہت بڑا مندر تھا۔ یہ مندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاروں طرف کے سنگ مرمر کے بے شمار ستونوں پر کھڑا تھا۔ بیچ میں ایک کشادہ ہال کمرہ تھا۔ جس کے بیچ میں سنگ سُرخ کا چبوترہ تھا جہاں جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ مندر کا بڑا پجاری اِس قربانی کے وقت خود اپنے ہاتھوں سے جانور کی گردن پر کلہاڑا چلاتا تھا۔ بعل دیوتا کے بڑے اُونچے لمبے بُت کے آگے ایک کشادہ تنور میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی۔ جانور ذبح کرکے اِس آگ میں ڈال دیے جاتے تھے۔ گویا بعل دیوتا نے قربانی قبول کر لی۔

ہینی بال کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ سارے افریقہ پر اُس کا قبضہ تھا اور اب وہ مُلک نوبیہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ملک نوبیہ مصر کے شمال مشرق میں تھا اور وہاں ایک ملکہ حکومت کرتی تھی۔ اِس ملکہ کو فارستان اور بابل کے بادشاہوں کی حمایت حاصل تھی۔ ہینی بال پھر بھی اُس کے ملک کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک روز عنبر کو بُلا کر کہا:

"وزیر دربار، تم نے ہمارے لیے جاسوسی کرکے مصر کی فتح آسان کر دی تھی۔ کیا اب تم ہمارے لیے ملک نوبیہ جا کر وہاں کی جاسوسی نہیں کر سکتے؟"

عنبر کے لیے یہ بڑا مشکل مقام تھا۔ اُس نے سچائی سے کام لیتے ہوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے شہنشاہ، مصر کے بیٹے مَیں نے اِس لیے جاسوسی کی تھی کہ فرعون کے خاندان نے میرے ماں باپ کو ہلاک کیا تھا۔ میں اُس خاندان سے انتقام لینا چاہتا تھا، لیکن نوبیہ سے مجھے کوئی بَیر نہیں۔ مَیں وہاں جاسوسی کس لیے کروں؟"

"کیا تم ہمارے لیے بھی یہ کام نہیں کر سکتے؟"

عنبر نے انکار کرنا فی الحال مناسب نہ سمجھا۔ کہنے لگا:

"وقت آنے پر جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا"

"تو پھر تم تیار ہو؟"

"یہی سمجھ لیں"

ہینی بال بڑا خوش ہُوا اور اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر ملک نوبیہ جانے کی تیاری شروع کر دے۔ عنبر یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا مگر محض اِس لیے تیار ہو گیا کہ نوبیہ جا کر وُہ واپس نہیں آئے گا۔ وہ ہینی بال کے ملک کو چھوڑ دے گا اور پھر کبھی پلٹ کر نہ آئے گا۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ موسم میں بارش نہ ہُوئی اور کھیتیاں سُوکھ گئیں۔ شاہی گوداموں میں جو غلّہ تھا وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ وُہ بھی ختم ہو گیا۔ مگر آسمان سے پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ ملک میں قحط پڑ گیا۔ لوگ بھُوکوں مرنے لگے۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ بڑے پجاری نے ہزاروں جانور بعل دیوتا کے حضور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قربان کر دیے۔ مگر بارش نہ ہوئی۔ آخر بڑے پجاری نے اعلان کیا کہ بعل دیوتا کسی نوجوان لڑکی کی قربانی مانگتا ہے۔ نوجوان لڑکی کی قربانی کے بعد قحط دُور ہو جائے گا اور آسمان سے بارش برسے گی۔ ہینی بال نے قربانی کا حکم دے دیا۔ سارے ملک میں پجاریوں نے گھوم پھر کر اُس نوجوان لڑکی کی تلاش شروع کر دی جو اُن کے خیال میں قربانی کے لیے موزوں تھی۔

آخر اُنھوں نے ایک غریب کسان کی لڑکی کو چُن لیا۔

جب اُنھوں نے غریب کسان کو بتایا کہ اُنھوں نے اُس کی معصوم بچّی کو بعل دیوتا کے سامنے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا ہے تو وُہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اُسے اپنی بچّی سے بڑی محبّت تھی۔ لڑکی کا بھی رنگ زرد ہو گیا۔ لڑکی کے باپ نے پجاریوں کے قدموں میں گِر کر کہا:

"رب شمس کے لیے میری بچّی اور میرے بڑھاپے پر رحم کریں دیوتا کے آگے مجھے قربان کر دیں۔ مگر میری بچّی کو کچھ نہ کہیں۔"

بڑے پجاری نے کسان کے سر کو ٹھوکر مار کر کہا:

"دیوتا صرف تمھاری بچّی کی قربانی مانگتا ہے۔ تم نے اپنی بچّی کی جان بخشی کی بھیک مانگ کر گُناہ کیا ہے۔ اِس گُناہ کے داغ کو دھونے کے لیے ہمیں ایک ہزار چاندی کے سکّے دو۔"

"مگر مَیں تو ایک غریب کسان ہُوں میرے پاس چاندی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے کہاں سے آگئے ؟"

"تو پھر اپنے سارے برتن اور لڑکی ابھی ہمارے حوالے کر دو۔" کسان رونے لگا۔ پجاریوں نے اُس کے گھر کا سامان لُوٹ لیا اور زبردستی لڑکی کو پکڑ کر لے جانے لگے۔ کسان نے آگے بڑھ کر اپنی بچّی کو بچانے کی کوشش کی تو پجاریوں نے اُسے مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ کسان بے ہوش ہو گیا اور پجاری روتی چلاتی لڑکی کو زبردستی رتھ پر ڈال کر مندر میں لے گئے۔

عنبر کو معلوم ہُوا کہ پجاری ایک معصوم بچّی کو بعل دیوتا کے آگے قربان کر رہے ہیں تو اُسے بڑا صدمہ ہُوا اور اس نے لڑکی کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وُہ اُسے کس طرح بچائے۔ یہ اُن کا مذہبی معاملہ تھا اور مذہبی معاملے میں نہ صرف بادشاہ بلکہ ایلام شہر کے لوگ بھی پجاریوں کے ساتھ تھے۔ کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسان کی معصوم بچّی کو قتل نہیں ہونے دے گا۔

پجاریوں نے اعلان کر دیا کہ پُورے چاند کی رات کو کسان کی بیٹی کو بعل دیوتا کے سامنے ذبح کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اُنہیں یقین تھا کہ اِس قربانی کے بعد بارش ہو گی اور دیوتا خوش ہو کر مُلک سے قحط دُور کر دے گا۔ عنبر نے بادشاہ سے مل کر بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ نے ملک میں قحط کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وجہ سے نوبیہ پر چڑھائی کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔ اب اُس کی ساری توجہ اِس طرف تھی کہ کسی طرح ملک سے قحط دُور ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے لعل دیوتا کے آگے انسانی قربانی کی اجازت دے دی تھی۔

شام کو عنبر بادشاہ سے ملنے محل میں گیا۔

ہینی بال اپنے ایک دوسرے وزیر کے ساتھ ملک میں غذائی صورت حال پر بات چیت کر رہا تھا۔ جب وُہ وزیر چلا گیا تو عنبر نے کہا:

"شہنشاہِ عالی! میں ایک خاص مقصد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہُوں۔"

"وُہ مقصد بیان کرو عنبر، ہم سے جو کچھ بھی ہو سکا، ہم تمہارے لیے ضرور کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"اے شہنشاہ، کیا آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ پُورے چاند کی رات کو لعل دیوتا کے حضور جو ایک معصوم بچّی کی قربانی دی جا رہی ہے اُسے روک دیا جائے۔"

ہینی بال نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا:

"عنبر، یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"ہاں میرے عظیم شہنشاہ، یہ میری آرزو ہے کہ آپ کسان

کی معصوم بچی کی قربانی کو رد کرنے کا حکم دے دیں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ملک میں قحط ہی رہے۔ لوگ بھوکوں مرتے رہیں؟"

"ہرگز نہیں حضور، میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔"

"تو پھر جب تک انسان کی قربانی نہیں دی جائے گی۔ دیوتا خوش نہیں ہوگا اور وہ بارش نہیں برسائے گا۔ ملک سے قحط دُور نہیں کرے گا۔"

"بادشاہ سلامت، میرا خیال ہے کہ اگر کسان کی بچی کی جگہ کسی پجاری کی قربانی دی جائے تو دیوتا زیادہ خوش ہوگا۔"

ہینی بال نے غصے میں کہا:

"وزیر دربار، تم اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہو۔ ایسی بات پھر زبان سے مت نکالنا۔ یہ ہمارے عوام کے مذہب کا معاملہ ہے پجاری دیوتا کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ عوام اور دیوتا بھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ کسی پجاری کو آگ میں ڈالا جائے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں؟"

"ہرگز نہیں ملک معظم۔ میں تو چاہتا ہُوں کہ آپ کا اقبال بلند دُونی رات چوگنی ترقی کرے اور آپ کی حکومت کا جھنڈا ساری دنیا پر لہرائے۔"

"تو پھر آئندہ سے بعل دیوتا کی قربانی کے بارے میں ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کوئی بات نہ کرنا۔"

"بہت بہتر حضور انور۔"

عنبر نے جُھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور واپس آ گیا۔

کہنے کو تو اُس نے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ وُہ اس معاملے میں دخل نہیں دے گا۔ لیکن وُہ ابھی تک اپنے اِس فیصلے پر ڈٹا ہُوا تھا کہ کسان کی لڑکی کو پتھر کے ایک بے جان بُت کے آگے ذبح ہونے سے بچا کر رہے گا۔ جُوں جُوں قربانی کا دن قریب آ رہا تھا۔ اُس کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ لڑکی کو ظالم پجاری کے چُنگل سے کیونکر چھڑایا جائے؟

لڑکی کو پجاریوں نے مندر کے نیچے ایک پُراسرار تہہ خانے میں چھپا رکھا تھا۔ اِس تہہ خانے کو صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا جس کا دروازہ بڑے پجاری کے کمرے میں تھا۔ عنبر نے ایک روز تہہ خانے کا جائزہ لینے کا ارادہ کر کے بادشاہ سے خاص حکم نامہ حاصل کیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ وُہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ لڑکی بیمار تو نہیں؟ کیونکہ اگر بیمار لڑکی کی قربانی دی گئی تو دیوتا اُسے قبول نہیں کریں گے۔

حُکم نامہ لے کر عنبر مندر کی طرف چل پڑا۔

مندر میں جا کر اُس نے بڑے پجاری سے ملاقات کی اور کہا:

"مَیں قربان کی جانے والی لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پجاری نے حیرانی سے پُوچھا:

"وہ کس لیے؟"

"اِس لیے کہ کہیں لڑکی بیمار تو نہیں؟"

"لڑکی تندرست ہے۔ ہم نے اپنی پوری تسلّی کر لی ہے۔"

"مگر میرے پاس بادشاہ کا حکم نامہ ہے۔ تم مجھے نہیں روک سکتے۔ اِس لیے کہ مَیں شاہی طبیب بھی ہُوں۔"

بڑا پجادی اب مجبور ہو گیا۔

اُس نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے کمرے کے دروازے میں سے گزر کر سیڑھیاں اُترتا اُس تہہ خانے میں داخل ہو گیا جہاں کسان کی لڑکی قید تھی۔ ایک کوٹھڑی میں مشعل جل رہی تھی۔ اُس کی روشنی میں کسان کی بھولی بھالی خوف زدہ لڑکی ایک کونے میں سہمی بیٹھی تھی۔ اُس کا رنگ زرد تھا اور وہ سہمی ہُوئی تھی۔ وہ سوائے اس کے بالکل تندرست تھی کہ اُس پر خوف چھایا ہُوا تھا۔

عنبر نے یُوں ہی اُس کی نبض وغیرہ دیکھی۔ اصل میں وہ کچھ اور دیکھ رہا تھا۔ وہ اِس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہاں سے لڑکی کو کیسے بھگا کر لے جائے؟ اُسے محسوس ہُوا کہ لڑکی کو اس تہہ خانے سے نکالنا بڑا مشکل اور کٹھن کام تھا۔ بڑا پجاری ذرا سی دیر کے لیے باہر گیا تو عنبر نے لڑکی کے کان میں کہا:

"فکر نہ کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال لُوں گا۔ تم پرسوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات تیار رہنا۔"

پجاری فوراً اندر آ گیا۔ اِس اثنا میں عنبر لڑکی سے بات کر چکا تھا۔ اُس کی بات سُن کر لڑکی کے چہرے پر کوئی خوشی نہ پیدا ہُوئی۔ اِس لیے کہ اُسے معلوم تھا کہ تہہ خانے کے اندھیرے جہنم سے اُس کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ جاتے ہُوئے عنبر نے ایک گہری نگاہ لڑکی پر ڈالی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے تسلّی دی کہ فکر نہ کرو، میں پرسوں رات تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔

رات بھر وُہ اپنے خاص محل میں بیٹھا سوچتا رہا کہ کسان کی لڑکی کو وہاں سے کیسے نکالے؟ قربانی میں صرف ایک رات باقی تھی۔ ادھر بعل کے مندر میں انسانی قربانی کی بڑی زبردست تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ قربان گاہ کے چبوترے کو دن میں چار بار دودھ سے دھو کر پاک کیا جا رہا تھا۔ مقدس آگ میں بار بار صندل اور زعفران ڈالا جا رہا تھا۔ سارے مندر کے ستونوں کو زیتون اور کیلے کی ہری بھری شاخوں سے سجا دیا گیا تھا —— قربان گاہ کے ساتھ ساتھ سرخ قالینوں پر شاندار چوکیاں بچھا دی گئی تھیں جن پر پجاریوں نے بیٹھ کر مذہبی گیت گانے تھے۔

دُوسرے روز صبح صبح لڑکی کو قربان کر دیا جانا تھا۔

رات ہوگئی اور پورا چاند آسمان پر نکل آیا۔ اِسی رات کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پچھلے پہر کسان کی معصوم بچّی کو ذبح ہو جانا تھا۔ عنبر بڑی بےچینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ کس طرح لڑکی کو وہاں سے فرار کروانا ہے۔ اب وُہ بے چینی سے وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ رات گہری ہو اور وُہ مندر کی طرف جائے۔ اُس نے دو عربی گھوڑے مندر کے پیچھے زیتون کے باغ میں تیار کر رکھے تھے۔ ان گھوڑوں کو اُس کا غلام لیے کھڑا تھا۔ ایک روز پہلے اُس نے شہر سے رات کو باہر نکلنے کا پروانہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ شاید کل رات اُسے شہر سے باہر اپنے ایک بیمار رشتے دار کا علاج کرنے کے لیے جانا پڑے۔

جُوں جُوں رات گزُر رہی تھی۔ عنبر کا دل زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آخر وقت آ گیا۔ عنبر نے حویلی کو تالا لگایا اور رتھ پر سوار ہو کر بعل کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مندر سے کچھ دور وُہ رتھ سے اُترا اور پیدل چل کر مندر کے پچھواڑے زیتون کے باغ میں آ گیا۔ یہاں وُہ اپنے غلام سے ملا جو دو عربی گھوڑے لیے اُس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم تیار ہو؟"

"بالکل حضور"

"کیا تم نے کسان کو بھی تیار کروا دیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ ہمیں شہر کے مغربی دروازے کے پاس تیار ملے گا۔ اُسے تو یقین نہیں آرہا تھا میرے آقا کہ ہم اُس کی لڑکی کو بچا کر اُس کے پاس [illegible] رہے ہیں۔"

"اُسے خدائے واحد پر بھروسا کرنا چاہیے۔ وہی ہماری اور اُس کی بیٹی کی مدد کر رہا ہے۔ اب تم یہیں بیٹھو، مَیں لڑکی کو لانے جا رہا ہُوں۔"

"میرے آقا ہوشیار رہیے گا۔"

"فکر نہ کرو، مجھے کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ دُعا کرو کہ لڑکی محفوظ رہے۔"

اِتنا کہہ کر عنبر درختوں اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہُوا بعل دیوتا کے مندر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے ایک انتہائی تیز دھار والا خنجر اپنے لبادے کے اندر چھپا رکھا تھا۔ وہ مندر کے شمال مغربی دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے پر ایک پُجاری پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے بھی پُجاریوں ایسا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے پہریدار کے قریب جا کر پجاریوں کی طرح اُسے سلام کیا اور پہریدار نے دروازہ کھول دیا۔ عنبر پُجاری کے بھیس میں مندر کے اندر داخل ہوگیا۔ اب وُہ سجے سجائے ستونوں کے ترتیب سے ہوتا ہُوا بڑی تیزی سے بڑے پُجاری کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ قربانی میں ابھی کافی دیر تھی۔ پھر بھی وہاں بڑی رونق تھی۔ دیواروں کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں اور پجاری قربان گاہ کو دھو رہے تھے اور دُعا پڑھ رہے تھے۔ عنبر خاموشی سے سر جھکائے اُن کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ایک دالان کے عقب سے ہو کر وہ مُڑا تو سامنے بڑے پجاری کا کمرہ تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور باہر مشعل روشن تھی۔ عنبر نے آہستہ سے دھکا دیا تو دروازہ کھُل گیا۔ اندر بھی روشنی ہو رہی تھی اور بڑا پجاری ایک صندوق میں سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔

پاؤں کی آہٹ سُن کر پجاری نے پلٹ کر دیکھا۔

اُس کے سامنے پجاریوں کے بھیس میں عنبر کھڑا تھا۔ بڑا پجاری ایک دم سب کچھ سمجھ گیا۔ ابھی اس نے مدد کے لیے آواز ہی نکالی تھی کہ عنبر نے آگے بڑھ کر تیز دھار والا خنجر پجاری کے دل میں اُتار دیا۔ پجاری دھڑام سے نیچے فرش پر گر پڑا اور گرتے ہی مر گیا۔ عنبر نے جلدی جلدی اُس کے کپڑے اتار کر کندھے پر رکھے اندر سے کمرے کے دروازے کو کُنڈی لگائی اور سیڑھیاں اُترتا نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔

کسان کی لڑکی قربانی کے لباس میں اُداس اور غمزدہ بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو پہچان لیا۔ عنبر نے کہا:

"جلدی سے اپنے کپڑے اُتار کر یہ پجاری کے کپڑے پہن لو۔"

"مگر ـــــ"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خُدا کے لیے جلدی کرو۔ یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں۔"

لڑکی نے عنبر کے کہنے پر عمل کیا۔ عنبر دیوار کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے قربانی کا لباس اُتار کر پجاریوں والا لمبا چوغہ پہن لیا۔

"جلدی سے میرے ساتھ نکل چلو اور خبردار راستے میں کوئی بُلائے بھی تو آواز نہیں نکالنی۔"

عنبر اور لڑکی دونوں پجاریوں کے لباس میں تھے۔ وُہ دونوں مٹھ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بڑے پجاری کے کمرے میں آئے۔ یہاں اُس کی لاش دیکھ کر کسان کی لڑکی سب کچھ سمجھ گئی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی اُتاری اور لڑکی کو ساتھ لے کر باہر مندر کے صحن میں آ گیا۔ وہاں قربانی کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع تھیں۔ پجاری مشالیں لیے اِدھر سے اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ عنبر نے لڑکی کے ہاتھ میں بھی ایک مشعل تھما دی اور اُسے ساتھ لیتا قدم قدم چلتا بڑے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اُسے ہر قدم پر یہی خطرہ تھا کہ کہیں اُس کا راز فاش نہ ہو جائے اور وُہ پکڑے نہ جائیں۔ اپنے بارے میں تو اُسے معلوم تھا کہ کوئی بھی اُسے ہلاک نہ کر سکے گا۔ مگر لڑکی کا بچنا محال تھا۔ وہ دل ہی دل میں خُدا سے دُعا مانگتا رہا کہ وُہ ان دونوں کو اپنی حفاظت میں مندر سے باہر نکال دے۔ یہ لڑکی کی خوش قسمتی تھی

کہ کسی نے بھی اُن پر شک نہ کیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ وہ پجاری ہیں اور انسانی قربانی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

عنبر بڑے دروازے میں سے نکل کر باہر سنگ مرمر کی روش پر آ گیا۔ یہ روش مندر کے دوسرے حصّے کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دُور اُس روش پر چلنے کے بعد عنبر نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے جنگل کی طرف لے گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے کہا:

"بھاگ چلو"

اور اُن دونوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ جنگل کی جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں سے ہوتے ہُوئے عنبر اُس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں اُس کا غلام گھوڑے لیے انتظار کر رہا تھا۔ غلام نے آگے بڑھ کر اُنہیں سلام کیا اور بولا:

"میرے آقا، ربِ شمس کا شکر ہے کہ آپ آ گئے"

عنبر نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے کہا۔ دوسرے گھوڑے پر وُہ خود سوار ہو گیا۔ اُس نے حبشی غلام سے کہا:

"تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے، مَیں اُسے ساری زندگی فراموش نہ کر سکوں گا۔ آج سے تم آزاد ہو۔ میری حویلی کا سارا سامان، سارا روپیہ تمہارا ہے"

"میرے آقا، آپ کی خدمت میرا فرض تھا۔ مَیں نے آپ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدمت کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے لڑکی کے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور خود بھی گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنگل سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جنگل سے نکل کر اُس نے اپنے لیے ایک ویران راستہ چن لیا۔ یہ کھیتوں اور مکانوں کے عقب سے ہو کر گزرتا تھا۔ شہر کے شمال مشرقی دروازے پر لڑکی کا باپ گھوڑے پر سوار ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو خوشی سے نہال ہو کر اُس نے بچّی کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے دروازے کے چوکیدار کو پروانہ دکھایا اور کہا کہ وُہ اپنے دو غلاموں کے ساتھ باہر ر کی بستی میں ایک مریض دیکھنے جا رہا ہے۔ پہریدار نے دروازہ کھول دیا اور تینوں شہر سے نکل کر آزاد فضا میں آ گئے اور انہوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طلالہ کی رُوح

مندر میں پجاری لڑکی کی قربانی کے لیے بالکل تیار تھے۔ جلاد تلوار لیے کھڑا ہو گیا۔ پجاری نے کہا کہ بڑے پجاری سے کہو کہ لڑکی کو تہہ خانے سے قربانی کے لیے لے آئے۔ پھر پجاری بڑے پجاری کے کمرے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ انہوں نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو اُن کی چیخ نکل گئی۔ ان کے سامنے فرش پر بڑے پجاری کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ ہر طرف ایک شور مچ گیا۔ پجاری بھاگ کر نیچے تہہ خانے میں گئے۔ وہاں لڑکی غائب تھی۔

پجاریوں نے غُل مچا دیا کہ بڑا پجاری قتل کر دیا گیا ہے اور دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی غائب ہے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ اُسی وقت بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ دیوتا کی سخت بے عزتی ہوئی ہے اور اب ساری قوم پر، سارے مُلک پر اس کا شدید عذاب نازل ہوگا۔ بادشاہ نے وزیرِ دربار کو بُلایا تو معلوم ہُوا کہ وہ بھی غائب ہے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ ساری کارستانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزیر دربار کی ہے اور وُہی لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے۔ اُن کے مذہب کے خلاف یہ اِسس قدر بڑا گناہ تھا جسے بادشاہ کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے غضب میں آکر یہ اعلان کیا۔

"فوج کو اُن کے پیچھے دوڑایا جائے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے لڑکی کو گرفتار کرکے دیوتا کے حضور قربان کر دیا جائے۔"

فوج کا ایک چاق و چوبند دستہ نیزوں اور تیر کمان سے کمربستہ ہو کر سرپٹ گھوڑے دوڑاتا شہر کے دروازے سے نکلا اور عنبر کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ عنبر نے دو گھناؤنے جُرم کیے تھے۔ ایک تو بڑے پجاری کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا اور دوسرے دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی کو اغوا کر لیا تھا۔ ہیلنی بال بے حد غیض و غضب کے عالم میں تھا اور چاہتا تھا کہ اگر اُسے عنبر مل جائے تو اُسے کچا ہی چبا کر کھا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے بہادر سپاہی صبح ہونے سے پہلے پہلے صحراؤں میں سے ڈھونڈ کر لڑکی کو گرفتار کرکے لے آئیں گے۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ لڑکی کی قربانی کے بعد وہ عنبر کو ایک زمین دوز تہہ خانے میں بند کر دے گا جہاں وہ قیامت تک قید رہے گا۔

عنبر، کسان اور اُس کی بیٹی کومے کو لے کر ایلام شہر سے کافی دُور نکل چُکا تھا۔ اس وقت وہ ایک صحرا سے گزر رہا تھا جہاں جگہ جگہ ریت کے ٹیلے تھے۔ دن نکل آیا اور دھوپ میں تیزی آنا شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئی تھی۔ لڑکی نے کہا:

"میں تھک گئی ہوں بابا"

کسان نے اپنی بچی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"تو پھر کچھ دیر آرام کر لو بیٹی یہاں"

عنبر نے کہا:

"ایسا ہرگز نہ کرنا۔ بادشاہ کی فوج یقیناً ہماری تلاش میں روانہ ہو چکی ہوگی۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے کے لیے رُک گئے تو ضرور گرفتار کر لیے جائیں گے"

"میری بچی تھک گئی ہے"

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بچی آج شام سے پہلے پہلے قربان گاہ پر قربان کر دی جائے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بے شک یہاں آرام کرنے کے لیے رُک جاؤ"

کسان نے گھبرا کر کہا:

"نہیں نہیں، میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ تم نے میری بچی کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے جس طرح کہو گے ویسے ہی کروں گا"

"تو پھر سفر جاری رکھنا ہوگا"

لڑکی نے کہا:

"ہاں بابا، ہم سفر جاری رکھیں گے۔ میرے محسن کا خیال ٹھیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ بادشاہ نے ہماری تلاش میں فوج ضرور روانہ کر دی ہو گی؟

” ٹھیک ہے میری بچی، مجھے آرام سے تمہاری جان زیادہ عزیز ہے۔“

تینوں مسافروں نے سفر جاری رکھا۔ اُن کے عربی گھوڑے اُنہیں صحرا میں اُڑاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دوپہر کے بعد وُہ ایک ٹیلے کے عقب میں سے گزرنے لگے تو عنبر کو محسوس ہُوا کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اُس نے کہا:

” گھوڑے تھکن سے چُور ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ایک پل کے لیے یہاں آرام کر لینا ہی بہتر ہے۔“

” جیسے آپ کی مرضی میرے آقا۔“

کسان نے کہا اور اپنی بچی اور عنبر کے لیے ٹیلے کی چھاؤں میں بھیڑ کی کھال بچھا دی۔ تینوں مفرور اس پر بیٹھ گئے۔ عنبر نے گھوڑوں کو کھول دیا اور جھولے میں سے چارہ نکال کر اُن کے آگے ڈال دیا۔ گھوڑے چارہ کھانے لگے۔ ابھی انہیں وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک دُور سے غبار سا بلند ہوتا نظر آیا۔ لڑکی نے غبار کو دیکھ عنبر کی توجہ اُس طرف دلائی۔

” یہ غبار سا کیسا ہے؟“

کسان اور عنبر نے چونک کر غبار کی طرف دیکھا اور گھبرا کر کہا:

” معلوم ہوتا ہے بادشاہ کی فوج ہمارے سر پر پہنچ گئی ہے۔“

کسان نے گھبرا کر کہا :

" اب کیا ہوگا میرے آقا ؟"

عنبر نے کہا :

" صرف ہمیں گھبرانا نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔"

اُنھوں نے چادریں گھوڑوں پر ڈالیں اور صحرا میں گھوڑے ڈال دیے۔ مگر بادشاہ ہینی بال کے چاق و چوبند سواروں کا وُہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھتے چلے آرہے تھے اور اُن کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر کسان نے مڑ کر دیکھا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے گھوم کر دیکھا۔ سواروں کے نیزے دُور سے دھوپ میں چمکتے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ اُس نے خطرے کو محسوس کر لیا تھا کہ وُہ اُن کے سروں پر منڈلانے لگا ہے۔ مگر صحرا میں وُہ چھپ کر کہاں جا سکتا تھا ؟

بادشاہ کے سوار قریب سے قریب تر آرہے تھے۔ اب دُور سے اُن کے لوہے کے ٹوپ اور زرہ بکتر بھی صاف نظر آنے لگے تھے۔ کسان نے کہا :

" اب کیا ہوگا میرے آقا ؟"

" وہ ہمیں ضرور پکڑ کر لے جائیں گے۔ وہ مجھے بڑی بیدردی سے ہلاک کر دیں گے۔ وُہ میرے بابا کو بھی ہلاک کر دیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے ہاتھ بلند کر کے کہا :

"گھوڑوں سے اُتر کر ٹیلے کی اوٹ میں ہو جاؤ۔"

"اس سے کیا ہوگا میرے آقا؟" کسان نے گھبرا کر پوچھا۔

"جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔"

کسان اور اُس کی بیٹی گھوڑوں سے اُتر کر ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئے۔ فوج کا دستہ انہیں تھوڑے فاصلے پر اُن کی طرف طوفان کی طرح بڑھتا صاف نظر آ رہا تھا۔ عنبر بھی گھوڑے سے اُتر پڑا اور صحرا میں دو زانو ہو کر دُعا مانگنے لگا۔ جتنی دیر وہ دُعا مانگتا رہا بادشاہ کی فوج اُس کے اور قریب آ گئی۔ کسان اور لڑکی کا مارے خوف کے دم نکلا جا رہا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ دُعائیں مانگنا اب فضول ہے۔ اُنہیں دُنیا کی کوئی طاقت فوج سے نہیں بچا سکتی۔

اچانک عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ اُسے ایک آواز سنائی دی۔

"عنبر! میری آواز پہچانتے ہو؟"

"کیا تم — تم طلالہ کی رُوح ہو؟"

"تم نے کتنی جلدی مجھے پہچان لیا۔ یقیناً تم میری قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار برس گزر جانے پر بھی تم نے میری آواز کو جھٹ پہچان لیا۔ میں نے تمہاری قدر نہ کی اور تم سے دھوکہ کیا۔ میری روح ایک ہزار سال سے بے چین چلی آ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں موقع کی تلاش کر رہی تھی کہ مصیبت میں تمہاری مدد کر کے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں۔ ربِ عظیم کا شکر ہے کہ آج مجھے موقع مل گیا۔ میں تمہاری مدد کو آئی ہوں۔"

طلالہ کی رُوح کی آواز کسان اور اُس کی بیٹی کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ حیران ضرور ہو رہے تھے کہ عنبر کس سے باتیں کر رہا ہے۔ فوج اب بالکل سامنے آ گئی تھی اور اُس نے بھی اپنے شکار کو دیکھ لیا تھا اور سپاہی دُور سے تیر برسانے لگے تھے۔ تیروں کی پہلی بوچھاڑ عنبر سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر آ کر گری۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری باڑ اُس کے اُوپر گرنے والی تھی۔ کسان کی لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"طلالہ کی رُوح، اگر تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو تو اِس فوج کو روکو۔ میں ایک مظلوم اور معصوم لڑکی کی جان بچا کر اِس سے بھاگ رہا ہوں۔ میں ایک نیک کام کر رہا ہوں اور ہینی بال کی فوج اِس لڑکی کو ذبح کر دینا چاہتی ہے جو گناہ ہے۔ اِس گناہ کے خلاف لوہے کی دیوار بن کر کھڑی ہو جاؤ اور اِس باپ بیٹی کی جان بچا لو!"

"میں بڑی خوشی سے تمہاری مدد کروں گی عنبر، مگر یہ بتاؤ کہ کیا پھر تم مجھے معاف کر دو گے؟"

"ہاں ہاں، میں پھر تمہیں معاف کر دوں گا۔ ضرور معاف کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈوں گا۔ مگر خدا کے لیے اِس وقت جلدی کرو۔ فوج ہمارے سر پر آ گئی ہے۔"

"ابھی دیکھو کیا ہوتا ہے عنبر، گھبراؤ نہیں۔"

طلالہ کی رُوح اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ تیروں کی دوسری بوچھاڑ ٹیلے کے قریب آ کر گری اور کسان کی چیخ نکل گئی۔

"خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو میرے آقا۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔ اُٹھو، اپنی اور ہماری جان بچاؤ۔"

کسان اپنی بیٹی کا بازو پکڑ کر ایک طرف بھاگنے لگا تو عنبر نے آگے بڑھ کر اُسے روک کر ٹیلے کی اوٹ میں کر دیا۔

"چُپ چاپ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

"کیا تم ہمیں فوج کے ہاتھوں قتل کروانا چاہتے ہو؟"

"تم دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔"

فوج کا دستہ اب بالکل سامنے آ گیا تھا اور اُن کے سپہ سالار نے للکار کر کہا:

"خبردار، بھاگنے کی کوشش نہ کرنا، نہیں تو جان سے مار ڈوں گا۔"

ایک دم آسمان پر بڑے زبردست کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی اور ایک زلزلہ سا آ گیا۔ صحرا کی زمین ہلنے لگی۔ فوج کا دستہ رُک گیا۔ گھوڑے الف ہو کر زور زور سے ہنہنانے لگے۔ دوسری بار بجلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چمکی تو پہلے سے زبردست کڑک پیدا ہوئی۔ صحرا گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی فوج کے دستے اور عنبر کے درمیان کی زمین شق ہو گئی اور وہاں ایک گہرا غار نمودار ہو گیا۔

فوج کے سپاہی حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے

سپہ سالار نے حکم دیا:

"نیزوں کی بوچھاڑ کر دو۔ یہ جادو ہے اور کچھ نہیں"

سپاہیوں نے کسان، اس کی بیٹی اور عنبر پر نیزے اور تیر برسانے شروع کر دیے۔ نیزے اور تیر ان تینوں کے آس پاس آ گر گرنے لگے۔ قریب تھا کہ کسی نہ کسی تیر یا نیزے سے کسان اور اس کی بیٹی ہلاک ہو جائیں کہ ایک بار پھر آسمان پر بجلی کا شعلہ نمودار ہوا۔ خوفناک کڑاک کے ساتھ یہ شعلہ غیض و غضب کے عالم میں زمین کی طرف لپکا اور فوج کے دستے پر ایک بلائے ناگہانی بن کر گرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آدھے گھوڑے اور آدھے سپاہی اس شعلے میں جل بھن کر راکھ ہو گئے۔ باقی سپاہی بھاگنے لگے تو چوتھی بار زبردست گرج کے ساتھ شعلہ لپکا اور باقی ماندہ گھوڑے اور سپاہی بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اب وہاں سوائے سپاہیوں اور گھوڑوں کی جلی ہوئی لاشوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

طلالہ کی روح کی آواز سنائی دی:

"عنبر! میں نے تمہارے حکم کے مطابق تمہاری مدد کر دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ کیا تم نے میرے گناہ کو معاف کر دیا ہے؟"

"تمہارا شکریہ طلالہ، یقین کرو، مَیں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے"

"ربِّ عظیم تمہارا نگہبان ہو"

اِس کے بعد طلالہ کی رُوح نے خوشی سے ایک قہقہہ لگایا صحرا میں جیسے بے شمار بادلوں کی گرج سُنائی دی اور پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ کسان اور اُس کی بیٹی نے یہ سارا کرشمہ سہمے ہوئے دیکھا تھا۔ اُن بے چاروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہُوا اور کیسے ہو گیا؟ وہ عنبر کے قدموں پر سجدے میں گر گئے اور اُن کے پاؤں کو چُومنے کی کوشش کرنے لگے۔

عنبر نے اُنہیں اُٹھایا اور کہا:

"سجدہ کسی انسان اور بُت کو نہیں کیا جاتا۔ سجدہ صرف خُدائے واحد کو کیا جاتا ہے۔ تم لوگوں نے جو کچھ دیکھا، یہ اُسی خُدائے واحد کا کرشمہ تھا۔ اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا اور ہم فوج کی قید میں ہوتے ـــــ اور اب آگے بڑھتے ہیں۔ ملک نوبیہ کی سرحد یہاں سے دُور نہیں ہے"

خوش اور حیرت زدہ کسان اپنی خوش قسمت بیٹی کو لے کر زمین پر سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بولا:

"مَیں تمہارے خُدائے واحد پر ایمان لاتا ہُوں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور عنبران دونوں باپ بیٹی کو لے کر ملک نوبیہ کی طرف روانہ ہو گیا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسمانی آگ

ملک نوبیہ میں عنبر ایک حکیم کے بھیس میں داخل ہُوا۔

کسان اور اُس کی بیٹی کو اُس نے باپ اور بہن ظاہر کیا۔

نوبیہ پر چونکہ ہینی بال کی چڑھائی کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ اِس لیے سرحدی سپاہیوں نے کافی چھان بین کے بعد عنبر اور اُس کے ساتھیوں کو سرحد کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔ نوبیہ کا پہلا شہر سرحد سے تھوڑی ہی دُور واقع تھا۔ یہاں عنبر نے کسان اور اُس کی بیٹی کو اپنے سے جُدا کر دیا۔ اُنھوں نے عنبر کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور نئے مُلک میں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اپنی راہ لی۔

عنبر گھوڑے پر سوار دواؤں کا جھولا بغل میں لٹکائے نوبیہ کے دارالحکومت سمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سمیر اُس زمانے میں ایک انتہائی ترقی یافتہ شہر تھا اور ابھی ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ شہر کے مکان پختہ اینٹوں کے تھے اور سڑکوں پر دونوں جانب سایہ دار درخت کھڑے تھے۔ ملکہ کا محل شہر کے بیچ میں تھا۔ جس کا سنہری گنبد دُور ہی سے چمکتا دکھائی دیتا تھا۔ عنبر شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سڑکوں پر سے گزرتا لوگوں کو تجارت کرتے اور سودا سلف کی خرید فروخت کرتا دیکھتا ہُوا شاہی محل کی طرف جا رہا تھا۔

وُہ ملکہ نوبیہ سے مُلاقات کرنا چاہتا تھا۔

شاہی محل کے دروازے پر پہریداروں نے اُسے روک لیا اور پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے۔ عنبر نے بتایا کہ وُہ افریقہ کے ملک ایلات سے آرہا ہے اور ملکہ کے لیے ایک خاص پیغام لایا ہے۔ پہریداروں نے اُسے کوٹھڑی میں بٹھا لیا اور وزیر دربار کو پیغام بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر دربار کے سپاہی آئے اور عنبر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وزیر دربار اپنے محل کے باغ میں سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کے غلام چاروں طرف ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عنبر نے سلام کیا اور خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔

وزیر دربار نے پوچھا:

"اے نوجوان، تو ملکہ عالیہ کے لیے کیا پیغام لایا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"یہ میں صرف ملکہ عالیہ ہی کو بتا سکتا ہُوں۔"

وزیر دربار بولا:

"مَیں ملکہ عالیہ کا وزیر دربار ہُوں۔ مجھ سے حکومت کا کوئی راز چھپا ہُوا نہیں ہے۔ تم بلا خوف مجھے اپنا راز بتا سکتے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا :

"محترمی! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں سوائے ملکہ کے اور کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔"

وزیرِ دربار ایک انتہائی شریف انسان تھا۔ اُس نے کہا :

"بہت بہتر، اگر تم ملکہ سے مُلاقات کرنے پر اصرار کرتے ہو تو میں آج ہی ملکہ عالیہ سے تمہاری مُلاقات کروائے دیتا ہُوں۔ ابھی تم نہا کر کھانا کھا لو۔"

"شکریہ۔"

وزیرِ دربار اُسی وقت ملکہ سے ملاقات کرنے خاص محل میں آگیا۔ اُس نے ملکہ کو بتایا کہ ایک نوجوان ایلات سے آیا ہے اور کوئی خاص پیغام لایا ہے جسے وہ صرف آپ ہی کو بتانا چاہتا ہے۔ ملکہ نے کہا :

"اُسے ہمارے حضور میں لے آئیے۔"

عنبر غسل کے بعد کھانا کھا کر فارغ ہی ہُوا تھا کہ وزیرِ دربار نے اُسے بتایا کہ ملکہ عالیہ اُس سے ابھی ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ عنبر بہت خوش ہُوا اور اُس کے ساتھ ایک عالی شان رتھ میں سوار ہو کر ملکہ کے خاص محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملکہ اپنے خاص محل میں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ عنبر نے اندر آتے ہی جُھک کر سلام کیا اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔ اُسے عنبر کے چہرے سے شرافت اور اچھے خاندان کی چمک نظر آئی۔ ملکہ نے عنبر سے پُوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے اے نوجوان؟"

عنبر نے یہ بتانا مناسب خیال نہ کیا کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے۔ کیونکہ اس راز کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

"اے ملکہ عالیہ میرا نام عنبر ہے۔ میرا تعلق مصر کے فرعونوں کے ایک قدیم خاندان سے ہے۔ میرے خاندان پر ہیبنی بال بادشاہ نے قبضہ کر لیا ہے اور مَیں اُس کے دربار سے بھاگ کر آیا ہُوں۔"

ملکہ نے حیرانی سے پُوچھا:

"تم ہیبنی بال کے دربار میں تھے کیا؟"

"ہاں ملکہ۔ مَیں اُس کے دربار کا وزیر تھا۔ مگر بادشاہ میری جان کا دشمن بن گیا۔ صرف اس لیے کہ میرا تعلق مصر کے قدیم خاندان سے ہے۔ اُس نے مجھے قتل کروانے کی کوشش کی۔ میری قسمت اچھی تھی کہ ایک وفادار غلام نے مجھے ہوشیار کر دیا اور میں وہاں سے جان بچا کر آپ کے ملک میں پناہ لینے آیا ہُوں۔"

ملکہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اُس نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم تمھیں اپنے ملک میں پناہ دیتے ہیں۔ مگر کیا تم کو معلوم ہے کہ ہیبنی بال ہمارے ملک پر کب چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"ملکہ عالیہ! ہیبنی بال کے ملک میں قحط پڑا ہُوا ہے۔ وہ ابھی اپنی مصیبت میں پھنسا ہے۔ جُوں ہی اُس کو قحط سے نجات مل وہ آپ کے ملک پر حملہ کر دے گا۔ اس نے ساری تیاریاں مکمل کر رکھی ہیں۔"

ملکہ نوبیہ کے لیے یہ معلومات بہت قیمتی تھیں۔ اُس نے پُوچھا:

"اے نوجوان! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ہیبنی بال کتنی فوج کے ساتھ میرے ملک پر حملہ کرے گا؟"

"ملکہ عالیہ! ہیبنی بال کے پاس ایک لاکھ فوج ہے جس میں ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی ہے۔"

ملکہ نے وزیر دربار کی طرف دیکھا۔ وزیر دربار نے کہا:

"ملکہ معظمہ! ہاتھیوں کا دستہ ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے سپاہی ہاتھیوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"اس دستے کے مقابلے کے لیے ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی ہوگی۔"

عنبر نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر آپ اجازت دیں تو اِس سلسلے میں مَیں آپ کی مدد کر سکتا ہُوں۔"

"کیوں نہیں، ہم اپنے ملک اور رعایا کو شکست سے بچانے کے لیے تم سے بھی مشورہ لینے کو تیار ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"شہر سے باہر کافی فاصلے پر ایک گہری خندق چاروں طرف کھدوا دیں۔ اِس خندق میں حملے کے وقت آگ جلا دیں۔ ہاتھی آگ کو دیکھ کر آگے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر ہم اُوپر سے جلتے ہُوئے تیروں کی بارش کر دیں تو ہاتھی اُلٹا ہینی بال کی فوج کو کچل کر بھاگ جائیں گے۔"

"ہمیں تمہاری تجویز پسند آئی ہے عنبر! ہم آج ہی سے اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ باقی تم ہمارے محل میں درباری کی حیثیت سے رہو گے۔"

عنبر نے جُھک کر کہا:

"اِس عزّت کے لیے مَیں حضور کا شکر گزار ہُوں۔"

عنبر نے ملکہ کے شاہی محل میں رہائش اختیار کر لی۔

اُدھر جب ہینی بال کو معلوم ہُوا کہ جو سپاہیوں کا خاص دستہ عنبر اور دیوتا پر قربان کی جانے والی کسان لڑکی کی تلاش میں روانہ ہُوا تھا وُہ راستے میں آسمانی بجلی سے جل کر بھسم ہو گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تو اُسے بے حد صدمہ ہُوا۔ وُہ غصّے سے کانپنے لگا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر اور لڑکی کو بہر حالت میں گرفتار کرکے اُس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ سپاہی اُس کی تلاش میں نِکل کھڑے ہُوئے۔ ایک ہفتے بعد بادشاہ کے خاص جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ عنبر اور کسان لڑکی نے ملکہ نوبیہ کے شہر میں پناہ حاصل کر لی ہے۔ ہینی بال کا غصّہ اور بڑھ گیا۔ اُس نے کہا:

“ہم ملکہ نوبیہ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے”

ہینی بال انتقام کی آگ میں اِس قدر پاگل ہُوا جا رہا تھا کہ اُس نے مُلک سے قحط دُور ہو جانے کا بھی انتظار نہ کیا اور ایک لاکھ فوج لے کر ملک نوبیہ پر حملہ کر دیا۔ دس روز کے سفر کے بعد وُہ نوبیہ کی سرحدوں میں داخل ہو گیا۔ اُس نے کئی چھوٹے شہر فتح کرکے لوگوں کو قتل کر دیا اور مکانوں اور کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ملکہ کو حملے کی خبر ملی تو اُس نے وزیرِ جنگ اور سپہ سالار کو بُلا کر حملے کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے اور شہر پناہ کی دیواروں پر تیر کمان والے سپاہی چڑھ کر بیٹھ گئے۔ دُوسرے روز ہینی بال کی فوج نے شہر پر حملہ کر دیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی مگر وہ شہر کا دروازہ توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شہر کے باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھدی ہوئی خندق میں آگ لگی تھی۔ ہاتھی آگ کو دیکھ کر ڈر گئے مگر ہینی بال نے دو روز کے اندر آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور تختوں کے پُل بنا کر ہاتھیوں کو لے کر قلعے کی طرف بڑھنے لگا۔ قلعے کے ایک خاص بُرج میں ملکہ نوبیہ اپنے وزیر دربار اور عنبر کے ساتھ کھڑی لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔

ہینی بال کی بے پناہ فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کو دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے ہینی بال کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے اور وہ قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ ملکہ کی فوج شہر سے نکل کر دن بھر لڑتی رہی۔ شام کو وُہ قلعے میں واپس آ گئی اور دروازے بند کر دیے گئے۔ ملکہ پریشانی کے عالم میں اپنے خاص محل میں ٹہل رہی تھی۔ اُسے اپنی شکست صاف نظر آ رہی تھی۔ ہینی بال کی ہاتھیوں کی فوج صبح حملہ کرنے والی تھی اور ہزاروں ہاتھیوں کے آگے اُس کے مٹھی بھر تیر چلانے والے سپاہیوں کا دستہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

عنبر نے ملکہ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا:

"اے ملکہ! آپ نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ ہینی بال ایک ظالم اور سنگ دل بادشاہ ہے۔ اگر اُس نے آپ کا ملک فتح کر لیا تو وُہ اس محل میں آگ لگا دے گا اور عورتوں اور بچّوں کو بے رحمی سے قتل کروا دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ نے کہا :

" مگر ہم اتنی بڑی فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس تو فوج بھی بہت کم ہے "

عنبر نے کہا :

" آپ گھبرائیں نہیں۔ خدائے واحد نے چاہا : تو کل ٹھیک سے وقت میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ جائے گا۔ آسمان سے بجلی گرے گی۔ اور ظالم بادشاہ کا لشکر برباد ہو جائے گا "

ملکہ نے حیرانی سے پُوچھا :

" عنبر، کیا تم جادوگر بھی ہو ! "

عنبر نے کہا :

" اے ملکہ میں جادوگر نہیں ہُوں۔ مَیں ایک خُدا پر ایمان رکھتا ہُوں۔ مَیں بُتوں کی پُوجا بھی نہیں کرتا۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے ہماری ضرور مدد کرے گا "

ملکہ کو عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا ؛ حالانکہ اُس کا جی چاہتا تھا کہ وُہ اُس کی باتوں پر اعتبار کرے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آسمان سے بجلی گرے اور جینی پال کا طاقت ور لشکر تباہ ہو جائے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ملکہ ساری رات اپنی خواب گاہ میں جاگتی رہی۔ وہ پریشانی کی وجہ سے ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن چڑھا تو ہینی بال کی فوج نے بڑا زبردست حملہ شروع کر دیا۔

ہاتھیوں کا سیلاب دوڑتا ہوا قلعہ کی فصیل کی طرف بڑھا اور انہوں نے جلتے تیروں کی بارش میں دیوار کے ساتھ ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ محل میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ ملکہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس کی فوج بڑی بہادری سے لڑ رہی تھی۔ مگر ہینی بال کی فوج کے آگے اس کی کوئی پیش نہ جا رہی تھی۔ عنبر نے وعدے کے مطابق ملکہ کو تسلی دی اور محل کی چھت پر آگیا۔ اس وقت چھت پر کوئی نہیں تھا۔ اس کے اوپر سے دشمن کے تیر گزر رہے تھے۔ میدان جنگ میں ایک قیامت کا شور مچا ہوا تھا۔

عنبر نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور مشرق کی طرف منہ کر کے آواز دی:

”اے طلالہ کی روح، آج پہلی بار میں مدد کے لیے تمہیں بلا رہا ہوں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو یہاں آؤ اور ملکہ فوبیہ کی مدد کرو۔ اس کے امن پسند ملک پر ایک ظالم نے حملہ کر دیا ہے وہ اس کے محل کو آگ لگا کر اس کی رعایا کو قتل کر کے ان کے مکانوں اور کھیتوں کو آگ لگا دینا چاہتا ہے۔ انسان کی ہمدردی اور انصاف کے نام پر تو ظاہر ہو کر ملکہ کی مدد کر“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر خاموش ہوگیا۔ اُس نے کئی بار پکارا مگر طلالہ کی رُوح نہ آئی۔ آخر جب عنبر نے ساتویں دفعہ اُسے آواز دی تو طلالہ کی رُوح نے ایک قہقہہ لگا کر کہا:

"عنبر، تمہاری آواز مجھے بڑی دُور سے کھینچ لائی ہے۔ میں نے تمہاری ساری بات سُن لی ہے۔ تمہاری اور مظلوم ملکہ کی مدد کرکے مجھے خوشی ہوگی۔ ہیلنی بال نے ملکہ کے ملک پر ڈاکو بن کر حملہ کیا ہے۔ اُسے اُس کی سزا ضرور مل کر رہے گی۔"

اس کے بعد آسمان پر بجلی چمکی۔ ایک کڑاکا پیدا ہوا جس کی گونج نے در و دیوار ہلا دیئے۔ ملکہ اپنے محل میں کانپ اُٹھی۔ بجلی کا دُوسرا دھماکہ ہوا، اور آسمان سے آگ کے شعلے لپک لپک کر ہیلنی بال کی فوجوں اور ہاتھیوں پر گرنے لگے۔ ایسے لگتا تھا جیسے آسمان سے آگ کی بارش ہو رہی ہے۔ ہیلنی بال کی فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہاتھی گھبرا کر اُلٹے بھاگے اور اپنی ہی فوجوں کو کچلنے لگے۔ بجلی بار بار کڑک کر شعلے کی طرح فوجوں پر گر رہی تھی اور فوجیں بھسم ہو کر راکھ بن رہی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے میدانِ جنگ دشمن کی فوجوں کی لاشوں، گھوڑوں، ہاتھیوں کی ادھ جلی لاشوں سے بھر گیا۔ ہیلنی بال حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس کی آدھی فوج مر گئی تھی اور باقی فوج کے قدم اُکھڑ گئے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وُہ جدھر منہ اُٹھا بھاگ رہی تھی۔ دوپہر تک سارا میدان خالی ہوگیا۔ بجلی کے شعلے نے ہینی بال کے ہاتھی پر بھی حملہ کیا۔ ہینی بال ہاتھی سے کُود کر اپنے گھوڑے پر گیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے فرار ہوگیا۔ دشمن بھاگ گیا تھا۔ میدان جنگ میں دشمن کے سپاہیوں کی جلی ہُوئی لاشوں کے پنجر پڑے تھے۔ ملکہ جنگ جیت چکی تھی۔ وُہ خوشی سے نہال ہورہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر عنبر کی پیشانی چُوم لی اور کہا:

”عنبر، اگر تم ہماری مدد نہ کرتے تو اس وقت ہمارے محل میں آگ لگی ہوتی اور ہم زنجیروں میں جکڑے دشمن کی قید میں ہوتے۔ ہم تمہارا یہ احسان ساری عمر نہ بھول سکیں گے۔“

عنبر نے کہا:

”اے ملکہ، میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کیا ہے اور پھر نہ تو یہ میرا جادو تھا اور نہ کچھ اور —— یہ صرف ظالم کے خلاف میرے خدائے واحد نے مظلوم کی مدد کی ہے۔ ہینی بال نے ڈاکو اور غاصب بن کر آپ کے ملک پر حملہ کیا تھا۔ اُس کو اُس کی سزا مل گئی۔“

وزیر دربار نے کہا:

”پھر بھی اے نوجوان، یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔ اس جنگ کی فتح کا سہرا تمہارے سر پر ہے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ عنبر کو شاہی خلعت پہنا کر دربار میں پیش کیا جائے۔ شام کو دربار لگا۔ عنبر شاہی لباس پہنے دربار میں سب سے آگے بیٹھا تھا۔ ملکہ نے خود تخت سے اُتر کر عنبر کے گلے میں سونے کا شاہی ہار ڈالا اور اسے شاہی مشیرِ خاص کا ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا شاہی عصا عطا کیا۔ عنبر نے ادب سے ملکہ کو سلام کیا۔ اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

عنبر کو ملکہ نوبیہ کے دربار میں ایک بلند مقام حاصل ہو گیا تھا اور جیسے کہ ہُوا کرتا ہے، محل میں کئی درباری اس کی اس اعلیٰ حیثیت سے حسد کرنے لگے اور اُس کے خلاف محلاتی سازشیں شروع کر دیں۔ عنبر دیانت داری، ایمانداری اور سچائی سے اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ ملکہ کو اُس پر بے حد بھروسہ تھا۔ جب تک ملکہ زندہ رہی اُس کی طرف کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ لیکن آخر ملکہ مر گئی۔ ملکہ کی موت کے بعد اُس کا نااہل سپہ سالار تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کو دربار کے سازشی گروہ کی حمایت حاصل تھی یہ سارا گروہ عنبر کے خلاف تھا۔ آخر انہوں نے مل کر عنبر کو گرفتار کروا دیا۔ سپہ سالار بادشاہ کو یقین دلا دیا کہ عنبر بغاوت کر کے خود تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ سپہ سالار بادشاہ نے عنبر کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دینے کا حکم دے دیا۔

اُسے کیا معلوم تھا کہ عنبر کبھی نہیں مر سکتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میدان میں ہاتھی لایا گیا۔ عنبر کو لٹا کر اس کے اُوپر تختہ ڈال کر ہاتھی کو اس کے اُوپر کھڑا کر دیا گیا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہُوا۔ بلکہ اُلٹا ہاتھی ڈر کر چیختا ہوا واپس اُٹھ دوڑا اور اُس نے دو سپاہیوں کو کچل دیا۔ سپہ سالار حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا کہ عنبر کو قید کر دو۔ کل اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ عنبر کو جیل خانے میں ڈال دیا گیا۔ مگر وہ دُوسری بار لوگوں کو اپنی خفیہ طاقت کا کرشمہ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اب اس کا دل وہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ آدھی رات کو اُس نے طلالہ کی رُوح سے مدد مانگی جس نے اُسے قلعے کی جیل سے اٹھا کر باہر رکھ دیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ملک بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

بابل اور نینوا کی وادی پر نمرود کی حکومت تھی۔ اس نے انسانی کھوپڑیوں کا مینار بنا رکھا تھا۔ عنبر کو نمرود کے ملک میں کیا کیا مشکلیں پیش آئیں؟ آخر وہ کس طرح نمرود کے ظلم کا مقابلہ کرتا رہا اور وہاں سے فرار ہوا؟ مندر میں رقص کرنے والی دیو داسی کون تھی؟
یہ سب کچھ اس ناول کے تیسرے حصے "پھانسی کے تختے پر" میں پڑھیے۔

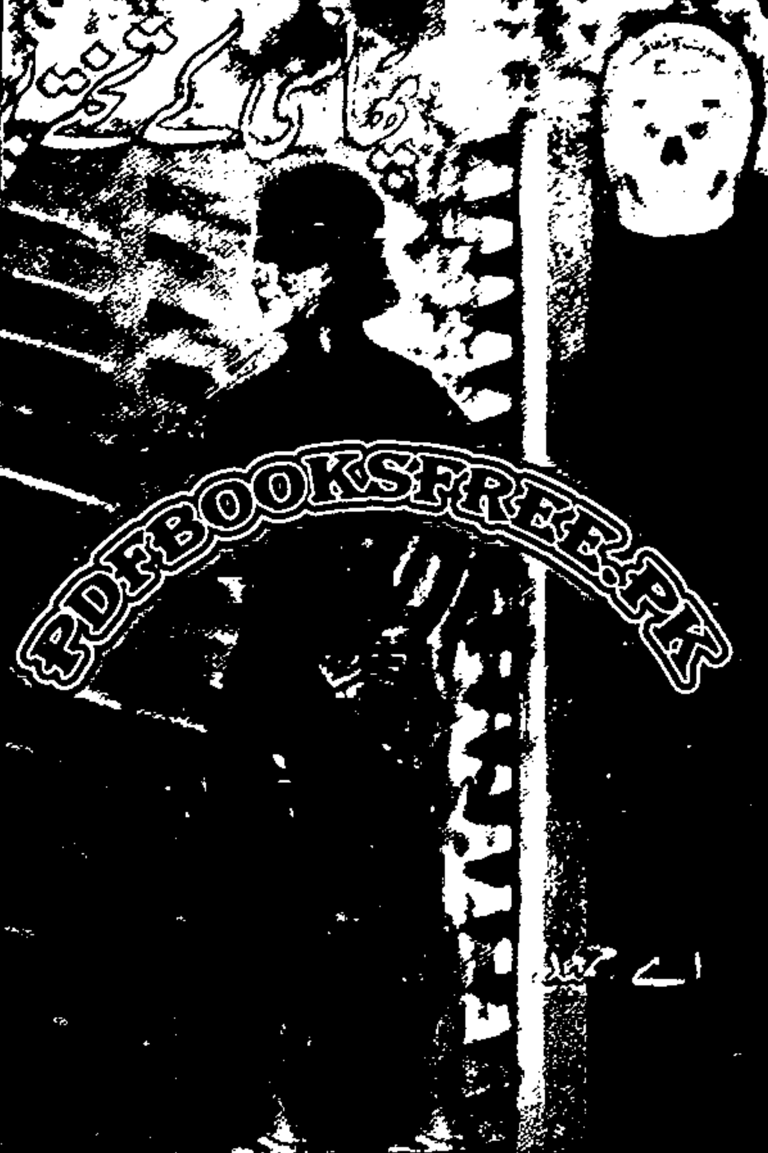
اے راحت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۳

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

پھانسی کے تختے پر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت : 22/-

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

نمرود کی خدائی
دردناک آواز کا راز
شہزادے ہاروت کی تلاش
پھانسی کے تختے پر
نینوا سے فرار
یمن کا سفر
اجنبی نقاب پوش
قرطاجنہ کا قیدی
آدھی رات کو حملہ
ملکہ کا فرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچّو!

عنبر کو پُراسرار جادوگرنی طلالہ کی رُوح، فرعون کے مقبرے میں ملی تھی۔ اُس نے فرعون کی تباہی کے بعد مصر کی سرزمین سے رخصت ہوتے ہُوئے عنبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی مشکل کے وقت اُسے یاد کرے گا وُہ اُس کے کام آئے گی۔ عنبر طلالہ کی رُوح کا وعدہ لے کر فرعون کے مصر سے جُدا ہو گیا۔

دریائے نیل کی وادی میں کھیل کُود کر اُس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ وہ شاہی محل میں پیدا ہُوا اور ماہی گیر کو دریائے نیل میں بہتا ہُوا ملا۔ وہ اپنے ماں باپ کے شہر سے چلا گیا۔ عنبر اب بابل و نینوا کی وادی میں داخل ہو رہا ہے جہاں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کی تہذیب آج سے پانچ ہزار سال پہلے اپنی پُوری شان و شوکت میں تھی۔ یہاں بادشاہ نمرود کی حکومت ہے جو اپنے آپ کو خُدا کہتا ہے۔ اُس نے انسانی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنا رکھا ہے جسے وہ ہر روز محل سے نکل کر دیکھتا ہے۔ عنبر کا اس جھوٹے اور ظالم بادشاہ سے زبردست مقابلہ ہوتا ہے۔

فتح کس کی ہُوئی؟

یہ آپ اِس ناول میں پڑھیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۵

نمرود کی خدائی

پیارے دوستو۔

عنبر کے ساتھ ہم بھی بابل و نینوا کی پُراسرار وادی میں داخل ہوتے ہیں۔

آج سے پانچ ہزار سال پہلے ملک بابل میں ایک بادشاہ سرجون نے ارد گرد کے علاقوں کو فتح کرکے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ بادشاہ لوگوں سے بہت محبت کرتا تھا؛ چنانچہ اُس کی حکومت میں شہر بابل نے بڑی ترقی کی۔ شہر کے ارد گرد پچاس دروازوں والی فصیل بنائی گئی۔ کھیتوں کو پانی دینے کے لیے دریائے فرات سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئیں۔

اس بادشاہ کی وفات کے بعد حکومت ایسے بادشاہوں کے ہاتھ آتی رہی جو عوام کے ہمدرد نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت کمزور ہوتی گئی اور اشوری قوم نے بابل کو فتح کرکے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

اشوریوں کو چھ سو سال بعد ایک بابلی جرنیل بخت نصر اول نے شکست دی اور شہر بابل کو پھر سے آباد کیا۔ شہر کی پچاس درواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی دیوار کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ بخت نصر اوّل کے دَور میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ جب کہ بادشاہ نے کہا کہ ہم بُتوں، ستاروں اور درختوں کی پُوجا کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خُدا کی عبادت کا اعلان کیا تو بادشاہ نے اُنہیں دہکتی ہُوئی آگ میں ڈال دیا۔ مگر خُدا کے حکم سے آگ گلزار بن گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ سلامت آگ سے باہر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد بخت نصر اوّل کی حکومت کو زوال آنا شروع ہو گیا اور ہمسایہ ملک نینوا نے دیکھتے دیکھتے ترقّی کی منزلیں طے کر لیں۔

نینوا کے اشوری حکمران بڑے محنتی اور فرض شناس تھے۔ اُنہوں نے اپنی محنت اور انتھک لگن سے نینوا کو عروج پر پہنچا دیا۔ ساتویں صدی قبل از مسیح یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش سے سات سو برس پہلے بابل پر جس بادشاہ کی حکومت تھی، اُس کا نام تاریخ میں بخت نصر دوم ہے۔ اُسے نمرود کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے یہ ایک انتہائی سنگ دِل، ظالم اور دشمن کے خُون کا پیاسا حکمران تھا۔

بخت نصر نے ساری قوم کو فوج میں بدل کر رکھ دیا اور اُنہیں دو سال کے اندر اندر تیار کر کے اشوریوں کے ملک اور شہر نینوا پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اس دوران میں جبکہ بخت نصر تیاریاں کر رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اشوریوں کو دولت کے عیش و آرام نے نکما بنا دیا تھا؛ چنانچہ وُہ بخت نصر کے بھرپور حملے کی تاب نہ لا سکے۔ بخت نصر نے نینوا کو آگ لگادی اور مکانوں کی راکھ کو زمین کے ساتھ ملا کر اُوپر ہل چلا دیا۔ وُہ بابل واپس جاتے ہُوئے اپنے ساتھ ہزاروں یہودیوں کو قیدی بنا کر لے گیا۔ یہودی دن بھر کھیتوں میں کام کرتے اور اپنے وطن ابل کو یاد کرکے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے۔

ملک بابل پر اسی بخت نصر دوم کی حکومت تھی۔ جب عنبر اس ملک کی سرحدوں کے قریب گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا۔ بخت نصر کی سلطنت آج کے ملک شام سے لے کر ایران کی سرحدوں تک اور دوسری طرف آج کے لیبیا سے لے کر بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ بابل کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ ان لوگوں کا مذہب بُت پرستی تھا۔ اُنہوں نے اپنی عبادت گاہوں میں سینکڑوں بُت بنا کر رکھے ہُوئے تھے جن کی یہ پُوجا کرتے تھے۔ بخت نصر بادشاہ اپنے آپ کو سب سے بڑے دیوتا مردُوخ کا بیٹا کہتا تھا۔ جب وُہ اپنے شان دار گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں نکلتا تو اُس کے آگے آگے سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا۔ کسی کو اتنی اجازت نہ تھی کہ وُہ اپنے مکان کی کھڑکی کھلی رکھتے۔ سب کو حُکم تھا کہ وہ بادشاہ کو دیکھتے ہی سر جُھکا لیں۔ اگر کوئی سر نہ جُھکاتا تو سپاہی وہیں تلوار کا ہاتھ مار کر اُس کا سر قلم کر دیتے۔ اسی بادشاہ نے جب نینوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر حملہ کیا تو وہاں اِس قدر لوگوں کو ہلاک کیا کہ اُن کی کھوپڑیوں کا ایک بہت اُونچا مینار تعمیر کروایا۔

اس بادشاہ کی ملکہ کا نام سمیرا تھا۔ وُہ ملک شام کی رہنے والی تھی جہاں کے خوب صورت باغوں کو یاد کر کے وُہ ہمیشہ اُداس رہا کرتی تھی۔ بخت نصر نے اُس کی دل جوئی اور خوشی کے لیے اپنے محل کی چوتھی منزل پر زمین ہموار کر کے گھنے درخت اور باغ لگوائے جو دُنیا کے ساتویں عجوبے میں شمار ہوتے ہیں۔ اُس وقت ایسے باغ لگوانا جو کہ محل کی چوتھی منزل پر ہوں ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ آج کے انجنیئر اِس بات پر حیران ہیں کہ چوتھی منزل پر گھنے درختوں اور باغات کو پانی کیسے دیا جاتا تھا۔

لیکن بخت نصر شاہ بابل کے انجنیئروں نے یہ کارنامہ بھی کر دکھایا تھا۔ دریائے فرات سے ایک نہر نکال کر چھوٹے چھوٹے منہ بند نالوں کے ذریعے محل کی چوتھی منزل تک پہنچائی گئی تھی جو لٹکتے ہُوئے باغوں کو سیراب کرتی تھی۔ اسی شہر بابل میں ایک گہرا کنوآں بھی تھا جو تاریخ میں چاہِ بابل کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بابل کے حکم سے اُس دور کے ایک سائنس دان نے تانبے کا ایک ایسا چاند ایجاد کیا تھا جو اُس کنوئیں سے نکل کر تھوڑی دیر کے لیے آسمان پر چمکتا اور پھر واپس اُسی کنوئیں میں اُتر جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہ بابل بخت نصر ایک ایسا مینار بنوانے کا بڑا خواہشمند تھا جو آسمان تک پہنچ جائے اور وُہ خود اُس کے اُوپر چڑھ کر ستاروں کو دیکھے۔ تاریخ میں اسے مینار بابل کے نام سے لکھا گیا ہے۔ کہتے ہیں عراق میں دریائے فرات کے کنارے ایک ویران علاقے میں اس مینار کے ٹوٹے پھوٹے پتھر آج بھی پڑے ہوئے ملتے ہیں جس وقت عنبر بابل کی سرحد کے قریب پہنچ رہا تھا تو شہر میں بادشاہ بخت نصر دوم کے حکم سے اِس مینار کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔

یہ وُہ زمانہ تھا جب عنبر بابل میں آیا۔

بابل کی سرحد پر اُسے سپاہیوں نے روک لیا اور اُس سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کہاں سے آ رہا ہے۔ عنبر نے اُنہیں بتایا کہ وُہ ایک حکیم ہے، شہر ایلام کا رہنے والا ہے اور جڑی بوٹیوں سے بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ سرحدی سپاہیوں نے اُسے کچھ نہ کہا اور ملک بابل کی سرحد میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر گھوڑے پر سوار ملک بابل کی سرزمین پر آگے بڑھنے لگا۔ دوپہر کو وُہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ اُس کا گھوڑا بھی تھکن اور پیاس سے چُور ہو رہا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو کھول کر دریا کنارے اُگی ہری بھری گھاس پر چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود دریا میں نہانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہانے کے بعد عنبر اور گھوڑا دونوں تازہ دم ہو کر بابل شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بابل وہاں سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دھوپ کی گرمی ختم ہو رہی تھی۔ کھجور کے درختوں کے سائے میں ریت ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔ عنبر رات کسی جگہ آرام کرنے کے بعد اگلے روز اپنا سفر جاری کرنا چاہتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ کس جگہ رات بسر کرے۔ وہ اس ملک میں اجنبی تھا اور قریب کوئی بستی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا اور اس نے دور ایک روشنی دیکھی۔

یہ ایک پرانی سی حویلی تھی جس کے دروازے پر مشعل جل رہی تھی۔ قریب پہنچ کر عنبر نے دیکھا کہ حویلی کے باہر ایک سپاہی ڈھال کندھے پر لٹکائے بڑا سا نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ وہ ٹھٹھک گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے اس لیے اسے وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا گھوڑا ہنہنایا۔ آواز سن کر پہریدار نے آواز دی۔

"جو کوئی بھی ہے وہیں کھڑا ہو جائے۔"

عنبر رک گیا۔ پہریدار قریب آ گیا۔ اس نے عنبر کو غور سے دیکھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون ہو تم ؟"

عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ افریقہ سے آیا ہے اور حکیم ہے۔

پہریدار نے پُوچھا :

"کہاں جا رہے ہو ؟"

"شہر بابل کی طرف "

"یہاں کیوں کھڑے ہوگئے تھے ؟"

"مَیں صبح سے سفر کر رہا ہُوں۔ تھک گیا تھا۔ رات بسر کرنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا کہ اِس جگہ روشنی دیکھی تو آ گیا کہ شاید یہ کوئی سرائے ہے "

پہریدار نے زور سے قہقہہ لگایا۔ اب اُس کے دو اور ساتھی بھی وہاں آ گئے اور عنبر کو سر سے پاؤں تک گُھورنے اور اُس کا مذاق اڑانے لگے۔

"تم اسے سرائے کہتے ہو ؟" پہریدار نے ایک اور قہقہہ لگایا اور عنبر کے پاؤں پر نیزے کو چبھا کر بولا۔

"چلو اندر، تم بھی اس حویلی میں چلو "

تینوں سپاہی عنبر کو نیزے چبھوتے ہُوئے حویلی کی ڈیوڑھی میں لے آئے۔ اُنھوں نے اُس کی تلاشی لی۔ اُس کے پاس سے سارے پیسے اور گھوڑا چھین لیا۔ عنبر نے کہا :

"کیا تم لوگ پردیسیوں سے یہی سلوک کرتے ہو ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر ایک سپاہی نے زور سے عنبر کے منہ پر مُکّا مارا۔ عنبر لڑکھڑا کر گر پڑا اور اُس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر نے زمین پر سے اٹھ کر کہا:

"اگر آپ لوگ میرا دواؤں کا جھولا دے دیں تو میں اپنے پھٹے ہوئے ہونٹ پر مرہم لگا سکوں گا۔"

"یہ لو اپنا جھولا!"

پہریدار نے جھولا عنبر کی گود میں پھینک دیا اور ساتھ ہی دوسرے سپاہی نے بڑے زور سے ایک اور گھونسہ عنبر کی گردن پر مارا۔ عنبر کا خون کھول اٹھا مگر اُس نے بڑے صبر سے کام لیا۔ وہ نئے شہر میں آتے ہی کسی سے لڑائی جھگڑا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا:

"تم ہمارا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

عنبر نے کہا:

"مَیں کسی سے لڑنا نہیں چاہتا۔ مَیں پُرامن رہنا چاہتا ہُوں۔"

سپاہی پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے۔ ایک نے نیزہ عنبر کی طرف پھینک کر کہا:

"اسے اٹھاؤ اور میرے ساتھ لڑائی کرو۔ اگر تم نے لڑتے ہوئے مجھے نیزے سے ہلاک نہ کیا تو مَیں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کی جان عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ وہ لڑتا نہیں تو مارا جاتا ہے۔ مر تو وہ نہیں سکتا تھا۔ لیکن خواہ مخواہ اُس کا یہ راز فاش ہو جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ عنبر اپنا یہ راز کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتا تھا۔ مگر احمق سپاہی جو شکل و صورت اور ڈیل ڈول سے پُورا بھینسا لگتا تھا، عنبر کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے چیخ کر کہا:

"اُٹھاؤ نیزہ، نہیں تو مَیں اپنے نیزے سے تمہارا جسم چھلنی کر دوں گا۔"

اب عنبر کے لیے سوائے اِس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وُہ نیزہ اُٹھا کر سپاہی کا مقابلہ کرے۔ اُس نے زمین پر گرا ہُوا نیزہ اُٹھا لیا۔ اِس پر سپاہیوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ پہریدار نے بھی نیزہ ہاتھ میں تھام لیا اور ایک دم پینترا بدل کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر جلدی سے دوسری طرف ہٹ گیا۔ سپاہی بھی دُوسری طرف ہو گیا اور دوبارا پھر نیزے سے وار کیا۔ عنبر نے یہ وار بھی اپنے نیزے پر بچا لیا۔ لڑائی باقاعدہ شروع ہو گئی تھی۔ مشعل کی روشنی میں دونوں ایک دُوسرے کے سامنے کھڑے، نیزے ہاتھوں میں لیے پینترے بدل رہے تھے۔ سپاہی بڑھ بڑھ کر عنبر پر وار کر رہا تھا۔ عنبر اُس کا وار بچا رہا تھا اور خود حملہ نہیں کر رہا تھا۔ وُہ خواہ مخواہ کسی انسان کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ باقی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شور مچا کر اور نعرے لگا کر اپنے ساتھی کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑائی کر رہا تھا۔ وہ سچ مچ کی لڑائی کر رہا تھا، جیسے عنبر اُس کا دُشمن ہو اور وہ اُسے ہر قیمت پر ہلاک کر دینا چاہتا ہو۔ عنبر وار بچاتے بچاتے تھک گیا تھا۔ لیکن ہٹا کٹا سپاہی اُسی طرح تازہ دم تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ عنبر کے جسم میں نیزہ پرو کر ہی دم لے گا۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ اِس احمق اور جاہل کو تھوڑا سا سبق سکھانا چاہیے۔ اِس دفعہ اُس نے بھی آگے بڑھ کر حملہ شروع کر دیا۔ سپاہی نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔ عنبر نے ایک وار خالی کرتے ہوئے اپنا نیزہ کچھ اِس مہارت سے گھمایا کہ اُس کی نوک سپاہی کی گردن پر رکھ دی اور ذرا سا دبا کر کہا:

"مَیں اگر چاہوں، تو تمہیں ہلاک کر سکتا ہوں۔ مگر مَیں ایسا نہیں کروں گا۔ مَیں نہیں تمہارے خُون سے اپنا ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ مَیں تمہیں معاف کرتا ہُوں!"

عنبر نے نیزہ کھینچ لیا۔ اِس پر سپاہی نے چیخ کر کہا:

"بُزدل ذلیل، تُو نے مجھ سے احسان کیوں کیا؟ تُم نے مجھے نہ مار کر میری بہادری کی توہین کی ہے۔ اب میں تمہیں زند نہیں چھوڑوں گا۔ میرے ساتھیو، گواہ رہنا۔ اِس کمینے اجنبی نے میری بے عزتی کی ہے۔ مَیں اب اِسے ہلاک کرنے لگا ہوں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقی سپاہیوں نے چیخ چیخ کر کہا:

"اِسے فوراً ہلاک کر دو۔ مردُوخ کی قسم، اِس بُزدل کمینے کو فوراً نیست و نابود کر دو۔ اس نے شاہ بابل کی فوج کی توہین کی ہے۔"

دُوسرے سپاہیوں کی شہ پا کر سپاہی دیوانہ ہو گیا اور پاگل درندے کی طرح بڑھ چڑھ کر دائیں بائیں سے نیزے سے وار کرنے لگا۔ عنبر دن بھر کے سفر کا تھکا ہُوا تھا، وُہ گھبرا گیا۔ ایک بار جو سپاہی کا وار بچانے لگا تو اُس سے غلطی ہو گئی۔ اُس کا پاؤں پھسلا۔ وُہ زمین پر گر پڑا اور سپاہی نے چیخ مار کر پُوری طاقت سے نیزہ عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ سپاہی خوشی سے رقص کرنے لگے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر تڑپ تڑپ کر مر جائے گا اور اُس کے خُون سے زمین سُرخ ہو جائے گی۔ مگر وُہ یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے کہ عنبر نیزے سمیت زمین پر سے اُٹھا۔ اُس نے زور لگا کر سینے میں کھبا ہُوا نیزہ نکال کر پرے پھینک دیا اور کپڑے جھاڑنے لگا۔ سپاہیوں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور وُہ بُت بنے عنبر کو کپڑے جھاڑتے دیکھ رہے تھے۔ وُہ حیرت زدہ تھے کہ عنبر کے جسم سے خُون کا ایک قطرہ تک نہیں بہا تھا؛ حالاں کہ اگر سپاہی کا وُہ نیزہ کسی ہاتھی کے پیٹ میں لگ جاتا تو وُہ تڑپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تڑپ کر جان دے دیتا۔ اس کے برعکس عنبر ویسے کا ویسا کھڑا تھا۔

سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر کا جسم دیکھا۔ وہاں کوئی زخم نہیں تھا۔ دوسرے سپاہی نے چیخ کر کہا:

"اسے ہلاک کر دو!"

اب انہوں نے باری باری عنبر کو نیزے مارنے شروع کر دیئے۔ ہوتا یہ کہ نیزہ عنبر کے جسم سے پار ہو کر باہر نکل جاتا۔ عنبر کے جسم میں سوراخ ہوتا اور خون کا ایک قطرہ بہے بغیر سوراخ اپنے آپ بند ہو جاتا۔ سپاہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ نیزے ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ زمین پر گر پڑے اور وہ عنبر کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔

"تم دیوتا ہو، مردوخ کے خاص دیوتا ہو!"

عنبر نے انہیں سجدے سے اٹھاتے ہوئے کہا:

"میں دیوتا نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ سجدہ کسی بت یا انسان کو نہیں کیا جاتا۔ سجدہ صرف ایک خدا کو کیا جاتا ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔"

تینوں سپاہی سجدے سے سر اٹھائے اسے سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

"کیا اب مجھے اس حویلی میں رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں مقدس دیوتا"

ایک سپاہی نے عنبر کے گھوڑے کو سنبھالا۔ دُوسرے نے اُس کا جھولا اُٹھا کر اُسے بڑی احتیاط سے بغل میں دبا لیا اور تیسرے نے جُھک کر کہا:

"مقدّس دیوتا، میرے ساتھ آئیے۔ اس حویلی کا سب سے آرام دِہ کمرہ آپ کے آرام کے لیے حاضر ہے"

عنبر مُسکرا کر اُس کے ساتھ حویلی میں داخل ہوگیا۔

اصل میں وُہ دل ہی دل میں افسوس کر رہا تھا کہ ان سپاہیوں کی حماقت اور بے وقوفی سے خواہ مخواہ اُسے اپنا راز ظاہر کر دینا پڑا۔ وُہ اِس راز کو صِرف اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔ اِس لیے بھی کہ راز ظاہر ہونے سے لوگ اُس کی پُوجا شروع کر سکتے تھے اور حسد کر کے اُس کا آرام سے زندہ رہنا بھی حرام کر سکتے تھے۔ وُہ اُسے قتل تو کر نہیں سکتے تھے لیکن اُسے سکون کے ساتھ زندہ رہنے سے بھی محروم کر سکتے تھے۔

حویلی کا وُہ کمرہ جو عنبر کی خدمت میں پیش کیا گیا دُوسری منزل پر تھا۔ فرش پر چٹائی بچھی تھی۔ ایک طرف بھیڑ کی کھالوں کا ڈھیر پڑا تھا اور صندوق پر پانی پینے کی صراحی رکھی تھی۔ پھر پہریدار نے جُھک کر کہا:

"مَیں ابھی آپ کے لیے کھانے پینے کو لاتا ہُوں"

عنبر کو بھوک نہیں لگی تھی، مگر اُس نے پہریدار کو کھانا لانے سے منع بھی نہ کیا۔ پہریدار چلا گیا تو عنبر نے سوچا کہ یہاں پہرہ چوکی کیوں لگایا گیا ہے؟ ابھی وُہ سوچ ہی رہا تھا کہ پہرے دار ایک تھال میں کھجور کے آٹے کی میٹھی روٹی، انگور اور انجیریں لیے اندر آیا۔ عنبر نے انگور کھاتے ہوئے پُوچھا:

"اِس حویلی پر تم لوگ پہرہ کیوں دے رہے ہو؟"

پہریدار نے کہا:

"اے مقدس دیوتا، یہ حویلی ایک جیل خانہ ہے!"

"کس کا جیل خانہ ہے! یہاں کون لوگ قید ہیں؟"

"اے دیوتا، ملک نینوا کو فتح کرنے کے بعد ہمارا بادشاہ شاہ بابل بخت نصر اپنے ساتھ ہزاروں اشوریوں کو قید کر کے لے آیا تھا۔ یہ اشوری قیدی ملک کے مختلف حصوں میں قید کے دن گزار رہے ہیں۔ اِس حویلی میں نینوا شاہی خاندان کی ایک بوڑھی عورت قید ہے۔ وُہ نینوا کے بادشاہ کی ماں تھی، بادشاہ کا سر قلم کر دیا گیا۔ اُس کی ماں یہاں قید کے دن گزار رہی ہے۔"

"کیا اُس کا بیٹا کوئی نہیں بچا؟"

"نہیں مقدس دیوتا، ہمارے بادشاہ شاہ بابل نے نینوا کے سارے شہزادوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا کھانے کے بعد عنبر لیٹ گیا۔ اُسے اُونگھ آ گئی۔ اچانک اُسے محسوس ہُوا جیسے کوئی عورت کمزور سی آواز میں بڑے دردناک انداز میں بَین کر رہی ہے۔ اُس کی آواز میں غم اور دُکھ تھا۔ عنبر اِس غمناک آواز کو غور سے سُننے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دردناک آواز کا راز

پہلے تو عنبر نے سوچا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

مگر دردناک آواز مسلسل آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی عورت کسی دیوار کے پیچھے منہ پر ہاتھ رکھے رُک رُک کر رو رہی ہے۔ عنبر کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ وہ پوری طرح بیدار تھا۔ اور کان کھولے آواز کو بڑے غور سے سُن رہا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آواز، نچلی منزل کے کسی تہہ خانے سے آ رہی ہے۔ وہ بستر سے اُٹھا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ وہ ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت کون ہے جو آدھی رات کو رو رہی ہے۔ کمرے کے باہر گھُپ اندھیرا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر پاؤں اُٹھاتا، اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا چلنے لگا۔ اُسے ایک دروازہ نظر آیا جس کی اندھیری سیڑھیاں، نچلی منزل میں اُتر رہی تھیں۔ عنبر اُس زینے سے اُتر کر نچلی منزل میں آ گیا۔

نچلی منزل میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اب اُسے آواز قریب سے سُنائی دینے لگی تھی۔ وہ آواز کا پیچھا کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ایک جگہ آواز اُسے نیچے زینے میں سے آتی سُنائی دی۔ وہ زینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سیڑھیاں اُترنے لگا۔ یہاں گہری تاریکی چھائی ہُوئی تھی۔ عنبر دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر نیچے اُتر رہا تھا۔ زینہ ایک تہہ خانے کے فرش پر جا کر ختم ہو گیا۔ یہاں سیلن تھی اور ایسی بُو پھیلی ہُوئی تھی جیسے سیلاب کے بعد گھروں اور کھیتوں میں پھیل جاتی ہے۔ بَین کرتی ہُوئی عورت کی آواز اب بالکل صاف سُنائی دینے لگی تھی۔

وُہ ایک جگہ رُک گیا۔ درد ناک آواز دیوار کے عقب سے بلند ہو رہی تھی۔ عنبر نے ہاتھ پھیلا کر دیوار میں سے دروازہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ اُسے دروازہ مِل گیا۔ اُس نے دروازے کے ایک پَٹ کو تھوڑا سا دھکا دیا تو پَٹ کھُل گیا۔ اندر کا جو منظر اُس نے دیکھا وُہ ایک ڈراؤنا منظر تھا اور عنبر کی جگہ اگر کوئی کمزور دل نوجوان ہوتا تو ضرور چیخ مار کر بیہوش ہو گیا ہوتا۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ دیوار کے طاق میں دیا جل رہا تھا۔ اُس کی پُر اسرار دُھندلی روشنی میں ایک ادھیڑ عُمر کی عورت اپنے سیاہ بال کھولے فرش کی چٹائی پر دو زانو سر جھُکائے بیٹھی بَین کر رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ چھت کی طرف اُٹھے ہُوئے تھے۔

عنبر دروازے میں کھڑا یہ المناک منظر دیکھنے لگا۔

اُس عورت نے دروازہ کھُلنے کی آواز نہیں سُنی تھی۔ وُہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلسل بین کیے جا رہی تھی۔ عنبر ابھی آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ عورت روتے روتے رُک گئی۔ اُس نے چہرہ اُوپر اُٹھا کر بال پیچھے ہٹائے اور دیے کی طرف دیکھا۔ ہلکی روشنی میں اُس کا چہرہ گول چاند کی طرح تھا۔ مگر زرد اور مرجھایا ہُوا تھا۔ اب عورت کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کوئی دروازے میں کھڑا ہے۔ اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ایک نوجوان کو اپنے سامنے پا کر بولی:

"اگر تم مجھے قتل کرنے آئے ہو تو مَیں تیار ہُوں۔ مگر خدا کے لیے مجھے مرنے سے پہلے ایک بار — صرف ایک بار اپنے زخمی بیٹے سے ملا دو — صرف ایک بار، مجھے اپنے شہزادے کی صُورت دکھا دو"

عنبر سمجھ گیا کہ وُہ عورت کون ہے اور وُہ کیوں رو رہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے خاتون، مَیں جلّاد نہیں ہُوں"

"پھر تم کون ہو؟"

"خاتون، پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

عورت نے کہا:

"مَیں مُلک نینوا کے مقتول بادشاہ کی بدنصیب ملکہ ہُوں۔ جس کے ملک کو بابلیوں نے فتح کر کے آگ لگا دی۔ رعایا کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل کر دیا۔ بادشاہ کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکا دیا۔ شہزادوں کو ہاتھیوں سے کچل دیا۔ اُنہوں نے مجھے کیوں نہیں ہلاک کیا؟ مجھے یہ تکلیف سہنے کے لیے زندہ کیوں رہنے دیا؟"

عنبر نے خاتون کو تسلی دیتے ہُوئے کہا:

"ملکہ، ربِ عظیم کو یہی منظور تھا۔ اگر محل کے سارے لوگ قتل ہو گئے تھے تو پھر آپ اپنے بیٹے کا ذکر کیسے کر رہی تھیں! کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟"

ملکہ نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا:

"نہیں نہیں، مَیں نہیں بتاؤں گی۔ میرے منہ میں خاک۔ تم اُسے جا کر قتل کر دو گے۔ وہ زندہ نہیں ہے۔ وہ مر چکا ہے۔ میرا بیٹا مر چکا ہے۔ میرا شہزادہ زندہ نہیں ہے۔"

اور وہ اپنے بیٹے کی یاد میں اُسی طرح دھیرے دھیرے بَین کرنے اور رونے لگی۔ عنبر نے ملکہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

"اے غم نصیب ملکہ، مَیں خدائے عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ مَیں ان لوگوں میں سے نہیں ہُوں۔ مَیں ایک اجنبی مسافر ہُوں اور ملک ایلام سے چل کر بابل میں اپنی روزی کمانے آیا ہُوں۔ مَیں ایک حکیم ہُوں اور بیماروں کا علاج کرتا ہُوں۔ اگر تم مجھے بتا دو کہ زخمی شہزادہ کہاں ہے تو مَیں اُس کا علاج کر سکتا ہُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں نہیں، تم اُسے مار ڈالو گے۔ تم اُسے مار ڈالو گے۔"

"بلکہ، مجھ پر یقین کرو۔ مَیں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ مجھ پر ایک ماں کی دُکھی فریاد کا بہت اثر ہُوا ہے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ مَیں نہ صرف تمہارے بچّے کو صحت مند کر دوں گا بلکہ اگر تم نے خواہش کی تو تمہیں یہاں سے آزاد بھی کرا دوں گا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے۔"

آزادی کے نام پر ملکہ نے چونک کر کہا:

"کیا تم مجھے یہاں سے نکال کر میرے بچّے سے مِلا سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں، مگر سب سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا زخمی شہزادہ کہاں ہے اور مَیں اُس کی کیا مدد کر سکتا ہُوں۔ شہزادے سے مِل کر ہی میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہُوں کہ یہاں سے نکال کر تمہیں کہاں رکھنا ہو گا۔"

ملکہ کو عنبر پر کچھ بھروسہ ہونے لگا تھا۔ اُس نے کہا:

"تو میرے پاس بیٹھ جاؤ اور غور سے سُنو۔ جس وقت بخت نصر اپنے ہاتھ میں تلوار لیے شاہی خاندان کا قتل عام کر رہا تھا۔ مَیں ستون کے ساتھ قیدی حالت میں کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ظالم بادشاہ نے ایک ایک کر کے میرے سارے بچّے قتل کر دیے تھے۔ مگر اتفاق سے ایک شہزادہ ہاروت زندہ رہا۔ سینے پر زخم کھانے کے باوجود وہ زندہ رہا۔ بادشاہ اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُردہ سمجھ کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔ سپاہی مجھے بھی لے کر چل دیے اور محل کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا۔ آدھی رات کو میرے دربار کا خاص غلام حانو کسی طرح پہریداروں کی نظر بچا کر محل میں لاشیں اُٹھانے آیا تاکہ اُنہیں زمین میں دفن کر دے کہ اُس نے دیکھا شہزادہ مارُوت زندہ تھا۔ وُہ اُسے اُٹھا کر شہر سے باہر ایک پہاڑی کے غار میں لے گیا اور اُس کی مرہم پٹی کی۔ پھر وہ چُھپتا چُھپاتا میرے پاس پہنچا اور اُس نے مجھے بتایا کہ شہزادہ زندہ ہے مگر زخمی ہے۔ اِس بات کو پُورا مہینہ گزر گیا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی پھر کچھ خبر نہیں مِلی کہ وُہ کس حال میں ہے۔ اگر تم سچ مچ دل سے ایک دُکھی بیوہ ماں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے میرے بیٹے سے ملا دو۔ اس کے بعد چاہے مجھے قتل کر دو۔ مَیں ایک بار اپنے شہزادے کو سینے سے لگانا چاہتی ہُوں۔"

عنبر نے ملکہ کو تسلّی دی اور کہا:

"مَیں وعدہ کرتا ہُوں ملکہ کہ تمہارے بیٹے کو تم سے ملانے کی پُوری کوشش کروں گا۔ یہ بتائیں کہ وہ غار شہر سے باہر کس جگہ پر ہے؟"

"حانو نے مجھے بتایا تھا کہ غار شہر کے مشرقی دروازے سے باہر نکل کر ایک پہر کے سفر پر زیتون کی پہاڑی کے دامن میں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت اچھا!"

عنبر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اُسے دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ دروازے کے باہر آ کر رُک گئی۔ عنبر جھٹ ایک طرف ہو کر گھاس کے سُوکھے ڈھیر میں چھُپ گیا۔ پہریدار نے دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔ ملکہ کو موجود پا کر تسلّی کرنے کے بعد دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا۔ عنبر گھاس کے خشک ڈھیر میں سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ اُس نے ملکہ سے اجازت لی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُسے خطرہ تھا کہیں راستے میں کسی پہریدار سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

وہ اندھیرے میں زینہ ٹٹولتا ہُوا اُوپر کی منزل میں آ گیا۔ یہاں سے سیڑھیاں تلاش کر کے دُوسری منزل میں آ گیا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کر کے لیٹ گیا۔ بدنصیب ملکہ کی آواز رُک گئی تھی۔ وہ نینوا کی تباہ حال ملکہ کے دردو غم سے بہت متاثر ہُوا تھا اور اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وُہ نینوا جا کر اُس کے جگر کے ٹکڑے کا علاج بھی کرے گا اور اُسے ماں سے بھی ملا دے گا۔ یہ ایک انتہائی انسانی ہمدردی کا کام تھا اور عنبر نے ملکہ سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اُسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی جس کے خاوند کو اسی طرح قتل کروا دیا گیا تھا اور وُہ بیچاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساری زندگی اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے کی یاد میں روتی رہی تھی۔ عنبر نے شہر بابل میں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

اب وہ وہاں سے نینوا کا رُخ کرنا چاہتا تھا۔ رات اسی طرح کی سوچ بچار میں گزر گئی۔ صبح ہوئی، سورج نکل آیا۔ اس کی کھڑکی میں سے دھوپ اندر آنے لگی۔ دروازہ کھلا اور پہریدار اُس کے لیے دودھ اور شہد ناشتے کے لیے لایا۔

"اے مقدس دیوتا، ہم صرف دودھ اور شہد ہی آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں، لیجئے تناول فرمائیے"

پہریدار ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ عنبر ناشتہ کرنے لگا۔ اس نے پوچھا:

"مجھے رات بھر ایک عورت کے بین کرنے کی آوازیں آتی رہی ہیں۔ کیا یہ ملکہ نینوا کی آوازیں تھیں؟"

"ہاں مقدس دیوتا، ملکہ رات رات بھر اپنے بچوں کو یاد کر کے روتی رہتی ہے"

"بادشاہ بخت نصر نے اسے بھی قتل کیوں نہیں کر دیا؟"

"شاید وہ چاہتا تھا کہ ملکہ ساری عمر زندہ رہ کر دُکھ برداشت کرتی رہے۔ اُس نے ملکہ نینوا سے زبردست انتقام لیا ہے"

عنبر نے پوچھا:

"کیا یہ ملکہ اسی جگہ قید رہے گی یا اُسے جلا وطن کر دیا جائیگا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

... پہریدار چونکہ عنبر کو ایک مقدّس انسان سمجھتا تھا اِس لیے اُس کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ ایک ایک بات اُسے سچ سچ بتا رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"ہمیں ابھی تک یہی حکم ہے کہ اسے حویلی میں تا عمر قید رکھا جائے اور کھانے کو پُوری خوراک دی جائے تاکہ وہ تندرست رہ کر اپنے خاوند اور بچوں کا غم اُٹھائے۔"

"کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"

"ظلم کیا ہوتا ہے اے مقدّس انسان، اگر نینوا کا بادشاہ ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے اِسے فتح کر لیتا تو وُہ بھی ہمارے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ یہی سلوک کرتا۔"

عنبر نے اِس موضوع پر زیادہ گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اُس نے کہا:

"کیا میرے گھوڑے کو بھی چارہ ڈال دیا گیا ہے؟"

"ہاں حضور، وُہ بالکل تازہ دم ہے۔ کیا آپ تشریف لے جا رہے ہیں؟"

"اب میں آگے شہر بابل کو جاؤں گا۔ میں تمہارے بادشاہ سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتا ہُوں۔"

"آپ خوش نصیب انسان ہیں۔ مقدس دیوتا جو ہمارے بادشاہ شاہ بابل سے ملیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا اب میں چلتا ہُوں"

"جیسے آپ کی مرضی"

عنبر حویلی سے نکل کر باہر آ گیا۔

باہر دُوسرے سپاہی بھی اُس کو الوداع کہنے آ گئے تھے۔ وُہ بڑے ادب سے ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عنبر نے اُن سب سے باری باری ہاتھ ملایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دُور تک وُہ سیدھا چلتا رہا۔ پھر ایک ٹیلے کا چکر کاٹ کر واپس سرحد کی طرف چلنے لگا۔ وُہ بابل کی سرحدوں سے نکل کر ملک نینوا کو جانا چاہتا تھا۔ نِصف دن تک چلتے رہنے کے بعد اُس نے ایک دُوسری جگہ سے بابل کی سرحد عبور کی۔ چوکی داروں نے اُس سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ عنبر نے یہاں بھی وہی جواب دیا کہ وُہ حکیم ہے۔ دُکھی انسانوں کی خدمت کرتا ہے اور اب شہر بابل سے جڑی بُوٹیاں اکٹھی کرنے ملک افریقہ کو جا رہا ہے۔ بابل کی سرحد سے نکل کر عنبر نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کر دیں اور ایک خاص رفتار کے ساتھ گھوڑے کو دوڑاتے ہُوئے نینوا کی طرف روانہ ہو گیا۔

آج سے بیس برس پہلے وہ ایک بار ملک نینوا کا سفر کر چُکا تھا۔ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر آباد یہ شہر بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوب صورت اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ لوگ پختہ مکانوں میں رہتے تھے۔ اور دریائے فرات سے نکل کر نہروں کا پانی انگور اور انجیر کے ہرے بھرے باغوں کو سیراب کرتا تھا، لیکن خدا جانے اب بخت نصر کی وحشی فوجوں نے اُن کا کیا حشر کر دیا ہوگا۔ وہ نینوا کے راستے سے باخبر تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ رات کے دو پہر آرام کرنے کے بعد اگر وہ اسی طرح چلتا رہا تو دوسرے روز دن ہوتے ہوتے نینوا پہنچ جائے گا۔

سارا راستہ صحرا میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ دھوپ بڑی تیز تھی ریت کے اونچے نیچے ٹیلے جگہ جگہ کھڑے تھے۔ راستے میں جہاں کہیں کوئی ہرا بھرا نخلستان ملتا تو عنبر وہاں کچھ دیر آرام کرتا —— گھوڑے کو گھاس کھلا کر پانی پلاتا۔ تھوڑی دیر کھجوروں اور زیتون کی چھاؤں میں لیٹ کر اگلے سفر کے بارے میں سوچتا اور دوبارہ سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چلتے چلتے اُسے شام ہو گئی۔ اُس نے سفر جاری رکھا۔ جب رات گہری ہو گئی۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے اور عنبر کا گھوڑا بھی تھک گیا تو وہ ایک جگہ رُک گیا۔ یہاں ٹیلے کے دامن میں کھجوروں کے چند ایک جھنڈ کھڑے تھے اور ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔

عنبر نے اس جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور سیاہ کمبل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریت پر بچھا کر لیٹ گیا۔ آسمان پر ستارے چاندی کے سفید پھولوں کی طرح چمک رہے تھے اور چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔ عنبر دن بھر کا تھکا ہُوا تھا۔ اُسے تھوڑی دیر بعد ہی نیند آ گئی۔ یہ جگہ جہاں عنبر آرام کر رہا تھا۔ صحرائی ڈاکوؤں کی کمیں گاہ تھی۔ اس جگہ اکثر ڈاکو راتوں کو آ کر اپنے لُوٹے ہوئے مال کا حساب کرتے اور آپس میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ آخر وہی ہُوا۔ چار ڈاکو گھوڑوں پر سوار وہاں آ کر رُک گئے۔ اُن کے پاس ایک قافلے سے لُوٹا ہُوا سامان بھی تھا۔ انہوں نے عنبر کو سوتا ہُوا بالکل نہیں دیکھا تھا۔ وہ دوسری طرف آ کر رُکے تھے۔ مگر اُن کی آوازوں سے عنبر کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے دیکھا کہ چار ڈاکو انجیر کی جھاڑیوں کے پاس زمین پر بیٹھے لُوٹے ہوئے مال کو آپس میں تقسیم کر رہے ہیں۔ پہلے تو اُسے خیال آیا کہ وُہ اُن کا مقابلہ کرے۔ پھر اُس نے سوچا کہ چار آدمیوں سے مقابلہ کرنے کا نتیجہ وہی ناکامی کی صورت میں نکلے گا اور خواہ مخواہ یہاں بھی اُس کے ہمیشہ زندہ رہنے کا راز فاش ہو جائے گا۔

وہ جھاڑیوں میں چھُپا بڑے غور سے ڈاکوؤں کو آپس میں مال تقسیم کرتے دیکھتا رہا۔ وُہ آپس میں چوری کا مال بھی بانٹ رہے تھے اور لڑ جھگڑ بھی رہے تھے۔ دو ڈاکو آپس میں زیادہ تکرار کر رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے تلوار کھینچ لی اور اُٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھ سے مقابلہ کرو۔ اگر مَیں ہار گیا تو میرا مال تم لے جانا۔"

دُوسرا ڈاکو خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پہلے ڈاکو نے اُسے گالی دے کر کہا:

"تم کمینے ہو، بُزدل ہو۔ لاؤ اپنا مال بھی مجھے دے دو۔"

اِس پر دوسرا ڈاکو بھی غصّے میں آ گیا۔ اُس نے تلوار نیام سے نکال لی اور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ باقی دونوں ڈاکو مزے سے بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شاید اُن کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ دونوں مقابلہ کرتے ہُوئے ہلاک ہو گئے تو وُہ اُن کا مال بھی آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ دونوں ڈاکوؤں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ عنبر یہ دیکھ کر بڑا حیران ہُوا کہ دونوں ڈاکو بڑے بلا کے تلوار باز تھے۔ وُہ بڑے تجربہ کار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ عنبر کو افسوس ہُوا کہ ایسے ماہر تلوار کے دھنی ڈاکے مار کر اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ اگر وُہ کسی ملک کی فوج میں ہوتے تو ترقی کرتے۔ ڈاکو بن کر زندگی بسر کرنے سے سوائے اِس کے اُن کا انجام اور کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے ہی کسی ساتھی کے ہاتھوں قتل ہو جائیں۔

چاند آسمان پر نکل آیا تھا۔ اُس کی روشنی میں دونوں ڈاکو بڑی بے جگری سے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وُہ دونوں ایک دوسرے کو قتل کر کے ہی دم

لیں لگے۔ چاند کی روشنی میں عنبر کو وہ صاف لڑائی کرتے نظر آ رہے تھے۔ دوسرے ڈاکو بجائے ان میں بیچ بچاؤ کرانے کے اُنہیں اور زیادہ لڑائی پر اُکسا رہے تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ ایک ڈاکو تھک گیا ہے اور ذرا کمزور ہاتھ سے وار کر رہا تھا۔ جبکہ دُوسرا ڈاکو اُس سے زیادہ طاقت ور تھا اور بڑے جوش کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اچانک پہلا ڈاکو پتھر کی ٹھوکر کھا کر ریت پر گر پڑا۔ اُس کا گرنا تھا کہ دُوسرے ڈاکو نے ایک پل ضائع کیے بغیر تلوار کا بھرپُور ہاتھ مار کر اُس کا پیٹ چاک کر دیا۔ ڈاکو نے ایک دلدوز چیخ ماری۔

اُس کی چیخ سے آدھی رات کو صحرا گونج اُٹھا۔ مگر وہاں سوائے عنبر کے اُس کی چیخ سُننے والا کوئی نہ تھا۔ ڈاکو نے تلوار کا ایک اور وار کر کے اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ وہ تھوڑی دیر تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ ڈاکو نے تلوار نیام میں رکھی اور اُس کا مال بھی قبضے میں کر کے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف کو چلا گیا۔ باقی دو ڈاکو بھی اُٹھے، گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اُس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ عنبر یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب ڈاکو کافی دُور چلے گئے تو وہ جھاڑیوں میں سے باہر نکلا۔ ڈاکو کی لاش ریت پر مُردہ پڑی تھی اور آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے ماروت کی تلاش

عنبر ڈاکو کی لاش کو دیکھتا رہا۔

ابھی ایک لمحے پہلے وہ ڈاکو اُس کے سامنے ایک جیتا جاگتا زندہ انسان تھا۔ وہ ہنس رہا تھا، جھگڑ رہا تھا، باتیں کر رہا تھا۔ لڑائی کر رہا تھا اور اب وہ بے حس و حرکت مُردہ ہو کر خُون میں لت پت پڑا ہے۔ عنبر نے سوچا کہ انسان کی حقیقت کس قدر ناپائیدار ہے۔ اُس نے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور ڈاکو کی لاش کو اُس میں دبا دیا۔ اب اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ زمین پر لیٹا ڈاکوؤں کے بارے میں غور کرتا رہا کہ یہ لوگ دُوسروں کو لوٹ کر قتل کر دیتے ہیں اور آخر اُن کا اپنا انجام یہ ہوتا ہے کہ اُن کی لاش صحرا کی ریت پر بے یار و مددگار پڑی ہُوئی ہے۔

آسمان پر صبح کی سپیدی کا نور پھیلنے لگا تھا۔

صحراؤں میں سفر شروع کرنے کے لیے یہ ایک بہترین وقت ہوتا ہے۔ عنبر نے اُٹھ کر چشمے سے منہ ہاتھ دھویا۔ تھیلے میں سے کھجوریں نکال کر کھائیں، پانی پیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے جُھک کر دیکھا۔ چشمے کے پاس پتھروں میں ایک ہار پڑا تھا: عنبر نے ہار اُٹھا لیا۔ یہ ہار سونے کا تھا اور اُس میں مُرغی کے انڈے کے برابر ہیرا جگمگا رہا تھا۔ یقیناً ڈاکو افراتفری میں یہاں چھوڑ گئے تھے۔ ہار بہت قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ عنبر نے ہار اپنے جھولے میں ڈالا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سفر پر شہر نینوا کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک پہر تک وُہ صحرا میں سفر کرتا رہا۔ دُوسرے پہر اُسے نینوا شہر کے آثار دُور سے دکھائی دینے لگے۔ اُونچے ٹیلوں پر کھجُوروں کے جُھنڈ کھڑے تھے جن کے ساتھ ساتھ کچے مکانوں کی قطار چلی گئی تھی۔ عنبر ان مکانوں کے قریب سے گزرا تو اُسے وہاں کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ کئی مکانوں کی چھتیں گری پڑی تھیں۔ شہر نینوا کی فصیل آدھی سے زیادہ ڈھے چُکی تھی۔ وُہ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کا دروازہ گِرا ہُوا تھا۔ وہاں کوئی پہریدار نہ تھا۔ شہر ویران اور تباہ حال تھا۔ بڑے بڑے حویلی نما مکان جل کر راکھ ہو چُکے تھے۔ مکانوں کے ملبے کے ڈھیر جگہ جگہ پڑے تھے۔ شاہ بابل بخت نصر کی فوجوں نے نینوا شہر کو فتح کرنے کے بعد اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ شہر کے وسط میں بادشاہ نینوا کا محل جُوں کا تُوں کھڑا تھا۔

اتنے بڑے شہر میں کہیں کہیں مکان صحیح حالت میں تھے؛

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وگرنہ محلّے کے محلّے تباہ کر دیے گئے تھے۔ عنبر کو بہت کم لوگ اِدھر سے اُدھر گزرتے ہُوئے ملے۔ کچھ دُکانیں کھُلی تھیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں پک رہی تھیں۔ وہ ایک دکان پر گیا۔ ایک بوڑھا آدمی شہد بیچ رہا تھا۔ عنبر نے پُوچھا :

"بابا، مَیں ملک افریقہ سے آیا ہُوں۔ مَیں حکیم ہُوں اور دُکھی لوگوں کا علاج کرتا ہُوں۔ مجھے بتاؤ کہ اِس شہر پر کیا مصیبت گزر گئی کہ یہ تباہ ہو گیا؟"

بوڑھے دکاندار نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا :

"اے نوجوان، اگر تُو یہاں اجنبی ہے تو سُن کہ اِس شہر کو کسی کی نظر کھا گئی۔ شاہ بابل نے حملہ کیا اِس کو برباد کر دیا۔ تو جس شہر کے کھنڈر دیکھ رہا ہے کبھی یہاں لوگ مزے سے زندگی بسر کرتے تھے۔"

عنبر کو سب کچھ معلوم تھا۔ مگر وہ بوڑھے دُکاندار سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"بابا، کیا اِس شہر میں کوئی معبد بھی تھا۔ جہاں لوگ بُتوں کی پرستش کرتے تھے؟"

"ایسے کئی معبد تھے میرے بچّے، مگر شاہ بابل نے اُن سب کو تباہ کر دیا۔ دیوتا ہمیں معاف کریں!"

عنبر کو معلوم ہُوا کہ نینوا شہر میں شاہ بابل بخت نصر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوج کا ایک حصّہ چھوڑ دیا ہے جو برباد شدہ شہر کی حفاظت کرتی ہے اور ایک فوجی گورنر محل میں رہتا ہے جو شاہ بابل کے نام پر یہاں حکومت کرتا ہے اور بچے کچے لوگوں اور کسانوں سے لگان وصول کرتا ہے ۔

عنبر وہاں سے اُٹھ کر شہر کے مغربی دروازے کی طرف آگیا مگر شہر کا کوئی بھی دروازہ صحیح سلامت نہیں تھا۔ مغربی دروازہ بڑی تلاش کے بعد اُسے ملا تو وہاں دروازے کی جگہ اینٹوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر اِس دروازے سے شہر سے باہر نکل آیا۔ ملکہ کی ہدایت کے مطابق شہزادہ ماروت غلام حالو کے ساتھ جس غار میں رہتا تھا وہ مغربی دروازے سے باہر ایک ٹیلے کے دامن میں تھا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ٹیلے کی تلاش میں چل پڑا۔ وہ کئی اُونچے نیچے ٹیلوں کے قریب سے گزرا مگر وہاں اُسے ایک بھی غار دکھائی نہ دیا۔ تھک ہار کر وہ اِس خیال سے واپس شہر میں آگیا کہ صبح تازہ دم اُٹھ کر غار کی تلاش شروع کر دے گا ۔

شہر میں اُسے کسی ایسی جگہ کی جستجو تھی جہاں وہ رات بسر کر سکے۔ لیکن وہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ تھک ہار کر وہ اُسی شہد بیچنے والے بوڑھے کی دکان پر آگیا۔

"بابا! یہاں رات بسر کرنے کے لیے کوئی جگہ مل جائے گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھے دُکاندار نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا :

" دُشمن کے حملے سے پہلے اِس شہر میں کیسی کیسی خُوبصورت سرائیں تھیں۔ دُوسرے ملکوں کے مُسافر وہاں آ کر آرام کرتے اور اہلِ نینوا کو دُعائیں دیتے تھے۔ مگر اب یہاں سوائے ویرانی اور بربادی کے اور کیا دھرا ہے ؟ یہاں کے رہنے والوں کو سر چُھپانے کی جگہ نہیں مِل رہی ۔"

عنبر نے بوڑھے دکاندار سے کہا کہ وُہ رات بسر کرنے کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے۔ اِس پر بوڑھے دکاندار نے کان کھڑے کر دیئے اور پُوچھا :

"کیوں میاں، تم کتنے پیسے ادا کر سکتے ہو ؟"

عنبر نے کہا :

" مَیں ایک رات کے لیے ایک چاندی کا سکہ دے سکتا ہُوں ۔"

اِس پر دکاندار نے خوش ہو کر کہا :

" پھر تم میرے ہاں کیوں نہیں ٹھہر جاتے ؟ آخر وُہ بھی تو تمہارا اپنا ہی گھر ہے اور پھر پردیسیوں کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے ۔"

عنبر بڑا خوش ہُوا کہ اُس کے رات بسر کرنے کا معاملہ حل ہو گیا۔ بوڑھے نے عنبر کو اپنی دکان پر یہ کہہ کر بٹھا لیا کہ جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دُکان بند کر کے گھر جانے لگے گا تو اُسے بھی ساتھ لیتا جائے گا۔ پوچھتے پہر کے قریب دکان دار نے دُکان بند کی اور عنبر کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا مکان شہر کے اندر ایک اجاڑ سی جگہ پر تھا جہاں چاروں طرف گرے پڑے مکانوں کا ملبہ پڑا تھا۔ بوڑھے کے اپنے مکان کا اگلا حصّہ بھی جل کر راکھ ہو چُکا تھا۔ صرف پچھلے حصّے میں ایک کوٹھڑی باقی تھی۔ بوڑھے نے کہا:

"میاں، تم اِس کوٹھڑی کی چھت پر آرام کر سکتے ہو۔ تمہارے گھوڑے کے لیے مَیں چارہ لاتا ہُوں۔"

عنبر چھت پر بھیڑ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا۔ وُہ سوچنے لگا کہ عمار اور شہزادے ماروت کے بارے میں کس سے دریافت کرے۔ بوڑھا تھوڑی دیر بعد گھوڑے کو گھاس وغیرہ ڈال کر واپس آ گیا اور عنبر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ وہ بوڑھا بڑا باتونی تھا اور بخت نصر کے حملے کی ایک ایک تفصیل بیان کر رہا تھا۔

"شہر میں بخت نصر کی فوجوں نے قتلِ عام شروع کر دیا۔ مَیں اپنی اِس کوٹھڑی میں آ کر چھُپ گیا۔ انہوں نے میرے مکان کو بھی آگ لگا دی۔ میری ساری دولت لُوٹ کر لے گئے۔ دیوتاؤں کی نظر اچھی تھی کہ میری جان بچ گئی۔ مَیں اِس کوٹھڑی میں چھُپا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھا رہا۔ پہلے خیال آیا کہ نکل کر مقابلہ کروں اور ایک ایک سپاہی کو تلوار کا ہاتھ مار کر ہلاک کر دوں اور پھر اُن سپاہیوں کی جوانی اور اپنے بڑھاپے کا خیال آیا اور خاموش دبکا بیٹھا رہا۔"

عنبر بوڑھے کی باتوں سے تنگ آ گیا تھا۔

جو بات وُہ پُوچھنا چاہتا تھا اُس کے بارے میں وُہ سوچ رہا تھا کہ بوڑھے سے پُوچھے یا نہ پُوچھے۔ پھر اُس نے سوچا آخر پُوچھنے میں کیا ہرج ہے؟ اُس نے کہا:

"بابا! کیا فوج نے نینوا کے سارے شاہی خاندان کو قتل کر دیا تھا؟"

بوڑھے نے کہا:

"میاں صاحبزادے، بخت نصر نے شاہی خاندان کے ایک ایک شخص کو اپنے ہاتھوں قتل کیا۔ اُس ظالم نے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ اُس نے تو شاہی خاندان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔"

عنبر نے راز داری کے انداز میں کہا:

"مگر مَیں نے سُنا ہے کہ ایک شہزادہ زندہ رہ گیا ہے۔"

اِس پر بوڑھا حیرانی سے اُچھل پڑا اور آنکھیں سکیڑ کر بولا:

"یہ — یہ تم سے کس نے کہا میاں؟"

"بس کسی نے کہہ دیا۔ یہ بتاؤ کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واقعی شاہی خاندان کا شہزادہ زندہ ہے ؟"

"شش، آہستہ بولو میاں آہستہ بولو۔ کسی نے سُن لیا تو قیامت آجائے گی۔ شاہ بابل کے سپاہی رات کو یہاں گشت کرتے رہتے ہیں۔ وُہ پاگل کُتّوں کی مانند بُو سُونگھتے پھرتے ہیں"

عنبر نے سرگوشی میں پُوچھا :

"تو پھر کیا یہ سچ ہے ؟"

"کیا سچ ہے میاں ؟"

"یہی کہ نینوا کا ایک شہزادہ زندہ ہے اور زخمی ہے..... ؟"

بُوڑھے نے تعجب کا اظہار کرتے ہُوئے پُوچھا :

"مگر یہ تم کیوں پُوچھ رہے ہو ؟"

"ویسے ہی پُوچھ رہا تھا ـــــ"

"نہیں نہیں، ضرور کوئی بات ہے اِس میں۔ تم ویسے نہیں پُوچھ سکتے"

"کیوں نہیں پُوچھ سکتا میں ویسے ؟"

"اِس لیے کہ ایک غیر ملک کے رہنے والے کو ہمارے ملک کے شہزادے سے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے ؟"

اِس پر عنبر نے کہا :

"بابا، میں ایک حکیم ہُوں اور بیماروں کا علاج کرکے مجھے دلی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جب سے مَیں نے یہ سُنا کہ نینوا کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادہ کسی جگہ چھپا ہُوا ہے۔ وُہ زندہ ہے، مگر زخمی ہے تو میرے دل میں خواہش پیدا ہُوئی کہ مَیں اُس کے زخموں کا علاج کروں۔ اُسے صحت مند کروں اور یُوں نینوا کے شاہی خاندان کا نام لینے والا زندہ رہے اور اِس خاندان کا نام آگے چل سکے۔"

بُوڑھے نے یہ سُن کر عنبر کو اپنے سینے سے لگا کر اُس کا ماتھا چُوم لیا۔

"تم ایک نیک دل انسان ہو بیٹے۔ تمہارا دل انسانی ہمدردی سے بھرا ہُوا ہے۔ تم نے ہمارے بادشاہ کی آخری نشانی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُسے سُن کر مجھے بے حد خوشی ہُوئی ہے۔ میں چاہتا ہُوں کہ تم شہزادے کا علاج کرو۔"

عنبر نے پُوچھا:

"تو کیا وُہ واقعی زندہ ہے اور زخمی ہے؟"

"ہاں میرے بیٹے، شاہِ نینوا کا شہزادہ، شاہی خاندان کا آخری چراغ شہزادہ ماروت زندہ ہے اور زخمی حالت میں ہے۔"

"وُہ کس جگہ پر ہے بابا، مجھے بتاؤ۔ مَیں چل کر اُس کا علاج کرنا چاہتا ہُوں۔"

بُوڑھے دکاندار نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"فکر نہ کرو میرے بیٹے، مَیں کل تمہیں شہزادہ ماروت کے پاس لے چلوں گا۔ وُہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے دامن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک غار میں چھپا ہوا ہے۔ وہ سخت زخمی ہے اور یہاں سے فرار ہو کر نہیں جا سکتا۔ شاہ بابل کے گورنر کو پتہ چل گیا ہے کہ شہزادہ بچ کر نکل گیا ہے۔ اس کے سپاہی شہزادے کی تلاش میں ہیں۔ مگر وہ ملکہ کے ایک نہایت وفادار غلام حانو کی حفاظت میں ہے۔ یہ جانثار غلام اُس کی خدمت کر رہا ہے۔ کل تم میرے ساتھ چلنا۔ دیوتا مجھے معاف کریں۔ میں نے ایک اجنبی کے آگے شہزادے کا راز افشا کر دیا ہے۔"

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"فکر نہ کرو بابا، میں شہزادے کے خاندان کا خیر خواہ ہوں۔"

بوڑھے نے اچانک سوال کیا:

"کیا تمہارا تعلق بھی تو نینوا کے شاہی خاندان سے نہیں ہے اجنبی نوجوان؟"

"میں تو ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا ہوں بابا، میرا بھلا شاہی خاندان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

وہ رات عنبر نے بوڑھے شہد فروش کے مکان پر بسر کی۔ دن نکلا تو بوڑھے نے کہا:

"تیار ہو جاؤ اجنبی نوجوان، اب ہمیں شہزادے ماروت کے پاس جانا ہے۔"

اُنہوں نے معمولی کسانوں کا حلیہ بنایا اور خچروں پر سوار ہو کر شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے باہر نکل گئے۔ راستے میں وہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ عنبر نے اُس سے پوچھا کہ اُس کا شہزادے سے کیا تعلق ہے؟ بوڑھے نے کہا:

"وہ ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے ہم اُس کی رعایا ہیں۔ ہمیں اپنے بادشاہ اور اُس کے بیٹے سے محبت ہونی چاہیے۔"

"لیکن بابا، تمہیں کیسے پتہ چلا تھا کہ شہزادہ زخمی حالت میں غار میں پڑا ہے؟"

اُس کا غلام حانو میری دُکان پر شہد لینے آیا تھا۔ مَیں نے باتوں ہی باتوں میں اُس سے معلوم کر لیا اور پھر خود جا کر شہزادے کی تیمار داری میں حانو کا ہاتھ بٹایا۔"

اب وہ شہر سے کافی دُور نکل آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کئی ایک ٹیلوں کے پاس سے گزر کر بوڑھا شہد فروش ایک اونچے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ بائیں پہلو سے ہو کر وہ ڈھلان پر اُتر گیا۔ عنبر اُس کے پیچھے پیچھے کسان کے بھیس میں خچر پر سوار چلا جا رہا تھا۔ ٹیلے کی ڈھلان اُتر کر وہ جنوب کی جانب آ گئے۔ یہاں ایک بہت بڑا پتھر کا ستون گرا پڑا تھا جس کے ارد گرد جنگلی جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ بوڑھے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تھوڑی دیر کے لیے ایک طرف ہو جاؤ۔"

"کیا کوئی خطرہ ہے بابا؟"

"نہیں بھی ہے اور ہے بھی۔ ہم اِس وقت غار کے پاس کھڑے ہیں۔ شاہ بابل کے سپاہی بھوکے کتّوں کی طرح شہزادے کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ غار میں داخل ہونے سے پہلے مَیں تسلی کرنا چاہتا ہُوں کہ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔"

بوڑھا ستون کے اُوپر کھڑا ہو گیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چاروں طرف غور سے تکنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی شخص نہیں ہے تو وُہ ٹیلے کے دامن میں جھاڑیوں کی طرف گیا اور ہاتھ کے اشارے سے عنبر کو بھی بُلا لیا۔ اُنھوں نے خچر ایک طرف باندھ دیے تھے۔ عنبر جھاڑیوں کی طرف گیا تو اُس نے ایک غار کا مُنہ دیکھا جس کی محراب جنگلی بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

"اندر آ جاؤ۔"

عنبر بوڑھے شہد فروش کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں اندھیرا اور سیلن تھی۔ بوڑھا یُوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی وہاں آتا رہا ہو۔ عنبر اس کے ساتھ لگا آگے بڑھ رہا تھا۔ غار ایک طرف گھُوم گیا۔ ذرا آگے جا کر دائیں جانب ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ بوڑھے نے جیب سے لوہے کا ٹکڑا نکال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس پتھر پر چار مرتبہ بجایا۔ اِس آواز کے ساتھ ہی غار میں سامنے کی جانب سے ہلکی سی روشنی نمودار ہُوئی۔ یہ روشنی آگے آتی گئی اور پھر ایک سیاہ حبشی کا چہرہ نمودار ہُوا۔ جس نے ہاتھ میں جلتی ہُوئی مشعل تھام رکھی تھی۔ یہ سیاہ فام شخص ملکہ نینوا کا وفادار غلام جانو تھا۔ وُہ بوڑھے شہد فروش کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ پھر بجلی ایسی پھُرتی کے ساتھ حبشی نے کمر سے خنجر نکالا اور عنبر کی طرف لپک کر خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔ بوڑھے نے جھٹ کہا:

"یہ طبیب ہے جانو اور شہزادے کے زخموں کا علاج کرنے آیا ہے۔ یہ ہمارے بادشاہ کے حامیوں میں سے ہے اور ملک افریقہ کا رہنے والا ہے۔"

حبشی غلام نے کہا:

"کیا تم اِس اجنبی پر اعتبار کرتے ہو بابا؟"

"ہاں جانو، مَیں اِس پر اعتبار کرتا ہُوں۔ یہ کہو شہزادے کا کیا حال ہے؟"

"میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔"

حبشی غلام مشعل لیے غار میں آگے آگے چل پڑا۔ بوڑھا اور عنبر اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ غار کے دو تین موڑ گھوم کر وُہ ایک ذرا کھُلی جگہ پر آ گئے۔ یہاں دیوار کے پتھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک اور مشعل جل رہی تھی اور زمین پر گھاس پھونس بچھی ہوئی تھی - جس پر شہزادہ مارُوت زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا تھا -

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھانسی کے تختے پر

شہزادے کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

عنبر نے جُھک کر شہزادے کا زخم دیکھا۔ تلوار کا گہرا وار اُس کے کندھے پر لگا تھا۔ عنبر نے فوراً چیتھڑے اُتار کر زخم کو گرم پانی سے دھویا اور جھولے میں سے مرہم نکال کر زخم میں بھری اور اُوپر سے صاف ستھری پٹّی باندھ دی۔ اِس کے بعد اُس نے پیالے میں طاقت کی ایک دوائی انڈیلی اور شہزادے کو پلا دی۔ زخم کے درد کی وجہ سے شہزادے کو بخار ہوگیا تھا۔ دوائی نے جادو کا اثر کیا۔ شہزادے کا بخار کم ہوگیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور جانو سے پُوچھا:

"یہ کون ہے جانو؟"

حبشی غلام نے جُھک کر ادب سے کہا:

"یہ ایک طبیب ہے شہزادہ سلامت، اور آپ کے علاج کے لیے یہاں خاص طور پر بُلوایا گیا ہے۔ کیا آپ کے درد میں کچھ آفاقہ ہُوا ہے؟"

"کچھ ہُوا ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھے شہد فروش نے خوش ہو کر کہا:

"دیوتاؤں نے ہم پر رحم کر دیا۔ ہمارے شہزادے کا زخم بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔ ہم نینوا کا کھویا ہُوا تخت پھر سے حاصل کر کے رہیں گے۔"

حبشی غلام نے کہا:

"بابا، مجھے اِس حکیم پر بھروسہ نہیں ہے!"

عنبر خاموش رہا۔ وُہ اُسے ابھی بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جس نوجوان اجنبی پر وہ بھروسہ نہیں کر رہا اُس کو شہزادے کی والدہ ملکہ نینوا نے خاص طور پر وہاں بھیجا ہے اور وُہ صرف شہزادے کی خاطر اتنا طویل سفر کر کے وہاں پہنچا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ عنبر کو بوڑھے شہد فروش پر اعتبار نہیں تھا۔ اِس لیے نہیں کہ وہ دھوکے باز تھا یا دُشمنوں کا مُخبر تھا بلکہ اِس لیے کہ بوڑھا نادان اور جذباتی تھا۔ عنبر کو ڈر تھا کہ اگر اُس کے سامنے اُس نے شہزادے کی والدہ کا ذکر کر دیا تو وُہ اِس راز کو شاید اپنی بے وقوفی کی وجہ سے افشا نہ کر دے! چنانچہ وُہ بُوڑھے شہد فروش کی عدم موجودگی میں شہزادے کو اصل حقیقت بتانا چاہتا تھا۔

شہزادے کو اب پُوری طرح ہوش آ چکا تھا اور وُہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ حبشی غلام نے بوڑھے سے پُوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ شہر کا کیا حال ہے اور شاہ بابل کے سپاہی کس کس جگہ شہزادے کی تلاش میں ہیں؟ بوڑھے نے کہا:

"سپاہی جگہ جگہ شہزادے کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ انہوں شہر کے ارد گرد اور شہر کے اندر اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہیں۔ میری دکان کے ارد گرد ایک جاسوس ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے۔"

"کیا انہیں تم پر شک تو نہیں ہو گیا بابا؟"

"ایسا نہیں ہے۔"

"تو پھر جاسوس وہاں کیوں رہتا ہے؟"

"وہ میری دکان پر آنے جانے والے گاہکوں کو گھورتا رہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ضرور تم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہو گا۔ کیا تم لوگوں نے غار میں داخل ہونے سے پہلے پوری تسلی کر لی تھی؟"

"میں اتنا پاگل نہیں ہوں جانو، میں بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں۔"

اس پر شہزادے نے کہا:

"وہ دن کب آئے گا بابا، جب میں اپنی پیاری والدہ سے ملوں گا۔"

"دیوتاؤں نے چاہا تو وہ دن جلد آئے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے نے آہ بھر کر کہا :

"کیا معلوم کہ میری والدہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ کیا خبر کہ شاہ بابل نے انہیں بھی قتل کر دیا ہو۔"

پھر شہزادے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حبشی غلام نے شہزادے کو تسلی دیتے ہوئے کہا :

"دل چھوٹا نہ کریں شہزادہ سلامت، مجھے ایک شاہی مخبر نے شکست کے دو روز بعد ہی اطلاع کر دی تھی کہ ملکہ عالم بابل شہر میں شاہ بابل کی قیدی ہیں اور انہیں بادشاہ نے شاہی خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح قتل نہیں کیا۔"

شہزادے نے بے تابی سے پوچھا :

"کیا اس نے میری والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ؟"

"یہ اس نے نہیں بتایا۔ لیکن یہ اس نے پورے یقین سے کہا تھا کہ ملکہ سلامت زندہ ہیں اور کچھ لوگوں نے انہیں قید خانے کی طرف جاتے دیکھا ہے۔"

"دیوتا گواہ رہیں کہ میں اپنی والدہ کی یاد میں تڑپ رہا ہوں اور ضرور میری والدہ بھی مجھے یاد کر رہی ہو گی۔ مگر انہیں تو شاید یہی خبر ملی ہو کہ میں بھی دوسرے شہزادوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا ہوں۔"

حبشی غلام نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ فکر نہ کریں شہزادہ سلامت، دیوتاؤں نے چاہا تو آپ بہت جلد ملکہ عالیہ سے ملیں گے۔ میری زندگی کا مقصد ہی اب یہی ہے کہ ملکہ عالیہ سے آپ کو ملا دوں۔ چاہے اِس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

شہزادے نے کہا:

"کاش، مجھے معلوم ہو جائے کہ میری والدہ بابل شہر میں کس جگہ ہیں۔ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ میں اُڑ کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا۔"

غلام نے کہا:

"ہم بہت جلد یہ بھی معلوم کر لیں گے شہزادہ سلامت، وہ دن ضرور آئے گا۔ جب آپ نینوا کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھیں گے اور آپ کے سر پر شاہی تاج ہو گا اور ملکہ عالیہ آپ کے ساتھ بیٹھی ہوں گی۔"

"ہمیں تباہ حال نینوا کو پھر سے آباد کرنا ہے۔ ہمیں اپنے باپ دادا کی سلطنت کو پھر سے سنبھال کرنا ہے۔ عانو، وہ دن ضرور آئے گا۔ کاش ہمیں ہمارے وفادار سپہ سالار زرکبیر کے بارے میں معلوم ہو سکتا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں؟"

عانو نے کہا:

"اُس کے بارے میں بھی مخبر نے صرف اِتنا بتایا ہے کہ شکست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے روز وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ملک یمن کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا تھا۔"

"کاش، یہ خبر درست ہو۔ میں اچھا ہو گیا تو اپنی والدہ کو ساتھ لے کر اپنے وفادار سپہ سالار زرکبیر کی تلاش میں ضرور جاؤں گا۔ وہ ضرور یمن میں بھی کبھی فوج کو اکٹھا کر رہا ہو گا۔"

اب عنبر نے کہا:

"شہزادہ سلامت، آپ کا زخم تازہ ہے۔ زیادہ باتیں کرنے سے اس پر زور پڑے گا۔ آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ آرام کریں۔"

بوڑھے نے بھی جھٹ عنبر کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہا:

"ہاں شہزادہ سلامت، اب آپ آرام سے لیٹ جائیں۔"

عنبر نے جھولے میں دواؤں کے بکس ڈالتے ہوئے کہا:

"میں پھر کسی روز آ کر زخم کی پٹی بدل دوں گا۔"

پھر اس نے حبشی غلام کو ہدایت کی کہ دوائی شہزادے کو دن میں تین چار مرتبہ پانی کے ساتھ پلاتا رہے۔ اس کے بعد بوڑھے شہد فروش اور عنبر نے شہزادے سے اجازت طلب کی اور آداب بجا لا کر واپس چل پڑے۔ حبشی غلام مشعل لے کر انہیں غار کے منہ تک چھوڑنے آیا۔

باہر نکل کر وہ خچروں پر سوار ہوئے اور واپس شہر کی سمت چل پڑے۔ بوڑھا اپنی دکان پر آ گیا اور عنبر نے خچر پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوار شہر کی سیر شروع کر دی۔ شہر کو بخت نصر کی فوجوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ بہت کم آبادی زندہ تھی۔ شاہ بابل کے سپاہی جگہ جگہ کھڑے پہرہ دے رہے تھے اور ہر آنے جانے والے کو گھور رہے تھے۔ شاہ بابل نے حکم دے رکھا تھا کہ شہزادے کو پناہ دینے والے کو بھی تلاش کر کے زندہ زمین میں گاڑ کر اس پر بھوکے کتے چھوڑ دیے جائیں۔ عنبر بڑے سکون سے شہر کے کھنڈروں اور مکانوں میں گھوم پھر رہا تھا۔

ایک چوک میں سے گزرتے ہوئے اُسے پیاس لگی۔ سامنے کنوئیں پر کچھ عورتیں صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں۔ عنبر کو بھوک تو نہ لگتی تھی لیکن کبھی کبھی پیاس اُسے ضرور تنگ کیا کرتی تھی۔ وُہ خچر پر سے اُتر کر پانی بھرتی عورتوں کی طرف بڑھا۔ اُس نے ایک عورت سے کہا :

"مجھے پانی پلا دو گی بہن ؟"

عورت نے عنبر کی طرف دیکھا اور بولی :

"لو پیو"

اور اُس نے صراحی ہاتھوں میں لے کر عنبر کے اوک میں پانی انڈیلنا شروع کر دیا۔ عنبر نے جی بھر کر پانی پیا۔ عورت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جیب سے چاندی کے سکے نکالنے لگا تو ساتھ ہی سونے کا قیمتی ہیرے والا ہار بھی اُچھل کر زمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر گر پڑا۔ ہار کو دیکھتے ہی عورت نے شور مچا دیا۔

"چور — چور — چور"

قریب کھڑے دو سپاہی عورتوں کا شور سن کر وہاں آ گئے۔ عنبر بڑا حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ زمین پر سے ہار اٹھا کر اپنی جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ عورت نے سپاہیوں سے کہا:

"یہ شخص ڈاکو ہے۔ اس کے پاس میری مالکن کا قیمتی سونے کا ہار ہے۔ میری مالکن کا ہار ڈاکو لے گئے تھے۔ یہ شخص ڈاکو ہے۔ اس کی جیب میں میری مالکن کا قیمتی ہیرے والا سونے کا ہار ہے"

عنبر پریشان ہو گیا۔ ہار سچ مچ چوری کا تھا۔ اس کی جیب میں بھی تھا مگر چوری اس نے نہیں کی تھی۔ سپاہی نے ہاتھ ڈال کر عنبر کی جیب میں سے ہار نکال لیا اور کہا:

"یہ ہار تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

عنبر نے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ ہار کچھ ڈاکو صحرا میں افراتفری کے عالم میں پھینک گئے تھے کہ اس نے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اس پر سپاہی وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت نے چیخ کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ فکر نہ کریں شہزادہ سلامت، دیوتاؤں نے چاہا تو آپ بہت جلد ملکہ عالیہ سے ملیں گے۔ میری زندگی کا مقصد ہی اب یہی ہے کہ ملکہ عالیہ سے آپ کو ملا دوں۔ چاہے اِس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

شہزادے نے کہا :

"کاش، مجھے معلوم ہو جائے کہ میری والدہ بابل شہر میں کس جگہ ہیں۔ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ میں اُڑ کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا۔"

غلام نے کہا :

"ہم بہت جلد یہ بھی معلوم کر لیں گے شہزادہ سلامت، وہ دن ضرور آئے گا۔ جب آپ نینوا کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھیں گے اور آپ کے سر پر شاہی تاج ہوگا اور ملکہ عالیہ آپ کے ساتھ بیٹھی ہوں گی۔"

"ہمیں تباہ حال نینوا کو پھر سے آباد کرنا ہے۔ ہمیں اپنے باپ دادا کی سلطنت کو پھر سے سنبھال کرنا ہے۔ عالنو، وہ دن ضرور آئے گا۔ کاش ہمیں ہمارے وفادار سپہ سالار زرکبیر کے بارے میں معلوم ہو سکتا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں؟"

عالنو نے کہا :

"اُس کے بارے میں بھی مخبر نے صرف اِتنا بتایا ہے کہ شکست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا۔ اُس نے سارا معاملہ غور سے سُنا۔ ہار کو غور سے دیکھا، مالکن کو بُلا کر ہار دکھایا تو اُس نے جھپٹ کر کہا:

”وہی میرا قیمتی ہار ہے۔ یہ میرے خاوند کی نشانی تھی — کم بخت اِس چور نے اسے اڑا لیا۔ اس کی گردن اڑا دو“

ہار مالکن کو دے دیا گیا اور عنبر کو قید میں ڈال کر سلاخدار دروازے پر تالا ڈال دیا گیا۔ ساری رات عنبر کال کوٹھڑی میں فرش پر بیٹھا مچھر مارتا رہا۔ اُس نے ایک پل کے لیے بھی سو کر نہ دیکھا۔ صبح سالار نے آکر اُسے خبر سُنائی۔ چوری کے جُرم میں اُسے صلیب پر چڑھا دیا جائے گا۔ عنبر پر اِس دہشت ناک خبر نے کوئی اثر نہ کیا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ وُہ صلیب پر بھی زندہ رہے گا۔ لیکن اِس خیال سے وُہ ضرور پریشان ہو گیا کہ اُس کا راز فاش ہو جائے گا اور ان سپاہیوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ وُہ مر نہیں سکتا۔ یُوں لوگوں میں اُس کی مشہوری ہو جائے گی اور جس خفیہ کام کے لیے وہ نینوا شہر میں آیا ہے وُہ ادھورا رہ جائے گا۔ عنبر نے خبر سُن کر کہا:

”کیا مجھے معاف نہیں کیا جائے گا!“

”بکواس بند کرو، تم نے چوری کی ہے اور شاہِ بابل کے حُکم کے مطابق چوری کرنے والے کو تختے پر کیل ٹھونک کر لٹکا دیا جاتا ہے۔ تمہیں آج ہی لٹکا دیا جائے گا۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر خاموش ہوگیا۔ اِس لیے کہ سالار سے معافی مانگنے کا مطلب یہ تھا کہ وُہ اُس کی گالیاں سُنتا رہے۔ شام ہونے سے ذرا پہلے سپاہیوں کا ایک دستہ سالار کے ساتھ آیا اور عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک ٹیلے کی چوٹی پر لے گیا۔ یہاں لکڑی کی ایک صلیب زمین پر پڑی تھی۔ لمبے لمبے لوہے کے کیل اور ہتھوڑا لیے جلّاد تیّار کھڑا تھا۔

سالار نے حکم دیا اور سپاہیوں نے زبردستی اُٹھا کر عنبر کو لکڑی کے تختے پر چت لِٹا دیا۔ اس کے ہاتھ اور پَیر پھیلا کر زنجیروں سے باندھ دیے گئے۔ پھر جلّاد نے لوہے کا کیل اُٹھا کر اُس کی نوک عنبر کی ہتھیلی پر رکھی اور ہتھوڑے کی ضربوں سے اُسے لکڑی کے تختے پر ٹھونکنا شروع کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ دُوسرے لوگوں کی طرح وُہ بھی درد سے بلبلا اُٹھے گا۔ مگر اِس کے برخلاف عنبر خاموش رہا۔ کیل اُس کی ہتھیلی میں ٹھنکتا رہا اور وُہ خاموش چہرے کے ساتھ جلّاد کو تکتا رہا۔ عجب اتفاق تھا کہ ہتھیلی سے خُون بھی نہیں نکل رہا تھا۔ سالار اور سپاہیوں کو بھی اِس پر کچھ تعجب ہُوا۔ مگر پھر انہوں نے سوچا کہ شاید ڈر اور خوف کی وجہ سے عنبر کا خُون خشک ہوگیا ہے۔ جلّاد اب عنبر کی دُوسری ہتھیلی پر کیل ٹھونک رہا تھا۔ اِس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دفعہ بھی عنبر درد سے بالکل نہ چلّایا اور نہ ہی ہتھیلی سے خون جاری ہُوا۔ جلّاد نے یکے بعد دیگرے عنبر کے دونوں پیروں میں بھی لوہے کی کیلیں ٹھونک دیں اور سالار کے حکم سے تختے کو اُٹھا کر زمین پر گاڑ کر کھڑا کر دیا۔

عنبر کی گردن آگے کو جھک گئی مگر اُس کے چہرے پر درد کے کوئی آثار نہیں تھے اور وُہ خاموش نظروں سے نیچے کھڑے سپاہیوں کو تک رہا تھا۔ سالار کچھ حیران ضرور ہُوا۔ پھر اُس نے چلّا کر کہا۔

"چلو چلیں، صبح آکر اِس کی لاش دیکھیں گے۔ کل اِس کی لاش کو گدھ کھا رہے ہوں گے"

اور وُہ لوگ قہقہے لگاتے وہاں سے چلے گئے۔ عنبر تختے پر لٹکا ہُوا اکیلا رہ گیا۔ شام گہری ہو گئی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ نینوا کی ویران بستی پر تاریکی چھا گئی۔ کہیں کہیں زیتون کے تیل کے دِیوں کی روشنیاں ٹمٹمانے لگیں۔ آسمان تاروں سے بھر گیا۔ عنبر کو تکلیف صرف اتنی ہو رہی تھی کہ وُہ تختے کے ساتھ لگا تھک گیا تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی اور عنبر پر غنودگی چھانے لگی۔ وُہ مر نہیں سکتا تھا۔ اُسے نیند آگئی اور وُہ سو گیا۔

اُس کی آنکھ کھُلی تو آسمان پر سورج کا اُجالا پھیل رہا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر مشرق سے سُورج نکل آیا اور چاروں طرف اُس کی روشنی پھیل گئی۔ اُس کے سر پر دو تین گدھ منڈلا رہے تھے۔ مگر اُسے زندہ دیکھ کر اُسے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ ٹیلے پر کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اُسے لوگوں کے قہقہوں کی آوازیں سُنائی دیں اور دُوسرے ہی لمحے اُسے سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ ٹیلے پر چڑھتا دکھائی دیا۔ عنبر بڑے غور سے اُسے قریب آتا دیکھنے لگا۔ سالار اور دُوسرے سپاہیوں کو یقین تھا کہ تختے پر رات بھر کا ٹنگا ہوا عنبر مر چکا ہوگا اور اُس کا گوشت گدھ نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں گے، لیکن جب وہ اُس تختے کے نزدیک آیا جس پر لوہے کے کیلوں کے ساتھ عنبر ٹھُکا ہُوا تھا تو دہشت سے اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

عنبر زندہ تھا اور تختے پر ٹنگا بڑے سکون کے ساتھ سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا جسم پُوری طرح تندرست تھا۔ خون کا ایک قطرہ تک زخموں سے نہ بہا تھا اور گدھ بھی اُس سے دُور دُور منڈلا رہے تھے۔ عنبر نے آواز دے کر کہا:

"اے سالار! اگر تُو قیامت تک بھی مجھے اِس تختے پر ٹنگائے رکھے گا تو مَیں نہ مر سکوں گا۔ تم مر جاؤ گے۔ تمہاری آنے والی نسلیں بوڑھی ہو کر مَر جائیں گی مگر مَیں زندہ رہُوں گا۔ مجھے تختے سے نیچے اُتار کر پہچان کہ مَیں کون ہُوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سالار دم بخود پتھر بنا عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا کبھی ہُوا ہی نہیں تھا کہ رات بھر تختے پر لٹکے رہنے کے بعد انسان صبح کو زندہ بچا ہو۔ مگر عنبر اُس کے سامنے زندہ تھا بلکہ پوری طرح تندرست تھا اور اُسے درد کا کوئی احساس تک نہ تھا۔ اُس نے گھبرا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو تختے پر سے اتار لیا جائے۔ سپاہیوں نے اُسی وقت عنبر کو نیچے اتار کر اُس کی ہتھیلیوں اور پاؤں میں ٹھکے ہُوئے کیل نکال لیے۔ وہ یہ دیکھ کر اور زیادہ دہشت زدہ ہو گئے کہ کیلوں کے باہر نکلتے ہی ہتھیلیوں اور پاؤں کے زخم اپنے آپ بند ہو کر مل گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نینوا سے فرار

●

وحشی سپاہیوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز کرامات تھی ۔

عنبر تختے سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ۔ وہ پوری طرح صحت مند اور تندرست تھا ۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک آدمی رات بھر تختے پر کیلوں سے ٹھکے رہنے کے بعد صبح بھلا چنگا اُٹھ کھڑا ہو گا ۔ سالار نے دل میں ایک طرح کا خوف سا لیے عنبر سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کس طرح زندہ ہے ؛ عنبر نے مسکرا کر کہا :

" یہ میں تم لوگوں کو نہیں بتا سکتا ۔ برائے مہربانی میرا راستہ چھوڑ دیں اور مجھے اپنے گھر جانے دیں "

سالار نے کہا :

" جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم زندہ کس طرح ہوئے ہم تمہیں رہا نہیں کریں گے ۔ اس لیے کہ تم ڈاکو ہو اور ڈاکو کی سزا موت ہے "

عنبر نے کہا :

" کیا تم ایک بار پھر کوئی کرامت دیکھنا چاہتے ہو ؟ کیا تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ چاہتے ہو کہ ایک بار پھر تم احمق جانوروں کی طرح میری طرف دیکھتے رہو اور حیران ہوتے رہو کہ میں زندہ کیسے رہا!"

سالار غصّے میں آ کر بولا:

"زبان قابو میں رکھو نوجوان، اِس دفعہ میں تمہیں وہ سزا دوں گا جس سے تم بچ نہ سکو گے!"

اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو زہریلے سیاہ سانپوں کے گڑھے میں پھینک دیا جائے۔ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور اُسے لے کر ایک پُرانے اجڑے ہوئے باغ میں آ گئے۔ اِس باغ میں انجیر کے درختوں تلے ایک گڑھا کھدا ہُوا تھا۔ اِس گڑھے کے اُوپر جالی دار ڈھکنا پڑا تھا۔ گڑھے میں بے شمار کالے سانپ پھن اٹھائے پھنکاریں مار رہے تھے۔ اُن کو دیکھ کر ہی انسان کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ سالار نے حکم دیا:

"اِسے گڑھے میں پھینک دو!"

ایک سپاہی نے جالی دار ڈھکنا الگ کر دیا اور دوسرے سپاہیوں نے عنبر کو اٹھا کر گڑھے میں پھینک دیا۔ وہ سب مزے سے جالی دار ڈھکنے میں سے عنبر کے مرنے اور سانپوں کے ڈسنے کا تماشہ دیکھنے لگے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر کو ایک ایک کر کے تمام سانپ کاٹیں گے۔ اس کا جسم زہر سے نیلا پڑ جائے گا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وُہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مَر جاتے گا۔ مگر ایسا نہ ہُوا۔

گڑھے میں عنبر سانپوں کے اُوپر گرا۔ سانپ بپھر گئے۔ اُنھوں نے پھن اُٹھا کر بڑی تیزی اور غضب کے عالم میں عنبر کو ڈسنا شروع کر دیا۔ اب ایسا ہُوا کہ جو بھی سانپ عنبر کو ڈستا وُہ تڑپ کر ایک طرف گرتا اور تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ دیکھتے دیکھتے سارے کے سارے سانپ مر گئے۔ لیکن عنبر کو کچھ بھی نہ ہُوا۔ وُہ بڑے مزے سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے بیٹھا مَرے ہُوئے سانپوں کو دیکھتا رہا۔ سپاہی اِس پر بھی حیران و ششدر رہ گئے۔ سالار کو بڑا افسوس ہُوا کہ سارے سانپ مر گئے۔ یہ سانپ بڑے قیمتی تھے۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ سالار نے حُکم دیا کہ عنبر کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

”کل صبح اِس کو آگ میں جلا کر بھسم کر دیا جائے گا!“

سپاہیوں نے عنبر کو زنجیروں میں جکڑا اور اُسے قید خانے کی طرف لے گئے۔

عنبر کو اِس سارے کھیل میں ایک ہی پریشانی ہو رہی تھی کہ اُس کا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ وہ شہزادے ماروت کو جلد از جلد یہاں سے اغوا کر کے لے جانا چاہتا تھا۔ مگر ان سپاہیوں نے اس کے سفر میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے تھے۔ وُہ قید خانے کے فرش پر بیٹھا وہاں سے رہائی حاصل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جیل کا دروازہ کھلا اور پہریدار نے مٹی کے برتن میں دُودھ لا کر اُس کے آگے رکھ دیا۔ عنبر نے پوچھا کہ یہ دُودھ کس نے بھیجا ہے؟ کیوں کہ جیل میں تو قیدی کو سوائے سُوکھی جَو کی روٹی اور سادہ نمکین پانی کے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ پہریدار نے کہا:

"یہ مَیں اپنے حِصّے سے آپ کے لیے لایا ہُوں۔ آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اِسے پی لیجیے۔ آپ کے بدن کو طاقت مِلے گی۔"

عنبر سمجھ گیا کہ پہریدار پر اُس کا بہت زیادہ اثر ہو گیا ہے۔ اُس نے سوچا کہ اِس اثر سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اُس نے دُودھ لے کر پی لیا اور خالی برتن پہریدار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"تمہیں معلوم ہے، مَیں کون ہُوں؟"

پہریدار نے ادب سے جواب دیا:

"آپ ایک آسمانی انسان معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ پر مُوت اپنا اثر نہیں کر سکی۔"

عنبر نے جھوٹ موٹ رُعب کے ساتھ کہا:

"اے شاہِ بابل کے سپاہی، میری بات غور سے سُن۔ مَیں ایک آسمانی دیوتا ہُوں۔ تمہارا سالار چاہے کچھ کر لے۔ وہ مجھے ہلاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتا۔ میں ابھی تک خاموش ہوں۔ اگر میں غضب میں آگیا تو تم سب لوگ ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ لیکن میں نیکی کا دیوتا ہوں۔ میں تم لوگوں کو جان سے نہیں مارنا چاہتا — ہاں اگر تم میرا ایک کام کرو تو میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی عطا کر دوں گا۔"

پہریدار نے جھک کر سجدہ کیا اور بولا:

"اے آسمانی دیوتا، مجھے بتاؤ میں آپ کے لیے کیا کروں؟"

عنبر نے کہا

"مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔ مجھے آج رات آسمان پر پہنچ کر دیوتاؤں سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ اگر تم نے مجھے رہا کر دیا تو تم میری طرح کبھی نہ مر سکو گے۔"

پہریدار سوچ میں پڑ گیا۔ وہ عنبر کی آسمانی طاقت سے خوف زدہ بھی تھا۔ مگر اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اُس نے عنبر کو رہا کر دیا تو سالار اُس کی گردن اُڑا دے گا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"اے مقدس دیوتا، اگر میں نے تمہیں یہاں سے نکال دیا تو سالار مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

عنبر نے کہا:

"پھر تم بھی میرے ساتھ ہی یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

"نہیں نہیں میرے آقا، میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا —

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہ بابل کے سپاہی میرے بال بچوں کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر بھسم کر دیں گے۔"

عنبر سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ پہریدار کو مصیبت میں گرفتار کروانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے کہا:

"اچھا، تم ایسا کرو کہ سالار کو بُلاؤ۔ اُسے کہو کہ قیدی مر رہا ہے۔"

سپاہی یہ سُن کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سالار کو ساتھ لے کر آ گیا۔ سالار نے عنبر کو دیکھ کر پُوچھا:

"کیا اب تمہیں ہوش آ گیا؟ تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ سالار کے انتقام سے دُنیا کا کوئی انسان نہیں بچ سکتا۔"

اب عنبر نے اپنی ایک کرامت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے زمین پر پڑی ہُوئی رسّی اٹھائی اور اُسے سالار کی طرف اُچھال دیا۔ رسّی اُچھل کر سالار کے قدموں میں گری اور ایکدم بہت بڑے اژدہا کی شکل اختیار کر گئی۔ اس سے پہلے کہ سالار اپنا بچاؤ کر سکتا اژدہا نے سالار کے جسم کو بُری طرح لپیٹ لیا۔ سالار کا دَم گھٹنے لگا۔ عنبر نے کہا:

"اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو سپاہی کو حُکم دو کہ دروازہ کھول دے۔"

سالار کی جان سخت مصیبت میں مُبتلا تھی۔ اژدہا اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم کے ارد گرد بُری طرح بل ڈال رہا تھا اور اُس کا سانس گھُٹنے لگا تھا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہی کو حکم دیا کہ وُہ جیل کا دروازہ کھول دے۔ سپاہی پہلے ہی سے اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسی لیے لپک کر قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر جھٹ باہر نکل آیا۔

"سالار، تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ مَیں بے گناہ تھا۔ بے گناہ کو سزا دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اب مَیں جا رہا ہُوں اور تمہاری ساری فوج بھی اگر چاہے تو مجھے دوبارا گرفتار نہیں کر سکتی۔ جو کوئی بھی میرے تعاقب میں آیا اُسے یہ سانپ ہلاک کر دے گا۔"

عنبر چلنے لگا تو سالار نے چیخ کر کہا:

"دیوتاؤں کے لیے مجھے اِس سانپ کی مصیبت سے نجات دلاتے جاؤ۔"

عنبر نے کہا کہ جب وہ شہر سے باہر نکل جائے گا تو یہ سانپ اپنے آپ دوبارا رسّی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اتنا کہہ کر عنبر وہاں سے فرار ہو گیا۔ قید خانے کے بڑے دروازے پر آ کر اُس نے ایک گھوڑا کھولا اور اُس پر سوار ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وُہ کافی دُور چلا گیا تو سالار کے جسم کے گرد لپٹا ہُوا بڑا سانپ اپنے آپ رسّی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدل گیا۔ سانپ کے پھندے سے آزاد ہوتے ہی ضدی سالار نے حکم دیا۔

"قیدی کو فوراً گرفتار کیا جائے۔ اُس کا پیچھا کرو اور زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔"

سپاہی بادل نخواستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر عنبر کی تلاش میں نکل کھڑے ہُوئے۔

بُوڑھا شہد فروش اپنے مکان کی چھت پر سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اُتر کر نیچے آیا۔ اُس نے پُوچھا کہ باہر کون ہے؟ عنبر نے کہا:

"مَیں ہُوں بابا، اجنبی حکیم!"

"تم کہاں غائب رہے؟" بوڑھے شہد فروش نے دروازہ کھول دیا۔

عنبر نے بوڑھے کو ساری کہانی شروع سے آخر تک سُنانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ راستہ بھول کر ایک گاؤں میں پُہنچ گیا تھا۔ وہاں سے وہ اب آ رہا ہے۔ بوڑھا شہد فروش بڑا حیران ہُوا۔

"تم نے کمال کر دیا۔ مَیں کل رات بھر تمہاری راہ دیکھتا رہا مگر اب تمھیں میرا گھر کیسے مِلا؟"

"بس میں اندازے سے بھٹکتا ہُوا ادھر آ نکلا اور مجھے تمھارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر مل گیا ۔

عنبر بے حد تھکا ہُوا تھا۔ وُہ خشک گھاس پر اونٹ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اِس گھر سے جلد از جلد نکل کر غار میں شہزادے ہاروت سے ملاقات کرنی چاہیے تاکہ اُس کے فرار کا منصوبہ تیار کر کے اُس پر عمل کیا جائے۔ یہی سوچتے سوچتے اُسے نیند آگئی اور وُہ سو گیا۔

صبح اُٹھ کر اُس نے منہ ہاتھ دھویا۔ بوڑھا اپنی دکان پر آ کر بیٹھ گیا اور عنبر اُس کے آگے یہ بہانہ بنا کر وہاں سے روانہ ہو گیا کہ وہ پہاڑوں اور صحرا میں دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں تلاش کرنے جا رہا ہے۔ وُہ سیدھا شہر سے نکل کر ٹیلے کے غار کی طرف آگیا۔ غار کا منہ جھاڑیوں سے ڈھکا ہُوا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف کیا اور چپکے سے غار کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ غار کے اندر چلتا رہا اور اُس مقام پر آگیا جہاں راستے میں بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ اس نے لوہے کے ٹکڑے سے پتھر کو چار مرتبہ بجایا۔ پہلے روز کی طرح غار میں دُور سے روشنی ہُوئی اور حبشی غلام فانوس ہاتھ میں لیے وہاں آگیا۔ اُس نے عنبر کو دیکھا تو اُسے ساتھ لے کر غار کے بڑے کمرے میں آگیا۔ شہزادہ زمین پر لیٹا تھا۔ اُس کا بخار بھی غائب تھا اور پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے جُھک کر زخم پر سے پٹی اُتاری۔ زخم کو گرم پانی سے دھویا۔ اُس میں تازہ دوائی بھری اور پٹی کر دی۔ جتنی دیر وُہ پٹی کرتا رہا۔ حبشی غلام اُس کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ جب وُہ پٹی کر چکا تو ایکدم حبشی غلام نے پُوچھا:

" سچ سچ بتاؤ اے نوجوان کہ تم کون ہو اور تمھیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو یہاں تمھاری لاش دفن کر دی جائے گی اور قیامت تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی "

عنبر حبشی غلام کی وفاداری اور احساس ذمّے داری سے بڑا خوش ہُوا۔ اُس نے مسکرا کر مانو کی طرف دیکھا اور کہا:

" مَیں خوش ہُوں کہ تم شہزادے کے اتنے وفادار ہو اور تمھیں اس کی سلامتی کا اِس قدر خیال ہے کہ تم اُس شخص پر بھی شک کرنے لگے ہو جو اس کی تیمارداری کر رہا ہے "

" یہ میرا فرض ہے اور مَیں اِسے مرتے دم تک نبھاؤں گا "

عنبر نے کہا:

" ملکہ نینوا کا بھی یہی خیال تھا "

" ملکہ...... ؟ "

عنبر کے اِس جملے پر شہزادے نے چونک کر عنبر سے پُوچھا کہ وُہ کیا کہہ رہا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے عزت سے سُنو۔ اِس کے بعد عنبر نے ملک افریقہ سے اپنے فرار کے بعد سے لے کر شہر بابل میں داخل ہو کر حویلی میں رات گزارنے اور ملکہ کے بَین سُن کر اُس سے ملاقات کرنے تک سارے واقعات حبشی غلام اور شہزادے کو سُنا دیے۔ یہ سُن کر شہزادے کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کہ اس کی ملکہ والدہ زندہ ہے اور اُس کی یاد میں سوگوار ہے۔

"دیوتا کے لیے مجھے میری والدہ کے پاس لے چلو" شہزادے نے بے تاب ہو کر کہا۔

"شہزادہ سلامت، مَیں اسی مقصد کے لیے یہاں آیا ہُوں کہ آپ کو نہ صرف اپنی والدہ سے ملوادوں ملکہ آپ کا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے میں بھی آپ کی مدد کروں۔ مگر اِس کے لیے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہوگا"

حبشی غلام کو بھی عنبر پر اب اعتبار آگیا تھا۔ اُس نے کہا:

"کیا ملکہ عالیہ مجھے بھی یاد کرتی تھیں ؟"

"ملکہ عالیہ کو تم پر بہت بھروسہ ہے۔ اُنھیں یقین ہے کہ تم بڑی وفاداری اور جانفشانی سے شہزادے کی حفاظت کر رہے ہوگے"

حبشی غلام بہت خوش ہُوا اور بولا:

"جب تک شہزادے کا زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا ہم اِس غار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے باہر نہیں نکل سکتے۔ شہزادے کو زخمی حالت میں یہاں سے نکالنا بہت خطرناک ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں شہزادے کے تندرست ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"تمہارے خیال میں شہزادے کا زخم کتنے دنوں تک اچھا ہو جائے گا؟"

"ابھی دو ہفتے اور لگیں گے زخم کے بھرنے میں۔"

شہزادے نے پریشان ہو کر کہا:

"میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ اُڑ کر اپنی والدہ کے پاس پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شہزادہ سلامت، ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اِس غار سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ مگر آپ کا زخمی حالت میں سفر کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ بخت نصر کے سپاہی آپ کی اور میری تلاش میں چاروں طرف پھر رہے ہیں۔ ہمیں دو ہفتے تک یہیں رہنا ہوگا۔"

عنبر شہزادے کو دوا پلا کر واپس شہر آ گیا۔

دُوسرے روز بھی وہ غار میں شہزادے کی پٹی بدلنے گیا۔ شہزادہ سو رہا تھا۔ اُس کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ حبشی غلام پتھر کی سل پر ایک دوائی رگڑ رہا تھا۔ وہ عنبر سے باتیں کرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بخت نصر نے بڑا ظلم کیا۔ شاہی خاندان کو قتل کر دیا گیا۔ اگر میں شہزادے کو بچا کر نہ لاتا تو شہزادہ بھی زخم کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گیا ہوتا۔"

عنبر نے حبشی غلام سے پوچھا کہ ملکہ کے وفادار سپہ سالار زرکسیر کا ملک یمن میں کیسے پتا چل سکتا ہے؟

غلام نے کہا کہ یمن میں اُس کا ایک چچا رہتا ہے۔ وہ شہزادے کو لے کر اُس کے پاس جا کر پناہ حاصل کر لیں گے۔ ملک یمن غیر جانب دار ہے اور بخت نصر نے ابھی اُس پر حملہ نہیں کیا۔

"اگر اُس نے یمن پر حملہ کر دیا تو ہم یمن کی فوجوں کے ساتھ مل کر بخت نصر کا مقابلہ کریں گے۔"

غلام نے مسکرا کر کہا:

"ہم دونوں اکیلے سپہ سالار زرکسیر کی تھوڑی سی فوج کے ساتھ شاہ بابل کی اتنی بڑی فوج کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟"

غلام کو عنبر کی پوشیدہ طاقتوں کا علم نہیں تھا۔ عنبر نے بھی اُسے وقت سے پہلے کچھ بتانا مناسب خیال نہ کیا۔ اُس نے صرف یہی کہا کہ یمن میں چل کر اُس کے چچا کے ہاں ٹھہریں گے اور پھر جیسے حالات ہوں گے۔ ویسے کریں گے۔

غلام نے کہا:

"سب سے مشکل کام ملکہ کو بابل شہر سے اغوا کر کے یمن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں لانا ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بخت نصر کی فوجوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ملکہ کو وہاں سے بھگا سکو گے؟"

"مَیں کوشش کروں گا اور اگر ربِ عظیم کی مدد شاملِ حال رہی تو ملکہ کو قید سے نکالنے اور شہزادے سے ملانے میں ضرور کامیاب ہوں گا۔"

حبشی غلام کو عنبر پر شک تھا کہ شاید اکیلا وُہ ایسا نہ کر سکے۔ اُس نے کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو وُہ اُس کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔

عنبر نے کہا:

"یہ وقت آنے پر فیصلہ کریں گے۔"

اتنے میں شہزادے کو ہوش آ گیا۔ وُہ عنبر کو دیکھ کر مُسکرایا۔ وُہ بڑی تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ عنبر نے پٹی کھول کر زخم دیکھا۔ زخم کافی بھر چُکا تھا۔ اُس نے دوائی لگا کر نئی پٹی باندھی۔ اُسے دوائی پلائی اور واپس شہر آ گیا۔ اُس نے بوڑھے شہد فروش کو بتایا کہ شہزادہ رو بہ صحت ہے۔ اُس نے شہزادے کو وہاں سے فرار کر کے لے جانے کے بارے میں بوڑھے کو کچھ نہ بتایا۔ اُس نے حبشی غلام اور شہزادے کو بھی منع کر دیا تھا کہ اِس سلسلے میں پُوری راز داری سے کام لیا جائے اور بوڑھے شہد فروش کو کسی قسم کی کوئی بات نہ بتائی جائے۔ عنبر

ہر روز چوری چھپے غار میں جا کر شہزادے کا علاج کرتا رہا۔ پندرہ روز گزر گئے۔ اِس اثنا میں شہزادے کا زخم بالکل اچھا ہو گیا اور وُہ غار میں چلنے پھرنے لگا۔ اب وُہ اِس منصوبے پر غور کرنے لگے کہ وہاں سے فرار کس طرح ہوا جائے؟

کافی سوچ بچار کے بعد اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ کسی رات کو سوداگروں کے لباس میں غار سے نکل کر ملک یمن کا رُخ کیا جائے۔ حبشی غلام کا خیال تھا کہ شہزادے کو کہیں سپاہی پہچان نہ لیں، اِس لیے اُسے کپڑوں کے گٹھڑ میں لپیٹ کر گھوڑے پر ڈال دیا جائے تو بہتر ہو گا۔ عنبر کو بھی یہ خیال پسند آیا۔ اُس نے کہا کہ وُہ کل شہر جا کر کچھ کپڑے خرید لائے گا جنھیں پہن کر وُہ وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ عنبر واپس گھر آ گیا۔ فرار کے بارے میں اُس نے بوڑھے شہد فروش کو کچھ نہ بتایا۔ دن بھر وُہ شہر کی بیچی کچھی مختلف دکانوں پر پھر کر کپڑا اور دُوسرا سامان وغیرہ خریدتا رہا۔ اُس نے دو خچر بھی خریدے جن پر سامان لادا جانا تھا۔

یہ سارا سامان خچروں پر رکھ کر وہ شام کے وقت غار میں آ گیا۔ آج رات کے پچھلے پہر وُہ وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ کیوں کہ سوداگر اُن دِنوں عام طور پر منہ اندھیرے سفر کیا کرتے تھے۔ ساری رات وُہ تیاریاں کرتے رہے۔ حبشی غلام اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے سوداگروں کا بھیس بدل لیا۔ شہزادے کے لیے اُنھوں نے ریشمی کپڑے کے تھان الگ رکھ دیے۔ ان ریشمی تھانوں میں شہزادے کو لپیٹ کر خچر پر رکھ دینا تھا۔ رات اُنھوں نے جاگ کر گزاری۔ منہ اندھیرے اُنھوں نے ریشمی تھان کھول کر شہزادے کو اُس میں اس طرح لپیٹا کہ اُسے سانس باقاعدہ آتا رہے اور اُس کا دم نہ گھٹنے پائے۔ پھر اُنھوں نے بڑی احتیاط سے شہزادے کو اُٹھا کر خچر پر لادا اور چپکے سے غار سے باہر نکل آئے۔ باہر آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور مشرق میں نیلی جھلکیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یمن کا سفر

نینوا کا ویران شہر پچھلے پہر کے دھندلکے میں سو رہا تھا۔

کچھ گھروں میں دور چراغوں کی روشنی ٹمٹما رہی تھی حبشی غلام عانو اور عنبر ریشمی تھان میں لپٹے ہوئے شہزادے ماروت کو خچر پر لادے شہر سے باہر ہی باہر آگے بڑھ رہے تھے۔ جتنی جلدی ہو سکے وہ نینوا سے دور ہو جانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس ملک کی سرحد عبور کر جائیں جس کی زمین شاہی خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور جہاں قدم قدم پر شاہ بابل کے سپاہی شہزادے ماروت کی تلاش میں چوکنے ہو کر کھڑے تھے۔ عانو اور عنبر خاموشی سے سفر کر رہے تھے۔ اس وقت دونوں ایک ہی خیال سے پریشان تھے کہ کہیں راستے میں کوئی سپاہی نہ مل جائے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ انہیں ملک کی سرحد عبور کرتے وقت تھا۔ کیونکہ سرحدوں پر بخت نصر کے سپاہی چوکیاں بنا کر بیٹھے ہر آنے جانے کی پڑتال کر رہے تھے۔

اسی طرح خاموشی سے سفر کرتے ہوئے وہ شہر کی ٹوٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوئی فصیل سے کافی دُور نِکل آئے۔ انہیں راستے میں ایک بھی گشت کرتا ہُوا سپاہی نہ مِلا۔ ایک جگہ پُہنچ کر اُنھوں نے ریشمی تھان کا منہ کھول کر شہزادے کو تازہ ہوا دی اور تالاب کا ٹھنڈا پانی پلایا۔ شہزادے نے پُوچھا:

”ابھی سرحد کتنی دُور ہے حانو؟“

”شہزادہ سلامت، ہم تھوڑی دیر میں پُہنچنے ہی والے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ جب تک آپ کا غلام زندہ ہے آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا!“

عنبر حبشی غلام کی وفاشعاری اور جانثاری پر خوش بھی تھا اور افسوس بھی کر رہا تھا۔ کیونکہ سپاہیوں سے مقابلے کی صورت میں حبشی غلام سِوائے اِس کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ تلوار نکال کر لڑائی کرے اور دو ایک سپاہیوں کو زخمی کر کے خود بھی ہلاک ہو جائے اور یُوں شہزادے کو دُشمنوں کے حوالے کر دے۔ اِس کے برعکس عنبر سوچ رہا تھا کہ وُہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کی صورت میں کون سی ایسی چال چلے کہ سانپ بھی مَر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹُوٹنے پائے۔ بہرحال وُہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

آسمان پر اب ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی تھی اور مشرق کی طرف سُورج کی روشنی نے اُبھرنا شروع کر دیا تھا۔ ملک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نینوا کی آخری سرحد قریب آ رہی تھی۔ جُوں جُوں وہ سرحد کے قریب پہنچ رہے تھے۔ اُنہیں کئی قسم کے اندیشے گھیرنے لگے تھے۔ عنبر گہری سوچ میں تھا۔ حالو خچر کی باگ تھامے چُپ چاپ آگے آگے چل رہا تھا۔ عنبر خچر کے پیچھے چل رہا تھا۔ عنبر نے کہا :

”سرحد پر تمہیں گونگا غلام بن جانا ہوگا۔ سپاہی لاکھ تم سے بات کریں تم صرف غوں غاں ہی کرتے رہنا۔ خبردار، کسی حالت میں بھی کوئی لفظ زبان سے مت نکالنا۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“

آخر وہ سرحد پر پہنچ گئے۔ اُنہوں نے پہلے تو بڑی کوشش کی کہ دو چوکیوں کے درمیانی فاصلے پر سے سرحد عبور کر جائیں مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ سپاہیوں کے دستے برابر گشت کر رہے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اُنہیں مجبور ہو کر ایک چوکی پر پڑتال کے لیے رُکنا پڑا۔ پہریداروں کے پُوچھنے پر کہ وُہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ عنبر نے بتایا کہ وُہ بابل کا تاجر ہے اور نینوا میں اپنا مال فروخت کرنے آیا تھا اور اب واپس بابل شہر کو جا رہا ہے۔ ایک سپاہی نے حبشی غلام سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے تو غلام ہاتھ کے اشار سے غوں غاں کرکے ظاہر کرنے لگا کہ وُہ گونگا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے اُنہیں بتایا کہ وُہ اُس کا غلام ہے اور گونگا ہے۔ وُہ بات نہیں کر سکتا۔

سپاہی حبشی غلام کی حرکتیں دیکھ کر قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ بلکہ اُنہوں نے اُسے تنگ کرنا اور اُس کے سر پر دھپ لگانے شروع کر دیئے۔ موقع کی نزاکت کے آگے حبشی غلام سپاہیوں کی مار سہتا رہا اور کچھ نہ بولا، بلکہ اُلٹا بیوقوفوں کی طرح ہنستا رہا۔ عنبر دل ہی دل میں دُعا مانگ رہا تھا کہ وُہ سپاہیوں کی چوکی سے جلد از جلد گزر جائے۔ اُسے یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ اگر کسی سپاہی نے اس کا ریشمی تھان کھلوا کر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو وُہ کیا کہے گا۔

آخر وُہی ہُوا جس کا اُسے ڈر تھا۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر خچر پر لدے ہُوئے ریشم کے تھان کو ہاتھ لگا کر دیکھا اور بولا:

"یہ تمہارا ہے یا اسے شہر سے لُوٹ کر لا رہے ہو!"

عنبر نے کہا کہ وُہ تھان اُس کا ہے۔ وُہ بہت سے ریشمی تھان لے کر شہر بابل سے آیا تھا۔ اُس نے سارے تھان فروخت کر دیئے ہیں اور یہ بچا ہُوا تھان واپس لیے جا رہا ہے، مگر سپاہی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم یہ ریشمی کپڑے کا تھان نینوا شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لُوٹ کر آ رہے ہو۔ اِسے یہیں رہنے دو، یہ تھان میں لُوں گا۔ اِسے اُتار کر زمین پر رکھ دو اور چلے جاؤ۔"

عنبر کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حبشی غلام بھی بے حد پریشان ہو گیا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اِس احمق اور وحشی سپاہی کو کیسے سمجھائیں اور تھان لینے سے باز رکھیں۔ عنبر نے کہا :

"دیکھئے میں ایک غریب سوداگر ہُوں اور منڈی کے آڑھتیوں سے قرض پر مال لے کر بیچتا ہُوں۔ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ ایک آڑھتی کی امانت ہے جو مجھے بابل پہنچ کر اُسے واپس کرنی ہے۔ آپ کی مہربانی ہوگی، یہ تھان مجھ سے نہ لیں۔ اِس کے بدلے میں آپ سونے کے سِکّے لے لیں۔"

سپاہی نے قہقہہ مار کر کہا :

"سونے کے سکّے بھی لُوں گا اور ریشمی کپڑے کا تھان بھی لُوں گا۔"

سپاہی کی اِس ضد پر عنبر اور حانو گھبرا گئے۔ ابھی وہ کچھ سوچنے نہ پائے تھے کہ سپاہی نے آگے بڑھ کر تھان اُتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اب عنبر صبر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہ شہزادے کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اُس نے فوراً مقدس درویش اناطول کی رُوح کو یاد کیا اور خچر پر لدے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوئے ریشمی تھان پر پھونک ماری ۔ سپاہی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا ۔ اُسے ریشمی کپڑے کا تھان ایک شیر کی شکل میں نظر آیا ، جو خچر پر بیٹھا اُس کی طرف دیکھ کر غرّا رہا تھا ۔

"شیر ! شیر !"

سپاہی چیختا ہُوا چوکی کی طرف ایسا بھاگا کہ اُس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا ۔ باقی سپاہی اس کی حماقت پر ہنسنے لگے ۔

"پاگل ہو گیا ہے ۔ اِسے خچر شیر نظر آ رہا ہے !"

مگر سوائے عنبر کے اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ سپاہی سچا تھا ۔ اُسے واقعی شیر نظر آیا تھا ۔ سپاہیوں نے عنبر اور حبشی غلام سے کہا کہ وہ چلے جائیں ۔ عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا اور جانوروں کے ساتھ خچر کو ہنکاتا ہُوا سرحد پار کر گیا ۔ سرحد کے دُوسری طرف جاتے ہی اُن کی جان میں جان آئی ۔ اب اُنہوں نے بڑی تیزی سے سفر شروع کر دیا ۔ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے نینوا کی سرحد سے دُور ہو جانا چاہتے تھے ۔ کافی دُور سفر کرنے کے بعد جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ اب کوئی سپاہی اُن کا پیچھا نہیں کر سکتا تو وہ ایک جگہ مہندی کی جھاڑیوں کے سائے میں رُک گئے ۔ حبشی غلام نے کہا :

"ہم خطرے سے نکل آئے ہیں ۔ شہزادے کو کپڑے کے تھان سے باہر نکال لینا چاہیے ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، میرے خیال میں خطرہ ٹل گیا ہے۔"

اُنہوں نے تھان کھولا اور شہزادے کو باہر نکال لیا۔ بیچارہ کم سن شہزادہ گھنٹہ بھر کپڑے کے تھان میں لپٹے رہنے کے بعد ادھ موا ہو رہا تھا۔ وہ ریت پر چھاؤں میں لیٹ گیا اور تازہ ہوا میں لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ جب اُس کی طبیعت سنبھلی تو اُس نے پوچھا:

"شیر شیر کی آوازیں سپاہی نے کیوں نکالی تھیں؟ کیا وہاں کوئی شیر آ گیا تھا؟"

حبشی غلام نے مسکرا کر کہا:

"یہ ہماری خوش نصیبی تھی شہزادہ سلامت کہ عین وقت پر سپاہی کا دماغ اُلٹ گیا اور وہ شیر آیا، شیر آیا کی آوازیں لگاتا ڈر کر بھاگ گیا! ورنہ وہ ریشمی تھان کھول دیتا اور ہم سب گرفتار کر لیے جاتے اور پھر جو حشر دشمن ہمارا کرتا وہ صاف ظاہر ہے۔"

عنبر نے کہا:

"واقعی سپاہی کا دماغ اُلٹ گیا تھا! ورنہ وہاں بھلا شیر کہاں سے آ سکتا تھا؟"

عنبر نے اُن کو ہرگز نہ بتایا کہ یہ سب اُس کے بزرگ [illegible] کی رُوح کا کرشمہ تھا جس نے مشکل کے وقت اُن کی پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری مدد کی تھی۔ وہ اِس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ حبشی غلام نے کھانے کے لیے جَو کی میٹھی روٹی اور انجیر کا مربہ نکالا جو انہوں نے بڑے شوق سے کھایا اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پی کر غور کرنے لگے کہ اب کس طرف کا رُخ کیا جائے کہ وہ بڑی تیزی سے ملک یمن پہنچ جائیں۔ حبشی غلام نے کہا:

"ہمیں دریائے فرات کے اُوپر کی طرف سفر کرتے ہوئے ملک سیریا کی جنوبی سرحدوں سے گزر کر آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سب سے آسان راستہ ہے۔ اِس راستے سے میں واقف ہوں۔ میں کئی بار اِس راستے سے یمن گیا ہوں۔"

عنبر نے پُوچھا:

"اگر ہم ساری رات اور دن کا کچھ حصہ سفر کرتے رہیں تو کب تک یمن پہنچ جائیں گے؟"

"میرا خیال ہے چھ روز میں پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ہمیں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اپنا سفر شروع کر دینا چاہیے۔"

حبشی غلام نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں دشمن کے ملک کی سرحدوں کے قریب آرام نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم تیزی کے ساتھ دشمن کی سرحدوں سے دُور نکل جائیں۔ اِس لیے ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی اُٹھ کر سفر شروع کر دینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے شہزاد سلامت، آپ خچر پر بیٹھ جائیں۔"

"کاش! ہمیں کہیں سے گھوڑے مل جاتے۔"

"یہاں سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک آزاد بستی ہے وہاں سے ہم گھوڑے خرید سکتے ہیں۔"

شہزادے کو خچر پر سوار کرا کر اُنہوں نے دریائے فرات سے اُوپر کی طرف سفر شروع کر دیا۔ دریا دس کوس سفر کرنے کے بعد ان سے بچھڑ گیا اور اب وُہ اُس آزاد بستی کے قریب پہنچ گئے جہاں سے انہوں نے گھوڑے خریدنے تھے۔ یہ بستی خانہ بدوش قسم کے لوگوں کی تھی جنہوں نے کسی خاص وجہ سے وہاں کئی سالوں سے ڈیرے جما رکھے تھے۔ ان خانہ بدوشوں میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو جرائم پیشہ تھے۔ اکثر ڈاکے مارتے تھے اور مسافروں کا سامان اور گھوڑے لوٹ کر لے آتے تھے اور پھر اُنہیں بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔

حبشی غلام مانو ان لوگوں کی بُری عادتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سونے کے عوض شاہ بابل کی مخبری کرتے تھے۔ حبشی غلام نے خاص طور پر ایسے مخبروں سے خبردار رہنے کی ہدایت کی۔ وُہ بستی میں داخل ہو کر ایک کاروان سرائے میں آ گئے۔ اُنہوں نے سرائے کے مالک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو سونے کے کچھ سکّے دیے جس کے عوض اُنہوں نے کھانا کھایا اور ریشمی تھان فروخت کر دیا۔ پھر انہوں نے مالک سے کہا کہ وُہ تین عمدہ نسل کے گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا:

"میں آپ کو گھوڑوں کے سوداگر کے مکان پر لے جاتا ہوں اُس سے آپ اپنی پسند کے گھوڑے خرید سکتے ہیں۔"

عنبر نے پُوچھا:

"وُہ مکان کتنی دُور واقع ہے؟"

"ساتھ والے بازار میں ہی ہے!"

سرائے کا مالک اُن تینوں کو ساتھ لے کر گھوڑوں کے سوداگر کی چھوٹی سی پکّی حویلی میں آ گیا۔ سوداگر گھنگھریالے سیاہ بالوں والا ایک ڈاکو قسم کا آدمی تھا جس کے دائیں گال پر تلوار کے لمبے اور گہرے زخم کا نشان تھا۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ یہ مُسافر کپڑے کے سوداگر ہیں اور تین گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں۔ سوداگر نے عنبر، حانو اور شہزادے کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا:

"تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ہم مُلک افریقہ کے رہنے والے ہیں۔ تجارت کرنے مُلک نینوا گئے تھے۔ وہاں مال بیچ کر واپس آ رہے تھے۔ کہ سرحد پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکوؤں نے اُن کے گھوڑے چھین لیے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے گھوڑے خرید کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔"

سوداگر نے بڑی مکّار ہنسی کے ساتھ کہا:

"مگر جس راستے پر تم سفر کر رہے ہو، وُہ تو [illegible] کی بجائے ملک یمن کو جاتا ہے۔"

عنبر نے جھٹ کہا:

"ہم چاہتے ہیں کہ یمن سے کچھ موتی اور گرم مصالحہ خرید کر اپنے دیس ساتھ لے جائیں۔"

"بہت خُوب، یہ لڑکا کون ہے؟" سوداگر نے شہزادے کو گھُورتے ہُوئے پُوچھا۔

"یہ — یہ میرا بیٹا ہے۔" عنبر نے جھٹ کہا۔

"مگر اس کی سیاہ آنکھیں اور سفید رنگت صاف بتا رہی ہے کہ یہ کسی امیر کا بیٹا ہے بلکہ کسی مُلک کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔"

عنبر اور جانو گھبرا گئے۔ کم بخت سوداگر نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ حبشی غلام کو اچانک خیال آیا کہ یہ شخص کہیں شاہ بابل بخت نصر کا مُخبر ہی نہ ہو۔ اُس نے فوراً کہا:

"یہ اپنے باپ کے ساتھ کافی عرصہ پہاڑی مقام پر رہا ہے اِس وجہ سے رنگت گوری ہوگئی ہے۔"

عنبر نے جھٹ ہاں میں ہاں ملاتے ہُوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں، ورنہ ہم غریبوں کا رنگ سفید کیسے ہو سکتا ہے اور پھر میرے بیٹے کی قسمت میں کہیں بادشاہ کا بیٹا ہونا کہاں؟"

سوداگر ہنس کر بولا:

"ارے آپ لوگ تو میری باتوں کو سچ سمجھ بیٹھے۔ میں تو آپ لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔ بھلا کیا مجھے معلوم نہیں کہ کسی ملک کے بادشاہ کا بیٹا اِس طرح خچر پر سفر نہیں کر سکتا۔"

عنبر نے بھی ہنس کر کہا:

"یہی تو میں بھی حیران تھا کہ آپ ایسا عقل مند سیانا آدمی اس قسم کی باتیں کیونکر سوچ سکتا ہے؟ اچھا اب یہ بتائیے کہ آپ ہمیں گھوڑے کس وقت دیں گے۔ اس لیے کہ ہم جلدی سفر پر روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ نینوا میں ہمارا پہلے ہی کافی نقصان ہو چکا ہے۔"

سوداگر نے کہا:

"آپ کل صبح یہاں تشریف لائیں۔ گھوڑے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ یہیں قیمت بھی طے ہو جائے گی۔"

ساری باتیں طے کر کے کل کا وعدہ لے کر عنبر، مالو اور شہزادہ ماروت واپس کارواں سرائے میں آ گئے۔ وہ اس بستی میں رات بسر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر انہیں مجبوراً وہاں رات بسر کرنی پڑ گئی تھی۔ مالو نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

" مجھے یہ گھوڑوں کا سوداگر بڑا خطرناک آدمی لگتا ہے۔ مجھے اُس کی باتوں سے مخبری کی بُو آتی ہے۔ کس مکاری نے اُس نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ تو کسی بادشاہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے "

عنبر نے حبشی غلام کی تائید کرتے ہوئے کہا :

" تمہارا شک بے جا نہیں۔ ہمیں اُس سے ہوشیار رہنا ہوگا "

شہزادے نے کہا :

" اگر ایسی بات ہے تو ہمیں گھوڑوں کا خیال ترک کر کے ابھی اِس بستی سے نکل جانا چاہیے "

" نہیں شہزادہ سلامت، گھوڑوں کے بغیر ہم یمن تک کا سفر آسانی سے طے نہ کر سکیں گے۔ ہم صبح اُس آدمی سے گھوڑے خریدتے ہی یہاں سے فرار ہو جائیں گے "

اِن ہی خطروں کا اظہار کرتے وہ سو گئے۔ صبح صبح اُٹھ کر وہ سوداگر کی حویلی میں گئے۔ اُس نے وعدے کے مطابق تین عربی نسل کے عمدہ گھوڑے تیار کر رکھے تھے۔ قیمت ادا کرنے کے بعد جب وہ گھوڑوں پر سوار ہونے لگے تو سوداگر نے بڑی مکار ہنسی کے ساتھ کہا :

" یمن کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ احتیاط سے سفر کرنا دوستو "

عنبر نے کہا : " آپ کی ہدایت کا شکریہ "

اس کے بعد وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ گھوڑوں کو چلاتے بازاروں سے گزر کر بستی سے باہر آ گئے ۔ باہر آتے ہی انھوں نے ایک طرف کو گھوڑے سرپٹ دوڑانے شروع کر دیے ۔ دھوپ بڑی تیز تھی اور گرمی میں ریت انگاروں کی طرح تپ رہی تھی ۔ دوپہر تک سفر کرنے کے بعد وہ تھک گئے اور ایک جگہ درختوں کے سائے دیکھ کر آرام کرنے کے لیے رُک گئے ۔ یہاں درختوں کے سائے میں ایک ٹیلہ تھا، جس کے پہلو میں ایک غار بنا ہوا تھا ۔ تینوں اُس غار کے اندر چلے گئے اور انھوں نے غار کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا انھیں شام تک سونا تھا اور خطرہ تھا کہ کہیں سوداگر نے مخبری نہ کر دی ہو اور سپاہی اُن کی تلاش میں نہ آ رہے ہوں ۔

ابھی وہ سونے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ اُنھیں دُور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں ۔ وہ ایک دم چوکنے ہو گئے ۔ عنبر اور سانو نے غار سے باہر نکل کر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر دیکھا تو انھیں ذرا دُور کچھ سپاہی آتے نظر آئے ۔ اُن کے فولادی خود اور زرہ بکتر دھوپ میں چمک رہا تھا ۔ وہ جلدی سے واپس غار میں چھپ گئے اور اُس کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا ۔ خطرہ اُن کے سر پر منڈلانے لگا تھا ۔ سپاہی وہاں آ کر رُک گئے ۔ اُنھوں نے چشمے پر سے گھوڑوں کو پانی پلایا اور

باتیں کرنے لگے۔ عنبر اور حانو نے گھوڑوں کے سوداگر کی آواز صاف پہچان لی۔ وہ انہیں کہہ رہا تھا:

"ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ آج ہی صبح مجھ سے گھوڑے خرید کر سفر پر روانہ ہوئے ہیں اور زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"

ایک سپاہی نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم انہیں بابل و نینوا کے ریت کے ٹیلوں کے اندر سے بھی نکال کر لے آئیں گے۔"

اتنا کہہ کر وہ گھوڑے دوڑاتے آگے نکل گئے تو گویا حبشی حانو کا اندازہ درست تھا۔ سوداگر شاہ بابل کی فوج کا جاسوس تھا اور اُس نے شہزادے کے فرار کی اطلاع کر دی تھی۔ عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا کہ وہ غار کے اندر چھپے ہونے کی وجہ سے بچ گئے۔ اُنہوں نے رات اُسی غار میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کا بالکل ہی اندیشہ نہ رہے۔ دُوسرے روز وہ غار سے گھوڑوں سمیت باہر نکلے اور منہ اندھیرے ہی گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یمن کی طرف چل پڑے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجنبی نقاب پوش

●

نینوا کی سرحدوں سے یمن کی سرحد چھ روز کے سفر پر تھی۔

وُہ دن کا کچھ حِصّہ آرام کرتے جب کہ صحرا میں دھوپ بہت تیز ہوتی اور اس کے بعد شام پڑتے ہی دوبارہ سفر پر روانہ ہو جاتے۔ وُہ خطروں کی دُنیا سے دُور نکل گئے تھے اور اب نئے اندیشوں نے اُنہیں گھیر رکھا تھا۔ عنبر کو خاص طور پر جانو حبشی کے چچا کے بارے میں فکر تھی جس کے ہاں وُہ یمن میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ خدا جانے وُہ کون شخص ہو۔ کہیں وہ بھی دولت کے لالچ میں آ کر شہزادے کی جاسوسی نہ کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا اور وُہ لوگ یمن میں گرفتار کر لیے گئے تو وُہ شہزادے کی والدہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ اسی قسم کے وسوسے تھے جنھوں نے عنبر کو گھیر رکھا تھا۔ پانچویں روز وہ یمن کی سرحد سے ایک دن کے سفر کے فاصلے پر صحرا میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک بڑے زور کی آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ وُہ گھوڑوں کو لے کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے منہ سر کپڑے سے ڈھانپ لیے۔ آندھی بڑی شدید تھی اور دوپہر تک چلتی رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آندھی کا زور تھا تو اُنہوں نے دیکھا کہ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہُوا تھا۔ جہاں پہلے ریت کے ٹیلے تھے وہاں اب گہرے گڑھے پڑے ہُوئے تھے۔ یہ ایک عجیب وغریب حادثہ تھا۔ اِس سے پہلے صحرا میں اُنہوں نے آندھی میں گڑھے پڑتے نہیں دیکھے تھے۔ وہ ایک گڑھے کے پاس آکر غور سے دیکھنے لگے۔ یہ کافی گہرا گڑھا تھا اور یُوں لگتا تھا جیسے اِس کے اندر راستہ جا رہا ہے۔ عنبر نے گڑھے کے اندر اُتر کر معلومات حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تو سانو نے کہا:

"ہمیں اندر نہیں جانا چاہیے۔ کہیں کسی نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔"

شہزادے نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چلنے ہی والے تھے کہ اچانک گڑھے میں سے آگ کے شعلے نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ وہ تعجب سے ان شعلوں کو دیکھنے لگے۔ سانو نے کہا:

"یہ آگ کہاں سے آ گئی؟"

وہ ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ آگ تھمنا شروع ہو گئی۔ شعلے مدھم پڑنے لگے اور پھر آگ ٹھنڈی پڑ کر غائب ہو گئی اور اُس کی جگہ نیلے رنگ کا دُھواں نکلنے لگا۔ یہ دُھواں پہلے تو بادلوں کی طرح اُبھرتا رہا اور پھر اُس نے ایک اُونچے ستون کی شکل اختیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرلی ہو آسمان کی وسعتوں میں جاکر غائب ہوگیا تھا۔ وہ تینوں اس منظر کو حیرانی سے دیکھتے رہے۔ عنبر کا خیال تھا کہ شاید اس زمین کے اندر آتش فشاں پہاڑوں کا مادہ چھپا ہوا ہے جو باہر نکل رہا ہے۔ جانو نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے"

شہزادے نے کہا:

"ہاں عنبر، ہمیں آگے نکل جانا چاہیے"

وہ ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ آسمان پر ایک روشنی سی چمکی اور خوفناک چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہزادہ ڈر کر جانو سے لپٹ گیا۔ حبشی غلام کے چہرے پر خوف کی زردی سی چھا گئی۔ ابھی وہ عنبر سے پوچھنے ہی والا تھا کہ سب کچھ کیا ہے کہ ایک خوفناک قہقہہ بلند ہوا اور گردوغبار کے بادل نے اُٹھ کر انہیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گھوڑے ڈر کر شور مچانے لگے۔ عنبر نے اُنہیں ایک دُوسرے کے ساتھ باندھ دیا۔ جانو نے کہا:

ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے"

وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگنے لگے تو گھوڑے جیسے گردوغبار کی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے۔ اب ایک مکروہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ڈراؤنی شکل اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ کسی بھوت کی شکل تھی جس کے سر پر لمبے لمبے نوکیلے سینگ تھے۔ سُرخ آنکھیں بڑے پیالوں جتنی تھیں اور سر کے بال پاؤں کو چھو رہے تھے۔ شہزادے کی چیخ نکل گئی۔ حافو کو پسینہ آ گیا۔ صرف عنبر خاموش اور پُرسکون تھا۔ اُس جن نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا:

"تم میرے گھر میں کیوں آئے ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

عنبر نے بلند آواز میں کہا:

"ہم مسافر ہیں اور سفر کر رہے ہیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔"

"نہیں تم نے جان بوجھ کر میرے گھر کو روند ڈالا ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تم لوگوں کو کچا چبا جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر اُس بھوت نے ہاتھ آگے بڑھا کر شہزادے کو اپنے پنجے میں جکڑنے کی کوشش کی۔ شہزادہ بھاگ کر ایک طرف ہو گیا۔ بھوت نے قہقہہ لگایا اور شہزادے کی گردن دبوچنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حبشی غلام نے حقِ نمک ادا کرتے ہوئے نیام سے تلوار نکالی اور پوری طاقت کے ساتھ بھوت کے لمبے چوڑے ہاتھ پر وار کر دیا۔ بھوت کے ہاتھ پر زخم لگا۔ اُس نے تڑپ کر ایک چیخ ماری اور ٹیلے کے دامن سے ایک تناور اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنجان درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ درخت کو ایک ڈنڈے کی طرح اپنے سر کے گرد گھما کر اُس نے پوری طاقت سے حبشی غلام کے سر پر وار کیا۔ اگر جانو پھرتی سے کام لے کر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو وہ اِسی طرح کچلا جاتا جس طرح پہاڑ کے نیچے چیونٹی آ کر کچل جاتی ہے۔ بھوت نے دوسری بار وار کیا۔ غلام دوسری طرف ہٹ گیا۔

بھوت غصّے میں آ کر ریت اُڑانے لگا۔ چاروں طرف غبار سا چھا گیا۔ اب عنبر خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اِس لیے کہ جانو اور شہزادے کی جان خطرے میں تھی۔ بھوت نے اُنہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا اور طلالہ کی رُوح کو آواز دی:

"اے طلالہ کی رُوح، میری مدد کر۔ تُو جہاں کہیں بھی ہے۔ یہاں آ اور ہماری مدد کر، ہمیں اِس خوفناک بھوت سے نجات دِلا۔"

اُس وقت بھوت حبشی غلام کو ٹانگ سے پکڑ کر اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ طلالہ کی رُوح نے عنبر کی آواز سُن لی تھی۔ وہ فوراً وہاں پہنچ گئی۔ اُس نے آتے ہی جو ڈراونا نقشہ دیکھا وہ اُسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔ عنبر نے رُوح سے کہا:

"اے طلالہ کی مقدس رُوح، ہمیں اِس قاتل بھوت سے نجات دِلا۔"

"فکر نہ کرو عنبر، مَیں تمہاری مدد کے لیے ہی آسمانوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتی ہوں؟"

رُوح نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ہاتھ کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ بجلی بڑے زور سے کڑک اُٹھی۔ بھُوت ٹھٹھک گیا۔ اُس نے آسمان کی طرف اپنا ڈراؤنا سر اُٹھا کر دیکھا اور ایک زور دار قہقہہ بلند کیا اور آسمان سے آگ کے شعلے برسنا شروع ہو گئے۔ ان شعلوں کا رُخ بھُوت کی طرف تھا۔ وُہ آسمانی بجلی بن کر کڑک کڑک کر بھُوت کے سر پر گر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھُوت کا جسم آگ کے شعلوں میں لپٹ گیا۔ وُہ ہاتھ پاؤں مارتے ہُوئے چلّانے لگا۔ مگر آسمان سے آگ برابر اُس کے اُوپر برس رہی تھی۔ وُہ آگ کا بگولا بن کر صحرا میں گردش کرنے لگا اور پھر جل بھُن کر راکھ ہو گیا۔ اُس کے جلنے کے فوراً بعد صحرا میں سے گردو غبار کا طوفان غائب ہو گیا۔ زمین پر پڑے ہُوئے گڑھوں کے نشان مٹ گئے۔ طلالہ کی روح بھی غائب ہو گئی۔

حبشی غلام نے زمین پر سے اُٹھ کر چاروں طرف دیکھتے ہُوئے کہا:

"دیوتاؤں نے ہماری مدد کی ہے۔ مقدس دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔"

عنبر اب اُسے کیا بتاتا کہ مدد دیوتاؤں نے نہیں کی تھی بلکہ اُس کی محسن طلالہ کی رُوح نے کی تھی۔ اُس نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

وُہ جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے آگے نکل گئے۔ شام سے کچھ دیر پہلے وُہ تھک کر چُور ہو چکے تھے۔ کچھ دیر رُک کر آرام کرنے اور گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلانے کے لیے وہ کھجور کے جھنڈ تلے ایک چشمے کے پاس رُک گئے۔ ابھی وُہ گھوڑوں کو پانی پلا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک ٹیلے کے عقب سے بخت نصر کی فوج کے کچھ سپاہی نمودار ہوئے اور اُنہوں نے اُن کے اردگرد گھیرا ڈال لیا۔ سردار نے عنبر کے قریب نیزہ مار کر کہا:

"تم ہم سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ آخر ہم نے تم لوگوں کو پکڑ لیا۔ شہزادے کے ساتھ ان سب کو رسّیوں میں جکڑ دو۔"

عنبر اور حبشی غلام ایک دوسرے کا مُنہ ہی دیکھتے رہ گئے۔

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اُن تینوں کو رسّیوں میں کس کر باندھ دیا اور گھوڑوں پر لاد کر واپس نینوا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اِس قدر اچانک اور اتنی جلدی ہُوا کہ وُہ سمجھ ہی نہ پائے کہ فوج کہاں سے آ گئی تھی۔ اصل میں یہ سپاہی شروع ہی سے اُن کا پیچھا کر رہے تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ اب اُنہیں موقع مل گیا اور اُنہوں نے اُنہیں گرفتار کر لیا۔

عنبر اور حبشی غلام سخت مایوسی کے عالم میں رسّیوں میں بندھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھے تھے اور واپس نینوا کی طرف
جا رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ شہزادے کی جان اب نہیں
بچائی جا سکتی۔ عنبر طلالہ کی روح کو نہیں بلا سکتا تھا۔ کیوں کہ
وہ دوسری بار کبھی بھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ سفر کرتے ہوئے
رات ہو گئی۔ سپاہیوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا اور آرام کرنے
لگے۔ انہوں نے جانو، عنبر اور شہزادے کو الگ الگ درختوں کے
ساتھ باندھ دیا۔ آگ جلا کر بکرے کا گوشت بھونا اور اسے کھانے
لگے۔ وہ کھا بھی رہے تھے اور خوشی سے قہقہے بھی لگا رہے تھے۔
آخر وہ تھک کر گہری نیند سو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہاتھ میں
تلوار لیے درختوں کے سامنے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر بندھا ہوا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح
شہزادہ اور حبشی غلام بھی بندھا ہوا تھا۔ ان کے لیے ہاتھ پاؤں
ہلانا بھی مشکل ہو رہے تھے۔ رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ انہیں
معلوم تھا کہ کوئی طاقت انہیں سپاہیوں کے شکنجے سے نجات
نہیں دلا سکتی۔ دو روز بعد وہ بخت نصر کے گورنر کے سامنے ہوں
گے۔ وہ شہزادے کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر بخت نصر کے
پاس بابل کو روانہ کر دے گا۔ یہ بڑی خوفناک بات تھی۔ عنبر نے
سوچا جب شہزادے کی والدہ کو معلوم ہو گا کہ اس کے بیٹے کا سر
کاٹ کر بابل لایا گیا ہے تو اس بے چاری دکھیاری ماں پر کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیامت نہیں گزرے گی ۔

عنبر یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا اور پہریدار سپاہی تلوار لیے اُس کے سامنے بیٹھا بڑے غور سے اُن تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ اچانک عنبر نے پہریدار کے پیچھے ایک سائے کو دیکھا ۔ یہ سایہ بڑے آرام سے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ پہلے تو عنبر نے اُسے اپنا وہم خیال کیا ۔ لیکن جب وہ سایہ پہریدار کے بہت قریب آ گیا تو عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک اُونچا لمبا کڑیل جوان تھا ۔ جس نے چہرے پر سیاہ نقاب پہن رکھی تھی ۔ اس اجنبی نقاب پوش کو سلیشی غلام اور شہزادے نے بھی دیکھ لیا تھا ۔ مگر وہ چپ تھے ۔ وہ خاموشی سے یہ دیکھ رہے تھے کہ نقاب پوش کیا کرنے وہاں آیا ہے ۔ پہریدار سپاہی کو بالکل علم نہیں تھا کہ اُس کے پیچھے اُس کی موت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے ۔

نقاب پوش بہت پھونک پھونک کر ریت پر قدم اُٹھا رہا تھا ۔ وہ اب پہریدار کے بالکل سر پر پہنچ چکا تھا ۔ اچانک اُس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا کر سپاہی کی گردن دبوچ لی ۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی کے ساتھ ہوا کہ سپاہی کی آواز تک نہ نکل سکی ۔ نقاب پوش نے سپاہی کا گلا دبانا شروع کر دیا اور اُس وقت چھوڑا جب وہ مر چکا تھا ۔ سپاہی کی لاش زمین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھ کر نقاب پوش آگے بڑھا اور عنبر کے درخت کے پیچھے جا کر اُس کی رسّیاں کھولنے لگا۔ عنبر آزاد ہو گیا تو ان دونوں نے مل کر حبشی غلام جانو اور شہزادے کی رسّیاں بھی کھول دیں۔ شہزادہ کچھ پُوچھنے لگا تو نقاب پوش نے اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا سپاہی بھُنا ہُوا گوشت کھانے کے بعد بے سُدھ ہو کر سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے۔ نقاب پوش نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارا کیا۔

وُہ دبے پاؤں چلتے نخلستان سے کافی دُور نکل آئے۔ یہاں چار گھوڑے ایک درخت سے بندھے تھے۔ اب نقاب پوش نے زبان کھولی اور کہا:

"مَیں نینوا کے شہزادے کو ادب سے سلام کرتا ہُوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ شہزادے کی جان بچانے کی سعادت مجھے نصیب ہُوئی"

حبشی غلام نے پُوچھا:

"اے اجنبی نقاب پوش، کیا تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ ہم مشکل میں پھنسے ہُوئے ہیں؟"

نقاب پوش نے اپنا نقاب اُتار دیا۔ وُہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

"میرا نام یُورکا ہے۔ مَیں زرکبیر سپہ سالار فوجِ نینوا کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدمت گار ہُوں اور شاہِ نینوا کی وفادار فوج کے دستے سے تعلق رکھتا ہُوں۔ مَیں زرکبیر کی تلاش میں قرطاجنہ جا رہا تھا کہ راستے میں آپ لوگوں کو بخت نصر کی فوج کے سپاہیوں کی قید میں دیکھا۔ مَیں نے شہزادے کو پہچان لیا اور اِس موقع کی تلاش میں رہا جب سپاہی سو جائیں اور آپ کو آزاد کرا سکوں۔"

عنبر نے کہا:

"ہم آپ کے شکر گزار ہیں معزز یورکا۔"

یورکا نے پُوچھا:

"کیا مَیں پُوچھ سکتا ہُوں کہ آپ کا نام کیا ہے اور آپ شہزادے کے ساتھ کس حیثیت سے سفر کر رہے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"میرا نام عنبر ہے اور مَیں حکیم ہُوں۔ مَیں شہزادے کا وفادار ہُوں اور چاہتا ہُوں کہ نینوا کا تخت شہزادے کو واپس دلایا جائے۔"

یورکا نے کہا:

"مَیں یہ سُن کر بہت خوش ہُوا ہُوں کہ آپ ہمارے شہزادے کے وفادار ہیں۔ یقیناً ہم ایک روز اپنا کھویا ہُوا تخت ضرور حاصل کریں گے اور شہزادے کو اپنا شہنشاہ بنائیں گے۔"

"ضرور۔" حبشی غلام نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے پوچھا :

" معزز یورکا، زرکیسر قرطاجنہ کس جگہ پر ہے ؟"

یورکا نے جواب دیا :

" مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ بخت نصر کے سپاہیوں نے ہماری کمین گاہ پر چھاپہ مار کر ہمارے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر دیا اور زرکیسر کو گرفتار کر کے لے گئی۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ یمن کے بادشاہ نے بخت نصر کے سپاہیوں کی مدد کی۔ کیونکہ وہ بخت نصر کی پھیلتی ہوئی سلطنت اور طاقت سے خوف زدہ ہے۔"

" زرکیسر کہاں پر قید ہے ؟"

" مجھے صرف اتنی خبر مل سکی ہے کہ وہ صوبہ قرطاجنہ میں کسی جگہ قید ہے اور بہت جلد اُسے شاہِ بابل کے دربار میں پیش کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ بخت نصر اُس کا سر کاٹ کر محل کے دروازے پر لٹکانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ صرف اپنے جشنِ تاجپوشی کا انتظار کر رہا ہے جو دو ماہ بعد ہے۔"

زرکیسر کی گرفتاری اور وفادار فوج کے سپاہیوں کے قتل کا حبشی غلام اور شہزادے کو بے حد دکھ ہوا۔

حبشی غلام نے کہا :

" اِس وقت ہماری حامی فوج کے سپاہیوں کی تعداد کتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگی ؟"

"وُہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ شاہ بابل کے جاسوس کتوں کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہیں۔ لیکن مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ قرطاجنہ جا کر زرکبیر کو رہا کرانے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد اپنی حامی فوج کے سپاہیوں کو اکٹھا کر کے نینوا کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

حبشی غلام نے کہا :

"دیوتا تمہیں تمہارے ارادوں میں کامیاب کرے۔"

عنبر نے کہا :

"یورکا، اگر تم بُرا نہ مانو تو کیا بتاؤ گے کہ قرطاجنہ میں تم سے کہاں ملاقات کی جا سکتی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ شہزادے کو بحفاظت یمن پہنچا کر مَیں بھی تمہارے ساتھ زرکبیر کی تلاش کروں گا اور اس سے ملاقات کروں گا۔"

یورکا نے کہا :

"مَیں قرطاجنہ شہر کے شمالی والی کاروان سرائے میں ایک مسافر کے بھیس میں ٹھہرا ہوں گا۔ تم مجھ سے وہاں ملاقات کر سکتے ہو، لیکن کیا تم لوگوں کو یقین ہے کہ یمن میں شہزادہ محفوظ ہاتھوں میں ہو گا ؟"

حبشی غلام نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یمن میں میرا ایک چچا رہتا ہے۔ اُس کے انگوروں کے باغ ہیں۔ وہ شاہ پرست ہے اور بہت بھروسے کا آدمی ہے اُس کا مکان شہر سے باہر محفوظ جگہ پر ہے۔"

یورکا نے کہا:

"پھر بھی مانو تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یمن کے سپاہی بھی شہزادے کی تلاش میں شاہ بابل کے سپاہیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔"

عنبر نے جب یورکا کو بتایا کہ شہزادے کی والدہ ملکہ نینوا بھی زندہ ہے اور بابل کے ایک سرحدی گاؤں کی حویلی میں قید کے دن گزار رہی ہے اور اُسی نے عنبر کو شہزادے کی تلاش میں بھیجا ہے تو یورکا بہت خوش ہُوا اور عنبر کی انسانی ہمدردی سے بہت متاثر ہُوا۔ اُس نے کہا:

"زرکسیر کو دشمنوں کی قید سے رہائی دلانے کے بعد ہم ملکہ عالیہ کو بھی آزاد کروالیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"ایسا ہی ہوگا۔"

نقاب پوش یورکا نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہُوئے کہا:

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ سپاہیوں کی آنکھ کھُل جائے۔ وہ شہزادے کو نہ پا کر ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری تلاش میں نکلیں گے!"

وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اُنہوں نے باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ باگیں ڈھیلی ہوتے ہی عمدہ نسل کے گھوڑے صحرائی رات میں ہوا کے ساتھ اُڑنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے ہی والا ہے۔ سورج مشرق سے نکلا ہی تھا کہ وہ ایک انگور کے سرسبز و شاداب باغ میں داخل ہو گئے۔ یہاں زمین سے ایک مرد اونچی لکڑی کے جنگلے کی چھت ڈال دی گئی تھی جس کے اوپر انگوروں کی بے شمار بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ سرخ انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ حبشی غلام نے خوش ہو کر کہا:

"دیوتاؤں کے کرم سے ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ باغ میرے چچا کا ہے اور اس کے کنارے پر اس کا مکان ہے"

یہ لوگ انگور کے باغ سے باہر نکلے تو سامنے ایک پتھروں کا بنا ہوا مکان تھا جس کی دیواروں پر سرخ پھولوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ آنگن میں ایک بھینس اور کچھ بکریاں چارہ کھا رہی تھیں دو چار مرغیاں ادھر ادھر دانہ دُنکا چن رہی تھیں۔ چولہے میں آگ جل رہی تھی اور اس کے اوپر کڑاہی میں پانی کھول رہا تھا۔ حالو نے لکڑی کے ایک تخت پوش پر عنبر اور شہزادے کو بٹھا کر کہا:

"آپ لوگ یہاں آرام کریں۔ میں چچا کو تلاش کر کے لاتا ہوں۔ وہ باغ میں کہیں کام کر رہا ہو گا"

آنگن میں ایک طرف گھوڑے باندھ دیے اور ان کے آگے چارہ ڈال کر حبشی غلام چچا کی تلاش میں باغ میں آ گیا۔ ایک جگہ اسے اپنا چچا زمین کھودتا ہوا مل گیا۔ وہ ادھیڑ عمر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا حبشی تھا جس کے بال کانوں پر سے سفید ہو رہے تھے۔ چچا اپنے بھتیجے کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ اس نے اسے گلے لگا لیا۔

"پیارے بھتیجے، تم کب اور کیسے آ گئے؟ دیوتاؤں کا شکر ہے کہ مَیں نے تمہاری پیاری صورت دیکھی۔ مجھے تو اطلاع ملی تھی کہ شاہ بابل کی ظالم فوج نے شاہی خاندان کے ساتھ اس کے تمام وفادار غلاموں کو بھی قتل کر دیا ہے۔"

"پیارے چچا جان، دیوتاؤں کو میری زندگی منظور تھی جو بچ گیا؛ ورنہ ظالم سپاہیوں نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آپ کو یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ شہزادہ سلامت بھی بچ گیا ہے۔"

"اچھا، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہاں ہے شہزادہ؟"

"میرے ساتھ ہے۔"

"ہیں، تمہارے ساتھ ہے؟ کہاں؟"

"آپ کے مکان کے آنگن میں ہمارے ایک وفادار ساتھی عنبر کے ساتھ بیٹھا ہے۔"

"چلو، میں چل کر اپنے شہزادے کا دیدار کرتا ہُوں۔"

"آئیے، وُہ بھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

مانو کا چچا بڑی خوشی خوشی باغ سے نکل کر اپنے گھر کے آنگن میں آ گیا۔ اُس نے جُھک کر شہزادے کو سلام کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کا ہاتھ چوما۔ اس کے بعد وُہ عنبر سے گلے لگ کر ملا اور بولا:

"مجھے شہزادے کے وفادار ساتھی سے مل کر بہت خوشی ہُوئی ہے۔ وُہ دن دُور نہیں جب ہم سارے وفادار ایک جگہ جمع ہو کر حملہ کر کے شہزادے کو اُس کا کھویا ہُوا تخت دِلوا دیں گے۔"

چچا نے اُسی وقت ایک بھیڑ ذبح کر کے اُسے بھُون ڈالا۔ مکی کے آٹے کی روٹی بنائی اور سُرخ انگوروں سے بھرا ہوا طشت اور چشمے کا ٹھنڈا پانی اپنے مہمانوں کے آگے رکھ دیا۔ عنبر نے کہا:

"ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں چچا کہ آپ نے ہماری خلوص کے ساتھ مہمانی کی۔"

"یہ تو میرا فرض ہے بیٹے، اور پھر آپ لوگ تو میرے اپنے آدمی ہیں اور ہمارے معزز شہزادے کو ظالم دشمن کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں۔"

کھانے پر بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ عنبر نے اپنی تسلی کے لیے پُوچھا:

"چچا، کیا آپ کو یقین ہے کہ شہزادہ یہاں محفوظ ہوگا اور کسی جاسوس کو خبر نہیں ہوگی؟"

"کیوں نہیں بیٹا، یہ جگہ شہر سے باہر واقع ہے اور پھر میں یمن کی فوج کو ہر موسم میں مُفت انگور دیا کرتا ہُوں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تجھ پر بے حد بھروسہ کرتے ہیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے چچا۔ لیکن فوج کے سپاہی یہاں بھی تو کبھی کبھی آتے ہوں گے؟"

"اُنہیں یہاں آنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اُنہیں ضرورت کی ہر شے قلعے میں بیٹھے بیٹھے مل جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، مگر شہزادے کی رہائش کہاں پر ہو گی؟ کیوں کہ شہزادے کا یوں کھلے بندوں اِس مکان اور باغ میں چلنا پھرنا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اِس لیے کہ جاسوس جگہ جگہ شہزادے کی بُو سُونگھتے پھرتے ہیں۔"

"آپ کا اندیشہ صحیح ہے عنبر بیٹے، شہزادہ یوں کھلے بندوں نہیں پھرے گا۔ مَیں شہزادہ سلامت کو ایک خاص جگہ رکھوں گا۔ کھانے کے بعد مَیں تم لوگوں کو وہ جگہ دکھاؤں گا۔"

کھانے سے فارغ ہو کر چچا عنبر کو ساتھ لے کر مکان کے اندر آ گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت سجا ہُوا تھا۔ جگہ جگہ بدخشاں اور افریقہ کے قیمتی قالین بچھے ہُوئے تھے۔ چچا عنبر کو مکان کی سب سے پچھلی کوٹھڑی میں لے گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ چچا نے شمع روشن کر کے ہاتھ میں تھام لی اور کونے میں سے قالین اُٹھا کر فرش کا پتھر ایک طرف ہٹا دیا۔ پتھر کے ہٹتے ہی نیچے سیڑھیاں نمودار ہُوئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ بیٹا۔"

عنبر چچا کے پیچھے پیچھے سیڑھی کے زینے اُترنے لگا۔ زینہ ایک جگہ پہنچ کر ختم ہو گیا۔ یہاں چچا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ تو اندر روشن دان میں سے ہلکی ہلکی روشنی اور تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا کمرہ بہت سجا ہُوا تھا۔ پلنگ پر ریشمی بستر لگا تھا۔ زمین پر قالین بچھے تھے۔ دیواروں پر بھی قالین لٹکے ہُوئے تھے۔ تپائیوں پر مٹی کی لمبوتری صراحیاں رکھی تھیں جو ٹھنڈے پانی سے بھری ہُوئی تھیں۔ چچا نے پُوچھا:

"کیوں بیٹا یہ کمرہ شہزادے کے لیے کیسا رہے گا؟"

"بہت محفوظ رہے گا چچا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اِس روشندان میں سے روشنی اور ہوا کہاں سے آ رہی ہے؟ کیا اِدھر سے کسی شخص کی نظر نہیں پڑ سکتی؟"

یہ روشندان تھا جسے تم دیکھ رہے ہو۔ مکان کے پچھواڑے گھنے باغ کی جھاڑیوں میں کھلتا ہے۔ وہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ یہ جگہ جھاڑیوں اور گھنی گنجان گھاس میں چھپی ہُوئی ہے۔ میں نے صرف روشندان کے پاس سے گھاس صاف کر دی ہے۔"

"کیا میں باہر سے اِسے دیکھ سکتا ہُوں؟"

"کیوں نہیں، آؤ میرے ساتھ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چچا عنبر کو ساتھ لے کر مکان کے پچھواڑے آ گیا اور بولا :

"کیا تم روشندان کو تلاش کر سکتے ہو؟ یقین کرو وہ تم سے دو قدم کے فاصلے پر ہے۔"

عنبر نے بہت تلاش کیا مگر اُسے روشندان کا کہیں بھی سُراغ نہ ملا۔ آخر چچا نے مُسکراتے ہُوئے ایک جگہ سے جھاڑیوں کو پیچھے ہٹایا تو آگے گھاس کا ڈھیر تھا۔ ڈھیر کے عقب میں گئے تو وہاں درخت کی بڑی بڑی شاخوں کے نیچے روشندان نظر آیا۔

"کیا یہاں کسی کی نظر پڑ سکتی ہے بیٹا عنبر؟"

"یہ بڑی محفوظ جگہ پر ہے چچا!"

عنبر کو ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تھا کہ شہزادے کی زندگی کو وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اُس نے اور حبشی غلام نے شہزادے کو ساتھ لیا اور تہہ خانے کے کمرے میں آ گئے۔ یہاں شہزادے کے لیے بستر پر مزید ریشمی گدے ڈال کر اُسے اور زیادہ آرام دہ بنا دیا گیا۔ شہزادے کی ضرورت اور آرام کی ہر شے وہاں رکھ دی گئی۔ وہ رات شہزادے نے تہہ خانے میں اور عنبر اور مانو نے گھر کے دُوسرے کمرے میں بسر کی۔

صبح ہوئی تو عنبر نے اجازت طلب کی۔ چچا نے بہت کہا کہ وہ دو چار روز اور ٹھہر کر آرام کرے مگر عنبر راضی نہ ہوا۔ وہ بہت جلد قرطاجنہ جا کر یورکا سے ملنا چاہتا تھا تاکہ زبیدہ کے

دشمن کی قید سے رہائی دِلائی جا سکے اور پھر ملکہ کو رہا کروا کر شہزادے کے پاس پہنچایا جاتے۔ اِس کام کے لیے وقت بہت کم تھا اور اگر وُہ آرام کرنے بیٹھ جاتا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

"چچا، یہ وقت آرام کا نہیں، کام کا ہے۔ مجھے زرکبیر کو رہا کروانا ہے اور پھر ملکہ کو بھی دشمنوں کے پنجے سے بچا کر یہاں لانا ہے۔"

چچا نے جُھک کر کہا:

"زہے نصیب کہ میرے غریب خانے پر نینوا کی ملکہ تشریف لائے وُہ دِن میرے لیے خوش قسمت ترین دن ہوگا۔ مگر کیا بیٹے تم اکیلے ملکہ کو رہا کرا سکو گے؟"

"ربِ عظیم کی مدد شاملِ حال رہی تو میں ضرور ایک روز ملکہ عالیہ کو یہاں لے کر آؤں گا۔"

"دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں۔"

عنبر نے شہزادے کو سلام کیا۔ چچا اور حبشی غلام جانو سے گلے لگ کر ملا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سفر کو ملک قرلی جنبہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ حبشی غلام اُسے چھوڑنے انگوروں کے باغ تک آیا۔ انگور کا باغ ختم ہُوا تو جانو سلام کر کے واپس چلا گیا۔ عنبر کا اب اکیلے سفر شروع ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ قرطاجنہ اس سے پہلے بھی جا چکا تھا۔ عمدہ نسل کے گھوڑے پر قرطاجنہ کا شہر وہاں سے چار روز کے سفر پر تھا۔ یہ راستہ زیادہ تر پہاڑوں اور وادیوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس اعتبار سے یہ سفر زیادہ کٹھن نہیں تھا۔ اُسے راستے میں جگہ جگہ پانی اور گھوڑے کے لیے گھاس ملتا رہا اور وہ سفر کرتا رہا۔ وہ رات کو کچھ دیر آرام کرتا اور منہ اندھیرے اُٹھ کر پھر سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چوتھے روز صبح صبح وہ سفر پر چلا تو راستے میں ایک چٹان کے پہلو میں اُسے ایک جھونپڑا نظر آیا۔ اُسے پیاس لگی تھی۔ راستے میں کسی جگہ بھی کوئی چشمہ نہیں ملا تھا۔ عنبر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُس نے آواز دے کر پوچھا کہ وہاں کوئی ہے؟ اُس کی آواز پر اندر سے ایک بوڑھی عورت باہر نکلی۔ اُس نے پوچھا:

”تم کون ہو اجنبی، اور کیا چاہتے ہو؟“

عنبر نے کہا کہ وہ ایک مسافر ہے۔ ملک شام سے چل کر قرطاجنہ جا رہا ہے۔ اُسے پیاس لگی ہے۔

بوڑھی عورت نے عنبر کو پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پانی لینے جھونپڑے میں چلی گئی۔ عنبر جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا کہ ایک گھوڑ سوار سپاہی وہاں آ کر رک گیا۔ اس اثنا میں عورت پانی لے کر باہر آ گئی تھی۔ سپاہی نے عورت سے کہا:

”اماں، اپنے بیٹے سے کہنا۔ شام کو گورنر قرطاجنہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن پیو ریشہ کا بنا بھر کر پہنچا دے۔ شاہی حکیم نے دوا
تائی ہے۔"

"بہت اچھا بیٹے، کیا گورنر ابھی ٹھیک نہیں ہُوا؟"

"اُس کی بیماری لمبی ہو رہی ہے اماں، سب حکیموں نے
جواب دے دیا ہے۔"

عنبر کو یہ موقع بڑا اچھا لگا۔ اُس نے جھٹ پُوچھا:

"گورنر قرطاجنہ کو کیا بیماری ہے اے معزز سردار؟"

سپاہی نے کہا:

"اُس کو زرد بخار ہے۔ وُہ دس روز سے بے ہوش پڑا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"کیا آپ مجھے موقع دیں گے کہ مَیں گورنر کا علاج کروں۔ میں
بھی ایک حکیم ہُوں اور زرد بخار والے کو اچھا کر سکتا ہُوں۔"

"اگر یہ بات ہے تو تم ابھی میرے ساتھ آؤ۔ اگر تمھاری دوائی
سے گورنر اچھا نہ ہوا تو تمھیں جیل میں ڈال دیا جائے گا جہاں پہلے
ہی دس حکیم گل سڑ رہے ہیں۔"

"مُجھے یہ شرط منظور ہے۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔"

سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر قرطاجنہ کی طرف چل پڑا۔ قرطا
وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ سپاہی محل کے محافظ دستے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردار تھا۔ اُس کو دیکھتے ہی شہر کے دروازے پر کھڑے سپاہیوں نے جُھک کر سلام کیا۔ وہ شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ گورنر کا محل شہر کے وسط میں تھا۔ شہر میں بڑی رونق تھی۔ دکانوں پر ہر قسم کے ریشم، خوشبوئیں، تیل، گرم مصالحے اور کھانے کی چیزیں بک رہی تھیں۔ چوک میں جگہ جگہ پھلوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ سردار کو دیکھ کر لوگ جُھک جُھک کر سلامیں کر رہے تھے۔ سردار عنبر کو لے کر محل میں داخل ہو گیا۔ عالی شان محل کے ایک ریشمی پردوں والے پُرسکون اور شاندار کمرے میں گورنر قرطاجنہ مسہری پر بے ہوش پڑا تھا اور شاہی حکیم اُس کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اردگرد گورنر کی بیوی اور بچے غمگین صورتیں لیے پریشان کھڑے تھے۔ شاہی حکیم نبض دیکھ کر فارغ ہوا تو سردار نے عنبر کو آگے بڑھنے کا اشارا کیا۔

عنبر کے سیدھے سادے لباس کو دیکھ کر شاہی حکیم نے نفرت کا اظہار کیا۔

"یہ فقیر کون ہے۔ اِسے یہاں آنے کی اجازت کس نے دی؟"

سردار نے کہا:

"اِسے مَیں لایا ہُوں۔ یہ مُلک افریقہ کا حکیم ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے علاج سے گورنر اچھا نہ ہُوا تو بے شک مجھے قید خانے میں ڈال دیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ جاہل آدمی اتنے بڑے گورنر کا کیا علاج کرے گا بھلا؟" شاہی حکیم نے نفرت سے منہ پھیرتے ہُوئے کہا۔ عنبر کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے آگے بڑھ کر اُس نے بے ہوش گورنر کو غور سے دیکھا۔ گورنر کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک آنکھ کا پپوٹا اُٹھا کر دیکھا۔ آنکھوں کا رنگ بھی پیلا ہو رہا تھا۔ عنبر نے نبض دیکھی۔ نبض بہت تیز چل رہی تھی۔ عنبر سمجھ گیا کہ گورنر کی بیماری شدید حالت تک پہنچ چکی ہے۔ اُس نے اپنے تھیلے میں سے ایک ہرے رنگ کی شیشی نکالی۔ چاندی کے گلاس میں اُس کے چند قطرے ٹپکا کر پانی ملا دیا۔ یہ زرد بخار کا تریاق تھا۔ اُس نے اِسی دوائی سے افریقہ میں کئی لوگوں کا زرد بخار اچھا کر دیا تھا۔ عنبر نے اُس عرق کے چند گھونٹ سونے کی ایک نلکی کے ذریعے گورنر کے حلق میں انڈیل دیے۔ اب وہ دوائی کے اثر کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے سفید کپڑا منگوا کر گورنر کے ماتھے کو صاف کیا اور ایک مرہم ماتھے پر بھی لگا دی۔

عجیب کرامت ہُوئی۔ گورنر جو اتنے روز سے بخار میں بے ہوش پڑا تھا، ذرا سا ہلا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ پھر پلکیں جھپکا کر آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے بیوی بچے خوشی سے اُس سے لپٹ گئے۔ سردار بھی خوش ہُوا کہ اُس کے لائے ہُوئے حکیم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علاج سے گورنر کو ہوش آ گیا۔ شاہی حکیم اندر ہی اندر جل بُھن گیا۔ گورنر نے آہستہ سے پُوچھا :

"کیا میں زندہ ہُوں ؟"

عنبر نے کہا :

"گورنر صاحب، آپ زندہ ہیں، زندہ رہیں گے۔ آپ کا بخار ٹُوٹ چُکا ہے ۔"

"تم — تم کون ہو ؟"

سردار نے جُھک کر کہا :

"حضور، یہ ایک حکیم ہے۔ اِسی کی دوائی نے آپ کو اچھا کیا ہے ۔"

"اِس حکیم کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دیا جائے ۔"

"حضور، آپ آرام کریں۔ زیادہ نہ بولیں ۔"

عنبر نے سردار سے کہا کہ اِس دوائی کی ایک خوراک شام کو بھی پلا دی جائے۔ اب میں جاتا ہُوں۔

سردار نے پُوچھا کہ وُہ کہاں پر ٹھہرے گا ؟ عنبر نے کہا کہ وہ اِس شہر میں اجنبی ہے اور کسی کو نہیں جانتا۔ سردار نے کہا :

"تم شاہی مہمان خانے میں شاہی مہمان بن کر ٹھہرو گے۔ کل تمہیں پھر گورنر کو دیکھنے آنا ہو گا ۔"

"جیسے آپ کی مرضی ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ یہاں اُس نے بڑے سکون اور آرام کے ساتھ رات بسر کی۔ ساری رات وُہ سوچتا رہا کہ صبح چل کر یورکا کو تلاش کیا جائے گا۔ یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ اُس کو گورنر کی ہمدردیاں حاصل ہو گئی تھیں۔ اب وُہ شاہی محل میں بلا روک ٹوک پھر سکتا تھا اور بڑی آسانی سے زرکبیر کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ اگلے روز صبح صبح وُہ گورنر کو دیکھنے اُس کے کمرے میں گیا۔ گورنر اُس کی دوائی سے بالکل اچھا ہو گیا تھا اور اپنی مسہری پر بیٹھا بچوں سے کھیل رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اُس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"یہاں آؤ حکیم، مَیں تمہیں گلے لگا کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہُوں۔ لیکن مَیں صرف زبانی شکریہ ادا نہیں کروں گا۔ مَیں تمہارا گھر دولت سے بھر دوں گا۔ تم کون ہو اور یہاں کہاں ٹھہرے ہُوئے ہو؟"

"حضور، ابھی تک تو مَیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا ہُوا ہُوں۔ مَیں ملک افریقہ سے روزی کمانے یہاں آیا ہُوں"

"آج سے تم ہمیشہ ہمارے شاہی مہمان خانے میں رہو گے اور ہمارا اور ہمارے بچوں کا علاج کیا کرو گے۔ اِس کے عوض تم جو چاہو گے، تمہیں ملتا رہے گا"

عنبر نے جُھک کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حضور کی عنایت ہے؛ ورنہ میں اِس لائق نہ تھا"

"نہیں نہیں، تم ایک لائق حکیم ہے۔ اس سے پہلے ہر حکیم نے ہمارا علاج کیا اور ناکام رہے۔ ہماری بیماری تو شاہی حکیم کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔"

عنبر نے گورنر کی نبض دیکھی۔ اُسے دوا دی اور واپس مہمان خانے میں آ گیا۔ اب وہ جلدی سے جلدی کاروان سرائے میں یورکا سے ملاقات کرنا چاہتا تھا؛ چناں چہ مہمان خانے میں واپس آتے ہی اُس نے لباس تبدیل کیا۔ دواؤں کا تھیلا کمرے میں رکھ کر اُسے تالا لگایا اور شہر کے شمال میں کاروان سرائے کی طرف چل پڑا۔ پُوچھتے پُوچھتے وہ کاروان سرائے پُہنچ گیا۔

کاروان سرائے کے چھجّے پر انگور کی بیلوں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ باہر دو شکاری کُتّے بندھے ہُوئے تھے جنھوں نے عنبر کی طرف غرّا کر دیکھا۔ سرائے کا مالک ایک لکڑی کے تخت پر بیٹھا تیتر کو دانہ ڈال رہا تھا۔ عنبر نے اُس سے پُوچھا:

"یہاں ایک سوداگر ٹھہرا ہوا ہے جو مُلک یمن سے آیا ہے اور خوش شکل جوان ہے۔ نام اُس کا یورکا ہے۔"

"تم اُسے ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں مل سکتے ہو:"

عنبر شکریہ ادا کر کے ڈیوڑھی سے گزر کر ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے یورکا نے پوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون ہے باہر؟"

عنبر نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا:

"میں ہوں عنبر، دروازہ کھولو۔"

یورکا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ عنبر کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ عنبر کھجور کی چٹائی پر بیٹھ گیا اور اُس نے پوچھا۔

"کیا زرکیسر کے بارے میں کچھ معلوم ہوا کہ وہ کہاں قید ہے؟"

یورکا نے کہا:

"ابھی تک صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ شاہی محل کے تہہ خانے میں بند ہے اور اُس پر بڑا سخت پہرہ لگا ہوا ہے کسی کو اُس کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ صرف ایک پہریدار اُس کے پاس آجا سکتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے گورنر کے شاہی محل تک تو رسائی حاصل ہو گئی ہے۔"

"وہ کیسے؟" یورکا نے حیرانی سے پوچھا۔

عنبر نے شروع سے لے کر آخر تک اُسے سارا واقعہ سنا دیا۔

یورکا بہت خوش ہوا۔ اِس لیے کہ زرکیسر کی رہائی کے سلسلے میں ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ وہ شاہی محل تک تو پہنچ گئے تھے۔ عنبر نے زرکیسر کو سمجھایا کہ وہ کل اُس کے پاس شاہی مہمان خانے میں آئے۔ وہ سردار پر یہ ظاہر کرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاکریور کا اس کا شاگرد ہے اور افریقہ سے جڑی بوٹیاں لے کر آیا ہے۔ پھر وہ اُسے گورنر سے بھی ملائے گا۔ یوں وہ اُس کو ساتھ لے کر گورنر کے شاہی محل میں جاتا رہے گا اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت زرکیسر سے ملنے کی کوشش کی جائے گی۔

"یہ خیال بہت اچھا ہے۔ میں کل ہی تمہارے پاس جڑی بوٹیوں کی ٹوکری لے کر شاہی مہمان خانے پہنچ جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد زرکیسر کو رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھی رات کو حملہ

دوسرے دن یورکا عنبر سے ملنے شاہی مہمان خانے پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھ جنگلی جڑی بوٹیوں سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا بھی لایا۔ عنبر نے سپاہیوں کے سامنے گلے مل کر اس کا خیر مقدم کیا اور سردار سے یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ یہ اس کا شاگرد یورکا ہے اور ملک افریقہ سے اس کے لیے جنگلی جڑی بوٹیاں لے کر آیا ہے۔ شام کو وہ گورنر کو دیکھنے شاہی محل گیا تو یورکا کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ اس نے یورکا کو گورنر سے ملایا اور کہا:

"حضور، یہ میرا ہونہار شاگرد ہے۔ عمر میں مجھ سے برابر ہے مگر حکمت کا بہت شوق رکھتا ہے۔ رب عظیم نے چاہا تو ایک سال میں پورا طبیب بن جائے گا۔"

گورنر نے خوش ہو کر یورکا سے ہاتھ ملایا اور اسے بھی انعام و اکرام دینے کا اعلان کیا۔ یورکا، عنبر کے کہنے پر گورنر کے لیے اپنے ساتھ بہت سے تحفے تحائف بھی لے گیا تھا۔ اب عنبر دن کا زیادہ حصہ شاہی محل میں یورکا کے ساتھ بسر کرتا۔ وہ شاہی باغ میں مختلف جڑی بوٹیوں پر یوں ہی غور کرتے رہتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ وہ جنگلی بوٹیوں پر تحقیق کر رہے ہیں۔ کیونکہ شاہی باغ میں افریقہ اور عجم کے ملکوں کے بڑے بڑے عجیب و غریب درخت لگے ہوئے تھے۔ حقیقت میں وہ اِس بات کے سُراغ میں تھے کہ تہہ خانے کو راستہ کدھر سے جاتا ہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا مگر وہ تہہ خانے کا راستہ تلاش نہ کر سکے۔

اس دوران میں عنبر نے محل کے سپاہیوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ وہ ہر جگہ بے روک ٹوک آ جاتا۔ کوئی اسے کچھ نہ کہتا۔ ویسے بھی وہ گورنر قرل جنہ کا چہیتا حکیم تھا۔ اُس نے پھر سے گورنر کو نئی زندگی دی تھی؛ وگرنہ وہ کب کا مر چکا ہوتا۔ اس کے باوجود اسے وہ جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں زرکیر کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔ اس کا یہ مسئلہ بھی قدرت نے خود ہی حل کر دیا۔ ہوا یوں کہ زرکیر خود قید خانے میں بیمار پڑ گیا۔ پہلے تو کسی نے پروا نہ کی مگر جب اس کا بخار شدت اختیار کر گیا تو گورنر کو فکر دامن گیر ہوا۔ کیونکہ شاہ بابل بخت نصر کے جشنِ تاجپوشی تک زرکیر کا زندہ رکھا جانا بہت ضروری تھا۔ اُس روز بادشاہ نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کرنا تھا۔ گورنر کو کسی حکیم پر اعتبار اور بھروسہ نہیں تھا۔ اُسے عنبر کا خیال آیا۔ کیوں نہ اُس سے زرکیہ کا علاج کرایا جائے۔ وہ اِس محل میں اجنبی ہے۔ اُسے زرکیہ سے کیا دلچسپی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو سکتی ہے ؛ حالاں کہ اُسے کیا معلوم تھا کہ اس محل میں عنبر کو سب سے زیادہ دلچسپی اگر کسی شے سے تھی تو وہ زرکیر تھا۔ وہ محل کے باغ میں یورکا کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ شاہی سپاہی نے آکر اُسے کہا کہ گورنر قرطاجنہ اُسے یاد کر رہا ہے۔

عنبر فوراً گورنر کے محل میں پہنچ گیا۔ گورنر نے کہا :

"عنبر، ہم تم سے ایک خاص کام لینا چاہتے ہیں۔ چوں کہ ہم تم پر بہت بھروسہ کرتے ہیں اِس لیے تمہیں ہی اِس کام کے لیے چُنا ہے۔"

عنبر نے کہا :

"حضور، آپ کام بتائیے۔ میں آپ کے اعتماد کو ہرگز ہرگز ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔"

"تو غور سے سُنو، ہمارے پاس ہمارے شہنشاہ شاہِ بابل کا ایک خاص قیدی بطور امانت رکھا ہُوا ہے۔ ایک ماہ بعد ہمیں اِس قیدی کو بادشاہ کے جشنِ تاجپوشی پر واپس کرنا ہے۔ ہمارا یہ خاص قیدی زرد بخار میں مبتلا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم اُس کا علاج کرو، لیکن سوائے تمہارے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔"

عنبر دل ہی دل میں بے حد خوش ہوا۔ اُس کا کام تو خود گورنر قرطاجنہ کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی دلی خوشی چھپاتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا:

"ایسا ہی ہوگا حضور، قیدی کا راز سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا۔ لیکن حضور سے اپنے شاگرد کے بارے میں ضرور اجازت چاہوں گا۔ اس لیے کہ میں اُس کو دُکھی اور بیمار لوگوں کی تیمار داری کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ چاہتا ہُوں کہ وہ ہر مریض کو میرے ساتھ دیکھے تاکہ اُسے بھی تجربہ حاصل ہو۔

گورنر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:

"اگر تم سمجھتے ہو کہ وُہ کسی سے بات نہیں کرے گا تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔"

عنبر نے فوراً کہا:

"حضور، ملور کا ہر وقت میرے پاس شاہی مہمان خانے یا پھر شاہی باغ میں رہتا ہے۔ وُہ شہر کبھی نہیں جاتا۔ اس کا یہاں کوئی جاننے والا ہی نہیں ہے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔ اس کی ذمّے داری لیتا ہُوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، تم ابھی سپاہیوں کے ساتھ قید خانے جا کر مریض کو دیکھو۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر حضور، میں ابھی دواؤں کا تھیلا لے کر حاضر ہوتا ہُوں۔"

عنبر گورنر قرطاجنہ سے اجازت لے کر باغ میں آ گیا جہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورکا بے کار بیٹھا مکھیاں اُڑا رہا تھا اور سپاہیوں پر اپنی علمیت ظاہر کرنے کے لیے ایک بوٹی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے آتے ہی کہا :

"میرے ساتھ مہمان خانے تک چلو یورکا۔ ایک بہت ضروری کام آن پڑا ہے۔"

یورکا پوچھنے ہی والا تھا کہ کیا ضروری کام آن پڑا ہے کہ عنبر اُسے گھسیٹتا ہُوا اپنے ساتھ شاہی مہمان خانے کی طرف لے گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کر دیا اور خوش ہو کر بولا :

"ہمارا مسئلہ اپنے آپ حل ہو گیا ہے یورکا۔"

"وہ کیسے ؟"

عنبر نے گورنر کے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ ساری کی ساری بیان کر دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ اُس نے یورکا کو ساتھ رکھنے کی بھی اجازت حاصل کر لی ہے۔ یورکا خوشی سے اُچھل پڑا۔

"یہ تو بہت بڑا معرکہ سر ہو گیا ہے عنبر، مَیں ابھی تمہارے ساتھ چل کر زرکیسر سے ملتا ہُوں۔"

"نہیں نہیں، ابھی تمہاری ملاقات کا وقت نہیں آیا۔ پہلے مَیں اُس سے مِل کر بات کرتا ہُوں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زرکیسر تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے کچھ کہہ دے اور سپاہیوں کو شک ہو جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”یہ ٹھیک ہے، تم خود اس سے ملو اور کہو کہ یورکا بھی میرے ساتھ محل میں موجود ہے۔“

عنبر دواؤں کا تھیلا لے کر گورنر کے محل میں پہنچ گیا جس نے بڑے محافظ اور پہریداروں کے سردار کو حکم دیا کہ عنبر کو ساتھ لے کر قید خانے میں جائے اور مریض کا علاج کرایا جائے۔ سردار نے سر جھکا کر سلام کیا اور عنبر کو ساتھ لے کر قید خانے کی سمت چل پڑا۔ محل کے کئی برآمدوں، غلام گردشوں اور کمروں سے گزر کر وُہ ایک جگہ سے سیڑھیاں اُتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئے۔

یہاں ایک اور دروازہ تھا۔ جہاں ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے سردار کو آتے دیکھ کر جھٹ دروازہ کھول دیا۔ اس دروازے کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ اس اندھیر کوٹھڑی کا تھا جہاں زرکسیز، نینوا کی شکست کھائی ہُوئی شاہی فوج کا سپہ سالار قید کی حالت میں اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔ زرکسیز ایک پتھر کے چبوترے پر بیٹھا تھا۔ جس پر کھجور کی چٹائی بچھی تھی۔ زرکسیز نے ایک لمحے کے لیے اُن لوگوں کو دیکھا جو اُس کی کوٹھڑی میں داخل ہُوئے تھے اور پھر سر جُھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ زرکسیز کا لباس پھٹا ہُوا اور مَیلا کچیلا ہو رہا تھا۔ وہ بخار میں تھا مگر اس کے اندر اتنا حوصلہ تھا کہ وہ لیٹنے کی بجائے بیٹھا ہُوا تھا۔ سردار نے کہا:

”زرکسیز! گورنر قرطاجنہ کی جانب سے یہ شاہی حکیم تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علاج کے لیے آیا ہے۔ اس کے علاج سے تمہارا بخار جاتا رہے گا اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔"

زرکبیر نے طنز کے انداز میں کہا:

"اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ جس کی قسمت میں بہت جلد جلّاد کا کلہاڑا لکھا ہے اُس کا علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

سردار بولا:

"میں یہاں تم سے بحث کرنے نہیں آیا۔ یہ حکیم تمہارا علاج کرے گا۔ تمہیں شاہ بابل کے جشن تاجپوشی تک ہر حالت میں زندہ رہنا ہے۔"

زرکبیر کہنے لگا:

"اس شاہی مسخرے حکیم کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور مجھے قدرتی موت مرنے دو۔ میں تمہارا علاج نہیں کراؤں گا۔"

عنبر نے حالات کا رُخ کسی اور طرف جاتے دیکھا تو سردار کے کان میں کہا:

"سردار، یہ شخص بہت ضدی معلوم ہوتا ہے۔ آپ باہر کھڑے ہو جائیں۔ میں خود اسے سیدھی راہ پر لے آؤں گا۔"

"بہتر — مگر یاد رکھنا۔ زرکبیر کا تندرست ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ گورنر قرطاجنہ کا حکم ہے۔"

"میں خوب جانتا ہوں سردار، آپ فکر نہ کریں۔ زرکبیر بالکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحت مند ہو جائے گا!"

سردار کوٹھڑی سے باہر نکل کر سلاخوں کی دوسری طرف پہریدار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے دواؤں کا تھیلا پتھر کے چبوترے پر رکھا اور دوائیں نکالتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا:

"میں ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں زرکسیر!"

زرکسیر جو کہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور بخار میں پھنک رہا تھا، سرگوشی پر چونکا اور عنبر کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ عنبر نے دوائی کی شیشی نکال کر چبوترے پر رکھی اور زرکسیر کی نبض دیکھتے ہوئے بولا:

"میری طرف حیرانی سے مت دیکھو۔ سردار کو شک گزرے گا۔ بس خاموش بیٹھے رہو اور سنو — میں ایک خاص مقصد لے کر اس محل میں آیا ہوں اور وہ مقصد تمہیں یہاں سے رہا کروانا ہے۔ ملکہ زندہ ہے۔ شہزادہ ہاروت بھی زندہ ہے۔ شہزادے کو ہم نے ایک محفوظ مقام پر رکھا ہوا ہے۔ ملکہ بابل کے ایک قصبے میں قید ہے۔ میں اس سے مل کر آ رہا ہوں۔ یورکا بھی میرے ساتھ ہے۔"

زرکسیر بڑی حیرانی اور خوشی کے ساتھ عنبر کی دھیمی دھیمی سرگوشی سن رہا تھا۔ پھر عنبر نے اونچی آواز میں کہا:

"آپ لیٹ جائیں۔ بیٹھے رہنے سے آپ کا بخار زیادہ تیز ہو جائے گا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرکیسر عنبر کے کہنے کے مطابق چبوترے پر لیٹ گیا۔ عنبر نے کٹورے میں دوائی ڈال کر زرکیسر کو پلائی۔ یہ دوائی بہت اعلےٰ دوائی تھی اور عنبر کو یقین تھا کہ راتوں رات زرکیسر کا بخار ٹوٹ جائے گا۔ اُس نے سرگوشی میں کہا:

"مَیں کل پھر آؤں گا۔ میں اور یورکا آج رات کوئی منصوبہ تیار کریں گے کہ تمہیں یہاں سے کس طرح رہا کرایا جائے۔"

عنبر نے دوائیاں تھیلے میں رکھیں اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ سردار اُس سے بہت خوش تھا کہ اُس نے زرکیسر کو دوائی پینے پر آمادہ کر کے اسے دوا پلا دی۔ عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا یورکا کے پاس آیا اور اسے ساری بات سُنا دی۔ یورکا نے کہا:

"اب سوال یہ ہے کہ زرکیسر کو یہاں سے کیسے نکالا جائے؟"

"یہی بات غور کرنے کے لائق ہے۔ قید خانے کے باہر بڑا سخت پہرہ ہے۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ پہریداروں کی حمایت حاصل کی جائے۔ مگر ایسا ہو نہ سکے گا۔ ویسے بھی اس میں بات کے کھل جانے کا خطرہ ہے اور اگر کسی کو اس کی بھنک بھی پڑ گئی کہ ہم یہاں زرکیسر کو آزاد کرانے آئے ہیں تو گورنر فوراً ہم دونوں کی گردنیں قلم کروا دے گا۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے اس سلسلے میں کل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرکبیر سے ملاقات کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔"

دُوسرے روز عنبر یورکا کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اِس خیال سے کہ زرکبیر کو عنبر کی باتوں پر یقین آجائے۔ یورکا کو دیکھ کر زرکبیر کو بے حد خوشی ہُوئی۔ اب اُسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ لوگ واقعی اُسے وہاں سے آزاد کرانے کے لیے آئے ہیں۔ اُس کا بخار بھی ٹوٹ چُکا تھا۔ مگر عنبر نے سردار کو یہی ظاہر کیا تھا کہ ابھی مریض کو بلا ناغہ دوائی پلانے اور اُس کی دیکھ بھال کی اشد ضرورت ہے۔ عنبر اور یورکا زرکبیر کے پاس بیٹھے اُسے دوائی پلا رہے تھے۔ یورکا زرکبیر کے ماتھے کی مالش کر رہا تھا۔ سردار حسبِ معمول باہر چلا گیا تھا۔ اُس کے ذہن وگمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ یہ لوگ زرکبیر کو وہاں سے بھگا کر لے جانے کے لیے آئے ہیں۔

یورکا نے سرگوشی میں زرکبیر سے کہا:

"ہماری وفادار فوج کے سپاہی یمن کے سرحدی گاؤں میں ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ نینوا کے عوام ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ شاہ بابل بخت نصر کے ظلم کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔"

زرکبیر نے بھی سرگوشی میں جواب دیا:

"یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ میں یہاں سے کیسے فرار ہو سکوں گا۔ یہاں تو قدم قدم پر پہرہ لگا ہے۔"

یورکا نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا بندوبست ہم کر لیں گے۔ آپ اطمینان سے رہیں۔ بہرحال آپ ہر وقت تیار رہیے گا۔ ہم کسی وقت بھی آپ کو یہاں سے لینے کے لیے آ سکتے ہیں"

"میں تو ہر وقت فرار ہونے کے لیے تیار ہوں"

عنبر نے دوائی پلا کر زرکسیر سے فرار کے بارے میں دو چار باتیں کیں اور پھر وہ یورکا کو ساتھ لے کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

وہ رات بھر بیٹھے اسی بات پر سوچ بچار کرتے رہے کہ زرکسیر کو کیسے قید خانے سے نکالا جائے۔ اچانک عنبر نے کہا:

"اگر ہم کسی طرح پہرے دار کو بے ہوش کر دیں تو زرکسیر کو وہاں سے بھگا کر لے جا سکتے ہیں"

"بے ہوشی کی دوائی تو میرے تھیلے میں موجود ہے"

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟"

"ٹھیک ہے، میں آدھی رات کو قید خانے میں دوائی پلانے کے بہانے جاؤں گا اور پہریدار کو بے ہوش کر کے زرکسیر کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ مگر تمہارا فرض یہ ہے کہ محل سے باہر برق رفتار گھوڑے تیار ہونے چاہئیں"

"یہ کام میں کر لوں گا"

"تو پھر ٹھیک ہے، ہم کل رات زرکسیر کو یہاں سے بھگا کر لے جائیں گے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرار کی رات آ گئی۔ زرکبیر جھوٹ موٹ کا بیمار بنا ہوا تھا اور عنبر کی ہدایت کے مطابق وہ سارا دن ہائے ہائے کرتا رہا تھا۔ عنبر نے سردار سے کہا:

"مجھے آج رات کو بھی دوائی پلانے کے لیے آنا پڑے گا۔"

سردار کہنے لگا:

"گورنر بہت فکر مند ہے کہ زرکبیر کو آرام کیوں نہیں آ رہا۔"

"اِس کی وجہ محض یہ ہے کہ قید خانے میں تازہ ہوا بہت کم آتی ہے۔ گورنر سے کہیے کہ کل تک زرکبیر کی بیماری ختم ہو جائے گی۔ آج آدھی رات کو مَیں ایک خاص دوائی پلا رہا ہوں۔"

"بہت خوب۔"

عنبر شاہی مہمان خانے میں واپس آیا تو یورکا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اُسے بتایا کہ گھوڑوں کا بندوبست ہو گیا ہے — تین برق رفتار گھوڑے شاہی محل کے عقبی باغ میں ہمیں آدھی رات کو بالکل تیار ملیں گے۔ عنبر اُسی وقت دوائی کا تھیلا لے کر قید خانے میں زرکبیر کے پاس آ گیا۔ اُس نے اُسے جھوٹ موٹ کی دوائی پلائی۔ اس کے ماتھے پر تیل کی مالش کی اور سرگوشی میں کہا:

"آج رات تیار رہنا زرکبیر، مَیں تمھیں اپنے ساتھ لینے آدھی رات کے وقت آؤں گا۔ شاہی محل کے پچھواڑے یورکا گھوڑے لیے ہمارے انتظار میں تیار کھڑا ہو گا۔"

"میں تیار ہوں گا عنبر!"

عنبر نے تھیلا اٹھایا اور پہریدار سے مسکرا کر بات کر کے واپس آ گیا۔

رات گہری ہونا شروع ہو گئی۔ شاہی محل میں آدھی رات کے وقت ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ عنبر اور یورکا نے فرار کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا۔ آدھی رات گزر گئی تو یورکا شاہی محل کے پچھلے دروازے سے نکل کر عقبی باغ میں گھوڑوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف عنبر نے دوائی کی شیشی اٹھائی اور زرکسیر سے ملاقات کرنے قید خانے کی طرف آ گیا۔ پہریدار نے دروازہ کھول دیا۔ اس کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ عنبر رات کو قیدی کو دوا دینے آئے گا۔ زرکسیر بالکل تیار تھا۔ عنبر نے اسے دوا پلائی اور کہا:

"سب کام بالکل تیار ہے!"

"مگر یہ پہریدار؟"

"اس کا ابھی بندوبست کرتا ہوں!"

اتنا کہہ کر عنبر نے پہریدار کو آواز دے کر اندر بلایا۔ وہ اندر آیا تو عنبر نے کہا:

"ذرا اس شیشی کو ہاتھ میں تھامے رکھو۔ میں مریض کے ماتھے پر مالش کر لوں!"

پہریدار دوائی کی شیشی اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تو پلک جھپکنے کے اندر اندر عنبر نے کسی تیز دوائی میں بھگویا ہوا رومال جیب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکال کر پہریدار کی ناک پر رکھ دیا۔ یہ دوا اِس قدر تیز تھی کہ پہریدار کے ہاتھ پاؤں ایک دم ڈھیلے ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عنبر اور زرکیسر نے مل کر اُسے اٹھایا اور چبوترے پر لٹا دیا۔ عنبر نے کہا:

"فوراً اپنے کپڑے اسے پہنا دو اور اِس کے کپڑے خود پہن لو۔ مَیں دروازے پر نظر رکھتا ہُوں۔"

زرکیسر نے ایک پَل بھی ضائع نہ کیا اور جھٹ پٹ اپنے کپڑے پہریدار کو پہنا دیے اور اُس کی وردی پہن کر لوہے کا ٹوپ سر پر رکھ لیا اور ہاتھ میں تلوار تھام لی۔ وُہ عنبر کے ساتھ قید خانے کا دروازہ بند کرکے فوراً باہر نکل آیا۔ دونوں زینے کی سیڑھیاں چڑھتے اُوپر آ گئے۔ برآمدے میں دُور تک گہری خاموشی تھی۔ وُہ برآمدے میں سے گزر کر اُوپر والے صحن میں آئے تو سامنے سے ایک پہریدار نے آواز دی۔

"کون ہے؟"

"شاہی حکیم ہُوں۔ پہریدار کو ساتھ لے کر دوائی پلانے جا رہا ہُوں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔"

عنبر زرکیسر کو لے کر اُس طرف آ گیا۔ جہاں شاہی محل کا ایک چور دروازہ تھا۔ اس دروازے پر ایک سپاہی چوبیس گھنٹے پہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر رہتا تھا۔ عنبر وہاں پہنچا تو پہریدار نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”کون ہو تم؟“

”عنبر — شاہی حکیم“

”تم اِس وقت کہاں جا رہے ہو؟ یہ تمہارے ساتھ پہریدار کیوں ہے؟“

”میں اسے لے کر جنگل میں......“

عنبر کو کوئی جواب نہ سُوجھ رہا تھا۔ پہریدار کو شک سا ہُوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر زرکبیر کو دیکھا۔ وہ اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ کیونکہ ایک مہینہ وہ زرکبیر کا بھی پہریدار رہ چکا تھا۔ اُس کے مُنہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ زرکبیر کا تلوار والا ہاتھ فضا میں بلند ہُوا۔ اور دُوسرے لمحے پہریدار کا جسم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔

”جلدی نکلو یہاں سے زرکبیر!“

وہ بڑی تیزی کے ساتھ محل کے چور دروازے سے نکل کر دوڑتے ہُوئے باغ کے اس حصّے میں آ گئے جہاں یورکا گھوڑے لیے بڑی بے تابی سے اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے عنبر اور زرکبیر کو اپنی طرف دوڑ کر آتے دیکھا تو گھوڑے کھول دیے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہُوتے اور اُنہیں سرپٹ دوڑاتے شہر کے اُس حصّے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں فصیل کے دروازے پر آدھی رات کو صرف ایک چوکیدار ہوتا تھا۔ دروازے سے کچھ دُور عنبر نے یورکا اور زرکبیر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درختوں کی اوٹ میں کھڑا کیا اور خود گھوڑا لے کر چوکیدار کے پاس آ گیا۔ چوکیدار نے نیزہ تان کر پوچھا۔

"کون ہو تم۔ کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور چوکیدار سے کہنے لگا کہ وُہ عنبر شاہی حکیم ہے اور شہر کی سیر کر رہا ہے۔ چوکیدار اُسے پہچانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ حکیم اکثر راتوں کو شہر کی سیر کیا کرتا ہے۔ وُہ عنبر سے کہنے لگا کہ وُہ گورنر سے سفارش کر دے کہ اُسے فصیل شہر کی پہریداری سے ہٹا کر شاہی محل میں لگا دیا جائے۔ عنبر نے کہا کہ وُہ ضرور اُس کی سفارش کرے گا۔ اِس دوران میں عنبر نے جیب سے رومال نکال لیا تھا۔ پھر اچانک اُس نے رومال پہریدار کی ناک سے لگا دیا اور پہریدار بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے جانور کی آواز نکال کر زرکسیر اور یورکا کو بُلایا اور اُنہیں ساتھ لے کر قرطاجنہ شہر کی چار دیواری سے باہر نکل گیا۔ اب وہ تینوں آزاد تھے اور انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ضرورت صرف اِس بات کی تھی کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے قرطاجنہ سے اتنی دُور نکل جائیں کہ گورنر کے سپاہی اُن کا پیچھا بھی کریں تو انہیں نہ پا سکیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ کا فرار

●

وہ تینوں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے انگوروں کے باغ میں پہنچ گئے۔ انہیں یہاں سے شہزادے کو بھی ساتھ لینا تھا۔ حبشی غلام حانو شہزادے کے پاس تہہ خانے میں سو رہا تھا۔ انہوں نے حانو کے چچا کو جگایا۔ چچا انہیں تہہ خانے میں لے گیا۔ فوراً شہزادے اور حانو کو جگا کر تیار کروایا گیا۔ باہر دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے شہزادہ اور حانو اُن پر سوار ہوئے اور یہ پانچوں سوار چچا کا شکریہ ادا کرکے بڑی تیزی کے ساتھ گھوڑوں کو دوڑاتے۔ انگوروں کے باغ سے نکل کر ملک یمن کی طرف روانہ ہوگئے۔ راتوں رات وہ کافی دُور نکل آئے اور جب سورج طلوع ہُوا تو وُہ قرطاجنہ سے اتنے فاصلے پر تھے کہ اگر گورنر کے سپاہی چاہے جتنی تیزی سے پیچھا کرتے وُہ اُن تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

مگر اُس وقت تک عنبر کے ساتھی بہت دُور نکل چکے تھے۔ وُہ ایک پَل کے لیے بھی آرام کیے بغیر مسلسل گھوڑے دوڑاتے سفر کر رہے تھے۔ دن بھر دھوپ میں سفر کرتے رہے۔ رات کو انہوں نے تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر سفر پر روانہ ہوگئے۔ گورنر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سپاہی بہت پیچھے اُن کے تعاقب میں چلے آرہے تھے۔ جس وقت سپاہی رات کو آرام کر رہے تھے۔ اُس وقت عنبر کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھے چلے آرہے تھے۔ دُوسرے روز بھی وُہ شام تک سفر کرتے رہے۔ رات کو ایک جگہ تھوڑی سی دیر آرام کیا۔ گھوڑوں کو چارہ کھلا کر پانی وغیرہ پلایا اور پھر اُن پر سوار ہو کر چل پڑے۔ شہزادہ گھوڑے پر بیٹھ کر مسلسل سفر کرنے سے تھک گیا تھا۔ مگر یہ اُس کی اور اُس کے وفادار ساتھیوں کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ وہ چُپ چاپ یہ تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ تیسرے روز بھی اُن کا سفر جاری رہا۔ چوتھے روز حبشی غلام کا گھوڑا تھک کر اچانک گرا اور اُس نے دَم توڑ دیا۔ وہ شہزادے کے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سفر جاری رکھا۔ پانچویں روز وُہ بابل کی سرحدوں سے بہت دُور شمال مغربی پہاڑی سلسلے میں پہنچ گئے۔ اُن کی رہنمائی یورکا کر رہا تھا۔ یہی وہ پہاڑیاں تھیں جن کے غاروں میں زرکسیز کی حامی اور وفادار فوج کے بچے کھچے سپاہی روپوش تھے۔ شام ہونے سے پہلے یورکا انہیں لے کر ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں آگیا۔ یہاں ہر طرف جنگلی جھاڑیوں کے درمیان نوکیلی چٹانیں کھڑی تھیں۔ پہاڑ کے دامن میں بے شمار چکر کاٹنے کے بعد یہ لوگ ایک چھپے ہُوئے غار کے اندر داخل ہو گئے اس غار کے آدھے منہ کو پتھروں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ غار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یورکا نے کافی آگے جا کر ایک جگہ کھڑے ہو کر کسی جانور کی آواز نکالی اور پھر وہ کان لگا کر سننے لگا۔ دوسری تیسری بار آواز نکالنے کے بعد دوسری طرف سے بھی اُسی طرح جانور کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

"وُہ لوگ موجود ہیں"

یورکا نے کہا اور زرکبیر، عنبر، شہزادے اور جانو کو لے کر جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر کو چل پڑا۔ غار کے کئی ایک موڑ گھومنے کے بعد وہ ایک نسبتاً کھُلی جگہ پر آ گئے۔ وُہ پہاڑ کی اُونچی چھت کے نیچے کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے بہت سے سپاہی خوشی سے نعرے لگاتے نمودار ہوئے اور انھوں نے زرکبیر کو گھیر لیا۔

"سردار! آپ کو نئی زندگی مبارک ہو۔ یورکا آپ ہمارے سپہ سالار کو واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں"

یورکا اور زرکبیر نے شہزادے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اور اِنھیں نہیں پہچانا۔ یہ ہمارا شہزادہ ہاروت ہے۔ نینوا کے تخت کا واحد وارث۔"

سپاہیوں نے شہزادے کے حق میں تلواریں بلند کر کے نعرے لگائے اور اِس عزم کا اظہار کیا کہ وہ نینوا سے دشمن کو نکال کر تہہ تیغ کرنے میں کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد یورکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سپاہیوں سے عنبر کا تعارف کروایا اور کہا کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو ہم زرکبیر کو کبھی دشمن کی قید سے رہائی نہ دلا سکتے تھے۔ سپاہیوں نے ایک ایک کر کے عنبر سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور آئندہ کے بارے میں منصوبے تیار کرنے لگے۔ زرکبیر کو معلوم ہوا کہ باقی وفادار فوج کے بکھرے ہوئے سپاہی بھی مُلک مُلک سے فرار ہو کر اسی غار میں آ رہے ہیں۔ اس جگہ وہ اپنی فوجی طاقت کو پھر سے جمع کر کے نینوا پر حملہ کر سکتا تھا۔ مگر سب سے پہلے ملکہ کو دشمن کی قید سے رہا کروانا بہت ضروری تھا۔ اگر وہ ملکہ اور شہزادے کو لے جا کر نینوا کے عوام کے سامنے کھڑا کر دیں تو اُنہیں یقین تھا کہ لوگ دشمن کے سپاہیوں کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ وہ تعداد میں اتنے زیادہ نہیں تھے کہ شاہ بابل کی فوج کا مقابلہ کر سکتے۔ مگر چونکہ اُنہیں نینوا کے عوام کی حمایت حاصل تھی۔ اس لیے ان کی فوج بے شمار تھی اور انہیں یقین تھا کہ وُہ دشمن کو شکست دے کر نینوا سے نکال دینے پر ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود عنبر کو فتح کے بارے میں شک تھا۔ اس نے زرکبیر سے کہا:

"آپ فوج کے سپہ سالار ہیں۔ کیا آپ کو پورا بھروسہ ہے کہ آپ اپنی مٹھی بھر فوج اور نہتے عوام کے ساتھ شاہِ بابل کی یلغار کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرکبیر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا :

"اس کے لیے ہمیں کسی دوسری طاقت سے مدد لینا پڑے گی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" عنبر نے فوراً جواب دیا۔ "اگر ہم کسی طرح اُر کے بادشاہ حمورَبی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم نہ صرف نینوا پر قبضہ کر سکتے ہیں بلکہ شہر بابل کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔"

یورکا نے کہا :

"کیا حمورَبی ہماری حمایت اور مدد کرنے پر تیار ہو جائے گا؟"

عنبر نے کہا :

"اُس کے ایک صوبے کا آدھا حصّہ شاہِ بابل نے ہڑپ کر لیا ہے۔ ہم حمورَبی کو شاہ بابل کے خلاف اُکسا سکتے ہیں۔ اُس کی فوج بھی زیادہ ہے اور آج کل وُہ بہت زور شور سے جنگی طاقت میں اضافہ کر رہا ہے جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وُہ شاہ بابل بخت نصر کے ملک پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے۔"

زرکبیر نے کہا :

"اگر ہم تھوڑی سی کوشش کریں تو حمورَبی کو اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں۔ ہم اسے یقین دلائیں گے کہ بادشاہ کی وفادار فوج اور نینوا کے عوام اس کے ساتھ ہوں گے۔ اس سے زیادہ اُسے اور کیا چاہیے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورکا نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ حورتی سے بات کرنے کے لیے میں اور عنبر جاتے ہیں۔"

زرکیسر نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ مگر اس وقت سب سے اہم کام ملکہ عالیہ کو بخت نصر کی قید سے نجات دلانا ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"یہ کام میں اکیلا ہی کر لوں گا۔ میں آج رات ہی بابل کی طرف نکل جاؤں گا اور پہلے سرحدی شہر کی حویلی میں جا کر ملکہ عالیہ کو قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ لانے کی جان توڑ کوشش کروں گا۔"

یورکا بولا:

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔"

انہوں نے راتوں رات بعض ضروری تیاریاں شروع کر دیں۔ زرکیسر نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے ملکہ عالیہ کو لے کر وفادار فوجوں کے پاس غار میں پہنچ جائیں۔ منہ اندھیرے عنبر اور یورکا گھوڑوں پر سوار ہو کر بابل کے سرحدی گاؤں کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ وہ سارا دن چلتے رہے۔ وہاں سے بابل کے سرحدی گاؤں کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک رات پہاڑیوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرام کرنے کے بعد وہ دوسرے روز دوپہر کے وقت بابل کی سرحد پر تھے۔ پہریداروں نے ان سے حسبِ معمول پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اور بابل میں کیوں جا رہے ہیں۔ عنبر نے اپنا وہی پرانا جواب دہرایا کہ وہ حکیم ہے اور یورکا اُس کا شاگرد ہے۔ وہ افریقہ سے بابل میں بیماروں کا علاج کرنے اور روزی کمانے آئے ہیں۔ پہریدار نے کہا:

"پہلے ہمارے سردار کی سردرد تو دُور کر کے دکھاؤ۔"

"کہاں ہے تمہارا سردار؟"

"اندر لیٹا ہُوا ہے۔"

عنبر یورکا کو ساتھ لے کر سردار کی کوٹھڑی میں آگیا۔ چوکی کا سردار ایک تخت پر چت لیٹا سردرد سے تڑپ رہا تھا۔ عنبر نے اس کی نبض دیکھی اور پوچھا:

"درد آدھے سر میں ہوتا ہے یا پُورے سر میں؟"

سردار نے کہا:

"پورے سر میں بڑا خوفناک درد ہو رہا ہے۔ دیوتاؤں کے لیے حکیم ہو تو کوئی ایسی دوا دو کہ اس عذاب سے جان چھُوٹے۔"

"ابھی علاج کیے دیتا ہوں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔"

عنبر نے ایک شیشی میں سے سرخ رنگ کی دوائی نکال کر اس کے چند قطرے سردار کے حلق میں ڈالے اور اس کے ماتھے پر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاص تیل کی مالش شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں سردار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دردِ سر غائب ہو چکا تھا۔ وہ عنبر سے بہت خوش ہوا اور اس نے عنبر کو سونے کے سکے پیش کیے اور پوچھا:

"تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ ملک افریقہ سے آیا ہے اور بابل میں جا کر دکھی بیماروں کا علاج کر کے اپنی روزی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے سردار نے اسی وقت انہیں سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی اور وعدہ لیا کہ کبھی کبھی وہ ان کی سرحدی چوکی پر پھیرا ضرور مارا کرے گا۔ عنبر نے اُسے احتیاطاً بتا دیا کہ اس کی ایک خالہ بابل میں رہتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے واپس افریقہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ تیار ہو گئی تو اُسے واپس لے جاتے ہوئے وہ چوکی پر ضرور آئے گا۔

"ضرور آنا، ہم تمہاری خالہ کو تحفے دیں گے"

"شکریہ آپ کا سردار، اب اجازت دیجئے"

سردار سے اجازت لے کر عنبر اور یورکا بابل کی سرحد میں داخل ہو گئے اور گھوڑے دوڑاتے اس بستی کی طرف چل پڑے جس کی ایک حویلی میں ملکہ نینوا قید تھی۔ عنبر کو اس بستی کا راستہ معلوم تھا۔ وہ سارا دن سرحد کے اندر سفر کرتے رہے اور شام کو اس بستی کے قریب پہنچ گئے۔ عنبر نے یورکا سے کہا کہ اب اُسے بڑی احتیاط سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام لینا ہوگا۔ حویلی کے سپاہیوں کو کسی حالت میں بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ملکہ کو رہا کروانے آئے ہیں۔ یورکا نے پوچھا:

"کیا سپاہی تمہیں جانتے ہیں عنبر؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"وہ مجھے مقدس انسان سمجھتے ہیں۔ تم چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ وہ میری کس قدر عزت کرتے ہیں، لیکن صرف ان کے عزت کرنے سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمیں بڑی حکمت عملی اور سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔"

اب وہ باتیں کرتے ہوئے حویلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حویلی کے باہر مشعل روشن تھی۔ دو سپاہی دروازے پر ننگی تلواریں کندھے پر رکھے پہرہ دے رہے تھے اور دو سپاہی زمین پر بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے۔ انہوں نے دو گھڑسواروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو کھانا پینا چھوڑ کر تلواریں کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عنبر اور یورکا پاس جا کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک سپاہی نے للکار کر کہا:

"کون ہو تم، دوست یا دشمن؟"

"ہم دوست ہیں۔" عنبر نے کہا۔

سپاہی قریب آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو دیکھا تو جھٹ تلواریں نیام میں کر لیں اور جھک کر بڑے ادب سے سلام کیا۔

"اے مقدس انسان! آپ کا آنا مبارک ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے فوراً زمین پر دسترخوان لگا دیا اور اندر سے طرح طرح کے کھانے لا کر چن دیئے۔ عنبر اور یورکا نے وہ کھانے پیٹ بھر کر کھائے اُس نے سپاہیوں سے یورکا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

"یہ میرا غلام یورکا ہے۔ مگر میں نے اِسے آزاد کر دیا ہے اور اب میرے ساتھ میرے بھائی کی طرح رہتا ہے۔ یہ مجھ سے حکمت اور جادو سیکھ رہا ہے۔"

رات کو حویلی کے تمام سپاہیوں نے "مُقدس انسان" عنبر کے آنے کی خوشی میں بڑا جشن منایا اور دیر تک گاتے اور رقص کرتے رہے۔ پھر وہ سارے کے سارے بے سدھ ہو کر سو گئے۔ صرف وہی پہریدار جاگتے رہے جو ملکہ نینوا کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دیتے تھے۔ عنبر نے یورکا سے کہا کہ وہ آرام سے کمرے میں لیٹا رہے۔

"میں ملکہ سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں انہیں تمام حالات سے باخبر کر کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شہزادے اور زرکسیر کو ہم لے آئے ہیں اور اب وہ بھی چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اس کے بعد عنبر ملکہ عالیہ کی کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔ اُس نے پہریداروں سے کہا کہ وہ ملکہ سے ملنا چاہتا ہے۔ پہریدار عنبر کی کرامات کو دیکھ چکے تھے اور اس سے مرعوب بھی تھے۔ اِس لیے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور وہ ملکہ کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ ملکہ پتھر کے چبوترے پر لیٹی ہوئی تھی۔ عنبر نے قریب جا کر سرگوشی میں کہا:

"ملکہ عالیہ، میں عنبر ہوں۔ وقت بہت کم ہے۔ میری بات غور سے سنیں۔"

عنبر کو دیکھ کر ملکہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:

"کیا میرا بیٹا زندہ ہے؟"

"ہاں ملکہ عالیہ، شہزادہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ ہم نے اُسے ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا ہے۔ حبشی غلام اور زرکسیر بھی اُس کے ساتھ ہے۔"

"کیا زرکسیر کو رہا کرا لیا گیا ہے؟"

"شی، خدا کے لیے آہستہ بولیں۔ میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ زرکسیر کو ہم نے رہا کرا لیا ہے۔ اب ہم آپ کو یہاں سے لینے آئے ہیں۔ یورکا بھی میرے ساتھ ہے۔ آپ کل رات کے آخری حصے میں تیار رہیے گا۔"

ملکہ کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ عنبر جلدی سے کوٹھڑی سے باہر آگیا۔ اُس نے پہریدار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُسے سونے کے چند سکے دیے۔ جنہیں پا کر پہریدار بے حد خوش ہوا اور عنبر کو سلام کرنے لگا۔ عنبر نے اپنے کمرے میں آ کر یورکا کو بتایا کہ وہ ملکہ سے مل آیا ہے۔ کل رات ملکہ تیار ہوں گی اور ہمیں انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا ہے۔

"مگر وہ کیسے؟" یورکا نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم دیکھتے رہو۔"

عنبر نے صبح بیدار ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ آج رات حویلی کے تمام سپاہیوں کی وہ دعوت کر رہا ہے۔ سپاہی بے حد خوش ہوئے۔ عنبر نے فوراً بازار سے چھ سات بکرے منگوا کر ذبح کرا دیے۔ شام کو دسترخوان پر قسم قسم کا بُھنا ہُوا گوشت اور مٹھائیاں چُن دی گئیں۔ سپاہی خوشی سے نعرے لگاتے ہُوئے کھانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اِس دوران میں عنبر نے چُھپ کر انگور کے رس سے بھرے ہُوئے بڑے مٹکے میں ایک بے ہوش کر دینے والی دوائی کا سفوف ملا دیا تھا۔

اِس دوائی کو پینے کے ایک گھنٹے بعد یہ سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ بس وہی وقت ہو گا ملکہ عالیہ کو یہاں سے نکال کر لے جانے کا۔ ہمیں بالکل تیار رہنا چاہیے۔"

"ہم تیار ہیں عنبر۔"

دعوت ختم ہو گئی۔ سپاہی ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے اور رقص کرنے لگے۔ پھر انہیں غنودگی محسوس ہونے لگی اور ایک ایک کر کے زمین پر گر کر بے ہوش ہونا شروع ہو گئے۔ سپاہیوں کے کمانڈار نے جب تمام سپاہیوں کو بے ہوش ہو کر گرتے دیکھا تو اُسے کچھ شک ہوا۔ جب اُس کا بھی سر چکرانے لگا تو وُہ سمجھ گیا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا ہے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے جھٹ تلوار نکال لی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ یورکا ذرا پرے کھڑا تھا۔ اِس سے پہلے کہ وُہ بھاگ کر عنبر کی جان بچاتے کماندار کی تلوار عنبر کے سینے میں اُتر چکی تھی۔ مگر اِس کے ساتھ ہی کماندار پر دوائی نے اثر کر دیا اور وُہ تلوار کا دستہ عنبر کے سینے میں ہی کھبا ہُوا چھوڑ کر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یورکا کے منہ سے چیخ نِکل گئی۔ کیوں کہ وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ تلوار پوری کی پوری عنبر کے سینے میں اُتر چکی ہے اور اُس کی موت یقینی تھی۔

مگر دوسرے لمحے جو منظر اُس نے دیکھا وُہ پہلے سے زیادہ حیران کر دینے والا تھا۔ عنبر نے کھڑے کھڑے بائیں ہاتھ سے تلوار اپنے سینے سے کھینچ کر نکالی اور پرے پھینک دی۔ نہ تو اُس کے سینے پر کوئی زخم لگا اور نہ خون کا کوئی قطرہ بہا۔ عنبر نے یورکا سے کہا:

”میری طرف دیکھنے کی بجائے اُوپر چلو، ملکہ کو آزاد کروانا ہے۔“

”مگر — مگر تم زندہ کس طرح ہو؟“

عنبر نے جھنجلا کر کہا:

”یہ بعد میں پُوچھ لینا یورکا۔ پہلے اُوپر چل کر ملکہ عالیہ کو قید سے نکالو۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں بھاگتے ہوئے ملکہ کی کوٹھری میں گئے اور بولے :

" ملکہ عالیہ، جلدی سے ہمارے ساتھ نکل چلیے۔ حویلی کے تمام سپاہی بے ہوش کر دیے گئے ہیں "

ملکہ اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ حویلی سے باہر آ گئے۔ آسمان پر رات کے نیلے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑے بابل کی سرحد کی طرف ڈال دیے گئے۔ باقی آدھی رات اور آدھا دن وہ برابر گھوڑوں پر بیٹھے، انہیں برق رفتاری سے دوڑاتے سفر کرتے رہے۔ تیسرے پہر وہ سرحدی چوکی کے نزدیک پہنچے تو عنبر نے گھوڑا روک لیا۔ اس نے ملکہ کو چادر میں لپیٹ کر گھوڑے پر یوں ڈال دیا کہ معلوم ہو وہ بہت زیادہ بیمار ہے، اور خود گھوڑے کی باگ تھام کر یورکا کے ساتھ پیدل چلتا چوکی پر پہنچ گیا۔ یہ آخری مرحلہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔

عنبر کو تو اپنی جان کی فکر نہیں تھی، کیوں کہ اس کو تو کوئی بھی نہیں مار سکتا تھا۔ اسے یورکا اور ملکہ کی فکر تھی۔ اگر پہریداروں کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ ان دونوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ عنبر نے گھوڑا سرحد کی چوکی کے باہر کھڑا کیا اور خود اندر چلا گیا۔ اندر اس کا دوست کماندار تخت پر نیم دراز انجیروں کا ٹوکرا آگے رکھے انجیر کھا رہا تھا۔ وہ عنبر کو دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت خوش ہُوا۔

" دوست، تم اتنی جلدی آ گئے؟ کیا واپس جا رہے ہو؟"

عنبر نے غمگین چہرہ بنا کر کہا:

" جس وقت میں خالہ کے ہاں پہنچا تو وہ بہت سخت بیمار تھیں۔ مَیں نے علاج شروع کیا تو کہنے لگیں کہ مَیں اب مر رہی ہُوں۔ میرا علاج بے کار ہے۔ دیوتاؤں کے لیے مجھے واپس میرے بیٹے کے پاس لے چلو۔ مَیں آخری بار اپنے بیٹے کی شکل دیکھ کر مرنا چاہتی ہُوں۔"

کمانڈار نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

" یہ تو بڑی افسوس ناک بات ہو گئی۔ دیوتا تمہاری خالہ کو صحت دیں، کہاں ہیں وہ؟"

" وہ باہر گھوڑے پر پڑی کراہ رہی ہیں۔ ہمیں اجازت دیں کہ ہم سرحد عبور کر کے جلدی سے جلدی خالہ کو اُس کے بیٹے کے پاس پہنچا سکیں۔"

" ضرور ضرور، لیکن کیا مَیں تمہاری خالہ کی مزاج پُرسی نہیں کر سکتا؟"

عنبر پریشان ہو گیا۔ کمانڈار اس دوران میں کوٹھڑی سے باہر نکل کر اُس گھوڑے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس پر ملکہ نیوزا چادر میں لپٹی پڑی تھیں۔ عنبر نے سوچا، اگر کمانڈار نے ملکہ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہچان لیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا اور وہ اسی وقت ان تینوں کو گرفتار کرے گا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کس طرح کمانڈار کو کہہ سکتا تھا کہ وہ اُس کی خالہ کا چہرہ مت دیکھے ـــ یورکا بھی پریشان ہوگیا۔

کمانڈار ملکہ کے گھوڑے کے پاس آیا اور چادر ہٹا کر غور سے عنبر کی بناوٹی بیمار خالہ کو تکنے لگا۔ یہ بڑی اذیت کی گھڑی تھی۔ یورکا اور عنبر کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پھڑک کر سینے سے باہر آ جائے گا۔ کمانڈار کچھ دیر ملکہ عالیہ کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ ملکہ عالیہ عنبر کی ہدایت کے مطابق آنکھیں بند کیے پڑی کراہ رہی تھیں۔

اچانک کمانڈار نے اپنا چہرہ ملکہ عالیہ کی طرف سے ہٹا کر عنبر کی طرف غور سے گھور کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی کیفیت تھی کہ صاف معلوم ہو رہا تھا اُس نے ملکہ عالیہ کو پہچان لیا ہے اور اب وہ چیخ مار کر سپاہیوں کو حکم دینے والا ہے کہ ان لوگوں کو ملکہ سمیت فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ عنبر کا خون خشک ہونے لگا۔ یورکا کا ہاتھ تلوار کے دستے پر چلا گیا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کمانڈار نے ملکہ کو پکڑ لیا تو وہ مقابلہ کرے گا۔ خواہ خود ہلاک ہو جائے۔ مگر جب تک زندہ ہے ملکہ عالیہ پر آنچ نہ آنے دے گا۔ کمانڈار نے ذرا مسکرا کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دوست، کیا یہ تمہاری خالہ ہے؟"

کیا پہریداروں کے سردار کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ ملکہ کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں؟

ذوکیبر اور حمورّبی بادشاہ نے مل کر نینوا اور بابل پر حملہ کیا تو فتح کس کو ہوئی؟

کیا یتیم شہزادہ اپنی والدہ سے مل سکا؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کے چوتھے حصے "شہزادے کا اغوا" میں پڑھیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار ناول

ہر ناول میں ایک سنسنی خیز واقعہ اور دردناک کہانی !

دھوئیں کی مخلوق	ذوالفقار احمد تابش
سارنگ بابا اور جل پری	اے حمید
ڈوبے جہاز کا راز	اے حمید
خلا میں جنگ	اے حمید
جادوگر جاسوس	آغا اشرف
دہشت ناک چہرہ	آغا اشرف
بھوتوں کا راز	جبّار توقیر
وہ بے گناہ تھا	اے حمید
امجد کا اغوا	اے حمید
شیشے کا بکس	اشتیاق احمد
دوستوں کا کارنامہ	ریاض احمد
آدھی رات	جبّار توقیر
ایک لڑکا ایک ڈاکٹر	جبّار توقیر
غار میں چیخ	اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاش زندہ ہو گئی (تین حصوں میں)

اے۔ حمید

دو ڈاکٹروں نے قبرستان سے ایک لاش نکالی اور اُسے اپنے کمرے میں سٹریچر پر باندھ دیا ——

ایک رات

بادل گرجے —— بجلی کڑکی —— کمرے میں اندھیرا تھا —— اور پھر اچانک لاش نے لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور اُٹھ کر بیٹھ گئی —— لاش سب سے پہلے اپنی قبر پر آئی —— اور پھر یہاں سے لاش نے سفر شروع کیا —— دونوں دوستوں نے لاش کو قابو میں کر لیا —— لیکن وہ پھر نکل گئی اور بستی میں تباہی مچانی شروع کر دی —— لاش ہمیشہ آدھی رات کو حملہ کرتی تھی —— آخر جب پولیس لاش تک پہنچی —— تو وہاں کیا تھا؟

ایک پُر اسرار ہیبتی کہانی، تین حصوں میں

حصّہ اول : [illegible] حصّہ دوم : [illegible] حصّہ سوم : [illegible]

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

شہزادے کا اغوا

اے۔ حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

شہزادے کا اغوا

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ ، اچھرہ ، لاہور

SH: GHULAM ALI & SONS (PVT) LAHORE
قیمت : Rs 10.00

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹۔ سرکلر روڈ ، چوک انارکلی ، لاہور ۔ ۵۴۰۰۰

ISBN - 969 - 31 - 0367 - X

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست :

لڑائی کی تیاری

دیوی بلطیس

قتل کی سازش

حموربی کا دربار

شہزادے کا اغوا

آدھی رات کو دستک

پُر اسرار مندر

آگ کا شعلہ

دشمن آ گیا

غیبی امداد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچو !

ہمارا ہیرو عنبر ملک نینوا سے ملکہ کو ساتھ لے کر آدھی رات کو فرار ہوتا ہے۔ شہر کے دروازے پر چوکیدار اُسے روک کر پوچھتا ہے کہ وُہ کون ہے اور گھوڑے پر کون لیٹا ہُوا ہے؟ گھوڑے پر عنبر نے ملکہ کو بیمار بنا کر ڈال رکھا ہے۔

عنبر کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر ہے۔ چوکیدار آگے بڑھ کر ملکہ کو پہچان لیتا ہے۔ عنبر کی تلوار چوکیدار کا کام تمام کر دیتی ہے۔ وُہ شہر سے بھاگتا ہے۔ اب وہ بابل کے ہزاروں سالہ پُرانے شہر میں آ گیا ہے جہاں تاریخ کے مشہور قانون ساز بادشاہ حموربی کی حکومت ہے۔ اس شہر میں ایک پُراسرار مندر ہے۔ اس مندر میں انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے۔ حموربی ملکہ نینوا کی مدد کرتا ہے۔ نمرود کی فوج بابل پر حملہ کرتی ہے۔ حموربی کو شکست ہو رہی تھی کہ عنبر کو غیب سے مدد ملتی ہے۔ مگر یہ مدد کس کی تھی؟

اس کا جواب آپ اس ناول میں ملے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑائی کی تیاری

●

"کیا میں آپ کو پہلے نہیں بتا چُکا کہ یہ میری خالہ ہیں۔ یہ بیمار یں اور مَیں انہیں علاج کے لیے اپنے ساتھ ملک افریقہ لیے جا ا، ہُوں؟"

عنبر نے یہ جُملہ کچھ ایسے تیز لہجے میں دُہرایا کہ سرحدی چوکی کے محافظ کو مزید کچھ پُوچھنے اور پڑتال کرنے کی جُرأت نہ ہُوئی۔ اُس نے مُسکرا کر کہا کہ وُہ تو یُونہی پُوچھ رہا تھا۔ یہ تو اس کا فرض ہے۔ پ لوگ جا سکتے ہیں۔ کمانڈار کی زبان سے اتنا سُن کر عنبر نے شکر کا انس لیا۔ یورکا نے بھی تلوار کے قبضے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا؛ وگرنہ ر کمانڈار کو شک پڑ جاتا تو یورکا ضرور تلوار سے اُس پر حملہ کر دیتا۔ س کے بعد جو ہوتا دیکھا جاتا۔ دوسری طرف ملکہ کا بھی اُوپر کا سانس وپر اور نیچے کا سانس نیچے ہی تھا۔ عنبر نے گھوڑے کی باگ تھام کر کہا:

"ہم سرحد عبُور کر رہے ہیں ملکہ عالیہ!"

یہ بات اُس نے سرگوشی میں کی۔ ملکہ نے کچھ نہ کہا۔ اس کے ہرے پر گہرے اطمینان کی جھلک تھی۔ یورکا گھوڑے پر سوار تھا اور نبر اپنے اور ملکہ کے گھوڑے کی باگیں تھامے آگے چل رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ سرحد عبور کرنے کے تھوڑی دیر بعد تک وہ پیدل ہی چلتے رہے۔ اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور پوری تیز رفتاری سے گھوڑوں کو ملک یمن کی طرف ڈال دیا۔ یمن کا سفر وہاں سے چار دن اور چار راتوں کی مسافت پر تھا۔ راستے میں مناسب جگہوں پر قیام کرتے یہ لوگ پانچویں روز یمن کی سرحد پر پہنچ گئے۔ یہاں یمن میں داخل ہونے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اب ان کا رُخ اُس قصبے کی طرف تھا جہاں شہزادہ اور حبشی غلام اپنے چچا کے مکان پر چھپے ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد انگوروں کے باغ میں سے گزر کر اُس مکان پر پہنچ گئے۔ دن کا وقت تھا۔ سانو اپنے چچا کے ساتھ باغ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے گھوڑوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حبشی غلام ملکہ پر نظر پڑتے ہی جُھک گیا۔ ملکہ نے گھوڑے پر سے اُتر کر سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ اُس کا بیٹا' اُس کا لختِ جگر شہزادہ ماروت کہاں ہے! عنبر! بولو کا' حبشی غلام اور اُس کا چچا' ملکہ کو مکان کے تہہ خانے میں لے گئے جہاں شہزادہ ماروت مسہری پر لیٹا آرام کر رہا تھا۔ دوڑ کے ماں اور بیٹا ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ملکہ نے شہزادے کو بار بار پیار کیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

" میرے بیٹے، دیوتاؤں کو یہی منظور تھا کہ ہماری سلطنت لُٹ جاتی، تمہارا باپ ہلاک کر دیا جاتا اور محل میں آگ لگا دی جاتی۔ پھر

بھی میں آسمانی دیوتاؤں کا شکر ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے میرے بیٹے کو زندہ رکھا اور مجھے ملا دیا۔

اس کے بعد اس نے عنبر اور یورکا کا شکریہ ادا کیا جس نے موت کے منہ سے نکال کر ماں کو اس کے بیٹے سے ملا دیا پھر اس نے حبشی غلام کا بھی شکریہ ادا کیا جس نے زخمی شہزادے کو ایک غار میں اپنی حفاظت میں رکھا۔ عنبر نے کہا:

"ملکہ عالیہ، ہم لوگوں نے اپنا اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ شاہ بابل نے آپ کے ملک پر حملہ کر کے اتنا بڑا ظلم کیا ہے جس کی سزا اسے ضرور ملنی چاہیے۔"

"وہ وقت ضرور آئے گا عنبر، ہم اسی دن کے انتظار میں زندہ ہیں۔ یہ بتاؤ یورکا، زرکسیر کہاں ہے؟ وہ ہمارا وفادار سپہ سالار ہے۔"

"ملکہ سلامت، زرکسیر یہاں سے ایک رات کے سفر پر ان پہاڑیوں میں گیا ہوا ہے جہاں ہماری وفادار فوجیں غاروں میں چھپی ہوئی ہیں۔"

"ہم زرکسیر سے بہت جلد ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کب تک واپس پہنچ جائے گا۔ کیا اسے معلوم تھا کہ میں یہاں آ رہی ہوں؟"

"انہیں معلوم تھا ملکہ سلامت، لیکن وہ رہا ہونے کے فوراً بعد وفادار سپاہیوں سے ملنا چاہتے تھے۔"

"ٹھیک ہے، یہ زیادہ ضروری تھا۔ زرکسیر ہمارا وفادار اور بہادر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپہ سالار ہے۔ ہمیں اُس پر بہت بھروسہ ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ یمن کے ملک اور بادشاہ کا کیا حال ہے؟"

حبشی غلام کے چچا نے جُھک کر عرض کی:

"ملکہ سلامت، یمن کا بادشاہ اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔ اُسے مخبروں کے ذریعے معلوم ہو چکا ہے کہ شاہ بابل اُس کے مُلک پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن وہ اتنا طاقت ور نہیں۔ اِس لیے وہ شاہ بابل بخت نصر کی خوشامد کرنا ہی بہتر خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے آپ سب لوگوں کو یہاں چُھپائے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ہاں ملکہ سلامت، اگر یمن کے بادشاہ کو علم ہو گیا کہ نینوا کی ملکہ اور وزیر یہاں چُھپے ہوئے ہیں تو شاہ بابل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ضرور گرفتار کر کے بابل بھجوا دے گا۔"

"مگر ہم کب تک اپنے شہزادے اور آپ لوگوں کے ساتھ یہاں چُھپے رہیں گے؟"

یورکا نے کہا:

"جب تک ہم اس قابل نہیں ہو جاتے ملکہ عالیہ کہ نینوا پر چڑھائی کر کے اپنے وطن کو دشمنوں کے پنجے سے آزاد کرا لیں۔"

عتبہ نے کہا:

"اس کے لیے ہمیں شاہ یمن کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنی ہوگی۔"

"کیا ایسا کرنا خطرناک بات نہیں ہوگی؟"

"شاہ یمن کو ہرگز یہ نہیں بتایا جائے گا کہ ملکہ نینوا اور شہزادہ اور زرکسیر یہاں موجود ہیں۔ اُسے شاہ بابل کے خلاف بھڑکایا جائے گا اور اُس کی ہمدردی حاصل کی جائے گی۔"

ملکہ نے کہا:

"یہ فرض سوائے تمہارے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا عنبر، مجھے اُمید ہے کہ میری خاطر جس طرح پہلے تم نے اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں تم یہ کام بھی ضرور کرو گے۔"

عنبر نے کہا:

"آپ پر شاہ بابل نے ظلم کیا ہے ملکہ عالیہ، آپ اپنے ملک میں امن سے رہ رہی تھیں کہ بخت نصر کی فوجوں نے چڑھائی کر کے آپ کے محل کو آگ لگا دی۔ آپ کے اہل خاندان کو قتل کر دیا۔ آپ کی مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی۔"

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی عنبر، اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو میں اور شہزادہ ازدوت ساری زندگی تمہارے شکر گزار رہیں گے۔ ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہ کر سکیں گے۔"

اس پر حبشی غلام نے کہا:

"ملکہ عالیہ، میں بھی عنبر کا شکر گزار ہوں کہ اس نے بڑی جانفشانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے شہزادے کے زخم کا علاج کیا۔ اُس وقت شہزادے کے زخم کی بہت خراب حالت تھی۔ جب عنبر میرے پاس آیا اور اس نے شہزادے کا علاج شروع کیا۔"

یورکا نے کہا:

"اور گورنر قرطاجنہ کے چنگل سے زرکسیر کو آزاد کرانا بھی عنبر ہی کا کام تھا۔ اگر یہ گورنر کا علاج کر کے محل میں شاہی حکیم کا مقام حاصل نہ کرتا تو میں اکیلا ساری زندگی بھی اگر کوشش کرتا رہتا تو زرکسیر کو رہا نہ کرا سکتا تھا۔"

ملکہ نے عنبر کی طرف احسان مند نظروں سے دیکھ کر کہا:

"اور مجھے بخت نصر کے وحشی درندوں کی قید سے آزاد کروا کر لے جانا بھی عنبر ہی کا کام تھا۔ دیوتاؤں کی ہم پر خاص مہربانی ہوئی جو اُنہوں نے عنبر کو ہمارے پاس بھیج دیا۔ اسی لیے تو مجھے یقین ہے کہ ہم ایک نہ ایک دن اپنا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

حبشی غلام حانو کے چچا نے اس مقام پر انگوروں کا شہد ایسا میٹھا رس پیش کرتے ہوئے کہا:

"میری زندگی، یہ زمین اور باغ کی ساری آمدنی اس کام کے لیے وقف ہے۔ میں فخر محسوس کروں گا اگر نینوا کی کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل کرتے ہوئے میری زندگی بھی قربان ہو جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ عالیہ نے خوش ہو کر کہا:

"ہم اپنے تمام وفادار اور جاں نثار ساتھیوں سے خوش ہیں اور ہمیں ان پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ اُن کی مدد ہی سے ہم اپنا کھویا ہُوا وقار اور کھویا ہوا تخت حاصل کر سکیں گے۔"

ملکہ کا بستر شہزادے کی مسہری کے ساتھ ہی لگا دیا گیا۔ وُہ رات انہوں نے تہہ خانے کے کمرے میں، یورکا اور حبشی غلام نے ایک دوسرے کمرے میں اور عنبر نے باہر باغ کے ایک گوشے میں لیٹ کر بسر کی۔ عنبر اب جلد سے جلد زرکسیر سے مل کر شاہ یمن تموریق سے بات چیت کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ زرکسیر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

دو روز اسی طرح گزر گئے۔ تیسرے روز زرکسیر وہاں پہنچ گیا۔ ملکہ نے بڑے فخر اور خوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور اُسے دُعا دی۔ اِس کے فوراً بعد اُنہوں نے ایک خُفیہ اجلاس بُلا کر صلاح مشورہ شروع کر دیا کہ تموریق کی ہمدردیاں کس طرح حاصل کی جائیں؟ عنبر نے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ شاہ بابل بخت نصر یمن پر ضرور حملہ کرے گا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ یمن ایک چھوٹا ملک ہے اور بخت نصر کی نگاہیں کئی دنوں سے اس پر لگی ہیں۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ اُسے یقین دلایا گیا ہے کہ زرکسیر کو یمن کی حکومت نے اغوا کرایا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر یہ بات ہے تو اِسے ہم اپنے حق میں ایک نیک فال تصور کر سکتے ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا یقین اُسے کس نے دلایا ہے ؟"

عنبر نے کہا :

"یہ میں خفیہ طور پر معلوم کر چکا ہوں ۔"

"پھر تو ہمیں ایک پل کی دیر بھی نہیں کرنی چاہیے ۔ ہمیں فوراً حمورابی کے دربار میں رسائی حاصل کر کے اُسے اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلانا چاہیے ۔"

یورکا نے کہا :

"اگر ہم نے حمورابی کی فوجوں کے ساتھ مل کر نینوا سے بخت نصر کی فوجوں کو نکال دیا تو اُس کا کیا ثبوت ہے کہ حمورابی اپنے وعدے پر قائم رہے گا اور ہمارا کھویا ہوا تخت واپس کر دے گا ؟"

عنبر نے بڑے اعتماد سے کہا :

"یہ کام آپ مجھے سونپ دیں ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حمورابی ایک اصول پرست اور بااخلاق بادشاہ ہے ۔ اُس نے اپنی قوم کو جو اخلاقی اصولوں کا ایک قانون دیا ہے ۔ اس میں سچ بولنے اور اپنے وعدے کی پابندی کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ میں کچھ ایسا بندوبست کرلوں گا کہ حمورابی شاہ مین اپنے عہد اور شرطوں سے خلاف جانے کی جرأت نہ کر سکے گا ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرکسیر نے کہا:

"کیا تم اُس کے بیٹے کو یرغمال کے طور پر رکھو گے؟"

"نہیں زرکسیر، میں اس کی ساری سلطنت کو یرغمال میں رکھوں گا۔"

یورکا نے حیرانی سے پوچھا:

"وہ کیسے؟"

"یہ وقت آنے پر معلوم ہوگا۔ کیا تم نے اس کی ایک جھلک اُس وقت نہیں دیکھی تھی جب صحرا میں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کیا تھا؟"

یورکا نے کہا:

"ہاں مجھے یاد ہے۔ تم پر دیوتاؤں کی خاص نظر ہے اور شاید تم جادو بھی جانتے ہو۔ تم ایسا کر سکتے ہو۔ اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔"

زرکسیر نے کہا:

"یہ تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا عنبر جادو بھی جانتا ہے؟ دیوتاؤں کی مہربانی سے کیا مراد ہے؟"

عنبر نے جھٹ کہا:

"زرکسیر، یورکا مذاق کر رہا تھا۔ ہر انسان پر دیوتا اور ربِ عظیم کا فضل ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ سچا آدمی ہے۔ یورکا نے ایک بار سفر کے دوران میں دیکھا تھا کہ جن ڈاکوؤں نے ہمیں رسیوں سے جکڑ کر پھینک دیا تھا۔ آخر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور ہم کو آزاد کر کے ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے معافی کے طلب گار ہوئے ۔"

شہزادے نے حیرانی سے پوچھا :

"کیا تمہیں جادو آتا ہے عنبر ؟"

زرکسیر نے کہا :

"شہزادہ سلامت، ہمیں ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ ضرورت اِس وقت جس چیز کی ہے وہ کمک ہے۔ ہمیں نینوا کے عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ تمورتی شاہ یمن کی ہمدردی حاصل کرنے کی ہمیں کوشش کرنی ہے۔"

ملکہ نے پوچھا :

"ہماری فوج کی تعداد کتنی ہے زرکسیر ؟"

"ملکہ عالیہ، اِس وقت ہمارے پاس وفادار فوج کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ مگر ہمارے وفادار سپاہی دُور دُور سے آکر ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ ہمیں اسلحہ اور منجنیقیں بھی حاصل کرنی ہیں۔ اس کے لیے سونے کی ضرورت ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔"

یہاں پر عنبر نے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا :

"اسلحہ اور منجنیقیں تمورتی سے حاصل کریں گے۔ ہماری تھوڑی فوج شاہ یمن کی بھاری فوج کے شانہ بشانہ لڑکر اُس کا اسلحہ اور اُس کی منجنیقیں استعمال کرکے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرلے گی۔ مجھے یقین ہے ہم کامیاب ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ نے کہا :

" دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں !"

زرکبیر نے کہا :

" عنبر، جیسا کہ تم یہ فرض خود اپنے ذمے لے چکے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد یمن کے دارالسلطنت جا کر حوریل کے دربار میں رسائی حاصل کر کے اُسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش شروع کر دو۔"

" میں اِس مقصد کے لیے کل ہی روانہ ہو جاؤں گا زرکبیر، مجھے صرف یہ بتادو کہ ہم آپس میں کس جگہ ملاقات کر سکیں گے ؟"

یبوکا نے کہا :

" میرے خیال میں یہ انگوروں کے باغ والا مکان ہماری بہترین پناہ گاہ ہے۔ ہم اِس جگہ ہر وقت پیغام بھجوا سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ ملکہ عالیہ، شہزادہ اور ہانو تو مستقل طور پر اسی جگہ رہیں گے۔ صرف میں اور زرکبیر فوجوں کے پاس ہوں گے۔ سرخ پہاڑوں کے غاروں سے تم بھی واقف ہو۔ وہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہیں۔ اگر تمہیں ہم دونوں میں سے کسی کو ملنے کی ضرورت محسوس ہو تو تم وہاں آ کر ہم سے ملاقات کر سکتے ہو۔"

"بہت بہتر، میں آج رات ہی اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

" ہم اِس وقت یمن کے ایک سرحدی گاؤں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہاں سے یمن کا دارالسلطنت صنعائی ایک دن ایک رات کے فاصلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ہے۔ اگر تم آج شام چل پڑو تو کل شام ہونے تک تم صنائی پہنچ جاؤگے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" عنبر نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

اُس نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ وہ یمن کے دارالحکومت صنائی میں ایک سوداگر کی بجائے حکیم کی صورت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ حانو کے چچا نے اسے ایک کاروان سرائے کا پتہ دیا تھا جسے اُس کا ایک دور کا رشتے دار بوڑھا حبشی چلا رہا تھا۔ وہ حبشی عنبر کی مدد کرکے اُسے شہر میں کوئی ایسی دکان یا حویلی لے کر دے سکتا تھا جہاں بیٹھ کر وُہ بیماروں کا علاج کرکے اپنا نام پیدا کرسکتا تھا۔ عنبر کے پاس کچھ سونے کے سکے محفوظ پڑے تھے۔ ملکہ نے اسے اپنا ایک قیمتی ہار دینا چاہا مگر عنبر نے اسے لینے سے انکار کردیا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ ملکہ عالیہ، مجھے اتنی دولت کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس ایسا فن ہے کہ میں بہت جلد دولت پیدا کر سکتا ہوں۔ لیکن میرا مقصد دولت پیدا کرنا نہیں ملکہ صنائی میں رہ کر شاہ یمن حمورتی کے دربار تک رسائی حاصل کرنا ہوگی۔"

"پھر بھی عنبر بیٹے، تمہیں ضروری اخراجات کے لیے پیسوں کی تو ضرورت ہوگی۔"

"اتنی رقم میرے پاس موجود ہے ملکہ عالیہ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جیسے تمہاری مرضی۔"

سارا دن عنبر تیاریوں میں مصروف رہا۔ دوسری طرف زرکیر اور پورکا بھی سرخ پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ شام ہوئی سورج کی گرمی ذرا کم ہوئی تو عنبر نے بھی ملکہ اور شہزادے سے اجازت لی اور دارالحکومت حنائی کی جانب اپنا سفر شروع کر دیا۔ اُس نے حانو اور اُس کے چچا کو تاکید کر دی تھی کہ وہ شہزادے اور ملکہ کی پوری طرح دیکھ بھال کریں اور کسی حالت میں بھی کسی اجنبی پر اعتبار نہ کریں۔ اُسے یقین تھا کہ تجربہ کار حانو اور سمجھ دار چچا ان ہدایات پر ضرور عمل کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ مطمئن ہو کر سفر کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوی بلطیس

●

یمن ایک رات کے فاصلے پر تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا عنبر نے ایک لمبا چوڑا صحرا عبور کر لیا تھا اور اب جس میدان میں سے گزر رہا تھا وہ چٹانوں اور چھوٹی چھوٹی جلی ہوئی سخت پہاڑیوں سے بھرا ہوا تھا۔ راستے میں کہیں کہیں پتھروں کے نیچے کوئی چشمہ اور تھوڑی بہت گھاس اُگی ہوئی مل جاتی اور عنبر گھوڑے کو تازہ دم کر لیتا۔ درخت کا کہیں دُور دُور تک نام و نشان تک نہ تھا۔ سخت پتھریلی زمین پر گھوڑا سست رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ ایک پہاڑی کا موڑ کاٹ کر عنبر اچانک سامنے ایک سُرخ رنگ کا ٹیلہ دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ اس علاقے میں سُرخ رنگ کا پہاڑ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا آہستہ آہستہ چلتا اُس پہاڑ کے قریب سے گزرنے لگا تو ایکا ایکی اُس کے کانوں سے ایک بوڑھی عورت کی کمزور اور غمگین آواز ٹکرائی۔

"ہے بابا! کوئی مسافر اس غریب عورت پر رحم کرے۔"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ اس بربہ اجاڑ ویرانے میں یہ عورت کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آگئی ؟ وہ آواز کے پیچھے چلتا ہوا ایک جگہ آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت زمین پر پتھر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہے اور بار بار یہی جُملہ دُہرائے جا رہی ہے۔ عنبر اُس کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ اُس نے پُوچھا :

"بی بی، تمہیں کیا تکلیف ہے ؟"

عورت نے اپنی بوڑھی پلکیں اُٹھائیں تو عنبر کو یُوں لگا جیسے اُن آنکھوں میں بڑی خوفناک کشش تھی۔ عورت کہنے لگی :

"بیٹا، دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ مَیں تو بوڑھی ہُوں اور اِس دُنیا میں کوئی دن کی مہمان ہُوں۔ لیکن اس پہاڑ کے اندر ایک غار ہے۔ اِس غار میں میرا ایک جوان بیٹا مر رہا ہے۔ اُسے سانپ نے کاٹ کھایا ہے۔ اگر تم اس کی زندگی بچا سکتے ہو تو اُس کی مدد کرو۔ مَیں ساری زندگی تمہیں دُعا دوں گی !"

عنبر نے بوڑھی عورت سے کہا :

"بی بی، گھبراؤ نہیں۔ میرے پاس ایسی دوائی ہے کہ تمہارا بیٹا جلد اچھا ہو جائے گا۔ کیا وُہ اس سامنے والے غار کے اندر ہے ؟"

"ہاں بیٹا، وُہ اسی غار کے اندر پڑا ہے۔ دیوتاؤں کے لیے اس بوڑھی عورت پر رحم کرو اور میرے بچّے کی جان بچا لو !"

عنبر نے بوڑھی عورت کو تسلّی دی اور گھوڑا باہر ایک پتھر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ باندھ کر غار کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ غار ایک نیم روشن سرنگ نما تھا جس کی اونچی چھت میں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ عنبر جوں جوں غار کے اندر جا رہا تھا، اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور روشنی کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ عنبر بڑا حیران تھا کہ آخر اس بوڑھی عورت کا بیٹا کہاں پڑا ہوا ہے۔ ایک جگہ پہلو میں عنبر نے ایک دروازہ دیکھا جس کے اندر سے کسی مرد کے آہستہ آہستہ کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی آدمی درد کی وجہ سے رو رہا ہے۔ عنبر سمجھ گیا کہ بوڑھی عورت کا بیٹا یقیناً اسی غار کے اندر ہے۔

وہ بے دھڑک اِس دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اُس کا غار کے اندر داخل ہونا تھا کہ پیچھے ایک بھاری پتھر آن گرا اور دروازے کا منہ بند ہو گیا۔ عنبر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہاں تو باہر جانے کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں پیچھے پلٹ کر پتھر کو ہلانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ پتھر اِس قدر بھاری تھا کہ عنبر اگر ساری زندگی بھی لگا رہتا تو اُسے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی آدمی کے رونے کی آواز آنا بھی بند ہو گئی تھی۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا اُسے کسی سازش میں اُلجھایا گیا ہے؟ مگر یہاں اِس ویرانے میں اُس کا کون دشمن ہو سکتا تھا؟ اس

نے سوچا کہ ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور آگے چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ اُس کے ساتھ یہ شرارت کون کر رہا ہے؟

غار میں اب روشنی کم ہوگئی تھی۔ پھر بھی ایک طرف سے روشنی کی ہلکی سی لکیر غار کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ عنبر روشنی کی اس لکیر کے ساتھ ساتھ روانہ ہوگیا۔ غار موڑ گھوم گیا۔ اِس کے ساتھ ہی گرمی کی شدّت میں اضافہ ہونے لگا۔ وُہ تعجب کرنے لگا کہ یہ ٹھنڈے غار میں گرمی کہاں سے آگئی۔ غار کے آخری سرے پر پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ ایک گہرے گڑھے میں لاوا کھول رہا تھا۔ یہ گڑھا ایک کنوئیں کی طرح تھا۔ عنبر کے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس کو بوڑھی عورت نے اپنی سازش میں پھنسا دیا تھا۔ یقیناً وہ عورت کوئی جادوگرنی یا چڑیل تھی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سارا غار خوفناک قہقہوں سے گونج اٹھا۔ وُہ غار کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ قہقہے کسی بہت بڑے جن کے معلوم ہو رہے تھے۔ عنبر نے سُن رکھا تھا کہ یمن کے راستے میں کہیں کہیں غاروں میں فراعنہ مصر کے وقتوں کی غم زدہ پریشان رُوحیں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔

مگر عنبر نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی۔ اب وہ اُس جگہ پھنس گیا تھا جو بھٹکتی ہوئی روحوں کا ٹھکانہ تھی۔ عنبر پیچھے ہٹنے لگا۔ مگر پیچھے بھی اب راستہ بند ہو چکا تھا۔ بائیں جانب اسے ایک چھوٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے غار کا منہ دکھائی دیا۔ وہ بے دھڑک ہو کر اس غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار کیا تھی ایک قسم کا قید خانہ تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی غار کا منہ بند ہو گیا اور عنبر پتھروں کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں قید ہو کر رہ گیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ اُس کے ساتھ کیا واقعہ گزر رہا ہے۔ خواہ مخواہ اُس نے بوڑھی عورت کی آواز پر رُک کر اُس سے سوال پُوچھا۔ اچھا بھلا وہ اپنے سفر پر جا رہا تھا۔

"اے نوجوان، مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ میں اِس پہاڑی علاقے کا سب سے بڑا اور سب سے طاقت ور دیو ہوں۔ مَیں نے بوڑھی عورت کا روپ دھار کر تجھے اندر بُلایا اور اب تجھے کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گا "

یہ آواز غار کی چھت کی طرف سے آ رہی تھی۔ عنبر سمجھ گیا کہ کسی پریشان بدرُوح کے شکنجے میں پھنس گیا ہے اور اب یہاں سے اُس کا آسانی سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔ بھوت کی آواز نے ایک پَل کے لیے اُسے پریشان بھی کیا۔ پھر وہ اپنے حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے بلند آواز سے بولا:

"تم مجھے نہیں کھا سکو گے اے انجان بھوت!"

جن کا ایک بھیانک قہقہہ گونجا:

"ہا ہا ہا ہا، اے کمزور انسان، تجھے اپنی طاقت پر یہ گھمنڈ ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو بدقسمت ہے کہ اِدھر آگیا۔ تجھے تیری موت ہی گھیر کر میرے پاس لائی ہے۔ اب دُنیا کی کوئی طاقت تجھے میری قید سے رہائی نہیں دلا سکتی۔ مَیں ابھی تجھے ہڑپ کر جاؤں گا۔"

عنبر کو معلوم تھا کہ جن ایسا نہ کرسکے گا۔ کیونکہ وُہ مَر نہیں سکے گا اور چونکہ وہ مَر نہیں سکتا اس لیے جن اپنی ہر کوشش میں ناکام ہوگا۔ اس نے پھر بلند آواز میں کہا :

"اے ناسمجھ بھُوت، تو نے مجھے یہاں بُلا کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ اِس کا احساس ابھی تمہیں ہو جائے گا۔"

"بکواس بند کرو اور میرا ناشتہ بننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"مَیں تیار ہُوں، تم اپنا کام شروع کرو۔"

اچانک غار کی چھت شق ہو کر پھٹی اور ایک لمبے لمبے سینگوں والا اُونچا لمبا سیاہ بھُوت نمودار ہو کر سامنے آگیا۔ اُس کے نوکیلے دانت ٹھوڑی سے بھی نیچے آرہے تھے اور سُرخ آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ناخون لمبے لمبے اور نوکیلے تھے۔ سارے بدن پر ریچھ کی طرح سیاہ بال اُگے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ عنبر اُسے دیکھ کر بے ہوش ہو جائے گا۔ لیکن اس کی بجائے عنبر بڑے سکون سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور جن کو دیکھتے ہُوئے بولا :

"تھوڑی دیر بعد تم میرے غلام ہو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ابھی یہاں سے بھاگ جاؤ اور پھر کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔"

جن مکروہ قہقہہ مار کر ہنسا :

"میں تمہاری زبان تالو سے کھینچ لوں گا۔"

اتنا کہہ کر جن نے اپنا بہت بڑا ہاتھ آگے بڑھایا اور عنبر کو مٹھی میں لے کر ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ عنبر اس کے ہاتھ میں یوں آ گیا جیسے ہاتھی کی سونڈ میں بلی کا چھوٹا سا بچہ ہو۔ عنبر نے کوئی حرکت نہ کی۔ جن نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ میں آگ کا انگارہ آ گیا ہے۔ اس نے چیخ مار کر ہاتھ کو جھٹک دیا اور عنبر دور جا گرا۔ پتھروں پر گرنے سے عنبر کو کوئی چوٹ نہ آئی۔ جن غضب ناک ہو گیا۔ اس نے پاؤں آگے بڑھا کر عنبر کے اوپر رکھ دیا اور چاہتا تھا کہ اسے کچل کر رکھ دے کہ اس نے دوبارہ چیخ مار کر پاؤں کو جھٹک دیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے اپنا پاؤں آگ میں ڈال دیا ہو۔

جن اور زیادہ غصے میں آ گیا۔ اب اس نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے اوپر پھینک دیا۔ اتنا بڑا پتھر اگر کسی دو منزلہ عمارت پر گرتا تو وہ چکنا چور ہو جاتی۔ مگر عنبر کے اوپر گرتے ہی پتھر روئی کے گالے کی طرح پرے جا گرا اور عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اس نے بلند آواز میں کہا :

"میں نے کہا تھا ناں کہ تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ لو اب میرے انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے تلوار کھینچ کر ایک بھرپور وار جن کے پاؤں پر کیا۔ بجلی کا شعلہ سا لپکا اور جن کا ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ جن نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ سارے غار میں زلزلہ آ گیا اور چھت سے بڑے بڑے پتھر گر کر ٹوٹنے لگے۔

عنبر نے دوسرا وار کیا تو جن زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے ایک پل ضائع کیے بغیر تلوار سے جن کی دونوں آنکھوں کو زخمی کر دیا۔ جن اندھا ہو چکا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مگر عنبر کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا تھا۔ وہ عنبر کو ذرا سا ہاتھ لگاتا تو اُس کا ہاتھ جل جاتا اور وہ چیخنے لگتا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تلوار ماری اور جن کی گردن کٹ کر علیحدہ ہو گئی۔ جن مر گیا۔ جن کے مرتے ہی غار کا پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ لاوے کا کھولتا ہوا کنواں غائب ہو گیا اور غار میں روشنی ہو گئی۔ عنبر روشنی کی طرف آگے بڑھنے لگا۔

یہ روشنی غار کے باہر سے آ رہی تھی۔ عنبر تھوڑی دیر بعد غار سے باہر آ گیا۔ باہر وہ بوڑھی عورت غائب ہو چکی تھی اور اُس کا گھوڑا اُسی طرح پتھر کے ساتھ بندھا سوکھی گھاس کھا رہا تھا۔ عنبر کو یہ سب کچھ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح معلوم ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس قسم کا خوفناک تجربہ اُس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ پھر بھی اسے اس بات کی خوشی تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے شیطانی دیو کو ہلاک کر دیا اور اب وہ دُوسرے بے گناہ مسافروں کو ہلاک نہ کر سکے گا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی۔ عنبر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ وُہ آرام کیے بغیر ساری رات سفر کرنا چاہتا تھا تاکہ صبح صبح یمن کے دارالحکومت صنائی میں پہنچ جاتے۔

آسمان پر ستارے چمکنے لگے تھے۔ وہ سفر کر رہا تھا اور رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اردگرد ویرانے میں گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔ اچانک فضا میں کسی شیر کی دھاڑ گونج اُٹھی شیر کی خوفناک گرج سُن کر گھوڑا ڈر کر اُچھلا اور عنبر اگر اُسے قابو میں نہ رکھتا تو وُہ ضرور اُسے پتھروں پر گرا کر بھاگ جاتا۔ عنبر جلدی سے گھوڑے پر سے اُتر پڑا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک پتھر کے ساتھ کس کر باندھ دیا اور تلوار کھینچ کر پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر شیر کا انتظار کرنے لگا۔ وُہ تلوار سے شیر کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ اُس نے اس سے پہلے کبھی بھی شیر کا شکار نہیں کیا تھا۔ مگر اُس کا دل مضبوط تھا اور اُسے یقین تھا کہ شیر کو مار ڈالے گا۔

شیر کی گرج ایک بار پھر گونجی۔ اب کے شیر کی آواز بہت قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ گھوڑے نے اُچھلنا کُودنا بند کر دیا تھا۔ اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا اور وہ سہما ہوا کھڑا تھا۔ ایک دم سے شیر پتھروں کے عقب سے نمودار ہوا اور اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر پر چھلانگ لگائی۔ عنبر نے زور سے تلوار کا وار کیا۔ تلوار کا وار خالی گیا۔ شیر ایک بار پھر عنبر پر حملہ آور ہُوا۔ عنبر نے زور سے دوسری بار تلوار کا وار کیا۔ شیر اِس دفعہ بھی بچ گیا۔ تیسری بار حملہ کرنے کی بجائے شیر ذرا دُور کھڑا ہو کر عنبر کی طرف دیکھ کر غرّانے لگا۔ عنبر تلوار ہاتھ میں لیے اُٹھ کھڑا ہُوا اور قدم قدم شیر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اِس لیے بھی بے دھڑک ہو گیا تھا کہ اُسے اپنے بارے میں تو معلوم ہی تھا کہ وہ مرے گا نہیں۔ مرے گا تو شیر ہی۔ اِس خیال نے اُسے بڑی طاقت دی اور وہ تلوار ہاتھ میں لیے شیر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ایکا ایکی وہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دُور جا گری۔ تلوار کا گرنا تھا کہ شیر چھلانگ لگا کر عنبر کے اُوپر آ گیا۔ اُس نے پُوری طاقت سے عنبر کو ایک تھپڑ مارا۔ شیر کا بھرپور تھپڑ اگر ہاتھی بھی کھا لے تو اُس کا چہرہ اُڑ جاتا ہے۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا بلکہ اُلٹا شیر کا پنجہ زخمی ہو گیا۔ شیر نے دوسری بار عنبر کی گردن پر پنجہ مارا۔ مگر اس دفعہ بھی عنبر بچ گیا اور شیر کے پنجے سے خون بہنے لگا۔

شیر غصّے میں زور سے گرجا اور اس نے عنبر کا چہرہ سالم کا سالم اپنے منہ میں ڈال لیا۔ عنبر نے شیر کے منہ میں جا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایک پل کے لیے بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ شیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اپنے لمبے نوکیلے دانت عنبر کی گردن میں ڈالے ہوئے تھے مگر عنبر کو ذرا سی بھی درد نہیں ہو رہی تھی۔ شیر نے دو ایک بار زور سے جھٹکا دیا تاکہ عنبر کی گردن دھڑ سے الگ ہو جائے۔ مگر بجائے گردن الگ ہونے کے شیر کے دونوں دانت ٹوٹ گئے اُس نے درد کی شدت سے چیخ کر منہ کھول دیا اور عنبر نے جھٹ اپنا سر نکال لیا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے شیر کی گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ اُس وقت عنبر کے ہاتھوں میں زبردست طاقت آگئی تھی اور شیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آگئی ہے۔ اس کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور اُس کے ساتھ ہی شیر غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک انتہائی خوب صورت نازک سی عورت کی گردن عنبر کے پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ عنبر نے فوراً اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

خوبصورت عورت اپنی گردن کو سہلانے لگی اور بولی:

"اے نوجوان! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھ کو معاف کر دے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تو عام انسان نہیں ہے بلکہ کوئی آسمانی دیوتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میں آسمانی دیوتا نہیں ہوں، بلکہ ایک عام انسان ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں، ایک عام انسان کے پاس اتنی طاقت کبھی نہیں ہو سکتی جتنی طاقت تمہارے پاس ہے۔ تم یقیناً آسمانی دیوتا ہو۔ تمہیں اِس کا علم نہیں ہے۔"

"مجھے اس کا اچھی طرح علم ہے کہ مَیں ایک عام انسان ہوں اور کوئی آسمانی دیوتا نہیں ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میری قسمت میں مرنا نہیں لکھا ہوا۔"

"کیا کہا؟ تمہاری قسمت میں مرنا نہیں لکھا؟"

"ہاں۔"

"تو کیا تم ہمیشہ سے زندہ ہو؟"

"ہاں، میں دو ہزار برس سے زندہ ہوں۔ یہ ایک راز ہے جو مَیں تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔"

خوب صورت عورت نے عنبر کی طرف دیکھ کر مُسکرا کر کہا:

"میری قسمت میں بھی ہمیشہ کی زندگی لکھی ہوئی ہے۔ مَیں بھی کبھی نہیں مَر سکتی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم دونوں شادی کر لیں اور ساری زندگی اِس پُرفضا وادی میں بسر کریں۔ قیامت تک زندہ رہیں۔"

عنبر نے کہا:

"مَیں ایسا نہیں کر سکتا۔ مَیں ایک مقصد لے کر گھر سے نکلا ہوں۔ اور جب تک میرا وہ مقصد پُورا نہیں ہو جاتا مَیں چَین سے نہیں بیٹھ سکتا۔"......

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

" مقصد کیا ہے اے نوجوان ؟"

" مَیں تجھ سے بیان نہیں کروں گا۔ یہ ایک راز ہے جو میرے دل میں پوشیدہ ہے "

" ہو سکتا ہے مَیں تمہاری کچھ مدد کر سکوں "

" مجھے ربّ عظیم کی مدد کے سوا اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے "

عورت نے خوش ہو کر کہا :

" مَیں تمہارے کردار کی بلندی سے بے حد خوش ہُوں۔ تم صرف ایک طاقت ور انسان ہی نہیں ہو بلکہ ایک عظیم کردار کے مالک انسان بھی ہو۔ تم مجھے اپنی زندگی کا مقصد بے شک نہ بتاؤ۔ لیکن اتنا ضرور بتا دو کہ میں تمہاری اور کیا مدد کر سکتی ہُوں ؟"

" تمہارا شکریہ، مگر تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے ؟"

" میرا نام دیوی بلطیس ہے اور مَیں ربّ مردوک کے دربار سے ٹھکرائی ہُوئی رُوح ہُوں۔ مَیں نے ایک گناہ کیا تھا جس کی سزا مجھے یہ ملی کہ مَیں شیرنی بن کر اپنی خوراک پیدا کرنے پر مجبور ہُوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی کیا خدمت کر سکتی ہُوں ؟"

عنبر نے کہا :

" مَیں یمن کے دارالحکومت صنائی جا رہا ہُوں۔ مجھے وہاں بہت ضروری کام ہے۔ وہاں سے واپس آ کر اگر یہاں سے گزرا اور کوئی کام ہُوا تو تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ اس وقت میں اکیلا ہی اپنی مدد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں گا۔"

دیوی بلطیس نے کہا :

"اے عظیم کردار کے مالک نوجوان، مجھے تمہاری باتوں سے کسی شاہی خاندان کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ ایک اعلیٰ خاندان کا نوجوان ہی اتنا بلند ہمت اور بلند کردار ہو سکتا ہے۔"

عنبر کہنے لگا :

"دیوی بلطیس، مَیں اِس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ بہرحال تمہارا شکریہ ۔۔۔۔ واپسی پر ملاقات ہو گی۔"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھنے لگا تو دیوی بلطیس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک کر کہا :

"ملک یمن کے شہر صنائی کے باہر ایک ویران مندر میں میری چھوٹی بہن سائیکہ رہتی ہے، یہ لو میری انگوٹھی۔ وہاں اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہُوئی تو ویران مندر میں جا کر تین بار میری بہن کو آواز دینا اور اُسے یہ انگوٹھی دکھانا وُہ تمہاری ضرور مدد کریگی۔"

"مَیں تمہارا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہُوں بلطیس۔"

"دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔"

عنبر نے دیوی بلطیس سے انگوٹھی لے کر جیب میں رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دیوی بلطیس غائب ہو چکی تھی۔ عنبر کے سوار ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی گھوڑے نے بھی شاید اطمینان کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ جتنی دیر عنبر دیوی بلبلیس سے باتیں کرتا رہا، گھوڑا تھر تھر کانپتا رہا تھا۔ جوں ہی دیوی بلبلیس غائب ہوئی گھوڑے کی جان میں جان آئی اور عنبر نے سوار ہو کر باگیں ڈھیلی چھوڑیں تو گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔ اُس وقت رات گزر چکی تھی اور آسمان پر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ اِس صبح کی روشنی میں عنبر کو یمن کے شہر صنائی کے مکان اور فصیلِ شہر کے برج صاف نظر آ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل کی سازش

دن چڑھے عنبر یمن کے دارالسلطنت صنائی پہنچ گیا۔

اس زمانے میں حموربی کے دورِ حکومت میں صنائی ایک خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ بازاروں اور گلیوں میں صفائی کا بڑا اچھا انتظام تھا اور دکانیں ریشمی کپڑے، گرم مصالحے، زیتون کے تیل اور دوسرے ضروری سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ لوگ امن پسند تھے۔ حموربی کے اخلاقی قانون کی وجہ سے ہر طرف امن امان تھا اگر کوئی پریشانی تھی تو صرف یہ کہ شاہ بابل بخت نصر کی جانب سے ہر وقت حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ حموربی نے اگرچہ کافی فوج جمع کر رکھی تھی، پھر بھی شاہ بخت نصر کے مقابلے میں اس کی فوج کا سازوسامان کم تھا۔ اصل میں حموربی نے تخت پر بیٹھتے ہی ساری توجہ اپنے ملک کے لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ جنگ کی تیاریوں کی طرف سے وہ غافل رہا تھا۔ شاہ بابل کی طرف سے حملے کے خطرے نے اسے بیدار کر دیا تھا اور اب وہ بھی دن رات جنگی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

عنبر اتنے بڑے شہر میں اجنبی تھا۔ وہ اس کاروان سرائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پتہ معلوم کرنے لگا جس کے مالک کے پاس حانو کے حبشی چچا نے اسے روانہ کیا تھا۔ یہ کاروان سرائے شہر کے وسط میں تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک دُبلا پتلا سفید بالوں والا کالا حبشی ایک بڑی سی چوکی پر بیٹھا لوہے کی ایک کڑاہی میں زیتون کا تیل ڈالے مچھلی تل رہا ہے۔ اندر تیل کا دُھواں اور تیز بُو پھیلی ہُوئی تھی۔ عنبر نے پُوچھا :

"میں اِس کاروان سرائے کے مالک سے ملنا چاہتا ہُوں"

اُس آدمی نے کہا :

"مَیں ہی مالک ہُوں۔ تم کہاں سے آئے ہو ؟"

جب عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ حانو کے چچا کے پاس سے آ رہا ہے جس کا انگوروں کا باغ ہے تو وہ حبشی مالک بڑا خوش ہوا اور اُس نے عنبر سے کہا :

"یہاں بیٹھ جاؤ نوجوان، تمہارا نام کیا ہے ؟"

"میرا نام عنبر ہے"

"تم یہاں کیا کرنا چاہتے ہو ؟"

"مَیں یہاں ...."

حبشی مالک نے اُس کی بات کاٹ کر کہا :

"یہاں کاروبار کرنے کے لیے بہت سرمائے کی ضرورت ہے بیٹا۔ اِس لیے کہ یہاں کے حالات پُرامن ہیں مگر چیزیں بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہنگی ہیں۔ اِس لیے کہ ہم لوگ جنگی تیاریاں کر رہے ہیں"

عنبر نے پوچھا :

"جنگی تیاریاں ؟ مگر کس کے خلاف ؟"

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بابل کا بادشاہ بخت نصر ہم پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے ؟ ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اُسے ایسا سبق سکھائیں گے کہ پھر وُہ ساری زندگی یمن کا رُخ نہ کر سکے گا !"

عنبر بولا :

"اِس جدوجہد آزادی میں میری تلوار بھی یمن والوں کے ساتھ شاہ بابل کی حملہ آور فوجوں کا مقابلہ کرے گی !"

"شاباش نوجوان، ہم اپنے ملک میں آنے والے ہر نوجوان سے یہی توقع رکھتے ہیں۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس قسم کا کاروبار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو ؟"

عنبر نے کہا :

"میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں نے طب کا فن سیکھا ہوا ہے۔ میں اِس شہر میں طبابت کر کے روزی کمانا چاہتا ہوں، اگر آپ اِس سلسلے میں میری کوئی مدد کریں تو میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا !"

"مگر برخوردار میں تمہاری کس قسم کی مدد کر سکتا ہوں۔ اب میں یہ تو نہیں کر سکتا کہ اِدھر اُدھر سے بیماروں کو کندھے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھا کر تمہارے پاس لاتا رہوں۔"

"نہیں نہیں محترم، اِس کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف میری اتنی مدد کریں کہ مجھے اس شہر میں کسی موزوں جگہ پر کوئی بارہ دری یا چوبارہ یا حویلی لے دیں۔ جہاں میں اپنا ہسپتال کھول کر بیماروں کا علاج کر سکوں۔"

"یہ کام میں ضرور کر دوں گا۔ لیکن جب تک میں تمہارے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش نہیں کرتا، تم ایسا کرو کہ میری اس سرائے کے پیچھے ایک چوبارہ خالی ہے۔ تم وہاں اپنا عارضی ہسپتال بنا سکتے ہو۔ کیا تم راضی ہو؟"

عنبر نے سوچا کہ جب تک کوئی اچھی جگہ نہیں ملتی، سرائے کے چوبارے میں ہی کام کرنا چاہیے اور چل پھر کر ذرا شہر کے سیاسی حالات دریافت کرنے چاہئیں اور اِس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ شاہ یمن کے دربار تک کس طرح رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اُس نے کہا:

"ٹھیک ہے محترم، میں تیار ہوں۔"

"شاباش، آؤ میرے ساتھ۔"

سرائے کا مالک عنبر کو ساتھ لے کر سرائے کے پچھواڑے چوبارے میں آ گیا جو خالی پڑا تھا۔ اگرچہ یہ جگہ بڑے بازار سے ہٹ کر تھی۔ مگر عنبر کا مقصد کاروبار کرنا نہیں تھا۔ اِس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے کہا :

"یہ جگہ مجھے پسند ہے، آپ کا شکریہ محترم۔ میں آج سے ہی یہاں کام شروع کر دوں گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا :

"میں شہر کے با اثر لوگوں سے تمہارا تعارف کروا دوں گا۔ اس طرح لوگوں کو تمہارے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ تم حکیم ہو اور پھر وہ لوگ تمہارے پاس علاج کی غرض سے آنا شروع ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔"

سرائے کا مالک بہت شریف اور ذمے دار آدمی تھا۔ اُس نے شام ہونے سے پہلے پہلے لوگوں میں یہ بات مشہور کر دی کہ ملک افریقہ سے ایک بہت ہی لائق حکیم اُس کی سرائے میں اُترا ہے اور بیماروں کا علاج بڑی کامیابی سے کرتا ہے۔ دو تین روز کے اندر اندر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی۔ اِس اثنا میں عنبر نے بھی اپنے چھوٹے سے ہسپتال میں ہر بیماری کی دوا شیشی میں ڈال کر رکھ لی تھی۔ اُس کے پاس مریض عورتیں، بچے اور بوڑھے آنا شروع ہو گئے۔ عنبر نے اُونچے طبقے میں کافی واقفیت پیدا کر لی تھی۔ اِس کے مطب میں دربار حموربی کے اُمراء کی بیگمات بھی آتی تھیں جن کی زبانی انہیں معلوم ہوتا رہتا تھا کہ بادشاہ حموربی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا سوچتا ہے ۔

کیوں کہ دربار کی سوچ بادشاہ کی سوچ ہوتی ہے ۔ لیکن اُس نے محسوس کیا کہ حمورابی ذرا مختلف بادشاہ ہے ۔ وہ اپنے فیصلوں کے لیے دربار کا پابند نہیں ہے ۔ یہ بات پہلی بار اُس نے محسوس کی تھی ۔ دو ہزار برسوں سے وہ دیکھتا آیا تھا کہ بادشاہوں کو درباریوں نے اپنے قابو میں کیے ہوا تھا ۔ وزیر اور بڑے مندر کے پجاری بادشاہ کی رائے پر حکومت کرتے تھے ۔ مگر یہاں ایک مختلف بادشاہ تھا ۔ وہ درباریوں سے مشورہ ضرور لیتا تھا مگر فیصلہ اُس کا اپنا ہوتا تھا ۔ وہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا اور اسی پر عمل کرتا ۔

عنبر کو اس شہر میں کام کرتے ایک مہینہ ہوگیا تھا ۔ اس دوران میں اُسے شہزادے، ملکہ اور زرکسیز کی طرف سے کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ۔ ایک روز وہ ایک بیمار کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک اجنبی اُس کے ہسپتال میں داخل ہوا ۔ اس نے اپنا منہ سر کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا ۔ وہ ایک طرف ہوکر لکڑی کے تختے پر بیٹھ گیا ۔ عنبر نے سوچا کہ یہ بھی کوئی مریض ہے جب وہ اُس کی طرف متوجہ ہوا تو اجنبی نے اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا ۔ وہ یورکا تھا ۔ عنبر اپنے پُرانے ساتھی کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا ۔ وہ یورکا کو لے کر اندر کمرے میں آگیا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورکا نے کہا:

"عنبر، کیا تم نے حموربی کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی کامیابی حاصل کی؟"

عنبر نے کہا:

"ابھی تک میں صرف چند ایک درباریوں کے ساتھ تعلقات پیدا کر سکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ایک آدھ مہینے کے اندر اندر دربار میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اس وقت تک بڑی دیر ہو جائے گی عنبر، زرکسیر نے ساری وفادار فوج کو ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ ہمارے خفیہ جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ شاہ بابل اس سال یمن پر حملہ کر دے گا۔"

"تو پھر کیا کیا جائے۔ حموربی کے دربار تک پہنچنا خاصا مشکل کام نظر آ رہا ہے۔"

"مگر تمہارے لیے تو یہ کام مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک ہے، مگر میں پہلی بار محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے دقت محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن میں کامیاب ضرور ہوں گا۔ تم میری طرف سے زرکسیر کو جا کر اطلاع کر دو کہ وہ کچھ روز اور صبر کرے۔"

"میں موسم بہار میں تمہارے پاس آؤں گا۔"

"ہاں، موسم بہار میں مجھے پوری امید ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے پھر میں تمہیں بادشاہ کے دربار میں ہی بلوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب مجھے اجازت دو۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

عنبر نے اُس سے شہزادے اور ملکہ کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا :

"وُہ بالکل خیریت سے ہیں اور جانو کے ساتھ اُس کے چچا کے گھر میں بالکل محفوظ ہیں۔"

"یہ تم لوگوں کا فرض ہے کہ اُن کی ہر حالت میں حفاظت کرو۔ اگر وُہ دُشمن کے قابو میں آگئے تو ہمارے لیے نینوا کا تخت حاصل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو عنبر، دُشمن اُن کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ وہ سارا دن تہہ خانے میں رہتے ہیں۔ صرف رات کو تھوڑی دیر کے لیے باہر آکر انگوروں کے باغ میں ٹہل لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، مجھے تم لوگوں سے یہی اُمید تھی۔"

یورکا واپس چلا گیا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اگر وُہ اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے حالات کے بدلنے کا انتظار کرتا رہا تو اُسے بہت دیر ہو جائے گی۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جلد از جلد حورتی کے دربار تک پہنچا جائے۔ وہ انہی خیالات میں سارا دن غلطاں رہا۔ رات کو ہسپتال کا دروازہ بند کر کے وہ سو گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی کہ اچانک کسی نے اُسے جگایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون ہو تم ؟" عنبر نے ہڑبڑا کر اُٹھتے ہُوئے پُوچھا۔

اجنبی ایک بُوڑھی عورت تھی۔ اُس نے رو کر کہا :

"بیٹا، میری بیٹی بہت سخت بیمار ہے۔ وہ مرنے والی ہے۔ وُہ میرے گھر پر پڑی ہے۔ دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ چل کر اُس کی جان بچا لو۔ وُہ میری اکیلی بیٹی ہے۔"

عنبر کے دل میں اُس عورت کے لیے بڑی ہمدردی پیدا ہُوئی وہ اُسی وقت تیار ہو کر، ضروری دوائیں ساتھ لے کر بوڑھی عورت کے ساتھ چل پڑا۔ وہ عورت شہر کی سنسان گلیوں میں سے نکل کر شہر کے باہر ایک ویران سے مکان میں آ گئی۔

"اندر آ جاؤ بیٹا"

عنبر مکان کے اندر داخل ہُوا تو کسی نے اس کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ کر کہا :

"چُپ چاپ اِدھر آ جاؤ!"

عنبر چُپ چاپ اس کے ساتھ ایک طرف آ گیا۔ مکان کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ بوڑھی عورت بھی کہیں غائب ہو گئی شمعدان کی لَو اُونچی کر دی گئی۔ اُس کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ ایک آدمی تخت پر پڑا ہے اور اس کے بازو پر گہرا زخم لگا ہے۔

"اس کا علاج کرو۔ تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا۔ اگر تم نے انکار کیا اور کسی کو خبر کی تو تمہاری گردن قلم کر کے تمہارے گھر

کو آگ لگا دی جائے گی؟"

عنبر نے محض انسانی ہمدردی کی خاطر مریض کا زخم دیکھنا شروع کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی سے خوف ہرگز نہیں کھاتا تھا۔ کوئی اُس کا کچھ بگاڑ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اُس کے بازو پر تلوار کا زخم لگا تھا۔ اُس نے مریض کا زخم گرم پانی سے دھو کر دوائی لگانی شروع کر دی۔ اِس دوران میں وُہ لوگ جو شکل و صُورت سے ڈاکو معلوم ہوتے تھے، آپس میں کسی اجنبی زبان میں باتیں کرتے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر اس زبان سے واقف نہیں۔ مگر عنبر وُہ زبان جانتا تھا۔ وُہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ بادشاہ حمورّبی کے محل میں داخل ہو کر اُسے قتل کر دیا جائے اور یُوں بخت نصر کے حملے کے لیے راہ ہموار کی جائے۔

اب عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ شاہ بابل کے جاسوس ہیں اور یہیں بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ وُہ مریض کے بازو پر بڑے انہماک سے پٹی باندھ رہا تھا اور یُوں ظاہر کر رہا تھا جیسے وُہ اُن کی باتوں کو ہرگز نہیں سمجھ رہا۔ وُہ لوگ اِس نتیجے پر پہنچے کہ جشن نوروز کی رات کو جب کہ بادشاہ حمورّبی دن بھر کے ہنگاموں سے چُور ہو کر رات کو بے خبر سو رہا ہو گا تو اُس کے محل کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا جائے۔ عنبر پٹی کر چُکا تھا۔ ایک ڈاکو نے اُس کی طرف چاندی کے کچھ سکے پھینک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کہا :

"تمہارا شکریہ دوست، لیکن یاد رکھنا۔ ہرگز ہرگز کسی سے بات نہ کرنا کہ تم آدھی رات کو اس مکان میں آئے تھے۔ اگر تم نے کسی سے بات کی تو ہم تمہیں قتل کرکے تمہارے مکان کو آگ لگا دیں گے اور ہمارے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"حضور، میں تو ایک معمولی حکیم ہوں۔ میرا کام ہی بیماروں اور دکھی لوگوں کا علاج کرنا ہے۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں کسی سے آپ کے بارے میں بات کروں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں اور پھر کیا مجھے اپنی جان اور اپنا مکان عزیز نہیں ؟"

دوسرا ہٹا کٹا ڈاکو بولا :

"شاباش، تم ایک سمجھدار نوجوان معلوم ہوتے ہو۔ اب چپکے سے یہاں سے نکل جاؤ اور خبردار، پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔"

"بہت بہتر حضور۔"

عنبر جان بوجھ کر بڑی نرمی سے کام لے رہا تھا۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور مکان سے باہر نکل آیا۔ حنائی کی گلیاں آدھی رات کو سنسان پڑی تھیں۔ وہ بہت جلد اپنے گھر پہنچ گیا۔ دروازہ بند کرکے وہ بستر پر لیٹ گیا اور ایک منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے جو کام وہ ایک سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں کر سکتا تھا۔ ربِ عظیم نے وہی کام ایک دن میں اُس کے لیے کر دیا تھا۔ جشنِ نوروز کی رات اُس کے دماغ میں شمع بن کر چمکنے لگی تھی۔ یہ بڑا نادر موقع تھا۔ وہ اِس موقع سے پُورا پُورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اُس رات میں ابھی دو دن پڑے تھے۔ وہ اِن دو دنوں کے اندر اندر اپنے منصوبے پر عمل کر دینا چاہتا تھا۔ یہی سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔ صبح اُس کی آنکھ کھُلی تو دن کافی چڑھ آیا تھا اور اُس کے مکان کے باہر مریض بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ اُس نے دروازہ کھول دیا اور مریضوں کو دوائی دینے لگا۔ ان مریضوں میں ایک سپاہی بھی تھا جو بادشاہ حمورّبی کے دربار کے باہر پہرہ دیتا تھا۔

عنبر نے اُس سے باتوں ہی باتوں میں پُوچھا کہ جشنِ نوروز کے موقع پر کیا کیا ہوگا؟

سپاہی نے خوش ہو کر بتایا کہ یہ ہمارا قومی دن ہوتا ہے۔ اس روز سارا دن دربار میں خوشیاں منائی جائیں گی۔ بادشاہ سلامت درباریوں میں انعام تقسیم کریں گے۔

عنبر کو معلوم ہوا کہ جشن کے روز سے ایک دن پہلے بادشاہ مندر میں مقدس چشمے پر غسل کرنے جائے گا۔ اس کے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح چمکا اور اُس نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔

جس روز بادشاہ حموربی کی سواری شاہی مندر کی طرف آنے والی تھی۔ اُس روز عنبر صبح ہی سے مندر کے باہر ایک جگہ چھُپ کر بیٹھ گیا۔ یہ جگہ ایک درخت کے سائے میں پتھر کی آڑ تھی۔ وُہ کتنی ہی دیر وہاں چھُپا بیٹھا رہا۔ آخر اُسے دُور سے بادشاہ کی سواری کا شور سنائی دیا۔ ڈھول تاشے اور نفیریاں بج رہی تھیں۔ بادشاہ کی سواری چلی آ رہی تھی۔ جب سواری قریب آئی تو عنبر نے چھُپ کر دیکھا کہ سپاہیوں کے دستے نیزے اور تلواریں لیے آگے آگے گزر رہے تھے۔ اُن کے پیچھے بادشاہ حموربی سونے کا تاج سر پر رکھے ایک تخت پر بیٹھا تھا اور تخت کو حبشی غلاموں نے اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔ جب بادشاہ کا تخت عنبر کے بالکل قریب سے گزرنے لگا تو وُہ پتھر کی اوٹ میں سے نکل کر سامنے آ گیا اور جُھک کر بولا:

"بادشاہ سلامت کی عمر دراز ہو۔ میرے پاس ایک راز ہے جو مَیں صرف بادشاہ سلامت کے کان میں کہنا چاہتا ہُوں۔"

بادشاہ کی سواری رُک گئی۔ سپاہیوں نے فوراً جھپٹ کر عنبر کو گرفتار کر لیا۔ ایک سپاہی نے نیام سے تلوار کھینچ لی اور عنبر کو اُس کی گستاخی کی سزا دینے کے لیے اُس کی گردن پر وار کرنے ہی والا تھا کہ بادشاہ حموربی نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

"ٹھہرو!" سپاہی وہیں رُک گیا۔

بادشاہ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا :

"تم کون ہو اے نوجوان ؟ تم ہمیں کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

عنبر نے ایک بار پھر جھک کر کہا :

"بادشاہ سلامت، میں ایک پردیسی ہوں اور یہاں لوگوں کا علاج کرتا ہوں۔ میرے سینے میں ایک راز ہے جو میں صرف آپ کو تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں"

بادشاہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"اس نوجوان کو مندر کے خاص کمرے میں پہنچا دیا جائے"

محافظوں نے جھک کر سر تسلیم خم کیا اور عنبر کو اپنے ساتھ کر لیا۔ شاہی جلوس مندر میں داخل ہو گیا۔ یہ مندر بہت بڑا مندر تھا۔ ہر کمرے میں سینکڑوں بُت رکھے تھے۔ بادشاہ نے شاہی مقدس چشمے پر غسل کیا۔ بُتوں کی پُوجا کی اور اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے عنبر کو اپنے پاس بُلایا۔ اس اثنا میں عنبر ایک کمرے میں اکیلا بیٹھا رہا۔ ایک سپاہی نے آ کر کہا :

"چلو تمہیں بادشاہ سلامت نے بُلایا ہے"

عنبر چپکے سے اُٹھ کر اُس کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہ پہلی بار حورِتی کو اپنے سامنے پوری شان کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی ایک باوقار اور دبدبے والا بادشاہ تھا۔ اُس کے چہرے پر وحشت کی بجائے ایک متانت اور شرافت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ شاہ بخت نصر کے وحشی چہرے کے مقابلے میں حمورّبی کا چہرہ ہمدرد اور ایک رحم دل انسان کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ نے عنبر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عنبر ایک سنگ مرمر کی چوکی پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا:

"اب بتاؤ نوجوان، وہ کون سا راز ہے جو تم ہمیں بتانا چاہتے ہو؟"

عنبر نے بادشاہ کے پیچھے کھڑے دو سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"بادشاہ سلامت، ان سپاہیوں کو بھی یہاں سے ہٹا دیں۔ میں راز کی بات آپ کو پوری تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں سپاہی بادشاہ کے جاں نثار محافظ تھے اور کبھی بادشاہ سے جُدا نہیں ہوتے تھے۔ مگر بادشاہ نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا اب اُس کمرے میں بادشاہ حمورّبی اور عنبر اکیلے رہ گئے تھے۔ بادشاہ نے عنبر کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بات شروع کرے۔ عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، آج رات آپ کی خواب گاہ میں ایک شخص آپ کو قتل کرنے کے لیے آئے گا۔"

بادشاہ کے چہرے پر ایک دم غصّے کے آثار پیدا ہو گئے۔ اُس نے بڑی تیز نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسے معلوم ہُوا ! اور وہ لوگ کون ہیں جو اُسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں ؟

عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ لوگ شاہ بابل کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اُن میں سے ایک شخص آج رات بادشاہ کی خوابگاہ میں خنجر لے کر داخل ہو گا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمورَبی کا دربار

بادشاہ حمورَبی کچھ پریشان ہوگیا۔

اُس نے عنبر کو حکم دیا کہ وہ بات کو وضاحت سے کھول کر بیان کرے۔ عنبر نے بادشاہ کو ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ کس طرح اُسے آدھی رات کو ایک بوڑھی عورت ایک ویران مکان میں لے گئی۔ وہاں ایک زخمی سپاہی لیٹا تھا اور باقی ڈاکو قسم کے لوگ ایک اجنبی زبان میں بادشاہ کو قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بادشاہ نے عنبر سے پُوچھا:

"تم مجھے کیوں بچانا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"اِس لیے بادشاہ سلامت کہ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ زندہ رہیں اور جس طرح اب اپنی رعایا کی خوشحالی کے لیے کام کر رہے ہیں اسی طرح ساری زندگی کام کرتے رہیں۔"

بادشاہ عنبر کی باتوں سے کچھ مطمئن ہوگیا۔ اُس نے کہا:

"آج رات تم ہمارے ساتھ ہماری خواب گاہ میں رہو گے۔ یاد رکھو اگر ڈاکو ہمیں قتل کرنے نہ آئے تو ہم تمہیں اِس کی عبرتناک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سزا دیں گے۔"

عنبر نے جھک کر کہا:

"میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں بادشاہ سلامت۔"

بادشاہ حموربی عنبر کو اپنے ساتھ ہی جلوس میں محل میں لے گیا۔ حموربی کا محل بہت عظیم الشان محل تھا۔ بادشاہ نے عنبر کو شاہی مہمان خانے میں بھجوا دیا اور خود دربار میں جا کر درباریوں اور اُمراء میں انعام و اکرام تقسیم کرنا شروع کر دیے۔ عنبر سارا دن شام تک شاہی مہمان خانے میں بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ کب کوئی پیغام بر آ کر اُسے بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے۔ شام ہو گئی۔ پھر رات کے سائے گہرے ہو گئے۔ ابھی آدھی رات نہیں ہُوئی تھی کہ ایک خاص پیامی نے آ کر عنبر کو اطلاع دی کہ اُسے بادشاہ سلامت نے طلب کیا ہے۔ عنبر اِس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ فوراً وُہ اُس کے ساتھ چل پڑا۔ وُہ شخص عنبر کو لے کر ایک خفیہ راستے سے ہوتا ہُوا بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ وہاں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ وُہ شخص چلا گیا تو بادشاہ نے کہا:

"مَیں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ اپنے پلنگ پر میں نے مختلف ریشمی سرہانے اس طرح رکھ دیے ہیں کہ دیکھنے والے کو یہی معلوم ہو کہ بادشاہ سو رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں، مَیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلنگ پر نہیں ہوں گا، بلکہ تمہارے ساتھ اِس پردے کے پیچھے چھپا ہوں گا۔ مَیں نے اپنے خاص الخاص وفادار حبشی غلاموں کو چوکس کر دیا ہے۔ جوں ہی تمہارے کہنے کے مطابق میرے پلنگ پر حملہ ہوا حبشی غلام باہر نکل کر اُسے گرفتار کرلیں گے۔ لیکن اگر کوئی بھی نہ آیا تو مَیں تمہیں بڑی عبرت ناک سزا دوں گا۔ اِس جُرم میں کہ تم نے بادشاہ کے ساتھ ایک خوفناک مذاق کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ مذاق نہیں بادشاہ سلامت، حقیقت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ بابل کے بھیجے ہوئے آدمی آپ پر حملہ کرنے ضرور آئیں گے۔"

"بہت اچھا، آدھی رات گزر چکی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق اِس وقت وُہ کسی نہ کسی خفیہ راستے سے محل میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ اِس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔"

"بہتر حضور۔"

عنبر، بادشاہ حمورّبی کے ساتھ ایک قدِ آدم ریشمی بھاری پردے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کی خواب گاہ خالی تھی۔ پلنگ پر شاہی بستر پر ریشمی لحاف کے نیچے تکیے اِس طرح رکھے گئے تھے کہ یُوں لگتا تھا جیسے بادشاہ سو رہا ہے۔ خواب گاہ کی شمعیں دھیمی کر دی گئی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر اور بادشاہ پردے کے پیچھے بیٹھے قاتل کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں وہاں سے خواب گاہ کا سارا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ سب سے زیادہ قاتل کا انتظار عنبر کو تھا۔ اِس لیے کہ قاتل کے آنے پر ہی اُس کے مستقبل کا دارو مدار تھا۔ اگر کسی وجہ سے قاتل نہیں آتا تو بادشاہ اُسے کیا سزا دیتا۔ وہ خود اپنے منصوبے میں ناکام ہو جاتا تھا۔ ایک ایسا منصوبہ جس پر نینوا کے تخت کی واپسی کا سوال تھا۔

عنبر دل ہی دل میں ربِ عظیم سے دُعا مانگ رہا تھا کہ قاتل خواب گاہ میں آجاتے۔ دوسری طرف بادشاہ بڑے سکون سے سنگِ مرمر کی کرسی پر بیٹھا پردے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا کہ عنبر کے کہنے کے مطابق قاتل کب اندر داخل ہوتا ہے اور وُہ آتا بھی ہے یا نہیں؟ وقت بڑی سُست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ عنبر کو ایک ایک پل بوجھل معلوم ہو رہا تھا۔ خواب گاہ میں شمعوں کی دھیمی دھیمی پُراسرار سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آخر وُہ گھڑی آن ہی پہنچی۔ شاہی خواب گاہ کا پردہ ذرا سا ہلا اور پھر ایک لمبا تڑنگا آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس نے اپنا سر منہ پوری طرح لپیٹ رکھا تھا اور خنجر ہاتھ میں لیے دبے پاؤں بادشاہ کی مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اُسے دیکھ کر ایک بار تو بادشاہ حمورابی کو پسینہ آگیا۔ اس نے سوچا کہ عنبر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس وقت اگر وُہ مسہری پر بے خبر سو رہا ہوتا تو ضرور قتل ہو گیا ہوتا۔ قاتل مسہری کے پاس آکر رُک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ اُس نے ایک نظر ڈال کر ارد گرد دیکھا اور پھر وحشیوں کی طرح خنجر لہرا کر ریشمی تکیوں پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیے۔ اُس کا وار کرنا تھا کہ اِدھر اُدھر سے وفادار حبشی تلواریں لہراتے اندر آ گئے اور انہوں نے قاتل کو فوراً قابو کر لیا۔ اگر بادشاہ کا حکم نہ ہوتا تو وہ ضرور اس کی تکا بوٹی کر دیتے۔ مگر حموربی نے خاص طور پر ہدایت رکھی تھی کہ قاتل کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ وہ اُس سے پوچھ کر اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے۔ حموربی عنبر کے ساتھ پردے سے باہر آ گیا۔

قاتل نے حموربی کے ساتھ عنبر کو دیکھا تو ساری بات کی تہہ تک پہنچ گیا کہ عنبر نے مخبری کر دی ہے۔ حبشی غلام قاتل کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر لے گئے۔ بادشاہ نے کہا:

"اِس قاتل کو تہہ خانے میں پھینک دیا جائے۔ ہم صبح اس سے خود آ کر ملیں گے۔"

"جو حکم سرکار!"

حبشی غلام جُھک کر آداب بجا لاتے ہوئے خواب گاہ سے نکل گئے۔ حموربی کے دل میں عنبر کی عزت بڑی بڑھ گئی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اُس کا سچے دل سے وفادار ہے اور اُس کی اطلاع سو فیصد درست تھی۔ اس نے عنبر سے کہا:

"اے نوجوان، ہم تمہارے بے حد شکر گزار ہیں کہ تم نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں عین وقت پر اطلاع دے کر ہماری جان موت کے چنگل سے بچالی۔ اگر تم ہمیں نہ ملتے تو ہو سکتا تھا کہ یہ قاتل اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا۔"

عنبر نے جواب دیا :

"بادشاہ سلامت، آپ ایسے پُر امن، انسانیت کا ہمدرد اور نیک دل بادشاہ کا زندہ رہنا بڑا ضروری ہے۔ بادشاہ کے لیے بھی اور اس مُلک کی رعایا کے لیے بھی۔ مجھے اِس بات پر فخر ہے کہ میں نے آپ کی جان بچائی۔"

حمورابی نے خوش ہو کر کہا :

"اے نوجوان، تم نے ہماری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض تم جتنی دولت چاہتے ہو ہم سے لے سکتے ہو۔ کوئی جاگیر چاہتے ہو تو ہم تمہیں وُہ بھی دے دیتے ہیں۔"

عنبر نے کہا :

"شکریہ بادشاہ سلامت، اِس خاکسار کو نہ دولت کی ضرورت ہے اور نہ جاگیروں کا لالچ ہے۔ میں نے تو آپ کی جان بچا کر اپنا ایک فرض ادا کیا ہے۔"

بادشاہ نے کہا :

"پھر ہم تمہیں آج سے اپنا خاص وزیر مقرر کرتے ہیں۔ تم ہمارے حفاظت کرنے والے دستے کے اعلیٰ نگران ہو گے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر عالی جاہ، خاکسار اس عزت افزائی پر ہمیشہ آپ کو دعائیں دیتا رہے گا۔"

"تم آج سے ہمارے خاص وزیر ہو۔ تم شاہی دربار کے محل میں رہو گے اور دربار میں ہمارے قریب بیٹھا کرو گے۔"

"میں اس عزت افزائی پر جس قدر بھی محسوس کروں کم ہو گا حضور، آپ کا بے حد شکریہ۔"

"شکریہ تو ہمیں تمہارا ادا کرنا چاہیے عنبر، اس لیے کہ تم نے ہماری ایک ایسے وحشی اور گمنام آدمی سے جان بچائی جو محض ایک بادشاہ کے اکسانے پر ہمیں قتل کرنے آ گیا تھا۔"

"ربِ عظیم کا کرم ہے عالی جاہ، کہ وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"اب تم اپنی خواب گاہ میں جا کر آرام کر سکتے ہو۔"

"شب بخیر عالی جاہ۔"

"شب بخیر۔"

عنبر شاہی مہمان خانے کی خواب گاہ میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بے حد خوش تھا۔ جو کام وہ اتنے عرصے سے نہیں کر سکا تھا۔ وہ ایک ہی رات میں ہو گیا تھا۔ کل تک وہ یمن کے شہر صنعا کا ایک معمولی حکیم تھا اور آج وہ شاہ مین حمورابی کے دربار کا وزیر خاص تھا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی تھا اور ایک بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعزاز بھی تھا اور ایک بہت بڑی کامیابی بھی تھی۔ آخر وہ سو گیا۔

دُوسرے روز وہ دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ کے حکم سے اُسے شاہی لباس پہنایا گیا۔ حمورابی نے خود عنبر کے گلے میں ہیرے جواہرات کا قیمتی ہار پہنایا۔ رہنے کے لیے اُسے ایک خاص محل عطا کیا گیا۔ دربار میں باقاعدہ اعلان کرایا گیا کہ آج سے عنبر شاہ حمورابی کا وزیر خاص ہوگا۔ درباریوں نے اسے مبارک باد دی۔ عنبر وزیر خاص بن گیا تھا۔

اب اُس کی دُوسری منزل یہ تھی کہ بادشاہ سے مل کر شاہ بخت نصیر کے جنگی عزائم کے بارے میں مشورہ کرے اور اصل حالات اُسے بتا دے۔ وہ موقع کا انتظار کرنے لگا۔

اِس دوران میں عنبر ہر رات اپنی پُرانی حویلی میں ضرور جاتا۔ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کہیں اُس کا ساتھی یورکا وہاں نہ آیا ہو۔ کیونکہ یورکا کو علم نہیں تھا کہ عنبر حمورابی کے دربار میں پہنچ چُکا ہے۔ بادشاہ حمورابی نے دو دن بعد تہہ خانے میں جا کر قاتل سے ملاقات کی۔ عنبر اس کے ساتھ تھا۔ قاتل زنجیروں میں جکڑا ہُوا پڑا تھا۔ سپاہیوں نے آگ میں دہکتی سُرخ سلاخیں اُس کی آنکھوں کے پاس کیں تو وہ بک پڑا۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ اُسے اور اُس کے دوسرے ساتھیوں کو شاہ بخت نصر نے حمورابی بادشاہ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حمورابی نے پوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں ؟"

"وہ ایک ویران مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ منصوبہ ناکام ہونے کے بعد وہاں سے فرار ہو گئے ہوں گے۔"

بادشاہ کے حکم سے اُسی روز قاتل کو قلعے کی فصیل سے نیچے گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔ ویران مکان پر چھاپہ مارا گیا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ قاتل کے ساتھی وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ اُسی رات عنبر نے موقع پا کر بادشاہ سے شاہ بابل کے متوقع حملے کے بارے میں بات کی۔ حمورَبی نے کہا :

"ہمارے جاسوسوں نے ہمیں اطلاع ضرور دی تھی کہ بخت نصر ہمارے ملک پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ دیر کی بات ہے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

عنبر کہنے لگا :

"بادشاہ سلامت، مجھے بڑے پکے ذریعے سے اطلاع مل چکی ہے کہ اِس موسم بہار میں شاہ بابل یمن پر حملہ کر دے گا۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو ؟"

"میری اطلاع غلط نہیں ہو سکتی عالی جاہ، ہمیں پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔ شاہ بابل حملہ ضرور کرے گا۔"

حمورَبی کے چہرے پر کچھ پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اُس نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بخت نصر کے پاس بہت بڑی فوج ہے۔ کیا ہم اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، نینوا کے صوبے کے لوگ اپنی ملکہ اور شہزادے کی رہبری میں بخت نصر کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ اُس کی کچھ فوج اُدھر مصروف ہو جائے گی۔ یُوں دو محاذ جنگ کھل جائیں گے اور ہماری فوج آدھی فوج کا مقابلہ کر سکے گی۔"

"نینوا کی ملکہ اور شہزادے کو تو بخت نصر نے ہلاک کر دیا تھا۔"

"نہیں عالی جاہ، یہ دونوں زندہ ہیں اور آپ ہی کے ملک کے اندر ایک سرحدی گاؤں میں چھپے ہوئے ہیں۔ نینوا کی وفادار فوج کا سپہ سالار زرکسیر بھی اپنی فوج کے ساتھ پہاڑیوں میں چھپا ہُوا ہے۔ اور ہمارے اشارے کا منتظر ہے۔"

بادشاہ عنبر کی زبانی اس قسم کی باتیں سُن کر حیران ہُوا۔ اُس نے پُوچھا:

"تمہیں یہ ساری اطلاعات کہاں سے مل گئیں عنبر؟"

"اس لیے بادشاہ سلامت کہ میں خود ملکہ اور شہزادے اور زرکسیر سے مل کر آیا ہُوں، بلکہ انہیں ساتھ لے کر آپ کے ملک میں وارد ہُوا تھا۔ میں تو ایک عرصے سے آپ تک پہنچنے کے لیے منصوبہ بنا رہا تھا۔ وُہ تو میں قاتل کا شکر گزار ہُوں کہ اُس نے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موقع مہیا کر دیا کہ میں آپ کے دربار تک رسائی حاصل کر کے آپ کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دوں۔"

"خوب خوب، اب سمجھ گیا۔ اچھا یہ بتاؤ کیا نینوا کے لوگ اب بھی اپنی ملکہ سے محبت کرتے ہیں؟"

"وہ اپنی ملکہ اور شہزادے کے لیے جان تک قربان کر دینے کو تیار ہیں عالی جاہ، وہ لوگ ہمارے اشارے کے انتظار میں ہیں۔ جُوں ہی ہماری طرف سے اُنہیں اجازت دی گئی، وہ ایک دم بغاوت کر دیں گے اور ہماری وفادار فوجوں کے ساتھ مل کر گورنر کو قتل کر کے ہر طرف آگ لگا دیں گے۔"

"تو پھر تم انتظار کس بات کا کر رہے ہو؟"

"صرف اِس بات کا کہ شاہ بخت نصر حملہ کرے اور آپ کی طرف سے مجھے یقین ہو کہ آپ حملے کا مقابلہ کریں گے اور کسی صورت میں بھی شکست تسلیم نہیں کریں گے۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہو گا عنبر! ہم اپنی شکست کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ہمیں کوئی بھی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ ہم میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے مگر ہار نہیں مانیں گے۔"

"مجھے آپ ایسے بہادر اور جری بادشاہ سے یہی اُمید تھی عالیجاہ!"

"بخت نصر کو حملہ کرنے دو۔ اُس کو ایسا سبق سکھایا جائے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔"

"رب عظیم ہمارا حامی و ناصر ہو گا۔"

"دیوتا ہماری مدد کریں گے۔"

بادشاہ نے اسی روز سے فوجی تیاریاں زور شور سے شروع کر دیں اور اپنے مخبر بابل کی طرف دوڑا دیئے، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ بخت نصر کی فوجیں کب یمن پر حملہ کرنے والی ہیں۔ اس اثنا میں ایک افسوسناک حادثہ پیش آ گیا۔

ملکہ اور شہزادہ ماروت، حانو کے چچا کے باغ میں واقع مکان کے تہہ خانے میں بڑی حفاظت اور راز داری کے ساتھ رہ رہے تھے۔ یورکا کی اطلاع کے مطابق وہ سارا دن تہہ خانے کے اندر چھپے رہتے اور صرف رات کو باہر نکل کر انگوروں کے باغ میں تھوڑی دیر چہل قدمی کر لیتے۔ زرکسیر اپنی فوجوں کے ساتھ بغاوت کی تیاریوں میں لگا تھا۔ یورکا گبنر کے پاس اطلاع حاصل کرنے گیا ہوا تھا کہ اس نے دربار تک رسائی حاصل کی ہے یا نہیں۔ شہزادے ماروت کے ساتھ ملکہ اور حبشی غلام حانو مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری جانب شاہ بابل، ملکہ نینوا، شہزادہ ماروت اور زرکسیر کے فرار پر بے حد پریشان اور غضب ناک تھا۔ اس نے غفلت کے جرم میں کئی سپاہیوں اور پہریداروں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ قرطاجنہ کے گورنر کو بھی اس نے پھانسی پر چڑھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا۔ جشنِ تاجپوشی کے موقع پر زرکسیر کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنے کی حسرت اُس کے دل میں ہی رہ گئی تھی۔ اُس کی اب سب سے بڑی کوشش یہی تھی کہ یمن پر حملے سے پہلے وُہ کسی طرح زرکسیر یا شہزادے ماروت کو زندہ گرفتار کر سکے تاکہ نینوا میں بغاوت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

اِس مقصد کے لیے اُس نے اپنے خاص آدمی روانہ کر دیے تھے جو بھیس بدل کر یمن کے اُس سرحدی گاؤں میں بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔ جہاں ملکہ، حانو اور شہزادہ ماروت تہہ خانے میں پناہ گزین تھے۔ بخت نصر کے جاسوس عام کاروباری آدمی کے بھیس میں پھر رہے تھے۔ ان میں سے دو آدمی گدھے پر مٹی کے برتن لادے گاؤں میں آوازیں دے کر فروخت کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں اتنی خبر ضرور مل گئی تھی کہ ملکہ اور شہزادہ ماروت اسی گاؤں میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ ایک روز وہ دونوں مٹی کے برتن بیچتے ہوئے حانو کے چچا کے انگوروں کے باغ میں نکل آئے۔ دن بھر کی تپش اور گرمی کی وجہ سے اُن کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ وُہ ایک چشمے کے کنارے سائے میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں چچا بھی وہاں آگیا۔ اُس نے پوچھا:

"تم لوگ میرے باغ میں کس طرح بیٹھے ہو؟"

ایک جاسوس نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معاف کرنا مالک، ہم پھیری والے کمہار ہیں۔ یہ برتن بیچتے پھرتے ہیں۔ گرمی نے پریشان کیا تو یہاں دم لینے کو بیٹھ گئے۔ حکم دیں تو ابھی اُٹھ کر چلے جائیں"

اور واقعی وہ مکّار جاسوس یہ کہہ کر اُٹھنے لگے۔ احمق چچا کے دل میں رحمدلی پیدا ہو گئی۔ اُس نے ایک پل کے لیے بھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ آخر یہ لوگ یہاں کہاں سے آ گئے؟ اِس سے پہلے تو کبھی بھی کوئی برتن فروخت کرنے والا اِدھر نہیں آیا۔ مگر اُس نے ایسا نہ سوچا اور جاسوسوں سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں جاسوسوں نے چچا سے پُوچھ لیا کہ وہ کون ہے اور کتنی دیر سے وہاں انگوروں کے باغ کا کاروبار کر رہا ہے۔ چچا بڑے بھول پنے سے اُن کے ایک ایک سوال کا جواب دیتا گیا۔ جاسوس بڑے مکّار اور چالاک آدمی تھے۔ انہوں نے باتوں ہی باتوں میں کچھ بُو سونگھ لی اور فیصلہ کیا کہ رات انگور کے باغ میں گزار کر اصل حقیقت معلوم کی جائے۔

انہوں نے چچا کو تو کچھ نہ بتایا۔ اُس سے اجازت لے کر اٹھے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ لیکن کچھ دُور آگے پہاڑی ٹیلوں میں جا کر انہوں نے گدھے کو ایک جگہ باندھا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جب ہر طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ سر منہ لپیٹ کر وہاں سے نکلے اور چھپتے چھپاتے انگور کے باغ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک درخت پر چڑھ کر مناسب جگہ بنائی اور چھپ کر دیکھنے لگے کہ رات کو وہاں کوئی چھپا ہوا شخص باہر ٹہلنے کے لیے آتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اُنہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جو لوگ سارا دن تہہ خانوں میں چھپے رہتے ہیں، وہ رات کو چہل قدمی کے لیے ضرور نکلا کرتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے کا اغوا

●

آخر وہی ہوا جس کا دھڑکا لگا ہُوا تھا۔

جب آدھی رات گزری تو شہزادہ ماروت اپنی والدہ ملکہ کے ساتھ تہہ خانے سے چہل قدمی کے لیے نکلا اور انگور کے باغ میں آ گیا۔ حبشی غلام جانو اُس کے ہمراہ تھا۔ وہ ہر روز کی طرح کسی قسم کے خطرے سے بے نیاز آدھی رات کے وقت، باغ میں سیر کرتے تھے۔ اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ دونوں جاسوس انجیر کے ایک گھنے درخت میں چھپے بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے ملکہ اور شہزادے کو باغ میں سیر کرتے دیکھا تو حیران بھی ہُوئے اور خوش بھی ہُوئے۔ حیران اس لیے ہُوئے کہ اُنھوں نے اتنی آسانی سے ملکہ اور شہزادے کا سُراغ لگا لیا تھا۔ خوش اِس لیے ہُوئے کہ اگر وُہ شہزادے کو اغوا کر کے بابل لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو بخت نصر نہ صرف یہ کہ اُن کے عہدے بڑھا دے گا بلکہ انہیں انعام و کرام سے بھی مالا مال کر دے گا۔

شہزادہ ماروت، ملکہ اور حبشی غلام جانو باتیں کرتے ہُوئے اُن کے درخت کے نیچے سے گزر گئے۔ وُہ زدکیر اور عنبر کے بارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بات کر رہے تھے۔ انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ایک درخت پر اُن کی ساری باتیں شاہ بابل کے جاسوس سُن رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک باغ میں چہل قدمی کے بعد ملکہ، شہزادہ اور مانو واپس مکان کے تہہ خانے میں چلے گئے۔ اُن کے جاتے ہی دونوں جاسوس درخت پر سے اُترے اور بڑی تیزی کے ساتھ باغ سے باہر نکل کر اُس ٹیلے کی طرف آ گئے جہاں انہوں نے اپنا گدھا باندھ رکھا تھا۔ وُہ پتھروں میں بیٹھے دیر تک اِس بات پر سوچ بچار کرتے رہے کہ کس ترکیب سے شہزادے کو اغوا کیا جائے۔ وُہ حبشی غلام کے سخت پہرے میں تھا۔ وہ سارا دن تہہ خانے میں چھپا رہتا تھا۔ رات کو باہر نکلتا تھا۔ مگر حبشی غلام ننگی تلوار لیے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ اگر انہوں نے حبشی سے لڑائی کی تو ہو سکتا ہے تہہ خانے میں کچھ اور سپاہی بھی چھپے بیٹھے ہوں۔ وُہ باہر نکل کر بڑی آسانی سے انہیں قتل کر سکتے تھے۔

گدھے کو لے کر وُہ سرائے میں آ گئے اور ساری رات سوچ بچار کرتے رہے۔ پھر وہ سو گئے۔ صبح اٹھ کر اُنہوں نے دوبارا سوچنا شروع کر دیا کہ کون سی ترکیب پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے جان بُوجھ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو شہزادے ماروت کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ شہزادے کو گرفتار کر کے شاہ بابل کے دربار میں پیش کرنے کی عزت خود حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اب سوال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ تھا کہ شہزادے کو کیسے اور کیونکر حاصل کیا جائے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے پندرہ بیس سپاہی لے کر رات کو چچا علبشی کے مکان پر چھاپہ مار کر شہزادے کو مع ملکہ کے پکڑ سکتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود ہی انہیں پکڑ کر بادشاہ سے زبردست خراجِ تحسین حاصل کرنا چاہتے تھے۔

کافی سوچ بچار کے بعد آخر ایک ہی ترکیب اُن کی سمجھ میں آئی کہ کسی طرح ان لوگوں کو بے ہوش کر دیا جائے اور شہزادے اور ملکہ کو اغوا کر لیا جائے۔ بے ہوش آخر کس طرح کیا جائے؟ یہ بھی ایک بہت اہم سوال تھا جس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

پہلے جاسوس نے کہا:

”کیوں نہ اُن کے مکان کے اندر جانے والے پانی میں بیہوشی کی دوائی ملا دی جائے؟“

”مگر یہ بے ہوشی کی دوائی کہاں سے آئے گی؟“

”میرا ایک حکیم واقف ہے۔ اُس کے پاس چل کر یہ دوا حاصل کی جا سکتی ہے۔“

”لیکن اِس دوائی کو پانی میں ملایا کس طرح جائے گا؟“

”یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو، آؤ میرے ساتھ۔“

وہ سرائے سے نکل کر باہر آئے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں سرپٹ دوڑاتے قصبے کی ایک حویلی میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھا حکیم چوبارے میں بیٹھا کھرل میں کوئی دوا ڈالے اُسے رگڑ رہا تھا۔ جاسوس نے آگے بڑھ کر اُس سے ہاتھ ملایا اور کہا:

"ہم ایک بڑے رازداری کے کام سے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

بوڑھے حکیم نے جو شکل و صورت سے کالے علم کا ماہر جادوگر معلوم ہوتا تھا اپنی بھنویں چڑھا کر دونوں جاسوسوں کی طرف دیکھا۔

"کیسی راز داری؟ کس کی راز داری؟"

پہلے جاسوس نے جیب سے سونے کے چند سکّے نکال کر حکیم کے آگے رکھ دیے۔ سونے کے سکّے دیکھ کر لالچی حکیم کے چہرے پر چمک آگئی۔ اُس نے مسکرا کر کہا:

"ہاں ہاں کہو بھائی، میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟"

"بات یہ ہے میاں جی، کہ ہمیں کوئی ایسی دوا چاہیے جو اگر پانی میں ڈال دی جائے تو اُسے پینے والا فوراً بے ہوش ہو جائے۔"

"کتنے پانی میں ڈالی جائے وہ دوا؟"

"ایک ایسے گھر کے پانی میں جہاں چھ افراد رہتے ہوں۔"

"ٹھیک ہے، کیا اُن سبھوں کو بے ہوش کرنا ہوگا؟"

"جی ہاں۔"

"تو ٹھیک ہے، میں سفوف دیے دیتا ہوں۔ اسے [illegible] کر کے میں ڈال دینا جس میں گھر والوں کے پینے کا پانی [illegible] رہتا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کتنی دیر بعد لوگ بے ہوش ہو جائیں گے؟"

"پانی پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد انہیں کچھ خبر نہ ہو گی کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ برائے مہربانی وہ سفوف جلدی سے عنایت کر دیجیے۔"

"ابھی دیتا ہوں۔"

جادوگر بوڑھا اتنا کہہ کر اُٹھا اور اُس نے لکڑی کی ایک صندوقچی میں سے ایک ڈبیا نکالی جس کے اُوپر سانپ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ڈبیا میں سفید سفید سفوف بھرا ہُوا تھا۔ اُس نے ڈبیا میں سے آدھا سفوف نکال کر انہیں دے دیا۔

"یہ پانی کے ایک مٹکے کے لیے کافی ہو گا۔"

دونوں جاسوس سفوف لے کر واپس سرائے میں آ گئے اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ مٹکے میں بے ہوشی کا سفوف ڈالنے کا کام وُہ اندھیرا ہونے کے بعد کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے جاسوس نے کہا:

"کیوں نہ ہم فقیروں کا بھیس بدل کر وہاں پہنچ جائیں اور موقع دیکھ کر مٹکے میں دوا ڈال دیں۔"

"یہ خیال بھی اچھا ہے۔"

اُسی وقت اُنہوں نے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے۔ ایک جاسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لنگڑا بن گیا اور دُوسرا اندھا بن گیا اور وُہ انگور کے باغ کی طرف چل پڑے۔ باغ کے قریب آکر اُنہوں نے فقیروں کی طرح آوازیں لگانی شروع کر دیں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وُہ فقیروں کی طرح صدائیں لگاتے انگور کے باغ میں سے نکل کر چچا حبشی کے مکان کے صحن میں آگئے۔

دیوتاؤں کے نام پر اندھے لنگڑے فقیروں کی کچھ مدد کرو۔
دیوتاؤں کے نام پر ہم پر ترس کھاؤ!"

اُس وقت شہزادہ حانو اور ملکہ نیچے تہہ خانے میں رات کے کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور حانو کا حبشی چچا صحن میں بیٹھا انگور دھو کر طشت میں رکھ رہا تھا۔ اُس نے ایک اندھے اور دوسرے لنگڑے فقیر کو پھٹے پُرانے کپڑوں میں دیکھا تو اُس کا دل بھر آیا۔ اُس نے کہا:

"بابا لوگ، تم کو بھوک لگی ہے کیا؟"

"ہاں جی، بڑی بھوک لگی ہے!"

"تو پھر یہاں بیٹھو۔ اندر میرے کچھ مہمان آئے ہیں۔ اُنہیں کھانا دے آؤں۔ پھر آکر تمہیں بھی روٹی دیتا ہوں!"

"دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ اے نیک دل انسان تو نے دو محتاج فقیروں کو روٹی کھلائی۔ دیوتا تمہیں بہت رزق دیں گے!"

حبشی چچا انگوروں سے بھرا ہوا طشت لے کر اندر چلا گیا۔ بس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہی موقع تھا جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ پانی سے بھرا ہُوا بڑا مٹکا دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ پہلے جاسوس نے دوسرے جاسوس کو اشارہ کیا۔ اُس نے فوراً جیب میں سے سفوف والی ڈبیا نکالی۔ اِدھر اُدھر چوکس ہو کر دیکھا۔ بھاگ کر پانی والے بڑے مٹکے کے پاس گیا۔ اُس کا ڈھکنا اٹھایا اور سارا سفوف اس کے اندر انڈیل دیا اور اس پر ڈھکنا رکھ کر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

یہ کام اتنی جلدی اور اچھے طریقے سے ہو گیا تھا کہ اُنہیں خود بڑی حیرانی ہُوئی۔ وُہ اگر چاہتے تو وہاں سے اُٹھ کر بھاگ سکتے تھے۔ مگر انہوں نے سوچا کہ اب کھانا کھا کر ہی وہاں سے چلنا چاہیے تاکہ حبشی چچا کو اُن پر کسی قسم کا شک بھی نہ ہو۔ اتنے میں اندر سے خالی طشت میں جَو کی دو روٹیاں اور کچھ شہد لیے چچا حبشی باہر آ گیا۔

"بابا لوگ، اِس وقت گھر میں جو حاضر ہے وہی پیش کر رہا ہُوں۔"

"تمہاری مہربانی ہے بابا، فقیروں کو جو ملے گا کھائیں گے اور تمہارے بچوں کو دُعائیں دیں گے۔"

اور دونوں جاسوس کھانے پر یُوں ٹوٹ پڑے جیسے برسوں سے بھُوکے ہوں۔ وُہ کم از کم حبشی چچا پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ چچا نے مٹکے سے پانی کے دو گلاس بھر کر اُن کے آگے رکھ دیے۔ وُہ یہ پانی کبھی نہیں پی سکتے تھے۔ وہ کھانا کھاتے رہے۔ چچا نے گلاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے کرتے ہُوئے کہا :

"بابا لوگ پانی بھی تو پیو۔"

"شکریہ، شکریہ، ہمیں بھوک بہت لگی ہے۔ پیاس تو بالکل نہیں۔"

"اچھا، مَیں اپنے مہمانوں کو پانی دے آؤں اور واپسی پر تمہارے لیے اپنے باغ کے سیاہ انگور بھی لاتا ہُوں۔"

چچا بڑے کٹورے میں پانی بھر کر اندر لے گیا۔ دونوں جاسوس بڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ذرا سا مُسکرائے۔ اُن کا منصوبہ کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہی دُعا مانگ رہے تھے کہ حکیم کا سفوف اپنا کام کر جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سنہری موقع بھی اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اُنھوں نے جھٹ اپنا پانی زمین پر گرا کر خالی گلاس وہیں رکھ دیے۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے پانی پی لیا ہے۔ حبشی چچا اندر سے سیاہ انگور لے کر باہر آیا۔

"یہ لو انگور بھی کھاؤ!"

"دیوتا تمہارے باغ کو ہرا بھرا رکھیں اور زیادہ فصل ہو ــــ گچھے انگور کے بیل پر سدا لٹکتے رہیں۔"

"تمہارا شکریہ اللہ کے نیک بندو۔"

"اچھا باباجی اب اجازت دو۔"

"دیوتا نگہبان ہوں۔" حبشی چچا بولا :

"دیوتا نگہبان ہوں۔" جاسوسوں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں جاسوس چچا کے مکان کے صحن میں سے اُٹھ کر واپس انگور کے باغ میں آ گئے اور ایک گھنے درخت کے اُوپر چُھپ کر بیٹھ گئے۔ وہاں سے انہیں مکان کا صحن صاف نظر آ رہا تھا۔ چچا حبشی نے مٹکے سے پانی کا کٹورہ بھر کر نکالا اور غٹا غٹ پی گیا۔ پانی پینے کے بعد چچا نے تھوڑے سے انگور کھائے اور زمین پر بکھرے ہوئے برتن اٹھانے لگا۔ دونوں جاسوس درخت کی ٹہنیوں میں چھپے چچا حبشی کی حرکتوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اِس انتظار میں تھے کہ وہ کب بے ہوش ہوتا ہے؟ مگر حبشی بڑے مزے سے برتن ایک تخت پر جمع کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ گانا بھی گا رہا تھا وہ بہت جھنجھلائے کہ کم بخت بے ہوش ہی نہیں ہوتا۔ پہلے جاسوس نے سرگوشی کی:

"میرا خیال ہے، حکیم نے ہم سے دھوکہ کیا ہے۔ اُس کی دوائیں کوئی اثر نہیں ہے"

دوسرے نے کہا:

"ذرا صبر کرو، ابھی دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے"

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ چچا حبشی برتن اکٹھے کرتے اور گانا گاتے ہوئے ذرا رُکا۔ اُس نے سر کو جھٹکا دیا اور پھر گانے لگا۔ ایک بار پھر وہ خاموش ہوا اور دونوں ہاتھوں سے سر دبانے لگا۔ پھر اُسے چکر سا آیا اور دھڑام سے زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درخت میں چھپے ہوئے جاسوس بہت خوش ہوئے۔ ان کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ جلدی جلدی درخت پر سے اُترے اور مکان کے صحن میں آ گئے۔ انہوں نے حبشی کو ہلا جُلا کر دیکھا۔ وہ پوری طرح بے ہوش ہو چکا تھا۔ نیچے تہہ خانے میں پانی گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اُن کے اندازے کے مطابق اُس وقت تک دوسرے لوگوں کو بھی بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا۔

"ہمیں اندر چل کر شہزادے کو گرفتار کر لینا چاہیے۔"

"کچھ دیر انتظار نہ کر لیں؟"

"اور اگر اُنہیں دوبارا ہوش آ گیا تو کیا کریں گے؟"

"ٹھیک ہے، چلو اندر چلتے ہیں۔"

دونوں جاسوس مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے سارے کمرے گھوم پھر کر دیکھے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آخر وہ جاسوس تھے اور اُنہیں بڑا تجربہ تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ ایک کوٹھڑی کا فرش بجاتے ہوئے اُنہیں اندر سے کھوکھلی سی آواز سُنائی دی:

"تہہ خانہ اِسی جگہ پر ہے۔" ایک نے کہا۔

انہوں نے ذرا سی کوشش کے بعد تہہ خانے کا دروازہ معلوم کر لیا۔ فرش کی ایک سِل اُوپر اٹھائی تو نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ وہ دبے پاؤں زینے پر پاؤں رکھتے نیچے اُتر گئے۔ نیچے سے کسی قسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ تینوں مفرور بے ہوش ہو چکے ہیں۔ وہ تہہ خانے میں اُترے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ملکہ، شہزادہ اور حبشی غلام جانو اپنی اپنی جگہ پر بے ہوش ہو کر گرے پڑے تھے۔ کھانے کے طشت ان کے آگے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ کھانا کھایا ہوا تھا اور باقی ویسے پڑا تھا۔ صرف پانی پینے کے گلاس فرش پر لڑھک گئے تھے۔

"جلدی سے شہزادے کو اُوپر لے چلو۔ وقت ضائع مت کرو۔"

دونوں نے شہزادے کو اٹھایا۔ ایک جاسوس نے اُسے اپنے کندھے پر لادا اور تہہ خانے سے باہر لے آیا۔ انھوں نے تہہ خانے کے دروازے کو بند کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ مکان کے خالی کمروں میں سے نکل کر باہر صحن میں آ گئے۔ چچا حبشی فرش پر اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ انھوں نے انگور کے باغ میں لے جا کر شہزادے ہاروت کو ایک جگہ گھاس پر لٹا دیا۔ ایک جاسوس نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی رسّی کھولی اور شہزادے کے ہاتھ پیر خوب کس کر باندھ دیے۔

"اب یہاں سے نکل چلو۔"

اُنھوں نے شہزادے کو اپنے ساتھ گھوڑے پر ڈالا اور بڑی تیزی سے وہاں سے نکل کر ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ کافی دُور چلنے کے بعد ایک جاسوس نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر ہم نینوا کی طرف سے بابل کو گئے تو وہاں شہزادے کے حامیوں نے بغاوت کر رکھی ہے، وہاں گرفتار ہو جانے کا خطرہ ہے۔"

"پھر کس طرف سے چلیں؟"

"ہمیں ملک یمن کی سرحدی چوکیوں سے ہو کر چلنا چاہیے۔"

"اور اگر وہاں ہمیں کسی نے دیکھ لیا تو؟"

"ہم ایک خاص جگہ سے یمن کی سرحد میں داخل ہو کر دوسری طرف سے باہر نکل جائیں گے۔ یہ راستہ محفوظ بھی ہے اور چھوٹا بھی۔ ہم بہت جلد بابل پہنچ جائیں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں یمن کی ساری سرحد سے واقف ہوں۔ ہم اس جگہ سے اندر داخل ہوں گے جہاں کوئی سرحدی چوکی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر۔"

اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں یمن کی سرحد کی طرف موڑ دیں۔ یمن کی سرحد وہاں سے دو روز اور دو رات کے فاصلے پر تھی۔ وہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ شام کے وقت شہزادے کو ہوش آیا تو وہ اپنے آپ کو ڈاکوؤں کے چنگل میں پھنسا ہوا دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔

"تم لوگ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

"شاہ بابل بخت نصر کے دربار میں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دونوں جاسوس قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ شہزادے کا رنگ اُڑ گیا۔ آخر وُہ دشمن کے جال میں پھنس گیا تھا۔ سب سے زیادہ اُسے اپنی والدہ ملکہ کا خیال آ رہا تھا کہ اُس کے گُم ہو جانے سے اُس بدنصیب پر کیا بیت رہی ہوگی۔ مگر اب وُہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ تقدیر کا لکھا ہو کر رہا تھا۔ وہ چُپ چاپ گھوڑے پر بیٹھا رہا اور گھوڑے یمن کی طرف دوڑتے رہے۔

اُدھر کا حال بھی سُنیے ــــ چچا حبشی کو جب ہوش آیا تو اُس نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور سوچنے لگا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا؟ اُس نے اپنے سر کو دبایا۔ تخت پوش پر بکھرے ہُوئے برتن دیکھے۔ دُھوپ کافی اُوپر چڑھ آئی تھی۔ وُہ حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آخر وُہ اتنی دیر وہاں کیا کرتا رہا؟ کیا وُہ بے ہوش ہو گیا تھا؟ اچانک اُسے اندھے اور لنگڑے فقیروں کا خیال آ گیا۔

"وُہ ــ وُہ کہاں چلے گئے؟ وہ کون تھے؟"

اِس کے ساتھ ہی اُس کا خیال ملکہ اور شہزادے کی طرف چلا گیا۔ وُہ بھاگ کر نیچے آیا۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وُہ لپک کر اندر گیا۔ اندر اُس نے دیکھا کہ ملکہ اور حبشی غلام قالین پر بے ہوش پڑے تھے اور شہزادہ غائب تھا۔ اُس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُس نے پانی کے چھینٹے مار کر ملکہ اور حبشی حانو کو جگایا۔ ملکہ کو جب معلوم ہُوا کہ شہزادے کو اغوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر لیا گیا ہے تو وہ چیخ مار کر گر پڑی اور رونے لگی۔ جانو بے حد پریشان ہو گیا۔ انہوں نے باہر نکل کر انگور کے باغ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر وہاں شہزادے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ ناکام ہو کر تہہ خانے میں آ گئے اور ملکہ کو تسلی دینے لگے۔ جانو اور چچا پریشان تھے کہ وہ یورکا اور زرکیہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ملکہ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ جانو نے کہا:

"ملکہ سلامت، فکر نہ کریں۔ میں شہزادے کو ڈھونڈ کر ہی دم لوں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یمن کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہ یمن جا کر عنبر کو تمام حالات سے فوری طور پر باخبر کرنا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھی رات کو دستک

دونوں جاسوس شہزادے کو اغوا کر کے یمن کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

وہ ایک ایسی خفیہ جگہ سے داخل ہوئے تھے، جہاں سرحدی محافظوں کی کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ جلد سے جلد اُس ملک کے میدانوں اور پہاڑی علاقے کو عبور کر کے بابل کی طرف نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن راستے میں شہزادہ اچانک بیمار ہو گیا۔ اُسے اِس شدّت سے بخار آگیا کہ اُس کا سارا جسم گرم ہو کر پھنکنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس کا سانس بھی اکھڑنا شروع ہو گیا تھا۔ جاسوس پریشان ہو گئے۔ وہ شہزادے کو زندہ حالت میں بخت نصر کے دربار تک پہنچانا چاہتے تھے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"یہاں تو ارد گرد کوئی بستی بھی نہیں ہے جہاں شہزادے کے لیے کسی حکیم سے کوئی دوا حاصل کی جائے۔"

"یہاں سے قریبی شہر کتنی دُور ہو گا؟ تم تو اس علاقے میں گھومتے پھرتے رہے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہاں سے ایک منزل پر یمن کا سب سے بڑا شہر حنائی ہے۔ صرف وہاں پہنچ کر ہمیں طبی مدد مل سکتی ہے۔"

"کیا وہاں کوئی واقف کار ہے تمہارا؟"

"ایک گھوڑوں کا تاجر میرا دوست ہے۔"

"اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں — وہ بڑا بھروسے کا آدمی ہے اور پھر اسے کیا معلوم کہ ہم شہزادے کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔"

"تو پھر اس کے ہاں چلو، شہزادے کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔"

انہوں نے شہر حنائی کی طرف گھوڑے ڈال دیے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ رات کے سائے گہرے ہوئے تو وہ شہر حنائی میں داخل ہو گئے۔ دکانیں، بازار بند ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں میں شمع جل رہی تھی۔ وہ گھوڑوں کے تاجر کی حویلی میں آ گئے — جاسوس نے دروازے پر دستک دی۔ غلام باہر آیا۔ جاسوس نے اسے کہا کہ اپنے مالک سے جا کر کہے کہ اس کا ایک گہرا دوست آیا ہے۔ غلام نے اندر جا کر اطلاع کی تو تاجر سونے کے لباس میں باہر آ گیا۔ اپنے دوست کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا۔

"تم اس وقت کہاں دوست، آؤ اندر آؤ۔"

"بس ایک ضروری کام سے آنا پڑا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر جا کر اُنہوں نے شہزادے کو ایک بستر پر لٹا دیا۔ وہ بیہوش تھا۔ گھوڑوں کے تاجر نے پوچھا:

"یہ کون ہے لڑکا؟"

"یہ میرے دوست کا بیٹا ہے۔ ہم بابل کی طرف جا رہے تھے کہ اسے سخت بخار آ گیا۔ علاج کے لیے مجبوراً حنائی کا رُخ کرنا پڑا۔"

تاجر نے شہزادے کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"اِسے تو بڑا سخت بخار ہے۔"

"اِسی لیے تو مَیں اِسے یہاں لایا ہُوں۔"

"یہ کب سے بے ہوش ہے؟"

"اسے چھوڑو، تم یہ بتاؤ کہ کیا اِس وقت یہاں کہیں سے کسی حکیم کا بندوبست ہو سکتا ہے جو اِس لڑکے کا علاج کر کے اِسے تندرست کر سکے؟"

تاجر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا:

"یہاں مَیں صرف ایک حکیم کو جانتا ہُوں جو بہت قابل آدمی ہے۔ وُہ امیر لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ لیکن چونکہ میرے ساتھ اُس کے خاص تعلقات ہیں اِس لیے مَیں اُسے یہاں لا سکتا ہُوں۔"

"تو پھر جلدی سے اسے لے آؤ۔"

"اِسی وقت؟"

"ہاں ہاں، اِسی وقت! بچّے کی حالت بہت خراب ہے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا تم لوگ یہاں بیٹھو۔ میں ابھی جا کر اُسے لانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

دونوں جاسوس بے ہوش شہزادے کے پاس بیٹھ گئے اور تاجر حویلی کے دروازے میں سے نکل کر حکیم عنبر کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ تاجر اتفاق سے حکیم عنبر کا گہرا دوست تھا۔ عنبر جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ رات کو ایک بار اپنی حویلی میں یہ دیکھنے کے لیے ضرور آتا تھا کہ کوئی اُس سے ملنے تو نہیں آیا۔ اُسے یورکا اور زرکبیر کا انتظار تھا۔

تاجر تھوڑی ہی دیر میں عنبر کی حویلی میں پہنچ گیا۔

عنبر اُس وقت اپنی حویلی سے واپس شاہی محل میں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سامنے سے گھوڑوں کا تاجر آتا دکھائی دیا۔ عنبر نے کہا:

"خرگام، تم اِس وقت کہاں پھر رہے ہو؟"

"یار میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔"

"وہ کیوں، خیریت تو ہے ناں؟"

"میں تو خیریت سے ہوں۔ لیکن میرے ایک عزیز دوست کا لڑکا بے حد بیمار ہے۔ وہ بخار میں بے ہوش پڑا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ چل کر اُسے دیکھ لو تو میں بڑا شکر گزار ہوں گا۔"

"اگر میں تمہیں دوائی دے دوں تو کیا خیال ہے خرگام؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں بھائی، تم میرے دوست ہو تو اس وقت میری عزت کی خاطر میرے ساتھ چل کر خود مریض کو دیکھو اور اس کا علاج کرو، ورنہ میرا دوست کہے گا کہ یہاں میری کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔"

"یہ بات ہے تو میں ابھی تمہارے ساتھ چلے چلتا ہوں۔ دوستوں کے لیے تو میں اپنے آرام و آسائش کی قربانی دینے کو ہر وقت تیار ہوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ عنبر۔"

غرض گھوڑوں کا تاجر حکیم عنبر کو ساتھ لے کر اپنی حویلی میں آگیا۔ اس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔ تاجر اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں دونوں جاسوس قالین پر بیٹھے تھے اور ان کے درمیان ایک لڑکا بے ہوش پڑا تھا۔ عنبر مریض کو دیکھنے کے لیے آگے کو جھکا تو حیرت سے اس کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آگیا۔

اگر وہ ضبط سے کام نہ لیتا تو اس کے منہ سے ضرور چیخ نکل جاتی۔ کیونکہ اس کے سامنے قالین پر نینوا کا شہزادہ ماروت بیہوش پڑا تھا۔ عنبر نے پوچھا:

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

ایک جاسوس نے کہا:

"صبح سے یہ بخار میں پھنک رہا ہے۔"

"کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاسوس نے غم زدہ آواز میں کہا :

"کاش، اس کی جگہ میں بے ہوش ہو جاتا۔ اس کی جگہ مجھے بخار آ جاتا۔ دیوتاؤں کے لیے میرے بچے کا علاج جلدی کریں۔ اسے ہوش میں لے آئیں۔"

عنبر اس شخص کی مکاری پر بہت خوش ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ شہزادہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ پھر بھی وہ باپ کی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔ عنبر نے شہزادے کی نبض دیکھی اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور انہوں نے شہزادے کو کیسے اغوا کر لیا۔ ملکہ اور مالو کہاں ہیں؟ ان کا کیا حال ہے! وہ یہ ساری باتیں ان لوگوں سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا اور معلوم کرنے کو بے چین بھی تھا۔ جاسوس یہ سمجھ رہے تھے کہ حکیم بیماری کے علاج پر غور کر رہا ہے۔ آخر ایک نے پوچھا :

"بچہ صحت مند ہو جائے گا حکیم صاحب؟"

"ضرور ہو جائے گا۔ لیکن میں یہاں اس کا علاج نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیوں؟"

"آپ اسے میری حویلی کے شفا خانے میں لے آئیں۔ وہاں میں اس کا علاج کر کے اسے صحت مند کر دوں گا۔"

دونوں جاسوس وہاں سے کسی دوسری جگہ نہیں جانا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُنھوں نے کہا :

" کیا اِس جگہ آپ بچّے کا علاج نہیں کر سکتے ؟ "

" جی نہیں، یہاں علاج کا پُورا انتظام نہیں ہے۔ آپ کا بچّہ شدید سرسام میں مُبتلا ہے۔ اگر اِسے جلد میرے شفا خانے نہ پہنچایا گیا تو یہ مر جائے گا اور اِس کی لاش پھُول کر پھٹ جائے گی "

جاسوس فکر میں پڑ گئے۔ تاجر نے کہا :

" میرا تو خیال ہے کہ بچّے کو شفا خانے لے جانا چاہیے۔ آخر وہاں لے جانے میں کیا حرج ہے۔ جب کہ بچّے کی زندگی اور موت کا سوال ہے "

" ٹھیک ہے ہم اِسے شفا خانے میں لیے چلتے ہیں "

" تو چلیے۔ یہ بھی میں صرف اِس لیے تیار ہو گیا ہُوں کہ آپ میرے ایک دوست کے دوست ہیں جس کی کوئی بات میں ٹھکرا نہیں سکتا "

" آپ کا بہت بہت شکریہ حکیم عنبر صاحب "

دونوں جاسوسوں نے شہزادے کو گھوڑے پر ڈالا اور اُسے عنبر کی حویلی والے شفا خانے میں لے آئے۔ جاسوس شہزادے کو اکیلا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ وہ ہر جگہ بے ہوش شہزادے کے ساتھ ساتھ رہتے۔ عنبر نے اُسے ایک پلنگ پر لِٹا دیا اور ایک ایسی گولی کھلا دی جس کی وجہ سے ایک گھنٹے بعد ہوش میں آ جانا تھا۔ لیکن عنبر جاسوسوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی موجودگی میں شہزادے سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے کہا :

" آپ لوگ مریض کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا کر آرام کریں ۔ مَیں نے مریض کو جو دوا دی ہے ۔ اس کی وجہ سے وہ ساری رات سویا رہے گا ۔ صبح وُہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگا "

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہُوئے بے دلی سے اُٹھے اور ساتھ والے کمرے میں آ گئے ۔ عنبر بھی اُن کے ساتھ ہی آیا ۔ اُنہیں اگرچہ یقین تھا کہ وُہ سب بے ضرر ہاتھوں میں ہیں اور عنبر قیامت تک معلوم نہ کر سکے گا کہ وُہ نینوا کے شہزادے کا علاج کر رہا ہے ۔ پھر بھی وُہ شہزادے کے بارے میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہتے تھے ؛ تاہم یہاں عنبر کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا اِس لیے کہ شہزادہ واقعی بہت بیمار تھا ۔ دونوں جاسوس شہزادے کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے ۔ وُہ بستروں پر لیٹ گئے ۔ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے ۔ لیٹتے ہی ایسے سوئے کہ ساری حویلی میں اُن کے خراٹے گونجنے لگے ۔ عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا ۔ اُس نے جو دوا شہزادے کو دی تھی اُس کی وجہ سے اب وہ ہوش میں آنے ہی والا تھا ؛ چنانچہ وہ شہزادے کے پاس آگیا ۔

شہزادہ بے ہوش تھا ۔

عنبر نے اُس کے ماتھے پر ایک دوا مَلی ، شہزادے نے آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھول دیں۔ وہ بڑے غور سے عنبر کو دیکھنے لگا:

"آپ ہیں؟ آپ -- آپ --!"

"شی، خاموش رہو شہزادہ سلامت۔ رب عظیم نے رحم کیا جو آپ کو میرے پاس بھیج دیا۔ آپ اس وقت میری حویلی میں ہیں۔"

"اور --- اور وہ --- وہ ڈاکو ؟"

"وہ ساتھ والے کمرے میں سو رہے ہیں۔ آپ سو جائیں اور یہی ظاہر کریں کہ بے ہوش ہیں۔ ان کا میں بندوبست کر لیتا ہوں۔"

شہزادے نے آنکھیں بند کر لیں اور عنبر وہاں سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آگیا۔ جہاں دونوں جاسوس بے سدھ پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ وہ اب ساری بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا کہ یہ لوگ شاہ بخت نصر کے آدمی ہیں اور شہزادے کو اغوا کر کے واپس بابل لیے جا رہے ہیں۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ یہ لوگ شہزادے کو لے کر یمن کی طرف کیوں کر نکل آئے۔ یہ تو شہزادے کی خوش قسمتی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

اب عنبر فوراً سے پہلے ان دو جاسوسوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ ان دونوں سے فارغ ہو جانا چاہتا تھا۔ اس نے الماری کھول کر اس میں سے ایک ایسے زہر کی شیشی نکالی جس کا ایک قطرہ اگر ہاتھی کو پلا دیا جائے تو پھڑک کر زمین پر گرے اور فوراً مر جائے۔ عنبر نے ان دونوں جاسوسوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اِس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگر وُہ اُن دونوں کو بے ہوش کرکے شہر سے باہر کہیں جگہ پھینک آتے اور شہزادے کو اپنے ساتھ محل میں لے جاتے تو یہ ضروری بات تھی کہ دونوں جاسوس ہوش میں آنے کے بعد گھوڑوں کے تاجر کے پاس جاکر شکایت کرتے کہ اس کے دوست حکیم عنبر نے انہیں بے ہوش کرکے نالے میں پھینک دیا تھا اور شہزادے کو اغوا کر لیا ہے۔ اس طرح یہ بھی ضروری تھا کہ تاجر عنبر کے پاس آتا اور اپنے دوست کے بیمار بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کرتا۔

یُوں حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کر سکتے تھے اور بات شاہین حموربی تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ اِس لیے عنبر کے لیے لازمی ہو گیا تھا کہ وہ اُن جاسوسوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر شہر سے باہر کسی ویران علاقے میں جاکر گڑھے میں دبا دے اور صبح تاجر اگر پُوچھے تو وُہ یہی کہے کہ اُس کے دوست کے بیٹے کو آرام آ گیا تھا اور وہ لوگ صبح دم واپس چلے گئے تھے۔

عنبر نے زہر کی شیشی ہاتھ میں پکڑی اور دونوں جاسوسوں کے قریب آگیا۔

وُہ بے خبر سو رہے تھے اور اُن کے منہ خراٹے لیتے ہوئے کھلے تھے۔ عنبر نے مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر شیشی کا منہ کھولا اور ایک ایک قطرہ زہر کا دونوں کے حلق میں ٹپکا دیا۔ زہر نے جسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اندر جاتے ہی اپنا اثر دکھا دیا۔ دونوں جاسوس ذرا سا ہلے اور اُن کے خرّاٹے ایک دم بند ہو گئے۔ وہ مر چکے تھے۔ عنبر نے شہزادے کو جا کر ساری صورتِ حال سے باخبر کر دیا اور کہا:

"میں ان ڈاکوؤں کی لاشیں ویرانے میں دفن کرنے جا رہا ہوں۔ آپ میرے آنے تک اطمینان سے دروازہ بند کر کے یہاں بیٹھیں اور اگر کوئی آئے تو دروازہ ہرگز نہ کھولیں۔"

"ایسے ہی ہو گا عنبر۔"

عنبر نے دونوں جاسوسوں کی لاشیں اٹھا کر گھوڑے پر ڈالیں اور انہیں لے کر رات کے اندھیرے میں سنسان شہر کے بازاروں اور گلیوں میں سے ہوتا باہر ویرانے میں آ گیا۔ یہاں اُس نے ایک پہاڑی کے دامن میں زمین میں ایک گڑھا کھودا اور دونوں لاشوں کو اُس میں دفن کر کے اُوپر مٹی ڈال دی۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ فوراً واپس آ گیا۔ شہزادہ اکیلا پریشان ہو رہا تھا۔ اُس نے پُوچھا:

"کیا ڈاکوؤں کو دفن کر دیا عنبر؟"

"ہاں شہزادہ سلامت، مگر یہ سب کچھ کیسے ہُوا؟ یہ لوگ تو آپ کو لے کر شاہ بابل کے دربار میں جا رہے تھے جو یقیناً آپ کو ہلاک کر دیتا۔"

شہزادے نے کہا:

"ہماری خود سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے۔

بس ہم نے پانی پیا اور ایک ایک کر کے سبھی بے ہوش ہو گئے "

"ضرور اُنھوں نے چچا حبشی کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پانی کے مٹکے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی ہوگی۔ کیا ملکہ اور مانو اُسی جگہ ہیں؟"

"ہاں، ڈاکوؤں نے راستے میں مجھے کہا تھا کہ ہم تجھے بخت نصر کے پاس لیے جا رہے ہیں اور تمہاری والدہ اور غلام کو ہم نے کچھ نہیں کہا۔ ہمیں صرف یہی حکم تھا کہ تمہیں اغوا کر کے دربار میں لایا جائے "

"ربِ عظیم کا شکر ہے کہ اُس نے تمہیں آپ میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر راستے میں آپ بیمار نہ ہوتے تو یہ لوگ کبھی میرے پاس نہ آتے۔ وہ یمن میں سے چوری چھپے گزر کر بابل کی طرف جلدی پہنچنا چاہتے تھے "

پھر عنبر نے شہزادے کو بتایا کہ وُہ شاہ یمن حمورتی کے دربار میں وزیر خاص مقرر کر دیا گیا ہے۔ اُس نے حمورتی کے دربار میں سارا قصّہ شہزادے کو سُنا ڈالا۔ شہزادہ بڑا خوش ہُوا۔

"اب آپ کو میرے ساتھ شاہی محل میں چل کر رہنا ہوگا اور مناسب وقت آنے پر میں آپ کو شاہ یمن سے بھی ملواؤں گا۔ مَیں نے اُس سے بخت نصر کے حملے، آپ کی زندگی اور ملکہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

عنبر نے چونک کر کہا:

"ضرور گھوڑوں کا تاجر آیا ہے؟"

"ہو سکتا ہے ڈاکوؤں کا کوئی ساتھی ہو۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ میں ابھی جا کر پتہ کرتا ہوں۔"

عنبر نے تلوار کھینچ کر ہاتھ میں لے لی اور دروازے کے پاس جا کر پوچھا:

"کون ہو تم؟"

"عنبر! میں ہوں یورکا۔"

عنبر نے یورکا کی آواز پہچان لی اور خوش ہو کر دروازہ کھول دیا۔

یورکا نے اندر آ کر عنبر کو گلے سے لگا لیا۔

"کہو حالات کس رُخ پر جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں۔۔۔۔"

اچانک اُس کی نظر شہزادے پر پڑ گئی۔ وہ بات کرتے کرتے رُک گیا اور حیرت میں ڈوب کر شہزادے کو تکنے لگا۔

"شہزادہ سلامت، آپ یہاں کیسے؟ ملکہ اور غلام کہاں ہیں؟ آپ یہاں کیسے پہنچ گئے۔ میں تو آپ کو قرطاجنہ میں چھوڑ کر آیا تھا۔"

"ان سے پوچھیں یورکا کہ میں یہاں کیسے پہنچ گیا ہوں؟"

یورکا نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ کیا راز ہے عنبر، کچھ تم ہی بتاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے یورکا کو الف سے لے کر یے تک ساری داستان سُنا ڈالی۔

یورکا حیران بھی ہُوا اور خوش بھی ہُوا کہ شہزادہ زندہ سلامت تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ بخت نصر کو شہزادے اور زرکسیز کے فرار ہو جانے کا بے حد صدمہ ہے اور وہ ہر حالت میں ان دونوں کو گرفتار کروانا چاہتا ہے۔"

"ظاہر ہے وہ تو ہر ممکن کوشش کرے گا۔ ہم نے تو شہزادے کو اغوا کر کے اس کے شاہی وقار کو خاک میں ملا دیا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے حمورابی کے دربار میں کوئی مقام بنایا ہے یا نہیں؟"

"وہ بھی سب کام تسلی بخش طریقے سے ہو گیا ہے یورکا۔ تم اس وقت حکیم عنبر سے نہیں بلکہ حمورابی کے وزیر خاص سے باتیں کر رہے ہو۔"

"کیا یہ سچ ہے؟"

"سو فیصدی سچ ہے۔"

"دیوتاؤں کی مہربانی ہو چکی ہے عنبر! زرکسیز نے بھی وفادار فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا ہے۔"

"میں نے پوری تفصیل کے ساتھ حمورابی سے بات کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ جس وقت بخت نصر یمن پر حملہ کرے ہم اُس وقت ملکہ اور شہزادے کو لے کر نینوا پہنچ جائیں اور زرکسیز کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبائل میں وہاں شاہ بابل کے گورنر کے خلاف عام بغاوت کروا دیں۔ اس طرح بخت نصر کی آدھی فوج کی توجہ نینوا کی طرف بٹ جائے گی۔"

"تجویز تو بڑی معقول ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بخت نصر یمن پر حملہ کب کر رہا ہے!"

"اس کے لیے حموربی نے اپنے جاسوس بابل روانہ کر دیے ہیں۔"

"اگر بخت نصر نے یمن پر حملے میں دیر کر دی تو ہمیں نقصان ہوگا۔"

"وہ کس طرح؟"

"وہ اس طرح کہ ہم وفادار فوجوں کا خرچ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا ہے۔"

عنبر سوچنے لگا، پھر بولا:

اس کا ایک ہی علاج ہو سکتا ہے کہ میں حموربی سے بات کر کے اپنی وفادار فوجوں کو یمن کی شاہی فوجوں کے ساتھ شامل کر لوں۔ اس طرح ہماری فوج کا سارا خرچ شاہی حکومت کے سر ہوگا۔"

"کیا حموربی مان جائے گا؟"

"کیوں نہیں، آخر یہ فوج بھی اس کے ساتھ نینوا میں لڑے گی۔"

"بڑی معقول تجویز ہے عنبر، تم بادشاہ سے بات کرو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم بھی میرے ساتھ شاہی محل چلو۔ مَیں تمہیں بھی بادشاہ سے ملوانا چاہتا ہُوں"

"اگر تم مناسب خیال کرتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مجھے زرکبیر کے پاس جاکر اُسے تازہ اطلاع بھی دینی ہے کہ یہاں حالات کیا ہیں"

"کوئی بات نہیں، تم ایک روز بعد سفر پر روانہ ہو جانا"

عنبر راتوں رات یورکا اور شہزادے کو ساتھ لے کر محل کی جانب چل پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار مندر

●

یورکا اور شہزادے کو لے کر عنبر شاہی محل پہنچ گیا۔

شہزادہ حوربی کے شاہی محل میں بالکل محفوظ تھا۔ یورکا نے عنبر سے کہا کہ پیچھے ملکہ اور جانو شہزادے کی گمشدگی سے بہت پریشان ہوں گے۔ اس لیے میرا جلد سے جلد واپس جانا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ وہ زرکیر کو تمام حالات سے باخبر بھی کرنا چاہتا ہے۔ یورکا کا خیال بڑا مناسب تھا۔ عنبر بھی چاہتا تھا کہ شہزادے کی والدہ کو اطلاع کر دی جائے کہ شہزادہ اُن کے پاس بالکل محفوظ ہے۔ دگرنہ ماں اپنے بیٹے کی جُدائی میں رو رو کر بُرا حال کر لے گی۔ عنبر نے ملکہ کو شہزادے کی جُدائی میں بین کرتے دیکھا ہُوا تھا۔ اُس نے کہا:

"مَیں تمہیں شہزادے کے ساتھ حوربی کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہُوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شہزادے کو بادشاہ کے سامنے پیش کرو۔ میری جگہ اگر زرکیر جو کہ نینوا کی فوج کا سپہ سالار تھا، بادشاہ سے ملے تو زیادہ بہتر ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کو یورکا کی بات پسند آئی۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ بادشاہ کے حضور یورکا کی بجائے زرکسیر کو پیش کرنا چاہیئے تھا تاکہ بادشاہ کو یقین ہو جاتے کہ نینوا کی فوج اور عوام اس کے ساتھ ہیں۔ زرکسیر نینوا کی فوج کا نمائندہ تھا اور شہزادہ وہاں کے عوام کا نمائندہ تھا۔ کیونکہ نینوا کے عوام اپنے شہزادے اور ملکہ پر جان دیتے تھے۔

"پھر ایسا کرو، تم آج ہی ملکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ انہیں کہو کہ شہزادہ ہمارے پاس محفوظ ہے اور ہم عنقریب ملکہ سلامت کو بھی حمورّبی کے شاہی محل میں لے آئیں گے۔

"بہت بہتر!

یورکا اسی وقت اپنے واپسی کے سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

عنبر نے شہزادے کو اپنے خاص کمرے میں آرام دہ مسہری لگوا دی اور خود دربار میں آ گیا۔ دربار میں اُس روز نینوا کے کچھ جنگی قیدیوں کو پیش کیا جا رہا تھا جنہیں بخت نصر کے سپاہی قید کر کے اپنے ساتھ بابل لے گئے تھے اور جو وہاں سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر یمن کی سرحد پر پہنچ گئے تھے اور جہاں یمن کے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ حمورّبی اُن قیدیوں سے بابل کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دربار لگا اور حمورّبی اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ قیدیوں کو پیش کیا جائے۔

چھ سات قیدی زنجیروں میں جکڑے ہوئے سامنے آ کر جھک

گئے۔ حوریّ نے اُن سے پُوچھا:

"تم لوگ بھاگ کر یمن کی سرحد پر کیوں آئے؟"

قیدیوں کے ایک نمائندے نے جُھک کر کہا:

"جہاں پناہ، ہمارے لیے سوائے یمن کے اور کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔"

"یہ خیال تمہیں کیوں کر آیا؟"

"اِس لیے جہاں پناہ کہ یمن بھی ہمارے ملک نینوا کی طرح بابل کے بادشاہ کا دشمن ہے اور بابل میں آپ کے ملک پر حملہ کرنے کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ نینوا کے ساتھ آپ کے ملک کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔"

"تم نے اِن تیاریوں کو کیسے دیکھا۔ تم لوگ تو دشمن کی قید میں تھے؟"

"جہاں پناہ، ہمیں جیل خانے کے سپاہیوں نے بتایا تھا کہ وہ لوگ اسی موسمِ بہار میں یمن پر حملہ کر کے وہاں سے لوٹ مار کا سامان اور بے شمار جنگی قیدی غلام بنا کر لائیں گے۔"

"نینوا میں تمہیں کہاں گرفتار کیا گیا تھا؟"

"شاہی محل کے باہر جہاں پناہ، ہمارے ساتھی لڑتے لڑتے ہلاک کر دیے گئے تھے۔ دشمن نے ہمیں گرفتار کر لیا اور غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گئے۔"

اِس موقع پر بادشاہ حمورابی نے جُھک کر پاس کھڑے ہوئے وزیرِ خاص عنبر کے کان میں کچھ کہا۔ عنبر نے نہایت ادب سے سر جھکایا اور قیدی سے پوچھا :

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ نینوا کا بادشاہ، ملکہ اور شہزادے اُس وقت کہاں تھے ؟"

"حضور، دشمن نے ہمارے بادشاہ کو ہلاک کر دیا تھا۔ ملکہ کو قید کر کے لے گئے تھے۔"

"اور شہزادے ؟"

"شہزادوں کو بھی بخت نصر نے قتل کر دیا تھا۔ صرف ہمارا سپہ سالار زرکسیر دشمن سے جان بچا کر فرار ہو سکا تھا۔"

"کیا تمہیں اِس بات کا دُکھ نہیں کہ دشمن کی فوجوں نے تمہارے شہر نینوا کو جلا کر خاک کر دیا اور تمہارے بادشاہ کو قتل کر دیا؟"

"ہمیں اِس سے بڑا دُکھ اور کوئی نہیں ہو سکتا حضور، کاش! ہم اپنے وطن کی آبرو پر اپنی جانیں قربان کر سکتے!"

"اگر تمہیں نینوا کے گورنر کے خلاف جنگ کا حکم دیا جائے تو کیا تم وہاں جا کر لڑو گے ؟"

"اکیلے حضور ؟"

"نہیں، اپنے دوسرے فوجیوں کے ساتھ۔"

"کاش، ایسا ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو جاتے تو ہم اسی وقت گورنر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نینوا کے محل پر حملہ کرنے کو تیار ہیں۔ خواہ اس میں ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

عنبر نے جُھک کر بادشاہ حمورّبی سے کچھ کہا۔ بادشاہ نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ایک سپاہی آگے بڑھا۔ اُس نے تمام قیدیوں کی زنجیریں کھول دیں۔

"آج سے تم آزاد ہو اور یمن کی فوج کے سپاہی سمجھے جاؤ گے۔"

"حمورّبی زندہ باد — بخت بلند ہو — دیوتاؤں کی رحمت ہو۔"

قیدیوں نے جُھک کر تین بار کورنش بجا لائی اور سپاہی کے ساتھ دربار سے باہر نکل گئے۔ حمورّبی نے دربار برخاست کر دیا اور عنبر سے کہا:

"تم ہمارے ساتھ آؤ عنبر۔"

"جو حُکم جہاں پناہ۔"

حمورّبی عنبر کو ساتھ لے کر محل کے ایک خاص کمرے میں آ گیا۔ وہاں اُن دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اُس نے عنبر سے پُوچھا:

"کیا خیال ہے عنبر، یہ سپاہی وفادار ہیں ملکہ کے؟"

"نینوا کا ہر سپاہی ملکہ اور شہزادے کا وفادار ہے جہاں پناہ، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔"

"تم نے معلوم کیا کہ تمہاری فوج کا سپہ سالار زرکیر اس وقت کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہاں پناہ، وہ یمن کے جنوب میں شہرخ پہاڑ کے غاروں میں وفادار فوج کو جمع کر چکا ہے اور سرکار کے حکم کا منتظر ہے۔"

"اسے پیغام بھجوادو کہ جب تک بخت نصر ہمارے ملک پر حملہ نہیں کرتا ہم اسے نینوا میں فوجی گورنر کے خلاف بغاوت کروانے کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ اس سے سوائے خون خرابے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بخت نصر کی ساری فوج نینوا کی بغاوت کو کچل کر رکھ دے گی۔"

"اگر حکم ہو تو میں زرکبیر کو سرکار کی خدمت میں پیش کروں تاکہ جہاں پناہ خود سپہ سالار سے تفصیلی بات چیت کر سکیں۔"

"یہ خیال بھی مناسب ہے۔"

"دوسری بات یہ ہے حضور کہ ابھی تک ہمارے جاسوس بابل سے واپس نہیں آئے اور ہمیں کوئی خبر نہیں ہے کہ بخت نصر موسم بہار میں یمن پر حملہ کر رہا ہے یا نہیں۔ زرکبیر نے وفادار فوجوں کی ایک بھاری تعداد اپنے ارد گرد جمع کر لی ہے۔ یہ فوج یمن کی وفادار فوج بھی ہے۔ جوں جوں دیر ہو رہی ہے، اس فوج میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ کیونکہ زرکبیر اتنی فوج کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یہ تو ایک قدرتی بات ہے عنبر، فوجیں ملک کی آمدنی کے حساب سے رکھی جاتی ہیں۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی فوج کا خرچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسے برداشت کرسکتا ہے ؟"

" اسی خیال سے میں اکثر پریشان رہتا ہوں جہاں پناہ کہ زرکبیر کی فوج یمن کی وفادار اور مصیبت کے وقت ہمارے کام آنے والی فوج ہے۔ اسی فوج نے نینوا میں بغاوت کروا کر بخت نصر کی فوجی طاقت کو توڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اگر اس فوج کے سپاہی محض بھوک سے تنگ آ کر واپس جانا شروع ہو گئے تو یہ یمن کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ یہ فوجی اس وقت یمن کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دینے کو تیار ہیں "

حمورابی خاموش ہو گیا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ اس نے سر اٹھا کر پوچھا :

" پھر تمہارا کیا خیال ہے عنبر ؟"

" میرا تو خیال ہے جہاں پناہ کہ ہم نینوا کی اس فوج کو یمن کی فوج میں شامل کر لیں تو ان کا ایک الگ ہراول دستہ بنا دیں جو میدان جنگ میں سب سے پہلے دشمن کا مقابلہ کرے "

" ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر تمہاری رائے بھی یہی ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم شوق سے زرکبیر کو اطلاع بھجوا سکتے ہو کہ وہ اپنے وفادار سپاہیوں کو لے کر یمن کے دارالحکومت میں آ جائے "

" جو حکم جہاں پناہ "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن ایک بات کا خیال رہے۔" حورتی نے ہیرے جواہرات کی انگوٹھیوں والی اُنگلی اُٹھا کر کہا۔ عنبر نے ادب سے پُوچھا:

"ارشاد جہاں پناہ۔"

"کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے کہ شہر میں کوئی فوج داخل ہوئی ہے۔ سپاہیوں کو چاہیے کہ وہ رات کو بھیس بدل کر ہمارے شہر میں آئیں اور چھاؤنی میں جا کر رہنے لگیں۔"

"ایسا ہی ہو گا جہاں پناہ۔"

"اب آپ جا سکتے ہیں۔"

عنبر نے جُھک کر ادب سے کورنش بجا لائی اور بادشاہ کے محل خاص سے باہر آگیا۔ وُہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب جلدی سے یورکا اور شہزادے کو یہ خوشخبری سُنانا چاہتا تھا۔ یورکا سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار ہی تھا کہ عنبر پہنچ گیا۔ اُس نے شہزادے اور یورکا کو بادشاہ کے ساتھ ہُوئی ساری گفتگو سُنا ڈالی۔ یورکا بہت خوش ہُوا۔ کیوں کہ وفادار فوج کی بے کاری اور بھوک کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

"اب تم فوراً زرکیبر کے پاس پہنچو اور اُسے کہو کہ ساری کی ساری فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت میں لے کر دارالحکومت پہنچنا شروع کر دے۔"

"میں ابھی سفر پر روانہ ہوتا ہُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس بات کی خاص طور پر تاکید کرنا کہ کوئی بھی سپاہی زرہ بکتر پہن کر نہ آئے۔ بلکہ عام شہریوں کے لباس میں ہو اور اسلحہ چھپا ہُوا ہو۔ بادشاہ عوام کو نہیں بتانا چاہتا کہ دارالحکومت میں نینوا کے سپاہی جمع ہو رہے ہیں۔"

"بڑا مناسب خیال ہے۔"

"اب تم رب عظیم کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔"

یورکا اسی روز حنائی سے یمن کے سُرخ پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔ عنبر نے یورکا کے جانے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ وُہ اپنے بڑے مشکل منصوبے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے شہزادے کو اپنے کمرۂ خاص میں بٹھایا اور خود اُس پُراسرار ویران مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس کے بارے میں دیوی بلبلیس نے اُسے کہا تھا۔

"اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو ویران مندر میں جا کر میری بہن کو تین بار آواز دینا۔ وُہ تمہاری مدد کو آ جائے گی۔ اُسے میری انگوٹھی دکھا دینا۔"

انگوٹھی عنبر نے جیب میں رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے مغربی پہاڑوں میں پُراسرار مندر کی تلاش کو چل پڑا۔ اُس زمانے میں آبادیاں بہت کم ہُوا کرتی تھیں اور ویرانے بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔ ویرانے تلاش کرنا بہت آسان تھا۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تلاش کرتے کرتے آخر ایک پہاڑ کے پاس پہنچ گیا جس کے پہلو میں کسی پرانے مندر کے کھنڈر دکھائی دیے۔ یہ مندر پرانے فرعونوں کے دور کا تھا اور اس کے ستون گرے ہوئے تھے۔ پتھر کی سیڑھیوں پر گھاس اُگی ہوئی تھی۔ ایک جگہ سے اندھیرا راستہ مندر کے اندر کو جاتا تھا۔ عنبر نے گھوڑا باہر باندھا اور خود مندر کے اندر داخل ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگ کا شعلہ

•

عنبر پُراسرار، ویران مندر کے بڑے تہہ خانے میں آگیا۔ تہہ خانے کی چھت پہاڑ کے نوکیلے پتھروں کی تھی اور اُن کے ساتھ جالے بادلوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر پتھروں میں سے نقش و نگار کھودے گئے تھے۔ کہیں کوئی دیوی دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے کھڑی تھی۔ کہیں بادشاہ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کہیں کسی مُردے کو لکڑیوں کے ڈھیر پر جلایا جا رہا تھا۔ کہیں دیوتا کسی انسان کی قربانی قبول کر رہا تھا۔ قربانی دینے والے انسان کو چبوترے پر لٹا کر پجاری ذبح کر رہے تھے۔ عنبر ان پتھریلی تصویروں کو ایک ایک کر کے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ہر تصویر میں ایک لمبے بالوں والی عورت ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہے بلکہ ایک جگہ تو وہ خوفناک شکل والی دیوی بن کر انسانوں کو ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر دہکتی آگ میں ڈال رہی ہے۔ اس عورت کی شکل دیوی بلطیس سے بڑی ملتی جلتی تھی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ ہو نہ ہو یہی بلطیس کی بہن ہوگی جس کی رُوح اس مندر میں صدیوں سے آوارہ بھٹک رہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھت کے ایک کونے میں سوراخ تھا جہاں سے روشنی کی کرنیں مندر کے تہہ خانے میں داخل ہو کر وہاں کے ٹھنڈے پُر اسرار اندھیرے کو کسی حد تک دُور کر رہی تھیں۔ تہہ خانے کے وسط میں پتھر کے سیاہ ستونوں کے درمیان ایک چبوترہ سا بنا تھا جس کے اوپر ایک نوکیلے سینگوں والے قوی ہیکل بھینسے کا مجسمہ کھڑا تھا۔ اس بھینسے کی ایک ٹانگ اور پیٹھ کا نصف حِصّہ ڈھے چکا تھا۔ فضا میں گہری خاموشی طاری تھی۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ دیوی بلطیس کی بہن کو تین بار آواز دے۔ عنبر نے چھت کی طرف منہ کر کے تین بار آواز دی۔

"اے دیوی بلطیس کی بہن، مَیں تم سے ملنے آیا ہُوں....."

اُس کی آواز تہہ خانے کی فضا میں گونج اُٹھی۔ پہلی آواز پر بہت سے چمگادڑ چھت میں سے پھڑپھڑاتے ہُوئے نکلے اور باہر کو اُڑ گئے۔ وُہ ڈر گیا کہ یہ بلائیں کہاں سے آ گئیں۔ تیسری آواز پر چبوترے کے آگے آگ کا ایک خوفناک شعلہ زمین پر سے اُٹھا اور لپک کر چھت کی طرف غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چبوترے کے مجسمے پر بلطیس دیوی کی بہن کی رُوح نمودار ہوئی۔ وہ مجسمے پر بیٹھی تھی۔ اُس کی سُرخ آنکھوں سے آگ کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ سَر کے بال کھُلے تھے اور اگلے دو دانت ہونٹوں سے باہر جھانک رہے تھے۔ اُس کی شکل و صورت بڑی ڈراؤنی تھی۔ عنبر نے اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی خوفناک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکل وصورت والی دیوی تھی۔ جس کی شکل دیوار کی پتھریلی تصویروں پر قریباً ہر جگہ موجود تھی۔ رُوح نے عنبر کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے عنبر کی طرف جھٹکا۔ آگ کا ایک گولا سا مجسّمے کے منہ سے نکل کر عنبر کے پاؤں کے پاس آکر رُک گیا۔ رُوح نے دُوسری بار غصّے سے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ آگ کا گولا ذرا سا حرکت کر کے ویسے ہی زمین پر جما رہا۔ بدرُوح نے غصّے میں ایک چیخ ماری اور چھت میں سے ایک لمبی چونچ والا ہاتھی کے برابر پرندہ غوطہ لگا کر عنبر کی طرف آیا اور اُس کے سر کے ارد گرد دو چکر لگا کر چیختا چلاتا فضا میں غائب ہو گیا۔ رُوح نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا اور غضب ناک ہو کر بولی:

"کون ہو تم؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"کاش یہ سوال تم اپنا جادو کا کھیل دکھانے سے پہلے پُوچھ لیتی۔ میرا نام عنبر ہے۔ مجھے تمہاری بہن دیوی بلطیس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ ہے اُس کی انگوٹھی۔"

عنبر نے جیب سے انگوٹھی نکال کر بلطیس کی بہن کو دے دی۔

"اس انگوٹھی کی وجہ سے تم پر میرے جادو کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ مگر اب تم میرے جادو سے نہیں بچ سکو گے۔ تم خود چل کر میرے پاس آ گئے ہو۔ مَیں اپنی بہن کا شکریہ ادا کرتی ہُوں جس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک لذیذ گوشت والا نوجوان میرے پاس بھیجا۔ تمہیں کھا کر میں بے حد خوش ہوں گی۔"

عنبر بڑا حیران ہُوا کہ یہ بدرُوح کیسی ہے کہ اُسے اپنی بڑی بہن کے الفاظ کا بھی خیال نہیں۔ یقیناً یہ کوئی خبیث رُوح ہے۔ عنبر نے سوچا؛ ورنہ یہ اپنی بہن کے الفاظ کا ضرور لحاظ کرتی۔ ظاہر ہے کہ وُہ اُسے ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔ صرف اپنا اور اُس کا وقت ضائع کر سکتی تھی۔ عنبر نے کہا:

"اے بدرُوح، تو مجھے ساری زندگی بھی کوشش کرتی رہے تو نہیں کھا سکتی۔ اِس لیے اِس خیال سے باز آجا۔"

بدرُوح قہقہہ مار کر ہنسی:

"میں ابھی تمہیں اِس گستاخی کا مزا چکھاتی ہُوں۔"

اتنا کہہ کر اُس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا۔ ایک جلتا ہوا نیزہ اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے وُہ نیزہ فضا میں واپس اُچھال دیا۔ نیزہ اُچھلا اور زور سے ایک چکر کھا کر عنبر کے سر کی طرف آیا۔ عنبر اپنی جگہ پر اُسی طرح کھڑا رہا۔ جلتا ہُوا نیزہ اُس کے قریب آکر بجھ کر زمین پر گر پڑا۔ بدرُوح نے دوسری بار جلتا ہُوا پتھر عنبر کی جانب پھینکا۔ مگر وُہ بھی عنبر کے قدموں میں آکر ٹھنڈا ہو گیا۔ اب اُس نے ایک اژدہا کو حکم دیا کہ وہ عنبر کو جا کر نگل لے۔ اژدہا کے منہ سے آگ نکل رہی تھی اور اُس کی کئی زبانیں تھیں۔ اژدہا نے پھنکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اری اور عنبر کی طرف دوڑ کر لپکا۔ مگر اُس کے قریب جا کر یُوں پیچھے گر کر تڑپنے لگا جیسے وہ کسی پتھریلی دیوار سے ٹکرا گیا ہو۔

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

"اے بدرُوح، تو مجھے کبھی ہلاک نہیں کر سکتی۔ تیرا جادو مجھ پر اثر نہیں کرے گا۔ اِس لیے بہتر ہے کہ تو میری بات غور سے سُن"

بدرُوح نے بڑی نرمی سے کہا:

"تُو کون ہے۔ مجھے سچ سچ بتا"

"سُن اے بدرُوح، مَیں فرعونِ مصر عاطون کا بیٹا ہُوں اور دو ہزار سال سے زندہ چلا آ رہا ہُوں"

اِتنا سُننا تھا کہ بدرُوح چبوترے پر سے اُتر کر عنبر کے پاس آ گئی اور جُھک کر بولی:

"اے مقدس انسان، مَیں آج سے تیری باندی ہُوں۔ مجھے تُو جو حُکم کرے گا مَیں اُس پر عمل کروں گی۔ بتا تجھے مجھ سے کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟"

"سُن، بابل کا بادشاہ بخت نصر ملک یمن پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ یمن کا ملک کمزور ہے۔ اُس کے پاس اتنا اسلحہ اور فوج نہیں کہ وہ بخت نصر ایسے طاقت ور اور جابر بادشاہ کی فوج کا مقابلہ کر سکے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ تُو شاہِ بابل کے خلاف ہماری مدد کر"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے مقدس انسان، طلالہ کی رُوح نے تیری ہر بار مدد کی ہے۔ تو اُس سے کیوں نہیں کہتا؟"

"طلالہ کی رُوح میری معافی کے بعد آسمان کی اُن بلندیوں میں چلی گئی ہے۔ جہاں سے وُہ زمین کی پستیوں میں دوبارا نہیں آ سکتی۔ اِس لیے اب تیرا یہ فرض ہے کہ ہماری مدد کر۔ اِس لیے کہ تو زمین کی پستیوں میں رہنے والی بھٹکتی رُوح ہے۔ اِس زمین کے دُشمن کے خلاف زمین ہی کے ذریعے استعمال کر اور بخت نصر کی فوج کو تباہ کرنے کا طریقہ بتا۔"

"اے عنبر تو بھی سُن لے کہ مجھے بھی ایک بددُعا ملی ہے جو مجھے اِس زمین پر ہمیشہ کی زندگی مل گئی۔ تو ہمیشہ زمین کی پستیوں میں رہے گا اور ان پستیوں کے دُکھ درد سہتا رہے گا۔ شیطان نے ایک بار کہا تھا کہ تو ہم سے ایک دن مدد مانگنے آئے گا۔ میں ہرگز تمہاری مدد نہ کرتی۔ اگر تُو شیطانی طاقتوں میں مجھ سے آگے نہ ہوتا۔"

"اب جب کہ تُو نے اپنی شکست کو مان لیا ہے تو پھر ہمارے ساتھ مل کر یمن کی فوج کی مدد کر۔"

"میں تیار ہُوں عنبر۔"

"تو ہماری کس طرح مدد کر سکتی ہے؟"

"جس روز جنگ ہو اُس روز تو مجھے آواز دینا۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گی اور پھر دیکھنا کہ میں تمہاری کس طرح مدد کرتی ہُوں۔ لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بدلے میں تجھے میری ایک شرط تسلیم کرنی ہو گی "

" وُہ کون سی شرط ہے ؟ "

" تجھے اپنی زندگی کے دو ہزار برس مجھے دینے ہوں گے "

" مجھے منظور ہے "

" پھر میں جاتی ہُوں۔ میدانِ جنگ میں مُلاقات ہو گی "

زمین پر آگ کا شعلہ لپکا اور بدرُوح اُس میں غائب ہو گئی۔ غار کے چبوترے پر بعینیے کا ٹوٹا ہُوا بُت اسی طرح پڑا تھا۔ باہر سے چمگادڑیں پھڑپھڑاتی ہُوئی آئیں اور غار کی چھت میں چھُپ گئیں۔ عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے سوچا سودا مہنگا نہیں رہا۔ یمن کے مظلوم عوام کی جائز مدد کے لیے اگر اُس نے اپنی زندگی کے دو ہزار سال اُس بدرُوح کو دے دیے ہیں تو اچھا کیا ہے۔

غار کے باہر اُس کا گھوڑا ویسے ہی بندھا ہُوا تھا۔ عنبر اُس پر سوار ہو کر واپس شاہی محل میں آ گیا۔ محل میں واپس آ کر اُس نے شہزادے سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی۔ اُس نے اِس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ دو دن گزر گئے۔ اُسے یورکا اور زرکسیز کا شدت سے انتظار تھا۔ تیسرے روز یورکا اور زرکسیز اُس کے پاس پہنچ گئے۔ زرکسیز نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ کیونکہ عنبر کو حمورابی کے دربار میں جو شاندار کام کیا تھا۔ یورکا نے اُس کی ساری تفصیل اُسے بتا دی تھی۔

" عنبر، نینوا کے عوام ہمیشہ تمہارا نام فخر سے لیا کریں گے۔ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہمارے لیے وہ کام کیا ہے جو ہم مل کر بھی چاہتے تو نہ کر سکتے تھے۔"

"زرکسیر: میں نے مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مخالفت کر کے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔ یہ بتاؤ فوج کے سپاہی کہاں ہیں؟"

"عنبر: فوج کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ بہت سے سپاہی بھوک سے تنگ آ کر چلے گئے ہیں۔ اس وقت بمشکل ایک ہزار کے قریب سپاہی ہیں جو تاجروں کے بھیس میں آج رات سے حنائی میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ شہر کی مختلف سراؤں میں ٹھہریں گے جہاں سے ہم انہیں دس دس بیس بیس کر کے شاہی محل میں لے آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی بہتر رہے گا۔"

یورکا نے کہا:

"ملکہ اور سانو کو شہزادے کی بازیابی کی خبر دی تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ ملکہ کا تو غم کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔"

شہزادے نے پُوچھا:

"اب تو والدہ صاحبہ کی طبیعت ٹھیک ہے نا!"

"اب تو تمہارے پاس آنے کی تیاری کر رہی ہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"دیوتا میری امی کو مجھ سے جلد ملائیں۔"

عنبر نے زرکیسر سے کہا:

"بادشاہ حوربل تم سے مُلاقات کا خواہش مند ہے۔ میں آج ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بادشاہ سے ملواؤں گا۔ لیکن تم نے وہاں یہ ضرور کہنا ہے کہ نینوا کے آس پاس ہماری بہت سی فوج چھپی ہوئی ہے جو وقت آنے پر بخت نصر کے خلاف جنگ کر دے گی۔"

"مگر وہ فوج آئے گی کہاں سے؟"

"اس کا انتظام میں کر لوں گا۔"

زرکیسر نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"عنبر! ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اگر تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ جنگ کی صورت میں کیا ہوگا تو میں تمہیں یہی کہوں گا کہ حوریلی کو شکست ہوگی۔"

یورکا نے کہا:

"وہ کس طرح؟"

"وہ اس طرح کہ ہماری طاقت بخت نصر کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ ہمارے گھوڑے اور چند ایک ہاتھی بخت نصر کے ہاتھیوں کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے پاس پتھر اور آگ کے گولے پھینکنے والی توپوں کا کوئی شمار ہی نہیں اور ہمارے پاس ایسی توپیں انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ پھر بخت نصر کتنی ملکوں کو فتح کر چکا ہے۔ وہ فتح کے گھمنڈ میں ہے۔"

"نینوا کے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔"

"نینوا پر اگر ہمارا قبضہ ہو بھی گیا عنبر تو یاد رکھو، میں بخت نصر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تباہی سے پھر بھی نہ بچ سکے گا۔ بخت نصر یمن پر قبضہ کرنے کے بعد نینوا کو بھی ایک بار پھر لے لے گا اور اِس دفعہ وُہ نینوا کے مکانوں پر ہل چلا کر زمین کے ساتھ ملیا میٹ کر دے گا۔"

عنبر نے بڑے اعتماد سے کہا:

"بخت نصر کو ہم شکستِ فاش دیں گے زرکسیر۔"

"مگر کس طرح؛ کس سے؟"

"یہ میدانِ جنگ میں تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

"عنبر! میں فوجی ہوں، خواب و خیال کی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے تو عملی طور پر بتاؤ کہ کیا تم نے مصر یا یونان کے بادشاہوں سے خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے؟"

"ایسا بالکل نہیں ہے۔ لیکن ہم اکیلے بھی نہیں ہیں۔"

زرکسیر نے سر کو یوں جھٹکا دیا جیسے عنبر کی باتوں کو مذاق سمجھ رہا ہو، پھر اُس نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ مَیں بادشاہ حموربی سے ملاقات کے دوران میں اُسے صاف صاف کھُل کر بتا دوں کہ صحیح صورت حال کیا ہے، تاکہ بادشاہ کسی غلط فہمی میں نہ رہے۔"

عنبر نے جھٹ کہا:

"ربِّ عظیم کی قسم ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اگر تم نے حموربی کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر کر دی تو پانسہ پلٹ جائے گا اور ہو سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے ہمارے سپاہیوں کو اور ہمیں واپس نینوا بھیج کر حوربی بخت نصر کے ساتھ صلح کی بات چیت شروع کر دے۔ اس لیے کہ اُسے ہماری امداد اور نینوا میں عوام کی کامیاب بغاوت پر بڑا بھروسہ ہے۔"

"مگر عنبر تم نے اُسے غلط بھروسہ کیوں دلایا؟ کیا تمہیں نہیں معلوم تھا کہ ہم قلیل فوج کے ساتھ ایسا نہ کر سکیں گے؟"

"لیکن اُس وقت تو ہماری وفادار فوج کی تعداد کئی ہزار تھی۔"

زرکیر چپ ہو گیا۔ کیونکہ عنبر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یورکا نے کہا کہ عنبر کا خیال بڑا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انہیں بادشاہ سے اپنی کمزوری کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ اب تو بخت نصر کے ساتھ ایک زبردست اور آخری جنگ ہو ہی جانی چاہیے۔

"ہم تو پہلے ہی سے برباد اور جلا وطن ہیں۔ ہمارا کیا بگڑے گا ہو سکتا ہے اس جنگ میں تقدیر پانسہ پلٹ دے اور ہم بخت نصر سے اپنی شکست اور تباہی کا بدلہ لے سکیں۔"

"اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو میں بادشاہ سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ لیکن میں اُسے زیادہ امید بھی نہیں دلانا چاہتا۔ یہ بھی اُس کے ساتھ زیادتی ہو گی۔"

"لیکن تم حوربی سے اتنا ضرور کہو گے کہ تمہاری فوج اُس کا ساتھ دے گی اور نینوا میں کامیاب بغاوت ہو گی۔ جہاں کے عوام تمہارے اور ملکہ کے ساتھ ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہتر ہے، کہہ دوں گا۔"

اُس روز تیسرے پہر عنبر نے شہنشاہ حمورَبی سے زرکسیر اور شہزادے کی ملاقات کرادی۔ بادشاہ اُن دونوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ شہزادے کو اُس نے اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور زرکسیر سے آیندہ کی جنگ کے امکانات کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اُس نے زرکسیر کو اپنے قریب ہی کرسی پیش کی۔ زرکسیر نے ویسے ہی بتایا جیسا کہ عنبر نے اُسے کہا تھا۔

بادشاہ نے پُوچھا:

"تمہاری فوج کی کل تعداد کتنی ہوگی؟"

زرکسیر نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ زرکسیر نے کہا:

"ایک ہزار اِس وقت میرے پاس موجود ہے۔ باقی دس بارہ ہزار فوج نینوا کے آس پاس غاروں میں چھُپی ہُوئی ہے جو جنگ کی صورت میں باہر نکل کر بخت نصر کی فوج پر حملہ کر دے گی اور نینوا کے گورنر کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرے گی:

حمورَبی بڑا خوش ہو کر بولا:

"یہ تو بڑی اُمید افزا اور خوشی کی بات ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم اِدھر بخت نصر کی باقی آدھی فوج کو سنبھال لیں گے۔ سوال یہ ہے کہ غاروں میں چھُپی ہوئی فوج کے پاس کافی اسلحہ موجود ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دفعہ پھر زرکیسر نے عنبر کے کہنے پر جھوٹ بولا اور کہا :

" جی ہاں بادشاہ سلامت، اُن کے پاس اتنا اسلحہ موجود ہے کہ وہ ایک ماہ تک لڑائی کر سکتے ہیں "

حوربتی مطمئن ہو گیا۔ اُس نے زرکیسر سے پوچھا کہ مین میں جو فوج موجود ہے وہ حناق میں کب پہنچے گی؟ زرکیسر نے بتایا کہ وہ آج رات شاہی چھاؤنی میں پہنچ جائیں گے۔

" ٹھیک ہے۔ اب ہمیں ہمارے مخبروں کا انتظار ہے۔ اُن کے آنے پر ہی ہمیں معلوم ہو گا کہ بخت نصر کب چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے، اور ہاں — ہم چاہتے ہیں عنبر کہ ملکہ نینوا کو بھی جلد از جلد یہاں بلا لیا جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے بخت نصر انہیں ایک بار پھر اغوا کرانے کی کوشش کرے "

عنبر نے کہا :

" میں دو روز کے اندر اندر ملکہ سلامت کو یہاں بلوا لوں گا جہاں پناہ "

" ملکہ سلامت ہماری ملکہ کے محل میں ہماری خاص مہمان بن کر رہیں گی۔ اُن کی رہائش اور ہر قسم کی سہولت کا خیال رکھا جائیگا "

" ایسا ہی ہو گا جہاں پناہ "

یورکا، شہزادہ اور زرکیسر، عنبر کے شاہی محل میں واپس آ گئے۔

رات کو زرکیسر کی وفادار فوج نے تاجروں کے بھیس میں پہنچنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع کر دیا۔ عنبر اور زرکبیر خود بھی بھیس بدل کر سراؤں میں پھرتے رہے اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر شاہی چھاؤنی پہنچاتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر تک وفادار فوج ساری کی ساری حمورتی کی شاہی چھاؤنی میں پہنچ چکی تھی۔ اگلے روز اُن کا ایک الگ دستہ بنا دیا گیا اور اُنہیں اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح لیس کر دیا گیا۔ عنبر کو اب ایک ہی خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر بلقیس کی بہن نے وقت پر اس کی مدد نہ کی تو وہ کیا کرے گا۔ پھر تو اُن کی شکست یقینی تھی۔ اُس نے محض بد روح کی یقین دانی پر زرکبیر سے بھی جھوٹ بلوایا تھا اور حمورتی سے یہ کہا تھا کہ نینوا کے ارد گرد اُن کے بارہ ہزار سپاہی چھپے بیٹھے ہیں؛ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہاں اُن کی فوج کا ایک بھی سپاہی موجود نہ تھا۔

ساری رات پریشان رہا۔ رات کے پچھلے پہر وہ اٹھا اور چپکے سے محل سے باہر نکل کر ویران مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایک بار پھر بدروح سے [illegible] تسلی کرنا چاہتا تھا کہ وقت آنے پر وہ اُسے دغا نہیں دے جائے گی۔ ویران مندر کے غار میں داخل ہو کر وہ چبوترے کے پاس پہنچ گیا اور بلند آواز سے تین بار آواز دی۔

تیسری آواز پر چبوترے کے پاس آگ کا سرخ شعلہ لپکا اور بلقیس کی بہن کی رُوح نمودار ہوئی۔ اُس نے تعجب سے عنبر کو دیکھا اور کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم اب کس مقصد کو لے کر یہاں آئے ہو عنبر۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ اِس لیے کہ مَیں ایک بہت بڑی دعوت چھوڑ کر صرف تمہاری بات سُننے آئی ہُوں"

عنبر نے کہا:

"اے بلطیس کی بہن، میری بات کو غور سے سُن۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مَیں دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے والا انسان ہُوں۔ مَیں نے آج تک کبھی نہ جھُوٹ سُنا ہے اور نہ جھوٹ بولا ہے۔ مَیں نے جس سے کوئی عہد کیا اُسے پُورا کیا۔ صرف تمہاری مدد کے وعدے پر مَیں نے زندگی میں پہلی بار کئی جھوٹ بولے ہیں۔ اب اگر تم وقت پر میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں تو یہ میری زندگی کی سب سے پہلی شکست ہوگی اور میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ مَیں جہنم کے آخری کونے تک بھی تیرا پیچھا کروں گا اور تم سے بدلہ لے کر رہُوں گا۔"

بد رُوح قہقہہ مار کر ہنسی۔ اُس کے خوفناک قہقہے سے غار گونج اُٹھا۔

"سُن اے عنبر! ہم بھٹکی ہُوئی رُوحیں جب کسی سے وعدہ کرتی ہیں تو اُسے پُورا کرتی ہیں۔ چاہے اس کے لیے ہمیں کتنی بڑی قُربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ مَیں نے تم سے مدد کا صرف وعدہ ہی نہیں کیا بلکہ تم سے اپنی ایک شرط بھی منوالی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں۔ مجھے اپنی زندگی میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزار برس کی بہت شدید ضرورت تھی جو میں تمہاری مدد کے بعد تم سے حاصل کر لوں گی۔ اب تو میں قول و قرار کے بندھن میں جکڑی گئی ہوں۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ میدان جنگ میں میں تمہاری کیا مدد کرتی ہوں"

"بس مجھے یہی اطمینان کرنا تھا۔ اب میں مطمئن ہو گیا ہوں"

"اچھا، اب میدان جنگ میں ملاقات ہو گی"

"ضرور"

آگ کا شعلہ ایک بار بھڑکا اور بدروح غائب ہو گئی۔ اس کے غائب ہوتے ہی شعلہ بھی بجھ گیا اور غار میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ عنبر کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ بلطیس کی بہن کی روح اس کی ضرور مدد کرے گی۔ وہ دغا نہیں دے سکتی۔ یہ عنبر کا وہم تھا کہ شاید وہ وقت پر دھوکا دے جائے۔ وہ دھوکا نہیں دے گی۔ وہ دھوکا دے ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ یا تو مدد کر سکتی تھی یا تباہ و برباد کر سکتی تھی۔ بدروحیں انسان کو ہلاک کر سکتی ہیں مگر دھوکا نہیں دے سکتیں۔ عنبر واپس شاہی محل میں آ کر سو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمن آ گیا

حموربی کے جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ بخت نصر کی حملہ آور فوجیں چل پڑی ہیں۔

اس خبر نے سارے محل میں ایک ہل چل سی مچا دی۔ شہنشاہ حموربی نے اُسی وقت جنگی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس صبح سے شام تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہر محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ حنائی شہر کی فصیل پر فوج بٹھا دی گئی۔ تیل کے کڑاؤ اُوپر پہنچا دیے گئے۔ قلعے کی فصیل کے اردگرد کھائی میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ پتھر پھینکنے والی توپیں نصب کر دی گئیں۔ حموربی نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ بخت نصر کی فوج کا مقابلہ یمن کی سرحد پر جا کر کیا جائے اور اُسے اُسی جگہ پر روکنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ بخت نصر بہت بڑی فوج اور ہاتھیوں کے ایک زبردست لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اُس کے ساتھ پتھر اور آگ پھینکنے والی توپیں بھی بہت بھاری تعداد میں ہیں۔ حموربی نے فوراً زرکبیر اور عنبر کو اپنے محل خاص میں طلب کیا اور کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"زرکبیر، تمہاری مدد اور وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں تو تم فوراً اپنی فوج، ملکہ اور شہزادے کو ساتھ لے کر نینوا پہنچو اور وہاں چھپی ہوئی وفادار فوج کی مدد اور عوام کے تعاون سے گورنر نینوا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دو۔"

"جہاں پناہ، ایسا ہی ہوگا۔"

زرکبیر نے شاہی محل سے واپس آ کر عنبر سے کہا:

"اب میں اپنا وعدہ پورا کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن اگر ہمیں شکست ہوگئی تو شہزادے اور ملکہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں شہزادے اور ملکہ کو عانو کے چچا کے گھر میں چھپا دینا چاہیے۔ جس وقت حالات نے رُخ بدلا تو ہم انہیں وہاں سے نکال کر نینوا پہنچا دیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات رُخ بھی بدل سکتے ہیں؟"

"بہرحال ہمیں ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ویسے ہماری فتح یقینی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ ہم بخت نصر کے لشکر کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔"

"زرکبیر تمہیں نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ ربِ عظیم ہماری ضرور مدد کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور اگر اُس نے مدد نہ کی تو ہمارا انجام اس قدر عبرت ناک ہوگا کہ آنے والی نسلیں اُسے یاد کر کے خون کے آنسو رویا کریں گی۔"

"اب نا اُمیدی کی باتیں چھوڑ دو۔ ملکہ اور شہزادے کو لے کر چچا کے مکان میں پہنچو۔ انہیں وہاں محفوظ کر کے فوج کے ساتھ نینوا کے گورنر کے خلاف بغاوت کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ نینوا کی بغاوت کی خبر بخت نصر کو راستے میں ملے اور وہ اپنی فوج کا کچھ حصہ اُس طرف روانہ کر دے اور یوں اُس کی طاقت راستے میں ہی آدھی ہو جائے گی۔"

"میں آج ہی روانہ ہو جاتا ہوں۔"

اُسی روز آدھی رات کو زرکیسر اور یورکا نے وفادار سپاہیوں کے ایک ہزار کے دستے کو اپنے ساتھ لیا اور برق رفتاری کے ساتھ نینوا کی طرف روانہ ہو گیا۔

یمن کے دارالحکومت میں جنگ کی حالت تھی۔ ہر طرف جنگ کی تیاریاں زور شور کے ساتھ ہو رہی تھیں۔ اسلحہ خانوں میں اسلحہ دھڑا دھڑ تیار کیا جا رہا تھا۔ تلواریں، تیر کمان، نیزے، خنجر اور زرہ بکتر ڈھالا جا رہا تھا۔ جاسوس پل پل کی خبر دے رہے تھے کہ دشمن کی فوجیں اب کہاں پہنچ گئی ہیں۔ حمورتی خود جنگی لباس پہنے جنگی تیاریوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ دوسری طرف زرکیسر نے چچا حبشی کے تہہ خانے میں پہنچ کر ملکہ اور شہزادے کو وہاں محفوظ کر دیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود فوج لے کر نینوا کی طرف چل پڑا۔ حوربی چاہتا تھا کہ دشمن کی فوج کو یمن پہنچنے سے پہلے نینوا کی بغاوت کی خبر ملے تاکہ اس کی توجہ دو طرف بٹ جائے اور ایسا ہی ہوا۔ زرکسیر نے بڑی ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیا اور نینوا کی فوج پر باقاعدہ حملہ کرنے کی بجائے شب خون مار کر وہاں افراتفری پھیلانے کا فیصلہ کیا۔ نینوا کے باہر پہاڑوں میں ڈیرا ڈال کر اُس نے پہلی رات پچاس سپاہیوں کو شہر کی طرف بھیجا۔ جنہوں نے شہر میں جگہ جگہ آگ لگا دی۔ وہاں کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ اُن کی اپنی فوج یہ ساری کارروائیاں کر رہی ہے تو وُہ بھی چوری چھپے اُن کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے بھی بخت نصر کے سپاہیوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔

نینوا کا نیا گورنر اس صورت حال سے پریشان ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بخت نصر کی قیادت میں یمن پر حملہ کرنے والی فوج کو نینوا کی طرف سے پریشانی ہو۔ ایسی صورت میں بخت نصر اُسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ بغاوت کو سختی سے کچل دیا۔ باغی جہاں کہیں ملے اُسے بلا سوچے سمجھے قتل کر دیا جائے۔ مگر عوام کی طاقت کا مقابلہ کوئی بھی فوج نہیں کر سکتی۔ زرکسیر کے فوجی ہر رات چھپ کر شہر میں داخل ہو جاتے۔ شہر کے لوگ فوج کو پناہ بھی دیتے اور اس کی رہنمائی بھی کرتے۔ فوجی جگہ جگہ آگ لگا کر اور شاہی فوجوں کے سپاہیوں کو ہلاک کر کے واپس بھاگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے ۔

اس صورت حال کی خبر بخت نصر کو راستے میں ہی مل گئی ۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ اُس نے وہیں سے ایک قاصد دوڑا کر گورنر کو کہلوا بھیجا کہ اگر اُس نے بغاوت کو نہ کچلا تو اُسے وہ خود آکر قتل کر دے گا ۔ دوسری طرف زرکسیر کے فوجی بھی اِکا دُکا قتل ہو جاتے تھے ۔ چار پانچ دنوں کے اندر وفادار فوج آدھی رہ گئی اور ابھی تک وہ محل کی ڈیوڑھی پر بھی قبضہ نہیں کر سکے تھے ۔ زرکسیر پریشان ہو گیا۔ نینوا کے گورنر کی فوجیں چاروں طرف زرکسیر کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں ۔ گورنر نے شہر میں ہزاروں لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ لوگ دہشت زدہ ہو گئے تھے ۔ ڈر گئے تھے ۔ اُدھر زرکسیر کی وفادار فوجوں کی سرگرمیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں ! چنانچہ ایک روز گورنر نینوا نے بخت نصر کو یہ خوشخبری بھجوا دی کہ بغاوت کچل دی گئی ہے ۔

بخت نصر کو تسلّی ہو گئی اور وہ بڑے سکون کے ساتھ یمن کی سرحدوں کی طرف بڑھنے لگا ۔ بخت نصر کی فوجوں کے طوفان نے یمنی حکومت کی سرحدی چوکیوں کو پرزوں کی طرح اڑا دیا اور تمام سپاہیوں کو قتل کر کے دارالحکومت صنائی کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ شاہ بابل کی فوجوں کی یمن کی سرحدوں کے اندر گھس آنے کی خبر حمورنل کو پہنچی تو اُس نے حکم دیا کہ راستے میں ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے ۔ اُس کی پانچ ہزار پیادہ اور گھوڑ سوار فوج نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھے فاصلے پر بخت نصر کی فوجوں کو روک لیا۔ بخت نصر نے اپنے دس ہزار کے ہراول دستے کو ترتیب دیا اور پہاڑ ایسے ہاتھیوں کے ساتھ حموربی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی حموربی کی فوج کے سپاہی ڈٹ کر لڑے مگر بخت نصر کی فوج کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر اُس کے ساتھ ہاتھی تھے۔ نتیجہ یہ نکلا تو حموربی کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آدھی سے زیادہ فوج کٹ مری اور باقی بھاگ کھڑی ہوئی۔ جس سپاہی کا منہ جس طرف کو اُٹھا وہ ادھر ہی کو بھاگ گیا۔ پہلی لڑائی میں بخت نصر کو فتح ہوئی جس نے اُس کی فوج کے حوصلے بلند کر دیے اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے شہر کی طرف سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح بڑھنے لگی۔ حموربی کو اپنے ہراول دستے کی شکست کی اطلاع ملی تو وہ پریشان ہو گیا۔

اُس نے عنبر اور وزیر جنگ سے مشورہ کیا اور یہی فیصلہ کیا گیا کہ شہر کے دروازے بند کر دیے جائیں اور دشمن پر فصیل پر سے تیروں اور آگ پتھروں کی بارش برسائی جائے۔ بخت نصر کی فوج شہر کے باہر پہنچ گئی۔ اُس نے میدان میں خیمے لگا لیے اور بڑے حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حموربی نے قلعے کی دیوار پر چڑھ کر بخت نصر کی فوج کو دیکھا تو ایک بار تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ فوج ہی دکھائی دیتی تھی۔ اُس نے عنبر سے کہا:

"نینوا کی بغاوت کا کیا ہُوا ؟ معلوم ہوتا ہے وہاں زرکسیر ناکام ہوگیا ہے ؛ وگرنہ دشمن کی پُوری فوج یہاں موجود نہ ہوتی ۔"

عنبر نے کہا :

"جہاں پناہ ایسا ہو تو نہیں سکتا ۔"

"معلوم ہوتا ہے عنبر کہ ایسا ہوگیا ہے ۔ تقدیر نے پانسہ ہمارے خلاف پلٹ دیا ہے ۔ پھر بھی ہم مقابلہ کریں گے ۔ بخت نصر کی فوج ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی شہر پر قبضہ کرے گی ۔"

حمورّبی کا حوصلہ بہت بلند تھا مگر عنبر اندر ہی اندر بہت فکرمند ہو رہا تھا ۔ نینوا کی بغاوت اُس کے خیال میں یقیناً ناکام ہوگئی تھی ؛ وگرنہ بخت نصر اپنی پوری فوج میدان میں کبھی جمع نہ کرسکتا ۔ آخر اِس کی بھی تصدیق ہوگئی ۔ رات کے اندھیرے میں حمورّبی کا جاسوس نینوا سے خبر لایا کہ گورنر نینوا نے بغاوت کو کچل دیا ہے اور زرکسیر کی فوج کو کاٹ کے رکھ دیا ہے ۔ زرکسیر پہاڑیوں میں روپوش ہوچکا ہے ۔ اِس خبر نے حمورّبی کو خاصی اُلجھن میں ڈال دیا ۔ اب اُسے بخت نصر کی فوج سے مقابلہ مشکل نظر آ رہا تھا ۔ عنبر کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا ۔ دشمن اپنی بے پناہ طاقت کے ساتھ دروازے پر حملے کے لیے تیار کھڑا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اب اُسے حملہ کرنے سے نہیں روک سکتی تھی ۔

حمورّبی نے اپنے سپہ سالار اور وزیر خاص عنبر کے ساتھ مِل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دارالحکومت میں کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا کہ شہر میں اتنی خوراک اور پانی موجود ہے کہ بخت نصر کی فوج اگر ایک سال تک بھی محاصرہ جاری رکھے تو شہر کے لوگ بڑے آرام سے گزارہ کر سکتے تھے۔ مگر دُوسرے ہی روز بخت نصر کی منجنیقوں نے بڑے بڑے پتھر پھینک کر قلعے کی دیوار کو ہلانا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال بڑی تشویش ناک تھی۔ پتھروں کی بارش سارا دن جاری رہی اور دیوار ایک جگہ سے ٹوٹنی بھی شروع ہو گئی۔ قلعے کی فصیل سے حورتبی کے سپاہی دُشمن پر تیر برساتے رہے۔ مگر بخت نصر کی پتھر پھینکنے والی لکڑی کی توپیں دُور تھیں۔ تیر اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ حورتبی نے اپنی جنگی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ اُس نے کہا:

"اگر ہمارے قلعے کی دیوار پر پتھروں کی بارش اسی طرح ہوتی رہی تو دیوار ٹوٹ جائے گی اور بخت نصر کی فوجوں کا سیلاب اندر آ جائے گا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا بچہ بچہ لڑے گا۔ لیکن دشمن بڑی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے۔ ہماری فوج اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔"

سپہ سالار نے کہا:

"اگر کسی طرح ہم بخت نصر کی توپوں کو تباہ کر دیں تو ہماری شکست فتح میں بدل سکتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی طاقت یہی توپیں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بخت نصر کے پاس ہاتھیوں کا بھی ایک پورا لشکر ہے۔ ہم اُن سے کیسے نجات حاصل کر سکیں گے؟"

"ہاتھی دیوار کو توڑنے کے لیے آگے بڑھیں گے تو ہم اُن پر کھولتا ہوا تیل پھینک سکتے ہیں مگر دُور سے آنے والے بڑے بڑے پتھروں کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔"

"عنبر، تمہارا کیا خیال ہے؟"

حمورَبی نے عنبر سے پوچھا جو خاموش گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔ اصل میں وہ اپنے آپ کو حمورَبی کی بدنصیبی کا مجرم سمجھتا تھا۔ اگر وہ حمورَبی کو نینوا کی بغاوت اور اپنی وفادار فوج کی مدد کا یقین نہ دلاتا تو حمورَبی شاید بخت نصر سے اچھی شرائط پر صلح کر لیتا۔ لیکن عنبر کی یقین دہانی پر اُس نے بخت نصر کے حملے کو قبول کر لیا تھا اور اب حالت یہ تھی کہ نینوا کی بغاوت کو گورنر نے ایک ہی دن میں کچل دیا تھا اور زرکسیر کی فوج آدھی سے زیادہ ہلاک کر دی گئی تھی۔ خود زرکسیر اور یورکا جان بچانے کے لیے پہاڑیوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ اُس نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"ہم چھاپہ مار دستے تیار کر کے رات کو بخت نصر کی فوج میں بھیج سکتے ہیں جو اُن کی توپوں کو نقصان پہنچائیں۔"

سپہ سالار نے کہا:

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر بخت نصر بچہ نہیں ہے۔ وہ ایک نہایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابل جرنیل ہے۔ اُس نے آدھے سے زیادہ افریقہ فتح کیا ہے۔ اُس نے پتھر پھینکنے والی توپوں کی حفاظت کا خاص بندوبست کر رکھا ہوگا۔"

حمورابی نے کہا:

"پھر بھی ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ آپ آج رات ہی چھاپہ مار دستوں کو روانہ کریں۔"

"جو حکم جہاں پناہ۔"

آدھی رات کو پچاس سپاہیوں کا ایک دستہ قلعے کے ایک خفیہ راستے سے باہر نکل کر زمین پر رینگ رینگ کر چلتا ہوا بخت نصر کی فوجوں کے عقب میں آگیا۔ یہاں لکڑی کی بہت بڑی بڑی پتھر پھینکنے والی توپیں نصب تھیں اور اُن پر بڑا سخت پہرہ تھا۔ حمورابی کے چھاپہ مار سپاہی چاروں طرف پھیل گئے۔ وہ ان لکڑی کی توپوں کو آگ لگانا چاہتے تھے۔ اِس مقصد کے لیے وہ اپنے ساتھ روئی اور تیل لاتے تھے۔ مگر توپوں کے قریب پہنچنا اور پھر اُنہیں آگ لگانا بڑا مشکل نظر آرہا تھا۔

چند سپاہی ہمّت کرکے ایک توپ کے پاس پہنچ گئے۔ اُنہوں نے توپ پر تیل پھینکا اور پتھر رگڑ کر روئی کو آگ لگا رہے تھے کہ بخت نصر کے سپاہیوں نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے طبل بجا کر سب کو ہوشیار کر دیا۔ حمورابی کے سپاہی پکڑے گئے۔ بخت نصر کے پہریداروں نے انہیں فوراً ہلاک کر دیا۔ دُوسرے سپاہی بھی پکڑ کر قتل کر دیئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ بڑی مشکل سے دو سپاہی جان بچا کر نکل سکے۔ انہوں نے واپس قلعے میں آ کر اپنی ناکامی کی کہانی سُنائی تو سپہ سالار نے گردن جھکا لی۔

جنگ کے تیسرے روز بخت نصر کی توپوں نے پتھر مار مار کر ایک جگہ سے قلعے کی دیوار میں شگاف ڈال دیا اور اب فوج نے لوہے کی ایک چھت کے نیچے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جُوں ہی فوج کا یہ دستہ فصیل کے نیچے آیا اُوپر سے اُن پر کھولتا ہُوا تیل پھینکا گیا۔ دُشمن کے سپاہی ہلاک ہو گئے اور کچھ واپس بھاگ گئے۔ لیکن دُشمن نے اب چاروں طرف سے قلعے میں شگاف ڈالنے شروع کر دیئے۔ پانچویں روز قلعے کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی تھی اور بخت نصر کی فوج قلعے کے بالکل نزدیک پہنچ چکی تھی۔ اُس کے تیر اندازوں نے تیر مار مار کر فصیل پر کھڑے تیل پھینکنے والے اکثر سپاہیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ شہر میں چاروں طرف کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر بڑے مندر میں جمع ہو کر رو رو کر دیوتاؤں سے مدد مانگ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد جابر بخت نصر کی فوجیں ان کے شہر میں داخل ہو جائیں گی اور انہیں تلواروں کے وار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گی۔ حورتی خود بہت پریشان تھا اور شاہی محل کے مندر میں دیوتا کے بُت کے آگے سجدے میں گرا ہُوا تھا۔ محل کی بیگمات اور شہزادیاں سہمی بیٹھی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور بخت نصر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی توپیں دھائیں دھائیں گولے برسا رہی تھیں۔ اب ان توپوں کے آگ کے گولے محل پر بھی گرنے لگے تھے۔ اِن گولوں کی وجہ سے شہر میں جگہ جگہ آگ لگ رہی تھی۔

عنبر کچھ سوچ کر اُٹھا اور شاہی محل کے مندر میں آگیا۔

حمورابی بُت کے آگے سجدہ کیے ہوئے تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:

"جہاں پناہ!"

بادشاہ نے سر اُٹھا کر عنبر کو دیکھا۔ مگر بلند کردار والے بادشاہ نے ایک پل کے لیے بھی عنبر سے کسی قسم کا گلہ یا شکوہ نہ کیا کہ اُس کی وجہ سے آج وہ تباہی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ عنبر نے سوچ لیا تھا کہ اب بلبلیس کی بہن سے مدد لینے کا وقت آگیا ہے۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:

"میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں جہاں پناہ، یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں آپ کو زرکسیر کی جانب سے اطمینان نہ دلاتا تو آپ جنگ کا خطرہ کبھی مول نہ لیتے۔"

حمورابی نے کہا:

"تقدیر میں جو لکھا تھا وہ ہو کر رہتا ہے عنبر، میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔ یہ میری تقدیر میں لکھا تھا۔"

عنبر نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انسان اگر چاہے" تو تقدیر کا لکھا مٹایا بھی جا سکتا ہے جہاں پناہ!"

"یہ ناممکن ہے عنبر، مجھے اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہیے۔"

عنبر نے کہا:

"ایسا نہ کہیں جہاں پناہ، مجھے تقدیر کے خلاف کوشش کر لینے دیجیے۔"

"تم کیا کر سکتے ہو عنبر! اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"بہت کچھ ہو سکتا ہے جہاں پناہ، کچھ کرنے کا وقت تو اب آیا ہے۔ آپ قلعے کی فصیل کے ایک بُرج میں بیٹھ کر بُری تقدیر اچھی تقدیر میں تبدیل ہوتے دیکھیں۔"

"یہ تم کیا بچوں ایسی باتیں کر رہے ہو عنبر!"

"بادشاہ سلامت، برائے مہربانی آپ قلعے کے بُرج خاص تشریف لے چلیں اور اپنی شکست کو فتح میں بدلتے اور بخت نصر کی فوجوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھیں۔"

"مگر......"

"جہاں پناہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

حموربی مجبوراً اٹھا اور قلعے کے بُرج میں آ کر بیٹھ گیا۔ جنگ کا پانسہ الٹ چکا تھا۔ بخت نصر کی فوجیں دیوار کے شگافوں کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ فصیل پر حموربی کے سپاہیوں کی لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ عنبر چپکے سے محل کی چھت پر چڑھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس نے آسمان کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بلند آواز میں کہا:

"اے ویران مندر کی رُوح، اے بلطیس دیوی کی بہن! اپنے وعدے کو پُورا کرتے ہُوئے آ اور میری مدد کر۔"

ابھی لفظ عنبر کی زبان سے ادا ہی ہُوئے تھے کہ ایک شعلہ لپکا اور رُوح اُس کے سامنے آن کھڑی ہُوئی۔ اُس نے ہنس کر عنبر سے پُوچھا:

"کیا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ مجھے کیا چاہیے؟ میری فوجوں کو شکست ہو رہی ہے۔ دشمن کی فوجیں میرے قلعے میں داخل ہونے ہی والی ہیں۔ انہیں تہس نہس کر دو۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

اتنا کہہ کر رُوح غائب ہو گئی۔ عنبر سمجھا کہ شاید بدرُوح بھی اُس بدنصیبی میں اُس سے جان چھڑا کر بھاگ گئی ہے۔ مگر اُس کے دل کو بھروسہ تھا کہ بدرُوح اُس سے جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتی۔ وہ ضرور مصیبت کے وقت اُس کی مدد کرے گی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا کہ مغرب کی طرف سُرخ بادل اُٹھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ بادل دیکھتے دیکھتے بہت بڑا ہو گیا اور بخت نصر کی فوجوں کے اُوپر آ کر رُک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ عنبر محل کی چھت سے اُتر کر قلعے کے اُس برج میں آ گیا جہاں بادشاہ محمود رتی بیٹھا اپنے وزیروں کے ساتھ اس سُرخ بادل کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

اُس نے عنبر کو دیکھ کر کہا:

"عنبر، یہ بادل کو دیکھ رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"دیکھ رہا ہوں جہاں پناہ"

"اس سے پہلے ہم نے اِس قسم کا بادل کبھی نہیں دیکھا"

عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، یہ بادل آپ کی مدد کے لیے آیا ہے"

"ہماری مدد کے لیے؟ یہ بادل ہماری مدد کیسے کرے گا؟"

"آپ دیکھتے جائیے گا"

دُشمن کی فوج کے سپاہی بھی اُس بادل کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ بخت نصر بھی اپنے ہاتھی پر بیٹھا بادل کو تعجب سے تک رہا تھا۔ اچانک بادل میں ایک ہولناک دھماکہ ہُوا۔ سب کے دل دہل گئے۔ ہاتھی زور زور سے چنگھاڑنے اور گھوڑے سنہنانے لگے۔ ایک دھماکہ اور ہُوا اور اُس سُرخ بادل میں سے آگ اور پگھلے ہُوئے لاوے کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ کھولتا ہُوا گرم گرم لاوا جس پر پڑتا وہ وہیں بھسم ہو کر کوئلہ ہو جاتا۔ دُشمن کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوجوں میں ہر طرف شور مچ گیا۔ ہاتھی دیکھتے دیکھتے گرتے اور جل کر راکھ ہو جاتے۔ یہی حال گھوڑوں کا اور سپاہیوں کا ہو رہا تھا۔ ایک ہی پل میں دشمن کے ہزاروں سپاہی جل کر بھسم ہو گئے۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ دشمن کے سپاہیوں کی چیخوں سے میدان جنگ میں ہر طرف ایک کہرام بپا ہو گیا۔ بخت نصر ہاتھی سے اتر کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بلائے ناگہانی کیا شئے ہے اور کہاں سے اچانک نازل ہو گئی ہے۔ اس نے تمام سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی کی اوٹ میں آ کر چھپ جائیں۔ اِس دوران میں اس کے ہزاروں سپاہی، گھوڑے اور ہاتھی جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ پتھر پھینکنے والی توپوں کو آگ لگ چکی تھی۔

آسمان کے بادل سے آگ اور پگھلے ہوئے لوہے کی بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بخت نصر کی بچی کھچی فوج نے پہاڑ کی اوٹ میں آ کر پناہ لی ہی تھی کہ بادل سرکتا ہوا اس پہاڑ کے اوپر آ گیا اور ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ اتنی زور سے بجلی پہاڑ پر گری کہ پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑ گیا اور ساری کی ساری فوج کے پرخچے اڑ گئے۔ بخت نصر بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ اس آسمانی آفت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمورّبی اور اُس کے وزیر بُرج میں بیٹھے یہ سارا تماشا حیرانی اور مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا دُشمن کی لاشوں سے مَیدان بھر گیا تھا۔ بخت نصر فرار ہو چکا تھا۔ دشمن کی توپیں، ہاتھی، گھوڑے اور ساری کی ساری فوج جَل کر بھسم ہو گئی تھی۔ حموربی نے اُٹھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ جو کچھ بھی ہُوا تھا وہ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر حموربی کو اتنا ضرور معلوم تھا کہ یہ سب کچھ عنبر کے دُعا مانگنے کی وجہ سے ہُوا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غیبی امداد

بخت نصر شکست کھانے کے بعد نینوا کی طرف بھاگ اٹھا۔

مگر نینوا کے عوام اور زرکسیز کو یمن میں بخت نصر کی زبردست شکست کی اطلاع مل چکی تھی؛ چناں چہ اس نے اپنی فوج اور عوام کے ساتھ مل کر محل پر حملہ کر دیا۔ گورنر نینوا کے محل پر قبضہ کر لیا اور اس کی فوج کو ہلاک کر ڈالا۔ گورنر نینوا اپنے چند ایک ساتھیوں کے ہمراہ بھاگ اٹھا۔ وہ آدھے راستے میں بخت نصر سے مل گیا۔ بخت نصر اپنی شکست پر حیران اور سخت غضب ناک تھا۔ لیکن وہ کسی زبردست غیبی طاقت کے آگے بے بس کر دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے نینوا کے ساتھیوں کو شکست کی تفصیل اور سرخ بادل میں سے آگ برسنے کی تفصیل سنائی تو وہ دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ بخت نصر نے کہا:

"اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ملک نوبیہ میں جا کر پناہ لی جائے اور ایک بار پھر اپنی طاقت کو جمع کر کے اپنا ملک واپس لیا جائے، اس لیے کہ بابل میں بھی لوگوں نے میرے خلاف بغاوت کر کے محل پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں کی تھوڑی بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوج ہلاک کر دی گئی ہے "

سپہ سالار نے کہا ؛

" ہمیں ملک شام سے بھی مدد طلب کرنی چاہیے ۔ ہم نے ہینی بال کے حملے کے وقت شام کو بھرپور مدد دی تھی "

" ہاں ، ہم ملک شام کی طرف کوچ کرتے ہیں ۔ شام کا بادشاہ ہمارا دوست ہے ۔ وہ اس مصیبت کے وقت ضرور ہماری مدد کرے گا ۔ بہر حال ہماری طاقت کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے ۔ ہماری ساری فوج مع ہاتھی گھوڑوں اور توپوں کے تباہ کر دی گئی ہے ۔ ہم اس صدمے کو کبھی نہیں بھلا سکتے ۔ ہمیں پھر سے فوج بناتے دیر لگے گی "

سپہ سالار نے کہا :

" ہمیں یہاں سے جلد از جلد ملک شام کی طرف نکل جانا چاہیے ہو سکتا ہے دشمن کی فوج ہمارے تعاقب میں ہو "

شکست کھائی ہوئی فوج کے سپاہی اور بخت نصر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے ۔

حمورابی نے اپنی فتح کا بہت زبردست جشن منایا اور عنبر کو بیحد انعام و اکرام سے نوازا ۔ حمورابی نے بھرے دربار میں اعلان کیا :

" آج اگر ہمارے وزیر خاص عنبر ہمارے ملک کی پناہ میں نہ ہوتے تو ہمیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا ۔ اس وقت ہمارے ملک پر دشمن کا قبضہ ہوتا اور ہماری لاشیں محل کے ستونوں کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکل ہوتیں۔ لیکن ہمارے خاص وزیر عنبر نے عین وقت پر ہمیں بچا لیا۔ ہماری آنے والی نسلیں بھی عنبر کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کریں گی"

عنبر نے کہا :

"جہاں پناہ، مَیں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کرتے ہوئے کیا۔ اِس لیے کہ بخت نصر ظالم تھا۔ اُس نے ہمارے ملک کو تباہ کرنے کے لیے حملہ کیا تھا۔ اُس کا مقصد صرف تباہی، بربادی، قتل و غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ لیکن میرے ربِ عظیم نے میری دُعا سُن لی اور عین اس وقت ہم مظلوموں کی مدد فرمائی جس وقت ہم شکست کے قریب تھے اور دشمن قلعے میں کئی جگہوں پر شگاف ڈال چکا تھا۔ اگر ہمارے ساتھ ربِ عظیم کی رضامندی نہ ہوتی تو ہم اتنی بڑی فوج پر کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اِس لیے جشن کی خوشیوں میں جہاں اور باتوں کا ہم خیال رکھیں گے، ہاں ہمیں ربِ عظیم کا بھی شکرانہ ادا کرنا چاہیے۔"

حمورابی نے اعلان کر دیا کہ حکومت کی طرف سے عنبر کے ربِ عظیم کا بھی شکرانہ ادا کیا جائے گا۔

بادشاہ حمورابی عنبر کے ربِ عظیم سے اِس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے دربار میں حکم دے دیا کہ ربِ عظیم کا ایک الگ معبد بنایا جائے جس میں اُس کی عبادت ہوا کرے گی۔ عنبر نے کہا :

"جہاں پناہ، میں ایک بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رب عظیم کا کوئی بُت نہ بنایا جائے۔"

"تو پھر اُس کی عبادت کیسے ہوگی؟"

"جیسے بھی ہو، لیکن مجھے یقین دلایا جائے کہ رب عظیم کا کوئی بُت نہیں بنایا جائے گا۔"

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو اس پر ہر حالت میں عمل کیا جائے گا۔ رب عظیم کی عبادت گاہ میں کوئی بُت نہیں ہوگا۔"

"آپ کا شکریہ جہاں پناہ۔"

اُسی روز شام کو عنبر ویران مندر میں بلطیس کی بہن کا شکریہ ادا کرنے گیا۔ مندر کے چبوترے کے پاس جا کر اُس نے چھت کی طرف ہاتھ پھیلا کر بلطیس کی بہن کو تین بار آواز دی۔ شعلے کی لپک کے ساتھ وہ سامنے آگئی۔ عنبر نے کہا:

"اے رُوح، اے بلطیس کی بہن، مَیں تمہارا شکریہ ادا کرنے آیا ہُوں۔ تم نے اپنا وعدہ پُورا کر دکھایا اور میری اس وقت مدد کی جب میں سخت مصیبت میں گرفتار تھا۔"

رُوح نے کہا:

"عنبر، ہم رُوحیں جو وعدہ کرتی ہیں اُس پر قائم رہتی ہیں۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم مجھے مدد کے لیے پکارو گے تو میں تمہاری مدد کو ضرور پہنچ جاؤں گی۔ میں تمہارا بھی شکریہ ادا کرتی ہُوں کہ تم نے اپنی قیامت تک کی زندگی میں سے دو ہزار سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے دیئے:

"یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ کاش میں اپنی ساری زندگی تمہیں دے سکتا۔ میں اِس ہمیشہ کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"ایسا نہ کہو عنبر! یہ تمہیں بددُعا نہیں دی گئی بلکہ دیوتاؤں کا تم پر خاص رحم ہوا ہے کہ تم قیامت تک زندہ رہو گے اور ہر تہذیب ہر بادشاہ کی حکومت اور ہر ظالم کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔"

"لیکن میں تھک گیا ہوں بلطیس کی بہن۔"

"یہ تھکاوٹ وقتی ہے۔ تم تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے چلے آ رہے ہو اور تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہو گے۔ تم نے کئی حکومتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتے اور بگڑتے دیکھا ہے۔ تم نے کئی تہذیبوں کو اپنی آنکھوں سے عروج پر جاتے اور پھر تباہ و برباد ہوتے دیکھا ہے۔ تم ایک ایسے تجربے میں سے گزر رہے ہو جس نے تمہیں تاریخ میں ایک اُونچا مقام دے دیا ہے۔"

"یہ بتاؤ۔ ابھی مجھے کتنے سال اور زندہ رہنا ہے؟"

"ہزاروں سال اور زندہ رہنا ہے تمہیں۔ تمہیں ابھی انسانی تاریخ کی ترقی کو دیکھنا ہے۔ ابھی تو انسان کی تاریخ اپنے بچپن میں سے گزر رہی ہے۔ تم اِس تہذیب کی جوانی بھی دیکھو گے۔"

"بلطیس کی بہن، میں تمہاری مدد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

رُوح ہنس پڑی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے شرمندہ نہ کرو عنبر، ہاں میرا ایک کام ضرور کر دینا"

"وہ کون سا ؟"

"اگر تمہاری ملاقات میری بڑی بہن بلبلیس سے ہو تو اُسے ضرور کہہ دینا کہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی تھی"

"مَیں تمہارا پیغام بلبلیس کو ضرور پہنچاؤں گا"

"اچھا، اب میں جاتی ہُوں۔ دیوتا تمہارے نگہبان ہوں"

"ربِ عظیم تمہارا بھی رکھوالا ہو"

وُہی شعلہ ایک بار پھر بلند ہُوا اور رُوح اس میں غائب ہوگئی۔ عنبر ویران مندر سے نکل کر واپس شاہی محل میں آگیا۔ رات کے کھانے پر اُس کی ملاقات بادشاہ سے ہُوئی۔ بادشاہ بے حد خوش تھا۔ فصیل شہر کی مرمت کا کام بڑی تیزی سے شروع تھا۔ عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، اب مَیں آپ سے اجازت طلب کروں گا"

بادشاہ نے پُوچھا:

"وہ کیوں ! وُہ کس لیے ؟"

"وُہ اس لیے جہاں پناہ کہ یہاں میں میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔ ابھی نینوا میں جا کر مجھے ایک اور فرض ادا کرنا ہے"

"وہ فرض کیا ہے عنبر، ہمیں بتاؤ۔ کیا ہم تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے ؟"

"مجھے نینوا جا کر تخت و تاج وہاں کی ملکہ اور اس کے ولی عہد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے کے حوالے کرنا ہے۔"

"اگر تم کہو تو ہم تمہارے ساتھ فوج روانہ کر دیتے ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں عالی جاہ، زرکسیر کی وفادار فوج نے نینوا پر مکمل قبضہ کر لیا ہے۔ گورنر بھاگ کر روپوش ہو چکا ہے۔"

"ہم تو چاہتے تھے عنبر کہ تم ہمارے ساتھ یہاں رہتے۔ تمہارے ہونے سے ہمیں بڑی طاقت مل رہی تھی۔ ہمیں ملکی اصلاحات اور اپنی رعایا کی حالت سنوارنے کے لیے قدم قدم پر تمہارے اچھے مشوروں کی ضرورت تھی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم باقی زندگی ہمارے پاس رہ کر بسر کرو۔ تمہیں جس شے کی ضرورت ہوگی تمہیں مل جائے گی۔ ہم تمہارے لیے ایک خاص محل بنوا دیں گے۔ اسے ہر قسم کی آسائش سے سجا دیں گے۔"

"شکریہ جہاں پناہ، لیکن میری قسمت میں محلوں کا آرام و آسائش نہیں ہے۔ میں صبح صبح یمن سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"کاش عنبر، تم میرے پاس ہمیشہ رہ سکتے۔ یقین کرو تمہارے چلے جانے سے مجھے اسی قدر دکھ ہوگا جتنا دکھ ایک باپ کو اپنے عزیز ترین بیٹے کے جدا ہو جانے سے ہوتا ہے۔"

"میں مجبور ہوں جہاں پناہ، مجھے جانا ہی ہوگا۔"

"جیسے تمہاری مرضی عنبر، میں تمہیں روک نہیں سکتا۔"

ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ عنبر یمن سے نکلنے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیار ہوگیا۔ حموربی اُسے الوداع کہنے شہر کے بڑے دروازے تک آیا۔ اُس نے عنبر کو گلے لگا کر اُس کی پیشانی کو چوما اور کہا :

" بیٹے، جہاں رہنا خوش رہنا۔ کبھی اپنے بادشاہ کو بھی یاد کرلیا کرنا اور ان غریب لوگوں کو بھی، جنھوں نے تم سے پیار کیا اور اب بھی پیار کرتے ہیں "

" میں ان سب کا ممنون ہوں، جہاں پناہ کہ اُنھوں نے مجھے اُس وقت اپنی محبت اور پیار کی آغوش میں جگہ دی جب اِس شہر میں مجھے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا "

عنبر سے حموربی ایک بار پھر بغلگیر ہوا اور اُسے رخصت کر دیا۔ عنبر نے گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ سب سے پہلے مانو کے چچا کے گھر جا کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا ملکہ اور شہزادہ خیریت سے ہیں؟ دو راتیں اور ایک دن سفر کرنے کے بعد عنبر تیسرے پہر انگوروں کے باغ میں پہنچ گیا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ چچا، مانو، شہزادہ اور ملکہ، یورکا کے ساتھ نینوا واپس چلے گئے ہیں۔ عنبر نے وہاں ایک رات ٹھہر کر آرام کیا اور اگلے روز پھر اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔

نینوا وہاں سے سات منزل پر تھا۔ پہلی چار منزلیں اُس نے تین دن میں طے کرلیں۔ وہ پانچویں منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ صحرا میں اچانک آندھی کا طوفان آگیا۔ عنبر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لے لی۔ آندھی بڑے زور کی چل رہی تھی۔ جھاڑیاں اُکھڑ اُکھڑ کر فضا میں اُڑ رہی تھیں۔ یہ سُرخ آندھی تھی۔ ایسی آندھی کبھی کبھی صحراؤں میں چلا کرتی ہے اور بہت نقصان پھیلاتی ہے۔ عنبر نے اپنے گھوڑے کو ایک چھوٹے سے کھوہ کے اندر باندھ دیا تھا۔

اچانک فضا میں ایک دھماکہ ہُوا اور کسی کی آواز بلند ہوئی:

"عنبر! تمہیں یمن کی فتح اور نینوا کی طرف خوشی کا سفر مبارک ہو!"

عنبر نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا۔

"مَیں تمہیں دکھائی نہیں دُوں گا عنبر! لیکن میں تمہیں ہر جگہ ملوں گا۔ ہر جگہ دیکھ سکوں گا۔ تم مجھے نہ سُن سکو گے مگر مَیں تمہیں ہر جگہ سُن سکوں گا۔ تم ربِ عظیم کی پرستش کرتے ہو، ربِ عظیم ہمیشہ تمہارا خیال رکھے گا۔"

آواز غائب ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی سرخ آندھی کا غبار بھی ڈھل گیا۔ اب آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور بڑے زور کی بارش ہوتی رہی۔ اس دوران میں شام ہو گئی۔ رات کے دوسرے پہر آسمان پر سے بادل چھٹ گئے اور گول زرد چاند نکل آیا۔ اُس کی خوبصورت روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا اور کھوہ سے نکل کر باہر آ گیا۔ سفر کے لیے یہ وقت بڑا مناسب تھا۔ بارش کا پانی صحرا کی ریت نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ چاندنی رات میں پتھر دُھل کر چمک رہے تھے۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کی طرف چل پڑا۔

چوتھے روز وہ نینوا کی سرحد میں پہنچ گیا۔ سرحدی چوکیوں پر زرکیسر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عنبر کو آتے دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے لگے اور ایک فوجی جلوس کی شکل میں اُسے نینوا شہر کی فصیل تک لے گئے۔ شہر کے بڑے دروازے پر بھی سپاہیوں نے عنبر کو پہچان لیا اور مسرت کے عالم میں رقص کرنے لگے۔ اس جلوس کا شور جب شاہی محل تک پہنچا تو زرکیسر نے محل کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ اُس نے عنبر کو پہچان لیا۔ وہ فوراً محل سے باہر آگیا اور اس نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ سارے محل میں شور مچ گیا کہ یمن کا فاتح عنبر واپس نینوا آگیا ہے۔ وہ زرکیسر کے ساتھ جس وقت محل میں داخل ہوا تو شہزادہ اور ملکہ اُسے لینے محل کے دروازے تک آئے۔ عنبر کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔

اُسی روز ملکہ نے خاص دربار منعقد کیا۔ عنبر کو دربار میں ملکہ کے ساتھ اور شہزادے کے پہلو میں جگہ دی گئی۔ ملکہ نے اعلان کیا کہ وہ عنبر کو ساری عمر کے لیے اپنے دربار کا وزیر خاص مقرر کرتی ہے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر کہا:
"اے ملکہ سلامت! آپ کی اس عنایت کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں، مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں یہ عہدہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہوں۔"

ملکہ نے حیرت سے پوچھا: "مگر کیوں عنبر! ہم تو تمہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے محسن ہو۔ ہم پر تمہارا بہت بڑا احسان ہے۔ اگر تم مدد کو نہ پہنچتے تو ہم اپنا تخت کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخت نصر کی طاقتور فوج کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی تھی۔"

"یہ سب کچھ میرے ربِ عظیم کی خاص مہربانی سے ہُوا ملکہ سلامت، لیکن مَیں یہاں اب زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی میرے ربِ عظیم کا حُکم ہے۔"

"مگر تم کہاں جانا چاہتے ہو عنبر، کیا تمہیں ہمارا ملک پسند نہیں؟ یہ تو تمہارا اپنا مُلک ہے عنبر۔"

"اِس میں کوئی شک نہیں ملکہ سلامت کہ نینوا میرا اپنا ملک بن چُکا ہے لیکن پھر بھی مجھے اس ملک کے درو دیوار سے رخصت ہو کر آگے سفر پر روانہ ہونا ہے۔"

زرکیسر نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے عظیم انسان، تم کہاں جاؤ گے؟"

"یہ میں بھی نہیں جانتا زرکیسر، میری منزل کہاں ہے۔ اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے شاید میری منزل کہیں بھی نہیں ہے۔ شاید میں تاریخ کے صحراؤں میں قیامت تک بھٹکتا رہوں گا۔"

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہے ہو عنبر؟" ملکہ نے تعجب سے پُوچھا۔

عنبر ایک دم سنبھل گیا۔ وُہ ایسی باتیں بے خیالی میں کہہ گیا تھا جو اُسے نہیں کہنی چاہئیں تھیں۔ اُس نے بات کو پلٹتے ہُوئے کہا:

"مَیں تو ایک مسافر ہُوں ملکہ سلامت جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ ربِ عظیم آپ کی حفاظت کرے۔ اب میں جاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے پھر بھی ملاقات ہو۔"

عنبر نے باری باری سب سے ہاتھ ملایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کے شہر سے باہر نکل آیا۔ ملکہ، شہزادہ، زرکیسر اور یورکا اُسے رخصت کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کافی دُور تک ساتھ ساتھ چلتے رہے لیکن ایک مقام پر وُہ بھی عنبر کا ساتھ چھوڑ کر واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ اب عنبر ایک بار پھر اکیلا تھا۔ زندگی کے وسیع و عریض صحرا میں اکیلا۔۔۔ تاریخ کے اتھاہ سمندر میں اکیلا۔۔۔ بالکل اکیلا۔

اُس نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کر دیں اور گھوڑا صحراؤں میں کسی نامعلوم منزل کی طرف دوڑنے لگا۔

ٹھیک آدھی رات کو عنبر کی ملاقات ایک پُراسرار رقاصہ سے ہوئی۔ اُس نے کہا "میں موہنجو داڑو کی دیو داسی ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ میں تمہیں ہزاروں سال پُرانی تہذیب میں لیے چلتی ہوں۔ عنبر ملک نینوا کے صحراؤں سے نکل کر پاکستان کے ہزاروں سال پُرانے شہر موہنجو داڑو پہنچ جاتا ہے۔ یہاں اُس کے ساتھ پُراسرار واقعات پیش آتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس ناول کے پانچویں حصے "روحوں کا شہر" میں پڑھیے۔

روحوں کا
اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ـ ۵

تاریخ کی پُر اسرار اور سچّی داستان

رُوحوں کا شہر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ [illegible]، اچھرہ، لاہور

GHULAM ALI &
قیمت
Rs 10.00
SONS (PVT) LAHORE

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز،
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور نمبر ۲/ ۵۴۰۰۰

ISBN - 969 - 31 - 0368 - 8

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست :

موت کا دریا
بڑے پھنسے
ڈاکو آ گئے
روحوں کا شہر
موہنجو داڑو کی طرف
مصر کا بازار
پُراسرار مسافر
پجاری کا قتل
زہری سانپ
آگ میں جلا دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچّو !

بابل اور ملک نینوا کی تہذیب مٹ گئی۔ شہر بابل کو جلا کر اُس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔ پُراسرار مندر کی رقاصہ عنبر سے ملتی ہے اور آگ کے شعلوں میں ناچتے ہوئے اُسے کہتی ہے کہ وہ موہنجو داڑو آکر اُسے ملے۔ وہ اس قدیم شہر کے ایک کھنڈر کے غار میں رہتی ہے۔

عنبر شہر بابل کو آگ کے شعلوں میں جلتا دیکھ کر وہاں سے نکلتا ہے اور ایک قافلے کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچتا ہے۔ یہاں سے وہ ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان کے ساحل پر آتا ہے اور ایک کارواں سرائے میں اُترتا ہے۔ موہنجو داڑو یہاں سے دو راتوں کے فاصلے پر ہے۔ عنبر کے ساتھ ایک پُراسرار مسافر لگا ہے جو اصل میں موہنجو داڑو کے بادشاہوں کے خزانے کی تلاش میں ہے۔ عنبر موہنجو داڑو پہنچتا ہے تو وہاں ایک عورت کو اس کے مُردہ خاوند کے ساتھ چِتا پر جلایا جا رہا ہے۔ چِتا کو آگ لگتی ہے تو عنبر کُود کر چِتا میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ وہ بے گناہ عورت کو زندہ جلنے سے بچانا چاہتا ہے۔

کیا وہ ستی ہونے والی عورت کو بچا کر لے گیا ؟

یہ راز آپ پر اِس ناول کو پڑھنے کے بعد کھُلے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۵

مَوت کا دریا

ویران صحرا میں عنبر اکیلا سفر کر رہا تھا۔

نینوا سے چلے اُسے دو دن ہو گئے تھے۔ تیسرے روز بھی صحرائی ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے دُور دُور تک پھیلے ہُوئے نظر آتے تو عنبر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق اسے اب تک مُلک شام کی سرحدوں کے اندر ہونا چاہیے تھا لیکن صحرا ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ اُس نے سوچا کہیں وُہ بھٹک تو نہیں گیا؛ وگرنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تین دن تک وُہ صحرا میں چلتا رہے اور آبادی کا نام و نشان تک دکھائی نہ دے۔ اُسے تو خیر پیاس کا احساس نہیں ہوتا تھا مگر اُس کا گھوڑا پیاسا تھا اور اُسے پانی کی اشد ضرورت تھی۔ مگر پانی وہاں دُور دُور تک نظر نہ آتا تھا۔ شام تک گھوڑا پیاس سے نڈھال ہو کر قدم قدم چلنے لگا اور آخر ایک جگہ رُک گیا۔ عنبر گھوڑے پر سے نیچے اُتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک جگہ باندھا اور خود اُس کے لیے پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ صحرا میں ایک درخت ہوتا ہے جس پر صرف کانٹے اُگتے ہیں۔ یہ درخت زمین سے نمی چوستا رہتا ہے اور اُس کا تنا کچھ عرصے کے بعد پھول کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشک کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس مشک میں اتنا پانی بھرا ہوتا ہے کہ اس سے پچاس آدمی اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلتے ہی عنبر کو سامنے یہ درخت دکھائی دیا۔ اس نے فوراً گھوڑے کو ساتھ لیا اور درخت کے پاس جا کر کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے خنجر نکال کر درخت کے ڈھول پر شگاف ڈال دیا۔ خنجر کے لگتے ہی درخت میں سے پانی بہنا شروع ہو گیا۔ گھوڑے نے شفاف پانی کو دیکھا تو بڑی بے تابی اور شوق سے پینے لگا۔ گھوڑا پانی پی کر سیر ہو گیا تو عنبر نے بھی تھوڑا پانی پی کر پیاس بجھائی۔

وہ پھر سفر پر چل پڑا۔ مگر اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے اور صحرا کی بھول بھلیوں میں خدا جانے کہاں سے کہاں نکل آیا ہے۔ لیکن سوائے آگے چلتے رہنے کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ رک جائے تو کیا کرے! واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صحرا میں اگر انسان ایک بار راستہ بھول جائے تو واپس پلٹنے پر وہ ہمیشہ کے لیے صحرا میں گم ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور پھر کسی جگہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے اور گدھ اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ اس کے باوجود عنبر کو اس بات کی تشویش تھی کہ وہ سیدھا راستہ تلاش کرے اور اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ مگر اس کی منزل کہاں تھی؟

وہ گھوڑے پر سوار قدم قدم چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے شام ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چلتا چلا گیا۔ پھر شام کے سائے گہرے ہوگئے اور ستارے نکل آئے۔ ستاروں کے حساب سے اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ مشرق کی طرف چل رہا ہے اور شام کی سرحد سے کافی دُور ہٹ گیا ہے۔ وُہ پریشان ہوگیا۔ مشرق میں وہ کدھر جا رہا تھا؟ اُسے کوئی خبر نہیں تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی خفیہ طاقت اُسے اپنے پیچھے پیچھے لیے چلی جا رہی ہے۔ وہ رُکنے کی کوشش کرتا تو اُس کا دل رُکنے کو نہ چاہتا۔ وُہ آدھی رات تک چلتا رہا۔ گھوڑا بھوک سے نڈھال ہونے لگا۔ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ صحرا میں گھاس کا ایک تنکا بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اُس نے مجبور ہو کر بلطیس کی بہن اور طلالہ کی رُوح کو آواز دی۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک ایسی موت کی وادی میں داخل ہو چکا ہے جہاں زندہ رُوحوں کا عمل دخل بالکل نہیں ہے۔

اُس نے بزرگ درویش اناطول کی رُوح کو پکارا۔ اُس کی مقدس رُوح نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اب تو عنبر بڑا گھبرا گیا۔ خدا جانے وُہ کس بلا میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کہیں وہ موت کے سفر پر تو نہیں چلا جا رہا؟ ایک پل کے لیے تو اُسے اطمینان ہوا کہ وہ مُوت کی طرف جا رہا ہے اور اِس ہمیشہ کی زندگی سے اب تنگ آگیا تھا اور مرجانا چاہتا تھا۔ وہ زمین پر دو ہزار سالوں سے زندہ تھا اور ابھی خدا جانے اُسے کتنے ہزار سال اور زندہ رہنا تھا۔ انسان ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سو سال کی زندگی سے تنگ آ جاتے ہیں۔ اُس نے دو ہزار برس میں لاکھوں قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ اسے کئی بار ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کئی بار اُس کے سینے میں خنجر گھونپا گیا تھا۔ اُس کی گردن پر تلوار کا وار کیا گیا تھا۔ اس کے اوپر ہاتھی پھرایا گیا تھا۔ اُس کے دل پر تیروں کی بارش کی گئی تھی۔ اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا اور اُسے سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ مگر وُہ ہر بار زندہ رہا تھا۔ ہر قسم کی اذیت برداشت کر کے بھی زندہ رہا تھا۔ یہ اذیت اُس نے بار بار برداشت کی تھی۔

اُس نے سوچا کہ اگر وُہ واقعی موت کی وادی میں داخل ہو چکا ہے تو اُسے ربِ عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آخر اُس نے عنبر کی دعا سُن لی اور اُسے موت ایسی نعمت عطا کر دی۔ جو عام لوگوں کے لیے ایک مصیبت اور اُس کے لیے ایک رحمت بن گئی تھی۔ مگر اسے اپنے اُوپر موت کی کمزوری یا نقاہت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اُس پر نزع کا عالم بھی طاری نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھ ٹھیک تھی۔ ہاتھ پاؤں درست تھے۔ وہ ٹھیک دیکھتا اور سُنتا تھا۔ وُہ ذرا سی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ مر بھی نہیں رہا، وُہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ پھر آخر وہ کس منزل کی طرف جا رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد اُس نے گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا اور خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی ہوا چلی تو اُسے نیند آنے لگی اور وُہ اونگھنے لگا۔ اچانک اُسے یوں لگا جیسے کوئی نرم نرم شَے اُس کی پنڈلی کے اوپر سے سرکتی ہُوئی گزر رہی ہے۔ اُس نے ہاتھ پَر سے ہٹا کر دیکھا تو وُہ ریت کا ایک انتہائی زہریلا سانپ تھا۔ عنبر نے یُوں ہی اُس سے کھیلنے کے لیے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سانپ نے جھنجھلا کر پھنکار ماری اور عنبر کے ہاتھ پر کاٹ کھایا۔ سانپ کا زہر تو خیر عنبر کے جسم میں کیا پھیلتا، ہاں عنبر کے خُون کا زہر سانپ کے جسم میں ضرور پھیل گیا اور وُہ دیکھتے دیکھتے تڑپنے لگا اور کچھ دیر تڑپ کر مر گیا۔ عنبر کو بڑا افسوس ہُوا۔ وہ وقت گزارنے کے لیے اس سانپ سے کچھ دیر کھیلنا چاہتا تھا۔ لیکن بے وقوف سانپ نے خواہ مخواہ اُسے کاٹ کھایا اور مر گیا۔

سانپ کے زہر سے عنبر پر کچھ زیادہ ہی غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ وہ کافی دیر سویا رہا جب اس کی آنکھ کھلی تو پَو پھٹ چکی تھی۔ آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا۔ عنبر نے بیدار ہوتے ہی دیکھا کہ اس کا گھوڑا غائب ہے۔ وُہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف غور سے تکنے لگا۔ مگر یوں لگتا تھا کہ اُس کے گھوڑے کو آسمان نے اٹھا لیا یا زمین اسے ہڑپ کر گئی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی گھوڑے کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خدا جانے وہ کہاں چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی عنبر اپنے گمشدہ گھوڑے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ اس قسم کی آواز سنائی دی جیسے کہیں چشمے کا پانی بہہ رہا ہو۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ گھوڑا ضرور اسی چشمے کی آواز سن کر پانی پینے چلا گیا ہو گا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چل پڑا۔ آواز ذرا فاصلے پر سے ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ عنبر ریت کے ٹیلے کے پاس پہنچ کر موڑ گھوما تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ صاف شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پانی ایک اونچے پتھر سے گر کر نیچے ٹیلے کے دامن میں چلا جا رہا تھا۔ عنبر نے پانی پی کر منہ ہاتھ دھویا اور بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ اگر اس کا گھوڑا ادھر بھی نہیں آیا تو اسے کیا کوئی صحرائی شیر کھا گیا ہے؟ مگر شیر کھاتا تو گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی۔ کہیں اس کے خون کے دھبے ہی ملتے۔ آخر ایسا شیر کون تھا کہ سالم کے سالم گھوڑے کو اٹھا کر میلوں دور لے گیا۔

عنبر نے گھوڑے کو بھلا دیا اور اس کے بارے میں سوچنا بند کر دیا۔ بہرحال گھوڑا اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا تھا اور اب اسے صحرا میں باقی سفر بغیر گھوڑے کے ہی طے کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے سفر کے بارے میں ہی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کہاں سے کدھر اور کدھر سے کہاں جائے گا۔ بلکہ اس نے تو رب علیم کا شکر ادا کیا کہ کم از کم گھوڑا تو بھول بھلیوں کی مصیبت سے چھوٹا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ غریب بے زبان جانور خواہ مخواہ اُس کے ساتھ پریشان ہو رہا تھا۔

بیٹھے بیٹھے اچانک عنبر کو خیال آیا کہ دیکھنا چاہیے یہ چشمے کا پانی جاتا کدھر کو ہے؟ اب دن نکل آیا تھا اور صحرا میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ عنبر اُٹھ کھڑا ہُوا اور چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ آگے چلنے لگا۔ پانی ایک چھوٹے سے نالے کی شکل میں ٹیلے کا چکر کاٹ کر دوسرے ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں سے ایک اور چکر کاٹنے کے بعد پانی کی لکیر ذرا چوڑی ہو گئی تھی اور نشیب میں سے ہو کر ایک پتھریلے ٹیلے کے دامن میں چلی گئی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اب میں بھٹک تو گیا ہی ہوں۔ کیوں نہ یہ معلوم کیا جائے کہ چشمے کا پانی بجائے ریت میں جذب ہو کر خشک ہونے کے آخر جاتا کس طرف کو ہے۔

سخت پتھریلے ٹیلے کے دامن میں آیا تو عنبر نے دیکھا وہاں ایک غار سا تھا اور پانی ایک نالے کی صورت میں غار کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ غار کا منہ کافی کھلا تھا اور اندر جانے کو باقاعدہ راستہ تھا۔ پانی اس راستے کے ساتھ ساتھ ہو کر اندر کی طرف بہہ رہا تھا۔ عنبر غار میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ غار اندر سے کھلا اور کشادہ ہونا شروع ہو گیا۔ عنبر چونکہ ایک بے خوف شہزادہ تھا اور اس قسم کی مہمیں سر کرتا آیا تھا۔ اس لیے وہ ذرا نہ گھبرایا اور بڑھتا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وُہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ چشمے کا پانی جاتا کہاں ہے ؟

غار ایک جانب گھُوما تو سامنے سے روشنی نظر آنے لگی ۔ غار کے اندر سے کچھ دُوسرے چشموں کا پانی بھی مِل گیا تھا اور نالہ چوڑا ہو گیا تھا ۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ روشنی پہاڑ کے اندر کہاں سے آ رہی ہے ؟ جوُں جوُں وہ روشنی کے قریب ہو رہا تھا غار کشادہ ہوتا جا رہا تھا اور روشنی پھیلتی چلی جا رہی تھی ۔ پھر ایک جگہ غار میں چشمے کے نالے نے چکر کاٹا تو سامنے ایک کشادہ میدان سا آگیا ۔ جس کے دونوں طرف پہاڑ کی ڈھلان تھی ۔ عنبر بڑا تعجب کرنے لگا کہ یہ پہاڑ کے اندر ہی اندر میدان کہاں سے آگیا ۔ چشمے کا پانی ایک نالے کی صورت میں ایک طرف ہٹ کر بہہ رہا تھا ۔

کنارے کنارے ہری ہری کانٹے دار گھاس اُگی ہُوئی تھی ۔ میدان کے بائیں جانب پتھروں کی کچھ دیواریں سی کھڑی تھیں ۔ عنبر اُن دیواروں کی طرف بڑھا ۔ یہ دیواریں کسی پُرانے مکان کی تھیں جن کی چھتیں پہاڑ کی چھت کے ساتھ مل گئی تھیں ۔ فرش پر جگہ جگہ بجھی ہُوئی لکڑیاں بکھری پڑی تھیں ۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں سے لوگ ابھی ابھی کہیں اُٹھ کر گئے ہیں ۔ کیوں کہ بعض لکڑیاں ابھی تک سُلگ رہی تھیں ۔ عنبر دوسری چار دیواری میں داخل ہُوا تو اُسے وہاں گوشت کی بُو محسوس ہُوئی ۔ اُس نے غور سے دیکھا تو غار میں ایک گھوڑے کا ثابت پنجر پڑا ہوا تھا ۔ پنجر پر ابھی تک سُرخ سُرخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تازہ گوشت چمٹا ہُوا تھا۔

کہیں یہ اُس کا گھوڑا تو نہیں؟

مگر سوال یہ ہے کہ اس کا گھوڑا وہاں کیسے آ گیا۔ کیا اُسے کوئی شیر اُٹھا کر لے آیا تھا؟ اگر شیر اُٹھا کر لاتا تو ریت پر کم از کم اُس کے پنجوں کے نشان ضرور ملنے چاہئیں تھے۔ عنبر کو اپنے گھوڑے کی موت پر بے حد صدمہ ہُوا۔ اُس نے دوسری کھوہ میں جھانک کر دیکھا تو وُہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اِس کھوہ میں انسانی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے انبار لگے تھے۔ کیا وہ کسی آدم خور قبیلے کی بستی میں نکل آیا تھا؟ عنبر کے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس لیے کہ وہ پہلی بار آدم خوروں کی بستی دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ کھوپڑیاں زمانہ قدیم کی ہوں اور کسی بادشاہ نے اپنے دشمنوں کو غار میں ہلاک کر کے دفن کر دیا ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ پھر گھوڑے کی لاش کا پنجر وہاں کس لیے پڑا تھا؟

وُہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔

یہ آوازیں دُور سے آ رہی تھیں اور آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ عنبر جلدی سے وہاں سے ہٹ کر غار میں ایک خفیہ جگہ پر چھپ گیا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں اُس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ سکتا تھا۔ آدمیوں کی آوازیں میدان کی دُوسری جانب سے اُس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر یہ آوازیں قریب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے آتے بہت نزدیک سے سنائی دینے لگیں اور اب عنبر نے دیکھا کہ پندرہ بیس آدمیوں کا ایک گروہ کسی قیدی کو زنجیروں میں جکڑے دھکیلتا ہُوا لیے چلا آ رہا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ وحشی آدم خور معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے تن ڈھانپنے کو صرف ایک گھاس پھونس کی جھالر کمر کے گرد باندھ رکھی تھی۔ اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جس قیدی کو وُہ گرفتار کر کے لا رہے تھے اُس نے بھی کمر کے گرد صرف گھاس پھونس کی جھالر سی ٹکا رکھی تھی۔

قیدی کے چہرے پر خوف و ہراس چھایا ہُوا تھا۔ وحشی اُسے دھکے مار مار کر آگے دھکیل رہے تھے اور وہ بے چارہ بار بار خوف اور دہشت سے پتھروں پر گر گر پڑتا تھا۔ پتھروں کی چار دیواری کے سامنے لا کر وحشیوں نے قیدی کو زمین پر لِٹا کر پتھروں کے ساتھ باندھ دیا اور خود اُس کے ارد گرد رقص کرنے لگے۔ عنبر پتھروں میں چھپا یہ سب کچھ حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ وحشیوں نے دو پتھروں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلائی اور لکڑیاں سلگا دیں۔ دو وحشی غار میں جا کر خشک لکڑیاں لے آئے اور آگ کے اوپر رکھ دیں۔ قیدی بے چارے کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو اپنے انجام کی خبر ہو گئی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وحشی آدم خور اُس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے! چنانچہ وہ رو رہا تھا اور بار بار وحشیوں سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وحشی قہقہے لگاتے ہوئے اُسے نیزے کے کچوکے لگا رہے تھے۔ جب آگ خوب زوروں پر روشن ہو گئی تو وحشی آدم خوروں کا سردار اپنی جگہ سے اُٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا لیے۔

" دیوتاؤں کے نام پر خاموش "!

رقص رُک گیا۔ سارے وحشی ایک دم خاموش ہو گئے۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے اِس قدر ہنگامہ تھا۔ وہاں اب سوئی بھی گرے تو آواز سُنائی دیتی تھی۔ سردار نے کہا :

" قربانی شروع کی جائے "

ایک وحشی نے آگے بڑھ کر اپنے جھولے میں سے سیاہ پتھر کا ایک مکروہ صورت بُت نکالا اور زمین پر آگ کے پاس رکھ دیا۔ قیدی بھیانک نظروں سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ سردار نے خنجر لے کر اپنی کلائی پر زخم لگایا۔ اور زخم میں سے ٹپکتے ہوئے خون کے قطرے آگے بڑھ کر بُت کے اُوپر گرا دیے۔

چاروں طرف وحشیوں نے ایک شور مچایا۔

" دیوتا نے قربانی قبول کر لی، قربانی قبول کر لی۔

سردار نے بلند آواز میں کہا :

" آدمی کی قربانی شروع کی جائے۔

وحشیوں نے اپنی زبان میں نعرہ بلند کیا اور نیزے لے کر زمین پر کس کر بندھے ہوئے قیدی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئے۔ صرف ایک پہلو خالی تھا اور یہاں اُن کا سردار بیٹھا تھا۔ عنبر بھی اسی زاویے پر بیٹھا تھا اور وُہ بھی سارا منظر صاف دیکھ رہا تھا۔ قیدی کا رنگ زرد پڑ گیا اور یقیناً اُس کا سارا جسم سُن ہو گیا ہو گا۔ سردار کے اشارے پر ایک وحشی نے اپنا نیزہ فضا میں بلند کیا اور پُوری طاقت سے اُسے قیدی کی ران میں کھبو دیا۔ قیدی نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور تڑپنے لگا۔ دُوسرے وحشی نے بھی نعرہ لگا کر نیزے کا بھرپُور وار دوسری ران پر کیا۔ خُون کے فوارے اُبلنے لگے۔ تیسرے وحشی نے تیسرا نیزہ قیدی کے بازو میں اُتار دیا اور چوتھے وحشی نے قیدی کا دُوسرا بازو زخمی کر دیا۔ قیدی زخموں سے تڑپ رہا تھا اور وحشی دونوں پہلوؤں سے اُس کا خون سمیٹ سمیٹ کر پی رہے تھے اور پاگلوں کی طرح رقص کر رہے تھے۔

عنبر پتھروں میں چھپا یہ اذیت ناک منظر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ قیدی کی حالت زار دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وُہ اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وُہ اکیلا تھا اور وحشی بہت زیادہ تھے۔ وُہ تو اُلّو کی ایک آواز نکال کر سینکڑوں وحشیوں کو جمع کر سکتے تھے۔ عنبر نے قیدی کو اُس کی تقدیر کے بھروسے چھوڑ دیا۔ وُہ اس قدر شدید زخمی ہو گیا تھا کہ اب وہ بے ہوشی کے عالم میں صرف کراہ رہا تھا۔ ایک وحشی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رقص کرتے کرتے نیزہ لہرایا اور قیدی کے پیٹ میں گاڑ دیا۔ اُس نے ایک درد انگیز چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا۔ وحشی خوشی سے چیختے چلاتے رقص کرنے لگے۔ قیدی کے اذیت ناک چیخ مارنے کا مطلب یہ تھا کہ دیوتا نے اُن کی قربانی قبول کر لی تھی۔ سردار نے انسانی خون سے ایک پیالہ بھر کر بُت کے آگے رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"اے آسمان کے مالک، ہماری چھوٹی سی قربانی قبول فرما۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی چار وحشیوں نے آگے جُھک کر زمین پر جکڑے ہوئے قیدی کے بدن پر تلوار کے چار ہاتھ مارے اور اُس کے جسم کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ قیدی نے پھر کوئی آواز نہ نکالی۔ وُہ مر چکا تھا۔ وحشی سردار نے آگے بڑھ کر سب سے بڑا ٹکڑا خود اٹھایا اور اُسے آگ پر رکھ کر بھوننے لگا۔ چند سیکنڈ آگ پر رکھنے کے بعد سردار نے انسانی جسم کے ٹکڑے کو کھانا شروع کر دیا۔ سردار کے حکم پر سارے وحشی خنجر اور تلواریں لے کر قیدی کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور انہوں لے اپنی اپنی پسند کا گوشت کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔ عنبر سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر یہ درد ناک نظارا دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے سارے وحشی پورے کے پورے آدمی کو چٹ کر گئے۔ انہوں نے اُس کی کھوپڑی بھی کھرچ کھرچ کر صاف کر دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہڈیوں پر سے بھی جگہ جگہ سے گوشت نوچ کر کھا لیا۔ پھر اُنہوں نے ہڈیاں اور کھوپڑی غار کے اندر ایک کھوہ میں پھینک دیں۔

عنبر یہ ساری کارروائی دیکھ کر لرز گیا۔ ایک جیتا جاگتا انسان اِن وحشیوں نے دیکھتے دیکھتے ہڑپ کر لیا تھا۔ وحشی آدمی کو کھانے کے بعد آگ کے گرد بیٹھ گئے اور جلتی لکڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیوتا کے بُت کے اُوپر سے گھمانے لگے۔ پھر انہوں نے سردار کے حکم پر ساری لکڑیوں کو بجھا دیا۔ سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے وحشی جدھر سے آئے تھے اُدھر کو اُچھلتے کُودتے، قہقہے لگاتے، تیز تیز باتیں کرتے چل پڑے۔ جب تک وُہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے عنبر پتھروں میں چھپا بیٹھا رہا۔ جب ان کی آوازیں بھی آنا بند ہو گئیں تو عنبر پتھروں میں سے نکلا اور آگ کے پاس آکر زمین پر غور سے دیکھنے لگا۔ آگ کے پاس اُسے سونے کا ایک تکون ٹکڑا پڑا نظر آیا اُس نے وُہ ٹکڑا اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ دیوتا کے بُت کو سردار اپنے جھولے میں ڈال کر واپس اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا کہ اس آدم خور غار سے باہر نکل جانا چاہیے۔ یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں اور اب تو عنبر کو اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا تھا اور وہ آدم خور وحشیوں کا نوالہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ وہیں سے پلٹا اور واپس چل پڑا۔ لیکن اب اُسے ایک اور تلخ حقیقت کا احساس ہوا۔ جس طرف سے چشمے کا پانی آ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اُدھر سے روشنی آنا بند ہو گئی تھی۔ وہ اندھیرے میں دُور تک چلتا گیا، مگر اُسے واپسی کی کوئی راہ دکھائی نہ دی۔ وہ مجبوراً واپس وہیں آ گیا جہاں آدم خور لوگوں نے ایک زندہ انسان کو ہلاک کر کے کھا لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بُرے پھنسے

عنبر سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے کہ آدمخوروں کی آوازیں پھر آنا شروع ہوگئیں۔

وُہ بھاگ کر اِن ہی پتھروں میں جا کر چھپ گیا۔ آدمخور اِس دفعہ بہت شور مچاتے چلے آرہے تھے۔ جب وُہ قریب آئے تو عنبر نے دیکھا کہ اُنہوں نے ایک عورت کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ عنبر کا دل دہل گیا — تو کیا وُہ اِس بے گناہ عورت کو بھی کھا جائیں گے؟ نہیں نہیں، اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ عورت بے چاری کا رنگ زرد تھا۔ لمبے سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہُوئے تھے۔ شکل صُورت سے وُہ کسی اعلیٰ خاندان کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے بڑے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ وحشیوں نے اُس عورت کو پتھر کے ایک ستون کے ساتھ لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اس وقت عورت کو کھانے کا ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ نہ تو سردار نے جھولے میں سے بُت نکالا اور نہ ہی آدمخور وحشیوں نے آگ جلائی تھی۔ عورت بے چاری پتھروں کے ستون کے ساتھ جکڑی ہُوئی تھی۔ سردار نے عورت کے پاس جا کر اُس کے لمبے بالوں کی ایک لٹ چاقو سے کاٹی اور اُسے ہوا میں اُچھال دیا۔ تمام وحشیوں نے اپنی زبان میں فلک شگاف نعرے لگائے۔ وُہ قیدی عورت کے اردگرد جانوروں کی طرح رقص کرنے لگے۔ عورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ ڈر سے کانپتے نظر آ رہے تھے۔

جب وحشی رقص کرتے کرتے تھک گئے تو سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے آدم خور خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر کا ہاتھ پھسل گیا اور ایک پتھر اپنی جگہ سے ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ غار کی خموشی میں پتھر کے فرش پر گرنے سے ایک چھناکا پیدا ہوا۔ سردار اور وحشیوں نے چونک کر اُس طرف دیکھا جدھر عنبر چھپا ہوا تھا۔ وحشی بھاگ کر وہاں پہنچ گئے۔ اُنہوں نے ایک نوجوان انسان کو پتھروں کے پیچھے چھپا ہوا دیکھا فلک شگاف چیخ مار کر کہا :

”پکڑ لو، پکڑ لو، پکڑ لو۔“

سردار نیزہ لہراتا وہاں پہنچ گیا اور اُس نے نوجوان عنبر کو اُسی وقت گرفتار کر لیا۔

”کون ہو، کون ہو! کہاں سے آئے ہو؟“

اور سردار وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنس پڑا۔

”اس کو بھی جکڑ دو۔ کل دونوں کو بھون کر کھایا جائے گا۔ دیوتا کو تازہ خون کا نذرانہ پیش کیا جائے گا۔“

آدم خوروں نے عنبر کو بھی پکڑ کر عورت کے قریب ہی پتھر کے ستون سے کس کر باندھ دیا۔ سردار کے حکم پر وہ عنبر کے گرد بھی چیخیں مارتے ہوئے رقص کرنے لگے۔ وہ نیزے لہرا رہے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار بار چیخ رہے تھے۔ جب وہ تھک گئے تو سردار کے ساتھ اُچھلتے کُودتے، شور مچاتے ایک طرف کو چل دیئے۔ اس دوران میں قیدی عورت بڑی حیرانی کے ساتھ عنبر کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان وہاں کیسے آ گیا؟

جب سارے وحشی چلے گئے تو عورت نے اداس لہجے میں پُوچھا:

"اے نوجوان، تُو یہاں کس طرح آ گیا؟"

عنبر نے پُوچھا:

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم یہاں کیسے پھنس گئی ہو؟"

عورت نے کہا:

"میرا نام تھائیس ہے اور میں موہنجو داڑو کے ایک تاجر کی بیوی ہوں۔ میں اپنے خاوند کے ساتھ ایک قافلے کے ہمراہ سفر کر رہی تھی کہ ان آدم خوروں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا۔ سامان تو وہیں رہنے دیا اور ہم سب کو پکڑ کر ان غاروں میں لے آئے۔ ان ظالموں نے میرے خاوند کو کھا لیا ہے اور اب یہ مجھے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مگر تم کون ہو اور ان آدمخوروں کے شکنجے میں کیسے پھنس گئے؟"

"تھائیس، میرا نام عنبر ہے اور میں ملک نینوا سے شمالی افریقہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ بھول گیا اور ان غاروں میں آ نکلا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اس غار کے اندر کیا ہے کہ میں نے دیکھا آدم خور ایک آدمی کو ہلاک کر رہے ہیں۔ میں پتھروں کی کھوہ میں چھپ گیا اور باقی جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکی ہو۔"

تھامیس نے آہ بھر کر کہا:

"ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم آدم خوروں کی خوراک بنیں۔ کاش میں اپنے دیوتا آمون کو اپنی مدد کے لیے پکار سکتی۔"

"تم اسے پکارتی کیوں نہیں ہو تھامیس؟ اگر وہ دیوتا تمہاری مدد کر سکتا ہے تو یہاں آ کر بھی ضرور مدد کرے گا۔"

"ایسا نہیں ہے عنبر، ہمارا دیوتا آمون صرف اس حالت میں ہماری مدد کرتا ہے کہ ہم اس کے مندر میں جا کر بھیڑوں کی قربانی دیں اور اس کے بت پر بھیڑوں کا خون گرائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو دیوتا آمون بھی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یہ کیسا دیوتا ہے کہ اگر قربانی پیش نہ کی جائے تو وہ بھی کوئی مدد نہیں کر سکتا جو صرف ایک عبادت گاہ تک ہی محدود ہے اور اس مندر کے باہر وہ مجبور اور بے بس ہے۔"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں عنبر، یہ بتاؤ کہ تمہارا دیوتا اس وقت ہماری کوئی مدد کر سکتا ہے؟"

"میں کسی دیوتا کو تسلیم نہیں کرتا۔"

"تو پھر تم کس کی عبادت کرتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں ایک ربّ کی عبادت کرتا ہوں جو عظیم ہے اور سب دیوتا اور کائنات کی ہر شے جس کے ماتحت ہے۔"

"کیا تمہارا ربِّ عظیم اِس وقت ہماری مدد کر سکتا ہے؟"

"مجھے اپنے ربّ پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ میری ضرور مدد کرے گا۔"

"کیا وہ میری مدد بھی کرے گا؟"

"کیوں نہیں؟ وہ تمہاری مدد بھی کرے گا۔"

"مگر میں تو اس کی عبادت نہیں کرتی۔"

"وہ سب کا ربّ ہے، جو اُس کی عبادت کرتے ہیں اُن کا بھی اور جو اُس کی عبادت نہیں کرتے اُن کا بھی ربّ ہے۔"

"تو پھر اپنے ربّ کو آواز دو۔ اُسے مدد کے لیے بلاؤ کہ وہ ہمیں اِن وحشی آدم خوروں سے نجات دلائے۔"

"وقت آنے پر ربِّ عظیم ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وحشی آدم خوروں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ وہ غار میں واپس آ رہے تھے۔ عنبر نے تھائیں کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور سرگوشی میں کہا:

"تم بے ہوش ہو جانے کا بہانہ کرو۔"

"وہ کس لیے؟"

"جو میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔ جھوٹ موٹ بے ہوش ہو جاؤ۔"

"مگر کیوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے کہ وہ تمہیں بے ہوش دیکھ کر پہلے مجھے کھانے کی کوشش کریں۔"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟ تم پہلے کیوں مرنا چاہتے ہو؟"

"اس لیے کہ اگر انہوں نے پہلے مجھے کھانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر تمہاری جان بھی بچ جائے گی، کیونکہ وہ مجھے کبھی نہیں کھا سکیں گے۔"

تھائیس عنبر کا منہ تکتی رہی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی کہ عنبر کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین ہوگیا تھا کہ اُس کی طاقت اُسے واپس مل گئی ہے اور وہ کبھی نہیں مَر سکتا۔ وحشیوں کی آوازیں اب زیادہ قریب سے سُنائی دے رہی تھیں۔ عنبر نے کہا:

"فوراً بے ہوش ہو جاؤ!"

تھائیس نے جھوٹ موٹ بے ہوش ہو کر سر نیچے گرا لیا۔ آدم خور اُچھلتے کُودتے شور مچاتے، تیز تیز باتیں کرتے اُس جگہ پہنچ رہے رہے تھے جہاں اُنہوں نے دونوں قیدیوں کو اپنی خوراک بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ قریب آکر ایک حبشی نے چیخ ماری۔ سردار نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ عورت بے ہوش ہو چکی تھی۔ سردار نے اُنگلی سے عنبر کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"پہلے اسے بھُون کر کھایا جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر یہی چاہتا تھا۔ وحشیوں نے پتھروں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلائی۔ تھوڑی دیر میں آگ خوب بھڑک اٹھی۔ آگ کے گرد وحشیوں نے رقص کرنا اور اونچی آواز میں منتر وغیرہ پڑھنے شروع کر دیے۔ جب وہ منتر پڑھ چکے تو انھوں نے عنبر کو ستون سے کھول کر زمین پر لٹایا اور اُسے زنجیروں سے زمین میں میخیں ٹھونک کر جکڑ دیا۔ عنبر نے کسی قسم کی بھی مزاحمت نہ کی۔ تھامیں چوری چوری آنکھ سے یہ سارا ہولناک منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ آخر عنبر نے سب سے پہلے وحشیوں کی خوراک بننا کیوں پسند کیا! یہ بات اُس کی سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن بہت جلد اُس نے ایک ایسا منظر دیکھا جسے دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ سردار نے ہاتھ سے اشارہ کیا:

"اے مقدس دیوتا! ہم تیرے نام پر یہ قربانی پیش کرتے ہیں۔ ہماری قربانی قبول فرما، ہماری قربانی قبول فرما۔"

سردار نے بت کو سجدہ کیا:

سردار کے ساتھ ہی سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے اور بت کی عبادت کرنے لگے۔ سردار نے سجدے سے اٹھ کر ایک چیخ ماری۔ سارے آدم خور سجدوں سے اٹھ گئے اور زمین پر لیٹے ہوئے عنبر کے ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ تھامیں کو عنبر زمین پر لیٹا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ سردار نے اپنا نیزہ فضا میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلند کیا۔ ایک چیخ ماری۔ اور اپنی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مار دیا۔ تھائیس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ایک بے گناہ نوجوان کا خون بہتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہاں کچھ اور ہی واقعہ ظہور میں آیا جس نے سارے وحشیوں کو پریشان کر دیا۔

سردار نے جونہی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مارا نیزہ ٹوٹ کر دوہرا ہو گیا۔ سردار بڑا حیران ہوا۔ اس نے چیخ مار کر دوسرا نیزہ لیا اور ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ نیزہ ہوا میں بلند کر کے عنبر کی دوسری ران پر مارا۔ ایک بار پھر نیزہ عنبر کی ران کے ساتھ لگتے ہی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار پریشان ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سخت پتھر پر نیزے مار رہا ہے۔ اس نے پاگل ہو کر ایک بار پھر نیزہ لے کر عنبر کے پیٹ پر حملہ کیا۔ مگر نیزہ پھر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے کہا:

"قیدی کے سارے جسم پر نیزوں کی بارش کر دو۔"

اس حکم کے ملتے ہی وحشیوں نے نیزوں سے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ اچھل اچھل کر عنبر کے جسم پر نیزے مارتے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے سارے نیزے ٹوٹ کر پرے جا گرے۔ آدم خور وحشی دم بخود سے ہونے لگے۔ سردار نے چیخ کر کہا:

"قیدی کو آگ میں پھینک دو۔"

وحشیوں نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو اٹھایا اور دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے اور عنبر آگ کے شعلوں میں گم ہو گیا۔ وحشی آگ کے اردگرد ناچنے لگے تھوڑی دیر بعد وہ رقص کرتے ہوئے رُکے اور سردار کے اشارے پر اُنہوں نے لکڑیوں سے آگ اِدھر اُدھر ہٹانی شروع کر دی۔ اُن کو یقین تھا کہ عنبر اس وقت تک جل بھُن کر کباب ہو چکا ہوگا۔ مگر سارے وحشیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ عنبر اُسی طرح زنجیروں میں جکڑا آگ کے انگاروں پر بڑے سکون کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ سردار دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ عنبر کے جسم پر جلنے کا کوئی معمولی سا نشان بھی نہیں پڑا تھا۔ اس نے زنجیر کو ہاتھ لگایا۔ زنجیر کا لوہا بھی ٹھنڈا تھا۔ آگ نے عنبر پر ذرا سا بھی اثر نہیں کیا تھا۔

سردار لرز اٹھا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ ایک دیوتا کے سامنے لڑا ت ذہ ذرا منہ ول پر گرا اور سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کو سجدے میں گرتا دیکھ کر سارے وحشی آدم خور سجدوں میں گر پڑے اور منتر پڑھنے لگے۔ تھامس یہ منظر دیکھ کر بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔ یہ واقعہ جتنا وحشیوں کے لیے عجیب و غریب تھا اتنا ہی تھامس کے لیے بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ بھی کبھی یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ ایک عام انسان آگ میں گرایا جائے، وہ دہکتی ہوئی آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پڑا رہے اور پھر اِس میں سے زندہ سلامت بچ جائے اور آگ اُس کے جسم پر کوئی اثر نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بال تک نہ جلے۔

سردار کے حکم سے وحشی آدم خوروں نے اُسی وقت عنبر کی زنجیریں کھول دیں۔ عنبر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور آگ میں سے باہر نکل آیا۔ سردار نے سر جُھکا کر کہا:

"اے مقدس دیوتا، ہم نے تم سے زیادتی کی ہے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم پر اپنا عذاب نازل نہ کرنا!"

عنبر نے سوچا کہ اب یہاں چالاکی سے ہی کام لینا چاہیے۔ اُس نے غصے میں کہا:

"کم بخت آدم خورو، میں تمہاری ایک ایک حرکت کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ تم نے لوگوں کو بہت پریشان کیا ہے۔ مَیں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ مَیں تم سب کو اسی آگ میں بھسم کر دوں گا!"

سردار اور وحشی آدم خور گڑگڑانے لگے۔

"رحم کرو، رحم کرو، اے دیوتا ہم پر رحم کرو!"

"سب سے پہلے اِس عورت کو آزاد کر دو!"

سردار نے لپک کر تھامَین کی زنجیریں کھول دیں۔ وہ آزاد ہو کر عنبر کے پاس کھڑی ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عنبر، ہمارے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ اُس سیاہ فام آدمی نے میرے خاوند کو سب سے پہلے آگ میں دھکا دیا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"سردار، اگر تم اپنے قبیلے کو میرے انتقام سے بچانا چاہتے ہو تو فوراً اِس قاتل سیاہ فام وحشی کو ہلاک کر کے آگ میں ڈال دو۔"

"جو حکم مقدس دیوتا!"

سیاہ فام وحشی چیخنے لگا۔ مگر سردار نے بڑے آرام سے اُس کی گردن پکڑ کر مروڑی اور خنجر کے ایک ہی وار سے اُسے ہلاک کر دیا اور پھر آگ میں ڈال دیا۔

"اے مقدس دیوتا، ہم نے تمہاری مرضی پوری کر دی ہے۔ اب ہمیں اپنے عذاب سے بچا اور ہمیں اپنے انتقام کا نشانہ مت بنا۔"

عنبر نے کہا:

"فوراً ہمارے لیے دو گھوڑوں کا بندوبست کرو، نہیں تو میں تم سب کو ابھی کھڑے کھڑے بھسم کر دوں گا۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا:

"گھوڑے ابھی حاضر کرتا ہوں مقدس دیوتا۔"

اُس نے زور سے سیٹی بجائی۔ کچھ وحشی ایک طرف کو بھاگے اور تھوڑی ہی دیر میں دو نہایت اعلیٰ قسم کے عربی نسل کے گھوڑے وہاں موجود تھے۔ یہ گھوڑے ان وحشیوں نے قافلے والوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوٹے تھے اور انہیں کھانے کے لیے پال رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

"ہم دونوں کو یہاں سے باہر جانے کا راستہ بتاؤ۔"

"جو حکم مقدس دیوتا۔"

سردار سر جھکا کر گھوڑوں کی باگ تھامے آگے آگے چل دیا اور عنبر، تھامیس اور وحشی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ غار میں کئی ایک خفیہ موڑ گھومنے کے بعد وہ سب باہر صحرا میں ٹیلے کے پاس نکل آئے۔ عنبر نے سورج کی روشنی اور صحرا کے ٹیلوں پر پھیلی ہوئی دھوپ دیکھی تو اُس نے سُکھ کا سانس لیا۔

"اے آدم خوروں کے سردار، یہ صحرا کس طرف کو جاتا ہے؟"

"اے مقدس دیوتا، اگر آپ مشرق میں چھ روز تک چلتے جائیں تو آپ ایک ایسے ملک میں پہنچ جائیں گے جہاں کے لوگ اپنے مندروں میں بھینس کی پوجا کرتے ہیں۔"

تھامیس نے عنبر سے کہا:

"یہ ہمارے ملک موہنجو داڑو کے بارے میں بتا رہا ہے۔ ہم لوگ بھینسے کی بھی پوجا کرتے ہیں اور دیوتا آمون کی بھی عبادت کرتے ہیں۔"

"کیا تمہارا ملک یہاں سے چھ دن اور چھ راتوں کے فاصلے پر ہے؟"

"میرا خیال ہے اتنا ہی فاصلہ ہوگا۔ ہم چھٹے روز یہاں پہنچے تھے۔ کہ ہمارے قافلے کو اِن آدم خوروں نے لوٹ لیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے سردار سے کہا: "ٹھیک ہے، اب تم جا سکتے ہو!"

سردار اور سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ عنبر اور ثمائیں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صحرا میں مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وحشی لوگ سجدوں سے اٹھے اور منتر پڑھتے واپس غار میں جانے لگے۔

ثمائیں خود بڑی حیران تھی کہ عنبر آگ سے کیسے بچ گیا۔ اُس نے آخر پوچھ ہی لیا۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

"اس کا جواب میں تمہیں سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتا کہ میرے ربِ عظیم نے میری مدد کی تھی!"

ثمائیں بولی:

"عنبر، میں تمہارے ربِ عظیم پر آج سے ایمان لاتی ہوں!"

"مجھے خوشی ہوئی ہے ثمائیں کہ تم نے انتہائی عقلمندی سے کام لیا ہے!"

ثمائیں نے عنبر کے ربِ عظیم کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے ہماری مدد کرتے دیکھا ہے۔ پھر میں کیسے ان بتوں کی پوجا کروں جو اپنے چہرے پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکو آ گئے

●

صحرا میں اُن دونوں کا بھیانک سفر شروع ہو گیا۔

تھائیس کو عنبر کے ربِ عظیم پر گہرا یقین ہو گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو عنبر کے ساتھ بہت محفوظ خیال کر رہی تھی۔ مگر اُن دونوں میں سے کسی کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ وُہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں کہ راستے سے بھٹک چکے ہیں۔ کیوں کہ انہیں صحرا میں سفر کرتے ہُوئے تیسرا دن گزر رہا تھا اور آبادی کا کہیں دُور دُور تک بھی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے تھائیس سے پُوچھا:

"کیا تم اپنے قافلے کے ساتھ اسی صحرا میں سے سفر کرتی یہاں پہنچی تھیں تھائیس؟"

"کچھ اندازہ نہیں ہو رہا۔ کسی وقت لگتا ہے کہ یہی راستہ تھا اور کسی وقت یہ سارا صحرا اور ریت کے ٹیلے اجنبی معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"بہرحال ہمیں سفر جاری رکھنا ہے۔ ربِ عظیم نے چاہا تو کسی نہ کسی روز اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

دو روز سے وُہ صحرا کی جڑی بوٹیاں کھا کر اور کہیں کہیں کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چشمے سے پانی پی کر گزارہ کر رہے تھے۔ چوتھے روز بھوک اور پیاس نے انہیں اور ان کے گھوڑوں کو نڈھال کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"گھوڑوں کی جگہ اگر ہمارے پاس اونٹ ہوتا تو وہ زیادہ دن تک بھوکا پیاسا رہ کر سفر کر سکتا تھا۔"

"مگر اب کیا ہوگا عنبر! بھوک اور پیاس نے میرا بُرا حال کر دیا ہے۔"

عنبر کو صبح ہی سے ہوا میں سمندر کے پانی کی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا:

"ہوا میں سمندر کی بُو ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سمندر کے کنارے پہنچنے والے ہیں۔"

"لیکن عنبر سمندر کا کڑوا پانی ہماری پیاس نہیں ہٹا سکتا۔"

"سمندر کے کنارے ہمیں کھجوروں کے درخت ضرور مل جائیں گے اور ہم کھجوریں کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتے ہیں۔"

وہ ہمت کر کے اس طرف سفر کرنے لگے جدھر سے سمندر کی ہوا آ رہی تھی۔ عنبر کا اندازہ درست تھا۔ ہوا سمندر کی جانب سے آ رہی تھی اور سمندر وہاں سے ایک دن کے سفر پر تھا۔ سفر کرتے کرتے شام ہو گئی تو تھائیں گھوڑے پر سے اُتر کر ریت پر لیٹ گئی۔

اب مجھ سے نہیں سفر ہوتا عنبر! پیاس نے مجھے بے بس کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا ہے۔"

تھائیس کا واقعی حال خراب ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور ہونٹوں پر پیاس کی وجہ سے پپڑیاں جم گئی تھیں۔ عنبر نے کہا:

"تم یہاں تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں کہیں نہ کہیں سے پانی کی تلاش کرتا ہوں۔"

"مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ عنبر، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"تمہیں ذرا ہمت سے کام لینا ہوگا تھائیس، اگر ہم نے ہمت ہار دی تو پھر اس ظالم صحرا سے زندہ سلامت بچ کر نہ نکل سکیں گے۔ مجھے یقین ہے یہاں قریب ہی کوئی نہ کوئی چشمہ ضرور ہوگا۔ میں ابھی تمہارے لیے پانی کی چھاگل بھر کر لاتا ہوں۔"

"دیر نہ کرنا عنبر، اگر پانی نہ بھی ملے تو واپس آ جانا۔ مجھے اکیلے میں بڑا ڈر لگتا ہے۔"

"فکر نہ کرو، میں بڑی جلدی واپس آ جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس طرف چل پڑا جدھر اُس کا خیال تھا کہ پانی کا چشمہ اُسے ضرور مل جائے گا۔ چلتے چلتے وہ کافی آگے نکل آیا اور تھائیس اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ خیال کرتا کہ اُس ریت کے ٹیلے کے پیچھے چشمہ ضرور بہہ رہا ہوگا۔ جب وہاں پہنچتا تو سوائے ریت کے کچھ نظر نہ آتا۔ پھر وہ پانی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چشمے کی امید میں دوسرے ٹیلے کی جانب چل پڑتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ بہت دُور نکل گیا۔ اچانک ایک جگہ فاصلے پر اسے کھجور کے درختوں کے جُھنڈ نظر آئے۔

"نخلستان!"

وہ خوشی خوشی کھجور کے جھنڈوں کی طرف بڑھنے لگا۔ کیونکہ کھجوروں کے جھنڈ کا مطلب یہ تھا کہ وہاں ضرور پانی کا چشمہ موجود ہے۔

اُدھر تھائیس زمین پر لیٹے لیٹے صحرا سے خوف کھانے لگی۔ عنبر اس کے ساتھ تھا تو اُسے بڑا حوصلہ تھا۔ اب وہ اکیلی رہ گئی تھی اور ڈرنے لگی تھی۔ شام کے سائے آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ اچانک اُسے اپنے پیچھے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے سوچا کہ عنبر پانی لے کر واپس آگیا ہے۔ مگر یہ اس کا وہم تھا۔ کیوں کہ تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں کا ایک خونخوار گروہ اس کے ارد گرد کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ ڈاکوؤں کو دیکھ کر تھائیس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ڈاکوؤں کا سردار جابر مسکرایا اور بولا:

"بڑا عمدہ مال ہے۔ ذرا بھوکا پیاسا ہے اُسے کھلا پلا کر موٹا کر دیں گے اور یروشلم میں سونے کے سکوں کے عوض فروخت کر دیں گے۔

تھائیس کانپ گئی۔ ڈاکو قہقہے لگا کر ہنسے۔ سردار نے اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکوؤں نے آگے بڑھ کر تھائیس کو اونٹ کے کجاوے میں ڈال لیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ تھائیس چیختی چلاتی رہ گئی۔ مگر کسی نے اس کی فریادوں پر کان نہ دھرا۔ وہ ڈاکوؤں کا بڑا وحشی گروہ تھا اور یہ لوگ قافلے بھی لوٹتے تھے اور عورتوں بچوں اور غلاموں کو لے جا کر دوسرے شہروں میں فروخت کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں اس قسم کے غلاموں اور کنیزوں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ جہاں سے لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق غلام اور کنیزیں خرید لیتے تھے۔

ڈاکوؤں کا قافلہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہا تھا کیونکہ اُن کے گھوڑے اور اونٹ تازہ دم تھے۔ اُدھر عنبر کھجوروں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں ٹھنڈے اور شفاف پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔ عنبر نے گھوڑے سے اُتر کر اُسے پانی پلایا۔ خود بھی پانی پیا اور چھاگل میں تھائیس کے لیے بھی بھر لیا۔ اب وہ جلدی سے واپس پہنچ کر تھائیس کو پانی پلانا چاہتا تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں وہ تھائیس کو ریت پر لیٹا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ شام کے سائے بڑھنا شروع ہو گئے لیکن ابھی صحرا میں غروب ہوتے سورج کی کافی روشنی باقی تھی اور اُسے راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر ریت کے ٹیلوں میں سے ہوتا ہوا جب اُس مقام پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیا جہاں وُہ تھائیس کو چھوڑ گیا تھا تو یہ دیکھ کر چکر کھا گیا کہ وہاں تھائیس موجود نہیں تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وُہ اِدھر اُدھر تھائیس کو تلاش کرنے لگا۔ اُس نے زور زور سے تھائیس کو آوازیں بھی دیں۔ مگر صحرا میں اُس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ پھر ایکا ایکی اُس کی نگاہ ریت پر اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں پر پڑ گئی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ادھر سے کوئی قافلہ اُس کی عدم موجودگی میں گزرا ہے اور وہ تھائیس کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

مگر تھائیس کو زبردستی قافلے والے کیوں لے گئے؟ کہیں وُہ ڈاکو نہ ہوں۔ ضرور اس کے بعد ڈاکوؤں کا ادھر سے گزر ہُوا ہے اور وُہ تھائیس کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ عنبر نے گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں پر اُس طرف چلنا شروع کر دیا جدھر ڈاکو اُس کے خیال کے مطابق گئے تھے۔ وُہ چلتا رہا، چلتا رہا۔ مگر ڈاکوؤں کا کہیں سُراغ نہ ملا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نشان ریت پر برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ رات گہری ہونے لگی۔ مگر عنبر نے اپنا تعاقب جاری رکھا۔ لیکن ڈاکو اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

جس وقت عنبر سمندر سے آدھے راستے پر پہنچا اُس وقت ڈاکو سمندر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ جہاں ایک چھوٹا سا جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بادبان سمیٹے کھڑا لہروں پر ڈول رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اس نے جہاز کی طرف منہ کر کے زور سے آواز دی۔ جہاز پر سے بھی کسی نے اُس آواز کا اُسی طرح جواب دیا۔ تھائیں اونٹ کے کجاوے میں ڈاکوؤں کے پہرے میں بیٹھی روتی ہوئی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بے بس کر دی گئی تھی۔ اُسے رہ رہ کر عنبر کا خیال آ رہا تھا کہ جب واپس آکر وہ تھائیں کو وہاں نہیں پائے گا تو بے چارہ کس قدر پریشان ہوگا۔

اب جہاز کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر میں تیرتی کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ ڈاکوؤں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر سے لُوٹا ہوا سامان اُتارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے تھائیں کو بھی کجاوے سے اُتارا اور اُس کے بازوؤں کو رسّی سے باندھ ڈالا کشتی قریب آکر ساحلِ سمندر کے ساتھ لگ گئی۔ ڈاکوؤں نے جلدی جلدی سارا سامان اور تھائیں کو کشتی میں سوار کر دیا۔ کشتی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔ دوسرے پھیرے پر انہوں نے سارے گھوڑے اور اُونٹ کشتی میں لاد کر جہاز تک پہنچا دیے۔ تیسری بار سردار خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا اور جہاز پر آگیا۔

یہ بحری جہاز بھی ڈاکوؤں کے ایک ساتھی کا تھا جو اِس جہاز کا مالک بھی تھا اور کپتان بھی تھا۔ عرشے پر اُس نے ڈاکوؤں کے سردار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو گلے لگا لیا اور تھائیس کے بارے میں پوچھا کہ یہ عورت کہاں سے پکڑ کر لائے ہو۔ سردار نے کہا :

" یہ ایک مورتی ہے جسے میں نے بغداد کے صحرا سے پکڑا ہے اور اسے سارڈینیا کے بازار میں فروخت کر کے سونے کی اشرفیاں حاصل کروں گا ۔"

" بہت خوب ، آؤ دوست اب کچھ کھا پی لو ۔ تم بہت سفر کرتے کرتے تھک گئے ہو گے ۔"

" ضرور ، ضرور ۔"

کپتان نے حکم دیا : " بادبان کھول دو ۔"

اسی وقت ملاحوں نے جہاز کے بادبان کھول دیے ۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی جہاز نے مشرق کی سمت سمندر میں ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا ۔ تھائیس کو جس کوٹھڑی میں قید کیا گیا تھا وہ بڑی چھوٹی سی تھی اور اس کے اندر سے گندے پیازوں کی بدبو آ رہی تھی ۔ تھائیس بے حد غمزدہ اور پریشان بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ آدم خور وحشیوں کے چنگل سے بچی تو ان ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئی جو اسے سارڈینیا یا یروشلم میں جا کر فروخت کر دیں گے ۔

اسے اپنی قسمت پر رونا آ گیا ۔

عنبر ساری رات تھائیس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا ۔ گھوڑوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُموں کے نشان ریت پر چلتے چلتے اُسے ساحلِ سمندر پر لے آئے۔ اُس نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے ایک جگہ پہنچ کر یہ نشان رُک گئے تھے۔ وُہ سمجھ گیا کہ ڈاکو لوگ یہاں سے کسی جہاز یا کشتی میں سوار ہو کر چلے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ستھائیس کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہوں گے۔ اب اُس کا تعاقب کرنا بے سُود تھا۔ اس لیے کہ عنبر اپنے گھوڑے کو سمندر میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے کچھ دیر بیٹھ کر وہاں آرام کیا۔ ستھائیس کے مستقبل کے بارے میں غور کیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی جانب چل پڑا۔ عنبر اب واپس صحرا میں سفر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس خیال سے سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا کہ شاید کہیں سے اُسے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے جو اُسے لے کر ملک سندھ میں موہنجو داڑو کی طرف لے چلے۔

ڈاکوؤں کا جہاز ستھائیس کو لے کر کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اب اُس نے سمندر کے کنارے سے ہٹ کر کھُلے سمندر میں سفر شروع کر دیا تھا۔ ستھائیس نے گول گول کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اُسے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آیا۔ جہاز سارا دن اور ساری رات سفر کرتا رہا۔ اگلے روز اُسے غلام نے کھانا لا کر دیا۔ کھانا بڑا عمدہ تھا۔ اس میں زیتون کے تیل میں بھُنا ہوا مُرغ تھا اور ساتھ جَو کی روٹی اور انجیریں بھی تھیں۔ ستھائیس سمجھ گئی کہ اُس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاطر مدارات صرف اس لیے کی جارہی ہے کہ اُس کی صحت اچھی ہو جائے تاکہ منڈی میں اُس کی قیمت زیادہ پڑے۔ اُسے اپنے اُوپر ترس آ گیا۔ کیونکہ وہ ایک بھیڑ بکری تھی جسے منڈی میں بیچنے کے لیے پالا جا رہا تھا۔

عنبر کو سفر کرتے ہوئے چوتھا روز طلوع ہوا تو اُسے سمندر کے کنارے ذرا ہٹ کر ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہ پہاڑ کی طرف بڑھنے لگا۔ جُوں جُوں وہ پہاڑ کے قریب ہو رہا تھا۔ اُسے کھجوروں کے جُھنڈ اور مکانوں کی لال دیواریں بھی دکھائی دینے لگیں۔ دوپہر کے بعد وہ اُس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مگر عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہاں کوئی بھی انسان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ کچی گلیوں کے مکان سنسان کھڑے تھے۔ ان کے دروازے کھلے تھے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رُوحوں کا شہر

شہر کے مکان، گلیاں اور دکانیں اُجاڑ پڑی تھیں۔

دکانوں کے اندر سامان لگا تھا۔ مگر نہ کوئی خریدار تھا اور نہ کوئی دُکاندار ـــــ مکانوں پر بھی بھوتوں کا بسیرا تھا۔ ایک جگہ بازار میں چارے کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کو اُس چارے کے پاس کھلا چھوڑ دیا اور خود ویران آبادی کی سیر کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ اِس شہر کے لوگوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ چلتے چلتے وہ ایک مکان کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ یہاں ایک بوڑھا آدمی پتھر کے چبوترے پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ عنبر جلدی سے اُس کے قریب گیا اور اُس سے پُوچھا کہ اِس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے؟ بوڑھے کی آنکھیں بند تھیں۔ عنبر نے اُسے ذرا ہلایا تو وہ ایک دم زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے اُس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ وہ مر چکا تھا۔ عنبر گھبرا کر وہاں سے دوسری طرف چلا گیا۔ وہ بازاروں اور سنسان گلیوں میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک عورت پر پڑی جس نے رقاصاؤں کا سا لباس پہن رکھا تھا اور اُس کے پاؤں میں گھنگھرو چھن چھن کر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر بُت بنا اُس رقاصہ کی طرف دیکھتا رہا۔ رقاصہ نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور گلی میں مُڑ گئی۔ عنبر بھی اُس گلی میں آگیا۔ رقاصہ گلی کے سرے پر کھڑی اشارے سے عنبر کو اپنی طرف بُلا رہی تھی۔ عنبر اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ عورت ضرور کوئی چڑیل یا جن بھوت ہے۔ مگر وہ اُس اُجڑے ہوئے ویران شہر کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ رقاصہ چھن چھن کرتی عنبر سے کافی فاصلے پر چلی جارہی تھی۔ وہ ہر موڑ مُڑنے سے پہلے عنبر کو پلٹ کر دیکھتی اور اپنے پیچھے چلے آنے کا اشارہ کرکے آگے چل دیتی۔ اُس کا پیچھا کرتے کرتے عنبر ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے پہنچ گیا جس کے باہر پتھر کے چوڑے سے پیالے میں آگ جل رہی تھی۔ پُراسرار عورت اس عمارت کے دروازے میں داخل ہوگئی۔ عنبر بھی آگے بڑھا۔ وہ عمارت ایک بہت بڑا مندر تھا۔ جس کے دروازے پر بھینسے کا بُت بنا ہوا تھا۔ پُراسرار رقاصہ نے اندر داخل ہونے سے پہلے عنبر کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ عنبر بلا خوف و خطر مندر کے دروازے میں سے داخل ہوکر اندر چلا گیا۔

یہ ایک عبادت گاہ تھی جس کے دالان میں جگہ جگہ پتھر کے بُت بنے تھے۔ یہ سارے کے سارے بُت جانوروں کے تھے جن میں بھینسے کا بُت سب سے بڑا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہاں جو قوم آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی وہ بھینسے کی پرستش کرتی تھی۔ اُسے تھائیس کا خیال آگیا جس نے کہا تھا کہ موہنجو داڑو میں اُس کے ماں باپ بھی بھینسے کی پُوجا کرتے تھے تو کیا وہ موہنجو داڑو پہنچ گیا تھا۔ مگر ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا جب کہ موہنجو داڑو وہاں سے سمندر کے سفر پر تھا اور وہاں پہنچنے کے لیے سمندر میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک راز تھا جسے عنبر حل کرنے کے لیے رقاصہ کے پیچھے پیچھے مندر کے ایک ایسے کمرے میں آگیا جہاں چبوترے پر آگ جل رہی تھی۔ وُہ ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ رقاصہ کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اُسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وُہ کہاں غائب ہو گئی؟

اِتنے میں اُسے گھنگھرؤں کے چھن چھن کی آوازیں سُنائی دیں۔

اُس نے دیکھا کہ وہی رقاصہ چبوترے پر نمودار ہوئی اور اُس نے آگ کے ارد گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ یہ رقص ایسا تھا کہ جیسے کوئی آسمان سے پری اُتر کر رقص کر رہی ہو۔ رقص کے ساتھ ساتھ وہ آگ کی پُوجا بھی کر رہی تھی۔ عنبر ستون کے ساتھ لگا خاموشی سے اُس پُر اَسرار عورت کو ناچتے دیکھتا رہا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ وہ عورت ناچ نہیں رہی بلکہ آگ کی پُوجا کر رہی ہے۔ وہ بار بار آگ کے سامنے جُھکتی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر پیچھے ہٹ جاتی۔ تھوڑی دُور پیچھے ہٹ کر وہ پھر آگے آتی اور آگ کے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھک جاتی ۔

جب وہ آگ کی پوجا سے فارغ ہو چکی تو قدم قدم چلتی عنبر کے پاس آکر رک گئی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے موتی جھلملا رہے تھے۔ اس نے بالوں میں سفید پھول لگا رکھے تھے۔ اس کے بازوؤں اور کلائی میں سونے کے کڑے تھے اور گلے میں ایک چاندی کا تعویذ تھا جس پر ستاروں کا طلسم بنا ہوا تھا۔ عنبر اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ عورت کون ہے ؟ کیا اس عبادت گاہ کی پجارن ہے یا کوئی چڑیل ہے ؟ اس عورت نے کہا :

"تمہارا نام عنبر ہے اور تم فرعون کے بیٹے ہو۔ تم دو ہزار سالوں سے زندہ ہو اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک کہ یہ زمین فنا نہیں ہو جاتی ۔"

ایک دم عورت کے منہ سے یہ بات سن کر عنبر بوکھلا کر رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس راز کو اس نے ہر ایک سے چھپا چھپا کر رکھا ہے اسے یہ اجنبی عورت ایک ہی سانس میں فاش کر دے گی ۔

"تم ۔۔۔ تم کون ہو دیوی ؟"

"میرا نام عنبرینہ ہے۔ میں دیوتا آمون کی دیو داسی ہوں۔ کیا تم عنبر نہیں ہو ؟"

"ہاں، میرا نام عنبر ہے اور باقی تم نے میرے بارے میں جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ کہا وہ ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں میرا یہ راز کیسے معلوم ہوا عنبرینہ!"

"میں دیوتا آمون کی دیوداسی ہوں۔ مجھے اس زمین کے سارے راز معلوم ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تھامیں — وہ عورت جو میرے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟"

دیوداسی عنبرینہ نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر مسکرا کر بولی:

"وہ عورت اس وقت سمندر میں ملک حلب کی طرف سفر کر رہی ہے۔ اسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"کیا وہ زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے؟"

"ہاں وہ زندہ ہے، مگر غم زدہ ہے۔ کیوں کہ اس نے سن لیا ہے کہ ڈاکو حلب یا یروشلم یا سارڈینیا لے جا کر اسے منڈی میں بھیڑ بکریوں کی طرح کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔"

"عنبرینہ! کیا تم اسے ڈاکوؤں کے پنجے سے بچا سکتی ہو؟ وہ عورت بھی دیوتا آمون کی پوجا کرتی تھی اور بڑی مصیبت زدہ ہے۔"

"نہیں عنبر! یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ میں تمہیں یہ تو بتا سکتی ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے؛ مگر یہ نہیں کر سکتی کہ اسے اٹھا کر تمہارے پاس لے آؤں یا اسے ڈاکوؤں سے بچا لوں۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے پُوچھا:

"یہ بتاؤ کہ اِس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے؟ یہ شہر ویران کیوں ہے؟"

"اِس شہر کو دیوتا آمون کی بددُعا لگی ہے۔ اس شہر کے لوگ گنہگار ہو گئے تھے۔ وُہ بے ایمان تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ چوری کرتے تھے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس گئے تھے۔ دیوتاؤں نے کئی بار اُنہیں نیکی کی طرف بُلایا اور گناہوں سے توبہ کرنے کو کہا مگر وُہ نہ مانے۔ پس دیوتاؤں نے انہیں زمین کے اندر غرق کر دیا۔ اُن کے مکان اور دُکانیں سبھی کی سبھی رہ گئیں۔ اب وُہ پھر کبھی اِس دُنیا میں نہیں آئیں گے۔ گناہ کرنے والے لوگوں کا ایسا ہی عبرت ناک انجام ہوتا ہے"

"عنبر بیٹا، میں اِس شہر سے نکل کر موہنجو داڑو جانا چاہتا ہُوں۔ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو؟ میں اُس ملک کا راستہ بھُول گیا ہُوں"

"تم اگر گھوڑے پر سفر کرو گے تو اُس ملک میں ایک مہینے کے بعد پہنچ سکو گے۔ پھر بھی تمہیں ایک مہینے کا سفر سمندر میں کرنا پڑے گا۔ مَیں تمہیں ہوا میں اُڑا کر وہاں نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اتنا ضرور کر سکتی ہُوں کہ تمہاری رہنمائی کر دوں اور تمہیں اُس شہر کا راستہ بتا دوں جہاں سے تم ایک بادبانی جہاز میں بیٹھ کر ملک سندھ اور پھر موہنجو داڑو پہنچ سکتے ہو"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس کے لیے بھی تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا عنبرینہ۔"

"میں تمہاری مدد کروں اور تمہیں صحرا میں سیدھا راستہ دکھاؤں! ورنہ تم اگر ساری زندگی بھی چلتے رہو تو موہنجو داڑو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ تم اپنی غلطی کی وجہ سے صحرا میں ایک گول دائرے کی صورت میں سفر کر رہے ہو۔"

"میں بھی حیران تھا کہ میرا سفر ختم کیوں نہیں ہوتا۔"

"تمہارا سفر کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

دیوداسی عنبرینہ عنبر کو ساتھ لے کر مندر سے باہر آگئی۔ شہر کی سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے عنبر نے اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے لیا عنبرینہ نے ایک ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر اسے بتایا:

"سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف سفر کرتے رہو۔ دو دن کے بعد تمہیں سمندر میں ایک دریا گرتا ہوا ملے گا۔ اب تم سمندر کو چھوڑ کر دریا کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چلنا شروع کر دینا۔ ایک رات اور ایک دن گزرنے کے بعد تم ازدمیر کے شہر میں پہنچ جاؤ گے۔ جہاں سے ملک روم اور ملک سندھ اور موہنجو داڑو کے لیے ہفتے میں ایک بار جہاز جاتے ہیں۔ بس اسی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہو کر تم ملک سندھ پہنچ سکتے ہو۔"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر دیوداسی سے رخصت ہوا اور اس نے سمندر کے ساتھ ساتھ اپنا سفر شروع کر دیا۔ گھوڑا اور وہ خود، دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تازہ دم تھے۔ اِس لیے شام تک وُہ بہت دُور نکل گئے۔ اب صحرا کی ریت کم ہوتی جا رہی تھی اور پتھریلی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور جھاڑیاں بھی مل رہی تھیں۔ راستے میں اُسے رات ہو گئی۔ اُس نے آرام کرنے کے لیے ایک جگہ درختوں کے نیچے گھوڑے کو باندھا اور چادر بچھا کر سو گیا۔ ساری رات وہ سویا رہا۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اور گھوڑا گھاس چر رہا تھا — قریب ہی ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ اُس نے وہاں سے منہ ہاتھ دھویا۔ گھوڑے کو پانی پلایا اور آگے چل پڑا۔

سارا دن وُہ پہلے روز کی طرح سفر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو ایک جگہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ وُہ رات بھی اُس نے سو کر بسر کی۔ دوسرے روز اُس نے ایک دریا کو دیکھا جو سمندر میں گر رہا تھا — دیوداسی نے اُس کی درست رہنمائی کی تھی۔ وُہ عنبرینہ کی ہدایت کے مطابق دریا کے اُوپر کی طرف چلنے لگا۔ دریا کنارے اونچی اونچی گھاس اُگی تھی۔ سارا دن وہ دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ رات کو وہ ایک جگہ سو گیا۔ تیسرے روز وہ سو کر اُٹھا تو سفر پھر سے شروع کر دیا۔ اب اُسے درختوں کی قطاریں نظر آنا شروع ہو گئیں اور دُور سے اُس نے ایک چھوٹی سی بستی کے آثار دیکھے۔ سمندر میں کہیں کہیں کشتیاں چل رہی تھیں اور دو ایک بادبانی جہاز بھی کھڑے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ جس شہر کے بارے میں دیوداسی نے بتایا تھا وُہ یہی شہر ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر شہر میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا شہر تھا جس کے چوک میں پھلوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ لوگ رنگ رنگ کپڑے پہنے چل پھر رہے تھے۔ کمہار مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ سنار زیور تیار کر رہا تھا۔ دھوبی تالاب پر کپڑے دھو رہا تھا۔ کچھ عورتیں لمبے لمبے بال کھولے، ہاتھوں پر پھل رکھے عبادت گاہوں کی طرف منہ میں کچھ پڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ عنبر بندرگاہ پر آگیا۔ یہاں ایک جہاز پر سامان لادا جا رہا تھا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا:

"بھائی یہاں سے ملک سندھ کو جہاز کب جائے گا؟"

"یہی جہاز ملک سندھ کو جا رہا ہے اے نوجوان، مگر یہ دو روز بعد تیسری رات کو اپنا سفر شروع کرے گا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟"

"میں بھی ملک سندھ کا مسافر ہوں۔"

"مگر یہ جہاز تو مال لے کر جا رہا ہے۔ اس پر مسافر سفر نہیں کر سکتے۔"

"مسافروں کو لے جانے والا جہاز کب جائے گا؟"

"وہ پچاس دن کے بعد یہاں سے روانہ ہوگا۔"

"کیا کسی طرح میں اس جہاز پر سفر نہیں کر سکتا؟"

"اس کے لیے تمہیں اس جہاز کے کپتان کی اجازت لینی ہوگی۔"

"کپتان سے میں کہاں مل سکتا ہوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کپتان بیمار ہے۔ وہ کسی سے نہیں ملتا۔ وہ تم سے بھی نہیں مل سکتا۔"

"اگر وہ بیمار ہے تو میں اُسے تندرست کر سکتا ہوں۔ میں بیماریوں کا علاج بھی کر لیتا ہوں۔"

"تم کپتان کی بیماری کا علاج کیا کرو گے۔ اُسے تو شہر کے سارے حکیم جواب دے گئے ہیں۔"

"اُسے کیا بیماری ہے؟"

"اُسے کل سے ہچکی لگی ہے اور بند ہونے کا نام نہیں لیتی۔"

"تم مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ میرے پاس اس بیماری کا علاج ہے۔"

"کیا تم مذاق تو نہیں کر رہے نوجوان؟"

"میں تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"تو آؤ میرے ساتھ۔"

وہ آدمی عنبر کو لے کر بندرگاہ کی عمارت کی ایک حویلی میں لے گیا جس کی ڈیوڑھی میں جہاز کے ملاح رونی صورت بنائے بیٹھے تھے۔ کیونکہ اگر کپتان ٹھیک نہ ہوا تو وہ جہاز لے کر نہیں جا سکتے تھے۔ ان کی ساری زندگی سمندر پر گزری تھی اور انہیں شہروں میں رہنا ایک عذاب معلوم ہوتا تھا۔ عنبر جس وقت اُس کمرے میں پہنچا جہاں جہاز کا کپتان پلنگ پر پڑا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد عورتیں اور مرد جمع ہیں۔ کپتان اونچی آواز میں ہچکیاں لے رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اُس کا بہت بُرا حال تھا۔ ہچکی لے لے کر اُس کا گلا بیٹھ گیا تھا اور نرخرے میں سے بڑی ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عنبر نے اندازہ لگایا کہ اگر ایک رات اور اُسے ہچکی لگی رہی تو وہ صبح تک مر جائے گا۔

اُس نے عورتوں اور مردوں کو پرے پرے ہٹا دیا اور کپتان کی نبض دیکھی۔ اُسے شدت کا بخار بھی تھا۔ عنبر نے اُس آدمی سے کہا:

"ان تمام عورتوں اور مردوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔"

کپتان نے بھی ہچکی لیتے لیتے عنبر کو تعجب سے دیکھا کہ یہ نوجوان سا لڑکا بھلا اُس کے لیے کیا کر سکتا ہے جب کہ بوڑھے بوڑھے حکیموں نے اُسے جواب دے دیا ہے۔ اُس آدمی نے کپتان کے کان میں کہا:

"یہ کہتا ہے کہ میں کپتان کا علاج کر لوں گا۔"

کپتان بول نہیں سکتا تھا۔ وہ مسلسل ہچکیاں لے رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے عورتوں اور مردوں کو کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا۔ تمام لوگ عنبر کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔ عنبر نے آدمی سے کہا:

"کہیں سے مجھے ایک خنجر لا دو۔"

اُس آدمی نے اُسی وقت ایک خنجر لا کر رکھ دیا۔ عنبر نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِس کپتان کے کوئی بچہ ہے ؟"

"ہاں اِس کی ایک بچی ہے جس سے یہ بہت پیار کرتا ہے"

"اُس بچی کو یہاں لے آؤ"

"وہ آدمی باہر گیا اور کپتان کی بچی کو لے آیا۔ عنبر نے بچی کو زمین پر بٹھا دیا اور اُس آدمی سے کہا :

"مَیں جو کہوں کرتے جانا اور سوال بالکل نہ کرنا۔ اتنا یقین رکھو کہ بچی کو کچھ نہیں ہوگا"

عنبر نے بچی کی مشکیں کس دیں۔ کپتان بڑے غصے سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر عنبر نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور کپتان کی بچی کے گلے پر اُلٹا پھیرنے لگا۔ بچی کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ساتھ ہی کپتان نے اُچھل کر عنبر کی گردن دبوچ لی۔

"مَیں تمہیں قتل کر دوں گا"

کپتان کی زبان سے یہ جملہ ادا ہُوا تو وہ خود حیرانی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ کیونکہ ہچکی کی وجہ سے وہ دو روز سے کوئی لفظ زبان سے ادا نہیں کر سکا تھا۔ اُس کی ہچکی دُور ہو چکی تھی۔ عنبر نے کپتان کی بچی کی مشکیں کھول دیں اور کہا :

"مَیں نے بچی کے گلے پر اُلٹی چھری پھیری تھی تاکہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن آپ کو یہی معلوم ہو کہ آپ کی پیاری بچی کو ذبح کیا جا رہا ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپتان نے حیرت سے پوچھا :

"مگر ایسا تم نے کیوں کیا ؟"

عنبر نے کہا :

"اس لیے کہ یہی آپ کی ہچکی کا علاج تھا۔ میں کوئی صدمہ ایک دم آپ کو پہنچانا چاہتا تھا تاکہ ہچکی ایک دم ٹوٹ جائے۔ دیکھ لیں آپ کی ہچکی ختم ہوگئی ہے اور اب کبھی شروع نہیں ہو گی"

کپتان، نوجوان عنبر کی عقلمندی اور حکمت پر بہت خوش ہوا۔

اُس نے کہا :

"تم ایک نہایت دانشمند اور مکمل حکیم ہو۔ تم کون ہو اور اس شہر میں کیسے آنا ہوا ؟"

"اے معزز کپتان، میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک نینوا سے آرہا ہوں اور ملک سندھ جانے کا ارادہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے ہر تیسرے ماہ ایک جہاز سندھ کو روانہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کپتان چاہے تو اس مال بردار جہاز میں بھی جگہ مل سکتی ہے جو تیسری رات کو یہاں سے روانہ ہو رہا ہے۔ پس میں نے آپ سے ملنے کا ارادہ کیا تو کسی نے بتایا کہ آپ شدید بیمار ہیں۔ میرے لیے یہ اچھا موقع تھا کہ آپ کو تندرست کرکے اپنی دلی مراد پاؤں"

"تو کیا تم سندھ جانے کا ارادہ رکھتے ہو ؟"

"ہاں اے معزز کپتان!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بے شک، یہ تمہارا حق بن گیا ہے۔ تم نے مجھے ایک ایسی المناک بیماری سے نجات دلائی ہے جس کے بارے میں مجھے سب لوگوں نے جواب دے دیا تھا۔ میں تمہیں ضرور اپنے ساتھ ملک سندھ لے چلوں گا۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر تم میرے جہاز پر ہی رہو۔ میں تمہیں ایک اچھا عہدہ پیش کروں گا۔"

"کپتان، میرے پاس بڑے عہدے تھے جنہیں میں ایک ایک کر کے ٹھکراتا کر آرہا ہوں۔ اب میرا ملک سندھ جانا ضروری ہے — تھائیس نام کی ایک بیوہ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس کے ماں باپ موہنجو داڑو میں رہتے ہیں۔ میں اس شہر کی سیر بھی کرنا چاہتا ہوں اور تھائیس کے ماں باپ کو اُن کی بیٹی کے بارے میں بھی اطلاع کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا وہ ڈاکو جہاز پر سوار ہو کر چلے گئے تھے؟"

"ہاں — مگر تمہیں کیسے پتہ چلا کپتان؟"

"اِس علاقے میں ڈاکوؤں کا ایک بہت بڑا گروہ قافلے لوٹتا پھرتا ہے۔ ان کا ایک ساتھی جہاز پر انہیں پناہ دیا کرتا ہے۔ وہ یقیناً تھائیس کو لے کر بندرگاہ انطاکیہ کی طرف گیا ہوگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں اب تھائیس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ اُسے انطاکیہ یا حلب شہر کی منڈی میں فروخت کر دیا جائے گا اور وہ باقی ساری زندگی کسی گمنام جگہ پر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معمولی کنیز بن کر گزارہ کرے گی۔"

عنبر نے کہا:

"بہرحال جو کچھ ہُوا اُس میں اب مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ عورت ایک رب پر ایمان لے آئی ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ جو بھی شخص ربّ واحد پر ایمان لاتا ہے زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور ربّ عظیم ہر تکلیف کے موقع پر اُس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ ربّ عظیم اس عورت کی ضرور مدد کرے گا۔"

کپتان نے مُسکرا کر کہا:

"اے نوجوان، تم ابھی بچے ہو۔ ربّ واحد پر ایمان لا کر تم زندگی میں زیادہ دُور تک نہیں چل سکتے۔ دیوتاؤں کو ناراض کر کے کوئی بھی انسان اِس دنیا میں زیادہ دیر خوش حالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔"

"جو کچھ بھی ہو مَیں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے مجھے اپنے جہاز پر ساتھ چلنے کی اجازت دی۔"

"شکر گزار تو میں ہُوں عنبر، کہ تم نے مجھے ایک منحوس بیماری سے نجات دلائی۔ تم اِس شہر میں کہاں اُترے ہُوئے ہو؟"

"کسی جگہ بھی نہیں، ہاں آج کسی کاروان سرائے کو تلاش کر لوں گا۔"

"تمہیں کاروان سرائے میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھر تمہارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا ہے۔ تم میرے گھر میں رہو اور پرسوں رات یہیں سے تم میرے ساتھ ملک سندھ کو روانہ ہو جانا۔"

"شکریہ اے معزز کپتان۔"

عنبر کپتان کے گھر رہنے لگا۔ دو روز یونہی گزر گئے۔ کپتان کے بارے میں عنبر کو معلوم ہوا کہ وُہ نہایت جفاکش اور بہادر شخص تھا اور سمندروں میں بچپن سے سفر کر رہا تھا۔ اُسے سمندری طوفانوں اور مہموں کا بہت تجربہ تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر ک ایک خوب صورت حویلی میں رہتا تھا جس کے دالان میں ایک بڑا خوب صورت سنگِ مرمر کا حوض تھا جس میں سُرخ رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ وُہ چھ مہینے سمندروں میں اپنے جہاز پر سفر کرتے گزارتا اور چھ مہینے اپنے گھر بیوی بچوں کے ساتھ بسر کرتا تھا

تیسرے روز شام کو عنبر کپتان کے ساتھ جہاز پر آ گیا۔

جہاز بندرگاہ پر تیار کھڑا تھا۔ سارا سامان جہاز پر لادا جا چک تھا۔ سارے ملاح اور جہاز کے ملازم تیار کھڑے کپتان کا انتظار ک رہے تھے۔ کپتان عنبر کے ساتھ جہاز پر سوار ہُوا تو جہاز کے بادبا کھول دیے گئے اور غلاموں نے کپتان کے حکم سے جہاز کی نچل منزل میں بڑے بڑے چپّو چلانا شروع کر دیے۔ جہاز بندرگاہ س آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف چلنے لگا۔ رات کا اندھ پھیل چکا تھا اور بندرگاہ پر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ ان مشعلو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی روشنی کا عکس سمندر کے پانی میں پڑ رہا تھا۔ جہاز پر بھی اسی قسم کی مشعلیں روشن تھیں۔ شہر میں بھی مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور اس نے دھکا دے کر جہاز کو بہت جلد بندرگاہ سے دُور کر دیا۔ جُوں جُوں جہاز سمندر میں جا رہا تھا بندرگاہ کی عمارتوں اور شہر کے مکانوں کی روشنیاں دور ہو رہی تھیں۔ کپتان جہاز پر کھڑا جہازیوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا شہر اور بندرگاہ کی روشنیوں کو دُور ہٹتے دیکھ رہا تھا۔ آخر یہ روشنیاں سمندر کی لہروں میں گم ہوگئیں اور جہاز کھُلے سمندروں میں پہنچ گیا۔

جہاز گھپ اندھیرے سمندر میں ملک سندھ کی طرف سفر کرنے لگا۔ جہاز کی روشنیوں کا عکس سمندر کی موجوں میں جھلملا رہا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور جہاز کے پیندے سے ٹکرانے والی موجوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ عنبر نے رات کا کھانا کپتان کے ساتھ کھایا۔ کھانا بڑا پُرتکلف تھا جس میں بھُنی ہُوئی بطخ اور مور کا گوشت بھی شامل تھا۔ ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ صبح سُورج نکلا تو عنبر نے دیکھا کہ چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا اور جہاز کھُلے بادبانوں کے ساتھ مشرق کی سمت چلا جا رہا تھا۔ کپتان نے نقشہ دیکھ کر اُسے بتایا کہ وہ ٹھیک راستے پر چلے جا رہے ہیں اور اگر راستے میں کوئی طوفان نہ آیا تو وُہ چار روز کے بعد سندھ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساحل پر جا لگیں گے۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ سمندر پُر سکون ہی رہے گا۔"

"یہ موسم طوفانوں کا نہیں، لیکن اِس سمندر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اِدھر پُر سکون موسموں میں بھی طوفان آ جایا کرتے ہیں۔"

دو روز تک جہاز بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ سمندر میں سفر کرتا رہا۔ تیسرے روز دوپہر کے وقت آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھانا شروع ہو گئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ کپتان نے کسی طوفان کے خیال کے پیشِ نظر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے دیں اور خود عنبر کے ساتھ عرشے پر کھڑا آسمان پر چھاتے بادلوں کو دیکھنے لگا۔ بادل گھرے ہوتے چلے جا رہے تھے اور ہوا بھی تیز ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ایکدم بادلوں میں چمک سی نمودار ہوئی اور بادل زور سے گرج اُٹھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موہنجوداڑو کی طرف

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ۔

شہروں کی بارش اور سمندر کی بارش میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ شہر میں بارش ہو تو انسان اپنے مکان کی بالکونی یا کھڑکی میں بیٹھا اُس کے نظارے سے لطف اُٹھاتا ہے ۔ مگر سمندر میں سفر کرتے ہوئے بارش آجائے تو اُس کے ساتھ طوفان بھی ضرور آتا ہے اور ایک بار تو آدمی گھبرا جاتا ہے ۔ چاروں طرف سمندر کی بپھرتی لہریں ہوتی ہیں جو دُور دُور سے دیوار کی طرح اُٹھ اُٹھ کر آتی ہیں اور جہاز کے پیندے سے ٹکرا کر اُسے اُچھال کر اپنے ساتھ بہا لے جانے کی کوشش کرتی ہیں ۔ جہاز طوفان، بارش اور بپھرتی موجوں میں کھلونے کی طرح اِدھر سے اُدھر ڈولنے لگتا ہے ۔ آج کل تو بحری جہاز بڑے مضبوط اور لمبے چوڑے ہوتے ہیں ۔ اُن کا وزن بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور تھوڑا بہت طوفان تو انہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا ۔ لیکن آج سے چار ہزار برس پہلے کے بادبانی جہاز چھوٹے، کمزور اور کم وزن دار ہوتے تھے ۔ اس کے باوجود وہ لوگ اُن جہازوں سے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ۔ لمبے لمبے سفر کرتے اور نئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نئے جزیروں کو دریافت کرتے۔ پھر بھی اگر طوفان ایک خاص حد سے بڑھ جاتا تو وہ بڑی تیزی سے ڈوب بھی جاتے تھے۔

عنبر جس بادبانی جہاز پر سوار تھا وہ بھی کوئی طاقت ور جہاز نہیں تھا۔ طوفان نے شدت اختیار کی تو وہ بُری طرح ڈولنے لگا۔ عنبر عرشے پر کھڑا تھا۔ اُسے چکر آنا شروع ہو گئے۔ سمندر کی لہریں عرشے پر پانی پھینک رہی تھیں اور ملّاح اُس پانی کو لکڑی کی بڑی بڑی بالٹیوں کے زریعے واپس سمندر میں پھینک رہے تھے۔ کپتان چرخی پر کھڑا جہاز کو پوری طرح سنبھالے ہوئے تھا اور چیخ چیخ کر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ طوفان کی رفتار کافی تیز تھی۔ بادبان کئی جگہوں سے پھٹ گئے تھے۔ بادبان کا ایک ڈانڈ ٹوٹ کر گر پڑا تھا اور جہازی اُسے اٹھا کر دوبارا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساری رات طوفان جاری رہا۔ صبح ہوئی تو طوفان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بارش تھم گئی تھی اور سمندر کی بپھری ہُوئی موجیں معمول پر آگئی تھیں۔ کپتان رات بھر چرخی پر کھڑا جہاز کو سیدھا رکھنے اور تباہ ہونے سے بچانے کی جدوجہد کرتا رہا تھا۔ طوفان کے تھمتے ہی وُہ ایک تختے پر پڑ کر گہری نیند سو گیا۔

ملک سندھ کا ساحل وہاں سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ طوفان نے اُنہیں تھوڑا سا اصل راستے سے دُور کر دیا تھا۔ جہاز اب پھر سیدھے راستے پر جا رہا تھا۔ اس اعتبار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جہاز کو اگلے دن صبح کو سندھ کے مغربی ساحل پر جا لگنا تھا۔ دن بھر جہاز کی ضروری مرمت ہوتی رہی۔ لہروں نے جو توڑ پھوڑ کی تھی اُس کی دوبارا مرمت کر دی گئی تھی۔ پھٹے ہُوئے بادبان کو سی کر دُرست کر دیا گیا تھا۔ مستول کو بھی میخیں ٹھونک کر جوڑ دیا گیا۔ تیسرے پہر کپتان سو کر اٹھا تو عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھنے لگا۔

آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہُوئے تھے۔ سمندر کی لہریں پُرسکون تھیں اور حدِ نظر تک سمندر خاموش تھا۔ کپتان نے کہا:

" اگر سمندر اسی طرح پُرسکون رہا تو ہم کل صبح ساحل پر پہنچ جائیں گے۔ "

عنبر نے کہا:

" میرا خیال ہے کہ اب طوفان نہیں آئے گا۔ "

کپتان نے فضا میں سُونگھتے ہوئے کہا:

" سمندر کے طوفان کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ خاص طور پر برسات کے دنوں میں تو اس میں کسی وقت بھی طوفان آ سکتا ہے۔ یہ فارس کا سمندر ہے۔ اس کے طوفان بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ دیوتاؤں نے ہم پر مہربانی کی جو رات والا طوفان خیریت سے گزر گیا۔

صبح اُٹھتے ہی کپتان نے بھینسے کا ایک بُت جہاز کے عرشے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر لا رکھا اور سارے ملاحوں کے ساتھ مل کر وہ اُس کی پُوجا کرنے اور بلند آواز میں منتر پڑھتے ہُوئے طوفان سے بچ نکلنے پر اُس کا شکریہ ادا کرنے لگے ۔ ابھی وُہ اپنے دیوتا بھینسے کا پورا شکریہ ادا نہیں کر سکے تھے کہ سمندر پر دُور ایک سیاہ دھبّہ نمودار ہُوا ۔ کپتان نے بُت کی پُوجا کرتے ہوئے ایک آنکھ کھول کر اُس دھبّے کو دیکھا اور دوبارا آنکھ بند کر کے عبادت میں مصروف ہو گیا ۔ وہ یہ سمجھا کہ کوئی تجارتی جہاز ہے ۔ کافی دیر پُوجا پاٹ کرنے کے بعد ملّاح اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور کپتان عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ۔ اب وُہ دھبّہ کافی بڑا ہو گیا تھا اور اُس کے بادبان صاف دکھائی دینے لگے تھے ۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی تجارتی جہاز ہے ۔"

کپتان نے بڑے غور سے اُس جہاز کے بادبان کو تکتے ہُوئے کہا :

"تجارتی جہاز ہی معلوم ہوتا ہے ۔ مگر یہ تجارتی جہازوں کے آنے کا راستہ نہیں ہے ۔ تجارتی جہاز عام طور پر جنوب مغرب سے نمودار ہُوا کرتے ہیں ۔ شاید یہ کوئی ایسا جہاز ہے جو راستہ بھُول گیا ہے ۔"

جہاز اب کافی قریب آ گیا تھا ۔ اچانک کپتان کا رنگ زرد پڑ گیا اور اُس کے مُنہ سے نکل گیا ۔

"یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے !"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ ہی کپتان نے چیخ کر اعلان کیا کہ ملّاح ہوشیار ہوجائیں۔ مال کے اوپر گھاس پھونس ڈال دیا جائے۔ تلواریں نیام سے باہر کھینچ لی جائیں اور جہاز کی رفتار کو تیز کرکے اُس کا رُخ مغرب کی طرف موڑ دیا جائے۔ کپتان کے حکم پر فوراً عمل کیا گیا۔ جہاز کا رُخ مغرب کی طرف موڑ کر اُس کی رفتار بڑھادی گئی۔ ملّاحوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں اور وہ جہاز کو غور سے دیکھنے لگے۔

ڈاکوؤں کے جہاز نے بھی شاید کپتان کے اعلان کو سُن لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جہاز کا رُخ بھی مغرب کی طرف موڑ کر اُس کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ ڈاکوؤں کا جہاز چھوٹا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر طرف آسانی سے مُڑ سکتا تھا اور اس کی رفتار بھی تیز تھی؛ چنانچہ وُہ بہت جلد اُن کے جہاز کے سر پر آن پہنچا۔ ڈاکو سروں پر سیاہ رومال باندھے ہاتھوں میں عُریاں شمشیریں لیے عنبر کے جہاز پر چھلانگیں لگانے کو تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے کپتان کے جہاز پر منجنیقوں کی مدد سے دو بڑے بڑے پتھر بھی پھینکے۔ ان پتھروں نے جہاز کے فرش کو دو جگہوں سے توڑ پھوڑ دیا۔ کپتان بے حد پریشان تھا اور پاگلوں کی طرح جہاز پر اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز جوں ہی کپتان کے تجارتی جہاز کے قریب سے گزرا، ڈاکوؤں نے چیخیں مارتے ہوئے چھلانگیں لگا دیں اور عرشے پر خوفناک جنگ شروع ہوگئی۔ تجارتی جہاز کے ملّاح آرام طلبی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے عادی ہو گئے تھے۔ انہیں کبھی تلوار بازی کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جب کہ ڈاکو تلوار چلانے اور مقابلہ کر کے دشمن کو ہلاک کرنے کے عادی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تجارتی جہاز کے ملاح ایک ایک کر کے قتل ہونا شروع ہو گئے اور ڈاکوؤں نے چند ہی لمحوں بعد تجارتی جہاز پر قبضہ کر لیا اور کپتان کو گرفتار کر کے مستول کے ساتھ باندھ دیا۔ ابھی انھوں نے سامان لوٹ کر اپنے جہاز پر ڈالنا شروع نہیں کیا تھا۔

ایک ڈاکو نے عنبر کو مال کی بڑی بڑی گٹھڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھا تو اُسے کھینچتا ہُوا اُوپر عرشے پر لے آیا۔

"سردار، یہ نوجوان نیچے چھپا ہُوا تھا۔"

ڈاکوؤں کے سردار نے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھور،

اور پُوچھا:

"تم کون ہو نوجوان؟"

"مَیں ایک مسافر ہُوں اور اس جہاز پر سفر کر رہا تھا۔"

"تم چُھپ کیوں گئے تھے؟"

"جان بچانے کے لیے۔"

"مگر جان تو تمہاری پھر بھی نہ بچ سکی۔"

"ٹھیک ہے، اگر تم مجھے قتل کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو بے شک قتل کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردار نے غصّے میں عنبر کی طرف دیکھا :

"کیا بکواس کرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ مَیں تمہیں قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا!"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"میرا خیال ہے کہ تم ایک احمق ڈاکو ہو اور تمہاری موت گھیر کر تمہیں میرے پاس لے آئی ہے۔ خیریت تمہاری اسی میں ہے کہ ہمارے جس جس ملاّح کو تمہارے آدمیوں نے قتل کیا ہے اس کا تاوان ادا کر دو اور اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ، ورنہ تم اور تمہارے ساتھی تمہارے جہاز سمیت یہاں بھسم کر دیے جاؤ گے۔"

سارے جہاز پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کپتان بھی رسیوں میں بندھا ہوا تھرتھر کانپنے لگا۔ عنبر کے منہ سے جو فقرے نکلے تھے وُہ بجلی بن کر ڈاکوؤں اور اُن کے سردار پر گرے۔ سردار کا چہرہ غصّے میں لال ہوا، پھر سیاہ اور پھر سفید پڑ گیا۔ اس نے تلوار کو فضا میں لہرایا اور چیخ مار کر عنبر کے سر پر حملہ کر دیا۔ تلوار عنبر کے سر پر لگی تو چھن کی آواز آئی جیسے کسی چٹان سے ٹکرائی ہو۔

سردار نے دوسری بار اُس سے زیادہ طاقت کے ساتھ وار کیا۔ ایک بار پھر چھناکے کی آواز آئی اور اس کی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ سردار نے بجائے اس پر غور کرنے کے کہ ایسا کیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا ہے۔ اُس نے ایک اور تلوار سنبھالی اور عنبر کے جسم پر وحشیوں کی طرح پے در پے حملے کرنے شروع کر دیے۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اُس کے جسم کے ٹکڑے اُڑ جاتے۔ اُس کا جسم قیمہ قیمہ ہو جاتا۔ مگر عنبر جُوں کا تُوں کھڑا تھا۔ اُس کے جسم پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی۔ اب کپتان اور ڈاکوؤں کے علاوہ سردار بھی بھونچکا سا ہو کر رہ گیا کہ آخر یہ کیسا انسان ہے کہ اس پر تلوار کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا۔ عنبر نے ایک ڈاکو سے تلوار چھین کر کہا:

"اے ڈاکوؤں کے ظالم سردار، اب میری باری ہے۔ تُو نے مجھ پر اتنے وار کیے ہیں۔ اب ایک وار میرا بھی برداشت کر کے دکھا۔"

اِتنا کہہ کر عنبر نے ربِ عظیم کا نام لے کر تلوار کو فضا میں اُچھال دیا۔ تلوار فضا میں جا کر لٹک گئی اور اُس میں سے آگ کے شعلے نکل کر آسمانی بجلی کی طرح ڈاکوؤں پر گرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی ڈاکو آسمانی آگ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ باقی ڈاکوؤں نے اپنے جہاز سے چھلانگ لگا دی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے دونوں ہاتھ جوڑے اور دو زانو ہو کر عنبر کے آگے جُھک گیا۔

"اے دیوتا، ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے گناہ کیا ہے۔ ہم سے بھول ہو گئی۔ اے دیوتا، ہم پر رحم کر۔ ہم کو معاف کر دے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپتان مستول کے ساتھ بندھا یہ سارا ماجرا تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا :

" تو نے ہمارے جتنے ملاح قتل کیے ہیں اُس کا تاوان ادا کرو "

سردار نے گڑگڑا کر کہا :

" میں ہر قیمت دینے کو تیار ہوں، اے دیوتا ! "

عنبر نے اشارا کیا۔ تلوار فضا میں سے نیچے گر پڑی۔ ڈاکوؤں کا سردار سجدے میں گر پڑا۔ پھر ہاتھ جوڑ کر بولا :

" حکم کرو اے مقدس دیوتا ! "

" فوراً سونے کی اشرفیوں کی دس بوریاں اس جہاز پر پہنچاؤ ! "

" جو حکم اے مقدس دیوتا ! "

ڈاکوؤں کے سردار نے اُسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا :

" اشرفیوں کے دس توڑے فوراً اِس تجارتی جہاز پر لا کر رکھ دیے جائیں ! "

سردار کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور ڈاکو لپک کر اپنے جہاز پر گئے اور سونے سے بھری ہوئی اشرفیوں کے توڑے لے کر کپتان کے جہاز پر لا کر عنبر کے قدموں میں رکھ دیے۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا :

" اب اِس جہاز سے دفع ہو جاؤ۔ اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جاؤ اور خبردار پھر کسی جہاز پر حملے کی جرأت نہ کرنا ! "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسا ہی ہو گا۔"

ڈاکوؤں نے سر جھکا کر کہا اور اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔ اُس جہاز کے بادبان کھول دیے گئے اور وہ مشرق سے مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر نے کپتان کو مستول سے کھولا تو وہ بھی ہاتھ جوڑ کر دو زانو ہو گیا۔

"تم دیوتا ہو، میں تمہاری پوجا کرتا ہوں۔"

عنبر نے کپتان کو اٹھایا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"میں دیوتا نہیں ہوں کپتان، بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر دیوتاؤں نے کچھ وعدے کیے ہیں جنہیں وہ پورا کر رہے ہیں۔ اٹھو اور سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے ان توڑوں کو آپس میں تقسیم کر لو۔"

"کیا یہ سب ہمارے ہیں؟" کپتان نے حیرانی سے پوچھا۔

"تو اور کس کے ہیں!" عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا اِن میں سے ایک تھیلی تم اپنے لیے نہ رکھو گے؟"

"نہیں کپتان، مجھے سونے کی اشرفیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے سونا ایک بے کار شے ہے، مٹی ہے۔ میں اِسے لے کر کیا کروں گا؟ بہتر ہے کہ تم اس کو کچھ آپس میں تقسیم کر لو اور باقی اُن ملاحوں کے بال بچوں کے لیے رکھ چھوڑو جنہیں ڈاکوؤں نے قتل کر دیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپتان نے کہا :

"اے مقدس دیوتا عنبر، تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔ اگر آج تم یہاں نہ ہوتے تو ڈاکو ہمارے جہاز کو لوٹ کر آگ لگا دیتے اور ہم سب کو قتل کر دیتے :"

سارے ملاح کپتان کے ساتھ عنبر کے آگے جُھک گئے۔ عنبر نے انہیں بلند آواز سے کہا :

"میرے آگے مت جُھکو، مَیں اِس قابل نہیں ہُوں بلکہ اُس عظیم ہستی کے آگے جُھکو، جس کے آگے مَیں، تمہارے پتھر کے بُت اور اِس دُنیا کی ہر شئے جُھکتی ہے :"

"وُہ کون ہے اے مقدس دیوتا ؟"

"وُہ ربِّ عظیم ہے :"

"مگر اُس کا بُت کہاں ہے ؟"

اُس کا بُت کہیں نہیں ہے اِس لیے کہ وُہ بتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ سارے بُت اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ اُس کی کوئی شکل نہیں۔ وُہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر شے کو دیکھتا اور ہر بات کو سُنتا ہے اور ہم لوگوں کے دلوں کے اندر چھپی ہُوئی باتوں کو بھی جانتا ہے :"

"اے مقدس انسان، ہم تمہارے ربِّ عظیم پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر ہمارے پتھر کے بُت کچھ کر سکتے تو ہمیں ضرور ان ڈاکوؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نجات دلاتے، مگر اُنھوں نے ایسا نہ کیا۔ وُہ ایسا نہ کر سکے؛ حالانکہ ہم صدیوں سے اُن کی پُوجا کرتے آتے ہیں۔"

"اس لیے کہ وُہ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔ وُہ محض پتھر کا ٹکڑا ہیں۔ تم اگر انہیں زمین پر پھینکو تو وُہ ٹُوٹ پھُوٹ جائیں گے۔ ان کو چھوڑ کر آج سے اُس ایک ربّ عظیم کی عبادت کرو جو آسمانوں زمینوں اور چاند ستاروں کا ربّ ہے۔"

"ہم آسمانوں، زمینوں اور چاند ستاروں کے ربّ پر ایمان لاتے ہیں۔"

سارے ملّاحوں نے کپتان کے ساتھ مِل کر نعرہ بلند کیا۔ کپتان نے سونے کی اشرفیاں ملّاحوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ پانچ بوریوں کو اُس نے مساوی طور پر تقسیم کر کے اُن ملّاحوں کے بچّوں کے لیے رکھ لیا جو ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ ڈاکوؤں کا جہاز آنکھوں سے اوجھل ہو چُکا تھا۔

اب دُور سے زمین کی سیاہ لکیر دکھائی دینے لگی۔ ملّاحوں نے خوشی کے عالم میں جہاز پر شور مچا دیا کہ زمین نظر آ گئی۔ یہ سیاہ لکیر آہستہ آہستہ قریب آتی چلی گئی اور پھر دُور سے درختوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ ملک ہندھ کے ساحل پر جہاز پہنچ گیا تھا۔ ساحل کے ساتھ لگتے ہی عنبر نے کپتان سے کہا کہ اب وہ جا رہا ہے اور پھر کبھی اُس سے ضرور ملے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں خوش قسمت ہوں گا عنبر، اگر تم سے پھر ملاقات ہو گئی۔"

"میں موہنجو داڑو جا رہا ہوں۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو ضرور ملاقات کروں گا۔ ہو سکتا ہے، مجھے تمہارے ہی جہاز پر واپسی کا سفر کرنا پڑے۔"

"میں ہر پھیرے پر تمہارا انتظار کیا کروں گا۔"

عنبر کپتان سے رخصت ہو کر بندرگاہ سے باہر نکل آیا۔ یہ ملک سندھ کی کوئی بندرگاہ تھی جہاں کچے مخروطی مکان کھڑے تھے۔ محصول لینے والے جگہ جگہ مسافروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک سپاہی نے عنبر کی بھی تلاشی لینے کی کوشش کی۔ عنبر نے کہا کہ اُس کے پاس سوائے دو کپڑوں کے جو اُس نے پہن رکھے ہیں اور چند اشرفیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر سپاہی نے عنبر کے ساتھ گستاخی کی اور اُسے گردن سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

عنبر نے اپنا بایاں ہاتھ سپاہی کی گردن پر رکھ دیا۔ سپاہی تڑپ کر پرے جا گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر نے اپنے کپڑے سمیٹے اور بندرگاہ کی عمارت سے باہر نکل کر بازار میں آ گیا۔ یہاں دکانیں کھلی تھیں اور سائبانوں کے نیچے لوگ تربوز اور مٹی کے کھلونے اور صراحیاں فروخت کر رہے تھے۔ عنبر نے ایک دکاندار سے پوچھا کہ موہنجو داڑو وہاں سے کتنی دور ہے۔

دکاندار نے اُسے بتایا کہ موہنجو داڑو وہاں سے کافی دور ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ایک قافلہ آج آدھی رات کو وہاں سے چلے گا۔ عنبر نے اس قافلے میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور اس کاروان سرائے کی طرف چل پڑا جہاں وہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصر کا بازار

تھائیس جس بحری جہاز میں سوار تھی وہ شمالی افریقہ کے ساحل پر جا کر رُک گیا۔

جس ڈاکو نے تھائیس کو صحرا میں سے اغوا کیا تھا اُس نے اُسے یرموک شہر کے ایک بردہ فروش قاچان کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ قاچان غلاموں اور کنیزوں کی تجارت کرتا تھا اور یرموک شہر کے باہر اس کی ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ اِس حویلی میں وہ تھائیس کو لے آیا اور اُس نے اپنے گھر اُسے دُوسری کنیزوں کے حوالے کر دیا۔ یہ ساری کنیزیں مختلف ملکوں سے خریدی گئی تھیں۔ انہیں ڈاکو اغوا کر کے لائے تھے اور قاچان کے ہاتھ فروخت کر گئے تھے۔ یہ تمام بدنصیب اور غمزدہ عورتیں تھیں۔ مگر چونکہ اُسے معلوم تھا کہ اب وہ وہاں سے فرار ہو کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ اس لیے وُہ صبر شکر کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ ان کی قسمت میں ہی یہی لکھا تھا؛ لہٰذا اُنہوں نے اپنی قسمت کے لکھے کو قبول کر لیا تھا۔

ایک نئی کنیز تھائیس کو دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئیں اور اُنہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صدمہ بھی ہُوا۔ اُنھوں نے تھائیس سے پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس ملک سے آئی ہے؟ تھائیس نے اُنہیں شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔ کنیزوں نے اُسے حوصلہ دیا۔ ایک سُرخ بالوں والی کنیز نے کہا:

"میں ملک یرشغال سے آئی ہُوں۔ مجھے ایک ڈاکو نے اغوا کر لیا تھا۔ میری ماں اور بہن بھائیوں کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ پھر بھی اب میں نے صبر کر لیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی اور ہم دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔"

لیکن تھائیس اب دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ دیوتاؤں پر سے اُس کا اعتقاد اُٹھ گیا تھا۔ وہ عنبر کے رب عظیم پر ایمان لے آئی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اُس کا رب عظیم ایک نہ ایک دن ضرور اُس کی مدد کرے گا اور وُہ اِس ذلیل قاچان کی قید سے آزاد ہو کر موہنجو داڑو اپنے ماں باپ کے پاس پُہنچ جائے گی۔ اُسے عنبر کا کبھی کبھی خیال آتا تو اُس کا دل اُداس ہو جاتا۔ وہ سوچتی کہ جانے وہ کہاں ہو گا اور اُسے معلوم بھی ہو گا یا نہیں کہ تھائیس کو ڈاکوؤں نے اغوا کر کے یرموک شہر میں فروخت کر دیا ہے اور اب ظالم بردہ فروش قاچان کے حرم میں ایک کنیز کی گمنام زندگی بسر کر رہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تھائیس، کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کرلو۔ آج کچھ لوگ ہمیں دیکھنے آرہے ہیں۔"

ایک کنیز نے تھائیس کے پاس آکر کہا۔ تھائیس نے پوچھا:

"وہ ہمیں کس لیے دیکھنے آرہے ہیں براکمہ؟"

"اگر ہم میں سے کوئی کنیز انہیں پسند آگئی تو وہ اُسے خرید کر لے جائیں گے۔"

"وہ خرید کر کہاں لے جائیں گے؟"

"یہ مجھے کیا معلوم؟"

براکمہ چلی گئی اور تاپہان اندر آگیا۔ اُس نے زور سے ہنٹر زمین پر پٹخ کر کہا:

"سب کنیزیں نئے نئے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کرلیں۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ مجبوراً دوسری کنیزوں کے ساتھ تھائیس کو بھی نئے کپڑے پہنا کر اُس کا بناؤ سنگار کیا گیا۔ بناؤ سنگھار کے بعد وہ بہت خوب صورت نظر آنے لگی۔ دوسری کنیزوں نے رشک سے کہا:

"دیکھو تھائیس کتنی حسین ہے۔ وہ تو شہزادی لگ رہی ہے۔ اسے ضرور آج پسند کر لیا جائے گا۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں اپنے پسند کرنے والوں کو۔"

"آہستہ بولو تھائیس، نہیں تو ظالم تاپہان تمہاری کھال اُدھیڑ دیگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس خاموش ہوگئی۔ دوپہر کو کچھ بردہ فروش آئے اور اُنہوں نے تھائیس کو پسند کرکے اُسے خرید لیا۔ تاچان کو اُس کی قیمت ادا کی اور تھائیس کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اُس زمانے میں ملک مصر میں بازار لگا کرتا تھا جہاں دُنیا جہان کے غلام اور کنیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ بازار اس وقت ساری دُنیا میں بہت مشہور تھا۔ امیر لوگوں کے ملازم دُور دُور سے آتے تھے اور اپنے آقاؤں کے لیے غلام خرید کر لے جاتے تھے۔ یرموک سے تھائیس کو ایک اونٹنی پر بٹھا دیا گیا اور دو روز کی مسافت کے بعد اسے مصر میں لایا گیا۔

مصر میں تھائیس ایک مکان میں بند کر دی گئی۔ بردہ فروش اُس روز کا انتظار کرنے لگے جس روز مصر میں غلاموں اور کنیزوں کی فروخت کا بازار لگنا تھا۔ تھائیس کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی عورت رکھ دی گئی اور مکان کے باہر تلوار والے سپاہی کا پہرہ لگا دیا گیا۔ بوڑھی عورت تھائیس کا بہت دل بہلاتی مگر تھائیس ہر وقت غم زدہ رہتی۔ ایک روز اُس عورت نے کہا:

"تھائیس، تو کب تک اُداس رہے گی۔ اب تمہاری زندگی اسی طرح گزرے گی۔ تُجھے چاہیے کہ پُرانی زندگی کو بُھلا دے۔ اُسے یاد نہ کر۔ اب نئی زندگی کو قبول کرلے۔ اس لیے کہ یہی زندگی تمہاری اصلی زندگی ہے۔ تو اگر چاہے بھی تو یہاں سے کبھی آزاد ہوکر کہیں

بھاگ نہیں سکتی۔ اگر کنیز نے بھاگنے کی کوشش کی تھی، اُسے بردہ فروشوں نے قتل کر دیا اور لاش اِسی مکان کے صحن میں دفن کر دی!"

یہ سُن کر ایک بار تو تھائیس کانپ گئی۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ جب سے اُس نے ربِ عظیم پر اعتقاد کیا تھا اور وہ ایک رب پر ایمان لائی تھی۔ اُس کے اندر سے خوف اور موت کا ڈر دُور ہو گیا تھا۔ وُہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی۔ اُسے یقین تھا کہ وُہ ایک نہ ایک دن یہاں سے ضرور فرار ہو جائے گی۔ اُس کی قسمت میں کنیزوں اور غلاموں ایسی زندگی نہیں لکھی ہے۔ بوڑھی کنیز نے اُسے لاکھ ڈرایا تھا، دھمکایا تھا۔ مگر تھائیس پر اُس کا ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہُوا تھا۔ اُس نے بوڑھی عورت کو تو کچھ نہ کہا لیکن دل ہی دل میں ربِ عظیم سے دُعا مانگی کہ وُہ اس کی مدد کرے اور اُسے ان بردہ فروشوں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائے۔

آخر وُہ دن بھی آ گیا جب مصر کے بازار میں غلاموں اور کنیزوں کی منڈی لگی۔ تھائیس کو بردہ فروش دوسری چُنی ہُوئی خوبصورت کنیزوں کے ساتھ لے کر منڈی میں آ گئے۔ اُسے ایک سجے سجائے چبوترے پر قطار میں بٹھا دیا گیا۔ ایک غلام نے کھڑے ہو کر کنیزوں کو باری باری پُکارنا شروع کر دیا۔ اپنی باری پر ایک کنیز آ کر چبوترے پر کھڑی ہو جاتی۔ غلام اُونچی آواز میں اُس کنیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے خاندان، اُس کی شرافت، وفاداری، خدمت گزاری اور اچھی عادتوں کی تعریف شروع کر دیتا۔ چبوترے کے سامنے کھڑے لوگ غلام کے لفظوں کو غور سے سُنتے اور پھر کنیز کو دیکھتے اور کوئی نہ کوئی بولی دے کر اُسے خرید لیتا۔

اسی طرح تھائیس کی باری بھی آگئی۔

غلام نے تھائیس کی تعریف کرنی شروع کر دی کہ وُہ بڑے اُونچے خاندان کی عورت ہے۔ وُہ ایک شریف اور نیک عورت ہے۔ وُہ بہت محنتی عورت ہے۔ وہ کنیز بن کر گھر کا سارا کام کاج سنبھال سکتی ہے۔ وُہ بھُوکی رہ کر بھی کام کر سکتی ہے۔ اِس کا کوئی بچہ نہیں ہے جو اسے پریشان کرے اور جس کی خاطر وہ کام چور بن جائے مجمع میں کھڑے لوگ بڑے غور سے یہ سب کچھ سُن رہے تھے اور تھائیس کو بھی غور سے دیکھ رہے تھے۔ تھائیس ریشمی لباس میں بڑی بارُعب لگ رہی تھی اور اُس کے چہرے پر ایک وقار اور عظمت دکھائی دے رہی تھی۔

مجمع میں سے ایک سیاہ فام آدمی آگے بڑھا جس کی ایک آنکھ کانی تھی، لیکن جس کے کانوں اور گلے میں بڑے قیمتی ہیرے جگمگا رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی ملک کا بہت امیر کبیر آدمی ہے۔ اُس نے بڑھ کر تھائیس کی بولی دس ہزار دی۔ ایک اور شہزادے نے بیس ہزار کر دی۔ سیاہ فام نے چالیس ہزار کی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگائی۔ بردہ فروش بڑا خوش ہو رہا تھا کہ اس کے مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت پڑ رہی ہے۔ ہوتے ہوتے بولی ایک لاکھ بیس ہزار ریال پر جا کر رُک گئی۔ سیاہ فام کانے نے گردن فخر سے بلند کر کے چاروں طرف دیکھا جیسے کوئی ہے جو اس سے بڑھ کر بولی دے؟ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ شہزادہ بھی بھاگ گیا تھا۔

بردہ فروش نے بلند آواز میں چیخ کر کہا:

" ایک لاکھ بیس ہزار ریال ایک — ایک لاکھ بیس ہزار ریال دو — اور ایک لاکھ بیس ہزار ریال تین "

مجمع تالیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ بردہ فروش نے رقم گن کر اپنی جیب میں ڈالی اور تھائیس کو سیاہ فام کے حوالے کر دیا۔ سیاہ فام نے تھائیس کو اپنی خادماؤں کے حوالے کر دیا جو اُس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ تھائیس کو ایک سجی سجائی اونٹنی پر سوار کرایا گیا اور سیاہ فام اُسے لے کر شہر انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

انطاکیہ اُس زمانے میں ایک بڑا ترقی یافتہ اور بارونق شہر تھا اور مصر سے چھ دن اور چھ رات کے سفر پر تھا۔ دریائے نیرو شہر کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ چھ دن کے تکلیف دہ سفر نے تھائیس کو تھکا کر ادھ موا کر دیا۔ انطاکیہ پہنچ کر اُسے ایک خوب صورت چھوٹے سے محل میں لے جایا گیا۔ اس محل میں جگہ جگہ خادم اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنیزیں چل پھر رہی تھیں۔ جس کمرے میں تھائیں کو ٹھہرایا گیا اُس کے باہر دالان میں ایک شاندار حوض تھا جس میں فوارہ لگا تھا اور پانی میں سُرخ اور نیلے رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ تھائیں بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اُس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور سو گئی۔ وہ سارا دن اور ساری رات سوئی رہی۔ دُوسرے روز اٹھی تو بالکل تر و تازہ تھی۔ مگر اُس کا دل مُرجھایا ہُوا تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنے گھر میں نہیں تھی بلکہ قید میں تھی۔ جہاں اُسے منڈی سے بھیڑ بکری کی طرح خرید کر لایا گیا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر سیاہ فام کانا شہزادہ اُس کے ساتھ شامل تھا۔ وہ جنگلی بھالو کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ جانوروں کی طرح کھانا کھا رہا تھا۔ شوربہ اُس کی اُنگلیوں اور ہونٹوں کے کناروں پر سے بہہ رہا تھا۔ تھائیں کو یہ منظر دیکھ کر کانے شہزادے سے نفرت ہو گئی۔ کھانے کے بعد شہزادہ وہیں پاؤں پسار کر سو گیا۔ وہ خراٹے لینے لگا۔ اُس کے خراٹوں کی آواز سے کمرہ گونج اُٹھا۔ تھائیں نے اُس وقت ربِ عظیم کے آگے سجدہ کرکے دُعا مانگی کہ:

"اے رب، مجھے اس ظالم اور وحشی انسان سے بچا اور میرے ماں باپ کو مجھ سے ملا دے۔ تُو سب سے بلند اور سب سے افضل ہے تو ساری کائنات اور سارے انسانوں کا رب ہے۔ ری ذات بے نیاز ہے اور تو سب کی دُعا سُنتا ہے۔ میری دُعا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سبھی سُن اور مجھ پر اپنا رحم فرما کر مجھے واپس میرے وطن ماں باپ کے پاس پہنچا دے ۔"

دُعا مانگ کر تھائیس کو اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہُوا ۔ اُسے یُوں لگا جیسے ربِّ عظیم نے اُس کی دُعا قبول کر لی ہے ۔ شہزادہ سو رہا تھا اور زور زور سے اُسی طرح خراٹے لے رہا تھا ۔ پھر اچانک وُہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور تھائیس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا ۔ اُس کے زرد دانت چیتے کے دانت معلوم ہو رہے تھے ۔ اُس نے کہا :

"اے کنیز، تو خوش قسمت ہے کہ مَیں نے تجھے ایک لاکھ بیس ہزار سونے کے سکّے دے کر خریدا ہے ۔ مَیں نے اس سے پہلے کبھی کسی کنیز کے لیے اتنی رقم خرچ نہیں کی ۔ لیکن میری خواہش تھی کہ مَیں تمہیں خرید کر اپنے گھر لاؤں اور اپنی بیوی بناؤں ۔"

تھائیس سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گئی ۔ اُس نے دل ہی دل میں ربِّ عظیم سے دُعا کی کہ اے ربِّ عظیم میری عزت اور ناموس کی حفاظت کرنا ۔ مَیں اپنے مَرے ہُوئے بدنصیب خاوند کی امانت ہُوں ۔ میں مَرتے دم تک اپنے مرحوم خاوند کی امانت بن کر زندگی بسر کرنا چاہتی ہُوں ۔ سیاہ فام کانے شہزادے نے اُسی وقت محل میں سب کو بُلا کر اعلان کیا کہ وہ چاند کی پہلی تاریخ کو اپنی سب سے مہنگی اور سب سے چہیتی کنیز تھائیس سے شادی کر لے گا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محل کی تمام کنیزوں اور غلاموں نے خوشی سے نعرے لگائے اور سیاہ فام بکا نے شہزادے کے لیے دُعائیں مانگیں اور مبارکباد پیش کی۔ تھائیس کی تو یہ اعلان سُن کر جان ہی نکل گئی۔ اُس نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ چاہے اُس کی جان نکل جائے وُہ سیاہ فام بکا نے شہزادے کی قید سے ضرور نکل بھاگے گی۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے اُدھیڑ عُمر کی کنیز براکمہ کو چُن لیا۔ اُسے یہ معلوم ہو چُکا تھا کہ برآکمہ شہزادے کی بیوی بھی رہ چُکی ہے۔ شروع شروع میں جب برآکمہ خوب صورت تھی تو شہزادے نے اس کی بڑی ٹہل سیوا کی تھی۔ مگر اُس کے بوڑھی ہو جانے کے بعد اُسے پھر سے کنیز بنا لیا تھا۔

تھائیس نے نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہُوئے براکمہ کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ اُس نے ایک روز براکمہ کو پاس بُلا کر رونا شروع کر دیا۔ جب براکمہ نے کہا:

"تمہیں تو رونے کی بجائے خُوش ہونا چاہیے کہ تجھے اِس شہر کے سب سے دولت مند شہزادے نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اور وُہ تم سے بیاہ کر رہا ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"اے براکمہ، تو عورت ہے اور ایک عورت ہی دوسری عورت کے دل کو ٹٹول کر اُس کا دُکھ درد سمجھ سکتی ہے۔ مَیں ایک شریف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں باپ کی بیٹی اور ایک محنتی ایماندار شخص کی بیوی ہوں۔ میرا باپ اور میرا خاوند میری یاد میں پریشان ہو رہے ہوں گے۔ تم ہی بتاؤ اگر تمہارا خاوند زندہ ہوتا تو کیا تم کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی تھیں؟"

"ہرگز نہیں"

"تو پھر تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ مجھے کس قدر صدمہ نہیں ہو رہا۔ میں اپنے خاوند کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد سے کیونکر شادی کر سکتی ہوں"

براکمہ نے نفرت سے کہا:

"خدا اس کانے جن کو غارت کرے، اس کا تو کام ہی یہی ہے کہ نئی شادی کر کے پہلی بیوی کو ٹھکرا دے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اس سیاہ فام سے ایسا انتقام لیتی کہ یہ ساری زندگی یاد رکھتا اس نے میری زندگی بھی برباد کر کے رکھ دی ہے"

ستائیس نے فوراً گرم گرم لوہے پر چوٹ لگاتے ہوئے کہا:

"اگر تم اس ظالم جن سے اپنی بربادی کا انتقام لینا چاہتی ہو تو میری مدد کر کے اس سے بدلہ لے سکتی ہو، تم مجھے یہاں سے رہا کرا دو۔ کانا شہزادہ خود بخود تمہارے انتقام کی زد میں آ جائے گا"

براکمہ نے خوش ہو کر کہا:

"یہ بات تو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو کیا تم میری مدد کر کے اُس سے بدلہ لے سکتی ہو؟"

"ہاں، مَیں تمہیں یہاں سے فرار کروانے میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم یہاں سے نکل کر جاؤ گی کہاں؟ تمہارا وطن موہنجوداڑو یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر ہے اور راستے میں بیس روز کا سمندر کا سفر بھی پڑتا ہے۔ تم اکیلی کہاں اور کیسے وہاں تک پہنچو گی؟"

"براکمہ، تم ایک بار مجھے یہاں سے نکلوا دو۔ پھر میرا ربِ عظیم میری اپنے آپ مدد کرے گا!"

"مَیں پوری کوشش کروں گی، بلکہ یہ کوشش بھی کروں گی کہ تمہیں کسی کے حوالے کر دوں جو تمہیں حفاظت سے تمہارے وطن پہنچا دے۔"

"اگر تم نے مجھے اس قید سے رہائی دلوا دی تو مَیں تمہارا احسان ساری زندگی نہ فراموش کر سکوں گی براکمہ!"

"اِس کی فکر نہ کرو ستھائیں' کانے سیاہ فام شہزادے سے میرا انتقام ہی میری سب سے بڑی خوشی ہو گی!"

براکمہ اب اِس ٹوہ میں رہنے لگی کہ ستھائیں کو کس طرح وہاں سے فرار کروا کر سیاہ فام نل لم جتی کو اُس کی حماقتوں اور ظلم کا مزا چکھائے۔ اُس نے شہر بھر میں اپنے خاص جاسوس دوڑا دیے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی قافلہ ملک سندھ کی طرف جا رہا ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو اُسے فوراً آ کر اطلاع کی جائے۔

چاند کی پہلی تاریخ قریب آ رہی تھی۔ ستھائیس پریشان ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک روز براکمہ کو چپکے سے پُوچھا کہ اُس نے کوئی بندوبست کیا ہے؟ براکمہ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اُدھر سیاہ فام شہزادے نے ستھائیس سے بیاہ کی تیاریاں زور شور سے شروع کر دیں۔ چاند کی پہلی تاریخ میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے کہ براکمہ نے شام کو آ کر ستھائیس سے کہا:

"ستھائیس، مَیں نے معلوم کروایا ہے کہ ایک قافلہ یہاں کی ایک کاروان سرائے سے آج صبح صبح تمہارے وطن کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔"

ستھائیس نے خوشی سے جھُوم کر کہا:

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو براکمہ؟"

"ہاں ستھائیس، میرے جاسوس کبھی غلط خبر نہیں دیتے۔ بس تم آج رات جلدی جلدی تیّار ہو جاؤ۔ منہ اندھیرے میرا ایک خاص جاسوس تمہیں اس کاروان سرائے تک پہنچا دے گا۔ قافلے کے امیر سے بات چیت طے ہو گئی ہے اور ہم نے اُسے تمہارا کرایہ بھی ادا کر دیا ہے۔"

"میری اچھی بہن براکمہ، میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھُولوں گی۔"

"یہ مَیں اپنا فرض ادا کر رہی ہُوں ستھائیس، ہاں تمہیں مردانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لباس پہن کر ایک عرب تاجر کی حیثیت سے قافلے میں سفر کرنا ہوگا۔ ہم نے تمہارا نام العارف قافلے کے امیر کو بتایا ہے۔ تم عرب تاجر العارف بن کر قافلے والوں کے ساتھ سفر کرو گے"

"میں تیار ہوں براکہ، بالکل تیار ہوں۔ میں اپنے وطن جانے کے لیے اور اپنے ماں باپ کو ملنے کے لیے جانور بن کر بھی سفر کر سکتی ہوں"

"ٹھیک ہے، میں آدھی رات کو تمہارے کپڑے اور دوسرا ضروری سامان لے کر آؤں گی۔ تم تیار رہنا"

"میں تیار رہوں گی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار مُسافر

●

براکہ چلی گئی تو تھائیس گہری سوچ میں ڈوب گئی ۔

وُہ آج رات وہاں سے فرار ہو رہی ہے ۔ اُس کا دل خوشی سے نہال بھی ہو رہا تھا اور وہ پریشان بھی بہت تھی ۔ خوش اِس لیے تھی کہ ایک ظالم کے پنجے سے نجات حاصل کر رہی تھی اور پریشان یہ سوچ کر تھی کہ اگر وہ پکڑی گئی تو ظالم سیاہ فام اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ براکہ کی بھی گردن اُڑا دے گا ۔ کیوں کہ اُس کے ظلم کے قصّے وہ محل میں کنیزوں کی زبانی بہت سُن چکی تھی ۔ وُہ اپنے بستر پر لیٹی یہی سوچ رہی تھی ۔ اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی ۔ رات آدھی گزر چکی تو اُس کے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی ۔ تھائیس سمجھ گئی کہ براکہ آ گئی ہے ۔ اُس نے اُٹھ کر چپکے سے دروازہ کھول دیا ۔ براکہ ہاتھ میں مردانہ عربی لباس لیے اندر آ گئی ۔

"جلدی سے یہ لباس تبدیل کر لو ۔ باہر میرا خاص آدمی گھوڑے لیے تیار کھڑا ہے "

تھائیس نے کچھ بات کرنی چاہی تو براکہ نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیوتاؤں کی قسم اِس وقت باتیں نہ کرو۔ جلدی سے لباس بدل لو۔ وقت بہت کم ہے۔ اگر محل میں کوئی جاگ پڑا تو مصیبت آجائے گی۔"

تھائیس نے کوئی بات نہ کی اور فوراً عربی لباس بدل لیا۔ اب وہ بالکل ایک عرب تاجر معلوم ہو رہی تھی۔ وہ عورت سے مرد بن گئی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

تھائیس براکہ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ براکہ اُسے لے کر محل کے مختلف دالانوں اور برآمدوں سے گزر کر ایک خفیہ چور دروازے کا دروازہ کھول کر وہ تھائیس کو لے کر باہر آگئی۔ باغ کے ایک گوشے میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ تلے ایک حبشی غلام دو گھوڑوں کی باگیں تھامے اُن کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُس کے قریب جا کر براکہ نے تھائیس کو ایک گٹھڑی دی اور کہا:

"اِس گٹھڑی میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں، ایک جوڑا مردانہ کپڑوں کا ہے اور کچھ سونے کی اشرفیاں ہیں جو راستے میں تمہارے کام آئیں گی۔"

تھائیس نے براکہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

"براکہ، تم ایک بہادر عورت ہو۔ تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے۔ میں شاید زندگی بھر تمہیں اِس کا بدلہ نہ دے سکوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے تمہارے بدلے کی ضرورت نہیں تھائیس، میری یہی خوشی ہے کہ ہم نے ظالم سیاہ فام کانے کو شکست دی ہے اور تم ایک روز اپنے ماں باپ کے گھر پہنچ جاؤ گی۔ یہ ظالم مرد جو ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح خریدتے ہیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر ڈالتے ہیں۔ اِن کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا۔ اچھا اب جاؤ۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔"

"تھائیس گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ براکمہ نے حبشی غلام سے کہا:

"تھائیس کو امیر کاروان کے حوالے کر کے واپس آنا اور خبردار کسی کو یہ راز معلوم نہ ہو کہ تھائیس عورت ہے۔"

"جو حکم براکمہ شہزادی۔"

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں باغ سے نکل کر اُس کاروان سرائے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک قافلہ ملک سندھ کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ بہت جلد کاروان سرائے میں پہنچ گئے۔ حبشی غلام سیدھا امیر کاروان کے پاس پہنچا اور اُس سے کہنے لگا:

"اے امیر، ہمارا مسافر حاضر ہے۔"

امیر نے کہا:

"ٹھیک ہے، اسے قافلے میں شامل کر دو۔"

امیر کاروان نے سر سے پاؤں تک تھائیس کو دیکھا۔ اُسے ایک پل

کے لیے بھی اُس پر شک نہ ہوا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے ۔ تھائیس نے بھی مردوں کی طرح جُھک کر امیر کو سلام کیا اور کہا :

"مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھ ہمارا سفر بہت خوشی سے گزرے گا "

"ہمارا سفر ہمیشہ خوشی سے گزرتا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے ؟"

"العارث ، مصر کا مشہور تاجر ۔"

"بہت خوب ، مگر تمہارا مال کہاں ہے ؟"

تھائیس گھبرا گئی ۔ مگر حبشی غلام نے فوراً کہا :

"میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ ان کا مال پچھلے قافلے میں آئے گا ۔ ملک سندھ میں اِن کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے انہیں وقت سے پہلے سفر کرنا پڑ رہا ہے "

"ہاں ہاں یاد آیا ۔ ٹھیک ہے ، ٹھیک ہے "

تھائیس کی جان میں جان آئی ؛ وگرنہ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ امیر کارواں کے سوال کا کیا جواب دے ۔ حبشی غلام تھائیس کو کاروان سرائے میں دوسرے مسافروں کے درمیان چھوڑ کر جانے لگا تو بولا :

"اب میں جاتا ہوں ۔ امید ہے آپ کا سفر بخیریت خوشی سے گزرے گا "

"تمہارا شکریہ اے وفادار انسان ، برامکہ کو میرا سلام کہنا "

"بہت بہتر، دیوتا آپ کی حفاظت کریں۔"

حبشی غلام سلام کر کے چلا گیا۔ کاروان سرائے میں تھائیس دُوسرے مسافروں میں اکیلی رہ گئی۔ لیکن اُس نے سوچا کہ اگر وُہ چپ چاپ شرمیلی سی بن کر ایک طرف بیٹھ گئی تو ضرور لوگوں کو اُس پر شک ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ وُہ ایک عام مرد تاجر کی طرح دُوسروں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرے؛ چنانچہ اُس نے دُوسرے مسافروں کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ یہ قافلہ کافی بڑا تھا۔ سینکڑوں اونٹ تھے جن پر سامان لادا جا چکا تھا۔ گھوڑے بھی تھے جو پہرہ داروں کے لیے تھے۔ مسافروں میں سے زیادہ تعداد اُن کی تھی جو سندھ کے ملک کو جا رہے تھے۔ تھائیس نے بہت جلد اُن کو اپنا دوست بنا لیا۔ ایک مسافر نے تھائیس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

"یار تم تو نوجوان لگتے ہو۔"

"تھائیس کا سارا بدن ایک ہاتھ مارنے سے ہل گیا۔ مگر وہ جھوٹ موٹ کا مرد بنی ہنستی رہی اور بولی:

"میں نوجوان ہی تو ہُوں۔"

"مگر یار تمہاری ابھی مونچھ ڈاڑھی نہیں نکلی۔"

"میں اسے مونڈھ ڈالتا ہُوں۔"

سارے مسافر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے یہ مرد کم اور لڑکی زیادہ ہے!"

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں ان لوگوں کو معلوم تو نہیں ہو گیا کہ وہ عورت ہے۔ مگر نہیں وہ مذاق کر رہے تھے۔ ان میں سے اصل بات کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ رات کے پچھلے پہر قافلہ تیار ہو چکا تھا اور سرائے کے باہر اونٹ گھوڑے اور گدھے قطار باندھے کھڑے تھے۔ امیر کارواں نے آکر ایک بار سب کا معائنہ کیا۔ سارے مسافر اونٹوں اور گدھوں وغیرہ پر سوار ہو چکے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو اونٹوں کے کجاووں پر بٹھایا گیا تھا۔ تھائیس کو ایک گدھے پر جگہ ملی تھی۔

امیر کارواں نے نوبت بجا کر قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ نوبت کے بجتے ہی قافلہ چل پڑا۔ ایک ایسے سفر پر جو طویل بھی تھا اور پُرخطر بھی۔ جس کے راستے میں صحرا بھی تھے اور سمندر بھی۔ جنگل بھی تھے اور چٹیل میدان بھی۔ تھائیس کے لیے یہ زندگی کا پہلا سفر تھا کہ وہ عورت کی بجائے مرد بن کر سفر کر رہی تھی۔

قافلے میں وہ تھائیس نہیں تھی بلکہ العارث نام کا ایک تاجر تھا جو مصر کے شہر سے ملک سندھ کو جا رہا تھا۔ قافلہ صبح منہ اندھیرے کا چلا ہوا سارا دن سفر کرتا رہا اور رات کو اس نے اپنی پہلی منزل پر پڑاؤ کیا۔ یہ منزل مصر سے دور ایک نخلستان تھا جہاں سایہ دار درختوں کے جھنڈ تھے اور ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ قافلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں رُک گیا۔ اُونٹ بیٹھ گئے اور اُن پر سے سامان اُتار دیا گیا۔ لوگوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ تازہ دم ہو کر رات کا کھانا کھایا اور چھوٹے چھوٹے خیمے لگا کر شعلوں کی روشنی میں قہوہ پینے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تھائیس جن لوگوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اُن میں ایک شامی نوجوان نے زبردستی اُس سے دوستی کر لی تھی۔ اس کو ہرگز یہ معلوم نہیں تھا کہ العارف عرب تاجر ایک عورت ہے۔ وہ اُسے ایک مصری تاجر ہی سمجھتا تھا۔

شامی نے تھائیس کے ساتھ مل کر ایک بکرے کو ذبح کر کے بھونا اور اُسے مل کر کھایا۔ پھر وہ تلخ قہوہ بنا کر پینے اور باتیں کرنے لگے۔ شامی نے کہا:

"بھائی عارف، ملک سندھ میں پہنچ کر تم کس شہر میں قیام کرو گے؟"

تھائیس اُسے اپنا ٹھکانہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اُس نے یُوں ہی جھوٹ مُوٹ کہہ دیا کہ وہ اڑہی پا نام کے شہر میں قیام کرے گی جہاں اُس کا ایک چچا ریشمی کپڑے اور گرم مصالحوں کا کاروبار کرتا ہے۔ وہاں اپنا مال فروخت کرنے کے بعد وہ ملک چین کی طرف نکل جائے گی۔ شامی تاجر نے بڑے اشتیاق سے کہا:

"ملک چین ایک بڑا حسین ملک ہے۔ وہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں اور سُنا ہے وہاں ریشمی کپڑے اور کستوری کا بڑا کاروبار ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا چین میں تمہارا کسی تاجر سے ملنا جلنا ہے؟"

تھائیس کو خواب میں بھی علم نہ تھا کہ ملک چین کہاں ہے اور کیسا ملک ہے۔ وہ زندگی میں کبھی وہاں نہیں گئی تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنی بات رکھنے کے لیے کہا:

"ہاں میں کئی بار چین گیا ہوں۔ وہاں پیکن شہر میں یوسف نام کا ایک تاجر میرا دوست ہے۔ اگر تم چین جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو تم میرے ساتھ وہاں جا سکتے ہو!"

"اگر تم مجھے اپنے ساتھ چین لے چلو تو میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں گا۔ مجھے ملک چین دیکھنے اور وہاں جا کر کاروبار کرنے کا بے حد شوق ہے۔"

"ملک سندھ پہنچ کر تم مجھے ضرور ملنا۔ ہم وہاں سے اکٹھے چین جائیں گے اور کاروبار بھی کریں گے اور اُس خوب صورت ملک کی سیر بھی کریں گے۔"

"ضرور، ضرور، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہم ہاڑی یا شہر سے کون کونسا مال لے کر چین جائیں گے؟ مال ایسا ہونا چاہیے کہ جس کی وہاں کھپت ہو۔"

تھائیس کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ چین میں کون سے مال کی کھپت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں بات کو جاری رکھنا بہت ضروری تھا۔ اُس نے یوں ہی کہہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم ہاڑی پا شہر سے تانبے کے برتنوں کا سامان اور کپڑا لے جا سکتے ہیں۔"

یہ اُس نے یوں کہہ دیا تھا کہ اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کے شہر میں تانبے کا سامان اور کپڑا عام فروخت ہوتا تھا۔ شامی تاجر نے کہا کہ وہ یہی مال لے کر چین جائیں گے۔ تھائیس اس نوجوان سے باتیں کرتے تنگ آ گئی تھی اور اُسے بے حد نیند آ رہی تھی۔ مگر وہ شامی تاجر بڑا باتونی تھا اور باتیں ہی کرتا چلا جا رہا تھا۔ آخر تھائیس نے کہا:

"شامی بھائی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔"

شامی نے بھی انگڑائی لے کر کہا:

"ہاں بھائی العارث، مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے۔"

اور وہ خیمے کے باہر ہی چادر اوڑھ کر ریت پر سو گیا۔ تھائیس خیمے کے اندر چلی گئی اور ایک قالین پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اُسے نیند بھی آ رہی تھی مگر وہ دل میں ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں سیاہ فام شہزادے کے جاسوس تیز رفتار اونٹوں پر سوار اُس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں نہ پہنچ جائیں۔ اگر وہ وہاں پہنچ گئے تو اُسے دُنیا کی کوئی طاقت اُن ظالموں کے پنجے سے نہ بچا سکے گی۔ وہ ضرور اُسے گرفتار کر کے لے جائیں گے کیونکہ اُن کے مالک نے ایک لاکھ بیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزار ریال دے کر اُسے خریدا ہے۔ لیکن آخر اُسے نیند آ گئی۔

اُدھر جب دن چڑھا اور محل میں پتہ چلا کہ تھائیس غائب ہے تو چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ سیاہ فام شہزادے کو اِس کی خبر ملی تو وُہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے سارے محل کو سر پر اٹھا لیا۔ براکمہ کو بُلا کر اُس نے چیخ کر کہا:

"بتاؤ تھائیس کہاں ہے؟ مَیں نے اُسے تمہاری حفاظت میں دیا تھا"

براکمہ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"میرے آقا، رات میں اُسے پلنگ پر سُلا کر اپنے کمرے میں گئی تھی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وُہ راتوں رات کہیں بھاگ جائے گی تو میں اُسے کبھی اکیلا نہ چھوڑتی"

"تم جھوٹ بکتی ہو۔ تم نے خود اسے بھگایا ہے"

"ایسا نہیں ہے میرے آقا، مَیں تھائیس کو بھگا کر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ تھائیس خود ہی بھاگ گئی ہے۔ ہمیں اُس کی تلاش میں ابھی اپنے آدمی دوڑا دینے چاہئیں۔ وہ ابھی مصر کی سرحد کے اندر ہی ہو گی"

سیاہ فام شہزادے نے اپنے چھ برق رفتار گھوڑوں پر حبشی غلاموں کو سوار کروا کر حکم دیا کہ جاؤ۔ تھائیس کو تلاش کرو اور وُہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ چھ کے چھ حبشی غلام اپنے آقا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا حکم سن کر اسی وقت روانہ ہو گئے۔ سوال یہ تھا کہ کدھر اُسے تلاش کریں؟ انہوں نے سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے تمام جاسوسوں کو اطلاع کر دی۔ وہ خود بھی سارا دن شہر میں تھائیس کو تلاش کرتے رہے۔ انہوں نے کونا کونا چھان مارا۔ تقریباً ہر گلی، ہر محلّے، ہر کاروان سرائے میں اُسے ڈھونڈا مگر وہ انہیں کہیں نہ ملی۔ شام کو وہ ناکام واپس لوٹے تو سیاہ فام شہزادہ اُن پر برس پڑا۔

"تم سارے کے سارے نمک حرام ہو۔ تم سے ایک کنیز نہیں تلاش کی گئی؟"

حبشی غلام نے کہا:

"آقا، ہم نے شہر کا کوئی کونا ایسا نہیں چھوڑا جہاں اُسے تلاش نہیں کیا۔ وہ یقیناً شہر میں نہیں ہے آقا۔ وہ ضرور کسی قافلے کے ساتھ مصر سے نکل چکی ہے۔"

"کیا کل کوئی قافلہ یہاں سے باہر گیا تھا؟"

"معلوم ہوا ہے آقا کہ پرسوں رات ایک قافلہ یہاں سے ملک سندھ کی طرف روانہ ہوا تھا۔"

سیاہ فام نے گرج کر کہا:

"وہ ضرور اُسی قافلے میں گئی ہے۔ تھائیس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سندھ کے ایک شہر موہنجو داڑو کی رہنے والی ہے۔ فوراً قافلے کو راستے میں پکڑو اور تھائیس کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرو۔ اگر تم خالی ہاتھ آئے تو میں تمہاری گردنیں اُتار دوں گا "

حبشی غلاموں نے سر جھکا کر عرض کی :

"ہم ابھی سفر پر روانہ ہوتے ہیں ہمارے آقا اور ستائیس کو قافلے میں سے تلاش کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں "

"جاؤ دفع ہو جاؤ "

حبشی غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس راستے پر روانہ ہو گئے جدھر قافلہ گیا تھا۔ سیاہ فام شہزادہ جوش کے عالم میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ جن غلاموں کو بھیج رہا ہے وہ خود بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ حبشی غلام دن بھر سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ ایک نخلستان میں رُک گئے۔ یہاں انہوں نے ایک دیہاتی بدو سے قافلے کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ ہاں ایک قافلہ ایک روز پہلے وہاں ٹھہرا تھا۔

ایک غلام بولا :

" اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو قافلہ ہم سے ہمیشہ ایک منزل آگے رہے گا اور ہم اُسے کبھی نہ پا سکیں گے "

دُوسرا بولا :

" تو کیا ہمیں دن رات گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کرنا ہوگا ؟"

" ہمیں ایسا ہی کرنا ہوگا "

چوتھے نے سانس بھر کر کہا :

" ستائیس خوش قسمت تھی کہ سیاہ فام ظالم آقا کے پنجے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آزاد ہو گئی ۔"

"اس نے عورت ہو کر ایسی دلیری سے کام لیا ہے اور ہم مرد ہو کر ایسا نہیں کر سکتے ۔"

"یہ سوچنے کی بات ہے بھائیو، ہمارا مالک ہم غلاموں پر بڑا ظلم کرتا ہے ۔ وہ ہم سے سارا سارا دن کھیتوں میں جانوروں کی طرح کام لیتا ہے ۔ ہم پر کوڑے برساتا ہے اور ہمیں کھانے کو بہت تھوڑا دیتا ہے ۔ کیا ہم عورت سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اُس کا ظلم سہہ رہے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہتے ؟"

"بھائیو، اِس وقت اگر ہم چاہیں تو اپنے ظالم آقا کی غلامی کی زنجیروں کو ہمیشہ کے لیے توڑ سکتے ہیں ۔"

"وُہ کیسے ؟"

"وہ ایسے کہ ہم ابھی سے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگیں اور تھائیس کا پیچھا چھوڑ دیں ۔ وہ ہماری کنیز بہن تھی ۔ ہم اُسے کبھی گرفتار کر کے دوبارا غلام لونڈی نہیں بنائیں گے ۔"

"بڑا اچھا خیال ہے یہ — ہم آزاد ہیں ۔ ابھی سے آزاد ہیں ۔"

حبشی غلام اُٹھ کر ریت پر خوشی سے رقص کرنے اور آزادی کا ایک پُرانا گیت گانے لگے ۔ انہوں نے سیاہ فام کا فرمان پھاڑ کر پھینک دیا ۔ وُہ سوچنے لگے کہ اُنہیں کس طرف کا رُخ کرنا چاہیے ۔ سب سے بڑے غلام نے کہا کہ انہیں یہاں سے نکل کر ملک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا رُخ کرنا چاہیے جو ایک آزاد ملک ہے اور جہاں غلاموں کی تجارت قانونی طور پر جرم قرار دی گئی ہے اور یوں وہ حبشی غلام جو کنیز تھامیں کو گرفتار کرنے گھر سے نکلے تھے خود آزاد ہو کر فرار ہو گئے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُجاری کا قتل

ایک بھیانک سفر کے بعد عنبر ملک سندھ میں پہنچ گیا تھا۔

آخر اُسے وہ قافلہ مل گیا جو سندھ کے ریگستانوں سے ہوتا ہُوا موہنجو داڑو جا رہا تھا۔ چھ روز اور چھ راتوں کے سفر کے بعد وہ موہنجو داڑو کے عظیم الشان شہر پہنچ گیا۔ وہ موہنجو داڑو شہر کی صفائی، گلیوں، بازاروں اور مکانوں کی طرزِ تعمیر اور لوگوں کی خوش حالی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دو ہزار برس کے دوران میں وہ زندگی میں پہلی بار ایک ایسا شہر دیکھ رہا تھا۔ جس کے لوگ خوش حال تھے۔ جہاں مکانوں کی تعمیر کے لیے پکی ہُوئی اینٹیں استعمال ہوتی تھیں۔ جس کی گلیوں میں اینٹوں کے فرش لگے تھے اور جہاں گندے پانی کے نکاس کا نہایت اعلیٰ بندوبست تھا۔

مصر کے فرعونوں کے زمانے میں بھی وہاں کے شہروں میں ہر طرف گندگی پھیلی رہتی تھی اور جگہ جگہ گندے پانی کے جوہڑ بنے ہُوئے تھے۔ لوگ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے لیکن موہنجو داڑو شہر میں اُسے کہیں بھی گندے پانی کا ایک جوہڑ بھی نظر نہ آیا۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ عورتیں بچے اور جوان چیزیں خرید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہتے تھے۔ اُن کے کپڑے صاف ستھرے تھے۔ اُن کے چہروں پر رونق تھی۔ کھیتوں میں کپاس کی فصل حیرت انگیز حد تک لہلہا رہی تھی۔ ایسی کپاس اُس نے مصر میں بھی نہ دیکھی تھی۔

عنبر ایک کاروان سرائے میں آگیا۔ یہ کاروان سرائے بڑی صاف ستھری تھی۔ اُس کے مالک نے عنبر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور اُسے اُس کا کمرہ دکھایا۔ عنبر نے کھانے کے وقت مالک سے پوچھا:

"کیا آپ لوگ دیوتا آمون کی پوجا کرتے ہیں؟"

"ہاں، مگر کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ تم کہاں سے آرہے ہو؟"

"میں اِس شہر میں اجنبی ہوں۔ میں ملک مصر سے آرہا ہوں۔"

"دیوتا تمہیں خوش رکھیں۔ موہنجو داڑو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"یہاں حکومت کس بادشاہ کی ہے؟"

"اے نوجوان تاجر، یہاں شہزادہ ارژنگ کی حکومت ہے۔ وہ ہمارے مرے ہوئے بادشاہ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ارژنگ بڑا نیک اور پرہیزگار شہزادہ ہے۔ اُسے اپنی رعایا سے محبت ہے۔"

"کیا اُس کی والدہ ملکہ زندہ ہے؟"

"نہیں ملکہ بھی مر چکی ہے۔ شہزادے کی پرورش اُس کی خالہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کی تھی - اب بھی وُہی اُس کے ساتھ حکومت کے کاموں میں مدد دیتی ہے ؟

"مندر کے بڑے پجاری کا رُتبہ کیا ہے ؟"

" وہ شہزادے کا روحانی باپ ہے ۔ اُسی کے مشورے سے شہزادہ حکومت کا کام چلاتا ہے ۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہاں عملی طور پر پجاریوں کی حکومت ہے اور چونکہ پجاری بڑے پارسا اور نیک ہیں ۔ اس لیے موہنجو داڑو ایک خوش حال اور پاکیزہ شہر ہے اور یہاں کے لوگ ایک دُوسرے کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔

ابھی وُہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بازار میں سے ایک جلوس گزرا ۔ عنبر اُسے دیکھنے لگا ۔ یہ جلوس ایک جنازہ تھا ۔ معلوم ہُوا کہ شہر کا ایک امیر اور بوڑھا تاجر مر گیا ہے ۔ لوگ اُسے جلانے لے جا رہے ہیں ۔ تاجر کے جنازے کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جسے تاجر کے رشتے دار زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے ۔ عنبر بڑا حیران ہُوا کہ یہ ماجرا کیا ہے ۔ اُس نے مالک سے پُوچھا :

" یہ لوگ اس لڑکی کو کیوں گھسیٹے لیے جا رہے ہیں ؟"

کاروان سرائے کے مالک نے گہرا سانس بھر کر کہا :

"اے نوجوان ، یہاں ایک قبیلہ آریاؤں کا آباد ہے ۔ اس قبیلے کے لوگ اپنی عورتوں کو خاوندوں کے ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ یہ جو بوڑھا تاجر مرا ہے، اس نے ملک انطاکیہ کی ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی۔ شادی کے چھٹے روز یہ مر گیا۔ اب اُس کے رشتے دار لڑکی کو زبردستی خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلانے لیے جا رہے ہیں۔"

"لیکن وُہ تو جلنا نہیں چاہتی۔ پھر اُس کے ساتھ زبردستی کیوں کر رہے ہیں؟"

"یہ اُن کے مذہب میں لکھا ہے کہ بیوی چاہے پسند کرے یا نہ کرے اُسے ہر حالت میں اپنے مَرے ہُوئے خاوند کے ساتھ جَل کر مَر جانا ہوگا۔"

"کیا اس ظلم کو یہاں کا شہزادہ ارژنگ ختم نہیں کر سکتا؟"

"شہزادہ ارژنگ کسی قبیلے کے مذہب میں دخل نہیں دیتا۔ یہاں ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں رسومات ادا کرنے کی پوری آزادی ہے۔"

عنبر کو اس نوجوان لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ بوڑھے مُردہ تاجر کے ظالم رشتے داروں نے لڑکی کو رسیوں میں جکڑ رکھا تھا اور وُہ اُسے زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ لڑکی رو رہی تھی۔ شور مچا رہی تھی۔ لوگوں سے مدد کی دہائی دے رہی تھی مگر کوئی اُس کی آواز پر کان نہیں دھر رہا تھا۔ ہر شخص اُسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لیے کہ وہاں کسی کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر اُس نوجوان لڑکی کو ان ظالموں سے بچا لے گا جو اُسے ایک مُردہ احمق بوڑھے تاجر کی لاش کے ساتھ آگ میں جلانے لیے جا رہے تھے۔ اس کا ذکر اُس نے کارواں سرائے کے مالک سے نہ کیا۔ اُس کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ یہاں کے لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل دیا جائے۔ پھر بھی اُسے یقین تھا کہ شہر کے ہر شخص کی یہی خواہش ہے کہ اس بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلائے جانے سے بچایا جائے۔ اس اعتبار سے عنبر کو بہت جلد عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔

اُس نے کارواں سرائے کے مالک سے کہا:

"میں ابھی آیا"

"ارے میاں، تم کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں اِس ملک میں عورت کو خاوند کے ساتھ زندہ جلائے جانے کا تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں"

"اچھا اچھا، ضرور جاؤ۔ یہ تماشہ تم نے اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا ہوگا — لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہ کرنا"

"تم فکر نہ کرو۔ میں کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کارواں سرائے سے اُٹھ کر بوڑھے تاجر کے جنازے کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ جنازہ شہر کے بازاروں اور پُرپیچ گلیوں میں سے گزرتا ہُوا شہر سے باہر ایک میدان میں پہنچ کر رُک گیا جہاں لکڑیوں کی ایک چِتا پہلے سے تیار کر دی گئی تھی اور پُجاری بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے اور ڈھول بجا رہے تھے۔ جنازے کو دیکھ کر وہ زور زور سے ڈھول بجانے لگے۔ لڑکی کے رونے کی آواز ڈھول کی آواز میں دب کر رہ گئی۔ جنازہ چِتا کے پاس رکھ دیا گیا۔ پُجاری منتر پڑھنے لگے اور لڑکی کو چِتا کے پاس ہی لکڑی کے ایک کھمبے سے باندھ دیا گیا۔

جنازے میں جتنے لوگ شامل تھے وہ ایک ایک کر کے لڑکی کے پاس جا کر اُس کے سر کا ایک بال نوچتے اور آگے چل دیتے۔ یہ بھی ایک رسم تھی جو ادا کی جا رہی تھی۔ عنبر بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔ جب وہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اُس کے سر کا بال نوچنے کے لیے اُس کی طرف جُھکا اور کان میں کہنے لگا؛

"فکر نہ کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔"

لڑکی روتے روتے ایک دم رُک گئی اور اُس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر کی آنکھوں میں ایک ایسی دیوتاؤں ایسی چمک پیدا ہو گئی تھی کہ لڑکی کو فوراً یقین آ گیا کہ یہ نوجوان اُسے بچا لے گا، مگر کیسے؟ یہ سوچ کر لڑکی پھر رونے لگی۔ اُس نے سوچا کہ شاید نوجوان نے اُسے خوش کرنے کے لیے ایسا کہا ہے۔ عنبر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی کا بال نوچا اور آگے نکل گیا۔ اب وہ یہ سوچنے لگا کہ لڑکی کو کیسے بچایا جائے۔ اچانک اُس کے ذہن میں بلطیس کی بہن کا خیال آ گیا۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مصیبت کے وقت اُس کی ضرور مدد کرے گی۔

اس خیال کے ساتھ ہی عنبر ان لوگوں سے الگ ہٹ گیا اور ذرا دُور جا کر ایک ویران سے پہاڑی ٹیلے کی اوٹ میں آ گیا۔ یہاں آ کر اُس نے دل ہی دل میں ایک دُعا پڑھی اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا:

"اے بلطیس کی بہن، مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر تو میری آواز سُن رہی ہے تو میری مدد کو آ اور اپنا وعدہ پُورا کر۔ تو نے مجھے کہا تھا کہ اگر مصیبت کے وقت میں تمہیں پکاروں گا تو تو میری مدد کو ضرور آئے گی۔"

پہلی آواز پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ چوتھی بار پکارنے پر پہاڑی پر ایک لرزہ سا طاری ہُوا اور بلطیس کی بہن ایک دیوی کی شکل میں اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ مُسکرا رہی تھی:

"میں جانتی ہُوں تم نے مجھے کس لیے بُلایا ہے اور اگر ایک بے گناہ لڑکی کی زندگی کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں کبھی نہ آتی۔"

"اگر تجھے سب کچھ معلوم ہے تو پھر اُس معصوم لڑکی کو ان ظالموں سے بچا۔ یہ لوگ اس بے گناہ کو آگ میں زندہ جلا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں ضرور اُس کی مدد کروں گی"

"مگر مدد کیسے کرو گی۔ اُن لوگوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اُن کے مذہب میں دخل دیا گیا ہے"

دیوی ہنس پڑی:

"تم بڑے بھولے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے سب کچھ معلوم ہے جسے تم نہیں جانتے۔ تم وہاں چتا کے قریب چل کر کھڑے ہو جاؤ اور تماشہ دیکھو کہ کیا ہوتا ہے"

اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہوگئی۔ عنبر وہاں سے چل کر ایک بار پھر چتا کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ لاش اور لڑکی کو جلانے کی تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں۔ لڑکی کو چتا کی بڑی بڑی لکڑیوں کے ساتھ زنجیروں سے کس کر باندھ دیا گیا تھا تاکہ وہ بھاگ کر نہ جا سکے اور پوری طرح جل کر بھسم ہو جائے۔ پروہت منتر پڑھ رہے تھے پجاریوں کے غلام زور زور سے ڈھول تاشے پیٹ رہے تھے۔ لڑکی زور زور سے چیخیں مار رہی تھی اور بین کر رہی تھی۔ مگر اُس کی چیخوں کی آواز کوئی نہیں سُن رہا تھا۔

اب چتا میں گھی ڈالا جا رہا تھا۔ لاش کو چتا پر رکھ دیا گیا تھا۔ جب گھی میں ساری لکڑیاں تر ہوگئیں تو ایک پجاری دو پتھر لے کر چتا کو آگ لگانے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے دونوں پتھروں کو رگڑا۔ چنگاری نکلی، مگر لکڑیوں کو آگ نہ لگی۔ اُس نے کئی مرتبہ ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ مگر ہر بار لکڑیاں آگ پکڑنے سے انکار کر دیتیں۔ پجاری بوکھلا گیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے دوسرے پجاریوں کو بھی بلا لیا۔ اب سارے لکڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے مگر لکڑیاں گیلے لوہے کے لٹھ بن گئی تھیں۔ کیا مجال کہ ان پر آگ کا ذرا برابر بھی اثر ہو۔ سب سے زیادہ حیرانی اور خوشی بے گناہ لڑکی کو ہو رہی تھی۔ وہ جو کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اب اسے معلوم ہوا تھا کہ اس سنہری بالوں والے نوجوان نے اس کے سر کا بال نوچتے ہوئے کیا کہا تھا تو کیا وہ بچ جائے گی؟ اس کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تھے اور وہ انتہائی تعجب کے ساتھ پجاریوں کو آگ جلانے میں ناکام ہوتے دیکھ رہی تھی۔

ایک پجاری نے زور زور سے کوئی منتر پڑھے اور کہا:

"دیوتا ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں۔ لاش کو یہیں رکھا جائے اسے کل آگ کے سپرد کیا جائے گا۔ اس لڑکی کو بھی اسی جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا رہنے دیا جائے گا۔"

باقی لوگوں نے پجاری کی بات پر ہاں کہہ دی اور سارے لوگ تاجر کی لاش اور لڑکی کو وہیں چتا پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اس جگہ صرف چار آدمی پہرہ دینے کے لیے رہ گئے تھے۔ عنبر ایک جگہ کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلطیس کی بہن کو ایک بار پھر بُلایا اور پُوچھا کہ اب کیا ہوگا اور یہ لڑکی اگلے روز کیسے بچ سکے گی؟ بلطیس کی بہن نے کہا:

" یہ کام اب تمہیں کرنا ہوگا۔ مَیں جو کچھ کر سکتی تھی وُہ مَیں نے کر دیا ہے۔ اب باقی تمہارا فرض ہے کہ تم کرو۔ دیوتا نگہبان ہوں"

اور اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہوگئی۔

عنبر وہاں اکیلا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دیوی یہاں مجبور ہے۔ اگر وُہ کچھ کر سکتی تو ضرور اُس کی مدد کرتی۔ بہر حال عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ اُس لڑکی کو اکیلا ہی مقابلہ کر کے بچائے گا۔ وہ کارواں سرائے میں آ گیا۔ سارا دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھا غور کرتا رہا کہ کس طریقے پر عمل کیا جائے۔ شام ہوگئی۔ پھر رات ہوگئی اور شہر میں کہیں کہیں مشعلیں جل اٹھیں۔ عنبر چپکے سے سرائے سے باہر نکلا اور اُس میدان میں آ گیا جہاں چتا پر ایک لاش اور ایک زندہ لڑکی زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہوگیا اور جائزہ لینے لگا کہ پہریدار پجاری کیا کر رہے ہیں۔ یہ چاروں پہریدار بڑے ہٹے کٹے تھے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے چتا کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ لڑکی بے چاری انتہائی بے بسی کی حالت میں چتا پر لیٹی سسکیاں بھر رہی تھی۔ عنبر کو اس پر بے حد ترس آیا۔ اُس نے دل ہی دل میں ایک ترکیب سوچی اور درخت کی اوٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکل کر چِتا کے پاس آ کر رُک گیا۔

پہریدار پُجاریوں نے اُس کی طرف دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُن کی سُرخ آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔ بڑے پجاری نے پُوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"مَیں اِس لڑکی کو بچانے آیا ہُوں"

عنبر نے یہ بات بالکل صاف ہی کہہ دی تھی۔ پُجاری غُصّے میں سُرخ ہو گئے۔ بڑے پُجاری نے تلوار والا ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہُوئے کہا:

"اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گردن کاٹ کر پھینک دُوں گا"

لڑکی نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُس نے نوجوان کو پہچان لیا۔ مگر اِس کے ساتھ ہی اُس کے دل میں افسوس بھی ہُوا کہ ابھی اس نوجوان کو پُجاری تلواریں مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

"شاید تم لوگوں کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہُوئی ہے۔ تم میں سے جس کِسی نے بھی تلوار اُٹھائی، وہ اپنی ہی تلوار سے قتل ہو جائے گا"

بڑے پُجاری نے قہقہہ لگایا اور گرج کر کہا:

"اے کمینے ڈاکو، تُو اپنے آپ کو کوئی جادوگر سمجھتا ہے؟ یہ میرا وار بچا"

اِس کے ساتھ ہی پُجاری نے تلوار والا ہاتھ عنبر کی گردن پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے زور سے مارا۔ تلوار پجاری کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں بلند ہوئی اور پھر آندھی ایسی تیزی کے ساتھ آکر پجاری کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ پجاری نے ایک بھیانک چیخ ماری اور خون میں لت پت زمین پر گر کر تڑپنے لگا! چتا پر لیٹی ہوئی لڑکی حیرت میں ڈوب کر نوجوان کو دیکھنے لگی۔ دوسرے پجاریوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے اپنی اپنی تلواریں پھینکیں اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگ گئے۔ پجاری تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہوگیا۔

عنبر لپک کر چتا کی طرف گیا اور اُس نے فوراً اُس کی زنجیریں کھولنی شروع کر دیں۔ لڑکی خوف زدہ سی ہو کر اپنے بچانے والے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسے کوئی بہت بڑا جادوگر خیال کر رہی تھی جو جب اور جس وقت چاہے دوسرے انسان کو ہلاک کر سکتا تھا۔ عنبر نے لڑکی کو آزاد کرتے ہوئے کہا:

"یہاں سے ہمیں جلدی بھاگ جانا چاہیے۔ پجاری دوسرے لوگوں کو لے کر یہاں پہنچ ہی رہے ہوں گے۔"

لڑکی بوکھلائی ہوئی تھی۔ اُسے ایک دم نئی زندگی مل گئی تھی۔ اگر یہ نوجوان اُس کی مدد کو نہ آتا تو وہ جل کر راکھ ہو چکی ہوتی۔ عنبر اُسے ساتھ لے کر وہاں سے ٹیلے کی طرف بھاگ اُٹھا۔ ٹیلے کی دوسری جانب ایک ڈھلان تھی جو ایک خشک نالے میں اُتر گئی تھی۔ وہ دونوں اس نالے میں آکر ایک طرف کو بھاگنے لگے —

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کافی دُور تک بھاگتے رہنے کے بعد لڑکی تھک گئی۔ وہ ایک جگہ دم لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب اُن کا سانس ٹھیک ہُوا تو عنبر نے لڑکی سے پُوچھا:

"مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔ مَیں اِس شہر میں اجنبی ہُوں۔ تم کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا اِس شہر میں تمہاری کوئی ایسی عورت واقف ہے جہاں تم چُھپ سکو؟"

"یہ شہر میرا دُشمن ہے۔ یہاں میں جس کے پاس بھی گئی وُہ مجھے پکڑ کر پُجاریوں کے حوالے کر دے گا۔ ہاں یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔ وہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔"

"تو چلو وہیں چلتے ہیں۔"

لڑکی نے عنبر سے کہا:

"مگر تم میرے ساتھ کہاں مارے مارے پھرو گے؟ میری خاطر تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈال رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"نہیں مَیں نے تمہارا بازو تھاما ہے تو اب مَیں تمہیں منزل تک پہنچا کر ہی دم لُوں گا۔ یہاں ٹھہرو، مَیں کہیں سے گھوڑوں کا بندوبست کرتا ہُوں۔"

عنبر وہاں سے اُٹھ کر ایک قریبی دیہات میں گیا۔ وہاں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھیت میں دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے دونوں گھوڑوں کو کھول کر ساتھ لیا اور انہیں دوڑاتا ہوا وہاں لے آیا جہاں لڑکی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کردایا۔ خود بھی سوار ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا جہاں اُس لڑکی کی رازدار سہیلی رہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زہری سانپ

عنبر اُس بدنصیب لڑکی کو اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

وہ اُسے ساتھ لے کر سارا دن اور آدھی رات تک سفر کرتا رہا۔ پھر اُن کے گھوڑے اور وہ خود بھی تھک گئے اور آرام کرنے کے لیے ایک جگہ ریت کے ٹیلے کے سائے میں لیٹ گئے۔ عنبر نے اُس لڑکی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس تاجر کے ساتھ کیسے بیاہی گئی تھی۔ جب کہ تاجر بہت بوڑھا تھا اور وہ جوان ہے۔

لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"میرے ہمدرد نوجوان، تم نے میری جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ میں ایک نہایت غریب ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ میرے ماں باپ کاشت کار ہیں اور ایک زمیندار کی زمین کاشت کر کے اپنا اور میرا پیٹ پال رہے تھے۔ زمیندار کا قرضہ بہت زیادہ ہو گیا تو اُس نے دھمکی دی کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر اُس کا قرض ادا نہ کیا گیا تو وہ ہمارے مکان کو آگ لگا دے گا اور میرے ماں باپ کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لے گا۔ اس پر میرے ماں باپ رونے لگے۔ موہنجو داڑو کے اس تاجر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مجھے دیکھا ہوا تھا؛ چنانچہ اُس نے ایک لونڈی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر میری شادی اُس سے کر دی جائے تو وُہ میرے ماں باپ کا سارا قرض چکا دے گا۔ پس میرے ماں باپ شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔"

"اس سے بڑا اور ظلم نہیں ہو سکتا تھا!"

"ظلم تو یہ تھا کہ تاجر کے مرنے کے بعد مجھے یہاں کی رسم کے مطابق مجبور کیا جا رہا تھا کہ مَیں بھی اپنے بوڑھے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ آگ میں جل مروں۔ میرے ماں باپ کو اِس کا کچھ علم نہیں ہے۔ اگر اُنہیں علم ہوتا کہ اُن کی بیٹی آگ میں اپنے مرے ہُوئے خاوند کے ساتھ زندہ جلا دی گئی ہے تو وُہ اِس صدمے سے زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ مگر مَیں دیوتاؤں کی مہربانی اور تمہاری ہمدردی اور بہادری کا شکریہ ادا کرتی ہُوں کہ میں اس آفت سے بچ نکلی اور آج اپنے ماں باپ کے پاس زندہ سلامت حالت میں جا رہی ہُوں۔"

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اُس روز سیر کرتے کراتے مَیں اُدھر آ نکلا؛ وگرنہ میرے لیے تمہیں بچانا ناممکن تھا۔"

لڑکی نے ذرا تعجب کے ساتھ پُوچھا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ میری چِتا کی لکڑیوں کو آگ کیوں نہیں لگی تھی؟ کیا تم نے کوئی جادو کیا تھا؟ کیا تم جادوگر ہو؟ تم نے یہ جادو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں سے سیکھا ہے؟ تم اِس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اِس لیے کہ مَیں نے تمہارے جادو کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ وہ اس بھولی بھالی لڑکی کو کیا جواب دے۔ وہ اُسے ہرگز ہرگز یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وُہ ہزاروں سال سے زندہ چلا آ رہا ہے اور یہ کہ وہ مصر کے فرعون کا بیٹا ہے یا یہ کہ اُس کی مدد بلطیس کی بہن نے کی ہے۔ اُس نے ذرا مسکرا کر کہا:

"مَیں نے کوئی جادو نہیں کیا۔ لکڑیاں ہی گیلی تھیں جس کی وجہ سے اُنہیں آگ نہ لگ سکی تھی۔"

لڑکی نے کہا:

"یہ غلط ہے، لکڑیاں بے حد خشک تھیں۔ مَیں خود لکڑیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ لکڑیاں اتنی خشک تھیں کہ اگر ایک چنگاری بھی اُن پر گر پڑتی تو وہاں آگ بھڑک اُٹھتی۔ تم نے ضرور جادو کیا ہے اور مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ آخر تم کو سچ بات کہنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟"

عنبر کہنے لگا:

"تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ تمہاری زندگی بچ گئی ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ خواہ یہ جادو کے زور سے ہوا ہے یا کسی اور وجہ سے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اِس بارے میں زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جیسے تمہاری مرضی۔ اگر تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ ویسے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں آگ میں ڈالی جا رہی ہوں اور کسی نے آکر مجھے بچا لیا ہے۔ آج میرا وہ خواب پورا ہو گیا ہے۔"

"تمہیں ربِ واحد کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"مگر میں تو اپنے دیوتاؤں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری جان بچانے کے لیے تمہیں یہاں بھیج دیا۔"

عنبر نے کہا:

"یہ تمہارا وہم ہے۔ تمہیں تمہارے دیوتاؤں نے نہیں بچایا بلکہ میرے ربِ عظیم نے بچایا ہے۔ دیوتا اگر تمہیں بچانا چاہتے تو دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ سکتی تھی۔ دیوتا بیچارے تو خود مجبور ہیں۔ وہ کسی دوسرے انسان کی کیا مدد کریں گے؟"

لڑکی نے گھبرا کر کہا:

"ایسا نہ کہو، دیوتا ناراض ہو گئے تو وہ مجھے پھر سے آگ کے اندر جھونک دیں گے؟"

"میری بات مان لو لڑکی، دیوتاؤں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جو بُت پتھر کا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی نہیں اڑا سکتا۔ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے۔ یہ میرا رب عظیم ہے جس نے تمہاری فریاد سنی اور تمہاری مدد کے لیے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں بھیج دیا۔"

"کیا ربِ عظیم دُعا سنتا ہے؟"

"کیوں نہیں، وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔ وہ اُس دُعا کو بھی سُنتا ہے جو تم اپنے دل میں دُہراتی ہو اور جس کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتی ہو۔"

"کیا ربِ عظیم کا بھی کوئی بُت ہے؟"

"نہیں، ربِ عظیم کا کوئی بُت نہیں ہے۔ اس کی ذات تمام بُتوں کو توڑ دیتی ہے۔ جس نے ربِ عظیم سے محبت کی اس نے تمام بُتوں کو دل سے مٹا دیا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم بھی ایک ربِ عظیم پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری، ہماری اور ہم سب کی نجات کا راستہ پوشیدہ ہے۔"

"مَیں تمہارے ربّ پر ایمان لاتی ہوں اے نوجوان، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ مَیں اپنے ربّ کی عبادت کس طرح کروں؟"

"تم ربّ کی عبادت اپنے ماں باپ کی خدمت کر کے، اپنے بہن بھائیوں سے پیار کر کے، دُکھی لوگوں کی مدد کر کے اور بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھا کر اور ہمیشہ سچ بول کر اور اپنے دماغ کو ہر وقت پاکیزہ رکھ کر کر سکتی ہو۔ اس لیے کہ ربِ عظیم کو عظمت، سچائی اور پاکیزگی بڑی عزیز ہے۔ کیونکہ وہ خود سب سے عظیم ترین اور پاکیزہ ترین ہے۔ ہم اُس کی عظمت، سچائی اور پاکیزگی کا خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک بھی نہیں کر سکتے ۔ ہم صرف اُس کی عبادت اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ اپنے خیالات اور دماغ کو سچے خیالات اور نیک خواہشات سے بھرا ہُوا رکھیں ۔ کبھی جھوٹ نہ بولیں ۔ کسی سے نفرت نہ کریں ۔ بُرے خیال دل میں نہ لائیں ۔ کسی سے حسد نہ کریں ۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور پریشان حال لوگوں کی ہمیشہ مدد کریں "

" تمہاری باتیں میرے دل پر اثر کر رہی ہیں اے نوجوان ، میں تمہارے خدائے واحد پر ایمان لاتی ہوں اور اپنے دل میں بنے ہُوئے سارے پتھر کے بُتوں کو توڑ رہی ہُوں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ربِ عظیم ہی ساری دُنیاؤں کا رب ہے اور وُہی ایک ہستی عبادت او شکر ادا کرنے کے لائق ہے "

" مجھے تم سے یہی اُمید تھی ۔ ربِ واحد تمہارے ارادوں کو تقویت بخشے اور تمہیں نیکی ، پرہیزگاری ، سچائی اور پاکیزہ خیالات کی توفیق عطا فرمائے "

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سو گئے ۔ منہ اندھیرے عنبر کی آنکھ کھل گئی تو اُس نے دیکھا کہ صحرا کا ایک خطرناک اور بے حد زہریلا سانپ لڑکی کی گردن کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا ہے اور لڑکی بے چاری کا پسینہ چھوٹ رہا ہے ۔ وہ تھر تھر کانپ رہی ہے ۔ مگر اُس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی ۔ اُس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے اُبل کر باہر آ گئی ہیں ۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں عنبر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف دیکھ کر پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ گویا کہہ رہی ہو :

" میرے لیے اپنے ربِ عظیم سے دُعا مانگو۔ اُس سے میری زندگی کے لیے مدد مانگو "

عنبر پریشان ہو گیا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ لڑکی کا ربِ واحد پر ایمان ڈگمگا نہ جائے اور کہیں وُہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائے کہ اپنے دیوتاؤں کی توہین کرنے اور ربِ واحد پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ زہریلا سانپ اپنی پتلی پتلی زہریلی دو شاخہ زبان نکال کر پھنکاریں مار رہا تھا۔ وُہ لڑکی کو ڈسنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

عنبر کچھ ہچکچایا، اس لیے کہ خواہ ہمیشہ کی زندگی اُسے مِل چکی تھی۔ لیکن سانپ کو ہاتھ لگاتے ہوئے وُہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اُس کا زہر ایک سیکنڈ کے اندر اندر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ ایک بار پہلے بھی عنبر کو ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ وہ مَرا تو نہیں تھا لیکن دو دن تک اس کا سارا بدن زہر کے اثر سے انگارے کی طرح دہکتا رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا :

" گھبرانا نہیں، خاموش بے حرکت لیٹی رہو اور خدائے واحد سے دُعا مانگو کہ وہ ہماری مدد کرے۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے، مَیں کروں گا "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی نے عنبر کی بات کا کوئی جواب تو نہ دیا لیکن اُس کی آنکھوں میں ایک احساس تھا کہ وہ سب کچھ سمجھ رہی ہے اور جس طرح وہ کہے گا اُسی طرح عمل کرے گی ۔ لڑکی کا خدائے واحد پر ایمان ایک ہی رات میں بے حد پختہ ہوگیا تھا ۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ربِ عظیم سے دُعا مانگنے لگی کہ وہ اُس پر اپنا رحم کرے اور اُس کی جان بچائے اور اُسے ماں باپ اور بہن بھائیوں تک زندہ پہنچا دے ۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگر سانپ نے ایک بار بھی اُسے ڈس لیا تو وہ زہر کے اثر سے فوراً ہلاک ہو جائے گی ۔

عنبر نے سانپ کی چھوٹی چھوٹی جادو بھری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے گھورنا شروع کر دیا ۔ وہ چاہتا تھا کہ سانپ کو ڈسنے کا موقع نہ دے ۔ اس لیے کہ وہ دو روز اُس صحرا میں بخار چڑھا کر لیٹنا نہیں چاہتا تھا ۔ اُس کے پاس ایسی کوئی دوائی بھی نہیں تھی کہ جسے پل کر وہ بخار سے نجات حاصل کر سکتا ۔ عنبر نے سانپ کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے چپکے سے اپنا ایک ہاتھ سانپ کی طرف بڑھانا شروع کر دیا ۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دو انگلیوں کو ہلا بھی رہا تھا ۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ سانپ اُس کی حرکت پر توجہ دے گا ۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو سانپ کے بالکل پاس لے گیا ۔ سانپ نے اپنا سر اُٹھا رکھا تھا اور پتلی پتلی زبان بار بار پھنکار رہا تھا ۔ لڑکی کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہوگیا تھا اور دہشت سے اُس پر لرزہ طاری تھا ۔ اُس کی آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر کو نکلی جارہی تھیں۔ عنبر نے یہ سوچ کر کہ کہیں خوف سے لڑکی کا دل ہی دھڑکنا بند نہ ہو جائے اُسے آہستہ سے سرگوشی ایسے لہجے میں کہا :

" گھبراؤ بالکل نہیں، حوصلہ رکھو۔ تم مر نہیں سکتیں "

اِس جملے نے لڑکی کو ایک نیا حوصلہ عطا کر دیا۔ وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی۔ عنبر نے اپنا ہاتھ سانپ سے کوئی ایک گز کے فاصلے پر سے جا کر روک دیا۔ اب سانپ اور عنبر دونوں ماہر جادوگروں کی طرح ایک دُوسرے کو گھور رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ پہلے حملہ کون کرتا ہے۔ اُس وقت اگر سانپ حملہ کر دیتا تو عنبر کو کاٹ کر وُہ دو دن کے لیے شدید بخار میں مُبتلا کر سکتا تھا اور اگر عنبر پہل کر دے تو وہ سانپ کو قابو کر سکتا تھا ؛ چنانچہ یہی ہُوا۔ عنبر نے پہل کر دی۔ اُس نے ایک دم اپنا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس کی گردن دبوچ لی۔

سانپ اُس کی گرفت میں تڑپنے، پھڑکنے اور اپنے جسم کو سو سو بل دینے لگا۔ اُس نے لڑکی کی گردن چھوڑ کر عنبر کے بازو کے گرد اپنا سارا جسم لپیٹ لیا۔ سانپ میں بڑی طاقت تھی۔ عنبر کو اپنا ہاتھ ٹوٹتا محسوس ہُوا۔ اس کی انگلیوں میں خون کی گردش سُست پڑنے لگی تھی۔ اُس نے لڑکی سے کہا :

" جلدی سے کوئی پتھر لاؤ "

لڑکی جو کہ ایک منٹ پہلے سحر زدہ سا ہو کر خوف کے عالم میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریت پر چت لیٹی تھی۔ عنبر کو مصیبت میں پھنسا ہُوا دیکھ کر فوراً اُٹھی اور اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے وہ کہیں سے ایک گول سا پتھر اٹھا لائی۔ عنبر نے کہا کہ وہ پتھر کو اُس کے پاس پھینک دے۔ لڑکی نے آہستہ سے پتھر عنبر کے پاس پھینک دیا۔ سانپ اتنا طاقت ور تھا کہ عنبر نے زندگی میں کبھی اتنا طاقت ور سانپ نہیں دیکھا تھا۔ یہ عنبر ہی کا کام تھا کہ وہ ابھی تک سانپ کی طاقت کو سنبھالے ہوئے تھا؛ دگرنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سانپ کب کا اُس کی کلائی توڑ کر اُسے ڈس چکا ہوتا۔ یہ اس قسم کا سانپ تھا کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یعنی اُس آدمی کو اتنی بھی مُہلت نہیں ملتی کہ وہ اتنا ہی کہہ سکے کہ مجھے پانی دو۔

پتھر کے قریب کھسک کر عنبر نے سانپ کی سری کو اس پر رکھ کر اُوپر سے اپنا پاؤں رگڑنا شروع کر دیا۔ سانپ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ مُردہ ہو کر عنبر کے ہاتھ میں لٹکنے لگا۔ عنبر نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور مُردہ سانپ کو ریت کے اندر دفن کر دیا۔ اُس نے لڑکی سے کہا:

"ربِ عظیم کا شکر ہے کہ اُس نے تمہاری جان بچائی"

"تمہاری جان بھی تو خدائے واحد نے بچالی۔ مَیں تو اُس ذات کا اِس لیے بھی شکریہ ادا کر رہی ہُوں"

"کیوں نہیں، ہمیں ہر حال ہر عالم میں اُسی ذاتِ واحد کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"مگر یہ بتاؤ کہ تم نے سانپ کو ریت کے اندر کیوں دفن کر دیا؟ اسے باہر رہنے دیتے تاکہ کوئی گدھ اس کو کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا۔"

"مَیں طبابت سے واقف ہُوں لڑکی، ہمیشہ یاد رکھو۔ اگر کبھی سانپ کو مارو تو اُسے فوری طور پر زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دو۔ کیونکہ اگر مُردہ سانپ کو کسی کتے، بلّے یا گدھ نے کھا لیا تو وُہ اُس کے زہر کے اثر سے پاگل ہو جائے گا اور جس انسان کو کاٹے گا وہ بھی پاگل ہو جائے گا۔ آؤ اب اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ مجھے تمہیں چھوڑ کر واپس موہنجو داڑو آ کر وُہ کام کرنا ہے جس کے لیے مَیں یہاں آیا ہُوں۔"

"خدائے واحد کے لیے ایسا نہ کرنا۔ موہنجو داڑو واپس نہ آنا۔ اگر اُنہوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری گردن اُتار دیں گے۔ وُہ لوگ تو پہلے ہی سے تمہاری تلاش میں ہوں گے۔"

"مَیں اُن سے خوفزدہ نہیں ہُوں۔ مَیں اگر ڈرتا ہُوں تو صرف اپنے ربّ سے ڈرتا ہُوں۔ مجھے کسی کی پروا یا خوف نہیں ہے۔ ویسے بھی پجاریوں نے رات کے اندھیرے میں میری شکل کو غور سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھے بالکل نہیں پہچان سکیں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی، لیکن اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسان کا فرض ہے اور دیوتا بھی ..... معاف کرنا ....."

عنبر ہنس پڑا :

"کوئی بات نہیں، شروع شروع میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ ایک بات میں تمہیں کھول کر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس انسان کو خدائے واحد پر بھروسہ اور ایمان ہو جاتا ہے وہ دُنیا کے ہر خوف، ڈر اور غم سے نجات حاصل کر جاتا ہے۔ یہ صرف ایک فِقرہ ہی نہیں بلکہ آزمائی ہُوئی بات ہے۔ ساری تاریخ اس کی گواہ ہے۔ اِس لیے تم میرے بارے میں ہرگز فکر نہ کرو :"

اب صحرا میں صُبح کا ہلکا ہلکا اُجالا پھیلنے لگا تھا۔ انہوں نے چشمے پر مُنہ ہاتھ دھویا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گئے لڑکی کا گاؤں وہاں سے آدھے دن کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ وُہ بغیر رُکے صحرا میں سفر کرتے رہے۔ دن کا دوسرا پہر ڈھل رہا تھا کہ دُور سے لڑکی کو اپنے گاؤں کے کچے پکے مکان نظر آئے۔ اُس نے خوشی سے جھوم کر کہا :

"میرا گاؤں آگیا ہے"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اس گاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگوں نے لڑکی کو دیکھ کر سلام کیا۔ لڑکی عنبر کو ساتھ لے کر اپنے ماں باپ کے گھر میں آگئی۔ لڑکی کے ماں باپ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"عاتکہ، تم اکیلی کیسے آگئیں۔ تمہارا خاوند کہاں ہے؟ یہ نوجوان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کون ہے ؟"

"بابا جان، مَیں ابھی آپ کو ساری کہانی بیان کرتی ہُوں!"

لڑکی اپنی ماں سے لپٹ گئی اور پھر اُس نے الف سے لے کر یے تک اُنہیں ساری داستان سُنا ڈالی۔ بوڑھے ماں باپ نے عنبر کو پیار کے ساتھ گلے لگا لیا کہ اُس نے بہادری سے کام لے کر اُن کی بچّی کی جان بچائی۔ عنبر واپس جانا چاہتا تھا مگر اُنہوں نے اُسے روک لیا کہ وُہ تھکا ہُوا ہے اور ایک دو راتیں ان کے ہاں آرام کر کے واپس جائے۔

عنبر راضی ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگ میں جلا دو

●

عنبر تیسرے روز عاتکہ کے ماں باپ سے رخصت ہو کر واپس موہنجو داڑو کی طرف چل پڑا۔

وہ دوسرے روز ہی صبح کو وہاں سے کوچ کر جانا چاہتا تھا مگر عاتکہ کے ماں باپ نے اُسے ایک روز اور ٹھہرا لیا۔ جاتے ہوئے اُس نے عاتکہ کے باپ سے کہا:

"آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو کچھ دنوں کے لیے اپنے کسی رشتے دار کے ہاں بھیج دیں۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کے مرحوم خاوند کے رشتے دار پجاریوں کے ساتھ مل کر بادشاہ کے سپاہی لے کر اُس کی تلاش میں نہ آ جائیں!"

عاتکہ کے باپ نے کہا:

"بیٹے! ہم دُنیا میں اکیلے ہیں۔ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ ہم اِس بچی کو کسی کے ہاں بھجوا دیں گے۔ دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔ وہ اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔"

اب عنبر اُن کو کیا کہتا کہ دیوتا اُن پر مہربان نہیں ہوئے بلکہ ربِ عظیم نے اُن پر اپنا فضل کیا ہے۔ بہر حال اُس نے اِتنا ضرور کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ آنکہ کو زیادہ دیر باہر نہ نکلنے دیں اور زیادہ وقت گھر کے اندر ہی چھپا کر رکھیں۔ اتنا کہہ کر وہ واپس موہنجو داڑو کی طرف چل پڑا۔

ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد وہ موہنجو داڑو شہر کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ وہ شہر کے شمال مغربی علاقے سے اندر داخل ہُوا تھا۔ اب وہ کاروان سرائے میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ پجاری کے قتل کے سلسلے میں بادشاہ کے سپاہی اُس کی تلاش میں وہاں ضرور آئے ہوں گے۔ اِس لیے کہ پجاریوں کو سلطنت میں بڑا اثر رسُوخ حاصل تھا اور حکمران شہزادہ بڑے پجاری کی بات کبھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ ویسے بھی اگر ایک قتل ہو جائے تو قاتل کو ضرور گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عنبر کو اگر کچھ خیال تھا تو صرف اِتنا کہ ہو سکتا ہے اُسے کوئی پہچان نہ سکے۔ لیکن یہ محض اُس کا وہم تھا۔ ایک پجاری نے اُسے مشعل کی روشنی میں بڑے غور سے دیکھ لیا تھا اور وُہ اُسے ہر حالت میں پہچان سکتا تھا۔

اس پجاری کا نام سامبا تھا اور وُہ بڑے پجاری کا بیٹا تھا۔ اُسے اپنے باپ کے قتل کا بڑا صدمہ ہُوا تھا اور وُہ عنبر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ جادوگر اور نجومی بھی تھا۔ اُس نے اپنے نجوم کے عِلم سے دیکھا کہ اُس کے باپ کا قاتل موہنجو داڑو کے شمال مغربی علاقے میں ایک ایسی جگہ موجود ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں ایک تالاب بھی ہے ۔

اس کا اندازہ اور نجوم کا علم بالکل درست تھا۔ عنبر واقعی جس جگہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بھی تھا۔ پجاری سامبا نے شہر کے تمام تالاب کنارے کے مکانوں کو غور سے دیکھنا اور ان کی خفیہ خفیہ جاسوسی شروع کر دی۔ اسے شہزادے کی حمایت حاصل تھی۔ وہ جس وقت چاہے عنبر کو، اپنے باپ کے قاتل کو گرفتار کر سکتا تھا۔ تلاش کرتے کرتے آخر ایک روز وہ اس تالاب کے پاس بھی پہنچ گیا جس کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں ایک کچا مکان تھا۔ یہ مکان ایک غریب کمہار کا تھا۔ عنبر اسی مکان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پجاری سامبا سارا دن تالاب کنارے چھپ کر بیٹھا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ اندر سے عنبر باہر آئے۔ عنبر اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ وہ تیسرے پہر کسی ضرورت کے ساتھ مکان سے نکل کر تالاب کے پاس آیا تو پجاری نے اسے فوراً پہچان لیا۔ اس کا چہرہ انتقام کی آگ سے بھڑک اٹھا۔ مگر وہ خاموش رہا اور چپکے سے وہاں سے نکل گیا۔

محل میں آ کر اس نے بڑے پروہت سے بات کی کہ اس نے اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگا لیا ہے اور اب وہ اسے گرفتار کر کے شہزادے کے حضور میں پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے باپ کے قاتل کو سزا دی جائے۔ بڑے پروہت نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے سے بات کی جس نے اُسی وقت حکم جاری کر دیا کہ بڑے پجاری کے قاتل کو تالاب والے مکان سے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ دوسرے روز صبح صبح عنبر نہانے کے لیے تالاب پر آیا تو بادشاہ کی فوج سامنے کھڑی تھی۔ پجاری سامبا ان کے ساتھ تھا۔

"ٹھہر جاؤ"! فوج کے سردار نے کڑک کر کہا۔ "ہم تمہیں موہنجو داڑو کے بڑے پجاری کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے اور اس کمہار کے مکان کو بھی تہس نہس کر دیں گے"

عنبر کو اپنے ہلاک ہونے کی تو پروا نہ تھی مگر ہاں اُسے غریب کمہار کا خیال ضرور تھا جس نے اُسے ایک مسافر جان کر اپنے مکان میں پناہ دی تھی۔ اُس نے کہا:

"اگر تم لوگ مجھے یقین دلا دو کہ اِس غریب کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا تو میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا"

فوج کے سردار نے کہا:

"ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا"

عنبر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا:

"تو مجھے گرفتار کر لو۔ میں گرفتاری کے لیے تیار ہوں"

پجاری سامبا نے چیخ کر کہا:

"اِسے زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں پیش کرو"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہی اپنے سردار کے حکم سے فوراً آگے بڑھے اور اُنھوں نے عنبر کو گرفتار کرکے زنجیریں ڈالیں اور گھوڑے پر بٹھا کر محل کی طرف چل پڑے۔ عنبر ایک بار پھر گرفتار ہو چکا تھا۔ اب اُسے موہنجو داڑو کے شہزادے اور بادشاہ کے دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ عنبر بھی یہی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح شاہی دربار تک پہنچے۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے گھروں میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ شاہی محل میں داخل ہوکر بڑے پروہت نے پجاری کے قاتل کو دیکھا تو نفرت سے بولا:

"اس نوجوان نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے، اس نے ہمارے دیوتاؤں کے خاص پجاری کو قتل کیا ہے۔ اِسے دیوتا کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اسے ہم آگ میں زندہ جلائیں گے۔ اسے دربار میں پیش کرو۔ میں بادشاہ شہزادے سے خود کہہ کر اسے آگ میں ڈالوں گا۔"

سپاہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو لے کر شاہی محل کے قید خانے کی طرف چل دیئے۔ یہ قید خانہ محل کے نیچے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تھا۔ عنبر کو اس کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ عنبر زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے خدائے واحد کا تصور کیا اور آنکھیں بند کرکے اُس کی عبادت شروع کر دی۔ اس عبادت میں وہ اس قدر گم ہوگیا کہ اُسے اپنے گردوپیش کی خبر ہی نہ رہی۔ اُسے بالکل محسوس نہ ہُوا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر قید ہے جہاں ایک پل کے لیے ٹھہرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی مصیبت ہے۔ خدا سے محبت کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان ساری دُنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے ارادے میں پختہ ہو جاتا ہے، اور بڑی طاقت، عزم اور بڑی لگن کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔

صبح عنبر کو موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اُدھر تاجر کے رشتے دار بھی بے خبر نہیں تھے۔ عائکہ نے فرار ہو کر اُن کی اور اُن کے مُردہ رشتے دار تاجر کی رُوح کو تکلیف پہنچائی تھی۔ انہوں نے پجاری کے ساتھ مل کر سپاہیوں کا ایک دستہ حاصل کر لیا تھا جو عائکہ کی تلاش میں راتوں رات اُس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ جس وقت عنبر موہنجو داڑو کی سرحد میں داخل ہوا تھا، موہنجو داڑو کی شاہی فوج کے سپاہی عائکہ کے گاؤں میں داخل ہو چکے تھے۔ بوڑھے تاجر کے رشتہ دار اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے فوراً عائکہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لوگ مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ بوڑھے ماں باپ نے فوج کو دیکھ کر اپنی بیٹی کو ایک بہت بڑے ٹھنڈے تنور میں چھپا دیا تھا۔ مگر یہ تنور سپاہیوں کی آنکھ سے کیسے بچ سکتا تھا۔ ایک سپاہی نے تنور کے منہ پر سے گھاس کا گٹھا اٹھا کر پرے پھینکا اور اندر جھانک کر دیکھا۔ تنور کے اندر لڑکی عائکہ چھپی بیٹھی تھی۔

"باہر نکل آؤ۔ تم شاہی مجرم ہو۔ تم نے بادشاہ کے قانون اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کے مذہب کی توہین کی ہے۔ ہم تمہیں بادشاہ کے قانون اور لوگوں کے مذہب کے نام پر گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عائکہ کو اُسی وقت گرفتار کر دیا۔ اُس کے ماں باپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں معلوم تھا کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت اُن کی بیٹی کو زندہ آگ میں جل کر مر جانے سے نہیں بچا سکتی۔ لڑکی چیختی رہی، چلاتی رہی، شور مچاتی رہی۔ مگر اُس کی فریاد کسی نے نہ سُنی۔ سپاہیوں نے اسے رسیوں سے باندھ کر اونٹ پر ڈال دیا اور واپس موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گئے۔

ساری رات اور سارا دن مسلسل سفر کرنے کے بعد سپاہی لڑکی کو لے کر موہنجو داڑو پہنچ گئے اور اُسے بڑے پروہت کے آگے پیش کر دیا گیا۔ کیونکہ لڑکی نے مذہب کے خلاف جرم کیا تھا اور مذہب کی ٹھیکیداری پروہت کے پاس تھی۔ بڑے پروہت نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر عائکہ کی طرف دیکھا۔

"اب تمہیں محسوس ہو گیا ہو گا کہ ہمارے مذہب کے خلاف گناہ کر کے تم دُنیا کے جس کونے میں جا کر چھپ جاؤ گی۔ ہمارے دیوتا تمہیں گرفتار کرانے میں ہماری مدد کریں گے۔"

لڑکی نے غصّے میں کہا:

"تمہارے دیوتا جھوٹے ہیں۔ میرا ربّ واحد ضرور میری مدد کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے لوگ دیوتاؤں کی توہین سن کر کانپ گئے۔ بڑے پروہت نے گرج کر کہا:

"کل اِس لڑکی کی زبان کھینچ لی جائے"

"تم لوگ مجھے جو چاہے سزا دے دو۔ مگر میں تمہارے دیوتاؤں کی ذرا پروا نہیں کرتی۔ تمہارے سارے دیوتا اور اُن کے پتھر کے بُت جھوٹے ہیں۔ سچا صرف میرا رب واحد ہے۔ وُہی آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ وُہی سورج کو طلوع کرتا اور غروب کرتا ہے۔ اُسی کے حکم سے ہوا چلتی ہے اور زمین کے نیچے سے درخت کا بیج پودا بن کر پھوٹتا ہے۔ اُسی نے ......"

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا:

"لے جاؤ اِس گستاخ کو اور قید میں ڈال دو"

سپاہی عاتکہ کو گھسیٹتے ہوئے محل کے قید خانے میں لے گئے اور اُسے ایک کال کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا۔ عنبر کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے اُس سے چار کوٹھڑیاں چھوڑ کر بے چاری عاتکہ بھی قید ہے۔ وہ عاتکہ — جس کی زندگی بچانے کے لیے اُس نے بے پناہ جرأت کا کام کیا تھا اور پجاری کو قتل کر کے اب آگ میں زندہ ڈالے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ساری رات عنبر نے خدائے واحد کی عبادت میں گزار دی۔ اُسے صبح ہونے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ اُس کوٹھڑی میں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ دوسری طرف عاتکہ کو بھی علم نہ ہو سکا کہ صبح ہو گئی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اُس سے تین کوٹھڑیاں چھوڑ کر اُس کا محسن قید کے عالم میں پڑا ہے۔

عنبر کی کال کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور دو زرہ پوش سپاہی کلہاڑے کندھوں پر رکھے اندر داخل ہوئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ دوسری جانب لڑکی کی کال کوٹھڑی میں بھی سپاہی آئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کا دربار لگا ہوا تھا۔ سارے درباری قطار باندھے کھڑے تھے۔ بڑا پروہت ہاتھ میں چاندی کا ڈنڈا لیے اُس کے سہارے کھڑا تھا۔ اُس کے سر کے بال مُونڈے ہوئے تھے اور کھوپڑی پر مَلا ہُوا زیتون کا تیل چمک رہا تھا۔

شہزادہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ دربار میں سناٹا طاری تھا۔ تخت کے پاس ایک سبز نیلے پَروں والا مور اپنے پنکھ پھیلائے رقص کر رہا تھا۔ شہزادے کو موروں سے بہت پیار تھا اور وہ ایک مور ہر وقت دربار میں اپنے پاس رکھتا تھا۔ اتنے میں دربار ڈھول تاشوں اور نفیریوں کی آوازسے گونج اٹھا۔

دربان نے بلند آواز میں کہا:

"شہزادہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ نگاہ روبرو، گردن خم، آواز گم، شہزادہ جاہ وحشم، دیوتاؤں کے پاسبان تشریف لا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادہ اپنی خالہ ملکہ کے ساتھ زرق برق لباس میں ملبوس انتہائی قیمتی ہیرے جواہرات کا تاج سر پر رکھے دربار میں نمودار ہُوا سارے درباری جُھک گئے۔ شہزادہ تخت پر آ کر اپنی خالہ ملکہ کے برابر بیٹھ گیا۔ دربار پر ابھی تک سناٹا طاری تھا۔ بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر سر جُھکایا اور کہا:

"حضور پُر نور کی خدمت میں مَیں بڑے پُجاری کے قاتل اور دیوتاؤں کی توہین کرنے والی لڑکی کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرتا ہُوں"

شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے حُکم دیا کہ اجازت ہے۔ بڑے پروہت نے اپنا چاندی کا ڈنڈا ذرا سا زمین پر مارا۔ فوراً ایک دروازہ کُھلا اور زنجیروں میں جکڑے ہُوئے عنبر کو دربار میں لا کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ بڑے پروہت نے دُوسری بار چاندی کے ڈنڈے کو زمین سے ٹکرایا۔ دوسرا دروازہ کُھلا اور زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ناٹکہ اندر داخل ہوئی۔ عنبر اُس لڑکی کو اور وہ لڑکی عنبر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وُہ اِس حالت میں واں ملیں گے۔ عنبر کا خیال تھا کہ وُہ اکیلا ہے اور ناٹکہ کا خیال تھا کہ وہ اکیلی ہے۔ دربار میں وہ ایک دوسرے سے بات نہ کر سکتے تھے۔ اُنھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دُوسرے کو دیکھا اور بے کسی و مجبوری کی حالت میں سر جُھکا لیے۔ بڑے پروہت نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے کے تخت کے پاس جا کر ایک بار پھر سر جھکایا اور کہا :

" دونوں ملزم حاضر ہیں شہزادہ سلامت "

شہزادے نے کہا :

" پہلے اس لڑکی کو پیش کیا جائے جس نے ہمارے مقدس دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ زندہ آگ میں نہ جل کر ہمارے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے "

بڑے پروہت نے دربار کی طرف دیکھ کر کہا :

" لڑکی کو پیش کیا جائے "

فوراً دو سپاہی عاتکہ کو لے کر آگے بڑھے اور اُسے تخت کے سامنے کھڑا کر کے واپس اپنی جگہوں پر چلے گئے ۔ شہزادے نے بڑے غور سے عاتکہ کو دیکھا اور اُس سے کہا :

" اے لڑکی ، تمہارا نام کیا ہے ؟"

" عاتکہ "

رب واحد پر ایمان لے آنے کے بعد عنبر نے محسوس کیا کہ لڑکی کی آواز میں ایک رُعب اور دبدبہ آگیا تھا ۔ جس طرح دُوسرے درباری دربار میں سہمے ہوئے کھڑے تھے ، عاتکہ اس کے برخلاف بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ کھڑی شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی ۔

شہزادے نے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم بوڑھے تاجر کی بیوی تھیں؟"

"جی ہاں، شہزادہ سلامت!"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے اپنے مُردہ خاوند کے ساتھ آگ میں نہ جل کر اِس مُلک کے مذہب کے خلاف ایک ایسا جُرم کیا ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا!"

"مَیں نے کوئی جُرم نہیں کیا شہزادہ سلامت!"

سارے درباری کانپ کر رہ گئے۔ شہزادے نے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس جُرم کی سزا موت ہے؟"

"جانتی ہُوں شہزادہ سلامت!"

"پھر تمہیں موت سے خوف نہیں تھا جو تم نے ہمارے مقدّس دیوتاؤں اور مذہب کی توہین کی؟"

"مَیں مَوت سے نہیں ڈرتی شہزادہ سلامت، میرا ایمان جس ربِ عظیم پر ہے وُہ ایک نیک انسان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے مَیں آپ کے جھُوٹے دیوتاؤں کی قید سے آزاد ہو چکی ہُوں!"

دربار میں موجود شہزادہ اور اُس کی خالہ سمیت سبھی لوگ خوف سے لرز گئے۔ ان کے مطابق وہ لڑکی کُفر کہہ رہی تھی۔ شہزادے نے بڑے پروہت کی طرف دیکھ کر کہا:

"اِس گستاخ لڑکی کو لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر اُس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دو!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جو حکم بادشاہ سلامت" بڑے پروہت نے خوش ہو کر کہا اور سپاہی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے۔ اب عنبر کو دربار میں پیش کرنے کی باری تھی۔ عنبر ہر قسم کی مصیبت اور طوفان کے لیے تیار تھا۔ مگر وہ اس بے گناہ لڑکی کی تکلیف برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے لڑکی کو دیکھا کہ وہ رو رہی ہے اور وحشی سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے قید خانے کی طرف لیے جا رہے تھے۔

کیا بے گناہ لڑکی کی کھال کھینچوا دی گئی؟ کیا تھامیں واپس موہنجو داڑو اپنے ماں باپ کے گھر پہنچ گئی؟ عنبر نے دربار میں کیا کیا کرامت دکھائی؟ دیوی بلطیس کی پُراسرار بہن سے اُس کی ملاقات کن حالات میں ہوئی؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کے چھٹے حصے "ہڑپہ کا آتشیں ناگ" میں پڑھیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُہماتی ناول

ہر ناول کی کہانی الگ تھلگ • خوفناک مناظر سے آراستہ

گمنام قبیلے کا راز	محمد عظیم	۵/-
آدم خوروں کا جزیرہ	حسن اکبر کمال	۵/-
طلسمی جنگل	ریاض احمد	۵/-
جاپانی چور کے کارنامے	محمد یونس حسرت	۴/۵۰
جاپانی چور کی واپسی	محمد یونس حسرت	۴/-
عقل مند شکاری	محمد یونس حسرت	۵/-
خوفناک سازش	محمد یونس حسرت	۴/-
پُر اَسرار چیتا	محمد یونس حسرت	۵/-
اور میں زندہ رہا	جبار توقیر	۴/-
زنگوں سے فرار	اے حمید	۴/-
سگنل کی سُرخ بتی	اے حمید	۵/-
چاند تارا	لطیف فاروقی	۴/-
جہاں گشت بغدادی	اسرار زیدی	۴/۵۰
تہ خانے کا راز	اشتیاق احمد	۴/-

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

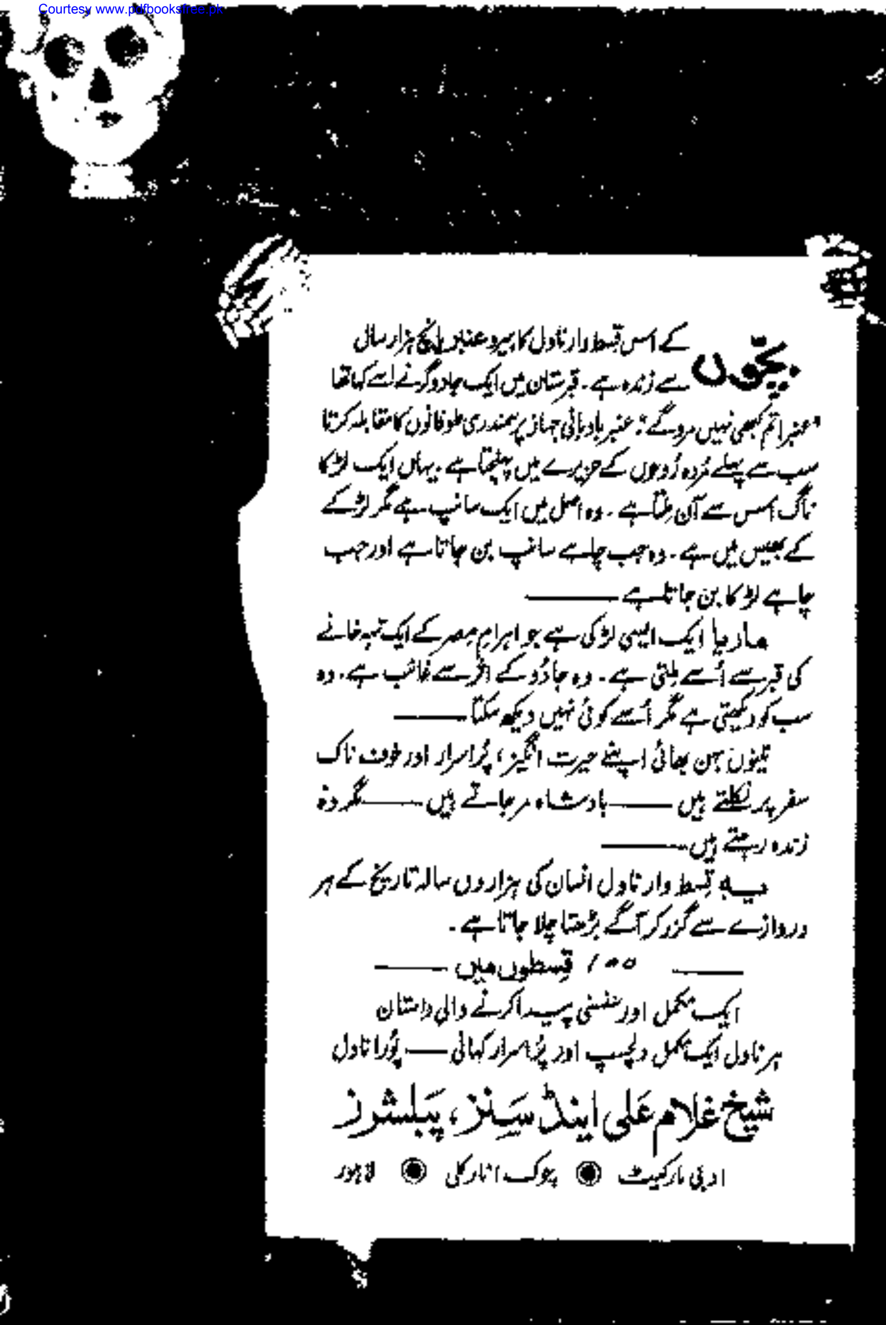

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر ناگ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن مِلتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرامِ مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— ۱۰۰۵ قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

بُڑھیا کا شیش ناگ

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۶
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ہڑپہ کا شیش ناگ

اے۔ حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ ، اچھرہ ، لاہور

قیمت . [redacted] روپے

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ،
۱۹۹ - سرکلر روڈ ، چوک انارکلی ، لاہور ۔ ۲ / ۵۴۰۰۰

ISBN - 969 - 31 - 0369 - 6

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلا باب ——— جادوگر کی شکست

دوسرا باب ——— تھائیں کی تلاش

تیسرا باب ——— جادوگر کا انتقام

چوتھا باب ——— پُراسرار تعاقب

پانچواں باب ——— ہڑپہ کا شیش ناگ

چھٹا باب ——— وحشی ملکہ

ساتواں باب ——— مصیبت کا سفر

آٹھواں باب ——— خونخوار عمبیکا

نواں باب ——— صحرائے گوبی سے فرار

دسواں باب ——— پھر قید میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو عنبر اکیلا صحرا میں سفر کرتا چلا جا رہا ہے۔ صحرا کے ایک مندر میں رقص کرتی رقاصہ اُسے موہنجو داڑو آنے کے لیے کہتی ہے۔ عنبر اس دعوت کے ساتھ ہی تاریخ عالم کی ایک پرانی تہذیب میں داخل ہوتا ہے۔ وہ بادبانی جہاز میں سفر کرتا موہنجو داڑو پہنچتا ہے۔ عنبر مندر میں پہنچ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ بڑا پروہت اُسے دربار میں پیش کرتا ہے۔ بادشاہ عنبر کو موت کی سزا سناتا ہے۔ مگر عنبر پر موت کا وار اثر نہیں کرتا۔ بادشاہ عنبر کا دوست بن جاتا ہے۔ صحرا کی شہزادی تھائکیں مردانہ لباس میں سفر کرتی، صحراؤں میں سے گذرتی، قافلے کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بادشاہ عاتکہ کی کھال کھنچوانے کا حکم دیتا ہے مگر ہمارا ہیرو عنبر اُسے بچا لیتا ہے۔ اس کے آگے اس ناول میں پڑھیئے۔

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جادو کی شکست

عانکہ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے پہنچا دیا گیا۔

اب عنبر کو دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ بڑے پروہت نے اعلان کیا کہ اب اس شخص کو دربار میں پیش کیا جائے گا جس نے نوجوان لڑکی عانکہ کو دیوتاؤں کی رسم کے مطابق اپنے مُردہ شوہر کے ساتھ جل مرنے سے بچایا تھا۔ شہزادے کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ ایک اجنبی شخص نے اُس کے ملک کے دیوتاؤں اور وہاں کے لوگوں کے مذہب کے خلاف ایک زبردست قدم اٹھایا تھا۔ بڑے پروہت کے اعلان کے بعد عنبر کو دربار میں پیش کر دیا گیا۔ وہ بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ عنبر دربار میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے غور سے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ تو گویا یہ وہ نوجوان تھا جس نے اُس کے بڑے پجاری کو ہلاک کر کے دیوتاؤں کی توہین کی تھی۔ وہ غصے میں کانپنے لگا۔ بڑے پروہت نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حضور! یہ وہ نوجوان ہے جس نے ہمارے مقدس بڑے پجاری کو ہلاک کر دیا اور اپنے خاوند کے ساتھ زندہ جل مرنے والی لڑکی کو بھگا کر لے گیا۔

شہزادے نے کہا

"اے نوجوان! کیا تم اس الزام سے انکار کرتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"نہیں شہزادہ سلامت!"

شہزادے کے ساتھ سارے درباری حیران رہ گئے کہ مجرم نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے جرم کو تسلیم کر لیا تھا۔ شہزادے کی ماں نے عنبر سے پوچھا۔

"کیا تم کو معلوم ہے کہ اس جرم کی سزا کتنی بھیانک ہے؟"

عنبر نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔

"جانتا ہوں ملکہ عالیہ!"

"تو کیا تمہیں سزا کا ڈر نہیں ہے؟"

"میں صرف خدائے واحد سے ڈرتا ہوں ملکہ سلامت۔ مجھے دنیا میں اور کسی سے کوئی ڈر یا خوف نہیں ہے۔"

شہزادے نے بلند آواز میں کہا۔

"تم نے ہمارے بڑے پجاری کو قتل کرنے کی جرأت کی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا

"شہزادہ سلامت! وہ مجھ سے مقابلے پر اُتر آیا تھا۔ اگر میں اُسے ہلاک نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ وہ ایک انتہائی خوفناک اور غیر انسانی فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ برداشت نہ کر سکا۔ جس طرح اُس نے فرض ادا کرنے کی کوشش کی اسی طرح میں نے بھی اپنا فرض ادا پورا کیا اور نوجوان بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلنے سے بچا لیا۔"

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔

"تم نے ہمارے دیوتاؤں کی اور ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔ ہم اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم تمہیں اس کی سخت سے سخت سزا دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"شہزادہ سلامت! بڑے پروہت سے پوچھیں کہ انہوں نے چتا میں آگ لگانے کی ہزار بار کوشش کی مگر ایک بار بھی لکڑیوں نے آگ نہ پکڑی۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ دیوتا ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ایک زندہ لڑکی حالانکہ اپنے مردہ خاوند کے ساتھ آگ میں جل مرے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بکواس ہے۔" بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔ دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق لڑکی کو جلا دینا چاہیئے تھا۔"

"تو پھر تم لوگ اسے کیوں نہیں جلا سکے؟" عنبر نے پوچھا۔

بڑے پروہت نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس لئے شہزادہ سلامت کہ اس نوجوان نے آگ پر جادو کر دیا تھا۔ یہ شخص جادوگر بھی ہے۔ اس کے جادو کی وجہ سے آگ نہیں جلی۔"

شہزادے نے پوچھا۔

"کیا تم جادوگر بھی ہو اے نوجوان؟"

عنبر مسکرایا۔

"ہرگز نہیں شہزادہ سلامت! میں جادوگر نہیں ہوں۔ میں تو ایک عام انسان ہوں جو ملک افریقہ سے تجارت کی غرض سے آپ کے شہر آیا ہے۔"

"پھر چتا پر لکڑیوں نے آگ کیوں نہیں پکڑی تھی؟" شہزادے نے پوچھا۔

عنبر نے کہا

"اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دیوتا اس ہلاکت کے خلاف تھے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ لڑکیاں ہمیشہ اپنے خاوندوں کے ساتھ زندہ آگ میں جلتی آئی ہیں اور کبھی دیوتا ناراض نہیں ہوئے۔ پھر اس دفعہ انہیں خاص طور پر ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

بڑے پروہت کے اس سوال کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ شہزادے نے بھی عنبر کی طرف دیکھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر عنبر خاموش رہا۔ وہ کوئی جواب دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے بحث فضول تھی۔ عنبر چاہتا تھا کہ وہ اسے جو سزا دینا چاہتے ہیں دے دیں تاکہ اس وقت شہزادے اور درباریوں پر یہ بھید کھلے کہ جس نوجوان کو وہ مار ڈالنا چاہتے ہیں وہ مر نہیں سکتا۔

شہزادے نے عنبر کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"کیا واقعی تم جادوگر ہو؟"

"نہیں شہزادہ سلامت!"

شہزادے نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اعلان کیا۔

"کل اس لڑکی کے ساتھ اس نوجوان کی بھی کھال کھینچ کر اس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دی جائے۔ تاکہ لوگوں کو نصیحت ہو کہ دیوتاؤں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توہین کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔"

سارے درباریوں نے بادشاہ کے اس فیصلے پر خوشی سے تالیاں بجائیں۔ بڑا پروہت بڑا خوش تھا کہ اُس کے دوست کے قاتل کو ٹھیک سزا ملی۔ اُس نے شہزادے سے کہا۔

"شہزادہ سلامت! میری درخواست ہے کہ کل جس وقت ان کافروں کی کھال کھینچی جائے تو آپ بھی وہاں موجود ہوں۔"

شہزادے نے کہا

"ایسا ہی ہوگا۔ ہم وہاں موجود ہوں گے۔"

دربار برخواست ہو گیا۔ سپاہی عنبر کو لے کر قید خانے کی طرف چلے گئے۔ ساری رات عنبر سو نہ سکا۔ اُسے عاتکہ کے بارے میں پریشانی تھی کہ موت کی سزا سُن کر وہ کہیں صدمے سے پہلے ہی جان نہ دے دے۔ اُس کی کوٹھڑی وہاں سے کافی فاصلے پر تھی۔ اگر وہ قریب ہوتی تو عنبر اُسے ضرور حوصلہ دیتا۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی پہریدار کے ہاتھوں پیغام بھی نہیں بھجوا سکتا تھا۔

سی سوچ بچار میں صبح ہو گئی۔ سپاہی آئے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن دونوں کو لے کر اس جگہ لے چلے جہاں اُن دونوں کی کھال کھنچوائی جانے والی تھی۔ شہزادہ پہلے ہی سے وہاں تخت پر موجود تھا۔ جلّاد بڑا سا چھُرا ہاتھ میں لیئے تیار کھڑا تھا۔ اُس کا کام محض اتنا تھا کہ بادشاہ کے حکم پر اُن دونوں کی باری باری کھال کھینچ دے۔ عنبر اور عاتکہ جب وہاں لائے گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عاتکہ بے چاری کا خوف سے مارے بُرا حال تھا۔ اُن کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ ایک ہی رات میں صدمے سے پگھل کر دبلی ہو گئی تھی۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

" خدائے عظیم کے حوالے عنبر! اب ہم اگلی دنیا میں ملیں گے۔ یہ لوگ اب ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اب ان ظالموں کے ظلم سے نہیں بچا سکتی۔"

عنبر نے عاتکہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

" عاتکہ! خدائے عظیم کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ اگر چاہے تو ایک کمسن بچے کو سمندر کے طوفان سے بچا سکتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو صحرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پھول اُگا سکتا ہے اور سمندر میں پہاڑ پیدا کر سکتا ہے۔ تم بالکل نہ گھبراؤ اور خدائے عظیم کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔"

"مگر عنبر! یہ لوگ تو چھرے لیے میرے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ ابھی میری کھال کھینچ دیں گے۔"

"اپنا دھیان خدا کی طرف رکھو عاتکہ! یقین کرو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔"

بڑے پروہت نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شہزادہ سلامت اجازت دیں کہ اِن کافروں سے اپنے دیوتاؤں کی توہین کا بدلہ لیا جائے۔"

شہزادے نے ہاتھ کھڑا کرکے کہا۔

"اجازت ہے۔"

بڑے پروہت نے جلّاد کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"سب سے پہلے لڑکی کو لایا جائے۔"

یہ سُن کر عاتکہ بیچاری کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اُس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ دو سپاہی اُسے گھسیٹتے ہوئے درمیان میں چبوترے پر لائے اور اُسے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ عاتکہ پر بے ہوشی کی حالت طاری تھی۔ بڑے پروہت نے ایک ہاتھ آسمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف اٹھا کر کہا۔

"اے عظیم دیوتا مردوک! اس لڑکی نے تیرے اصولوں کی توہین کی اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ جل مرنے سے انکار کیا۔ یہ بھاگ گئی اور تمہارے قانون کا مذاق اڑایا۔ ہم تمہاری توہین اور بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اس کی کھال کھینچ رہے ہیں۔ اب تمہیں خوش ہو جانا چاہیئے۔"

پروہت نے جلاد کو اشارہ کر دیا۔

جلاد نے آگے بڑھ کر چھرا اٹھایا اور عاتکہ کے سر کے بال کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اب اُس نے اُس کی کھال اتارنی تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ سر کے درمیان میں چھرے سے شگاف دے کر کھال کھوپڑی سے اوپر کاٹ دی جاتی تھی اور پھر اُسے آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھینچا جاتا تھا۔ اس سے مرنے والے کو بے حد اذیت ہوتی تھی۔ وہ درد اور کرب سے چلاتا تھا مگر جلاد اپنے ہولناک کام میں لگا رہتا تھا۔ عنبر کے لیے یہ لمحہ بڑا فکر انگیز تھا۔ بڑا خطرناک تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی عاتکہ کو اس بے دردی سے موت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے خیال ہی خیال میں آنکھیں بند کر کے بلبلیں کی بہن دیوی کو یاد کیا اور کہا کہ وہ اُس کی اور عاتکہ کی مدد کو آئے۔ اُس نے تین بار اُسے خاموشی کی زبان میں پکارا۔ تیسری بار پکارنے پر دیوی ظاہر ہو گئی اور اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کو سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیوی نے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے"

عنبر نے کہا۔

"اے دیوی! اس بے گناہ لڑکی کی مدد کر۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ معصوم ہے۔ اس کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔"

دیوی مسکرائی اور کہنے لگی

"گھبراؤ نہیں عنبر! میں اس لڑکی کی ضرور مدد کروں گی۔ یہاں کسی میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میرے ہوتے ہوئے اس لڑکی کو کچھ کہہ سکیں۔ تم دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتی ہوں"

"تمہارا شکریہ دیوی! اگر آج تم میری کو نہ آتی تو یہ لوگ اس بے گناہ کی کھال کھینچ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اذیت کی موت مار چکے ہوتے۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا عنبر! ہرگز نہیں ہوگا۔"

اس دوران میں جلاد نے چھرا اٹھایا۔ ستون کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی نے ایک خوفناک چیخ ماری۔ جلاد نے چھرا لہرایا اور قریب تھا کہ وہ بڑے زور کے ساتھ عاتکہ کے سر میں ایک گہرا شگاف ڈال دیتا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے چھرا چھن کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔ جلاد پریشان سا ہو گیا۔ شہزادہ اور پروہت بھی تعجب کرنے لگے۔ جلاد نے جلدی سے چھرا اٹھا لیا اور دوسری بار لڑکی کے سر پر حملہ کرنے لگا۔ ابھی چھرا عاتکہ کے سر کے قریب ہی آیا تھا کہ جلاد کے ہاتھ سے چھرا اچھل کر فضا میں بلند ہوا اور پھر بڑی تیزی کے ساتھ اس کے کندھے پر ایسا لگا کہ جلاد کی گردن تن سے الگ ہو کر فرش پر گر پڑی۔ دربار میں ایک کہرام مچ گیا۔

شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا ہو گیا؟"

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔

"یہ جادوگر ہے شہزادہ سلامت۔ اسے پہلے قتل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا جائے۔"

شہزادے نے کہا۔

"پہلے اس نوجوان کو قتل کر دو۔"

دو سپاہی تلواریں لے کر عنبر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے تلواریں لہرائیں اور عنبر پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔ یہ ان کی بدنصیبی تھی۔ تلواریں ان کے ہاتھوں سے بھی چھوٹ کر پرے جا گریں۔ شہزادے کے حکم سے دوسرے سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے نیزے بلند کیے وہ عنبر کو نیزوں میں پرو دینا چاہتے تھے۔ عنبر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ دیوی اس کی مدد کر رہی تھی۔ سپاہیوں کے ہاتھوں سے نیزے اچھلے اور پھر ان کے جسموں میں اتر گئے۔

سپاہی چیخ مار کر فرش پر گرے اور خون میں لت پت تڑپنے لگے۔ شہزادے کی ماں نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

"ٹھہرو ــــ اس نوجوان کے ساتھ جادوگر مقابلہ کریں گے۔"

یہ پروہت اور دربار کے جادوگروں کے امتحان کا وقت تھا۔ شہزادے نے بھی اپنی ملکہ والدہ کے خیال کی تائید کی۔ اور کہا کہ دربار کا سب سے بڑا جادوگر سامنے آئے اور عنبر کو زیر کرنے کی کوشش کرے۔ اُن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیال تھا کہ عنبر چونکہ جادوگر ہے اس لیے اُس پر کسی طاقت کا اثر نہیں ہوگا۔ اُسے صرف جادو کے زور ہی سے قابو کیا جا سکتا ہے۔ دربار کے بڑے جادوگر نے اٹھ کر شہزادے کو سلام کیا اور کہا۔

"غلام حاضر ہے عالم پناہ!"

شہزادے نے کہا

"اے شاہی جادوگر! اس نوجوان کو اپنے جادو کے زور سے فتح کرو۔ اس نے ہمارے دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور ہمارے کئی آدمیوں کو اپنی جادوگری سے ہلاک کر دیا ہے۔"

"جو حکم عالم پناہ!"

جادوگر نے سر جھکا کر شہزادے کی تعظیم بجا لائی اور پھر اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔

"اے نوجوان! کیا تم جادوگر ہو؟ اگر جادوگر ہو تو اپنے اُستاد کو یاد کرو۔ اور میرا پہلا وار برداشت کرو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں جادوگر نہیں ہوں۔ بلکہ خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ہوں۔ میرا رب میری حفاظت کرتا ہے۔ میرا کوئی اُستاد نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کسی

سے جادو سیکھا ہے۔"

شاہی جادوگر بولا۔

"تو پھر اپنے خدا کو کہو کہ وہ تمہیں میرے جادو سے بچائے۔ میں تم پر وار کرنے لگا ہوں۔"

"میرا خدا ضرور میری مدد کرے گا۔"

عاتکہ ستون کے ساتھ بندھی یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اُسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا۔ کہ وہ جلّاد کے چھرے سے بچ جائے گی۔ اب وہ عنبر کے لئے دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ اے رب عظیم اُسے اپنی پناہ میں رکھنا۔ دیوی بھی خدائے عظیم کے حکم سے عنبر کی مدد کر رہی تھی۔ عنبر اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑا تھا۔ شاہی جادوگر نے ایک بانہہ اوپر اُٹھا کر عنبر کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک زمین پر ایک شعلہ لپکا اور وہ شعلہ رقص کرتا ہوا عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔ عنبر کے قریب آکر شعلے نے لپک کر عنبر کو جلا کر خاک کرنا چاہا۔ مگر عنبر نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور آگ کا شعلہ ایک دم یوں بجھ گیا جیسے کسی نے اُس پر پانی کی بالٹی انڈھیل دی ہو۔ شاہی جادوگر نے دوسرا وار کیا۔ اُس نے زمین پر پاؤں مارا۔ اور اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہی سمندر کی ایک بہت بڑی طوفانی لہر اٹھی اور عنبر کی طرف خوفناک تیزی کے ساتھ بڑھی۔ عنبر نے بھی اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ پاؤں زمین پر مارنے کی دیر تھی کہ سمندر کی طوفانی بھاپ بن کر اڑ گئی۔ شہزادہ اور سارے درباری حیران ہو گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ نوجوان سا لڑکا دربار کے پرانے اور شاہی جادوگر کو کس طرح شکست دے رہا ہے؟ اس دفعہ شاہی جادوگر نے غصے میں آکر اپنا ڈنڈا زمین پر پھینک دیا۔ زمین پر ہزاروں زہریلے سانپ پیدا ہو گئے اور پھنکارتے ہوئے عنبر کی طرف بڑھنے لگے۔ عنبر نے بھی اپنا دوسرا پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھیانک اژدہا زمین پر نمودار ہوا اور اُس نے شاہی جادوگر کے سارے پھنکارتے ہوئے سانپ ایک ہی سانس کے ساتھ نگل کر ہڑپ کر لئے۔ شاہی جادوگر نے آخری وار کرنا چاہا مگر عنبر نے دیوی کو اشارہ کیا۔ شاہی جادوگر ایک قلابازی کھا کر فضا میں بلند ہوا اور ہوا میں الٹا لٹکا دیا گیا۔ وہ رو رو کر آوازیں دینے لگا۔

"مجھے بخش دو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جادوگر کی شکست کے ساتھ ہی سارے دربار کی فضا بدل گئی۔ بڑا پروہت غصے میں وہاں سے چلا گیا۔ شہزادے کو یقین ہو گیا تھا کہ عنبر سب سے بڑا جادوگر ہے اور اُسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ اُس نے عنبر کو بُلا کر کہا۔

"کیا تم نے یہ جادو دیوتاؤں سے سیکھا ہے"؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس کی تلاش

عنبر مسکرا رہا تھا۔ اُس نے ستون کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"پہلے اس لڑکی کو آزاد کیا جائے۔"

شہزادے کے حکم سے عاتکہ کو اُسی وقت آزاد کر دیا گیا۔ عاتکہ آزاد ہوتے ہی دوڑتی ہوئی چبوترے سے نیچے اُتری اور عنبر کا ہاتھ چوم کر بولی۔

"اے مقدس انسان! خدائے عظیم نے اپنی رحمت سے تمہاری جان بچالی۔"

عنبر نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"عاتکہ! ہمیں ہر حالت میں اپنے رب عظیم کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اگر وہ تم پر اپنی رحمت نازل نہ کرتا تو ہم اس وقت خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے۔"

شہزادے کی ملکہ والدہ بھی عنبر کے پاس آگئی تھی۔ شہزادے نے ایک بار پھر عنبر سے پوچھا کہ اُس نے یہ جادو کہاں سے حاصل کیا ہے؟ عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے بادشاہ شہزادے! جیسے تم جادو کہہ رہے ہو یہ جادو نہیں ہے بلکہ میرے خدائے واحد کا کرم ہے۔ جو ہم دونوں پر ہوا۔ جادو تمہارے شاہی جادوگر کے پاس تھا جس کو میں نے شکست دے دی۔ میرے پاس اگر جادو ہوتا تو مجھے بھی شکست ہو جاتی۔ مگر میرے پاس جادو نہیں ہے۔ جادو میرے مذہب میں حرام ہے"

شہزادے نے پوچھا۔

"تمہارا مذہب کونسا ہے؟"

"اے شہزادے میں ایک خدا کی پوجا کرتا ہوں۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا"

شہزادے کی والدہ نے کہا

"ہم اپنے دیوتاؤں کو ہی اپنا خدا مانتے ہیں۔ ہم تمہارے خدا کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ لیکن تم ایک بہت بڑے جادوگر ہو۔ اور ہم تمہیں اپنے دربار کا سب سے بڑا شاہی جادوگر بناتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ عہدہ قبول ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے نے کہا۔

"ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے دربار میں شاہی جادوگر کا عہدہ قبول کرو۔"

"مجھے منظور ہے۔"

شہزادہ عنبر سے بے حد متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُس نے اُسی وقت عنبر کے شاہی جادوگر بننے کا اعلان کر دیا اس اعلان کو سُن کر پرانا شاہی جادوگر جل بھُن کر خاک ہو گیا۔ وہ انتہائی غصّے کے عالم میں اپنے شاگردوں کے ساتھ دربار سے باہر نکل گیا۔ شہزادے نے عنبر کو شاہی جادوگر کا لباس عطا کیا اور اپنے ہاتھ سے اُس کے ماتھے پر زعفران چھڑکا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ آج سے عنبر موہنجو داڑو کی حکومت کا سرکاری جادوگر ہے۔

عنبر کے رہنے کے لیے سب نے بڑی عبادت گاہ کے پہلو میں ایک بارہ دری عطا کر دی گئی۔ اس بارہ دری کے اردگرد ایک خوبصورت باغ تھا جس کے "تالاب میں ایک آبشار گر رہی تھی۔ عاتکہ کو ملکہ نے اپنے پاس بُلا لیا اور کہا۔

"تمہیں بہت جلد تمہارے ماں باپ کے حوالے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا جائے گا۔ اب تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم شاہی حفاظت میں ہو۔"

عاتکہ نے سر کو ادب سے جھکا کر ملکہ کا شکریہ ادا کیا اور عنبر کو خدا حافظ کہہ کر شاہی حرم کی طرف چل دی۔ عنبر بھی اپنی عبادت گاہ والی بارہ دری میں آ گیا۔ شاہی جادوگر کی حیثیت سے اُس کا کام صرف اتنا تھا کہ اگر کبھی کسی دوسرے ملک کا کوئی جادوگر موہنجو داڑو آ کر مقابلے کی دعوت دے تو وہ حکومت کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرے اور اُسے شکست دے کر موہنجو داڑو کی حکومت کا نام اونچا رکھے۔ عنبر نے یہ عہدہ صرف اس لئے قبول کر لیا تھا کہ وہ موہنجو داڑو میں رہنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اُس دور میں سوائے اس شہر کے اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا جو ترقی یافتہ ہو۔ صرف وہاں سے کافی فاصلے پر ہڑپہ ایک ایسا شہر تھا جو تہذیب و ترقی میں موہنجو داڑو کا مقابلہ کرتا تھا۔ عنبر نے سن رکھا تھا کہ ہڑپہ میں لوگ بھینس اور بیل کے ساتھ ساتھ سانپوں کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ تھائیس بھی اُسی شہر کی رہنے والی تھی۔ عنبر کو تھائیس کا خیال آیا تو وہ سوچنے لگا کہ جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ عورت بے چاری کہاں ہوگی ؟ ڈاکوؤں کے اغوا کرنے کے بعد سے عنبر نے اس کی کوئی بھی خبر نہیں سنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور مصر یا شام کے بازار میں ایک کنیز کی طرح کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دی گئی ہوگی اور اب وہ کسی گھر میں نوکرانی بن کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوگی۔ اس نے دیوی سے کئی بار اس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی مگر اس نے ہر بار اسے یہی بتایا کہ تھائیس کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ عنبر بڑا حیران ہوتا کہ وہ اس وقت سے لے کر اب تک کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہوگی؟

اب ذرا تھائیس کا بھی حال سنو!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ تھائیس سیاہ فام نے شہزادے کے چنگل سے بھاگ کر مصر سے ملک سندھ کی طرف آنے والے قافلے میں مردانہ لباس پہن کر العارف عرب تاجر کی حیثیت سے سفر کر رہی تھی اور ایک شامی نام کا عرب تاجر راستے میں اس کا دوست بن گیا تھا۔ اس تاجر کو بالکل علم نہیں تھا کہ جس عرب سوداگر کو وہ آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ رہا ہے وہ حقیقت میں ایک عورت ہے۔ اُدھر سیاہ فام شہزادے نے اپنے خاص سپاہیوں کو تھائیس کی تلاش میں روانہ کر دیا تھا۔

تھائیس کا قافلہ اپنے اصولوں کے مطابق دن کو دھوپ اور گرمی میں زیادہ دیر آرام کرتا اور رات کو سفر شروع کر دیتا۔ جبکہ سیاہ فام شہزادے کے سپاہی قافلے تک جلد سے جلد پہنچنے کی غرض سے دن رات گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ وہ صرف کسی وقت تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیتے اور گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلا کر تازہ دم کر لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تو وہ قافلے کے قریب آن پہنچے۔ اس وقت وہ تھائیس کے قافلے سے ایک دن کی مسافت پر سفر کر رہے تھے اور تھائیس کا قافلہ ایک نخلستان میں آرام کر رہا تھا۔ قافلے والوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور کھاتے پیتے میں مصروف تھے۔

شامی تاجر اونٹ کی گردن آگ پر بھون رہا تھا۔ تھائیس بھی مردانہ لباس میں اُس کے قریب بیٹھی کھجوروں کا حلوہ تیار کر رہی تھی۔ شامی تاجر نے کہا

اُلعارف! یار تم تو بالکل عورتوں کی طرح حلوہ تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہے ہو۔ ایسے لگتا ہے جیسے تم عورتوں کے درمیان کافی عرصہ رہے ہو۔"

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں شامی کو پتہ تو نہیں چل گیا کہ وہ عورت ہے؟ لیکن نہیں اُسے تو صرف شک ہی ہوا تھا۔ تھائیس نے کہا۔

"میرا بچپن اپنی خالاؤں کے ساتھ بسر ہوا ہے۔ میرا باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔"

"جب ہی میں بھی حیران تھا کہ میرا دوست العارف کبھی کبھی عورتوں کی طرح کیوں حرکتیں کرنے لگتا ہے۔"

تھائیس نے مردوں کی طرح قہقہہ لگا کر شامی کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

"دوست! میں تو پورا اور پکا مرد ہوں۔ بھلا مرد بھی کبھی عورت ہو سکتا ہے!"

"کبھی نہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" لو اب یہ بھنا ہوا اونٹ کھاؤ۔"

"شکریہ!"

تھائیس نے اونٹ کی گردن کا ایک بڑا سا ٹکڑا توڑا اور اُسے وحشی مردوں کی طرح کھانے لگی۔ اس سے پہلے اُس نے کبھی اس طرح گوشت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھایا تھا مگر اب وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی۔ گوشت کو مردوں کی طرح چباتے ہوئے اس کے جبڑے بہت جلد درد کرنے لگے۔ مگر وہ اپنے آپ کو مرد ظاہر کرنے کے لیے منہ چلاتی گئی۔ شامی تاجر بھی اُس کے ساتھ ہی کھا رہا تھا۔ اس نے حلوے کا ایک نوالہ لیتے ہوئے کہا۔

"دوست! آؤ ذرا پنجہ آزمائی کریں۔ دیکھیں ہم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔ ذرا ورزش بھی ہو جائے گی۔"

تھائیس کی تو جان ہی نکل گئی۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی شامی تاجر سے طاقت ور نہیں تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ تھائیس کی کلائیاں دیکھ کر اندازہ لگا لے کہ یہ تو عورت ہے۔ تھائیس نے بہت انکار کیا مگر شامی اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر اُس نے آگے بڑھ کر تھائیس کا پنجہ اپنے پنجے میں تھام لیا اور زور آزمائی کرنے لگا۔ تھائیس بیچاری آخر عورت تھی۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ شامی بڑا حیران ہوا کہ مرد ہو کر وہ ذرا سا دباؤ بھی برداشت نہیں کر رہا۔ اس نے زور سے جھٹکا دے کر تھائیس کو زمین پر گرا لیا۔ تھائیس کی زمین پر گرتے ہی پگڑی کھل گئی اور لمبے لمبے کالے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بال لہرانے لگے۔ شامی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"تو کیا — کیا تم عورت ہو؟"

تھائیس نے جھٹ اٹھ کر پگڑی بال سمیٹ کر سر پر رکھی اور شامی کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خاموش!"

شامی تاجر خاموش ہو گیا۔ وہ پہلے ہی بڑا حیران تھا۔ تھائیس نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اسے سرگوشی میں چپ رہنے کو کہا تو وہ اور بھی خوف زدہ سا ہو گیا۔ اس نے چپکے سے آگ کے پاس بیٹھ کر حلوے کی رکابی اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"العارف! تم عورت ہو۔ تم مرد کے بھیس میں سفر کیوں کر رہی ہو؟ یقین کرو اب جبکہ تمہارا بھید مجھ پر کھل گیا ہے یہ بھید میرے سینے میں محفوظ رہے گا"

تھائیس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم سچ کہتے ہو شامی؟"

"ہاں۔ میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر نہیں سچ کہتا ہوں۔ میں کسی سے ذکر تک نہیں کروں گا۔ لیکن مجھ پر اس راز سے پردہ ضرور اٹھاؤ کہ تم اس قافلے میں مردانہ بھیس بدل کر سفر کیوں کر رہی ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس نے پہلے تو سوچا کہ وہ شامی پر اصل حقیقت واضح نہ کرے۔ اُسے ہرگز نہ بتائے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ مگر پھر اُس نے سوچا کہ جانے راستے میں کس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں اور اُسے شامی کی مدد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ اس لیئے بہتر یہی ہے کہ اُسے تمام حالات سے باخبر کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے الف سے لے کر یے تک شامی تاجر کو ساری کہانی بیان کر دی۔ شامی تاجر بڑے غور سے تھائیس کی کہانی سُنتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو شامی نے کہا۔

"تمہاری داستان بڑی دردناک ہے تھائیس! مگر تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا اور تمہیں حفاظت سے ہر طرح تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا کر آؤں گا۔"

"میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہ کروں گی شامی۔"

شامی کچھ دیر سوچ کر بولا۔

"ایسا کبھی ہو نہیں سکتا کہ سیاہ فام کانے شہزادے نے اپنے سپاہی تمہاری تلاش میں روانہ نہ کیئے ہوں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بیس ہزار ریال میں خریدی ہوئی کنیز کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے سپاہی ضرور تمہاری تلاش میں آ رہے ہوں گے۔"

نفائیس نے گھبرا کر کہا۔

"اگر ایسا ہو گیا تو بڑی بھیانک بات ہوگی۔ میری ساری محنت خاک میں مل جائے گی اور پھر تو میں مرتے دم تک اپنے ماں باپ کی صورت نہ دیکھ سکوں گی۔"

"سیاہ فام کانا تمہیں دوبارہ گرفتار کرنے کے بعد تم پر بے پناہ ظلم ڈھائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی ایسی چار دیواری میں بند کر کے رکھے جہاں تم سورج کی روشنی بھی نہ دیکھ سکو۔"

نفائیس خوف سے زرد ہو گئی۔ شامی نے اس کی پریشان حالت دیکھ کر اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ بالکل نہ گھبرائے۔ حالات کیسے بھی ہوئے وہ اس کی ہر طرح سے مدد کرے گا۔ اگر سیاہ فام کانے کے سپاہی آ بھی گئے تو وہ اسے چھپانے کی کوشش کرے گا۔ نفائیس مطمئن ہو گئی مگر دل میں اسے یہی دھڑکا لگا رہا کہ اگر سیاہ فام کانے کے سپاہی اس کی تلاش میں آ گئے تو اس کو ضرور گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر جس کا اُسے ڈر تھا وہ ہو کر رہا۔

قافلہ صبح سے نخلستان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ دھوپ ڈھلنے لگی تو قافلے میں کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ابھی اونٹوں پر مال کی گٹھڑیاں لادی جا رہی تھیں کہ دور سے گرد اڑتی نظر آئی۔ قافلہ کے سردار نے آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کر کے اُس طرف دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی سوار آ رہے ہیں۔ ہمیں اُن کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے مصر سے کوئی ضروری پیام لے کر آ رہے ہوں۔"

گھوڑوں کی گرد اُڑتی شامی تاجر اور تھائیس نے بھی دیکھ لی تھی۔ تھائیس پریشان ہو گئی۔ اُس نے شامی سے کہا "میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ سیاہ فام شہزادے کے سپاہی ہیں۔ وہ لوگ یہاں پہنچ گئے تو تلاشی لینے کے بعد مجھے ضرور پکڑ لیں گے۔ اب کیا ہوگا؟"

شامی نے دور گھوڑ سواروں کی اڑتی گرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں۔"

شامی تاجر ایکدم متحرک ہو گیا۔ اُس نے نخلستان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر تھائیس سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

تھائیس شامی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ انہیں اُدھر جاتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ کیونکہ سب لوگوں کی توجہ ان گھوڑ سواروں کی طرف تھی جن کے لوہے کے خود دھوپ میں چمکتے صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ قافلہ سردار نے کہا۔

"یہ تو کسی شہزادے کی فوج کے سپاہی ہیں۔ ضرور کوئی خاص پیغام لے کر آ رہے ہیں۔"

وہ آگے بڑھ کر گھوڑ سواروں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔ اُدھر شامی تاجر تھائیس کو ساتھ لے کر کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے آ گیا۔ یہاں ریت کے ایک چھوٹے سے ٹیلے میں ایک جگہ چھوٹا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی جنگل جانور بسیرا کرتا ہے۔ شامی نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوراخ کو چوڑا کیا۔ اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی اس میں سمٹ کر چھپ سکے۔ شامی نے تھائیس سے کہا۔

"فوراً اس کھوہ میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ دیر مت کرو۔"

تھائیس پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پل بھی ضائع نہ کیا اور کھوہ کے اندر گھس کر سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی ۔ شامی نے کچھ پتھر اور جھاڑیاں لے کر اس کھوہ کے منہ کے آگے کر دیں ۔ کوئی آدمی اب اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی عورت چھپی ہوئی ہے ۔ اس کام سے فارغ ہو کر شامی فوراً واپس قافلے والوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا ۔ اتنے میں گھوڑ سوار سپاہی وہاں پہنچ گئے ۔ سپہ سالار نے گھوڑے سے اُتر کر قافلہ سردار سے ہاتھ ملایا ۔ قافلہ سردار سیاہ فام شہزادے کا دوست تھا ۔ سپہ سالار نے اُسے بتایا کہ شہزادے کی چہیتی کنیز بھاگ گئی ہے اور اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے ۔

قافلہ سردار نے کہا ۔

"میں خود آپ کے ساتھ قافلے کی تلاشی لیتا ہوں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے بہترین دوست کی کنیز بھاگ کر میرے قافلے میں سفر کر رہی ہو اور مجھے علم ہی نہ ہو ۔"

قافلے کی عام تلاشی شروع ہو گئی ۔ اُس زمانے میں مسافروں کے نام رجسٹروں میں کہاں درج کئے جاتے تھے ۔ بس جتنے لوگ، عورتیں اور بچے وہاں موجود تھے اُن میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ایک ایک کو گھور گھور کر دیکھا جانے لگا۔ مگر وہاں تھائیس موجود ہوتی تو کوئی اسے تلاش کرتا۔ سپہ سالار اور قافلہ سردار نے بار بار عورتوں کو غور سے دیکھا مگر تھائیس وہاں نہیں تھی۔ سپہ سالار نے کہا۔

"آخر وہ کہاں چلی گئی؟"

قافلہ سردار نے کہا کہ ہو سکتا ہے وہ مصر میں ہی کسی جگہ چھپی بیٹھی ہو۔ کیونکہ اگر وہ اُس کے قافلے میں سفر کر رہی ہوتی تو ضرور پکڑی جاتی۔

"آپ کے سامنے ہم نے قافلے کے سارے کے سارے مسافروں کو گھور گھور کر دیکھ لیا ہے۔ تمام عورتوں کو دیکھا بھالا ہے۔ میرے دوست شہزادے کو جا کر میرا پیغام دیں کہ اگر اُن کی کنیز میرے قافلے میں ہوتی تو میں اُسے خود زنجیروں میں جکڑ کر اُن کے پاس لاتا۔"

سپاہی ناامید ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ کنیز قافلے کے ساتھ سفر نہیں کر رہی کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انہوں نے قافلے میں شریک تمام کے تمام مسافروں کو دو دو چار چار مرتبہ غور سے دیکھا تھا۔ اُن کے جاتے ہی شامی نے اطمینان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سانس لیا۔ قافلے میں دوبارہ کوچ کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور ہر طرف ایک افراتفری سی مچ گئی۔ شامی موقع نکال کر کھجوروں کے جھنڈ کی طرف کھسک گیا۔ اُس نے ریت کے ٹیلے پر سے پتھر اور جھاڑیاں ہٹا کر تھائیں سے کہا کہ وہ باہر نکل آئے خطرہ ٹل گیا ہے۔ تھائیں بے چاری ذہری ہو کر بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ یہ خوش خبری سُن کر اُس نے سکھ کا سانس لیا اور فوراً جانور کے کھود میں سے باہر نکل آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جادوگر کا انتقام

تھائیس کو ایک بار پھر نئی زندگی اور آزادی نصیب ہوئی تھی۔

اس نے شامی تاجر کا بے حد شکریہ ادا کیا جس کی وقت پر امداد نے تھائیس کو ظالموں کی گرفت سے نجات دلائی تھی۔ شامی تاجر اُسے ساتھ لے کر قافلے میں آ گیا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ تھائیس تلاشی کے وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ گھوڑ سواروں کے جاتے ہی قافلہ کوچ کے لیے تیار ہو گیا اور دوبارہ ملک سندھ کی جانب اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ملک سندھ وہاں سے صرف ایک رات کے فاصلے پر تھا اور اس قافلے کو ساری رات سفر کرنے کے بعد صبح موہنجو داڑو کی سرحدوں میں داخل ہو جانا تھا تھائیس نے خدائے عظیم کا شکر ادا کیا کہ وہ آخری بار مصیبت سے بچ نکلی۔ اب اُسے اپنے گھر تک سفر بہت آسان اور بے خطر نظر آ رہا تھا۔ آسمان پر ستارے نکل آئے تھے۔ صحرا میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور قافلہ بڑے سکون سے ساتھ صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ اونٹوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں بڑی سریلی لگ رہی تھیں۔ شامی اور تھائیس ایک ہی اونٹ پر بیٹھے تھے۔

شامی نے کہا۔

"دیوتاؤں کی مہربانی سے ہم صبح موہنجو داڑو پہنچ جائیں گے۔ میں نے اگرچہ موہنجوداڑو رکنا تھا مگر میں تمہیں ہڑپہ چھوڑ کر آؤں گا۔"

تھائیس نے کہا۔

"تم اتنی تکلیف نہ کرنا شامی! میں کسی دوسرے قافلے میں شریک ہو کر خود بخود اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔ مجھے موہنجوداڑو کی کارواں سرائے سے ہڑپہ جانے والا قافلہ آسانی سے مل جائے گا۔"

شامی کہنے لگا۔

"تھائیس جب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ تم مرد ہو میں تمہاری طرف سے بے فکر تھا مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا کر آؤں۔ اس لئے کہ ایک تو تم عورت ہو دوسرے دشمن تلاش میں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس نے کہا

" دشمن اب واپس جا چکا ہے شامی! وہ اب تیری تلاش میں نکلے بھی تو تجھے نہیں پا سکتا۔ "

" ایسا نہ کہو تھائیس! دشمن کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ لوگ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں جو دشمن کی طرف سے غافل اور بے پروا ہو جاتے ہیں۔ دشمن کو ہمیشہ اپنے سر پر سمجھنا چاہیئے۔ "

" لیکن موہنجوداڑو پہنچنے کے بعد مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے شامی؟ وہاں سے تو میرا وطن شروع ہو جاتا ہے۔ "

" ٹھیک ہے تھائیس۔ مگر دشمن بعض اوقات مکاری کے ساتھ وطن میں بھی آ کر وار کر جاتا ہے۔ اس لئے میں تمہارے ساتھ تمہارے شہر تک چلوں گا اور جب تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کر دوں گا تو اطمینان سے واپس آ جاؤں گا۔ "

" جیسے تمہاری مرضی "

اور قافلہ اپنے سفر پر چلتا چلا گیا۔

ادھر موہنجو داڑو کے دربار کے پرانے شاہی جادوگر کو اپنی شکست اور دربار کے عہدے کے چھن جانے کا بے حد صدمہ تھا اور وہ انتقام کی آگ میں بھڑک رہا تھا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی نہ کسی طرح نئے شاہی جادوگر عنبر سے اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ پرانا جادوگر بڑا مکار تھا۔ اُسے اتنا معلوم تھا کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے عنبر کو زیر نہیں کر سکتا۔ وہ جادو کے معاملے میں شاہی جادوگر سے بہت آگے تھا۔ اِس کا ثبوت اُسے شاہی دربار میں مل چکا تھا۔ وہ کسی اور طریقے سے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے چھوٹے جادوگر شاگردوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے ایک ہی مشورہ دیا کہ عنبر کی بجائے اُس لڑکی کو اغوا کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ جس نے دیوتاؤں کی توہین کی تھی اور جس کی جان بچانے کے لیے عنبر نے بڑے مندر کے پجاری کو مار ڈالا تھا۔ شاہی جادوگر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ اُس لڑکی عاتکہ کو اغوا کر کے اس پرانے مندر کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے۔ پھر دیکھتے ہیں عنبر اُسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرتا ہے؟ اگر وہ اُسے حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہ ضرور بادشاہ کی نظروں میں گر جائے گا۔ اگر وہ ایک بار بادشاہ کی نظروں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بگڑ گیا تو وہ ضرور اُسے دربار سے باہر نکال دے گا اور میں یہی چاہتا ہوں کہ بادشاہ میرے دشمن کو ذلیل کر کے دربار سے نکال باہر کرے تاکہ میں ایک بار پھر اپنے پرانے عہدے کو حاصل کر سکوں۔"

"دیوتا سامری ہماری مدد کرے۔"

جادوگر کے شاگردوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

یہ لوگ ایک پرانے مندر کے تہہ خانے میں بیٹھے تھے۔ جادوگر نے ایک جلتی ہوئی مشعل اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لی اور اُسے ہوا میں دائرے کی شکل میں گھمانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اونچی آواز میں کوئی منتر پڑھتا جاتا تھا۔ سارے شاگرد اُس کا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک بار اُس نے زور سے کچھ پڑھا اور آگ کا دائرہ چھوٹا کر دیا۔ پھر وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مشعل اپنے آپ ہوا میں دائرے کی شکل میں گردش کر رہی تھی۔

"اے جادوگروں کے بادشاہ سامری! تیرا ایک غلام مصیبت میں ہے اُسے ایک نوجوان جادوگر نے شکست دی ہے۔ اُس کی مدد کر اُس کی مدد کو آ۔"

فضا میں ایک دھماکہ سا ہوا اور پھر سامری جادوگر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز سنائی دی ۔

"اے یزدگرد جادوگر! ہمیں تمہاری شکست کا علم ہو گیا ہے ۔ ہم تیری شکست سے بڑے اداس ہیں ۔ مگر ہم اس نوجوان سے انتقام لیں گے ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔"

جادوگر نے کہا

"میں عماتکہ لڑکی کو اغوا کر کے یہاں قید کر دینا چاہتا ہوں سامری! تاکہ اس کا الزام شاہی جادوگر عنبر پر لگے اور بادشاہ اسے ذلیل کر کے دربار سے نکال دے ۔"

"تمہارا یہ خیال ہمیں پسند آیا ہے ۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ تو عنبر سے بھی ہماری شکست کا بدلہ لے ۔"

"اے سامری! وہ بڑا جادوگر ہے ۔ اس پر میرا جادو نہیں چلتا ۔"

سامری نے چیخ مار کر کہا ۔

"بکواس بند کر اے یزدگرد! میرے مقابلے میں کوئی جادوگر نہیں آ سکتا ۔ میری توہین کر کے تو نے میرے عذاب کو دعوت دی ہے ۔"

شاہی جادوگر سجدے میں گر پڑا ۔

"مجھے معاف کر دے اے عظیم جادوگر سامری! میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تمہارا جادو دنیا میں سب جادوؤں سے اونچا ہے۔ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تو مجھے حکم دے۔ میں اس پر عمل کروں گا۔"

سامری نے کہا

"تو سن! عاتکہ لڑکی کو اغوا کر کے لانے کا ارادہ بھی ملتوی کر دے اور شاہی جادوگر عنبر پر میری طرف سے میرے حکم سے اپنا جادو پھونک — مجھے یقین ہے کہ وہ جل کر بھسم ہو جائے گا۔"

"جو حکم عظیم سامری! مجھے اپنا منتر عطا کرو تاکہ وہ میں عنبر پر پھونک سکوں۔"

"سن اے یزدگر غور سے سن! آج شام جب شاہی جادوگر دربار میں آئے تو تو بھی وہاں پہنچ کر اسے مقابلے کی دعوت دے اور پھر میری طرف سے دیا ہوا منتر پھونک — وہ تمہارے زیر ہو جائے گا اور تمہارے منتر سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

"اور عظیم سامری! اگر ایسا نہ ہوا تو کیا ہو گا؟"

سامری نے چیخ ماری۔

"بکواس بند کر اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر۔"

"جو حکم عظیم سامری؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامری نے جادوگر کو منتر بتا دیا اور خود غائب ہو گیا۔ جادوگر قہقہہ لگا کر اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوا۔

"اب وہ عنبر نوجوان میرے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔ اُس کی موت اُسے آوازیں دے رہی ہے۔ آج شام وہ سارے درباریوں اور بادشاہ شہزادہ کے سامنے جل بھُن کر خاک ہو جائے گا۔"

"دیوتا آپ کے ساتھ ہوں"

تمام شاگردوں نے جادوگر کی تعریف میں نعرہ لگایا اور دُعا مانگی۔ جادوگر نے اپنے سارے بدن پر جادو کی راکھ مل کر گلے میں سفید کھوپڑیوں کا ہار پہنا۔ لمبا سیاہ چوغہ پہن کر سر پر ہڈیوں کا تاج رکھا اور ہاتھ میں گدھے کے جبڑے کی ہڈی پکڑ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج وہ ہر مقام پر عنبر کو شکست دے کر دربار میں اپنا پرانا عہدہ دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے سب سے بڑے جادوگر سامری کی تائید حاصل ہو گئی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گا۔ شاگردوں کا جلوس اُس کے پیچھے پیچھے منتر الاپتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ یہ جلوس اسی طرح شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ شہزادے کو خبر کر دی گئی کہ پرانا شاہی جادوگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بار پھر نئے شاہی جادوگر عنبر کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہے۔ شہزادے نے اجازت دے دی۔ عنبر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیسی مصیبت اُس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ مگر اب وہ سوائے مقابلہ کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسی میں اُس کی عزت اور وقار تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں دیوی بلیطیس کی بہن کو خیال کیا اور کہا کہ ایک بار پھر اُس کی عزت کا سوال پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس کی مدد کرے۔

دیوی بلیطیس کی بہن سامنے نمودار ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"دیکھو عنبر! ایک بات تم ہمیشہ یاد رکھنا۔ میری طاقت محدود ہے اس کی بھی ایک حد ہے۔ میں ایک حد تک تمہاری مدد کر سکتی ہوں اُس کے آگے میں بھی مجبور ہوں اور کسی دوسری طاقت کا مقام شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے میں تمہاری ہر بار مدد کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن میں کسی وقت مجبور ہو جاتی ہوں۔ اس لیے تم مجھے سوچ سمجھ کر آواز دیا کرو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں تمہاری مجبوریوں سے باخبر ہوں دیوی۔ مگر میں بھی مجبور ہو کر تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ یہ لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے

پڑ گئے ہیں۔ یہ جادوگر خاص طور پر مجھ سے اپنا خونی انتقام لینا چاہتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ یہ اس دفعہ اپنے دیوتا سامری سے نئی طاقت اور کوئی نیا منتر لے کر آیا ہے۔

دیوی ہنس دی۔

"وہ کسی سے بھی طاقت لے کر آ جائے مگر تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تمہیں طاقتوں کی تائید حاصل ہے۔ سب سے پہلی طاقت تو تمہارے پاس یہی ہے کہ تم دو ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو اور تمہیں موت نہیں آ سکتی۔ اس سے بڑا جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس جادوگر کو بھی ایک نہ ایک دن مر جانا ہے۔"

"یہ میں جانتا ہوں۔ مگر اُس کے جادو کا وار تو مجھ پر ہو سکتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو مجھے انسان سے کوئی جانور بنا سکتا ہے۔ وہ مجھے ہلاک تو نہیں کر سکتا مگر مجھے گدھا بنا سکتا ہے۔"

دیوی زور سے ہنس پڑی۔

"فکر نہ کرو۔ اس دفعہ میں اُسے کوئی جانور بنا دوں گی"

اتنا کہہ کر دیوی غائب ہو گئی۔

عنبر دربار میں اکیلا رہ گیا۔ شہزادہ بھی وہاں پر موجود تھا۔ مگر ابھی بھی اُس کی ہمدردیاں بھی پرانے جادوگر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ تھیں۔ ورنہ وہ اُسے کہہ سکتا تھا کہ ہم یہ مقابلہ کروانے کے لیے ہرگز راضی نہیں۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا اور پُرانے جادوگر کو ایک بار پھر موقع دیا کہ وہ عنبر کو اگر شکست دے سکتا ہے تو شکست دے۔ عنبر کو اس بات کا بھی بڑا احساس تھا اور وہ شہزادے کو بھی ذرا تھوڑا سا جھٹکا دینا چاہتا تھا۔

جادوگر اپنے شاگردوں کے جمگھٹے میں بڑی شان سے کھڑا تھا۔ شہزادے نے اشارہ کیا۔ بڑا پروہت بھی وہاں نمودار ہو کر پرانے جادوگر کی طرف داری کر رہا تھا۔ دراصل موہنجوداڑو کے دربار کے سبھی لوگ عنبر کے دلی طور پر خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ اُن کو کسی نہ کسی طرح شکست ہو اور پرانا جادوگر پھر سے دربار میں شاہی مقام حاصل کر لے۔ اس وقت بھی اُن سب کی ہمدردیاں پرانے جادوگر کے ساتھ تھیں اور وہ اُس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کے غائب ہو جانے کے بعد عنبر اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ اُسے اُن سب پر اور خاص طور پر جادوگر پر غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کم بخت خواہ مخواہ اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

عاکانہ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ پرانے جادوگر نے ایک بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر دربار میں شاہی جادوگر عنبر کو للکارا ہے۔ وہ بھی شاہی حرم سرا کی بیگموں اور کنیزوں کے ساتھ بارہ دری کے جھروکوں میں موجود تھی۔ جادوگر نے آگے بڑھ کر شہزادے کے پائے تخت کو بوسہ دیا اور اپنے سر پر سے ہڈیوں کا تاج اُتار کر اُس کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے اُسے ایک ہاتھ سے چھُوا۔ جادوگر نے زور سے کوئی منتر پڑھا اور پھر آسمان کی طرف پھونک ماری۔ آسمان پر کوئی بادل نہیں تھے مگر بڑے زور سے بادل گرج اٹھے۔ جادوگر، عنبر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے پوچھا۔

"اے نوجوان جادوگر! کیا تم پہلے وار کرو گے یا میں کروں؟"

عنبر نے کہا۔

"جس طرح تم چاہو کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے تم چھوٹے ہو تم پہلے وار کرو۔"

عنبر کہنے لگا۔

"نہیں تم بزرگ ہو اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور پرانے ہو۔ اس لیے تم پہلے وار کرو۔"

"عنبر! تم میرا وار نہ سہہ سکو گے۔ اس لیے پہلے وار کر لو۔ کہیں تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم نے وار نہیں کیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے کہ پہلے تم وار کر لو۔ تاکہ تمہارے دل
میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم وار نہیں کر سکے"
شہزادے نے کہا۔

"پہلے تم وار کرو۔ یزدگرد! عنبر کی اگر یہی خواہش ہے
تو پھر ٹھیک ہے۔

عنبر کو شہزادے کی اس بات پر دلی صدمہ ہوا۔ اس کا
مطلب یہ تھا کہ وہ بھی یہی چاہتا کہ عنبر وار کرنے کی حسرت
دل میں لے کر مر جائے اور پرانا جادوگر پھر سے شاہی
حاصل کرے۔ شہزادے کے بارے میں عنبر نے دل میں
فیصلہ کر لیا کہ کم از کم اس کو وہ اپنے صحیح مقام سے
ضرور باخبر کر دے گا۔ شہزادے کا حکم پا کر پرانا جادوگر
حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے جیب سے
چاندی کا ایک گول چھلا نکال کر ہاتھ میں لیا۔ اسے چوم
کر ہوا میں چھوڑ دیا۔ عنبر اس کی ہر حرکت کو بڑے غور
سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کیونکہ
وہ کیونکہ کوئی جادوگر تو نہیں تھا۔ مگر وہ اس کی
ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

گول چھلا ہوا میں لوگوں کے سروں کے اوپر چکر لگانے
لگا۔ دس بارہ چکر لگانے کے بعد وہ عنبر کے سر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر آکر ٹھہر گیا اور گردش کرنے لگا۔ گردش کرتے کرتے اُسے ایکدم آگ لگ گئی اور اُس کے شعلے عنبر کے سر کی طرف نیچے کو آنے لگے۔ عنبر بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ شعلے بڑے ہوتے گئے اور آگ کی آبشار کی طرح عنبر کے چاروں طرف گرنے لگے۔ پھر اس آگ کی چوڑی آبشار نے عنبر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دربار ہال میں ایک شور سا اٹھا۔ سب کو یقین ہو چکا تھا کہ عنبر اُس آگ میں جل کر خاک ہو گیا ہوگا۔

جادوگر نے ہاتھ کا اشارہ کیا آگ سمٹ کر چھلّے میں غائب ہو گئی۔ سارے درباری یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ عنبر کو آگ نے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ ویسے کا ویسا اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اُس نے زندہ بچ جانے کی سب سے زیادہ خوشی حانکہ کو ہوئی جو دوسری بیگمات اور کنیزوں کے ساتھ بارہ دری میں بیٹھی جادوگری کا یہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔ جادوگر طیش میں آگیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر عنبر پر وار کیا۔ اس دفعہ اُس نے اپنے جھولے میں سے ریت کی ایک مٹھی لے کر اس پر کچھ منتر پھونکا اور اُسے چیخ مار کر زور سے زمین پر پھینک دیا۔ ریت کے ذرّوں کا زمین پر گرنا تھا کہ وہاں ایک پندرہ فٹ لمبا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفناک جبڑے والا شیر دھاڑتا ہوا نمودار ہو گیا۔ جادوگر نے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے حکم دیا کہ وہ عنبر کو چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ شیر نے عنبر کو خون آلود آنکھوں سے دیکھا اور دل دہلا دینے والی دھاڑ مار کر عنبر کی طرف لپکا۔ وہ خدا جانے کب سے بھوکا تھا اور عنبر کی تکا بوٹی کر دینا چاہتا تھا۔ عنبر کے دل میں ایک پل کے لیے بھی خوف پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔

شیر چھلانگ لگا کر عنبر پر جھپٹا۔ سارے کے سارے درباری سانس روک کر رہ گئے۔ بے چاری عاتکہ کا تو دم خشک ہو گیا۔ اُس نے خوف کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایکدم شیر کو جیسے ایک دم شیر کو جیسے ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ عنبر کے سامنے منہ کے بل گر پڑا اور زمین پر گرتے ہی پتھر بن گیا۔ درباریوں کی زبان سے اوہ کا حکم بے اختیار نکل گیا۔ شیر زمین پر پتھر کا بت بنا پڑا تھا اور اُس میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ عنبر نے جادوگر سے کہا۔

"بزرگو! اپنی حسرت دل سے نکال لے۔ کہیں بعد میں تمہیں یہ خیال نہ رہے کہ تم اپنا بہترین ہتھیار مجھ پر استعمال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ کر سکے ۔ میں تمہیں اپنے دل سے اجازت دیتا ہوں کہ ایک اور وار کر کے دیکھ لے ۔ بے شک اپنے سب سے بڑے دیوتا سامری کو بھی بلا لے اور اُسے کہہ کر وہ بھی تمہارے ساتھ مل کر مجھ پر حملہ کرے ۔“

یہ جادوگر اور اُس کے دیوتا سامری کی سب سے بڑی توہین تھی ۔ اُس نے غصے میں آ کر ایک زوردار چیخ ماری اور اپنے دیوتا سامری کو پکار کر کہا کہ اے سامری! اپنی توہین کا خود آ کر بدلہ لے ۔ اچانک سامری سامنے آ گیا ۔ وہ صرف جادوگر کو نظر آ سکتا تھا ۔ اُس نے جادوگر سے کہا کہ پرے ہٹ جاؤ ۔ میں اس نوجوان کو بے عزتی کا مزہ چکھاؤں گا ۔ تم دیکھتے رہو ۔

سامری نے عنبر کی طرف زور سے پھونک ماری ۔ ایک زوردار آندھی چلی جس سے زمین پر گڑھے ہو گئے پتھر اکھاڑ دیئے مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا ۔ سامری نے زمین پر زور سے اپنا پاؤں مارا ۔ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ آیا ۔ سارا محل ہل گیا مگر عنبر ذرا ٹس سے مس نہ ہوا ۔ اب سامری نے اپنا ترشول عنبر کی طرف پھینکا ۔ ترشول پہاڑ کا ایک بہت بڑا تودہ بن کر عنبر کے سر سے بڑے زور کے ساتھ ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا ۔ پتھر کے تودے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ٹکڑے اڑ گئے مگر عنبر کے سر کو ذرا سی بھی چوٹ نہ لگی۔ عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا

" اے سامری! اپنا اور حربہ آزما کر دیکھ لے "

سامری حیران رہ گیا کہ وہ اُس کو کس طرح دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اُس کو تو سوائے یزدگر جادوگر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے غصے میں آ کر عنبر پر تھوک دیا۔ ایسا لگا جیسے کھولتے ہوئے لاوے کی آبشار آتش فشاں پہاڑ سے اُچھلی اور عنبر کی طرف بڑھنے لگی۔ مگر قریب جا کر وہ بھاپ بن کر اُڑ گئی۔ عنبر نے کہا

" لو اے سامری اب میرا وار سہو "

اتنا کہہ کر اُس نے ہوا میں ہاتھ بلند کیا۔ آسمان پر بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجے۔ بجلی دھماکے کے ساتھ سامری کے اوپر گری اور وہ چیختا چلاتا غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جادوگر بھی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ عنبر نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

" اے یزدگر تو نے اپنے دیوتا کا انجام دیکھ لیا۔ لے اب اپنا انجام بھی دیکھ —— ہوشیار ہو جا "

عنبر کے ہاتھ کے اشارے سے اچانک وہاں ایک ہاتھی نمودار ہو گیا۔ جس نے زور سے چنگھاڑ ماری اور آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ کر جادوگر کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر گھمانا شروع کر دیا۔ جادوگر کی چیخیں نکل گئیں۔ اُس نے دہائی دینی شروع کر دی کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے آزاد کر دو۔ اب میں کبھی تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔ عنبر نے کہا۔

"اے جادوگر! میں اگر چاہوں تو تمہیں ہمیشہ کے لیے بندر بنا سکتا ہوں۔ اس ہاتھی کو اشارہ کروں تو یہ تمہیں اپنے پاؤں تلے کچل کر ہلاک کر سکتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کرونگا میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔

"کونسی شرط ہے؟ دیوتاؤں کے لیے مجھے جلدی بتاؤ۔ میں قبول کرتا ہوں۔"

"شرط اگر شہزادہ سلامت قبول کریں تو بیان کروں گا وگرنہ تم ساری زندگی اس ہاتھی کی سونڈ میں بسر کرو گے۔ نہ ہاتھی یہاں سے ہلے گا اور نہ تمہیں موت آئے گی۔"

"شہزادہ سلامت! میری حالت پر رحم کھائیں اور عنبر کی شرط کو قبول کر لیں۔"

عنبر نے کہا

"میری شرط یہ ہے کہ یہ بزدل جادوگر موہنجو داڑو شہر سے باہر نکل جائے گا۔ وہ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر رہیگا اور کبھی شہر کے اندر داخل نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرط کی خلاف ورزی کی تو پھر میں اُسے ہمیشہ کے لیے اس خونخوار ہاتھی کے حوالے کر دوں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

جادوگر نے وا دیلا مچاتے ہوئے کہا

"ہاں! مجھے منظور ہے ـــ"

اصل میں وہ ہاتھی کی سونڈ میں بے حد اذیت میں مبتلا تھا۔ ہاتھی اپنی سونڈ میں اُسے کستا چلا جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اُس کا دم گھٹ جائے۔ عنبر نے ہاتھی کو اشارہ کیا۔ ہاتھی نے جادوگر کو زمین پر اُتار دیا اور عنبر کو سونڈ اُٹھا کر سلام کرتا ہوا غائب ہو گیا۔ جادوگر کی جان میں جان آئی۔ عنبر نے کہا۔

"شہزادہ سلامت جادوگر یزدگر کو حکم دیجیے کہ وہ اس شہر سے باہر نکل جائے اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کرے۔"

شہزادہ بھی اب عنبر کا قائل ہو گیا تھا اور اُس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ پرانے جادوگر کے مقابلے میں عنبر بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اُس نے پرانے جادوگر کو حکم دیا کہ اپنی شرط قبول کرنے کے مطابق وہ موہنجوداڑو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر جلا وطن ہو جائے اور پھر کبھی شہر کا رُخ نہ کرے۔ جادوگر پیچ و تاب کھا رہا تھا مگر سوائے پھنکاریں مارنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے شہزادے کے آگے جھک کر وعدہ کیا کہ وہ پھر کبھی شہر کا رخ نہیں کرے گا اور عنبر کو قہر بھری نظروں سے دیکھتا اپنے شاگردوں کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار تعاقب

صبح کے وقت قافلہ موہنجوداڑو شہر میں داخل ہو گیا۔ تھائیس اور شامی ایک ہی کارواں سرائے میں ٹھہرے شامی نے تھائیس کو مردانہ بھیس ترک کر دینے سے منع کیا اور کہا کہ وہ ابھی جب تک اپنے گھر نہیں پہنچ لیتی مردوں کے لباس میں ہی سفر کرے۔ سارا دن تھائیس اور شامی موہنجوداڑو کے بازاروں اور گلی کوچوں کی سیر کرتے رہے۔ شامی یہ دیکھ کر بڑا متاثر ہوا کہ موہنجوداڑو میں تمام گلیاں اور بازار پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اور ہر مکان سے گندے پانی کے نکاس کا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ بعض محلوں میں گہرے کنوئیں کھدے ہوئے تھے جہاں اونٹوں کے ذریعے چمڑے کے بڑے بڑے بوکوں میں ٹھنڈا پانی نکالا جا رہا تھا۔ دکانوں میں کھانے پینے کا سامان اس قدر زیادہ تھا کہ اس سے پہلے شامی نے مشرق کے کسی شہر میں نہیں دیکھا تھا۔

ہر چوک میں سوداگر ریشم کے تھان۔ غالیچے اور مٹی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برتنوں کا ڈھیر لگاتے آوازیں لگا رہے تھے۔ لوگ سفید اُجلے لباس میں خوش حال اور خوش پوش نظر آ رہے تھے۔ مشرق کے کسی شہر میں شامی نے غریب لوگوں کو اِتنا خوش حال اور خوش لباس نہیں دیکھا تھا۔ بھٹیار خانے میں لکڑی کے رنگدار تخت پر بیٹھ کر شامی اور تھائیس نے جَو کی موٹی روٹی اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ڈبو کر کھائی۔ دریائے سندھ کی مچھلی بھی بھون کر ساتھ رکھ دی گئی۔ شامی نے اتنا لذیذ کھانا نہ بابل میں کھایا تھا نہ مصر میں۔ ہاں مُوریہ میں اُس نے دریا کنارے بیٹھ کر اُس نے "تازہ بھُنی ہوئی مچھلی کے جو کباب کھائے تھے وہ ساری عمر اُسے یاد رہ گئے تھے۔ بازار میں بڑی رونق تھی۔ لوگ آجا رہے تھے۔ موہنجو داڑو شہر میں شامی نے قریب ہر ملک کے آدمی کو چلتے پھرتے دیکھا۔ ان میں چینی بھی تھے۔ مصری۔ شامی۔ سوڈانی، بابلی اور سُوری بھی تھے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ موہنجو داڑو شہر ہر لحاظ سے ترقی کر رہا ہے۔ وگرنہ کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو وہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان لوگوں کی چال ڈھال اور حُلیے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مسافر نہیں ہیں بلکہ وہاں کے باشندے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہوتے ہیں

ایک آدمی اُن کے پاس ہی تخت پر آکر بیٹھ گیا اور روٹی کھانے لگا۔ تھائیں تو اپنے دھیان میں مگن کھانا کھا رہی تھی اُس نے غور نہ کیا۔ مگر شامی نے محسوس کیا کہ وہ آدمی تھائیں کو کھانا کھاتے ہوئے بڑے غور سے گھور رہا تھا۔ شامی ہوشیار ہو گیا۔ شامی سے اُس آدمی کی آنکھیں چار ہوئیں تو اُس نے جلدی سے رُخ بدل لیا اور یوں کھانا کھانے لگا جیسے بے خبر بیٹھا ہو۔ اب وہاں زیادہ دیر رہنا شامی نے گوارا نہ کیا۔ اُس نے بھٹیارخانے کے مالک کو تانبے کے چند سکے دیئے اور تھائیں کو ساتھ لے کر مُردوں کا پرانا اور شاہی قبرستان دیکھنے چل پڑا۔ یہ قبرستان شہر سے باہر ایک بلند ٹیلے کے دامن میں واقع تھا۔ یہاں قدیم بادشاہوں کی قبریں تھیں جن پر نیلے رنگ کے گنبد بنے تھے۔ قبرستان کے شروع میں مخروطی طرز کا سُرخ پتھر کا ایک دروازہ تھا جس کے اوپر سیاہ پتھر کا بہت بڑے بیل کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ موہنجو داڑو میں دوسرے جانوروں کے علاوہ بیل کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ تھائیں کو شامی نے بالکل نہ بتایا کہ ایک آدمی وہاں اُس کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس خیال سے تھائیں

گھبرا جائے گی۔

وہ قبرستان میں گھوم پھر کر مختلف دور میں موہنجو داڑو پر حکومت کرنے والے بادشاہوں کے روغنی نیلے رنگ کے مزار دیکھ رہے تھے کہ شامی نے اس پُراسرار شخص کو ایک دفعہ پھر دیکھا۔ وہ ایک مزار کی دیوار کے ساتھ لگا تھائیں اور شامی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ شامی کی نظریں اُس سے چار ہوئیں تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب شامی نے سوچا کہ وہاں سے فوراً واپس کارواں سرائے چلنا چاہیئے۔ مگر وہ اس پراسرار آدمی کی آنکھیں بچا کر واپس جانا چاہتا تھا۔ اس خیال سے وہ پیچھا نہ کر سکے اور اُسے اُن کی رہائش گاہ کا علم نہ ہو سکے۔ وہ تھائیں کو لیے قبرستان میں دیر تک چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ تھائیں تھک گئی اور اُس نے کہا۔

"شامی بھائی! میرے خیال میں اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے میں سیر کرتے کرتے تھک گئی ہوں"۔

شامی نے کہا۔

"میں ذرا ان قبروں کو ایک نظر اور دیکھنا چاہتا ہوں"۔

شامی نے محسوس کیا تھا کہ پراسرار آدمی ذرا فاصلے پر اُن کا برابر تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اُس سے پوچھ بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کس لیے کر رہا ہے۔ وہ شخص ، کیونکہ بظاہر دُور دُور بے نیاز پھر رہا تھا۔ اور شامی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کر رہا ہے۔ اچانک قبرستان میں لوگ اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع ہو گئے اور ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ معلوم ہوا کہ موہنجو داڑو کا شہزادہ اپنے باپ داداؤں کی قبروں پر دعا پڑھنے آ رہا ہے شامی نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تھائیس کے ہاتھ کو زور سے کھینچتے ہوئے ایک طرف کر لیا اور کہا۔

"جلدی واپس چلو۔"

"شامی بھائی! اتنی زور سے، میرا ہاتھ نہ کھینچو۔"

"تھائیس! جلدی کرو۔ یہاں سے فوراً نکل چلو۔"

تھائیس شامی کا منہ ہی تکتی رہ گئی کہ یہ اُسے اچانک اتنی جلدی کیوں پڑ گئی ہے۔ جب وہ قبرستان سے باہر آئے تو انہیں ایک جگہ پر بیل گاڑی کی سواری مل گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ شامی نے گاڑی والے کو کچھ سکے دے کر کہا۔

"کارواں سرائے لے چلو۔ مگر جلدی جلدی۔"

گاڑی والے نے بیلوں کو سانٹا مارا اور انہیں تیز بھگانا شروع کر دیا۔ کارواں سرائے پہنچ کر شامی جلدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس کو اندر لے گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ تھائیس نے پوچھا۔

"تم اتنی جلدی میں کیوں تھے شامی؟"

شامی نے اسے بتایا کہ ایک پُراسرار آدمی برابر اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اُس کی آنکھ بچا کر اسے وہاں تک لایا ہے۔ اب تو تھائیس بڑی گھبرائی۔ کمبخت بدقسمتی قدم قدم پر اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

"مگر یہ پُراسرار آدمی کون ہو سکتا ہے شامی؟"

"میرے خیال میں سوائے سیاہ فام شہزادے کے اور کس کا آدمی ہو سکتا ہے؟"

"ربِ عظیم کے لیے ایسا نہ کہو۔ وہ کمینہ خدا جانے کب میرا پیچھا چھوڑے گا؟"

"تھائیس تم خود ہی غور کرو۔ وہ سوائے اُس کے اور کس کا آدمی ہو سکتا ہے۔ اُس نے تو ہر بڑے شہر میں اپنے جاسوس تمہاری تلاش میں روانہ کر رکھے ہوں گے"

"پھر اب کیا ہوگا؟ کیا ہم یہاں سے بھاگ چلیں؟"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُسے خبر نہیں ہو سکی کہ ہم اُس کارواں سرائے میں اُترے ہوئے ہیں"

"وہ کیسے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم اُس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں آئے ہیں۔ وہ تو ہمیں قبرستان میں کہیں تلاش کر رہا ہوگا۔ اسی لئے تو میں تمہارا ہاتھ گھسیٹ کا کھینچ رہا تھا۔"

"اور اگر اُسے معلوم ہوگیا ہو کہ ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو کیا ہوگا؛ ہو سکتا ہے اُس کے باقی ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی اس شہر میں اترے ہوتے ہوں۔"

"تو اترے ہوں پھر۔ ہم کیا کریں۔ ہم بھی مرد ہیں۔ یعنی میرا مطلب ہے میں بھی مرد ہوں۔ اُن کا مقابلہ کروں گا۔ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ تمہیں حفاظت کے ساتھ تمہارے ماں باپ کے گھر پہنچا کر دم لوں گا۔ اگر یہ لوگ مزاحمت کریں گے تو میں ان میں سے ایک ایک کر چن چن کر ہلاک کر دوں گا۔"

تھائیس نے پریشان ہو کر کہا۔

"شامی بھائی! تم اکیلے ان کمینوں کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔"

شامی نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"میں نے مصر اور شام کے بڑے بڑے جنگجوؤں کے ہاتھ سے تلوار چلانا سیکھی ہے۔ وہ کتنے بھی ہوں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"اچھا چلو میں مانے لیتی ہوں۔ اب رات ہو رہی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرام کر رہے

شامی نے کھڑکی کے پاس رکھا ہوا دیا گل کر دیا اور اپنے غالیچے پر چادر اوڑھ کر گہری نیند سو گیا۔ ثمائیں کو مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اُسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ سیاہ فام شہزادے کا جاسوس اُس کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کی دیکھ رہی تھی جس میں لوہے کی موٹی سلاخیں لگی تھی۔ باہر نیلا آسمان اور اس پر چمکتے ہوئے ستارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی ہلکی ہلکی نورانی روشنی کوٹھڑی کے اندر آ رہی تھی۔

یکایک ایک آدمی کا چہرہ کھڑکی کے پاس آ کر اندر جھانکنے لگا۔ ثمائیں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ چہرہ پلک جھپکنے میں غائب ہو گیا۔ شامی کی جاگ کھل گئی۔ اُس نے پوچھا۔

"کیا یہ تم نے چیخ ماری تھی؟"

"ہاں شامی! وہ — وہ پُراسرار آدمی کھڑکی کی سلاخوں میں سے اندر گھور رہا تھا۔"

شامی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لی اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ثمائیں اُسے آوازیں ہی دیتی رہ گئی مگر وہ باہر نکل کر چاروں طرف اُس شخص کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش کرنے لگا۔ جس نے شام ہی سے اُن دونوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ اُس کا کام ہی تمام کر دینا چاہتا تھا۔

لیکن باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر طرف آج سے دو ہزار سال پہلے کی پُرسکون گہری خاموشی طاری تھی۔ دیوار کے ساتھ دو گدھے بندھے تھے۔ شامی واپس کوٹھڑی میں آ گیا۔ تھائیس نے اُسے کہا کہ وہ باہر جانے کا خطرہ مول نہ لے۔ جانے وہ لوگ کتنی تعداد میں ہیں۔ کہاں کہاں چھپے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم منہ اندھیرے یہاں سے نکل چلیں۔ شامی نے کہا "اکیلے ہم ہڑپہ تک کیسے سفر کریں گے؟" تھائیس بولی "شامی بھائی۔ ہڑپہ یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا پانی اور خشک پھل ساتھ کر لیں تو کسی قافلے کا انتظار کئے بغیر اکیلے ہی سفر کر سکتے ہیں"

شامی سوچ میں پڑ گیا۔ تھائیس کا خیال درست تھا۔ اگر انہوں نے قافلے کے چلنے کا انتظار کیا تو وہ پُراسرار آدمی ضرور قافلے کے ساتھ اُن کا تعاقب کرے گا۔ اس لئے بہتر یہی تھا کہ وہ منہ اندھیرے کارواں سرائے سے نکل کھڑے ہوں۔ وہ پُراسرار جاسوس اس خیال سے جا چکا ہوگا کہ صبح واپس آکر اُن کی نقل و حرکت کی دوبارہ نگرانی شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے وہ اس خیال سے مطمئن ہوگا کہ شامی اور تھائیس رات کو کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔

شامی نے جاسوس کی اس بے خبری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اس نے تھائیس کو تیار ہونے کے لیے کہا۔

"میرا خیال ہے پھر ہمیں ابھی یہاں سے کوچ کر دینا چاہیئے"

"مگر ابھی تو آدھی رات بھی نہیں گزری"

"ٹھیک ہے تھائیس۔ ہم جتنی جلدی اندھیرے میں یہاں سے نکل چلیں ہمارے لیے مناسب ہوگا۔ تم خشک جَو تھیلے میں بھر دو میں چھاگلوں میں پانی ڈالتا ہوں۔ مگر بڑے آرام کے ساتھ۔ کارواں سرائے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ ہم یہاں سے نکل رہے ہیں"

تھائیس نے کھڑکی کے آگے موٹا پردہ ڈال دیا اور بغیر دیا روشن کیے شامی کی ہدایت کے مطابق جلدی جلدی تھیلے میں خشک جَو بھرنے لگی۔ ادھر شامی نے چمڑے کی چھاگلوں میں پانی بھر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور پچھلے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ پہلے شامی نے آگے جا کر اطمینان کر لیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے تھائیس کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اس طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دبے پاؤں چل پڑا جہاں ارنڈ کے درختوں تلے ان کا اونٹ بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ شامی نے اونٹ کی رسّی کھول کر بڑی محبت کے ساتھ اُس کے گھٹنوں کو تھپتھپایا۔ اونٹ ایکدم چوکس ہو گیا۔ شامی نے پہلے تھائیس کو اونٹ پر سوار کروایا اور پھر خود سوار ہو کر اونٹ کی مہار کھینچی۔ اونٹ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور شامی کے اشارے پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کارواں سرائے کی حدود سے باہر نکل آیا۔

باہر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درختوں میں سے ہوتا ہوا ایک راستہ شہر سے باہر ریت کے صحرا کی طرف جا رہا تھا۔ شامی نے اونٹ کو اسی راستے پر ڈال دیا۔ کوئی گھنٹہ بھر وہ خاموشی سے اونٹ پر سفر کرتے رہے۔ انہوں نے اونٹ کی رفتار تیز تر کر دی تھی۔ جب انہیں نوبخودارڈو شہر کے آثار دکھائی دینے بند ہو گئے اور وہ کافی دور نکل آئے تو شامی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا:

"اب ہم خطرے کی دنیا سے باہر نکل آئے ہیں۔"

"ربِّ عظیم تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

"لیکن ہمیں دشمن کی طرف سے غافل نہیں رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"اب تو ایسا نہ کہو شامی بھائی۔" میرا تو یہ سن کر ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل دھک کرنے لگا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر جب تک میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے گھر نہیں پہنچا دیتا۔ میرے دل کو پورا اطمینان نصیب نہیں ہوگا۔"

"اگر ہم صحرا میں اسی طرح سفر کرتے رہے تو کل شام ہونے سے پہلے پہلے ہڑپہ پہنچ جائیں گے۔"

رات بھر شامی اور تھائیس اونٹ پر سوار ہڑپہ کی جانب سفر کرتے رہے۔ انہوں نے راستے میں کسی جگہ پر بھی آرام نہ کیا۔ سفر کرتے کرتے دن نکل آیا اور صحرا میں کہیں کہیں کھجور اور ارنڈ کے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ دھوپ میں گرمی کی شدت بڑھ گئی۔ ایک جگہ تھک کر وہ دونوں اونٹ سے اتر کر بیٹھ گئے اور آرام کرنے لگے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا صحرائی چشمہ بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اس چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ پانی پیا۔ اونٹ کو بھی پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ تازہ دم ہو گئے اور ایک بار پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔

سارا دن وہ چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتے رہے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے ہری بھری کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس بات کی علامت تھی کہ شہر ہڑپہ قریب آ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ ہڑپہ کے دور سے آثار نظر آنے لگے۔ تھائیس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

"میرا شہر آ رہا ہے۔ میرے ماں باپ مجھ سے مل کر کس قدر خوش ہوں گے۔ انہیں امید نہیں ہوگی کہ میں اُن کے پاس زندہ واپس آ جاؤں گی۔"

"تمہیں وطن پہنچنا مبارک ہو تھائیس۔"

شامی بھی بہت خوش تھا کہ جس کام کا اُس نے بیڑا اٹھایا تھا وہ پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس اپنے شہر کی گلی گلی سے واقف تھی۔ ہڑپہ شہر کو بھی شامی نے موہنجو داڑو کی طرح خوش حال اور بارونق دیکھا۔ وہاں کی تہذیب اور موہنجو داڑو کی تہذیب میں اُسے کوئی فرق نظر نہ آیا۔ تھائیس مختلف بازاروں سے ہوتی ہوئی ایک حویلی کے باہر جا کر رک گئی۔ یہ حویلی تھائیس کے باپ کی ملکیت تھی۔ وہ شامی کو اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہوئی۔ اُس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملی تھی کہ راستے میں اپنا مردانہ لباس تبدیل کر سکتی۔ اُس کے ماں باپ نے دو اجنبی نوجوانوں کو اپنے مکان میں گھستے دیکھا تو غصے سے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو جو اس طرح حویلی میں گھسے چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ رہے ہو؟"

تھائیس نے فوراً اپنی پگڑی اتار دی۔ اُس کے ماں باپ نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا اور اُس سے لپٹ گئے۔ بیٹی اور ماں باپ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ تھائیس نے شامی کا تعارف کروایا اور کہا کہ اس شخص نے سارے سفر میں اُس کی حفاظت کی تھی۔ پھر اُس نے اپنی ساری کہانی سنائی۔ ماں باپ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ انہیں اُن کی گم شدہ بیٹی ایک عرصے کے بعد مل گئی تھی۔ شامی دو روز تھائیس کے گھر میں رہا۔ تیسرے روز اُس نے اجازت لی اور واپس موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گیا۔

جس وقت وہ حویلی سے نکل کر بازاروں میں سے گزر رہا تھا۔ ٹھیک اُس وقت وہی پُراسرار آدمی جو کہ سیاہ فام شہزادے کا جاسوس تھا۔ حویلی کے باہر ایک طرف چھپ کر کھڑا تھا اور تھائیس کو حویلی کی ڈیوڑھی میں خوشی خوشی باتیں کرتا دیکھ رہا تھا۔ پُراسرار جاسوس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اُس کے لبوں پہ مسکراہٹ آئی اور وہ چپکے سے وہاں سے ہٹ گیا۔ اُس نے معلوم کر لیا تھا کہ سیاہ فام شہزادے کی کنیز کہاں رہتی ہے اور یہی معلوم کرنے کے لیے مصر کے وحشی سیاہ فام شہزادے نے اُسے بھیجا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہڑپہ کا شیش ناگ

جادوگر یزدگرہ شکست کھانے کے بعد ویران مندر میں جا کر بیٹھ گیا۔

اکثر شاگرد اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کی عبرت ناک شکست کا نظارہ کیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ ایک ناکام جادوگر ہے۔ دیوتا اس سے ناراض ہو گئے ہیں اور اب اس کے ساتھ رہنے کا مطلب ضائع کرنا ہے۔ پھر بھی دو شاگرد ایسے تھے جو اپنے استاد کے بڑے وفادار نکلے۔ انہوں نے یزدگر کا ساتھ نہ چھوڑا اور اس کے ساتھ ہی شہر سے باہر والے ویران مندر میں آ گئے۔ جادوگر کی بھرے دربار میں شکست ہوئی تھی۔ وہ غصے کے عالم میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر عنبر سے انتقام لینے کی قسم کھا لی تھی۔

"دیوتا میرا اگلا جنم بندر کا کریں اگر میں عنبر سے اپنی شکست کا بدلہ نہ لوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک شاگرد نے کہا۔

"مگر آقا جادو کے زور پر تو آپ اُس سے بدلہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ دیوتا اُس کے ساتھ ہیں۔ اُس کے پاس ہر جادو کا توڑ موجود ہے"

بزدگر نے کہا۔

"میں اُس سے کسی اور طرح بدلہ لوں گا"

"وہ کیسے آقا؟"

"میں عاتکہ کو اغوا کر کے اُس کی گردن کاٹ کر عنبر کے پاس روانہ کر دوں گا۔ اس قتل سے اُسے بے حد تکلیف ہوگی اور میرا بدلہ اُتر جائے گا۔ میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی"

"مگر آقا۔ عاتکہ تو شاہی حرم میں رہتی ہے اور ہم لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے"

"اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ میرا جادو اگر عنبر پر نہیں چل سکتا تو عاتکہ پر تو چل سکتا ہے۔ میں اُسے مجبور کر دوں گا کہ وہ خود بخود چل کر میرے پاس اس ویران مندر میں آ جائے"

"یہ تو بڑا اچھا منصوبہ ہے آقا! اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن اس کے لیے ہم میں سے کسی کو شاہی حرم میں جاکر عاتکہ کے سر کا ایک بال لانا ہوگا۔ اس کے سر کے بال کو حاصل کئے بغیر میرا جادو اس پر نہیں چل سکے گا۔"

دوسرا شاگرد بولا۔

"میرے آقا! میں شاہی حرم میں جاکر عاتکہ کے سر کا بال اتار لاؤں گا۔"

"تم وہاں تک کیسے پہنچو گے؟ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو وہ ضرور تمہاری گردن قلم کر دیں گے۔"

"میں عورت کے بھیس میں جاؤں گا میرے آقا۔ بہرحال یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کسی نہ کسی طرح آپ کو عاتکہ کے سر کا بال ضرور لاکر دے دوں گا۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم دونوں میرے ہونہار شاگرد ہو۔ میں ہمیشہ تم پر فخر کیا کروں گا۔ تم کہو تو شاہی محل کی طرف چل پڑوں گا۔ اور دیوتاؤں کی قسم ضرور کامیاب واپس آؤں گا۔

چھوٹے جادوگر نے فوراً زنانہ کپڑے پہنے۔ چہرے پر بوڑھی عورت کا حلیہ بنایا اور ریشمی کپڑوں کی گٹھڑی کندھے پر رکھ کر آوازیں لگاتا شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم تھا کہ شاہی محل کے مشرقی دروازے پر کپڑا بیچنے والیاں اکثر آیا کرتی ہیں جن سے شہزادیاں اور بیگمات کپڑا خریدا کرتی ہیں۔ شاہی حرم کے مشرقی دروازے پر پہنچ کر اُس نے آواز لگائی اور انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں کئی ایک شہزادیاں وہاں آ گئیں اور اپنی اپنی پسند کا کپڑا دیکھنے لگیں۔ جادوگر کو عالکہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ایک شہزادی سے پوچھ ہی لیا۔

"اے بیٹی! پچھلے دنوں میں نے اس محل میں ایک نئی لڑکی کو دیکھا تھا۔ اُس نے بہت سا ریشمی کپڑا خریدا تھا۔ آج وہ کہاں ہے؟"

ایک شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

"وہ ابھی آ جائے گی تم فکر نہ کرو۔ ہم بھی تمہارا ڈھیر سارا کپڑا خرید لیں گی۔ ہم تو شہزادیاں ہیں۔ وہ لڑکی تو ایک معمولی کنیز ہے۔"

جادوگر نے جلدی سے کہا۔

"بجا فرمایا میری بچیو! مجھے تو جو کچھ بھی امید ہے وہ تو تم ہی سے ہے۔"

بھلا کنیز آپ کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی ہے۔"

شہزادیاں کپڑا پسند کرنے لگیں۔ جادوگر نے بڑا انتظار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کہ عاتکہ کسی طرح وہاں آن نکلے مگر وہ نہ آئی۔ دوبارہ اُس کے بارے میں پوچھنا اُس نے مناسب نہ سمجھا۔ اُس روز جادوگر ناکام واپس آ گیا۔ اگلے روز پھر اُس نے شاہی حرم کا رُخ کیا۔ اُس دفعہ وہاں عاتکہ موجود تھی۔ جادوگر بہت خوش ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا۔

"بچیو! اس بار میں حلب کے کچھ آئینے اور شام کی کنگھیاں بھی لائی ہوں۔ یہ دیکھو!"

شہزادیوں نے حلب کے آئینے اور کنگھیاں خرید لیں۔ جادوگر نے ایک کنگھی ہاتھوں میں لے کر عاتکہ سے کہا۔

"ادھر آؤ بیٹی! میں خود تمہارے بالوں میں کنگھی پھیر کر دکھاتی ہوں کہ کنگھی کرنے کا اصل طریقہ کیا ہے"

عاتکہ کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ جادوگر کی نیت کیا ہے۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ جادوگر کے آگے ہو کر بیٹھ گئی۔ جادوگر اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کنگھی لے کر عاتکہ کے بالوں میں کرنی شروع کر دی۔ اُس وقت عاتکہ کے سر کے بالوں میں سے ایک بال توڑ کر الگ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ یہ کام بڑی آسانی سے ہو گیا۔ جادوگر نے عاتکہ کے سر کا ایک بال کنگھی میں سے نکال کر اپنے جھولے میں ڈال لیا اور اِدھر اُدھر کی دو چار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتیں کرنے کے بعد شہزادیوں سے اجازت لے کر واپس بھاگ گیا۔

وہ سیدھا شہر سے باہر پرانے ویران مندر میں پہنچا۔ بزدگر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا اُسے کامیابی ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں چھوٹے جادوگر نے جھولے میں سے عاتکہ کے سر کا بال نکال کر اُسے دے دیا۔

"کیا یہ عاتکہ کے سر کا ہی ہے؟"

"ہاں میرے آقا۔ میں عاتکہ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ یہ اُس کے سر میں سے کنگھی کرتے ہوئے میں نے خود اتارا ہے۔"

"شاباش! تم نے شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب تم دیکھو گے کہ یہ لڑکی کس طرح اپنے آپ میرے جال میں آ کر پھنس جاتی ہے۔"

بزدگر جادوگر بال جیب میں ڈال کر مندر کے تہہ خانے میں آ گیا۔ دیوتا مردوک کے سب سے بڑے بُت کے آگے وہ پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور اُس نے عاتکہ کا بال پتھر کی سِل پہ رکھ کر اُس کے ارد گرد سرخ رنگ کا دائرہ کھینچ دیا اور لوبان سلگا کر، آنکھیں بند کر کے کالے جادو کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ بار بار منتر پڑھتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوبان کے اوپر کوئی سفید سا سفوف چھڑک دیتا جس کی وجہ سے سفید دھوئیں کا مرغولہ سا اُٹھ کر چھت کی طرف چلا جاتا۔

اُدھر عاتکہ کی بھی سُنیئے۔ وہ شاہی حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ریشمی کپڑے پر پھول کاڑھ رہی تھی کہ اچانک اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ اُس نے پہلے تو خیال کیا کہ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر جب طبیعت بگڑتی ہی گئی تو وہ وہاں سے کوئی بہانہ کر کے اُٹھی اور اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گئی —

جُوں جُوں یزدگر جادوگر کے منتر تیز ہو رہے تھے عاتکہ پر اُس کا اثر بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اُس کے سارے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ اُس نے اُٹھ کر چاندی کی صراحی میں سے پانی پیا۔ مگر گھبراہٹ میں کوئی فرق نہ آیا۔

عاتکہ اُٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ پھر اپنے آپ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل کر حرم کے دالان میں آ گئی۔ یہاں اس کو کسی نے نہ دیکھا۔ عاتکہ کے قدم بے اختیار حرم کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُس کے ہوش و حواس گم ہو چکے تھے اور وہ کسی جادو کے زیر اثر اپنے آپ چل رہی تھی۔ وہ شاہی حرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دروازے سے نکل کر باہر بازار میں آ گئی۔ لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس زمانے میں بازاروں میں کنیزیں اور غلام اکثر پھرتے رہا کرتے تھے۔ عاتکہ بازاروں میں سے گزرتی ہوئی شہر سے باہر آ گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی طاقت اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے اپنے ساتھ چلائے جا رہی ہے۔

وہ پرانے مندر کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

مندر میں یزدگر جادوگر کے منتروں کی آواز زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ گویا اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ عاتکہ مندر میں داخل ہو چکی ہے۔ منتر پڑھتے پڑھتے اُس نے آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا لڑکی اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ عاتکہ پر جادوگر کا اثر تھا۔ اس کا اپنا ذہن بالکل بند تھا۔ وہ تو جادوگر کے اشارے پر اور اُس کے منتروں کے زور سے چلی آ رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر جادوگر کو دیکھ رہی تھی۔ جادوگر منتر پڑھتے پڑھتے اُٹھا اور عاتکہ کا ہاتھ تھام کر اُسے مندر کے تہہ خانے کے سب سے اندھیرے کمرے کی طرف لے گیا۔

یہاں ایک ہی مشعل دیوار میں جل رہی تھی جس کی دُھندلی روشنی میں چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے جالے نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پر کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عاتکہ جادوگر کے زور سے اندر آگئی۔ اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کون اُسے وہاں لے آیا ہے۔ جادوگر نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ عاتکہ اپنے آپ اُس پتھر پر بیٹھ گئی۔ جادوگر الٹے قدموں کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اُس نے کوٹھڑی کا لوہے کا دروازہ بند کر کے باہر سلاخ ڈال دی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک فاتحانہ قہقہہ لگایا اور ہال کمرے میں اپنے دونوں شاگردوں کے پاس آ کر بولا۔

"اب اُس لڑکی کو دنیا کی کوئی طاقت میرے پنجے سے آزاد نہیں کرا سکتی۔ یہ میرے قبضے میں ہے۔ عنبر اُس کی تلاش میں سارا ملک چھان مارے مگر اُسے اِس کا نشان نہیں ملے گا۔"

پہلے شاگرد نے کہا۔

"آقا! کیا آپ اِس کی گردن اتار کر محل میں بھیجیں گے۔"

"تو اور کیا میں نے اس کی پوجا کرنے کے لیے اسے یہاں بلایا ہے؟ میں اس لڑکی کی گردن اتار کر اسے یہاں دفن کر دوں گا اور گردن ایک طشت میں ڈال کر عنبر کے گھر کی طرف روانہ کر دوں گا۔ طشت اپنے آپ اڑتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جادو کے زور سے عنبر کے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ بس یہی میرا انتقام ہے جو میں اس سے لینا چاہتا ہوں"۔

جادوگر قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔ اُدھر عاتکہ پر سے جادو کا اثر دور ہوا تو اس نے چونک کر اپنے سر کو جھٹکا دیا اور یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ شاہی حرم سے کہاں آ گئی ہے؟ اس نے بڑے غور سے ارد گرد دیکھا۔ وہ ایک دیمک زدہ کوٹھڑی میں قید تھی جس کی دیوار پر مشعل جل رہی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اس نے چھت کے ساتھ لٹکتے جالوں کو دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ ڈر کر ایک طرف سمٹ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حرم میں اپنی کنیزوں کے ساتھ کڑھائی کرتے کرتے اس ویرانے میں کیسے پہنچ گئی۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور وہ حرم سے نکل کر بازاروں اور گلیوں میں سے ہوتی ہوئی اس مندر میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے لوہے کے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارے۔ اور آوازیں دیں مگر وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

دوسری جانب بزرگ جادوگر اپنے شاگردوں سے کہہ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آج رات کے پچھلے پہر جب صبح کا تارا آسمان پر نکل رہا ہوگا تو اس لڑکی کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ میرے جادو کا تقاضا ہے کہ صبح کے وقت یہ کام جائے۔"

"جو حکم ہمارے آقا"

"اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ میں یہاں لیٹ کر ذرا آرام کر لوں۔ صبح ہونے سے پہلے تمہیں جگا دوں گا۔"

جادوگر کے دونوں شاگرد دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔ جادوگر بھی چبوترے پر لیٹ کر سو گیا۔ وہ منتر پڑھتے پڑھتے تھک گیا تھا۔ لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی اور وہ خراٹے بھرنے لگا۔

عاتکہ اپنی کوٹھڑی میں جاگ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور رب عظیم سے دُعا مانگنا شروع کر دی کہ وہ اُسے اس مصیبت سے نجات دلائے۔ جس طرح پہلے بھی اُس نے اُسے ہر مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

رب عظیم کے حضور میں اپنے دل کے ساتھ دُعا مانگنے کا اثر یہ ہوا کہ اُدھر عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے عاتکہ اُسے بلا رہی ہے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر شاہی حرم کی طرف آ گیا اور خواجہ سرا کو کہا کہ عاتکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہے کہ عنبر اُس سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ خواجہ سرا نے واپس آکر اطلاع دی کہ عاتکہ حرم میں کہیں بھی نہیں ہے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ اس نے ملکہ سلامت سے جا کر بات کی۔ اُسی وقت سارے محل میں شور مچ گیا اور عاتکہ کی تلاش شروع ہو گئی۔ مگر عاتکہ وہاں ہوتی تو کسی کو ملتی۔ وہ تو وہاں سے دور شہر کے ایک اُجڑے ہوئے آسیب زدہ مندر کے تہہ خانے میں بیٹھی اپنی موت کا انتظار کر رہی تھی عنبر نے ملکہ سلامت سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے عاتکہ کو زبردستی کسی دشمن نے اغوا کر لیا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ وہ دشمن کون ہو سکتا ہے اور پھر عاتکہ سے تو کسی کی بھی دشمنی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا کہ دشمنی اس کی دربار کے سارے پجاریوں اور جادوگروں سے تھی۔ کیونکہ اُس نے یہاں کے مذہب کے رسم کے مطابق اپنے مُردہ خاوند کے ساتھ جلنے سے انکار کر کے اُن کے دیوتاؤں کی توہین کی تھی۔ ملکہ نے کہا۔

" تو تمہارا خیال ہے کہ عاتکہ کو پجاریوں نے اغوا کر لیا ہے؟"

" پجاریوں نے نہیں ملکہ سلامت بلکہ شکست خوردہ جادوگر بیزرگر نے۔"

"اس کو کیا ضرورت پڑی تھی عاتکہ کو اغوا کرنے کی؟"

"ملکہ سلامت! وہ میرا انتقام اس لڑکی سے لینا چاہتا ہوگا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تمہارا وہم ہے عنبر!"

"نہیں ملکہ عالیہ! مجھے یقین ہے کہ عاتکہ کو یزدگرد نے اغوا کیا ہے۔ اور اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"تو پھر اسے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جادوگر کس جگہ روپوش ہو گیا ہے۔"

"میں اسے تلاش کر لوں گا ملکہ سلامت! وہ اس شہر کے ارد گرد ہی کہیں چھپا ہو گا۔ عاتکہ کو اغوا کر کے وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گا۔"

"تم اگر چاہو تو اپنے ساتھ سپاہی لے جا سکتے ہو۔"

"مجھے سپاہیوں کی ضرورت نہیں ملکہ سلامت! میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔"

"دیوتا تمہاری حفاظت کریں عنبر! ہمیں عاتکہ کے بارے میں بڑا فکر رہے گا۔ اگر وہ مل جائے تو اسے لے کر فوراً ہمارے پاس پہنچنے کی کوشش کرنا۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ"

عنبر ملکہ سلامت سے اجازت لے کر محل سے باہر نکل آیا۔ اس نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں اس نے جگہ جگہ کھڑے ہو کر عاتکہ کے بین کرنے کی آواز سننے کی کوشش کی مگر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیاب نہ ہو سکا۔ عاتکہ شہر کے کسی مکان میں یا کسی حویلی میں موجود نہیں تھی۔ تو پھر وہ کہاں چلی گئی تھی؟ کیا اُسے زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان نے اٹھا لیا تھا؟ عنبر یہی سوچتے سوچتے شہر سے باہر آ گیا۔ شہر کے ارد گرد میدان پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ کھیت تھے اور اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے۔ وہ ایک ٹیلے کے پاس آ کر ریت پر بیٹھ گیا۔ اور دل ہی دل میں غور کرنے لگا کہ عاتکہ کہاں ہو سکتی ہے؟

رات آدھی گزر چکی تھی۔ بزرگ جادوگر چبوترے پر بے سُدھ ہو کر سو رہا تھا۔ اُس کے شاگرد بھی ساتھ والے کمرے میں سو رہے تھے۔ اگر کوئی ویران مندر کی چار دیواری میں جاگ رہا تھا تو وہ عاتکہ تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں دُعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے بے بسی سے رو رہی تھی۔ سسکیاں بھر رہی تھی۔ اچانک اُسے روتے روتے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے کوٹھڑی کے اندر لمبی سسکی بھری ہو۔ پہلے تو عاتکہ نے کوئی خیال نہ کیا اور یہی سمجھا کہ اُس نے اپنی ہی سسکی کی آواز سُنی ہے۔ مگر جب دوسری مرتبہ اُسی طرح لمبی سسکی کی آواز سنائی دی تو عاتکہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ اُٹھا کر سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔ جو کچھ اُس نے دیکھا وہ اس قدر حیرت انگیز تھا کہ عاتکہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

اُس کے سامنے مشعل کی روشنی میں ایک بہت بڑا اژدھا اور شیش ناگ کنڈل مارے بیٹھا اپنا اونٹ اتنا سر اٹھائے۔ لال لال بلی ایسی آنکھوں سے عاتکہ کو دیکھ رہا تھا۔ سسکی دراصل اُس کی پھنکار کی آواز تھی قریب تھا کہ عاتکہ بے ہوش ہو جائے کہ اژدھا نے کہا۔

" عاتکہ! مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں شیش ناگ ہوں۔ سانپوں کا سب سے بڑا دیوتا ناگ ہوں۔ مجھ سے تیرے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز سُنی نہیں گئی۔ میرا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اور میں زمین کے نیچے سے نکل کر تمہاری مدد کرنے تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟"

عاتکہ کو کچھ حوصلہ سا ہوا۔ اُس نے اپنے حواس ٹھیک کیے۔ اور آگے بڑھ کر بولی۔

" اے شیش ناگ! اگر تو مجھے اس قید خانے سے باہر نکال دے تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی"

شیش ناگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس اتنی سی بات تھی جس کی وجہ سے تم رو رہی تھیں؟ یہ کونسی مشکل بات ہے۔ آؤ میرے پیچھے پیچھے ــــ" عانکہ سے کہا۔

"اے شیشو ناگ مجھے ایک جادوگر یہاں اٹھا کر لے آیا ہے۔ اور وہ شاید باہر پہرہ دے رہا ہے یا سو رہا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔"

"تم فکر مت کرو لڑکی! شیش ناگ پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا۔"

اژدھا نے آگے بڑھ کر لوہے کے دروازے پر زور سے اپنی طاقتور دم ماری اور دروازہ ٹوٹ کر پرے جا گرا۔

"آؤ! میرے ساتھ مظلوم لڑکی! میں تمہیں اس مندر کے باہر چھوڑ آتا ہوں۔"

عانکہ اژدھا کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر نکلی تو جادوگر دروازہ ٹوٹنے کی آواز سن کر بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا کہ عانکہ ایک اژدھا کے ساتھ بڑھی چلی آ رہی ہے۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے سانپ پر جادو کرنا چاہا ہی تھا کہ اژدھا نے آگے بڑھ کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ جادوگر کی گردن تک سر اپنے منہ میں لے لیا اور جھٹکا دے کر اسے گردن سے الگ کر دیا۔ مندر میں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھونچال سا آ گیا۔ مگر اژدھا اور عاتکہ کو کچھ نہ ہوا۔ جادوگر کے شاگرد بھاگتے ہوئے وہاں آئے۔ لیکن اپنے استاد کا عبرت ناک انجام دیکھ کر اور شیش ناگ کی پھنکار سن کر واپس بھاگ گئے۔ اژدھا نے عاتکہ کو ساتھ لیا اور مندر سے باہر آ گیا

"اے لڑکی! یہاں میری حدود ختم ہوتی ہے۔ میں کوشش بھی کروں تو اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ اب تم آزاد ہو۔ اگر پھر کبھی تمہیں مصیبت کا سامنا ہوا تو اسی طرح مجھے یاد کر لینا۔"

اتنا کہہ کر شیش ناگ غائب ہو گیا اور وہ میدان میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وحشی ملکہ

رات کے اندھیرے میں عاتکہ ٹیلے کے پاس تنہا کھڑی تھی۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کہاں جائے کہ اچانک مندر کی کھوہ میں سے پیروگر جادوگر کے دونوں شاگرد باہر نکلے اور ایک طرف کو دوڑتے ہوئے غائب ہو گئے۔ وہ بے انتہا ڈرے ہوئے تھے اور یوں بھاگ رہے تھے جیسے اُن کے پیچھے کوئی بلا لگی ہو۔ عاتکہ خود ڈر کر سہم گئی اور اُس کے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ اُس کی چیخ کی آواز عنبر نے سُن لی جو قریب ہی ایک سنگلاخ چٹان کے سائے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ عاتکہ کو کہاں تلاش کرے۔ چیخ کی آواز سُن کر وہ لپک کر اُسی طرف آیا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ وہ ٹیلے کی آڑ سے باہر نکلا تو سامنے عاتکہ سہمی کھڑی تھی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عاتکہ بے چاری اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم یہاں کیسے آ گئیں عاتکہ؟ تم تو حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی کڑھائی کر رہی تھیں؟"

عاتکہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں میں کیسے یہاں آ گئی عنبر! میری طبیعت اچانک بوجھل ہو گئی اور میں اپنے آپ اٹھ کر شہر کے بازاروں، گلیوں میں سے گزرتی اس ویران مندر میں آ گئی۔"

اس کے بعد عاتکہ نے ساری کہانی عنبر کو سنائی اور کہا۔

"شاہی جادوگر کی لاش اندر پڑی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اس کا انجام یہی ہونا تھا۔ اس کی لاش کو وہیں پڑا رہنے دو۔"

"عنبر! اگر وہ شیش ناگ میری مدد کو نہ آتا تو جادوگر نے مجھے ضرور ہلاک کر دیا تھا۔"

"ربِّ عظیم نے تمہاری مدد کے لیے اسے بھیج دیا تھا عاتکہ۔ مگر تم نے شیش ناگ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور وہاں کیسے آیا ہے؟"

"اس نے اپنے آپ ہی صرف اتنا بتایا تھا کہ میں بین کے نیچے آرام کر رہا تھا کہ تمہارے رونے کی

آواز نے مجھے بے چین کر دیا اور میں تمہاری مدد کے لیے آ گیا۔"

عنبر سوچنے لگا۔ پھر بولا

"عاتکہ! یہ ششیش ناگ ہڑپہ کے بڑے مندر کا دیوتا ہے۔ میں نے بلیطلیس کی بہن سے سنا تھا کہ ہڑپہ کے بڑے معبد میں ششیش ناگ کی پوجا ہوتی ہے اور ششیش ناگ بڑا رحم دل دیوتا ہے اور وہ دکھی انسانوں کی مدد کرتا ہے۔"

"کاش! میں اُس سے اور کچھ پوچھ سکتی۔"

"تم اگر سوال بھی کرتیں تو ششیش ناگ تمہیں کچھ نہ بتاتا۔ یہ دیوتا لوگ جو انسانوں کی بھلائی کے لیے آتے ہیں اپنا راز نہیں بتایا کرتے۔ آؤ اب میرے ساتھ حرم میں چلو ملکہ اور دوسری بیگمیں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

عنبر نے عاتکہ کو ساتھ لیا اور شاہی حرم کی طرف چل پڑا۔ شاہی حرم میں پہنچ کر ملکہ سلامت نے عاتکہ کو گلے سے لگا لیا۔ عاتکہ نے یونہی ایک کہانی گھڑ لی کہ وہ خواب میں چلنے کی عادی ہے اور کبھی کبھی خواب میں چلتی ہوئی گھر سے باہر نکل جایا کرتی ہے۔ چنانچہ آج بھی وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی طرح خواب میں چلتے ہوئے گھر سے دُور ایک جنگل میں پہنچ گئی تھی کہ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ عنبر نے اس بناوٹی قصے کی تائید کر دی۔ ملکہ کو یقین آگیا اور اُس نے عاتکہ کے لیے شاہی حکیم سے مشورے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ صبح اٹھ کر وہ شاہی حکیم کو خود بلوا کر اُس سے بات کرے گی۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ عنبر چاہتا تھا کہ عاتکہ کو کسی طرح اُس کے گھر اُس کی ماں تک پہنچا دے، تاکہ وہ اپنے گھر میں باقی زندگی بسر کرے اور وہاں خوش رہے اب جادوگر بھی مر چکا تھا اور اُس کے شاگرد فرار ہو گئے تھے۔ اُسے کسی دشمن سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ اُس نے عاتکہ سے ذکر کیا تو وہ بولی۔

”اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہو گی کہ میں اپنی پیاری ماں کے پاس چلی جاؤں۔ لیکن عنبر میری ماں یہاں سے ایک مہینے کی مسافت پر رہتی ہے۔“

”اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر تم راضی ہو تو تمہیں ہر حالت میں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔“

”میں تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ چلو۔“

”اگر فرصت مل سکی تو میں چلوں گا نہیں تو تمہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی فوج کی حفاظت میں پہنچایا جائے گا"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں ہر طرح سے تیار ہوں"

عنبر نے اسی روز شہزادے سے بات کی اور اس سے عانکہ کے واپس اپنے ماں کے پاس جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ان ہی دنوں موہنجوداڑو میں یہ افواہ بڑی گردش کر رہی تھی کہ ہُن قوم کی ایک خونخوار عورت عمیکا جو کہ سارے قبیلے کی سردار ہے موہنجوداڑو پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس لئے شہزادے نے عنبر کو عانکہ کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی۔

"تمہارا دربار میں رہنا بہت ضروری ہے عنبر! ہم اس لڑکی کو حفاظت کے ساتھ اس کے گھر پہنچا دیں گے۔ اگر ہمیں عمیکا کی جانب سے حملے کا شدید خطرہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں خوشی سے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتے۔"

"جیسے آپ کی مرضی شہزادہ سلامت! میں اسے شاہی فوجی دستے کی حفاظت میں پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا"

"یہی میں بھی چاہتا ہوں۔"

بادشاہ شہزادے کے جاسوسوں نے آکر اطلاع دی تھی کہ موہنجوداڑو کے شمال میں داوند پہاڑ کی دوسری جانب صحرائے گوبی میں ایک بڑی بہادر، خونخوار اور وحشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوم آباد ہے جس پر عمیکا نام کی ایک وحشی ملکہ حکومت کرتی ہے ۔ اس ملکہ نے ارد گرد کے بے شمار شہروں کو برباد کر کے اُن پر قبضہ جما لیا ہے اور اب موہنجو داڑو پر نظریں رکھے ہوئے ہے کیونکہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ موہنجو داڑو ایک بڑا امیر اور خوش حال شہر ہے ۔ بادشاہ شہزادے نے عنبر سے کہا ۔

"عنبر ! ہم تمہیں ایک انتہائی اہم اور رازدارانہ سفر پر روانہ کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ وہ دلیرانہ کام ہے جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کر سکتا ۔ کیا تم راضی ہو ؟ کیونکہ اس میں جان کے چلے جانے کا بھی خطرہ ہے ۔"

عنبر نے ادب سے کہا ۔

"میری جان کی آپ پروا نہ کریں شہزادہ سلامت ! آپ مجھے وہ کام بتائیں جو مجھے ایک فرض سمجھ کر ادا کرنا ہے ۔"

شہزادہ عنبر کو اپنے ساتھ محل کے اندر کمرہ خاص میں لے گیا اور یہاں اُس نے عنبر کو بتایا کہ اُس کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی ہے کہ ہُن قوم کی وحشی ملکہ عمیکا اپنے خونخوار لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو پر حملے کی تیاریاں کر رہی ہے ۔

"تم فوراً صحرائے گوبی کے کنارے آباد اس قوم میں جاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جا کر معلومات حاصل کرو کہ اُن کے لشکر کی تعداد کتنی ہے۔ اُن کے پاس اسلحہ کتنا ہے اور وہ کب حملہ کرنے والی ہے۔ مجھے جاسوسوں کی بات پر اعتبار نہیں“

”میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو جاتا ہوں“

”راستے کے بارے میں پوری تفصیل تمہیں میرے جاسوس مہیا کر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہاں سے اگر دن کے وقت قافلہ چلے تو چھ ماہ کے اندر وہاں پہنچ جاتا ہے“

”چاہے کتنے دن لگیں شہزادہ سلامت! میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو جاؤں گا“

”میں چاہتا ہوں۔ تم جتنی تیزی کے ساتھ ہو سکے یہ سفر طے کرو۔ میں نے تمہارے لیے خاص طور پر ایسی اونٹنیوں کا بندوبست کیا ہے جو اس دفعہ فوج کے مقابلوں کی دوڑ میں اول آتی تھیں۔ تمہارے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی ہوگا“

”میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں شہزادہ سلامت! میں اگر اکیلا ہی اس سفر پر چلوں تو بہتر ہوگا“

”یہ سفر بڑا دشوار گزار ہے عنبر۔ تم اسے اکیلے نہ کر سکو گے۔ ہاں البتہ فوج کا دستہ تمہیں ہُن قوم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علاقے میں چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔ اور اگر تم کہو گے تو کسی خاص جگہ پر تمہاری واپسی کا انتظار کرے گا۔"

"بہتر ہے۔ کیا یہ دستہ کل سفر پر روانہ ہونے کے لیے بالکل تیار ہے شہزادہ سلامت؟"

"اگر تم صبح کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو وہ ایک پہر میں تیار ہو جائے گا۔"

"میں صبح صبح منہ اندھیرے سفر پر نکل جانا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ معاملہ نازک ہے اور وقت بہت کم ہے۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب صبح محل کے دروازۂ خاص میں ملاقات ہو گا جہاں تمہاری محافظ دستہ تیار کھڑا ہو گا اور ہم تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا شہزادہ سلامت!"

عنبر کو خیال آیا کہ عاتکہ بھی اسی علاقے یعنی کوہ دماوند کے دامن میں واقع ایک قصبے کی رہنے والی ہے کیوں نہ اسے بھی اس سفر میں ساتھ ہی لے لیا جائے؟ عاتکہ کی ماں اپنی بیٹی کے اغوا کا سن کر روتی دھوتی واپس اپنے وطن چلی گئی تھی۔ اُس نے شہزادے سے اس کی اجازت طلب کر لی۔ شہزادے نے اسی وقت اجازت دے دی اور کہا کہ وہ اگر چاہے تو عاتکہ کو بھی اپنے ساتھ لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا سکتا ہے۔ عنبر نے شہزادے کو جھک کر سلام کیا اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُس نے اسی وقت عاتکہ کو بلایا اور ساری بات سمجھا دی۔ عاتکہ بڑی خوش ہوئی۔ ملکہ سلامت نے بھی عاتکہ کی خوشی کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے عنبر کے ساتھ اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے عاتکہ سے وحشی قوم کی ملکہ ثمیکا کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے کہا۔

"میں نے اُس ملکہ کا نام سن رکھا ہے اور اپنی والدہ سے سنا ہے کہ وہ ایک انتہائی سنگدل اور خونخوار قوم کی ملکہ ہے۔ ہمارے قصبے سے اُس قوم کا علاقہ بہت دُور ہے۔ مگر اُن کی خونخواری کی داستانیں ہمارے بڑے بوڑھے بڑی تفصیل سے سنایا کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اس قوم کے لوگ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ خیموں میں رہتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں چرا کر گزارہ کرتے ہیں اور آس پاس کے شہروں کو جب چاہے لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں اور دشمن کے سر کاٹ کر اپنے خیموں کے باہر لٹکا دیتے ہیں

عنبر بڑے غور سے عاتکہ کی باتیں سُنتا رہا۔ اُس کے بعد اُس نے کہا۔

"تم جا کر [illegible] سے تیاری شروع کر دو۔ کل صبح منہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھیرے ہمیں سفر پر روانہ ہونا ہے۔ تمہیں وقت پر تیار
ہو جانا چاہیئے۔“

”میں بالکل تیار ہوں گی۔“

وہ چلی گئی اور عنبر نے ضروری سامان باندھ کر رکھ لیا
اور مسہری پر لیٹ کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح
ہونے میں صرف ایک پہر باقی تھا۔ وہ سوچتے سوچتے گزر
گیا۔ جب پو پھٹی اور آسمان کے مشرق میں صبح کا
نیلا اجالا پھیلنے لگا تو عنبر نے اپنے سامان کی گٹھڑی
غلام کے سر پر رکھی اور شاہی محل کے دروازہ خاص
میں آ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ چاق وچوبند
سپاہی اور اونٹنیاں سفر کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ شہزادہ
بھی ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔ شہزادہ اس سفر کو باقی
درباریوں سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
وہاں سوائے ان کے اور کوئی نہیں تھا۔ عاتکہ اونٹنی کے
ایک کجاوے میں بیٹھ چکی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی شہزادہ
عنبر کو ایک طرف لے گیا اور اسے دوبارہ سفر کے
منصوبے کے بارے میں تفصیل سمجھائی اور راز داری
کی تاکید کی۔ عنبر نے اپنی طرف سے شہزادے کو پوری
یقین دہانی اور تسلی کر دی۔ شہزادے نے سپاہیوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارہ کیا۔ عنبر ایک برق رفتار اونٹنی پر بیٹھ گیا اور یہ چھوٹا سا قافلہ اپنے طویل اور پُراسرار سفر پر روانہ ہوگیا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُدھر یثرب شہر میں جاکر معلوم کیا جائے کہ سیاہ فام شہزادے کا خطرناک پُراسرار جاسوس کیا کر رہا ہے؟ اور بے گناہ تھائیں کس حال میں ہے؟ اُس بے چاری کو ہرگز ہرگز علم نہیں تھا کہ سیاہ فام کانے کا ایک جاسوس اُس کا پیچھا کرتے ہوئے اُس کے گھر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ اپنے خیال میں آزاد ہوکر اپنے ماں باپ کے گھر میں آزادی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر کنوئیں پر جاکر صراحیوں میں پانی بھر کر لاتی۔ پھر بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہتی اور انہیں ساتھ لے کر وادی میں گھاس چرانے لے جاتی۔ جاسوس نے اُس کی ایک ایک مصروفیت کو ذہن نشین کر لیا تھا اور اب ایک کارواں سرائے میں اپنے دو ساتھیوں کے پاس بیٹھ اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ تھائیں کو اغوا کر کے کیسے مصر پہنچایا جائے اور شہزادے سیاہ فام سے انعام و اکرام حاصل کیا جائے۔

"میرے خیال میں سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں تھائیں کو بے ہوش کر کے اونٹ کے کجاوے میں ڈال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے اور مصر کی طرف کوچ بدل دیا جائے۔"

"لیکن راستے میں ہوش میں آکر اگر اُس نے شور مچا دیا تو کیا ہوگا؟"

"ہم راستے میں ہوش آتے ہی اُسے دوبارہ بے ہوش کر سکتے ہیں۔"

"اگر بار بار بے ہوش کرنے سے وہ مرگئی تو شہزادہ سیاہ فام کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے؟ وہ یقیناً ہماری گردنیں بھی اتار دے گا۔"

"میری بیہوشی کی دوائی بے ضرر ہے۔ اگر ایک ہزار مرتبہ بھی تھائیس کو بے ہوش کیا گیا تو اُس کی صحت پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔"

"اگر تمہیں اپنی دوا کے بے ضرر اور غیر نقصان دہ ہونے پر یقین ہے تو ہم اُسے بے ہوش کرکے اٹھا لیتے ہیں۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میری دوا بے ضرر ہے اور پھر سوائے اس کے ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے۔ تم اور کیسے جیتی جاگتی زندہ عورت کو اٹھا کر اتنی دور دراز کے سفر پر لے جا سکتے ہو؟"

"تو پھر ہم اس منصوبے پر کل ہی عمل کرتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل صبح جس وقت تھائیس اپنی بھیڑ بکریوں کو چشمے پر پانی پلانے آئے گی تو وہیں اُسے دبوچ لیا جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

یہ لوگ صبح کے اغوا کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے پُراسرار آدمی کے ساتھ سارا سامان باندھ کر تیز رفتار اونٹوں پر لاد لیا اور اونٹوں کو لے کر ہڑپہ شہر سے باہر اُس جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں تھائیس تقریباً روزانہ ہی اپنی بھیڑ بکریوں کو لے کر انہیں پانی پلانے اور گھاس پھونس چرانے آیا کرتی تھی۔ روزانہ کے مطابق تھائیس بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ چھڑی ہاتھ میں لیے نمودار ہوئی۔ وہ بڑی بے فکری سے چل آ رہی تھی اور کوئی پرانا لوک گیت بھی گا رہی تھی۔ تینوں جاسوسوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پُراسرار جاسوس نے ایک پھٹے پرانے کپڑوں والے اندھے فقیر کا بھیس بدل رکھا تھا۔ تھائیس جس وقت چشمے پر پہنچ کر رک گئی اور بھیڑ بکریوں کو باری باری پانی پلانے لگی تو یہ آدمی اندھے فقیر کے بھیس میں وہاں سے نکل کر لاٹھی سے راستہ ٹٹولتا ہوا چشمے کی طرف چل پڑا۔

وہ بار بار بڑی دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

"اندھے فقیر کو پانی پلا دو۔ اندھے فقیر کو پانی پلا دو"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ظاہر تو وہ یہ کر رہا تھا کہ وہ اندھا ہے مگر چوری چوری وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور لاٹھی سے راستہ ٹٹول ٹٹول کر وہ سیدھا اُس طرف جا رہا تھا جہاں تھائیس چشمے پر جانوروں کو پانی پلا رہی تھی۔ بے ہوش کرنے والی دوائی ایک رومال میں رکھی ہوئی اُس کے جھولے میں پڑی تھی۔ چشمے کے قریب پہنچ کر اس نے زور سے آواز لگائی۔

”اندھے فقیر کو پانی پلا دو بابا۔ دیوتا تمہارا بھلا کریں گے۔“

تھائیس نے ایک اندھے فقیر کو پانی کا سوال کرتے دیکھا تو اُس کا نرم دل پسیج گیا۔ اُس نے دور ہی سے کہا۔

”ابھی پانی لاتی ہوں بابا۔ وہیں ٹھہرو۔“

اندھا فقیر یہی تو چاہتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر وہیں رُک گیا۔ تھائیس نے مٹی کے ایک پیالے میں چشمے کا ٹھنڈا پانی ڈالا اور خوشی خوشی اندھے فقیر کی طرف آ گئی۔ وہ یہ نیک کام کر کے دلی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اندھا فقیر درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے جیب سے بے ہوشی کی دوائی میں تر بہ تر رومال نکال کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس اس کے قریب آئی تو اندھے فقیر نے اُسے دعائیں دینی شروع کر دیں۔ تھائیس نے پانی کا پیالہ اندھے کے ہاتھوں میں دے کر کہا۔

"لو بابا پانی پی لو"

"جیتی رہو بیٹی۔ جیتی رہو بیٹی۔ دیوتا تمہارا جلدی سے بیاہ کر دیں"

تھائیس ہنس پڑی۔ اندھے فقیر نے پانی پی کر پیالہ جان بوجھ کر زمین پر رکھ دیا۔ جونہی تھائیس پیالہ اٹھانے کے لیے جھکی بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اندھے فقیر نے رومال والا ہاتھ تھائیس کے ناک پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اُس کی گردن دبوچ لی۔ تھائیس مچھلی کی طرح ایک بار تڑپی اور پھر بے ہوش ہو کر اندھے فقیر کی بانہوں میں گر پڑی۔ دور اُس کے ساتھی یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ تھائیس بے ہوش ہو گئی ہے تو وہ تیزی سے اونٹ لے کر آگے بڑھے۔ انہوں نے جلدی سے بے ہوش تھائیس کو اٹھا کر کجاوے میں ڈالا۔ خود بھی اونٹوں پر سوار ہوئے اور اُن کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ باگیں ڈھیلی ہوتے ہی اونٹوں نے وادی میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ تھائیس بیچاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کجاوے میں بے ہوش پڑی تھی۔ اور اس کی بکریاں اور بھیڑیں چشمے پر اسے زور زور سے ممیا کر پکار رہی تھیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ان کی مالکن ان سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایک بار پھر ایک ایسے خوفناک سفر پر روانہ ہو گئی ہے۔ جس کے انجام کا اسے بھی کچھ پتہ نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصیبت کا سفر

تھامیس کی زندگی کا بھیانک سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔

ہڑپہ شہر سے باہر نکلتے ہی جاسوسوں نے اونٹوں کی رفتار تیز کر دی اور مصر کی جانب پُرخطر اور طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر کے سفر سے بچ کر اُس راستے پر جا رہے تھے جو موہنجودڑو کے پہلو سے ہو کر مکران اور ایران سے ہوتا ہوا خشکی کی راہ بہر فلک مصر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن گرم دھوپ میں چلتے رہے۔ اونٹ بڑے تیز رفتار تھے۔ شام کے وقت وہ تھک گئے اور ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رُک گئے۔ یہاں پہنچ کر تھامیس کو ہوش آ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اور اُسے کہاں لئے جا رہے ہیں؟ پُراسرار آدمی نے ہنس کر کہا۔

"ہم سیاہ فام شہزادے سے تمہارا بیاہ کرنے لیے جا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس کانپ کر رہ گئی - تو گویا شامی کا خدشہ صحیح ثابت ہوا تھا - یہ شخص اُس کا جگہ جگہ پیچھا کر رہا تھا۔ اور آخر اُسے اغوا کر لینے میں کامیاب ہو گیا تھا - تھائیس نے اُس کی منت کی کہ وہ اُسے سیاہ فام شہزادے سے پاس نہ لے جائے - مگر وہ تینوں اُس کی باتوں پر ہنستے رہے اور اُس کا مذاق اڑاتے رہے - آدھی رات کو وہ پھر اپنے سفر پر چل پڑے - ساری رات اور دوسرا سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک قصبے کے قریب پہنچ گئے - یہاں انہوں نے تھائیس کو دوبارہ زبردستی دوا سنگھا کر بے ہوش کر دیا -

یہ قصبہ موہنجو داڑو سے کافی فاصلے پر واقع تھا - وہ سمجھ گئے کہ وہ درست راستے پر جا رہے ہیں اور اگلے روز ملک سندھ کی سرحد عبور کر کے ملک ایران میں داخل ہو جائیں گے - اس قصبے سے انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سندھ کی سرحدوں کی جانب روانہ ہو گئے - دوسرے روز شام کے وقت انہوں نے ملک سندھ کی سرحد عبور کر لی اور ملک ایران میں داخل ہو گئے یہاں سے سنگلاخ پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا اور ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سفر کی رفتار سست پڑ گئی۔ مگر وہ بغیر رُکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ان سنگلاخ پہاڑی میدانوں میں سفر کرتے ہوتے انہیں دس روز ہو گئے تھے۔ گیارہویں روز وہ سوریہ اور بابل کے شہروں سے گزر کر ملک مصر میں داخل ہو گئے۔ اپنے ملک کی سرحدوں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور بڑی تیزی کے ساتھ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھائیس بیچاری کا سفر اور غم کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں تھی اور کہاں آ گئی؟ عنبر خدا جانے کہاں ہوگا۔ وگرنہ اُسے ہی اپنی بپتا سناتی۔ اُسے اپنا ہولناک انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔

جس وقت یہ لوگ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو شہزادہ سیاہ فام اپنی کالی آنکھ لئے خود وہاں پر موجود تھا۔ غصّے سے اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ تھائیس کو دیکھتے ہی اُس کا پارہ ایکدم چڑھ گیا اور اُس نے اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ تھائیس بیچاری چیخ مار کر رہ گئی۔

"تم نے دیکھ لیا کہ میں تمہیں زمین کے نیچے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی کھینچ کر لا سکتا ہوں بول اب کبھی یہاں سے بھاگنے کا نام لے گی؟"

اُس نے تھائیس کو بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہرگز نہیں میرے آقا ہرگز نہیں۔ اب میں یہاں سے کبھی فرار ہونے کا نام نہیں لوں گی۔ میں آپ کی خدمت کروں گی اور ساری عمر آپ کی کنیز بن کر یہاں رہوں گی۔"

سیاہ فام نے قہقہہ مار کر کہا۔

"اب آئی ہو تم سیدھی راہ پر۔ چلو اندر چلو۔"

تھائیس اٹھ کر اندر چلی گئی۔ دوسری کنیزیں سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ سیاہ فام نے کڑک کر کہا۔

"اگر اب کسی نے یہاں سے بھاگنے کے متعلق سوچا بھی تو اُس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔"

جب سیاہ فام چلا گیا تو دوسری کنیزوں نے تھائیس کو بڑی ہمدردی سے اپنے ساتھ لیا اور حرم میں داخل ہو گئیں۔ انہوں نے اُسے گرم پانی سے نہلایا۔ اُس کی چوٹوں پر دوا لگائی۔ اُسے نئی پوشاک پہنائی اور اُس کے کمرے میں لے جا کر سُلا دیا۔ وہ بے چاری در در کی ٹھوکریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھا کر نڈھال ہو گئی تھی۔ اوپر سے سیاہ فام کی مار پیٹ اور طویل سفر نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ وہ پلنگ پر لیٹتے ہی رونے لگی۔ چپکے چپکے اکیلی ہی اپنی ماں کو یاد کر کے روتی رہی۔ وہ بلند آواز سے بھی نہیں رو سکتی تھی کہ کہیں کسی کو خبر ہو گئی تو اُس کی کھال اُتروا لی جائے گی۔ روتے روتے اُس کے آنسو بھی خشک ہو گئے اور وہ جانے کس وقت نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

کوہ دماوند کی جانب عنبر کا سفر بھی جاری تھا۔ انہیں سفر کرتے ہوئے چار مہینے ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑی برق رفتاری سے سفر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دو مہینے پہلے منزل مقصود پر پہنچ گئے تھے۔ عاتکہ بھی اُن کے ساتھ تھی۔ چوتھا مہینہ ختم ہو رہا تھا کہ یہ قافلہ اُس قصبے میں پہنچ گیا۔ جہاں عاتکہ کی ماں رہتی تھی۔ عاتکہ کو دیکھ کر اُس کی ماں خوشی سے نہال ہو گئی۔ اُسے بالکل یقین نہیں تھا کہ اُس کی زندگی میں اُس کی بیٹی اسے زندہ سلامت ملے گی۔ ایک روز قافلے نے اُسی جگہ قیام کیا۔

ہُن قوم کا علاقہ اب شروع ہونے والا تھا۔ عنبر نے حفاظتی سپاہیوں سے کہا کہ یہاں سے وہ واپس چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ آگے وہ منصوبے کے مطابق اکیلا ہی سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ تیسرے روز سپاہی واپسی سفر پر روانہ ہو گئے۔ عنبر نے عاتکہ کی بوڑھی والدہ سے ہُن قوم کے رہن سہن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ اُسے پتہ چلا کہ یہ قوم پانی اور اناج کے دیوتاؤں کی پُوجا کرتی ہے۔ اُن کا ایک جنگ کا دیوتا بھی ہے جو انہیں ہر جنگ کی اجازت اور فتح کی خوش خبری دیتا ہے۔ عنبر ایک ہفتہ عاتکہ کی والدہ کے گھر ٹھہرا رہا۔ آٹھویں روز اُس نے ایک خوبصورت سیاہ گھوڑا خریدا اور تیاری شروع کر دی۔

عاتکہ نے کہا

"عنبر بھائی! میری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ آپ ایک بڑی ہی وحشی اور آدم خور قوم میں جا رہے ہیں۔ ربِّ عظیم آپ کی حفاظت کرے اور آپ جلد واپس ہمارے پاس آئیں۔"

عنبر نے عاتکہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بس مجھے تمہاری دعاؤں کی ہی ضرورت ہے عاتکہ! تم دعا کرتی رہنا پھر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔"

عنبر نے عاتکہ کی ماں کو بھی جھک کر ادب سے سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر صحرائے گوبی کے اُس علاقے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف چل پڑا جہاں سے ہُنی قوم کی سلطنت کی حدود شروع ہوتی تھی۔ اُس نے جڑی بوٹیوں کے سوداگر کا بھیس بدل رکھا تھا اور ساتھ ایک جھولے میں مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں بھی جمع کر رکھی تھیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک صحرا تھا مگر یہاں گرمی کی شدت کم تھی اور بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ رات کو بڑی سخت سردی ہو گئی۔ عنبر نے جھولے میں سے سیاہ اُون کا کمبل نکال کر اپنے اوپر اوڑھ لیا اور سمٹ کر سو گیا۔ اُسے پھر بھی رات بھر سردی لگتی رہی۔

صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔ سورج نکلا تو گرمی نے اُس کے بدن پر خوشگوار اثر کیا۔ دوپہر کے وقت اُس نے دُور کچھ خیمے دیکھے۔ وہ اُن خیموں کے قریب جا کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ خیمے کے باہر کچھ بچے کھیل رہے تھے اور ایک بوڑھی عورت بکری کا دودھ دوہ رہی تھی۔ عنبر نے قریب جا کر اُس عورت کو سلام کیا اور کہا کہ اُسے بھوک لگی ہے۔ بوڑھی عورت نے پہلے تو بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔ پھر مٹی کے کٹورے میں دودھ ڈال کر آگے کر دیا۔ عنبر غٹا غٹ سارا دودھ پی گیا۔ عورت اُسے برابر اپنی زرد چینی ایسی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ جب وہ دودھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پی چکا تو اُس نے پوچھا۔

"تم کون ہو اور اِدھر کیا لینے آئے ہو؟"

عنبر نے بڑی ملائمت سے کہا۔

"بی بی! میں جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہوں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں شہر شہر سفر کر رہا ہوں۔"

پھر اُس نے جھولے میں سے مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں نکال کر دکھائیں۔ عورت کو عنبر کی باتوں پر یقین آ گیا۔ عنبر نے پوچھا کہ یہاں کوئی مرد دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ عورت نے اُسے بتایا کہ سارے مرد ساتھ والے شہر میں لوٹ مار کرنے گئے ہوئے ہیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ وحشی ہُن قوم کے علاقے میں داخل ہو چکا ہے وہ چلنے لگا تو بوڑھی عورت نے کہا۔

"تمہارے پاس اگر سونے چاندی کے سکے ہیں تو چپکے سے مجھے دے جاؤ ورنہ میرے قبیلے کے لوگ تمہیں لوٹ کر قتل کر دیں گے۔"

عنبر نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"مگر بی بی میں تو ایک من پسند سوداگر ہوں۔ میری تو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے۔ پھر تمہارے قبیلے کے لوگ مجھے کیوں ماریں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھی عورت نے تنک کر کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ سارا علاقہ بھن قوم کا علاقہ ہے اور یہاں کوئی غیر قوم کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔"

"مگر بی بی! اب میرا کیا ہوگا؟ میں تو واپس بھی نہیں جا سکتا۔"

"پانی کا دیوتا امارس تمہاری حفاظت کرے۔ تم اپنے آپ موت کے منہ میں آگئے ہو۔ میں تمہیں اپنے ہاں پناہ نہیں دے سکتی۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے بچے بچے بھی تمہارے ساتھ ہی قتل کر دیں گے۔"

"تو پھر میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"مگر تم آگے کیوں جا رہے ہو؟ آگے تو وہ خیمے شروع ہوتے ہیں جہاں ہماری ملکہ عمبیکا کا بڑا شاہی خیمہ لگا ہے۔ وہاں تو تم بالکل ہی زندہ نہ بچ سکو گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"بی بی! مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ میں آگے ضرور جاؤں گا چاہے اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ نکلے۔"

بوڑھی عورت عنبر کی بہادری پر بہت حیران ہوئی۔ اس نے اسے کہا کہ اگر راستے میں کسی نے اس کو قتل کرنے کی کوشش کی تو وہ آگے سے مقابلہ ہرگز نہ کرے۔ اس طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ممکن ہے کہ اُس کی جان بخشی کر دی جائے۔ لیکن اگر اُس نے مقابلہ کیا تو وہ اُسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

"بہت اچھا بی بی! میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر آگے روانہ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہُن قوم کی خونخواری جیسی سُنی تھی ویسی ہی ہے۔ یہ قوم آدم خور قسم کی ہے اور وہ ضرور کسی روز موہنجوداڑو میں گھس کر وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ وہ چلتا گیا۔ سورج مشرق کی طرف جھکنے لگا تھا اور صحرا میں دھوپ کا رنگ سنہری ہو گیا تھا۔ اچانک عنبر کو سامنے سے کچھ گھوڑ سوار آتے دکھائی دیئے۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے دیکھا کہ وہ لوگ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور آندھی کی طرح گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ قریب آ کر سارے گھوڑ سواروں نے عنبر کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اُن کی شکلیں وحشی چیتوں کی طرح تھیں اور اُن کی آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں ایک گھوڑ سوار کے سر پہ سفید عقاب کے پروں کی کلغی لگی تھی۔ اُس نے گرج کر کہا۔

"کون ہو تم؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خونخوار عمیکا

چھ سات خونی وحشی ہُن عنبر کو گھیرے کھڑے تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی اون کے کرتے پہن رکھے تھے۔ ان کے چہرے تپتے ہوئے تانبے کی طرح چمک رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اور اُن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ کلغی والے گھوڑ سوار نے دوسری بار گرج کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے سوچا کہ اب خاموش رہنا مناسب نہیں ہے۔ اُس نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک سندھ کا رہنے والا ہوں اور یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں تاجر ہوں۔"

وہ سب وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ کلغی دار نے کہا؟

"تم اپنی موت کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ تمہارے

پاس سونا ہے؟"

"ہاں۔ کچھ سکّے ہیں"

"انہیں میرے حوالے کرو اور میرے ساتھ چلو۔"

عنبر نے جیب میں سے سونے کے سکّے نکال کر کلغی دار کے حوالے کر دیئے اور اپنا گھوڑا موڑ کر اُن کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ اُن لوگوں نے عنبر کے گھوڑے کو بیچ میں گھیر رکھا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ خیمے لگے تھے۔ یہاں عنبر کو ایک خیمے میں رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دیا گیا۔ اُس کا گھوڑا چھین لیا گیا۔ عنبر ساری رات خیمے میں قید کی حالت میں پڑا سوچتا رہا کہ یہاں سے نکل کر ملکہ کے دربار میں جانے کی کیا ترکیب ہو؟ رات گئے تک یہ وحشی باہر ریت پر ایک بھیڑ کو بھون کر کھاتے اور شور مچاتے رہے۔ ایک وحشی نے آکر بھیڑ کے گوشت کا ٹکڑا عنبر کی جھولی میں بھی پھینک دیا۔ پھر وہ لوگ باہر ریت پر کھلے آسمان تلے ہی کمبل اوڑھ کر سو گئے۔ عنبر نے اب وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ رسّی بڑی مضبوطی کے ساتھ باندھی گئی تھی اور کوشش کے باوجود اپنے ہاتھ پاؤں نہیں کھول سکتا تھا۔ ساری رات عنبر نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح ہوئی تو اُسے گھوڑے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بٹھا کر وحشی ہُن اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑے۔ وہ سارا دن چلتے رہے۔ شام کو انہوں نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں سرو کے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے اور یہ درخت اردگرد ٹیلوں پر بھی پھیلے ہوتے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ کسی آبادی کے آس پاس ہے۔

وحشی ہُن رات گئے تک گوشت بھون بھون کر کھاتے اور شور ہنگامہ مچاتے رہے۔ عنبر کو انہوں نے خیمے میں باندھ کر قید میں ڈالا ہوا تھا۔ آدھی رات کے بعد اچانک کسی کی چیخ کی بلند آواز گونجی اور پھر چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ عنبر نے اُٹھ کر خیمے کے باہر پہرہ دیتے وحشی ہُن سے پوچھا۔

"کیا بات ہوئی ہے؟ یہ چیخ کی آواز کس کی تھی؟"

پہریدار ہُن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"کروشکا کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ مر رہا ہے۔"

کروشکا اُس کلغی دار ہُن کا نام تھا جس نے عنبر سے پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ عنبر نے پہریدار سے کہا کہ مجھے کروشکا کے پاس لے چلو۔ میں اُس کا علاج کر کے اُسے تندرست کر دوں گا۔ پہلے تو پہریدار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اس کی پرواہ نہ کی۔ لیکن جب عنبر نے بے حد اصرار کیا اور ادھر کردشکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تو پہریدار اسے اسی طرح رسیوں میں باندھے کردشکا کے پاس لے گیا۔ کردشکا کے سارے جسم میں سانپ کا زہر چڑھ گیا تھا اور وہ بے ہوش پڑا تھا۔ دوسرے وحشی ارد گرد پریشان ہو کر کھڑے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے سردار کی جان کس طرح بچائیں۔ عنبر نے کہا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں تاکہ وہ کردشکا کا علاج کر سکے۔ فوراً رسیاں کھول دی گئیں۔ عنبر نے جلتی آگ پر پانی گرم کر کے جھولے میں سے ایک بوٹی کا ست نکال کر اس میں ڈالا اور اسے نیم گرم کر کے جلدی سے کردشکا کے ہونٹ کھول کر اس کے حلق میں ٹپکا دیا۔

اس عرق نے جادو کا کام کیا۔ کردشکا جو کہ مرنے کے قریب تھا۔ بے ہوش تھا اور اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا اس کی حالت بدلنے لگی۔ اس کا سانس ٹھیک ہو گیا۔ بخار کی شدت میں کمی آ گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تمام وحشی بہت حیرت کا اظہار کرنے لگے کہ اس نوجوان سوداگر کے پاس کونسی ایسی جادو کی دوا تھی جس نے ان کے سپہ سالار کو موت کے منہ سے بچا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردشکا کو جب معلوم ہوا کہ وہ عنبر سوداگر کی دعا سے اچھا ہوا ہے تو اُس نے تندرست ہونے کے بعد عنبر کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا۔

"میں تمہارے لیے اس کے بدلے میں کر سکتا ہوں؟"

عنبر کو نانکہ کی ماں نے بتا دیا تھا کہ اگر تم کسی وحشی ہُن پر احسان کرو گے تو وہ اُن کا بدلہ چکانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔ چنانچہ عنبر نے فوراً کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ملکہ عمیکا کے دربار میں پیش ہو کر اُس سے ایک ملاقات کروں۔ تاکہ میرا یہ سفر یادگار رہے۔"

"یہ ہو جائے گا۔"

دوسرے روز کردشکا بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اُس نے عنبر کو ساتھ لیا اور عمیکا کے محل کی طرف چل پڑا۔ ایک دن کی مسافت طے کرنے کے بعد شام کو وہ اُس علاقے میں پہنچ گئے جہاں میدان میں بے شمار خیمے لگے تھے۔ ان خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا اور عالی شان تھا۔ کردشکا نے عنبر کو بتایا کہ یہ خیمہ ملکہ عمیکا کا ہے۔ انہوں نے وہ رات کردشکا کے خاص خیمے میں بسر کی۔ صبح سویرے تیار ہو کر کردشکا عنبر کو ملکہ عمیکا سے ملانے دربار میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گیا۔ عنبر نے اُس سے پہلے مصر و شام سوریہ اور بابل و نینوا کے عظیم بادشاہوں کے دربار دیکھے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ ملکہ عمیکا کا دربار بھی اسی قسم کا ہوگا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ظاہری شان و شوکت کی بجائے عمیکا کے دربار میں ایک سادگی جلال اور دہشت تھی۔ ایک اونچے چھت والے خیمے کے نیچے ان گنت ریشمی قالین بچھے تھے۔ سامنے ایک لکڑی کے تخت پر گاؤ تکیے اور قالین لگے تھے۔ اور اس پر ملکہ عمیکا بیٹھی تھی۔ ایک زرد آنکھوں والا آدم خور قسم کا چیتا سونے کی زنجیر سے بندھا اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں قالین پر کچھ سفید اور سیاہ داڑھیوں والے درباری خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

کروشکا نے دربار میں داخل ہو کر دو بار جھک کر ملکہ کو سلام کیا اور پھر عنبر کو ایک طرف سلام کر کے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ عنبر نے بھی دو بار جھک کر سلام کیا اور وہ کروشکا کے پہلو میں قالین پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت عمیکا کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ ایک ہُن نے دوسرے ہُن کے خیمے میں گھس کر چوری کر لی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمیکا نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد حکم دیا کہ چور کی گردن کاٹ کر اُس شخص کے خیمے کے باہر لٹکا دی جائے جس کے گھر اُس نے چوری کی تھی۔ سپاہی اُس شخص کو پکڑ کر لے گئے۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہاں چوری کی سزا گردن کاٹ کر دی جاتی ہے تو قتل کی سزا کیا ہوگی؟ کروشکا نے اُسے بتایا کہ کسی بے گناہ ہُن کو قتل کر دینے کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو جنگلی بکرے کی کھال میں زندہ سی کر ریت میں دبا دیا جاتا ہے۔ عنبر کو معلوم ہوا کہ اُن کے قبیلے میں آپس میں قتل کی وارداتیں کبھی نہیں ہوتی تھیں اور چوری کی واردات بھی ایک ایسے شخص نے کی تھی جو کاکیشیا کے علاقے سے وہاں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ دگرنہ ہُن کبھی چوری نہیں کرتے تھے اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے تھے۔ ہاں دوسرے قبیلے کے لوگوں کو قتل کرنے میں وہ ایک پل کی دیر بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ دشمنوں کے ساتھ وہ بد سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

مقدمے کے فیصلے کے بعد سمیکا نے دربار کے وزیروں کو کچھ احکام دیئے اور پھر کروشکا کی طرف دیکھا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کردشکا! تمہارے ساتھ یہ اجنبی کون ہے؟ مجھے یہ نوجوان مصر کے ملک سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"

عنبر ملکہ عمیکا کی قیافہ شناسی پر دنگ رہ گیا۔ آج تک کسی نے اسے اتنی جلدی اور اتنا صحیح نہیں پہچانا تھا۔ کردشکا نے جھک کر کہا۔

"ملکہ! یہ نوجوان جڑی بوٹیوں کا ماہر ہے اور کہتا ہے کہ وہ ملک سندھ سے آیا ہے اور جڑی بوٹیوں کو تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ اسے آپ کے نیاز حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ میں اسے آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔"

ملکہ عمیکا ہنس پڑی۔

"اس نوجوان کو ہمارے قریب لاؤ۔"

کردشکا نے عنبر کو ساتھ لیا اور ملکہ کے تخت کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر ملکہ کے تخت کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سونے کی زنجیر میں بندھا ہوا چیتا پریشان ہونے لگا۔ عنبر نے یہ ہمیشہ محسوس کیا تھا کہ جانور اسے دیکھ کر گھبرا جایا کرتے تھے۔ انسانوں کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک آسیبی انسان ہے اور دو ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے لیکن جانور کو احساس ہو جاتا تھا کہ وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی غیر فطری شے آ گئی ہے۔ یہی حال ملکہ عمیکا کے چیتے کا تھا۔ عنبر کے قریب آتے ہی وہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور اُس کے بدن پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ پھر وہ ملکہ کے پیچھے جا چُھپا۔ ملکہ حیران ہوئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ چیتیا اس سے پہلے کبھی کسی کو دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُسے دیکھ کر لوگ ڈر جایا کرتے تھے۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ چیتیا ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ملکہ نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"کیا تم ملک مصر کے رہنے والے نہیں ہو؟"

ملکہ کی عقاب ایسی تیز نگاہوں میں بلا کی کشش تھی۔ عنبر پر اُن آنکھوں کے جادو کا اثر ہونے لگا۔ لیکن چونکہ وہ ایک ایسا انسان تھا جس پر ایک آسیب کا سایہ تھا۔ چنانچہ وہ بہت جلد سنبھل گیا اور اُس نے ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا۔

"میں ملک مصر میں پیدا ضرور ہوا تھا مگر اس کے بعد وہاں سے چلا آیا۔
اور ملک سندھ میں آ کر آباد ہو گیا۔"

"تم کب مصر میں پیدا ہوئے تھے؟"

"آج سے دو ہزار سال پہلے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس جواب نے سارے درباریوں کو دم بخود کر دیا۔ ملکہ بھی اس کی طرف دیکھ کر پہلے بھونچکی سی ہو گئی اور پھر مسکرا کر بولی۔

"مجھے تم کوئی مسخرے معلوم ہوتے ہو۔ بہرحال تم اگر میرے دربار میں رہ جاؤ تو میں تمہیں اپنے دربار کا مسخرہ بنا لوں گی۔ کیونکہ تم ہنسنے ہنسانے والی باتیں بہت کرتے ہو"

عنبر نے یہ جملہ یونہی نہیں کہا تھا۔ اس نے پختہ ارادہ کر کے یہ فقرہ زبان سے ادا کیا تھا کہ اگر ملکہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس طرح دو ہزار برس سے زندہ ہے تو وہ اسے ثابت کر کے دکھا دے گا۔ اتنی لمبی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر نے خود جلال میں آ کر اپنی شخصیت کا راز ظاہر کر دیا تھا۔ لیکن یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ملکہ عمیکا نے اسے مذاق سمجھا۔ عنبر نے بھی بات مذاق میں ٹال دی۔ مگر اسے ملکہ کی اس بات سے دکھ ہوا کہ وہ اسے درباری مسخرے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ اس نے ادب سے جھک کر کہا۔

"میں آپ کا درباری مسخرہ بننے میں بھی عزت محسوس کروں گا"

اگرچہ عنبر کی بھرے دربار میں بے عزتی ہوئی تھی مگر عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے برداشت کر گیا تھا۔ وہ ملکہ شمبیکا کے ساتھ لڑائی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جس مقصد کو لے کر وہاں آیا تھا اُس کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خاموشی سے ملکہ کی فوج کے سارے راز معلوم کرے۔ ملکہ کی گستاخ زبان سے اتنا ضرور ہوا کہ عنبر نے اُس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس مغرور ملکہ کو ایسا مزا چکھائے جسے وہ ساری عمر یاد رکھے۔

"ٹھیک ہے آج سے تم ہمارے درباری مسخرے ہو۔ تمہیں ہمارے دربار میں رہ کر مناسب موقع پر دلچسپ لطیفے سنا سنا کر ہمیں خوش کرنا ہوگا۔ کردشکا! اس نوجوان کو مسخرے کا لباس پہنا دو۔"

کردشکا نے سر جھکا کر کہا۔

"جو حکم ملکہ عالیہ!"

عنبر درباری مسخرہ بنا دیا گیا۔ اس کا لباس بڑا مضحکہ خیز تھا۔ پاؤں میں لمبے جوتے۔ چمڑے کا لمبا کرتہ اور سر پہ گول پھندنے والی ٹوپی۔ عنبر نے اس میں اپنی بے عزتی ضرور محسوس کی مگر اس نے اُسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ کردشکا نے اُسے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں دربار میں کوئی باعزت عہدہ دلاؤں گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر تم نے یہ کہہ کر کہ تم دو ہزار برس پہلے پیدا ہوئے تھے میرے دربار میں ثابت کر دیا کہ تم واقعی مسخرے ہو۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان دو ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہو؟

عنبر نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے کردشکا۔"

"پھر تم نے ایسی مذاق کی بات کیوں کی؟"

"میرا خیال تھا کہ ملکہ میرے جواب سے خوش ہو کر مجھے خوب انعام دے گی۔ لیکن اس نے مجھے مسخرہ بنا کر رکھ لیا۔"

"بہرحال درباری مسخرہ رہ کر بھی انہیں میں خوش قسمت ہی کہوں گا۔ ورنہ اگر ملکہ ناراض ہو جاتیں تو ابھی تمہارا سر قلم کروا دیتیں۔"

عنبر کردشکا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میں خوش قسمت ہوں کردشکا۔ واقعی خوش قسمت ہوں۔"

اب عنبر باقاعدہ دربار میں ہر روز حاضر ہوتا۔ وہ بات بات پر ملکہ کو اپنی دلچسپ باتوں سے ہنسایا کرتا۔ چیتا اسے دیکھ کر ہمیشہ ملکہ کے عقب میں چھپ کر غرانے لگتا تھا۔ ایک روز ملکہ نے چیتے کو بہت مارا۔ وہ غراتا رہا۔ دھاڑتا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر جونہی عنبر کی موجودگی کو محسوس کیا فوراً ملکہ عمیکا کے پیچھے جا چھپا۔ ملکہ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک روز عنبر سے پوچھا۔

"عنبر! کیا تمہارے پاس کوئی ایسی ہڈی یا جڑی بوٹی ہے جسے محسوس کر کے ہمارا چیتا گھبرا جاتا ہے اور تمہارے سامنے نہیں آتا؟"

عنبر نے کہا۔

"ایسی کوئی بھی شے میرے پاس نہیں ہے ملکہ سلامت"

"پھر ہمارا چیتا تمہیں دیکھ کر کیوں گھبراتا ہے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا ملکہ سلامت!"

عنبر صاف مکر گیا۔ اب اس کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ملکہ پر اپنی زندگی کے اہم ترین راز کو افشا کرتے پھرے۔ اب وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے ملکہ کی ساری فوج اور اسلحہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس بھاگ جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے کروشنکا کو اپنا دوست بنا لیا۔ کروشنکا کی اس نے زندگی بچائی تھی۔ چنانچہ وہ اس کا بہت خیال رکھتا تھا اور اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔ ایک روز اس نے عنبر کو بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

عنبر! اگر میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا تم مجھے اُس کا صحیح جواب دو گے؟"

"ضرور پوچھو"

کروشنکا نے کہا۔

"یہ کیا بات ہے کہ ملکہ شمبکا کا چیتا تجھے دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ حالانکہ وہ تو ایک درندہ ہے۔ اُسے تو نہیں ڈرنا چاہیئے۔ پھر اس کی وجہ کیا ہے؟"

عنبر نے ایک پل کے لیے سوچا کہ کروشنکا کو وہ اصل بات بتا دے۔ لیکن پھر اُس نے دِل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے مسکرا کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کروشنکا کہ میں چیتے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے گھورتا ہوں تو وہ سہم جاتا ہے۔ کیونکہ جنگل کا ہر جانور انسان سے گھبراتا ہے۔ ہاں اگر انسان ڈر جائے تو پھر جانور اُسے ڈرانے لگتا ہے۔ چونکہ میں چیتے سے ڈرتا نہیں اس لئے وہ مجھ سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

کروشنکا نے تعجب سے کہا

"کچھ یقین نہیں آ رہا۔ ایسے لگتا ہے جیسے بات کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ہی ہے جیسے تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"بھلا مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ اور بات بھی کیا ہو سکتی ہے؟"

کروشکا اکثر عنبر سے اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر کو معلوم ہو گیا کہ کروشکا ملکہ سے خوش نہیں ہے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اسے گوارا نہیں تھا کہ ہن ایسی بہادر اور وحشی قوم کی ملکہ ایک عورت ہو۔ اس قوم کی سرداری ایک مرد کو کرنی چاہیئے تھی۔ عنبر نے ایک روز کروشکا کا دماغ ٹٹولنے کے لیے کہہ ہی دیا۔

"ملکہ سلامت بڑی لائق اور قوم کی وفادار ہیں۔ مگر کروشکا جب باہر والے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ہن ایسی خونخوار اور وحشی قوم پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

کروشکا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر فوراً اپنا ہاتھ عنبر کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور کہا۔

"دیوتا امارس کے لیے یہ بات پھر کبھی زبان پر نہ لانا۔ تم اپنے ساتھ میری گردن بھی قلم کراؤ گے۔"

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میں یہ بات پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ مگر تم مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف اتنا بتا دو کیا میں نے غلط بات کی ہے؟"

"نہیں۔ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ مگر ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتے ملکہ کے اردگرد ساری قوم کے دیوانے جمع ہیں۔ جو اس کے لیے لاکھوں آدمیوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ بس اب خاموش رہنا ہی بہتر ہے"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اس نے کروشکا سے فوجوں کی تعداد اور اسلحہ کے بارے میں باتوں ہی باتوں میں دو ایک بار کرید پوچھنے کی کوشش کی مگر اسے تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ حقیقت یہ تھی کہ خود کروشکا کو بھی زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ ملکہ عمبیکا کی فوج بکھری ہوئی تھی۔ جہاں تک عنبر نے اندازہ لگایا تھا ہُن فوج لاکھوں کی تعداد میں تھی۔ اُن میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہیں اس طرح تربیت دی گئی تھی کہ وہ جہاں حملہ کرتے اپنی خوراک اور لباس وہیں سے پیدا کرتے تھے۔ وہ دشمن کو پہلے لوٹتے تھے اور پھر قتل کر دیتے تھے۔ یا پہلے قتل کرتے تھے اور بعد میں لوٹ لیتے تھے۔ فوجوں کی تعداد اور مصر پر حملے کے بارے میں کروشکا بے خبر تھا۔ عنبر نے ایک ماہ میں یہ معلوم کیا کہ وہ شخص جس کو ملکہ عمبیکا کے سارے جنگی راز معلوم ہیں وہ اٹالی نام کا ایک جرنیل ہے جو ملکہ کے قریب رہتا ہے عنبر نے جرنیل اٹالی کے ساتھ تعلقات بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحرائے گوبی سے فرار

لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ایک روز عنبر دربار میں بیٹھا تھا کہ وہاں ملک سوریہ کا ایک امیر تحفے تحائف لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس شخص کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ مگر اس نے زیادہ خیال نہ کیا۔ ٹھیک اسی لمحے اس امیر نے بھی عنبر کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ وہ امیر ملکہ عمیکا کی ہمدردی اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ملکہ کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد کہا۔

"ملکہ عالیہ! یہ شخص کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟"

ملکہ نے کہا۔

"یہ شخص درباری مسخرہ ہے۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرنے مصر آیا تھا۔ لیکن ہم نے محسوس کیا کہ یہ سوداگر سے زیادہ مسخرہ ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے اپنے دربار کا مسخرہ بنا لیا۔"

امیر کو معلوم تھا کہ ملکہ عمیکا موہنجو داڑو پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر ملکہ عالیہ! یہ شخص موہنجو داڑو کے شہزادے کا جاسوس ہے میں نے اسے موہنجو داڑو کے دربار میں دیکھا ہے۔"

یہ انکشاف بجلی بن کر ملکہ پر گرا۔ وہ آگ بگولا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عنبر بھی چکر میں آ گیا کہ یہ اچانک پانسہ کیسے پلٹ گیا۔ سارے درباری عنبر کو غصے اور نفرت کے عالم میں دیکھنے لگے۔ ملکہ نے گرج کر کہا۔

"اے درباری مسخرے! کیا یہ بات سچ ہے کہ تم موہنجو داڑو کے شہزادے کے جاسوس ہو؟ اور یہاں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟"

عنبر نے سوچا کہ یہاں مکر جانا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ جھوٹ ہے ملکہ عالیہ! میں موہنجو داڑو کے دربار میں جڑی بوٹیوں کے سوداگر کی حیثیت سے گیا ضرور تھا مگر میں جاسوس نہیں ہوں گے"

ملکہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے غصے کے عالم میں اپنے چیتے کی زنجیر کھول دی اور اسے عنبر کی طرف حملے کا حکم دیا۔ چیتا اشارہ پاکر عنبر کی طرف لپکا مگر قریب جاتے ہی بھیگی بلی بن کر واپس ملکہ کے پاؤں میں آ کر لوٹنے لگا۔ سارے درباری حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ملکہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کے پاس درندوں کو ڈرانے کا جادو ہے۔ اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ ہم خود اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اس کی لاش موہنجوداڑو کے دربار میں بھیجیں گے۔"

عنبر کو اسی وقت زنجیریں ڈال دی گئیں اور قید خانے پہنچا دیا گیا۔

یہ قید خانہ زمین کے اندر ایک گڑھا بنا کر بنایا گیا تھا۔ عنبر کو ایک رسّے کے ذریعے اندر ڈال کر رسّہ اوپر سے کھینچ لیا گیا اور گڑھے کے سوراخ پر پتھر رکھ دیا گیا۔ اب وہ ایک تاریک اندھیرے گڑھے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ زندہ ایک قبر میں اتر آیا ہے۔ اوپر سوراخ کی جھریوں میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی، دھیمی دھیمی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ عنبر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک پل کے اندر اندر سب کچھ ہی پلٹ کر رہ جائے گا اور وہ دربار سے اٹھ کر جیل خانے کی کوٹھڑی میں آ جائے گا۔ لیکن اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ چپ چاپ بیٹھ کر آنے والے حالات کا انتظار کرے۔

صبح و شام ایک وحشی بن رسّی کے ذریعے اوپر سے گوشت کا ٹکڑا اور تھوڑا سا پانی اندر پھینک دیتا۔ عنبر کو وہاں پڑے پڑے صرف دھیمی دھیمی کرنوں کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اب رات ہو گئی ہے اور اب صبح ہو گئی ہے۔ اُسے اُس اندھیرے گڑھے میں پڑے پڑے چند روز ہو گئے تو وہ پریشان ہو گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے ملکہ تمیکا اُسے گڑھے میں ڈال کر بھول گئی ہے۔ اُسے موت کی تو بالکل پروا نہیں تھی۔ فکر یہ تھا کہ اُس کا منصوبہ خاک میں مل رہا تھا جسے لے کر وہ موہنجوداڑو سے وہاں آیا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اُس منصوبے کو ترک کر دے۔ ملکہ تمیکا سے تو اُسے بَیر ہو گیا تھا اور اُسے ضرور ایک بار مزہ چکھانا چاہتا تھا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ اُس کا وقت بے فائدہ ضائع ہو رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے دیوی بلیطیس کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے گڑھے میں ایک طرف بیٹھ کر آنکھیں بند کیں۔ دھیان میں دیوی کی شکل کو سامنے کیا اور آواز دے کر دیوی کو پکارا۔ آخر وہی ہوا۔ اُس کے چھ سات بار پکارنے پر گڑھے میں ایک طرف روشنی لپکی اور دیوی بلیطیس کی بہن اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا بات ہے؟ تم نے مجھے اب کس لئے یاد کیا ہے؟ میں نے تمہیں پچھلی دفعہ بھی کہا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھے مت بلایا کرو۔ مجھے تمہارے پاس آتے ہوئے بڑی مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا

"میں معذرت چاہتا ہوں دیوی۔ لیکن معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ سوائے تمہاری مدد کے میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کیا بات ہے مجھے کھول کر اور جلدی سے بتاؤ۔ میں ایک محل میں اپنے دیوتاؤں کو ناراض کر کے یہاں پہنچی ہوں۔"

عنبر بولا۔

"بات یہ ہے دیوی کہ مجھے ملکہ عمیکا نے یہاں قید کر دیا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو یہ ایک "تاریک اندھیرا گڑھا ہے۔ میں اگر ساری زندگی بھی ٹکریں مارتا رہوں تو یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور صورت حال یہ ہے کہ جب تک میں یہاں سے باہر نہ نکلوں میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"تم یہاں کس خیال کو ذہن میں لے کر آئے ہو؟"

"میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ ملکہ عمیکا کی فوج کی کل تعداد کتنی ہے۔ اس کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے اور یہ کہ وہ موہنجوداڑو پر کب حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟"

"یہ تم موہنجوداڑو کے شہزادے کے لیے کر رہے ہو؟"

"ہاں! اس لئے کہ اس نے مجھے اور عاطکہ کو پناہ دی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کے ساتھ وفادار رہوں گا۔ دیوی! کیا تم اس سلسلے میں میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ مدد کر سکتی ہو؟"

دیوی نے کہا۔

"عنبر! اس سلسلے میں، شاید میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔ لیکن میں تمہیں یہاں سے باہر ضرور نکال دوں گی۔ اس کے بعد تم نے ساری جدوجہد خود ہی کرنی ہو گی اور خود ہی معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔"

"مجھے منظور ہے۔ تم مجھے اس جہنم سے باہر نکال دو۔"

"آنکھیں بند کر کے منہ دیوار کی طرف کر کے بیٹھ جاؤ۔"

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ دیوی بلیطیس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عنبر نے دوسرے لمحے آنکھیں کھولیں تو وہ گڑھے کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ وحشی ہُن نے اسے پکڑ لیا۔ وہ اسے پہچانتا تھا۔

"تم گڑھے سے باہر کیسے نکل آئے؟"

"جادو کے زور سے۔"

وحشی ہُن ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

"کیا تم جادوگر ہو؟"

"ہاں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر چلو ملکہ سلامت کے پاس"

وحشی ہن عنبر کو گھسیٹتا ہوا اپنے گھوڑے تک لے گیا اور اُس نے اُسے گھوڑے پر مُردہ لاش کی طرح ڈالا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے شاہی محل میں آ گیا۔ کروشکا اور دوسرے درباریوں نے عنبر کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ ملکہ عمیکا کا غصّہ اور جلال تو اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ یہ اُس کی شکست تھی کہ اُس کا قیدی ایک تاریک گڑھے ہی سے باہر نکل آئے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اُس نے غصّے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"تم اس تاریک اندھیرے گڑھے میں سے باہر کیسے نکل آئے؟"

عنبر نے یہاں بھی اپنا وہی جواب دہرایا۔

"جادو کے زور سے ملکہ سلامت"

"کیا تم جادوگر ہو؟"

"ہاں ملکہ سلامت"

"اس کا ثبوت مہیا کرو۔ اگر ثبوت نہ دیا تو ابھی گردن مار دی جائے گی"

"ثبوت پیش کرتا ہوں ملکہ سلامت!"

"عنبر شش و پنج میں پڑ گیا کہ کہیں اُس کا جادو بے اثر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ نکل آئیں۔ اُس نے خیال ہی خیال میں ایک بار پھر دیوی بلیطیس کو یاد کیا اور ایک بڑا سا پتھر منگوا کر اُسے قالین پر رکھ دیا۔ پھر اس پر زور سے پھونک ماری تو وہ آگ میں جلنے لگا۔ پھر پھونک مار کر اُس نے پتھر کو بجھا دیا۔ کمال یہ تھا کہ قالین کا ایک دھاگہ بھی نہیں جلا تھا۔ اس کے بعد اُس نے پانی سے بھرا ہوا گلاس منگوایا۔ گلاس اپنے ہاتھ میں لے کر انڈیلنا شروع کر دیا۔ پانی کی ایک دھار مسلسل فرش کے قالین پر گرتی رہی مگر قالین گیلا نہ ہوا۔ ملکہ نے زور سے تالی بجا کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم ویسے ہی جادوگر ہو جیسے کہ تبّت کے ہوا کرتے ہیں۔ تم آج سے میرے دربار کے شاہی مسخرے بھی ہو گئے اور شاہی جادوگر بھی —— لیکن تمہیں اس وقت تک جیل خانے میں رہنا ہوگا۔ جب تک تم یہ ثابت نہ کرو کہ تم موہنجوداڑو کے بادشاہ کے لیے یہاں جاسوسی نہیں کر رہے ہو۔ اگر اس بار بھی تم جیل توڑ کر باہر آ گئے۔ تو تمہیں ہلاک کر کے اونٹ کی کھال میں بند کر دیا جائے گا“

عنبر نے اطمینان کا سانس لیا کہ ملکہ نے دوبارہ اُسے اندھیرے گڑھے میں بند نہیں کر دیا۔ کیونکہ وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر نکلنے کے لیے وہ دوبارہ دیوی بلیطلیس سے مدد کی درخواست نہیں کر سکتا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ قید میں چلا گیا۔ اس دفعہ اسے جس قید خانے میں ڈالا وہ ایک پتھریلے ٹیلے کے اوپر بنا ہوا تھا۔ سلاخوں والے دروازے کے باہر ایک وحشی ہُن "تلوار کندھے پر رکھے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اسی قید خانے میں ایک اور قیدی پہلے سے ہی محدود تھا۔

یہ قیدی ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی شکل چینیوں سے ملتی جلتی تھی۔ وہ کونے میں آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیئے بیٹھا تھا۔ عنبر اندر آیا تو اس نے آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی عبادت کر رہا ہے۔ عنبر نے اسے پریشان کرنا مناسب خیال نہ کیا اور چپ چاپ دوسرے کونے میں بیٹھ کر وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب سوچنے لگا۔ اس لئے کہ اب کی بار وہ دیوی بلیطلیس کو مدد کے لیے نہیں پکارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے کی طرح اپنی ہمت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس بوڑھے نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو بیٹے ؟ اور کس جرم کے بدلے قید میں ڈال دیئے گئے ہو ؟"

عنبر نے ساری داستان بوڑھے کو سنا ڈالی۔ صرف اُسے یہ نہ بتایا کہ پہلی بار دیوی بلبطیس نے اُسے اندھیرے گڑھے میں سے نکالا تھا۔ اور یہ کہ وہ موہنجو داڑو کے شہزادے کی طرف سے وہاں جاسوسی کرنے آیا ہوا ہے۔ عنبر نے بوڑھے سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اُسے کس لئے جیل میں ڈال دیا گیا ہے ؟ اس پر بوڑھے نے کہا۔

"بیٹا عنبر! میرا نام سانچو ہے۔ میں تبت کا رہنے والا ایک راہب ہوں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے ملکہ سمیکا کے دربار میں آکر سچے مذہب کا پرچار کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ پانی اور پتھر کے بتوں کی پُوجا چھوڑ کر اس عظیم شہزادے کی عبادت کرے جو دُکھی لوگوں کے لئے بہت جلد اُس دنیا میں آنے والا ہے۔ جو ایک رحم دل شہزادہ ہوگا۔ اور جو دُکھی لوگوں کے لیے تخت و تاج چھوڑ کر جنگلوں میں چلا جائے گا اور ساری زندگی غریب اور غم زدہ لوگوں کی خدمت کرتا رہے گا ملکہ غمیکا نے مجھے قید کر دیا اور حکم دیا کہ پہلے چاند کی صبح کو میرے جسم کی کھال کھینچ کر مجھے اونٹ کے ساتھ باندھ کر صحرا میں چھوڑ دیا جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کانپ اٹھا۔ اُس بے چارے بے گناہ بوڑھے کے ساتھ یہ اتنا بڑا ظلم ہونے والا تھا۔ اور وہ بوڑھا تبتی نہایت سکون کے ساتھ جیل میں بیٹھا اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔

عنبر نے پوچھا۔

"بابا کیا تمہیں یہ موت قبول ہے؟ کیا تم اس کے خلاف بغاوت نہیں کرو گے؟"

بوڑھے تبتی کے چہرے پر بڑی معصوم مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا۔

"بیٹا! موت اور زندگی اب میرے لیے ایک برابر ہے۔ میں نے اپنی زندگی بسر کر لی ہے۔ اب اگر میں نیکی اور سچ کے پرچار کے جرم میں ہلاک بھی کر دیا جاؤں تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔"

"بابا کیا تمہارے بچے نہیں ہیں؟"

"ایک لڑکا ہے جو تبت کے بڑے مندر میں پجاری ہے۔ وہ بادشاہ کا شاہی پروہت ہے مگر دل ہی وہ مرنے والے شہزادے کو مانتا ہے۔"

"کیا تمہاری خواہش نہیں بابا کہ تم یہاں سے واپس اپنے بیٹے کے پاس تبت جاؤ اور باقی زندگی اپنے بیٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مذہب کے پرچار اور تبلیغ میں بسر کرو۔"

"بیٹا تبت میں بھی نئے مذہب کی تبلیغ کی سزا موت ہے۔ وہاں سب لوگ جنگل اور پہاڑ کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر میں نے وہاں اپنے نئے مذہب کا پرچار کیا تو وہ میرے ساتھ میرے بچے کو بھی قتل کر دیں گے۔"

"کیا تم یہاں سے فرار ہونا نہیں چاہتے بابا؟"

"ضرور چاہتا ہوں بیٹا۔ آزادی کسے عزیز نہیں۔ مگر میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہیں سکتا۔ اسی لئے میں نے اپنے لئے موت کو گوارا کر لیا ہے۔ یہاں سے نکل کر کسی وحشی ہُن کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے کہیں بہتر ہے کہ یہاں آرام سے بیٹھ کر موت کا انتظار کروں۔"

"لیکن بابا! میں تو یہاں سے ہر حالت میں فرار ہو جانا چاہتا ہوں"

"تم جوان ہو بیٹے۔ تمہارا حق ہے کہ تم آزاد زندگی بسر کرو اور قید کو گوارا نہ کرو۔ مگر میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"اگر میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں بابا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو کیا تم میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو گے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم یہاں سے نکلنے کے بعد وحشی ہُن قوم اور خونی عمیکا کے قابو میں نہیں آئیں گے؟"

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بہت جلد فرار ہو جائے گا۔ ملکہ عمیکا کی فوج اور اسلحہ کے بارے میں اُسے اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اُس کی فوج بے شمار ہے اور دوسرے یہ کہ فوج کے اسلحہ میں سوائے "تلوار، تیر کمان اور نیزے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس پتھر برسانے والی اور قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنے والی بڑی توپیں بھی نہیں تھیں۔ اب وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ اُس نے قید میں بیٹھے بیٹھے غور کرنا شروع کر دیا کہ کون کون لوگ پہرے پر آتے ہیں اور کون کون وحشی اُن دونوں کو ایک وقت پر کھانا اور پانی دینے آتا ہے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ شام کے وقت جو ہُن پہرہ دینے آتا ہے وہ پہرہ دیتے دیتے کسی وقت اُونگھنے لگتا ہے۔ عنبر نے اُس کے ساتھ قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز جب وہ پہرہ دینے کے لیے آیا تو عنبر نے اُسے سلاخوں کے پاس بُلا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پانی پلا دو پیاس لگی ہے۔"

پہریدار نے لکڑی کے پیالے میں پانی لاکر دیا تو عنبر نے پیالہ اُلٹا کر دیا مگر پانی باہر نہ گرا۔ وحشی ہُن کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ عنبر نے پیالے کو پھونک ماری۔ اس میں سے آگ کا شعلہ لپکا۔ پھر پھونک ماری تو پانی میں سرخ رنگ کی مچھلی تیرنے لگی۔ اب پھونک ماری تو پیالہ غائب ہو گیا۔ پہریدار ہُن نے پوچھا۔

"تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟"

"کیا تم سیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ضرور۔ کیا مجھے سکھا دو گے؟"

"اس کی ایک شرط ہے"

"وہ کیا؟"

"رات کے وقت اپنے خیمے میں جاکر اپنی بیوی کے سر کا ایک بال لاکر مجھے دو۔ میں اس بال کو منتر پڑھ کر تمہارے کانوں میں ڈال دوں گا۔ بس پھر میرے منتر تمہیں ایک بار سننے کے بعد یاد ہو جائیں گے اور تم پورے جادوگر بن جاؤ گے۔ پھر تم جب چاہو گے اس ملک کا بادشاہ بن سکو گے۔"

"سچ ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بالکل سچ"

"میں ابھی اپنی بیوی کے سر کا بال لاتا ہوں"

احمق پہریدار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اُسے قیدیوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے۔ اُس پر جادو سیکھنے کا بھوت اس بُری طرح سوار تھا کہ وہ سنتے ہی اپنے گھر کی طرف اُٹھ دوڑا۔

عنبر نے پلٹ کر بڑھے تبتی سے کہا کہ وہ ہوشیار ہو جائے۔ عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اُٹھایا ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال کر اُسے تالے پر مارنا شروع کر دیا۔ چھ سات بار چوٹ مارنے کے بعد تالا کھڑاک سے ٹوٹ کر دُور جا گرا۔ عنبر نے جلدی سے سلاخوں والا دروازہ کھول دیا اور بڑھے تبتی سے کہا۔

"بابا! جلدی سے باہر نکل آؤ۔ وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے"

بڑھا تبتی اُٹھ کر قید خانے سے باہر آ گیا۔ عنبر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ رات کی خاموشی اور اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ دُور خیموں میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ پہریدار اُسی طرف بھاگ کر گیا تھا۔ جلدی میں وہ اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ گیا تھا۔ عنبر نے قریبی اصطبل میں جا کر ایک اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھوڑا چپکے سے کھول دیا۔ اس پر بوڑھے تبتی کو سوار کرایا اور پھر پہریدار نے گھوڑے پر خود سوار ہوا۔ اس نے تبتی بوڑھے سے کہا۔

"اب ہمیں کسی جگہ بھی نہیں رکنا۔ ساری رات سفر کرنا ہے۔ ہمارا رخ قطب ستارے کے جنوب مشرق کی جانب ہوگا"

اس نے اپنے اور بوڑھے تبتی کے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور دونوں گھوڑے رات کی خاموشی میں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر قید میں

سفر اس لئے بھی خطرناک تھا کہ دشمن ہُن قوم کے خونی وحشی تھے۔

عنبر چاہتا تھا کہ راتوں رات صحرا میں جتنی دُور نکل سکتا ہے نکل جاتے۔ کیونکہ یہ اطلاع ملتے ہی کہ دو قیدی فرار ہو گئے ہیں وحشی ہُن سپاہیوں کو ضرور اُن کے تعاقب میں نکل پڑنا تھا۔ عنبر بوڑھے تبتی کے ساتھ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن نکلا تو اُن کے گھوڑے تھک گئے۔ وہ ایک چھوٹے سے خشک تالاب کے پاس جاکر رُک گئے جس میں تھوڑا سا پانی ایک طرف جمع تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ درختوں پر سے پتے جھاڑ کر انہیں کھلائے۔ خود بھی پانی پیا اور سوچنے لگے کہ اب کس طرف کو سفر شروع کیا جائے۔ قطب ستارہ غائب ہو چکا تھا۔ بوڑھے تبتی نے کہا۔

"اگر ہم اس رُخ کو چلتے جائیں تو ایک روز اور ایک رات کے سفر کے بعد دریائے آمو کے کنارے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے ہیں دریا پار کر کے ملک تبت کی طرف روانہ ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاؤں گا اور تم دریا کے ساتھ ساتھ تین روز سفر کرنے کے بعد ملک سندھ کے شمالی خطے میں داخل ہو جاؤ گے جسے قندھار کہتے ہیں۔"

"کیا تم تبت چلے جاؤ گے؟"

"ہاں! لیکن اگر تم بھی میرے ساتھ آنا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہو گی تبت پُراسرار بلاؤں اور جادوگروں کی سرزمین ہے۔ میں تمہیں اپنے بیٹے سے ملاؤں گا۔ تم اُسے مل کر بڑے خوش ہو گے۔"

"بابا! میں تمہارے ساتھ ضرور جاتا مگر اس وقت میرے ذمّے ایک فرض ہے جسے ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ملک سندھ میں موہنجو داڑو پہنچ کر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد تمہارے ملک تم سے ملنے آؤں۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تبت کے شہر میں آکر تم بڑے پجاری آتناکرکاکی سے پوچھ لینا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں اُسی کے پاس ہوں گا۔ مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہو گی۔"

"میں ضرور آؤں گا بابا! میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیئے۔ وحشی ہُن ملکہ تمبیکا کے حکم پر ضرور ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

وہ ابھی اُٹھ کر چلنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ دُور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے سواروں کی گرد اڑتی نظر آئی۔ وہ سمجھ گئے کہ وحشی جن آن پہنچے ہیں۔ مگر وہاں صحرا میں کہیں بھی چھپنے کو جگہ نہ تھی۔ بوڑھا تیتی بے چارہ گھبرا گیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُن کی موت سر پر پہنچ گئی ہے اور اب انہیں کوئی طاقت وحشی جن قوم کے سپاہیوں سے نہیں بچا سکتی۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں

"اب کیا ہوگا بیٹے؟ دشمن کے سپاہی تو سر پر آن پہنچے ہیں؟"

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے ربِ عظیم پر بھروسہ ہے۔ دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ کیونکہ ہم بے گناہ ہیں۔ ہم نے اُن کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا۔"

"مگر بیٹے وہ ننگی تلواریں لہراتے، گھوڑوں پر سوار بڑھے چلے آ رہے ہیں اور ہمارے پاس اس صحرا میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ مجھے اپنی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ لیکن تمہاری موت کا دکھ ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ تم ابھی جوان ہو اور تم نے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا۔"

"بابا! تم میری موت کا فکر نہ کرو۔ یہ لوگ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار نہ سکیں گے"

"مگر بیٹا! وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور ان کے پاس تلواریں ہیں ہم تنہا ہیں اور نہتے ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ وہ یقیناً ہمیں ہلاک کر دیں گے"۔

"فکر نہ کرو بابا! جو میرے رب عظیم کو منظور ہوگا وہی ہوگا"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے گرد چھٹ گئی اور اس میں سے چار گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔ وہ ہُن قوم کے وحشی سپاہی تھے۔ وہ چیخیں مارتے، ننگی تلواریں لہراتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر اور بوڑھے قیدی کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں ملکہ عمبیکا نے حکم دے دیا تھا کہ دونوں فرار ہونے والے قیدیوں کو دیکھتے ہی ہلاک کر دیا جائے اور ان کی گردنیں کاٹ کر اس کے دربار میں پیش کی جائیں۔ کیونکہ عمبیکا کی قید سے فرار ہو کر انہوں نے ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا موت ہے۔ عنبر اور بوڑھا چپ چاپ کھڑے تھے۔ وحشی ہُن گھوڑے دوڑاتے آئے اور ان کے گرد گھیرا ڈال کر مسرت سے نعرے لگانے لگے۔ وہ ہوا میں اس طرح تلواریں لہرا رہے تھے جیسے کسی دشمن کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ ان وحشیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سردار گھوڑا دوڑاتے ہوئے عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر نے فوراً بوڑھے تبتی سے کہا کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔ بوڑھا جلدی سے زمین پر لیٹ گیا۔ سردار تلوار لہراتا ہوا عنبر کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار عنبر کی گردن پر ماری۔ اس کا خیال تھا بلکہ سارے وحشیوں کا خیال تھا کہ عنبر کی گردن سردار کا طاقتور وار کھا کر گاجر مولی کی طرح کٹ کر ریت پر گر پڑے گی اور اس کی لاش تڑپنے لگے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تلوار عنبر کی گردن پر پڑی اور ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ جیسے کسی لوہے کی چٹان سے ٹکرا گئی ہو۔

وحشی سردار چکر میں آ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ زمین پر لیٹا ہوا بوڑھا تبتی بھی بھونچکا سا ہو گیا تھا۔ وحشی تین سپاہیوں نے جنگلی جانوروں کی طرح زور سے چیخیں ماریں اور اب دوسرا سپاہی سردار کا اشارہ پاکر تلوار لہراتا ہوا عنبر کی گردن قلم کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی سپاہی کی تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ ایک چھناکے کی آواز پیدا ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور تلوار دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی ۔ سردار بجلی کی طرح کڑکا۔

"اس کا قیمہ کر دو"

سارے سپاہی تلواریں لہراتے عنبر پر لپکے اور دھڑا دھڑ اس کے سر اور کندھوں پر تلواریں چلانی شروع کر دیں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے ساری کی ساری تلواریں ٹکڑے ہو کر ریت پر گر پڑیں اور سپاہیوں کے ہاتھوں میں صرف تلواروں کے دستے ہی رہ گئے ۔ اب تو وحشی سپاہی ٹھٹھک کر سوچنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ جس آدمی کو وہ قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہیں وہ کوئی دیوتا تو نہیں جو انسان کے بھیس میں ان کے درمیان آ گیا ہے؟ دوسرے ہی لمحے ان پر خوف طاری ہو گیا۔

اب عنبر کی باری تھی ۔ اس نے زمین پر سے ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک پھل اٹھا کر اسے ہوا میں اچھال دیا ۔ یہ پھل تیر کی طرح ایک سپاہی کی طرف لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دل میں اتر گیا ۔ سپاہی نے چیخ ماری ۔ خون کا فوارہ اس کے سینے سے پھوٹا اور وہ زمین پر گر کر مر گیا ۔ عنبر دوسری تلوار کا پھل اٹھانے لگا تھا کہ وحشیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر اس کے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سجدہ کر دیا۔

"اے دیوتا! ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ تم دیوتا ہو۔ تم امارس دیوتا ہو۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم پر رحم کرو۔"

عنبر ان وحشی گنواروں کو کیا کہتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ بہر حال اس نے اپنے خدا کا شکر ادا کیا کہ بوڑھے تبتی کی جان بچ گئی تھی۔ وگرنہ اگر پہلا وار اس پر کیا جاتا تو اس کی گردن گاجر مولی کی طرح ضرور کٹ جاتی۔ اسی لئے عنبر نے بوڑھے کو زمین پر لیٹ جانے کے لیے کہا تھا۔ سردار ابھی تک دوسرے سپاہیوں کے ساتھ سجدے میں گرا ہوا تھا۔ عنبر نے اس کے سر پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا۔

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ لیکن اپنے تازہ دم گھوڑے ہمیں دیتے جاؤ۔ اور خبردار سارا راستہ پیدل چلنا۔ اگر کسی جگہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے تو تم پر اسی وقت، اسی جگہ میرا عقاب نازل ہو جائے گا اور میں آسمانی بجلی بن کر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

سردار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے دیوتا! آپ کا جو حکم ہوگا ہم وہی کریں گے۔ یہ تازہ دم گھوڑے آپ لے لیجئے اور ہمیں اپنے تھکے ہوئے گھوڑے دے دیجئے ہم واپس سارا راستہ پیدل چلیں گے اور ایک پل کے لیے بھی گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے۔"

"اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جلدی کرو۔"

تینوں سپاہی ایک بار پھر سجدہ کرنے کے بعد تھکے ہوئے گھوڑے لے کر واپس بھاگ گئے۔ بوڑھا تلبتی حیران ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں کر اور کیسے ہو گیا؟ اس نے زمین پر سے اٹھ کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے نوجوان! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کیا واقعی تم کوئی دیوتا ہو یا تمہارے پاس کوئی زبردست جادو ہے؟"

عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں کوئی دیوتا نہیں ہوں بابا!"

"تو پھر تم سے یہ کرامت کیسے ہوئی کہ دشمن کی تلواریں تمہاری گردن سے ٹکراتے ہی ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر ٹکڑے ہو کر گر پڑیں؟"

"یہ محض جادو کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

عنبر بوڑھے تلبتی کو اپنے راز سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جادو اس زمانے میں ایک عام بات تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر کوئی کسی جادوگر کا شاگرد بن کر جادو کرنا سیکھ لیتا تھا۔ مگر بوڑھے تبتی نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ اُسے عنبر کی بات پر اعتبار نہ آیا۔ مگر اُس نے عنبر سے کوئی وضاحت بھی طلب نہ کی۔ اُس نے یہی ظاہر کیا کہ اُسے عنبر کی بات پر یقین آ گیا ہے۔ لیکن دل کے اندر اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنبر پر کسی آسیب کا سایہ ہے۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیئے میں نے سپاہیوں کو اسی لئے پیدل چلنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے بعد کوئی اور سپاہی ہمارا پیچھا کرتے یہاں نہ آ جائیں۔ جب تک یہ وحشی پیدل چلتے ملکہ تمیکا کے دربار میں پہنچیں گے ہم دریائے آمو کے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔"

وہ دونوں تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور آگے چل پڑے۔ وحشی سپاہیوں کے تازہ دم گھوڑے بڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ شاہی اصطبل میں خوراک کھا کھا کر وہ بڑے توانا ہو رہے تھے اور ہوا کی لہریں بن کر اُڑے چلے جا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بہت جلد دریائے آمو کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے بوڑھے تبتی کو عنبر سے جدا ہو جانا تھا۔ اُس نے عنبر کو گلے لگا کر پیار کیا اور کہا۔

"بیٹے تم نے اس بوڑھے کی جان بچائی ہے۔ میں تمہارے اس احسان کا کبھی نہ کبھی بدلہ ضرور اتاروں گا۔ میں اپنے دیس تبت جا رہا ہوں۔ اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ پہلی فرصت میں میرے دیس ضرور آنا۔ میرا بیٹا رتناکر بڑا پروہت ہے۔ تم بڑی آسانی سے اُس تک پہنچ جاؤ گے۔

"خدا تمہارا نگہبان ہو بابا۔ میں موہنجو داڑو سے فارغ ہو کر تمہارے دیس تبت کی سیر و سیاحت کرنے ضرور آؤں گا۔"

بوڑھے تبتی نے ایک بار پھر عنبر کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما۔ اور اپنا گھوڑا دریا پار کرنے کے لیے پانی میں ڈال دیا۔ جب تک بوڑھے نے دریا پار نہیں کر لیا، عنبر کنارے پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ دریا پار کرکے بوڑھے نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔ دونوں نے ہاتھ ہلا کر ایک دوسرے کو الوداع کہا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ بوڑھا تبت کی طرف اور عنبر موہنجوڈارو کی طرف۔

ادھر تھائیں بے چاری ایک بار پھر ظالم سیاہ فام کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قید میں مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی۔ اُس کی نقل و حرکت پر زبردست پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ سیاہ فام نے اُسے اتنی بھی اجازت نہیں دے رکھی تھی کہ وہ اپنی کوٹھڑی سے ایک پل کے لیے باہر آ سکے۔ وہ سارا دن اور ساری رات کوٹھڑی میں پڑی رہتی اور اپنے ربِ عظیم کی عبادت کیا کرتی۔ اُس نے دل ہی دل میں کئی بار اپنے منہ بولے بھائی شامی اور عنبر کو یاد کیا اور سوچا کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے تو وہ اس کی مدد کرنے ضرور آئیں۔ لیکن دونوں تھائیس کی پریشانیوں سے بے خبر تھے۔ شامی واپس اپنے وطن موہنجو داڑو پہنچ کر کاروبار میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا اور شہر میں اس کا ایک بہت بڑا اصطبل تھا۔ جہاں ملک ملک کے تاجر آ کر اپنا مال فروخت کیا کرتے تھے۔

ایک روز تھائیس کو ایک کنیز نے جو کہ کھانا دینے آئی تھی بتایا کہ سیاہ فام شہزادہ اسے گھوڑوں کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے۔ وہ بے چاری اپنا سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کی قسمت میں ہی یہی لکھا تھا کہ وہ جانور کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بکتی رہی ہے۔ وہ ایک جانور۔ اور بھیڑ بکری بن کر رہ گئی تھی۔ اُس کی شخصیت اور عزت و وقار ختم کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اُس نے کنیز کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ بے بس و مجبور عورت ہے۔ اُس کا مالک اگر اُسے مار بھی ڈالے تو وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ کنیز بے چاری بھی اس کی حالت پر آنسو بہاتی واپس چلی گئی۔

اُس کی اطلاع بالکل صحیح تھی۔ دو روز بعد سیاہ فام شہزادے کے ہاں گھوڑوں کا ایک سوداگر آن کر ٹھہرا۔ سیاہ فام اُسے لے کر تھائیس کی کوٹھڑی میں آیا۔ سوداگر ایک گول مٹول کا اور کلوٹا بجُو نما آدمی تھا جس کی ایک ٹانگ لنگڑی تھی اور وہ چھڑی کے سہارے چلتا تھا۔ اُس نے تھائیس کی طرف گھور کر دیکھا۔ سیاہ فام شہزادے نے کہا۔

"میں نے اس کنیز کو ایک لاکھ بیس ہزار درہم میں خریدا تھا۔ یہ کنیز یمن کے بادشاہ حموّربی کے حرم میں رہ چکی ہے اور شاہی ادب آداب سے پوری طرح واقف ہے۔ یہ بڑی سلیقہ مند اور وفادار کنیز ہے گھر میں اگر ایک ہزار آدمیوں کی بھی دعوت ہو تو یہ پلک جھپکنے میں سارے کا سارا بندوبست کر دیتی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اپنی نگرانی میں ایسے عمدہ کھانے پکواتی ہے کہ لوگ مدتوں یاد رکھتے ہیں۔"

گھوڑوں کے تاجر نے کہا

"ہمیں آپ کی زبان پر بھروسہ ہے۔ ہم اسے ایک لاکھ بیس ہزار درہم میں آپ سے خرید لیتے ہیں۔ ہمیں آپ کی دوستی اس کنیز سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم آپ کو ناامید نہیں کرنا چاہتے۔ آج سے یہ کنیز ہماری ہے۔ آیئے دالان میں بیٹھ کر رقم گن لیجئے۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ تھائیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ایک بار پھر بیچ دی گئی تھی۔ کاش کوئی تو اسے اپنی بہن یا ماں سمجھ کر اُس سے بات کرتا۔ کوئی تو اُسے بیٹی کہہ کر پکارتا۔ مگر وہاں کوئی بھی اُس کا بیٹا، بھائی یا باپ نہیں تھا۔ وہ سارے کے سارے سوداگر تھے اور اُسے ایک جانور کی طرح ایک ہاتھ سے خرید کر دوسرے ہاتھ میں فروخت کر رہے تھے۔

تھائیس اپنے ربّ عظیم کی رضا سے راضی ہو گئی۔ وہ صبر شکر کرتے بیٹھ گئی۔ وہ بے چاری اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی!

لنگڑے سوداگر نے دالان میں آکر سکوں کی تھیلیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھول کر تخت پر ڈال دیں اور پوری کی پوری رقم گن کر سیاہ فام کے حوالے کر دی۔ سیاہ فام نے ساری رقم ایک تھیلے میں ڈال کر اپنے غلام کو دی اور سوداگر سے کہا۔

"آپ کنیز کے مالک ہیں۔ جس وقت چاہیں اُسے لے جا سکتے ہیں۔"

"میں ابھی اُسے ساتھ لے کر یہاں سے اپنے وطن کی طرف کوچ کر جانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ مال ہے شاید اُسے راستے میں ملک سندھ میں فروخت کرتا جاؤں اس لئے جلدی سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"جیسے آپ کی مرضی"

سیاہ فام نے کوٹھڑی میں جا کر تھابس کے دونوں ہاتھوں میں رسّی باندھی اور اُسے ایک جانور کی طرح باہر نکال کر لنگڑے سوداگر کے پاس آ گیا۔ رسّی لنگڑے سوداگر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اُس نے کہا۔

"یہ آج سے آپ کی ملکیت ہے"

سوداگر نے تھابس کو ایک اونٹ کے کجاوے پر بوڑھی کنیز کی حفاظت میں سوار کروایا اور اپنے قافلے کے ساتھ ملک سندھ کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ سوداگر ملک آسام کا رہنے والا تھا۔ اور راستے میں موہنجوداڑو کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر میں اپنے کچھ گھوڑے اور اونٹ فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مصر سے موہنجوداڑو کی طرف ایک تھکا دینے والا طویل سفر شروع ہو گیا۔ تھائیس دوسری یا شاید تیسری بار یہ لمبا اور مصیبت کا مارا سفر کر رہی تھی۔ بوڑھی کنیز اگرچہ اُس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کر رہی تھی پھر بھی تھائیس کی آنکھوں میں اپنے ماں باپ کو یاد کر کے بار بار آنسو آ جاتے تھے۔ اُسے ابھی تک بالکل علم نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو سفر کر رہی ہے اور یہ کہ اُن کی منزل کون سا شہر ہے۔

سفر کرتے ہوئے اُسے ایک مہینہ ہو گیا تو تھائیس نے محسوس کیا کہ وہ جن راستوں پر سے گزر رہی ہے وہ اُس کے دیکھے بھالے ہیں۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے بوڑھی خادمہ سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کس شہر کو جا رہے ہیں۔ خادمہ نے سوچا کہ انہیں سفر کرتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے اب بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اُس نے کہا۔

"ہم موہنجوداڑو کی طرف جا رہے ہیں"

اتنا سننا تھا کہ تھائیس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ مگر اس نے اپنی خوشی بوڑھی خادمہ سے چھپائے رکھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موہنجو داڑو اُس کے اپنے وطن کا سب سے قریب شہر تھا۔ اور پھر موہنجو داڑو میں عنبر تھا۔ اس کا مدد بھائی شامی تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ اُن سے ملنے کی کوشش کر سکتی تھی اور اگر ایک بار وہ اُن سے مل گئی تو وہ اُسے اس غلامی سے ضرور نجات دلا کر ہی دم لیں گے۔

ڈیڑھ ماہ کی طویل مسافت کے بعد لنگڑا سوداگر اپنا قافلہ لے کر موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہو گیا۔ وہ شام کو کارواں سرائے میں اُترے۔ سارے قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔ وہ سرائے میں اُترتے ہی کھانا وغیرہ کھا کر سو گئے۔ تھائیس رات بھر جاگتی رہی اور سرائے کی سلاخ دار کھڑکی میں سے باہر دیکھتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی عورت اُدھر سے گزرتی ہوئی مل جائے جس کے ہاتھوں وہ شامی یا عنبر کے لیے پیغام بھجوائے۔ مگر رات کے وقت اُدھر سے کوئی نہ گزرا۔ علاوہ ازیں لنگڑے سوداگر کا بدشکل کالا بھدا غلام تلوار لیے بار بار کوٹھڑی میں آ کر دیکھ جاتا تھا کہ تھائیس کیا کر رہی ہے۔ وہ صبح کا انتظار کرتے کرتے سو گئی۔ اُس کی آنکھ کھلی تو دھوپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکل آئی تھی اور باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ تھائیں نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سنا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز اُس کی جانی پہچانی ہے۔

وہ جانی پہچانی آواز کس کی تھی؟ تھائیں کو لنگڑے تاجر کی غلامی سے کیسے نجات ملی؟ عنبر موئنجودارڈو کیسے پہنچا؟ وحشی ہُن قوم نے ملکہ عمبکا کی قیادت میں حملہ کیا تو اُس کا کیا انجام ہوا؟ عنبر نے مُلک تبت میں جا کر کیسے کیسے اسرار دیکھے؟

یہ سب کچھ اس ناول کی ساتویں قسط میں ملاحظہ کیجیے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طلسماتی ناول

جناب آغا اشرف کی طلسماتی تحریر نے ایک نیا انداز پکڑا ہے۔ پرویز کی زندگی ایسے ایسے طلسماتی واقعات میں گزرتی ہے کہ پڑھتے پڑھتے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

سنہری سیب کا عرق	۴/۵۰
کالا سورج	۴/-
آنکھ میں جنگل	۴/-
لاشوں کی ہری	۴/۵۰
شیطانی کھوپڑی	۴/-
وحشی پرندے	۴/-
خبیث روحیں	۴/-
خون کا غسل	۴/-
بھوت محل	۴/۵۰
شوطار ناگ	۴/-

انشاءاللہ آپ پڑھیں گے تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز،

۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/۵۴۰۰۰

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

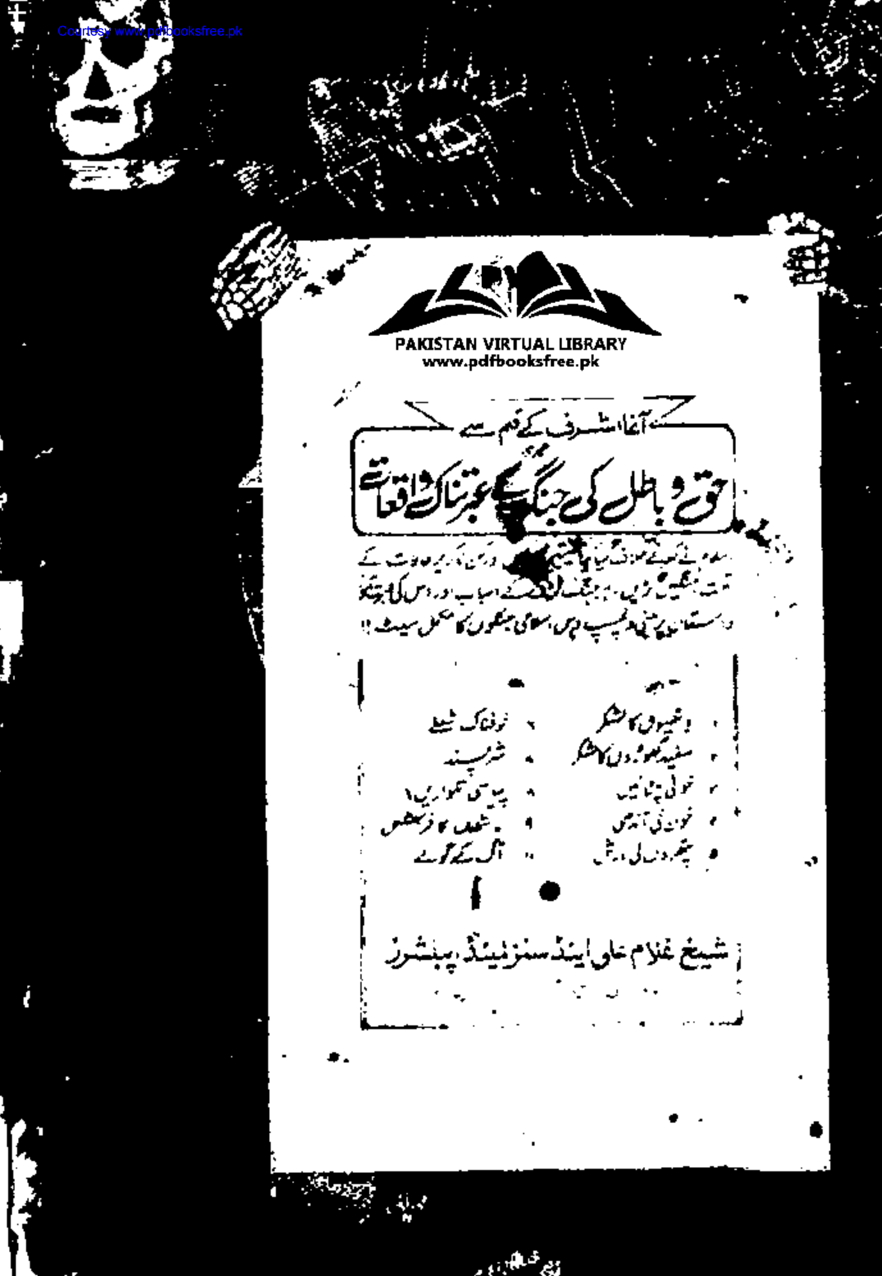

آغا اشرف کے قلم سے

حق و باطل کی جنگ کے عبرتناک واقعات

اسلام نے ہمیشہ صداقت کی [illegible] دشمن کی ہر دعوت کے تحت شکست دی۔ [illegible] جنگ کے اسباب اور اس کی [illegible] داستانیں [illegible] دلچسپ دس اسلامی جنگوں کا مکمل سیٹ!!

- ۱ وحشیوں کا لشکر
- ۲ سفید گھوڑوں کا لشکر
- ۳ خونی چٹانیں
- ۴ خونی آنکھیں
- ۵ پتھروں کی بارش
- ۶ خوفناک شعلے
- ۷ شرپسند
- ۸ پیاسی تلواریں
- ۹ شعلوں کا رقص
- ۱۰ آگ کے گولے

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز

زہر کا پیالہ

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

زہر کا پیالہ

٦

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع: شیخ نیاز احمد،
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور،
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔
قیمت ———

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

قید کی رات
ہوشیار، خبردار
تم کہاں؟
موت کا سایہ
فصیل ٹوٹ گئی
زہر کا پیالہ
ملکہ فرار ہو گئی
جہاں سے قتل کردو
دیو داسی زندہ ہو گئی
ٹوٹی مورتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ننھے پیارے بچو!

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ شہزادی تھائیس لنگڑے تاجر کی قید میں موہنجو داڑو پہنچ چکی ہے۔ لنگڑا تاجر گھوڑوں کی خریداری کے بارے میں شمالی تاجروں سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ شامی تاجر اصل میں تھائیس کا بھائی ناگ ہے۔ تھائیس دروازے سے لگی آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ ناگ تھائیس کو قید سے آزاد کروا کے لے جاتا ہے۔ دوسری طرف صحرائے گوبی میں آباد وحشی ہُن قوم ہلاکو خاں کی قیادت میں موہنجو داڑو پر زبردست حملہ کرتی ہے۔ عنبر اپنے دوست موہنجو داڑو کے شہزادے کی مدد کرتا ہے۔ ہُن قوم کو شکست ہوتی ہے۔ یہاں سے رُخصت ہو کر ہمارا ہیرو ملک تبت کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ تبت میں عنبر کے ایک پجاری دوست کا بیٹا مندر میں ہے۔

شامی تاجر کی پُراسرار قید سے ہمارے ہیرو نے ناگ سے مل کر شہزادی کو نکال لیا اور اسے لے کر تبت کے صحراؤں کی راہ لی۔ وہاں لاما رہتے ہیں جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں۔

اب آپ ناول پڑھیں:

اے۔ حمید

۵

قید کی رات

تھائیس دروازے کی اوٹ میں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

لنگڑے تاجر کے ساتھ جو آدمی باتیں کر رہا تھا، تھائیس کو وہ آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ اُس آدمی کی پیٹھ تھائیس کی طرف تھی۔ بات کرتے کرتے وُہ شخص پہلو کو تھوڑا سا گھوما تو تھائیس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وُہ اُس کا مُنہ بولا بھائی شامی تھا۔ اُسے تو کبھی خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ اس مصیبت میں وُہ شامی کی، اپنے بھائی کی شکل بھی دیکھ سکے گی۔ اُس وقت شامی کو آواز دے کر بُلانا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ کیونکہ جُوں ہی لنگڑے تاجر کو معلوم ہو جاتا کہ جس کنیز کو اُس نے اتنے مہنگے داموں خریدا ہے وہ شامی کی مدد سے وہاں سے فرار حاصل کرنا چاہتی ہے تو وُہ یقیناً راتوں رات اس کو وہاں سے لے کر فرار ہو جاتا اور شامی اُس کی کچھ بھی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اِس لیے کہ تھائیس اُس وقت کے قانون کے مطابق لنگڑے تاجر کی کنیز تھی اور ایک مالک کو حق حاصل تھا کہ وُہ اپنی کنیز کے ساتھ جس قسم کا چاہے سلوک کرے۔ تھائیس خاموش رہی۔

وہ وقت کا انتظار کرنے لگی۔ شامی لنگڑے تاجر سے اپنے کاروبار

کی بات کرکے چلا گیا۔ تھائیس نے سوچا کہ اب ہوشیاری اور عقلمندی سے کام نہ لیا گیا تو وہ ساری زندگی لنگڑے تاجر کی قید سے آزاد نہ ہوسکے گی۔ وہ اپنے گھوڑے فروخت کرکے موہنجو داڑو سے نکل کر خدا جانے کس مُلک کو اُسے ساتھ لے کر چلا جائے گا اور پھر وہ ساری عمر اپنے بھائی شامی کی شکل نہ دیکھ سکے گی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ لنگڑے تاجر کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرکے اُسے آمادہ کرے گی کہ وہ شامی کی دعوت کرے اور جب وہ دعوت پر گھر آئے گا تو کسی نہ کسی طرح وہ اُس کے سامنے آجائے گی اور سارا معاملہ اپنے آپ کھل جائے گا۔ شامی کو رخصت کرنے کے بعد لنگڑا تاجر کھانا کھانے کے لیے اندر آیا تو تھائیس نے آگے بڑھ کر اُس کے اپنے ہاتھ سے جُوتے اُتارے۔ دسترخوان پر کھانا چُنا۔ خود اس کے ہاتھ دُھلائے اور چاندی کے کٹورے میں پانی بھر کر دیا۔ لنگڑا تاجر بڑا حیران ہوا کہ آج کنیز اس کی اتنی آؤ بھگت کیوں کر رہی ہے؟ کیونکہ اِس سے پہلے تو وہ اُس سے بات کرنے کی بھی روادار نہ تھی۔ وہ بڑی خوشی خوشی کھانا کھانے بیٹھ گیا اور تھائیس مور کے پَروں کا بنا ہُوا پنکھا لے کر اُسے ہوا کرنے لگی۔ لنگڑے تاجر نے مسکرا کر پُوچھا:

"کیا بات ہے تھائیس، یہ اچانک میری طرف سے تمہارا دل کیسے بدل گیا؟ کل تک تو تم مجھ سے ناراض تھیں؟"

تھائیس نے جھوٹ موٹ آہ بھر کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے آقا! میں نے ساری زندگی آپ کی خدمت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر مجھے ساری عمر کنیز ہی بن کر رہنا ہے تو پھر کیوں نہ آپ ایسے امیر اور نیک دل سوداگر کی کنیز بن کر رہوں۔ آپ سے اچھا اور ہمدرد آقا مجھے اور کہاں ملے گا؟"

لنگڑا تاجر ستھائیں کی زبان سے یہ جملے سن کر پھولا نہ سمایا۔ کہنے لگا:

"شاباش ستھائیں، تم نے بڑا نیک اور عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے تمہیں بہت بڑی قیمت ادا کر کے حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس ایک نیک دل بی بی بن کر رہو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔"

"آپ کی ہمدردیوں کا میں احسان نہیں اتار سکتی میرے آقا، اب آپ کی زندگی کے ساتھ ہی میری زندگی ہے۔ آپ کی عزت کے ساتھ ہی میری عزت ہے اور آپ کی خوش حالی کے ساتھ ہی میری خوش حالی ہے۔"

"اگر یہ بات ہے ستھائیں تو یقین کرو کہ تم میرے گھر میں ملکہ بن کر رہو گی۔ ملک ختن میں میری اور بھی بہت سی کنیزیں ہیں مگر میں تمہیں اُن سب کی سردار بنا کر رکھوں گا۔"

"میں آپ کے پسینے پر اپنا خون نچھاور کر دوں گی آقا۔"

لنگڑے تاجر کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ بھلا ایک کنیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں اپنے آقا کے ساتھ اتنی ہمدردی کا اظہار کر سکتی ہے؟ جس عورت کو زبردستی اُس کے ماں باپ سے جُدا کر کے لُوٹ مار کر کے لایا گیا ہو وُہ کہاں اُس ڈاکو کے ساتھ ہمدرد رہ سکتی ہے۔ مگر تھائیس تو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کام کر رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا:

"میرے آقا، میرا باپ بھی گھوڑوں کی تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ وُہ اپنے کاروبار میں اُن لوگوں کی گھر میں دعوت ضرور کرتا تھا جن کے ہاتھ اُس نے مال فروخت کرنا ہوتا تھا۔ اِس طرح سے وُہ سوداگروں سے اپنے مال کی منہ مانگی قیمت وصول کیا کرتا تھا۔ آپ کو بھی میں مشورہ دُوں گی کہ اگر آپ اپنے گھوڑوں کی منہ مانگی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں تو آج جو تاجر آیا تھا اُس کی دعوت ضرور کریں۔ آپ کا نمک کھا کر وُہ پابند ہو جائے گا اور آپ کو مال کی منہ مانگی قیمت ادا کر دے گا۔"

لنگڑے تاجر کو تھائیس کی یہ بات دل سے پسند آئی۔

"بھئی کمال ہے، تم نے تو مجھے بڑے نکتے کی بات بتا دی۔ اِس سے پہلے تو مجھے کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا۔ تم تو بڑی عقلمند عورت ہو۔"

"میرے آقا، مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشحال اور امیر دیکھنا چاہتی ہُوں۔ اسی وجہ سے میں نے

آپ کو یہ مشورہ دیا ہے کیونکہ اِس پر عمل کرنے سے آپ کا مال زیادہ قیمت پر فروخت ہو سکے گا۔"

"شاباش تھائیس، تم واقعی میری خیر خواہ ہو۔ خُتن جا کر میں ساری کنیزوں کے سامنے کھُل کر اعلان کر دوں گا کہ آج سے تم اُن کی سردار ہو اور صرف تم ہی کاروبار میں میرا ہاتھ بٹانے کے لائق ہو۔"

تھائیس نے بڑی عاجزی سے کہا:

"میرے آقا، میں تو آپ کی کنیز ہوں۔ بھلا میں کس لائق ہوں؟"

لنگڑے تاجر نے فوراً کہا:

"ایسا ہرگز نہ کہو۔ تم بہت دُور اندیش اور عقلمند عورت ہو۔ میں تمہاری ہدایت پر ضرور عمل کروں گا۔ میں کل ہی اس تاجر کی اپنے گھر دعوت کروں گا جو آج مال دیکھ کر گیا ہے۔ مگر کھانے پینے کا سارا بندوبست تم کو کرنا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں میرے آقا، سب انتظام بڑے اچھے طریقے سے ہو جائے گا۔"

تھائیس بہت خوش ہوئی۔ اُس نے جو تیر چلایا تھا وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ لنگڑا تاجر اُس کی باتوں میں آ گیا تھا اور اُس نے اگلے روز شام کی دعوت کا اعلان کر دیا تھا۔ لنگڑے تاجر نے تھائیس کو کچھ سونے کے سکّے دیے کہ نوکرانیوں سے کہہ کر اپنی پسند کی چیزیں منگوا لے۔ تھائیس نے اگلے روز نہایت اعلیٰ اور قسم قسم کے کھانے پکوا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دستر خوان پر سجا دیے۔ وہ خود چہرے پر سفید نقاب ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ ننگڑے تاجر نے پُوچھا:

"تھائیس! یہ تم نے نقاب کیوں پہن لیا؟ ہمارے ہاں تو مہمانوں کے سامنے کنیزیں بغیر نقاب کے آتی ہیں!"

"میرے آقا! میں صرف آپ کی کنیز ہُوں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی غیر مرد بھی میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے!"

ننگڑا تاجر تو اپنی کنیز کی اس وفاداری پر دنگ ہو کر رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ ایک ہی دن میں تھائیس کی نفرت اور ناراضگی کہاں رفو چکر ہو گئی؟ ٹھیک وقت پر مکان کے باہر گھوڑا آکر رکا۔ شامی ننگڑے تاجر کی دعوت میں شریک ہونے کے لیے آگیا تھا۔ ننگڑا تاجر خود اُسے لینے دروازے تک گیا۔ تھائیس نے چہرے پر نقاب درست کیا اور تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ شامی اپنے میزبان کے ساتھ باتیں کرتا ہُوا اندر آگیا۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ تھائیس پر ڈالی اور دستر خوان پر ننگڑے تاجر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ تھائیس کو اس نے بالکل نہ پہچانا۔ وہ پہچان بھی کیسے سکتا تھا؟ تھائیس نے چہرے پر سفید ریشمی نقاب پہن رکھا تھا۔ شامی نے سوچا کہ شاید ننگڑے تاجر کے ملک میں ایسا ہی رواج ہوگا کہ کنیزیں مہمانوں کے سامنے نقاب پہن کر آتی ہیں۔

دعوت شروع ہو گئی۔ نوکرانیاں اور تھائیس بار بار کھانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلیٹیں اور چاندی کے کٹورے لے کر مہمان کے سامنے آتیں تھائیس
ب موقع تلاش کر رہی تھی کہ کسی طرح لنگڑا تاجر دوسری طرف ہو
تو وہ شامی پر اپنا آپ ظاہر کر دے۔ نقاب اُس نے اس لیے
ہنا تھا کہ کہیں اُسے دیکھ کر شامی اچانک کوئی ایسی بات نہ کہہ
ے جس سے لنگڑے تاجر کو شک ہو جائے۔ اتفاق سے لنگڑا تاجر
اٹھ کر کسی کام سے دوسرے دالان کی طرف گیا تو تھائیس نے آگے
ڑھ کر اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور کہا :

"شامی بھائی! مجھے دیکھ کر زبان سے حیرانی کے ساتھ کوئی
ات نہ کہہ دینا۔ میں اس لنگڑے تاجر کی قید میں ہوں۔ باقی باتیں بعد
ں ہوں گی۔ پہلے مجھے یہاں سے نکالو!"

اتنا کہہ کر تھائیس پرے ہٹ گئی۔ شامی تو اُسے دیکھ کر حیران
وکر رہ گیا۔ اُسے وہم بھی نہیں تھا کہ تھائیس کو وہ اس جگہ دیکھے
ا۔ لیکن تھائیس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے اُس نے
نی حیرت کا بالکل اظہار نہ کیا اور پہلے کی طرح بڑے سکون سے
ھا کھانا کھاتا رہا۔ اتنے میں لنگڑا تاجر بھی وہاں آ گیا اور شامی کے
ساتھ کاروبار کی باتیں کرنے لگا۔ اب شامی صرف ایک کاروباری ہی
ہیں تھا بلکہ اُسے لنگڑے تاجر کے مکان سے تھائیس کو بھی رہا
روانا تھا۔ چنانچہ اُس نے تاجر کی ہر بات کو تسلیم کرنا شروع کر
ا۔ اُس نے گھوڑوں کی جو بھی قیمت لگائی۔ شامی نے فوراً ہاں کر دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے دیکھتے پوری کی پوری قیمت پر سُودا طے ہوگیا۔ لنگڑے تاجر کو ہرگز یقین نہیں تھا کہ کوئی سوداگر اُس کے مال کے منہ مانگے دام دے دے گا۔ وُہ تو اپنی کنیز کی عقلمندی پر دل ہی دل میں عش عش کرنے لگا۔ شامی اس عرصے میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کیوں کر تھائیس کو وہاں سے باہر نکالے۔

یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ شامی نے لنگڑے تاجر کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وُہ موہنجوداڑو میں کس جگہ رہتا ہے؛ وگرنہ ہو سکتا تھا کہ تھائیس کو بھگا کر لے جانے کے بعد لنگڑا تاجر اُس کا پیچھا کرتا ہُوا اُس کے گھر تک آن پہنچتا۔ شامی نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کل رات وُہ تھائیس کو وہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ اب وُہ تھائیس سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ مگر لنگڑا تاجر تو کھانا کھانے کے بعد وہاں جم کر بیٹھ گیا تھا اور ہلنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔ آخر تنگ آکر اُس نے لنگڑے تاجر سے کہا:

”اب سودا تو طے ہو چُکا ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ میرے خریدے ہُوئے گھوڑوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہاتھ پھیر کر واپس میرے پاس آجائیں۔ یہ میرا شگون ہوتا ہے جو میں ہر دفعہ مال خریدتے وقت کرتا ہُوں۔ اس سے مال بیچنے اور مال خریدنے والوں پر دیوتاؤں کی مہربانیاں نازل ہوتی ہیں“

لنگڑا تاجر خوشی اُٹھتے ہُوئے بولا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”ضرور ضرور، بھلا اِس میں مجھے کیا اعتراض ہے۔ یہ تو بلکہ ہت اچھا شگون ہے۔ آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کیا کروں گا۔ میں ھی اصطبل سے ہاتھ پھیر کر آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر لنگڑا تاجر اُٹھا اور اصطبل کی طرف نکل گیا۔ تھائیس نے اُس وقت تک باقی دونوں نوکرانیوں کو کسی کام کے لیے دُوسرے مرے میں بھجوا دیا تھا۔ لنگڑے تاجر کے جاتے ہی شامی نے جھٹ کہا:

”تھائیس میری بات غور سے سنو۔ میں کل رات تمہیں یہاں سے کالنے کے لیے آؤں گا۔ مجھے اِس گھر کا نقشہ معلوم نہیں۔ میں اس دالان کو جانتا ہوں جہاں اس وقت میں تخت پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہوں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کل جب رات آدھی گزر جائے تو کسی نہ سی طرح اس دالان تک پہنچ کر گھر کی ڈیوڑھی تک آ جاؤ۔ میں باہر سے دستک دوں گا۔ تم بھی اُسی طرح اندر سے دستک دینا۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر باہر آ جانا۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔“

”بہت اچھا شامی بھائی، میں کل رات حویلی کی ڈیوڑھی میں تمہارا نتظار کروں گی۔ مگر دیکھنا تم ضرور آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں انتظار رتی رہ جاؤں۔ اگر تم نہ آئے تو پھر ساری زندگی میں اِس ظالم تاجر کے مکان کی ٹھوکریں کھاتی رہ جاؤں گی۔“

”تم ہرگز ہرگز فکر نہ کرو تھائیس، چاہے آندھی آئے چاہے وفان آئے، تمہارا بھائی اپنی بہن کو بچانے کے لیے ضرور وقت پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ جانے لگا "

تھا میں نے لنگڑے تاجر کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ جلدی سے پرے ہٹ گئی اور نوکرانی کو آواز دے کر کہنے لگی کہ برتن اٹھا کر لے جائے۔ لنگڑا تاجر واپس آ کر بولا:

"یہ لو بھائی، میں آپ کے خریدے ہوئے مال میں سے ایک گھوڑے کے سر پر ہاتھ پھیر کر آ گیا ہوں۔ اب اس ہاتھ کو میں کیا کروں؟"

"میرے بھائی شگن کے مطابق یہ ہاتھ آپ اپنے سر پر پھیر لیں۔"

لنگڑے تاجر نے ایسا ہی کیا۔ شامی نے کہا کہ اب وہی ہاتھ اس کے سر پر پھیر دے۔ لنگڑا تاجر ہاتھ شامی کے سر پر پھیر چکا تو بولا:

"بھائی یہ عجیب و غریب رسم ہے۔ بھلا بتاؤ تو اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

شامی نے کہا:

"اس سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال کا منافع بڑھتا ہے۔ مال زیادہ سے زیادہ اور جلدی سے جلدی بکتا ہے۔ سودا اپنی مرضی کے مطابق طے ہوتا ہے اور دیوتا آسمانوں پر مہربان ہو جاتے ہیں۔"

"پھر تو میں بھی ہر سودے کے بکنے پر ایسا ہی کیا کروں گا؟"

"ضرور ایسا کیا کرو میرے بھائی! اس میں بڑی برکت ہے۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارے کاروبار میں دیکھتے ہی دیکھتے کتنا اضافہ ہو جائے

تو۔ بھئی جانی اب مجھے رخصت دیجیے!“

منگرا تاجر نے مسکرا کر کہا:

”وہ — وہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں تو بات ہی نہیں ہوئی؟“

”ارے ہاں، سارے مال کی قیمت میں پرسوں صبح ادا کر کے مال اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ آپ مال تیار رکھیے گا۔ آپ کا ہمارا سودا طے ہو گیا ہے۔ بات پکی ہو گئی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پیچھے ہٹنے اور زبان سے پھرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کو بے اعتباری ہے تو میں ابھی کچھ سونا اور جواہرات پیش کر سکتا ہوں!“

”ارے نہیں نہیں بھائی، مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ بھی سوداگر ہیں، میں بھی سوداگر ہوں۔ ٹھیک ہے میں پرسوں صبح آپ کی راہ دیکھوں گا!“

”فکر نہ کریں، میں ہر حالت میں پرسوں صبح آپ کے دولت خانے پر حاضر ہو کر رقم ادا کر کے اپنا مال لے جاؤں گا۔ اچھا اب خدا حافظ!“

”خدا حافظ!“

منگرا تاجر شامی کو ڈیوڑھی کے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ شامی نے کانی آنکھ سے ڈیوڑھی اور دروازے کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا۔ اُسے کل رات آ کر اِسی دروازے کو کھٹکھٹانا تھا۔ واپس آ کر منگرے تاجر نے تھائیس کی دانشمندی اور معاملہ فہمی کی بے حد تعریف کی۔

”تھائیس، تم واقعی میری سب سے بڑی ہمدرد ہو۔ میں نے تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہدایت پر عمل کیا اور میرا سارے کا سارا مال منہ مانگی قیمت پر فروخت ہو گیا۔ دعوت کے چکر میں آ کر سوداگر شامی بے چارہ تو کوئی بات بھی نہ کر سکا۔ اس نے ایک درہم بھی مجھ سے رعایت کرنے کے لیے نہیں کہا۔ جو قیمت میں نے مانگی وہی اس نے ادا کرنے کی حامی بھر لی۔"

تھائیس نے ہنس کر کہا:

"میرے آقا! مجھے معلوم تھا کہ اس دعوت میں آپ کو بے حد فائدہ ہوگا۔ اگر آپ کبھی دوسرے کے ہاتھ دعوت کیے بغیر اسے فروخت کرتے تو کبھی بھی اس قیمت پر سودا نہ بکتا۔"

"تھائیس، میں ہمیشہ کاروبار میں تم سے مشورہ کرتا رہوں گا۔ تمہارے والد کے کاروبار نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ پرسوں میں تمہیں جواہرات کا ایک قیمتی ہار تحفے میں دوں گا۔"

تھائیس کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کیونکہ پرسوں صبح تو وہ وہاں پر موجود ہی نہیں ہوگی۔ وہ تو کل ہی رات اپنے بھائی شامی کے ساتھ لنگڑے تاجر کی قید سے نکل جائے گی۔ اس نے کہا:

"میرے آقا، اگر آپ یہ ہار مجھے کل لا کر دے دیں تو میں آپ کی بے حد شکر گزار رہوں گی۔"

"مگر تھائیس، ایک دن میں کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"میرے آقا! ہمارے مذہب کے مطابق کل ہمارے دیوتاؤں کا جنم دن ہے جو کوئی عورت کل کے دن اپنے خاوند کے ہاتھوں سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شے اپنے گلے یا کانوں میں پہنے گی وہ کبھی بیوہ نہیں ہوگی اور ہمیشہ دولت کی دیوی اس کے قدم چُومے گی ۔"

"پھر تو مَیں کل ہی تمہیں ہار لا کر دے دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

تھائیس بڑی خوش ہُوئی کہ وہاں سے جاتے جاتے اُس نے لنگڑے تاجر سے جواہرات کے ہار کا قیمتی تحفہ بھی ساتھ لے لیا تھا۔ دُوسرے روز تاجر نے ہار لا کر اُس کے گلے میں ڈال دیا اور کہا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے آگے اُس کے کاروبار کی ترقی کے حق میں دُعا مانگے ۔ تھائیس نے جھوٹ موٹ ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی۔ لنگڑے تاجر نے اُسے کہا کہ وُہ تیار ہو جائے۔ کل مال کی رقم ملتے ہی وہ یہاں سے ملک ختن کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ تھائیس نے اُوپر سے ہاں کر دی اور دل میں سوچا کہ کل وہ اکیلا ہی وہاں سے کوچ کرے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوشیار، خبردار!

•

شامی اپنے مکان میں بیٹھا آدھی رات کا انتظار کر رہا تھا۔

کمرے میں دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی میں تخت پر رکھی ہوئی ریت گھڑی اُسے بتا رہی تھی کہ ابھی آدھی رات ہونے میں ایک پہر باقی ہے۔ آدھی سے زیادہ ریت ابھی گھڑی کے اُوپر والے حصے میں موجود تھی جو ذرّہ ذرّہ ہو کر گھڑی کے نیچے والے حصے میں گر رہی تھی۔ شامی نے تھائیس کو چھپا کر رکھنے کا سارا بندوبست کر لیا تھا۔ ایک رات اُس نے تھائیس کو اپنے گھر میں چھپا کر رکھنا تھا اور پھر دُوسری رات کے اندھیرے میں اُسے اُس کے ماں باپ کے گھر پر پہنچا دینا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ لنگڑا تاجر کبھی خواب میں بھی اُس کے مکان تک نہیں پہنچ سکتا۔ شامی کا مکان موہنجو داڑو کی ایک گنجان ترین آبادی والی گلی میں تھا۔ یہاں چاروں طرف لوہاروں اور بڑھئی کی دُکانیں تھیں۔ یہاں گھوڑوں کا ایک بھی تاجر نہیں رہتا تھا۔ اُس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اُس سے مال نہیں خریدے گا۔ کیوں کہ اس طرح گھوڑوں کے پاؤں کے نشان پر لنگڑا تاجر اُس کا سُراغ لگا سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر رات آدھی گزر گئی۔

شامی خاموشی سے اپنے گھر سے باہر نکلا، گھوڑے پر سوار ہوا اور لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی سے تھوڑی دُور درختوں کے نیچے اُس نے گھوڑا ایک جگہ باندھا اور خود پیدل ہی روانہ ہوگیا۔ رات اندھیری تھی، ہر طرف سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ دُور سے رات کو پہرہ دینے والے چوکیدار کی 'ہوشیار خبردار' کی آواز کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں شمعیں بجھائے چین کی نیند سو رہے تھے۔ شامی پھر بھی بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کئی ایک گلیوں سے ہوتا ہُوا وہ حویلی کے سامنے پہنچ گیا۔ حویلی کے باہر اوپر کارنس پر ایک شمع روشن تھی جس کی دھندلی دھندلی روشنی گلی کے پکے فرش پر پڑ رہی تھی۔ آدھی رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شامی نے دائیں بائیں گلی میں دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ چوکیدار وغیرہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ اُس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر حویلی کے بند دروازے پر تین بار دستک دی۔ دوسری جانب تھائیس ڈیوڑھی میں کھڑی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے شامی کی دستک کی آواز سُن کر فوراً اندر سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔

"تھائیس بہن، جلدی سے یہاں سے نکل چلو"

تھائیس نے کالا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے بھائی کے ساتھ ہوگئی۔ دونوں بہن بھائی آدھی رات کے وقت موہنجو داڑو کی

سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے نیچے گھوڑا کھڑا کیا تھا۔ شامی نے تھائیس کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود باگ تھام کر واپس چل پڑا۔ کئی ایک بازاروں اور گلیوں میں سے گزر کر وہ اُس چوک میں آ گیا جہاں ایک گلی میں اُس کا مکان تھا۔ وہ چوک میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے جو کہ رات کو شہر میں گشت کر رہا تھا، اس کا راستہ روک لیا۔

"ٹھہرو، کون ہو تم؟"

شامی رُک گیا۔ اُس نے سپاہی کے سوال کے جواب میں کہا:

"میں تاجر ہوں، میری بہن ایک گاؤں میں بیمار تھی۔ اُسے لے کر واپس آ رہا ہوں۔"

سپاہی نے تھائیس کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر یہ عورت بیمار تو معلوم نہیں ہوتی۔"

شامی بولا:

"اب یہ اچھی ہو گئی ہے۔ اسی لیے تو اسے ساتھ لے کر واپس موہنجو داڑو آ گیا ہوں۔"

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ ضرور تم اس عورت کو کہیں سے ڈاکہ ڈال کر لا رہے ہو۔"

"اگر آپ کو شک ہے تو اس عورت سے پوچھ لیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر سقائیس نے کہا کہ وہ اِس آدمی کی بہن ہے۔ وہ گاؤں میں بیمار تھی اور اب تندرست ہو کر واپس آ رہی ہے۔ مگر سپاہی نے اُن پر اعتبار نہ کیا۔ اگر وہ اکیلا ہی ہوتا تو شامی نے سوچا تھا کہ وہ اُس کا مقابلہ کر کے اُسے ہلاک کر دے گا۔ لیکن شامی کی بدقسمتی کہ اس دوران میں دو اور پہرہ دینے والے سپاہی اپنے ساتھی کی آواز سُن کر وہاں آ گئے۔ اُنھوں نے ساری بات سُن کر کہا:

"تم دونوں کو ہمارے ساتھ کوتوال کے ہاں چلنا ہوگا۔ وہیں جا کر فیصلہ ہوگا۔"

"وہاں کیا فیصلہ ہوگا؟"

"وہاں تمھیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ عورت تمھاری بہن ہے اور واقعی یہ اپنے گاؤں میں بیمار تھی اور اب تندرست ہو کر اپنے گھر آ رہی ہے۔ اگر تم یہ ثابت نہ کر سکے تو تم دونوں کو قید کر لیا جائے گا۔"

شامی اور سقائیس تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ بے چارے ایک مصیبت سے نکلے تھے کہ دُوسری مصیبت میں پھنس گئے۔ پہلے شامی نے سوچا کہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے اور سپاہیوں کو بتا دے کہ سقائیس کے ماں باپ ہڑپہ میں رہتے ہیں اور وہ ظالم تاجر کی قید سے فرار ہو کر آ رہی ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اس طرح تو سپاہی سقائیس کو اُس کے ماں باپ کے گھر لے جانے کی بجائے ننگشے تاجر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حوالے کر دیں گے۔ کیوں کہ اس ملک کا قانون ہی یہی تھا کہ اگر کنیز بھاگ جائے تو وہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے اس کے مالک تک پہنچا دیا جائے۔

وہ بُری طرح پھنس گئے تھے۔ شامی نے سپاہیوں کے ساتھ کافی باتیں کیں اور انہیں ہر طرح کا لالچ بھی دیا مگر وہ نہ مانے اور دونوں کو اپنے ساتھ لے کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھائیس کا تو خوف سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اُسے ہر دم یہی دھڑکا لگا تھا کہ اب یہ لوگ اُسے لنگڑے تاجر کے حوالے کر دیں گے اور وہ اس کے ساتھ اس قدر ظلم کرے گا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ دوسری جانب شامی کو بھی ایک کنیز کو بھگانے اور قانون توڑنے کے جرم میں قید کر دیا جائے گا اور اُس زمانے کی قید ایسی ہوتی تھی کہ جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈالے ہوئے قیدی کو پھر کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ وہ سالوں پڑا رہتا تھا اور آخر گل سڑ کر مر جاتا تھا۔ مگر اب وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ جس طرح کہ اس کا بھائی شامی بھی مجبور تھا۔

کوتوال کے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ کوتوال دورے پر کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک مہینے سے پہلے واپس موہنجوداڑو نہیں آئے گا! چنانچہ شامی اور تھائیس کی فریاد کے باوجود اُن دونوں کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ یہ کال کوٹھڑی تنگ اور اندھیری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے چارے دونوں بہن بھائی پریشان ہو کر بیٹھ گئے اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگے۔ شامی نے کہا:

"کاش، میں چوک کی بجائے کسی دوسری گلی سے اپنے گھر کی طرف جاتا۔"

"شامی بھائی، تقدیر میں جو لکھا ہوا تھا وہ ہو کر رہا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے تو اس بات کا دکھ ہے کہ میں نے اپنے ساتھ تمہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔"

ایسا نہ کہو ثمائیں بہن، اگر تمہیں تکلیف ہوتی تو میں کیسے آرام کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اب اپنے رب عظیم سے یہ دعا مانگو کہ لنگڑا تاجر صبح تمہیں غائب پا کر کوتوال کے گھر آ کر تمہاری گمشدگی کی اطلاع نہ کر دے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ ہمارے ہاں اُس آدمی کو بے حد بزدل اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے جس کی کنیز اُسے چھوڑ کر بھاگ جائے۔ لنگڑے تاجر کو اپنی عزت اور شہرت کا بڑا خیال لگا رہتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی میری گمشدگی کی اطلاع کسی کو دے کر ذلیل ہونا گوارا نہیں کرے گا۔"

"لیکن اگر اس نے ایسا گوارا کر لیا تو پھر تم ساری زندگی اُس کی قید سے آزاد نہ ہو سکو گی اور اب وہ تم پر زیادہ ظلم کرے گا۔"

"رب عظیم ہم دونوں کا نگہبان ہو۔ ایسی صورت میں یہ لوگ تمہیں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمبی مدت کے لیے جیل میں ڈال دیں گے اور پھر کوئی تمہاری خبر تک نہ ملے گا۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتی ہوں کہ میرا بہادر بھائی بادشاہ کی قید میں تڑپ تڑپ کر بھوکا پیاسا جان دے دے۔"

"اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو تمہائیں بہن اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور اگر ہماری آزادی مقدر ہو چکی ہے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔"

شامی بھائی ہمیں ربِ عظیم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہماری مدد کرے اور ہمیں اپنے اوپر ناامیدی طاری نہیں کرنی چاہیے۔"

"آؤ ہم مل کر دعا کرتے ہیں۔"

دونوں بہن بھائی دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لیے اور دیر تک دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگنے کے بعد انہیں کچھ حوصلہ سا ہو گیا۔ انہیں اپنے اندر عمل کرنے اور سوچنے سمجھنے کی نئی طاقت گردش کرتی محسوس ہوئی۔ شامی نے کہا:

"یہ کال کوٹھڑی اتنی مضبوط اور محفوظ جگہ پر ہے کہ اگر ہم ساری زندگی کوشش کرتے رہیں تو یہاں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے شامی بھائی، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو شخص ایک بار اس کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اس کی کبھی کوئی خبر نہیں لیتا۔ تم دیکھ لینا، کوتوال دورے سے واپس بھی آ گیا تو ہمیں کبھی اس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ

ہمیں یہاں ڈال کر بھول جائیں گے۔"

"یہ تو بڑا ظلم ہوگا۔ ہم یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔" تھائیں نے گھبرا کر کہا۔

شامی نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں تھائیں، میں نے تمہیں صرف یہ بتانا چاہا ہے کہ یہاں کا رواج ہے۔ لیکن ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم یہاں سے باہر نکلنے کی ہر حالت میں کوشش کریں گے۔"

"مگر اُس کی صورت کیا ہوگی؟ ہم یہاں سے فرار تو ہو نہیں سکتے۔"

"ٹھیک ہے، ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔ لیکن دماغ سے کام لے کر کوئی ایسا طریقہ ضرور سوچ سکتے ہیں جس پر عمل کر کے ہم اس کال کوٹھڑی سے نجات حاصل کرلیں۔"

ہمارا خیال ہے کہ ہمیں ان دونوں بہن بھائیوں کو موہنجو داڑو کی اس کال کوٹھڑی میں چھوڑ کر اپنے ہیرو عنبر کی خبر لینی چاہیے کہ وُہ اِس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ جیسا کہ آپ نے پچھلے حصے میں پڑھا ہوگا۔ عنبر بوڑھے تبتی سے دریائے آمو کے نارے سے جُدا ہو کر موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہ منزلوں ر منزلیں طے کرتا آخر موہنجو داڑو کے شہر میں آن داخل ہوا۔ وہ سیدھا اہی محل کی طرف آگیا۔ محل میں اُس کے آنے کی خبر بادشاہ کو ہوئی د وُہ خود اُس سے ملنے آیا۔ عنبر نے جُھک کر شہزادے کو سلام کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے نے کہا :

"ہم آپ سے بہت خوش ہیں کہ آپ نے اِتنے دور دراز کا سفر کیا۔ آپ ضرور ہمارے لیے بڑی مفید معلومات لائے ہوں گے۔ آپ آج رات آرام کریں۔ کل آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر شہزادہ سلامت، ویسے آپ کا خادم کامیاب واپس آیا ہے۔"

"ہمیں آپ سے یہی اُمید تھی۔ اچھا، آپ آرام کریں کل ملاقات ہو گی۔"

"ضرور۔"

دُوسرے روز شہزادے نے عنبر کو اپنے خاص کمرے میں طلب کی وہاں اُس کی فوجوں کا سپہ سالار اٹالی بھی موجود تھا۔ عنبر نے جُھک کر کورنش بجا لائی۔ شہزادے نے اُسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارا کیا اور پُوچھا :

"اب ہمیں اپنے سفر کا پورا حال سناؤ اور یہ بتاؤ کہ جِن قوم کی ملکہ عمبکا ہمارے بارے میں کیا ارادے رکھتی ہے؟"

عنبر نے کہا :

شہزادہ سلامت، ملکہ عمبکا ایک خونی ملکہ ہے۔ اُس کا دل دیوتا نے پتھر کا بنایا ہے۔ وہ ایک ایسی قوم کی ملکہ ہے جو اُس پر جان ہے اور جو ایک آدمی کو کچا بھُون کر کھا جانے میں کوئی شرم یا جھجک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس نہیں کرتی ۔"

"کیا وہ ہمارے شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟"

"ہاں بادشاہ سلامت، وہ اسی مہینے آپ کے شہر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی بے پناہ فوج کے ساتھ روانہ ہو جائے گی۔ اُس کی فوج میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہیں جو اپنی ملکہ پر جان نچھاور کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔"

شہزادہ کچھ فکر مند ہو گیا۔ سپہ سالار سے پوچھا:

"کلبکا کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے عنبر؟"

"وہ صرف تیر کمان، نیزہ اور تلوار سے لڑتے ہیں۔ اُن کے پاس آگ برسانے اور پتھر پھینکنے والی توپیں بالکل نہیں ہیں۔"

"پھر تو ہم ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے۔" شہزادے نے کہا۔

"لیکن شہزادہ سلامت، ہُن سپاہی مرنے کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ وہ ایک کے بعد ایک مرتا جائے گا۔ مگر آپ کے شہر کی دیوار پر چڑھ کر ہی دم لے گا۔ آپ توپوں کا مقابلہ تو کر سکتے ہیں مگر ایسے سپاہی کا مقابلہ کس طرح کریں گے جو مرتا جا رہا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔ جس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ آپ کے تخت پر پہنچ کر ہی رکے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ہمیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم موہنجوداڑو کا شہر ہُن قوم کے وحشیوں کے حوالے کر دیں؟"

"ہرگز نہیں شہزادہ سلامت، بلکہ میں آپ کو اُن خطرات سے خبردار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہا ہوں جو آپ کو پیش آنے والے ہیں۔ میں آپ سے صرف
کہنا چاہتا ہوں کہ آپ دشمن کو کمزور خیال نہ کریں۔ اُسے طاقت ورتر
دشمن سمجھ کر تیاری کریں۔"

عنبر نے کہا :

"میرے خیال کے مطابق ہمیں شہر کی دیوار کے گرد کھُدی ہوئی کھا
کو اور زیادہ گہرا کر کے اُس میں مگرمچھ چھوڑ دینے چاہئیں۔ اِس کے علا
شہر کی دیوار کے اُوپر سے کھَولتا ہوا تیل پھینکنے والوں کی تعداد میں اضا
کرنا چاہیے۔ ہمیں شہر کے اندر پانی اور خوراک کا اتنا ذخیرہ کر لینا چاہی
جو ایک سال کے لیے کافی ہو۔"

سپہ سالار نے حیرانی سے پُوچھا :

"کیا عنبکا کی فوج ایک سال تک ہمارے شہر کا محاصرہ کر سکتی
ہے ؟"

عنبر نے مُسکرا کر کہا :

"آپ شاید بھُول گئے ہیں۔ معزز سپہ سالار کہ ہُن قوم ایک خانہ بدو
وحشی قوم ہے۔ اُس کا کام ہی صحراؤں میں خیمے گاڑ کر رہنا ہے۔ وہ ا
صحرا میں نہ رہے۔ آپ کے شہر کے باہر میدان میں رہ لیں گے۔ انہی
کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

سپہ سالار بولا :

"مگر وُہ کھائیں گے کہاں سے ؟ ہم اُن کے آنے سے پہلے پ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے کھیت کھلیان جلا کر راکھ کر دیں گے "

" وُہ کھیتی باڑی کر کے پھر سے فصل اُگا لیں گے۔ آپ کا دریائے سندھ اُن کی بڑی مدد کرے گا "

شہزادہ گہری سوچ میں تھا۔ اُس نے سانس بھر کر کہا :

" اس کا مطلب تو پھر یہ ہُوا کہ وُہ ساری زندگی کے لیے ہمیں ہمارے شہر میں بند کر دیں گے۔ ہم اپنے ہی شہر میں قید ہو کر رہ جائیں گے "

عنبر کہنے لگا :

" ایسی نا اُمیدی کی بھی کوئی بات نہیں شہزادہ سلامت! اِس دوران میں ہم کوشش کریں گے کہ ملکہ عبکا کے سالارِ جنگ کو اپنے ساتھ ملا لیں "

" کیا مطلب؟ " سپہ سالار نے چونک کر کہا۔

" مطلب یہ کہ مجھے یہ معلوم ہُوا ہے کہ ملکہ عبکا کا نیا سالارِ جنگ اُس کے حق میں نہیں ہے۔ مگر وُہ اِس لیے مجبور ہے کہ وُہ اکیلا ہے۔ فوج کی اکثریت ملکہ کے ساتھ ہے۔ اگر ہم محاصرے کے دوران میں کسی طرح سے یقین دلا دیں کہ ہم فتح کی صورت میں اُسے ہُن قوم کا بادشاہ بنانے یں مدد دیں گے اور اُسے تسلیم کر لیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وُہ ہمارے ساتھ مل جائے اور جنگ کا پانسہ پلٹ جائے "

" آپ کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہم محاصرے کی صورت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمن کا مقابلہ بھی کریں گے اور اُس کے سالارِ جنگ کو توڑنے کی کوشش بھی کریں گے ”

اُسی روز شہزادے نے ملک بھر میں ہنگامی صورت حال کا اعلان کردیا اور حکم دے دیا کہ شاہی گوداموں کو اناج کی بوریوں اور پانی کے ذخیرے سے بھر دیا جائے۔ شہر کے اندر پانی کے نئے کنوئیں کھود جانے لگے۔ گوداموں میں کھانے پینے کی چیزیں جمع ہونا شروع ہوگئیں شہر موہنجو داڑو کے ارد گرد کی ساری بے پناہ فصل کو کاٹ کر شہر کے اندر اُس کا انبار لگا دیا گیا۔ شہر کے ارد گرد کی کھائی کو خشک کرکے اُس کی دوبارہ کھدائی شروع ہوگئی۔ اُسے اور گہرا کرکے اُس میں پانی کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے دلدلی کناروں سے پکڑ کر لائے گئے گرمچھ چھوڑ دیے گئے۔ شہر کی دیوار کے اوپر ہر پچاس قدم کے فاص پر بڑی بڑی بھٹیاں بنا کر اُن پر تیل کے کڑھاؤ چڑھا دیے گئے۔ تیر برسانے والوں اور پتھر پھینکنے والوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ہ وقت فصیل کے بُرجوں میں حاضر رہیں۔ سپاہیوں کو مختلف جگہوں سے دارالسلطنت میں واپس بُلا لیا گیا۔ ساری کی ساری فوج کو ہر وقت تیا رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

جاسوس دوڑا دیے گئے تھے۔ ان جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ ملکہ ٹمبکا اپنے خونخوار اور بے پناہ لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف طوفان بن کر بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اگر زمین ریتلی نہ ہوتی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چار میل کے فاصلے پر بہتے ہوئے دریائے سندھ کے کناروں کو کاٹ کر سارے میدان میں پانی چھوڑ دیا جاتا تاکہ دشمن کے سپاہی وہاں خیمے نہ لگا سکیں۔ مگر زمین کے زیادہ تر ریتلی ہونے کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل کرنا فضول تھا۔ کیونکہ سارا پانی زمین جذب کر لیتی اور دشمن کو یہ فائدہ پہنچتا کہ وہاں اُن کی فصل بڑی اچھی ہوتی۔ بہرحال دشمن اپنے خونی لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا اور سپاہی کمانوں میں تیر چڑھائے، کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہیوں کے پاس کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تُم کہاں؟

شاہی اور تھائیس قید خانے میں بے کسی کے دن گزار رہے تھے۔ موہنجو داڑو کے سپاہی اپنی عادت کے مطابق اُن دونوں کو جیل میں ڈال کر بھُول گئے تھے۔ انہیں دن میں دو بار رُوکھی سُوکھی روٹی دے دی جاتی تھی۔ قید میں دونوں کی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ اُنہیں وہاں سے کب نکالا جائے گا۔ اِس بات سے وُہ دونوں بڑے پریشان تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر موہنجو داڑو کے دربار میں پہنچ چکا ہے۔ سپاہیوں سے اُنہوں نے دو ایک بار کہنے کی کوشش کی کہ اُنہیں وہاں سے نکال کر کوتوالِ شہر کے سامنے پیش کیا جائے۔ مگر ہر بار سپاہی قہقہہ مار کر چلے جاتے۔

شاہی اِن حالات سے تنگ آ گیا۔ آخر وہ مرد تھا اور ایک بہادر مرد تھا۔ اِس سے پہلے اُس نے بڑی دلیری سے تھائیس کو بڑی بڑی مشکلوں سے نکالا تھا۔ اُس نے وہاں سے فرار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اُس نے تھائیس کو کچھ نہ بتایا مگر اپنے طور پر وہ جائزہ لینے لگا کہ کھانا لے کر آنے والا سپاہی ان کے پاس آتا ہے۔ اُس وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہریداروں سے تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اب کھانا لے کر آنے والا سپاہی پہرہ دے گا۔ جب تک وہ کھانا نہیں کھا چکتے۔ وہ سپاہی اُن کے پاس ذرا پرے بیٹھا انہیں دیکھتا رہتا ہے۔ شامی نے ایک ترکیب دماغ میں پکی کر لی اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔

شہر میں ہُن قوم کے حملے کے پیشِ نظر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا اور جیل خانے کے اکثر سپاہی قلعے میں چلے گئے تھے اور وہاں پر سپاہیوں کی تعداد تھوڑی رہ گئی تھی۔ شامی نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک رات اس نے تھائیں کو بتایا کہ وہ وہاں سے فرار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ تھائیں نے حیرت سے پُوچھا:

"مگر شامی بھائی، ہم یہاں سے کیسے فرار ہوں گے؟"

"تم دیکھتے جاؤ اور خاموش رہو۔"

رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا۔ کھانا لے کر آنے والے سپاہی کا وقت ہو رہا تھا۔ کوٹھڑی کے باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسلحہ خانے کی جانب سے سپاہیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سارے کے سارے کسی وجہ سے قلعے کی طرف چلے گئے ہیں۔ شامی نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ سپاہی کے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ وہ کھانا لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر آرہا تھا۔ شامی ہوشیار ہوگیا۔

سپاہی کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا پیالہ اور ٹوکری تھی۔ اس ٹوکری میں رُوکھی سُوکھی روٹیاں تھیں۔ شامی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ جُوں ہی دروازہ کھول کر سپاہی اندر داخل ہُوا۔ شامی نے پوری طاقت سے دونوں ہاتھ اُس کی گردن پر مار دیئے۔ سپاہی چکرا کر گر پڑا۔ شامی نے فوراً اُسے گھسیٹ کر کونے کے اندھیرے میں کر دیا اور اُس کا زرہ بکتر پہن کر لوہے کا خود سر پر رکھ لیا۔

"میرے ساتھ چلو تھائیس جلدی"

تھائیس بے چاری اچانک یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وُہ تیزی سے شامی کے ساتھ ہولی۔ شامی اُسے لے کر جیل سے باہر نکل آیا۔ ایک برآمدے سے ہوتا ہُوا وُہ بڑے اسلحہ خانے میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اُسے روک لیا:

"اِسے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

شامی نے منہ دُوسری طرف کر کے جلدی سے کہا:

"کوتوال نے بُلایا ہے"

سپاہی نے ٹھیک ہے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ شامی نے تھائیس کا ہاتھ تھاما اور قریب اُسے گھسیٹتا ہوا تھانے سے باہر لے آیا۔ بائیں جانب اصطبل کے باہر لکڑی کے ایک ستون کے ساتھ کچھ گھوڑے اور دو چار اُونٹ بندھے ہُوئے تھے۔ شامی نے جلدی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوگھوڑے کھولے ۔ ایک پر خود بیٹھا دُوسرے پر تھائیس کو بٹھایا اور وہاں
ے اُٹھ بھاگا ۔

" اب رُکنا نہیں تھائیس "

" ٹھیک ہے شامی بھائی "

وُہ گھوڑوں کو بھگاتے ہُوئے موہنجوداڑو شہر کی حدود سے باہر نکل
آئے ۔ ہنگامی حالات کی وجہ سے اُن دِنوں زیادہ تر توجہ اُن لوگوں کی
.طرف دی جا رہی تھی جو شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے ۔ شہر سے باہر نکلنے
والوں کی طرف کم توجہ دی جاتی تھی اور پھر شامی کو سپاہی کے لباس
یں دیکھ کر کسی نے یہ بھی نہ پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس عورت کو
ے کر کہاں جا رہا ہے ؟ سب نے یہی خیال کیا کہ سپاہی اپنی بیوی
کو لے کر سفر پر روانہ ہو رہا ہے ۔ کیونکہ اُن دِنوں سفر عموماً رات کو
ہی شروع کیا جاتا تھا ۔

شہر سے باہر نکل کر اُنہوں نے ہڑپہ شہر کی طرف سرپٹ گھوڑے
دوڑانے شروع کر دیے ۔ وہاں سے ہڑپہ کا سفر صرف ایک رات کا تھا
شامی چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وُہ ہڑپہ پہنچ کر تھائیس کو
اُس کے گھر پہنچا کر محفوظ کر دے ۔ کیونکہ موہنجوداڑو کے سپاہیوں کو کوئی
علم نہیں تھا کہ تھائیس کہاں کی رہنے والی ہے ۔ وُہ خود بھی چاہتا تھا کہ
تھائیس کو گھر پہنچانے کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وہاں سے روپوش ہو
جائے اور جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو واپس موہنجوداڑو آ جائے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر یُوں ہُوا کہ جب سپاہی پہرہ دینے کے لیے آیا تو اُس سـ
دیکھا کہ کھانا لے کر آنے والا کوٹھڑی میں بے ہوش پڑا ہے۔ جیل
دروازہ کھُلا ہے اور دونوں قیدی غائب ہیں۔ اس نے شور مچا
فوراً چند سپاہی کوتوال کے حکم سے گھوڑوں پر سوار ہو کر مفرور قیدیو
کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچ کر انہیں مع
ہوا کہ ایک سپاہی کے ساتھ عورت تھی اور وہ شروع رات وہاں سـ
نکلے تھے۔ سپاہی اُن کے تعاقب میں ہڑپہ کی طرف اُٹھ دوڑے۔ ا
لیے کہ اُن کے گھوڑوں کے تازہ نشان ہڑپہ کی طرف ہی جا رہے تھ

شامی کو معلوم تھا کہ سپاہی اُس کا پیچھا ضرور کریں گے؛ چنانچہ
تھائیس کی تھکاوٹ کے باوجود ایک پَل کے لیے بھی کسی جگہ را
میں نہ رُکا اور برابر آگے بڑھتا گیا؛ چنانچہ جب پَو پھٹ رہی
تو وُہ ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس شامی کو اپنے گھر لے گ
تھائیس کے باپ نے اپنی بیٹی کو دیکھ کر اسے گلے لگا لیا۔ وُہ
اپنی بیٹی کو رو دھو چکا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں ایک بار اُٹھا
ے جانے والی عورت مشکل ہی واپس اپنے گھر پہنچتی تھی۔ شامی سـ
ری کہانی بوڑھے باپ کو سنائی اور کہا:

"اب آپ کا فرض ہے کہ اپنی بیٹی کو کبھی گھر سے باہر نہ نکالیں

"ایسا ہی ہو گا بیٹے شامی، دیوتا تمہاری نگہبانی کریں۔ اگر تم
تے تو میں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھ سکتا تھا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کم از کم ایک ماہ کے لیے تو اسے تہہ خانے میں بند کر دیں، کیونکہ سپاہی کوتوال کے حکم سے ضرور اِس کی تلاش میں یہاں آئیں گے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ موہنجو داڑو کے شہزادے کی جیل سے فرار ہونے والے قیدی کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔"

"میں اپنی بیٹی کی کسی کو جھلک تک نہیں دکھاؤں گا بیٹے۔"

"ہاں بابا، میں بھی اب تھک گئی ہوں۔ اب میں بھی آرام کرنا چاہتی ہوں۔ میں تہہ خانے سے کبھی نکل کر باہر کھیتوں میں یا جنگل میں نہیں جاؤں گی۔"

"شاباش بیٹی، مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ مگر بیٹا شامی تم بھی تو ہمارے ہاں ہی قیام کرو گے ناں۔"

"میں دو روز یہاں ضرور رُک جانا چاہتا ہوں۔ اِس کے بعد سوچوں گا کہ کہاں جاؤں۔"

"اِس کے بعد تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں موہنجو داڑو ابھی واپس نہیں جانا چاہتا۔ اِس لیے کہ اگر واپس گیا تو ضرور دوبارا پکڑ لیا جاؤں گا اور جیل سے خود فرار ہونے اور ایک قیدی عورت کو فرار کرنے کے جُرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جاؤں گا۔"

"بیٹے تم ہمارے پاس ہی رُک جاؤ۔"

"میں کب تک ایک اپاہج عورت کی طرح تہہ خانے میں پڑا رہ سکتا ہوں بابا، میں نے سوچا ہے کہ یہاں سے نکل کر ایک برس کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قرطاجنہ اپنے بڑے بھائی کے پاس چلا جاؤں اور وہیں کچھ دیر تجارت
جب یہاں معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو واپس آجاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے، ویسے میرا گھر تمہارے لیے حاضر

"شکریہ بابا جان!"

وہ رات بھر کے سفر کے تھکے ہوئے تھے۔ شاہی حویلی کی ڈیوڑ
میں اور تھائیس تہہ خانے میں سو گئی۔ سپاہی رات بھر سفر کرتے ر
گھوڑوں کے سموں کے تازہ نشان اُن کی رہنمائی کر رہے تھے۔ راستے
اُنہوں نے بھی کسی جگہ آرام نہ کیا اور وہ بھی پو پھٹنے کے تھوڑی
بعد ہڑپہ پہنچ گئے۔ شہر میں اُنہوں نے تھانے میں قیام کیا اور ا
روز مفرور قیدیوں کی تلاش شروع کر دی۔ وہ شہر ان سپاہیوں کے
اجنبی نہیں تھا۔ وہ کئی بار وہاں آ چکے تھے اور یہ شہر بھی موہنجو داڑو
بادشاہ ہی کے ماتحت تھا۔ مگر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اتنی
آبادی کے شہر میں وہ دو قیدیوں کو کس طرح تلاش کریں۔ کہاں تلا
کریں جب کہ دونوں قیدیوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ تہہ خا
سے باہر نہیں نکلیں گے۔

دو روز گزر گئے۔ موہنجو داڑو کے کوتوال پر مصیبت نازل یہ ہو
کہ دونوں قیدیوں کے جیل سے فرار ہونے کا علم بادشاہ شہزادے کو
اُس نے کوتوال کو بلا کر کہا:

"اگر تم نے مفرور قیدیوں کو پکڑ کر ہمارے حضور پیش نہ کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی جگہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جیل سے قیدیوں کے فرار ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کل کو ہمارا دشمن بھی ہمارے ملک کے حالات معلوم کرکے آسانی سے جیل سے نکل کر بھاگ سکتا ہے؟ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ملک میں ہنگامی حالات ہیں اور دُشمن کی فوج چڑھائی کے لیے بڑھی چلی آ رہی ہے؟"

کوتوال تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس نے سر جھکا کر زمین چومتے ہوئے کہا کہ وُہ فوراً مفرور قیدیوں کو گرفتار کرکے دربار شاہی میں پیش کرے گا۔ اتنا کہہ کر وہ شاہی محل سے واپس آگیا۔ اسی وقت اُس نے اپنا ایک خاص ایلچی ہڑپہ دوڑایا جس نے مفرور قیدیوں کو تلاش کرنے والے سپاہیوں سے کہا کہ ہڑپہ کے کوتوال کی خدمات حاصل کرکے دونوں قیدیوں کو ہر قیمت پر پکڑ کر واپس لائیں؛ ورنہ اُن کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔ وُہ سپاہی تو ششدر رہ گئے۔ اُنہیں اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ اب تو قیدیوں کا پکڑنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

مگر مشکل یہ تھی کہ شہر میں اُن دونوں کا کہیں سُراغ تک نہیں مل رہا تھا۔ ہڑپہ کے کوتوال نے کہا:

"یقیناً مفرور قیدی عورت شہر کے کسی مکان میں چھپ گئی ہے۔ اس کے لیے کسی پھپھے کٹنی کی خدمات حاصل کرنی ضروری ہو گئی ہے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک بڑی ہی مکار عورت اور تجربہ کار پھپھے کٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بُلا کر تھائیس کا حلیہ وغیرہ سمجھایا گیا اور اسے کہا گیا کہ وُہ شہر کی گلی گلی، کُوچہ کُوچہ، مکان مکان گھوم پھر کر اُس عورت اور مرد کو تلاش کر کے کوتوالِ شہر کو خبر کرے۔ کُٹنی نے کہا:

"حضور، یہ کنیز تو آسمان کی بجلی اُتار بھی لاتی ہے اور واپس لگا بھی آتی ہے۔ وُہ عورت ایسی کہاں کی ہے کہ میری نظروں سے چھپ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ مَیں تو ہڑپہ کی ایک ایک اینٹ اُٹھا کر دیکھ لُوں گی کہ وُہ کہاں چھپی بیٹھی ہے۔"

"شاباش کُٹنی، اب تم جا کر اپنا کام شروع کر دو۔"

کُٹنی نے عورتوں کے ہار سنگھار بیچنے والی کا بھیس بدلا اور شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس دوران میں ایک رات شامی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے بڑے بھائی کی طرف ترطاجنہ کو نکل چکا تھا۔ اب گھر میں تھائیس اپنے باپ کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ باپ سارا دن جنگل میں بھیڑ بکریاں چراتا اور تھائیس گھر میں اکیلی بند رہتی۔ باپ نے اُسے خاص طور پر حکم دے رکھا تھا کہ وُہ کبھی اور کسی کے لیے بھی مکان کا دروازہ اندر سے ہرگز ہرگز نہ کھولے۔ تھائیس کو اِس بات کا خود بھی بے حد احساس تھا۔ وُہ اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے پہلے ہی بہت تکلیفیں اُٹھا چکی تھی۔ اب تو وہ دروازہ ہمیشہ بند رکھتی تھی اور اس کے علاوہ وہاں آتا بھی کوئی نہیں تھا۔

اُسے کیا خبر تھی کہ ایک عورت اُس سے ملنے کے لیے گھر سے چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑی ہے ۔

کشنی سولہ سنگھار بیچنے والی کے بھیس میں شہر بہ شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر گھر گھر جھانک رہی تھی کہ کہیں اس حلیے کی عورت نظر پڑ جائے جو اُسے بتایا گیا تھا ۔ مگر ابھی تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی تھی ۔ وہ ہر گھر کی ڈیوڑھی میں جا کر آواز لگاتی اور پھر منہ اٹھائے ایک دم گھر کے اندر عورتوں کے بیچ چلی جاتی ۔ ایک ایک عورت کو نظریں بچا کر خوب غور سے دیکھتی ۔ اُن سے باتیں کرتی اور باتوں ہی باتوں میں معلوم کرنے کی کوشش کرتی کہ وہاں کوئی عورت موہنجو داڑو سے تو نہیں آئی ۔ آخر ایک جگہ اُسے معلوم ہوا کہ فلاں محلے میں ایک گھرانہ ایسا ہے جہاں سے ایک عورت پچھلے ماہ موہنجو داڑو گئی تھی ۔

کشنی فوراً اُس محلے میں پہنچ گئی ۔ یہ محض اتفاق سے تھائیس کا محلہ تھا اور اسی جگہ اُس کا گھر تھا ۔ کشنی نے تھائیس کے محلے میں آوازیں لگانی شروع کر دیں اور گھر گھر جھانکنا تاکنا شروع کر دیا ۔ ایک روز تھائیس اپنے مکان کے تہ خانے سے نکل کر ڈیوڑھی والی کوٹھڑی میں بیٹھی بال بنا رہی تھی کہ اُس کے کانوں میں ایک عورت کی آواز آئی جو کانوں کے بُندے اور سنگھار کا سامان فروخت کر رہی تھی ۔ کئی روز سے اُس کا سنگھار کا سامان ختم ہو گیا تھا اور کانوں میں پہننے کو بھی کچھ نہیں تھا ۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اس عورت کو گھر میں بُلا کر اُس سے بُندے خرید لیے جائیں ۔ کیونکہ وہ خود تو بازار جا کر خرید نہیں سکتی ۔ اس خیال کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہی اُس نے عورت کو آواز دے کر اندر بلا لیا ۔

گنگی نے کوٹھڑی میں داخل ہو کر تھائیس کو دیکھا تو اُس کے دل
کی کلی کھل گئی ۔ یہی تو وہ عورت تھی جس کی تلاش میں گنگی ہڑپہ کے گل
کوچوں کی گرد اُڑا رہی تھی ۔ اُس کا ناک نقشہ ہو بہو وہی تھا جو اُسے
بتایا گیا تھا ۔ اب صرف زبانی تصدیق باقی تھی ۔ گنگی نے تھائیس کی بلائی
لے کر کہا :

" ہائے ماں مرگئی ۔ ایسی چندے آفتاب صورت اور کانوں میں بُند
نہ ہوں ۔ میں کس لیے گلی گلی گھوم رہی ہوں ۔ یہ لو بُندے ۔ یہ دیکھو "

گنگی نے تھائیس کو جھولے میں سے نکال نکال کر قسم قسم کے
بُندے اور نگینے جڑے آویزے دکھانے شروع کر دیے ۔ تھائیس بُند
اور آویزے بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی اور گنگی سوچ رہی تھی ک
اُس سے یہ کس طرح معلوم کرے کہ وہ موہنجو داڑو سے ہو کر آئی ہ

تھائیس نے ایک بُندوں کی جوڑی پسند کر لی ۔ اُس نے قیمت
پوچھی تو گنگی نے جان بوجھ کر زیادہ بتائی ۔ تھائیس نے کہا :

" یہ تو بہت زیادہ قیمت ہے "

گنگی نے کہا :

" اری بیٹی ، تجھے کیا معلوم کہ سولہ سنگھار کیا ہوتا ہے ! بیٹی ت
یہاں ہڑپہ میں بیٹھی ہے ۔ جا کر موہنجو داڑو میں کسی بیگم سے پوچھ ک
ان بُندوں کی کیا قدر ہے وہاں ؟ میں تو ہر مہینے موہنجو داڑو جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی محل کی بیگموں کے ہاں سولہ سنگھار فروخت کرتی ہُوں۔"

اِس پر تھائیس نے ٹھنک کر کہا:

"ایسا نہ کہو بڑی بی، موہنجو داڑو مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، مَیں ابھی ہفتہ بھر ہوا وہیں سے آئی ہُوں۔ مجھ سے وہاں کی بیگمیں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ مَیں اُن کے سب سولہ سنگھار جانتی ہُوں اور یہ بھی جانتی ہُوں کہ وہاں ان کے کیا بھاؤ ہیں۔ اس لیے تُو مجھ سے زیادہ قیمت طلب مت کر۔"

کُٹنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اب چاہے تھائیس اُس سے بُندے مُفت بھی لے لیتی تو اُسے کوئی غم نہ ہوتا۔ کیونکہ تھائیس کی جاسوسی کرنے کے بعد کوتوال سے ملنے والا انعام پکّا ہو گیا تھا۔

اُس نے مُسکرا کر اور جھوٹ موٹ شرمندہ سا ہو کر کہا:

"اے بیٹی، تُو تو خواہ مخواہ ناراض ہو گئی۔ تجھ سے میں بھلا زیادہ دام کاہے کو لُوں گی۔ یہ لے تُو آدھی قیمت دے دے۔ بس اب تو خوش ہے نا؟"

"بڑی بی، کل بھی آنا۔ میں تم سے کچھ ہار بھی خریدنا چاہتی ہُوں۔"

"ضرور آؤں گی بیٹی۔ تمہارے لیے ایسے ایسے خوب صورت ہار لاؤں گی کہ تم نے موہنجو داڑو میں بھی نہ دیکھے ہوں گے بیٹی۔ اگر اِس دفعہ موہنجو داڑو جانا ہُوا تو میرے ساتھ چلنا۔ تمہیں اپنی بڑی لڑکی سے ملاؤں گی۔ وہ وہاں کے بڑے امیر سوداگر کی بہو ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا بڑی بی بی، اگر جانا ہوا تو تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"بیٹی تو وہاں کہاں رہا کرتی ہے؟ کیا تیرے وہاں کوئی رشتے دار نہیں؟"

"رشتے دار ـــ وہ رشتے دار ـــ ہاں بڑی بی بی، میرے وہاں رشتے دار ہیں۔ میں ان ہی کے ہاں جا کر ٹھہرا کرتی ہوں۔"

تھائیس کی گھبراہٹ سے گنگی سمجھ گئی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اس کا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے اور وہ ضرور وہاں کوتوال کی قید سے فرار ہو کر ہڑپہ پہنچی ہے۔ اس نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا:

"اچھا بیٹی، اب میں جاتی ہوں۔ کل اسی وقت آؤں گی۔"

گنگی چلی گئی۔ وہ سیدھا وہاں سے کوتوال شہر کے ہاں پہنچی اور انہیں ساری کہانی سنا ڈالی اور کہا کہ وہ عورت یقیناً موہنجوداڑو کی مفرور قیدی ہے۔ موہنجوداڑو سے آئے ہوئے سپاہیوں نے کہا کہ وہ ابھی ان کے ساتھ چلے۔ وہ چھاپہ مار کر اس عورت کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً ایک دستہ کوتوال شہر کی سرکردگی میں تیار ہو گیا اور تھائیس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھائیس گھر میں بُندے پہن کر بڑی خوشی خوشی بیٹھی کڑھائی کا کام کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور تین سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ سپاہیوں نے اُسے پہچان لیا اور فوراً اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اُسے بڑے سے تھیلے میں بند کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھوڑے پر لاد وہاں سے واپس آ گئے۔ کوتوال کو آتے ہی انہوں نے بتا دیا کہ مفرور قیدیوں میں سے عورت گرفتار کر لی گئی ہے۔ انہوں نے رات بھر ستائیس کو اُلٹا لٹکائے رکھا اور اُسے کوڑوں سے پیٹتے رہے کہ وہ بتائے کہ اُس کا ساتھی کہاں ہے؟ مگر ستائیس نے بالکل نہ بتایا۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔ سپاہی اُسے بے ہوشی کی حالت میں ہی لے کر موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُدھر رات کو ستائیس کے باپ نے جب معلوم کیا کہ سپاہی آ کر اُس کی بیٹی کو پکڑ کر لے گئے ہیں تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

سپاہی راتوں رات ستائیس کو لے کر صبح دم موہنجو داڑو پہنچ گئے۔ اور انہوں نے ستائیس کو کوتوال کی معیت میں شہزادے کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے سر سے لے کر پاؤں تک ستائیس کو دیکھا اور کہا:

"اسے شام ہونے سے پہلے پہلے پھانسی پر لٹکا دو۔ اسے جرأت کیوں کر ہوئی کہ ہماری قید سے فرار ہو جائے"

کوتوال نے ستائیس کو جیل میں ڈال دیا اور شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تیسرے پہر ستائیس کو سیاہ لباس پہنا کر شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی دینے کے لیے لے آیا گیا۔

موت کا سایہ

●

پھانسی محل کی دیوار کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔

تھائیں کو سیاہ لباس پہنا دیا گیا تھا۔ جلاد پھانسی کے پاس تیار کھڑا تھا۔ سپاہی تھائیں کو پکڑ کر محل کی دیوار کے سائے میں لے آئے۔ کوتوال نے حکم دیا کر تھائیں کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے تھائیں کا مارے خوف کے بُرا حال ہو رہا تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا۔ وہ حیران تھی کہ یہ ایک ہی دن میں کیا سے کیا ہو گیا۔ اُسے کبھی توقع ہی نہ تھی کہ اُسے پھانسی پر بھی چڑھایا جا سکتا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے اپنے باپ اور بھائی شامی کو یاد کر کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ٹھیک اُس وقت جب کہ تھائیں کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا تھا۔ اُدھر سے عنبر گھوڑے پر سوار گزرا۔ وہ شاہی محل میں شہزادے سے ملاقات کرنے کے بعد مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا کہ اُس نے ایک عورت کو پھانسی کے تختے پر کھڑے آنسو بہاتے دیکھا۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس عورت کو اُس نے کہیں دیکھا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا قریب آ گیا تو اُس نے تھائیں کو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس نے عنبر کو پہچان لیا۔ تھائیس نے چیخ مار کر عنبر سے کہا:

"عنبر! مجھے ان ظالموں سے بچاؤ۔ یہ مجھے پھانسی پر چڑھا رہے ہیں۔ میں بے گناہ ہوں"

عنبر نے فوراً کوتوال کو حکم دیا کہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے نیچے اُتار دیا جائے۔ کوتوال کو معلوم تھا کہ عنبر بادشاہ کا وزیر خاص ہے۔ پھر بھی اُس نے جُھک کر عرض کی:

"جناب! ہم اسے بادشاہ کے حکم سے پھانسی دے رہے ہیں۔ اس عورت نے ہمارے ملک کا سب سے گھناؤنا جرم کیا ہے۔ اس نے ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی"

عنبر نے گرج کر کہا:

"پھانسی روک دی جائے۔ میں بادشاہ سلامت سے ابھی بات کرتا ہوں"

"جو حکم حضور!" کوتوال نے سر جھکا کر تسلیم عرض کی اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے اُتار دیں۔ تھائیس کو واپس قید خانے بھجوا دیا گیا اور عنبر وہاں سے سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اُس نے بادشاہ سے تھائیس کے بارے میں صاف صاف بات کہہ دی اور اس کی جان بخشی کی درخواست کی۔

بادشاہ نے کہا:

"تمہارا اس عورت سے کیا رشتہ ہے عنبر؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا :

"وہ میری بہن ہے عالی جاہ!"

"پھر ہم اُس کی جان بخشی کرتے ہیں!"

اسی روز بادشاہ کے حکم سے تھائیس کی جان بخشی کا حکم دے دیا گیا۔ عنبر نے تھائیس کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے اُس کے گھر ہڑپہ پہنچا دیا گیا۔ ہڑپہ میں اُس کا باپ بیٹی کی یاد میں رو رو کر زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے اُن سے کہا کہ وہ بچی کو لے کر کچھ دِنوں کے لیے ہڑپہ سے باہر چلے جائیں۔ تھائیس نے کہا :

"عنبر بھائی، ہمارا تو اِس دُنیا میں کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔ ہم کہیں بھی نہیں جا سکتے!"

"پھر تم میرے پاس شاہی قلعے کے مہمان خانے میں آ جاؤ۔ اِس لیے کہ یہاں رہنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جن قوم کا حملہ ہونے ہی والا ہے۔ دوسرے لوگ تو مقابلہ کر لیں گے مگر تم اور تمہارا کمزور باپ ایسا نہ کر سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم میرے ساتھ شاہی قلعے میں چلے چلو!"

"ہم اِسے اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے عنبر بیٹا، ہم تیار ہیں!"

عنبر تھائیس اور اس کے باپ کو لے کر ہڑپہ سے موہنجو داڑو واپس آ گیا اور یہاں اُس نے دونوں باپ بیٹی کو ایک پُرسکون مکان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہائش کے لیے دے دیا۔ وہ دونوں اُس مکان میں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

موہنجو داڑو پر موت کے سائے منڈلانے لگے تھے اور اِس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ملکہ ملبکا اپنے خونی وحشی قبائل کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ وہ شہر کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اِدھر شہزادے کو بھی اُس کے جاسوس ایک ایک پل کی خبر دے رہے تھے۔ اگرچہ شہزادے نے دشمن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے پُورا بندوبست کر رکھا تھا۔ مگر پھر بھی جب اُسے جاسوس آ کر اطلاع دیتے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد بے پناہ ہے تو وہ ذرا سا گھبرا جاتا۔

آخر ملکہ ملبکا کا خونخوار لشکر پہنچ گیا۔

موہنجو داڑو کے قلعے کی فصیل پر کھڑے سپاہیوں نے دور سے گرد اڑتی دیکھی۔ یہ گرد دیر تک اڑتی رہی۔ پھر انہیں ہُن قوم کے گائے کی ہڈیوں اور بجرے کے سینگوں والے خاص جھنڈے نظر آئے اور جنگی ڈھولوں کی آوازیں سنائی دیں۔ قلعے کے اندر ہر سپاہی چوکس ہو گیا تیر کمانوں پر چڑھا لیے گئے۔ نیزے ہاتھوں میں تھام لیے گئے۔ دشمن نے شہر کی فصیل کے باہر میدان میں خیمے گاڑ دیے۔ کھڑی فصلیں پہلے ہی کاٹی جا چکی تھیں جو رہ گئی تھیں انہیں جلا دیا گیا تھا۔ دشمن کے سپاہیوں نے بچے کچھے کھیتوں اور کسانوں کے گھروں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ جو بوڑھے اور معذور قلعے میں پناہ نہیں لے سکے تھے۔ انہیں قتل کرکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قلعے کی طرف اُچھال دیا گیا ۔

دس بارہ وحشی ہُن گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دوڑتے ہوئے قلعے کی دیوار کی طرف آئے اور انہوں نے بلند آواز میں کہا :

" ملکہ کا حکم ہے کہ اپنے بادشاہ سے کہو شہر کے دروازے ہم پر کھول دے ۔ نہیں تو ہم شہر میں داخل ہو کر موہنجو داڑو کے کسی بچے، کسی عورت، کسی جوان، کسی بوڑھے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے "

فصیل کے اُوپر سے کپتان نے جواب دیا :

" بادشاہ کے حکم سے اپنی ملکہ کو کہو کہ شہر کے دروازے اُن پر ہمیشہ کے لیے بند کر دیے گئے ہیں ۔ اگر ہمت ہے تو ان کے سر ٹکرا کر دیکھ لیں ۔ اُن کے سر توڑ دیے جائیں گے "

ہُن گھوڑ سواروں نے وحشیوں کی طرح ایک لمبی جنگی چیخ ماری اور کمان میں سے تیر فصیل کی طرف چھوڑ دیے ۔ اُن کے نشانے اس غضب کے تھے کہ دس کے دس تیروں نے دس کے دس سپاہی نیچے گرا دیے ۔ وہ واپس بھاگ رہے تھے کہ قلعے کی طرف سے بھی تیروں کی بوچھاڑ اُن پر آئی مگر وہ بہت دُور نکل چکے تھے ۔

بادشاہ کو اپنے دس سپاہیوں کے ہلاک کر دیے جانے کا بہت دُکھ ہوا ۔ اُس نے فوراً عنبر کو طلب کر لیا اور اُس سے کہا ۔

" عمبکا کے وحشیوں نے میرے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے ۔ اس سے ہمارے لشکر میں بد دلی پھیل سکتی ہے ۔ میں چاہتا ہُوں کہ خواہ کچھ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے سپاہیوں کا اعتماد بحال کیا جائے ۔"

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا :

" اس کا ایک ہی طریقہ ہے بادشاہ سلامت کہ ایک چھاپہ مار دستہ تیار کیا جائے ۔ جو رات کو شہر کے خفیہ راستے سے نکل کر دشمن کے کیمپ میں جائے اور ان کے زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے آئے ۔ یہ سر شہر کی فصیل کے باہر لٹکا دیئے جائیں ۔ صرف اِسی ایک صورت سے اپنی فوج کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے ۔"

بادشاہ بڑا خوش ہوا ۔ اُسے یہ ترکیب پسند آئی ۔ اس نے کہا ۔

" میں چاہتا ہوں کہ اِس منصوبے پر فوراً عمل کیا جائے اور تم آج ہی رات اپنی قیادت میں چھاپہ مار دستہ لے کر دشمن پر شب خون مارو ۔"

عنبر اس کے لیے تیار تو نہیں تھا لیکن شہزادے کی خواہش کے آگے وہ انکار نہ کر سکا ۔ اس نے کہا :

" ایسا ہی ہوگا بادشاہ سلامت ، کل فصیل کی دیوار کے ساتھ دشمن سپاہیوں کے سر لٹکتے نظر آئیں گے ۔"

عنبر نے فوراً چُنے ہُوئے طاقت ور اور بہادر سپاہیوں کا ایک دستہ ترتیب دیا ۔ انہیں خاص خاص ہدایات دیں اور سیاہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے کر آدھی رات کو قلعے کے ایک خفیہ راستے سے باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکل گیا۔ دشمن کے خیمے فصیل سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چھپتے چھپاتے رینگ رینگ کر آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک لمبا چکر کاٹ کر دشمن کے عقب میں پہنچ گئے۔ یہاں دشمن کے خیموں کا ایک حصہ شروع ہوتا تھا۔ ایک خیمے کے باہر آگ جل کر بجھ گئی تھی اور اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے سپاہیوں کو اپنے پیچھے رینگنے کو کہا۔ وہ رینگ رینگ کر چلتا ہوا خیمے کے پاس آ گیا۔ اس نے درز میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ اندر دس بارہ سپاہی بے خبر ہو کر سو رہے تھے۔ عنبر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہی آہستہ سے اٹھ کر خیمے کے اندر داخل ہو گئے۔ ہر سپاہی ایک ایک دشمن کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے پلک جھپکنے کے اندر اندر سارے سپاہیوں کے سر کاٹ کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے۔ سر اس قدر تیزی سے کاٹے گئے تھے کہ اُن میں سے کسی کی آواز تک نہ نکل سکی تھی۔

وُہ بڑی تیزی سے خیمے سے باہر نکلے اور رینگتے ہُوئے واپس قلعے کی فصیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ دشمن کو ان کی خبر نہیں ہُوئی تھی؛ ورنہ وہیں اُن کی تکا بوٹی کر دی جاتی۔ اُسی طرح ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ دشمن کے خیموں سے کافی دُور نکل آئے۔ اب شہر کی فصیل اُن کے سامنے تھی۔ اُنھوں نے اپنے فصیل پر کھڑے پہرہ داروں کو خاص اشارہ کیا جس سے وہ سمجھ گئے کہ اپنے سپاہی آ رہے

ہیں۔ وہ بڑے آرام سے خفیہ راستے سے داخل ہو کر قلعے کے اندر آ گئے۔ صبح کو ہُن وحشیوں کے کٹے ہوئے سر فصیل کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔

ملکہ ٹمبکا کو اس دلیرانہ واقعے کی اطلاع ملی تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گئی۔ اُسے کبھی خیال نہ تھا کہ دشمن رات کو اُن کے عقب میں آ کر اُس کے سپاہیوں کے سر کاٹ کر لے جائے گا۔ ملکہ نے جوش میں آ کر اُسی وقت حکم دے دیا کہ شہر پر حملہ کر دیا جائے۔ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔ اس لیے کہ ٹمبکا کی فوج کا سپہ سالار ابھی کچھ روز محاصرہ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ فصیل بڑی مضبوط ہے اور اُسے آسانی سے توڑا نہیں جا سکتا۔ جب کہ اُن کے پاس فصیل توڑنے والی توپیں بھی نہیں تھیں۔ مگر وہ ملکہ کے حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ وہ ملکہ کے آگے بے بس تھا۔ اس لیے کہ ملکہ کو پوری قوم، پوری فوج کا اعتماد حاصل تھا۔

سپہ سالار نے دبی زبان میں ملکہ سے کہا کہ ایک دم حملہ کرنے میں خطرہ ہے کہ ہمارے سپاہیوں کا زیادہ نقصان ہو مگر ٹمبکا اُس پر برس پڑی اور اُسے بزدل اور کمزور سپہ سالار کے طعنے دینے لگی۔ سپہ سالار مجبور ہو گیا؛ چنانچہ اُس نے شہر پر حملے کا حکم دے دیا۔ فوج آگے بڑھنے لگی۔ فصیل کے اُوپر سے بھی سپاہیوں نے ہُن وحشیوں کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ کھائی کے قریب آئے تو اُنہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُوپر سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ لڑائی شروع کردی۔ ہُن یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وُہ کھائی عبور کرکے فصیل کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن کھائی میں پانی بھرا تھا۔ کھائی گہری تھی اور پھر پانی میں انسانی خون کے پیاسے مگرمچھ تیر رہے تھے۔

سپہ سالار کے حکم سے فوراً لکڑی کا ایک پُل تیار کر دیا گیا۔ ہُن وحشی اس پُل پر سے گزر کر فصیل کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ اوپر سے اُن پر تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے سینکڑوں وحشی خاک اور خون میں تڑپنے لگے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ایک بہادر اور غیور قوم کے سپاہی تھے۔ آگے بڑھ کر وہ پیچھے ہٹنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا دی۔ اور اُوپر چڑھنے لگے۔ اُوپر سے سپاہیوں نے کھولتا ہُوا تیل اُن پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ لاشیں جل بھُن کر سیڑھیوں پر سے نیچے گرنے لگیں۔ شام تک ہُن قوم کے ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ لیکن ایک بھی سپاہی شہر کی فصیل کے اُوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اندھیرا پھیلتے ہی فوراً واپس خیموں میں آگئی۔

ملکہ کھبکا کو نقصان کا پتہ چلا تو وہ غضب ناک ہو کر سپہ سالار پر برس پڑی کہ اگر شہر کے دروازے پر حملہ کیا جاتا تو اتنی فوج کبھی ہلاک نہ ہوتی۔ دوسرے روز شہر کے دروازے پر حملہ کر دیا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گر دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس کا توڑنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ یہاں بھی بے شمار دشمن مارے گئے اور باقی پسپا ہو گئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ حملہ روک دیا جائے اور محاصرہ جاری رکھا جائے۔

عنبر اور شہزادہ بہت خوش ہوئے۔ دو دن میں دشمن کو پے در پے شکستیں ہوئی تھیں اور ان کی فوج کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ عنبر نے شہزادے سے کہا:

"دشمن اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ مگر وہ اب کسی اور انداز سے حملہ کرے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ بادشاہ سلامت کہ وہ ہمارے شہر کا خفیہ دروازہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ وہاں سے گزر کر شہر پر حملہ کیا جا سکے۔"

"ہم نے شہر میں داخل ہونے والے تمام خفیہ دروازے بند کروا کر ان کے اندر کی جانب مسلح پہرہ بٹھا دیا۔ ہمیں اُن کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔"

"وہ تو آپ نے بجا فرمایا بادشاہ سلامت، پھر بھی ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوسرے اُس کے پاس بڑے بڑے ذہین اور ایسے سپاہی موجود ہیں جو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی خفیہ راستے تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں بادشاہ سلامت، لیکن ہمیں پہریداروں کی تعداد بڑھا دینی چاہیے۔"

"میں اس کا حکم دیتا ہوں۔"

اِدھر یہ انتظامات ہو رہے تھے اور اُدھر وحشی ہُن بڑی تیزی سے اس منصوبے پر غور کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ ملکہ ٹمیکا۔ نے پیش کیا تھا اور اُس پر غور کرنے کے لیے فوج کے سارے ہی سپہ سالار اُس کے خیمے میں موجود تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ میدان میں سے ایک سُرنگ کھودی جائے جو شہر کی فصیل کے اندر تک چلی جائے۔ ٹمیکا کا خیال تھا کہ اگر ہماری فوج رات کو اس سُرنگ پر کام کرے تو چھ ماہ کے اندر اندر یہ سُرنگ میدانِ جنگ سے لے کر شہر کے اندر تک کھودی جا سکتی ہے۔ سپہ سالار نے کہا۔

"منصوبہ بڑا اچھا ہے ملکہ سلامت، لیکن اگر کسی روز بھی دشمن کو شک پڑ گیا کہ ہم سُرنگ کھود رہے ہیں تو ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا ہے۔"

"ہمیں اس سلسلے میں پوری رازداری سے کام لینا ہوگا۔ یہ سُرنگ رات کو کھودی جایا کرے گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی جائے گی۔"

"مگر ملکہ سلامت، دشمن کے جاسوس بھی ہمارے ہاں ضرور چکر لگاتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِس کے لیے میں کہہ چکی ہُوں کہ مکمل رازداری سے کام لیا جائے گا۔ سُرنگ کھودنے والے سپاہیوں کو سب سے الگ رکھا جائے گا اور اُن کے خیموں کے ارد گرد کسی کو پھٹکنے نہیں دیا جائے گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ سُرنگ پر آج رات سے ہی کام شروع کر دینا چاہیے۔ یہاں کی زمین کچی ہے۔ ہمیں سُرنگ کھودنے میں آسانی ہوگی۔"

چنانچہ اُسی رات نقشے تیار کرنے کے بعد سُرنگ کھودنی شروع کر دی۔ ہن وحشیوں کو سُرنگیں کھودنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے کہ صحرائے گوبی کی گرمی سے بچنے کے لیے وہ اکثر اپنے گھروں کے اندر سُرنگیں کھود لیا کرتے تھے۔ یہ کام اُنھوں نے اتنی محنت اور مہارت سے کیا کہ دس بارہ روز کے اندر اندر اُنھوں نے کافی لمبی سُرنگ کھود لی۔ رات کو سُرنگ کھودنے کا کام شروع ہو کر پَو پھٹنے تک جاری رہتا۔ صبح کو یہ کام بند کر دیا جاتا۔ کھُدی ہُوئی مٹی خیموں کے پیچھے لا کر بچھا دی جاتی۔ اسی طرح تین مہینے گزر گئے۔

سُرنگ آدھی سے زیادہ کھودی جا چُکی تھی اور سُرنگ کھودنے والے کھائی کے قریب پُہنچ گئے تھے۔ کھائی پر جا کر انہیں سُرنگ کو کافی گہرا بنانا تھا تاکہ اندر پانی نہ آ جائے۔ یہ کام بھی اُن لوگوں نے کمال ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ کر لیا۔ اُدھر موہنجو داڑو کے شہزادے اور عنبر کو کچھ علم نہیں تھا کہ دشمن اُن کے نیچے نیچے سے ہوتا آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمن نے محاصرہ کر رکھا ہے اور وہ اس روز کا انتظار کر رہا ہے جب موہنجو داڑو کے لوگ محاصرے سے تنگ آ کر شہر کے دروازے کھول دیں گے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فصیل ٹوٹ گئی

شہر کے محاصرے کو چھٹا مہینہ جا رہا تھا۔

موہنجو داڑو کے شہر میں معمول کے مطابق کام کاج ہو رہا تھا۔ فصیل کے اُوپر سپاہی صبح شام چوکس کھڑے رہتے۔ سامنے میدان میں عمبکا کے وحشی ہُن قبائل خیمے ڈالے پڑے تھے۔ بظاہر ہر شے اپنے مقام پر، اپنی جگہ پر تھی۔ بادشاہ کو یہ خیال تھا کہ دشمن صرف محاصرہ کر کے آرام سے بیٹھا ہُوا ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ دشمن نے سرنگ کھود لی تھی اور آج رات اس کی فوج نے موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہو کر عام حملہ کر دینا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے۔ بادشاہ کی خواب گاہ میں شمعیں روشن ہو گئیں۔ عُود و لوبان سُلگا دیے گئے۔ بادشاہ عنبر کے ساتھ مل کر غور کرنے لگا کہ محاصرہ اتنا لمبا کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں ہُن کوئی سازش تو نہیں کر رہے؟ مگر اُنہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ کہیں کوئی سازش نہیں ہو رہی۔ ہر شے اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھاک ہے۔ عمبکا صرف محاصرہ کر کے انہیں تھکا دینا چاہتی ہے۔ عنبر کی تجویز کے مطابق عمبکا کے سپہ سالار کو ساتھ ملانے کی ابھی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی کہ بادشاہ کے خاص جاسوس پہلے روز کے معرکے میں مارے گئے تھے۔ اب بادشاہ کا خیال تھا کہ عنبر کو اس مہم پر بھیجے۔

"مجھے تم پر بھروسہ ہے عنبر، اور پھر تم ایک عقلمند نوجوان ہو تم بات کو بڑے خاص انداز سے کرو گے اور مجھے یقین ہے کہ تم عیا کے سپہ سالار کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو جاؤ گے"

"میں آج رات ہی محل سے نکل کر دشمن کے خیموں کی طرف جاتا ہوں اور سپہ سالار سے بات کر کے اُسے پورا لالچ دینے کی کوشش کرتا ہوں"

دشمن رات کے پچھلے پہر سُرنگ کے ذریعے داخل ہو کر حملہ کر چاہتا تھا۔ اُس وقت جب کہ موہنجو داڑو کا شہر خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہو۔ عنبر شروع رات ہی میں ایک عام چرواہے بھیس بدل کر شہر کے خفیہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

عنبر کو جاسوسوں نے پہلے ہی سے بتا دیا تھا کہ سپہ سالار کا خیمہ کس طرف ہے۔ یہ خیمہ میدانِ جنگ کے مغربی جانب تھا۔ عنبر رات کے اندھیرے میں اونچے نیچے مٹی کے تودوں اور جھاڑیوں کا چکر کاٹ کر میدانِ جنگ کی اُس جانب آ گیا جہاں اس نے مخصوص نشانی سے سپہ سالار کا خیمہ پہچان لیا۔ وہ چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا تھا۔ خیمے کے اندر مشعل کی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ خیمے کے قریب پہنچ کر اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ ابھی وہ اُن آوازوں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک سات آٹھ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر اپنی گرفت میں لے لیا اور اُسے جکڑ کر بولے :

"کون ہو تم ؟"

"ارے یہ تو دُشمن کا آدمی ہے"

"یقیناً یہ جاسوس ہے"

"اِسے قتل کر دو"

"نہیں اِسے ملکہ کے پاس لے چلو اور انعام حاصل کرو"

عنبر سمجھ گیا کہ وہ گنواروں میں پھنس گیا ہے۔ وہ اُسے مار تو سکتے نہیں تھے مگر ملکہ کے سامنے پیش کر کے اُس کے سارے منصوبے پر پانی ضرور پھیر سکتے تھے اور یہی ہُوا۔ ملکہ کا خیمہ وہی تھا جسے عنبر سپہ سالار کا خیمہ سمجھ رہا تھا۔ سپاہی اُسے لے کر خیمے کے اندر آ گئے وہاں ملکہ مُبکا اپنے بڑے وزیر خاص کے ساتھ جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔

"ملکہ عالیہ! یہ شخص دشمن کا جاسوس ہے۔ یہ خیمے کے باہر گھوم رہا تھا"

ملکہ نے مشعل کی روشنی میں عنبر کو غور سے دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور طنزاً ہنس کر کہا :

"تو تم ہمارے ملک میں جڑی بوٹیوں کی تجارت نہیں بلکہ جاسوسی کرنے آئے تھے۔ تم موہنجو داڑو کے بادشاہ کے جاسوس تھے ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا :

"اگر میں کہوں کہ یہ ٹھیک ہے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟

ملکہ نے گرج کر کہا :

"میں تمہیں کولہو میں ڈال کر پلوا دوں گی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"تم پھر بھی، مجھے ہلاک نہ کر سکو گی۔ اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا
ہاں تمہیں ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اس شہر کا اگر تم ایک
ہزار برس تک بھی محاصرہ کیے رکھو تو کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس
لیے بہتر یہی ہے کہ جتنے سپاہی تم مروا چکی ہو اُس پر ہی صبر کر
اور لشکر لے کر یہاں سے واپس چلی جاؤ۔"

"بکواس بند کرو۔" ملکہ نے چیخ کر کہا۔ "میں اس شہر کی اینٹ
سے اینٹ بجا دوں گی۔ میری فوج کا ایک ایک سپاہی تمہارے ایک
ایک سپاہی کے خون کا پیاسا ہے۔ میں اپنے تمام سپاہیوں کا بد
لوں گی۔ میں اس شہر کو فتح کر کے وہاں کسی انسان کو زندہ نہ چھوڑ
گی۔"

"تم ایسا نہ کر سکو گی۔"

ملکہ نے کہا :

"اب جب، کہ تم ہماری قید میں ہو تو تمہیں بتانے میں ہرج نہ
سنو، میری فوج نے جہاں تم کھڑے ہو وہاں سے لے کر تمہارے مو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شہر کے اندر تک سرنگ کھود لی ہے اور آج آدھی رات کے بعد ہم تمہارے شہر میں داخل ہو جائیں گے ۔ میری فوج سرنگ کے اندر جمع ہو رہی ہے ۔ بولو' اب کیا کہتے ہو تم ؟"

عنبر نے یہ سنا تو حیرت میں ڈوب کر رہ گیا ۔ اگر ملکہ ٹھیک کہہ رہی تھی تو موہنجو داڑو کا بادشاہ بازی ہار گیا تھا ۔ کیونکہ اگر ملکہ کا ٹڈی دل شہر کے اندر داخل ہو گیا تو وہ یقیناً شہر پر قبضہ کر لے گا ۔ عنبر کو صدمہ ہوا کہ اس بارے میں انہوں نے کبھی نہ غور کیا کہ ہن قوم کے وحشی تو سرنگ کھودنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے ۔

ملکہ نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے سپاہیوں سے کہا :

"اسے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو ۔"

سپاہی آگے بڑھے ۔ انہوں نے عنبر کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں اور اپنے ساتھ لے کر خیمے سے باہر چلے گئے ۔ ملکہ ٹمبا نے وزیر سے کہا :

"ایک پہر رات ڈھلنے کے بعد ہمیں شہر میں داخل ہو جانا چاہیے ۔ میں اس سے زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتی ۔"

"ملکہ عالیہ' ایک پہر تو ہمیں بہرحال انتظار کرنا ہوگا ۔ ہم نے اپنے لشکر کو یہی وقت دیا ہے اور سپہ سالار اس وقت شہر میں داخل ہونے والے پہلے دستے کی نگرانی کر رہا ہے ۔"

"ٹھیک ہے ۔ شہر کا دروازہ کھلتے ہی ہم اپنے باقی ماندہ لشکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ موہنجو داڑو میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے ۔"

اور ملکہ دیر تک قہقہے لگا کر ہنستی رہی ۔

چار میل لمبی اور کشادہ سرنگ میں ہُن وحشیوں کا ایک دستہ داخل ہو چکا تھا ۔ باقی دستے اُس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے ۔ یہ ساری جنگی کارروائی رات کے اندھیرے میں اس قدر خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہو رہی تھی کہ شہر کی فصیل کے اوپر کھڑے پہریداروں کو بالکل احساس تک نہیں ہو رہا تھا ۔ بے شمار فوج سرنگ میں پہنچ کر رُک گئی ۔ اُن سب کے پاس تلواریں نیزے اور تیر کمان تھے ۔ وہ سب کے سب موہنجو داڑو کے سپاہیوں اور لوگوں سے وحشیوں کی طرح اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کا انتقام لینے پر تُلے ہوئے تھے ۔ سپہ سالار اُن کی قیادت کر رہا تھا ۔ عنبر نے اُس سے ملاقات کرنے میں دیر کر دی تھی ۔ اگر وہ آج کی بجائے ایک روز پہلے اس سے ملاقات کر لیتا تو شاید حالات کا رُخ بدل جاتا ۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور کمبکا کی وحشی فوج موہنجو داڑو کے شہر کے نیچے پُہنچ چکی تھی ۔

دشمن کے سپاہیوں کا جو دستہ آگے تھا ۔ انہوں نے زمین کو کھود کر غار کے اوپر ایک دروازہ بنا دیا ۔ سپہ سالار سب سے پہلے باہر نکلا ۔ اُس نے آدھا دھڑ غار کے باہر نکال کر دیکھا کہ موہنجو داڑو کا شہر گہری نیند سو رہا تھا ۔ اس نے سپاہیوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کر دیا ۔ دیکھتے دیکھتے سپاہی شہر کے اندر داخل ہو گئے ۔ انہوں نے مکانوں کی دیوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ساتھ ہو کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ انہوں نے ایک سپاہی کو پہرہ دیتے دیکھا۔ اُسے فوراً مار دیا گیا۔

دشمن چاروں طرف شہر کی فصیل اور دروازوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر انہوں نے وحشیوں کی طرح حلق سے چیخیں نکالیں اور عام حملہ کر دیا۔ موہنجوداڑو کی فوج کے سپاہی دنگ رہ گئے کہ یہ بلا کہاں سے نازل ہو گئی۔ انہوں نے سارا بندوبست باہر سے دشمن سے مقابلے کے لیے کر رکھا تھا۔ مگر دشمن اندر سے حملہ آور ہو گیا تھا۔ وہ بوکھلا گئے۔ کسی ایک نے کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤں کو اس طرح انڈیلا کر خود اُن کے اپنے سپاہی جل بھن کر راکھ ہو گئے۔ بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شہزادے کو شاہی محل میں اطلاع ملی تو وہ گھبرایا ہوا محل کی دیوار پر چڑھ کر شہر میں دیکھنے لگا۔ ہر طرف کہرام مچا تھا۔ جن وحشی سُرنگ کے ذریعے دھڑا دھڑ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ بادشاہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

ثمائیں نے یہ منظر دیکھا تو بھاگی بھاگی شاہی محل میں بادشاہ کے پاس پہنچی اور پوچھا کہ عنبر کہاں ہے؟ بادشاہ نے اُسے بتایا کہ وہ سپہ سالار سے بات کرنے شہر سے باہر دشمن کے کیمپ میں گیا ہوا ہے۔ ثمائیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے بادشاہ سے کہا۔

"اے بادشاہ! اس وقت اگر کوئی تمہیں بچا سکتا تھا تو وہ عنبر تھا۔ مگر اُس کو تو تم نے خود شہر سے باہر بھیج دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

بادشاہ نے پریشانی کے عالم میں کہا :

"سقائیس اگر تم کچھ کر سکتی ہو تو میں تمہارا احسان کبھی فراموش نہ کروں گا۔ کیا تم کسی طرح عنبر کو بلا سکتی ہو ؟"

"یہ کیسے ممکن ہے بادشاہ سلامت، مگر میرا خیال ہے کہ اگر وہ دشمن کی قید میں ہے تو اسے ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمن وحشی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔"

"آہ، وہ بے چارہ اکیلا انسان کیا کر سکتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے بادشاہ، میں نے اس اکیلے انسان کو ہزاروں کی فوج کے ساتھ مقابلہ کر کے فتح حاصل کرتے دیکھا ہے۔ اگر اس نے آپ کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر شکست فتح میں بدل سکتی ہے۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں ؟"

"آپ محل کے سارے دروازے بند کروا دیں۔ دشمن ضرور اس طرف بھی آ رہا ہوگا۔ دروازوں کو فوراً بند کروا دیں۔ میں کوشش کرتی ہوں، کہ عنبر کو یاد کر کے اس کے خیال پر اثر ڈالوں۔"

بادشاہ نے حکم دے دیا کہ محل کے سارے لوہے کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ دروازے اسی وقت بند کر دیے گئے اور محل کی دیواروں پر سپاہی تیر کمان لے کر چڑھ گئے۔ سقائیس نے کمرے کے درمیان میں چوکی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور رب عظیم سے دعا مانگنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر عنبر کو پتہ چل گیا کہ کبلا کی فوج موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہوگئی ہے اور وہاں بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ وحشی ہُن اچانک داخل ہوئے تھے اس لیے یقینی بات تھی کہ اُن کا پلہ بھاری ہو۔ تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے بھی اندر سے کھلنے والے تھے جہاں سے کبلا نے اپنی فوج کے ساتھ شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونا تھا۔ عنبر کو سب سے زیادہ خیال تھائیس کا تھا جو شاہی مہمان خانے میں تھی۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہُن وحشی جب قتل عام شروع کریں گے تو کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ تھائیس کو بھی ضرور قتل کر دیں گے۔ اُس کے دل میں تھائیس کو وحشی سپاہیوں کے بچانے کا جذبہ بڑی شدت سے بیدار ہوگیا۔

اُس نے آنکھیں بند کر کے، دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے دیوی عطیس کو آواز دی۔ ایک فلک شگاف قہقہے کے ساتھ جس کی آواز صرف وہی سُن سکتا تھا، دیوی اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ اُس نے کہا:

"میں جانتی ہوں تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے۔ اگر تھائیس کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں بھی اِدھر کا رُخ نہ کرتی۔ لیکن وہ ایک بے گناہ لڑکی ہے۔ اُس نے مَردوں کے ہاتھوں بڑے ظلم اُٹھائے ہیں۔ میں اُس کی ضرور مدد کروں گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں دیوی کہ تھائیس کو ظالم وحشیوں سے بچایا جائے مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سارے کے سارے وحشی

ہُن قوم کو موہنجو داڑو سے باہر نکال دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک بھی دشمن کا سپاہی وہاں رہا تو تمھاری زندگی خطرے میں ہوگی اور پھر اُن لاکھوں بے گناہ عورتوں اور بچوں کی بھی جو موہنجو داڑو میں آرام سے رہ رہے ہیں اور جنہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا:

”سُنو عنبر! مَیں تمہیں اُس وقت تک کے لیے ایک طاقت عطا کرتی ہوں جب تک کہ موہنجو داڑو سے ہُن دشمنوں کا صفایا نہیں ہو جاتا۔ تم دشمنوں کو شہر سے نکالنے یا انہیں ہلاک کرنے کے لیے جو چاہو گے وُہی ہوگا۔ یہ لو میری انگوٹھی۔ اسے پہن لو۔ اب تم جس چیز کی خواہش کرو گے، وہ پُوری ہو جائے گی۔“

انگوٹھی عنبر کے حوالے کر کے دیوی غائب ہوگئی۔ عنبر نے انگوٹھی پہن لی۔ ابھی وُہ چوکی سے اُٹھا بھی نہیں تھا کہ چار سپاہی اندر داخل ہوئے اور اُسے گھسیٹتے ہوئے ملکہ کبکا کے خیمے میں لے گئے۔ کبکا نے قہقہ لگایا اور کہا:

”اے کمینے جاسوس، اپنی جاسوسی اور ہُن قوم کے ساتھ غدّاری کا انجام دیکھ لے۔ ہماری آدھی سے زیادہ فوج اس وقت تمہارے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کر رہی ہے اور شہر کے دروازے ہم پر بھی کھلنے والے ہیں۔ بول، اب تُو کیا کہتا ہے؟“

عنبر نے کہا:

”تمہاری موت قریب آرہی ہے کبکا، اگر تو موت سے بچنا چاہتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تو اسی وقت اِس جگہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صحرائے گوبی کی طرف فرار ہو جا۔"

"اس کی گردن اُتار دو۔" ملکہ نے جوش میں آ کر کہا:

ایک سپاہی نے تلوار کھینچ کر پوری طاقت سے ماری۔ مگر خود منہ کے بل گر پڑا اور تڑپ کر مر گیا۔ دوسرا آگے بڑھا۔ اُس کا بھی یہی حشر ہوا۔ ملکہ نے تیسرے کو آگے بڑھ کر عنبر کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا سپاہی ابھی ایک قدم بھی نہ اُٹھا سکا تھا کہ وہیں منہ کے بل گر کر تڑپنے لگا۔ ملکہ عمبکا بوکھلا گئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے اپنے وزیر کو تیر کمان دے کر کہا:

"اِس کا جسم تیروں سے چھلنی کر دو۔"

وزیرِ خاص نے کمان پر ایک ساتھ چھ تیر چڑھائے اور جب کھینچ کر مارے تو سارے کے سارے تیر بجائے عنبر کی طرف آنے کے اُس کے اپنے جسم کے پار ہو گئے۔ وہ لہو لہان ہو کر زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر نے ہنس کر کہا:

"عمبکا! تیری موت تمہارے سر پر کھیل رہی ہے۔ تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں۔ تو نے لوگوں کے ساتھ بڑے ظلم کیے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تجھ سے گِن گِن کر بدلے لیے جائیں گے۔"

عمبکا کچھ ڈر گئی تھی۔ مگر اُس نے ظاہر نہ ہونے دیا اور چیخ کر وحشیوں کی طرح بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں موہنجوداڑو کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔ میرے لشکر کے سپاہی اس وقت قلعے پر قبضہ جما چکے ہوں گے۔ تمہاری یہ جادوگری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکلی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی فصیل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس وقت میدانِ جنگ میں دن کی روشنی پھیل چکی تھی اور دشمن وحشیوں نے شہر کا بڑا دروازہ کھول دیا تھا جس میں سے ٹلبکا کی فوج اندر داخل ہو رہی تھی۔

عنبر خیمے سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کے کھلے دروازے کی طرف گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے لے گیا۔ اس نے انگوٹھی والا ہاتھ دروازے کی طرف کیا۔ اچانک کھلا دروازہ بڑی طاقت کے ساتھ اپنے آپ بند ہونا شروع ہو گیا اور سینکڑوں سپاہی اس کے نیچے آکر کچلے گئے۔ دروازہ بڑی مضبوطی سے بند ہو چکا تھا اور ٹلبکا اس کے باہر کھڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ عنبر گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے پاس آیا اور بولا:

"تمہارا زوال شروع ہو گیا ہے ٹلبکا۔ دروازہ اب تم پر کبھی نہیں کھلے گا۔ تمہاری اندر کی فوج اندر ہی تباہ کر دی جائے گی اور تمہیں اس فصیل کے نیچے بھسم کر دیا جائے گا۔"

عنبر نے انگوٹھی والا ہاتھ ٹلبکا کے لشکر کی طرف کیا۔ ایک دم سے بجلی سی چمکی اور آن کی آن میں سامنے کے سارے گھوڑے جن پر سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی دم توڑ گئے۔ ایک دم ہزاروں گھوڑے مر گئے تھے۔ سپاہی زمین پر گر پڑے۔ عمبکا دانت پیس کر رہ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سپاہی نیزے لے کر عنبر پر حملہ آور ہوئے۔ جو سپاہی نیزہ لے کر عنبر کی طرف بڑھتا اپنے ہی نیزے سے ہلاک ہو کر تڑپنے لگتا۔ عنبر نے عمبکا کو زمین پر سے اُٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈال دیا۔ وہ تڑپ کر اُچھلی مگر اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے اُسے کسی نے پتھر کر دیا ہے۔ ہُن قوم کے وحشیوں نے اپنی ملکہ کو بے بسی کے عالم میں دشمن کی قید میں دیکھا تو ایک دم عنبر کی طرف یلغار کر کے بڑھے۔ آسمان پر بجلی ایک بار پھر کڑکی اور ایک شعلے نے لپک کر اُن سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

عنبر نے عمبکا کو قید کر لیا تھا۔ وہ شہر کے دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کے اندر ہر طرف ایک کہرام بپا تھا۔ عمبکا کی فوج نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور اب شاہی محل کا دروازہ توڑ رہے تھے۔ عمبکا نے چیخ مار کر اپنے سپاہیوں کو کچھ کہنا چاہا! مگر آواز اُس کے حلق کے اندر ہی بند ہو کر رہ گئی۔ عنبر نے انگوٹھی کو آسمان کی طرف کیا۔ بجلی کی کڑک نمودار ہوئی۔ اس کے شور سے سارا شہر گونج اُٹھا۔ مکانوں کے در و دیوار ہل گئے۔ اس کے ساتھ ہی عمبکا کے لشکر کا ایک ایک سپاہی جہاں تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ سارے کے سارے سپاہیوں کے ہاتھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تلواریں، نیزے اور تیر کمان گر پڑے اور وہ پتھر کا بُت بن گئے۔

تھائیس نے بجلی کی کڑک سے سمجھ لیا تھا کہ عنبر آ گیا ہے۔ بادشاہ شاہی محل کے ایک خاص جھروکے میں چھپا کھڑا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ ایک ہی پل میں سارے کے سارے سپاہی پتھر کا بُت کس طرح بن گئے۔ عنبر گھوڑے پر عمبکا کو لیے شاہی محل کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شاہی محل کے بڑے دروازے کی کھڑکی اپنے آپ کھل گئی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ بادشاہ اپنے سپہ سالار اور درباریوں کے ساتھ آگے بڑھ کر عنبر کے خیر مقدم کو آیا۔ عنبر نے سب سے پہلے پوچھا:

"میری بہن تھائیس کہاں ہے؟"

بادشاہ نے کہا:

"گھبرانے کی بات نہیں عنبر! تھائیس زندہ ہے اور محل کے حرم میں دوسری بیگمات کے ساتھ بڑے سکون سے بیٹھی ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم آ گئے ہو اور ہماری شکست فتح میں بدل گئی ہے۔"

عنبر بادشاہ اور درباریوں کے ساتھ شاہی محل کے حرم میں آ گیا اور وہاں تھائیس سے ملاقات کی۔ تھائیس کو زندہ سلامت دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اُس کی آمد سے پہلے پہلے اگر کوئی سپاہی محل میں داخل ہو کر اُسے ہلاک کر دیتا تو وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ بادشاہ بے حد حیران تھا کہ عنبر نے یہ کیا کمال کر دکھایا کہ دُشمن کے اُوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھے ہُوئے ہاتھ کو پتھر کر دیا۔ اُس نے عنبر سے پُوچھنے کی کوشش کی۔ مگر عنبر نے صرف اِتنا کہا:

”اے بادشاہ، یہ ربِّ عظیم کا تم پر فضل ہُوا ہے۔ اس لیے اب تم پر لازم ہے کہ رعایا کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہ کرو۔ ہر شخص کو اُس کا حق دو اور گناہوں سے توبہ کرو؛ ورنہ اِس شہر پر اگر اب کوئی تباہی آئی تو لوگ اُسے ہمیشہ مردوں کا شہر کہہ کر پکارا کریں گے۔“

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وُہ ہمیشہ ایک انصاف پسند اور نیک دل بادشاہ بن کر رعایا پر حکمرانی کرے گا۔ کبھی کسی غریب کے ساتھ ظلم نہیں ہونے دے گا۔ جو کوئی بھی ایسا کرے گا اُسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ عنبر نے کمبکا کو شاہی فوج کے حوالے کیا اور خود اپنی بہن تحائف لے کر اپنی حویلی کی طرف چل پڑا۔

زہر کا پیالہ

شاہی جادوگر کی موت کے بعد اُس کا شاگرد اندھوپ انتقام لینے کی فکر میں تھا۔

اندھوپ اصل میں تبت کا رہنے والا تھا۔ وہ چھوٹا سا تھا کہ اُس کے ماں باپ مر گئے۔ اُسے اُس کے چچا نے پالا جو تبت کے شاہی مندر میں پجاری تھا۔ اندھوپ جب بڑا ہُوا تو اُس نے تبت کے پجاریوں سے کالا علم اور جادو وغیرہ سیکھنا شروع کر دیا۔ چچا کے مَرنے کے بعد اندھوپ اکیلا رہ گیا۔ دُوسرے پجاریوں نے مندر پر قبضہ کر لیا اور اندھوپ کو نکال دیا۔ وہ تبت سے نکل کر گرتا پڑتا۔ سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا گندھارا سے ہوتا ہُوا موہنجو داڑو آ گیا۔ شہر ان دنوں بہت ترقی یافتہ تھا اور یہاں کے جادوگر مُلک مُلک میں مشہور تھے۔ اندھوپ یہاں کے شاہی جادوگر کا شاگرد ہو گیا۔ ابھی اُسے شاگردی کیے دُوسرا سال ہی جا رہا تھا کہ عنبر کے ساتھ اس کے اُستاد کا مقابلہ ہو گیا جس میں اندھوپ کا اُستاد مارا گیا۔

اندھوپ کو مَرتے وقت اُس کا اُستاد کہہ گیا تھا کہ عنبر سے جو کہ میرا دشمن ہے انتقام ضرور لینا۔ اُس وقت تو اندھوپ اپنے ایک ساتھی شاگرد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ مگر اُس کے دل میں انتقام کی آگ اُسی طرح بھڑک رہی تھی۔ دُوسرے شاگرد نے یہ کہہ کر قرطاجنہ کی راہ لی کہ وُہ وہاں جا کر قسمت آزمائی کرے گا۔ مگر اندھوپ نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک وُہ عنبر سے اپنے اُستاد کی موت کا بدلہ نہیں لے لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ بھیس بدل کر موہنجو داڑو میں واپس آ گیا تھا۔ ہُن قوم کے حملے کے وقت بھی وہ موہنجو داڑو میں ہی تھا اور شہر سے باہر والے ویران مندر میں چھپا ہُوا تھا۔ جب ملکہ عُبکا کو شکست ہو گئی تو وہ مندر سے باہر نکل آیا۔ اُسے معلوم ہُوا کہ شاہی جادوگر عنبر نے شاہی پُجاری کو بھی ہلاک کروا دیا ہے۔ اُس کے دل میں عنبر کے خلاف اور نفرت پیدا ہو گئی۔

اُس نے فقیر کا بھیس بدل لیا اور عنبر کی تلاش میں پھرنے لگا۔ عنبر شاہی محل میں زیادہ وقت گزارتا تھا اور اندھوپ ایک فقیر کے بھیس میں شاہی محل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے یہ پتہ کر لیا تھا کہ عنبر کے پاس اس کی بہن ستھائیں دوبارا واپس آگئی ہے اور دونوں بہن بھائی شاہی مہمان خانے سے اُٹھ کر اپنی پُرانی حویلی میں آ گئے ہیں۔

اندھوپ کے لیے اب آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ شاہی مہمان خانے کی نسبت حویلی میں وُہ زیادہ آسانی سے عنبر کے خلاف وُہ کوئی انتقامی کارروائی کر سکتا تھا۔ عنبر کو وُہ اِس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وُہ اُس سے بڑا جادوگر تھا۔ جس نے اُستاد کو اپنے جادو سے ہلاک کر دیا ہو وُہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاگرد کو کیا سمجھے گا بھلا ؟

یہی وجہ تھی کہ جب اندھوپ کو معلوم ہُوا کہ عنبر کی بہن تھائیس اس کے پاس حویلی میں واپس آگئی ہے تو وُہ بہت خوش ہُوا۔ عنبر سے انتقام لینے کا وقت آگیا تھا۔ وُہ تھائیس کو اغوا کر کے اپنے ساتھ واپس تبت لے جا کر عنبر سے اپنے اُستاد کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ تبت میں اب جس پجاری کا اثر رسُوخ تھا وُہ اندھوپ کے چچا کا دوست تھا۔ اُسے پُوری امید تھی کہ تھائیس کو وہاں لے جا کر وُہ بڑے پجاری سے مِل کر اُسے لوان ڈولوک کے بُتوں کے سامنے قربان کرا سکتا تھا۔ یہی اُس کا سارا منصوبہ تھا۔ وُہ ہر قیمت پر تھائیس کو اغوا کر کے تبت لے جا کر ہلاک کروا دینا چاہتا تھا۔ عنبر کس وقت گھر پر نہیں ہوتا اور تھائیس کس وقت گھر پر کس جگہ ہوتی ہے۔ اُسے یہ بالکل خبر نہیں تھی کہ عنبر تھائیس کو ہڑپہ اُس کے باپ کے پاس چھوڑنے کے بعد خود تبت کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر اُسے اِس کی خبر ہوتی تو وُہ ضرور تھائیس کے ہڑپہ پہنچنے کا انتظار کرتا۔ چونکہ اُس کا خیال تھا کہ تھائیس اب عنبر کے پاس موہنجو داڑو میں ہی رہے گی۔ اِس لیے اُس نے تیزی سے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وُہ کئی بار فقیر کے لباس میں خیرات کے لیے آواز لگاتا اُس گلی میں سے گزرا جہاں عنبر کی حویلی تھی اور جس میں تھائیس رہتی تھی۔ ایک بار اُس نے تھائیس کو حویلی کی کھڑکی میں بھی کھڑے گلی میں جھانکتے دیکھا۔ مگر تھائیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی میں اکیلی آنے سے عنبر نے بڑی سختی سے منع کر رکھا تھا —— اندھوپ نے فقیر کے بھیس میں جب بھی آواز لگائی تو تھائیس ہمیشہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر اُسے خیرات دیا کرتی۔ اندھوپ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح چھت سے اُتر کر ڈیوڑھی میں آ جائے، مگر تھائیس چھت سے کبھی نہیں اُتری تھی۔ ایک روز اندھوپ نے آواز لگائی تو تھائیس نے کھڑکی میں آ کر اُسے خیرات دی۔ اندھوپ نے اُوپر سے گرایا ہُوا سکّہ اپنی جھولی میں تھام لیا اور منہ اُوپر اُٹھا کر کہا:

”بیٹی، دیوتا تم پر بڑے مہربان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بڑے دُکھ سہے ہیں۔ تمہاری قسمت میں ابھی اور بھی دُکھ لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر تم مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ تو میں تمہاری قسمت کی لکیریں دیکھ کر تمہاری تقدیر کا سارا حال بتا دوں گا۔“

تھائیس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ وہ فقیر کو ہاتھ دِکھا کر قسمت کا حال معلوم کرے۔ ظاہر ہے اگر فقیر نے یہ بات صحیح بتا دی تھی کہ اُس نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں تو وہ اُس کے مستقبل کا حال بھی بتا سکتا تھا۔ مگر وہ نیچے آنے سے گھبراتی تھی۔ اُس نے اندھوپ کی بات ٹال دی اور کھڑکی بند کر دی۔ اندھوپ چلا گیا۔ اگلے روز آ کر اُس نے ایک بار پھر تھائیس کو دیکھ کر ہاتھ اُٹھا کر کہا:

”بیٹی، تم پر ایک زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ اگر تو فقیروں کو ہاتھ دکھا دے تو اُس کا پہلے سے علاج ہو سکتا ہے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس مصیبت کے نام سے ڈر گئی۔ اُس نے سوچا نیچے ڈیوڑھی میں بیٹھ کر فقیر کو ہاتھ دکھانے میں کیا ہرج ہے۔ اُس نے کہا:

"بابا، مَیں ڈیوڑھی میں آتی ہُوں۔"

چالاک اندھوپ بڑا خوش ہُوا۔ آخر تھائیس اُس کے جال میں آ گئی تھی۔ اُس نے ہر قسم کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اگر ضرورت تھی تو صرف اس بات کی کہ کسی طرح تھائیس اپنے مکان کے چوبارے سے اُتر کر ڈیوڑھی میں آ جائے۔ وُہ مکان کی ڈیوڑھی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں تھائیس چوبارے سے اُتر کر نیچے آئی اور اُس نے آہستہ سے دروازہ کھول کر ہاتھ باہر نکال دیا۔

"بابا، لو میری قسمت کا حال بتاؤ۔"

اندھوپ نے بڑی محبت سے کہا:

"بیٹی، یہ جگہ بھی کوئی ہاتھ دیکھنے کی جگہ ہے یہاں سے سب لوگ آ جا رہے ہیں۔ دروازہ ذرا سا کھول دو۔ مَیں ڈیوڑھی میں آ کر اطمینان سے تمہارا ہاتھ دیکھوں گا اور تمہیں تمہاری قسمت کا ذرا ذرا سا حال بتا دوں گا"

تھائیس آخر ایک ناسمجھ عورت تھی وُہ اس کے فریب میں آ گئی۔ اُس نے دروازے کا پَٹ ذرا سا کھول کر اندھوپ کو اندر بلا لیا۔ اندر آ کر مکار فقیر نے اپنے ارد گرد ہوشیاری سے دیکھا اور پُوچھا:

"بیٹی، کیا تم اِس گھر میں اکیلی رہتی ہو؟"

"نہیں بابا، میرا بھائی میرے ساتھ رہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر وہ تو مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتا"

"وہ شاہی محل گیا ہوا ہے۔ شام کو آئے گا"

اندھوپ سمجھ گیا کہ شام تک وہ اس گھر میں اکیلی ہے اور وہ بڑے اطمینان سے اُسے وہاں سے اٹھا کر کے لے جا سکتا ہے۔ تھائیس نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا:

"بابا، اب مجھے بتاؤ کہ وہ کون سی مصیبت ہے جس کا تم ذکر کر رہے تھے؟"

اندھوپ نے ہاتھ کی لکیروں کو یونہی دیکھتے ہوئے کہا:

"ایک بہت بڑی مصیبت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تم ایک بار اپنے کسی دشمن کی قید میں پڑ جاؤ گی۔ وہ تمہیں دور دراز کے سفر پر لے جائے گا۔ تم اس مچھلی کی طرح تڑپو گی جو پانی سے باہر آ گئی ہو۔ مگر تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکو گی"

تھائیس گھبرا گئی:

"پھر کیا ہوگا بابا؟"

"پھر تم پر ایک آفت آن پڑے گی۔ تم روتی رہو گی اور تمہارے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تم راتوں کو اٹھ اٹھ کر دیوتاؤں کو پکارو گی۔ مگر کوئی دیوتا تمہاری مدد کو نہیں آئے گا"

"بابا، تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔ کیا میرا انجام موت ہوگا؟"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے بچی، اگر تم نے اس کا علاج پہلے سے نہ کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا بھی ہو سکتا ہے ؟

" علاج کیا ہے بابا ؟"

" کیا تمہارے مکان میں کہیں چولہا ہے ؟"

" ہاں بابا، اُوپر والے کمرے میں ہے ۔"

" مجھے وہاں لے چلو، مَیں اُس چولہے کی راکھ پر منتر پڑھ کر اُسے پھونک مار کر تمہیں پانی میں گھول کر پلاؤں گا۔ اس کے پینے کے بعد تمہاری آفت ٹل جائے گی۔ تمہاری مُصیبت تم سے دُور ہو جائے گی۔ بس یہی ایک تمہاری مصیبتوں کا علاج ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اگلے برس تم کسی پردیسی ملک میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گی ۔"

تھائیس تو کانپ کر رہ گئی۔ بے چاری شروع کے دن ہی سے مصیبتیں سہہ کر آ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اب بھی وُہ کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہے۔ بابا ٹھیک کہہ رہا ہے! چنانچہ اُس نے اندھوپ سے کہا:

" میرے ساتھ اُوپر آ جاؤ بابا ۔"

مکار بڈھا تھائیس کے ساتھ حویلی کی درمیانی منزل میں آ گیا۔ راستے میں وہ ہر ایک شے کا جائزہ لیتا گیا کہ کون سی شے کہاں رکھی ہے۔ ایک چوبارے میں دیوار کے ساتھ چولہا بنا تھا۔ تھائیس نے وہاں سے تھوڑی سی راکھ لے کر مٹی کی رکابی میں رکھ کر بابا کو پیش کی۔ اندھوپ نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

" بیٹی بھاگ کر اندر سے پانی کا کٹورہ لے آ "

تھائیس پانی لینے اندر گئی تو اندھوپ نے جلدی سے جیب میں سے ایک سفوف نکال کر اُس راکھ میں ملا دیا۔ تھائیس اتنے میں پانی کا کٹورہ لے کر آ گئی۔ اندھوپ نے راکھ میں سے ایک چٹکی لے کر پانی کے کٹورے میں ڈالی اور اُس پر منتر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک منتر پڑھنے کے بعد اُس نے کٹورے پر پھونک ماری اور کہا :

" یہ لے بیٹی، دیوتاؤں کا نام لے کر اِسے پی جا۔ تمہاری ساری مصیبتیں اس کے پیتے ہی ٹل جائیں گی "

تھائیس ذرا رُکی۔ اندھوپ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا :

" اگر تُو نے پانی پینے میں دیر کر دی تو دیوتا تم پر ناراض ہو جائیں گے۔ وُہ تم پر اپنا قہر نازل کر دیں گے۔ عذاب نازل کر دیں گے۔ پھر تم پر ایسی مصیبت پڑے گی کہ تو دشمنوں کی قید میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے گی "

تھائیس لرز گئی اور اس کے ساتھ ہی اُس نے کٹورہ ہونٹوں سے لگا لیا اور غٹا غٹ کر کے سارے کا سارا پانی پی گئی۔ پانی کے پیتے ہی اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اُسے ہر شے چکر کھاتی نظر آنے لگی۔ اُس نے آواز نکالنی چاہی مگر اُس کی آواز اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ وُہ سمجھ گئی کہ ایک بار پھر اُس کے ساتھ فریب ہو گیا ہے۔ اُس نے بوڑھے نقیر کے گلے کو دبوچ لینا چاہا مگر اس کے ہاتھ اپنی جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بالکل نہ ہل سکے ۔ وہ جیسے اندھی اور پتھر بن کر رہ گئی ۔ اس کا سر ایک بار چکرایا اور وہ فرش پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئی ۔

اندھوپ کے سفوف نے اپنا کام کر دکھایا تھا ۔ تھائیس بے ہوش ہو گئی تھی ۔ اُسے معلوم تھا کہ تھائیس کو شام سے پہلے ہوش نہیں آئے گا اور عنبر بھی شام سے پہلے حویلی میں نہیں آئے گا ۔ اندھوپ نے تھائیس کو اُٹھا کر ایک کمرے میں بند کیا اور خود حویلی سے نکل کر موہنجو داڑو کے ایک غریب سے محلے میں آ گیا ۔ یہاں اُس نے دو عورتوں کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا ۔ وہ دونوں عورتیں گھر میں بالکل تیار بیٹھی تھیں ۔ اندھوپ نے اندر جاتے ہی کہا :

"تھائیس بے ہوش ہو کر اپنی حویلی میں پڑی ہے ۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اُسے وہاں سے اُٹھا کر جہاں میں نے کہا ہے وہاں پہنچا دو ۔"

"ہمارا انعام کہاں ہے ؟" ایک عورت نے کہا ۔

"جس وقت تھائیس تم میرے حوالے کر دو گی ، تمہیں تمہارا انعام دے دیا جائے گا ۔ وہ اِس وقت میری جیب میں ہے ۔"

اور اندھوپ نے اُن عورتوں کو بٹوے میں سے سونے کے سکّے نکال کر دکھائے ۔ سونے کے سکّے دیکھ کر لالچی عورتوں کے منہ میں پانی بھر آیا ۔ اُنہوں نے ایک چارپائی اٹھائی اور جلدی سے باہر نکل گئیں ۔ اُن کے نکلتے ہی اندھوپ بھی باہر نکل گیا ۔ وہ سیدھا شہر سے باہر پُرانے ویرا مندر کے ٹیلے کے دامن میں جا کر چھپ گیا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر دونوں مکّار عورتیں چارپائی لے کر عنبر کی حویلی میں پہنچ گئیں۔ اُنہوں نے بے ہوش ثمائیں کو چارپائی پر ڈال کر اُوپر چادر ڈالی اور کندھوں پر چارپائی اُٹھا کر باہر آ گئیں۔ دو ایک آدمیوں نے پوچھا کہ وہ کس کو چارپائی پر ڈال کر لیے جا رہی ہیں؟

اُنہوں نے روتے ہوئے جواب دیا:

"ہماری بھتیجی بیمار تھی، بے ہوش ہو گئی ہے۔ اسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔"

کسی نے اُن پر شک بھی نہ کیا۔ کیونکہ اُس زمانے کا رواج بھی یہی تھا۔ جو کوئی بیمار ہوتا یا بے ہوش ہوتا اُسے چارپائی پر ڈال کر حکیم کے پاس لے جاتے۔ اگر بچ رہتا تو واپس گھر آ جاتا اور اگر مر جاتا تو وہیں سے اُسے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیتے۔ دونوں مکّار عورتیں چارپائی پر بدنصیب ثمائیں کو ڈالے شہر کے گلی کوچوں سے گزرتیں باہر آ گئیں۔ میدان میں سے ہو کر وہ اس پگ ڈنڈی پر ہو لیں جو شہر سے باہر والے ویران مندر کی طرف جا رہی تھی۔ ٹیلے کے پاس اندھوپ ایک تیز رفتار اونٹنی لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جُوں ہی اُسے عورتیں چارپائی اُٹھائے آتی نظر آئیں۔ وہ اونٹنی لے کر اُن کے پاس چلا گیا۔

"پہلے ہمارا انعام لاؤ۔ پھر ثمائیں کو ہاتھ لگانا۔"

"میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔"

اندھوپ نے جھولے میں سے سونے کے بہت سے سکّے نکال کر اُن

گاڑیوں کے حوالے کر دیے۔ سونے کے سکے لے کر عورتیں بہت خوش ہوئیں۔ اندھوپ نے تھائیس کو اٹھا کر اونٹنی کے اوپر رکھے کجاوے میں ڈال کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور اسے رسی سے اچھی طرح کس کر باندھ دیا۔ پھر وہ خود بھی اونٹنی پر بیٹھ گیا اور اسے ایسی ایڑھ لگائی کہ وہ ملک گندھار کی طرف دوڑنے لگی۔ وہ گندھار سے کافرستان کی طرف ہوتا ہوا تبت کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔

یہ ایک بہت لمبا سفر تھا۔ مگر اندھوپ نے سفر کا سارا بندوبست کر رکھا تھا۔ اس نے اتنی خوراک اور پانی جمع کر لیا تھا کہ ان دونوں کے لیے وہ دو مہینے تک کافی تھا۔ پھر وہ اِس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس جگہ سے پانی مل سکتا ہے اور کس جگہ پھلوں کے جنگل ہیں، بلکہ راستے میں اس کے دوست بھی تھے جن کے پاس وہ قیام کر کے تازہ دم بھی ہو سکتا تھا۔ ان دنوں یہی راستے تھے جن سے ہو کر قافلے دوسرے ملکوں کو جایا کرتے تھے اور لوگوں نے قافلوں کی سہولت کے لیے راستے میں جگہ جگہ پانی کے کنوئیں اور سایہ دار درخت لگا رکھے تھے۔

اندھوپ کی اونٹنی ساری رات میدان میں سفر کرتی رہی۔ آدھی رات کے وقت تھائیس کو ہوش آ گیا۔ اندھوپ نے اس کے منہ سے رومال نکال دیا۔ تھائیس نے دیکھا کہ اس کے سامنے کجاوے میں ایک نوجوان آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو؟"

اندھوپ نے ہنس کر کہا:

"مَیں نے داڑھی اُتار دی ہے۔ اگر تم تھوڑا سا غور کرو تو مجھے ضرور پہچان لو گی۔ مَیں وہی فقیر ہُوں جس نے تمہارا ہاتھ دیکھ کر تمہیں قسمت کا حال بتایا تھا۔"

"تم — تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

"ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی بھی تمہاری مدد کو نہ آ سکے گا۔ یہاں تک کہ اگر تمہارا بھائی عنبر ساری عمر بھی ٹکریں مارتا رہے تو تمہارا ٹھکانہ معلوم نہ کر سکے گا۔"

"تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو؟ مَیں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، مگر تمہارے بھائی نے میرے اُستاد شاہی جادوگر کو ہلاک کیا ہے۔ مَیں اُس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔"

"مگر اُس کا انتقام تم مجھ سے کیوں لے رہے ہو؟"

"اس لیے کہ عنبر سے مَیں اسی طرح انتقام لے سکتا تھا کہ اُس کی بہن کو اغوا کر کے اُس سے ہمیشہ کے لیے دُور کر دوں۔ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ عنبر پر ہمارے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"دیوتاؤں کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے بدلہ نہ لو۔ میں تو بے گناہ ہُوں۔"

اندھوپ نے تھائیس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارتے ہوئے کہا:

"خبردار، اگر پھر زبان چلائی۔ خاموش ہو کر میرے ساتھ بیٹھی رہو۔ اگر زیادہ بات کی تو ابھی خنجر سے تمہارا گلا کاٹ کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِس اُونٹنی کو کھلا دوں گا۔"

تھائیس بے چاری سہم کر چپ ہو گئی۔ کمزور عورت تھی آخر — اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اُونٹنی سفر کرتی رہی اور تھائیس کجاوے میں بیٹھی سوچتی رہی کہ اُس کا انجام کیا ہوگا؟ اُسے اپنے بھائی عنبر کا خیال آگیا کہ جب شام کو اُس نے گھر میں آکر اُسے تلاش کیا ہوگا اور اُسے نہیں پایا ہوگا تو بے چارہ کس قدر پریشان نہیں ہُوا ہوگا۔ خدا جانے وہ کس حال میں ہوگا اور اُس کی تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا نہیں پھر رہا ہوگا۔ مگر اس کو کیا معلوم کہ اُس کی بہن تھائیس ایک مکّار شخص کی قید میں پھنس کر کسی نامعلوم منزل کی طرف سفر کر رہی ہے۔

عنبر کے ساتھ ہوا بھی ایسے ہی تھا۔

شام کو وہ شہزادے سے مل کر واپس حویلی میں آیا تو خلافِ معمول دروازہ کھلا تھا۔ اس کا ماتھا وہیں ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا اور تھائیس کو آواز دی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ اُوپر آگیا۔ اُس نے حویلی کا کونہ کونہ چھان مارا مگر تھائیس کا نشان تک نہ ملا۔ صرف پچھلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس راکھ بکھری ہوئی تھی اور پانی پینے کا ایک خالی کٹورہ وہاں پڑا تھا۔ اس نے کٹورے کو سونگھا تو اُس میں سے ایک ایسے زہریلے سفوف کی بُو آئی جو صرف ایک طبیب اور جڑی بوٹیوں کا ماہر حکیم ہی محسوس کر سکتا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ تھائیں کے ساتھ ایک بار پھر ظلم ہوا ہے اور اُسے کوئی دھوکے سے اغوا کر کے لے گیا ہے۔ وہ گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ آخر اُسے کون اغوا کر کے لے جا سکتا تھا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ فرار ہو گئی

●

ایک اور مصیبت بیٹھے بٹھائے سر پر آن پڑی تھی۔

عنبر نے ملک تبت کو جانے کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں کہ اچانک تھائیس کی گمشدگی نے اس کے ذہن کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اُس نے محلے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو اُسے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ دو عورتوں نے بے ہوش تھائیس کو چارپائی پر اٹھا رکھا تھا اور کہتی تھیں کہ اسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔ کسی کو عورتوں کے حلیے یاد نہیں تھے۔ آخر ایک محلے کی عورت نے عنبر سے کہا:

"اُن عورتوں میں سے ایک عورت کو میں جانتی ہوں بیٹا!"

عنبر نے بے تابی سے پوچھا:

"ہاں، جلدی سے بتاؤ وہ عورت کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟"

بوڑھی عورت نے بتایا:

"وہ ایک بیوہ عورت ہے اور مُردہ عورتوں کو غسل دیتی ہے۔ یہاں سے دو محلے چھوڑ کر اینٹوں کے بھٹے کے پاس اُس کا گھر ہے۔ اُس کی پکی نشانی یہ ہے کہ اُس کا ایک دانت باہر کو نکلا ہوا ہے۔"

"تمہیں اچھی طرح یاد ہے ماں کہ یہ وہی عورت تھی؟"

"ہاں بٹیا، وہی عورت تھی۔ مَیں اُسے کبھی نہیں بھُول سکتی۔ اُس نے میری بیٹی کی لاش کو غسل دیا تھا۔"

عنبر نے گھوڑا نکالا۔ اُس پر سوار ہُوا اور مُردوں کو غسل دینے والی عورت کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ پُوچھتے پُوچھتے وُہ اُس محلّے میں پہنچ گیا۔ اُسے عورت کا مکان بھی مل گیا۔ یہ ایک کچّا سا مکان تھا جس کے دروازے کے آگے اُونٹ کی کھال کا پردہ گرا ہُوا تھا۔ عنبر نے عورت کو آواز دی۔ اُس عورت نے جھانک کر باہر دیکھا:

"کون ہو تم بھائی؟"

عنبر نے کہا:

"میرے پاس سونے کے کچھ سکّے ہیں اور میری بڑی بہن کی میّت کو جا کر غسل دے دو۔ وُہ آج ہی مر گئی ہے۔"

لالچی عورت نے کہا:

"اندر آجاؤ بٹیا، باہر کیوں کھڑے ہو؟"

عورت نے عنبر کو اندر بُلا لیا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ جُوں ہی عورت نے پردہ نیچے کیا، عنبر نے خنجر نکال کر عورت کی شہ رگ پر رکھ دیا اور اُسے کہا:

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ جس عورت کو تم بے ہوش کر کے چارپائی پر ڈال کر لے گئی تھیں وہ کہاں ہے؟"

اُس کی تو جان ہی نکل گئی۔ وُہ ذرا ہچکچائی۔ عنبر نے خنجر کی نوک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کے گلے پر چبھوتے ہُوئے کہا :

" اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو مَیں اِسی وقت اِسی جگہ تمہیں ہلاک کر کے پھینک جاؤں گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی "

عورت نے کانپتے ہُوئے کہا :

" بتاتی ہُوں ۔ ابھی بتاتی ہُوں "

" جلدی بتاؤ "

" وہ ــــ اُسے شاہی محل کے پُرانے جادوگر کے شاگرد اندھوپ نے اغوا کر لیا ہے ۔ وُہ حویلی میں لڑکی کو بے ہوش کر کے ہمارے پاس آیا تھا ۔ ہم اُس لڑکی کو چارپائی پر ڈال کر شہر کے باہر والے پُرانے مندر میں لے گئیں ۔ جہاں سے اندھوپ نے اُسے اُونٹنی پر بٹھایا اور بھاگ گیا "

" کدھر گیا ہے وُہ ؟ عنبر نے خنجر کی نوک اور چبھوتے ہُوئے کہا ۔

" وُہ ــــ وُہ کہتا تھا کہ مَیں ملک گندھارے ہو کر تبت جاؤں گا "

" کیا تم سچ کہہ رہی ہو ؟ "

" اگر مَیں جھوٹ بولوں تو مجھ پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو "

" کیا اُس وقت شہزادی ہوش میں تھی ؟ "

" نہیں ــــ وُہ بے ہوش تھی "

عنبر نے ایک جھٹکے سے بوڑھی عورت کو پرے پھینک دیا ۔ وُہ اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنی حویلی میں آ گیا ۔ ساری رات وہ سوچتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا کہ ستائیس کو کہاں جا کر تلاش کرے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ تبت کی طرف گئی ہے تو وہ اُسے کہیں نہ کہیں ضرور ڈھونڈ لے گا۔ لیکن کیا خبر وہ مکار اندھوپ اُسے لے کر کسی اور ہی طرف نکل گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ستائیس کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا اب وہ موہنجو داڑو میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اُس کا وہاں ٹھہرنا بالکل بے کار تھا۔ صبح صبح وہ سیدھا شاہی محل میں آگیا۔ شہزادہ دیوتاؤں کے بُت کے سامنے عبادت کر رہا تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر اس نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور کہا :

" آپ اتنی جلدی کیسے آگئے ؟ "

عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ ابھی تبت کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہے۔ اُس نے شہزادے کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اُس کی بہن کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا :

" ایسی بھی کیا جلدی ہے عنبر ؟ آپ کچھ روز بعد چلے جائیے گا۔ ملکہ حبکیا کو دیوتاؤں کے آگے قربان ہوتے تو دیکھتے جانا۔"

" نہیں بادشاہ سلامت ! میں جلدی سے تبت پہنچنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی ہے کہ وہاں میرا چچا بہت بیمار ہے اور مجھے یاد کر رہا ہے ؟

" تو کیا ہم سپاہیوں کا دستہ آپ کے ساتھ کر دیں ؟ "

" نہیں شہزادہ سلامت ! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ان راستوں

سے واقف ہوں اور پھر اتنے لمبے سفر پر سپاہی کہاں تک میرے ساتھ چلیں گے ؟"

"ہم تمہارے بے حد احسان مند ہیں عنبر کہ صرف آپ کی وجہ سے ہماری سلطنت تباہ ہوتے ہوتے بچ گئی۔ دیوتاؤں نے چاہا تو ہم کبھی نہ کبھی تمہارے احسان کا بدلہ ضرور اتار دیں گے ؟"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا شہزادہ سلامت، یہ تو ربِ عظیم کی منشا سے ہوا ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"کیا ملکہ عنبکا کو ایک نظر دیکھتے نہ چلو گے ؟"

"اگر آپ کہتے ہیں تو اُسے دیکھ لیتا ہوں ؟"

شہزادہ عنبر کو ساتھ لے کر تہہ خانے میں آ گیا جس کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں ہُن قوم کی وحشی ملکہ قید تھی۔ کوٹھڑی میں ایک طرف مشعل جل رہی تھی اور وحشی ملکہ کسی شیر کی طرح کوٹھڑی میں بیقراری سے اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے نفرت سے کہا :

"تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ دیوتا تم سے ضرور انتقام لیں گے ؟"

عنبر نے کہا :

"عنبکا، تم ایک ظالم قوم کی خونخوار ملکہ تھیں۔ تیرے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ تو نے ہزاروں بچوں کو یتیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ ہزاروں ماؤں کو بیوہ کیا۔ لاکھوں بیویوں کے سہاگ لُوٹے۔ تجھ پر رب عظیم کا عذاب نازل نہ ہوتا تو اور کس پر ہوتا ؟"

"مَیں اس قید سے نکل کر تم سب سے بدلہ لوں گی۔ مَیں ایک بار پھر ہُن قوم کو ایک مرکز پر جمع کروں گی اور موہنجو داڑو پر حملہ کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی !"

شہزادے نے کڑک کر کہا :

"خاموش، گنوار قوم کی وحشی عورت، تیرا انجام قریب آرہا ہے۔ تُو اس قید سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتی۔ اب تمہاری روح ہی یہاں سے آزاد ہوگی۔ تم نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا۔ کیا ہم نے تمہیں تنگ کیا تھا ؟ کیا ہمارے سپاہیوں نے تمہارے قافلے لُوٹے تھے ؟ کیا ہم نے تمہارے کسی شہر کو تباہ و برباد کرکے اُس پر قبضہ کر لیا تھا ؟ آخر ہماری تمہاری دُشمنی کیا تھی کہ تم لاکھوں کا لشکر لے کر اپنے وطن سے ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑیں ؟"

ملکہ نے فخر سے گردن تان کر کہا :

"ہم بہادر ہُن قوم کے لوگ ہیں۔ ہمارا کام ہی لڑنا اور لڑتے لڑتے مَر جانا ہے۔ دشمن کو مار دینا ہے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ نہیں کرتا تو ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم خود آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یہی ہمارے قبیلے کا اصول ہے اور اِسی اصول پر عمل کرتے ہُوئے ہم نے تمہارے شہر پر چڑھائی کی تھی "

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادے نے کہا :

" پھر تم نے اپنے اِس ظالمانہ اصول کا انجام دیکھ لیا۔ اب تمہاری قسمت میں موت کی تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ۔"

کلبکا نے گردن تان کر کہا :

" مَیں مَوت کو ایک بہادر ہُن ملکہ کی طرح قبول کرتی ہوں۔ مجھے مَوت کی ذرا بھر پروا نہیں۔ ہم مَوت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ ہاں مجھے اگر دُکھ ہے تو صرف اپنی چھوٹی بچی کا ہے جو میرے وطن میں میرے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جائے گی ۔"

شہزادے نے قہقہہ لگا کر کہا :

" ہم اُسے بھی یہاں لا کر تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیں گے ۔"

عنبر کو شہزادے کی یہ بات بڑی ظالمانہ محسوس ہوئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے شہزادہ بھی اتنا ہی ظالم اور وحشی ہے جتنی ہُن قوم کے لوگ وحشی اور ظالم تھے۔ اُسے کلبکا پر ترس آنے لگا۔ اُسے بالکل معلوم نہ تھا کہ کلبکا ایک بچّی کی ماں بھی ہے۔ اب وُہ اُسے ایک دُکھی ماں کے رُوپ میں نظر آنے لگی۔ اُسے کلبکا کو وہاں سے نکالنے کی پیشکش کرنے لگا۔ اگر وُہ مان گئی تو وُہ ہر ممکن مدد کرے گا اور اگر نہ مانی تو اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر خود تبّت کی طرف نکل جائے گا۔

عنبر نے بیماری کا بہانہ بنا کر ایک ہفتے کے لیے اپنے سفر کا ارادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملتوی کر دیا۔ ایک روز وُہ قید خانے کی یوُں ہی سیر کرتا کراتا چپکے سے عنبیکا کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ دو روز بعد عنبیکا کو دیوتاؤں کے بُت کے سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا۔ عنبیکا ایک پتھر پر دیوار کا سہارا لے کر اُداس بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو آتے دیکھا تو غصّے میں بولی :

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو ؟"

عنبر نے صاف صاف کہہ دیا :

"سنو عنبیکا، اگر تم صرف ملکہ ہوتیں تو میں کبھی تم سے ملاقات کرنے یہاں نہ آتا۔ افسوس یہ ہے کہ تم ایک ظالم ملکہ ہو اور تمہاری مَوت پر مجھے بھی افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری ایک کمسن بچّی وطن میں ہے جو تمہاری جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ میرا دل تمہاری ہمدردی سے لبریز ہو گیا ہے۔ اب تم مجھے ایک ماں کے رُوپ میں نظر آ رہی ہو۔ اگر تم تیار ہو تو میں صرف تمہاری بچّی کی خاطر تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ مَیں یہ بہت بڑا خطرہ صرف تمہاری بچّی کی زندگی کی خاطر مول لے رہا ہُوں ؛ حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ شہزادہ کسی قیمت پر تمہارا فرار گوارا نہیں کر سکتا اور تم میری مدد کے بغیر یہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتی ہو۔ شہزادے نے اپنی قوم سے وعدہ کیا ہے کہ وُہ تمہیں دیوتاؤں کے آگے بڑے دن کو قربان کر دے گا۔ اب اگر تم یہاں سے فرار ہو گئیں تو خطرہ ہے کہ لوگ شہزادے کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ مگر مَیں صرف تمہاری بیٹی کی خاطر اپنی شہزادے

کی اور اس کی سلطنت کی زندگی کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔ بولو، تم کیا کہتی ہو؟"

ملکہ ٹمبکا بڑی جابر عورت تھی۔ مگر آخر وہ ایک ماں بھی تھی۔ جب اُسے اپنی کمسن بچی کا خیال آتا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ اُسے اچھی طرح پتہ تھا کہ وہ ایک شکست خوردہ قوم کی ملکہ ہے جس کا سارے کا سارا لشکر تباہ ہو گیا ہے۔ اگر وہ لاکھ بار بھی کوشش کرے تو وہاں سے اکیلی فرار نہیں ہو سکتی۔ موت اس کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ عنبر نے جب اُسے وہاں سے نکالنے کی پیش کش کی تو اسے اپنی کمسن بچی یاد آ گئی۔ اُس کا بھولا بھالا چہرہ ٹمبکا کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اُس نے ایک دم عنبر کی پیش کش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں تمہاری پیشکش قبول کرتی ہوں۔ مگر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر شہزادے کو معلوم ہو گیا کہ تم نے مجھے یہاں سے اغوا کر لیا ہے، تو وہ اپنی فوج ہمارے پیچھے دوڑائے گا اور میرے ساتھ تمہاری بھی تکا بوٹی کر دی جائے گی"

عنبر نے کہا:

"میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن تمہاری بچی کی خاطر میں ہر قسم کا خطرہ اور مصیبت مول لینے کو تیار ہوں۔ میں ایک ماں کو ہلاک ہوتے اور ایک بچی کو ماں کی یاد میں بلک بلک کر روتے نہیں دیکھ سکتا"

مُبکا کا دل عنبر کی طرف سے ایک دم صاف ہو گیا۔ اُس کے دل میں عنبر کے لیے بڑی عزّت اور وقار پیدا ہو گیا۔ یہ شخص صرف اُس کی بچّی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے ایک بار پھر عنبر سے کہا کہ وُہ غور کر کے اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اُسے پچھتاوا لگ جائے کہ اُس نے مُبکا کو بچا کر خواہ مخواہ اپنی عزّت اور جان خطرے میں ڈالی۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

”مُبکا بہن! میں نے زندگی میں جتنے بھی فیصلے کیے ہیں۔ ہمیشہ خوب سوچ سمجھ کر کیے ہیں۔ آج سے دو دن بعد یہ لوگ تمہیں دیوتاؤں کے آگے قربان کر رہے ہیں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ کل رات جب آدھی گزر جائے تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں۔“

مُبکا نے کہا:

”مگر یہاں تو کڑا پہرہ لگا ہے۔ تم مجھے یہاں سے کیسے نکال کر لے جاؤ گے؟“

”تمہیں شاید معلوم نہیں کہ شاہی محل میں شہزادے کے برابر اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وُہ مَیں ہُوں۔ کسی پہرے دار کی جُرأت نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ جانے سے روکے ..... اب میں جا رہا ہُوں۔ مَیں کل آدھی رات کے وقت آؤں گا۔ تم تیار رہنا۔“

”میں ہر وقت فرار ہونے کے لیے تیار ہُوں۔“

عنبر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے روز اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ دو برق رفتار، تازہ دم عربی گھوڑے لیے اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر پُرانے مندر کے غار میں باندھ آیا۔ اس کے بعد اُس نے کچھ ضروری سامان ایک جھولے میں تیار کر لیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ آدھی رات کے وقت وُہ اپنی حویلی سے چُپکے سے ایک اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور شاہی محل میں پُہنچ گیا۔ اونٹ اُس نے شاہی محل کے باہر درختوں کے نیچے کھڑا کر دیا اور خود اس تہہ خانے کی طرف چل دیا جہاں ایک کوٹھڑی میں ملبکا قید تھی۔

ملبکا بڑی بے تابی سے عنبر کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسے عنبر کے آنے کا یقین بھی تھا اور نہیں بھی تھا۔ اُسے احساس تھا کہ عنبر اُس کے لیے بہت بڑی قربانی کر رہا ہے۔ وُہ نہ صرف بادشاہ کی ساری عمر کی دشمنی مول لے رہا ہے بلکہ اپنی جان بھی اُس کے ساتھ خطرے میں ڈال رہا ہے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد ملبکا نے عنبر کو دیکھا وہ پہرے دار کے ساتھ اُس کی کوٹھڑی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ خدا جانے اس نے پہریدار کو کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے اندر آ کر کہا:

"اے ہُن قوم کی وحشی ملکہ، اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔ اٹھ اور اپنی موت کو گلے لگانے کے لیے میرے ساتھ چل"

ملبکا سمجھ گئی کہ عنبر اداکاری کر رہا ہے۔ وُہ آہستہ سے اٹھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کے پیچھے پیچھے سر جھکائے۔ قید خانے سے باہر نکل گئی۔ عنبر اُسے لے کر اندھیری غلام گردشوں سے ہوتا ہوا محل کی جانب آ گیا۔ سامنے محل کا دروازہ تھا۔ دروازے پر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر سپاہی نے سر جھکایا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر کھلی فضا میں نکل آئے۔ عنبر عبکا کو لیے محل کے باغ میں آ گیا۔

یہاں پہنچتے ہی اُس نے کہا:

"جلدی سے بھاگ چلو!"

اور وہ دونوں بھاگتے ہوئے اُن درختوں کے پاس آ گئے جہاں اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر اور عبکا اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اونٹ انہیں لے کر بڑی تیز رفتاری سے شہر سے باہر پُرانے مندر کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک غار میں دو عربی گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ عنبر نے کہا:

"جلدی سے ایک گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہمیں آندھی بن کر اب اس شہر سے نکل جانا ہے۔ صبح بادشاہ کے سپاہی ضرور ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ ہمیں سورج نکلنے تک زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا ہے۔ جلدی کرو!"

عبکا گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ عنبر کی دلیری اور انسانی ہمدردی سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ عنبر بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کو چابک مارے اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

رات بڑی اندھیری تھی۔ چاند نہیں نکلا ہوا تھا۔ مگر وہ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راتوں کے اندھیرے سے آشنا تھے۔ وہ رات کے اندھیرے میں راستہ بنانا خوب جانتے تھے۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو اونچے نیچے ٹیلوں کے اوپر اور درمیان سے ہوکر گزرتا تھا۔ اس طرح سے وہ فاصلے کو زیادہ سے زیادہ طے کر سکتے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور وہ دونوں گھوڑوں پر بیٹھے ہوا کے ساتھ اُڑتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے موہنجو داڑو شہر کی سرحد عبور کر لی تھی اور اب ملک گندھار کی جانب دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر انہیں دریا عبور کرنا پڑ گیا۔ وہاں کوئی پُل وغیرہ نہیں تھا۔ وہ رُک گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ عنبر کسی ایسی جگہ سے دریا عبور کرنا چاہتا تھا۔ جہاں اس کا پاٹ چھوٹا ہو۔ آخر دریا کے موڑ پر انہیں وہ جگہ مل گئی۔

یہاں سے دریا کا پاٹ کوئی میل ڈیڑھ میل کا تھا۔ عنبر نے کلبا کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ دریا پار کرے گی؟ کلبا نے کہا کہ وہ ایک عورت ہی نہیں ہے بلکہ ایک بہادر اور غیور قوم کی ملکہ بھی ہے! چنانچہ اُس نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے عنبر نے بھی گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ یہاں دریا کافی گہرا تھا۔ مگر سدھی گھوڑوں نے بڑی محنت، وفاداری اور روانی کے ساتھ تیرنا شروع کر دیا تھا۔ گھوڑے گردن تک دریا کی لہروں میں ڈوبے ہوئے تھے مگر برابر تیرتے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ دریا کے دوسرے کنارے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک پل کے لیے آرام کیا اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ وہ تیز سے تیز تر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کیونکہ اب پو پھٹنے والی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ عبکا کے فرار کا انکشاف ہوتے ہی شاہی فوج کے سپاہی اُس کے تعاقب میں روانہ ہونے والے تھے۔ وہ اس سے پہلے پہلے بہت دُور نکل جانا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں مِلے، قتل کردو

●

دن چڑھا تو شاہی محل میں شور مچ گیا کہ ملکہ عمبکا فرار ہو گئی ہے۔ موہنجو داڑو کے بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود اُس کی دشمن ملکہ کس طرح قید سے فرار ہو گئی۔ وہ خود جیل خانے میں پہنچا۔ معلوم ہُوا کہ آدھی رات کو بادشاہ کا وزیر خاص عنبر اپنے ساتھ عمبکا کو یہ کہہ کر لے گیا تھا کہ اُسے پھانسی دی جانے والی ہے۔ بادشاہ نے پہریدار کو تو اسی وقت قتل کروا دیا اور عنبر کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جانے لگے۔ مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اُس کی حویلی ویران پڑی تھی۔ معلوم ہُوا کہ وُہ راتوں رات ہی شہر سے عمبکا کو لے کر فرار ہو گیا ہے۔ بادشاہ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہُوا کہ اس کے وزیر خاص نے اُسے دھوکہ دیا اور وہ ملکہ عمبکا کو لے کر فرار ہو گیا۔ بادشاہ نے اُسی وقت اپنے خاص سپاہیوں کا دستہ عنبر کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ اُنہیں حکم دیا گیا کہ وُہ اگر ہو سکے تو عنبر کو گرفتار کر لیں اور ملکہ عمبکا کو ہر حالت میں وہیں قتل کر کے اُس کا سر لے کر واپس آئیں۔ بادشاہ کو بے حد فکر لگ گیا تھا کہ اگر وُہ ملکہ کو دیوتاؤں کے آگے قربان نہ کر سکا تو اس کی رعایا اُس کے خلاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جائے گی۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً اُسے گمبکا کے سر کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا اور ہو سکتا تھا کہ اس کے سپاہی ملکہ کو تلاش ہی نہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے وہ بہت دُور نکل چکے ہوں۔

بہر حال بادشاہ کے لیے یہ بے حد کڑی اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اُس نے محل میں تمام خوشیوں کی دعوتیں منسوخ کر دیں اور حکم دے دیا کہ جب تک دُشمن ملکہ کا سر کاٹ کر شہر میں نہیں آ جاتا کوئی خوشی کی دعوت نہیں ہو گی۔ اُدھر بڑے پجاری نے سپہ سالار کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کر دیے کہ یہ محض اس کی کمزوری اور ایک غیر ملکی عنبر پر اس قدر بھروسہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ رعایا میں بھی لوگ بے چین ہو رہے تھے۔ وہ اپنے دیوتاؤں سے بے حد ڈرتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وقت پر دشمن ملکہ کی قربانی نہ دی گئی تو دیوتا اُن پر اپنا قہر اور عذاب نازل کر دیں گے۔ شہر میں بادشاہ کے خلاف چوری چھپے باتیں ہونے لگیں۔ بادشاہ اس صورت حال سے بے حد پریشان تھا۔

اُدھر عنبر اور ملکہ گمبکا دریا پار کرنے کے بعد بغیر رُکے سارا دن گرمی اور دھوپ میں سفر کرتے رہے تھے۔ انہوں نے کسی جگہ پر بھی آرام نہ کیا تھا۔ محض اس خیال سے کہ اگر وہ رُک گئے تو اُن کا اور تعاقب کرنے والے شاہی دستے کے سپاہیوں کا فاصلہ کم ہو جائے گا اور وہ گرفتار کر لیے جائیں گے۔ جس وقت شاہی فوج کے سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دریائے سندھ کے کنارے پہنچے۔ اُس وقت عنبر اور ملکہ عمبکا ملک گندھارا کی سرحدوں میں داخل ہو چکے تھے۔ شاہی فوج کے سپاہیوں نے عنبر اور ملکہ کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دیکھ لیے تھے اور وہ اُن ہی کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

دریا فوج نے عبور کر لیا۔ دریا کے پار انہیں دوبارہ ریت پر گھوڑے کے سُموں کے نشان دکھائی دینا شروع ہو گئے اور انہوں نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ فرار ہونے والوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ فوج کا دستہ بھی بغیر آرام کیے مسلسل آگے بڑھ رہا تھا جس کی وجہ سے اُن کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا؛ چنانچہ جس وقت عنبر اور ملکہ گندھارا شہر کی ایک سرائے میں اُترے تو بادشاہ کے سپاہی شہر سے آدھے دن کے فاصلے پر تھے۔

عنبر کے کہنے پر ملکہ عمبکا نے چہرے پر ایک سیاہ نقاب اوڑھ لیا تھا تاکہ اُسے کوئی پہچان نہ سکے جس سرائے میں وہ اُترے وہ کافی بڑی سرائے تھی اور اُس میں بہت سے مسافر اُترے ہوئے تھے۔ عنبر نے اپنے آپ کو جڑی بوٹیوں کا تاجر اور عمبکا کو اپنی بیوی ظاہر کیا تھا۔ سرائے میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ ان کے ہاں ہُن قوم کی وحشی ملکہ اُتری ہوئی ہے جس کے نام سے کبھی ملک کا بچہ بچہ کانپتا تھا۔ اس ملک میں اگر ملکہ چاہتی تو ایک وزیر کے محل میں قیام کر سکتی تھی۔ مگر عنبر نے اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیا کیونکہ یوں اُن کے راز کے کُھل جانے کا خطرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ عنبر نے ٹبکا سے کہا :

"اگر ہم نے یہاں کسی امیر یا وزیر کے ہاں قیام کیا تو یہ بات شاہی محل تک جا پہنچے گی کہ ہُن ملکہ شہر میں اُتری ہُوئی ہے۔ اس طرح یہ بات پھیل جائے گی اور ہمارا تعاقب کرنے والے سپاہی بڑی آسانی سے ہمیں گرفتار کرکے ہلاک کر سکیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم گمنامی میں یہاں ایک رات بسر کرلیں اور منہ اندھیرے یہاں سے آگے کو نکل چلیں۔"

"بہتر ہے۔"

عنبر نے سرائے میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دونوں گھوڑوں کو فروخت کرکے دو نئے عربی گھوڑے خرید لیے۔ کیونکہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے بعد دونوں گھوڑے تھک کر چُور ہو چکے تھے اور ان کے لیے اب مزید سفر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کم از کم دو روز کے مسلسل آرام کے بعد ہی سفر کر سکتے تھے۔ رات بھر آرام کرنے کے بعد عنبر اور ملکہ منہ اندھیرے اُٹھے اور گھوڑے لے کر چپکے سے سرائے سے باہر نکل آئے۔ وُہ اپنی روانگی کے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

سرائے سے باہر آکر وہ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور یزدان کے راستے ملک تبت کی طرف اپنا سفر جاری کردیا۔ جس وقت وہ سفر پر روانہ ہُوئے اُس سے ایک پہر بعد بادشاہ کی فوج کا دستہ سرائے میں پہنچ گیا۔ سرائے کے مالک سے پُوچھ گچھ کے بعد اُنہیں معلوم ہُوا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر اور علبکا نے رات اس سرائے میں بسر کی تھی اور صبح منہ اندھیرے ہی وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے تھے۔ دستے کے سالار نے اُسی وقت حکم دیا:

"مفرور قیدیوں کا تعاقب جاری رکھا جائے گا!"

چنانچہ سپاہی ایک پل کے لیے بھی آرام کیے بغیر یزدان کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر اندھوپ نے بھی تھائیس کو لے کر اپنا سفر جاری رکھا تھا۔ وہ تبت کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ عنبر کو تھائیس کی بھی فکر تھی اور راستے میں وہ ہر سرائے اور ہر گاؤں سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ اب تک جو معلومات حاصل ہوئی تھیں اُن کے مطابق اندھوپ اور تھائیس اُسی راستے پر آگے آگے سفر کر رہے تھے۔ تبت کی سرحدوں کے پاس پہنچ کر اندھوپ ایک ویران کھنڈر کے پاس رک گیا۔ وہ اور اُن کے گھوڑے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ تھائیس نے اب مزاحمت ترک کر دی تھی اور اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہاں سے اگر وہ فرار بھی ہو گئی اور واپس نہ جا سکے گی اور صحراؤں میں ہی کہیں بھوک پیاس سے دم توڑ دے گی۔ اندھوپ نے بھی اُس کی رسیاں کھول دی تھیں۔ یہ کھنڈر جہاں وہ ٹھہرے کسی پرانی عبادت گاہ کا معلوم ہوتا تھا جس کی تکونی چھت کے اوپر بانس پر پھٹا پرانا کپڑا لٹک

رہا تھا۔

تبت کے علاقے میں اِس قسم کے مندر ہُوا کرتے تھے۔ تھائیس کو مندر میں چھوڑ کر اندھوپ پانی کی تلاش میں ایک طرف نکل گیا۔ وُہ تھائیس کو تاکید کر گیا۔

"یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر تم یہاں سے بھاگ بھی گئیں تو زندہ واپس نہ پہنچ سکو گی۔ تبت کے صحرا اور برفوں کے میدان بڑے سنگدل ہوتے ہیں۔ یہ تمہیں راستے میں ہی بھوکا پیاسا مار دیں گے۔"

تھائیس نے کہا:

"مَیں جانتی ہُوں اندھوپ کہ میری قسمت میں در بدر کی ٹھوکریں اور غلامی ہی لکھی ہے۔ تم پانی تلاش کر کے واپس آ ؤ گے تو مَیں اسی جگہ بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہُوں گی۔"

"شاباش، اب تم زیادہ سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی ہو۔"

اندھوپ مشکیزہ لے کر پانی کی تلاش میں نکل گیا۔ تھائیس کھنڈر کے پتھروں میں کچھ دیر اُداس بیٹھی رہی۔ پھر وُہ اٹھی اور کھنڈروں کے بیچ اِدھر اُدھر بے مقصد پھرنے لگی۔ جہاں جگہ جگہ پتھروں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ ان پتھروں میں سفید پتھر بھی تھے۔ سرخ اور سبز پتھر بھی تھے۔ ایسے پتھر بھی تھے جو ریت کے بنے ہُوئے معلوم ہوتے تھے۔ تھائیس نے ایک سبز رنگ کے پتھر کو اُٹھا کر غور سے دیکھا اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکے اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی اور سبز رنگ کی لہریں سی اُٹھ رہی تھیں۔ ستھائیس نے ڈر کر اُس سبز پتھر کو زور سے دوسرے پتھروں پر پھینک دیا۔ سبز پتھر دوسرے پتھروں سے ٹکرایا تو ایک چنگاری پیدا ہوئی اور اچانک وہاں ایک بہت بڑا سانپ نمودار ہو گیا۔ ستھائیس ڈر ک پیچھے کو ہٹ گئی۔ سانپ بہت موٹا اور لمبا اژدہا تھا۔ جس کی لال لال آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ستھائیس کو یوں لگا جیسے یہ سانپ اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سانپ نے کہا:

"ستھائیس گھبراؤ نہیں، اِس سے پہلے بھی میں تم سے مل چکا ہوں کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

ستھائیس نے ذہن پر زور ڈالا تو اُسے خیال آ گیا کہ ایک بار مند میں آ کر اُس نے ظالم ڈاکو سے اُسے نجات دلائی تھی۔ اُس نے جھٹ کہا:

"ہاں ہاں، مَیں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم نے ایک بار ڈاکو سے میری جان بچائی تھی اور تم نے کہا تھا کہ تم شُرپہ کا شیش ناگ ہو۔ تم وُہی ہو ناں؟"

"تم نے مجھے ٹھیک پہچانا ستھائیس، مَیں شُرپہ ہی کا شیش ناگ ہُوں۔"

"مگر تم اِس پتھر سے کیسے پیدا ہو گئے؟ تم تو آزاد پھرا کرتے تھے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اژدہے نے کہا:

”تھائیس، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یُوں سمجھ لو کہ ایک جادوگر نے مجھے اس پتھر کے اندر قید کر رکھا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ یہ پتھر صحرا میں لڑھکتا پھرے گا اور تم ساری زندگی اس پتھر کے اندر قید رہو گے۔ دیوتاؤں کا شکر ہے کہ تمہارا گزر ادھر سے ہوا اور تم نے مجھے نجات دلائی۔“

”مگر مَیں نے تو یُوں ہی سبز پتھر اُٹھا کر اُدھر دے مارا تھا۔“

”ٹھیک ہے، لیکن اِسی طرح سے مجھے جادوگر کی قید سے رہائی مل گئی۔ یہ بتاؤ کہ تم اِدھر کہاں جا رہی ہو؟ کیا تم اکیلی ہو؟ اِس سے آگے تو تبّت کی پُراسرار سرزمین شروع ہو جاتی ہے۔“

تھائیس نے کہا:

”اچھے اژدہا! مَیں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا کیا ظلم نہیں ہو رہا۔ تم نے مجھے ڈاکو سے نجات دلائی تو ایک بار پھر ایک ظالم کے پنجے میں پھنس گئی۔ اس نے مجھے ملک مصر میں جا کر فروخت کر دیا۔ وہاں سے عنبر نے مجھے آزاد کرایا اور میرے گھر ماں باپ کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔ مگر جس شخص نے مجھے خریدا تھا وہ باز نہ آیا۔ اس نے اپنے جاسوس بھیج کر ایک بار پھر مجھے اغوا کر لیا۔ یہاں بھی دوبارہ عنبر نے مجھے مصیبت سے نجات دلائی اور مجھے لا کر میرے باپ کے پاس چھوڑ دیا۔ مَیں ہنسی خوشی اپنے پیارے باپ کے ہاں رہ رہی تھی کہ

یہ ظالم شخص اذھوپ مجھے اٹھا کر لے گیا۔ یہ شخص تبت لے جا کر مجھے وہاں کے ظالم حکمران پجاریوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو شاید مجھے اپنے دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھا دیں گے۔"

اژدہا نے کہا:

"تمہاری داستان بڑی دردناک ہے تھائیس، مگر یہ بتاؤ کہ جس شخص نے تمہیں تمہارے باپ کے گھر سے اٹھایا ہے، وہ کہاں ہے؟"

تھائیس نے کہا:

"وہ اس وقت صحرا میں پانی کی تلاش میں گیا ہوا ہے۔ وہ مجھے یہاں بٹھا کر کہہ گیا ہے کہ اگر میں نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو صحرا میں بھوک پیاس سے بلک بلک کر دم توڑ دوں گی۔"

"اس نے ٹھیک کہا ہے تھائیس، مگر اب جب کہ میں تمہارے پاس آ گیا ہوں تو تمہیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اب بالکل محفوظ ہو۔"

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ تھائیس نے دور سے اذھوپ کو آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں خالی مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ اسے پانی کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔ تھائیس نے اژدہے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"یہی وہ سنگ دل ڈاکو ہے جو مجھے میرے باپ سے چھین کر لے آیا ہے جو تبت کے آدم خوروں کے ہاں مجھے فروخت کرنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارادہ رکھتا ہے۔"

اژدہے نے کہا:

"فکر نہ کرو تھائیس، اس شخص کو اس کے ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا۔ تم خاموشی سے دیکھتی رہو۔"

تھائیس کے پاس آکر اندھوپ نے کہا:

"اِس صحرا میں کہیں بھی پانی کا چشمہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہ شاید آگے چل کر کہیں سے پانی مل جائے۔"

تھائیس اب وہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اُس کا وست اژدہا سانپ قریب ہی پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔ اُس نے ر درد کا بہانہ بنا کر کہا:

"میرے سر میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے۔ میں آگے سفر نہیں ر سکتی۔"

اندھوپ نے چیخ کر کہا:

"گر مجھے پیاس نے ہلکان کر دیا ہے۔ میں جلد سے جلد تبت کے ریں پہنچ کر اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔ اٹھو، چلو یہاں سے ٹھو۔"

اندھوپ نے تھائیس کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے روتے ئے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو۔ آخر میں نے تمہارا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بگاڑا ہے ؟"

اندھوپ نے قہقہہ لگا کر کہا :

"تم نے میرے استاد کو قتل کرانے میں عنبر کا ساتھ دیا تھا۔ میں تم سے اپنے استاد کی موت کا بدلہ لے رہا ہوں اگر مجھے پانی مل بھی گیا تو میں ہرگز تمہیں یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں ہر حالت میں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اٹھو ! ورنہ میں تمہاری دونوں ٹانگیں توڑ کر گھوڑے پر لاد کر لے جاؤں گا"

تھائیس نے اس طرف دیکھا جدھر اژدہا چھپا ہوا تھا۔ تھائیس کو اُدھ سانپ نظر نہ آیا۔ وہ پریشان ہوگئی۔ کہیں سانپ اندھوپ سے ڈر کر بھاگ تو نہیں گیا ! اُس نے سوچا۔ مگر جب اُس نے اندھوپ کی طرف دیکھا تو لرز اُٹھی۔ اژدہا اُس کے پیچھے آہستہ آہستہ سرکتا چلا آرہا تھ

اندھوپ نے تھائیس کو بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

"اٹھتی ہو یا میں تمہیں یہیں قتل کر دوں ؟"

"اُٹھتی ہوں "

تھائیس نے بالوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ اندھوپ اُس کے سر کھڑا تھا اور دوسری جانب سانپ آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے بالکل اُس کے عقب میں آ کر رُک گیا تھا اور حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اندھو نے تھائیس کو گرج کر کہا :

"کیا سوچ رہی ہو۔ اُٹھو اور میرے ساتھ چلو "

ابھی یہ جملہ اُس کے منہ میں ہی تھا کہ پیچھے سے اژدہے نے جھپٹ کر حملہ کر دیا اور اندھوپ کے گلے کے گرد اپنا آپ لپیٹ کر اس زور سے بل دینے شروع کر دیے کہ اُس کی آواز تک نہ نکل سکی۔ دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ اُس کے ہونٹوں سے جھاگ بہنے لگا اور اُس کا سانس رُک گیا۔ اژدہے نے زور سے ایک جھٹکا دیا اور اندھوپ کی لاش کو زمین پر پھینک دیا۔ تھائیس نے اژدہے کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ایک ظالم کے پنجے سے اُسے نجات دلائی۔ اژدہے نے کہا۔

"تھائیس، یہ ایک جادوگر تھا۔ اگر اِس کا جادو مجھ پر چل جاتا تو میں ابھی ہلاک ہو جاتا۔ مگر میں نے اِسی لیے اُس کے گلے کو قابو میں کر لیا تھا تاکہ یہ زبان سے کوئی جادو کا منتر نہ بول سکے۔ اب تم آزاد ہو جہاں چاہے جا سکتی ہو۔"

تھائیس نے کہا کہ وہ تو صحرا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ اُسے نہ واپسی کے راستے کا علم ہے اور نہ آگے کی منزل کی کچھ خبر ہے۔ اژدہے نے کہا:

"تھائیس، میں تمہارے ساتھ ساتھ چلتا۔ مگر مجھے راستہ نہیں آتا ہے؛ دگرنہ کم ازکم تبت کے شہر تک تمہیں ضرور پہنچا دیتا۔ اس سے آگے ہرش ناگ کی زمین شروع ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنا منکا دے دوں گا تم وہ منکا ہرش ناگ کو جا کر دکھا دینا۔ وہ اس سے آگے تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

"شکریہ شیش ناگ، لیکن مجھے بڑی سخت بھوک اور پیاس لگی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا بھی ابھی بندوبست کرتا ہوں۔"

اژدہا اتنا کہہ کر مندر کے عقب میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس نے اپنے سر پر لکڑی کا ایک تھال اٹھا رکھا تھا جس پر پانی کی صراحی اور کچھ سُرخ انار رکھے تھے۔

"یہ لو تھائیس، ان پھلوں اور پانی سے اپنی بھوک پیاس مٹاؤ۔ کچھ راستے کے لیے لے جاؤ۔"

تھائیس نے وہیں بیٹھ کر بڑے شوق سے پانی پیا اور انار کھائے باقی پانی مشکیزے میں اور انار جھولے میں رکھے اور اژدہے سے مل کر گھوڑے پر سوار ہو کر تبت کی طرف روانہ ہو گئی۔ تبت کا شہر وہاں سے ایک رات کی منزل پر تھا۔ وہ شام کو وہاں سے چلی تھی۔ اُس نے رات کو بھی اپنا سفر جاری رکھا۔ تبت شہر میں اُس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ وہ محض اِس لیے اُس طرف جا رہی تھی کہ اُس سے زیادہ قریب اور کوئی شہر نہیں تھا۔ واپس وُہ جا نہیں سکتی تھی کیونکہ اکیلی وہ واپسی کا طویل سفر طے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی امید تھی کہ تبت کے شہر پہنچ کر وہ کسی نہ کسی طرح واپس اپنے وطن ہڑپہ پہنچنے کی کوشش کرے گی۔

وہ ساری رات گھوڑے پر سوار چلتی چلی گئی۔ جب پَو پھٹنے لگی تو بہت دُور پہاڑوں پر جمی ہوئی برف نظر آئی۔ سورج نکلا تو یہ برف سنہری ہو گئی۔ دُور پہاڑوں پر گویا آگ سی لگ رہی تھی۔ سورج طلوع ہو رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اُس نے اُن پہاڑوں کے دامن میں عبادت گاہوں کے اُونچے اُونچے چمکتے کلس بھی دیکھے۔ اِن میں سے ایک عبادت خانے کا سنہری کلس اور گنبد اُن سب سے بلند تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑا عبادت خانہ ہے۔ تھائیس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہاں کے لوگ برف، پانی، آگ اور پہاڑوں کے دیوتاؤں کی پُوجا کرتے ہیں۔ دن کی روشنی میں تھائیس آگے بڑھتی چلی گئی۔

وہ ایک پُرانے کنوئیں کے چبوترے کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک بہت بڑا سبز رنگ کا اژدہا پھنکار مار کر اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا اور لہرا لہرا کر اپنی لال لال زبان نکال کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ تھائیس پہلے تو گھبرا گئی۔ سبز اژدہے کی آنکھوں میں اس قدر جادو تھا کہ اُس کا ذہن بند ہو کر رہ گیا۔ پھر اُسے شیش ناگ کے دیے ہوئے منکے کا خیال آیا اور اسے یاد آیا کہ شیش ناگ نے کہا تھا کہ تمہیں راستے میں ہرش ناگ ملے گا۔ اسے میرا منکہ دکھا دینا۔ تھائیس نے جھٹ جھولے میں سے سبز رنگ کا منکہ نکال کر اژدہے کے آگے کر دیا۔

”اے ہرش ناگ! یہ منکہ مجھے شیش ناگ نے دیا ہے۔“

منکے کو دیکھتے ہی ہرش ناگ نے اپنا سر جھکا دیا اور بولا:

”میں اُس کا احترام کرتا ہُوں جس کے پاس یہ منکہ ہو۔ تم جا سکتی ہو۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا یہ سامنے جو شہر ہے وُہ تبت ہے؟"

"ہاں، یہ تبت کا شہر ہے۔ مگر اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا — دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔"

ہرش ناگ غائب ہو گیا اور تھامیں تبت شہر کی طرف چل پڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوداسی زندہ ہوگئی

●

تبت شہر سوگ میں ڈوبا ہُوا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر کے سب سے بڑے عبادت خانے کی مُورتی گنڈپ کی دیوداسی مرگئی تھی۔ اُس کی لاش عبادت خانے کے چبوترے پر مورتی گنڈپ کے قدموں میں پڑی تھی۔ پجاری اُس کے اردگرد لوبان اور اگر بتیاں اور عنبر سُلگائے دُعا پڑھ رہے تھے۔ یہ دیوداسی مورتی کی خاص پجارن تھی اور بچپن سے لے کر مرتے دم تک مُورتی کی خدمت کرتی رہی تھی۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب دیوداسی مرجاتی ہے تو اس کی رُوح اپنے جیسی کسی دوسری عورت کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر اُس عورت کی شکل بھی دیوداسی جیسی ہو جاتی ہے؛ چنانچہ وہاں یہ صدیوں سے دستور چلا آ رہا تھا کہ جب بھی دیوداسی مرتی تھی تو پجاری چپکے سے اُس دیوداسی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے جس کے جسم میں مرنے والی دیوداسی کی رُوح داخل ہوگئی تھی۔ جس وقت تھائیس تبت کے شہر میں داخل ہُوئی تو اس وقت پجاری بیل گاڑی میں بیٹھ کر عطر اور عرق گلاب چھڑکتے نئی دیوداسی کی تلاش میں نکلنے ہی والے تھے۔ تھائیس شہر کے باہر ایک جگہ گھوڑے سے اُتر کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھ گئی۔ اُس نے مشکیزے میں سے پانی نکال کر پیا۔ دو ایک انار کھا ک اپنی بھوک مٹائی اور سوچنے لگی کہ تبت میں وہ کہاں جائے؟ کس کے پاس جائے؟ وہاں تو اس کا کوئی بھی جان پہچان والا نہیں تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی سرائے میں جا کر ٹھہر جائے اور قسمت کے لکھے ہوئے کا انتظار کرے۔

ٹھیک اس وقت پجاریوں کی بیل گاڑی گھنٹیاں بجاتی اُس کے قریب سے گزری۔ اچانک بڑے پجاری رتناکر کی نگاہ تھائیس پر پڑ گئی۔

"گاڑی روک لو، دیوداسی کے درشن ہو گئے۔"

بیل گاڑی ایک دم روک دی گئی اور سارے پجاری گاڑی میں سے اُتر کر رتناکر کے ساتھ تھائیس کی طرف قدم قدم بڑے احترام کے ساتھ بڑھنے لگے۔ اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بڑے احترام و ادب کے ساتھ منتر پڑھ رہے تھے۔ تھائیس کے قریب آ کر سب کے سب جھک کر سجدے میں گر گئے۔ تھائیس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ پھر پجاری سجدوں میں سے اُٹھ کر ایک طرف ہاتھ جوڑے کھڑے ہو گئے۔ بڑا پجاری رتناکر ہاتھ باندھے آگے بڑھا اور سر جھکا کر ادب سے بولا۔

"اے مقدس دیوداسی، ہم اپنے دیوتاؤں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم پر اپنا رحم نازل کیا اور تمہاری روح کو پھر سے انسانی جسم عطا کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ایک بار پھر ہم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرنے کو ہمارے درمیان آگئی ہو! وگرنہ تمہاری موت کے بعد ہم سب یتیم ہوگئے تھے۔ اے مقدس دیوداسی، آگے بڑھ کر ہماری رہنمائی کر اور مقدس مندر کی مورتی گنڈپ کے چرنوں میں رہ کر ہمیں روشنی عطا کر!"

تھائیس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا اُسے ضرور محسوس ہوگیا تھا کہ کہیں کوئی زبردست غلط فہمی ہوگئی ہے۔ مگر پجاری لوگ تو بڑے یقین اور ہوش و حواس کے ساتھ اُسے اپنی دیوداسی ظاہر کر رہے تھے اور اُن میں سے ایک بھی پجاری ایسا نہ تھا جو اندھا ہو یا جس کی ذہانت پر کوئی شک کیا جا سکتا ہو۔

آخر اُس نے پوچھا:

"آپ لوگ کون ہیں اور مجھے دیوداسی کیوں سمجھ رہے ہیں؟"

رتناکر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

"مقدس دیوداسی، تم ہمارے سب سے بڑے مندر کی عظیم مورتی گنڈپ کی سب سے بڑی دیوداسی ہو۔ پہلی دیوداسی جس کی شکل ہوبہو تمہاری ہے مر گئی ہے اور اس کی روح وعدے کے مطابق تمہارے جسم میں حلول ہوگئی ہے!"

تھائیس نے پوچھا:

"مگر اِس کا ثبوت کیا ہے کہ میں ہی وہ دیوداسی ہوں جس کی روح میرے اندر داخل ہوگئی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا ثبوت یہ ہے دیوداسی، کہ مَرنے والی دیوداسی کی شکل ہو بہو تمہاری شکل جیسی ہے۔ یہ اِس لیے ہوا ہے کہ اُس کی رُوح نے تمہارے جسم میں داخل ہونے کے بعد تمہاری شکل کو اپنے جیسی کر لیا ہے۔"

"نہیں نہیں، یہ میری اپنی شکل ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کی رُوح میرے اندر داخل ہو جائے۔"

رتناکر نے جُھک کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی ہمارے ساتھ مندر میں چل کر پُرانی دیوداسی کی لاش دیکھ لو۔ پھر تمہیں یقین آ جائے گا کہ تم ہی وہ مقدس دیوداسی ہو جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے۔"

اب تھائیس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ مندر میں جائے؛ چنانچہ وہ اُن کے ساتھ چلنے کے لیے آگے بڑھی۔ پجاریوں نے شہنائیاں اور ڈھول بجانا شروع کر دیے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں نئی دیوداسی مل گئی ہے۔ وہ تھائیس کو بیل گاڑی پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں بڑی شان کے ساتھ بڑے مندر کی طرف لے گئے۔ راستے میں لوگوں نے تھائیس پر پھول برسائے اور جُھک جُھک کر اُسے سلام کیا۔ تھائیس ایک اعتبار سے خوش بھی تھی کہ ایک ایسے شہر میں اُس کا اتنا شاندار خیر مقدم ہو رہا تھا جہاں ایک لمحہ پہلے اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھہرے گی کہاں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر ساتھ ہی اُسے یہ اندیشہ بھی کھائے جا رہا تھا کہ جانے آگے چل کر کیا حالات ہوں؟ جانے وہ اب کبھی اِن لوگوں کے چنگل سے نکل سکے گی یا نہیں؟ کیونکہ وہ تو اُسے اپنی دیوداسی سمجھ بیٹھے ہیں اور کوئی بھی قوم اپنی دیوداسی یا دیوتا کو اپنے سے الگ نہیں کرتی۔

بڑا مندر شہر کے درمیان میں تھا۔

یہ وہی مندر تھا جس کا سب سے بڑا گنبد اور تکونی مینار تھائیس کو دُور سے دکھائی دیا تھا۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ نئی دیوداسی اپنا پُرانا جسم بدل کر آگئی ہے۔ لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے تھائیس پر پھول برسا رہے تھے۔ کسی کو شک کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔ کیونکہ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ نئی دیوداسی کی شکل پُرانی دیوداسی سے ہوبہو ملتی ہے۔ یہ جلوس شہر کی گلیوں اور بازاروں میں سے گزرتا بڑے مندر میں پہنچ گیا۔ مندر کی سیڑھیوں پر بھی پجاری ہاتھ باندھے کھڑے نئی دیوداسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے پھول برسا کر اور سجدے کر کے تھائیس کا استقبال کیا۔ تھائیس کو پجاری بھجن گاتے اور شہنائیاں بجاتے اور پھول برساتے مندر کے بڑے ہال کمرے میں لے گئے۔

یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کی چھت پتھر کی تھی اور کافی اونچی تھی۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مورتی کا بُت بنا ہوا تھا۔ یہ مورتی کا بُت بہت اونچا تھا۔ مورتی کی آنکھوں میں خربوزے خربوزے جتنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو سُرخ لعل چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کھلے تھے اور لمبے لمبے دانتوں میں دو سانپ لٹک رہے تھے۔ مُورتی کے قدموں میں ایک چبوترہ تھا جس پر پُرانی دیوداسی کی لاش رکھی ہُوئی تھی۔

پُجاری رتناکر نے آگے بڑھ کر دیوداسی کا ہاتھ تھاما۔ اُس پر گلاب کا عرق چھڑکا اور کہا:

"اے مقدس دیوداسی، اپنے پُرانے جسم کا مشاہدہ کرو۔ یہ دیکھو تمہارا پُرانا جسم سورگ کو جانے والا ہے۔"

تھائیس نے آگے بڑھ کر دیوداسی کی لاش کا چہرہ دیکھا تو اُس کا سر چکرا گیا۔ لاش کی شکل اُس سے ہوبہو ملتی جُلتی تھی۔ اگر رتناکر اُسے سہارا نہ دیتا تو وہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ رتناکر نے تھائیس کے ہاتھ میں سونے کا کٹورہ دے کر کہا:

"مقدس دیوداسی، اپنی لاش پر دریائے آمو کا مقدس پانی چھڑک دے تاکہ تمہارا جسم جنّت میں ابدی نیند سوئے۔"

تھائیس نے کٹورے میں ہاتھ ڈال کر پانی کا چلّو بھرا اور لاش پر چھڑک دیا۔ اس کے ساتھ ہی شہنائیاں اور ڈھول بجنے لگے۔ تھوڑی دیر تک یہ شور بپا رہا۔ پھر پُجاریوں نے آگے بڑھ کر لاش کو سفید اور سُرخ پھولوں سے ڈھانپ دیا اور موم کی شمعیں جلا کر تھائیس کو لیے آگے آگے چل پڑے۔ تھائیس نے رتناکر سے پُوچھا:

"مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مقدس دیوی! تمہارے مقدس آسمان پر ـــ جہاں تم رہو گی۔ جب تک کہ تمہاری رُوح اس نئے جسم میں ہے۔ جہاں تم آرام کرو گی اور تبت کے لوگوں پر مورتی کے ساتھ مل کر اپنی محبت کے پھول نچھاور کرو گی۔"

تھائیس سمجھ گئی کہ یہ لوگ اُسے اُس کی کوٹھڑی میں لیے جا رہے ہیں۔

یہ کوٹھڑی یا حجرہ جس کو وُہ لوگ استھان کہتے تھے مندر کے پہلو ہی میں پتھروں میں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ دروازے پر ریشم کے پردے پڑے تھے۔ آبنوس اور صندل کی مسہری پر ہیرے جواہرات جڑے تھے اور اندر خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تھائیس مسہری پر بیٹھ گئی پجاریوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ وُہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہٹتے استھان سے باہر نکل گئے۔ رتنا کر نے تالی بجائی۔ چھ سات خادمائیں سفید ساڑیاں پہنے، بالوں میں سفید پھول سجائے اندر آ گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر جُھک جُھک کر دیوداسی تھائیس کے پاؤں چُومے۔ پھر دو خادماؤں نے سونے کا ایک طشت لا کر وہاں رکھ دیا۔

رتنا کر نے جھک کر کہا:

"مقدس دیوداسی! تم آرام کرو۔ شام کو پُوجا کے وقت ملاقات ہو گی۔"

رتنا کر جُھک کر سلام کر کے چلا گیا۔

کنیزوں نے تھائیس کے پاؤں چاندی کے برتن میں نیم گرم پانی سے صاف کیے۔ پھر اُس کے بازوؤں اور سر کو دُھلا کر مُشک و عنبر میں بسا دیا۔ پھر اس کے بالوں میں موتی اور پھولوں کی کلیاں پروئیں۔ تھائیس نرم نرم ریشمی بستر پر لیٹ گئی۔ کنیزیں اُس کے قریب زمین پر بیٹھ کر لوری گانے لگیں۔ تھائیس نے ایک طویل مدت کے بعد نرم نرم ریشمی بستر دیکھا تھا۔ وُہ تھکی ہُوئی بھی تھی۔ اُسے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی اور وُہ گہری نیند سو گئی۔

وُہ ساری رات سوئی رہی۔ صبح منہ اندھیرے اُسے اُٹھا دیا گیا — اُٹھانے کا انداز بھی بڑا دل کش تھا۔ خادمائیں مور کی شکل کا ایک ساز لے کر اُس کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ بجانے لگیں جب تھائیس نیند سے بیدار ہو گئی تو کنیزوں نے اُس کے چہرے پر گلاب اور مشک چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اُس کے ہاتھ پاؤں اور چہرے کو خالص گلاب کے عرق میں دُھلایا گیا۔ اس کے بالوں میں کنگھی کر کے نئی کلیاں اور سرخ و سفید موتی پروئے گئے۔ اس کے اُوپر اُسے ایک سنہری تاروں والی چادر اوڑھائی گئی۔ باہر شہنائیاں بج اُٹھیں۔ پجاری پالکی لے کر آ گئے تھے۔

تھائیس کو پالکی میں سوار کرایا گیا۔ ایک پجاری پیچھے پیچھے مورچھل ہلا رہا تھا۔ پجاریوں نے پالکی کندھوں پر اُٹھا رکھی تھی۔ یہ خوب صورت جلوس مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گیا۔ یہاں بڑا پجاری رتنا کر اور تبت کا راجہ تھائیس دیو داسی کے استقبال کو تیار کھڑے تھے۔ جب تھائیس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن کے قریب سے گزری تو انہوں نے ادب سے اپنے سر جُھکا دیے ۔ پالکی مندر میں داخل ہو گئی ۔ پیچھے پیچھے راجہ، بڑا پجاری رتناکر اور دوسرے پجاری بھی ہاتھ باندھے جلوس کی شکل میں چل پڑے ۔ مورتی کے پاس پہنچ کر پالکی رُک گئی ۔ تھائیس پالکی سے اُتر کر ایک تخت پر بیٹھ گئی جو مورتی کے قدموں میں رکھی تھی اور جس میں بڑے ہی قیمتی رنگ برنگ کے ہیرے پتھر جڑے ہوئے تھے ۔ دیوداسی کے تخت پر بیٹھتے ہی مندر کے باہر سینکڑوں کبوتروں کو آزاد کر دیا گیا ۔ مندر کے اندر پجاری منتر گانے لگے ۔ شہنائیاں اور ڈھول تاشے بجنے لگے ۔ ہر طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی ۔ سارے شہر میں خوشی کے شادیانے بجائے جانے لگے ۔ نئی دیوداسی نے مورتی کے چرنوں میں تخت سنبھال لیا تھا ۔ اب ایک آخری رسم باقی رہ گئی تھی ۔

اچانک وہی بڑا سانپ یعنی سفید رنگ کا اژدہا جو مورتی کے دانتوں میں لٹکا ہوا تھا رینگتا ہوا نیچے اُترا اور دیوداسی تھائیس کی طرف بڑھنے لگا ۔ تھائیس کے منہ سے تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ۔ اُسے پسینہ آ گیا ۔ موسم کے مطابق تھائیس نے سانپ کو اُٹھا کر اپنے گلے میں ڈالنا تھا ۔ پجاری چونکہ اس کو دیوداسی ہی سمجھتے تھے ۔ اس لیے اُن کا یقین تھا کہ دیوداسی کو سانپ کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ مگر تھائیس کی اندر سے جان نکلی جا رہی تھی ۔ کیونکہ اُسے تو معلوم تھا کہ وہ دیوداسی بالکل نہیں ہے ۔ سانپ اُس کے قریب چلا آ رہا تھا ۔ سنگِ مرمر کے فرش پر وہ بل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھاتا رینگتا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا پھر وہ اچانک اُس کے سامنے آ کر رُک گیا اور اپنا بڑا سا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور اپنی لال آنکھوں سے تھائیس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بار بار اپنی خونی زبان نکال کر پھنکار رہا تھا۔ رتناکر نے آگے بڑھ کر کہا:

”اے مقدس دیوداسی! رسم کے مطابق اِس مقدس سانپ کو پکڑ کر اپنے گلے میں لپیٹ لے تاکہ جانوروں پر بھی تمہارا رحم ہو اور انسانوں کے علاوہ جانور بھی سورگ میں داخل ہو سکیں۔“

تھائیس کو پسینہ آ گیا۔ پھر ایک دم اُسے شیش ناگ کے دیے ہوئے منکے کا خیال آ گیا۔ اتفاق سے وہ منکہ اُس کی چولی میں پڑا تھا۔ اس نے سب کی آنکھ بچا کر چولی میں ہاتھ ڈال کر منکہ نکالا اور اُسے مٹھی میں چھپا کر وہی بند مٹھی والا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا۔ کہاں تو سانپ تھائیس کو دیکھ کر پھنکاریں مار رہا تھا اور کہاں اب یہ حال ہو گیا کہ منکے کا احساس ہوتے ہی اس نے گردن جھکا دی اور زمین پر رینگتا ہوا تھائیس کے پاؤں میں آ کر بے جان ہو کر پڑ گیا۔

تھائیس نے ایک ہاتھ بڑھا کر سانپ کو اُٹھایا اور اپنی گردن کے گرد ڈال لیا۔ اِس کے ساتھ ہی سارے مندر میں نعروں کا شور گونج اُٹھا پجاریوں نے اُونچی آواز میں بھجن گانے اور منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ اب بھلا کس کو شک ہو سکتا تھا کہ تھائیس دیوداسی نہیں ہے؟ مندر کے میناروں پر ڈھول بجنا شروع ہو گئے۔ راجہ نے آگے بڑھ کر تھائیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے آگے سر جُھکا دیا۔ ایک پجاری سونے کی طشتری میں رنگ لے کر آگے آ گیا۔ ستائیس نے طشتری میں اُنگلی ڈبو کر اس میں سے رنگ لیا اور راجہ کے ماتھے پر تلک لگا دیا۔ باقی رنگ اس نے راجہ کے کپڑوں پر پھینک دیا۔ راجہ نے دیوداسی کے پاؤں چُھو کر سلام کیا اور سونے کا ہار اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ بڑے پجاری نے ہاتھ اوپر اُٹھا کر کوئی منتر پڑھا۔

ایک دم سب لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔ دُور سے چھن چھن کی آواز آئی اور ایک رقاصہ نے ستائیس کے سامنے آ کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ سانپ ابھی تک ستائیس کی گردن میں لپٹا ہُوا تھا۔ منکے کی وجہ سے وہ بالکل مُردہ اور بے جان سا ہو رہا تھا۔ رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ وہ بار بار ناچتی ہُوئی ستائیس کے قریب آتی اور اُس کے پاؤں کو چُھو کر پھر واپس چلی جاتی۔ پھر وہ ناچتے ناچتے زمین پر لیٹ گئی۔ بڑا پجاری آگے بڑھا اور اُس نے راجہ سے کہا:

"اے راجہ دیوتا، حکم دو کہ اس رقاصہ کو مُورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے۔"

ستائیس یہ سُن کر کانپ گئی، تو کیا وہ اس لڑکی کو ہلاک کر دیں گے!

راجہ نے سر جھکا کر کہا:

"اجازت ہے میری طرف سے ـــ اس رقاصہ کو دیوداسی کے نام پر مورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے۔"

بے چاری لڑکی کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ مگر مجبور تھی۔ ایک پجاری خنجر لے کر اُس کی طرف بڑھا۔ دو پجاریوں نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر مُورتی کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ مُورتی کا پتھریلا دروازہ اپنے آپ کھُل گیا اور پجاری لڑکی کو گھسیٹتے ہُوئے مُورتی کے اندر لے گئے۔ تھائیس اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتی تھی مگر اُس کی آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔

پھر اچانک مُورتی کے اندر سے رقاصہ لڑکی کی خوفناک چیخ بلند ہُوئی۔ تھائیس کا دل لرز اٹھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ رقاصہ لڑکی کے دل میں خنجر گھونپ دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پجاری ایک پیالے میں خون اور دل لے کر باہر آگئے اور تھائیس کے آگے پیالہ رکھ کر بولے:

" اے مقدس دیوداسی، رقاصہ لڑکی کی قربانی مُورتی کے لیے قبول کر اور اس کے دل کو اپنا مقدس ہاتھ لگا تاکہ اُس کی رُوح بہشت میں آرام سے رہ سکے۔"

تھائیس نے دیکھا، سنگِ مرمر کا پیالہ خُون سے بھرا ہُوا تھا اور اُس میں ایک تازہ تازہ گرم گرم دل تیر رہا تھا۔ وُہ تو کانپ گئی مگر وہ بے بس ہو گئی تھی۔ وہ کاٹھ کی پتلی بن گئی تھی جس طرف اور جس طرح پجاری اشارہ کرتے تھے وُہ اُسی طرح کرتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دل کو چھُوا۔ دل گرم تھا۔ پجاریوں نے زور زور سے شہنائیاں اور ڈھول پیٹے۔ ایک پجاری نے سنگِ مرمر کا پیالہ راہبہ کے آگے کر دیا۔ راہبہ نے اس میں اُنگلی ڈبو کر

خون کا تلک اپنے ماتھے پر لگایا۔ بڑے پُجاری نے وہ پیالہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور مورتی کے قدموں کی طرف آگیا۔

جہاں مُورتی کے پاؤں تھے وہاں ایک چھوٹا سا چوبچہ بنا ہُوا تھا۔ پُجاری نے پیالہ دیوداسی تھائیس کی طرف اٹھایا اور زور دار آوازمیں منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ دیر تک وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اُس نے پیالے کو زور سے مورتی کے چرنوں میں پھینک دیا۔ پیالہ ٹوٹ گیا اور سارا خون مورتی کے قدموں پر پھیل گیا۔ پجاریوں نے خوشی میں بھجن گانے شروع کر دیے۔ یہ آخری رسم بھی پُوری ہوگئی تھی۔ رتناکر نے کہا۔

"اے مقدس دیوی داسی، راجہ کو اپنا آشیرباد دے۔"

راجہ نے گردن جھکا دی۔ تھائیس نے طشت میں سے پھول اُٹھا کر راجہ کے تاج میں جڑ دیے۔ راجہ نے ایک بار پھر دیوداسی تھائیس کے پاؤں چُومے اور اُلٹے واپس جا کر اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔ پُجاری باری باری قطار بنا کر مندر سے نکلنا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد مندر سے سارے لوگ راجہ کے ساتھ ہی دیوداسی کو جُھک جُھک کر سلام کرتے ہُوئے باہر چلے گئے۔ وہاں اب صرف رتناکر بڑا پُجاری رہ گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر تھائیس کے قدموں کو ہاتھوں سے چُھوا اور عرض کی:

"مقدس دیوداسی، تیرا خادم رتناکر سدا تیری خدمت کے لیے حاضر ہے۔ اسے دُعا دے، اسے آشیرباد دے۔"

تھائیس نے طشت میں سے کچھ پھول اٹھا کر رتناکر کے بالوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھ دیے۔ رتناکر نے دیوداسی کے پاؤں دوبارا چھوئے۔ اُسے سجدہ کیا اور اُلٹے قدموں واپس نکل گیا۔ اب تھائیس وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ حیران ہوئی کہ اب وہ کیا کرے۔ سب سے پہلے تو اُس نے اپنے گلے سے سانپ اتار کر پرے رکھ دیا۔ سانپ چپ چاپ رینگتا ہوا مورتی کے اوپر چڑھنے لگا۔ تھائیس ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے کہ سامنے سے دیو داسیاں ہیرے جواہرات والی پالکی لیے اندر داخل ہوئیں اور اُسے دیوداسی تھائیس کے سامنے رکھ کر جُھک گئیں۔ تھائیس سمجھ گئی کہ وہ اسے لینے آئی ہیں۔ وہ بڑے وقار کے ساتھ اُٹھی اور پالکی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھتے ہی کنیزوں نے پالکی کو کندھوں پر اٹھا لیا اور بھجن گاتیں، مورچھل ہلاتیں تھائیس کے مقدس استھان کی طرف چل پڑیں۔

تھائیس اس رات ریشمی بستر پہ نہ سوگئی۔ اسے رہ رہ کر اُس بے گناہ رقاصہ کا خیال آرہا تھا جسے سنگدل پجاریوں نے مورتی کے اندر سے جاکر ذبح کر دیا تھا اور اُس کا دل نکال کر پیالے میں رکھ کر اُس کے پاس لے آئے تھے۔ تھائیس کا دل اس ظلم پر خون کے آنسو رونے لگا۔ سب سے زیادہ اُسے اِس بات کا دکھ تھا کہ وہ اُس لڑکی کو بچانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خُونی مُورتی

●

تھائیس کو دیوداسی کے رُوپ میں وہاں رہتے ہُوئے ایک مہینہ گزر گیا۔

اُسے ہر روز چنگ بجا کر صبح صبح اٹھایا جاتا۔ کنیزیں عرق گلاب سے اُس کا ہاتھ منہ اور پاؤں دُھلاتیں۔ اُس کے بالوں میں سفید اور سُرخ موتی پروئے جاتے۔ اُس کے جُوڑے میں سفید پھُول سجائے جاتے۔ اُس کے گلے میں سُرخ گلاب کے ہار ڈالے جاتے۔ اُسے سنہری سونے کے تاروں والی اوڑھنی اوڑھائی جاتی اور پالکی میں بٹھا کر بڑی مُورتی کے قدموں میں بچھے تخت پر لا کر بٹھا دیا جاتا۔ پھر پجاری منتر پڑھتے۔ ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کے شور میں راجہ روزانہ آ کر مُورتی کی پُوجا کرتا۔ دیوداسی کے پاؤں کو چھُو کر اپنے ماتھے پر مقدس تلک لگواتا۔ دوپہر کو پُوجا پاٹھ ختم کر کے تھائیس کو واپس اُس کے استھان پر لایا جاتا۔ اُسے کھانا دیا جاتا۔ کھانے میں صرف سبز بیل کا عرق، دُودھ اور پھل کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ ایک بار تھائیس نے جَو کے آٹے کی روٹی کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تو کنیزوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ بھلا کبھی مقدس دیوداسی نے بھی روٹی کھائی ہے؟

اب تھائیس انہیں کیسے سمجھاتی کہ وہ دیوداسی نہیں ہے۔ وہ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک عام عورت ہے جس کی اتفاق سے صرف شکل پُرانی دیوداسی سے ملتی ہے۔ مگر اب وہ اُس چکر میں پھنس گئی تھی۔ وُہ چاہتی بھی تو اُس چکر سے نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اس مصیبت سے نکل کر وُہ جاتی بھی کہاں؟ اپنے وطن ہڑپہ کے وُہ اس قدر دُور تھی کہ اگر وہاں سے فرار بھی ہو جائے تو اکیلی زندہ واپس اپنے شہر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اِن حالات میں اُس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک حالات اُس کے حق میں نہیں ہوتے۔ وہ اُسی جگہ دیوداسی بن کر رہے گی اور اپنے آپ کو قسمت کے بھروسے پر رکھ کر مناسب وقت کا انتظار کرے گی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے تبت کے پجاریوں کی زندگی کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

اُس نے محسوس کیا تھا کہ بڑا پجاری رتناکر دل سے دیوتاؤں اور پتھر کے بُتوں کو نہیں مانتا۔ لیکن چونکہ وہ بڑا پجاری تھا اس لیے بُتوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتا تھا۔ بُتوں سے بغاوت کرنے کی سزا بڑی عبرت ناک موت تھی۔ کبھی کبھی رتناکر سے ملنے اس کا بوڑھا باپ آیا کرتا تھا۔ ہم آپ کو یاد دلا دیں کہ یہ بوڑھا وہی تبتی تھا جس کی جان عنبر نے بچائی تھی اور جسے ملکہ عمبکا کی قید سے نکال کر اُس نے دریائے آمو پار کرا کر تبت کی طرف بھگا دیا تھا اور جس نے عنبر سے کہا تھا کہ اگر وُہ کبھی تبت آئے تو اُسے ضرور ملے

تھائیس کے پاس بھی یہ بوڑھا تبتی ایک بار آیا۔ اُس نے تھائیس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوداسی سمجھتے ہُوئے اُس کے پاؤں چھُوئے اور دُعا کے لیے عرض کی۔ مگر تھائیس نے صاف صاف محسوس کر لیا کہ وُہ دل سے اُس کی پُوجا نہیں کر رہا۔ بلکہ مارے باندھے وہاں آیا ہے۔ ایک روز تھائیس اپنے استھان پر بیٹھی ہاروں میں موتی پرو رہی تھی کہ بڑا پجاری رتناکر اُن کے کمرے میں آیا اور جُھک کر عرض کی:

"مقدس دیوداسی، مُلک چین سے ایک پجاری آیا ہے۔ وُہ آپ کے چرن چھُوکر آشیرباد لینا چاہتا ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"رتناکر، ہمارے معزز چینی مہمان سے کہو کہ میں مندر میں اُس سے ملاقات کروں گی اور وہیں اُسے آشیرباد دُوں گی۔"

"جو حُکم دیوداسی مہارانی۔"

رتناکر جانے لگا تو تھائیس نے اُسے بُلا کر کہا:

"رتناکر، ہم نے محسوس کیا ہے کہ تمہارے بوڑھے باپ کا دل ہمارے دیوی دیوتاؤں سے دُور دُور رہتا ہے۔ کیا تمہارا باپ کسی دُوسرے دیوتاؤں کی پُوجا کرتا ہے۔"

رتناکر کو معلوم تھا کہ دیوداسی سچ کہہ رہی ہے مگر وہ اُسے تسلیم کرتے ہُوئے گھبرا رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"ایسا نہیں ہے مقدس دیوداسی، میرا باپ ہمارے سارے دیوی دیوتاؤں کی پُوجا کرتا ہے اور اُن سے ڈرتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمیں اُس کے دل کا اور تمہارے دل کا بھی حال معلوم ہے۔ سچ سچ بتاؤ۔ اصل بات کیا ہے! اگر تم نے جھوٹ بولا تو تمہارے خاندان پر ہمارا قہر نازل ہوگا۔"

رتناکر دیوداسی کے قدموں میں گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر بولا:

"مَیں سچ سچ بتاتا ہُوں مقدّس دیوداسی' میرا باپ کسی ایسے اوتار کی عبادت کرتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہُوا۔ وُہ کہتا ہے کہ ایک بہت عظیم انسان اِسی سرزمین میں جنم لے گا جو لوگوں کے دُکھوں کے لیے اپنا شاہی محل چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائے گا۔ وہی ہمارے دُکھوں کا علاج کرے گا اور ایک وقت آئے گا کہ تبت کے لوگ اُسی کی پُوجا کیا کریں گے"

تھائیں سوچ میں پڑ گئی۔ اُس نے بھی ایک دفعہ عنبر سے سُنا تھا کہ اِس دُنیا میں ابھی بہت سے عظیم انسان پَیدا ہونے والے ہیں۔ اُس نے کہا:

گھبراؤ نہیں رتناکر' ہم تمہارے باپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر وُہ دل سے ہماری پُوجا نہیں کرتا تو بے شک نہ کرے۔ مگر اُسے بتا دینا کہ وُہ کسی دُوسرے شخص سے ہمارے خلاف بات نہ کرے! ورنہ ہم اُسے کڑی سزا دیں گے۔"

"میرا باپ ایسا کبھی نہیں کرے گا مقدّس دیوی' کبھی نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔"

رتناکر تین بار جُھک کر باہر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد تھائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر تک سوچتی رہی کہ وُہ بوڑھا تبتی کس قدر دُور اندیش ہوگا اور نیک ہوگا جو آنے والے واقعات کے بارے میں بھی علم رکھتا ہے۔ اُس نے سوچا کہ بوڑھے تبتی سے کبھی نہ کبھی ضرور گفتگو کرلی چاہیے۔ پھر اس کا ذہن عنبر کی طرف چلا گیا اور سوچنے لگی کہ جانے وُہ کس حال میں ہوگا؟ کہاں ہوگا؟ اُسے کیا خبر کہ وُہ کن حالات میں تبت کے مندر میں زندگی بسر کر رہی ہے۔

رات کو سونے سے پہلے ستھائیں کا ذہن ایک بار پھر خونخوار مُورتی کی طرف چلا گیا جس کے اندر چاندگی ہر پہلی تاریخ کو ایک لڑکی کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ کسی وقت مُورتی کے اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ اُس کے اندر کیا ہے؟ مگر اُسے معلوم تھا کہ مورتی کے اندر دیوداسی قدم نہیں رکھ سکتی۔ اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر دیوداسی نے مُورتی کے اندر قدم رکھا تو مورتی پھٹ کر پاش پاش ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ دیوداسی کی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

ستھائیں نے سوچا کہ کیوں نہ آدھی رات کو بھیس بدل کر مُورتی کے اندر جایا جائے۔ اِس میں خطرہ تھا کہ کہیں وُہ پکڑی نہ جائے۔ اگر کسی نے اُسے مورتی کے اندر دیکھ لیا تو ان لوگوں کا عقیدہ یہ دیکھ کر ڈگمگا جائے گا کہ دیوداسی کے اندر آنے پر بھی مُورتی پھٹ کر پاش پاش کیوں نہیں ہُوئی؟ مگر اس نے سوچا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے بھیس

بدل کر وہاں جائے گی اور کسی کے ہاتھ نہیں آئے گی۔

وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگی۔ آخر وہ مناسب موقع آ گیا۔ ایک رات اس کی کنیزیں راجہ کی مہارانی کے محل میں دعوت پر چلی گئیں، استھان میں تھائیس اکیلی رہ گئی۔ اس نے اُٹھ کر استھان کے تمام دروازے اندر سے بند کیے۔ اپنے جسم کو سیاہ رنگ کی چادر میں لپیٹا اور کھڑکی میں سے باہر نکل گئی۔ وُہ مندر کے صحن میں دیوار کی اوٹ میں ہوتی بڑے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ بڑا دروازہ بند تھا۔ وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اُسے ایک پجاری دروازے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ تھائیس لپک کر پیچھے سائے میں آ گئی۔ پجاری نے دروازے کو کھول کر اندر جھانک کر دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اندر کوئی نہیں ہے دُوسری طرف نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد تھائیس نے جلدی سے بڑے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ دیوار کے ساتھ ساتھ مُورتی کی طرف بڑھنے لگی۔ چھت میں اُوپر ایک شمعدان میں موم بتیاں جل رہی تھیں جن کی روشنی میں مُورتی کی سُرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ سفید سانپ اس کے جبڑوں میں لٹک کر سو رہا تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔ اگر تھائیس دِن کے وقت وہاں آ کر پُوجا پاٹھ کروانے کی عادی نہ ہوتی تو اِس خوف ناک خاموشی کو دیکھ کر وہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ مگر وُہ کسی قسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ڈر کے بغیر مورتی کی طرف چپ چاپ بڑھتی چلی گئی۔ اُسے معلوم تھا
کہ مُورتی کی پشت میں وہ دروازہ ہے۔ جہاں سے پجاری بے گناہ لڑکیوں
کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے جا کر ذبح کیا کرتے ہیں اور پھر اُن کا دل نکال
کر دیوداسی کے حضور پیش کرتے ہیں۔

تھائیس اس دروازے کی طرف آ گئی۔ یہ مُورتی کی پشت تھی جسے
وہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ مُورتی کے عقبی حصے میں پتھر کا
ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جہاں تک سیاہ پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔
تھائیس نے سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کو ذرا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔
تھائیس نے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اب وُہ مورتی
کے اندر تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا۔ یہ ایک تنگ غار نما
ایک کمرہ تھا جس کی چھت کے ساتھ ساتھ اوپر تک سیڑھیاں چلی گئی تھیں
وہ سمجھ گئی کہ یہ سیڑھیاں اوپر مُورتی کی آنکھوں تک جاتی ہیں۔ ایک جانب
تنگ سا راستہ چلا گیا تھا۔ تھائیس نے اندازہ لگایا کہ یہ راستہ مُورتی کے
پیٹ کو جاتا ہے۔ وہ اس راستے میں سے گزر کر مورتی کے پیٹ میں آ گئی۔
یہ کافی کھلی جگہ تھی اور اس کے دونوں جانب پتھر کے چھوٹے چھوٹے بُت
بنے تھے۔

مُورتی کے اندر اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ اس اندھیرے میں صرف مُورتی کی
آنکھوں سے ہلکی ہلکی سُرخ روشنی نیچے پڑ رہی تھی جس نے اندر کی فضا کو
اور زیادہ ڈراؤنا اور خوفناک بنا دیا تھا۔ ایک چبوترے پر تھائیس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جما ہُوا خون دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس جگہ پر پجاری قربان کی جانے والی لڑکیوں کو ذبح کرتے ہیں۔ وہ ابھی چبوترے سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ اسے اچانک سسکی بھرنے کی آواز سنائی دی۔

تھائیس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی:

کیا یہ سسکی مورتی کی تھی! پھر یہ سسکی کس نے بھری تھی!

تھائیس نے سوچا کہ یہ محض اس کا وہم ہے۔ بھلا پتھر کی مورتی بھی کبھی سسکی بھر سکتی ہے؟ اُس نے سر کو جھٹک کر ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ سسکی کی آواز ایک بار پھر سُنائی دی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا اور بڑے غور سے سُننے لگی کہ سسکی کی آواز کدھر سے آئی تھی۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ آواز مُورتی کے بائیں پہلو کی جانب سے آئی تھی۔

وہ دبے پاؤں اُس طرف چل دی۔ ذرا آگے جا کر وہ رُک گئی۔

اب سسکی کے ساتھ کچھ اِس قسم کی دبی دبی، گھُٹی گھُٹی سی آواز آنے لگی جیسے کوئی لڑکی اپنا سر گھٹنوں میں دباتے ہوئے ڈر ڈر کر رو رہی تھی۔ تھائیس پہلے تو ڈر گئی، لیکن پھر اُس نے حوصلے سے کام لیا اور سوچا کہ اس راز پر سے پردہ اُٹھانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ مورتی کے اندر یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے۔ تھائیس نے اُس طرف رینگنا شروع کر دیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز کسی وقت بند ہو جاتی اور کسی وقت دوبارہ آنے لگتی۔ بہرحال تھائیس آواز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک جگہ اُسے آواز بالکل قریب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنائی دی۔ اُس نے دیوار کے ساتھ کان لگا دیئے۔

آواز اندر سے آ رہی تھی۔ یہ کسی لڑکی کے ہولے ہولے سسکیاں بھرنے اور رونے کی آواز تھی۔ تھائیس نے دیوار کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اُس کا ہاتھ ایک دستے سے ٹکرایا۔ اُس نے دستے کو اپنی طرف کھینچا تو دروازہ کھُل گیا۔ وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوگئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر وُہ کانپ گئی۔ دیوار کے ساتھ ایک ننھی سی شمع جل رہی تھی۔ ایک لڑکی جس کے بال کھُلے تھے، زنجیروں میں جکڑی ہُوئی دیوار کے ساتھ بندھی پڑی تھی۔ اُس کا سر لٹک رہا تھا اور وُہ آہستہ آہستہ سسکیاں بھرتے ہُوئے رو رہی تھی۔ اُس لڑکی نے بھی محسوس کیا کہ کوئی اندر آیا ہے۔ اُس نے سر اُٹھا کر اپنے سامنے ایک سیاہ لبادے میں لپٹے ہُوئے انسان کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ تھائیس نے دروازہ بند کر دیا اور اُس لڑکی کے پاس آ گئی۔ لڑکی کا مارے دہشت کے بُرا حال ہو رہا تھا۔ قریب جا کر تھائیس لے اپنے چہرے پر سے نقاب اٹھایا اور لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی نے تھائیس کو، تھائیس نے لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ لڑکی وہی رتامہ تھی جس کو پجاری نے مُورتی کے اندر لے کر ذبح کیا تھا اور جس کا دل پیالے میں رکھ کر تھائیس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ اس کے سامنے دیوداسی خود کھڑی ہے۔ وُہ سر سے لے کر پاؤں تک لرز گئی۔ قریب تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکل جاتی کہ تھائیس نے لڑکی کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گھبراؤ نہیں، مَیں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی"

لڑکی نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا:

"مقدس دیوداسی! آپ یہاں ـــ یہاں ـــ؟"

"ہاں، مَیں یہاں یہ دیکھنے آئی تھی کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں تو پچھلے دنوں ذبح کر دیا گیا تھا۔ مَیں نے خود پیالے میں تمہارا دل پڑا دیکھا تھا۔ پھر تم زندہ کیسے ہوگئیں؟"

لڑکی نے کہا:

"اے مقدس دیوی! پُجاری آپ کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ وُہ جن لڑکیوں کو یہاں قربان کرنے کے لیے لاتے ہیں، انہیں ذبح نہیں کرتے بلکہ اُن کی جگہ ایک بکری کو ذبح کر کے اس کا خُون اور دل پیالے میں ڈال کر آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں"

"اور وُہ لڑکیاں کہاں جاتی ہیں جنہیں وہ قربان کرنے کے لیے یہاں لاتے ہیں؟"

"یہ مَیں نہیں جانتی اے مقدس دیوی! مجھے صرف اتنا معلوم ہُوا ہے کہ ان سب لڑکیوں کو پجاری کسی جگہ جمع کر کے کسی دُوسرے ملک بھجوا دیتا ہے"

تھائیس ایک دم سمجھ گئی کہ بڑا پُجاری ان لڑکیوں کو دُوسرے شہروں میں اپنے آدمیوں کے ہاتھوں کھُلے بازاروں میں کنیزیں بنا کر بکوا دیتا ہے اور ڈھیروں سونا کماتا ہے۔ اُسے اپنا زمانہ یاد آگیا جب وُہ بھی ایک کنیز بنا کر مصر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بازار میں کئی بار فروخت کی گئی تھی۔ تھائیس کو بڑے پجاری سے نفرت ہو گئی۔ اُس نے لڑکی سے پُوچھا:

"تمہیں معلوم ہے باقی لڑکیاں کہاں قید ہیں؟"

"نہیں مقدس دیوداسی، مجھے یہ نہیں معلوم"

"پجاری تمہیں یہاں کس لیے چھوڑ گیا ہے؟"

"اے دیوداسی! میں نے اُس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے مُورتی پر قربان کیا جائے! چنانچہ پجاری نے مجھے ایک بوڑھی مکّار عورت کے حوالے کر دیا جو کئی روز سے مجھ پر ظلم کر رہی ہے۔ اُس نے مجھے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور مجھے بھُوکا پیاسا رکھ کر مجبور کر رہی ہے کہ میں اُس کے ساتھ چلی جاؤں اور قربان ہونے سے انکار کر دوں"

"وہ بوڑھی عورت کہاں ہے؟"

"وہ ابھی ابھی باہر گئی ہے بس آ رہی ہوگی"

تھائیس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"فکر نہ کرو لڑکی، میں تمہاری مدد کروں گی۔ لیکن تمہیں میری ایک شرط ماننی ہوگی"

"میں ضرور مانوں گی دیوداسی، میں تو آپ کی داسی ہوں"

"سُنو، اب میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ خبردار کسی کو ہرگز ہرگز یہ نہ بتانا کہ مقدس دیوداسی یہاں آئی تھی۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو تم پر میرا

قہر نازل ہوگا۔"

"میں کبھی نہیں بتاؤں گی مقدس دیوداسی۔"

"شاباش، اب میں جاتی ہوں۔ میں کل رات اسی وقت پھر آؤں گی اور تمہیں ان لوگوں کے ظلم سے بچا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"کیا آپ آئیں گی مقدس دیوداسی؟"

"میں ضرور آؤں گی۔"

اتنا کہہ کر تھائیس چپکے سے باہر نکل آئی۔ وہ واپس جا رہی تھی کہ اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ تھائیس جلدی سے دیوار کے سائے میں چھپ گئی۔ ایک بوڑھی عورت ہاتھ میں پانی کا کٹورا تھامے چلی آ رہی تھی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا۔ بوڑھی عورت اس کے قریب سے گزر گئی۔ اسے پتہ نہ چل سکا کہ اس کے پاس ہی ان کی مقدس دیوداسی سیاہ نقاب اوڑھے چھپی ہوئی تھی۔

تھائیس دبے پاؤں چلتی ہوئی مورتی کے پیٹ میں آگئی۔ یہاں سے گزر کر وہ مورتی کے عقب والے اس دروازے میں آگئی جہاں سے گزر کر وہ اندر آئی تھی۔ وہ چپکے سے دروازے میں سے نکل کر بڑے کمرے میں آگئی اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اچانک اسے بڑے پجاری کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے باتیں کرتا ہوا مورتی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ تھائیس فوراً دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گئی۔ بڑا پجاری رتناکر ایک چھوٹے پجاری کے ساتھ باتیں کرتا آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر یہ لڑکی کل رات تک چلنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے قتل کر کے اِس کی لاش دریا میں بہا دی جائے۔ مَیں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ قافلہ جانے کو تیار ہے۔ صرف اِس لڑکی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

چھوٹے پُجاری نے کہا:

"سرکار، دو ایک روز اور انتظار کر لیا جائے۔ یہ لڑکی بڑی خوبصورت ہے۔ مِصر کی منڈی میں اس کی بڑی قیمت پڑے گی۔ کچھ نہیں تو ایک ہزار سونے کے سکّے تو ضرور مِل جائیں گے۔"

"وُہ تو ٹھیک ہے مگر اس کی خاطر مَیں اپنا باقی نقصان نہیں کر سکتا۔ دُوسری بھی تو بیس پچیس لڑکیاں ہیں جنہیں مصر میں جا کر فروخت کروانا ہے۔ اُن کو میں کہاں تک یہاں چھپائے رکھوں، اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا؟"

"مَیں کوشش کروں گا کہ لڑکی چلنے پر تیار ہو جائے۔"

"ہاں، ضرور کوشش کرو، مَیں بھی اُسے چل کر سمجھاتا ہُوں۔ مگر اصل کام تم میرے بعد کرنا۔"

وُہ باتیں کرتے ہُوئے تھائیں کے قریب سے گزر گئے۔ وُہ اب پوری طرح سمجھ گئی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ گویا بڑا پُجاری رتناکر دُوسرے پُجاری کے ساتھ مل کر عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ قربان ہونے والی لڑکیوں کی جگہ وُہ بھیڑ بکریوں کو مورتی کے اندر جا کر ذبح کرتا ان کا خون اور دل لا کر دیوداسی کو پیش کرتا اور لڑکیوں کو قافلے میں شامل کر کے مصر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منڈی میں بھجوا کر کنیزیں بنا کر بکوا دیتا تھا۔ تھائیس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ ساتھ باقی لڑکیوں کو بھی ضرور بچائے گی اور انہیں کبھی دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھانے دے گی۔ وہ چپکے سے مندر کے کمرے سے نکل کر اپنے استھان میں آگئی اور مسہری پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ کل رات اس لڑکی کو بچا کر وہ کہاں چھپائے گی؟

کیا دیوداسی نے قربان ہونے والی لڑکی کو بچا لیا؟ تھائیس کا بھید کیوں کر کھلا کہ وہ دیوداسی نہیں بلکہ ایک قید سے بھاگی ہوئی کنیز ہے؟ کیا عنبر وحشی ملکہ کو ہن قبائل میں پہنچانے میں کامیاب ہو گیا؟ عنبر اور تھائیس کی تبت میں کن حالات میں ملاقات ہوئی؟

یہ آپ اسی ناول کے آٹھویں حصے "مردوں کی سرائے" میں پڑھیں۔

مُردوں کی سرائے

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۔ ۸

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

مُردوں کی سرائے

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ـــــ حیدرآباد ـــــ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع و ناشر : شیخ نیاز علی
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس۔ ۱۷ - ہسپتال روڈ۔ لاہور
[redacted] : [redacted] -

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پبلشرز)
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی۔ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلا باب	زنجیر ٹوٹ گئی
دوسرا باب	ویران خانقاہ
تیسرا باب	مرتبان کا بھوت
چوتھا باب	چنگیز خاں کے قبیلے میں
پانچواں باب	رقاصہ کہاں گئی ؟
چھٹا باب	بھید کھل گیا
ساتواں باب	مُردوں کے سرائے
آٹھواں باب	تبّت کا دربار
نواں باب	مورتی زندہ ہو گئی
سواں باب	سانپ کے منہ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنو پیارے بچو!

تھائیس شہزادی ۔۔۔ مندر کی ایک دیوداسی کے روپ میں، تبت کے بڑے مندر میں، بہت بڑی مورتی کے اندر قید ناچنے والی لڑکی سے وعدہ کرنے آئی ہے کہ وہ کل رات اُسے قید کی کال کوٹھڑی میں سے نکال کر لے جائے گی۔ دوسری طرف اُسی رات مندر کا بڑا پجاری اُس لڑکی کو قافلے کے ساتھ روانہ کرنے والا ہے۔ یہ لوگ مصر اور شام میں جا کر عورتوں اور مردوں کو کنیزیں اور غلام بنا کر بیچتے ہیں۔ تھائیس آدھی رات کو بڑی مورتی کے اندر جا کر رقاصہ لڑکی کو چھڑا کر اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ دوسری جانب ملکہ عمبکا ہمارے ہیرو عنبر کے ساتھ تبت کے ہُن قبیلے کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اُن کے پیچھے موہنجو دارو کی شاہی فوج کے دستے لگے ہیں۔ آخر یہ بھید کھل گیا کہ تھائیس دیوداسی نہیں۔ عنبر اور تھائیس کی ملاقات کیسے ہوئی؟ یہ آپ اس ناول میں پڑھیں۔

اے حمید

زنجیر ٹوٹ گئی

رقاصہ لڑکی مورتی کے تہہ خانے میں زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔

بڑے پجاری رتناکر نے بوڑھی عورت کو سختی سے تاکید کی کہ وہ رقاصہ لڑکی کو مار پیٹ کر اس بات پر راضی کرے کہ وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ قافلے میں شامل ہونے پر تیار ہو جائے۔ کیونکہ قافلہ اگلے روز صبح صبح وہاں سے خفیہ طور پر روانہ ہو رہا تھا رتناکر دوسرے پجاری کے ساتھ مل کر ان لڑکیوں کو مصر روانہ کر دیتا تھا۔ ہاں وہ منڈی میں بھیڑ بکریوں کی طرح بیچ دی جاتی تھیں۔ س کی کسی کو خبر نہ تھی۔ مگر تھائیس پر یہ بھید کھل چکا تھا اور اس نے نہ صرف فیصلہ کر لیا تھا بلکہ رقاصہ لڑکی سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ضرور بچا لے گی۔ اپنے رے میں آ کر وہ سارا دن سوچتی رہی کہ اسے کسی طرح ہاں سے نکال کر کہاں چھپایا جائے۔ اور چھپانے کے بعد ہ اسے کہاں لے کر جائے گی۔ ایک طرح سے تو تھائیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود بھی وہاں قید تھی۔ وہ خود وہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی مگر ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

بہرحال رقاصہ لڑکی کی یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تھائیس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آدھی رات کو رقاصہ لڑکی کو وہاں سے نکال لائے گی۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائیگا۔ کم از کم وہ پردیس میں غلام بن کر بےبسی کی زندگی بسر کرنے سے تو بچ جائے گی۔ روز کی طرح تھائیس نے دیوداسی کے روپ میں مذہبی رسمیں ادا کیں۔ ماجہ کو تلک لگایا۔ بڑے پجاری رتناکر کو پھول دیئے اور عطر و لوبان کی خوشبو میں پجاریوں کے منتر سنے۔ اس دوران میں اس کا دھیان مورتی کے اندر قید لڑکی کی طرف ہی لگا رہا۔ وہ سوچتی رہی کہ رات کو اسے وہاں سے نکال کر کہاں چھپائے؟ تیسرے پہر تھائیس کو مقدس پالکی میں بٹھا کر واپس استھان لایا گیا۔ یہاں کنیزوں اور خادماؤں نے اسے غسل دیا۔ نئے کپڑے پہنائے اور وہ مسہری پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ رات کو ہلکا سا کھانا کھا کر اس نے خادماؤں کو جلدی بھیج دیا اور نیند کا بہانہ بنا کر سو گئی۔

وہ جاگ رہی تھی۔ آج کی رات بڑی خاص رات تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج آدھی رات کے وقت اُسے چوری چھپے مندر کی بڑی
مورتی کے اندر داخل ہو کر رقاصہ لڑکی تنسو کو بچانا تھا اور
اُسے اپنے ساتھ لا کر کہیں چھپا دینا تھا۔ تھائیس کے
سرہانے ایک ریت گھڑی رکھی تھی۔ وہ بڑی بے تابی
سے رات کے آدھی گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس
اُس کے کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اُس نے شمع بھی بجھا
دی تھی۔ صرف کونے میں پیتل کی تھالی میں ایک موم بتی
جل رہی تھی۔ کھڑکی میں سے اُسے آسمان پر چمکتے ہوئے
ستارے صاف نظر آ رہے تھے۔ رات آدھی گزر گئی
تو تھائیس آہستہ سے اپنے بستر پر سے اٹھ بیٹھی۔ اُس
نے اپنے جسم کو سیاہ چادر میں چھپایا اور موم بتی بجھا
کر دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کا ایک پٹ
آہستہ سے کھول کر چاروں طرف غور سے دیکھا اور پھر
یہ اطمینان کر لینے پر کہ وہاں کوئی نہیں وہ چپکے سے
باہر نکل آئی۔

دروازہ بند کر کے وہ دبے پاؤں مندر کے بڑے کمرے
کی طرف روانہ ہو گئی۔

مندر میں ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی کہیں
کہیں کونے میں دھیمی دھیمی شمع جل رہی تھی جس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی زیادہ نہیں تھی۔ تھائیس دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی بڑے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ جب وہ مورتی کے دروازے میں داخل ہونے لگی تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اندر سے کوئی شخص باہر آ رہا ہے۔ اُسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز بھی سنائی دی۔ تھائیس جلدی سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئی۔ باتیں کرنے کی آوازیں قریب آ گئیں اور پھر دروازہ کھلا اور رتناکر پجاری کے ساتھ باہر نکلا۔

وہ پجاری کو کہہ رہا تھا۔

"اگر یہ لڑکی تیار نہ ہوئی تو ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہو گا کہ اسے ہلاک کر کے دریائے آمو میں پھینک دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ زندہ رہ کر ہمارا راز فاش کر دے گی اور ہمیں اپنا راز اس لڑکی کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔"

پجاری نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ اپنی ضد چھوڑ دے گی۔"

"مگر اب تو وقت ہی باقی نہیں رہا۔ پو پھٹتے ہی ہمارا خفیہ قافلہ مصر کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔ اگر یہ لڑکی اس قافلے کے ساتھ نہ گئی اور اس نے شور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مچا دیا تو ہمارا بھانڈا ٹھیک چوراہے میں پھوٹ جائے گا اور راجہ ہم سبھوں کی گردنیں اتار کر شہر کے دروازوں میں لٹکا دے گا۔"

پجاری ڈر سا گیا۔ اُس نے کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا رتناکر! ہم اُس لڑکی کو زبردستی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

رتناکر نے کہا۔

"یہی تو ہم کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اسے بڑی آسانی سے ہلاک کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کر سکتے ہیں مگر اسے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ ضرور شور مچا دے گی اور ہمارا راز کھل جائے گا اور ہمیں کہیں سر چھپانے کو بھی جگہ نہ ملے گی۔"

پجاری نے جواب دیا۔

"آخر ایسی بھی مشکل کیا ہے رتناکر! ہم نے اتنی لڑکیوں کو قابو کر کے فروخت کیا ہے۔ کیا ہم سے یہ لڑکی قابو نہیں آئے گی؟ اگر چاروں طرف سے مجبوری ہو گئی تو ہم اس کے سر پر ہتھوڑا مار کر اسے بے ہوش کر کے قافلے کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔"

"ظاہر ہے مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ بہر حال میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا رہا ہوں - اب تم ٹھیک ایک پہر کے بعد پو پھٹتے ہی یہاں پہنچ جانا - میں تمہارا انتظار کروں گا - قافلہ شہر سے باہر دریا کنارے ہماری راہ دیکھ رہا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں میں پہنچ جاؤں گا۔"

تھائیس دیوار کی اوٹ میں چھپی اُن دونوں خطرناک پجاریوں کی گفتگو سُن رہی تھی، جب وہ باتیں کرتے دُور نکل گئے تو تھائیس اندھیرے میں نکل کر مورتی کے دروازے کی طرف بڑھی - وہ دروازہ آہستہ سے کھول کر اندر داخل ہو گئی - مورتی کے اندر کا راستہ سنسان اور اندھیرا تھا - وہ دبے پاؤں چلتی گئی - آخر وہ اُس کوٹھڑی کے باہر آ گئی - جس کے اندر وہ رقاصہ لڑکی قید تھی - تھائیس نے ذرا سا دھکا دے کر دروازے کا پٹ کھول دیا - اندر لڑکی زنجیروں کے ساتھ جکڑی قید تھی۔

تھائیس کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر مسرت کی چمک آ گئی -

"مقدس دیوداسی! مجھے آپ کا ہی انتظار تھا - آپ مجھے یہاں سے نجات دلانے والی بن کر آئی ہیں - وہ لوگ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ چلوں - مگر میں نے مسلسل انکار کیا - وہ تھوڑی دیر بعد پھر آئیں گے"

"لڑکی! یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں - میں نے اُن دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ساری گفتگو سُن لی ہے۔ وہ تمہیں بیہوش کرکے لے جانے کی فکر میں ہیں۔ مگر اُن کے آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔"

تھائیس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک پتھر اٹھایا اور اُس کی ضربوں سے لڑکی کی زنجیریں توڑ دیں۔ لڑکی آزاد ہو گئی تو تھائیس نے کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے چپ چاپ چلتی آؤ"

لڑکی تھائیس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔ مورتی کے پیٹ سے نکل کر وہ مندر کے بڑے کمرے میں آ گئے۔ تھائیس بائیں جانب گھومنے لگی تو اُس نے بڑے پجاری رتناکر اور چھوٹے پجاری کو مورتی کی طرف آتے دیکھا۔ وہ لڑکی کو لے کر جلدی سے ایک بُت کے پیچھے چھُپ گئی۔ پجاری کے ہاتھ میں لکڑی کا ہتھوڑا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی کو بے ہوش کرکے لے جانے کے لیے آ رہے تھے۔ جب وہ قریب سے گزرے تو رتناکر نے کہا۔

"ہتھوڑے کی چوٹ لڑکی کے سر کے پیچھے لگانا۔ خیال رکھنا۔ چوٹ زیادہ نہ لگے۔ خون نہ بہے۔ بس وہ بیہوش ہو جائے۔"

"فکر نہ کرو رتناکر! میں اس سے پہلے کئی لوگوں کو ہتھوڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار کر بے ہوش کر چکا ہوں۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ قافلے والے دریا کنارے صرف ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"بس مورتی کے اندر جا کر ہتھوڑے کی چوٹ لگانے کی دیر ہے"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے تو تھائیس نے سرگوشی سے لڑکی کو کہا۔

"جلدی سے مرے پیچھے آ جاؤ"

وقت بڑا نازک تھا ایک پل کے بعد رتناکر اور پجاری کو معلوم ہو جانے والا تھا کہ رقاصہ لڑکی بھاگ گئی ہے اور یہ اُن کے حق میں انتہائی خطرناک بات ہو سکتی تھی۔ لڑکی کو ہلاک کر کے یا اسے وہاں سے اغوا کر کے وہ محفوظ تھے۔ مگر لڑکی کے بھاگ جانے پر ان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ تھائیس نے معاملے کی سنگینی کے پیش نظر رقاصہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور قریباً گھسیٹتی ہوئی اسے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔ اُس کے کمرے کے باہر ایک دھیمی سی شمع جل رہی تھی۔ تھائیس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور لڑکی کو لے کر اندر گھس گئی۔ اُس نے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے ہی دروازہ بند کر لیا اور لڑکی سے کہا

"ذرا میرے پلنگ کے نیچے چھپ جاؤ۔ جلدی"

وقاصہ لڑکی گھبرائی ہوئی تھی۔ بے چاری اُسی وقت تھائیس کے پلنگ کے نیچے گھسی اور دم سادھ کر لیٹ گئی۔ تھائیس کے پلنگ پر کم خواب اور ریشم کی چادر اس طرح بچھی تھی کہ اُس کے کنارے نیچے زمین پر بچھے ہوئے بکرے کی اُون کے سفید قالین کو چھو رہے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی پلنگ کے نیچے لیٹا ہوا ہو تو وہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ تھائیس نے اپنا سیاہ لبادہ اتار کر صندوق میں رکھا اور شمع گل کر کے پلنگ پر اس طرح لیٹ گئی جیسے سو رہی ہو۔

اُدھر بڑا پجاری رتناکر چھوٹے پجاری کے ساتھ لکڑی کا ہتھوڑا لے کر کوٹھڑی میں داخل ہوا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ زنجیریں ٹوٹی ہوئی تھیں اور لڑکی غائب تھی۔ یہ بڑی ہی خطرناک بات تھی۔ لڑکی کا قید سے بھاگ جانا اُس کے لیے انتہائی ذلت آمیز موت کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے کہ لڑکی کو معلوم تھا کہ بڑا پجاری قربان ہونے والی لڑکیوں کو فروخت کر دیتا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ صبح دریا کے کنارے سے ایک خفیہ قافلہ لڑکیوں کو لے کر روانہ ہونے والا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بڑا غضب ہو گیا۔ فوراً لڑکی کو تلاش کرو"

رتناکر نے گھبراہٹ سے کہا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

دونوں پجاری پاگلوں کی طرح لڑکی کو مندر میں اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے۔ مگر وہاں تو سوائے اندھیرے اور گہری خاموشی کے اور کچھ نہیں تھا۔ سب سے زیادہ پریشانی رتناکر کو تھی کیونکہ لڑکی کی گمشدگی کے ساتھ اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا تھا۔ انہوں نے مندر کا کونا کونا چھان مارا مگر اسے رقاصہ لڑکی کا کہیں سُراغ تک نہ ملا۔ وہ بڑے حیران تھے کہ عین وقت پر کیسے کون زنجیریں توڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ کسی غیر آدمی کی ہمّت نہیں تھی کہ وہ مندر کے اندر یا مورتی کے اندر قدم بھی رکھ سکے۔ یقیناً یہ کام کسی بھیدی کا تھا۔

"مگر وہ بھیدی کون ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"میرا خیال ہے ہمیں باہر چل کر لڑکی کو تلاش کرنا چاہیئے۔"

"باہر تو شہر سو رہا ہے۔ گلیاں اور بازار سنسان ہیں۔ وہاں ہمیں اُس کا سراغ کہاں ملے گا؟"

دونوں پجاری مندر کی تلاشی لینے کے بعد پریشانی کی حالت میں باہر نکل آئے۔ انہوں نے باہر آ کر ارد گرد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھیلے ہوئے گڑھوں اور چھوٹے پتھروں کے بتوں کے پیچھے بھی تلاش کیا مگر لڑکی کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی۔ وہ وہاں سے لپک کر اُس بوڑھی عورت کی کوٹھڑی میں گئے جو اُس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ بوڑھی عورت ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے جب سُنا کہ لڑکی کو کوئی آزاد کر کے لے گیا ہے تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ کیونکہ اُس جُرم میں وہ بھی برابر کی شریک تھی اور لڑکی کے بھانڈا پھوڑ دینے پر وہ عورت بھی پھانسی کے پھندے سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اُس نے کہا

"میں تو اُسے اچھا بھلا چھوڑ کر آئی تھی۔"

"مگر تم نے کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کیوں نہیں کیا؟"

"وہ تو کبھی بھی تالہ نہیں لگا کر رکھا تھا۔ ہمیشہ ایسے ہی کھُلا رہتا تھا۔ اس لئے کہ کسی کی جرأت نہیں کہ مورتی کے اندر داخل ہو۔"

"اب تو پھر کوئی اندر داخل ہو کر لڑکی کو آزاد کرا کے لے گیا ہے اور ہماری سب کی جان خطرے میں ہے۔ اگر لڑکی نے راجہ کے دربار میں جا کر ہمارے بارے میں سارا راز فاش کر دیا تو راجہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"مگر اُس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ہم اُسے دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک میں فروخت کرنا چاہتے تھے؟"

"کوٹھڑی میں ٹوٹی ہوئی زنجیریں ہمارے گناہ کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔"

"ہم اُن زنجیروں کو ابھی غائب کر دیتے ہیں۔"

"لیکن اگر راجہ نے پوچھا کہ اس لڑکی کو تو دیوتاؤں کے آگے قربان کر دیا گیا تھا۔ یہ پھر زندہ کیسے بچ گئی۔ اور پیالے میں خون کس کا تھا؟"

بڑے پجاری زنتاکر کے اس سوال کا کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ چھوٹے پجاری نے کہا۔

"پھر اب کیا کیا جائے زنتاکر؟"

زنتاکر نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے تو خفیہ جانے والے قافلے کو فوراً روانہ کر دیا جائے تاکہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ تبّت کی سرحدوں سے دُور نکل جائے اس کے بعد خاموشی سے اپنے طور پر لڑکی کی تلاش جاری رکھی جائے اور کسی سے کوئی بات نہ کی جائے۔ اگر کہیں لڑکی نظر آ جائے تو اُسے اُسی وقت اُسی جگہ ہلاک کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ ہمارے گناہوں کا چلتا پھرتا زندہ ثبوت ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے ہم سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد دونوں پجاری دریا کی طرف چلے گئے جہاں نقیبہ قافلہ تیار کھڑا تھا۔ انہوں نے جاتے ہی قافلے والے سے کہا کہ جس لڑکی کو آنا تھا وہ بہت زیادہ بیمار ہو گئی ہے اس لئے قافلہ اُس کے بغیر ہی روانہ ہو جائے۔ انہوں نے قافلے کو اُسی وقت روانہ کر دیا۔ قافلہ جب اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ واپس مندر میں آ گئے اور اپنی کوٹھڑی میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ رقاصہ لڑکی کو کہاں تلاش کیا جائے اس سے پہلے انہوں نے قید خانے کی کوٹھڑی میں جا کر زنجیروں کو دیواروں سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا اور وہاں سے سارے ثبوت ختم کر دیئے تھے۔

رات کے سائے صبح کی روشنی میں گم ہونے لگے تھے۔ تھائیس یعنی مورتی مندر کی دیوداسی اپنے پلنگ پر خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں کنیزیں اُس کا منہ ہاتھ دھلانے آ جائیں گی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ بُڈھا پجاری لڑکی کی تلاش میں اُدھر نہیں آئے گا تو اُس نے چپکے سے اُٹھ کر مسہری کے نیچے جھانک کر کہا۔

"باہر آ جاؤ اب"

لڑکی سہمی ہوئی تھی۔ وہ باہر نکل آئی۔ تھائیس اُسے لے کر اپنے کمرے کی ایک پچھلی کوٹھڑی میں آ گئی۔ یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لکڑی کے پرانے صندوق پڑے تھے ۔ تھائیس نے لڑکی کو کہا ۔

"جب تک تمہارے یہاں سے نکلوانے کا کوئی اور بندوبست نہیں ہوتا تم اس کوٹھڑی میں چھپی رہو ۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی ۔ میں خود تمہیں کھانے پینے کی ہر چیز پہنچا دیا کروں گی ۔"

"اے مقدس دیوداسی ! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں ۔ تم نے میری زندگی کو تباہی سے بچا کر مجھ پر ایک ایسا احسان کیا ہے جسے میں ساری زندگی فراموش نہیں کروں گی ۔"

"یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا ۔ ابھی میرا فرض پورا ادا نہیں ہوا ابھی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچانا ہے جہاں تم باقی زندگی عزت اور آبرو کے ساتھ بسر کر سکو ۔ ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آ سکا کہ تمہارے لیے وہ جگہ کونسی ہو سکتی ہے ۔"

"کاش میرے ماں باپ یا بہن بھائی زندہ ہوتے مگر میرا تو اس دنیا میں سوائے آپ کے اے مقدس ہستی اور کوئی نہیں ہے ۔"

"رب عظیم تمہاری حفاظت کرے گا ۔" اے رقاصہ لڑکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر تم کو اُس نے اس اندھیری کوٹھڑی سے نکال دیا ہے تو اس کے بعد بھی وہ تمہاری ضرور حفاظت کرے گا۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔ میری کنیزیں آ رہی ہوں گی"۔

تھائیس رقاصہ لڑکی کو پچھلی کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا کر اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کنیزیں، عطر، لوبان اور مشک و عنبر لے کر خواب گاہ میں آ گئیں۔ ایک کنیز نے چنگ پر صبح کا نغمہ چھیڑ دیا۔ تھائیس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ ابھی ابھی سو کر اُٹھی ہو۔ کنیزوں نے عطر گلاب سے اُس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اُس کے سیاہ بالوں میں موتی اور گلاب کی سفید کلیاں پروئیں۔ اُس کے پاؤں گلاب کے عرق میں دھوئے اور پالکی میں سوار کرا کر اُسے کندھوں پر اُٹھا مندر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

مندر میں راجہ، اُس کے وزیر، پجاری اور رتناکر مورتی کے آگے کھڑے تھے۔ دیوداسی کی پالکی کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دیئے۔ تھائیس نے محسوس کیا کہ رتناکر اور چھوٹے پجاری کے چہروں پر پریشانی تھی۔ لڑکی کی گمشدگی کی وجہ سے وہ بے چین تھے اور بار بار کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھ رہے تھے۔ تھائیس ان کی پریشانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی وجہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ اس لئے کہ جس کوٹھڑی کے اندر رقاصہ لڑکی بند تھی اُس کی چابی تھائیس کی ساڑھی کے پلّو کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں سے اُسے کوئی بھی دوبارہ اغوا نہیں کر سکتا۔ تھائیس نے بڑے سکون کے ساتھ مورتی مندر کی مذہبی رسمیں ادا کیں اور پالکی میں سوار ہو کر واپس اپنے استھان میں آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویران خانقاہ

عنبر ملکہ عمبکا کو ساتھ لے کر ہُن قبائل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اُس کے پیچھے موہنجو داڑو کی شاہی فوج کے سپاہی لگے اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہیں بادشاہ شہزادے کی طرف سے حکم تھا کہ ملکہ عمبکا کو زندہ یا مُردہ گرفتار کر کے اُس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ عنبر ملکہ کو موہنجو داڑو کے قید خانے سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ وہ اُسے اُس کے قبیلے میں سپرد کر کے خود آگے تبت کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہی فوج اُس کے پیچھے لگی ہوگی۔ اسی لئے اُس نے راستے میں کسی جگہ بھی آرام نہیں کیا تھا اور وہ مسلسل سفر کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گئے۔ ان کے گھوڑے بھی تھکن سے چُور ہو گئے۔ اب وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ دم بھر کر آرام بھی کر لیں اور جہاں انہیں گھوڑوں کے لیے پانی بھی مل جائے۔ ملکہ عمبکا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس علاقے سے واقف ہوں۔ یہاں سے تھوڑی دُور ایک سیاہ پہاڑ کے دامن میں ایک ویران خانقاہ ہے جہاں ایک چھوٹا سا پہاڑی چشمہ بہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم وہاں چل کر تھوڑی دیر آرام کریں گے۔"

انہوں نے گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ چلتے چلتے آخر وہ اُس سیاہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ایک خانقاہ دیکھی جس کی چھت پر تکونی مینار ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا اسی خانقاہ کا تم کہہ رہی تھیں عمبیکا؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے یہ وہی خانقاہ ہے۔"

قریب پہنچ کر عنبر نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ چشمے کے اوپر پتھروں کی ایک چھت تھی جس پر سبز انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ خود منہ ہاتھ دھویا اور انگور کھائے۔ اور گھوڑوں کو اِدھر اُدھر گھاس پتے چرنے کے تنہا چھوڑ دیا۔

تازہ دم ہونے کے بعد عنبر اور عمبیکا دونوں خانقاہ کے اندر چلے گئے۔ یہاں سوائے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے پتھروں اور ایک کونے میں بنے ہوئے چبوترے کے اور کچھ نہ تھا صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ خانقاہ ایک عرصے سے ویران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلی آ رہی ہے۔ عنبر نے عمبکا سے پوچھا۔

"کیا تم اس سے پہلے بھی یہاں آئی ہو؟"

عمبکا نے کہا۔

"بہت دیر کی بات ہے کہ میں ادھر سے اپنی فوج کے ساتھ گزری تھی۔ یہ خانقاہ ان دنوں بھی اسی طرح ویران تھی۔ میں نے یہاں کسی راہب یا لاما کو نہیں دیکھا تھا۔"

"یہ خانقاہ مجھے کسی مرے ہوئے لاما کی معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے اندر چبوترے کے پاس جو مٹی کا مرتبان پڑا ہے اس میں ضرور اس مرے ہوئے لاما کی راکھ ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں تو یہاں گھڑی دو گھڑی آرام کر کے آگے نکل جانا ہے۔ اس لیے کہ شاہی فوج کے سپاہی ضرور ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے عمبکا۔ مگر مجھے خانقاہوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ خاص طور پر ایسی خانقاہوں سے جہاں کسی مرے ہوئے پجاری یا دیوداسی کی راکھ پڑی ہو۔"

"تم مجھے وہمی انسان معلوم ہوتے ہو۔ حالانکہ ایک بہادر نوجوان کو وہمی نہیں ہونا چاہیئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بہادر نوجوان ہو۔ پھر تم اتنا وہم کیوں کرتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرا وہم نہیں ہے عمبکا۔ بلکہ میرا شوق ہے۔"

"کیا تمہیں روحوں کو دیکھنے اور اُن سے باتیں کرنے کا شوق ہے؟"

"ہاں"

"کیا تم نے کسی روح کو آج تک دیکھا ہے؟ کسی روح سے کبھی بات کی ہے؟"

"نہیں"

عنبر نے دل کی بات دل ہی میں رہنے دی اور عمبکا کو اپنے بارے میں بالکل نہ بتایا کہ وہ روحوں سے باتیں کر لیتا ہے اور اُس نے کئی روحوں کو اپنے سامنے دیکھا ہے۔ بلکہ وہ خود ایک روح تھا۔ اگر روح نہ ہوتا تو دو ہزار برس سے کیسے زندہ چلا آتا؟ عنبر اٹھ کر خانقاہ کے اندر چلا گیا۔ وہ دیواروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ مٹی کے پرانے مرتبان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ مرتبان پر مکڑی نے جالا بُن رکھا تھا اور اُس کا آدھا حصہ زمین کے اندر دفن تھا۔ عنبر نے مرتبان کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ سخت ٹھیکرا تھا۔ اچانک اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے سسکی بھری ہو۔ وہ چونک سا گیا۔ اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلٹ کر دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ شاید اُس کے پیچھے کسی سانپ نے سسکارا ہے۔ مگر پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ عنبکا باہر چشمے کے کنارے بیٹھی اپنے پاؤں دھو رہی تھی۔

عنبر نے مرتبان کو ایک بار پھر انگلی سے چھُوا تو اسے ایک بار پھر سسکاری سی سنائی دی۔ جیسے کوئی خاموشی سے آہیں بھر رہا ہو۔ عنبر محتاط ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس خانقاہ میں کسی درویش کی روح رہتی ہے۔ اُس نے آہستہ سے روح کو آواز دی۔

"تم جس کی بھی روح ہو۔ اگر سامنے آ سکتی ہو تو سامنے آؤ"

نہ تو کسی نے کوئی جواب دیا اور نہ کوئی روح اُس کے سامنے ہی آئی۔ وہ چبوترے کے دائیں جانب آ کر دیوار کو جُھک کر دیکھنے لگا۔ یہاں اُسے ایک پتھر کی سِل نظر آئی جو دیوار میں سے ذرا سی باہر کو کھسکی ہوئی تھی۔ عنبر نے دونوں ہاتھوں سے سِل کو ذرا اپنی طرف کھسکایا۔ سِل آگے کو آ گئی اور اُس کے عقب میں عنبر کو ایک سوراخ دکھائی دیا۔ عنبر نے سوراخ کے اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولا تو اندر اُسے پتھر کا ایک لٹو سا محسوس ہوا۔ عنبر نے اُس لٹو کو ایک طرف گھما دیا۔ لٹو گھماتے ہی دیوار میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک شگاف پیدا ہو گیا۔ گڑگڑاہٹ اتنی زیادہ تھی کہ باہر چشمے پر بیٹھی ہوئی عمبکا بھاگ کر اندر آ گئی۔

"کیا ہوا عنبر؟"

عنبر نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ دیوار میں کافی کھلا دروازہ تھا شگاف۔ دیکھ کر عمبکا بڑی حیران ہوئی۔

"یہ ——— یہ دیوار میں دروازہ کہاں سے آ گیا؟"

عنبر نے کہا۔

"آؤ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔"

عمبکا بھی بڑی دلیر ملکہ تھی۔ وہ عنبر کے ساتھ شگاف کے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ اندر ایک اونچی چھت والا کمرہ تھا جو کافی دور تک پہاڑ کے اندر ہی اندر چلا گیا تھا۔ چھت کے اوپر سے اندر ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ روشنی پہاڑ کے اوپر کسی قدرتی بنے ہوئے روشندان سے آ رہی ہے۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ اچانک عنبر کو محسوس ہوا کہ اس کا پیچھا کرنے والے سپاہی خانقاہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اس نے عمبکا سے کہا۔

"جلدی سے باہر چلو۔ شاید دشمن سر پر پہنچ گیا ہے۔"

وہ دونوں بھاگتے ہوئے خانقاہ سے باہر آ گئے۔ یہ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا خاص چھٹی حس تھی جس نے اُسے آنے والے خطرے سے بروقت خبردار کر دیا تھا۔ اور جس کا اُسے ڈر تھا وہی ہوا۔ جب وہ خانقاہ سے باہر نکلے تو انہیں دُور ایک پہاڑی کی ڈھلان پر موہنجوداڑو کے بادشاہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ نیچے میدان میں اُترتا نظر آیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس دستے کو اُسی خانقاہ کی طرف آنا تھا۔ کیونکہ وہاں سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

"فوراً گھوڑوں کو قابو کر کے خانقاہ کے اندر لے چلو ٹمبکا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

"یہاں ہم کہاں چھپیں گے عنبر! میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے۔"

"اگر ہم یہاں سے فرار ہو گئے تو سپاہی بہت جلد ہمیں راستے میں پکڑ لیں گے۔ اس لئے کہ وہ آندھی کی طرح بڑھتے آ رہے ہیں۔ اور اس سے آگے صحرا میں کوئی بھی چھپنے کی جگہ نہیں ہے۔"

ٹمبکا نے عنبر کی تجویز مان لی۔ انہوں نے گھوڑوں کو باگوں سے پکڑا اور کھینچتے ہوئے خانقاہ کے اندر لے گئے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ عنبر نے ٹٹولتے ٹٹولتے دیوار میں ایک دروازہ تلاش کر لیا تھا۔ ورنہ آج ٹمبکا کو دشمن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عنبر نے پہلے دونوں گھوڑوں کو دیوار کے شگاف کے اندر داخل کر دیا اور اُس کے بعد خود بھی اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اُس نے دیوار کے سوراخ میں اندر کی جانب سے ہاتھ ڈال کر لٹو کو الٹا گھما دیا۔ لٹو کے الٹا گھومتے ہی دیوار دوبارہ اپنی اصلی جگہ پر آ گئی اور شگاف بند ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"اب ہم اس خانقاہ میں بالکل محفوظ ہیں۔ اگر سپاہی یہاں ٹھہرے بھی تو وہ ہمیں نہ پا کر آگے نکل جائیں گے"

عمبکا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ یہاں نہیں ٹھہریں گے"

"نہیں۔ وہ ضرور یہاں رُکیں گے۔ ایک تو یہاں پانی ہے دوسرے انہیں یہاں ہمارے گھوڑوں کے سموں کے نشان نظر آئیں گے۔ وہ ہمیں یہاں رُک کر ارد گرد ضرور تلاش کریں گے"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں باہر بہت سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ ایسے لگا جیسے بہت سے گھوڑے وہاں آ کر رُک گئے ہوں۔ باہر گھوڑوں کی آوازیں سُن کر اندر عنبر اور عمبکا کے گھوڑے بھی ہنہنائے۔ عمبکا نے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے ان کو خاموش کرو۔ یہ ہمیں مروا دیں گے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے فوراً چادریں پھاڑ کر دونوں گھوڑوں کے منہ کس کر باندھ دیئے اور خود کان لگا کر دیوار کے اُس پار کی آوازیں سننے لگا۔ سپاہیوں نے عنبر اور غمبکا کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دیکھ لئے تھے اور وہاں رُک گئے تھے۔ سُموں کے نشان اِدھر اُدھر سے گھوم کر خانقاہ کے اندر جا رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا۔

"یقیناً وہ لوگ اس خانقاہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں"

اس کے ساتھ ہی سپاہی گھوڑوں سے اتر کر تلواریں ہاتھ میں لئے خانقاہ کے اندر آ گئے۔ مگر خانقاہ کے اندر سوائے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے پتھروں اور ایک چبوترے کے اور کچھ نہیں تھا۔ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی اگر وہ گھوڑے ہوتے تو وہ کہاں چھپ سکتے تھے؟ سپاہیوں کے افسر نے کہا۔

"لیکن گھوڑوں کے نشان اندر آ کر دوبارہ باہر نہیں جا رہے۔ پھر وہ کہاں چلے گئے؟ انہیں زمین کھا گئی ہے؟ تلاش کرو۔ وہ ضرور یہاں کہیں چھپے ہوں گے"

ایک سپاہی نے کہا۔

"سردار! اتنی چھوٹی سی کوٹھڑی ہے ہم انہیں کتنی دیر اور کہاں تک تلاش کرتے رہیں گے۔ وہ ضرور یہاں سے نکل کر چلے گئے ہیں۔ ہمیں اُن کا پیچھا جاری رکھنا چاہیئے۔

اگر ہم نے یہاں دیر کر دی تو وہ بہت دُور نکل جائیں گے۔"

سردار نے کہا۔

"یہ مرتبان کیسا ہے؟"

ایک سپاہی نے کہا

"سردار! تبت کے لوگ اپنے کسی بزرگ کی راکھ مرنے کے بعد مرتبانوں میں بند کر کے رکھ دیا کرتے ہیں یہ ضرور کسی درویش کی راکھ ہے۔"

سردار نے غصے میں کہا۔

"اتنے بڑے مرتبان میں چھوٹی سی راکھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ ضرور اس مرتبان میں چھپے ہوں گے۔"

اور یہ کہہ کر سردار نے مرتبان پر تلوار ماری اور مرتبان ٹوٹ گیا۔ سردار نے جھانک کر اندر دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اس کے اندر تو کسی مُردے کی کھوپڑی اور ہڈیاں پڑی ہیں۔"

سپاہی بولا۔

"میں نے آپ سے یہی کہا تھا کہ اس میں کسی مُردے کی راکھ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس مرتبان کی مرمت کر کے اسے دوبارہ بند کر دینا چاہیئے۔ مُردوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بے حرمتی گناہ ہے۔"

"بک بک بند کرو اور چلو آگے۔ وہ لوگ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

سردار نے چیخ کر سپاہیوں سے کہا اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر خانقاہ سے آگے نکل گئے۔ اندر دیوار کے ساتھ لگے لگے عنبر نے اُن کی ساری باتیں سن لی تھیں اور اُس نے مرتبان کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنی تھی جس کا اُسے بے حد افسوس ہوا تھا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ سپاہی بہت دور نکل چکے ہوں گے تو وہ دیوار کا لٹو گھما کر باہر نکل آیا۔ ملکہ عمبکا بھی اس کے ساتھ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ مرتبان اوپر سے ٹوٹ گیا تھا اور اُس کا ایک ٹکڑا نیچے گرا پڑا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"ان لوگوں نے اس درویش کی بے حرمتی کی ہے۔ اس کی روح اُن سے ضرور بدلہ لے گی۔"

ملکہ عمبکا نے کہا

"ہمیں اس مرتبان کو جوڑ دینا چاہیئے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے" اتنا کہہ کر عنبر نے زمین پر گرا ہوا مرتبان کا ٹکڑا اٹھایا اور اُسے جوڑنا شروع کر دیا۔ عمبکا نے باہر چشمے کے پانی سے مٹی کو گیلا کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا گارا بنایا۔ عنبر نے مرتبان کی ٹوٹی ہوئی کرچیں اٹھائیں اور گارے کی مدد سے اسے جوڑنا شروع کر دیا۔ جب مرتبان پوری طرح جڑ گیا تو عنبر نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ کیا ہمیں آگے چلنا چاہیئے یا یہیں ٹھہر کر ان کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہاں سے آدھے دن کی مسافت کے بعد ہُن قبائل کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور سپاہی اُس علاقے میں جانے کی جرأت نہیں کریں گے"

عمبکا کہنے لگی۔

"تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر سپاہی میرے علاقے میں ایک بار چلے گئے تو میرے قبیلے کے لوگ انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ضرور آج رات تک اسی جگہ واپس آ جائیں گے اور ضرور یہاں پڑاؤ کریں گے۔"

"تو پھر ہمیں اسی خانقاہ میں بیٹھ کر اُن کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جب وہ یہاں سے واپس چلے جائیں گے تو ہم بڑے سکون کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکیں گے۔"

یہ تجویز ویسے بھی بڑی معقول تھی۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہ کے اندر ہی رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔

گھوڑے تو اُن کے پہلے ہی سے خانقاہ کے خفیہ کمرے

میں بندھے تھے۔ وہ دونوں باہر آکر چشمے کے کنارے بیٹھ گئے اور اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر انہیں دوڑاتے ہوئے گزر گئے تھے۔ دُور سے اُن کے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی گرد اڑتی نظر آئی اور پھر غائب ہو گئی۔ عنبر اور ملکہ عمبکا چشمے پر بیٹھے باتیں کرنے لگے کہ کل کسی وقت یہاں سے آگے روانہ ہوں گے۔ عنبر نے ملکہ سے پوچھا کہ اب جبکہ اس کا لشکر جنگ ہار کر تباہ ہو چکا ہے وہ اپنے قبیلے میں جا کر کیا کرے گی؟ ملکہ نے کہا۔

”میں اب بھی اپنی قوم کی ملکہ ہوں۔ اگر ایک لشکر تباہ ہوا ہے تو کیا ہوا؟ ساری قوم کا لشکر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میرے لوگ مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ وہ ایک بار پھر میری تلوار کے سائے میں جمع ہو جائیں گے۔ میں ایک پہلے سے بھی بڑا لشکر تیار کروں گی اور موہنجو داڑو کو ضرور فتح کر کے رہوں گی۔“

عنبر نے کہا

”جہاں تک میرا خیال ہے ملکہ عمبکا! تمہیں اب جنگ و جدل سے منہ موڑ لینا چاہیئے۔ اس لئے کہ تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ جنگ کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوتا۔"

ملکہ نے کہا۔

"میں ایک جنگ جو ملکہ ہوں۔ میرا کام ہی لڑنا ہے۔ میری قوم بھی ایک بہادر اور جنگ جو قوم ہے۔ اگر وہ لڑائی نہیں کرے گی تو پھر کیا کرے گی۔ اگر میں نے کسی پر حملہ نہ کیا تو کوئی دوسری طاقت میرے قبیلے پر حملہ کر کے ہمیں نیست و نابود کر دے گی۔ اور میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ملکہ عمبکا ایک وحشی اور خونخوار قوم کی ملکہ ہے۔ اُس کے دماغ میں جنگ اور لڑائی کے سوا اور کوئی بات نہیں آ سکتی۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک عنبر نے محسوس کیا جیسے خانقاہ کے اندر کسی بڑے پتھر کے گرنے کی آواز آئی ہے۔ اُس نے چونک کر ملکہ کی طرف دیکھا۔ ملکہ نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اندر پھر کسی پتھر کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوئے کہ اندر کوئی پتھر پھینک رہا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کہیں اُن کے گھوڑے نہ بدک گئے ہوں۔ وہ چشمے پر سے اٹھ کر خانقاہ کے اندر آ گئے۔ اندر آ کر انہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو منظر دیکھا وہ اسے دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے۔

خانقاہ میں جس چبوترے کے پاس زمین میں بڑا سا مرتبان گڑا تھا وہاں ایک سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا۔ اس کی زرد آنکھوں سے سرخ چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں اور اس کے ماتھے پر ایک سینگ ابھرا ہوا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ مرتبان والے مردے کی روح ہے۔ ملکہ پہلے تو ذرا ڈری مگر پھر بڑے حوصلے سے وہاں کھڑی رہی۔ عنبر کو روحوں سے باتیں کرنے کی عادت تھی اور وہ ان سے کبھی نہیں ڈرتا تھا۔ اس نے کہا۔

"کیا آپ اس مرتبان میں آرام کرنے والے بزرگ کی روح ہیں؟

روح نے ایک قہقہہ لگایا۔ خانقاہ کی چھت لرز اٹھی اور اندر سے انہیں گھوڑوں کے ڈر کر ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔ روح نے کہا۔

"میں اس مرتبان میں سوئے ہوئے جادوگر کی روح ہوں۔ سنو! میں نے اس خانقاہ میں پچاس برس تک ریاضت کی ہے۔ چلّے کاٹے ہیں۔ میں بڑے سکون سے سو رہا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ تمہیں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیئے معاف کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مل کر میری قبر کے مرتبان کو پھر سے جوڑ دیا ہے۔ لیکن میں اُن سپاہیوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ جنہوں نے میرے مرتبان کو توڑ دیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرتبان کا بھوت

مرتبان کا بھوت بے حد غصے کی حالت میں تھا۔ اُسے اپنی پرانی قبر کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اس قدر صدمہ تھا کہ وہ شاہی فوج کے سپاہیوں سے اُس کا پورا پورا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اُس نے عنبر اور عمبکا کو کہا کہ وہ خانقاہ میں بے فکر ہو کر آرام کریں۔ وہ انہیں کچھ نہیں کہے گا لیکن سپاہیوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اُن کی واپسی کا انتظار کرے گا۔ اتنا کہہ کر مرتبان کا بھوت، یعنی جادوگر کی روح غائب ہو گئی۔ عنبر اور عمبکا نے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا۔

"یہ اچھا ہوا کہ شاہی فوج کے سپاہیوں نے مرتبان کے بھوت کو ناراض کر دیا۔ اب اُن کی خیر نہیں ہے۔ جو کام ہم اکیلے نہیں کر سکتے تھے وہ یہ بھوت کر دے گا۔"

عمبکا نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ مرتبان میں بند روح سپاہیوں کے آنے پر ظاہر ہو جائے گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں! مجھے پورا پورا یقین ہے"

عمبکا نے تشویش کے انداز میں کہا۔

"اور اگر روح ظاہر نہ ہوئی اور ہم نے بھی کوئی تدبیر نہ کی اور سپاہی ہمارے سر پر پہنچ گئے تو ہمارا جو حشر ہوگا وہ ساری دنیا دیکھے گی"

عنبر نے جواب دیا۔

"مجھے ان بھوتوں اور روحوں کا تجربہ ہے۔ یہ قوم ایک بار وعدہ کر دے تو اسے ضرور پورا کرتی ہے۔ اور پھر مرتبان کی روح تو انتقامی کارروائی کر رہی ہے۔ وہ اپنے وقت پر ضرور نمودار ہوگی۔ تم دیکھ لینا۔"

عمبکا نے کہا۔

"بہرحال ہمیں اسی خانقاہ میں بیٹھ کر تعاقب کرنے والے دشمنوں کا انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ اگر ہم یہاں سے چل پڑے تو راستے میں ان سے ضرور مڈبھیڑ ہو جائے گی اور ہم اکیلے اتنے زیادہ سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

وہ خانقاہ کے خفیہ کمرے میں جا کر گھوڑوں کے پاس بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عمبکا کو مرتبان کے بھوت پر بھروسہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روحیں یونہی کسی وقت جلال میں آ جاتی ہیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھول جایا کرتی ہیں ۔ لیکن عنبر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مرتبان کا بھوت ضرور ظاہر ہوگا۔ اور اگر سپاہی واپسی پر اِس خانقاہ میں ٹھہرے تو ان کا بہت بُرا حشر ہوگا ۔ ایک اعتبار سے وہ خوش تھا کیونکہ وہ دلیری بلیطیبس کی رُوح کو بار بار تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

دن گزر گیا ۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے اور پھر تبّت کے اُس پُراسرار اور ویران علاقے میں رات آ گئی ۔ ہر طرف خاموشی کی حکمرانی ہو گئی ۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے ۔ کسی طرف سے کوئی بھی آواز سنائی نہ دیتی تھی ۔ عنبر کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا ۔ خدا جانے ایک گھوڑے کو کیا ہوا کہ وہ بدک کر زور سے ہنہنایا اور رسہ تڑا کر باہر کو بھاگ گیا ۔ عنبر اُس کے پیچھے بھاگا ۔ تھوڑی دیر بعد عمبکا بھی باہر نکل آئی ۔ وہ خانقاہ سے باہر آ کر کھڑی ہو گئی اور رات کے اندھیرے میں، ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر کو گھوڑے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھنے لگی ۔

گھوڑا ایک گول دائرے کی شکل میں بھاگ رہا تھا ۔ عنبر کبھی تو گھوڑے کے پیچھے پیچھے دوڑتا اور کبھی ایک جگہ کھڑے ہو کر اس کوشش میں ہوتا کہ جھپٹ کر گھوڑے کی گردن پر سوار ہو جائے ۔ مگر گھوڑا جو کہ شاید ڈر گیا تھا مسلسل دائرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی صورت میں گھوم رہا تھا۔ ایک بار عنبر جھپٹا تو وہ گھوڑے کی گردن پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے نے زور سے جھٹکا مارا اور وہ لڑھک کر دور جا گرا۔ اب ملکہ عمبکا کے اندر وحشی تزم کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے دوڑ کر گھوڑے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ گھوڑا دیوانہ وار بھاگ رہا تھا اور مسلسل چکر لگا رہا تھا۔ ایک بار جب وہ گھوڑے کے سامنے سے گزری تو اچھل کر اس کے اوپر سوار ہو گئی اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کے لمبے بال ہاتھوں میں پکڑ لیے۔

گھوڑا بہت اچھلا کودا۔ اس نے بہت زور مارا۔ بیشمار دفعہ ملکہ کو جھٹکنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ ملکہ عمبکا نے گھوڑے کو قابو تو کر لیا مگر خود بے قابو ہو گئی۔ یعنی اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی پڑ گئیں اور گھوڑے نے ایک طرف سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔ عنبر اس صورتحال سے گھبرا گیا۔ وہ خانقاہ کی طرف بھاگا۔ وہاں سے اپنا گھوڑا لیا اور اس پر سوار ہو کر اسے دوڑاتا ہوا ملکہ کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ملکہ خانقاہ سے کافی آگے نکل گئی تھی۔ عنبر بھی اس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔

کوئی ایک گھنٹے کے تعاقب کے بعد اس نے ملکہ کے گھوڑے کو گھیرے میں لے لیا اور اس کی باگیں پکڑ کر اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے قابو میں کر لیا۔ اب ملکہ عمبکا بھی ہوش میں آ چکی تھی۔ اُس نے گھوڑے پر پوری طرح قابو پا لیا اور دونوں واپس چل پڑے۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ اچانک انہیں اپنے پیچھے گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا۔

"دشمن کے سپاہی آن پہنچے ہیں"

"ہمیں فوراً خانقاہ میں پناہ لینی چاہیئے۔"

ابھی وہ گھوڑوں کو واپس موڑ کر چلے ہی تھے کہ دشمن کے برق رفتار شاہی گھوڑوں نے انہیں آ لیا۔ وہ اُن کے سر پر پہنچ گئے۔ اب وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اگر انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ لوگ ضرور عمبکا کو تیر مار کر ہلاک کر دیں گے۔ اور اگر وہ رُک گئے اور سپاہیوں کے آگے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ عمبکا کی جان بچ جائے۔ اس کے علاوہ اُسے پوری امید تھی کہ سپاہی انہیں گرفتار کرنے کے بعد خانقاہ میں قیام کریں گے اور مرزبان کا بھوت یعنی جادوگر کی روح ان سپاہیوں سے اپنا انتقام ضرور لے گی۔ اس خیال کے تحت عنبر نے عمبکا سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ملکہ! اپنے آپ کو گرفتاری کے لیئے پیش کر دینا ہے۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

مگر دشمن ان کے گرد گھیرا ڈال چکا تھا۔ اب تو انہیں ہر حالت میں ہتھیار پھینکنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

سردار نے عمبکا اور عنبر کو پہچان لیا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر زندگی چاہتے ہو تو دونوں ہتھیار پھینک کر اپنا آپ ہمارے حوالے کر دو۔"

عنبر نے ہتھیار پھینک دیئے۔ ملکہ عمبکا نے تلوار اٹھانے کی کوشش کی تو عنبر نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ریت پر پھینک دی۔ کیونکہ ٹھیک اس وقت جب ملکہ نے تلوار اٹھائی تھی عنبر نے ایک سپاہی کو کمان میں تیر جوڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ تیر نے ایک پل کے اندر اندر کمان سے نکل کر ملکہ کو ہلاک کر دینا تھا۔

ملکہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم میرے قبیلے کی سرزمین پر ہو۔ اگر میری قوم کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ مجھے گرفتار کر کے لے جا رہے ہو تو وہ تمہارے ٹکڑے اڑا دے گی۔"

سالازنے ہنس کر کہا۔

"ہم جانتے ہیں عمبکا کہ تمہارے قبیلے کی سرحد کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے شروع ہوتی ہے۔ ہم وہاں تک تمہاری تلاش میں گئے تھے۔ ہاں اگر ہم وہاں ہوتے تو ضروری تمہاری قوم کے سپاہیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ مگر اس وقت تم اپنے ملک کی سرحدوں سے آدھے دن کی مسافت پر ہو۔ یہاں تمہیں ہماری قید سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے سردار! ہم گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں" ملکہ ممبکا نے چیخ کر کہا

"دشمن قوم کے کتے مجھے ہرگز گرفتار نہیں کر سکتے۔ میں ان کا مقابلہ کروں گی۔"

عنبر گھبرا گیا کہ اگر ممبکا نے مقابلہ شروع کرنے کی کوشش کی تو سردار ضرور اس کا سر قلم کر دے گا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مونبوواڈ کے بادشاہ نے اسے اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ ممبکا کا سر کاٹ کر دربار میں لائے۔ اس نے ممبکا کا ہاتھ دبا کر سرگوشی میں کہا۔

"ملکہ! خدا کے لیے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو اور مقابلہ نہ کرو۔"

اس دوران میں سپاہی گھوڑوں سے کود کر ملکہ ممبکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور عنبر کو اپنے قابو میں کر چکے تھے۔ انہوں نے دونوں کے ہاتھ رسیوں سے پشت پر باندھ دیئے اور انہیں لے کر خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ خانقاہ کے پاس آ کر سردار نے کہا۔

"ہم تھوڑی دیر اس خانقاہ میں قیام کر کے تازہ دم ہوں گے"

عنبر کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دشمن کے سپاہی اس خانقاہ میں پل بھر کے لیے قیام کریں۔ کیونکہ اندر مرتبان کا خوفناک بھوت اور جادوگر کی خونخوار روح اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ سپاہیوں نے اپنے گھوڑے خانقاہ کے باہر باندھے اور خود اندر آ کر چبوترے اور زمین پر اِدھر اُدھر لیٹ گئے۔ عنبر اور ملکہ کو دیوار کے پاس ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سردار نے دیکھا کہ خانقاہ کے عقب میں بھی ایک کمرہ تھا جس کے اندر ایک بستر لگا تھا۔ اور گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ شیطان کی طرح مسکرایا اور بولا۔

"تو تم دونوں نے اس خانقاہ میں ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں اب یہی جگہ تم دونوں کی قبر بنے گی۔ یہاں سے میں تم دونوں کے سر لے کر چلوں گا۔ تمہاری لاشیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے بادشاہ کو تمہارے سر چاہئیں۔ تمہارے دھڑ نہیں — تم چاہو تو پتھر کے ستون کے ساتھ لگے لگے تھوڑی دیر آرام کرسکتے ہو۔"

باقی سپاہی قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ سردار نے کہا۔

"اٹالی مس! ان دونوں بکروں کے سر کاٹنے کے لیے اپنا خنجر خوب تیز کر لو۔ بس سارا کام ایک ہی جھٹکے میں ہو جانا چاہیئے نہ تمہارے خنجر کو زیادہ محنت اٹھانی چاہیے نہ ان کو زیادہ تکلیف ہونی چاہیئے"

سپاہی نے کھڑے ہو کر خنجر نکال کر کہا۔

"ایسا ہی ہوگا حضور"

اور پھر اس نے سب کے سامنے خنجر کو ایک پتھر پر تیز کرنا شروع کر دیا۔ وہ خوب زور لگا کر پتھر پر خنجر کو رگڑ بھی رہا تھا اور دانت نکال کر ہنس بھی رہا تھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے عنبر اور ٹمبکا کو دیکھ رہا تھا۔ ٹمبکا کو اب اپنی موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں پوچھا۔

"مرتبان کی روح کہاں ہے؟"

عنبر نے زمین میں گڑے ہوئے مرتبان کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے پہلے بھی ٹکٹکی باندھ کر مرتبان کو دیکھتا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مرتبان کی روح کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر جلاد کے خنجر سے لے کر آگے بڑھنے تک مرتبان کا بھوت ظاہر نہ ہوا تو وہ دیوی بلیطیس کی روح کو آواز دے کر مدد طلب کرے گا۔ عمبکا کی طرف دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوتے کہا۔

"ہمن قوم کی بہادر ملکہ! کیا تم موت سے ڈر گئی ہو؟"

ملکہ نے گردن اکڑا کر کہا۔

"ہمن قوم کی بہادر ملکہ موت سے کبھی نہیں گھبرا سکتی۔ ہمارے لیے کہ زندگی اور موت ایک ہی کھیل کے دو نام ہیں۔ ہمارے لئے زندہ رہنا اور مرنا ایک برابر ہے۔ میں موت سے نہیں ڈر رہی۔ میں تو تمہاری روح کے بارے میں پوچھ رہی ہوں کہ اس نے وعدہ کس لئے کیا تھا؟"

عنبر نے کہا

"وہ ضرور آئے گی۔ وہ اپنے وقت پر آئے گی۔ وہ ایک پل کے لئے نہیں ٹل سکتی۔"

لیکن مرتبان کا بھوت ظاہر نہیں ہو رہا تھا اور سردار کے حکم سے سپاہی ملکہ کی گردن کاٹنے کے لئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ رہا تھا۔ ملکہ کے چہرے پر تھوڑی دیر کے لیے ایک غمناک خیال سا آیا۔ اُسے اپنی کم سن بچی یاد آگئی جو اپنے وطن میں بیٹھی اپنی ماں کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اپنی بچی کو یاد کر کے عنبر کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔

"تمہارا شکریہ عنبر! تم نے اپنی زندگی میرے ساتھ محض اس لئے خطرے میں ڈالی تھی کہ مجھے میری بچی مل جائے گی۔ مگر میری تقدیر میں ایسا نہیں لکھا تھا۔ اچھا۔ دیوتاؤں کے حوالے۔ پھر کسی دوسرے جنم میں ملیں گے"

اب عنبر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وقت بڑا نازک تھا اور دیوی بلیطیس کی روح کو مدد کے لئے بلانا ضروری ہو گیا تھا۔ اُدھر جلاد نما وحشی سپاہی خنجر تانے ملکہ کے قریب پہنچ کر رک گیا اور بولا۔

"ملکہ! یہ بتاؤ کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟"

ملکہ نے اس کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"میری آخری خواہش یہ ہے کہ مجھے ایک گھٹیا سپاہی ہلاک نہ کرے بلکہ خود سردار ہلاک کرے"

سردار نے وہیں سے چیخ کر کہا۔

"دیوتاؤں کی قسم! تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نے نفرت سے خنجر زمین پر پھینک دیا۔ سردار نے اپنے نیلام میں سے تلوار نکال کر پکڑ لی اور ملکہ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"کیا اب تم خوش ہو سمجھا کہ تمہاری گردن ایک سردار اپنی تلوار سے قلم کرے گا؟"

"اگر اس وقت میں آزاد ہوتی تو اپنی تلوار سے تمہاری گردن قلم کر دیتی لیکن میں شکست کھا چکی ہوں اور تم لوگوں نے مکاری سے کام لے کر مجھے قید کر لیا ہے۔ میں مجبور ہو گئی ہوں۔ اس لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ لیکن میں موت سے ڈروں گی بھی نہیں۔"

"کیا تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے؟"

"بکواس بند کرو۔ میں ملکہ ہوں۔ کوئی معمولی کنیز نہیں ہوں۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کروں گی۔ تم دیکھو گے کہ موت مجھ سے ڈر کر سہم جائے گی۔ تم مرنے کے بعد بھی میرے چہرے پر سکون اور بہادری کی شان دیکھو گے۔"

سردار نے شیطانی قہقہہ لگایا۔

"تم ایک بہادر ملکہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر میں بھی ایک بہادر سپہ سالار ہوں۔ میں نے آج تک ہزاروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں کو قتل کیا ہے۔ مگر دیوتا گواہ ہیں کہ تمہیں قتل کرتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔

عنبر نے دیوی جلیطلیس کو بلانے کے لئے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ خانقاہ میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور وہ لرز اٹھا۔ ساری زمین لرز اٹھی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مرتبان کا بھوت ظاہر ہو چکا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے جن کے روپ میں ظاہر ہوا تھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ اس کا سر چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اتنے لمبے تھے کہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں لمبی تلواریں تھیں اور ہاتھی ایسے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

کئی سپاہی تو اسے دیکھ کر ڈر گئے۔ بھوت خانقاہ کے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس لئے باہر جانے کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ سردار نے اپنی تلوار زور سے لہرا کر بھوت کے سر پر دے ماری۔ بھوت نے قہقہہ لگا کر اس کی تلوار کو یوں ہاتھ میں پکڑ لیا جیسے وہ ماچس کی تیلی ہو۔ اب اس کی باری تھی۔ اس نے تلوار کا پہلا وار پوری طاقت کے ساتھ کیا اور سردار کی گردن قلم ہو کر فرش پر گر پڑی۔ اس کے بعد بھوت نے دو سپاہیوں کی گردنیں قلم کر دیں۔ باقی سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چوہوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بھوت نے ایک ایک کرکے اُن سب کو اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں دبوچ کر باری باری ہلاک کرکے لاشیں فرش پر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اُس نے عنبر اور عمبکا کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور کہا۔

"تم دونوں کو اس لیئے آزاد کرتا ہوں کہ تم نے میری قبر کی مرمت کی تھی تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اب تم آزاد ہو اور جب چاہو یہاں سے جا سکتے ہو۔"

عنبر نے اور عمبکا نے بھوت کا شکریہ ادا کیا۔ بھوت نے کہا۔

"میں نے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر لیا ہے۔ تمہارے شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جا رہا ہوں۔"

اور بھوت قہقہہ لگا کر دوبارہ مرتبان کے اندر چلا گیا۔ ملکہ نے عنبر کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ اگر یہ جادوگر کی روح اُن کی مدد نہ کرتی تو وہ زندہ نہیں نکل سکتے تھے۔ عنبر نے ملکہ کو یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ وہ مر نہیں سکتا تھا اور اُسے بھی بچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ملکہ اُس کی بات کا یقین نہ کرے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیئے۔"

اور پھر وہ دونوں خانقاہ سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پچھلی رات کے ستاروں کی روشنی میں اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چنگیز خاں کے قبیلے میں

دوپہر تک سفر کرنے کے بعد عنبر اور ملکہ ہن قبائل کی سرزمین میں پہنچ گئے۔

دور سے اپنے قبیلے کے خیمے دیکھ کر ملکہ عمبکا کے چہرے پر ایک مسرت کی چمک آ گئی۔ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے عنبر کو بتایا کہ ہن قبیلے کے لوگ ایک اور دلیر قوم کے لوگ ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں پیدا ہوتے ہیں اور میدانِ جنگ میں ہی مرتے ہیں۔ فتح اور شکست ان کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ اگر زندہ ہیں تو شکست کھا کر بھی فاتح ہیں۔ وہ پھر حملہ کر کے اپنی شکست کا بدلہ لے لیں گے۔ عنبر ملکہ عمبکا کی باتیں سنتا رہا۔ خیمے قریب آ رہے تھے۔ آخر ان دونوں کو لوگوں نے دیکھ لیا۔ وہ قریب آ گئے۔ انہوں نے اپنی ملکہ کو پہچان لیا تھا۔ وہ اس کے سامنے تعظیم میں جھک گئے اور انہوں نے نعرے لگا کر اپنی ملکہ کا استقبال کیا۔ آن کی آن میں سارے علاقے میں یہ خبر پھیل گئی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن کی ملکہ زندہ سلامت واپس آ گئی ہے۔ خیموں میں سے لوگ نکل نکل کر ملکہ کے گرد جمع ہو گئے۔ دُور دُور سے ہُن وحشی گھوڑوں پر سوار، گھوڑے دوڑاتے آنا شروع ہو گئے۔ ایک بہت بڑا جلوس اکٹھا ہو گیا جو "ملکہ زندہ باد" کے نعرے لگاتا ملکہ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ملکہ کو ایک پالکی میں بٹھا لیا اور اُسے کندھوں پر اٹھاتے چل پڑے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے یہ جلوس ہُن قوم کی سلطنت کے بڑے شہر میں پہنچ گیا۔ یہ خیموں کا شہر تھا۔ درمیان میں ایک بہت عظیم الشان خیمے کا محل تھا۔ یہ محل ٹمبکا کا تھا۔ عنبر اس محل میں پہلے بھی رہ چکا تھا۔

محل میں رات کو ایک بہت بڑی دعوت ہوئی۔ جس میں ملکہ ٹمبکا نے اپنے درباریوں کو بتایا کہ اگر عنبر اُسے فرار ہونے میں مدد نہ دیتا تو اُس کا زندہ بچ کر اپنے لوگوں میں آجانا بہت مشکل تھا۔ درباریوں نے عنبر کی تعریف میں نعرے لگائے۔ ملکہ ٹمبکا نے اعلان کیا کہ اگر عنبر کو آگے ملک تبت نہ جانا ہوتا تو وہ اسے اپنے دربار میں وزیرِ خاص کا عہدہ پیش کرتی مگر عنبر ایک خاص مقصد لے کر آگے جا رہا ہے۔ وہ اکیلا بھی جا سکتا تھا لیکن اُس نے میری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور محض اس لئے کہ میری بچی کی جدائی اُس سے برداشت

نہ ہو سکی۔

ملکہ نے اپنی کم سن بچی کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور اُسے کہا۔

"بیٹی! اپنے محسن کو سلام کرو"

ننھی بچی نے ہاتھ اٹھا کر عنبر کو سلام کیا۔ عنبر نے بچی کا ماتھا چوم لیا اور کہا۔

"رب عظیم تمہیں ایک بہادر اور نیک زندگی عطا کرے"

عنبر نے ایک ہفتہ ہن قوم کی ملکہ کے دربار میں بسر کیا۔ اُس کی بہت زیادہ آؤ بھگت کی گئی۔ ہر روز اُس کی دعوت ہوتی جس میں قسم قسم کے کھانے اُس کے آگے رکھے جاتے۔ جس روز صبح کو عنبر جا رہا تھا اُس کی شام کو ملکہ نے اُسے بلا کر کہا۔

"عنبر! تم تبت جا رہے ہو۔ تبت ایک پُراسرار ملک ہے۔ ایک پُراسرار شہر ہے۔ میں اپنی قوم کے دماغ سے شکست کا داغ دھونا چاہتی ہوں اور تبت پر چڑھائی کا ارادہ رکھتی ہوں"

عنبر نے کہا۔

"ملکہ! کیا اس سلسلے میں تم نے سارے پہلوؤں پر غور کر لیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں عنبر! میں خوب غور کرنے کے بعد تم سے بات کر رہی ہوں۔ تبت مجھ سے دور بھی نہیں اور میرے لیے نیا بھی نہیں میں نے سنا ہے کہ وہاں ایک کمزور راجہ کی حکومت ہے جس کے ہاتھوں اس کی رعایا خوش نہیں ہے۔"

"لیکن ملکہ! اگر تم بُرا نہ مانو تو میں کہوں گا کہ تمہارے حملے کے بعد بھی تبّت کی رعایا کوئی خوش نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ تمہارے سپاہی راجہ سے زیادہ وحشی اور خونخوار ہیں۔ یقیناً تمہارے سپاہی وہاں حملے کے بعد عورتوں اور بچوں کو ہلاک کریں گے۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

یہ بات اگر کوئی اور کرتا تو ملکہ اسی وقت اس کی گردن اتار دیتی۔ لیکن عنبر کو وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لئے کہ عنبر کے اس پر بڑے احسان تھے۔ اس نے دو بار اس کی زندگی بچائی تھی۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تم ہماری قوم سے اس سے زیادہ اور کیا توقع رکھ سکتے ہو؟"

ہماری قوم ایک وحشی قوم ہے۔ ایک جنگجو قوم ہے۔ یہ اگر سال میں ایک بار جنگ نہ کرے تو آپس میں لڑنا مارنا شروع کر دیتی ہے۔ موہنجو داڑو کے حملے میں ہمارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے حد نقصان ہوا ہے۔ ہم ابھی ایک برس تک وہاں دوبارہ حملے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔ مگر ہمیں کسی نہ کسی ملک سے لڑنا ضرور ہے۔ چنانچہ تبت ہی اس کے لیے موزوں ملک ہے۔ ہم وہاں گرمیوں میں حملہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”ملکہ عمبکا! اگر تم نے حملے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو میں تمہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تم حملہ کر دو۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”اس کے بعد فتح ہمارے قدم چومے گی اور میری قوم کی تاریخ پر سے شکست کا داغ دھل جائے گا۔“

”میری دعا ہے کہ تمہیں فتح نصیب ہو اور تمہارے سپاہی وہاں بچوں عورتوں، بوڑھوں اور بے گناہ امن پسند لوگوں کا قتل عام نہ کریں۔“

”اس کا میں ذمہ لیتی ہوں کہ تبت میں میری فوج ظلم و ستم کا بازار گرم نہیں کرے گی۔ وہاں میرے کسی سپاہی کی تلوار کسی عورت، بچے، بوڑھے اور بے گناہ شہری پر نہیں اٹھے گی۔“

”اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا۔ اس طرح تم وہاں کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو گی اور وہاں کامیابی سے حکومت کر سکو گی۔ ورنہ لوگ تمہاری فوج سے بھی اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح نفرت کریں گے جس طرح وہ آج کل بقول تمہارے اپنے راجہ سے کرتے ہیں۔"

ملکہ عمبکا نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں عنبر کہ تبت کی رعایا کو میں اپنی رعایا سمجھوں گی میں اُن کے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا سلوک کروں گی۔ میں صرف وہاں کی فوج کا مقابلہ کروں گی۔ فوج کے علاوہ اور کسی پر حملہ نہ کرنے دوں گی۔"

"پھر تم مجھ سے مشورہ کیا طلب کر رہی ہو۔ بس ٹھیک ہے۔ تم نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو ابھی سے تیاریاں شروع کر دو۔"

عمبکا نے کہا

"لیکن میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔ میں تم سے ایک مدد چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم مجھے نا اُمید نہیں کرو گے۔"

عنبر نے پوچھا۔

"کس قسم کی مدد؟"

"میں چاہتی ہوں کہ تم تبت جا کر میرے لئے یہ معلوم کرو کہ وہاں فوجوں کی تعداد کتنی ہے؟ اُن کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑائی کا سامان کس قسم کا ہے؟ اور وہاں کے راجہ نے فوجوں کو کہاں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اس سے پہلے وہ عمبکا کے ملک میں موہنجو واڑو کی جاسوسی کرنے آیا تھا اور اب عمبکا اُسے تبت والوں کی جاسوسی کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے تبت کے لوگوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ وہ تبت کی تباہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ تبت کے لوگ امن پسند لوگ ہیں اور عمبکا یہ بات غلط کہہ رہی ہے کہ وہاں کا راجہ اپنی رعایا پر ظلم کر رہا ہے۔ شاید وہ تبت پر حملے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"عمبکا! میں تمہارے لئے اس پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر سے چھلانگ لگا سکتا ہوں مگر تمہارے لیے تبت والوں کی جاسوسی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟ کیا تم ڈرتے ہو؟"

"نہیں عمبکا! یہ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ جانے کیوں ایسا کرنے کے لیے میرا ضمیر تیار نہیں ہوتا۔ اور میں اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تمہاری وہاں کے راجہ سے کوئی رشتے داری ہے عنبر؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے"

"پھر تم اُن کے ساتھ اتنی ہمدردی کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھے راجہ سے نہیں بلکہ وہاں کی رعایا سے ہمدردی ہے۔ میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں۔ اور خاص طور پر حملہ کرنے والے سے۔ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اپنا لشکر لے کر ایک ایسے ملک پر چڑھائی کر دو۔ جس کے عوام امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور جو تمہارے ملک پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے"

ملکہ کا مزاج کچھ بگڑنے لگا۔ مگر اُس نے اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے عنبر سے کہا۔

"عنبر! تم میری قوم اور جنگ کے مزاج کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تم میرے لیے جاسوسی نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک بات کا وعدہ ضرور کرو"

"وہ کونسی بات ہے"

"یہ کہ تم تبت میں جا کر کسی سے ذکر نہ کرو گے کہ ہُن قوم کا لشکر اُن کے ملک پر حملہ کرنے آ رہا ہے"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اصل میں وہ چاہتا تھا کہ جتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلدی ہو سکے وہاں جاکر لوگوں کو وہاں کے راجہ کو خبردار کر دے کہ وحشی جن ملکہ اُس کے ملک پر حملہ کرنے والی ہے۔ وہ عمبکا سے جھوٹا وعدہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس نے ہمیشہ زندگی میں سچا وعدہ کیا تھا۔ ملکہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔

"کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو عنبر کہ تم تبت کے راجہ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کروگے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں"

عنبر نے یہ سوچ کر کہہ دیا کہ وہ تبت کے راجہ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا۔ لیکن تبت کی رعایا سے ضرور کہہ دے گا کہ وہ حملہ کرنے والے دشمن سے خبردار ہو جائے اور مقابلے کی تیاریاں شروع کر دے۔ ملکہ اُس کے جواب سے خوش ہو گئی اور اُس نے کہا

"عنبر! مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ پورا کر دکھاؤگے"

عنبر نے کہا۔

"میں نے آج تک کبھی کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جتنی دیر تبت میں رہا اُس کے راجہ سے تمہارے حملے کے بارے میں زبان سے ایک لفظ نہیں نکالوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے اگلے روز عنبر تبت کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہُن قبیلے کی سرزمین سے تبت سات روز کے فاصلے پر تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے کئی چٹیل میدانوں، صحراؤں ریت کے ٹیلوں، سنگلاخ پہاڑوں، گھاٹیوں تنگ و تاریک درّوں اور برف پوش پہاڑوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کی جگہ ایک یاک خرید کر ساتھ کر لیا۔ یاک وہ جانور ہے جو تبت کے علاقے میں سفر کرنے کے کام آتا ہے۔ یہ تیز دوڑتا ہے اور پانی پیئے بغیر کئی کئی روز تک سفر کر سکتا ہے۔ یہ انتہائی شدید موسم کی سختی بھی برداشت کر لیتا ہے۔

چار روز کے سفر کے بعد عنبر ایک پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی اور سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ عنبر سفید بکرے کی کھال کے لباس میں ملبوس تھا۔ چھٹے روز وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اُسے برف کے طوفان نے گھیر لیا۔ آسمان پر صبح ہی سے بادل چھا رہے تھے۔ شام کو تیز برفیلی ہواؤں کے جھکڑ چلنا شروع ہو گئے اور برف گرنے لگی۔ عنبر کو ایک جگہ ٹوٹے پھوٹے مکان کی چار دیواری نظر آئی۔ وہ اس کے اندر آ گیا۔ اس مکان کی چھت آدھی ٹوٹ چکی تھی۔ وہ کونے میں پتھروں کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اپنے قریب ہی اس نے یاک کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باندھ دیا۔ باہر تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ آندھی نے شور مچا رکھا تھا اور برف کے گالے ٹوٹی ہوئی چھت ہی سے اندر آ رہے تھے۔

ادھر اُدھر سے کچھ لکڑیاں اکٹھی کر کے عنبر نے پتھروں کو رگڑ کر وہاں آگ روشن کر لی اور رات بھر آگ کے پاس بیٹھا اونگھتا رہا۔ رات کے پچھلے پہر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے مکان کے باہر کوئی عورت رو رہی ہے۔ اُس نے کان لگا کر اس عورت کی آواز کو غور سے سُنا۔ یہ آواز ایک عورت کی تھی جو بڑے ہی درد بھرے لہجے میں بین کر رہی تھی۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ آدھی رات، کو اس ویرانے میں کون عورت وہاں آ کر رو سکتی ہے۔ جبکہ ارد گرد میلوں تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہیں۔ رونے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ عنبر نے یاک کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر بندھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ عنبر فوراً سمجھ گیا کہ یہ کوئی بھٹکی ہوئی روح ہے جو اُسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

وہ اٹھ کر مکان کی چاردیواری سے باہر آ گیا۔ برف گرنا بند ہو گئی تھی۔ تیز ہواؤں کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ جونہی وہ باہر آیا۔ ایک بھیانک چیخ فضا میں گونج اٹھی اُس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً گر کر بیہوش ہو جاتا۔ کیونکہ یہ چیخ انتہائی خوف ناک تھی۔ مگر عنبر روحوں اور بھٹکی ہوئی روحوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا عادی تھا۔ بلکہ اب وہ خود ایک بھٹکی ہوئی روح بن چکا تھا جو دو ہزار برس سے زمین پر بھٹک رہی تھی۔ اُس نے چیخ کی آواز سُن کر بلند آواز میں کہا۔

“اے بھٹکی ہوئی روح! میرے سامنے آ۔”

ایک شعلہ بلند ہوا اور آتشیں گولے کی شکل میں عنبر کے اوپر آ کر گرا۔ مگر عنبر کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ وہ اُسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر آسمان سے ایک بھاری پتھر آیا اور عنبر کے سر پر آتے ہی پاش پاش ہو کر دُور جا گرا۔ عنبر نے کہا۔

“اے بھٹکی ہوئی روح! تو اگر ساری زندگی بھی اپنے جادو کرتی رہے گی تو مجھ پر قابو نہ پا سکے گی۔ اس لئے فوراً میرے سامنے آ کر معافی مانگ۔”

اس کا اتنا کہنا تھا کہ روح ایک حسین عورت کے روپ میں اس کے سامنے آ گئی۔ اس عورت کی شکل تبت کی عورت ایسی تھی۔ اُس نے ظاہر ہوتے ہی عنبر کو جُھک کر سلام کیا اور بولی۔

“مجھے معاف کر دینا عنبر! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ تم ہو۔ تم پر دیوتاؤں کا سایہ ہے۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟”

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم زمین کی فضا میں کب سے بھٹکتی پھر رہی ہو؟"

بھٹکتی روح نے کہا۔

"اے دیوتاؤں کے پسندیدہ نوجوان! میرا نام رتناگری ہے اور میں کبھی تبت کے راجہ کی چہیتی بیوی تھی۔ میں اپنے خاوند کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی تھی کہ راجہ نے ایک دوسری عورت سے شادی کر لی اور وہ مجھے بھول گیا۔ میں نے اس عورت کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ راجہ کو پتہ چل گیا کہ میں نے اس کی چہیتی بیوی کو زہر دیا ہے راجہ نے مجھے ہاتھی کے پاؤں تلے دب کر کچلوا دیا۔ تب سے لے کر آج تک میں ان میدانوں میں بھٹکتی پھر رہی ہوں راجہ کو اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ایک نیک دل انسان ہے اور اس نے میرے ساتھ انصاف کیا تھا اور جیسا کہ تم بھی جانتے ہو بد روح اور بھوت کسی بھی نیک انسان کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر میں راجہ کی موت کے بع اس عورت کی اولاد سے ضرور بدلہ لوں گی۔"

عنبر نے کہا

"جس کو رب عظیم نے خود اپنی حفاظت میں کر رکھا تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ تمہارے لئے یہی بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ رب عظیم کے آگے گڑگڑا کہ اپنی بخشش کی التجا کرو کہ وہ تمہیں معاف کر دے اور تجھے اس عذاب سے نجات دلائے گے

بدروح نے شیطانی قہقہہ لگایا۔

”میں اُس عورت کی اولاد سے انتقام لوں گی۔ انتقام لوں گی“

عنبر نے کہا۔

”ابھی تو تم خود قدرت کے انتقامی پنجے میں جکڑی ہوئی ہو۔ اب یہاں سے دُور ہو جاؤ۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارے لئے دُعا کروں مگر معلوم ہوا کہ تمہارے لئے دیوتاؤں نے توبہ کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ یہاں سے چلی جاؤ“

بدروح نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ عنبر کے آگے جھکی اور قہقہے لگاتی وہاں سے غائب ہوگئی۔ عنبر کو راجہ کے نیک دل ہونے کی ایک اور گواہی مل گئی تھی۔ اگر واقعی تبت کا راجہ نیک اور امن پسند تھا تو پھر ملکہ عسبکا کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُس کے پُرامن ملک پر چڑھائی کرے۔

وہ یقیناً اُس کا مقابلہ کرے گا اور تبت کے راجہ اور وہاں کے عوام کو ملکہ عسبکا کے وحشیانہ حملے سے بچاتے گا۔ اتنی دیر میں صبح ہوگئی۔ سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ زمین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف ہی برف پھیلی ہوئی تھی ۔ عنبر تھوڑا بہت کھا پی کر بائک پر سوار ہوا اور آگے روانہ ہو گیا ۔ تبت کی سرحد وہاں سے آدھ گھنٹے کے سفر پر تھی ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رقاصہ کہاں گئی ؟

تھانگیں دیوداسی نے رقاصہ کو پچھلی کوٹھڑی میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ ہر روز دو وقت اُسے کھانے پینے کو دیتی اور اُسے تاکید کرتی کہ وہ کوٹھڑی سے باہر نکلنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے۔ کیونکہ بڑا پجاری زنناکر اور چھوٹا پجاری اُس کی تلاش میں پاگل کتوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ رقاصہ بے چاری سارا دن کوٹھڑی کے اندر پڑی رہتی۔ رات کو وہ لکڑی کے بڑے بڑے صندوقوں کے درمیان بکری کی کھال پر لیٹ کر سو جاتی۔ تبت میں سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ مگر اندر اُسے سردی زیادہ نہیں لگتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ باہر نکلنا سخت خطرناک ہے۔ پھر بھی کبھی کبھی وہ اس قید سے اُک جاتی اور اُس کا دل چاہتا کہ وہ باہر نکل کر تازہ ہوا کھائے۔ مگر دیوداسی کے خیال سے چپکی ہو کر بیٹھ رہتی وہ سوچتی کہ اگر باہر نکل بھی جائے تو کہاں جائے گی؟ اتنے بڑے ملک میں اُس کو کوئی بھی تو جاننے والا نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر رتناکر اور پجاری سبے حد پریشان تھے۔ رقاصہ کا ابھی تک اُنہیں سراغ نہیں ملا تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رقاصہ کو زمین کھا گئی یا آسمان نے اوپر اٹھا لیا۔ آخر وہ کہاں گم ہو گئی؟ وہ اُن کا بہت بڑا راز اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ انہیں سب سے زیادہ یہ فکر تھی کہ اگر رقاصہ نے راجہ کے دربار میں جا کر بتا دیا کہ رتناکر اور پجاری عورتوں کو دوسرے ملک لے جا کر بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیتے ہیں تو راجہ اُن کی کھال کھچوا دے گا۔ مگر رقاصہ اس خیال سے ڈرتی تھی کہ اگر اُس نے راجہ کو سب کچھ بتا دیا تو اُس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ رتناکر کے آدمی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اسی وجہ سے تھائیں بھی خاموش تھی کہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھی جو رقاصہ کو اپنے ساتھ لے کر ملک تبت سے باہر نکل جائے اور باقی زندگی رقاصہ کسی دوسرے ملک میں جا کر اطمینان سے بسر کرے۔ لیکن ایسا اعتماد والا آدمی ملنا بڑا مشکل تھا۔ اس وقت تو تھائیں کی ساری کوشش اس بات پر خرچ ہو رہی تھی کہ رقاصہ کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ دیوداسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے استھان کی پچھلی کوٹھڑی میں چھپی ہوئی ہے۔

تھائیں جتنی دیر مندر میں جا کر عبادت کرتی وہ اپنے پیچھے کوٹھڑی کے باہر تالہ لگا کر جاتی۔ واپس آ کر سب سے پہلے تالہ کھول کر یہ دیکھتی کہ رقاصہ موجود ہے؟ اُدھر رتناکر نے سارے مندر میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کہ وہ معلوم کریں کہ رقاصہ کہاں چھپی ہوئی ہے۔ اتنا اُسے یقین تھا کہ رقاصہ تبّت کے اندر ہی ہے۔ وہ باہر نہیں گئی۔ کیونکہ تبت کی سرحدوں پر اُس کے آدمی نگرانی کر رہے تھے۔ رتناکر نے تھائیں کی خدمت کرنے والی کنیزوں کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔

اُس نے بڑی کنیز لاجورد کو اپنے راز میں شریک کر لیا تھا اور اُسے سب کچھ بتا کر کہا تھا کہ وہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ رقاصہ کہیں دیوداسی کے استھان میں تو نہیں چھپی ہوئی۔ لاجورد نے کہا تھا۔

" دیوداسی کے استھان میں وہ کیسے جا سکتی ہے؟ دیوداسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ایک رقاصہ کو اغوا کر کے اپنے ہاں چھپا کر رکھے۔ ایسا تو سوچنا بھی گناہ ہے۔"

رتناکر نے جواب میں کہا تھا۔

" یہ ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے دیوداسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے رقاصہ کو فرار کروانے میں بڑی مدد دی ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو پھر ہم اور تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر تو دیوتاؤں کی مرضی ہے کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔"

"ایسا نہیں ہے۔ دیوداسی نے دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف ایسا کیا ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔"

"دیوداسی ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ ایک مقدس دیوی ہے۔ وہ دیوتاؤں کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتی۔"

"وہ ضرور ایک مقدس دیوی ہے۔ مگر مجھے بھی مورتی مندر کی خدمت کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے ہیں۔ کچھ باتوں کا علم مجھ کو بھی ہے۔ میں تمہیں تاکید کروں گا کہ تم دیوداسی کے استھان پر نگاہ رکھو اور دیکھو کہ رقاصہ وہاں تو نہیں چھپی ہوئی؟ اگر تمہیں ذرا بھی شک پڑے تو فوراً مجھے اطلاع کرو۔"

کنیز لاجورد نرناکر کے کہنے کے مطابق استھان میں چوکس رہنے لگی۔ وہ تھائیس کے بالوں میں موتی پروتی اور اسے عبادت کے لیے تیار کرتے ہوئے بھی بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھتی رہتی۔ ایک ہفتے کی نگرانی کے بعد اس نے محسوس کیا کہ ہر روز شام کو مقدس دیوداسی بڑے پُراسرار طریقے سے اپنے کمرے کی پچھلی کوٹھڑی کے اندر جاتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر جاکر وہ دروازہ بند کر لیتی ہے۔ کچھ دیر اندر رہنے کے بعد باہر آکر دروازے پر پھر سے تالا ڈال دیتی ہے۔ کنیز تے دیوداسی کی خاص طور پر نگرانی شروع کر دی۔ اس نے دیکھا کہ وہ جھولے میں کچھ ساتھ لے کر بھی اندر جاتی ہے

لاجورد نے فوراً رتناکر اور پجاری کو آکر اطلاع کر دی۔ رتناکر نے کہا

”یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کوٹھڑی کے اندر جاکر دیوداسی کیا کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ جھولے میں کیا ہوتا ہے“

لاجورد اب اس ٹوہ میں رہی کہ معلوم کرے جھولے میں کیا ہوتا ہے۔ آخر اُس نے پتہ لگا لیا کہ دیوداسی صبح شام کوٹھڑی کے اندر پھل اور پانی لے کر جاتی ہے۔ لاجورد تے رتناکر کو آکر بتایا تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔

”ہونا ہو اندر ضرور کوئی چھپا ہوا ہے۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ دیوداسی نے رقاصہ لڑکی کو ہی چھپا رکھا ہو۔ لاجورد! اُس رقاصہ کا وجود ہمارے لیے سخت خطرے کا باعث ہے۔ کسی طرح کوٹھڑی کے اندر جاکر معلوم کرو کہ کیا اندر وہی رقاصہ چھپی ہوئی ہے؟ اگر تم نے آکر مجھے خوش خبری سنائی تو میں تمہارا منہ ہیرے جواہرات سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھر دوں گا۔"

لاجورد انعام کے لالچ میں کوٹھڑی کے اندر کا راز معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ ایک روز اُس نے سر درد کا بہانہ بنایا اور دیوداسی کے ساتھ عبادت کرنے مندر نہ گئی۔ جب وہ مندر میں گئی تو لاجورد چپکے سے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور دو تین کنیزوں سے نظریں بچاتی اُس کوٹھڑی سے باہر آ گئی جس پر تالا پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر سے کوئی آواز تو نہیں آ رہی۔ مگر اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر اُس کے مکار دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔

لاجورد نے آہستہ سے کوٹھڑی کے دروازے پر دستک دی اور کہا۔

"رقاصہ! سنو! میں دیوداسی کی خاص کنیز بول رہی ہوں۔ میں تمہارے راز میں برابر کی شریک ہوں۔ مجھے دیوداسی نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آج رات وہ کھانا لے کر دیر سے آئے گی۔"

اندر سے رقاصہ نے جواب دیا۔

"اچھا۔ میں نے سُن لیا ہے۔"

لاجورد خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ اُس نے بند کوٹھڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا راز معلوم کر لیا تھا۔ اندر سے رقاصہ نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

لاجورد نے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر لاجورد بھاگی بھاگی رتناکر کے پاس پہنچی اور اسے بتا دیا کہ رقاصہ لڑکی دیوداسی کے کمرے کی کوٹھڑی میں چھپی ہوئی ہے۔ رتناکر کو گویا چھپا ہوا خزانہ مل گیا تھا۔ اب دیر کرنا درست نہیں تھا۔ کیونکہ رقاصہ شام کو ضرور دیوداسی کو بتا دیتی کہ ایک کنیز نے آکر اسے اطلاع دی تھی کہ کھانا شام کو دیر سے ملے گا۔ دیوداسی ضرور سمجھ جاتی کہ اس کا راز فاش ہو گیا ہے اور وہ ضرور اسے وہاں سے کسی جگہ اور چھپا دیتی۔

رتناکر نے چھوٹے پجاری کو ساتھ لیا اور چھپتے چھپاتے دیوداسی کے استھان میں پہنچ گئے۔ انہوں نے بے ہوش کرنے والے عرق کی بوتل اپنے ساتھ رکھ لی تھی۔ دیوداسی کے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ہتھوڑے کی مدد سے کوٹھڑی کا تالا توڑ دیا۔ اندر بیٹھی ہوئی رقاصہ سہم گئی۔ مگر رتناکر اور پجاری نے اسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی۔ انہوں نے لپک کر رقاصہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اور رتناکر نے دوائی سونگھا کر اسے بے ہوش کر دیا۔

بے ہوش رقاصہ کو اٹھا کر انہوں نے ایک قالین میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لپیٹا اور قالین کو کندھے پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ باہر آکر رتناکر سیدھا اپنی کوٹھڑی کی طرف چلا گیا اُس کی کوٹھڑی کے اندر ایک خفیہ تہہ خانہ تھا۔ رتناکر نے پجاری کے ساتھ مل کر رقاصہ کو تہہ خانے کے اندر فرش پر لٹا کر اُس کے دونوں ہاتھ رسیوں سے باندھ دیئے اور باہر نکل کر دروازے پر تالا لگا دیا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اُن کی زندگیاں ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو گئی تھیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر دونوں پجاری سیدھے مندر میں آگئے اور عبادت کرنی شروع کر دی۔

دیوداسی تھائیس نے محسوس کیا تھا کہ رتناکر اور چھوٹا پجاری تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئے ہیں۔ ایک بار اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے۔ دوسری بار اُس نے دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر موجود تھے اور آنکھیں بند کئے ہاتھ جوڑے مورتی کی عبادت کر رہے تھے۔ تھائیس کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور دال میں کالا کالا ہے۔ اگر ایسی بات نہیں تو یہ دونوں اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے اور پھر کچھ دیر غائب رہنے کے بعد کہاں سے واپس آگئے ہیں؟

تھائیس کا ذہن پریشان ہو گیا۔

عبادت میں اُس کا دل ذرا نہ لگا۔ وہ اسی خیال میں ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ جلدی سے واپس اپنے کمرے میں جاکر دیکھے کہ رقاصہ لڑکی کوٹھڑی میں موجود ہے یا نہیں۔ آخر عبادت کی رسمیں ختم ہوگئیں۔ کنیزوں نے دیوداسی کو پالکی میں بٹھا کر کندھوں پر اٹھایا اور اُس کے استھان میں لے آئیں۔ یہاں انہوں نے رسم کے مطابق ایک ایک کرکے اُس کے بالوں سے مقدس موتیوں کی لڑیاں اتاریں۔ دیوداسی فوراً کوٹھڑی میں جانا چاہتی تھی۔ مگر جب تک ساری رسمیں پوری نہ ہوجائیں وہ وہاں سے ہل نہیں سکتی تھی۔

آخر رسمیں ختم ہوگئیں اور کنیزیں ایک ایک کرکے وہاں سے چلی گئیں۔ تھائیں دیوداسی اپنے کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ تنہائی ملتے ہی اُس نے اپنے کمرے کو بند کرکے اندر سے کنڈی لگائی اور بھاگ کر پچھلی کوٹھڑی کی طرف آگئی۔ کوٹھڑی کا ٹوٹا ہوا تالہ دیکھتے ہی اُس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہوگئی۔ رقاصہ لڑکی غائب ہوچکی تھی۔ ٹوٹے ہوئے تالے سے صاف ظاہر تھا کہ کسی نے اُسے زبردستی وہاں سے نکال لیا ہے۔ اُسے وہاں سے نکالنے والا سوائے بڑے پجاری رتناکر کے اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ صرف اُسی کو رقاصہ کی گرفتاری سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ تھائیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ بھی مجبور تھی۔ کھلے بندوں رقاصہ لڑکی کو تلاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتی تھی ۔ وہ راجہ کو بھی لڑکی کے بارے میں نہیں کہ
سکتی تھی کیونکہ سب سے پہلے تو راجہ اُس سے یہ پوچھتا کہ
اُس نے رقاصہ کو اپنی کوٹھڑی میں بند کرنے کی بجائے راجہ کے
حوالے کیوں نہ کیا ۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی تعجب
کا اظہار کرتا کہ دیوداسی مورتی کے اندر گئی تو مورتی پھٹ
کیوں نہیں گئی ؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ دیوداسی جھوٹی ہے ۔

یہی کچھ سوچ کر تھائیس خاموش ہو کر بیٹھ گئی ۔ اُس نے
اندر ہی اندر معلوم کرنے کی کوشش ضرور کی کہ اُس کی عدم
موجودگی میں اُس کے کمرے میں کون آیا تھا ؟ مگر اُسے کوئی
تسلی بخش جواب نہ مل سکا ۔ کیونکہ کسی کو بھی رتناکر کے اندر
آنے کا علم نہ ہو سکا تھا ۔ تھائیس کو بہت صدمہ ہوا کہ ایک
بے گناہ معصوم لڑکی ایک بار پھر ڈاکوؤں اور لٹیروں کے
ہاتھ لگ گئی ہے جو اُس کی زندگی کو برباد کر کے رکھ
دیں گے اور اُسے ایک ایسے ملک میں جا کر فروخت
کر دیں گے جہاں سے معلوم نہیں اُسے کون خرید کر
کہاں لے جائے گا ؟ مگر اب بات تھائیس کے ہاتھ
سے نکل چکی تھی ۔

رقاصہ لڑکی رتناکر کے تہہ خانے میں بند تھی ۔ رتناکر کو
اچھی طرح معلوم تھا کہ لڑکی کا اس کے تہہ خانے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں۔ اگر راجہ کو کسی نے مخبری کر دی تو اُسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اُس نے چھوٹے پجاری کے ساتھ مشورہ کیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کو جتنی جلدی ہو سکے ملک مصر پہنچا دیا جائے۔"

"مگر قافلہ تو کب کا روانہ ہو چکا ہے۔ اب اسے کون ساتھ لے جائے گا؟"

"لیکن اس کا یہاں رہنا بے حد خطرناک ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم خاص طور پر کچھ اپنے آدمیوں کو تیار کر کے اس لڑکی کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کر دیں۔"

"اگر وہ لوگ تیار ہو جائیں تو اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرا قافلہ تو اگلے سال یہاں سے روانہ ہوگا۔"

"اور ایک سال تک رقاصہ لڑکی کو اپنے تہہ خانے میں بند کر کے رکھنا اپنی موت کو آپ دعوت دینے کے برابر ہے بس یہ ٹھیک ہے میں اپنے خاص آدمیوں کو بھاری انعام کا لالچ دے کر تیار کرتا ہوں کہ وہ ایک خفیہ قافلہ بنائیں۔ اور رقاصہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اس پر خرچ بہت اٹھے گا مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ لڑکی یہاں ہماری موت کا باعث بن سکتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں آج رات ہی آدمیوں سے مل کر انہیں تیار کرتا ہوں۔"

چھوٹے پجاری نے ایک اور ایک دن کے اندر ہی اندر خاص آدمیوں سے مل کر ایک چھوٹا سا خفیہ قافلہ تیار کروا دیا اس قافلے کو ایک رات چھوڑ کر تیسری رات کو تبت سے روانہ ہونا تھا۔ رتناکر نے تیسری رات کو رقاصہ لڑکی کو بے ہوش کر کے قالین کے اندر چھپا کر باہر نکالا اور بیل گاڑی پر ڈال کر شہر سے باہر اس مقام پر لے آیا جہاں ایک درے میں خفیہ قافلہ سفر کے لیے تیار کھڑا تھا۔

خفیہ طور پر روانہ ہونے والے اس قافلے میں کوئی پچاس کے قریب تنومند آدمی شریک تھے۔ انہوں نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کے ساتھ چھرے، خنجر، تیر کمان اور تلواریں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ رتناکر نے بھاری انعام دے کر ان لوگوں کو تیار کیا تھا۔ رقاصہ لڑکی کو قالین میں سے نکال کر بیل گاڑی میں لٹا دیا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ رتناکر نے قافلے کے سردار سے کہا۔

"فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ آج کی رات کسی جگہ بھی رکنا نہیں۔ اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ راتوں رات یہاں سے جتنی دور نکل سکو نکل جانا ہے۔ مصر میں پہنچنے کے بعد اس لڑکی کو اپنے خاص آدمی کے حوالے کر کے واپس آ جانا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت اچھا مہاپُرش!"

"راستے میں اگر حملہ ہو تو ہر حالت میں اس رقاصہ لڑکی کی حفاظت کرنا اور حملہ کرنے والوں کو ہرگز ہرگز زندہ مت چھوڑنا۔ سمجھے؟"

"سمجھ گئے سرکار"

"اب سفر شروع کر دو"

اُسی وقت رات کے اندھیرے میں خفیہ قافلہ آگے کو چل پڑا۔ رتناکر اور چھوٹا پجاری چھپتے چھپاتے واپس مندر میں آگئے۔ اُن کے سر سے گویا ہزاروں من کا بوجھ اُتر گیا تھا اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ اس بات سے انہیں بڑی حیرت تھی کہ دیوداسی نے مورتی کے اندر جا کر رقاصہ لڑکی کو اغوا کیوں کیا؟ اُسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ مُورتی کے اندر جاتی؟

"کہیں یہ دیوداسی کسی دشمن ملک سے یہاں آکر ہماری جاسوسی تو نہیں کر رہی رتناکر؟"

"مجھے بھی اب اس پر شک پڑنے لگا ہے۔ کیونکہ اگر یہ دیوداسی اصلی اور مقدس ہوتی اور پرانی دیوداسی کی روح ہوتی تو اُس کے اندر جاتے ہی مُورتی فوراً پھٹ جاتی۔ مورتی اس کے جلال اور طاقت کو برداشت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکتی تھی۔"

"پھر تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک جھوٹی دیوداسی ہے اور ہمارے ملک میں جاسوسی کرنے آئی ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اُس کی شکل پہلے والی مقدس دیوداسی سے ملتی جلتی ہے۔"

"میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ یہ ایک جعلی دیوداسی ہے۔"

"پھر تو اس کو گرفتار کر لینا چاہیئے اور راجہ کو بتا دینا چاہیئے کہ دیوداسی کے رُوپ میں دشمن کی جاسوسہ مندر کے اندر بیٹھی ہے۔"

"اس کا ثبوت کیا ہوگا؟"

"اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ ہم اُسے راجہ کے سامنے کہیں گے کہ وہ مُورتی کے اندر داخل ہو۔ راجہ کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ مقدس دیوداسی کے مورتی میں داخل ہوتے ہی وہ پھٹ جائے گی۔"

اور اگر دیوداسی نے راجہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ ہم لڑکیوں کو قربان نہیں کرتے بلکہ انہیں یہاں سے لے جا کر دوسرے ملک میں بیچ ڈالتے ہیں تو کیا ہوگا؟۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھید کھل گیا

رتناکر نے اب دیر کرنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ سیدھا تبت کے راجے کے خاص محل میں گیا اور اُس نے جا کر صاف صاف کہہ دیا کہ دیوداسی کی رُوح نے خواب میں آکر اُسے بتایا ہے کہ جس عورت کو وہ دیوداسی سمجھ کر اُس کی پُوجا کر رہے ہیں وہ جھوٹی اور دھوکے باز عورت ہے۔ راجہ اُس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو رتناکر؟"

رتناکر نے جھک کر کہا

"اے راجوں کے راجہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اصلی دیوداسی کی رُوح کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اُس نے کل رات خواب میں آکر مجھے بڑے غصّے میں کہا ہے کہ راجہ سے جا کر کہہ دوں کہ ایک جھوٹی اور مکّار عورت میرا بھیس بدل کر مجھے تکلیف پہنچا رہی ہے۔ اُسے فوراً گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جائے اور میری تلاش کی جائے۔

"لیکن اس کے لیے ہمیں لوگوں کے سامنے ثبوت پیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا ہوگا کہ یہ دیوداسی جھوٹی ہے۔"

زنناکر نے کہا

"اس کا ثبوت بڑا آسان ہے۔ ہم دیوداسی کو کہیں گے کہ وہ مورتی کے اندر داخل ہو۔ اگر مورتی اس کے اندر داخل ہونے کے بعد بھی اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلی تو سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ دیوداسی جھوٹی اور مکار ہے۔"

راجہ نے کہا

"ٹھیک ہے۔ دیوداسی کو مورتی میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے میں ابھی اسی وقت مندر میں آ رہا ہوں۔"

زنناکر خوشی خوشی باہر نکل گیا۔ مندر میں فوراً اعلان کر دیا گیا کہ دیوداسی کا امتحان لیا جائے گا۔ اور اُسے مورتی کے اندر داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا۔ تھائیس نے یہ سُنا تو پریشان ہو گئی۔ اُس نے وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچا۔ مگر وہاں سے اُس کا نکل جانا بے حد مشکل تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ راجہ کے خاص سپاہی آ کر اُسے اپنے ساتھ پالکی میں بٹھا کر مندر میں لے گئے۔ مندر میں سارے پجاری، درباری اور راجہ موجود تھا۔ تھائیس کا رنگ زرد تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اُس کے جھوٹ کا پول ابھی کھل جائے گا اور راجہ اُسے موت کی سزا دے گا۔

بڑا پجاری رتناکر آج بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔
راجہ نے دیوداسی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"اے مقدس دیوداسی! ہماری ایک رسم کے مطابق ہر سال میں ایک دن ایسا آتا ہے جب دیوداسی کو مندر کی مورتی کے اندر داخل ہوکر لوبان سلگانا پڑتا ہے۔ آج وہ دن آ گیا ہے اس لئے میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ سب کے سامنے اس بڑی مورتی کے اندر داخل ہوکر مقدس لوبان کو سلگاؤ اور دیوتاؤں کی روح کو خوش کرو۔"

بڑے پجاری نے سونے کی طشتری میں رکھ کر دیوداسی کے ہاتھوں میں تھما دیا اور کہا۔

"اے مقدس دیوداسی! اپنے قدم بڑھا کر مورتی کے دروازے میں سے اندر داخل ہو اور لوبان کو سلگا تاکہ ہماری قوم اور ہمارے شہر پر دیوتاؤں کی رحمتیں نازل ہوں"

تھائیس کے ہاتھ اور پاؤں کانپ رہے تھے۔ مگر وہ بے بس ہو گئی تھی۔ اُس نے مجبوراً طشتری ہاتھوں میں تھام لی اور مورتی کے دروازے کی طرف بڑھی۔ رتناکر پجاری کو یقین تھا کہ مورتی دیوداسی کے اندر داخل ہونے سے اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز نہیں ہلے گی۔ لیکن راجہ کو تھوڑا سا شک تھا۔ اس نے سوچا اگر مورتی پھٹ گئی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت نقصان ہونے کا ڈر ہے۔

چنانچہ وہ ایک ستون کی آڑ میں ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تھائیس طشتری ہاتھ میں لیئے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی مورتی کے پشت والے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچی تو رک گئی۔ اس نے پلٹ کر رتناکر کی طرف دیکھا جو ذرا ذرا مسکرا رہا تھا۔ راجے کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دیوداسی سچی ہوئی تو مورتی اپنی جگہ سے ہلے گی اور پھٹ جائے گی رتناکر نے کہا۔

"اے مقدس دیوداسی! وقت گزر رہا ہے۔ اندر تشریف لے جا کر لوبان سلگاؤ۔ دیوتا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

تھائیس سمجھ گئی تھی کہ اس کی موت آ گئی ہے۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھا اور مورتی کے دروازے میں سے اس کے اندر داخل ہو گئی۔ راجہ نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ تو مورتی اپنی جگہ سے ہلی اور نہ اس کے چہرے پر خراش تک آئی۔ صاف ظاہر تھا کہ دیوداسی جھوٹی ہے۔ رتناکر نے بلند آواز میں کہا۔

"اے راجہ! آپ کو ثبوت مل گیا ہے کہ دیوداسی کی روح کا خواب سچا تھا اور یہ دیوداسی جھوٹی ہے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہمارے مذہب کا مذاق اڑایا ہے۔ اس نے اصلی دیوداسی کی روح کو دھوکا دیا ہے اور اُسے تکلیف پہنچائی ہے۔"

راجہ نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

"اس عورت کو گرفتار کر لیا جائے۔"

فوراً سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے تھائیس کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور راجہ کے حکم سے اُسے لے جا کر جیل میں بند کر دیا۔ زنناکر بے حد خوش تھا کہ اس نے جھوٹی دیوداسی کا راز کھول کر ایک نیک کام کیا ہے اور اصلی دیوداسی کی روح کو سکھ پہنچایا ہے۔ وہ اس لئے بھی خوش تھا کہ اُس نے دیوداسی سے رقاصہ کو اغوا کرنے کا انتقام لے لیا ہے۔ وہ راجہ کے حکم سے جیل میں قید کر دی گئی تھی۔ زنناکر نے اُس کے ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ مندر کے پجاری اصلی دیوداسی کی "تلاش میں آج سے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ اس نے راجہ کے حکم سے پجاری کی ایک لڑکی اصلی دیوداسی کی روح کی تلاش میں روانہ کر دی اور راجہ سے کہا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ دیوداسی کی روح کو خوش کرنے اور مورتی کے ساتھ کئے گئے گناہ کا کفارہ اُتارنے کے لیے ایک ہی وقت میں دو لڑکیوں کی قربانی دی جائے۔ راجہ نے فوراً اجازت دے دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زنشاکر ایک تیر سے دو نشانے کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف وہ لڑکیوں کی قربانی کر کے راجہ اور اُس کی رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف اُن لڑکیوں کو فروخت کر کے سونے کے سکّے کمانا چاہتا تھا۔

چنانچہ دو روز بعد دو لڑکیوں کو مورتی پر سے قربان کر دیا گیا۔

یہ قربانی بھی جھوٹی تھی۔ لڑکیوں کو مورتی کے اندر لے جاکر کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور اُن کی جگہ دو بکریوں کے خون میں ڈوبے ہوئے دل پیالے میں ڈال کر راجہ کو پیش کیے گئے راجہ نے خون میں انگلی ڈبو کر تلک لگایا اور اعلان کیا کہ مورتی اور دیوداسی کی رُوح نے اُن کی قربانی قبول کر لی ہے۔

تھائیس کو قید خانے میں پتہ چلا کہ دو لڑکیوں کی قربانی دی گئی ہے تو وہ سمجھ گئی کہ زنشاکر پجاری نے دو اور لڑکیاں مصر میں بیچنے کے لیے حاصل کر لی ہیں۔ مگر اب تو خود اسے اپنی جان کے لالے پڑے تھے وہ اُن لڑکیوں کو کیسے بچا سکتی تھی۔ شام کو زنشاکر اُس کی کوٹھڑی میں آیا۔ اُس نے تھائیس کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے مکار عورت سچ سچ بتا تو کون ہے اور ہمارے ملک کی جاسوسی کس کے اشارے پر کر رہی ہے؟"

تھائیس نے صرف اتنا کہا۔

"میں زمانے کی ٹھکرائی ہوئی عورت ہوں۔ جس وقت تم لوگوں نے مجھے دیوداسی کی روح سمجھ کر میرے گلے میں مقدس مالا ڈالی تھی تو اس وقت مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ میں مقدس دیوداسی بنائی جا رہی ہوں۔ میں کسی ملک کی جاسوسی کرنے یہاں نہیں آئی۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں اور تمہارے ملک میں پناہ تلاش کرنے آئی تھی۔"

زنشاکر نے گرج کر کہا۔

"تم بکواس کرتی ہو۔ ہمارے راجہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم ایک جاسوس ہو اور کسی ایسے بادشاہ یا راجہ کی طرف سے یہاں بھیجی گئی ہو جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہمیں تباہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ دیوتاؤں نے ہماری مدد کی اور ہم نے ٹھیک وقت پر تمہیں گرفتار کر لیا۔ اب ہم تمہیں شہر کے سب سے بڑے چوک میں، سب کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیں گے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھائیس نے غصے میں آکر کہا۔

"اے مکار پجاری) ! تو بھی کان کھول کر سن لے کہ میں راجہ کے سامنے تمہارا بھانڈا بھی پھوڑ دوں گی اور سب کو بتا دوں گی کہ تم ایک مکار شخص ہو اور تم لڑکیوں کو قربان کرنے کی بجائے انہیں دوسرے ملک میں لے جا کر بیچ دیتے ہو"

رتناکر نے قہقہہ مار کر کہا۔

"تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ میرے پاس تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ثبوت تھا۔ میں نے اسے سب کے سامنے پیش کر دیا اور اب تمہیں یہاں پھانسی مل جائے گی۔ مگر تم میرے خلاف کوئی ثبوت نہ دے سکو گی۔ میں لڑکیوں کی جگہ جن بکریوں کو ذبح کرتا ہوں انہیں کھا پی کر ہضم کر جاتا ہوں"

تھائیس خاموش ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ رتناکر سچ کہہ رہا تھا۔ ثبوت اس کے پاس واقعی کوئی بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے سب کے سامنے رتناکر پر الزام بھی لگایا تو بغیر ثبوت کے وہ بیکار الزام ہوگا اور سب لوگ یہی سمجھیں گے کہ تھائیس بدلہ لینے کے لیے جوابی الزام تراش رہی ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ تھائیس اب پوری طرح رتناکر کے چنگل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پھنس چکی تھی اور پھانسی کا پھندا اس کی قسمت میں لکھا جا چکا تھا۔ اس نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے رتناکر کے آگے گڑگڑا کر کہا۔

"رتناکر! میں ساری عمر تمہاری باندی بن کر رہوں گی۔ کسی طرح مجھے یہاں سے باہر نکال دے۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں وہی کروں گی جو تو کہے گا۔"

رتناکر نے شیطانی قہقہے کے ساتھ کہا۔

"اب وقت گزر گیا ہے۔ اگر آج سے دس روز پہلے تو کہتی تو شاید میں قافلے کے ساتھ تجھے مصر بھیج کر وہاں بکوا دیتا۔ مگر اب وقت نہیں رہا۔ سب لوگوں پر اور راجہ پر بھی تمہارا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔ ساری رعایا تمہیں بھرے چوک میں پھانسی دینا چاہتی ہے اب میں نے اگر تمہیں یہاں سے بھگا دیا تو یہ لوگ مجھے پھانسی پر چڑھا دیں گے۔"

تھائیس نے کہا۔

"تم کوئی مذہبی بہانہ بنا کر انہیں خاموش کر سکتے ہو۔"

"نہیں۔ میں اس معاملے میں کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ اور پھر تم نے میری زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ میں تمہاری زندگی بچانے کے لیے خطرہ کیوں مول لوں؟ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ خاموشی سے اس کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا انتظار کرو"

رتناکر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

تھائیس اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے لیے اکیلی رہ گئی۔ راجہ نے تھائیس کو پھانسی دینے کے لیے چاند کی آخری تاریخ کا اعلان کر دیا۔ اس حساب سے ابھی تھائیس کی موت میں پورے پندرہ دن باقی تھے۔ اپنی موت کے خیال سے وہ بیچاری ابھی سے گھلنا شروع ہو گئی تھی۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہاں موت اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ ایک بار پھر سیاہ فام کانے کے قبضے میں ہی چلی جاتی۔ کم ازکم اُس کی زندگی تو محفوظ رہتی۔ اب تو اُسے جان سے ہاتھ دھونا پڑ گیا تھا۔ وہ کسی نوکر یا کنیز سے مل کر بھی وہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ سارے لوگ اُس کے دشمن ہو رہے تھے۔ کیونکہ اُس نے دیوداسی کا جھوٹا روپ دھار کر اُن کے مقدس مذہب کی توہین کی تھی۔ اُس کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی موت کا انتظار کرے۔

اب ذرا یہ دیکھیں کہ عنبر کس حال میں ہے؟

عنبر سفر کرتے کرتے اُن میدانوں میں داخل ہو گیا۔ جن کی سرحدیں تبت سے ملتی تھیں۔ برفانی علاقہ ختم ہو کر ایک بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر میدانی کہستان شروع ہو گیا تھا۔ یہاں زمین اونچی نیچی اور پتھریلی تھی۔ دُور دُور تک کوئی درخت نہیں تھا۔ کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں آ جاتی تھیں جن کے اندر جنگلی گھاس اُگی تھی۔ عنبر دوپہر تک چلتا رہا۔ تیسرے پہر وہ ایک درّے میں آ گیا جو دو ٹیلوں کے بیچ میں تھا۔ ان ٹیلوں کے اوپر کانٹے دار درخت کھڑے تھے۔ عنبر تھک گیا تھا۔ وہ یاک پر سے اُتر کر بیٹھ گیا اور یاک کو اُس نے ایک درخت کے ساتھ باندھ کر درّے میں سے خشک گھاس توڑی اور اُس کے آگے ڈال دی۔

عنبر پتھروں پر کھال بچھا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ صبح وہ تبّت پہنچ جائے گا۔ وہاں اُس کا جاننے والا سوائے بوڑھے تبّتی کے اور کوئی نہ تھا اور اُس نے پہلے ہی بتایا تھا کہ تبّت کے بڑے پجاری سے مل لینا۔ وہ اُس کا بیٹا ہے۔ عنبر پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اُسے اونگھ ٹوٹ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے کسی لڑکی کی چیخ کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے کان آواز پر لگا دیئے۔ ایسے لگا جیسے چیخ فضا میں ایک بار گونج کر ختم ہو گئی تھی۔ اچانک وہی چیخ ایک بار پھر سنائی دی۔ اب یہ آواز مسلسل آنے لگی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی عورت کے ساتھ ظلم کیا جا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور وہ چیخ چیخ کر رحم کی درخواست کر رہی ہے۔ عنبر انسانی ہمدردی کے جذبات سے بے چین ہو گیا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے بڑھا کہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ وہ گھاٹی کے نشیب ہی سے نکل کر سامنے میدان میں آیا تو دیکھا کہ چھ سات آدمی "تلواریں اٹھائے گھیرا ڈالے کھڑے ہیں اور ان کے درمیان ایک لڑکی تڑپ رہی ہے۔ وہ آدمی اسے زبردستی پکڑ کر بیل گاڑی پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ تڑپ کر پھر نیچے گر پڑتی ہے۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔"

لڑکی چیخ چیخ کر واویلا مچا رہی تھی۔ عنبر سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تم لوگ اس لڑکی پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟"

ساتوں کے ساتوں ہٹے کٹے آدمی "تلواریں ہاتھوں میں لیے عنبر کو خونی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ ایک نے دانت پیس کر کہا۔

"تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملے میں دخل دینے والے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ایک انسان ہوں اور ایک بے بس عورت پر ظلم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے نہیں دیکھ سکتا“

ہٹے کٹے آدمی نے گرج کر کہا ۔

”بکواس بند کرو ۔ یہ ہماری لونڈی ہے ۔ ہم اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں“

اس پر لڑکی نے چیخ کر کہا ۔

”یہ جھوٹ ہے ۔ میں ان کی لونڈی نہیں ۔ یہ مجھے تبت سے اغوا کر کے ملک مصر بیچنے لے جا رہے ہیں“

اس آدمی نے بڑے زور سے لڑکی کے منہ پر طمانچہ مارا ۔ اس کے ہونٹوں سے خون جاری ہو گیا ۔ عنبر سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا ۔ اس نے آگے بڑھ کر اس آدمی کے منہ پر ایسا گھونسا مارا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا ۔ اس کے ساتھی نے طیش میں آکر تلوار بلند کی اور عنبر پر بھرپور وار کیا ۔ عنبر فوراً ایک طرف ہٹ گیا ۔ مگر وہ اتنے سارے آدمیوں کے سامنے بے بس ہو گیا ۔ سب کے سب تلواریں لے کر عنبر پر ٹوٹ پڑے ۔ وہ اس پر بار بار تلواریں برسا رہے تھے مگر ایک بھی تلوار کا وار عنبر کو زخمی نہیں کر رہا تھا ۔ وہ سب کے سب حیران ہو گئے کہ یہ معاملہ کیا ہے ۔ اتنے میں عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور باقاعدہ لڑنا شروع کر دیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چار آدمیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے ۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد پانچویں آدمی کی گردن بھی کٹ کر دور جا گری۔ اس لئے کہ دشمن کی تلوار کا وار تو عنبر کا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ جبکہ عنبر کا ہر وار ان کی گردن اُڑا رہا تھا۔ لڑکی ایک طرف سہمی کھڑی یہ عجیب و غریب لڑائی دیکھ رہی تھی۔

اب صرف دو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک نے پیچھے سے آکر عنبر کے جسم میں تلوار گھسیڑ دی۔ تلوار اس کے جسم سے پار ہو کر دوسری طرف نکل گئی۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے تلوار اپنے جسم میں ہی پڑی رہنے دی اور اپنی تلوار سے اس آدمی کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ دوسرا آدمی یہ کرامت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا۔ عنبر نے اپنے جسم سے تلوار کھینچ کر پرے پھینکی اور اس آدمی کے سر پر تلوار کی نوک رکھ کر کہا۔

"بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

"رحم! رحم! رحم!"

لڑکی نے چیخ کر کہا۔

"اس پر رحم نہ کرنا۔ اس نے سینکڑوں عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اس نے کئی لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو یہ ابھی کتنے ہی گھر اجاڑے گا۔ کئی ماؤں کی گود برباد کرے گا اور کئی بچوں کو یتیم کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ لڑکی نے آگے بڑھ کر زمین پر گری ہوئی تلوار اٹھائی اور اس زور سے اُس آدمی کے سر پر ماری کہ اُس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ زمین پر گر کر تڑپے بغیر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ وہ تو رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔"

"سانپ پر کبھی رحم نہیں کھانا چاہیئے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے بے گناہ لڑکیوں پر کیا کیا ظلم کئے ہیں تو تم بھی اِن پر کبھی رحم نہ کھاتے اور جس طرح میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے تم بھی اسے اپنی تلوار سے ہلاک کر دیتے۔"

عنبر نے لڑکی سے پوچھا

"یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور یہ لوگ تمہیں کہاں لئے جا رہے تھے؟"

لڑکی بیل گاڑی پر بیٹھ گئی اور اُس نے الف سے لیکر یے تک عنبر کو ساری کہانی سنا ڈالی۔ عنبر اُس کی داستان سُن کر حیران رہ گیا کہ تبت کے شاہی مورتی مندر میں یہ ظلم ہوتا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ مورتی مندر کا بڑا پجاری رتناکر بوڑھے تبتی کا بیٹا ہی ہے۔ مگر اُس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ دیوداسی کون ہے جس نے اُس لڑکی کی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال اُسے اس دیوداسی سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے انسانی ہمدردی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جذبے کے تحت اُس نے ایسا کیا ہو۔ عنبر نے لڑکی سے پوچھا کہ اب وہ کیا چاہتی ہے؟ لڑکی نے بتایا کہ وہ ہمیشہ اُس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ کیونکہ اُس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ دیوتا ہے اور اُس کی حفاظت ہر مشکل وقت میں کر سکتا ہے۔ عنبر نے کہا کہ میں تو نیبت جا رہا ہوں۔ لڑکی نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی اور بڑے پجاری کے ظلم کو راجہ کے سامنے فاش کردوں گی۔ تاکہ دوسری بیری جیسی لڑکیوں کی جان بچ سکے۔"

"تو پھر چلو میرے ساتھ۔"

عنبر نے لڑکی کو باک پہ سوار کروایا اور خود اُس کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُردوں کی سرائے

تھائیس کو پھانسی دینے کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مورتی مندر کے بڑے صحن میں مورتی کے بت کے بالکل سامنے تختے جوڑ کر پھانسی گاڑ دی گئی تھی۔ راجہ نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا تھا کہ آج سے ٹھیک پندرہ دنوں کے بعد تھائیس کو مقدس دیوداسی کا بھیس بدلنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ جیل کی کوٹھڑی میں تھائیس بے بسی کے عالم میں پڑی تھی۔ کوئی اس سے ہمدردی کرنے والا نہیں تھا۔ کوئی اس کے دکھ میں شریک ہونے والا نہیں تھا۔ ایک سپاہی نیزہ ہاتھ میں لئے ہر وقت کوٹھڑی کے سلاخ دار دروازے کے باہر پہرہ دیتا تھا۔ دن میں دو بار اسے روکھی سوکھی روٹی اور پانی دیا جاتا۔ روٹی کی تھالی سلاخوں کے نیچے سے اندر کھسکا دی جاتی اور وہیں سے باہر کھینچ لی جاتی۔ رسم کے مطابق پھانسی سے ایک روز پہلے تھائیس کا سر مونڈ دیا جاتا تھا۔ پھر اسے لمبا سیاہ کرتہ پہنا کر پھانسی کے پھندے کی طرف لے جاتا تھا۔ سیاہ کرتہ تیار کر لیا گیا تھا۔ کسی وقت تھائیس کو عنبر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاد آتی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ۔ وہی اُس کا ایک ہمدرد بھائی تھا جو اس مصیبت سے اُسے نجات دلا سکتا تھا ۔ لیکن وہ خدا جانے کہاں تھا ۔

تھائیس کو بالکل خبر نہیں تھی کہ اُس کا ہمدرد بھائی عنبر تبت کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا ۔ رقاصہ لڑکی اُس کے ساتھ تھی ۔ سرحدی چوکی پر سپاہیوں نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور تبت کیوں جا رہا ہے ؟ عنبر نے کہا کہ وہ ایک سوداگر ہے اور اپنی بیوہ بہن کے ساتھ تجارت کی غرض سے مال خریدنے تبت آیا ہے ۔ اُس زمانے میں سوداگروں کو بڑی رعایت حاصل تھی ۔ کیونکہ ہر ملک کا بادشاہ یا راجہ چاہتا تھا کہ اُس کا ملک تجارت میں ترقی کرے ۔ آج کی طرح اُس زمانے میں بھی کسی ملک کی ترقی کا راز تجارت کی ترقی میں ہی پوشیدہ تھا ۔ چوکی کے سپاہی رقاصہ لڑکی کو نہ پہچان سکے اور انہوں نے دونوں کو تبت کی سرحدوں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ۔ اُس زمانے میں تبت ملک کا نام بھی تھا اور شہر کا نام بھی یہی تھا ۔ تبت شہر سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا ۔ عنبر نے وہیں سے ایک اور یاک خرید لیا ۔ اب دونوں ایک ایک یاک پر سوار ، تبت شہر کی طرف روانہ ہو گئے ۔ راستے میں کبھی کوئی خانقاہ آ جاتی ۔ کبھی چند ایک خیموں کی بستی میں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گزرنا پڑتا۔ جہاں فقیر لوگ اُن سے خیرات طلب کرتے۔ عنبر نے رقاصہ لڑکی کے چہرے پر نقاب ڈال دی تھی۔ کیونکہ اُس کے پہچان لیئے جانے کا خطرہ تھا۔ انہیں پجاریوں کا ایک جلوس ملا۔ لوگوں نے مذہبی لباس پہن رکھا تھا اور رنگ برنگے جھنڈے اٹھاتے ہوئے تھے۔

عنبر نے رقاصہ لڑکی سے پوچھا۔

"کیا تبت شہر میں تمہارا ایک بھی رشتے دار نہیں ہے"؟

لڑکی نے سوچ کر کہا۔

"شہر سے دُور گاؤں میں ایک بوڑھی عورت رہتی ہے جو میری والدہ کی خالہ زاد بہن ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اُس کے پاس چلی جانا چاہیئے اس لیے کہ میرے ساتھ تم کہاں تک دربدری کرتی رہوگی۔ ویسے بھی ایک عورت کو یوں بھٹکتے پھرنا اچھا نہیں۔"

"لیکن پجاریوں نے مجھے پہچان لیا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ مجھے دوبارہ پکڑ کر دوسرے ملک جاکر بیچ دیں گے۔"

"جیسا کہ تم نے کہا تھا کہ تبت میں یہ کام صرف دو شخص کرتے ہیں۔ ایک ترتناکر بڑا پجاری اور دوسرا چھوٹا پجاری۔ میں تبت کے راجے سے شکایت کرکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان دونوں کو گرفتار کروا دوں گا۔ پھر تو تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"کیا راجہ تمہاری بات کا یقین کرے گا؟"

"کیوں نہیں؟ تم اس کا ثبوت مہیا کروگی۔ تم گواہی دوگی کہ رتناکر نے اپنے چھوٹے پجاری کے ساتھ مل کر تمہیں اغوا کرکے فروخت کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اگر انہوں نے یقین نہ کیا تو؟"

"پھر ایسا ہے کہ تمہارا زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ رتناکر نے مورتی کے اندر قربانی پیش نہیں کی۔ اگر تمہیں قربان کر دیا گیا تھا تو پھر تم زندہ کیسے ہو؟ اور اگر تم زندہ ہو تو ظاہر ہے کہ رتناکر نے چالاکی اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ یوں وہ ہر اعتبار سے پکڑا جائے گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔"

"تم تبت میں کس جگہ ٹھہرو گے؟"

"میں تبت میں کسی کو نہیں جانتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے مجھے کسی سرائے میں ٹھہرنا پڑے گا۔ تم بھی میرے ساتھ رہنا۔ میرا خیال ہے کہ سرائے میں تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔ ویسے احتیاطاً تم چہرے پر نقاب گرائے رکھنا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے بڑے پجاری رتناکر کے جاسوس ادھر گھوم پھر رہے ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ باتیں کرتے، یاک پر سوار چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے گھوڑ سواروں کا ایک دستہ دوڑتا ہوا اُن کے پاس آکر رُک گیا۔ دستے کے سردار نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے جھک کر سردار کو سلام کیا اور بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے بولا۔

"میرا نام حکیم عنبر ہے۔ یہ میری بیوی طلالہ ہے۔ میں دکھی اور بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہوں۔ تبت میں جڑی بوٹیوں کی تجارت کی غرض سے آیا ہوں۔"

"تم نے اس عورت کو نقاب کیوں ڈلوا رکھی ہے؟ ادھر تو کوئی بھی عورت کسی مرد سے پردہ نہیں کرتی۔"

عنبر نے بڑی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"معزز سردار! میں شمالی افریقہ کے ایک خاص قبیلے کا رہنے والا ہوں۔ ہماری شادی کو ابھی ایک سال پورا نہیں ہوا۔ ہمارے قبیلے میں رواج ہے کہ عورت شادی کے ایک برس تک دوسرے مردوں سے پردہ کرتی ہے۔ اگر وہ پردہ نہ کرے تو اس کے ہاں مُردہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔"

سردار نے تعجب سے رقاصہ لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے تبت کے موروثی مندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پجاریوں کا جلوس آ رہا ہے۔ وہ لوگ دیوداسی کی روح
کی تلاش میں نکلے ہیں جو مر گئی ہے اور جس کی روح روایت
کے مطابق کسی دوسری عورت کے اندر چلی گئی ہے۔ وہ اس
عورت کا نقاب اُلٹ کر ضرور دیکھیں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ
تمہارے ہاں مردہ بچے پیدا نہ ہوں اور پجاری لوگ تمہاری بیوی
کا چہرہ نہ دیکھیں تو اس راستے سے ہٹ کر سفر کرو۔ وگرنہ
تم اُن کو منع نہ کر سکو گے۔ اس ملک کی رسم اور قانون کے
مطابق پجاریوں کو پُورا پُورا حق حاصل ہے کہ وہ جس عورت
کا چاہیں چہرہ دیکھ لیں۔“

عنبر نے جھک کر کہا۔

”اے معزز نسل کے باعزت سردار! میں تمہارا شکر گزار
ہوں کہ تم نے مجھے وقت سے پہلے خطرے سے آگاہ کر دیا۔
میں اس راستے سے ہٹ کر اپنی بیوی کے ساتھ سفر کروں گا۔
کیونکہ اگر پجاریوں نے میری بیوی کا نقاب الٹ کر اس کا
چہرہ دیکھ لیا تو میرے سارے بچے مُردہ پیدا ہوں گے۔ میں
ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔ اب جلدی سے اس راستے سے ہٹ
جاؤ۔ وہ جلوس یہاں پہنچنے ہی والا ہو گا۔“

اتنا کہہ کر سپاہی اپنے سردار سمیت آگے کو روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے لڑکی سے کہا۔

"اگر یہ سردار ہمیں وقت پر اطلاع نہ کرتا تو پجاری ہمیں ضرور پہچان لیتے پھر تمہارا ان کے چنگل سے بچ نکلنا بڑا مشکل ہو جاتا۔"

لڑکی نے کانپ کر کہا۔

"مورتی مندر کے سارے پجاری مجھے جانتے ہیں۔ وہ تو مجھے ابھی پکڑ کر لے جائیں گے۔ دیوتاؤں کے لیے یہاں سے کسی دوسری طرف نکل چلو۔ نہیں تو وہ لوگ مجھے رتناکر کے پاس پہنچا دیں گے اور رتناکر مجھے اس دفعہ کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم دوسری طرف سے اپنا سفر جاری رکھیں گے۔"

عنبر نے لڑکی کو ساتھ لے کر یاک کا راستہ مغرب کی طرف کر دیا۔ یہاں ریت ملی مٹی کے بڑے بڑے تودے تھے۔ عنبر نے سفر تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کر دینا ہی مناسب خیال کیا۔ اس نے لڑکی کو یاک سے اُتارا۔ اور دونوں یاک تودے کے پہلو میں چھپا کر باندھ دیئے اور خود زمین پر قالین کا چھوٹا سا ٹکڑا بچھا کر چھپ کر بیٹھ گئے اور پجاریوں کے جلوس کا انتظار کرنے لگے۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انہیں دُور سے ڈھول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاشوں اور ڈگڈگیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں قریب سے قریب تر آتی گئیں۔ پھر پجاریوں کا جلوس نمودار ہوا۔ انہوں نے رنگ برنگے لباس پہن رکھے تھے۔ سروں پر سفید سموری ٹوپیاں تھیں۔ ہاتھوں میں ڈگ ڈگیاں تھیں جنہیں وہ بار بار بجا رہے تھے۔ کچھ پجاری آگے آگے کانسی کے برتن میں سے کسی شے کا عرق چھڑکتے جاتے تھے۔

جلوس جب اُن کے قریب سے گزرا تو رقاصہ لڑکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"یہ وہی لوگ ہیں، جنہوں نے مجھے رتناکر اور اُس کے چھوٹے پجاری کے حکم سے مورتی کے اندر کوٹھڑی میں زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اگر یہ لوگ مجھے دیکھ لیتے تو ابھی میری تکا بوٹی کر دیتے"

"تمہیں ربِ عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اُس نے تمہاری جان بچا لی"

لڑکی نے سانس بھر کر کہا۔

"لیکن میں ایک بار پھر اپنے دشمنوں کے درمیان جا رہی ہوں۔ کاش میرا کوئی بھائی یا باپ ہوتا جو مجھے کسی دوسرے ملک اپنے ساتھ لے جاتا"

عنبر نے کہا۔

"تم مجھے بھی اپنا بھائی اور باپ سمجھ سکتی ہو۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں تمہیں اتنی جلدی اور اس وقت کسی دوسرے ملک میں نہیں لے جا سکتا۔"

میں ایک لمبا سفر طے کر کے تبت پہنچا ہوں۔ میں اگر چاہوں بھی تو تمہیں اپنے ساتھ واپس نہیں لے جا سکتا۔ اس لیے کہ میرا خود وطن کوئی نہیں۔ اس دنیا میں تمہاری طرح سے میں بھی اکیلا ہوں۔ میرا بھی کوئی نہیں ہے۔ نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ نہ کوئی بہن ہے۔ نہ بھائی ہے۔ میں تو جس ملک میں جاتا ہوں اُسی ملک کو اپنا سمجھ لیتا ہوں۔"

"میں بھی ایک خانہ بدوش لڑکی ہوں۔ میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں۔ میں دنیا کے ہر ملک کو اپنا وطن سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن جس ملک میں پیدا ہوئی تھی اُس کو اپنا وطن نہیں سمجھ سکتی۔ تبت میرا وطن ہے۔ مگر اس وقت تبت ہی مجھے ہلاک کرنے کی فکر میں ہے اور میں اپنے ہی وطن میں چھپتی پھرتی ہوں۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے بہن! اس کا غم نہیں کرنا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ فی الحال تبت شہر پہنچ کر تم میرے ساتھ سرائے میں رہنا۔ میں راجہ سے مل کر تمہیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ تم رتناکر کے خلاف سچی گواہی دے سکو اور اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دلوا سکو۔ اس کے بعد دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں گے کہ تمہیں کسی جگہ عزت آبرو کے ساتھ پہنچایا جائے۔"

رقاصہ لڑکی نے کہا۔

"میرے بھائی عنبر! تم میرے لیے ایک فرشتہ رحمت بن کر آئے ہو۔ اگر تم اس وقت میری مدد نہ کرتے تو خدا جانے اس وقت وہ ڈاکو پجاری مجھے کہاں سے کہاں لے جا چکے ہوتے"

عنبر نے کہا۔

"میری بہن! رب عظیم کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ انسان وہی اچھا ہے جو کسی مصیبت سے ایک دم پریشان نہ ہو۔ بلکہ رب کی رضامندی کے ساتھ رضامند ہو جائے اور صبر شکر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے۔ ایسا انسان مصیبت پر ضرور فتح حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر انسان گھبرا جائے اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے تو مصیبت اُسے زندہ نہیں چھوڑتی۔ ایک خوفناک بھوت بن کر اُس کے سر پر سوار ہو جاتی ہے اور اُسے ختم کر کے ہی دم لیتی ہے"۔

وہ باتیں کر رہے تھے اور پجاریوں کا جلوس دُور نکل گیا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ جلوس کافی دُور نکل گیا ہے اب ہمیں آگے نکل جانا چاہیئے"

"ٹھیک ہے۔ ہمارا راستہ بالکل صاف ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں یاکوں پر سوار ہوئے اور آگے چل پڑے۔ اب انہیں شہر کے اونچے نیچے سفید دیواروں اور تکونی سنہری چھتوں والے مکان نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ شہر کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور کہیں کوئی ایسا دروازہ سلامت نہ تھا جہاں سپاہیوں کا پہرہ ہو۔ عنبر نے حیرانی سے لڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا اس شہر کی کوئی فصیل نہیں؟ یہاں کوئی قلعہ نہیں ہے؟"

رقاصہ لڑکی نے کہا۔

"ہمارا راجہ ایک امن پسند راجہ ہے۔ وہ جنگوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے نہ تو اپنے لئے کوئی قلعہ بنایا ہے اور نہ شہر کے گردا گرد کوئی مضبوط دیوار بنائی ہے۔"

عنبر نے کہا

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا راجہ ایک نیک دل، رحم دل اور امن پسند راجہ ہے۔ وہ کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا اُسے یہ معلوم نہیں کہ کوئی دوسری طاقت بھی اُس پر حملہ کر سکتی ہے؟ ہر کوئی تو امن پسند اور نیک دل نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا ملک بھی ہو جس کا بادشاہ یہ تاک لگائے بیٹھا ہو کہ وہ تبت پر حملہ کر کے اُسے لوٹ کر تباہ و برباد کر دے۔"

رقاصہ لڑکی نے پوچھا۔

"کسی کو کیا پڑی ہے کہ تبت ایسے دور دراز ملک پر حملہ کرے۔ جبکہ یہاں سوائے برف کے پہاڑوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں۔ دوسرے ملکوں میں یہ بات بڑی مشہور ہے کہ تبت کے بڑے مندر کے نیچے ہیرے جواہرات اور سونے کا بہت بڑا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اس خزانے میں صدیوں سے بادشاہوں کے خزانے دفن چلے آ رہے ہیں۔"

رقاصہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ ہم نے تو یہاں رہ کر کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی۔ اگر کسی پجاری کو بھی معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس خزانے کو کھودنے کی کوشش کرتا۔ پھر بڑے پجاری کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بیچ کر سونے کے سکے کمائے۔ وہ بڑی آسانی سے مورتی مندر کے خزانے پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا۔"

"اس سے صاف ظاہر ہے کہ مورتی مندر کے بڑے پجاری ژنناکر کو بھی معلوم نہیں کہ مندر کے نیچے ایک خاص جگہ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سونے، ہیرے جواہرات کا ایک بے بہا خزانہ دفن پڑا ہے!

"پھر اس راز کا کس کو علم ہے؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"کیا تم یہ خزانہ تلاش کرنا چاہتی ہو؟"

لڑکی نے بے تابی سے خوش ہو کر کہا۔

"اگر ہم یہ خزانہ تلاش کر لیں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے بادشاہوں کے خزانے میں سے تھوڑا سا حصہ ہم بھی حاصل کر لیں۔ آخر ہم نے بھی تو اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں؟ بھائی! یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس خزانے کا نقشہ ہے؟"

"خزانے کا نقشہ میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن سُنا ہے کہ اس مندر کی مورتی کے اندر کسی بہت بڑے پتھر کے چبوترے کے نیچے یہ نقشہ موجود ہے۔

بہرحال ہمیں فی الحال خزانے سے زیادہ اس بات کی فکر ہونی چاہیئے۔ کہ تمہیں پجاریوں کی نظروں سے بچا کر کونسی سرائے میں رکھا جائے؟ کیا تمہارے خیال میں شہر کے باہر کوئی ایسی سرائے ہے؟"

عنبر رقاصہ لڑکی سے باتیں کر رہا تھا اور وہ خیال ہی خیال میں خزانے کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ جیسے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے خزانے کا نقشہ حاصل کر لیا تھا اور اب خزانے کا منہ کھول کر ہیرے جواہرات اور سونا سمیٹ رہی تھی۔ عنبر نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"تم سن رہی ہو میں کیا پوچھ رہا ہوں"؟

"کیا؟" رقاصہ نے چونک کر کہا۔ "کیا کہا تھا تم نے؟"

"میں نے یہ پوچھا تھا کہ شہر کے اندر یا باہر کوئی ایسی سرائے ہے جہاں ہم قیام کر سکیں اور ہم پر کوئی شک نہ کرے؟"

"میرا خیال ہے کہ شہر کے اندر ایک اجاڑی محلہ ہے جسے محلہ گنڈپ کہتے ہیں۔ وہاں چونکہ مردوں کو جلانے اور دفن کرنے والے رہتے ہیں اس لئے وہاں بہت کم لوگ آتے ہیں۔ وہاں ایک سرائے ہے۔ جہاں ہم گمنامی میں رہ سکتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں زیادہ دیکھ سکے گا"۔

"ٹھیک ہے ہم اسی سرائے کی طرف جاتے ہیں۔ اس سرائے کا نام کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس کا نام بھی مردوں کی سرائے ہے"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"کیا عجیب نام رکھا ہے اس سرائے کا۔ یوں لگتا ہے جیسے وہاں مردے آکر ٹھہرتے ہیں۔ کیا وہاں کبھی کسی مردے کی روح آئی ہے؟"

"کہتے ہیں ایک دفعہ ایک مُردہ عورت کی روح رات کو وہاں آ گئی تھی وہ سرائے کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر آدھی رات کو برفباری میں کھڑی ہو گئی تھی اور رو رو کر سرائے کے مالک سے کہہ رہی تھی۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ مجھے اندر سرائے میں آنے دو۔ مجھے سرائے میں کمرہ دو۔ پھر کہتے ہیں سرائے کا مالک باہر گیا تو اس روح کو دیکھ کر غش کھا کر گر پڑا اور پھر کبھی نہ اٹھا۔"

"اچھا۔ اب اگر روح آئی تو میں تم سے اس کی ملاقات ضرور کرواؤں گا۔"

"ہائے میں مر گئی۔ میں کیوں اُس سے ملنے لگی بھلا۔"

"اچھا بھئی۔ میں اُس سے ملاقات کروں گا۔ میں روحوں سے نہیں ڈرتا۔ اور پھر ہم سب کو ایک نہ ایک دن روح بن جانا ہے۔ بھلا اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ کیا ہم سب کی سب روحیں نہیں ہیں؟ یہ روح ہی تو ہے جو ہمارے اندر بولتی ہے۔ سوچتی ہے۔ ہمیں آنے والے واقعات سے باخبر کرتی ہے اور اچھی اچھی باتیں سمجھاتی ہے۔ اگر یہ روح نہ ہو تو ہم ایک دم مُردہ ہو جائیں۔ پھر جب ہمارا جسم مُردہ ہو کر زمین کے اندر چلا جائے گا تو روح آزاد ہو کر آسمانوں پر چلی جائیگی۔ پھر روح سے ڈرنے کی کیا بات ہے ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی! تم چاہے جو کچھ کہو مگر مجھے روحوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

"کیا تمہیں کسی روح سے ملاؤں؟"

"ہائے۔ میں نہیں ملتی کسی روح سے؟"

"مجھے تو ڈر نہیں لگتا۔ میں تو کئی بار کئی روحوں سے ملاقات کر چکا ہوں۔ ابھی میرے سفر کے دوران ہی ایک جنگل میں مجھے ایک روح ملی تھی۔ اُس کے سر پر بڑے بڑے سینگ تھے اور اُس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ کسی چڑیل کی روح تھی۔ ورنہ نیک لوگوں کی روحیں کبھی زمین پر آکر اس طرح لوگوں کو تنگ نہیں کرتیں۔ وہ تو جابیٹھ جنت میں نہروں کے کنارے پھولوں بھرے باغوں میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔"

رقاصہ لڑکی نے ڈر کر پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر! —— پھر یوں ہوا کہ میں نے روح کو للکار کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ روح نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا۔ اُس کے دانتوں سے خون کے قطرے گرنے لگے۔ اُس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ میں اس جنگل کی سب سے خوفناک اور ملکہ چڑیل کی روح ہوں۔ میں ہر روز ایک آدمی کھاتی ہوں۔ آج صبح سے

میں کسی آدمی کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ مجھے کوئی آدمی نہیں ملا اور بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ اس لیئے میں تمہیں کھانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔"

"ہائے میں مر گئی۔ پھر کیا ہوا بھائی؟"

"پھر یوں ہوا کہ چڑیل نے اپنے تیز ناخنوں والے پنجے اوپر اٹھاتے اور میرے سر کے اوپر آ کر گدھ کی طرح منڈلانے لگی۔ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ میں بھی پہلے تو گھبرا سا گیا۔ پھر میں نے اپنے رب عظیم کا نام لیکر پکارا اور دل میں کہا کہ میں نیک بندہ ہوں۔ اور چڑیلیں اور بری روحیں نیک بندوں کا کبھی کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ بلکہ اُن سے ڈر کر اور کنی کترا کر بھاگ جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ میں نے رب کا نام پانچ بار لے کر چڑیل کی طرف زور سے پھونک ماری۔ میری پھونک کا منہ سے نکلنا تھا کہ چڑیل کے پروں میں آگ لگ گئی اور وہ چیختی چلّاتی، شور مچاتی ہائے میں مر گئی ہائے میں مر گئی کا واویلا مچاتی آسمان میں غائب ہو گئی۔"

رقاصہ لڑکی نے سہم کر کہا۔

"ہائے۔ رب عظیم نے میرے بھائی کو بچا لیا۔"

"میری اچھی بہن! ربّ عظیم اپنے نیک بندوں کو بچا لیا کرتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ ایک سرائے کے قریب سے گذرے تو لڑکی نے کہا۔

"یہی ہے وہ مردوں کی سرائے۔"

عنبر وہاں رُک گیا۔ سواری اُس نے ایک طرف باندھی اور خود لڑکی کو ساتھ لے کر سرائے کے موٹے تازے اور گنجے مالک کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اسے بتایا کہ وہ ایک حکیم ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ تبت میں تجارت کی غرض سے آیا ہے اور سرائے میں کچھ روز قیام کرنا چاہتا ہے۔ گنجا مالک اپنے گول گول لال لال ڈیلے گھما کر انہیں سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تبّت کا دربار

سرائے کے مالک نے عنبر کو رہنے کے لیے ایک کوٹھڑی دے دی۔

عنبر صبح کے وقت سرائے میں رقاصہ کو بند کر کے باہر نکل جاتا اور شہر کی آوارہ گردی شروع کر دیتا۔ وہ اس شہر کے ماحول کو اچھی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگ بڑے سیدھے اور بھولے بھالے ہیں۔ ایک دوسرے سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے۔ ہر شخص اپنا اپنا کام بڑی محنت اور لگن سے کرتا ہے اور دوسرے کے کام میں دخل نہیں دیتا۔ شہر کے مکان بڑے سیدھے اور سادہ تھے۔ مندروں میں شام کو عبادت ہوتی تھی۔ اس نے ایک بار بڑے مورتی مندر کو بھی دیکھا۔ وہ اس جگہ بھی گیا۔ جہاں بڑی مورتی کا بت تھا اور جس کے اندر ایک چبوترے کے نیچے مندر کے خزانے کا نقشہ دفن تھا۔ یہاں اس نے ایک پھانسی بنی ہوئی دیکھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ مندر کی ایک چھوٹی دیوداسی کو پورے چاند کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کو پھانسی دی جائے گی۔ واپسی پر اُس نے رقاصہ کو بتایا تو وہ بولی۔

"ہو نہ ہو یہ وہی دیوداسی ہے جس نے میری جان بچائی تھی۔"

"تو کیا وہ اصلی دیوداسی نہیں تھی؟"

"اگر وہ اصلی دیوداسی ہوتی تو مورتی کے اندر داخل ہوتے ہی مورتی پھٹ جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے مورتی کے اندر آکر مجھے وہاں سے نکالا تھا اور مورتی صحیح سالم اپنی جگہ پر کھڑی رہی تھی۔ منردد رتناکر نے اُس کے خلاف سازش کر کے ثابت کر دیا ہوگا کہ وہ نقلی دیوداسی ہے اور راجہ نے اُسے پھانسی کی سزا کا حکم سُنا دیا ہوگا۔ بھائی! کیا ہم کسی طرح اُسے بچا نہیں سکتے؟ وہ بڑی اچھی عورت ہے اُس نے اپنی جان کی قربانی دے کر مجھے بچایا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ تو ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم خود ایک سرائے میں پڑے ہیں اُس کی جان کیسے بچا سکتے ہیں؟"

انہیں سرائے میں آتے تیسرا روز تھا کہ ایک دن شہر میں ہر طرف ماتم ہونے لگا۔ گھروں کے اوپر کالے جھنڈے لہرانے لگے۔ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں سے باہر نکل

آئے۔ سرائے کے مالک نے بتایا کہ تبت کا راجہ اچانک مرگیا ہے۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا وہ بیمار تھا؟"

"نہیں۔ بس کھانا کھاتے کھاتے لقمہ اُس کے حلق میں پھنس گیا اور مرگیا۔ بڑا نیک راجہ تھا۔ دیوتا اُن کی روح کو بخش دیں گے۔"

عنبر نے رقاصہ سے کہا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ راجہ مرا نہیں۔ اُسے سکتہ ہو گیا ہے اور یہ بھولے بھالے لوگ اُسے مُردہ سمجھ کر زمین کے اندر دفن کر رہے ہیں۔"

عنبر نے سرائے کے مالک سے پوچھا۔

"راجہ کا محل کہاں ہے؟"

"کیوں۔ تم وہاں جاکر کیا کرو گے؟"

"تم مجھے بتاؤ محل کا راستہ کدھر کو ہے؟"

سرائے کے مالک نے اُسے محل کا راستہ بتایا۔ عنبر نے رقاصہ لڑکی کو سرائے کی کوٹھڑی میں رہنے کی ہدایت کی اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ محل کے اردگرد زبردست پہرہ تھا اور سپاہی بھی راجہ کے سوگ میں سر جھکائے اُداس کھڑے تھے۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سوچا کہ وہ کونسی ایسی ترکیب کرے کہ کسی طرح رانی کے پاس پہنچ جائے ۔ کیونکہ یہ مرد اُسے محل کے اندر نہیں گھسنے دیں گے ۔ اُس نے دور ہی سے رونا اور چلانا شروع کر دیا قریب جا کر سپاہیوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ روتے ہوئے بولا ۔

"میں رانی کا بھائی ہوں ۔ ملک شام سے آ رہا ہوں ۔ مجھے میری غم زدہ بہن کے پاس لے چلو ۔ ہائے مجھے میری غم زدہ بہن کے پاس لے چلو ۔"

عنبر نے کچھ اس طرح اداکاری کر کے شور مچایا کہ سپاہی گھبرا گئے اور ایک سپاہی نے کہا ۔

"رانی کے بھائی کر اس کی غم زدہ بہن کے پاس پہنچا دو ۔ بے چارا یہیں رو رو کر دم توڑ دے گا ۔"

عنبر نے زمین پر لوٹنا شروع کر دیا تھا ۔ سپاہیوں نے جلدی سے عنبر کو اٹھایا اور اُسے ساتھ لے کر محل کے دوسرے دروازے سے اُس بارہ دری کی طرف آ گئے جہاں مہارانی اپنی رشتہ دار عورتوں اور کنیزوں کے ساتھ سیاہ لباس پہنے، بال بکھرائے اپنے خاوند کے سوگ میں رو رہی تھی ۔ سپاہی عنبر کو دروازے پر چھوڑ کر چلے گئے ۔ عنبر آہستہ آہستہ بارہ دری کے پیچھے والے صحن میں آ گیا ۔ اب وہ ایک ستون کے پیچھے ہو کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کرنے لگا کہ رانی ذرا اکیلی ہو تو وہ اُس سے جاکر بات کرے۔ تھوڑی دیر بعد عورتیں ایک ایک کرکے اٹھتی چلی گئیں۔ اب وہاں رانی اور کچھ کنیزیں ہی رہ گئیں تھیں۔ عنبر نے یہ موقع غنیمت جانا اور لپک کر مہارانی کے سامنے آ کر بولا۔

"مہارانی! میری گستاخی کو معاف کر دینا۔ لیکن معاملہ اتنا نازک تھا کہ مجھے آپ کے پاس آنا ہی پڑا۔"

مہارانی نے اپنی سوگوار پلکیں اٹھا کر تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا۔

"کون ہو تم؟ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

کنیزیں بھی پریشان ہو کر گھبرا گئیں اور وہ شور مچانے ہی لگی تھیں کہ عنبر نے صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔

"مہارانی! میرا خیال ہے کہ راجہ مرا نہیں زندہ ہے۔"

یہ جملہ گویا بجلی بن کر مہارانی پر گرا۔ وہ اب سارا کچھ بھول گئی کہ یہ کس سے بات کر رہی ہے۔ اُس نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ تم کس طرح کہہ رہے ہو؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"مہارانی صاحبہ! مجھے ایک بار راجہ کی لاش کے پاس لے جائیں میں اس کے بعد کوئی یقینی فیصلہ کر سکوں گا۔ جلد کریں۔ زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیئے۔"

مہارانی اسی وقت اٹھی اور عنبر کو ساتھ لے کر ساتھ والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں آگئی۔ یہاں ایک چبوترے پر راجہ کی لاش پڑی تھی۔ اُس کا سارا جسم سفید چادر میں ڈھکا ہوا تھا۔ صرف چہرہ کھلا تھا۔ ارد گرد درباری اور پجاری اداس چہرے بنے بیٹھے تھے۔ مہارانی سیدھی عنبر کو راجے کے لاش کے پاس لے گئی سارے درباری یہ سمجھے کہ شاید راجہ کا کوئی قریبی رشتے دار دُور سے آیا ہے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ عنبر نے جُھک کر راجے کی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ اب اُس کے اندر کا ماہر حکیم بیدار ہو گیا تھا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ راجے کی آنکھوں میں وہ سفیدی نہیں آئی تھی جو عام طور پر ایک مردہ آدمی کی آنکھوں میں آجاتی ہے۔ اُس نے رانی سے کہا۔

"مہارانی جلدی سے مجھے ایک نشتر یا خنجر لاکر دیا جائے۔"

مہارانی نے ایک لمحے کے لیے عنبر کی طرف دیکھا۔

"خنجر! وہ کس لئے؟"

عنبر نے کہا۔

"دیر نہ کریں مہارانی صاحبہ! فوراً مجھے ایک خنجر کہیں سے منگوا دیں۔"

مہارانی نے اُسی وقت ایک سپاہی کو بلوایا اور اُس سے خنجر لے کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ اب تو سارے درباری بھی چونکنے ہو گئے کہ یہ کون آدمی ہے جو راجہ کی لاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس خنجر لے کر بیٹھ گیا ہے اور یہ کیا کرنے لگا ہے! وہ اٹھ کر لاش کے اردگرد جمع ہو گئے۔ عنبر نے راجہ کا ایک بازو ننگا کیا اور کلائی پر خنجر کی نوک زور سے چبھو دی۔ راجہ نے کوئی حرکت نہ کی۔ مگر اُس کی کلائی سے خون جاری ہو گیا۔ عنبر نے راجہ کے دل پر دونوں ہاتھوں سے مالش شروع کر دی۔ مالش کے ساتھ ساتھ کلائی سے خون زیادہ بہنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسا ہوا کہ راجہ نے اپنا ہاتھ ذرا سا ہلایا۔ درباری ششدر ہو کر رہ گئے۔ عنبر برابر مالش کرتا رہا۔ جب خون کافی بہہ گیا تو عنبر نے کلائی پر پٹی کس کر باندھ دی اور راجہ کے سینے پر دباؤ ڈال کر اندر پھیپھڑوں میں رُکی ہوئی ہوا کو باہر خارج کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو چار مرتبہ پھیپھڑوں کو دبانے سے اندر کی ہوا سانس بن کر منہ سے باہر نکل گئی اور اس کے ساتھ ہی راجہ نے سانس لینا شروع کر دیا۔ مہارانی تو خوشی سے پاگل ہو گئی۔

عنبر سینے کو بار بار آہستہ آہستہ دباتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد راجہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا اور کمزور سی آواز میں کہا۔

"کیا ہوا ہے؟"

عنبر نے راجہ کے کان میں کہا۔

"آپ کو نیند آ گئی تھی مہاراج! آپ آرام کریں۔"

راجہ سو گیا۔ اُس کا سانس باقاعدہ چل رہا تھا اور چہرے پر خون کی گردش سے رونق آ گئی تھی۔ جس راجہ کو وہ لوگ مردہ سمجھ رہے تھے وہ دراصل زندہ تھا۔ اُسے سکتہ ہو گیا تھا۔ اگر کچھ دیر اور اس کی فصد کھول کر خون باہر نہ نکالا جاتا تو وہ یقیناً مر جاتا۔ رانی نے عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اے مقدس دیوتا! تم رحمت بن کر میرے محل میں آئے ہو۔ تم نے میرے راجہ کو پھر سے زندہ کر کے مجھ پر ایک ایسا احسان کیا ہے جسے میں ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتی۔"

"مہارانی صاحبہ! میں نے ایک حکیم ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہاں اگر میں کچھ دیر اور یہاں نہ آتا تو پھر آپ کے راجہ ضرور اس جہان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتے۔"

اس کے بعد عنبر نے محل سے کستوری اور زعفران منگوا کر انہیں پانی میں ملایا اور اُس کے قطرے راجہ کے حلق میں ٹپکانے شروع کر دیئے۔ کستوری اور زعفران کی گرمی نے راجہ کے ٹھنڈے جسم میں زندگی کی بھرپور طاقت دوڑا دی اور وہ بیدار ہو گیا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ وہ مر گیا تھا اور سارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درباری اُس کو قبر میں اُتارنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ یہ شخص اچانک نمودار ہوا اور اِس نے اُسے پھر زندہ کر دیا، تو راجہ نے احسان مند نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تم - آج سے میرے بھائی ہو۔"

دو دن کے بعد راجہ پھر سے بھلا چنگا ہو گیا۔ ابھی تک عنبر اور رقاصہ لڑکی سرائے میں ہی تھے۔ عنبر نے ساری بات رقاصہ کو آکر بتا دی اور کہا کہ راجہ چاہتا ہے کہ میں اُس کے محل میں آکر رہوں۔

"لیکن تم میرے ساتھ کیونکر جا سکو گی؟ کیونکہ راجہ تمہیں فوراً پہچان لے گا۔ یہ مذہبی معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے راجہ میری سفارش بھی قبول نہ کرے کیونکہ ملک کے سارے لوگوں کو معلوم ہے کہ تمہیں دیوتاؤں کے آگے قربانی کے لیے چُنا گیا تھا۔"

رقاصہ لڑکی نے سوچ کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو عنبر! راجہ میرے معاملے میں مجبور ہو گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ابھی اپنی ماں کی خالہ کے پاس گاؤں چلی جاؤ جب ذرا میرے ہاتھ دربار میں مضبوط ہو جائیں گے تو میں تمہیں واپس بلوا کر رتناکر کے خلاف شہادت دلواؤں گا اور تمہیں معافی دلوا کر رتناکر کو اُس کے گناہوں کی سزا دلاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رقاصہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اُس نے گاؤں اپنی رشتہ دار عورت کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے روز عنبر رقاصہ لڑکی کو لے کر منہ اندھیرے اُس کے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ مہارانی اور راجہ کو اُس نے یہ کہا کہ وہ صحرا اور پہاڑوں میں ایک خاص بوٹی تلاش کرنے جا رہا ہے۔ رقاصہ کے گاؤں پہنچ کر اُس نے اُسے اس کی خالہ کے حوالے کیا اور خُود اُسی روز رات کو واپس تبت کی طرف روانہ ہو گیا۔

صبح صبح وہ شاہی محل میں پہنچ گیا۔

عنبر اب شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ اُس نے رتناکر کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ رتناکر عنبر سے حسد کرنے لگا تھا۔ کیونکہ راجہ عنبر کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ لیکن عنبر کو رتناکر کی ذرا بھر بھی پروا نہیں تھی۔ اُسی روز گاؤں سے واپسی پر اُسے پتہ چلا کہ ایک دن بعد پورے چاند کی رات کو مورتی مندر میں نقلی دیوداسی کو پھانسی دی جانے والی ہے۔ عنبر نے سوچا کہ یہ نقلی دیوداسی کون ہو سکتی ہے۔ ضرور یہ کوئی بڑی چالاک عورت ہو گی جو مقدس دیوداسی کا روپ بھر کر ان لوگوں کو دھوکہ دیتی رہی۔ مگر وہ اس خیال کو بھول گیا اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ پھانسی سے ایک روز پہلے وہ راجہ کے حکم سے قید خانے میں داروغہ جیل کو سمجھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی دوائی دینے گیا تو ایک کوٹھڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے اچانک اس کی نظر تھائیں پر پڑی۔ وہ غم زدہ چہرہ لیے دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ عنبر کے قدم جیسے وہیں کے وہیں رُک گئے۔ تھائیں نے بھی عنبر کو دیکھ لیا اور خوشی سے چیخنے ہی والی تھی کہ عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کو کہا اور قریب آ کر سرگوشی کی۔

"کیا تم ہی نقلی دیوداسی ہو؟"

"ہاں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مورتی زندہ ہو گئی

عنبر تو جیل خانے کے اندر تھائیں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ تبت پہنچے گا تو آگے قید خانے میں تھائیں پھانسی کا انتظار کر رہی ہو گی۔ اس نے تھائیں کو اپنی بہن کہا تھا اور وہ یہ ہرگز گوارا نہ کر سکتا تھا۔ کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بہن کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ مگر یہاں صورت حال بڑی نازک تھی۔ تھائیں کو پھانسی دینا۔ راجہ کا مذہبی فرض تھا اور راجہ اپنے مذہبی فرض سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اس نے تھائیں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور داروغہ جیل کو ذرا چلانے کے بعد واپس آ کر سوچنے لگا تھا تھائیں کو کیسے بچایا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عنبر کا راجہ پر بڑا احسان تھا۔ اس نے راجہ کو پھر سے زندگی بخشی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو لوگ راجہ کو زمین کے اندر دفن کر چکے ہوتے۔ مگر یہ معاملہ مذہب کا تھا۔ تھائیں نے مقدس دیوداسی کا جھوٹا بہروپ بھر کر ان کے مذہب کی توہین کی تھی۔ وہ اسے کسی طرح سے بھی عوام کے انتقام سے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچا سکتا تھا۔ یہ فیصلہ راجہ ہی کا نہیں بلکہ پوری قوم کا تھا کہ تھائیس کو اس بھیانک جرم کی سزا دی جائے اور اُسے مورتی مندر میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

تھائیس کو پھانسی ملنے میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اُسے تھائیس کو بچانے کے لیے جو کچھ بھی کرنا تھا بس ایک ہی دن میں کرنا تھا۔ عنبر ساری رات سوچتا رہا مگر اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کس طرح اُسے بچائے۔ وہ سو گیا۔ صبح اٹھا تو وہ تھکا ہوا تھا اور اُس کا ذہن ابھی تک تھائیس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا اُس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تھائیس کو قید سے بچا کر وہاں سے بھگا بھی نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ اُسے کہاں اکیلی بھگائے؟ نبت اتنی دُور دراز کا ملک تھا کہ تھائیس اگر اکیلی وہاں سے چلے تو کبھی بھی زندہ سلامت کسی دوسرے ملک میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ آخر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ تھائیس کو اصل دیوداسی ثابت کر کے اُسے پھر سے دیوداسی بنا کر مندر میں بحال کریگا۔ اس مقصد کے لیے اُسے دیوی بلیطیس کی روح کی مدد کی بڑی ضرورت تھی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے کمرے میں جا کر دروازے اندر سے بند کیے اور دیوی بلیطیس کی روح کو آواز دی۔

پانچویں بار پکارنے پر دیوی بلیطیس کی روح سامنے آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی عادت کے مطابق مسکرا رہی تھی۔ اُس نے آتے ہی عنبر سے پوچھا۔

"عنبر! اب تم پر کیا آفت آن پڑی ہے جو تم نے مجھے اتنی دُور آسمانوں کے ایک گوشے سے بلایا؟ کیا پھر کسی کو یہاں سے اٹھا کر دوسرے مُلک میں پہنچانا ہے؟"

عنبر نے دیوی بلیطیس کو تھائیس کے بارے میں ساری کہانی سُنا ڈالی اور کہا۔

"تھائیس اس معاملے میں بے گناہ ہے۔ اس میں اُس کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ اُس کی شکل دیوداسی سے ملتی تھی اور بڑے پجاری نے اُسے دیوداسی بنا کر مندر میں بٹھا دیا۔ اب جب اُسے معلوم ہوا کہ تھائیس نے صرف انسانی ہمدردی کی خاطر ایک بے گناہ عورت کو وہاں سے فرار ہونے میں مدد دی ہے تو وہ اُس کا دشمن ہو گیا اور اُس نے ثابت کر دیا کہ دیوداسی اصلی نہیں ہے بلکہ نقلی ہے۔ اگر تھائیس ایک مظلوم عورت سے ہمدردی نہ کرتی تو کبھی پھانسی کے تختے پر نہ پہنچتی۔ اب ایک عورت ہوتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ تھائیس کی مدد کرو۔ اور ثابت کر دو ان لوگوں پر کہ تھائیس ہی اصلی دیوداسی ہے"

بلیطیس کی روح مسکرائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے بڑی ہوشیاری سے مجھے میرے فرض میں جکڑ دیا ہے۔ بہرحال میں تھائیس کی مدد کروں گی۔ اس لیے کہ اُس نے ایک مظلوم عورت کی مدد کی تھی۔"

عنبر نے کہا

"تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ مورتی مندر میں سے آواز دے کر لوگوں اور راجہ پر یہ ظاہر......"

دیوی بلیطلیس کی روح نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے سب معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہیں سب معلوم ہے۔ تھائیس کو آج رات پھانسی ملنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ مورتی مندر میں تھائیس کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جایا جا رہا ہو تم ان لوگوں پر ثابت کر دو کہ تھائیس ہی اصلی دیوداسی ہے۔ بس ـــ اس کے بعد ہر بات اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"بہت اچھا۔ اب رات کو مورتی مندر میں ملاقات ہو گی۔"

دیوی بلیطلیس کی روح جانے ہی والی تھی کہ عنبر نے اُسے روک کر کہا۔

"کیا اس کا اثر اصلی دیوی کی روح پر تو نہیں پڑے گا؟ کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پھر سے انتقام لینے کی کوشش تو نہیں کرے گی؟

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اصلی دیوداسی کی روح یہاں سے کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ اُس کو کچھ خبر نہیں ہے یہ سارے ڈھکوسلے پجاریوں نے خود بنا رکھے ہیں۔"

اتنا کہہ کر نیطیبس کی روح مسکراتی ہوئی غائب ہو گئی۔

اب سب سے پہلا کام عنبر نے یہ کیا کہ راجہ سے کہا کہ وہ اُس عورت سے ملنا چاہتا ہے جس کو آج رات مندر میں پھانسی دی جانے والی ہے۔ راجہ نے پوچھا۔

"اے ہمارے دوست! آپ اُس مجرم عورت سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"ایک حکیم کی حیثیت سے میری خواہش ہے کہ میں یہ معلوم کروں کہ ایک ایسی عورت کے جسم پر اور دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہوتی ہے جسے معلوم ہو کہ ایک پہر کے بعد اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔"

راجہ کے ذہن میں یہ بات آگئی۔ اُس نے کہا۔

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔"

راجہ سے اجازت لے کر عنبر بڑی تیزی سے سیدھا جیل خانے میں تھائیس کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔ اُس نے تھائیس کو ساری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات سمجھا دی اور کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ ویری بلیطلیس کی روح نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ عین وقت پر ظاہر ہو کر اُسے موت سے بچا لے گی اور اُسے اس کا کھویا ہوا وقار پھر سے دلا دیگی۔

تھائیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ نہ آئی تو پھر کیا ہوگا عنبر بھائی؟ یہ لوگ تو مجھے ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ پجاری رتناکر تو میری جان کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔ وہ تو پھانسی کے وقت خاص طور پر وہاں موجود ہوگا۔"

"تم گھبراؤ نہیں تھائیس! ویری بلیطلیس نے کبھی مجھ سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق پہنچ جاتی ہے اور میری مدد کرتی رہی ہے۔ ساری زندگی میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ اُس نے وعدہ کیا ہو اور وقت پر نہ پہنچی ہو۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو ناں عنبر؟"

"ہاں ہاں۔ تو کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اور پھر ویری بلیطلیس کے لیے یہ کام کوئی مشکل کام نہیں ہے اُس نے تو اس سے بھی بڑھ کر مشکل وقت میں میری مدد کی ہے۔ بہرحال تم ان باتوں کو اس وقت نہیں سمجھ سکتیں اس لئے کہ تمہارے دماغ پر موت کا خوف سوار ہے۔ آج رات تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ بلیطلیس کی روح تمہاری کس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح مدد کرتی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے بات نہ کرنا۔ وہاں کسی پر یہ ظاہر نہ ہو کہ تم مجھے جانتی ہو۔"

"اچھا عنبر بھائی۔ میں کوئی بات نہیں کروں گی۔"

عنبر جیل خانے سے نکل کر واپس محل میں آ گیا۔

رات ہو گئی۔ لوگوں کا ایک ہجوم مورتی مندر کے اندر اور باہر جمع ہو گیا۔ یہ سب لوگ نقلی دیوداسی کو پھانسی پر لٹکتے دیکھنے آئے تھے۔ وہ اس کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ مورتی کے بت کے آگے پھانسی بنی ہوئی تھی۔ تھائیں کو رسیوں سے جکڑ کر ایک لکڑی کے پنجرے میں جانور کی طرح بند کیا گیا تھا۔ بڑا پجاری زنتاکر لمبا سرخ چغہ پہنے، دوسرے پجاریوں کے ساتھ بڑی شان سے وہاں کھڑا منتر پڑھ رہا تھا۔ اور لوبان سلگا رہا تھا۔ راجہ اور مہارانی بھی قریب ہی تخت پر بیٹھے تھے۔ جلاد پھانسی کے تختے پر تیار کھڑا تھا۔ عنبر بھی راجہ کے قریب ہی کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل دیوی بلیطیس کی روح کو یاد کر رہا تھا۔

بڑے پجاری زنتاکر نے پنجرے میں بند تھائیس پر ایک نفرت اور غصے کی نگاہ ڈالی اور بلند آواز میں کہا۔

"تم نے ہماری مقدس دیوداسی کی نقل کر کے ہمارے مذہب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی توہین کی ہے۔ تو نے ہمارے عوام اور ہمارے راجہ کو دھوکا دیا ہے۔ تم نے ہماری مقدس دیوداسی کی روح کو دھوکا دیا ہے۔ اس جرم کو ہم کبھی معاف نہیں کر سکتے تمہیں اس جرم کی سزا میں آج ہزاروں لوگوں راجہ، پجاریوں اور اصل دیوی کی مقدس روح کے سامنے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا۔"

اُس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مہاراج ادھیراج! حکم دیجئے کہ اس دھوکے باز عورت کو اُس کے فریب اور دھوکہ بازی کا مزہ چکھایا جائے۔"

راجہ نے ہاتھ کھڑا کرکے اشارہ کر دیا۔ اُس کے اشارے کے ساتھ ہی دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر لکڑی کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور رسّی کو زور سے کھینچ دیا۔ رسّی کے جھٹکے کے ساتھ ہی بے چاری تھائیں پنجرے سے نکل کر باہر فرش پر گر پڑی۔ اور رونے لگی۔ لوگ قہقہے مارنے لگے۔ عنبر کو اپنی بہن کی یہ حالت دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا مگر وہ اُس وقت سوائے خاموش رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سپاہی تھائیں کو فرش پر گھسیٹتے ہوئے پھانسی کے تختے پر لے گئے۔ پجاری ترناکر نے ہاتھ بلند کرکے کہا۔

"اس مکار عورت کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے تاکہ اصل دیوداسی

کی روح ہم سے خوش ہو اور ہمارے کھیتوں میں اناج اگائے۔ ہمارے دریاؤں میں پانی دے اور ہمارے بچوں کو زندہ رکھے اور ہمارے راجہ اور مہارانی کو لمبی عمر دے۔"

لوگوں نے ایک ساتھ مل کر تھائیس کے خلاف نعرے لگائے۔ جلاد نے تھائیس کو بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا۔ عنبر نے دیکھا کہ تھائیس بڑی ہی بے بسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے پوچھ رہی ہو کہ دیوی بلطیبس کی روح کہاں ہے؟ کیا وہ اس وقت مدد کو آئے گی جب لوگ اسے پھانسی دے چکے ہوں گے اور اس کی لاش موٹے رسّے کے ساتھ لٹک رہی ہوگی؟ عنبر خود بڑا پریشان تھا کیونکہ دیوی بلطیبس کی روح کے آنے کا وقت ہو گیا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر دیوی بلطیبس نے آنے میں ایک پل کی دیر کر دی تو یہ لوگ تو اس کی بہن کو پھانسی دے دیں گے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ راجہ نے اسے بے چین دیکھ کر پوچھا۔

"کیا ہمارا دوست! ایک عورت کو پھانسی دینے کا منظر برداشت نہیں کر سکتا؟"

عنبر نے یونہی مسکرا کر کہا۔

"ایسا نہیں ہے مہاراج۔ ایسا نہیں ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن حقیقت یہ تھی کہ عنبر واقعی گھبرایا ہوا تھا۔ اُدھر جلاد نے تھائیس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا تھا اور وہ راجہ کے حکم کا منتظر تھا۔ بڑے پجاری رتناکر نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مہاراج! اپنے خادم کو اجازت دیجئے کہ وہ دغاباز دیوداسی کو موت کے گھاٹ اتار کر اصلی دیوداسی کی روح کو خوش کرے۔"

مہاراج اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے کہا۔

"اجازت ہے۔"

مہاراج کے منہ سے ان لفظوں کا نکلنا تھا کہ اچانک وہاں بھونچال سا آگیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور مُورتی کا پتھر کا ایک بازو اپنے آپ اٹھا اور اُس نے پھانسی کے تختے پر سے تھائیس کو اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے جلاد کو اٹھا کر اس زور سے فرش پر پٹخ دیا کہ اس کا سر پاش پاش ہوگیا۔ سارے مندر میں سناٹا چھا گیا۔ راجہ اور رانی اپنی جگہوں پر بیٹھے کانپنے لگے۔ سارے لوگ سجدوں میں گر پڑے اور دیوداسی کے بھجن گانے لگے۔ انہوں نے کبھی پتھر کی مورتی میں جان پڑتے نہیں دیکھی تھی۔ پتھر کی مورتی کا سانپ اُس کے جبڑوں سے اُچھل کر نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرا اور اُس نے لپک کر بڑے پجاری رتناکر کو گلے سے دبوچ لیا۔ رتناکر تھر تھر کانپنے لگا۔ مورتی کے اندر سے آواز آئی۔

"اے احمق لوگو! تم نے میری اصل دیوداسی کو نقل سمجھا اور اُسے میری آنکھوں کے سامنے پھانسی دینے لگے تھے؟ میں تمہارا یہ جرم کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں تمہیں بددعا دیتی ہوں کہ آج سے تمہارے ملک میں قحط پڑے گا اور کبھی بارش نہیں ہوگی۔ فوراً میری دیوداسی کی روح کو اُس کی اصل جگہ پر بٹھاؤ اور اُس کی پہلے کی طرح پوجا کرو۔ رتناکر! تم ایک ذلیل انسان ہو۔ تم جو کچھ کرتے رہے ہو سب کچھ جانتی ہوں۔ مگر ابھی میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گی۔ لیکن تمہاری سزا یہی ہے کہ اُس دیوداسی کے پاؤں ہر روز اپنے ہاتھ سے دھو کر اس کے آگے سجدہ کیا کرو۔"

اس کے بعد زلزلہ رُک گیا۔ مورتی نے تھائیں کو اپنے بازو سے اتار کر آہستہ سے اپنی گود میں بٹھا دیا اور اُس کا ہاتھ اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ وہ پھر پتھر کی مورتی بن گئی۔ سارے مندر میں لوگوں نے دیوداسی زندہ باد، دیوداسی کی جے ہو کے نعرے لگانے اور باری باری اُس کے سامنے آکر سجدہ کرنے لگے۔

راجہ اور ملانی بھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور انہوں نے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ کر دیوداسی تھائیں کو سجدہ کیا اور کہا۔

"ہمیں معاف کر دو اے مقدس دیوداسی! ہم سے بڑی بھول ہو گئی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم ہی اصلی دیوداسی ہو تو ہم کبھی تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے۔ ہماری تم سے عاجزی کے ساتھ درخواست ہے کہ ہمارے ملک کو قحط سے بچاؤ اور مورتی دیوی کے آگے دعا کرو کہ وہ اپنی بددعا واپس لے۔ ہمارے دیس پر بارش کرے۔"

تھائیں کے لیے یہ سب کچھ ایک زبردست کرامت سے کم نہیں تھا۔ عنبر بھی بے حد خوش تھا۔ آخر دیوی بلیطیس کی روح اس کی مدد کو پہنچ گئی تھی۔ وہ چپکے چپکے تھائیں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ تھائیں نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی اور کہا۔

"مہاراج! میں مورتی سے درخواست کروں گی کہ وہ اس دیس کے لوگوں کے جرم کو معاف کر دے۔"

اتنے میں رتناکر نے چیخ کر کہا۔

"مقدس دیوداسی! اس سانپ سے میری جان بچاؤ۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ میں اب کبھی تمہاری توہین نہیں کروں گا۔ مورتی دیوی سے کہو وہ مجھے معاف کر دے۔"

تھائیں نے کہا۔

"رتناکر! تم نے ہمیں بڑا دکھ دیا ہے۔ ہم تمہیں ضرور سزا دیں گے۔ تمہاری سزا یہی ہے کہ یہ سانپ ہمیشہ سوتے جاگتے ہیں تمہاری گردن کے ساتھ لپٹا رہے گا۔ تم اسے مارنے کی کوشش کروگے تو یہ تمہیں اسی وقت ڈس کر ہلاک کردے گا۔"

رتناکر دیوی تھائیس کے آگے آکر قدموں میں گر پڑا۔

"رحم کرو! رحم کرو! اے مقدس دیوداسی مجھ پر رحم کرو! میرے گناہ معاف کردو۔ میرے گناہ معاف کر دو۔ میں ہمیشہ تمہاری خدمت کروں گا۔ میں کبھی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے معاف کر دو اے مقدس دیوداسی! مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔"

جب راجہ اور عنبر نے بھی کہا کہ رتناکر کو معاف کر دیا جائے۔ لوگوں نے بھی ہاتھ جوڑ کر رتناکر کی زندگی کی بھیک مانگی تو تھائیس نے ہاتھ آگے بڑھا کر رتناکر کے گلے سے سانپ کو پکڑ لیا اور اسے دوبارہ مورتی کے بازو پر لٹکا کر بولی۔

"ہم نے اپنے راجہ اور رعایا کے کہنے پر تمہیں معاف کردیا۔ اگر آئندہ تم نے ایسی حرکت کی تو تمہیں اسی وقت ہلاک کر دیا جائے گا۔"

رتناکر سجدے میں گر کر گڑگڑانے لگا۔ تھائیس نے سب کو وہاں سے نکل جانے کے لیے کہا۔ کنیزوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے بڑھ کر تھائیں دیوداسی کے پاؤں پر گلاب کا عطر چھڑکا۔ اُسی وقت وہاں پالکی آگئی اور اُسے پالکی میں سوار کروا کر اُس کے استھان کی طرف لے گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ کے منہ میں

زفاصہ لڑکی گاؤں میں اپنی خالہ کے پاس رہ رہی تھی۔ عنبر تبت کے دربار میں مصروف ہو گیا۔ اُسے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ زفاصہ لڑکی کو یاد کرتا ویسے بھی وہ اُسے دربار میں واپس نہیں لا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسی حالت میں پجاری زتاکر اُسے پہچان لیتا اور اُس کی جان لینے کی کوشش کرتا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہی رہے تو اچھا ہے لیکن زفاصہ بڑی لالچی عورت تھی۔ وہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ اُس نے ساری زندگی غریبی دیکھی تھی۔ اُس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ کسی طرح ڈھیر ساری دولت حاصل کر کے تبت سے کوچ کر کے افریقہ کے کسی ملک میں جا کر باقی زندگی آرام سے بسر کرے۔ مگر دولت کا خواب کبھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اب جبکہ اُسے معلوم ہوا کہ مورتی کے چبوترے کے نیچے پرانے بادشاہوں کا خزانہ دفن ہے تو اُس کے اندر دولت کا لالچ پیدا ہو گیا۔ مگر وہ اکیلی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ عنبر کو ساتھ ملا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ مگر عنبر کو دولت سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اور اب تو وہ رقاصہ سے بھی بہت دُور ہو گیا تھا۔

گاؤں میں اپنی خالہ کے پاس پڑے پڑے وہ بے چین ہو گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے مورتی کے اندر کا خزانہ اُس کا انتظار کر رہا ہے اور وہ یونہی اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ رقاصہ کا ایک دُور کا پھوپھی زاد بھائی کنالا جو ایک عرصہ ہوا گھر سے غائب ہو گیا تھا آوارہ گردی کرتا کراتا گاؤں میں آن وارد ہوا۔ وہ خالہ کے گھر کو جانتا تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا وہاں آ گیا۔ خالہ نے اُسے کہا کہ یہ بھی تمہاری بہن ہے اور اس کا اس دنیا میں اب کوئی نہیں رہا۔

کنالا بہت تیز، زیرک اور دولت پرست آدمی تھا۔ اس کی زندگی بھی دربدری کے عالم میں گزر رہی تھی۔ اُس نے بھی دولت کے خواب دیکھے تھے۔ اُس نے تصور میں کبھی اپنے آپ کو ایک بادشاہ دیکھا تھا جو زر و جواہر میں کھیل رہا ہو اور کبھی ایک ایسا ڈاکو جو بادشاہوں کے خزانے لوٹ رہا ہو۔ رقاصہ نے جب اُسے بتایا کہ تبت شہر کے سب سے بڑے مورتی مندر کے چبوترے کے نیچے ایک ایسے خزانے کا نقشہ چھپا ہوا ہے جو تبت کے بادشاہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزار سال سے اکٹھا کیا ہوا ہے۔ یہ بات سن کر گنالا کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے بڑی رازداری کے انداز میں رقاصہ سے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ اس خزانے کا کسی اور کو تو علم نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کسی کو علم نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ مورتی مندر کے اندر وہ چبوترہ کہاں ہے جس کے نیچے اس بے بہا قیمتی خزانے کا نقشہ چھپا ہوا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے وہ چبوترہ دیکھا ہے"

گنالا خوشی سے اچھل پڑا۔

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ تم آج ہی میرے ساتھ شہر چلو۔ ہم رات کی تاریکی میں چھپ کر مندر میں جائیں گے اور چبوترے کے نیچے سے خزانے کا نقشہ نکال لائیں گے"

"لیکن گنالا مورتی کے اندر بڑا پہرہ ہوتا ہے۔ وہاں سوائے مندر کے پجاریوں کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر ہم پجاریوں کا بھیس بدل لیں گے۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ ایسا حلیہ بدلوں گا کہ بڑے سے بڑا پجاری بھی نہ پہچان سکے گا کہ میں پجاری نہیں ہوں۔"

"تو پھر ہم آج شام ہی شہر کو روانہ ہو جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”سب سے پہلے ہمیں یہاں بیٹھ کر پجاریوں کا بھیس بدلنا پڑے گا۔ یہاں سے ہم پجاری بن کر چلیں گے اور پجاری بن کر ہی شہر میں داخل ہوں گے۔“

”یہ اچھا خیال ہے۔“

رقاصہ بے حد خوش ہوئی کہ اُسے ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جس نے اُس کا دولت مند بننے کا خواب پورا کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ وہ بھی کسی ایسے آدمی کی تلاش میں ہی تھی۔ اگلے روز انہوں نے خالہ سے کہا کہ وہ شہر کی سیر کو جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر پجاریوں کا سفید لباس پہنا اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے۔ سارا دن وہ ایک بیل گاڑی پر سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ تبّت شہر پہنچ گئے۔ رات انہوں نے ایک پرانے اور چھوٹے سے مندر میں بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ مندر بڑے مورتی مندر کے عقب میں کچھ فاصلے پر تھا۔ یہاں وہ رات بھر اس منصوبے پر غور کرتے رہے کہ مندر کے اندر کب داخل ہوں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے شام کا وقت پسند کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ عبادت کرنے کے بہانے شام کو مورتی مندر میں داخل ہو جائیں گے اور پھر رات کو وہیں چھپ جائیں گے۔ جب سارے پجاری ادھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُدھر ہو جائیں گے تو وہ چبوترے کے نیچے سے خزانے کا نقشہ نکال لینے کی کوشش کریں گے۔ شام کے وقت وہ مندر میں داخل ہو گئے۔

چونکہ وہ پجاریوں کے لباس میں تھے اس لئے کسی نے بھی ان پر شک نہ کیا۔ وہ بڑے اطمینان سے لمبے لمبے چغے پہنے مندر کے صحن میں ایک جگہ بیٹھ گئے اور مورتی کی طرف منہ کر کے منتر پڑھنے لگے۔ بیچ میں رقاصہ نے سرگوشی میں کہا۔

"زمین کھودنے والی کدال کہاں ہے؟"

"میرے کرتے کے اندر چھپی ہوئی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

وہ اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا اور مندر میں کہیں کہیں روشنی کی چھوٹی چھوٹی مشعلیں جل اٹھیں تو رقاصہ نے چہرے کا نقاب کھسکا کر کہا۔

"کنالا! وقت آ گیا ہے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

رقاصہ کو چونکہ مندر کے تمام خفیہ راستوں کا علم تھا۔ اس لیے وہ اپنے لالچی بھائی کنالا کو ساتھ لے کر آگے بڑھی۔ کنالا چپ چاپ سر جھکائے اس کے پیچھے چل پڑا۔ مورتی کے عقب میں جا کر رقاصہ نے چاروں طرف غور سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ شکالا کو ساتھ لے کر مورتی کے اندر داخل ہو گئی۔ اندر چاروں طرف گھُپ اندھیرا تھا۔ صرف مورتی کی آنکھوں کے روشندانوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

شکالا نے پوچھا۔

"وہ چبوترا کہاں ہے؟"

"شی! خاموش رہو"

رقاصہ نے شکالا کو ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کرا دیا اور ایک طرف چلتے ہوئے اشارہ کیا۔ شکالا خاموشی سے پیچھے چل دیا۔ دونوں صحنوں میں سے گزر کر رقاصہ مورتی کے بائیں پہلو میں ایک چبوترے کے پاس آکر رُک گئی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ ہے وہ چبوترہ"

شکالا نے چبوترے کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ اس کے نیچے ایک پتھر کی بڑی سی سل لگی تھی۔ شکالا نے لمبے کُرتے کے اندر سے کدال نکالی اور پتھر کی سل کو اکھاڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ کافی دیر تک سل کو اکھاڑنے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس دوران میں رقاصہ پہرہ دیتی رہی اور اردگرد دیکھتی رہی کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ اُس نے شکالا سے کہا۔

"دیوتاؤں کے بیٹے دیر نہ لگاؤ۔ سل کو اکھاڑ ڈالو۔ نقشہ اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سِل کے نیچے چھپا ہوا ہے؟"

"نہیں سارا زور لگا رہا ہوں۔"

گُنالا کو پسینہ آگیا تھا۔ اُس کا سارا زور خرچ ہو رہا تھا۔ ایک بار جو اُس نے زور سے دھکا لگایا تو سِل اپنی جگہ سے حرکت کر گئی۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ گُنالا نے اب پہلے سے بھی بڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ سِل کو اپنی جگہ سے اکھاڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد سِل اپنی جگہ سے اوپر اُٹھ گئی۔ گُنالا نے سِل کے نیچے ہاتھ مارا۔ وہاں ایک ننھا سا گڑھا تھا۔ رقاصہ نے بھی اندر ہاتھ مارا تو اس کا ہاتھ پیتل کی ایک چھوٹی سی صندوقچی سے ٹکرایا۔ اُس نے صندوقچی باہر نکال کر گُنالا کو دی اور کہا۔

"ضرور نقشہ اسی میں ہے۔ اسے لے کر باہر چلو۔"

گُنالا نے پتھر کی سِل کو اسی جگہ پھر سے لگا دیا۔ پیتل کی صندوقچی کو بغل میں دبایا اور رقاصہ عورت کے پیچھے پیچھے مورتی سے باہر نکل آیا۔ وہ چھپتے چھپاتے مندر کے صحن میں سے ہو کر ستونوں کے ساتھ لگتے، دیوار کے سائے کی اوٹ میں دبے پاؤں چلتے، مندر سے باہر نکل آئے۔ ایک جگہ ان کی بیل گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اپنی سرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔ سرائے میں پہنچ کر سب سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگائی اور صندوقچی کو کھول دیا۔ صندوقچی کے اندر چمڑے کے ایک خول میں کچھ لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے خول کھول کر الگ کیا کہ اُن کے سامنے زمین پر تبت کے پرانے بادشاہوں کے خزانے کا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ خوشی اور مسرت سے اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔

"تو یہ ہے وہ نقشہ؟ - تم نے ٹھیک کہا تھا بہن! یہ تو واقعی کسی خزانے کا نقشہ ہے۔ مگر یہ خزانہ ہے کہاں؟"

دونوں لالچی انسان بڑی بے تابی کے ساتھ نقشے کو غور سے دیکھنے لگے۔ یہ نقشہ یاک کی کھال کے چمڑے پر بنا ہوا تھا۔ اس میں گول دائرے تھے اور سُرخ لاکھ سے بنی ہوئی آڑی ترچھی لکیریں تھیں۔ جگہ جگہ پرانی تبتی زبان میں کچھ اشارے اور جگہوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ وہ دیر تک نقشے کو دیکھتے رہے مگر انہیں کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو پرانی تبتی زبان سمجھتا ہو۔ مگر ایسا شخص کہاں سے ملے؟ کنارا وہاں کے لوگوں کو نہیں جانتا تھا۔ آخر اس نے رتاسمہ سے پوچھا کہ اس کے خیال میں وہاں کوئی ایسا انسان ہے جو ہزار سال پرانی تبتی زبان کو پڑھ سکتا ہو۔ رتاسمہ نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا کہ اس سارے علاقے میں صرف ایک ہی بوڑھا اس کی

نگاہ میں ہے جو تبت کی پرانی زبان پڑھ سکتا تھا۔

"وہ کون ہے - کہاں ہے - چلو اُس کے پاس چلتے ہیں"

رقاصہ نے اُسے بتایا کہ وہ بڑے پجاری رتناکر کا باپ ہے یہ وہی تبتی بڑھا تھا جو عنبر کو راستے میں ملا تھا اور جسے چھوڑ کر عنبر نے دریائے آمو کے کنارے رخصت کیا تھا۔

گنالا نے کہا۔

"وہ کہاں رہتا ہے؟"

"وہ ہمارے گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک پرانے معبد میں اکیلا رہتا ہے۔ اور عبادت کرتا رہتا ہے وہ کسی سے نہیں ملتا۔"

"ہم اُس کے پاس چل کر اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

رقاصہ نے کہا

"مگر اس طرح تو وہ بھی خزانے کے راز سے آگاہ ہو جائیگا۔

گنالا نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"فکر نہ کرو بہن! اس کا بندوبست بھی کر لوں گا"

رقاصہ بالکل نہ سمجھ سکی کہ بندوبست کرنے سے اُس کی کیا مراد تھی۔ بہرحال اُس نے گنالا کو ساتھ لیا اور اُسی روز اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئی۔ گاؤں سے ایک میل کے فاصلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر وہ اُس کھوہ میں آ گئے جہاں بوڑھا تبتی ایک پتھر پر بیٹھا سورج کی طرف منہ کئے عبادت میں مصروف تھا۔ رقاصہ اور گنالا بڑے ادب سے اُس کے پاؤں میں جا کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ عبادت سے فارغ ہو تو اُس سے بات کریں۔ کافی دیر کے بعد بوڑھے تبتی نے آنکھیں کھول کر اُن دونوں کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں جلال اور سرخ روشنی تھی۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

گنالا نے ہاتھ جوڑ کر بڑی مکاری سے کہا۔

"اے بزرگ درویش! ہم آپ کی زیارت کو آئے ہیں"

بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"ہم لوگ دنیا والوں سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ہم سے کسی کو کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ سچ بتاؤ تم کیا لینے آئے ہو؟"

رقاصہ نے گنالا کو سرگوشی میں کہا کہ بوڑھے کے آگے جھوٹ موٹ بولنے کی بجائے اُسے سچ سچ بتا دینا چاہیئے۔ گنالا نے جیب سے چمڑے کا نقشہ نکال کر سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"اے بزرگ درویش! ہمارے خاندان کا یہ پرانا نقشہ صدیوں سے ہمارے ہاں چلا آ رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم ہمیں پڑھ کر بتاؤ کہ اس پر کیا لکھا ہے؟

بوڑھے تبتی نے نقشہ دیکھا تو حیرت سے بولا۔

"یہ تو تبت کے پرانے بادشاہوں کے خزانے کا نقشہ ہے۔ تم کو کہاں سے مل گیا؟"

گنالا نے پھر جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ یہ اُن کے خاندان میں صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ بوڑھے نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے غور سے نقشے کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے گنالا کو بتایا کہ نقشہ موری مندر سے شمال میں ایک خشک چٹان کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے دس فرسنگ کے فاصلے پر دو ترچھے درخت آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر اگر ستر قدم جنوب مشرق کی طرف چلیں تو ایک ٹیلہ آئے گا۔ بس خزانہ اسی ٹیلے کے اندر ایک کھوہ میں ہے۔ گنالا نے خوش ہو کر چمڑے کا نقشہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا

"شکریہ اے بزرگ درویش! کیا ہم یقین کریں کہ آپ اس نقشے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے؟"

بوڑھے تبتی نے کہا

"ہم کو دنیا کا کوئی لالچ نہیں رہا۔ ہم حرص و ہوس کے تمام پھندوں کو توڑ چکے ہیں۔ ہماری طرف سے تم کو خزانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملے یا موت ملے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔"

"لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ضرور کسی نہ کسی سے بات کر دو گے۔ اس لئے میں اس قصے ہی کو ہمیشہ کے لیے چُکا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کُنالا نے دیکھتے دیکھتے خنجر نکالا اور بوڑھے تبتی کے سینے میں پوری طاقت سے گھونپ دیا۔ رقاصہ چیخ مار کر اُس پر گر پڑی۔ بوڑھا تبتی گر پڑا۔ اُس کے سینے سے خون جاری ہو گیا۔ اُس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموش، پُرسکون، روشن آنکھوں سے کُنالا کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کی آنکھوں سے روشنی ماند پڑنے لگی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور وہ ایک ہلکی سی ہچکی لے کر گہری نیند سو گیا۔

رقاصہ نے غصے میں کُنالا کا گریبان پکڑ کر کہا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا۔ اس درویش سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔"

"پھر تم نے اسے ہلاک کیوں کر دیا؟"

کُنالا نے خون آلود خنجر ریت پر صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ اس خزانے کا کوئی خاموش گواہ بھی زندہ رہے۔ اب چلو۔ خزانہ ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم جاؤ میں نہیں جاؤں گی۔" رقاصہ نے غصے سے کہا۔ پھر اچانک اس نے محسوس کیا کہ یہ ظالم شخص تو بڑی آسانی سے اُسے بھی قتل کر دے گا۔ اِس خیال کے ساتھ ہی اُس نے بڑھے کی لاش کو کھوہ میں زمین پر رکھا اور چپکے سے گنالا کے ساتھ ہو گئی۔ گنالا اُسے لے کر راتوں رات واپس تبت میں آ گیا۔ یہاں اُس نے وہ رات ایک گمنام سی سرائے میں بسر کی۔ رات بھر وہ خزانے کے بارے میں سوچ بچار کرتا رہا۔ رقاصہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے گنالا کو خزانے کا راز بتا کر زندگی کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ خزانہ لے کر اُسے بھی ہلاک کر دے اور خود سارے خزانے کا مالک بن بیٹھے۔ انہی سوچ بچار میں صبح ہو گئی۔ وہ دونوں بڑی خاموشی اور راز داری کے ساتھ سرائے سے باہر نکلے اور مورتی مندر کی طرف نکل آئے۔ یہاں سے اُس نے اندازے کے مطابق شمال کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ اُس خشک چٹان کی "تلاش میں تھے جس کے بارے میں بزرگ درویش نے نقشہ پڑھ کر انہیں بتایا تھا۔ چلتے چلتے انہیں دوپہر ہو گئی اور وہ تبت شہر سے کافی دور نکل آئے۔ وہ پیدل چل رہے تھے۔ چنانچہ وہ تھک گئے اور ایک جگہ ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اچانک انہیں دُور ایک خشک چٹان نظر آئی۔ اُن کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ کنالا نے رقاصہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لے کر چٹان کے پاس آ گیا۔ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے شمال کی طرف دیکھا۔ کنالا بولا۔

”بس یہاں سے دس فرسنگ کے فاصلے پر وہ درخت ہیں جن کے قریب ہماری قسمت کا سونا اور ہیرے جواہرات دفن ہیں۔“

”ہمیں یہاں سے چلنا شروع کر دینا چاہیے۔“

”چلو“

انہوں نے خشک چٹان سے آگے چلنا شروع کر دیا۔ وہ چلتے چلے گئے۔ جب انہوں نے ٹھیک دس فرسنگ پورے کیے تو شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ یہاں انہیں وہ دو درخت نظر آ گئے جو آڑے ترچھے کھڑے تھے۔ گویا وہ خزانے کے پاس پہنچ گئے تھے اور ہر شے نقشے کے مطابق اور اُن کی اپنی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ یہ درخت بے حد پُرانے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی بہت ہی قدیم جنگل کے کھنڈر باقی رہ گئے ہوں۔

”ہم بالکل ٹھیک مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے ستر قدم جنوب مشرق کی طرف چلنا ہے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں نے ترچھے درختوں کے درمیان کھڑے ہو کر جنوب مشرق کی طرف منہ کیا اور قدم قدم گنتے ہوئے چلنا شروع کر دیا۔ ستر قدم چلنے کے بعد وہ رک گئے۔ یہاں انہیں کوئی کھوہ یا کسی غار کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے جس کے اندر قدیم تبّت کے بادشاہوں کا خزانہ دفن ہو۔ دونوں بے چینی کے عالم میں ادھر اُدھر ٹکریں مارنے لگے۔ شام کے سائے اور گہرے ہو گئے تھے اور اب میدانوں میں رات کا پہلا اندھیرا اترنا شروع ہو گیا تھا۔ پھر بھی کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں سورج کی ہلکی ہلکی چمک ابھی باقی تھی اور وہ اسی غروب ہوتی روشنی میں وہ مقام تلاش کر لینا چاہتے تھے۔ جہاں پرانے تبتی بادشاہوں کا خزانہ دفن تھا اور جس کے بارے میں نقشے نے ساری نشانیاں اور علامتیں دُرست بتائی تھیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد کُنالا کو ایک مقام پر کچھ پتھر کے ٹکڑے زمین میں سے اُبھرے ہوئے معلوم ہوتے۔ وہ لپک کر اُن پتھروں کے پاس بیٹھ گیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ اُس نے اپنی بہن سے ذکر کیا۔ اور کہا کہ اُس کے خیال میں یہی وہ مقام ہے جہاں خزانہ دفن ہے۔ رتاصد نے اُس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جلدی سے زمین کھودنی شروع کر دو۔ میرا بھی یہی خیال" ہے کہ خزانہ یہی دفن ہے۔

گٹالا نے اپنے کُرتے کے اندر سے کدال نکال اور دھڑا دھڑ زمین کھودنی شروع کر دی۔ کافی زمین کھودنے اور بڑے بڑے پتھر اِدھر اُدھر ہٹانے کے بعد انہیں ایکدم ایک دروازہ سا دکھائی دیا جس پر ایک زنگ سے سے بھرا ہوا سیاہ تالہ پڑا تھا۔ تالے کو زنگ نے کھا لیا تھا۔ گٹالا نے کدال مار کر تالہ توڑ دیا اور دروازہ کھول کر اندر دیکھا۔ اندر گہرے اندھیرے میں ایک سُرنگ چلی جا رہی تھی۔ خدا جانے یہ سرنگ کہاں چلی گئی تھی۔ گٹالا نے اندر منہ ڈال کر دیکھنے کی کوشش کی تو اُسے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ اُس نے ڈر کر سر باہر نکال لیا اور رقاصہ سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اندر کوئی سانپ ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا ناصر اور اُس کے ساتھی تبت کے پرانے بادشاہوں کا خزانہ حاصل کر سکے؟ کیا عنبر تبت کے حکمرانوں کو ہُن قوم کے وحشیانہ حملوں سے بچا سکا؟ تھائیں کب تک دیوداسی کے روپ میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی رہی؟ بڑے پجاری کا کیا انجام ہوا؟ — یہ سب کچھ اسی ناول کے نویں حصے مکڑے کا جال میں ملاحظہ فرمایئے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

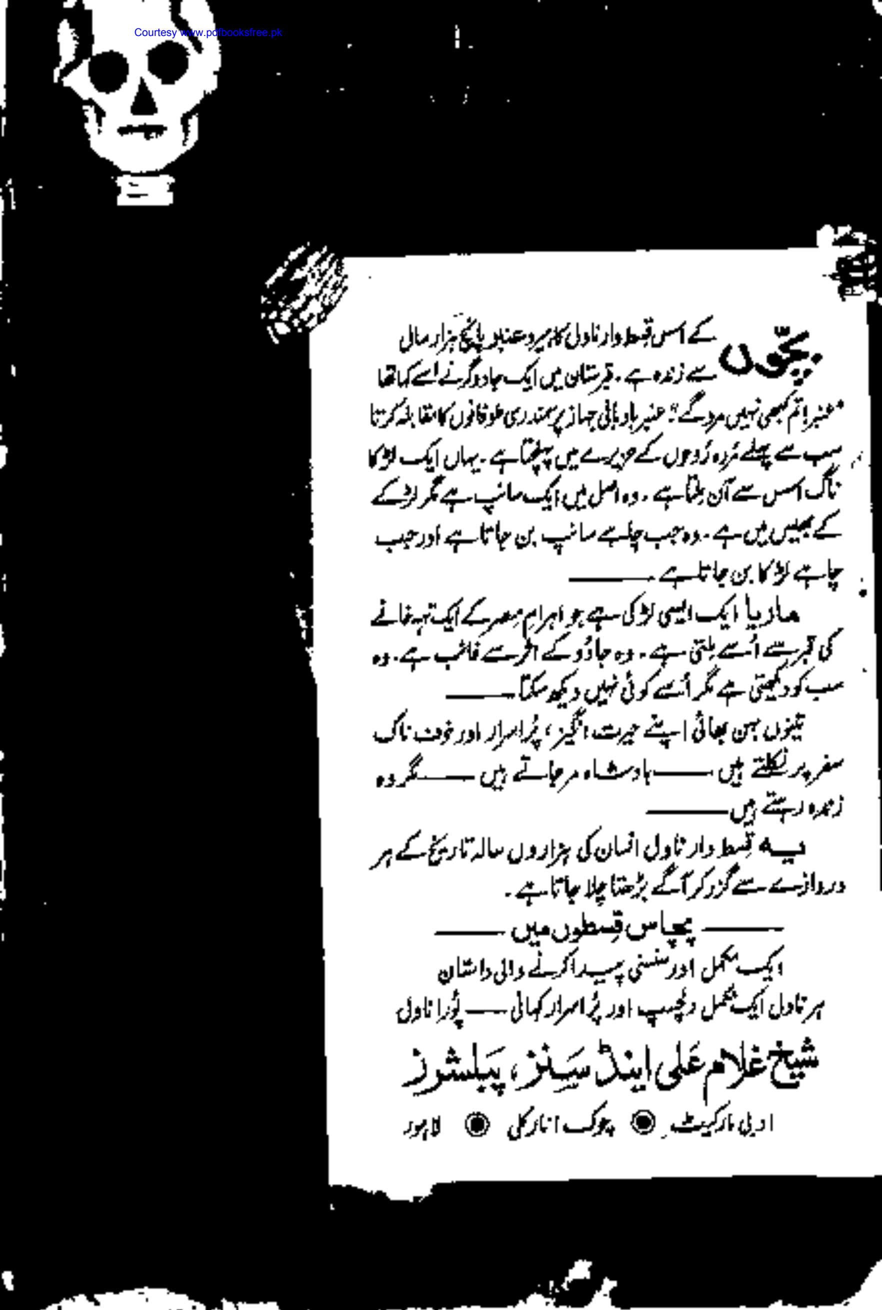

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے۔" عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرامِ مصر کے ایک تہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

مکڑے کا جال

اے حمید

PDFBOOKSFREE.PDF

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۔ ۹
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

مکڑے کا جال

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : [illegible] شرلیہ پارک، فیروزپور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

قیمت Rs20/

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

پہلا باب ——— خزانے پر لاش
دوسرا باب ——— عورت کی قربانی
تیسرا باب ——— ناگن ملکہ
چوتھا باب ——— مکڑے کا جال
پانچواں باب ——— خوفناک چال
چھٹا باب ——— ہمالہ کا ناگ پتنی
ساتواں باب ——— یاجوج کا لشکر
آٹھواں باب ——— دیوار پر چیخیں
نواں باب ——— مہارانی کی موت
دسواں باب ——— سکندر اعظم کی تلاش میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ننھے پیارے بچو!

رقاصہ اور کنالا خزانے کی تلاش میں سرنگ کے منہ پر پہنچے ہیں۔ کنالا سرنگ میں منہ ڈال کر دیکھتا ہے اور چونک کر پیچھے ہٹتا ہے کیونکہ سرنگ کے اندر ایک پھن دار سانپ ہے اور اندر خزانہ بھی ہے۔ رقاصہ اور کنالا کو خزانہ ملا یا نہیں؟ اس کا جواب آپ کو اس ناول میں ملے گا

دوسری طرف ہمارا ہیرو عنبر راجہ کا خاص دوست بن چکا ہے۔ عنبر نے مندر کی بڑی مورتی کو اپنی پراسرار طاقت سے اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے راجہ اس کا غلام بن گیا۔ بڑا پجاری عنبر کا دشمن بن بیٹھا ہے۔ یہاں عنبر ایک ایسی لڑکی کو قربان ہونے سے بچاتا ہے جس کے سینے کو چیر کر اس کا دل مورتی کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے بعد عنبر یہاں سے بھی آگے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اب اس کی منزل چین ہے۔

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خزانے پر لاش

کنالا کو سرنگ کے اندر سانپ کے پھنکارنے کی آواز آگئی تھی۔

اس لئے وہ اندر جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ سانپ کے پھنکارنے کی آواز رقاصہ نے بھی سُن لی تھی۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ مگر خزانے کا لالچ ایسا تھا کہ وہ باہر بھی کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسرے اسے یہ بھی ڈر تھا کہ وہاں کوئی آکر انہیں گرفتار نہ کر لے۔ اس لئے کہ راجہ کے سپاہی اس علاقے میں ہر وقت گشت کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ وہ شہر کی فصیل کے آس پاس کا علاقہ تھا اور راجہ کو وحشی ہُن قوم کی طرف سے تبت پر حملے کا بہت خطرہ تھا۔ رقاصہ نے کنالا کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیوتاؤں کے لئے کسی طرح سانپ کو ہلاک کر دو ہمیں خزانے کی تلاش میں اس سرنگ کے اندر بہر حال ہی جانا پڑے گا۔"

"مگر سانپ مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔" کنالا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

اس نے ایک خشک جھاڑی لے کر پتھر رگڑ کر جلائی اور اس کی روشنی میں سرنگ کے اندر اتر گیا۔ رقاصہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ سانپ اگر کہیں تھا تو وہ آگ کو دیکھ کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ کنالا اور رقاصہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے، سرنگ کے اندر چلے جا رہے تھے۔ یہ سرنگ بڑی پرانی معلوم ہو رہی تھی۔ چھت نیچی تھی۔ دیواروں سے پانی رس رہا تھا اور زمین پر کہیں کہیں ٹپکتے پانی نے کیچڑ پیدا کر دیا تھا۔ سرنگ ایک طرف گھوم گئی اب ان کے سامنے پتھر کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں تھیں جو ایک چوڑے گڑھے میں اتر گئی تھیں۔ کنالا جلتی ہوئی شاخ ہاتھ میں لئے نیچے گڑھے میں اتر گیا۔ گڑھے میں ایک طرف بڑا سا شگاف دیوار میں پڑا تھا۔ جس کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔ رقاصہ نے کہا کہ اس کا خیال ہے خزانہ یقیناً ان پتھروں کے نیچے ہوگا۔ نقشہ بھی یہی کہہ رہا تھا کنالا نے جلتی ہوئی ٹہنی کو دیوار سے لگایا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ پتھروں کو ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔ جب سارے پتھر ہٹ گئے تو رقاصہ کی چیخ نکل گئی۔ نیچے ایک لکڑی کے صندوق کے اوپر کسی انسان کا ہڈیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پنجر پڑا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص خزانے کو چرانے وہاں تک آیا اور پھر کسی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اور لاش گل سڑ کر ہڈیاں وہیں رہ گئیں۔ کنالا نے ہڈیوں کے پنجر کو پرے پھینک کر صندوق کے تالے کو پتھر مار کر توڑ دیا۔ تالا ٹوٹنے کے بعد اس نے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو ان دونوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ صندوق سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ جواہرات کی چمک نے سرنگ کے اندھیرے میں روشنی کر دی۔ کنالا نے خوشی سے پاگل ہو کر کہا۔

"آخر خزانہ مل گیا۔ خزانہ مل گیا میں بادشاہ ہوں۔ میں تبت کا بادشاہ ہوں!"

وہ پاگلوں کی طرح خوشی میں آ کر ناچنے لگا۔ ناچتے ناچتے وہ ٹھوکر کھا کر خزانے کے اوپر منہ کے بل گرا اور جب وہ اٹھا تو اسے وہی پھنکار سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ ایک دس فٹ لمبا سانپ اپنا پھن زمین سے چار پانچ فٹ اوپر اٹھائے اسے اپنی لال لال غصہ بھری آنکھوں سے گھور رہا تھا اور منہ سے دو شاخہ زبان نکال رہا تھا۔ کنالا کا تو جیسے خون ہی خشک ہو گیا۔ اس کے سارے بدن پر پسینہ آ گیا۔ رتی رام بھی دہشت زدہ ہو کر لرزنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ وہ کانپ رہی تھی اور ماتھا پسینے میں تربتر ہو گیا تھا۔ اتنے میں کنالا نے اُسے آواز دی

”مجھے بچاؤ۔۔۔!“

کنالا کی آواز میں التجا تھی۔ اسے اپنی موت ایک فٹ کے فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔ سانپ کی سرخ آنکھوں اور بار بار پھنکار سے مارتی زبان نے اسے پتھر کر دیا تھا۔ وہ جہاں پڑا تھا وہیں رہ گیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر رقاصہ سانپ پر پتھر پھینکے تو ہو سکتا ہے کہ سانپ مر جائے اور اس کی زندگی بچ جائے۔ چنانچہ اس نے ایک بار پھر اسے آواز دی

”سانپ کو پتھر سے کچل دو۔“

اس کی آواز میں سخت گھبراہٹ تھی وہ لرز رہی تھی رقاصہ نے اس کی آواز سُن لی تھی۔ مگر اس کی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ ایک بار اس نے سانپ کو کچل دینے کے خیال سے زمین پر سے پتھر اٹھانے کے لئے ہاتھ ذرا سا ہلایا تو سانپ نے زبردست پھنکار کے ساتھ رقاصہ کی طرف دیکھ کر اپنا پھن لہرایا۔ رقاصہ وہیں کی وہیں بُت بن کر رہ گئی۔ کنالا نے سوچا اس طرح تو وہ ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ کے ہاتھوں ڈسوا کر مر جائے گا۔ کیوں نہ تھوڑی سی کوشش کر کے آزاد ہونے کی فکر کی جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے خزانے کے اوپر پڑے پڑے پیچھے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ اس کے پیچھے کھسکنے سے سونے کے کچھ سکے اور جواہرات فرش پر گر پڑے۔ سانپ چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنی زبان بار بار لہرانا شروع کر دی۔ کنالا ایک پل کے لئے دبک کر سمٹ گیا۔ سانپ بھی اپنا پھن اٹھائے وہیں کا وہیں رک گیا اور اپنی لال لال آنکھوں سے کنالا کی ہر حرکت کا جائزہ لینے لگا۔

کنالا نے آہستہ سے گردن گھما کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی کہ رقاصہ کیا کر رہی ہے۔ آخر وہ اس کی مدد کیوں نہیں کرتی؟ ابھی اس نے ذرا سی گردن ہلائی ہی تھی کہ سانپ کو یوں لگا جیسے اس پر حملہ ہونے لگا ہے۔ اس نے پھن آگے بڑھایا اور آن کی آن میں کنالا کی گردن پر ڈس دیا۔ کنالا کی چیخ نکل گئی۔ اس نے پتھر اٹھا کر مارنے کی کوشش کی مگر سانپ غائب ہو چکا تھا۔

”مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ خدا کے لئے کچھ کرو۔“

وہ بے بسی کے عالم میں چلایا۔ رقاصہ نے آگے بڑھ کر کنالا کو سنبھالا اور اس کی گردن پر سانپ کے ڈسنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا زخم دیکھنے لگی۔ جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں گوشت سرخ ہو کر سیاہ پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ رقاصہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کنالا کی زندگی کیسے بچائی جائے کہ اس کا رنگ نیلا پڑ گیا۔ ناک سے خون جاری ہو گیا۔ ہونٹوں سے جھاگ بہنے لگا۔ آنکھیں سفید ہونے لگیں۔ ہاتھ پاؤں اکڑ کر اندر کی طرف مڑ گئے۔ رقاصہ نے کہا۔

"دیوتا کے لئے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں"؟

کنالا نے ہونٹ کھول کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ سانپ کے مہلک زہر نے اس کی زبان کو پتھر کر دیا ہے۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ صرف رقاصہ کو غوں غاں ہی سنائی دی۔ اب کنالا کے ناک کان اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں پتھرا رہی تھیں۔ رقاصہ نے اسے آواز دی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ایک ہچکی لی اور مر گیا۔ رقاصہ اسے وہیں رکھ کر پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اچانک ایک گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ زمین ہلنے لگی۔ سرنگ کی غار سے پتھر گرنا شروع ہو گئے۔ ایک دھماکے کے ساتھ اوپر سے پتھروں کا ایک تودہ گرا اور سارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خزانہ اس میں دفن ہو کر رہ گیا۔ ساتھ ہی کنالا کی لاش بھی پتھروں میں گم ہو گئی۔ رقاصہ چیخ مار کر گڑھے میں سے باہر نکل آئی۔ پتھر گڑھے پر بھی گر رہے تھے۔ رقاصہ سرنگ میں سے باہر کی طرف بھاگنے لگی۔ اس کے پیچھے برابر بڑے بڑے پتھر گر رہے تھے۔

وہ سرنگ میں سے باہر نکل کر ریت پر گر پڑی۔ اس کے پیچھے ایک بڑے پتھر نے گر کر سرنگ کے دروازے کو بند کر دیا۔ زمین پر گرے گرے رقاصہ نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو سرنگ کا منہ بند ہو گیا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کبھی کوئی دروازہ نہیں تھا۔ زلزلہ اب رک گیا تھا۔ زمین کے جھٹکے بند ہو گئے تھے۔ رقاصہ کتنی دیر زمین کے ساتھ لگی کانپتی رہی۔ اس میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ سکے۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بھائی کنالا کو سانپ کے ڈسنے سے مرتے اور پھر خزانے پر پتھروں کی بارش ہوتے دیکھی تھی۔ اس کا سارا جسم خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ آخر اس کی کھوئی ہوئی ہمت واپس آئی۔ وہ زمین پر سے اٹھی۔ اس نے اپنے کپڑے جھاڑ کر سرنگ کی طرف دیکھا۔ اس کا دل یہ سوچ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خون کے آنسو بہانے لگا کہ اس خونی غار کے اندر کنالا کی لاش پتھروں میں دبی پڑی ہے۔ اب اسے اس جگہ سے دہشت ہونے لگی تھی۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔

رقاصہ واپس اپنے گاؤں کی طرف چل پڑی۔ اس کا دل خزانے کے قریب جا کر ناکام ہونے اور کنالا کی موت سے بوجھل ہو رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت نے کنالا سے نیک دل بوڑھے تبتی کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ کنالا نے بوڑھے کو بے گناہ مار ڈالا تھا۔ اسے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ دیوتاؤں نے کنالا سے بوڑھے کے قتل کا بدلہ لیا تھا۔ اس کی لاش غار کے اندر پتھروں میں دفن ہو گئی تھی۔ رقاصہ رات بھر چلتی رہی۔ وہ تبت شہر کے قریب سے گزر کر واپس اپنے گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں اس کی ماں کی خالہ رہتی تھی۔ اس کا ذہن پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے کتنی مشکلوں کے ساتھ خزانے کا نقشہ حاصل کیا تھا۔ پھر کنالا کو ساتھ لے کر گرتی پڑتی خزانے کے غار تک پہنچی تھی اور آخر اس ساری جدوجہد کا انجام یہ ہوا کہ کنالا کو سانپ نے ہلاک کر دیا۔ خزانہ پتھروں میں چھپ گیا اور وہ خالی ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس گھر جا رہی تھی۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہوئی تھی کہ خزانے کا نقشہ بھی اندر خزانے کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ اس وقت زلزلے اور پتھروں کے گرنے کی افرا تفری میں رقاصہ خزانے کا نقشہ کنالا کی جیب سے نہ نکال سکی تھی۔ باہر آ کر اسے خیال آیا تو وہ بے حد پچھتائی۔ مگر اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ سرنگ کا دروازہ پتھروں سے بند ہو گیا تھا۔ پھر بھی رقاصہ نے اس سرنگ اور چٹان کی ساری نشانیاں ذہن میں یاد کر لی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ دوبارا کسی وقت وہاں آئے تو خزانے کو جانے والی سرنگ کے دروازے کو پہچان سکتی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اکیلی کبھی واپس آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اور کسی کو ساتھ لے کر آئے تو وہ سارا خزانہ خود ہی لوٹ کر لے جا سکتا تھا۔

خالہ کے گاؤں پہنچ کر رقاصہ اپنے گھر کے تخت پوش پر بے دم ہو کر گر پڑی۔ چل چل کر اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے اپنی خالہ کو سارا قصہ سنایا۔ کنالا کی عبرت ناک موت کا سن کر بوڑھی عورت کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیٹی کنول! اس بوڑھے کو قتل نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اُسے ایک بے گناہ درویش بوڑھے کو قتل کرنے کی سزا ملی ہے۔"

"خالہ جب سانپ نے اسے ڈسا تو اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور ناک، کان اور نتھنوں سے خون جاری ہو گیا۔ دیوتا اس کی روح کو معاف کریں۔ اس کی ارتھی تو دیکھتے دیکھتے گلنے سڑنے لگی تھی۔"

"بیٹی تبت کے صحراؤں اور میدانوں کے سانپ بے حد زہریلے ہوتے ہیں اور یہاں کا ناگ تو انسان کو ایک پل میں ختم کر دیتا ہے۔"

"لیکن خالہ! اس خزانے کا کیا بنے گا؟"

"میری بچی! اس خزانے کی حفاظت سیاہ ناگن کر رہی ہے۔ وہ دیوی کا روپ ہے۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جو کوئی بھی خزانے کی تلاش میں جائے گا اس کا یہی حشر ہو گا۔"

"تو کیا اتنے قیمتی خزانے کو بھلا دیا جائے؟"

"ہاں میری بچی! عقل مندی اور دور اندیشی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس خزانے کو بھول جائیں۔"

"بہت اچھا خالہ! میں بھولنے کی کوشش کروں گی۔"

کہنے کو تو رقاصہ نے ایسا کہہ دیا تھا۔ مگر خزانہ ایک زندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھوت بن کر اس کے دل و دماغ پر سوار ہو گیا تھا۔ اسے اٹھتے بیٹھتے خزانے کے خواب آتے۔ اس کے سامنے جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا صندوق کھل جاتا اور موتی، لعل، ہیرے، زمرد اور عقیق زمین پر گرنے لگتے۔ وہ خواب میں دیکھتی کہ اس نے خزانہ غار سے باہر نکال لیا ہے۔ سانپ کو ہلاک کر دیا ہے اور خچر پر صندوق لادے اپنے گھر کی طرف چلی جا رہی ہے۔ پھر وہ دیکھتی کہ وہ اپنے عالی شان سنگ مرمر کے محل میں جالی دار جھروکے کے پاس تخت طاؤس پر بیٹھی ہے اور کنیزیں اس کے پاؤں گلاب کے عرق سے دھو رہی ہیں۔

مگر جب اس کی آنکھ کھلتی تو وہ اپنی خالہ کے کچے مکان میں ایک لکڑی کے تختے پر پڑی ہوتی۔ اسے اپنی حالت پر بڑا ترس آتا۔ وہ یہ سوچ کر پاگل ہو جاتی کہ وہاں سے آدھے دن کی مسافت پر ایک غار کے اندر اتنی دولت پڑی ہوئی ہے کہ وہ ساری زندگی ایک محل میں مہارانی بن کر بسر کر سکتی ہے لیکن وہ اکیلی اس دولت کو حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی بہادر مرد اس کے ساتھ ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ بوڑھے حبشی کی روح کنالاتے اپنے قتل کا انتقام لینے

کے بعد رقاصہ سے بھی بدلہ لینے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔
یہی وجہ تھی کہ رقاصہ کو ایک روز خیال آیا کہ وہ ایک مرد
کے سہارے کے بغیر بھی چاہے تو خزانہ
حاصل کر سکتی ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ غار کے دروازے
کا پتھر کیسے ہٹائے گی اور اندر کھدائی کیسے کرے گی!
وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی مرد
نہیں ہوگا وہ خزانے تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اب وہ
ایک ایسے ساتھی کی تلاش میں رہنے لگی جو مرد ہو اور
اس کا قریبی رشتے دار ہو۔ جو اس کے ساتھ خزانہ حاصل
کرنے جا سکے اور جو یہ راز کسی پر فاش بھی نہ کرے۔

قدرت جب کسی سے بدلہ لیتی ہے تو پھر اس کا کوئی نہ
کوئی سبب بھی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ رقاصہ بوڑھے تبتی
بزرگ کے قتل میں برابر کی شریک تھی۔ اس لئے یہ
کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اُسے اُس کے گناہ کی سزا نہ ملے۔
چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ بوڑھی خالہ کا ایک لڑکا جو کہ
اس کے بیٹے کی وفات کے بعد ملک چین کے ایک سوداگر
کا نوکر بن کر رہ رہا تھا۔ وہ بغاوت ہو جانے کے
بعد در بدر کی ٹھوکریں کھاتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس
نوجوان کا نام سیانگ تھا۔ وہ ایک کبڑا اور ٹھگنے قد کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی تھا جس کی آواز گدھے سے ملتی جلتی تھی وہ دولت کے لئے کسی کو ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی بوڑھی دادی اور رقاصہ کو بڑی بہادری کے جھوٹے سچے قصے سنائے۔ جس میں یہ بھی تھا کہ اس نے چین میں کئی ڈاکوؤں کو ہلاک کیا اور پھر ایک بادشاہ کے محل میں داخل ہو کر اس کے سارے درباریوں کو سوتے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ رقاصہ سیانگ راس سے بڑی متاثر ہوئی۔ اس نے سوچا کہ یہ شخص اس کے ساتھ خزانے تک جانے کے لئے بڑا موزوں رہے گا۔ اس نے ایک روز سیانگ سے خزانے کا ذکر کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

"کیا سچ مچ کہیں خزانہ ہے"؟

رقاصہ نے اسے شروع سے لے کر آخر تک خزانے کی ساری کہانی سنا دی۔ اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس سے پہلے خزانہ اس کے بھائی کنالا کو ہلاک کر چکا ہے جس کی لاش خزانے پر ہی دبی ہوئی ہے۔ سیانگ نے سینے پہ ہاتھ مار کر کہا۔

میں ایک بہادر انسان ہوں۔ سانپ کیسا ہی زہریلا کیوں نہ ہو۔ اس کی جرأت نہیں کہ مجھے ڈس سکے۔ تم میرے ساتھ چلو ہم ایک ہی رات کے اندر وہاں سے خزانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھود کر لے آئیں گے"۔

سیانگ نے فوراً دو خچروں کا انتظام کر لیا اور بوڑھی خالہ سے اجازت لے کر ایک روز وہ چپکے سے خزانہ لینے گھر سے روانہ ہو گئے۔

دن بھر چلنے کے بعد وہ رات کو اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ غار تھا۔ غار کا منہ پتھروں سے اسی طرح بند تھا۔ سیانگ اور رقاصہ خچروں سے نیچے اتر آئے انہوں نے دونوں خچروں کو ایک جگہ پتھر کے ساتھ باندھ دیا۔ سیانگ نے کدال نکال کر غار کا منہ کھودنا شروع کر دیا۔ وہ ایک طاقتور انسان تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے غار کے پتھر ادھر ادھر ہٹا دیئے۔ غار میں سرنگ کا راستہ نظر آنے لگا۔

سیانگ نے حیرانی سے کہا۔

"یہ تو سرنگ جا رہی ہے"

" ہاں یہی سرنگ خزانے تک جاتی ہے"

سیانگ ایک مشعل ساتھ لایا تھا۔ اُس نے پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کی۔ مشعل کو جلایا اور دونوں سرنگ کے اندر داخل ہو گئے۔ رقاصہ اس کی رہنمائی کر رہی تھی کیونکہ اسے راستے کا علم تھا۔ چلتے چلتے آخر وہ سرنگ کا موڑ گھوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر اس مقام پر آ گئے جہاں نیچے گڑھا پتھروں سے بھرا ہوا تھا۔ رقاصہ نے اشارہ کر کے کہا۔

"یہی وہ گڑھا ہے جس کے اندر خزانہ دفن ہے"۔

سیانگ نے کدال لے کر گڑھے میں سے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا۔ یہ کام بڑا ہمت طلب تھا۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور کدال چلاتا رہا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ آخر وہ گڑھے کو پتھروں سے خالی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہی ٹوٹی پھوٹی سیڑھی نمودار ہوئی۔ دونوں اس سیڑھی پر سے ہوتے ہوئے نیچے گڑھے میں اتر گئے۔ سامنے بائیں جانب پہلو میں وہ مقام تھا جہاں پتھروں کے نیچے کنالا کی لاش اور جواہرات، سونے چاندی کے سکوں اور ہیرے موتیوں سے بھرا ہوا صندوق پڑا تھا۔ رقاصہ نے کہا۔

"سیانگ! اب ہم خزانے کے سرہانے پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ پتھروں کا ڈھیر ہے جس کے نیچے نہ صرف میرے بھائی کنالا کی لاش ہے بلکہ ہیرے جواہرات اور سونے سے بھرا ہوا صندوق بھی ہے"۔

"ہم اسے ابھی نکال کر لے جائیں گے"۔

سیانگ نے فاتحانہ قہقہہ لگا کر کہا۔ اس کے قہقہے کی آواز سارے غار میں گونج گئی۔ سیانگ نے دھڑا دھڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کدال چلانی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد پتھروں کے نیچے سے وہ صندوق نکل آیا جس میں سے ہیرے جواہرات باہر بکھرے پڑے تھے اور جس پر کنالا کی لاش پڑی تھی۔ رقاصہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ایک ہی ہفتے میں کنالا کی لاش گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھی اور اس کی کھوپڑی کے اوپر وہی سیاہ ناگ بیٹھا پھنکار رہا تھا۔ سیانگ کے آگے بڑھنا چاہا تو ناگ نے اپنا پھن پھیلا کر اوپر اٹھا لیا۔

"سیانگ اس ناگ سے بچنا۔ اسی نے کنالا کو ہلاک کیا تھا۔"

"فکر نہ کرو میں نے ایسے کئی سانپ ہلاک کر ڈالے ہیں۔"

اتنا کہہ کر سیانگ نے کدال لہرا کر سانپ پر حملہ کر دیا۔ سانپ، اچھل کر سرنگ کی چھت کے ساتھ جا لگا۔ رقاصہ تو حیران رہ گئی کہ سانپ اتنی اوپر اڑ کر کیسے چلا گیا؟ سیانگ نے کدال ایک طرف رکھ کر پتھر سانپ کی طرف مارنے شروع کر دیئے۔ سانپ کو ایک بھی پتھر نہ لگا وہ اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ سیانگ تھک گیا۔ سانپ پھر نیچے آ گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر پھن کو لہرانے لگا سیانگ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں سے کسی نے جان نکال لی ہے۔ وہ ناگ کی سرخ آنکھوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھنکارتی ہوئی زبان کے سامنے بے بس ہو گیا۔ سانپ نے آہستہ آہستہ اس کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ رقاصہ بھی بت بنی دیوار کے ساتھ لگی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ سانپ جھوم جھوم کر اپنے پھن کو لہرا لہرا کر سرخ زبان باہر نکال رہا تھا اور پھنکارتا ہوا اس کی طرف رینگ رہا تھا اور سیانگ بالکل پتھر بنا اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے اندر سے ہلنے کی طاقت ختم کر دی ہے۔

رقاصہ کے دل میں خیال آیا کہ وہ چیخ کر سیانگ کو خطرے سے آگاہ کر دے۔ مگر آواز اس کے حلق کے اندر دب کر رہ گئی۔ سانپ اب سیانگ کے بالکل سامنے آ گیا تھا۔ ایک دم وہ زور سے پھنکارا اور اس نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ آگے کو جھک کر سیانگ کے ماتھے پر ڈس دیا۔ ایک فلک شگاف چیخ مار کر سیانگ گر پڑا۔ رقاصہ کے منہ سے بھی بھیانک چیخ نکل گئی وہ گڑھے کی سیڑھیوں پر واپس بھاگنے لگی تو سانپ نے اس کا پیچھا کیا اور جب وہ اوپر والی آخری سیڑھی پر تھی تو اس کے اوپر بھی ڈس کر اپنا زہر رقاصہ کے جسم کے اندر داخل کر دیا۔ رقاصہ چیخ مار کر پیچھے گڑھے میں سیانگ کے اوپر گر پڑی۔ سانپ باہر نکل گیا اور پھر ایک زلزلے کے بھیانک جھٹکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ سارے کا سارا پہاڑ اپنے سارے پتھروں سمیت ان دونوں کے اوپر گر پڑا۔

اور وہ دونوں خزانے کے ساتھ غار میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت کی قربانی

بڑے پجاری رتناکر نے تھائیں کو دیوداسی مان لیا تھا۔ مگر دل سے اسے شک تھا کہ یہ عورت اصل نہیں بلکہ نقلی دیوداسی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی بار جب وہ مورتی کے اندر داخل ہوئی تھی تو مورتی پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اگر سچ مچ اصلی دیوداسی تھی تو پہنی بار مورتی اپنی جگہ سے کیوں نہ ہلی تھی؟ رتناکر کے دل میں اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ اس نے اُس کو شکست دی ہے اور راجہ کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ اس نے راجہ پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ عورت جھوٹی ہے اور وہ اسے پھانسی کے تختے پر لے گیا تھا۔ لیکن عین وقت پر تھائیں نے کچھ ایسا جادو کیا کہ سارا کھیل الٹ گیا اور رتناکو لینے کے دینے پڑ گئے۔ کہاں تو یہ تھا کہ وہ دیوداسی کو پھانسی دلوا رہا تھا۔ جلاد نے اس کے اشارے پر اور راجہ کے حکم پر اس کے گلے میں رسہ ڈال دیا تھا اور کہاں یہ ہوا کہ راجہ اور رتناکر دونوں کو اس دیوداسی کے آگے سجدہ کرنا پڑا اور اُس سے اپنے کئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی معافی مانگنی پڑی۔

راجہ نے رتناکر کو بلا کر اس کی زبردست بے عزتی کی اور کہا کہ اس کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ اصلی دیو داسی کو پھانسی کے پھندے تک لے گیا؟ رتناکر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"مہاراج مجھے کیا علم تھا کہ یہی اصلی دیو داسی ہے۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔"

راجہ نے کہا۔

"دیوتاؤں کا شکر ہے کہ دیو داسی مجھ سے زیادہ ناراض نہیں ہوئی۔ ورنہ وہ میری سلطنت کو تباہ کر سکتی تھی۔ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تم ہر روز صبح اٹھ کر دس بار دیو داسی کے سامنے جا کر اسے سجدہ کیا کرو گے۔"

مرتا کیا نہ کرتا۔ بڈھے پجاری کو راجہ کا حکم ماننا پڑا۔ اب وہ روزانہ صبح کو اٹھ کر دیو داسی کے استھان پر جاتا۔ وہ مسہری پر بڑی شان سے لیٹی ہوتی۔ کنیزیں اس کے بالوں میں سفید پھول اور موتی پرو رہی ہوتیں اور وہ اس کے سامنے دس بار سجدہ کر کے اسے سلام کر کے الٹے پاؤں واپس نکل جاتا۔ اس میں اسے اپنی بڑی ذلت نظر آتی تھی۔ اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ یہ عورت اصلی دیو داسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے۔ مگر وہ مجبور تھا۔ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ راجہ اُس کے اور نئے وزیر عنبر کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ رتناکر نے اس بات کو بھی خاص طور محسوس کیا تھا کہ جب سے یہ نیا وزیر عنبر آیا ہے راجہ بالکل بدل گیا ہے۔ وہ اس کی ہر بات مان لیتا ہے۔ اس نے ایک بار عنبر کو دیو داسی سے باتیں کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا جس سے اس کے دل میں شک پختہ ہو گیا کہ عنبر اور دیو داسی ضرور آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ حالانکہ عنبر خاص طور پہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ سب کے سامنے تنہائیں سے بالکل کوئی بات نہ کرے۔

رتناکر نے ایک روز اپنے شاگرد سے کہا۔

"ایسے لگتا ہے کہ یہ شخص عنبر کوئی جادوگر ہے اور اس نے جادو کے زور سے مورتی کو اپنی جگہ سے ہلایا تھا۔ ورنہ وہ عورت اصلی دیو داسی نہیں ہے اور مورتی کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتی۔"

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے سرکار! عنبر ملک افریقہ سے جادو سیکھ کر آیا ہے اور افریقہ کا جادو تو بڑا سخت ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے تو انسان دریا کے پانی پر بھی چل سکتا ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ اب نقلی دیو داسی کا بھانڈا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کس طرح چھوڑا جائے؟ یہ کیسے راجہ پہ ثابت کیا جائے کہ یہ عورت ایک جھوٹی عورت ہے اور عنبر نے جادو کے زور سے مورتی کو اپنی جگہ سے ہلایا تھا:

"سرکار! وقت کا انتظار کریں۔ جونہی مناسب موقع ملا ان کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوڑ دیا جائے گا۔"

بڑا پجاری یہی سوچ کر خاموش ہوگیا اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ ان ہی دنوں مورتی پر کسی عورت کو قربان کرنے کا موسم آ گیا۔ اس کے لئے پجاریوں نے ایک عورت کو چن کر پہلے ہی تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا۔ اسے ہر روز دن میں تین بار نہایت اعلیٰ قسم کی خوراک دی جاتی تھی۔ تاکہ وہ خوب موٹی تازی ہو جائے اور اس کی قربانی سے دیوتا زیادہ سے زیادہ خوش ہوں۔ یہ عورت ایک غریب بوڑھے پجاری کی بیٹی تھی جو اندھا ہو چکا تھا۔ رتنا کر نے خاص طور پہ اس عورت کو چنا تھا۔ کیونکہ وہ کسی بات پر اس کے باپ اندھے پجاری سے ناراض تھا۔ اور اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ قربانی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

سارے مندر کو پھر سے دھو دھلا کر صاف کر دیا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ دیواروں پر پھولوں کی بیلیں سجا دی گئی تھیں۔ ستونوں کے ساتھ نئی مشعلیں جلادی گئی تھیں۔ چبوترے کو ہر روز بکری کے دودھ سے دھویا جاتا تھا۔ تھائیں کو اس قربانی کا علم ہوا تو اس نے اپنی ایک خاص کنیز کو بھیج کر عنبر کو اپنے کمرے میں بلایا۔ عنبر رات کے اندھیرے میں اس سے ملنے آیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجہ کو معلوم ہو کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تھائیں نے دروازہ کھول کر عنبر کو تخت پر بٹھایا اور قربانی کے بارے میں ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ عنبر نے ساری داستان سن کر کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص رتناکر ایک بار پھر ایک بے گناہ عورت کی زندگی کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“

”ہاں عنبر! میں چاہتی ہوں کہ اس عورت کو بھی اس ظالم کے چنگل سے بچایا جائے اور اس کا بھانڈا بھی پھوڑ دیا جائے۔ تاکہ یہ اس کے بعد کسی معصوم لڑکی کی زندگی برباد نہ کر سکے۔ اس وقت موقع بھی ہے۔“

”تم فکر نہ کرو۔ میں اسے اپنے برے ارادے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ میں اس کا راز فاش کر دوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ اور اس نے راجہ اور دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر جو قربانی کی جھوٹی پٹی باندھ رکھی ہے اسے کھول کر پھینک دوں گا اور رتناکر کو ایسی سزا دلواؤں گا کہ وہ ساری زندگی نہیں بھولے گا۔"

"تم اس سلسلے میں کیا کرو گے؟ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے"؟

"میرا خیال ہے کہ جس وقت رتناکر پیالے میں خون اور لڑکی کا دل ڈال کر راجہ کے آگے لائے۔ میں اسی وقت اٹھ کر اعلان کر دوں کہ بڑا پجاری رتناکر جھوٹا اور دغا باز ہے۔ اس نے لڑکی قربان نہیں کی۔ بلکہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا دل پیالے میں ڈال دیا ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے کہ تم رتناکر کو سزا دلوا دو گے۔ لیکن اس طرح وہ لڑکی بھی نہیں بچ سکے گی۔ راجہ کہے گا کہ اب بکری کی جگہ اصلی عورت کو مورتی کے آگے قربان کیا جائے۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ تھائیں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ پھر اس عورت کو کس طرح بچایا جائے؟ اس نے کہا۔

"کیا اس عورت کو چپکے سے اغوا کر کے کسی طرف روانہ کر دیا جائے؟" تھائیں بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں۔ لیکن ہم آخر کس کس عورت کو ہر بار اغوا کر کے فرار کراتے رہیں گے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ راجہ کو اس انسانی قربانی سے کسی طرح روک دیا جائے؟"

"اصل میں ہونا تو یہی چاہیئے۔ خیراب تو سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس عورت کو کسی طرح اغوا کر کے یہاں سے بھگا دیں۔ اس کے بعد میں راجہ پر اثر ڈال کر اسے مجبور کروں گا کہ وہ مورتی کے آگے انسانی قربانی دینا بند کر دے۔"

"کیا اس دفعہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا تم دیوی بلیطیس کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک بار آکر تبت کی عورتوں کی زندگی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے؟ آخر وہ بھی ایک عورت ہے اور دوسری عورتوں کے ساتھ اسے ضرور ہمدردی ہو گی۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں عنبر! فیصلہ کر لو کہ تم یہی کرو گے۔ تاکہ قربانی کے روز ہم رتناکر مکاریوں کو راجہ کے سامنے فاش کر دیں۔"

"بہت اچھا۔ میں آج ہی رات دیوی بلیطیس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات کرتا ہوں"۔

عنبر ٹھاکریں سے اتنا کہہ کر واپس اپنے گھر آ گیا۔ گھر آتے ہی اس نے دیوی بلیطیس کی روح کو آواز دی۔ وہ نمودار ہوئی تو اس نے اسے ساری بات سنا کر عورت کے نام پر رحم کی بھیک مانگی۔

"تم بھی ایک عورت ہو بلیطیس! کیا تم گوارا کر لو گی کہ اس مندر میں قربانی کے نام پر ہر برس ایک عورت کو اغوا کر کے دوسرے ملک میں جا کر فروخت کیا جاتا رہے"؟

دیوی بلیطیس نے عنبر کی زبانی پوری بات سنی تو وہ سخت غصے میں آ گئی۔ اس نے کہا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں اس کمینے اور ظالم پجاری کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ وہ ہمیشہ یاد کرے گا۔ فکر نہ کرو۔ قربانی کے روز میں مورتی مندر میں موجود ہوں گی"۔

دیوی بلیطیس اتنا کہہ کر چلی گئی۔ عنبر نے اگلے روز ٹھاکریں کو جا کر بتا دیا کہ دیوی بلیطیس راضی ہو گئی ہے۔ اور اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ قربانی کے روز مورتی مندر میں موجود ہو گی اور رتناکر کو اس کے ظلم کا بدلہ چکھا دے گی۔ ٹھاکریں بڑی خوش ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دوران میں وہ دن آگیا جس روز مندر میں ایک عورت کو قربان کیا جاتا تھا۔ سارا دن مندر میں پجاری بھجن گاتے رہے اور منتر پڑھتے رہے۔ شام کو مندر میں لوبان سلگ اٹھے اور دیواروں کے ساتھ لگی مشعلیں روشن کر دی گئیں۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ خوشبوئیں ہی خوشبوئیں تھیں۔ تھائیں دیو داسی کے روپ میں سج دھج کر پالکی میں سوار مندر پہنچ گئی۔ اسے مورتی کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ راجہ بھی اپنی رانی کے ساتھ تخت پر آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے پجاری اور لوگ دونوں طرف ادب سے جھک کر کھڑے ہو گئے۔ بڑا پجاری رتناکر بھی وہاں موجود تھا اور اونچی آواز میں دیو داسی کے آگے دو زانو بیٹھا منتر پڑھ رہا تھا۔

رات آدھی گذر گئی تو ڈھول تاشوں اور منتر کے شور میں اس عورت کو مندر میں لایا گیا جس کی قربانی دی جانے والی تھی۔ اس عورت کو پجاریوں نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ بے چاری کے بال کھلے تھے اور آنکھوں میں وحشت ٹپک رہی تھی۔ لیکن وہاں اس کا سوائے عنبر اور دیو داسی کے اور کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ اور یہ دونوں سب کے سامنے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتے تھے۔ عنبر اور دیو داسی۔ دونوں بلیطیس کا انتظار کر رہے تھے۔ جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور آ کر اس عورت کی جان بچا لے گی۔

عنبر راجہ اور رانی کے پاس ہی ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خاموش تھا اور اس وقت کا منتظر تھا جب دیوی بلیطیس کی روح کو آ کر اس عورت کو قربان ہونے سے بچانا اور رتنا کر کے ڈھونگ کا پول کھولنا تھا۔ ایک دم ڈھول تاشوں کا شور بلند سے بلند تر ہو گیا۔ قربان کرنے والی عورت کو مندر کے وسط میں لایا گیا۔ اس بے چاری کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ اپنے اندھے باپ کو یاد کر کے روئے جا رہی تھی۔ مگر اس کے رونے پر کسی کو ترس نہ آ رہا تھا۔ عنبر اور تھائیں کے دل پر تو بڑا اثر ہو رہا تھا۔ مکار پجاری رتنا کر آگے بڑھا اور اس نے راجہ کے سامنے جا کر کہا۔

"اے تبت کے سورج راجہ! اجازت دو کہ اس عورت کو دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق اس مورتی پر قربان کر دیا جائے۔ وقت ہو گیا ہے اور ہماری مقدس مورتی اس عورت کا خون پینے کے لئے بے تاب ہو رہی ہے"

راجہ نے اپنی رانی کی طرف دیکھا۔ رانی نے سر کو ہلاک

اشارہ کیا۔ راجہ نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

"اجازت ہے ــــ دیو داسی کی اجازت بھی لی جائے"۔

اب رتنا کر برا سا منہ بنا کر دیو داسی کی طرف آیا اور جھک کر بولا۔

"اے مقدس دیو داسی! اجازت دو کہ اس عورت کو تمہاری رضا کے مطابق مورتی پر قربان کیا جائے"۔

ممتائیں نے آہستہ سے کہا۔

"اجازت ہے"۔

دیو داسی کی اجازت کے ساتھ ہی زور زور سے ڈھول بجنے لگے اور پجاری اونچی آواز میں بھجن گانے لگے۔ رتنا کر نے ایک پجاری کو ساتھ لیا اور عورت کو گھسیٹتے ہوئے مورتی کے پیچھے لے گیا۔ یہاں وہ دونوں مکار پجاری دروازے میں سے داخل ہو کر اندر چلے گئے اندر جاتے ہی رتنا کر نے عورت کو کوٹھڑی میں لے جا کر زنجیروں سے باندھ دیا اور کہا۔

ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔ لیکن خبردار آواز مت نکالنا"۔

وہ عورت تو ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔ بے چاری بڑی خوش ہوئی کہ اس کی جان بخشی ہو گئی ہے۔ مگر اسے کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم تھا کہ یہ سنگدل لوگ اسے غلام بنا کر دوسرے ملک میں فروخت کر دیں گے۔ جہاں وہ ساری زندگی سسک سسک کر مرتی رہے گی۔ اسے کوٹھڑی میں بند کر کے دونوں پجاریوں نے اس کے سامنے ایک بکری کو ذبح کیا۔ اس کے خون سے چاندی کا پیالہ بھرا۔ اس کے سینے سے دل نکال کر پیالے میں ڈالا اور منتر پڑھتے باہر آ گئے۔

دوسرے لوگوں اور پجاریوں نے دیکھا کہ پیالے میں عورت کا خون اور دل پڑا ہے تو انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔ کیونکہ ان کے خیال میں مقدس مورتی نے ان کی قربانی قبول کر لی تھی۔ رتنا کر خون سے بھرا ہوا پیالہ لے کر راجہ کے سامنے آیا اور بولا۔

"اے مقدس راجہ! مقدس دیوداسی کی مرضی کے مطابق مورتی نے ہماری قربانی قبول کر لی ہے۔ اس خون سے تلک لگا کر ہمیشہ کے لئے امر ہو جائیں۔"

راجہ نے خون کے پیالے میں انگلی ڈبوئی اور ابھی وہ ماتھے پر تلک لگانے ہی والا تھا کہ اچانک مورتی میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی پہلے کی طرح مورتی کا لمبا ہاتھ اپنی جگہ سے ہلا اور اس نے آگے بڑھ کر راجہ کے ہاتھ سے پیالہ لے کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے راجہ! تُو احمق بن گیا ہے۔ تجھے اپنی رعایا کا کوئی
ل نہیں رہا۔ یہ پجاری ایک عرصہ سے تجھے بے وقوف
ہا ہے"

مورتی کا ہاتھ آگے بڑھتا دیکھ کر اور اسے بولتا
ں کر سارے لوگ ششدر ہو کر سجدے میں گر پڑے۔
جہ تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اے مقدس مورتی! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو معاف
ردے۔ میں تیرا ادنیٰ خادم ہوں۔"

مورتی نے کہا۔

"سن اے راجہ! یہ مکار پجاری رتناکر ایک عرصہ
سے مجھ سے دھوکہ کر رہا ہے۔ یہ جس عورت کو قربانی
ے لئے میرے اندر لے جاتا ہے۔ یہ اس کو کوٹھڑی میں
بند کر کے ایک بکری کو مار کر اس کے خون میں دل
ڈبو کر لے آتا ہے۔ اس کے بعد یہ اس عورت کو
دوسرے ملک میں غلام بنا کر بیچ دیتا ہے اور دولت
کماتا ہے۔ اس مکار پجاری اور اس کے ساتھی کو ابھی
گرفتار کر لو اور اپنے وزیر کو میری کوٹھڑی میں بھیج کر
اس عورت کو وہاں سے نکالو جس کو یہ پجاری ذبح
کرنے لے گیا تھا۔ یہ خون بکری کا ہے اور یہ دل بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بکری کا ہے اس بکری کی لاش بھی اندر ہی پڑی ہے۔"

راجہ کے ہاتھوں کے تو طوطے اڑ گئے۔ پجاری رتناکر پر جیسے بجلی گر پڑی تھی۔ راجہ نے اسی وقت حکم دیا کہ مکار پجاری کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے پھر اس نے اپنے وزیروں کو مورتی کے اندر بھیجا۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ جس عورت کو قربان کرنا تھا۔ وہ اسی طرح ایک طرف بیٹھی ہے اور فرش پر بکری کی لاش خون میں لت پت پڑی ہے۔

وزیر عورت کو لے کر باہر آ گئے۔ انہوں نے راجہ کو بتایا۔

"اے راجہ! مقدس مورتی کی آواز درست ہے۔ مکار پجاری نے اس عورت کی بجائے ایک بکری کو ذبح کر دیا ہے اور یہ خون اور اس کے اندر ڈوبا ہوا دل بکری کا ہے۔"

راجہ ایک دم سجدے میں گر پڑا۔

"اے مقدس مورتی! تیری جے ہو۔ مجھ سے قصور ہو گیا ہے میں معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا میں اس عورت کو تیرے قدموں میں اپنے ہاتھ سے قربان کرتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مورتی نے گرج کر کہا۔

"ہرگز نہیں! میں انسان کی قربانی سے تنگ آگئی ہوں آج سے میرے قدموں میں انسان کی قربانی ہرگز نہیں ہوگی آج سے انسانی قربانی ہمیشہ کے لئے بند کی جاتی ہے اس کی جگہ ہر سال ایک بکری کو قربان کیا جائے گا۔ اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو میں اس شہر کو برباد کردوں گی۔"

راجہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے مقدس مورتی! تیرے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ اس ملک میں آج سے کسی انسان کی قربانی نہیں ہوگی صرف بکری کی قربانی ہوگی۔

مورتی نے اپنا ہاتھ اندر کھینچ لیا اور وہ ایک بار پھر پتھر کی مورتی بن گئی۔ عنبر اور متائیں بڑے خوش ہوئے کہ دیوی بلیٹیں نے آکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے بچا لیا ہے۔ راجہ نے عنبر سے کہا کہ جیسا مورتی نے کہا ہے ملک میں ویسا ہی ہوگا اور ہوگا۔ بیچاری رنتا کو برف کے پہاڑ میں دفن کردیا جائے گا۔ راجہ نے مقدس دیو داسی کو جھک کر سلام کیا۔ اس کے پاؤں چھوئے اور واپس چلا گیا دیو داسی نے خوشی کی نظروں سے عنبر کو دیکھا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت کی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ا عورت کو اسی وقت اس کے اندھے باپ کے حو کر دیا گیا۔ جس نے اپنی بچی کو سینے سے لگا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگن رانی

تبت میں رہتے ہوئے عنبر کو تیسرا مہینہ جا رہا تھا کہ راجہ بیمار ہو گیا۔

راجہ کی بیماری کی خبر رانی نے اسے آکر دی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ایک تختی پر کچھ لکھ رہا تھا کہ رانی کی سواری آگئی۔ عنبر رانی کو لینے خود باہر گیا۔ وہ حیران ہوا کہ رانی اچانک کیسے وہاں آگئی۔ رانی نے اسے بتایا کہ راجہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اسے چل کر دیکھو۔ عنبر وہاں کا شاہی طبیب بھی تھا۔ اور پھر رانی کو معلوم تھا کہ عنبر نے ایک بار راجہ کی جان بچائی تھی۔ عنبر اسی وقت رانی کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ محل میں راجہ بستر پہ خاموش پڑا تھا اس کی بیماری صرف اتنی تھی کہ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اور بدن میں بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ عنبر نے راجہ کا معائنہ کیا اور اسے اپنے ہاتھوں سے چاندی کے کٹورے میں ایک بوٹی کا عرق ڈال کر پلایا۔ راجہ نے عرق پی لیا تو اس کی طبیعت ذرا بحال ہو گئی۔ عنبر شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک راجہ کے پاس بیٹھا رہا۔

شام کو وہ واپس اپنے مکان پر آگیا۔ اگلے روز شام تک راجہ کی طبیعت ٹھیک رہی۔ رات کو اس کی حالت پھر خراب ہوگئی۔ اب اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نمودار ہو گئے تھے۔ عنبر راجہ کی حالت دیکھ کر بڑا پریشان ہوا کہ آخر یہ اسے کون سی بیماری لگ گئی تھی۔ مہارانی کو الگ پریشانی تھی۔ اس نے راجہ کی بیماری کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ وہ عنبر سے بار بار التجا کرتی کہ اس کے راجہ کو صحت مند کیا جائے۔ عنبر کی سمجھ میں راجہ کی بیماری بالکل نہ آرہی تھی۔ وہ طاقت کی دوائی راجہ کو دیتا۔ ذرا دو چار روز کے لئے اس کی طبیعت سنبھلتی اور پھر خراب ہو جاتی۔ راجہ نے دربار کی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں۔ سوائے عنبر اور مہارانی کے اور کوئی ملنے نہ آتا تھا۔

عنبر راجہ کی بیماری پر جتنا غور کرتا اتنا ہی وہ اس میں الجھ جاتا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ رانی سے کچھ پوچھ گچھ کی جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ خاص طور پہ ایک روز رانی کے محل میں گیا اور اس نے مہارانی سے بات شروع کی۔ کافی دیر کی گفتگو کے بعد بھی عنبر راجہ کی بیماری کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی وجہ معلوم نہ کر سکا۔ اس دوران میں وقت گزرتا گیا اور راجہ کی بیماری زور پکڑتی گئی۔ اب اس کا رنگ نیلا پڑنے لگا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے خون میں زہر شامل ہو رہا ہے۔ جو آہستہ آہستہ اسے ہلاک کر رہا ہے۔ عنبر نے اپنی ساری حکمت کی کتابیں پھر سے پڑھ ڈالیں۔ مگر اسے بیماری کا کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

ایک بات اس عرصے میں اس نے محسوس کی تھی کہ راجہ کی ایک ملکہ جس کے ساتھ اس نے ایک سال ہوا شادی کی تھی۔ دیکھتے ہوئے آنکھ نہیں جھپکتی تھی۔ عنبر کو اتنا معلوم تھا کہ یہ خصوصیت صرف سانپ میں پائی جاتی ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے کبھی آنکھ نہیں جھپکتا تو کیا راجہ کی نئی ملکہ ناگن ہے؟

یہاں یہ بات بیان کر دینی ضروری ہے کہ ایک سانپ کی عمر اگر دو سو برس سے زیادہ ہو جائے تو اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آدمی یا عورت کے روپ میں سامنے آ کر زندہ رہ سکتا ہے۔ وہ جتنی دیر چاہے عورت یا آدمی بن کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ عنبر کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر کوئی سانپ مرد بن کر یا عورت بن کر کسی سے شادی کر لے تو وہ عورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا مرد زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اس کے جسم میں سانپ کا زہر شامل ہونا شروع ہو جاتا ہے جو آہستہ آہستہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

اس ملکہ کے بارے میں عنبر نے رانی سے پوچھا۔

"یہ ملکہ جس سے راجہ نے بیاہ کیا کہاں کی رہنے والی ہے؟"

رانی نے کہا۔

"دیوتا ہی جانے یہ کہاں کی رہنے والی ہے۔ راجہ ایک بار شکار کھیلنے جنگل میں گیا تھا کہ اس کو اپنے ساتھ لے آیا اور پھر اُس سے شادی کر لی۔"

"کیا یہ ملکہ کبھی اپنے ماں باپ کے گھر نہیں گئی؟"

"اس کا کوئی ماں باپ ہو تو جائے۔ وہ تو اس دنیا میں اکیلی ہے۔ بس جب سے آئی ہے محل میں ہی پڑی ہے۔"

"غور کر کے بتاؤ رانی صاحبہ! کیا یہ ملکہ کبھی بھی محل سے باہر نہیں گئی؟"

مہارانی خاموش ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ پھر بولی۔

"ہاں اتنا یاد ہے کہ کبھی کبھی جنگل کی سیر کو اکیلی ضرور جایا کرتی ہے۔ راجہ نے کئی بار اس کے ساتھ جانے کی خواہش کی۔ مگر اس نے ہمیشہ راجہ کو ٹال دیا اور اکیلی ہی جنگل کی سیر کو گئی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا وہ غور کر رہا تھا کہ ملکہ جنگل میں تنہا کیا کرنے جاتی ہے؟ اگر وہ ناگن ہے تو ضرور اپنے کسی ساتھی سانپ سے ملنے جاتی ہوگی۔ عنبر نے ملکہ کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے مہارانی کو تو کچھ نہ بتایا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جس روز ملکہ کو جنگل کی سیر کو جانا تھا۔ عنبر نے راجہ سے بھی کوئی بات نہ کی۔ ویسے ملکہ راجہ کی بڑی تیمارداری کرتی تھی۔ وہ ہر وقت راجہ کے سر پہ منڈلاتی رہتی۔ کبھی اس کا سر دبا رہی ہے۔ کبھی اسے دوائی پلا رہی ہے۔ کبھی اسے اپنے ہاتھ سے پھل کھلا رہی ہے۔

راجہ بھی اس ملکہ سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ اپنی پرانی بیوی مہارانی کو اتنا اچھا نہیں سمجھتا تھا جتنا اچھا وہ اپنی نئی اور نوجوان ملکہ کو سمجھتا تھا۔ رانی اگر کسی وقت ادھر ادھر ہو جاتی تو وہ اتنا خیال نہ کرتا لیکن اگر ملکہ کہیں ایک پل کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی تو راجہ فوراً خادمہ بھیج کر اسے بلاتا۔ یہ ملکہ دبلی پتلی سانولے رنگ کی تھی اس کی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سرخی تھی اور وہ پلکیں بالکل نہیں جھپکتی تھی۔ عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ راجہ کی بیماری کا کھوج لگا کر رہے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک روز ملکہ نے سیاہ لبادہ اوڑھا اور گھوڑے پر بیٹھ کر محل کے پیچھے والے جنگل کی طرف سیر کو نکل گئی عنبر اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بھی تھوڑی دیر بعد گھوڑے پر سوار ہوا اور ملکہ سے تھوڑے فاصلے پر اس کے پیچھے چل پڑا۔

ملکہ محل سے نکل کر جنگل کو جانے والے راستے پر ہو گئی یہ راستہ ایک اونچی اونچی خاردار جھاڑیوں اور چھتری نما درختوں والے گھنے جنگل کی طرف جاتا تھا۔ جنگل کے اندر سائے بڑے گہرے تھے اور ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ملکہ چلتی چلی گئی۔ آخر سامنے ایک چٹان آ گئی جس پر ہری ہری بیلوں نے چادر سی بچھا رکھی تھی۔ ملکہ یہاں پہنچ کر گھوڑے سے اتر گئی۔ اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور چٹان کے عقب میں گھوم گئی۔ عنبر نے بھی جلدی سے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور ملکہ کا تعاقب شروع کر دیا۔

چٹان کی اوٹ سے نکل کر سامنے ایک کھوہ سی تھی جس کے باہر زیتون کا درخت اگا ہوا تھا۔ ملکہ اس کھوہ کے باہر پتھروں پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ عنبر بھی اس کا تعاقب کرتا وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ وہ چپکے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک درخت کے پیچھے چھپ کر یہ دیکھنے لگا کہ ملکہ کیا کرتی ہے۔ ملکہ خاموشی سے پتھر پر بیٹھی تھی۔ پھر اس نے ہوا میں اپنا سانس چھوڑا۔ سانس کی بو سارے جنگل میں پھیل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک طرف سے سیاہ رنگ کا ایک لمبا ناگ نمودار ہوا۔ وہ ایک موٹی تازی بکری کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بکری ملکہ کے پاس آکر رک گئی۔ سانپ آہستہ سے بکری کے اوپر سے اتر کر نیچے آگیا اور اس نے پھنکاریں مارتے ہوئے ملکہ کے ارد گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ سات چکر پورے کرنے کے بعد سانپ بکری کے پاس کنڈل مار کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا پھن پھیلا لیا۔

اب ملکہ نے لمبے لمبے سانس بھرنے شروع کر دیئے پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر آسمان کی طرف اٹھائے اور پلک جھپکنے کے اندر سیاہ رنگ کی ناگن بن گئی۔ ناگن بنتے ہی اس نے زور سے پھنکار ماری اور اپنے ناگ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ بکری اس وقت تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دونوں ناگ ناگن اب بکری کی پچھلی ٹانگوں کے ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے بکری کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ جتنی دیر تک وہ دودھ پیتے رہے بکری پر لرزہ طاری رہا۔ جب سانپوں کا جوڑا جی بھر کر دودھ پی چکا تو وہ

بکری کی ٹانگوں سے اتر کر زمین پر آ گیا اور ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے لگے۔ کافی دیر وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے رہے۔ جب وہ کھیل کود سے تھک گئے تو ناگ اسی طرح بکری پر سوار ہوا اور بکری اسے لے کر جنگل میں ایک طرف کو چل دی۔

ناگ کے جاتے ہی ناگن پتھر پر آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی وہ پتھر سے ملکہ بن گئی۔ اس کے بعد وہاں سے اٹھی اور واپس آ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر یہ سارا کھیل دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا۔ اس کا یقین نہیں آ تھا۔ تو کیا واقعی ملکہ ناگن ہے؟ اب تو اُس نے اسے اپنی آنکھوں سے ناگن کا روپ بدلتے دیکھ لیا تھا۔ اب ا اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ راجہ کی بیماری کی وجہ اصل میں ناگن رانی ہے۔ جو آہستہ آہستہ راجہ کے خون میں اپنا زہ پھیلا رہی ہے اور اگر راجہ کا علاج نہ کیا گیا تو وہ موت آغوش میں پہنچ جائے گا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن راجہ کو کیسے یقین آئے کہ ناگن ہے۔ عنبر نے سوچا کہ راجہ کو یہ سارا کھیل اپنی آنکھ سے دکھایا جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سوچ کر وہ واپس محل میں آگیا۔ اس نے دوسرے روز راجہ سے کہا۔

"مہاراج میں آپ کی بیماری کے بارے میں تنہائی میں آپ سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ کمرے میں سوائے میرے اور آپ کے تیسرا کوئی نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اس کا بندوبست کر دیتا ہوں۔"

راجہ نے ہاتھ کے اشارے سے ساری کنیزوں اور نوکروں کو کمرے سے باہر نکال دیا۔ اتفاق سے ٹھیک اس وقت ناگن ملکہ ہاتھ میں دودھ کا کٹورا لئے اندر داخل ہوئی۔

"مہاراج! آپ کے لئے دودھ لائی ہوں۔"

راجہ بڑا خوش ہوا کہ اس کی ملکہ اس کا کتنا خیال رکھتی ہے اور اس کی کس قدر خدمت کر رہی ہے۔ اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ اصل میں وہی ملکہ اس کی بیماری کی جڑ ہے۔ اور وہ ناگن بن کر اسے ہلاک کر رہی ہے۔ راجہ جب دودھ پی چکا تو اس نے ملکہ سے کہا۔

"ملکہ! ہم تنہائی میں حکیم عنبر سے کچھ باتیں کرنی چاہتے ہیں۔"

ملکہ نے کہا۔

"مہاراج! میں آپ کی بیگم ہوں۔ رانیوں میں سے ایک

وفادار اور خدمت گذار رانی ہوں۔ کیا میں آپ کے پاس نہیں ٹھہر سکتی ؟"

مہاراج نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"نیک دل اور بے حد وفادار ملکہ ! ہمیں معاف کر دینا تمہاری وفاداری پہ تو ہمیں کبھی شک نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے شاہی حکیم صاحب کی خواہش ہے کہ جب وہ ہماری بیماری کے بارے میں ہم سے بات کرے تو کمرے میں سوائے ہم دونوں کے اور کوئی نہ ہو۔"

ناگن ملکہ نے بڑے غصے کے ساتھ حکیم عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے صاف محسوس کیا کہ وہ ایک خونخوار ناگن کے روپ میں اسے دیکھ رہی ہے اور اس کا بس چلے تو اسے ڈس کر اسی وقت ہلاک کر دینا چاہتی ہے۔ مگر وہ بے بس تھی۔ پھر اس نے مسکرا کر کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی مہاراج۔"

اور اتنا کہہ کر چپکے سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی عنبر نے راجہ سے پوچھا۔

"مہاراج ! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں جو کچھ آپ سے پوچھوں آپ بالکل سچ سچ اور پوری تفصیل کے ساتھ مجھے بتائیے گا۔ اس لئے کہ یہ آپ کی زندگی اور موت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوال ہے اور میں ہر قیمت پر آپ کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ مجھ سے جو بات بھی پوچھیں گے میں صاف صاف بتاؤں گا عنبر۔"

"پہلی بات تو یہ بتائیے کہ یہ ملکہ آپ کو کہاں سے ملی تھی؟"

پہلے تو راجہ نے حیرانی سے عنبر کو دیکھا کہ یہ اس نے کیسا گستاخی کا سوال پوچھ لیا ہے۔ پھر جب اسے خیال آیا کہ عنبر اس کا خیر خواہ ہے اور یہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے تو اُس نے کہا۔

"قصہ یوں ہوا کہ ایک روز میں شکار کے لئے اکیلا جنگل میں گیا۔ دو روز تک شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا مگر کہیں شکار نہ ملا۔ تھک ہار کر ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ مجھے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں بڑا حیران ہوا کہ اس سنسان جنگل میں یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے خیر۔ میں رونے کی آواز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔ ایک جگہ تالاب کے کنارے جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک انتہائی خوبصورت عورت شہزادیوں کے لباس میں بیٹھی اپنے بال کھولے رو رہی ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے قریب جا کر پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے؟ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ملک چین کے ایک گورنر کی بیٹی ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں سے گذر رہی تھی۔ کہ ایک شیر اچانک آیا اور اس کے باپ کو اٹھا کر لے گیا۔ اب وہ اس دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ وہ کہاں جائے؟ کیا کرے؟ اور اس عورت نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اسے تسلی دی اور ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ محل میں لے آیا۔ یہاں لا کر میں نے اس سے شادی کر لی اور اب وہ میری ملکہ ہے۔“

عنبر نے ساری کہانی سنی تو کہا۔

”کیا ملکہ نے کبھی آپ سے جنگل میں جانے کو کہا ہے

”بالکل نہیں۔ بلکہ وہ تو اکثر جنگل میں اکیلی جایا کرتی ہے“

”کیا آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ملکہ ہمیشہ جنگل میں اکیلی کیوں جاتی ہے“؟

”اس کی مرضی ہے۔ میں نے اس پر پابندی لگانا کبھی گوارا نہیں کیا۔“

”اچھا تو پھر اب جس روز ملکہ جنگل میں اکیلی جائے تو آپ میرے ساتھ چلیں گے۔“

”وہ کس لیے؟“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں آپ کو ایک ایسا نظارہ دکھاؤں گا جسے دیکھ کر آپ حیران بھی ہوں گے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی بیماری کی اصل وجہ کیا ہے۔"

ادھر عنبر راجہ سے باتیں کر رہا تھا اور ادھر دروازے کے ساتھ لگی ناگن ملکہ ان کی ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ شاہی حکیم عنبر پہ اس کا ناگن ہونے کا راز کھل گیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں۔ پہلی صورت یہ تھی ملکہ جنگل میں ناگ سے ملاقات کرنی بند کر دے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عنبر کو ڈس کر ہلاک کر دیا جائے۔ چونکہ ملکہ جنگل میں ناگ سے ملنا بند نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیئے اس نے فیصلہ کیا کہ عنبر کو کاٹ کر مار ڈالے

ملکہ کے جنگل میں جا کر ناگ سے ملنے اور بکری کا دودھ پینے میں ابھی چند روز باقی تھے۔ جنگل کا ناگ اس کا بھائی تھا۔ رسم کے مطابق ضروری تھا کہ وہ ہفتے میں ایک بار ناگ بھائی سے ملاقات کرے۔ ناگن ملکہ نے عنبر کو آدھی رات کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ادھر عنبر نے راجہ سے کہا کہ وہ چھ روز تک انتظار کرے ساتویں روز وہ اسے لے کر جنگل میں جائے گا اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تماشہ دکھائے گا جسے دیکھ کر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بیماری کی جڑ کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔

عنبر کا روز کا معمول تھا کہ وہ دن بھر کے کام کاج کے بعد رات کو دس بجے ضرور سو جاتا تھا۔ اس نے ناگن ملکہ کی بات تھائیں کو بھی جا کر بتا دی تھی۔ تھائیں بڑی حیران ہوئی۔ اس نے کہا کہ اسے ناگن ملکہ سے بچ کر رہنا چاہئے۔

عنبر نے کہا۔

"وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یوں لگتا ہے کہ اس کی موت کے دن قریب آ گئے ہیں اس نے بہت روز عیش کر لئے۔ اور ایک ایسے راجہ کو مار ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے جس نے ترس کھا کر اسے اپنے شاہی محل میں جگہ دی۔ ناگن ملکہ احسان فراموش ہے۔ اگر اسے سزا نہ دی گئی تو وہ راجہ کو اپنے زہر سے ہلاک کر دے گی"۔

تھائیں نے کہا۔

"مگر پھر بھی عنبر بھائی تمہیں ہوشیار رہنا چاہئے ناگن ملکہ بڑی مکار معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسے کسی طرح یہ بھنک بھی پڑ گئی کہ تم لوگ اس کے پیچھے لگے ہو تو وہ راجہ کو مار ڈالے گی"۔

"اس راز سے سوائے تمہارے اور کوئی واقف نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر بھی دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں!"

"میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ ساتویں روز ناگن ملکہ کا بھانڈا پھوڑ دیا جائے گا!"

اسی رات کا ذکر ہے کہ عنبر دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر رات کو اپنے محل کی چھت پر لیٹا آرام کر رہا تھا کہ ناگن ملکہ سیاہ کالے ناگ کے روپ میں وہاں آ گئی۔ عنبر کام کاج سے بہت تھکا ہوا تھا وہ مسہری پہ لیٹا اونگھتے اونگھتے سو گیا۔ اس کا سونا تھا کہ ناگن ملکہ سانپ بن کر رینگتی ہوئی عنبر کی مسہری کے پاس آگئی۔ اس نے اچانک اپنا کالا پھن پھیلا لیا اور فرش سے چار فٹ اونچی ہو کر لہراتے اور پھنکارنے لگی۔ اس کی پھنکار سے عنبر کی آنکھ بالکل نہ کھل سکی۔ وہ گہری نیند سویا رہا۔ ناگن اپنا خوفناک پھن پھیلائے لہراتی رہی۔ پھر وہ ایک دم آگے کو جھکی اور اس نے عنبر کی گردن پہ جھپٹا مار کر کاٹ دیا۔ عنبر کی آنکھ کھل گئی اس نے سانپ کو دیکھ کر پہچان لیا اور سمجھ گیا کہ ناگن ملکہ اس سے انتقام لینے آئی ہے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ اس نے ناگن کو اپنا کام کرنے کی کھلی چھٹی دے دی۔

ناگن نے دوسری بار پھر جھپٹ کر عنبر کی گردن پر کاٹ کھایا۔ ناگن ملکہ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ اس کا کاٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانی نہیں مانگتا تھا۔ جس کو وہ ایک بار کاٹ دیتی تھی اس کا بدن دیکھتے دیکھتے گل سڑ کر ختم ہو جاتا تھا اور سارا خون سیاہ ہو کر جم جاتا تھا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ عنبر پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی طرح لیٹا سانس لے رہا تھا۔ ناگن نے جھنجھلا کر تین چار مرتبہ عنبر کو ڈسا مگر عنبر بڑے سکون سے سویا رہا۔ اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا ناگن نے سات مرتبہ ڈسا۔ اس کا سارا زہر ختم ہو گیا۔ مگر عنبر کی میٹھی نیند میں معمولی سا بھی فرق نہ آیا۔ وہ پریشان ہو کر وہاں سے بھاگ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر آخر کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ جس زہر سے جنگل کے سارے ہاتھی ہلاک ہو سکتے تھے اس نے عنبر کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکڑے کا جال

ناگن ملکہ اسے ڈس کر چلی گئی تو عنبر مسکرا دیا۔

اگلے روز ملکہ نے عنبر کو دربار میں دیکھا تو اسے اور بھی حیرانی ہوئی۔ کم بخت اس پہ اس کے قاتل زہر کا اتنا اثر بھی نہیں ہوا تھا کہ کم از کم دو ایک روز اسے بخار ہی چڑھ جاتا۔ وہ تو بے حد چاق و چوبند راجہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ عنبر نے اتنی احتیاط ضرور کی کہ صبح اٹھ کر ایک خاص بوٹی کا عرق پی لیا اور راجہ سے رات والے واقعے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ تھائیں کو البتہ اس نے بتا دیا کہ رات ملکہ ناگن کے روپ میں آئی تھی اور اسے سات مرتبہ ڈس کر اپنا سارا زہر اس پر ختم کر کے چل دی تھی۔ تھائیں نے حیرانی سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے ضرور بدلہ لے گی۔"

"مجھ سے کیا بدلہ لے گی تھائیں! اس کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی خیر منائے۔"

ادھر مکار پجاری رتناکر کو پندرھویں روز ہاتھی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاؤں تلے دبا کر مروانا تھا۔ اس کی موت میں چودہ روز باقی رہ گئے تھے۔ وہ جیل کی کوٹھڑی میں اکیلا پڑا رہتا تھا۔ کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف ایک آدمی اس کے پاس صبح شام کھانا لے کر جاتا تھا۔ مگر مکار پجاری کا دماغ یوں ہی بے کار نہیں پڑا تھا۔ وہ برابر وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اس نے کھانا لے کر آنے والے پر اپنا اثر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ مکار پجاری کو اتنا جادو ضرور آتا تھا کہ وہ اس معمولی سپاہی کو متاثر کر سکے ایک روز سپاہی حسب عادت پجاری کا کھانا لے کر آیا تو اس نے کہا۔

"تمہاری زندگی بھی کیا ہے۔ صبح سے لے کر رات گئے تک راجہ کی فوج کی خدمت کرتے ہو اور اس کے صلے میں سوائے اس کے اور کیا ملتا ہے کہ کسی جنگ میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارے بال بچوں کو پوچھے گا بھی نہیں۔ مجھے تو تمہاری زندگی پر ترس آتا ہے تمہاری زندگی تو مجھ سے بھی بدتر ہے۔ میں تو بارہ روز بعد مرجاؤں گا۔ مگر تم ساری زندگی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہو گے۔"

سپاہی نے آہ بھر کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر ہم غریب سپاہی اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح تبت کے راجاؤں کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم بھی اسی طرح خدمت کر کے مر جائیں گے!"

"مگر کیا تم جانور ہو؟ کیا تم تبت کی بھیڑیں ہو؟ تم تو انسان ہو۔ ایک بہادر سپاہی ہو۔ اگر تم نہ ہو تو راجہ کبھی حکومت نہیں چلا سکتا۔ راجہ تمہاری طاقت کی وجہ سے حکومت کر رہا ہے۔ تمہیں اپنی قدر پہچاننی چاہیئے۔"

سپاہی بولا۔

"ہم اپنی قدر پہچان کر بھی کیا کر لیں گے۔ بس کولہو کے بیل کی طرح چکر میں گھوم رہے ہیں۔ ساری زندگی اسی طرح گھومتے رہیں گے۔"

پجاری نے دیکھا کہ اس نے سپاہی پر اثر ڈال دیا ہے تو کہنے لگا۔

"نہیں بھائی! راجہ کو کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے وہ بھی ہم تم ایسا ایک عام آدمی ہے۔ اگر وہ راجہ بن سکتا ہے تو تم بھی راجہ بن سکتے ہو۔ میں بھی راجہ بن سکتا ہوں۔ اور کچھ نہیں تو تم میرے وزیر ضرور بن سکتے ہو۔"

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم قید میں ہو۔ بارہ روز بعد تم کو مار ڈالا جائے گا۔ پھر تم راجہ کیسے بن سکتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکار پجاری نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو میں یوں ہی قید میں پڑا ہوں محض اپنے وزیر کی تلاش میں۔ مجھے وزیر مل گیا ہے آج سے میرے وزیر تم ہو۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ راجہ بن کر تمہیں اپنے دربار کا وزیر بناؤں گا۔"

اس کے ساتھ ہی پجاری نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اوپر اٹھایا تو اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکل کر چھت کی طرف جا کر غائب ہو گیا۔ یہ اس کا جادو تھا۔ سپاہی بے چارہ ڈر کر پرے ہٹ گیا۔

پجاری نے کہا۔

"ڈرو نہیں۔ یہ دیوتاؤں کی طرف سے اشارہ ہے کہ انہوں نے مجھ کو تبت کا نیا راجہ تسلیم کر لیا ہے۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم رات کو میری کوٹھڑی کا دروازہ کھلا رکھو۔ کیونکہ تم میرے وزیر ہو اور وزیر کو راجہ کا ہر حکم ماننا پڑتا ہے۔"

"جو حکم مہاراج!"

بے چارہ پہرے دار آگ دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اس کے دل کو یقین آ گیا تھا کہ پجاری ہی اصل میں وہ راجہ ہے جسے دیوتاؤں نے اس کے ملک پر مقرر کیا ہے۔ ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی ساتھ وہ اپنے وزیر ہونے پر بھی بہت خوش تھا۔ چنانچہ رات کو اس نے پجاری کی کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند نہ کیا۔ مکار پجاری اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ کوٹھڑی سے نکل کر باہر آگیا۔ جیل خانے کے صحن میں سارے سپاہی سو رہے تھے۔ اُس نے ایک سپاہی کی تلوار لے کر کمر کے ساتھ باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا اس استھان کی طرف آگیا جہاں ٹھائیں یعنی دیوداسی رہتی تھی۔ پجاری تبت شہر سے بھاگنے سے پہلے ٹھائیں سے اپنی ذلت کا بدلہ ضرور لینا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ وہ نقلی دیوداسی ہے اور یہ اس کی وجہ سے ہی اسے موت کی سزا بھی ملی تھی اور اس سے اس کا بڑے پجاری کا عہدہ بھی چھین لیا گیا تھا۔ دیوداسی کے استھان کے باہر اندھیرا تھا۔ پجاری گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑا اس کے مکان سے ذرا دور ایک جگہ ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ خود دبے پاؤں دیوار کے سائے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے ٹھائیں کے مکان کی پچھلی دیوار پھاندی اور صحن کے اندر کود گیا۔ یہاں بھی چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ مگر پجاری کو ایک ایک راستے کا علم تھا۔ وہ چوروں کی طرح چلتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے بڑھنے لگا۔ ایک جگہ سیڑھیاں اوپر کو چلی گئی تھیں۔ وہ سیڑھیوں پر سے ہوکر اوپر والے برج میں آ گیا۔ یہاں سے لکڑی کا ایک زینہ اس درے میں جاتا تھا۔ جہاں دیوداسی کے کمرے کا دروازہ تھا۔ مگر پجاری دروازے میں سے اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ روشندان میں سے اندر کودنا چاہتا تھا۔

وہ لکڑی کے زینے پر سے ہوکر اس دیوار کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا جس کے اوپر روشندان تھا۔ پجاری نے رسّہ پھینک کر روشندان کے کُنڈے میں پھنسا دیا۔ اس نے رسّے کو کھینچ کر دیکھا کہ مضبوطی سے اڑ گیا ہے؟ رسّہ بڑی مضبوطی کے ساتھ کنڈے میں پھنس گیا تھا۔ اب مکار پجاری نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ روشندان میں بیٹھ کر اس نے نیچے دیکھا۔ مقائیں بڑے سکون کے ساتھ مسہری پر سو رہی تھی۔ اس کے سرہانے موم بتی جل رہی تھی۔ خوابگاہ میں اور کوئی نہیں تھا۔

مکار پجاری نے رسہ اندر کی طرف لٹکا دیا اور دیوار کا سہارا لیتے ہوئے بڑے ہی آرام کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ مقائیں ایسی گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے ذرا سا احساس بھی نہ ہوا کہ قاتل اس کے پاس آن کھڑا ہوا ہے۔ پجاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے تھائیں کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ابھی اسے مورتی مندر میں جاکر مورتی کی آنکھوں سے دو سرخ لعل بھی چوری کرنے تھے۔ وہ یہ لعل ساتھ لے کر ملک چین کی طرف فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ یہ اتنے قیمتی لعل تھے کہ پجاری ساری زندگی ایک عالی شان محل میں بادشاہوں کی طرح بسر کر سکتا تھا۔

پجاری نے آہستہ سے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا اور اسے نیام سے باہر کھینچ لیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ تھائیں کی زندگی کا آخری وقت آگیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے خبر ہی نہیں ہو رہی تھی کہ قاتل تلوار نکالے اس کے سرہانے کھڑا تھا۔ تھائیں نے خواب میں گہرا سانس بھر کر سر کو دوسری طرف ہلایا۔ پجاری سمٹ کر پردے کے پیچھے ہو گیا۔ تھائیں پہلو بدل کر پھر گہری نیند میں کھو گئی۔

اب اس کا وقت آگیا تھا۔ موت نے اس کی زندگی کے دن پورے کر دیئے تھے۔ پجاری نے تیز تلوار اٹھا کر تھائیں کی گردن کے اوپر رکھی اور پھر اس زور سے جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ اس کا سارا بستر خون سے بھر گیا۔ اس بے چاری نے آواز تک نہ نکالی اور مر گئی۔ پجاری جلدی سے روشندان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سے ہوکر باہر کود گیا۔ اس نے دیو داسی سے اپنا انتقام
لے لیا تھا۔

اب صرف لعل کی چوری باقی تھی۔ وہ گھوڑے پر
سوار ہوکر تیز رفتاری کے ساتھ مورتی مندر میں آگیا۔
گھوڑے کو دور ایک درخت کے ساتھ باندھ کر وہ
مندر میں داخل ہوگیا۔ اس کے لئے مندر کا چپہ چپہ جانا پہچا
تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھ
اسے معلوم تھا کہ مورتی کی آنکھوں میں کدھر سے راست
جاتا ہے۔ دونوں سرخ لعل مورتی کی آنکھوں میں لگے
تھے۔ مورتی کے اندر داخل ہوکر وہ سیڑھیوں پر چڑھن
لگا جو مورتی کے بازوؤں کے اندر سے ہوتی ہوئی اس
کی گردن اور پھر آنکھوں کے پیچھے تک چلی گئی تھیں۔

سیڑھیوں میں گھپ اندھیرا تھا۔ پجاری نے مشعل
روشن کر کے ہاتھ میں پکڑ لی۔ مشعل کی روشنی میں وہ
سیڑھیاں چڑھنے لگا راستے میں جگہ جگہ مکڑیوں نے
جالے بن رکھے تھے۔ مگر یہ نازک جالے تھے
جنہیں پجاری اپنی تلوار سے کاٹتا چلا گیا۔ جب وہ سب
سے اوپر مورتی کی آنکھوں کے پاس پہنچا تو اسے سرخ
لعل چمکتے نظر آئے۔ مکار پجاری کی آنکھوں میں دولت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ہوس کی چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے سب سے آخری زینے پہ پاؤں رکھ کر ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور لپک کر مورتی کی آنکھوں کے کناروں کو پکڑ کر اس پہ چڑھ گیا۔ اس نے باہر کی طرف جھانک کر دیکھا تو اس کا سر چکرا گیا۔ مندر کے صحن کا چبوترہ چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت مورتی کے سب سے اوپر آنکھوں کے کناروں پہ کھڑا تھا۔ اس نے مورتی کی آنکھوں میں سے لعل نوچنا شروع کر دیا۔ خنجر کی نوک سے مورتی کا چونا اترنے لگا۔

ابھی اس نے تیسری بار ہی مورتی کی آنکھوں میں خنجر مارا تھا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اس نے مورتی کی آنکھ کے کناروں کو تھامنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اور ایک چیخ کے ساتھ نیچے گرنے لگا۔ ابھی وہ مورتی کے سینے کے پاس ہی پہنچا تھا کہ وہ مندر کے خوفناک آدم خور مکڑے کے جال میں گر کر الجھ گیا۔ جال کو جھٹکا لگا تو آدم خور مکڑا اپنے سوراخ سے باہر نکل آیا۔ اس کے جال میں شکار پھنس چکا تھا۔ پجاری اس کے جال میں الجھا ہوا تڑپ رہا تھا۔ وہ باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مگر جوں جوں وہ ہاتھ پاؤں چلاتا وہ اور زیادہ مکڑے کے جال میں الجھتا جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکڑا اپنی خوفناک آنکھوں کے ساتھ اپنے شکار کو تڑپتے دیکھ رہا تھا۔

وہ انتظار کر رہا تھا کہ اس کا شکار جال کی رسیوں میں اچھی طرح الجھ جائے تو وہ جا کر اسے ہڑپ کرنا شروع کر دے۔ مکار پجاری نے پوری کوشش کی کہ رسیوں سے باہر نکلے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ آخر اس نے جادو کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے منہ کے پاس ہاتھ لے جا کر اوپر اٹھایا تو اس کے منہ سے آگ کے شعلے کی بجائے خون کا فوارہ باہر نکل آیا۔ تھائیں کے خون کا اس سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ اس نے بے گناہ عورت کو محض اپنے کلیجے کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے قتل کیا تھا اور قدرت نے اس کی تمام خفیہ طاقتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے اسے ایک خونخوار آدم خور مکڑے کے حوالے کر دیا تھا۔

مکار قاتل پجاری جب ہاتھ پاؤں مار مار کر تھک گیا تو مکڑے نے آہستہ آہستہ اپنے شکار کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ رسیوں کے ساتھ لٹکتا ہوا پجاری کے نیچے پہنچ گیا اور اس نے نیچے ہی نیچے اپنے منہ سے لمبی سوئی سی نکال کر مکار پجاری کے پیٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چبھو دی۔ سوئی کا پیٹ میں چبھنا تھا کہ مکار پجاری کے جسم میں گویا آگ سی لگ گئی۔ اس کے سارے جسم پر جیسے کسی نے دہکتے ہوئے کوئلے رکھ دیئے۔ اس نے چیخ مار کر تڑپنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ حرکت نہ کر سکتا تھا۔ گلے سے آواز نہ نکال سکتا تھا۔ لیکن جسم کے جھلسنے سے اسے بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا گویا کوئی لوہے کے دہکتے سرخ چمٹے سے اس کے جسم کو داغ رہا ہے۔

اب مکڑے نے پجاری کے جسم کو آہستہ کھانا شروع کر دیا۔ اس کے تیز دانت باہر نکل آئے۔ انہوں نے پجاری کے گوشت کو گردن پہ سے کترنا شروع کر دیا۔ مکڑا پجاری کی گردن کا گوشت کھاتا کم اور کتر کتر کر نیچے بہت پھینک رہا تھا۔ پجاری کے جسم سے خون کے فوارے چل رہے تھے۔ درد سے اس کا دم خشک ہو رہا تھا۔ مگر مکڑے کے ٹیکے نے کچھ ایسا اثر کیا تھا کہ نہ تو وہ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا اور نہ ہی اس کے گلے سے کوئی آواز نکل سکتی تھی۔ جبکہ درد کا احساس جسم کو پوری طرح ہو رہا تھا۔ یا تو یہ ہوتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔ مگر وہ بے ہوش نہیں تھا۔ پوری طرح ہوش میں تھا اور درد سے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے جسم کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔

مکڑے نے پجاری کی گردن پوری نہیں کھائی بلکہ آدھی کھا کر اور کچھ کتر کر نیچے پھینک کر چھوڑ دی۔ اگر وہ ساری گردن کھا جاتا تو کم از کم پجاری مر جاتا اور اسے تکلیف سے نجات مل جاتی۔ لیکن وہ زندہ تھا اور اب مکڑا اس کی پسلیوں پر سوار اس کے سینے کا گوشت کتر رہا تھا۔ مکڑے کے دانت نیزوں کی طرح پجاری کو اپنے سینے میں لگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے آدم خور خوفناک مکڑے کو سینے پر سوار اپنی پسلیوں کا گوشت کھاتے دیکھ رہا تھا مگر اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہاتھ اٹھا کر اسے پرے پھینک دے۔

مکڑا برابر اس کا گوشت کھا رہا تھا۔ اس کا سینہ لہو لہان ہو گیا اور اس کی پسلیاں نظر آنے لگیں۔ تین پسلیوں کے اوپر سے گوشت چٹ کرنے کے بعد مکڑا اب پجاری کے بازو کی طرف آ گیا۔ اس نے اس کے دائیں بازو کو گولائی کی شکل میں کتر کر کاٹ دیا۔ دھپ سے پجاری کا کٹا ہوا بازو نیچے مندر کے فرش پر گر پڑا۔ بازو کے گرتے ہی اس پر لاکھوں کی تعداد میں سرخ چیونٹیوں نے حملہ کر دیا۔ جو پہلے ہی گوشت اور خون کی بو پا کر وہاں موجود تھیں۔ مکڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب دوسرے بازو کو کترتے ہوئے اس کا گوشت کھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں پجاری کا دوسرا بازو بھی کٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس پر بھی لاکھوں چیونٹیاں چمٹ گئیں۔

اب شدت سے پجاری کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں اس کا منہ اوپر سے پورا کھلا تھا مگر آواز بالکل نہ نکل رہی تھی۔ وہ ایک شدید عذاب میں مبتلا تھا۔ اب اس نے دیوتاؤں سے اپنی موت مانگنی شروع کر دی۔ مگر اُسے موت بھی نہیں آ رہی تھی۔ تھائیں خوش قسمت تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا اور وہ مر گئی۔ لیکن اس کے قاتل کو مکڑا شدید عذاب دے دے کر ہلاک کر رہا تھا۔ پجاری کے دونوں بازو کتر کر نیچے گرانے کے بعد مکڑا اس کے چہرے پر رینگتا ہوا آ گیا اور اس نے اپنے تیز نوکیلے پنجے اس کے گالوں پر گاڑ کر اپنے نوکیلے دانتوں سے اس کی آنکھ کھرچنی شروع کر دی۔ پجاری کے بدن میں گویا سینکڑوں چھریاں چلنے لگیں۔ مکڑا بڑے آرام سے اس کی آنکھ کھرچ رہا تھا۔ آخر اس نے پجاری کا ڈیلا باہر نکال کر گلاب جامن کی طرح نیچے گرا دیا۔ ایک آنکھ پھوڑنے کے بعد مکڑا دوسری آنکھ کی طرف آ گیا اور اس نے پجاری کی دوسری آنکھ کھرچنی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مکڑے نے پجاری کی دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھ بھی نکال کر نیچے پھینک دی۔ نیچے لاکھوں کروڑوں بڑی بڑی چیونٹیاں جمع تھیں اور دھڑا دھڑ پجاری کے گوشت کو چٹ کر رہی تھیں۔ وہ اس کے بازوؤں کا سارا گوشت کھا چکی تھیں۔ اب انہوں نے آن کی آن میں دونوں آنکھیں ہڑپ کر لیں اور اوپر دیکھنے لگیں کہ اب اوپر سے کیا گرتا ہے؟

مکڑے نے اب پجاری کی ایک ٹانگ کاٹ کر نیچے پھینک دی۔ ٹانگ کا گرنا تھا کہ چیونٹیوں نے اس پہ بھی ہلہ بول دیا۔ وہ ساری کی ساری ٹانگ پر جمٹ گئیں اور جب تک دھپ سے دوسری ٹانگ نیچے گری وہ پہلی ٹانگ کا گوشت چٹ کر چکی تھیں۔ مکڑا پجاری کا پیٹ چاک کرنے کے لئے آگے بڑھا۔۔ اس وقت تک پجاری درد کی شدت سے ہلاک ہو چکا تھا۔ ساری رات مکڑا مکار پجاری کی لاش کو کتر کتر کر کچھ کھاتا اور کچھ نیچے چیونٹیوں کے لئے پھینکتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو مکڑا اپنے سوراخ میں واپس جا چکا تھا اور اس کے خون آلود جال میں پجاری کی چند ایک ہڈیاں لٹک رہی تھیں۔

دوسرے دن سارے شہر میں شور مچ گیا کہ کسی نے دیوداسی کو سوتے میں قتل کر دیا ہے۔ اور پجاری کی لاش مورتی

کے اوپر مکڑی کے جال میں لٹکی ہوئی ہے۔ اس قتل کا سب سے زیادہ افسوس عنبر کو ہوا۔ دیو داسی کی موت کا سارے شہر میں سوگ منایا گیا۔ پجاری کی بچی کچھی ہڈیوں کو جال میں سے نکال کر راجہ کے حکم سے کتوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

دیو داسی کو پورے اہتمام کے ساتھ مندر کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔ چار روز تک سارے شہر میں دیو داسی کا ماتم ہوتا رہا۔ راجہ اور عنبر نے سیاہ کپڑے پہن لئے تھے۔ عنبر کو بے حد دکھ ہوا تھا کہ بے چاری تھائیں آخر اس دنیا سے کنارا کر گئی۔ لیکن اسے اس بات سے تسلی بھی ہوئی کہ قدرت نے اس کے قاتل پجاری سے بھی بدلہ لے لیا اور وہ ایک انتہائی تکلیف دہ موت مرا۔ سات دنوں کے بعد سوگ ختم کر دیا گیا۔ دیو داسی کی قبر پہ سونے کا چبوترہ بنایا گیا۔ سارے لوگ صبح شام اس کی پوجا کرتے۔ عنبر نے سوچا کہ اگر تھائیں عام حالات میں مرتی تو اسے یہ عزت کبھی نہ ملتی۔ پھر بھی اسے افسوس تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

دوسری طرف راجہ کی بیماری بھی زیادہ خطرناک صورت اختیار کرنے لگی تھی۔ ناگن ملکہ اب جلد سے جلد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجہ کو بھی اپنے زہر سے ہلاک کر دینا چاہتی تھی۔ آخر وہ دن آ گیا جس روز ناگن ملکہ نے اپنے بھائی سیاہ ناگ سے ملنے جنگل میں جانا تھا۔ ناگن ملکہ نے اس روز بڑی مکاری سے کام لیا۔ وہ ٹھیک وقت پر تیار ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر اور راجہ نے بھی اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ شہر سے باہر نکل کر وہ جنگل میں آ گئے جب ناگن ملکہ چٹان کے قریب پہنچی تو گھوڑے پر سے اتری اور پتھر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ عنبر اور راجہ ایک درخت کے پیچھے چھپ کر یہ تماشہ دیکھنے لگے۔ عنبر نے راجہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مکار ملکہ نے گہرا سانس بھر کر اپنے ناگ کو ادھر آنے سے منع کر دیا۔ ناگ بالکل نہ آیا۔ نہ ملکہ نے ناگن کا روپ بدلا۔ اس کی بجائے وہ ہاتھ اٹھا کر دیوتاؤں سے دعا مانگنے لگی کہ اے دیوتاؤ! میرے راجہ کی بیماری دور کرو۔ دعا مانگ کر وہ اٹھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس محل کی طرف چل گئی۔ اس کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ راجہ نے عنبر سے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا کہ ملکہ ناگن ہے بلکہ وہ تو اس کی وفادار بیوی ہے کہ بے چاری راتوں کو جنگل میں آ کر اس کی صحت کی دعائیں مانگتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ملکہ نے مکاری سے کام لیا ہے۔

وہ کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوف ناک چال

راجہ کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا کہ عنبر نے اس کی ملکہ پہ ناگن ہونے کا شک کیا تھا۔

اس نے عنبر کی سرزنش کی اور کہا کہ آئندہ وہ کبھی اس کی چہیتی ملکہ کو ناگن نہ کہے۔ عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کوئی ثبوت بھی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ خاموش رہے۔ اس دوران میں راجہ کی بیماری بڑھتی گئی۔ اس کے جسم میں خون زہر بنتا چلا گیا۔ آخر وہ بستر پہ پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے زیادہ گہرے ہو گئے اسے بھوک بھی لگنی کم ہو گئی۔ مہارانی کو بے حد فکر ہوا۔ اس نے عنبر سے مشورہ کیا۔ اس نے ملکہ کے بارے میں رانی کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ مہارانی کو یقین تھا کہ عنبر سچ کہتا ہے اور ملکہ سچ مچ کی ناگن ہے۔ لیکن سوال وہی ثبوت کا تھا۔ ان کے پاس ملکہ کو ناگن ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ مہارانی نے کہا۔

"تو کیا ہم راجہ کو ناگن کا شکار ہونے دیں؟ نہیں۔ ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے جیون ساتھی اور سلطنت کے مالک کو مرنے نہیں دوں گی۔ دیوتاؤں کے لئے اسے اس منحوس ناگن سے بچاؤ۔"

عنبر نے کہا

"مصیبت یہ ہے کہ ناگن ملکہ صرف پگھلے ہوئے سیسے میں ہی جل کر مر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی راجہ کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔"

"تو پھر کوئی ترکیب سوچو بھائی۔ میں راجہ کو اس طرح سسک سسک کر مرتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"مہارانی آپ فکر نہ کریں میں کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور ڈھونڈھ لوں گا۔ اتنا آپ کو کہے دیتا ہوں کہ آپ کا راجہ مرتا نہیں۔ مرے گی یہ ناگن ہی۔ اگر آج وہ کامیاب ہو گئی ہے تو کل وہ ضرور شکست کھا جائے گی۔"

عنبر صبح شام ترکیبیں سوچنے لگا جس سے وہ راجہ پر یہ ثابت کر سکے کہ ملکہ ناگن ہے۔ راجہ زیادہ بیمار ہو گیا تھا ناگن ملکہ مندر رکھنے کے لئے راجہ کی بڑی خدمت کر رہی تھی۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کی سب سے وفادار اور خدمت گذار ملکہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ راجہ کے خون میں اپنا زہر شامل کر رہی تھی۔ اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلاک کر رہی تھی۔ ساری ساری رات عنبر حکمت اور طب کی کتابیں پڑھتا رہتا۔ وہ کوئی ایسا نسخہ تلاش کر رہا تھا جس کی مدد سے وہ ناگن ملکہ کو ہلاک کر سکے اور راجہ کو قائل کر سکے کہ ملکہ ناگن ہے انسان نہیں۔

راجہ بڑا کمزور ہو گیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھل رہا تھا۔ اس کی ہڈیاں نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ سوائے دودھ کے وہ کچھ بھی نہیں پی سکتا تھا۔ مہارانی کا غم کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ بار بار عنبر کو کہلوا بھیجتی کہ راجہ کو بچانے کے لئے کچھ کرو۔ آخر ایک رات عنبر کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ وہ خوشی سے اٹھ کر سیدھا مہارانی کے پاس آیا بولا۔

"مہارانی! مجھے طریقہ مل گیا ہے۔ طریقہ مل گیا ہے۔"

"کونسا؟ کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔"

"بس یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا"

وہ وہاں سے سیدھا راجہ کے پاس پہنچا اور اس نے اسے جا کر کہا۔

"مہاراج! آپ کی بیماری کا علاج مجھے مل گیا ہے۔"

"وہ کیا ہے دیوتاؤں کے لئے جلدی کرو۔ میرا تو دم نکلا جا رہا ہے۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے کوئی اندر سے ہولے ہولے جان ختم کر رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"مہاراج! میں صرف آپ کی اور مہارانی کی زندگی کی اطر آخری بار آپ سے عرض کروں گا کہ جس طرح میں کہوں ویسے ہی عمل کریں۔"

"میں ویسے ہی کروں گا۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں"؟

عنبر نے کہا۔

"میں آپ کو ایک دوائی دوں گا۔ یہ دوائی آپ نے خود بھی پینی ہو گی اور ملکہ کو بھی پلانی ہو گی۔"

راجہ نے حیرانی سے کہا۔

ملکہ کو کس لئے پلانی ہو گی؟ بیمار تو میں ہوں ملکہ تو بیمار نہیں ہے۔ پھر اس کو دوائی کی کیا ضرورت ہے"؟

عنبر نے گذارش کی۔

"مہاراج! دیوتاؤں کے لئے میری بات میں دخل نہ دیں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ برائے مہربانی اس پر عمل کریں۔ اس میں آپ کی زندگی اور آپ کی صحت کا راز ہے۔ اگر آپ نے اعتراض کرنا اور نکتہ چینی کرنی شروع کر دی تو آپ صحت یاب نہ ہو سکیں گے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کی زندگی بھی پھر تھوڑی ہی رہ جائے گی۔"

راجہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم نے پھر میری ملکہ پر شک کرنا شروع کر دیا ہے کر وہ ناگن ہے؟ عنبر! میں نے تمہیں کئی بار منع کیا تھا کہ وہ ناگن نہیں ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کر وہ ناگن نہیں بلکہ میری وفادار ملکہ ہے۔"

عنبر بولا۔

"مہاراج! میں آخری بار آپ سے کہوں گا کہ اگر آپ نے میری باتوں پر عمل نہ کیا تو ایک مہینے کے اندر اندر آپ مر جائیں گے اور آپ کو کوئی نہ بچا سکے گا۔"

راجہ موت کے خیال سے کانپ گیا۔ اسے زندگی اور اپنی سلطنت اور تخت و تاج سے بڑا پیار تھا۔ اس کو جب عنبر نے موت سامنے دکھا دی اور کہا کہ وہ ایک مہینے کے اندر اندر مر جائے گا تو وہ سہم گیا اور بولا۔

"نہیں نہیں عنبر! میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ تم مجھے جس طرح کہو گے میں اسی پر عمل کروں گا۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

عنبر نے کہا۔

میں آج آپ کو ایک عرق دوں گا۔ رات کو سونے سے پہلے آپ اس کی ایک خوراک پانی میں ملا کر خود پی لیں اور ایک خوراک پانی میں ملا کر ملکہ کو پلا دیں۔ مگر اس بات کا خیال رہے کہ ملکہ کو علم نہ ہو۔ آپ دوائی پینے کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ گولی چھپ کر منہ میں رکھ لیں۔ لیکن ملکہ کو یہ گولی بالکل نہیں دکھانی۔ ملکہ پر یہی ظاہر کرنا ہے کہ آپ سو رہے ہیں لیکن آپ نے جاگ کر چپکے سے یہ دیکھنا ہے کہ ملکہ پھر کیا کرتی ہے۔ جو کچھ آپ رات کو دیکھیں صبح مجھے بتا دیجئے گا اس کے بعد آپ کا علاج شروع ہو گا۔"

راجہ نے کہا۔

"تو کیا میں ملکہ کو بالکل نہ بتاؤں کہ اسے دوائی ملا کر پانی پلا رہا ہوں؟"

" بالکل نہیں بتانا مہاراج! نہیں تو آپ زندہ نہ بچ سکیں گے۔"

راجہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ ملکہ سے ہر بات چھپائے گا۔ چنانچہ رات کو ملکہ اور راجہ خواب گاہ میں آ گئے۔ راجہ بستر پر بیمار پڑا تھا اور ملکہ اس کا سر دبا رہی تھی۔ عنبر نے اس پانی کی سراحی میں سوراخ کر دیا تھا جو ملکہ اور راجہ کے کمرے کے اندر رکھی جاتی تھی۔ ملکہ کی آنکھ بچا کر راجہ نے ملکہ کے پانی کے گلاس میں دوائی ملا دی۔ ایک گلاس میں دوائی ملا کر خود پی لی۔ اس کے بعد راجہ نے عنبر کی دی ہوئی گولی منہ میں رکھ لی۔ اس بات کا ملکہ کو کچھ علم نہ ہو سکا۔ اس کے بعد راجہ نے جھوٹ موٹ یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ جان بوجھ کر عنبر کی ہدایت کے مطابق خراٹے لینے لگا۔ ملکہ کو بھی نیند آنے لگی تھی۔ وہ بھی اپنی مسہری پر سو گئی۔

عنبر نے جو دوائی راجہ اور ملکہ کو پلائی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ وہ پیاس بہت لگاتی تھی۔ راجہ کو تو عنبر نے گولی کھلا دی تھی۔ جس کی وجہ سے پیاس نہیں لگتی تھی۔ لیکن ملکہ نے گولی نہیں کھائی تھی۔ اس نے صرف دوائی ہی کھائی تھی۔ چنانچہ آدھی رات کو ملکہ کو سخت پیاس لگی وہ مسہری پر سے اٹھی اور اس نے گلاس لے کر صراحی میں سے پانی انڈیلنا چاہا۔ مگر صراحی میں عنبر نے پہلے ہی سے سوراخ کر دیا تھا جس کی وجہ سے سارا پانی بہہ گیا تھا اور صراحی خالی ہو چکی تھی۔ باہر سے عنبر نے دروازے پر تالا لگا دیا تھا۔ ملکہ نے جب دیکھا صراحی میں پانی بالکل نہیں ہے تو وہ بڑی پریشان ہوئی۔ باہر سے دروازہ بھی بند تھا۔

پیاس کی وجہ سے اس کا گلا خشک ہونے لگا۔ ایسی شدت کی پیاس لگی جیسے وہ صحرا کی دھوپ میں سفر کر رہی ہو۔ وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی اور سوچنے لگی کہ پانی کہاں سے پیئے۔ راجہ چوری آنکھ سے اس کی ساری بے چینی دیکھ رہا تھا۔ مگر ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ ملکہ پیاس کے مارے تڑپنے لگی۔ آخر اس کے دماغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک ہی ترکیب آئی کہ وہ سانپ بن کر نالی کے راستے باہر جائے اور باہر سے پانی پی کر پھر اندر آکر ملکہ بن کر لیٹ جائے۔ اس نے آگے بڑھ کر راجہ کو غور سے دیکھا۔ راجہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ راجہ گہری نیند سو رہا ہے تو وہ کمرے کے درمیان میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ پلک جھپکنے میں وہ ملکہ سے ناگن بن گئی۔ راجہ ایک آنکھ کھولے یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس نے جب ملکہ کو ناگن بنتے دیکھا تو لیٹا لیٹا کانپ کر رہ گیا۔ تو عنبر ٹھیک کہتا تھا کہ ملکہ ناگن ہے اس کے سامنے اس کی ملکہ ناگن یعنی سانپ بنی اور فرش پر رینگتے ہوئے کمرے کی نالی میں سے باہر نکل گئی۔ راجہ کو معلوم تھا کہ وہ پانی پینے باہر گئی ہے وہ لیٹے لیٹے ملکہ کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔

باہر آکر ناگن نے باغ کی طرف چلنا شروع کر دیا باغ میں ایک چھوٹا سا پانی کا چوبچہ تھا جہاں سے لوگ پانی وغیرہ لیتے تھے۔ ناگن نے اس چوبچے پر جا کر اپنا منہ پانی میں ڈال کر جی بھر کر پانی پیا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑی۔ محل میں کسی معلوم نہ تھا کہ ان کی ملکہ اس وقت سانپ بنی باغ میں سے رینگتی ہوئی محل کی طرف جا رہی ہے۔ کمرے کے باہر آکر وہ اس نالی میں داخل ہوگئی جو اندر جاتی تھی۔

اندر مسہری پر راجہ ایک آنکھ کھولے غور سے نالی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک نالی میں سانپ کا منہ نمودار ہوا پھر سانپ نالی میں سے رینگتا ہوا اندر آگیا اور کمرے کے فرش پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ راجہ یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر اچانک سانپ کی جگہ ملکہ نمودار ہوگئی۔ ملکہ آہستہ سے فرش پر سے اٹھی اس نے راجہ کے پلنگ کے پاس آکر اس پر جھک کر غور سے دیکھا کہ کیا وہ سو رہا ہے؟ راجہ جھوٹ موٹ کے خراٹے لے رہا تھا۔ جب ملکہ کو اطمینان ہوگیا کہ راجہ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ سانپ بن کر پانی پینے نالی کے راستے باہر گئی تھی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ پانی پی کر اس کی طبیعت بحال ہوگئی تھی چنانچہ وہ اپنے پلنگ پر جا کر بڑے سکون کے ساتھ لیٹ گئی۔

راجہ کو تو پھر ساری رات نیند نہ آسکی وہ یہی سوچتا رہا کہ اس نے ایک سانپ سے شادی کر رکھی تھی؟ تو کیا ملکہ ناگن تھی؟ کیا یہی اس کی بیماری کی اصل وجہ تھی؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر بالکل سچّا تھا۔ اس نے تو پہلے روز ہی کہہ دیا تھا کہ ملکہ ناگن ہے اور اس کا زہر راجہ کے جسم میں پھیلنے لگا ہے۔ راجہ کے دل میں عنبر کی قدر بڑھ گئی اور اسے پلنگ سے خوف آنے لگا۔ جس پر ملکہ لیٹی ہوئی تھی۔ راجہ سوچنے لگا کہ اس ملکہ سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے؟ پھر اس نے سوچا کہ اس کا طریقہ بھی عنبر ہی نکالے گا۔ باقی ساری رات راجہ نے آنکھوں ہی میں کاٹ دی۔ دہشت کی وجہ سے اسے بالکل نیند نہ آ سکی۔ کسی وقت اسے یوں محسوس ہوتا کہ ابھی ملکہ سانپ بن کر اس کے بستر پر آئے گی اور اسے کاٹ کر ہلاک کر دے گی۔ کبھی وہ ادھ کھلی آنکھ سے ملکہ کے پلنگ پر تکنے کی کوشش کرتا کہ وہ ناگن تو نہیں بن گئی؟ اسی ادھیڑ بن میں رات گذر گئی۔

عنبر شاہی محل میں راجہ کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ملکہ غسل کرنے اور بناؤ سنگار کرنے کے لئے چلی گئی تو عنبر راجہ کی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ راجہ پر دہشت طاری تھی۔ عنبر نے رات کی داستان پوچھی کہ کیا ہوا۔ راجہ نے بتایا کہ اس کی ملکہ ناگن ہے۔ وہ سانپ بن کر کمرے کی نالی میں سے باہر گئی اور پانی پی کر پھر واپس آ گئی۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میں رات کو باہر پانی کے چوبچے پر موجود تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے خود اسے پانی پیتے دیکھا ہے۔"

راجہ نے کہا۔

"دیوتاؤں کے لئے مجھے اس ناگن سے بچاؤ۔ یہ تو مجھے مار کر ہی دم لے گی۔"

عنبر نے مہارانی کو بھی وہیں بلا لیا اور راجہ نے اسے بھی ساری کہانی سنائی اور کہا کہ ملکہ ناگن ہے۔ راجہ نے کہا اسے ابھی تلوار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

عنبر نے کہا۔

"اے راجہ! یہ ناگن تلوار سے نہیں مرے گی۔ یہ پھر سے زندہ ہو جائے گی۔

راجہ نے پوچھا۔

"پھر اس بلا سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے"؟

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ شہر سے باہر ایک بہت بڑا گڑھا کھدوایا جائے۔ اس گڑھے میں ملکہ کو دھکا دے کر گرا دیا جائے اور اوپر سے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا جائے۔"

"میں آج ہی حکم دیتا ہوں کہ شہر سے باہر ایک گڑھا کھودا جائے۔"

مہارانی نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا ملکہ کو شک نہیں پڑے گا کہ آخر یہ گڑھا کس لئے کھودا جا رہا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"ہم یہ مشہور کر دیں گے کہ راجہ شہر سے باہر ایک نئے مندر کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب گڑھا کھد کر تیار ہو جائے تو راجہ رسم ادا کرنے ملکہ کے ساتھ آئے۔ تانبا اس کے لئے پاس ہی پگھلنے کے لئے رکھ دیا جائے گا کہ مندر کی بنیادوں میں بھرا جائے گا۔"

راجہ کو عنبر کی یہ ترکیب پسند آئی۔

راجہ نے اسی روز حکم دے دیا کہ چونکہ وہ بیمار رہے۔ اور اس کی بیماری لمبی ہو رہی ہے۔ اس لئے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے وہ شہر سے باہر ایک نئے مندر کی بنیاد رکھے گا۔ فوراً مزدوروں نے کام شروع کر دیا۔ ایک ہفتے کی شب و روز محنت کے بعد کافی گہرا گڑھا کھود ڈالا گیا۔ گڑھے کے پاس ہی ایک بہت بڑے کڑھاؤ میں تانبا پگھلنے کے لئے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے نیچے ایک ہفتہ آگ جلتی رہی اور وہ آٹھویں روز پگھل کر پانی کی طرح ہو گیا اور ابلنے لگا۔

اب ہر ایک شے تیار تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجہ نے اعلان کیا کہ مندر کی بنیادوں میں تانبا بھرنے کی رسم شام کو ادا کی جائے گی۔ شام کے وقت راجہ سواری میں اپنی ملکہ اور مہارانی کے ساتھ بیٹھ کر گڑھے کے پاس آگیا اس بات کا خاص طور پر اعلان کر دیا گیا تھا کہ نجومیوں کے کہنے کے مطابق یہ رسم راجہ اکیلے ہی ادا کرے گا۔ چنانچہ وہاں آنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ ٹھیک شام کے وقت راجہ، عنبر، مہارانی اور ملکہ کے ساتھ گڑھے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

اس نے گڑھے میں جھانک کر دیکھا۔ یہ ایک گہرا کنوا سا بنا ہوا تھا۔ اس کے کنارے پر ایک کڑھاؤ میں پگھلا تانبا کھول رہا تھا۔ مہارانی نے راجہ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر کہا۔

”مہاراج! مندر کی بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی جائے۔“

راجہ نے کہا:

”مہارانی! تم کو یہ بات اگرچہ بری لگے گی مگر میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے اپنی تمام رانیوں میں سے اپنی مل سے بے حد پیار ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس مقدس کی بنیاد میری چہیتی ملکہ کے ہاتھوں پڑے چنانچہ میں اعلا کرتا ہوں کہ مندر کی رسم میری ملکہ ادا کرے گی۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"اے راجہ! میری گذارش ہے کہ مندر کی رسم آپ خود ادا کریں۔ کیوں کہ شروع سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ نئے مندروں کی بنیا ہمیشہ راجاؤں نے خود رکھی ہے۔"

عنبر دراصل ملکہ کو نیچا کرنا چاہتا تھا۔ یہی ہوا جس کا عنبر کو شبہ تھا۔ ملکہ عنبر کی اس بات پر غصے میں آگئی اور بولی۔

"تم کون ہوتے ہو شاہی معاملات میں دخل دینے والے؟ جب راجہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مندر کی رسم اس ہی ملکہ کے ہاتھوں ادا ہوگی تو پھر اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔"

راجہ نے اپنے گلے سے پھولوں کی مالا اتار کر اپنی ناگن ملکہ کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ملکہ ٹھیک کہتی ہے عنبر! ہمارے فیصلے پر اعتراض کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ رسم ہماری ملکہ ہی ادا کرے گی۔"

عنبر نے جھک کر کہا۔

"جو حکم مہاراج۔"

اس پر مہارانی نے سوچی سمجھی سکیم کے مطابق روتے ہوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا مہاراج کو اب مجھ سے اتنا سا بھی لگاؤ نہیں رہا کہ وہ اس مندر کی رسم میرے ہاتھوں ادا کرائیں؟ کیا میں ان کے دل سے بالکل ہی اتر گئی ہوں"؟

ناگن ملکہ نے "تنک کر کہا۔

کبھی تم نے اپنی شکل پر بھی غور کیا ہے؟ تو اب بوڑھی ہو گئی ہے۔ تیرا کوئی کام نہیں کہ تو سلطنت کے کاموں میں دخل دے اب سلطنت پر میرا حق ہے۔ میں راجہ کی چہیتی ملکہ ہوں اور مندر کی رسم میں ہی ادا کر دوں گی کیوں مہاراج"؟

"ہاں ملکہ! یہ رسم تمہارے ہاتھوں سے ہی ادا ہو گی عنبر! رسم شروع کی جائے"!

"جو حکم مہاراج"!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمالہ کا ناگ پھنی

عنبر نے پھولوں کی ٹوکری ملکہ کے ہاتھوں میں دے کر کہا۔

"اے ملکہ ان پھولوں کو گڑھے میں گرا دیں!"

ملکہ ناگن کو ایک لمحے کے لئے بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ سب کچھ اس کو پھانسنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ وہ اس پر ہی بہت خوش تھی کہ راجہ مہارانی کی بجائے اس کے ہاتھوں مندر کی رسم ادا کروا رہا ہے۔ اس نے پھولوں کی ٹوکری دونوں ہاتھوں میں تھامی اور گڑھے کے کنارے پر آکر کھڑی ہو گئی۔ عنبر اس کے پاس ہی کھڑا تھا وہ اسی لمحے کا منتظر تھا۔ جونہی ناگن ملکہ نے جھک کر پھولوں کی ٹوکری گڑھے میں پھینکی۔ عنبر نے دونوں ہاتھوں سے ملکہ کو گڑھے میں دھکا دے دیا۔ ایک چیخ کی آواز کے ساتھ ناگن ملکہ گہرے اندھے گڑھے میں گر پڑی۔ عنبر نے ایک پل ضائع کئے بغیر کھولتے ہوئے تانبے کے کڑھاؤ کے نیچے سے اینٹیں کھسکا دیں۔ جس سے گڑھاؤ کا جھکاؤ گڑھے کی طرف ہو گیا اور سارے کا سارا کھولتا ہوا پگھلتا ہوا تانبا نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گڑھے میں بہہ گیا۔ نیچے سے ملکہ کی ایک اور چیخ کی بھیانک آواز آئی اور پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی بہت بڑا اژدھا پھنکاریں مار رہا ہو۔

عنبر اور راجہ نے جھک کر دیکھا کہ ملکہ سانپ کے روپ میں پگھلے ہوئے تانبے میں پتھر بن چکی تھی۔ مہارانی بھی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔ گڑھے میں ملکہ کی جگہ ایک سانپ تھا جو کھولتے ہوئے تانبے میں سبز رنگ کا پتھر بنا ہوا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”مہاراج! اب یہ ناگن ہمیشہ کے لئے مر چکی ہے۔ اب یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آپ ایک ہفتے کے اندر اندر اچھے ہو جائیں گے۔“

راجہ نے اور مہارانی نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ محض اس کی عقل مندی کی وجہ سے راجہ کی جان بچ گئی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس آ گئے اور مزدوروں کو حکم دیا گیا کہ گڑھے کو پُر کر دیں۔ مہارانی، راجہ اور عنبر محل میں آ گئے۔

انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ٹھیک اس وقت جبکہ ناگن ملکہ کی چیخ بلند ہوئی تھی تو شہر سے دور جنگل میں کھوہ کے اندر لیٹے ہوئے سانپ نے اپنا پھن اوپر اٹھا لیا تھا۔ اس نے اپنی ناگن کی چیخ کی آواز سُن لی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر اس کی ناگن کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنی کھوہ سے باہر نکلا اور شاہی محل کی طرف چل پڑا۔ وہ اپنی ناگن کی بو پاتا ہوا۔ اس مقام پر آ گیا جہاں اس کی ناگن کو گڑھے میں دفن کر دیا گیا تھا۔ ناگ بڑی بے چینی کے ساتھ گڑھے کے اردگرد چکر لگانے لگا۔ وہ رات بھر اس گڑھے کے گرد چکر لگاتا رہا۔ دن نکلا تو وہ قریب کی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

اصل میں یہ ہمالہ کا ناگ پھنی تھا۔ اس کو زندہ رہتے ہوئے سال ابھی نہیں گذرے تھے۔ دو سو برس ہونے میں ابھی ایک سال باقی تھا۔ ایک سال کے بعد اس کے اندر بھی وہ طاقت پیدا ہونے والی تھی کہ وہ جب اور جس وقت چاہے آدمی کی شکل اختیار کر لے۔ لیکن اس سے پہلے وہ اپنی ناگن کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ مگر گڑھے کے پاس چونکہ عنبر نے ناگن کو دھکا دیا تھا۔ اس لئے اس کے کپڑوں کے ساتھ ناگن کی بو لگ گئی تھی۔ ناگ پھنی اس بُو کے پیچھے پیچھے میدان میں سے گذرتا شاہی محل کی طرف آ گیا۔

اتنی دیر زندہ رہنے کے بعد ناگ پھنی کی عقل بہت تیز ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی نے اسے مقدس سانپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ کر ہلاک کر دیا تو اس کی اتنے برسوں کی محنت خاک میں مل جائے گی اور اس کا سانپ سے انسان بننے کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ اس لئے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ شاہی محل کو جانے والے ایک نالے میں سے ہوتا ہوا وہ اس باغ میں پہنچ گیا۔ جس کے اندر عنبر کا گھر تھا۔ یہاں سے ناگ پھنی کو اپنی ناگن کی بو بڑی تیز محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ناگن کا قاتل اسی مکان میں رہتا ہے۔ ناگ پھنی باغ کے ایک درخت تلے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور رات کے اندھیروں کے پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔

اب رات کافی گہری ہو گئی تھی۔

محل کے سب لوگ اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ صرف پہرے دار جاگ کر محل کی سیڑھیوں اور دروازوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ راجہ بھی سو رہا تھا۔ مہارانی بھی اس کی تیمار داری کرنے کے بعد گہری نیند میں کھو چکی تھی۔ عنبر ابھی ابھی سویا تھا۔ ناگ پھنی سانپ محل کی دیوار پر سے رینگتا ہوا اندر صحن میں داخل ہو گیا۔ اسے عنبر کے کمرے تک پہنچنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی ناگن کی بو پر تعاقب کرتا ہوا چلا جا رہا تھا جو عنبر کے جسم کے ساتھ لگی تھی۔ کیونکہ اس نے اسے گڑھے میں دونوں ہاتھ لگا کر دھکا دیا تھا۔ سانپ عنبر کے بند کمرے کے باہر ادھر ادھر چکر لگانے لگا۔

اسے اندر جانے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر اسے وہ نالی نظر آگئی جو عنبر کے کمرے کے اندر جا رہی تھی۔ سانپ پہرے دار کی نظر بچا کر اس نالی کے ذریعے کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں ہر شے بڑے قرینے سے لگی تھی۔ دیوار پر ریشمی پردے گرے تھے۔ اندر ناگن کی بو بڑی تیز تھی اور یہ بو اس پلنگ پر سے آ رہی تھی جس پر عنبر سویا ہوا تھا۔ سانپ کمرے کے قالین پر رینگتا ہوا عنبر کی مسہری کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سرہانے کی طرف جا کر اپنا خوف ناک پھن پھیلا دیا اور سوئے ہوئے عنبر کے چہرے کو پھنکار مار کر دیکھا۔

عنبر کے جسم سے ناگن کی بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسی شخص نے اس کی ناگن کو ہلاک کیا ہے۔ ناگ پھنی نے زبان نکال کر زور سے پھنکار ماری۔ اس کی پھنکار کی آواز کے ساتھ ہی عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے چہرے پر اسی ناگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو پھن پھیلائے جھکے ہوئے دیکھا جو جنگل میں بکری کے اوپر سوار ہو کر آیا تھا اور ناگن ملکہ کے ساتھ مل کر کھیلا کرتا تھا۔ عنبر صاف سمجھ گیا کہ اس کے جسم سے ناگن کی جو بُو آ رہی ہے۔ ناگ اسی کی تلاش میں اس سے ناگن کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہے۔ اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ سانپ کے ڈسنے کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ پھنی کو بالکل احساس نہیں ہو رہا تھا کہ عنبر جاگتا پڑا ہے اور اسے تھوڑی آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے۔ اس نے جھک کر عنبر کی گردن پر ڈس دیا۔ ایک بار ڈس کر وہ پیچھے ہٹا اور دوسری بار پھر ڈس دیا۔ جب تیسری بار ناگ نے عنبر کو ڈسا تو اس نے ہاتھ کا جھپٹا مار کر ناگ پھنی کو گردن سے دبوچ لیا۔

ناگ پھنی کو انسان کا روپ بدلنے میں چونکہ پانچ چھ مہینے کا عرصہ رہ گیا تھا اس لئے اس کے اندر انسان کی عقل آ گئی تھی اور وہ انسان کی گفتگو کو بھی سمجھنے لگا تھا۔ عنبر کو یہ تو معلوم تھا کہ یہ ناگ پھنی بے حد بوڑھا ہے۔ مگر اسے اس کا علم نہیں تھا کہ وہ ابھی انسان کا روپ دھار سکتا ہے یا نہیں۔ عنبر نے سانپ کی گردن پکڑ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”میں جانتا ہوں تم اپنی ناگن کا بدلہ لینے آئے ہو۔ مگر تم غلط آدمی کے پاس آئے ہو۔ اب جبکہ تم مجھے تین بار ڈس چکے ہو اور اپنا مہلک زہر میرے خون کے اندر شامل کر چکے ہو تو تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ مر نہیں سکتا۔ وگرنہ تمہارے زہر نے اب تک میرے جسم کو نیلا کر کے مردہ بنا دیا ہوتا۔“

سانپ نے عنبر کی آواز سن لی تھی اور وہ واقعی حیران تھا کہ عنبر پر اس کے زہر کا کوئی اثر کیوں نہیں ہوا۔ پچھلے دنوں اس نے جنگل میں ایک آدمی کو کاٹا تھا تو وہ اس کے کاٹنے کے فوراً بعد دھڑام کر کے زمین پر گر پڑا تھا۔ اور اس کے سارے جسم سے نیلے رنگ کا خون جاری ہو گیا تھا اور وہ مر کر پتھر ہو گیا تھا۔ لیکن عنبر کو اس نے تین بار کاٹا تھا لیکن اس پر اس کے زہر کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اسی طرح اس سے باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ تو کیا وہ بھی کوئی سانپ ہے۔ جس نے دو سو برس زندہ رہنے کے بعد یہ طاقت حاصل کر لی ہے کہ وہ انسان کے روپ میں ظاہر ہو کر زندہ رہے؟ سانپ اس سے بات تو نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس کی باتیں ضرور سن سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"میں تمہیں اب آزاد نہیں کروں گا۔ میں تمہیں اپنے ایک مرتبان میں قید کر کے رکھوں گا۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی ناگن کا انتقام راجہ اور رانی سے بھی لو گے کیونکہ مجھ سے انتقام لینے میں تم ناکام ہو گئے ہو!"

ناگ پھنی قید کئے جانے کے خیال سے کانپ اٹھا۔ وہ زور سے تڑپا۔ اس خیال سے کہ شاید وہ اپنے آپ کو عنبر کی گرفت سے آزاد کرا لے اور وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر عنبر کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس نے سانپ پوری طرح قابو میں کر لیا تھا۔ اس نے مسہری سے اٹھ کر ایک مرتبان کے منہ سے پتھر کا ڈھکنا اٹھایا اور سانپ کو اس کے اندر ڈال کر اوپر سے پتھر کا ڈھکنا رکھ دیا۔

"بس اب تم ساری زندگی اسی مرتبان میں گزارو گے اور ہم میں سے کسی کا کوئی نقصان نہ کر سکو گے۔ تمہاری ناگن نے راجہ پر ظلم کیا تھا وہ اسے ہلاک کر رہی تھی۔ میں نے اس سے پہلے کہ وہ ہلاک کرتی اسے ہلاک کر دیا۔"

عنبر دوبارہ مسہری پر لیٹ گیا۔

صبح اٹھ کر اس نے راجہ یا مہارانی کو سانپ کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اسی روز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہی جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ شمال کے ملک سے یاجوج قوم کا ایک بہت بڑا لشکر تبت پر حملہ کرنے چلا آرہا ہے۔ راجہ پریشان ہوگیا۔ اس نے اسی وقت عنبر کو دربار میں طلب کیا اور تازہ صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ جس ہُن قوم کی وحشی ملکہ نے تبت پر حملہ کرنا تھا اس نے تو حملہ نہ کیا اور یہ یاجوج قوم کی فوج کہاں سے آگئی؟ اس نے جاسوس کو بلا کر پوچھا۔

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے یاجوج قوم کی فوج کو دیکھا ہے"؟

"جی ہاں حضور! میں نے بلکہ دو تین پڑاؤ تک اس فوج کے ساتھ ایک تاجر بن کر سفر بھی کیا ہے۔ اس فوج کا ایک زرد رنگ کا چپٹی ناک والا خونخوار سالار ہے جو ہر روز ایک بکرے کو بھون کر ناشتہ کرتا ہے۔ اس کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک روز میرے سامنے اس نے ایک ہاتھی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کا کچومر نکال دیا"۔

"اس کا نام گومیز ہے حضور! اور وہ جب بولتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے پہاڑ پر سے بڑے بڑے پتھر نیچے گر رہے ہوں۔ اس کی ملکہ بھی ساتھ تھی مگر راستے میں ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ملکہ سے ناراض ہو کر اسے قتل کر کے اپنے پالتو چیتے کو کھلا دیا۔"

مہارانی کانپ اٹھی۔

"اتنا ظالم ہے وہ آدمی۔"

"ہاں مہارانی صاحبہ! میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے ایک ایک دن میں پچاس پچاس دشمن کے قیدیوں اور غلاموں کو ہلاک کرتے دیکھا ہے۔ انسان کو قتل کرنا تو اس کے لئے ایسا ہے جیسے کسی چیونٹی کو مسل دیا۔"

راجہ نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ اس کے پاس ہتھیار کون کون سے ہیں؟"

"اس کے پاس تلواریں ہیں۔ نیزے ہیں۔ بھالے ہیں۔ تیر کمان ہیں اور ایک نیا ہتھیار بھی ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔

"وہ نیا ہتھیار کون سا ہے؟"

جاسوس بولا

"یہ نیا ہتھیار ایک ایسی توپ ہے جو آگ پھینکتی ہے اس کی آگ سے سپاہی جل مرتے ہیں اور خیموں میں تباہی پھیل جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس وقت یاجوج کی فوج تمہارے خیال میں کس مقام پہ ہو گی؟"

"جہاں تک میرے اندازے کا تعلق ہے اس وقت یاجوج والوں کی فوج تبت سے چھ روز کی پیدل مسافت پہ ہو گی۔ اگر گومیز اسی طرح فوج کو آگے بڑھاتا چلا آیا تو وہ آج سے ٹھیک چھ روز بعد تبت کی سرحدوں میں گھس آئے گا۔"

راجہ نے کہا۔

"ہم یاجوج کی فوج کو کبھی اپنی سرحدوں میں گھسنے نہیں دیں گے۔ ہم کٹ مریں گے۔ مگر اپنا ملک اور اپنے ملک کے عوام دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ تم اب جا سکتے ہو۔"

راجہ نے جاسوس کو وہاں سے بھجوا دیا۔ اس کے بعد اس نے مہارانی کو بھی کہا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرے۔ اب کمرے میں راجہ اور عنبر اکیلے رہ گئے تھے۔ راجہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس کی فوج بہت تھوڑی اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ آج تک کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑی تھی۔ اسے لڑائی کا تجربہ بھی نہیں تھا۔ پھر وہ یاجوج کی وحشی اور خونخوار فوج کا کس طرح سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ راجہ نے عنبر سے پریشان ہو کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یاجوج کا لشکر تبت کی
سرحدوں پہ پہنچ گیا تو میں اپنی مٹھی بھر اور نا تجربہ کار فو
کے ساتھ اس کا مقابلہ کیسے کر سکوں گا۔“

عنبر نے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ تبت کی فوج بے
معمولی فوج ہے۔ اس کے سپاہیوں کو کسی قسم کی جنگ
کوئی تجربہ نہیں ہے اور ہماری فوج میں سوائے تیر کما
اور تلواروں کے اور کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔“

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی صورت میں ہم یق
یاجوج کی فوجوں سے شکست کھا جائیں گے اور پھر ا
ملک کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا جو میں کسی صور
بھی برداشت نہیں کر سکتا۔“

راجہ بہت پریشان تھا۔ وہ بالکل سچّا پریشان تھا
عنبر سے بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ اسے کوئی ایسا مشو
دے جس سے اس کا ملک دشمن کی بربادی سے بچ ج
اور وہ دشمن کو شکست بھی دے دے۔ عنبر نے ر
سے کہا۔

”مہاراج! یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں
ہم یاجوج کی فوج کو شکست بھی دے دیں اور ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک تباہی سے بھی بچ جائے۔ اس لئے کہ یا تو ہم اپنے دشمن کو شکست دیں گے اور یا پھر ملک کو برباد ہونے سے بچائیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ہوگا؟ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کیا تمہارے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ ہے جو ہمیں تباہی اور ذلت سے محفوظ رکھ سکے"؟

عنبر نے خوب سوچ سمجھ کر کہا۔

"اس کے سوا اور کیا منصوبہ ہو سکتا ہے مہاراج کہ یاجوج کے خونخوار لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے گومیز کے ساتھ صلح کی بات کی جائے۔"

راجہ سوچنے لگا۔ عنبر کی یہ بات اس کے دل کو لگی تھی۔

"لیکن عنبر! دشمن جب سر پہ پہنچ چکا ہو اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہو تو پھر وہ صلح اپنی شرطوں پر کرتا ہے۔ یاجوج فوج کا لشکر لے کر گومیز ہماری سرحدوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہوگا۔ اگر ہم نے اس وقت صلح کی بات کی تو ظاہر ہے کہ ہم اس سے ڈر کر صلح کریں گے اور گومیز پھر اپنی من مانی شرطیں منوائے گا۔"

"ایسا تو ہوگا ہی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس قسم کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرطیں ہمارے سامنے رکھے گا۔"

راجہ نے کہا۔

"وہ ضرور اپنا آدمی تبت کے تخت پر بٹھائے گا اور مجھے اس کا غلام بنا کر رکھ دے گا۔ وہ تبت کے سارے خزانے کو لوٹ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ وہ تبت کے پرانے مندروں کا سارا سونا اور ہیرے جواہرات سمیٹ لے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ صلح کے لئے تیار بھی نہ ہو۔"

"مہاراج اس کا فیصلہ تو اس سے بات کرنے کے بعد ہی ہو گا۔"

"لیکن عنبر ایک بار وہ ہماری سرحدوں پر آ کر بیٹھ گیا تو وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ہی چھوڑے گا۔"

عنبر نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا وہ چاہتا تھا کہ راجہ کی زبان سے صلح کی بات چیت کی بات کہلوائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ راجہ نے کہا۔

"اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ امن کے نام پر اپنے ملک کی سلامتی اور اُس کے عوام کی سلامتی کے نام پر یاجوج کے لشکر کے سالار اعظم گومیز سے تم صلح کی بات چیت کرو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر آپ کا حکم یہی ہے تو مجھے اس میں انکار کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ میں آج ہی یہاں سے کوچ کرتا ہوں"

راجہ کے حکم کے مطابق عنبر اسی روز رات کو بڑی خاموشی کے ساتھ تبت شہر سے نکل گیا۔ اس کے روانہ ہونے کی خبر کسی کو نہ دی گئی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ وہ راستے ہی میں گومیز سے مل کر راجہ کی طرف سے صلح کی پیش کش کرے اور اسے تبت پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ عنبر کو گومیز ایسے وحشی سالار اعظم سے نرم دلی کی توقع نہیں تھی۔ لیکن یہ اس کا انسانی فرض تھا کہ وہ سلامتی اور امن کے لئے صلح کی طرف قدم اٹھائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاجوج کا لشکر

عنبر کو صحرائے گوبی میں سفر کرتے تیسرا روز جا رہا تھا۔ چوتھے روز صحرا کی ریت ختم ہونا شروع ہو گئی اور خشک گھاس کے ویران میدانوں کا سلسلہ چل نکلا۔ سردی آہستہ آہستہ بڑھ گئی۔ پانچویں روز اس نے ایک ایسے پہاڑ کو عبور کیا جس کی چوٹیوں پر سفید برف جمی ہوئی تھی۔ اب وہ کاکیشیا کی وادی میں داخل ہو چکا تھا چھٹے روز اس نے ایک پہاڑی گھاٹی عبور کی اور جب باہر وادی میں آیا تو دریا کے کنارے یاجوج کا عظیم الشان لشکر خیمہ ڈالے پڑا تھا۔ وہ ٹیلے پر کھڑا ہو کر لشکر کے لمبے چوڑے خیموں کے سلسلے کو دیکھنے لگا۔ جدھر نظر اٹھاؤ فوج ہی فوج تھی۔ خیمے ہی خیمے لگے تھے۔ لشکر نے کشتیوں کا پل بنا کر دریا پار کر لیا تھا۔ عنبر نے فرعون کی فوجوں کے بعد پہلی بار کسی بادشاہ کا اتنا بڑا لاؤ لشکر دیکھا تھا یاجوج کی فوج ہن قوم کی وحشی فوج سے بھی بڑی فوج تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ شاہی جاسوس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطلاع بالکل درست تھی۔ اگر اس نے راجہ کی طرف سے صلح کی بات چیت نہ کی تو یہ فوج تو تبت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ سکتی ہے۔ اب اسے تذبذب سے زیادہ یہ فکر تھی کہ کیا گومیز راجہ کی طرف سے صلح کی پیش کش کو قبول کرے گا؟ ضرور وہ اپنی طرف بڑی ہی شدید قسم کی شرطیں لگائے گا۔ ظاہر ہے جو سپہ سالار اتنی دور سے اتنے لاؤ لشکر کے ساتھ۔ اتنا فاصلہ طے کر کے اور راستے کی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہے وہ آسان شرطوں پر ہرگز صلح نہیں کرے گا۔ وہ تو راجہ سے ضرور مطالبہ کرے گا کہ تبت کا سارا خزانہ اور ہیرے جواہرات اور سونا اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ حملہ نہیں کرے گا۔

سوال یہ تھا کہ کیا وہ اس پر بھی راضی ہو جائے گا؟ عنبر کو شبہ تھا کہ سپہ سالار اعظم تبت کے تخت پر قبضہ کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ مگر اس کی طرف سے کوشش کرنا اس کا فرض تھا۔ چنانچہ عنبر نے گھوڑے کی باگ یاجوج کے خیمہ زن لشکر کی طرف موڑ دی۔ دوپہر کے قریب وہ لشکر کے خیموں کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس وقت یاجوج فوج کے کچھ سپاہی دریا کنارے کی جھاڑیوں میں خرگوشوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا شکار کھیل رہے تھے۔ انہوں نے عنبر کو آتے دیکھا تو بغیر کچھ کہے سنے اس کی طرف تیروں کی بوچھاڑ کر دی عنبر کو سخت غصہ آیا کہ یہ اُلو کے پٹھے کس قسم کے سپاہی ہیں کہ خواہ مخواہ اس پر حملہ کر رہے ہیں اور اسے موقع دے رہے ہیں کہ وہ ان پر ظاہر کرے کہ موت اس کی قسمت میں نہیں لکھی اور ان کے تیر اثر نہیں کر رہے ہیں۔

یاجوج کے سپاہیوں کے تیر اس کے پاؤں کے قریب آکر زمین میں گڑ گئے۔ عنبر نے سوچا کہ سپاہیوں کا نشانہ خطا نہیں گیا۔ بلکہ انہوں نے یہ اسے خبردار کیا ہے کہ وہ جہاں ہے وہیں کا وہیں کھڑا رہے۔ عنبر وہیں رُک گیا۔ سپاہی اس کے قریب آکر اس کے اردگرد گھوڑوں پر چکر لگانے لگے۔ ایک نے گرج کر پوچھا۔

"کون ہو تم"؟

"میں تبت کے راجہ کا ایلچی ہوں اور تمہارے سپہ سالار کے لئے پیغام لایا ہوں"!

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کہاں ہے وہ پیغام ؟ تم بکواس کرتے ہو۔ قتل کر دو اسے"!

سپاہی تلواریں سونت کر اس کی طرف بڑھے۔ تو عنبر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھہرو! اتنی جلد بازی نہ کرو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے اس میں کوئی شک نہیں کہ میں راجہ کا پیام بر ہوں۔ اور تمہارے سپہ سالار گومیز کے لئے راجہ کا ایک ضروری پیغام لے کر آ رہا ہوں۔ مجھے اُس کے پاس لے چلو۔"

"تم دشمن کے جاسوس ہو۔ ہم تمہیں گومیز کے پاس لے جانے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے۔ اس کی گردن اڑا دو تلوار مار کر۔"

ایک سپاہی نے حکم سنتے ہی تلوار لہرا کر عنبر کی گردن پر ماری۔ عنبر نے اپنی تلوار نکال کر اس کا وار روک لیا۔ اب دونوں کی باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ دوسرے سپاہی بڑے مزے سے ان کا مقابلہ دیکھنے اور زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ ان کے لئے ایک تفریح ہے ایک کھیل ہے۔ وہ اپنے ساتھی کو بار بار کہہ رہے تھے۔

"قتل کر دو۔ اسے قتل کر دو۔"

"تلوار سے گردن اڑا دو۔"

"تلوار سے دونوں ٹانگیں کاٹ دو۔"

"اس کی کھوپڑی پاش پاش کر دو۔"

عنبر کو معلوم تھا کہ وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن وہ اپنی اتنی بڑی طاقت ان پر خواہ مخواہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سپہ سالار گومیز سے پر امن حالات میں صلح اور امن کی بات چیت کرے مگر، کم بختوں نے خوامخواہ ضد میں آکر اس سے لڑائی چھیڑ دی تھی اور اسے مجبوراً تلوار کھینچ کر لڑنا پڑ گیا تھا۔

عنبر سپاہی سے تلوار بازی بھی کر رہا تھا اور دوسرے سپاہیوں کو کہتا بھی جا رہا تھا کہ اسے لڑنے سے باز رکھ لو۔ میری بات غور سے سنو میں لڑنے نہیں بلکہ صلح کی بات کرنے آیا ہوں۔ میں لڑائی نہیں چاہتا میں کسی کا خون بہانا نہیں چاہتا۔ میں امن اور پیار کا پیغام لے کر آ رہا ہوں۔ مجھ کو کسی کا خون بہانے پہ مجبور نہ کرو۔

سپاہی نے چیخ مار کر کہا۔

"کمینے بزدل تبتی! بکواس بند کرو اور مردوں کی طرح میرا مقابلہ کرو۔ یا مجھے ہلاک کرو اور یا خود ہلاک ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

"میں اپنے ہاتھ تمہارے خون سے نہیں رنگنے چاہتا میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا اپنی تلوار نیام میں ڈال لو اور مجھے اپنے سپہ سالار گومیز کے پاس لے چلو تاکہ میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ کر دوں۔ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نے تلوار کا ایک بھرپور وار عنبر کے گھٹنے پر کرتے ہوئے کہا۔

"بزدل کمینے! مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!"

تلوار کا وار بڑا بھرپور تھا اور وہ عنبر کے گھٹنے پر پورے کا پورا پڑا تھا۔ مگر دشمن کی تلوار اچٹ کر دور جا گری۔ سپاہی ابھی حیران ہی ہو رہا تھا کہ دوسرے ساتھیوں نے نعرہ لگا کر اپنی تلوار اس کی طرف پھینک دی۔ سپاہی نے زمین پر سے تلوار اٹھائی اور پہلے سے بھی زیادہ وحشت اور جوش کے ساتھ عنبر پہ بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگا۔ ابھی تک عنبر نے آگے بڑھ کر سپاہی پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اپنے وار بچا رہا تھا۔ مگر سپاہی آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ عنبر ایک بزدل شخص ہے اور لڑائی سے گھبرا کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ چنانچہ سپاہی نے عنبر کے منہ پہ تھوک کر کہا۔

"بزدل نامرد! تم مجھ سے بھاگ نہ سکو گے۔ میں تمہاری قبر تک تمہارا پیچھا کروں گا!"

عنبر کو بے حد طیش آ گیا۔ خون اس کی آنکھوں میں اتر آیا آخر وہ مصر کے شاہی فرعون کا بیٹا تھا اور مصر کا شہزادہ تھا پھر بھی اس نے بڑے تحمل اور بردباری سے کام لیا اور

تلوار چلاتے چلاتے سپاہی کا ہر وار روکتے روکتے دوسرے سپاہیوں سے کہا۔

"اپنے ساتھی کو روک لو۔ ورنہ تم سب کو پچھتانا پڑے گا۔"

"بکواس بند کرو اے تہمت کے جاسوس اور اپنی موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"میں جاسوس نہیں ہوں میں راجہ کا پیغام بر ہوں۔ مجھ سے لڑائی مت کرو۔ مجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے چلو۔ میں ایک نہایت ضروری پیغام لے کر آ رہا ہوں۔"

"ہم تمہیں اسی جگہ قتل کر کے تمہاری قبر بنائیں گے اور پھر تمہاری قبر پہ ہمارے گھوڑے دوڑا کریں گے اور ہم تجھے یاد کر کے کہا کریں گے کہ ایک بزدل اس جگہ قتل ہوا تھا۔"

عنبر نے بلند آواز سے کہا۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ میں شاہی خاندان کا بہادر شہزادہ ہوں۔ مجھ کو انتقام لینے پہ آمادہ نہ کرو۔ میری صلح کی پیشکش قبول کرو۔ میں ایک صلح کا منصوبہ لے کر یہاں آیا ہوں۔ نہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرو اور نہ مجھ سے ہلاک ہو کر خون سے اس زمین کو لالہ زار کرو۔"

"خاموش ذلیل قوم کے کُتے!"

عنبر یاجوج فوج کے سپاہی کی یہ گالی برداشت نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکا۔ اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ سپاہی کو اس کی گالی اور بدزبانی کا مزہ ضرور چکھانا چاہیئے۔ اب اسے اپنی عزت بچانی تھی اور دشمن پر یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ نہ تو بزدل ہے اور نہ بے غیرت۔ چنانچہ اب وہ باقاعدہ سپاہی کے وار کا جواب دینے لگا۔ پہلے وہ صرف اس کے وار روک رہا تھا۔ اب اس نے بھی وار کرنے شروع کر دیئے اس کو وار کرتے اور تلوار چلاتے دیکھ کر سپاہی کچھ پریشان سا ہوا۔ کیونکہ اس کے تلوار چلانے کے انداز میں شہزادوں اور سپہ سالاروں کا سا وقار اور بہادروں کی تجربہ کاری اور پھرتی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس نے کئی جنگوں میں بڑے بڑے سپہ سالاروں سے لڑائی کی ہو۔ پھر بھی یاجوجی سپاہی نے ہمت نہ ہاری اور آگے بڑھ کر ایک ایسا وار کیا کہ اگر عنبر نہ روکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی۔ عنبر نے جوابی طور پر اپنی تلوار پہلو بچا کر سپاہی کے دل پر رکھ کر اندر اتار دی۔ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ سپاہی زمین پر گر کر خون میں نہا گیا اور تڑپنے لگا۔

اسے تڑپتا دیکھ دوسرے سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے وہ ہر طرف سے اس پر وار کرنے لگے۔ مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ بجائے اسے قتل کرنے کے خود ایک ایک کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل ہونا شروع ہو گئے۔ جب زمین پر چھ سپاہیوں کی لاشیں
خاک و خون میں تڑپنے لگیں تو باقی سپاہی اپنی اپنی تلوا
وہیں پھینک کر خیموں کی طرف اٹھ دوڑے۔ عنبر وہ
رک گیا۔ اس نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لے
کہ وہ وہاں ان کے ساتھ لڑائی کرنے نہیں آیا تھا۔ لڑائی پہ
تو ان لوگوں کی ضد اور بے وقوفی نے اسے مجبور کر دیا

عنبر نے تلوار نیام میں رکھ کر ماتھے کا پسینہ پونچھا ہی
تھا کہ قریب کی جھاڑیوں سے کسی نے تالی بجا کر کہا۔

"شاباش نوجوان! شاباش! تم ایک بہادر سپاہی ہو

عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ جھاڑیوں میں سے ایک چپٹی
ناک، عقابی آنکھوں اور زرد رنگ کا وحشی آدمی باہ
نکل کر اس کے پاس آگیا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہا
مار کر کہا۔

"اگرچہ تم نے میرے چھ سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے
مگر میں تمہاری بہادری سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ میں
نے ان کے ساتھ تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں
انہوں نے تمہیں لڑائی پر مجبور کیا تھا اور اب اس کا
مزہ چکھ لیا ہے۔ وہ بہادری کی موت مرے ہیں او
تم نے بڑی بہادری سے انہیں ہلاک کیا ہے۔ یہ بتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم کون ہو اور تبت کے راجہ سے کیا پیغام لائے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں"؟

زرد رنگ کے خونخوار آنکھوں اور چپٹی ناک والے آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اے نوجوان! تم اس وقت یاجوج کے لشکر کے سپہ سالار اعظم گومیز کے سامنے کھڑے ہو۔ کہو یقین آیا کہ میں کون ہوں؟"

عنبر نے جھک کر گومیز کو سلام کیا اور کہا۔

"اے قابل عزت گومیز! یاجوج کے عظیم لشکر کے سپہ سالار اعظم! میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔"

"تم راجہ کی طرف سے کون سا پیغام لائے ہو"؟

"اگر اجازت ہو تو میں آپ کو آپ کے خیمے میں چل کر بیان کروں۔"

"ہاں ضرور ضرور۔ آؤ میرے ساتھ۔ میرا خیمہ دریا کنارے ہی ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

اور سپہ سالار اعظم گومیز عنبر کو ساتھ لے کر اپنے خیمے میں آ گیا۔

گومیز کا خیمہ کافی کشادہ تھا۔ زمین پر قسم قسم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قالین اور شیروں کی کھالیں بچھی تھیں۔ دیواروں اور بانسوں کے ساتھ تلواریں، ڈھالیں اور نیزے لٹک رہے تھے۔ حبشی غلام چاروں طرف ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ گومیز نے خیمے میں داخل ہوتے ہی تالی بجائی۔ چاروں حبشی سر جھکا کر باہر چلے گئے گومیز نے عنبر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عنبر نرم نرم گدیلے دار تخت پر بیٹھ گیا۔ ایک غلام سرخ اناروں کا رس لے آیا۔ عنبر نے رس پیا اور تازہ دم ہو گیا۔ سپہ سالار اعظم نے کہا۔

"نوجوان! اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا پیغام لائے ہو"؟

عنبر نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کی۔

"اے سپہ سالار اعظم! میں تبت کے راجہ کا خاص ایلچی ہوں اور اس کی طرف سے سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیغام عرض کر دوں۔

"ہاں اجازت ہے"!

"اے سپہ سالار اعظم! میرے ملک تبت کے راجہ نے درخواست کی ہے کہ وہ انسانوں کا خون بہانے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گریز کرتے ہوئے آپ کے ساتھ صلح کی بات چیت شروع کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ آپ کن شرطوں پر صلح کی بات چیت شروع کریں گے۔

سپہ سالار نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"ہم سنت کے راجہ کو اس قدر بزدل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے دبدبے سے ہی ڈر کر ہتھیار ڈال دے گا۔ کم از کم تم جو کہ اس بزدل راجہ کے ایلچی ہو اتنے بزدل نہیں ہو۔ تم نے تو چھ سپاہیوں کا اکیلے ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہے، پھر تمہارا راجہ اتنا بزدل کیوں ہے"؟

عنبر نے کہا۔

"سپہ سالار اعظم! میرا راجہ امن پسند ہے۔ وہ سلامتی اور محبت کا آدمی ہے، وہ لڑائی پسند نہیں کرتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کی سلطنت میں لوگوں کا قتلِ عام ہو، عورتیں اور بچے خاک و خون میں تڑپیں اور ان کے مکانوں آگ لگا دی جائے اور وہ جنگ کی بھینٹ [illegible] کریں۔ اس لئے اس نے انتہائی خلوص [illegible] اور نیک نیتی کے ساتھ صرف امن اور سلامتی کے نام پر آپ [illegible] آگے صلح کا ہاتھ پھیلایا ہے۔ میری بھی یہی خواہش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے حضور کہ آپ جنگ اور جنگ کے قتل عام سے پرہیز
کریں اور راجہ کے ساتھ صلح کی بات چیت کا آغاز کری

سپہ سالار گومیز نے شیطان کی طرح قہقہہ لگایا۔

”مجھے کبھی یقین نہیں آ سکتا کہ تم جس نے ابھی میری
آنکھوں کے سامنے چھ سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے۔ ایک پل
کے اندر اندر اتنے بزدل ہو جاؤ گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں
میں ایک بہادر اور خونخوار قوم کا سپاہی ہوں؟ کیا تمہ
معلوم نہیں کہ میں اپنے سپاہیوں کو سفر کی مصیبتیں برداش
کراتا یہاں تک لایا ہوں؟ آخر کس لئے؟ صرف اس
کہ ہم ایک ملک کو فتح کرنے وہاں کا سونا چاندی، ہیر
جواہرات اور خزانہ لوٹیں گے۔ میں انہیں خالی ہاتھ کی
واپس لے جا سکتا ہوں؟ اور پھر اپنی قوم کو جا کر کیا
دکھاؤں گا؟“

عنبر نے کہا

”آپ اس سلسلے میں اپنی شرطیں بتا سکتے ہیں۔ آ
کو میرا راجہ سارا خزانہ سونا اور ہیرے جواہرات د
دے گا۔ اس سے زیادہ اور آپ کیا چاہتے ہیں؟

گومیز نے عنبر کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا

”راجہ اپنا خزانہ دے کر مجھ پہ احسان نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خزانہ تو میں ویسے بھی جنگ کر کے اس سے حاصل کر لوں گا۔ میری شرط یہ ہے کہ جب میں اپنی فوج کے ساتھ اس کے ملک میں داخل ہوں تو راجہ اپنا تخت اپنا سارا خزانہ اپنے سارے شہزادے، ساری شہزادیاں، ساری رانیاں اور سارے مندر میرے حوالے کر دے۔ میں اس کے سامنے اس کے سارے شہزادوں کی گردنیں قلم کر دوں گا۔ تاکہ اس کی نسل سے آئندہ کوئی راجہ بن کر تہت کے تخت پر نہ بیٹھ سکے۔ جا کر اپنے راجہ سے کہہ دو کہ اگر اُسے میری یہ شرط منظور ہے تو میں اس کے ملک میں قتل عام نہیں کروں گا اور لوگوں کے گھروں کو لوٹ کر آگ نہیں لگاؤں گا۔"

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے گومیز سے کہا کہ اسے سوچنے کا موقع دیا جائے۔

گومیز نے کہا کہ یہاں سوچنے سے کیا ہو گا؟ بہتر یہی ہے کہ تم واپس اپنے راجہ کے پاس جا کر سوچو اور مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر اسی جگہ دریا کے کنارے آ کر اطلاع دو کہ راجہ نے کیا سوچا ہے؟ کیا اسے میری شرط منظور ہے یا نہیں؟

اگر تم ایک ہفتے کے اندر اندر یہاں نہ پہنچے تو میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لشکر تبت کی طرف کوچ کر دے گا۔

عنبر نے رات وہیں ٹھہر کر صبح وہاں سے تبت کی طرف روانہ ہونے کی اجازت لی اور ایک خیمے کے اندر آکر قالین پر لیٹ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوارِ چین

عنبر اپنے خیمے میں لیٹا رات بھر سوچتا رہا۔

وہ بڑی بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ سپہ سالارِ اعظم ایک خونخوار وحشی انسان تھا۔ اور وہ تبت میں آکر بے گناہ انسانوں، عورتوں اور بچوں کا خون بہانا چاہتا تھا۔ جسے عنبر کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ راجہ نے اسے ہر قسم کی اجازت ، رکھی تھی کہ موقع پر وہ جیسے مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا اور بڑے سکون کے ساتھ سو گیا۔ اگلے روز اسے سپہ سالار نے بلایا اور پوچھا کہ وہ کب راجہ سے بات چیت کرنے واپس جا رہا ہے؟ عنبر نے کہا۔

"اے سپہ سالار اعظم! میں تبت نہیں جا رہا۔"

گومیز نے پوچھا۔

"تو پھر فیصلہ کیسے ہوگا؟"

"فیصلہ میں نے کر لیا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"راجہ نے مجھے اختیار دے رکھا ہے کہ میں موقع مناسب دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہوں اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم آپ کی یہ شرطیں قبول نہیں کر سکتے۔ ہم آپ کو اپنے معصوم بچوں اور عورتوں کے قتل کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ ظلم ہم برداشت نہیں کر سکتے۔"

گومیز نے غصے میں کہا۔

"اے نوجوان! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم پوری طرح ہوش میں رہ کر مجھ سے بات کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے سامنے کھڑے ہو اور کس سے بات کر رہے ہو؟"

عنبر نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"اے سپہ سالار اعظم! میں پوری طرح ہوش میں ہوں۔ مجھے پوری طرح معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں کس سے بات کر رہا ہوں اور کیا بات کر رہا ہوں۔ میں تبت کے ماہو کی طرف سے آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں آپ کی شرط منظور نہیں ہے۔"

"تو پھر تمہیں میرے لشکر عظیم کا مقابلہ کرنا ہوگا جو تم نہیں کر سکو گے۔ میرا لشکر تمہارے شہر کو تباہ و برباد کر گا۔ تمہارے بچوں کو ذبح کر دے گا۔ تمہاری عورتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سروں کو نیزوں پر پرو دے گا اور تمہارے شاہی محلوں اور مکانوں کو آگ لگا دے گا۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

عنبر نے انتہائی تحمل سے کہا۔

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے سپہ سالار اعظم!"

یہ ایک ایسی گستاخی کی بات تھی کہ جسے گومیز ایسا خونخوار سپاہی کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دانت پیس کر عنبر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ پر ایک بھرپور طمانچہ مار کر کہا۔

"تبت کے کتے! اگر پھر کوئی بات کی تو میں زبان کھینچ کر باہر نکال لوں گا۔"

عنبر نے پھر اسی سکون کے ساتھ کہا۔

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے گومیز! جب آپ تبت پر حملہ کرنے کے لئے یہاں سے کوچ کریں گے تو آپ کے سامنے ایک ایسی لمبی چوڑی دیوار کھڑی ہو گی جس کو آپ کا لشکر اگر ساری زندگی کوشش کرتا رہے تو عبور نہ کر سکے گا۔"

سپہ سالار نے طیش میں آ کر نیام سے تلوار کھینچ لی اور چیخ کر کہا۔

"تمہارا آخری وقت آگیا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر کے سینے میں پوری کی پوری تلوار اتار دی۔ اس کا خیال کیا بلکہ اسے یقین تھا کہ اس کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹے گا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر کر تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ سپہ سالارِ اعظم نے جب اپنی تلوار عنبر کے سینے سے باہر کھینچی تو وہ اسی طرح کھڑا بڑے سکون اور بغیر کسی تکلیف یا درد کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گومیز کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عنبر کے سینے میں جہاں تلوار گھسی تھی وہاں زخم کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا اور خون کا ایک ننھا سا قطرہ بھی باہر نہیں گرا تھا۔

گومیز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے یا شاید اس کی تلوار عنبر کے سینے میں نہیں اتری تھی۔ اس نے غصے میں آکر دوبارہ اپنی تلوار عنبر کے سینے میں گھونپ دی۔ اب کی دفعہ بھی وہی ہوا نہ خون نکلا اور نہ عنبر کے سینے پہ کوئی زخم لگا تلوار باہر نکل آئی اور عنبر اپنی جگہ پہ ویسے کا ویسا کھڑا رہا۔ اب تو گومیز کا سر چکرا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملنا شروع کر دیں کہ وہ شاید کوئی خواب دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اے گومیز! تم خواب نہیں دیکھ رہے اپنی آنکھیں مت ملو۔ تم ایک حقیقت کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو تمہاری تلوار نے دو بار میرے سینے کو چھلنی کیا ہے۔ مگر تم دیکھ سکتے ہو کہ دونوں بار زخم مل گیا ہے۔ نہ خون بہا ہے نہ زخم لگا ہے۔"

"یہ ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" گومیز نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو گیا ہے؟ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ تم بھی دیکھو کہ یہ ہو گیا ہے اور یہ اس لئے ہو گیا ہے کہ میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ دنیا میں کوئی شخص ابھی پیدا نہیں ہوا جو مجھے ہلاک کر سکے۔ اسی لئے میں تم سے ایک بار پھر کہوں گا کہ تبت پر حملے سے باز آجاؤ۔"

گومیز نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"میں حملہ ضرور کروں گا۔ مجھے تبت پہ حملے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ میں تبت شہر کو برباد کر کے ہی دم لوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تم ایسا نہ کر سکو گے۔ ذرا اپنے خیمے سے باہر نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیکھو۔ تمہارے اور تبت کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی ہو گئی ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک چلی گئی ہے اور جو اتنی اونچی ہے کہ آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ تمہاری فوج اس دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔ مگر اسے زندگی بھر عبور نہ کر سکے گی۔"

گومیز نے تڑپ کر کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ راتوں رات اتنی لمبی چوڑی دیوار تعمیر کر سکو۔"

"باہر نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ ایسا ہو گیا ہے اور وہ دیوار تعمیر ہو چکی ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

یہ کہہ کر گومیز خیمے سے باہر نکل گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔ باہر اس سے پہلے ہی یاجوج کی فوج کے سپاہی ٹولیوں کی صورت میں کھڑے اس دیوار کو حیرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے جو مشرق سے مغرب تک ایک سمندر کی بلند ترین لہر کی طرح چلی گئی تھی۔ گومیز نے اس دیوار کو دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کے سامنے میدان میں ایک اونچی پتھریلی دیوار مشرق سے لے کر مغرب تک۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی پھیلتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلی گئی تھی۔ دیوار بے حد اونچی تھی اور اس کے کناروں پر برجیاں بنی تھیں جن کے اندر ایک ایک شیر کھڑا اس کی فوج کی طرف دیکھ کر گرج رہا تھا۔

گومیز نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔

"یہ جادوگری ہے۔ یہ دھوکا ہے میں اس دیوار کو ڈھا دوں گا"

اور گومیز گھوڑے پر سوار ہو کر دیوار کی طرف اٹھ دوڑا۔ دوسرے سپاہی بھی اس کے پیچھے تلواریں لہراتے دوڑ پڑے۔ دیوار کے پاس جا کر انہوں نے دیوار پر دھڑا دھڑ تلواریں چلانی شروع کر دیں۔ پہلے ہی وار سے ان کی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ دیوار کے پتھر پہاڑوں کے پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ اس کے ساتھ ہی دیوار کے اوپر سے شیروں نے دھاڑنا شروع کر دیا اور گومیز کے سپاہیوں پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ سارے کے سارے سپاہی ہلاک ہو گئے۔ گومیز بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس بھاگا۔

گومیز نے طیش کے عالم میں کہا۔

"میں اس دیوار سے انتقام لوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گومیز! خواب کی دنیا سے نکل کر حقیقت کو تسلیم کرو جس دیوار سے ٹکرانے کے تم خواب دیکھ رہے ہو اس کو تمہاری آنے والی نسلیں بھی پار نہ کر سکیں گی۔ آج سے تقدیر نے فیصلہ کر دیا ہے کہ یاجوج قوم کے سپاہی کبھی اس دیوار کے پار نہ جا سکیں گے۔ وہ ساری رات اس دیوار کو چاٹتے رہیں گے اور صبح دیوار کے پتھروں کو اتنا ہی مضبوط اور سخت پائیں گے جتنا وہ رات کو تھے۔ میں واپس جا رہا ہوں"!

"کیا تم اسی دیوار کو پار کر کے جاؤ گے"؟

"ہاں! میں اسی دیوار کے اوپر سے ہو کر جاؤں گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو"۔

اتنا کہہ کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور دیوار کی طرف روانہ ہو گیا۔ سارا لشکر اور خود گومیز ٹیلے پہ کھڑا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ شخص اس دیوار کو کہاں سے اور کس طرح پار کرے گا۔ عنبر دیوار کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ اس نے پلٹ کر گومیز کی طرف دیکھا اور ہاتھ ہلایا۔

اس کے بعد اس نے گھوڑے کو چابک ماری اور گھوڑے نے زمین پر سے اٹھ کر ہوا میں اڑنا شروع کر دیا یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر نے اپنے گھوڑے کو ہوا میں اڑایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس نے راتوں رات دیو کی بلیطیس سے مل کر اس سے دیوار چین بنانے اور ہوا میں اڑ کر دریا کو پار کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ یاجوج کا لشکر اور گومیز اسے پھٹی پھٹی آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ ہوا میں اڑتا دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عنبر کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کے سامنے ان کی کوئی پیش نہیں چل سکتی تھی۔ وہ اگر تبت پہ حملہ بھی کرتے تو انہیں زبردست شکست ہوتی۔

عنبر اڑتے اڑتے جب دیوار کے اوپر پہنچا تو بڑے آرام کے ساتھ اس کی دوسری جانب اترنا شروع ہو گیا۔ اس کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی یاجوج کے لشکریوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے کہ تبت پہ حملہ کرو۔ ہمیں خزانہ دو۔ ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کرو۔ ہمیں تبت کا سونا دو۔ ہمیں جواہرات دو۔ ہم واپس نہیں جائیں گے۔ گومیز نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ مگر سپاہی بپھر گئے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے کہ وہ تبت پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے بے فائدہ سفر کی مصیبتیں برداشت کیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اب واپسی پر بھی برداشت کریں گے؟ سپاہیوں نے تلواریں سونت لیں۔ کچھ سپاہیوں نے سپہ سالار کی طرف داری کی۔ انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔

سارے کے سارے لشکر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی وہ فوج جو دوسروں کو قتل کرنے کا مذموم ارادہ لے کر گھر سے نکلی تھی۔ اب آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے میدان جنگ میں سپاہیوں کی لاشیں تڑپنے لگیں۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ سپاہیوں نے توپوں کی مدد سے ایک دوسرے پر آگ برسانی شروع کر دی۔ آگ، خون بربادی، موت۔ چند لمحوں کے بعد اسی میدان میں سپہ سالار اعظم کی لاش بھی تڑپ رہی تھی۔

عنبر دیوار سے دوسری طرف آکر زمین پر اتر گیا۔

حقیقت یہ تھی جیسا کہ بعد میں دیوی بلیقیس نے اسے بتایا کہ نہ تو وہاں کوئی اتنی لمبی چوڑی دیوار کھڑی کی گئی تھی اور نہ عنبر گھوڑے پر اڑا تھا۔ یہ سب کچھ خیال کی طاقت کے ذریعے دشمن کی فوجوں اور اس کے سپہ سالار کو یقین دلا دیا گیا تھا کہ اس کے سامنے ایک دیوار کھڑی ہے اور عنبر نے یہ اس قدر اعتماد اور بھروسے کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔۔ تھا کہ دشمن کی آنکھوں کے سامنے سچ مچ کی ایک دیوار جیسے ہی خیال میں کھڑی ہو گئی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ نظر کا دھوکہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر دیوار خیالی تھی تو عنبر کا گھوڑے پر اڑنا بھی خیالی تھا۔

عنبر بہر حال کامیاب ہو کر وہاں سے چلا تھا۔ اس نے راجہ کو صرف صلح کی ذلیل کر دینے والی شرطوں ہی سے نہیں بچایا تھا بلکہ ایک اعتبار سے دشمن کو شکست دے کر دہیں سے پیچھے مار بھگایا تھا۔ واپسی کا سفر بڑا کٹھن تھا اس لئے کہ موسم بے حد خراب ہو گیا تھا عنبر کو راستے میں کئی روز ایک جھونپڑے میں قیام کرنا پڑا۔ کیونکہ برف کا شدید طوفان چل رہا تھا۔ آخر وہ تبت پہنچ گیا۔

اس کے آنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ وہ سیدھا شاہی محل پہنچا۔ خدمت گذار نے راجہ کو آکر اطلاع دی کہ عنبر وزیر خاص تشریف لے آئے ہیں اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ راجہ ایک دم مسہری پر سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے کہا۔

"ہمارے وزیرِ خاص کو فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔"

تھوڑی دیر بعد عنبر راجہ کے پاس بیٹھا اسے اپنے سفر کی کہانی سنا رہا تھا۔ جب اس نے راجہ کو بتایا کہ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یاجوج کی فوج پر راجہ کے لشکر اور جنگی طاقت کی ایسی دہشت ڈالی کہ گومیز ڈر کر وہیں سے واپس ہو گیا ہے تو راجہ کو یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے عنبر؟ گومیز کا اتنا بڑا لشکر اتنی دور آکر اتنی آسانی سے کیسے واپس جا سکتا ہے"؟

"لیکن وہ تو واپس چلا گیا ہے مہاراج"!

"یقین نہیں آتا"!

"آپ جاسوس بھیج کر صورت حال معلوم کر سکتے ہیں"!

اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو عنبر تو تم نے ایک اتنا بڑا کارنامہ اکیلے نے کیا ہے جو میری ساری فوج مل کر نہیں کر سکتی تھی"!

راجہ نے اسی وقت شاہی جاسوسوں کی ایک ٹولی برق رفتار گھوڑوں پر سوار کرا کر یہ معلوم کرنے کے لئے روانہ کر دی کہ یاجوج کا لشکر کہاں ہے؟ یہ ٹولی چھ دن کے سفر کے بعد واپس تبت پہنچ گئی۔ اس نے راجہ کو آکر بتایا کہ یاجوج کا لشکر دریا پار کر کے اپنے ملک کی طرف بہت آگے جا چکا ہے۔ راجہ نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے اس کے عوام کو ایک بھیانک قتل عام سے بچا لیا تھا۔ ان کی عزت و آبرو کو بچا لیا تھا۔ ان کی جائیدادوں کو جل کر راکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے سے بچا لیا تھا۔ راجہ نے ایک خاص جلسہ کیا جس میں عنبر کو ملک کا سب سے عقل مند اور بہادر انسان کا خطاب دیا گیا۔ عنبر کو ایسے خطاب کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اسے دلی خوشی ہوئی تھی کہ وہ بے گناہ اور غریب لوگوں کے کام آیا ہے۔ اگر وہ یاجوج کی فوج کے راستے میں دیوار کھڑی نہ کرتا تو وہ وحشی لوگ وہاں آکر ایسی تباہی مچاتے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہ ملتی۔

اس دوران میں ناگ پھنی عنبر کے کمرے میں مرتبان میں پڑا رہا۔ وہ ہر روز صبح کو ڈھکنا اٹھا کر اسے دیکھ لیتا اور تھوڑا سا دودھ اندر ڈال کر ڈھکنا بند کر دیتا۔ عنبر کو اتنا علم ہو چکا تھا کہ یہ سانپ بھی کئی سو سالہ پرانا ہے اور شاید بہت جلد یہ بھی آدمی کی شکل اختیار کرنے کے قابل ہو جائے۔ دو ایک بار اس نے سوچا کہ سانپ کو ہلاک کر دے۔ پھر اسے یہ خیال آیا کہ سانپ نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس کو ہلاک کرے۔ چنانچہ وہ سانپ کی طرف سے غافل ہو گیا۔

تبت کے دربار میں ملک یونان کا ایک سفیر آیا جس کی زبانی معلوم ہوا کہ یونان کے شہر مقدونیہ سے اٹھ کر ایک نوجوان جرنیل سکندر نکاٹورس لے سارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یونان اور مصر پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ خبر عنبر کے لیئے بڑی حیرت انگیز تھی۔ کیونکہ مصر اس زمانے میں ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ اس کے بعد اگر دنیا میں اس وقت کوئی زبردست طاقت مصر کا مقابلہ کرتی تھی تو وہ ایران کی سلطنت تھی جہاں دارا بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ جو نوجوان یونانی سردار مصر کو فتح کر سکتا ہے وہ یقیناً ایران کی طرف بھی چڑھائی کرے گا۔ اس کا دل اب تبت سے بیزار ہوگیا اور سوچنے لگا کہ کسی طرح یونان پہنچ کر سکندر اعظم کے دربار میں جائے اور اس سے ملاقات کرے۔ مگر تبت سے یونان ایک بے حد طویل سفر تھا وہ خشکی کے راستے کئی مہینوں میں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ چین کی طرف نکل جائے اور وہاں سے بحری جہاز کے کے ذریعے سمندر میں سفر اختیار کرے تو جلدی پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں چین کے بادبانی جہاز بڑے تیز رفتار تھے۔ اور خلیج ٹونکن سے لے کر بحیرہ روم تک سفر کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک روز وہ یونان کے سفیر سے ملاقات کرنے گھر سے نکل پڑا۔ اس کے جانے کے بعد ایسا ہوا کہ مہارانی کسی کام سے اس کے کمرے میں آئی۔ اس نے دیکھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر وہاں نہیں ہے۔ اس کا کمرہ خالی تھا۔ وہ واپس جانے ہی والی تھی کہ اچانک اس کی نظر سفید سنگِ مرمر کے اس مرتبان پر پڑی جس میں ناگ پھنی تھا۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ مرتبان وہاں کہاں سے آگیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑے غور سے مرتبان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر اس نے مرتبان کا ڈھکنا اٹھا دیا کہ بھلا دیکھے تو اس کے اندر کیا ہے۔ ڈھکنے کا اٹھنا تھا کہ ایک زوردار پھنکار مار کر سانپ باہر نکل آیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے مہارانی کو ہاتھ پر ڈسا اور فرش پر رینگتا ہوا غائب ہوگیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہارانی کی موت

عنبر یونان کے سفیر کے ہاں پہنچ گیا۔

یونانی سفیر نے عنبر کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور اس کو پھل اور سرخ قندھار کے انگوروں کا مربہ پیش کیا۔ عنبر نے یونانی جرنیل سکندر اعظم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بارے میں بات چیت کی تو یونانی سفیر نے اسے بتایا کہ اس وقت دنیا کے کسی ملک میں سکندر اعظم کے برابر کا بہادر اور کم عمر جرنیل نہیں ہے۔ وہ شاہ فلپ کا بیٹا ہے اور اس نے اپنی بہادری، کردار کی بلندی اور ارادے کی مضبوطی سے یونان میں ایک دیوتا کی شکل اختیار کر لی ہے۔

"ہم یونان کے لوگ اپنے جرنیل سکندر اعظم کو ایک دیوتا سمجھتے ہیں۔ اس نے یونان کی سلطنت کو بحیرہ روم سے لے کر بحیرہ عرب تک پھیلا دیا ہے۔ اس کے دبدبے سے دنیا کے بڑے سے بڑے بہادر سپہ سالار کانپتے ہیں وہ ایک دلیر اور عظمت والا سپاہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے پوچھا۔

"کیا مصر پہ بھی آپ کی فوج نے قبضہ کر لیا ہے"؟

یونانی سفیر بولا۔

"جی ہاں ہم نے سب سے پہلے مصر کو ہی فتح کیا تھا۔ مصر پہ ایک ایسے کمزور اور عیش پسند فرعون کی حکومت تھی جس کے ہاتھوں وہاں کے عوام بے حد تنگ آئے ہوئے تھے"۔

"کیا یونانی فوج نے مصر کے پرانے مقبروں کو بھی ڈھا دیا ہے"؟

"نہیں! یونانی فوج ایسا نہیں کرتی۔ اسے سکندر اعظم کی طرف سے خاص طور پہ حکم ملا ہے کہ جس شہر میں وہ داخل ہوں وہاں کسی عمارت کو نہ ڈھائیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کوئی دو ہزار برس کے بعد اس دنیا میں ایک انصاف پسند اور نیک دل جرنیل کی آمد کے بارے میں سُن رہا ہوں"۔

یونانی سفیر نے حیرانی سے کہا۔

"کیا مطلب"؟

عنبر نے فوراً سنبھل کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا مطلب یہ ہے کہ تاریخ میں سکندرِ اعظم ایسا سپاہی زاروں برس کے بعد پیدا ہوا ہے۔"

یونانی سفیر نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں! جی ہاں! اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے سکاٹورس سکندرِ اعظم کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ ور پھر سکندر کو علم و حکمت سے بھی بے حد شوق ہے۔ اس نے اپنے دربار میں یونان کے بہترین فلسفی اور عقلمند استاد جمع کر رکھے ہیں۔ خود اس نے اپنی تعلیم ارسطو ایسے باکمال فلسفی سے حاصل کی ہے۔"

"کیا ارسطو کوئی بہت لائق استاد ہے"؟

"کیوں نہیں ارسطو کا مقابلہ اس وقت دنیا میں کوئی بھی فلسفی نہیں کر سکتا۔ وہ سکندر کا استاد ہے اور اس کے ساتھ ہی دربار میں رہتا ہے۔"

"شکریہ جناب آپ کا" عنبر نے یونانی سفیر سے کہا۔ "آپ نے اپنے ملک اور اپنے بہادر بادشاہ سکندرِ اعظم کے بارے میں مجھے بڑی مفید معلومات دیں۔"

عنبر نے یونانی سفیر کو جھک کر ادب سے سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے اپنے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب ادھر ذرا مہارانی کا حال بھی سنیئے۔ ناگ نے مہارانی کو ڈسا تو وہ چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔ دہشت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ویسے سانپ کا زہر بھی بڑا مہلک تھا۔ زہر نے اسی وقت اپنا کام شروع کر دیا۔ کمرے میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ مہارانی کا گلا اس قدر خشک ہو گیا کہ اس سے آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ اس پہ کمزوری اور زہر کے اثر کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ اتفاق سے عنبر کا ملازم اندر داخل ہوا۔ اس نے مہارانی کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھا تو شور مچا دیا۔

سارے محل میں افراتفری مچ گئی۔

راجہ خود وہاں پہنچ گیا۔ جلدی سے مہارانی کو اٹھا کر خاص کمرے میں مسہری پر لٹا دیا گیا۔ زہر برابر اثر کر رہا تھا۔ مہارانی کا رنگ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ راجہ نے اسی وقت عنبر کی تلاش میں سپاہی دوڑا دیئے۔ عنبر یونانی سفیر کے گھر سے اپنے گھر تک ابھی آدھے راستے میں تھا کہ سپاہیوں نے آکر بڑی گھبراہٹ میں بتایا کہ مہارانی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔

"کون سے سانپ نے؟"

حضور! آپ کے مرتبان میں جو تھا۔"

عنبر سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے معلوم تھا کہ اس ناگ پھنی کے کاٹے کا کوئی پانی نہیں مانگتا۔ یعنی زہر اتنی جلدی اثر کرتا ہے کہ مرنے والے کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ کسی سے پانی ہی مانگ سکے۔ کیونکہ ایسے سانپ کا زہر گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا سب سے پہلا اثر گلے کی رگوں پر ہوتا ہے۔ جو انہیں خشک کر دیتا ہے اور آدمی کی آواز بند ہو جاتی ہے۔ عنبر نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور بڑی تیزی سے اسے دوڑاتا ہوا شاہی محل میں پہنچ گیا۔ مہارانی مسہری پر بے ہوش پڑی تھی۔ عنبر نے کسی سے کوئی بات نہ کی جھک کر مہارانی کی نبض دیکھی اور فوراً اپنے کمرے سے دواؤں کا بکس منگوایا۔ راجہ سر کو تھامے اداس بیٹھا تھا۔ اس نے عنبر سے صرف اتنا کہا۔

"میرے دوست! تم نے ہر مشکل وقت میں میری مدد کی ہے۔ اب بھی میری مدد کرو اور میری مہارانی کو بچالو اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہ بچ سکوں گا"

عنبر نے مختلف بوٹیوں کو ملا کر ان کا عرق کٹورے میں ڈال کر مہارانی کے حلق میں ٹپکایا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ مہارانی کا حلق سوکھ گیا تھا اور اس کی رگیں لکڑی کی مانند سخت پڑ چکی تھیں۔ عنبر نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور ناگ کا مہرہ نکال کر اس مقام پر رکھ دیا جہاں سانپ نے مہارانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو ڈسا تھا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ مہرے نے رانی کے جسم میں سے زہر کو چوسا۔ مگر بہت کم۔ زہر اس کی رگوں میں دماغ تک پہنچ چکا تھا اور جب زہر ایک بار خون کے ذریعے مختلف رگوں میں سے ہوتا ہوا دماغ کی رگوں میں پہنچ جائے تو پھر انسان کا بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود عنبر نے ناامید ہونے کی بجائے دوبارہ عزم و ہمت سے مہارانی کی جان بچانے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ بار بار اس کے حلق میں دوائی ٹپکاتا۔

اس نے مہارانی کی کلائی کی رگ کاٹ کر خون جاری کرنے کی بھی کوشش کی۔ مگر زہر نے اس کے خون کو جما دیا تھا۔ خون رگوں میں جم کر سیاہ ہو گیا تھا۔ عنبر نے آخری بار ایک کوشش کرتے ہوئے مہارانی کے سینے پر دباؤ ڈال کر اس کے سانس کو تیز کرنے کی کوشش کی کہ شاید تازہ ہوا کے دماغ میں جانے سے زہر کا اثر کسی حد تک کم ہو جائے۔ لیکن تقدیر کا لکھا کام کر چکا تھا۔ ہونی ہو کر رہی تھی: مہارانی کا سانس اکھڑنا شروع ہو گیا۔ راجہ بے بسی کے عالم میں کبھی اپنی رانی کو دیکھتا اور کبھی عنبر کو، اس نے کہا۔

”عنبر! میں اپنی ساری سلطنت قربان کرنے کو تیار ہوں۔ کسی طرح میری رانی کی جان بچا لو۔ اسے اگر کچھ ہو گیا تو پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی زندہ نہ رہوں گا۔"

عنبر نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا

"مہاراج! میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ رانی کی زندگی بچ جائے۔ میں نے اپنی ساری دوائیں آزما لی ہیں۔ آپ رب عظیم سے دعا کریں۔ کیونکہ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے"

راجہ سجدے میں گر گیا۔ عنبر پوری ذمے[redacted]ی اور محنت سے ساتھ مہارانی کے سانس کو درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر رانی کا سانس مدھم سے مدھم ہونا شروع ہو گیا وہ بار بار اکھڑنے لگا اور اس کے بعد مہارانی نے آخری ہچکی لی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئی

راجہ چیخ مار کر مہارانی کے قدموں پر گر پڑا۔

چالیس روز تک سارے ملک میں مہارانی کا سوگ منایا گیا۔ غریبوں میں خیرات تقسیم کی گئی۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا گیا راجہ نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ کسی سے نہ ملتا تھا۔ کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ بس سارا سارا دن اندر بیٹھا عبادت کرتا رہتا اور مہارانی کی روح کے لئے دعا کرتا رہتا۔ عنبر کو مہارانی کی موت کا بڑا دکھ تھا۔ مہارانی ایک نیک دل عورت تھی۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس ظلم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدلہ سانپ سے ضرور لے گا۔ اس نے سانپ کو محل کے اردگرد باغ میں بڑا تلاش کیا۔ مگر وہ اسے کہیں بھی نہ ملا وہ سانپ کی تلاش میں جنگل میں اس جگہ بھی گیا جہاں ناگن ملکہ جایا کرتی تھی۔ اس نے وہ کھوہ بھی دیکھی جہاں وہ ظالم سانپ رہا کرتا تھا۔ مگر اب وہ وہاں بالکل موجود نہیں تھا۔ البتہ اسے بکری نظر آگئی۔ وہ کھوہ کے پاس ایک جگہ کھڑی گھاس چر رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اگر بکری یہاں موجود ہے تو سانپ بھی ضرور یہیں کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ سانپ اس بکری کا دودھ پیتا تھا۔ عنبر جانتا تھا کہ اس قسم کا سانپ جو سینکڑوں سالوں سے زندہ ہو اور جسے انسان کی جون بدلنے میں تھوڑا عرصہ باقی رہ گیا ہو وہ سفر نہیں کیا کرتا بلکہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر وقت کا انتظار کیا کرتا ہے۔

عنبر نے اس جگہ سانپ کی تلاش شروع کر دی۔ وہ بکری کی نگرانی کرنے لگا۔ بکری گھاس چرنے کے بعد کھوہ میں چلی گئی اور پھر باہر نہ آئی۔ عنبر وہاں رات گئے تک بیٹھا رہا۔ مگر بکری باہر نہ آئی۔ اسے سانپ بھی کہیں دکھائی نہ دیا۔ وہ واپس آگیا۔ دوسرے روز وہ پھر گیا مگر اسے ناکامی ہوئی وہ مسلسل ایک ہفتہ وہاں جاتا رہا۔ ایک روز وہ درخت کے نیچے چھپ کر بیٹھا کھوہ کی طرف نظریں جمائے دیکھ رہا تھا کہ اچانک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے اس ظالم سانپ کو دیکھا جس نے رانی کو مار ڈالا تھا۔ سانپ بکری کی ٹانگوں سے چپٹا ہوا اس کا دودھ پی رہا تھا۔ عنبر نے بے حد افسوس کیا کہ اس روز وہ اپنا تیر کمان ساتھ لانا بھول گیا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ کیا پتھر مارے؟ مگر پتھر کا وار اوچھا بھی پڑ سکتا تھا اور اگر ایک بار پتھر ذرا پرے جا گرا اور سانپ کو عنبر کی موجودگی کا احساس ہو گیا تو وہ وہاں سے ایسا بھاگے گا کہ پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ ادھر سانپ بکری کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا برابر اس کا دودھ پی رہا تھا۔ زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ سانپ کسی وقت بھی دودھ پی کر وہاں سے جا سکتا تھا۔ آخر عنبر نے سانپ کو آگے بڑھ کر پکڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اس پہ تو سانپ کے زہر کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا۔ عنبر درخت کے پیچھے سے نکل کر زمین پہ لیٹ کر رینگتے ہوئے سانپ کی طرف بڑھنے لگا۔ سانپ عنبر کی موجودگی سے بے خبر بڑے مزے سے غٹا غٹ دودھ پی رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اگر وہ دودھ پینے میں مشغول نہ ہوتا تو اسے عنبر کی موجودگی کا احساس ہو جاتا۔ لیکن وہ تو دودھ پینے میں بڑے مزے سے لگا ہوا تھا۔ اور اسے بالکل معلوم نہ تھا کہ اس کی موت رینگتی ہوئی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قریب آ رہی ہے۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سانپ کو فوری طور پر ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ اس نے رانی کو ہلاک کیا تھا۔ وہ ایک قاتل سانپ تھا اور اب اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

اب سانپ اور عنبر کا درمیانی فاصلہ بہت کم رہ گیا۔ عنبر سانپ کے سبز اور سفید سر کی کھال کو صاف دیکھ رہا تھا بکری کا جسم اسے کانپتا نظر آ رہا تھا۔ سانپ کی دُم آہستہ آہستہ دائیں بائیں دودھ پینے سے جھوم رہی تھی۔ وہ مست ہو کر دودھ پی رہا تھا۔ اچانک سانپ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی اسے احساس ہوا کہ کوئی انسان اس کے نزدیک پہنچ چکا ہے۔ ادھر عنبر نے بھی محسوس کر لیا کہ سانپ خبردار ہو گیا ہے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ سانپ ایک جھٹکے کے ساتھ بکری سے الگ ہوا اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اچھل اچھل کر کھوہ کے اندر گھس کر غائب ہو گیا۔ بکری بھی وہاں سے بھاگ گئی۔

عنبر یہ سب کچھ دیکھتا ہی رہ گیا۔

اس سے ذرا سی چوک ہو گئی تھی۔ اگر وہ ایک سیکنڈ پہلے سانپ کی طرف ہاتھ بڑھا دیتا تو وہ اسے پکڑ سکتا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ سوائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صبر کرنے اور انتظار کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ عنبر کافی دیر وہاں جھاڑی کے پاس بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ شاید سانپ کسی وقت باہر آجائے۔ مگر سانپ اتنا بے وقوف نہیں تھا اور پھر اس کے دماغ میں باقاعدہ انسانی عقل آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ مگر انسانوں کی طرح سوچ ضرور سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باہر کھوہ کے پاس اس کا دشمن کھڑا انتظار کر رہا ہے کہ وہ باہر جائے اور اسے پکڑ کر ہلاک کر دیا جائے۔

اندھیرا ہوتے ہی عنبر واپس محل میں آگیا۔

عنبر ہر روز دن میں دو ایک بار کھوہ کے پاس آکر سانپ کی تلاش ضرور کرتا۔ مگر سانپ اسے دوبارا دکھائی نہ دیا۔ چار مہینے گذر گئے۔ اب سانپ کو انسانی شکل بدلنے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے۔ عنبر کو بھی وقت کا پورا پورا احساس تھا۔ اب تبت میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک روز راجہ سے کہا کہ وہ ملک یونان جانا چاہتا ہے۔ راجہ نے کہا۔

”کیا آپ ہمارے ملک کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں“؟

”ایسی بات نہیں راجہ! میں ایک سیلانی انسان ہوں۔ کبھی کسی ملک میں زیادہ دیر کے لئے نہیں رہا۔ تبت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہتے ہوئے مجھے کئی سال ہو گئے ہیں۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں سے کوچ کر کے ملک یونان کی سیر کروں اور یونانی جرنیل سکندر اعظم سے ملاقات کروں۔"

راجہ نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ سکندر اعظم ساری دنیا کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے؟ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تم نے تبت میں یونانی سفیر سے ملاقات کی تھی"؟

"ہاں مہاراج! مگر یونانی سفیر کی باتوں سے مجھے سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ سکندر نے مصر فتح کر لیا ہے اور اب ایران کے بادشاہ دارا کے خلاف چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"تو پھر وہ ایران کے بعد موہنجو داڑو اور پھر تبت پر بھی ضرور حملہ کرے گا۔ میرے جاسوسوں نے تو یہ اطلاع دی ہے کہ وہ دنیا کے سارے ملک فتح کر کے ساری دنیا کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر سکندر بڑا دلچسپ آدمی ہو گا۔ کیونکہ دنیا کا بادشاہ بننے کا خواب آج تک کسی جرنیل نے نہیں اور اگر دیکھا بھی ہے تو پھر وہ زندہ نہیں بچ سکا۔"

"مگر وہ تو ابھی چھبیس برس کا نوجوان لڑکا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سنا میں نے بھی یہی ہے مہاراج!"

راجہ نے بڑی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"عنبر! اگر تمہیں واقعی یونان جانا ہے تو پھر میری درخواست ہے کہ تم میرا ایک کام ضرور کرو گے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں مہاراج! آپ حکم کریں۔"

"ہمارا سفیر گندھرو وہاں موجود ہے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ سکندر اعظم نے خفیہ طور پر تبت پہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو برائے مہربانی ہمارے سفیر کو ضرور اطلاع کر دینا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم سکندر اعظم کے دربار میں بڑے اعلیٰ مقام پہ ہو گے۔ کم از کم ایسے مقام پہ ضرور ہو گے جہاں سے تمہیں خفیہ اطلاع بھی مل سکتی ہو گی۔"

"اے راجہ! اگر میں نے سکندر اعظم کی دوستی حاصل کر لی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے سفیر کو خطرے سے پہلے آگاہ کر دوں گا۔"

دو روز بعد عنبر نے تبت کو خیرباد کہا اور ملک چین کی طرف روانہ ہو گیا۔

تبت سے چلتے وقت وہ اس کھوہ کے پاس بھی گیا جہاں ناگ پھنی رہتا تھا۔ مگر وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ عنبر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ تبت سے ملک چین کی سرحد طرف

دو روز کے سفر پر تھی۔ دوسرے روز صبح کے وقت عنبر میدان میں سفر کر رہا تھا کہ وہ تھک گیا۔ ساری رات سفر کرتا رہا تھا۔ وہ ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگا۔ اس نے گھوڑے کو بھی گھاس وغیرہ چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ابھی اسے لیٹے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے کسی سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ پھنی اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر ناگ اپنا پھن اٹھائے اس کی طرف تک رہا تھا۔ عنبر کو علم تھا کہ یہ سانپ انسان کی آواز کو سن کر سمجھ لیتا ہے مگر زبان سے بول نہیں سکتا۔ عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مہارانی کو ہلاک کرنے کے بعد بھی تمہارا انتقام کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوا؟ کیا تم اپنی ناگن کی موت کا بدلہ ساری دنیا کو ہلاک کر کے لینا چاہتے ہو"؟

ناگ پھنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح اپنا پھن پھیلائے عنبر کی طرف جھوم جھوم کر دیکھتا رہا۔ عنبر نے ایک بار پھر کہا۔

"تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اس لئے کہ میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اگر تم نے میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو خود ہلاک ہو جاؤ گے۔ تم نے رانی کو مار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اچھا کام نہیں کیا جس طرح تم نے رانی کو مار کر اپنی ناگن کا بدلہ لیا ہے۔ اسی طرح میں تم سے رانی کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔ تم میرے انتقام سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے

عنبر نے دیکھا کہ سانپ نے اپنا پھن جھکا دیا۔ جیسے عنبر کو جھک کر اس سے معافی مانگ رہا ہو۔ پھر سانپ زمین پہ لیٹ گیا اور رینگتا ہوا عنبر کے پاؤں کے پاس آکر اس نے اپنا سر عنبر کے آگے زمین کے ساتھ لگا دیا اور بالکل ساکت ہو گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ عنبر سے اپنے ظلم کی معافی مانگ رہا تھا۔ عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ اس لئے کہ اس بات کا اسے بعد میں احساس ہوا تھا کہ سانپ دو سو برس کی زندگی کے بعد اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اسے سوائے پگھلے ہوئے لوہے یا تانبے کی آگ میں ڈالنے کے اور کسی طرح ہلاک نہیں کر سکتا۔ پھر بھی اس نے کہا۔

"ابھی میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکندرِ اعظم کی تلاش میں

سانپ چپکے سے جھاڑیوں میں رینگتا ہوا غائب ہوگیا۔

عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور ملک چین کی طرف روانہ ہوگیا۔ شام تک وہ پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ یہاں دور دور تک پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ وادی میں اکثر زمین پتھریلی تھی۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور ڈھلانوں پر کھیت نظر آرہے تھے وہ چین کی سرحد میں داخل ہوچکا تھا۔ رات کے سائے گہرے ہونے لگے تو اسے دور ایک بستی میں روشنی دکھائی دی۔ رات بسر کرنے کے لئے عنبر نے اس بستی کا رخ کیا۔ یہ بستی ایک چینی بستی تھی۔ یہاں کسان رہتے تھے۔ عنبر نے سرائے کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہاں کوئی سرائے نہیں ہے۔ یہاں سردی خوب خوب پڑ رہی تھی۔ ایک بوڑھے چینی نے پوچھا۔

"بیٹا! تم کہاں سے آرہے ہو اور تمہیں کہاں جانا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"بابا! میں تبت سے آرہا ہوں اور مجھے سمندری۔ سے

ہے یونان جانا ہے۔ کیا اس بستی میں مجھے رات بسر کرنے کو
کوئی جگہ مل جائے گی"؟

" بیٹا! یہاں کوئی سرائے نہیں ہے۔ لیکن تم میرے
جھونپڑے میں رات بسر کر سکتے ہو۔ ہم اگرچہ غریب ہیں، مگر
اپنے ملک میں آئے ہوئے مہمانوں کی بڑی عزت کرتے
ہیں آؤ میرے ساتھ۔ میرا جھونپڑا یہاں سے زیادہ دور
نہیں ہے!"

عنبر اس بوڑھے چینی کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آگیا
زمین پر پوستین بچھی تھی اور کونے میں چربی کا دیا جل رہا تھا
بوڑھے چینی نے عنبر کو قہوہ پلایا اور اسے سمندر کے سفر
کے بارے میں بتانے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ چین کے سرحدی
گاؤں میں ہے۔ وہاں سے چھ روز کی مسافت پر وہ جنوب
کی طرف چلے تو ایک بندرگاہ پر پہنچ جائے گا۔ اس بندرگاہ
سے مہینے میں دو بار بادبانی جہاز دوسرے ملکوں کی طرف
گرم مسالے، چربی کا تیل اور سلک لے کر جاتے ہیں
ان جہازوں میں کہیں نہ کہیں ضرور جگہ مل جائے گی
نے سفر کا پورا نقشہ ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیا۔
اس لیے بوڑھے چینی کے گرم جھونپڑے کے اندر بڑے
سکون کے ساتھ بسر کی۔ صبح اٹھ کر وہ بوڑھے سے رخصت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا اور اس چینی بندرگاہ کی طرف چل پڑا۔ جہاں سے اسے یونان جانے والا بادبانی جہاز مل سکتا تھا۔ وہ راستے میں آرام کرتا مسلسل سفر کرتا رہا۔ اس دوران میں اسے سانپ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس نے پیچھا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور واپس اپنی کھوہ میں چلا گیا ہوگا۔ لیکن یہ اس کا خیال تھا۔ سانپ ناگ پھنی برابر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ مگر اس کے سامنے نہیں آ رہا تھا۔ ناگ پھنی نے اپنی ناگن کا بدلہ رانی کو مار کر لے لیا تھا اور اب وہ عنبر کا دوست بننا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ دو ماہ بعد جب وہ انسان کی شکل اختیار کر لے تو عنبر کے ساتھ دوست بن کر زندگی بسر کرے۔

آخر ساتویں روز عنبر کو دور سمندر میں بادبانی جہازوں کے مستول اور پھڑپھڑاتے بادبان دکھائی دینے لگے۔ وہ بے حد خوش ہوا کہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ یہ ایک ایسی منزل تھی جہاں سے اس کی زندگی کا ایک اور سفر شروع ہو رہا تھا۔ اب تو عنبر کی ساری زندگی ایک سفر بن کر رہ گئی تھی۔ ایک منزل آتی تھی۔ دم بھر کے لئے وہ اس منزل پر قیام کرتا تھا اور پھر کسی دوسری منزل کے لئے سفر شروع کر دیتا تھا۔ کسی وقت وہ اس مسلسل سفر کی زندگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تنگ آ کر دیوتاؤں سے دعائیں مانگتا کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی چھین لی جائے اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بوڑھا ہو اور پھر مر جائے۔ مگر اس کی یہ دعا کبھی قبول نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی زندگی شاید اس کا مقدر بن کر رہ گئی تھی۔

بندرگاہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کئی جہاز سمندر میں کھڑے ہیں کچھ جہازوں کے بادبان لپٹے ہوئے ہیں، کچھ کے بادبان کھل رہے ہیں۔ کچھ سفر شروع کر رہے ہیں کچھ پر سامان لادا جا رہا ہے اور کچھ پر سے سامان اتارا جا رہا ہے۔ بندرگاہ پر بڑی رونق تھی۔ بڑی چہل پہل تھی۔ وہ چین کے ملک کی تجارت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اتنی تجارت تو اس نے اس سے پہلے کسی ملک میں نہیں دیکھی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک آدمی سے ملا جو جہاز پر سامان رکھوا رہا تھا۔ عنبر نے اس سے دو تین بار بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے کام میں اس قدر مصروف تھا کہ اس نے عنبر کی بات نہ سنی۔ عنبر چپکے سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب وہ شخص کام سے فارغ ہوا تو عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟۔ اس آدمی نے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور پھر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جانا چاہتے ہو؟" عنبر نے کہا۔

"میں ایک جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہوں۔ تبت سے آیا ہوں اور ملک یونان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"مگر یہ جہاز تو یونان نہیں جا رہا۔"

"یہ کہاں جا رہا ہے؟"

"مصر۔"

مصر کا نام سنتے ہی عنبر کے دل میں پرانی یادوں کے پھول کھل گئے۔ مصر۔ جہاں وہ پیدا ہوا۔ جہاں دریائے نیل کے کنارے اپنے دوست کے ساتھ کھیل کود کر بڑا ہوا۔ پھر مصر کے شاہی محل میں سازشوں کا شکار ہوا۔ اسے بے اختیار اپنی ماں یاد آگئی جس کا مقبرہ مصر میں ایک پرانے اہرام کے اندر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر اس نے آنسوؤں کو اندر ہی جذب کر لیا۔ اس نے کہا۔

"میں مصر ہی چلا جاؤں گا۔ وہاں سے کسی جہاز میں سوار ہو کر ملک یونان جانا آسان ہو گا۔ یہ جہاز کب روانہ ہو گا؟"

"پرسوں رات کو چل پڑے گا۔ ہاں اگر ہوا موافق رہی تو۔ ورنہ موافق ہوا کے انتظار میں اسی جگہ کھڑا رہے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے سواریوں کے بارے میں پوچھا تو اس آدمی نے کہا۔

"اب اس جہاز پہ کسی سواری کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہاں اگر تم جہاز کے کپتان فی چی سے مل لو تو ہو سکتا ہے وہ تمہارے لئے کچھ کر سکے"۔

"کپتان سے کہاں ملاقات ہو سکے گی"؟

"اس وقت وہ بندرگاہ کے ایک قہوہ خانے میں بیٹھا قہوہ پی رہا ہے"۔

عنبر وہاں سے سیدھا بندرگاہ کے قریبی قہوہ خانے میں آگیا۔ یہاں اسے جہاز کے کپتان کو تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ کپتان سب سے خوبصورت میز پر زرق برق لباس پہنے اکیلا بیٹھا کیکڑوں کے کباب کے ساتھ قہوہ پی رہا تھا۔ عنبر نے سلام کر کے اپنے آنے کی وجہ بیان کی تو کپتان نے سفید رومال سے ہونٹ پونچھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم ضرور مصر جانا چاہتے ہو"؟

"جی ہاں! اگر آپ مجھے جہاز میں اپنے ساتھ لے جائیں تو میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ مصر میں میری ماں کا مقبرہ ہے۔ میں اپنی ماں کی قبر پہ دعا مانگنا چاہتا ہوں"۔

چینی کپتان نے اپنی باریک آنکھوں سے عنبر کو گھور کر دیکھا اور پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم کوئی کام کر سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"جی ہاں! میں بیماروں کا علاج کر سکتا ہوں۔ میں حکیم بھی ہوں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ پرسوں شام کو جہاز پہ آجانا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

عنبر نے سلام کیا اور شکریہ ادا کر کے وہاں سے واپس گیا۔ وہ رات اور اس سے اگلا دن اس نے بندرگاہ سے باہر ایک چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے پتھروں کے مکان میں بسر کیا۔ اس نے اپنا گھوڑا ایک منگول سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اسی روز رات کو جہاز جانے والا تھا۔ شام کو عنبر جہاز پہ آگیا۔ جہازیوں نے اسے روکا تو عرشے پر کھڑے کپتان نے مسکرا کر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسے اوپر آنے دو۔ عنبر جہاز پر سوار ہو گیا۔ اس روز صبح ہی سے بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ شام کے بعد ہوا میں تیزی آگئی۔ بادبانی جہاز کے لئے یہ بڑی اچھی اور موافق ہوا تھی۔ کپتان نے رات کا انتظار کئے بغیر ہی حکم دے دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دیئے جائیں اور سفر شروع کیا جائے۔ جہازیوں نے مستول پر چڑھ کر اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت بادبان کھول دیئے۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے مغرب کی طرف بندرگاہ سے دور ہٹنا شروع کر دیا۔ رات بڑی تاریک تھی۔ آسمان پر چاند کہیں بھی نہیں تھا۔ لیکن ستارے بے شمار نکلے ہوئے تھے۔ ان کا عکس سمندر میں پڑ رہا تھا۔

جہاز نے سمندر میں اپنے لمبے سمندری سفر کا آغاز کر دیا عنبر کو جہاز کی نچلی منزل کے ایک کونے میں جگہ مل گئی تھی۔ جہاں اس نے اپنا بستر بچھا دیا تھا۔ اِدھر اُدھر اور مسافروں نے بھی بستر لگا رکھے تھے۔ جہاز کی نچلی منزل بڑی مرطوب تھی۔ یہاں دن کو بھی تھوڑا تھوڑا اندھیرا چھایا رہتا۔ جہاز کو سمندر میں سفر کرتے ہوئے چوتھا روز تھا کہ دوپہر کے وقت اچانک سارے جہاز میں سانپ سانپ کا شور مچ گیا۔ لوگ ڈر کر ادھر ادھر بھاگنے لگے جہاز والے لاٹھیاں لے کر سانپ کو تلاش کرنے لگے۔ اچانک انہیں ایک جگہ لکڑی کے ڈرموں کے پاس سانپ نظر آگیا۔ مارو مارو کا شور اٹھا اور جہازی لاٹھیاں برسانے لگے۔ مگر سانپ ڈرموں کے پیچھے غائب ہوگیا تھا۔ ڈرم اتنے زیادہ تھے کہ انہیں وہاں سے ہٹانا بڑا مشکل تھا۔ پھر بھی جہازیوں نے سانپ کو کافی

دیر تک تلاش کیا۔

آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اگر اب سانپ نظر آیا تو فوراً بتایا جائے۔ اسے وہیں کچل دیا جائے گا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟ پھر اسے خیال آیا کہ یہ سانپ کہیں ناگ پھنی ہی نہ ہو؟ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے بستر کے نیچے کچھ کھڑ بڑ ہوئی اس نے بستر کی چادر ہٹائی تو نیچے وہی سانپ یعنی ناگ پھنی بیٹھا تھا۔ وہ اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"دوست! مجھے صرف تمہاری دوستی یہاں تک کھینچ لائی ہے۔ وگرنہ میں کبھی اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈالتا۔ اب تمہارا فرض ہے کہ میری حفاظت کرو اور مجھے یہاں اپنے پاس چھپائے رکھو۔"

قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی مسافر آ رہا تھا۔ عنبر نے جلدی سے چادر سیدھی کر دی۔ مسافر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ جہاں وہ بیٹھا تھا اس کے بالکل قریب چادر کے نیچے سانپ لیٹا ہوا تھا۔ مگر سانپ نے بڑی عقل مندی کی کہ اسے کاٹا نہیں۔ وگرنہ وہاں لینے کے دینے پڑ جاتے۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا کہ وہ آدمی جلدی سے وہاں سے اٹھ جائے مگر وہ باتیں ہی کیئے جا رہا تھا۔ عنبر نے "تنگ آ کر کہا۔

"بھائی معاف کرنا مجھے نیند آرہی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔"

"اچھا۔ تو آپ جلدی سو جاتے ہیں؟"

"جی ہاں! میں جلدی سو جانے کا عادی ہوں۔"

"اچھا تو میں جاتا ہوں۔ صبح پھر آؤں گا!"

وہ آدمی گیا تو عنبر نے شکرادا کیا۔ اس کے جاتے ہی عنبر نے چادر ذرا کھسکا کر دیکھا نیچے سانپ اسی طرح لیٹا ہوا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"تم نے بڑی غلطی کی جو اس جہاز میں سوار ہو گئے اگر ان لوگوں کو تمہاری کھوج مل گئی تو یہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہرحال اب اگر تم آ گئے ہو تو یہاں چھپے رہو۔ یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔"

سانپ نے اپنا منہ اٹھا کر جیسے کہا۔

"شکریہ دوست!"

بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا راستے میں کئی طوفان آئے اور گذر گئے۔ بادبان پھٹے ان کی دوبارا مرمت کر لی گئی۔ اس دوران میں وہ آدمی ہر روز عنبر کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے عنبر کے ساتھ دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ عنبر کے پاس تبت کے راجہ کا دیا ہوا ایک بہت ہی قیمتی ہیرا تھا جو اس نے اپنے بستر کے اندر چھپا رکھا تھا۔ نہ جانے اس شخص کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ عنبر کے بستر میں قیمتی ہیرا موجود ہے۔ اب وہ ڈاکو عنبر کے قیمتی ہیرے کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح عنبر کو سمندر میں دھکا دے کر گرا دے اور پھر اس کے بستر میں سے قیمتی ہیرا نکال کر اس کا مالک بن بیٹھے۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ عنبر اتفاقیہ سمندر میں گر گیا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ اس ڈاکو نے عنبر کے بستر میں سے قیمتی ہیرا نکال کر اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ عنبر کو بھی اس ڈاکو کی نیت پر کچھ شک ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اپنی طرف سے بہت مطمئن تھا۔ اس خیال سے کہ وہ ڈاکو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسے یہ خبر ہی نہ تھی کہ اس نے عنبر کو سمندر میں دھکا دے کر گرانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔

ایک روز جب کہ رات کو سمندر پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور بڑا خوبصورت نظارہ تھا۔ وہ آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بھائی اتنی گرمی میں تم یہاں نچلی منزل میں بیٹھے ہو۔ ذرا باہر نکلو۔ اوپر جہاز کے عرشے پر چلو۔ دیکھو کس قدر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے کیسی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے!"

عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اس آدمی کے ساتھ اوپر نہ گیا تو وہ وہیں اس کے پاس بیٹھ جائے گا۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ اوپر چل کر تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اسے ٹرخا دیا جائے تا کہ پیچھا چھوٹے۔ چنانچہ عنبر اس کے ساتھ اوپر جہاز کے عرشے پر آگیا۔ واقعی اوپر بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ جہاز بڑی پرسکون رفتار کے ساتھ جا رہا تھا۔ آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ اس کی پیلی چاندنی سمندر پہ ایک چمکیلی چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر اور وہ ڈاکو عرشے کے جنگلے پہ آکر کھڑے ہو گئے

ڈاکو اب اس فکر میں تھا کہ کس طرح باتوں میں لگا کر عنبر کو دھکا دے کر سمندر میں گرا دے اور پھر خود ہی شور مچا دے کہ اس کا دوست سمندر میں گر گیا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جہاز پر سے بیچ سمندر میں گرے ہوئے مسافر کو کبھی بچایا نہیں جا سکتا۔ اس زمانے میں ایسی کوئی شے ایجاد نہیں ہوئی تھی جو سمندر میں پھینک کر مسافر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈوبنے سے بچا سکے۔ شاید اپنی دو ہزار برس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر کو بالکل محسوس نہیں ہوا کہ اس کا دشمن اس کے پاس کھڑا اسے سمندر میں دھکا دینے کا موقع تلاش کر رہا ہے۔ وہ اس کے پاس کھڑا اس کی بے معنی باتوں پر صرف ہوں ہاں ہی کر رہا تھا۔ ڈاکو سوچ رہا تھا کہ وہ ذرا سا پیچھے ہو کر عنبر کو بڑی آسانی سے سمندر میں دھکیل سکتا ہے۔ عنبر دونوں کہنیاں جنگلے کی لکڑی پر رکھے جھکا کھڑا تھا۔

ڈاکو مسافر پیچھے ہو کر دھکا دینے ہی والا تھا کہ عنبر نے پہلو بدل لیا اور اس کا وار خالی گیا۔ اسے بڑا افسوس ہوا۔ یہ ایک سنہری موقع تھا جو اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ وہاں دو چار مسافر ہی کھڑے تھے ——— اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسے سمندر میں گرا دے تو شاید کسی کو علم بھی نہیں ہو گا۔ تھوڑی دیر میں عرشے پر سے مسافر نیچے چلے گئے۔ اب وہ دونوں وہاں تنہا رہ گئے۔ ڈاکو بڑا خوش ہوا کہ اب وہ بڑی آسانی اور آزادی سے اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا ہے۔ آخر اسے موقع مل ہی گیا۔ عنبر سمندر میں کچھ دیکھنے کے لئے آگے جھکا تو ڈاکو نے دونوں ہاتھ اسے دھکا دینے کے لئے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پیچھے بڑھائے۔ اُن ہاتھوں نے عنبر کو چھوا نہیں تھا کہ ڈاکو کے پاس ہی سانپ کی خوفناک پھنکار سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پلٹ کر دیکھا تو ڈاکو کو اس حالت میں پایا کہ وہ اسے دھکا دینے والا تھا۔ عنبر تڑپ کر پرے ہٹ گیا اور سانپ نے اچھل کر ڈاکو کو گردن پہ ڈس لیا اور غائب ہو گیا۔

ڈاکو کے منہ سے مارے دہشت کے ایک چیخ نکلی اور وہ اس طرح لڑکھڑایا کہ عنبر کے دیکھتے دیکھتے جنگلے پر سے پھسل کر سمندر میں گر پڑا۔ سانپ کے زہر نے اس کے حلق کو بند کر دیا تھا۔ وہ دوسری بار آواز بھی نہ نکال سکا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور پھر سمندر کی طوفان خیز موجوں نے اسے نگل لیا۔

عنبر حیرانی سے کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہ گیا۔ ایک پل کے اندر اندر یہ سب کچھ ہو گیا۔ اس پہ یہ بھید کھلا کہ ڈاکو اسے سمندر میں دھکیلنے والا ہے۔ سانپ نے اچھل کر ڈاکو کو کاٹ کھایا اور پھر وہ لڑھک کر سمندر میں گر پڑا۔ سانپ بھی غائب ہو گیا۔ اب اس نے شور مچایا کہ ایک مسافر سمندر میں گر پڑا ہے۔ جہازی وہاں جمع ہو گئے۔ انہوں نے سمندر کی طرف دیکھا۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہہ رہی تھیں۔ چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ جہاز خاموشی سے اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا۔ جہازیوں نے ہنس کر عنبر کو دیکھا اور واپس چلے گئے جیسے کہہ رہے ہوں۔ پاگل تو نہیں ہو گئے ؟ وہ بھی سچے تھے۔ اس لئے کہ آدمی جب سمندر میں گرتا ہے تو ایک دم نہیں ڈوب جاتا۔ وہ شور مچاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ مگر اس مسافر نے تو ایک بار بھی سمندر سے سر باہر نہیں نکالا تھا۔ نہ شور مچایا تھا۔ نہ ہاتھ پاؤں مارے تھے۔ اب ان لوگوں کو کیا خبر تھی کہ سانپ کے زہر نے ڈاکو کے جسم میں داخل ہو کر اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا سکے یا آواز دے سکے۔

ڈاکو بری نیت سے آیا تھا۔ وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔

جہاز اپنی منزل کی طرف سفر کرتا رہا۔ کئی بار سورج نکلا اور غروب ہو گیا۔ کئی راتیں آئیں اور گزر گئیں۔ کئی طوفان آئے اور جہاز کو جھنجوڑ کر آگے نکل گئے۔ جہاز سمندر میں چلتا رہا۔ آخر ایک روز صبح کو سورج نکلا تو اس کی روشنی میں مسافروں کو دور ایک سیاہ لکیر سی دکھائی دی ہر طرف شور مچ گیا۔ زمین آ گئی۔ زمین آ گئی۔ مسافروں کے چہرے جو کہ لمبے سفر کی وجہ سے مرجھا گئے تھے خوشی سے چمک اٹھے۔ دوپہر کے وقت جہاز ایک طویل بحری سفر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد بندرگاہ پر آن لگا۔ معلوم ہوا کہ یہ بحیرہ فارس کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔ جہاں سے قافلے ملک شام ایران اور مصر کو جاتے ہیں۔ عنبر کو ہواؤں میں اپنے وطن کی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس نے بستر باندھا۔ سانپ کو ایک کوزے میں بند کر کے اوپر کپڑا لپیٹا اور بادبانی جہاز سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اتنی مدت کے بعد زمین پہ پاؤں رکھ کر اسے بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ جہاز کے ہچکولوں کی وجہ سے اس کا سر ابھی تک چکر کھا رہا تھا۔

یہ بندرگاہ بھی اس زمانے کی چھوٹی بندرگاہوں کی طرح تھی۔ ایک مدت کے بعد عنبر نے ریت اور کھجور کے درختوں کے جھنڈ دیکھے تھے۔ یہاں سردی نہیں گرمی پڑ رہی تھی۔ عنبر ایک سرائے میں آ کر ٹھہر گیا۔ معلوم کرنے پہ پتہ چلا کہ ایک قافلہ اگلے روز ایران کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ عنبر قافلہ کے سردار سے ملا اور اس نے اپنا مختصر سا سامان اس کے حوالے کر کے چاندی کے کچھ سکے بھی ادا کر دیئے۔ یہاں اسے خبر ملی کہ ایران پر شہنشاہ دارا کی حکومت ہے جو شام سے لے کر بحیرہ فارس تک پھیلی ہوئی ہے اور لوگ اس کی حکومت میں خوشحالی اور امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگلے روز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ قافلے کے ساتھ ایران کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس سارے علاقے پر بادشاہ دارا کی حکومت تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ راستے میں جہاں کہیں کسی منزل پر قافلہ پڑاؤ کرتا وہاں کنواں، سرائے اور عبادت گاہ ضرور ہوتی۔ بادشاہ کی طرف سے مقرر کیے گئے گورنر کے سپاہی وہاں پہرہ دیتے۔ سراؤں میں کسی کا مال چوری نہ ہوتا۔ راستے میں کسی ایک جگہ بھی ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹنے کی کوشش نہ کی۔ کئی راتوں کئی دنوں کے سفر کے بعد عنبر قافلے کے ساتھ ملک ایران کے دارالسلطنت ماژندران پہنچ گیا۔ یہ ایک بڑا اور شاندار شہر تھا۔ بازاروں میں گہما گہمی تھی۔ دکانیں ریشمی کپڑوں، عنبر و کستوری اور کھانے پینے کی چیزوں سے بھری پڑی تھیں۔ لوگوں کے چہروں پر خوش حالی اور سکون کا اثر صاف ظاہر تھا۔ عنبر قافلے سے نکل کر کارواں سرائے کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک بازار کا موڑ گھومتے ہوئے ایک لنگڑے آدمی نے کہا۔

"سرائے میں چلنا ہے تو میرے ساتھ چلیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ لنگڑا آدمی کون تھا اور عنبر کو کس پُر اسرار سرائے میں لے گیا؟

عنبر نے شہنشاہ دارا سے کن حالات میں ملاقات کی؟

عنبر کا دوست سانپ کب انسان کی شکل میں ظاہر ہوا؟

سکندر اعظم سے عنبر کی ملاقات کیونکر ہوئی ہے ـــــ یہ تمام واقعات آپ کو اس ناول کی اگلی یعنی دسویں قسط میں سانپ بھون میں ملیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

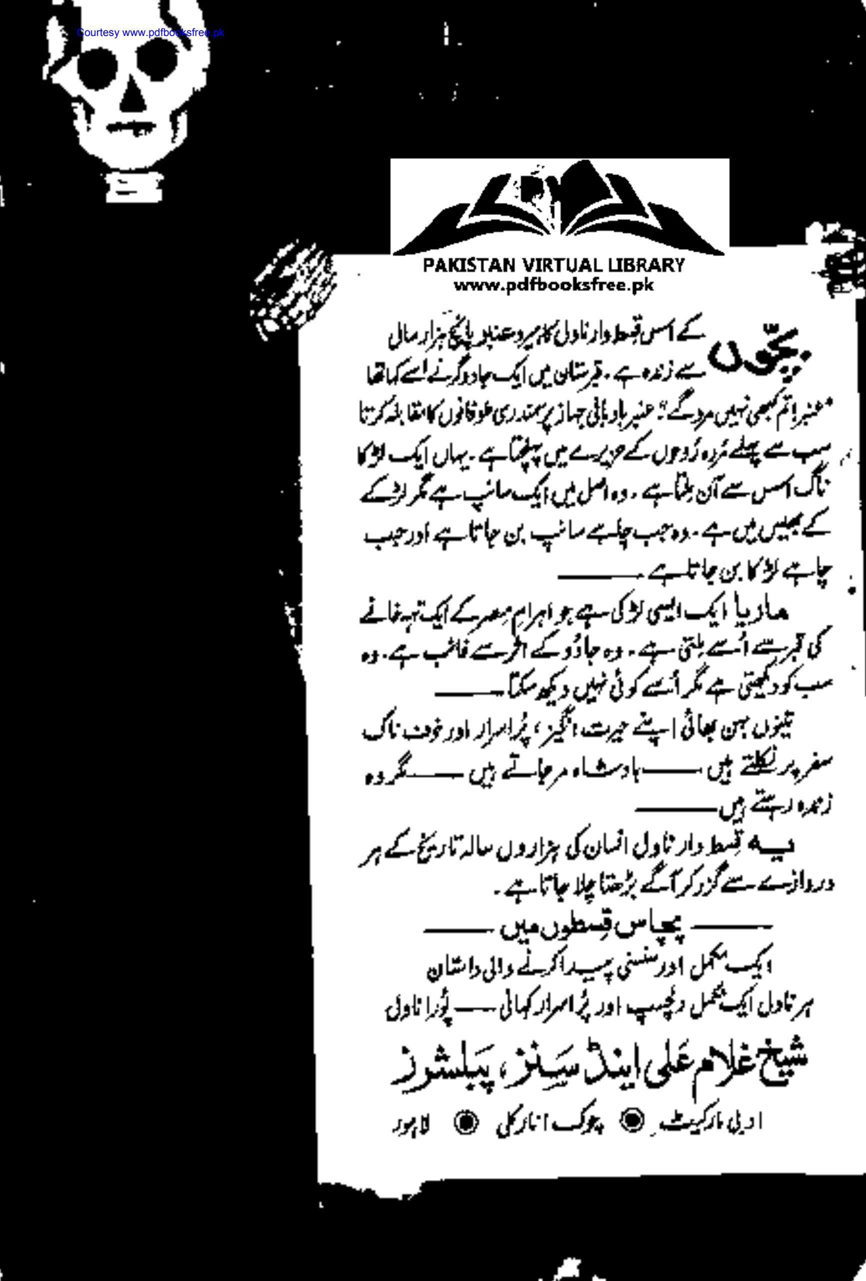

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ گردوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرامِ مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

میں سانپ ہوں

اے حمید

قیمت ۔ 14 روپے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب نمبر ۱۰
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

مَیں سانپ ہُوں

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد ،
مطبع : خواجہ گل پرنٹرز ، اشرفیہ پارک ، فیروز پور روڈ ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی ، لاہور سے شائع کیا ۔
قیمت : ۱ -/۱۲ روپے

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
اُر[illegible]ارکیٹ ، چوک انارکلی ، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فہرست

ہیروں کا چور
سیاہ پوش کون تھا ؟
مَیں سانپ ہُوں
یونان کی طرف
غار میں آگ
آخــــری چوکی
گہرا نیلا سمندر
مصر پر حملہ
بادشاہ اور ملکہ کی مَوت
عورت کی چیخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُنو پیارے بچو !

عنبر، ہمارا ہیرو، اپنے پُر اسرار دوست ناگ کے ساتھ مُلک ایران میں داخل ہوا ہے۔ ناگ ایک سانپ ہے۔ اُسے زندہ رہتے ہوئے پانچ سو برس گزر گئے ہیں۔ اب اُس میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ وہ انسان کے رُوپ میں آ جائے! چناں چہ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے جس نے انسان کی شکل بدل رکھی ہے۔ وہ عنبر کا دوست بن جاتا ہے۔ کیونکہ عنبر اُس کے زہر سے نہیں مرتا۔ اِس لیے کہ عنبر کبھی مَر نہیں سکتا۔ اُسے ایک دُعا ملی ہُوئی ہے کہ وُہ جب تک اُس کا مرشد نہ چاہے زندہ رہے گا۔ ایران میں عنبر اپنے سانپ دوست ناگ کے ساتھ شہنشاہ دارا کے دربار میں آتا ہے۔ عنبر کے پاس تبت کے راجہ کا دیا ہُوا قیمتی ہیرا بھی ہے۔ یونان میں جا کر عنبر سکندر اعظم سے ملاقات کرتا ہے۔ اِس سے آگے یہاں سے پڑھیے۔

اے حمید

ہیروں کے چور

●

لنگڑا آدمی عنبر کو لے کر شہر کے گنجان علاقے میں آگیا۔

یہاں تنگ و تاریک گلیاں تھیں اور مکانوں کے اُوپر مکان چڑھے ہوئے تھے۔ دکانوں پر لوگوں کا شور مچا تھا۔ ایک گلی کا موڑ گھوم کر وہ آدمی عنبر کو ایک پُرانے مکان کی اندھیری ڈیوڑھی میں لے آیا۔ اس مکان کے دروازے پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ ڈیوڑھی میں اندھیرا اور ٹھنڈک تھی۔ آگے ایک صحن آگیا جس کے درمیان میں چھوٹا سا فوارہ لگا تھا۔ پانی فوارے میں سے نکل کر تالاب میں گر رہا تھا جس میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ عنبر نے لنگڑے آدمی سے پوچھا کہ یہ سرائے کون سی ہے؟ اس کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا:

"تمہیں یہاں ہر قسم کا آرام ملے گا۔"

لنگڑا آدمی عنبر کو ایک کمرے میں لے آیا جس کے دروازوں پر محرابیں بنی ہوئی تھیں اور زمین پر بڑے قیمتی قالین بچھے تھے۔ ایک طرف پلنگ لگا تھا۔ عنبر سے لنگڑے آدمی نے کہا:

"آپ یہاں آرام کریں۔ میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لنگڑا چلا گیا تو عنبر نے کمرے کی ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرائے نہیں ہے بلکہ کسی کھاتے پیتے آدمی کا گھر ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اُسے سرائے کی جگہ اس خاص اور آرام دہ مکان میں کیوں لایا گیا تھا؟ کیا ان لوگوں کی اُس کے قیمتی ہیرے پر نظر تھی۔ کیا اُن کے جاسوسوں نے ڈاکوؤں کو خبر کر دی تھی کہ عنبر نام کا ایک آدمی تبت کے راجہ کا انتہائی قیمتی ہیرا لے کر سفر کر رہا ہے۔ اُسے مازندران میں ہی قابو میں کر لیا جائے۔ اگر ایسی بات تھی تو عنبر بھی بہت ہوشیار تھا اور اُس نے ہیرے کو اندر والی جیب سے نکال کر اپنے جوتے میں چھپا لیا تھا۔ وہ ایک اجنبی ملک میں تھا جہاں اُسے ہر قدم پر خطرے سے دوچار ہونا تھا اور ایک ایک قدم اسے پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ لنگڑا آدمی اُسے بڑا پُر اسرار لگتا تھا۔ عنبر نے سانپ ناگ پھنی والا مرتبان پلنگ کے نیچے رکھ دیا۔ ابھی وہ غور ہی کر رہا تھا کہ اِس اجنبی شہر میں کیا کام کرے کہ اُس کی روزی کا کوئی سلسلہ بن جائے کہ لنگڑا آدمی کھانا لے کر آ گیا۔ کھانا دے کر وہ چلا گیا۔ کھانے میں بکرے کا بھُنا ہوا گوشت اور دودھ تھا۔ کھانا کھانے کے بعد عنبر نے دودھ کٹورے میں ڈال کر سانپ کو پلایا اور اُسے دوبارہ مرتبان میں بند کر دیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پلنگ پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اس شہر میں اُسے ایک دکان کھولنی چاہیے جہاں وہ بیماروں کا علاج شروع کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے۔ اِس کے سوا وُہ کوئی اور کام کر بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر جڑی بوٹیاں اور عرق اس کے پاس موجود تھے۔ اتنے میں دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک سیاہ لبادے میں لپٹا ہُوا ڈاکو نما آدمی مُسکراتا ہُوا اندر آیا اور عنبر کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا:

"میرا نام پرویز سیاہ پوش ہے۔ میں اس شہر میں ہیرے جواہرات کا کام کرتا ہُوں۔ یہ سرائے بھی میری ہے۔ مگر میں اپنی پسند کے لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت دیتا ہُوں۔ بنگڑا خادم میرا غلام ہے۔ اس کو میری پسند کے لوگوں کا علم ہے! چنانچہ وُہ ایسا ہی مسافر یہاں لاتا ہے جو مجھے پسند آ جائے۔"

عنبر نے سیاہ پوش سے ہاتھ ملایا اور مُسکرا کر کہا:

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہُوئی۔ میں بھی عام قسم کی سرائے میں ٹھہرنے کا عادی نہیں ہُوں۔ آپ کا کھانا نہایت عمدہ تھا اور یہ کمرہ بڑا آرام دہ ہے۔"

سیاہ پوش عنبر کے پاس بیٹھ کر بولا:

"آپ کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ فرمائیے کہ آپ کا ملک ایران میں کیسے آنا ہُوا؟ کیا آپ سوداگر ہیں؟ یا غلاموں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"جی نہیں، میں جڑی بوٹیوں کا کام کرتا ہُوں اور بیماروں کا علاج ہم،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہوں۔ میں تبت شہر جڑی بوٹیوں کی تلاش میں گیا ہوا تھا۔ وہاں سے سیدھا آپ کے شہر میں آرہا ہوں۔"

سیاہ پوش بہت خوش ہو کر کہنے لگا:

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ بیماریوں کا علاج بھی جانتے ہیں۔ میری ایک بیوی ہے جو ملک مصر کی رہنے والی ہے۔ میں نے اُسے دس ہزار سونے کے سکوں کے عوض یمن سے خریدا تھا۔ اُسے ایک عجیب بیماری لگی ہے کہ وہ رات کو سوتے میں چلنا شروع کر دیتی ہے۔ کیا آپ کے پاس اِس بیماری کا کوئی علاج ہے؟"

عنبر نے کہا:

"ایسی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج نہ ہو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ اچھی ہو جائیں۔"

"مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ اگر میری بیوی کی بیماری دور ہو جائے کیونکہ وہ اکثر راتوں کو سوتے میں اٹھ کر چلنے لگتی ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ ابھی پرسوں میں اُسے دریا کے کنارے سے پکڑ کر لایا۔ اگر تھوڑی دیر اور ہو جاتی تو وہ ضرور دریا میں ڈوب گئی ہوتی۔ اس طرح میرے دس ہزار سونے کے سکے بھی اُس کے ساتھ ہی ڈوب جاتے۔"

عنبر نے محسوس کیا کہ سیاہ پوش اُس کے پلنگ کے نیچے رکھے ہوئے مرتبان کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ پوچھنے لگا:

"کیا اس مرتبان میں بھی کوئی عرق ہے؟"

"جی ہاں، اِس میں جوڑوں کے درد کا ایک خاص عرق ہے۔"

"کیا مَیں اِسے دیکھ سکتا ہوں؟"

سیاہ پوش نے ہاتھ مرتبان کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ عنبر نے اُسے روک دیا:

"معاف کریں۔ مَیں اِسے ہوا نہیں لگا سکتا۔ ابھی یہ عرق پوری طرح تیار نہیں ہُوا۔ اِسے میں ایک ہفتے کے بعد کھولوں گا۔ اگر اِس وقت ڈھکن اٹھا دیا تو اس کا اثر ضائع ہو جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

سیاہ پوش تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا۔ جاتے جاتے کہہ گیا کہ وُہ اپنی بیوی کے پاس اُسے کل لے کر جائے گا۔ عنبر اس کے جانے کے بعد سوچ میں پڑ گیا کہ یہ شخص حقیقت میں کون ہے۔ وہ اُسے بڑا پُراسرار آدمی لگتا تھا۔ اُس کو یقین تھا کہ وُہ جھوٹ بول رہا ہے۔ نہ تو وہ سرائے کا مالک ہے اور نہ ہی اُس کی بیوی بیمار ہے۔ پھر اُسے عنبر کے ساتھ کیا لالچ ہو سکتا ہے؟ کیا اُسے علم تو نہیں ہو گیا کہ اُس کے پاس ایک قیمتی ہیرا موجود ہے۔ عنبر کو یقین تھا کہ وہ ہیرے کی تلاش میں ہے بہرحال وہ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گیا۔

اس دوران میں عنبر نے شہر میں گھوم پھر کر معلوم کیا کہ کس جگہ کوئی ایسی حویلی خالی ہو جہاں بیٹھ کر وہ بیماروں کا علاج کر سکے اور شہر کے بارے میں اُس ملک کے بادشاہ دارا کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔ شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو وُہ سرائے میں واپس آیا تو سیاہ پوش نے پُوچھا :

"آپ شہر کی سَیر کرنے گئے تھے کیا ؟ میں نے آپ کو چوک میں دیکھا تھا۔ آپ پہلے کہتے تو مَیں اپنا غلام آپ کے ساتھ کر دیتا۔ وُہ آپ کو سارے شہر کی سَیر کرواتا ؟"

عنبر نے کہا :

"اصل میں سیر کرنے کا تو ایک بہانہ تھا۔ مجھے کسی ایسی حویلی کی تلاش تھی جہاں مَیں بیماروں کے علاج کا کام کر سکوں ؟"

"ارے تو آپ نے مجھ سے اِس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ میری اپنی ایک حویلی چوک میں خالی پڑی ہے۔ آپ بے شک وُہ لے لیں۔ میں آپ سے اس کا کرایہ بھی وصول نہیں کروں گا۔ آپ جتنی دیر چاہے وہاں رہیں اور اپنا کام کریں۔ کیوں کیا خیال ہے ؟"

عنبر بولا :

"خیال تو بڑا نیک ہے۔ مگر میں کرایہ ضرور ادا کروں گا ؟"

سیاہ پوش جھٹ بولا :

"بھائی اِس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ آخر آپ ہمارے مہمان ہیں، اگر ہم آپ کی خدمت نہیں کریں گے تو پھر اور کون کرے گا۔ ویسے بھی بیماروں کا علاج کرنا ایک نیک کام ہے۔ آپ بے شک آج ہی میری حویلی جا کر لے لیں۔ میرا غلام آپ کو وہاں لے جائے گا ؟"

عنبر کو اُس وقت ایران کے شہر میں ایسے ایک ٹھکانے کی اشد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت تھی جہاں بیٹھ کر وہ اپنا کام کر سکے اور اُس ملک میں اپنی نئی زندگی شروع کر سکے۔ سیاہ پوش کی باتوں سے اُسے سازش کی بُو ضرور آ رہی تھی۔ لیکن چونکہ وُہ ہر سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اِس لیے اُس سیاہ پوش کی حویلی میں اڈہ جمانے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے مسکرا کر کہا:

"اگر آپ اِتنا اصرار کرتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا؟ میں آج ہی چل کر حویلی دیکھ لیتا ہُوں۔"

سیاہ پوش نے خوش ہو کر کہا:

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے خاکسار کو اپنی خدمت کا موقع دیا۔ لیکن میں چاہتا ہُوں کہ آپ کل وہاں جائیں اور یہ رات میرے مکان پر ہی بسر کریں۔ اِس سے میری عزت افزائی ہو گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

وُہ رات عنبر سیاہ پوش کے مکان پر ہی ٹھہرا۔

رات کا کھانا اس نے سیاہ پوش کے ساتھ مل کر کھایا۔ لنگڑا غلام بڑی ہوشیاری سے خدمت کر رہا تھا اور دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے لا کر سجا رہا تھا۔ کھانے کے بعد عنبر اکیلا ہی شہر کی سَیر کو نکل گیا۔ کمرے کو وہ تالا لگا گیا۔ وُہ نہیں چاہتا تھا کہ سیاہ پوش کو ناگ پھنی سانپ کے بارے میں کچھ علم ہو، چنانچہ سانپ کے مرتبان کو اُس نے اپنے بستر کے نیچے چھپا دیا تھا۔ شہر میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔ یہ ایک بہت رونق والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر تھا اور عنبر نے محسوس کیا کہ لوگ بڑی خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کاروان سرائے کے باہر گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں بندھی تھیں جن پر تجارت کا سامان لدا ہوا تھا۔ عبادت گاہوں میں آگ کی پُوجا ہو رہی تھی۔ مکانوں میں شمعیں روشن تھیں اور لوگ ہنسی خوشی رات کے کھانے کے بعد گپ بازی کر رہے تھے یا سونے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ شہر کے ہر چوک میں پہریدار سپاہی موجود تھے۔ عنبر کو دو ہزار برس کا پُرانا مصر یاد آ گیا۔ فرعون کے زمانے میں وہاں بھی ایسا ہی بہترین انتظام ہوتا تھا۔

کافی دیر سیر کرنے کے بعد عنبر واپس حویلی میں آیا تو اُس کے کمرے پر اسی طرح تالا لگا ہُوا تھا۔ اُس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ وُہ مرتبان کو کھول کر دیکھے کہ سانپ وہاں موجود ہے یا نہیں؟ اُسے وہم سا پڑ گیا تھا جیسے اُس کے بعد سیاہ پوش نے کمرے کی تلاشی لی ہے۔ ہیرا تو اُس کے جُوتوں میں چُھپا ہُوا تھا۔ عنبر جلدی سے اُٹھا اور پلنگ کے نیچے سے اُس نے مرتبان نکال کر اُس کا ڈھکنا اُٹھایا۔ وُہ دھک سے رہ گیا۔

مرتبان میں سے سیاہ سانپ غائب تھا۔

اُس نے کمرے میں ایک ایک شے کی تلاشی لی۔ ہر ایک صندوق اور کپڑے کو اُٹھا کر دیکھا۔ مگر سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ کیا سیاہ پوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سانپ کو اغوا کر لیا ہے؟ مگر اُسے سانپ کو چُرانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں سانپ نے سیاہ پوش یا لنگڑے غلام کو ہلاک تو نہیں کر دیا! کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ ناگ پھنی کو پکڑنے کے لیے کوئی دوسرا آدمی مرتبان میں ہاتھ ڈالے اور وُہ اُسے کاٹ نہ کھائے۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ وُہ سیاہ پوش کو کیسے وہاں بُلائے۔ آخر اُس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا اور باہر صحن میں فوارے کے پاس آ کر ٹہلنے لگا۔ اچانک اُسے سیاہ پوش اپنے کمرے سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اس نے بھی عنبر کو فوارے کے پاس ٹہلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا عنبر کے پاس آیا اور بولا:

"میرے بھائی، کیا آپ کو گرمی کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی؟ اس دفعہ ہمارے شہر میں کچھ زیادہ ہی گرمی پڑ رہی ہے۔ میں خود گرمی محسوس کر رہا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے غسل کے لیے غلام سے کہوں کہ وُہ ٹب میں ٹھنڈا پانی بھر دے۔"

عنبر کو معلوم ہو گیا کہ سیاہ پوش کے ساتھ ساتھ لنگڑا غلام بھی زندہ ہے اور سانپ نے اُن میں سے کسی کو بھی نہیں کاٹا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟ کیا سیاہ پوش سانپ کو پکڑنے کے طریقے سے واقف ہے؟ اُس نے سیاہ پوش سے سانپ کے بارے میں پُوچھنا مناسب خیال نہ کیا۔ کیونکہ وُہ تو پہلے ہی بیان کر چکا تھا کہ مرتبان میں عرق پڑا ہے۔ اُس نے کہا:

"جی نہیں، گرمی زیادہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ میں تبت کے سرد علاقے میں رہ کر آ رہا ہوں۔ اس لیے مجھے کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ غسل کر لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی میں ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔ بس تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد طبیعت بہل جائے گی۔"

سیاہ پوش بھی عنبر کے ساتھ ہی صحن میں ٹہلنے لگا اور اپنی بیوی کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اُس کا خیال تھا کہ عنبر اسی وقت چل کر اُس کی بیوی کو دیکھے۔ لیکن عنبر نے کہا کہ وہ کل اُسے دیکھے گا اور پھر اُسے کوئی ایسی دوائی دے گا جس سے اُس کا سوتے میں چلنا رُک جائے گا۔ عنبر کچھ دیر ٹہلنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ اُسے نیند آنے لگی تو اُس نے شمع بجھا دی اور سو گیا۔

آدھی رات کو کسی چیز کے کمرے میں گرنے سے آواز پیدا ہوئی اور عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ ہڑبڑا کر اُٹھنے یا آواز دے کر پکارنے کی بجائے وہ اسی طرح پلنگ پر لیٹا رہا۔ صرف اس نے تھوڑی سی آنکھ کھول کر کمرے کا جائزہ لیا۔ سلاخ دار کھڑکی میں سے ہلکی ہلکی چاندنی اندر آ رہی تھی۔ اس مدھم روشنی میں عنبر نے سیاہ پوش کو دیکھا کہ کمرے کی دیوار کے ساتھ چوروں کی طرح لگ کر کھڑا ہے اور اُس کی ٹھوکر لگنے سے تپائی پر سے تانبے کا کٹورہ نیچے گر پڑا ہے۔ سیاہ پوش کو جب اطمینان ہو گیا کہ عنبر کٹورہ گرنے کے شور سے جاگا نہیں تو وہ دیوار سے ہٹ کر آگے بڑھا اور عنبر کے بستر کے پاس آ کر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور یوں خراٹے لینے لگا جیسے گہری نیند سو رہا ہو۔ سیاہ پوش نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب عنبر کے کپڑوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ یہ کپڑے لکڑی کے تخت پر پڑے تھے۔ ایک جُبہ دیوار کے ساتھ ٹنگ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے سیاہ پوش کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے جو اُسے نہیں مل رہی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ سیاہ پوش اُس کے قیمتی ہیرے کو تلاش کر رہا ہے۔ یہ ہیرا عنبر نے اپنے سرہانے کے نیچے چھپا کر رکھا ہُوا تھا اور سرہانے کے نیچے سیاہ پوش ہاتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔

عنبر کے کمرے کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد جب سیاہ پوش کو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو وُہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد عنبر کچھ دیر دم سادھے بستر پر لیٹا رہا۔ پھر اُٹھا اور اُس نے کواڑ اندر سے بند کر لیے۔ وُہ حیران تھا کہ سیاہ پوش نے باہر کھڑے ہو کر اندر لگی ہوئی کنڈی کیسے کھول لی؟ وُہ کھڑکی کی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے جھانک کر نیچے گلی میں دیکھا۔ اُس کے دیکھتے ہی ایک سایہ لپک کر ایک طرف کو ہو گیا۔ عنبر نے صاف دیکھ لیا کہ وہ لنگڑا غلام تھا تو گویا وُہ لنگڑا غلام بھی سیاہ پوش کے ساتھ سازش میں شریک تھا۔

عنبر نے کھڑکی بند کر دی اور پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔ باقی رات اُسے نیند نہ آئی۔ اُس نے سرہانے کے نیچے ہاتھ دے کر ہیرے کو دیکھا کہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اسے تسلی ہو گئی۔ مگر نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ پچھلے پہر کہیں جا کر اُس کی آنکھ لگی اور وُہ دن چڑھے تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سویا رہا۔ جب لنگڑے غلام نے ناشتے کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا تو دن کافی نکل آیا تھا۔ غلام ناشتہ لے کر اندر آ گیا۔

"حضور کافی دیر تک سوئے رہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو بار آپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا ہوں۔ لیجئے ناشتہ حاضر ہے۔ میرا آقا آپ کو صبح کا سلام کہہ رہا تھا۔"

"اپنے آقا کو میرا بھی سلام کہنا اور شکریہ ادا کرنا۔"

لنگڑا غلام چپکے سے باہر نکل گیا۔ ناشتے کے بعد عنبر نے کپڑے پہنے۔ قیمتی ہیرے کو اپنی جوتی میں چھپایا اور جب لنگڑا غلام برتن لینے آیا تو اسے کہا:

"اپنے آقا سے کہو کہ میں نئی حویلی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر حضور، آپ تیار ہو جائیں۔ میں ابھی حاضر ہو کر آپ کو نئی حویلی میں لیے چلتا ہوں۔"

عنبر کمرے سے نکل کر باہر صحن میں آ کر فوارے کے پاس سنگ مرمر کی کرسی پر بیٹھ کر لنگڑے غلام کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں سیاہ پوش بھی اپنے سیاہ لباس میں ملبوس وہاں آ گیا۔ اس کا چہرہ بڑا ہشاش بشاش تھا۔ رات کو اسے جو ہیرا تلاش نہ کر سکنے پر ناامیدی ہوئی تھی۔ اس کا اس کے چہرے پر ذرا سا بھی اثر نہیں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے عنبر سے ہاتھ ملایا:

"خوب صورت ایران کی پہلی صبح مبارک ہو بھائی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کو بھی صبح مبارک ہو۔"

"چلیے میرے ساتھ، میں خود آپ کو چل کر حویلی دکھاتا ہوں۔ بلکہ آپ ابھی سے اس حویلی پر قبضہ کر لیجئے۔ اسے اپنی حویلی ہی سمجھیے اور بیماروں کا علاج شروع کر دیجئے۔ دکھی انسانوں کی خدمت کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ضرور ضرور، میں تو اسی لیے تیار ہو کر آیا ہوں۔"

"تو پھر تشریف لے چلیے۔"

اور عنبر سیاہ پوش کے ساتھ ایک رتھ میں سوار ہو کر نئی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ نئی حویلی شہر کے کنارے پر ایک گنجان محلے کی چھتی ہوئی گلی میں واقع تھی۔ چھت کی وجہ سے گلی میں دن کے وقت بھی ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ حویلی کافی کھلی تھی اور اندر صحن میں اناروں کے درخت لگے تھے جن کی ٹہنیاں سرخ سرخ موٹے اناروں سے لدی پھندی تھیں۔

عنبر کے لیے یہ جگہ بڑی موزوں تھی۔ اس نے اسی روز اپنا سامان سیاہ پوش کے مکان سے لا کر نئی حویلی میں رکھ دیا۔ باہر ایک لکڑی کی تختی لگا دی جس پر پارس کی زبان میں لکھا تھا کہ یہاں بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے پر عنبر سرائے میں آیا تو سیاہ پوش نے کہا کہ کھانے کے بعد وہ اس کی بیمار بیوی کو چل کر دیکھ لے۔ عنبر نے سوچا کہ یہ کام بھی کر ہی ڈالنا چاہیے۔ اس نے کہا کہ وہ ضرور چل کر اس کی بیمار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیوی کا معائنہ کرے گا۔ معلوم ہوا کہ اس کی یمن کی بیوی شہر سے باہر ایک مکان میں رہتی ہے۔ عنبر سیاہ پوش شہر سے باہر آ گیا۔ جس مکان میں اس کی یمنی بیوی رہتی تھی وہ ایک منزلہ تھا اور اس کے صحن میں سرو کے درخت دیوار کے اوپر سے صاف نظر آ رہے تھے۔ سیاہ پوش گھوڑے پر سے اتر کر عنبر کو مکان کے اندر لے گیا اور ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھا دیا۔ خود وہ اپنی بیوی کو لینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے کچھ اس قسم کی زنانہ چیخ کی آواز سنائی دی جیسے کسی نے عورت کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چیخ کی آواز فضا میں گم ہو چکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیاہ پوش کون تھا؟

عورت کی چیخ کی آواز بڑی خوف ناک تھی۔

لیکن یہ آواز ایک بار گونج کر دوبارا سنائی نہ دی۔ عنبر کچھ پریشان بھی ہُوا کہ یہ چیخ کی آواز کس عورت کی تھی۔ کیا یہ سیاہ پوش کی بیوی کی آواز تھی؟ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ کمرے کا دروازہ کھُلا اور سیاہ پوش اپنی مکارانہ ہنسی کے ساتھ نمودار ہُوا۔ اس نے عنبر کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا:

"میرے ساتھ آؤ میرے بھائی، آپ کا بیمار آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

عنبر ایک پریشان خاموشی کے ساتھ سیاہ پوش کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ اُسے صحن میں اُگے ہوئے سرو کے درختوں میں سے ہو کر برآمدے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اُس جگہ لے آیا جہاں کوئی عورت اپنے سیاہ بال کھولے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُس عورت کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ یہ سیاہ پوش کی بیوی تھی جسے سوتے میں رات کو چلنے کا مرض لاحق تھا۔ سیاہ پوش نے کہا:

"مرجانہ، دیکھو کون آیا ہے؟"

عورت نے بستر پر کوئی حرکت نہ کی۔ سیاہ پوش عنبر کو لے کر بستر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قریب آ گیا۔

"دیکھو، حکیم صاحب آ گئے ہیں۔ لیکن یہ ایک نوجوان حکیم ہے اور تبت سے چل کر ماژندران آیا ہے۔ یہ تمہارا علاج کرے گا۔ تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔"

عورت نے پہلو بدل کر عنبر کو دیکھا۔ یہ ایک دُبلی پتلی گندمی رنگ کی بڑی پیاری لڑکی تھی جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور چہرے پر ایک گہری اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ انتہائی قیمتی ریشمی لباس پہنے ہوئے تھی مگر معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے کسی نے زبردستی وہاں قید کر رکھا ہے۔ سیاہ پوش نے کھا جانے والی نظروں سے مرجانہ کو گھور کر دیکھا۔ مرجانہ کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اُس نے عنبر کی طرف زرا سا مسکرا کر کہا:

"دیوتا اہرمن آپ کی عمر لمبی کرے۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

سیاہ پوش خوش ہو کر بولا:

"دیکھا بھائی عنبر، میری بیوی اگرچہ پارس کی رہنے والی نہیں ہے مگر اُس نے میری خاطر، اپنے خاوند کی خاطر ہمارا مذہب قبول کر لیا ہے۔ اب یہ بھی میری طرح آتش پرست ہے۔ بہر حال اِس کی بیماری نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ تم اِس کا علاج کر دو، تاکہ یہ صحت مند ہو کر میرے ساتھ مُلک مُلک کی سیریں کرے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جناب، میں پوری کوشش کروں گا۔ بی بی ذرا نبض دکھاؤ۔"

مرجانہ نے اپنا ہاتھ عنبر کی طرف بڑھایا۔ عنبر نے نبض دیکھی تو وہ بالکل ٹھیک چل رہی تھی۔ اُسے صرف کمزوری محسوس ہوئی۔ یہ کمزوری کسی خوف کی وجہ سے تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ مرجانہ پر کوئی دباؤ ڈالا ہوا ہے۔ اُس پر کسی چیز کا خوف طاری ہے جس کی وجہ سے اُس کا چہرہ اُداس اور اُترا ہُوا تھا۔ سیاہ پوش نے پُوچھا:

"کیوں میاں عنبر، کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا:

"آپ کی بیگم صاحبہ بیمار ہیں۔ ان کا باقاعدہ علاج کیا جائے گا۔ ان کے اندر خون کی زبردست کمی ہے اور راتوں کو ان کا اُٹھ کر چلنا اِسی خون کی کمی کی وجہ سے ہے۔"

"عنبر بھائی، مَیں اپنی ساری دولت لُٹا دوں گا۔ کسی طرح میری اِس بیوی کو صحت مند کر دیں۔"

"مَیں پُوری کوشش کروں گا۔ اس کے لیے مجھے دن میں ایک بار یہاں آکر انہیں دیکھنا اور دوا پلانا ہوگی۔"

"میرا غلام آپ کو اپنے ساتھ لے آیا کرے گا۔ وہ آپ کی خدمت کے لیے تیار ہوگا۔"

"مَیں اکیلا ہی آجایا کروں گا۔ اس میں غلام کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں بھائی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ میری بیگم کا علاج کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئیں اور غلام آپ کے ساتھ نہ ہو۔ غلام تو آپ کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھ کر چلا کرے گا۔"

"جیسے آپ کی خوشی۔"

عنبر سمجھ گیا کہ سیاہ پوش اپنی بیگم پر اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اس سے بے حد پیار کرتا ہے اور اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے اور اپنی ساری دولت لٹا کر بھی اس کا علاج کرانا چاہتا ہے؛ چنانچہ اس نے زیادہ انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس دوران میں عنبر نے محسوس کیا کہ سیاہ پوش کی بیگم مرجانہ نے دو ایک بار عنبر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے اُسے کہہ رہی ہو:

"دیوتا اہرمن کے لیے مجھے اِس ظالم شخص سے نجات دلاؤ۔ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل جھوٹ ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔"

مگر وُہ بے بس تھی، مجبور تھی۔ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ وُہ سیاہ پوش کے ساتھ واپس اپنی حویلی میں آگیا۔ یہاں کئی بیمار اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تختی کے لگتے ہی محلے کے بے شمار بیمار مرد، عورتیں اور بچے اُس کی حویلی کے باہر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اب عنبر کو محسوس ہُوا کہ شہنشاہ دارا کو اپنی رعایا کی صحت کے بارے میں اتنا خیال نہیں ہے جبکہ آج سے دو ہزار برس پہلے مصر کے فرعونوں کے زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ وہاں گلی گلی، محلے محلے فرعون کی طرف سے ایک حکیم مقرر تھا، جو بیماروں کا علاج مُفت کیا کرتا تھا۔ عنبر نے پوری توجہ سے بیماروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنا اور پھر انہیں دوائی دینا شروع کر دیا۔ دوسرے روز دوپہر کے کھانے کے بعد عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر سیاہ پوش کی بیگم مرجانہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ لنگڑا غلام اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ مکان پر پہنچ کر اُس نے غلام کے ذریعے اندر پیغام بھجوایا۔ مرجانہ نے اُسے اندر بلا لیا۔ وہ اُسی طرح بستر پر اُداس چہرہ لیے لیٹی تھی۔ عنبر نے اُس کی نبض دیکھی۔ اُس کو ایک خاص طاقت ور عرق کے چند قطرے پلائے۔ ماتھے پر ایک تیل کی مالش کی اور اجازت طلب کی۔ مرجانہ نے کوئی جواب نہ دیا صرف خاموش اور بے بس نظروں سے اُسے تکتی رہی۔ لنگڑا غلام اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ عنبر نے سلام کیا اور مکان سے باہر نکل آیا۔

اب ذرا اُس سانپ کا بھی حال سُنیے جو مرتبان میں بند تھا اور غائب ہو گیا۔

جس روز عنبر دن کے وقت شہر کی سیر کو نکلا تو اُسی روز اُس کے جانے کے بعد سیاہ پوش کے لنگڑے غلام نے اپنے مالک کے حکم پر عنبر کے کمرے کی پوری پوری تلاشی لی۔ قیمتی ہیرا تو اُسے نہ مل سکا کیونکہ عنبر اُسے اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ مگر پلنگ کے نیچے مرتبان دیکھ کر لنگڑے کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اسے بھی دیکھا جائے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ اُس نے ابھی مرتبان کا ڈھکنا اُٹھایا ہی تھا کہ اندر سے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ اس نے ڈھکنا وہیں رکھ دیا۔ مگر ڈھکنا ذرا ترچھا رکھا گیا۔ اس میں اتنی جگہ خالی رہ گئی تھی کہ وہاں سے سانپ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہے تو باہر نکل آئے۔ لنگڑا غلام باہر نکل گیا تو سانپ بھی مرتبان کے اندر سے باہر نکل آیا۔ اُس کے سانپ کی جُون میں رہنے کے دن پُورے ہونے والے تھے اور اب اُس کو کسی بھی انسان کے رُوپ میں آنے کی طاقت ملنے ہی والی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ وُہ بے چین تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح مرتبان سے باہر آ جائے۔ چونکہ لنگڑے غلام نے مرتبان کے ڈھکنے کو ہاتھ لگا دیا تھا اس لیے اُس کی بُو وہاں باقی رہ گئی تھی۔ سانپ اس کی بُو پا کر کمرے سے باہر نکل آیا اور جدھر کو بُو جا رہی تھی۔ اُدھر ہی کو چل پڑا۔ لنگڑا غلام اُس وقت سیاہ پوش کے پاس کھڑا اُسے بتا رہا تھا کہ عنبر کے کمرے میں قیمتی شاہی ہیرا کہیں بھی نہیں ہے۔ صرف مرتبان میں ایک سانپ تھا جو وہ وہیں چھوڑ آیا ہے۔

"سانپ؟ کیسا سانپ؟" سیاہ پوش نے حیرانی سے پُوچھا۔

"بڑا کالا ناگ تھا حضور، اس کی پھنکار سُن کر تو میرا کلیجہ دہل گیا تھا۔ اگر میں جلدی سے ڈھکن بند نہ کرتا تو وُہ مجھے ضرور ڈس لیتا۔"

"مگر عنبر کے ساتھ سانپ کا کیا کام؟"

"حضور، یہ حکیم لوگ سانپ، بچھو ضرور اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ کیا خبر ان کی دوائیں بناتے ہوں۔"

"شاید ــــ بہرحال میرے جاسوس نے تبت سے غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ شاہی ہیرا اس نوجوان حکیم کے پاس ہی ہے۔ اس نے ضرور اُسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی خاص جگہ چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر وہ ہیرا حاصل کرنا ہے۔ اِس وقت اُس ہیرے کی قیمت کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اگر وہ ہیرا کسی طرح مجھے مل جائے تو میں اُسے شہنشاہ دارا کی خدمت میں پیش کرکے اس صوبے مازندران کا گورنر مقرر ہو سکتا ہوں۔ شہنشاہ دارا اس قدر قیمتی ہیرا پاکر بے حد خوش ہوگا۔"

"مگر ہم اُسے کہاں تلاش کریں حضور؟ جہاں یہ حکیم عنبر رہتا ہے اُس کمرے کا تو مَیں نے کونہ کونہ چھان مارا ہے۔"

"آج رات میں خود جاکر تلاشی لوں گا۔"

اور یہ وہی رات تھی جب سیاہ پوش خود تلاشی لینے عنبر کے کمرے میں چھُپ کر آیا تھا۔ مگر ناکام واپس گیا تھا۔ ادھر سانپ لنگڑے غلام کی بُو پر برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر رات کو وہ اُس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ مگر سانپ کے وہاں پہنچتے ہی غلام وہاں سے کسی کام سے باہر نکل گیا۔ سانپ نے اُس کی کوٹھڑی میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور وہ محل کے صحن میں فوارے کے پاس والے اناروں کی جھاڑیوں میں آکر چھپ گیا۔

جس روز لنگڑا غلام عنبر کو ساتھ لے کر مرجانہ کے مکان پر گیا، اُس روز سانپ نے محسوس کیا کہ لنگڑے غلام کی بُو غائب ہوگئی ہے۔ وہ دوپہر کے بعد تک اُسی جگہ فوارے کے پاس اناروں کے درختوں میں چھپا بیٹھا رہا۔ وہ واپس عنبر کے کمرے میں جانے کے لیے وہاں سے مُڑا تو اُس نے محسوس کیا کہ فضا میں عنبر کی بُو بھی غائب ہے۔ وہ ابھی تک سانپ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور صرف بُو سے انسانوں کو پہچانتا تھا۔ لنگڑے غلام کی بُو کے پیچھے وہ اِس لیے لگا تھا کہ اُس نے اُسے مرتبان میں پریشان کیا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق اب وہ اُسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر کے بعد سانپ نے محسوس کیا کہ لنگڑے غلام کی بُو دُور سے آ رہی ہے۔ وہ چوکس ہو گیا۔ اُس وقت غلام عنبر کو ساتھ لے کر مرجانہ کے مکان سے واپس آ رہا تھا۔ عنبر تو اپنی حویلی میں چلا گیا اور لنگڑا غلام سیدھا سیاہ پوش کے کمرے میں آ گیا۔ جب وہ اناروں کے درختوں کے قریب سے گزرا تو سانپ بھی جھاڑیوں سے نکل کر اُس کے پیچھے ہو لیا۔ غلام سیاہ پوش کے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ سانپ چاروں طرف گھوم پھر کر اندر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ اندر غلام سیاہ پوش سے باتیں کر رہا تھا۔

"کیا عنبر حکیم نے مرجانہ کو دوائی پلائی تھی؟"

"جی ہاں حضور، میری آنکھوں کے سامنے دوائی پلائی تھی۔"

"مرجانہ نے حکیم سے کوئی بات کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"نہیں حضور، بالکل نہیں۔ وہ تو بس دم سادھے پلنگ پر لیٹی رہی اور حکیم اُس کے ماتھے پر کسی تیل کی مالش کرتا رہا۔ لیکن حضور، آخر اِس کا انجام کیا ہو گا؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

غلام نے دست بستہ ہو کر عرض کی:

"حضور، میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ آپ کی زندگی اور آپ کی سلامتی کی فکر ہے۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کے قدموں میں ہی جان دے دوں گا۔"

سیاہ پوش نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں ایک نہ ایک دن اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گا اور ایک دن اس صوبے کا گورنر ہوں گا ـــــ صوبے کا سب سے بڑا آدمی ہوں گا۔"

لنگڑا غلام سر جھکا کر بولا:

"دیوتا اہرمن آپ کو اس سے بھی زیادہ عزت عطا کرے۔ لیکن آپ کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ مرجانہ یونان کے صوبے دار یوریڈس کی اکلوتی بیٹی ہے جسے آپ اغوا کر کے لے آئے ہیں اور یونان کے ساتھ شہنشاہ دارا کی سخت دشمنی ہے۔ بلکہ شہر میں یہ خبر گرم ہے کہ سکندر اعظم بہت جلد ایران پر بھی حملہ کرنے والا ہے۔ اس صورت میں آپ کی زندگی یقیناً خطرے میں ہوگی۔"

سیاہ پوش نے قہقہہ لگا کر کہا:

"جس شے کو تم میری کمزوری سمجھ رہے ہو، اصل میں وہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔ میں تو صرف مرجانہ کے صحت مند ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ جس روز یہ صحت مند ہو گئی۔ اسی روز میں اسے لے کر شہنشاہ دارا کے دربار میں حاضر ہوں گا اور کہوں گا کہ عالم پناہ، میں آپ کی خدمت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کے دشمن کی بیٹی کو گرفتار کرکے پیش کرنے آیا ہوں اور اس کے ساتھ تبت کا شاہی ہیرا بھی ہوگا جو اِس وقت عنبر کے قبضے میں ہے۔ پھر مَیں اِس صوبے کا صوبے دار ہُوں گا اور یہ شہر میرے قدموں میں ہوگا۔"

"لیکن حضُور، تبت کا شاہی ہیرا تو ابھی تک ہمارے قبضے میں نہیں ہے۔"

"وہ بھی میرے قبضے میں آجائے گا اور مرجانہ بھی صحت مند ہو جائے گی۔ میں ایک تیر سے دو نشانے لگا رہا ہُوں۔ عنبر سے مَیں قیمتی ہیرا حاصل کرنے میں بھی کام یاب ہو جاؤں گا اور وہ مرجانہ کو بھی صحت مند کر دے گا۔ کہو، اب کیا خیال ہے لنگڑے؟"

"حضور مالک ہیں جو چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ مجھے تو چوں کہ آپ کی سلامتی عزیز ہے اس لیے کسی وقت فکر لگ جاتا ہے کہ کہیں آپ کے دُشمنوں کو کچھ ہو نہ جائے۔"

"بے فکر رہو۔ سیاہ پوش ایک طاقت ور انسان ہے۔ اُس نے اِس صوبے کا گورنر بننا ہے۔ اُسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔"

"دیوتا اہرمن آپ کی حفاظت کرے۔"

"لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا تم۔"

"وہ کون سی بات حضُور؟"

یہی کہ عنبر جب بھی مرجانہ کو دیکھنے اور اس کا علاج کرنے جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس کے ساتھ تنہائی میں کوئی بات نہ کرنے پائے۔ اگر کسی طرح مرجانہ نے عنبر کو اصل حقیقت سے خبردار کر دیا تو پھر میرے لیے خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ عنبر ایک خاص قسم کا انسان ہے جو ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے مرجانہ کی فریاد سن کر عنبر اس کو بچانے کی کوشش کرے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا حضور! میں انہیں کبھی تنہائی کا موقع نہیں دوں گا۔ مگر سرکار! کہیں مرجانہ رات کو سوتے میں چلتی ہوئی حکیم کے گھر نہ پہنچ جائے۔"

"اس کا میں نے بندوبست کر لیا ہے۔ میں مرجانہ کا پاؤں ہر رات زنجیر سے باندھ دیتا ہوں جو پلنگ کے پائے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو اپنے پلنگ سے اٹھ کر کہیں نہیں جا سکتی۔"

اندر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر ناگ پھنی سانپ نے دیوار کے اوپر چڑھ کر روشن دان میں سے اندر کمرے کی دیوار پر رینگنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ریشمی پردوں کے پیچھے سے رینگتا ہوا نیچے قالین پر آ گیا اور لنگڑے غلام کی بو پا کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت غلام ستون کے پاس کھڑا اپنے مالک سیاہ پوش سے باتیں کر رہا تھا۔ سانپ نے یہ موقع غنیمت جان کر ایک طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ سیاہ پوش نے سانپ کو عین موقع پر دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ مار کر غلام کو خبردار کر دیا۔ لنگڑا غلام اچھل کر پلنگ کے اوپر جا گرا۔ اس دوران میں سیاہ پوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سنگِ مرمر کا ایک گلدان اُٹھا کر سانپ پر زور سے دے مارا۔ گلدان اگر سیدھا سانپ کو لگ جاتا تو اُس کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ مگر وُہ ستون کے ساتھ ٹکرا کر خود دو ٹکڑے ہو گیا اور اُس کا ایک ٹکڑا سانپ کی کمر پر لگا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا۔ سیاہ پوش نے دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار کھینچی اور اُسے لہراتا ہُوا سانپ کی طرف بڑھا مگر سانپ دیوار کے اوپر رینگتا ہُوا اب روشندان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ روشن دان سے نکل کر وُہ مکان کے صحن میں آ گیا اور یہاں سے ہو کر وہ اناروں کے درختوں میں جھاڑیوں میں جا کر چھپ گیا۔

سیاہ پوش اور غلام اُسے تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر سانپ انہیں نہ ملا۔ وُہ سخت زخمی حالت میں انار کے درختوں میں پڑا تھا۔ چونکہ سانپ انسان کی شکل اختیار کرنے کی طاقت حاصل کرنے والا تھا۔ اس لیے اُس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ اس کا زخم تھوڑی دیر بعد اپنے آپ ٹھیک ہو جاتا تھا اور ایسا ہی ہُوا۔ سانپ جھاڑیوں میں بے سُدھ ہو کر پڑا رہا اور اُس کی کمر کا زخم آپس میں ملنا شروع ہو گیا۔ کچھ دیر گزرنے پر اس کا زخم بالکل اچھا ہو گیا تھا۔ اُسے دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ پورا صحت مند اور طاقت ور سانپ ہے۔ سانپ صحت مند ہونے کے بعد جھاڑیوں میں سے نکلا۔ ذرا پرے ٹوٹی ہوئی دیوار تھی۔ اُس کے نیچے ایک گہرا سوراخ تھا۔ سانپ اس سوراخ کے اندر جا کر بیٹھ گیا۔

اُسے عنبر کی بُو بالکل نہیں آ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مَیں سانپ ہُوں

●

سارا دن اور ساری رات سانپ انار کی جھاڑیوں میں چھُپا رہا ۔

اُسے عنبر کی ہلکی سی بُو بھی نہیں آ رہی تھی اور وہ خود عنبر کے گھر جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا ۔ اِس لیے کہ اب اُس میں انسان کی شکل میں آنے کی طاقت آنے ہی والی تھی ۔ اِس کی وجہ سے سانپ کے اندر انسانوں ایسی عقل پیدا ہو رہی تھی اور بُو پا کر انسان کو سونگھنے کی صلاحیت کم ہوتی جا رہی تھی ۔ اب وہ دو انسانوں کی آپس میں گفتگو بھی سمجھنے لگا تھا ۔ عنبر کو وہ بڑی اچھی طرح سے پہچاننے لگا تھا ۔ اُسے معلوم تھا کہ عنبر اس کا مالک بھی ہے اور دوست بھی ہے اور اُس نے اُس کی جان بچائی تھی ۔ وہ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا رہا ۔ اُدھر عنبر کے دل میں یہ خواہش زور پکڑتی جا رہی تھی کہ وہ معلوم کرے مرجانہ کون ہے اور سیاہ پوش اُسے کہاں سے اٹھا کر لے آیا ہے ؟ ایک روز وہ دوائی پلانے کے بہانے مرجانہ کے کمرے میں آیا ۔ لنگڑا غلام سائے کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ لگا تھا ۔ عنبر نے سوچا جب تک یہ غلام اس کے ساتھ ساتھ لگا رہے گا ۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا ۔

لیکن لنگڑے غلام سے پیچھا چھڑانا بھی بڑا مشکل تھا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب ایسا اتفاق ہُوا کہ جس کمرے میں عنبر مرجانہ کی تیمارداری کر رہا تھا اُس کمرے میں سانپ بھی نکل آیا۔ جب سانپ نے سامنے آکر اپنا پھَن کھڑا کیا تو عنبر نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ مرجانہ سہم گئی اور لنگڑا غلام چیخ مار کر باہر بھاگ گیا۔ عنبر نے سانپ کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے کے دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دے تاکہ لنگڑا دوبارا اندر نہ آ سکے۔ سانپ نے عنبر کی ہدایت سُن کر وہاں سے رینگنا شروع کر دیا اور وُہ دروازے کے بیچ میں آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنا پھَن اُسی طرح اُوپر اُٹھا رکھا تھا۔

عنبر نے میدان صاف پا کر مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بہن مرجانہ، مجھے اپنا بھائی سمجھو اور جو کچھ پُوچھوں صاف صاف بتانا۔"

مرجانہ نے بے بسی کے عالم میں کمرے میں چاروں طرف دیکھا اور پوچھا:

"کیا آپ واقعی مجھ سے اپنی بہن ایسی محبت کرتے ہیں؟"

"ہاں مرجانہ، مَیں نے تمہیں بہن کہا ہے تو یقین کرو میں تمہیں اپنی بہن ہی سمجھتا ہُوں۔ مجھے اپنی ساری کہانی سناؤ۔ مجھے بتاؤ کیا تم سیاہ پوش کی بیوی ہو؟"

مرجانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سر ہلا کر کہا:

"نہیں، مَیں سیاہ پوش کی بیوی نہیں ہُوں۔"

عنبر نے حیرانی سے پُوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر — تو پھر تم کون ہو؟"

مرجانہ بولی:

"میرے بھائی میری دردبھری کہانی سن کر تم بھی رونے لگ پڑو گے۔ میں مرجانہ ہوں۔ یونان کے صوبہ کریٹ کے صوبے دار یوریڈیس کی بیٹی مرجانہ — اور — اور یہ سیاہ پوش مکار مجھے کریٹ سے اغوا کرکے لے آیا ہے۔"

عنبر تو حیران رہ گیا:

"تو — تو کیا تم یونانی صوبے دار یوریڈیس کی بیٹی ہو؟"

"ہاں — میں بدنصیب یوریڈس کی بیٹی ہوں۔ نہ جانے میری جدائی میں میرے باپ کا کیا حال ہوگا۔"

عنبر یہ سن کر بے حد حیران ہوا کہ مرجانہ یونان کے ایک عظیم سردار کی بیٹی تھی اور سیاہ پوش اسے اغوا کرکے لے آیا تھا۔ اس نے پوچھا:

"لیکن وہ تمہیں کس لیے یونان سے اغوا کرکے یہاں لے آیا ہے؟ کیا وہ تمہیں کہیں فروخت کرنا چاہتا ہے؟"

مرجانہ نے کہا:

"میں نے اسے لنگڑے غلام سے کہتے سنا ہے کہ وہ میرے صحت مند ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے ایران کے شہنشاہ کے حضور پیش کرکے انعام و اکرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم واپس اپنے باپ کے پاس جانا چاہتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔ مَیں تو اپنے باپ سے جُدا ہو کر انتہائی ذلّت کی زندگی بسر کر رہی ہُوں۔ کاش، میرے پَر لگ جائیں اور مَیں یہاں سے اُڑ کر اپنے پیارے باپ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"فکر نہ کرو، تمہارا باپ بھی تمہارے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کر رہا ہوگا۔"

"پیارے بھائی، یونان اور ایران کی آپس میں سخت دشمنی ہے۔ نہ یونان کا کوئی شخص ایران میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ایران کا کوئی آدمی یونان کی سرحدوں کے اندر جا سکتا ہے۔ ان حالات میں بھلا میرا غم نصیب باپ سوائے اِس کے اور کیا کر سکتا ہے کہ وہ ایران اور یونان کی جنگ کا انتظار کرے۔"

عنبر نے مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"نیک دل بہن، گھبراؤ نہیں۔ تمہارا بھائی تمہاری ضرور مدد کرے گا۔"

"کاش، تم میری مدد کر سکتے۔"

"مَیں ہر ممکن کوشش کروں گا مرجانہ — تم فکر مت کرو۔"

ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازے کے باہر سیاہ پوش نمودار ہُوا۔ اُس کے ساتھ لنگڑا غلام بھی تھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے سانپ کو دیکھنے لگا جو عین دروازے کے بیچ میں پھَن پھیلائے کھڑا تھا۔ عنبر خاموش ہو گیا اور مرجانہ کی نبض دیکھنے لگا۔ اُسے فکر ہُوا کہ کہیں سیاہ پوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ وہ سانپ عنبر کے لیے اس اعتبار سے بڑا قیمتی تھا کہ اُسے ایک بہت بڑی طاقت قدرت کی طرف سے ملنے والی تھی۔ اُس نے سانپ کی طرف دیکھا۔ سیاہ پوش نے دُور سے کہا:

"عنبر بھائی، اس سانپ کو پتھر مار کر ہلاک کر دو۔ یہ تمہیں کاٹ لے گا۔"

بھلا عنبر کو وہ سانپ کیسے کاٹ سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

"میں نے اسے مارنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ یہ قابو میں نہیں آتا۔ اگر تم اسے مار سکتے ہو تو مار دو۔ میں خود اس کی وجہ سے یہاں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔"

سانپ عنبر کی باتیں سُن رہا تھا کہ وہ محض سیاہ پوش کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ اس نے سیاہ پوش کی طرف ذرا سا پھن جھکا کر بڑے زور کی پھنکار ماری۔ سیاہ پوش سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے سانپ کو اشارہ کیا کہ وہ راستہ چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے کیونکہ سیاہ پوش نیام میں سے تلوار نکال کر آہستہ آہستہ سانپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مرجانہ بڑی حیران ہوئی کہ عنبر سانپ سے کیسے باتیں کر رہا ہے اُس نے سرگوشی میں پُوچھا:

"بھائی، کیا سانپ تمہاری باتیں سن رہا ہے؟"

"شی، خاموش رہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے مرجانہ کو خاموش کر دیا۔ اُدھر سانپ نے عنبر کی بات سُن لی تھی۔ اس نے اپنے پھن کو سمیٹا اور پلک جھپکنے کے اندر اندر وہاں سے ایسا غائب ہُوا کہ پھر کسی کو نظر ہی نہ آیا۔ سیاہ پوش اور لنگڑا غلام اُسے ڈھونڈتے ہی رہ گئے۔ سیاہ پوش نے قریب آ کر کہا:

"اب میری بیگم کا کیا حال ہے عنبر؟"

"پہلے سے یہ بہت بہتر ہیں؟"

سیاہ پوش نے دیوتا اہرمن کا شکر ادا کرتے ہُوئے کہا:

"مَیں چاہتا ہُوں کہ میری بیگم اس چاند کی پندرہ تاریخ تک بالکل اچھی ہو جائے تاکہ مَیں اسے سَیر کرانے کے لیے کوہ قاف کی طرف لے جاؤں۔"

مرجانہ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا:

"مَیں پُوری کوشش کروں گا جناب۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔ کل پھر آؤں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر آ کر جب وہ اناروں کے درختوں کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے سانپ کی ہلکی سی پھنکار سُنی۔ وہ رُک گیا۔ سانپ جھاڑیوں میں سے ذرا سا باہر نکل کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ گویا کہہ رہا ہو:

"کیا مجھے ان موذی دشمنوں کے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے، پھر اُس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سانپ کو اٹھا کر اپنے لبادے کے اندر چھپا لیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ عین اس وقت سیاہ پوش اور لنگڑا غلام کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگے عنبر کو دیکھ رہے تھے، سیاہ پوش نے کھڑکی پر غصے میں ہاتھ مار کر کہا :

"میں نہ کہتا تھا یہ وہی سانپ ہے"

"مگر حضور! وہ سانپ تو شدید زخمی تھا۔ وہ تو مر بھی چکا ہوگا"

"پھر عنبر کو اُسے لبادے میں چھپا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یقیناً یہ وہی مرتبان والا سانپ ہے اور عنبر اس کی کسی خاص مقصد کے لیے پرورش کر رہا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم آج رات ہی اس سانپ کو جا کر ہلاک کر دو"

لنگڑے غلام نے ڈرتے ڈرتے کہا :

"مگر سرکار! سانپ کو مارنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"بکواس بند کرو!" سیاہ پوش نے چیخ کر کہا۔ "میں جو حکم دیتا ہوں اُس پر عمل کرو۔ آج ہی رات عنبر کے کمرے میں جاؤ اور جا کر سانپ کو فوراً ہلاک کر دو"

"جو حکم سرکار"

لنگڑے غلام نے جھک کر کہا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوفزدہ تھا کیونکہ وہ اس سانپ کو کوئی جادوگر سانپ سمجھ رہا تھا جو شدید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زخمی ہونے کے بعد بھی نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنے مالک سیاہ پوش کے حکم کے سامنے انکار نہیں کر سکتا تھا؛ چنانچہ اُس نے رات کو عنبر کے کمرے میں جاکر سانپ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لنگڑا غلام رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

اُدھر عنبر نے اپنے کمرے میں جاکر سانپ کو مرتبان میں بند کرکے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ مگر احتیاطاً اس نے مرتبان کے ڈھکن کو ذرا سا ترچھا رکھا۔ اس لیے کہ سانپ کا انسانی شکل میں آنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ سیدھا اپنی اس حویلی میں چلا گیا جہاں اس کے مریض انتظار کر رہے تھے۔ عنبر بہت دیر تک مصروف رہا۔ اُسے رات ہوگئی۔ ابھی تک کتنے ہی مریض وہاں موجود تھے۔

اُدھر شام کے سائے گہرے ہوتے ہی لنگڑے غلام نے سانپ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ عنبر کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی کے صحن میں جاکر اُس نے معلوم کر لیا کہ عنبر گھر پر موجود نہیں ہے۔ یہ ایک سنہری موقع تھا۔ لنگڑا اِس سنہری موقع سے پُورا پُورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا عنبر کے کمرے کے باہر آ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اُس نے جیب سے لوہے کی سلاخ نکال کر دروازے کا تالا کھول دیا اور چپکے سے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کر لیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے موم بتی جلائی۔ روشنی میں کمرے کی ہر شے صاف صاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر آنے لگی۔ وہ یہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا کہ عنبر کے بستر پر ایک نہایت حسین عورت زیورات اور ہیرے جواہرات کے ہار پہنے لیٹی ہوئی ہے۔

وہ حیرت کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔ اُسے خیال آیا کہ شاید عنبر نے کوئی کنیز خریدی ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ آگے بڑھے یا واپس جائے کہ بستر پر لیٹی ہوئی عورت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

"خدا کے لیے مجھے اس ظالم حکیم عنبر سے بچاؤ۔ میرے سارے زیورات، میرے جسم کا سارا سونا لے لو اور اس ظالم کے پنجے سے مجھے آزاد کراؤ۔ وہ تالا لگا کر مجھے اندر قید کر کے چلا گیا ہے۔"

لنگڑا غلام بہت خوش ہوا کہ بیٹھے بٹھائے اسے اتنے قیمتی جواہرات اور زیورات مل رہے ہیں۔ اسے بچانے کا کیا ہے وہ ابھی اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔ اس نے کہا:

"تم کون ہو اور عنبر تمہیں یہاں کیوں لایا ہے؟"

حسین عورت نے کہا:

"میرا نام یوحا ہے۔ میں ملک شام کے ایک امیر سوداگر کی بیٹی ہوں۔ یہ ظالم شخص عنبر مجھے میرے گھر سے اٹھا کر لے آیا ہے اور اب یہ مجھے بازار میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کرنا چاہتا ہے۔ دلیر نوجواں خدا کے لیے میری مدد کرو۔ میں یہ سارے ہیرے جواہرات کے زیورات تمہیں دے دوں گی۔"

لنگڑے غلام نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فکر نہ کرو، میں ابھی تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ مجھے ذرا ایک شئے تلاش کر لینے دو۔"

لنگڑے غلام نے خنجر نکال کر کمرے میں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر وہ مرتبان تلاش کرنا شروع کر دیا جس کے اندر سانپ موجود تھا۔ عورت ڈر گئی۔ اُس نے کہا:

"خدا کے لیے یہ خنجر چھپا لو۔ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ مجھ پر رحم کرو۔ میں بڑی دُکھی عورت ہوں۔"

غلام نے تنگ آ کر کہا:

"شور مت کرو، میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔ میں ایک سانپ کی تلاش میں ہوں جو یہاں ایک مرتبان میں بند تھا۔ کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

عورت نے کہا:

"نہیں تو، میں نے تو یہاں کسی سانپ کو نہیں دیکھا۔"

اچانک غلام کی نظر بستر کے نیچے مرتبان پر پڑ گئی۔ اس کا ڈھکنا اُٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر مرتبان کو ٹھوکر مار کر اُلٹ دیا اور خنجر تان کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس میں سے سانپ نکل کر باہر رینگنے لگے گا اور اُسے خنجر مار کر ہلاک کر دے گا لیکن مرتبان خالی تھا۔ اُس میں سے کچھ بھی باہر نہ نکلا۔

عورت نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دروازہ بند کر دو۔ اگر وہ اس کمرے میں ہوگا تو دروازہ کھلا پاکر باہر نکل جائے گا۔"

لنگڑے غلام نے آگے بڑھ کر دروازے کو کنڈی لگا دی اور کمرے کی ساری چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر سانپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں وہ عورت بڑے آرام اور سکون کے ساتھ بستر پر لیٹی اُسے دیکھتی رہی۔ جب لنگڑا سانپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تنگ آگیا، تو عورت نے کہا :

"کیا تم واقعی سانپ کو ڈھونڈ رہے ہو؟"

لنگڑے غلام نے طیش میں آکر کہا :

"تو تم کیا سمجھتی ہو میں کیسے تلاش کر رہا ہوں۔ سانپ ہی کو تو ڈھونڈ رہا ہوں۔"

عورت بولی :

"اگر مرتبان میں بھی نہیں ہے، کمرے میں بھی نہیں ہے تو پھر سانپ کہاں چلا گیا؟"

"جہنم میں چلا گیا ہوگا اور کہاں جانا ہے اُسے؟"

عورت کہنے لگی :

"اگر سانپ تمہارے پاس آجائے تو تم کیا کرو گے؟"

لنگڑے نے غصے میں کہا :

"میں اُسے خنجر مار کر دو ٹکڑے کر دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت مسکرا کر کہنے لگی :

"تو مجھے خنجر مار کر دو ٹکڑے کر دو۔ میں سانپ ہوں"

لنگڑا غلام ہنستا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا :

"تم بہت مذاقیہ عورت معلوم ہوتی ہو۔ بہرحال اگر سانپ مل گیا تو تمہیں اس کے ٹکڑے اڑا کر دکھا دوں گا"

عورت نے لنگڑے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا :

"میری طرف غور سے دیکھو۔ میں سانپ ہوں"

اب لنگڑے غلام نے محسوس کیا کہ وہ عورت آنکھیں بالکل نہیں جھپک رہی تھی اور یہ خاص بات صرف سانپ میں ہوتی ہے کہ وہ پلکیں نہیں جھپکتا۔ ابھی لنگڑا غلام کچھ غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک عورت نے پھنکار ماری اور وہ سانپ میں تبدیل ہو گئی۔ لنگڑے غلام کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ وہ خنجر والا ہاتھ سانپ پر مارنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر ڈس لیا اور خود رینگ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا اور غلام کے تڑپ تڑپ کر مرنے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ لنگڑا غلام سانپ سے ڈسوا کر وہاں سے اٹھا۔ کنڈی کھولی اور کمرے سے باہر نکل کر بھاگ اٹھا۔ عنبر کی حویلی میں سے نکل کر وہ اپنے مالک کے مکان کی طرف دوڑنے لگا۔ اس دوران میں سانپ کے زہر نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ جوں جوں وہ دوڑ رہا تھا سانپ کا زہر اتنی ہی تیزی کے ساتھ اس کے خون میں حل ہو رہا تھا۔ پھر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لنگڑا بھاگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سیاہ پوش کی حویلی میں پہنچ کر صحن میں فوارے کے پاس دھڑام سے گر پڑا۔

اُس کے گرنے کی آواز سُن کر سیاہ پوش لپک کر نیچے صحن میں آ گیا۔ اُس نے لنگڑے غلام کو زمین پر گرے ایڑیاں رگڑتے دیکھا تو پوچھا :

"کیا ہُوا ہے تمہیں ؟"

لنگڑے غلام کا گلا بند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ صرف سرگوشی کے انداز میں صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ سانپ نے اُسے کاٹا ہے اور پھر مر گیا۔ وہ سیاہ پوش کو یہ نہ بتا سکا کہ سانپ کو اُس نے عورت کے رُوپ میں دیکھا ہے۔ سیاہ پوش کو بے حد دُکھ ہُوا کہ عنبر کے سانپ نے اس کے وفادار غلام کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر وہ مجبور تھا۔ اس لیے کہ اُس کے پاس اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ لنگڑے غلام کو عنبر کے سانپ نے ہی ہلاک کیا ہے۔ خاص طور پر اب جب کہ وہ سانپ ایک عورت بن چکا تھا۔ پھر بھی اس نے عنبر سے اپنے غلام کی موت کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یُونان کی طرف

عنبر کافی رات گئے واپس اپنے گھر آیا۔

وُہ اپنے کمرے میں داخل ہُوا تو یہ دیکھ کر وہیں رُک گیا کہ اُس کے بستر پر ایک حسین عورت لیٹی ہوئی ہے۔ جب اُس نے اُسے پُوچھا کہ وُہ کون ہے؟ تو وُہ اُٹھ کر اُس کے قریب آئی اور زمین پر بیٹھ گئی اور سر جُھکا کر کہا:

"اے میرے محسن، میں ناگ پھنی سانپ ہُوں۔ میرا وقت پُورا ہو گیا ہے اور اب دیوتاؤں نے مجھے اتنی طاقت دے دی ہے کہ میں جس وقت اور جب چاہوں کسی بھی انسانی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہُوں۔"

"لیکن تم نے عورت کا رُوپ کیوں بدل رکھا ہے؟"

سانپ نے عنبر کو لنگڑے غلام کا سارا قصّہ سُنا دیا کہ کس طرح وہ اُسے ہلاک کرنے خنجر ہاتھ میں لے کر وہاں آیا تھا اور پھر کس طرح اُس نے اُسے ڈس دیا اور وہ بھاگ کر سیاہ پوش کے گھر پہنچ کر مر گیا ہے۔ عنبر نے کہا:

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا ناگ پھنی، ہمیں کسی کو یُوں ہی ہلاک نہیں کرنا چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے محسن، اگر میں اُسے ہلاک نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔"

عنبر نے کہا:

"چلو جو ہو گیا، اب اُس پر افسوس کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ بہرحال تم دوبارا سانپ بن کر مرتبان کے اندر آرام کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"جو حکم میرے محسن۔"

اتنا کہہ کر عورت نے پھنکار ماری اور وہ ایک دم سانپ کے روپ میں آ گئی اور چپکے سے رینگتی ہوئی اپنے مرتبان میں چلی گئی۔ عنبر نے مرتبان اُٹھا کر ایک الماری میں رکھ کر باہر سے تالا لگا دیا۔ اب چونکہ وہ ایک انسانی سانپ بن گیا تھا۔ اِس لیے اس کی حفاظت زیادہ ضروری ہو گئی تھی۔ عنبر نے تالا لگا کر چابی جیب میں رکھی ہی تھی کہ سانپ نے کہا:

"یہ سیاہ پوش آپ کی جان لینے کی فکر میں ہے۔"

"اچھا اب تم سو جاؤ۔"

اِس کے بعد عنبر نے شمع بجھائی اور بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

دوسرے روز عنبر سیدھا مرجانہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مرجانہ نے عنبر کو لنگڑے غلام کی موت کی خبر سنائی۔ عنبر نے جھوٹ موٹ حیرانی کا اظہار کیا۔ اتنے میں سیاہ پوش بھی وہاں آ گیا۔ وہ عنبر سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت کچھ نہیں کر سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اِس لیے کہ مرجانہ کی صحت اس کے ہاتھ میں تھی۔ تھوڑی دیر وہ اُس کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر کسی کام سے اُٹھ کر باہر گیا تو عنبر نے کہا:

"آج رات تم تیار رہنا، مَیں تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے باپ کے ملک کی طرف لے جانا چاہتا ہُوں۔ کیا تم تیار ہو؟"

مرجانہ نے خوش ہو کر کہا:

"میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو گی۔ مَیں تمہارا انتظار کروں گی۔ لیکن اِس ظالم شخص کے چنگل سے ہم کیسے نکل سکیں گے؟"

"فکر نہ کرو، اِس کا مَیں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ تم رات کو تیار رہنا۔ اچھا اب مَیں جا رہا ہُوں۔"

یہ کہہ کر عنبر مکان کے صحن میں آ گیا۔ یہاں اُسے سیاہ پوش ملا جو بڑی تیزی سے اندر جا رہا تھا۔ کیوں کہ وہ ان دونوں کو تنہائی کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اُس نے عنبر کو باہر نکلتے دیکھا تو وہیں رُک گیا اور پُوچھنے لگا:

"عزیز بھائی، بیگم صاحبہ کو اچھے ہوتے ابھی کتنے دِن لگیں گے؟"

"وہ بڑی تیزی سے صحت مند ہو رہی ہیں۔ فکر نہ کریں۔"

"مَیں اپنی بیگم کے بارے میں بڑا پریشان ہُوں۔"

عنبر نے کہا:

"آج رات اُسے کھانے کے بعد ذرا باغ میں چہل قدمی کرائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بیگم صاحبہ کو بھی کہہ آیا ہوں کہ وہ رات کو باہر نکل کر صحن میں ضرور ٹہلیں اس سے ان کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔"

"بہت بہتر، ایسا ہی ہوگا۔"

عنبر چلا گیا۔ وہاں سے نکل کر اُس نے سیدھا شہر کے ایک سوداگر کے گھر کا رُخ کیا جو گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ اس سوداگر سے عنبر نے دو بڑے ہی صحت مند اور تیز بھاگنے والے عربی گھوڑے خریدے اس کے علاوہ اُس نے کچھ کھانے پینے کا خشک سامان خریدا اور وہاں سے سیدھا اپنی حویلی میں آگیا۔ گھوڑوں کو اس نے حویلی کے صحن میں باندھ دیا۔ کھانے پینے کا سفری سامان وغیرہ اس نے اپنے گھوڑے پر رکھ دیا۔

اِس کام سے فارغ ہوکر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آگیا۔ الماری میں سے اُس نے مرتبان باہر نکالا اور سانپ کو مخاطب ہو کر بولا:

"ناگ پھنی، میری بات غور سے سُنو۔"

سانپ مرتبان سے رینگ کر باہر نکل آیا اور زمین پر پھن پھیلا کر عنبر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ عنبر نے کہا:

"سُنو، مرجانہ نام کی ایک شریف لڑکی ظالم سیاہ پوش کے قبضے میں ہے۔ وہ اُسے کنیز بنا کر شہنشاہ دارا کے حضور پیش کرنا چاہتا ہے۔ مرجانہ یونان کے صوبے کریٹ کے صوبے دار کی بیٹی ہے اور سیاہ پوش اسے ڈاکوؤں کی طرح گھر سے اٹھا کر لے آیا ہے۔ میں اس لڑکی کو ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر اس کے باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لیے میں نے آج رات یہاں سے نکل جانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ سارا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم مرجانہ کی شکل اختیار کر کے جب میں کہوں سیاہ پوش کے گھر جاؤ اور صحن میں کھڑے ہو کر اُسے آواز دو اور اُس کے ساتھ میری ہدایت کے مطابق چہل قدمی کرو۔ اس دوران میں، میں دوسری طرف سے مرجانہ کو اُس کے کمرے سے نکال کر لے جاؤں گا۔"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا، کیا میں اس کے بعد سیاہ پوش کے پاس ہی رہوں گا؟"

"نہیں، تم اس کے فوراً بعد سر درد کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلے جانا اور وہاں سے گھوڑے کا روپ بدل کر سرپٹ دوڑتے ہوئے مجھے شہر کے باہر آ کر ملنا، ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"

"جو حکم میرے محسن۔"

جب رات ہو گئی تو عنبر گھوڑوں کو لے کر مرجانہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سانپ بھی اس کے ساتھ تھا۔ مکان کے عقبی باغ میں اُس نے گھوڑے باندھے اور سانپ کو لے کر مکان کے صحن میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے سرگوشی میں سانپ سے کہا:

"وہ دیکھو، سیاہ پوش کے کمرے میں شمع جل رہی ہے۔ اب تم مرجانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا روپ بدل کر اُسے آواز دے کر بلاؤ اور یہاں ٹھہرو۔ اتنی دیر میں میں مرجانہ کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد تم بھی ہمارے ساتھ آ ملنا۔ ہم شہر سے باہر تمہارا انتظار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میرے آقا"

عنبر سانپ سے جُدا ہو کر دُوسری طرف چلا گیا۔ سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور ایک دم مرجانہ کی شکل میں سامنے آ گیا۔ پھر اس نے سیاہ پوش کو آواز دے کر پیچھے بلایا۔ سیاہ پوش اُسے آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگا۔ کیوں کہ ابھی ابھی وہ اُسے بستر پر چھوڑ کر آیا تھا۔

"مرجانہ، کیا تم سوتے میں تو نہیں چل رہیں؟"

"نہیں تو — کیا آپ بھول گئے کہ حکیم نے آج خاص طور پر باغ میں ٹہلنے کے لیے کہا تھا؟"

"اوہ ہاں یاد آیا — آؤ ذرا ٹہلتے ہیں۔ اب تو تم بڑی ہشاش بشاش نظر آ رہی ہو۔"

"جی ہاں، اب میں پہلے کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ تندرست محسوس کر رہی ہوں۔"

"دیوتاؤں کا شکر ہے۔ تمہاری بیماری نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

انہوں نے باغ میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف عنبر مرجانہ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اصلی مرجانہ تخت پر بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم تیار ہو مرجانہ ؟"

"ہاں میرے بھائی"

"آؤ چلیں"

مرجانہ اس کے ساتھ نکل کر کمرے سے باہر آگئی۔ جب وہ باغ کی دیوار کے پاس سے چھپ کر گزرنے لگی تو اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش کے ساتھ ایک اور مرجانہ ہوبہو اسی کی شکل کی باغ میں ٹہل رہی ہے۔ اسے چکر سا آگیا۔ اس نے کہا:

"یہ ـــ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا:

"خاموش رہو۔"

اور مرجانہ خاموش ہوگئی۔ لیکن وہ حیران اور پریشان تھی کہ وہ ایک وقت میں دو جگہوں پر کیسے آگئی ہے۔ عنبر اسے ساتھ لے کر مکان کے باہر آگیا۔ باغ میں ذرا فاصلے پر دونوں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے مرجانہ کو گھوڑے پر سوار ہونے میں مدد دی۔ دوسرے گھوڑے پر وہ خود سوار ہوا اور قدم قدم چلتے وہاں سے باہر آگئے۔

باغ جب کافی دور رہ گیا تو انہوں نے گھوڑوں کو دوڑانا شروع کر دیا اور شہر سے باہر آکر ایک ویران پہاڑی کے نیچے نہر کنارے رک گئے اور ناگ پھنی کا انتظار کرنے لگے۔ مرجانہ نے پوچھا:

"یہاں ہم کس لیے رک گئے ہیں؟"

"ہمیں اپنے ایک ساتھی مرجانہ کا انتظار کرنا ہے۔"

"مرجانہ کا؟ وہ تو میں ہوں۔"

"ایک اور مرجانہ بھی ہے جو اس وقت سیاہ پوش کے ساتھ باغ میں ٹہل رہی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتی تھیں۔"

مرجانہ نے سر کو تھام لیا اور بولی:

"دیوتا زیوس کی قسم ہے تمہیں بھائی، مجھے سمجھاؤ یہ اصل قصہ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اِس راز کو اپنے تک ہی رکھو گی اور کسی کو نہیں بتاؤ گی تو میں ابھی اصل کہانی سنائے دیتا ہوں۔"

"میں دیوتا زیوس کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہارا راز اپنے دل ہی میں رکھوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔"

"تو پھر سنو!"

اِس کے بعد عنبر نے مرجانہ کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح اُس کا دوست ایک سانپ ناگ پھنی ہے جو دو سو برس سے زندہ ہے اور اب اُس میں قدرت نے اتنی طاقت دے دی ہے کہ وہ جب اور جس وقت جس آدمی یا عورت کا چاہے رُوپ بدل سکتا ہے۔ یہ وہی ناگ پھنی تھا جس نے مرجانہ کی شکل بدل کر سیاہ پوش کو دھوکہ دیا اور اُڑنے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھاگنے میں مدد دی! وگرنہ ابھی تک سیاہ پوش کو معلوم ہو گیا ہوتا کہ مرجانہ بھاگ گئی ہے اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ تمہاری تلاش میں نکل چکا ہوتا۔ مرجانہ نے کہا:

"تو کیا وہ مرجانہ کے رُوپ میں ہمارے پاس واپس آئے گا؟"

عنبر نے کہا:

"نہیں، اگر وہ عورت بن کر آئے تو اُسے ہم تک پہنچنے میں بڑی دیر لگے گی۔ اس لیے وہ گھوڑا بن کر دوڑتا ہُوا ہمارے پاس آجائے گا اور اگر وہ پسند کرے تو گھوڑا بن کر ہی ہمارے ساتھ ساتھ سفر کرے گا۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اُنہیں شہر کی طرف سے دُور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ عنبر نے کہا:

"وُہ آ رہا ہے۔"

چند لمحوں کے بعد ناگ یعنی گھوڑے کی شکل میں سرپٹ دوڑتا ہُوا دُور میدان میں سے اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ قریب آ کر وہ رُک گیا اور بولا:

"مَیں آ گیا ہُوں میرے محسن۔"

ایک گھوڑے کو انسانوں کی طرح باتیں کرتا سن کر مرجانہ تعجب کرن لگی۔ عنبر نے پُوچھا:

"سیاہ پوش کہاں تھا؟"

"وہ مجھے بستر میں سُلا کر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس ٹھیک ہے۔ اب وہ ہمارے تعاقب میں نہیں آئے گا ہم اب راتوں رات ایران کی سرحد سے کافی دُور نکل سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ناگ پھنی، کیا خیال ہے تم سانپ بن کر میرے لبادے میں لیٹ کر سفر کرو گے یا گھوڑا بن کر ہمارے ساتھ ساتھ دوڑو گے؟"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا، میں گھوڑا بن کر دوڑوں گا تو تھک جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ میں سانپ بن کر آپ کے کُرتے کی جیب میں سفر کروں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

گھوڑے نے پھنکار ماری اور وہ ایک بار پھر سانپ بن کر زمین پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے سانپ کو اٹھا کر اپنے لبادے کے اندر رکھا اور مرجانہ کو ساتھ لے کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ایران کی سرحدوں کی طرف چل پڑا۔

سیاہ پوش اپنی طرف سے مرجانہ کو پلنگ پر سُلا کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ جس عورت کو وہ مرجانہ سمجھ کر بستر پر لٹا گیا ہے۔ وہ اصل میں سانپ ہے اور اصلی مرجانہ اس وقت عنبر کے ساتھ ایران کی سرحد سے باہر نکل چکی ہے۔ رات گزر گئی۔ صبح کا سورج نکل آیا۔ سیاہ پوش نے محسوس کیا کہ مرجانہ خلافِ معمول زیادہ دیر تک سو رہی ہے۔ اس وقت تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بے دار ہو جایا کرتی تھی۔ سیاہ پوش بے حد خوش تھا کیوں کہ رات مرجانہ
اُس سے بہت ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ لنگڑا غلام ہلاک ہو چکا تھا
عنبر بھی مرجانہ کو دوا پلانے نہیں آیا تھا۔ سیاہ پوش نے اونٹنی کا دودھ
کٹورے میں ڈالا اور مرجانہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ دروازہ کھلا تھا
اس نے سوچا شاید مرجانہ باہر کسی ضروری کام سے گئی ہو گی۔ اُس نے
کمرے میں آکر دیکھا مرجانا کا بستر خالی تھا۔ دودھ کا کٹورا اُس نے تپائی
پر رکھا اور باہر آکر مکان میں مرجانہ کی تلاش شروع کر دی۔ اُس نے
مکان کا کونہ کونہ چھان مارا مگر مرجانہ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔
سیاہ پوش کچھ پریشان ہو گیا۔ آخر مرجانہ کہاں چلی گئی؟ سیاہ پوش نے
سوچا، کہیں وہ فرار تو نہیں ہو گئی۔ اس خیال کے ساتھ ہی سیاہ پوش
لپک کر دوبارہ مرجانہ کے کمرے میں آیا اور اُس نے اُس کا صندوق
کھول دیا۔ صندوق میں سے سارے زنانہ کپڑے غائب تھے۔ تو کی
مرجانہ فرار ہو گئی ہے؟

سیاہ پوش تیزی کے ساتھ گھر سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو ک
سیدھا عنبر کی حویلی میں آگیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں عنبر بھی
تو غائب نہیں ہے؟ یہاں آکر اُس نے دیکھا کہ عنبر کی حویلی کے با
تالا پڑا تھا۔ اُس نے دو ایک آدمیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ع
صبح سے ہی غائب ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اُس نے عنبر کو گھوڑ
پر سوار شہر سے باہر جاتے دیکھا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا اُس کے ساتھ کوئی عورت بھی تھی؟"

"ہاں ایک عورت سیاہ لباس پہنے گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی"

سیاہ پوش کا خون کھول اٹھا۔ عنبر مرجانہ کو لے کر بھاگ گیا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا؟ مگر سیاہ پوش اس بات پر حیران تھا کہ رات کو عنبر کس عورت کو ساتھ لے گیا جبکہ رات بھر تو مرجانہ اُس کے گھر میں سوئی رہی تھی؟ اُس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بہرحال یہ ایک حقیقت تھی کہ مرجانہ کو عنبر اپنے ساتھ بھگا کر لے جا چکا تھا۔ سیاہ پوش نے واپس اپنی حویلی میں آ کر اپنے وفادار غلام بوتیک کو حکم دیا کہ وہ مرجانہ کی تلاش میں روانہ ہو جائے اور اُس کو یونان کی سرحدوں میں داخل ہونے سے پہلے پہلے قتل کر دے۔ غلام نے سر جھکا کر کہا:

"جو حکم سرکار! ایسا ہی ہوگا"

بوتیک گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ یہ غلام سیاہ پوش کا خاص غلام تھا اور اپنے مالک کے لیے جان بھی قربان کر سکتا تھا۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی اپنے آقا کی خدمت ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک پر اپنی جان قربان کر دینے کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ غلام کو رخصت کر کے سیاہ پوش اپنی حویلی میں آ گیا اور سوچنے لگا کہ اگر وہ خود بھی مرجانہ کی تلاش میں چل پڑے تو ہو سکتا ہے وہ اُسے یونان میں داخل ہونے سے پہلے ہی گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اُسی رات گھوڑے پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔

جس وقت سیاہ پوش مرجانہ کے تعاقب میں روانہ ہُوا، اُس وقت مرجانہ اور عنبر ایران کی سرحد سے نکل کر ملک شام کی طرف بڑی تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ عنبر نے راستے میں کسی جگہ زیادہ آرام بھی نہ کیا تھا۔ بس پل بھر کو رُکے۔ کھایا پیا۔ گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا اور پھر اپنے سفر پر چل پڑے۔ اُسے معلوم تھا کہ سیاہ پوش ضرور اُس کا پیچھا کرے گا؛ چنانچہ وہ جتنی جلدی ہو سکے ایران سے دُور ہو جانا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غار میں آگ

ساتویں روز عنبر اور مرجانہ شام کی سرحدوں سے نکل کر مصر میں داخل ہو گئے۔

مصر میں اُس وقت زبردست خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ فرعون مصر کو قتل کیا جا چکا تھا اور ایک فوجی سردار نے زبردستی ملک پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لوگ اُس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ فوجی سردار طاقت کے زور پر عوام کی تحریک کو کچلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ملک میں یہ افواہ تھی کہ سکندرِ اعظم عنقریب مصر پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ عنبر اور مرجانہ مصر کے شہروں سے دُور دُور سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک مقام پر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

دھوپ بے حد تیز تھی اور گرمی کے مارے اُن کا دم نکلا جا رہا تھا ایک جگہ اُنہیں کھجوروں کے جھنڈ اور چھوٹا سا چشمہ دکھائی دیا تو وہ رُک گئے۔ گھوڑوں کو کھلا چھوڑ کر عنبر اور مرجانہ چشمے کنارے سائے میں ٹھنڈی ریت پر آرام کرنے لگے۔

اُدھر سیاہ پوش نے تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے راستے میں اپنے وفادار غلام بوتیک کو جا لیا تھا اور اب وہ دونوں مل کر عنبر کا تعاقب کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ وہ بے حد تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ دن کو بھی سفر کرتے اور رات کو بھی آرام نہ کرتے۔ اس طرح انھوں نے مصر کی سرحدوں کے اندر عنبر اور مرجانہ کے گھوڑوں کے سموں کے نشان دیکھ لیے اور اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ دوسری جانب عنبر نے ذرا سستی سے کام لیا۔ اُس نے سوچا کہ اب وہ دشمن سے بہت دُور نکل آیا ہے وہ بھلا اُس کو کہاں پکڑ سکتا ہے۔ وہ غافل ہو کر آرام کرنے لگا اور دُشمن اُن کے سر پہ پہنچ گیا؛ حالاں کہ اس سے پہلے وہ دن کو بھی برابر سفر کرتے رہے تھے۔ جس وقت عنبر اور مرجانہ چشمے کے کنارے آرام کر رہے تھے۔ ٹھیک اُس وقت سیاہ پوش اپنے غلام کے ساتھ اُن سے تھوڑی دُور ایک ٹیلے کی اوٹ میں اُن کو آرام کرتے دیکھ رہا تھا۔

"سرکار، دشمن سامنے آرام کر رہا ہے۔ حکم ہو تو ابھی جا کر ان دونوں کے سر قلم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

سیاہ پوش نے بڑے غرور سے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا:

"میرے جانباز غلام، ابھی ان لوگوں کی موت کا وقت نہیں آیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ اِن کی گردنیں مَیں خود تمہارے سامنے قلم کروں گا

"مگر میرے آقا، دُشمن اِس وقت بے خبر ہے۔ ہمیں فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ وہ ایک مرد اور ایک عورت ہم دونوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے

"ٹھیک ہے بے شک، لیکن ذرا صبر سے کام لو اور دیکھتے جاؤ کہ اُن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ میں کیا سلوک کرتا ہوں۔ ان دونوں کو میں ایسی سزا دوں گا جسے وہ مرنے کے بعد بھی نہ بھول سکیں گے۔"

سیاہ پوش اور اس کا غلام آپس میں عنبر اور مرجانہ کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے کہ عنبر کے پاس ٹھنڈی ریت پر لیٹے ہوئے سانپ ناگ پھنی نے ایکدم اپنی گردن اوپر اٹھائی اور پھن پھیلا کر فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگا۔ عنبر نے سانپ کو ایسا کرتے دیکھا تو کہا:

"ناگ پھنی، کیا بات ہے؟ تم ایکدم چوکنے کیوں ہو گئے ہو؟"

ناگ پھنی نے کہا:

"میرے محسن، فضا میں آپ کے دشمن کی بو ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ سیاہ پوش ارد گرد کہیں موجود ہے۔"

سیاہ پوش کا نام سن کر مرجانہ ڈر گئی۔

"خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو عنبر بھائی۔ وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ وہ ضرور ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

عنبر نے مرجانہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں مرجانہ، اگر وہ ہمارے پاس آ گیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ وہ بھی ہماری طرح کا گوشت پوست کا انسان ہے، آخر کوئی دیوتا نہیں ہے۔"

مرجانہ خوفزدہ آواز میں بولی:

"عنبر بھائی، وہ بڑا کمینہ اور سنگدل ہے۔ اس کے ساتھ ضرور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے غلام بھی ہوں گے۔ ہم اتنے سارے لوگوں کا کیسے مقابلہ کرسکیں گے؟"

عنبر نے ناگ پھنی سے کہا :

" ناگ پھنی، تمہیں صرف ایک آدمی کی بُو آرہی ہے کیا ؟ "

ناگ پھنی نے اپنے پھن کو تھوڑا سا اور اونچا کر کے فضا میں سونگھا اور کہا :

" میرے محسن، مجھے ایک سے زیادہ آدمیوں کی بُو محسوس ہو رہی ہے "

مرجانہ جھٹ بولی :

" دیکھا، میں نہ کہتی تھی کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ ضرور اس کے ساتھ اُس کے جانباز غلام بھی ہیں جو اُس کے اشارے پر جلتی آگ میں بھی کود جاتے ہیں "

" پھر میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے کوچ کر دینا چاہیے "

" میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی "

وہ جلدی سے اُٹھ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور آگے روانہ ہو گئے۔ ٹیلے کی اوٹ میں سے سیاہ پوش اور اس کے غلام نے ان دونوں کو فرار ہوتے دیکھا تو وہ بھی گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ عنبر اور مرجانہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ شام ہوئی تو وہ مصر کی آخری سرحدی چوکی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے یہاں انہوں نے کسی خفیہ مقام پر رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ عنبر نے سیاہ پوش اور اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھیوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا۔ وہ بظاہر انہیں یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ برابر بغیر رُکے سفر کر رہے ہیں! چنانچہ وُہ گاؤں سے باہر ایک قدیم اور شکستہ اہرام کے سائے میں آکر رُک گیا۔

عنبر کے لیے یہ مقام کوئی اجنبی نہیں تھا۔ وُہ ان ہی فضاؤں میں سانس لے کر بڑا ہُوا تھا۔ یہ تمام جگہیں اس کی جانی پہچانی تھیں! اگرچہ دو ہزار برس کا زمانہ گزر گیا تھا۔ مگر وہاں ہزاروں برس گزر جانے پر بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ ویسے کے ویسے ہی تھے۔ گاؤں کے کچے مکان اور چشموں پہ پانی بھرتی مصری عورتیں بھی ویسی ہی تھیں اور اہرام بھی اُسی طرح عظمت کے ساتھ صحراؤں میں کھڑے تھے۔

یہ اہرام جہاں عنبر مرجانا کو لے آیا تھا کسی بہت ہی پرانے فرعون کا تھا۔ اہرام کے پتھر جگہ جگہ سے اُکھڑ چکے تھے۔ ایک غار نما راستہ اہرام کے اندر چلا گیا تھا۔ مرجانہ کو تو اندر جاتے ہُوئے بڑا ڈر لگ رہا تھا— لیکن جب عنبر نے اُسے کہا کہ اگر وہ باہر رہے تو ہو سکتا ہے کہ سیاہ پوش انہیں قتل کر دے تو وُہ ڈر کر غار کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ غار عام اہرام کے غاروں کی طرح سے تھا۔ اندر اندھیرا تھا اور مکڑوں نے جگہ جگہ اپنے جالے بُن رکھے تھے۔ ہزاروں سال کے عرصے میں چوروں اور ڈاکوؤں نے اہرام کی قبریں کھود کر تمام سونا چاندی اور زر و جواہر لُوٹ لیے تھے۔ حد یہ تھی کہ بعض مُردوں کا کفن بھی چرا لے گئے تھے اور اُن کی ہڈیاں کھُلی قبروں کے اندر ریت پر ویسے کی ویسے پڑی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرجانہ نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صندوق کی طرف دیکھ کر کہا :

" یہ صندوق کیسا ہے ! "

عنبر نے مسکرا کر مرجانہ کی طرف دیکھا اور اُسے بتایا کہ یہ کسی فرعون کا غلام ہے جسے قبر کے باہر ہی پہریدار کے طور پر دفن کیا گیا تھا۔ عنبر نے صندوق کو ذرا سا جھٹکا دیا تو وہ کھل گیا۔ مرجانہ کی چیخ نکل گئی کیونکہ صندوق کے اندر سے مردے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ اُن کے اوپر آن گرا۔

عنبر ہنس پڑا :

" گھبراؤ نہیں مرجانہ، میں اِن مُردوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بڑے شریف مُردے ہیں۔ کسی کو بے چارے کچھ نہیں کہتے۔ ان کی ساری زندگی بادشاہوں کی خدمت کرتے گزر گئی ہے۔ یہ تو کسی سے دشمنی کر ہی نہیں سکتے "

عنبر نے بڑے احترام سے مُردے کی ساری ہڈیاں اٹھا کر صندوق میں رکھیں اور ڈھکن بند کر دیا۔ ناگ پھنی بھی عنبر کے ساتھ ساتھ زمین پر رینگتا ہوا چل رہا تھا۔ عنبر نے ایک کھلی جگہ زمین صاف کی اور وہاں بیٹھتے ہوئے کہا :

" میرا خیال ہے، رات بسر کرنے کے لیے یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے مرجانہ ؟ "

" عنبر بھائی، میرے لیے تو ہر وہ جگہ اچھی ہے جہاں ہمارے دشمن کی ہم پر نظر نہ پڑ سکے "

"تو پھر اسی جگہ رات بسر کرتے رہیں۔ دشمن یہاں پر بھی نہیں مار سکتا اُس کو اِس غار کا علم کبھی نہیں ہوگا۔"

لیکن عنبر یہاں بھی مار کھا گیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اُس کا دشمن ایک انتہائی عیار اور مکار آدمی ہے۔ اس نے اپنے دشمن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سیاہ پوش، عنبر اور مرجانہ کو اس غار میں داخل ہوتے دیکھ چکا تھا۔ وہ اُن کے بالکل قریب آ گیا تھا اور اہرام کے باہر والے گاؤں میں ایک جگہ بیٹھا اپنے جانباز غلام کے ساتھ مل کر عنبر اور مرجانہ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ غلام نے کہا:

"میرے آقا، مرجانہ اور عنبر اِس وقت غار کے اندر موجود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس غار کے منہ کو پتھروں سے بند کرکے اندر آگ لگا دینی چاہیے۔"

سیاہ پوش نے کچھ دیر غلام کی تجویز پر غور کیا۔ اُسے یہ تجویز بڑی پسند آئی تھی۔ اِس طرح وہ عنبر اور مرجانہ کے قتل کے الزام سے بھی بری ہو سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

"نہایت مناسب خیال ہے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں ابھی سے کام شروع کر دینا ہوگا۔"

"غلام حاضر ہے میرے آقا۔"

"پہلا کام تم یہ کرو کہ ارد گرد سے بڑے بڑے پتھر لا کر غار کے منہ کے آگے جمع کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوتیک غلام اُسی وقت اُٹھا اور اُس نے پتھروں کو ڈھونا شروع کر دیا۔ آدھی رات تک اُس نے غار کے سامنے بڑے بڑے مضبوط پتھروں کے ٹکڑوں کا ڈھیر لگا دیا۔ سیاہ پوش اور غلام نے مل کر ریت کا گارا بنایا اور اُنہوں نے غار کے منہ کے آگے بڑے بڑے پتھر رکھنے شروع کر دیے۔ یہ کام بڑا مشکل اور محنت طلب تھا۔ مگر وہ دونوں یہ کام کرتے رہے۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ اس لیے کہ سیاہ پوش کے دل میں انتقام کی آگ جل رہی تھی۔ دو چار گھنٹوں کے اندر اندر انہوں نے غار کے منہ پر پتھروں کی مضبوط دیوار چُن دی۔ صرف ایک جگہ تھوڑا سا سوراخ باقی رہنے دیا۔ غلام نے کہا:

"میرے آقا، اب اندر آگ لگا دیجیے۔"

سیاہ پوش نے بہت سی خشک جھاڑیاں جمع کر کے انہیں سوراخ کے راستے غار کے اندر پھینک دیا۔ پھر اُس نے دو پتھروں کو رگڑ کر آگ سلگائی اور اندر جھاڑیوں پر پھینک دی۔ جھاڑیوں میں ایکدم آگ بھڑک اُٹھی۔ آگ کے بھڑکتے ہی سیاہ پوش اور غلام نے ایک بڑا سا گول پتھر اُٹھا کر غار کے آخری سوراخ کے منہ پر رکھ کر اُسے بند کر دیا۔ پتھروں کی درزوں کو انہوں نے مٹی اور ریت کے گارے سے لیپ دیا۔ یہ لیپ صحرائی رات کی ٹھنڈی ہوا میں سخت ہو کر پتھر بن گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر سیاہ پوش اور غلام غار سے کافی فاصلے پر درختوں کے نیچے جھاڑیوں کی اوٹ میں زمین پر چٹائی بچھا کر یوں بیٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے جیسے دو مسافر ہوں اور سفر کے دوران میں پڑاؤ ڈال کر آرام کر رہے ہوں: اصل میں وہ یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ عنبر اور مرجانہ کہیں دیوار توڑ کر غار سے باہر تو نہیں نکل آئے؛ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ پتھروں کی اتنی مضبوط دیوار وُہ کبھی بھی نہ توڑ سکیں گے۔ پھر بھی اُنہوں نے کمانوں میں تیر جوڑ کر اُن کا رُخ غار کی طرف کر رکھا تھا کہ جوں ہی وُہ پتھر ہٹا کر باہر نکلیں انہیں تیر مار مار کر چھلنی کر دیا جائے۔

رات گزرتی چلی جا رہی تھی

غار کے اندر مرجانہ اور عنبر بڑے سکون سے سو رہے تھے۔ اُن کے پاس ہی ریت پر پتھروں کے درمیان سانپ بھی زمین پر لیٹا آرام کر رہا تھا۔ اچانک سانپ کو دھوئیں کی بُو غار میں آتی محسوس ہوئی۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ اُس نے اپنا پھن پھیلا کر سُونگھنے کی کوشش کی کہ یہ بُو کس طرف سے آ رہی ہے؟ دُھوئیں کی بُو بڑی صاف اور تیز تھی۔ جدھر سے بُو آ رہی تھی، سانپ نے ادھر کو چلنا شروع کر دیا۔ غار کے مختلف اندھیرے راستوں سے ہوتا ہُوا جب غار کے منہ کے پاس پُہنچا تو سامنے روشنی نظر آئی۔ وہاں دُھواں اس قدر تھا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وُہ سمجھ گیا کہ غار کے اندر کسی نے آگ لگا کر اُس کا منہ بند کر دیا ہے۔ وہ پلٹ کر پیچھے مُڑا اور بڑی تیزی کے ساتھ پتھروں پر سے رینگتا ہوا اُس مقام پر آ گیا جہاں عنبر اور مرجانہ سو رہے تھے۔ دونوں اِس طرح گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے جیسے دُنیا میں ان کا کوئی بھی دشمن نہیں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور فوراً ایک انسان کے رُوپ میں سامنے آگیا۔ اُس نے عنبر کو زور زور سے ہلا کر جگایا۔ عنبر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور بولا:

"کون ہو تم؟"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا، میں آپ کا دوست ناگ پھنی ہُوں اور ایک انسان کے رُوپ میں آپ سے ہمکلام ہُوں۔"

عنبر نے آنکھیں مَلتے ہُوئے پُوچھا:

"تمہیں اِس وقت ہمیں جگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

سانپ نے کہا:

"میرے محسن، غار کے اندر آگ لگ چکی ہے۔"

"کیا کہا، آگ؟"

"جی ہاں، مَیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہا ہُوں۔ کسی نے غار کا منہ بند کر کے اندر جھاڑیاں پھینک کر آگ لگا دی ہے۔ دُھواں اِس طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔"

عنبر ایک دم ہوشیار ہو گیا۔ مرجانہ بھی اُن کی باتوں کی آواز سُن کر جاگ پڑی۔ اُسے جب معلوم ہُوا کہ دُشمن اُن کے سر پر پہنچ گیا ہے اور اُس نے انتہائی چالاکی سے کام لیتے ہوئے غار کا منہ بند کر کے اندر آگ بھڑکا دی ہے تو وہ رونے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب کیا ہوگا عنبر بھائی ؟"

عنبر نے کہا :

"رونے سے کیا ہوگا ؟ خبردار، رونے کی کوشش نہ کرنا۔ ہمیں ہمت اور عقل سے کام لے کر دشمن کی اِس چال کو ناکام بنانا ہے۔ ناگ پھنی، تم میرے ساتھ آؤ۔ مرجانہ، تم اسی جگہ بیٹھی رہو۔"

عنبر نے ناگ پھنی کو ساتھ لیا اور غار میں سے گزرتا ہُوا اُس کے مُنہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ناگ پھنی نے درست اطلاع دی تھی۔ غار کے اندر سیاہ کڑوا دھواں بھر گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں سانس لینے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ آخر انہیں ایک جگہ آگ کی روشنی دکھائی دی۔ غار کے منہ کے آگے جھاڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگی ہُوئی تھی اور دھوئیں کے بادل اُٹھ اُٹھ کر اندر کی طرف آرہے تھے۔

عنبر نے ناگ پھنی سے کہا،

"کیا تم کسی طرح اس آگ کو بجھا سکتے ہو ؟"

ناگ پھنی بولا :

"میرے آقا، دُنیا میں صرف آگ ہی ایک ایسی شے ہے جس سے میری جان جاتی ہے۔ کیونکہ میری موت آگ ہی میں لکھی ہُوئی ہے۔"

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر آگ اسی طرح روشن رہی تو اِس غار میں بچی کھچی ہوا بالکل ختم ہو جائے گی اور دھواں ہی دھواں بھر جائے گا جس کی وجہ سے ہم بہت جلد مرجائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے "

ناگ پھنی نے سہم کر کہا :

" ایسا تو نہیں ہونا چاہیے حضور، اس آگ کو بجھانے کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہو گا "

" لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ یہاں تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے اور آگ پانی کے بغیر ہرگز نہ بجھ سکے گی۔ تپش میں بھی اضافہ ہو رہا ہے "

ان کے سامنے سے دھوئیں کا ایک سیاہ بادل اٹھا اور اُس نے اُن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عنبر اور ناگ پھنی کھانستے کھانستے بے حال ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ بڑی مشکل سے وہ ایک کھلی جگہ پر آ گئے۔ مرجانہ بھی گھبرا کر وہاں آ گئی۔ جب وہ چاروں طرف سے مایوس ہو گئے ا اُنہیں موت بالکل سامنے دکھائی دینے لگی تو عنبر نے کہا :

" اب ہماری زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ ہم چاروں طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اس لیے مجھ پر یہ لازم ہو گیا ہے کہ اس آگ کو بجھانے میں دیوتاؤں کی مدد حاصل کروں "

" دیوتاؤں کی مدد ! " مرجانہ نے حیرت سے کہا۔

" ہاں، دیوتاؤں کی مدد "

اس کے بعد عنبر نے دونوں آنکھیں بند کر کے ہاتھ غار کی چھت کی طرف پھیلائے اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ پھر اُس نے زور سے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی غار میں بادلوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرج سنائی دی اور بارش شروع ہوگئی۔ مرجانہ اور ناگ پھنی تو حیرانی کے عالم میں دیکھتے ہی رہ گئے کہ غار کے اندر کہاں سے بارش شروع ہوگئی۔ لیکن بارش اُن کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھی اور غار کے اندر کی آگ بجھ گئی تھی اور دھواں بیٹھ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخری چوکی

●

ہگ چینی کو معلوم تھا کہ عنبر کے اندر دیوتاؤں کی طاقت موجود ہے۔ مگر مرجانہ اُس کی اِن خفیہ طاقتوں سے بالکل ہی بے خبر تھی۔ وُہ غار کے اندر عنبر کے اشارے پر بارش ہوتے اور آگ کو بجھتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ عنبر نے فوراً کہا کہ وہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کی جائے۔ وُہ تینوں غار کے منہ کی طرف بھاگے۔ یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ آگ تو بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے مگر غار کا منہ باہر سے پتھروں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے مل کر بہت زور لگایا۔ مگر کوئی بھی پتھر اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھا۔

"یہ ساری سازش سیاہ پوش کی ہے"

"وہ یقیناً ہمارا پیچھا کرتا یہاں تک پہنچا ہے"

"لیکن اب ہمیں یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے"

"مگر غار کا منہ تو بند ہے۔ اتنے بڑے بڑے پتھر کیسے ہٹائیں؟"

مرجانہ نے روتے ہوئے کہا:

"عنبر بھائی، آپ ہی کچھ کریں تو ہم آزاد ہوں گے! ورنہ ہماری یہاں لاشیں ہی لوگوں کو یہاں ملیں گی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں کوشش کرتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر عنبر غار کے منہ کے ساتھ لگ گیا۔ اُس نے ایک بڑے سے پتھر کے ساتھ کندھا لگا کر زور لگانا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے جس پتھر کو دو مرد مل کر اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے اُسے وہ اکیلا اپنی جگہ سے کیسے ہلا سکتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت وہ اکیلا نہیں تھا، بلکہ دیوی بلطیس کی رُوح اُس کی مدد کر رہی تھی۔ جُوں ہی عنبر نے دیوی کی رُوح کو دل ہی دل میں پکارا۔ اُس نے اپنی تمام طاقت عنبر کے حوالے کر دی، اب جو عنبر نے ذرا سا زور لگایا تو غار کے منہ پر لگے ہُوئے سارے کے سارے پتھر ایک دھماکے کے ساتھ اُکھڑ کر باہر جا گرے۔ باہر سے دن کی روشنی اندر آنے لگی۔ مرجانہ اور ناگ پھنی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ٹھیک اُس وقت دو تیر غار کے منہ پر آن لگے۔ اگر مرجانہ ذرا پرے ہٹ کر نہ کھڑی ہوتی تو ایک تیر تو یقیناً اُس کی گردن میں پیوست ہو جاتا۔

عنبر نے کہا:

"پیچھے ہٹ جاؤ۔ دشمن ہماری تاک میں بیٹھا ہے۔"

باہر سیاہ پوش اور اس کا غلام ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھے بڑے غور سے غار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اپنی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ اندر وہ لوگ ہلاک ہو گئے ہوں گے اور بات بھی درست تھی۔ بھلا ایک چھوٹے سے غار میں آگ لگ جائے تو انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور پھر جب کہ غار کا منہ پتھروں سے بند کر دیا ہو۔ سیاہ پوش اور غلام وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک غلام نے کہا:

"مالک اُدھر دیکھو!"

"کیا ہے اُدھر؟" سیاہ پوش نے کہا۔

"مَیں نے غار کے منہ پر کچھ پتھروں کو گرتے دیکھا ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا ان چٹان ایسے مضبوط پتھروں کو کوئی ہلا سکتا ہے۔"

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک دھماکہ ہُوا اور اُس کے ساتھ ہی غار کے منہ کے اُوپر لگے ہُوئے سارے کے سارے پتھر دھڑام سے زمین پر آن گرے۔ سیاہ پوش حیران ہو کر اُدھر دیکھتا رہ گیا پھر انہوں نے مرجانہ اور عنبر کو دیکھا اور ایک تیسرے آدمی کو بھی، جسے سیاہ پوش بالکل نہ پہچان سکا۔ سیاہ پوش نے حیرانی سے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"وُہ لوگ باہر آ رہے ہیں سرکار، تیر چلائیں۔"

اور انہوں نے دونوں تیر کمانوں میں جوڑ کر چھوڑ دیے۔ کھٹ سے تیر غار کے منہ پر لگے اور عنبر اور مرجانہ ایک طرف ہٹ گئے۔ مرجانہ نے کہا:

"کمینہ سیاہ پوش باہر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اب کیا ہوگا؟"

عنبر نے ناگ پھنی کی طرف دیکھ کر کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ناگ بہنی، اب تم اپنا کام دکھاؤ "

"جو حکم میرے محسن "

ناگ بہنی نے دونوں ہاتھ اُوپر اٹھا کر پھنکار سی ماری اور ایک دم پھر سے وہ سانپ بن گیا۔ سانپ کے رُوپ میں آتے ہی وہ رینگتا ہوا غار کے منہ سے باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے اہرام کے عقب سے ہو کر جھاڑیوں کے پیچھے پیچھے اُس طرف رینگنا شروع کر دیا جدھر سیاہ پوش اور اُس کا غلام گھات لگائے بیٹھے تھے۔ سانپ بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ریت پر رینگتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اُدھر سیاہ پوش اور غلام بوتیک جھاڑیوں میں چھپے غار کے منہ پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیر برسا رہے تھے۔ غلام نے کہا :

"میرے آقا! میں آگے بڑھ کر غار کے منہ کے پاس جاتا ہوں اور اُس کے اندر تیر چلاتا ہوں "

"ٹھیک ہے، ورنہ یوں تو ہم سارا دن بیٹھے رہیں گے "

بوتیک نے تیر کمان کندھے سے لٹکائے اور چھپتا چھپاتا غار کے منہ کے پاس آکر ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ اُدھر غلام کو غار کی طرف بھاگتے سانپ نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ برابر اُن جھاڑیوں کی طرف رینگ رہا تھا جدھر سیاہ پوش چھپا ہوا تھا۔ وہ سیاہ پوش کے بالکل پیچھے آگیا۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش نے کمان میں تیر جوڑ رکھا ہے اور غار کی طرف نشانہ باندھے بیٹھا ہے۔ سانپ بڑے سکون کے ساتھ رینگتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کے قریب آ گیا۔ اب اُس نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اُٹھا کر پھن پھیلانا شروع کر دیا۔

جب وہ پُوری طرح اپنے پھن کو پھیلا چکا تو آگے بڑھ کر ڈسنے ہی والا تھا کہ اچانک سیاہ پوش کی اُس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے زمین پر سے پتھر اُٹھا کر سانپ پر دے مارا۔ پتھر دُور جا گرا اور اس اثنا میں سانپ نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ لپک کر سیاہ پوش کی پنڈلی پر ڈس لیا۔ سیاہ پوش چیخ مار کر پیچھے گرا۔ سانپ تیزی سے رینگتا ہُوا دُوسری طرف نکل گیا۔ سیاہ پوش کا سارا جسم پتھر کی طرح سُن ہو گیا۔ زہر اُس کے خُون میں اُتر گیا تھا۔ اُس کے کان مُنہ اور ناک سے خُون جاری ہو گیا۔ وُہ پتھرائی ہُوئی آنکھوں کے ساتھ آسمان کو دیکھنے لگا۔ اُسے اپنے وہ سارے ظلم یاد آ گئے جو اُس نے لوگوں کے ساتھ کیے تھے۔ مگر اَب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کاش وہ اپنی زندگی میں ہی انسانوں پر ظلم نہ کرتا بلکہ اُن کے ساتھ محبت اور مہربانی کا سلوک کرتا۔

دُوسرے لمحے سیاہ پوش مر چکا تھا اور اُس کی لاش ریت پر پڑی تھی۔

سانپ بڑا حیران ہُوا کہ سیاہ پوش کا ساتھی کہاں ہے؟ کیونکہ غار کے منہ پر دو تیر آ کر لگے تھے جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ جھاڑیوں میں دو آدمی چھپ کر بیٹھے ہُوئے ہیں۔ لیکن یہاں اُسے دُوسرا آدمی کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ اچانک۔ سانپ کی نظر ریت پر پاؤں کے نشان پر پڑی۔ یہ پاؤں کے نشان غار کے منہ کی طرف جا رہے تھے۔ سانپ فوراً سمجھ گیا کہ دوسرا آدمی حملہ کرنے غار کی طرف گیا ہے۔ اب اُس نے تیزی کے ساتھ غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ رینگنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔ کیونکہ اُس پر عنبر اور مرجانہ کی زندگیوں کی ذمہ داری تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر اُس نے ذرا بھی دیر کر دی تو غار کے باہر تیر کمان لے کر بیٹھا ہوا انسان بڑی آسانی سے اندر کے آدمیوں کو تیر مار کر ہلاک کر سکتا ہے۔

غار کے قریب پہنچ کر سانپ نے غلام بوتیک کو دیکھ لیا۔ وہ بڑی چالاکی اور مکاری سے غار کی اوٹ میں ایک پتھر کے سہارے بیٹھا تھا۔ کمان میں تیر جوڑ کر اس نے نشانہ لے رکھا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ ذرا مرجانہ یا عنبر کی شکل نظر آئے اور وہ تیر چلا کر اُسے ہلاک کر دے۔ اس وقت وہ آدمی سب سے بڑا دشمن تھا۔ سانپ اہرام کا چکر کاٹ کر پیچھے سے آیا اور غلام بوتیک کے عقب میں آ کر پتھروں کے درمیان بیٹھ گیا۔ اس نے اچھی طرح سے غور کر لیا کہ دشمن پر کدھر سے حملہ کرنا ہے۔

چنانچہ بائیں پہلو میں آ کر اُس نے گردن اٹھا کر بڑے سکون سے اپنا پھن پھیلایا اور پلک جھپکنے کے اندر اندر بوتیک کے پاؤں پر ڈس کر پرے ہٹ کر بیٹھ گیا اور اس کی موت کا تماشہ دیکھنے لگا۔ بوتیک نے جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا کہ ایک سیاہ کالے ناگ نے اُسے ڈس لیا ہے تو فوراً کمر سے خنجر نکال کر اس نے اس جگہ کو کھرچنا شروع کر دیا۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ سانپ دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ کیونکہ اُس کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ ڈسنے کے ساتھ ہی دماغ کی طرف پہنچ جاتا تھا پھر بھی وہ دشمن کو دیکھتا رہا۔ بوتیک خنجر زخم پر چلا رہا تھا کہ ایک دم اُس کا ہاتھ سست پڑ گیا۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اُس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ آنکھیں اُوپر کو چڑھ گئیں۔ اُس کے کانوں، ناک اور مُنہ سے سیاہ خون جاری ہو گیا اور وہ پتھر کی طرح بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

بوتیک کے زمین پر گرتے ہی ناگ انسانی رُوپ میں آ گیا اور اُس کے قریب کھڑا ہو کر اُسے غور سے دیکھنے لگا کہ وہ مَرا ہے یا نہیں۔ مرنے والے نے جب یہ دیکھا کہ ابھی ابھی جس سانپ نے اُسے کاٹا تھا۔ وُہ انسانی شکل میں اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا ہے تو اُس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اُس کے مُنہ سے ضرور چیخ نکل جاتی۔ اگر زہر نے اُس کے حلق کو بند نہ کر دیا ہوتا۔ زہر اُس کے سارے خون میں شامل ہو کر اُس کے دل و دماغ تک پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ وہ ناگ پھنی کو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے دیکھتے ایک ہچکی لے کر دوسری دُنیا میں پہنچ گیا۔

اُس کے مرتے ہی ناگ پھنی نے غار کے منہ پر جا کر آواز دی:

"میرے محسن، باہر آ جائیں۔ دُشمنوں کا کام تمام ہو چکا ہے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی غار میں سے مرجانہ اور عنبر باہر نکل آئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کو اگرچہ اپنی موت کا کوئی خوف نہیں تھا لیکن اُسے مرجانہ کا فکر ضرور تھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ وہ بھی دکھاوے کا فکر اپنی جان کے بارے میں بھی کر رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ مرجانہ اور ناگ پھنی پر اپنی خفیہ طاقتوں کو کھول کر واضح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی کہا :

"سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ باغ میں ہمارے گھوڑے موجود ہیں یا نہیں ؟"

وہ تینوں باغ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں جھاڑیوں کے پاس اُنہیں سیاہ پوش کی لاش ملی۔ مرجانہ نے لاش کو دیکھ کر دیوتاؤں کا شکر ادا کیا کہ ایک ظالم کے پنجے سے اُسے نجات ملی۔ جس وقت وہ باغ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ اُن کے دونوں گھوڑے اِدھر اُدھر چل پھر کر گھاس چر رہے تھے۔ گھوڑوں کو دیکھ کر انہیں بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اُس وقت اُن کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ دو گھوڑے خرید سکتے۔ عنبر کے پاس شاہی ہیرا ضرور تھا۔ مگر وہ اس ہیرے کو فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہمیں فوراً اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے" عنبر نے کہا۔

ناگ پھنی بولا :

"ہمیں جتنی جلدی ہو سکے مصر کی سرحدوں سے باہر نکل جانا چاہیے کیونکہ یہاں چاروں طرف خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ کسی کو ذرا سا بھی شک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑ گیا کہ ہم یونان کی طرف جا رہے ہیں یا مرجانہ یونان کے ایک صوبیدار کی بیٹی ہے تو ہمارے سامنے ایک نئی مصیبت آن کھڑی ہو گی "

" تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ چلو یہاں سے نکل چلیں "

وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سفر پر روانہ ہو گئے ۔

مصری سرحد کی آخری چوکی پر سے گزرتے ہوئے پہریداروں نے انہیں روک لیا اور تلاشی لینا شروع کر دی۔ ان لوگوں نے ہنگامی حالات کی وجہ سے پوری پوری تلاشی لی ؛ چنانچہ جب عنبر کے جوتے اتروا کر دیکھے گئے تو ان میں سے بیش قیمت ہیرا نکل آیا۔ پہریداروں کی تو باچھیں کھل گئیں۔ اس قدر قیمتی ہیرا انہوں نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔

چوکی کے کپتان نے کہا :

" تم نے یہ ہیرا ضرور کہیں سے لوٹ مار کر کے حاصل کیا ہے۔ بولو تمہاری سزا کیا ہو سکتی ہے؟ کیوں نہ ہم تمہاری گردن اتار دیں۔ بولو— "

عنبر اور مرجانہ پریشان ہو گئے۔ خواہ مخواہ راستے میں ایک رکاوٹ پڑ گئی تھی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں نکلنے والا تھا کہ وقت ضائع ہوتا اور ان کا سفر کھوٹا ہوتا۔ اس نے کپتان سے کہا کہ یہ ہیرا اس کے دادا کے وقتوں کا گھر میں چلا آ رہا ہے اور وہ اسے لے کر اپنے والد صاحب کے پاس جنوبی افریقہ جا رہا ہے۔ اس پر کپتان اور دوسرے پہریدار ہنس پڑے اور بولے :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خوب کہانی گھڑ رکھی ہے تم نے، بھلا ہمیں معلوم نہیں کیا کہ تم نے یہ ہیرا چوری کیا ہے۔ تمہارے پاس ایسا ہیرا کہاں سے آسکتا ہے؟"

عنبر نے اُنہیں لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ہیرا اُسی کا ہے اور تبت کے راجہ نے اُسے خوش ہو کر دیا ہے۔ مگر پہریدار نہ مانے۔ انہوں نے عنبر سے ہیرا بھی چھین لیا اور ان دونوں کو سرحدی چوکی کی حوالات میں بند کر دیا۔ مرجانہ اور عنبر، دونوں بڑے پریشان ہوئے کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔

جس حوالات میں اُنہیں بند کیا گیا تھا وہ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ جس کے اندر بے حد گرمی اور گھٹن تھی۔ ناگ پھنی کا بھی لبادے کے اندر دم گھٹنے لگا۔ عنبر نے اُسے نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اُس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ اُس نے کہا:

"آقا، اگر اجازت ہو تو ایک ایک کو کاٹ کر ہلاک کر دوں؟"

عنبر نے کہا:

"یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ میں انہیں ہلاک کر کے گناہ گار نہیں بننا چاہتا۔"

مرجانہ بولی:

"پھر ہم اس قید سے کیسے باہر نکلیں گے؟"

"اس کا کوئی طریقہ سوچ لیتے ہیں؟"

اصل میں مرجانہ اور ناگ پھنی کو ابھی عنبر کی ساری خفیہ طاقتوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علم نہیں ہُوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ غمگین ہو گئے، نا امید ہو گئے۔ عنبر نے انہیں بے بسی کی حالت میں دیکھا تو انہیں تسلی دی اور کہا کہ انہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔

"ہماری نیت نیک ہے۔ ربِ عظیم ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

"مگر کیسے میرے بھائی؟" مرجانہ نے روتے ہُوئے کہا۔

"مرجانہ! تم بہت جلد گھبرا جاتی ہو۔ جس طاقت نے تمہیں ایک سنگ دل قاتل کے پنجے سے چھڑایا ہے۔ وہ یہاں بھی تمہاری ضرور مدد کرے گا۔ اِس لیے رونا دھونا بند کرو۔"

مرجانہ آنسو پونچھ کر خاموش ہو گئی۔ لیکن اُس کا دل بے حد بوجھل تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اب اُن کا اتنے پہریداروں اور سپاہیوں کی قید سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ عنبر کو اپنے ہیرے کا بھی فکر تھا۔ وہ تبت کے راجہ کا دیا ہُوا تحفہ تھا اور ویسے بھی بڑا قیمتی ہیرا تھا۔ عنبر کوٹھڑی کی دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے سوچتا رہا کہ وہ کون سی ایسی ترکیب استعمال کرے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ مصری سپاہیوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ اُس کے ہم وطن تھے۔

مگر سوال یہ تھا کہ پھر دوسرا طریقہ وہاں سے فرار ہونے کا اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ نہ صرف وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا بلکہ اپنا ہیرا بھی واپس لینا چاہتا تھا۔ آخر ایک ترکیب اُس کے ذہن میں آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس نے ناگ پھنی سے کہا :

"تم مصری فوج کے سپہ سالار کے رُوپ میں آ کر پہریداروں کے پاس جاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ ہمیں آزاد کر دیں۔"

"بہت بہتر میرے آقا!"

سانپ رینگ کر کوٹھڑی کے روشن دان کے راستے باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی اُس نے پھنکار ماری اور مصری فوج کے سب سے بڑے افسر یعنی سپہ سالار کے روپ میں نمودار ہو گیا۔ وُہ بہترین اور اعلیٰ قسم کی فوجی وردی میں تھا۔ وہ بڑی شان سے گھوڑے پر سوار چلتا ہُوا پہریداروں کے پاس آ گیا۔ سپاہیوں نے اپنی فوج کے سپہ سالار کو دیکھا تو حیرانی کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہُوئے اُسے تکنے لگے۔

"میرا منہ کیا تک رہے ہو! کپتان کہاں ہے؟" ناگ پھنی نے کہا۔

فوراً کپتان چوکی سے نکل کر سامنے آ گیا اور جُھک کر بولا :

"غلام حاضر ہے سردار!"

سانپ ناگ پھنی نے گرج کر کہا :

"حالات میں کون لوگ بند ہیں؟"

کپتان نے کہا :

"جناب چور ہیں، جو تبت کے راجہ کا ہیرا چُرا کر بھاگ رہے تھے کہ ہم نے پکڑ کر قید کر دیا۔"

سانپ نے کپتان کو ایک لات مار کر کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھیے انسان، تم دوست دشمن میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔ تمھیں معلوم نہیں کہ یہ ہماری حکومت کے مہمان ہیں اور خاص طور پر ہمارے سردار اعظم کے لیے اس ہیرے کا تحفہ لا رہے تھے۔ فوراً انھیں حوالات سے آزاد کر دو۔"

"جو حکم سرکار۔"

کپتان نے لپک کر حوالات کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر اور مرجانہ باہر نکل آئے۔ کپتان نے انھیں جھک کر سلام کیا اور کہا:

"معاف کرنا جناب، ہم سے غلطی ہو گئی۔ سخت غلطی ہو گئی۔"

عنبر نے کہا:

"کوئی بات نہیں۔"

عنبر اور مرجانہ نے دیکھا کہ سامنے سانپ مصری فوج کے سپہ سالار کی شکل میں گھوڑے پر بڑی شان سے بیٹھا حکم چلا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیے۔ سپہ سالار یعنی سانپ نے کہا:

"اے ہمارے ملک کے سردار اعظم کے دوستو، اس نا خلف کپتان اور پہریداروں کی وجہ سے آپ کو جو زحمت ہوئی، اس کے لیے میں حکومت کی جانب سے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ امید ہے آپ ہماری خطا کو درگزر کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"اے معزز سپہ سالار، غلطی انسان سے ہو ہی جایا کرتی ہے۔ ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوشی ہے کہ آپ اچانک تشریف لے آئے اور ہمیں جیل کی کوٹھڑی سے آزادی نصیب ہوئی ۔"

سانپ بولا :

"میں تو آپ لوگوں کا استقبال کرنے آ رہا تھا ۔ اگر ذرا دیر سے پہنچتا تو دیوتا جانیں یہ لوگ آپ کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ۔"

"بہر حال ہم آپ کے شکر گزار ہیں ۔"

"چلیے میرے ساتھ ، سرحدی شہر میں سردار اعظم آپ کا انتظار کر رہے ہیں ۔"

"آئیے ۔"

ناگ پھنی سپہ سالار کے رُوپ میں آگے بڑھا تو پہرے داروں اور سپاہیوں نے جھک کر سلام کیا اور پیچھے پیچھے ہٹ گئے ۔ ناگ پھنی ، مرجانہ اور عنبر کو ساتھ لے کر ایک طرف چل پڑا ۔ چوکی سے ذرا دُور آ کر ناگ پھنی نے وُہ ہیرا بھی عنبر کو دے دیا جو اس نے کپتان کی جیب سے نکال لیا تھا ۔ عنبر نے ہیرا اپنے جُوتوں میں چُھپایا اور کہا :

"یہ مصری حکومت کی آخری چوکی تھی ۔ اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں ۔ ناگ پھنی تم اپنا رُوپ تبدیل کر سکتے ہو ۔"

ناگ پھنی اسی لمحے دوبارہ سانپ کی شکل میں عنبر کی جیب میں چلا گیا اور وُہ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے مصر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہو گئے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گہرا نیلا سمندر

●

منزلوں پر منزلوں کا سفر کرتے آخر وہ بحیرہ روم کے کنارے پہنچ گئے
بحیرہ روم کے گہرے نیلے سمندر پر دن کی دھوپ چمک رہی تھی ۔
یہاں سے مرجانہ کا وطن کریٹ ایک رات اور ایک دن کے سفر پر تھا
وہ اپنے باپ کی یاد میں اداس ہو گئی ۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اُڑ ک
اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے جس کا رو رو کر بُرا حال ہو گیا ہوگا —
بحیرہ روم کے کنارے ایک چھوٹی سی بندرگاہ سے وہ ایک بادبانی
جہاز میں سوار ہو گئے اور انہوں نے کریٹ کی طرف اپنا سفر شروع کر
دیا ۔ کریٹ یونان کا ایک چھوٹا سا صوبہ تھا ۔ جس کی تین جانب پانی
اور ایک جانب خشکی تھی ۔ اس جزیرہ نما پر سکندر اعظم کی حکمرانی ت
اور یوریڈیس اسی صوبے کا صوبیدار تھا ۔

بادبانی جہاز عنبر، مرجانہ اور ناگ پھنی کو لے کر سارا دن اور سار
رات گہرے نیلے سمندر میں سفر کرتا رہا ۔ رات کو مرجانہ اور عنبر عر
کے تختے پر بیٹھ گئے اور آسمان پر چمکتے ستاروں کا نظارہ کرنے لگے ۔
جہاز کریٹ کی بندرگاہ پر لگنے والا تھا ۔ عنبر کا یہ فرض تھا کہ وہ صوب
یوریڈیس کی بیٹی مرجانہ کو اس کے باپ کے حوالے کرے ۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد اُس کا منصوبہ سکندرِ اعظم سے ملاقات کرنے کا تھا۔ وہ سکندر کے اُس فلسفی استاد سے ملنا چاہتا تھا جس کا نام ارسطو تھا اور جس کی عقلمندی کی اُس نے بے حد تعریف سُنی تھی۔

آدھی رات کے بعد وہ سو گئے۔ صبح ان کی آنکھ کھُلی تو جہاز کریٹ کی بندرگاہ کے ساتھ لگ چکا تھا اور دن کافی نکل آیا تھا۔ مرجانہ کو ساتھ لے کر عنبر جہاز سے اُتر آیا۔ بندرگاہ کے باہر آ کر اُس نے مرجانہ سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ اپنے گھر کا راستہ خوب جانتی ہے؛ چنانچہ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صوبیدار یوریڈلیس کے گھر کی طرف چل پڑے۔

مرجانہ کے باپ کا مکان ایک عالی شان محل تھا جس کے باہر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے مرجانہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور جھک کر ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا:

"شہزادی صاحبہ! دیوتا اپالو کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئیں۔ آپ کی جدائی میں آپ کے والد صاحب تو بیمار پڑ گئے ہیں۔"

مرجانہ عنبر کو لے کر اپنے باپ کے محل میں آ گئی۔ باپ بستر پر بیمار پڑا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے اپنی بچی کو گلے سے لگا لیا۔ مرجانہ بھی باپ کے گلے لگ کر خوب روئی۔ جب دونوں کے دل کی بھڑاس نکل چکی تو یوریڈلیس نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ نوجوان کون ہے بیٹی؟"

"ابا جان، یہی وہ نوجوان عنبر ہے جس کی مدد سے میں دشمنوں کے چنگل سے نکل کر آپ تک پہنچی ہوں۔"

پھر اس نے اپنے باپ کو ساری کہانی سنائی۔ مرجانہ کے باپ نے عنبر کو بھی سینے سے لگا لیا۔ اس نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"بیٹا، تم نے ایک بوڑھے باپ کو اس کی بیٹی کو ملا کر مجھے ہمیش کے لیے خرید لیا ہے۔ میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عنبر نے بوڑھے صوبیدار کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا:

"میں نے باپ کو اس کی بیٹی سے ملا کر اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے حضور۔ میرے لیے یہی میرا انعام ہے۔"

بوڑھے یوریڈیس نے کہا:

"بیٹا عنبر، اس محل کو تم اپنا ہی گھر سمجھو۔ چاہے ساری عمر یہاں رہو۔"

عنبر ساری عمر وہاں نہیں رہنے آیا تھا۔ اسے وہاں سے آگے یونان کے مشہور شہر ایتھنز جانا تھا جہاں سکندر اعظم حکومت کرتا تھا۔ عنبر کو صوبے دار کے ذریعے معلوم ہوا کہ سکندر اعظم مصر اور ایران پر چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے۔ عنبر نے یوریڈیس اور مرجانہ سے اجازت لی اور اپنے دوست ناگ پھنی کو جیب میں رکھ کر ایتھنز کی طرف روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایتھنز پہنچنے کے لیے اسے بادبانی جہاز میں سفر کرنا پڑا۔ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے بعد وُہ ایتھنز کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

یوریڈیس صوبے دار نے ایتھنز کے ایک امیر ترین سوداگر کے نام عنبر کو خط لکھ کر دیا تھا۔ عنبر خط لے کر اُس سوداگر کے گھر پہنچ گیا۔ یہ ایک امیر سوداگر تھا جس کے گھر کے اندر جگہ جگہ پانی کے فوارے لگے تھے اور باغ میں زیتون اور سرخ اناروں کے درخت ٹھنڈی ہواؤں میں جُھوم رہے تھے۔

سوداگر نے عنبر کو بڑے احترام سے اپنے گھر میں بُلایا اور کہا :

"اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دیجئے۔ نوکر آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہیں گے۔"

دوسرے روز عنبر ایتھنز کی سیر کے لیے گھر سے اکیلا ہی نکل آیا۔

ایتھنز اس دور کا انتہائی خوب صورت اور خوش حال شہر تھا۔ لوگ بڑے سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ملک میں تعلیم کا بڑا چرچا تھا۔ جگہ جگہ سکول اور کالج تھے۔ دکانوں پر چیزیں خریدنے والوں کا ہجوم لگا تھا۔ ایک جگہ عنبر کو بُھوک محسوس ہوئی تو وہ ایک دکان میں آ گیا۔ یہاں بہت سے یونانی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں مرغابیوں کا گوشت اور کیکڑوں کا شوربہ ضرور تھا۔ کھانے کے بعد عنبر واپس اپنے میزبان سوداگر کے گھر آ گیا۔

سوداگر کے ہاں رہتے ہُوئے عنبر کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا کہ ایک روز سوداگر نے اُسے بتایا کہ سکندرِ اعظم نے مصر اور ایران پر حملے کا منصوبہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملتوی کر دیا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ سکندرِ اعظم بیمار ہے۔ اُس کے سر میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد درد کے شدید دورے پڑنے لگے ہیں۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا شاہی طبیب اتنے بڑے بادشاہ کا علاج نہیں کر سکے؟"

سوداگر نے بتایا کہ شاہی طبیب بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ کسی کی سمجھ میں سکندر کی بیماری نہیں آ رہی۔ عنبر نے سوچا کہ سکندر سے ملنے کا اس سے اچھا موقع کبھی نہیں مل سکتا۔ اُس نے ناگ پھنی کو جیب میں رکھا اور شاہی محل کی طرف چل پڑا۔ محل کے دروازے پر اُسے روک دیا گیا۔ اُس نے کہا کہ سکندرِ اعظم کو جا کر اطلاع دی جائے کہ ملک قرطاجنہ سے ایک طبیب اُس کی بیماری کا علاج کرنے آیا ہے۔ جب یہ اطلاع سکندر تک پہنچی تو اُس نے عنبر کو اندر بلا لیا۔ سکندر ایک عالی شان تخت پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے سرہانے ایک طرف درباری ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ایک جانب شاہی حکیموں کی قطار سر جھکائے کھڑی تھی اور پہلو میں ایک سفید ڈاڑھی والا بوڑھا بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔

عنبر کو معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا سکندر کا اُستاد ارسطو ہے۔ عنبر نے اندر جا کر بڑی عقیدت کے ساتھ جھک کر سکندر کو سلام کیا اور کہا:

"یہ خاکسار قرطاجنہ کا ایک معمولی حکیم ہے اور آپ کی بیماری کا سُن کر اس خیال سے آیا ہے کہ شاید میری دوا سے آپ تندرست ہو جائیں۔"

سکندر خاموش رہا۔ ارسطو بھی خاموش نگاہوں سے عنبر کو تکنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یونان کے شاہی حکیم نے کہا :

"اگر تم معمولی حکیم ہو تو اتنی پیچیدہ بیماری کا علاج کیسے کر سکو گے جو بڑے بڑے تجربہ کار حکیموں کے بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ؟"

عنبر نے بڑے ادب سے کہا :

"یہ جرأت میں صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ سر کے شدید درد کا علاج ہمارے خاندان کی پرانی ریت ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد اس بیماری کا خاص طور پر علاج کیا کرتے تھے۔ میرے پاس اس کا ایک خاص نسخہ اور خاص دوا ہے۔ اگر شہنشاہ اعظم کی اجازت ہو تو میں علاج شروع کر دوں ؟"

سکندر کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اُسے علاج شروع کرنے کی اجازت ہے۔ عنبر نے ارسطو کی طرف دیکھا اور کہا :

"اجازت ہے اُستادِ زماں ؟"

ارسطو نے اپنی سفید ڈاڑھی میں انگلیاں پھیر کر کہا :

"اگرچہ مجھے اُمید نہیں کہ تم سکندرِ اعظم کا علاج کر سکو کیونکہ تم ایک ناتجربہ کار نوجوان ہو۔ پھر بھی میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ مگر ہر دوا پلانے سے پہلے مجھے دکھانی ہو گی"

"جیسے آپ کا حکم اُستادِ زماں"

اس وقت دربار میں ہر ایک کی نگاہ عنبر کی طرف تھی۔ سکندر کو شدید درد ہو رہا تھا۔ عنبر نے دواؤں کے تھیلے میں سے دو تین مختلف عرق کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوتلیں نکال کر چاندی کے میز پر رکھ دیں اور پھر اُن کو آپس میں ملانے لگا۔ ان سب دواؤں کو ملا کر اُس نے سونے کے چمچ میں عرق کے چند قطرے ٹپکائے اور ارسطو کی طرف بڑھا کر کہا :

" استادِ زماں ، دوائی کو ملاحظہ فرما لیجیے گا "

ارسطو نے مشکوک نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور پھر چمچ ناک کے قریب لے جا کر اُسے سونگھا اور کہا :

" یہ کون سی بوٹی ہے جس کا یہ عرق ہے ؟ میں نے تو اس سے پہلے ایسی دوا کبھی نہیں دیکھی "

عنبر نے بڑے ادب سے عرض کی :

" استادِ زماں ، یہ ملک تبت کے پہاڑوں میں اُگنے والی ایک خاص بوٹی ہے جو سال کے صرف ایک مہینے میں اُگتی ہے۔ میں نے برس ہا برس کی محنت کے بعد اسے تبت میں جا کر اکٹھا کیا ہے۔ اس بوٹی میں میں نے چار اور بوٹیوں کا عرق شامل کیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں شہنشاہ اعظم کو دوا پیش کر دوں "

ارسطو نے کہا :

" اجازت ہے "

عنبر دوا کا چمچ لیے سکندرِ اعظم کی طرف بڑھا۔ سکندرِ اعظم کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ مگر وہ بڑی دلیری سے درد کو برداشت کر رہا تھا۔ عنبر نے دوا کا چمچ آگے کرتے ہوئے کہا :

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس عرق کو پی لیجیے شہنشاہ اعظم!"

سکندر نے ارسطو کی طرف دیکھا۔ ارسطو نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ ٹھیک ہے۔ اس دوا کو بھی آزما کر دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے؟ سکندر نے دوا پی لی اور پیچ عنبر کے ہاتھ میں دے دیا۔ تمام لوگوں پر ایک خاموشی طاری ہو گئی۔ ہر کوئی یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ سکندر پر دوا کا کیا اثر ہوا ہے۔ دوا پینے کے چند لمحے بعد ہی سکندر نے محسوس کیا۔ کہ اس کے سر کا درد غائب ہونا شروع ہو گیا ہے اور پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی طبیعت سنبھلتی گئی اور درد کم ہوتا چلا گیا تھوڑی ہی دیر بعد درد بالکل ہی غائب ہو گیا اور سکندر اعظم تخت پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ارسطو کی طرف دیکھ کر کہا:

"استاد مکرم، اِس دوائی نے کمال کر دکھایا ہے!"

ارسطو نے عنبر کو شاباش دی۔ سکندر نے عنبر سے کہا:

"نوجوان، تمہاری دوائی نے ہمارے سر درد کو دُور کر دیا ہے جبکہ ہمارے دربار کے سارے کے سارے حکیم جواب دے گئے تھے۔ ہم تم سے بے حد خوش ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا خواہش کرتے ہو؟ تم جو بھی خواہش کرو گے ہم اسے ابھی اسی وقت پُورا کر دیں گے!"

عنبر نے دست بستہ ہو کر عرض کی:

"اے شہنشاہ اعظم، مجھے زندگی میں صرف ایک ہی خواہش ہے کہ میں آپ کے دربار میں ایک درباری بن کر باقی زندگی بسر کر دوں۔ اگر آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری اِس خواہش کو پُورا کر دیں گے تو مَیں اِسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

سکندر نے مسکرا کر کہا :

"ہم تمہیں اپنے دربار کا خاص الخاص حکیم مقرر کرتے ہیں۔ آج سے تم ہمارے دربار کے ایک معزز رکن کی حیثیت سے ہمارے دربار میں آ کر بیٹھا کرو گے۔"

عنبر نے جُھک کر کہا :

"خاکسار اس عنایت پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ میں آپ کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہُوں۔"

ارسطو نے مُسکرا کر کہا :

"نوجوان عنبر، تم بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہو۔ تمہاری باتوں سے ہمارے شہنشاہ کا دل بہل جایا کرے گا۔"

عنبر نے بصد ادب کہا :

"اُستادِ زمان، آپ کے سورج کے سامنے میرا چراغ کہاں جل سکتا ہے؟"

ارسطو نے مسکرا کر کہا :

"ہر شے کا اپنا اپنا الگ مقام ہوتا ہے۔ اپنی جگہ پر ہر شے بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ سورج دن کو روشنی کرتا ہے لیکن چراغ رات کو روشن ہوتا ہے۔ جب سورج کہیں نہیں ہوتا تو چراغ کی روشنی ہی لوگوں کو راہ دکھاتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر ارسطو کی باتیں سُن کر بڑا متاثر ہوا۔ اُس نے ارسطو کے بارے میں جیسا سنا تھا اُسے ویسا ہی پایا۔ سکندر کے حکم پر عنبر شاہی محل کے ایک حجرے میں آ کر رہنے لگا۔ اب ارسطو سے ہر روز اُس کی ملاقات ہوتی۔ سکندر اعظم عنبر سے بہت خوش تھا اور اُسے اکثر اپنے پاس بُلا لیا کرتا تھا۔ ایک روز ارسطو نے سکندر کے سامنے ایک ایسی بحث چھیڑ دی جس کا تعلق مرنے کے بعد آدمی کی دوسری زندگی سے تھا۔ سکندر کا خیال تھا کہ انسان کی دوسری زندگی کوئی نہیں ہوتی۔ ارسطو بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ انسان جب مر جاتا ہے تو مٹی کے ساتھ مل کر مٹی بن جاتا ہے۔ عنبر نے ادب سے کہا :

"اُستادِ زماں، میرا ایک مرشد ہوا کرتا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ انسان تو بڑی چیز ہے اگر سانپ سو برس کا ہو جائے تو وہ مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے اور جس شکل میں چاہے سامنے آ سکتا ہے۔"

ارسطو نے قہقہہ لگا کر کہا :

"تمہارا مرشد کوئی دیوانہ آدمی تھا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سانپ زندہ رہنے کے بعد کسی دوسری شکل میں آ جائے۔ اوّل تو سانپ اتنی لمبی عمر تک زندہ نہیں رہ سکتا اور پھر اگر زندہ رہ بھی جائے تو اُس کے اندر ایسی طاقت پیدا ہو جانا ایک مذاق کی بات ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"اُستادِ زماں، مَیں نے ایک ایسا انسان دیکھا ہے جو دو ہزار برس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندہ ہے ۔"

سکندر اور ارسطو نے عنبر کی طرف پھر اس طرح دیکھا۔ جیسے وہ دیوانہ ہوگیا ہے ۔ عنبر نے ادب سے سر جھکا کر کہا :

" حضور! اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسا سانپ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں جس کو زندہ رہتے دو سو برس ہو گئے ہیں اور جس میں اب اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے ۔"

سکندر پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ ارسطو نے حیرت سے عنبر کو دیکھا :

" نوجوان حکیم ، تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو اور کس کے سامنے کہہ رہے ہو؟ کیا تم سکندر اعظم ایسے شہنشاہ سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو ؟ "

عنبر نے ادب سے کہا :

" استادِ زماں ، میں مذاق نہیں کر رہا ۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے جیب سے ناگ پھنی سانپ کو نکال کر قالین پر رکھ دیا اور کہا کہ یہ ہے وہ سانپ جو دو سو برس سے زندہ ہے اور جو کسی بھی شکل کے ساتھ سامنے آ سکتا ہے ۔ سکندر اور ارسطو سانپ کو تعجب سے دیکھنے لگے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصر پر حملہ

●

سکندر اعظم سانپ کو انسان کی شکل میں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے ناگ پھنی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور انسان کی صورت میں کیسے آگیا؟ ناگ پھنی نے اسے بتایا کہ اس کا نام یوحا ہے۔ ایسے سانپ کو جو دو سو برس تک زندہ رہے یوحا کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے نمودار ہو جاتے۔ ارسطو نے آگے بڑھ کر یوحا کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے شانوں اور بازوؤں کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یوحا میں سانپ کی ساری خصلت موجود تھی۔ یعنی وہ آنکھیں نہیں جھپکتا تھا اور کسی وقت چپکے سے زبان نکال کر ہلکی سی پھنکار مارتا تھا۔ سکندر نے عنبر سے پوچھا:

"عنبر، یہ سانپ تجھے کہاں سے ملا؟"

عنبر نے سکندر کو سانپ کے ملنے کی ساری کہانی سنا دی۔ سکندر اعظم نے کہا کہ وہ اس سانپ کو اپنے ساتھ فوج میں رکھے گا اور اس سے بڑے بڑے کام لے گا۔ عنبر نے کہا کہ یوحا سے پوچھ لیا جائے۔ کیوں کہ اس کی مرضی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ سکندر نے یوحا سے اجازت طلب کی تو اس نے پہلے تو ٹال مٹول سے کام لیا اور پھر عنبر کے کہنے پر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راضی ہو گیا۔ لیکن اُس نے ایک شرط پیش کی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ہلاک نہیں کرے گا جس کے بیوی بچے ہوں۔ سکندر نے اُس کی شرط منظور کر لی۔ ارسطو نے سانپ کو ایک بار پھر اصلی رُوپ میں آنے کو کہا تو اُس نے عنبر کی طرف دیکھا اور پُوچھا:

"میرے محسن، کیا آپ کی بھی اجازت ہے؟"

"ہاں یوحا، میری طرف سے بھی اجازت ہے"

چنانچہ اِس کے ساتھ ہی ناگ پھنی انسان سے بدل کر سانپ بن گیا۔ عنبر نے سانپ کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ اُسی شام ارسطو عنبر کو ساتھ لے کر محل کے باغ میں ٹہلتے ہوئے بولا:

"سکندرِ اعظم ساری دُنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اگر یوحا نے اس کی مدد کی تو وہ بہت جلد اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے گا"

عنبر نے کہا:

"استادِ زماں، سکندرِ اعظم پر لازم ہے کہ یوحا کی اُس شرط کا ضرور خیال رکھے جس میں اُس نے کہا ہے کہ وُہ کسی ایسے جرنیل کو ہلاک نہیں کرے گا جس کے بیوی بچے ہوں"

ارسطو کچھ سوچ کر بولا:

"ایسا تو بہت مشکل ہوگا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے سکندر جس جرنیل کو یوحا کی مدد سے ہلاک کروانا چاہے وہ شادی شدہ ہو اور اس کے بیوی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچے بھی ہوں۔ پھر تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی"

عنبر نے کہا۔

" استادِ زماں! ایسی صورت میں یوحا اُس آدمی کو کبھی ہلاک نہیں کرے گا"

ارسطو بولا:

" تو کیا وہ شہنشاہ اعظم سکندر کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے گا؟"

" یہ میں نہیں جانتا: ہاں! اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر اُس کی شرط کا خیال نہ رکھا گیا تو وہ کسی کے بھی حکم کو تسلیم نہیں کرے گا اور غائب ہو جائے گا"

ارسطو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے ٹہلتا رہا پھر بولا:

" سکندر مصر پر حملہ کرنے والا ہے۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد وہ ایران پر حملہ کرے گا اور وہاں سے سندھ کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ وہ یونان سے لے کر جاپان تک اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے"

عنبر نے پوچھا:

"آپ کے خیال میں سکندر اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے گا؟"

" اگر وہ ہمت سے کام لے گا اور اپنے ارادے پر ڈٹا رہے گا تو کوئی عجب نہیں کہ وہ آدمی دُنیا کو فتح کر لے"

عنبر سوچنے لگا کہ یہ کیسا بادشاہ ہے کہ ساری دُنیا سے دشمنی مول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے رہا ہے۔ اُس نے اپنی دو ہزار سالہ عمر میں ظالم بادشاہ بھی دیکھے تھے اور دوسرے مُلکوں پر حملہ کرنے والے بادشاہ بھی دیکھے تھے۔ مگر اُس نے ایسا بادشاہ آج تک نہیں دیکھا تھا جو فوج لے کر ساری دُنیا کو فتح کرنے گھر سے نکل کھڑا ہُوا ہو۔ مگر سکندرِ اعظم ایسا ارادہ رکھتا تھا، بلکہ وہ مصر کی طرف کُوچ کرنے ہی والا تھا۔ ایک بات عنبر نے محسوس کی تھی کہ سکندرِ اعظم کی عمر اگرچہ چھوٹی تھی۔ مگر وہ بے حد دلیر اور پختہ عزم کا نوجوان تھا۔ جس بات پر ڈٹ جاتا اُسے پُورا کر کے ہی چھوڑتا۔

رات کو اُس نے ناگ پھنی سے مشورہ کیا تو وہ بولا :

"میرے محسن، مَیں ایک طاقت پسند بادشاہ کی ذاتی غرض کے واسطے دُوسرے لوگوں کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ سکندرِ اعظم دوسرے ملکوں کو صرف اپنے لیے فتح کرنا چاہتا ہے، اُس کے نزدیک عوام کی بھلائی نہیں ہے۔ یونان میں عوام کی حکومت تھی۔ لیکن سکندر نے عوام کی حکومت کو ختم کر کے اپنا قبضہ جما لیا اور اب وہ بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے اور ساری دُنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

عنبر نے کہا :

"یوحا، میری طرف سے تمہیں پُوری آزادی ہے۔ جس بات کی اجازت تمہارا ضمیر تمہیں دے، تم وہی کرو۔ بے شک اس معاملے میں میری بھی پروا نہ کرو اور نہ سکندر کے حکم کی پروا کرو۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہُوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ پھنی بولا :

"بس میں یہی آپ سے اجازت چاہتا تھا۔ اس لیے کہ سکندرِ اعظم کی شاہی طاقت کے ہاتھ بٹانے کے لیے میرا جی نہیں چاہتا۔"

"اچھا ناگ پھنی، وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔"

اُسی ہفتے سکندر نے مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ وہ لاکھوں سپاہیوں، ہاتھی گھوڑوں اور منجنیقوں کے ساتھ بحیرۂ روم کو عبور کر کے شمالی افریقہ میں داخل ہو گیا۔ راستے میں آئے ہوئے چھوٹے چھوٹے ملکوں اور شہروں کو روندتا ہوا وہ مصر کی سرحدوں پر جا پہنچا۔ مصر میں اُس وقت ایک سنگ دل جرنیل پوٹلمی کی حکومت تھی۔ بلکہ اس نے فرعون کو قتل کر کے تخت پر زبردستی اور عوام کی مرضی کے خلاف قبضہ کر رکھا تھا۔ لوگ اُس کے خلاف تھے۔ کیوں کہ اُسے سوائے اپنے عیش و آرام کے رعایا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

چنانچہ جب سکندر کی فوجوں نے مصر کی سرحدوں پر حملہ کیا تو مصر کے عوام نے سکندر کی فوجوں کا ساتھ دیا اور پوٹلمی کے خلاف محاذ بنا لیا۔ مصری فوجوں میں بھی پوٹلمی کی طرف سے بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ پوٹلمی نے بعض اپنے رشتہ داروں کو اونچے عہدے دے رکھے تھے۔ دوسری طرف یونانی فوج تازہ دم تھی اور سکندر کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار تھی۔ وہ اسلحہ کے معاملے میں مصریوں سے بہت آگے تھی۔ پہلی ہی یلغار میں یونانی فوج مصر کی سرحدوں میں داخل ہو گئی اور اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصر کے دارالحکومت تھیبس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھیبس کے شہر کے دروازے بند کر دیے گئے اور مصری فوج تیر کمان اور نیزے لے کر قلعے کی فصیل پر چڑھ گئی۔

سکندرِ اعظم کی فوج نے قلعے کے باہر میدان میں خیمے لگا لیے اور قلعے کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ ایک مہینہ گزر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تھیبس شہر کے اندر کھانے پینے کا بہت سا ذخیرہ موجود تھا۔ اس صورت حال سے سکندر پریشان ہو گیا۔ اس نے ارسطو سے مشورہ کیا۔ ارسطو نے اُسے کہا کہ اگر کسی طرح پوٹلمی کو ہلاک کر دیا جائے تو اس کی فوجوں میں بددلی پھیل جائے گی اور پھر یونانی فوج حملہ کر دے تو وہ قلعے کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔

"اس کام کے لیے ہم ناگ پھنی یوحا کو استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ سانپ کے روپ میں قلعے کے اندر داخل ہو کر پوٹلمی کو ہلاک کر سکتا ہے۔"

سکندر نے کہا:

"لیکن اس میں اس کی اپنی جان کا خطرہ بھی تو ہے۔ ہو سکتا ہے پوٹلمی کے سپاہی اُسے بھی ہلاک کر دیں۔"

ارسطو نے کہا:

"ایسی صورت میں سانپ اپنے آپ کو کسی بھی پہریدار کے روپ میں تبدیل کر کے اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو اگر وہ پوٹلمی کو ڈسنے کے بعد یونانی سپاہی کا بھیس ہی بدل لے تو اُس کی جان محفوظ رہ سکتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکندر کو ارسطو کی یہ تجویز پسند آئی۔ اُس نے اُسی وقت عنبر کو طلب کیا اور اُسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ عنبر نے ناگ پھنی کو سامنے حاضر کر لیا اور کہا:

"یوحا، جیسا کہ تم جانتے ہو سکندرِ اعظم اس وقت مصر کے شہر تھیبس کے باہر اپنی فوجوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ تم قلعے کے اندر جا کر مصر کے جرنیل اور سنگ دل فرعون پٹولمی کو ہلاک کر دو۔ پٹولمی غیر شادی شدہ ہے اور اس کے علاوہ وہ ایک ظالم بادشاہ بھی ہے۔ اُس نے رعایا پر بے انتہا ظلم کیے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ رعایا آج اُس کے خلاف ہو چکی ہے۔ کیا تم اس کام کو سرانجام دے دوگے؟"

سانپ یوحا نے ادب سے جُھک کر کہا:

"میرے محسن، میں آپ کے حکم کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں ابھی قلعے کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں۔"

"ہاں ناگ پھنی، میری یہی خواہش ہے کہ پٹولمی کو اُس کے ظلم کی سزا دی جائے۔"

"تو میں تیار ہوں۔"

سکندر اور ارسطو نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ناگ پھنی کو ایک مشکل کام پر آمادہ کر لیا۔ اُسی روز دوپہر کے بعد ناگ پھنی کے رُوپ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے سے نکل کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ریت کے ٹیلوں کے ساتھ ساتھ رینگتا قلعے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ اس وقت تھا جب اس نے قلعے کی فصیل کے اوپر چڑھنا تھا۔ کیونکہ فصیل پر کھڑے پہریدار سپاہی بڑے چوکس تھے اور ہو سکتا تھا کہ وہ سانپ کو رینگتا دیکھ لیں اور فوری طور پر تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیں اور سانپ کو اتنی مہلت ہی نہ ملے کہ وہ اپنی جون بدل سکے ۔

پھر بھی ناگ پھنی اپنے دوست اور اپنے محسن عنبر کے حکم کے مطابق فرض ادا کرنے بے خوف ہو کر موت کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ میدان عبور کر کے قلعے کی فصیل کے گرد اگرد جانے والی کھائی کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں سے وہ کھائی کے پانی میں اتر گیا اور چپکے چپکے جھاڑیوں اور سرکنڈوں کی اوٹ میں تیرتا ہوا کھائی کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ ایک جگہ اس نے مناسب موقع دیکھا اور بڑی احتیاط سے رینگتا ہوا ہولے ہولے قلعے کی فصیل پر چڑھنے لگا۔ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اسے فصیل کے اوپر سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خطرناک مقام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ وہیں سے بائیں پہلو کی جانب ہو گیا۔ فصیل کے پہلو میں رینگتے ہوئے وہ اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔

یہاں اس نے غور سے آوازوں کو سننے کی کوشش کی۔ اوپر سے کسی سپاہی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور بڑی تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دیوار پر چڑھ کر فصیل کے اُوپر آگیا۔ سانپ نے گردن ذرا سی اُوپر نکال کر فصیل کے چاروں طرف دیکھا۔ سپاہیوں کی ایک ٹولی ذرا پرے بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ سانپ کو اس سے بہتر سنہری موقع نہیں مل سکتا تھا۔ وُہ لپک کر فصیل کی دیوار کے اُوپر سے ہو کر ایک بارہ دری کی طرف آگیا، جس کے ساتھ ہی نیچے کو سیڑھیاں آرہی تھیں۔ اب اُس کا سانپ کی شکل میں شاہی محل تک راستہ طے کرنا اپنی موت کو خود آواز دینے کے برابر تھا، کیونکہ قدم قدم پر سپاہی کھڑے تھے اور کوئی بھی سپاہی سانپ کو دیکھ کر اسے فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔

ناگ پھنی سیڑھیوں میں ایک طرف پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ذہن میں ایک عام یونانی افسر کا نقشہ جمایا اور پھنکار ماری۔ دوسرے لمحے وہ ایک خوب صورت یونانی افسر کی وردی پہنے انسان کی شکل میں کھڑا تھا۔ وہ خود اپنی وردی اور کمر کے ساتھ لگی ہوئی تلوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سیڑھیاں اُتر کر نیچے آگیا۔ قلعے کے اندر شہر میں بڑی چہل پہل تھی۔ شہری خرید و فروخت کر رہے تھے۔ سپاہی جگہ جگہ تلواریں لیے کھڑے ہر آنے جانے والے کو غور سے گھور رہے تھے کہ کہیں دُشمن کا کوئی جاسوس تو قلعے کے اندر داخل نہیں ہو گیا۔

لیکن سانپ پر کسی کو شک ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وُہ تو ایک خوب صورت نوجوان یُونانی افسر کے رُوپ میں تھا اور فوج میں سینکڑوں یونانی افسر تھے۔ ہر سپاہی ہر افسر کو نہیں پہچانتا تھا۔ سانپ جب قریب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزرتا تو ہر سپاہی اُسے سلام کرتا۔ ناگ پھنی اسی طرح چلتے چلتے شہر کے وسط میں آگیا جہاں سے ایک کھلی سڑک شاہی محل کی جانب چلی گئی تھی ایک رتھ محل کی طرف جا رہا تھا۔ ناگ پھنی نے رتھ کو رکوا لیا اور رتھ بان سے کہا:

"مجھے بھی شاہی محل لے چلو۔"

رتھ بان نے سلام کر کے کہا:

"تشریف لائیے سرکار!"

ناگ پھنی رتھ میں سوار ہو گیا اور رتھ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ رتھ بان کی زبانی ناگ پھنی نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا تھا کہ پولمی اس وقت شاہی محل کے اندر اپنے افسروں اور سپہ سالاروں کی خفیہ میٹنگ کر رہا ہے۔ ناگ پھنی محل کے قریب جا کر رتھ سے اُتر گیا۔ دروازے پر کھڑے پہریداروں نے ناگ پھنی کو ایڑیاں جوڑ کر سلام کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ یونانی افسر بھی اندر اجلاس میں جا رہا ہے؛ چنانچہ انھوں نے فوراً ناگ پھنی کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اب وہ شاہی محل کے لمبے چوڑے کمروں اور غلام گردشوں میں سے گزر رہا تھا۔ جو سپاہی بھی اس کے قریب سے گزرتا اسے سلام ضرور کرتا۔ ایک جگہ چند افسر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ناگ پھنی اُن کے قریب سے ہو کر گزرنے لگا تو ایک افسر نے کہا:

"کہاں جا رہے ہو میاں صاحب زادے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ پھنی گھبرا گیا کہ انہیں کیا جواب دے۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر ذرا غصّے میں بولا:

"تمہیں معلوم نہیں اندر اجلاس ہو رہا ہے اور میں پوٹلی کے پاس محاذِ جنگ سے ایک خاص پیغام لے کر جا رہا ہوں۔"

افسر خاموش ہو گئے کیوں کہ اس زمانے میں محاذِ جنگ کی ایک ایک پل کی خبر پوٹلی کو پہنچائی جاتی تھی اور یہ کام عام طور پر افسر لوگ ہی انجام دیتے تھے۔ کیونکہ سپاہی اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر قلعے پر کھڑے تھے۔ یوں وہ بلا روک ٹوک اُس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں پوٹلی اپنے جرنیلوں کے ساتھ اجلاس کر رہا تھا۔ وہ زمین پر میدانِ جنگ کا نقشہ بنائے اُس پر جھکا ہوا تھا۔ کتنے ہی جرنیل اُس کے ارد گرد کھڑے تھے۔ اُن سب کی پیٹھ ناگ پھنی کی طرف تھی۔ کسی نے اُسے اندر داخل ہوتے بھی نہ دیکھا تھا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ اندر سوائے اپنی فوج کے کسی وفادار افسر کے دوسرا کوئی بھی نہیں آ سکتا۔ ناگ پھنی چپکے سے دیوار کے ساتھ سائے میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اب یہ بڑا نازک وقت تھا۔ یہاں اُس نے اپنے آپ کو سانپ کے رُوپ میں دوبارا بدلنا تھا اور پوٹلی کو جا کر ڈسنا تھا۔ اُس نے سائے میں کھڑے کھڑے پھنکار ماری اور فوراً سانپ کی شکل میں زمین پر رینگتا ہوا دوسری طرف کو نکل گیا۔ سانپ کی پھنکار کی آواز کچھ افسروں نے سنی۔ انہوں نے مُڑ کر دیکھا۔ مگر انہیں وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ رینگتا ہوا اُس مقام پر آ گیا جہاں پوٹلی آگے کی طرف جھکا کھڑا تھا۔ سانپ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ کسی نے بھی اُس کی آہٹ تک محسوس نہ کی اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ سانپ عین پوٹلی کے پیچھے آ کر رُک گیا۔ اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے گردن اٹھا کر پھن پھیلایا اور ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر بڑی تیزی سے پوٹلی کی پنڈلی پر ڈسا اور اسی تیزی کے ساتھ واپس دیوار کے اندھیرے میں جا کر باہر بھاگ گیا۔ باہر ایک ستون کے پاس جا کر اُس نے پھنکار ماری اور دوبارا یونانی افسر کے رُوپ میں آ گیا اور تیز تیز قدموں سے شاہی محل کے بڑے دروازے کی طرف چل دیا۔

اُدھر پوٹلی کی پنڈلی پر سانپ نے ڈسا تو اُسے معلوم ہو گیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ کالا ناگ بڑی تیزی کے ساتھ دیوار کے اندھیرے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اب جرنیلوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ پوٹلی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ کچھ سانپ کی طرف بھاگے اور باقیوں نے پوٹلی کو سنبھال لیا اور شاہی طبیب کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیے۔ ناگ پھنی نے جان بوجھ کر پوٹلی کے جسم میں بہت زیادہ زہر داخل کر دیا تھا! چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پوٹلی کی حالت بگڑنے لگی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے۔ آنکھیں چڑھ گئیں۔ ہونٹ، ناک، کان سے خون نکلنے لگا۔ حلق بند ہو گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر آواز اُس کے گلے کے اندر بند ہو کر رہ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِس سے پیشتر کہ شاہی حکیم وہاں آکر پوٹلی کا علاج کرتا وہ مر چکا تھا۔ اُس کی عورت نے چاروں طرف ایک قیامت بپا کر دی۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنی جلدی اور اُن کی آنکھوں کے سامنے پوٹلی مر گیا ہو۔ سارے محل میں زہریلے ناگ کی تلاش شروع ہو گئی۔ مگر سانپ وہاں ہوتا تو کسی کو نظر بھی آتا۔ سانپ تو ایک خوبصورت یونانی افسر کی شکل میں اُس وقت قلعے کی فصیل کے اُوپر ٹہل رہا تھا اور موقع تلاش کر رہا تھا کہ وہاں سے سانپ بن کر نیچے میدان کی طرف رینگ کر بھاگ جائے۔ آخر اُسے یہ موقع مل ہی گیا۔ سپاہی تھوڑی دیر کے لیے پرے ہٹے تو وہ ایک بُرج کی اوٹ میں آگیا اور پھنکار مار کر پھر سے اُس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور نیچے فصیل کی دیوار پر رینگنا شروع کر دیا۔

نیچے وہ بڑی خیریت کے ساتھ پہنچ گیا۔ جھاڑیوں میں سے گزر کر وہ کھائی کے پانی میں اُتر گیا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے آگیا یہاں سے وہ ٹیلے کے پیچھے پیچھے سے ہوتا' راستے میں ہر آفت کا مقابلہ کرتا' گرتا پڑتا سکندر کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ یہاں سکندر' ارسطو اور عنبر اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ اُس نے دوبارہ انسانی شکل میں آکر اُنہیں بتایا کہ وہ پوٹلی کو ڈس آیا ہے اور اب تک وہ مر چکا ہوگا۔ کیوں کہ اُس نے اُس کے جسم میں دُگنا زہر داخل کیا ہے۔

بادشاہ دارا کی مَوت

●

مصر کے سپہ سالار پوٹمی کی مُوت چھپائی نہ جا سکتی تھی۔

تھیبس شہر میں ہر طرف یہ خبر مشہور ہو گئی کہ اُن کے ظالم بادشاہ کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور وُہ مر گیا ہے۔ لوگ پہلے ہی بادشاہ کے سخت خلاف تھے۔ اُنھوں نے دیوتاؤں کا شکر ادا کیا اور نعرے لگاتے گھروں سے باہر نکل آئے۔ سپاہیوں نے اُن پر تیر برسانے شروع کر دیے، دُوسرے جرنیلوں نے کمان فوراً اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر جہاں عوام کا الاؤ اُبل رہا ہو، وہاں فوج بے بس ہو جاتی ہے! چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ رعایا بپھر کر مقابلے پر آ گئی۔ فوج کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ وُہ قلعے پر کھڑی ہو کر سکندر کی فوجوں کی دیکھ بھال کرے یا شہر کے اندر بپھرے ہُوئے عوام کا مقابلہ کرے۔ اس صورتِ حال کی خبر جاسوسوں نے سکندر کو بھی دے دی۔ وہ تو اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ اُس نے فوراً قلعے پر حملے کا حکم دے دیا۔

یونانی فوج ایک سیلاب کی طرح قلعے کی طرف بڑھنے لگی۔ اندر سے عوام نے فوج پر حملہ کر دیا۔ فوج دونوں طرف سے دُشمنوں میں گھر گئی۔ سپاہی ایک تیر قلعے کے باہر سکندر کی فوج پر چلاتے اور دُوسرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیر اندر عوام کے بپھرے ہوئے سیلاب پر چلاتے تھے۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکندر اعظم کے جاسوسوں نے وہاں کے عوام کے ساتھ مل کر شہر کے دروازے کھول دیے۔ قلعے کے دروازوں کے کھلتے ہی یونانی فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی اور اس نے چاروں طرف مصری سپاہیوں کا قتل عام کرنا شروع کر دیا۔ مصری سپاہی بد دل ہو چکے تھے۔ وہ تھوڑی دیر مقابلہ کرتے رہے اور پھر ہتھیار ڈال دیے۔ شام تک قلعے پر سکندر اعظم کا قبضہ ہو چکا تھا۔ شاہی محل پر فرعون کا جھنڈا اتار کر یونان کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ اب پورے مصر پر سکندر اعظم کا قبضہ تھا۔ اس نے فتح کی خوشی میں ایک خاص دربار منعقد کیا اور عنبر کو انعام و اکرام کے ساتھ خلعت پیش کی۔ سکندر اعظم نے بھرے دربار میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اگر اس کے خاص مشیر عنبر کا صلاح مشورہ شریک حال نہ ہوتا تو اس کے لیے مصر ایسی طاقت ور سلطنت کو زیر کرنا بہت مشکل تھا۔

سکندر نے مصر پر قبضہ کرتے ہی سب سے پہلی توجہ وہاں کے عوام کی خوشحالی کی طرف دی۔ اس نے کسانوں پر سے پہلے کے تمام ٹیکس معاف کر دیے۔ ان کی طرف حکومت کے جو ناجائز قرضے تھے وہ بھی معاف کر دیے۔ سڑکیں اور پل دوبارہ تعمیر کروائے گئے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو سستا کر دیا۔ لوگ سکندر سے محبت کرنے لگے اور اسے دیوتا سمجھنے لگے۔ اس کا اثر سکندر پر بھی ہوا اور وہ بھی اپنے آپ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوتا سمجھنے لگا ؛ حالاں کہ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر ناگ پھنی پوشمی کو ہلاک نہ کرتا تو وہ شاید ہی تھیبس شہر کو فتح کر سکتا۔ لیکن خوش آمدی درباریوں اور سکندر کی اپنی خوش آمد پسند طبیعت نے اپنا کام دکھایا اور سکندر کو یقین سا ہونے لگا کہ وہ واقعی ایک دیوتا ہے۔

اب مصر کی فتح کے بعد سکندر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے مصر میں اپنا ایک گورنر مقرر کیا اور ایران کی طرف کوچ بول دیا۔ ایران پر شہنشاہ دارا کی حکومت تھی۔ یہ حکومت مصر سے بھی زیادہ طاقت ور حکومت تھی۔ تمام علاقے میں دارا کا دبدبہ تھا۔ رعایا بھی دارا سے بہت خوش تھی۔ سکندر کو بھی احساس تھا کہ دارا کے ملک ایران کو فتح کرنا ایک مشکل کام ہوگا۔ مگر وُہ بڑھتے بڑھتے ایران کی سرحد کے اندر داخل ہوگیا۔ اس لیے کہ اُس نے ایران کو فتح کرنے کا دل میں فیصلہ کر رکھا تھا۔ دارا کو بھی یونانی حکمران سکندر کی پیش قدمی کی ایک ایک پل کی خبر مل رہی تھی۔ جب یونانی فوج ماژندران کے قریب پہنچی تو دارا ایک بے پناہ طاقت ور لشکر لے کر سکندر کے مقابلے کے لیے قلعے سے باہر نکل کر اُس کی طرف روانہ ہوگیا۔

ایک میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف فوجیں بے جگری سے لڑیں۔ سکندر کے ہاتھیوں نے دارا کی فوجوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ شام کو لڑائی بند ہوگئی اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے خیموں میں چلی گئیں۔ اِس پہلی جھڑپ سے ہی سکندر کو دارا کی بے پناہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاقت کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر دو چار دن لڑائی اور جاری رہی تو وہ لڑائی ہار جائے گا۔ اِس صورت حال سے سکندر پریشان ہو گیا۔ اُس نے ارسطو اور عنبر سے مشورہ کیا۔ ارسطو نے کہا:

"دارا ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ ہے۔ رعایا اُس سے پیار کرتی ہے۔ ایران کا بچہ بچہ اُس کے ساتھ ہے۔ ایسے بادشاہ کو شکست دینا بہت مشکل ہے جس کے ساتھ عوام کی بے پناہ طاقت بھی ہو۔"

سکندر نے کہا:

"پھر کیا کیا جائے؟ میں یونانی فوج کی شکست بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

ارسطو نے کہا:

"بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ اِس دفعہ بھی ناگ پھنی یوحا کی امداد حاصل کی جائے۔"

سکندر نے عنبر سے مشورہ لیا تو اُس نے صاف صاف کہہ دیا:

"سکندر اعظم! میں نے اور یوحا نے آپ کے سامنے شرط رکھی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ہلاک نہیں کرے گا جو بال بچوں والا ہو اور نیک دل ہو۔ دارا بال بچوں والا ہے اور بے حد نیک دل حکمران ہے۔ اِس لیے اُسے ہلاک کر کے میں اور یوحا گناہ گار نہیں بننا چاہتے۔ بہتر یہی ہے کہ اِس دفعہ ہمیں معاف کیا جائے اور یونانی سپاہیوں کی مدد سے ہی ایران کو فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔"

اِس صاف انکار نے سکندر اعظم کو بھڑکا دیا۔ اُس نے غصے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کی طرف دیکھ کر کہا :

"عنبر: کیا تم بھول گئے ہو کہ کس کے سامنے کھڑے ہو؟ اور کس کو اپنی مدد دینے سے انکار کر رہے ہو؟"

عنبر نے بڑی دلیری اور سکون کے ساتھ کہا :

"اے بادشاہ، میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس وقت یونان کے بادشاہ سکندر اعظم کے سامنے کھڑا ہوں۔ لیکن میں اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس کی طاقت دنیا کی سب طاقتوں سے زیادہ ہے۔ میں اپنے ضمیر کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

سکندر زندگی میں پہلی بار کسی سے انکار سن رہا تھا۔ اس نے طیش میں آ کر کہا :

"اگر تم نے میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو تمہیں اور تمہارے سانپ دونوں کو بھڑکتی ہوئی آگ میں زندہ جلا دوں گا۔"

ارسطو کانپ گیا۔ مگر عنبر اسی طرح سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔ کیوں کہ اُسے معلوم تھا۔ سکندر اُسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا :

"اے بادشاہ، چاہے آپ مجھے زندہ آگ میں پھینک دیں۔ مگر میں ایک ایسے انسان کو مار کر گناہ مول نہیں لے سکتا جو نیک دل اور بے گناہ ہے۔"

ارسطو نے عنبر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر عنبر اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلکہ اُلٹا اُس نے ارسطو سے کہا کہ وُہ ایک انصاف پسند عالم ہو کر بُرائی کی طرفداری کیوں کر رہا ہے؟ بُرائی کے خلاف اُس کے ساتھ مِل کر آواز کیوں نہیں اُٹھاتا۔ لیکن وُہ خاموش رہا اور سکندر نے اُسی وقت عنبر کی گرفتاری کا حُکم دیا۔ سپاہی اُسے زنجیریں ڈال کر خیمے میں لے گئے اور وہاں جا کر اُسے بند کر دیا۔ عنبر نے وہاں جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ سانپ کو اپنی جیب میں سے نکال کر کہا کہ اُس کی جان خطرے میں ہے۔ اِس لیے جہاں جان بچا کر بھاگ سکتا ہے بھاگ جائے۔ سانپ نے کہا،

”مگر میرے آقا آپ کا کیا بنے گا؟ آپ کی جان بھی تو سخت خطرے میں ہے۔ مَیں آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟“

عنبر کہنے لگا،

”ناگ بھئی، تم میری فکر نہ کرو، اِس لیے کہ مَیں نہیں مر سکتا۔ سکندر کی ساری فوج بھی اگر مِل کر چاہے تو مجھے ہلاک نہیں کر سکتی۔“

”وُہ کیسے جناب؟“

”تم اِس بات کو چھوڑو، تمہیں کہہ جو دیا کہ سکندر میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ تم اپنی جان بچاؤ۔ وہ میرے ساتھ تمہارا بھی دُشمن ہو گیا ہے۔ وہ تم سے دارا کو قتل کروانا چاہتا ہے۔ جسے ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔“

”مَیں نے آپ کی اور سکندر کی ساری باتیں سُن لی ہیں جناب۔“

”یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ سکندر کو تمہارا خیال نہیں آیا؛ وگرنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وُہ اُسی وقت مجھ سے تمہیں چھین کر تمہارے دو ٹکڑے کر دیتا۔ شاید اُسے ابھی تک توقع ہے کہ مَیں مان جاؤں۔“

”نہیں جناب، ہم ایک بے گناہ انسان کو ہلاک نہیں کر سکتے۔“

”اسی لیے تو مَیں کہتا ہُوں کہ اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

سانپ نے کہا:

”اگر مَیں یہاں سے چلا بھی جاؤں تو پھر آپ سے دوبارا ملاقات کیسے ہوگی؟“

”ہم کسی نہ کسی طرح مل ہی لیں گے۔ تم ایران کی بجائے روم کی طرف نکل جاؤ۔ مَیں یہاں سے فرار ہو کر تمہیں روم کے شہر میں کسی نہ کسی سرائے میں تلاش کر لوں گا۔ روم پہنچ کر تم دوسرے تیسرے وہاں کی تمام سراؤں میں چکر لگایا کرنا۔ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔“

سانپ نے کہا:

”مگر میرے محسن، مَیں آپ کی طرف سے وہاں بھی پریشان رہوں گا۔ مجھے آپ حکم کریں کہ مَیں سکندر کو ڈس کر ہلاک کر دیتا ہُوں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔“

عنبر نے کہا:

”نہیں، ہمیں محض اپنی جان بچانے کے لیے ایک ایسے بادشاہ کو بھی ہلاک نہیں کرنا چاہیے جس سے اُس کی رعایا بے حد پیار کرتی ہے۔ جب ہم آسانی سے اپنی جان بچا سکتے ہیں تو پھر ہمیں اتنا بڑا قدم اُٹھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کیا ضرورت ہے۔ تم میرا کہا مانو اور یہاں سے کسی بھی رُوپ میں روم کی طرف چلے جاؤ۔"

"جو حکم میرے آقا!"

یہ کہہ کر ناگ پھنی خیمے سے باہر نکل کر ایک درخت کی طرف بڑھا۔ اتفاق سے سپاہیوں نے اُسے دیکھ لیا اور سانپ سانپ کا شور مچاتے تلواریں لے کر اُس کی طرف دوڑے۔ مگر سانپ اُن سے زیادہ ہوشیار اور تیز رفتار تھا۔ وُہ اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک کھجور کے درخت کے اُوپر چڑھ گیا۔ سپاہی اس پر تیر برسانے لگے۔ یہ مرحلہ البتہ نازک تھا۔ اگر اُسے تیر لگ جائے تو وُہ اُسی وقت مر سکتا تھا۔ ناگ پھنی درخت کے اُوپر پہنچ گیا۔ اُوپر پہنچ کر اُس نے سپاہیوں سے مذاق کرنے کے لیے اور اُنہیں خوفزدہ کرنے کے لیے پھنکار ماری اور ایک کھلے بالوں والی چڑیل کی شکل اختیار کر کے ڈراؤنا قہقہہ لگایا۔ سپاہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹے۔ اب سانپ نے ایک بار پھر پھنکار ماری اور ایک جنگلی عقاب کی شکل میں ظاہر ہو کر آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ سپاہی دم بخود ہو کر اُسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ کسی کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ہر سپاہی آنکھیں ملتے ہُوئے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ وُہ سانپ نہیں تھا بلکہ اُن کا وہم تھا۔

عقاب آسمان کی بلندیوں میں پہنچ کر ملک روم کی طرف اُڑنے لگا۔ اُس نے بلندیوں سے مازندران قلعے کے اندر ایرانی لشکر کو لڑائی کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیار ہوتے دیکھا اور دل ہی دل میں دارا کی فتح کی دعا مانگی۔ مگر تقدیر دارا کے خلاف تھی۔ قدرت نے تاریخ میں دارا کی شکست لکھ دی تھی؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سکندر نے اُسی روز قلعے پر پوری طاقت کے ساتھ حملہ کر دیا اور خون ریز جنگ کے بعد یونانی فوجیں قلعے کا دروازہ توڑ کر شہر کے اندر داخل ہو گئیں۔ دارا کے شاہی محل پر سکندر نے قبضہ کر لیا۔ دارا کی والدہ اور بیویوں کے ساتھ البتہ اُس نے فراخ دلی کا سلوک کیا اور اُنہیں شاہی محل میں عزت کے ساتھ رہنے دیا۔ لیکن دارا کے جرنیلوں کو چُن چُن کر قتل کروا دیا۔ ایران کے تخت پر وہ بادشاہ بن کر بیٹھ گیا۔ یہاں آکر اُس نے پہلی بار مشرق کی شان و شوکت دیکھی۔ اُس نے دیکھا کہ ایران میں لوگ بادشاہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور اُسے اپنا دیوتا سمجھتے ہیں۔

چنانچہ سکندر نے بھی اعلان کر دیا کہ وہ آسمانی دیوتا اپالو کا بیٹا ہے اور اپالو اُس کا آسمانی باپ ہے۔ وہ بادشاہ تھا، بھلا اُس کا حکم کون ٹال سکتا تھا۔ درباریوں نے اُسے دیوتا تسلیم کر لیا۔ لوگوں نے اُس کے آگے سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے اپنی فوج کا ایک خاص دستہ دارا کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ دارا محل چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ یہ کام اُس نے بادشاہوں ایسا نہیں کیا تھا۔ اُسے بادشاہوں کی طرح سکندر کے سامنے آنا چاہیے تھا۔ جس طرح کہ بعد میں پنجاب کا بہادر راجہ پورس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بادشاہ بن کر سکندر کے سامنے آگیا تھا اور جب سکندر نے اُس سے پُوچھا تھا کہ اب جب کہ اُسے شکست ہو چکی ہے تو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ تو پنجابی راجہ نے کہا تھا :

" وُہی جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے "

مگر دارا نے بُزدلی کا ثبوت دیا تھا۔ وُہ شاہی محل میں اپنی ماں، بیوی اور بیٹی کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنے غلاموں کے ساتھ رتھ میں بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا۔ سکندر کے سپاہی بھی اُس کے تعاقب میں تھے۔ مگر دارا بہت دُور نکل چُکا تھا۔

لیکن دارا کا وُہی حشر ہُوا جو ایک بھاگے ہُوئے بُزدل بادشاہ کا ہُوا کرتا ہے۔ دارا نے اپنے ساتھ بے حد قیمتی ہیرے اور جواہرات کا صندوق بھی رکھ لیا تھا جو غلام اُس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اُن کی نیت خراب ہو گئی۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ دارا کو ہلاک کر کے دولت آپس میں بانٹ لی جائے؛ چنانچہ ایک مقام پر جہاں دارا کچھ دیر آرام کرنے کے لیے رُکا تھا، غلاموں نے خنجروں اور تلواروں سے اُس پر حملہ کر دیا۔ دارا اکیلا دشمنوں میں گھر چُکا تھا۔ اُس نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر ایک تنہا آدمی دس بارہ غلاموں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا۔

دارا شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ غلام خنجروں سمیت اُس پر ٹوٹ پڑے اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ ایران کا عظیم الشان بادشاہ دُوسرے مُلک کی زمین پر خاک و خون میں لتھڑا ہُوا پڑا تھا اور اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلام، اس کے دشمن اُس کی لاش کے پاس آپس میں ہیرے جواہرات تقسیم کر رہے تھے ۔ مگر وہ مر چکا تھا۔ وہ اُن کے ہاتھ نہیں روک سکتا تھا۔ غلاموں نے سارے ہیرے جواہرات آپس میں تقسیم کر لیے اور رتھوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ گئے ۔

سکندر اعظم کو دارا کی عبرت انگیز موت کی خبر ملی تو اُسے بڑا صدمہ ہوا اُس نے حکم دیا کہ دارا کے قاتلوں کو وہ جہاں کہیں بھی ہوں گرفتار کر کے اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔ یونانی سپاہی قاتل غلاموں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آخر انہیں مصر کی سرحد پر گرفتار کر لیا گیا جب سکندر کو خبر ملی کہ دارا کے قاتل گرفتار ہو کر آ گئے ہیں تو وہ خود ان کے پاس آیا اور ایک ایک سے پوچھنے لگا کہ انہوں نے ایک عظیم الشان بادشاہ کو قتل کیوں کیا ؟ اگر انہیں ہیرے جواہرات ہی لوٹنے تھے تو وہ اُسے کسی درخت کے ساتھ باندھ کر بھی لوٹ سکتے تھے۔ قاتلوں نے زمین پر سجدہ کر کے معافی کی درخواست کی ۔

" اے عظیم بادشاہ، ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم پر رحم کرو۔"

" تم نے ایک ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے جس کی ہم عزت کرتے تھے۔ ہم اس کا ملک ضرور فتح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہمیں دارا سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ایک انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اُس کو قتل کر کے تم نے سکندر اعظم کے ایک دوست کو قتل کیا ہے۔ تم لوگوں نے ایک ایسا گھناؤنا جرم کیا ہے جس کی سزا میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے دوں گا میری شاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلوار دی جائے۔"

فوراً سکندر کو اُس کی شاہی اور بے حد تیز تلوار پیش کر دی گئی۔ سکندر نے تلوار لہرائی اور ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں سارے قاتلوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیں۔ بعد میں تاریخ نے بھی اس واقعے کو لکھ دیا کہ سکندر نے دارا کے قاتلوں کو ڈھونڈ کر انہیں اپنے ہاتھوں ہلاک کر دیا تھا۔

ایران کی فتح سے فارغ ہو کر سکندر نے ہندوستان کی طرف چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اب اُسے خیال آیا کہ اس نے عنبر کو قید خانے میں ڈال رکھا ہے۔ اُس نے اُسے بُلا کر کہا کہ وُہ اپنے سانپ کو پیش کرے۔ عنبر نے کہا کہ سانپ اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ سکندر کو بے حد غصّہ آیا کہ اُس نے اُس کے دُشمن کو بھگا دیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"اِس لیے کہ مجھے اُس کی جان عزیز تھی۔ مَیں اُسے آپ کے ہاتھوں مروانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ آپ یقیناً اُسے قتل کروا دیتے۔"

سکندر نے ہاتھ اُٹھا کر چیخ کر کہا۔

"اِس شخص کو میری آنکھوں کے سامنے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے۔"

اُسی وقت میدان میں گڑھا کھود کر اُس میں لکڑیوں کے ڈھیر پھینکنا شروع کر دیے گئے۔ جب گڑھا منہ در منہ بھر گیا تو لکڑیوں میں آگ لگا دی گئی۔ سارا دن اور ساری رات آگ بھڑکتی رہی۔ دُوسرے روز گڑھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اندر انگارے سُرخ ہو کر دہک رہے تھے۔ وہاں تپش اس قدر تھی کہ کوئی شخص گڑھے کے قریب بھی نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔ سکندر اور ارسطو وہاں آ گئے۔ سکندر نے حکم دیا کہ عنبر کو اُٹھا کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو ہاتھوں پر اٹھایا اور دو تین بار جُھولا سا جُھلا کر آگ میں پھینک دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت کی چیخ

موت عنبر کو ہمیشہ کے لیے فراموش کر چکی تھی۔

چنانچہ آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ سکندرِ اعظم کے سپاہیوں نے اُسے آگ کے جلتے ہوئے جہنم میں پھینکا تو وُہ انگاروں کے اُوپر یُوں جاکر بیٹھ گیا جیسے کوئی ٹھنڈے ٹھنڈے سُرخ پھولوں پر جا کر بیٹھ جائے ـــ سکندر اور ارسطو کا خیال تھا کہ وُہ آگ کے گڑھے میں گرتے ہی جل بھُن کر بھسم ہو گیا ہو گا۔ اس لیے وہ وہاں سے اُٹھ کر واپس محل میں چلے گئے۔ سپاہی بھی وہاں سے رخصت ہو گئے۔ صرف ایک پہریدار وہاں پر موجود پہرہ دیتا رہا۔ ساری رات گڑھے میں آگ دہکتی رہی اور عنبر اُس کے اندر دہکتے انگاروں پر بڑے سکون سے لیٹا رہا۔ اُس کو ذرا سی دیر کے لیے نیند بھی آگئی۔ وُہ انتظار کر رہا تھا کہ جلتی ہوئی لکڑیاں ذرا نیچے ہوں تو وُہ اُن پر پاؤں رکھ کر باہر نکلے۔ صبح کے وقت آگ ذرا ہلکی ہوئی۔ گڑھا ابھی تک تنور کی طرح دہکتے انگاروں سے سُرخ ہو رہا تھا مگر شعلے ختم ہو گئے تھے اور لکڑیاں جل جل کر کوئلہ بن چکی تھیں۔ عنبر اُٹھا اور بڑے بڑے دہکتے کوئلوں پر پاؤں رکھتا ہوا گڑھے کے اُوپر کی طرف چڑھنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر پہریدار سپاہی اِدھر اُدھر ٹہل کر دہکتے گڑھے کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ اتنے میں عنبر نے گڑھے میں سے سر باہر نکالا۔ پہریدار سپاہی نے ایک انسان کو زندہ حالت میں دہکتی آگ میں سے باہر سر نکالتے دیکھا تو وُہ حیرانی سے پتھر بن کر رہ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اُس نے ذرا آگے جا کر پُوچھا :

"تم کون ہو ؟" آگ کا سینک اور تپش بے پناہ تھی۔ سپاہی پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر آدھا گڑھے کے اندر اور آدھا باہر تھا۔ اُس نے کہا :

"مَیں وُہی ہُوں جسے کل آگ میں ڈالا گیا تھا !"

سپاہی نے بھی اُسے پہچان لیا۔ وہ وہی عنبر تھا جسے ایک رات پہلے خوف ناک بھڑکتی ہُوئی آگ میں سکندرِ اعظم کے حکم سے اُس کی آنکھوں کے سامنے ڈالا گیا تھا۔ مگر وُہ رات بھر آگ میں رہنے کے باوجود زندہ کیسے رہا ؟ عنبر گڑھے میں سے باہر نکل کر سُرخ لوہے کی طرح تپتی ہُوئی گڑھے کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ سپاہی نے پُوچھا :

"مگر — مگر تم زندہ کیسے رہے ؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"میں دو ہزار برس سے زندہ ہُوں اور ہزاروں برس تک زندہ رہُوں گا !"

سپاہی نے اِتنا سُنا۔ اُس کا سر چکرایا اور وہ دھڑام سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تو اُس کی خوش قسمتی تھی کہ گڑھے کے اندر نہیں گرا؛ ورنہ اس قدر آگ میں اُس کی ہڈی پسلی بھاپ بن کر اُڑ جاتی۔ عنبر گڑھے میں سے نکل کر ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ اُسے سپاہیوں نے پکڑ لیا اور پوچھا:

"تمہیں تو ہم نے آگ میں پھینکا تھا، تم زندہ کیسے رہے؟"

"میں اُس آدمی کا بھوت ہوں۔"

سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ سارے شہر میں شور مچ گیا کہ جس ملزم کو رات آگ میں ڈالا گیا تھا وہ زندہ ہو گیا ہے، وہ جلا نہیں۔ آگ نے اُس کا ایک بال تک نہیں جلایا۔ یہ خبر سکندر اور ارسطو تک پہنچی۔ تو وہ دم بخود ہو کر رہ گئے۔ سکندر نے ارسطو کی طرف دیکھا۔ دونوں اُٹھ کر شاہی محل سے نکل کر باہر باغ میں آ گئے۔ سپاہی عنبر کو لیے چلے آ رہے تھے۔ سکندر اور ارسطو نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ انہوں نے سپاہیوں کو وہاں سے چلے جانے کو کہا اور عنبر کو ساتھ لے کر محل میں آ گئے۔

سکندر بے حد حیران تھا کہ یہ شخص اتنی بھیانک آگ سے بچ کیسے گیا؟ کیا یہ کوئی دیوتا ہے؟ ارسطو خود بہت تعجب میں تھا۔ اُس کی ساری عقل اور حساب کتاب یہاں آ کر فیل ہو گیا تھا۔ دُنیا کا کوئی بھی اصول یہ بات ثابت نہیں کرتا تھا کہ ایک آدمی آگ میں گر کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

سکندر نے عنبر سے پوچھا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تم آگ میں رات بھر رہ کر زندہ کیسے رہ گئے ؟"

ارسطو نے پوچھا :

"پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم آگ میں گرے تھے یا نہیں ؟"

عنبر نے کہا :

"میں آگ میں گرا تھا۔ اِس کے گواہ آپ کے سپاہی ہیں جنہوں نے مجھے آگ میں اپنے ہاتھوں دھکا دیا تھا"

"پھر آگ نے تم کو زندہ کیوں نہیں جلا دیا ؟" ارسطو نے پوچھا۔

عنبر نے کہا :

"اِس لیے کہ آگ مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی"

سکندر نے کہا :

"وہ کیوں ؟"

عنبر بولا :

"اِس لیے کہ آگ مجھ پر حرام ہے"

"وہ کس طرح ؟" سکندر بولا۔

عنبر نے کہا :

"وہ اِس لیے کہ میں مر نہیں سکتا۔ مجھے آج سے دو ہزار برس پہلے ایک بزرگ نے دعا یا بددعا دی تھی کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا۔ بادشاہ آئیں گے اور مر جائیں گے۔ تہذیبیں آئیں گی اور مٹ جائیں گی۔ مگر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندہ رہوں گا۔ موت مجھے فنا نہیں کر سکے گی۔"

یہ سن کر ارسطو اور سکندر اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ ارسطو نے پوچھا:

"تو کیا تم ہزاروں برس سے زندہ ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں، میں دو ہزار برس سے زندہ ہوں۔ میں فرعون مصر کا بیٹا ہوں۔ میں آج سے دو ہزار برس پہلے مصر کے شاہی محل میں پیدا ہوا اور شاہی محل میں ہی شہزادوں کی طرح میری پرورش ہوئی۔"

سکندر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا — کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"مجھے آپ کو یقین دلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتفاق سے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ موت مجھ پر حرام کر دی گئی ہے۔ آپ نے مجھے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جہاں میں رات بھر آرام سے سوتا رہا اور صبح آگ کے جہنم سے باہر نکل آیا، مگر آپ کو اب بھی میری بات کا اعتبار نہیں تو مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ آپ کو یقین دلاتا پھروں۔ میں جا رہا ہوں۔"

سکندر اعظم نے آگے بڑھ کر عنبر کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آج سے مَیں تمہیں اپنا بھائی کہوں گا۔ میرے بھائی، مَیں اپنے آپ کو دُنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا، اگر تم میرے پاس رہ جاؤ۔"

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

"سکندرِ اعظم، تم نے اپنے حکم سے مجھے آگ میں پھینکوا دیا۔ مَیں نے تمہیں ایک خطرناک بیماری سے نجات دلائی۔ تم نے احسان فراموشی کا ثبوت دے کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنے سے دُور کر لیا ہے۔ مَیں ایک غریب فقیر کے جھونپڑے میں رہ سکتا ہُوں۔ مگر تم ایسے احسان فراموش بادشاہ کے محل میں نہیں رہ سکتا۔ تم نے مجھے آگ میں ڈالا اور مَیں زندہ رہا۔ تم اگر مجھے قلعے کی آخری منزل سے بھی گرا دیتے تو مَیں پھر بھی زندہ رہتا۔"

سکندر شرمسار ہو گیا۔ ارسطو نے بھی عنبر کی منت سماجت کی مگر اُس نے کسی کی نہ مانی اور چپکے سے محل سے نکل آیا۔ ایران کی تباہی کا اُسے بے حد دُکھ تھا۔ اُسے بہت افسوس تھا کہ وُہ سکندر کے خلاف دارا شہنشاہ کی وقت پر مدد نہ کر سکا۔ اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ شہنشاہ دارا کو اُس کے اپنے ہی غلاموں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ شروع سے ہی عنبر دیکھتا آیا تھا کہ ہمیشہ اپنوں نے ہی دغا دیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ ہمیشہ اپنے عزیزوں اور جرنیلوں کے ہاتھوں ہی قتل ہوئے تھے۔ اُس وقت اگر دارا زندہ ہوتا اور کہیں فرار ہو چکا ہوتا تو عنبر ضرور اُس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدد کرتا اور سکندر کو شکست دے کر ایران کا تخت دوبارا دارا کے حوالے کر دیتا ۔

انہی خیالات میں گم وُہ شاہی محل سے باہر ایک باغ میں آ گیا ۔ وہاں ایک پتھر کا تختہ سا بچھا تھا ۔ وُہ اُس پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہاں سے ملک روم کی طرف کس طرح جائے ۔ تبت کے راہب کا ہیرا اُس کے پاس موجود تھا مگر وُہ اُسے فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ یہ ہیرا نیک دل راہب کی نشانی تھی جسے وہ اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا ۔ اُسے مرجانہ کے باپ یوریڈیس کا خیال آیا کہ وُہ کریٹ کے صوبے میں جا کر مرجانہ کے باپ سے سونے کے کچھ سکے حاصل کرے تاکہ بحری جہاز میں سوار ہو کر روم تک کا سفر کر سکے ۔ مگر پھر اُس کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مرجانہ کے باپ کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلائے ۔ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا ۔ ایک گھنے بالوں اور گھنی ڈاڑھی والا درویش قسم کا آدمی پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس اُس کے پیچھے کھڑا تھا ۔ عنبر نے کہا :

"تم ـــــ تم کون ہو بابا ؟"

درویش نے مُسکرا کر کہا :

"تم مجھے نہیں پہچان سکو گے ۔ بہرحال میں تمہارا ہمدرد ہُوں ۔"

عنبر نے کہا :

"اگر تم میرے ہمدرد ہو تو اِس وقت میری مدد کرو ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درویش نے پوچھا :

" تمہیں کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے ؟ "

" مجھے ایک تیز رفتار گھوڑا چاہیے جو مجھے بحیرۂ روم کی بندرگاہ تک پہنچا سکے اور پھر کچھ کرایہ چاہیے جس کی مدد سے میں بادبانی جہاز میں سوار ہو کر روم پہنچ سکوں "

درویش نے کہا :

" یہ کوئی مشکل بات نہیں ۔ اگر میں تمہیں گھوڑے اور جہاز کے بغیر ہی ملک روم پہنچا دوں تو کیا خیال ہے ؟ "

عنبر نے حیرانی سے کہا :

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ "

درویش نے کہا :

" اگر تم دو ہزار برس تک زندہ رہ سکتے ہو تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہاں سے اُڑا کر روم پہنچا دیا جائے ۔ بولو، کیا تم تیار ہو ؟ "

" کیوں نہیں، میں سر سے لے کر پاؤں تک تیار ہوں "

درویش بولا :

" تو پھر آنکھیں بند کرو "

عنبر نے آنکھیں بند کرلیں ۔ ایک بجلی سی اُس کی آنکھوں کے سامنے چمکی ۔ جب اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو وہ ایران میں نہیں تھا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہ ایک ایسے گاؤں کے باہر کھڑا تھا جو ہری بھری سرسبز پہاڑیوں میں
را ہُوا تھا۔ اُونچے اُونچے درخت ٹھنڈی ہوا میں جُھوم رہے تھے۔ عنبر
مجھ گیا کہ وُہ روم پہنچ چکا ہے۔ اب اُسے اِس کی تصدیق پانی
تی۔ یعنی وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا وُہ واقعی روم میں ہے؟
س خیال کے ساتھ ہی وُہ گاؤں کی طرف بڑھا۔ سامنے ایک چشمہ تھا
جہاں دو عورتیں صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں۔ عنبر نے اُن کے پاس
جاکر پانی مانگا۔ عورتوں نے اُسے پانی پلایا۔ عنبر نے پُوچھا :

”یہ کون سے ملک کا گاؤں ہے ؟“

پہلے تو عورتوں نے بڑے تعجب سے عنبر کو دیکھا کہ یہ کیسا مُسافر
ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وُہ کس مُلک میں سفر کر رہا ہے۔ پھر
اُن میں سے ایک بولی :

”تم ملک روم کے ایک گاؤں کے باہر کھڑے ہو“

دُوسری عورت نے پُوچھا :

”بھائی تم کہاں سے آئے ہو اور تمہیں کہاں جانا ہے ؟“

عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ مصر سے آ رہا ہے اور روم شہر جانے
کا ارادہ رکھتا ہے۔ عورتوں نے کہا کہ روم شہر وہاں سے چھ روز کے
سفر پر ہے۔ وُہ اکیلا بغیر گھوڑے یا خچر کے وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

عنبر نے کہا :

”کیا اِس گاؤں میں رات بسر کرنے کو کوئی جگہ مل جائے گی ؟“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک عورت بولی :

" گاؤں میں ایک معمولی سی سرائے ہے۔ تم وہاں ٹھہر سکتے ہو۔"

عورتیں عنبر کو ساتھ لے کر گاؤں کی سرائے میں چھوڑ گئیں۔ اِس سرائے میں سرائے کے موٹے، گنجے، ٹھگنے قد کے مالک اور عنبر کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ گنجے مالک نے اُسے جس کوٹھڑی میں جگہ دی اُس کی دیواروں کی اینٹیں اُکھڑ چکی تھیں اور آدھی چھت بیٹھی ہوئی تھی۔ گنجے مالک نے اُس سے پوچھ لیا تھا کہ اُس کے پاس سونے کے سِکّے ہیں؟ عنبر نے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ ہاں بہت سِکّے ہیں ____ رات اُس نے سرائے میں کسی نہ کسی طرح بسر کر دی۔ دن چڑھا تو عنبر کو فکر ہوئی کہ کچھ پیسے اور خچر یا گھوڑا کہاں سے حاصل کیا جائے۔ اُدھر سرائے کے مالک نے تقاضا شروع کر دیا کہ کرایا روز کے روز ادا کرنا ہوگا۔ وہ رات بھر کا کرایہ مانگنے لگا۔ عنبر نے کہا :

" میں ابھی آ کر تمہیں پیسے دیتا ہوں۔ میری چادر تم اپنے پاس رکھو۔"

عنبر نے اپنی ریشمی چادر سرائے کے مالک کے پاس ہی چھوڑی اور خود گاؤں کی گلیوں سے ہوتا ہوا باہر چشمے کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چشمے کے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور تازہ دم ہو کر سوچنے لگا کہ پیسے کہاں سے حاصل کیے جائیں۔ وہ اگر چاہتا تو اپنی کرامت کے زور سے وہاں دولت پیدا کر سکتا تھا۔ مگر اُسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اتنی چھوٹی سی بات کے لیے بڑی طاقت کو استعمال کرے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپس اپنی سرائے میں آگیا۔ اس نے سوچا کہ وُہ سرائے کے مالک سے
لا کہ اُس سے اپنے برتن صاف کروا کر سرائے میں رات بسر
ے کا کرایہ وصول کرے اور آگے وُہ خود پیدل ہی سفر کرے گا۔
سرائے میں آکر جب اُس نے گنجے مالک سے برتن مانجھنے کے
کہا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور عنبر پر برس پڑا۔

" میں تو تمہیں یہاں قید کر کے رکھوں گا۔ تم نے اگر میرا کرایہ نہ دیا
ں تمہارے سارے کپڑے اُتروا کر تمہیں ننگا کر کے، ذلیل کر کے
ں سے بھیجوں گا۔ تم تو مجھے کوئی چور معلوم ہوتے ہو۔ میں تم لوگوں
پٹنا خوب جانتا ہوں۔ ابھی تمہاری خبر لیتا ہوں۔ ابھی میں پولیس
ـلاع کرتا ہوں "

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کس قسم کا احمق آدمی ہے۔ اُس نے گنجے
ب کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ سرائے کا مالک غصے میں اِدھر
ھر ٹہل رہا تھا اور عنبر کو گالیاں دے رہا تھا۔ عنبر نے زمین پر سے
ں اُٹھا کر مٹھی میں بند کی اور کہا:

" دیکھو یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

سرائے کے مالک نے کہا:

" یہ چالاکی مجھے نہ دکھاؤ۔ میں نے تم جیسے جھوٹے مداری بہت دیکھے
ں بیٹا۔ اب تو تمہیں میرے چنگل سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تمہیں تو ساری
ندگی میرا غلام بن کر رہنا ہوگا — ہاں، غلام بن کر رہنا ہوگا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے مٹھی میں پکڑی ہوئی مٹی گنجے مالک کے پاؤں میں پھینک دی۔ مٹی کا زمین پر گرنا تھا کہ وہاں چھوٹے چھوٹے بے شمار سانپ پھنکارنے اور رینگنے لگے۔ سرائے کے مالک کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"دیوتاؤں کے لیے یہ کیا کر رہے ہو۔ انہیں یہاں سے ہٹاؤ۔
ارے میں مر گیا، ارے میں مر گیا"

"بولو! کیا کرایہ وصول کرو گے؟"

سرائے کا مالک ہاتھ جوڑ کر بولا:

"ہرگز نہیں، کرایہ معاف — کرایہ معاف"

عنبر پھر بولا:

"ایک تازہ دم گھوڑا بھی دو گے یا نہیں؟"

"ضرور دوں گا۔ ابھی لے لو، ابھی جا کر لے لو"

عنبر نے سانپوں کی طرف ہاتھ پھیلایا۔ سارے سانپ عنبر کے باز پر آ کر لٹکنے لگے۔ عنبر نے سرائے کے مالک سے کہا:

"چلو اپنے ہاتھ سے گھوڑا کھول کر مجھے دو"

"ضرور، ضرور، ضرور چلو"

گنجا مالک نوکروں کی طرح عنبر کے آگے آگے چل پڑا۔ اصطبل میں کئی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے سب سے موٹا تازہ گھوڑا پسند کیا۔ گنجے نے اسی وقت گھوڑا کھول کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وڑے پر سوار ہوگیا اور سانپوں والا ہاتھ زمین کی طرف جھٹک دیا۔
نپ زمین پر گرتے ہی غائب ہوگئے۔ سرائے کا گنجا مالک ڈر کر
سرے کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

عنبر گھوڑے پر سوار سرائے سے نکل کر گاؤں کی اونچی نیچی گلیوں
ں سے گزرتا گاؤں سے باہر نکل آیا۔ ایک پتھریلی سڑک گاؤں سے
ہر دور تک چلی گئی تھی۔ عنبر نے معلوم کر لیا تھا کہ یہی وہ سڑک ہے
روم کی طرف جاتی ہے۔ وہ دن چڑھے گاؤں سے چلا تھا۔ سارا دن
سفر کرتا رہا۔ دوپہر کے بعد پکی سڑک ختم ہوگئی اور اس کی جگہ
ب کچی سڑک نے لے لی تھی۔ اس کے سڑک کے دونوں جانب
پریس کے اونچے اونچے درخت تھے۔ سڑک پہاڑی ڈھلوانوں اور
دوں اور وادیوں میں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ موسم اس علاقے میں
ر تھا۔ مصر اور افریقہ کی گرمی بالکل نہیں تھی۔ رات کو عنبر نے
ب جنگل کے کنارے قیام کیا اور جنگلی پھل کھا کر لیٹ گیا۔ رات
ر سردی کی وجہ سے اسے پوری نیند نہ آ سکی۔ صبح دھوپ نکلی
ے کچھ سکون ملا۔

چشمے پر منہ ہاتھ دھو کر اس نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ اسی
رح پانچ دن اور پانچ راتیں عنبر روم شہر کی طرف سفر کرتا رہا۔ چھٹے
ز شام کے قریب وہ ایک اجنبی اور ویران سے محل کے پاس پہنچ
ر رک گیا۔ یہ کسی پرانے شاہی محل کے کھنڈر معلوم ہوتے تھے۔ ستون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے اور بارہ دریوں میں لمبی لمبی گھاس اُگ رہی تھی عنبر نے سوچا کہ یہاں رات بسر کی جائے۔ اِس خیال سے وُہ گھوڑے سے اُترا ہی تھا کہ اُسے کسی عورت کی چیخ سُنائی دی۔ وُہ وہیں رُک گیا اور جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی اُدھر کو دیکھنے لگا۔ چیخ ایک بار پھر فضا میں گونج اُٹھی۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی شخص کسی عورت کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عنبر نے گھوڑا وہیں کھڑا کیا اور چیخ کے تعاقب میں چل پڑا۔

چیخ کی آواز کس عورت کی تھی؟ سانپ نے روم میں عنبر سے کہاں مُلاقات کی؟

لکڑی کے گھوڑے میں چھپی ہُوئی فوج نے قلعے پر کیسے حملہ کیا؟

عنبر نے سکندرِ اعظم کی موت کی خبر کہاں سُنی؟

یہ سب کچھ آپ اِسی ناول کی اگلی یعنی گیارھویں قسط "سفید عقاب" میں پڑھیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مُہمّاتی ناول

ض ناول کی کہانی الگ تھلگ = خوفناک مناظر سے آراستہ

ام قبیلے کا راز	محمد سلیم
وم خوروں کا جزیرہ	حسن اکبر کمال
لسمی جنگل	ریاض احمد
بانی چور کے کارنامے	محمد یونس حسرت
بانی چور کی واپسی	〃 〃
عقلمند شکاری	〃 〃
خوفناک سازش	〃 〃
ر اسرار چیتا	〃 〃
ود میں زندہ رہا	جبار توقیر
نگلوں سے فرار	اے حمید
سگنل کی سرخ بتی	〃 〃
چاند تارا	لطیف فاروقی
جہاں گشت بغدادی	اسرار زیدی
تہ خانے کا راز	اشتیاق احمد

غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار ناول

ہر ناول میں ایک سنسنی خیز واقعہ اور دردناک کہانی

دھوئیں کی مخلوق	ذوالفقار احمد تابش
سارنگ بابا اور جل پری	اے۔ حمید
ڈوبے جہاز کا راز	اے۔ حمید
خلا میں جنگ	اے۔ حمید
جادوگر جاسوس	آغا اشرف
دہشت ناک چہرہ	آغا اشرف
بھوتوں کا راز	جبار توقیر
وہ بے گناہ تھا	اے۔ حمید
امجد کا اغوا	اے۔ حمید
شیشے کا بکس	اشتیاق احمد
دوستوں کا کارنامہ	ریاض احمد
آدھی رات	جبار توقیر
ایک لڑکا ایک ڈاکٹر	جبار۔ توقیر
غار میں چیخ	اے۔ حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

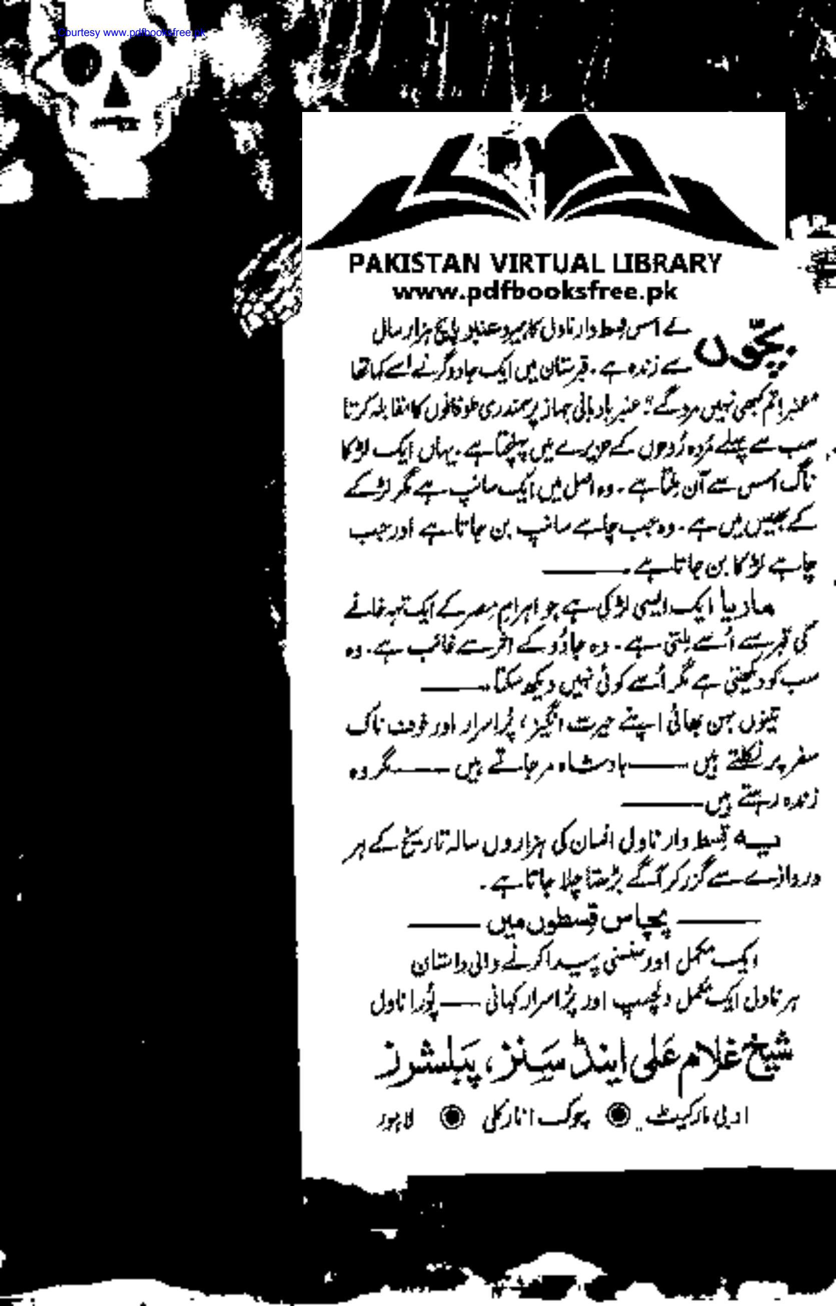

بچّوں کے اِس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے۔" عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ گُردوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اِس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرامِ مصر کے ایک تہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

[illegible]

سفید عقاب

(قسط نمبر ۱۱)

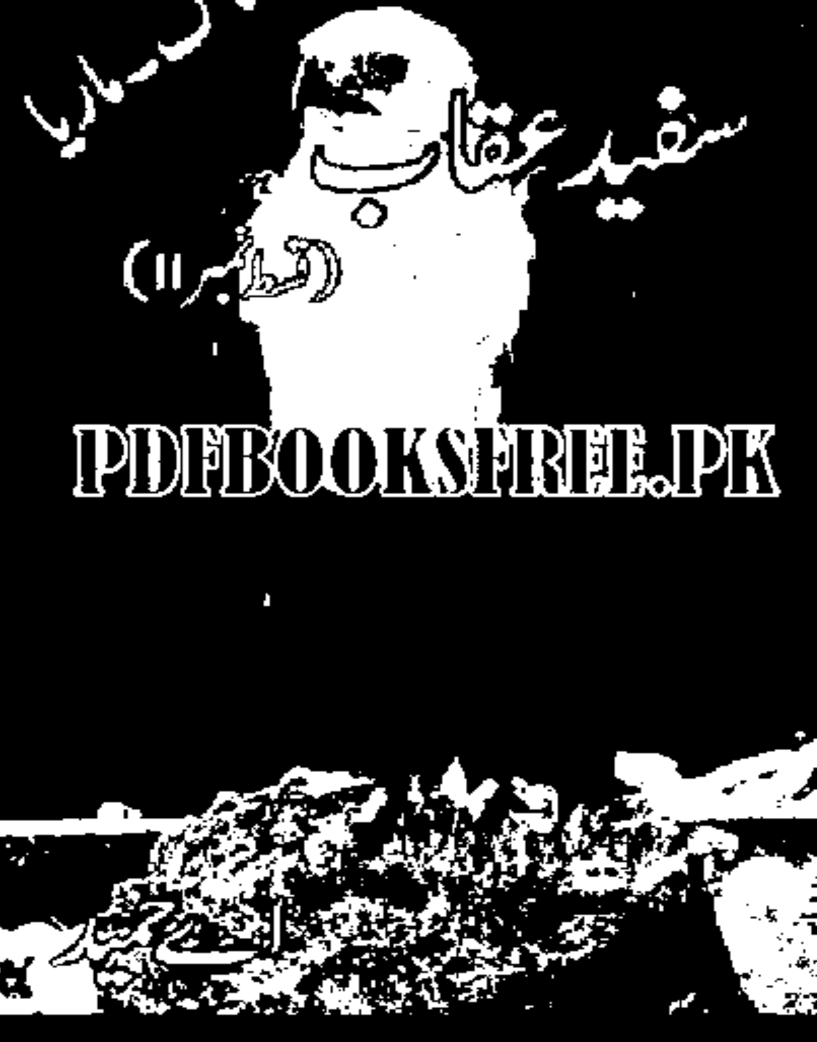

ایم اے راحت

سنو پیارے بچو!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا ہیرو روم شہر سے آدھی رات کو ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہوا ایک ویران محل کے کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے یہاں اسے ایک عورت کی بھیانک چیخ کی آواز سنائی دیتی ہے ہمارا ہیرو اس چیخ کی آواز پر پہنچتا ہے اس ناول میں ہیلن آف ٹرائے کا مشہور تاریخی واقعہ بھی پیش کیا گیا ہے جب کہ سپاہی بہت بڑے لکڑی کے گھوڑے میں چھپ کر قلعے کے باہر رہ جاتے ہیں دشمن گھوڑے کو کھلونا سمجھ کر قلعے کے اندر لے جاتے ہیں آدھی رات کو سپاہی گھوڑے میں سے نکل کر حملہ کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں یہاں ہمارا ہیرو سکندر اعظم کی موت کی خبر سنتا ہے۔

اے حمید

فہرست

روم کے ڈاکو

سانپ سے ملاقات

بھید کھل گیا

ہیلن آف ٹرائے

شاہی دربار

سفید عقاب

ہیلن کا اغوا

سپارٹا پر حملہ

لکڑی کا گھوڑا

غدار کا انجام

روم کے ڈاکو

ویران محل کے کھنڈر میں سے عورت کی چیخ کی آواز پھر سنائی دی یہ آواز جس طرف سے آرہی تھی ادھر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس زیتون کے گھنے درختوں کا جھنڈ تھا عنبر بڑی احتیاط سے قدم بڑھاتا اس جھنڈ کی طرف بڑھ رہا تھا اس دفعہ چیخ کی آواز بڑی قریب سے آئی تھی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اردگرد پہاڑی ڈھلانوں پر اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے گیا تو اسے دو آدمیوں کے آپس میں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی عنبر دیوار کی اوٹ میں ہو کر ان کی باتیں سننے لگا ان کی باتوں سے عنبر نے اندازہ لگایا کہ وہ دونوں ڈاکو ہیں اور کسی امیر سوداگر کی بیٹی کو اٹھا کر لائے ہیں اور اب اس کے بدلے میں اس سوداگر سے بہت سا مال و دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے لڑکی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے کہیں قریب ہی چھپا دیا تھا ایک ڈاکو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو ہلاک کر دیا جائے کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کا باپ مال و دولت دینے کی بجائے رومن سپاہیوں کو اطلاع کر دے اور وہ انہیں گرفتار کر کے شیروں کے آگے ڈال دیں کیونکہ اس زمانے میں یہی دستور تھا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا دوسرے ڈاکو کا خیال تھا کہ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کی بدنامی کے ڈر سے ایسا نہیں کرے گا۔ وہ ضرور مال و دولت لے کر وہاں آئے گا اور اپنی بیٹی کو چھڑا کر لے جائے گا۔

تو پھر ہمیں آج ہی اس لڑکی کے باپ کے پاس جانا چاہیے۔

ہاں لڑکی کو اسی جگہ غار کے اندر چھپا دیتے ہیں اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے پتھر کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔

کمبخت شور بہت مچا رہی تھی۔

لیکن اب اس کی آواز بالکل نہیں نکلے گی۔

تو پھر چلو۔ غار کے منہ پر پتھر رکھ دو۔

عنبر نے دیوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے سنا کہ ڈاکو غار کے منہ پر پتھر چن رہے ہیں لڑکی کی چیخ کی آواز اب بالکل نہیں آ رہی تھی انہوں نے واقعی اسے غار کے اندر چھپا کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا پھر اس نے ڈاکوؤں کی دیوار کی طرف بڑھنے کی آواز سنی وہ فوراً ایک درخت کے سایے میں چھپ گیا دونوں ڈاکو اس کے قریب سے ہو کر گزر گئے ان کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں اور حلیہ بالکل ڈاکوؤں جیسا تھا۔

جب وہ کھنڈروں میں سے باہر نکل گئے تو عنبر غار کی طرف بڑھا غار کے منہ پر بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے دور سے دیکھنے پر کسی کو

شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں کوئی غار بھی ہے عنبر نے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا جب پتھر کافی ہٹ گئے تو وہاں ایک سرنگ سی نمودار ہوئی عنبر خاموشی کے ساتھ سرنگ کے اندر داخل ہو گیا اندر اندھیرا تھا عنبر نے آواز دی۔

اے لڑکی کیا تو اندر ہے؟ جواب دو میں ڈاکو نہیں ہوں۔ میں تمہیں یہاں سے بچانے آیا ہوں۔

اس آواز کے جواب میں عنبر کو لڑکی کی ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی کا منہ بند ہوتا ہے اور وہ بولنے کی کوشش کرتا ہے عنبر اس آواز کی طرف آگے بڑھا تھوڑے فاصلے پر اس نے اندھیرے میں ایک روی لڑکی کو پتھروں کے ساتھ رسی سے بندھے ہوئے دیکھا اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس ہوا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں بڑی مضبوطی سے پتھروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے عنبر نے اس وقت بات کرنے کی ضرورت

ہی محسوس نہ کی وہ جلدی سے آگے بڑھا اور سب سے پہلے ہاتھ پاؤں کھول دیے لڑکی اسے حیرانگی سے دیکھ رہی تھی کہ اس ناامیدی میں یہ نیکی کا فرشتہ کہاں سے آ گیا۔

جلدی سے میرے ساتھ باہر نکل چلو۔

عنبر اس لڑکی کو لے کر غار سے باہر نکل آیا وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس نے درختوں کے نیچے اپنا گھوڑا باندھا ہوا تھا اس دوران میں لڑکی سے اس نے کوئی بات نہ کی اس نے لڑکی کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا اس جنگل میں چل پڑا جس کو عبور کرنے کے بعد اس نے روم پہنچنا تھا جنگل میں پہنچ کر وہ راستے میں بھٹک گیا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

کیا تمہیں روم کی طرف جاتے ہوئے راستے کا علم ہے۔؟

لڑکی نے کہا۔

میں زندگی میں پہلی بار روم شہر سے باہر نکلی ہوں۔

میرا خیال ہے پھر ہمیں صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں ہم راستہ بھول کر کسی غلط جگہ جا نکلیں آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی عنبر نے قالین کا ٹکڑا بچھا کر لڑکی کے سونے کے لئے جگہ بنا دی اور خود گھاس پر لیٹ گیا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

کیا تمہیں اپنے مکان کا راستہ معلوم ہے؟

ہاں۔ روم شہر میں پہنچ کر میں اپنے گھر جا سکتی ہوں۔

عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ ڈاکوؤں کے جنگل میں کیسے پھنس گئی؟

لڑکی نے جواب دیا۔

میرا نام سائیکی ہے میرا باپ روم شہر میں اناج کا بہت بڑا سوداگر ہے ایک رات یہ ڈاکو ہمارے گھر گھس آئے اور میرے منہ میں کپڑا ٹھونس کر مجھے زبردستی اٹھا کر لے آئے اگر تم نیکی کا فرشتہ بن کر نہ میری مدد

کرتے تو خدا جانے یہ لوگ میرا کیا حشر کرتے۔

عنبر نے اسے بتایا کہ دونوں ڈاکو اس کے باپ کے گھر گئے ہیں تاکہ اس سے مال و دولت لے کر تمہیں اس کے حوالے کیا جائے۔ مگر ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ یہ دولت بھی حاصل کر کے تمہیں آزاد نہ کریں اور کسی دوسرے شہر لے جا کر غلام بنا کر بیچ ڈالیں۔

لڑکی نے کہا۔

مگر تم یہاں کس طرح پہنچ گئے۔؟

میں روم کی طرف جا رہا تھا کہ یہاں تھک کر آرام کرنے کے لئے رک گیا پھر مجھے تمہاری چیخ کی آوازیں سنائی دیں اور تمہارے پاس پہنچ گیا میں نے دونوں ڈاکوؤں کو آپس میں باتیں کرتے سنا اور اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ تمہیں ان ظالموں سے ضرور نجات دلاؤں گا۔

میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھلا سکوں گی تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام عنبر ہے۔ اور میں ملک یونان سے روم جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سائیکی سو گئی عنبر بھی سو گیا صبح اس کی آنکھ کھلی تو سائیکی ابھی تک سو رہی تھی دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی اس نے سائیکی کو جگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے ساتھ آگے چل پڑا۔

اس نے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر دور روم شہر کے مکان دیکھ لئے تھے اب وہ سیدھے راستے پر جا رہا تھا۔

دھوپ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھی کہ وہ دونوں روم شہر میں داخل ہو گئے عنبر روم شہر کی خوبصورتی شاہی محلات باغات اور پرانے قدیم محلے اور دیوی سائیکی اور دیوتا اپالو کے مندر دیکھ کر حیران ہو گیا۔ بازاروں میں بڑی رونق تھی امیر آدمیوں کے نوجوان لڑکے سنہرے بالوں پر سونے کے تاج رکھے ریشمی کپڑوں میں ملبوس اپنے

اپنے غلاموں کے ساتھ بڑے غرور کے ساتھ گردن اٹھائے سیر کرتے پھر رہے تھے کئی ایک نے تو اپنے ساتھ خونخوار چیتے کو چاندی کی سنگلی ڈال کر ساتھ رکھا تھا۔ داغدار زرد چیتا اپنی آنکھیں چوکس کیے ارد گرد جمع ہونے والی بھیڑ کو دیکھ رہا تھا اور کچھ گھبرا بھی رہا تھا۔

کھانے پینے کی دکانوں کے باہر سنگِ مرمر کے تخت بچھے ہوئے تھے جن پر بڑے بوڑھے رومن بیٹھے ان نوجوانوں کو حیرت سے دیکھ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو کیسا زمانہ آ گیا ہے کہ اب نئی عمر کے لونڈے بھی ریشمی لباس پہننے لگے ہیں اونچے اونچے مکانوں پر بیلیں چڑھی ہیں ہر چوک میں بہادر سپاہیوں، مشہور کھلاڑیوں، اور جرنیلوں کے سنگِ مرمر کے سفید مجسمے لگے ہوئے ہیں۔

عنبر نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ روم میں ہر دوسرا شخص خوش حال اور امیر ہے اسے صرف کسانوں کی حالت خراب نظر آئی کیونکہ

وہ غلام تھے اور سارا سارا دن محض روکھی سوکھی روٹی پر اپنے مالکوں کے لئے کھیتوں میں جانور بن کر کام کرتے تھے ابھی تک کسی نے ہل سے کام لینا نہیں سیکھا تھا غلام صبح سے شام تک پھاوڑوں سے کھیتوں میں کیاریاں بناتے اور فصل بو کر پانی دیتے اور پھر اسے کاٹ کر مالک کے تہہ خانے میں ڈھیر لگا دیتے۔

سائیکی نے اسے بتایا کہ اس کے والد کی حویلی شہر کے مغربی کنارے دریا کے کنارے واقع ہے۔ عنبر نے دریا کے کنارے پہنچ کر دیکھا کہ سائیکی کے والد کی حویلی ایک حسین مقام پر واقع تھی سائیکی عنبر کو ساتھ لے کر اپنے باپ کے پاس گئی اس کا باپ اپنی بیٹی کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

بیٹی سائیکی۔ یہ نوجوان کون ہے؟

سائیکی نے جواب میں باپ کو بتایا کہ اس نوجوان نے اسے ڈاکوؤں

کے پنجے سے آزاد کرایا ہے اس کا باپ ان دونوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا اور اس نے نوکروں کو وہاں سے باہر نکال دیا اور خنجر سے کہا۔

عجیب بات ہوئی ہے کہ ابھی ابھی ان ڈاکوؤں میں سے ایک مجھے مل کر گیا ہے اس نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں اسے ایک لاکھ روپے کے جواہرات دے دوں تو وہ میری بیٹی کو چھوڑ دے گا میں نے اس سے کل پھر آنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

خنجر نے کہا۔!

مجھے ان کی ساری سازش کا علم ہے وہ روپے کا مطالبہ کرنے آپ کی طرف آئے تھے کہ میں نے سائیکی کو آزاد کر کے اپنے ساتھ لیا اور یہاں آ پہنچ گیا۔

تو اب کیا خیال ہے ڈاکو کیا کریں گے؟ وہ ضرور سائیکی کی تلاش میں

میرے گھر دوبارہ آئیں گے۔

دراصل سائیکی کا باپ ایک شریف سوداگر تھا اور وہ ڈاکوؤں سے بہت ڈرتا تھا اس کا خیال تھا کہ ڈاکوؤں کو جب معلوم ہوگا کہ سائیکی فرار ہو کر واپس اپنے گھر پہنچ گئی ہے تو وہ ضرور اس کی تلاش میں اس کے گھر آئیں گے اور اسے دوبارہ اغوا کر کے لے جائیں گے عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آپ فکر نہ کریں۔ اگر آپ نے ڈاکوؤں سے اس طرح ڈرنا شروع کر دیا تو پھر وہ آپ کو ساری عمر چین سے نہ بیٹھنے دیں گے وہ آئے دن آپ سے روپے پیسے کا مطالبہ کرتے رہیں گے۔

سوداگر نے سہم کر پوچھا۔

مگر وہ تو سنگ دل ڈاکو ہیں وہ تو مجھے اور میری بیٹی کو قتل کر دیں گے ان سے پیچھا چھڑانا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

دنیا میں شریف آدمی کا کوئی بال تک بیکا نہیں کر سکتا شریف آدمیوں کے دم قدم سے ہی دنیا میں شرافت کا نام زندہ ہوتا ہے اگر آپ بھی ڈرنے لگے تو پھر شریف لوگوں کو کوئی نہیں پوچھے گا۔

لیکن.........لیکن میں کیا کروں؟ وہ لوگ تو آج رات نہیں کل ضرور آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

انہیں آنے دیں میں اتنی دیر یہاں آپ کے پاس رہوں گا۔

سائیکی نے بھی کہا۔

ہاں عنبر بھائی! آپ ضرور یہاں رہیں میرا باپ کمزور دل انسان ہے اگر ڈاکو آ گئے تو یہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

عنبر نے وہاں اس وقت تک ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا جب تک ڈاکو واپس

نہیں آتے وہ رات گزر گئی کوئی ڈاکو نہ آیا دوسرے روز عنبر تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا اور دو چار سراؤں میں گھوم پھر کر اس نے اپنے دوست ناگ چھنی کو تلاش کیا مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا دوپہر کے وقت عنبر سوداگر کی حویلی میں آ گیا اسے یقین تھا کہ اس رات ڈاکو ضرور وہاں پہنچ جائیں گے چنانچہ وہ رات اس نے جاگ کر گزارنے کا فیصلہ کر لیا اس نے سائیکی اور اس کے باپ کو پچھلے کمرے میں چھپا دیا اور خود باہر برآمدے میں تخت بچھا کر لیٹ گیا۔

آدھی رات گزر گئی، کوئی ڈاکو نہ آیا۔ عنبر نے اٹھ کر چاروں طرف گھوم پھر کر اطمینان کیا اور پھر تخت پر لیٹ گیا رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ لگ گئی اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اس کو نوکر جگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مالک اور اس کی بیٹی غائب ہیں عنبر نے حیرانی سے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

کہاں...........کیسے غائب ہو گئے؟

نوکر نے اسے بتایا کہ ڈاکوؤں نے عقبی دیوار کو توڑ کر انہیں کمرے کے اندر سے اغوا کر لیا ہے عنبر جلدی سے پچھلے کمرے میں گیا۔ دیوار آدھی ٹوٹی ہوئی تھی اور دونوں باپ بیٹی غائب تھے اس کے ساتھ ہی لاکھوں روپے کے ہیرے جواہرات بھی چوری کر لیے گئے تھے۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ ڈاکوؤں کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ دونوں باپ بیٹی پچھلے کمرے میں چھپے ہوئے ہیں ضرور کسی نے یہاں سے انہیں اطلاع دی ہوگی ورنہ وہ کبھی معلوم نہیں کر سکتے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ خود سوداگر کے گھر میں کوئی نوکر ڈاکوؤں سے ملا ہوا تھا عنبر نے ایک ایک نوکر کو بلا کر پوری طرح سے پوچھ گچھ کی مگر ہر کسی نے دیوتاؤں کی قسمیں کھا کھا کر کہا کہ وہ بے قصور ہے اور اس کا ڈاکوؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے عنبر بے بس ہو کر رہ گیا وہ بلا وجہ کسی نوکر کو پکڑ کر

رومی پولیس کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

آخر ایک کنیز نے آ کر عنبر کو بتایا کہ اسے ایک نوکر پر شک ہے عنبر نے پوچھا۔

وہ کون سا نوکر ہے؟

کنیز نے کہا۔

وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے بازار سے سودا سلف خریدنے گیا ہوا ہے۔ مجھے شک ہے کہ مالک اور اس کی بیٹی کو اغوا کرانے میں اس نے ڈاکوؤں کا ساتھ دیا ہے۔

جس وقت وہ نوکر بازار سے واپس آیا تو عنبر نے اسے الگ لے جا کر اچھی طرح سے پوچھ گچھ کی مگر اس نے پلو تہ پکڑا یا عنبر نے اس کے ساتھ سختی بھی کی مگر نوکر ایک ہی رٹ لگاتا تھا کہ اسے کچھ معلوم نہیں کہ مالک اور اس کی بیٹی کہاں ہے؟ اب عنبر عاجز آ گیا وہ اس نوکر کو ہلاک

تو کر نہیں سکتا تھا لاچار ہو کر اسے چھوڑ دیا اور خود ہی ڈاکوؤں کا سراغ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری طرف اسے اپنے دوست ٹاگ پھنی کی بھی تلاش تھی؟ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر حویلی سے نکلا اور شہر کی باقی ماندہ سراؤں کے چکر لگانے لگا وہ ایک سرائے سے نکل کر دوسری سرائے میں جاتا اور لوگوں کو باتیں کرتے کھانا کھاتے بڑے غور سے گھور گھور کر دیکھتا۔ وہ ایک موٹے سے آدمی کو گھورر ہا تھا کہ اس نے غصے میں کہا۔

کیوں میاں صاحبزادے میری طرف یوں گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟

معاف کرنا بڑے میاں۔ آپ کی شکل میرے مرے ہوئے چچا سے بڑی ملتی جلتی ہے۔

جہنم میں جائے تمہارا چچا اور تم.......... بھاگو یہاں سے نہیں تو

مکہ مار کر سر توڑ دوں گا۔

عنبر کھسیانی سی ہنسی ہنسا، وہاں سے نکل کر دوسری سرائے میں آ گیا۔ یہاں اس نے میز پر بیٹھے کھانا کھاتے ایک نوجوان کو دیکھا معلوم ہوا کہ وہ نوجوان کھانا کھاتے ہوئے اپنی پلکیں بالکل نہیں جھپک رہا تھا۔ عنبر بڑا خوش ہوا کہ آخر اس نے اپنے دوست ناگ پھنی کا سراغ لگا ہی لیا اسے سو فی صد یقین تھا کہ وہی نوجوان اس کا دوست سانپ ہے وہ اس کے قریب جا کر میز پر بیٹھ گیا اور ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

ناگ پھنی۔ میں نے تمہاری تلاش میں سارا روم چھان مارا ہے۔ دیوتا کا شکر ہے کہ آخر تم مجھے مل گئے۔

پہلے تو اس نوجوان نے کچھ نہ کہا۔ لیکن جب عنبر نے دوسری بار اس کی کہنی پکڑ کر کہا۔

ناگ پھنی۔ تم سانپ ہی ہو ناں؟

اس پر وہ نوجوان کہنی جھٹک کر بولا۔

کون ہو تم؟

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

یار مجھے نہیں پہچانا؟ میں عنبر ہوں تمہارا دوست تمہارا محسن اور تم ناگ پھنی ہو سانپ ہو۔

بکواس بند کرو جی۔ اگر پھر مجھے سانپ کہا تو میں حلق سے زبان کھینچ کر باہر پھینک دوں گا چلو بھاگو یہاں سے۔

اب عنبر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کیونکہ اس دوران میں اس نوجوان نے کئی بار آنکھیں جھپکیں تھیں ظاہر ہے کہ وہ سانپ نہیں تھا اور عنبر کو غلط فہمی ہوئی تھی عنبر نے معذرت کی اور وہاں سے اٹھ کر نو دو گیارہ ہو گیا وہ بڑا حیران تھا کہ آخر ناگ پھنی کہاں چلا گیا اس نے تو کہا تھا کہ وہ روم کی کسی نہ کسی سرائے میں ضرور مل جائے گا عنبر نے روم کی ایک

ایک سرائے چھان ماری تھی مگر ناک بھنی کا کہیں نام ونشان تک نہیں مل رہا تھا اب صرف ایک سرائے رہ گئی تھی جو دریا کے پار تھی اور جہاں بڑے بڑے امیر کبیر سوداگر آ کر اترا کرتے تھے۔

عنبر اس سرائے کی طرف چل پڑا۔

سانپ سے ملاقات

یہ ایک عالی شان سرائے تھی۔

ایک خوب صورت تالاب کے کنارے سرائے کے دروازے پر اپالو دیوتا کے سنگ مرمر کے بت بنے ہوئے تھے ایک بڑے کمرے میں زمین پر قالین بچھے ہوئے تھے اور سوداگر آرام کر رہے تھے یہ تمام

لوگ امیر تھے اور رنگ برنگ کے ریشمی لباس پہنچے ہوئے تھے عنبر کا لباس پرانا اور غریب آدمیوں جیسا تھا سرائے کے مالک نے اسے اندر آتا دیکھا تو اٹھ کر اس کے پاس آیا اور جھڑک کر بولا۔

کیوں میاں! یہاں کیا لینے آئے ہو۔ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے یہاں بھکاریوں کا کوئی کام نہیں۔

عنبر نے اسے بہتیرا کہا کہ وہ خود ایک تاجر ہے اور اپنے ایک سوداگر دوست کے بارے میں پتہ کرنے آیا ہے مگر سرائے کے مالک نے اسے دھکے دے کر سرائے سے باہر نکال دیا اور کہا۔

ارے بہت دیکھے ہیں تیرے ایسے بھیک مانگتے تاجر کیا یہاں چوری کرنے کا ارادہ ہے یاد رکھ اگر پھر ادھر کا رخ کیا تو سپاہیوں کے حوالے کر کے بھوکے شیروں کے سامنے ڈلوا دوں گا۔

عنبر نے سرائے والے سے جھگڑا مول لینا مناسب نہ سمجھا اور چپکے

سے سرائے سے باہر نکل گیا یہی شہر میں ایک سرائے باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ یہاں جانچ پڑتال کرنا بہت ضروری تھا عنبر نے فیصلہ کیا وہ سرائے کے باہر تالاب کنارے بیٹھ کر اندر آتے جاتے لوگوں کو غور سے دیکھے گا اور اپنے سانپ دوست کو پہچاننے کی کوشش کرے گا وہ تالاب کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سرائے سے نکلتے اور داخل ہوتے لوگوں کو دیکھنے لگا وہ شام تک وہاں بیٹھا رہا مگر اسے سانپ نہ مل سکا مجبوراً شام کو وہ واپس سوداگر کی حویلی میں آ گیا یہاں حویلی میں آ کر اسے سوداگر اور اس کی بے گناہ بیٹی سائیکی کی فکر کھانے لگی ان بے چاروں کو تلاش کرنا بھی بہت ضروری تھا کہ آخر وہ کس حال میں ہیں کہاں ہیں اور ڈاکو ان کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے عنبر سوداگر کی حویلی میں رہتا تھا اور اس پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اسے اور اس کی بیٹی کو ڈاکوؤں کے پنجے سے نجات

دلائے چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ صبح سویرے اٹھ کر وہ اس غار میں جائے گا جہاں وہ سائیکی کو پہلی بار ملا تھا۔

اگلے روز منہ اندھیرے اٹھ کر عنبر شہر سے کافی دور پرانے کھنڈروں کی طرف روانہ ہو گیا دوپہر کے بعد وہ ویران محل کے کھنڈر میں پہنچ گیا اسے معلوم تھا کہ ڈاکو اب وہاں نہیں ہوں گے پھر بھی وہ غار کے پاس آ گیا غار کا منہ کھلا تھا وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا اندر سوائے گرے پڑے پتھروں کے اور کچھ نہ تھا ڈاکو وہاں سے فرار ہو چکے تھے عنبر غار سے باہر نکل کر پتھروں پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ڈاکو کہاں ہوں گے۔

وہ اس شہر میں اجنبی تھا روم ایک بہت بڑا شہر تھا اور عنبر کو اس شہر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا اسے اتنی ضرور خبر تھی کہ اس شہر پر ایک ایسا رومی شہنشاہ حکومت کرتا ہے جو بڑا ظالم اور بے رحم ہے جو قیدیوں

کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیتا اور بہت خوش ہوتا ہے اور شور مچاتا ہے جس نے اپنی دو بیویوں کو محض اس جرم کی بنا پر شیروں کے آگے ڈال دیا تھا کہ انہوں نے ایک بار اس کی طرف مسکرا کر نہیں دیکھا تھا اس کا اس بڑے شہر میں جاننے والا بھی کوئی نہیں تھا وہ کسی سے سانپنی اور اس کے سوداگر باپ کے بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجبوراً عنبر واپس سوداگر کی حویلی میں آ گیا اور رات کو بستر پر لیٹ کر بھی سوچتا رہا کہ وہ پہلے سوداگر اور اس کی بیٹی کو تلاش کرے یا اپنے دوست سانپ کی تلاش میں گھر سے نکلے؟ اس کا خیال تھا کہ اگر سانپ پہلے مل جائے تو پھر ڈاکوؤں کو تلاش کرنے میں آسانی ہو سکتی تھی سانپ ان کی بو سونگھ کر ان کا پیچھا کر سکتا تھا۔ آخر اس نے اپنے دوست سانپ کو پہلے تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سو گیا جانے رات

کتنی گزر چکی تھی کہ عنبر کی ایک دم آنکھ کھل گئی اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے میں پوری طاقت سے خنجر گھونپ دیا ہے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

واقعی ایک لمبا چوڑا خنجر پورے کا پورا اس کے سینے میں دل کے اندر تک گھسا ہوا تھا اور ایک نقاب پوش دور کھڑا اس کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا عنبر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اجنبی قاتل کچھ حیران سا ہوا کہ عنبر کے سینے میں پورا خنجر گھسا ہوا ہے اور وہ درد سے تڑپنے کی بجائے مسکرا رہا ہے پھر اس کے سینے سے خون بھی نہیں بہہ رہا عنبر نے اس کی حیرانی کو اور زیادہ کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا کر اپنے سینے سے خنجر نکال کر اس آدمی کی طرف پھینک دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

قاتل نے زمین پر سے خنجر اٹھا کر اسے غور سے دیکھا خنجر پر خون کا

ایک قطرہ تک نہیں لگا ہوا تھا اس کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ عنبر بھی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا قاتل نے جھٹ پیچھے ہٹ کر کمان میں تیرا جوڑا اور کھٹاک سے پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے سینے پر چلا دیا تیر بھی آدھے سے زیادہ عنبر کے سینے میں داخل ہو گیا عنبر نے اسے بھی یوں پکڑ کر باہر کھینچ دیا جیسے وہ ربڑ کے اندر لگا ہو، نہ زخم ہوا نہ خون بہا قاتل نے دوسرا تیر جوڑ کر مارا۔ اس کو بھی عنبر نے پکڑ کر باہر نکال دیا اور بستر پر سے اٹھ کر نیچے اتر آیا اور قاتل کی طرف بڑھا قاتل کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ کھڑکی میں سے دوسری طرف کود گیا گھبراہٹ میں اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جس کھڑکی میں سے کود رہا ہے وہ تالاب پر نہیں بلکہ نوکیلی چٹانوں کے اوپر کھلتی ہے۔ چنانچہ نیچے جاتے ہی قاتل کا جسم نوکیلی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اس کی لاش کو گھر کے نوکروں اور

کنیزوں میں سے کوئی بھی نہ پہچان سکا کہ وہ کون تھا عنبر نے بھی اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً ان دو ڈاکوؤں میں سے ایک ہوگا جو عنبر سے سائیکی کے اغوا کا بدلہ لینے آیا ہوگا۔

اپنے رات والے فیصلے کے مطابق عنبر امیر سوداگروں کی سرائے میں اپنے دوست ناگ پھنی کو تلاش کرنے آ گیا پہلے روز کی طرح سرائے کے مالک نے اس دن بھی اسے اندر نہ گھسنے دیا اور عنبر باہر ہی بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا سارا دن وہ سرائے کے باہر بیٹھا رہا مگر اپنے دوست سانپ عرف ناگ پھنی کی اسے ایک جھلک بھی دکھائی نہ دی شام کو نا امید ہو کر عنبر گھر واپس آ گیا رات کے کھانے پر عنبر نے کنیز سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

بی بی تمہارا کیا خیال ہے وہ آدمی کون تھا جو مجھے جان سے مارنے آیا تھا مگر کھڑکی سے گر کر خود ہلاک ہو گیا؟

کنیز نے کہا۔

مالک میرا تو خیال ہے کہ یہ وہی ڈاکوؤں میں سے تھا وہ آپ سے بدلہ لینے آیا تھا۔

میرا بھی یہی خیال ہے مگر سوال یہ ہے کہ سوداگر اور اس کی بیٹی سائیکی کو ان لوگوں نے کہاں چھپا رکھا ہوگا۔؟

کنیز نے سرگوشی میں کہا۔

بڈھے غلام کو سب کچھ معلوم ہے وہ ضرور ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مگر وہ تو ایک بات بھی زبان سے نہیں نکالتا چاہے جتنا پوچھو جتنا مارو خاموش رہتا ہے۔ یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

مالک اسے مار کھانے کی عادت ہوگئی ہے وہ اس طرح کبھی بھی نہیں بکے گا۔

عنبر نے پوچھا۔

پھر اس سے ڈاکوؤں کو کس طرح سراغ لگایا جائے؟

کنیز بولی۔

ایک ہی طریقہ ہے کہ چھٹی کے دن جب یہ شہر کی سیر کو جائے تو اس کا پیچھا کیا جائے وہ ضرور ڈاکوؤں سے جا کر ملتا ہوگا اس نے ڈاکوؤں کے ساتھ بنا کر رکھی ہوئی ہے جب ہی تو بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہے۔

ٹھیک ہے میں اس کا تعاقب کروں گا تم کسی سے ذکر مت کرنا۔

میں کیوں ذکر کروں گی بھلا میں اپنے مالک کی نمک حرام نہیں ہوں میں تو اس کی وفادار ہوں دیوتا میرے مالک اور اس کی بیٹی کو اپنی حفاظت میں رکھیں۔ جانے بے چارے کہاں ہوں گے؟ کس حال میں ہوں گے؟

عنبر نے کنیز کو تسلی دی کہ وہ بالکل فکر نہ کرے اس کے مالک اور بیٹی سائیکی کو ہر حال میں تلاش کیا جائے گا۔

میں اس وقت تک کوئی اور کام نہیں کروں گا اور نہ اس شہر سے آگے سفر کروں گا جب تک تمہارے سوداگر مالک اور اس کی بیٹی سائیکی کا سراغ نہیں لگا لیتا۔

اب ذرا یہ دیکھتے ہیں کہ سانپ ناگ پھنی کس حال میں ہے اور کہاں ہے؟

ایران سے عنبر سے جدا ہو کر ڈگ پھنی سیدھا روم کی طرف روانہ ہوا تھا راستے میں جگہ جگہ پڑاؤ ڈالتا، آرام کرتا ناگ پھنی ایک انسان کی شکل میں روم کی طرف مسلسل سفر کر رہا تھا جب روم ایک دن کے سفر پر رہ گیا تو ناگ پھنی نے ایک چشمے کے کنارے رات گزارنے کا فیصلہ کیا اور زمین پر قالین بچھا کر لیٹ گیا اس کا گھوڑا اس کے پاس ہی بندھا

ہوا تھا اسے وہاں لیٹے ابھی ایک آدھ پل ہی ہوا تھا کہ گھوڑوں کے سموں کی چاپ نے اسے خبردار کر دیا وہ لیٹا رہا اس کا خیال تھا کہ مسافر ہوں گے اور اس کے قریب سے ہو کر گزر جائیں گے۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔

یہ وہی دو ڈاکو تھے جنہوں نے ساگیکی اور اس کے باپ کو قید کر رکھا تھا اور اب خنجر کو قتل کرنے کی فکر میں تھے ناگ پھنی اس صورت حال سے بے خبر تھا ڈاکو اس کے ارد گرد آ کر کھڑے ہو گئے ایک نے ناگ پھنی کو غور سے دیکھا اور کہا۔

کون ہو تم؟ اور تمہاری جیب میں سونا چاندی کتنا ہے۔؟

ناگ پھنی دل ہی دل میں مسکرا دیا، اس نے سوچا ذرا دل لگی ہی کر کے دیکھ لیں اس نے کہا۔

حضور! میں غریب ہوں اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے صرف

یہ گھوڑا ہی ہے ہاں اگر میرے ساتھ میرے گھر چلیں تو وہاں میرے پاس ہیرے جواہرات سب کچھ ہیں۔

ڈاکوؤں کی تو آنکھیں کھل گئیں دوسرے ڈاکو نے حکم دے کر کہا۔

چلو اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو۔ اور سنو۔ اگر تم نے راستے میں شور مچانے کی کوشش کی تو ہم تمہیں اسی وقت خنجر مار کر ہلاک کر دیں گے۔

ناگ پھنی نے جھوٹ موٹ گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔

حضور! میری بھلا اتنی جرات کہاں کہ آپ جیسے بہادر لوگوں کا مقابلہ کر سکوں میں آپ کو سیدھا اپنے گھر لے چلوں گا وہاں چل کر آپ جس قدر چاہے سونا چاندی لوٹ لیں۔

ناگ پھنی اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دونوں ڈاکوؤں کے آگے آگے چل پڑا۔ اب وہ راستے میں سوچنے لگا کہ ان لوگوں کو کس کے گھر لے کر چلے اس کا اپنا گھر تو کوئی بھی نہیں تھا پھر اس نے سوچا کہ کسی بھی

امیر آدمی کے گھر کے باہر انہیں کھڑا کر کے خود اندر جائے گا اور دوسری طرف سے باہر نکل جائے گا۔

وہ اپنی طرف سے دل لگی کر رہا تھا کیونکہ پہنچنا تو اسے ہر حال میں اسی شہر میں تھا جس شہر یعنی روم کی طرف وہ ڈاکو سفر کر رہے تھے سفر شروع ہو رہا تھا اگلی صبح کو وہ تینوں روم شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

ڈاکوؤں کو اس اجنبی نوجوان سے بڑا لالچ تھا انہوں نے اس وقت تک سائیکی اور اس کے باپ کو اغوا کر لیا ہوا تھا اور وہاں سے پیسے نہ ملنے کی وجہ سے انہیں سخت پریشانی تھی اور پیسوں کی اشد ضرورت بھی تھی؟ چنانچہ انہوں نے ناگ پھنی جیسی موٹی مرغی کو اپنی آنکھوں سے ادھر اُدھر نہ ہونے دیا روم شہر کے اندر داخل ہو کر انہوں نے ناگ پھنی سے کہا۔

کہاں ہے تمہارا گھر؟

حضور! بس تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔

چلتے چلتے ناگ پھنی کو سامنے ایک مکان نظر آیا اس نے اسی مکان کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہی میرا گھر ہے۔

حضور! آپ میرا گھوڑا لے کر یہاں ٹھہریں میں اندر جا کر ابھی سارا زیور اور ہیرے جواہرات لا کر دیے دیتا ہوں۔

ڈاکو نے کہا۔

اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو ہم رات کو آ کر تمہارے مکان کو آگ لگا کر تمہیں قتل کر دیں گے۔

ایسا ہرگز نہیں ہوگا حضور! ہرگز نہیں ہوگا۔ آپ ایک پل کے لئے یہاں ٹھہریں میں ابھی سارا مال لے کر آتا ہوں۔

ناگ پھنی نے گھوڑا ان ڈاکوؤں کے پاس ہی چھوڑا اور خود اس مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا اس کا خیال تھا کہ وہ ڈیوڑھی میں ہی

سانپ بن کر غائب ہو جائے گا لیکن اس نے اندر مکان میں سے کسی عورت کے سسکیاں بھرنے اور رونے کی آواز سنی وہ ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر مکان کے صحن میں آ گیا اس نے کان لگا کر سنا ایک عورت کمرے میں دیوتاؤں سے رو رو کر دعا مانگ رہی تھی۔

اے مقدس دیوتاؤ۔ میری مالکن اور مالک کو ڈاکوؤں کے پنجے سے چھڑا دو میں تمہارے مندر میں گھی کے چراغ جلاؤں گی میری مالکن تو بھولی بھالی معصوم لڑکی ہے۔

ناگ پھنی کو اس عورت پر ترس آ گیا کہ بے چاری کس مصیبت میں گرفتار ہو کر دیوتاؤں کے آگے رو رو کر دعائیں مانگ رہی ہے اس نے اس دکھی عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ناگ پھنی نے دروازے پر دستک دی عورت نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

کون ہو تم؟ اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟

یہ باتیں بعد میں کریں گے میں تمہاری مدد کرنے یہاں آ گیا ہوں یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہاری مالکن اور مالک کو کون لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں۔

یہ سائیکی کی کنیز کا گھر تھا جو دیوتاؤں کے آگے دعا مانگنے اپنے گھر آ گئی تھی اس نے ناگ پھنی کو سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ ڈاکو کئی روز سے اس کی مالکن سائیکی اور اس کے باپ کو اغوا کر کے جانے کہاں لے گئے ہیں۔ ناگ پھنی نے کہا۔

اس وقت میں خود دو عدد ڈاکوؤں کے پنجے میں پھنسا ہوا ہوں ذرا باہر گلی میں جھانک کر دیکھو یہ ڈاکو وہی تو نہیں ہیں؟

کنیز نے اس رات ڈاکوؤں کی ایک جھلک دیکھ لی تھی اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔

یہی وہ ڈاکو ہیں جنہوں نے میری مالکن اور مالک کو اغوا کیا ہے۔

ناگ پھنی نے کنیز کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بس اب فکر نہ کرو، مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہاری مالکن کا مکان کہاں ہے؟

کنیز نے دریا کنارے والی حویلی کا پورا پتہ بتا دیا ناگ پھنی کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس حویلی میں عنبر اس کا انتظار کر رہا ہوگا اس نے کنیز کو وہیں چھوڑا اور خود باہر آ کر ڈاکوؤں سے کہنے لگا۔

حضور! میری ماں سارا سونا اور جواہرات لے کر دوسرے مکان میں چلی گئی ہے آپ میرے ساتھ دوسرے مکان میں چلئے میں آپ کو وہاں سے سارا مال لا کر دوں گا۔

ڈاکو نے طیش میں آ کر کہا۔

کمینے بکواس کرتا ہے۔ چل ہمارے ساتھ جنگل میں ہم ابھی تجھ سے سارا مال برآمد کر لیتے ہیں۔

دونوں ڈاکو ناگ پھنی کو پکڑ کر شہر سے باہر ویران جگہ پر لے گئے اور اسے کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک تو ناگ پھنی خاموش رہا پھر اس نے سوچا کہ بھاڑ میں جائے ایسا مذاق اور دل لگی، یہ کمبخت تو مجھے مار کر ہی دم لیں گے فوراً پھنکار مار کر سیدھا ہو گیا اور ایک خونخوار شیر بن کر اس زور سے دھاڑا کہ دونوں ڈاکو ششدر ہو کر رہ گئے ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ ابھی ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا ہاتھ جوڑ رہا تھا اور ابھی وہ شیر بن گیا وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دیوانوں کی طرح ایک طرف کو بھاگے کچھ دور تک ناگ پھنی نے شیر بن کر ان کا تعاقب کیا پھر سانپ کے روپ میں ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ وہ اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں کا ٹھکانہ کس جگہ ہے اور انہوں نے کنیز کی مالکہ سائیکی اور اس کے باپ کو کہاں پر چھپا رکھا ہے ڈاکو ناگ پھنی کی نظروں سے

او جھل ہو گئے تھے وہ صرف ان کی بو سونگھ کر آگے بڑھ رہا تھا شہر سے کافی دور ویران چٹیل پہاڑوں میں ایک کھنڈر کے پاس جا کر سانپ رک گیا یہاں ان دونوں کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔ آخر اس نے ایک طرف پہاڑ میں سوراخ دیکھا اور اس سوراخ کے اندر داخل ہو گیا یہ سوراخ ایک بہت بڑے غار کا منہ تھا جسے ڈاکوؤں نے پتھروں سے بند کر دیا تھا اندر ایک سرنگ چلی گئی تھی ناگ پھنی دیوار پر رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا پھر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو ایک جگہ پتھروں پر بیٹھے اس واقعہ پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

ایسے لگتا ہے جیسے خواب دیکھا ہو............

ڈراؤنا خواب.........

بھید کھل گیا

وہ ایک ڈراؤنا خواب ہی تھا، جو ڈاکوؤں نے دیکھا تھا۔

اور اب وہ ایک اور ڈراؤنا خواب دیکھنے والے تھے سانپ دیوار کے ساتھ لگا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں نے سائیکی اور اس کے والد کو کس جگہ پر چھپا رکھا ہے۔ اتنے میں ایک ڈاکو نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں اس بڈھے کا کام تمام کر کے سائیکی کو دوسرے شہر میں لے جا کر فروخت کر دیتے ہیں خواہ مخواہ کا ایک بوجھ ہم نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔

جیسے تمہاری مرضی لیکن آج کا دن انتظار کر لو شاید وہ ہمیں بتا دے کہ

اس نے اپنا خزانہ کس جگہ چھپا رکھا ہے۔

ٹھیک ہے لیکن آج اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا کل تک وہ خزانے کا پتہ بتائے یا نہ بتائے ہم اسے ضرور ٹھکانے لگا دیں گے۔

ٹھیک ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اٹھ کر دیوار کے عقب میں جا کر سلاخدار دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گئے تھوڑی دیر بعد وہاں سے سائیکی کی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو اس معصوم لڑکی پر ظلم کر رہے ہیں تا کہ اس کا باپ بیٹی کو مار پڑتے دیکھ کر خزانے کا پتہ بتا دے سانپ سے سائیکی کی چیخیں برداشت نہ ہو سکیں وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا سلاخ دار دروازے کی اوٹ میں آ گیا اس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے دونوں باپ بیٹی کو زنجیروں کے ساتھ دیوار کے ساتھ باندھ رکھا تھا ایک ڈاکو ہنٹر سے بے چاری سائیکی کو بری

طرح پیٹ رہا تھا اور وہ رو رو کر رحم کی بھیک مانگ رہی تھی سائیکی کے جسم سے خون بہہ رہا تھا مگر ڈاکوؤں کو بالکل رحم نہیں آ رہا تھا۔ سانپ کو بے حد غصہ آ گیا اس نے اسی وقت ان دونوں سنگ دل انسانوں کا کام تمام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ پہلے کس کو ڈس کر ہلاک کرے سانپ نے دیکھا کہ ایک ڈاکو تو سائیکی کو مار رہا تھا اور دوسرا پتھر پر آرام سے بیٹھا بطخ کی بھنی ہوئی ٹانگ چبا رہا تھا سانپ نے دوسرے ڈاکو کو پہلے ڈسنے کے لئے چن لیا اور بہت سوچ سمجھ کر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا جب وہ دوسرے ڈاکو کے پیچھے آ کر آہستہ آہستہ پھن پھیلا کر کھڑا ہونے لگا تو سائیکی کے باپ نے اسے دیکھ لیا اور خوف کے مارے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

سانپ سانپ۔

اتنا سن کر ہنٹر مارنے والے ڈاکو نے پلٹ کر پیچھے دیکھا مگر اس دوران میں سانپ اپنا کام کر چکا تھا اس نے لپک کر دوسرے ڈاکو کو ڈس دیا اور اب غار کے اندر کہیں غائب ہو چکا تھا دوسرا ڈاکو ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا پہلے ڈاکو نے خنجر نکال کر سانپ کے کاٹے ہوئے زخم کو کریدنا شروع کر دیا لیکن ناگ پھنی کا زہر کوئی معمولی زہر نہیں تھا یہ ایک ایسے سانپ کا زہر تھا جو دو سو برس سے اس زمین پر زندہ تھا اس کا زہر تو پلک جھپکتے میں دوسرے ڈاکو کے خون میں شامل ہو کر اس کے سارے بدن میں پھر گیا تھا پہلا ڈاکو خنجر سے زخم کرید ہی رہا تھا کہ دوسرا ڈاکو بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا اور طیش میں آ کر سانپ کی اور اس کے باپ کی طرف مڑا اور ہنٹر سے ان دونوں کو بے تحاشا مارنے لگا۔

ذلیل انسانوں بصرف تمہاری وجہ سے میرا دوست مر گیا ہے۔

اب میں تم دونوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اپنی موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اور اس کے ساتھ ہی ڈاکو نے ہنٹر پھینک کر میان میں سے تلوار نکالی اور ہوا میں لہرا کر ان کی طرف بڑھا دی دوسری طرف سانپ بھی دوبارا حملہ کرنے کے لئے وہاں موجود تھا وہ تلوار کے پیچھے آ کر اپنا پھن پھیلا چکا تھا جوں ہی ڈاکو نے تلوار فضا میں بلند کی سائیکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور سانپ نے فوراً منہ آگے کر کے پہلے ڈاکو کو بھی پنڈلی پر ڈس لیا اور پھر پتھروں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

ڈاکو تو خوف زدہ ہو کر وہیں بیٹھ گیا تلوار اس کے ہاتھوں سے گر پڑی اور اس کا سارا بدن زہر کے اثر سے کانپنے لگا۔ سانپ دیوار کی اوٹ میں ہو گیا یہاں اس نے پھنکار ماری اور پھر سے انسان کے روپ میں آ گیا اور سامنے آ کر دم توڑتے ہوئے ڈاکو سے کہنے لگا۔

تم جیسے ظالم اور قاتل لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔

ڈاکو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

دیوتا کے لئے میری جان بچا لو میں زندہ رہنا چاہتا ہوں مجھ پر رحم کرو۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تم نے کسی انسان پر رحم کھایا ہوتا تو آج تم پر بھی کوئی رحم کھاتا تم نے ہمیشہ بے گناہ لوگوں پر ظلم کیا اب اپنے کیے کی سزا بھگتو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

ناگ پھنی کی آنکھوں کے سامنے پہلے ڈاکو نے بھی دم توڑ دیا زمین پر دونوں ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی تھیں ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر دونوں باپ بیٹی سائیکی اور اس کے باپ کی زنجیریں کھول دیں

سائیکی کے باپ نے کہا۔

نیک دل نوجوان۔ تو کون ہے اور تجھے کیسے پتہ چلا کہ ہم باپ بیٹی یہاں زندگی اور موت کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں۔

بس پتہ چل ہی گیا، میرے ساتھ چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔

تمہارا شکریہ ہم کس زبان سے ادا کریں؟ لیکن میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آ رہی کہ تم ڈاکوؤں کی خفیہ جگہ پر اکیلے پہنچ کیسے گئے؟ اور وہ سانپ کہاں سے آ گیا؟

ناگ پھنی نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

بڑے میاں۔ تم کو اتنی زیادہ فکر کیوں ہے کہ میں یہاں کیسے آیا بہر حال تمہیں ڈاکوؤں کے پنجے سے چھڑانے ہی آیا ہوں اور پھر اس قسم کے غاروں میں تو سانپ ہوا ہی کرتے ہیں۔

سانیکی نے کہا۔

مجھے حیرت ہے اس بات پر کہ سانپ نے ہمیں کچھ نہیں کہا دونوں مرتبہ اس نے ڈاکوؤں کو ہی آ کر ڈسا۔

تو کیا تم یہ چاہتی تھیں کہ سانپ ڈاکوؤں کی بجائے تم دونوں کو ہلاک کر دیتا اگر ایسا ہے تو سانپ شاید پھر آ جائے۔

سائیکی کے باپ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

دیوتا تمہیں سلامت رکھیں ایسا ہرگز نہ کرنا ہماری زندگی بچ گئی ہم تو تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکتے۔

سائیکی اور اس کا باپ ناگ پھنی کے ساتھ غار سے باہر آ گئے یہاں ڈاکوؤں کے دونوں گھوڑے درختوں کے نیچے بندھے ہوئے تھے وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور شہر میں اپنی حویلی کی طرف بڑھنے لگے حویلی میں کنیز نے ناگ پھنی کے ساتھ اپنے مالک اور اس کی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئی اب اس نے بتایا کہ کس طرح نوجوان

اس کی آہ وزاری سن کر ان کی مدد کو روانہ ہوا تھا۔ سائیکی نے اس کے باپ سے ناگ پھنی کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ اسے طلائی تخت پر بٹھایا غلاموں نے اس کے آگے کھانا چن دیا سائیکی کے والد نے عنبر کے بارے میں پوچھا۔

کنیز نے کہا۔

وہ اپنے کسی دوست کی تلاش میں نکلے ہیں آتے ہی ہوں گے ناگ پھنی کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں وہ شخص جس کے بارے میں سائیکی کا باپ پوچھ رہا ہے۔ عنبر........ اس کا محسن ہی نہ ہو اس نے پوچھا۔

آپ کس نوجوان کی بات کر رہے ہیں؟

سائیکی نے کہا۔

اس کے اندر بھی تمہاری طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ابھی آجائے گا تو تمہیں ملوائیں گے۔

ناگ پھنی خاموشی سے کھانا کھاتا رہا پھر وہ سائیکی کے باپ کے ساتھ مل کر قہوہ پینے لگا اتنے میں دروازے کا پردہ ایک طرف اٹھا اور عنبر اندر داخل ہوا اس نے ناگ پھنی کو بالکل نہ پہچانا کیونکہ وہ کسی اجنبی نوجوان کے روپ میں تھا مگر ناگ پھنی نے اسے اسی وقت پہچان لیا اور اٹھ کر آگے بڑھا۔

میرے محسن میرے وفادار دوست۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس کے سامنے ناگ پھنی انسان کی شکل میں کھڑا ہے وہ بھی ناگ پھنی سے بغلگیر ہو گیا اب گھر کے باقی لوگ بھی سمجھ گئے کہ دونوں بچھڑے ہوئے دوست تھے جنہیں تقدیر نے ان کے گھر میں ملا دیا عنبر نے سائیکی اور اس کے باپ کو مبارک باد دی کہ اس کے دوست کی وجہ سے وہ پھر اپنے گھر آ گئے ناگ پھنی نے سارا واقعہ عنبر کو سنا دیا لیکن اس نے سب کے سامنے یہ ظاہر نہ کیا کہ اس نے سانپ

بن کر ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا تھا بس یہی کہا۔

خوش قسمتی سے وہاں ایک سانپ آ گیا جس نے ڈاکوؤں کو ڈس لیا ورنہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا بڑا مشکل تھا۔

سائیکی کے باپ نے کہا۔

اگر عین وقت پر سانپ نہ آتا تو ڈاکو ہم دونوں باپ بیٹی کو قتل کر چکے ہوتے۔

عنبر مسکرانے لگا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ سانپ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا اس نے ناگ پھنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

شاباش میرے دوست تم نے ایک غم نصیب بوڑھے باپ اور اس کی بے گناہ بیٹی کی مدد کر کے انسانیت کا نام اونچا کر دیا ہے۔

میں تمہارے اس نیک کام سے بے حد خوش ہوا ہوں۔

ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

میرے دوست میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے میری جگہ آپ ہوتے تو بھی فرض ادا کرتے۔

یہ ساری گفتگو وہ مکار غلام بھی سن رہا تھا جو ڈاکوؤں سے ملا تھا اسے اپنے دوستوں کے ہلاک ہونے اور سائیکی اور اس کے باپ کے بچ نکلنے کا از حد صدمہ ہوا تھا اس نے اسی وقت دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نوجوان سے ضرور انتقام لے گا اب رات کا انتظار کرنے لگا اس کا ارادہ رات کو سوتے میں ناگ پھنی کو قتل کر دینے کا تھا کم بخت کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

رات گئے تک عنبر اور ناگ پھنی آپس میں باتیں کرتے رہے ناگ پھنی نے اسے بتایا کہ اس کو مصر میں ہی دیر ہو گئی ورنہ روم میں کب کا پہنچ گیا ہوتا عنبر نے اسے کہا کہ اس نے روم کی ایک ایک سرائے کی خاک چھان ماری پھر اس نے امیر سوداگروں کی سرائے کی پہنچے اور

بدتمیز مالک کا قصہ بھی سنایا کہ اس نے اس کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا سلوک کیا پھر ناگ پھنی نے کہا کہ کل اس کے پاس چل کر ذرا اس کی خبر لیں گے۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو گئے ناگ پھنی رات کو جب بھی انسان کی شکل میں سوتا تھا تو اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی تھیں چنانچہ اس رات بھی وہ گہری نیند سو گیا مگر اس کی دونوں آنکھیں کھلی تھیں ادھر مکار غلام اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا اس نے جب تسلی کر لی کہ ناگ پھنی سو گیا ہے تو وہ دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہو گیا قالین پر قدم قدم چلتا ہاتھ میں خنجر چھپائے وہ ناگ پھنی کے پلنگ کی طرف عقب سے بڑھنے لگا ناگ پھنی اگرچہ انسان کی شکل میں سو رہا تھا مگر آخر وہ سانپ تھا اس کی حس بڑی تیز تھی سوتے ہی اس کے نتھنوں میں کسی اجنبی انسان کے بدن کی

بو تیز داخل ہوئی اور اس کی نیند ٹوٹ گئی اس نے اندھیرے میں دیکھا کہ سائیکی کا غلام خنجر ہاتھ میں لئے بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھ رہا ہے وہ سمجھ گیا کہ یہ غلام ضرور ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہوگا اور اب اس سے ڈاکوؤں کی موت کو بدلہ لینا چاہتا ہے وہ چوکنا ہو گیا وہ یہ دیکھنے لگا کہ غلام کب اس کے قریب آتا ہے جب مکار حملہ آور ناگ پھنی کی اپنی زد میں آ گیا اور اس نے بستر پر لیٹے لیٹے زور سے پھنکار ماری اور سانپ کی شکل اختیار کر کے اپنا پھن اٹھا کر اس کے سامنے لہرانے لگا۔ غلام کے تو خوف کے مارے پسینے چھوٹ گئے اپنے سامنے ایک اچھے بھلے سوئے ہوئے انسان کو یک لخت سانپ بنتا دیکھ کر اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ پھنی نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ غلام نے ہاتھ جوڑ کر

معافی مانگ لی ہے اس لیے وہ اسے کچھ نہیں کہے گا مگر وہ اپنا پھن اسی طرح لہراتا رہا لیکن بدقسمت غلام نے یہ ایک چال چلی تھی وہ آہستہ سے کھسکتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا سانپ وہیں کھڑا اس کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھتا رہا غلام نے پیچھے ہٹ کر لپک کر دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار کھینچ لی اور ناگ پھنی پر حملہ کر دیا گر سانپ پہلو بدل کر دوسری طرف نہ ہٹ جاتا تو غلام کی تلوار نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔

اب غلام تلوار سے وار پر وار کر رہا تھا اور سانپ اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر پہلو بدل رہا تھا اب تو ناگ پھنی کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی اس نے سوچا اگر وہ سانپ کی جون میں ہی رہا تو غلام ضرور تلوار مار کر اسے شدید زخمی کر دے گا بہتر یہی ہے کہ کسی دوسرے جانور کی شکل اختیار کی جائے۔

کوئی ایسا جانور جسے اگر تلوار کا ایک آدھ ہاتھ لگ بھی جائے تو وہ زخمی نہ ہو اس لیے ناگ پھنی کے ذہن میں صرف ہاتھی کا خیال ہی آیا چنانچہ اس نے پیچھے ہٹ کر زور سے پھنکار ماری اور دوسرے لمحے غلام نے دیکھا کہ کمرے میں فرش سے لے کر چھت تک ایک بہت بڑا ہاتھی کھڑا جھول رہا ہے اور بار بار اس کی طرف اپنی سونڈ لہرا رہا تھا اب تو غلام بے حد گھبرا گیا اس کا خیال تھا کہ ناگ پھنی کوئی جادوگر ہے اور یہ سب کچھ جادو کے زور سے کر رہا ہے اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور ہاتھی کی سونڈ کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر اتنے بڑے ہاتھی کے آگے اس کی کچھ بھی پیش نہ گئی۔

ہاتھی نے آگے بڑھ کر اپنی سونڈ کا دو من وزنی مکہ غلام کی پسلیوں میں دے مارا اور اس کی کمر کے دو ٹکڑے ہو گئے مکار غلام مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا ناگ پھنی اسی وقت دوبارہ انسانی شکل میں آ گیا اور اس نے

حویلی میں شور مچا کر سب کو بلا لیا گھر کے سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے سائیکی کو معلوم ہوا کہ غلام اسے قتل کرنے آیا تھا تو بے حد حیران ہوئی کنیز نے کہا۔

مالکہ مجھے تو اس کمینے پر پہلے روز ہی سے شک تھا اسی نے ڈاکوؤں کو اس رات بتایا تھا کہ آپ کس کمرے میں سو رہی ہیں۔

عنبر نے کہا۔

مجھے خود اس پر شک تھا آخر ہمارا شک درست ثابت ہوا بہر حال دیوتاؤں کا شکر ہے کہ ہمارے دوست کی جان بچ گئی اور قتل کرنے کی نیت سے آنے والا خود ہی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ گیا۔

صبح کو سائیکی کے باپ نے اس خوشی میں اپنی حویلی یا چھوٹے سے محل میں دوستوں کی ایک شاندار دعوت کی جس میں ہر قسم کے پرندوں کا گوشت بھونا گیا دعوت میں عنبر نے ناگ پھنی کو ایک طرف لے جا کر

پوچھا۔

کم از کم مجھے تو بتا دو کہ تم نے حملہ آور کی کمر کے دو ٹکڑے کس ہتھیار سے کیے تھے۔؟

ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

کیا تم یقین کر لو گے میں ہاتھی بن کر اس کے سامنے آ گیا تھا مگر کم بخت ذرا نہیں ڈرا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے مجھے انسان سے سانپ کی شکل میں آتے دیکھا ذرا گھبرایا مگر پھر ہوشیار ہو کر تلوار چلانے لگا۔ اگر میں ہاتھی نہ بنتا تو وہ مجھے تلوار سے شدید زخمی کر دیتا۔

عنبر نے کہا۔

ہاتھی بن کر تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگا تھا؟

ناگ پھنی نے ہنس کر کہا۔

بس یوں لگا تھا جیسے میں سارے کمرے میں بھر گیا ہوں ابھی تک مجھے

اپنے کندھوں پر بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے غور سے دیکھو یار عنبر کہیں میں ابھی تک ہاتھی تو نہیں ہوں؟ کہیں میری ناک پر سونڈ تو نہیں نکل رہی؟

اور دونوں دوست دیر تک ہنستے مسکراتے رہے۔

ہیلن آف ٹرائے

روم میں ایک ظالم اور جابر بادشاہ کی حکومت تھی۔

عنبر نے فیصلہ کیا کہ اس شہر سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں چلنا چاہیے اس نے روم میں رہ کر ٹرائے کے شہر کی اور وہاں کی ملکہ ہیلن کی بڑی تعریف سنی تھی کہ وہ بڑی پڑھی لکھی اور عالم فاضل ملکہ ہے اور پڑھے لکھے تہذیب والے لوگوں کی بڑی قدر کرتی ہے اس کے شہر میں

قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے بھی نہیں ڈالا جاتا تھا عنبر نے اپنے فیصلے سے ناگ پھنی کو آگاہ کیا تو اس نے کہا۔

میرے دوست میں تمہارے ساتھ ہوں تم جس شہر میں جانا چاہو گے میں بھی اسی کی طرف رخ کروں گا۔

اسی روز انہوں نے سائیگی اور اس کے والد سے اجازت لی اور روم شہر سے رخصت ہونے کے لئے اس کے بازاروں میں نکل آئے۔

اچانک عنبر کو اس سرائے کے گنجے مالک کا خیال آ گیا جس نے عنبر کے ساتھ بد تمیزی کی تھی اور اسے محض اس لئے سرائے کے اندر داخل نہیں ہونے دیا تھا کہ عنبر کے پاس دولت نہیں تھی ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

چلو ذرا اس گنجے سرائے والے سے دو دو ہاتھ کرتے چلیں۔ اسے ایسا سبق سکھا دیں کہ پھر کسی غریب آدمی کا مذاق نہ اڑا سکے اور اس کے

ساتھ بدتمیزی سے پیش نہ آئے۔

دونوں دوست گنجے سرائے والے کے محلے میں آگئے عنبر نے کہا کہ وہ غریب بن کر تو وہاں نہیں جا سکتے کیونکہ سرائے کے مالک کا حکم ہے کہ اس کی سرائے میں غریبوں کی کوئی جگہ نہیں صرف امیر سوداگر ہی اس کی سرائے میں ٹھہر سکتے ہیں ناگ پھنی نے کہا۔

یہ کون سی مشکل بات ہے۔ ہم ابھی امیر سوداگر بن جاتے ہیں میں سانپ ہوں اور سانپوں کے پاس تو بڑے خزانے ہوتے ہیں بلکہ ہم تو خزانوں کی خبر گیری کرتے ہیں تم آنکھیں بند کرو۔

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اسے ایک پھنکار کی آواز سنائی دی۔

اب آنکھیں کھول کر دیکھو۔

عنبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دونوں دوست انتہائی قیمتی ریشمی کپڑوں میں ملبوس تھے ان کے ساتھ دو فالتو خچر تھے جن پر

ریشم اور کم خواب کے اعلیٰ ترین کپڑوں کے تھان لدے ہوئے تھے گویا وہ اس وقت امیر ترین سوداگروں کے بھیس میں تھے ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

کیوں دوست! یہ حلیہ ٹھیک رہے گا ناں؟ اب تو سرائے کا گنجا مالک ہمیں سرائے میں داخل ہونے سے نہیں روکے گا ناں؟

اب تو وہ جھک جھک کر ہمیں سلام کرتا نہیں تھکے گا۔

تو پھر آؤ...... چل کر تماشہ دیکھتے ہیں......

دونوں دوست بڑے امیر اسوداگروں کے بھیس میں سرائے کے باہر پہنچ گئے سرائے کے گنجے مالک نے جب دیکھا کہ دو زرق برق قیمتی لباس والے سوداگر تجارت کے سامان کے ساتھ اس کی سرائے میں آئے ہیں تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور لپک کر ان کی طرف آیا اور جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔

حضور تشریف لائیے! زہے قسمت! کہ آپ تشریف لائیے۔

گنجے نے سہارا دے کر عنبر اور ناگ پھنی کو گھوڑے پر سے اتارا اس نے ایک لمحے کے لئے گھور کر عنبر کو دیکھا اور سوچنے لگا کہ شاید اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے پھر اس نے سر کو جھٹک دیا وہ امیر سوداگروں کی خدمت کے نشے میں سرشار تھا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ وہ ان سے من مانی وصول کرے گا اور خوب دولت کمائے گا۔

حضور کے غسل کے لئے گرم پانی موجود ہے حضور کے کھانے کے لئے میرے پاس خرطوم کے کبوتر بھی ہیں اور یمن کے ہرن بھی حضور جو پسند کریں میں وہی پکواؤں۔

عنبر نے گردن اکڑا کر کہا۔

ہم یہاں دیوتاؤں کی ایک رسم ادا کرنے آئے ہیں ہم شہر کے ایک ہزار غریبوں کو اعلیٰ ترین کھانا پکوا کر کھلانا چاہتے ہیں۔ کیا اس کا

بندوبست ہو سکے گا؟

گنجے سرائے والے کی تو باچھیں کھل گئیں ہزار آدمیوں کے کھانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس میں سے کئی ہزار سونے کے سکے حاصل کر سکتا تھا اس نے جھک کر کہا۔

حضور میری سرائے میں اگر آپ چاہیں تو سارے روم شہر کی دعوت کا بندوبست کیا جا سکتا ہے آپ کی دعا سے میں تو خدمت ہی امیر لوگوں کی کرتا ہوں غریب آدمی کو تو میں سرائے کے اندر داخل ہی نہیں ہونے دیتا۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تو پھر ٹھیک ہے کل شام اسی سرائے کے باہر شامیانے لگ جانے چاہئیں۔ شہر میں اعلان کرا دو کہ جو کوئی بھی بھوکا ہو وہ یہاں پہنچ کر پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے.......... اور سنو۔ کھانے میں ہر قسم کے

پرندوں کا گوشت ہونا چاہیے یمن کے جتنے ہرن تمہارے پاس ہیں سب کو بھون ڈالو۔ دریائے فرات کے کنارے پر اگے ہوئے اعلیٰ ترین چاول کا پلاؤ پکانا۔ اگر کھانا خراب ہوا تو ہم ایک پائی بھی ادا نہیں کریں گے۔

گنجے نے گردن جھکا کر کہا۔

حضور کبھی ہو سکتا ہے کہ کھانا خراب پکے جس طرح آپ کا حکم ہوگا ویسے ہی ہوگا جناب عالی اگر آپ معزز اور امیر ترین سوداگر ہیں تو میں بھی خاندانی آدمی ہوں میری سرائے میں سے تو کبھی کبھی بادشاہ روم کے دربار میں بھی کھانا لگ کر جاتا ہے۔

بس ٹھیک ہے کھانے اور دعوت کا ابھی سے انتظام شروع کر دو اگر سونے کے کچھ سکوں کی ضرورت ہو تو ہم سے پیشگی لے سکتے ہو۔

کم بخت اگر اسی وقت کچھ سکے پیشگی لے لیتا تو اس کا نقصان اتنا

زیادہ نہ ہوتا مگر بدنصیب نے شیخی سے کام لے کر کہا۔

حضور! نور! اس کی کیا ضرورت ہے غلام کے پاس آپ کا دیا بہت کچھ ہے دیوتا اپالو کی قسم اگر آپ حکم کریں تو سارے روم کے لئے دعوت پکوا دوں۔

شاباش۔ ہمیں تم سے یہی امید تھی۔ تم بھی اسی لئے تمہاری سرائے میں آئے ہیں۔

آپ کی ذرہ نوازی ہے۔

سرائے کا گنجا مالک تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کے پاس جتنی دولت جتنا سونا تھا سب کا سب دے کر اس نے اعلیٰ ترین دعوت کا انتظام شروع کر دیا سینکڑوں ہرن، مرغ، مرغابیاں، کبوتر، تیتر، سیمرغ، خرگوش، اور خدا جانے کیا کیا خوشبوئیں اور مصالحے خرید لئے عنبر اور ناگ پھنی اسے پاگلوں کی طرح گھوم پھر کر دعوت کا انتظام

کرتے دیکھ دیکھ کر بے حد خوش ہو رہے تھے۔

دوسرے روز شام کو سرائے کے باہر شامیانے لگ گئے شہر کے جتنے غریب اور مسکین لوگ سارے کے سارے وہاں جمع ہو گئے۔

ہزاروں کے لیے کھانا پکایا گیا تھا عنبر اور ناگ پھنی نے خود اپنی نگرانی میں غریبوں میں کھانا تقسیم کرنا شروع کر دیا غریب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ اور دعائیں دے رہے تھے گنجے مالک کو یہ بات اگرچہ پسند نہیں تھی کہ اس کی سرائے کے باہر غریب لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو مگر عنبر اور ناگ پھنی سے اسے بے پناہ دولت ملنے والی تھی اس لیے وہ خاموش رہا۔

کھانا ختم ہو گیا غریب لوگ پیٹ بھر کر دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے عنبر اور ناگ پھنی اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سرائے کا مالک ہاتھ میں فہرست لے کر اندر داخل ہوا۔ اس نے جھک کر تین بار سلام

کیا اور بولا۔

حضور انور! اخراجات کی فہرست حاضر خدمت ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

ہاں۔ ہاں ضرور پیش کرو۔

ناگ پھنی نے اخراجات کی فہرست پڑھی تو حیران ہو گیا، کنجے نے ایک ایک چیز کے چھ چھ گنا زیادہ دام لگائے تھے یوں اس نے تیرہ لاکھ سونے کے سکوں کا بل بنا دیا تھا لیکن اس نے چہرے پر ایک شکن بھی نہ ڈالی کیونکہ اس نے کون سا وہ بل ادا کرنا تھا اس نے بل دیکھ کر کہا۔

کیا یہ مناسب ہے نا؟

کنجے مالک نے ادب سے موٹی گردن میں بل ڈال کر کہا۔

حضور۔ بالکل مناسب ہے میں نے ہر شے کی بڑی ہی جائز قیمت

لگائی ہے۔

ناگ پھنی نے عنبر کو بل دکھایا عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پھر گنجے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

اس وقت ہم تھکے ہوئے ہیں صبح اٹھ کر ساری رقم ادا کر دی جائے گی

..........اور ہاں تمہیں انعام بھی دیا جائے گا تمہارا کھانا بڑا

مزے دار تھا اور دعوت کا انتظام بھی بڑا اچھا تھا۔

سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا۔

حضور کی عنایت ہے حضور کی عنایت ہے یہ آپ کا غلام صبح کو حاضر ہو گا

شب بخیر۔

شب بخیر۔

جب سرائے کا مالک چلا گیا تو دونوں دوست خوب ہنسے کیونکہ انہیں

معلوم تھا کہ صبح کو وہ اس سرائے میں نہیں ہوں گے عنبر نے کہا کہ خچروں پر لدے ہوئے ریشم اور کم خواب کے تھانوں کو بھی اپنے ساتھ ہی غائب کرنا ہوگا ناگ پھنی نے کہا کہ ہر ایک شے اس طرح غائب کر دی جائے گی کہ سرائے کا مالک ساری زندگی بھی ڈھونڈتا رہے گا تو اسے ہمارا نشان تک نہ مل سکے گا۔ اس کے بعد دونوں سو گئے صبح اٹھ کر ناگ پھنی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خچر کو ریشمی کپڑوں کے تھان سمیت غائب کر دیا اس کے بعد اس نے نوکر بھیج کر سرائے کے مالک کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ ان کے لئے گھوڑوں کا بندوبست کرے۔

سرائے کے گنجے مالک کو تو رقم کے ساتھ ساتھ انعام ملنے کی بھی پوری امید تھی چنانچہ وہ خوشی خوشی باہر گیا اور اس نے گھوڑوں کا بندوبست کر دیا۔

حضور! خالص عربی گھوڑے آپ کے لئے لایا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

ہمیں تم سے یہی امید تھی اب ایسا کرو کہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی گھوڑوں کے ساتھ کر دو۔

سرکار! اس کا انتظام میں نے پہلے ہی کر دیا ہے ہرن کی نہایت لذیذ بھنی ہوئی دو ٹانگیں تھیلوں میں بند کر کے گھوڑوں کے ساتھ لٹکا دی ہیں تاکہ حضور کو راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

ناگ پھنی نے کہا۔

یہ بتاؤ کہ یہاں سے ٹرائے کتنی دور ہے؟

سرائے کے مالک نے کہا۔

سرکار! ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے؟

عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے............ اچھا اب ہم جا رہے ہیں۔

گنجا مالک ذرا پریشان ہو کر بولا۔

لیکن حضور! میری دعوت کی رقم کہاں ہے؟

ارے ہاں! ناگ پھنی نے کہا وہ تو ہم بھول ہی گئے تھے گنجے مالک نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر کہا۔

کوئی بات نہیں حضور! ایسا ہو جایا کرتا ہے آپ امیر لوگ اکثر پیسوں کے بارے میں بے نیاز ہوتے ہیں۔

ناگ پھنی نے کہا۔

یہ لو اپنی رقم۔

ناگ پھنی نے اتنا کہہ کر ایک پھنکار ماری اور سیاہ کالا سانپ بن گیا اور پھن پھیلا کر سرائے کے مالک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی زبان بار بار نکالنے اور جھولنے لگا۔ گنجے کا تو خون خشک ہو گیا وہ خوف کے مارے سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہو گیا عنبر نے کہا۔

لالچی انسان اب لیتا کیوں نہیں اپنی رقم؟ تو غریب آدمی کو اپنی سرائے میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا اب ایک امیر سوداگر سے اپنی رقم وصول کیوں نہیں کرتا؟

سانپ نے ایک پھنکار ماری اور سرائے کے گنجے مالک کی گردن کے گرد لپٹ گیا یہ صدمہ اس قدر خوفناک تھا کہ سرائے کا گنجا مالک اسے برداشت نہ کر سکا اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر گیا ناگ پھنی فوراً انسان کے روپ میں آ گیا اور اس نے عنبر سے کہا کیا خیال ہے اب چلنا چاہیے اس لالچی شخص کو اپنے لالچ کی سزا کافی مل چکی ہے۔

ٹھیک ہے اس کے لیے اتنی سزا ہی کافی ہے۔

ناگ پھنی نے کہا

تم کہو تو میں اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتا ہوں۔

نہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اب یہاں سے نکل

چلنا چاہیے۔

دونوں دوست سرائے کے باہر نکل آئے یہاں دیوڈر کے ساتھ ایک نوکر گھوڑے لیے کھڑا تھا اس نے جھک کر دونوں دوستوں کو سلام کیا اور سرائے کے مالک کے حکم کے مطابق دونوں گھوڑے ان کے حوالے کر دیے عنبر اور ناگ چھنی گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر ٹرائے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ملکہ ہیلن رہتی تھی۔

پورا ایک دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد دونوں دوست ٹرائے کے شہر میں داخل ہو گئے یہ چھوٹا سا خوبصورت شہر ایک مضبوط قلعے کے اندر بنا ہوا تھا قلعے کے دروازے پر رومن سپاہی پہرہ دے رہے تھے عنبر اور ناگ چھنی جب دروازے پر پہنچے تو سپاہیوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا۔

تم کون ہو، اور ٹرائے میں کیا کرنے جا رہے ہو؟

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور اس شہر کی سیر کرنے اور یہاں سے جڑی بوٹیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئے ہیں۔

اس وقت ٹرائے اور دوسرے شہر سپارٹا کی آپس میں بڑی دشمنی چل رہی تھی یہی وجہ تھی کہ سپاہی سختی کرتے تھے انہیں بادشاہ ٹرائے کی طرف سے حکم تھا کہ کسی بھی ایسے آدمی کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے جس کے بارے میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو مگر عنبر نے سپاہیوں کے ساتھ کچھ ایسے دوستانہ طریقے سے باتیں کیں کہ انہوں نے خوش ہو کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

تم لوگ شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔

عنبر ناگ پھنی کو لے کر خوشی خوشی شہر کے اندر داخل ہو گیا اس شہر کی آبادی اگرچہ کم تھی لیکن وہاں انہیں ہر دوسرا شہری فوجی لباس میں نظر

آیا سپارٹا والوں کے خلاف اس شہر کی ریاست بڑی زبردست جنگی تیاریاں کر رہی تھی حالاں کہ یہ بات سپارٹا والوں کے بارے میں مشہور تھی کہ وہ سب کے سب سپاہی ہیں اور بڑے بہادر لڑاکا سپاہی ہیں تاریخ بھی اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ سپارٹا شہر کے لوگ بڑے جنگجو تھے اور میدان جنگ میں بے جگری کے ساتھ لڑتے تھے اس وقت کی تمام شہری ریاستیں سپارٹا سے خوف کھاتی تھی۔

شاید اسی لیے ٹرائے کے لوگ بڑی زبردست جنگی تیاریاں کر رہے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا ایک بڑے بہادر دشمن سے مقابلہ ہے عنبر اپنے دوست کے ساتھ گھوڑے پر سوار شہر کی سیر کرتا کرتا ایک جگہ درختوں کے پاس بہنے والے چشمے کے کنارے آ کر رک گیا ان کا خیال تھا کہ یہاں کچھ دیر آرام کیا جائے اور سوچا جائے کہ رات کہاں بسر کرنی ہے اور بادشاہ کے دربار تک رسائی کیسے حاصل ہو؟

شاہی دربار

چشمے پر تازہ دم ہونے کے بعد عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

اب سوچنا یہ ہے کہ اس اجنبی شہر میں رات کہاں بسر کی جائے؟

ناگ پھنی نے کہا۔

سوائے کسی سرائے کے ہم کہیں بھی رات بسر نہیں کر سکتے؟

چنانچہ وہ سرائے کی تلاش میں چل پڑے اس زمانے میں سرائیں بہت ہوا کرتی تھیں انہیں بھی ایک غریبانہ سرائے میں جگہ مل گئی اس سرائے کی مالکن بڑی نیک دل روشن عورت تھی اس نے دونوں

دوستوں سے کہا کہ جب تک ان کو شہر میں کوئی ٹھکانہ نہ ملے وہ بے شک اس کی سرائے میں رہیں عنبر نے ناگ پھنی سے مشورہ کیا کہ ٹرائے کے دربار تک کیوں کر پہنچا جائے کیونکہ عنبر کا اصل مقصد یہی تھا کہ ٹرائے کے شاہی دربار میں پہنچ کر شہزادی ہیلن سے ملا جائے کیونکہ کہ اس نے ہیلن کی خوب صورتی اور اس کی عقلمندی کے بڑے چرچے سنے تھے ٹرائے کے لوگ بھی اپنی شہزادی سے بہت پیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جیسی عقلمند عورت کہیں بھی نہیں ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میرے دوست ٹرائے کے بادشاہ کے دربار میں پہنچنے اور وہاں ایک باعزت مقام حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے محل میں پہنچ کر اسے ڈستا ہوں میں بادشاہ کے خون میں صرف اتنا زہر داخل کروں گا جس سے وہ بیمار ہو جائے گا مرے گا

نہیں اس زہر کا کوئی علاج نہ کر سکے گا۔ پھر تم وہاں پہنچ کر علاج کرنا تمہارے علاج سے بادشاہ تندرست ہو جائے گا اور تمہیں بادشاہ کی ہمدردی حاصل ہو جائے گی۔

تجویز تو بڑی اچھی ہے دوست۔ مگر تم شاہی محل تک پہنچو گے کیسے؟ کیا راستے میں تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر دے گا؟

اسی روز ناگ پھنی گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے سے نکل گیا۔

ٹرائے کے شاہی محل کا راستہ معلوم کرتا ہوا وہ محل کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ محل کی دیوار کافی اونچی تھی اور کسی قلعے کی مانند تھی۔ زیتون اور انجیر کے درختوں کے نیچے گھوڑا باندھ کر اس نے غور سے دیوار کو دیکھا اوپر پہرہ دینے کے لئے برج بنے ہوئے تھے جہاں رومن سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ پھنی سوچنے لگا کہ اگر اس نے وہیں سے سانپ بن کر دیوار رینگ کو پار کرنے کی کوشش کی تو راستے میں اس کے

مارے جانے کا بہت خطرہ تھا کیونکہ جنگی حالات کی وجہ سے شاہی محل کی فصیل پر جگہ جگہ پہرہ لگا تھا اور فوجی پھر رہے تھے۔

پھر کیا کیا جائے؟

وہ انجیر کے درختوں کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگا اچانک ایک ترکیب اس کے دماغ میں آئی کیوں نہ وہ شاہی عقاب کی شکل میں محل میں اڑتا ہوا جائے سپاہی اسے ضرور پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیں گے کیونکہ اس علاقے میں سفید عقاب بہت ہی کم پایا جاتا ہے اپنی یہ تجویز اسے بہت پسند آئی چنانچہ ایک بار زور سے پھنکار مارنے کے بعد ناگ پھنی جیتے جاگتے انسان سے ایک دم سفید عقاب میں تبدیل ہو گیا گھوڑا اسے دیکھ کر زور زور سے ہنہنانے لگا ناگ پھنی نے ایک اڑان لگائی اور درختوں کے اوپر ایک چکر کاٹ کر شاہی محل کی فصیل سے ہوتا ہوا محل کے خاص برج پر آ کر بیٹھ گیا سپاہیوں نے سفید عقاب

کو برج پر بیٹھے دیکھا تو اسے پکڑنے کے لئے بھاگے۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر سفید عقاب کو کمبل ڈال کر پکڑ لیا وہ تو خود پکڑا جانا چاہتا تھا سپاہی عقاب کو لے کر برج کے کپتان کے پاس لے آئے کپتان سفید عقاب کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا کیونکہ اس قسم کا عقاب خوش نصیبی کی نشانی تھا اور ادھر کبھی کبھی ہی دیکھنے میں آتا تھا۔

اس نے کہا۔

شاباش۔ میرے بہادر سپاہیوں تم نے ایک بڑا قیمتی عقاب پکڑا ہے۔ میں آج ہی اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے انعام حاصل کروں گا بادشاہ سفید عقاب کو پا کر بہت خوش ہوگا۔

کپتان نے عقاب کو ایک سنہری پنجرے میں بند کیا اور سیدھا بادشاہ کے خاص محل کی طرف آگیا ٹرائے کا سفید بالوں والا ادھیڑ عمر بادشاہ اس وقت اپنے وزیر سے باتیں کر رہا تھا وزیر کا خیال تھا کہ انہیں سپارٹا

شہر پر ایک دم اور چپ چاپ سے حملہ کر دینا چاہیے جب کہ بادشاہ کا خیال تھا کہ ایسا کرنے میں شکست کا خطرہ ہے ابھی ان کو شہر کی دیوار کے اندر رہ کر خوب جنگی تیاری کرنی چاہیے۔

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ محل کے حفاظتی دستے کا کپتان سنہری پنجرے میں بند کیے ہوئے سفید عقاب کو لے کر اندر داخل ہوا اس نے گردن جھکا کر اور دایاں بازو بائیں بازو پر رکھ کر سلام کیا اور کہا۔

سرکار عالی! یہ غلام آپ کے لیے ایک سفید عقاب پکڑ کر لا رہا ہے جو خوش بختی اور فتح و نصرت کی نشانی ہے۔

اور کپتان نے سنہری پنجرہ چاندی کی تپائی پر رکھ دیا بادشاہ بڑا خوش ہوا اور بڑے غور سے سفید عقاب کو دیکھنے لگا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک بڑا قیمتی اور شان دار سفید عقاب تھا اس قسم کا عقاب بادشاہ نے ایرانی سفیر کے باغ میں دیکھا تھا بادشاہ نے کہا۔

شاباش! سیلوکس! ہم تم سے بہت خوش ہیں تم نے ہمیں واقعی ایک قیمتی تحفہ لا کر دیا ہے ہمیں خود ایسے عقاب کی ضرورت تھی۔

کپتان نے کہا۔

حضور عالی! سفید عقاب کا آنا ویسے بھی ایک نیک شگون ہے۔

کیوں نہیں! اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دیوتاؤں کی ساری طاقتیں میرے ساتھ ہیں اور وہ دن دور نہیں جب سپارٹا کا شہر ہمارے قدموں پر گرا ہوا ہوگا۔

بادشاہ نے کپتان کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا اور وزیر سے کہنے لگا۔

تمہارا کیا خیال ہے اس عقاب کے بارے میں کیا اس کا اچانک ہمارے محل میں آ جانا ہماری خوش بختی اور خوش نصیبی کی دلیل نہیں؟

وزیر نے جیسے کڑوا گھونٹ نگل کر کہا۔

جی ہاں۔ جی ہاں۔ ضرور، ضرور۔

اصل حقیقت یہ تھی کہ وزیر ایک منافق اور سازشی آدمی تھا اوپر سے وہ ٹرائے کے بادشاہ کا ہمدرد تھا لیکن اندر سے وہ سپارٹا والوں۔ یعنی بادشاہ کے دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ ٹرائے پر حملہ ہو اور یہ ریاست سپارٹا والوں کے قبضے میں چلی جائے کیونکہ ٹرائے میں اس کے پاس بہت تھوڑی زمین اور جائیداد تھی اس کے خلاف سپارٹا میں وہاں کے بادشاہ نے اسے بے شمار زمینیں اور ایک شاہی محل دینے کا وعدہ کر رکھا تھا شرط صرف اتنی تھی کہ وہ ٹروے کی فوج کے سارے راز اس کے حوالے کر دے اور فتح دلانے میں سپارٹا والوں کی ہر طرح سے مدد کرے سپارٹا کے بادشاہ پیرس نے اسے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کسی طرح ٹرائے کے بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کر دینے میں کامیاب ہو گیا تو اسے سپارٹا کی آدھی سلطنت دے دی جائے گی

وزیر انہی چکروں میں تھا۔

لیکن ٹرائے کے بادشاہ کو کسی قسم کی کوئی خبر نہیں تھی اسے اپنے وزیر پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ کوئی بھی قدم اس کی مرضی اور مشورے کے بغیر نہیں اٹھاتا تھا اس نے سفید عقاب کے بارے میں وزیر سے مشورہ کیا تو وہ بولا۔

بادشاہ سلامت سفید عقاب آپ کی خوش بختی کی علامت ہے دیوتا آپ پر مہربان ہیں اگر اس وقت ہم سپارٹا والوں پر حملہ کر دیں تو فتح ہمارے قدم چومے گی۔

بادشاہ نے کہا۔

یہ میں سوچ کر فیصلہ کرنا چاہتا ہوں وزیر صاحب اس سلسلے میں میری خواہش ہے کہ میں اپنی عقل مند بیٹی ہیلن کی رائے بھی لے لوں۔

وزیر کو معلوم تھا کہ ہیلن ایک انتہائی دانش مند اور دور اندیش عورت

ہے اگر بادشاہ نے اس سے مشورہ لیا تو وہ اسے کسی اپنے شہر کی فصیل سے نکل کر دوسرے شہر والوں پر حملہ کرنے کا مشورہ نہیں دے گی اس نے کہا۔

بادشاہ سلامت آپ خود انتہائی سمجھ دار اور عقلمند ہیں آپ کا فیصلہ دانش مندی اور عقل کا فیصلہ ہوگا۔

وزیر کسی نہ کسی طرح بادشاہ کا پھنسا دینا چاہتا تھا لیکن بادشاہ نے کہا۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں کوئی بھی کام اپنی بیٹی ہیلن کی رائے لیے بغیر نہیں کرتا اور سپارٹا پر حملہ تو ایک بہت بڑا فیصلہ ہے اس پر عمل کرنے کے لیے مجھے کئی بار ہیلن سے مشورہ لینا ہوگا اور خود بھی سوچنا ہوگا۔

وزیر خاموش ہوگیا بادشاہ سفید عقاب کو بڑی محبت سے دیکھنے لگا اور وزیر نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ کو جنگ میں الجھانے کے لیے کوئی دوسری ترکیب سوچے گا سپارٹا کے بادشاہ پیرس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ

وزیر کی سازش سے ٹرائے کے بادشاہ کو مجبور کر دے کہ وہ اپنے شہر سے نکل کر سپارٹا کے قلعے پر حملہ کرے اور جوں ہی اسے اطلاع ملے وہ دوسری طرف سے ٹرائے پر حملہ کر کے اس کے اندر داخل ہو کر اسے فتح کر لے اسے وزیر کے خاص جاسوس کا انتظار تھا کیونکہ وزیر کا خیال تھا کہ وہ اسی خوشگوار موسم میں ٹرائے کے بادشاہ کی فوج کو قلعے میں باہر لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بادشاہ نے عقاب کو اپنے خاص محل میں لا کر رکھ دیا ہیلن نے سفید عقاب کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئی اس نے باپ سے کہا۔

ابا جان اس قدر خوبصورت عقاب آپ کو کہاں سے مل گیا ہے

بادشاہ نے اسے بتایا کہ محل کا شاہی کپتان اسے پکڑ کر لایا ہے اور یہ عقاب ہمارے محل کے اوپر چکر لگا رہا تھا جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ دیوتا ہمارے ساتھ بے حد خوش ہیں اور اگر ہماری سپارٹا والوں

سے جنگ ہوئی تو ہماری فتح یقینی ہو گی ہیلن جو کہ انتہائی خوبصورت شہزادی ہونے کے علاوہ ایک ذہین اور عقل مند بھی تھی کہنے لگی۔

فتح تو ہمیں اپنے سپاہیوں کی بہادری سے ہی ملے گی بہرحال یہ سفید عقاب مجھے بہت پسند آیا ہے۔

بیٹی یہ تم لے سکتی ہو۔

شکریہ ابا جان! آپ کے پاس رہے یا میرے پاس رہے ایک ہی بات ہے۔

اس کے بعد وزیر کے بارے میں بادشاہ نے اپنی بیٹی ہیلن سے بات کی تو وہ پریشان ہو گئی اس نے کہا۔

وزیر صاحب اتنے کیوں بے تاب ہیں کہ ہم خود سپارٹا کے شہر پر حملہ کریں ہمیں تو چاہیے کہ ہم اپنے قلعے کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں۔

بادشاہ نے کہا۔

بہر حال وہ ہمارا وزیر ہے یہ اس کی رائے ہے رائے غلط بھی ہو سکتی ہے ہمیں اس کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

ہیلن نے کہا:

مجھے تو کبھی کبھی اس کی نیت پر شک ہونے لگتا ہے۔

نہیں، نہیں بیٹی! ایسی بات نہیں ہے وزیر خاص ہمارا وفادار ہے وہ کبھی کوئی ایسی رائے ہمیں نہیں دے سکتا جو ہمارے حق میں نہ جاتی ہو۔

ہیلن نے اس کا کوئی جواب نہ دیا وہ سنہری پنجرے میں سفید عقاب کو دیکھنے لگی جو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مسلسل ہیلن کو گھور رہا تھا۔

ہیلن کو سفید عقاب کی آنکھوں میں ایک ایسی کشش نظر آئی جو اس سے پہلے اس نے کبھی کسی عقاب کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی اس نے کہا۔

ابا جان! یہ عقاب مجھے کوئی عجیب سا عقاب لگتا ہے اس کی آنکھوں میں جیسی چمک اور سرخی ہے وہ میں نے اس سے پہلے کسی پرندے میں نہیں دیکھی۔

بادشاہ نے بھول پن سے کہا۔

ہیلن بیٹی یہ ایک خاص قسم کا عقاب ہے یہ تو آج کل کسی جنگل میں بھی نہیں ملتا کوہ قاف کے اونچے اونچے پہاڑوں میں اپنا ٹھکانہ بناتا ہے اور کبھی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے نہیں اترتا۔

شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔

ہیلن نے آخری نگاہ عقاب پر ڈالی اور واپس اپنے کمرے میں چلی گئی جہاں سوڈان اور مصر کی کنیزیں اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں کہ شہزادی تشریف لائے اور وہ اس کے سونے ایسے سنہری بالوں میں پھول اور کلیاں گوندھیں۔

اسی رات وزیر خاص نے ایک سوداگر کا بھیس بدلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے پچھلے پہر ٹرائے کے شہر سے نکل کر سپارٹا ریاست کی طرف روانہ ہو گیا وہ خود جا کر سپارٹا کے بادشاہ پیرس کو تمام حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد وزیر سپارٹا شہر کی فصیل کے نیچے پہنچ گیا۔

قلعے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سپاہیوں کو خاص مہر کی نشانی دکھائی جس کو دیکھتے ہی اس پر فوراً قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا وزیر گھوڑے پر سوار وہاں سے سیدھا پیرس کے محل میں پہنچا اس نے غلام کے ہاتھ اندر اطلاع پہنچائی کہ وزیر ٹرائے اس سے ملنے آیا ہے پیرس خود چل کر باہر آیا اور اس سے بغل گیر ہو کر اندر لے گیا پیرس نے محل کے سارے پردے گرا دیے اور خاص رازداری کے انداز میں وزیر سے تازہ ترین حالات پر گفتگو شروع کر دی وزیر نے اسے بتایا کہ

ٹرائے کا بادشاہ کسی صورت میں بھی اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہے پیرس نے کہا۔

پھر کیا کیا جائے؟ ہماری فتح اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ ہمارے قلعے پر حملہ کرنے کے لیئے نکلے اور ہم عقب سے ہو کر اس کے خالی قلعے پر قبضہ کر لیں اور پھر راستے میں دونوں طرف سے حملہ کر کے اس کی فوج کو تتر بتر کر دیں۔

میرا منصوبہ بھی یہی تھا مگر بادشاہ راضی نہیں ہو رہا اس کے علاوہ وہ ہر بات میں اپنی بیٹی ہیلن سے مشورہ ضرور کرتا ہے ہیلن نے بھی اسے یہی مشورہ دیا ہے کہ اپنے قلعے کو ہرگز نہ چھوڑا جائے بلکہ قلعے میں بند ہو کر سپارٹا کی فوج کو مجبور کیا جائے کہ وہ محاصرہ کرے اور پھر قلعے کے اوپر سے اس پر سنگ باری اور تیروں کی بارش کر کے اسے ختم کر دیا جائے۔

پیرس نے غصے میں کہا۔

وہ بدبخت عورت اپنے ذلیل مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

اچانک وزیر کے مکار ذہن نے ایک ترکیب سوچی اور چمکیلی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

کیوں نہ ہم کسی طرح سے شہزادی ہیلن کو اغوا کر کے اپنے قلعے میں لے آئیں پھر بادشاہ مجبور ہو جائے گا ہمارے شہر پر حملہ کرے۔

سپارٹا کے بادشاہ نے یہ تجویز سنی تو وزیر کی دانش مندی اور مکاری پر دنگ رہ گیا۔

تم نے تو ہمارے ہاتھ میں ٹرائے شہر کی کنجی دے دی ہے۔

سفید عقاب

وزیر کی سازش بڑی خطرناک تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے واقعی سپارنا کے بادشاہ کے ہاتھ میں ٹرائے شہر کی چابی دے دی تھی ہیلن شہزادی کا اغوا ایک ایسا خطرناک منصوبہ تھا کہ وہ ٹرائے کے ضدی بادشاہ کو اپنی ساری فوج سمیت قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر سکتا تھا وزیر نے سپارٹا کے بادشاہ کے ساتھ منصوبے کی ساری تفصیل طے کر لی کہ ہیلن کو کس طرح اغوا کیا جائے گا اس غدار کے خطرناک کام سے فارغ ہو کر وزیر سوداگر کے بھیس میں واپس اپنے شہر ٹرائے آ گیا سفید عقاب کو اس بارے میں کچھ علم نہ تھا ادھر کارواں سرائے میں بیٹھا عنبر اس خبر کا انتظار کر رہا

تھا کہ بادشاہ سخت بیمار ہے اور کسی بھی حکیم کی دوائی سے اسے فائدہ نہیں ہو رہا۔

سفید عقاب کے کام دکھانے کا وقت آ گیا تھا بادشاہ نے شروع ہی سے عقاب کے پنجرے کو اپنے خاص سونے کے کمرے میں رکھا تھا ایک رات جب کہ محل میں چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

بادشاہ گہری نیند سو رہا تھا سفید عقاب نے سانپ کا روپ دھارا اور چپکے سے پنجرے میں سے رینگ کر سنگ مرمر کے ستون پر سے ہوتا ہوا فرش پر آ گیا فرش پر بیش قیمت ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔

سانپ رینگتا ہوا بادشاہ کی مسہری کی طرف آ گیا پاؤں کی جانب آ کر اس نے پھن پھیلا کر گردن اونچی کرنی شروع کر دی اس نے دیکھا بادشاہ سو رہا تھا اس کا ایک پاؤں ریشمی چادر سے باہر جھانک رہا تھا سانپ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا اس نے گردن جھکا کر اپنا پھیلا

ہوا پھن آگے کیا اور بادشاہ کے پیر پر تھوڑا سا ڈس دیا سانپ نے اپنا پورا زہر بادشاہ کے بدن میں داخل نہ کیا۔

بادشاہ کو سوتے میں یوں لگا جیسے کسی مچھر نے پاؤں پر کاٹ لیا ہو اس نے نیند میں ہی ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کو کھجایا اور پہلو بدل کر سو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد مارے گھبراہٹ کے اٹھ کر بیٹھ گیا اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اس نے پانی پیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن دیکھتے دیکھتے سارا بدن تیز بخار میں پھنکنے لگا فوراً اس نے آواز دی اور سارے غلام، خدام، کنیزیں، اور بیگمیں جمع ہو گئیں شہزادی ہیلن بھی اپنے باپ کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی اور اس کا سر دبانے لگی۔

سارا دن شاہی محل کے حکیم بادشاہ کا علاج کرتے رہے مگر نہ تو بخار کا زور کم ہوا اور نہ ہی بادشاہ کی گھبراہٹ اور پیاس کی شدت میں کمی آئی وقت کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی بیماری زور پکڑتی چلی گئی۔

سارے شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بادشاہ دیوتاؤں کی پراسرار بیماری میں مبتلا ہوگیا ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے بادشاہ نے خیرات دینی شروع کر دی اپالو کے مندر میں بکروں اور مینڈھوں کی قربانی بھی دی گئی مگر بیماری کم نہ ہوئی کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بادشاہ کو بیماری کیا ہے وہ روز بروز کمزور ہورہا تھا اور ہر وقت تیز بخار چڑھا رہتا تھا۔

جب یہ اطلاع عنبر تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اس کے دوست ناگ پھنی نے اپنا کام دکھا دیا تھا اور عنبر کے لئے دربار تک جانے کا راستہ ہموار کر دیا تھا اس نے صبح کو اٹھ کر نئے کپڑے پہنے اور شاہی محل کی طرف روانہ ہوگیا محل کے دروازے پر اسے روک دیا گیا اس نے بتایا کہ وہ تبت کا مشہور سنیاسی حکیم ہے اور بادشاہ کا علاج کرنے آیا ہے۔

اپنے بادشاہ کی بیماری سے شاہی محل کے سبھی لوگ بہت پریشان تھے۔

اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح اچھا ہو جائے کیونکہ اس کی بیماری سے سب لوگوں کی زندگی الٹ پلٹ ہو کر رہ گئی تھی پہریداروں نے عنبر کو چوکی پر ہی بٹھایا اور اندر بادشاہ کی بیٹی ہیلن کو خبر کر دی ہیلن کو جب معلوم ہوا کہ کوئی تبت کا سنیاسی اس کے بیمار باپ کا علاج کرنا چاہتا ہے تو اس نے عنبر کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ عنبر نے ہیلن کے کمرے میں آ کر پہلی بار شہزادی کو دیکھا۔

شہزادی نے پوچھا۔

اے نوجوان تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

عنبر نے کہا۔

شہزادی صاحبہ، میں ملک مصر میں پیدا ہوا چھوٹا سا تھا کہ باپ وفات پا گیا چچا کے ساتھ ملک تبت چلا گیا میرا چچا حکیم تھا اور جڑی بوٹیوں سے بیماریوں کا علاج کرتا تھا میں نے بھی بڑے ہو کر یہی کام شروع

کر دیا کچھ روز ہوئے اس شہر میں سیر کی غرض سے آیا ہوں خیال تھا کہ یہاں کے میدانوں میں جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی کروں گا۔

کارواں سرائے میں بادشاہ سلامت کی انوکھی بیماری کا حال سنا تو دل میں افسوس ہوا اور خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی علاج کر کے دیکھ لوں۔

شہزادی ہیلن نے پوچھا۔

کیا تم میرے والد پر اپنی دوائی آزمانا چاہتے ہو۔ تمہارے پاس اس بیماری کا کوئی آخری علاج بھی ہے؟

عنبر نے محسوس کیا کہ شہزادی واقعی بڑی عقل مند اور ذہین عورت ہے۔

اب اس کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ بات صاف صاف بیان کر دے

چنانچہ اس نے کہا۔

شہزادی صاحبہ! میرے پاس بادشاہ سلامت کی بیماری کا علاج موجود ہے

شہزادی ہیلن نے ذرا تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا کیونکہ وہ اسے کم عمر نظر آ رہا تھا اس نے آج تک حکیم بوڑھے بوڑھے لوگ دیکھے تھے اس کے سامنے یہ ایک پہلا حکیم کھڑا تھا جو نوجوان تھا اس نے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

عنبر آخاتون۔

کیا تمہارا تعلق مصر کے کسی پرانے خاندان سے ہے؟

عنبر چونک پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ آخاتون کے لفظ سے شہزادی کو شک ہوا ہے کیونکہ یہ نام اس کے لکڑ دادا کے بھی لکڑ دادا فرعون کا نام تھا عنبر اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا جانے کیوں اس کے منہ سے یہ نام نکل گیا تھا اس نے جلدی سے کہا۔

نہیں نہیں ایسا تو نہیں ہے میرا خاندان تو غریب مزدور لوگوں کا خاندان ہے۔

شہزادی ہیلن عنبر کو تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی عنبر کے چہرے پر اور اس کی باتوں سے اسے کسی شاہی خاندان کے خون کی بو آ رہی تھی لیکن اس نے یہ خیال اپنے دل میں ہی رہنے دیا اور اس سے پوچھا۔

تم کس دوا سے میرے بابا کا علاج کرو گے۔

وہ ایک نئے حکیم کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کر لینا چاہتی تھی کیونکہ یہ بادشاہ کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا عنبر نے کہا۔

میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں؟

کیوں نہیں بتا سکتے؟ ایسی کون سی وہ انوکھی دوا ہے جس کا کوئی نام ہی نہیں یا جس کے بارے میں تم زبان سے ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے

عنبر نے کہا۔

اے شہزادی اس دوائی کا کوئی ایک نام نہیں ہے وہ میں نے کئی ایک جڑی بوٹیوں کو ملا کر پیس کر جوش دے کر اس کا عرق نکال کر تیار کی

ہے۔

کیا تم مجھے وہ دوائی دکھا سکتے ہو؟

ضرور دکھا سکتا ہوں۔

اور عنبر نے تھیلے میں سے سبز رنگ کی ایک بوتل نکال کر ہیلن کو پکڑا دی جس میں سرخ رنگ کا عرق تھا شہزادی بڑے غور سے عرق کو دیکھتی رہی پھر اس نے ڈھکن اٹھا کر عرق کو سونگھا۔

اس میں سے تو کستوری کی مہک آ رہی ہے؟

ہاں شہزادی صاحبہ، اس عرق میں ہم تھوڑی مقدار میں کستوری بھی ڈال کر ملاتے ہیں۔

ٹھیک ہے تم میرے ساتھ بادشاہ سلامت کے کمرے میں آؤ۔

شہزادی ہیلن عنبر کو لے کر بادشاہ ٹرائے کی خواب گاہ میں آ گئی بادشاہ نیم بے ہوشی کے عالم میں لمبے لمبے سانس لے رہا تھا تیز بخار میں اس

کا بدن تپ رہا تھا بیگمات اور کنیزیں ہاتھ باندھے اداس کھڑی تھیں انہوں نے ہیلن کو اندر آتے دیکھا تو ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئیں عنبر نے بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی جس چیز کو سب سے پہلے دیکھا وہ سفید عقاب تھا جو سنہری پنجرے میں ستون کے ساتھ لٹک رہا تھا عنبر کو اس میں اپنے دوست کی بو آئی سفید عقاب بھی عنبر کو دیکھ کر اپنے پنجرے میں سیٹی بجانے لگا اس بات کو شہزادی ہیلن نے بھی محسوس کیا کہ اس سے پہلے عقاب نے کبھی اس طرح چہک کر سیٹی نہیں بجائی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس کا دوست نگ بھنی عقاب کے روپ میں اس کمرے میں موجود ہے وہ بادشاہ کے پاس بیٹھ کر اس کی نبض دیکھنے لگا بادشاہ کی نبض تیز تیز چل رہی تھی عنبر نے سونے کا کٹورا منگوا کر اسے بارہ مرتبہ پاک پانی میں صاف کرایا اور پھر اس میں بوتل میں سے

سرخ عرق کے چند قطرے نکال کر ٹپکائے اس میں پھر دو گھونٹ بھر پانی ملایا اور شہزادی سے کہا۔

بادشاہ سلامت کی بڑی خوش بختی ہے کہ اس کمرے میں تبت کا خاص سفید عقاب موجود ہے میری دوائی کا ایک خاص جزو یہ سفید عقاب بھی تھا اگر یہ عقاب نہ ہوتا تو بادشاہ سلامت کی بیماری ایک ہفتے میں دور ہوتی لیکن چونکہ خوش قسمتی سے عقاب یہاں موجود ہے اس لئے اب بادشاہ سلامت ابھی دوائی حلق کے اندر جاتے ہی اچھے ہو جائیں گے۔

شہزادی نے پوچھا۔

سفید عقاب اس میں کیا کرے گا؟

عنبر نے کہا۔

آپ دیکھتی رہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔؟

یہ کہہ کر عنبر نے دوائی کا کٹورا ہاتھوں میں اٹھایا اور سفید عقاب کے پنجرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اس نے عقاب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اسے یقین ہو گیا کہ.......... عقاب اپنی آنکھیں بالکل نہیں جھپک رہا تھا وہ عنبر کو دیکھ کر پنجرے میں خوشی سے ادھر اُدھر پھرنے لگا عنبر کو یقین ہو گیا کہ عقاب اصل میں اس کا دوست ناگ پھنی ہی ہے اب اس نے دوائی کا پیالہ اس کے پنجرے کے ساتھ لگا دیا خواب گاہ میں سب لوگ حیرانی سے تک رہے تھے کہ یہ شخص کیا جادو کرنے والا ہے۔

دوائی کے کٹورے کا پنجرے کے ساتھ لگنا تھا کہ عقاب نے جالیوں میں سے اپنی چونچ باہر نکال کر کٹورے کی دوائی میں ڈبو دی اور پھر اوپر اٹھا لی عنبر نے شہزادی ہیلن کی طرف دیکھا اور کہا۔

بس سفید عقاب سے یہی کام لینا تھا اب سمجھ لیجئے کہ بادشاہ سلامت کی

بیماری دور ہو گئی۔

عنبر نے بادشاہ کے حلق میں دوائی ٹپکانی شروع کر دی دوائی ٹپکانے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد بادشاہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کی طرف دیکھا شہزادی ہیلن نے باپ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

طبیعت کیسی ہے ابا جان۔؟

بادشاہ کے چہرے پر اتنے دنوں بعد پہلی بار مسکراہٹ آئی اس نے کہا۔

اب ٹھیک ہوں۔

اور پھر بڑے سکون سے آنکھیں بند کر لیں دوسرے روز بادشاہ کا بخار ختم ہو چکا تھا اور وہ بستر پر ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا رہا تھا اس نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ دوا نے اسے آرام پہنچایا اور انوکھی بیماری دور کر دی

شہزادی ہیلن نے کہا۔

بابا جان! یہ نوجوان حکیم تبت میں رہا ہے مگر اس کی پیدائش مصر میں ہوئی تھی۔ اس کی دوائی میں آپ کے سفید عقاب کا بھی ہاتھ ہے اس نے اس دوا میں اپنی چونچ ڈبوئی تھی۔

کیا سچ مچ ایسا ہوا تھا؟ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! اس دوائی کے لئے سفید عقاب کی چونچ کا ڈبویا جانا بہت ضروری تھا۔

پھر تو ہم اپنے پیارے سفید عقاب کے بھی شکر گزار ہیں۔

عنبر نے دل میں سوچا کہ اس غریب بادشاہ کو کیا خبر کہ سفید عقاب کہ وجہ سے تو وہ بیمار ہوا تھا سفید عقاب بھی پنجرے میں بڑا خوش تھا اور بار بار سیٹی بجا رہا تھا شہزادی ہیلن نے کہا۔

عقاب بھی بہت خوش ہے۔

عنبر نے کہا۔

وہ بادشاہ سلامت کی صحت پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

ہیلن نے کہا۔

لیکن وہ تو اس وقت سے سیٹی بجا رہا ہے جب سے تم اس کمرے میں داخل ہوئے ہو۔

عنبر ٹھٹھک سا گیا ہیلن بڑی ذہین شہزادی تھی وہ کس خاص بات کو سمجھنے کی بار بار کوشش کر رہی تھی وہ بار بار اسی ایک بات کو کرید رہی تھی لیکن وہ اپنی ذہانت اور عقل مندی کے باوجود عنبر کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی اس لئے کہ عنبر نے صرف دنیا ہی نہیں دیکھی تھی بلکہ تاریخ کے کئی دور دیکھے تھے ہیلن کا ابھی اس دنیا میں کہیں وجود بھی نہیں تھا جب وہ نمرود کی چھوٹی خدائی بابل کے ظلم و ستم اور مصر کے سنگ دل فرعونوں کی

سازشوں کا مقابلہ کر رہا تھا ٹرائے کے شہر کی شہزادی ہیلن اسے شکست نہیں دے سکتی تھی وہ اسے نہیں پہچان سکتی تھی۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

پرندے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔

ایک ہفتے کے اندر اندر بادشاہ بھلا چنگا ہو گیا عنبر کو بادشاہ نے اپنا خاص طبی مشیر مقرر کر لیا اب بادشاہ کی تندرستی کی دیکھ بھال عنبر کے سپرد تھی

اس دوران میں عنبر نے سرائے میں اپنی کوٹھڑی نہ چھوڑی سرائے کی نیک دل مالکہ کے سلوک سے بہت خوش ہوا تھا اس نے مالکہ کو بہت سی اشرفیاں لا کر دیں اور اسے بتایا کہ اس کو کاروبار میں بڑا فائدہ ہوا ہے بادشاہ سلامت نے عنبر کو مجبور کیا کہ وہ سرائے سے اٹھ کر شاہی محل کی کونے والی بارہ دری میں آ جائے عنبر نے دو روز بعد آنے کا وعدہ کر لیا۔

اس دوران میں سفید عقاب سے عنبر کی کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی شاید اس لیئے بھی کہ عنبر رات کو شاہی محل کی بجائے سرائے میں آجاتا تھا۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ عقاب آدھی رات کو پنجرے میں سے نکل کر سانپ کے روپ میں اس سے ملاقات کرنے آتا عنبر نے سرائے کی مالکہ کو آکر بتایا کہ کل وہ وہاں سے جا رہا ہے نیک دل مالکہ نے کہا۔

کیا تمہیں اس سے کوئی اچھی جگہ مل گئی ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

نہیں بلکہ میں اس شہر سے باہر جا رہا ہوں پھر جب کبھی آیا تو تمہاری سرائے میں ہی آکر اتروں گا۔

سرائے کی مالکہ نے کہا۔

یہ سرائے تمہاری ہے اسے ہمیشہ اپنا گھر ہی سمجھنا مجھے تم اپنے بچوں کی طرح عزیز تھے تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔

سرائے میں عنبر کا وہ آخری دن تھا کہ شام کے وقت ایک اجنبی سوداگر سرائے میں اترا وہ ایک اونچا لمبا اور چوڑا بدن کا آدمی تھا اور اس نے سر پر عربوں کی طرح کپڑا لپیٹ رکھا تھا اس کے چہرے کی خاص چیز ایک زخم کا نشان تھا جو اس کی گال پر آنکھوں سے لے کر تھوڑی تک چلا گیا تھا شاید اسے کسی لڑائی میں تلوار لگی تھی اجنبی سوداگر نے اپنا نام یورنیس بتایا اور ظاہر کیا کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں سرائے میں آیا ہے وہ عنبر کے پاس بیٹھ کر اس سے گھوڑوں وغیرہ کی باتیں کرنے لگا عنبر نے محسوس کیا کہ اسے گھوڑوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ آدھی رات کو عنبر کی اچانک آنکھ کھل گئی اس نے گلی میں گھوڑے کے دوڑنے کی آواز سنی وہ اٹھ کر نیچے آیا تو سرائے کی مالکہ بھی وہیں کھڑی تھی اس نے عنبر کو بتایا کہ یورنیس نام کا سوداگر گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا گیا ہے۔

ہیلن کا اغوا

یورنیس کو سپارٹا کے بادشاہ نے ہیلن آف ٹرائے کو اغوا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

آدھی رات کو وہ سوداگر کے بھیس میں سرائے سے نکلا اور شہر سے باہر پہاڑی کے پاس ان کھنڈروں میں پہنچا جہاں اس کے چاروں ساتھی چھپے ہوئے تھے یورنیس نے انہیں ہر طرح سے تیار رہنے کے لیے کہا اور خود شاہی محل میں وزیر خاص نے اس کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔

ہیلن کو اغوا کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر وزیر نے بھی بڑی

زبردست تیاری کر رکھی تھی وہ شاہی محل کے چور دروازے سے نکل کر فصیل کے نیچے یورنیس کا انتظار کر رہا تھا رات آدھی گزر چکی تھی اور آسمان پر ستارے ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کر رہے تھے اچانک اسے دور سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

وزیر نے چوکنا ہو کر ادھر اُدھر دیکھا ایک گھوڑ سوار ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ قریب آ کر وزیر کے پاس گھوڑے سے اتر گیا دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا یورنیس نے گھوڑے کو فصیل کے باہر ہی ایک پرانے درخت کے ساتھ باندھ دیا اور وزیر کے ساتھ چور دروازے سے شاہی محل میں داخل ہو گیا وزیر اسے مختلف اندھیری غلام گردشوں اور تاریک برآمدوں میں سے گزارتا ہوا اپنے خاص کمرے میں لے گیا اس نے تمام دروازے بند کر دیے اور چھوٹی سی شمع روشن کر دی یورنیس نے وزیر سے پوچھا کہ

کیا سارے معاملات ٹھیک ہیں؟ وزیر نے اسے بتایا کہ شہزادی ہیلن کو بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اغوا کرنا ہوگا یورنیس نے کہا کہ اس کے چاروں سپاہی اور ساتھی تھوڑی دور پہاڑی کے دامن میں تیار بیٹھے ہیں وزیر نے یورنیس کو بتایا کہ وہ اسے شہزادی ہیلن کے خاص کمرے یعنی خواب گاہ میں لے جائے گا جہاں اس نے ایک خفیہ دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے اس دروازے سے اندر داخل ہو کر یورنیس شہزادی کے پلنگ کے بالکل پاس پہنچ جائے گا۔ یہاں اس کا کام صرف اتنا ہوگا کہ شہزادی کے منہ پر بے ہوش کرنے والے عرق میں بھگویا ہوا رومال رکھ دے پھر جب شہزادی بے ہوش ہو جائے گی تو وہ دونوں مل کر اسے خواب گاہ سے اٹھا کر محل کے چور دروازے سے باہر لے جائیں گے جہاں سے یورنیس شہزادی کو اپنے گھوڑے پر لٹا کر اپنے چھپے ہوئے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائے گا۔

یورنیس نے وزیر سے بے ہوشی کی دوائی میں بھیگا ہو رو مال لے کر اپنے پاس رکھ لیا وزیر نے اسے ساتھ لیا اور شہزادی کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا مختلف برآمدوں اور اندھیرے راستوں میں سے ہوتا ہوا وزیر ایک پر اسرار سے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس نے سر گوشی میں یورنیس سے کہا۔

یہ وہ دروازہ ہے جس کے دوسری جانب شہزادی سو رہی ہے۔

یورنیس نے پوچھا۔

کیا دروازہ کھلا ہے؟

ہاں میں نے اسے کھلا رکھا ہوا ہے۔

وزیر ایک طرف ہٹ کر اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا یورنیس نے چہرے کو سیاہ چادر میں اچھی طرح چھپایا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اندر داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ شہزادی

ہیلن ایک عالی شان پلنگ پر بڑے سکون کے ساتھ سو رہی تھی اس کے سرہانے ایک شمع جل رہی تھی جس کی ہلکی ہلکی روشنی سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی وہ شہزادی کے سرہانے کی طرف کھڑا تھا یہ موقع وقت ضائع کرنے کا نہیں تھا ایک ایک پل بڑا قیمتی تھا ہو سکتا تھا کہ شہزادی کی آنکھ کھل جائے ایسی صورت میں وہ پکڑا جاتا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے اس کا سر قلم کر دیا جاتا یورنیس نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی جیب سے بے ہوشی کی دوا میں بھیگا ہوا رومال نکالا اور ایک پل ضائع کیے بغیر شہزادی ہیلن کی ناک پر رکھ کر اوپر سے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا بے ہوشی کی دوائی بے حد تیز تھی شہزادی نے ایک جھٹکا سا کھایا اور بے ہوش ہو گئی۔

یورنیس نے فوراً اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور خواب گاہ سے باہر اندھیری راہداری میں آ گیا جہاں وزیر سائے میں چھپا ہوا اس کا

انتظار کر رہا تھا وہ یورنیس کو لے کر شاہی محل کے چور دروازے پر آ گیا جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا یورنیس نے شہزادی کو گھوڑے پر ڈالا پھر خود اس پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر پہاڑی کی طرف چل دیا جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو غدار وزیر سے واپس محل میں آ کر اپنی خواب گاہ میں لیٹ گیا اس نے ایک ایسا کارنامہ بڑے آرام کے ساتھ کر دیا تھا۔

صبح سارے محل میں شور مچ گیا کہ شہزادی ہیلن غائب ہے سارے محل اور شہر ٹرائے کا چپہ چپہ چھان مارا مگر شہزادی کا کہیں نشان تک نہ ملا بادشاہ اپنی بیٹی کی جدائی میں گم سم ہو کر رہ گیا وزیر خاص بڑی مکاری کے ساتھ بادشاہ کو تسلیاں دیتا رہا کہ شاید شہزادی سیر کے لئے باہر گئی ہو گی مگر اسے نہ آنا تھا اور نہ آئی وہ تو اس وقت سپارٹا شہر کے مضبوط قلعے میں بادشاہ کی قید میں پڑی ایک بستر پر لیٹی تھی اور ایک نوکرانی

دودھ کا پیالہ لئے اس کے سرہانے کھڑی تھی۔ اس نے اٹھ کر پوچھا۔

میں کہاں ہوں۔ یہاں مجھے کون لایا؟

اتنے میں سپارٹا کا بادشاہ اندر داخل ہوا اور اس نے صاف لفظوں میں ہیلن کو بتا دیا کہ اس نے اسے محض اس لئے اغوا کیا ہے کہ اس کا باپ اس کا بدلہ لینے کے لئے اپنے شہر سے باہر نکل کر اس کے شہر پر حملہ کرے اور وہ اپنی فوج کے ساتھ اس کے خالی شہر پر قبضہ جما لے۔ شہزادی نے کہا کہ اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا بادشاہ کہا کہ اس کا باپ اپنی بیٹی کا انتقام لینے اور اسے واپس حاصل کرنے کے لئے سپارٹا پر ضرور حملہ کرے گا اور ہم یہی چاہتے ہیں۔

بادشاہ تو باہر نکل گیا اور شہزادی ہیلن گہری سوچ میں ڈوب گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ باپ اس سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ ضرور سپارٹا پر حملہ کر دے گا ایسی صورت میں سپارٹا والوں

کو موقع مل جائے گا کہ وہ بیک وقت ٹرائے کے خالی شہر پر قبضہ کر لیں اور کھلے میدان میں پڑی ہوئی فوج کو چاروں طرف سے گھیر کر شکست بھی دے دیں وہ دیر تک وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچتی رہی مگر وہ اکیلی اتنے بڑے قلعے میں سے کیسے فرار ہو سکتی تھی اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ عورت چاہے کتنی عقلمند ہو وہ کمزور بھی ہوتی ہے۔

عنبر نے جس رات یورنیس نام کے سوداگر کو سرائے میں سے پر اسرار طریقے سے بھاگتے دیکھا وہ اس کی سرائے میں آخری رات تھی اسے اگر معلوم ہوتا کہ وہ سوداگر شہزادی ہیلن کو اغوا کرنے جا رہا ہے تو اس کا ہر حالت میں پیچھا کرتا لیکن وہ تو بے خبر تھا صبح وہ سرائے کی مالکہ سے رخصت ہو کر شاہی محل میں آیا تو وہاں شہزادی ہیلن کے گم ہونے کا سوگ پڑا ہوا تھا بادشاہ کو پریشان دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا......

ایک ہفتہ اسی پریشانی میں گزر گیا بادشاہ بے حد طیش اور غصے کے عالم

میں تھا اب وزیر نے سوچا کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگا دینی چاہیے اس نے ایک روز سپارٹا والوں کو پیغام بھجوا دیا کہ اپنا جاسوس بھجوا دیا جائے۔

چنانچہ اگلے روز بادشاہ یعنی ہیلن کے باپ کو سپارٹا کے بادشاہ کی طرف سے پیغام ملا کہ اس کی بیٹی شہزادی ہیلن اس کی قید میں ہے اگر وہ اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو شکست تسلیم کر کے ٹرائے شہر سپارٹا والوں کے حوالے کر دیا جائے یہ پیغام سننا تھا کہ شہزادی کے باپ کا پارہ چڑھ گیا غصے کے مارے وہ دیواروں پر تلواریں مارنے لگا۔

اس کی یہ جرأت کہ میری بیٹی کو میرے قلعے کے اندر سے اغوا کر کے لے جائے میں اس کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا میں اس کے قلعے کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دوں گا۔

بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ جو لوگ رات کو شاہی محل کے اندر پہرہ دے رہے تھے ان کو حاضر کیا جائے سارے سپاہی تھر تھر کانپتے وہاں آن

حاضر ہوئے انہوں نے گڑگڑا کر عرض کی کہ وہ تو اپنے پہرے پر موجود تھے ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی محل کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ ہی داخل ہونے کی جرات کر سکتا ہے عنبر نے بھی بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے جو ضرور پکڑ لی جائے گی لہٰذا پہریداروں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو آزاد کر دیا اور پھر عنبر کو لے کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔

تمہارا کیا خیال ہے میری بیٹی کو کس نے اغوا کیا ہے؟

عنبر کو یونیس سوداگر کا خیال آ گیا جو آدھی رات کو سرائے سے نکل کر بھاگا تھا اس نے کہا۔

بادشاہ سلامت محل کا کوئی شخص آپ کے خلاف ہے اس نے اغوا کرنے والے کی مدد کی ہے اور شاہی محل کے چور دروازے سے اسے اندر داخل کیا ہے اور شہزادی کو بے ہوش کر کے اٹھایا گیا ہے کیونکہ

شہزادی کے بستر پر اس دوائی کی بو تھی۔

بادشاہ نے غصے میں کہا۔

وہ کون ہو سکتا ہے جس نے شاہی محل میں میرے دشمن کو آنے دیا؟ میں ابھی اس کی کھال کھینچوا دینا چاہتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

اس کے بارے میں وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا لیکن ابھی تو ہمیں یہ سوچنا ہے کہ شہزادی صاحبہ کو دشمن کے چنگل سے کیسے رہا کرایا جائے؟

بادشاہ بولا۔

ظاہر ہے مجھے جنگ کرنی ہو گئی میں آج ہی سپارٹا کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں کل میرا لشکر سپارٹا کی طرف کوچ کر رہا ہو گا

عنبر نے بادشاہ سے کہا۔

آپ کو جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بہتر ہے کہ آپ دوبارہ اپنے فیصلے پر غور کر لیں کیوں کہ ایک بار لشکر دشمن کی طرف چل پڑا تو پھر اس کا رکنا بہت مشکل ہے۔

بادشاہ نے بھڑک کر کہا۔

تو تم کیا سمجھتے ہو؟ ہم لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے کر پیچھے ہٹا لیا کرتے ہیں فوج کا ہر جوان دلیر ہے لڑاکا ہے اور کئی کئی جنگیں لڑ چکا ہے میں سپارٹا والوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

خنبر کہنے لگا۔

لیکن بادشاہ ہمیں سپارٹا کا محاصرہ کرنا ہوگا۔ سپارٹا کی فوج شاید باہر آ کر ہمارے سپاہیوں سے نہ لڑے کیوں کہ سنا ہے کہ ان کے پاس کھانے پینے کا اتنا ذخیرہ ہے کہ وہ کئی سال تک قلعے کے اندر بند پڑے رہ سکتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

میں انہیں قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کردوں گا۔

اسی روز سپارٹا کے خلاف اعلان جنگ کردیا گیا اور دوسرے روز ٹرائے کا بے پناہ لشکر سپارٹا کے قلعے کی طرف آگے بڑھ رہا تھا عنبر کو اس دوران میں موقع ہی نہ ملا کہ وہ سفید عقاب سے کوئی بات کرسکتا ناگ پھنی بھی عقاب کا روپ بدل کر بڑے آرام سے پنجرے میں بیٹھا مرغابیوں اور کبوتروں کا گوشت کھا رہا تھا اس نے بھی عنبر سے ملنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی اور کچھ نہیں تو وہ ناگ پھنی سے مل کر کچھ مشورہ ہی کرسکتا تھا مگر اب تو کسی سے بھی مشورہ لینا فضول تھا۔

کیونکہ ٹرائے کی فوجیں سپارٹا کے قلعے کے باہر جا کر خیمے لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔

سپارٹا کے بادشاہ نے جب ٹرائے کی فوج کو باہر میدان میں جمع ہوتے

دیکھا تو وہ بہت خوش ہوا اس کی سکیم کامیاب ہو گئی تھی اس نے اسی وقت اپنی فوج کے ایک زبردست لشکر کو حکم دیا کہ خفیہ سرنگ میں سے نکل کر ٹرائے کے خالی شہر پر جا کر قبضہ کر لیا جائے دس بارہ ہزار فوج کا لشکر قلعے کی خفیہ سرنگ میں سے نکل کر جنگلوں اور پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا ٹرائے کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا ان کا خیال تھا کہ ٹرائے شہر بالکل ہی خالی ہو گا۔ مگر ایسا نہیں تھا وہاں بادشاہ نے عنبر کے مشورے سے فوج کی ایک اچھی خاصی تعداد چھوڑ رکھی تھی حالاں کہ غدار وزیر نے خالی شہر میں فوج رکھنے کی سخت مخالفت کی تھی لیکن عنبر نے بادشاہ کو سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ اپنے شہر کو بچا کر رکھنا چاہتا ہے تو اسے خالی ہرگز ہرگز نہ رکھے چنانچہ عنبر کے کہنے کے مطابق کچھ فوج بند قلعے کے اندر تھی۔

اور کچھ قلعے کے باہر پہاڑیوں میں چھپا دی گئی تھی تا کہ حملہ آور دشمن کو

راستے میں ہی ختم کر دیا جائے۔

اور یہی ہوا سپارٹا والوں کا لشکر جب ٹرائے کے بند قلعے کے باہر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ قلعے کا بڑا دروازہ بند ہے۔ اور اوپر ہزاروں کی تعداد میں لشکر تیر کمان اور نیزے لیے مقابلے کے لئے تیار کھڑے ہے وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ حملہ کریں یا واپس چلے جائیں کہ پہاڑیوں میں چھپی ہوئی ٹرائے کی فوجوں نے دشمن پر زہر میں بجھے ہوئے تیروں کی بارش شروع کر دی فوج اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھی ہر طرف افرا تفری مچ گئی تیر چلانے والے کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے مگر تیروں کی بارش برابر ان کے اوپر ہو رہی تھی۔ دوسری جانب قلعے کے اوپر سے بھی دشمن پر نیزے برسنے لگے اب تو ہر طرف بھگدڑ مچ گئی گھوڑے زخمی ہو کر گرنے لگے اور اپنے ہی سپاہیوں کو روندنے لگے نتیجہ یہ نکلا کہ سپارٹا والوں کا لشکر ٹرائے کے شہر

میں قبضہ کرنے آیا تھا بری طرح شکست کھا کر واپس بھاگ اٹھا۔ ہزاروں سپاہی اور گھوڑے مارے گئے ٹرائے کی فوج نے بھاگتے لشکر کا پیچھا کیا اور ہزاروں کو راستے میں ہی مار ڈالا۔

جب یہ فوج زخمی حالت میں گرتی پڑتی سرنگ کے راستے قلعے کے اندر داخل ہوئی تو سپارٹا کے بادشاہ کو بے حد مایوسی ہوئی اس کا تو خیال تھا کہ جاسوس اسے آکر خوش خبری سنا دیں گے کہ ٹرائے کے شہر پر قبضہ ہو گیا ہے لیکن یہاں سپاہی ہار کر زخمی حالت میں آئے تھے اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ ٹرائے کی فوج کا مقابلہ قلعے سے باہر نکل کر نہیں کیا جائے گا۔ دگرنہ وہ ٹرائے شہر کی فتح کی خوشخبری سننے کے بعد قلعے سے باہر آکر دشمن سے مقابلہ کرنے والا تھا۔

یہ خبر ٹرائے کے لشکر میں غدار وزیر کو بھی مل گئی اسے بھی بڑی مایوسی ہوئی اسے عنبر پر سخت غصہ آیا کیوں کہ اسی کے مشورے سے بادشاہ نے

ترائے کے خالی شہر میں فوج جمع رکھی تھی اس نے سوچا کہ موقع ملتے ہی وہ عنبر کو ضرور قتل کر دے گا کیوں کہ بادشاہ پر اس کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا تھا سفید عقاب کو اپنی خوش بختی کی نشانی سمجھ کر بادشاہ اپنے ساتھ ہی لایا تھا عنبر نے ایک بار تنہائی میں سفید عقاب سے کہا۔

بھائی اب تو اپنی اصلی صورت میں آ جاؤ آخر کب تک ہمیں انتظار کرواؤ گے۔؟

عقاب نے زور سے سیٹی بجائی عنبر نے پلٹ کر دیکھا وزیر اس کی طرف بڑھ رہا تھا شاید اس کی آستین میں خنجر تھا لیکن عنبر کو پیچھے مڑتے دیکھ کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

عقاب سے باتیں ہو رہی ہیں کیا؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

میں نے سنا ہے کہ عقاب بھی بولنا سیکھ لیتے ہیں۔

وزیر مسکراتا ہوا خیمے سے باہر نکل گیا اب خیمے میں عنبر اور عقاب بالکل تنہا تھے اچانک عقاب نے زور سے پھنکار ماری اور وہ ایک انسان کے روپ میں عنبر کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ناگ پھنی نے عنبر کو بتایا۔

یہی وہ وزیر ہے جس کی سازش سے شہزادی ہیلن اغوا ہوئی اور اس وقت بھی وہ تم کو قتل کرنے اندر آیا تھا کیونکہ وہ تمہیں اس لئے اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ بادشاہ تمہارے مشورے پر چلتا ہے۔

وزیر کے بارے میں سن کر عنبر حیران رہ گیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیر خاص ٹرائے کا غدار ہے۔

ناگ پھنی بولا۔

بے حد خطرناک غدار وہ شہزادی ہیلن کے باپ کو برباد کر کے اس کے شہر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ سپارٹا کے بادشاہ نے اسے یقین دلایا ہے کہ وہ اسے فتح کی صورت میں ٹرائے کا گورنر لگا دے گا تمہیں اس

سے خبر دار رہنا ہو گا۔

عنبر نے کہا۔

مگر تم ابھی کتنی دیر سفید عقاب بنے رہو گے؟

ناگ پھنی نے کہا۔

جس وقت تمہیں میری ضرورت ہوئی میں فوراً اپنے انسانی روپ میں آ جاؤں گا ابھی مجھے عقاب بن کر عیش اڑانے دو۔

خیمے میں کسی کے داخل ہونے کی چاپ سنائی دی ناگ پھنی جلدی سے عقاب بن کر پنجرے کے اندر چلا گیا ایک غلام نے آ کر عنبر سے کہا کہ بادشاہ سلامت اسے یاد کر رہے ہیں عنبر اس کے ساتھ بادشاہ کے خیمے میں چلا گیا بادشاہ سلامت وزیر جنگ کے ساتھ بے چینی سے اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا اس نے عنبر سے کہا۔

میں قلعے کا گھراؤ کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں میں چاہتا ہوں کہ آج

رات قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔

عنبر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ ابھی کچھ دیر انتظار کر لینا چاہیے مگر بادشاہ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا کیونکہ اس کے جاسوسوں نے اسے بتایا تھا کہ سپارٹا والوں کے پاس قلعے کے اندر خوراک اور پانی کا اتنا ذخیرہ ہے کہ وہ ایک سال تک قلعے کے اندر بند رہ کر بڑی آسانی سے گزارا کر سکتے ہیں۔

اس اعتبار سے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ آگے بڑھ کر قلعے پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وزیر جنگ نے بھی اسی فیصلے کا ساتھ دیا سارا دن قلعے پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ لکڑی کی بڑی بڑی سیڑھیوں کو اگلی صفوں میں لا کر رکھ دیا گیا لوہے کی بڑی بڑی قد آدم ڈھالوں کی دیواریں بنائی گئی جو اس لیے تھیں کہ قلعے کی فصیل کے اوپر سے برسنے والے تیروں اور نیزوں کو روک سکیں پتھر پھینکنے والی

توپوں کو بھی آگے لا کر ایسی جگہوں پر نصب کر دیا گیا جہاں سے قلعے کی دیوار پر گولے پھینکے جا سکتے تھے حملے کی ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

اب صرف بادشاہ کے حکم کا انتظار تھا۔

سپارٹا پر حملہ

تیسرے پہر فوجوں نے سپارٹا پر حملہ کر دیا۔

قلعے پر سپارٹا کی فوج تیار کھڑی تھی وہ صبح سے حملے کی تیاریاں دیکھ رہے تھے۔ جونہی ٹرائے کی توپوں نے گولہ باری شروع کی انہوں نے بھی دشمن کی فوجوں پر تیر برسانے شروع کر دیے ٹرائے کی فوج کا ایک دستہ سیڑھیاں لئے قد آدم ڈھالوں کی اوٹ میں قلعے کی دیوار کی طرف بڑھنے لگا جب وہ فصیل کے نیچے پہنچا تو اوپر سے سپاہیوں نے

ان پر تیروں کی بارش کر دی مگر ٹرائے کے سپاہی ایک جگہ دیوار پر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھنے لگے جوں ہی وہ دیوار کے درمیان میں پہنچے اوپر سے ان پر کھولتا ہوا گرم تیل انڈیل دیا گیا سپاہی بے چارے جل بھن کر پکوڑا ہو کر نیچے گرنا شروع ہو گئے۔

ٹرائے کے بادشاہ کا خیال تھا کہ سپارٹا کی فوج قلعے کے باہر آ کر ان کا مقابلہ کرے گی لیکن ایسا نہ ہوا سپارٹا والے بڑے مزے سے قلعے کے اندر ہی رہے اور دیوار پر کھڑے ہو کر حملہ کرنے والوں پر تیر نیزے بھالے برساتے رہے اور گرم گرم تیل انڈیلتے رہے رات ہو گئی۔ حملہ روک دیا گیا رات بھر کے لیے لڑائی بند کر دی گئی جب نقصان کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹرائے کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے ہیں جب کہ سپارٹا والوں کا بہت ہی کم نقصان ہوا ہے بادشاہ بڑا سٹپٹایا سپہ سالار اور عنبر کو بلا کر اس نے کہا۔

اس طرح تو میں ساری زندگی سپارٹا کے قلعے پر قبضہ نہیں کر سکتا کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے کہ قلعے کا دروازہ کھل جائے یا پھر دشمن باہر آ کر لڑائی کرنے پر مجبور ہو جائے۔

عنبر کے پاس ایسا طریقہ موجود تھا وہ دیوی بلطیس کی مدد لے کر سپارٹا کی فوج کو ان کے قلعے سمیت تباہ کر سکتا تھا لیکن وہ محض ایک بادشاہ کی ذاتی خوشی کے لئے ہزاروں سپاہیوں اور شہریوں کا قتل عام اپنے ذمے نہیں لینا چاہتا تھا اس نے کہا۔

اے بادشاہ سلامت! اس کے سوا اور کیا ترکیب ہو سکتی ہے کہ اپنے جاسوس قلعے کے اندر بھیج کر سازش کروائی جائے اور قلعے کے دروازے کو کھلوایا جائے۔

بادشاہ بولا۔

سوال تو یہی ہے کہ قلعے کے اندر جاسوس کیسے بھیجے جائیں اندر جانے

کا ایک ہی راستہ ہے جو بند ہے خفیہ راستوں کا ہمیں کسی کو بھی علم نہیں ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

اگر آپ اجازت دیں تو میں بھیس بدل کر اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں۔

ہرگز نہیں میں اپنے سپہ سالار کی قیمتی جان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ عنبر نے سوچا کہ صرف ایک عقل مند، پارسا اور نیک عورت شہزادی ہیلن کے لئے اسے بادشاہ کی تھوڑی بہت مدد ضرور کرنی چاہیے اس نے کہا۔

جہاں تک قلعے کے اندر جانے کا تعلق ہے وہ میں چلا جاؤں گا مگر اندر جا کر میں کیا کروں گا۔؟ اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔

بادشاہ نے کہا۔

لیکن تم قلعے کے اندر کہاں سے جاؤ گے۔؟

عنبر نے کہا۔

یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں مجھے آپ صرف یہ بتا دیں کہ میں قلعے کا دروازہ کیسے کھلواؤں۔؟

یہ تو اندر پہنچنے کے بعد ہی تم کو معلوم ہو سکتا ہے۔

بادشاہ بولا۔

کیا تم قلعے کے اندر جا کر کسی طرح میری بیٹی شہزادی ہیلن سے مل سکتے ہو؟

اگر میں کوشش کروں تو مل سکتا ہوں۔

پھر تم ضرور جاؤ ہیلن سے ملو وہ تمہیں کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور بتائے گی اتنے دنوں سے وہاں موجود ہے ضرور وہ قلعے کے بارے میں بہت کچھ جان چکی ہوگی۔

پھر میں آج رات ہی قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں

ضرور کوشش کرو مگر اپنی جان کا خیال رکھنا۔

میری جان کی آپ فکر نہ کریں۔

عنبر نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے سیدھا اس خیمے میں آ گیا جہاں پنجرے میں سفید عقاب بیٹھا تھا عنبر نے عقاب کو ساری بات سنا دی

عقاب نے کہا۔

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا میرے دوست اس لئے کہ تمہارے اکیلے جانے میں خطرہ ہے۔

تو پھر ضرور چلو۔

عقاب نے پھنکار مار کر انسانی روپ اختیار کر لیا وہ دونوں دوست ایک سپارٹا کے سوداگر جیسا لباس پہن کر قلعے کی پچھلی دیوار کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گئے دیوار کے نیچے پہنچ کر عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

یار یہ بتاؤ کہ تم تو عقاب بن کر اڑ کر اندر چلے جاؤ گے لیکن میں قلعے کے اندر کیسے جاؤں گا۔؟

ناگ پھنی نے ہنس کر کہا۔

فکر نہ کرو دوست میں تمہیں بھی عقاب بنا کر اپنے ساتھ قلعے کے اندر اڑا لے جاؤں گا۔

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ ناگ پھنی نے عنبر کو اپنے ساتھ دیوار کے سائے میں کھڑا کیا پھنکار مار کر عنبر کے چہرے پر ہوا دی اور ایک پل کے بعد دونوں سفید عقاب بن گئے پھر وہ فوراً قلعے کی فصیل کے اوپر سے اڑتے ہوئے قلعے کے اندر چلے گئے وہ سپارٹ کے ایک ویران سے بازار میں آگئے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی شہر کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے جب کہ سپاہی گشت کر رہے تھے۔

سپاہیوں کے ایک دستے نے آکر عنبر اور ناگ پھنی سے پوچھا کہ وہ

کون ہیں اور آدھی رات کو بازار میں آوارہ گردی کس لئے کر رہے ہیں عنبر اور ناگ پھنی نے جان بوجھ کر بھاگنے کی کوشش کی سپاہیوں نے لپک کر فوراً ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں جا کر ڈال دیا وہ بھی تو چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح قید خانے میں پہنچ جائیں سارا ڈھونگ انہوں نے اسی لیے تو رچایا تھا انہیں قلعے کے بڑے جیل کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

یہ بھی اچھی بات ہوئی کہ انہیں الگ الگ نہیں رکھا گیا تھا ناگ پھنی نے عنبر سے کہا۔

یہاں سے معلوم کرنا چاہیے کہ شہزادی ہیلن کس جگہ قید ہے؟ یہ معلوم کرنا تو بڑا مشکل ہے اس لئے کہ یہاں کوئی دوسرا قیدی نظر نہیں آرہا ہمیں صبح کا انتظار کرنا ہوگا۔

دن چڑھا تو ایک پہریدار ان کے لئے پتلا شوربہ لے کر آیا انہوں نے

شوربہ لے کر کہا۔

کیوں بھائی یہاں کوئی اور بھی قیدی ہیں یا ہم قسمت کے مارے اکیلے ہی ہیں۔

بکواس بند کرو چپکے بیٹھے رہو۔ ورنہ ابھی نیزہ مار کر سینہ چھلنی کر دوں گا۔

بھئی یہ تو بڑا گرم ہے معلوم ہوتا ہے سپارٹا والوں کو شکست ہو رہی ہے اس وقت پہریدار جا چکا تھا ورنہ یہ بات سن کر وہ ضرور ان میں سے کسی نہ کسی کو نیزے میں پرو دیتا عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

یہ کوئی بہت بڑا قید خانہ معلوم ہوتا ہے ضرور شہزادی ہیلن بھی اسی جگہ کہیں قید ہو گی۔

پھر تو مجھے ہی جا کر سراغ لگانا ہو گا کیونکہ تم باہر نہیں نکل سکتے۔

یہی میں تم سے کہنے والا تھا تم یہاں سے نکل کر کسی نہ کسی طرح شہزادی

ہیلن کے پاس پہنچو اور اسے کہو کہ وہ فکر نہ کرے تم اسے یہاں سے نکال کر لے جائیں گے اس کے علاوہ اس سے یہ بھی پوچھنا کہ اس قلعے کے دروازے کو کھلوانے کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔

بہت بہتر .... میں ابھی جاتا ہوں۔

ناگ پھنی نے انسانی شکل کو چھوڑ کر سانپ کی شکل اختیار کی اور جیل کی سلاخوں میں سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں آگے کی طرف سرکنے لگا۔ عنبر کو یہ بڑا فکر تھا کہ دن کا وقت ہے ناگ پھنی پر بڑی آسانی سے کسی کی بھی نظر پڑ سکتی ہے اگر ایسا ہو گیا تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے گا۔ مگر ناگ پھنی بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا شہزادی ہیلن کے کپڑوں کو بو سے وہ تھوڑا تھوڑا واقف تھا چنانچہ وہ اسی بو کی تلاش میں رینگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اسے شہزادی کی ہلکی سی بو محسوس ہوئی۔

ناگ پھنی نے اس طرف رینگنا شروع کر دیا جس طرف سے وہ بو آ رہی تھی یہ بو سیڑھیوں کے اوپر والی بارہ دری کی طرف سے آ رہی تھی ناگ پھنی سانپ کی شکل میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بارہ دری میں پہنچ گیا۔ یہ قید خانے کی دوسری منزل تھی یہاں ایک بہت بڑا صحن تھا صحن کے اس طرف ایک پرانا برآمدہ تھا اور برآمدے میں بہت سی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن کے اوپر لکڑی کے دروازے چڑھے تھے۔

سانپ نے بارہ دری میں ایک جگہ رک کر شہزادی کی بو سونگھی یہ بو ایک کوٹھڑی کی طرف سے آ رہی تھی سانپ نے اُدھر کو آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا وہ صحن کو بہت جلد عبور کر جانا چاہتا تھا کیوں کہ صحن میں دھوپ کھلی ہوئی تھی اور وہاں اس پر کسی سپاہی یا پہرے دار کی نظر پڑ جانے کا خطرہ تھا سانپ نے بڑی تیزی سے صحن عبور کر لیا اور وہ برآمدے میں پہنچ گیا برآمدے میں وہ بو کے تعاقب میں جا رہا تھا کہ

ایک ستون کے پاس بیٹھے ہوئے سپاہی نے اسے دیکھ لیا سپاہی سانپ کے عقب میں تھا اس نے شور مچانے کی بجائے نیام سے تلوار نکالی اور دبے پاؤں سانپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ سانپ جب برآمدے کا موڑ گھومنے لگا تو سپاہی نے پوری طاقت سے اس پر تلوار ماری۔

اگر سانپ ذرا سا پرے نہ ہو جاتا تو وہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہوتا۔ تلوار سانپ کے بالکل قریب فرش پر پڑ کر جھنجھنا اٹھی وہ بجلی جیسی تیزی کے ساتھ پلٹ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا اب سانپ دیوار کے اوپر چھت کے پاس تھا اور نیچے سپاہی تلوار ہاتھ میں لئے اس کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا سانپ نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ سپاہی شور مچا کر دوسرے سپاہیوں کو بھی بلا لے اس لے اس کے ساتھ نپٹ لینا بہت ضروری ہے سانپ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا دوسری طرف نکل

گیا سپاہی بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا مگر وہاں برآمدے میں اندھیرا تھا سپاہی سانپ کو نہ دیکھ سکا مگر سانپ اسے دیکھ رہا تھا سانپ بڑی خاموشی کے ساتھ دیوار پر سے اترا اور ایک پہلو سے سپاہی کی طرف بڑھنے لگا سپاہی جھکا جھکا آگے کو چل رہا تھا۔

سانپ نے لپک کر اس کی پنڈلی پر ڈس لیا اور پیچھے مڑ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا سپاہی پنڈلی کو پکڑ کر فرش پر بیٹھ گیا پورے کا پورا داخل کیا گیا زہر جس کی وجہ سے سپاہی کے گلے میں آواز بند ہو گئی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے گلے کو پکڑا اور بے ہوش ہو کر فرش پر لڑھک گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر سانپ اس کوٹھڑی کی طرف آ گیا جہاں سے شہزادی ہیلن کے کپڑوں کی بڑی تیز بو آ رہی تھی کوٹھڑی کے باہر ادھر ادھر رینگ کر سانپ نے آخر ایک سوراخ تلاش کر لیا چپکے سے وہ اس

نے گردن اندر ڈال کر دیکھا شہزادی ہیلن ایک تختے پر سو رہی تھی سانپ جلدی سے اندر داخل ہو گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزادی اسے آدمی کا روپ بدلتے ہوئے دیکھے یہ موقع غنیمت تھا اس نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور کوٹھڑی کی کنڈی اندر سے کھول دی تا کہ شہزادی کو یہ شک نہ ہو کہ وہ اندر کہاں سے کیسے آ گیا۔؟

انسان کی شکل میں آتے ہی ناگ پھنی نے شہزادی کے پاؤں کو ذرا سا ہلا کر اسے جگایا۔ شہزادی ہیلن نے آنکھیں کھول کر ایک اجنبی کو اپنے بستر کے قریب دیکھا تو ذرا حیران ہوئی اس لئے کہ اس اجنبی کی شکل جیل کے پہریداروں جیسی نہیں تھی اس نے ناگ پھنی سے پوچھا۔

تم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے ہو؟

ناگ پھنی نے کہا۔

شہزادی۔ میں تمہارے باپ کے خیموں کی طرف سے بڑی مشکل

سے یہاں آیا ہوں میرا پہلا مقصد تو تمہیں یہاں سے آزاد کرانا ہے دوسرا پیغام تمہارے باپ کی طرف سے یہ ہے کہ تم قلعے کا دروازہ کھلوانے میں میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟

شہزادی نے پوچھا۔

تمہارے ساتھ اور کون ہے؟

بادشاہ کا شاہی طبیب عنبر بھی میرے ساتھ ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں سے میرا نکلنا بہت مشکل ہے ان لوگوں نے چپے چپے پر سخت پہرہ لگا رکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شہر کے قلعے کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی جب سے یہاں آئی ہوں اس کال کوٹھڑی میں پڑی ہوئی ہوں۔

آپ کو نا امید نہیں ہونا چاہیے شہزادی، اگر ہم کوشش کریں تو آپ کو یہاں سے نکال کر لے جا سکتے ہیں۔

اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گی خدا جانے میرا باپ میری جدائی میں کس حال میں ہے؟ اور پھر جنگ میں بھی تو اسے کوئی کامیابی نہیں ہو رہی۔

ہم یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح قلعے کا دروازہ کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں تاکہ ہماری فوجیں قلعے کے اندر داخل ہو سکیں۔

شہزادی نے کہا۔

اس کا خیال ذہن میں نہ لانا خواہ مخواہ ہماری فوج کے لوگ مارے جائیں گے کیونکہ جہاں تک میں نے معلوم کیا ہے قلعے پر بے حد سخت پہرہ ہے اور سوائے بادشاہ کے حکم کے کسی کے کہنے پر بھی نہیں کھل سکتا۔

پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔

مگر کیسے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ میں بھی قتل کر دی جاؤں

اور اپنے بوڑھے باپ کو کبھی اپنی شکل نہ دکھا سکوں؟ میں ایسا خطرناک قدم کبھی نہیں اٹھاؤں گی میں ایک بہادر باپ کی بیٹی ہوں اور بہادری سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتی ہوں میں یہ ہرگز گوارا نہیں کرسکتی کہ تاریخ میں یہ لکھا جائے کہ شہزادی ہیلن سپارٹا والوں کی قید سے چوروں کی طرح جان بچا کر بھاگ گئی تھی۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے پر ایک بار پھر غور کر لیں۔

شہزادی ہیلن نے بڑی سختی سے کہا۔

میں ہمیشہ اپنا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتی ہوں آپ میرے والد سے جا کر کہہ دیں کہ میں چاہتی ہوں سپارٹا والوں کو شکست دے کر میری ذلت کا بدلہ لیا جائے۔

بہت بہتر۔ شہزادی صاحب۔

ناگ پھنی ناامید ہو کر وہاں سے باہر نکل آیا برآمدے میں ایک سپاہی نے اسے دیکھا اور اس کے پیچھے بھاگا۔ ناگ پھنی لپک کر ایک طرف ہو گیا اور فوراً اس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور بڑی تیزی سے رینگتا ہوا صحن عبور کر کے بارہ دری میں آ گیا یہاں سے سیڑھیاں اتر کر وہ اس کوٹھڑی میں داخل ہو گیا جہاں عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا اس نے شہزادی کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ ساری کی ساری عنبر کو بیان کر دی۔

عنبر کو بڑا افسوس ہوا شہزادی محض ضد سے کام لے رہی ہے اس نے اسے دوبارہ قائل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ناگ پھنی نے کہا۔

شہزادی اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹے گی اس کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کرنا بے کار ہے۔

پھر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

اس کے سوا اور چارہ بھی کوئی نہیں۔

دوپہر کو جب سپاہی ان کے لیئے کھانا لے کر آیا تو وہ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے سپاہی دونوں کی مار کھا کر بے ہوش ہو گیا اس کے بے ہوش ہوتے ہی دونوں دوست کوٹھڑی سے باہر نکل کر چھپتے چھپاتے قلعے کی دیوار کے اوپر پہنچ گئے یہاں سے وہ جس طرح آئے تھے۔ ویسے ہی واپس ٹرائے کی فوجوں کے کیمپ میں چلے گئے۔

لکڑی کا گھوڑا

شہزادی ہیلن کے دلیرانہ جواب کے بعد اس کے باپ نے دوبارہ جنگ شروع کردی۔

یہ حملہ سپارٹا کے قلعے پر پوری طاقت کے ساتھ کیا گیا تھا اس میں پانچ سو ہاتھیوں نے بھی شرکت کی ہاتھیوں کو ایک گروہ کی شکل میں قلعے کے دروازے سے ٹکرانے کے لئے آگے بڑھایا گیا جب وہ دروازے کے پاس پہنچے تو اوپر سے ان پر کھولتا ہوا بے شمار تیل انڈیل دیا گیا کھولتے ہوئے تیل نے ہاتھیوں میں بھگدڑ مچا دی وہ جلتے ہوئے تکلیف کے ساتھ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے ایک دوسرے پر

گرنے لگے۔ انہوں نے بدحواس ہو کر واپس بھاگتے ہوئے اپنی ہی فوج کے سپاہیوں کو روندنا شروع کر دیا قلعے کے دروازے کو توڑنے کی یہ ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔

چار روز تک ٹرائے کی فوجیں سپارٹا کے قلعے سے سر پٹختی رہی ان کے ہزاروں سپاہی میدان جنگ میں مارے گئے سینکڑوں ہاتھی جل بھن کر راکھ ہو گئے آخر بادشاہ کو جنگ روکنا پڑی پانچویں روز جنگی کونسل کا ایک اجلاس ہوا جس میں سوچا گیا کہ سپارٹا کس طرح فتح کیا جائے طاقت کے زور پر جنگ جیتی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ سپارٹا والے قلعے کے اندر بڑے سکون سے لڑ رہے تھے آخر فیصلہ ہوا کہ محاصرہ لمبا کر دیا جائے یعنی قلعے کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھے رہو ان کی ناکہ بندی کر دو۔ جب وہ بھوک اور پیاس سے مرنے لگیں گے تو اپنے آپ قلعے کا دروازہ کھول کر شہر ان کے حوالے کر دیں گے۔

مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ سپارٹا والوں نے سارا انتظام کر رکھا ہے اگر وہ دو برس بھی اپنے قلعے کے اندر بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے تھے ان کے پاس خوراک اور پانی کا بے پناہ ذخیرہ تھا انہوں نے شہر کے اندر ہی پانی کے کنوئیں کھودے ہوئے تھے اور کھیتی باڑی بھی وہیں کرتے تھے بہر حال سپارٹا کا محاصرہ شروع ہو گیا محاصرہ طول پکڑتا گیا ایک ماہ، دو ماہ، چار ماہ، چھ ماہ، .... ایک برس گزر گیا مگر سپارٹا والوں نے کسی قسم کی پریشانی کا کوئی اظہار نہ کیا.......... پہلے روز کی طرح اب بھی قلعے کی فصیل کے اوپر چاق و چوبند سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں خوب پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے۔

ٹرائے کا بادشاہ اپنی بیٹی ہیلن کی یاد میں اشکبار ہو گیا اس نے اپنے شاہی جاسوسوں کو بلا کر کہا کہ فوراً قلعے کے اندر جا کر اسے اس کی بیٹی کی خیریت کی خبر لا کر دی جائے دو جاسوس قلعے کے اندر جانے کے

لئے چل پڑے چار روز بعد ان کی لاشیں ایک ایک کر کے قلعے کے اوپر سے نیچے پھینک دی گئیں۔ یہی حال اس کے بعد چار اور جاسوسوں کا بھی ہوا بادشاہ غصے میں کانپ اٹھا۔

کیا اب میری اس طرح توہین ہوتی رہے گی .... دیوتاؤں میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔؟

عنبر کو بادشاہ کی حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے ناگ پھنی سے کہا کہ وہ جا کر شہزادی کی خیریت کی خبر لا دے عنبر نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ فکر نہ کریں اس نے اپنے ایک خاص جاسوس کو قلعے کے اندر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے ناگ پھنی ایک عام سپاہی کی شکل میں آ کر بادشاہ سے ملا اور پھر اس کی اور عنبر کی اجازت سے لے کر قلعے کی طرف چل پڑا۔

غدار وزیر اس دوران میں خاموش بیٹھا تھا وہ خوش بھی تھا کہ ٹرائے کی فوجیں قلعے کے باہر پڑے پڑے خود بخود تباہ ہو رہی ہیں اس کے

علاوہ ٹرائے کے قیمتی جاسوس بھی سپارٹا والوں نے ہلاک کر دیے ہیں ایک رات چھپ کر غدار وزیر نے بھی سوداگر کا بھیس بدلا اور قلعے کے اندر سپارٹا کے بادشاہ سے ملنے چل پڑا قلعے کے دروازے پر جا کر اس نے خاص خفیہ لفظ دہرائے فوراً پوشیدہ راستہ کھول دیا گیا غدار وزیر سپارٹا کے شاہی محل میں آ گیا یہاں پہنچ کر اس نے ٹرائے کی فوجوں کے بارے میں پوری پوری خبر کر دی اس نے بتایا کہ فوجوں کا دل طویل محاصرہ سے اکتا گیا ہے اور وہ واپس اپنے شہر جانا چاہتی ہیں خود بادشاہ بھی ناامید ہو گیا ہے سپارٹا کے بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جب دشمن کی فوجیں محاصرے سے تنگ آ کر تھکی ہاری واپس جا رہی ہوں تو انہیں راستے میں پکڑ لیا جائے اور اچانک حملہ کر کے ختم کر دیا جائے۔

غدار وزیر نے یہ بھی بتایا کہ ٹرائے کا بادشاہ اپنی بیٹی ہیلن کے بارے

میں بھی بے حد پریشان ہے اس غم نے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی اس کے جاسوسوں کے ساتھ جو حشر ہوا اس کی وجہ سے بھی وہ سخت بد دل ہو گیا ہے اور اب اسے یقین ہونے لگا ہے کہ سپارٹا پر فتح حاصل کرنا ایک ناممکن بات ہے۔

سپارٹا کے بادشاہ نے فخر کے ساتھ کہا۔

ہمارے دوست وزیر ہیلن کو ہم کبھی رہا نہیں کریں گے ہم ٹرائے کی تاریخ پر یہ مہر لگا دیں گے کہ اس کی ایک شہزادی کو ساری عمر سپارٹا والوں کی قید میں کاٹنا پڑی۔

غدار وزیر واپس آ گیا۔

اس اثناء میں ناگ پھنی عقاب کے روپ میں قلعے کی فصیل پر پہنچ گیا تھا وہاں سے وہ سانپ کا روپ بدل کر قید خانے میں ہیلن کی کوٹھڑی کے باہر آ گیا اور یہاں انسانی شکل اختیار کر کے اندر ہیلن کے پاس

چلا گیا اس نے ہیلن کو بتایا کہ اس کا باپ اس کے بغیر بے حد اداس اور دل گیر ہے ہیلن کی آنکھوں میں بھی باپ کو یاد کر کے آنسو آ گئے اس نے باپ کو پیغام بھجوایا کہ جس طرح بھی ہو سکے سپارٹا کو فتح کر کے اسے رہائی دلائی جائے تا کہ لوگ اس کا نام بھی عزت و آبرو سے لے سکیں۔

جب ناگ پھنی نے واپس آ کر بادشاہ کو ہیلن کی خیریت اور اس کا خاص پیام بادشاہ تک پہنچایا تو اس نے ایک بار پھر حملے کا حکم دے دیا چوتھی بار حملہ کیا گیا مگر فوج کی کمی ہو چکی تھی ہاتھیوں کی تعداد بھی تھوڑی رہ گئی تھی چنانچہ اس بار بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی بادشاہ اپنے خیمے کے اندر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اب عنبر آگے بڑھا اس نے خیمے کے اندر داخل ہو کر کہا۔

بادشاہ سلامت اگر آپ قبول کریں تو سپارٹا پر قبضہ کرنے کے لئے

میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔

بادشاہ نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔

وہ کیا ہے؟ جلدی بتاؤ۔ ہم ضرور اس پر عمل کریں گے۔

عنبر نے جب اپنی ترکیب اور منصوبہ بادشاہ کو بتایا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل گیا اس نے عنبر کو سینے سے لگا لیا اور کہا کہ یہ ترکیب اس نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟

اگلے روز اس منصوبے پر عمل شروع ہو گیا۔

ٹرائے شہر کے تمام ترکھان میدان جنگ میں بلا لیے گئے انہوں نے مل کر جنگل میں سے بڑے بڑے درخت کاٹے اور انہیں چھیلنا اور کاٹنا شروع کر دیا۔

پندرہ دنوں کے بعد قلعے کے اوپر کھڑے سپارٹا کے سپاہیوں نے دیکھا کہ ٹرائے کی فوج کے سپاہی لکڑیوں کے بڑے بڑے لٹھ میدان

میں رکھے کوئی چیز تیار کر رہے ہیں وہ یہ سمجھے کہ شاید دشمن کوئی نئی توپ تیار کر رہا ہے جس سے وہ قلعے پر آخری اور بھرپور حملہ کرنا چاہتا ہے وہ سپاہیوں کو اور ترکھانوں کو توپ بناتے دیکھتے رہے پندرہ دن اور گزر گئے اب انہیں محسوس ہوا کہ ٹرائے کے سپاہی توپ نہیں بلکہ ایک بہت بڑا لکڑی کا گھوڑا تیار کر رہے ہیں۔

انہوں نے سپارٹا کے بادشاہ کو بھی خبر کر دی کہ ٹرائے کے فوجی جنگی مشق چھوڑ کر ترکھانوں کے ساتھ مل کر لکڑی کا ایک بہت اونچا لمبا گھوڑا تیار کر رہے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت ہنسا اور بولا میں نے ٹرائے کے بزدل سپاہیوں کو ترکھان بنا دیا ہے وہ اپنے دل بہلانے کے لئے لکڑی کے گھوڑے بنانے لگے ہیں۔

ایک ماہ کے بعد ٹرائے کے سپاہیوں نے ایک بہت اونچا لمبا کوئی چار منزلہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر میدان جنگ میں قلعے کی فصیل کے

سامنے کھڑا کر دیا جس کے پاؤں میں لکڑی کے پہیے لگے تھے اس کے بعد فوجوں نے کوچ کی تیاری کرنی شروع کر دی خیمے اکھاڑے جانے لگے۔ گھوڑوں، خچروں اور ہاتھیوں پر جنگ کا سامان لادا جانے لگا دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ سے ٹرائے کی ساری فوج واپس جانا شروع ہو گئی بادشاہ کو خبر ملی کہ دشمن محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہا ہے وہ خوشی سے نعرہ لگا کر بولا۔

دشمن کو اس کے شہر کے دروازے پر جا کر ملیں گے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے سنا کہ ٹرائے کے سپاہی میدان میں ایک بہت عظیم الشان لکڑی کا گھوڑا بنا کر چھوڑ گئے ہیں بادشاہ اپنے وزیروں اور سپہ سالار کے ساتھ خود یہ گھوڑا دیکھنے آیا۔ وہ قلعے کی فصیل کے اوپر چڑھ کر کھڑا ہو گیا اس نے دیکھا کہ میدان جنگ میں سوائے مٹی کی گرد کے اور کچھ بھی نہیں تھا ٹرائے کی فوجیں واپس جا چکی تھیں

اور قلعے کی فصیل کے بالکل نیچے ایک لکڑی کا بہت بڑا گھوڑا کھڑا تھا۔

وہ ہنس پڑا۔

ٹرائے کے فوجی ترکھان بن گئے ہیں میں نے انہیں ترکھان بنا کر واپس کیا ہے وہ ہمارے پاس اپنی شکست کی نشانی یہ گھوڑا چھوڑ گئے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ٹرائے کی شکست اور پسپائی کی اس نشانی کو قلعے کے اندر لا کر شہر کے سب سے بڑے چوک میں کھڑا کر دیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں اسے دیکھ کر یاد کریں کہ ٹرائے والوں کا سپارٹا پر حملہ کرنے کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا تھا دو ایک بوڑھے وزیروں نے بادشاہ کے اس فیصلے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس میں دشمن کی چھوڑی ہوئی کسی چیز کو بھی قلعے کے اندر نہیں لانا چاہیے مگر بادشاہ نے ان کی ایک نہ سنی اور حکم دیا کہ ٹرائے کی ذلت کی یادگار کو قلعے کے اندر لایا

جائے۔

اسی وقت قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا اور سپارٹا کے تنومند سپاہیوں نے باہر نکل کر لکڑی کے گھوڑے کی ٹانگوں میں بڑے بڑے رسے باندھے اور کوئی دو سو سپاہیوں نے اسے قلعے کے اندر کھینچنا شروع کر دیا کافی دیر کی محنت کے بعد وہ گھوڑے کو قلعے کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے قلعے کا بڑا دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا گیا اور گھوڑے کو بادشاہ کے حکم سے سپارٹا شہر کے سب سے بڑے چوک میں لا کر کھڑا کر دیا گیا اس کے بعد سپاہیوں نے اپنی فتح کا جشن منانا شروع کر دیا شہر کی عمارتوں اور شاہی محل پر چراغاں کیا گیا۔

آدھی رات تک فتح کا جشن جاری رہا رات کے پچھلے پہر سپاہی تھک ہار کر جہاں بیٹھے تھے وہیں پر گرے گہری نیند میں کھو گئے شاہی محل میں بھی سب لوگ سو گئے شہر کے مکانوں میں بھی دیے بجھا کر

لوگ میٹھی نیند میں کھو گئے آج سب کو بڑی گہری نیند آئی تھی کیونکہ دشمن ان کے دروازے سے خیمے اکھاڑ کر واپس جا چکا تھا۔

لیکن انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ دشمن اصل میں ان کے گھر کے اندر آ گیا ہے۔ جس لکڑی کے گھوڑے کو وہ بڑی مشکل سے کھینچ کر قلعے کے اندر لے آئے تھے اس کے پیٹ میں ٹرائے کی فوج کے چنے ہوئے دو سو بہادر سپاہی اپنے سردار کے ساتھ چھپے بیٹھے اشارے کے منتظر تھے یہ منصوبہ عنبر نے ٹرائے کے بادشاہ کو بتایا تھا کہ ایک ایسا عظیم اور اونچا لمبا لکڑی کا گھوڑا تیار کیا جائے جس کے اندر کم از کم دو سو سپاہیوں کے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ ہو، پھر اس گھوڑے کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا جائے سپارٹ والے جب گھوڑے کو خود بخود کوئی چیز یا کھلونا سمجھ کر اندر لے جائیں تو آدھی رات کو سپاہی گھوڑے کے اندر سے نکل کر بڑی خاموشی سے چاروں

طرف پھیل جائیں اور قلعے کے دروازے کے پہریداروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیں، اس دوران میں فوج قریب کی پہاڑیوں میں چھپی رہے گی اشارہ ملتے ہی وہ دروازے میں داخل ہو کر حملہ کر دے گی۔

یہ منصوبہ بے حد خطرناک تھا اور سپارٹا والے اس جال میں پھنس گئے تھے۔

آدھی رات گزر جانے پر جب باہر مکمل خاموشی چھا گئی تو گھوڑے کے اندر بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو سردار نے اشارہ کیا کہ باہر نکلا جائے ایک سپاہی نے رسی کھینچی گھوڑے کے پیٹ کے نچلے حصے میں سے ایک تختہ ہٹ گیا اور رسیوں کی سیڑھی باہر کو لٹکنے لگی سپاہی ایک ایک کر کے گھوڑے میں سے نکل کر باہر آ گئے وہ بڑی خاموشی سے باہر آئے تھے سردار کے اشارے پر آدھے سپاہی قلعے کی فصیل کی طرف اور آدھے

سپاہی چھپتے چھپاتے قلعے کے دروازے کی طرف کھسکنا شروع ہو گئے سارا شہر بڑے سکون سے سو رہا تھا قلعے کے بند دروازے کے اندر پہریداروں نے بھی آج پہلی دفعہ آنکھ جھپکی تھی فصیل کے اوپر بھی سپاہی باہر میدان دشمن سے خالی دیکھ کر بے فکر ہو کر سو گئے تھے صرف چند ایک پہریدار ادھر اُدھر چہل قدمی کر رہے تھے ٹرائے کے سپاہی فصیل کے اوپر آ گئے راستے میں انہیں جو سپاہی ملا اس کو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے قتل کر دیا وہ قلعے کے اوپر آ گئے۔

اوپر فصیل پر آ کر انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ سوئے ہوئے دشمنوں کو ہلاک کر کے فصیل کے دوسری طرف پھینکنا شروع کر دیا انہوں نے سارے کا سارا کھولتا ہوا تیل بھی دیوار سے دوسری طرف انڈیل دیا چند ہی لمحوں بعد ٹرائے کے سپاہیوں نے فصیل کے اوپر قبضہ کر کے ایک برج میں کھڑے ہو کر جلتی ہوئی مشال ہاتھ میں لے

کر دائیں بائیں لہرائی۔

دور پہاڑیوں کے دامن میں چھپی ہوئی ٹرائے کی فوجوں نے بادشاہ اور عنبر نے فصیل کے اوپر روشنی کا اشارہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ اپنی فوج نے فصیل پر قبضہ کر لیا ہے انہوں نے پہاڑیوں میں سے نکل کر ایک خونخوار لشکر کی صورت میں رات کے اندھیرے میں قلعے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا یہ ایک عظیم الشان فوجوں کا سیلاب تھا جو قلعے کی دیواروں کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا اب انہیں صرف ایک آخری اشارے کی ضرورت تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

ٹرائے کے جو سپاہی قلعے کی دیوار کی طرف بڑھے تھے انہوں نے بھی راستے میں کئی ایک پہریداروں کو قتل کیا اور آ کر قلعے کے دروازے کی چوکی پر پہنچ گئے کچھ سپاہی چوکی کے باہر پہرہ دے رہے تھے ٹرائے

کے فوجیوں نے اچانک پہلو میں سے نکل کر انہیں ڈیک کر کے دبوچ لیا اور قتل کر کے زمین پر پھینک دیا اس کے ساتھ ہی قلعے کا بڑا دروازہ کھول دیا گیا۔

جب ٹرائے کی فوج کو قلعے کے دروازے کھلنے کا اشارہ ملا تو فوج نے آندھی بن کر حملہ کر دیا اور ایک ہی ہلے میں ساری کی ساری فوج قلعے کے اندر داخل ہو گئی اوپر سے فصیل پر گئے ہوئے سپاہیوں نے اندر کی طرف سپارٹا کے سپاہیوں پر تیر برسانے شروع کر دیے سارے شہر میں شور مچ گیا کہ دشمن قلعے میں داخل ہو گیا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی جس وقت سپارٹا کے سپاہی نیند سے جاگے اس وقت دشمن کے سپاہی شاہی محل میں داخل ہو کر قتل عام کر رہے تھے دوپہر تک سپارٹا کے سپاہیوں نے لڑائی کی مگر دشمن چونکہ ان کے گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا اس لئے وہ بے بس ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

ٹرائے کے بادشاہ نے سپارٹا کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

اس نے سپارٹا کے بادشاہ کو فوراً قتل کر کے اس کا سر محل کے باہر دروازے پر لٹکا دیا اور سارے درباریوں کے ساتھ شاہی قید خانے میں اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کو رہا کرنے پہنچا بیٹی باپ کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہیلن نے کہا۔

میرے بہادر ابا! میں یہی چاہتی تھی کہ آپ ایک بہادر باپ بن کر اپنی بیٹی کو رہا کرائیں آپ نے سپارٹا کو فتح کر کے ٹرائے کی تاریخ سے ذلت کا نشان دھو ڈالا ہے۔ اب ہمارا سر فخر سے بلند ہے۔

بادشاہ نے اسے بتایا کہ یہ سارا منصوبہ عنبر نے اسے بتایا تھا ہیلن عنبر کی دانش مندی پر بے حد خوش ہوئی چونکہ وہ خود ایک دانا عقل مند عورت تھی اس لئے دانا اور عقل مند لوگوں کی قدر کرتی تھی۔

سپارٹا کی فتح کی خبر ٹرادے پہنچی تو وہاں سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔

لوگوں نے دیوتاؤں کے آگے نذرانے دیے قربانیاں پیش کیں اور اپنے مکانوں پر گھی کے چراغ جلائے بادشاہ نے سپارٹا کے شاہی محل میں ایک عظیم الشان دربار لگایا اور اپنے فوجیوں اور سپہ سالار اور درباریوں اور وزیروں کو انعام واکرام تقسیم کیا عنبر کو شاہی وزیر کا مرتبہ دیا گیا۔ غدار وزیر بھی جھوٹ موٹ اس خوشی میں بادشاہ کے ساتھ تھا مگر اندر سے اس کا دل جل جل کر کباب ہو گیا تھا کیونکہ سپارٹا کی شکست کے بعد اس کے سارے خواب ختم ہو کر رہ گئے تھے۔

ناگ پھنی نے عنبر سے کہا۔

اس غدار وزیر کو بھی ٹھکانے لگا دو نہیں تو یہ ایک بار پھر عذاب جان بن جائے گا۔

غدار کا انجام

ٹاگ چیتی کا یہ مشورہ عنبر کے دل کو لگا۔

سپارٹا میں اپنا ایک فوجی سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد بادشاہ اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کو لے کر واپس اپنے شہر ٹرائے میں آ گیا ایک بہت بڑی فتح کے بعد شہر بھر میں چھ روز تک خوشیوں کا جشن منایا گیا۔

ساتویں دن عنبر نے بادشاہ کے خاص محل میں جا کر کہا کہ وہ اس سے ایک راز داری کی بات کرنا چاہتا ہے اس وقت بادشاہ کے پاس اس کی بیٹی ہیلن بھی موجود تھی بادشاہ نے کہا۔

کیا اس راز داری میں میری بیٹی بھی شریک ہو سکتی ہے۔؟

یعنی بادشاہ کا مطلب تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیٹی کو وہاں سے بھجوا دے مگر عنبر نے کہا کہ یہ بات شہزادی کے سامنے ہونی چاہیے کیونکہ شہزادی کا بھی اس میں ذکر ہے اس کے بعد عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ شہزادی کا اغوا ان کے خاص وزیر نے کروایا تھا اور وہ غدار وزیر ہے جو سپارٹا کے بادشاہ کی کٹھ پتلی تھا اور اس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا بادشاہ یہ سن کر حیران رہ گیا شہزادی ہیلن کو بھی بڑی حیرانی ہوئی کیونکہ انہیں اپنے وزیر پر بڑا بھروسہ تھا اور وزیر نے بھی ہمیشہ ان پر یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ ان کا انتہائی وفادار وزیر ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

عنبر تم نے جو بات کہی ہے اس پر یقین کرنے کو دل نہیں مانتا۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! میں آپ سے بالکل سچی بات عرض کر رہا ہوں اگر

آپ کو یقین نہ آئے تو میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔

شہزادی ہیلن نے پوچھا۔

تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہمارے وزیر نے مجھے اغوا کرایا تھا؟

عجبر بولا۔

اس کا ثبوت سپارٹا کی فوج کا ایک کپتان ہے جس کا نام یورنیس ہے یہی وہ شخص ہے جو آدھی رات کو وزیر کے کہنے پر ہمارے محل میں داخل ہوا وزیر اسے اپنے ساتھ لے کر آپ کی خواب گاہ تک خفیہ راستے سے لایا اور پھر اسی نے آپ کو بے ہوشی کی دوا سونگھا کر اغوا کیا اور سپارٹا لے گیا۔

بادشاہ نے کہا۔

وہ کپتان یورنیس کہاں ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور سپارٹا کے جنگی قیدیوں میں موجود ہوگا میں نے اسے قیدیوں کی قطار میں دیکھا تھا۔

بادشاہ نے اسی وقت عنبر کو ساتھ لیا اور جنگی قیدیوں کے معائنے کے بہانے شاہی قید خانے میں آ گیا یہاں سپارٹا کے جنگی قیدی قطار میں کھڑے کر دیئے گئے اور عنبر بادشاہ کے ساتھ ساتھ چل کر ایک ایک قیدی کو غور سے دیکھنے لگا۔ یورنیس تو ہزاروں میں پہچانا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر تلوار کے زخم کا لمبا نشان تھا۔ جس کو وہ چھپا نہیں سکتا تھا آخر ایک مقام پر عنبر نے یورنیس کو دیکھ لیا اس نے بادشاہ کو خفیہ طور پر اشارہ کیا کہ وہ سامنے یورنیس کھڑا ہے جس کے چہرے پر زخم کا لمبا نشان ہے بادشاہ نے شاہی دروغے سے کہا۔

اس قیدی کو خفیہ طور پر ہمارے محل میں پہنچا دیا جائے۔

یہ راز داری محض اس لئے کی جا رہی تھی کہ غدار وزیر کو وقت سے پہلے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا بھانڈا پھوٹ رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ وہاں سے فرار ہو سکتا تھا اور کسی دوسرے شہر کی ریاست میں جا کر بادشاہ کے خلاف سازش میں مصروف ہو سکتا تھا تھوڑی ہی دیر بعد قیدی یورنیس بادشاہ کے خاص کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

اس وقت بادشاہ کے علاوہ عنبر اور شہزادی ہیلن بھی موجود تھی قیدی یورنیس نے عنبر کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کو وہ آندھی کی رات سرائے میں ملا تھا۔

مگر اس نے عنبر سے آنکھ نہ ملائی اور انجان بن کر کھڑا رہا بادشاہ نے یورنیس سے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے۔

قیدی نے جھک کر عرض کی۔

یورنیس۔

کیا تم عنبر کو جانتے ہو؟

قیدی نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔

نہیں بادشاہ سلامت۔

وہ صاف مکر گیا اور محض اس لئے کہ وہ وزیر کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا

بادشاہ نے اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

کیا اس عورت کو پہچانتے ہو؟

قیدی نے سر جھکا کر کہا۔

کیوں نہیں بادشاہ سلامت یہ شہزادی ہیلن ہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

تم شہزادی کو کیسے پہچانتے ہو؟ پہلے تم نے اسے کہاں دیکھا تھا؟

اس سوال پر قیدی یورنیس ذرا گھبرا گیا پھر فوراً ہی بولا۔

جناب شہزادی صاحبہ کو میں نے سب سے پہلے سپارٹا کے قید خانے میں دیکھا تھا جہاں یہ قید تھیں اور میں وہاں معائنے کے لیئے گیا تھا۔

اب عنبر نے ایک دم حملہ کیا اور پوچھا۔

جس دوائی سے تم نے شہزادی ہیلن کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا وہ دوائی تم نے کہاں سے حاصل کی تھی؟

وہ میں نے .... پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا میں نے

.........میں نے شہزادی صاحبہ کو کبھی اغوا نہیں کیا حضور! میں بے گناہ ہوں میں نے کبھی شہزادی کو اغوا نہیں کیا بھلا مجھے انہیں اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

عنبر نے کہا۔

ضرورت تمہیں نہیں تھی ضرور ہمارے وزیر کو تھی۔ جس کے اشاروں پر تم کھیل رہے تھے اور جس نے شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ دروازہ

کھول کر اور بے ہوشی کی دوائی دے کر تمہیں اندر بھیجا تھا۔

قیدی نے گڑگڑا کر کہا۔

یہ مجھ پر الزام ہے بادشاہ سلامت یہ مجھ پر الزام ہے۔

بادشاہ نے صاف صاف لفظوں میں کہا۔

میری بات کو غور سے سنو قیدی۔ اگر تم نے ہمارے سامنے سچی بات کھول کر بیان کر دی تو ہم تمہیں اسی وقت آزاد کر دیں گے تم جس شہر میں چاہو جا کر آباد ہو سکتے ہو لیکن اگر تم نے ہمارے سامنے جھوٹ بولا تو ہم اسی وقت جلاد بلا کر تمہاری کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروا کر قلعے کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیں گے۔ بولو تمہیں کون سی بات منظور ہے؟ سچ بولتے ہو یا بلاؤں جلاد کو؟

قیدی یورخیس تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ بادشاہوں کے فیصلوں کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے سچی بات بیان کر دینے کا فیصلہ کر لیا وہ ہاتھ جوڑ کر

گھٹنوں کے بل گر پڑا اور بولا۔

بادشاہ سلامت! انہوں نے جو کچھ کہا بالکل درست ہے آپ کے وزیر نے مجھے بے ہوش کرنے والی دوائی دی تھی اور میرے لئے شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ دروازہ کھولا تھا میں نے ہی سپارٹا کے بادشاہ کے حکم پر اور آپ کے وزیر کی مدد سے شہزادی صاحبہ کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا اور انہیں سپارٹا لے گیا تھا کیا اب میری جان بخشی ہو جائے گی؟

بادشاہ نے کہا۔

ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔

شہزادی ہیلن اور بادشاہ نے عنبر کی طرف تعجب سے دیکھا.........

اس کی ساری باتیں درست ثابت ہوئی تھیں عنبر نے بادشاہ سے کہا کہ وزیر کو اسی وقت بلایا جائے تاکہ یہ بات اس کے منہ پر بیان ہو۔

بادشاہ نے غلام کو حکم دیا کہ وزیر کو فوراً حاضر کیا جائے غدار وزیر بڑی

بے فکری سے خوش خوش بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوا یوں ہی اس کی نظر قیدی یورنیس پر پڑی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا اور آداب بجا لاتے ہوئے بولا۔

خاکسار حاضر ہے بادشاہ سلامت!

بادشاہ نے یورنیس سے کہا۔

اے قیدی۔ تو نے ابھی ابھی جو بیان دیا ہے وہ ہمارے وزیر کے سامنے بھی دہرا دے۔

پہلے تو یورنیس ذرا ہچکچایا مگر جب بادشاہ نے کہا کہ اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا اور وہ جھوٹ بولنے لگا اور سچ سے مکر گیا تو پھر بادشاہ بھی اپنا وعدہ پورا نہ کرے گا۔ تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ میں سچ سچ عرض کروں گا حضور!

عنبر نے کہا۔

تو پھر اپنا بیان دہراؤ۔

یور نیس قیدی نے کھلے اور صاف لفظوں میں بتا دیا کہ وزیر سپارٹا کے بادشاہ سے مل کر ٹرائے کی سلطنت کو تباہ کرنا چاہتا تھا اس نے ہی سپارٹا کے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ شہزادی ہیلن کو اغوا کیا جائے پھر اس وزیر نے ہی بے ہوشی کی دوائی دے کر شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ راستہ دکھایا تھا اور انہیں اغوا کرانے میں پوری پوری مدد دی تھی۔

یہ بیان سن کر وزیر کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔

بادشاہ عنبر اور شہزادی ہیلن وزیر کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے قیدی نے اپنا بیان ختم کیا تو وزیر نے چیخ کر کہا۔

بادشاہ سلامت! یہ مجھ پر ایک بھیانک الزام ہے یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے یہ میرا دشمن ہے یہ مجھ سے اپنی دشمنی کا بدلہ لینا چاہتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے شہزادی کے اغوا میں میرا ہرگز ہاتھ نہیں تھا ہرگز

ہاتھ نہیں تھا۔

شہزادی ہیلن نے کہا۔

اس کو تمہارے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ اور پھر عنبر اس بات کا گواہ ہے کہ شہر کی ایک سرائے میں اس نے خود اپنی آنکھوں سے یورنیس کو آدھی رات کو نکلتے دیکھا ہے اور یہ وہی رات تھی جس رات مجھے اغوا کیا گیا۔

عنبر کہنے لگا۔

وزیر صاحب آپ مان لیجئے کہ آپ نے ٹرائے شہر کے خلاف ایک زبردست سازش کی تھی غداری کی تھی مگر آپ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

بادشاہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

لیکن تم نے ہماری پیاری بیٹی کو اغوا کر کے جو ہمیں صدمہ پہنچایا ہے ہم

تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے ہم تو اس کا انتقام لیں گے ہمارے ملک کے ساتھ غداری کرنے کا انتقام لیں گے......... جلاد کو بلایا جائے ۔

وزیر گڑگڑاتا ہوا بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا مگر بادشاہ نے اس کی ایک نہ سنی اتنے میں جلاد آ گیا بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ وزیر کی کھال اتار کر اس میں ریت بھر کر قلعے کی دیوار کے ساتھ لٹکا دی جائے ۔

ہم ایک گھنٹے بعد وزیر کی لٹکی ہوئی لاش کا معائنہ کریں گے ۔

جلاد نے سر جھکا کر کہا ۔

جو حکم بادشاہ سلامت !

سپاہی وزیر کو پکڑ کر جلاد کے ساتھ شاہی قید خانے کی طرف چل پڑے ۔ شہزادی ہیلن اور بادشاہ نے عنبر سے کہا ۔

یہ ہمارے سفید عقاب کی برکت بھی ہے کہ ہمیں فتح ہوئی ۔

عنبر نے کہا۔

کیوں نہیں، کیوں نہیں۔

شہزادی ہیلن بولی۔

سفید عقاب کہاں ہے؟ اسے لایا جائے۔؟

فوراً سپاہی سفید عقاب کا پنجرہ لے کر وہاں آ گئے سفید عقاب نے عنبر کی طرف دیکھ کر خوشی سے سیٹی بجائی شہزادی ہیلن نے مسکرا کر کہا کہ کیا وجہ ہے سفید عقاب ہمیشہ عنبر ہی کو دیکھ کر سیٹی بجاتا ہے اس نے کبھی بادشاہ یا کسی اور دوسرے شخص کو دیکھ کر سیٹی نہیں بجائی بادشاہ نے بھی اس پر تعجب کا اظہار کیا عنبر نے کہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں دوست ہیں۔

عقل مند ہیلن نے کہا۔

کیا مجھے قید میں ملنے بھی آپ کا یہی دوست آیا تھا۔؟

بادشاہ نے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے بیٹی؟ ایک عقاب تجھے جا کر جیل میں کیسے مل سکتا ہے؟

شہزادی ہیلن نے کہا۔

بابا جان بعض عقاب ایسا کر لیتے ہیں۔

بادشاہ نے پہلے عقاب اور پھر عنبر کی طرف دیکھا عقاب نے زور زور سے سیٹی بجائی عنبر نے مسکرا کر ہیلن کی طرف دیکھا اور کہا۔

میں آپ کی عقل کی داد دیتا ہوں شہزادی صاحبہ جس چیز کو میں اب بھی چھپا سکتا ہوں اسے آپ نے اپنی تیز عقل سے پہچان لیا بہرحال اب آپ کا حق بن گیا ہے کہ میں آپ کو یہ راز بتا دوں۔

بادشاہ نے کہا۔

ارے بھئی کون سا راز کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو؟

عنبر بولا۔

بادشاہ سلامت یہ سفید عقاب حقیقت میں سفید عقاب نہیں ہے۔

کیا مطلب؟ بادشاہ نے تعجب سے سفید عقاب کے عنبر ے کو دیکھ کر کہا۔

عنبر نے کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت یہ سفید عقاب دراصل ایک ایسا سانپ ہے جس کو اس زمین پر زندہ رہتے ہوئے دو سو برس ہو گئے ہیں اور اب یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ جس شکل میں چاہیے سامنے آ سکتا ہے یہ میرا گہرا دوست ہے یہی اڑ کر شہزادی سے ملنے جیل میں گیا تھا اور اس نے مجھے آ کر اطلاع دی تھی کہ شہزادی خیریت سے ہے پھر یہی سفید عقاب انسانی شکل میں سامنے آ کر مجھے اپنے ساتھ سپارتا والوں کے قلعے میں لے گیا تھا۔

بادشاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سفید عقاب کو دیکھ رہا تھا۔

نہیں نہیں مجھے یقین نہیں آتا یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں نے سنا ضرور ہے۔ کہ سانپ دو سو برس زندہ رہے تو انسانی شکل میں سامنے آ جاتا ہے مگر ایسا سانپ دیکھا کبھی نہیں۔

ہیلن بھی کہنے لگی۔

مجھے شک ضرور تھا کہ یہ کوئی جادو کا سفید عقاب ہے مگر یہ تو میرے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ کوئی مقدس سانپ ہے۔

عنبر نے کہا۔

اس کا ثبوت ابھی آپ کو مل جاتا ہے۔

عنبر نے سفید عقاب سے کہا کہ اے دوست تمہاری اجازت سے میں نے یہ راز بادشاہ اور اس کی بیٹی پر کھول دیا ہے اب کسی انسانی شکل میں سامنے آ جاؤ تا کہ بادشاہ سے اجازت لے کر یہاں سے نکل

چلیں سفید عقاب نے زور سے پھنکار ماری اور ایک انسان کی شکل میں بادشاہ اور شہزادی ہیلن کے سامنے آ کھڑا ہوا دونوں ششدرہ ہو کر رہ گئے اور اسے حیرانی سے تکنے لگے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ پھنی نے جھک کر بادشاہ اور شہزادی ہیلن کو سلام کیا اور کہا کہ جنبر نے بالکل سچ کہا ہے میں ایک سانپ ہوں اور دو سو برس سے زندہ ہوں۔

جنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

ہمیں اب بادشاہ اور شہزادی سے اجازت لینی چاہیے تاکہ ہم اپنا کبھی نہ ختم ہونے والا سفر جاری رکھ سکیں۔

چنانچہ اسی روز شام کو بادشاہ نے ان دونوں کو بڑا انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

دونوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں شہر سے باہر نکل گئے۔

ان کی اگلی پراسرار منزل کون سی تھی۔ ؟

ہمیشہ زندہ رہنے والا عنبر اور اس کا دوست ناگ پھنی
ٹرائے کے شہر سے نکل کر روم کے اس علاقے میں
جاتے ہیں جہاں کا بادشاہ نیرو ایک ظالم حکمران ہے

انطنی اور قلوپطرہ کا مصر

دریائے نیل کے کنارے پراسرار ہرام میں بھٹکی
ہوئی روح یہ سب کچھ اسی ناول کی بارھویں یعنی اگلی
قسط "قبر کی آواز" میں پڑھیے۔

عنبر ناگ ماریا

قبر کی آواز

(قسط نمبر ۱۲)

اے حمید

سنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو عنبر............جو ابھی تک کسی سے مر نہیں سکا اپنے سانپ دوست ناگ پھنی کے ساتھ روم میں سے نکل کر شہر میں داخل ہوتا ہے اصل میں یہی عنبر کا وطن بھی ہے اسی شہر میں وہ دو ہزار سال پہلے فرعون مصر کے محل میں پیدا ہوا تھا اور پھر اسے بادشاہ کے ڈر کے مارے دریائے نیل میں بہا دیا گیا تھا ہمارے ہیرو کی یہاں روم کے بادشاہ سیزر سے ملاقات ہوتی ہے سیزر کے قتل کے بعد مصر پر حملہ ہوتا ہے قلو پطرہ سانپ ڈسوا کر مر جاتی ہے انطنی خودکشی کر لیتا ہے ہمارا ہیرو یہاں سے دریائے اُردن کی وادی کی طرف سفر کرتا ہے جہاں حضرت یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی آمد کی خوش خبری سنا رہے ہیں

اے حمید

فہرست

ڈاکو کپتان

پراسرار سپیرا

قلوپطرہ

نیل کی جادوگرنی

سپیرے کی موت

قبر کی آواز

ناگ پھنی کا کارنامہ

سیزر کا قتل

زہری سانپ

دریائے اُردن کی طرف

ڈاکو کپتان

روم کے شہر ٹرائے سے دونوں دوستوں کا سفر شروع ہوا۔

وہ بحیرہ روم کے نیلے سمندر میں سے گزر کر شمالی افریقہ کی بندرگاہ سکندریہ پہنچنا چاہتے تھے سکندریہ کی بندرگاہ اور شہر سکندر اعظم کے نام پر آباد ہوا تھا سکندر کو فوت ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو سو برس پہلے کا زمانہ تھا اور روم کی سلطنت سارے مصر تک پھیلی ہوئی مصر کا ایک شہر تھیبس صرف ایک ایسا شہر تھا جس کی اپنی حکومت تھی مصر کے اس شہر کا بادشاہ جسے فرعون ہی کہتے تھے ایک کمزور اور نوعمر لڑکا تھا جس کو ملک کا انتظام سنبھالنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا وہاں کے دربار اور عوام کو ہر گھڑی یہ خطرہ لگا رہتا کہ روم کی فوج حملہ کر کے تھیبس کو بھی فتح کر لے گی۔

قلوپطرہ اس نوعمر فرعون کی بڑی بہن تھی جو کہ ایک ہوشیار دور اندیش اور بڑی سمجھ دار عورت تھی۔ اس نے رومن طاقت کے بڑھتے ہوئے خطرے کو پہلے ہی سے محسوس کر لیا تھا اور وہ اس فکر میں تھی کہ کسی طرح رومیوں کے ساتھ مل کر مصر کا تخت خود حاصل کرے اور رومیوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کی ذلت سے بچ جائے اس نے اپنے ایک خاص غلام کلاڈس سے مل کر روم کے اس وقت کے شہنشاہ سیزر سے ملاقات کرنے کا منصوبہ بنایا وہ کسی طرح مصر سے فرار ہو کر شہنشاہ سیزر کے دربار تک پہنچنا چاہتی تھی اسے اپنی عقل مندی اور ہوشیاری پر بہت بھروسہ تھا اور اس کو یقین تھا کہ وہ شہنشاہ سیزر کی ہمدردیاں حاصل کر لے گی۔

قلوپطرہ نے کلاڈس کو ساتھ لیا اور ایک روز آدھی رات کو تھیبس شہر کی چار دیواری سے نکل کر بڑی رازداری کے ساتھ سکندریہ کی جانب

روانہ ہو گئی ان دنوں شہنشاہ سیزر سکندریہ میں دربار لگاتا تھا اور وہ مصر کے شہر تھیبس کو فتح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا قلوپطرہ اپنے غلام کے ساتھ راتوں رات مصر کی سرحد سے نکل گئی اس نے اپنے غلام کے ساتھ راستے میں آنے والا سمندر پار کیا اور سکندریہ پہنچ گئی سکندریہ ان دنوں بڑی شان دار بندرگاہ ہوا کرتی تھی اور یہاں دور دور ملکوں کے تجارتی جہاز آ کر لگا کرتے تھے بندرگاہ پر اس قدر رونق تھی کہ وہاں دنیا جہان کے ملکوں کے لوگ موجود تھے اور ہر زبان میں باتیں کر رہے تھے بادبانی جہازوں پر سے سامان اتارا بھی جا رہا تھا اور لادا بھی جا رہا تھا۔

قلوپطرہ اپنے غلام کے ساتھ سکندریہ کے ایک تنگ و تاریک کوچے میں آ گئی یہاں اس کے غلام کی بڑی بہن کا مکان تھا وہ اس مکان میں آ کر ٹھہر گئی اور شہنشاہ سیزر سے ملنے کی تیاریاں کرنے لگی اس نے

سیزر سے ملاقات کرنے کا ایک انوکھا طریقہ سوچا تھا اس کے غلام کلاڈس نے شہنشاہ کے حضور پیام بھجوایا تھا کہ ملک مصر کے شہر تھیبس کے فرعون کی بہن قلوپطرہ نے اس کی خدمت میں ایک بیش قیمت قالین کا تحفہ بھیجا ہے سیزر نے حامی بھر لی تھی کہ قلوپطرہ کا بھجوایا ہوا قالین کا تحفہ اس کی خدمت میں پیش کیا جائے منصوبہ یہ تھا کہ قلوپطرہ کو اس شان دار قالین کے اندر لپیٹ دیا جائے گا اور یہ تحفہ شہنشاہ سیزر کے دربار میں کھول کر پیش کرے گا تو اس میں سے قلوپطرہ باہر نکل آئے گی۔

ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ہمیشہ زندہ رہنے والا عنبر اور کسی بھی شکل میں بدل جانے والا سانپ دوست ناگ پھنی ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر سکندریہ کی طرف آ رہے تھے یہ جہاز ایک کافی بڑا تجارتی جہاز تھا۔ جس کا کپتان فلورنس شہر کا رہنے والا تھا کسی

زمانے میں وہ بحری ڈاکوؤں کا سردار بھی رہ چکا تھا لیکن اب اس نے بحری ڈاکے چھوڑ دیے تھے اور تجارتی جہاز رانی شروع کر دی تھی۔

راستے میں عنبر اور ناگ چینی سے اس کی بڑی دوستی ہو گئی وہ انہیں اپنے بحری ڈاکو ہونے کے زمانے کی دل چسپ کہانیاں سناتا دونوں دوست اس کی کہانیاں سن کر بہت خوش ہوتے تھے تبت کے راجہ کا دیا ہوا قیمتی ہیرا ابھی تک عنبر کے پاس موجود تھا اس ہیرے کی قیمت اس زمانے میں لاکھوں اشرفیاں تھیں۔ مگر عنبر نے کبھی اسے فروخت کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

جہاز نیلے گہرے سمندر میں چلا جا رہا تھا شام کا وقت تھا ایک رات کے سمندری سفر کے بعد جہاز کو صبح سویرے سکندریہ کی بندرگاہ پر پہنچ جانا تھا عنبر ناگ چینی اور جہاز کا کپتان عرشے پر بیٹھے سمندر کا نظارہ بھی کر رہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے ذکر ہیرے

جواہرات کا ھو رہا تھا جہاز کے کپتان نے انہیں بتایا کہ اس نے بحری ڈاکوزنی کے زمانے میں ایسے ایسے جواہرات حاصل کیے ہیں کہ آج وہ بڑے سے بڑے شہنشاہ کے پاس بھی نہ ہوں گے۔

ناگ پھنی نے پوچھا۔

وہ سب جواہرات کہاں ہیں کپتان صاحب۔؟

کپتان نے ناک سکیڑ کر اور کندھے چڑھا کر کہا۔

جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔ سمندر میں سفر کرنے والے جہازوں سے لوٹے تھے اور سمندر میں ہی غرق ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

ایسے ہیرے جواہرات کا کیا فائدہ جو سمندر میں ڈوب جائیں دولت تو وہ ہے جو اپنی جیب میں ہو۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

ایسی دولت تو پھر آج کل سوائے شہنشاہ سیزر کے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

ایسا نہیں ہے۔

کپتان نے تعجب سے پوچھا۔

وہ کیسے؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

وہ ایسے کہ ایک ہیرا میرے پاس بھی ہے جو کسی بادشاہ کے خزانے میں بھی نہ ہوگا۔

کپتان نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیا تم وہ ہیرا مجھے دکھا سکتے ہو؟

ضرور، ضرور، کیوں نہیں............یہ لو۔

عنبر نے اپنے لبادے کی اندرونی جیب سے ایک شاندار اور چمکیلا ہیرا نکال کر کپتان کو دکھایا یہ ہیرا کبوتر کے انڈے کے برابر تھا اور اس کی چمک دمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھی کپتان کی آنکھیں تو ہیرے کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں واقعی اس نے اس سے پہلے اتنا قیمتی اور شاندار ہیرا نہیں دیکھا تھا کپتان نے کہا۔

میرے بھائی یہ ہیرا تو بہت اعلیٰ قسم کا ہے یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

تبت کے راجہ نے یہ مجھے تحفے میں دیا ہے۔

کپتان نے کہا۔

اگر یہ ہیرا میرے پاس ہوتا تو میں اسے فلورنس شہر کے جواہری کے پاس فروخت کر کے اپنا ایک بہت بڑا تجارتی جہاز بناتا لیکن میرے

پاس تو ایک بھی ہیرا نہ رہا۔ اتنے جہازوں پر ڈاکے مارے اور اتنا خزانہ جمع کیا لیکن ایک رات طوفان آیا اور سارا خزانہ سارے ہیرے جواہرات جہاز کے ساتھ ہی سمندر میں غرق ہو گئے۔

ٹاگ پھنی کہنے لگا۔

کپتان صاحب! نیک کمائی کبھی ضائع نہیں ہوتی آپ نے لوگوں کی دولت پر ڈاکہ مارا تھا قدرت نے وہ دولت آپ کے پاس بھی نہیں رہنے دی کیونکہ آپ نے گناہ کیا تھا جس کا بدلہ آپ کو مل گیا۔

کپتان کو ٹاگ پھنی کی بات بڑی بری لگی مگر وہ خاموش رہا اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر سے ہیرا لے کر رہے گا خواہ اس کے لئے اسے عنبر اور اس کے دوست ٹاگ پھنی کو قتل کر کے سمندر میں کیوں نہ غرق کرنا پڑے اس نے سوچا کہ ہیرا بیچ کر اسے اتنی دولت مل جائے گی کہ وہ اپنا ایک نیا بادبانی جہاز خرید لے گا اور دوسرے جہازوں کی

نوکری کرنے سے بچ جائے گا آج وہ دوسرے مالکوں کا نوکر ہے۔ اور کل وہ خود جہاز کا مالک کہلائے گا عنبر اور ناگ پھنی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں ان کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دینے سے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی اور وہ ہیرا بھی حاصل کر لے گا۔

کپتان نے رات کے اندھیرے میں ڈاکہ ڈالنے کی بات پکی کر لی اب وہ اس بات کا انتظار کرنے اگا کہ عنبر اور ناگ پھنی کب سوتے ہیں اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ دونوں نیچے ایک چھوٹے سے کیبن میں سوتے ہیں جس کا دروازہ کھلا ہوتا ہے اور وہاں تالا نہیں لگایا جا سکتا وہ دونوں دوستوں کے پاس بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر جمائی لے کر بولا۔

اچھا دوستو! مجھے تو نیند آ رہی ہے میں تو سونے چلا میرا خیال ہے تم بھی کیبن میں جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو۔ صبح سکندریہ پہنچ کر تم لوگوں کو بھی

بہت سے کام کرنے ہوں گے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں میرا خیال ہے ہمیں بھی چل کر آرام کرنا چاہیے۔

اور وہ دونوں دوست اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گئے یہاں پہنچ کر عنبر نے ہیرا اپنی قمیض کی جیب میں سے نکال کر ناگ پھنی کے پاؤں کی جانب رکھے ہوئے نیلے مرتبان کے اندر ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا۔ ناگ پھنی نے کہا۔

دوست! اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ صبح تو ہمارا سفر ختم ہو رہا ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تمہیں معلوم نہیں کہ اس جہاز کا کپتان ڈاکو رہ چکا ہے۔

ناگ پھنی ہنسنے لگا۔

ہاں یار یہ تو تم نے ٹھیک کہا وہ اس قسم کے کتنے ہی ہیرے چرا چکا ہے۔

مگر دوست! اسے ہمارے ہیرے پر ڈاکہ ڈالنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔

وہ کیسے بھلا؟ اسے کیا معلوم کہ ہم کون ہیں؟ یا یہ کہ ہمارا ہیرا چرانا شیر کے منہ سے نوالہ نکالنے کے برابر ہے۔

ناگ پھنی بولا۔

بہر حال اگر اس نے ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تو اسے آٹے دال کا بھاؤ اپنے آپ معلوم ہو جائے گا۔

پھر ناگ پھنی نے عنبر سے پوچھا۔

اگر کپتان کی نیت میں فتور آ جائے اور اس نے ڈاکہ مارنے کی کوشش کی تو کیا خیال ہے اسے ہلاک کر دیا جائے یا معاف کر دیا جائے۔

عنبر نے سوچ کر جواب دیا۔

میرا خیال ہے صرف اتنی سزا دی جائے کہ جسے وہ ساری عمر یاد رکھے اور آئندہ کبھی چوری کرنے کی جرأت نہ کرے۔

بہت بہتر دوست اگر ڈاکو یہاں آیا تو میں اس کے جسم میں صرف اتنا زہر داخل کروں گا کہ وہ مرے گا تو نہیں لیکن اس کی آواز بند ہو جائے گی وہ صرف اشاروں سے ہی بات کر سکے گا اور ساری زندگی اپنی آواز دوبارہ حاصل نہ کر سکے گا۔

ہاں اس کے لئے اتنی سزا ہی کافی ہو گی مگر میرا خیال ہے کہ وہ آئے گا نہیں۔؟

ڈاکو کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

دونوں دوست اسی طرح باتیں کرتے اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد عنبر خراٹے لینے لگا۔ وہ تو بڑے مزے سے سو گیا لیکن اب ناگ پھنی کی ذمہ داری ہو گئی تھی کہ وہ ہیرے کی حفاظت

کرے اور وگر کپتان چوری کرنے آئے تو اسے اس کا مزا چکھائے چنانچہ وہ آنکھیں کھولے جاگتا رہا اس نے وہی کیا جو سانپ کیا کرتا ہے یعنی آنکھیں کھلی بھی رکھیں اور سو بھی گیا مگر اس کی نیند بالکل ایک سانپ کی نیند تھی یعنی کسی غیر آدمی کو بو سے ایک پل کے اندر اندر جگا دیتی تھی۔

وگرنہ ایک انسان کے روپ میں وہ بڑے مزے سے خراٹے لے کر سوتا۔

بادبانی جہاز ستاروں کی روشنی میں بڑے سکون کے ساتھ سکندریہ کی بندرگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا۔ جہاز کی تمام روشنیاں بجھا دی گئی صرف کپتان کے کیبن میں ایک شمع جل رہی تھی تھوڑی دیر بعد کپتان بھی روشنی بجھا کر اٹھا وہ کیبن سے باہر نکل آیا اور عرشے پر جا کر اس نے بڑے غور سے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی

آدمی تو نہیں ہے؟ صرف دو تین مسافر لکڑی کے جنگلے کے ساتھ لگ کر سو رہے تھے کپتان نے سوچا کہ ہیرے کے مالک کو یا دونوں دوستوں کو قتل کرنے کے بعد وہ بڑے آرام سے ان کی لاش سمندر میں پھینک سکتا ہے سب مسافر سو رہے ہیں انہیں کیا معلوم کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟

جہاز پر گہری خاموشی تھی صرف لہریں جب جہاز کے پیندے سے ٹکراتیں تو آواز پیدا ہوتی تھی بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے اور جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ بندرگاہ کی طرف چلا جا رہا تھا کپتان صبح ہونے سے پہلے پہلے عنبر اور ناگ بھی کو قتل کر کے ہیرا اپنے قبضے میں کر لینا چاہتا تھا کیونکہ سکندریہ پہنچ جانے کے بعد وہ پھر کبھی ہیرا حاصل نہیں کر سکتا تھا کپتان اس کام کے لئے یہ ایک سنہری موقع سمجھ رہا تھا اور وہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس بے

چارے کو کیا معلوم تھا کہ جس موقع کو وہ اپنی طرف سے ایک سنہری موقع سمجھ رہا ہے وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس گھڑی ہو گی جب کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اتنی تیز اور پاٹ دار آواز سے محروم ہو جائے گا۔

کپتان بڑی احتیاط اور رازداری کے ساتھ عرشے کا چھوٹا سا زینہ اتر کر نیچے اس اندھیری راہداری میں آ گیا جس کے کونے پر عنبر اور اس کے دوست ناگ پھنی کا کیبن تھا۔ کپتان کو جہاز کے تمام راستوں اور برآمدوں کا علم تھا۔ چنانچہ وہ بلا کھٹکے آگے بڑھتا گیا اور پھر عنبر کے کیبن کے پاس آ کر رک گیا وہ دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے لگا کہ اندر کوئی جاگ تو نہیں رہا اسے خراٹوں کی آواز سنائی دی گویا سب سو رہے تھے کپتان نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

کیبن میں داخل ہوتے ہی اس نے ادھر ادھر چیزوں کو بڑی ہوشیاری

سے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا آخر وہ اس نیلے مرتبان کے پاس پہنچ گیا، جس کے اندر قیمتی ہیرا رکھا تھا کپتان نے مرتبان کے منہ پر بندھا ہوا، کپڑا ہٹا دیا پھر اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو قیمتی ہیرا اس کے ہاتھ میں آ گیا، کپتان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

اندھیرے میں ہیرا بڑا چمک رہا تھا، اس کی مراد اسے مل گئی تھی یہ ساری کاروائی عنبر کا دوست ناگ پھنی اندھیرے میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جس قیمتی ہیرے کی تلاش میں وہ وہاں آیا تھا، وہ اسے مل گیا تھا۔ اس نے ہیرا جیب میں رکھ لیا اور خنجر نکال کر عنبر کی طرف اسے قتل کرنے کی نیت سے بڑھا اب عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ناگ پھنی کی کارستانی کا انتظار کر رہا تھا، کپتان کے خنجر سے وہ خوف زدہ نہیں تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ نہ وہ زخمی ہوگا اور نہ مرے گا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر خنجر پوری طاقت سے عنبر کے دل میں گھونپ دیا مگر یہ

دیکھ کر اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نہ تو عنبر نے کوئی چیخ ماری اور نہ خون کا ایک قطرہ بہا عنبر پہلے لیٹا تھا اور ویسے ہی لیٹا رہا کپتان نے خنجر اس کے سینے سے باہر کھینچا تو وہ اسی طرح بے داغ تھا جس طرح کہ پہلے تھا کپتان کچھ گھبرا سا گیا اس عرصے میں ناگ پھنی نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور وہ اس کے پیچھے پھن پھیلائے کھڑا جھوم رہا تھا۔

اچانک کپتان کو اپنے پیچھے جیسے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا ایک بھیانک سیاہ کالا سانپ پھن پھیلائے اس کی طرف خون آلود آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور بار بار اپنی زہریلی زبان ہلا رہا تھا۔

کپتان ایک دم بھاگ اٹھا وہ کیبن سے باہر راہداری میں آ گیا سانپ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ سانپ نے کپتان کو سیڑھیوں کے پاس جا

لیا وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ سانپ نے لپک کر اس کے پاؤں پر ڈس لیا۔ سانپ کے ڈستے ہی کپتان کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا گلا دبانا شروع کر دیا ہو اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا ملنا شروع کر دیا۔

سانپ اس اثناء میں واپس کیبن میں آ چکا تھا اس نے عنبر کو بتایا کہ وہ کپتان کو ڈس آیا ہے عنبر اٹھ کر کیبن سے باہر آ گیا کپتان سیڑھیوں کے پاس بے ہوش پڑا تھا عنبر نے اس کی جیب سے ہیرا نکالا اور واپس اپنے کیبن میں آ کر سو گیا ناگ پھنی بھی دوبارہ انسانی شکل میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

کپتان کو ہوش آیا تو دن نکل آیا تھا اور وہ اپنے کیبن میں بستر پر پڑا تھا اور جہاز کے لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے ایک حکیم اس کے سر پر کوئی روغن مل رہا تھا۔

حکیم نے پوچھا۔

آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟

کپتان نے کہنا چاہا کہ اچھا نہیں ہوں لیکن اس کی آواز اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکی لوگ کپتان کے ہونٹوں کو ہلتا دیکھ رہے تھے مگر اس کی آواز کسی کو بھی سنائی نہ دے رہی تھی کپتان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھام کر آنکھیں بند کر دیں اس کی آواز ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی عنبر اور ناگ پھنی بھی اس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

کپتان نے ان کو دیکھا تو ان کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔ مگر کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس کی آواز ہی غائب تھی پھر کسی کو کیا پتہ چلتا کہ وہ عنبر اور ناگ پھنی کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے ناگ پھنی اور عنبر کپتان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور اوپر عرشے پر آ گئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی اور دور سکندریہ بندرگاہ پر کھجور کے درختوں کی لکیر

نظر آنا شروع ہوگئی تھی۔

جہاز بندرگاہ پر پہنچنے والا تھا۔

پراسرار سپیرا

سکندریہ کی بندرگاہ پر اتر کر دونوں دوست ایک بنچ پر بیٹھ گئے ذرا آج سے سوا دو ہزار سال پہلے کی سکندریہ بندرگاہ کا تصور دماغ میں لائیں وہاں نہ کوئی بس سٹاپ ہے نہ ریل گاڑی، نہ موٹر کار اور ٹیکسی نہ ہوٹل نہ پارک نہ کوئی سینما ہاؤس نہ ریڈیو سٹیشن اور ٹیلی ویژن اسٹیشن اور نہ کوئی ہوائی اڈہ کہ جہاں جہاز اتر رہے ہوں اور اڑ رہے ہوں پھر بھی یہ اس زمانے کی ایک بارونق بندرگاہ تھی اور چونکہ روم کا شہنشاہ سیزر سکندریہ ہی میں دربار لگاتا تھا اس لئے اس شہر میں اور زیادہ رونق ہو

گئی تھی ملک ملک کے لوگ وہاں اپنے اپنے خاص رنگین لباس پہنے چل پھر رہے تھے۔ بندرگاہ پر کتنے ہی جہاز کھڑے تھے مزدور کام کر رہے تھے۔ بڑے بڑے رتھوں پر سامان لادا جا رہا تھا نانبائی چل پھر کر نان بیچ رہے تھے۔

دریائے نیل کی مچھلیوں کے کباب بک رہے تھے سکندریہ کے میٹھے تربوز بک رہے تھے دونوں دوست بندرگاہ پر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد شہر کی سیر کو نکل گئے وہ سیر تماشے دیکھتے ایک جگہ چھوٹے سے باغ میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ ناگ پھنی نے کہا

دوست یہاں رات کہاں بسر کریں گے؟ اس بارے میں بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

رب عظیم اس بارے میں خود ہی ہماری مدد کرے گا ابھی تو شام بھی

نہیں ہوئی ہمیں شہر کی سیر کرنی چاہیے۔

ناگ پھنی بولا

مجھے تمہاری فکر ہے میرا کیا ہے میں تو گھاس پر بھی سو جاؤں گا۔

عنبر نے کہا۔

دوست! میری فکر نہ کرو میں ننگی زمین پر بھی لیٹ کر رات گزار لوں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ کسی آرام دہ جگہ پر سوؤں اور پھر سیزر کے دربار کی شان دیکھوں میں نے شہنشاہ سیزر کی بڑی تعریف سنی ہے کہ اس کا دربار بہت عظیم الشان ہے اور فرعون کے درباروں کی شان بھی اس کے سامنے کچھ نہیں۔

ناگ پھنی بولا۔

یہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو کیونکہ میں صرف دو سو برس سے زندہ ہوں اور تم دو ہزار برس سے اس دنیا میں رہ رہے ہو جو تم نے فرعون کے دربار

دیکھے ہیں تم صحیح اندازہ لگا سکتے ہو کہ سیزر کے دربار کی شان و شوکت فرعون کے دربار سے کم ہے یا زیادہ............لیکن سوال یہ ہے کہ ہم رہیں گے کہاں؟

عنبر بولا۔

اس کا بھی انتظام اپنے آپ ہو جائے گا آؤ شہر کی سیر کریں۔

دونوں دوست باغ میں سے اٹھ کر شہر کی سیر کرنے لگے بازاروں میں بڑی چہل پہل تھی لوگ آ جا رہے تھے دکانوں کے اندر لوہار کام کر رہے تھے پھل کی دکانوں پر پھل اور کپڑوں کی دکانوں پر کپڑا بک رہا تھا چوک میں پہاڑوں کی برف کا ٹھنڈا یخ پانی فروخت ہو رہا تھا ایک چوک میں کوئی سپیرا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا اس کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ لگی تھی عنبر اور ناگ پھنی بھی وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور سانپوں کا تماشہ دیکھنے لگے سپیرا ایک بوڑھا سا سوکھا سا کالا آدمی تھا

جس کی آنکھیں کبوتر کی آنکھوں کی طرح لال ہو رہی تھیں اس کے ارد گرد سانپوں کی کتنی ہی پٹاریاں رکھی تھیں ایک سیاہ ناگ درمیان میں پھن پھیلائے کھڑا جھوم رہا تھا اور سپیرا بین بجا رہا تھا۔

اچانک سانپ نے اپنا پھن سکیڑ لیا اور زمین کے ساتھ سمٹ کر بیٹھ گیا۔

سرخ آنکھوں والے سپیرے نے بین بجانا بند کر دی اور بڑے غور سے اپنے سانپ کو دیکھا اور پھر تعجب سے تھوڑا سا سر ہلا کر اسے پٹاری میں بند کر دیا اور کہا۔

بھائیو اس سانپ کا کرتب ختم ہوتا ہے یہ تھک گیا ہے اسی لئے بے چارہ کھڑے کھڑے خود ہی بیٹھ گیا۔ اب میں اسے بند کرتا ہوں اور آپ لوگوں کے سامنے دریائے نیل کے سب سے خطرناک سب سے مہلک اور سب سے بڑے کوبرا سانپ کا کرتب دکھاتا ہوں بھائیو

یہ سانپ دریائے نیل کے سانپوں کا سردار ہے اور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یہ اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ شخص ایک پل کے اندر اندر مر جاتا ہے وہیں کھڑے کھڑے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے یہ سانپ اسے اتنی مہلت بھی نہیں دیتا کہ وہ چل کر چارپائی پر ہی لیٹ جائے۔

اور سپیرے نے ایک سرخ رنگ کی پٹاری بیچ میں رکھ کر اس کے اوپر سے کپڑا اٹھا دیا اور بین بجانے لگا تھوڑی دیر تک وہ بین بجاتا رہا اور ایک ہاتھ پٹاری کے اندر ڈال کر سانپ کو چھیڑنے لگا۔ کہ وہ باہر آئے وہ بہت دیر تک کوشش کرتا رہا مگر سانپ باہر آنے کا نام نہیں لے رہا تھا سپیرا بین بجا بجا کر تنگ آ گیا حقیقت یہ تھی کہ سانپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس مجمع میں کوئی اور سانپ بھی انسانی شکل میں موجود ہے اور چونکہ انسانی شکل میں آنے والا سانپ طاقت ور اور سب سے افضل اور اعلٰی سانپ ہوتا ہے اس لئے اس کی موجودگی میں دوسرے سانپ

اس کا احترام کرتے ہیں اور وہ اپنا پھن نہیں پھیلاتے مگر سپیرا یہ راز نہیں جانتا تھا، وہ بار بار بین بجا رہا تھا اور پٹاری میں بند سانپ کو چھیڑے جا رہا تھا، پٹاری والا سانپ دریائے نیل کا سردار سانپ تھا، مگر وہ ناگ پھنی کے مقابلے میں چھوٹا سانپ تھا اس لیے وہ باہر نکلتے ہوئے گھبرا رہا تھا، وہ ناگ پھنی سانپ کی بو برابر سونگھ رہا تھا۔

عنبر کا دوست ناگ پھنی سارا معاملہ سمجھ گیا اور لوگوں کے ساتھ مجمع میں کھڑا چپکے چپکے مسکرا رہا تھا اس نے عنبر کے کان میں سرگوشی کر کے سب کچھ بتا دیا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور سانپ پٹاری سے باہر کیوں نہیں آ رہا؟ عنبر بھی اس نئے کھیل سے بہت خوش ہوا کہ سپیرا بین بجا بجا کر ہلکان ہوا جا رہا ہے سانپ باہر نکلنے کا نام تک نہیں لے رہا سپیرا جب تنگ آ گیا تو اس نے پٹاری الٹ دی پٹاری کا الٹنا تھا کہ سانپ زور سے پھنکارا اور پھن پھیلا کر سپیرے کے سامنے کھڑا ہو گیا

جس طرح کوئی دشمن دشمن کے سامنے کھڑا ہوتا ہے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سانپ سپیرے سے ناراض ہو گیا ہے سپیرا بھی ایک ماہر جوگی تھا اس نے بھی ہار نہیں مانی اور سانپ کی طرف منہ کر کے بین بجانے لگا۔

لوگ اس مقابلے سے بہت خوش ہو رہے تھے عنبر اور نگ چھنی بھی اس تماشے کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگے سانپ نے اپنا پورا پھن پھیلا دیئے تھا اور بڑے جوش کے عالم میں جھوم رہا تھا............ جھومتے جھومتے اس نے گول دائرے کی شکل میں چکر لگانا شروع کر دیا اب سانپ آگے آگے تھا اور سپیرا اس کے پیچھے پیچھے بین بجاتے ہوئے چکر لگا رہا تھا۔

لوگ ڈر کر اپنی اپنی جگہوں سے پیچھے ہٹ گئے تھے سانپ برابر چکر کاٹ رہا تھا عنبر نے محسوس کیا کہ جب بھی سانپ ان کے سامنے سے

گزرتا ہے تو تھوڑا سا جھک جاتا ہے اس کا پھن اپنے آپ سمٹ جاتا ہے پھر جب وہ آگے جاتا ہے تو پھن کو دوبارہ کھڑا کر لیتا ہے اس بات کو ٹک چھنی بھی دیکھ رہا تھا وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ سانپ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے ادب سے جھک جاتا ہے اس نئی تبدیلی کو سپیرے نے بھی محسوس کیا اور دل ہی دل میں حیران سا ہوا کہ اس کا سانپ ایسا کیوں کرتا ہے کہ لوگوں کے جمگھٹے میں ایک خاص جگہ پہنچ کر وہ جھک جاتا ہے۔

اب سپیرا سانپ کے پیچھے چکر لگاتے لگاتے تنگ آ گیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ سانپ کہیں رک جائے مگر سانپ رکنے کا نام نہیں لیتا تھا وہ برابر چکر کاٹ رہا تھا سپیرے نے ایک جگہ پہنچ کر سانپ کو پیچھے سے ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا جوں ہی اس نے سانپ کو پکڑا سانپ نے جھپٹ کر سپیرے کے انگوٹھے پر ڈس دیا سپیرے نے تڑپ کر سانپ

کو چھوڑ دیا اور انگوٹھا پکڑ کر بیٹھ گیا سانپ پٹاری کے پاس بیٹھ گیا اور پھن پھیلائے جھومنے لگا سپیرے کا رنگ سیاہی مائل تو پہلے ہی تھا اب نیلا پڑنے لگا۔

اس نے جلدی سے اپنی پٹاری میں سے کچھ دوائیاں نکال کر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں لگائیں مگر کوئی اثر نہ ہوا لوگ اس کے قریب آ گئے کسی نے کہا اسے حکیم کے پاس لے چلو کسی نے کہا اس کا انگوٹھا کاٹ دیا جائے مگر سانپ نے پھنکار مار کر سب کو وہاں سے بھگا دیا آخر ناگ پھنی نے جب دیکھا کہ سپیرے کے بچنے کی کوئی امید نہیں تو وہ آگے بڑھ کر سپیرے کے قریب آ گیا۔

اس کا قریب آنا تھا کہ سانپ نے فوراً اپنا پھن سکیڑ لیا اور چپکے سے کھسک کر پٹاری کے اندر چلا گیا۔

سپیرا زمین پر لیٹ گیا تھا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا تھا اس کے

سانس اکھڑنا شروع ہو گئے تھے ناگ پھنی نے چیرے کا انگوٹھا پکڑ کر اسے غور سے دیکھا اور جہاں سانپ نے کاٹا تھا اس زخم کو منہ کے ساتھ لگا کر سارا زہر چوس کر باہر تھوک دیا زہر کے تھوکتے ہی چیرے کی حالت سنبھلنے لگی اور تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ناگ پھنی کی طرف دیکھ کر بولا۔

تم نے میری جان بچائی بیٹا! میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

عنبر نے جیب سے کوئی دوائی نکال کر چیرے کو پلائی چیرا بھلا چنگا ہو کر اٹھ بیٹھا اس نے سانپ کو پکڑ کر پٹاری میں بند کرنا چاہا تو ڈر گیا حالاں کہ سانپ الٹی پلٹی پڑی پٹاری کے نیچے تھا مگر اس کی جرائت نہ پڑ رہی تھی کہ وہ دریائے نیل کے زہریلے سانپ کی پٹاری کو سیدھا کر دے ناگ پھنی نے کہا۔

ٹھہرو اسے میں پٹاری میں بند کر دیتا ہوں۔

اور ناگ پھنی نے بڑے آرام سے پٹاری کو سیدھا کیا زمین پر پڑے ہوئے سانپ کو اٹھایا اور پٹاری میں ڈال کر بند کر دیا سانپ نے اس کے ہاتھ میں ذرا سی بھی حرکت نہ کی یوں لگا جیسے سانپ میں جان ہی باقی نہ رہی ہو پیرے نے پوچھا۔

بیٹا! تم کون ہو اور سکندریہ میں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میرا نام یور کا ہے بابا۔ یہ میرا دوست حکیم عنبر ہے ہم دونوں ٹرائے سے ایک بحری جہاز میں ملازم ہو گئے مگر راستے میں جہاز کے کپتان سے ہماری لڑائی ہو گئی اس نے ہمیں نوکری سے جواب دے دیا اب ہم سکندریہ میں بے کار پھر رہے ہیں ہمارے پاس تو سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔

پیرے نے کہا۔

میرے بچو۔! اگرچہ میں غریب ہوں لیکن جب تک ٹھکانے کی تمہیں کوئی جگہ نہیں ملتی تم میرے جھونپڑے میں رہ سکتے ہو وہاں سوائے میرے اور میری بیٹی کے اور کوئی نہیں ہے میری بچی ہم تینوں کے لئے کھانا پکایا کرے گی جو روکھی سوکھی ہم کھاتے ہیں وہ تم بھی کھالیا کرنا۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تم کہاں اتنی تکلیف اٹھاؤ گے بابا! ہم کسی اور جگہ پڑ جائیں گے۔

سپیرا بولا۔

نہیں بیٹا! مجھے کیا تکلیف ہوگی بھلا، اور پھر اتنے بڑے شہر میں تم کہاں مارے مارے پھرو گے مجھے خوشی ہوگی کہ تم میرے ہاں ٹھہرو۔

تم نے میری جان بچائی ہے میرا فرض ہے کہ میں تمہاری ہر خدمت کروں۔

آخر عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

اگر بابا جی کا بہت اصرار ہے تو جب تک ہمیں کوئی اور جگہ نہیں ملتی ہم ان ہی کے پاس ٹھہر جاتے ہیں۔

چنانچہ عنبر اور ناگ پھنی سپیرے کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گئے۔

سپیرے کا جھونپڑا شہر سے ایک جھیل کے کنارے درختوں میں بنا ہوا تھا اس کی اکلوتی بیٹی سانپوں کے مرتبانوں میں دودھ اور شہد ڈال رہی تھی جب عنبر اور ناگ پھنی وہاں پہنچے بابا نے اپنی بیٹی سے مہمانوں کو ملایا اور کہا۔

یہ میری بڑی بیٹی رانی ہے میں اسے پیار سے ناگ رانی کہا کرتا ہوں سارے سانپ اس کے دوست ہیں اسے کچھ نہیں کہتے یہی ان سب کو دودھ اور شہد ڈالتی ہے۔

پھر سپیرے نے اپنی بیٹی کو سارا قصہ بیان کیا کہ کس طرح اس لڑکے

یور کا "ناگ پھنی" نے اس کی جان بچائی دریائے نیل کے سانپ نے اسے کاٹ لیا تھا اگر یور کا زہر نہ چوستا تو وہ مر چکا ہوتا۔

سپیرے کی بیٹی نے ناگ پھنی کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

آپ لوگوں کو میں آج سے اپنا بھائی سمجھوں گی میرے بابا کی جان بچا کر آپ نے ہمیشہ کے لیئے ہماری دعائیں حاصل کر لی ہیں ہم غریب ضرور ہیں مگر ہمارے دل بڑے کھلے ہیں آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی اس جھونپڑی میں آپ کے گھر کا آرام تو نہ ملے گا لیکن میں کوشش کروں گی کہ میرے بھائیوں کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

عنبر نے کہا۔

میری بہن تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ہم اس شہر میں روزگار کی تلاش کر رہے ہیں، جوں ہی ہمیں کوئی اور جگہ مل گئی ہم تمہارا شکریہ ادا کر کے

یہاں سے چلے جائیں گے۔

دوپہر ہو گئی تھی۔

سپیرے کی بیٹی رانی نے زمین پر تاریل کے پتوں کی چٹائی بچھا کر مٹی کی رکابیوں میں شہد، مکی، کی روٹیاں اور ابلی ہوئی شکر قندی رکھ دی اور کہا۔

غریبوں کا کھانا حاضر ہے بھائیو۔ کاش میں آپ کے لئے اس سے بہتر کھانا پکا سکتی۔

عنبر نے کہا۔

ایسا نہ کہو بہن۔ ہمارے لئے یہی سب کچھ ہے۔

عنبر اور ناگ پھنی نے سپیرے اور اس کی بیٹی کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے درختوں کے نیچے لیٹ گئے

دوسری طرف سپیرے نے اپنی بیٹی سے کہا۔

میں ایک بات پر بڑا حیران ہوں کہ سانپ جب بھی ان دونوں لڑکوں کے پاس چکر لگاتے ہوئے جاتا تھا تو اپنا پھن کیوں سمیٹ لیتا تھا اور پھر وہ ان کو دیکھ کر پٹاری میں سے باہر کیوں نہیں نکلتا تھا مجھے تو شک ہے کہ ان دونوں سے ایک لڑکا ضرور سانپوں کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے رانی بولی۔

مگر بابا میں نے ان دونوں کو غور سے دیکھا ہے وہ تو ہم انسانوں کی طرح آنکھیں جھپک رہے تھے یہ تمہارا وہم ہے بابا۔ یہ دونوں عام انسان ہے بھلا تم سے زیادہ کوئی اور کون سانپوں کی دنیا کا بادشاہ ہو سکتا ہے بابا۔

ایسا نہ کہو بیٹی اس دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر رہتا ہے۔

ادھر عنبر ناگ بھنی سے کہہ رہا تھا۔

ہم زیادہ دیر اس جھونپڑے میں نہیں رہ سکتے دوست! میں ان

جھونپڑوں میں رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوا مجھے دنیا میں بڑے بڑے کام کرنے ہیں اور میں دنیا میں ہمیشہ بڑے بڑے کام کرتا آیا ہوں میرا تعلق راجوں، مہاراجوں، اور بادشاہوں سے رہا ہے اور میں نے ہمیشہ اونچی فضاؤں میں پرواز کی ہے جس طرح عقاب ایک ایسا پرندہ ہے کہ صرف اونچی چٹانوں پر ہی بسیرا کرتا ہے اس طرح میں نے بھی ہمیشہ بلندیوں کے خواب دیکھے ہیں اور بلندیوں پر رہا ہوں اس لئے ہمیں جلدی یہاں سے کوچ کرنے کے بارے میں غور کرتا ہے۔

ناگ پھنی بولا۔

دوست میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں بلکہ پیچھے پیچھے ہوں جب اور جس وقت کہو گے میں یہاں سے تمہارے ساتھ اٹھ چلوں گا

عنبر نے فیصلہ کرلیا کہ وہ بہت جلد اس جھونپڑے سے نکل چلیں گے۔

رات کو عنبر اور اس کا دوست ناگ پھنی جھونپڑے کے پچھواڑے کھجور

کی چٹائیوں پر سو گئے سپیرا اور اس کی بیٹی جھونپڑے کے سامنے سوئے آدھی رات کو ناگ پھنی نے دیکھا کہ سپیرا اس کی چٹائی کے اردگرد چکر رہا تھا وہ چپکے چپکے اسے تکتا رہا چھ سات چکر لگانے کے بعد اس نے راکھ کی ایک چٹکی لے کر ناگ پھنی کے سرہانے ڈال دی اور وہاں سے چلا گیا صبح اٹھ کر ناگ پھنی نے دیکھا کہ راکھ کی ایک چٹکی اس کے سرہانے پڑی تھی اس نے عنبر کو سارا واقعہ سنایا اور کہا۔

سپیرے کو مجھ پر شک ہو گیا ہے اگر اس نے میرے خلاف کوئی عمل کرنا چاہا تو مارا جائے گا۔ اسے ابھی میری طاقت کا اندازہ نہیں۔

قلوپطرہ

اگلے روز دونوں دوست سکندریہ شہر کو نکل گئے۔

عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہنشاہ میزر ان دنوں کس شہر میں ہے عنبر نے یہی سوچا تھا کہ اگر میزر سکندریہ میں ہی ہو تو وہ دربار میں اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا شہر میں پہنچ کر وہ ایک قہوہ خانے میں چلے گئے یہاں رومی فوج کے کچھ سپاہی بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ یہ قہوہ خانہ ایک مصری بوڑھے کا تھا کچھ مصری گاہک بھی وہاں پر تھے اتفاق سے مصری گاہکوں میں سے کسی ایک نے یہ کہہ دیا کہ میزر ایک نااہل بادشاہ ہے اور وہ مصر کو ہڑپ کرنے والا ہے بس پھر کیا تھا۔ رومی فوج کے سپاہی بپھر گئے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے دو مصریوں کو

قتل کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئے لوگ وہاں کھڑے ہو کر آپس میں باتیں کرنے اور رومی فوج کے ظلم کا ذکر کرنے لگے۔ عنبر کو مصریوں کے قتل ہونے کا بہت غم تھا شاید اسی لئے کہ وہ خود مصری تھا اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ مطمئن رہیں۔

میں سیزر کے دربار میں مصریوں کے قتل کا مقدمہ لڑوں گا اس بھیانک قتل کے خلاف دہائی دوں گا اور قاتلوں کو سزا دلواؤں گا۔

مصری عوام نے عنبر کے حق میں نعرے لگائے اور عنبر نے اگلے روز شہنشاہ سیزر کو ملنے کا طے کر لیا ناگ پھنی نے اسے کہا۔

دوست! ہمیں دوسروں کی مصیبت میں ٹانگ اڑانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔؟ ہو سکتا ہے شہنشاہ سیزر کو یہ بات بری لگے کہ ہم اس کے فوجیوں کے خلاف شکایت لے کر آئے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

دیکھا جائے گا میں سچ کی آواز ضرور بلند کروں گا۔

ناگ پھنی کو عنبر کی آواز کی یہ بات کچھ زیادہ پسند نہ آئی کیونکہ اس کے خیال میں عنبر سچ کی آواز کم اور مصریوں کی آواز زیادہ بلند کر رہا تھا۔ سیاسی اعتبار سے عنبر کو مصریوں کے بارے میں یہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ سیزر ایک بہت بڑا شہنشاہ تھا بلکہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا ساری دنیا اس کے نام سے کانپتی تھی اور مصر کا سارا علاقہ سوائے ایک شہر تھیبس کے اس کے قبضے میں تھا تھیبس پر ایک کمزور فرعون حکمران تھا جو قلوپطرہ کا بھائی تھا۔

سیزر کے لئے تھیبس کو فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ان حالات میں عنبر کو خواہ مخواہ شہنشاہ سے دشمنی مول نہیں لینی چاہیے تھی اس نے عنبر کو سمجھانے کی کوشش بھی کی مگر اس کے ذہن میں ناگ پھنی کی یہ بات نہ آئی اور وہ بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا کہ وہ سیزر کے پاس

رومی فوجوں کی شکایت لے کر ضرور جائے گا شاید عنبر کو کوئی بہانہ ملنا چاہیے تھا کہ وہ سیزر کے دربار میں پہنچے مگر ناگ پھنی کے خیال میں شہنشاہ روم کے دربار میں پہنچنے کا یہ ایک بڑا خطرناک بہانہ تھا۔

ادھر یہ پروگرام بن رہا تھا اور ادھر نیل کی جادوگرنی مصر کے فرعون کی بہن قلوپطرہ اپنے وفادار غلام کے ساتھ سیزر کو ملنے گھر سے چل پڑی تھی اس نے اپنے آپ کو ایک ریشمی قالین میں لپیٹ کر رکھا تھا یہ قالین غلام کلاؤس نے مزدوروں کے سروں پر اٹھوا رکھا تھا شہنشاہ روم کے محل کے باہر پہنچ کر اس نے بادشاہ کو پیام بھجوایا کہ فرعون مصر کی بہن قلوپطرہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک تحفہ بھیجا ہے۔

سیزر نے غلام کو اندر بلا لیا۔

شہنشاہ روم سیزر کا دربار بیک وقت سادگی اور شان و شوکت کا مجموعہ تھا دربار پر ایک ہیبت اور جلال طاری تھا رومن سینٹ کے ممبران دونوں

جانب قطار اندر قطار بیٹھے تھے ملک ملک کے سفیر بھی رنگ برنگ لباس میں وہاں موجود تھے سیزر سرخ اور سفید ریشمی لبادے میں ملبوس تخت پر بیٹھا تھا اس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور ہاتھوں میں بیش قیمت جواہرات جڑی انگوٹھیاں تھیں۔

غلام کلاڈیس نے جا کر ادب سے کورنش بجالائی۔

سیزر نے کہا۔

کیا تم قلوپطرہ کے غلام ہو؟

غلام نے سر جھکا کر کہا۔

جی ہاں بادشاہِ روم

سیزر نے اپنے پاس ہی بیٹھے اپنے وزیر بروٹس سے کچھ مشورہ کیا اور پھر غلام سے کہا۔

کیا تم قلوپطرہ کی طرف سے ہمارے لیے تحفہ لائے ہو؟

جی ہاں بادشاہ زماں۔

بروٹس وزیر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

تحفہ پیش کیا جائے۔

غلام نے تالی بجائی پردہ ایک طرف ہٹا اور بیس پچیس غلام کندھوں پر تہہ کیا ہوا ایک بہت بڑا قالین لے کر اندر داخل ہوئے سیزر اور بروٹس بڑا حیران ہوا کہ مصر کی قلوپطرہ نے ڈگر سیزر کے لئے صرف ایک قالین کا تحفہ بھیجا ہے تو اس نے روم کے شہنشاہ کے ساتھ مذاق کرنے کی جرات کی ہے غلاموں نے قالین کو زمین پر رکھ کر اسے کھولنا شروع کر دیا جب قالین سارے کا سارا کھل گیا تو اس میں سے قلوپطرہ نکل کر انتہائی خوب صورت لباس میں ملبوس سامنے آن کھڑی ہو گئی۔

اس نے بڑی شان سے جھک کر سیزر کو سلام کیا۔

مصر کی قلوپطرہ شہنشاہ روم کی خدمت میں حاضر ہے۔

سیزر بروٹس اور سارے درباری یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

سیزر نے قلوپطرہ کا یہ انداز بہت پسند کیا۔ اس نے تخت پر سے اٹھ کر قلوپطرہ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا۔

اے نیل کی ساحرہ ہم نے تمہارے بارے میں جو سنا تھا وہ ٹھیک ہی سنا تھا تم واقعی ایک عجیب وغریب عورت ہو ہم سکندریہ کی زمین پر تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

قلوپطرہ نے اپنی ہوشیار نظروں سے دربار میں بروٹس کو دیکھا اور کہا۔

اے شہنشاہ روم یہ کنیز آپ کے پرتپاک خیر مقدم کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے شاہی دربار میں بھی مجھے کچھ عجیب وغریب لوگ نظر آرہے ہیں۔

قلوپطرہ کا اشارہ سیزر کے وزیر بروٹس کی طرف تھا جو خاموش نگاہوں

سے قلوپطرہ کی طرف دیکھ رہا تھا سیزر ہنس پڑا اور بولا۔

عجیب و غریب لوگ دنیا کے ہر خطے میں موجود ہوتے ہیں۔ قلوپطرہ آؤ ہم تمہیں اپنی بیگم سے ملاتے ہیں۔

قلوپطرہ بروٹس کو گہری نظروں سے تکتی ہوئی سیزر کے ساتھ اس کی ملکہ سے ملنے محل کے اندر چلی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ بروٹس نے قلوپطرہ کا دربار میں آنا پسند نہیں کیا تھا وہ پہلی ہی نظروں میں بھانپ گیا تھا کہ قلوپطرہ کا دربار میں آنا بدشگونی کی علامت ہے یعنی قلوپطرہ کے آنے سے شہنشاہ روم سیزر کے برے دن شروع ہو گئے ہیں مگر وہ خاموش رہا وہ سیزر کی عادت سے واقف تھا کہ وہ ایک ضدی اور اپنی مرضی کا مالک بادشاہ تھا اسے اگر کوئی شے پسند آ جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے خلاف نہیں کر سکتی اس نے قلوپطرہ کو پسند کر لیا تھا اور اب قلوپطرہ کے خلاف وہ کوئی بات

نہیں سن سکتا تھا۔

بروٹس نے اپنے ساتھیوں اوکٹے دین وغیرہ سے مشورہ کیا کہ سیزر کو مصر کی جادوگرنی سے کس طرح بچایا جائے کیونکہ اگر قلوپطرہ کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تو روم کی سلطنت کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔..............

اوکٹے دین بھی ایک محب وطن رومی سردار تھا وہ بھی بروٹس کی طرح یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ رومی حکومت کو کوئی آنچ آئے اسے بھی معلوم تھا کہ سیزر ایک محب وطن مگر جذباتی بادشاہ ہے ہو سکتا ہے وہ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو رومی سلطنت کے لیے نقصان کا باعث بن جائے اس نے بروٹس سے کہا۔

سیزر کو ابھی کچھ نہیں کہنا چاہیے ہمیں ابھی کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

بروٹس نے مسکرا کر کہا۔

تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے مگر یاد رکھو اوکٹے وین قلوپطرہ ایک انتہائی ہوشیار عورت ہے وہ مصر کا لمبا سفر طے کر کے یونہی سکندریہ میں داخل نہیں ہوئی وہ اپنے ساتھ ایک عظیم مقصد لے کر آئی ہے ہمیں اس مقصد میں اسے کامیاب نہیں ہونے دینا چاہیے۔

ایسا ہی ہوگا بروٹس۔

رومی دربار کے دوسرے سرداروں نے بھی اوکٹے وین کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ روم کے وقار اور عزت پر حرف نہیں آنے دیں گے اور سیزر کو کوئی ایسی حرکت نہیں کرنے دیں گے جس سے روم کی عظیم الشان سلطنت کو ٹھیس پہنچے۔

سیزر نے قلوپطرہ کو بڑی شان کے ساتھ اپنی بیگم ملکہ روم کے پاس حرم میں لے گیا۔ ملکہ نے قلوپطرہ کو سیزر کے ساتھ اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہرگز پسند نہ کیا مگر سیزر کے سامنے وہ بھی ایک لفظ زبان سے نہ نکال سکتی تھی اس نے مسکرا کر قلوپطرہ کا استقبال کیا اور کہا۔

فرعون کی بہن قلوپطرہ کو ملکہ روم خوش آمدید کہتی ہے۔

سیزر نے اعلان کیا۔

آج کی رات قلوپطرہ کے لئے ایک شاندار دعوت دی جائے۔

چنانچہ اس رات سارے محل میں قلوپطرہ کے آنے کی خوشی میں ایک شاندار جشن منایا گیا دعوت میں روم کے سارے معزز لوگوں نے شرکت کی اوکتے دین اور بروٹس بھی وہاں موجود تھے انہوں نے اس دعوت کو پسند نہ کیا مگر وہ خاموش رہے صرف بروٹس نے سیزر سے کہا۔

بادشاہ سلامت! سیزر کو یہ عورت مبارک ہو مگر مصر کی ایک عورت کے

لیے اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟

سیزر کو بروٹس کا یہ فقرہ برا لگا۔ اس نے ماتھے پر سلوٹیں ڈالتے ہوئے کہا۔

بروٹس۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ قلوپطرہ ایک عام عورت ہے؟ نہیں وہ مصر کی دیوی ہے وہ ایک عظیم الشان عورت ہے۔

بروٹس نے زیادہ بات کرنی مناسب نہ سمجھی وہ خاموش ہو گیا سیزر دوسرے درباریوں سے باتیں کرنے لگا۔ قلوپطرہ نے دور سے بروٹس کو سیزر کے ساتھ باتیں کرتے اور پھر سیزر کو نفرت کے ساتھ جواب دیتے دیکھ لیا تھا ہوشیار قلوپطرہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ بروٹس نے اس کی مخالفت کی ہے جسے سیزر نے پسند نہیں کیا۔

اسے پہلے روز ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ بروٹس قلوپطرہ کو پسند نہیں کرتا مگر قلوپطرہ ایک زیرک اور جہاں دیدہ عورت تھی قدرت نے اس کے

اندر بعض ایسی خوبیاں بھر دی تھیں جو عام عورتوں میں نہیں ہوتیں وہ ایک آدمی کو دیکھ کر ہی اس کے دل کا حال معلوم کر لیتی تھی اس میں اتنی قابلیت تھی کہ وہ کسی آدمی کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے چنانچہ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ بروٹس اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دے گی۔

سیزر اس وقت یونان کے تاجروں کے ساتھ اور قلوپطرہ چین کی شہزادیوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں بروٹس نے ہوکتے دین اور اپنے ساتھیوں کو ایک طرف بلا کر کہا۔

سیزر پر قلوپطرہ کا جادو چڑھ گیا ہے وہ کسی کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا ہمیں اب ہوشیار رہنا ہوگا اور روم کے وقار کے خلاف قلوپطرہ کے ہر حملے کو ناکام بنا دینا ہوگا۔

کیا سیزر خود اس بات کو محسوس نہیں کرتا کہ وہ قلوپطرہ کے پنجے میں

پھنستا جا رہا ہے؟

نہیں۔ اس وقت وہ اسے محسوس نہیں کر سکتا لیکن بہت جلد ہم اسے سوچنے پر مجبور کر دیں گے کہ وہ شاہی رومی سلطنت اور رومی قوم کے حق میں ٹھیک رویہ اختیار کرے۔

ادھر شاہی محل میں قلوپطرہ کی شان میں دعوت ہو رہی تھی اور ادھر پر اسرار ہیبیرا اپنی بیٹی رانی سے کہہ رہا تھا۔

رات میں نے یورکا "ناگ پھنی" پر اپنا عمل کیا تھا مگر اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے وہ کوئی جادوگر ہے میں اس سے اس کا سارا جادو چھین کر خود حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میرا بڑا اسرار دار سانپ اسے ڈسے اور جب وہ مر جائے تو اس کا سر کاٹ کر اپنی پٹاری میں چالیس روز تک بند رکھوں یہ سر جب خشک ہو کر چھوٹا ہو جائے گا تو اس نوجوان لڑکے کا سارا جادو خود بخود میری

پٹاری میں آ جائے گا۔

اس کی بیٹی نے کہا۔

تو پھر کون سا وقت دیکھ رہے ہو بابا۔ یہ گھڑی دوبارا نہیں آئے گی اس وقت جادو کی چھڑی ہماری جھونپڑی میں اپنے آپ آ گئی ہے۔

سپیرے نے کہا۔

میں آج رات یورکا پر سانپ چھوڑ دوں گا۔

ناگ پھنی اور عنبر کو پراسرار سپیرے کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ انہیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے وہ شام کو جھونپڑے میں واپس آ گئے تو سپیرے نے بڑی خوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور کہا۔

آج میری بیٹی رانی نے تمہارے لیئے دریائے نیل کے کنولوں کے بیج پکائے ہیں امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

ضرور، ضرور۔

کھانے پر انہوں نے کنول کے بیج کا سالن بہت خوش ہو کر کھایا یہ سالن واقعی بہت مزے دار تھا لیکن انھیں بالکل خبر نہ تھی کہ سپیرے نے اس سالن کے اندر ایک ایسی دوا ڈالی ہے جو بہت زیادہ نیند لاتی تھی اور آدمی کو سوتے میں بالکل ہوش نہیں رہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

اب بھلا اس سپیرے کو کیا خبر تھی کہ وہ دونوں کسی دوسری دنیا کے آدمی ہیں ایک تو سانپ ہے اور دوسرا دو ہزار برس سے زندہ چلا آرہا تھا۔ چنانچہ رات کو وہ بڑے آرام سے سو گئے سپیرے کا خیال تھا کہ وہ بے ہوش ہو چکے ہیں اس نے پٹاری میں سے سانپ نکال کر چھوڑ دیا اور خود ایک طرف اندھیرے میں کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے لگا۔

سانپ سیاہ ناگ تھا وہ پھن پھیلائے عنبر کی طرف بڑھنے لگا عنبر گہری نیند سو رہا تھا اس نے لپک کر عنبر کو ڈس لیا۔ ....ناگ پھنی کی آنکھ کھل گئی ظاہر ہے عنبر کو کچھ بھی محسوس نہ ہوا تھا وہ اسی طرح سو رہا تھا ناگ پھنی کو سپیرے کی کمینگی پر بے حد غصہ آیا اب سانپ ناگ پھنی کو ڈسنے کے لئے آگے بڑھا ناگ پھنی نے ایک زوردار پھنکار ماری اور بہت بڑے اژدہا کی شکل میں سامنے آ کر سانپ کو نگل گیا اور سپیرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سپیرے نے جب ناگ پھنی کو اپنی آنکھوں سے انسان سے سانپ میں بدلتے اور اس کے زہریلے سانپ کو نگلتے دیکھا تو اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں اس کا سارا بدن پسینے میں تر بتر ہو گیا اس نے ہاتھ جوڑے اور دو زانو ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اے سانپوں کے بادشاہ مجھے معاف کر دے۔

عنبر بھی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور رانی بھی بھاگ کر وہاں آ گئی اس نے اپنے باپ کے سامنے ایک خوف ناک اژدھے کو دیکھا تو وہ بھی کانپنے لگی سپیرے نے کہا۔

اے سانپوں کے بادشاہ میرے سانپ نے تمہارے ساتھی کو بھی ڈس دیا ہے میں ابھی اس کا زہر چوس کر پھینک دیتا ہوں۔

اس پر عنبر نے کہا۔

فکر نہ کرو، تمہارا زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ناگ بھی ایک دم پھنکار کر ایک بار پھر انسانی روپ میں آ گیا اب تو سپیرے اور اس کی بیٹی نے سجدہ کر دیا وہ تو حیران و ششدر رہ گئے تھے کہ انہوں نے دو سو برس تک زندہ رہنے والے سانپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ

رہے تھے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میں تمہیں معاف کرتا ہوں لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم کسی انسان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی ہمت نہ کرو گے۔؟

میں وعدہ کرتا ہوں۔

میں بھی وعدہ کرتی ہوں۔

اور دونوں باپ بیٹی سجدے میں گر گئے۔

نیل کی جادوگرنی

عنبر کے سانپ دوست ناگ پھنی نے صبح اٹھتے ہی عنبر سے کہا۔

ہمیں اب اس جھونپڑے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس سپیرے پر میرے سانپ ہونے کا راز کھل گیا ہے میں اسے ہلاک کر دینا چاہتا تھا مگر اس کی جوان بیٹی کی خاطر اسے ہلاک نہیں کر رہا بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔

جیسے تمہاری مرضی۔

چنانچہ اسی روز عنبر اور ناگ پھنی وہاں سے نکل گئے بوڑھا سپیرا انہیں دیکھتا ہی رہ گیا جب وہ چلے گئے تو اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔

بیٹی ہم نے ایک بہت بڑا سنہری موقع کھو دیا ہے سانپوں کا شہنشاہ ہمارے گھر آیا اور چلا گیا کاش میں اس سے زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے کا راز پوچھ سکتا جو اس کو معلوم ہے۔

سپیرے کی بیٹی نے بھی بہت افسوس کیا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ناگ پھنی ان کے جھونپڑے سے نکل کر بہت دور جا چکا تھا پھر بھی سپیرے نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سکندریہ شہر میں ناگ پھنی کا پیچھا کرتا رہے گا۔

اگر اس نے اسے خزانے کا راز بتا دیا تو وہ اس پر آگ پھینک کر اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا یہ صرف پر اسرار مکار سپیرے کو ہی معلوم تھا کہ ایسا سانپ جو ہر قسم کی شکل بدل لے صرف آگ ہی سے ہلاک ہو سکتا ہے اس نے پٹاری بغل میں دبائی اور ناگ پھنی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

ناگ پھنی کو بھی خطرے کا احساس ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ سپیرا اسے آگ میں جلا ڈالنے کے راز سے واقف ہے اور وہ ضرور کوشش کرے گا کہ ناگ پھنی کو نقصان پہنچائے وہ سپیرے کو ضرور مار ڈالتا اگر اسے اس کی اکلوتی بیٹی کا خیال نہ آتا زندگی میں پہلی بار اس نے انسانوں کی طرح سوچ کر کوئی فیصلہ کیا تھا بہر حال اس وقت وہ اپنے دوست عنبر کے ساتھ سکندریہ شہر کی ایک کارواں سرائے کے باہر کھڑا تھا۔

اگر پیسوں کا کوئی مناسب انتظام نہ ہو سکا تو میں اپنا ہیرا بیچ دوں گا۔

عنبر کی اس بات پر ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

میرے محسن دوست! یہ وقت کبھی نہیں آئے گا آخر زمین کے اندر وہ خزانے جن کا مجھے علم ہے کس روز کے لئے پڑے ہیں میں ان میں سے جس قدر دولت چاہے حاصل کر سکتا ہوں۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم خزانوں کی کھدائی میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔

فکر نہ کرو کچھ خزانے میں زمین کے اوپر بھی دیکھ رہا ہوں میں ان میں سے ضرورت کے مطابق اشرفیاں حاصل کرلوں گا۔

تمہاری مرضی ہے ویسے مجھے اس کی ضرورت نہیں میں بیماروں کا علاج کر کے بھی تمہاری اور اپنی روزی کما سکتا ہوں۔

دونوں دوست سرائے کے مالک کے پاس گئے ان کا لباس معمولی قسم کا تھا اس لیے مالک نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دی ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم روم سے آئے ہیں اور یہاں کچھ روز قیام کرنا چاہتے ہیں۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

تم روم سے آئے ہو یا یمن سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے پاس سرائے میں ٹھہرنے کے لیے اشرفیاں ہیں۔؟

عنبر نے کہا۔

ہمارا نوکر سامان وغیرہ لے کر کل پہنچ رہا ہے ہم کل آپ کو کرایہ ادا کر دیں گے۔

میاں! اپنا راستہ ناپو تم جیسے سوداگر میں نے بہت دیکھے ہیں سرائے کے مالک نے اتنا کہہ کر ناگ پھنی کو آگے بڑھنے کے لیے کہا آخر ناگ پھنی سے نہ رہا گیا اس نے کہا۔

جناب عالی! ہم پر اعتبار کیجیے ہم کل آپ کو کرایہ کی ایک ایک پائی ادا کر دیں گے۔

مگر سرائے کا مالک تو ایک ہی ضدی اور لالچی شخص تھا وہ یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ کرایہ پیشگی دو گے تو سرائے میں ٹھہرنے کی اجازت دوں گا ورنہ یہاں سے چلتے بنو۔ ناگ پھنی کو غصہ آ گیا اس نے کہا۔

اچھا جناب دیکھتا ہوں۔ آپ کے باقی مسافر یہاں کس طرح رہتے

ہیں ابھی سارے کے سارے آپ کی سرائے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور آپ کی سرائے خالی ہو جائے گی۔

سرائے کے مالک نے گرج کر کہا۔

چلو چلو اپنا کام کرو۔ آ جاتے ہیں لفنگے اٹھائی گیرے کہیں کے۔ ناگ پھنی اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے روک دیا اور پرے لے گیا اس نے ناگ پھنی کو سمجھایا کہ خواہ مخواہ سرائے کے مالک سے جھگڑنے سے کیا فائدہ جب کہ ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے ناگ پھنی بڑے غصے میں تھا اور عنبر سے بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ میں سرائے کے مالک کو اس کی گستاخی کی ضرور سزا دوں گا۔ اور اسے بتاؤں گا کہ شریف لوگوں سے بدتمیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کی جاتی۔

مگر بھائی تم کیا کرو گے؟ کیا اسے ہلاک کر دو گے۔؟

نہیں۔ ایسا نہیں کروں گا میں نے جو کہا ہے وہی کروں گا۔ میں اس کی سرائے ساری کی ساری خالی کرا دوں گا ابھی اس کے سارے مسافر سرائے سے بھاگتے نظر آئیں گے تم ذرا اس مکان کی دیوار کے پاس آ جاؤ۔

عنبر سمجھ گیا کہ ناگ پھنی کوئی بہت بڑی شرارت کرنے والا ہے۔

وہ دیوار کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گیا ناگ پھنی نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر دیوار کی طرف منہ کر کے بولا۔

تم میرے آنے تک اسی جگہ میرا انتظار کرنا کہیں ادھر اُدھر مت ہونا عنبر میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

مگر تم کیا کرنے لگے ہو؟

تم دیکھتے جاؤ بس۔

ناگ پھنی نے زور سے سانس باہر پھینکا ایک پھنکار کی سی آواز بلند ہوئی اور ناگ پھنی انسان سے ایک سیاہ کالا سانپ بن گیا اور سرائے کی جانب رینگنے لگا۔ سانپ رینگتا ہوا پچھلی جانب سے سرائے کے اندر داخل ہو گیا سرائے میں اس وقت لوگ ناشتہ کر رہے تھے سانپ رینگ کر ایک کوٹھڑی میں داخل ہو گیا اندر دو چار مسافر قالین پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے سانپ بوریوں کے پیچھے چھپ گیا اور وہیں سے ایک دم شیر کا روپ بدل کر زور سے دھاڑا اس کی بھیانک گرج سن کر مسافروں کے ہاتھوں سے پیالیاں گر پڑیں جب انہوں نے ایک سرخ آنکھوں اور تیز نوکیلے دانتوں والے شیر کو اپنے کمرے میں دہاڑتے دیکھا تو پاگلوں کی طرح کوٹھڑی میں سے باہر بھاگ گئے۔

ناگ پھنی وہاں سے دوسری کوٹھڑی میں آ گیا یہاں بھی کچھ مسافر

بڑے سکون سے بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے ناگ پھنی یہاں ہاتھی بن کر کوٹھڑی میں نمودار ہوا اور اس نے زور سے چنگھاڑ کر سونڈ کے ایک ہی گھونسے سے کوٹھڑی کا دروازہ مع چوکھٹ کے اکھاڑ کر رکھ دیا کچھ مسافر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کچھ اپنی جان بچا کر چیختے چلاتے وہاں سے نکل گئے۔

تیسری کوٹھڑی ذرا بڑی تھی۔ اور وہاں زیادہ مسافر بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اس کوٹھڑی میں ناگ پھنی دریائے نیل کے ایک خونخوار شکل والے مگرمچھ کی شکل میں داخل ہوا اور اپنی ہیبت ناک پھنکاروں کے ساتھ وہاں بیٹھے تمام مسافروں کو اس قدر پاگل کر دیا کہ وہ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے وہاں سے اٹھ دوڑے۔

اب سرائے کے باہر کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔

سارے مسافر اپنی کوٹھریوں سے نکل کر شیر آیا۔ ہاتھی آیا۔ مگرمچھ

آیا کے نعرے لگاتے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور سرائے کا مالک اونچی گدی پر کھڑا پریشان حال انہیں آوازیں دے دے کر واپس بلا رہا تھا مگر ہر کسی کو جان پیاری ہوتی ہے مسافروں نے اپنی آنکھوں سے ہاتھی شیر اور مگرمچھ دیکھا تھا پھر وہ بھلا کیسے اس سرائے میں ٹھہر سکتے تھے دیکھتے دیکھتے ساری سرائے مسافروں سے خالی ہو گئی۔

اب ناگ پھنی دوبارہ انسان کے روپ میں عنبر کے پاس آ گیا اور بولا۔

سرائے میں نے خالی کرا دی ہے آؤ اب چلتے ہیں وہاں۔

شیر اور ہاتھی کی آوازیں عنبر نے بھی سنی تھیں وہ سمجھ گیا کہ ناگ پھنی نے کیا ہو گا وہ اس کے ساتھ سرائے کے باہر آ گیا ساری سرائے میں گہری خاموشی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی مالک گدی پر سر پکڑ کر بیٹھا تھا

ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر کہا۔

کیا خیال ہے کوٹھڑی ملے گی یا نہیں؟

سرائے کا مالک' اپنی سرائے میں جنگلی درندوں کی دھاڑیں سن کر ڈر گیا تھا' اس نے جھٹ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ضرور ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ یہ سرائے آپ کی اپنی ہے حضور دونوں دوستوں نے سرائے میں ٹھکانہ کر لیا۔

سیزر کے دربار میں قلوپطرہ نے ایک روز کہا۔

عظیم سیزر تھیبس کا شہر میں آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں لیکن میرے بھائی کے شہر کو فتح کرنے اور جشن تاج پوشی منانے آپ کو وہاں آنا ہوگا۔

سیزر جو قلوپطرہ کا غلام بن کر رہ گیا تھا مسکرا کر بولا۔

میں تمہارے شہر کو سکندریہ میں بیٹھ کر بھی فتح کر سکتا ہوں قلوپطرہ نے

سیاہ انگوروں کا گچھا اٹھا کر اسے اپنی آنکھوں کے آگے لہراتے ہوئے کہا۔

مگر نہیں سیزر، یہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے شہر میں آکر دربار لگائیں اور مجھے اپنے ساتھ عزت کے ساتھ لے کر جائیں۔

سیزر بولا۔

ہم تیار ہیں قلوپطرہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

قلوپطرہ کا تیر نشانے پر لگا تھا وہ چاہتی تھی کہ سیزر کو وہاں سے تھیبس کے شہر میں لائے وہاں ایک شاندار جلوس کی شکل میں اسے اپنے دربار میں لے جائے اور پھر سارے مصر کی حکمران بن کر رہ جائے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سیزر اس کے اشاروں پر ناچنے لگا ہے۔

اس کی خبر اوکتے دین اور بروٹس کو پہنچی تو انہیں بے حد غصہ آیا وہ سمجھ

گئے کہ آخر قلوپطرہ ایک ایک کر کے اپنے مقصدوں میں کامیاب ہو رہی ہے اور اس نے سیزر کو اپنے دام میں الجھا لیا ہے۔ وہ دونوں محب وطن رومن تھے وہ سیدھا سیزر کے کمرے میں پہنچے سیزر اس وقت اپنی بیوی کلاڈیا کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

بروٹس نے کہا۔

عظیم سیزر ہم آپ سے بڑی ضروری بات کرنے آئے ہیں۔

سیزر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

اجازت ہے۔

بروٹس نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور سینٹ کے سارے درباریوں کی طرف سے اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ وہ تھیبس جیسے چھوٹے شہر میں اتنا بڑا لشکر لے کر خود جائے اوکتے دین نے بھی بروٹس کے خیال کی تائید کی اور کہا۔

عظیم سیزر، یہ معزز اراکین سینٹ اور سلطنت روما کی توہین ہے کہ آپ ایک عورت کے کہنے پر ایسا کر رہے ہیں۔

خاموش۔

سیزر گرج کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر کلاڈیا کے ہاتھ کاندھے پر رکھنے سے سنبھل گیا اور بولا۔

میں سلطنت کی عزت اور روم کے وقار کو تم لوگوں سے زیادہ سمجھتا ہوں اور میں روم کا بادشاہ ہوں۔

بروٹس نے جرائت کر کے کہا۔

عظیم سیزر تمہیں بادشاہ ہم نے چنا ہے۔

سیزر بروٹس کا دوست بھی تھا اس نے مسکرا کر بروٹس کی طرف دیکھا اور کہا۔

میرے دوست تمہاری اس عنایت کا شکریہ لیکن اب میں بادشاہ بن چکا ہوں اور اس عظیم سلطنت میں میرا ہی حکم چلتا ہے میں قلوپطرہ کے ساتھ تھیبس ضرور جاؤں گا اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس شہر میں جا کر جشن منانے سے نہیں روک سکتی۔

بروٹس نے کہا۔

یہ ایک خطرناک قدم ہوگا۔

سیزر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا تم لوگ جا سکتے ہو۔

بروٹس اور دوکتے دین خاموشی سے بڑبڑاتے ہوئے باہر آ گئے سیزر ایک جذباتی بادشاہ تھا اسے اپنی طاقت ہی کا احساس تھا وہ بروٹس اور دوکتے دین کی طاقت سے بے خبر تھا اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ بروٹس کو سارے درباریوں کی ہمدردیاں حاصل ہیں اور اس نے ان

سب کو قلوپطرہ کے خلاف کر دیا ہے بروٹس نے باہر نکل کر اوکتے وین سے کہا۔

اوکتے وین سیزر کو ایک روز اپنے طرز عمل پر پچھتانا پڑے گا قلوپطرہ نے سیزر کے ساتھ تھیبس پر حملے کا ایک دن مقرر کر دیا اس روز سیزر نے ایک لشکر اکٹھا کیا اور اسے ساتھ لے کر تھیبس کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھیبس کے شہر میں جب یہ خبر پہنچی کہ سیزر روم کا بادشاہ خود ایک زبردست فوج لے کر ان کے شہر پر حملہ کرنے چلا آ رہا ہے تو وہاں ہڑبونگ مچ گئی کمزور فرعون تو تھر تھر کانپنے لگا۔ چنانچہ جب سیزر کا لشکر شہر کے باہر پہنچا تو قلعے کے سارے دروازے کھول دیے گئے اور رومی فوج بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئی۔

تھیبس کا شہر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کر لیا گیا۔

سیزر نے فرعون کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور خود تخت پر

بیٹھ گیا اسی روز قلوپطرہ ایک عالی شان جلوس کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوئی روم کی تاریخ میں لوگوں نے اس سے بڑھ کر شان و شوکت والا جلوس آج تک نہیں دیکھا تھا ہزاروں، غلاموں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں ایک بہت بڑی پالکی میں سوار قلوپطرہ اسی شان کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوئی سیزر مجبور ہو گیا کہ محل کے باہر آ کر اس کا استقبال کرے یہ بات بھی درباریوں کو اچھی نہ لگی کہ ایک عظیم سلطنت کا بادشاہ قلوپطرہ کے لئے چل کر شاہی محل سے باہر آئے۔

مگر سیزر تو قلوپطرہ کے جال میں ایک پرندے کی طرح پھنس چکا تھا۔ سیزر نے آگے بڑھ کر قلوپطرہ کو پالکی سے اتارا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا پھر سیزر نے اٹھ کر اعلان کیا۔

آج سے قلوپطرہ میری بیگم ہے اور سارے مصر کی ملکہ ہے تمام مصر کا علاقہ قلوپطرہ کے حوالے کرتے ہیں۔

اس اعلان پر مصریوں نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا مگر رومن خاموش رہے وہ سیزر کے اس اعلان سے خوش نہیں ہوئے تھے انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ان کا علاقہ دشمن کے حوالے کیا جا رہا ہو۔

بروٹس نے اوکٹے وین کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو وقت آ گیا ہے کہ سیزر کو اس غداری کا بدلہ دیا جائے۔

سپیرے کی موت

پراسرار سپیرا ناگ پھنی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ ناگ پھنی ایک سانپ ہے جو دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے وہ اسے ہلاک کر کے اس کا سر اپنی پٹاری میں رکھنا چاہتا تھا جس کا فائدہ یہ تھا کہ

سپیرے کو زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا پتہ چل سکتا تھا۔ ناگ پھنی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ایک خطرناک فیصلہ تھا مگر سپیرا اس پر تل گیا تھا۔ چنانچہ وہ سکندریہ میں ان دونوں کا تعاقب کرتا ہوا سرائے تک پہنچ گیا تھا اس نے وہ کوٹھڑی بھی دیکھ لی تھی جس میں ناگ پھنی اپنے دوست عنبر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

سپیرے کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ناگ پھنی کو صرف ایک ہی صورت میں ہلاک کر سکتا ہے کہ کسی طرح اس کو کوٹھڑی میں بند کر کے آگ لگا دے اور پھر جب وہ جل کر راکھ ہو جائے تو اس کی کھوپڑی اٹھا کر لے جائے۔ اس نے سرائے کے اندر باہر گھوم پھر کر اچھی طرح دیکھ لیا۔ وہ بھیس بدل کر وہاں آیا تھا۔ اس نے ناگ پھنی کے ساتھ والی کوٹھڑی کرائے پر لی اور رہنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنا حلیہ بالکل ہی بدل رکھا تھا۔ دوسرے وہ اس وقت کوٹھڑی میں آتا۔

جب عنبر اور ناگ پھنی باہر جا چکے ہوتے تھے۔

ایک روز سپیرا سارا دن کوٹھڑی کے اندر رہا اس نے دیکھا کہ عنبر تو وہاں سے چلا گیا مگر ناگ پھنی وہیں کمرے میں سویا رہا سپیرے نے موقع غنیمت جانا اور چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اس کے بعد اس نے کوٹھڑی سے باہر نکلنے والی نالی کو بھی پتھروں سے بند کر دیا اب ناگ پھنی کو باہر نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں مل سکتا تھا پھر اس نے رال کا تیل کپی میں سے نکالا۔ اسے پرانے چیتھڑوں میں بھگویا اور دروازے پر رکھ کر آگ لگا دی۔

آگ لگانے کے بعد وہ خود وہاں سے باہر نکل گیا رال کے تیل نے جلد ہی دروازے کو دھڑ دھڑ جلانا شروع کر دیا وہاں آگ آگ کا شور مچ گیا۔ جس وقت لوگ پانی کے کٹورے لے کر آئے اس وقت تک آگ کافی پھیل چکی تھی ناگ پھنی کوٹھڑی کے اندر سویا ہوا تھا کہ اس

نے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس کیا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا سارا کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا یہ دھواں بے حد کڑوا تھا ناگ پھنی سمجھ گیا کہ ببیرے نے اسے جلا کر بھسم کرنے کی سازش کی ہے۔ مگر اس وقت وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔

وہ فوراً سانپ کی شکل میں آ گیا اور نالی میں گھس گیا نالی کے آگے جا کر اس نے دیکھا کہ راستہ پتھروں سے بند کر دیا گیا ہے وہ فوراً واپس کوٹھڑی میں آ گیا اور دیوار پر رینگ کر روشن دان کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر محسوس کیا کہ روشن دان بھی آگ پکڑ چکا تھا اور دھڑ دھڑ جل رہا تھا وہ تیزی سے نیچے آ گیا اور اب بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر رینگنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کس طرح اپنی جان بچائے۔

کوٹھڑی کا دروازہ جل کر سرخ ہو رہا تھا اگر وہ اس میں سے انسان بن

کر بھی گزرنے کی کوشش کرتا تو باہر نکلتے نکلتے شعلے اس کی کھال ادھیڑ ڈالتے باہر لوگوں کا شور اسے صاف سنائی دے رہا تھا وہ آگ بجھانے کی پوری کوشش کر رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ آگ ساری سرائے میں پھیل چکی ہے اور ان کے قابو سے باہر نکل چکی ہے ناگ پھنی دوبارا انسان کی شکل میں آ گیا کیونکہ سانپ بن کر اسے زیادہ گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک اسے خیال آیا کہ ایک ہی صورت میں اس کی جان بچ سکتی ہے کہ وہ ہاتھی کی شکل اختیار کر کے دروازے کے شعلوں میں سے باہر نکل جائے کیونکہ ہاتھی کی کھال سخت ہوتی ہے۔ اور شعلے اس پر اتنی جلدی اثر نہیں کرتے اب زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا ناگ پھنی نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے زور سے سانس باہر پھینکا اور وہ ایک دم ہاتھی بن گیا۔ یہ ایک بہت بڑا ہاتھی تھا جس کے بڑے بڑے دانت

باہر نکلے ہوئے تھے ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور اس نے پوری طاقت کے ساتھ دیوار کو ٹکر ماری دیوار ٹوٹ کر دور جا گری اور ہاتھی پاگلوں کی طرح سونڈ ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

دیوار کا ملبہ گرنے سے اس طرف کی آگ بجھ گئی ہاتھی نے باہر آ کر چاروں طرف دیکھا لوگ خوف زدہ نظروں سے ہاتھی کو دور کھڑے دیکھ رہے تھے وہ حیران تھے کہ اس خوف ناک آگ کے اندر ہاتھی کیسے پیدا ہو گیا؟ مگر سپیرے کو معلوم تھا کہ یہ ناگ پھنی ہے اور اس کی سازش ناکام ہو گئی ہے وہ بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگا ہاتھی سونڈ اٹھا کر زور سے چنگھاڑا اور اس نے سپیرے کو ہجوم میں سے نکل کر ایک طرف بھاگتے دیکھ لیا۔

ہاتھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ سپیرا ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ خوف ناک ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا اس نے ایک خوف ناک چیخ ماری اور

زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی اس کے اردگرد رقص کرنے لگا جیسے اس نے دشمن کو اپنی قید میں کر لیا ہو لوگ دور دور کھڑے یہ عجیب و غریب تماشا حیرت سے دیکھ رہے تھے سپیرا ہاتھ جوڑے ہاتھی کے سامنے کھڑا تھا۔ اور ہاتھی خوشی اور جوش کے ساتھ اس کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اچانک سپیرے نے ایک طرف ہٹ کر بھاگنے کی کوشش کی اس کے ساتھ ہی ہاتھی نے اسے اپنی سونڈ میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور جنگل کی طرف دوڑنے لگا۔

لوگ اس قدر ڈر گئے تھے کہ کسی کو اس کے پیچھے جا کر سپیرے کی جان بچانے کا حوصلہ نہ ہوا ہاتھی سپیرے کو سونڈ میں اٹھائے دوڑتا رہا پھر وہ اسے جنگل کے بیچ میں ایک تالاب کے کنارے لے آیا اور اسے ایک درخت کی اونچی شاخ پر بٹھا کر درخت کے اردگرد خوشی سے چکر لگانے لگا۔

سپیرے نے وہیں سے گڑگڑا کر کہا۔

مجھ پر رحم کرو اے سانپوں کے سردار میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور تم سے معافی مانگتا ہوں۔

مگر ہاتھی نے کوئی جواب نہ دیا اور اسی طرح خوشی اور جوش کے عالم میں درخت کے گرد چکر لگاتا رہا سپیرے نے ایک بار پھر التجا کی۔

اے سانپوں کے سردار، اگر مجھ پر نہیں تو میری اکلوتی بیٹی پر ہی ترس کھاؤ۔ اگر تم نے مجھے ہلاک کر دیا تو دنیا میں وہ اکیلی رہ جائے گی۔

مگر ہاتھی پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ مستی کے عالم میں رقص کرتا ہوا درخت کے ارد گرد گھومتا رہا۔ اب سپیرے نے سوچا کہ یہ ہاتھی تو اسے ہلاک کرنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا کسی طرح اس سے جان بچانی چاہیے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ درخت کا تنا کافی موٹا ہے اور اگر ہاتھی اسے اکھاڑنا چاہے تو نہیں اکھاڑ سکتا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس

نے درخت کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ درخت کی سب سے اوپر والی شاخ پر بڑے اطمینان سے جا کر بیٹھ گیا۔

اس نے کہا۔

میاں ہاتھی میں تو مزے سے یہاں بیٹھا ہوں تمہیں جو کرنا ہے کر لو تم سانپ بن کر بھی مجھے ہلاک نہیں کر سکتے کیوں کہ تمہارے زہر کا علاج میں کر چکا ہوں میں نے ایک ایسی دوائی پی لی ہے۔ جس کی وجہ سے تمہارے زہر کا اثر مجھ پر ہرگز نہیں ہو گا۔

ہاتھی ایک پل کے لیے رک گیا اس نے سونڈ اٹھا کر اوپر دیکھا چیرا اس سے کافی بلندی پر جا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سونڈ وہاں تک بھی نہیں پہنچ سکتی تھی اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ وہ ٹکریں مار کر درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرے تاکہ جب درخت گر

پڑے تو وہ چیپرے کو ہلاک کر دے کیونکہ اب چیپرا ایک دشمن کی شکل میں کھل کر سامنے آ گیا تھا اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے چیپرے کو نہ مارا تو وہ اسے مار ڈالے گا۔ بلکہ چیپرے نے تو اسے مارنے کی پوری کوشش کی تھی آگ ایک ایسی خوفناک شے تھی جس کے شعلوں سے ناگ بھی کبھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

ہاتھی نے درخت کو ٹکریں مارنی شروع کر دی۔

درخت کے اوپر جیسے بھونچال سا آ گیا سارا درخت لرزنے لگا۔

چیپرے نے بڑی مضبوطی کے ساتھ شاخوں کو پکڑ لیا اور جم کر بیٹھ گیا درخت بے حد موٹا تھا اصل میں درخت کو چنتے وقت ہاتھی سے غلطی ہو گئی تھی اسے چاہیے تھا کہ وہ چیپرے کو کسی ایسے درخت پر بٹھاتا جو کمزور ہوتا تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ اسے گرا بھی سکتا مگر وہ ایک بار غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس سے بڑھ کر غلطی تو اس نے یہ کی کہ جوش میں آ

کر سپیرے کو درخت کی ٹہنی پر بٹھا دیا۔

بہر حال اب اسے اپنی غلطی کا نتیجہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔

ہاتھی بار بار درخت کو ٹکریں مار رہا تھا۔ درخت لرز رہا تھا مگر اکھڑنے کا نام نہ لیتا تھا ادھر ہاتھی کا ماتھا بھی درد کرنے لگا تھا ہاتھی خاموش کھڑا ہو گیا اور سونڈ اوپر اٹھا کر شاخوں میں بیٹھے سپیرے کو بڑے غور سے ساتھ دیکھنے لگا۔ ایک دم ہاتھی کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس نے سونڈ اوپر اٹھائے زور سے پھنکار ماری۔

پھنکار کی آواز نے سپیرے کو ڈرا دیا۔ اس نے نیچے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ اسے ایک چیتے کی بھیانک دھاڑ سنائی دی سپیرے نے سہم کر نیچے دیکھا زرد رنگ کا سرخ آنکھوں اور نوکیلے دانتوں والا بہت بڑا چیتا اس پر نیچے سے اچھل کر چھلانگ لگا چکا تھا۔

سپیرا کانپ گیا وہ یہ بھول گیا تھا کہ ناگ بھی جس درندے کا چاہے

روپ بھر سکتا ہے۔ پھیرا ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ چیتا درخت کی موٹی ٹہنیوں کو پھلانگتا اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور ڈکراتے ہوئے اسے اپنی خونی آنکھوں سے تکنے لگا۔

اب پھیرے کے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کہ وہ درخت سے چھلانگ لگا دے چنانچہ اس نے ایک ٹہنی سے دوسری دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی ٹہنی پر اترتے ہوئے زمین پر چھلانگ لگا دی اور ایک طرف دیوانہ وار بھاگنا شروع کر دیا چیتا بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر چھلانگ لگا چکا تھا پھیرا ابھی تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ چیتے نے زور سے ڈکراتے ہوئے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور پھیرے کے اوپر دھم سے آن گرا پھیرا زمین پر اوندھے منہ گر پڑا اور چیتے نے اپنے نوکیلے پنجے پھیرے کی پسلیوں میں اور دانت اس کی گردن میں گاڑ دیے پھیرے کی ایک چیخ جنگل

میں بلند ہوئی اور اس کے بعد وہاں گہری خاموشی چھا گئی ۔

تھوڑی دیر بعد چیتے نے سپیرے کی لاش کے روئی کی طرح پرزے اڑا دیے اور تالاب میں چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا شہر کے لوگ سپیرے کی تلاش میں وہاں پہنچے تو انہیں وہاں سوائے سپیرے کی لاش کے اور کچھ دکھائی نہ دیا لاش بھی ٹکڑوں کی صورت میں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی لوگ چیتے کی تلاش میں آگے روانہ ہو گئے مگر وہاں کوئی چیتا ہوتا تو ملتا ۔ چیتا تو تالاب کے دوسرے کنارے ایک انسان کی شکل میں بیٹھا اپنے کپڑے نچوڑ رہا تھا ۔

ادھر عنبر جب سرائے میں واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ سرائے آدھی سے زیادہ جل کر راکھ ہو چکی ہے اب اسے اپنے دوست کی تلاش تھی اس کو لوگوں نے بتایا کہ اس آگ میں سے ایک ہاتھی نکل کر جنگل کی طرف بھاگا تھا عنبر سمجھ گیا کہ ناگ پھنی ہاتھی کی شکل میں آگ سے بچ

کر جنگل میں چلا گیا ہے مگر سوال یہ تھا کہ اسے ہاتھی کی شکل بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا کسی نے سازش کر کے اسے کوٹھڑی میں بند کر کے سوراخ بند تو نہیں کر دیے تھے؟ کیا کہیں لالچی سپیرے نے تو ایسا نہیں کیا تھا؟ ناگ پھنی نے کہا تھا کہ سپیرا اسے آگ میں جلا کر مارنا چاہتا ہے اور وہ اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

عنبر ساری بات سمجھ گیا اور جنگل کی سمت چل پڑا کافی دور تالاب کے کنارے پہنچ کر سارا معمہ حل ہو گیا یہاں اس نے پراسرار سپیرے کی لاش کے ٹکڑوں کو دیکھا اردگرد ہاتھی اور چیتے کے پاؤں کے نشان جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔

عنبر پر صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ناگ پھنی نے پہلے ہاتھی اور پھر چیتا بن کر سپیرے کو جان سے مار دیا ہے کیونکہ سپیرے نے بھی اسے جان سے مارنے کی بھرپور کوشش کی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو ناگ پھنی

کی دو سو برس کی محنت ایک پل میں ضائع ہو جاتی ۔

لیکن اب اس کا دوست ناگ پھنی کہاں تھا؟

عنبر نے جنگل میں اپنے دوست کو ڈھونڈنا شروع کر دیا اس موئی جنگل کا چپہ چپہ چھامارا لیکن ناگ پھنی کا کہیں بھی سراغ نہ ملا ۔

ناامید ہو کر وہ واپس اسی سرائے کے باہر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا کہ شاید اس کا دوست وہاں پہنچ جائے ۔

لیکن ناگ پھنی اس سے پہلے عنبر کو جلتی ہوئی سرائے میں دیکھ کر واپس جا چکا تھا عنبر اسے نہیں مل سکا تھا ناگ پھنی نے وہاں سے سیدھا پر اسرار پیر کے جھونپڑے کا رخ کیا وہ اس کی بیٹی رانی کو بتا دینا چاہتا تھا کہ اس نے اس کے باپ کو ہلاک کر دیا ہے اور محض اس لئے ہلاک کر دیا ہے کہ اس نے اسے جان سے مارنے کی پوری کوشش کی تھی ۔

اس وقت شام ہو گئی تھی اور شہر کے مکانوں میں چراغ جلنے لگے تھے۔ دور سے ناگ پھنی نے سپیرے کی جھونپڑی میں بھی چراغ کی روشنی دیکھی اس کی بیٹی سانپوں کو شہد ڈال رہی تھی اور اپنے باپ کے انتظار میں پریشان ہو رہی تھی ناگ پھنی کو آتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

بھائی۔ کیا تم نے میرے باپ کو دیکھا ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے اس کی لاش کے ٹکڑے تالاب کے کنارے بکھرے ہوئے ہیں اور چیل کوّے کھا رہے ہیں۔

رانی نے چیخ مار کر ناگ پھنی کا منہ نوچنا شروع کر دیا ناگ پھنی نے اسے پکڑ کر ایک طرف بٹھا دیا اور اسے بتایا کہ کس طرح اس کے باپ نے سرائے میں آگ لگا کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر کس طرح وہ جان بچا کر واپس وہاں سے بھاگا۔

میں تمہیں صرف یہی نہیں کہنے آیا کہ تمہارے باپ کو میں نے مار ڈالا ہے بلکہ یہ بھی بتانے آیا ہوں کہ میرے قتل کی سازش میں تم بھی اپنے باپ کی برابر کی شریک تھیں اور اگر اپنے باپ کے ساتھ تم ہوتیں تو میں تمہیں بھی قتل کر دیتا اب بھی اگر تم نے مجھ سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی کوشش کی تو میں تمہیں بھی جنگل میں لے جا کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

مکار عورت چمیران تھی اسے احساس ہوا کہ وہ ایک بڑے ہی خطرناک سانپوں کے سردار کے سامنے بات کر رہی ہے فوراً نرم ہو گئی اور لجاجت سے بولی۔

مجھے معاف کر دے اے عظیم سانپوں کے سردار میرے باپ نے سخت غلطی کی جو تمہاری جان لینے کی کوشش کی میرا باپ لالچی تھا اسے اپنے لالچ کی سزا مل گئی۔

مگر تم بھی تو اس کی سازش میں شامل تھیں۔

یہ میری مجبوری تھی میرے باپ نے مجھے مجبوراً اپنے ساتھ شامل کرالیا تھا! ورنہ میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔

چلو جو کچھ بھی ہوا اب میں تمہیں صرف یہ کہتا ہوں کہ آئندہ سے اگر تم نے کوئی خطرناک سازش کی تو تمہارا انجام بھی تمہارے باپ جیسا ہو گا؟

ہرگز نہیں میرے بھائی ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔

ناگ پھنی جانے لگا تو مکار عورت نے ہاتھ جوڑ کر اسے روک لیا اور کہا اچھے بھائی میں اکیلی جھونپڑے میں نہیں رہ سکتی مجھے ڈر آئے گا میرا باپ اب مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے صرف آج کی رات میری جھونپڑی میں رہ جاؤ کل میں یہاں سے اپنی خالہ کے ہاں چلی جاؤں گی۔

پھر تم بھی چلے جانا تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔

ناگ پھنی کا دل پسیج گیا۔

صرف ایک رات کے لئے میں ٹھہر جاتا ہوں۔

تمہاری مہربانی میرے بھائی۔

مکار عورت بڑی خوش ہوئی کہ اس کے باپ کا قاتل ایک رات کے لئے اس کے جھونپڑے میں رک گیا ہے وہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اس کے چالاک دماغ میں ایک خطرناک منصوبہ تھا۔

قبر کی آواز

وہ رات بڑی ڈراؤنی اور طوفانی رات تھی۔

سکندریہ کے آسمان پر کالے کالے بادل چھا گئے اور تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی عنبر کو جب سرائے کے باہر بیٹھے شام ہو گئی اور اس کا دوست ناگ پھنی نہ آیا تو وہ جلتی ہوئی سرائے سے نکل کر شہر سے باہر ویران اور اُجڑے ہوئے اہرام میں آ گیا یہاں ہزاروں سالہ پرانی قبریں تھیں وہ اونچے پہاڑوں اور اہراموں کے اندر غاروں میں بنی ہوئی تھیں وہ ایک ٹیلے کے پاس بھٹک رہا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور تیز ہواؤں کے ساتھ بارش شروع ہو گئی

اس طوفان سے بچنے کے لئے عنبر ایک اہرام کے اندر پتھروں کے بیچ میں ایک پرانی قبر کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ اسے رات اسی جگہ گزارنی پڑے کیونکہ طوفان بڑا زبردست تھا۔

بارش کا پانی اہرام کے اندر آنا شروع ہو گیا تھا اور ہواؤں کی چیخیں صاف سنائی دے رہی تھیں عنبر غار کے اندر قبر کے چبوترے پر پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اسے قدیم مصر میں گزرا ہوا اپنا بچپن یاد آنے لگا کہ یہی وہ علاقہ تھا جہاں کھیل کود کر وہ بڑا ہوا تھا اسی جگہ اس نے شاہی محلوں میں پرورش پائی تھی اور اب پرانے بادشاہوں کی قبروں کے پاس بے یارومددگار پڑا تھا باہر بادل زور سے گرج رہے تھے اور ہوائیں اہرام کے پتھروں سے ٹکراتے ہوئے شور پیدا کر رہی تھیں۔

ایکا ایکی عنبر کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا نام لے کر اسے آواز دی ہو وہ چوکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ غار کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا اس

نے سوچا شاید اس کا وہم ہو۔ لیکن وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی اب کے بار اس نے صاف طور پر سنا کہ کسی نے اسے پکارا تھا آواز غار کے اندر سے یا شاید جس قبر پر بیٹھا تھا اس کے اندر سے آ رہی تھی اب اس نے کان آواز پر لگا دیے تیسری بار آواز اسے پھر سنائی دی۔

عنبر............عنبر............طوفان کی ہوئیں تمہیں مبارک ہوں............مجھے یہاں سے نکالو............مجھے یہاں سے نکالو............

کوئی اور ہوتا تو وہ ڈر کر بھاگ جاتا لیکن عنبر کو کبھی خوف یا ڈر نہیں لگا تھا اس نے محسوس کیا کہ آواز قبر کے اندر سے ہی آ رہی تھی مگر قبر کے اندر سے آواز کیسے آ سکتی ہے اس نے قبر کے پتھر پر کان رکھ دیے اور غور سے سننے لگا۔ آواز ایک بار پھر سنائی دی اور قبر کے اندر ہی سے آ رہی تھی اب عنبر کے لیئے شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی قبر کے اندر

کون ہو سکتا ہے؟ کیا کسی بھٹکی ہوئی ملکہ کی روح ہے؟ کیوں کہ آواز عورت کی تھی۔

عنبر.......... جس پتھر پر تم بیٹھے ہوا سے اپنی جگہ سے ہٹا دو.......... مجھے یہاں سے ہٹا دو..............

عنبر سمجھ گیا کہ یہ کوئی ایسی روح ہے جس کو زبردستی زندہ دفن کر دیا گیا ہے اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ بادشاہوں اور ملکہ کے ساتھ ان کے غلام اور کنیزوں کو بھی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اس خیال کے ساتھ کہ بادشاہ یا ملکہ کو اگلی دنیا میں جا کر نوکروں کی ضرورت ہو گی، مرے ہوئے بادشاہ کے ساتھ ہی زندہ غلام یا کنیز کو زنجیروں سے باندھ کر باہر سے قبر کو بند کر دیا جاتا تھا وہ بے چارہ یا بے چاری اندر ہی دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتی تھی یہ کوئی ایسی ہی روح تھی جو آزاد ہونا چاہتی تھی۔

عنبر نے اٹھ کر قبر کے پتھروں کو چاروں طرف سے غور سے دیکھا۔ یہ چوکور پتھروں کے ٹکڑے تھے جن کی درازوں میں جگہ جگہ خشک گھاس اگا ہوا تھا۔ اس نے دو ایک جگہوں سے پتھر ہلائے تو ایک پتھر اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک گیا عنبر نے اس پتھر کو باہر نکالنے کی کوشش شروع کر دی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پتھر باہر نکل آیا اندر سے ٹھنڈی اور نمدار ہوا کا جھونکا باہر نکل گیا اس ہوا میں موم اور کافور کی بو تھی عنبر سمجھ گیا کہ یہ کسی امیر عورت کی قبر ہے جس کے اندر اس کی کسی چہیتی خدمت گار کنیز کو بھی زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔

اس نے کوشش کر کے کچھ پتھر اور ہٹا دیئے اب وہاں ایک سوراخ بن گیا عنبر نے نیچے جھانک کر دیکھا قبر کے اندر پتھر کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اندر جائے یا نہ جائے باہر طوفان بڑے زوروں پر تھا طوفانی ہوائیں چیخ چیخ کر شور مچا رہی تھیں اور بارش ہو

رہی تھی عنبر کو ایک بار پھر وہی آواز سنائی دی۔

عنبر......... مجھے یہاں سے لے جاؤ.................. مجھے یہاں سے لے جاؤ......... میرا دم گھٹ رہا ہے...............

عنبر نے رب واحد کا نام لیا اور قبر کے اندر اترنے لگا۔

پتھروں کے ہٹ جانے سے اندر ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی عنبر سیڑھیاں اتر کر ایک چھوٹے سے صحن میں آ گیا پتھروں کی نیچی چھت کے ساتھ لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے کتنے ہی ستون کھڑے تھے زمین پر ریت ہی ریت تھی درمیان میں کسی ممی کا ایک تابوت پڑا تھا جس کے سرہانے مرتبانوں میں گندم اور بادام پڑے تھے تابوت کے اوپر ایک شمع دان رکھا تھا جو جانے کب کا بجھ چکا تھا اندر اندھیرا چھا رہا تھا عنبر نے دیوار کے ساتھ ایک مشعل دیکھی اس نے جیب سے پتھر نکال کر انہیں رگڑا اور مشعل جلا دی اس کی روشنی میں عنبر کو چاروں طرف

مردے کی چیزیں پڑی ہوئی نظر آئیں اس کا سنگھار دان اس کے کپڑے اس کی مسہری صندوق جوتے اور تیر کمان اور زیورات کو پہن کر سونے کا لباس.......... اس کا اندازہ درست نکلا.......... یہ پرانے مصر کی کسی امیر زادی کا تابوت تھا۔ جس کے ساتھ اس کی کسی چہیتی کنیز کو دفن کر دیا گیا تھا مگر سوال یہ تھا کہ کنیز کا ڈھانچہ کہاں تھا۔؟ مشعل کی روشنی میں وہ تابوت پر جھک کر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کنیز کی آواز پھر سنائی دی۔

عنبر.......... عنبر.......... میں یہاں ہوں..........

یہ آواز صحن کے دوسری جانب سے آ رہی تھی عنبر اس طرف آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ستون کے ساتھ ہڈیوں کا ڈھانچہ زنجیروں سے بندھا ہوا تھا وہ آگے کو جھکا ہوا تھا اور لوہے کی زنجیروں نے اسے چاروں طرف سے لپیٹ رکھا تھا عنبر اس ڈھانچے کے پاس جا کر کھڑا

ہو گیا۔ ایک تکلیف دہ آواز پھر سنائی دی۔

مجھے آزاد کر دو............ میری ہڈیوں کو یہ لوہا کاٹ رہا ہے۔ مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ............

عنبر نے آگے بڑھ کر لوہے کی زنجیروں کو اپنی طرف کھینچا مگر وہ بڑی مضبوط تھیں اس نے زمین پر سے پتھر اٹھایا اور زنجیروں کو توڑنے لگا۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد اس نے ساری زنجیروں کو توڑ دیا اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو بڑے آرام سے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔

تمہارا احسان میں کس طرح بھلا سکوں گی عنبر تم نے مجھے ایک ایسے عذاب سے بچا لیا جس میں میں ہزاروں سال سے مبتلا تھی۔

یہ اسی بھٹکی ہوئی روح کی آواز تھی عنبر نے غور سے ڈھانچے کو دیکھا اور کہا۔

تم کس کی روح ہو اور یہاں ایک ہزار برس سے تمہیں کس نے قید کر

رکھا تھا؟

روح نے کہا۔

عنبر میرا نام کارمیلا ہے میں آج سے ایک ہزار برس پہلے کے مصر میں ایک امیر کبیر خاتون یوحنا کی چہیتی کنیز تھی آج سے ایک ہزار برس پہلے تم ایک بار ہماری حویلی میں دعوت پر بھی آئے تھے شاید اب تمہیں یاد نہ ہو مگر مجھے یاد ہے اور میں تمہیں اہرام کے اندر داخل ہوتے ہی پہچان لیا تھا میں نے اپنی مالکن سے وعدہ لے رکھا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں اس کے ساتھ دفن نہیں ہوں گی لیکن اس کے خاوند نے مجھ سے دھوکہ کیا جب وہ خاتون یوحنا مرگئی تو مجھے کسی بہانے اس اہرام میں بلا کر اوپر سے قبر کا منہ بند کر دیا گیا میں اس اہرام کے اندر بھٹکتی اور چیختی رہی مگر میری آواز باہر نہیں جا سکتی تھی پھر میں مرگئی اس سے اگلے روز قبر کا منہ کھول کر کچھ لوگ آئے اور مجھے اس ستون کے

ساتھ جکڑ کر چلے گئے جب سے لے کر آج تک ایک ہزار برس گزر چکا ہے اس وقت سے میری روح اس قبر کے اندر بھٹک رہی ہے۔ دیوتاؤں کا کرم ہوا کہ تم ادھر آ نکلے اور تم نے میری روح کو ایک خوفناک عذاب سے نجات دلائی۔

عنبر نے کہا۔

کارمیلا! مجھے بالکل یاد نہیں کہ آج سے ایک ہزار برس پہلے میں تمہاری مالکن کی حویلی میں آیا تھا خیر تم ٹھیک کہہ رہی ہو گی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ایک روح ہو کر اتنی کمزور کیوں ہو کر رہ گئی تھیں کہ اس قبر کے سوراخ سے باہر نہ نکل سکیں۔؟

روح نے آہ بھر کر کہا۔

عنبر کاش میں تمہیں روحوں کی دنیا کے بارے میں کچھ زیادہ بتا سکتی میں اس سے زیادہ تمہیں کیا کہہ سکتی ہوں کہ روحوں کی دنیا ایک

پراسرار دنیا ہے یہاں اگر میں اتنی آزاد ہوسکتی ہوں کہ مصر سے لے کر چین تک آزادی سے اڑتی پھروں تو اتنی پابندی بھی ہوسکتی ہوں کہ اس قبر کے تنگ سوراخ سے ایک انچ اوپر اٹھنا بھی میرے لئے محال ہوجائے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا اس عذاب کی ذمے دار تمہاری مالکن تھی۔؟

نہیں عنبر۔ اس کی ذمے داری مالکن کے خاوند پر آتی ہے جس نے اپنی بیوی کے اگلے جہاں کے آرام کا خیال کرتے ہوئے ایک بے گناہ کنیز کو زندہ دفن کر دیا..............کاش میں اس کی روح سے انتقام لے سکتی۔

کیا تمہارے مالک کی قبر بھی اس غار کے اندر ہے۔؟

نہیں اس کی قبر یہاں سے دو رات کے سفر پر ایک ٹیلے میں ہے لیکن

اتنی مدت گزر جانے پر اس کی قبر کا نام ونشان بھی مٹ گیا ہوگا۔ اور خود اس کی روح بھٹکتی ہوئی اتنی دور نکل گئی ہے کہ اگر میں اس کی تلاش شروع کروں تو قیامت تک اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ میری موت کب لکھی ہے۔؟

عنبر کے اس سوال کے ساتھ ہی جیسے غار میں ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ سا آگیا روح نے سرگوشی کی آواز میں کہا۔

ایسا پھر کبھی نہ پوچھنا۔ یہ ایک راز ہے ایک دعا کا راز.............. شاید ایک بددعا کا راز۔............ میری جرائت نہیں کہ میں اس راز پر سے پردہ اٹھا سکوں۔

عنبر نے سر جھکا لیا اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر آخری نظر ڈال کر قبر کے دہانے کی طرف آگیا جب وہ باہر نکلنے لگا تو اسے پیچھے سے روح کی آواز سنائی دی۔

تم نے میری مدد کی ہے تم نے میری روح کو ہزار برس کے عذاب سے نجات دلائی ہے میں تمہاری کنیز بن گئی ہوں اگر کبھی تمہیں میری ضرورت محسوس ہوئی تو یہ لو میری انگوٹھی اسے مصیبت کے وقت چوم لینا میں وہاں پہنچ جاؤں گی اور تمہاری مدد کروں گی پھر تمہیں میری طاقت اور آزادی کا احساس ہو جائے گا۔

اس آواز کے ساتھ ہی کھٹاک سے چاندی کی ایک انگوٹھی عنبر کے قدموں کے پاس آن گری عنبر نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس کے اندر سیاہ رنگ کا نگ جڑا ہوا تھا جس پر پرانے مصری انداز میں کوئی نقش بنا ہوا تھا۔ عنبر نے انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی اور کہا۔

کارمیلا کی روح تمہارا شکریہ لیکن دیوی بلطیس کی روح میری ہر مشکل میں کام آتی ہے۔

کارمیلا کی روح نے کہا۔

عنبر! تم بڑے ٹھیک وقت پر میرے پاس آئے ہو کیونکہ اب دیوی بلطیس کی روح تمہارے کسی کام نہیں آئے گی وہ ان آسمانوں سے نکل کر ایک ایسی جگہ پہنچ چکی ہے جہاں اسے تمہاری آواز کبھی سنائی نہیں دے سکتی تم کوشش کر کے دیکھ سکتے ہو............ میں جا رہی ہوں۔

اب جب تم مجھے بلاؤ گے تو تمہاری مدد کے لئے حاضر ہو جاؤں گی

عنبر کو فضا میں ہوا کے تیز جھونکے کی آواز سنائی دی اور پھر قبر کے اندر گہری خاموشی طاری ہو گئی وہ قبر کے اندر سے باہر نکل آیا اور اس نے قبر کے منہ کو پتھروں سے اچھی طرح بند کر دیا باہر رات ڈھلنے لگی تھی اور آسمان پر صبح کا نیلا شفاف نور نمودار ہو چکا تھا عنبر کو وقت کا احساس بالکل نہ رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے روح کے ساتھ ایک پل کے لئے گفتگو کی ہو لیکن باہر پوری رات گزر گئی تھی وہ اہرام کے

غار میں سے نکل آیا اور اس نے شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اب ذرا یہ کہانی بھی سنیے کہ عنبر کے دوست ناگ پھنی کے ساتھ رات کو کیا گزری؟ سپیرے کی بیٹی رانی نے ناگ پھنی سے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کی ٹھان رکھی تھی اسی لیے اس نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ رات وہیں جھونپڑے میں گزارے ناگ پھنی اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور اس نے جھونپڑے میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ رات بڑی طوفانی رات تھی آسمان پر گھرے گھرے بادل چھا گئے اور زبردست بارش ہونے لگی بجلی کڑکنے لگی اور بادل گرجنے لگے پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں دبک گئے سپیرے کی بیٹی رانی نے ناگ پھنی کو جھونپڑے کے اندر بستر بچھا دیا اور خود دوسرے جھونپڑے میں لیٹ

گئی آدھی رات کو جب کہ طوفان پورے زوروں پر تھا اس نے اٹھ کر دبے پاؤں ان پٹاریوں کی طرف چلنا شروع کر دیا جہاں زہریلے سانپ رکھے تھے ان سانپوں میں ایک سانپ ایسا تھا جس کے منہ سے سانس کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے۔ راوی نے سانپ پٹاری سے نکال کر اپنے بازو کے ارد گرد لپیٹا اور ناگ پھنی کی جھونپڑی کی طرف آ گئی۔

بارش بڑے زور سے برس رہی تھی وہ جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر ناگ پھنی کے سرہانے کی طرف آ گئی وہ اس کے باپ کا قاتل اس کے سامنے لیٹا ہوا تھا اسے ناگ پھنی کے خراٹوں کی آواز سنائی دی آگ والے سانپ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اسے ناگ پھنی کے بارے میں علم نہیں تھا کہ وہ بھی سانپوں کا سردار ہے اور دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسانی شکل میں آیا

ہے۔

اس نے کلائی سے سانپ اتار کر اسے ناگ پھنی کی گردن پر چھوڑ دیا سانپ نے پھنکار مار کر تین مرتبہ ناگ پھنی کی گردن پر ڈس دیا ناگ پھنی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ صرف رانی کو بھی کچھ دکھانا چاہتا تھا۔ سانپ نے ڈستے ہی جیسے قلابازی کھائی اور مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ رانی نے پریشان ہو کر زمین پر سے مردہ سانپ کو اٹھا کر دیکھا۔ ناگ پھنی نے اٹھ کر پھنکار ماری اور ایک دم سے سانپ کے روپ میں رانی کے سامنے آ گیا۔

رانی دہشت سے پتھر بن کر اسے تکتی رہ گئی۔

ناگ پھنی کا کارنامہ

سانپ نے پھنکار مار کر کہا۔

بولو کیا اب تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کروں جو میں نے تمہارے باپ کے ساتھ کیا تھا؟

سپیرے کی بیٹی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے سانپوں کے بادشاہ، میری خطا معاف کر دو مجھ سے بھول ہو گئی میں اپنے باپ کی محبت میں تجھے مارنے پر تیار ہو گئی اگر مجھے علم ہوتا کہ تم سانپوں کے بادشاہ ہو تو میں کبھی ایسا ارادہ نہ کرتی مجھ سے جو کچھ ہوا نا سمجھی میں ہوا۔ مجھے معاف کر دو۔

ناگ پھنی نے پھنکار ماری اور ایک بار پھر انسانی شکل میں آ گیا اس نے رانی کی کلائی پکڑ کر کہا۔

اے بدبخت عورت تو نے اپنے باپ کی محبت کا ذکر کیا ہے اس لئے میں تمہیں معاف کر رہا ہوں ورنہ تمہارا جرم اتنا گھناؤنا ہے کہ میں ابھی تمہیں جلا کر راکھ کر دیتا۔

ناگ پھنی نے رانی کا ہاتھ زور سے جھٹک کر اسے پرے پھینک دیا آسمان پر طوفان کا زور تھم گیا تھا۔ بارش رک گئی تھی اور صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا ناگ پھنی نے کہا۔

میرے جھونپڑے سے نکل جا اور اپنی منحوس شکل لے کر دور ہو جا۔ پھر کبھی مجھ کو اپنی شکل نہ دکھانا میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔

رانی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

وہ دیوتاؤں کا شکر بجا لا رہی تھی کہ اس کی جان بچ گئی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی ناگ پھنی کی طاقت کا اندازہ اسے ہرگز نہیں تھا وہ اپنے بستر پر

لپٹ گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گی جہاں اس کے باپ کا قاتل رہتا ہے اور جس سے وہ اپنے باپ کا بدلہ نہیں لے سکتی۔

دن چڑھتے ہی ناگ پھنی جھونپڑے سے نکل کر شہر میں آ گیا۔ وہ عنبر کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر اسے اپنے دوست عنبر کا کہیں بھی پتہ نہ چل سکا، وہ بڑا حیران تھا کہ آخر عنبر کہاں گم ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں شاہی محل کے پچھواڑے ایک شاہی اکھاڑہ تھا اس اکھاڑے میں کھیل تماشے ہوتے تھے اور ان مجرموں کو بھوکے شیروں کے آگے بھی ڈالا جاتا تھا جنہوں نے بادشاہ کے خلاف کوئی بھیانک جرم کیا ہو۔

ناگ پھنی نے دیکھا کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں شاہی اکھاڑے کی طرف چلے جا رہے ہیں اس نے سوچا کہ کوئی خاص کھیل تماشہ ہو رہا

ہو گا اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

کیوں بھائی میاں کیا ہونے والا ہے۔؟

اس آدمی نے کہا۔

کیا تمہیں نہیں معلوم؟ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا تم پردیسی ہو؟

ناگ جھنی نے کہا۔

ہاں بھائی میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔

آدمی نے کہا۔

آج اس اکھاڑے میں ایک ایسی عورت کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جا رہا ہے جس نے بادشاہ کے شاہی باورچی خانے سے روٹی چرائی تھی۔

اس نے ایسا کیوں کیا تھا بھائی؟

ہاہاہا۔ آدمی نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا کہتے ہیں کہ وہ عورت اور اس

کے بچے بھوکے تھے وہ اپنے بچوں کے لیے روٹی چرانے آئی تھی۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تو یہ اتنا خوفناک جرم نہیں ہے کہ اس بے چاری کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے۔

اس آدمی نے چیخ کر کہا۔

لوگو سنو! دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے یہ بھی باغی ہے اسے بھی بھوکے شیروں کے آگے ڈال دو۔

ناگ پھنی نے معاملہ بگڑتے ہوئے دیکھا تو چپکے سے وہاں سے کھسک گیا وہ بھی لوگوں کے ساتھ چلتا ہوا اکھاڑے کے بڑے دروازے میں سے داخل ہو کر اندر آ گیا یہاں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع تھے اس نے سنا لوگ کہہ رہے تھے کہ اس عورت کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے کسی عام گھر سے روٹی

چرانے کی بجائے بادشاہ کے باورچی خانے سے روٹی چرانے کی کیوں کوشش کی۔؟

ناگ پھنی کو اس عورت پر بڑا ترس آیا جو بے چاری محض اس لئے ہلاک کی جارہی تھی کہ اس نے بھوک سے تنگ آ کر اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا چرالیا تھا اس نے اس مظلوم عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا اب اس نے لوگوں سے باتوں ہی باتوں میں یہ معلوم کیا کہ وہ عورت اس وقت کہاں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ وہ عورت اس وقت اکھاڑے کے ایک حصے میں کوٹھڑی میں بند ہے

ناگ پھنی پوچھتے پوچھتے اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔ کوٹھڑی کے باہر رومن سپاہیوں کا بڑا زبردست پہرہ تھا۔

ایک جانب وہ عورت قید تھی اور دوسری جانب لوہے کے پنجروں کے اندر دو بڑے بڑے بھوکے شیر بے چینی سے ٹہل رہے تھے بھوک نے

ان کو بدحال کر رکھا تھا اور وہ اس وقت کے منتظر تھے جب ان کے آگے کسی انسان کو ڈالا جائے اور وہ اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں۔

ناگ پھنی کھسکتے کھسکتے کوٹھڑی کی دیوار کی اس جانب آگیا جہاں ایک سوراخ میں سے روشنی اور ہوا کوٹھڑی کے اندر جا رہی تھی ناگ پھنی نے جب دیکھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو وہ سانپ کا روپ بدل کر دیوار پر چڑھ کر سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا اندر پتھر کے چبوترے پر ایک پریشان حال عورت بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔

ناگ پھنی دیوار پر سے اتر کر اس کے پیچھے آگیا اور ہلکی سی پھنکار مار کر ایک انسان کی شکل اختیار کر لی اس نے کہا۔

بہن مجھے دیکھ کر گھبراؤ مت میں تمہاری مدد کرنے کے لئے دیوتاؤں کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔

بدنصیب عورت نے سر اٹھا کر ناگ پھنی کی طرف دیکھا تو حیران ہو کر رہ گئی کہ اتنے کڑے پہرے میں سے وہ اندر کیسے آ گیا؟ جب ناگ پھنی نے اسے یقین دلایا کہ وہ دیوتاؤں کی طرف سے آیا ہیں تو عورت نے روتے ہوئے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اے مقدس دیوتا۔ مجھے ان ظالموں کے چنگل سے بچا لے میرے بھوکے بچے میرے بغیر بلک بلک کر مر جائیں گے میرے بعد انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر میدان میں آنا بھوکے شیر تمہارا بال تک بیکا نہ کر سکیں گے۔

لیکن وہ تو مجھے پھاڑ کر کھا جائیں گے۔

وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے میں جاتا ہوں۔ اب تمہاری ملاقات میدان

میں ہو گی۔

ناگ پھنی سانپ بن کر دوبارا کوٹھڑی کے راستے سے باہر نکل گیا۔

اکھاڑے کا میدان تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا کہیں بھی تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی لوگ شہر کے گورنر ڈیوس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب گورنر آ گئے تو لوگوں نے تالیاں بجا کر اور شور مچا کر تماشا شروع کرنے کو کہا۔ گورنر نے ہاتھ اٹھا کر تماشہ شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے حکم کے ساتھ ہی خونی تماشہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے عورت کی کوٹھڑی کھول کر اسے ایک لکڑی کی چوکی پر بٹھلا کر میدان میں لایا گیا ریت کے میدان میں بے چاری عورت کو بٹھا کر سپاہی واپس بھاگ گئے۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا اب شیروں کے پنجرے کے کھلنے کا انتظار تھا عورت تھر تھر کانپ رہی تھی اسے دیوتاؤں کی امداد کا یقین بھی تھا اور نہیں بھی یقین تھا۔ اتنے میں گورنر

ڈیوس نے دوسری بار ہاتھ سے اشارہ کیا مطلب یہ تھا کہ بد قسمت عورت پر بھوکے شیروں کے پنجرے کھول دیے جائیں..........

سپاہیوں نے اشارہ پاتے ہی دونوں بھوکے شیروں کا پنجرہ کھول دیا۔ شیر دھاڑتے ہوئے میدان میں آ گئے اور انسان کی بو سونگھ کر عورت کی طرف لپکے۔

سب لوگ دم بخود ہو گئے اب وہ عورت کو شیروں کے جبڑوں میں چیرے پھاڑے جانے کا تماشہ دیکھنے کو بے تاب تھے کہ اتنے میں ایک دھماکہ ہوا اور ایک بہت ہی بڑا ٹیلے جتنا جنگلی وحشی ہاتھی جھومتا ہوا وہاں نمودار ہوا۔ اور شیروں کی طرف لپکا شیر ٹھٹک گئے۔ ایک شیر نے ہاتھی پر حملہ کر دیا ہاتھی نے ایک طرف گھوم کر اپنی سونڈ کا لٹھ گھمایا اور پوری قوت سے شیر کے سر پر دے مارا۔ شیر کی کھوپڑی پاش پاش ہو کر اس کی گردن میں دھنس گئی اور وہ وہیں گر کر مر گیا۔ لوگوں میں شور مچ

گیا کہ یہ ہاتھی کہاں سے آ گیا۔

گورنر ڈیوس اور سارے درباری اور ان کی بیگمیں تعجب سے ہاتھی کو دیکھ رہی تھیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے یہ ہاتھی ایک دم کہاں سے آ گیا اور کیسے آ گیا ہے۔؟ صرف اس بھوکی ماں کو علم تھا کہ یہ دیوتاؤں نے اس کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔..........

دوسرے شیر نے بپھر کر ہاتھی کی گردن پر چھلانگ لگا دی اور اپنے نوکیلے پنجوں سے اس کی گردن کو نوچنے لگا۔.......... ہاتھی نے زور سے جھٹکا دیا شیر دور جا گرا۔

اب کے ہاتھی آگے بڑھا۔ وہ شیر کو اپنے پاؤں تلے لے کر کچل دینا چاہتا تھا مگر شیر ایک طرف ہٹ گیا ہاتھی نے سونڈ گھما کر شیر کو اس میں جکڑنا چاہا شیر لپک کر ہاتھی کے پیٹ کی طرف بڑھا ہاتھی نے پلک جھپکتے ہی شیر کو اپنی سونڈ میں جکڑ لیا اور اسے زمین پر رکھ کر ایک پیر اس

کی ٹانگ پر رکھ کر چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے۔

ہر طرف میدان میں شور مچ گیا ہاتھی نے عورت کو سونڈ پر اٹھا کر اپنی گردن پر بٹھا لیا اور میدان میں چکر لگانے شروع کر دیئے گورنر ڈیوس کو بڑا غصہ آیا کہ ہاتھی کیسا ہے جس نے اس کے حکم کے خلاف ایک ایسی عورت کو بچا لیا ہے جس کو اس نے ہلاک کر دینے کی سوچی تھی اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہاتھی کو مار دیا جائے۔

گورنر ڈیوس کا حکم پاتے ہی سپاہی نیزے اور تیر کمان لے کر میدان میں نکل آئے ناگ پھنی نے بھی انہیں نیزے اور تیر برساتے دیکھ لیا تھا تیر اس کے کانوں کے قریب سے ہو کر گزرنے لگے تھے اس کی گردن پر بیٹھی عورت اس کے ساتھ لپٹ گئی تھی ناگ پھنی کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر عورت کو اوپر اٹھایا زور سے پھنکار ماری اور وہ دونوں عقاب بن کر فضاؤں میں پرواز کرنے

لگے۔ سارے کے سارے لوگ دنگ رہ گئے۔

کئی تو سجدوں میں گر پڑے ان کے خیالوں میں یہ کوئی دیوتا تھا۔ جو ہاتھی بن کر بے گناہ عورت کو بچانے آیا تھا عقاب گراؤنڈ کے اوپر چکر لگا رہے تھے ناگ پھنی سفید عقاب کے روپ میں تھا اور اس نے گورنر کے اوپر آ کر زور سے جھپٹا مارا اور اس کی دونوں آنکھوں پر اس زور سے پنجہ مارا کہ اس کی آنکھیں لہولہان ہو گئی وہ چیخ مار کر نیچے گر گیا۔ سفید عقاب نے دوسرا جھپٹا گورنر کی بیوی پر مارا اور اس کی گردن پر اس قدر طاقت کے ساتھ پنجہ مارا کہ اس کی آدھی گردن کٹ گئی اور اس نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

اب وہاں بھگدڑ مچ گئی جس نے جدھر کو منہ اٹھا بھاگ گیا ہر طرف ایک شور مچ گیا کہ گورنر نے دیوتاؤں کو ناراض کیا تھا اس کی اسے سزا مل گئی۔ گورنر کی آنکھیں زخمی ہو گئیں اور اس کی بیوی کو دیوتاؤں نے مار

ڈالا۔ سفید عقاب اپنے ساتھی عقاب کو لے کر شہر سے باہر ایک ویران جگہ پر آ گیا، یہاں اس نے دوبارہ عورت کو وہی شکل دے دی اور خود بھی انسانی شکل میں آ گیا عورت نے ناگ پھنی کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا۔

اے مقدس دیوتا، تم نے میری جان بچائی تم نے مجھ پر اتنا رحم کیا، اب مجھ کو میرے بچوں سے ملا دے کہ میں اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤں۔

تم یہاں ٹھہرو میں تمہارے بچوں کو بھی اسی جگہ لے آتا ہوں، ناگ پھنی سفید عقاب کے روپ میں اس جگہ پہنچا جہاں عورت کے بچے رہتے تھے اس نے ان بچوں کو ساتھ لیا اور ان کی ماں کے پاس لے آیا ماں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ ناگ پھنی نے قریب کے باغ میں سے تازہ پھل توڑا اور ماں بیٹوں کو کھلایا اس کے بعد وہ دوسرے

شہر کی طرف چل دی اور ناگ پھنی واپس آ گیا۔

جس وقت گورنر ڈیوس کی بیوی کی لاش کو سپاہی لے جا رہے تھے اس وقت عنبر بھی لوگوں کے ساتھ جنازے کو دیکھ رہا تھا ذرا فاصلے پر ناگ پھنی بھی کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ عنبر کو جب لوگوں کی زبانی سارا قصہ معلوم ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ کام سوائے اس کے دوست کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا اسے یہ خوشی ہوئی کہ اس کا دوست ناگ پھنی بھی اسی شہر میں ہے۔

دوسری طرف ہجوم میں ناگ پھنی نے بھی عنبر کو دیکھ لیا دونوں دوست ایک دوسرے سے مل گئے وہ ہجوم سے باہر نکل آئے دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی واردات سنائی عنبر کو جب معلوم ہوا کہ گورنر سخت زخمی ہے اور اس کا زخم کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ناگ پھنی دوبارہ سفید عقاب بن کر اپنا پنجہ پانی میں بھگو کر اس کا چھینٹا نہ دے تو

اس نے کہا۔

میں گورنر کا علاج کروں گا۔

ناگ پھنی نے کہا۔

اتنی جلدی نہ کرو دوست ابھی روم کے حکیموں کو گورنر کا علاج کر لینے دو۔ جب وہ چاروں طرف سے مایوس ہو جائے گا تو پھر تم اس کے پاس پہنچ جانا۔

عنبر کو ناگ پھنی کا خیال پسند آیا چنانچہ وہ دونوں ایک سرائے میں آ کر ٹھہر گئے شہر بھر میں یہ بات عام ہو گئی کہ گورنر کی آنکھوں کا زخم ٹھیک نہیں ہو رہا روم کے سارے حکیموں نے اپنا زور لگا دیا مگر زخم خراب سے خراب ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اب وہ پھیل کر گلے کی طرف آنا شروع ہو گیا تھا گورنر نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کے زخم کو اچھا کرے گا وہ اس کو منہ مانگا انعام دے گا۔

اب عنبر کے لیئے سنہری موقع تھا اس نے ناگ پھنی سے کہا۔

گورنر کے علاج کو وقت آ گیا ہے۔ تم فوراً عقاب بن کر پانی میں پنجہ ڈال کر مجھے دے دو۔

ناگ پھنی اسی وقت سفید عقاب بن گیا عنبر نے کٹورے میں پانی لے کر اس کے آگے رکھا اس نے اس میں اپنا پنجہ ڈال کر نکال لیا عنبر نے وہ پانی ایک کپی میں ڈالا اور گورنر کے محل کی طرف چل پڑا محل کے دروازے پر جب اس نے اعلان کیا کہ وہ گورنر کا علاج کرنے آیا ہے تو اسے فوراً اندر گورنر کے پاس پہنچا دیا گیا گورنر بڑی تکلیف میں تھا۔ درد کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا وہ بستر پر ہائے ہائے کرتا ہوا تڑپ رہا تھا عنبر نے مسہری کے پاس بیٹھ کر گورنر کے زخم کو غور سے دیکھا زخم پھیل رہا تھا اس نے فوراً کپی نکال کر اس میں سے دوائی نکال کر اس میں کپڑے کا ایک ٹکڑا بھگویا اور زخم کے اوپر رکھ دیا اس

دوائی نے جادو ایسا کام کیا کہاں تو گورنر بہت بری طرح تڑپ رہا تھا اور کہاں اس کو یک لخت چین سا آ گیا اس نے ہائے ہائے کرنا بند کر دیا اس کو ٹھنڈک سی پڑ گئی زخم کی جلن ایک دم دور ہو گئی گورنر نے تعجب سے شکریے کے ساتھ عنبر کی طرف دیکھا۔

تم ایک بڑے ہی مہان حکیم ہو۔ تمہاری دوائی نے میرے درد کو جڑ سے اکھاڑ دیا کر پھینک دیا ہے میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔

عنبر دو تین روز تک گورنر کا علاج کرتا رہا ایک ہفتے کے بعد گورنر بھلا چنگا ہو گیا اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کیا انعام لینا چاہتا ہے عنبر نے کہا کہ اسے سیزر سے ملا دیا جائے گورنر بڑا حیران ہوا کہ یہ بھلا کون سا انعام ہے جو اس نے مانگا ہے۔ مگر عنبر کو اسی انعام کی ضرورت تھی۔

چنانچہ گورنر نے کہا۔

اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تمہیں سیزر سے خود جا کر ملوا دوں گا۔

سیزر کا قتل

عنبر شام کو سرائے میں پہنچ کر اپنے دوست ناگ پھنی سے ملا۔

اس نے اسے بتایا کہ گورنر نے سیزر سے ملوانے کا وعدہ کر لیا ہے۔

پورے چاند کی رات کو سیزر قلوپطرہ کی تاج پوشی کی خوشی میں اپنے شاہی محل میں ایک شان دار دعوت دے رہا تھا گورنر اسی روز عنبر کو سیزر کے پاس لے جانے والا تھا۔ عنبر اور ناگ پھنی نے بڑے اچھے کپڑے سلوائے اور دعوت کا انتظار کرنے لگے۔

سیزر نے جب سے قلوپطرہ کے ملکہ مصر ہونے کا اعلان کیا تھا اس کے درباری اس سے ناراض تھے کچھ کہتے کہ سیزر نے اس طرح مصر کو

پوری طرح قابو میں کر لیا ہے اور کچھ درباریوں کا خیال تھا کہ سیزر نے مصر کا علاقہ سلطنت روم سے توڑ کر ملکہ مصر کے حوالے کر دیا ہے۔

دوسرے گروہ کا سردار بروٹس اور اوکٹے ڈین تھا بروٹس نے باقاعدہ سیزر کے خلاف ایک نفرت کی زبردست مہم چلا رکھی تھی اب جب سیزر نے قلوپطرہ کے ملکہ بننے کی خوشی میں شاہی محل میں شاندار دعوت کا بندوبست کیا تو بروٹس جل بھن کر راکھ ہو گیا اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو اپنے گھر بلایا اور کہا۔

سیزر اس مصری جادوگرنی کے پیچھے پاگل ہو گیا ہے اس نے روم کے وقار اور عزت کو خاک میں ملا دیا ہے۔

اوکٹے ڈین بولا ہم نے سیزر کو روم کا بادشاہ بنایا ہے ہم اسے تخت سے اتار بھی سکتے ہیں۔

ایک رکن نے کہا۔

مگر ہم چناؤ سے پہلے ایسا نہیں کر سکتے سیزر کو پارلیمنٹ کے بہت زیادہ رکنوں کی حمایت حاصل ہے۔

لیکن روم کے ملک کی وفاداری اور عزت کا ہمیں سب سے پہلے خیال رکھنا ہے ہم ملک کے وقار کے لئے سب کچھ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

کیا ہم اپنے ساتھیوں کی حمایت حاصل کر سکیں گے۔

بروٹس نے کہا۔

کیوں نہیں وہ سب کے سب میرے ساتھ ہیں میں نے ان سے بات کر لی ہے وہ قلوپطرہ سے نفرت کرتے ہیں اور اسے روم کے تخت پر سیزر کے ساتھ بیٹھی دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتے۔

او کیتے ڈین نے کہا۔

پھر تمہارا کیا خیال ہے بروٹس؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔؟

بروٹس نے خنجر نکال کر اس کی نوک میز پر گاڑتے ہوئے کہا۔

ہمیں روم کے وقار کی خاطر سیزر کو قتل کر دینا چاہیے۔

قتل؟

سیزر کا قتل؟

ہاں قتل، اور سیزر کا نہیں بلکہ روم کے دشمن اور وطن کے غدار کا قتل جس نے ہماری زمین کا آدھا حصہ ایک دشمن عورت قلوپطرہ کو دے دیا ہے۔

ہمیں کچھ دیر اور غور کر لینا چاہیے۔

ہم غور کر چکے ہیں بروٹس نے کہا بولو سیزر کے قتل میں وطن کے غدار کے قتل میں کون کون میرے ساتھ ہے۔؟

شروع میں کچھ لوگ ہچکچائے پھر سب نے ہی بروٹس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ سیزر کو قتل کرنے میں بروٹس کے ساتھ ہیں اس فیصلے کے بعد وہاں سے ادھر ادھر بکھر گئے..........

بروٹس کو بے حد اطمینان ہو گیا کہ اس کی سازش کامیاب ہو گئی ہے اور سیزر کے قتل کے بعد اس کی جماعت مصر پر حکومت کرے گی اب یہ لوگ سیزر کی دعوت کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

ان ہی دنوں قرطاجنہ سے پیغام آیا کہ سیزر کا خاص جگری دوست انطنی روم پہنچ رہا ہے۔ انطنی سیزر کا دوست بھی تھا اور روم کی فوج میں ایک کپتان کا درجہ بھی رکھتا تھا یہ ایک بہادر اور دلیر نوجوان تھا، جو دوست کے لیے ہر قسم کی قربانی دے سکتا تھا سیزر سے اس کی دوستی بڑی پرانی تھی قرطاجنہ وہ ایک مہم پر گیا ہوا تھا اس نے وہیں سن لیا تھا کہ سیزر نے مصر کا تخت قلوپطرہ کے حوالے کر دیا ہے اور روم کے سارے درباری اس کے خلاف ہو گئے ہیں یہ بات انطنی کو بھی پسند نہیں تھی کہ مصر کا تخت ایک مصری عورت کے حوالے کر دیا جائے۔

لیکن وہ سیزر کا دوست تھا اور سیزر کی خوشی اسے عزیز تھی۔

لیکن بروٹس اور انطنی میں بڑا فرق تھا بروٹس صرف سیزر کا دوست ہی نہیں تھا وہ ایک سیاست دان دنیا دار اور خود غرض بھی تھا طاقت یا تخت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے وہ ہر قسم کی چال چل سکتا تھا یہ ایک چال ہی تھی جو اس نے روم کی وفاداری کی آڑ میں چلی تھی ورنہ سیزر کو بھی معلوم تھا کہ سیزر کی مقبولیت پسند نہیں تھی وہ سیزر کی شہرت سے جلتا تھا اس کے علاوہ وہ روم کی سلطنت پر اپنی جماعت کی حکومت چاہتا تھا۔ قلوپطرہ کا تو اسے ایک بہانہ مل گیا تھا جس کا اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اب سیزر کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بروٹس اتنا چالاک تھا کہ سیزر کے قتل کا فیصلہ بھی خود اس نے نہیں کیا تھا بلکہ اوکیتے دین اور دوسرے سینیٹ کے لوگوں سے کرایا تھا جب تک تاریخ زندہ رہے گی بروٹس کا نام ایک چالاک مکار اور خود غرض سیاست دان کی حیثیت سے لیا جائے گا اس نے سیزر جیسے مخلص

دوست کو ہلاک کر کے ایک ایسی بدنامی مول لی جس کا دھبہ کبھی نہیں مٹایا جائے گا اگرچہ بعد میں اس نے بھی خودکشی کر لی مگر پھر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

جوں جوں دعوت کا دن قریب آ رہا تھا بروٹس کی پارٹی ہوشیار ہو گئی تھی اور اپنے اپنے خنجر تیز کر رہی تھی دوسری طرف شہر میں سجاوٹ ہو رہی تھی شاہی محل کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا، دربار ہال میں ایرانی قالینوں کے اوپر اطلس اور کمخواب کے تکیے سجا دیے گئے تھے ملک ملک کے سفیر سکندریہ کی دعوت میں شامل ہونے کے لیے پہنچ رہے تھے دعوت سے ایک روز پہلے مصر سے ملکہ مصر یعنی قلوپطرہ کی سواری بھی سکندریہ پہنچ گئی اس کا شہر میں شاندار استقبال کیا گیا، قلوپطرہ ایک عظیم الشان پالکی میں بیٹھی شاہی محل میں داخل ہوئی جہاں سیزر نے خود باہر آ کر اسے پالکی میں سے اتارا اور اسے اپنے ساتھ محل میں لے

گیا۔

مینزر کے ساتھ اس کی بیوی کلاڈیا بھی موجود تھی وہ اپنے خاوند سے پیار کرتی تھی اسے قلوپطرہ پسند نہیں تھی لیکن وہ مینزر کی خوشی ہی میں خوش تھی وہ ایک سیدھی سادھی روشن گھریلو خاتون تھی جو اپنے خاوند پر جان بھی قربان کر سکتی تھی اس کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ بروٹس مینزر کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔

دعوت سے ایک روز پہلے گورنر بھی شاہی محل میں آ گیا۔

وہ عنبر اور ناگ پھنی کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا تھا عنبر نے اپنے سانپ دوست کا یہ کہہ کر گورنر ڈیوس سے تعارف کروایا کہ یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا ہے گورنر نے عنبر کو ساتھ لیا اور شام کے کھانے پر مینزر کے پاس آ گیا۔ اس نے مینزر

سے عنبر کو ملوایا۔

عظیم بادشاہ! آپ کا اقبال بلند ہو یہ نوجوان جس کا نام عنبر ہے تبت سے سکندریہ میں آیا ہے اور بڑا لائق حکیم ہے اس نے میری بیماری کا علاج کیا اور میں تندرست ہو گیا۔

سیزر نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

تبت میں کس راجہ کی حکومت ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

عظیم بادشاہ سیزر تبت میں ایک ایسے راجہ کی حکومت ہے جو ایک مذہبی آدمی ہے وہاں کے لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں اور مذہب کے نام پر ہی زندہ رہتے اور مرتے ہیں۔

سیزر نے مسکرا کر کہا۔

ہم ایک دن عظیم روم کی سلطنت کو تبت تک بڑھا دیں گے۔

عنبر نے کہا۔

عظیم بادشاہ تبت کے لوگ امن پسند ہیں اور اپنے راجہ سے بڑے خوش ہیں وہ آپ کو بھی پسند کریں گے اس لئے کہ آپ بھی انصاف پسند اور نیک بادشاہ ہیں۔

سیزر عنبر کے اس جواب پر خوش ہوا۔

تم نے جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا کہاں سے سیکھا۔

عنبر نے کہا۔

یہ کام میں نے اپنے باپ سے سیکھا تھا عظیم بادشاہ میرا باپ ایک ماہر حکیم تھا اور وہ کھوپڑی کھول کر بھی علاج کر سکتا تھا۔

سیزر نے حیرانی سے پوچھا۔

کیا اس نے کھوپڑی کھولنے کا فن پرانے مصریوں سے سیکھا تھا؟

عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

وہ خود قدیم مصر سے تعلق رکھتا تھا.................

کیا مطلب۔؟ سیزر نے حیرانی سے پوچھا۔

عنبر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ اس کے منہ سے بے خیالی میں سچی بات نکل گئی ہے اس نے جھٹ سے کہا۔

میرا مطلب یہ تھا عظیم بادشاہ کہ میرے باپ نے انسان کی کھوپڑی کھول کر پھر بند کر دینے کا فن ایک ایسے خاندان سے سیکھا تھا جس کا تعلق پرانے مصریوں کے حکیم خاندان سے تھا۔

سیزر مسکرایا اور کہنے لگا۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے دربار میں ایک قابل حکیم کا اضافہ ہوا ہے ہم گورنر کے بھی شکر گزار ہیں جس نے ہمیں تم سے ملایا ہم آج سے تمہیں اپنے دربار میں جگہ دیتے ہیں تم شاہی خاندان کا علاج کیا کرو گے۔

عظیم بادشاہ سیزر میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔

رات کا کھانا عنبر نے سیزر اور دوسرے درباریوں کے ساتھ مل کر کھایا جب وہ واپس سرائے میں آیا تو اس نے ساری کہانی اپنے سانپ دوست ناگ پھنی کو سنائی وہ بہت خوش ہوا ناگ پھنی اگرچہ اس کے ساتھ تھا مگر دربار میں کھانے کے وقت اس نے اسے سرائے میں بھجوا دیا تھا کیونکہ سیزر کے دربار میں کھانے پر گورنر نے صرف عنبر ہی کی اجازت حاصل کی تھی اور بغیر اجازت کے سیزر کی دعوت میں کوئی غیر شخص شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس دوران میں ناگ پھنی نے بروٹس وغیرہ کو وہاں دیکھ لیا تھا اس نے عنبر سے کہا۔

یہ شخص بروٹس مجھے خطرناک لگتا ہے۔

مگر وہ سیزر کا دوست ہے۔

کچھ بھی ہو مجھے اس آدمی کی وفاداری پر شبہ ہے۔

میرا خیال ہے یہ تمہارا وہم ہے۔

ٹاگ چھنی نے کہا

نہیں عنبر مجھے کبھی کسی بات کا وہم نہیں ہوا میں ہمیشہ حقیقت کو دور ہی سے دیکھ لیا کرتا ہوں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم سیزر کو ان لوگوں کے بارے میں خبردار کر دو؟

کوشش کروں گا۔

کیا قلوپطرہ سے تمہاری ملاقات ہوئی۔؟

نہیں وہ شاہی حرم میں ملکہ روم کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی مجھے شاہی محل میں ناگن کی بو آئی تھی مجھے قلوپطرہ ایک ناگن محسوس ہوتی ہے۔

عنبر اس پر بہت ہنسا۔

اگلے روز شاہی محل میں زبردست دعوت دی۔ سارا محل روشنی کا پہاڑ بنا ہوا تھا۔ شمعیں جگہ جگہ روشنی پھیلا رہی تھی۔ محل دلہن کی طرح سجایا گیا تھا قرطاجنہ سے سیزر کا دوست انطنی بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ وہ راستے میں ہی تھا سیزر کا خیال تھا کہ دعوت کے وقت پہنچ جائے گا۔ مگر وہ نہ آ سکا تھا۔ سیزر بعض مجبوریوں کی وجہ سے دعوت ملتوی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ قلوپطرہ کی دعوت زوروں پر تھی۔

قلوپطرہ بے حد قیمتی اور خوب صورت لباس پہن کر تخت پر بیٹھی تھی سیزر بھی اپنے شاندار شاہی لباس میں سر پر سونے کا تاج رکھے دربار میں داخل ہوا اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی اس کی بیوی کا آج دل بری طرح دھڑک رہا تھا اس نے سیزر کو کہا تھا۔

پیارے سیزر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہ دعوت ملتوی کر دو؟

وہ کیوں؟ وہ کس لیے۔؟

جانے کیوں میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔

سیزر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

تمہیں تو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے بھلا میں صرف اس لئے یہ اتنی بڑی دعوت کیسے ملتوی کر سکتا ہوں کہ تمہارا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے؟ باہر کے ملکوں کے سفیر کیا کہیں گے۔

سیزر ہنسی خوشی دربار میں آ گیا۔ سفیروں نے آگے بڑھ کر سیزر سے ہاتھ ملائے درباری اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے دعوت شروع ہو گئی ہر طرف ہنسی خوشی اور قہقہوں کے فوارے چھوٹنے لگے عنبر اور ناگ پھنی بھی دور ایک طرف فوارے کے پاس بیٹھے ہوئے مور کے کباب کھا رہے تھے قلوپطرہ سیزر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور مسکرا مسکرا کر مہمانوں سے باتیں کر رہی تھی۔

بروٹس اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک طرف کھڑا بڑی مکار نظروں سے

چاروں طرف دیکھ رہا تھا اس کے سارے ساتھیوں نے اپنے سفید لبادوں کے اندر لمبے لمبے خنجر چھپائے ہوئے تھے بروٹس آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیزر کے پاس آیا اور اس کے کان میں کہنے لگا۔

سیزر سیمریا کا سفیر آپ سے کچھ خاص بات علیحدگی میں کرنا چاہتا ہے۔

سیزر نے پوچھا۔

کہاں ہے وہ؟

ساتھ والے ایوان میں۔

بروٹس سیزر کو لے کر ساتھ والے ایوان میں ستونوں کے پیچھے لے آیا یہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے مطابق ہو رہا تھا بروٹس کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھی بھی خنجر لبادوں کے اندر چھپائے چلے آ رہے تھے جب سیزر ساتھ والے ایوان میں پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا سیزر

نے پلٹ کر بروٹس سے پوچھنا چاہا کہ میسریا کا سفیر کہاں ہے کہ اچانک بروٹس نے لباس کے اندر سے خنجر نکالا اور بے دھڑک ہو کر سیزر کے سینے میں گھونپ دیا سیزر ذرا سا لڑکھڑایا اس کے منہ سے اتنا نکلا۔

بروٹس تم بھی.................؟

اس کے ساتھ ہی بروٹس کے دوسرے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے خنجر نکال کر دھڑا دھڑ سیزر پر حملے شروع کر دیے سیزر خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑا بروٹس کے ساتھی اسے پھر بھی خنجر مارتے رہے یہاں تک کہ سیزر نے دم توڑ دیا پھر بروٹس نے دوسرے ایوان میں جا کر سارے درباریوں کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ اس نے روم کے غدار کو قتل کر دیا ہے چونکہ زیادہ لوگ اس کے ساتھ تھے۔ اس لئے سیزر کے ہمدرد خاموش رہے اور محل سے باہر نکل گئے قلوپطرہ

اپنے غلام کے ساتھ وہاں سے بھاگ گئی۔

عنبر اور ناگ پھنی لپک کر سیزر کی لاش پر پہنچے۔

مگر وہ تو مر چکا تھا۔

زہری سانپ

انطنی جب روم پہنچا تو سیزر کی لاش چبوترے پر پڑی تھی۔

اس نے سیزر کی لاش پر ایک زبردست تقریر کی اور روم کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے اور سیزر کے قاتلوں کو سزا دلانے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا کچھ لوگ بروٹس کے حق میں ہو گئے اور کچھ انطنی کے حق میں اصل معاملہ خراب قلوپطرہ نے کیا

تھا لوگ یہ گوارہ نہیں کرتے تھے کہ مصر کا علاقہ ایک مصری ملکہ کو دے دیا جائے انطنی کو قتل کرنے کے لیے بھی لوگ بڑھے اس نے بڑی مشکل کے ساتھ اپنی جان بچائی۔

انطنی رات کے پچھلے پہر سکندریہ سے مصر کی طرف نکل گیا قلوپطرہ اس سے پہلے وہاں سے بھاگ کر مصر کے شہر تھیبس پہنچ چکی تھی انطنی بھی اس کے پیچھے تھیبس پہنچ گیا اس نے سیزر کی موت پر قلوپطرہ سے غم کا اظہار کیا قلوپطرہ بڑی ڈری ہوئی تھی اسے سب سے زیادہ خوف بروٹس کے ساتھی جرنیل اوکتے وین کا تھا جس نے سیزر کے مرنے کے بعد اقتدار سنبھال لیا تھا وہ شہر تھیبس پر حملہ کر کے قلوپطرہ کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا اسے قلوپطرہ سے نفرت تھی اس نے اگرچہ سیزر کو قتل کیا تھا لیکن وہ ایک محب وطن رومن تھا وہ اپنے ہاتھوں قلوپطرہ کو ذلیل کرنے کے بعد قتل کرنا چاہتا تھا قلوپطرہ نے اس خطرے کا اظہار

انطنی سے کیا۔

انطنی نے کہا۔

جب تک میں زندہ ہوں قلوپطرہ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تم میرے دوست کی امانت ہو اور میں تمہاری ہر قیمت پر حفاظت کروں گا۔

لیکن انطنی اوکٹے دین کی طاقت بہت ہے سارا روم اس کے ساتھ ہے تم اکیلے اس کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ٹھیک ہے مگر ہم لڑیں گے میری وفادار فوجیں بھی اس کے خلاف لڑیں گی۔

انطنی نے اسی روز تھیبس شہر کے دروازے بند کرادیے اور قلعے کی فصیل پر سپاہیوں کو ہتھیار دے کر چڑھا دیا اس نے روم کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا انطنی کو معلوم تھا کہ وہ روم کے

لشکر کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ مگر وہ ایک بہادر جرنیل تھا وہ ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح دیتا تھا اس نے او کتے دین سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

قلوپطرہ پریشان تھی لیکن انطنی کو اپنے ساتھ دیکھ کر اور اسے باحوصلہ دیکھ کر وہ بھی اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی تھی جاسوسوں نے آ کر انہیں اطلاع دی کہ روم کی فوجیں تھیبس شہر کے باہر پہنچنے ہی والی ہے اس اطلاع کے چوتھے روز روم کا لشکر وہاں پہنچ گیا اس کے سامنے قلعے کا دروازہ بند تھا او کتے دین نے فوج کو قلعے کے باہر ڈیرے ڈالنے کا حکم دیا۔

قلعے کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا تھا اگر اس قلعے کے ایک طرف سمندر ہوتا تو شاید انطنی ادھر سے خوراک وغیرہ منگوانے کا بندوبست کر لیتا مگر اس شہر کے چاروں طرف صحرا تھا اور روم کی فوجوں نے

اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا شہر کے اندر صرف چھ سات ماہ کی خوراک کا ذخیرہ تھا قلوپطرہ کو موقع نہیں ملا تھا............... او کتے دین کی رومی فوج ایک دم وہاں پہنچ گئی تھی انطنی کا خیال تھا کہ روم کی فوج دو چار ماہ کے محاصرے کے بعد خود بخود ہی تنگ آ کر چلی جائے گی مگر یہ ان کا خیال غلط تھا رومی جرنیل عہد کر کے آیا تھا کہ وہ سیزر کے دوست انطنی اور غدار قلوپطرہ کے سر اپنے ہاتھ سے کاٹے گا اور تھیبس شہر کو آگ لگا دے گا۔

رومی جرنیل نے دو تین بار قلعے پر حملہ کر کے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مصری فوجوں نے اوپر سے تیروں کی بارش شروع کر دی رومی فوجوں پر کھولتا ہوا تیل پھینکا سکندریہ سے ابھی دو بڑی توپیں وہاں نہیں پہنچی تھی جن سے نکلے ہوئے بڑے بڑے پتھر قلعے کی دیوار کو توڑ سکتے تھے محاصرہ طول پکڑ گیا قلوپطرہ نے انطنی سے

کہا۔

انطنی معلوم ہوتا ہے کہ تباہی ہماری قسمت میں لکھی جا چکی ہے شہر میں کھانے پینے کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے لوگ جانوروں کو کھانے لگے ہیں امیر آدمیوں کے گھر لوٹے جا رہے ہیں شہر میں گندم کا ایک بھی گودام باقی نہیں بچا۔

انطنی نے کہا۔

ایسا ہونا ہی تھا قلوپطرہ یا تم اپنی عزت بچاتے یا گندم کے ذخیرے سے کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ ہم قلعے کا دروازہ کھول دیں تا کہ دشمن اندر آ کر ہمیں زنجیروں میں جکڑ کر سکندریہ کے بازاروں میں کتوں کی طرح گھمائے۔

قلوپطرہ نے کہا۔

ہرگز نہیں۔ میں جان دے دوں گی مگر دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں

ڈالوں گی۔

پھر شہر میں جو ہو رہا ہے ہونے دو ہماری موت ہر حالت میں لکھی جا چکی ہے بہتر یہی ہے کہ ہم مردوں کی طرح بہادری اور عزت کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مریں۔

ادھر یہ مشورے ہو رہے تھے اور اُدھر سکندریہ سے رومی لشکر کو مزید کمک پہنچ گئی وہ بڑی بڑی توپیں بھی پہنچ گئیں جن سے پتھر نکل کر گولوں کی طرح قلعے کی دیوار پر پڑتے تھے اور اسے توڑ کر رکھ دیتے تھے ان توپوں نے شام اور ایران کے بڑے بڑے طاقتور قلعوں کی دیواروں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔

چنانچہ ان توپوں کے آتے ہی رومی لشکر نے قلعے پر پتھر برسانے شروع کر دیئے بڑے بڑے پتھر ایک زوردار دھماکے کے ساتھ قلعے کی دیوار پر پڑنے لگے ایسے دھماکے شہر والوں نے پہلے کبھی نہیں سنے

تھے تھوڑی دیر کی سنگ باری کے بعد ہی قلعے کی دیوار ٹوٹنا شروع ہوئی اور پھر اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے قلعے کے اوپر سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی رومی لشکر نے لوہے کی بڑی بڑی قد آدم ڈھالوں کی اوٹ میں قلعے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

قلعے کے شگافوں پر بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی دونوں طرف سے سپاہی جی کھول کر لڑے دونوں طرف کے سپاہیوں نے بڑا ڈٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا مگر پلہ رومی لشکر کا بھاری رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے اندر بھی رومی فوج داخل ہو چکی تھی مصری فوج اخطنی کی قیادت میں مردانگی کے جوہر دکھا رہی تھی اخطنی خود رومی لشکر کے سپاہیوں سے لڑ رہا تھا لیکن اتنے بڑے رومی لشکر کا آخر کب تک مقابلہ کیا جاتا مصری فوج کے پاؤں اکھڑنا شروع ہو گئے پہلے ایک سپاہی پیچھے ہٹا پھر دوسرا پیچھے ہٹا اور اس کے بعد ہر جگہ سے مصری سپاہیوں

نے بھاگنا شروع کر دیا رومی سپاہی بھاگتے ہوئے مصری سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے رومی فوج کا ایک دستہ نطنی کی طرف بڑھنے لگا نطنی لکڑی کے ایک پل کے اوپر اکیلا رومی فوج کا مقابلہ کر رہا تھا وہ بڑی بہادری کے ساتھ لڑ رہا تھا اس کا ماتھا اور بازو زخمی ہو گئے تھے زخموں سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ برابر مقابلہ کر رہا تھا۔

او کتے دین نے آگے بڑھ کر نطنی کے بازو پر تلوار ماری نطنی نے وار بچا لیا اور او کتے دین پر حملہ کر دیا اب دونوں جرنیل ایک دوسرے کے سامنے آ گئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک شیر اور دوسرے شیر سے لڑ رہا ہے تلواریں ایک دوسری سے ٹکرا کر شرارے پیدا کر رہی تھیں مگر نطنی بہت زخمی ہو چکا تھا اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا وہ رومی جرنیل کا مقابلہ کر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے پیچھے سے آ کر اس کی پشت میں تلوار گھونپ دی۔

انطنی لڑکھڑا کر گر د۔ رومی جرنیل نے تلوار کا بھرپور ہاتھ مار کر انطنی کو شدید زخمی کر کے زمین پر پھینک دیا انطنی نے رومی جرنیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

کاش مجھ پر پیچھے سے حملہ نہ کیا جاتا۔

لیکن تلوار اپنا کام کر چکی تھی انطنی دم توڑ رہا تھا رومی جرنیل نے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے کر زمین پر پڑے ہوئے انطنی کے دل میں اتار دیا یہ زخم کاری ثابت ہوا اور انطنی مر گیا انطنی کی موت کے ساتھ ہی مصری فوجوں نے بھاگنا شروع کر دیا رومی فوج نے قلعے پر قبضہ کر کے رومی جھنڈا لہرا دیا مصری فوجوں کو گرفتار کر لیا گیا بھاگے سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا گیا۔

اوکٹے ڈین نے حکم دیا کہ شاہی محل میں پہنچ کر قلوپطرہ کو زندہ گرفتار کیا جائے رومی جرنیل ملکہ مصر کو زندہ گرفتار کر کے اسے سکندریہ اور مصر

کے بازاروں میں گھما کر ذلیل کرنا چاہتا تھا وہ خود ایک فوجی دستے کے ساتھ اس محل کی طرف بڑھا جہاں قلوپطرہ موجود تھی۔

قلوپطرہ کو انطنی کی موت کی خبر ملی تو اس کی اپنی موت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی وہ سمجھ گئی کہ اب اس کا وقت قریب ہے مگر وہ رومی جرنیل کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ذلیل و رسوا نہیں ہونا چاہتی تھی اس نے خودکشی کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ عزت کی موت مر جانا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی کہ جب رومی جرنیل فتح کے نشے میں محل کے اندر داخل ہو تو اسے وہاں قلوپطرہ کی لاش ملے۔

اس نے اپنی خاص کنیز شارمیان سے کہا۔

شارمیان میرا آخری ہمدرد انطنی بھی مر گیا ہے اب اس دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو مجھے رومی جرنیلوں سے ذلیل ہونے سے بچا سکے میں مر جانا چاہتی ہوں۔

نثار میاں نے روتے ہوئے کہا۔

عظیم ملکہ۔ کیا آپ کا یہ آخری فیصلہ ہے۔؟

ہاں نثار میاں یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے میں ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو زیادہ پسند کرتی ہوں انسان اگر عزت و آبرو کے ساتھ کے زندہ نہیں رہ سکتا تو اسے مر جانا چاہیے۔

نثار میاں نے کہا۔

عظیم ملکہ پھر میں بھی آپ کے ساتھ ہی مر جاؤں گی۔

نہیں نہیں میری اچھی سہیلی ایسا نہ سوچنا تم ابھی نوجوان ہو ابھی تم نے زندگی کا دیکھا ہی کیا ہے ابھی تمہیں دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے تم میرے ساتھ اپنی زندگی سے ہاتھ کیوں دھوتی ہو؟

عظیم ملکہ میں نے ساری زندگی آپ کی خدمت کی ہے میں ساری زندگی آپ کے ساتھ رہی ہوں میرا جینا مرنا آپ کے ہی ساتھ ہے

اگر آپ زندہ ہیں تو میں زندہ ہوں اگر آپ زندہ نہیں ہیں تو میں پھر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

قلوپطرہ نے کہا۔

نثار میاں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کرلو۔

عظیم ملکہ۔ میرا فیصلہ آپ کے فیصلے کی طرح اٹل ہے۔

قلوپطرہ بولی۔

تمہاری مرضی یہ بتاؤ کہ کیا تم شاہی باغ میں رکھے ہوئے سانپوں میں سے سب سے زہریلا سانپ میرے پاس لا سکتی ہو؟

نثار میاں نے کہا۔

عظیم ملکہ کیا آپ سانپ سے ڈسوا کر مرنا پسند کریں گی؟

ملکہ مصر نے کہا۔

ہاں نثار میاں میں دریائے نیل کی ملکہ ہوں میں دریائے نیل کے

سب سے زہریلے سانپ سے ڈسوا کر ہی مرنا پسند کروں گی۔

شارمیان بولی۔

میں کوشش کرتی ہوں ملکہ صاحبہ۔

قلوپطرہ بولی۔

کوشش نہیں میری عزیز سہیلی کچھ بھی ہو سانپ کو ٹوکری میں چھپا کر

یہاں لے آؤ۔

ملکہ قلوپطرہ مسہری پر ناامید ہو کر پڑ گئی اور اس کی کنیز شارمیان دریائے

نیل کا سب سے زہریلا سانپ لانے کے لیے محل کے شاہی باغ میں

چلی گئی محل کے باہر ایک افراتفری مچی ہوئی تھی مصری فوج کے بچے

کھچے پہریدار بھاگ رہے تھے رومی جرنیل شاہی محل کی طرف بڑھ رہا

تھا شارمیان شاہی باغ میں اس مقام پر آ گئی جہاں بڑے بڑے

مرتبانوں میں زہریلے سانپ رکھے ہوئے تھے۔

اس نے زمین پر سے ٹوکری اٹھائی اس میں انجیر کے چوڑے پتے توڑ کر بچھائے اور ایک مرتبان میں سے چھڑی سے سانپ نکال کر ٹوکری میں چھپایا اور اسے لے کر شاہی محل کی طرف آئی یہ سانپ سیاہ رنگ کا تھا اگرچہ یہ چھوٹا تھا مگر اس کا زہر بڑا ہی خطرناک تھا اس کے کاٹے جانے سے آدمی اسی وقت ہلاک ہو جاتا تھا شارمیان کو سب سے زیادہ خطرہ رومی فوج کا تھا کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ قلو پطرہ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

شارمیان ٹوکری چھپائے محل کے چور دروازے سے ہوتی ہوئی قلو پطرہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئی قلو پطرہ اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ٹوکری پکڑ لی اور اسے لے کر اپنے ریشمی بستر پر لیٹ گئی۔

پیاری شارمیان تم نے میری ساری زندگی خدمت کی ہے میں اس کے عوض تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکی اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوگئی ہو یا میں نے تمہارا کبھی دل دکھایا ہو تو مجھے معاف کر دینا یہ میرا آخری وقت ہے میں دیوتاؤں کے پاس جارہی ہوں جہاں میرے ایک ایک اچھے برے کام کا حساب ہوگا میں چاہتی ہوں کہ صاف دل لے کر جاؤں کیا تم مجھے معاف کر دو گی ناں شارمیان؟

شارمیان کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی اس نے کہا۔

عظیم ملکہ آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ چھوٹی بہنوں جیسا سلوک کیا ہے اگر مجھ سے کبھی کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی دیوتاؤں کے پاس جارہی ہوں۔

قلوپطرہ نے شارمیان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

نثار میاں! پیاری بہن میرے پیچھے اپنی زندگی ضائع نہ کرو دیوتاؤں کے لئے زندہ رہو تمہیں تو رومی جرنیل کچھ نہیں کہے گا۔

نثار میاں نے قلوپطرہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

عظیم ملکہ قلوپطرہ آپ کے بعد میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ میری زندگی تو آپ کے ساتھ تھی اگر آپ ہی اس دنیا میں نہیں ہوں گی تو میرا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔؟

قلوپطرہ نے چپکے سے ٹوکری میں پڑے ہوئے سانپ کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا سانپ نے قلوپطرہ کو سینے پر ڈس لیا قلوپطرہ کا ہاتھ نیچے گر پڑا سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ قلوپطرہ کے جسم میں سے ایک دم طاقت ختم ہو گئی اور وہ بے حس پتھر بن کر رہ گئی قلوپطرہ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔

نثار میاں نے اٹھ کر قلوپطرہ کی پیشانی چومی اور کہا۔

میں بھی آپ کے ساتھ آ رہی ہوں ملکہ معظمہ اور اس کے ساتھ ہی نثار میاں نے بھی قلوپطرہ کی مسہری پر رینگتے ہوئے سیاہ سانپ کو اٹھایا اور اسے اپنی گردن میں ڈال لیا سانپ نے نثار میاں کی گردن پر بھی ڈس دیا سانپ کے ڈسنے کے بعد نثار میاں کے جسم میں بھی زہر بڑی تیزی سے داخل ہو گیا اور وہ بے چاری لڑکھڑا کر قلوپطرہ کے پلنگ کی پٹی پر گری اور آہستہ آہستہ اس کی گردن ڈھلک گئی اور وہ بھی قلوپطرہ کے ساتھ ہی مر گئی۔ ٹھیک اس وقت رومی جرنیل او کتے دین اپنے شاہی دستے کے ساتھ اندر داخل ہوا اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قلوپطرہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ سپاہی آگے بڑھے مگر وہاں سوائے قلوپطرہ کی لاش کے اور کچھ نہ تھا او کتے دین اپنا سر پیٹ کر رہ گیا قلوپطرہ مرتے مرتے اسے شکست دے گئی تھی وہ اس کے ہاتھ آ کر اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

دریائے اُردن کی طرف

قلوپطرہ کی موت کے بعد مصر پر روم کا قبضہ ہو گیا۔

بروٹس کی جماعت نے حکومت پر قبضہ کر لیا اس سنگ دل جماعت نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے سیزر کا قتل کیا انطنی کو ہلاک کیا اور قلوپطرہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو سانپ سے ڈسوا کر خودکشی کرے بروٹس کے دل میں پھر بھی ایک انسان کا دل چھپا ہوا تھا۔ سیزر کو قتل کرنے کے بعد وہ بے چین رہنے لگا انسان کا ضمیر ایک نہ ایک روز ضرور انصاف کرتا ہے انسان اگر کوئی برا کام کر لے تو اس کا ضمیر اسے چین نہیں لینے دیتا یہی بروٹس کے ساتھ ہوا تھا اس کی

جماعت نے حکومت بنائی تھی بروٹس حکومت میں اونچے سے اونچا عہدہ حاصل کر چکا تھا مگر اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا کہ تم نے اپنے دوست کے سینے میں خنجر گھونپ کر گناہ کیا ہے تم نے ایک بے گناہ انسان کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔

بروٹس ایک رات پریشان ہو کر اپنے گھر سے باہر نکل آیا سمارا روم سو رہا تھا آسمان پر چودھیوں کا چاند نکلا ہوا تھا اسی قسم کی وہ چاندنی رات تھی جب بروٹس نے سیزر کو دھوکے سے بلا کر اس کے دل میں اپنا خنجر گھونپ دیا تھا بروٹس کا دل اسے لعن طعن کر رہا تھا وہ شہر سے باہر ایک چبوترے پر بیٹھ گیا اس نے سوچا کہ سیزر اس کا دوست تھا سیزر کو کبھی یہ وہم نہیں آ سکتا تھا کہ ایک دن بروٹس جو اس کا جگری دوست بھی ہے اسے ہلاک کر سکتا ہے چنانچہ جب وہ اپنے دوست کے خنجر کا زخم کھا کر گرا تھا تو اس نے بے بسی اور حیرت سے کہا تھا۔

بروٹس تم بھی.........؟

یعنی یہ کہ تم بھی میرے قاتلوں کے ساتھ مل گئے کم از کم تم سے تو مجھے یہ امید نہ تھی تمہارا حق تو یہ تھا کہ مجھے میرے دشمنوں سے بچاتے لیکن اس کی بجائے تم بھی میرے دشمنوں کے ساتھ مل گئے؟ بروٹس کی آنکھوں کے سامنے سیزر کا چہرہ گھومنے لگا اور اسے اس کے آخری الفاظ یاد آنے لگے۔

بروٹس تم بھی؟ بروٹس تم بھی..................؟

بروٹس بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا اس نے اپنا خنجر نکال کر آسمان کی طرف دیکھا۔

دیوتاؤ میرے گواہ رہنا میں اپنے گناہ کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔

اور اتنا کہہ کر بروٹس نے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ جس طرح اس

نے سیزر کے سینے میں گھونپا تھا خنجر سیدھا دل پر جا کر لگا بروٹس لڑکھڑا کر گر گیا، اور زمین پر تڑپنے لگا۔

صبح روم کے شاہی دستے نے چبوترے کے پاس آ کر دیکھا تو بروٹس کی لاش پڑی تھی او کیٹے دین بروٹس کا دوست تھا مگر جو آدمی خود کسی کا دوست نہ ہو اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا جو دوسروں کے ساتھ زیادتی کرے لوگ اس کے ساتھ بھی زیادتی ضرور کرتے ہیں او کیٹے دین نے بروٹس کی موت کی ذرا بھی پرواہ نہ کی صرف اس نے اتنا حکم دیا کہ بروٹس کی لاش کو دفن کر دیا جائے۔

ایک ہی ماہ کے اندر اندر روم کے مشہور معروف لوگ مر گئے وہ لوگ مر گئے جن کا نام آج تاریخ میں زندہ ہے لوگ روم کے بادشاہوں کے نام بھول گئے ہیں لیکن انطنی، قلوپطرہ، سیزر اور بروٹس آج بھی سب کو یاد ہے ان لوگوں کی موت کے بعد روم کا زوال شروع ہو گیا۔

انطنی اور سیزر کے قتل کے بعد مخالف جماعت کی حکومت نے چن چن کر ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو سیزر کے حمائتی تھے ان میں عنبر اور اس کے سانپ دوست کا بھی نام آتا تھا کیونکہ ان دونوں کو سیزر نے ہی اپنے دربار میں جگہ دی تھی چنانچہ سیزر کے قتل اور قلوپطرہ کی موت کے بعد رومی سپاہیوں نے ناگ پھنی اور عنبر کو بھی گرفتار کر لیا سکندریہ کا گورنر ڈیوس کئی روز پہلے ہلاک کر دیا گیا تھا اور اس کی بیوی دو بچوں کو جنوبی افریقہ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

اوکٹے دین نے عنبر اور ناگ پھنی کو بھی دوسرے عام لوگوں کی طرح موت کی سزا سنا دی اس کے نزدیک عنبر اور ناگ پھنی کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہ تھی کہ وہ سیزر کے حمائت کرنے والوں میں سے تھے انہیں جیل میں ڈال دیا گیا اوکٹے دین ان دونوں کی خفیہ طاقتوں سے بے خبر تھا جیل میں رومی سپاہی ان پر بڑی سختی کرتے انہیں دن

میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا کھانے کی تو خیر ان دونوں کو پروا نہ تھی وہ کھائے بغیر کئی روز تک زندہ رہ سکتے تھے لیکن رومی سپاہی انہیں کوڑے مارتے ناگ پھنی زخمی ہو گیا۔

اس نے غضب میں آ کر عنبر سے کہا۔

اگر اب مجھے کوڑے لگائے گئے تو میں انہیں باری باری سب کو ہلاک کر دوں گا۔

اور یہی ہوا۔ رومی سپاہیوں کو کیا معلوم تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہیں وہ کوڑے لگا رہے ہیں سپاہی نے روز کی طرح جیل خانے میں آ کر ان دونوں کو گالیاں دیں اور ناگ پھنی پر کوڑے برسانے لگا۔ ناگ پھنی جلال میں آ گیا اس نے زور سے پھنکار ماری اور ایک دم کایا پلٹ کر سیاہ ناگ بن گیا۔

رومی سپاہی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کے ہاتھ سے کوڑا

چھوٹ کر دور جا گرا اس نے آج تک کسی انسان کو سانپ بنتے نہیں دیکھا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ بار بار آنکھیں ملنے لگا۔ مگر اس دوران میں سانپ نے آگے جھک کر سپاہی کی گردن پر کاٹ لیا تھا۔

گردن پر اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا زہر خون کے ذریعے بڑی جلدی سے دماغ میں پہنچ کر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے رومی سپاہی کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ادھر سانپ نے اسے کاٹا ادھر ایک چیخ مار کر وہ گرا اور گرتے ہی اکڑ کر پتھر بن گیا اور مر گیا اس کی چیخ کی آواز سن کر کچھ سپاہی ادھر دوڑے۔ ناگ پھنی نے پھنکار ماری اور کایا پلٹ کر سیاہ ناگ سے سیاہ ہاتھی بن گیا ہاتھی بن کر وہ زور سے چنگاڑا اور ٹکر مار کر اس نے جیل کی سلاخیں توڑ ڈالیں رومی سپاہی ڈر کر ادھر اُدھر دوڑے ہاتھی نے آگے بڑھ کر دو تین سپاہیوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ایک

سپاہی کی ٹانگ پکڑ کر اسے ہوا میں اس زور سے اچھال کر زمین پر پھینکا کہ اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ہاتھی نے عنبر کو اپنے اوپر بٹھا لیا تھا اور اب وہ اسے ساتھ لے کر جیل سے فرار ہو رہا تھا جیل کی ڈیوڑھی سے باہر نکلتے ہی سپاہیوں نے ان پر نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی مگر وہ انہیں زخمی تک نہ کر سکے ہاتھی عنبر کو لے کر شہر سے باہر ایک باغ میں لے آیا یہاں اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی اور ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا جب وہ تھک گیا تو ایک کھنڈر کے سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔

یہاں بیٹھے ابھی انہیں تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اوکتے دین خود ایک خونخوار دستے کی قیادت کرتا وہاں پہنچ گیا اور اس نے ان دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گرفتار کر لیا۔ ناگ پھنی پھنکار مار کر ہاتھی بننے ہی والا تھا کہ عنبر نے اشارے سے منع کر دیا اس لیے کہ عنبر کو یقین تھا کہ

خواہ وہ کسی بھی جانور کا روپ دھار لے فوج کے سپاہی اسے شدید زخمی ضرور کر دیں گے اس سے بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے گرفتار ہو کر قید خانے میں پہنچ جایا جائے۔

عنبر کا خیال تھا کہ انہیں دوبارہ قید خانے میں پہنچا دیا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا شاہی دستہ انہیں لے کر محل کے باہر میدان میں لے آیا اور انہیں ستون کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھوڑی دیر کے بعد تیر برسانے والوں کا دستہ ان کے سامنے قطار بنا کر کھڑا ہو گیا گویا رومی جرنیل کے حکم سے انہیں تیروں سے چھلنی کیا جا رہا تھا اب تو ناگ پھنی گھبرایا اس نے عنبر سے کہا۔

عزیز دوست عنبر اب تو پانی سر سے گزرنے لگا ہے۔ تم تو ان تیروں کی بارش میں بھی زندہ رہو گے کیوں کہ تم تو مر ہی نہیں سکتے لیکن یہ بوچھاڑ تیروں کی میرے سینے پر لگی تو میں یقیناً ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس

لئے میں جا رہا ہوں۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

تم کہاں جاؤ گے۔؟

ناگ پھنی نے سوچ کر کہا۔

میں سکندریہ کے باہر پرانے اہرام کی کھوہ میں تمہارا انتظار کروں گا۔

اتنا کہہ کر ناگ پھنی نے آنکھیں بند کرلیں اور زور سے پھنکار ماری

دوسرے ہی لمحے وہ سفید عقاب بن کر اوپر اڑ گیا۔

سپاہی اسے دیکھتے ہی رہ گئے او کتے دین تو حیران ہو کر رہ گیا اس نے کہا۔

یہ جادوگر ہیں انہیں فوراً ہلاک کردو۔

اس حکم کے ساتھ ہی پچاس تیر عنبر کے سینے میں ایک ساتھ آ کر کھب گئے عنبر پر ان تیروں کا کوئی بھی اثر نہ ہوا۔ رومی جرنیل او کتے دین کو

یقین تھا کہ عنبر مر چکا ہوگا وہ بڑے آرام سے آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

اس غدار کی لاش کو گدھوں کے آگے ڈال دیا جائے۔

کسی سپاہی نے چیخ کر کہا۔

یہ ابھی زندہ ہے۔

زندہ ہے۔؟

رومی جرنیل نے حیرت سے مڑ کر دیکھا............عنبر زندہ تھا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا یعنی وہ معمولی سا زخمی بھی نہیں تھا............اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہا تھا

او کتے دین رومی جرنیل نے چیخ کر حکم دیا۔

اسے ہلاک کر دیا جائے............فوراً............

اب عنبر پر تیر پر تیر برسائے جانے لگے جب کوئی پانچ سو تیر اس کے

بدن میں پرو دیا گیا تو او کیتے دین رومی جرنیل نے قریب آ کر دیکھا کہ عنبر اسی طرح مسکرا رہا تھا اور اس کے جسم سے خون کا قطرہ بھی نہیں بہہ رہا تھا حالاں کہ تیروں نے اس کے جسم میں پانچ سو سوراخ آر پار کر دیے تھے۔

رومی جرنیل تو سر پکڑ کر رہ گیا۔

اس نے قریب جا کر غور سے دیکھا بالکل وہی پہلے جیسا نظارہ تھا گویا عنبر پر ایک تیر بھی نہیں چلایا گیا تھا عنبر نے بڑے سکون سے ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے جسم میں سے ایک ایک کر کے تیر نکالنے شروع کر دیے

رومی جرنیل نے عنبر سے پوچھا۔

تم جادوگر ہو۔ میں تمہیں آگ میں زندہ جلاؤں گا۔

جیسا کہ اس زمانے میں رومی جرنیل اور گورنر رعایا پر بے حد اذیت ناک سلوک کیا کرتے تھے رومی جرنیل او کیتے دین نے حکم دیا۔

آگ کا جہنم دہکا دیا جائے۔

ایسا ہی ہوا۔ زبردست آگ روشن کردی گئی اس میں عنبر کو پھینک دیا گیا مگر ظاہر ہے عنبر کا کچھ نہ بگڑا وہ بالکل محفوظ رہا۔ رومی جرنیل اب تو بے حد گھبرا گیا اسے کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ شخص جادوگر نہیں بلکہ کوئی آسمانی دیوتا ہے اس نے عنبر کو آگ میں سے باہر نکال کر پوچھا۔

سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

اس کا جواب میں شہر سے باہر اہرام کے پاس چل کر دوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں میرے ساتھ تنہا جانا ہوگا۔ ہاں ایک دو سپاہی ساتھ لے جا سکتے ہو۔؟

رومی جرنیل او کتے دین عنبر کے ساتھ شہر سے باہر اس اہرام کے باہر آ گیا جہاں ناگ پھنی اس کا انتظار کر رہا تھا عنبر نے ناگ پھنی کو اشارہ

کیا کہ وہ غار کے اندر ہی سانپ کا روپ دھار کر بیٹھا رہا عنبر رومی جرنیل اوکتے دین کو غار کے قریب لے آیا چاروں رومی سپاہی ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

اوکتے دین میں تمہیں یہاں قتل کرنے کے لیے لایا ہوں..........

کیونکہ تم نے ہزاروں بے گناہ مصریوں کو قتل کیا ہے اگر تم زندہ رہے تو ابھی ہزاروں بے گناہوں کو اور قتل کرو گے۔

رومی جرنیل مسکرایا اور بولا۔

تم کیا ہو اور تمہاری اوقات کیا تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔

عنبر نے کہا۔

اچھا میرا وار سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ

عنبر نے کنیز کارمیلا کی دی ہوئی انگوٹھی چوم کر اس کا رخ رومی جرنیل

کی طرف کر دیا رومی جرنیل کے ارد گرد کھڑے چاروں سپاہی اس کے آگے آگے اور انہوں نے تلواریں نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا مگر ٹھیک اسی وقت انگوٹھی کے اندر سے سفید سفید شعاعیں نکل کر چاروں سپاہیوں پر پڑیں اور وہ موم کی طرح پگھل کر زمین پر بہہ گئے رومی جرنیل کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں اس نے ایسا بھیانک منظر ایسی بھیانک موت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اب ناگ پھنی بھی سانپ کی شکل میں غار سے باہر آ گیا۔

عنبر نے رومی جرنیل سے پوچھا۔

بولو اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟

رومی جرنیل ایک بہادر جرنیل تھا اس نے تلوار کھینچ کر کہا۔

خواہ تم مجھے بھی ہلاک کر دو مگر میں اپنی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔

ناگ پھنی لپک کر اسے ڈسنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے روک دیا اور

رومی جرنیل سے کہا۔

او کتے دین تمہارا یہ دلیرانہ جواب سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے مگر بہادر انسان بڑے فیاض اور انصاف پسند ہوتے ہیں اگر تم وعدہ کرو کہ ایک بہادر آدمی کی طرح تم بھی اپنی رعایا کے ساتھ محبت اور فیاضی کے ساتھ سلوک کرو گے اور آئندہ بے گناہ لوگوں کا خون نہیں بہاؤ گے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا کیا تم وعدہ کرتے ہو؟

رومی جرنیل نے کہا۔

موت کے خوف سے نہیں بلکہ اپنے دل کی رضامندی کے ساتھ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے میں رعایا کے ساتھ انصاف کروں گا اور بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگوں گا۔

عنبر نے کہا۔

شکریہ او کتے دین مجھے تم جیسے بہادر آدمی سے یہی امید تھی۔

اس کے بعد عنبر اور ناگ پھنی نے اوکتے دین سے اجازت لی اور سکندریہ شہر کی طرف آ گئے رومی جرنیل نے انہیں اپنے دربار میں کرسی پیش کی مگر عنبر نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیئے کہ دربار میں اب اس کا کوئی بھی ہمدرد اور دوست نہیں تھا انہوں نے اس کی صرف یہ پیش کش قبول کی کہ وہ انہیں دو گھوڑے اور کچھ اشرفیاں سفر کے لیئے مہیا کر دے۔ رومی جرنیل نے گھوڑے اور اشرفیاں مہیا کر دیں اور دونوں دوست سکندریہ کے شہر سے رخصت ہو کر سرحد کی طرف روانہ ہو گئے اب ان کی منزل دریائے دجلہ اور فرات کی وادی تھی اس لیئے کہ یہ نیک پیغمبروں کی سرزمین بنتی جا رہی تھی انہوں نے سن رکھا تھا کہ دریائے عمان کے کنارے یوحنا نام کا ایک بزرگ جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے لوگوں کو پاکیزگی اور اچھے کاموں کی ہدایت کرتا ہے عنبر اس عظیم بزرگ کو دیکھنے کی تمنا لے کر عمان کی طرف چل پڑا۔

دریائے اردن کے کنارے یوحنا نبی سے عنبر کی ملاقات

...............سلومی کا سات پردوں میں چھپا ہوا پراسرار رقص اور بادشاہ سے یوحنا نبی کا سر کاٹ لانے کی فرمائش...............جب یوحنا کا سر کاٹ کر طشت میں پیش کیا گیا تو سلومی پر کیا گزری...............

یہ سب کچھ آپ اس کتاب کے اگلے یعنی تیرھویں حصے "نیلی آنکھیں" میں پڑھیے۔

عنبر۔ ناگ۔ ماریا

نیلی آنکھیں

(قسط نمبر ۱۳)

اے حمید

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

پہلا باب..............دوست کی جدائی
دوسرا باب............صحرا میں اکیلا سفر
تیسرا باب.............نیلی آنکھیں
چوتھا باب.............سلیمانی انگوٹھی
پانچواں باب...........ناگ کا انتقام
چھٹا باب..............خونی کلہاڑا
ساتواں باب...........نبی کی کرامت
آٹھواں باب...........سلومی
نواں باب..............پراسرار تہہ خانہ
دسواں باب............سر کاٹ لاؤ

سنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو اپنے دوست سانپ کے ساتھ اردن کے دریا کی وادی میں آ گیا ہے سانپ ایک حادثے میں ہمارے ہیرا عنبر سے جدا ہو جاتا ہے عنبر کی ملاقات یوحنا نبی سے ہوتی ہے بادشاہ کے دربار میں مشہور ظالم عورت سلومی رقص کرتی ہے اور بادشاہ سے یوحنا کا سر طلب کرتی ہے بدقسمت بادشاہ یہ ظلم کر بیٹھتا ہے اور اس ملک میں تباہی آ جاتی ہے عنبر اپنے دوست کی تلاش میں ایک پراسرار تہہ خانے میں پہنچ جاتا ہے اور تہہ خانے میں وہ ایک عجیب وغریب قبیلے کے لوگوں کو دیکھتا ہے بادشاہ ہیروڈ کو اس کی رعایا ظالم بادشاہ کہہ کہہ کر پکارتی ہے سلومی کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے کیونکہ اس کے اشارے سے یوحنا نبی کا سر کاٹا جا رہا ہے۔

اے حمید

دوست کی جدائی

دونوں دوست دریائے اردن کی طرف سفر کر رہے تھے۔

اردن اس زمانے میں یعنی آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے ایک چھوٹا سا دریا تھا جو یروشلم کی وادی میں بہتا ہوا آگے جا کر سمندر میں گر جاتا تھا اس دریا کے کنارے بڑے بڑے تاریخی شہر آباد ہوئے ایسی ایسی قومیں آباد ہوئیں جن کے کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ملتے ہیں لوگ اس وادی کو پیغمبروں کی وادی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس وادی میں اللہ کے بہت سے پیغمبر تشریف لائے اور انہوں نے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو نیکی کی تعلیم دی۔

سدوم بھی اس زمانے کا ایک بہت بڑا شہر تھا جو دریائے اردن کے

کنارے پر واقع تھا یہ شہر رومیوں کے قبضے میں تھا اور اس کا بادشاہ شاہ ہیروڈ تھا جو شاہ روم کے ماتحت تھا۔

شاہ ہیروڈ کی ملکہ کا نام ہیروڈیس تھا شاہ ہیروڈ ایک عیش پرست کاہل اور ظالم بادشاہ تھا جو اپنے آرام و آسائش کے لئے ہر شے قربان کر سکتا تھا ملکہ ہیروڈیس ایک سمجھدار، ہوشیار اور دنیا دار عورت تھی جو بڑی دور اندیشی کے ساتھ حکومت چلا رہی تھی مگر کبھی کبھی اپنے ظالم اور عیش پرست خاوند کے آگے وہ بھی مجبور ہو جاتی تھی۔

دریائے اردن کی وادی سدوم کا شہر ابھی دو دن اور دو راتوں کے سفر پر تھا اور دونوں دوست عنبر اور ناگ بھی گھوڑوں پر سفر کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے کیونکہ جیسا کہ ہم اس پہلے ناول میں بیان کر چکے ہیں انہوں نے سنا تھا کہ اردن کے کنارے ایک ایسا بزرگ موجود ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے اور لوگوں کو نیکی اور سچائی کی

تعلیم دیتا ہے۔

سفر کرتے ہوئے ایک دوپہر کو عنبر اور ناگ پھنی ایک ایسے معبد یعنی مندر کے پاس پہنچ گئے یہاں سانپ کی پوجا ہوتی تھی۔ مندر کے باہر ایک بہت بڑے سانپ کا بت رکھا تھا جس کے سر پر تاج تھا اور جس کی زبان فٹ بھر باہر نکلی ہوئی تھی عنبر نے اپنے دوست ناگ پھنی سے کہا۔

دوست! سفر کرتے کرتے بہت تھک گئے ہیں کیوں نہ ہم یہاں ایک رات ٹھہر کر آرام کریں اور صبح پھر سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔

ناگ پھنی جب سے اس مندر کے قریب آیا تھا کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا ایسے لگتا تھا جیسے اس نے کسی ایسی شے کی بو سونگھ لی ہو جس سے وہ ڈرتا ہو۔ جب عنبر نے اسے مندر میں رات بسر کرنے کو کہا تو وہ بولا۔

میرا خیال ہے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے اگر ہم اسی طرح راستے میں

رکتے ٹھہرتے رہے تو منزل سے بہت دور ہو جائیں گے۔

مگر عنبر نہ مانا، اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

کیا بات ہے ناگ پھنی تم بڑے آرام طلب ہوتے جا رہے ہو منزل دور ہو چاہے قریب ہمیں سفر میں رات کو آرام کرنا ضرور چاہیے اور پھر میں تمہارے ساتھ کل صبح سے چل رہا ہوں ہمارے گھوڑے کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔

ناگ پھنی مجبور ہو گیا کہ اس جگہ رات ہی رات کے لئے رک جائے حالانکہ اس کا دل ہرگز وہاں ٹھہرنے کو نہیں چاہ رہا تھا انہوں نے مندر کے ایک پجاری سے ملاقات کی جو مندر کی ڈیوڑھی میں بیٹھا مٹی کے چراغوں میں تیل ڈال رہا تھا عنبر نے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

جناب۔ ہم پردیسی مسافر ہیں شہر سکندریہ سے آ رہے ہیں ہمیں اردن کے شہر سدوم جانا ہے کیا ہمیں ایک رات یہاں رکنے کی اجازت مل

جائے گی ہم بڑے بھوکے ہیں۔

پجاری نے ان دونوں دوستوں کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا۔

اگرچہ مندر کی کوئی اپنی سرائے نہیں ہے لیکن تم لوگ چونکہ بہت دور سے آئے ہو اس لئے میں تمہیں صرف ایک رات ٹھہرنے کے لئے جگہ دے سکتا ہوں مگر شرط یہ ہوگی کہ صبح دن نکلنے سے پہلے تمہیں یہاں سے کوچ کر جانا ہوگا۔

فکر نہ کریں ہم صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔

اب وہاں ایک عجیب و غریب بات ہوئی مندر کا سب سے بڑا پجاری بڑے ہال کمرے میں ناگن دیوی کے سامنے پوجا کر رہا تھا کہ ناگن کا بت اچانک اپنی جگہ سے ہلنے لگا بڑا پجاری ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اس کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ سانپوں کی ملکہ کے بت میں حرکت پیدا ہوئی ہو اگرچہ وہ ان کی دیوی تھی اور وہ اس کی ہمیشہ سے پوجا کرتے آئے تھے لیکن وہ آخر ایک پتھر کا بت تھی بڑا پجاری ابھی ڈرا ڈرا سا ناگن کے بڑے بت کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگن کی زبان جو کہ پتھر کی تھی اپنی جگہ سے ہلنے لگی اور پھر اسے ایک آواز سنائی دی۔

سن۔ اے پجاری۔ اس مندر میں ایک سانپوں کا شہزادہ داخل ہوا ہے ہم سب ناگ ناگن دیوتا اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اس لئے کہ وہ انسانوں میں پہلا انسان ہے جو ایک سانپ بن کر دو سو برس تک زندہ رہا ہے مجھے دیوتاؤں نے خبر دی ہے کہ اس مندر میں وہ شہزادہ سانپ انسان کے روپ میں آ چکا ہے اس کو جا کر تلاش کرو۔

پجاری نے ڈرتے ہوئے کہا۔

جو حکم ناگن دیوی! تمہارا خادم ابھی جا کر معلوم کرتا ہے کہ سانپوں کا شہزادہ انسان کی شکل میں مندر کے کون سے حصے میں ہے۔

ناگن دیوی نے کہا۔

اور یہ بھی سن لو کہ آج سے یہ سانپوں کا شہزادہ اس مندر کا بڑا پجاری ہو گا۔ تم اس کے نوکر بن کر اس کی خدمت کرو گے اور اس کا ہر حکم پورا کرو گے۔

جو حکم ناگن دیوی!

بس ابھی جاؤ اور جا کر اس سانپ شہزادے کو تلاش کر کے یہاں لاؤ ہم خود اس کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔

تمہارا حکم سر آنکھوں پر ناگن دیوی۔

بڑا پجاری ہاتھ جوڑ کر سجدہ کرنے کے بعد الٹے پاؤں ہال کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں آ گیا یہ سن کر اس کا دل جل بھن کر رہ گیا تھا۔ کہ سانپ وہ اب مندر کا بڑا پجاری ہو گا اور وہ اس کا غلام بن کر رہے گا۔

مکار پجاری نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اگر سانپ شہزادہ اسے مل گیا تو وہ اس کو وہیں جان سے مار دے گا تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری وہ ناگن دیوی سے آ کر کہہ دے گا کہ اس نے سارا مندر چھان مارا ہے مگر سانپ شہزادہ اسے نہ مل سکا۔

بڑا پجاری برآمدے میں سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے چھوٹا پجاری آتا دکھائی دیا اس نے سامنے سے آتے ہوئے پجاری سے پوچھا کہ کیا مندر میں کوئی مسافر آیا ہے؟ اس نے بتایا کہ ابھی ابھی دو مسافر مندر کی ایک کوٹھڑی میں اترے ہیں جو اپنے آپ کو ملک سکندریہ کے تاجر بتاتے ہیں اور صرف ایک رات مندر میں ٹھہر کر یہاں سے صبح روانہ ہو جائیں گے۔

بڑا پجاری اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا جہاں عنبر اور ناگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے بڑے پجاری نے سوچا کہ اگر یہ لوگ کل چلے بھی گئے تو

بھی ناگن دیوی کو دیوتا بتا دیں گے کہ سانپ دیوتا فلاں صحرا میں سے گزر رہا ہے اور اگر میں نے اسے ہلاک کر دیا جب بھی دیوتاؤں کو اس کا علم ہو جائے گا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے سانپ شہزادہ زندہ بھی رہے اور گم بھی ہو جائے ایسی صورت میں دیوتاؤں کو بالکل علم نہ ہو سکے گا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے بڑے پجاری کو اچھی طرح معلوم تھا کہ دیوتا صرف زندگی اور موت کے بارے میں ہی بیان کر سکتے ہیں اگر کوئی شخص زندگی اور موت کے بیچ میں لٹک رہا ہو تو انہیں علم نہیں ہو سکتا۔

اب یہ معاوم کرنا تھا کہ ان دونوں مسافروں میں سے سانپ شہزادہ کون ہے۔

اور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی سالہا سال سے ناگن مندر میں ناگن دیوی کی پوجا کرتے رہنے سے بڑے پجاری میں اتنی طاقت پیدا ہو

گئی تھی کہ وہ یہ معلوم کر لیتا تھا کہ سانپ کون ہے اور انسان کون ہے؟ جب وہ اس کوٹھڑی کے پاس آیا جہاں دونوں دوست ٹھہرے ہوئے تھے تو اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ بند ہے بڑے پجاری نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے عنبر نے دروازہ کھولا۔

فرمایئے آپ کو ہم سے کیا کام ہے؟

بڑے پجاری نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں کو سیکڑ کر غور سے عنبر کی طرف دیکھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سانپ نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔

میں اس مندر کا بڑا پجاری ہوں میں صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ کیونکہ ہماری مہمان نوازی سارے علاقے میں مشہور ہے ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ ہمارے

کسی مہمان کو کوئی تکلیف ہو۔

عنبر نے کہا۔

آپ کا بہت شکریہ! ہم یہاں بے حد خوش ہیں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے آپ کی مہمان نوازی ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی۔

بڑے پجاری کی مکار نگاہیں عنبر کے دوسرے ساتھی یعنی سانپ شہزادے کو تلاش کر رہی تھی جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہی وہ شہزادہ ہے جس کے بارے میں ناگن دیوی نے اسے حکم دیا ہے

اس نے عنبر سے پوچھا۔

معاف کرنا بیٹا! تمہارا ساتھی کہاں ہے۔؟

جی وہ حوض سے پانی لینے گیا ہے۔

اتنے میں ناگ پھنی سامنے سے کوٹھڑی کی طرف آتا دکھائی دیا اس نے کندھے پر پانی سے بھری ہوئی صراحی اٹھا رکھی تھی جب وہ اس

کے پاس آیا تو بڑے پجاری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اس نے دیکھا کہ ناگ پھنی کی آنکھیں بالکل گول گول اور سرخ تھیں اسے یقین ہو گیا کہ یہی وہ سانپ شہزادہ ہے جس کے متعلق ناگن دیوی نے ذکر کیا ہے بڑے پجاری نے ناگ پھنی سے کہا۔

بیٹا! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تم ہمارے معزز مہمان ہو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا کر طلب کر لینا۔ میں اس مندر کا سب سے بڑا پجاری ہوں۔

ناگ پھنی کے دل پر بھی بڑے پجاری کو دیکھ کر ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اس نے غور سے پجاری کی طرف دیکھا پجاری اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا اور اس نے آنکھیں نیچی کر لیں ناگ پھنی نے کہا۔

ہم آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے۔

یہ کہہ کر بڑا پجاری ادب سے سر جھکا کر اور سلام کر کے واپس چلا گیا

اس کے جانے کے بعد عنبر نے پجاری کے اخلاق اور محبت کی تعریف کی اور کہا کہ بڑا پجاری بڑا نیک انسان ہے ناگ پھنی نے صراحی میں سے پانی نکال کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا۔

دوست! مجھے اس پجاری کی نیت میں فتور نظر آتا ہے۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ بڑا پجاری مجھے ایک دھوکے باز اور مکار انسان دکھائی دیتا ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

یہ تمہارا وہم ہے ناگ پھنی۔ وہ تو ہمارے آگے بچھا جا رہا تھا مجھے تو اس کی طبیعت بہت پسند آئی ہے اور پھر بھلا اس کو ہمارے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

اس کو تمہارے ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ وہ مجھ سے کوئی دشمنی رکھتا ہے۔

میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے تمہیں وہم ہو گیا ہے بس ناگ پھنی نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ زمین پر بستر بچھانے لگا کیونکہ اس وقت رات ہو گئی تھی اور وہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

بڑا پجاری اپنی کوٹھڑی میں جا کر سوچنے لگا کہ سانپ شہزادے کو کس طرح وہ اپنے قابو میں لا کر اس پر ایسی بے ہوشی طاری کرے وہ زندہ بھی نہ رہے اور مردہ بھی نہ ہو۔ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی اسکے پاس ایک ایسا عرق تھا جو ہر سال ناگن دیوی کو غسل کروانے کے بعد کٹورے میں جمع کیا ہوتا تھا اس عرق کی یہ تاثیر تھی کہ اگر وہ کسی پر چھڑک دیا جائے تو وہ شخص مرتا نہیں ہے لیکن وہ زندہ بھی نہیں رہتا

تھا۔ بس بے ہوش ہو جاتا تھا اور جب تک اس پر منتر نہ پھونکا جائے وہ دو بارا ہوش میں نہیں آ سکتا تھا اس منتر کا علم بھی بڑے پجاری ہی کو تھا۔

اب پجاری رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو پجاری عرق کی بوتل گلے میں لٹکا کر اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا جہاں سانپ شہزادہ اپنے دوست کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا مندر میں اندھیرا تھا صرف کہیں کہیں دھیمی دھیمی موم بتیاں جل رہی تھیں پجاری دبے پاؤں چلتا ہوا کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا اس نے دروازے کو آہستہ سے اندر کی طرف دبایا۔ دروازہ کھل گیا پجاری دروازے کا ایک کواڑ کھول کر کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا اس نے موم بتی کی دھیمی روشنی میں دیکھا کہ دونوں دوست اپنے اپنے بستروں پر گہری نیند سو رہے ہیں۔

پجاری وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ سانپ شہزادے کے جاگ پڑنے سے سارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا پجاری نے گلے میں سے بوتل نکال کر اس کا منہ کھولا اور ایکدم سے سارا عرق سوئے ہوئے ناگ پھنی پر چھڑک دیا عرق کے چھڑکتے ہی ناگ پھنی نے آنکھیں کھول کر پجاری کو غصے سے دیکھا اور پھنکار مار کر ایک دم سانپ بن گیا مگر اتنے میں عرق اپنا اثر کر چکا تھا سانپ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی ناگ پھنی نے اپنا پھن لہرایا مگر عرق کے اثر سے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

پجاری نے آگے بڑھ کر سانپ کو جھولے میں ڈالا اور چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ دوبارہ بند کر کے وہ تیز تیز قدموں سے اپنی کوٹھڑی کی طرف بھاگ گیا وہاں پہنچ کر پجاری نے بے ہوش سانپ کو ایک بڑے سے مرتبان میں رکھ کر اوپر سے اس کا منہ بند کر دیا مرتبان کو اٹھا کر ایک جگہ سے پتھر کی سل اٹھا کر فرش کے نیچے گڑھے میں دفن کیا اور اوپر سے

پتھر کی سل دوبارہ برابر کر دی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سکھ کا سانس لیا اس نے اپنے دشمن کو ہمیشہ کے لیئے قابو میں کر لیا تھا اب وہ ساری زندگی کے لیئے مندر کا اکیلا پجاری تھا اسے کوئی اس عہدے سے نہیں ہٹا سکتا تھا وہ بڑے آرام کے ساتھ بستر پر سو گیا۔ دوسری طرف عنبر بھی بڑے سکون سے سو رہا تھا اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کا جگری دوست ناگ پھنی ایک بے ہوش سانپ کے روپ میں مرتبان میں بند بڑے پجاری کی کوٹھڑی میں دفن ہے۔

صحرا میں اکیلا سفر

صبح اٹھ کر عنبر نے دیکھا کہ اسکے دوست کا بستر خالی ہے۔

اس نے سوچا کہ شاید وہ صبح کی سیر کرنے کے لیئے باہر نکل گیا ہو لیکن کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی جب ناگ پھنی واپس نہ آیا تو وہ پریشان ہو کر مندر کی کوٹھڑی سے باہر آ گیا اور اپنے دوست کو مندر کے اندر باہر تلاش کرنے لگا دوسری طرف بڑا پجاری فوراً صبح صبح ناگن دیوی کے بت کے سامنے حاضر ہوا اور اسکی پوجا کرنے کے بعد ہاتھ جوڑ کر بولا۔

اے ناگن دیوی! تیرے اس غلام نے مندر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے لیکن سانپ شہزادہ کہیں نہیں مل سکا۔

ناگن دیوی کی زبان حرکت میں نہ آئی پجاری نے دوبارا یہی بات دہرائی ناگن دیوی کا بت بے حس و حرکت رہا پجاری کو شک ہوا کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو گیا ہو اس نے ایک بار پھر پوجا کرنے کے بعد بت کو سجدہ کیا اور اسکے قدموں میں پڑے ہوئے پتھر کو چوما اور کہا۔

اے مہا دیوی تمہارے حکم پر میں نے سانپ شہزادے کو جگہ جگہ تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں نہیں ملا اب کیا حکم ہے۔؟

دیوی نے کہا۔

سن اے پجاری ایسا لگتا ہے کہ سانپ دیوتا کو دھرتی ماتا نے اپنے اندر کر لیا ہے دھرتی ماتا سب کی ماتا ہے میں اس کے خلاف جنگ نہیں کر سکتی اب ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔

پجاری نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کہیں ناگن دیوی کو اصل بات کا

پتہ تو نہیں چل گیا پوچھا۔

دیوی! کیا دیوتاؤں کو معلوم ہے کہ سانپ شہزادہ کس جگہ زمین کے اندر دفن ہے۔

دیوی نے کہا۔

میں دیوتاؤں سے یہ پوچھ کر دھرتی ماتا کو ناراض نہیں کرنا چاہتی اگر دھرتی ماتا کی یہی مرضی ہے تو پھر ہم اس کے آگے مجبور ہیں ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔ جب سانپ شہزادہ دھرتی سے باہر آ کر اس مندر کا کام خود سنبھالے گا۔

پجاری نے سر جھکا کر کہا۔

جو آپ کی مرضی وہی ہماری مرضی اے دیوی ماتا مگر کیا سانپ شہزادہ زندہ ہے۔؟

ناگن دیوی نے کہا۔

وہ نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔ لیکن وہ دھرتی کے اندر کسی جگہ سو رہا ہے.......... تم بھی خاموش ہو جاؤ۔

جو حکم مہا دیوی۔

بڑے پجاری ناگن دیوی کو سجدہ کرنے کے بعد وہاں سے باہر آگیا! اسے اس بات کی بڑی تسلی ہوئی تھی کہ ناگن دیوی پر اس کی مکاری کا راز نہیں کھل سکا۔ دھرتی ماتا نے اس کی مکاری کو چھپا لیا تھا اب اس کے سنگھاسن کو کوئی خطرہ نہیں تھا وہ ساری زندگی اکیلا پجاری بن کر مندر کی دنیا پر راج کرنے کے لئے آزاد تھا۔

عنبر نے اپنے دوست کو ہر جگہ تلاش کیا مگر کہیں اسکا نشان نہ ملا وہ سوچنے لگا کہ ناگ پھنی آخر کہاں چلا گیا۔ ؟ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اوپر اٹھا لیا۔ اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں نہیں گیا کیونکہ اگر وہ اپنی مرضی سے جاتا تو عنبر کو ضرور اطلاع کرتا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اسے زبردستی کسی نے اغوا کر لیا ہے لیکن ناگ پھنی کو اغوا کرنا تو بڑا مشکل کام تھا بلکہ اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا وہ تو ایک پل میں سانپ بن کر اغوا کرنے والے کو ہلاک کر سکتا تھا اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بے خبری کے عالم میں بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ناگ پھنی کو اغوا کرے۔

وہاں تو وہ دونوں اجنبی تھے۔ وہاں تو ان کی کسی کے ساتھ دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر یہ معمہ کیا ہے؟ عنبر سوچ سوچ کر تھک گیا آخر اسکے ذہن میں یہی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس مندر کے کسی دیوی دیوتا نے اسے گم کر دیا ہو کیونکہ وہ بھی ایک سانپ تھا اور یہ مندر بھی سانپوں کے دیوی دیوتاؤں کا ہے تو پھر اس سلسلے میں کس سے بات چیت کی جائے کس سے پوچھ گچھ کی جائے؟

عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا دن چڑھ گیا تھا۔ اسے دریائے دردن کے کنارے اس بزرگ کی زیارت کرنے بھی جانا تھا جو یوحنا نبی کے نام سے مشہور تھا لیکن وہ اپنے دوست سے بے خبر ہو کر بھی نہیں جا سکتا تھا وہ مندر کے باہر ایک سانپ کے بت کے پاس کھڑا تھا کہ وہاں سے مکار پجاری گزرا۔ اس نے اسے پہچان لیا کہ سانپ شہزادے یعنی ناگ پھنی کا دوست اپنے ساتھی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔

مکار پجاری چپکے سے اس کے پاس آ گیا اور بڑے نرم لہجے میں بولا۔

کیا آپ آج کا دن بھی مندر میں ٹھہریں گے جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

عنبر کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے اس کے دوست کو اغوا کیا ہے۔

عنبر نے پجاری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

آپ کی مہمان نوازی کو دیکھ کر تو جی چاہتا ہے کہ ابھی کچھ دن اور یہاں ٹھہروں مگر کیا کروں آگے بھی کچھ کام کرنے ہیں۔؟

تو گویا آپ جا رہے ہیں۔

جی ہاں۔

پجاری نے عنبر کی دکھتی رگ چھیڑتے ہوئے کہا۔

آپ کا دوست کہیں نظر نہیں آ رہا کیا وہ آپ سے پہلے چلا گیا ہے۔

عنبر گھبرا سا گیا وہ پجاری پر اپنے دوست کی گمشدگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اس بے چارے کو کیا معلوم کہ اسی کم بخت نے اسکے دوست کو گم کیا ہے عنبر نے یوں ہی کہہ دیا۔

جی ہاں! میرا دوست پہلے چلا گیا ہے دراصل اسے آگے پہنچ کر کچھ ضروری بندوبست کرنے تھے اچھا اب سمجھا۔ خیر سفر مبارک ہو۔

شکریہ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

مکار پجاری چلا گیا۔ عنبر پھر اکیلا رہ گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے۔

مندر میں ٹھہر کر ناگ پھنی کا انتظار کرے یا وہاں سے اکیلا ہی سفر پر روانہ ہو جائے۔

شام تک وہ مندر کے اندر باہر گھوم پھر کر اپنے دوست کا انتظار کرتا رہا اس کا خیال تھا کہ شاید ناگ پھنی واپس آ جائے لیکن اس کا انتظار کرنا فضول تھا کیونکہ ناگ پھنی اس کی پہنچ سے باہر ہو چکا تھا۔

اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کے بغیر سفر کرے۔ مگر مجبوراً مندر سے کوچ کرنا پڑا۔ مکار بڈھا پجاری اسے مندر کے دروازے تک چھوڑنے آیا وہ بڑا جھک جھک کر عنبر کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اس نے مندر کو عزت بخشی حالانکہ شکریہ عنبر کو ادا کرنا چاہیے تھا لیکن عنبر اپنے جگری دوست کے گم ہو جانے سے اداس تھا اس نے بڑی

خاموشی سے پجاری سے ہاتھ ملایا۔ اس کا آخری بار شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

یہ علاقہ بڑا گرم صحرا کا علاقہ تھا دن بھر یہاں بے حد دھوپ چمکتی اور بڑی سخت گرمی پڑتی تھی۔

دن کے وقت قافلے آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے تھے عنبر بھی اکیلا رات کو سفر کرتا رہا صحرا کی یہ ریت ٹھنڈی تھی اور ہوا بھی ٹھنڈی چل رہی تھی وہ قدم قدم گھوڑے کو چلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسکا دوست آخر کہاں گم ہو گیا؟ ایک اچھے ساتھی کے بچھڑ جانے کا اسے بڑا دکھ تھا عنبر ساری رات صحرا میں اکیلا ہی سفر کرتا رہا صبح دم سورج کی پہلی کرن پھوٹی تو اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے اردگرد نظر دوڑائی دور ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کے اوپر صبح کی روشنی میں کھجوروں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے گھوڑا نخلستان کی طرف بڑھا دیا قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کھجوروں کی ہری بھری چھاؤں میں ایک چشمہ چھوٹی سی ندی کی شکل میں بہہ رہا ہے کھجور کے درختوں پر سرخ سرخ زرد زرد رس بھری میٹھی کھجوروں کے گچھے لٹک رہے تھے یہ ایک بڑی ہی خوب صورت اور آرام دہ جگہ تھی عنبر گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے گھوڑے کو پانی پینے اور گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیا خود چشمے کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا ٹھنڈا پانی پیا اور آرام کرنے لیٹ گیا۔

وہ ایک بار پھر اپنے دوست ناگ پھنی کے بارے میں سوچنے لگا اس کی گمشدگی کا معمہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کتنی ہی دیر وہ سوچتا رہا اس کا دماغ جھک گیا مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ آخر اس کا دوست کہاں گم ہو گیا اتنے میں اسے دور سے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اس نے سوچا کہ شاید کوئی قافلہ چشمے کی طرف آ رہا ہے وہ خاموشی سے لیٹا رہا تھوڑی دیر بعد وہ کیا دیکھتا ہے کہ چھ سات گھوڑ سواروں نے اس کے اردگرد گھیرا ڈال لیا ہے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ان گھوڑ سواروں کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں انہوں نے سروں پر سیاہ رومال باندھ رکھے تھے۔

کون ہو تم؟ ایک داڑھی والے گھوڑ سوار نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

میں ایک مسافر ہوں اور ملک روم سے سدوم کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

اس پر سارے کے سارے گھوڑ سوار کھلکھلا کر ہنس پڑے داڑھی والے نے کہا۔

اب تم ہمارے ساتھ سفر کرو گے ہم بھی سدوم کی طرف ہی جا رہے ہیں مگر تم مسافر بن کر نہیں بلکہ ہمارے غلام بن کر سفر کرو گے۔

انہوں نے ایک اور قہقہہ لگایا اور گھوڑوں سے اتر کر عنبر کے جسم کو ہاتھ

لگا لگا کر ٹٹولنے لگے ٹھیک ہے مضبوط تو جوان ہے ایک ہزار اشرفیاں تو ضرور مل جائیں گی اس کی ۔

اب عنبر کو محسوس ہوا کہ یہ لوگ غلاموں کی تجارت کرتے ہیں اور اسے غلام بنا کر سدوم شہر میں جا کر فروخت کرنے کی سازش کر رہے ہیں وہ بالکل نہ گھبرایا عنبر کبھی نہیں گھبرایا کرتا تھا اس نے سوچا کہ چلو یہ تجربہ بھی حاصل کر لیتے ہیں دیکھتے ہیں یہ ڈاکو اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور کس کے پاس لے جا کر فروخت کرتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ جب اور جہاں چاہے آزاد ہو سکتا تھا۔

اس نے جھوٹ موٹ گھوڑ سواروں سے کہا دیوتاؤں کی خاطر مجھے چھوڑ دو میں ایک غریب مسافر ہوں اور میرا بھائی مجھ سے جدا ہو گیا ہے میں پہلے ہی اس کے لئے بڑا غم زدہ ہوں ۔

ایک ڈاکو نے آگے بڑھ کر زور سے عنبر کی گردن پر مکا مارا۔ عنبر اپنی جگہ

سے گر پڑا۔ وہ اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا کہ سارے ڈاکو اس کو مارنے لگے۔ کوئی لات اور کوئی گھونسہ مار رہا تھا عنبر صبر سے ان کی مار کھاتا رہا وہ کچھ نہ بولا جب اس کی خوب ٹھکائی ہو چکی تو ڈاکوؤں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے گھوڑے پر ڈالا اور سدوم شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سارا راستہ وہ عنبر کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے رہے اسے بہت کم کھانے پینے کو دیتے وہ اگر پانی مانگتا تو صرف چند گھونٹ اسے پینے کو دیتے عنبر نے عقل مندی کا کام یہ کیا تھا کہ اپنی انگوٹھی اتار کر لباس کے اندر چھپالی تھی اگر یہ انگوٹھی بھی ڈاکو لوٹ لیتے تو عنبر بالکل ہی بے یارو مددگار ہو جاتا۔

ڈاکوؤں کی باتوں سے اسے معلوم ہوا کہ وہ یہودی ڈاکوؤں کا ایک گروہ ہے جس کا کام ہی اردن کی وادی سے یروشلم اور سدوم کی وادی

تک ڈاکے ڈالتا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اغوا کر کے انہیں غلام بنا کر بازاروں میں فروخت کرتا ہے وہ ہزاروں جوانوں اور بے گناہ معصوم عورتوں اور بچوں کو اغوا کر کے یروشلم اور سدوم کے شہروں میں فروخت کر چکے تھے عنبر کو ان پر بے حد غصہ آیا اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وقت آنے پر وہ ان سے بدلہ ضرور لے گا۔

دن بھر یہ لوگ صحرا میں کسی درختوں کے جھنڈ تلے آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے راستے میں انہوں نے ایک گاؤں میں ڈاکہ ڈالا اور ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے اس لڑکی کا رنگ سانولا اور آنکھیں نیلی تھیں رو رو کر اس نے اپنے آپ کو ہلکان کر دیا وہ ایک ایک ڈاکو کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہتی۔

دیوتا کے لئے مجھے چھوڑ دو میرے باپ کے پاس چھوڑ دو۔ میرا باپ بوڑھا ہے اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں اگر میں وہاں نہ ہوئی

www.pdfbooksfree.org

تو میرا باپ مر جائے گا۔

مگر ان ڈاکوؤں کے کانوں پر اس بھولی بھالی دکھی لڑکی کی فریادوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا وہ الٹا اس پر قہقہے لگا رہے تھے بلکہ ایک ڈاکو نے تو آگے بڑھ کر بے چاری لڑکی کے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مار دیا لڑکی تڑپ کر رہ گئی عنبر سے یہ ظلم دیکھا نہ گیا اس نے آگے بڑھ کر ڈاکو کے منہ پر اتنے ہی زور سے ایک گھونسہ جڑ دیا۔ بس پھر کیا تھا سارے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ اسے اتنا مارا اتنا مارا کہ ان کے خیال میں عنبر کو مر جانا چاہیے تھا لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ عنبر کے جسم پر کوئی خراش تک نہیں آئی تھی جب کہ ان کے بازو اور ہاتھ مار مار کر درد کرنے لگے تھے اس کے برعکس عنبر خاموشی سے زمین پر سے اٹھا اور کپڑے جھاڑ کر بڑے اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔ ڈاکو اسے قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے چل پڑے۔

نیلی آنکھوں والی معصوم لڑکی کے ہاتھ بھی رسی سے بندھے ہوئے تھے اور اس کا گھوڑا عنبر کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا عنبر کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے عنبر اگر چاہتا تو ایک پل کے اندر اندر اپنے ہاتھ کھول سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا وہ ڈاکوؤں کا اصل ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ اور ان کے پاس اور کتنے غلام اور بے گناہ کنیزیں ہیں عنبر ان سب کو جڑ سے کاٹ کر ختم کرنا چاہتا تھا چنانچہ وہ بڑی خاموشی سے سفر کرتا رہا۔

دوپہر کے وقت جب کہ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں ڈیرا ڈالا عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی کو ایک طرف رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا اور خود چشمے کے کنارے مزے سے ہرن کو بھون کر اس کی دعوت اڑانے لگے انہوں نے تھوڑا سا پانی اور بھنا ہوا گوشت ان دونوں کی طرف بھی پھینک دیے جیسے یہ کوئی پالتو کتے ہوں عنبر کو ان کی یہ حرکت سخت بری لگی لیکن اس نے صبر کے ساتھ اسے برداشت کر لیا۔

اس نے نیلی آنکھوں والی لڑکی کو پانی پلایا اور گوشت کھانے کو دیا لڑکی نے کہا۔

کیا تم نہیں کھاؤ گے۔

تھوڑا سا میں بھی چکھ لوں گا۔

کیا تمہیں بھوک نہیں لگتی۔

لگتی ہے۔ مگر تھوڑی تھوڑی سی۔ ....

اس کے بعد عنبر نے اس کا نام پوچھا لڑکی نے کہا میرا نام ویکنیں میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں میرا بوڑھا باپ میری جدائی میں ضرور مر گیا ہوگا کیا ہم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے؟

بہت مشکل ہے ویکنیں اگر ہم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو یہ لوگ

ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے لیکن میں ان کی غلامی میں زندہ رہنا نہیں چاہتی میں بھاگ جاؤں گی کیا تم میری مدد نہیں کرو گے۔

ضرور کروں گا۔ ضرور کروں گا۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم نادانی یا جوش میں آ کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو جس کا انجام نہایت بھیانک ہو۔

تو پھر میں کیا کروں؟

وہ بے چاری بچی تھی اس کا گھر بار لوٹ کر اس کے بھائیوں کو قتل کر کے وہ لوگ اسے اغوا کر کے لونڈی بنا کر ساتھ لے آئے تھے اور اب خدا جانے اسے بیچنے کہاں لے جا رہے تھے عنبر نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وقت آنے پر ان کے خلاف زبردست مہم شروع کروں گا اور ان سب کو ظلم کا بدلہ چکھاؤں گا۔

نیلی آنکھیں

آدھی رات کے بعد ڈاکوؤں کا یہ قافلہ شہر سدوم کی طرف چل پڑا۔ جو حساب روم سے عنبر کو بتایا گیا تھا اس کی رو سے اس قافلے کو صبح سورج نکلنے کے بعد اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا ساری رات قافلہ سفر کرتا رہا شہر قریب آنے کی وجہ سے ڈاکوؤں نے عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی ویکنین کی زیادہ خبر گیری شروع کر دی تھی سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی عنبر نے دور صحرا میں شہر کی فصیل ابھرتی ہوئی دیکھی یہ وادی اردن کا سب سے بارونق شہر اور شاہ ہیروڈ کا پائے تخت سدوم تھا گہرے نیلے آسمان پر ستاروں کی روشنی ماند پڑ گئی اور سورج نے اپنی چمک سے صحرا کے ذروں کو گرم کرنا شروع کر دیا۔

صحرا کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ دن بھر غضب کی گرمی پڑتی ہے اور جوں جوں سورج ڈھلتا ہے سردی شروع ہو جاتی ہے ریت جو دن بھر گرم رہتی ہے سورج کے غروب ہوتے ہی ٹھنڈی ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر رات کو صحرا میں لوگ کمبل اوڑھ کر سوتے ہیں۔

ڈاکوؤں نے عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی اینگنیس کو دوبارہ رسیوں کے ساتھ جکڑ دیا عنبر نے محسوس کیا کہ وہ شہر کے صدر دروازے سے اندر داخل نہیں ہو رہے تھے بلکہ وہ شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ شمال سے جنوب مشرق کی جانب ذرا ہٹ کر سفر کر رہے تھے جب وہ شہر کی جنوب مشرقی دیوار کے نیچے ایک ویران سے اور پرانے سے دروازے کے باہر پہنچے تو ایک جگہ رک گئے۔

ایک ڈاکو نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی اس آواز کے ساتھ ہی دروازے کی طرف سے بھی اسی قسم کی جانور کی آواز سنائی دی تیسری

بار جانور کی آواز سنائی دینے کے بعد کسی نے پرانے دروازے کی کھڑکی کو کھول دیا سارے ڈاکو گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کھڑکی کے پاس اور جھک کر شہر کے اندر داخل ہو گئے عنبر نے دیکھا کہ دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک اونچی چھت والی بہت بڑی ڈیوڑی آ گئی جہاں بے حد ٹھنڈا اندھیرا پھیلا ہوا تھا ڈیوڑھی کی چھت محراب دار تھی اور بہت اونچی تھی ڈیوڑھی کی محراب سے نکلے تو شہر سدوم کی عمارتیں، بازار گلیاں شروع ہو گئیں ڈاکو بارونق بازاروں سے بچ کر گزر رہے تھے۔

اگر وہ بارونق بازاروں میں سے بھی گزرتے تو کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی اینگنیس اگر شور بھی مچاتی کہ پکڑو ہمیں بچاؤ، یہ لوگ ہمیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں تو کوئی بھی ان کی آواز پر کان نہ دھرتا بلکہ الٹا ان پر لوگ قہقہے لگاتے اور ان پر پتھر مارتے دس

لئے کہ اس زمانے میں لوگوں کو معلوم تھا کہ جن غلاموں یا کنیزوں کو خرید کر شہر لایا جاتا ہے وہ اسی قسم کا شور مچایا کرتے ہیں غلاموں اور کنیزوں سے اس زمانے میں نفرت کی جاتی تھی ان پر ظلم کیا جاتا تھا۔ انہیں انسان نہیں بلکہ جانور سمجھا جاتا تھا انہیں بات بات پر مارا پیٹا جاتا تھا اور اگر مالک انہیں کسی بات پر غصہ کھا کر قتل بھی کر دیں تو کوئی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔

یہی وجہ تھی کہ شہر کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے ایگنیس اور عنبر بالکل خاموش تھے حالانکہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ ان کے ہاتھوں رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ سمجھ گئے تھے یہ غلام اور کنیز ہیں اور انہیں منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لایا جا رہا ہے کچھ لوگوں نے تو عنبر اور ایگنیس پر نفرت سے آوازیں بھی کسی۔ ان سے ہمدردی کرنے کی بجائے ان پر دو ایک پتھر بھی پھینکے۔ عنبر نے سوچا کہ یہ کس قدر ظلم کا

زمانہ ہے اور انسان بھی کتنا ظالم ہے کہ وہ انسان کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر رہا ہے منڈی میں ایک طرف آلو گوبھی بک رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کا سودا ہو رہا ہے۔

جو لوگ غلام یا کنیز کو خرید لیتے تھے وہ انہیں بالکل جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے اپنے گھر لے جاتے تھے جس طرح آج کے زمانے میں عید قربان سے پہلے گھروں میں کوئی بکرا خرید کر لایا جاتا ہے اور گھر کے سارے بچے بالے اس کے گرد جمع ہو کر اسے دیکھتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں بالکل اسی طرح آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے جب کوئی غلام یا کنیز خیر کر گھر لائی جاتی تھی تو گھر کے بچے بالے اسکے گرد جمع ہو کر خوشی مناتے تھے ہمارے ہاں قربانی کے بکرے کو تو چھڑی سے مارنا منع ہے اور بچے اس سے محبت کرتے ہیں لیکن اس زمانے میں بچے بھی غلاموں کو چھڑیوں سے مارا کرتے تھے ان غلاموں کی قدر

قربانی کے بکروں سے بھی کم تر تھی۔

اس سے پہلے بھی عنبر ایک بار غلام بن کر بک چکا تھا۔

جب یونانیوں پر زوال آیا اور رومیوں نے ان کے شہر تباہ و برباد کر دیئے تو ان کے بچوں اور جوانوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا عورتوں کو کنیزیں بنا لیا اسی زمانے میں یونان کے بڑے بڑے نامور اور مشہور فلسفی اور استاد بھی رومیوں نے غلام بنا کر بیچ دیئے تھے یہ غلام فلسفی رومی اور اشوریوں کے گھروں میں ان کے بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اس بار کسی پڑھے لکھے گھرانے میں غلام بن کر گیا تو کچھ دیر سکون سے زندگی بسر کر کے یہاں کے رہن سہن کے بارے میں اور ان لوگوں کے مذہب کے بارے میں تجربات حاصل کر لے گا رہنا تو اسے پھر بھی اسی شہر میں ہے اگر کسی امیر آدمی کے گھر میں غلام بن کر رہے گا تو زیادہ تعداد میں لوگوں کو دیکھ سکے گا ان کا

جائزہ لے سکے گا۔

لیکن اسے سب سے زیادہ فکر نیلی آنکھوں والی لڑکی کی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ معصوم لڑکی بھی کسی ظالم آدمی کی کنیز بن کر اپنی ساری زندگی برباد کر دے وہ غلام بننے سے پہلے وہ کام کرنا چاہتا تھا پہلا کام یہ کہ وہ ایگنیس کو آزاد کر کے اسے اس کے گھر بھیج دینا چاہتا تھا اور دوسرا کام یہ کہ وہ ڈاکوؤں کے اس گروہ کو تباہ کر دینا چاہتا تھا تا کہ وہ آئندہ کسی کو غلام یا کنیز بنا کر ان کی زندگیوں کو برباد نہ کر سکیں۔

ڈاکوؤں نے شہر کے کنارے ایک پرانی حویلی میں بسیرا کر لیا۔

انہوں نے یہاں آ کر پہلا کام یہ کیا کہ عنبر اور نیلی آنکھوں والی ایگنیس کو الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا عنبر اکیلا کوٹھڑی میں بند رہا اس کوٹھڑی میں اوپر چھت کے ساتھ سلاخ دار ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ جس میں سے معمولی سی روشنی اندر آ رہی تھی شام کو جب یہ روشنی

دھیمی ہونے لگی تو ایک ڈاکو نے اندر آ کر اسے کھانے کو تھوڑی سی روٹی اور گوشت دیا اور باہر چلا گیا رات بھر عنبر اکیلا کوٹھڑی میں پڑا رہا وہ اگر چاہتا تو وہاں سے نکل سکتا تھا مگر وہ اس زندگی میں کچھ تلخ تجربات حاصل کرنا چاہتا تھا وہ تکلیفیں اٹھا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ جو غلام بے چارے تکلیفیں اٹھاتے ہیں ان پر کیا گزرتی ہے۔ ہاں اسے نیلی آنکھوں والی معصوم لڑکی ویگنیں کا ضرور فکر تھا کہ جانے وہ بے چاری کس حال میں ہوگی۔

دن چڑھا تو اسے باہر نکال کر شہر کی ایک بہت بڑی منڈی میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہاں غلاموں اور کنیزوں کا بازار لگا تھا غلام فروخت ہو رہے تھے کنیزیں اور بچے بھی فروخت ہو رہے تھے امیر لوگ چل پھر کر اپنی پسند کی کنیزیں غلام اور بچے خرید رہے تھے اچھے صحت مند غلام کی بڑھ بڑھ کر بولی دی جا رہی تھی۔ کمزور بیمار غلام

کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔

عنبر ایک صحت مند اور خوبصورت نوجوان تھا جب اسے چوکی پر کھڑا کیا گیا تو اس کے گرد امیر لوگ اکٹھے ہو کر بڑھ بڑھ کر بولی دینے لگے ایک بوڑھا یہودی بڑھ کر عنبر کی بولی دے رہا تھا آخر اس نے پانچ ہزار اشرفیوں میں عنبر کو خرید لیا عنبر نے دیکھا کہ جو لوگ غلام خرید لیتے تھے وہ ان کے گلوں میں رسی ڈال کر انہیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے لے جاتے تھے مگر اس بوڑھے یہودی نے عنبر کے ساتھ جانوروں ایسا سلوک نہ کیا بلکہ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

نوجوان! اگر تم نے میرے گھر میں نیک سلوک کیا تو تمہیں وہاں اپنے گھر کا آرام ملے گا۔ میں اپنے غلاموں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتا ہوں میرے انجیر کے باغ ہیں اگر تم نے وہاں محنت سے کام کیا تو تمہیں میرے ہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی اگر تم نے بد حرامی کی تو تمہیں

کسی ظالم مالک کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے گا۔

عنبر کو اس بوڑھے مالک کی یہ صاف گوئی بڑی اچھی لگی۔ اس نے بوڑھے یہودی کو یقین دلایا کہ وہ اس کے ہاں محنت اور دیانت داری سے کام کرے گا۔ بوڑھا اسے لے کر اپنی حویلی میں آ گیا وہاں سے چلتے وقت عنبر نے ڈاکوؤں سے نیلی آنکھوں والی لڑکی اگنیس کے بارے میں پوچھا تو اسے جھڑک کر بتایا گیا کہ اگنیس کو ان لوگوں نے حویلی میں ہی راتوں رات کسی امیر آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا عنبر کو اس کا بے حد دکھ ہوا خدا معلوم اب وہ کہاں اور کس حال میں ہو گی چھ سات دنوں میں عنبر کو یہ دوسرا صدمہ ہوا تھا پہلا صدمہ اسکے جگری دوست ناگ چھنی کے بچھڑ جانے کا اور دوسرا صدمہ اس معصوم لڑکی کے جدا ہونے کا۔

بوڑھے یہودی کی حویلی بہت بڑی تھی ڈیوڑھی سے آگے نکل کر ایک

بہت کشادہ صحن تھا جسمیں باغ تھا جس کے بیچ میں فوارہ چل رہا تھا اردگرد برآمدے تھے جس کے ستون اونچے اور محراب دار تھے برآمدوں کے اندر کمرے تھے یہاں بوڑھے یہودی نے انجیر اور انگور وغیرہ کو جمع کر رکھا تھا اوپر کی منزل میں بڑے خوبصورت اور کھلے کمرے تھے جن کی کھڑکیوں اور دروازوں پر رنگ دار ریشمی پردے پڑے تھے۔ اس جگہ بوڑھے یہودی کی بیٹی اور اس کے بچے بھی رہتے تھے اس بوڑھے کی صرف ایک ہی بچی تھی جس کا نام ماریا تھا ماریا کا خاوند مر چکا تھا اور وہ اپنے باپ کی حویلی میں اپنے چار بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کے علاوہ وہاں نوکر اور کنیزیں تھیں۔

بڈھے یہودی نے عنبر کو اپنی بیٹی ماریا سے ملایا اور کہا۔

ماریا! یہ تمہارا نیا غلام ہے اس نے وعدہ کیا ہے کہ یہ دیانت داری اور محنت سے کام کریں گا کیوں بھئی ٹھیک ہے ناں؟

عنبر نے کہا۔

جی ہاں حضور! بالکل ٹھیک ہے۔

ماریا تیس پینتیس سال کی ایک نیک دل عورت تھی اس نے عنبر سے پوچھا۔

تمہارا نام کیا ہے۔

بڈھے یہودی نے چونک کر کہا۔

ارے ہاں! میں نے تم سے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں کیا نام ہے تمہارا۔

عنبر۔

ایں۔ یہ کیا نام ہوا۔

حضور! یہ قدیم مصری نام ہے۔

ماریا نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.org

کیا تمہارے خاندان کا تعلق قدیم مصر خاندان سے ہے۔

عنبر نے کہا۔

جی ہاں بیگم صاحبہ! میرے پڑ داداؤں کے نگڑ دادا مصری شاہی خاندان کے غلام تھے۔

بوڑھا خوشی سے اچھل پڑا۔ اور بولا۔

بھئی واہ تم تو خاندانی غلام ہوئے بھئی ہم تو بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمیں مصر کے شاہی غلام خاندان کا نوجوان مل گیا مگر میری شرط وہی ہے کہ اگر تم نے محنت سے کام نہ کیا تو میں تمہیں کسی سنگدل ظالم مالک کے ہاتھوں فروخت کردوں گا۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

جناب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا بڈھا یہودی بولا۔

شاباش! اب چلو میرے ساتھ انجیر کے باغوں میں چل کر کام شروع

کر دو، وقت کی بہت قدر کرتا ہوں میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا کرتا اسی روز عنبر کو انجیر کے باغوں میں کام پر لگا دیا گیا۔

کام بے حد تھکا دینے والا تھا مگر عنبر نے ذرا سی بھی شکایت نہ کی وہ صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک باغ میں انجیروں کو توڑ توڑ کر لکڑی کے ڈرموں میں جمع کرتا گلے سڑے پتوں کو درختوں پر سے جھاڑتا زمین پر پھاوڑا چلا کر اسے ہموار اور نرم کرتا جہاں پانی دینا ہوتا وہاں پانی لا کر دیتا رات کو وہ تھک کر چور ہو جاتا اور زمین پر لیٹتے ہی سو جاتا اسے باغ میں سونے کو جگہ مل گئی تھی زمین پر گھاس بچھا دی گئی تھی جہاں وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ سو جاتا۔

اب ذرا اس نیلی آنکھوں والی لڑکی ایگنیس کا حال بھی سنیئے۔

اس معصوم لڑکی کے ساتھ یہ ہوا کہ جس رات ڈاکو حویلی میں ٹھہرے ایک امیر آدمی آ گیا اور ڈاکوؤں نے ایگنیس کو اس کے ہاتھوں پندرہ

ہزار اشرفیوں میں فروخت کر دیا یہ شخص شہر سدوم کا ایک بہت بڑا ٹھیکے دار تھا، اس کا کام یہ تھا کہ پھلوں کے باغوں کے سارے سو کے پھل ٹھیکے پر خرید لیتا اور پھر ان کا شربت بنا کر شاہی محل میں سپلائی کرتا یہ ایک ظالم اور پتھر دل شخص تھا جو اپنے غلاموں اور کنیزوں پر بڑا ظلم کرتا تھا وہ غلاموں کو دھوپ میں الٹا لٹا کر ان کے اوپر گرم گرم پتھر کی سلیں رکھ دیتا اور کنیزوں کو کسی خطا پر اس طرح سزا دیتا کہ ان پر بھوکے کتے چھوڑ دیتا اس آدمی کے کوئی بیوی بچے نہ تھے اس کی حویلی میں سوائے غلاموں اور کنیزوں کے اور کوئی نہ تھا وہ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک کرتا تھا اس نے ایگنیس کو بھی اپنے سب سے بری کنیز ولائیلہ کے حوالے کر دیا ولائیلہ ایک سنگدل عورت تھی جو اس سے پہلے دس کنیزوں کو اپنے ہاتھوں کوڑے مار مار کر ہلاک کر چکی تھی اس نے ایگنیس کو غور سے دیکھا اور کڑک کر پوچھا۔

کیا نام ہے تمہارا۔

ایگنیس۔ بیگم صاحب۔

بکواس بند کرو۔ یہ کوئی نام ہے۔

میرے ماں باپ نے میرا یہی نام رکھا ہے بکواس بند کرو، آگے سے بولتی ہے۔

اور سنگدل عورت نے ایگنیس کو مارنا شروع کر دیا وہ پہلے ہی روز اس پر اپنا رعب جمانا چاہتی تھی ایگنیس بے چاری معصوم لڑکی تھی اور بڑے لاڈ پیار سے پلی تھی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی دلائیلہ نے اسے اٹھوا کر صحن کے ایک طرف انگور کی جھاڑیوں میں پھینکوا دیا جب ایگنیس کو ہوش آیا تو بے چاری کا سارا بدن دکھ رہا تھا اتنے میں ایک دو غلام آئے اور اسے لکڑی کے لٹھ کی طرح اٹھ کر کندھے پر ڈال کر دلائیلہ کے پاس لے گئے۔

دلائیلہ ایک شاندار کرسی پر بیٹھی انجیر کا مربہ کھا رہی تھی اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ ایگنیس کے سر کے بال مونڈ ڈالیں ایگنیس کے بال بڑے ہی پیارے پیارے تھے اس بے چاری نے بہت شور مچایا کہ مگر غلاموں نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا اور اس کے سنہری بال سارے کے سارے مونڈ ڈالے ایگنیس رونے لگی اس پر دلائیلہ نے اٹھ کر اس قدر زور سے اسے طمانچہ مارا کہ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔

اس بد بخت کو لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دو۔ غلاموں نے اسے بوری کی طرح اٹھا کر کندھے پر رکھا اور حویلی کے ایک زمین دوز تہہ خانے میں لے جا کر پھینک دیا۔ ایگنیس کو ہوش آیا تو وہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند تھی جہاں کسی طرف سے بھی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نہیں آ رہی تھی اور زمین پر گیلی گھاس بچھی ہوئی تھی اور جھینگر بول رہے

www.pdfbooksfree.org

تھے وہ ڈر گئی اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیا اور سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی اسے اپنا پیارا پیارا گھر یاد آ رہا تھا جہاں وہ کچھ روز پہلے بڑی خوشی خوشی زندگی بسر کر رہی تھی کہ ظالم ڈاکوؤں نے اس کے گھر ڈاکہ ڈالا اسکے بھائیوں کو ہلاک کر دیا باپ کو زخمی کر دیا اور اسے اغوا کر کے لے گئے آنکھیں روئے جا رہی تھی مگر اس پتھر دل چار دیواری میں اس بھولی بھالی مصیبت زدہ لڑکی کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا اسے اپنے ایک ہی ہمدرد عنبر پر امید تھی مگر وہ بھی اس سے جدا کر دیا گیا تھا۔

اسے کوئی خبر نہ تھی کہ بے چارہ عنبر کس حال میں ہے۔

سلیمانی انگوٹھی

غلام ایک دوسرے کے ساتھ بڑی سنگدلی کا سلوک کرتے۔

انہیں جانوروں کی طرح رکھا گیا تھا اور وہ ایک دوسرے سے بھی جانوروں کی طرح سلوک کرتے تھے عنبر چونکہ ان میں ایک نیا غلام تھا اس لئے سارے غلام نہ صرف یہ کہ اسکا مذاق اڑاتے بلکہ اس سے ہاتھا پائی بھی شروع کر دیتے عنبر کے پاس دو انتہائی قیمتی چیزیں اب بھی موجود تھیں ان میں سے ایک تو تبت کے راجہ کا دیا ہوا قیمتی ہیرا تھا اور دوسری وہ انگوٹھی تھی جو اسے کنیز کارسیلا کی روح نے تحفے کے طور پہ دی تھی یہ دونوں چیزیں عنبر بڑی سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا اس نے ان کی ہوا بھی کسی کو نہیں دی تھی کپڑے کے ایک رومال میں لپیٹ کر اس

نے ان چیزوں کو اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔

قمیض کے اندر ہونے کی وجہ سے کسی کو خبر نہ تھی کہ عنبر اپنے ساتھ لاکھوں اشرفیوں کی قیمت کا ایک ہیرا اور انگوٹھی لئے ہوئے ہے ایک روز عنبر دوسرے غلاموں کے ساتھ باغ میں چشمے پر نہا رہا تھا کہ ایک غلام کی نظر اس کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے کپڑے پر پڑ گئی اس نے عنبر کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

بول یہ کیا ہے؟ اسے ابھی اتار دے ورنہ تیری گردن توڑ دوں گا۔

دوسرے غلام بھی اس کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے عنبر کو مجبور کر دیا کہ وہ کپڑا کھول کر دکھائے اس کے اندر کیا ہے پہلے تو عنبر انکار کرتا رہا مگر جب غلاموں نے اسے مارنا شروع کر دیا تو عنبر نے رومال کھول کر ہیرا اور انگوٹھی انہیں دکھا دی دونوں چیزوں کو دیکھ کر غلاموں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ تو بڑی قیمتی چیزیں ہیں ایک غلام نے حیرت سے کہا۔

دوسرے غلام نے جھپٹا مار کر دونوں چیزیں عنبر سے چھین لیں عنبر کے ساتھ لڑائی کرنے لگا۔ مگر وہ غلام تعداد میں زیادہ تھے انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر قریب کے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا اس کنوئیں میں پانی تو نہیں تھا مگر یہ کانٹے دار جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا۔

عنبر پریشان ہو گیا اب وہ سوچنے لگا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ مصیبت کی زندگی...............مول لے لی اسے کیا پڑی تھی تجربے کرنے کی۔

مگر اب وہ پھنس گیا تھا اور انگوٹھی بھی اس کے پاس نہیں تھی جس کی مدد سے وہ اس اندھے کنوئیں سے باہر نکل سکتا تھا لاچار ہو کر وہ کنوئیں میں پڑا رہا شام ہو گئی اور کسی نے اس کی خبر نہ لی غلاموں نے یہودی مالک سے کہہ دیا کہ عنبر بھاگ گیا ہے یہودی مالک کو یقین نہ آیا کہ کیونکہ اس نے عنبر کو کبھی کوئی تکلیف نہ دی تھی اور عنبر نے بھی کبھی کسی

قسم کی شکایت نہ کی تھی ماریا بھی سوچ میں پڑ گئی کہ یہ غلام کہاں چلا گیا۔

عنبر ساری رات اندھیرے کنوئیں میں پڑا رہا دوسرے دن اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ شاید اس کی چیخ و پکار سن کر ہی مالک اسے کنوئیں سے باہر نکال لے لیکن اسکا نتیجہ الٹ ہوا غلاموں نے ہیرا اور انگوٹھی آپس میں تقسیم کر لی تھی انہوں نے سوچا کہ اس طرح اگر عنبر کنوئیں میں شور مچاتا رہا تو مالک کو خبر ہو جائے گی وہ اسے باہر نکال لے گا اور عنبر سارا قصہ اسے سنا دے گا جس کے جواب میں مالک غلاموں سے ہیرا اور انگوٹھی بھی چھین لے گا اور سزا الگ دے گا۔

انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ عنبر کو اندھیرے کنوئیں میں سے نکال کر قتل کر دیا جائے چنانچہ وہ رات کا انتظار کرنے لگے شام تک عنبر کنوئیں کے اندر شور مچاتا رہا جب کسی نے اسکی آواز نہ سنی تو کوئی اس

اس کی مدد کو نہ آیا تو وہ خاموش ہو گیا ہر طرف خاموشی چھا جانے کے بعد ساتوں غلام عنبر کو ہلاک کرنے کی نیت سے کنوئیں کے قریب آئے اور انہوں نے عنبر کو آواز دی۔

عنبر! ہماری بات غور سے سنو۔! کیا تم سن رہے ہو۔؟ عنبر نے کنوئیں میں سے جواب دیا۔

ہاں سن رہا ہوں۔

غلام بولا۔

ہم ایک صورت میں تمہاری جان بخشی کر سکتے ہیں کہ تم یہاں سے نکل کر کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ کیا تم اس پر تیار ہو؟ اگر تم تیار ہو تو ہم ابھی تمہیں اندھیرے کنوئیں سے نکال باہر کریں گے عنبر نے پوچھا۔

کیا میری انگوٹھی تم مجھے واپس کر دو گے؟ ہیرا بے شک اپنے پاس رکھو کیونکہ انگوٹھی میری مرحوم ماں کی نشانی ہے۔

غلام نے کہا۔

ہم تمہاری یہ خواہش بھی پوری کردیں گے۔

عنبر نے کہا۔

پھر مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے میں اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

غلام بڑے خوش ہوئے کہ عنبر بغیر لڑائی جھگڑا کئے اور شور مچائے کوئیں سے باہر نکل کر اسکے ساتھ چل پڑے گا۔ ان کی سازش یہ تھی کہ باغ والی کوٹھڑی میں عنبر کو لے جا کر اسے کلہاڑے مار کر قتل کر دیا جائے اور اس کی لاش کے ٹکڑے باغ میں دفن کر دیئے جائیں۔

انہوں نے عنبر کو رسی ڈال کر کنوئیں سے باہر نکالا اور یہ کہہ کر کوٹھڑی کی طرف لے گئے کہ اس کی انگوٹھی اندر دفن کی ہوئی ہے کوٹھڑی کے اندر آتے ہی غلاموں نے عنبر کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے پتھر کے

ستون کے ساتھ باندھ دیا عنبر اب اس قابل بھی نہیں تھا کہ وہ آواز ہی نکال سکے۔

غلاموں نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے اندر موم بتی کی دھیمی سی روشنی کر دی، دو غلام کلہاڑے لے کر عنبر کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے وہ اپنے سردار غلام کے حکم کا انتظار کر رہے تھے عنبر نے محسوس کیا کہ غلام خود اپنے جال میں پھنس رہے ہیں وہ خاموش ہو کر سب کچھ دیکھ رہا تھا سردار غلام نے کہا۔

عنبر تمہارا ہیرا اور انگوٹھی اس قدر قیمتی ہیں کہ ہم تمہیں مجبوراً قتل کر رہے ہیں بس اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ تمہیں موت کی زیادہ تکلیف نہ ہو۔

اس کے ساتھ ہی سردار غلام نے دونوں غلاموں کو اشارہ کر دیا سردار کا اشارہ پاتے ہی دونوں غلاموں نے بیک وقت عنبر کی گردن پر

کلہاڑوں کا وار کیا کلہاڑیاں جب عنبر کی گردن پر پڑیں تو ایسی آوازیں آئیں جیسے وہ پتھروں پر لگی ہوں اور ان کے ساتھ ہی کلہاڑیوں کے پھل دو ٹکڑے ہو کر پرے جا پڑے۔ غلام اور سردار نے حیرانی سے عنبر کی گردن کو دیکھا وہاں ایک خراش تک نہ آئی تھی اس نے زمین پر سے کلہاڑیوں کے پھل کے ٹکڑے اٹھا کر بھی غور سے دیکھے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو گیا۔

سردار نے غلاموں کو حکم دیا کہ عنبر کو کلہاڑوں کی جگہ خنجروں سے ہلاک کیا جائے غلاموں نے خنجر نکال لئے اور عنبر کی طرف دوڑے دونوں غلاموں نے ایک ہی وقت میں عنبر کے سینے میں خنجر اتار دیئے اس دفعہ بھی وہی ہوا جو ہوتا تھا۔

خنجر عنبر کے سینے میں اترے ہوئے ہیں اور وہ بڑے سکون کے ساتھ مسکرا رہا تھا اور غلاموں کی طرف دیکھ رہا ہے۔

سفید عقاب

عنبر ایک قافلے کے ساتھ جب ویران کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے تو عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ عورت کون تھی۔ شہزادی ہیلن کا اغوا کس نے کروایا۔ اور سپارٹا کیسے فتح ہوا۔ اور غدار وزیر کس طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

ابھی پڑھیے ”اردو رسالہ“ پر

اس نے کہا۔

تم اگر ساری عمر بھی میرے سینے پر خنجروں سے وار کرتے رہو تو تم بوڑھے ہو کر مر جاؤ گے میں نہیں مر سکوں گا یہ ایک ایسی طاقت میرے پاس ہے کہ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا مگر تم نے خود ہی راز پر سے پردہ ہٹا دیا۔

غلاموں نے دیکھا کہ عنبر کا کہنا بالکل سچ تھا خنجر جہاں جہاں لگے تھے وہاں سے ایک قطرہ خون کا بھی نہیں بہا تھا اور زخم خود بخود آپس میں مل رہے تھے جیسے عنبر کا جسم ربڑ کا ہو سردار نے آگے بڑھ کر عنبر کے آگے ہاتھ جوڑے اور دو زانو بیٹھ کر بولا۔

مجھے معاف کر دو عنبر۔ تم دیوتاؤں کے دیوتا ہو عنبر۔ مجھ سے بھول ہو گئی

سردار اور غلاموں نے فوراً عنبر کی رسیاں کھول دیں اور قیمتی ہیرا اور انگوٹھی دونوں چیزیں واپس کر دیں عنبر نے فوراً انہیں کپڑے میں

لپیٹ کر اپنے جسم کے گرد باندھ لیا اور کہا۔

ایک بات کا مجھ سے وعدہ کرو کہ تم لوگ اس کے بارے میں مالک یا اس کی بیٹی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔

سب غلاموں نے کہا۔

ہم کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

عنبر نے کہا۔

یاد رکھو! اگر کسی نے اس واقعے کے بارے میں مالک یا اس کی بیٹی کو کچھ بتایا تو میں اسے اپنی طاقت سے اسی وقت سزا دوں گا۔

غلام ڈر گئے اور انہوں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اب تم ہی ہمارے مالک ہو، ہم کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

عنبر غلاموں کی طرف سے مطمئن ہو گیا اب اس کی سب سے بڑی پریشانی تھی کہ کسی طرح اپنے پرانے دوست ناگ پھنی اور نیلی

آنکھوں والی لڑکی کا سراغ لگایا جائے پہلے وہ روزانہ صبح سے شام تک کام کرتا تھا لیکن اب سارے غلام اس سے ڈرنے لگے تھے چنانچہ وہ اپنا کام بھی ان سے لیتا خود بڑے مزے سے انجیر کے درخت تلے لکڑی کے تخت پوش پر لیٹا غور کرتا رہتا کہ شام کو اپنے حصے کا کیا ہوا کام لے جا کر مالک کو دکھا دیتا مالک اس پر بڑا خوش تھا عنبر کی نیکی اور اچھی گفتگو سے ماریا بھی بڑی متاثر ہوئی تھی انہوں نے عنبر کو باغ سے ہٹا کر اپنی حویلی میں بلا لیا۔

اب اس کا کام حویلی میں کام کی نگرانی کرنا تھا اس کو اب اتنی فرصت بھی مل جاتی کہ وہ شہر میں چل پھر کر سیر کر لیتا وہ ہر روز شہر کی کارواں سراؤں میں جاتا اور جا کر لوگوں کو غور سے دیکھتا کہ کہیں اس کا دوست تو شہر میں نہیں آ گیا اسی طرح وہ ایگنیس کے بارے میں بھی عورتوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا مگر اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی کرنا خدا کا کیا ہوا

کہ ایک روز وہ سدوم شہر کی بڑی منڈی میں ماریا کے لئے گرم مصالحے خریدنے آیا ہوا تھا کہ اس کی نظر ایک پالکی پر پڑی جس پر ریشمی پردے گرے تھے اور جسے چار عورتوں نے اٹھا رکھا تھا عنبر نے غور سے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گیا، ان چار عورتوں میں سے ایک عورت نیلی آنکھوں والی ایگنیس تھی وہ لپک کر ایگنیس کے پاس آیا اور بولا۔

ایگنیس تم کہاں؟

ایگنیس نے بھی عنبر کو پہچان لیا۔ وہ بھی اس سے باتیں کرنے لگی اتنے میں غلاموں نے دیکھ لیا انہوں نے ہنٹر مار کر عنبر کو وہاں سے بھگا دیا، عنبر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا پالکی ایک طرف رکھ دی گئی اس میں وہی سنگدل عورت دلائیلہ سوار تھی ریشمی کپڑے خریدنے کے بعد دلائیلہ پالکی میں سوار واپس چل پڑی۔

عنبر نے اس کا تعاقب شروع کر دیا پالکی ٹھیکیدار کی حویلی میں داخل ہو گئی عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہو گیا اب اس نے اپنی طاقت آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا اپنے لئے نہیں لیکن ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی کے لئے وہ اپنی طاقت ضرور آزمانا چاہتا تھا، حویلی میں داخل ہوتے ہی غلاموں نے اسے گرفتار کر لیا اور مارتے مارتے دلائیلہ کے پاس لے گئے دلائیلہ نے کڑک کر کہا۔

اوہ کمینے غلام تیری اتنی جرات ہو گئی کہ تو ہماری حویلی کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہو جائے؟ بتا تو ادھر کیا کرنے آیا تھا؟

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ اپنی بہن ایگنیس کے لئے آیا ہے اور اسے رہا کرا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے یہ سن کر تو دلائیلہ کا پارہ ایک دم بڑھ گیا اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس بدزبان اور گستاخ غلام کی گردن اتار دی جائے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

کمینی عورت تو میری گردن کیا اتارے گی اپنے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ جملہ ایک بم کی طرح پھٹا ایگنیس نے بھی سر پکڑ لیا وہ سمجھ گئی کہ اب ان دونوں کی خیر نہیں ہے دلائیلہ نے گالی سنی تو اس کا رنگ پہلے سرخ اور پھر سیاہ ہو گیا وہ غصے میں کانپنے لگی اس نے تلوار غلام کے ہاتھ سے چھین کر عنبر پر حملہ کر دیا تلوار کا وار عنبر کے بازو پر پڑا اور تلوار جیسے پتھر سے ٹکرا کر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی دلائیلہ کبھی تلوار کے ٹکڑوں کو اور کبھی عنبر کے بازو کی طرف دیکھتی اس نے دوسری تلوار لے کر دوسری بار عنبر کی گردن پر زور سے وار کیا اس دفعہ بھی وہی ہوا تلوار جیسے پتھر سے ٹکرائی چھن کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے اب تو دلائیلہ پریشان ہو گئی عنبر نے ہنس کر کہا۔

مکار ظالم عورت! اب میرا وار سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

غلاموں نے عنبر کو چاروں طرف سے پکڑ کر رسیوں میں جکڑ دیا اب طاقت آزمانے کا وقت آ گیا تھا عنبر نے کپڑوں کے اندر ہی اندر اپنی انگوٹھی کو ہاتھ لگایا اور پھر رسیوں کو چھوا اور وہ اپنے آپ کھل کر فرش پر گر پڑیں عنبر نے تلوار اٹھا کر ولائیلہ کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

بول ان غلاموں کو آزاد کرتی ہے یا تلوار سے اپنی گردن کٹوانا چاہتی ہے۔

ولائیلہ نے کانپتے ہوئے کہا۔

یہ میرے آقا کے غلام ہیں۔ میں خود غلام کنیز ہوں۔

مگر تو ان پر ظلم کرتی رہی ہے مجھے معاف کر دو۔

اس دوران میں دو غلاموں نے تلواریں کھینچ لیں اور عنبر پر ٹوٹ پڑے بے وقوفوں کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ عنبر ان کو آزاد کرانے کے لئے وہاں

آیا ہے لیکن اپنے ظالم مالک کے ساتھ ان کو ایسی محبت تھی کہ عنبر پر ہی حملہ کر دیا مگر عنبر اس وقت اپنی پوری طاقت میں تھا غلاموں نے تلواروں سے وار کئے تو عنبر نے انہیں اپنی تلوار پر روک لیا اور دوسرا وار کیا تو دونوں غلام زمین پر تڑپ رہے تھے باقی غلام ہاتھ باندھ کر عنبر کے سامنے کھڑے تھے۔

ہمیں معاف کر دو مقدس انسان ہمیں معاف کر دو۔

عنبر نے انہیں تو کچھ نہ کہا اس نے ولائیلہ کے سر کے سارے بال مونڈ کر رکھ دیئے اور گال پر تلوار کا ایک لمبا زخم کر دیا۔

یہ اس لئے لگا رہا ہوں کہ تمہیں احساس ہو کہ جب تم غریبوں کو مارتی تھیں تو ان پر کیا گزرتی تھی آؤ ایگنیں بہن میرے ساتھ آؤ۔

عنبر نے ایگنیں کو ساتھ لیا اور ٹھیکے دار کی حویلی سے باہر کی طرف چل پڑا۔ سامنے سے ٹھیکے دار مالک چلا آ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک

غلام قسم کا نوجوان اس کی سب سے مہنگی کنیز کو لئے جا رہا ہے اس نے عنبر کو وہیں روک لیا اور پوچھا۔

تم کون ہو اور میری کنیز کو کہاں لے جا رہے ہو؟ عنبر نے کہا وہ اسے آزاد کروا کر اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔

ٹھیکے دار مالک نے تلوار کھینچ لی۔

تم میری لاش پر سے گزر کر اسے لے جاؤ گے۔ عنبر نے بھی تلوار نکال لی اور کہا۔

پھر ٹھیک ہے تمہاری لاش پر سے گزر کر ہی اسے لے جاؤں گا۔

دونوں کی باقاعدہ حویلی کے اندر لڑائی شروع ہو گئی تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد ہی عنبر نے ٹھیکے دار کو ایک بھرپور تلوار کا ہاتھ مارا اور وہ شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

کیا اب بھی تم میرے راستے میں رکاوٹ بنو گے۔

مالک بے ہوش ہو چکا تھا عنبر نے ایگنیس کو ساتھ لیا اور حویلی سے نکل کر شہر کی مختلف گلیوں میں سے ہوتا ہوا اپنے یہودی مالک کی حویلی میں آ گیا۔ ماریا کو اس نے بتایا کہ ایگنیس اس کی بہن ہے اور اسے وہ آزاد کروا کر لا رہا ہے۔ ماریا نے حیرانی سے پوچھا۔

کیا تمہارے پاس اتنی رقم تھی کہ تم اپنی بہن کو آزاد کروا سکو۔

عنبر نے کہا۔

میرے پاس رقم نہیں تھی لیکن طاقت بہت تھی میری طاقت کے آگے وہ نہ ٹھہر سکے اور میں اپنی بہن کو وہاں سے نکال لایا۔

ماریا نے ایگنیس کو بھی اپنے ہاں رکھ لیا وہ اس سے صرف اتنا کام لیتی کہ صبح کو اس کے بچوں کو باغ میں سیر کرانے جاتی۔

عنبر نے بے فکر ہو کر اب اپنی توجہ اپنے جگری دوست تاگ بھتی کی تلاش کی طرف کر دی۔

ناگ کا انتقام

ناگ پھنی سانپ کے روپ میں مرتبان میں بند پڑا تھا۔

اس پر پجاری کی چھڑکی ہوئی دوائی نے بے ہوشی طاری کر رکھی تھی اور مرتبان زمین کے اندر دفن تھا مندر کا پجاری ناگ پھنی کی طرف سے مطمئن ہو کر مندر میں اپنا حکم چلا رہا تھا وہ اپنی طرف سے ناگ پھنی کو اپنی کوٹھڑی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر بیٹھا تھا اور اگر اتفاق سے ایک رات مندر کے اندر ڈاکو داخل نہ ہوتے تو ناگ پھنی واقعی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین کے اندر دفن ہو چکا تھا وہی ڈاکو جنہوں نے عنبر اور ناگینہ کو اغوا کرنے کے بعد سدوم کی منڈی میں لے جا کر فروخت

www.pdfbooksfree.org

کر دیا تھا مندر میں ڈاکہ ڈالنے کے لئے ایک رات داخل ہوئے۔

انہیں خبر ملی تھی کہ ناگن دیوی کے مندر کے اندر لاکھوں اشرفیوں کا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات ہیں جو اس کے بڑے پجاری نے خفیہ جگہ پر چھپا رکھے ہیں چنانچہ انہوں نے مندر پر ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنایا اور ایک رات جب کہ سارے پجاری مندر میں ناگن دیوی کی پوجا میں لگے ہوئے تھے ڈاکو مندر کی پچھلی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے وہ بڑی خاموشی سے مندر کے ایک پچھلے کمرے میں آ گئے یہاں ایک جگہ زمین کھود کر انہیں کچھ ہیرے اور جواہرات ملے مگر انہیں شک ہوا کہ اصل خزانہ بڑے پجاری نے ضرور اپنی کوٹھڑی میں چھپا رکھا ہو گا چنانچہ سردار اپنے ساتھیوں کو لے کر بڑے پجاری کی کوٹھڑی کا دروازہ توڑ کر اندر آ گیا کوٹھڑی خالی پڑی تھی پجاری دیوی کی پوجا پاٹھ میں لگا ہوا تھا ڈاکوؤں نے ساری چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا مگر

انہیں کسی جگہ بھی کوئی دولت ہاتھ نہ لگی۔ اچانک انہیں ایک جگہ سے زمین ابھر ہوئی نظر آئی سردار نے حکم دیا کہ یہاں سے زمین کھودی جائے ڈاکوؤں نے زمین کھودنی شروع کر دی کافی زمین کھودنے کے بعد انہیں ایک مرتبان دکھائی دیا جس کا منہ بند تھا ٹھیک اس وقت جب ڈاکو مرتبان نکال رہے تھے باہر لوگوں کے چلنے پھرنے کی آواز سنائی دی سردار نے اشارہ کیا اور جلدی میں مرتبان کو اٹھا کر باہر نکل آئے۔

مندر سے باہر آ کر انہوں نے رات کے اندھیرے میں مرتبان کو کھولنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پہاڑیوں میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا غار تھا، ان کا خیال تھا کہ اس مرتبان میں سونا اور جواہرات ہوں گے ڈاکوؤں کے سردار نے غار میں آتے ہی حکم دیا کہ مرتبان اس کے سامنے کھولا جائے فوراً مرتبان لا کر سردار

www.pdfbooksfree.org

کے سامنے رکھ دیا گیا ایک ڈاکو نے خنجر سے اس کے منہ سے کپڑا اکھاڑا اور اس کے اندر جھانک کر دیکھا اسے اندر کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سردار نے کہا۔

اسے الٹ دو جو کچھ ہوگا باہر آ جائے گا۔ ڈاکو نے مرتبان الٹ دیا مرتبان کا الٹا جانا تھا کہ بے ہوش ناگ پھنی سانپ مرتبان سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا کہ اتنی محنت سے اس نے زمین کھودی اور اس میں سے مرا ہوا سانپ نکلا۔ اس نے غصے میں سانپ کو اٹھا کر غار میں دور پھینک دیا اور گرج کر بولا۔

ابھی جا کر پجاری کو پکڑ کر یہاں لاؤ میں اپنے ہاتھ سے اس کی کھال کھینچنا چاہتا ہوں۔

چار خونخوار ڈاکو اسی وقت اٹھ کر مندر کی طرف دوڑ پڑے کسی کو اغوا کرنا یا قتل کر دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا مندر میں ناگن دیوی

کی پوجا کے بعد مکار پجاری ابھی ابھی اپنی کوٹھڑی میں آیا تھا۔ اور کپڑے بدل کر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک چاروں ڈاکو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے اور پجاری کی چیخ نکلنے سے پہلے ہی انہوں نے اس کے سر پر اس قدر زور سے ہنٹر مارا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ انہوں نے اسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈالا اور لے کر سردار کے پاس غار میں آ گئے۔ صبح تک مکار پجاری بے ہوش پڑا رہا۔

دوپہر کے وقت اسے ہوش آیا تو ڈاکوؤں کے سردار نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ کر کہا۔

کمینے! بتا مندر کا سونا چاندی اور جواہرات کہاں ہیں۔؟

پجاری نے کانپتے ہوئے کہا۔

حضور، سارے جواہرات اور سونا ناگن دیوی کے اندر ہے۔

پجاری کو معلوم تھا کہ کوئی بھی ڈاکو خواہ وہ کس قدر بھی

سخت دل کیوں نہ ہو ناگن دیوی کا بت توڑ کر خزانہ چرانے کی جرائت کبھی نہیں کر سکتا۔ سردار نے اس کے سر پر گھونسہ مار کر کہا۔

بدبخت اگر یہ بات تھی تو تو نے اپنی کوٹھڑی میں مرتبان کس لئے دفن کیا تھا۔

بڑے پجاری نے چونک کر پوچھا۔

کیا تم لوگ وہ مرتبان نکال لائے ہو۔؟

ہاں ہم نے وہ مرتبان کھود کر نکالا اور جب کھولا تو اس میں سوائے مرے ہوئے سانپ کے اور کچھ بھی نہیں تھا کمینے تو نے مرا ہوا سانپ اس میں کیوں ڈال رکھا تھا۔؟

مکار پجاری کو تو پسینہ آ گیا، اب اسے اپنی پڑ گئی تھی اس نے پوچھا۔

خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ وہ مرا ہوا سانپ کہاں ہے۔

سردار نے مکار پجاری کے سر پر جوتا مار کر کہا بکواس بند کرو سانپ کے

بچے! یہ بتاؤ کہ دولت مندر میں کہاں چھپا رکھی ہے۔؟

پجاری نے گڑ گڑا کر کہا۔

ناگن دیوی کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ساری دولت ناگن دیوی کے بت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

سردار نے پوچھا۔

کیا تمہاری کوٹھڑی میں سوائے اس ذلیل مرتبان کے اور کچھ نہیں تھا۔

حضور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری کوٹھڑی میں کچھ بھی نہیں چھپا ہوا بس یہی ایک مرتبان تھا جس میں سانپ رکھا تھا۔

سردار نے غضب ناک ہو کر کہا۔

اس موٹے پجاری کو پہاڑ کے اوپر سے دریا میں گرا دو

پجاری رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

میرے حال پر رحم کرو میری جان بخشی کر دو۔ میں بے قصور ہوں۔

میرے پاس جو کچھ ہے لے لو میری جان بخش دو۔

پھر تم ناگن دیوی کا سارا خزانہ لا کر ہمیں دے دو ہم تمہیں نہیں ماریں گے۔

پجاری نے گڑ گڑا کر کہا۔

حضور۔ ناگن دیوی مجھے ہلاک کر دے گی۔

تو ہلاک تو ہم بھی تمہیں کر دیں گے اب تم پسند کر لو کہ ہمارے ہاتھوں مرو گے یا ناگن دیوی کے ہاتھوں۔

مجھ پر رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔

سردار نے حکم دیا کہ پجاری کی جب تک ہوش ٹھکانے نہیں آ جاتے اسے غار کے ایک اندھیرے تہہ خانے میں قید کر دیا جائے ڈاکو پجاری کو اٹھا کر تہہ خانے میں لے کر چلے گئے۔

سانپ کو ڈاکوؤں کے سردار نے ہاتھ سے جھٹک کر غار کے جس

علاقے میں پھینک دیا تھا وہاں زمین میں گندھک بہت تھی اس نے سانپ کو مردہ سمجھا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ناگ بے ہوش تھا پجاری نے جس دوائی کو سانپ پر چھڑک کر بے ہوش کیا تھا اس کا توڑ ہی گندھک تھی یعنی اگر سانپ کو کسی طرح گندھک سونگھا دی جاتی تو وہ ہوش میں آ جاتا۔ اب وہ اتفاق سے گرا ہی گندھک کے ڈھیلوں پر تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سانپ کے نتھنوں میں گندھک کی گیس گھسنے لگی اس کی وجہ سے اسے ہوش آنا شروع ہو گیا مگر اسے ہوش بڑی آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ جس وقت ڈاکوؤں نے مکار پجاری کو تہہ خانے میں لے جا کر پھینکا اس وقت سانپ کو پوری طرح ہوش آ چکا تھا اب اس نے اپنے دماغ پر زور دے کر سوچنا شروع کر دیا کہ اسکے ساتھ کیا واقعہ ہوا تھا اسے سب کچھ یاد آ گیا کہ وہ کس طرح مندر کی کوٹھڑی میں اپنے دوست کے پاس سو رہا تھا کہ مندر کا بڑا پجاری اندر داخل ہوا اور اس

www.pdfbooksfree.org

نے اس پر سانپ کی جون میں آتے ہی بے ہوشی کی دوا چھڑک دی۔

سانپ یعنی ناگ پھنی کو حیرانی اس بات پر ہوئی کہ اس غار میں اسے اسی پجاری کی بو آ رہی تھی اس کا دل انتقام سے پھڑکنے لگا وہ مکار پجاری کی بو پر رینگنے لگا اس وقت ڈاکو غار کے ایک کونے میں بیٹھے دولت آپس میں تقسیم کر رہے تھے سانپ ہولے ہولے رینگتا پجاری کی بو پر آگے بڑھتا چلا گیا وہ غار کے ایک تنگ سے راستے پر آ گیا یہ راستہ ایک ڈھلان کی شکل میں نیچے چلا گیا تھا پجاری کی بو برابر آ رہی تھی سانپ اور آگے نکل گیا اب بو تیز ہو گئی تھی سانپ نے رک کر بو کو سونگھا شرقی سمت سے بو بڑی تیز آ رہی تھی اسی بو کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا سانپ اس تہہ خانے کے باہر آ گیا جہاں پجاری قید تھا۔

سانپ نے دیکھا کہ تہہ خانے کا دروازہ بند تھا وہ دروازے پر اوپر چڑھ گیا کافی اوپر جا کر ایک چھوٹا سوراخ تھا جو اندر ہوا پہنچانے کے

لئے رکھا گیا تھا سانپ اس سوراخ میں سے گزر کر تہہ خانے کی دیوار پر پہنچ گیا اندھیرے میں اس کی سرخ آنکھوں نے مکار پجاری کو پہچان لیا وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سر کو پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔

سانپ دیوار پر سے اتر کر نیچے آ گیا فرش گیلا تھا سانپ اس پر سے ہوتا ہوا پجاری کے بالکل سامنے آ کر ایک دم پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا پجاری نے اپنے سامنے ایک فٹ کے فاصلے پر سیاہ کالے ناگ کو پھن پھیلا کر کھڑا دیکھ لیا۔

پجاری نے اپنے سامنے ایک فٹ کے فاصلے پر سیاہ کالے ناگن کو پھن پھیلائے جھومتے ہوئے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔

اس نے چیخ مارنی چاہی مگر آواز اس کے حلق میں بند ہو کر رہ گئی ناگ۔ پھنی نے انسانی آواز میں کہا۔

سن رے بددیانت پجاری تو نے مجھے اپنی طرف سے ہلاک کر دیا تھا!

مگر میری قسمت اچھی تھی کہ میں بچ گیا اب تو اپنے کئے کی سزا بھگت۔

اتنا کہہ کر سانپ نے پجاری کی گردن پر ڈس دیا پجاری نے سانپ کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔ مگر اس کے ہاتھوں میں اب جان باقی نہیں رہی تھی اس کے ہاتھ سن ہو کر ٹھنڈے ہو گئے تھے زہر نے اپنا کام بڑی تیزی سے کرنا شروع کر دیا تھا پجاری کی آنکھوں میں موت کی تاریکی چھا گئی اور وہ مردہ ہو کر تہہ خانے کی گیلی زمین پر گر پڑا

سانپ اپنا کام کرنے کے بعد وہاں سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا اب وہ تہہ خانے سے باہر غار کی ڈھلان پر سے گزر رہا تھا۔

جب وہ اوپر آیا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں کا سردار اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا سونے کی اشرفیوں کو تھیلے میں بھر رہا تھا سانپ خاموشی سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگا تا کہ وہ دوبارہ انسانی شکل میں آ

کر اپنے دوست عنبر کو جا کر مل سکے ڈاکوؤں کے سردار کو کچھ کہنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ بڑی خاموشی سے دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا غار سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ اچانک ایک ڈاکو کی اس پر نظر پڑ گئی اس نے شور مچا دیا۔ سانپ۔ سانپ۔

دونوں ڈاکو اچھل کر پرے ہٹ گئے اب ہر کوئی ساتپ کا خواہ مخواہ دشمن بن بیٹھا تھا حالانکہ سانپ نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا تھا ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ سانپ کو پہلے ہلاک کر دے یہ ساتپ کی زندگی اور موت کا سوال تھا اگر وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کرتا ہے تو مارا جاتا ہے سانپ بھی ایک دم چوکس ہو گیا ایک ڈاکو اندھیرے میں اسے تلاش کر رہا تھا کہ سانپ نے پیچھے سے آ کر چپکے سے اس کے پاؤں پر ڈس دیا ڈاکو چیخ مار کر گر پڑا زہر اس کے جسم میں ضرورت سے زیادہ داخل کر دیا گیا تھا دوسرا ڈاکو آگے بڑھا تو سانپ نے اسے بھی ڈسا

اور وہ بھی چیخ مار کر گر پڑا دونوں نے دیکھتے دیکھتے دم توڑ دیا اب وہاں صرف ایک ڈاکوؤں کا سردار رہ گیا تھا وہ بجائے اس کے کہ غار سے باہر نکل کر بھاگ جائے وہیں اندھیرے میں تلواریں چلانے لگا سانپ ایک طرف پتھروں کے نیچے چھپ گیا تھا اور ڈاکوؤں کے سردار کی ساری افراتفری اور پریشانی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

ڈاکو سردار قدم قدم پھونک پھونک کر اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا سانپ اپنی جگہ پر چھپا رہا تھا وہ اس انتظار میں تھا کہ کب ڈاکو اس کے قریب سے گزرتا ہے اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار بھی جس کا ایک ہی وار سانپ کو دو ٹکڑے کر سکتا تھا اب ڈاکو سانپ سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر تھا وہ اسی کی طرف آ رہا تھا مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس کی موت پتھروں کے پیچھے بیٹھی ہے جب وہ قریب سے گزرنے لگا تو سانپ نے بجلی ایسی پھرتی کے ساتھ ڈاکو کی ٹانگ پر ڈس دیا۔

ڈاکوؤں کے سردار نے پوری طاقت سے پتھر پر تلوار ماری پتھر دو ٹکڑے ہو گیا مگر سانپ عقل مندی سے کام لیتے ہوئے وہاں سے کھسک گیا تھا اگر وہ اس جگہ موجود رہتا تو تلوار پتھر کو توڑ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ڈاکو سردار نے دوسری بار تلوار اٹھائی تو اس کے ہاتھ لرزنے لگے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی سانپ نے سامنے آ کر پھونک ماری اور انسانی شکل میں آ گیا اسے انسان کا روپ بدلتے دیکھ کر ڈاکو کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اس کے حلق سے چیخ نکلنے والی تھی مگر زہر نے اس کا گلا بند کر دیا تھا وہ لڑکھڑا کر گرا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

ناگ پھنی غار سے باہر نکل آیا۔

باہر ڈاکوؤں کے گھوڑے ٹیلے کے دامن میں بندھے ہوئے تھے اس نے ایک گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہوا اسے ایڑ لگا کر شہر سدوم کی طرف

روانہ ہو گیا یہ وہی صحرا تھا جہاں سے کچھ روز پہلے وہ اپنے دوست کے ساتھ گزرا تھا صحرا میں سورج نکل آیا تھا اور ہر طرف سنہری دھوپ پھیل رہی تھی ناگ پھنی دھوپ تیز ہونے سے پہلے پہلے صحرا میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرنا چاہتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ابھی ایک رات کے بعد اگلے دن صبح کو وہ دریائے اردن کے کنارے آباد شہر سدوم میں پہنچے گا اس نے اپنا سفر جاری رکھا دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو گئی تو وہ ایک جگہ درختوں کے سائے میں آرام کرنے کے لئے رک گیا شام تک وہ اس جگہ دھوپ سے بچ کر بیٹھا آرام کرتا رہا شام سے پہلے جب دھوپ نے ڈھلنا شروع کر دیا اور صحرا میں ریت کے ٹیلوں کے سائے لمبے ہو گئے تو وہ اٹھا گھوڑے پر سوار ہوا اور سدوم کے شہر کو چل نکلا۔

آدھی رات تک وہ ستاروں کی روشنی میں سفر کرتا رہا آدھی رات کے

www.pdfbooksfree.org

بعد اسے قطبی ستارہ دکھائی دیا جو بادلوں کے ایک ٹکڑے میں چھپا ہوا تھا اس ستارے کی نشانی پا کر ناگ پھنی کا سفر آسان ہو گیا اور وہ بغیر رکے ساری رات چلتا رہا صبح کی نیلی نیلی روشنی مشرق میں آسمان پر پھیلنے لگی ناگ پھنی سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ سورج کے طلوع ہوتے ہی اسے سدوم شہر کے آثار نظر آ جانے چاہئیں تھے تھوڑی دیر بعد دور آسمان پر سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شہر کی دیوار کی سیاہ لکیر نظر آنا شروع ہو گئی۔

ناگ پھنی بے حد خوش ہوا وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا اور صحرا میں بھٹکنے سے محفوظ رہا تھا ورنہ اگر وہ صحرا میں بھٹک کر راستہ بھول جاتا تو پھر اسے کوئی دنیاوی طاقت سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتی تھی اب وہ شہر کے جنوبی دروازے کی طرف سفر کرنے لگا کیونکہ اسی دروازے سے دونوں دوست شہر کے اندر داخل ہو کر ایک مندر میں ٹھہرے تھے عنبر کو وہ مندر ابھی اچھی طرح یاد تھا سورج پوری طرح نکل آیا تھا اور اس کی دھوپ پھیل چکی تھی کہ ناگ پھنی شہر میں داخل ہو گیا۔

شہر میں اس روز کی طرح بڑی رونق اور چہل پہل تھی ملک ملک کے لوگ چل پھر رہے تھے دکانوں پر خرید و فروخت ہو رہی تھی چوک میں لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور پھل وغیرہ خرید رہے تھے مزدور کندھوں پر سامان اٹھائے لئے جا رہے تھے امیر لوگ پالکیوں میں سوار وہاں سے گزر رہے تھے ناگ پھنی بڑی خاموشی سے گھوڑے پر سوار اس مندر کی طرف آ گیا جہاں کچھ عرصہ پہلے وہ اپنے دوست عنبر کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں مسافر بن کر اترا تھا۔

خونی کلہاڑا

یہودی کی لڑکی ماریا کو عنبر پر شک ہو گیا تھا۔

اس کو پہلے روز ہی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک نظر آ گئی تھی وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ اس غلام میں کوئی خاص بات ضرور ہے یہ خاص بات کیا تھی؟ یہی ماریا کو معلوم نہ تھی اب جب اس نے بتایا کہ ایگنیس کو اس نے دشمنوں سے رہا کرا لیا ہے حالانکہ اس کے پاس ایسا کوئی وسیلہ نہیں تھا تو پھر اس کے پاس ایسی کون سی طاقت تھی؟ وہ کس طاقت کا ذکر کر رہا تھا ماریا ایک روز اپنے باغ کے غلاموں کو دیکھنے کے لئے باغ میں آ گئی۔

اس نے بہانہ بنایا کہ وہ غلاموں کے کام کا جائزہ لینے آئی ہے مگر اصل میں وہ عنبر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی ماریا اچانک ہی باغ میں آ گئی اس نے دیکھا کہ عنبر تو بڑے آرام سے انگور کی بیلوں کی چھاؤں میں لیٹا ہوا ہے اور دوسرے غلام اس کا کام کر رہے ہیں ماریا نے عنبر کو تو کچھ نہ کہا وہ سیدھی ایک غلام کے پاس آ گئی اس نے غلام سے پوچھا۔

کیا عنبر کام نہیں کرتا؟ کیا وہ بیمار ہے۔؟

غلام نے سر جھکا کر ادب سے کہا۔

مالکن۔ یہ شخص دیوتاؤں کی طاقت لے کر پیدا ہوا ہے اس کو کام کرنے کی ضرورت نہیں دیوتا ہی جانتے ہیں کہ وہ یہاں کیوں بیٹھا ہے وہ جب چاہے نہ صرف خود آزاد ہو سکتا ہے بلکہ ہم کو بھی آزاد کرا سکتا ہے

کیا تم اس کا کام بھی کر رہے ہو۔؟

ہاں مالکن! ہم عنبر کا کام بھی کر رہے ہیں۔

ماریا نے پوچھا۔

تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شخص دیوتاؤں کی طاقت رکھتا ہے۔؟

غلام نے کہا۔

ہماری اس سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی تم نے اسے ہلاک کر دینا چاہا ہم نے اس کے سینے میں کتنے ہی خنجر گھونپے مگر اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا وہ اسی طرح مسکراتا رہا اور زندہ رہا کیا یہ بات کسی عام انسان میں پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؟

ماریا وہاں سے چلی گئی وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی اس کی بات اور وہم سچ ثابت ہو گیا تھا عنبر غلام ایک غیر معمولی طاقت کا انسان تھا ضرور اسے دیوتاؤں کی مدد حاصل تھی ماریا نے عنبر غلام کی طاقت کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا مگر گھر جا کر اس نے سوچا کہ وہ کیا کرے کہ عنبر کی خفیہ

www.pdfbooksfree.org

طاقت اس کے سامنے آجائے؟

وہ ان ہی خیالات میں تھی کہ شام ہوگئی اور باہر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دینے لگی ماریا کا باپ کمرے سے نکل کر صحن میں آ گیا ماریا بھی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی باہر سدوم کے رومن بادشاہ ہیروڈ کے سپاہی زرہ بکتر پہنے کھڑے تھے انہوں نے ماریا کے باپ کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دیا اور کہا۔

تمہیں بغاوت کے جرم میں بادشاہ ہیروڈ کے حکم پر گرفتار کیا جاتا ہے تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ ہم اس کو بھی گرفتار کرنے آئے ہیں۔

ماریا کی تو جان ہی نکل گئی وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی بھاگ کر کہاں جائے کہ دروازہ دھڑاک سے کھول کر سپاہی اندر آ گئے اور ماریا کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے اس وقت سوائے ایک بوڑھی کنیز کے وہاں کوئی بھی نہیں تھا سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو گھوڑوں پہ

ڈال دیا اور لے کر وہاں سے چلے گئے کنیز روتی رہ گئی تھوڑی دیر بعد عنبر اور دوسرے غلام وہاں آئے تو انہیں صورت حال کی خبر ہوئی عنبر بڑا حیران ہوا کہ ہیروڈ کے سپاہیوں نے اس نیک دل بوڑھے اور ماریا کو کس لئے گرفتار کیا بوڑھی کنیز نے بتایا کہ دریائے اردن کے کنارے ایک بزرگ یوحنا ظلم اور بادشاہ کی بے انصافیوں کے خلاف لوگوں میں وعظ کرتا ہے ماریا کا باپ پرسوں وعظ سننے گیا تھا بس یہی اس کا جرم تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

کیا یہی وہ بزرگ ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر کہتا۔

ہاں لوگ اس کا وعظ سنتے ہیں اور اس کا مذہب قبول کر رہے ہیں۔

کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔؟

ہاں میں نے اسے دیکھا ہے اس کی صورت بڑی معصوم ہے اس کے بال سنہری اور آنکھیں نیلی ہیں اس کے چہرے پر جلال ہے اس کی

آواز میں طاقت ہے اس کی باتوں میں سچائی ہے وہ لوگوں کو بادشاہ ہیروڈ کے ظلم اور بے انصافیوں کے بارے میں بتاتا ہے اور رعایا کے ساتھ بادشاہ کو بھی نیکی اور عدل کی تعلیم دیتا ہے۔

عنبر سمجھ گیا کہ جس بزرگ سے ملنے کی آرزو لے کر وہ اس شہر میں آیا تھا یوحنا وہی بزرگ ہے لیکن اس وقت ضرورت ماریا اور اس کے بوڑھے باپ کو بچانے کی تھی کیونکہ بادشاہ ہیروڈ کے حکم سے ان دونوں کو ضرور قتل کر دیا جانا تھا ماریا کے بچے اپنی ماں کے بغیر رو رہے تھے اور کنیز انہیں چپ کرا رہی تھی ماریا اور اسکا باپ بے گناہ تھے ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے ایک نیک بزرگ کا واعظ سنا تھا بادشاہ ظالم تھا۔ اور اس نے شہر میں رعایا پر بڑے ظلم توڑے تھے عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماریا اور اس کے باپ کو ظالم بادشاہ ہیروڈ کے پنجے سے ضرور نجات دلائے گا اور وہ انہیں مرنے نہیں دے گا وہ رات عنبر غور کرتا رہا کہ

دونوں باپ بیٹی کو کیسے بچائے آدھی رات کے بعد اس نے روح کی دی ہوئی انگوٹھی نکال کر اسے چوما اور آنکھیں بند کر کے کنیز کارمیلا کی روح کو آواز دی تھوڑی دیر کے بعد اسے روح کی آواز سنائی دی۔

میرے محسن۔ !تم نے مجھے کس لیے یاد کیا؟ میں ہر خدمت کے لیئے حاضر ہوں کوئی تکلیف ہو مجھے بیان کرو اگر مجھ سے ہو سکا تو میں ضرور تمہاری مدد کروں گی۔

عنبر نے ساری بات کھول کر روح کو بیان کر دی روح خاموشی سے عنبر کی باتیں سنتی رہی جب عنبر اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے کہا۔

میرے محسن! میں تمہاری ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ ماریا اور اس کو بوڑھا باپ بے گناہ ہیں یوحنا بزرگ خدا کا نبی ہے وہ سچا ہے اس کی باتیں سچی ہیں بادشاہ ظالم ہے اور اس کا انجام برا ہوگا ماریا اور اس کے باپ نے یوحنا بزرگ کا وعظ سن کر گناہ نہیں کیا

بلکہ ثواب کمایا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مجھے یہ بتاؤ کہ دونوں باپ بیٹی کس حال میں ہیں؟

روح نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا سنو۔

عنبر اس وقت ان دونوں باپ بیٹی کو قتل گاہ میں قتل کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

عنبر نے کہا۔

خدا کے لئے مجھے ان کے پاس لے چلو میں انہیں ہر قیمت پر بچانا چاہتا ہوں۔

مگر تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔

ان کی مدد کروں گا۔

جیسے تمہاری مرضی مگر تمہیں میرے مشورے پر عمل کرنا ہوگا تم اکیلے

نہیں قتل ہونے سے انہیں بچا سکتے۔

مجھے منظور ہے تم جیسا کہو گی اسی طرح ہو گا۔

پھر آؤ میرے ساتھ.............اپنی آنکھیں بند کر لو۔

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اسے ایسے لگا جیسے وہ سمندر کی لہروں پر سفر کر رہا ہو تھوڑی دیر بعد اسے روح کی آواز سنائی دی۔

آنکھیں کھول دو عنبر۔

عنبر نے آنکھیں کھولیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ بادشاہ ہیروڈ کے شاہی محل کی قتل گاہ میں کھڑا ہے قتل گاہ کا کپتان اپنے دوسرے جلادوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہے سامنے ایک ستون کے ساتھ ماریا اور اسکا بوڑھا باپ زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں ایک جلاد نے زمین پر ایک لکڑی کا بڑا سا ٹکڑا لا کر رکھ دیا کپتان نے حکم دیا کہ سب سے پہلے ماریا کو لایا جائے ایک سپاہی آگے بڑھا اور ماریا کی زنجیر

کھول کر اسے لکڑی کے کنڈے کے پاس لے آیا۔ اور بولا۔

اپنی گردن لکڑی کے اوپر رکھ دو۔

ماریا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر وہ بڑے صبر سے کام لے رہی تھی اسکا بوڑھا باپ بھی اپنی بیٹی کی حالت زار پر خون کے آنسو بہا رہا تھا مگر وہ مجبور تھا وہ جابر بادشاہ کے سپاہیوں کے آگے انگلی بھی نہ ہلا سکتے تھے عنبر اگرچہ کپتان کی کرسی کے پاس کھڑا تھا مگر وہ کسی کو بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا پہلے تو وہ گھبرایا کہ کہیں دکھائی تو نہیں دے رہا تھا پہلے تو وہ گھبرایا کہ کہیں لوگ اسے دیکھ کر پکڑ نہ لیں مگر روح نے اسے کہا۔

گھبراؤ نہیں عنبر میں نے تم پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ تم سب کو دیکھ سکو گے مگر تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا اس قتل گاہ میں کسی کو معلوم نہیں کہ تم یہاں موجود ہو۔

اتنے میں ماریا کو لکڑی کے اوپر سر رکھنے کے بعد جکڑ دیا گیا جلاد اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اب وہ کپتان کے اشارے کا انتظار تھا کہ اشارہ ملے اور وہ کلہاڑا مار کر ماریا کا تن سر سے جدا کر دے عنبر وہاں سے ہٹا اور چپکے سے جلاد کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا جلاد کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ کوئی اس کے پیچھے بھی کھڑا ہے کسی کو بھی عنبر کے بارے میں پتہ نہ چل سکا اس لئے کہ لوگوں کے لئے تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

ایک سپاہی نے آ کر بادشاہ ہیروڈ کا حکم پڑھ کر سنایا جس میں لکھا تھا کہ ماریا اور اس کے باپ کو اس لئے قتل کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے باغی نبی یوحنا کا وعظ سنا ہے جو بادشاہ کے خلاف ہے لہذا بادشاہ کے حکم سے بغاوت کے جرم میں انہیں قتل کیا جاتا ہے۔

حکم سنانے کے بعد کپتان نے اشارہ کیا جلاد نے کلہاڑا اوپر اٹھایا ماریا کے بوڑھے باپ کی چیخ نکل گئی لیکن وہاں ایک عجیب بات ہو گئی

جونہی جلاد نے سر قلم کرنے کے لئے کلہاڑا اوپر اٹھایا عنبر نے پیچھے سے کلہاڑا پکڑ کر زور سے کھینچ لیا جلاد لڑکھڑا کر دور جا گرا عنبر نے وہی کلہاڑا جلاد کے بازو پر دے مارا جلاد کا بازو کٹ کر دور جا گرا۔ کپتان اور سپاہی حیرت سے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے صرف ایک کلہاڑے کو فضا میں اپنے آپ بلند ہو کر جلاد کا بازو کاٹتے اور پھر ایک طرف گرتے دیکھا تھا ماریا اور اس کا باپ بھی حیران ہو کر رہ گئے تھے انہوں نے سمجھا کہ یوحنا بزرگ ان کی مدد کو آ گیا ہے کپتان نے آگے بڑھ کر کلہاڑی اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی اور گرج کر کہا۔

دیکھتا ہوں کون سی آسمانی طاقت ان کو بچاتی ہے اس کے ساتھ ہی کپتان نے کلہاڑی اٹھا کر ماریا کی گردن پر مارنی چاہی عنبر نے پیچھے سے کپتان کی کمر میں اس زور سے لات ماری کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا گر گیا کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کے منہ سے خون

بینے لگا عنبر نے کلہاڑی اٹھا کر کپتان کے سر پر اس زور سے ماری کہ اسکا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ مر گیا یہ دیکھ کر سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا۔

سپاہی بھاگے بھاگے بادشاہ ہیروڈ کے دربار میں پہنچے اور انہوں نے اسے یہ ساری خبر سنائی بادشاہ اس وقت بڑے مزے سے دیوان پر بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا جب اسے کپتان کے قتل کا سارا واقعہ سنایا گیا تو وہ غصے میں آ کر کھڑا ہو گیا وہ اس سے پہلے بھی یوحنا بزرگ کے سخت خلاف تھا کیونکہ یوحنا شہر میں اس کے خلاف وعظ کر کے نفرت پھیلا رہا تھا اس نے کہا

ماریا اور اس کے باپ کو قید میں ڈال دو اور یوحنا نبی کو فوراً گرفتار کر کے میرے دربار میں پیش کرو۔

سپاہی اسی وقت دریائے اردن کے کنارے نکل گئے جہاں یوحنا نبی وعظ کرتا تھا۔

دوسرے سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو ایک زبردست قید خانے میں ڈال کر باہر کڑا پہرہ لگا دیا عنبر اس وقت بھی وہاں موجود تھا مگر اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ وہ غائب تھا سپاہی جب دونوں باپ بیٹی کو قید میں ڈال کر چلے گئے تو عنبر ان کے سامنے ظاہر ہو گیا ماریا اور بوڑھا اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عنبر تم کہاں۔؟

ماریا کو چونکہ عنبر کی چھپی ہوئی طاقت کا علم تھا اس لئے اسے حیرانی تو نہ ہوئی لیکن اس نے عنبر کا بے حد شکر ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کی جان بچ گئی عنبر نے کہا۔

یہ میری طاقت کی وجہ سے نہیں ہوا ماریا! بلکہ یوحنا نبی بزرگ کی دعاؤں کا اثر ہے مجھے یہ طاقت اسی بزرگ نے عطا کی ہے تاکہ میں

اس سے محبت کرنے والوں کو بادشاہ کے ظلم کا شکار ہونے بچا سکوں۔

ماریہ کے باپ نے پوچھا۔

لیکن بیٹا عنبر! اب تم ہمیں کس طرح بچا سکو گے بادشاہ نے ہمیں قید میں ڈال دیا ہے ہم یہاں ساری عمر قید میں رہ کر آہستہ آہستہ مر جائیں گے۔

آپ فکر نہ کریں اسکا بھی بندوبست ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر عنبر دوبارہ غائب ہو گیا۔

غائب ہو کر وہ قید خانے سے باہر آ گیا اور برآمدے میں ادھر ادھر پہرہ دیتے سپاہیوں کو غور سے دیکھنے لگا اس نے یہ ترکیب کی کہ باہر جا کر جیل خانے کے ایک حصے کو آگ لگا دی آگ کا لگنا تھا کہ اس طرف کے سارے سپاہی اور پہرے دار آگ بجھانے کے لئے دوسری جانب بھاگے قید خانے کا دروازہ لوہے کے مضبوط تالے سے

بند تھا عنبر فوراً ایک رومی سپاہی کا بھیس بدل کر سامنے آ گیا اس نے قید خانے کے دروازے کا تالہ توڑ دیا۔

جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلیں۔

ماریہ اور اس کا باپ وہاں سے نکل کر عنبر کے پیچھے پیچھے چل پڑے عنبر ان دونوں کو لے محل کے بڑے کمرے سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اسے روک کر پوچھا۔

ان قیدیوں کو کہاں لئے جا رہے ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

ادھر آگ لگ گئی ہے کپتان کے حکم سے ان قیدیوں کو دوسری جیل میں لے جا رہا ہوں وہ سپاہی مطمئن ہو گیا عنبر ان دونوں باپ بیٹی کو لے کر شاہی محل سے باہر آ گیا وہاں انہیں ایک رتھ کھڑا مل گیا عنبر نے ان کو تو رتھ میں بٹھایا اور خود اسے چلاتا ہوا محل کے باغ سے باہر نکل کر

ماریا کے گھر کی طرف گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے شہر کے مختلف بازاروں کے چکر کاٹ کر ان کا رتھ ماریا کی حویلی کے باغ میں آ کر رک گیا انہیں اندر لے جا کر عنبر نے کہا۔

حویلی کے تہہ خانے میں چھپ جائیں جب تک میں واپس نہ آؤں وہاں سے ہرگز ہرگز باہر نہ نکلیں۔

ماریا اپنے بچوں کو گلے لگا کر باپ کے ساتھ حویلی کے تہہ خانے میں آ گئی یہ تہہ خانہ ایک خفیہ جگہ پر تھا اور اگر اس کا دروازہ بند کر دیا جائے تو کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ وہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے یہاں زندگی کی ضروریات کی ساری چیزیں موجود تھیں انسان اگر سال بھر بھی وہاں رہنا چاہے تو باہر نکلے بغیر رہ سکتا تھا۔

عنبر رتھ پر سوار ہو کر واپس محل کے جانب چلا گیا۔

نبی کی کرامت

شاہی محل میں جا کر عنبر نے رتھ چھوڑ دیا۔

وہ باغ میں سے ہو کر ایک ویران کنوئیں کے پاس پہنچا اور اس نے کارمیلا کی روح کو بلا کر کہا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے اور اس نے بے گناہ باپ بیٹی کو ظالم بادشاہ ہیروڈ کے ظلم سے بچا لیا ہے کارمیلا کی روح نے عنبر سے کہا۔

تم نے ایک اچھا کام کیا ہے آسمان پر خدا تم سے خوش ہو گا ظالم کو اس کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

عنبر نے روح سے پوچھا۔

اے نیک روح مجھے یہ بتاؤ کہ میرا جگری دوست ناگ اس وقت کہاں

ہے وہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے اور میں اس کی تلاش میں ایک عرصے سے پریشان ہوں۔

روح نے کہا۔

تمہارا دوست ناگ پھنی اس وقت ناگن دیوی کے مندر میں ہے تم وہاں جا کر اس سے ملاقات کر سکتے ہو وہ بھی تمہاری تلاش میں پریشان ہے۔ تمہارا شکریہ کارمیلا! خدا حافظ!

خدا حافظ!

کارمیلا کی روح چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی عنبر اپنی اصلی شکل میں آ گیا شاہی محل سے نکل کر وہ سیدھا ناگن دیوی کے مندر کی طرف چل پڑا اب ذرا اس کے جگری دوست ناگ کا حال بھی سنیئے جس وقت وہ مندر کے دروازے پر پہنچا تو چھوٹے پجاری نے اسے دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ مندر میں بھکاریوں کے لئے کوئی جگہ نہیں اس لئے وہ وہاں سے بھاگ جائے ناگ پھنی کو بڑا غصہ آیا کہ اس پجاری کو کسی نے اخلاق سے بات کرنا بھی نہیں سکھایا اس نے سوچا کہ پجاری کو تھوڑا سا سبق سکھانا چاہیے بڑے پجاری کی موت کی خبر ابھی مندر میں نہیں پہنچی تھی ان لوگوں کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ ڈاکو بڑے پجاری کو لوٹ کر اپنے ساتھ اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

ناگ نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

مندر کے پجاری میں بھکاری نہیں ہوں میں ایک امیر سوداگر کا بیٹا ہوں اور مندر میں قربانی دینے کے خیال سے آیا ہوں۔

اس پر تو پجاری بہت خوش ہوا اور لگا اس کی خوشامدیں کرنے کیوں کہ جب امیر لوگ مندر میں قربانی دینے آتے تھے تو پجاریوں میں سونے کی اشرفیاں بھی تقسیم کرتے تھے۔

لیکن میں دو روز اس مندر میں ٹھہر کر اپنے والد کا انتظار کروں گا جو

قربانی کے دنبے اور بیل لے کر یہاں پرسوں پہنچے گے۔

پجاری نے خوش ہو کر کہا۔

ضرور ٹھہریں۔ جناب۔ یہ مندر سارے کا سارا آپ ہی کا ہے چاہے جتنی دیر ٹھہریں۔

ناگ نے مندر کی ایک کوٹھڑی میں بستر لگا لیا اسی روز وہ ناگن دیوی کے چبوترے کے آگے کھڑا اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک چھوٹا پجاری اندر داخل ہوا اس نے ذرا غصے اور ناراضگی سے کہا۔

تم ناگن دیوی کے بت کے آگے کیا کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں کوئی شخص بھی بغیر قربانی دیئے نہیں آ سکتا؟

ناگ نے کہا۔

میں دیوی کے درشن کرنے آیا ہوں۔

پجاری نے غصے سے کہا۔

ابھی تم درشن نہیں کر سکتے، پہلے قربانی کرو ہمیں سونے کی اشرفیاں لا کر دو پھر تمہیں دیوی کے درشن کی اجازت ملے گی۔

اتنے میں ناگن دیوی کے بت میں حرکت پیدا ہوئی اور آواز آئی۔

اے بدتمیز پجاری! میں ناگن دیوی بول رہی ہوں میری بات کو غور سے سن جس شخص کے ساتھ تو بدتمیزی کر رہا ہے وہ دیوتاؤں کا بیٹا ناگ شہزادہ ہے دیوتاؤں نے اسے خاص طور پر ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہمیں اس کی تلاش تھی اس کے پاؤں میں گر کر معافی مانگ کیونکہ آج سے یہ اس مندر کا بڑا پجاری ہے۔

یہ سن کر پجاری تو تھر تھر کانپنے لگا وہ ناگ پھنی کے قدموں میں گر پڑا۔

اے دیوتاؤں کے فرزند! مجھے معاف کر دو میرا قصور معاف کر دو تو آج سے اس مندر کا بڑا پجاری ہے اور میں تمہارا نوکر ہوں۔

ناگ پھنی نے بھی ناگن دیوی کی آواز سن لی تھی اسے بڑا پجاری جتنے

میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اسے اپنے دوست عنبر کی تلاش تھی۔ لیکن یہاں اسے زبردستی بڑا پجاری بنایا جا رہا تھا اس نے سوچا چلو پجاری بن جانے میں کیا حرج ہے شاید اسی طرح اسے اپنے دوست کو تلاش کرنے میں آسانی ہو، چنانچہ اسی روز سے وہ مندر کا بڑا پجاری بن گیا۔

اسے مندر کا پروہت بنے دوسرا تیسرا روز جا رہا تھا کہ تیسرے پہر عنبر اس کی تلاش میں مندر میں داخل ہوا عنبر سیدھا اس کوٹھڑی میں آیا جہاں وہ دونوں ایک دفعہ آ کر ٹھہرے تھے یہاں اسے ایک نوکر ملا۔

اس نے اسے ناگ پھنی کا حلیہ بتا کر اس کے بارے میں پوچھا۔

نوکر نے کہا وہ پجاری سے بات کرے۔

عنبر چھوٹے پجاری کے پاس آ گیا، چھوٹے پجاری نے کہا۔

اس مندر میں صرف ایک مسافر آیا تھا جو اس وقت مندر کا سب سے

www.pdfbooksfree.org

بڑا پجاری بن کر بیٹھ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

کیا میں بڑے پجاری سے مل سکتا ہوں۔

اس وقت وہ ناگن دیوی کی پوجا کر رہا ہے تم اسے کل مل سکو گے۔

عنبر بولا۔

کیا میں دور کھڑے ہو کر اس کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہوں۔

میرے ساتھ آؤ۔

پجاری عنبر کو ساتھ لے کر ناگن دیوی کے بت کے پاس آ گیا یہاں ناگ پھنی بڑے پجاری کے لباس میں آنکھیں بند کیے بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔

عنبر نے اسے صاف پہچان لیا تھا وہ اس کا جگری دوست ناگ پھنی تھا

عنبر ایک طرف کھڑا انتظار کرنے لگا ناگ کب عبادت ختم کرتا ہے کافی

دیر بعد ناگ نے عبادت ختم کر کے سر اوپر اٹھایا طشت میں سے سفید پھولوں کے ہار اٹھا کر ناگن دیوی کے آگے رکھے اور ہاتھ کر واپس چل پڑا جب وہ عنبر کے قریب سے گزرا تو اس کی اس پر نظر پڑی بس پھر کیا تھا دونوں دوست بازو پھیلا کر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے پھر ناگ یعنی عنبر کو اپنے ساتھ کوٹھڑی میں لے آیا اور اس نے سارے واقعات اسے شروع سے اخیر تک سنائے جب اس نے عنبر کو ڈاکوؤں کے سردار کے ہلاک ہونے کے بارے میں بتایا تو عنبر بولا۔

پیارے دوست! تم نے اس سنگدل قاتل ڈاکو کو ہلاک کر کے میرے دل کی آرزو پوری کر دی۔

یہی وہ ڈاکو تھا جس نے سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا تھا۔

پیارے عنبر! اب یہ بتاؤ کہ جس کام کو دل میں لے کر تم اس شہر میں

www.pdfbooksfree.org

آئے تھے وہ کب کرنا ہے یعنی یوحنا بزرگ سے ملاقات۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ نے اس کے وعظ سننے کی منادی کر دی ہے کیونکہ بزرگ یوحنا اس کے ظلم کی ناؤ ڈبونے کی فکر میں ہے۔

بہر حال ہم یوحنا نبی کے حضور میں ضرور چلیں گے۔

ضرور۔

انہوں نے اگلے روز یوحنا بزرگ سے ملنے کا عہد کیا اور سو گئے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے سپاہی یوحنا نبی اور ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ چھاپے انہوں نے راتوں رات مارے ماریا کی حویلی میں پہنچ کر انہوں نے ہر شے کو توڑ پھوڑ دیا غلاموں کو کنیزوں کو مار مار کر کچومر نکال دیا مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ کسی کو کوئی خبر نہیں کہ باپ بیٹی کہاں ہیں۔ تہہ خانے میں

دیر بعد ناگ تے عبادت ختم کر کے سر اوپر اٹھایا طشت میں سے سفید پھولوں کے ہار اٹھا کر ناگن دیوی کے آگے رکھے اور ہاتھ کر واپس چل پڑا جب وہ عنبر کے قریب سے گزرا تو اس کی اس پر نظر پڑی بس پھر کیا تھا دونوں دوست بازو پھیلا کر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے پھر ناگ یعنی عنبر کو اپنے ساتھ کوٹھڑی میں لے آیا اور اس نے سارے واقعات اسے شروع سے اخیر تک سنائے جب اس نے عنبر کو ڈاکوؤں کے سردار کے ہلاک ہونے کے بارے میں بتایا تو عنبر بولا۔

پیارے دوست! تم نے اس سنگدل قاتل ڈاکو کو ہلاک کر کے میرے دل کی آرزو پوری کر دی۔

یہی وہ ڈاکو تھا جس نے سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا تھا۔

پیارے عنبر! اب یہ بتاؤ کہ جس کام کو دل میں لے کر تم اس شہر میں آئے تھے وہ کب کرنا ہے یعنی یوحنا بزرگ سے ملاقات۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ نے اس کے وعظ سننے کی منادی کر دی ہے کیونکہ بزرگ یوحنا اس کے ظلم کی ناؤ ڈبونے کی فکر میں ہے۔

بہرحال ہم یوحنا نبی کے حضور میں ضرور چلیں گے۔

ضرور۔

انہوں نے اگلے روز یوحنا بزرگ سے ملنے کا عہد کیا اور سو گئے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے سپاہی یوحنا نبی اور ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ چھاپے انہوں نے راتوں رات مارے ماریا کی حویلی میں پہنچ کر انہوں نے ہر شے کو توڑ پھوڑ دیا غلاموں کو کنیزوں کو مار مار کر کچومر نکال دیا مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ کسی کو کوئی خبر نہیں کہ باپ بیٹی کہاں ہیں۔ تہہ خانے میں

لیکنیں ان کی پوری پوری خبر گیری کر رہی تھی سپاہی ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد ناکام ہو کر دریائے اردن کی یوحنا نبی کو گرفتار کرنے کے لئے چل پڑے۔

دریا کے کنارے آدھی رات کے بعد ستارے چمک رہے تھے۔

دریا کا پانی خاموشی سے بہہ رہا تھا ایک جگہ دریا کنارے کچھ لوگ ریت پر لیٹے سو رہے تھے اور کچھ سر جھکائے بیٹھے تھے یوحنا بزرگ دریا کے پاس کھڑا کچھ لوگوں کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے مار کر انہیں وعظ سنا رہا تھا اتنے میں وہاں شور مچ گیا۔

ہیروڈ کے سپاہی آ گئے............

ریت پر لیٹے ہوئے آدمی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور بیٹھے ہوئے آدمیوں نے ڈر کے مارے ادھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا سپاہیوں نے ہر طرف لوہے کے ہنٹر چلانے شروع کر دیئے لوگ زخمی ہو ہو کر گرنے لگے

ایک افراتفری سی چاروں طرف مچ گئی اس طوفان میں اگر کوئی شخص خاموش اور پرسکون کھڑا تھا تو وہ یوحنا نبی تھا۔

اس کی نیلی آنکھوں میں ستاروں کی چمک تھی چہرے پر سورج کا جلال تھا اور وہ ایک چٹان کی طرح دریا کنارے کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا سردار نے کہا۔

گرفتار کر لو اسے۔

سپاہی یوحنا نبی کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے ذرا ہچکچائے نبی کا جلال ان کا راستہ روک رہا تھا یوحنا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اسکے مقدس چہرے پر مسکراہٹ تھی سپاہیوں کے سردار نے انہیں ڈانٹا تو انہوں نے آگے بڑھ کر یوحنا کو گرفتار کر لیا۔ یوحنا خاموشی سے مسکراتا رہا اور گرفتار ہو کر سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔

اسکے پیچھے لوگوں نے شور مچایا۔ ہیروڈ کے خلاف نعرے لگائے

سپاہیوں نے پیچھے مڑ کر ان پر تیروں کی ایک بوچھاڑ کر دی کچھ زخمی ہو کر گرے اور باقی دریا کی طرف بھاگ گئے۔

سپاہیوں نے یوحنا کو لا کر قید خانے میں ڈال دیا یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا دن چڑھنے میں ابھی ایک پہر تھا کہ عنبر اور ناگ دونوں دوست نہا دھو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور یوحنا نبی کی زیارت کرنے دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یوحنا نبی کو شاہ ہیروڈ کے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے ہیں انہیں سخت ناامیدی ہوئی انہوں نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

ناگ نے کہا کہ شاہ ہیروڈ یوحنا کو بغاوت کے الزام میں ضرور شیروں کے آگے ڈال دے گا اس لیے ان کا فرض ہے کہ چل کر اسے قید سے آزاد کرا لیا جائے عنبر نے اس تجویز کو پسند کیا اور وہاں سے دونوں

شاہی محل کی طرف چل پڑے شاہی محل کے باہر اس طرف بڑا سخت پہرہ تھا جہاں یوحنا نبی کو قید کیا گیا تھا دونوں دوست ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ کس طریقے سے قید خانے میں جا کر یوحنا سے ملاقات کی جائے۔

سوائے اس کے کوئی ترکیب نہیں کہ میں تمہیں چڑیا بنا کر قید خانے کی سلاخوں پر بٹھا دیتا ہوں وہاں سے تم انسان کے روپ میں یوحنا نبی سے ملاقات کر لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ناگ پھنی نے عنبر کو ایک سرخ رنگ کی چڑیا میں تبدیل کر دیا چڑیا اڑ کر قید خانے کے اندر جا پہنچی یوحنا بزرگ دیوار کی طرف منہ کیے خدا کی عبادت کر رہا تھا اسکی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر نور ٹپک رہا تھا کوٹھڑی کے اندر اور کوئی نہیں تھا۔ عنبر انسان کی شکل میں آ کر قریب جا کر بولا۔

اے مقدس انسان۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کے لئے آیا ہوں میرے ساتھ یہاں سے نکل چلئے کیونکہ شاہ ہیروڈ کے حکم سے آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

یوحنا بزرگ نے آنکھیں کھول کر پیچھے دیکھا اور پر جلال آواز میں کہا۔

اے نوجوان میں اگر تمہارے ساتھ باہر چلا جاؤں تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی بند کر دوں گا۔ ہرگز نہیں میں ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرتا رہوں گا۔

شاہ ہیروڈ کے سپاہی مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے تم پھر مجھے یہاں سے نکال دو گے میں پھر ظلم کے خلاف بولوں گا اور سپاہی مجھے پھر گرفتار کر لیں گے تو اس کا تو کوئی انجام ہی نہ ہوگا پھر یہاں سے رہا ہونے کا کیا فائدہ ہے۔؟ تمہارا شکریہ مگر میں ظلم کی انتہا دیکھنا چاہتا ہوں۔

www.pdfbooksfree.org

عنبر نے کہا۔

مگر قاتل شہنشاہ کے سپاہی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

میرا معاملہ میرے خدا کے ہاتھوں میں ہے کسی بادشاہ کے ہاتھوں میں نہیں ہے جو خدا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔

عنبر وہاں سے واپس آ گیا اس نے ناگ پھنی کو بتایا کہ یوحنا بزرگ نے ساتھ آنے سے کس وجہ سے انکار کر دیا ہے ناگ پھنی بھی لاجواب ہو گیا کیونکہ یوحنا نبی کی باتیں بالکل ٹھیک تھیں۔ دوسرے روز شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ یوحنا بزرگ کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا جو لوگ یوحنا بزرگ کے خلاف تھے وہ بھاری تعداد میں اکھاڑے میں جمع ہو گئے عنبر قے ناگ سے کہا کہ اب یوحنا کو ہر حال میں بچانا چاہیے ناگ نے کہا میں وہاں موجود ہوں گا اگر شیروں نے نبی کو نقصان پہنچنے کی کوشش کی تو میں تمام شیروں کو ڈس کر ہلاک کر

دوں گا۔

ویسے میرا ایمان ہے کہ سچے نبی کو شیر کچھ نہیں کہا کرتے۔

عنبر نے کہا۔

بہر حال ہمیں یوحنا کی مدد کے لئے وہاں موجود ہونا چاہیے۔

اس روز اکھاڑا لوگوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا بادشاہ خود اکھاڑے میں ملکہ کے ساتھ موجود تھا یوحنا کو زنجیروں میں جکڑ کر میدان میں لایا گیا وہاں یوحنا کے حامی بہت تھوڑے تھے اور وہ بے چارے سوائے چپکے چپکے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

بادشاہ کے اشارے پر یوحنا نبی کے میدان میں لاتے ہی بھوکے شیروں کو پنجروں سے نکال دیا گیا۔

ٹھیک اس وقت ناگ پھنی ایک زہریلے ناگ کے روپ میں یوحنا بزرگ کے پاس ریت کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اور اس بات کا انتظار کر

رہا تھا کہ شیر یوحنا پر حملہ کریں تو وہ انہیں ڈس کر ہلاک کر دے عنبر نے انگوٹھی چوم کر کارمیلا کی روح سے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سے کہا تھا کہ میں ایک معمولی روح ہوں یوحنا خدا کے برگزیدہ نبی ہیں میرا کیا مقام اور میری کیا جرائت کہ ان کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکوں، ہاں اتنا ضرور بتا دوں کہ خدا اپنے پیاروں کی خود ہی حفاظت کرتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ بھوکے شیر دھاڑتے گرجتے پنجروں سے نکل کر میدان میں آئے اور یوحنا نبی کی طرف لپکے وہ کئی کئی روز سے بھوکے تھے اور کسی انسان کو کھانے کے لئے بے تاب تھے ادھر یوحنا نبی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی آنکھوں میں جلال تھا پیشانی پر سورج کی چمک تھی وہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ میدان میں کھڑے تھے شیر دھاڑتے ہوئے آئے اور یوحنا نبی کو دیکھ کر یوں دبک کر ایک طرف بیٹھ گئے جیسے ڈر گئے ہوں وہ زمین پر اپنا سر رکھے

لگے پھر چاروں شیر باری باری اٹھے یوحنا نبی کے پاس گئے سر جھکا کر ان کے پاؤں کو زبان سے چوما اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے یوحنا بزرگ نے شیروں کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ ایک شیر کے اوپر سوار ہو گئے اور انہوں نے میدان کا چکر لگایا اکھاڑے میں ایک شور مچ گیا لوگ یوحنا نبی کی کرامت سے متاثر ہو کر اس کے حق میں نعرے لگانے لگے بادشاہ نے حکمت اسی میں سمجھی کہ وہاں سے چلا جائے چنانچہ وہ چپکے سے کھسک گیا اور لوگ یوحنا نبی کے حق میں نعرے لگاتے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ روم کے لوگ ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔

www.pdfbooksfree.org

سلومی

عنبر اور ناگ مندر میں آ گئے۔

ناگ پھنی نے دوبارہ پجاری کا چولا پہن لیا اور عنبر ماریا اس کے باپ اور اگینس کا حال معلوم کرنے بوڑھے یہودی کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہاں ویرانی برس رہی تھی صحن میں ہر شے ٹوٹی پھوٹی پڑی تھی معلوم ہوا کہ ہیروڈ کے سپاہی ماریا اور اس کے باپ کو تلاش کرنے وہاں آئے تھے اور توڑ پھوڑ کر کے چلے گئے عنبر خفیہ راستے سے تہہ خانے میں آ گیا۔

ماریا اور اس کے باپ نے بے تابی سے پوچھا۔ کیا سپاہی چلے گئے۔ عنبر نے انہیں حوصلہ دیا مگر وہ دونوں بے حد پریشان تھے اگینس نے

مکڑے کا جال

شہزادی تھائیس کو عنبر نے کیسے ڈھونڈا اور مندر
مندر کا پجاری نے لڑکیوں کی قربانی کی آڑ میں
کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ رقاصہ اس کی چنگل سے
کیسے نکلی۔ اور عنبر نے لالچی پجاری کو سبق سکھانے
کے لئے کیا کیا؟

ابھی پڑھئے "اردو رسالہ" پر

عنبر کو بتایا کہ ماریا ساری رات روتی رہی ہے حقیقت بھی یہی تھی کہ دونوں باپ بیٹی بے حد ڈرے ہوئے تھے انہیں یقین تھا کہ وہ کسی وقت بھی پکڑے جائیں گے اور بادشاہ کے حکم سے ان کے سرتن سے جدا کر دیئے جائیں گے غلام بھی موقع غنیمت جان کر جدھر منہ اٹھایا بھاگ گئے باغ اجاڑ ہو کر رہ گیا۔ ایگنیں بھی اپنے باپ کے پاس جانے کو بے تاب تھی آخر عنبر نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کو ایگنیں کے گاؤں میں پہنچا دیا جائے جب تک بادشاہ ہیروڈ کا تختہ الٹ نہیں جاتا یہ وہیں رہیں اس کے بعد واپس سدوم شہر آ جائیں عنبر نے ماریا کے باپ سے مشورہ کیا تو اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

بیٹا! جس طرح بھی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکال دو، میں اس ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہتا ہوں اب میں یہاں نہیں رہوں گا عنبر نے جب کہا کہ وہ ایگنیں کے ساتھ اس کے شہر چلے جائیں تو

بوڑھے نے کہا۔

ہرگز نہیں عنبر۔ میں اس سلطنت میں ہی نہیں رہوں گا وہاں بھی بادشاہ کے سپاہی مجھے گرفتار کرلیں گے۔

پھر آپ کہاں جانا چاہتے ہیں۔؟

اگر تم کسی طرح مجھے اور میری بیٹی کو ایران پہنچا دو تو میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ ایران کے ایک گاؤں میں میرا ایک بھانجا رہتا ہے اس کی وہاں زمین بھی ہے اور باغ بھی ہیں میں اپنی بیٹی کے ساتھ زندگی کے باقی دن ایران کے گاؤں میں بسر کرنا چاہتا ہوں جہاں مجھے شاہ ہیروڈ کے سپاہیوں کا خوف نہ ہو۔

بہت اچھا۔ میں آپ کو اور ماریا کو ایران پہنچانے کی پوری پوری کوشش کروں گا آپ کل سورج نکلنے سے پہلے تیار رہیں اور ہاں ایگنیس تم بھی تیار رہنا میں راستے میں تمہیں تمہارے باپ کے حوالے کرتا جاؤں

www.pdfbooksfree.org

گا۔

بوڑھے باپ ماریا اور ایگنیس نے عنبر کے ہاتھوں کو چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا مندر میں ناگ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ وہ کل صبح ان لوگوں کو لے کر ایران کی طرف کوچ کرنا چاہتا ہے۔

ناگ نے اسے بتایا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے گا اس کا اتنا لمبا سفر اکیلے کرنا مناسب نہیں ہے چنانچہ انہوں نے راتوں رات دو اونٹوں اور دو گھوڑوں کا بندوبست کرلیا طے یہ ہوا کہ صبح ہونے سے پہلے منہ اندھیرے ان لوگوں کو حویلی میں سے نکال کر مندر میں لایا جائے گا اور یہاں سے ان کا مختصر سا قافلہ ملک ایران کی طرف کوچ کر جائے گا رات تھوڑی دیر کے لئے عنبر اور ناگ سو گئے آدھی رات کو ان کی آنکھ کھل گئی۔

عنبر نے ناگ کو تیار کیا کہ اور خود ماریا ایگنیس اور بوڑھے یہودی کو لینے حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہ لوگ پہلے ہی بیدار ہو کر بے چینی سے عنبر کا انتظار کر رہے تھے عنبر نے ان سب کو معمولی سے لبادوں میں چھپایا اور رات کے اندھیرے میں سدوم کی تاریک گلیوں میں سے گزرتے ہوئے انہیں مندر کے باغ میں لے آیا یہاں وہ کھجوروں کے اندھیرے جھنڈ میں رک گئے عنبر اندر گیا اور ناگ کو ساتھ لے آیا انہوں نے راستے کی ضرورت کے لئے مختصر سا سامان جھولے میں بند کر کے ایک اونٹ پر رکھ دیا تھا دونوں اونٹ اور دونوں گھوڑے باغ کے کونے میں تیار کھڑے تھے ماریا اور ایگنیس ایک اونٹ پر اور بوڑھا یہودی دوسرے اونٹ پر سوار ہو گئے عنبر اور ناگ الگ الگ گھوڑوں پر بیٹھ گئے ابھی صبح کی سپیدی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یہ قافلہ چپ چاپ شہر کے بازاروں میں سے گزرتا شہر سے باہر آ گیا۔

اب وہ کھیتوں میں سے گزر رہے تھے کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو انجیر اور انگوروں اور کھجوروں کے باغ شروع ہو گئے یہاں سے باہر نکلے تو سامنے ریت کے اونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے کافی آگے جا کر انہوں نے لکڑی کے ایک پل پر سے دریائے اردن کو عبور کیا اور صحرا میں ملک ایران کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا جب صبح ہوئی تو وہ شہر سدوم سے کافی دور نکل چکے تھے سورج کی روشنی میں سامنے ایک صحرا پھیلا ہوا تھا عنبر اور اس کا دوست ان تمام راستوں کو جانتے تھے جن پر قافلے سفر کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دن کے وقت سورج کی روشنی میں اور رات کے وقت قطبی ستارے کی مدد سے ایران کی طرف سفر کرتے گئے۔

دن کے وقت دوپہر تک وہ سفر کرتے اور پھر اس کے بعد کوئی مناسب اچھی سی جگہ دیکھ کر آرام کرتے جب دھوپ ڈھل جاتی تو دوبارا

سفر شروع کر دیئے تیسرے روز وہ اس گاؤں میں پہنچ گئے جہاں ایگنیس کا باپ رہتا تھا ماریا ناگ اور بوڑھے یہودی کو گاؤں سے باہر ہی کھڑا کر کے عنبر ایگنیس کو لے کر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ باپ نے اپنی بچی کو زندہ سلامت دیکھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور رو دیا ایگنیس نے عنبر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور وعدہ لیا کہ وہ ایک اچھے بھائی کی طرح کبھی کبھی ان کے گھر آ کر ان سے ضرور ملتا رہے گا عنبر نے وعدہ کیا اور اجازت لی اور باہر نکل گیا۔

گاؤں سے باہر ناگ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ بہت چوکس اور ہوشیار تھا کیونکہ شاہ ہیروڈ کی سلطنت کی حد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کسی وقت بھی خطرہ تھا کہ رومن سپاہی آ کر انہیں گھیر لیتے اس لئے وہ بہت محتاط ہو کر سفر کر رہے تھے عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ مختصر سا قافلہ ایک بار پھر سفر پر روانہ ہو گیا وہاں سے ایک رات اور دو دن کے سفر کے

بعد روم کی سلطنت کی حد ختم ہو گئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی انہیں دو دن اور ایک رات خطرے میں رہ کر سفر کرنا تھا۔

ناگ نے عنبر کو کہہ دیا تھا کہ اگر رومن سپاہی آ گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو وہ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اس خطرے سے بھرے ہوئے طویل سفر کے آخری دن شام ہو رہی تھی اور یہ لوگ رومیوں کی سرحد کو پار کرنے والے تھے کہ تین رومی سپاہیوں نے انہیں آ کر گھیر لیا۔ یہ سپاہی سرحد پر گشت کر رہے تھے انہیں شک ہوا کہ شاید یہ لوگ ڈاکو ہیں قریب آ کر ایک سپاہی نے ماریا کے باپ کو پہچان لیا وہ چلا اٹھا۔

ارے یہ تو وہی عورت اور بوڑھا ہے جس نے ہمارے کپتان کو ہلاک کیا ہے جس کے لئے بادشاہ نے انہیں زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔

عنبر ماریا اور اس کا باپ گھبرا گئے ناگ چوکس کھڑا تھا اس کا کام دکھانے کا وقت آ گیا تھا سپاہی ان کے قریب آئے اور انہوں نے نیزے اٹھا لئے اس دوران ناگ چپکے سے دوسری طرف کی جھاڑیوں میں کھسک گیا تھا جھاڑیوں میں اس نے پھنکار کر سانپ کا روپ بدلا اور دوبارہ اس جگہ آ گیا جہاں رومن سپاہی عنبر اور ماریا وغیرہ کو زنجیروں میں جکڑ رہے تھے پہلے سپاہی نے کہا۔

وہ غلام کہاں چلا گیا جو ابھی یہاں کھڑا تھا؟ دوسرے سپاہی نے کہا۔

وہ جہاں کہیں بھی جائے گا ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔

ناگ پھنی ٹھیک اس وقت ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا، سپاہی عنبر اور اسکے ساتھیوں کو گھوڑے اور اونٹوں کی مہاریں تھام کر واپس لے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ناگ نے آن کی آن میں ان دونوں

سپاہیوں کو پنڈلیوں پر ڈس دیا سانپ خود بھاگ کر واپس جھاڑیوں میں گھس گیا اور دونوں سپاہیوں کے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ سانپ کا زہر بڑا مہلک تھا ڈستے ہی سپاہیوں نے اردگرد دیکھا انہیں سانپ تو نظر نہ آیا ان کی پنڈلیوں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے زہر اپنا کام کر چکا تھا خون زہریلا ہو کر جم رہا تھا دیکھتے دیکھتے دونوں سپاہی بے جان لاشیں بن کر زمین پر ڈھیر ہو گئے ماریا اور اس کا باپ حیران تھا کہ یہ سانپ کدھر سے آ گیا ہے اور کدھر کو چلا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ناگ پھنی مسکراتا ہوا جھاڑیوں سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا ماریا نے اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی سی سرخ چمک دیکھی اس کے بعد یہ قافلہ اب رومیوں کی سرحد سے نکل کر ایران کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا ساری رات سفر کرتے رہے اور دن نکلنے سے ذرا پہلے ایران کے ملک میں داخل ہو گئے ماریا کا باپ

www.pdfbooksfree.org

شاہ ہیروڈ کو پتہ چلا کہ سلوی اس کے محل میں آئی ہے تو وہ خود چل کر اس سے ملنے گیا سلوی کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کے ساتھ شادی کر لینی چاہیے تا کہ وہ اس کے محل سے کبھی واپس نہ جا سکے مگر اس نے اپنے دل کا بھید کسی کو نہ دیا اس نے رات کو سلوی کے لئے ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا اس دعوت میں شاہی محل کے تمام شہزادے شہزادیاں فوج کے اعلیٰ افسر اور دوسرے درباری شریک ہوئے دعوت آدھی رات تک جاری رہی۔

ایک موقع پر بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سلوی کو شاہی محل کے ایک طرف مہندی کی جھاڑیوں کے قریب لے گیا پورا چاند آسمان پر نکلا ہوا تھا بادشاہ سلوی سے باتیں کرنے لگا باتوں ہی باتوں میں اس نے سلوی کو بتایا کہ وہ اپنی ملکہ سے تنگ آ چکا ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ بہت لڑائی جھگڑا کرتی ہے اس کے حکم کو نہیں مانتی اور بچوں کے سامنے

اسے جھاڑتی اور ڈانٹ پلا دیتی ہے۔

سلوی ہنس پڑی اور بولی۔

آپ کیسے بادشاہ ہیں کہ ایک ملکہ کو بھی اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے ؟

پھر آپ رعایا پر کیسے حکم چلاتے ہیں۔؟

بادشاہ نے کہا۔

سلوی یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے کہ میں لوگوں پر حکم چلاتا ہوں مگر ملکہ پر حکم نہیں چلا سکتا سارے لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں میرے حکم پر تھر تھر کانپتے ہے مگر ملکہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا میں تو اس سے تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔

سلوی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

سدوم کا بادشاہ ہیروڈ تو باقی دنیا میں ایک ظالم بادشاہ مشہور ہے لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی بیوی سے اس طرح ڈرتا ہے جس

طرح چوہا بلی سے ڈرتا ہے تو میرا خیال ہے وہ آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں۔

بادشاہ نے سلومی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ایسا نہ کہو سلومی اگر کسی نے سن لیا تو میری بڑی بے عزتی ہوگی میں آج تک صرف اپنی عزت کی وجہ سے خاموش ہوں ورنہ اس ملکہ کی بچی کو ایسا مزہ چکھاؤں کہ ساری عمر یاد کرتی رہے۔

آپ ملکہ کو اس کے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں پہنچا دیتے۔

بادشاہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

سلومی اگر تم مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کرلو تو میں آج ہی ملکہ کو شاہی محل سے نکال کر باہر پھینک دوں خدا کے لئے بولو کیا تمہیں یہ رشتہ منظور ہے۔

سلومی قہقہے لگا کر ہنسنے لگی بادشاہ ہیرو ڈاس کا منہ دیکھتا رہ گیا سلومی نے

کہا۔

اگر میں یہ بات ابھی جا کر ملکہ سے کہہ دوں تو آپ کیا کریں گے ملکہ تو ساری بھری دعوت میں آپ کو مارنا شروع کر دے گی کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔

بادشاہ نے کہا۔

نہیں نہیں! خدا کے لئے ایسا نہ کرنا ایسا ظلم نہ کرنا، ملکہ بھری مجلس میں میری بے عزتی کر دے گی اور شریف آدمی کی ایک بار بے عزتی ہو جائے تو پھر عزت واپس نہیں آتی خدا جانے طیش میں آکر پھر میں بھی اسے قتل کر بیٹھوں ایسا ہرگز نہ کرنا تم مجھے یہ بتاؤ کیا تمہیں یہ بات منظور ہے میں تمہیں اپنی ملکہ بنا لوں گا تم سدوم شہر کی مالک ہوگی سلطنت کا سارا کام تمہارے سپرد ہوگا تم چاہے سیاہی کرنا چاہے سفیدی کرنا تم اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو بھی شاہی محل میں

لے آنا، میں ان کو بڑی بڑی زمینیں اور باغ انعام میں دوں گا وہ ساری زندگی عیش و آرام کریں گے تم سونے کا تاج پہن کر میرے ساتھ تخت پر بیٹھنا، بولا۔ کیا تمہیں منظور ہے۔

سلومی نے غور سے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا۔

میں سوچ کر بتاؤں گی۔

اور یہ کہہ کر تتلی کی طرح اڑتی ہوئی ملکہ اور دوسرے شہزادیوں کے پاس جا کر باتیں کرنے لگی اور قہقہے لگانے لگی ملکہ نے بادشاہ کو سلومی کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ لیا تھا وہ جل بھن کر کباب ہو گئی تھی اس نے فوراً ایک طرف کھسک کر بادشاہ کے قریب جا کر پوچھا کہ وہ اس کی رشتے دار عورت سلومی سے کیا باتیں کر رہا تھا بادشاہ نے یوں ہی جھوٹ بولا کہ وہ اس سے اپنی ملکہ کی تعریف کر رہا تھا ملکہ نے مکار

نگاہوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا وہ سوچ رہی تھی کہ بادشاہ مر بھی جائے تو کسی دوسری عورت کے سامنے اس کی تعریف کبھی نہیں کرے گا۔

ملکہ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ سلومی کے بارے میں آئندہ سے احتیاط برتے گی اور اسے اتنا موقع نہیں دے گی کہ وہ بادشاہ کے ساتھ کھلم کھلا باتیں کر سکے سلومی کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ملکہ اس سے محتاط ہو گئی ہے مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ اس کو بادشاہ ہیروڈ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس نے کبھی خواب میں بھی اس کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

پراسرار تہہ خانہ

دونوں دوست دن چڑھے دریائے اردن کے کنارے پہنچ گئے وہ اس طرف محض اس خیال کے ساتھ آئے تھے کہ وہاں یوحنا نبی کی زیارت کرسکیں گے مگر دریا پر کوئی نہیں تھا صرف چند ایک لوگ زمین پر بیٹھے خدا کی عبادت کررہے تھے انہوں نے ایک آدمی سے یوحنا نبی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یوحنا نبی ابھی ابھی شہر کی طرف گئے ہیں دونوں دوست بھی شہر کی طرف چل پڑے شہر میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی عنبر اور ناگ مختلف بازاروں میں سے ہو کر ایک چوک میں پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک جمگھٹا دیکھا وہ بھی وہاں آ

گئے کیا دیکھتے ہیں کہ یوحنا نبی ایک چبوترے پر کھڑے وعظ کررہے ہیں۔

سنو اے سدوم کے لوگوں۔ گناہ کا بدلہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مل کررہتا ہے سچائی اور نیکی ضائع نہیں جاتی نیک لوگ نیک جنت میں جائیں گے اور گناہ گار جہنم میں ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوگا بادشاہ ہیروڈ اپنے عوام کی غربت سے بے خبر ہو کر عیش و عشرت میں پڑ گیا ہے لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور وہ آرام سے شاہی محل میں سو رہا ہے وہ خدا کے حکم کے خلاف چل رہا ہے خدا اسے اس گناہ کی سزا دے گا..............

عنبر اور ناگ بھی ایک طرف کھڑے ہو کر یوحنا نبی کا وعظ سننے لگے۔

اس روز سلومی بھی شاہی محل سے باہر نکل آئی تھی اس نے اپنی کنیزوں اور شہزادیوں سے سن رکھا تھا کہ یوحنا نبی شہر میں گھوم پھر کر بادشاہ کے

ظلم اور ناانصافیوں کے بارے میں وعظ کرتا ہے اس نے یہ بھی سنا تھا کہ ایک بار بادشاہ کے حکم سے یوحنا نبی کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا گیا تو شیروں نے یوحنا کے آگے سجدہ کیا اور یوحنا ان پر سوار ہو کر میدان سے باہر آ گیا سلومی نے سوچا شہر میں چل کر یوحنا کو دیکھا جائے کہ وہ کون سا ایسا نڈر اور بہادر نبی ہے جس کو بادشاہ کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

چنانچہ اسی روز سلومی نے ایک معمولی کسان عورت کا بھیس بدلا اپنی خاص کنیز ازابیلا کو ساتھ لیا اور شاہی محل کے چور دروازے سے نکل کر شہر میں آ گئی وہ لوگوں سے پوچھتے ہوئے اس چوک میں آ گئی جہاں یوحنا وعظ کر رہے تھے لوگوں کا ہجوم ان کے گرد جمع تھا اور وہ چبوترے پر کھڑے ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے لوگوں کو بادشاہ کے ظلم کے خلاف بھڑکا رہے تھے ان کے چہرے پر آسمانی جلال تھا آنکھوں

میں سچائی کی چمک تھی پیشانی پر خدائی نور تھا سلومی لوگوں کے ہجوم میں گھس کر آگے آ کر یوحنا نبی کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

یوحنا تقریر کر رہے تھے کہ انہوں نے اچانک سلومی کی طرف دیکھا اور ایک دم اسے پہچان لیا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

لوگو! یہ ہے وہ عورت جو گناہ کا پٹارہ ہے اور بادشاہ ہیروڈ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یہ بھی گناہ کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک ناگن ہے اس کو خدا کا خوف دلاؤ اس کو عبرت دلاؤ۔........

لوگوں نے پلٹ کر سلومی کو دیکھا اور پہچان لیا کہ وہ کسان عورت کے معمولی سے لباس میں شاہی محل کی ایک شہزادی ہے وہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے سلومی پر حملہ کر دیا عنبر اور ناگ نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً سلومی کی مدد کو لپکے۔

انہوں نے سلومی کو پکڑ کر کندھوں پر اٹھا لیا اور ہجوم میں سے نکال

کر باہر لے آئے اور گھوڑے پر بٹھا کر اسے شاہی محل کی طرف لے گئے سلومی نے محل کی دیوار کے پاس گھوڑے پر سے اتر کر دونوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

تم دونوں نے میری جان بچائی ہے اس لئے میں تمہاری شکر گزار ہوں زندگی میں اگر کوئی ایسا وقت آیا تو میں تمہارے احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گی۔

سلومی محل کے اندر چلی گئی اور عنبر اور ناگ وہاں سے واپس اس چوک کی طرف آ گئے جہاں یوحنا نبی وعظ کر رہے تھے وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک افراتفری مچی ہوئی تھی شاہ ہیروڈ کے سپاہی لوگوں پر ہنٹر چلا رہے تھے اور لوگ ادھر ادھر دکانوں میں بھاگ کر پناہ لے رہے تھے یوحنا نبی وہاں نہیں تھے شاید وہ وہاں سے دریا کی طرف اپنے جھونپڑے میں چلے گئے تھے۔

عنبر اور ناگ دریا کی طرف آ گئے یوحنا نبی دریا کے کنارے کھڑے تھے اور پانی کی پر سکون لہروں کو تک رہے تھے عنبر اور ناگ ان کے پیچھے بڑے ادب سے جا کر کھڑے ہو گئے یوحنا نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

تم لوگوں نے ایک ظالم بادشاہ کا ساتھ دیا ہے تم لوگ خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگو لیکن تم نے ایک عورت کی جان بچائی ہے شاید خدا تمہیں معاف کر دے۔

پھر یوحنا نے پلٹ کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو تمہارے نامہ اعمال میں قتل بھی ہیں اور نیکیاں بھی ہیں۔

پھر ناگ پھنی کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم نے سانپ بن کر لوگوں کو ہلاک کیا ہے لیکن تم نے کچھ اچھے کام بھی

کئے ہیں جن کے عوض ہو سکتا ہے خداوند کریم تمہیں بخش دے۔

عنبر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے یوحنا نبی نے ان کے بارے میں ایک ایک بات درست بتائی تھی اس کے نبی ہونے پر کوئی شک نہیں تھا دونوں دوستوں نے آگے جھک کر یوحنا نبی کا دامن چوم لیا یوحنا نے ان کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا۔

ظلم کا کبھی ساتھ نہ دینا، ظلم کو خدا پسند نہیں کرتا میری ساری زندگی ظلم کے خلاف جہاد میں گزرے گی اگر اس نیک کام کی راہ میں مجھے ہلاک بھی کر دیا جائے تو مجھے افسوس نہیں ہوگا..........

پھر انہوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

میری بات غور سے سن رکھو۔ میرے بعد اس دنیا میں ایک عظیم نبی آئے گا جو مجھ سے بھی ہزار گناہ عظیم ہوگا جو ساری دنیا کے لئے رحمت اور محبت کا پیام لائے گا تم لوگ گواہ رہنا اور عظیم پیغمبر پر ایمان لے آنا

اور میرا عقیدت بھرا اسلام اس عظیم ہستی کے قدموں تک پہنچا دینا، کاش میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے زندہ رہتا مگر خدا کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دے سکتا وہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں ....اب تم جا سکتے ہو۔

عنبر اور ناگ نے جھک کر یوحنا کے قدموں کی خاک کو بوسہ دیا اور الٹے پاؤں انتہائی ادب اور احترام کے ساتھ واپس آ گئے۔

وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مندر میں پہنچ گئے ناگ نے کہا۔

یوحنا خدا کا نبی ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کے خدا پر بھی ایمان لاتا ہوں میں آج سے بتوں کی پوجا نہیں کروں گا۔

عنبر نے کہا۔

تم بھی میرے گواہ رہنا، میں یوحنا نبی کو خدا کا نبی تسلیم کرتا ہوں اور اس کے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہوں میں نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی

ہے میں دیوتاؤں کی پوجا کرتا رہا ہوں آج سے میں دیوتاؤں کی پوجا بھی بند کرتا ہوں اور خدا کی عبادت کرتا ہوں۔

مندر میں جا کر ناگ ناگن دیوی کے بت کے آگے کھڑا ہو گیا اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک اور رعب تھا کہ ناگن دیوی کا بت کانپنے لگا ناگ اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا وہاں عنبر گہری نیند سو رہا تھا ناگ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کبھی کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ نہیں اتارے گا کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دے گا ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرے گا اور غریبوں کے ساتھ ان کے دکھ درد بانٹے گا۔

ادھر سلومی بڑے غصے کے عالم میں شاہی محل پہنچی وہ یوحنا نبی کو اپنا دشمن سمجھنے لگی تھی اس کا دل یوحنا سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے بے چین ہو رہا تھا وہ اپنے ریشمی بستر پر لیٹی بے قراری سے پہلو بدل رہی تھی کہ اس کی کنیز ازابیلا اندر آ گئی اس نے کنیز کو بلا کر کہا۔

www.pdfbooksfree.org

ازابیلا بادشاہ کہاں ہیں؟

کنیز نے کہا۔

وہ ابھی ابھی دربار سے فارغ ہو کر اپنے خاص کمرے میں گئے ہیں۔

سلومی نے تالی بجا کر کہا۔

فوراً بادشاہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اگر ہو سکے تو ایک پل کے لئے سلومی کے پاس آ کر اس کی بات سن جائیں اور سنو! یہ بات راز داری سے بادشاہ کو کہنا ہرگز ہرگز کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

بہت بہتر حضور!

راز دار کنیز سلومی کا پیغام لے کر بادشاہ کے خاص کمرے کی طرف چلی گئی بادشاہ ہیروڈ اس وقت ایک غیر ملکی سفیر سے کچھ ضروری باتیں کر رہا تھا کنیز اندر داخل ہو کر ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی بادشاہ نے سلومی کی کنیز کو پہچان لیا تھا اس نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیا بات ہے ازابیلا؟ تم کیسے آئی ہو؟

بادشاہ سلامت آپ سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

شاہ ہیروڈ سمجھ گیا کہ سلومی نے کوئی خاص پیغام بھجوایا ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگئی ہو۔ اس نے غیر ملکی سفیر کو جلدی سے رخصت کردیا اور ازابیلا کو قریب بلا کر پوچھا۔

ہاں ازابیلا اب بتاؤ، سلومی نے کوئی پیام بھیجا ہے۔؟

ازابیلا نے ادھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا ہاں بادشاہ سلامت وہ آپ کو اپنے کمرے میں یاد کررہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

اسے کہو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔

کنیز نے جھک کر سلام کیا اور واپس سلومی کو جا کر بادشاہ کا پیغام سنا دیا اب سلومی بے چینی سے شاہ ہیروڈ کا انتظار کرنے لگی تھوڑی دیر بعد

ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور شاہ ہیروڈ انگلیوں میں ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں والے اندر داخل ہوا سلومی نے جھک کر آداب کہا بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ تھام کر چوما اور پوچھا۔

کیا حسین ترین سلومی نے مجھ کو یاد فرمایا ہے۔؟ سلومی نے مسکرا کر کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور اس لئے یاد کیا ہے کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

شاہ ہیروڈ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اس کو کبھی یہ امید نہ تھی کہ سلومی جیسی شوخ اور خود سر لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر اتنی جلدی راضی ہو جائے گی اس نے سلومی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

سلومی! اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں میں اس سارے علاقے کا بادشاہ ہوں میرے پاس

کیا بات ہے ازابیلا؟ تم کیسے آئی ہو؟

بادشاہ۔ سلامت آپ سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

شاہ ہیروڈ سمجھ گیا کہ سلومی نے کوئی خاص پیغام بھجوایا ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگئی ہو۔ اس نے غیر ملکی سفیر کو جلدی سے رخصت کر دیا اور ازابیلا کو قریب بلا کر پوچھا۔

ہاں ازابیلا اب بتاؤ، سلومی نے کوئی پیام بھیجا ہے۔؟

ازابیلا نے ادھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا ہاں بادشاہ سلامت وہ آپ کو اپنے کمرے میں یاد کر رہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

اسے کہو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔

کنیز نے جھک کر سلام کیا اور واپس سلومی کو جا کر بادشاہ کا پیغام سنا دیا اب سلومی بے چینی سے شاہ ہیروڈ کا انتظار کرنے لگی تھوڑی دیر بعد

ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور شاہ ہیروڈ انگلیوں میں ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں والے اندر داخل ہوا سلومی نے جھک کر آداب کہا بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ تھام کر چوما اور پوچھا۔

کیا حسین ترین سلومی نے مجھ کو یاد فرمایا ہے۔؟ سلومی نے مسکرا کر کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور اس لئے یاد کیا ہے کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

شاہ ہیروڈ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اس کو کبھی یہ امید نہ تھی کہ سلومی جیسی شوخ اور خود سر لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر اتنی جلدی راضی ہو جائے گی اس نے سلومی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

سلومی! اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں میں اس سارے علاقے کا بادشاہ ہوں میرے پاس

دولت کی کوئی کمی نہیں مگر جتنی خوشی مجھے اس وقت ہوئی ہے کبھی نہیں ہوئی تھی مجھے اپنے آپ پر اور اپنی خوش قسمتی پر فخر محسوس ہو رہا ہے

چالاک سلومی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر میری ایک شرط ہے۔

شاہ ہیروڈ نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

میں تمہاری ہر شرط کو مان لینے پر تیار ہوں تم ڈگر کہو کہ میں تمہیں آسمان سے تارے توڑ کر لا دوں تو میں تمہارے قدموں میں آسمانی تاروں کا ڈھیر لگا دوں اگر تم کہو کہ تمہیں ساری دنیا کے خزانے چاہئیں تو میں تمہارے ارد گرد سونے چاندی اور جواہرات کے پہاڑ کھڑے کر دوں گا تم اگر کہو کہ تمہیں چاند کی خواہش ہے تو میں آسمان کے سینے سے چاند کو نوچ کر تمہارے ڈمن میں رکھ دوں گا تم اپنی زبان سے شرط بیان کرو میں اسے ابھی پورا کئے دیتا ہوں میں تمہارے حکم کا

انتظار کر رہا ہوں تم حکم کرو کہ تمہیں کیا چاہیے میں ایک طویل پل کے اندر اندر تمہاری خواہش پوری کر دوں گا۔

احمق بادشاہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ سلومی کیا چال چل رہی ہے وہ جذبات میں آ کر بولے جا رہا تھا اس کی ہر شرط کو قبول کرنے کے وعدے کئے جا رہا تھا جب اس نے سلومی سے اس کی شرط کے بارے میں پوچھا تو سلومی نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

کیا آپ میری شرط پوری کر دیں گے۔

میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا۔ تم کہو تو سہی۔

سلومی نے کہا۔

تو پھر مجھے یوحنا نبی کا سر کاٹ کر لا دو۔

شاہ ہیروڈ ایک دم سکتے میں آ گیا اسے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ سلومی اس سے اس قسم کی خوفناک خواہش کا اظہار کرے گی اس میں کوئی شک

نہیں تھا کہ یوحنا نبی بادشاہ کا دشمن تھا لیکن شاہ ہیروڈ یوحنا نبی سے ڈرتا تھا وہ اکھاڑے میں اس کی کرامت دیکھ چکا تھا اسے دل سے یقین ہو گیا تھا کہ یوحنا خدا کا نبی ہے اس کے علاوہ لوگ بھی یوحنا سے محبت کرتے تھے اگر وہ یوحنا کو ہلاک کر دے تو سارے سدوم کے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر دیتے وہ ڈر گیا، اور سوچ میں پڑ گیا، اسے پریشان دیکھ کر سلومی تے کہا۔

تم ڈر گئے ہو اتنے بڑے بادشاہ ہو کر تم ایک عورت کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے؟ اور پھر یوحنا تو تمہارا دشمن ہے وہ تو تمہارے خلاف بازاروں میں وعظ کرتا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

یہ ٹھیک ہے سلومی یوحنا میرے خلاف بازاروں میں جا کر لوگوں کو بغاوت پر اکساتا ہے مگر وہ............ میرا مطلب ہے مجھے یوں

محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔

سلومی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

تم ایک بزدل بادشاہ ہو تمہیں سلومی کے ساتھ شادی کرنے کا کوئی حق نہیں سلومی تم جیسے لوگوں سے نفرت کرتی ہے اسے بہادر بادشاہ پسند ہیں میں ایک بہادر غلام سے شادی کر لوں گی مگر ایک بزدل بادشاہ کی بیوی بننا ہرگز گوارا نہ کروں گی۔

یہ کہہ کر سلومی کمرے سے باہر نکلنے لگی تو بادشاہ نے اسے روک کر کہا۔

اتنی جلدی نہ کرو سلومی۔ مجھے سوچنے کا موقع دو سلومی نے کہا۔

میں جانتی ہوں تم کیا سوچو گے تم یہی سوچو گے کہ تمہیں سلومی کی شرط قبول نہیں ہے تم بزدل ہو، تم کمزور دل بادشاہ ہو میں تم سے کبھی بیاہ نہیں کروں گی کبھی نہیں کروں گی۔

سلومی غصے میں بڑی تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی بادشاہ

کمرے میں اکیلا رہ گیا وہ بے حد پریشانی کے عالم میں فرش پر ٹہلنے لگا پھر وہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا کھڑکی میں سے شہر کا سارا منظر دکھائی دے رہا تھا مکانوں کی چھتوں اور بازاروں میں خوب رونق تھی دور پہاڑی ٹیلوں پر زیتون اور انجیر کے درخت ہوا میں لہرا رہے تھے یوحنا نبی کا سر کاٹ کر لانے کی شرط لگا کر سلومی نے اسے ایک سخت اور کٹھن آزمائش میں ڈال دیا تھا اگر وہ انکار کرتا ہے تو سلومی سے بیاہ نہیں کر سکتا اور اگر ہاں کرتا ہے تو اس میں اتنی ہمت نہیں کہ ایک خدا کے نیک نبی کا سر کاٹ کر لا سکے۔

بادشاہ پریشانی کے ساتھ سلومی کے کمرے سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا وہ ساری رات یہی سوچتا رہا کہ سلومی کی شرط کیسے منظور کرے اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر اس نے یوحنا کا سر کٹوا دیا تو اس کی سلطنت پر ضرور تباہی آ جائے گی کیونکہ یوحنا خدا کا سچا نبی ہے ساری

رات یہی سوچتے گزر گئی دن چڑھا تو سورج کی روشنی میں بادشاہ نے ایک دم فیصلہ کر لیا کہ وہ سلومی کی خواہش ضرور پوری کر دے گا خواہ اس کے عوض اس کی ساری سلطنت تباہ ہو جائے مگر سلومی سے بزدلی کا طعنہ کبھی نہیں سنے گا۔

وہ یوحنا کا سر کاٹ کر سلومی کو پیش کر دے گا۔

اس فیصلے کے ساتھ ہی اس نے خاص غلام کو بھیج کر سلومی کو اپنی خواب گاہ میں بلوایا۔

سلومی صرف تمہاری خوشنودی کی خاطر میں تمہاری شرط کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہیں یوحنا نبی کا سر کاٹ کر پیش کر دوں گا کیا اب تم خوشی سے میرے ساتھ شادی کر لو گی۔

سلومی کو شاہ ہیرودڈ جیسے بزدل بادشاہ سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی ایک بہادری کا کام کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا جب بادشاہ

نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا اسے شاہ ہیروڈ سے شادی کرنے کی کوئی خوشی نہیں تھی خوشی اسے صرف اس بات کی تھی کہ اس نے یوحنا سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے اس نے شاہ ہیروڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے بادشاہ! یہ فیصلہ کر کے تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بہادر بادشاہ ہو اور اس قابل ہو کہ سدوم کے عظیم شہر پر حکمرانی کر سکو مجھے یہ بتاؤ کہ یوحنا کا سر مجھے کب پیش کیا جائے گا۔

بادشاہ نے اپنے ماتھے پہ آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

بہت جلد۔ بہت جلد۔

سلومی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

جس روز تم یوحنا کا سر کاٹ کر پیش کرو گے میں تمہارے ساتھ شادی کا اعلان کر دوں گی۔

بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ چوم لیا اور منہ دوسری طرف کر لیا اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے اسکا ضمیر اسے بار بار ملامت کر رہا تھا مگر اس نے ایک گھناؤنا فیصلہ کر لیا ایک ایسا گھناؤنا فیصلہ کہ جس پر تاریخ آج بھی اسے ایک ظالم حکمران کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔

سر کاٹ لاؤ

بادشاہ نے یوحنا نبی کا سر کٹوانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

لیکن وہ یہ کام بڑے خفیہ طریقے سے کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سب سے زیادہ کوشش یہی تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اس نے اپنے خاص سپہ سالار سے اس کا ذکر کیا یہ سپہ سالار یوحنا نبی کا دشمن تھا، کیونکہ اس کے ایک ماننے والے نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا

بادشاہ نے سپہ سالار کو ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ وہ یہ کام کرتے ہوئے ڈرتا ہے لوگوں کی بغاوت سے بھی اور اپنے ضمیر سے بھی ، اس لئے یہ کام انتہائی خفیہ طریقے سے ہونا چاہیے۔

سپہ سالار نے کہا۔

بادشاہ سلامت آپ بالکل مطمئن رہیں میں ایسا انتظام کروں گا کہ شہر میں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی کہ یوحنا نبی کہاں چلا گیا ہے اور اس کا سر بھی کاٹ کر سلومی کو پیش کر دیا جائے گا۔

بادشاہ نے تشویش سے کہا۔

مگر لوگ کس طرح مطمئن ہوں گے کہ ان کا بزرگ نبی کس جگہ ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں اپنے آدمی لوگوں میں ڈال کر مشہور کرا دوں گا کہ یوحنا نبی سدوم چھوڑ کر راتوں رات ایران چلے گئے ہیں وہ لوگ کہیں گے کہ وہ خود ایران کے ایک شہر میں یوحنا سے مل کر آ رہے ہیں۔

بادشاہ سپہ سالار کی اس عقل مندی پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے کہا۔

پھر یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالو میں اس سلسلے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا جتنی دیر لگے گی اس راز کے کھل جانے کا خطرہ ہے اور اگر

ایک بار کسی کو علم ہو گیا کہ ہم یوحنا نبی کا سر کاٹنا چاہتے ہیں تو ساری رعایا شاہی محل میں گھس کر ہر طرف آگ لگا دے گی۔

یہ کام بہت جلد ہو جائے گا بادشاہ سلامت!

سپہ سالار نے پہلا کام یہ کیا کہ دس بہترین جوان اور طاقت ور آدمیوں کو معمولی لباس پہنا کر دریا کے کنارے یوحنا نبی کی جھونپڑی پر حملہ کرنے کی سازش کی، ان دس آدمیوں کو ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس کر کے آدھی رات کو یوحنا کی جھونپڑی کی طرف روانہ کر دیا اس رات آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بڑی تیز ہوا چل رہی تھی آدھی رات کے وقت بجلی چمکنے لگی اور بادل گرجنے لگے پھر بوندا باندی شروع ہو گئی۔

دس جاسوس یوحنا کو گرفتار کرنے دریا کے کنارے چھپ کر پہنچے تو موسلا دھار بارش شروع ہو گئی انہوں نے اپنے گھوڑوں کو انجیر کے

جھنڈ میں چھپایا اور دبے پاؤں چل کر جھونپڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ بارش کے طوفان کی وجہ سے وہاں کوئی آدمی نہیں تھا جھونپڑی میں دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں یوحنا نبی خدا کی عبادت میں مصروف تھا جاسوس ایک دم جھونپڑی میں گھس گئے انہوں نے یوحنا کو رسیوں میں جکڑ لیا اور باہر لا کر گھوڑے پر لاد کر شاہی محل کی طرف ہوا ہو گئے۔

یہ سارا کام بڑی تیزی کے ساتھ ہو گیا یوحنا نبی اگر چاہتے تو ان آدمیوں کو وہیں پتھر کر سکتے تھے مگر انہوں نے محسوس کیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی مرضی کے ساتھ ہو رہا ہے یعنی خدا کی مرضی یہی تھی کہ یوحنا گرفتار ہو کر شاہی قید خانے میں پہنچے اور اس پر بادشاہ کی طرف سے جو سختیاں ہوں ان کو برداشت کرے اس لئے کہ دنیا میں خدا کے نیک بندے اور نبی ہمیشہ خدا کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں سہتے چلے آئے ہیں۔

یوحنا کو سپہ سالار نے خود شاہی محل کے تہہ خانے میں ایک خفیہ کوٹھڑی میں بند کر دیا وہ اسے اپنی کامیابی سمجھ رہا تھا اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اگر خدا کی مرضی شامل نہ ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت خدا کے اس نیک بندے کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی۔

بادشاہ ہیروڈ کو جب یوحنا کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو خوش بھی ہوا اور حیران بھی ہوا خوش اس بات پر ہوا کہ اس کا منصوبہ کامیاب رہا تھا اور حیران اس بات پر ہوا کہ یوحنا کی طرف سے کوئی کرامت نہیں دکھائی گئی تھی حالانکہ اس سے پہلے ساری دنیا نے دیکھا تھا کہ انہیں شیروں کے آگے ڈالا گیا اور شیر ان کے قدموں میں آ کر لوٹنے لگے۔

مگر خدا کی مرضی کے خلاف خدا کے نبی کبھی ایک لفظ زبان سے نہیں نکالا کرتے وہ اپنے آپ پر چپ چاپ سختیاں سہہ جاتے ہیں مگر شکایت کا ایک حرف زبان سے نہیں کہتے وہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی

میں شامل کر دیتے ہیں اس لئے کہ ان کا ہر کام خدا کو خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے اگر خدا کی مرضی یہ ہو کہ وہ سولی پر چڑھ جائیں تو وہ ہنستے مسکراتے ہوئے سولی پر چڑھ جایا کرتے ہیں۔

سلومی کو بھی خبر مل گئی تھی کہ یوحنا نبی کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

بادشاہ نے سلومی سے جا کر کہا کہ یوحنا گرفتار ہو گیا ہے۔

سلومی نے کہا۔

اسکا سر کاٹ کر مجھے کب پیش کیا جائے گا؟ بادشاہ نے ایک بار پھر سلومی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے بھیانک ارادے سے باز آئے اور یوحنا نبی کا سر مانگنے کی بجائے کوئی اور شے طلب کر لے۔

سلومی! میں تمہیں اپنا تخت اور تاج دینے کو تیار ہوں تم اگر چاہو تو میں تمہیں روم کی ساری دولت لا کر دے سکتا ہوں مگر خدا کے لئے

یوحنا نبی کا سر مجھ سے مت مانگو۔ مجھ سے یہ گناہ مت کراؤ۔

سلومی نے طنزیہ کہا۔

تم نے پھر بزدلوں والی باتیں شروع کر دیں۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تم اتنے کمزور دل کے ہو تو میں کبھی تم سے اپنے دل کی خواہش کا اظہار نہ کرتی۔

شاہ ہیروڈ نے منت کرتے ہوئے کہا۔

ایک بار پھر اپنی خواہش پر غور کر لو سلومی تم آگ کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہی ہو، تم ایک ایسے نیک بندے کا سر مانگ رہی ہو جس کی لوگ پوجا کرتے ہیں۔

سلومی نے نفرت سے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اگر تم اتنے ہی بزدل ہو تو پھر مجھ سے شادی کرنے کی خواہش کیوں کی تھی؟ اگر تم نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں فوج کے سپہ سالار سے

شادی کر لوں گی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ یوحنا کا سر بڑی آسانی سے کاٹ سکتا ہے اس نے یوحنا کو گرفتار کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بادشاہ سے بڑھ کر بہادر آدمی ہے اور میں بہادر آدمی کا احترام کرتی ہوں۔

بادشاہ سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ اسے یقین وہ گیا تھا کہ سلومی پاگل ہو چکی ہے اور وہ کبھی اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گی اگر بادشاہ نے انکار کر دیا تو وہ ضرور سپہ سالار سے یہ کام کروا کر اس سے شادی کر لے گی اور بادشاہ کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہو گا کیونکہ سپہ سالار ایک طاقت ور شخص ہے اور بادشاہ اس کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہ کر سکے گا۔

بادشاہ نے سپہ سالار کو بلا کر کہا۔ کہ وہ پچھلے پہر منہ اندھیرے یوحنا کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر اسے پیش کرے سپہ سالار ایک سپاہی آدمی

تھا اور یوحنا سے دشمنی بھی رکھتا تھا وہ خوشی سے بولا۔

جو حکم بادشاہ سلامت! صبح سویرے یوحنا کا کٹا ہوا سر طشت میں سج کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

بادشاہ نے بستر پر لیٹ کر بے چینی سے کروٹیں بدلنا شروع کر دی۔

ادھر سلومی نے سیاہ لبادہ اوڑھا اور سپہ سالار کو ساتھ لے کر خفیہ تہہ خانے میں یوحنا نبی سے ملاقات کرنے پہنچ گئی کوٹھڑی کے اندر ہلکا ہلکا نور سا پھیلا ہوا تھا حالانکہ اندر کسی طرف سے بھی روشنی کی ایک کرن تک نہیں آ رہی تھی یوحنا فرش پر کھڑے تھے ان کا چہرہ دیوار کی طرف تھا ان کے نورانی چہرے پر ایک ہلکی سی روشن مسکراہٹ تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھر کی دیوار پر جنت کے باغ اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور ان کے درمیان بہتی ہوئی شفاف نہریں دیکھ رہے ہیں۔

سلومی نے سپہ سالار کو باہر کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور خود کوٹھڑی

کے اندر جا کر یوحنا سے یوں مخاطب ہوئی۔

کیا تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا۔

یوحنا نے دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے کہا۔

اے بدنصیب عورت سن۔ موت ہمارے لئے کچھ نہیں ہے موت ہمارے لئے ایک دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں جانے کے برابر ہے موت ان کے لئے عذاب بن کر آتی ہے جن کی آنکھیں صرف دنیا کے عیش و آرام کو دیکھ سکتی ہیں اور انہیں آخرت نظر نہیں آتی۔

سلومی نے سامنے آ کر کہا۔

اگر تم اب بھی اپنے کیے پر معافی مانگ لو تو میں بادشاہ سے کہہ کر تمہاری جان بچا سکتی ہوں ورگرنہ دوسری صورت میں آج سورج نکلنے سے پہلے تمہارا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔

یوحنا نے کہا۔

سن اے بدنصیب عورت! ہم جو کرتے ہیں اس پر کبھی نہیں پچھتایا کرتے ہم جو کرتے ہیں دنیا کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں ہم جو کرتے ہیں وہ خدا کی مرضی کے مطابق اور خدا کی مرضی کی خاطر کرتے ہیں پھر ہمیں اپنے کیئے پر پچھتانے کی کیا ضرورت ہے تم ایک ظالم بادشاہ کی طرف دار ہو۔ تم ظالم کی حمایت کرتی ہو اس لئے تم بھی ظالم ہو تمہارا انجام بھی وہی ہو گا جو ایک ظالم کا ہوا کرتا ہے تم اگر میرا سر قلم نہ بھی کراؤ تو پھر بھی تم خدا کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتیں۔

سلومی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

میں اس شہر کی اس ملک کی ملکہ بنوں گی میں تمہارے کٹے ہوئے سر کو اپنے ہاتھوں آگ میں پھینکوں گی میں تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں

گی۔

اے بدنصیب عورت تو مجھ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے انتقام لے رہی ہے ہمیں تو ایک نہ ایک دن مرنا ہی ہے ہم تو خدا کی راہ میں اپنا سر ہر وقت اپنی ہتھیلی پر رکھے رہتے ہیں مگر جب کلہاڑا تمہارے سر پر چلے گا تو تم وہ تکالیف برداشت نہ کر سکو گی تم ایک ایسے عذاب میں پھنس جاؤ گی جس میں سے تم کبھی نہیں نکل سکو گی تمہاری گردن ایک ہزار بار کٹے گی اور ایک ہزار بار جڑنے کے بعد پھر ایک ہزار بار کاٹی جائے گی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

سلومی نے غصے میں کہا۔

آج صبح معلوم ہو جائے گا کہ گردن کس کی کٹتی ہے۔

وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور یوحنا اسی طرح دیوار کی طرف دیکھتے رہے ان کے چہرے پر وہی آسمانی حسن اور جلال اور مسکراہٹ تھی۔ سلومی

نے سپہ سالار کو ساتھ لیا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنی خواب گاہ میں آ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آسمان پر بادل گرج رہے تھے اور موسلا دھار مینہ برس رہا تھا اور قید خانے میں سپہ سالار کے حکم سے جلاد یوحنا نبی کا مقدس سر کاٹنے کے لئے کلہاڑا تیز کر رہا تھا عنبر کی آنکھ کھل گئی دو ناگن دیوی کے مندر کی کوٹھڑی میں سو رہا تھا ناگ بھی اسکے قریب ہی بستر پر سو رہا تھا عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو اس نے کان آواز پر لگا دیئے باہر بادل گرج رہے تھے اور بارش ہو رہی تھی عنبر کو آواز ایک بار پھر سنائی دی یہ کنیز کارمیلا کی روح کی آواز تھی اس آواز میں غم اور سکون تھا۔

عنبر آج کی رات سونے کی رات نہیں ہے آج کی رات جاگ کر خدا کی عبادت کرنے کی رات ہے اس لئے کہ آج کی رات خدا کی راہ

میں بڑی عظیم قربانی پیش کی جا رہی ہے۔ عنبر نے آہستہ سے پوچھا۔

اے نیک روح مجھے بتا کہ وہ کون سی قربانی ہے۔؟ اور وہ کون خوش نصیب شخص ہے جو خدا کی راہ میں عظیم الشان قربانی پیش کر رہا ہے۔

روح نے گہرا ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

عنبر! یہ راز خداوندی ہے میری کیا مجال کہ میں اس کے بارے میں زبان کھول سکوں میں اس راز پر سے پردہ نہیں اٹھا سکتی میری اتنی طاقت نہیں میں تو خود اپنا سر خدا کے حضور جھکا کر عبادت کر رہی ہوں جس طرح اس شہر کے سارے درخت چرند، پرند اور زمین کا ذرہ ذرہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔

عنبر عجیب الجھن میں پھنس گیا آخر وہ کون سا بڑا واقعہ ہے جو اس شہر میں رونما ہونے والا ہے یوحنا نبی کی طرف تو اس کا کبھی خیال بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ شام کو وہ خود انہیں ان کی جھونپڑی میں چھوڑ کر آیا تھا

اس نے روح کی ایک بار پھر منت کی اور کہا۔

کیا واقعی تم مجھے اس خوش قسمت اور انتہائی صبر والی ہستی کے بارے میں نہیں بتا سکتی جو خدا کی راہ میں قربانی پیش کر رہی ہے۔؟

روح نے آہ بھر کر کہا۔

خاموش عنبر خاموش! دیکھ اس وقت اس شہر کے سارے درخت سر بہ سجدہ ہیں سارے ستارے خاموش ہیں وہ بادلوں کی چادر اوڑھ کر چپ چاپ ہیں کسی کو کیا مجال کہ پلک بھی جھپک سکے خدا کا منشا پورا ہو رہا ہے کون ہے جو اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے؟ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے؟ دیکھ ساری کائنات اس وقت خدا کی عبادت کر رہی ہے تو بھی اٹھ اور اپنے رب کی عبادت کر اور اس کے حضور دعا کر کہ وہ عظیم الشان انسان کی عظیم الشان قربانی کے طفیل تمہیں بھی سیدھی راہ دکھائے ....میں جا

رہی ہوں..............میں جا رہی ہوں..........

روح چلی گئی وہاں گہری خاموشی چھا گئی عنبر کی طبیعت گھبرانے لگی اس کا دوست بستر پر گہری نیند سو رہا تھا عنبر اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی بارش یوں ہو رہی تھی جیسے آسمان کسی کی شہادت پر آنسو بہا رہا ہو عنبر نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا اور خدا سے دعا کی کہ وہ اسے دنیا میں سیدھا راستہ دکھائے اور اتنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ نیک کام کرے اور خدا کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی خوش ہو کر پیش کرے۔ وہ واپس کوٹھڑی میں آ کر قالین پر بیٹھ گیا اس نے دو زانو ہو کر سر جھکا لیا اور خدا کی یاد میں گم ہو گیا۔

آسمان پر ایک دھماکہ سا ہوا بجلی زور سے کڑکی تھی بادل زور سے گرجا تھا ٹھیک اس وقت جلاد سپہ سالار کے ساتھ کلہاڑا لے کر یوحنا تی کی

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی چودھویں قسط میں پڑھیے۔

﴿ختم شد﴾

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی

چودھویں قسط میں پڑھیے۔

﴿ختم شد﴾

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی

چودھویں قسط میں پڑھیے۔

﴾ختم شد﴿

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھاکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی چودھویں قسط میں پڑھیے۔

ختم شد

www.pdfbooksfree.org

عنبر ناگ ماریا

قید سے فرار

(قسط نمبر ۱۵۲)

اے حمید

فہرست۔

سر کٹ گیا
سلومی قید میں
تختہ الٹ دو
ہیروڈ کا قتل
آدھی رات کو آواز
قید سے فرار
موت کی اڑان
سلومی کی سازش
زہری سانپ
روشن ستارہ

قید سے فرار

03

سنو پیارے بچو!

یوحنا نبی کا سر کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس بھیانک جرم کے بعد سلومی پر آفت آجاتی ہے بادشاہ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ سلومی جب طشت میں یوحنا نبی کا سر دیکھتی ہے تو پاگل ہو جاتی ہے آخر میں وہ قلعے کی دیوار سے کود کر خودکشی کر لیتی ہے اور بری طرح پتھروں سے کچل کر مر جاتی ہے۔ ادھر ہمارا ہیرو عنبر ناگن دیوی کے مندر میں بڑے پجاری کا روپ دھار کر بیٹھا عبادت کر رہا ہے۔ ناگ.........اسکا دوست سانپ اسے مل گیا ہے اور اسکے قریب ہی سو رہا ہے یہاں سے عنبر اور ناگ ....دونوں دوست حضرت یسوع مسیح کی ولادت کی خبر سن کر بیت اللحم کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

اے حمید

سر کٹ گیا

بجلی کی خوفناک کڑک کے ساتھ ہی عنبر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گیا۔ دھماکہ اس قدر بھیانک تھا کہ ناگن دیوی کے مندر کی دیواریں ہل گئی تھیں۔ اس نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا آسمان پر گھرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی پھر اچانک اسے مشرق کی طرف آسمان پر روشنی کا سفید گولا سا ابھرتا نظر آیا یہ گولا سفر کرتا ہوا آسمان کے وسط میں آ گیا اب وہ ایک ستارہ معلوم ہو رہا تھا یہ روشن اور چمکیلا ستارہ کچھ دیر آسمان کے درمیان میں رک کر جھلملاتا رہا پھر اس کا رنگ زرد پڑنے لگا اس کی کرنیں کانپنے لگیں دیکھتے دیکھتے یہ زرد ستارہ سیاہ ہونے لگا اور پھر پھٹ گیا اور اس کی کرنیں دھواں بن

کر بادلوں میں گم ہوگئیں پھٹتے وقت اس کی روشنی اتنی زیادہ بھڑکی کہ مندر کا صحن چکا چوند ہوگیا عنبر خوف زدہ ہوگیا اسے روح کی بات یاد آ گئی آج کی رات عبادت کی رات ہے آج آسمان پر خدا کے حکم سے ایک روشن ستارہ ٹوٹ جائے گا اور اس ملک پر بربادی نازل ہوگی۔ ٹھیک اس وقت بادشاہ ہیروڈ کے قید خانے میں جلاد نے سپہ سالار کے اشارے اور بادشاہ ہیروڈ کے حکم پر یوحنا نبی کا مقدس سر کاٹ دیا تھا۔ نبیوں کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے فرشتے نے عین اس وقت جب کہ جلاد نے کلہاڑا اٹھایا تھا یوحنا سے آ کر کہا کہ اگر آپ حکم کریں تو ہم اس شہر کو برباد کردیں مگر خدا کے بزرگ بندے نے کہا کہ نہیں میں اس شہر کو بد دعا نہیں دوں گا اگر میرے خدا کی رضا اسی میں ہے تو پھر اللہ کی رضا پوری ہوگی میں اپنے رب کی مرضی کے لئے ایک ہزار ایک مرتبہ اپنا سر کٹوا سکتا ہوں اور ایسا ہی ہوا جلاد کے کلہاڑے نے خدا کے نیک

بندے کا سر کاٹ کر الگ کر دیا اس وقت آسمان پر ایک تباہ کن گرج سنائی دی اور پھر ایک ستارہ ابھر کر آسمان کے درمیان آ کر سیاہ ہوا اور پھٹ گیا۔

سپہ سالار اور جلاد ڈر گئے دھماکے کی آواز پر سارا شہر بیدار ہو گیا لوگوں نے آسمان پر تاریک ستارے کو پھٹتے دیکھا تو آہ و زاری کرنے اور رونے لگے سلومی بھی اپنے بستر سے اٹھ کر محل کی کھڑکی کے پاس آ کر باہر پہاڑوں پر دیکھنے لگی مگر اب آسمان پر کچھ بھی نہیں تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا سپہ سالار نے یوحنا نبی کا سر چاندی کے طشت میں رکھا اور بادشاہ کے محل میں آ گیا بادشاہ ہیروڈ بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

سلومی کو اس کی خاص کنیز ازابیلہ نے بتایا کہ سپہ سالار یوحنا نبی کا سر لے کر بادشاہ کے محل میں آ گیا ہے سلومی خوش ہوئی کہ اس نے یوحنا نبی سے انتقام لے لیا ہے اس نے سونے کے تاروں والی چادر سر پر

اوڑھی اور بادشاہ کے محل میں آ گئی بادشاہ ڈرا ہوا کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اس نے سلومی کو دیکھا تو کہا۔

کیا تم نے آسمانی بجلی کی بھیانک کڑک نہیں سنی۔؟

سلومی نے ہنس کر کہا۔

سنی تھی.........اور میں نے ایک تاریک ستارے کو آسمان پر روشن ہو کر پھٹتے بھی دیکھا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

دیوتا میرے اوپر اپنا کرم کریں مجھ سے ضرور کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔

سلومی مکاری کے ساتھ مسکراتی رہی۔ اتنے میں سپہ سالار طشت میں رومال سے ڈھکی ہوئی کوئی شے لے کر اندر داخل ہوا بادشاہ نے کانپتی ہوئی انگلی سے طشت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اس میں کیا ہے؟

سپہ سالار نے رومال اٹھا کر پرے پھینک دیا طشت میں یوحنا نبی کا کٹا ہوا سر رکھا تھا بادشاہ کی آنکھوں میں ایک زبردست چمک سی پڑی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپالیں۔

میرے خدا یہ میں نے کیا کردیا؟

سلومی نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا اور کہا جو میں نے کہا تھا وہ کر کے دکھا دیا اے یوحنا کے سر اس نے مجھے بھرے بازار میں ظالم کی بیٹی کہا تھا میں نے تجھ سے بدلہ لے لیا میں نے تجھ سے بدلہ لے لیا۔۔۔۔۔۔

بادشاہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھایا تو وہ اندھا ہو چکا تھا اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ دیوانوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔

میری آنکھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ میری آنکھوں کو کیا ہو گیا مجھے کچھ نظر نہیں آ

www.pdfbookfree.pk

رہا میں اندھا ہو گیا ہوں میں اندھا ہو گیا ہوں........

سپہ سالار نے بادشاہ کو تھام لیا سلوی نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا اور بولی۔

میں نے تم سے بھی بدلہ لے لیا ہے تم بڑے کھوسٹ ہو کر مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے میں نے تجھ سے ایسا گناہ کروایا کہ قدرت نے تجھے اس کی سزا دی اور تم اندھے ہو گئے میں نے دونوں سے بدلہ لے لیا ہے میں نے دونوں سے بدلہ لے لیا ہے۔

بادشاہ بستر پر گر پڑا اس نے چیخ کر حکم دیا۔

اس زہریلی ناگن کو گرفتار کر لو۔

اسی وقت سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے سلوی کو گرفتار کر لیا سلوی نے چیخ کر کہا۔

اب کیا ہوگا میری گرفتاری سے؟ نہ تمہاری آنکھیں واپس آ سکتی ہیں نہ

تمہارے نبی یوحنا کا سر زندہ ہو سکتا ہے تم ساری زندگی اپاہج بن کر بسر کرو گے۔

بادشاہ گرجا!

لے جاؤ اس چڑیل کو قید خانے میں۔

سپاہی سلومی کو لے کر جیل خانے کی طرف چلے گئے بادشاہ بستر پر نڈھال ہو کر گر پڑا اس کی ملکہ اور شہزادیاں پریشان ہو کر اس کی طرف دوڑیں سلومی کے زہر بھرے قہقہے دور تک سنائی دیتے رہے۔

عنبر کھڑکی سے ہٹ کر چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا اس وقت اس کا دوست ناگ بھی جاگ چکا تھا اس نے اٹھتے ہی پوچھا۔

مجھے ایسے لگتا ہے جیسے خواب میں کوئی زبردست دھماکے کی آواز سنی ہے عنبر کیا کوئی جوالا مکھی پہاڑ پھٹ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

پہاڑ تو نہیں پھٹا ناگ مگر ویسے لگتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ بھیانک واقع ہوا ہے۔

ناگ پھنی نے پوچھا:

کیا مطلب ہے تمہارا؟

عنبر نے کہا:

ناگ۔ ویسے لگتا ہے کہ یوحنا نبی کو ظالم بادشاہ نے شہید کروادیا ہے۔

کیا سچ؟

ہاں اس کی طرح روح نے بھی اشارہ کیا تھا اگر ایسا ہوا ہے تو یہ بڑی خوفناک بات ہوئی ہے اب اس شہر کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ناگ نے کہا۔

چلو چل کر محل سے پتہ کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

محل میں جا کر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو گا وہاں یوحنا نبی کی شہادت کو راز میں چھپا کر رکھا گیا ہے بادشاہ نہیں چاہتا کہ رعایا کو نبی کی شہادت سے باخبر کیا جائے اور پھر جب کہ خود بادشاہ کے حکم سے اس نیک بزرگ کو شہید کیا گیا ہو۔

ناگ نے پوچھا۔

یہ ساری شرارت کس کی ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ بادشاہ تو نبی یوحنا کے اس قدر خلاف نہیں تھا شیروں کے آگے ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد اس نے یوحنا کو گرفتار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا ورنہ اس سے بہت پہلے پکڑ لیا جاتا۔

عنبر نے کہا۔

مجھے تو اس سارے حادثے میں سلومی کی شرارت اور اس کی گہری سازش دکھائی دیتی ہے وہ ایک مکار عورت ہے تمہیں یاد ہے اس روز

چوک میں یوحنا نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ وہ ایک ظالم عورت ہے اور بادشاہ کے ظلم و ستم میں برابر کی شریک ہے۔

ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے سلومی نے بھیس بدل رکھا تھا اور اپنی کنیز کے ساتھ ہجوم میں کھڑی یوحنا کا وعظ سن رہی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ سلومی نے یوحنا سے بدلہ لیا ہے اس نے بادشاہ کو ورغلا کر یوحنا نبی کو شہید کرا دیا ہے۔

دوسرے روز سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ یوحنا نبی شہر چھوڑ کر چلا گیا ہے بادشاہ کے جاسوسوں نے خود یہ خبر سارے شہر میں مشہور کروا دی تھی ایک جاسوس نے روتے ہوئے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں نے خود یوحنا کو آدھی رات کی بارش میں شہر کے دروازے سے باہر نکلتے دیکھا ہے انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس ظالم

شہر سے جا رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یقین کیا کچھ نے یقین نہ کیا اور یوحنا بزرگ کو پہاڑیوں میں تلاش کرتے رہے لیکن کچھ دنوں بعد سب کو یقین ہو گیا کہ وہ خدا کا بزرگ بندہ سچ مچ سدوم کا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے کچھ لوگ جو اس سے بہت محبت کرتے تھے اس کی تلاش میں سکندریہ اور جوڈیا کی سمت روانہ ہو گئے اور باقی صبر شکر کر کے بیٹھ گئے ابھی تک کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ ان کے پیارے بزرگ کو بادشاہ نے سلومی کی باتوں میں آ کر شہید کروا دیا ہے۔

محل پر بھی ایک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی بادشاہ کے اندھے ہونے کی خبر سوائے چند ایک شہزادیوں اور سپہ سالار کے اور کسی کو معلوم نہ تھی اس راز کو بھی یوحنا کی شہادت کے راز کی طرح ہر ایک نے چھپا رکھا تھا اندر ہی اندر شاہی حکیم بڑی محنت اور سرگرمی سے بادشاہ کی

آنکھوں کا علاج کر رہا تھا مگر اس کی اندھی آنکھوں میں ذرا سا بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا بادشاہ کی آنکھوں میں سوائے اندھیروں کے اور کچھ نہیں تھا۔

اب ایک اور بیماری نے بادشاہ کو پکڑ لیا تھا اس کی آنکھوں سے پہلے تو مسلسل پانی بہتا رہا پھر آنکھیں سوج کر کپا بن گئیں مجبور ہو کر بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ جو حکیم بادشاہ کی آنکھوں کی سوجن دور کر دے گا بادشاہ ہیرے جواہرات سے اس کی جھولیاں بھر دے گا ملک کے سارے حکیم باری باری آ کر بادشاہ کا علاج کر چکے مگر کوئی فرق نہ پڑا بادشاہ عاجز آ گیا سوجن اس قدر تکلیف دیتی کہ بادشاہ کی چیخیں نکل جاتیں۔

بادشاہ کی اس اذیت ناک بیماری کی خبر عنبر اور ناگ پھنی کو بھی پہنچ گئی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے بادشاہ پر عذاب نازل ہوا

ہے مگر سوال یہ تھا کہ سلوی کہاں ہے اس کے بارے میں انہوں نے کبھی کوئی خبر نہیں سنی تھی۔

ناگ نے کہا۔

اگر یہ سب کچھ سلوی کے اشارے اور خواہش پر ہوا ہے تو بادشاہ نے ضرور اسے قید خانے میں ڈلوا دیا ہوگا۔

عنبر سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

اس کے لیئے ضروری ہے کہ میں خود بادشاہ کے پاس جا کر اس کی آنکھوں کو دیکھوں کہ کیا واقعی وہ بیماری اس کے گناہ کا نتیجہ ہے یا واقعی کسی بد پرہیزی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے وگر تو وہ بیماری اس کے گناہ کے بدلے میں اسے سزا کے طور پر ملی ہوگی تو پھر مجھے صاف معلوم ہو جائے گا۔

ناگ بولا۔

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

عنبر نے کہا۔

تو پھر ابھی چلو۔

عنبر اور ناگ اسی وقت محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بادشاہ کی شدید بیماری کی وجہ سے محل کے دروازے حکیموں پر چوبیس گھنٹے کھلے تھے محل کے دروازے پر پہریداروں نے جب عنبر اور ناگ چھنی کے بارے میں تسلی کر لی کہ یہ واقعی حکیم ہیں تو انہوں نے اندر جانے کی اجازت دی عنبر نے اپنے دوست ناگ کو اپنا شاگرد بنایا تھا۔ ناگ نے گلے میں چمڑے کا ایک جھولا لٹکا رکھا تھا جس میں کچھ مرہم اور کچھ عرق تھے۔

شاہی غلام عنبر اور ناگ کو محل کے اندر خواب گاہ میں لے گیا بادشاہ بستر پر پڑا تھا اور درد کے مارے کراہ رہا تھا اس کے پاس اس کی ملکہ اور

شہزادیاں اداس بیٹھی اسے تسلیاں دے رہی تھیں عنبر نے ملکہ کو سلام کیا اور کہا۔

ملکہ میں ایک حکیم ہوں اور بادشاہ کی بیماری کا حال سن کر آیا ہوں میں کوشش کروں گا کہ بادشاہ کو تندرستی مل جائے۔

ملکہ نے آہ بھر کر کہا۔

نوجوان حکیم تم سے پہلے سینکڑوں حکیم آ کر اپنی کوشش کر چکے ہیں مگر کسی کی دوائی نے بادشاہ سلامت کو صحت نہیں دی بلکہ بیماری پہلے سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

عنبر نے کہا۔

ملکہ میں بھی کوشش کر کے دیکھنا چاہتا ہوں کیا مجھے آپ کی طرف سے اجازت ہے۔؟

بادشاہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

باتوں میں وقت ضائع نہ کرو حکیم اگر علاج کر سکتے ہو تو کرو ورنہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

بیمار اور درد کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج چڑ چڑا ہو گیا تھا عنبر کو بادشاہ کا اس طرح بولنا بہت برا لگا اسے ناگ نے بھی بری طرح محسوس کیا مگر وہ دونوں خاموش رہے عنبر نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ خداوند کا منشاء ہی نہیں کہ بادشاہ اچھا ہو کیونکہ اگر خدا کا منشاء ہوتا تو بادشاہ اخلاق کے ساتھ پیش آتا وہ عنبر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا تا کہ عنبر جان لڑا کر بادشاہ کی بیماری کا علاج کرتا لیکن یہاں تو آتے ہی بادشاہ نے ایسی بد تمیزی کی تھی کہ اس کا دل بادشاہ کی طرف سے بند ہو گیا تھا بہر حال چونکہ وہ وہاں پر معلوم ہی یہ کرنے آیا تھا کہ بادشاہ کی بیماری اس کے گناہوں کا نتیجہ ہے یا نہیں۔؟ اس لیے وہ خاموش رہا اور اس نے جھک کر بادشاہ کی آنکھوں کو دیکھا دونوں آنکھیں سوج کر سرخ گیند

www.urdubookstree.pk

بن گئی تھیں عنبر نے انگلی سے ایک آنکھ کو کھولنے کی کوشش کی تو بادشاہ نے چیخ ماری۔

ارے مار ڈالا ظالم۔ اتنی زور سے کیوں ہاتھ لگایا۔ ہائے..........ہائے..........ہائے

عنبر نے ہاتھ پیچھے کر لیا اس نے جھولے میں سے ایک خاص قسم کا مرہم نکال کر بادشاہ کی آنکھوں پر لگایا تو بادشاہ تڑپ اٹھا اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا حالانکہ اس مرہم میں کوئی تیز اور جلن کرنے والی دوائی نہیں تھی لیکن بادشاہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں پر تیزاب ڈال دیا ہے عنبر محل سے واپس آ گیا باہر آ کر اس نے ناگ سے کہا۔

بادشاہ کو اس کے گناہ کی سزا ملی ہے

www.urdubooksfree.pk

سلومی قید میں

سلومی کو قید خانے کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔

کوٹھڑی ایک تہہ خانے میں تھی جس کے باہر سخت پہرہ لگایا گیا تھا۔ مگر یہاں بھی اس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لے کر وہاں سے بھاگ نکلنے کی ایک سازش تیار کی چونکہ وہ بڑے خاندان کی عورت تھی اس لئے اس نے کسی معمولی پہریدار کو پھانسنے کے بجائے سپہ سالار پر اپنا جال پھینکا ایک روز اس نے پہریدار سے کہا کہ وہ سپہ سالار کو بلائے پہریدار نے انکار کر دیا تو سلومی نے بھوک ہڑتال شروع کر دی یہ خبر سن کر سپہ سالار خود اس معاملے کی چھان بین کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ سلومی نے مسکرا کر سپہ سالار کی طرف دیکھا اور کہا۔

تمہاری قسمت میں اس ملک کا بادشاہ ہونا لکھا ہے اور تم ایک معمولی سپہ سالار بن کر بادشاہ کے غلام بنے ہوئے ہو۔

سپہ سالار ہنس پڑا۔ اس نے پوچھا۔

مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم نے بھوک ہڑتال کیوں کر رکھی ہے۔

صرف اس لئے کہ میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔

میں آ گیا ہوں بولو تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔

سلومی نے کہا۔

میں تم سے اور تمہارے ذلیل بڈھے کھوسٹ بادشاہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ مجھے قید میں مرنے کے لئے کیوں ڈال رکھا ہے مجھے ایک ہی بار قتل کیوں نہیں کر دیا جاتا۔

اس کی باری بھی آ جائے گی، بادشاہ بہت بیمار ہے وہ تم سے غافل نہیں ہے میرا خیال ہے کہ دو چار دنوں کے اندر اندر وہ تمہارے قتل کا حکم سنا

دے گے پھر تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

سلوی بولی۔

بہت خوب تو گویا تم مجھے قتل کر دو گے خیر میں تو قتل ہونے پر راضی ہوں میں ایک بہادر عورت ہوں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھور سکتی ہوں مگر تم کیا کرو گے؟ تم ایک بزدل مرد ہو کیا تم موت کا مقابلہ کر سکو گے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کی پاداش میں مجھے قتل کیا جائے۔

سلوی نے قہقہہ لگایا۔

اتنے بھولے مت بنو جس گناہ کو میں نے کیا ہے اس میں تمہارے پادشاہ کے علاوہ تم بھی برابر کے شریک تھے۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ سپہ سالار نے پوچھا۔

مطلب صرف اتنا ہے کہ یوحنا نبی کا سر تمہارے اشارے پر کاٹا گیا تھا تم نے بھی ایک بھیانک گناہ کیا ہے تم بھی اس گناہ کی سزا سے نہیں بچ سکتے بادشاہ کے بعد یہی بیماری تمہارا پیچھا کرے گی اور تمہیں اذیت ناک موت سے مارے گی۔

سپہ سالار نے غصے میں کہا۔

یہ بکواس ہے میں نے صرف بادشاہ کا حکم مانا ہے اور میرا فرض تھا کہ میں بادشاہ کا حکم بجالاؤں۔

اگر بادشاہ تمہیں حکم دے کر اپنے بچے کا سر کاٹ کر لے آؤ تو کیا تم اس پر فوراً عمل کرو گے؟ کیا تم اپنے بچے کا سر کاٹ سکو گے کیا تم بادشاہ کے خلاف بغاوت نہیں کر دو گے پھر تم نے یوحنا نبی کا سر کیسے کٹوا دیا؟ اس لئے کہ تم بھی چاہتے تھے کہ ایسا ہو اور تم نے بھی جان بوجھ کر ایک زبردست گناہ کیا ہے اور تمہیں بھی سزا ملے گی تم بھی سزا سے نہیں بچ

سکتے۔

سپہ سالار گھبرا سا گیا اس لئے کہ سلومی کی باتوں نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا وہ جیل کی کوٹھڑی میں بے چینی سے ٹہلنے لگا سلومی نے کہا۔

سنو اب تمہاری نجات کی ایک ہی صورت ہے صرف ایک ہی راستہ ہے جس پر چل کر تم بچ سکتے ہو؟

سپہ سالار نے پوچھا۔

وہ کیا؟

سلومی نے مسکرا کر کہا۔

وہ یہ کہ اس بادشاہ کو قتل کر دو جس نے تمہیں یہ حکم دیا کہ یوحنا کا سر کاٹ کر لاؤ۔ صرف اسی صورت میں تم اپنے گناہوں کے داغ کو دھو سکتے ہو۔

سالار نے کہا۔

مگر یہ.........یہ بغاوت ہوگی بادشاہ کے خلاف بغاوت ہوگی

سلومی نے کہا۔

تم اس بادشاہ کے بارے میں ہمدردی سے کیوں سوچتے ہو جس نے تمہارے بارے میں ہمدردی سے غور نہیں کیا؟ بادشاہ نے تو تم سے ایک گھناؤنا گناہ کروایا ہے اگر تم نے اسے سزا نہ دی تو قدرت تم سے اس کا بدلہ لے گی۔

سپہ سالار کے دل پر سلومی کی باتوں کا برابر اثر ہو رہا تھا اسے کچھ کچھ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ سلومی ٹھیک کہہ رہی تھی بادشاہ ہیروڈ نے اسی کو یوحنا کا سر کاٹنے کا حکم دیا تھا کہ اس کے ساتھ ایک خوف ناک ظلم کیا جائے۔ اسے یوحنا نبی کے ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں تھی اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک نیک بندے کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کرتا۔

سپہ سالار پر اپنی باتوں کا اثر ہوتے دیکھ کر سلومی نے ایک اور حملہ کیا اور کہا۔

اگر تم بادشاہ کو ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کر لو تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔

سپہ سالار نے تعجب سے سلومی کی طرف دیکھا۔

کیا بادشاہ کو قتل کرنے سے مجھے گناہوں کی سزا معاف کر دی جائے گی؟ کیا قدرت مجھ سے انتقام نہیں لے گی۔

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ تم ظالم کو ختم کر دو گے بادشاہ نے ظلم کیا ہے اسے ختم کر دو گے تو پھر تم سے بدلہ نہیں لیا جائے گا تم معاف کر دیئے جاؤ گے.......... معاف کر دیئے جاؤ گے۔

سپہ سالار اگرچہ ایک بہادر آدمی تھا مگر وہ ایک بے وقوف آدمی بھی تھا وہ دوسروں کی باتوں میں بڑی آسانی سے آجاتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا

سلومی نے اسے اپنی باتوں کے جال میں پھنسالیا اور اسے راضی کرلیا کہ وہ بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جمالے۔......... سپہ سالار نے جاتے ہوئے کہا۔

میں اس سازش کے بارے میں ایک بار پھر غور کرنا چاہتا ہوں تم اس سلسلے میں کسی سے بات نہ کرنا۔

سلومی کہنے لگی۔

تم محل میں جا کر اور بادشاہ کی قابل رحم حالت دیکھ کر جتنا غور کرو گے اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ تمہارے لئے ایک ہی نجات کا راستہ ہے کہ تم بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلو اس طرح سے تمہارے گناہ بھی دھل جائیں گے اور بادشاہ کو بھی عذاب سے چھٹکارا مل جائے گا۔

سپہ سالار نے سلومی کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ قید خانے کی کوٹھڑی سے باہر نکل گیا مگر سلومی نے اپنی سازش میں کامیاب ہونے

میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس نے تیر ٹھیک نشانے پر لگا دیا تھا اس نے سپہ سالار کے دل پر یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح نقش کر دی تھی کہ اس کی نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ ظالم کو ختم کر کے بادشاہ کو قتل کر کے خود تخت پر قبضہ جما لے۔

سپہ سالار نے جاتے ہی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اس نے ان کے ساتھ سلوک کے بارے میں کوئی بات نہ کی ان کو یہی بتایا کہ چونکہ بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے رعایا اور ملک کی حالت بگڑتی جا رہی ہے اس لئے وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ملک کو خوش بنانا چاہتا ہے سپہ سالار نے ان سب کو بڑے بڑے عہدے دینے کا لالچ بھی دیا وہ اس لالچ میں آ گئے اور بادشاہ کا تختہ الٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بادشاہ کو اس سازش کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا ایک تو وہ بیماری کی وجہ سے پریشان تھا دوسرے جن لوگوں نے بادشاہ کو اس سازش کے

بارے میں خبردار کرتا تھا وہ خود سازش میں شریک تھے۔

عنبر اور ناگ واپس ناگن دیوی کے مندر میں آ گئے۔

ناگ بڑا پجاری بنا دیوی کی پوجا کر رہا تھا اور عنبر اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر بادشاہ نے یوحنا بزرگ کو شہید کروا دیا ہے تو قدرت اس سے اس گناہ کا ضرور بدلہ لے گی اتنے میں ناگ بھی اندر آیا وہ کچھ پریشان تھا عنبر نے پوچھا۔

خیریت تو ہے ناگ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟

ناگ نے کہا۔

ابھی ابھی ایک عجیب واقعہ ہوا میں ناگن دیوی کی پوجا سے فارغ ہو کر اس کے قدموں میں پھول رکھ رہا تھا کہ اچانک ناگ دیوی کی آواز سنائی دی وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ یوحنانی کو بادشاہ سلومی اور سپہ سالار نے مل کر شہید کیا ہے اور اب سپہ سالار اور سلومی مل کر بادشاہ کو قتل

کر کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟

میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، ناگن دیوی نے خود اپنی آواز میں مجھے یہ پیغام دیا ہے۔

ناگن دیوی نے اس سے پہلے جتنے بھی پیغام دیئے تھے وہ سب کے سب سچے نکلے تھے چنانچہ انہیں اب بھی یقین تھا کہ ناگن دیوی کی آواز غلط نہیں ہے انہوں نے اس بات پر بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ سپہ سالار جو بادشاہ کا وفادار تھا اس کے خلاف کس طرح ہو گیا عنبر نے کہا۔

یہ ساری سازش سلومی نے تیار کی ہوگی وہ ایک ہوشیار اور مکار عورت ہے اس نے سپہ سالار کو راضی کر لیا ہوگا کہ وہ بادشاہ کو قتل کر دے اور

تخت پر قبضہ جمالے۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے بادشاہ کو بھی اس کے گناہ کی سزا ملنی چاہیے۔

عنبر نے کہا۔

مگر بادشاہ تو رات دن خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا رہتا ہے وہ تو اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اسے بے حد صدمہ ہے کہ ایک مکار عورت کے اشارے پر اس کے ہاتھوں سے بڑا گناہ ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

اس سے کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے اس کا کیا ہوا گناہ اب واپس نہیں آ سکتا نہ ہی اس گناہ کا داغ دھل سکتا ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے لیکن سلوٹی اور سپہ سالار سے بادشاہ اچھا آدمی ہے کہ کم از کم وہ اپنے کیے پر شرمسار تو ہے وہ اپنے گناہ پر پچھتا تو رہا ہے سلوٹی

اور سپہ سالار تو ظالم ہیں وہ شرمسار بھی نہیں ہیں۔

اور بادشاہ کو قتل کر کے ایک اور ظلم کرنا چاہتے ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ہمیں بادشاہ کو بچانا چاہیے؟

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں بادشاہ کو خبردار کر دینا چاہیے

لیکن بادشاہ بیمار ہے اور اندھا ہے وہ کیا مقابلہ کر سکے گا؟

عنبر بولا۔

میرا خیال ہے ہمیں بادشاہ سے چل کر بات کرنی چاہیے اگر تو واقعی اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور خدا سے اپنے گناہوں کی سچے دل سے معافی مانگ رہا ہے تو ہمیں اس کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اس سے یہ وعدہ بھی لینا ہوگا کہ وہ آئندہ

سے یوحنا نبی کے ماننے والوں کو تنگ نہیں کرے گا ....دریائے اردن کے کنارے ان کو اپنی مرضی کے ساتھ عبادت کرنے کی آزادی دے گا۔

ضرور ضرور۔..........

اسی روز شام سے کچھ وقت پہلے عنبر بادشاہ کے محل میں آ گیا یہاں اس نے یہ بتایا کہ وہ ایک دوائی بدل کر لایا ہے اور اسے امید ہے کہ اس دوائی سے بادشاہ کی بیماری دور ہو جائے گی اور اس کی آنکھوں کی سوجن ختم ہو جائے گی عنبر کو اسی وقت بادشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا عنبر کی خوش قسمتی تھی کہ بادشاہ کے پاس سوائے اس کی ملکہ کے اور کوئی نہیں تھا عنبر نے جاتے ہی بادشاہ سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ ایک انتہائی اہم مسئلے پر بات کرنے آیا ہے بادشاہ ذرا چونکا، اس روز اس کی آنکھوں کا درد کم ہو گیا تھا.......... بادشاہ نے پوچھا۔

www.pdfbookfree.pk

تم مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟

عنبر نے کہا۔

کیا آپ کو اپنی ملکہ پر بھروسہ ہے؟ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کی موجودگی میں ایک ایسی سازش کے راز سے پردہ اٹھاؤں جس کا تعلق آپ کے تخت و تاج سے ہے۔؟

بادشاہ کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی ظاہر ہوئی اس نے کہا۔

ہمیں اپنی ملکہ پر پورا پورا بھروسہ ہے تم کھل کر بات کرو، اب عنبر نے ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ سپہ سالار سلومی کے اشارے پر بغاوت کرنے کے بعد بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بادشاہ یہ سن کر سناٹے میں آ گیا ملکہ اس کا رنگ بھی زرد ہو گیا بادشاہ نے پوچھا۔

تمہیں اس کی خبر کہاں سے ملی ہے۔؟

www.urdubooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

مجھے میرے ایک جاسوس نے یہ اطلاع دی ہے جو آپ کا خیر خواہ ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے کہ سپہ سالار مجھے قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے؟

عنبر بولا۔

میرے لئے ثبوت پیش کرنا بڑا مشکل ہے اسلئے کہ ابھی تک یہ سازش باغیوں کے ذہنوں میں پرورش کر رہی ہے وہ ثبوت حاصل کر سکنے کا وقت نہیں دیں گے ممکن ہے ثبوت اس وقت مہیا ہو جب آپ اس دنیا میں نہ ہوں۔

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا ملکہ نے کہا۔

مجھے اس پر پہلے ہی شک تھا دو تین روز سے وہ یہاں آ کر آپ کو اور چاروں اطراف سے دیکھا کرتا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

میں اندھا ہو کر بستر پر پڑا ہوں میں اس کی گھناؤنی سازش کا اکیلا کیوں کر مقابلہ کر سکتا ہوں میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے جو گناہ ہوئے ہیں یہ مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔

اب عنبر نے صاف پوچھ لیا۔

کیا آپ یوحنا نبی کو شہید کر کے پچھتا نہیں رہے۔؟

بادشاہ تڑپ اٹھا۔

تمہیں کس نے بتایا؟

اسی جاسوس نے جس نے یہ بتایا ہے کہ سپہ سالار آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی ملکہ سسکیاں بھرنے لگی بادشاہ کی اندھی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا کہ وہ خدا سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اس نے یوحنا نبی کو شہید کر کے جو گناہ کیا ہے اس پر وہ اس قدر پچھتا رہا ہے کہ اسکا ضمیر اسے ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے عنبر نے کہا۔

اگر یہ بات ہے تو مجھ سے جو مدد ہو سکی کروں گا۔

بادشاہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

تم کیا مدد کر سکو گے بھلا؟

عنبر نے کہا۔

یہ وقت آنے پر معلوم ہو گا۔

تختہ الٹ دو

بادشاہ ہیروڈ اپنے گناہ پر بہت پچھتا رہا تھا۔

چنانچہ جب عنبر نے اسے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں اس کی حکومت کو تباہی اور بغاوت سے بچا سکتا ہے کہ وہ یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندیاں اٹھا لے اور انہیں آزادی کے ساتھ دریائے اردن کے کنارے پر عبادت کرنے کی اجازت دے دے تو اس نے فوراً یہ شرط مان لی اور عنبر سے کہا کہ اگر خدا اس کے اتنے بڑے گناہ کو اتنی سی بات پر بخش سکتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھے گا بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف بلند کیے اور یوحنا نبی کی

روح سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگی عنبر نے بادشاہ سے کہا۔

شاید خدا نے اور یوحنا نبی کی مقدس روح نے آپ کو معاف کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی مدد کا خیال پیدا ہو گیا ہے لیکن آپ کو اپنے وعدے پر قائم رہنا ہو گا اور دریائے اردن کے کنارے یوحنا نبی کے ماننے والوں کے لئے ایک عبادت گاہ بنانی ہو گی۔

میں اس وعدے پر صدق دل کے ساتھ قائم رہوں گا میں یوحنا نبی کے ماننے والوں کو عبادت کی آزادی ہی نہیں دوں گا بلکہ اپنے ذاتی اخراجات سے یوحنا نبی کے نام پر ایک شاندار عبادت گاہ بھی بنواؤں گا جہاں لوگ آزادی سے عبادت کر سکیں گے۔

ملکہ نے کہا۔

میں بھی اس بات کی ضمانت دیتی ہوں۔

عنبر بادشاہ اور ملکہ کو یقین دلا کر وہ اس کی ہر حالت میں مدد کرے گا شاہی محل سے واپس ناگن دیوی کے مندر میں آ گیا یہاں آ کر اس نے ناگ کو ساری بات سمجھا دی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اور اس نے یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندی اٹھا لینے اور انہیں اپنی مرضی سے عبادت کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کر دیا ہے ناگ نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ خوش نصیب ہے اس نے نہ صرف اپنا سر قلم ہونے سے بچا لیا بلکہ اپنی سلطنت کو بھی محفوظ کر لیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کس طرح سپہ سالار اور سلوی کی سازش سے خبردار رہنا ہوگا۔ کیونکہ ہمیں کوئی خبر نہیں کہ انہوں نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کون سا وقت اور کون سا طریقہ مقرر کیا

ہے۔

ناگ نے کہا۔

کیا تم کنیز کارمیلا کی روح سے نہیں پوچھ سکتے کہ یہ لوگ کب اور کیوں بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جمانے والے ہیں۔؟

عنبر بولا۔

میرے دوست کارمیلا کی روح مجھے یہ نہیں بتا سکتی کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے ہاں جو کچھ ہو رہا ہو اس بارے میں وہ اپنی طاقت کے مطابق میری مدد کر سکتی ہے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی خبر اس نے مجھے اپنی مرضی سے دی ہے اور اسے بھی اس وجہ سے خبر ملی تھی کہ یہ ایک اللہ کے نیک بندے کی شہادت کا معاملہ تھا ہونے والے واقعات کے بارے میں میں نے جب کبھی کارمیلا سے پوچھا وہ خاموش ہو گئی ہے۔

ناگ نے کہا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے طور پر اب حرکت میں آ جانا چاہیے کیونکہ سلومی قید خانے میں ہے وہ بہت جلد آزاد ہو کر اس ملک کی ملکہ بننا چاہتی ہو گی۔

عنبر کہنے لگا۔

ہاں.........اور اس کے لئے وہ سپہ سالار کو شاہ ہیروڈ کے قتل پر اکسا رہی ہو گی تم اس سلسلے میں یہ کر سکتے ہو کہ کس طرح سلومی کو ٹھڑی میں پہنچ جاؤ اور ان کی خفیہ گفتگو کو سنو اور مجھے آ کر خبر دو ان دونوں کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے۔

ناگ نے کہا۔

میرے دوست میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔

پھر تم آج ہی اور اسی وقت وہاں پہنچ جاؤ لیکن کیا تمہارے اس طرح

جانے میں خطرہ تو نہیں ہے میرا خیال ہے کہ خطرہ قدم قدم پر ہے تمہارا کیا خیال ہے۔

ناگ نے کہا۔

میں تو تمہارے کہنے پر آگ میں کود پڑنے کو بھی تیار ہوں اس لئے کہ تم نے میری ہر جگہ مدد کی ہے میری جان بچائی ہے میں تمہارا احسان مند ہوں یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ مجھے کیسے اور کب وہاں پہنچنا ہوگا؟ میرا کام تو تمہارے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔

پھر تم ٹھہر جاؤ میں بادشاہ سے ذکر کر کے خاص طور پر تمہاری ڈیوٹی قید خانے کے باہر لگواتا ہوں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تم سلومی کے آس پاس رہو گے اور ایک ایک پل کی خبر ہوگی.......... تمہارا کیا خیال ہے؟

بڑا مناسب خیال ہے؟

دوسرے روز عنبر علاج کرنے بادشاہ کے محل میں آ گیا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بادشاہ کی آنکھ کا درد کم ہو گیا تھا اور سوجن بھی اترنا شروع ہو گئی تھی اس کا صاف طور پر یہی مطلب تھا کہ خدا نے بادشاہ کی گڑگڑاہٹ سن لی ہے اور اسے معاف کر دیا ہے عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو رہی ہیں اور خدا نے چاہا تو اس کی بینائی بھی واپس آ جائے گی شاہ ہیروڈ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دل سے دعا کی کہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے عنبر نے ناگ کو جیل خانے کے پہرے پر لگانے کی تجویز پیش کی۔

بادشاہ نے کہا۔

عنبر، تمہیں اجازت ہے کہ میری سلطنت کو باغیوں سے بچانے کے لئے جو کچھ کرنا چاہو تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں

www.urdubooksfree.pk

ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

پھر بھی یہ حکم آپ ہی دیں گے کہ ناگ کو سلومی کی کوٹھڑی کے باہر پہرے پر لگا دیا جائے۔

بادشاہ نے کہا۔

میں اس کے لئے ابھی حکم جاری کر دیتا ہوں ناگ سے کہو کہ وہ وردی خانے جا کر سپاہی کی وردی حاصل کر لے اور آج ہی سے سلومی کے قید خانے کے باہر پہرہ دینا شروع کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ناگ نے سپاہی کی وردی پہن لی اور قید خانے میں سلومی کی کوٹھڑی کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دینا شروع کر دیا پہلے والے پہرے دار کو وہاں سے ہٹا دیا گیا سلومی نے نئے سپاہی ناگ کو کوٹھڑی میں سے غور سے دیکھا اور سلاخوں کے قریب آ کر پوچھا۔

ایسے لگتا ہے کہ میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے۔

ناگ نے سر جھٹک کر کہا۔

میں کل ہی سکندریہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں تم نے مجھے نہیں دیکھا۔

سلومی مسکرائی۔

چلو گر پہلے نہیں دیکھا تو آج تو دیکھ لیا ہے تم شادی شدہ ہو؟ ناگ سمجھ گیا کہ سلومی اسے اپنی چار لیازیوں میں لانا چاہتی ہے اس نے کہا۔

میں شادی شدہ ہوں میرے دس بچے ہیں اور تمہیں اس سے کیا؟

سلومی بولی۔

میں تو اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے سوچتی ہوں کہ تم اتنی مشکل ڈیوٹی دیتے ہو اور تمہیں تنخواہ کیا ملتی ہے تمہارا گزارا کتنی مشکل سے ہوتا ہوگا۔

ناگ نے کہا۔

کیا تم مجھے بادشاہ کے خلاف کرنا چاہتی ہو۔؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں بادشاہ کا وفادار ہوں اور اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا۔

یہ کہہ کر ناگ وہاں سے ہٹ گیا اور چل پھر کر پہرہ دینے لگا اب وہ اس بات کے انتظار میں تھا کہ کب سپہ سالار اس کے پاس آتا ہے اگلے ہی روز سپہ سالار وہاں پہنچ گیا ناگ بڑا خوش ہوا لیکن یونہی جھوٹ موٹ اس نے سپہ سالار سے کہا۔

آپ بادشاہ کا اجازت نامہ دکھائے بغیر سلوی سے نہیں مل سکتے سپہ سالار نے کہا۔

میں سپہ سالار ہوں میں جس وقت چاہوں قیدی سے ملاقات کر سکتا ہوں تم مجھے روکنے والے کون ہو۔؟ میرے راستے سے ہٹ جاؤ

وگرنہ میں تمہیں کھڑے کھڑے قتل کر دوں گا۔

ناگ یہی چاہتا تھا چنانچہ وہ پرے ہٹ گیا اور اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا سپہ سالار اندر چلا گیا اب ناگ کا اصل کام شروع ہونے والا تھا اب اسے اندر پہنچ کر ان دونوں کی باتوں کو سننا تھا کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے کی کیا سازش کر رہے ہیں ناگ کوٹھڑی سے دور چلا گیا ایک جگہ اندھیرا سا تھا اور ارد گرد کوئی نہیں تھا۔ .... ناگ نے ہلکی سی پھنکار ماری اور سانپ کی شکل بدلی اور دیوار پر سے رینگتا ہوا اوپر چھوٹے سے روشن دان میں سے ہو کر کوٹھڑی کے اندر چلا گیا وہ دیوار پر سے اتر کر نیچے نہ آیا بلکہ اوپر چھت کے ساتھ ہی ایک طرف لگا رہا اور ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

یہ ناگ کی بدقسمتی تھی کہ سلومی اور سپہ سالار کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان میں یہ ذکر کہیں بھی نہیں آیا کہ وہ کب اور کس طرح بادشاہ کو

قتل کریں گے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بات کا فیصلہ وہ پہلے سے ہی کر چکے ہیں ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔

سپہ سالار۔ میں وقت مقررہ پر تمہیں قید خانے سے آ کر لے جاؤں گا۔

سلومی۔ کیا فوجی افسروں سے تم نے ساری بات طے کر لی ہے؟

سپہ سالار۔ وہ سب میرے ساتھ مل چکے ہیں میں انہیں جس طرح کہوں گا وہ اسی طرح کریں گے وہ صرف میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔

سلومی۔ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو شہر کے چوک میں لا کر رکھ دینا بہت ضروری ہوگا کہ عوام کو یقین ہو جائے کہ بادشاہ مر چکا ہے۔

سپہ سالار۔ اس کا بندوبست بھی کر لیا گیا ہے یہ کام کمانڈر نے اپنے زمے لے لیا ہے۔

سلومی۔ کیا یہ لوگ آخری دم تک وفادار رہیں گے۔

سپہ سالار۔ کیوں نہیں، میں نے انہیں اعلیٰ عہدوں کا لالچ دیا ہے۔

سلومی۔ کہیں وہ تمہیں بھی قتل کرنے کا منصوبہ تو نہیں بنا رہے۔؟

سپہ سالار۔ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا اس سے پہلے میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

سلومی۔ پھر بھی تمہیں بے حد ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

سپہ سالار۔ تم فکر نہ کرو میں ہر طرح سے چوکس ہوں اچھا اب میں جاتا ہوں تم میرا انتظار کرنا اب میں تمہیں یہاں سے لینے ہی آؤں گا۔

سلومی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔

اس کے بعد سپہ سالار اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

ناگ بھی روشن دان سے ہو کر باہر برآمدے کی چھت پر آیا اور وہاں سے اتر کر نیچے آ گیا نیچے آتے ہی وہ پھر سے انسان کی شکل میں واپس

آ گیا سپہ سالار اسے دیکھ رہا تھا ناگ جلدی سے آگے بڑھا اور بولا۔

کیا آپ پھر بھی آ رہے ہیں یا میں دروازہ بند کر دوں۔

سپہ سالار نے کہا۔

ہاں ہاں دروازہ بند کر دو میں اب نہیں آؤں گا۔

ناگ نے سوچا کہ ذرا اس کے دماغ کو یہ بتا کر پریشانی تو لگا دو کہ مجھے اس کی سازش کا علم ہے خدا جانے اسے یہ خیال کیوں آیا اس نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ایسا کرنا کہیں ان کے لئے نقصان دہ تو نہیں ہوگا ناگ نے کہا۔

مگر آپ تو سلوی سے کہہ رہے تھے کہ میرا انتظار کرنا۔

سپہ سالار آگے چلتے چلتے وہیں رک گیا یہ بات اس کے دماغ پر پتھر بن کر گری اس نے واپس پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے ناگ کو دیکھا اور اسے کندھے سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔

کم بخت تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے سلومی سے یہ بات کی ہے

بولو جواب دو کیسے پتہ چلا تمہیں۔۔؟

ناگ نے پہلے تو گڑ گڑا کر بڑی عاجزی سے کہا۔

حضور میں نے دور سے آپ کی آواز سنی تھی۔

سپہ سالار نے کہا۔

بکواس کرتے ہو میں بڑی آہستہ آہستہ بات کر رہا تھا تم میری آواز نہیں سن سکتے تھے پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے یہ کہا ہے بتاؤ نہیں تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔

ناگ نے کہا۔

مجھ سے غلطی ہو گئی حضور معاف کر دیں۔

سپہ سالار نے اچانک تلوار کھینچ لی اسے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کی سازش بے نقاب ہو گئی ہے سپہ سالار نے ناگ کی گردن پکڑ کر

کہا۔

بولو۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں سلومی سے دوبارہ مل رہا ہوں اگر تم نے جواب نہ دیا تو میں ابھی اس تلوار سے تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دوں گا۔

اب ناگ انتظار نہیں کر سکتا تھا اب وہ احمقوں کی طرح سپہ سالار کا منہ نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے کہ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا اس نے کھڑے کھڑے بڑے زور سے پھنکار ماری اس کے منہ سے اس قدر گرم بھاپ نکلی کہ سپہ سالار اس کی گردن چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا ناگ اس کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا سپہ سالار کو ناگ کی آنکھوں سے خوف محسوس ہوا اور وہ چپکے سے وہاں سے کھسک گیا یہ سارا منظر سلومی کوٹھڑی کی سلاخوں کے ساتھ لگی دیکھ رہی تھی اس نے سپہ سالار کو جاتے دیکھا تو ناگ سے کہا۔

پہریدار تم سپہ سالار سے کیا باتیں کر رہے تھے؟

ناگ نے پلٹ کر سلومی کو دیکھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور ان میں سے جادو کی کرنیں باہر نکل رہی تھی سلومی کو بھی ان آنکھوں سے دہشت محسوس ہوئی اور چپکے سے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے عنبر کو رات کو آ کر بتایا کہ سپہ سالار اور سلومی کی گفتگو سے وہ یہ معلوم نہیں کر سکا کہ بادشاہ کو کب اور کیسے قتل کیا جا رہا ہے اس کے بعد اس نے عنبر کو ساری تفصیل کھول کر بیان کر دی عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا اسکا مطلب یہ تھا کہ خطرہ بادشاہ کے سر پر منڈلا رہا تھا کوئی خبر نہیں پہنچی تھی کہ کون کس وقت بادشاہ کے سینے میں خنجر اتار دے یا اس کے کھانے میں زہر ملا کر دے دے عنبر کو یہ معلوم ہوا کہ جیل کا کمانڈر بھی بغاوت کی سازش میں شریک ہے اور اس کے علاوہ کئی

فوجی افسروں کو بھی سپہ سالار نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔

عنبر نے بادشاہ کی خبر گیری شروع کر دی مگر چوبیس گھنٹے وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا اور پھر بادشاہ کو کسی پانی یا کھانے میں زہر بھی دیا جا سکتا تھا آخر تنگ آ کر عنبر نے سپہ سالار کو ہی ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا لیا اس نے ٹاگ سے مشورہ کیا کہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ہے ہم کسی غلطی سے اندھے کنویں میں گر جائیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس سازش کے سرغنہ سپہ سالار کو ہی ختم کر دیا جائے اس لئے کہ اگر سپہ سالار کو ختم کر دیا تو باقی اپنے آپ بغاوت سے ہاتھ چھوڑ دیں گے ٹاگ نے کہا۔

اگر تم یہی مناسب خیال کرتے ہو تو میرے لئے سپہ سالار کو ہلاک کرنا خوشی کا باعث ہوگا کیونکہ اس نے میری بے عزتی کی تھی۔

عنبر نے کہا۔

پھر تم ایسا کرو کہ یہ معلوم کرو سپہ سالار کہاں ہے وہ جہاں بھی ہو اسے ہلاک کر دو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

ناگ عنبر کا اشارہ پا کر سپہ سالار کی تلاش میں شاہی قلعے کی طرف روانہ ہو گیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار وہیں کہیں اپنے فوجی افسروں کے ساتھ ہو گا۔

ہیروڈ کا قتل

ناگ دن بھر قلعے میں سپہ سالار کو تلاش کرتا رہا۔ مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا اس نے ایک سپاہی سے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ شہر سے باہر سپاہیوں کو جنگی مشق کرانے گیا ہوا ہے ناگ عنبر کے پاس مندر میں آ گیا عنبر اپنے کمرے میں بیٹھا بادشاہ کی آنکھوں کے لئے ایک دوائی بنا رہا تھا۔ اس نے عنبر کو بتایا کہ سپہ سالار شہر سے باہر گیا ہوا ہے عنبر نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بہت سوچ سمجھ کر بغاوت کا پہلا قدم اٹھانا چاہتے ہیں اسی لئے وہ دیر کر رہے ہیں بہر حال ہم آج رات اس کا انتظار کر لیتے ہیں کل اس کی خبر لیں گے۔

ناگ نے پوچھا۔

بادشاہ کا کیا حال ہے۔؟

آنکھوں کی سوجن دور ہوگئی ہے مگر بینائی واپس نہیں آرہی۔

مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اندھا ہو چکا ہے۔

خیال تو میرا بھی ایسا ہی ہے مگر میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ پھر سے دیکھ سکے۔

اچھا میں قید خانے کی طرف جا رہا ہوں ہوسکتا ہے سپہ سالار سلومی سے ملنے وہاں آئے۔

ہاں.........اور اگر وہ وہاں آیا تو ایک پل ضائع کیے بغیر اسے ہلاک کر دینا۔

ایسا ہی ہوگا۔

ناگ وہاں سے سیدھا گھوڑے پر سوار ہوکر قید خانے پہنچ گیا جب وہ

سلومی کی کوٹھڑی کے باہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی میں سلومی نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ ایک اور قیدی زمین پر بیٹھا تھا اس نے اس سپاہی کو بلا کر پوچھا۔

سلومی کہاں چلی گئی؟

سپاہی نے کہا۔

سپہ سالار کے حکم سے اسے شہر سے باہر والی چھاؤنی کے جیل خانے میں بھجوا دیا گیا ہے۔

ناگ فوراً سمجھ گیا کہ سپہ سالار صبح سے کہاں غائب ہے وہ ضرور سلومی کے پاس چھاؤنی گیا ہوگا اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ بغاوت کے پہلے منصوبے میں کامیاب ہو گیا ہیں یعنی سپہ سالار نے سلومی کو بڑی آسانی سے اپنے ساتھ لے جا کر آزاد کروا لیا ہے۔

دوسری چھاؤنی میں وہ قید کہاں ہو گی وہ تو سپہ سالار کے ساتھ بڑی

آزادی سے بغاوت کی سازش پر کام کر رہی ہوگی کیوں کہ چھاؤنی میں اکثریت ان افسروں کی تھی جو سازش میں برابر کے شریک تھے۔

ناگ نے سوچا کہ فوراً چل کر عنبر کو صورتحال سے آگاہ کرنا چاہیے چنانچہ وہ قید خانے سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ناگن دیوی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب شام ہوگئی تھی اور سائے گہرے ہونے شروع ہو گئے تھے شہر میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا ناگ بڑی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا مندر پہنچا وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ عنبر تو بادشاہ کا علاج کرنے شاہی محل جا چکا ہے۔ ناگ نے وہیں سے گھوڑے کی باگ موڑی اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابھی وہ شاہی محل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اسے دور سے کچھ سپاہی بھاگتے ہوئے دکھائی دیے ایک سپاہی سخت زخمی تھا اس کے جسم سے

خون بہہ رہا تھا وہ اس کے قریب آ کر گر پڑا ناگ نے اسے سہارا دیا اور پوچھا۔

تم کیسے زخمی ہوئے۔؟

سپاہی نے دم توڑتے ہوئے کہا۔

بادشاہ قتل کر دیا گیا ہے۔

اتنا کہہ کر وہ مر گیا ناگ کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی گویا سپہ سالار کی سازش کامیاب ہو چکی تھی وہ چونکہ ایک سپاہی کی وردی میں تھا اس لئے محل کی طرف بھاگا اسے سب سے زیادہ فکر عنبر کی تھی کیونکہ عنبر محل میں گیا تھا وہ محل کے دروازے پر پہنچا تو اسے ہر طرف لاشیں اور خون ہی خون نظر آیا وہ لپک کر اوپر بادشاہ کے محل کی طرف آ گیا وہاں بھی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور کچھ جگہوں پہ سپہ سالار اور بادشاہ کے سپاہیوں میں جنگ ہو رہی تھی ناگ تیز تیز قدم اٹھاتا بادشاہ کی خواب

گاہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں بادشاہ کی لاش غائب تھی۔

بادشاہ کے بستر پر خون ہی خون تھا.......... عنبر یہاں بھی نہیں تھا اچانک اسے پردے کے پیچھے ایک کنیز کا سہما ہوا چہرہ دکھائی دیا ناگ نے اسے پردے سے باہر نکال کر پوچھا کہ یہ سب کیا ہوا؟ ملکہ کہاں ہے بادشاہ کی لاش کہاں ہے؟ شاہی حکیم عنبر کہاں ہے؟ کنیز ڈری ہوئی تھی اس نے روتے ہوئے کہا۔

انہوں نے بادشاہ کو قتل کر دیا ملکہ کو گرفتار کر کے لے گئے بادشاہ کی لاش بھی لے گئے۔

اور شاہی حکیم!؟

اسے بھی پکڑ کر ساتھ لے گئے۔

اسے کیوں گرفتار کیا۔؟

اس نے بادشاہ کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

ناگ کو عنبر کی فکر پڑ گئی اگرچہ اسے معلوم تھا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا کوئی بھی شخص اسے ہلاک نہیں کر سکتا پھر بھی اسے ساری زندگی کے لئے کسی اندھیرے تہہ خانے میں پھینکا جا سکتا تھا اور بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر آ گیا سپہ سالار کے سپاہیوں کا ایک دستہ محل کے اندر داخل ہو رہا تھا ناگ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اسکے بعد فوج کے کچھ اور دستے اندر داخل ہوئے اس کے فوراً بعد سپہ سالار اور سلومی بڑی شان کے ساتھ گھوڑوں پر سوار شاہی محل میں آئے۔

سپہ سالار نے ایک چبوترے پر گھوڑے کو چڑھا کر تلوار بلند کی اور کہا۔

سنو۔ اے شاہ ہیروڈ کے بچے کچھے سپاہیوں! شاہ ہیروڈ کو قتل کیا جا چکا ہے اس کی لاش شہر کے سب سے بڑے چوک میں پڑی ہے اب میں اس شہر کا بادشاہ ہوں مجھے شہنشاہ روم اور کتے دین کی حمایت حاصل ہے

ہتھیار پھینک دو نہیں تو تمہیں ایک ایک کر کے بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا۔

سپہ سالار کی اس تقریر کے ساتھ ہی شاہ کے وفادار سپاہیوں نے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا یہ سارا کھیل ٹنگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ وہاں سے سب کی آنکھ بچا کر محل سے باہر آ گیا وہاں سے وہ سیدھا شہر کے بڑے چوک میں پہنچا یہاں لوگوں کا ہجوم لگا تھا بادشاہ ہیروڈ کی لاش زمین پر پڑی تھی اور لوگ اس پر پتھر مار رہے تھے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ بادشاہ شاہ ہیروڈ نے ہی یوحنا نبی کو شہید کروایا تھا انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ یوحنا نبی کا اصل قاتل سپہ سالار اور سلومی ہیں۔

بادشاہ کا گناہ یہ تھا کہ اس نے یوحنا کو شہید کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ محض سلومی کی مکار چالوں میں پھنس کر............پھر بھی وہ قصوروار

ضرور تھا مرد وہی ہے جو اپنے ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرے اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے کہ جس کے لئے اسے بعد میں پچھتانا پڑے لوگ بڑے غصے میں تھے اور بادشاہ کی لاش پر پتھر پھینکتے ہوئے اسے برا بھلا کہہ رہے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ سپہ سالار نے لوگوں کی حمایت بھی حاصل کرلی تھی اس لئے کہ لوگوں کو اس نے اندھیرے میں رکھا تھا اس نے عوام میں یہی مشہور کروایا دیا تھا کہ یوحنا نبی کو بادشاہ نے شہید کروایا دیا ہے۔

ناگ وہاں سے سیدھا ناگن کے مندر میں آ گیا۔

یہاں پہنچ کر اس نے اپنی سپاہیوں کی وردی بدلی بڑے پجاری کا لباس پہنا اور اپنی کوٹھڑی میں جا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ عنبر کو کہاں اور کیوں کر تلاش کرے؟ ناگن دیوی کا معاملہ یہ تھا کہ وہ خود ہی اسے کبھی کبھی آواز دیا کرتی تھی ناگ کے کہنے پر وہ کبھی نہیں بولی

تھی ورنہ وہ اس سے پوچھ سکتا تھا کہ عنبر کو کس جگہ قید رکھا گیا ہے ناگ بہت پریشان تھا وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا رات ہو گئی تھی اور مندر میں ناگن دیوی کی عبادت کا وقت ہو رہا تھا ناگ بھی عنبر کے ساتھ مل کر یوحنا نبی کے خدا پر ایمان لا چکا تھا اور اب اس کا دل ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ پتھر کے سانپ کی پوجا کرے مگر چونکہ اسے وہاں رہنا تھا اسلئے وہ مجبور تھا کہ ایسا کرے۔

اب یہ حال سنیئے کہ بادشاہ ہیروڈ قتل کیسے ہوا؟

جس وقت عنبر نے ناگ کو سپہ سالار کی تلاش میں قید خانے کی طرف روانہ کیا تو وہ شاہ ہیروڈ کی آنکھوں پر دوائی کا لیپ کرنے شاہی محل کی طرف چل پڑا اس وقت شاہی محل پر ایک خاص قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی اس قسم کی پراسرار خاموشی عنبر نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی محل کے درو دیوار کہہ رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے عنبر بادشاہ

کی خواب گاہ میں آ گیا۔ بادشاہ اپنے شاہانہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ملکہ اس کے پاس بیٹھی تھی کچھ غلام اور کنیزیں ذرا دور ستونوں کے پاس ہاتھ باندھے کھڑی تھیں عنبر نے بادشاہ کے قریب جا کر اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا اور دوائی لگائی۔ بادشاہ تندرست ہو رہا تھا مگر آنکھوں کی بینائی واپس نہیں آ رہی تھی عنبر بادشاہ سے باتیں کرنے لگا سازش کے بارے میں عنبر ایک ایک پل کی خبر بادشاہ کو دے چکا تھا۔ بادشاہ خود بڑا پریشان تھا کہ سپہ سالار کب شاہی محل پر حملہ کرے گا ملکہ بے چاری تو سہمی بیٹھی تھی بادشاہ کو یہ معلوم تھا کہ سپاہی اس کے وفادار ہیں لیکن افسر سارے کے سارے سپہ سالار نے لالچ دے کر ساتھ کر لیے تھے جس کی وجہ سے بہت سے سپاہی بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

عنبر نے بادشاہ کو جھک کر سرگوشی میں بتا دیا کہ اس نے اپنے شاگرد ناگ کو سپہ سالار کو ہلاک کرنے کے لئے روانہ کر دیا ہے بادشاہ بہت

خوش ہوا مگر پھر کچھ اداس ہو گیا اور بولا۔

سپہ سالار ایک چالاک آدمی ہے اسے ہلاک کرنا تمہارے شاگرد کے بس کی بات نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

آپ میرے شاگرد کو نہیں جانتے وہ اڑتی چڑیا کو ہلاک کر سکتا ہے۔

وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک وہ ایک طرف ہٹا اور سپہ سالار سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس سے پیشتر کہ عنبر سنبھل سکتا اور تلوار کھینچ کر سپہ سالار کا مقابلہ کر سکے سپہ سالار نے لپک کر تلوار بادشاہ کے سینے میں گھونپ دی بادشاہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ بستر پر تڑپنے لگا ملکہ کو گرفتار کر لو۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سپاہیوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی سپہ سالار نے اسے بھی گرفتار کرنے کا حکم دے دیا دیکھتے ہی دیکھتے سپاہیوں

نے ملکہ اور عنبر کو بازوؤں میں جکڑ لیا سپہ سالار نے کہا۔

اس بادشاہ کی لاش شہر کے چوک میں پھینک دی جائے۔

بادشاہ اس عرصے میں مر چکا تھا سپاہیوں نے اس کی لاش اٹھائی اور باہر لے گئے عنبر اور ملکہ کو بھی زنجیریں ڈال کر قید خانے کی طرف لے جایا گیا یہ سب اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا اسے بادشاہ کے قتل ہونے کا بہت افسوس تھا سپہ سالار کی سازش کامیاب ہو گئی تھی ناگ یقیناً دیر سے پہنچا ہو گا ورنہ سپہ سالار اب تک مر چکا ہوتا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا پانسہ پلٹ گیا تھا بادشاہ قتل ہو گیا تھا بغاوت کامیاب ہو چکی تھی محل میں ادھر اُدھر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو رہی تھیں مگر ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

ملکہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

سپاہی ملکہ کو قلعے کے اس قید خانے میں لے گئے جو ایک برج کے اوپر

قید سے فرار

بنا ہوا تھا عنبر کو قلعے کے تہہ خانے والی کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا گیا ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی وہاں ایک انسانی ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا یہ اس قیدی کا ڈھانچہ تھا جو قید میں پڑے پڑے مر گیا تھا اور کسی نے اسکی خبر نہ لی تھی اس تہہ خانے میں ایسے قیدیوں کو ڈالا جاتا تھا جن کی پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اور جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اندر ہی مر جاتے تھے۔

عنبر کو بھی اسی تہہ خانے میں پھینک دیا گیا وہ ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گیا اور اپنی قسمت پر غور کرنے لگا اس کی زندگی بھی کیسے کیسے انقلابوں اور حادثوں میں سے ہو کر گزر رہی ہے کبھی وہ بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے اور کبھی قید خانے کی کال کوٹھڑی میں پڑا ہوتا ہے وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اور سارے واقعات پر غور کرنے لگا ناگ کو کچھ خبر نہیں تھی کہ عنبر کے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے اس کے جاتے ہی کیسا تختہ الٹ گیا تھا

قید سے فرار

خدا جانے جب ناگ کو بغاوت کی خبر ہوگی تو وہ کیا کرے گا۔

سپہ سالار سلومی کو اس سے پہلے ہی قید خانے سے نکال کر چھاؤنی لے گیا تھا وہ ایک شاندار کمرے میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہی تھی اتنے میں سپہ سالار گھوڑے پر سوار بڑی فاتحانہ شان سے چھاؤنی کے اندر داخل ہوا اس نے سلومی کو بتایا کہ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد تخت پر قبضہ کرلیا گیا ہے سلومی خوشی سے جھوم اٹھی آج اس کے دل کی آرزو پوری ہو گئی تھی وہ سدوم شہر کی ملکہ بن گئی تھی اس نے سپہ سالار کو مبارک باد دی اور کہا۔

تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بہادر سپاہی ہو میں آج سے تمہاری عزت کرتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ میں تمہاری ملکہ ہوں اور تم بادشاہ ہو۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر پرانی ملکہ کے گلے سے نوچ کر اتارا ہوا

قیمتی ہیرے جواہرات کا ہار سلومی یعنی نئی ملکہ کے گلے میں ڈال دیا اور کہا۔

سدوم کی ملکہ بننے پر میری طرف سے بھی مبارک باد قبول کرو۔

سلومی نے مسکرا کر کہا۔

میری طرف سے بھی مبارک باد قبول ہو۔.........لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی لاش کہاں رکھی ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

تمہارے کہنے کے مطابق اس شہر کے سب سے بڑے چوک میں پھینک دیا گیا ہے اور لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہی وہ بادشاہ ہے جس کے حکم سے یوحنا نبی کو شہید کیا گیا تھا۔

سلومی کہنے لگی۔

اب ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا اگر تم لوگوں کی پوری پوری

ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہو تو یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندیاں اٹھا دو اور انہیں اجازت دے دو کہ وہ جب اور جس وقت چاہیں دریائے اردن کے کنارے جا کر عبادت کر سکتے ہیں۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں کل ہی اس کا اعلان کر دوں گا تم جو کہو گی میں وہی کروں گا تم میری ملکہ ہی نہیں میری وزیر بھی ہو گی تمہارے ہر مشورے کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

شکریہ۔

سلومی کو معلوم تھا کہ سپہ سالار اس کی عزت کرتا ہے اور اس کے ہر مشورے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر سلومی اس بیوقوف سپہ سالار کو پسند نہ کرتی تھی جو اس کے مشوروں کا محتاج تھا اس نے سپہ سالار کو کھلونا بنا کر بادشاہ کو قتل کروا کر تخت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اسے سپہ

سالار کا بادشاہ بننا پسند نہیں تھا وہ چاہتی تھی کہ سپہ سالار بھی اس کے راستے سے ہٹ جائے تا کہ وہ آزاد اور خود مختار ہو کر ساری سلطنت کی مالک بن کر تخت پر بیٹھے۔

اُدھر رات بھر ناگ اپنے مندر میں پریشان رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے اسے رات کو نیند آئی مگر پھر آنکھ کھل گئی وہ جلدی سے جلدی یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کا جگری دوست عنبر کہاں ہے اور کس حال میں ہے مگر یہ کیوں کر معلوم ہو؟ کس کے ذریعے سے معلوم ہو ظاہر ہے سوائے شاہی قلعے اور شاہی محل کے سپاہیوں کے اور کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ جب صبح ہوئی دن کی روشنی پھیلی تو ناگ مندر میں سے نکل کر شاہی قلعے کی طرف آ گیا۔

اس نے سپاہی کی وردی پہن لی تھی۔

آدھی رات کو آواز

ناگ قلعے کے اندر داخل ہوا تو اسے روک لیا گیا۔

اگرچہ بغاوت کامیاب ہو چکی تھی اور سپہ سالار نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی قلعے کے اندر اور باہر سخت پہرہ تھا اور ہر ایک سپاہی کی سختی سے جانچ پڑتال ہوتی تھی ناگ بھی ایک عام سپاہی کی وردی میں تھا لیکن اسے یہ بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ کس دستے کا سپاہی ہے اور اس دستے کا کمانڈر کون ہے؟ اس لئے کہ وہ تو اپنے جادو یا طاقت کے زور سے سپاہی کی وردی پہن بیٹھا تھا قلعے کے دروازے پر جن کوتوال نے اسے روکا وہ بڑی شکی طبیعت کا آدمی تھا اس نے ناگ سے پوچھا کہ وہ

کس دستے سے تعلق رکھتا ہے اور قلعے میں کس ڈیوٹی پر آ رہا ہے ظاہر ہے اس کا جواب ناگ تسلی بخش طور پر نہ دے سکا کوتوال نے حکم دیا کہ ناگ کو گرفتار کر کے سپہ سالار کے سامنے پیش کیا جائے ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق بادشاہ کے وفادار سپاہیوں سے ہو۔

اس وقت بادشاہ کے وفادار سپاہیوں کی سزا موت تھی ناگ پریشان ہو گیا وہ تو اپنے دوست عنبر کو بچانے آیا تھا اور الٹا خود مصیبت میں پھنس گیا لیکن اب ہو کچھ نہیں کر سکتا تھا اسے گرفتار کر لیا گیا اور ایک سپاہی اسے لے کر سپہ سالار کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا ناگ اچھی طرح جانتا تھا تھا کہ اگر سپہ سالار کے سامنے لایا گیا تو سپہ سالار اسے فوراً پہچان لے گا کہ یہ تو بادشاہ کے وفادار لوگوں میں سے ہے اور اسی وقت اس کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا ناگ کو اتنا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کر سکے اس کا دماغ بڑی تیزی سے

سوچنے لگا کہ وہاں سے فرار کیسے حاصل کیا جائے اصل میں وہ وہاں سے فرار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا وہ وہاں رہ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کا دوست عنبر کس حال میں ہے اب وہ سپاہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا وہ تنگ و تاریک برآمدے میں سے گزرے تو ناگ نے کہا۔

اگر تم پسند کرو تو میں یہاں ایک کوٹھڑی سے اپنا وہ قیمتی جواہرات کا ہار نکال لوں جو میں نے شاہی محل میں لوٹ مار کے وقت چھپا کر رکھا تھا۔

قیمتی جواہرات کے ہار کا سن کر سپاہی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ بغاوت کے وقت جب شاہی محل میں لوٹ مار ہوئی تو بے شمار سپاہیوں نے دولت سے ہاتھ رنگے تھے اور ہیرے جواہرات لوٹ کر گھر لے گئے تھے لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا اب جو اس

نے ناگ کی زبانی ایک قیمتی ہار کا ذکر سنا تو اسکی نیت خراب ہوگئی اس نے سوچا وہ بڑی آسامی سے اس سے ہار چھین کر اپنے قبضے میں کر سکتا ہے وہ راضی ہوگیا۔

چلو مجھے چل کر دکھاؤ وہ ہار کہاں ہے۔؟

میرے سامنے والی کوٹھڑی میں آجاؤ میں نے ہار اسی کوٹھڑی میں چھپایا ہوا تھا ناگ نے کہا۔

تم یہاں دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ میں کونے میں سے ہار نکال کر لاتا ہوں۔

سپاہی نے ڈانٹ کر کہا۔

جلدی لے کر آؤ یہاں اندھیرا بہت ہے میں زیادہ دیر کھڑا نہیں ہو سکتا۔

فکر نہ کرو ابھی لے کر آتا ہوں۔

ناگ سپاہی سے الگ ہو کر کوٹھڑی کی ایک جانب اندھیرے میں ہو گیا تھوڑی دیر بعد سپاہی کو کوٹھڑی کے اندر پھنکار کی سی آواز سنائی دی وہ خوف زدہ ہو گیا کیونکہ یہ آواز ہو بہو سانپ کی پھنکار سے ملتی جلتی تھی ٹھیک اسی وقت ناگ سپاہی سے بدل کر سانپ کی جون میں آ گیا تھا سپاہی ابھی سانپ کی پھنکار کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک سرخ آنکھوں والا سانپ اپنا پھن پھیلائے زمین سے چار فٹ بلند ہو کر اس کے سامنے جھوم رہا تھا۔

سپاہی کا حلق خشک ہو گیا اس نے آواز دینی چاہی مگر آواز گلے سے نہ نکل سکی اس کا بدن ٹھنڈا ہو گیا سانپ نے لپک کر اس کی گردن پر ڈس دیا سپاہی چیخ مار کر گر پڑا برآمدہ دور تک ویران تھا وہاں اس کی چیخ سننے والا کوئی نہیں تھا سپاہی کو زمین پر گرتا دیکھ کر ناگ پھر سے سپاہی کے روپ میں آیا اور لپک کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا اب وہ تیز تیز قدم

اٹھاتا قلعے کی دوسری منزل میں آ گیا یہاں اور بھی بے شمار سپاہی ادھر اُدھر کام کر رہے تھے ناگ بھی وہاں چلنے پھرنے لگا اب اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اسے عنبر یا ملکہ کے بارے میں یہ بتا سکے کہ وہ کہاں قید ہیں۔

سے ایک بوڑھا سپاہی نظر آیا جو ایک بارہ دری کے پاس پتھر پر بیٹھا ایک بلی کے بچے سے کھیل رہا تھا ناگ نے سوچا کہ یہ بوڑھا سپاہی شاید اس کی کچھ مدد کر سکے وہ ٹہلتا ٹہلتا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بلی کے بچے کو کھیلتے بڑے شوق سے دیکھنے لگا بوڑھے سپاہی نے ناگ کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

یہ میری پالتو بلی کا بچہ ہے۔

بڑا خوب صورت ہے ناگ نے کہا اور سپاہی کے پاس بیٹھ گیا۔

بوڑھے سپاہی نے کہا۔

تم نے اس کی ماں کو نہیں دیکھا وہ اس سے بھی بڑھ کر خوبصورت تھی۔

ناگ نے پوچھا۔

اس کی ماں کہاں ہے۔؟

سپاہی نے آہ بھر کر کہا۔

بادشاہ کے ظالم سپاہیوں نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

ناگ نے سپاہی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بادشاہ اور اس کے وفادار سپاہیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا بوڑھا سپاہی بھی بلی کی ماں کو یاد کر کے بادشاہ کو کوسنے لگا ناگ نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں جس طرح ہمارے بہادر سپہ سالار نے بادشاہ کو قتل کیا تھا اسی طرح ملکہ کو بھی قتل کر دینا چاہیے تھا ناگ کے ساتھ ناگن کو بھی کچل دینا چاہیے تھا کیا خبر کہ کب وہ بھی غداری کر دے۔

بوڑھے سپاہی نے کہا۔

بہادر سپہ سالار بہت جلد غدار ملکہ کو پھانسی پر لٹکا دے گا۔

اور اگر اس دوران میں وہ فرار ہو گئی تو اس کو کون ذمے دار ہو گا۔

سپاہی ہنس دیا اور بولا۔

وہ اس قلعے کے سب سے اونچے برج کی کوٹھڑی میں قید ہے وہاں سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتی۔

ناگ کو اسی اطلاع کی ضرورت تھی وہ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ کر ایک طرف کو چل پڑا اب اس کی منزل قلعے کا سب سے اونچا برج تھا جو پہاڑی کی سب سے بلند ترین چوٹی پر تھا اسے یقین تھا کہ ملکہ سے ملنے کے بعد اسے اپنے دوست عنبر کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو سکیں گی چونکہ وہ ایک سپاہی کی وردی میں تھا اس لیے اسے کسی نے نہ روکا اور وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں سے برج کی سیڑھیاں شروع ہوتی تھیں اس جگہ بڑا سخت پہرہ

تھا اور ناگ بھی وہاں تک نہیں جا سکتا تھا اس لئے کہ کسی سپاہی کو بھی سپہ سالار کی اجازت کے بغیر اوپر ملکہ کی کوٹھڑی تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔

ناگ نے اپنا پرانا طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ سب کی نظروں سے چھپتا ہوا ایک طرف آ گیا یہاں قلعے کی زنگ خوردہ دیوار کا سایہ تھا ناگ نے بڑی آسانی کے ساتھ یہاں انسان کی شکل سے ناگ کی شکل اختیار کر لی اور پتھروں پر سے رینگتا ہوا اوپر برج کی دیوار پر چڑھنے لگا وہ برج کے پچھلے حصے کی طرف سے ہو کر اوپر چڑھ رہا تھا تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

وہ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ اوپر والے برج کے روشن دان پر پہنچ گیا یہاں سے اس نے نیچے گردن اٹھا کر دیکھا نیچے گہری خندق میں کچھ مزدور کام کر رہے تھے

ناگ روشن دان کی سلاخوں میں سے ہو کر کوٹھڑی کی اندر والی دیوار پر آ گیا اس نے کوٹھڑی کے اندر دیکھا.......... ملکہ جو کہ سپہ سالار کی قیدی تھی ایک ٹوٹے پھوٹے تخت پوش پر سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس نے اپنا سر دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی ناگ جلدی سے دیوار پر سے رینگ کر نیچے اتر آیا نیچے اتر کر ایک ہلکی سی پھنکار کے بعد وہ دوبارہ سپاہی کی شکل میں ملکہ کے سامنے آ گیا ملکہ نے اسے دیکھا نہیں تھا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں ناگ ذرا سا کھنکارا کہ ملکہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ سمجھ گئی کہ یہ سپاہی اسے پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے جانے کے لئے آیا ہے ملکہ نے کہا۔

میں مرنے کے لئے تیار ہوں بادشاہ کے مرنے کے بعد میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔

www.urdubooksfree.pk

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

ملکہ سلامت میں آپ کا ہمدرد بن کر آیا ہوں میں آپ کا وفادار ہوں میں شاہی حکیم عنبر کا جگری دوست ہوں اور آپ دونوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔

ملکہ نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔

تو کیا تم حکیم عنبر کے دوست ہو؟

ہاں ملکہ!

مگر سپاہیوں نے تو اسے بھی قید کر رکھا ہے وہ تو میرے ساتھ اسے بھی پھانسی پر چڑھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ عنبر کو کس جگہ رکھا گیا ہے۔ ؟

یہ مجھے نہیں معلوم:

بہت اچھا میں اس کا پتہ کر لوں گا لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ عنبر اور

آپ کو اگر مجھے یہاں سے نکالوں گا اس کے لیے میرا عنبر سے ملنا بہت ضروری ہے میں اس کی تلاش میں ہی یہاں مارا مارا پھر رہا ہوں میرا خیال تھا کہ شاید آپ کو اس کے بارے میں کچھ علم ہو گا۔

ملکہ نے سوچ کر کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہاں کسی نے ذکر کیا تھا کہ حکیم کو اس کوٹھڑی میں قید کیا گیا ہے جس کوٹھڑی میں یوحنا نبی کا سر کاٹا گیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

اب میرے لئے اپنے دوست کو تلاش کرنا آسان ہو گیا ہے میں اس کوٹھڑی کو اتہ پتہ معلوم کر لوں گا۔

ناگ ملکہ سے اجازت لے کر کوٹھڑی کے دروازے سے باہر نکل گیا یہ دروازہ کھلا تھا اس لئے کہ نیچے برج کے دروازے پر بڑا سخت پہرہ لگا تھا یہ دروازہ اس لئے کھلا رکھا گیا تھا کہ ملکہ کبھی کبھی باہر نکل کر ٹہل لیا

کرے ناگ نے باہر آکر پھر سانپ کی جون تبدیل کر لی اور نیچے اتر کر قلعے کی پہلی منزل پر آگیا یہاں اسی پرانی دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دوبارہ سپاہی کی شکل اختیار کی اور اس مقام پر واپس آگیا جہاں بوڑھا سپاہی بلی کے بچے سے کھیل رہا تھا ناگ اس کے پاس بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں اس سے معلوم کر لیا کہ وہ کوٹھڑی کہاں پر واقع ہے جس کے اندر یوحنا نبی کا سر کاٹا گیا تھا یہ کوٹھڑی قلعے کی نچلی منزل کے تہہ خانے میں مغربی تختے کی جانب تھی ناگ قلعے کی نچلی منزل میں آگیا اور تہہ خانے کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

ادھر عنبر کی بھی ذرا خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے عنبر تہہ خانے کی گیلی زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا کہ ایکا دکی سے یوں لگا جیسے اندھیری کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی ہو جو اپنی آنکھیں جھپکنے لگا

کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا مگر یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی روشنی اس کی کوٹھڑی میں ہو چکی تھی اور اب اسے ایک پر اسرار آواز سنائی دی عنبر............ تم جس مقام پر بیٹھے ہو اس مقام پر خدا کے ایک نیک بندے کے ساتھ ظلم ہوا تھا ظالم بادشاہ اور سپہ سالار کے اشارے پر خدا کے ایک بزرگ نبی کے سر کو شہید کر دیا گیا تھا یہ لوگ ظالم ہیں ان سے ان کے ظلم کا گن گن کر بدلہ لیا جائے گا.......... سلومی ایک بد عورت ہے مکار سازشی عورت ہے اس نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے خدا کے نبی کے خلاف بغاوت کی اور اسے شہید کروا دیا مگر اس کا عبرت ناک انجام بھی قریب ہے وہ بھی اپنے عبرت ناک انجام سے نہیں بچ سکے گی سن خدائی قہر بہت جلد اس شہر پر نازل ہونے والا ہے.......... اور سن خدا اپنے نیک بندوں کو آزمائش میں ڈالا ہی کرتا ہے خدا کے نیک بندے اپنی تکلیفوں میں بھی اسی کو

یاد کرتے ہیں آواز بند ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور حیرانی سے کوٹھڑی کی دیواروں کو تکنے لگا یقیناً یہ آواز فرشتے کی تھی۔ یہی وہ کوٹھڑی تھی جہاں خدا کے نبی کے ساتھ ظلم ہوا تھا عنبر نے اس کوٹھڑی کی دیوار کو عقیدت کے ساتھ چوم لیا اور ہاتھ باندھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے بزرگ و برتر خدا میں تجھ سے اور تیرے نبی پر ایمان لا چکا ہوں اگر مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو مجھے معاف کر دے میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں مجھے اتنی طاقت دے کہ میں تیرے دشمنوں اور ظالموں سے جنگ کر سکوں اس سے ظلم کا بدلہ لے سکوں

آمین۔.......

ابھی اس نے آمین کہہ کر منہ پر ہاتھ ہی پھیرا تھا کہ اسے باہر کسی کے

قدموں کی چاپ سنائی دی عنبر کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ گیا اس نے دیکھا کہ سامنے ناگ پھنی سپاہی کی وردی پہنے چلا آ رہا ہے عنبر نے اپنے دونوں ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال کر ناگ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

میرے دوست مجھے یقین نہیں تھا کہ تم میری کوٹھڑی تک پہنچ سکو گے تم نے کہاں سے پتہ کیا؟

ناگ کہنے لگا۔

اگر انسان سچے دل سے خدا کی بھی تلاش میں نکلے تو وہ اسے بھی پا لیتا ہے میں نے عہد کیا تھا کہ تمہیں تلاش کر کے رہوں گا اور دیکھ لو میں تمہارے پاس پہنچ گیا خدا کا شکر ہے کہ اتنے بڑے طوفان کے بعد ہم ایک دوسرے کو مل گئے۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ تو مارا گیا سپہ سالار نے تخت پر قبضہ کر لیا یہ بتاؤ تمہیں معلوم ہے ملکہ کس حال میں ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میں ملکہ سے مل کر آ رہا ہوں

عنبر بولا۔

سچ؟

ناگ نے کہا۔

تو اور کیا جھوٹ۔؟

اور ناگ نے عنبر کو ملکہ سے ملاقات کی ساری تفصیل بیان کر دی اتفاق کی بات تھی کہ اس وقت کوٹھڑی کے باہر جس سپاہی کا پہرہ تھا وہ گشت پر نکل گیا تھا ویسے کوٹھڑی کے باہر بڑا طاقت ور تالہ پڑا تھا جسے دس آدمی مل کر بھی چاہیں تو توڑ نہیں سکتے تھے مگر ناگ کا وہاں زیادہ

دیر تک کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ اسے کیونکر وہاں سے نکال سکتا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہاں سے وہ عقاب بن کر بھی باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ باہر جانے کے سارے راستوں پر باریک سلاخوں کے پنجرے لگے ہیں اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہرے داروں کو ہلاک کر کے وہاں سے فرار ہوا جائے اور پھر ملکہ کو وہاں سے نکلوانے کی تدبیر پر غور کیا جائے۔

ناگ نے کہا۔

اگر تمہاری یہی رائے ہے تو میں تیار ہوں ایک ایک کر کے سارے پہریداروں کو موت کی نیند سلا دوں گا۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے انہیں ہلاک کرنے کی بجائے اس طرح ڈسو کہ وہ صرف بے ہوش ہو جائیں اور ہوش اس وقت آئے جب ہم یہاں سے نکل

چکے ہوں۔

ایسا ہی ہوگا۔

اچانک پیچھے سے پہرے دار کے پاؤں کی بھاری آواز سنائی دی

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

میں کھیل شروع کرنے لگا ہوں۔

قید سے فرار

عنبر کے سامنے ناگ نے زور سے پھنکار ماری۔

وہ پلک جھپکنے میں سانپ کی شکل اختیار کر گیا اور دیوار کے ساتھ لگ گیا قدموں کی آواز پہرے دار کی تھی پہرے دار نے عنبر کو سلاخوں کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا تو غصے میں کہا۔

پیچھے ہٹ کر بیٹھا کرو، اگر دوبارا تمہیں سلاخوں کے پاس دیکھا تو ہنٹر مار مار کر کھال ادھیڑ دوں گا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

ذرا اپنے پیچھے تو دیکھو کیا ہے؟

سپاہی نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا تو وہاں ایک ناگ پھن پھیلائے

جھوم رہا تھا سپاہی کا رنگ زرد ہو گیا اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا وہ چیخ مارنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اس کی گردن پر کچھ اس طریقے سے ڈسا کہ سپاہی فوراً بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا عنبر نے ہاتھ سلاخوں میں سے باہر نکال کر سپاہی کی جیب سے چابیاں نکالیں ایک چابی لگا کر تالا کھولا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا اس نے ناگ سے کہا۔

تم میرے آگے آگے چلو۔

سانپ عنبر کے آگے آگے چل پڑا عنبر اس کے پیچھے پیچھے چھپ چھپ کر چلا آ رہا تھا سامنے سے دو سپاہی چلے آ رہے تھے عنبر ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا سانپ نے دیوار پر چڑھ کر پیچھے سے دونوں سپاہیوں کو باری باری گردن پر ڈس دیا دونوں سپاہی بے ہوش ہو کر دھڑام سے زمین پر گر پڑے اب وہ آگے بڑھتے چلے گئے جس وقت وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بڑے دروازے میں سے باہر نکلنے

والے تھے تو اچانک سامنے سے ایک موٹا سپاہی تلوار ہاتھ میں لئے نمودار ہوا اس نے سانپ کو دیکھا تو تلوار گھما کر اس پر حملہ کر دیا سانپ لپک کر ایک طرف ہٹ گیا سپاہی پینترا بدل کر اس طرف آ گیا اب دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا سانپ کی یہ کوشش تھی کہ وہ جلدی سے جلدی سپاہی کو ڈس دے اور سپاہی کی یہ کوشش تھی کہ وہ سانپ کے ڈسنے اسے پہلے ہلاک کر دے۔

عنبر بڑا پریشان ہو رہا تھا کیوں کہ اگر سپاہی کا وار خالی نہ گیا تو ناگ کے دو ٹکڑے ہو جانا یقینی بات تھی اس نے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک تلوار کھینچی اور سپاہی کو للکارا موٹے سپاہی سانپ کے ساتھ ساتھ عنبر سے بھی مقابلہ کرنے لگا اس کا خیال تھا کہ سانپ ڈر کر بھاگ جائے گا اور وہ عنبر کو بڑی آسانی سے ہلاک کر دے گا مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے الٹ ہوا عنبر نے سپاہی کو تلوار بازی کے مقابلے میں الجھا لیا اور

ناگ نے موقع پا کر پیچھے سے سپاہی کی پنڈلی پر کاٹ دیا خدا جانے ناگ اس روز کس طریقے سے ڈس رہا تھا کہ جسے بھی ڈستا وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا۔

موٹا سپاہی بھی بے ہوش ہو کر دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

ناگ اور عنبر تہہ خانے کے خطرناک اور سخت پہرے والے دروازے سے نکل کر قلعے کی پہلی منزل پر آ گئے یہاں سپاہیوں نے قیدی کے لباس میں عنبر کو دیکھا تو اس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے عنبر بھی ان کے سامنے تلوار لے کر ڈٹ گیا بڑے گھمسان کی جنگ ہونے لگی

سانپ اس دوران برابر اپنا کام کیے جا رہا تھا وہ لپک کر کسی ایک سپاہی کو کاٹ کر بے ہوش کرتا اور پھر بھاگ کر دیوار پر چڑھ جاتا عنبر بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہا تھا وہ ایک بہترین تلوار باز تھا تلوار چلانے کی مشق اسے دو ڈھائی ہزار برس سے تھی چنانچہ اس نے دیکھتے دیکھتے

کئی سپاہیوں کو زخمی کر کے پھینک دیا اسے جو سپاہی تلوار کا وار کر کے زخم لگاتا وہ زخم فوراً بھر جاتا اسے خون تک نہ بہہ رہا تھا کچھ سپاہی تو حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگے اور سانپ نے انہیں ڈس کر بے ہوش کر دیا اس ساری لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر بعد وہاں سارے کے سارے سپاہی زمین پر پڑے تھے ان میں سے کچھ شدید زخمی تھے اور باقی کے سارے سانپ کے کاٹنے سے بے ہوش ہو چکے تھے۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

انسان کی شکل میں آ کر یہاں سے بھاگ چلو۔

ناگ نے پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں آیا دونوں دوست قلعے کے دروازے کی طرف دوڑنے لگے وہ فصیل یعنی قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ اس دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے جدھر سے گھوڑوں خچروں اور اونٹوں پر لد کر کھانے پینے کا سامان قلعے میں آتا

تھا یہاں دروازے پر کچھ سوداگر لوگ کھڑے سپاہیوں سے باتیں کر رہے تھے عنبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے پھر انہوں نے قریب ہی دو گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے چپکے سے گھوڑے کھول کر وہ اس پر سوار ہو گئے اور بڑے مزے کے ساتھ دروازے میں سے باہر نکل گئے پہرے دار یہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی سوداگر لوگ ہیں۔

قلعے سے باہر آ کر انہوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیئے اور ناگن دیوی کے مندر میں جا کر دم لیا اپنے کمرے میں آ کر انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کپڑے تبدیل کیے ناگ نے پجاری کا لباس پہن لیا اور عنبر نے سوداگروں کے کپڑے پہن لیے اب وہ سوچنے لگے کہ ملکہ کو قلعے کے برج سے کیسے رہا کرایا جائے ظاہر ہے یہ کام ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا پھر بھی یہ کام بڑے جان جوکھوں کا تھا پہلی بات تو یہ تھی کہ جس برج میں ملکہ قید تھی وہ قلعے کی سب سے بلند

چوٹی پر تھا اس کے علاوہ وہاں بے حد سخت پہرہ تھا اور برج کی سیڑھیوں سے ہو کر اوپر جاتا اور پھر ملکہ کو وہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لاتا ایک مشکل مرحلہ تھا دونوں دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور غور کرنا شروع کر دیا۔

کافی دیر کے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سلسلے میں کنیز کارمیلا کی روح سے مدد لی جائے کیونکہ اس کی مدد کے بغیر وہ ملکہ کو وہاں سے نکال کر نہیں لا سکتے تھے عنبر نے کارمیلا کی روح کو پکارنا شروع کر دیا کافی دیر کے بعد روح وہاں آ گئی۔

تمہاری آواز مجھے بہت دور سے کھینچ کر یہاں لے آئی ہے اگر تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان نہ ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتی بولو تم نے مجھے کس لئے بلایا ہے۔

عنبر نے کہا۔

اس شہر کی ملکہ کو سپہ سالار نے قید کر رکھا ہے کیا تم کسی طرح اسے قید خانے سے نکال کر ہمارے پاس پہنچا سکتی ہو؟

کارمیلا کی روح نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

مجھے افسوس ہے عنبر میں ایسا نہیں کر سکتی یہ میری طاقت سے باہر نہیں ہے مگر اس کی مجھے اجازت نہیں ہے اس لئے کہ ملکہ اور بادشاہ نے مل کر خدا کے ایک بزرگ نبی کے خلاف گھناؤنا جرم کیا تھا اور یہ عورت بھی اس جرم میں شریک تھی یہ خدا کے مجرم ہیں میں اس میں دخل نہیں دے سکتی ہاں تم اگر چاہو تو اپنے طور پر اسے آزاد کروانے کی کوشش کر سکتے ہو۔

عنبر نے کہا۔

میں تمہاری مجبوری کو خوب سمجھتا ہوں کارمیلا مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں اتنی دور سے یہاں آنے کی تکلیف دی۔

کارمیلا بولی۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں نا امید کیا عنبر یقین کرو اگر یہ بات میرے اختیار میں ہوتی تو میں کبھی انکار نہ کرتی بلکہ ہمیشہ کی طرح اب بھی تمہارے کام آتی۔

کوئی بات نہیں کارمیلا۔ تم سچی ہو، خدا حافظ!

خدا حافظ!

کارمیلا کی روح چلی گئی عنبر اور ناگ ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے اچانک ناگ نے کہا۔

کیوں نہ ناگن دیوی سے مدد طلب کروں میرا خیال ہے شاید وہ راضی ہو جائے۔

مگر تم تو کہتے ہو کہ تمہارے بلانے پر وہ کبھی نہیں بولی میں نے کبھی اسے بلایا ہی نہیں میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیشہ اس نے مجھے بلایا ہے۔

بہر حال کوشش کر کے دیکھ لو۔

ناگ اسی وقت عنبر کو لے کر ناگن دیوی کے استھان پر آ گیا، اس وقت مندر میں اور کوئی نہیں تھا صرف دو ایک پجارنیں وہاں بیٹھی عبادت کر رہی تھی ناگ نے انھیں باہر بھیج دیا اور خود استھان پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے عبادت شروع کر دی کچھ دیر تک مذہبی منتر پڑھتے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ناگن دیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے ناگنوں اور ناگوں کی سب سے بڑی ناگن دیوی میں تمہاری ہی خواہش سے پجاری بنا ہوں میں کون ہوں تو مجھے جانتی ہے کیا تو میری مشکل میں میری مدد کرے گی۔

اچانک ناگن دیوی کا بت تھوڑا سا ہلا اور پھر آواز سنائی دی اے ناگ شہزادے تو کون ہے؟ میں جانتی ہوں مگر تو نے اب یوحنا نبی کا مذہب اختیار کر لیا ہے ہم تم کو اپنے سے الگ تو نہیں کر سکتے؟ لیکن تیری مدد

بھی نہیں کر سکتے۔؟

ناگ نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ..........

ناگن دیوی نے بات کاٹ کر کہا۔

تو جو چاہتا ہے وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں لیکن میرے ناگ شہزادے میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں میری بھی ایک حد ہے میں اس حد سے آگے نہیں جا سکتی میں تیزی ملکہ سدوم کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد ناگن دیوی کی کوئی آواز نہ آئی ناگ استھان پر سے اٹھا اور عنبر کو ساتھ لے کر واپس اپنی کوٹھڑی میں آ گیا ملکہ سدوم کے سلسلے میں وہ دونوں طرف سے مجبوری ظاہر کر دی گئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کو اپنی کوشش سے ملکہ کو آزاد کروانا تھا ان کے پاس جتنی

طاقت تھی ، اس طاقت کو استعمال میں لا کر انہیں ملکہ کو سپہ سالار کی قید سے رہا کروانا تھا۔

آخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی طاقت استعمال کریں گے اور ملکہ کو ہر قیمت پر ظالم سپہ سالار کے پنجے سے رہائی دلا کر رہیں گے طے یہ پایا کہ ناگ سانپ کا روپ بدل کر برج کی سیڑھیوں کی پہلی چوکی پر پہنچے گا وہاں وہ سارے کے سارے پہرے داروں کو بے ہوش کر کے عنبر کے ساتھ اوپر جائے گا ملکہ کو ساتھ لے کر وہ نیچے آئیں گے باہر گھوڑے تیار کھڑے ہوں گے اور وہ راستے میں آنے والے تمام سپاہیوں سے لڑتے ، مقابلہ کرتے ، انہیں زخمی کرتے مارتے بے ہوش کرتے ملکہ کو لے کر وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

یہ کام ہمیں بڑی ہوشیاری سے اور بہادری سے کرنا ہوگا اس میں تمہارے ہلاک ہونے کا شدید خطرہ ہے ناگ کیوں کہ تم سانپ کے

روپ میں ہو گے اس لئے تمہیں زیادہ چوکس رہنے کی ضرورت ہو گی۔

ناگ نے کہا۔

فکر نہ کرو دوست میں پوری طرح خبر دار ہو کر ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھوں گا۔

پھر بھی ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جیسا کہ مجھے قید خانے میں پتہ چلا تھا سپہ سالار بہت جلد ملکہ کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دینا چاہتا ہے۔

میری طرف سے کوئی دیر نہیں عنبر، تم اگر چاہو تو ہم کل آدھی رات کو برج پر حملہ کر سکتے ہیں۔

بس یہ ٹھیک ہے۔

دونوں دوست اگلے روز آدھی رات کو برج پر دھاوا بولنے کا پروگرام بنا کر سو گئے رات گزر گئی صبح اٹھ کر ناگ پہنچی تو مندر میں عبادت کے

لئے چلا گیا اور عنبر وہیں بیٹھا رودت کے پروگرام پر غور کرتا رہا۔

ادھر جب سپہ سالار کو پتہ چلا کہ شاہی حکیم عنبر جیل میں سے بھاگ گیا ہے تو اس نے اس کی تلاش کے لئے سارے شہر میں سپاہی دوڑا دیے سپاہیوں کا ایک دستہ مندر میں بھی اسے تلاش کرتا ہوا آیا ناگ پھنی نے انہیں کہا کہ مندر میں کوئی مفرور ملزم نہیں ہے مگر سپاہیوں نے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور مندر کو کوٹھڑیوں کے گرد گھیرا ڈال کر تلاشی شروع کر دی۔

یہ چھ سپاہی تھے عنبر کو پکڑا جانا یقینی تھا کیونکہ مندر میں سوائے کوٹھڑیوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں عنبر کو چھپایا جا سکتا چنانچہ ناگ نے ان سپاہیوں کو وہاں سے بھگانے کی ترکیب سوچ لی اس نے اپنے استھان میں جا کر سانپ کا روپ بدلا اور باہر نکل کر بجلی کی ایسی تیزی کے ساتھ سپاہیوں پر حملہ کر دیا وہ انہیں ڈسنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس

طرح وہ بے ہوش ہو کر مندر میں گر پڑتے وہ انہیں ڈرا کر وہاں سے بھگانا چاہتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا سانپ کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے وہ مندر سے باہر کی طرف دوڑے باہر جا کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

اسی روز سلومی نے سپہ سالار سے کہا کہ ملکہ کو جس قدر جلد ہو سکے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے کیونکہ اس کے زندہ رہنے سے خطرہ ہے کہ بادشاہ کے حامی لوگ پھر سے شہہ پا کر بغاوت نہ کر دیں سپہ سالار نے بھی اس خطرے کو محسوس کیا اور اسی وقت حکم دیا کہ شام ہونے سے پہلے ملکہ کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ فوراً قلعے کے باہر ایک پھانسی تیار ہو گئی ملکہ کو سیاہ لباس پہنچا دیا گیا اور جلاد بھی کالے کپڑے پہن کر شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ملکہ وہیں کوٹھڑی میں بیٹھی رو رہی تھی اسلیئے نہیں کہ اسے موت کا خوف تھا بلکہ اسلیئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ آدھی رات کو حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ کسی نے آکر انہیں خبر دی کہ قلعے کے باہر پھانسی گھر تیار ہو گیا ہے اور سنا ہے کہ ملکہ کو پھانسی دی جارہی ہے عنبر اور ناگ تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے انہیں اپنے سارے منصوبے پر پانی پھرتا نظر آیا

عنبر نے کہا۔

اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمیں ملکہ کو بچانے کی ابھی سے کوشش شروع کر دینی چاہیئے ذرا سی دیر ہو گئی تو ہم ملکہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

میں تیار ہوں۔

آؤ میرے ساتھ آؤ۔

www.pdfbookfree.pk

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا، اور دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی عنبر اور ناگ نے ایک عام سوداگروں کا حلیہ بنایا سروں پر بڑے بڑے عمامے باندھے نقلی داڑھیاں لگائیں اور قلعے کی طرف روانہ ہو گئے ان کا پروگرام یہ تھا کہ قلعے کے مغربی سوداگروں والے دروازے سے داخل ہو کر وہ برج تک پہنچنے کی کوشش کریں گے ابھی وہ اس دروازے سے کافی فاصلے پر تھے کہ انہیں قلعے کی دیوار کے نیچے ایک بہت بڑا ہجوم دکھائی دیا، دونوں دوست جلدی سے وہاں پہنچے

انہوں نے جو سنا تھا، وہ سچ ہوا قلعے کی دیوار کے نیچے پھانسی گڑی تھی اور ملکہ کا انتظار ہو رہا تھا، جلاد سیاہ کپڑے پہنے تیار کھڑا تھا سپاہیوں کا دستہ ارد گرد تلواریں اور نیزے لیے چوکس تھا عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ اگر سپاہی ایک بار ملکہ کو اس ہجوم میں لے آئے ہمارے لئے ملکہ کو بچا کر لے جانا ناممکن ہو جائے گا فوراً کسی صورت میں اپنے ساتھ

مجھے بھی لے کر قلعے کے اندر اس مقام پر پہنچو جہاں ملکہ موجود ہے۔

میرے ساتھ اس ٹیلے کی اوٹ میں آ جاؤ۔

ناگ عنبر کو ساتھ لے کر ٹیلے کے پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا یہاں ان کے سوا اور کوئی آدمی نہ تھا ناگ نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے آنکھیں بند کرنے کے لئے کہا عنبر نے آنکھیں بند کر لیں ناگ نے کچھ منتر پڑھ کر زور سے پھنکاری ماری اور وہ دونوں آدمیوں سے سفید عقابوں کے روپ میں تبدیل ہو گئے دونوں عقاب تیر کی طرح قلعے کی طرف اڑ گئے

موت کی اڑان

ملکہ کو پھانسی دینے کے لئے کوٹھڑی سے نکال دیا گیا تھا۔

جس وقت دونوں سفید عقاب قلعے کے اوپر پہنچے ملکہ سدوم زنجیروں میں جکڑی ہوئی برج کے دروازے سے باہر لائی جا رہی تھی اسکے آگے پیچھے سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں ....

دونوں عقاب فضا میں چکر لگاتے رہے وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے سپاہیوں پر جھپٹنا مارا تو وہ تلواریں چلا کر انہیں ہلاک کر دیں گے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اڑتے رہے سپاہی ملکہ کو لے کر قلعے کی پہلی منزل کی سیڑھیاں اترنے لگے پہلی منزل کے باہر میدان میں جلاد ملکہ کو پھانسی دینے کے لئے تیار کھڑا تھا یہ وقت عنبر اور ناگ کے لئے

بڑا نازک وقت تھا انہیں ایک پل سوچنے کی بھی مہلت نہیں تھی جب سپاہی ملکہ کو لے کر قلعے کی پہلی منزل کے صحن میں آئے تو دونوں عقابوں نے بڑی زبردست رفتار کے ساتھ سپاہیوں پر جھپٹا مارا اور دونوں کی آنکھیں لہولہان کر کے اوپر اڑ گئے سپاہی چیخ مار کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

عقاب دوسرے سپاہیوں پر جھپٹا مارنے کے لئے آئے تو انہوں نے تلواریں چلانا شروع کر دی باقی سپاہیوں نے کمانوں میں تیر جوڑے اور آسمانوں کی طرف چھوڑ دیئے زہر میں بجھے ہوئے چھ سات تیر سن کر کے دونوں عقابوں کے پہلوؤں کے قریب سے گزر گئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا سپاہیوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی ناگ نے ہوا میں اڑ کر چکر لگاتے ہوئے عنبر سے کہا۔

تم برج کی طرف اتر جاؤ اور تلوار لے کر ان کے ساتھ جنگ شروع کر

دو میں کسی درندے کی شکل میں ان پر حملہ کرتا ہوں .... نہیں تو یہ کم از کم مجھے ہلاک کر دیں گے اور تم ملکہ کو نہ بچا سکیں گے۔

وہاں اب بحث کرنے کے لئے وقت ہی نہیں تھا عنبر نے غوطہ لگایا اور برج کے دروازے کے پاس اتر کر انسان کی شکل میں تبدیل ہو گیا اس نے تلوار کھینچی اور سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا سارے سپاہیوں نے اکیلے عنبر کو گھیر لیا اور اس پر دھڑا دھڑ حملے کرنے شروع کر دیئے دوسرے عقاب نے غوطہ لگایا اور جب وہ زمین پر آیا تو سپاہیوں کو شیر کی دل ہلا دینے والی دھاڑ سنائی دی انہوں نے حیران ہوتی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دس بارہ فٹ لمبا بہت بڑا خونخوار شیر برج کی جانب سے لپکتا ہوا ان پر حملہ آور ہوا ہے۔

ایک پل کے لئے وہ بت بن کر رہ گئے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں شیر کہاں سے آ گیا اس دوران میں شیر نے حملہ کر کے دو سپاہیوں

کی گردنوں پر زور سے پنجہ مارا اور ان کے منکے توڑ دیئے اب حالت یہ ہوگئی کہ ایک طرف سے عنبر تلوار کے ساتھ ایک بہادر سپاہی کی طرح ان کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسری طرف خونخوار شیر انہیں پھاڑ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ کا پانسہ پلٹ گیا چھ سات سپاہیوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں اور باقی خوف سے چیخیں مارتے وہاں سے بھاگ اٹھے ملکہ ایک طرف سہمی بیٹھی تھی عنبر نے ملکہ کے پاس جا کر کہا۔

ملکہ جلدی سے شیر کے اوپر سوار ہو جائیں جلدی کریں وقت بہت کم ہے۔

ملکہ کا ڈر سے رنگ زرد ہو رہا تھا لیکن اسے دوسری طرف بھی موت نظر آرہی تھی وہ فوراً شیر کی پشت پر سوار ہوگئی عنبر نے ناگ سے کہا کہ وہ قلعے کے مغربی دروازے سے نکل کر کسی طرح ناگن دیوی کے مندر

پہنچ جائے۔

شیر نے ملکہ کو اپنے اوپر بٹھایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا سب کے سامنے لوگوں کو خوف سے ادھر اُدھر دوڑاتا مغربی دروازے سے قلعے سے باہر نکل گیا باہر لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ملکہ ایک بہت بڑے شیر کے اوپر سوار تھی اور شیر پوری رفتار کے ساتھ بھاگتا چلا جارہا تھا عنبر برج کے پیچھے سے ہوکر پہاڑی کی ڈھلانوں پر سے اترتا پھسلتا ہوا قلعے کے نیچے جنوبی دیوار کے پاس آ گیا اور پھر اس نے بھی جنگلی جھاڑیوں میں چھوٹے چھوٹے ویران ٹیلوں سے ہوکر مندر کی طرف بھاگنا شروع کردیا۔

جہاں پھانسی گڑھی تھی وہاں بھگدڑ مچ گئی سپاہی سپہ سالار اور سلوی کو اس عجیب وغریب واقعے کی اطلاع دینے بھاگے .... کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ شیر کا پیچھا کرے سپاہیوں نے یہ سمجھا کہ دیوتا ملکہ کو

بچا کر لے گئے ہیں سپہ سالار کو خبر ہوئی تو وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں آیا اور بولا۔

نمک حرامو، تم نے ملکہ کو فرار ہو کر کیوں جانے دیا چلو میرے ساتھ ہم ملکہ کو ڈھونڈ کر دم لیں گے ....

سپہ سالار نے دس گیارہ سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور جدھر شیر ملکہ کو لے کر گیا تھا ادھر گھوروں کو دوڑانا شروع کر دیا۔

اس دوران میں ناگ شیر کے روپ میں ملکہ کو لے کر مندر میں داخل ہو چکا تھا مندر کی چار دیواری میں داخل ہوتے ہی ناگ شیر سے انسانی شکل میں آ گیا ملکہ خوف زدہ ہو گئی ناگ نے کہا:

ملکہ گھبرائیں نہیں آپ نے جو کچھ دیکھا یہ ایک حقیقت تھی اسے آپ بھول جائیں خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آپ کو پھانسی کے پھندے سے بچا لیا میرے ساتھ آئیں:

ناگ ملکہ کو لے کر مندر کی سب سے آخری کوٹھڑی میں آ گیا۔

آپ یہاں آرام کریں اب آپ آزاد ہیں یہاں سے دنیا کی کوئی طاقت آپ کو گرفتار نہیں کر سکتی میں اپنے دوست عنبر کو دیکھنے جاتا ہوں

ناگ باہر جانے لگا تو ملکہ نے کہا:

شیر کون تھا؟ عقاب کون تھا؟ عنبر اور تم اصل میں کون ہو؟

ناگ نے کہا۔

آپ اس بارے میں غور نہ کریں آپ صرف یہ یاد رکھیں کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہم نے آپ کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے.........اور بس.............

یہ کہہ کر ناگ نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا اور مندر کے دروازے کے پاس آ کر عنبر کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد عنبر بھی گرتا پڑتا بھاگتا وہاں پہنچ گیا اس نے آتے ہی پوچھا۔

ملکہ خیریت سے ہے کیا؟

ٹاگ نے کہا۔

ہاں میں نے اسے کوٹھڑی میں چھپا کر تالا لگا دیا ہے۔

بہت خوب! میرا خیال ہے سپہ سالار کے سپاہی ضرور تمارا پیچھا کریں گے وہ شیر کے پنجوں کے نشان دیکھتے ضرور یہاں تک پہنچ جائیں گے اگر انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جائیں گے۔

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں دور سے گھوڑسواروں کی اڑتی ہوئی گرد دکھائی دی عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے وہ لوگ ادھر ہی آ رہے ہیں

ٹاگ نے گھوڑوں کی گرد کو دیکھا اور کہا۔

تم ملکہ کو لے کر ناگن دیوی کے عقبی حجرے میں چھپ جاؤ باقی سب

کچھ میں سنبھال لوں گا۔

عنبر بھاگتا ہوا ملکہ کی کوٹھڑی میں گیا تالا کھول کر ملکہ کو وہاں سے نکالا اسے ساتھ لیا اور مندر کے بڑے کمرے میں ناگن دیوی کے پیچھے بنے ہوئے ایک تنگ و تاریک حجرے میں دونوں بند ہو کر بیٹھ گئے

ملکہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا،

کیا ہمارا دشمن یہاں بھی پہنچ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں ملکہ معلوم ایسے ہی ہوتا ہے مگر آپ فکر نہ کریں۔ یہاں وہ آپ کا بال تک بیکا نہیں کر سکیں گے۔

ملکہ بولی!

مگر تمہارا دوست وہاں اکیلا ہے وہ اکیلا اتنے بڑے دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکے گا۔

عنبر نے کہا۔

جس طرح اس نے قلعے میں مقابلہ کیا تھا اسی طرح وہ یہاں بھی مقابلہ کرے گا آپ ہرگز نہ گھبرائیں

ملکہ نے کہا۔

میں تو حیران ہوں کہ وہ شیر کیسے بن گیا؟ اور............اور تم بھی تو عقاب بن کر آسمان میں چکر لگا رہے تھے۔

عنبر بولا۔

یہ ہمارا ایک راز ہے آپ نہ تو اس بارے میں ہم سے پھر کبھی سوال کریں اور نہ کسی دوسرے کے ساتھ زندگی بھر کبھی کوئی بات کریں

میں وعدہ کرتی ہوں کہ زندگی میں کبھی کسی سے تم لوگوں کے اس راز کے بارے میں بات نہ کروں گی۔

مجھے آپ سے یہی امید تھی۔

ادھر اندھیرے حجرے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر ناگ مندر کے ایک تہہ خانے میں اتر کر گڑھے کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا یہاں کئی قسم کے مرتبان پڑے تھے جن کے اوپر پتھروں کے ڈھکن رکھے تھے ناگن نے ایک خاص قسم کا مرتبان کندھے پر رکھا اور اسے لے کر اوپر گیا اس مرتبان کو اس نے دروازے کے ساتھ والی پہلی کوٹھڑی کے اندر چھپا کر رکھ دیا اس نے مرتبان کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اے میرے غلامو! تمہیں معلوم ہے کہ میں ناگ شہزادہ تم سے بات کر رہا ہوں تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا مالک ہوں اور تم پر میرا حکم بجالانا فرض ہے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جب میں تمہارا ڈھکن اٹھا کر تمہیں حملہ کرنے کا حکم دوں تو ان لوگوں پر ٹوٹ پڑنا جو میرے دشمن ہیں اور جو مجھے قتل کرنے کی نیت لے کر یہاں آ رہے ہیں۔

ناگ اس کے بعد کوٹھڑی کے باہر آ کر مندر کی ڈیوڑھی میں کھڑا ہو گیا گھوڑ سواروں کا ایک دستہ اسکے قریب ہی مندر کے باہر آ کر رک گیا سپہ سالار گھوڑے پر سے اترا اور شیر کے پنجوں کے نشان دیکھتا ہوا اس کے پاس آ کر غصے سے بولا۔

کون ہو تم؟

ناگ جو کہ بڑے پجاری کے لباس میں تھا ادب سے جھک کر بولا۔

جناب میں ناگن دیوی کے مندر کا پجاری ہوں فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

سپہ سالار نے کہا۔

یہاں ابھی ابھی ایک شیر ہماری شاہی قیدی ملکہ کو لے کر اندر آ گیا ہے بتاؤ وہ کہاں ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

سرکار! آپ کیسی بات کر رہے ہیں اس علاقے میں آج تک کسی نے شیر کی شکل نہیں دیکھی پھر بھلا ایک شیر ملکہ کو لے کر یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ کہاں سے آ سکتا ہے۔؟

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر ناگ کو ایک تھپڑ مار دیا ناگ کی آنکھوں میں ایک دم خون اتر آیا وہ پھنکار مار کر سانپ کی شکل میں اسے ڈسنے ہی والا تھا کہ اچانک اسے خیال آ گیا کہ یہ موقع صبر کرنے کا ہے اس نے خون کا گھونٹ پی کر کہا۔

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے حضور۔!

سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

تو پھر یہ شیر کے پنجے تمہارے باپ نے یہاں بنائے ہیں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے شیر کو ادھر جاتے دیکھا ہے ہم تمہارے مندر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں ہٹ جاؤ ہمارے راستے سے۔؟

ناگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

سرکار! آپ مالک ہیں بڑی خوشی سے سارے مندر کی تلاشی لے لیں مگر ایک پل کے لئے مجھے اجازت دیں کہ میں کوٹھڑی میں سے مندر کے بڑے ہال کی چابی لے آؤں۔

سپہ سالار نے حکم دے کر کہا۔

جلدی سے چابی لاؤ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

نہیں نہیں حضور! ہم تو آپ کی رعایا ہیں ہم بھلا آپ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے؟

ناگ نے بڑے ادب سے سر جھکایا اور کوٹھڑی میں داخل ہو گیا کوٹھڑی کے اندر آتے ہی اس نے بھاگ کر مرتبان کے منہ پر سے پتھر اٹھا دیا

اور کہا۔

میرے ظالم اور خونخوار زہریلے غلاموں اپنا کام شروع کر دو وقت آ گیا ہے دشمن ڈیوڑی میں کھڑا اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔

ناگ نے مرتبان کو الٹ دیا اس میں سے سیاہ اور نیلے رنگ کے بالشت بھر کے سینکڑوں سانپ نکل نکل کر دیواروں پر چڑھنے لگے

ناگ باہر آ گیا سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

کہاں ہے چابی؟

ناگ نے کہا۔

سرکار چابی گم ہو گئی ہے مگر میں آپ کی خاطر دروازہ توڑنے کا حکم دے دوں گا۔

سپہ سالار چیخ اٹھا۔

نمک حرام پجاری، تم ضرور شیر کو بھگا دو گے چلو ہمارے ساتھ۔

چلیے حضور ضرور چلیے ،

ناگ پھنی اتنا کہہ کر ادب سے سر جھکا کر سپہ سالار کی تعظیم کر کے مندر کے بڑے دروازے کی طرف مڑا وہ مڑا ہی تھا کہ ڈیوڑی کی چھت میں سے سینکڑوں نیلے اور سیاہ رنگ کے سانپوں نے بڑے زور سے پھنکاریں مار کر سپاہیوں کے اوپر چھلانگیں لگا دیں اس سے پہلے کہ سپاہی سنبھل سکیں وہ ان کی گردنوں سے لپٹ گئے اور انہیں ڈس دیا خدا جانے وہ کس قسم کے سانپ تھے انہوں نے سارے سپاہیوں کی گردنوں پر کاٹا تھا ایک پل کے اندر سارے کے سارے سپاہی پتھر بن کر اپنے اپنے گھوڑوں سے گرے اور گرتے ہی مر گئے ان کے جسم نیلے پڑ گئے اور کھال پھٹ گئی سپہ سالار زورا آگے کھڑا تھا اس نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو کچھ کہے سنے بغیر ایک دم اپنا گھوڑا موڑا اور ڈیوڑی سے باہر نکل کر بگولے کی طرح وہاں سے فرار ہو گیا۔

ناگ وہاں سے بھاگ کر حجرے میں عنبر کے پاس آیا اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا عنبر نے کہا۔

سپہ سالار بچ کر چلا گیا، یہ بہت برا ہوا اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے سپاہیوں کو ہلاک ہوتے دیکھ لیا ہے اب وہ فوج کی بھاری تعداد لے کر یہاں آئے گا اور سارے مندر کو آگ لگا دے گا۔

ملکہ نے سہم کر کہا۔ پھر کیا کریں عنبر بھائی؟

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ چھپ جانا چاہیے۔ ناگ نے کہا۔

اس سے بہتر جگہ ہمیں کہیں اور نہ مل سکے گی عنبر۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر سپہ سالار اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا ایک تو اسے یہ یقین ہو گیا ہے کہ ملکہ اسی جگہ موجود ہے دوسرے یہاں

اس کے سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں وہ سپاہیوں کا انتقام بھی ضرور لے گا۔

سوچ بچار کے بعد طے یہ پایا کہ مندر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ عارضی طور پر پناہ لی جائے چنانچہ وہ اسی وقت مندر کے پچھلے دروازے میں سے نکل کر اس جنگل میں بھاگ گئے جو مندر کے پیچھے دور دور تک پھیلا ہوا تھا اس جنگل میں سرخ اور سیاہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بھی تھے ناگ یہاں ایک ایسے کھوہ سے واقف تھا جو ایک ٹیلے کے اندر موجود تھا وہ ملکہ اور عنبر کو لے کر اس کھوہ میں آ گیا چنانچہ ان تینوں نے اس کھوہ میں عارضی طور پر پناہ لے لی یہ سوچ کر کہ جب ذرا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ وہاں سے نکل کر کسی اور مقام پر چلے جائیں گے ملکہ کا خیال تھا کہ وہ اپنی ایک وفادار کنیز کے ہاں پناہ لے سکتی ہے جس کا مکان شہر سے باہر صحرا کی ایک بستی میں ہے۔

سلومی کی سازش

سلومی نے سپہ سالار کو ہلاک کرنے کی سازش پر عمل کرنا شروع کر دیا وہ سدوم کی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ضرور ہو گئی تھی، لیکن وہ اس شہر کی اکیلی اور خود مختار ملکہ نہیں تھی بلکہ سپہ سالار کی بیوی بننے والی تھی اس طرح اسے اپنے خاوند بادشاہ کے ماتحت ہونا تھا اور سلومی ایک احمق اور اس کے اشاروں پر ناچنے والے بادشاہ کی ملکہ نہیں بن سکتی تھی یہ سلومی کی فطرت میں ہی نہیں تھا کہ وہ کسی کی غلام بن کر رہے چنانچہ اس نے سپہ سالار کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا اس کام کے لئے اسے صرف ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو اس کا

حکم بجالا کر سپہ سالار کو زہر دے دے یہ کام اس کا ایک وفادار غلام بہت اچھی طرح سے کرسکتا تھا۔

لیکن سلومی کو سب سے زیادہ خطرہ پرانی ملکہ کی طرف سے تھا جو ابھی تک زندہ تھی اور کسی وقت بھی رعایا کی ہمدردیاں حاصل کر کے تخت پر قبضہ کرسکتی تھی یہ خطرہ تلوار بن کر اس کے سر پر مسلسل منڈلا رہا تھا وہ سب سے پہلے ملکہ کو صفایا کروانا چاہتی تھی اور اس کے لئے سپہ سالار کی امداد بہت ضروری تھی اب اس نے بڑی ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا شروع کیا اور سپہ سالار پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے کیوں کہ سپہ سالار ہی ایک ایسا شخص تھا جو ملکہ کو ہلاک کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کرسکتا تھا اسے جب علم ہوا کہ سپہ سالار ملکہ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا ہے تو وہ اس کے پاس گئی اور اس سے ساری کہانی سنی۔

سپہ سالار بہت بے چینی اور غصے کے عالم میں تھا اس کے کتنے ہی بہترین سپاہی ناگن دیوی کے مندر کی ڈیوڑی میں ہلاک ہو گئے تھے خود اس نے بڑی مشکل سے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی ورنہ سانپ اسے بھی ڈس دیتے اس نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

میں اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا مجھے یقین ہے کہ ملکہ اسی مندر میں چھپی ہوئی ہے وہ پجاری ملکہ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

سلومی نے کہا۔

یاد رکھو، جب تک ملکہ زندہ ہے ہم دونوں کی زندگی اور سلطنت محفوظ نہیں ہے۔

میں ابھی اس مندر کو آگ لگا کر راکھ کر دینے کا حکم دیتا ہوں اور ایسا ہی ہوا سپہ سالار نے اسی وقت اپنی فوج کو حکم دیا کہ ناگن دیوی کے مندر کی تمام کوٹھڑیوں کو آگ لگا دی جائے خاص فوج کا دستہ مندر کی طرف

روانہ ہو گیا سپاہیوں نے مندر کا گھیرا ڈال لیا تمام کنیزوں اور غلاموں کا باہر نکال کر گرفتار کر لیا اور تیل چھڑک کر مندر کو آگ لگا دی دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے جب آگ جل بجھ گئی تو سپہ سالار نے حکم دیا کہ مندر کی جلی ہوئی کوٹھڑیوں میں ہل چلا دیا جائے۔

اسے یقین تھا کہ اس آگ میں ملکہ اور پجاری جل کر خاک ہو گئے ہوں گے لیکن ٹھیک اس وقت جب کہ مندر کی جلی ہوئی راکھ پر ہل پھیرا جا رہا تھا عنبر ناگ اور ملکہ ٹیلے کی کھوہ میں پناہ لیے بیٹھے تھے انہوں نے دور سے مندر میں سے شعلے نکلتے دیکھے تو وہ سمجھ گئے کہ سپہ سالار نے مندر کو آگ لگا دی ہے ناگ نے کہا کہ مندر میں چھپے ہوئے سانپ فوج کو زندہ نہ چھوڑیں گے............اور وہی ہوا سانپوں کے مرتبان تہہ خانے میں بند تھے۔

سپاہیوں نے ہل چلاتے ہوئے زمین کھودی تو مرتبان ٹوٹ گئے اور سانپ باہر نکل آئے سانپوں نے باہر نکلتے ہی وہاں تباہی مچا دی انہوں نے سب گھوڑوں کو ٹانگوں پر ڈس دیا گھوڑے کھڑے کھڑے دھڑام دھڑام زمین پر گرنے لگے اور ان کے ساتھ ہی سوار بھی زمین پر الٹ گئے سانپوں نے ان کو بھی ڈس دیا ایک سانپ سپہ سالار کے گھوڑے کی طرف بڑھا، سپہ سالار نے گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگائی اور قلعے کی طرف بے تحاشا گھوڑا دوڑانا شروع کر دیا۔

سانپ اس کا تعاقب کر رہا تھا جب وہ قلعے کے دروازے میں داخل ہوا تو سانپ بھی اس کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو گیا وہاں شور مچ گیا سپاہی تلواریں اور نیزے لے کر سانپ کی تلاش میں اٹھ دوڑے مگر چھوٹے سے نیلے سانپ کو خدا جانے آسمان کھا گیا کہ زمین نگل گئی قلعے کا چپہ چپہ چھان مارا مگر وہ کہیں نہ مل سکا سپہ سالار نے اسی

وقت جالی دار زرہ بکتر پہن لیا جس پر سانپ کاٹ نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سانپ اس کی بو پر اسے ہلاک کرنے ضرور آئے گا۔ سلومی یہ سن کر بہت خوش ہوئی کہ مندر کے ساتھ ساتھ ملکہ بھی جل کر ہلاک ہوگئی اس نے پھر بھی احتیاطاً سپہ سالار سے پوچھا۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ ملکہ اسی مندر میں تھی۔؟

اگر وہاں ملکہ نہ ہوئی تو پجاری کو ہمارے سپاہیوں پر سانپ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی ملکہ نے مندر کی ایک کوٹھڑی میں پناہ لے رکھی تھی اور میں نے تمام کوٹھڑیوں کو جلا کر زمین کے ساتھ ملا دیا ہے ملکہ بچ کر کہیں بھی نہیں جا سکتی، میرے سپاہیوں نے مندر کے چاروں طرف اپنا گھیرا ڈال رکھا تھا۔

سلومی نے دل میں سوچا کہ اب سپہ سالار کا بھی کانٹا نکال دینا چاہیے لیکن اوپر سے اس نے سپہ سالار کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

www.urdubooksfree.pk

تم بڑے بہادر ہو نکولیس میں تمہاری بہادری سے بہت متاثر ہوئی ہوں تم واقعی اس لائق ہو کہ اس ملک کے بادشاہ بن سکو۔

سپہ سالار کا منہ اپنی تعریف سن کر سرخ ہو گیا کہنے لگا اور تم بھی اس لائق ہو کہ اس ملک کی ملکہ بن سکو کیوں کہ تمہاری ہی عقل مندی اور مشوروں سے میں یہ ملک حاصل کر سکا ہوں اگر میری بہادری کے ساتھ تمہاری دانش مندی نہ ہوتی تو ہم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتے۔

سلومی نے دل میں سوچا کہ ابھی میری دانشمندی کا بھید تو تم پر اس وقت کھلے گا جب میں ملکہ کی طرح تجھے بھی ہلاک کر دوں گی مگر اوپر سے کہنے لگی۔

یقیناً ہم دونوں اپنی اپنی جگہوں پر نایاب ہیرے موتی ہیں ملک پر حکومت کرنے کا حق صرف ہم کو ہی پہنچتا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اب ہمیں شادی کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے

سلومی بولی۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔

سلومی نے نہایت مکاری سے کہا سپہ سالار نے اس پر کہا کہ پھر

دوسرے ہی دن انہیں شادی کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں اس پر

سلومی نے ذرا سوچ کر کہا اگر ہم سات روز انتظار کر کے ملکہ کی موت

کے بارے میں اطمینان حاصل کر لیں تو میرے خیال میں زیادہ بہتر

ہوگا۔

سپہ سالار بولا۔

سلومی تمہیں تو یوں ہی وہم ہو گیا ہے یقین کرو ملکہ مر گئی ہے اور اب تو

اس کی ہڈیاں بھی جل کر راکھ ہو چکی ہوں گی۔

سلومی لاجواب ہو گئی۔

اچھا تو پھر جیسے تمہاری مرضی۔

سلومی کے ساتھ سپہ سالار نکولیس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں سلومی نے اپنی سازش کا باقاعدہ آغاز کر دیا اس نے اپنے خاص غلام کو بلا کر خفیہ طریقے سے مشورہ کیا کہ سپہ سالار کو زہر دے کر ہلاک کیا جائے یا کسی اور طریقے سے؟ غلام بڑا سیانا اور تجربہ کار شخص تھا اس نے کہا۔

ملکہ سلامت! اگر آپ نے سپہ سالار کو زہر دیا تو یہ بات کھل جائے گی دنیا میں کوئی ایسا زہر نہیں ہے جس کے پیتے ہی انسان ایک دم گر کر مر جائے وہ کم از کم یہ بتانے کے لئے تھوڑی دیر ضرور زندہ رہتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے اور اگر اسے کسی پر شک ہو تو وہ اس کا نام لے کر مرتا ہے اور اسے سلومی پر شک ہے تو فوج آپ کو زندہ نہ چھوڑے گی۔

سلومی کو غلام کی یہ بات پسند آئی۔ اس نے کہا۔

تو پھر اس کانٹے کو راستے سے کیونکر ہٹایا جائے؟

تجربہ کار غلام نے کہا۔

ملکہ سلامت! جو شخص میٹھا دینے سے ہلاک ہو سکتا ہے اس کو آپ زہر کیوں دے رہی ہیں۔؟

ملکہ نے کہا۔

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی بات کھول کر بیان کرو۔

غلام کہنے لگا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ جس وقت سپہ سالار کے ساہی مندر کی کوٹھڑیوں پر بل چلا رہے تھے تو سانپوں سے بھرا ہوا ایک مرتبان ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

ہاں مجھے یاد ہے اور سانپوں نے ہمارے بہت سے سپاہیوں پر حملہ کر کے انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا۔

غلام نے کہا۔

اور پھر ایک نیلے رنگ کا بہت ہی زہریلا چھوٹا سا سانپ سپہ سالار کی طرف لپکا تھا سپہ سالار وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ آیا تھا لیکن وہ سانپ برابر اس کا پیچھا کرتا ہوا قلعے میں داخل ہو گیا تھا قلعے میں شور مچ گیا سانپ کو تلاش کیا گیا مگر وہ گم ہو گیا اصل میں وہ سانپ اسی قلعے میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے وہ سپہ سالار کی بو پر اس کی تلاش میں ہے وہ ناگن دیوی کے مندر کا مقدس سانپ ہے وہ سپہ سالار سے مندر کی تباہی کا بدلہ ضرور لے گا یہی وجہ ہے کہ سپہ سالار ہر وقت سر سے لے کر گردن تک لوہے کی باریک جالی کا لباس پہنے رکھتا ہے۔

سلوی کے چہرے پر خوشی کے اثرات پیدا ہو گئے اس نے کہا یہ تو تم نے مجھے بڑی خوشی کی بات بتا دی اگر مندر کا مقدس سانپ سپہ سالار کی تلاش میں ہے تو وہ اس کی بو پا کر اس کے پاس کیوں نہیں آتا؟

غلام نے کہا۔

ملکہ سلامت! لوہے کی باریک جالی اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس جالی نے سپہ سالار کے جسم کی خاص بو کو سانپ سے دور کر رکھا ہے اگر کسی طرح سے آپ اس کو جالی اتارنے پر مجبور کر دیں تو سانپ اسے ضرور مار ڈالے گا۔

ملکہ نے چٹکی بجا کر کہا۔

یہ کون سی مشکل بات ہے میں جالی اسکے جسم سے اتروا دوں گی تم فکر نہ کرو میں اس سازش پر بھی عمل کر کے دیکھتی ہوں اگر سپہ سالار اسی طرح ہلاک ہو گیا تو ہمارے سر الزام بھی نہیں آئے گا اور ہمارے راستے کا کانٹا بھی صاف ہو جائے گا۔

اسی دن سلومی خاص طور پر سپہ سالار کے کمرے میں گئی اور اس نے شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے

اسے بتایا کہ شادی میں مصر کا گورنر اور اس کی بیوی بھی شریک ہو گی سپہ سالار میز پر بیٹھا دریائے اردن پر بنائے جانے والے نئے پل کا نقشہ دیکھ رہا تھا اس نے لباس کے اندر لوہے کی ایک باریک جالی گردن سے لے کر پاؤں تک پہن رکھی تھی اس نے کہا۔

میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ مصر کا گورنر دور اس کی بیوی ہماری شادی میں شریک ہوں گی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں او کتے دین کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی کیوں کہ مصر کا گورنر او کتے دین کا چھوٹا بھائی ہے۔

سلومی بولی۔

کیوں نہیں۔ مجھے مصر کے گورنر کی بیوی کا پیغام ملا ہے کہ وہ ہماری شادی میں شامل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔

تم کتنی عقل مند بیوی ہو سلومی۔ میں تم پر جتنا بھی فخر کر لوں کم ہے۔

سلومی نے ناراض ہو کر کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم ہر وقت لوہے کا لباس پہنے رہتے ہو بھلا یہاں کون سا تمہارا کوئی دشمن ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟ حالاں کہ میری ساری زندگی تمہاری خدمت کے لئے وقف ہے۔

سپہ سالار کے لئے بڑی مصیبت یہ تھی وہ ملکہ سلومی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس نے محض سانپ کے ڈر کے مارے یہ لوہے کی جالی کا لباس پہن رکھا ہے کیونکہ اس طرح ملکہ اسے بزدل ہونے کا طعنہ دے سکتی تھی جب کہ ملکہ اسے ایک بہادر سپاہی سمجھتی تھی ادھر سلومی اصرار کر رہی تھی کہ وہ لوہے کا لباس اتار کر پھینک دے۔

سپہ سالار نے کہا۔

مگر ملکہ تمہیں اس پر اعتراض کیوں ہے؟ سلومی نے ناک سکیڑ کر کہا۔

اس لئے کہ میں جب بھی تمہارے پاس آتی ہوں مجھے تم پر اسنے لوہے کے زنگار کی بدبو آتی ہے اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی تم بادشاہ بننے والے ہو بلکہ تم بادشاہ بن چکے ہو تمہارے ریشمی کپڑوں سے خرطوم اور لبنان کے قیمتی عطر کی خوشبو آنی چاہیے۔ سپہ سالار لاجواب ہو گیا۔

اب اس کے پاس سلومی کے اس اعتراض کے توڑ میں کوئی جواب نہیں تھا اس نے مجبور ہو کر کہا۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں یہ لوہے کی جالی کا لباس اتار دیتا ہوں۔ سلومی نے خوش ہو کر کہا۔

مجھے تم سے یہی امید تھی نکولیس تم ایک غیور اور نیک خاوند ہو تم پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے اب جلدی سے اندر جا کر یہ لباس اتار دو اور ریشمی جوڑا پہن کر میرے سامنے آؤ۔ سپہ سالار نکولیس مجبور ہوگا وہ میز پر سے اٹھا اندر خواب گاہ میں آ کر اس نے جالی دار لوہے کا باریک

لباس اتار کر پرے پھینک دیا اور کمخواب کا لمبا چغہ اور سونے کی تاروں کا بنا ہوا گلوبند پہن کر باہر آ گیا سلومی نے اسے دیکھ کر خوشی سے تالی بجائی اور کہا۔

میرے خدا! تم اس لباس میں کس قدر حسین لگتے ہو بس اب میری خوشی کی خاطر ہر وقت یہی لباس پہنا کرو ٹھہرو میں اپنے ہاتھ سے تمہارے بالوں میں کنگھی کرتی ہوں۔

اور ملکہ سلومی سپہ سالار کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

عین اسی وقت قلعے کی ایک چھت کے سوراخ میں چھپے ہوئے مقدس نیلے سانپ نے اپنے دشمن سپہ سالار کی فضا میں بو محسوس کی یہ بو شاہی محل میں سے ہوتی ہوئی ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ سانپ تک پہنچ گئی تھی سانپ اسی بو کے انتظار میں کئی روز سے چھت کے سوراخ میں چھپا ہوا تھا بو کو محسوس کرتے ہی اس نے حرکت شروع کر دی۔

زہری سانپ

سلومی کو اب سانپ کا انتظار تھا۔

اس نے اپنے غلام کو جا کر خبر دی کہ سپہ سالار کا جالی دار لباس اتار دیا گیا ہے غلام نے سلومی کو بتایا کہ اب نیلا سانپ سپہ سالار کی بو پا کر اس کے پیچھے ضرور آئے گا سلومی نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے سانپ قلعہ چھوڑ کر جا چکا ہو تو اس صورت میں انہیں کیسے پتہ چلے گا؟ غلام نے کہا کہ اس قسم کے سانپ جب اپنے دشمن کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر یا تو خود ہلاک ہو جاتے ہیں یا پھر اپنے دشمن کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے

ہوں سلوی نے پوچھا۔

آخر ہمیں کتنی دیر تک سانپ کا انتظار کرنا ہوگا۔؟

غلام نے کہا۔

اگر سانپ قلعے کے اندر موجود ہے تو اب تک اسے اپنے دشمن کی بو محسوس ہوگئی ہوگی اور وہ اس کی تلاش میں روانہ ہو چکا ہوگا۔

سلومی بولی۔

اس کا مطلب پھر یہ ہوا کہ آج رات تک سپہ سالار کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔

میرا اندازہ یہی ہے۔

مگر سپہ سالار نے خواب گاہ کے باہر سخت پہرہ لگا رکھا ہوتا ہے۔

غلام نے کہا۔

سانپ کے لئے خواب گاہ میں داخل ہونا کوئی مشکل بات نہیں۔

غلام نے سلومی کو بڑی سچی بات کہی تھی سانپ کے سپہ سالار کی خواب گاہ میں کڑے پہرے کے باوجود داخل ہونا کوئی مشکل بات نہیں ہے مگر سلومی کو یقین نہ آیا کم از کم اگر اسے یقین آ بھی گیا تھا تو وہ خود موقع پر جا کر یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سانپ خواب گاہ میں آیا ہے یا نہیں غلام کو رخصت کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگی کیوں کہ غلام نے کہا تھا آج رات سانپ ضرور سپہ سالار کی خواب گاہ میں داخل ہو جائے گا غلام ایک تجربہ کار آدمی تھا اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار کی بو چالی وار لباس وتارنے کے بعد سارے محل میں پھیل چکی ہے اور سانپ چل پڑا ہو گا۔

سانپ چھت والے محل سے سپہ سالار کی بو کا پیچھا کرتا ہوا چل پڑا تھا وہ دیوار پر سے اتر کر جدھر سے بو آ رہی تھی ادھر کو روانہ ہو گیا دیوار سے وہ صحن میں آیا اور دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا رات کا وقت تھا

محل میں صرف شاہی خواب گاہ میں روشنی ہو رہی تھی باقی تقریباً ہر جگہ اندھیرا ہی تھا پہرے دار جگہ جگہ چکر لگا رہے تھے لیکن چھوٹے سے نیلے سانپ کے لئے ان کی نگاہوں سے بچ کر آگے نکلنا کوئی خاص مشکل بات نہیں تھی اب اسے بو زیادہ آنے لگی تھی سانپ سمجھ گیا کہ وہ اپنے دشمن کے قریب پہنچ رہا ہے۔

سپہ سالار کو احساس تھا کہ اس نے جالی دار لباس اتار کر ایک خطرہ مول لے لیا ہے چنانچہ وہ چوکس ہو گیا تھا اس نے اپنے شاندار پلنگ کے ارد گرد کانٹے دار تار کی ایک پٹی بچھا دی تھی اگر اس پر سے گزر کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو اس کا جسم لوہے کے کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتا اس اعتبار سے سپہ سالار بڑا مطمئن ہو کر پلنگ پر سو رہا تھا اس نے احتیاط کے طور پر تلوار اپنے سرہانے رکھ چھوڑی تھی اور شمع دان کی روشنیوں کو بھی گل نہیں کیا تھا۔

دوسری جانب سلوی اپنی آنکھوں کے سامنے سپہ سالار کی ہلاکت کا سمان دیکھنا چاہتی تھی اس لئے وہ اپنے کمرے سے نکل کر سپہ سالار کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گئی اس نے اپنے اردگرد سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی راستے میں پہریدار سپاہی اسے پہچان کر سر جھکا کر ادب سے سلام کرتے اور آگے گزر جاتے سلوی جوں جوں سپہ سالار کی خواب گاہ کے قریب پہنچ رہی تھی اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا جانے اسے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آج کچھ ہونے والا ہے اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ آج سپہ سالار کی موت کے سوا اور کچھ نہیں ہونے والا۔

سانپ خواب گاہ کے قریب پہنچ گیا تھا ایک پہرے دار برآمدے میں سے آ کر خواب گاہ کے دروازے کے باہر رک گیا سانپ دیوار کی اوٹ میں اندھیرے میں چھپ گیا پہرے دار نے چاروں طرف

دیکھا اور پھر آگے نکل گیا پہرے دار کے جاتے ہی اندھیرے میں سے نیلا سانپ باہر نکل آیا اور خواب گاہ کی باہر والی دیوار پر اوپر چڑھنے لگا اوپر جا کر اس نے ایک روشن دان دیکھا جو بند تھا اندر جانے کے لئے کوئی معمولی سا سوراخ بھی وہاں موجود نہیں تھا، سانپ کے لئے دیوار توڑ کر اندر جانا بڑا مشکل تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ معمولی سا کوئی سوراخ ضرور ہو۔

سانپ کو دشمن کی بو بڑی تیزی سے آ رہی تھی اس بو نے اسے انتقام کی آگ میں پاگل کر دیا تھا وہ بڑی بے چینی سے ادھر اُدھر دیوار پر رینگ کر اندر جانے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنے لگا آخر سپہ سالار کی بد نصیبی اور سانپ کی خوش نصیبی سے سانپ کو ایک سوراخ مل گیا یہاں سے پتھر کی چند اینٹیں اپنی جگہ سے ہل گئی تھیں جس کی وجہ سے ایک باریک سا سوراخ پیدا ہو گیا تھا نیلے سانپ نے اس سوراخ پر منہ رکھا

تو اسے اپنے دشمن کی بڑی تیز بو آئی سانپ جلدی سے اس سوراخ میں گھس گیا یہ سوراخ خواب گاہ کی دوسری جانب نکل گیا تھا سانپ بڑی آسانی کے ساتھ سوراخ میں سے گزر کر سپہ سالار کی خواب گاہ کے اندر والی دیوار پر آ گیا اندر اس کے دشمن کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور خوب روشنی ہو رہی تھی سانپ نے چھت کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگنا شروع کر دیا وہ کسی مناسب جگہ پر سے نیچے اترنے کی تیاری کر رہا تھا۔

ادھر ملکہ سلومی بھی اپنے دشمن سپہ سالار کا آخری انجام دیکھنے اس کی خواب گاہ کے دروازے کے باہر پہنچ گئی پہریدار اس وقت دروازے سے باہر کھڑا تھا اس نے ملکہ کو سپہ سالار کی خواب گاہ کی طرف آتے دیکھا تو ادب سے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا سلومی سیاہ لبادے میں ملبوس بڑی شان سے دروازے کی طرف بڑھی وہ نہیں

چاہتی تھی کہ خواب گاہ میں اس کے داخل ہونے کا علم سپہ سالار کو ہو وہ بڑے آرام سے چوری چوری اندر جانا چاہتی تھی تاکہ اس کے مرنے کا منظر خاموشی سے دیکھ سکے، دل میں اس کے یہ خیال بھی تھا کہ ہو سکتا ہے سانپ ابھی اندر نہ پہنچا ہو اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر آج رات سانپ نہیں آیا تو وہ سپہ سالار کو جگا کر کہے گی کہ ذرا ہوشیار ہو کر سویا کرے کہ کہیں دشمن اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

سلومی نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھول کر ریشمی کمخواب کا پردہ پرے ہٹا دیا سپہ سالار بڑی گہری نیند پلنگ پر سو رہا تھا سلومی نے دیوار اور فرش پر چاروں طرف نظریں اٹھا کر دیکھا.........اسے سانپ کہیں بھی دکھائی نہ دیا اس نے آگے بڑھ کر یہ ضرور دیکھا کہ سپہ سالار نے سانپ کے اچانک حملے سے بچنے کے لئے اپنے پلنگ کے چاروں طرف لوہے کے کانٹوں والی جالی دار پٹی بچھا رکھی تھی سلومی

www.urdubooksfree.pk

دل ہی دل میں ہنس دی کہ بزدل سپہ سالار کو جان کتنی عزیز ہے مگر اسے یہ خبر نہیں کہ اس کے باوجود وہ سانپ سے نہیں بچ سکتا اور اگر سانپ نے اسے ہلاک نہ بھی کیا تو وہ سلومی کے زہر سے بچ کر کہاں جائے گا۔

جس وقت سلومی سپہ سالار کے پلنگ کے پاس کھڑی اس کی موت کے بارے میں سوچ رہی تھی ٹھیک اس وقت زہریلا سانپ دیوار پر سے اتر کر دشمن کی بو پاتا اسکے پیچھے پہنچ گیا تھا سلومی نے سوچا کہ اسے وہاں سے واپس چلے جانا چاہئے کیونکہ سانپ نہیں آیا اور کوئی ضروری بھی نہیں تھا کہ رات کو سانپ ضرور آ جائے یہ سوچ کر وہ واپس پلٹی ہی تھی کہ اسکے پاؤں پر پڑی ہوئی جوتی کا پچھلا حصہ سانپ کی دم پر پڑ گیا سانپ نے تڑپ کر پھنکار ماری اور سلومی کے پاؤں پر ڈس دیا سلومی نے نیلے سانپ کو کنڈلی مارے فرش کے قالین پر دیکھا تو وہ چیخ

مار کر گر پڑی۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر سپہ سالار جاگ پڑا اور باہر سے پہریدار سپاہی بھی تلوار کھینچ کر اندر آ گیا۔

سانپ.........سانپ.........

سلومی کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلا اور اس سے پہلے کہ سانپ وہاں سے بھاگ سکے سپہ سالار نے اچھل کر تلوار ماری اور نیلے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے سپہ سالار نے سلومی کے پاؤں کو دیکھا جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں ایک گہرا نیلا چھالا پڑ گیا تھا سپہ سالار نے وہاں تلوار سے زخم لگا کر خون باہر نکالا اور سلومی کی پنڈلی پر دو جگہوں پر پٹی باندھ دی مگر وہ سانپ کوئی معمولی سانپ نہیں تھا وہ ناگن دیوی کے مندر کا سب سے زہریلا اور خطرناک سانپ تھا اس کے ڈستے ہی زہر سلومی کی رگوں میں خون کے ساتھ مل کر دماغ تک پہنچ گیا تھا اور

اس پر بے ہوشی طاری ہونا شروع ہوگئی تھی سپہ سالار نے شاہی حکیم کو فوراً طلب کرلیا شاہی حکیم نے آ کر سلوی کا علاج شروع کر دیا مگر یہ کچھ بے فائدہ تھا۔

سلوی کا جسم نیلا پڑ گیا تھا اس کی آنکھیں اور گالوں کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا جیسے اس کا سارا خون ایک دم نیلے رنگ کا ہو گیا ہے اسکے ہاتھ پیر اور ناک کان نیلے ہو گئے تھے اس کا جسم جم کر نیلا پتھر بنتا جا رہا تھا وہ بے بس نگاہوں سے ہر ایک کو تک رہی تھی اس کی آواز بند ہو گئی تھی اس کے ہونٹ پتھر ہو گئے تھے مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تھوڑی سی زندگی باقی تھی سپہ سالار نے سر پیٹ لیا۔

خدا کے لئے میری ملکہ کو بچا لو۔ اسے مرنے مت دو میں تم لوگوں کو اپنی ساری دولت دے دوں گا مگر میری ملکہ کو مرنے سے بچا لو۔

سلوی کے کانوں میں سپہ سالار کی آواز جیسے بہت دور سے آ رہی تھی وہ

سپہ سالار کے مرنے کا سماں دیکھنے آئی تھی لیکن وہاں اس کی موت کا منظر سارے لوگ دیکھ رہے تھے اسے کیا خبر تھی کہ جو کنواں وہ دوسرے کے لئے کھود رہی ہے وہ بہت جلد خود اس میں گرنے والی ہے یہ بات بھی اس کے لئے عذاب سے کم نہیں تھی کہ جس شخص کو وہ مرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کی موت پر آنسو بہا رہا ہے اور لوگوں سے التجا کر رہا تھا کہ اس کی ملکہ سلوی کو موت کے پنجے سے بچایا جائے لیکن موت اپنا کام کر چکی تھی زہر اپنا کام کر چکا تھا زندگی کی گرمی سلوی کے جسم سے نکل گئی تھی اس کی جان صرف اس کی آنکھوں میں اٹکی ہوئی تھی اس کا دل بہت دھیمے دھیمے حرکت کر رہا تھا حکیم نے دل کے ساتھ کان لگایا تو اسے دل کی دھڑکن کی آواز سنائی دی اس نے سپہ سالار کی طرف دیکھ کر کہا۔

جہاں پناہ دیوتاؤں کو جو منظور تھا وہ ہو کر رہا ہماری تمام کوششوں کے

باوجود ملکہ سلامت..........!

سپہ سالار نے چیخ کر کہا۔

خاموش، خبردار! اگر کسی نے سلومی کی موت کی خبر سنائی سلومی نہیں مر سکتی وہ زندہ ہے سلومی زندہ ہے میری ملکہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آسکتی یہ سانپ مجھے ڈسنے کے لئے آیا تھا اسے کہو کہ میری ملکہ کو کچھ نہ کہے اور مجھے ڈس کر ہلاک کر دے اسے کہو میری زندگی حاضر ہے مگر میری ملکہ کو نہ ڈسے..........

سپہ سالار سلومی کے غم میں پاگل ہوا جا رہا تھا وہ ہر قیمت پر سلومی کو زندگہ بچانا چاہتا تھا وہ سلومی کے غم کو برداشت نہ کر سکتا تھا اس سلومی کے غم کو جس نے اس کی موت کی سازش کی تھی اور جو اسکی موت کا سماں دیکھنے وہاں آئی تھی لیکن خود اس کے پنجے میں پھنس گئی سپہ سالار کی آہ و زاری سلومی کو نہ بچا سکی سانپ کے مہلک زہر نے کام تمام کر

دیا تھا، سلومی کے کانوں میں سپہ سالار کی آواز آنا بند ہوگئی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ دھندلانے لگا اور پھر اندھیرے میں گم ہونا شروع ہوگیا سلومی سمجھ گئی کہ وہ مر رہی ہے اس نے آخری ہچکی لی اور مر گئی سپہ سالار چیخ مار کر اس کی لاش سے لپٹ گیا وہ اسے پاگلوں کی طرح آوازیں دینے لگا۔

مگر اب وہاں کیا رکھا تھا۔

سارے محل میں سلومی کی موت کا سوگ پھیل گیا۔

بوڑھے غلام کو سلومی کی موت کا بڑا صدمہ ہوا خدا جانے سلومی سے کیا غلطی ہوگئی تھی کہ سانپ نے سپہ سالار کو ڈسنے کی بجائے پہلے اسے ڈس دیا تھا سلومی کو پورے شاہی اعزاز کے ساتھ شاہی قبرستان میں دفن کر دیا گیا سلومی کی موت کی خبر ٹیلے کی کھو میں عنبر ملکہ اور ناگ کو بھی پہنچ گئی تھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ان کے راستے سے خود بخود دور ہو

گئی تھی لیکن ابھی ایک طاقت ور رکاوٹ باقی تھی سپہ سالار زندہ تھا اسے بھی راستے سے ہٹانا تھا عنبر نے ناگ سے کہا۔

ہمیں شہر میں عوام کی رائے ہموار کرنی چاہیے ہمیں لوگوں کو بتا دینا چاہیے کہ یوحنا نہیں کا اصل قاتل سلومی اور سپہ سالار ہے ملکہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یوحنا کی روح نے بادشاہ اور سلومی سے بدلہ لے لیا۔

ناگ نے کہا۔

تمہارا خیال بہت اچھا ہے عنبر لیکن اس کے لئے ہمیں ان دینی بزرگوں سے ملنا ہوگا جو دریائے اردن کی عبادت گاہ میں لوگوں کے سامنے مذہبی وعظ کرتے ہیں۔

ملکہ نے کہا۔

ناگ کی رائے سے میں اتفاق کرتی ہوں لوگ اب بھی مجھ سے ایک ملکہ کی طرح پیار کرتے ہیں میرے جاسوس نے محل میں مجھے خبر دی تھی

کہ کچھ لوگوں کو یقین ہے کہ سلومی کے اشارے پر بادشاہ اور سپہ سالار نے یوحنا نبی کو شہید کیا ہے اور ملکہ بے گناہ ہے ہم کو اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو سپہ سالار کے خلاف کر کے بغاوت پر اکسانا چاہیے۔

عنبر اسی روز بھیس بدل کر شہر نکل گیا وہ سیدھا دریائے اردن کے کنارے والی عبادت گاہ میں پہنچا وہاں کافی لوگ جمع تھے اور عبادت کر رہے تھے عنبر بڑے درویش سے ملا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے کہا۔

خداوند نے یوحنا نبی کے قاتلوں کو ان کے گناہ کی سزا دے دی سلومی اور بادشاہ یوحنا کے قاتل تھے مگر ابھی ایک قاتل زندہ ہے ہمارا خداوند اس سے بھی ضرور بدلہ لے گا۔

درویش نے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو اجنبی، ہم جانتے ہیں قاتل کون ہے۔

عنبر نے وہاں لوگوں کے سامنے ایک زبردست تقریر کی جس میں یہ ثابت کیا کہ یوحنا نبی کو بادشاہ نے سلومی اور سپہ سالار کے اشارے پر شہید کیا تھا لوگوں نے سپہ سالار کے خلاف نفرت بھرے نعرے لگائے اس طرح عنبر نے شہر کے لوگوں کو سپہ سالار کے خلاف کر دیا سپہ سالار کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ شہر میں لوگ اس کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں اور وہ عبادت گاہ میں جمع ہو کر بغاوت کی سازش کر رہے ہیں سپہ سالار کو اب اپنے تخت و تاج کی فکر پڑ گئی اس نے حکم دیا کہ عبادت گاہ پر حملہ کر کے لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور عبادت گاہ کو آگ لگا کر تباہ کر دیا جائے فوراً سپاہیوں کا ایک دستہ تلواریں لہراتا، گھوڑوں پر سوار عبادت گاہ پر ٹوٹ پڑا سپاہیوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ عبادت کرتے پر امن لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو لوگ جان بچا کر بھاگے انہیں دریا کنارے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد

سپاہیوں نے عبادت گاہ کو آگ لگا دی۔

سا حادثے کے بعد شہر میں سپہ سالار کے خلاف نفرت اور غصے کی لہر دوڑ گئی مگر طاقت کے سامنے لوگ بے بس تھے............ سپہ سالار کے سپاہی جگہ جگہ چھاپے مار کر لوگوں کو قتل کر رہے تھے اس کی اطلاع عنبر اور ناگ پھنی کو پہنچی تو انہوں نے ملکہ سے کہا۔

اب وقت آ رہا ہے کہ ہم آگے بڑھ کر باغی لوگوں کی رہنمائی کریں اور سپہ سالار کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے محل پر کھلا حملہ کرا دیں۔

ملکہ نے کہا۔

ابھی ہمیں تھوڑا سا اور انتظار کرنا چاہیے۔

www.urdubooksfree.pk

روشن ستارہ

سپہ سالار نے تخت وتاج بچانے کے لئے شہر میں قتل عام شروع کرا دیا۔ شہر میں ہر طرف وحشت پھیل گئی اپنے بھائیوں کے قتل عام کے بعد لوگ سپہ سالار سے نفرت کرنے لگے اور اس کے خون کے پیاسے ہو گئے مگر وہ نہتے تھے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے فوج کا ایک حصہ بھی سپہ سالار کے خلاف ہو گیا لیکن اکیلے وہ بھی کچھ نہ کر سکتا تھا دوسری طرف سپہ سالار کے جاسوسوں نے آ کر اسے خبر دی کہ اس ساری کارروائی کی ذمے دار ملکہ ہے سپہ سالار نے چونک کر کہا۔

کیا کہا ملکہ؟ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔؟

جاسوس نے بتایا کہ ملکہ سدوم زندہ ہے اور شہر سے باہر ایک ٹیلے کی کھوہ

میں پناہ لیے ہوئے ہے سپہ سالار کا یہ سن کر خون کھول اٹھا اس نے اسی وقت سپاہیوں کو ساتھ لیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا شہر سے باہر والے ٹیلے کی طرف چل دی فوج کا وہ دستہ جو سپہ سالار کے خلاف تھا اور ملکہ کا وفادار تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ ملکہ زندہ ہے اور سپہ سالار اسے قتل کرنے ٹیلے کی طرف آرہا ہے تو وہ اس سے پہلے تیر کمان سے مسلح ہو کر ٹیلے پر جا پہنچے عنبر نے سپاہیوں کے ایک دستے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ملکہ اور ناگ کو خبردار کر دیا سپاہیوں کا دستہ ٹیلے کے سامنے آ کر رک گیا اور اپنے کپتان کے حکم سے انہوں نے ٹیلے کے اوپر چاروں طرف چھپ کر پتھروں کی اوٹ میں مورچے سنبھال لیے عنبر نے ملکہ اور ناگ سے کہا۔

دشمن سر پر پہنچ گیا ہے ہمیں ہر قیمت پر ملکہ کو بچانا اور سپہ سالار کو ہلاک کرنا ہے۔

ناگ نے کہا۔

ہم اکیلے اتنے سپاہیوں کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے انہوں نے ٹیلے کے اوپر مورچے سنبھال لیے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

جو ہوگا دیکھا جائے گا ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے میرے پاس تلوار ہے میں باہر نکل کر سپاہیوں کا مقابلہ کروں گا وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے تم بھی ملکہ کو حفاظت سے چھپا کر باہر آ جانا اور زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنا۔

عنبر نے تلوار میان سے کھینچی اور کھوہ میں سے باہر نکل گیا اسے یقین تھا کہ ٹیلے کے اوپر دشمن کے مورچوں سے تیروں کی بوچھاڑ آئے گی اور اس کا جسم چھلنی ہو جائے گا مگر ظاہر ہے کہ اسے کچھ نہ ہو سکے گا لیکن وہ حیران رہ گیا جب کہ کسی نے بھی اس پر کوئی تیر نہ چلایا بلکہ اس کے

بجائے دستے کا کپتان ٹیلے سے اتر کر عنبر کو اپنی طرف آتا نظر آیا عنبر نے تلوار سونت لی اور کہا۔

تمہارے سپاہی مجھ پر تیر کیوں نہیں چلاتے ؟ میں تیار ہوں مجھ پر حملہ کرو نہیں تو میں حملہ کر کے تمہیں ہلاک کر دوں گا کپتان عنبر کے پاس آ کر رک گیا اور بولا۔

اے ہماری ملکہ کے محافظ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ دوست بن کر یہاں آیا ہوں میں اور میرے ساتھی ملکہ کے وفادار سپاہیوں کا مقابلہ کرنے اور تمہاری اور ملکہ کی جان بچانے یہاں آئے ہیں سپہ سالار کوئی پل میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ یہاں پہنچنے والا ہے اس لئے فوراً ٹیلے کے اندر چھپ جاؤ اور ملکہ کو ہماری طرف سے کہو کہ وہ فکر نہ کریں ہم زندگی کے آخری سانس تک ان کی جان کی حفاظت کریں گے۔

عنبر کے لئے یہ ایک خوشگوار انقلاب تھا کہاں تو اس نے یہ سمجھ رکھا تھا

کہ زندگی کی آخری گھڑی آن پہنچی ہے اور کہاں اس کی خاطر جان قربان کرنے والے سپاہی وہاں آ گئے ہیں وہ فوراً کھوہ میں گیا اور اس نے ساری صورت حال کے بارے میں ملکہ اور ناگ کو باخبر کر دیا ناگ نے کہا کہ وہ سانپ بن کر سپاہیوں کو موت کی نیند سلائے گا عنبر نے کہا کہ اسکے لئے ایسا کرنا خطرناک ہوگا چونکہ ہجوم میں کسی بھی سپاہی کے گھوڑے تلے آ کر وہ کچلا جا سکتا تھا۔

تمہاری جگہ میں باہر نکل کر سپہ سالار کی فوجوں کا مقابلہ کروں گا چونکہ میرے مارے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملکہ نے عنبر کو روکنا چاہا کیوں کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ عنبر مر نہیں سکتا ناگ نے کہا۔

نہیں ملکہ سلامت۔ اسے جانے دیں یہ ان سب پر بھاری پڑے گا۔

اتنے میں کھوہ کے باہر انہیں گھوڑوں کے ہنہناتے اور ٹاپوں کی آواز

سنائی دی عنبر نے کہا کہ دشمن آن پہنچا ہے مجھے وفادار سپاہیوں کی مدد کے لئے باہر جانا چاہیے وہ کھوہ کے کنارے پر آ کر باہر دیکھنے لگا دشمن کے سپاہی بکھر کر ٹیلے کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں کھڑے تھے ان کے آگے سپہ سالار گھوڑے پر سوار کھڑا تھا کھوہ کی طرف منہ کر کے للکارا۔

ملکہ سدوم اور اس کے ساتھیو میں تمہیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم پوری طرح میرے گھیرے میں آ چکے ہو میرے سپاہی تمہیں اپنے جال میں پھنسا چکے ہیں تم چاہو بھی تو یہاں سے نکل کر فرار ہو سکتے اس لئے تمہارے واسطے یہی بہتر ہے کہ اپنا آپ میرے حوالے کر دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ملکہ کو پھانسی پر نہیں چڑھایا جائے گا۔

اس نے ابھی بات ختم ہی کی تھی کہ ٹیلے کے اوپر سے وفادار سپاہیوں نے اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے وہ بوکھلا کر پیچھے کی طرف بھاگا

اسے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ ٹیلے کے اوپر بھی کوئی فوج چھپی ہوئی ہو گی تیروں کی بارش شروع ہوگئی کئی سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرے اور پھر نہ اٹھ سکے اب عنبر بھی کھوہ سے باہر نکل آیا اور وہ اکیلا دشمن پر ٹوٹ پڑا سپہ سالار کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور اس پر تیر نیزے اور تلواریں برسانے لگے مگر عنبر کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا دوسری جانب وہ جو وار کرتا اس سے کسی نہ کسی سپاہی کی ٹانگ کٹ جاتی۔

ٹیلے پر چھپے ہوئے مورچہ بند وفادار سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ملکہ کا محافظ اکیلا دشمن کے سپاہیوں سے لڑ رہا ہے تو وہ بھی جنگی نعرے لگاتے ہوئے ٹیلے سے نیچے اتر آئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی ہر لمحہ بعد کسی نہ کسی کا سر کٹ کر گر جاتا تھا اور دھڑ تڑپنے لگتا تھا سپہ سالار ذرا پرے لڑ رہا تھا وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا کھوہ کے قریب آ گیا تھا اس نے سب کی نظریں بچا کر تلوار سونت لی اور چپکے سے کھوہ کے اندر داخل ہو گیا

دراصل وہ یہ چاہتا تھا کہ اندر جا کر ملکہ کا سر کاٹ لے اور پھر اسے نیزے پر چڑھا کر لہرا دے اور اپنی فتح کا اعلان کر دے کیونکہ ملکہ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر وفادار سپاہیوں کے حوصلوں کا پست ہو جانا یقینی تھا۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ ملکہ اکیلی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ناگ پھنی بھی ہے جو سپہ سالار کی عبرتناک موت بن کر اس کا انتظار کر رہا ہے۔ سپہ سالار غار کے اندھیرے میں پاؤں سیکڑ سیکڑ کر اٹھاتا ہوا چوکس ہو کر دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی آہٹ بھی سنائی دے وہ اچانک اوپر سے جا کر ملکہ کا سر کاٹ لانا چاہتا تھا لیکن اس کے قدموں کی چاپ ناگ نے سن لی تھی کیوں کہ سانپوں کا شہزادہ ہونے کی وجہ سے اس کے کان اتنے تیز تھے کہ وہ زمین کے اندر کی ہلکی دھمک بھی سن لیتا تھا ناگ قدموں کی چاپ سے چوکنا ہو گیا اس نے ملکہ کے کان میں سرگوشی کی۔

شاید دشمن کا کوئی سپاہی اندر آ گیا ہے آپ ایک طرف ہو کر چھپ جائیں میں اسے سنبھال لیتا ہوں۔

ملکہ پتھروں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئی ناگ ذرا اوپر ہو کر پھنکارا اور سانپ کی شکل میں بدل گیا پھنکار کی ہلکی سی آواز سپہ سالار نے بھی سنی تھی جو غار میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اسے ایک دم نیلے سانپ کا خیال آ گیا اور اس کے بدن میں خوف سے سنسنی دوڑ گئی پھر اسے خیال آیا کہ نیلے سانپ کو تو وہ کچل کر مار چکا ہے اس سے اسے کچھ حوصلہ ہوا اور وہ تلوار ہاتھ میں لیے آگے بڑھتا چلا گیا اچانک اسے ایک جگہ ملکہ کا سایہ نظر آیا وہ سمجھ گیا کہ ملکہ اکیلی ہے اور پتھروں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے اس نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

ملکہ اپنی موت کے لئے تیار ہو جا تیرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

سپہ سالار نے تلوار ہوا میں بلند کی اور سہمی ہوئی ملکہ پر حملہ کرنے ہی

والا تھا کہ ایک سیاہ کالا ناگ اس کے پہلو سے اچھل کر اس کی گردن کی طرف لپکا اور اس نے سپہ سالار کے چہرے پر آنکھوں کے قریب ڈس دیا یہ ایک نازک جگہ تھی کہ سپہ سالار دوسرے ہی لمحے اندھا ہو گیا اس کے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے پتھروں پر گر پڑی ناگ اوٹ میں ہو گیا اس نے پھنکار مار کر دوبارہ انسانی شکل اختیار کی اور سامنے آ کر زمین پر سے تلوار اٹھائی اور سپہ سالار سے کہا۔

بول اے سنگدل قاتل اب ملکہ کا سر باہر لے کا جاؤں گا تمہارا!؟

سپہ سالار کا سارا بدن لرز رہا تھا اور اس پر جانکنی کی حالت طاری تھی ناگ نے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے تلوار پر چڑھا کر کھوہ سے باہر لے جا کر فضا میں لہرا کر بولا۔

دشمن کے سپاہیوں ادھر دیکھو، یہ ہے تمہارے سپہ سالار کا سر اپنے ہتھیار پھینک دو ہم تمہیں معاف کر دیں گے ورنہ تمہارا بھی وہی

انجام ہوگا جو تمہارے سپہ سالار کا ہوا ہے۔

دشمن کے سپاہیوں نے اپنے سپہ سالار کا سر تلوار کے اوپر چڑھا ہوا دیکھا تو ہتھیار پھینک کر اپنا آپ ملکہ کی وفادار فوجوں کے حوالے کر دیا عنبر نے ناگ کو شاباش دی کہ اس نے سپہ سالار کو قتل بھی کر دیا ملکہ کی جان بھی بچالی۔

اگر تم بھی میرے ساتھ باہر آ جاتے تو پانسہ پلٹ گیا تھا اور ملکہ کی جان خطرے میں تھی۔

اب وہ غار کے اندر آ گئے اور احترام کے ساتھ ملکہ کو لے کر باہر آئے اور وفادار فوجوں کے کپتان نے جھک کر سلام کیا اور کہا ملکہ سلامت ظالم اپنے انجام کو پہنچے دشمنوں کو شکست ہوگئی انہوں نے خدا کے نیک بندوں کے ساتھ زیادتی کی تھی انہیں ان کے گناہوں کی سزا مل گئی آپ ہمارے ساتھ شاہی محل تشریف لے چلیے .... شاہی تخت

اور آپ کی وفادار رعایا آپ کی آمد کا انتظار کر رہی ہے سپاہیوں نے ملکہ زندہ باد کے نعرے لگا کر ملکہ کا خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے عنبر اور ناگ ملکہ کے آس پاس تھے راستے میں ہی رعایا کو معلوم ہو گیا کہ ان کی ملکہ وفادار فوجوں کے ساتھ محل کی طرف آ رہی ہے اور سپہ سالار قتل کر دیا گیا ہے لوگ ملکہ کے استقبال کے لئے محل کی طرف اٹھ دوڑے محل اور قلعے میں جب سپہ سالار کی شکست کی خبر پہنچی تو وفادار فوجوں نے سپہ سالار کی بچی کھچی فوج کو قتل کرنا شروع کر دیا اور پھر سارے قلعے پر قبضہ کر لیا دوسرے دن ملکہ کو سدوم کے تخت پر شاہانہ انداز میں تاج پوشی کے لئے بٹھا دیا گیا ملکہ نے عنبر اور ناگ کو اپنے خاص وزیروں کا درجہ دیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی باقی زندگی ملکہ ہی کے شاہی محل میں رہ کر بسر کریں

..........عنبر نے کہا۔

ملکہ سلامت! میری ساری زندگی کہاں بسر ہو گی یہ مجھے بھی علم نہیں بہرحال میں اور میرا دوست جتنی دیر تک آپ کے پاس رہیں گے آپ کے وفادار اور ہمدرد بن کر رہیں گے اور جس روز یہاں سے جانا ہو گا، ہم چلے جائیں گے۔

عنبر نے ملکہ کی مدد سے دریائے اردن کے کنارے والی یوحنا نبی کی عبادت گاہ کو نئے سرے سے بنوا دیا، وہاں وہ صبح شام خود بھی جا کر خداوند کی عبادت کرتے ایک روز وہ اور ناگ خدا کی عبادت کر رہے تھے کہ ایک راہب سے ملاقات ہو گئی اس نے عنبر کو بتایا کہ وہ گلیلی کے قصبے سے آ رہا ہے۔

وہاں بیت اللحم کے شہر میں خدا کے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے یہ نبی وہ ہے جس کو یوحنا نبی نے بپتسمہ دیا تھا اور جس کے بارے میں یوحنا نبی نے بشارت دی تھی کہ وہ خدا کا نبی ہو گا اور لوگوں کے دکھوں کے لئے

دکھ اور لوگوں کی تکلیفوں کے لیے خود تکلیفیں اٹھائے گا۔

عنبر نے راہب سے پوچھا۔

کیا تم نے اس نبی کو دیکھا ہے۔

راہب نے کہا۔

ہاں میں اس کے پاؤں چوم کر آ رہا ہوں لوگ اسے یسوع مسیح کہتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو دکھیوں اور غم کے ماروں کا نجات دہندہ کہتا ہے۔

عنبر کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو گیا اس نے عبادت گاہ سے باہر نکل کر ناگ سے کہا۔

دوست یہاں سے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے اب یہاں سے ہمارا دانہ پانی ختم ہو گیا ہے ہمیں ایک اور روشنی ایک اور نیکی کی آواز اپنی طرف بلا رہی ہے۔

ٹاگ نے کہا۔

کیا ہم یسوع مسیح سے ملنے جا رہے ہیں۔

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس سے ملنے نہیں دوست۔ اس عظیم ہستی کے قدموں کی خاک چومنے جا رہے ہیں۔

ضرور عنبر۔! ہمیں ضرور چلنا چاہیے شاید اس عظیم الشان ہستی کو دیکھ کر ہماری بھی نجات ہو جائے۔

آؤ میرے ساتھ۔

کیا ہم اسی طرح چل پڑیں گے؟

کیا مطلب؟

میرا مطلب ہے کہ بغیر کسی سامان کے یوں ہی ان دو کپڑوں میں کوچ کر جائیں؟

عنبر نے کہا۔

دوست ہمارا سامان اور ہماری زندگیوں کا سارا متاع اور اسی عظیم ہستی کے قدموں میں پڑا ہے آؤ میرے ساتھ۔

کیا ہم ملکہ سے ملے بغیر ہی چل دیں۔؟

ہم بادشاہوں کے بادشاہ سے ملنے جارہے ہیں دوست وقت ضائع مت کرو۔

عبادت گاہ سے نکل کر دونوں دوست دریائے اردن کے کنارے کنارے قصبہ گلیلی کے شہر بیت اللحم کی طرف چل پڑے سدوم سے وہ صبح کے وقت چلے تھے انہیں دریا کے کنارے چلتے چلتے شام ہو گئی وہ تھک گئے تھے انہوں نے کچھ فاصلے پر آگ جلتی دیکھی اور اس طرف گئے وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ تھا جس کے باہر آگ کے گرد کچھ لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے عنبر اور ناگ ان سے اجازت لے کر بیٹھ

گئے انہیں قہوہ پیش کیا گیا رات ہوتے ہی وہ لوگ خیمہ اکھاڑ کر گدھوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے عنبر اور ناگ بہت تھکے ہوئے تھے اور ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے پیدل چل سکیں ناگ نے کہا میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ دریا کنارے لیٹ کر رات گزارنی چاہیے کیونکہ یہاں دور دور تک کوئی بستی وغیرہ دکھائی نہیں دے رہی۔

عنبر کہنے لگا۔

ہمارے لیے کسی بستی کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے ناگ ہم اسی صحرا میں رات بسر کریں گے۔

انہوں نے اپنے سروں پر سے چادریں اتار کر ریت پر بچھالیں اور لیٹ کر باتیں کرنے لگے ناگ کے ذہن میں بار بار یہی ایک خیال آ رہا تھا کہ وہ جس ملک میں جا رہے ہیں وہاں کے لوگ اجنبی لوگ کیسے ہوں گے ان کے ساتھ وہ کیسا سلوک کریں گے؟ جس عظیم ہستی کو

دیکھنے کی تمنا لے کر وہ جا رہے ہیں کیا وہ انہیں زندہ مل سکیں گے ناگ ایک سانپ کے روپ میں دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسانی شکل میں آیا تھا اس کی یہ شکل بھی عارضی تھی مگر وہ زندگی میں اب دوبارہ سانپ نہیں بننا چاہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ اب وہ باقی ساری عمر انسان کے روپ میں ہی بسر کر دے مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایک نیک اور پر امن زندگی بسر کرے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے جھوٹ نہ بولے لیکن ہوتا یہ تھا کہ ہر بار وہ کسی نہ کسی ایسی جنگ میں الجھ جاتا تھا اس سے کچھ لوگ ہلاک ہو جاتے تھے وہ اسی قسم کے خیالوں میں گم تھا عنبر سو گیا تھا کہ اچانک ناگ کو کسی شیر کی خوفناک دھاڑ سنائی دی دھاڑ اتنی خوف ناک تھی کہ عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا عنبر نے کہا۔

تم نے آواز سنی ہے؟

ہاں شیر کی دھاڑ تھی کوئی صحرائی شیر ہے۔

دونوں دوست ریت پر لیٹے لیٹے صحرا میں غور سے دیکھنے لگے۔

رات اندھیری تھی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہوں نے ذرا دور ایک بہت بڑے شیر کو کسی لاش پر جھکے ہوئے دیکھا ناگ نے عنبر کے کان میں کہا۔

مجھے کسی انسان کی لاش معلوم ہوتی ہے۔..........

آدھی رات کو صحرا میں لاش کس کی تھی؟

کیا شیرا اس لاش کو کھا رہا تھا؟

عنبر اور ناگ کن حالات میں عظیم ہستی سے ملے؟

وہ عظیم ہستی کون تھی؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کی اگلی یعنی پندرھویں قسط میں پڑھیے گا۔

﴿ختم شد﴾

عنبر ناگ ماریا

اور جنوں کا [illegible]

(قسط نمبر ۱۵)

(اے حمید)

فہرست

پہلا باب شیر پر حملہ
دوسرا باب پراسرار روشنی
تیسرا باب عنبر کی گرفتاری
چوتھا باب ماریا گم ہوگئی
پانچواں باب سنسان جنگل
چھٹا باب بدروحوں کا مسکن
ساتواں باب دیوتا کا بیٹا
آٹھواں باب ناگ کی عیاری
ناواں باب خونی پہاڑ
دسواں باب عذاب الٰہی

02

بدروحوں کا مسکن

سنو پیارے بچو!

ہیرو عنبر اور اس کا سانپ دوست ناگ ....دریائے اردن کے شہر کی تباہی و بربادی کے بعد وہاں سے نکل کر مقدس شہر بیت اللحم کی طرف جا رہے ہیں اردن کا دریا ان کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے یہاں وہ آدھی رات کو اٹھ کر ایک شیر کو دیکھتے ہیں جو صحرا میں کسی آدمی پر لپکا ہوا ہے شیر حملہ کرتا ہے عنبر شیر کو ہلاک کر دیتا ہے یہاں صحرا میں انہیں ایک پر اسرار روشنی دکھائی دیتی ہے عنبر کی بہن ماریا گم ہو جاتی ہے عنبر سنسان جنگل میں ایک ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں بدروحیں آدھی رات کو چیختی چلاتی رہتی ہیں اور وہاں جا کر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا ....عنبر اور ناگ کی ملاقات ایک عظیم ہستی سے ہوتی ہے

اسکے بعد ایک گناہ گار شہر پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے زلزلے سے زبردست تباہی آتی ہے اور دونوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی سندھ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

اے حمید

بدروحوں کا مسکن

شیر پر حملہ

رات بڑی پراسرار تھی چاروں طرف خاموشی تھی۔

صحرا میں دور دور تک کسی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی آسمان پر چاند کہیں بھی نہیں تھا ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں ریت کے چھوٹے چھوٹے اونچے نیچے ٹیلے دور تک پھیلے ہوئے تھے جن پر تیز ہواؤں کے طوفان نے لہریں ڈال رکھی تھیں ناگ اور عنبر دونوں آنکھیں کھولے دور رات کی ہلکی ہلکی تاریکی میں یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ شیر کے آگے لاش پڑی ہے یا وہ کیا شے ہے جس پر شیر جھکا ہوا ہے۔

ناگ عنبر سے کہہ چکا تھا کہ اسے کسی انسان کی لاش معلوم ہوتی ہے عنبر

نے غور سے دیکھا اور کہا۔

شاید کسی انسان ہی کی لاش ہے مگر شیر اسے کھا کیوں نہیں رہا؟

میرا خیال ہے ہمیں آگے بڑھ کر دیکھنا چاہیے کہ اصل ماجرا کیا ہے۔

دونوں دوست ریت پر لیٹے ہی لیٹے کہنیوں اور گھٹنوں کے سہارے آگے بڑھنے لگے جب وہ شیر کے قریب پہنچ گئے تو رک گئے وہ ریت کے ایک چھوٹے سے ڈھیر کے پیچھے چھپے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک سفید داڑھی والا بزرگ قسم کا آدمی ریت پر لیٹا ہوا ہے اور شیر اس کے پاس کھڑا کبھی اسے سونگھتا ہے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتا ہے عنبر اور ناگ فوراً سمجھ گئے کہ وہ کوئی مسافر ہے جو بے سدھ سو رہا ہے اور شیر سے بے خبر ہے شیر اس آدمی کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے عنبر نے ناگ سے کہا۔

اگر شیر نے اس بزرگ پر حملہ کر دیا تو میں اسکی مدد کروں گا۔

ناگ نے کہا۔

تم سے زیادہ اس کی میں مدد کر سکتا ہوں۔

ٹھیک ہے پھر ہم دونوں بزرگ آدمی کی مدد کریں گے لیکن اگر شیر چلا گیا تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ اب ہم نے نیکی اور سچائی کی زندگی پر چلنا ہے ہم اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے جب تک کہ کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچاتا۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک شیر خوفناک انداز میں دھاڑا اس کی دھاڑ سارے صحرا میں گونج اٹھی سفید داڑھی والا بزرگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور شیر کو اپنے اوپر دیکھ کر کانپنے لگا شیر نے زور سے پنجہ مارا جو اس آدمی کے پہلو میں ریت پر پڑا اب عنبر اور ناگ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس بے گناہ مسافر کی جان موذی شیر سے بچائیں چنانچہ عنبر نے زور سے ایک چیخ ماری اور لپک کر شیر کے

سامنے آ گیا۔

عنبر جانتا تھا کہ شیر اس کا بال تک بیکا نہ کر سکے گا شیر نے ڈیک اور انسان کو ریت کے ٹیلے میں سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا تو بزرگس انسان کو چھوڑ کر عنبر پر حملہ کر دیا عنبر یہی تو چاہتا تھا اصل میں شیر کی موت اسے عنبر کی طرف لے آئی تھی شیر نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر پنجہ مارا شیر کے پنجے میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اگر وہ بھینسے کی گردن پر مارے تو اس کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دے مگر عنبر کی گردن پر شیر کا پنجہ پڑا تو شیر کو یوں لگا جیسے اس نے کسی لوہے کی دیوار پر پنجہ مار دیا ہو شیر کا پنجہ سن ہو کر رہ گیا اس نے دوسرا پنجہ عنبر کے سر پر مارا تو دوسرا پنجہ بھی زخمی ہو کر سن ہو گیا اب عنبر کے حملہ کرنے کی باری تھی اس نے شیر کی دم پکڑ کر اپنی طرف اس زور سے کھینچی کہ وہ شیر کے جسم سے الگ ہو گئی شیر زور سے دھاڑا اور اس نے

اپنا پورا منہ کھول کر عنبر کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی عنبر فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔

اتنے میں ناگ بھی وہاں پہنچ گیا اس کی کمر میں خنجر بندھا ہوا تھا اس نے پیچھے سے آ کر بڑی زور سے خنجر شیر کے پیٹ میں گھونپ دیا شیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ عنبر نے دونوں ہاتھوں کا ایک مکا بنا کر پوری قوت کے ساتھ شیر کی کمر پر دے مارا شیر کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ ریت پر گر پڑا اس کا نچلا دھڑ پتھر ہو چکا تھا اگلے دھڑ سے جان نکل رہی تھی وہ زمین پر پڑے پڑے دھاڑنے اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

وہ بزرگ انسان اٹھ کر پرے ہٹ کر کھڑا تھا جب شیر ختم ہو گیا تو اس نے عنبر اور ناگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

میرے نوجوان دوستو! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں تم نے

ہمت کر کے مجھ بوڑھے کی جان بچائی اگر تم میری مدد کو نہ پہنچتے تو شیر مجھے کھا گیا ہوتا اور میری بیٹی ماریا رو رو کر اپنے بابا کے غم میں جان دے دیتی عنبر نے کہا۔

بابا یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم آپ کی مدد کرتے مگر یہ بتائیں کہ آپ اتنے بے فکر ہو کر کیوں سو رہے تھے۔؟

بزرگ انسان نے بتایا۔

میرے نوجوان دوستو میرا نام جوزف مجوسی ہے میں آتش پرست تھا لیکن نجات دہندہ یسوع پر ایمان لا کر میں نے آگ کی پوجا چھوڑ دی میں بیت اللحم کی ایک بستی میں اپنی بیٹی ماریا کے ساتھ رہتا ہوں ہمارا انجیروں کا ایک باغ ہے جس پر ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔

بابا تم سدوم کیسے آئے تھے۔؟

سدوم میں انجیروں کے ایک بیوپاری سے کچھ پیسے لینے آیا تھا اب

واپس اپنے گاؤں جارہا تھا کہ راستے میں رات ہوگئی اور میں گھڑی دو گھڑی کے لئے سوگیا۔

ناگ نے کہا۔

خداوند کا شکر ہے کہ ہم پہنچ گئے اور تمہاری جان بچ گئی ہم لوگ بھی اسی نجات دہندہ سے ملنے کی آرزو لے کر بیت اللحم جارہے ہیں۔

مجوسی خوش ہوکر بولا۔

یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے تم لوگ میرے مہمان بن کر میرے گھر میں رہنا تمہیں میرے کچے مکان میں زیادہ آرام تو نہ مل سکے گا لیکن میں اور میری بیٹی ماریا تمہاری خدمت کریں گے۔

عنبر نے کہا۔

شکریہ بابا............ہم آپ کی مہمان نوازی کے شکر گزار ہیں۔

عنبر نے اس کے بعد مجوسی سے اپنا اور ناگ کا یوں تعارف کرادیا۔

بدروحوں کا مسکن

میرا نام عنبر ہے اور میرے دوست کا نام ناگ ہے ہم سدوم سے عظیم نجات دہندہ یسوع کا نام سن کر وہاں جا رہے ہیں کیا ہم اس عظیم ہستی سے مل سکیں گے۔

مجوسی نے کہا۔

کیوں نہیں۔ اس عظیم ہستی کا در سب کے لئے کھلا ہے وہ غریبوں اور دکھیوں کا رکھوالا ہے وہ سب سے محبت کرتا ہے اس کے بعد عنبر اور ناگ بزرگ مجوسی کے ساتھ بیت اللحم کی جانب روانہ ہو گئے دریا کے کنارے کنارے سفر کرتے انہیں صبح ہو گئی ابھی ان کی منزل کافی دور تھی وہ چلتے گئے جوں جوں دن نکلتا گیا دھوپ اور گرمی تیز ہوتی گئی جب گرمی ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تو انہوں نے ایک جگہ سایہ دیکھ کر پڑاؤ ڈال لیا بوڑھا مجوسی چلتے چلتے تھک گیا تھا وہ جلدی ہی سو گیا۔

عنبر اور ناگ باتیں کرنے لگے کہ بیت اللحم پہنچ کر وہ کام کیا کریں گے یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ بھوک دونوں کو بہت کم لگتی تھی سانپ جیسا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کئی کئی روز بھوکا رہ سکتا ہے سردیوں میں جب سانپ سردی سے بچنے کے لئے زمین کے اندر چلا جاتا ہے تو کئی مہینے کچھ نہیں کھاتا ناگ بھی سانپ ہی تھا اور انسان کی شکل میں آیا ہوا تھا چنانچہ اسے بہت کم بھوک لگتی تھی۔

عنبر بھی ایک انسان تھا جس پر قدرت نے نا معلوم مدت کے لئے موت حرام کر دی تھی یعنی وہ اگر چاہے بھی تو مر نہیں سکتا تھا اس طرح اسے بھی بھوک بہت کم محسوس ہوتی تھی پھر بھی لوگوں کو دکھانے کے لئے کسی نہ کسی کاروبار کا ہونا بہت ضروری تھا ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ میں سانپوں کو پکڑ کر بیچنے کا دھندا شروع کر دوں گا اس زمانے میں سانپ پکڑ کر بیچے جاتے تھے یہ سانپ عام طور پر وہ

لوگ خریدتے تھے جوان کی کھال اتار کر اسے سکھا کر خاص قسم کا چمڑا تیار کرتے تھے یہ چمڑا بڑے بڑے امیر لوگ اپنی چپل بنانے کے لئے خرید لیتے تھے عنبر نے کہا۔

یہ ٹھیک رہے گا اور میں اپنا وہی پرانا دواؤں کا دھندا شروع کر دوں گا میرے پاس تبت کے راجے کا دیا ہوا ہیرا ابھی تک موجود ہے اگر ہمارا دھندا نہ چلا تو یہ ہیرا فروخت کر دوں گا۔

اس کی کیا ضرورت ہے بھلا ہماری گزر بسر کسی نہ کسی طرح سے ہو ہی جائے گی۔

اس طرح باتیں کرتے دن غروب ہو گیا سورج کی تپش ختم ہو گئی اور صحرا میں شام کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی بزرگ مجوسی بھی اٹھ بیٹھا اس نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں اب اپنا سفر شروع کرنا چاہیے اگر ہم بغیر کسی جگہ

رکے رات بھر سفر کرتے رہے تو صبح کے وقت بیت اللحم پہنچ جائیں گے عنبر نے کہا۔

ہمیں اب چل پڑنا چاہیے۔

رات بھر وہ بغیر رکیں چلتے رہے پچھلے پہر وہ ایک بستی کے قریب سے گزرے جس کے باہر بھیڑ بکریاں باڑے میں بندھی ہوئی انہیں دیکھ کر میمانے لگیں بزرگ مجوسی نے تھیلے میں سے خشک انجیروں اور مکی کی روٹی نکال کر آپس میں بانٹ لی انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر روٹی کھائی اور چھاگل میں سے پانی پیا کھا پی کر وہ دوبارہ روانہ ہو گئے جس وقت صحرا میں دن کا اجالا پھیلا تو انہیں دور اونچے نیچے پہاڑی ٹیلے پر بیت اللحم کی بستی نظر آئی اس بستی کو دیکھتے ہی بزرگ مجوسی نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگا عنبر اور ناگ بھی اس کی دعا میں شامل ہو گئے۔

اے خداوند ہمارے گناہ معاف کر دے ہم پر اپنا رحم نازل کر ہم بھیڑوں کی طرح سچے راستے سے بھٹک گئے تھے کہ تو نے ہمیں سیدھے راستے پر ڈال دیا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہی ہماری امیدوں کا سہارا ہے تو ہی ہم دکھیاروں کا ہاتھ پکڑنے والا ہے ہم تیری ہی حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری ہی عظمت کے گن گاتے ہیں ہماری مدد فرما............ آمین۔

بیت اللحم کی بستی کے قریب ہی کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر کھجوروں کے جھنڈ میں ایک کچا مکان تھا جس کے ارد گرد انجیروں کا باغ پھیلا ہوا تھا بزرگ مجوسی نے کہا۔

یہ میرا مکان ہے جہاں میری بیٹی ماریا رہتی ہے اور میرا انتظار کر رہی ہوگی تم لوگ بھی اسے اپنا ہی مکان سمجھو۔

جس وقت یہ لوگ مکان کے صحن میں داخل ہوئے تو ماریا نے اپنے

باپ کے ہاتھ چوم لیے اور سفر کی خیریت دریافت کی مجوسی بزرگ نے اسے عنبر اور ناگ سے ملایا اور کہا۔

بیٹی اگر تمہارے یہ دو بھائی میری جان نہ بچاتے تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔

پھر مجوسی نے شروع سے لے کر اخیر تک ماریا کو شیر کا سارا قصہ سنایا ماریا نے عنبر اور ناگ سے کہا۔

میرے عظیم بھائیوں تم نے میرے باپ کی جان بچا کر اپنی ایک چھوٹی بہن پر اس کی زندگی کا سب سے بڑا احسان کیا ہے میں تمہارے احسان کا بدلہ تو نہیں دے سکتی لیکن اسے فراموش بھی نہیں کروں گی۔

ماریا نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی ایک بڑی ہی پیاری بچی تھی جس کے چہرے پر بے حد بھولپن تھا عنبر اور ناگ نے کہا کہ وہ بھی ماریا سے

اپنی چھوٹی بہن کی طرح پیار کرتے ہیں ناگ نے کہا۔

میری کوئی بہن نہیں تھی خداوند کا شکر ہے کہ مجھے ایک بھولی بھالی نیک بہن مل گئی۔

عنبر نے بھی کہا۔

ماریا آج سے تم بھی میری چھوٹی بہن ہو ہم دونوں تمہارے بڑے بھائی ہیں

ماریا بولی۔

اے خداوند میں تمہاری نعمتوں کا کیسے شکر ادا کروں تو نے مجھ غریب لڑکی کو گھر میں بیٹھے بیٹھے دو محبت کرنے والے بھائی عطا کر دیے۔

بزرگ مجوسی نے عنبر اور ناگ اور ماریا تینوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

آج سے تم تینوں میری اولاد ہو خدا تم بھائیوں اور بہن میں ایک

دوسرے سے محبت اور احترام ہمیشہ زندہ رکھے۔

ماریا نے کہا۔

پیارے بھائیو! اس تخت پوش پر بیٹھو میں تمہارے لئے انجیر یں کی کی روٹی اور بکری کا دودھ لاتی ہوں۔

عنبر نے کہا۔

پیاری بہن ہم نے راستے میں کھانا کھالیا تھا.......... تمہارا شکریہ

مجوسی نے کہا۔

بیٹی تم اپنے بھائیوں کو انجیر کا باغ دکھاؤ میں ساہوکار کے ہاں سے ہو کر ابھی آتا ہوں۔

ماریا عنبر اور ناگ کو انجیر کے باغ میں لے گئی یہ باغ اتنا بڑا تو نہیں تھا لیکن اس کے درخت پھل سے لدے ہوئے تھے ایک تختے میں انگور کی بیلیں بھی لگی تھیں جن کی شاخیں انگور کے گچھوں سے لدی پھندی

تھیں مکان کے صحن میں آ کر ماریا نے مٹی کے بڑے قاب میں انگور رکھ کر عنبر اور ناگ کو پیش کیے۔

بیت اللحم میں اس سے میٹھے انگور اور کہیں نہیں ہیں۔ بابا نے یہ بیل خاص طور پر مقدونیہ سے منگوائی تھی۔

شکریہ بہن یہ انگور تو سچ مچ بڑے میٹھے ہیں۔

ماریا کا گھر اگرچہ کچی مٹی کا تھا مگر بڑا ہی صاف ستھرا تھا کوٹھڑی میں مٹی کے برتن بڑے سلیقے سے لگے تھے صحن میں روٹی پکانے کا تنور تھا دوسری طرف باڑے میں بکریاں بندھی ہوئی تھیں ماریا بکریوں کا دودھ دوہنے لگی اور عنبر اور ناگ اس سے اجازت لے کر بیت اللحم کی طرف چل پڑے۔

بیت اللحم کی بستی بہت ہی قریب تھی وہ بہت جلد بستی میں پہنچ گئے یہ بستی بہت چھوٹی تھی اونچی نیچی کچی سڑکیں ادھر اُدھر چل گئی تھیں

جن کے کنارے مٹی اور پتھر کے ایک منزلہ مکان بنے ہوئے تھے اس بستی میں زیادہ تر کسان اور مزدور لوگ رہتے تھے بستی کے باہر اردگرد کی زمین پر جگہ جگہ کھیتیاں تھیں جہاں مکی اور جو کی کاشت ہوتی تھی عنبر اور ناگ بستی میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جس عظیم ہستی یسوع کی تلاش میں وہ وہاں آئے ہیں اس کی ایک جھلک کہاں اور کیسے دیکھی جائے۔

ماریا نے چلتے وقت انہیں کہا تھا کہ عظیم ہستی اس جگہ ملے گی جہاں غریب اور محنت کرنے والے لوگ کام کر رہے ہوں گے عنبر اور ناگ کھیتوں میں آ گئے جہاں کسان ہل چلا رہے تھے انہوں نے کسانوں سے یسوع کے بارے میں پوچھا ابھی زیادہ لوگ یسوعؑ پر ایمان نہ لائے تھے جو لوگ یسوع کے مذہب میں شامل ہو گئے تھے وہ ابھی بہت تھوڑے سے تھے دور پھیلے ہوئے تھے وہ کچھ چھپ کر بھی رہتے

تھے اور یسوعؑ کے مذہب کا آزادی سے اعلان نہیں کرتے تھے کیونکہ صوبے میں جس رومی گورنر کی حکومت تھی وہ پیگن تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا جبکہ یسوعؑ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرنے سے منع فرماتے تھے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔

ابھی یسوعؑ کے دین کے شروع کا زمانہ تھا۔

ایک کسان ہل چلاتے چلاتے رک گیا اس نے جھک کر عنبر اور ناگ سے کہا۔

تمہیں ہمارا نجات دہندہ اوپر............بستی کے باغ میں ملے گا۔

وہ ہل چلانے لگا عنبر اور ناگ نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بستی کے اوپر والے ٹیلے کی طرف نظریں اٹھائیں ذرا بلندی پر کچے مکانوں کے درمیان کھجور اور زیتون کے درختوں کے جھنڈ دکھائی

دے رہے تھے یہی وہ مقدس باغ تھا جہاں وہ عظیم ہستی موجود تھی جس کی بشارت یوحنا نبی نے دی تھی دونوں دوست اس باغ کی چڑھائی چڑھنے لگے۔

پراسرار روشنی

دونوں دوست بستی سے اوپر مقدس باغ کے دروازے پر پہنچ گئے۔

وہ باغ میں داخل ہوئے تو انہوں نے درختوں کے پیچھے ایک سفید سی روشنی ابھرتی دیکھی وہ بڑے حیران ہوئے کہ دھوپ کے علاوہ یہ سفید روشنی کہاں سے آرہی ہے وہ آگے بڑھتے گئے روشنی اب زیادہ صاف ہوگئی تھی یہ روشنی زیتون اور کھجور کے درختوں کے ایک جھنڈ میں سے ابھر رہی تھی جب وہ اس جھنڈ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ غریب کسان لوگ خاموشی سے بڑے ادب کے ساتھ زمین پر سر جھکائے بیٹھے ہیں اور ان کے درمیان ایک بڑی ہی مقدس اور جلال والی شکل کا حسین ترین انسان گھاس پر بیٹھا انہیں نیکی اور سچائی کی

باتیں بیان کر رہا ہے۔

سفید روشنی اس عظیم ہستی کے جسم کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی دونوں دوست بڑے ادب کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے اور انہوں نے بھی احترام میں سر جھکا لئے دیر تک وہ وہاں بیٹھے اس عظیم ہستی کا وعظ سنتے رہے انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی عظیم الشان فرشتہ سفید بادلوں میں بیٹھا انہیں خداوند کے احکام سنا رہا ہے پھر جب انہوں نے سر اٹھایا تو وہ روشنی بڑی آہستگی نرمی اور سکون کے ساتھ درختوں میں سے گزر رہی تھی جب یہ روشنی اس عظیم ہستی کے ساتھ باغ میں سے باہر نکل گئی تو عنبر اور ناگ نے چونک کر دیکھا۔

ناگ ہم کب سے یہاں بیٹھے ہیں۔

میرا خیال ہے ہم صبح سے یہاں بیٹھے تھے اور اب تو شام ہو گئی ہے لیکن ایسے لگتا ہے جیسے ابھی ابھی آ کر بیٹھے ہو۔

اب وہاں سے کسان اٹھ کر اپنے اپنے کھیتوں کو جانے لگے تھے ایک کسان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ عظیم ہستی یسوعؑ ہی تھے جو دکھی دلوں پر ہمدردی اور محبت کی مرہم رکھنے اس دنیا میں آئے تھے اور جن کے مقدس چہرے پر آسمانی نور تھا دونوں دوست دیر تک اسی روشنی کو دیکھتے رہے جو آہستہ آہستہ دور ہو کر باغ سے کھیتوں کی طرف جا رہی تھی جب وہ روشنی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ماریا کے گھر واپس آ گئے۔

شام ہو رہی تھی مجوسی انجیر کے باغ میں پھلوں کو سکھانے کے بعد بوریوں میں بند کر رہا تھا اور ماریا تنور میں مکی کی روٹیاں لگا رہی تھی اس نے پوچھا۔

اچھے بھائی تم اتنی دیر کہاں رہے کیا عظیم یسوعؑ کی زیارت ہوئی ہاں میری بہن............ہم مقدس باغ میں اس عظیم ہستی کا وعظ سن

رہے تھے کہ پتہ ہی نہ چلا کب دن گزرا کب سورج ڈھلا اور کب شام ہوگئی۔

تم خوش قسمت ہو میرے بھائیوں کہ تمہیں یسوعؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

اس میں کوئی شک نہیں بہن ہم خوش قسمت ہیں اور ہم اپنی قسمت پر جتنا فخر کریں کم ہے۔

اتنے میں مجوسی ماریا کا باپ بھی وہاں آ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ عنبر اور ناگ مقدس باغ میں نجات دہندہ یسوع کا وعظ سن کر آ رہے ہیں تو اس نے بھی دونوں کو مبارک باد دی اور کہا کہ مقدس یسوعؑ کا وعظ سننے والوں کے لئے جنت میں تخت بچھ جاتے ہیں ماریا نے اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے روٹی ڈال کر تخت پوش پر رکھی سب نے مل کر کھانا

کھایا اور سفید روشنی والے مقدس یسوعؑ کی باتیں کرنے لگے۔

شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو گئے تھے دور بستی کے اوپر گورنر گلیلی کے شاہی محل کی فصیل پر مشعلیں روشن ہو گئی تھیں۔

عنبر نے مجوسی سے پوچھا۔

بابا کیا گورنر گلیلی اسی محل میں رہتا ہے۔

ہاں بیٹا گورنر ایک ظالم اور بے رحم رومن ہے وہ پیگن ہے اور بتوں کی پوجا کرتا ہے وہ مقدس یسوعؑ کے ماننے والوں کو پسند نہیں کرتا لیکن ابھی اس نے مقدس یسوعؑ اور اس کے ماننے والوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا شاید اس لئے کہ ابھی اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا مگر سنا ہے کہ اس نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی مسیحی اگر کھلے بندوں چوک میں وعظ کرے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔

ناگ نے کہا۔

کیا گورنر اپنے طور پر سب کچھ کر رہا ہے؟

مجوسی نے کہا۔

اپنے طور پر بھی وہ کر رہا ہے بیٹا مگر اسے روم کے بادشاہ کی بھرپور حمایت بھی حاصل ہے کیونکہ روم کا بادشاہ مشکن ہے اور کسی ایسے مذہب کو پسند نہیں کرتا جو اس کے اپنے مذہب کی مخالفت کرے حکومت اس کی ہے اس لئے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا مقدس یسوع کو اس کے بارے میں علم ہے کہ گورنر اور راجہ کی حکومت ان کے وعظ کو پسند نہیں کرتی۔

کیوں نہیں بیٹا وہ خدا کے نبی ہیں انہیں تو سب کچھ معلوم ہوتا ہے مگر وہ سچ پر ہیں اور لوگوں کو خدا کا پیغام سنانے اس دنیا میں تشریف لائے ہیں وہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنا معاملہ نہیں رکھتے انہیں کوئی

طاقت نہیں ڈرا سکتی اور اپنا وعظ جاری رکھیں گے۔

ٹاگ نے کہا۔

کس قدر عظیم ہستی ہے ہمارے مقدس یسوعؑ کی کاش ہم ان کے قدموں کو چھونے کی سعادت حاصل کر سکتے۔

ماریا نے کہا۔

عزیز بھائیو! مقدس یسوع تو ساری انسانیت کے لئے رحمت اور محبت بن کر آئے ہیں ان کی محبت غریب امیر سب کے لئے ایک جیسی ہے جو کوئی بھی ان کے پاس جاتا ہے وہ محبت سے اس کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ رکھتے ہیں اور اسے سچائی اور نیکی کا درس دیتے ہیں۔

اسی طرح پاکیزہ اور نیک باتیں کرتے کرتے وہ لوگ سو گئے صبح مرغ کی بانگ کے ساتھ ان کی آنکھ کھل گئی ماریا نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا خدا کی عبادت کی اور تنور میں آگ جلا دی دودھ گرم کر کے اپنے باپ

اور بھائیوں کو پلایا۔

مجوسی نے رات ہی کو خشک انجیروں کے بورے بھر کر رکھ لیے تھے اور وہ انہیں آج دوسرے شہر میں فروخت کرنے کے لئے جانے والا تھا' تا کہ اسے بیچ کر وہ اپنے اور اپنی بیٹی کے لئے کپڑا اور گھر کے لئے کھانے پینے کا سامان خرید سکے خشک انجیروں سے بھرے ہوئے بورے صحن میں ایک طرف رکھے تھے

ماریا اپنے باپ کا خچر صحن میں لے آئی اور اس پر روئی کا نمدا ڈال کر بولی۔

بابا میرے لیے پھولوں والا سرخ کپڑا لانا۔

اچھا بیٹی۔ وہی لے آؤں گا آؤ بیٹا عنبر اور رنگ بورے چھکڑے پر رکھ دیں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔

عنبر نے ایک بورا چھکڑے پر رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں بابا ہم آج پھر مقدس باغ میں جائیں گے شاید مقدس یسوعؑ کی پھر زیارت ہو جائے۔

ضرور جاؤ بیٹا ضرور جاؤ اور زیارت کر کے اپنے دل کو روشنی دو ناگ اور عنبر مل کر دوسرا بورا چھکڑے پر رکھ رہے تھے کہ اچانک بہت سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چھ سات رومن سپاہی زرہ بکتر پہنے تلواریں لٹکائے صحن میں آن پہنچے ماریا اور اس کا باپ رومن سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرا گئے ماریا اپنے باپ کے پیچھے ہو کر چھپ گئی اور سہمی ہوئی نظروں سے تکنے لگی بوڑھے باپ کے ہاتھ کانپنے لگے اس لئے کہ وہ ظالم رومن سپاہیوں کے ظلم اور سنگدلی و بے رحمی سے خوب واقف تھے کسی کسان کے گھر کو لوٹ کر آگ لگا دینا اور اسے تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دینا ان کے لئے معمولی بات تھی عنبر اور ناگ بھی ایک طرف چپ چاپ سے ہو کر کھڑے ہو گئے۔

رومن سپاہیوں کے کپتان نے اشارہ کر کے کہا۔

اٹھالو انجیر کے ان بوروں کو اور گھوڑوں پر لاد کر لے چلو شاہی محل ماریا کا باپ ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑایا۔

خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو یہ میری سال بھر کی کمائی ہے اسے تم لے گئے تو ہم بھوکوں مر جائیں گے۔

کپتان نے گرج کر کہا۔

بکواس بند کرو اے بڈھے کھوسٹ نہیں تو ہنٹر مار مار کر چمڑی ادھیڑ دوں گا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر کہا۔

بھائیو! ہم غریب ہیں محنت مزدوری کر کے سال بھر کمائی کرتے ہیں اور روٹی کھاتے ہیں ہم بھوکوں مر جائیں گے مجھ پر اور میرے بابا پر رحم کرو کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

لڑکی۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم گورنر گلیلی کے سپاہی ہیں ہم جس کے گھر میں چاہیں گھس کر جو ہاتھ لگے اٹھا کر لے جاتے ہیں ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔

پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ خشک انجیروں کے سارے بورے اٹھا لیے جائیں سپاہیوں نے گھوڑوں سے اتر کر انجیروں کے بورے اٹھا کر گھوڑوں پر لادنے شروع کر دیے بوڑھا مجوسی ایک بار پھر گڑگڑایا اس نے جھک کر کپتان کے پاؤں پکڑ لیے۔

میری معصوم بچی کی خاطر مجھ پر رحم کرو۔

دور ہو جاؤ یہاں سے۔

کپتان نے زور سے لات مار کر بڈھے کو جھٹک دیا غریب بوڑھا زمین پر گر پڑا اس کے ماتھے پر خون بہنے لگا ماریا چیخ مار کر اپنے بابا سے لپٹ گئی اب تک عنبر اور ناگ بڑی خاموشی کے ساتھ ایک طرف

کھڑے یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے کپتان اور سپاہی ان دونوں کو غلام سمجھے ہوئے تھے اسی لئے انہوں نے ان دونوں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

لیکن جب پانی سر سے گزرنے لگا اور سنگدل کپتان نے لات مار کر ماریا کے باپ کو زخمی کر کے زمین پر پھینک دیا تو انہیں سخت غصہ آ گیا عنبر نے ایک بار ناگ کی طرف دیکھا ناگ نے سر ہلا دیا عنبر نے کپتان سے کہا۔

معزز سپاہیو! میں حیران ہوں کہ تم لوگ بہادر سپاہی ہو کر ایک بوڑھے پر ہاتھ اٹھاتے ہو اور غریبوں کی سال بھر کی کمائی لوٹتے پھرتے ہو............ کپتان یہ بے عزتی کے جملے سن کر ایک دم چونک پڑا اس نے قہر بھری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

کون ہو تم کمینے نوجوان!

عنبر نے کہا۔

میں اس بوڑھے کا بیٹا ہوں۔

کپتان نے حکم دیا۔

اس گستاخ نوجوان کو بدتمیزی کا مزا چکھا دو۔

ایک سپاہی گھوڑے سے اتر کر عنبر کی طرف بڑھا اس نے ہنٹر کھول کر ہوا میں لہرایا اور عنبر کی طرف ہنس کر دیکھتے ہوئے بولا۔

تیری موت کا وقت قریب آگیا ہے نوجوان۔

ناگ اس عرصے میں وہاں سے کھسک کر انجیر کے باغ میں آگیا تھا یہاں کھجوروں کے جھنڈ میں پہنچ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور افریقہ کے ہاتھی کا تصور دماغ میں لا کر زور سے پھنکار ماری دوسرے لمحے ناگ کی جگہ وہاں افریقہ کا ایک طاقتور پہاڑ ایسا ہاتھی کھڑا اپنی خوفناک سونڈ ہلا رہا تھا دوسری طرف سپاہی نے پوری طاقت سے ہنٹر

لہرایا اور عنبر پر مارا۔ عنبر نے ہنٹر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا سپاہی اس کے قدموں میں آکر منہ کے بل گر پڑا عنبر نے زور سے اپنا پاؤں اس کے سر پر مارا اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا رومن کپتان غصے میں بھر گیا اس نے تلوار میان سے کھینچ لی اور عنبر کو قتل کرنے کے لئے آگے ہی بڑھا تھا کہ پیچھے سے جنگلی ہاتھی کی بھیانک چنگھاڑ سنائی دی۔

گھوڑے بدک گئے کپتان نے ہڑبڑا کر پیچھے دیکھا ایک پہاڑ ایسا ہاتھی اپنی خوفناک سونڈ اٹھائے ان کے سروں پر پہنچ گیا تھا سب کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس لئے کہ اس جگہ زندگی میں کبھی کسی نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا وہ علاقہ ہاتھیوں کا نہیں تھا ہاتھی صرف فوج میں رکھے جاتے تھے ماریا اور اس کا باپ بھی ایک طرف سہم کر بیٹھ گئے ہاتھی اب سپاہیوں کے سروں پر پہنچ گیا تھا اس نے

سونڈ اٹھا کر زور سے ایک سپاہی پر ماری سپاہی اچھل کر ایک طرف گر پڑا سونڈ گھوڑے کی پیٹھ پر پڑی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی کپتان نے چیخ کر کہا۔

شاہی محل کی طرف بھاگو............... جلدی..........

سپاہی گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اپنے کپتان کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے وہاں سے بھاگ گئے ہاتھی نے فتح کی خوشی میں زور سے چنگھاڑ ماری اور کھجوروں کے جھنڈ میں جا کر غائب ہو گیا ماریا اور اس کا باپ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

میرے بیٹے یہ ہاتھی خدا کی طرف سے ہماری مدد کو آیا تھا ضرور خدا نے ہماری فریاد سن لی تھی۔

عنبر نے کہا۔

ہاں بابا خدا نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔

ماریا نے پوچھا۔

بھائی ناگ کہاں چلا گیا ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

بات اصل یہ ہے کہ وہ بہت ڈرپوک ہے سپاہیوں کو دیکھ کر ہمیشہ ڈر کر بھاگ جاتا ہے اب بھی وہ ڈر کر باغ میں کھسک گیا تھا سپاہی چلے گئے ہے نا؟ اب وہ واپس آ جائے گا۔

عنبر نے باغ کی طرف منہ کر کے ناگ کو آواز دی ناگ اپنا سر جھاڑتا کھجوروں کے جھنڈ کی طرف سے نمودار ہوا اور قریب آ کر بولا۔

یہ ہاتھی یہاں کدھر سے آ گیا تھا۔؟

مجوسی نے کہا۔

تم نے ہاتھی کو دیکھا ہے ناں؟

ناگ نے کہا۔

ہاں بابا وہ تو کوئی مست ہاتھی تھا بالکل میرے قریب سے ہو کر گزرا اگر میں جھاڑیوں میں نہ چھپ جاتا تو وہ مجھے اپنے پاؤں تلے ضرور کچل دیتا۔

بیٹا خدا نے عین وقت پر ایک ہاتھی کو بھیج دیا جس نے ہماری مدد کی اور سپاہیوں کو مار بھگایا............ مگر بیٹا۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں وہ مجھ سے ہاتھی کا بدلہ ضرور لینے آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

تم فکر نہ کرو بابا......... اگر وہ دوبارہ آ گئے تو خدا اس ہاتھی کو پھر ہماری مدد کے لئے بھیج دے گا۔

ہاں بابا تم فکر نہ کرو۔ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ میں تمہارے سر کے زخم کے لئے مرہم لاتی ہوں۔

عنبر نے بوڑھے مجوسی کے سر کا زخم دھو کر اس پر مرہم لگائی اور پٹی باندھ

دی رات کو سونے سے پہلے ناگ نے اسی خطرے کا اظہار کیا جس کا ذکر ماریا نے کیا تھا کہ رومن سپاہی انتقام لینے ضرور آئیں گے۔

عنبر کی گرفتاری

جسٹینین صوبہ گلیلی کا گورنر تھا۔

یہ ایک ظالم اور خود سر گورنر تھا اور اپنے آپ کو صوبے کا بادشاہ سمجھتا تھا ان دنوں یہودیوں کا مذہب ہی چاروں طرف پھیلا ہوا تھا گورنر جسٹینین کے دربار کا لاٹ پادری بھی یہودیوں کا سرغنہ تھا اور وہ یسوع کے خلاف تھا جس سے یہودیوں کا مذہب خطرے میں پڑ گیا تھا۔

لاٹ پادری نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یسوعؑ کے پرچار کی وجہ سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے ہیں اور وہ بادشاہ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھارتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات تھی بادشاہ کانوں کا بڑا کچا تھا اور خوشامد کرنے والوں کو پسند کرتا تھا

چنانچہ اس پر لاٹ پادری کی سکھائی پڑھائی کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔

اس وقت صوبے کی حالت ویسی ہی تھی جیسی ساری رومی سلطنت کی تھی رومیوں نے فوجی طاقت سے سارے ایشیا اور اس زمانے کے سارے یورپ پر قبضہ جما رکھا تھا ہر ملک سے بے شمار دولت آتی تھی درباری عیش و عشرت میں پڑے تھے روم کا شہنشاہ خود غریبوں کے دکھ درد بھلا کر دن رات عیش و عشرت میں مگن رہتا تھا امیر لوگ زیادہ تر امیر اور غریب لوگ زیادہ غریب ہو گئے تھے دولت صرف اوپر والے درباری لوگوں کے پاس تھی غریب لوگ بھوکوں مرتے تھے جب کبھی غریب لوگ بھوک سے تنگ آ کر کہیں کوئی ہنگامہ کرتے تو شہنشاہ کے حکم سے ان کے سر کاٹ کر چوک میں لٹکا دیے جاتے یا پھر شہنشاہ غریب بھوکوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اکھاڑے میں بڑے میلے کا انتظام کر دیتا جس میں قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جاتا

www.urdupdfbooksfree.pk

لوگ کھیل تماشہ پسند کرتے تھے وہ اس میں گم ہو کر اپنی بھوک کو بھول جاتے۔

گلیلی میں بھی یہی عالم تھا گورنر جسٹینین کے حکم سے سپاہی بھوکے لوگوں کا قتل عام شروع دیتے جس گھر میں چاہتے گھس کر سامان لوٹ کر لے جاتے یہی وجہ تھی کہ وہ ماریا کے باپ کے گھر میں گھس آئے تھے اور انہوں نے بابا کی سال بھر کی کمائی لوٹ کر لے جانے کی کوشش کی تھی اگر ناگ اور عنبر ماریا کے بابا کی مدد نہ کرتے تو وہ غریب اپنی محنت کی کمائی سے محروم ہو جاتا اور انہیں بھوکا رہ کر سارا سال گزارنا پڑتا گورنر چونکہ خود غیر ذمے دار آدمی تھا اس لئے اس کے درباری اور سپاہی بھی ہر جگہ من مانی کرتے پھرتے تھے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔

جس سپاہیوں کے دستے نے ماریا کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش

کی تھی وہ بادشاہ کا خاص حفاظتی دستہ تھا اور اس کے ذمے شاہی باورچی خانے کا بندوبست کرنا بھی تھا۔ یہ سپاہی خشک انجیروں کے بورے لوٹ کر شاہی باورچی خانے میں ڈالنا چاہتے تھے کپتان نے شاہی محل میں جا کر اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا۔

اس بڈھے کے گھر میں ہماری بے عزتی ہوئی ہے اس نے ایک جادو کے ہاتھی کے ذریعے ہمیں شکست دی ہے مگر اس کے پاس اتنا بڑا اور قیمتی ہاتھی کہاں سے آ گیا۔؟

ایک سپاہی نے کہا۔

سرکار! ضرور اس بڈھے نے شاہی دستے کے ہاتھیوں میں سے کوئی ہاتھی چوری کیا ہے ورنہ اس کے پاس ہاتھی کہاں سے آ سکتا ہے؟

کپتان نے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں آج ہی اس کے خلاف چوری کا مقدمہ کرتا

ہوں میں اس سے اپنی بے عزتی کا انتقام ضرور لوں گا۔

دو روز بعد کپتان نے چوری کے الزام میں ماریا کے گھر فوجی پولیس کا چھاپہ ڈلوا دیا الزام یہ تھا کہ ماریا کے باپ نے شاہی فوج کا ہاتھی چوری کیا ہوا ہے جس سے وہ باغ میں کام کرواتا ہے فوجی پولیس نے ماریا کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور باغ اور مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی فوجی نے مکان اور باغ کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ہاتھی کا کہیں نام ونشان تک نہ ملا سوال یہ تھا کہ اتنا بڑا جنگلی جانور بھلا کوئی کیسے چھپا سکتا تھا۔

فوجی افسر نے کہا۔

تم لوگ غلط کہتے ہو کہ یہاں تم پر ہاتھی نے حملہ کیا تھا۔

بھلا یہاں ہاتھی کہاں ہو سکتا ہے تم نے ضرور کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔

کپتان نے کہا۔

جناب عالی! میں نے خواب نہیں دیکھا بلکہ اپنی آنکھوں سے ہاتھی کو حملہ کرتے دیکھا ہے اگر میں پھرتی سے ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو وہ ضرور مجھے ہلاک کر دیتا۔

افسر نے جھنجھلا کر کہا۔

لیکن آخر وہ ہاتھی چلا کہاں گیا کیا اس کو زمین کھا گئی کہ آسمان نے نگل لیا اگر کل یہاں ہاتھی موجود تھا تو آج کہاں چلا گیا۔؟

کپتان نے فوجی افسر کو باغ میں لے جا کر زمین دکھائی وہاں ہاتھی کے پاؤں کے بڑے بڑے نشان موجود تھے فوجی افسر اب حیران رہ گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے اگر ہاتھی وہاں نہیں تھا تو اس کے نشان کہاں سے آ گئے فوجی افسروں نے حکم دیا کہ ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کر لیا جائے اتفاق سے اس وقت ناگ اور عنبر گھر پر موجود نہیں تھے وہ

شہر میں اپنے کاروبار کے لیئے کوئی اچھی جگہ تلاش کرنے گئے ہوئے تھے ماریا اور اس کا باپ پریشان ہو گئے انہوں نے سپاہیوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ ان پر ہاتھی کی چوری کا الزام لگایا جا رہا ہے

فوجی افسر نے کڑک کر کہا۔

اگر تم نے ہاتھی چوری نہیں کیا تو یہ اس کے پاؤں کے نشان کہاں سے آ گئے؟

بوڑھے نے کہا۔

حضور مجھے بالکل معلوم نہیں کہ یہ نشان کہاں سے آ گئے ہیں میں نے ہاتھی کی چوری نہیں کی میں بے گناہ ہوں میں بے قصور ہوں۔

ماریا نے بھی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میرے بابا نے ہاتھی نہیں چرایا میرا بابا بے گناہ ہے وہ چور نہیں ہے ہمیں چھوڑ دو۔

بکو اس بند کرو لڑکی تم دونوں ہمارے ساتھ ہی قلعے میں چلو گے وہاں کوتوال کے سامنے فیصلہ ہوگا۔

رومن کپتان کی سازش کامیاب رہی فوجی افسر نے ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا رومن کپتان نے دونوں باپ بیٹی کو پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر شاہی قلعے کی بڑی چوکی کی طرف روانہ ہو گیا وہ دونوں گڑگڑاتے رہ گئے مگر ان کی آہ زاری کسی نے بھی نہ کی۔

عنبر اور ناگ اس وقت شہر میں ایک تاجر کے پاس کھڑے حویلی کا سودا کر رہے تھے یہ حویلی ایک منزلہ تھی جس کے نیچے بہت بڑی ڈیوڑھی کے آگے ایک باغ تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا اس فوارے کے آمنے سامنے دو کوٹھڑیاں تھیں عنبر یہاں رہ کر اپنا کاروبار کرنا چاہتا تھا جب سودا طے ہو گیا تو عنبر اور ناگ ماریا اور اس کے بوڑھے باپ سے

اجازت لینے واپس گھر کی طرف آ گئے گھر میں آ کر انہوں نے دیکھا کہ مکان کے صحن میں سامان بکھرا پڑا ہے اور وہاں نہ ماریا ہے اور نہ اس کا باپ وہ بڑے پریشان ہوئے انہوں نے دونوں کو باغ میں تلاش کرنا شروع کر دیا کہ شاید وہاں نہ کام کر رہے ہو مگر باغ بھی خالی تھا وہاں بھی ان میں سے کوئی نہ تھا آخر عنبر کو ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ بادشاہ کے سپاہی آئے تھے اور وہ ماریا اور اس کے باپ کو پکڑ کر لے گئے ہیں عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ وہ دونوں کو شاہی قلعے سے کس طرح آزاد کروائیں عنبر نے کہا۔

میرے خیال میں ہمیں کوتوال سے چل کر بات کرنی چاہیے۔

مگر جو ہماری نہیں سنے گا ہاتھی کی چوری کا یونہی بہانہ ہے اصل میں کپتان نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا ہے۔

پھر بھی وہاں جانے میں اور بات کرنے میں کیا حرج ہے؟

اگر تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں مگر ان سے بات کرنا بے کار ہے اچانک ناگ نے چٹکی بجا کر کہا۔

میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔

وہ کیا ہے۔؟

میں ہاتھی کا روپ بدل لیتا ہوں تم مجھے اپنے ساتھ لے کر کوتوال کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہاتھی میں نے چرایا تھا یوں ماریا اور اس کے باپ آزاد ہو جائیں گے۔

اور ہم گرفتار کر لیے جائیں گے۔

ہمارا کیا ہے ہم کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل آئیں گے۔

یہ تجویز عنبر کو پسند آئی ناگ اور عنبر شاہی قلعے کی چوکی کی طرف روانہ ہو گئے قلعے کے پاس ایک چٹان کے پاس کھڑے ہو کر ناگ نے ہاتھی کا روپ دھار لیا عنبر ہاتھی کے اوپر سوار ہو گیا اور وہ دونوں چوکی کی طرف

آ گئے چوکی کے سپاہیوں نے ایک لمبے دانتوں والے پہاڑ ایسے ہاتھی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پرے پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے کوتوال چوکی سے باہر آ گیا اس نے عنبر سے پوچھا۔

کون ہو تم اور یہ ہاتھی کہاں سے لائے ہو؟

عنبر نے کہا۔

جناب یہ ہاتھی باغ میں آوارہ پھر رہا تھا میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے کوتوال کے پاس لے چلوں شاید کسی نے فوج کے اصطبل سے چوری کیا ہو اور پھر چھوڑ دیا ہو۔

بکواس کرتے ہو............ یہ ہاتھی تم نے ہی چوری کیا تھا سپاہیوں اس شخص کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو اور بڈھے اور اس کی بیٹی کو چھوڑ دو۔

عنبر یہی چاہتا تھا وہ بڑے آرام سے ہاتھی سے اترا اور اس نے اپنے

آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا اسی وقت ماریا اور اس کے باپ کو چھوڑ دیا گیا جب دونوں باپ اور بیٹی عنبر کے قریب سے گزرے تو حیران رہ گئے عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کو کہا اور سپاہیوں نے اسے حوالات میں لے جا کر بند کر دیا دو سپاہیوں نے ایک ہاتھی بان کو ساتھ لیا اور ہاتھی کو لے کر شاہی قلعے کے بڑے اصطبل کی طرف چل پڑے۔

ماریا اور اس کا باپ اپنے گھر میں آ گئے اگر وہاں کپتان ہوتا تو وہ کبھی دونوں باپ بیٹی کو رہا نہ کروانے دیتا کیونکہ وہ تو ان سے اپنی دشمنی کر رہا تھا چوری کا تو اس نے ان پر الزام اس لئے لگایا تھا کہ وہ گورنر سے کہہ کر ان دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالی کوٹھڑی میں بند کروا دے مگر کوتوال نے خلاف معمول انصاف سے کام لے کر ان دونوں کو چھوڑ دیا اور عنبر کو ہاتھی کی چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

عنبر چپ چاپ حوالات میں بند ہو گیا اندر زمین پر پڑے ہوئے گھاس پھوس پر جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اب دوسری طرف ایک حیرت انگیز بات ہو گئی

ہاتھی کا مہاوت اس کے اوپر گردن پر بیٹھا ہوا اسے چلاتا ہوا جا رہا تھا دونوں سپاہی ہاتھی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب وہ قلعے کے اصطبل کے قریب پہنچے تو ناگ نے سوچا کہ یہاں سے غائب ہو کر بھاگ جانا چاہیے نہیں تو کوئی پتہ نہیں اصطبل میں جا کر کوئی اور ہی بلا چمٹ جائے اور پھر وہاں سے سانپ بن کر فرار ہونا مشکل ہو جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی ہاتھی نے اپنی سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے پھونک ماری مہاوت نے ہاتھی کی گردن پر بیٹھے بیٹھے سوچا کہ ہاتھی کیا چاہتا ہے وہ پھنکار کے ساتھ ہی مہاوت دھڑام سے زمین پر

گر پڑا کیونکہ اس کے نیچے سے ہاتھی غائب ہو گیا تھا۔

سپاہی بھی پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ہاتھی کہاں چلا گیا۔؟

ہاتھی کہاں چلا گیا۔؟

ابھی تو یہاں تھا۔؟

ہاتھی کے اچانک غائب ہو جانے پر وہ اس قدر بوکھلا گئے تھے کہ انہوں نے وہ سانپ بھی نہ دیکھا جو ان کے قریب سے نکل کر جھاڑیوں میں گھس گیا تھا مہاوت اور سپاہی خوف زدہ ہو گئے تھے وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھے چوکی میں جا کر انہوں نے کوتوال کو بتایا کہ ہاتھی غائب ہو گیا ہے کوتوال نے گرج کر کہا۔

کیا بک بک کر رہے ہو؟ کبھی ہاتھی بھی غائب ہوا ہے۔؟

خدا کی قسم ہم نے اپنی آنکھوں سے اسے غائب ہوتے دیکھا ہے حضور

میں تو اس کے غائب ہوتے ہی دھڑم سے زمین پر آن گرا تھا کوتوال نے کہا

بدبختو تم بھی اسکے ساتھ ہی غائب کیوں نہ ہو گئے دور ہو جاؤ یہاں سے اور جا کر ہاتھی کو تلاش کرو۔

کوتوال اور مہاوت کی یہ گفتگو حوالات میں بیٹھے عنبر نے بھی سن لی تھی وہ سمجھ گیا کہ ناگ واپس گھر پہنچ گیا ہے اب اسے بھی واپس پہنچنا تھا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں سے کیسے بھاگے آخر اس نے سوچا کہ جب ہاتھی برآمد ہی نہیں ہوا تو اسے کس جرم میں پکڑا گیا ہے اس نے کوتوال کو بلا کر کہا۔

جناب اگر آپ کے پاس ہاتھی کا ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر مجھے کس چوری کے الزام میں یہاں قید کیا گیا ہے۔

بات بڑی معقول تھی مگر کوتوال نے جھڑک کر کہا۔

تمہیں اب اسی جگہ قید رہنا ہوگا ہاتھی غائب ہو گیا ہے جب تک ہاتھی واپس نہیں ملتا تمہیں آزاد نہیں کیا جائے گا۔

عنبر جانتا تھا کہ وہاں وحشی حکومت کا راج ہے ایک بار کوتوال اور گورنر کوئی فیصلہ کر دے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا تھا وہاں سینکڑوں لوگ اسی طرح قید ہو کر مر کھپ گئے تھے اور کسی نے ان کی خبر تک نہ لی تھی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ کوتوال کے ساتھ زیادہ بات کرنا فضول تھا۔

ادھر ناگ جب گھر پہنچا تو وہاں ماریا اور بوڑھا مجوسی پہلے سے موجود تھا انہوں نے عنبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے ناگ نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور کہا کہ عنبر اپنے حوالات سے فرار ہو کر یہاں پہنچ جائے گا مجوسی نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

عنبر اپنے آپ کیسے باہر آ جائے گا اور اگر وہ وہاں سے فرار ہو کر نکل بھی

آیا تو سپاہی اسے یہاں سے دوبارا گرفتار کر لیں گے اور پھر اسے قلعے کے تہہ خانے میں ڈال دیں گے جہاں سے نکل کر کوئی انسان آج تک واپس نہیں آیا۔

ناگ نے سوچا کہ بابا ٹھیک کہہ رہا ہے اس نے عنبر کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ رات ہو جانے کا انتظار کرنے لگا جب رات گہری ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا اور خاموشی چھا گئی تو ناگ چپکے سے بستر پر سے اٹھا وہ اکیلا باہر سو رہا تھا کوٹھڑی کے اندر ماریا اور اس کا باپ سو رہے تھے ناگ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی چوکی کی طرف چل دیا چوکی کے باہر ایک مشعل جل رہی تھی اندر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا وہیں ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس ناگ نے گھوڑے کو باندھا اور خود اندھیرے میں چھپ کر سیاہ کالے سانپ کا روپ بدلا اور چوکی کے اندر داخل ہو گیا۔

بدروحوں کا مسکن

چوکی کا پہریدار سٹور پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سانپ رینگتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا چوکی کے کمرے کے اندر بھی ایک مشعل جل رہی تھی اس کی روشنی میں کوتوال اپنی بھاری بھر کم توند پر دونوں ہاتھ رکھے خراٹے لے رہا تھا۔ سانپ وہاں سے ہو کر سیدھا حوالات کی سلاخوں میں سے گزر کر عنبر کے پاس آ گیا عنبر گھاس پر لیٹا سو رہا تھا سانپ نے اس کے کان کے قریب سیٹی بجا کر اس کو جگا دیا عنبر نے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو آنکھیں مل کر کہا۔

یار اچھا کیا کہ تم آ گئے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں سے باہر کیسے نکلوں اگر فرار ہو کر بھاگتا ہوں تو یہ سپاہی شہر میں جینا حرام کر دیں گے دوبارہ پکڑ کر یہاں لے آئیں گے پھر فرار ہوں گا پھر پکڑ کر لے آئیں گے یہ تو ایک لمبا چکر چل پڑے گا کوئی ایسی ترکیب کرو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

یار تم مجھے بھی مارنا چاہتے ہو۔ اچھے دوست ہو میرے؟

عنبر نے کہا۔

نہیں یار میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی ہونی چاہیے کہ میں عزت آبرو کے ساتھ بری ہو کر یہاں سے نکلوں تاکہ بعد میں بک بک نہ کرنی پڑے سانپ نے کہا۔

اسی لیے تو میں یہاں آیا ہوں میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے لو سنو۔

ماریا گم ہوگئی

سانپ نے عنبر کو ساری ترکیب سمجھادی

ترکیب یہ تھی کہ کوتوال کے کمرے میں جا کر اسے ڈس دیا جائے کوتوال شور مچانے پر عنبر سے کہے کہ وہ اس کا علاج کر دے گا اور اسے تندرست بھی کر دے گا بشرطیکہ وہ عنبر کو آزاد کر دے عنبر نے کہا ترغیب تو بڑی اچھی ہے مگر وہ سانپ کے کاٹنے کا علاج کر طرح کرے گا۔ سانپ نے کہا۔

اس کے لئے میں تمہیں ایک منکا دیتا ہوں تم یہ منکا جہاں میں نے کاٹا ہو وہاں رکھ دینا یہ منکہ سارا زہر چوس لے گا۔

ناگ نے اپنے منہ سے سبز رنگ کا ایک منکا نکال کر عنبر کے آگے ڈال

دیا عنبر نے منکا اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا سانپ چپکے سے رینگتا ہوا حوالات کی سلاخوں سے باہر نکل گیا اب اس کا رخ اس کوٹھڑی کی طرف تھا جہاں مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی میں کوتوال اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے سو رہا تھا وہ چپکے سے کوتوال کے کمرے میں داخل ہو گیا کوتوال اسی طرح اونگھ رہا تھا ناگ کے لئے یہ موقع بڑا غنیمت تھا اس نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور سیدھا فرش پر رینگتا کوتوال کے پاؤں کے پاس پہنچ گیا ٹھیک اس وقت باہر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آئیں اور کوتوال کی آنکھ کھل گئی وہ اٹھا اور باہر کی طرف جانے لگا سانپ لپک کر کوتوال کے سامنے آ کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا کوتوال کی چیخ نکل گئی مگر اس عرصے میں سانپ نے بڑی تیزی کے ساتھ کوتوال کے سینے پر ڈس لیا تھا۔

سانپ۔ سانپ۔ سانپ۔

کوتوال نے شور مچا دیا سارے سپاہی سانپ کی تلاش میں اٹھ دوڑے مگر سانپ اپنا کام کر کے وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکا تھا سپاہی اسے چوکی کے کمروں میں تلاش کر رہے تھے اور وہ چوکی سے باہر باغ کی جھاڑیوں میں دوڑتا ہوا جنگل کی چڑھائی کوتوال کی حالت خراب ہونا شروع ہو گئی شور کی آواز سن کر عنبر حوالات میں بیٹھے بیٹھے سمجھ گیا کہ سانپ نے کام کر دیا ہے اس نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

کیا ہوا ہے۔؟

سپاہی نے کہا۔

کوتوال کو زہریلے سانپ نے ڈس دیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

کوتوال سے کہو میں سانپ کے کاٹے کا علاج کر لیتا ہوں سپاہی نے کوتوال سے کہا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اسے جلدی سے یہاں لاؤ میں مر رہا ہوں۔

عنبر نے فوراً کوتوال کے پاس جا کر سانپ کا کاٹا ہوا زخم دیکھا وہاں زہریلا چھالا پڑ گیا تھا عنبر نے کہا۔

کوتوال ۔ میں ایک شرط پر تمہاری جان بچا سکتا ہوں۔

دیوتا کے لیے شرط جلدی بتاؤ۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔

شرط یہ ہے کہ تم مجھے عزت کے ساتھ بری کر دو گے۔

مجھے منظور ہے۔

اور اگر تم مکر گئے۔؟

میں ابھی تمہاری رہائی کا حکم دیتا ہوں سپاہیوں اس شخص کو فوراً رہا کر

جو حکم حضور۔

اب تو میری جان بچاؤ زہر نے میرا گلا خشک کر دیا ہے۔

عنبر نے جیب سے منکا نکالا اور اسے کوتوال کے جسم پر اس جگہ رکھ دیا جہاں سانپ نے کاٹ کھایا تھا۔ منکے کا زخم کے اوپر رکھنا تھا کہ اس نے ایک دم زہر چوسنا شروع کر دیا دیکھتے دیکھتے منکا پھول گیا عنبر نے پھولے ہوئے منکے کو ہٹا کر نچوڑا اور صاف کر کے دوبارہ زخم کے اوپر رکھ دیا۔ دو تین بار ایسا کرنے سے کوتوال کے جسم کا سارا زہر باہر آ گیا اور وہ بھلا چنگا ہو گیا اس نے کہا۔

تم نے میری جان بچا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے نوجوان کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک اونٹ تحفے میں دے سکتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے میرے لئے آپ کا یہی احسان بہت ہے اونٹ لے کر میں کیا کروں گا۔

عنبر چوکی سے باہر نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ واپس گھر پہنچ کر اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس نے عنبر کو دیکھ کر کہا۔

وہ کم بخت بچ گیا تھا ناں؟

اگر وہ نہ بچتا تو میں یہاں کس طرح آتا۔

چلو یہ بلا بھی سر سے ٹل گئی۔

صبح اٹھ کر جب ماریا اور اس کے باپ کو معلوم ہو گا کہ عنبر بھی رہا ہو کر واپس آ گیا ہے تو اس نے خوشی سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

بیٹا عنبر میں بے حد خوش ہوں کہ تم آزاد ہو کر آ گئے مگر کوتوال نے تمہیں کیسے چھوڑ دیا وہ تو بڑا کمینہ اور ظالم شخص ہے۔

عنبر نے ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنا دی۔

عنبر اور ناگ نے شہر میں ایک جگہ حویلی کرائے پر حاصل کر لی عنبر نے دواؤں کا دھندا شروع کر دیا ناگ نے ادھر اُدھر سے سانپ پکڑ کر

مٹکوں میں بند کر دیے اور اس کا کاروبار شروع کر دیا دن میں دو تین سانپ بک جاتے تھے عنبر بھی چار پانچ مریضوں کا علاج کر کے تھوڑا بہت کما لیتا تھا اس طرح کم از کم وہ بابا اور ماریا پر بوجھ بنے رہنے سے بچ گئے تھے وہ اپنی کمائی کر کے کھانا چاہتے تھے۔

ادھر کمینہ خصلت رومن کپتان کو جب پتہ چلا کہ اس کی بے عزتی کرنے والا عنبر بھی حوالات سے رہا ہو کر چلا گیا ہے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اس نے اپنے خاص سپاہی سے کہا۔

میری بے عزتی ہے کہ میرا دشمن اس بستی اس شہر میں میری آنکھوں کے سامنے دندناتا پھرے اور میں اس کے خلاف کچھ نہ کر سکوں۔

سپاہی نے کہا۔

حضور حکم کریں جو کہیں گے ویسا ہی ہو گا میں آپ کا نمک خور ہوں میں آپ کی عزت کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں کپتان نے

کیا۔

اس بڈھے کھوسٹ کی بیٹی کو اٹھا کر لے آؤ میں اسے غلام بنا کر کسی ایسے ظالم سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دوں گا کہ پھر ساری عمر رو رو کر گزارے گی۔

ایسا ہی ہو گا سرکار۔

ایک دن صبح کو ناگ اور عنبرا اپنے اپنے کام پر گھر سے چلے گئے ماریا کا باپ بھی انجیروں کے باغ میں زمین کی گوڈی کرنے چل دیا گھر میں ماریا اکیلی رہ گئی وہ بکریوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ مٹکے میں دوھ رہی تھی کہ ایک بوڑھی عورت کمر پر ہاتھ رکھے لاٹھی ٹیکتی ہوئی صحن میں آئی اور بولی۔

بیٹی خداوند تمہارا بھلا کرے بڑی بھوک لگی ہے تھوڑا سا دودھ مل جائے گا۔

ماریا نے بڑی نیک اور نرم دل لڑکی اس نے کہا۔

ماں جی آپ بیٹھ جائیں میں ابھی آپ کو دودھ ڈال کر دیتی ہوں

بوڑھی عورت صحن میں زمین پر بیٹھ گئی وہ بڑی مکار نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی اصل میں یہ ایک بڑی ہی چالاک عورت تھی جسے رومی کپتان نے ماریا کو اغوا کروانے کے لئے بھیجا تھا ماریا نے مٹی کے پیالے میں دودھ ڈال کر بڑھیاں کو پیش کیا بوڑھیاں دودھ پینے لگی دودھ پی کر اس نے ماریا کو دعائیں دینی شروع کر دیں اور پھر اپنے تھیلے میں سے ایک شیشی نکال کر بولی۔

بیٹی تم نے اس غریب عورت کو دودھ پلا کر اس کا دل جیب لیا ہے میں تمہیں خوش ہو کر ایک ایسا تحفہ دیتی ہوں کہ تم ساری عمر مجھے یاد کرو گی۔

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

ماں جی اس کی کیا ضرورت ہے غریبوں کی خدمت تو ہمارا فرض ہے۔

خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے بیٹی تم بہت نیک دل لڑکی ہو یہی وجہ ہے کہ میں خوش ہو کر تمہیں یہ خالص کستوری کا عطر دے رہی ہوں یہ میں نے ختن کے صحراؤں میں رہنے والے خاص سیاہ ہرن کے نافے سے حاصل کیا ہے یہ لو۔

ماریا نے عطر کی چمڑے کی کپی بوڑھیا کے ہاتھ سے لے لی اور اسے غور سے دیکھنے لگی بوڑھیا نے کہا۔

بیٹی اسے دیکھنے سے تمہیں کیا پتہ چلے گا ذرا سونگھ کر دیکھو یہ کستوری کا عطر ہے۔

ماریا نے کپی کھول کر اسے ناک کے ساتھ لگایا جونہی اس نے سانس اندر کی طرف کھینچا ایک تیز بو اس کے دماغ کے چڑھ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی اس بوڑھیا نے دروازے میں کھڑے ہو کر

باہر کسی کو اشارہ کیا فوراً کھجوروں کے درختوں میں سے دو گھوڑ سوار آ گئے انہوں نے بے ہوش ماریا کو ایک لبادے میں ڈھانپ دیا اور اٹھا کر گھوڑے پر ڈال کر وہاں سے فرار ہو گئے بوڑھی مکار عورت نے اپنا تھیلا سنبھالا اور وہ بھی وہاں سے نکل گئی۔

ماریا کو بھگا کر لے جانے کے بارے میں اس کے بوڑھے باپ کو علم نہ ہو سکا وہ بے چارہ باغ میں اپنا کام کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے سوچا کے گھر میں چل کر دودھ پیا جائے چنانچہ اس نے لکڑی کا پھاوڑا وہیں رکھا اور گھر میں آ گیا صحن میں بکری بندھی ہوئی تھی دودھ کا مٹکا اسی طرح زمین پر پڑا تھا بوڑھے کا ماتھا ٹھنکا کہ ماریا تو کبھی دودھ کے مٹکے کو اس طرح زمین پر ننگا رکھ کر کہیں نہیں گئی اس نے ماریا کو آوازیں دیں کوئی جواب نہ آیا وہ کچھ پریشان ہو گیا وہ آوازیں دیتا ہوا کوٹھڑی کے اندر آ گیا ماریا وہاں بھی نہیں تھی

اب وہ بے چین ہو کر ماریا کو ادھر اُدھر تلاش کرنے لگا وہ باغ میں بھی آ گیا اس نے سارا باغ سارا مکان چھان مارا مگر ماریا وہاں ہوتی تو اسے ملتی وہ تو اس وقت ظالم سپاہیوں کے گھوڑے پر بے ہوش پڑی کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جائی جا رہی تھی۔

بوڑھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور اپنی بیٹی کی جدائی میں رونے لگا وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کسی نے دشمنی کی ہے اور اس سے کسی بات کا بدلہ لیا ہے دوپہر کے بعد عنبر اور ناگ گھر آئے تو بوڑھے نے انہیں ماریا کی گمشدگی کی خبر سنائی وہ بھی بڑے حیران ہوئے کہ ماریا کو کون اغوا کر کے لے گیا ناگ نے کہا۔

عنبر میں نہ تمہیں کہتا تھا کہ وہ کمینہ رومن کپتان ضرور اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گا چنانچہ یہ کام اسی کا ہے اسی بدبخت نے ماریا کو اغوا کروایا ہے اب خدا جانے وہ اسے کہاں لے گیا ہو گا۔

بوڑھے باپ نے روتے ہوئے کہا۔

خداوند کے لئے میری بچی کو برباد ہونے سے بچاؤ نہیں تو میں سر پٹخ پٹخ کر جان دے دوں گا۔

عنبر نے ماریا کے باپ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

بابا آپ گھبرائیں نہیں گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا ہم کو سوچنے کا موقع دیں ہم ماریا کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے اس طرح رونے اور گھبرانے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔

اسی رات عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ ماریا کو کہاں تلاش کیا جائے ایک بات کے بارے میں انہیں پختہ یقین تھا کہ اسے سوائے رومن کپتان کے اور کسی نے اغوا نہیں کیا محلے میں انہوں نے کچھ لوگوں سے پوچھا بھی مگر اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت محلہ بالکل خالی تھا کسی نے بھی ماریا کو اغوا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ناگ بولا۔

کچھ بھی ہو ماریا کو اسی کمینے نے اغوا کیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ماریا کہیں کسی جگہ قید رکھی گئی ہے جہاں تک میرا خیال ہے رومی کپتان اسے شاہی محل کی کسی کوٹھڑی میں ہی بند کر دے گا۔

ناگ نے پوچھا۔

مگر خالی اغوا کر لینے سے اسے کیا حاصل ہوگا۔؟

وہ محض انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا چاہتا ہے۔

میرا خیال ہے اس سے مختلف ہے میرا خیال ہے کہ وہ اسے ضرور کسی بردہ فروش کے ہاتھوں بیچ دے گا۔

ناگ پریشان ہو کر بولا۔

خدا نہ کرے ایسا ہو۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہوگی۔

بہر حال ہمیں ہر قسم کے برے حالات کی توقع رکھنی چاہیے ہمارا دشمن ایک کمینہ اور حاسد انسان ہے وہ ہر قسم کی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔

ناگ نے عنبر سے کہا کہ وہ کنیز کارمیلا کی روح سے کیوں نہیں مدد لیتا وہ اسے بتا سکتی ہے کہ ماریا کس جگہ پر ہے عنبر نے کہا۔

یہ خیال تو میرے ذہن میں بھی آیا تھا مگر میں یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ اتنی چھوٹی سی بات کے لیئے اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہم خود ماریا کو تلاش کر لیں گے۔

وہ تو ٹھیک ہے عنبر لیکن ہم تو روح سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ماریا کس جگہ پر قید ہے .... بس .... باقی اس کو آزاد کرانے کا سارا کام ہم خود کر لیں گے۔

اگر تم کہتے ہو تو میں روح کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں۔

وہ دونوں انجیروں کے باغ میں اکیلے بیٹھے تھے ناگ وہاں سے ہٹ کر پرے ہو گیا کیونکہ عنبر روح کو تنہائی میں ملنا چاہتا تھا عنبر نے روح کو آواز دینی شروع کر دی کافی دیر پکارنے کے بعد کارمیلا کی روح ظاہر ہو گئی اس نے آتے ہی کہا۔

عنبر یاد رکھو۔ ہم اس بستی میں بہت کم آ سکتے ہیں کیونکہ اس بستی میں خدا کا ایک بزرگ نبی رہتا ہے اور لوگوں کو سچائی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے تم نے بلایا تو میں بڑی مشکل سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں وہ بھی صرف تمہارے لئے کیونکہ تم نے مجھ پر ایک ایسا احسان کر دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے انکار نہیں کر سکتی۔

عنبر نے کہا۔

اے اچھی روح میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے میری خاطر اتنی تکلیف اٹھائی اور میری عزت افزائی کی۔

کارمیلا کی روح نے پوچھا۔

بتاؤ تم نے مجھے کس لئے بلایا ہے۔

عنبر نے سارا مقصد کھول کر روح کے سامنے بیان کر دیا۔ روح ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

جس لڑکی کے بارے میں تم نے مجھ سے پوچھا ہے وہ اس بستی میں نہیں ہے۔

پھر وہ کہاں ہو گی۔؟

وہ اس مقدس شہر سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر کل ایک گمنام جنگل کے کھنڈر میں پہنچ جائے گی بس اس سے زیادہ میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی............خدا نگہبان..........

اتنا کہہ کر روح غائب ہو گئی عنبر نے ناگ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو روح سے کہہ گئی تھی ماریا ابھی راستے میں ہے اسے اس بستی سے ایک دن

اور ایک رات کے فاصلے پر جنگل کے کسی کھنڈر میں لیجا نا چارہا ہے عنبر نے ناگ سے کہا کہ ہم ماریا کا تعاقب کریں گے۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے ہم صبح صبح روانہ ہو جائیں گے۔

سنسان جنگل

ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ دونوں دوست بیدار ہو گئے۔

انہیں سفر کی تیاری میں زیادہ وقت نہ لگا ماریا کے باپ کے مکان کو انہوں نے بند کیا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بستی سے باہر نکل گئے ان کا رخ مغرب کی طرف تھا یہی وہ راستہ تھا جو اس پر اسرار گمنام جنگل کو جاتا تھا جہاں انہیں روح کی ہدایت کے مطابق پہنچنا تھا دوپہر تک وہ چلتے چلے گئے دوپہر کے وقت سورج میں زیادہ گرمی آ گئی ریت تپنے لگی اور انہیں بار بار پیاس لگنے لگی ایک جگہ وہ سایہ دیکھ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر بیٹھ گئے وہاں کوئی چشمہ بھی نہیں تھا کہ گھوڑوں کو پانی پلا سکتے جانوروں کو بھی بڑی پیاس لگی تھی اس وقت وہ دریائے اردن سے

بہت دور نکل چکے تھے تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے تیسرے پہر انہیں ہوا میں پانی کی نمی محسوس ہوئی۔

ناگ نے کہا۔

یہاں قریب ہی کوئی چشمہ بہہ رہا ہے۔

گھوڑے بھی پانی کی نمی کو محسوس کر کے بار بار ہنہنا رہے تھے تھوڑی دور چلنے کے بعد انہوں نے ایک ہرن دیکھا جو ایک جگہ جھاڑیوں میں جھک کر پانی پی رہا تھا دونوں دوست وہاں پہنچے تو انہیں ایک چھوٹا سا چشمہ مل گیا جس کا شفاف میٹھا پانی ابل ابل کر زمین سے نکل رہا تھا یہ ایک قدرتی چشمہ تھا انہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کو جی بھر کر پانی پلایا اس کے بعد خود منہ ہاتھ دھو کر تھوڑی دیر آرام کیا وہ آگے چل پڑے شام کے بعد رات آ گئی آسمان پر تارے نکل آئے ایک جگہ ریت پر انہوں نے جلی بجھی لکڑیاں اور راکھ بکھری ہوئی دیکھی وہ سمجھ

گئے کہ ماریا کو اغوا کرنے والے سپاہی کچھ دیر یہاں ٹھہرے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ درست راستے پر جا رہے تھے انہوں نے راکھ پر ہاتھ لگا کر محسوس کیا کہ راکھ ابھی گرم تھی عنبر نے کہا۔

گرم راکھ اس بات کا اشارہ کر رہی ہے کہ سپاہی یہاں سے دور نہیں ہیں اگر ہم رات بھر مسلسل سفر کرتے رہے تو صبح جنگل میں انہیں جا لیں گے۔

ہاں۔ مگر ہمیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا کیونکہ سپاہی ہر طرف سے چوکنا ہوں گے اور ان کے پاس اسلحہ بھی ہوگا جب کہ ہمارے پاس سوائے تلواروں کے اور کچھ نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

دوست تم فکر نہ کرو ہم سچائی پر ہیں اور ایک نیک کام کرنے گھر سے نکلے ہیں اس لئے فتح آخر ہماری ہی ہوگی دشمن خواہ کتنا ہی طاقتور

کیوں نہ ہو وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

دونوں دوست ساری رات چلتے رہے صبح صبح وہ ایک جنگل کے کنارے پہنچ گئے یہ جنگل عجیب وغریب اور پراسرار قسم کا تھا صحراؤں میں ایسے جنگل نہیں ہوا کرتے کیونکہ صحراؤں میں پانی نہیں ہوتا اور جنگل کے لئے پانی کا زیادہ ہونا بہت ضروری ہے وہ جنگل کے اندر داخل ہو گئے یہاں زیتون اور جنگلی کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے کانٹے دار جھاڑیاں اس قدر زیادہ اگی ہوئی تھیں کہ ان کے لئے وہاں سے گزرنا مشکل ہو رہا تھا ایک چیز جوان دونوں نے محسوس کی وہ جنگل کی گہری خاموشی تھی جنگل کی فضا میں ایک پراسرار جادو بھری خاموشی چھائی ہوئی تھی ہوا بالکل بند تھی اور درختوں کا ایک پتا تک بھی نہیں ہل رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

بدروحوں کا مسکن

بڑا پراسرار جنگل ہے۔ مجھے تو یہ جنگل بدروحوں کا مسکن معلوم ہوتا ہے

۔

عنبر نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

محسوس مجھے بھی ویسا ہی ہو رہا ہے مگر اس قسم کے جنگل ان علاقوں میں نہیں ہوا کرتے۔

تو کیا یہ کوئی جادو کا جنگل ہے۔

جادو کا جنگل ہمارے سامنے زیادہ دیر تک اپنا جادو قائم نہیں رکھ سکتا یہ سچ مچ کا جنگل ہے ہاں میرا خیال ہے کہ یہاں بدروحیں ضرور رہتی ہیں مجھے کبھی کبھی ان کی پراسرار سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں۔

ناگ نے فضا میں سونگھ کر کہا۔

کیا ہم کسی بدروح کو بلا کر اس سے بات کریں۔؟

اس کی کیا ضرورت ہے بدروح بے چاری خود پریشان ہوتی ہے خود

بھٹک رہی ہوتی ہے وہ ہمیں کیا بتائے گی بھلا جو کچھ بتانا تھا وہ کنیز کارمیلا کی نیک روح ہمیں بتا چکی ہے۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں دوست جنگل کے ایک گھنے حصے میں پہنچ گئے اب انہیں اس کھنڈر کی تلاش تھی جس کا نشان کارمیلا کی روح نے بیان کیا تھا اور جہاں اس کی بشارت کے مطابق ماریا دو روز پہلے جینچ کر چھپا دی گئی ہو گی یہاں جنگل اس قدر گھنا تھا کہ ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا انہیں راستہ بنانے میں بڑی دشواری ہو رہی تھی ہر طرف خار دار جھاڑیوں کے جھنڈ اور کھجور کے درخت کھڑے تھے کھنڈر کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ کھنڈر کہاں ہے۔؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ کارمیلا کی روح کو مغالطہ لگا ہو۔

عنبر نے کہا۔

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہم غلطی کھا سکتے ہیں مگر ایک نیک انسان کی روح غلطی نہیں کھا سکتی اس نے ہمیں ٹھیک اشارہ بتایا ہے کھنڈر یہیں کہیں جنگل میں موجود ہے ہمیں اس کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

ناگ بولا۔

اس کے علاوہ یہاں کوئی ایسا بھی نشان نہیں مل رہا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں سے سپاہی ماریا کو لے کر گزرے ہیں۔

عنبر کہنے لگا۔

دوست! تمہیں نا امید نہیں ہونا چاہیے ماریا ان لوگوں کے پاس کھنڈر میں موجود ہے ہمیں صرف خاموشی سے کھنڈر کو تلاش کرنا چاہیے اور بس............ باقی کام خود بخود ہو جائے گا۔

لیکن کھنڈر کے گرد دشمن ضرور چوکی پہرہ دے رہا ہوگا۔

دوست ایک بار ہم وہاں پہنچ گئے تو پھر ماریا کو وہاں سے نکالنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

ایک بڑا سا خرگوش ان کے آگے سے پھدکتا ہوا گزر گیا، چلتے چلتے وہ جنگل کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل پر پہنچ گئے یہ جھیل سبز رنگ کے پانی کی تھی جس کی سطح پر گہرے سبز رنگ کی کائی جمی ہوئی تھی جگہ جگہ کاہی کے جھنڈ اس پر جھکے ہوئے تھے عنبر نے کہا کہ کھنڈر ضرور یہیں کہیں ہوگا ناگ بولا۔

کم بختوں نے خوب ڈھونڈ کر جگہ نکالی ہے اس سے زیادہ محفوظ جگہ بھلا اور کون سی ہوگی انہوں نے تو بڑی ٹھیک جگہ چنی ہے۔

عنبر اور ناگ نے کھنڈر کی تلاش شروع کر دی وہ تھک کر چور ہو گئے تھے اور انہیں پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے

بدروحوں کا مسکن

گھوڑوں کو ایک درخت کے ساتھ باندھا انہیں بھی پانی پلایا اور خود بھی پانی پیا پھر زیتون کے درختوں تلے سائے میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کھنڈر کہاں ہو سکتا ہے۔

وہ کھنڈرات کے عقب میں ایک گھنے درخت کے سائے میں تھا مگر اس وقت ابھی ان کی نگاہ نہیں گئی تھی .... ماریا اس کھنڈر میں پہنچا کر چھپا دی گئی تھی چار خونخوار قسم کے حبشی غلام وہاں پہرہ دے رہے تھے ویسے بھی اس جگہ چڑی بھی پر نہ مار سکتی تھی اس کھنڈر میں کبھی کسی کا گزر نہ ہوا تھا ماریا کھنڈر کے نیچے نیم روشن راہداری سے ہو کر ایک ایسی کوٹھڑی میں پہنچا دی گئی تھی جہاں دیواروں میں کوئی کھڑکی اور کوئی روشن دان نہیں تھا بس ایک سوراخ تھا جس کے آگے لوہے کا زنگ خوردہ جنگلہ لگا تھا اسی جنگلے کو ہٹا کر ماریا کو کوٹھڑی میں دھکیل دیا گیا تھا اور پھر دوبارہ جنگلہ چڑھا دیا گیا تھا وہ حبشی غلام ننگی تلواریں اور تیر کمان

لئے اس راہداری میں پہرہ دے رہے تھے اور دو حبشی غلام کھنڈر کے باہر پہرے پر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہم کھنڈر کے قریب پہنچ چکے ہیں اب ہمیں بڑا ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اگر یہ بات ہے تو پھر ہمیں گھوڑوں کو اسی جگہ چھوڑ کر چھپ کر کھنڈر کا سراغ لگانا ہوگا دشمن کو ہماری ذرا سی بھی آہٹ مل گئی تو وہ چوکس ہو جائے گا تم ہلاک نہیں کیے جا سکتے مگر تلوار کا ایک ہی وار میرا کام تمام کر سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ناگ دوست مجھے اتنا تو بتا دو کہ اگر خداوند نہ کرے کہ تم کو دشمن کی تلوار کاٹ کر رکھ دے تو پھر تم واقعی مر جاؤ گے یا کچھ دیر بعد پھر زندہ ہو جاؤ

گے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

اگر میں سانپ کی شکل میں یا انسان کی شکل میں ہلاک کر دیا جاؤں تو تم پر لازم ہے کہ میری لاش کو اسی وقت اٹھا کر کسی محفوظ جگہ پر لے جاؤ اور لکڑی کے ایک صندوق میں زیتون کے پتے بچھا کر بند کر دو ہر روز صبح و شام صندوق کھول کر میری لاش کو ہربل سلگا کر دھونی دو ایک ہفتہ تک یہ عمل جاری رکھنے کے بعد صندوق کو بند کر دو اور ایک مہینے سے پہلے مت کھولو۔ ایک مہینے کے بعد جب تم صندوق کھولو گے تو مجھے صندوق کے اندر زندہ پاؤ گے۔

عنبر نے پوچھا۔

اور اگر اتفاق سے میں صندوق نہ کھول سکا تو کیا ہو گا۔۔؟

ناگ نے کہا۔

اگر تم صندوق نہ کھول سکو گے تو میں صندوق کھول کر اپنے آپ باہر آجاؤں گا لیکن میری لاش کو صندوق بند کر کے ہر پل سلگانا شرط ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو میں اس دنیا میں دوبارہ واپس نہ آ سکوں گا۔

عنبر نے کہا۔

یہ اچھا کیا کہ تم نے مجھے بتا دیا ورنہ میں انجان ہی تھا اب کم از کم میرے ہوتے تم مر نہیں سکو گے۔

ناگ بولا۔

ویسے بھی جب کوئی شخص مجھ پر حملہ کرنے والا ہوتا ہے تو مجھے ایک خفیہ طاقت خبردار کر دیتی ہے اور میں حملے سے محفوظ ہو جاتا ہوں۔ سانپ کی شکل میں مجھ میں بڑی پھرتی آ جاتی ہے اور میں دشمن کے ہر حملے سے بچ سکتا ہوں انسان کے روپ میں میں سست ہو جاتا ہوں اس لئے تمہیں کہہ رہا تھا کہ اگر حملہ ہوا تو مجھے ضرور خبردار کر دینا۔

فکر نہ کرو۔ تم پر حملہ کرنے والے کو میں خود ہلاک کر دوں گا۔

اس کے بعد دونوں دوست جھیل کنارے سے نکل کر ساتھ والے جنگل میں کھنڈر کی تلاش میں آگے بڑھنے لگے اپنے گھوڑے انہوں نے وہیں چھوڑ دیئے تھے جنگل میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا کمال کی بات یہ تھی کہ کسی جنگل سے پرندے کے بولنے کی آواز بھی نہ سنائی دے رہی تھی سچ مچ وہ کوئی بدروحوں کا جنگل تھا جہاں بدروحوں اور بھوتوں کے ڈر سے جانور اور پرندے بھی بھاگ گئے تھے۔

اچانک ایک جھاڑی میں سے سیاہ رنگ کا ناگ اپنا پھن پھیلا کر عنبر کے سامنے کھڑا ہو گیا عنبر نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا ناگ اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اس نے ابھی سانپ کو نہیں دیکھا تھا کالے سانپ نے عنبر کے سامنے جھومنا شروع کر دیا اور ڈسنے کی تیاری کرنے لگا عنبر بالکل نہ گھبرایا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سانپ

اسے ڈس بھی لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا وہ اسی طرح سانپ کے سامنے کھڑا مسکراتا رہا سانپ نے لپک کر عنبر کے ہاتھ پر ڈس دیا عنبر نے اسی وقت دوسرے ہاتھ سے سانپ کو پکڑ کر قابو میں کر لیا سانپ بڑا حیران ہوا کہ اسکے ساتھ کیا ہو رہا ہے اس نے آج تک جس شخص کو بھی کاٹا تھا وہ آناً فاناً گر کر مر گیا تھا یہ شخص نہ صرف زندہ تھا اور اس پر اس کے خطرناک زہر کا ہی اثر نہیں ہوا تھا بلکہ الٹا اس نے اسے قابو میں کر لیا تھا۔

اتنے میں عنبر کا دوست ناگ بھی وہاں پہنچ گیا اس نے عنبر کے ہاتھ میں ایک سیاہ پھن دار سانپ دیکھا تو پوچھا۔

یہ کم بخت کدھر سے آ گیا؟

عنبر نے کہا۔

اس نے میرے ہاتھ پر ڈس دیا ہے۔

ناگ بولا۔

اس کی یہ ہمت ادھر لاؤ اسے۔

ناگ سانپ کی طرف بڑھا تو یکا یک سانپ کا پھن سکڑ گیا اس کا سارا جسم کانپنے لگا اور وہ عنبر کے ہاتھ میں لرز اٹھا سانپ نے محسوس کر لیا تھا کہ جو شخص اس کی طرف بڑھ رہا ہے وہ سانپوں کا شہزادہ سانپ ہے ناگ نے آگے بڑھ کر سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کہا۔

تمہاری یہ ہمت کہ تم نے میرے دوست پر حملہ کرنے کی جرات کی کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس جنگل میں میں بھی اپنے دوست کے ساتھ آ رہا ہوں۔

سانپ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ جواب دے سکے لیکن وہ کانپ رہا تھا لرز رہا تھا یوں لگتا تھا کہ اس پر غشی طاری ہونے والی ہے سانپ ناگ کی ساری باتیں سن کر سمجھ رہا تھا مگر ان باتوں کا جواب نہیں دے

سکتا تھا ناگ نے کہا۔

تمہاری سزا یہی ہے کہ اب تو میرا غلام بن کر میرے ساتھ ساتھ چلے گا اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تو میری اجازت کے بغیر یہاں سے بھاگ نہیں سکے گا کیونکہ میں نے تمہیں اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اور سانپ شہزادے کا غلام سانپ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے آپ جل کر راکھ ہو جاتا ہے چلو میرے ساتھ ساتھ سیاہ کوبرا سانپ ناگ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا عنبر نے کہا۔

یار اس مصیبت کو ساتھ کیوں کر لیا ہے۔؟

ناگ نے کہا۔

میں اس سے خطرناک کام لوں گا اس میں اگر یہ مر بھی گیا تو مجھے اسکی پرواہ نہیں ہوگی کیونکہ اس نے تمہیں مارنے کی کوشش کی تھی۔

اس کو معاف نہ کر دیں۔

ہرگز نہیں۔ ہماری دنیا میں معافی نام کی کوئی چیز نہیں ہے ہر گناہ کرنے والے کو اس کی سزا ضرور مل کر رہتی ہے اس نے ایک زبردست اصول توڑا ہے میرے ساتھ والے کسی دوست کو کوئی سانپ ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا اس لئے اس کو سزا ضرور ملے گی۔

جیسے تمہاری مرضی۔

اب دونوں دوست کوبرا سانپ کو ساتھ لے کر جنگل میں بڑھنے لگے گہری خاموشی میں ایک ہلکی سی چیخ کی آواز گونجی عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

یہ کسی بدروح کی آواز تھی شاید وہ مجھے آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے آئی تھی یا شاید مجھ سے ڈر کر دوسری بدروحوں کو خبردار کرنے گئی ہے

ناگ نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دیکھو عنبر وہ کیا ہے۔

یہی تو وہ کھنڈر ہے جس کی نشانی کارمیلا کی روح نے بتائی تھی مگر یہ تو کسی برباد قلعے کی طرح ہے۔؟ ہاں ایسے ہی لگتا ہے اس جگہ ماریا قید ہے ہمیں بڑی احتیاط کے ساتھ وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دونوں دوست جنگل کے درمیان میں سے ہو کر اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگے یہ جگہ ایک دہشتناک اور ویران تھی وہ درختوں کے پیچھے چھپ کر کھنڈر کو دیکھنے لگے اس کھنڈر پر نحوست اور ویران کے سائے تھے خود کھنڈر کوئی بھوت معلوم ہو رہا تھا جو جنگل میں سر جھکائے بیٹھا رو رہا ہو انہیں ایک حبشی نظر آیا جو کھنڈر کے اوپر والے پتھروں کے پیچھے سے نکل کر نیچے آیا اور درخت کی ایک جھاڑی توڑ کر پھر اوپر پتھروں کے پیچھے جا چھپا اس کے پہلو میں تلوار لٹک رہی تھی اور کندھے پر تیر کمان تھا عنبر نے کہا کھنڈر کے باہر سخت پہرہ ہے۔

بدروحوں کا مسکن

ہمیں ہر قیمت پر کھنڈر میں جا کر معلوم کرنا ہوگا۔ کہ اندر کیا ہے۔ اگر دشمن کو معلوم ہوگیا کہ ہم پہنچ گئے ہیں تو وہ ماریا کو ٹھکانے لگا دیں گے اس کے لئے ہمیں بہت چوکس ہو کر آگے بڑھنا ہوگا

ایک حبشی کھنڈر کے اوپر چھپا ہوا ہے میرے خیال میں نیچے اور بھی حبشی پہرہ دے رہے ہوں گے۔

میں اسے کالے ناگ سے مدد لیتا ہوں۔

ناگ نے کالے سانپ کو حکم دیا فوراً کھنڈر کی طرف جاؤ اور پتھروں کے پیچھے جو حبشی چھپا بیٹھا ہے اس کو موت کی نیند سلا دو۔

کالا سانپ حکم پاتے ہی کھنڈر کی طرف روانہ ہوگیا ادھر ناگ اور عنبر

چھپ کر بیٹھ گئے اور دیکھنے لگے کہ کیا تماشا ہوتا ہے۔

سانپ رینگ کر آگے بڑھتا چلا گیا وہ کھنڈر کے پاس پہنچ گیا یہاں اس نے سیدھا اوپر چڑھنے کی بجائے پیچھے سے آگے جانے کا فیصلہ کرلیا اور ایک گری ہوئی پرانی دیوار کے اوپر ہوکر ان پتھروں کی طرف رینگنے لگا جس کے پیچھے حبشی چھپا بیٹھا تھا اور درخت کی شاخ سے زمین پر لکیریں بنا رہا تھا کالا سانپ بالکل اس کے پیچھے پہنچ گیا۔

وہ ناگ کے حکم پر آگے بڑھ رہا تھا۔ ناگ کا حکم بجالانا اس کا فرض تھا۔ اگر وہ ذرا سا بھی حکم سے پھر جائے تو وہ وہیں جل کر راکھ ہو سکتا تھا۔ کالے سانپ نے پیچھے رک کر حالات کا جائزہ لیا۔ حبشی کی پیٹھ اسکی طرف تھی حبشی کو بالکل معلوم نہ تھا کہ ایک زہریلا اور بڑا ہی خطرناک سانپ اس کے پیچھے موت بن کر پہنچ گیا ہے۔ کالے سانپ نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا پھن پھیلایا اور تن کر کھڑا ہو گیا اب وقت

بہت کم تھا دیر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حبشی کے نظر اس پر پڑ سکتی تھی اور وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے اڑا سکتا تھا۔ سانپ نے ایک جھٹکا کھایا اور لپک کر حبشی کی گردن پر ڈس دیا۔

حبشی نے مڑ کر دیکھا اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

چیخ عنبر اور ناگ نے بھی سنی۔ جنگل کی خاموشی میں چیخ گونج گئی۔ اس آواز پر نیچے سے ایک اور حبشی پتھروں سے نکل کر اوپر کی طرف بھاگا۔ مگر اس دوران میں پہلے حبشی کا کام تمام ہو چکا تھا۔ وادی اردن کے اس کوبرا سانپ نے دوسرے حبشی پر حملہ کیا تو وہ خبردار ہو گیا۔ دوسرے حبشی نے تلوار کھینچ کر پر ماری۔ مگر سانپ فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔ حبشی اس پر لپکا اب سانپ اپنی زندگی کے بچاؤ کی جنگ لڑنے لگا۔ وہ ایک درخت پر چڑھ گیا دوسرے حبشی نے کمان میں تیر جوڑ کر اس پر چلایا۔ تیر خطا گیا سانپ نے وہیں سے حبشی پر

چھلانگ لگائی اور اسکی گردن کے گرد بل ڈال کر اس کے چہرے پر ڈس لیا۔ دوسرا حبشی ہاتھوں سے زور لگا کر سانپ کو خود سے الگ کرتا ہی رہ گیا اور زہر نے اپنا کام کر دیا اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا۔ جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور وہ بھی پہلے حبشی کی طرح مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اپنا مشن پورا کرنے پر کالا کوبرا حبشی کی گردن سے اتر کر واپس ناگ شہزادے کی طرف روانہ ہو گیا۔ دونوں حبشیوں کو گرتے اور مرتے عنبر نے دیکھ لیا تھا اس کے راستے کا بہت بڑا کانٹا صاف ہو گیا تھا اب کھنڈر کے اندر جانے کا راستہ بالکل صاف تھا خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی تھی کہ اندر کھنڈر میں پہرہ دینے والوں کو کچھ خبر نہ ہوئی تھی کہ باہر کیا قیامت گذر گئی ہے۔ اتنے میں کالا کوبرا وہاں پہنچ گیا اس نے ناگ کے سامنے آ کر اپنا سر زمین کے ساتھ لگا دیا۔

www.urdupdfbooksfree.pk

ناگ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

”شاباش! تم نے اپنا فرض پوری محنت سے پورا کر دیا میں تم سے خوش ہوں۔ اور اسی خوشی میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو۔ کالے ناگ نے جھک کر ناگ کے پاؤں پر اپنا سر رکھا اور پھر خاموشی سے رینگتا ہوا واپس جنگل میں گم ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

اب ہمیں کھنڈر کے اندر جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میرے خیال میں ہم دونوں کا ایک ساتھ وہاں جانا ٹھیک نہیں۔

پہلے میں جاتا ہوں.........“

نہیں تم میرے بعد آنا۔ پہلے میں جاتا ہوں۔

جیسے تمہاری مرضی دوست۔

عنبر نے ناگ کو اسی جگہ جنگل میں چھوڑا اور خود زمین کے ساتھ کہنیوں کے بل رینگ رینگ کر کھنڈر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

کھنڈر کے منہ پاس جا کر وہ رک گیا۔ اسے ہوا میں کچھ سرگوشیاں سی سنائی دیں اسے محسوس ہوا جیسے بدروحیں اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھیں یا جیسے اسے کسی بات سے خبردار کر رہی ہوں۔ عنبر نے بدروحوں کی سرگوشیوں پر کوئی دھیان نہ دیا اور رینگتا ہوا کھنڈر کے منہ کے پاس آ گیا۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ کھنڈر کے اندر کوئی غار ہے اور ماریا کو ڈاکوؤں نے غار کے اندر کہیں چھپایا ہو گا۔ ظاہر ہے کھنڈر کے منہ پر کوئی نہ ہو گا پہرے دار وہاں جو حبشی تھا وہ ہلاک ہو چکا تھا۔

عنبر نے دل میں دعا مانگی اور بڑی خاموشی سے رینگتا ہوا کھنڈر کے منہ کے اندر داخل ہو گیا کھنڈر کی چھت اونچی تھی اور اندر ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عنبر کو مردہ مچھلیوں کی بو محسوس ہوئی وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دور آگے جا کر وہ اندھیری راہداری میں داخل ہو گیا۔ جس کی

چھت نیچی تھی اور چھت کی بوسیدہ کڑیوں کے ساتھ جالے لٹک رہے تھے بے خیالی سے عنبر کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا پتھر لڑھک کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

وہ وہیں کا وہیں سانس روک کر کھڑا ہو گیا۔

پتھر کے لڑھکنے کی آواز باقی چار حبشیوں نے سن لی تھی یہ حبشی ماریا کی کوٹھڑی کے باہر زمین پر بیٹھے اپنی تلواریں صاف کر رہے تھے آواز سن کر وہ چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہاتھ کی انگلی سے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر چاروں وہاں سے اٹھے اور دبے پاؤں جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے راہداری کے اندھیرے میں دیکھا کہ ایک نوجوان پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا دیوار کے ساتھ لگا آگے بڑھ رہا ہے۔ چاروں حبشی چوکس ہو گئے اور ادھر پھیل

گئے۔ اگر وہ عنبر پر حملہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے سوچا تھا تو عنبر ان سب کو جان سے مار ڈالتا لیکن عنبر کی بد قسمتی اور ان حبشیوں کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ عنبر کو دیوار کے ساتھ ایک جگہ ایک سوراخ دکھائی دیا۔ وہ یہ سمجھا کہ ماریا کو ضرور اسی جگہ قید رکھا گیا ہے یا وہ دیکھنے کے لئے کہ اندر ماریا موجود ہے یا نہیں اس کھوہ کے اندر چلا گیا۔

حبشیوں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن کھوہ کے اندر چلا گیا ہے تو وہ لپک کر کھوہ کے اوپر چڑھ گئے اور وہاں سے انہوں نے کھٹکا کھینچ کر دھڑام سے لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا جنگلہ کھوہ کے منہ کے آگے گرا دیا۔ عنبر نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا وہ کھوہ میں قید ہو کر رہ گیا تھا اس نے سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور سے اپنی طرف جھنجھوڑا مگر وہ اس قدر مضبوط تھیں کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ اس سے زیادہ عنبر کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ بے بس سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ

گیا۔ اتنے میں چاروں حبشی اس کے سامنے سلاخوں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک بھاری بھرکم حبشی نے پوچھا۔

تم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

میں جڑی بوٹیوں اور ہیروں کی تلاش میں ادھر آ نکلا تھا تم لوگوں نے مجھے قید کیوں کر دیا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟ مجھے آزاد کر دو نہیں تو میں بادشاہ کے دربار میں تمہاری شکایت کروں گا۔

حبشی اپنے سفید سفید دانت نکال کر ہنسا۔

تم جھوٹ بولتے ہو تم کسی اور شے کی تلاش میں یہاں آئے تھے خیر اب تم ساری زندگی یہاں سے باہر نہ نکل سکو گے۔

اب اسی غار کے اندر تمہاری قبر بنے گی۔

ایکا ایکی بھاری بھرکم حبشیوں نے جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا تعجب

www.pdfbookfree.pk

کے ساتھ کہا۔

لیکن یہ شخص اندر کس طرح آ گیا باہر پہرے دار کہاں چلے گئے فوراً جا کر معلوم کرو باہر کے لوگ کہاں مر گئے ہیں۔

دو حبشی باہر کی طرف لپکے عنبر سمجھ گیا کہ انہیں باہر دونوں حبشیوں کی لاشوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور یہی ہوا تھوڑی ہی دیر بعد دونوں ہی حبشی بدحواس ہو کر بھاگتے ہوئے اندر آ گئے اور بولے۔

سردار دونوں پہرے دار مرے پڑے ہیں ایسے لگتا ہے جیسے انہیں کسی سانپ نے ڈس لیا ہے۔

دونوں کو ایک ہی سانپ نے ڈس دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے مجھے چل کر دکھاؤ۔

بھاری بھرکم سردار حبشیوں کے ساتھ باہر آ گیا اس نے دیکھا کہ دونوں حبشی مرے پڑے تھے اور ان کی لاشیں زہر کی وجہ سے پھٹ گئی

تھیں۔ اس نے کہا۔

معلوم ہوتا کہ کسی زہریلے سانپ نے اسے کاٹ کھایا ہے۔ تم لوگ اندر قیدی کی نگرانی کرو اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً قتل کر دو۔ میں کپتان کو صورت حال کے بارے میں آگاہ کرنے جا رہا ہوں۔

تین حبشی واپس غار میں چلے گئے اور سردار حبشی گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔ یہ سارا تماشا ناگ درختوں کے پیچھے چھپا بیٹھا دیکھ رہا تھا اسے یہ تو اچھی طرح علم ہو گیا تھا کہ حبشی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے ہیں اور بھاری بھرکم حبشی کسی کو خبر کرنے گیا ہے مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ عنبر کہاں جا کر گم ہو گیا ہے وہ کتنی ہی دیر درختوں کے پیچھے چھپا بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ عنبر باہر آئے تو اسے بتائے کہ ماریا وہاں قید ہے یا نہیں مگر شام ہو گئی اور

عنبر غار سے نہ نکلا اب وہ پریشان ہو گیا کہیں عنبر کو ان حبشیوں نے پکڑ تو نہیں لیا لیکن عنبر تو ان کا مقابلہ کر کے آزاد ہو سکتا تھا۔ تو پھر اسے کہیں کسی گہرے کھڈ میں گرا تو نہیں دیا گیا؟

ناگ اسی سوچ میں گم پریشان ہو رہا تھا کہ اسے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی وہ دبک کر درخت کے تنے کے پیچھے ہو گیا ذرا فاصلے پر اس نے رومن کپتان اور بھاری بھر کم حبشی کو دیکھا دونوں گھوڑوں پر سوار کھنڈر کی طرف جا رہے تھے کھنڈر کے منہ پر جا کر انہوں نے ایک طرف باندھے اور اندر داخل ہو گئے۔

ناگ سوائے خاموشی سے انتظار کرنے کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ عنبر کی خیریت کا پتہ کس طرح لگائے اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود اندر جائے مگر اندر وہ سانپ بن کر ہی جا سکتا تھا کیونکہ اندر آدمی

www.pdfbookstree.pk

زیادہ تھے اور ہر ایک کے پاس تلوار تھی اگر وہ کسی درندے کی شکل میں اندر جائے تو پھر بھی خطرہ تھا کہ اسے اندر گھیر کر شدید زخمی کر دیا جائے ہاتھی بن کر اس لیے اندر نہیں جا سکتا تھا کہ کھنڈر کا منہ بہت چھوٹا تھا اور اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

سب سے زیادہ پریشان کرنے والی بات یہ تھی کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر کس حال میں ہے آیا وہ دشمنوں کی قید میں ہے یا دشمنوں سے بچ کر کہیں چھپ گیا ہے اور مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہے ناگ شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ غار کے اندر جائے یا وہیں بیٹھ کر عنبر کی راہ دیکھے۔

بہر حال وہ مجبور ہو گیا تھا کہ کچھ دیر اسی جگہ عنبر کا انتظار کرے۔

دوسری طرف رومن کپتان حبشی سردار کے ساتھ غار کے اندر گیا اور اس نے عنبر کو دیکھا تو فوراً اسے پہچان گیا اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

مجھے ہرگز یقین نہیں آسکتا تھا کہ تم ماریا کی تلاش میں اس اجاڑ اور وحشتناک جنگل میں بھی آجاؤ گے بہرحال اب تم آگئے ہو تو یقین رکھو یہاں سے ساری زندگی واپس نہ جاسکو گے۔

عنبر نے کہا۔

رومن کپتان ! تم نے ماریا کو اغوا کر کے بہت برا کیا مجھے یہ بتاؤ کہ ماریا کا باپ کہاں ہے؟

رومن کپتان نے کہا۔

اس کو ہم نے کل ہی مار ڈالا ہے اور اس کی لاش اسی جنگل میں دبا دی گئی ہے یہی حشر ہم تمہارا کریں گے۔

تمہیں بھی ہم قتل کر کے تمہاری لاش زمین کے اندر دبا دیں گے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی کہ اب تم اس دنیا میں نہیں ہو۔

عنبر نے کہا۔

میری بات چھوڑو تم۔ تم مجھے کیا مار سکو گے مگر ماریا کے بے گناہ باپ کو تم نے مار کر اچھا کام نہیں کیا۔ وقت آئے گا کہ تمہیں اس قتل کا حساب دینا پڑے گا۔

رومن کپتان مکروہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

تم ایک معمولی آدمی ہو اور باتیں بڑی بڑھ چڑھ کر کر رہے ہو شاید تمہیں احساس نہیں کہ تم طاقتور کپتان کے آگے بات کر رہے ہو۔ میں نے جنگلوں میں سینکڑوں آدمیوں کو جان سے مارا ہے میرے لئے تمہیں مار دینا کوئی بڑی بات نہیں اور پھر جبکہ تم میرے دشمن ہو تمہاری وجہ سے میرے سپاہیوں کے سامنے اس روز سخت بے عزتی ہوئی تھی میں تم سے بھی اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم اپنے آپ ہی آ گئے ورنہ مجھے تمہیں بھی اغوا کروانا پڑتا .... میرا خیال ہے اب تمہیں اپنی موت کے لئے تیار ہو جانا

چاہئے۔

عنبر نے کہا۔

اے رومن کپتان! تو ایک نہایت ہی احمق فوجی ہے تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ تو مجھ سے نہیں اپنی آنے والی موت سے بات کر رہا ہے اگر تو اس دنیا میں کچھ دیر رہنا چاہتا ہے تو فوراً مجھے اور ماریا کو رہا کر دے نہیں تو تم بہت بے دردی سے ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ تمہارا جسم نیلا پڑ جائے گا .... تمہارے کانوں اور منہ سے خون جاری ہو جائے گا اور تمہارا سارا بدن پھٹ جائے گا۔

اس بد بخت کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دو۔

رومن کپتان نے چیخ کر کہا۔ حبشی کوڑے لے کر آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کے جسم پر برسانے شروع کر دیئے۔ مگر وہاں تو گویا کسی شے کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا حبشی تھک گئے رومن کپتان حکم دے کر چلا گیا

تھا۔

سردار حبشی نے جب دیکھا کہ عنبر کے بدن پر اتنے کوڑے لگنے کے باوجود خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا تو وہ کچھ حیران سا ہو گیا۔ وہ کبھی کوڑے کی طرف اور کبھی عنبر کے جسم کی طرف دیکھتا تھا وہاں زخموں کے نشان ضرور پڑ گئے تھے مگر خون نہیں بہہ رہا تھا۔ سردار نے کہا۔

چھوڑ دو اسے کم بخت کے جسم کا خون بھی خوف کی وجہ سے جم گیا ہے۔

عنبر کو اکیلے غار میں چھوڑ کر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ عنبر چپ چاپ پتھروں پر بیٹھ گیا اور ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر وہ ماریا کے باپ کی موت پر افسوس کرنے لگا۔ جس کو رومن کپتان کے سپاہی اس کی عدم موجودگی میں قتل کر آئے تھے۔ اس نے سوچا کہ ناگ باہر بیٹھا کیا سوچ رہا ہوگا؟

دیوتا کا بیٹا

ناگ درختوں کے پیچھے بیٹھا عنبر کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جب کافی دیر ہوگئی تو ناگ نے سوچا کہ وہ کب تک وہاں بیٹھا رہے گا اندر کھنڈر میں چل کر پتہ کرنا چاہئے کہ عنبر کہاں ہے اور اس پر کیا بیت رہی ہے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ کھنڈر میں سے کچھ گھوڑ سوار نکلے اور گھوڑے دوڑاتے جنگل میں غائب ہوگئے۔ ناگ کو یوں لگا جیسے ایک گھوڑے پر ایک لڑکی کو بھی بٹھایا ہوا ہے۔ اب اس کیلئے وہاں بیٹھنا مشکل ہوگیا وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے باہر نکل آیا اور کھنڈر کے پاس آگیا اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو غار

سنسان تھا ایسے لگتا تھا جیسے اندر کوئی نہیں ہے۔ ناگ دبے پاؤں غار کے اندر داخل ہو گیا۔ ویران اور نیم روشن میں سے گزرتے ہوئے اس نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی وہ ایک طرف ہو گیا۔ قدموں کی آواز اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ساتھ والے برآمدے میں سے گزر کر نکل گیا ہو۔

ناگ چپ چاپ آگے بڑھتا رہا وہ کافی آگے نکل گیا لیکن اسے نہ تو ماریا اور نہ ہی عنبر کو کوئی سوراغ ملا وہ راہداری کا ایک موڑ گھوم رہا تھا کہ چند طاقتور ہاتھوں نے اسے اچانک دبوچ کر ایک گڑھے میں دھکا دے دیا۔ وہ گڑھے میں گر کر اٹھا ہی تھا کہ اوپر سے لوہے کا جنگلا گرا دیا گیا پھر اسے تین حبشیوں کے چہرے نظر آئے جو اوپر سے اسے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

بیٹا! اب تمہیں ساری عمر پڑ کر مر کھپ جاؤ گے ہمارا پیچھا کرنے کا یہی

عبرتناک انجام ہوا کرتا ہے۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا تھا کہ ناگ سنبھلنے ہی نہ پایا تھا کہ جو وہ گڑھے کے اندر قید کر دیا گیا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں ان حبشیوں کو دیکھا جو اس کی بدقسمتی پر مسکرا رہے تھے۔ شاید زندگی میں پہلی بار ناگ نے ایسی حالت میں حبشیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

تمہیں ایک دن اپنی اس شرارت پر پچھتانا پڑے گا آخر تم میرے اور کمسن ماریا کے کیوں دشمن بن گئے ہو ! تمہیں اس سے کیا مل جائے گا؟ رومن کپتان تمہاری ترقی تو نہیں کر دے گا۔

ایک حبشی نے تنک کر کہا۔

بکواس بند کر اے ذلیل انسان۔

ناگ کو اس حبشی پر بے حد غصہ آ گیا۔ مگر اس نے بڑے صبر سے کام لیتے ہوئے حبشی سے صرف اتنا کہا۔

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ برے سے برے حالات، میں بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تم نے مجھ سے بدزبانی کر کے کوئی اچھے اخلاق کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کے جواب میں حبشیوں نے سلاخوں میں سے اس کے اوپر پتھر برسائے۔ ناگ سمٹ کر کونے میں ہو گیا پھر بھی ایک پتھر اس کے کندھے پر آ لگا اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ اس حبشی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ جس نے اسے گالی دی تھی اور پتھر مارا تھا۔ حبشی ناگ پر ہنستے اور اس کی حالت پر قہقہے لگاتے وہاں سے چلے گئے تھوڑی دیر تک ان کے قہقہوں کی آواز آتی رہی اس کے بعد وہاں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ ناگ سوچنے لگا کہ یہ کیسا کھنڈر ہے یہاں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی خیر اس نے سوچا باہر نکل کر پہلے ان حبشیوں سے تو دو دو ہاتھ کر لے اس کے بعد عنبر اور ماریا کو بھی تلاش کر لے گا۔

ناگ نے کالے سیاہ سانپ کی شکل اختیار کی اور دیوار پر سے رینگتا ہوا سلاخوں میں سے ہو کر گڑھے سے باہر آگیا وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا اس طرف چل پڑا جدھر اسکے خیال میں حبشی گئے تھے۔ نیم تاریک راہداری کا موڑ گھومنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کوٹھری کی سلاخوں والی کھڑکی کے باہر دو حبشی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں سانپ آگے بڑھا تو اسے عنبر دکھائی دیا وہ کوٹھری کے اندر قید میں پڑا تھا.......سانپ وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔

عنبر نے کوٹھی میں سے آواز دی۔

آخر تم لوگوں نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟ تم لوگ مجھے آزاد کیوں نہیں کرتے۔ تم نے ماریا کو اغوا کر لیا اس کے باپ کو ہلاک کر دیا اب مجھے کس لئے پکڑ رکھا ہے؟۔

اسی حبشی نے جس نے ناگ کو گالی دی تھی عنبر کو بھی گالی دے کر کہا۔

تم تمہیں زندہ بھون کر کھا جائیں گے۔ ہم آدم خور حبشی ہیں۔ ہم آج ہی رات تمہیں ہلاک کر کے تیل میں تل کر ہڑپ کر جائیں گے۔

عنبر نے کہا تم ایسا نہیں کر سکو گے اگر اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تمہاری لاشیں اس غار میں درندوں کی غذا بنیں گی۔

بدتمیز حبشی نے کہا۔

بکواس بند کرو اے کمینے انسان۔

عنبر نے ایک بار پھر اسے خبردار کیا۔

اگر تم لوگوں نے مجھے آزاد نہ کیا تو یاد رکھو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو غار سے باہر پہرہ دینے والے حبشیوں کا ہوا تھا۔

بدتمیز حبشی نے ایک پتھر اٹھا کر عنبر کی طرف کھینچ مارا پتھر عنبر کی پیشانی پر جا کر لگا مگر ناگ اپنے دوست کی یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکا۔ اس

نے وہیں غصے میں آ کر اپنا پھن پھیلایا اور بدتمیز حبشی کے عقب میں آگے بڑھنے لگا۔ عنبر نے ناگ کو دیکھ لیا تھا۔

اس نے مسکرا کر کہا۔

اے بدتمیز حبشی! تمہارا آخری وقت قریب آ گیا ہے اگر جان بچانی چاہتے ہو تو دروازہ کھول کر مجھے آزاد کر دو اور اپنی بدتمیزی کی معافی مانگو۔

اس حبشی نے ایک بار پھر عنبر کو برا بھلا کہا اور قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی سے بولا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس زبان دراز کا کام تمام کر دینا چاہیے۔ ہمیں کپتان کے حکم کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔

ٹھیک ہے اسے ہلاک کر دو تاکہ ہم بھی اس واہیات قسم کی پہرہ داری سے بچ سکیں۔ کپتان آ گئے گا تو کہہ دیں گے کہ اس نے سلاخوں سے

سر ٹکرا کر خودکشی کر لی تھی۔

بدتمیز حبشی اٹھا اور تلوار کھینچ کر عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

تمہاری زندگی کا آخری وقت آ گیا ہے جو دعا کرنی ہے کر لو۔ عنبر غار کے اندر نہیں رہا تھا کیونکہ اس نے ناگ کو سانپ کے روپ میں اسی حبشی کے پیچھے کھڑے ہوتے دیکھ لیا تھا بدتمیز حبشی نے تلوار ایک ہاتھ میں پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے سلاخ دار دروازہ کھول کر اندر جانے ہی والا تھا کہ اچانک پیچھے سے سانپ نے لپک کر اسے ڈس دیا۔ حبشی چیخ مار کر زمین پر گر پڑا دوسرے حبشی نے اپنے سامنے پھن پھیلا کر جھومتے ہوئے زہریلے غضبناک سانپ کو دیکھا تو دم دبا کر اس طرح بھاگا کہ پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھا سانپ نے دوسرے ہی لمحے انسانی شکل میں آ کر عنبر سے پوچھا۔

تم قید میں کیسے آ گئے؟ ماریا کہاں ہے؟

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ لوگ رومن کپتان کے حکم سے ماریا کو یہاں سے لے کر خدا جانے کہاں چلے گئے ہیں ناگ نے فورا کوٹھری کو دروازہ کھول کر عنبر کو باہر نکالا بدتمیز حبشی زمین پر مرا پڑا تھا عنبر اور ناگ باہر نکلنے لگے تو انہیں کھنڈر میں ایک خوف ناک چیخ سنائی دی ۔ ناگ نے پریشان سا ہو کر عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا اور کان لگا کر سننے لگا کہ چیخ کی آواز کدھر سے آئی تھی ۔ دوسری مرتبہ یہ خوفناک آواز ان کو بالکل قریب سنائی دی ۔ ناگ عنبر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک ان کیسامنے ایک بدروح سیاہ چڑیل کی شکل میں سامنے آ کھڑی ہوئی بدروح نے ایک ہیبت ناک قہقہہ لگا کر عنبر اور ناگ سے کہا۔

میں تم دونوں کا خون پی جاؤں گی ۔ مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

ناگ تو بے چارہ ڈر گیا اس نے زندگی میں آج تک چڑیل نہیں دیکھی تھی۔ عنبر پر چڑیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا گہری نظروں سے چڑیل کو دیکھتا رہا۔ بدروح چڑیل کے دانت نوکیلے تھے سر کے بال لمبے لمبے تھے اور سرخ زبان دانتوں سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کے ناخن تیز اور لمبے تھے وہ اپنے ناخن پھیلا کر عنبر کی طرف بڑھنے لگی عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ جب بدروح عنبر کے بالکل قریب آ گئی تو عنبر نے ایک ہاتھ بڑھا کر چڑیل کی گردن دبوچ لی۔ بدروح نے دوسرا ہاتھ عنبر کے سر پر مارا اگرچہ ہاتھ اگر کسی عام انسان پر پڑتا تو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا۔

لیکن عنبر پر اس ضرب کا کوئی اثر نہ ہوا اس کے جواب میں عنبر نے اپنی گرفت کو مضبوط کر دیا اور بدروح کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔ بدروح نے ہر طریقہ آزمایا مگر وہ عنبر کے شکنجے سے اپنی گردن نہ

چھڑا سکی۔ بدروح حیران تھی کہ کیسا انسان ہے کہ اس کو قابو میں کرتا چلا جا رہا ہے۔ آخر عنبر نے اس بدروح کو ایک زبردست جھٹکا دے کر زمین پر گرا دیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر بولا۔

سچ بتا تجھے کس نے بھیجا ہے نہیں تو میں ابھی تمہاری گردن دھڑ سے الگ کر دوں گا..........بول.......؟

بدروح نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے عظیم طاقتوں والے انسان میری جان بخشی کر دے میں تمہیں سچ سچ سب کچھ بتا دیتی ہوں۔

عنبر نے اپنا پاؤں بدروح کی گردن سے اٹھا لیا اور کہا۔

بتا وہ کون دشمن ہے جس نے تجھے میرے ہلاک کرنے کیلئے یہاں بھیجا؟۔

بدروح نے کہا۔

اے طاقتور دیوتاؤں کے بیٹے مجھے رومی کپتان کے خاص درباری جادوگر سامری نے یہاں بھیجا ہے کہ میں تمہیں قتل کردوں اور تمہارا خون پی جاؤں۔ لیکن یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں ایک ایسے آدمی کو ہلاک کرنے آئی ہوں جو طاقت اور جادو میں مجھ سے بڑھ کر ہے...... اے عظیم دیوتا کے عظیم بیٹے مجھے معاف کر دے مجھ سے زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوگئی ہے۔

میں وعدہ کرتی ہوں اب کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔

عنبر نے کہا

سن اے بدروح۔ اگر تو چاہتی ہے کہ میں تیری جان بخشی کر دوں تو یہاں سے سیدھی کپتان کے شاہی جادوگر سامری کے پاس جا اور اسے بتا دے کہ جس شخص کو مارنے کے لئے وہ خواب دیکھ رہا ہے وہ ایک طاقتور اور خفیہ طاقت رکھنے والا انسان ہے اور اسے وہ کبھی

شکست نہ دے سکیں گے۔

بدروح نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

میں ابھی جا کر انہیں یہ پیغام پہنچاتی ہوں۔

چڑیل جانے لگی تو عنبر نے کہا۔

اور سن سامری سے جا کر یہ بھی کہنا کہ اس نے اور رومن کپتان نے بے گناہ ماریا کو آزاد نہ کیا تو وہ میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔

جو حکم دے عظیم دیوتا۔

یہ کہہ کر بدروح نے ایک بھیانک چیخ ماری اور وہاں سے غائب ہوگئی۔ جب وہ چلی گئی تو ناگ نے کہا ہم سے غلطی ہوگئی ہم کم از کم اس سے یہ ہی پوچھ لیتے کہ انہوں نے ماریا کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ عنبر نے کہا۔

پوچھ لیتے تو اچھا تھا مگر خیر کوئی بات نہیں ماریا کا سراغ خود لگا لیں گے۔ اب یہاں سے نکل جانا چاہئے۔

دونوں دوست کھنڈر سے نکل کر واپس ماریا کے ویران گھر میں آ گئے۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ رات کو انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور بستروں پر لیٹ کر غور کرنے لگے کہ آئندہ انہوں نے کونسا قدم اٹھانا ہے؟ ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس ٹھکانے کو بدل دینا چاہئے۔ کہ رومی کپتان کے سپاہی ہماری تلاش میں یہاں ضرور آئیں گے۔

خداوند کی قسم اگر وہ یہاں آئے تو میں انہیں زندہ واپس نہیں جانے دوں گا۔ یا وہ ماریا میرے حوالے کریں گے اور یا میں انہیں زندہ زمین کے اندر دفن کر دوں گا۔

عنبر تم جذباتی ہو رہے ہو میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے

واپس اپنی حویلی چلے جانا چاہیے۔

آخر تمہیں یہاں خطرہ کیوں محسوس ہو رہا ہے؟ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں دوست تمہیں کسی قسم کو ڈر محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ میں ڈر نہیں رہا بلکہ میرا خیال ہے کہ حویلی میں جا کر ہم زیادہ آسانی اور سکون نے ماریا کے بارے میں غور کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر ہم نے ان ہی دو تین دنوں کے اندر اندر ماریا کو حاصل نہ کیا تو کپتان کے سپاہی اسے اس ملک سے بہت دور لے جائیں گے۔

عنبر بولا۔

میں تمہارے اس خیال کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہمیں ماریا کی تلاش کی مہم تیز کر دینی چاہیے۔ لیکن اس خیال سے مجھے اتفاق نہیں کہ ہمیں یہ جگہ چھوڑ کر حویلی چلے جانا چاہیے۔ میں اسی مکان میں رہوں گا۔

دن حویلی میں بیماروں کا علاج کرتے گزاروں گا اور رات یہاں اسی

مکان میں بسر کریں گے۔

ناگ نے کہا۔

اگر تمہارا یہی اصرار ہے تو میں تمہاری ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔

ٹھیک ہے ہم اسی مکان میں رہیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ماریا کی تلاش کا سلسلہ کہاں سے شروع کیا جائے؟

سب سے پہلے کسی ایسے شخص یا شاہی محل کی کنیز کی خدمات حاصل کی جائیں جو محل کے اندر کے راز جانتی ہو اور جو ہمیں ماریا کے بارے میں یہ بتا سکے کہ وہ کہاں ہے اس کے بعد ہم ماریا کو حاصل کرنے کے منصوبے پر کام شروع کر سکتے ہیں

ناگ کہنے لگا۔

یہ تو بڑا لمبا کام ہے میرا خیال ہے اگر ہم نے تلاش کا کام اسی انداز میں شروع کیا تو ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے اور ماریا کو دشمن کسی

دوسرے ملک میں پہنچا چکا ہوگا۔

کافی سوچ و بچار کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ عنبر اپنی حویلی میں رہ کر شاہی محل کے پہاروں پر کڑی نظر رکھے گا اور ناگ کوئی بھیس بدل کر کسی طرح رومن کپتان تک پہنچے گا۔ اس کا اعتماد حاصل کرے کہ ماریا کہاں چھپائی گئی ہے۔ سوال یہ تھا کہ ناگ کس بھیس میں رومی کپتان کے پاس جائے وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

آخر ناگ نے کہا۔

دوست! میں صبح رومن کپتان کے محل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

اور جب واپس آؤں گا تو ماریا کی پوری خبر لے کر آؤں گا۔

مگر تم کب آؤ گے؟

بہت جلد...... تم فکر نہ کرنا۔

ناگ کی عیاری

ناگ شاہی محل کے سامنے ایک جگہ پتھروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ جائزہ لیتا رہا کہ رومن کپتان کے گھر سے کون شخص باہر نکلتا ہے۔ اس نے ایک بوڑھے غلام کو دیکھا جو کھڑکی میں رومن کپتان کے ساتھ گھل مل کر باتیں کر رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ بوڑھا غلام کپتان کا خاص آدمی ہے۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ اس بوڑھے غلام کے روپ میں کپتان کے پاس جائے گا اس کے لئے ضروری تھا کہ بوڑھے غلام کو پکڑ کر کسی جگہ چند دنوں کے لئے بند کر دیا جائے۔ ناگ موقع کی تاک میں رہا شام کے وقت بوڑھا غلام باہر نکل کر خچر پر سوار ہوا اور ایک طرف چل پڑا ناگ نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اس نے

بدروحوں کا مسکن

راستے سے پہاڑی سے اتر کر بوڑھے غلام کو جا لیا۔ وہ اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا بوڑھے نے قریب پہنچ کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور یوں راستے میں کیوں کھڑا ہے ناگ نے غم زدہ صورت بنا کر کہا کہ اسکی بوڑھی ماں مر گئی ہے اور کوئی آدمی ایسا نہیں مل رہا جو اس کے ساتھ مل کر ماں کے لئے قبر کھود سکے۔ بوڑھے غلام نے کہا۔

بیٹا! میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

ناگ بوڑھے غلام کو لے کر ماریا والے پرانے مکان میں لے آیا۔ اس نے بوڑھے کو باہر کھڑا کیا اور کہا کہ میں ابھی آ رہا ہوں اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اس نے سانپ کا روپ بدلا اور پچھلی دیوار پر سے ہو کر بوڑھے کے عقب میں آ گیا۔ بوڑھا خچر پر بڑے آرام سے بیٹھا تھا۔ سانپ نے بوڑھے کے پیچھے آ کر پھن پھیلا لیا۔ بوڑھے کو اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ سانپ نے پلک جھپکنے میں لپک کر بوڑھے کی پنڈلی پر

ڈسا۔ اور جھاڑیوں پر سے ہو کر پچھلی دیوار سے ہوتا ہوا مکان کے عقبی صحن میں آ گیا۔ اور پھر انسانی شکل اختیار کر لی۔ اس عرصے میں بوڑھا سانپ کے زہر سے بے ہوش ہو چکا تھا ناگ نے صرف اتنا ہی زہر بوڑھے کے جسم میں داخل کیا تھا جس سے وہ کچھ عرصے کیلئے بے ہوش ہو جائے۔

ناگ نے بوڑھے کو خچر پر سے اٹھایا اور مکان کے اندر ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے بوڑھے کے پاس خشک انجیروں کا ڈھیر اور پانی بھی رکھ دیا۔ تا کہ اگر دوسرے روز اسے ہوش آئے تو وہ کھا پی سکے۔ ناگ کو معلوم تھا کہ آٹھ پہر کے بعد زہر کا اثر ختم ہو جائے گا۔ اور بوڑھا ہوش میں آ جائے گا اب اس نے اپنا وہ کام شروع کر دیا جس کے لئے اس نے بوڑھے کو اغوا کیا تھا وہ بوڑھے کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے بوڑھے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور منہ ہی

منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک منتر پڑھنے کے بعد ناگ نے زور سے پھونک ماری۔ وہاں ایک دھواں سا اٹھا جب دھوئیں کا غبار دور ہوا تو وہاں دو ہم شکل بوڑھے موجود تھے۔ ایک بوڑھا بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ جبکہ دوسرا بوڑھا اس کے پاس اسکا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ یہ ناگ تھا اب اس کے پاس وقت ضائع کرنے کے لئے نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے کوٹھڑی پر تالا ڈالا۔ خچر پر سوار ہوا اور رومی کپتان کے محل کی طرف چل دیا اس پر کسی کو بھی ذرا برابر شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بوڑھا غلام نہیں بلکہ عنبر کا دوست ناگ ہے۔

رومی کپتان کے محل کے باہر جا کر خچر اس نے باندھا اور محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ ڈیوڑھی میں کھڑے پہریدار نے مسکرا کر کہا۔

ایلام! کیا بیوی سے آج پھر لڑائی ہو گئی ہے جو گھر جا کر واپس آ گئے

ہو۔

ناگ سمجھ گیا کہ بوڑھے غلام کی بیوی سے اکثر لڑائی ہوتی رہتی ہے وہ اکثر لڑائی کے بعد رات گذارنے کیلئے واپس محل میں آتا ہوگا۔ اسنے ہنس کر کہا۔

تمہارا خیال ٹھیک ہے کیا کروں ایک لڑاکا عورت پلے پڑی ہے اس بڑھاپے میں اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا۔

ناگ آگے چل دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے! یعنی یہ کہ بوڑھا غلام ایلام رات کہاں بسر کیا کرتا ہے! وہ صحن میں سے گزر رہا تھا کہ ایک کنیز نے آ کر کہا۔

ایلام! کیا کھانا تمہارے کمرے میں لے آؤں کیونکہ معلوم ہوتا آج تم پھر محل والے کمرے میں ہی سوؤ گے۔

ناگ نے کہا۔

یہ لو میری پگڑی تم اسے میرے کمرے میں چھوڑ آؤ میں ابھی آتا ہوں۔

کنیز پگڑی لے کر ایلام کے کمرے کی طرف چل دی، ناگ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھول کر کنیز اندر داخل ہوگئی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی اس کا کمرہ ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ رومی کپتان سے کس طرح بات کرے۔ کمرے کا ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور ایک غلام نے آ کر کہا۔

معزز ایلام! آپ کو مالک یاد کر رہا ہے۔

اسے کیسے پتہ چل گیا کہ میں واپس آ گیا ہوں۔

کنیز نے انہیں بتایا تھا۔

ناگ بوڑھے غلام ایلام کے روپ میں غلام کے ساتھ ساتھ کپتان

کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ایلام اگرچہ ایک غلام تھا مگر روی کپتان کی خدمت کرتے کرتے وہ بوڑھا ہو گیا تھا اور کپتان نے اس کی دانائی کی وجہ سے اسے اپنے خاص مشیر کا درجہ دیا تھا۔ تاگ نے کپتان کے عالی شان کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ ایک زرنگار سنہری کرسی پر بیٹھا انگوروں کا رس پی رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر تاگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

آج پھر تم بیوی سے لڑ پڑے؟

تاگ نے سر کو جھٹک کر کہا۔

سرکار! وہ مجھ سے لڑتی رہتی ہے میں تو اس سے تنگ آ گیا ہوں۔

کپتان نے انگور کا رس غلام کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

میری بات غور سے سنو۔ اچھا ہوا کہ تم خود آ گئے ورنہ تمہیں گھر سے بلوانا پڑتا .... میں نے سوچا ہے کہ ماریا کا اس شہر میں رہنا

مناسب نہیں ہے۔ میں آج راتوں رات اسے یہاں سے نکال کر سدوم شہر میں اپنے دوست کوتوال شہر کے پاس بھجوا دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہاں سے ہی اسے بردہ فروشوں کے حوالے کر دیا جائے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟

ناگ نے کہا۔ بڑا مناسب خیال ہے آپ کا۔

رومی کپتان بولا۔

اس سلسلے میں تمہیں ماریا کے ساتھ جا کر خود اسے کوتوال کے حوالے کرنا ہوگا۔

میں تیار ہوں۔

تم اپنے ساتھ سپاہیوں کو بھی حفاظت کے لئے لے جاؤ گے۔ میں نے چار جانباز سپاہی تیار کر لئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی رات کے اندھیرے میں ماریا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔

جو حکم سرکار۔

رومی کپتان ناگ کو لے کر شاہی محل کے پچھواڑے ایک پرانی حویلی میں آ گیا۔ یہاں باہر چار سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ حویلی کے اندر جا کر کپتان نے ماریا کو باہر نکالا اور اسے گھوڑے پر زبردستی سوار کرا کر بولا۔

یاد رکھو اگر اس عورت نے راستے میں ذرا آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو اسے فورا قتل کر دینا۔ یہ تم لوگوں کو میرا حکم ہے۔

بہت بہتر حضور۔

ماریا ناگ کو نہ پہچان سکی کیونکہ وہ بوڑھے ایلام کی شکل میں تھا۔

ناگ نے دیکھا کہ ماریا کا رنگ زرد ہو چکا تھا اور وہ پہلے سے کمزور ہو گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چاروں سپاہی ماریا کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ اب انہوں نے راتوں رات سدوم شہر کی طرف سفر

www.urdubooksfree.pk

شروع کر دیا۔ دو سپاہی ماریا کے آگے تھے دو سپاہی اس کے پیچھے تھے۔ ناگ ماریا کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا راستے میں اس نے ماریا پر یہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ بوڑھا غلام ڈیلام نہیں بلکہ اس بھائی ناگ ہے۔

رات بھر وہ سفر کرتے رہے دن کو روشنی نمودار ہوئی تو سامنے ذرا فاصلے پر دریائے اردن نظر آ رہا تھا یہ چھوٹا سا قافلہ اب دریا کے کنارے کنارے سفر کرنے لگا تھا دوپہر کے وقت دھوپ بہت تیز ہو گئی۔ اور صحرا کے تپتی ہوئی ریت پر چلنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے دریا کے کنارے ایک ایک سایہ دار جگہ پر پڑاؤ ڈال لیا۔ سپاہی گھوڑے سے اتر کر آرام کرنے لگے گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا گیا۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

بیٹی تم بھی ذرا دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔

ماریا نے نفرت سے کہا۔

خبردار جو مجھے بیٹی کہہ کر پکارا........ مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے۔

ناگ نے ادھر ادھر دیکھا۔ سپاہی کچھ فاصلے پر گپیں لگا رہے تھے ناگ نے موقع غنیمت جان کر کہا۔

ماریا بہن! تم مجھے اس شکل میں پہچان نہیں سکتیں۔ لیکن یقین کرو میں تمہارا بھائی ناگ ہوں اور بوڑھے غلام کی شکل اختیار کر کے تمہاری مدد کیلئے آیا ہوں۔ عنبر گھر پر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔

یہ بات سن کر ماریا یوں چونکی جیسے کسی نے اس کو ایک دم جھنجھوڑ دیا کر رکھ دیا ہو۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا لیکن جب ناگ نے عنبر کا نام لیا اور ماریا کے باپ کے بارے میں بتایا اور گھر کا سارا حلیہ بتایا اور تو ماریا دنگ رہ گئی۔

اس نے سرگوشی میں کہا۔

ناگ بھائی ! تم نے بوڑھے ایاام کی شکل کیسے اختیار کر لی؟

ناگ نے کہا۔

ماریا بہن ! یہ ایک راز ہے جو میں تجھ کو بعد میں بتاؤں گا۔ اس وقت تم میری بات غور سے سنو۔ میں نے تمہیں آج ہی یہاں سے واپس گھر لے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مگر یہ کام اس وقت کروں گا جب یہ سپاہی دوپہر کی دھوپ میں آرام کرتے ہوئے سو جائیں گے۔ تم تیار رہنا۔

میں تو ہر وقت تیار ہوں ۔ کاش یہ لوگ میرے بابا کو قتل نہ کرتے ۔ ناگ بھائی ! کیا تم نے میرے بابا کی لاش کو دفن کر دیا تھا؟

ناگ نے ماریہ کا دل رکھنے کیلئے کہا۔

ہاں بہن ! ہم نے تمہارے بابا کو بڑے احترام کے ساتھ قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔ مگر تم فکر نہ کرو رومی کپتان تمہارے بابا کا قاتل ہے اس

سے ہم بابا کی موت کا بدلہ ضرور لیں گے۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی قریب آگیا۔

کیا باتیں ہو رہی ہیں ایلام؟

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

سرکار بڑی مشکل سے اس کمینی عورت کو ہاتھ منہ دھونے کیلیے راضی کیا ہے۔

ہاں ہاں اس کہو کہ ہمارا حکم نہ مانا تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جاؤ دریا پر جا کر اس کا منہ دھلاؤ ہم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کریں گے۔ اور شام کو سفر پر روانہ ہوں گے۔

سپاہیوں نے دریا کنارے بیٹھ کر کھانا کھایا اور پھر سائے میں لیٹ کر آرام کرنے لگے۔ ناگ نے ماریا کو منہ ہاتھ دھلایا اور سرگوشی میں کہا۔

ٹھیک جس وقت یہ لوگ سو جائیں گے ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی ٹھنڈے سائے میں گہری نیند سو گئے یہی وہ موقعہ تھا جس کا انتظار ناگ کر رہا تھا اس نے ماریا سے کہا۔

تم گھوڑے کی اوٹ میں ہو کر چھپ جاؤ میں ابھی ان سپاہیوں کو بے ہوش کر کے آتا ہوں پھر ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ بے ہوش میں انہیں اس لئے کرنہ چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا پیچھا نہ کر سکیں۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا تم دوائی سے بے ہوش کرو گے؟

ہاں میرے پاس بے ہوش کرنے والی تیز دوائی موجود ہے۔

تم چھپ کر بیٹھ جاؤ۔

ماریا گھوڑے کے پیچھے چھپ کر لیٹ گئی۔ ناگ جھاڑیوں اور درختوں

کے عقب میں گیا یہاں اس نے بوڑھے ایلام سے اپنی شکل سانپ کے روپ میں بدلی اور رینگتا ہوا سپاہیوں کے پاس آ گیا۔ سپاہی بے فکر ہو کر سو رہے تھے۔ ایک تو وہ صحرا میں تھے۔ دوسرا انہیں معلوم تھا کہ بوڑھا ایلام ماریا کی پہرہ داری کر رہا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ فوراً انہیں جگا دے گا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ خود بوڑھا غلام سانپ کی شکل میں ان کے سر پر آن کھڑا ہوا ہے۔ سانپ نے ایک ایک کر کے سارے سپاہیوں کو ڈس دیا۔ زہر کی مقدار ان کے خون میں صرف اتنی داخل کی کہ وہ سارا دن بے ہوش رہیں۔ اس کے بعد ناگ نے جھاڑیوں میں جا کر دوبارہ بوڑھے کی بجائے اپنی شکل اختیار کی اور ماریا کے پاس آ گیا۔ ماریا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ناگ بھائی! یہ تم ہو؟ وہ بوڑھا ایلام کہاں ہے؟

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

ماریا بہن! اب مجھے بوڑھے ایلام کی شکل میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے اب میں اپنی اصلی شکل میں تمہیں اپنے ساتھ دشمنوں کے چنگل سے چھڑا کر واپس گھر لے جا رہا ہوں۔ آؤ جلدی کرو۔ ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے وقت بڑا قیمتی ہے ہم رات تک جتنی دور بھی نکل جائیں بہتر ہوگا۔

ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور گھوڑوں کو دوڑاتے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اگرچہ دھوپ بہت تیز تھی اور صحرا کی ریت تپ رہی تھی۔ وہ سفر کرتے چلے گئے کیونکہ وہ جلد سے جلد دشمنوں سے دور ہو جانا چاہتے تھے جب شام ہوگئی تو وہ صحرا سے نکل کر ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے۔ جہاں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بغیر رکے اپنا سفر جاری رکھا۔

رات گہری ہو چکی تھی وہ چلتے گئے رات کا پچھلا پہر تھا کہ گلیلی شہر کے

دور سے درو دیوار دکھائی دینے لگے۔ ستاروں کی روشنی میں شہر کی فصیل دور ہی سے نظر آ رہی تھی۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

ماریا! ہم اپنے شہر میں پہنچ گئے ہیں۔

خداوند کا شکر ہے لیکن اگر ہم اپنے گھر گئے تو وہاں سے دشمن ہمیں پھر گرفتار کر لے گا۔

فکر نہ کرو میں تمہیں اس گھر میں نہیں لے جاؤں گا ہم عنبر کے پاس اپنی نئی حویلی میں چلیں گے۔ اس کا پتہ دشمن کے سپاہیوں کو نہیں ہے۔

مگر وہاں میں کتنی دیر چھپی رہوں گی بھائی؟

یہ بعد میں سوچیں گے ابھی تو سر چھپانے کو جگہ چاہیے۔

رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے میں ناگ ماریا کو ساتھ لے کر شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں سے ہوتا ہوا عنبر کی حویلی کے دروازے پر پہنچ گیا حویلی کا دروازہ بند تھا ناگ نے آہستہ سے اپنے خاص انداز سے

دستک دی تھوڑی دیر بعد عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ناگ اور ماریا جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ عنبر نے دروازہ بند کر لیا۔

یہ تم نے بہت بہادری کا کام کیا ناگ کہ ماریا کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑا کر لے آئے۔

ماریا نے عنبر سے مل کر اپنے باپ کے بارے میں افسوس کیا اور پھر انہوں نے ماریا کو حویلی کے سب سے پچھلے کمرے میں بھیج دیا۔ تاکہ وہاں جا کر وہ باقی رات آرام سے بسر کر سکے۔

خونی پہاڑی

ماریا کے فرار کی خبر سن کر رومی کپتان آگ بگولہ ہو گیا۔

اس نے چاروں سپاہیوں کو غصے سے قتل کروادیا۔ اور خفیہ طور پہ ماریا کی تلاش کیلئے اپنے جاسوسوں کا جال پھیلا دیا۔ ٹگ نے دوسرے روز آدھی رات کو بے ہوش بوڑھے غلام کو شاہی محل کی دیوار کے پاس پھینک دیا۔ اس نے ہوش میں آ کر ساری روئیداد رومی کپتان کو سنائی۔ کپتان نے فوراً ماریا کے مکان پر چھاپا مارا مگر وہاں سوائے اڑتی ہوئی خاک کے اور کچھ نہیں تھا کپتان غصے میں پیچ وتاب کھاتا رہ گیا۔

اب وہاں ایک اور انقلاب آ گیا۔

یسوع مسیح کی نیکی اور سچائی کی تبلیغ کے خلاف بادشاہ کے خاص مذہبی یہودی پادری اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ مقدس نبی ان جھوٹے راہب یہودیوں کی برائیوں کے خلاف وعظ کرتا تھا جس سے یہودی راہبوں کا جھوٹا وقار سخت خطرے میں پڑ گیا تھا۔ لوگ ان برائیوں سے باخبر ہو رہے تھے۔ راہبوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے اور اسے یہ یقین دلایا کہ یسوع مسیح بادشاہ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھار رہا ہے جو کہ ایک بالکل بے بنیاد الزام تھا۔ مگر بادشاہ ڈر گیا کہ کہیں لوگ بغاوت کر کے اسے قتل نہ کر دیں۔ کیونکہ اس نے بھی لوگوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے تھے۔

بادشاہ نے درباریوں کی ایک چھوٹی سی مجلس بلائی جس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مقدس نبی کو بغاوت کے الزام میں صلیب پر چڑھا کر شہید کر دیا جائے۔ بادشاہ نے حضرت یسوع کی تلاش میں سپاہی روانہ کر

دیئے۔ سپاہیوں نے آدھی رات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہاڑی کے ایک باغ میں سے گرفتار کرلیا۔ دوسرے روز انہیں صلیب پر چڑھایا جانا تھا۔ ان کے لئے ایک خاص صلیب تیار کروائی گئی۔ شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ وہ بھی بیچارے بادشاہ کے ظلم وستم سے بچتے پھر رہے تھے۔ کیونکہ بادشاہ ان کے حکم سے عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔

دوسرے روز اللہ کے پیارے نبی علیہ السلام کو ایک خونی پہاڑی پر لے جاکر صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ خدا کا منشا یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچائی کے راستے میں اپنی جان کی قربانی دیں وگرنہ وہ اپنی جان بچانے کیلئے سب کچھ کر سکتے تھے لیکن خدا کے سچے نبی نے خدا کی رضامندی کے آگے سر تسلیم خم کردیا اور ہنستے مسکراتے موت کو اپنے

سینے سے لگا لیا۔

عنبر اور ناگ کو اس وقت خبر ہوئی جب خدا کا مقدس نبی شہید ہو چکا تھا اور خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا بھی ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ اس شہر کے بادشاہ نے بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ قدرت اس سے ایک گھناؤنا انتقام لینے والی تھی۔ ایک عظیم ہستی کی شہادت کے بعد شہر پر اداسی اور ویرانی سی چھا گئی تھی۔ آسمان پر اس قدر گہرا سناٹا تھا کہ آج سے پہلے کسی نے اتنا ہیبت ناک سناٹا کبھی نہ محسوس کیا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر پر کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے کوچ کر دیا جائے۔ یہاں ایک ظالم بادشاہ حکمران ہے جس نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے اور قدرت اسکا انتقام ضرور لے گی۔

ناگ نے کہا۔

لیکن ہم یہاں سے نکل کر کس طرف کو جائیں گے؟ سدوم شہر کے دروازے بھی ہم پر بند ہو گئے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

میرا ارادہ وادی سندھ کی طرف جانے کا ہے اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو بہت اچھا ساتھ رہے گا۔

مگر ماریا کا کیا بنے گا؟ اسے ہم کس کے حوالے چھوڑ کر جائیں گے؟

عنبر نے کہا۔

ہم ماریا بہن کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیوں ماریا بہن۔ تم ہمارے ساتھ چلو گی نہ۔

ماریا نے اداس لہجے میں کہا۔

بھائی عنبر۔ خداوند کے بعد اس دنیا میں سوائے آپ لوگوں کے میرا اور کون ہے؟ میں بڑی خوشی کے ساتھ اب ساری زندگی آپ لوگوں کی

خدمت میں بسر کر دینا چاہتی ہوں۔

ادھر ملک سے نکل جانے کی منصوبے بن رہے تھے اور دوسری طرف رومی کپتان کے جاسوس شہر کے گلی کوچوں میں پھیل کر ماریہ کو گھر گھر تلاش کر رہے تھے عنبر اور ناگ کا سارا دن حویلی کے باہر دکان پر بیماروں اور دکھی لوگوں کو علاج کرتے گزرتا۔ عنبر بیمار لوگوں کا علاج کرتا اور ناگ ان لوگوں کی خبر گیری کرتا۔ جنہیں سانپ نے ڈس لیا ہوتا۔ اس کے پاس سانپ کا منکا بھی تھا اور جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی دوائی بھی تھی ماریا سارا دن اپنے کمرے میں گزار دیتی شام کو وہ دونوں بھائیوں کے لئے کھانا تیار کرتی اور صبح کو ناشتہ بناتی وہ انکی ہر طرح سے خدمت کرتی۔ کبھی کبھی اس کا دل گھبرا جاتا اور باہر نکل کر اپنے باپ کی قبر پر جانے کو اسکا دل مچلتا لیکن اسکا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا یہ سوچ کر وہ خاموش ہو جاتی۔ ایک دو بار اسے عنبر اور

ناگ سے کہا بھی کہ وہ اسے باپ کی قبر پر لے جائیں۔ مگر انہوں نے ٹال دیا۔ اسلئے کہ ماریا کے باپ کی قبر کہیں بھی نہیں تھی۔

عنبر نے شمالی افریقہ کی ایک حبشن عورت ماریا کی خدمت گاری اور ہاتھ بٹانے کیلئے نوکر رکھ چھوڑی تھی۔ یہ حبشن عورت بڑی کم گو اور دیانت دار تھی مگر اسے اپنی غریبی کا بڑا احساس تھا۔ وہ اکثر ماریا سے کہا کرتی تھی کہ افریقہ میں وہ اپنا مکان بنا کر باقی زندگی سکون سے بسر کرنا چاہتی ہے۔

مگر میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں اپنے وطن جا کر مکان بنا سکوں۔ ویسے لگتا ہے کہ پردیس میں ہی مجھے موت آئے گی۔

اور میں پردیس میں مرنا نہیں چاہتی۔

حبشن عورت ایک ایک پائی کر کے پیسے جوڑ رہی تھی۔ اس خیال سے کہ جب پیسے ہو جائیں گے تو وہ اپنے وطن میں واپس چلی جائی

گی۔ رومی کپتان کے جاسوس ہوتے ہوتے عنبر کی حویلی تک بھی پہنچ گئے۔ ایک جاسوس غریب آدمی بن کر عنبر کی دکان پر آیا اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر اس نے وہاں کھانے پینے اور روٹی کپڑے کے عوض ملازمت اختیار کر لی۔ عنبر اس کی باتوں میں آ گیا۔ اور ترس کھا کر اسے نوکر رکھ لیا۔

جاسوس نے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم کر لیا کہ عنبر کی حویلی کے اندر ایک لڑکی بھی رہتی ہے جس کو عنبر اور ناگ بہن کہتے ہیں یہ خبر اس نے رومی کپتان کو پہنچا دی رومی کپتان نے کہا۔

یہ وہی بدمعاش ہیں۔ ماریا ضرور ان لوگوں کے پاس ہی ہو گی۔

جاسوس اس ٹوہ میں رہنے لگا کہ وہ ماریہ سے ملاقات کر کے کسی طریقے سے اس کا نام وغیرہ معلوم کر سکے۔

اتفاق سے ایک روز عنبر کسی مریض کو دیکھنے اسکے گھر گیا ہوا تھا۔ ناگ

بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ جاسوس نے باتوں ہی باتوں میں ماریا سے اس کا سارا راز معلوم کر لیا۔ پھر اس نے حبشن عورت کو پھانس لیا جو کہ ماریا کی حفاظت کے لئے رکھی گئی تھی۔ اس نے حبشن کو راضی کر لیا تھا کہ اگر وہ کسی طرح ماریا کو اس کے گھر پہنچا دے تو وہ اسے اتنی دولت دے دے گا جس سے وہ افریقہ اپنے وطن چلی جائے گی اور وہاں اپنا مکان بھی بنوا سکے گی۔ حبشن جاسوس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی۔ اس نے جاسوس سے حامی بھر لی کہ وہ ماریا کو اس کے گھر پہنچا دے گی۔ چنانچہ ایک روز جب گھر پر کوئی نہیں تھا۔ حبشن نے ماریا سے کہا کہ اس کا فرض ہے کہ کبھی اپنے باپ کی قبر پر جا کر دعا بھی مانگا کرے۔ وہ کیسی بیٹی ہے کہ کبھی اپنے باپ کو یاد نہیں کرتی۔

ماریا نے کہا۔

اماں! میں نے تو کئی بار اپنے بھائیوں سے کہا ہے کہ مجھے باپ کی قبر پر

لے جاؤ مگر وہ میری سنتے ہی نہیں۔

حبشن بولی۔

نہ بیٹی! اس طرح تمہارے باپ کی قبر بھاری رہے گی۔ تمہارا فرض ہے کہ اپنے باپ کی قبر پر جا کر اس کی روح کو ثواب پہنچاؤ۔

مگر اماں میں وہاں کیسے جاؤں؟

حبشن نے جھٹ کہا۔

تم میرے ساتھ چلی چلو........ ابھی چلو...... گھر میں کوئی نہیں ہے تمہارے بھائی باہر گئے ہیں۔ ہم جلدی سے قبر پر سے ہو کر واپس آ جائیں گے۔

ماریہ نے کہا۔

اگر بھائیوں کو پتہ چل گیا تو وہ بڑے ناراض ہوں گے۔

حبشن بولی! یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی انہیں کیسے پتہ چلے ان کے آنے

سے پہلے پہلے تو ہم واپس آ جائیں گے۔ میں تو کہتی ہوں ابھی اٹھ کر میرے ساتھ چلو پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔

آخر حبشن نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے ماریا کو اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر ہی لیا۔ بیوقوف ماریا نے ذرا بھی دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور کپڑا اوڑھ کر حبشن کے ساتھ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

حبشن اسے لے کر سیدھی جاسوس کے گھر آ گئی۔ یہاں کپتان کے سپاہی پہلے سے ہی موجود تھے انہوں نے فوراً ماریا کو قابو میں کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاسوس نے حبشن کو بہت سے روپے دے کر سپاہی کے ساتھ بندرگاہ کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں سے وہ جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن روانہ ہو سکتی تھی۔ ماریا اب لگی رونے پیٹنے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا یہ تو اسکو پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔ کہ کسی غیر عورت یا کسی غیر مرد پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔

عنبر اور ناگ واپس حویلی میں آئے تو انہوں نے نوکر کو آواز دی مگر وہاں نہ تو بوڑھا نوکر تھا اور نہ نوکرانی حبشن تھی اور نہ ہی ماریا۔

دونوں دوست سر پیٹ کر رہ گئے۔ ماریا کو ایک بار پھر دشمن نے اغوا کر لیا تھا انہوں نے دکان بند کی اور شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر ماریا کی تلاش شروع کر دی مگر ایسے میں ماریا بھلا ڈھونڈی جا سکتی تھی وہ تو اس وقت شہر کے باہر ایک ویران حویلی میں قید رو رہی تھی۔ اور کوٹھڑی کے باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

اسی رات رومی کپتان کے چھ آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور ماریا کو لے کر سمندر کے کنارے آ گئے یہاں ایک بادبانی جہاز چلنے کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جب سپاہی ماریا کو لے کر جہاز کے پاس آئے تو اوپر سے ایک بھاری بھر کم موٹے پیٹ والا یہودی نیچے

اترا۔ سپاہی نے اس سے اشرفیوں کی تھیلی تھامی اور ماریا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس یہودی بردہ فروش نے ماریا کو سونے کی اشرفیوں خرید لیا تھا۔

یہودی بڈھا ماریا کو گھسیٹتا ہوا جہاز پر لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کے بادبان کھول دیئے گئے لنگر اٹھا دیا گیا اور جہاز نے کھلے سمندر کی طرف آہستہ آہستہ سفر شروع کر دیا ماریا کو بڈھے یہودی نے لکڑی کے کیبن میں بند کر کے تالا لگا دیا اور باہر قالین پر لیٹ گیا۔ اور اس کے غلام اس کی خدمت کرنے لگے۔ یہ جہاز جس پر بڈھا یہودی سوار تھا خلیج فارس کی ایک بندرگاہ سے ہو کر ملک سندھ کی طرف جا رہا تھا......... بڈھا یہودی گرم شالوں قالینوں کی تجارت کرتا تھا وہ سندھ میں ایک بہت امیر کبیر آدمی سوداگر سے ملنے جا رہا تھا۔

دو دن دو راتیں بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا اس عرصے میں ماریا کو اچھی سے اچھی خوراک کھانے کو دی گئی۔ ماریا نے زہر مار کر کے کھایا اور عنبر اور رتناگ کو یاد کر کے خون کے آنسو بہاتی رہی بڈھا یہودی اسے ایک پل کے لئے بھی کیبن سے باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔ چھٹے روز بادبانی جہاز سندھ کے شہر کے ساتھ جا لگا۔ ان دنوں سارے ہندوستان کو سندھ ہی کہا جاتا تھا۔ کوئی ڈیڑھ ہزار سال بعد ایران والوں نے سندھ کی "س" کو بدل کر "ہ" لگا دی اور سندھ کو ہند بن گیا۔

بڈھا یہودی ماریا کو لے کر ایک سرائے میں آ گیا اس نے اپنی کنیز سے کہا۔

اس لڑکی کو نہلا دھلا کر نئی قیمتی پوشاک پہناؤ۔

شام تک کنیز نے ماریا کو نئے کپڑے پہنا دیئے۔ بڈھا یہودی اسے

ساتھ لے کر رتھ پر سوار ہو کر اور سندھ میں امیر کبیر دوست کی حویلی میں پہنچ گیا یہ سیٹھ بہت بڑا سوداگر تھا اور بڈھے یہودی کو وہاں سے بہت بڑا منافع ملنے کی امید تھی۔ سیٹھ کی حویلی میں بہت سے غلام اور کنیزیں کام کرتی تھیں۔ حویلی ایک چھوٹا محل بنی ہوئی تھی۔ بڈھے یہودی نے سیٹھ کی خدمت میں حاضر ہو کر جھک کر سلام کیا اور کہا۔

امید ہے کہ سرکار کے مزاج اچھے ہوں گے۔

سیٹھ نے مسکرا کر کہا۔

ہانبل! تمہیں دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ کب ہمارے شہر آنا ہوا۔؟

یہودی نے بتایا کہ میں آج ہی آیا ہوں سیٹھ نے پوچھا۔

راستے میں کوئی طوفان تو نہیں آیا؟ سفر اچھا گذر گیا؟

آپ کی دعاؤں سے سفر بخیر و خوبی گذر گیا حضور۔

اس کے بعد بڈھے یہودی نے اشارہ کیا۔ کنیزیں ماریا کو لے کر سیٹھ کے سامنے حاضر ہو گئیں۔ سیٹھ نے ماریا کو دیکھ کر کہا۔

یہ لڑکی کون ہے ہانتل؟

حضور! یہ میں آپ کی خدمت کے لئے لایا ہوں۔ آپ کی کنیز بن کر یہ آپ کے محل میں رہے گی اور آپ کی خدمت کرے گی۔ سیٹھ نے ماریا کو غور سے دیکھا اور کہا۔

لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ ہم اس کو کنیز نہیں بلکہ اپنی ملکہ بنائیں گے اس سے شادی کریں گے۔

بڈھا یہودی اگلے دن واپس چلا گیا۔ سیٹھ نے اسے بہت بڑا انعام دیا۔ اسی روز سیٹھ نے ماریہ کے ساتھ اپنی شادی کا اعلان کر دیا اور محل میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس خاندان کی رسم تھی کہ تیاریاں ایک مہینے تک جاری رہتیں ایک مہینے کے بعد شادی ہو جاتی

تھی ۔ ماریہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہے وہ اسے بڈھے اور کالے کلوٹے سیٹھ سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتی تھی ۔ شادی کے بعد وہ ملکہ بن کر ساری زندگی وہاں قید ہوکر رہ جاتی ۔ وہ محل کے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی ۔ پھر کوئی دوسرا اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتا تھا ماریا کو اپنے بھائیوں کی یاد ستانے لگی اس نے خدا سے دعا کی کہ وہ اسے جلد اسکی بھائیوں سے ملا دے ۔

شادی کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں ۔ دس روز گذر چکے تھے شادی میں بیس دن رہ گئے تھے ۔ ماریا نے سوچا کہ وہ کسی کو اپنا ہم راز بنائے کسی کی سامنے اپنا دکھ بیان کرے ۔ اسے وہاں کوئی بھی اپنا نظر نہیں آتا تھا ۔ وہاں سبھی اسے دشمن معلوم ہوتے تھے ایک کنیز ماریا کے ساتھ بڑی ہمدردی کے پیش آتی تھی ۔

وہ بڑی دردمند اور ہمدرد دل رکھنے والی کنیز تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اس کنیز کے ساتھ بات کرنی چاہئے۔ ایک دن ماریا نے باتوں ہی باتوں میں اپنی بدنصیب زندگی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ماریا کی داستان غم سن کر ماریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بے چاری کنیز کی اپنی زندگی بھی دکھوں سے بھری ہوئی تھی۔

اسے بھی ایک عرصہ ہو گیا ماریا کی طرح اغوا کر کے سیٹھ کے محل میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اس نے ماریا سے کہا کہ۔

پیاری بہن! میں تو اب بوڑھی ہونے لگی ہوں میری زندگی جیسی بھی تھی یہاں گذر گئی جو تھوڑی بہت باقی رہ گئی ہے وہ بھی گذر جائے گی مگر میں تمہاری زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

ماریا نے کہا۔

تو بہن پھر خدا کے لئے میری مدد کرو میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں

گی۔

کنیز نے کہا۔

یہی میں سوچ رہی ہوں کہ تمہاری مدد کس طرح سے کی جائے۔

ماریا کہنے لگی۔

شادی میں تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے کسی طرح اس ظالم سیٹھ کی پنجے سے بچالو.........۔

کنیز نے گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ماریا سے کہا۔

پیاری بہن! میں اس وقت یہ کر سکتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکال کر دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں میں اپنی ایک سہیلی کے پاس پہنچادوں۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ آگے کون سا قدم اٹھائیں۔

مجھے منظور ہے بہن۔

بہت اچھا.........یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

کبھی نہیں۔

کنیز اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور ماریا ایک بار پھر آزادی کے خواب دیکھنے لگی۔ اسے کنیز کی باتوں سے خلوص کی مہک آ رہی تھی۔

عذاب الٰہی

آخر شہر پر عذاب الٰہی کے بادل چھانے لگے۔

جس شہر نے خدا کے بزرگ کو شہید کر دیا تھا وہ قدرت کے انتقام سے کیسے بچ سکتا تھا۔ عنبر اور ناگ نے اس شہر کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ مگر انہیں ماریا کا کہیں نام ونشان نہیں ملا تھا۔ عنبر نے کہا۔

میں ایک آخری ملاقات رومی کپتان سے کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس نے بھی ماریا کو پتہ نہ بتایا تو تو پھر اس شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر ملک سندھ کی طرف کوچ کر جائیں گے۔

اپنے سپاہیوں کے پاس بیٹھا کسی بات پر غور کر رہا تھا اس نے عنبر اور ناگ کو آتے دیکھا تو نفرت سے بولا۔

کمینے آدمیو! تم میرے قلعے میں کیا لینے آئے ہو؟

عنبر اور ناگ اس طرز گفتگو سے پریشان سے ہو گئے۔ ناگ کو سخت غصہ آیا۔ مگر عنبر نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور رومی کپتان سے بولا۔

ہم آخری بار آپ سے اپنی گم شدہ بہن کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ آپ نے جو بدلہ لینا تھا وہ لے چکے۔ اب ہمیں بڑی مہربانی اتنا بتا دیں کہ ماریا کس ملک کی طرف گئی ہے وہاں جا کر ہم خود در بدر کی ٹھوکریں کھائیں گے اور اپنی بہن کو ڈھونڈ لیں گے۔

رومی کپتان آگ بگولہ ہو گیا۔

“ذلیل لوگو! تم مجھ پر ایک عورت کے اغوا کا الزام لگاتے ہو۔ اچھا اگر

یہ بات ہے تو میں نے اسے اغوا کیا ہے اور قتل کر دیا ہے۔ تم کو جو کرنا ہے تم ساری زندگی بھی خاک چھانتے پھرو تو ماریا کی ایک ہڈی تک نہ تلاش کر سکو گے۔

عنبر اور ناگ سمجھ گئے کہ اس نے ہماری بہن کو ہلاک کر دیا ہے وہ خاموشی سے واپس آ گئے سارا دن وہ سوچتے رہے کہ رومی کپتان سے کیسے اپنی بہن کی موت کا بدلہ لیا جا سکے۔ عنبر دوسرے روز وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ناگ نے کہا۔

جب تک میں اس ظالم کپتان سے اپنی بہن کا بدلہ نہ لوں گا واپس نہیں جاؤں گا۔

چنانچہ آدھی رات کو عنبر اور ناگ اپنی حویلی کو الوداع کہہ کر شہر کے باہر آ گئے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔ وہ اسی جگہ ٹھہر کر اس کا انتظار کرے۔

تم کہاں جا رہے ہو۔

کپتان سے اپنی بہن کا بدلہ لینے۔

عنبر اسے دیکھتا ہی رہ گیا اور ناگ رات کے اندھیرے میں گھوڑا دوڑاتا ہوا گم ہو گیا۔ وہ سیدھا رومی کپتان کے قلعے کے باہر آ گیا۔ رات اس قدر اندھیری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا آسمان پر ستارے بھی بہت کم چمک رہے تھے۔ اس بات کو عنبر ناگ بہت دنوں سے محسوس کر رہے تھے کہ شہر میں اندھیرا بہت زیادہ ہونے لگا ہے دن کو بھی سورج کے آگے بادل کے ٹکڑوں سے ایک غلاف سا بنا رہتا۔ جسکی وجہ سے دن کو پوری روشنی نہیں ہوتی اور رات کو ستارے بہت کم چمکتے ہیں۔

آج بھی اسی قسم کی رات تھی ستارے بھی بہت ہی کم نکلے ہوئے تھے۔ قلعے کی فصیل سیاہ سائے کی طرح سامنے کھڑی تھی۔ مگر اس اندھیرے میں ناگ کو ہر شے صاف صاف دکھائی دے رہی تھی اس

لیے کہ اس کی آنکھ سانپ کی آنکھ تھی اور سانپ اندھیرے میں بھی دیکھ لیتا ہے۔ ناگ نے گھوڑے کو ایک جگہ چھوڑ دیا اور خود قلعے کی فصیل کے ساتھ ساتھ ہو کر دروازے کی طرف چل پڑا۔ کیونکہ کپتان کا گھر بھی اسی طرف تھا۔ دروازے پر دونوں جانب مشعلیں روشن تھیں اور پہریدار چاق و چوبند کھڑے پہرا دے رہے تھے۔ ناگ دروازے کی قریب جا کر ایک طرف ہٹ کر سائے میں کھڑا ہو گیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اسے یہاں کوئی نہیں دیکھ رہا تو اس نے پلک جھپکنے میں کالے سیاہ سانپ کی شکل اختیار کر لی۔ اور دیوار کے اوپر سے ہو کر دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ اب وہ دروازے کے نیچے سے ہو کر اندر جانے کی بجائے دروازے کے اوپر سے ہو کر قلعے کے اندر داخل ہو رہا تھا سپاہیوں نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ پہریداروں کی بھی اس پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی کیونکہ وہ تو ان

کے سروں کے اوپر سے ہو کر جا رہا تھا۔

سانپ قلعے میں داخل ہو کر سیدھا کپتان کے کمرے کی طرف نکل گیا۔

رومی کپتان کی بارہ دری کے آگے بھی ننگی تلواروں والے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ مگر ناگ کو ان سے کیا لینا دینا بھلا وہ اپنی ہی دھن میں مگن رومی کپتان کے کمرے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اس کے کمرے کے باہر پہنچ گیا جس کے اندر کپتان سو رہا تھا۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی ناگ چپکے سے ایک دوازے سے نکل کر کپتان کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کپتان پلنگ پر بے سدھ ہو کر سو رہا ہے۔ سانپ اسے بے خیالی میں نہیں مارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دشمن کو پہلے معلوم ہو کہ اسے سامنے کون کھڑا ہے اور اس نے کس شخص کو للکارا ہے چنانچہ ناگ نے

جان بوجھ کر ستون کے ساتھ کھڑے ہوئے تانبے کے ایک بت کو دھکا مار کر گرا دیا۔ بت کے گرنے سے شور پیدا ہوا۔ کپتان کی آنکھ کھل گئی اس نے زور سے آواز دی۔

کون ہے الو کا پٹھا؟

ناگ اچانک پھن پھیلا کر سامنے آن کھڑا ہوا۔ پہلے تو رومی کپتان ڈر گیا پھر اس نے جلدی سے تلوار اٹھائی اور سانپ پر وار کر دیا۔ ناگ اپنا آپ بچا کر پردے کے پیچھے ہو گیا۔ پردے میں آتے ہی سانپ آگے نکل گیا اور اس نے ایک زوردار پھنکار ماری اور ایک بہت بڑے ہاتھی کی شکل میں کپتان کے سامنے آ گیا۔ کپتان تو کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ وہ کبھی وہم میں بھی یہ بات نہ لا سکتا تھا کہ اس کے سونے کے کمرے میں ہاتھی بھی آ سکتا ہے اور پھر یہ ہاتھی پہلے ایک سانپ تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ہاتھی بنا تھا۔

ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور اس نے اپنی سونڈ میں کپتان کا پلنگ اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ پلنگ کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ پھر ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے پھنکار ماری اور ایک خونخوار شیر بن گیا۔ کپتان آنکھیں ملنے لگا۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا ہونے والا ہے ابھی اس نے ایک سیاہ ناگ کو دیکھا تھا جو اپنا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ وہ پردے میں بھاگ گیا اور پھر وہاں سے ایک ہاتھی باہر نکل آیا۔ ابھی وہ ہاتھی کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک خونخوار شیر بن گیا۔ اور اب ایک شیر اس کے سامنے کھڑا اسے وحشی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے غرا رہا تھا۔ کپتان نے تلوار ہاتھ میں لے کر شیر پر حملہ کرنا چاہا مگر شیر کی آنکھوں میں جانے کون سا جادو تھا کہ اس کے ہاتھ لرزنے لگے اور تلوار گر کر دور جا پڑی۔

شیر نے کپتان کے ٹوٹے ہوئے پلنگ کے گرد چکر لگانے شروع

کر دیئے۔ پھر وہ ایک جگہ ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ستون سے لگ کر ایک زوردار پھنکار ماری اب وہ اسکے سامنے ایک انسانی روپ میں کھڑا تھا۔ کپتان نے تلوار اٹھالی۔

ناگ نے کہا۔

اگر تم نے مجھ نہتے پر حملہ کیا تو تلوار میرے جسم تک پہنچنے سے پہلے پہلے تمہاری گردن اپنے آپ کٹ کر زمین پر گری ہو گی۔

کپتان وہیں رک گیا کیونکہ اس نے اس سے پہلے بہت کچھ ہوتا دیکھ لیا تھا ناگ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا اور پھر ایک لمبا زرد رنگ کا سانپ کپتان کی طرف اچھال دیا۔ زرد سانپ نے لپک کر کپتان کی گردن کے ارد گرد پھندا سا ڈال کر کسنا شروع کر دیا۔ کپتان زمین پر پڑا دونوں ہاتھوں سے زرد سانپ کی گرفت ڈھیلا کرنے لگا۔ مگر وہ گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ کپتان کی انگلیاں درد کرنے

لگیں۔ ناگ نے کہا۔

سن! اے پتھر دل کپتان جس پیلے سانپ کو میں نے تمہاری گردن کے گرد پھندا بنا کر ڈال دیا ہے اسے تم اپنی جگہ سے ایک ذرہ بھی نہ ہلا سکو گے۔

کپتان نے خشک آواز میں پوچھا۔

تم کیا چاہتے ہو؟

ناگ نے کہا۔

سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے بتاؤ ماریا کہاں ہے؟

کپتان نے کہا۔

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اسے ایک بڈھے یہودی کے ہاتھ فروخت کروا دیا تھا۔

وہ بڈھا یہودی کون تھا؟

ایک سوداگر تھا جو جہاز پر سوار تھا۔

وہ کدھر جا رہا تھا؟

یہ مجھے نہیں معلوم۔

جھوٹ بکتے ہو۔

سانپ نے کپتان کے گرد اپنا پھندا کسنا شروع کر دیا۔ کپتان کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ اسنے گڑگڑا کر کہا۔

دیوتاؤں کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ وہ بڈھا یہودی کون تھا۔ اور اسے کہاں لے گیا؟

ادھر کپتان کی خواب گاہ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری جانب ایک پہریدار گشت لگاتا ہوا وہاں سے گذرنے لگا تو اس کمرے کے اندر سے آوازیں سنائی دیں۔ ایک بار تو اسے ہاتھی کی آواز سنائی دی وہ ڈر سا گیا۔ اس نے دروازے کے نیچے سے اندر جھانکا تو حیران رہ

گیا ایک ہاتھی کپتان کے کمرے میں کھڑا تھا۔ اور کپتان اس کے سامنے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے فوراً جا کر سپاہیوں کو اطلاع دی جس وقت پیلا سانپ کپتان کی گردن کے گرد پھندا کس رہا تھا اس وقت سپاہیوں کا ایک دستہ نمودار ہوا اور اس نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔

جناب دروازہ کھولیں۔ دروازہ کھولیں۔

کپتان نے ناگ سے کہا۔

اب تم بھی بچ کر نہیں جا سکو گے۔ میرے سپاہی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ناگ نے قہر آلود نظروں سے کپتان کی طرف دیکھ کر کہا۔

میری بہن کے باپ کے قاتل! اس سے پہلے کہ تمہارے سپاہی اس کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر آئیں تم مر چکے ہو گے۔

کپتان نے چیخ کر کہا۔

بچاؤ.........بچاؤ.........

ناگ نے پھنکار مار کر سیاہ کالے سانپ کی شکل اختیار کی اور اپنا چوڑا پھن پھیلا کر کپتان کی طرف بڑھا اب کپتان اگر گردن والے سانپ کو چھوڑ کر زمین پر اس کی طرف آنے والے سانپ کو پکڑے تو گردن والا سانپ اس کی گردن مروڑ دے گا۔ وہ خوف سے لرز اٹھا۔ مگر وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ سپاہیوں نے آدھا دروازہ توڑ دیا تھا۔ اور اب وہ کسی بھی وقت اندر گھسنے ہی والے تھے سانپ نے آگے جھک کر کپتان کی پنڈلی پر ڈس دیا ایک بار ڈسنے کے بعد سانپ نے دوسری پنڈلی پر پھر ڈس دیا۔ زہر اس قدر خطرناک تھا کہ دونوں پنڈلیاں ایک دم نیلی پڑ گئیں۔ گردن کے قریب زرد سانپ پر کپتان کی گرفت سخت ہو گئی۔ زرد سانپ نے اس کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔

کپتان کے ناک منہ، کان سے نیلے رنگ کا خون جاری ہوگیا۔ اس کا سارا جسم پہلے نیلا ہوا پھر سیاہ اور اسکے بعد وہ پھول کی طرح پھٹنا شروع ہوگیا۔ اس وقت سپاہی دروازہ توڑ چکے تھے۔ وہ لپک کر اندر آگئے۔ اور کپتان کی لاش کی طرف بڑھے اس دوران میں سانپ پردے کے پیچھے ہوتا ہوا چپکے سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر آکر وہ قلعے کی فصیل کے ساتھ رینگتا ہوا درختوں کے جھنڈ میں اسی جگہ پر آگیا جہاں اس کا گھوڑا بندھا تھا یہاں پہنچ کر اس نے دوبارہ انسانی شکل اختیار کی اور واپس عنبر کی طرف چل پڑا۔

عنبر شہر سے باہر اس کا انتظار کر کے تھک گیا تھا۔ اس نے ناگ کو آتے دیکھا تو اس سے پوچھا۔

اس کا کیا ہوا؟

ناگ نے کہا۔

اس کا ملیدہ کر دیا ہے۔ میں نے اپنی بہن کا بدلہ لے لیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

اس نے ماریا کے بارے میں کچھ بتایا کیا؟

صرف اتنا کہ ایک بڈھے یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا ہے۔ جو کہ ایک بحری جہاز پر سوار تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماریا سمندر کا سفر کر کے ملک سے باہر جا چکی ہے۔

ظاہر تو یہی ہوتا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم ایک نہ ایک دن اپنی بہن کو ضرور تلاش کر لیں گے ...... آؤ اب چلیں مجھے اب اس شہر سے خوف آنے لگا ہے۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ زمین اچانک کانپنے لگی۔ عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چپکے سے گھوڑوں پر سوار ہو کر

چل پڑے۔ مگر تھوڑی ہی دور جا کر گھوڑے خوف زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اب زمین زیادہ زور سے ہل رہی تھی۔ اور زمین کے اندر ہلکی ہلکی سی گڑگڑاہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

زلزلہ آ رہا ہے۔

زلزلہ نہیں ناگ! خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔ خدا سے معافی مانگو.......۔

دونوں آسمان کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ زمین اب دائیں سے بائیں ہل رہی تھی شہر کی طرف سے لوگوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ آدھی رات کو پرندے درختوں سے اڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔ شہر کی فصیل پر زمین سے اٹھی ہوئی گرد کا بادل چھا رہا تھا۔ زمین کے اندر گڑگڑاہٹ کی آواز زیادہ خوف ناک ہو گئی تھی شہر کی فصیل ایک بھیانک شور کے ساتھ زمین پر

آن گری۔ اس کے ساتھ ہی شہر کے اندر مکانوں نے دھڑام دھڑام ایک دوسرے کے اوپر گرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ ناگ نے عنبر سے کہا ہمیں جس قدر جلد ممکن ہو جہاں سے نکل جانا چاہئے۔ اتنے میں شہر میں آگ لگ گئی۔ یہ آگ شعلے بن کر ایک طرف بلند ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سارے ویران شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آگ طوفان، بھونچال، اور خوفناک آندھی ...... شہر برباد ہو گیا تھا۔ خدا کا عذاب اس شہر پر نازل ہو چکا تھا جس نے خدا کے نیک نبی کو صلیب پر چڑھایا تھا شاہی محل سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عنبر اور ناگ نے آخری بار ظالم شہر کو برباد اور ویران ہوتے دیکھا۔ زمین نے ہلنا کم کر دیا تھا۔ گڑگڑاہٹ بھی رک گئی تھی شہر کھنڈر بن کر آگ میں سارے کا سارا جل رہا تھا ہزاروں لوگ جل کر راکھ ہو گئے تھے

عنبر اور ناگ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک آخری نظر ویران شہر پر ڈالی اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

انکی منزل سندھ کی وادی تھی۔

☆☆☆☆

بد روحوں کے مسکن کے بعد حیرت انگیز واقعات پڑھنے کیلئے کالا طوفان پڑھیں جو موت کے تعاقب سیریز کے سولواں ناول ہے۔

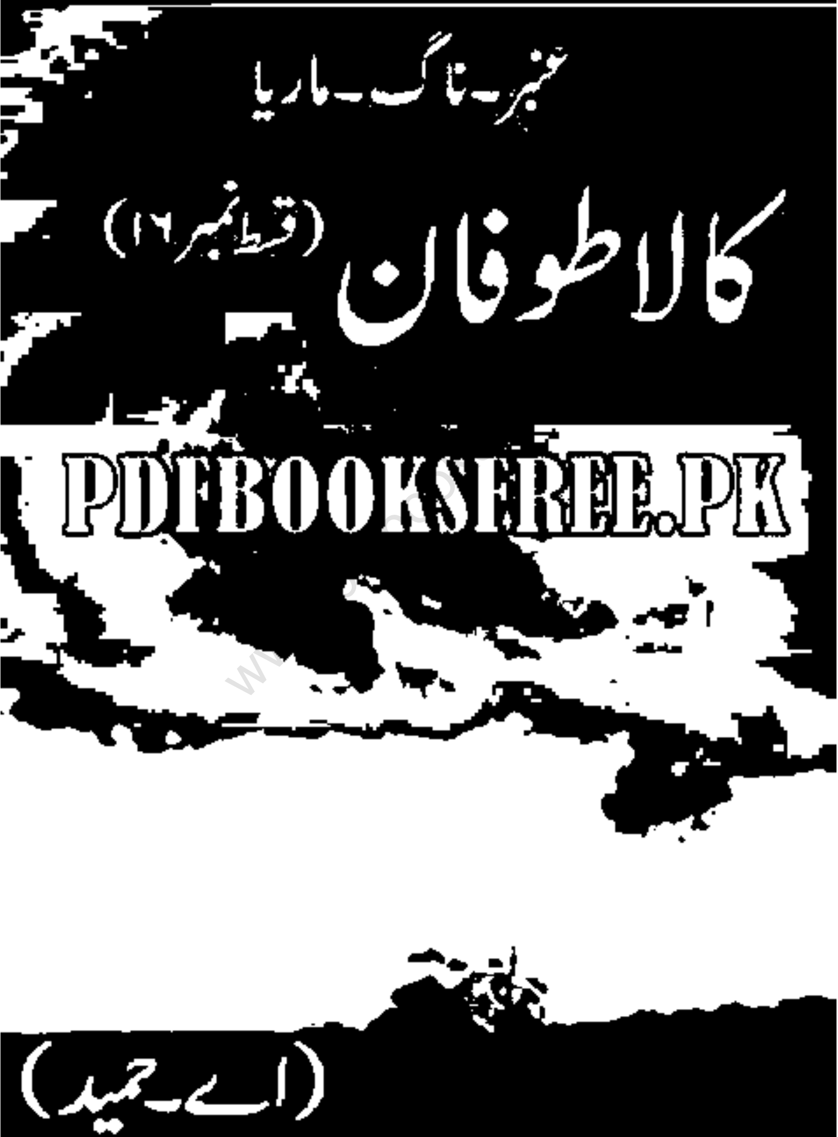

عنبر۔ ناگ۔ ماریا

کالا طوفان

(قسط نمبر ۱۶)

(اے۔ حمید)

فہرست

۱۔ کالا طوفان

۲۔ سانپ کی موت

۳۔ عیار کنیز

۴۔ خوف ناک چہرہ

۵۔ طوفانی لہریں

۶۔ بھوتوں کا حملہ

۷۔ جہاں لاشیں جلتی ہیں

۸۔ لال رومال

۹۔ بچے کی قربانی

۱۰۔ موت کا سفر

کالا طوفان

بندرگاہ پر پہنچ کر دونوں دوست ایک سرائے میں جا اترے۔

انھیں معلوم ہوا کہ اگلے روز شام کو ایک بادبانی جہاز وہاں سے سمندر کے راستے ملک سندھ کو روانہ ہو رہا ہے ایک رات سرائے میں قیام کرنے کے بعد انہوں نے گھوڑوں کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا جہاز کے امیر کو سفر کا کرایہ ادا کیا اور تیسرے پہر جہاز میں آ کر سوار ہو گئے دوسرے مسافر بھی جہاز پر چڑھ رہے تھے سامان لادا جا رہا تھا۔ مزدور بڑے بڑے گٹھر اٹھائے جہاز کے عرشے پر ایک طرف لگا رہے تھے وہاں کافی شور مچا تھا عنبر اور ناگ عرشے کے تختے پر قالین بچھا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرتے ہوئے مسافروں کو تکنے لگے ہر قسم کے

مسافر سوار ہو رہے تھے کوئی حبشی تھا کوئی مصری تھا کوئی قبطی تھا اور کوئی چینی تھا عورتیں اور بچے بھی جہاز پر سوار ہو رہے تھے عنبر نے ایک قبطی کو دیکھا کہ اسکا سر منڈا ہوا تھا اور گول مٹول جسم اس نے سیاہ رنگ کی چادر میں چھپا رکھا تھا وہ ادھیڑ عمر کا تھا اور شکل و صورت سے بڑا ہوشیار نظر آتا تھا عنبر نے ناگ سے کہا۔

یہ قبطی مجھے کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے۔

ناگ نے بھی اس پر اسرار شکل والے قبطی کو دیکھا اور عنبر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

وہ بھی ہمیں غور سے دیکھ رہا ہے شاید اسے جادو کے زور سے ہماری خفیہ طاقت کا راز معلوم ہو گیا ہے۔

عنبر نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ دوبارہ پیدا ہو کر اس دنیا میں آ جائے تو پھر بھی اسے ہماری خفیہ

طاقت کا راز معلوم نہ ہو سکے گا۔

قبطی اتر کر جہاز کے نچلے حصے میں چلا گیا سورج نے مغرب میں غروب ہونا شروع کر دیا۔ سمندر پر اسکی سنہری روشنی پھیل گئی جہاز کے امیر نے بگل بجوا کر جہاز کے چلنے کا پہلا اعلان کر دیا مسافروں میں تیزی آگئی نیچے سے مسافر جلدی جلدی اوپر چڑھنے لگے مزدوروں میں بھی پھرتی آ گئی جہاز کا کپتان یعنی امیر ایک داڑھی والا بوڑھا شخص تھا جس کے چہرے کا رنگ۔ سمندری ہواؤں کی مار کھا کھا کر گہرا سانولا ہو گیا تھا اس نے عرشے کے تختوں پر چل پھر کر لوگوں کو جلدی جلدی اپنے اپنے ٹھکانوں پر بیٹھ جانے کے لئے کہا جب سورج کا سنہری تھال۔ سمندر میں ڈوبنے لگا تو ملاحوں نے لکڑی کے مستول سے لپٹے ہوئے بادبانوں کو کھولنا شروع کر دیا جن رسوں سے جہاز کو بندر گاہ کے ستونوں کے ساتھ کس کر باندھا گیا تھا انھیں کھول کر جہاز کے

اوپر اچھال دیا گیا بادبانوں کے کھلتے ہی ان میں ہوا بھرنی شروع ہو گئی جہاز کی روانگی کا بگل بجا دیا گیا۔

اسکے ساتھ ہی جہاز نے ساحل سے ہٹنا شروع کر دیا جو لوگ اپنے اپنے عزیزوں کو چھوڑنے آئے تھے وہ ہاتھ ہلانے لگے جہاز پیچھے ہٹتا چلا گیا اس زمانے کے جہاز اتنے تیز رفتار نہیں ہوتے تھے پھر بھی اگر ہوا تیز ہوتی تو وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا کرتے تھے ہوا معمولی سی تیز تھی چنانچہ جہاز تھوڑی ہی دیر بعد بندرگاہ سے نکل کر کھلے سمندر میں آگیا یہ خلیج فارس کا سمندر تھا جو اس زمانے میں بھی کافی خراب تھا یعنی ہر موسم میں وہاں لہریں اچھلتی رہتی تھیں جہاز کا کپتان بڑا ماہر اور تجربہ کار تھا وہ جہاز کو بڑی ہموار رفتار کے ساتھ کھلے سمندر میں لے گیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور سمندر پر رات کے سائے پھیل رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے رات ہو گئی اور سمندر پر ہر طرف اندھیرا چھا گیا جہاز

پر چراغ اور مشعلیں روشن کر دی گئیں عنبر اور ناگ نیچے کھانا کھانے چلے گئے کھانے کی بڑی سی لکڑی کی میز پر مسافر بھی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے یہ دونوں دوست بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے انھوں نے مچھلی اور ابلے ہوئے چاول منگوائے اور باتیں کرتے ہوئے مزے سے کھانے لگے۔

اتنے میں وہاں وہ پراسرار قبطی بھی آ گیا۔

شاید جان بوجھ کر وہ عنبر اور ناگ کے قریب آ کر بیٹھا تھا تینوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا اور خاموش رہے قبطی نے مسکرا کر پوچھا۔

میرے بچو! تم کہاں تک سفر کر رہے ہو۔؟

ناگ نے کہا۔

ہم ملک سندھ جا رہے ہیں۔

قبطی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ بہت خوب سفر کٹے گا لیکن آپ لوگ کس شہر سے آ رہے ہیں۔

گلیلی سے عنبر نے کہا۔

اس شہر پر خداوند کا قہر نازل ہوا ہے وہ تو سارے کا سارا تباہ ہو گیا ہے پہلے زلزلے نے برباد کیا اور پھر پانی کا سیلاب اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اچھا ہوا کہ تم لوگ جانیں بچا کر بھاگ آئے وہاں کے بادشاہ نے ایک بزرگ ہستی کے ساتھ ظلم کیا تھا اس کا انجام اس سے بھی برا ہوتا تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔

عنبر نے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

کیا آپ سوداگری کرتے ہیں۔؟

قبطی مسکرایا اور کہنے لگا۔

تمہارا اندازہ صحیح ہے میں ہیرے جواہرات کی تجارت کرتا ہوں اور سندھ میں شہر داراناشی کے راجہ کے ہاں قیمتی جواہرات لے کر جارہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے آپ نے جواہرات کی تجارت نئی نئی شروع کی ہے کیونکہ ایک تجربہ کار ماہر سوداگر جہاز پر سفر کرتے ہوئے کبھی کسی اجنبی کو نہیں بتاتا کہ اس کے پاس ہیرے جواہرات ہیں۔

قبطی زور سے ہنسا اور اپنی پراسرار نسواری آنکھیں سمیٹ کر بولا۔

میرے بچے! تو نے بالکل ٹھیک کہا ایک تجربہ کار سوداگر کبھی یہ غلطی نہیں کرتا لیکن میں عام سوداگروں سے ذرا مختلف سوداگر ہوں۔

ناگ نے پوچھا۔

وہ کیسے؟

قبطی نے کہا۔

وہ ایسے کہ میں ایک ماہر سپیرا بھی ہوں جس مرتبان میں میرے ہیرے جواہرات پڑے ہیں اسی مرتبان میں ایک بے حد زہریلا سانپ ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

ناگ چوکنا ہو گیا تو گویا یہ قبطی سپیرا بھی تھا اور مرتبان میں کسی زہریلے سانپ کو بند کر کے ساتھ لے جا رہا تھا عنبر کہنے لگا۔

کیا آپ کو سانپوں کی زیادہ پہچان ہے یا ہیرے جواہرات کی۔

جتنی پہچان مجھے ہیرے جواہرات کی ہے اس سے زیادہ پہچان مجھے سانپوں کی ہے سانپ کو میں دور سے پہچان لیتا ہوں کہ یہ کس نسل اور کس ملک کا سانپ ہے۔

ناگ نے پہلی بار پلکیں جھپکا کر کہا۔

بہت خوب۔

قبطی بولا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ کیا کام کرتے ہیں اور ملک سندھ کس کے ہاں جارہے ہیں۔؟

عنبر نے راز داری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

ہم کپڑے کے سوداگر ہیں اور سندھ میں ہمارے جانے کا مقصد وہاں یہ دیکھنا ہے کہ کیا کپڑے کی سوداگری وہاں ہو سکتی ہے۔

قبطی نے کہا۔

برخودار کپڑے کی تجارت ہر ملک میں ہو سکتی ہے اگر لوگ صرف یہ ہی معلوم کرنے جارہے ہو تو اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہے ہو اگر وہاں سوداگری کرنے کا ارادہ ہے تو پھر میں بھی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔

آپ کے خلوص کا شکریہ۔ ہمارا مقصد وہاں تجارت کرنے کا بھی ہے۔

تو پھر ہمارے شہر وارناشی ضرور آنا وہاں کا راجہ بہت دریا دل ہے رعایا

اس پر جان چھڑکتی ہے اس کی رانی کو نئے نئے کپڑے خریدنے کا بہت شوق ہے میں اپنے جواہرات اسی رانی کے لئے لے کر جا رہا ہوں۔

عنبر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

ہم واراناشی آنے کی پوری کوشش کریں گے۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

اب کیا خیال ہے تمہارا اس قبطی کے بارے میں؟

ناگ کہنے لگا۔

مجھے تو صرف اس کے سانپ سے دلچسپی ہے جو اس نے اپنے مرتبان میں چھپا رکھا ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

اور ہیرے جواہرات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ مجھے ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے بھلا۔

مجھے تو یہ شخص کوئی بہت بڑا مکار آدمی لگتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا جھوٹ تھا۔

ہو سکتا ہے مگر تم یہ اندازہ کیسے لگا سکتے ہو۔

بس میرا دل کہتا ہے دو ہزار سال سے انسانوں کو دیکھتا چلا آ رہا ہوں اب تو ایک ایک آدمی کی بو سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کس خصلت کا ہے۔

لیکن پھر بھی ہم دھوکہ کھا سکتے ہیں کیونکہ میں نے انسانی روپ میں آ کر محسوس کیا ہے کہ انسان ایک بڑا ہی چھپا جانور ہے وہ دل میں رازوں کا خزانہ چھپائے پھرتا ہے اور اوپر سے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا............ تمہارا کیا خیال ہے عنبر؟

تم بھی ٹھیک کہتے ہو اور میں بھی تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں عنبر کا اندازہ

بالکل درست تھا وہ قبطی اصل میں جواہرات کا سوداگر نہ تھا بلکہ ہندوستان کے ٹھگوں کے ایک بہت بڑے گروہ کا سردار تھا جو ایک قبطی کے حلیے میں بھیس بدل کر جہاز پر آ بیٹھا تھا اس کے مرتبان میں سانپ ضرور تھا مگر ہیرے جواہرات سارے کے سارے نقلی تھے یہ ہیرے اس ہوشیاری سے عام شیشے کے ٹکڑوں میں سے تراشے گئے تھے کہ بڑے بڑے ماہر جواہری دھوکہ کھا جاتے تھے قبطی یہی نقلی ہیرے خریدنے ملک یمین اور حلب گیا تھا قبطی کا اصل نام زرتاش تھا اور وہ آتش پرست تھا اس کے گروہ کے لوگ وسطی ہندوستان میں وارناشی بندرابن اور جے پور کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سپیرا بھی تھا اور بڑے بڑے سانپ پلک جھپکنے میں پکڑ لیتا تھا۔

عنبر نے زرتاش کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے پاس بھی ایک قیمتی ہیرا ہے ورنہ وہ اسے ضرور ہلاک کرنے کی کوشش کرتا عنبر کو یہ شک تو ہو گیا

تھا کہ قبطی زرتاش ایک ہوشیار اور کائیاں آدمی ہے مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک ٹھگ ہے بلکہ ٹھگوں کا بڑا ہی ظالم اور خطرناک سردار ہے اس نے اب تک سینکڑوں انسانوں کا خون کیا تھا ان کی گردن میں رومال کا پھندا ڈال کر انہیں موت کی نیند سلا کر لوٹ لیا تھا زرتاش ٹھگ نے اگلے روز باتوں ہی باتوں میں عنبر سے یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ ان کے پاس کوئی قیمتی شے تو نہیں ہے مگر عنبر نے اسے یہی بتایا کہ وہ غریب سوداگر ہیں اور غریبی کی حالت میں سفر کر رہے ہیں۔

جہاز کو سمندر میں سفر کرتے ہوئے تیسرا دن جا رہا تھا کہ اچانک صبح کو ایک سوداگر مرا ہوا پایا گیا کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا جہاز کے کپتان نے اس کی لاش کو ضروری رسومات کے بعد پتھر سے باندھ کر سمندر میں پھینک دیا دوسرے دن ایک اور سوداگر مرا ہوا پایا گیا کپتان نے سارے مسافروں سے پوچھ گچھ کی مگر قتل کی وجہ اور

قاتل کا سراغ معلوم نہ ہو سکا چوتھے روز ایک اور سوداگر مر گیا ان سب کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا اب تو سارے جہاز میں کھلبلی مچ گئی کپتان نے رات کو پہلی اور دوسری منزل کے عرشوں پر زبردست پہرہ لگا دیا پانچویں روز کوئی واردات نہ ہوئی ۔

عنبر اور ناگ بھی بہت حیران تھے کہ یہ کون شخص ہے جو جہاز پر لوگوں کو ہلاک کر رہا ہے مصیبت یہ تھی کہ قتل کے بعد کسی کو بھی یہ پتہ نہ چل سکا تھا کہ جو قتل ہوا ہے اسکے سامان میں سے کون سی قیمتی شے چوری ہو گئی ہے یہ ساری وارداتیں وہی زرتاش ٹھگ کر رہا تھا اس نے جہاز پر یکے بعد دیگرے پانچ سوداگروں کے گلے میں رومال کا پھندا ڈال کر ہلاک کر دیئے اور ان کے سامان میں سے قیمتی پتھر اور سونا چرا لیا تھا ظاہر میں چونکہ اس نے بڑی درویشانہ وضع قطع بنا رکھی تھی اس لئے اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا ۔

چھٹے روز جہاز ہندوستان کی بندرگاہ دیبل کے ساحل پر آ لگا زرتاش ٹھگ نے عنبر اور ناگ سے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

دوستو اگرچہ تم عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے ہو مگر میں تمہیں اپنا دوست ہی کہوں گا اس لئے کہ مجھے تم دونوں کی طبیعتیں بہت پسند ہیں دیبل سے ملک کے اندر قافلے ہر چاند کی بارھویں تاریخ کو روانہ ہوتے ہیں ابھی قافلے کے روانہ ہونے میں دو روز باقی ہیں میری خواہش ہے کہ تم لوگ میرے ہاں قیام کرو میں نے یہاں ایک پرانا مکان خرید رکھا ہے کیوں کہ کاروبار کے سلسلے میں مجھے اکثر یہاں آنا جانا پڑتا ہے۔

عنبر اور ناگ نے سوچا کہ اسکے ہاں رہنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے حامی بھر لی زرتاش ٹھگ دونوں کو ساتھ لے کر دیبل کے ایک اجاڑ سے علاقے میں بنے ہوئے ایک ویران سے ایک

منزلہ کچے مکان میں لے آیا یہاں دیواروں پر مکڑیوں نے جالے بن رکھے تھے۔

معاف کرنا دوستو! اس دفعہ میں دیر بعد آیا ہوں مکان کی صفائی نہیں کروا سکا۔

کوئی بات نہیں جناب ہم اس قسم کے مکانوں میں رہنے کے عادی ہیں۔

شکریہ! شکریہ! اسی لئے مجھے تم لوگوں کی عادتیں بڑی پسند ہیں۔

وہ شام کے وقت اس مکان میں داخل ہوئے تھے۔

رات ابھی چھائی نہیں تھی کہ آسمان پر گرد و غبار کا ایک بادل نمودار ہوا یہ بادل پھیلتا چلا گیا پھر اس نے ہلدی کا رنگ پکڑ لیا اس کے بعد وہ سیاہی مائل ہونا شروع ہو گیا زرتاش ٹھگ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

معلوم ہوتا ہے دیوتا اس شہر سے ناراض ہیں ایسا کالا طوفان میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

ہوا تیز ہونا شروع ہوگئی تھوڑی دیر بعد ایسا زبردست اور قیامت کا طوفان شروع ہوگیا کہ زمین اور آسمان کا رنگ ایک ہوگیا درخت جڑوں سے اکھڑ اکھڑ کر گرنے لگے مکانوں کی چھتیں ہوا میں اڑتی پھرنے لگیں ناگ عنبر اور زرتاش ٹھگ کوٹھری کے اندر دبک کر بیٹھ گئے کافی دیر بعد آدھی رات کی بارش شروع ہوگئی بارش بھی ایسی موسلا دھار ہوئی کہ جل تھل ایک ہوگیا بارش اور طوفان پچھلے پہر کو تھم گئے صبح ہوئی تو تینوں مکان سے باہر نکل آئے زمین ریتلی تھی اس لئے رات بھر کی بارش کے بعد کہیں بھی پانی نہیں کھڑا تھا سارا پانی صحرا کی ریت نے جذب کر لیا تھا ہاں جگہ جگہ درخت جڑوں سے اکھڑے پڑے تھے مکانوں کی چھتیں اڑ گئی تھیں اور کئی کچے مکانوں کا نام ونشان تک

مٹ گیا تھا زرتاش نے کہا۔

یہ خدائی قہر تھا دیوتا ناراض ہو گئے معلوم ہوتا ہے یہاں ایک عرصے سے لوگوں نے انسانی قربانی نہیں دی۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا یہاں لوگ دیوتاؤں کے آگے انسانی قربانی دیتے ہیں۔؟

ہاں میرے دوست! اس ملک ہندوستان میں تقریباً ہر ریاست ہر شہر میں دیوتاؤں کے آگے انسانی قربانی دی جاتی ہے۔

عنبر کو دو ہزار سال پہلے کے وحشی لوگ یاد آ گئے جو انسانوں کو دیوتاؤں کے بتوں کے آگے لٹا کر ذبح کر دیا کرتے تھے۔ گویا انسان دو ہزار برس گزر جانے کے بعد بھی اسی جگہ کھڑا تھا عنبر اور ناگ نے زرتاش سے اجازت لی اور کارواں سرائے میں یہ معلوم کرنے چل دیئے کہ قافلہ کس روز روانہ ہو رہا ہے۔؟

سانپ کی موت

قافلہ دوسرے روز روانہ ہو رہا تھا۔

عنبر اور ناگ واپس کارواں سرائے میں آ گئے اب انھوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کس شہر کو روانہ ہوں ناگ کا خیال تھا کہ شہر اجین کا رخ کیا جائے کیونکہ اس شہر میں سانپوں کے راجہ شیش ناگ کی پرستش ہوتی تھی ناگ نے کہا۔

اجین میں ہمیں بڑی سہولتیں مل جائیں گی ہو سکتا ہے کہ لوگ میری پوجا شروع کر دیں اس طرح ہم آرام اور آسائش کی زندگی بسر کرتے ہوئے اس سارے دیس کی سیر کر سکیں گے عنبر کو ناگ کا یہ خیال پسند آیا چنانچہ انھوں نے شہر اجین جانے کا فیصلہ کر لیا زرتاش ٹھگ شام کو آیا تو

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ اجین جا کر کپڑے کی تجارت کر کے قسمت آزمائی کرنا چاہتے ہیں زرتاش ٹھگ بولا۔

میرے دوستوں اس شہر کی طرف جانے کا خیال دل سے نکال دو تو اچھا ہے اس لئے کہ اس شہر پر شیش ناگ کی حکومت ہے وہاں کا راجہ سانپوں کی پوجا کرتا ہے اور گلیوں میں سانپ گھومتے پھرتے ہیں یہ سانپ وہاں کے لوگوں کو تو کچھ نہیں کہتے مگر باہر سے کوئی آدمی آئے تو اسے ڈس لیتے ہیں۔

ناگ اور عنبر ہنسنے لگے زرتاش ٹھگ نے کہا۔

تم ہنس رہے ہو کیا تمہیں اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے۔

ناگ نے کہا۔

ہم نے ہمیشہ خطروں میں رہ کر زندگی بسر کی ہے ہمیں یہ بات پسند ہے اسی لئے ہم نے سانپوں کے شہر کو چنا ہے۔

زرتاش بولا۔

مگر سانپ تم لوگوں کو ہلاک کر دیں گے اس شہر میں کبھی کوئی اجنبی نہیں گیا راجہ کے خاص مہمانوں کو ایک پالکی میں بیٹھا کر لایا جاتا ہے جسے کہاروں نے اٹھا رکھا ہوتا ہے تم کیوں اپنی موت کو آواز دے رہے ہو؟

ناگ کہنے لگا۔

جناب قبطی صاحب۔ آپ ہماری فکر نہ کریں سانپ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ ہمیں سانپوں کے کاٹنے کا علاج کرنا آتا ہے۔

برخوردار اجین کے سیاہ کالے ناگ کاٹ لیں تو آدمی ایک پل کے اندر اندر مر جاتا ہے وہ بے حد زہریلے سانپ ہیں میں ایک سپیرا بھی ہوں مجھے سانپوں کے بارے میں تم سے زیادہ معلوم ہے میرے مرتبان کا سانپ بھی اجین ہی کا ہے۔

ناگ ہنسنے لگا کس قدر بے خبر آدمی ہے یہ قبطی زرتاش بھی اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ ایک ایسے انسان سے بات کر رہا ہے جو خود سانپ ہے بلکہ سانپوں کا شہزادہ ہے دنیا کے تمام سانپ اسکے غلام ہیں کیوں کہ وہ سو برس کی زندگی گزارنے کے بعد اس میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ سانپ سے جو شکل چاہے اختیار کرلے ناگ نے زرتاش ٹھگ کو اپنی باتوں سے یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ سانپ ان دونوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر زرتاش نہ مانا آخر اس نے کہا۔

اگر تم لوگ سچ کہتے ہو تو مجھے اس کا ثبوت دو۔

وہ کیسے۔؟ ناگ نے پوچھا۔

زرتاش نے کہا۔

وہ ایسے کہ میرے اس مرتبان میں اجین شہر کا ہی ایک انتہائی زہریلا

سانپ موجود ہے تم میں سے کوئی اس سانپ کو پکڑ کر دکھا دے اگر تم نے مرتبان میں ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکال لیا اور اس کے ڈسنے سے زندہ رہے تو میں مان جاؤں گا کہ تم سچ مچ بہت بڑے سانپوں کے ماہر ہو نہیں تو تمہیں میری بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ میں تم لوگوں سے زیادہ عقلمند اور ماہر سپیرا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

مجھے منظور ہے

زرتاش نے ناگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اور تمہیں؟

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

مجھے بھی منظور ہے۔

تو پھر میرے ساتھ اندر آؤ۔

زرتاش ٹھگ۔ جوکہ ایک ماہر اور تجربہ کار سپیرا بھی تھا دونوں کو لے کر کوٹھڑی میں آگیا اس نے چارپائی کے نیچے ہاتھ ڈال کر مرتبان باہر نکالا اور اسے درمیان میں رکھ دیا مرتبان کے اوپر کپڑا بندھا ہوا تھا زرتاش نے مرتبان کو زور سے انگلی ماری تو اندر سے سانپ کی بڑی خوفناک شوکر سنائی دی زرتاش نے مسکرا کر عنبر اور ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔ مجھے تمہاری نوجوانی پر رحم آرہا ہے اب بھی وقت ہے اپنی شرط واپس لے لو اور مان لو کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سچ ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہرگز نہیں۔

زرتاش بولا۔

یاد رکھو۔ یہ بڑا ہی زہریلا سانپ ہے اس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا اس کے ڈستے ہی تمہارا رنگ سیاہ پڑ جائے گا اور سارا جسم پھٹ کر ٹکڑے

ٹکڑے ہو جائے گا۔

ناگ کہنے لگا۔

ہم علاج کر لیں گے ہمارا کوئی سانپ کچھ نہیں بگاڑ سکتا بہت اچھا برخوردار یہ بتاؤ پہلے کون مرتبان کے اندر ہاتھ ڈالے گا۔

عنبر نے کہا۔

پہل میں کروگا۔

یہ لو مرتبان تمہارے سامنے پڑا ہے اسے کھولو اور اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکالو۔

عنبر نے مرتبان کی طرف ہاتھ بڑھایا زرتاش کے ماتھے پر پسینہ آ گیا کیوں کہ اسے پورا پورا یقین تھا کہ مرتبان کے اندر ہاتھ ڈالتے ہی سانپ اسے ڈس لے گا اور وہ ایک پل میں مر جائے گا عنبر نے مرتبان کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا اتار دیا زرتاش نے آخری بار منع کیا۔

www.urdupdfbooksfree.pk

برخوردار! ابھی وقت ہے باز آجاؤ اور مجھے اپنا استاد تسلیم کرلو۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

میں آپ کو یہ تماشہ دکھا کر رہوں گا۔

موت کو تماشہ نہ کہو تم مرجاؤ گے۔

موت میرے لئے تماشہ ہی بن چکی ہے آپ فکر نہ کریں۔

اور دوسرے لمحے عنبر نے مرتبان کے اندر ہاتھ ڈال کر زہریلے اور سیاہ سانپ کو کمر سے پکڑ کر باہر نکال لیا سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور عنبر کے ہاتھ پر ڈس لیا زرتاش کی آنکھوں میں خوف جھلکنے لگا اسے یقین ہوگیا کہ ابھی وہ گرے گا اور اس کا سارا جسم سیاہ پڑ جائے گا اور کھال جگہ جگہ سے پھٹنی شروع ہو جائے گی مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عنبر سانپ کے ڈسنے جانے کے بعد بھی اسی طرح تختے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا اس نے سانپ کو گردن سے پکڑ کر کہا۔

کیوں جناب قبطی صاحب اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے زہریلے سانپ کو ہلاک کر دوں؟ آپ نے دیکھا کہ اس نے پوری طاقت سے مجھے ڈسا ہے۔

زرتاش ٹھگ حیرت سے عنبر کو دیکھ رہا تھا وہ دم بھر میں عنبر کے گر کر مر جانے کی امید لگا کر بیٹھا ہوا تھا مگر عنبر اسی طرح جیتا جاگتا انسان بنا مسکرا رہا تھا۔

نہیں نہیں۔ دوست! یہ بڑا قیمتی سانپ ہے اسے ہلاک مت کرنا اسے واپس مرتبان میں ڈال دو۔

عنبر نے سانپ کو واپس مرتبان میں ڈال دیا اب ناگ کی باری تھی زرتاش نے مرتبان کے منہ پر کپڑا ڈال دیا اور عنبر کے ہاتھ کو اس جگہ سے دیکھا جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں سانپ کے دانتوں کا پورا نشان پڑا ہوا تھا مگر خلاف معمول کوئی چھالا نہیں پڑا تھا زرتاش کے

لئے زندگی کا یہ ایک حیرت انگیز تجربہ تھا کیونکہ عنبر نے کوئی دوائی بھی نہیں لگائی تھی۔

وہ ابھی حیران ہی ہو رہا تھا کہ ناگ نے آگے بڑھ کر مرتبان کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا زرتاش چونک کر اس طرف دیکھنے لگا اس نے کہا۔

برخوردار تمہارے ساتھی کی قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا اب تم اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو یہ سانپ اس قدر زہریلا ہے کہ یہ ایک ہی وقت میں سات آدمیوں کو کاٹ کر ہلاک کر سکتا ہے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

جناب سپیرا صاحب! آپ کی اجازت ہو تو میں سانپ کو ہاتھ ڈال کر باہر نکال لوں۔

اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو میں تمہیں روکنے والا کون ہوں لیکن برخوردار! اس سانپ کو نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے کیونکہ مجھے تمہارے سر پر موت کا

سایہ نظر آرہا ہے۔

ناگ نے پہلی بار قبطی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ایک پل کے لئے قبطی سہم کر رہ گیا اسے کچھ ایسا لگا جیسے کوئی سرخ آنکھوں والا ناگ اس کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے مگر اس نے فوراً ہی سر کو جھٹک دیا اور سوچا کہ بھلا یہ نوجوان ناگ کیسے ہوسکتا ہے ناگ نے مسکرا کر کہا۔

اجازت ہے۔؟

اجازت ہے۔

قبطی زرتاش ٹھگ کی اجازت ملتے ہی ناگ نے مرتبان کے اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو پکڑا اور باہر نکال لیا زہریلا سانپ جو نہ جانے کتنے لوگوں کو ہلاک کر چکا تھا ناگ کے ہاتھوں میں ایک بے جان ٹہنی کی طرح جھول رہا تھا ناگ نے اسے زمین پر رکھ دیا سانپ نے ایک

چکر سا کھایا اور اپنا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا ناگ نے سانپ کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا سانپ نے بڑے زور سے پھنکار مار کر ناگ کے ہاتھ پر ڈس دیا قبطی بڑا خوش ہوا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ اب سانپ کے زہر سے بچ نہ سکے گا۔

مگر ناگ اسی طرح کھڑا رہا اب سانپ پر غشی کی حالت طاری شروع ہو گئی تھی اس کا پھن سمٹ گیا اور وہ زمین پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا پھر اس نے ناگ کے ارد گرد دو چار چکر کاٹے اور اپنی گردن اور جھکا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ناگ کے قدموں کو چوم کر الٹا ہو گیا سانپ جب مرنے لگتا ہے تو الٹا ہو جاتا ہے سانپ کا الٹا ہونا تھا کہ قبطی چلایا۔

میرے خداوند! یہ تو مر رہا ہے۔

ناگ نے بڑے سکون کے ساتھ کہا۔

مر نہیں رہا بلکہ مر گیا ہے اگر یقین نہ آئے تو اسے ہلا جلا کر دیکھ لو۔

قبطی نے سانپ کو زمین پر سے اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعی وہ مر چکا تھا قبطی حیرت زدہ ہو کر رہ گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا اس نے مردہ سانپ کو وہیں چھوڑ کر مرتبان کا منہ بند کیا اور ناگ سے پوچھا۔

تم نے کون سی دوا پی رکھی تھی جس نے تمہیں بچا لیا مگر تمہارے خون نے اپنے زہر سے میرے سانپ کو ہلاک کر دیا؟ یہ سراسر ظلم ہے کہ ایک بے زبان جانور کو بغیر کسی وجہ سے ہلاک کر دیا جائے۔

عنبر نے کہا۔

جناب پیرا صاحب اگر آپ کی یہ خواہش بھی ہوتی تو آپ کے سانپ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میرے دوست کو مار سکتا اس کا ثبوت آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

زرتاش ٹھگ اپنے سانپ کو تو بھول گیا اب اسے یہ ٹوہ لگ گئی کہ اس

www.pdfbookstree.pk

نوجوان نے کیا کرامت کی کہ اس پر سانپ نے اثر نہیں کیا بلکہ الٹا سانپ خود ہلاک ہو گیا اس نے کہا۔

میرے برخوردار دوستو میں تم لوگوں کی طاقت کا لوہا مان گیا ہوں تم سچ مچ بڑے زبردست نوجوان ہو مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے کون سی دوا پی لی تھی کہ تم پر زہر نے اثر نہیں کیا؟

ناگ بولا۔

اگر ہم نے دوا پی تھی تو پھر سانپ کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کاٹتے ہی مر گیا؟

یہی تو میں حیران ہوں کیا تم اس بھید پر سے پردہ نہیں اٹھاؤ گے۔

ناگ ہنس پڑا اور بولا۔

یہ کوئی بھید نہیں ہے بس ایک جوگی بابا نے مجھے منتر بتایا تھا اور کہا تھا کہ یہ منتر پڑھ لو گے تو سانپ کا زہر اثر نہیں کرے گا اور جو سانپ تمہیں

ڈسے گا وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔

عنبر بولا۔

مجھے بھی اسی جوگی بابا نے منتر بتایا تھا۔

زرتاش ٹھگ کو یقین نہ آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان کسی خاص راز کو ساتھ لیے پھر رہے ہیں اس کے لیے اس نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور کسی موقع کی تلاش میں رہا رات آدھی گزر گئی تھی وہ لوگ سو گئے پچھلے پہر کاروان سرائے سے قافلہ روانہ ہونے والا تھا ٹھیک وقت پر عنبر ناگ اور زرتاش ٹھگ اٹھے منہ ہاتھ دھو کر انہوں نے اونٹنی کے دودھ کا ناشتہ کیا اور کارواں سرائے پہنچ گئے قافلہ وہاں تیار کھڑا تھا۔

اس قافلے میں کوئی ساٹھ اونٹ مسافروں اور سامان سے لدے ہوئے تھے قافلے نے پچھلے پہر ستاروں کی ٹھنڈی روشنی میں صحرا میں سفر کرنا شروع کر دیا یہ سفر دنیل کے صحراؤں اور ریگستانی ٹیلوں سے ہو

کر خاردار جھاڑیوں کے جنگلوں کا سفر تھا راستے میں جھیلیں بھی آئیں جن پر مرغابیاں منڈلا رہی تھیں شکاریوں نے ڈنڈوں سے اور تیر کمانوں سے ان مرغابیوں کا شکار کیا اور جھیل کے کنارے پڑاؤ ڈال کر انہیں بھون بھون کر مزے سے کھایا اور سارا دن درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کیا۔

شام ہوتے ہی جب صحرا میں سے گرمی کی تپش غائب ہو گئی اور خنک خوش گوار ہوا چلنے لگی تو قافلے نے پھر سے اپنا سفر شروع کر دیا اب وہ درہ خیبر کی پہاڑیوں میں داخل ہو گئے تھے چاروں طرف بنجر اور خشک اونچے نیچے پہاڑ کھڑے تھے ان کے بیچ میں سے ایک سڑک پنجاب اور وارا ناشی کے صوبوں کی طرف چلی گئی تھی وارا ناشی میں زرتاش ٹھگ کو رک جانا تھا اور اس سے دو روز کے سفر پر اجین شہر میں عنبر اور ناگ کو جانا تھا۔

عیار کنیز

ماریا کی شادی کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔

ادھر عنبر اور ناگ قافلے کے ساتھ سانپ کے مندروں کے شہر اجین کی طرف جا رہے تھے اور ادھر سندھ کے شہر دیبل میں دولت مند سوداگر کے محل میں ماریا کو شادی کے لئے تیار کر دیا جا رہا ہے جوں جوں شادی کا دن قریب آ رہا تھا ماریا پریشان ہوتی جا رہی تھی وہ ہرگز دولت مند بڈھے سوداگر سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ جس طرح سے بھی ہو سکے اپنے دونوں بھائیوں عنبر اور ناگ سے جا کر مل لے لیکن اسے نہ ناگ کی کچھ خبر تھی اور نہ عنبر کی اس کے لئے شادی کے قیمتی جوڑے تیار ہو رہے تھے ماریا

نے کسی بہانے سے کنیز کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔

اچھی بہن! کیا تو اس وقت میری مدد کرے گی جب یہ لوگ مجھے برباد کر دیں گے پیاری بہن تم نے تو وعدہ کیا لیا تھا کہ مجھے سوداگر کی غلامی سے بچالے گی کیا تو اپنا وعدہ پورا نہیں کروں گی۔؟

کنیز نے آہستہ سے کہا۔

ماریا بہن میں اپنا وعدہ نہیں بھولی۔ میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ضرور پورا کروں گی تم فکر نہ کرو میں نے پورا بندوبست کر لیا ہے صرف دو دن کی کسر ہے جس شخص کے ساتھ تجھے یہاں سے خفیہ طور پر روانہ کرنا ہے وہ پرسوں یہاں میرے پاس پہنچ رہا ہے۔

ماریا نے کہا۔

کیا وہ آدمی بھروسے کے قابل ہے پیاری بہن!؟ کہیں وہ مجھ سے دھوکہ تو نہیں کر جائے گا۔

کنیز نے مسکرا کر کہا۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ماریا جو شخص تمہیں یہاں سے نکال کر لے جائے گا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے دریائے سندھ کے کنارے یہاں سے دور ایک گاؤں میں اس کا اپنا مکان ہے اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ وہاں کھیتی باڑی کرتا ہے میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے وہ تمہاری پوری پوری مدد کرے گا۔

ماریا کو کچھ تسلی ہوئی اس نے کہا۔

کیا وہ پرسوں یہاں پہنچ جائے گا۔؟

ہاں.........اس کے ایک ملازم نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پرسوں یہاں پہنچ جائے گا وہ میرے ہاں نہیں ٹھہرے گا میں نے اسے اپنے ہاں آنے سے منع کر دیا تھا وہ شہر سے باہر ایک پرانی اور گمنام سی کارواں سرائے میں آ کر اترے گا میں یہاں سے خفیہ طور پر تمہیں

ساتھ لے کر وہاں پہنچ جاؤں گی اچھا اب میں جاتی ہوں تم پوری تیاری کر رکھو پرسوں رات کو یہاں سے ہمیں نکل جانا ہوگا۔

بہت بہتر پیاری بہن۔

کنیز چلی گئی تو ماریا کی جان میں جان آ گئی اسے بے حد خوشی تھی کہ وہ اس ظالم بڈھے کھوسٹ سیٹھ سوداگر کے پنجے سے نکل رہی تھی جس نے اسے ہمیشہ کے لئے گھر میں قید کر رکھنے کی سازش کر رکھی تھی وہ بڑی بے تابی سے اس روز کا انتظار کرنے لگی جس روز کنیز کے بھائی نے شہر میں داخل ہونا تھا۔

آخر وہ شام آ گئی۔

کنیز ماریا کے بالوں میں پھولوں کے ہار گوندھنے کے بہانے اس کے کمرے میں داخل ہوئی اس نے ماریا کو بتایا کہ اس کا بھائی پہنچ گیا ہے ماریا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اس کی نجات کا دن قریب آ گیا تھا

اسے آزادی ملنے والی تھی۔

جس گھڑی کا اسے مدت سے انتظار تھا وہ آ گئی تھی۔

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

کیا تم سچ کہہ رہی ہو کنیز۔؟

کنیز نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

مجھے تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ بس اب تم تیار رہنا آج رات سو مت جانا آدھی رات کو جب ہر طرف خاموشی ہو گئی اور اندھیرا چھا رہا ہو گا میں تمہیں بلانے آ جاؤں گی

........ٹھیک ہے ناں۔؟

ہاں بالکل ٹھیک ہے ماریا نے خوش ہو کر کہا میں آج کی رات ہر گز نہیں سوؤں گی بلکہ اگر نیند آ بھی گئی تو ٹھنڈے پانی سے غسل کر لوں گی اور جاگتی رہ کر تمہاری راہ دیکھوں گی مگر تم ضرور پہنچ جانا میری اچھی بہن۔

میں آدھی رات کے بعد تمہارے کمرے میں ہوں گی اب میں جا رہی ہوں خواہ مخواہ کسی کو شک پڑ گیا تو ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا.........خدا حافظ..........آدھی رات کے بعد ملیں گے۔

کنیز چپکے سے باہر نکل گئی ماریا رات کو وہاں سے نکل بھاگنے کی تیاری کرنے لگی اور کنیز محل سے نکل کر اس سرائے کی طرف چل پڑی جہاں اس کا بھائی آ کر ٹھہرا ہوا تھا وہ ایک ویران اور اجاڑ سرائے تھی جو دریائے سندھ کے کنارے ایک غیر آبادی جگہ پر بستی سے دور واقع تھی ایک نظر دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں بھوت پریت کا بسیرا ہو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کبھی کوئی مسافر ٹھہرا ہو سرائے کی جانب اونٹ درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا یہ کنیز کے بھائی کا اونٹ تھا اس نے اپنے بھائی کے اونٹ کو پہچان لیا اور سرائے کے اندر

چلی گئی۔

ایک بڈھے آدمی نے جو بنچ پر بیٹھا دلیے کا پیالہ سامنے رکھے اونگھ رہا تھا کنیز کو بتایا کہ اس کا بھائی اپنی تلوار کے میان کو صاف کر رہا تھا اس نے مسکرا کر اپنی بہن کی طرف دیکھا اور کہا۔

کیا میرا شکار تیار ہے۔

کنیز نے کہا۔

بالکل تیار ہے مگر تمہیں رات کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ محل کے پچھواڑے آنا ہوگا نوکر چاروں طرف پہرہ دیا کرتے ہیں اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو مصیبت آجائے گی کیوں کہ وہ سب تمہیں پہچانتے ہیں اور انھیں معلوم ہے کہ تم میرے بھائی ہو تم دیکھ لیے گئے تو سوداگر سیٹھ مجھے جان سے مار دے گا۔

کنیز کے بھائی نے کہا۔

فکر نہ کر بہن میں منہ سر چھپا کر آؤں گا مجھے کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا تم ماریا کو تیار رکھنا۔

ماریا تیار ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ اسے لے کر واپس سرائے میں مت آنا یہیں سے سفر پر روانہ ہو جانا ماریا کو بستی والی پرانی حویلی میں بند کر دینا۔

ایسا ہی ہوگا۔

کنیز نے پوچھا۔

کیا تم نے بغراول سے بات کر رکھی ہے۔

ہاں بغراول دس ہزار اشرفیوں میں ماریا کو خریدے گا اس میں سے پانچ ہزار اشرفیاں تمہاری ہوں گی اور پانچ ہزار میری ہوں گی کیوں ٹھیک ہے ناں؟

بالکل ٹھیک ہے ویسے اگر تم مجھے ایک ہزار اشرفیاں سے زیادہ دے

دیتے تو زیادہ اچھا تھا۔

وہ کیوں۔؟

اس لیے کہ ماریا میں نے تمہیں لا کر دی ہے وہ ایک نوجوان عورت ہے فروخت کرنے کے لئے ایسی کنیزیں بہت کم ملا کرتی ہیں۔

کوئی بات نہیں میں تمہیں پانچ سو اشرفیاں زیدہ دے دوں گا۔

کہو! اب تو خوش ہو بہن؟

کنیز اب خوش ہوگئی بیٹھے بٹھائے اس نے ساڑھے پانچ ہزار سونے کی اشرفیاں کما لیں تھیں اتنی رقم تو وہ ساری عمر بھی سیٹھ کی خدمت کرتی رہتی تو نہ مل سکتی اس نے سوچ رکھا تھا کہ اشرفیاں مل گئیں تو وہ اس شہر کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر چلی جائے گی اور وہاں مزے سے اپنا مکان بنوا کر باقی زندگی گزارے گی اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ انسان برائی کر کے اچھی زندگی بسر نہیں کر سکتا گناہ کا بدلہ اسے ضرور ایک دن ملتا

ہے۔

سرائے سے نکل کر کنیز چپکے سے واپس سوداگر کے محل میں آ گئی آدھی رات سے کافی پہلے کنیز ماریا کے کمرے میں کھانا لے کر گئی تو اس نے ماریا کو بالکل تیار پایا اس نے سفر کے کپڑے پہن رکھے تھے اور پاؤں میں جوتے بھی تھے حالانکہ اس سے پہلے وہ صرف سینڈل میں گھوما پھرا کرتی تھی ماریا نے کنیز کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پھر سرگوشی میں بولی۔

میں بالکل تیار ہوں بہن۔ !

میں بھی تم سے یہی پوچھنے آئی تھی۔

میں اپنے ساتھ صرف چار کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں لے جا رہی یہ میرے کپڑے ہیں سوداگر کے سارے کپڑے زیور اور جواہرات میں یہیں چھوڑے جا رہی ہوں۔

بہت اچھا کر رہی ہو لیکن اگر تھوڑے بہت ہیرے جواہرات ساتھ بھی کرالو تو کوئی حرج نہیں آخر تم نے سوداگر کی بہت خدمت کی ہے کیا تمہارا اتنا بھی حق نہیں کہ تم تھوڑا بہت زیوار اور جواہرات ساتھ لے چلو ضرور تمہارا حق ضرور ہے اس لئے میری مانو اور یہ چیزیں اپنے ساتھ لے چلو۔

ماریا کا بالکل خیال نہیں تھا لیکن کنیز کے کہنے پر وہ راضی ہو گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ کنیز چاہتی تھی کہ ماریا کے ساتھ اس کے پاس اور اس کے بھائی کے پاس جس قدر بھی دولت ہاتھ آ جائے کم ہے بھلا ان دونوں بہن بھائیوں پر تو کوئی شک کر ہی نہیں سکتا پھر کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے یہ ایک بڑی ہی خوفناک سازش تھی۔ جس میں اس مکار کنیز نے ماریا کو پھنسا دیا تھا بے چاری ماریا یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہے مگر اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ بھلائی

کے بھیس میں اس کی زندگی برباد کی جانے والی ہے۔

کنیز ماریا کو تیار رہنے کا کہہ کر چلی گئی۔

ماریا نے شمع گل کر دی کمرے میں اندھیرا چھا گیا وہ بستر پر آنکھیں کھول کر لیٹ گئی اور کنیز کے آنے کا انتظار کرنے لگی دوسری طرف کنیز چپکے سے اپنی کوٹھڑی سے نکلی اور ایک خفیہ دروازے سے نکل کر محل کے پیچھے آ کر چھپ کر کھڑی ہوگئی وہ اونچے نیچے ریگستانی ٹیلوں کی طرف دیکھ رہی تھی آسمان پر ستاروں سے ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اس روشنی میں اسے ایک اونٹ کا سایہ ابھرتا ہوا نظر آیا اس کا ڈاکو بھائی ماریا کو اغوا کرنے آ گیا تھا کنیز نے شمع جلا کر اوپر اٹھائی اور پھر نیچے کر کے اسے بجھا دیا گویا یہ اشارہ تھا کہ بے فکر ہو کر چلے آؤ ہر شے تیار ہے۔

ڈاکو بھائی اونٹ پر سوار ریت کے ٹیلوں پر سے ہوتا ہوا محل کے

پچھواڑے پہنچ گیا کنیز نے آگے بڑھ کر اسے کہا کہ وہ ٹیلے کے پیچھے اونٹ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ جائے ڈاکو بھائی اونٹ کو لے کر ٹیلے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا کنیز جلدی سے محل کے خفیہ دروازے میں سے گزر کر ویران، نیم روشن برآمدوں میں سے دبے پاؤں ہوتی ہوئی ماریا کے کمرے میں پہنچ گئی ماریا تیار بیٹھی تھی کنیز نے سرگوشی میں کہا۔

کیا تم تیار ہو ماریا۔؟

ماریا نے بھی سرگوشی میں آہستہ سے کہا۔

ہاں بہن۔

پھر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ خبردار تمہارے پاؤں کی چاپ سنائی نہ دے نہیں تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

فکر نہ کرو بہن میں بڑی احتیاط سے چلوں گی۔

ماریا بستر پر سے اٹھی اس نے اپنے ارد گرد چادر لپیٹی اور کنیز کے پیچھے

پیچھے چلتی ہوئی خواب گاہ سے نکل کر راہداری اور وہاں سے نکل کر برآمدے میں سے ہوتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر محل کے خفیہ دروازے پر آگئی دروازہ کھلا تھا مگر اس کے دونوں کیواڑ بند تھے کنیز نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا اور اندھیرے میں ماریا کو باہر آنے کا اشارہ کیا ماریا کنیز کے ساتھ باہر آگئی کنیز اسے ساتھ لے کر ریت کے اس ٹیلے کے پاس آکر رک گئی جہاں اس کا ڈاکو بھائی چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں ایک لمحے کے لئے ماریا کا دل زور زور سے دھڑکا اسے خیال ہوا کہ کہیں اس کے ساتھ ایک بار پھر دھوکہ تو نہیں کیا جا رہا ہے اس نے یہ بات کنیز سے نہیں کہی کیونکہ ماریا کو کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ وہ کنیز اس کے ساتھ دھوکہ کرے گی۔ جس نے اسے اپنی بہن کہا تھا مگر اس بے چاری غم کی ماری بھولی بھالی لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ یہ دنیا بھیڑیوں اور لومڑیوں سے بھری پڑی ہے وہ بڑی سادگی

سے کنیز کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو وہ کہہ رہی تھی وہی کر رہی تھی۔

کنیز نے شیلے کے پاس کھڑی ہو کر آہستہ سے کہا۔

بھائی۔

اس آواز پر شیلے کے پیچھے سے اس کا بھائی نمودار ہوا۔ اس نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا اسے دیکھ کر بے چاری ماریا تو ڈر گئی اسے تو وہ کوئی ڈاکو لگا کنیز بھی ماریا کے ڈر کو بھانپ گئی اس نے ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ماریا بہن یہ میرا ہی نہیں تمہارا بھی بھائی ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے یہ تمہاری اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح ایک بھائی بہن کی حفاظت کرتا ہے۔

حالانکہ وہ سراسر جھوٹ بول رہی تھی لیکن بے چاری ماریا کو کیا خبر ہو سکتی تھی کہ اس کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے اس کو کنیز کی باتوں پر اسی

طرح یقین آ گیا جس طرح اس نے پہلے دن یقین کر لیا تھا ڈاکو بھائی نے کہا۔

ماریا! میری بہن تمہیں ٹھیک کہہ رہی ہے میرے پاس رہ کر تم ظالم سوداگر سے بچی رہو گی میں نے صرف تم سے ہمدردی ہونے کی وجہ سے اتنا تکلیف دہ سفر کیا ہے ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ اتنی دور سے صرف تمہاری خاطر آتا۔

ماریا ڈاکو کی چکنی چپڑی باتوں سے بڑی متاثر ہوئی اس نے کہا۔

بھائی میں تمہاری بھی شکرگزار ہوں کہ تم نے میرے لئے اتنی تکلیف کی اور سفر کرتے ہوئے آدھی رات کو یہاں آئے۔

ڈاکو نے کہا۔

کوئی بات نہیں ماریا، یہ تو میرا فرض تھا۔

کنیز نے جھٹ سے کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہ وقت باتوں میں ضائع کرنے کا نہیں تم لوگوں کو جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نوکر مجھے یا میرے بھائی کو دیکھ لے اور ہم مصیبت میں پھنس جائیں۔

ہاں ماریا! چلو آؤ یہاں سے نکل چلتے ہیں۔

ماریا نے کنیز کو گلے سے لگا لیا اور رونے لگی کنیز نے اسے جھوٹ موٹ کا دلاسہ دیا اسے اونٹ پر پیچھے بٹھایا آگے ڈاکو بھائی بیٹھ گیا اونٹ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ڈاکو نے اونٹ کی باگ کھینچی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ریت کے ٹیلوں کے پیچھے گم ہو گیا کنیز تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی دونوں کو صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی میں غائب ہوتے دیکھتی رہی پھر وہ بھی واپس آ گئی اور عقبی دروازے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی کمرے میں آتے ہی اس نے اطمینان کا سانس لیا وہ اپنی سازش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

خوف ناک چہرہ

زرتاش ٹھگ عنبر اور ناگ قافلے کے ساتھ سفر پر چلے جا رہے تھے۔ اس زمانے کے پنجاب کے زرخیز میدانوں اور دریاؤں میں سے گزر کر وہ دریائے جمنا کے کنارے پہنچ گئے تھے یہاں دریا کے ایک کنارے قافلے نے پڑاؤ ڈال لیا رات ہو گئی تھی اور قافلے کے سردار کا خیال تھا کہ صبح کے وقت دریا عبور کیا جائے کیونکہ اسی علاقے میں ٹھگوں کی بڑی بھر مار تھی وہ راتوں کو قافلے لوٹ لیا کرتے تھے ویسے بھی ان میدانوں میں صحراؤں والی گرمی نہیں تھی اور دن کو دھوپ میں بڑی آسانی سے سفر کیا جا سکتا تھا کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس علاقے کے ٹھگوں کا سردار زرتاش اسی قافلے میں سفر کر رہا ہے۔

شام کو کھانا کھانے کے بعد زرتاش کسی سے ملنے کا بہانہ بنا کر قافلے سے چلا گیا عنبر اور رتاگ نے اس پر شک نہ کیا کیونکہ دریا پار واراناشی کی بستی آباد تھی اور یہ سارا علاقہ زرتاش ٹھگ کے دوستوں اور جاننے والوں کا تھا زرتاش ٹھگ گھوڑے پر سوار ہو کر قافلے کے پڑاؤں سے شمال مشرق کی طرف دریا کے کنارے چلتا چلا گیا کافی دور آگے جا کر دریا کے کنارے جنگل شروع ہو گیا تھا زرتاش اس جنگل میں داخل ہو گیا گھوڑے کو ایک جگہ باندھ کر اس نے الو کی بولی بولی دوسری طرف ایک پہاڑی ٹیلے کی جانب سے اس کے جواب میں الو کی آواز سنائی دی زرتاش ٹیلے کی طرف بڑھنے لگا جب وہ ٹیلے کے دامن میں پہنچا تھا تو وہاں ایک ویران محل کے کھنڈر تھے اس کھنڈر کے باہر اسے ایک ٹھگ اکڑوں بیٹھا نظر آیا زرتاش نے قریب جا کر کہا۔

طفیل آ گیا ہے۔؟

یہ ہندوستان کے ٹھگوں کا خفیہ فقرہ تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اس آدمی نے سر اٹھا کر کہا۔

طفیل اندر بیٹھا ہے۔

زرتاش کھنڈر کے اندر داخل ہو گیا کھنڈر کی سیڑھیاں ٹوٹی ہوئی تھیں سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں آ گیا جہاں بہت سے ٹھگ سفید پگڑیاں پہنے چٹائیوں پر نیم اندھیرے میں بیٹھے تھے انہوں نے زرتاش کو دیکھا تو سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے زرتاش نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔

پھر اس نے بتایا کہ ملک شام سے ایک قافلہ ابھی ابھی جمنا کے کنارے آ کر رکا ہے اس قافلے میں کچھ امیر سوداگر سفر کر رہے ہیں جن کے پاس بڑے قیمتی ہیرے جواہرات ہیں ایک ٹھگ نے کہا۔

وہ یہاں سے کتنے فاصلے پر ہیں۔

زرتاش نے کہا۔

یہاں سے تھوڑی ہی دور اوپر کی طرف دریا کے کنارے ان کا ڈیرا لگا ہے میں چاہتا ہوں کہ آج رات کو کسی وقت ان میں سے امیر سوداگروں کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان کے سارے ہیرے جواہرات کو لوٹ لیا جائے۔

ٹھگوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

ہم تیار ہیں سردار۔ آپ حکم کریں مگر یہ بتاؤ کہ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ ان میں سے کون سوداگر ہیں۔؟

اس کی نشانی یہ ہو گی کہ میں جاتے ہی کسی طرح چھپ کر قافلے کے امیر سوداگروں کے سرہانے سرخ نشان لگا دوں گا۔

ٹھیک ہے سردار ہم صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔

ٹھیک ہے اب میں جاتا ہوں کہیں ان لوگوں کو مجھ پر شک نہ پڑ جائے اس لئے صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر زرتاش ٹھگ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا واپس قافلے میں آگیا عنبر اور ناگ سو رہے تھے زرتاش ٹھگ نے ایک ٹکڑا سرخ ریشم کا لیا۔ اس کے کئی ٹکڑے کئے اور انہیں جھنڈی بنا کر ہر امیر سوداگر کے سرہانے گاڑ دیئے اس کام سے فارغ ہو کر وہ چپکے سے عنبر اور ناگ کے قریب آ کر زمین پر لیٹ گیا اگرچہ وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا مگر اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی آدھی رات گزر گئی تھی۔

اچانک زرتاش کی چھٹی حس نے اسے بتایا کہ اس کے ٹھگ قافلے میں پہنچ گئے ہیں اس نے لیٹے لیٹے سر اٹھا کر دیکھا اندھیرے میں اسے کچھ سائے حرکت کرتے نظر آئے زرتاش ٹھگ نے سر دوبارا سرہانے پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ٹھگ بڑی ہوشیاری کے ساتھ دبے پاؤں وہاں آئے تھے انھوں نے چھ سات سونے والوں کے سرہانے سرخ رنگ کا نشان دیکھا ایک ایک کر کے انھوں نے ساتوں کے ساتوں مسافر آپس میں بانٹ لیے پہلا ٹھگ پہلے سوداگر کی طرف اور دوسرا ٹھگ دوسرے مسافر کی طرف بڑھا امیر سوداگر موٹی موٹی توندوں پر ہاتھ رکھے گہری نیند سو رہے تھے سوتے میں کسی کو ہلاک کر دینا تو ان ٹھگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا انھوں نے قریب جا کر بڑی ہوشیاری اور تیزی کے ساتھ ہر مسافر کے گلے میں رومال کا پھندا ڈالا اور اس سے پہلے کہ مسافر جاگ کر شور مچا سکے، اسے گلے کا پھندا کس کر ہلاک کر دیا۔

پھر انہوں نے بڑی خاموشی سے تمام سوداگروں کے سامان کی تلاشی لی اور سونا وغیرہ نکال کر وہاں سے فرار ہو گئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ٹھگ سات آدمیوں کو ہلاک کر کے ان کا قیمتی سامان لوٹ کر

وہاں سے فرار ہو چکے ہیں۔

دن چڑھا تو قافلے کے پڑاؤ میں سات آدمیوں کی اکٹھی لاشیں دیکھ کر لوگوں میں کہرام مچ گیا کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے اکٹھے سات آدمی ہلاک کر کے ان کا قیمتی سامان لوٹ لیا گیا تھا۔ قافلے کے سردار نے لاشوں کا معائنہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ سب کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔

اس پر جنبر نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا ناگ یہ کام بنارسی ٹھگوں کا ہے شہر بنارس اور ارد گرد کا بہت وسیع علاقہ ان ٹھگوں سے بھرا ہوا ہے ناگ بولا۔

تو کیا یہاں کی حکومت ان ٹھگوں کو گرفتار نہیں کر سکتی زرتاش ٹھگ نے مسکرا کر کہا۔

ابھی غریبوں کو کون پوچھتا ہے یہاں کی حکومتیں تو ریاستوں کی حکومتیں

ہیں کسی کو کیا پڑی ہے کہ ان خونخوار وحشی ٹھگوں سے مقابلہ کریں یہ ٹھگ تو یہاں کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

قافلہ سردار نے ساتوں لاشوں کو وہیں دریا کی لاشوں کے سپرد کر دیا قافلے کے باقی لوگ خدا کا شکر ادا کرنے لگے کہ وہ بچ گئے تھے اب دن نکل آیا تھا اور مسافروں نے رسیوں کے ایک مضبوط پل کے سہارے دریا عبور کرنا شروع کیا دریا پار پہنچ کر زرتاش ٹھگ نے عنبر اور ناگ سے کہا۔

اچھا دوستو! میں تو اب تم سے جدا ہو جاؤں گا کیوں کہ ریاست وارناشی کی سرحد یہاں سے شروع ہو جاتی ہے تم لوگوں کے ساتھ بڑا اچھا سفر کٹا اگر زندگی رہی تو پھر ضرور ملیں گے عنبر نے کہا۔

ہم اجین جا رہے ہیں اگر کبھی تمہارا وہاں آنا ہو تو ضرور آنا۔

زرتاش ٹھگ بولا۔

میں کوشش کروں گا۔

قافلہ شہر اجین کی طرف روانہ ہو گیا اور زرتاش ٹھگ وڈرانا شی کی طرف چل دیا جب قافلہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور دریا کنارے سفر کرتا ہوا ایک جگہ سے دریا پار کر کے جنگل میں آ گیا یہاں اسی پرانے محل کے پاس آ کر وہ کھنڈر میں داخل ہوا سارے ٹھگ مالِ غنیمت لیے اس کا انتظار کر رہے تھے زرتاش نے جاتے ہی سونے کی اشرفیوں اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھیلے کا منہ کھولا اور دولت سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اس نے تھوڑی سی دولت ٹھگوں میں تقسیم کیں اور باقی اپنے جھولے میں رکھ لیں اور ٹھگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

تم لوگوں نے یہ ڈاکہ بڑی کامیابی سے ڈالا کالی ماتا کی کرپا سے تم نے اس دفعہ خوب ہاتھ رنگے ہیں میں اپنا حصہ بھی تمہارے سپرد کر

کے ریاست وارانشی کے راجہ کے پاس جا رہا ہوں گووند تم میرے بعد سردار ہو میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔

گووند ٹھگ نے اٹھ کر کہا۔

سردار میں آپ کے بعد ہر بات کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔

زرتاش ٹھگ جنگل میں سے نکل کر وارانشی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ذرا اس طرف مظلوم ماریا کی بھی خبر لیں کہ اس بے چاری کے ساتھ کیا گزری کنیز اسے اپنے ڈاکو بھائی کے حوالے کر کے وہاں سے واپس چلی گئی دوسرے روز سیٹھ کی حویلی میں شور مچ گیا کہ ماریا بھاگ گئی ہے اسے ہر طرف تلاش کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ کہیں نہ ملی سیٹھ تھک ہار کر خاموش ہو کر بیٹھ گیا اسے کنیز پر کبھی شک نہیں ہو سکتا تھا۔

ماریا دوسرے روز شام کو دریا کنارے والے پر اسرار مکان میں پہنچ گئی

ڈاکو نے اسے ایک کوٹھڑی میں بستر پر بٹھا دیا اور کہا کہ وہ آرام کرے اور اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھے ماریا نے پوچھا کہ وہاں اور کوئی عورت نہیں ہے ڈاکو نے مسکرا کر کہا کہ وہاں وہ اکیلی رہے گی۔

ویسے میں تمہارے لیے ایک نوکرانی کا انتظام کر دوں گا اگلے روز ایک بوڑھی نوکرانی وہاں ماریا کی خدمت کے لیے آن موجود ہوئی ماریا کو نوکرانی کے حوالے کر کے ڈاکو خود دریا پار کی بستی میں بردہ فروش بغرال کو خبر کرنے چلا گیا تھا کہ اس کا مال یعنی کنیز ماریا پہنچ گئی ہے بغرال جہاں رہتا تھا وہ جگہ ایک رات اور ایک دن کے سفر پر تھی ڈاکو اونٹنی پر سوار ہو کر بغرال کے گاؤں کی طرف بڑی تیزی سے چلا جا رہا تھا۔

ماریا کو یونہی کچھ شک سا ہونے لگا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے مگر اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اس نے بوڑھی نوکرانی کو کریدنے کی

کوشش کی لیکن نوکرانی ویسی پکی تھی کہ کیا مجال جو زبان سے ایک لفظ بھی ادا کرے ماریا خاموش ہو کر بیٹھ گئی تین روز اسی طرح گزر گئے اس شام کو ڈاکو وہاں آن موجود ہوا اس کے ساتھ بغرال بھی تھا۔

ماریا نے بغرال کو دیکھا تو ڈر گئی اس کا حلیہ ہی ایسا تھا کالا کلوٹا بھدا جسم طوطے ایسی ناک اور لال لال آنکھیں ڈاکو نے کہا۔

گھبراؤ نہیں ماریا۔ یہ ہمارا بڑا بھائی ہے اور تمہیں اپنے ساتھ لینے آیا ہے۔

ماریا نے پوچھا۔

یہ مجھے کہاں لے جائے گا۔

ڈاکو نے کہا۔

اپنے گھر۔

ماریا نے پوچھا۔

مگر کیوں؟ میں یہاں بھی رہ سکتی ہوں۔

ڈاکو نے کہا۔

تم یہاں محفوظ نہیں ہو بغرال کے گاؤں میں تم بڑی محفوظ ہو گی اور تمہیں کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا۔

بغرال نے کہا۔

ہاں ماریا۔ میرے گھر میں تم بہت خوش رہو گی میں اور میرے نوکر چاکر ہر وقت تمہاری خدمت کریں گے۔

ماریا خاموش ہو گئی وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی کہ اس کے ساتھ بڑا زبردست دھوکا ہوا ہے اور کنیزر کے بھائی نے اسے ایک سیاہ فام آدمی کے ہاتھ بیچ دیا ہے لیکن وہ خاموش رہی اس لئے کہ وہاں شور مچانا بے کار تھا شور مچانے سے الٹا اسے مارا پیٹا جاتا خاموش رہ کر وہ بڑے سکون کے ساتھ وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ سکتی تھی۔

رات کو اس نے بغرال اور ڈاکو کو باتیں کرتے سنا بغرال کہہ رہا تھا۔

مال مجھے پسند ہے۔

ڈاکو نے کہا۔

تو پھر اپنا مال سنبھالیں اور مجھے اس کی قیمت ادا کر دیں۔

بغرال نے کہا۔

ابھی دیتا ہوں۔

ماریا لرز گئی اسے ثبوت مل گیا تھا کنوئیں سے نکل کر دریا میں گر گئی تھی اب بغرال اس کا مالک تھا اسے بغرال کے ہاتھ بیچ دیا گیا تھا مگر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گی بغرال ڈاکو کو سونے کی اشرفیاں گن کر دے رہا تھا ماریہ کی جی چاہا کہ کہیں سے وہ مکار کنیز اسے مل جائے تو وہ اس کی ہڈیاں چبا ڈالے مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی

واپس نہیں آیا کرتا۔ بغرال دس ہزار اشرفیاں گن کر ڈاکو کے حوالے کر دیں اور کہا میں ابھی اور اسی وقت ماریا کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔

ڈاکو نے کہا۔

اب میں کیسے روک سکتا ہوں تم نے قیمت ادا کر دی ہے مال تمہارا ہو گیا ہے تم چاہتے جس وقت لے جاؤ میری طرف سے اجازت ہے۔

بغرال اٹھ کر ماریا کی کوٹھڑی میں آیا اور بولا۔

ماریا میری بات غور سے سنو۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

تم مجھے یہی بتانے آئے ہو کہ تم نے مجھے دس ہزار اشرفیوں میں خریدا ہے مگر یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی کبھی نہیں جاؤں گی۔

بغرال نے چیخ کر کہا۔

تمہیں جانا پڑے گا۔

ہرگز نہیں۔

بغرال کو سخت غصہ آ گیا اس نے آگے بڑھ کر ماریا کے سر پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گری اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئی بغرال خان نے نوکروں کو آواز دے کر کہا کہ ماریا کو اونٹ کے کجاوے میں لاد کر بستی کی طرف کوچ بول دیا جائے اس کے حکم کے مطابق نوکروں نے بے ہوش ماریا کو زمین پر سے اٹھایا اور اونٹ کے کجاوے میں رسیوں سے باندھ کر پردہ چھوڑ دیا گیا۔

بغرال خان خود ایک اونٹ پر سوار ہوا اور ماریا کو ساتھ لے کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا دریا پار کر کے وہ شام تک سفر کرتا رہا رات کو اس نے ماریا کو کھانے کے لئے ابلے ہوئے گوشت کے ٹکڑے دیئے جسے اس نے کھا لیا کیوں کہ وہ بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی

ماریا نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ بغرال کو بے وقوف بنا کر ہی وہاں سے راہ فرار اختیار کر سکتی ہے اس خیال کے بعد ماریا نے بغرال خان کے ساتھ اچھا سلوک شروع کر دیا سارا راستہ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی آئی اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بے یارو مددگار تھی اور اب اس زندگی پر ہی خوش ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے بغرال بڑا خوش ہوا کہ اس کی محنت ضائع نہیں گئی ۔

طوفانی لہریں

بغرال ماریا کو ساتھ لے کر بہت دور نکل آیا تھا۔

اس کی بستی گھنے جنگل کے پاس دریا کنارے تھی دریا کنارے پہنچ کر انھیں رات ہوگئی بغرال نے ماریا سے کہا میرا خیال ہے ہمیں رات کو یہاں آرام کرنا چاہیے ہم صبح کے وقت دریا عبور کریں گے تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ماریا کے دماغ میں اچانک رات کو وہاں سے بھاگ جانے کا خیال آیا اس نے کہا۔

آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے آقا۔ ہم رات کو یہاں آرام کرتے ہیں ویسے بھی دریا چڑھا ہوا ہے دن کی روشنی میں ہم بڑی آسانی سے دریا

پار کر لیں گے رات کو خطرہ ہے کہ کہیں طوفانی لہریں بہا کر نہ لے جائیں۔

بغرال نے ہنس کر کہا۔

تم بڑی بھولی بھالی ہو بھلا بغرال بھی کبھی طوفانی لہروں سے ڈرا ہے میں نے تو بڑے بڑے طوفانی سمندروں میں چھلانگیں لگائی ہیں بہر حال اگر تمہاری بھی مرضی یہی ہے تو ہم رات یہاں پڑاؤ کرتے ہیں۔

دریا کنارے پڑاؤ ڈال دیا گیا ماریا نے لکڑی جمع کر کے آگ جلائی اور شکار کیے ہوئے ہرن کا گوشت پکانے میں مصروف ہو گئی بغرال خان اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا جب کھانا پک کر تیار ہو گیا تو ماریا نے انہیں بلا لیا وہ سارے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ سب لوگ زمین پر ہی

بستر بچھا کر سو گئے ماریا بھی ذرا پاس ہی اونٹنی کے پہلو میں بستر بچھا کر لیٹ گئی بغرال خان نے اس کے پاس آ کر پوچھا۔

کوئی تکلیف تو نہیں ہے ناں؟ کسی شے کی ضرورت ہو تو لے لینا۔

ماریا نے جھوٹ موٹ مسکرا کر کہا

اچھے آقا! تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں ہو سکتی میں بہت خوش ہوں مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔

بغرال مسکراتا ہوا واپس اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا کچھ دیر تک وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور الاؤ میں آگ جلتی رہی اونٹ بھی جگالی کرتے رہے پھر انھیں نیند آ گئی اور وہ سب سو گئے مگر ماریا جاگ رہی تھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی آج رات اس نے وہاں سے بھاگ جانے کی سازش تیار کر رکھی تھی اس سازش میں وہ بالکل اکیلی تھی کوئی اس کا شریک اور دوست اور غمخوار نہیں تھا اس نے دریا میں چھلانگ

لگا کر پار کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

اسے تیرنا نہیں آتا تھا اس کے لیے ماریا نے لکڑیاں چننے کے بہانے ٹوٹے ہوئے درخت کا ایک تنا دریا کنارے دیکھ لیا تھا اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ آدھی رات کو جب کہ سب لوگ گہری نیند میں ہوں گے وہ دریا کنارے جا کر اپنے آپ کو درخت کے تنے کے ساتھ رسی سے باندھ لے گی اور پھر اسے دریا کی لہروں میں دھکیل دے گی اور دریا پار کر لے گی۔

جب رات گہری ہو گئی اور اسے ڈاکوؤں کے خراٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو ماریا چپکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی سارے لوگ بے فکر ہو کر سو رہے تھے بغرال بھی گہری نیند میں کھویا ہوا تھا۔ ماریا نے اونٹ کی گردن میں سے رسی کھول کر ہاتھ میں پکڑی اور گھٹنے کے بل چلتی ہوئی دریا کی طرف رینگنے لگی۔ دریا زیادہ

دور نہیں تھا وہ بہت جلد وہاں پہنچ گئی درخت کا تنا دریا کنارے پڑا تھا ماریا نے رسی لے کر اسے درخت کے تنے کے ساتھ باندھا پھر اس کا دوسرا سرا اپنی کمر کے گرد باندھ کر لپیٹ لیا اب وہ درخت کے تنے کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔

اس نے زور لگا کر درخت کے تنے کو دریا میں گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی خود بھی دریا کی لہروں میں اتر گئی اس نے دریا کے ٹھنڈے پانی میں اترتے ہی درخت کے تنے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے اوپر سوار ہو گئی اب وہ لکڑی کے ایسے گھوڑے پر سوار تھی جو اسے دریا کی لہروں کے اوپر ابھرتا ڈوبتا آگے کی طرف لے جا رہا تھا دریا چڑھا ہوا تھا اور لہروں میں بڑا زور تھا اس نے ہاتھ کے چپو چلا کر درخت کا رخ دوسرے کنارے کی طرف موڑنا شروع کر دیا۔

لیکن اسے محسوس ہوا کہ دریا کا دھارا تیز ہو رہا ہے اور اس کا نازک

ہاتھ پانی کو اچھی طرح پیچھے نہیں دھکیل رہا۔ دراصل اس وقت دریا میں سیلاب آ رہا تھا اوپر پہاڑوں پر سے پانی کا زبردست ریلا دریا میں گرنا شروع ہو گیا تھا اور دریا کی لہریں طوفان کی شکل اختیار کر رہی تھیں۔

بے چاری ماریا اس سے بے خبر دریا کی موجوں پر بہی چلی جا رہی تھی اب لہروں نے اسے ادھر اُدھر اچھالنا شروع کر دیا تھا وہ درخت سے لپٹ گئی پانی درخت سے ٹکرا کر اچھلتا اور درخت کو بہا کر دوسری طرف لے جاتا پانی کا بہاؤ بڑا تیز ہو گیا ماریا کا دل ڈوبنے لگا اس نے ہمت کر کے درخت کو دوسرے کنارے لے جانے کی کوشش کی تو درخت کا تنا پانی کے ایک بے حد تیز دھارے پر آ گیا یہاں سے درخت طوفانی رفتار کے ساتھ آگے کی طرف بڑھنے لگا پھر اچانک ایک بھنور میں پھنس کر رہ گیا اور وہیں چکر کھانے لگا۔

ماریا گھبرا گئی وہ درخت کے ساتھ چکر کھا رہی تھی اس کا سر چکرانے لگا وہ سہم گئی اسے اپنی موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی تھی اس نے آنکھیں بند کرلیں اور موت کا انتظار کرنے لگی اسے یقین تھا کہ اب اسے اس طوفانی لہر سے کوئی نہیں بچا سکتا اس کا درخت پوری طرح موت کے بھنور میں پھنس چکا تھا پھر ایک عجیب اتفاق ہوا پیچھے سے ایک پانی کا زبردست ریلا آیا اور درخت کو بھنور میں سے نکال کر باہر لے گیا۔

ماریا نے محسوس کیا کہ وہ چکر نہیں کھا رہی۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو ستاروں کی نیلی نیلی روشنی میں وہ دریا میں وہ دریا کے چوڑے پاٹ کی طرف بہی جا رہی تھی دریا یہاں سے چوڑا ہو گیا تھا کنارے دور دور دکھائی دے رہے تھے ماریا نے خدا سے دعا کی کہ وہ اسے اس مصیبت سے نجات دلائے خوف سے اس کا دل ڈوب رہا تھا اس کا درخت آہستہ آہستہ دریا کے دوسرے کنارے کی

طرف ہو رہا تھا ماریا نے ہمت کر کے ہاتھ سے چپو چلانے شروع کر دیئے ان چپوؤں کے زور سے تیرتے ہوئے درخت کا رخ ذرا اور کنارے کی طرف ہو گیا۔

جس وقت دریا پر سورج کی پہلی کرن چمکی تو ماریا درخت کے تنے کے ساتھ چمٹی دریا کے پرلے کنارے پر پہنچ چکی تھی کنارے پر آتے ہی اس نے اپنی کمر کے گرد باندھی ہوئی رسی کھولی اور اسے درخت کے ساتھ ہی دریا میں پھینک دیا سیلاب کی تیز لہریں درخت کو بہاتی ہوئی نظروں سے دور لے گئیں ماریا دریا کے کنارے پر اکیلی کھڑی تھی اس کے کپڑے گیلے ہو گئے تھے اس نے اپنے کپڑے نچوڑے اور سوچنے لگی کہ کس طرف کو جائے۔

اس کے سامنے دریا کنارے جنگل دور تک پھیلا ہوا تھا یہ ایک گھنا جنگل تھا جو جنگلی درندوں سے بھرا ہوا تھا ماریا کے سامنے بھی موت تھی

اور پیچھے بھی موت تھی اس نے سوچا ایک ظالم ڈاکو کی قید میں سسک سسک کر مرنے سے کہیں بہتر ہے کہ وہ ایک دم کسی شیر کا نوالہ بن جائے۔

اس نے خدا کا نام لیا اور گھنے جنگل میں داخل ہو گئی۔

دوسری طرف جب بغرال خان کے آدمی سو کر اٹھے تو انھوں نے بھاگ کر لوگوں کو جگایا اور سامان باندھنا شروع کر دیا بغرال خان لپک کر اونٹنی کے پاس آیا جس کی اوٹ میں ماریا سو رہی تھی یہ دیکھ کر وہ دھک سے رہ گیا کہ ماریا وہاں نہیں تھی اس نے سوچا شاید وہ دریا کنارے منہ ہاتھ دھونے گئی ہے مگر دریا چڑھاؤ پر تھا ادھر ماریا کہیں نہیں تھی سارے لوگ ماریا کو تلاش کرنے لگے لیکن ماریا تو ایسی گم ہو گئی تھی کہ اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا پاؤں کے نشان سیلاب نے مٹا دیے تھے

بغرال کا غصہ عروج پر تھا اس نے ماریا کی قیمت نقد دس ہزار اشرفیاں ادا کی تھی وہ یہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ ماریا بھاگ کر چلی جائے یہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ ماریا فرار ہو گئی ہے مگر کہاں؟ کیا اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی تھی؟ کیوں کہ اور تو بھاگنے کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا اور اگر اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی تھی تو ضرور لہروں کی نذر ہو گئی ہو گی کیونکہ ایسے طوفانی سیلاب میں ایک بھولی بھالی لڑکی جسے تیرنا بھی نہ آتا تھا کیسے زندہ رہ سکتی تھی بغرال خان دریا کی طرف آ گیا

دریا کنارے ٹہلنے لگا۔

اچانک وہ رک گیا دریا کنارے سے کانوں کی ایک سنہری بالی ریت پر پڑی ہوئی دکھائی دی اس نے بالی اٹھا کر دیکھی تو اسے معلوم ہوا کہ

وہ ماریا کے کان کی بالی تھی۔

تو وہ دریا میں کود کر بھاگ گئی ہے۔

اس نے سوچا پھر اس نے دریا کے چوڑے پاٹ کی طرف دیکھا جہاں طوفانی لہریں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگی جا رہی تھیں اس کے چہرے پر اطمینان کی مسکراہٹ آ گئی کم بخت خود بھی مر گئی اور میری دولت بھی ساتھ ہی لے ڈوبی۔

بغرال خان کو یقین ہو گیا کہ ماریا دریا میں ڈوب کر مر گئی ہے اس لئے کہ اتنے طوفانی دریا میں وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی تھی وہ واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ دریا کہاں سے پار کیا جائے۔

ادھر ماریا جنگل میں داخل ہو گئی تھی۔

یہ جنگل بے حد گنجان اور گھنا تھا بڑے بڑے درخت جگہ جگہ سایہ کیے کھڑے تھے جنگلی بیلیں درختوں کے اوپر چڑھی ہوئی تھیں اس قدر گہرا سبزہ تھا کہ سورج کی کرنیں بڑی مشکل سے نیچے آ رہی تھیں درخت میں کوئی راستہ کوئی پگ ڈنڈی نہیں تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہاں

سے کبھی کوئی نہیں گزرا ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی پرندوں کے بولنے کی آواز آجاتی تھی۔ ماریا کو خوف سا محسوس ہونے لگا لیکن وہ آگے بڑھتی چلی گئی کیوں کہ اس کے پیچھے بھی سوائے موت کے اور کچھ نہ تھا۔

وہ چلتی چلی گئی دوپہر ہوگئی تو اسے بھوک محسوس ہوئی اور پیاس بھی لگنے لگی اس نے درختوں کی طرف دیکھا کہ شاید اسے کوئی پھلدار درخت نظر آجائے مگر جنگل میں ایک بھی ایسا درخت نہ تھا کہیں کوئی چشمہ بھی نہیں تھا کہ وہ پانی پی کر کم از کم پیاس ہی بجھا لے جنگلی جھاڑیوں نے اس کے کپڑوں کو جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا اس کے پاؤں میں اگر لکڑی کے سینڈل بھی ہوتی تو اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہوتے چلتے چلتے وہ ایک ایسے چھوٹے سے پیڑ کے پاس آگئی جو جنگلی بیروں سے لدا ہوا تھا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر درخت پر سے بیر جھاڑے اور انھیں مزے لے کر کھانے لگی بیروں نے اسے سخت پیاس لگا دی مگر وہاں پانی کہیں بھی نہیں تھا دوپہر کے بعد وہ ایک جگہ پہنچی تو اسے پانی کے گرنے کی آواز سنائی دی وہ اس آواز کی طرف بڑھی ایک جگہ چھوٹا سا چشمہ پہاڑی میں سے پھوٹ کر بہہ رہا تھا ماریا نے چلو آگے کر کے جی بھر کر پانی پیا پانی پی کر وہ وہیں پتھروں کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھکی ہوئی تھی اسے نیند آ گئی۔

خدا جانے وہ کب تک سوئی رہی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی اسے یوں محسوس ہوا کہ خواب میں اس نے شیر کے گرجنے کی آواز سنی تھی وہ سہم گئی اس لئے کہ آواز اسے ایک بار پھر سنائی دی گویا شیر خواب میں نہیں بالکل سچ مچ جنگل میں گھوم رہا تھا یا ہو سکتا ہے اس کی طرف ہی آ رہا ہو ماریا نے سوچا شیر سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ

کسی درخت پر چڑھ جائے اس نے ادھر ادھر درختوں پر نظر دوڑائی ایک درخت اسے اس قابل نظر آیا وہ اس درخت کی ٹہنیوں کا سہارا لیتے ہوئے اوپر چڑھنے لگی درخت کے اوپر چڑھ کر وہ بڑے آرام سے دو شاخوں کے درمیان جگہ پر بیٹھ گئی جنگل میں اب ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا تھا شیر کی آواز نے سارے جنگلی جانوروں کے منہ بند کر دیئے تھے ایک دم شیر کی گرج پھر سنائی دی ماریا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

پھر اس نے دیکھا کہ ایک زرد دھاری والا بہت بڑا شیر اس کے درخت کے نیچے ٹہل رہا تھا ماریا کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا شیر نے شاید ماریا کو نہیں دیکھا تھا وہ درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھا اور ایک طرف کو جھاڑیوں میں چلا گیا ماریا نے اطمینان کا سانس لیا کہ شیر وہاں سے

ٹل گیا تھا لیکن وہ ابھی وہاں سے نیچے نہیں اتر سکتی تھی دھوپ نے ڈھلنا شروع کر دیا تھا اور جنگل میں شام سے پہلے ہی اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

ماریا نے سوچا ہو سکتا ہے اسے درخت کے اوپر ہی رات بسر کرنی پڑے اس خیال سے اس نے وہیں لیٹنے کے امکان کا جائزہ لینا شروع کر دیا وہاں جگہ اتنی ضرور تھی کہ وہ شاخوں میں اپنے آپ کو لپیٹ کر ذرا سی ٹیک لگا کر رات اونگھتے ہوئے گزار دے درخت پر وہ آرام سے سو نہیں سکتی تھی ابھی وہ سونے کے بارے میں غور ہی کر رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک کالا بھاری بھرکم ریچھ تھل تھل کرتا اسی درخت کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے ماریا نے دل میں سوچا کہ یہ بلا کہاں سے آ گئی۔

ریچھ بڑا مکار درندہ ہے انسان کی شکل دیکھ لے تو پھر اس کو ہلاک کیے

بغیر وہاں سے نہیں جاتا ریچھ نے بھی ماریا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا درخت کے پاس آکر ریچھ نے الٹی ٹانگوں سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا ماریا کا دل تو دھک سے رہ گیا یہ کم بخت ریچھ تو اسے پھاڑ کھائے گا اوپر آ گیا تو وہ اس کے تیز پنجوں سے کبھی نہ بچ سکے گی ریچھ ابھی درخت کے آدھے تنے پر ہی تھا کہ ایکا ایکی جھاڑیوں کی جانب سے وہی دھاری دار شیر برآمد ہوا اس نے ریچھ کو درخت پر چڑھتا دیکھ کر وہیں سے چھلانگ لگائی اور ریچھ کو دبوچ کر اپنے ساتھ زمین پر گرا لیا ریچھ پہلے تو گھبرا گیا کہ یہ کیا آسمان سے بلا اس کے اوپر آن گری ہے جب اس نے اپنے سامنے شیر کو دیکھا تو مقابلے میں ڈٹ گیا۔

اب ان دونوں درندوں کا مقابلہ شروع ہو گیا شیر جنگل کا بادشاہ ہے ہر جانور اس سے ڈرتا ہے ریچھ بھی اس سے ڈرتا ہے مگر جب ایک بار ریچھ شیر کے مقابلے پر اتر آیا تھا وہ پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اس نے

اگلے دونوں پنجوں کے چاقو نکال لیے اور جھولتا ہوا شیر کو تکنے لگا کہ وہ کدھر سے اس پر حملہ آور ہوتا ہے شیر بھی غافل نہیں تھا اس نے پہلو میں سے ہو کر چھلانگ لگائی اور ریچھ کے سر پر زور سے پنجہ مارا اگر وہ پنجہ ریچھ پر پڑ جاتا تو اس کی گردن کے ٹکڑے اڑ جاتے مگر عین موقع پر ریچھ نے گردن جھکا لی اور وار بچا لیا اب ریچھ کی باری تھی وہ آگے بڑھنے لگا اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نیچے سے شیر کے پیٹ پر پنجہ مار کر اس کی ساری انتڑیاں باہر نکال دے شیر وار بچا رہا تھا ریچھ نے شیر کے پیٹ پر پنجہ مارنے کی کوشش کی تو پتھر پر سے اس کا پیر پھسل گیا اور وہ زمین پر گر پڑا شیر شاید یہی انتظار کر رہا تھا اس نے ریچھ کے اوپر غصے میں گرج کر چھلانگ لگا دی اور ریچھ کی گردن پر ایسا پنجہ مارا کہ اس کی گردن ڈھلک گئی اب ریچھ اس کے نیچے بے بس ہو کر پڑا تھا اور شیر اسے روئی کی طرح دھنک رہا تھا جب ریچھ بالکل ختم ہو گیا تو

شیر نے ایک فاتحانہ نعرہ لگایا اور دم ہلاتا جنگل میں غائب ہو گیا۔

اس دوران میں بے چاری ماریا درخت کے اوپر بیٹھی رہی وہ سوائے ڈرتی رہنے کے اور کچھ نہ کر سکتی تھی شیر چلا گیا تو اس کی جان میں جان آئی اب رات کا اندھیرا جنگل میں پھیلنے لگا تھا اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ درخت سے نیچے اتر آئے بھوک بھی لگ رہی تھی مگر وہ درخت پر ہی بیٹھی رہی وہیں بیٹھے بیٹھے اسے نیند آ گئی وہ سوئی رہی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سارے جنگل میں سورج کی روشنی پھیل چکی تھی اور درختوں پر پرندے صبح کے سہانے گیت گا رہے تھے ماریا آہستہ آہستہ نیچے اتر آئی وہاں ریچھ کی لاش ویسے ہی پڑی تھی ماریا وہاں سے ہٹ کر جنگل میں ایک طرف کو چل پڑی ایک جگہ اس نے جنگلی پھل کھا کر ندی میں سے پانی پیا اور خدا کے بھروسے جنگل میں اپنا سفر شروع کر دیا۔

بھوتوں کا حملہ

چلتے چلتے ماریا جنگل کے گنجان حصے میں پہنچ گئی۔ جنگل کے اس علاقے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی ایک عجیب بات یہ تھی کہ درختوں پر کوئی پرندہ نہیں تھا کسی جانور کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی ہوا بند تھی اور کسی درخت یا جھاڑی کی ٹہنی تک نہیں ہل رہی تھی ماریا نے اس قسم کا جنگل زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا درخت اور سبزہ اتنا گھنا تھا کہ دھوپ شاخوں میں ہی الجھ کر رہ گئی تھی سایوں پر اندھیروں کا گمان ہوتا تھا یہ ایک آسیبی جنگل معلوم ہو رہا تھا ماریا کو چلتے چلتے خوف محسوس ہونے لگا اسے ہر قدم پر یوں لگتا جیسے کوئی شخص اس کا پیچھا کر رہا ہے اس نے چلتے چلتے کئی بار اپنے پیچھے قدموں کی

آواز سنی مگر جب بھی وہ پلٹ کر پیچھے تکتی وہاں کوئی نہ ہوتا ایک بار تو ماریا نے صاف کسی آدمی کی آواز سنی جو اسے پکار رہی تھی۔

ماریا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ذرا غور کریں اگر دوپہر کو ایک سنسان جنگل میں آپ کو اپنے پیچھے کسی شخص کی ڈراونی سی آواز سنائی دے تو آپ پر کیا اثر ہوگا اگرچہ ماریا بڑی بہادر لڑکی تھی پھر بھی وہ ڈر گئی اور دل ہی دل میں خداوند کو یاد کر کے دعائیں مانگنے لگی اچانک جنگل میں کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا یہ ہاتھ بھاری اور ٹھنڈا تھا ماریا وہیں رک گئی اس نے انکھیوں سے ہاتھ کو اپنے کندھے پر دیکھا اس ہاتھ پر جگہ جگہ سیاہ بال اگے ہوئے تھے وہ کسی بھاری بھرکم ریچھ کا ہاتھ لگتا تھا ماریا ڈر کر چیخ مارنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی اس کا گلا خشک ہوگیا اور اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی اس نے سوچا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے مگر اس کے پاؤں ایک ایک

سن کے ہو گئے تھے اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کا پاؤں زمین سے نہ اٹھ سکا قریب تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑے کہ اس دیو کے ہاتھ نے ماریا کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا ماریا نے زمین پر اپنے قدم جما لیے اور واپس مڑنے سے انکار کر دیا ہاتھ کا وزن بڑھتا گیا ماریا نے بھی بڑے حوصلے اور بہادری سے کام لے کر قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی جو شخص ہمت سے کام لے کر نکل جانے کی کوشش کرے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے ماریا نے بھی ہمت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ خدا نے اس کی مدد کی اور وہ ایک دم اٹھ کر بھاگنے لگی دیو کا ہاتھ چھوٹ گیا ماریا اس خوف ناک پنجے سے نکل چکی تھی اور جنگل میں کسی نامعلوم منزل کی طرف بھاگی جا رہی تھی اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے اس کے پاؤں اور کپڑے جھاڑیوں سے الجھ رہے تھے اس کے بال درختوں کی شاخوں اور پتوں میں الجھ رہے تھے اس

کے بال درختوں کی شاخوں اور پتوں میں الجھ رہے تھے اس کے پاؤں میں کانٹے چبھ رہے تھے مگر وہ بھاگی جا رہی تھی۔

اب اس کے پیچھے ڈراؤنی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں ایک تلوار جسے آگ لگی تھی ماریہ کے سامنے راستے میں آکر گر پڑی ماریہ نے کوئی پرواہ نہ کی اور آگے ہی آگے بھاگتی چلی گئی اب جلتے ہوئے تیر اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں آکر گرنے لگے ڈراؤنی چیخیں زیادہ بلند ہوگئیں ان چیخوں میں ایسی خوف ناک آوازیں بھی شامل تھیں جو روتے اور بین کرتے ہوئے ماریہ کا نام لے لے کر اسے اپنی طرف واپس بلا رہی تھیں ماریہ پر جادو سا ہونا شروع ہوگیا بھاگتے بھاگتے اس کا سر چکرانے لگا اس کے قدموں سے جیسے جان نکلنا شروع ہوگئی اس کے اندر طاقت کم ہونا شروع ہوگئی اس کا گلا خشک ہوگیا زبان سوکھ کر کانٹا بنتی گئی وہ نڈھال سی ہوگئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ

دہشت ناک آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں اور اس کا پیچھا کیوں کر رہی ہیں۔

وہ مسلسل بھاگتی چلی جا رہی تھی اور اس کے بدن سے طاقت ختم ہوتی جا رہی تھی ایک جگہ وہ گرنے ہی والی تھی کہ اچانک اسے جنگل کے درمیان ایک بہت بڑے درخت کے نیچے ایک نیلے رنگ کی ہلکی ہلکی روشنی سی دکھائی دی یہ روشنی گویا آسمان سے ایک نازک اور رنگین آبشار کی مانند درخت کے اوپر گر رہی تھی ماریا کا سر بری طرح چکرا رہا تھا اور اس کے آگے پیچھے اور ارد گرد تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو چکی تھی بھوتوں اور چڑیلوں کی چیخیں سارے جنگل میں گونج رہی تھیں ماریا نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے ایک دبلا پتلا سا آدمی آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے اس کے سر کے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے وہ پتھر کا بت بنا درخت کے نیچے بیٹھا

تھا ماریا کو حوصلہ ہوا کہ جنگل میں وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ ایک مرد درخت کے نیچے بیٹھا ہے وہ بھاگتی ہوئی اس آدمی کے قدموں میں جا کر گر پڑی اور بولی۔

خدا کے لئے مجھے چڑیلوں سے بچاؤ۔

دبلے پتلے آدمی نے اپنی پتھرائی بند پلکیں کھول کر ماریا کی طرف دیکھا ماریا نے محسوس کیا کہ اس کی طرف دو آنکھیں نہیں بلکہ دو گہرے روشن سورج دیکھ رہے ہیں وہ سہم کر پرے ہٹ گئی دبلے پتلے جوگی کے چہرے پر بہت ہی نرم اور شگفتہ مسکراہٹ پیدا ہوئی ماریا نے یک لخت محسوس کیا کہ جنگل کی فضا میں سے چڑیلوں اور بھوتوں کی خوفناک آوازیں آنا بند ہو گئی ہیں اس نے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا نہ اب جلتے ہوئے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور نہ اس کے دائیں بائیں نیزے اور تلواریں گر رہی تھیں۔

ماریا نے اس نیک درویش کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بابا! تم نے مجھے بچا لیا۔ نہیں تو چڑیلیں اور بھوت مجھے مار ڈالتے۔

درویش جوگی نے مسکرا کر کہا۔

بیٹی۔ دنیا میں کوئی چڑیل اور کوئی بھوت نہیں یہ سب کچھ انسان کا دماغ اپنے خوف کی وجہ سے پیدا کر دیتا ہے میری طرف دیکھو میں دس برس سے جنگل میں اس درخت کے نیچے بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا ہوں مجھے کبھی کسی چڑیل یا جن بھوت نے تنگ نہیں کیا صرف اس لئے کہ میرا دماغ صحت مند اور بہادر ہے میں ڈرتا نہیں سوائے خدا کے اور کسی سے خوف نہیں کھاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھوت، کوئی چڑیل، میرے قریب نہیں بھٹک سکتی۔

ماریا یہ سن کر حیران رہ گئی کہ وہ بزرگ دس برس سے اس درخت کے نیچے بیٹھا عبادت کر رہا ہے اس نے حیرانی سے پوچھا۔

بابا! کیا آپ کو کچھ حاصل ہوا۔؟

درویش نے کہا۔

میں نے صبر کرنا سیکھ لیا ہے اور یہ کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔

تمہارا نام کیا ہے بابا! تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو۔؟

درویش بزرگ نے کہا۔

بیٹی! میرا نام گوتم ہے میں کپل وستو کے راجہ سدودھن کا بیٹا ہوں میں انسانی دکھوں کا علاج تلاش کرنے کے لئے یہاں بیٹھا عبادت کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ میں ایک دن دنیا میں انسانوں کے دکھوں کا علاج ضرور تلاش کر لوں گا۔

ماریا نے کہا۔

بابا! کیا آپ نے انسانوں کے دکھوں کے لئے اپنا محل چھوڑ دیا۔

ہاں بیٹی! جب تک انسان کچھ دے نہ اسے کچھ نہیں مل سکتا انسان کو

کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ قربانی ضرور دینی پڑتی ہے اگر انسان یہ سوچے کہ میں قربانی بھی نہ کروں اور کامیاب بھی ہو جاؤں تو ایسا ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

ماریا ایک بات پر بڑا تعجب کر رہی تھی کہ اس درویش کے پاس آتے ہی اس کے دل کو بڑا سکون آ گیا تھا اور جنگل میں بھی ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی اب وہاں نہ کسی چڑیل یا بھوت کی آواز تھی اور نہ کوئی آسیب اس کے سر پر چھا رہا تھا ماریا دل میں ایک گہرے سکون کو سائے کی طرح اترتا محسوس کر رہی تھی اس کا دل اب زور زور سے نہیں دھڑکتا تھا اس کی سانس اب تیز تیز نہیں چل رہی تھی اس کا حلق بھی اب خشک نہیں تھا۔ اس کی زبان پر پڑے ہوئے کانٹے بھی دور ہو گئے تھے صرف اسے ہلکی ہلکی پیاس اور بھوک کا احساس ہونے لگا تھا ماریا نے گوتم کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی روشنی پھیل

رہی تھی ماریا کے لئے اس نیک اور عظیم انسان کے چہرے پر نظریں جمانا مشکل ہو رہا تھا اس نے کہا۔

بابا مجھے بھوک لگی ہے۔

گوتم ذرا مسکرایا اس نے اپنے جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا۔

بیٹی! وہاں تمہیں کھانے کو کچھ مل جائے گا۔

ماریا وہاں سے اٹھ کر جھونپڑے میں آ گئی یہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جس کی چھت درخت کی شاخیں کاٹ کر بنائی گئی تھی اندر زمین پر بھی درختوں کے سوکھے پتے بچھے ہوئے تھے پاس ہی مٹی کے پیالے میں پانی تھا ماریا نے وہاں بیٹھ کر جنگلی پھل بڑے مزے سے کھائے اور پیالے میں سے پانی پیا اس کا پیٹ بھر گیا اور بھوک پیاس پوری طرح مٹ گئی وہ اسی جگہ سوکھے پتوں پر لیٹ کر سو گئی جس وقت وہ سو کر اٹھی تو شام ہو رہی تھی اس نے جھونپڑی میں سے باہر نکل کر

دیکھا۔

گوتم اسی طرح درخت کے نیچے بیٹھا عبادت کر رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی ماریا خاموشی سے اس عظیم الشان ہستی کو دیکھتی رہی جو غریبوں اور دکھی لوگوں کی خوشی کے لئے اپنا محل اور گھر بار چھوڑ کر جنگل میں بھوکا پیاسا بیٹھا عبادت کر رہا تھا وہ جھونپڑی کے باہر بیٹھ کر گوتم کو عبادت کرتے دیکھنے لگی رات ہو گئی جنگل میں چاند نکل آیا جس کی نیلی نیلی روشنی درختوں سے چھن چھن کر آنے لگی ماریا بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی وہ سوکھے پتوں پر لیٹ گئی اسے پھر نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

ابھی اسے سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ رات کے وقت ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی اس چیخ کی آواز سوائے گوتم بدھ کے کسی اور نے نہ سنی جنگل کے درخت اس چیخ کو سن کر اپنی جگہ سے ہل گئے مگر

گوتم بدھ اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھا رہا وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا چیخ کے بعد عورتوں کے واویلا اور بین کرنے کی دردناک آوازیں سنائی دینے لگیں اگر کوئی اور ہوتا تو اس کا کلیجہ ہل جاتا مگر گوتم بدھ اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا رہا۔

عجیب بات تھی کہ ماریا کو بھی کچھ معلوم نہ تھا اس پر بھی ان آوازوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا وہ گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی واویلا کی آوازیں بھی بند ہو گئیں اب جنگل میں چاروں طرف چڑیلیں نمودار ہوئیں اور انھوں نے قریب آ کر گوتم بدھ کو ڈرانا شروع کر دیا دوسری طرف سے لمبے لمبے دانتوں اور بھیانک چہروں والے بھوت سامنے آئے اور انھوں نے بھی گوتم بدھ کو وہاں سے ڈرا کر اٹھانے کی کوشش شروع کر دی مگر گوتم بدھ اپنی جگہ پر اسی طرح چٹان کی طرح مضبوطی سے بیٹھا رہا اس پر کسی بات کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

چڑیلیں وہاں سے پریشان ہو کر بھاگنا شروع ہو گئیں بھوتوں نے اپنے اپنے کندھوں سے تیر کمان اٹھا کر ہاتھوں میں لیے ان میں تیر جوڑے اور ایک ساتھ نشانہ باندھ کر گوتم بدھ پر ہزاروں تیر چھوڑ دیئے مگر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ سارے کے سارے تیر گوتم بدھ کے آگے دس قدم کے فاصلے پر آ کر زمین پر گر پڑے جیسے گوتم بدھ کے آگے کوئی شیشے کی دیوار کھڑی ہو اور سارے کے سارے تیر اس دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے ہوں بھوتوں نے ایک بار پھر گوتم بدھ پر تیروں کی بوچھاڑ ماری اس دفعہ بھی سارے تیر زمین پر اوندھے منہ گر پڑے اب بھوتوں نے شور مچانا شروع کر دیا ناچ ناچ، کر گوتم بدھ پر تیروں کی بارش شروع کر دی لیکن گوتم بدھ پر ان تیروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا سارے تیر اس کے قدموں کے پاس زمین پر گر کر غائب ہوتے جا رہے تھے۔

آخر سارے بھوت ایک ایک کر کے غائب ہو گئے پھر اچانک بجلی زور سے چمکی اس کی کڑک نے سارے جنگل کو ہلا کر رکھ دیا اور روشنی میں سے ایک عورت ہاتھ جوڑ کر گوتم بدھ کے سامنے آئی اور بولی۔

مہاراج! میں آپ کی بیوی ہوں خدا کے لئے جنگل سے واپس آ جاؤ میں گھر پر تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں محل کی آسائش اور آرام تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

گوتم بدھ نے ایک بار جو پلکیں اٹھا کر اس عورت کی طرف دیکھا تو وہ ایک دم چڑیل بن گئی اس کے سر پر لمبے لمبے سانپ لٹکنے لگے اور اس کے لمبے لمبے دانت باہر کو نکل آئے یعنی وہ حقیقت میں گوتم بدھ کی بیوی نہیں تھی بلکہ ایک چڑیل تھی جو اس کی بیوی کی شکل اختیار کر کے اس کو سچی راہ سے بھٹکانے آئی تھی لیکن چونکہ شہزادہ گوتم ثابت قدم تھا ایک بار فیصلہ کر کے وہ اپنی جگہ ڈٹ گیا تھا اس لئے سارے بھوت

ساری چڑیلیں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں تھیں انھوں نے گوتم بدھ کے ارادے اور پختہ فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور وہاں سے بھاگ اٹھیں تھیں۔

اب ایک بڑی ہی ڈراونی شکل والا آدمی جس کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی تھیں گوتم بدھ کے سامنے آ کر رقص کرنے لگا اس کے گلے میں لمبے لمبے زہریلے سانپ لٹک رہے تھے اس نے کتنے ہی سانپ ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے اس نے قریب آ کر کہا۔

اے شہزادے واپس اپنے محل میں چلے جا تو کیوں دکھی لوگوں کے لئے اپنی جوانی اور آرام قربان کر رہا ہے قدرت نے جس کے لئے دکھ لکھے ہیں اسے دکھ مل کر ہی رہیں گے واپس اپنے محل میں جا کر عیش کی زندگی بسر کر۔

گوتم بدھ نے ہاتھ اٹھا کر اسے کہا۔

اے نفرت کے دیوتا۔! تو مجھے ہر گز نہیں ورغلا سکتا نا تو مجھے سچائی کی راہ سے ہٹا سکتا ہے میں نے انسانوں کی مصیبتوں، پریشانیوں اور دکھوں کو دیکھ کر اپنا عیش و آرام چھوڑا ہے میں انسان کی بھلائی کے لیے محل سے نکل کر یہاں جنگل میں آن بیٹھا ہوں میں ایک نہ ایک دن انسانی دکھوں اور خوشیوں کا راز ضرور پالوں گا تو مجھے نہیں ورغلا سکتا جا اپنی منحوس شکل لے کر یہاں سے دفع ہو جا۔

گوتم بدھ کی آواز سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ اس سانپوں والے بھوت نے نفرت سے ایک قہقہہ لگایا اور ایک ایک کر کے گوتم پر سانپوں کو اچھالنا شروع کر دیا مگر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ سانپ گوتم بدھ سے ایک فٹ کے فاصلے پر جا کر جل کر بھسم ہو جاتے ایک شعلہ سا بلند ہوتا اور سانپ جل کر راکھ ہو جاتا منحوس شکل والے بھوت کے سارے سانپ ختم ہو گئے اب آگ کے شعلے نے اس کی طرف لپکنا شروع کر دیا

جب شعلے نے اس کے سر پر حملہ کیا تو وہ چیخ مار کر وہاں سے غائب ہو گیا۔

اس کے بعد جنگل میں صبح کی ہلکی ہلکی نیلی اور پاکیزہ روشنی پھیلنی شروع ہو گئی درختوں پر پرندوں نے خدا کی شان میں میٹھے میٹھے گیت گانا شروع کر دیئے ماریا کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا سارے جنگل میں ایک نور سا پھیلا ہوا تھا گوتم بدھ اسی طرح چہرے پر ہلکا ہلکا تبسم لیے درخت کے نیچے بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا اپنے رب کی عبادت کر رہا تھا وہ اٹھ کر گوتم بدھ کے پاس آ کر بیٹھ گئی اس نے گوتم کے پاؤں چھو کر اسے سلام کیا اور بولی مجھے اجازت دو اے عظیم انسان مجھے اپنے بھائیوں کی تلاش میں بہت آگے جانا ہے۔

گوتم نے کہا۔

خدا تمہیں تمہارے بھائیوں سے ملا دے نیک دل بچی!

ماریا نے کہا۔

اے عظیم انسان کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو کہاں تلاش کروں۔؟

گوتم بدھ نے کہا۔

اے نیک دل بچی! میں تمہیں نہیں بتا سکتا ہوں میں خود اپنی تلاش میں ہوں جس روز مجھے اپنا پتا مل گیا اس روز میں تمہارے بھائیوں کے بارے میں بھی بتا سکوں گا پھر بھی ایک نیک ہستی میری کچھ تو راہ نمائی کریں میں بڑی امید لے کر آپ کے قدموں میں آئی ہوں۔

گوتم نے ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بیٹی! خدا تجھے تیرے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے مل دے میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ مجھے شہر اجین کی طرف سے تمہارے بھائیوں کے سائے دکھائی دے رہے ہیں۔

یہاں سے شہر اجین کتنی دور ہے۔

جنگل سے نکل کر تم کو ایک دریا ملے گا اس دریا کے پار ایک اور جنگل ہے جس میں چٹانیں بھی ہیں اس جنگل سے باہر نکلو گی تو سامنے شہر اجین کی فصیل دکھائی دے گی خدا آپ کو خوش رکھے اے عظیم انسان۔

خدا تم پر بھی اپنی رحمت نازل کرے بیٹی!

ماریا نے گوتم بدھ کو سلام کیا اور شہر اجین کا ارادہ کر کے جنگل میں چل پڑی رات اس نے پھر ایک درخت پر سو کر گزاری دوسری روز جنگل میں چلتی رہی تیسرے روز صبح کے وقت جنگل ختم ہو گیا اور سامنے دریا بہہ رہا تھا اس دریا کو پار کر کے ماریا کو ایک اور جنگل میں داخل ہونا تھا۔

www.urdubooksfree.pk

جہاں لاشیں جلتی ہیں

دریا پار کر کے ماریا دوسرے جنگل میں داخل ہو گئی یہ جنگل پہلے جنگل کی طرح خوف ناک اور زیادہ گھنا نہیں تھا یہاں گوتم کے فرمانے کے مطابق جگہ جگہ سیاہ پتھریلی چٹانیں کھڑی تھیں اور چشمے بہہ رہے تھے درختوں پر پھل بھی لگے ہوئے تھے ماریہ نے ایک جگہ پھل کھائے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا تو اس کی جان میں جان آ گئی تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ پھر آگے کی طرف روانہ ہو گئی سارا دن وہ جنگل میں سفر کرتی رہی رات کو ایک چٹان کے اوپر چڑھ کر اس نے ساتھ رکھے ہوئے پھل کھائے پانی پیا اور سوکھے پتے بچھا کر سو گئی ساری رات وہ سکون کے ساتھ سوئی رہی اس جنگل میں درندے بالکل نہیں

تھے وہ بڑے آرام سے سوئی رہی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو سورج کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی چٹان پر سے اتر کر اس نے آگے چلنا شروع کر دیا یہاں اسے ایک چھوٹا سا کچا راستہ نظر آیا اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سے لوگ گزرتے رہتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ آبادی کے قریب قریب پہنچ چکی تھی ماریا کو بڑی خوشی ہوئی ایک جگہ اسے دو چار جھونپڑے دکھائی دیئے ان کے باہر کچھ ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے ماریا کو دیکھ کر ایک عورت جھونپڑے سے باہر آ گئی ماریا نے اس سے پوچھا۔

کیا پینے کے لئے پانی مل جائے گا۔

وہ عورت جلدی سے اندر جا کر پانی سے بھرا ہوا کٹورا لے آئی پانی پی کر ماریا نے اس سے پوچھا۔

اجین شہر کو کون سا راستہ جاتا ہے۔؟

عورت نے کہا۔

یہی راستہ جاتا ہے مگر بہن تمہیں راستے میں رات ہو جائے گی بہتر یہ ہے کہ یہاں رات گزار کر صبح منہ اندھیرے سفر کرو پھر تم اکیلی بھی ہو رات کو سفر کرنا ٹھیک نہیں۔

ماریا پہلے ہی بہت تھکی ہوئی تھی اسے اس عورت کی تجویز پسند آ گئی اس نے کہا۔

اگر تمہیں تکلیف نہ ہو بہن تو میں یہاں رات بسر کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گی۔

مجھے ایک بہن کی مدد کر کے خوشی ہو گی تم میرے جھونپڑے میں بڑے شوق سے آرام کر سکتی ہو میرا خاوند شہر گیا ہوا ہے گھر میں سوائے میرے اور کوئی نہیں۔

ماریا جھونپڑی میں ٹھہر گئی۔

عورت نے ماریا کے آگے ابلے ہوئے موٹے چاول اور پانی لاکر رکھا ماریا نے چاول کھا کر پانی پیا اور جھونپڑی کے اندر بانس کی کھاٹ پر لیٹ گئی ایک عرصے کے بعد اسے کھاٹ پر لیٹنا نصیب ہوا تھا رات بھر اسے ہوش نہ رہا صبح اٹھی تو بڑی تازہ دم تھی اس کی ساری تھکان اتر چکی تھی وہ اپنے آپ کو بڑی ہشاش بشاش محسوس کر رہی تھی ناشتے پر عورت نے ماریا کو اناس اور کیلے کھانے کو دیئے جسے ماریا نے بڑے شوق سے کھایا یہ پھل بھی اسے جنگل میں کہیں نہیں ملا تھا کیونکہ جنگلوں میں جنگلی کیلوں کے درخت ہوتے ہیں جن کا پھل کچا اور خشک رہ جاتا ہے ماریا سفر پر روانہ ہونے لگی تو اس عورت کا خاوند آگیا۔

اس نے ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا اور پوچھا۔

بیٹی تو اجنبی شہر میں کس کے پاس جانا چاہتی ہے؟

ماریا نے اسے بتایا کہ اس کے دو بھائی عنبر اور ناگ اس سے بچھڑ گئے

ہیں اور وہ ان کی تلاش میں اجین جارہی ہے اس نے کہا۔

مگر بیٹی! تو ایک اجنبی شہر میں انہیں کہاں تلاش کرتی پھرے گی کیا وہاں تو کسی کو جانتی ہے۔؟

نہیں تو۔ اجین میرے لئے ایک نیا شہر ہے۔

پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہاں تمہارے بھائی رہتے ہیں۔

یہ بات مجھے ایک بزرگ درویش نے بتائی تھی کہ میرے بھائی مجھے شہر اجین میں ہی ملیں گے۔

چلو یہ بھی ٹھیک ہوا مگر تو انہیں کہاں تلاش کرتی پھرے گی۔

پھر بابا! میں کیا کروں؟ مجھے ہر حال میں اپنے بھائیوں کو تلاش کرنا ہے مجھے ان کے پاس جانا ہے میں اپنے بھائیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

عورت اور اس کا خاوند سوچ میں پڑ گئے آخر اس آدمی نے کہا۔

بیٹی! میرا ایک چھوٹا بھائی اجین شہر میں ایک شمشان بھومی میں مردوں کو جلانے پر نوکر ہے اگر تم اس کے پاس جانا چاہو تو چلی جاؤ وہ تمہاری مدد بھی کرے گا اور تم اس کے پاس قیام بھی کر لینا کیا تم تیار ہو؟

ماریا نے سوچا کہ وہ اجنبی شہر میں کہاں ماری ماری پھرے گی بہتر ہے کہ کسی شریف آدمی کے پاس جا کر ٹھہر جائے اور پھر اس کی مدد سے شہر میں اپنے بھائیوں کو تلاش کرے اس نے کہا۔

ہاں بابا! میں آپ کے بھائی کے پاس ٹھہر جاؤں گی۔

شاباش بیٹی! مجھے تم سے یہی امید تھی اس سے جا کر میرا ذکر کرنا اور کہنا کہ میں نے تمہیں اس کے پاس بھیجا ہے مردوں کو جلانے کا قبرستان شہر اجین کے مشرق کنارے پر ایک جھیل کے کنارے پر ہے میرے بھائی کا نام دیاس ہے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ۔

ماریا ان لوگوں کا شکریہ ادا کر کے اور اجازت لے کر وہاں سے چل پڑی اسے جنگل میں ایک سیدھی اور مختصر راہ پر لگا دیا گیا تھا اس راستے پر چلتی ہوئی وہ شام ہونے سے پہلے ہی شہر کے قریب پہنچ گئی وہ جنگل سے باہر نکلی تو سامنے اجین شہر کی فصیل دکھائی دے رہی تھی ماریا ایک کچی سڑک پر چلتی ہوئی شہر کے قریب آ گئی یہاں سے اس نے شہر کے مشرقی کنارے کی طرف چلنا شروع کر دیا چلتے چلتے وہ ایک پرانے درختوں والی جھیل کے پاس پہنچ گئی یہی وہ جھیل تھی جس کے پاس وہ قبرستان تھا جہاں ہندو لوگ اپنے مردوں کو جلایا کرتے تھے۔

ماریا ڈرتے ڈرتے قبرستان کے اندر داخل ہوئی یہاں ہر طرف ایک ویرانی اور بربادی چھائی ہوئی تھی فضا میں جلے ہوئے مردوں کی بدبو پھیلی ہوئی تھی جگہ جگہ راکھ بکھروں تھی ایک پرانے سیاہ رنگ کی دیواروں والے مکان میں ایک تنگ سا دروازہ تھا جس کے باہر تلسی کا

www.pdfbookstree.pk

درخت لگا تھا اس دروازے کے پاس ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا چولہے پر مٹی کا لیپ کر رہا تھا ماریا اس کے پاس آ کر رک گئی اس آدمی نے آنکھ اٹھا کر پوچھا۔

کون مر گیا ہے۔؟ لاش کب آئے گی۔؟

ماریا نے کہا۔

بابا! میرا کوئی نہیں مر گیا ہے۔

آدمی نے چونک کر ماریا کی طرف دیکھا۔

تو پھر تم یہاں کیا لینے آئی ہو۔؟

ماریا نے جب اسے ساری بات بتائی کہ اسے اس کے بھائی نے بھیجا ہے تو وہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور بہت خوش ہوا اس نے کہا۔

بیٹی اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔ میں یہاں اپنی بیٹی شانتا کے ساتھ رہتا ہوں وہ اوپلے لینے گئی ہے تم اس کھاٹ پر بیٹھو وہ ابھی آ رہی ہو گی۔

ماریا چارپائی پر بیٹھ گئی اس آدمی نے ماریا کو کانسی کے ایک کٹورے میں دودھ لا کر پلایا تھوڑی دیر بعد اس کی بیٹی شانتا بھی آ گئی یہ ماریا سے عمر میں بڑی تھی اور بڑی نیک دل عورت معلوم ہوتی تھی شانتا کے باپ نے اسے بتایا کہ ماریا کو اس کے بھائی نے بھیجا ہے اور اسے شہر اجین میں اپنے دو بھائیوں کی تلاش ہے شانتا نے مسکرا کر ماریا کی طرف دیکھا اور کہا۔

فکر نہ کرو بہن! اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو ہم سے تمہاری جو خدمت ہو گی کریں گے اور تمہارے بھائیوں کو تلاش کرنے میں بھی تمہاری مدد کریں گے۔

ماریا نے اس گھر میں رہنا شروع کر دیا۔

اس نے شانتا کے باپ کو عنبر اور ناگ کے حلیے بتا دیئے تھے وہ دن میں تھوڑی دیر کے لئے شہر جاتا اور عنبر اور ناگ کو ادھر اُدھر تلاش کرتا

رہتا کبھی کبھی ماریا بھی شائستا کے ساتھ شہر چلی جاتی اور اپنے بھائیوں کو تلاش کرتی مگر عنبر اور ناگ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عنبر اور ناگ ابھی شہر اجین میں نہیں پہنچے تھے وہ ابھی اسی جنگل میں تھے جسے پار کر کے ماریا شہر میں داخل ہوئی تھی سفر کرتے کرتے دونوں دوست تھک گئے تھے ان کو دس روز سفر کرتے ہو گئے تھے چٹانوں والے جنگل میں پہنچ کر وہ ایک جگہ سوکھے پتوں پر لمبی تان کر سو گئے وہ سارا دن اور ساری رات سوتے رہے اگلے روز صبح کو اٹھے تو بہت تازہ دم اور ہشاش بشاش تھے ان کی ساری تھکن دور ہو گئی تھی۔

بھائی! ہمیں امید ہے کہ تھوڑی دیر بعد ہم اجین پہنچ جائیں گے مگر مجھے رہ رہ کر ماریا بہن کا خیال آ رہا ہے خدا جانے بے چاری کس حال میں ہو گی اور کہاں ہو گی۔

ناگ بولا۔

میرا دل کہتا ہے کہ وہ مصیبت میں نہیں ہے اور بہت جلد ہماری اس سے ملاقات ہو جائے گی۔

کبھی کبھی میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہوا تھا کہ دونوں دوست اسی جنگل سے گزرے تھے جس میں سے ماریا گزری تھی مگر ان کی ملاقات نہ تو گوتم سے ہوئی تھی اور نہ انھیں راستے میں اس عورت کا جھونپڑا دکھائی دیا جس کے خاوند نے ماریا کو شہر میں اپنے بھائی کے پاس قبرستان میں بھیجا تھا وہ چلتے چلے گئے اور دوپہر کے وقت جنگل سے باہر نکل آئے سامنے اجین شہر کے مکانات دکھائی دے رہے تھے وہ بڑے خوش ہوئے کہ آخر ان کا کٹھن سفر ختم ہوا اور وہ سفر پر پہنچ گئے۔

دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے دروازے میں سے گزرنے لگے تو

پہرے داروں نے روک لیا۔

تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم دونوں بھائی ہیں ہم ملک شام سے آرہے ہیں تم یہاں کیا کرنے آئے ہو۔؟

ہم دونوں وید ہیں، حکیم ہیں، ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی کرتے ہیں اور بیماریوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

پہرے دار نے مسکرا کر کہا۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر سب سے پہلے میری بیوی کا علاج کرو وہ دس ماہ سے سر درد میں مبتلا ہے اگر تم نے اس کا علاج کر دیا تو تم شہر میں جا سکو گے۔

عنبر کے لئے یہ کوئی پہلی آزمائش نہیں تھی ہزاروں سال سے وہ ایسا کرتا

آیا تھا اس نے پہرے دار کی یہ شرط منظور کر لی پہرے دار اسے ایک مکان میں لے گیا جس کی ڈیوڑھی میں بڑا سا دروازہ تھا دروازے کے اندر ایک کوٹھڑی میں اس پہرے دار کی بیوی بستر پر پڑی سر درد میں ہائے ہائے کر رہی تھی عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا ناگ نے فوراً تھیلے میں سے پتھر کی شیشی نکال کر اسے تھما دی عنبر نے پتھر کی شیشی کھول کر تیل نکالا اور اس عورت کے ماتھے پر مل دیا تیل نے جادو کا اثر دکھایا تیل کے ماتھے پر ملتے ہی عورت کا سر درد غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اس کا خاوند یعنی پہرے دار تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ دس ماہ میں تمام حکیموں کا علاج کروا چکا تھا اور کوئی فائدہ نہ ہوا تھا اس نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔

عنبر نے کہا۔

کیا اب ہمیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔؟

پہرے دار کہنے لگا۔

صرف اجازت ہی نہیں ہے بلکہ اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ میں تمہاری ہر طرح کی مدد کروں گا عنبر نے کہا۔

کیوں ناگ ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔

ناگ نے کہا ہمیں صرف شہر میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔

عنبر اور ناگ شہر میں داخل ہو گئے اجین کا شہر بڑا پرانا شہر تھا مکانوں کی دیواریں پرانی تھیں جگہ جگہ مندر تھے جھیلوں اور باغوں میں پھول کھل رہے تھے شہر کے وسط میں راجہ کا محل تھا جس کے میناروں پر جھنڈے لہرا رہے تھے دونوں دوست پوچھتے پوچھتے ایک سرائے کے باہر پہنچ گئے انھوں نے سرائے کے برہمن مالک سے پوچھا کہ رہنے کو کوٹھڑی مل جائے گی؟ برہمن نے پوچھا۔

کیا تم برہمن ہو۔؟

نہیں۔ ہم برہمن نہیں ہیں۔

یہ تو اچھی بات ہے پھر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سرائے کے مالک نے سرائے کا دروازہ بند کر لیا معلوم ہوا کہ وہاں ذات پات اور چھوت چھات کا بڑا زور ہے اور کوئی غیر برہمن کسی برہمن کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔

....

لال رومال

ریاست اجین پر ایک راجہ کی حکومت تھی۔

یہ راجہ بڑا اکٹر برہمن تھا اور اپنے دربار میں کسی ایسے شخص کو داخل نہیں ہونے دیتا تھا جو برہمن نہ ہو شہر کے ہر محلے میں ایک مکھیا حکومت کرتا تھا جو خود بھی برہمن تھا۔

شہر کے نیچ لوگ اچھوتوں کو شہر سے باہر نکال دیا گیا تھا ان کی بستی شہر سے باہر شمشان بھومی یعنی مردے جلانے والے قبرستان کے پاس تھی وہاں ذات پات کی تقسیم اور چھوت چھات اس قدر زیادہ تھی کہ اگر کسی برہمن ہندو کے ساتھ کوئی اچھوت چھو بھی جاتا تو برہمن فوراً دریائے گنگا پر نہانے چلا جاتا اور اچھوت کو زمین میں زندہ گاڑ دیا جاتا، مگر

کوئی اچھوت غلطی سے کسی مندر میں داخل ہو جاتا تو اس کے دونوں پاؤں کاٹ کر اسے کسی گہری کھائی میں پھینک دیا جاتا۔

بے چارے اچھوتوں کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ شہر میں آ کر گھوم پھر سکیں وہ شہر کے باہر والی بستی میں رہتے تھے اور ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا ہر سال مذہبی تہوار کے موقع پر برہمن اپنے خاص پجاری کو اس بستی میں بھیجتے وہ اچھوتوں کا سب سے خوب صورت بچہ قربانی کے لئے چن کر لے جاتے بچے کے ماں باپ روتے پیٹتے رہ جاتے مگر ان کی داد فریاد سننے والا کوئی نہ ہوتا سرائے کے مالک سے عنبر اور ناگ نے جب یہ کہا کہ وہ برہمن نہیں ہیں تو یہ انھوں نے سب سے بڑی غلطی کی تھی کیوں کہ کوئی بھی غیر برہمن شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن ان کو اس بات کا علم نہیں تھا وہ بڑے مزے سے بازاروں میں گھومتے پھرتے اور رات کے وقت وہ ایک مندر کے باہر جا کر

کھڑے ہو گئے یہاں سانپوں کی پوجا ہوتی تھی ایک موٹے پیٹ والا پجاری مندر کے لیے بھیڑوں کے آگے چارہ ڈال رہا تھا ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

کیا اس مندر میں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ مل سکتی ہے۔

موٹے پجاری نے بڑے غور سے سر سے پاؤں تک ان کو دیکھا اور پوچھا۔

تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ وید ہیں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں پجاری ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

کیا تم برہمن نہیں ہو۔؟

وہ کیا ہوتا ہے۔ پہلے بھی ایک سرائے کے مالک نے ہم سے یہی پوچھا تھا۔

پجاری کہنے لگا۔

اگر تم برہمن نہیں ہو تو فوراً اس شہر سے نکل جاؤ نہیں تو تم کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جائے گا بھاگو........ بھاگو یہاں سے........

عنبر اور ناگ سوچ میں پڑ گئے انھوں نے سوچا کہ آخر وہ کہاں در بدر مارے مارے پھرتے رہیں گے کیوں نہ اس پجاری کی منت سماجت کر لی جائے ناگ نے کہا بابا ہم غریب پردیسی لوگ ہیں ہم اس شہر کی بڑی تعریف سن کر یہاں آئے ہیں کچھ روز شہر کی سیر کر کے واپس چلے جائیں گے آپ ہمیں مندر میں دو چار روز ٹھہرنے کی اجازت دے دیں آپ کی بڑی مہربانی ہو گی پجاری نے جھڑک کر کہا۔

کہہ جو دیا کہ جو برہمن نہیں اس کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں میں اپنے مندر کو تم لوگوں سے ناپاک نہیں کروانا چاہتا ناگ دیوتا ناراض ہو جائے گا۔

ناگ نے کہا۔

میں ناگ دیوتا کو منا لوں گا بابا!

بکواس بند کرو۔ پجاری چیخ اٹھا تم کون ہوتے ہو ہمارے ناگ دیوتا کا نام لینے والے؟ تم برہمن نہیں ہو تم جانور ہو ملیچھ ہو اگر تم یہاں سے نہ ہلے تو میں تم پر سانپ چھوڑ دوں گا۔

ناگ بولا۔

بے شک تم پر زہریلے سانپ چھوڑ دو۔ ہم یہاں سے نہیں ہلیں گے۔

اچھا تو ابھی مزہ چکھائے دیتا ہوں۔

اب وہاں دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے انہوں نے بھی عنبر اور ناگ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا کسی نے کہا یہ جانور ہیں انھیں زندہ زمین میں گاڑ دو کسی نے کہا یہ اچھوت ہو کر ہمارے مقدس مندر میں آ گئے ہیں ان کے پاؤں کاٹ دو کسی نے کہا ان پر زہریلے سانپ

چھوڑ دو۔

پجاری بولا۔

لوگو! یہ اچھوت ہیں انھوں نے ہمارے مندر میں آنے کی جرات کی ہے ان کو اس گناہ کی سزا ملے گی۔

پجاری نے ایک نوکر کو اشارہ کیا نوکر اندر سے ایک مرتبان لے آیا جو بڑے زہریلے سانپوں سے بھرا ہوا تھا۔

اب بھی یہاں سے دفع ہو جاؤ اگر تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو تم پر یہ سارے زہریلے سانپ چھوڑ دیئے جائیں گے بولو کیا کہتے ہو یہاں سے جاتے ہو یا نہیں؟ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

نہیں..........ہم نہیں جائیں گے۔

تو پھر اپنے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ کہہ کر پجاری نے مرتبان کو زمین پر الٹ دیا اس میں سے کتنے ہی

زہریلے سانپ نکل کر فرش پر رینگنے لگے ان میں ایک بڑا سانپ بھی تھا جو اپنا پھن پھیلا کر کھڑا تھا سارے سانپ ناگ کی طرف اور عنبر کی طرف بڑھنے لگے بڑا سانپ عنبر اور ناگ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور جھومنے لگا مگر ناگ اور عنبر ذرا بھی نہ ڈرے وہ اپنی جگہ پر کھڑے مسکرانے لگے تھے پھر ناگ نے آگے ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ بڑھانا تھا کہ ناگ نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور زمین پر بیٹھ گیا دیکھتے دیکھتے وہاں سارے سانپ زمین کے ساتھ لگ کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔

پجاری اور لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ کیا عجوبہ شے ہو رہی ہے کیوں کہ وہ سارے کے سارے سانپ بے حد زہریلے اور سنگ دل سانپ تھے انھوں نے کبھی کسی شخص کو معاف نہیں کیا تھا وہ ہر ایک کو بے دریغ ڈس لیا کرتے تھے لیکن اس وقت وہ عنبر اور ناگ کے سامنے بھیگی بلی بنے بیٹھے تھے ناگ نے ہاتھ آگے بڑھا کر بڑے پھن دار

سانپ کو ہاتھ میں پکڑ کر لہرایا اور پجاری کے اوپر پھینک دیا پجاری چیخ مار کر پیچھے ہٹا مگر سانپ اس کی گردن کے گرد لپٹ چکا تھا لوگ ادھر اُدھر بھاگ گئے پجاری کا رنگ زرد ہو گیا اسے پسینے آ گئے ناگ نے کہا۔

اس وقت تمہاری موت اور زندگی میرے ہاتھ میں ہے اگر میں سانپ کو ذرا سا بھی اشارہ کر دوں تو وہ تمہیں ایک پل کے اندر اندر ڈس کر ہلاک کر دے گا بولو ہمیں مندر میں رہنے کو جگہ دیتے ہو یا نہیں۔ ؟

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

تمہیں اجازت ہے تم میری کوٹھڑی میں آ کر ٹھہر سکتے ہو بھگوان کے لئے مجھے اس سانپ سے نجات دلاؤ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔

ناگ نے آگے بڑھ کر پجاری کے گلے سے سانپ کو اتار لیا اور زمین پر پھینک دیا بڑا سا سانپ اپنے آپ رینگتا ہوا مرتبان کے اندر چلا گیا

اس کو دیکھ کر باقی چھوٹے سانپ بھی اس کے پیچھے پیچھے مرتبان میں گھس گئے۔

دونوں دوستوں کو مندر میں ایک کوٹھڑی رہنے کے لئے مل گئی سارا دن وہ شہر میں سیر کرتے اور رات کو کوٹھڑی میں آ کر سو جاتے ادھر ماریا کی سہیلی شانتا بھی کسی وقت دن میں شمشان سے باہر نکل کر شہر میں چکر لگا کر عنبر اور ناگ کو تلاش کرتی اور پھر واپس اپنے گھر چلی جاتی ایک روز ماریا بھی اس کے ساتھ شہر کی سیر کو گئی مگر اسے اپنے بھائی نظر نہ آئے۔

اب زرتاش ٹھگ کی بھی سنیے۔

وہ وارا ناشی میں راجہ کے دربار میں پہنچ گیا اس کے اس مرتبان میں سانپ تو نہیں تھا مگر چھوٹے جواہرات بھرے ہوئے تھے اس نے راجہ کے دربار میں جھک کر سلام کیا اور کہا۔

اے راجہ! مہاراجہ! میں ملک یمن سے آپ کے لئے ایسے ایسے جواہرات لایا ہوں کہ جس کی مثال ساری دنیا میں نہیں مل سکتی۔

راجہ نے خوش ہو کر کہا۔

ضرور دکھاؤ جوہری۔ ہمیں سچے جواہرات کی بہت تلاش ہے ہم اپنی نئی رانی کو جواہرات کا تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں زرتاش ٹھگ نے جواہرات مرتبان میں سے نکال کر راجہ کے آگے پھیلا دیئے اگرچہ وہ سارے کے سارے جواہرات نقلی تھے لیکن ان کی چمک دمک بہت زیادہ تھی راجہ کے وزیر نے جواہرات دیکھ کر کہا۔

مہاراج! یہ جواہرات تو بڑے خوب صورت ہیں میں نے ایسے ہیرے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھے۔

راجہ نے زرتاش ٹھگ سے کہا۔

ہمیں یہ جواہرات پسند ہیں جوہری! ہم اس کے عوض تمہیں بہت سا

انعام دیں گے۔

راجہ نے اشارہ کیا ایک غلام سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا لایا

راجہ نے کہا۔

یہ سونے کی اشرفیوں کا تھیلا جوہری کو دے دیا جائے زرتاش ٹھگ تھیلا لے کر واپس اپنی سرائے میں آ گیا اس نے کھول کر دیکھا تھیلا سونے کی قیمتی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا وہ بہت خوش ہوا کیوں کہ دو پیسے کے جواہرات کے عوض اسے بہت دولت مل گئی تھی اب وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح رات ہو جائے اور وہ وہاں سے نکل جائے زرتاش وہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک اس نے راجہ کے وزیر کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

آیئے وزیر صاحب۔ فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

وزیر نے بڑی مکاری سے مسکرا کر کہا۔

www.urdubooksfree.pk

تم میری یہی خدمت کر سکتے ہو کہ ان اشرفیوں میں سے آدھی اشرفیاں مجھے دے دو۔

زرتاش نے حیران ہو کر پوچھا۔

وہ کس خوشی میں وزیر صاحب؟

وہ اس خوشی میں کہ تم نے راجہ کو جو ہیرے جواہرات دیے ہیں وہ سارے کے سارے جعلی ہیں اور مجھے اس کا علم ہے۔

نہیں.........نہیں وزیر صاحب۔ آپ کو کسی نے غلط کہا ہے وہ جواہرات تو سارے کے سارے اصلی ہیں اور بڑے قیمتی ہیں۔

وزیر نے زرتاش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تم راجہ کو الو بنا سکے ہو مگر مجھے نہیں یاد رکھو اگر تم نے مجھے میرا حصہ نہ دیا تو میں ابھی جا کر راجہ کو بتا دوں گا کہ تم نے اسے جعلی ہیرے دیے ہیں اور پھر تمہارا جو حشر ہوگا اسے تم اچھی طرح جانتے ہو اس لیے بہتر یہی ہے کہ سونے

کی اشرفیوں میں سے آدھی اشرفیاں میرے حوالے کر دو۔

زرتاش ٹھگ سمجھ گیا کہ وزیر بغیر حصہ لیے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا چنانچہ اس نے دل ہی دل میں وزیر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا اس نے کہا۔

بہت بہتر وزیر صاحب آپ جیتے میں ہارا لیکن میں اس جگہ آپ کے ساتھ سودا نہیں کر سکتا آپ گھر تشریف لے چلیں میں دوپہر کے بعد حاضر ہو کر آپ کا حصہ بڑے ادب سے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

اور اگر تم نہ آئے تو۔

تو پھر آپ بڑی خوشی سے راجہ سے کہہ کر میری گردن کٹوا سکتے ہیں۔

میں تمہارا گھر پر انتظار کروں گا۔

میں دوپہر کے بعد ضرور پہنچ جاؤں گا۔

وزیر چلا گیا تو زرتاش ٹھگ گہری سوچ میں ڈوب گیا آخر وہ اپنے پہلے والے فیصلے پر قائم رہا اس نے سرخ رومال جیب میں ڈالا اشرفیوں کا تھیلا پلنگ کے نیچے چھپا کر ایک دوسرے تھیلے میں کنکر روڑے بھرے اور وزیر کے محل کی طرف روانہ ہو گیا وہ جس دروازے میں سے اندر داخل ہوا تھا اتفاق سے وہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا چنانچہ کسی نے اسے اندر گھستے نہ دیکھا۔

وہ وزیر کے کمرے میں آ گیا۔

وزیر بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا وہ زرتاش ٹھگ کا انتظار کر رہا تھا اس کا خیال تھا کہ زرتاش ٹھگ اسے آدھی دولت ضرور دے گا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ زرتاش ایک نامی گرامی ڈاکو ہے جو دولت کی خاطر لوگوں کو قتل کر دیتا ہے پھر وہ بھلا کیسے اسے آدھی دولت دے سکتا تھا زرتاش کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وزیر خوش ہو گیا اس نے

اسے کرسی پر بٹھایا اور کہا۔

مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم وعدے کے بڑے سچے ہو میرا خیال تھا کہ تم نہیں آؤ گے لیکن اگر تم نہ آتے تو میں بھی جا کر راجہ کو ساری بات بتا دیتا اور پھر تمہاری گردن اڑا دی جاتی۔

زرتاش نے ہنس کر کہا۔

وزیر صاحب۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے وعدہ کرتا اور پھر حاضر نہ ہوتا یہ تو آدھی دولت ہے بھگوان کی قسم! اگر آپ کو خوش کرنے کے لئے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑے تو ہرگز ہرگز پروانہ کرتا۔

وزیر تو پھول کر کپا ہو گیا اپنی تعریف سن کر وہ بڑا خوش ہوا پھر اس نے زرتاش ٹھگ سے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اب تمہیں تھیلا کھول کر میرے حصے کی اشرفیاں میرے حوالے کر دینی چاہییں۔

ضرور! ضرور! مگر ایک ذرا سی تکلیف دینا چاہتا ہوں آپ کو۔

کہو کہو! میری تکلیف کی پرواہ نہ کرو۔

زرتاش نے کہا۔

میری خواہش ہے کہ یہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے خود کھولیں اور اپنے حصے کی اشرفیاں گن کر الگ کر لیں۔

جیسے تمہاری مرضی۔

وزیر آگے بڑھا وہ جھک کر تھیلے کی رسیاں کھولنے لگا اس عرصے میں زرتاش ٹھگ اٹھ کر وزیر کے پیچھے ہو گیا تھا وزیر تھیلے کی گرہ کھول رہا تھا زرتاش ٹھگ نے جیب سے سرخ رومال نکال کر ایک ہاتھ میں پکڑ لیا۔

پھر وہ جھکے ہوئے وزیر پر تھوڑا سا جھکا اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اس نے وزیر کے گلے میں رومال ڈالا اور اس سے پہلے کہ وزیر اٹھ کر

زرتاش کو پکڑتا اس نے زور سے ایک جھٹکا دیا اور دوسرے لمحے وزیر کی گردن کا منکا ٹوٹ چکا تھا وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔

زرتاش ٹھگ نے وزیر کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچا پہلے اسے خیال آیا کہ کیوں نہ اسے دریائی نالے میں پھینک دیا جائے پھر اس نے سوچا کہ اگر وہ وزیر کی لاش کو کمرے میں ہی پڑا رہنے دے تو کسی کو اس پر شک نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی نے اسے محل کے اندر داخل ہوتے نہیں دیکھا چنانچہ زرتاش نے وزیر کی لاش کو وہیں چھوڑا اور چوری چوری محل سے باہر نکل کر اپنے گھر گیا۔

شام کو سارے شہر میں وزیر کی موت کی خبر پھیل گئی راجہ نے بھی سیاہ لباس پہن لیا چالیس روز تک شہر میں سوگ منایا گیا زرتاش کو بھی مجبوراً راجہ کی خوشی کی خاطر وہاں ٹھہرنا پڑا چالیس دنوں کے بعد زرتاش ٹھگ نے راجہ سے اجازت طلب کی اور سونے کی اشرفیاں

اونٹ پر لاد کر وہ اراناثی اپنے دریائے چمبل والے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس دریا کنارے والے جنگل میں اس کی کمین گاہ تھی جہاں اس کے ساتھ ڈاکو اور ٹھگ رہتے تھے۔

بچے کی قربانی

زرتاش ٹھگ کا ساتھی گووند اجین آ گیا۔

وہ اجین کے ایک مشہور جوہری کے ہاں زرتاش کے جواہرات بیچنے آیا تھا اسے دور ایک روز اجین میں ٹھہرنا پڑا ایک دن وہ بازار سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر ماریا پر پڑ گئی ماریا اکیلی ہی ٹوکری میں پھل رکھے واپس قبرستان والے مکان کی طرف جا رہی تھی گووند نے اس کا پیچھا کیا دوسرے روز وہ کسی بہانے بابا کی جھونپڑی میں پہنچ گیا وہاں سوائے ماریا اور شانتا کے اور کوئی نہیں تھا گووند نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ ماریہ کو اپنے بھائیوں کی تلاش ہے اس نے بڑی

کیا تمہارے بھائیوں کے نام عنبر اور ناگ تو نہیں؟

ماریا خوشی سے اچھل پڑی۔

ہاں یہی نام ہیں کیا تم نے انھیں دیکھا ہے بھائی؟

گووند نے یہ نام شانتا سے معلوم کر لیے تھے اس نے مسکرا کر کہا۔

اری لڑکی تو تو خوامخواہ ماری ماری پھر رہی ہے تمہارے بھائی تو ایک ماہ سے ہمارے گاؤں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

کہاں ہے تمہارا گاؤں بھائی؟

یہاں سے کوئی ایک دن کے فاصلے پر ہے اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلی چلو میں کل صبح جا رہا ہوں............

شانتا نے کہا۔

ہاں ماریا یہاں کب تک انتظار کرو گی اس کے ساتھ چلی جاؤ۔

ماریا نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ بھائیوں کی محبت کے جوش میں

وہ بغیر سوچے سمجھے گووند کے ساتھ اس کے ساتھ گاؤں جانے پر تیار ہو گئی گووند اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا اس نے شانتا کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا شانتا نے مکاری سے کہا۔

ماریا بہن! اس وقت یہ سنہری موقع ہے کہ تمہیں تمہارے بھائی مل سکتے ہیں اگر تم نے بابا سے بات کی یا اجازت لی تو وہ تمہیں اکیلی جانے کی اجازت نہیں دے گے اور پھر تم کبھی اپنے بھائیوں سے نہیں مل سکو گی اس لیے بہتر یہی ہے کہ کل تم چپکے سے گووند کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں گووند کو جانتی ہوں وہ بڑا شریف لڑکا ہے باقی جو کچھ ہو گا میں سنبھال لوں گی میں بابا سے کہہ دوں گی کہ ماریا کا ایک بھائی آ گیا تھا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

ماریا کو شانتا کی یہ تجویز دل سے پسند آئی اس نے کہا ٹھیک ہے شانتا میں کل گووند کے ساتھ چپکے سے نکل جاؤں گی۔

اگلے روز گووند قبرستان سے باہر والی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔

شانتا نے ماریا کو تیار کر رکھا تھا گووند نے ماریا کو ایک الگ گھوڑے پر بٹھا دیا خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے ساتھ سوا اور شہر اجین کو چھوڑ کر وہ بظاہر اپنے گاؤں کی طرف اور حقیقت میں دریائے چمبل کے کنارے ٹھگوں کی کمین گاہ کی سمت روانہ ہو گئے سارا دن وہ دریا کے کنارے چلتے رہے راستے میں ایک جگہ بیٹھ کر انھوں نے کھانا کھایا ماریا نے پوچھا کہ گاؤں کب آ رہا ہے؟ گووند نے یہی کہا کہ بس آنے ہی والا ہے۔

آخر ایک مکام پر پہنچ کر وہ دریا کو چھوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئے اب ماریا کو فکر ہوئی کہ کہیں اس کے ساتھ دھوکہ تو نہیں ہو رہا کیوں کہ وہ ان جنگلوں میں سے گزر چکی تھی اور اسے معلوم تھا کہ وہاں کوئی گاؤں نہیں ہے اس نے گووند کی طرف دیکھ کر کہا۔

کیا تم میرے ساتھ دھوکہ تو نہیں کر رہے۔

گووند نے کہا۔

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔۔ وہ دیکھو درختوں کے اس پار میرا گاؤں ہے پس اب تو ہم منزل پر پہنچنے والے ہیں تم تو یونہی گھبرا رہی ہو۔

ماریا نے درختوں میں سے دیکھا وہاں بستی تو کوئی نہیں تھی البتہ ایک ویران محل کے کھنڈر ضرور دکھائی دے رہے تھے گووند ماریا کو اس کھنڈر میں لے گیا یہاں اس کے ساتھی موجود تھے ماریا ان ڈاکوؤں کو دیکھ کر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک چھپر پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کے سرہانے ایک بوڑھی عورت بیٹھی اسے پنکھا جھل رہی تھی ماریا نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔۔

ماں جی میں کہاں ہوں۔؟

اس عورت کا چہرہ بڑا سنگ دل تھا وہ خود کوئی بہت بڑی چڑیل لگتی تھی

اس نے زور سے ماریا کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔

بکواس بند کرو۔ خبردار! جو زبان سے ایک لفظ بھی نکالا شام کو گووند نے آ کر ماریا کو دودھ اور چاول دیئے۔ بے چاری ماریا کا بھوک سے دم نکلا جا رہا تھا مجبوراً دو چار نوالے زہر مار کیے اور ہاتھ جوڑ کر گووند سے پوچھا۔

بھائی! کے لئے مجھے بتاؤ کہ تم مجھے یہاں کیوں اور کس لیے لائے ہو۔

گووند نے قہقہہ مار کر کہا۔

تمہیں یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے سنو میں نے تمہیں اغوا کر لیا ہے اب تم یہاں سے قدم بھی باہر نہیں رکھ سکتیں یہاں سے ایک رات ایک دن کے سفر پر ایک پہاڑی پر راجہ سنگرام کا قلعہ ہے راجہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اسے نیلی آنکھوں والی کنیز لا کر دوں تو وہ مجھے ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں دے گا بس میں تمہیں راجہ کے حوالے کر دوں گا اور

اس سے انعام لوں گا یہ میں تمہیں بتا دوں کہ اگر تم ساری زندگی بھی کوشش کرتی رہو تو یہاں سے فرار نہیں ہو سکتیں اس لئے یہ جرائت بھی نہ کرنا۔

ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی بے چاری اپنے بھائیوں کی تلاش میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی اور ابھی خدا جانے اس کی قسمت میں کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھانی لکھی تھیں وہ سمجھ گئی کہ وہ بڑے ظالم ڈاکوؤں کے قبضے میں ہے اور وہاں سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی اس پر بڑا سخت پہرہ لگایا گیا تھا اگر وہ اس کھنڈر سے نکل سکتی تو ہو سکتا تھا کہ وہ جنگل میں سے چھپتی چھپاتی چین پہنچ جاتی مگر چین میں بھی اس کا کون تھا منہ بولی بہن شاناستا نے اس کے ساتھ غداری کی تھی اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ صبر کر کے بیٹھ جائے اور حالات کے رخ بدلنے کا انتظار کرے۔

زرتاش ٹھگ ایک کام سے کسی ریاست میں گیا ہوا تھا وہ واپس آیا تو گووند نے اسے ماریا کے بارے میں بتایا کہ وہ اسے راجہ سنگرام کے پاس لے جا رہا ہے زرتاش ٹھگ بڑا خوش ہوا کہ گووند نے اتنا اچھا شکار مارا کہ جس کے عوض اسے لاکھوں اشرفیاں ملنے والی تھیں ماریا نے زرتاش ٹھگ کے آگے بھی رحم کی بھیک مانگنے کی کوشش کی لیکن زرتاش نے ماریا کو بالوں سے پکڑ کر زمین پر دھکا دے دیا اور ڈانٹ کر کہا۔

خبردار! اگر پھر مجھ سے رحم کی بھیک مانگی میں رحم کے نام سے ناواقف ہوں میرا کام تم ایسی لڑکیوں کو ایک پل میں ہلاک کرنا ہے۔

ماریا سہم کر بیٹھ گئی۔

تیسرے روز انھوں نے ماریا کی مشکیں کس کر اسے گھوڑے کے اوپر ڈالا گووند کے ساتھ چار ڈاکو تھے اور راجہ سنگرام کے قلعے کی طرف

روانہ ہو گئے راجہ سنگرام کا قلعہ وہاں سے کافی دور تھا اور راستہ بڑا دشوار گزار تھا ایک کچی تنگ ڈنڈی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان سے ہو کر اوپر کو جاتی تھی سارا دن سفر کرنے کے بعد رات کو انھوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔

ماریا کی مشکیں کھول دی گئیں اس کو کھانا دیا گیا۔ ماریا نے زہر مار کر کے کھانا کھایا اور سوچنے لگی کہ وہاں سے کیسے بھاگے اس کا خیال تھا کہ جب سب لوگ سو جائیں گے تو وہاں سے بھاگ جائے گی مگر ڈاکوؤں نے رات وہاں قیام کرنے کی بجائے کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا اور دوبارہ سفر شروع کر دیا ماریا کے ہاتھ پاؤں پھر رسی سے باندھ دیئے گئے۔

جنگل میں ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی ماریا اپنے بھائیوں کو یاد کر کے چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی اسی طرح وہ ساری رات جنگل میں سفر

کرتے رہے صبح کے اجالے کے ساتھ سامنے پہاڑی کے اوپر سنگرام کے قلعے کی دیوار نظر آنی شروع ہو گئی ڈاکوؤں نے پہاڑی کی چڑھائی پر چڑھنا شروع کر دیا ایک پہر دن چڑھائی میں ہی گزر گیا جس وقت یہ لوگ راجہ سنگرام کے قلعے کے باہر پہنچے تو انھیں سپاہیوں نے روک لیا گووند نے آگے بڑھ کر ایک خاص انگوٹھی پہرے دار کو دکھائی انگوٹھی گووند کو خاص طور پر راجہ نے دے رکھی تھی اور حکم دیا تھا کہ جو کوئی بھی وہ انگوٹھی دکھائے اسے فوراً محل کے اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ پہرے دار بھی انگوٹھی دیکھ کر ادب سے پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ گووند ماریا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو گیا قلعے کی ڈیوڑھی میں پہنچ کر اس نے ماریا کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کھول دیں قلعے کے اندر انھیں ایک کمرہ دے دیا گیا گووند نے منہ ہاتھ دھویا ماریا کو بھی غسل کے بعد نئے کپڑے پہنائے اور اسے

ساتھ لے کر راجہ کے محل کی طرف چل پڑا راجہ کے محل پر بھی زبردست پہرہ تھا مگر جادو کی انگوٹھی نے یہاں بھی اپنا کام دکھایا انگوٹھی کی شکل دیکھ کر ہی سپاہیوں نے دروازہ کھول دیا۔

راجہ اپنے خاص کمرے میں اپنے وزیر خاص کے ساتھ کسی مسئلے پر بات چیت کر رہا تھا جب اسے خبر ملی کہ گووند ایک نیلی آنکھوں والی لڑکی کے ساتھ آیا ہے تو اس نے فوراً وزیر کو رخصت کر دیا اور پہرے دار سے کہا۔

گووند کو اندر بھیج دیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد گووند ماریا کو لے کر راجہ سنگرام کے کمرے میں داخل ہوا راجہ تو ماریا کی نیلی آنکھوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اس نے ماریا کی نیلی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

بالکل اصلی ہیں ایک دم اصلی ہیں۔

سرکار بڑی تلاش کے بعد آپ کے لئے ہیرا ڈھونڈ کر لایا ہوں۔

راجہ کہنے لگا۔

گووند تم نے جس قدر محنت کی ہے ہم تمہیں اس سے زیادہ انعام دیں گے تم نے ہمارے لیے جو کنیز تلاش کی ہے ہمیں اس کنیز کی ضرورت تھی مہارانی بھی اس کنیز کو دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔

گووند بولا۔

مہاراج آپ کی اور مہارانی کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔

راجہ کہنے لگا۔

ہم ابھی اسی وقت تمہیں انعام دیں گے۔

راجہ نے تالی بجا کر ایک غلام سے کہا کہ ایک لاکھ اشرفیوں سے بھرا ہوا توڑا فوراً لایا جائے راجہ کے حکم کی دیر تھی کہ وہاں غلاموں نے اشرفیوں سے بھرا ہوا توڑا لا کر رکھ دیا راجہ نے گووند سے کہا۔

گووند! یہ تمہارا انعام ہے ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں کاش ہم اس سے زیادہ تمہیں انعام دے سکتے بہر حال اس کو قبول کرو ہمیں امید ہے کہ آئندہ بھی تم اسی طرح ہمارے کام آتے رہو گے ہم اپنے محل کو نیلی آنکھوں والی کنیزوں سے بھر دینا چاہتے ہیں تا کہ دوسرے راجاؤں کو یہ کہنے کی جرائت نہ ہو کہ راجہ سنگرام کے محل میں بدشکل کنیزیں ہیں۔

گووند نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

مہاراج بھگوان نے چاہا تو آپ کے محل کی کنیزوں کو لوگ دور دور سے دیکھنے آیا کریں گے آپ کے محل کا چرچا گلی گلی، شہر شہر، ہو گا۔

گووند نے ماریا کو راجہ سنگرام کے غلاموں کے حوالے کیا اور خود اسی روز شام کو وہاں سے نکل کر اپنی جنگل والی کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گیا ماریا کو راجہ کے محل میں داخل کر دیا گیا وہاں دوسری کنیزیں بھی تھی

مگر سب کی کالی آنکھیں تھیں صرف ماریا کی آنکھیں نیلی تھیں اس لیے اس کی بہت حفاظت کی جاتی تھی اسے اتنی بھی اجازت نہ تھی کہ وہ محل سے باہر بھی جھانک سکے راجہ کو ڈر تھا کہ کہیں یہ کنیز بھاگ نہ جائے جہاں وہ رہتی تھی اس کے اردگرد چوبیس گھنٹے تلوار لیے سپاہی پہرہ دیتے رہتے تھے ماریا جیتے جی قید میں پڑ گئی تھی وہ اپنے بھائیوں کو یاد کر کے دن رات آنسو بہاتی رہتی مگر اسکے بھائیوں کو اس کی حالت کا کوئی علم نہ تھا۔

عنبر اور ناگ اجین کے مندر میں رہ رہے تھے۔

شانتا نے بابا کو یہی بتایا تھا کہ ماریا اپنے آپ کہیں بھاگ گئی ہے بابا صبر کر کے بیٹھ گیا کرنا خدا کا کیا ہوا کہ خدا نے شانتا کے گھر ایک لڑکا دے دیا یہ لڑکا بڑا ہی خوب صورت تھا شانتا اچھوت تھی اسے معلوم تھا کہ اگر راجہ کو اور مندر کے پجاریوں کو معلوم ہو گیا کہ شانتا کے ہاں

ایک بڑا ہی خوب صورت بچہ پیدا ہوا ہے تو وہ اسے چھین کر لے جائیں گے اور ناگ دیوتا پر قربان کر دیں گے اس نے اپنے بچے کو گھر کے اندر چھپا لیا وہ اسے کبھی لے کر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی مگر یہ بات چھپی نہ رہ سکی کسی نے مندر کے بڑے پجاری کو جا کر بتا دیا کہ شمشان بھومی والے اچھوت بابا کی لڑکی شانتا کے گھر ایک بہت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا ہے پجاری بڑا خوش ہوا کیونکہ قربانی کا دن قریب آ رہا تھا اور اسے ابھی تک کسی اچھوت کا خوب صورت بچہ نہیں ملا تھا، راجہ نے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی خوب صورت بچہ نہ ملا تو مجبوراً پجاری کے بیٹے کو قربان کر دیا جائے گا۔

اب جو پجاری نے یہ سنا کہ شانتا نام کی ایک اچھوت عورت کے ہاں خوب صورت لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ خوشی سے نہال ہو گیا اس نے راجہ کو اطلاع کر دی راجہ نے سپاہیوں کا دستہ پجاری کے ساتھ کیا اور انھوں

نے اچانک شانتا کے گھر پر حملہ کر کے بچے کو چھین لیا شانتا روتی چلاتی رہ گئی مگر سپاہیوں پر کوئی اثر نہ ہوا پجاری نے ٹھوکر مار کر شانتا کو دور کر دیا اور اس کا بچہ لے کر واپس مندر میں آ گئے مندر میں آ کر بچے کو دریائے گنگا کے پانی سے غسل دیا گیا اس پر خوشبوئیں چھڑکیں گئیں اسے پاک کیا گیا اور پھر ایک پرانی پجارن عورت کے حوالے کر دیا گیا جس نے بچے کی دیکھ بھال شروع کر دی۔

جس کوٹھڑی میں بچے کو رکھا گیا تھا وہاں کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی راجہ کا حکم تھا کہ بچے کو قربانی کے روز تک اسی کوٹھڑی میں رکھا جائے شانتا کا برا حال ہو رہا تھا آخر وہ اپنے بچے کی ماں تھی ماں کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اس کے بچے کو دیوتا کے بت کے آگے ڈال کر قتل کر دیا جائے مگر راجہ کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکتی تھی وہ سارا دن بے ہوش رہی ہوش آیا تو رونے لگی اپنے بچے کو آوازیں دینے لگی اس کے

باپ نے بیٹی کو بڑا دلاسہ دیا کہ بھگوان کو یہی منظور تھا مگر شانتا کو کیسے صبر آتا۔

چنانچہ ایک رات کو وہ اپنی کوٹھڑی سے نکلی اور مندر کی طرف روانہ ہو گئی اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ یا تو مر جائے گی یا بچے کو ظالم پجاری سے چھین کر لے آئے گی وہ اندھیرے میں چھپتی چھپاتی مندر تک پہنچ گئی ابھی وہ ڈیوڑھی سے باہر ایک چٹان کے پیچھے کھڑی اندر جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہاں سے عنبر اور ناگ کا گزر ہوا انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ پجاری نے کسی اچھوت عورت کا بچہ قربانی کے لئے حاصل کر لیا ہے وہ اس قربانی کے سخت خلاف تھے اور سوچ رہے تھے کہ بچے کو کس طرح بچایا جائے انھوں نے جو ایک عورت کو چٹان کے پیچھے چھپتے دیکھا تو اس کے پاس آ گئے شانتا انھیں دیکھ کر ڈر گئی عنبر نے اسے تسلی دے کر کہا۔

گھبراؤ نہیں ہمیں بتاؤ تم یہاں کیوں آئی ہو؟ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔؟

شاہتا رونے لگی اس نے روتے ہوئے عنبر اور ناگ کو ساری داستان غم سنا ڈالی عنبر اور ناگ کے دل پر بڑا اثر ہوا عنبر نے کہا۔

بہن! ہمیں بھی اپنا بھائی سمجھو ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے تم فکر نہ کرو ہماری ایک بہن تھی ماریا وہ ہم سے بچھڑ گئی مگر ہم تمہیں بھی اپنی بہن ہی سمجھ کر تمہارے کام آئیں گے۔

ماریا کا نام سن کر شاہتا کی چیخ نکل گئی۔

بھگوان نے میرے گناہ کی مجھے سزا دی ہے بھائیو! مجھے معاف کر دو میں نے روپے کے لالچ میں تمہاری بہن ماریا کو ایک ڈاکو گووند کے حوالے کر دیا تھا۔

عنبر اور ناگ حیران رہ گئے۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن؟

شانتا نے کہا۔

میں سچ کہہ رہی ہوں بھائی وہ بے چاری تم لوگوں کی تلاش میں جنگل جنگل بھٹکتی میرے پاس آئی میں نے لالچ کیا اور غداری کی بھگوان نے مجھے سزا دی تم مجھے معاف کر دو بھگوان کے لئے معاف کر دو۔

میں پچھتا رہی ہوں کہ میں نے ایسا کیوں کیا کاش میں ماریا سے نیک سلوک کرتی ناگ نے پوچھا۔

کیا تمہیں معلوم ہے گووند ڈاکو کا ڈیرہ کہاں ہے۔؟

دریا چمبل کے کنارے جنگل میں ایک ویران محل کا کھنڈر ہے گووند اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہیں رہتا ہے لیکن میرے بھائیو! کیا تم ایک دکھیا عورت کے بچے کی زندگی نہیں بچاؤ گے تم نے اپنے منہ سے بہن کہا تھا کیا تم میری مدد نہیں کرو گے۔

عنبر نے کہا۔

بہن! تم سے جو گناہ ہوا وہ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں ہم اپنی بہن کو بعد میں تلاش کر لیں گے پہلے تمہارے بچے کی جان بچائیں گے قربانی کو ابھی چار روز باقی ہیں تم اپنے گھر جا کر اطمینان سے بیٹھو خدا نے چاہا تو تمہارا بچہ وہیں تمہارے پاس پہنچا دیا جائے گا۔

شاننتا نے دونوں کے پاؤں چھوئے ہاتھ جوڑ کر ایک بار پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اپنے گھر کا پتا بتا کر رات کے اندھیرے میں واپس اپنے گھر آ گئی عنبر اور ناگ سوچ میں گم اپنی کوٹھڑی میں آ کر غور کرنے لگے کہ بچے کی جان کیسے بچائی جائے۔

موت کا سفر

بچے کی قربانی کا دن قریب آ گیا تھا۔

سارے ناگ مندر کو جھنڈیوں اور پھولوں سے سجایا جا رہا تھا سنگ مرمر کے فرش اور پتھروں کی مورتیوں کو مقدس پانی سے دھویا جاتا جس کوٹھڑی میں اچھوت عورت شانتا کے بچے کو رکھا گیا تھا وہاں پہرہ بہت سخت کر دیا گیا تھا کسی کو اتنی اجازت نہیں تھی کہ بچے کی ایک جھلک بھی دیکھ سکے۔ ادھر ناگ اور عنبر پریشان تھے کہ بچے کی جان ان ظالموں سے کیسے بچائی جائے جو گنوار تھے جاہل تھے، ظالم تھے۔ اور بچے کی قربانی کر کے ایک بہت بڑا گناہ کر رہے تھے بہر حال وہ یہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے انھیں بچے کی ماں کا بھی خیال تھا جس نے

اگرچہ ان کی بہن کو اغوا کرایا تھا مگر اس نے معافی مانگ لی تھی اور رو رو کر ان سے التجا کی تھی کہ وہ اس کے بچے کی زندگی بچا لیں۔

آج بچے کی زندگی کی آخری رات تھی صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی بچے کو دیوتا کے بت کے سامنے ذبح کر دیا جانا تھا کسی طرح چھپتی چھپاتی مامتا کی ماری بچے کی ماں دوبارہ عنبر اور ناگ کے پاس آ گئی وہ ان کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر کہنے لگی۔

میری جان لے لو پر میرے بچے کو بچا لو بھائی میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں میری جان لے لو میرے بچے کی جان بچا لو۔

عنبر نے کہا۔

بہن ہم تمہارے بچے کے بارے میں ہی سوچ رہے ہیں تم فکر نہ کرو۔ جا کر آرام سے گھر بیٹھو ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے۔

ناگ نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

بہن! تم گھر جا کر ہمارا انتظار کرو صبح ہونے سے پہلے تمہارا بچہ تمہارے پاس پہنچ جائے گا مگر تمہیں ایک بات کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

وہ کیا ہے بھائی! میں تو مرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔

تمہیں اپنے باپ کے ساتھ شہر سے فوراً نکل جانا ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

مگر دوست! یہ بے چارے غریب لوگ ہیں یہ کہاں جائیں گے اگر یہ عربی گھوڑے پر بھی سوار ہو کر جائیں تو راجہ کی فوج انہیں راستے میں ہی پکڑ لے گی ناگ نے کہا۔

پھر کیا ہو؟

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس عورت کے بچے کے ساتھ کسی اور جگہ چھپا دینا چاہیے۔

اس شہر میں تو ہم کسی بھی خفیہ جگہ سے واقف نہیں ہیں شانتا نے کہا۔

میرے باپ کا بڑا بھائی یہاں سے دوپہر کے سفر پر جنگل میں ایک جگہ رہتا ہے اگر میں اس کے پاس چلی جاؤں تو کیا خیال ہے۔؟

ہاں! یہ ٹھیک ہے اگر تم جنگل میں محفوظ رہ سکتی ہو تو یہاں سے ابھی ابھی اپنے باپ کو اپنے ساتھ لے کر نکل جاؤ ہمیں اس جگہ کا نشان بتا دو ہم بچے کو لے کر وہاں پہنچ جائے گئے۔

شانتا نے کہا۔

میں بھی آپ کے ساتھ ہی بچے کو لے کر نہ چلوں؟

عنبر کہنے لگا۔

بہن! ہم پر اعتبار کرو ہم تمہیں پہلے صرف اس لیے بھیج رہے ہیں کہ تم عورت ہو ہو سکتا ہے راستے میں دیر ہو جائے پھر راجہ کے سپاہی ہمیں پکڑ لیں گے ہم مرد ہیں ہمیں معلوم ہے کہ تم جنگل میں موجود ہو تو ہم بڑی تیزی کے ساتھ یہیں سے بچے کو لے کر تمہاری طرف روانہ ہو

جائیں گے۔

اچھا بھائیو! جیسے تمہاری مرضی۔

آخر یہ بات طے پائی کہ شاناسا اسی وقت اپنے باپ کو لے کر اجین شہر سے نکل کر اپنے باپ کے بڑے بھائی کے پاس جنگل میں پہنچ جائے شاناسا چلی گئی اپنی جھونپڑی میں جا کر ساری بات اپنے باپ کو بیان کر دی اور دونوں گھر کو تالا لگا کر خچروں پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے وہ شروع رات میں چلے تھے انھیں خفیہ اور چھوٹے راستوں کا بھی علم تھا چنانچہ وہ آدھی رات ہونے سے پہلے ہی جنگل میں بڑے بھائی کی جھونپڑی میں پہنچ گئے۔

شاناسا کے باپ نے اپنے بھائی کو سارا واقعہ سنا دیا تو یہ بھی کہا کہ دو نوجوان اس کی مدد کر رہے ہیں انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہر حالت میں بچے کو لے کر یہاں پہنچ جائیں گے بڑے بھائی نے کہا۔

ایسی صورت میں بیچاری رعیہ کی فوج کو لے کر تمہاری تلاش میں ضرور نکلے گا اس لئے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ابھی سے چھپ جاؤ تاکہ اگر فوج تلاشی بھی لے تو تمہارا سراغ نہ مل سکے۔

اس شخص نے اپنی جھونپڑی کے پیچھے ایک ویران سی کھنڈ میں ان دونوں کو چھپا دیا اب وہ رات کو جاگ کر عنبر اور ناگ کا انتظار کرنے لگے تھے کیوں کہ اگر وہ رات کو نہیں آتے تو اس کا مطلب تھا کہ بچہ قربان کر دیا گیا ہے بچے کی ماں کی بری حالت تھی وہ کھنڈ کے اندر نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑی اپنے خدا سے رو رو کر خاموش ہونٹوں سے دعائیں مانگ رہی تھی۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ حرکت میں آ گئے تھے کافی سوچ بچار کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب سوچ بچار سے کام نہیں لینا ہو گا سوچ بچار کا وقت گزر چکا ہے بچے کی زندگی انھوں نے اس وقت اپنی زندگی

کا سب سے بڑا نصب العین بنا لیا تھا ناگ نے عنبر سے کہا۔

دوست! تم گھوڑوں کو لے کر مندر سے باہر والے عقبی باغ میں رہنا میں کسی وقت بھی وہاں بچے کو لے کر پہنچ جاؤں گا۔

عنبر اسی وقت گھوڑوں کو کھول کر مندر کے پچھواڑے آ گیا ناگ نے اکیلی جھونپڑی کا دروازہ بند کیا۔ اور پھنکار کر سیاہ سانپ کے روپ میں آ گیا سانپ کے مندر میں اس کو سانپ کے روپ میں دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا اور کوئی اسے مار بھی نہیں سکتا تھا کیوں کہ مندر میں زہریلے سے زہریلے سانپ کو مارنا منع تھا یہاں تک کہ اگر کوئی سانپ کسی کو کاٹ بھی لے تو اسے ہلاک نہیں کیا جا سکتا تھا یہ بات ناگ کے حق میں جاتی تھی۔

سانپ کی شکل اختیار کرتے ہی وہ اپنی کوٹھڑی میں سے نکل کر اس کوٹھڑی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں بچے کو چھپا کر رکھا گیا تھا اس

کوٹھڑی کے باہر دو خونخوار سرخ آنکھوں والے ہٹے کٹے پجاری نیزے لیے پہرہ دے رہے تھے رات گہری ہوگئی تھی مندر میں ہر طرف خاموشی اور اندھیرا تھا صرف مورتی والے کمروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں اور بھجن گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یا پھر اس چبوترے کو مقدس پانی سے غسل دیا جا رہا تھا جہاں صبح ہوتے ہی بچے کو قربان کیا جاتا تھا۔

سانپ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا اس کوٹھڑی کے باہر آ گیا جہاں پجاری پہرہ دے رہے تھے اس نے ایک جگہ اندھیرے میں کھڑے ہو کر حالات کا جائزہ لیا وہ یہ سوچنے لگا کہ پہلے کس پر حملہ کرے کہ دوسرے کو حملے کی خبر نہ ہو ایک پجاری دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فرش پر بیٹھا تھا سانپ نے سوچا اگر پیچھے سے جا کر وہ اسے ڈس دے تو اس کی موت پر شور نہیں مچے گا جب کہ دوسرا پجاری کھڑا ہو کر پہرہ

دے رہا تھا اگر سانپ اسے ڈس دے تو وہ ضرور دھڑام سے گر پڑے گا اور شور مچ جائے گا۔

سانپ فرش پر بیٹھے ہوئے پجاری کی طرف بڑھا وہ چھت پر سے ہو کر دوسری دیوار کے ذریعے نیچے فرش پر گیا اب وہ پجاری کے پیچھے تھا وہ چپکے سے رینگتا ہوا اس کے عقب میں آ گیا اور اس نے چپکے سے اپنا پھن پھیلا کر پجاری کی گردن پر اس زور سے ڈسا کہ وہ اف بھی نہ کر سکا اور زہر کے اثر سے اسی لمحے پتھر بن کر بے حس ہو گیا۔ پہلے پجاری کو ٹھکانے لگا کر سانپ بڑی تیزی سے اندھیرے میں دوسرے پجاری کی طرف آ گیا وہ بڑے مزے سے اپنے ساتھی کی موت سے بے خبر کھڑا ہوا پہرہ دے رہا تھا اندھیرے میں اسے سانپ نظر نہ آیا جو زمین پر رینگتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ سانپ نے پجاری کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اپنا پھن پھیلا دیا پجاری نے سوچا کہ یہ مندر

کا سانپ ہے جو اکثر وہاں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور اسے کچھ نہیں کہے گا۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر سانپ کو سلام کیا۔

سانپ اپنے دل میں مسکرایا کہ احمق آدمی اپنی موت کو سلام کر رہا ہے پجاری نے مسکرا کر سانپ کو چھونے کی کوشش کی سانپ نے لپک کر اس کی بھی گردن پر ڈس دیا پجاری حیرانی سے سانپ کو دیکھتا رہ گیا اس عرصے میں زہر اپنا کام کر چکا تھا، پجاری کھڑے کھڑے دھڑام سے پتھر کے بت کی طرح نیچے گر پڑا وہ گرتے ہی مر گیا ان دونوں کا کام تمام کر کے سانپ جلدی سے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا، اسے ان دونوں کی موت کا ذرا سا بھی افسوس نہیں ہوا تھا، کیوں کہ یہ دونوں بڑے قاتل پجاری تھے اور انھوں نے بے شمار بچوں کو قتل کیا تھا۔

کوٹھڑی کے اندر وہ مکار پجارن بیٹھی بچے پر پہرہ دے رہی تھی جس

کے کندھوں پر بھی سینکڑوں معصوم بچوں کا خون تھا سانپ اندھیرے میں ایک طرف رک گیا کوٹھڑی میں ایک شمع جل رہی تھی جس کی روشنی بڑی معمولی تھی سانپ نے دیکھا کہ بچہ بے چارہ اپنے خوفناک انجام سے بے خبر سو رہا ہے اور مکار ڈائن اس کے سر پر بیٹھی پہرہ بھی دے رہی ہے اور اسے کھا جانے کی نظروں سے دیکھے جا رہی ہے سانپ نے آگے بڑھ کر زور سے پھنکار ماری پجارن نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ کچھ حیران سی ہو گئی کیوں کہ عام طور پر کوٹھڑی میں کبھی کوئی سانپ نہیں آیا تھا اس لئے کہ اس کوٹھڑی میں مقدس سانپ دیوتا پر قربان کیے جانے والا بچہ رکھا ہوتا تھا اور یہ مقدس ناگ دیوتا کی توہین سمجھی جاتی تھی کہ کوئی سانپ اس کوٹھڑی میں داخل ہو جائے اس نے زمین سے لکڑی اٹھا کر دے ماری۔

سانپ اگر پرے نہ ہٹ جاتا تو ضرور زخمی ہو جاتا سانپ کو سخت غصہ

آیا اوس نے زمین پر سے بلند ہو کر اپنا پھن پھیلا کر اور بڑے جوش اور غصے کے عالم میں بار اپنی زبان نکال کر جھومنے لگا پجارن نے آگے بڑھ کر سانپ کے سر پر لاٹھی مارنے کی کوشش کی کیوں کہ اس کے خیال میں وہ ایک مندر کا بے ضرر سانپ تھا اور اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ پجارن پر حملہ کر سکتا۔

مگر سانپ تو پجارن کا دشمن تھا جو ہر سال بچوں کی قربانی میں راجہ اور پجاریوں کا ہاتھ بٹاتی تھی وہ آگے بڑھ کر پجارن کے بالکل قریب آ گیا پجارن کے ماتھے پر پسینہ آ گیا سانپ نے فوراً گردن جھکائی ایک جھٹکا کھایا اور پجارن کے ماتھے پر کاٹ دیا پجارن کے منہ سے چیخ نکل گئی مگر اوس کی چیخ سننے والا باہر کوئی نہ تھا دونوں پہرے دار اس سے پہلے مر چکے تھے پجارن کو دوسری بار چیخ مارنے کی مہلت نصیب نہ ہوئی وہ زمین پر گری اور گرتے ہی مر گئی۔

سانپ نے فوراً اپنی انسانی شکل اختیار کی اور بچے کو اٹھا کر کپڑوں میں لپیٹا اسے سینے کے ساتھ لگایا اور کوٹھڑی سے باہر آ گیا باہر دونوں پہرے داروں کی لاشیں اسی طرح پڑی تھیں ناگ نے ایک پہریدار کا نیزہ اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور مندر کے بڑے دروازے کی طرف چل پڑا۔ بڑے دروازے کی ڈیوڑھی اندر سے بند تھی صرف ایک سپاہی پہرے پر تھا جو دیوار کا سہارا لیے اونگھ رہا تھا ناگ نے پہلے سوچا کہ چپکے سے اس کی جیب سے چابیاں نکال کر دروازہ کھولے اور باہر بھاگ جائے مگر پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ جاگ پڑا تو وہ شور مچا دے گا اور پھر ناگ اکیلا بچے کے ساتھ سپاہیوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

اس نے سپاہی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا یہ سوچ کر اس نے بچے کو زمین پر لٹایا اور نیزہ لے کر سپاہی پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ بچہ رونے لگا ادھر بچہ رویا ادھر سپاہی کی آنکھ کھل گئی اس کی آنکھ کا کھلنا تھا کہ ناگ

www.pdfbookfree.pk

نے نیزہ تول کر پوری قوت کے ساتھ سپاہی کے سینے میں گھونپ دیا نیزہ اس کے دل سے پار ہو کر دوسری طرف نکل گیا اس نے آہ بھی نہ کی اور مر گیا۔

ناگ نے اس کی جیب میں سے چابی نکال کر ڈیوڑھی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا اتفاق سے بڑا پجاری اس وقت وہاں سے گزر رہا تھا اس نے جو ایک آدمی کو بچہ اٹھائے بھاگتے دیکھا تو اسے شک سا ہوا اس نے آواز دی۔

کون ہو تم۔

ناگ بالکل نہ رکا۔ پجاری نے پھر آواز دی۔

کون ہو تم جواب دو نہیں تو گرفتار کر لوں گا۔

مگر ناگ کے لئے وہاں رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ بھاگ کر مندر کے پیچھے آ گیا پجاری نے ایک دم شور مچا دیا سارے سپاہی

اور پہرے دار وہاں آ گئے پجاری نے کہا۔

فوراً اسے پکڑو وہ قربانی کے بچے کو چرا کر بھاگ رہا ہے سپاہی اور پہرے دار اس طرف اٹھ دوڑے جدھر ناگ گیا تھا اس وقت ناگ اور عنبر بچے کو لے کر گھوڑوں پر سوار ہو کر انہیں سرپٹ دوڑاتے جنگل کی طرف جا رہے تھے سپاہیوں نے بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کا تعاقب شروع کر دیا شہر کے دروازوں سے ناگ اور عنبر بڑی آسانی سے اس لئے گزر گئے کہ اتفاق سے دروازے کا ایک پٹ کسی ضروری کام کی وجہ سے کھلا تھا پہرے دار نے قلعے کے اندر سے دو سواروں کو سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آتے دیکھا تو پرے ہٹ گیا کچھ اپنی جان بچانے کے لئے اور کچھ یہ سوچ کر شاید شاہی ہرکارے ضروری کام کی وجہ سے باہر جا رہے ہیں۔

عنبر اور ناگ نے شہر سے باہر نکل کر گھوڑوں کی رفتار اور تیز کر دی شاہی

فوج کے سپاہیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے انہوں نے ناگ اور عنبر پر نیزوں کی ایک بوچھاڑ بھی چھوڑی مگر دونوں دوست ایک ٹیلے کا موڑ مڑ گئے اگر وہ موڑ نہ مڑتے تو سپاہیوں کے تیر ان کو چھلنی کر دیتے اب دریا ان کے سامنے تھا پیچھے دشمن تعاقب کر رہا تھا سامنے دریا آ گیا تھا اب کیا کریں کیا دریا میں گھوڑے ڈال دیں؟ ناگ اور عنبر نے دریا کنارے پہنچ کر دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔

﴾ختم شد﴿

☆ کیا قربان ہونے والا بچہ ماں کو واپس مل گیا؟

☆ ماریا کن حالات میں عنبر اور ناگ سے ملی؟

☆ زرتاش ٹھگ کا کیا انجام ہوا؟

☆ اس کے لیے اسی ناول کی اگلی یعنی سترھویں 17 قسط کا مطالعہ کریں۔

عنبر۔ ناگ۔ ماریا

سر کٹا بھوت

(قسط نمبر ۱۷)

اے حمید

سنو پیارے بچو!

عنبر اور ناگ نے غار میں سے بچے کو نکالا اور اسے لے کر اس کی مہارانی ماں کی طرف روانہ ہو گئے جو ایک جنگل کے گہرے کھڈ میں چھپی ہوئی ہے کیونکہ دشمن کے سپاہی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں گووند نے ماریا کو پہاڑی کے اوپر والے قلعے میں قید کر کے ڈال رکھا ہے ایک ڈراؤنے چہرے والی کنیز ماریا پر پہرہ دے رہی ہے راجہ سنگرام ماریا سے شادی کرنا چاہتا ہے ماریا قلعے پر سے کود کر مر جانے کا ارادہ کرتی ہے۔

عنبر اور ناگ، ماریا کو بچانے کے لئے قلعے کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں۔

فہرست

۱۔ خونی مقابلہ

۲۔ سر کٹا بھوت

۳۔ نقلی ڈاکو

۴۔ بہرام جن

۵۔ شیر کی گرج

۶۔ زرتاش کا انتقام

۷۔ جنگل میں کیا گزری؟

۸۔ جادوگرنی کی موت

۹۔ کالی بلا

۱۰۔ چٹانوں میں خون

خونی مقابلہ

جنگل میں داخل ہوتے ہی عنبر نے ایک دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح اپنا پیچھا کرنے والے دشمن کی نظروں سے روپوش ہو سکے گا مگر دشمن کچی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے تھا راجہ کے سپاہی اس جنگل کے چپے چپے سے واقف تھے دونوں دوست جنگل کے گنجان حصے میں آ گئے یہاں وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے۔ جہاں وہ چھپ کر سپاہیوں کو دھوکہ دے سکیں لیکن دشمن کے گھوڑوں کی آواز برابر انہیں اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھی ایسی حالت میں وہ بچے کو لے کر اس کی ماں کے پاس نہیں جا سکتے تھے کیوں کہ اس طرح وہ بچے کے ساتھ اس کی ماں کو بھی قابو میں کر سکتے تھے ناگ نے ایک

ٹیلے کا موڑ کاٹ کر کہا۔

عنبر تم بچے کو لے کر اس ٹیلے کے اوپر چھپ جاؤ میں سپاہیوں کا مقابلہ کرتا ہوں اس طرح وہ یاز نہ آئیں گے اور نہ بچے کو چھین کر لے جائیں گے۔

عنبر بچے کو لے کر ٹیلے کے اوپر گھوڑا لے کر چلا گیا۔

ناگ نے گھوڑے سے اتر کر پیچھے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اسے درختوں کے تنوں کے درمیان سپاہیوں کے گھوڑے اپنی طرف آتے دکھائی دیے وہ کل سات سپاہی تھے اور دو دو کی ٹولیوں میں آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے ناگ درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے چھپ گیا اس نے ایک پل کے لئے سوچا کہ اسے کیا کرنا چاہیے وہ ان سپاہیوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا وہ تو حکم کے غلام تھے راجہ نے کہا کہ فلاں کو پکڑ کر لاؤ اور وہ روانہ ہو گئے

آخر ناگ نے فیصلہ کر لیا۔

وہ ان سپاہیوں کو وہاں سے ڈرا کر واپس بھگا دینا چاہتا تھا اس نے پلک جھپکنے کے اندر اندر ایک خونخوار شیر کا روپ دھارا اور زمین کے ساتھ منہ لگا کر ایک دہشت ناک دہاڑ ماری آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کے گھوڑے ایک دم رک گئے کیونکہ شیر کی گرج سن کر جانور کبھی آگے بڑھنے کی جرات نہیں کرتا۔ ابھی سپاہی اپنے گھوڑے کو سنبھال ہی رہے تھے کہ شیر ایک دم جھاڑیوں میں سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔

بس پھر کیا تھا شیر نے دوسری بار گرج کر وہاں افراتفری مچا دی شیر کو دیکھ کر گھوڑے بدک گئے اور سواروں کو لے کر واپس اٹھ دوڑے سپاہی بھی اپنے سامنے ایک بہت بڑے زرد دھاریوں والے شیر کو دیکھ کر ڈر گئے تھے انہوں نے بھی گھوڑوں کو واپس دوڑانا شروع کر دیا

اور جنگل کے جنوبی حصے میں سے نکل کر دریا کنارے چلے گئے۔ جنگل گھوڑ سواروں سے خالی ہو گیا۔

ناگ نے واپس جھاڑیوں میں آ کر انسان کی شکل اختیار کر لی اور ٹیلے کے نیچے کھڑے ہو کر عنبر کو آواز دی عنبر نے بھی شیر کی گرج سن لی تھی اور وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا ناگ کی آواز سن کر وہ پہاڑی سے نیچے اتر آیا آگے میدان صاف تھا وہ بڑا خوش تھا اس نے اپنی تسلی کے لئے صرف اتنا پوچھا کہ ناگ نے شیر بن کر کسی سپاہی کو ہلاک تو نہیں کیا؟ کیوں کہ وہ بھی کسی بے گناہ کے خون بہانے کے خلاف تھا ناگ نے کہا۔

انہیں مارنے کی کیا ضرورت تھی وہ بے چارے تو میری گرج سن کر ہی دم دبا کر بھاگ اٹھے تھے۔

شاباش اب آؤ جنگل میں شاتستا کا ٹھکانہ تلاش کرتے ہیں۔ دونوں دوست اس مقام کے قریب پہنچ گئے تھے جہاں بچے کی ماں اور اس کا

باپ چھپے ہوئے تھے انہوں نے ایک جھونپڑی کو دیکھا وہاں ایک بوڑھا ناریل کے چھال کی رسیاں بٹ رہا تھا ناگ اور عنبر اس کے پاس چلے گئے بوڑھے نے ان دونوں کو دیکھا تو ڈر کر جھونپڑی کے اندر جانے لگا عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

بابا ہم سے ڈرو نہیں۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں صرف ہمارے سوال کا جواب دے دو۔

بوڑھا وہیں رک گیا اور سہمی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

ہمیں اس بچے کی ماں کی تلاش ہے اس کا نام شانتا ہے اور وہ شہر میں ایک ایسی جگہ رہتی ہے جہاں اچھوت اپنے مردوں کو جلایا کرتے تھے۔

بوڑھا سمجھ گیا کہ یہ تو اس کے چھوٹے بھائی کی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں اس نے اٹھ کر ہاتھ جوڑے اور کہا۔

اے خدا کے نیک بندو تم جس عورت کے بارے میں پوچھ رہے ہو وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے تم یہاں بیٹھو میں ابھی انہیں لے کر آتا ہوں۔

عنبر اور ڈنگ ایک کھاٹ پر بیٹھ گئے بوڑھے نے بچے کو لے کر دوسری کھاٹ پر سلا دیا اور خود شانتا اور اس کے باپ کو گھر میں اطلاع کرنے چلا گیا تھوڑی دیر بعد شانتا اپنے باپ کے ساتھ آ گئی اس نے لپک کر اپنے بچے کو گلے لگا لیا اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے شانتا کے باپ نے دونوں دوستوں کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور کہا کہ وہ نیکی کے فرشتے ہیں انہوں نے ایک دکھیاری ماں کے جگر کے ٹکڑے کو پھر سے ملا دیا ہے عنبر نے کہا۔

بابا ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے ہم نے بچے کی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ

اس کا بچہ اسے ضرور لا کر دیں گے خواہ راستے میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ اٹھانی پڑیں ہم نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

ناگ نے کہا۔

شانتا اب تمہارا فرض ہے کہ تم ماریا کے بارے میں ہماری رہنمائی کرو اور ہمیں بتا دو کہ وہ کہاں ہو گی۔

شانتا نے کہا۔

اے نیک دل انسانوں مجھ سے زندگی کا بہت بڑا گناہ ہو گیا جب میں نے روپے کے لالچ میں آ کر ماریا کو ڈاکو گووند کے حوالے کر دیا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تمہاری بہن ہے تو میں ایسا کبھی نہ کرتی۔

عنبر نے کہا۔

جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب تم ہمیں ڈاکو گووند کا ٹھکانہ بتا دو تم اپنی بہن کو وہاں سے حاصل کر لیں گے۔

شانتا نے کہا۔

ڈاکو گووند نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اسی جنگل کے دوسرے کنارے ایک ویران قلعے کے کھنڈر میں رہتا ہے اگر تم وہاں جاؤ تو تمہیں ماریا ضرور مل جائے گی میرا خیال ہے کہ ڈاکوؤں نے ماریا کو آگے فروخت نہیں کیا ہوگا۔

عنبر اور ناگ نے کچھ دیر اس جھونپڑی میں قیام کیا منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے گھوڑوں کو چارہ وغیرہ کھلا کر تازہ دم کیا اور پھر سے سفر پر روانہ ہو گئے وہ جس جنگل میں جا رہے تھے وہ آگے چل کر زیادہ گھنا ہونا شروع ہو گیا تھا پھر بھی وہ بڑھتے چلے گئے اس لیے کہ وہ اس قسم کے گھنے جنگل وہ اس سے پہلے دیکھ چکے تھے راستے میں ایک بہت تیز رفتار نہر آ گئی نہر چھوٹی تھی مگر اس کا پانی بہت تیز تھا اتنا تیز کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔

ٹاگ نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا اس کے بعد عنبر نے گھوڑا ڈال دیا پانی کی لہریں گھوڑوں کو پیچھے کی طرف دھکیل رہی تھیں مگر گھوڑے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے آخر وہ پانی میں سے گزر گئے اور کنارے پر آگئے اب آگے پھر جنگل شروع ہو گیا عنبر نے ٹاگ سے پوچھا۔

یہ بتاؤ کہ یہ جنگل کہیں ختم بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

ٹاگ نے مسکرا کر کہا۔

تمہاری طرح بھی اس جنگل میں پہلی بار آیا ہوں مجھے خود معلوم نہیں کہ یہ جنگل کہاں جا کر ختم ہوتا ہے بہر حال میرا کیال ہے کہ ہم اسی طرح چلتے رہے تو شام تک جنگل کے جنوبی کنارے پہنچ جائیں گے۔

وہ شام تک چلتے رہے مگر جنگل کا جنوبی کنارہ نہیں آ رہا تھا رات ہو گئی اندھیرا پھیل گیا جنگل زیادہ ڈراؤنا نظر آنے لگا عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں رات یہیں کہیں بسر کر کے صبح کو پھر سے سفر شروع کرنا چاہیے اس لیئے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں ہم راستہ نہ بھول جائیں کیا خیال ہے تمہارا ناگ۔

ناگ نے چاروں طرف جنگل میں نظر دوڑا کر کہا۔

میرا خیال ہے تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔ ہمیں رات اسی جگہ بسر کرنی چاہیے اس جنگل میں تو اس قدر اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آ رہا۔

تو پھر گھوڑے اسی جگہ باندھ کر آرام کرتے ہیں۔؟

چنانچہ دونوں دوست گھوڑوں سے اتر پڑے انہوں نے گھوڑے درختوں کے ساتھ باندھ دیے اور خود قریب ہی سوکھے پتوں کے بستر پر لیٹ کر آرام کرنے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے ناگ نے کہا۔

میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ ڈراؤنا جنگل آج تک نہیں دیکھا تمہارا کیا خیال ہے عنبر؟ کیا اس جنگل کی خاموشی عجیب وغریب نہیں ہے؟

عنبر اندھیرے میں بولا۔

مجھے بھی جنگل کی خاموشی عجیب وغریب لگتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگل پر بھوتوں کے جنگل کا گمان ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھٹکی ہوئی روحیں رات کو بسیرا کرتی ہیں۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

بھٹکی ہوئی روحیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اگر وہ ہم سے ملنے رات کو آ بھی گئیں تو اپنے آپ ڈر کر بھاگ جائیں گی اس لیے کہ ہم خود بھٹکے ہوئے بھوت ہیں۔

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اس نے ناگ کے اس جملے کا بڑا لطف اٹھایا تھا

اس کے قہقہے کی آواز جنگل میں دیر تک گونجتی رہی جیسے وہ کسی گنبد میں بیٹھے ہوئے ہوں غنبر نے کہا۔

تم نے ایک عجیب شے محسوس کی۔؟

کون سی۔؟

یہی کہ جنگل میں اس طرح قہقہے کی آواز کبھی نہیں گونجا کرتی کیونکہ جنگل میں آسمان کھلا ہوتا ہے کوئی گنبد نہیں ہوتا مگر میرے قہقہے کی آواز تو بڑے زور سے گونجی ہے۔

ناگ بولا۔

ہاں یار یہ بات میں نے بھی محسوس کیا ہے لیکن ہوسکتا ہے جنگل میں ہوا کے ایک دم بند ہو جانے اور درختوں کے گنجان ہونے کی وجہ سے گونج پیدا ہوگئی ہو۔

بہر حال جو کچھ بھی ہے یہ ایک دلچسپ اور انہونی بات ہے وہ ابھی

باتیں ہی کر رہے تھے کہ جنگل میں انہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بھاری بھرکم شے ان کی طرف بڑھ رہی ہو زمین پر سوکھے پتوں کے چرچرانے کی آواز تھوڑی تھوڑی دیر بعد آ رہی تھی۔ دونوں ایک دم خاموش ہو گئے عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

معلوم ہوتا ہے کوئی ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔

ہاں ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے۔

وہ ہوشیار ہو گئے اور کان آہٹ پر لگا دیے آواز تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قریب سے قریب تر آ رہی تھی پھر اچانک ان کے سامنے ایک ایسا ہاتھی آ کر کھڑا ہو گیا جس کا سر نہیں تھا وہ اپنے چار پاؤں پر کھڑا تھا اور سر غائب تھا عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اس خوفناک ہاتھی کو تکنے لگے۔

سر کٹے ہاتھی نے زور سے چنگھاڑ ماری اور پھر ایک دم ایک بہت بڑے شیر میں تبدیل ہو گیا شیر زور سے گرجا اور عنبر کی طرف بڑھا عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

کیا خیال ہے اسے تم شکار کرو گے یا میں اپنا کرتب اسے دکھاؤں مجھے یہ کوئی بدروح معلوم ہوتی ہے۔

ناگ نے کہا۔

میں اس سے دو دو ہاتھ کرتا ہوں۔

اتنا کہہ کر ناگ نے پھنکار ماری اور ایک خوفناک سینگ والا گینڈا بن کر شیر کی طرف بڑھا شیر ایک دم پیچھے ہٹا اور اب ایک اونچے لمبے بڑے بڑے سینگوں والے جن کی شکل میں سامنے آ گیا اور اپنا ایک ڈراؤنا بازو آگے بڑھا کر گینڈے یعنی ناگ پر حملہ کر دیا گینڈا ایک دم دوسری طرف ہٹ گیا اگر جن کا ہاتھ گینڈے پر پڑ جاتا تو وہ یقیناً دو

ٹکڑے ہو جاتا عنبر نے محسوس کیا کہ یہ کام ناگ سے نہ ہو سکے گا اس لئے کہ اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اکیلا ایک خوفناک جن کا مقابلہ کر سکے۔

عنبر نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور زور سے پھونک ماری جنگل میں ایک زبردست ہوا کا جھکڑ آیا۔ جس نے جن کو اٹھا کر دس قدم دور پھینک دیا جن بڑا حیران ہوا کہ یہ کون سی نئی بلا ہے۔ جس نے اسے اپنے پاؤں پر سے ہلا دیا ہے۔ وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ عنبر نے اس پر دوسرا حملہ کر دیا عنبر اس دفعہ جن پر حملہ آور ہو گیا اس نے جن کو ایک زوردار ٹکر ماری بھلا ایک ٹکر سے جن کا کیا بگڑ سکتا تھا؟ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ جن حیران ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اسے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ ایک عام قسم کا کمزور انسان اس کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس جنگل میں بھٹکنے والا ایک طاقتور جن تھا اور اس

سے پہلے کئی لوگوں کو ہلاک کر چکا تھا۔

جن نے زور سے ایک چیخ ماری۔ سارا جنگل چیخ سے تھرتھرا اٹھا۔

ناگ گینڈے کا روپ چھوڑ کر ایک سانپ کی شکل میں آ گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر چھپ گیا کیونکہ وہ جن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اگر وہ کچھ دیر اور وہاں کھڑا رہتا تو جن اس کا کچومر نکال دیتا۔

اب جن اور عنبر کا مقابلہ تھا جن نے آگے بڑھ کر عنبر کو ایک ہاتھ سے اٹھا لیا اور پوری قوت سے زمین پر مار کر اس پر پاؤں رکھ دیا اس کے پاؤں کا وزن ایک پہاڑ جتنا تھا پہلے تو جن کو یقین تھا کہ عنبر زمین پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہوا عنبر زمین پر اس طرح گرا جس طرح روئی کا گولا گرتا ہے جب جن نے اس کے اوپر پاؤں رکھا تو عنبر کا پھر بھی کچھ نہ بگڑا اور وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا جن کو بے حد قصہ آ گیا اس نے عنبر کو دونوں ہاتھوں میں

لے کر زور زور سے مسلنا شروع کر دیا عنبر پھر بھی زندہ رہا اور اس کے ہاتھوں میں بڑے مزے سے ادھر سے اُدھر ہوتا رہا جن جھنجھلا اٹھا اس نے عنبر کو ایک درخت کے ساتھ پٹخنا شروع کر دیا درخت ٹوٹ کر گر پڑا مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ نہ اسے کوئی زخم آیا اور نہ کہیں سے خون ہی بہا وہ اسی طرح سالم کا سالم رہا جن پریشان ہو گیا اس نے عنبر کو زور سے زمین پر پھینک دیا عنبر کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور جن کی طرف دیکھ کر بولا۔

اے بدروح۔ کیا تمہیں اب بھی معلوم نہیں ہوا کہ میں کون ہوں اور مجھے موت کیوں نہیں آ رہی۔؟

جن نے ایک خوفناک گرج کے ساتھ کہا۔

تو کون ہے؟

عنبر بولا۔

یہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے گا تو نے مجھے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی میں ہلاک نہیں ہوا اب میں تمہیں ہلاک کرنے کی معمولی سی کوشش کروں گا پھر دیکھوں گا تم کس طرح اپنا بچاؤ کرتے ہو۔

یہ کہہ کر عنبر نے دونوں آنکھیں بند کر کے کنیز کی روح کا تصور ذہن میں کیا اور پھر درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر زمین میں گاڑ دی۔

ٹہنی کا زمین کے اندر گڑنا تھا کہ جن گھٹنوں تک زمین کے اندر گڑ گیا جتنی ٹہنی زمین کے اندر تھی اتنا ہی جن زمین کے اندر چلا گیا تھا جن نے زمین میں سے اپنے پاؤں باہر نکالنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا عنبر نے ٹہنی کا ایک پتا توڑ کر اپنے ہاتھوں میں مسلنا شروع کر دیا اس کے ساتھ ہی جن کی چیخیں نکل گئیں اسے یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑا پہاڑ ایسا جن اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر مسل رہا ہو اس کی پسلیاں ٹوٹی جا رہی ہیں وہ زور سے چیخیں مارنے اور

دہاڑنے لگا جنگل اس کی چیخوں سے گونج اٹھا اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔

مجھے بخش دو مجھ پر رحم کرو میں تمہیں کبھی کچھ نہیں کہوں گا۔

عنبر نے کہا۔

کیا اب تم سمجھ گئے ہو کہ تم کس شخص سے مقابلہ کر رہے تھے۔؟

جن نے کہا۔

مجھے معاف کر دو مجھے معاف کر دو۔

عنبر نے کہا۔

تم اس سے پہلے کئی لوگوں کو اس جنگل میں ہلاک کر چکے ہو میں ان سب کا تم سے ٹھیک ٹھیک کر کے بدلا لوں گا تم نے بے شمار بے گناہوں کو مار ڈالا ہے۔

جن گڑگڑا دیا۔

حضرت سلیمان کا واسطہ مجھے معاف کر دو مجھے مارو نہیں میں تمہارا غلام بن کر رہوں گا............میں تمہارا غلام بن کر رہوں گا مجھے جو کہو گے وہی کروں گا میری جان مت لو۔ مجھے بخش دو۔

عنبر نے کہا۔

تم کون ہو اور اس جنگل میں کب سے ہو۔؟

جن نے کہا۔

اے دیوتا۔ میں ایک کافر جن ہوں اور ہزار برس سے اس جنگل میں ہوں میں نے لوگوں کو مارا نہیں بلکہ وہ میری شکل دیکھ کر اپنے آپ مر جاتے تھے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ کسی مسافر کے سامنے نہیں آیا کروں گا...........اور تمہارا غلام بن کر رہوں گا۔

تمہارا نام کیا ہے۔؟

میرا نام بہرام جن ہے اور میں کافرستان سے یہاں آ کر اس جنگل

میں آباد ہوا تھا۔

اس دوران میں ناگ بھی درخت سے اتر کر انسان کی شکل میں آ گیا تھا اور ان دونوں کی باتیں بڑے شوق سے سن رہا تھا جب جن بہت ہی گڑگڑ دیا تو ناگ نے کہا۔

عنبر میرا خیال ہے کہ اسے معاف کر دینا چاہیے۔

عنبر بولا۔

ہرگز نہیں۔ اس کے سر پر بے شمار لوگوں کا خون ہے میں یہ ٹہنی توڑ کر ابھی اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا تاکہ یہ اس کے بعد کسی بندۂ خدا کو ہلاک نہ کر سکے۔

جن نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

تمہیں تمہارے خدا کی قسم ہے مجھے معاف کر دو مجھے جان سے مت مارو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے بعد سے کبھی کسی مسافر کو تنگ

نہیں کروں گا بلکہ ہو سکا تو ان کی مدد کروں گا انہیں جنگلی درندوں سے بچاؤں میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ میری جان بخش دو۔

ناگ نے کہا۔

ہاں عنبر اس کی جان بخش دو اگر یہ وعدہ کرتا ہے کہ مسافروں کی مدد کرے گا بھولے بھٹکوں کو راہ دکھائے گا اور اس جنگل کے خون خوار درندوں سے مسافروں کو بچائے گا تو اسے معاف کر دینا چاہیے۔

عنبر نے کہا۔

اور اگر یہ اپنے وعدے سے پھر گیا تو۔؟

ناگ نے گھگھیا کر کہا۔

میں اپنے باپ کی قسم کھاتا ہوں کہ زندگی میں کبھی اپنے وعدے سے نہ پھروں گا اس سے بڑی قسم میں نہیں کھا سکتا یہ ہمارے قبیلے کی سب سے بڑی قسم ہے اگر کوئی کافر جن اس قسم سے پھر جائے تو وہ جل کر

بھسم ہو جاتا ہے کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا؟

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں یقین کر لینا چاہیے اگرچہ یہ کافر جن ہے پھر بھی اس نے بہت بڑی قسم کھائی ہے اسے معاف کر دو۔

عنبر نے کہا۔

اچھا دوست، اگر تم کہتے ہو تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔

اتنا کہہ کر عنبر نے زمین میں گاڑی ہوئی ٹہنی باہر نکال لی ٹہنی کا زمین سے باہر نکلنا تھا کہ جن بھی آزاد ہو گیا اس کے پاؤں بھی اپنے آپ زمین سے باہر نکل آئے جن ہاتھ باندھ کر عنبر کے آگے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

تم نے میری زندگی واپس دے کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں تم جو کہو گے میرے بس میں ہوا تو ضرور

پورا کروں گا۔

عنبر نے کہا۔

ہم اپنی بہن ماریا کی تلاش میں ہیں اسے ایک ڈاکو گوونڈا اٹھا کر لے گیا ہے ہمیں یہ بتاؤ کہ ڈاکوؤں کا ٹھکانہ اس جنگل میں کہاں پر ہے۔؟

جن نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اے میرے محسن تم اگر کہو تو میں اس پہاڑ کو اٹھا دوں تو میں اٹھا دوں گا تم اگر کہو کہ میں تمہیں یہاں سے سمندر پار پہنچا دوں تو پہنچا دوں گا۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں آدمی کہاں پر ہے اس لئے کہ مجھے غیب کا علم نہیں دیا گیا۔

عنبر نے کہا۔

پھر تمہارا کیا فائدہ ہوا۔ ہمیں تو اپنی بہن کی تلاش ہے ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمیں ڈاکوؤں کے ٹھکانے کا علم ہو جائے وہاں پہنچ کر تو ہم خود

اسے آزاد کروالیں گے پھر تمہاری مدد کی ہمیں ضرورت نہیں ہوگی۔

ناگ بولا۔

کیا تم ہمیں یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ویران قلعے کے کھنڈر کہاں ہیں۔

بہرام جن نے کہا۔

میرے محسن، میں ہاتھ باندھ کر معافی مانگتا ہوں مجھے اتنا اختیار نہیں دیا گیا مجھے صرف اس جنگل کے ایک میل کے اندر اندر جو کچھ ہے اس کا علم ہے اس کے باہر کیا ہے اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے کاش میں آپ لوگوں کی یہ خدمت کر سکتا۔

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے انہیں احساس ہو گیا تھا کہ بہرام جن جھوٹ نہیں بول رہا وہ بے چارا مجبور ہے اسے غیب کا علم نہیں دیا گیا اب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ جن کو وہاں سے رخصت کر کے تھوڑی دیر آرام کریں اور صبح کو اس کیلئے ہی آگے چلیں

عنبر نے جن سے کہا۔

اچھا اب تم جا سکتے ہو۔ اگر کبھی ہمیں تمہاری ضرورت پڑی تو ہم تمہیں کیسے بلائیں۔؟

جن نے کہا۔

صرف میرا نام بہرام جن لے لینا ہی کافی ہو گا میں حاضر ہو جاؤں گا اور مجھ سے جو مدد بھی ہو سکی وہ کر دوں گا۔

بہرام جن نے عنبر اور ناگ کو جھک کر سلام کیا اور غائب ہو گیا اس کے جانے کے بعد جنگل میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی کچھ دیر عنبر اور ناگ باتیں کرتے رہے اور پھر گہری نیند سو گئے ان کی آنکھ کھلی تو دھوپ نکل آئی تھی اور درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے وہ اٹھے ندی پر جا کر انہوں نے منہ ہاتھ دھویا اور تھوڑے سے جنگلی پھل توڑ کر کھائے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

سر کٹا بھوت

دونوں دوست سارا دن جنگل میں چلتے رہے۔

شام ہونے کو آ گئی مگر جنگل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا دونوں
کچھ پریشان سے ہو گئے کہ آخر یہ جنگل کب اور کہاں جا کر ختم ہو گا
اصل بات یہ تھی کہ وہ ایک غلط اور لمبے راستے پر آ گئے تھے اور نیم
درائرے کی شکل میں جنگل میں سفر کر رہے تھے اگر وہ سیدھے راستے
پر رہتے تو اس وقت تک جنگل کے جنوبی کنارے پر پہنچ چکے ہوتے
بہرحال شام ایک بار پھر سر پر آ گئی تھی انہوں نے دوبارا جنگل میں

رات بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ سخت اندھیرے کی وجہ سے رات کو جنگل میں سفر کرنا بہت دشوار بات تھی۔

انہیں ایک ٹوٹی پھوٹی بارہ دری نظر آئی قریب ہی ایک پرانا کنواں بھی تھا وہ اس جگہ رک گئے گھوڑوں کو جی بھر کر گھاس کھلا کر پانی پلایا اور خود بارہ دری کے ٹوٹے پھوٹے فرش پر کمبل بچھا کر لیٹ گئے اور باتیں کرنے لگے کہ ان کا یہ جنگل کا سفر کب ختم ہوگا ناگ کا خیال تھا کہ وہ راستے سے بھٹک گئے ہیں عنبر نے کہا اگر بھٹک بھی گئے ہیں تو پھر بھی انہوں نے کافی فاصلہ طے کرلیا ہے۔

اور کل تک انہیں جنگل کے جنوبی کنارے پر پہنچ جانا چاہیے ناگ نے کہا کہ اس کا بھی یہی خیال ہے خدا نے چاہا تو وہ اگلے روز اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے اس کے بعد وہ اپنی بھولی بھالی بہن ماریا کے بارے میں گفتگو کرتے رہے کہ خدا جانے بے چاری کس حال میں ہوگی اور

کہاں ہو گی اس ظالم ڈاکو گوونڈ نے اس پر کیا کیا ظلم نہیں کیے ہوں گے تھوڑی دیر بعد باتیں کرنے کے بعد ناگ کو نیند آنے لگی اس نے کہا۔

یار مجھے تو نیند آرہی ہے۔ میں سو رہا ہوں۔

چلو پھر میں بھی سو جاتا ہوں نیند تو مجھے نہیں آرہی لیکن کوشش کرتا ہوں کہ دو گھڑی آرام کر لوں کل پھر سفر کرنا ہے۔

ناگ تو اسی وقت خراٹے لینے لگا عنبر جاگتا رہا اسے نیند نہیں آرہی تھی اس کا خیال بار بار اپنی بہن ماریا کی طرف جا رہا تھا کہ نہ جانے بے چاری اس وقت کہاں ہو گی اور کس حالت میں ہو گی وہ بارہ دری کے ٹوٹے پھوٹے فرش پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آ گیا ہو بارہ دری ہل رہی تھی ناگ بھی چونک کر اٹھ بیٹھا اور بولا۔

یہ کیا ہو رہا ہے بارہ دری کیوں ہل رہی ہے۔؟

میرا خیال ہے بھونچال آ گیا ہے ہمیں چھت کے نیچے سے باہر آ جانا چاہیے۔

دونوں لپک کر چھت سے باہر آ گئے ادھر گھوڑوں نے بھی درخت کے نیچے کھڑے ڈر کر منمنانا شروع کر دیا عنبر اور ناگ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ یہ زلزلہ کب ختم ہو گا کہ ایک دم ایک درخت کٹ کر زمین پر گر پڑا انہوں نے چونک کر درخت کی جانب دیکھا یہ درخت پرانے کنوئیں کے پاس ہی کھڑا تھا کنوئیں میں سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا عنبر نے کہا۔

ناگ، یہ بھونچال نہیں ہے یہ کچھ اور ہی معاملہ ہے۔

ناگ بھی بڑی حیرانی سے کنوئیں میں سے نکلتے ہوئے دھوئیں کو دیکھ رہا تھا دھواں جنگل کی فضا میں پھیلتا چلا گیا اس کا ایک ستون سا بن گیا

اب بھونچال ختم ہو گیا تھا زمین ہلنا بند ہو گئی تھی دھوئیں کا ستون کنوئیں میں سے نکل کر عنبر اور ناگ سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا دونوں بڑے غور سے دھوئیں کے ستون کو دیکھنے لگے ان کے دیکھتے دیکھتے دھواں غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک ایسا بھوت آ کر کھڑا ہو گیا جس کے بارہ ہاتھ اور بارہ پاؤں تھے مگر سر غائب تھا اس کا قد ایک درخت کی طرح بلند تھا عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

یار یہ جنگل سر کٹے بھوتوں سے بھرا معلوم ہوتا ہے۔

ناگ بولا۔

اب کیا ہو گا۔ یہ بھوت تو بڑا خونخوار لگتا ہے ایک یا دو بازو ہوتے تو ہم مقابلہ بھی کر لیتے مگر اس کے تو بارہ بازو اور بارہ ٹانگیں ہیں اس کا مقابلہ کیسے کریں گے۔؟

عنبر نے کہا۔

مقابلہ ہم نہیں کریں گے۔

پھر کون کرے گا مقابلہ؟

بہرام جن۔ اگر اس سر کٹے بھوت نے ہمیں پریشان کرنے کی کوشش کی تو ہم بہرام جن کو اسکے ساتھ مقابلے کے لئے چھوڑ دیں گے وہ اسے ضرور مار بھگائے گا۔

عنبر یہ کہہ کر خاموشی سے سر کٹے بھوت کی طرف دیکھنے لگا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سر کٹا بھوت اس پر حملہ کرتا ہے یا نہیں بھوت اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور اپنے بارہ بازو بڑی بے چینی سے چاروں طرف ہلا رہا تھا جیسے کسی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے ایک دم اتنے زور سے سانس لیا کہ جنگل میں بڑی تیز آندھی چلنا شروع ہو گئی اگر عنبر اور ناگ درختوں سے نہ لپٹ جاتے تو وہ اس آندھی میں تنکوں کی طرح اڑ جاتے مگر وہ بچ گئے اور درختوں کے ساتھ چمٹے رہے سر کٹے بھوت نے

جب دیکھا کہ دونوں ابھی تک وہیں موجود ہیں تو اس نے اپنے بازو ہاتھ فضا میں بلند کیے فضا میں بلند ہوتے ہی اس کے ہاتھوں میں آگ کے شرارے نکلنا شروع ہو گئے اور جنگل کے اس حصے میں آگ لگ گئی جہاں عنبر اور ناگ کھڑے تھے اب بات بہت آگے نکل چکی تھی ناگ نے کہا۔

عنبر تم تو اس آگ سے بچ جاؤ گے کیونکہ تم مر نہیں سکتے مگر میں ضرور ہلاک ہو جاؤں گا خدا کے لئے کچھ کرو۔

عنبر نے اسی لمحے بہرام جن کا نام لے کر اسے بلا لیا جنگل میں ایک دھماکہ سا ہوا اور بہرام جن ان کے سامنے آن کھڑا ہوا اس نے آتے ہی کہا۔

کیا حکم ہے میرے آقا؟

عنبر نے کہا۔

دیکھ نہیں رہے جنگل میں آگ لگ رہی ہے جس طرح ہو سکے اس سر کٹے بھوت سے ہمارا پیچھا چھڑاؤ۔

جو حکم میرے آقا۔

جن نے اتنا کہا اور پیچھے مڑ کر سر کٹے بھوت کو قہر آلود نظروں سے دیکھا پھر اس نے منہ سے زوردار پھونک ماری اس کے منہ سے پانی کی ایک آبشار نکل کر جنگل کے درختوں پر گری اور ساری آگ یک لخت بجھ گئی۔

سر کٹے بھوت کو بھی پتہ چل گیا کہ کوئی دوسرا جن اس کے مقابلے کے لئے آ گیا ہے اس نے جنگل میں ایک بار پھر آگ لگا دی بہرام جن نے آگ کو پھر بجھا دیا اس بار سر کٹے بھوت نے زمین پر پاؤں مارا تو زمین اس جگہ سے شق ہو گئی جہاں بہرام جن کھڑا تھا۔

بہرام اچھل کر پرے ہو گیا اور ایک درخت جڑ سے اکھاڑ کر سر کٹے

بھوت پر زور سے مارا سر کٹے بھوت نے بھی درخت اکھاڑ لیا اب دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا ان کے شور اور پاؤں کی دھمک سے سارا جنگل لرز اٹھا بہرام جن آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا سر کٹا جن بھی ہر حملے کو بڑی کامیابی سے بچا رہا تھا بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی تھی۔

بہرام جن نے ایک چھلانگ لگائی اور پاس ہی کھڑی چٹان کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اکھاڑ دیا سر کٹا جن ادھر اُدھر ہٹنے لگا بہرام جن دونوں ہاتھوں کے اوپر بہت بڑی چٹان لئے بھوت کو کچلنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا اور سر کٹا بھوت ادھر اُدھر بھاگ کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا خدا جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے پرانے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔

جوں ہی سر کٹے بھوت نے کنوئیں میں چھلانگ لگائی بہرام جن نے

چٹان کا بہت بڑا پتھر کنوئیں کے منہ پر رکھ دیا اور اسے بند کر دیا پھر اس نے ایک پتھر لے کر اسے زور سے زمین پر مارا اور درخت کی ایک ٹہنی کو آگ لگ گئی بہرام جن نے جلتی ہوئی ٹہنی اٹھا کر کنوئیں کے اندر پھینک دی کنوئیں میں سے آگ کے لمبے لمبے شعلے اٹھنے لگے بہرام جن نے کنوئیں کا منہ دوبارہ پتھر سے بند کر دیا اب کنوئیں میں سے سر کٹے بھوت کی خوفناک چیخیں بلند ہونے لگیں وہ چلانے لگا کہ مجھے بچاؤ مگر بہرام جن کنوئیں کے پتھر کے اوپر بیٹھا رہا جب سر کٹے بھوت کی چیخیں بند ہو گئیں تو بہرام جن نے پتھر پر سے اتر کر جھک کر کہا۔

میرے آقا۔ یہ بدبخت سر کٹا بھوت جل کر بھسم ہو گیا ہے یہ اب اس جنگل میں کسی مسافر کو تنگ نہیں کرے گا اب میں جا رہا ہوں اگر کوئی اور خدمت ہو تو فرمائیں۔؟

عنبر نے کہا۔

نہیں بہرام۔ اب تم جا سکتے ہو۔ تمہارا شکریہ۔

بہرام جن غائب ہو گیا عنبر اور ناگ نے کنوئیں کے پاس جا کر چٹان کے ساتھ کان لگا کر سنا کنوئیں کے اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی صاف ظاہر تھا کہ سر کٹا بھوت جل کر بھسم ہو گیا ہے انہوں نے چٹان کو ہاتھ لگا کر دیکھا وہ اتنی بڑی تھی کہ کوئی بھی انسان اسے اٹھا کر کنوئیں پر نہیں رکھ سکتا تھا وہ بارہ دری میں واپس آ کر لیٹ گئے کیونکہ صبح صبح انہیں پھر اپنے مصیبت کے سفر پر چلنا تھا۔

نقلی ڈاکو

دوسرے دن دوپہر کو وہ جنگل کے جنوبی کنارے پر پہنچ گئے۔

یہاں انہوں نے ایک جگہ ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر جنوب کی طرف ویران قلعے کے کھنڈرات دیکھے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں شاستا نے انہیں بتایا تھا کہ گووند ڈاکو وہاں رہتا ہے اور اس نے ماریا کو وہیں قید کر رکھا ہے۔ انہوں نے ٹیلے پر سے اتر کر گھوڑے دوڑائے اور بہت جلد قلعے کے پچھواڑے ایک ٹوٹی پھوٹی دیوار کے پاس جا کر رک گئے۔ یہاں بیٹھ کر وہ غور کرنے لگے کہ قلعے کے اندر کیسے جایا جائے۔ انہیں یقین تھا کہ یہی ڈاکوؤں کا مسکن ہے اور ماریا اسی جگہ قید ہو گی لیکن وہ بڑی ہوشیاری اور دور اندیشی کے ساتھ

کوئی قدم اٹھانا چاہتے تھے کیونکہ جلد بازی سے انہیں اور ماریا کو نقصان پہنچ سکتا تھا وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی گھوڑے قدم قدم چلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے دونوں درختوں کی آڑ میں ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ دو گھوڑ سوار جنہوں نے سروں پر پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اور گلے میں سرخ رومال تھے جنگل میں ان کی طرف چلے آ رہے تھے دونوں دم بخود ہو گئے وہ قریب سے باتیں کرتے ہوئے گزر گئے ان میں ایک مونچھوں والا گووند تھا اور دوسرا اس کا ساتھی تھا گووند کہہ رہا تھا۔

بنارس سے دو نئے ٹھگ آج ہمارے قلعے میں آ رہے ہیں..........

سردار نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ بڑے کاریگر ٹھگ ہیں ان کی بڑی آؤ بھگت کرنا۔

دوسرے نے پوچھا۔

مگر گووند ہم تو ان کی شکل نہیں پہچانتے پھر کیسے معلوم ہو گا کہ یہ وہی ٹھگ ہیں۔؟

گووند نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ قلعے میں آتے ہی ہمارا خفیہ جملہ بولیں گے کہ طفیل آگیا اور پھر انہوں نے گلے میں سیاہ رومال باندھ رکھے ہوں گے اس سے زیادہ اور کیا نشانی ہو سکتی ہے۔

ٹھیک ہے۔

دونوں گھوڑسوار باتیں کرتے گزر گئے۔

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک تھی ایسے لگتا تھا کہ دونوں ایک ہی بات سوچ رہے ہو

عنبر نے کہا۔

ناگ ٹھگوں کے قلعے میں داخل ہونے کا بڑا سنہری موقع ہے کیوں نہ

ہم بنارس کے ٹھگ بن کر قلعے کے اندر چلے جائیں خفیہ جملہ تو ہمیں معلوم ہو ہی گیا ہے۔

ناگ بولا

میں بھی یہی سوچ رہا تھا مگر کالے رومال ہم کہاں سے حاصل کریں گے۔

ہمارے پاس جو کالے رنگ کی ایک چادر ہے اسے پھاڑ کر رومال بنالیں گے۔

ناگ کو عنبر کی یہ ترکیب پسند آئی تھی پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا لیکن دوست اگر اصلی بنارس ٹھگ بھی پہنچ گئے تو کیا کریں گے؟ عنبر نے کہا۔

وہ جب آئیں گے تو دیکھا جائے گا پہلے ہم قلعے کے اندر داخل تو ہوں ہوسکتا ہے ان کے آنے تک ہم ماریا کو لے کر یہاں سے فرار ہو

جائیں۔

تو پھر چلو۔ دیر کا ہے کی ہے۔؟

انہوں نے اسی وقت کالی چادر پھاڑ کر رومال بنائے اور گلے میں ڈال لیے سروں پر سفید پگڑیاں باندھ لیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے کی طرف روانہ ہو گئے پرانے قلعے کا کھنڈر بالکل سامنے ہی تھا کھنڈر کے اندر ایک جگہ ٹوٹا پھوٹا پتھروں کا دروازہ تھا جو جنگلی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہی ویران قلعے کے اندر جانے کا راستہ ہوگا چنانچہ وہ دروازے کے پاس جا کر رک گئے ابھی انہیں کھڑے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ان کے دائیں بائیں چھلانگیں لگا کر چار ڈاکو آ گئے اور انہوں نے ان کے گلوں میں لال رومال ڈال کر کسنے شروع کر دیے عنبر نے مسکرا کر کہا۔

کیا طفیل آ گیا ہے۔؟

اس جملے کو سنتے ہی ڈاکوؤں نے اپنے رومال عنبر اور ناگ کے گلے سے نکال لیے اور پوچھا۔

طفیل تو آ گیا ہے مگر تم کہاں سے آئے ہو؟

ہم بنارس سے آئے ہیں اور گووند سے ملنا ہے۔

ڈاکو پہریدار سمجھ گئے کہ یہ وہی بنارسی ٹھگ ہیں جن کے بارے میں گووند نے انہیں ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ جس وقت بھی آئیں انہیں بڑی عزت کے ساتھ اس کے پاس لے آیا جائے چاروں ڈاکوؤں نے عنبر اور ناگ کو سلام کیا اور کہا۔

ہمارے ساتھ آ جاؤ بھائی سردار گووند آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا عنبر اور ناگ بڑی شان کے ساتھ چاروں ڈاکوؤں سمیت قلعے کے اندر داخل ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ ٹھگوں نے قلعے کے اندر غار بنا رکھے تھے ایک غار کا دروازہ دوسرے غار میں کھلتا تھا غاروں کے نیچے بھی غار

تھے اگر پولیس چھاپہ مارے تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ اوپر والے غار کو چھوڑ کر نیچے والے غار میں چھپ سکتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی تھی جنبر اور رتناگ ڈاکوؤں کی کمین گاہ کی ان بھول بھلیوں سے بڑے متاثر ہوئے اور راستے کو یاد رکھنے لگے تا کہ باہر نکلنے میں آسانی ہو اور کہیں وہ بھی راستہ نہ بھول جائیں۔

ایک غار میں سے نکل کر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جس کی چھت اونچی تھی ایک طرف تخت پر تکیے لگے تھے اور گووند اپنے ساتھی کے ہمراہ بیٹھا حقہ پی رہا تھا پہریداروں نے گووند کو جھک کر سلام کیا اور کہا۔

سرکار۔ بنارس سے چھنگو منگو ٹھگ آ گئے ہیں۔

گووند نے تالی بجا کر کہا۔

مبارک مبارک چھنگو منگو.............. تم دونوں سے مل کر مجھے

بڑی خوشی ہوئی ہے میرا نام گووند ہے میں یہاں کا سردار ہوں اور یہ میرا ساتھی شام ہے۔

عنبر اور رتاگ نے باری باری سب سے ہاتھ ملائے اور کہا۔

سردار گووند کو ہمارا اسلام ہو ہم نے آپ کی بہت تعریف سنی تھی اور آپ کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔

گووند بولا۔

مجھے بھی آپ سے ملنے کا بے حد شوق تھا کیونکہ میں نے بھی آپ کی بڑی تعریف سنی تھی خاص طور پر پرتاب گڑھ کے جنگل میں آپ دونوں نے جو راجہ کے بارہ سپاہیوں کو رومال سے گلا گھونٹ کر مارا تھا تو وہ آپ کی بہادری کی ایک زندہ مثال ہے آپ واقعی ہمارے ملک کے مشہور اور قابلِ عزت ٹھگ ہیں یہ بتاؤ کہ تمہارے سردار کے ساتھ کیا جھگڑا ہو گیا تھا۔؟

عنبر اور ناگ پریشان ہو گئے کیونکہ انہیں بالکل نہیں معلوم تھا کہ چھنگو منگو کا ان کے سردار سے کیا جھگڑا ہوا تھا پھر بھی عنبر نے اندازہ لگا کر کہا۔

گرووند آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہمارا سردار بڑا غرور کرنے لگا تھا اور اس کے دوسرے ٹھگوں کے ساتھ سلوک بڑا برا تھا پھر ہم سے برداشت نہ ہو سکا کیونکہ ہماری وجہ سے سردار عیش کر رہا تھا ہم نے ایک ایک دن میں دو دو قافلوں کا مال لوٹ کر سردار کو دیا تھا مگر اس نے ہماری قدر نہ کی اس لئے ہمیں اس سے الگ ہونا پڑا۔

بہت خوب بہت خوب تم ٹھیک کہتے ہو دلیر ڈاکو کبھی کسی سے نہیں ڈرتا مگر ہم آپ کی عزت کریں گے کیونکہ ہم بہادر ڈاکوؤں کی ہمیشہ سے عزت کرتے آئے ہیں آپ ہماری ٹولی میں رہ کر بہت خوشی محسوس کریں گے اور آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ اپنے بھائیوں میں رہ

رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

ہمیں بھی یہی امید ہے کہ آپ کے ساتھ ہمارا دل لگ جائے گا گووند نے اسی وقت کھانے کے لئے بھنے ہوئے مرغ اور پھل منگوا کر عنبر اور ناگ کے آگے رکھا اور کہا۔

چھنگو منگو تم تھکے ہوئے ہو اور تمہیں بھوک بھی ضرور لگی ہوگی۔ اس لئے خوب پیٹ بھر کر کھاؤ ہم آج ہی تیسرے پہر ایک جگہ ڈاکہ مارنے جا رہے ہیں۔

عنبر نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔

کس جگہ جانا ہے سردار؟

گووند نے کہا۔

یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ایک ندی ہے وہاں سے ایک سڑک

اجین کو جاتی ہے ہمارے جاسوس نے خبر دی ہے کہ دوپہر کے بعد وہاں سے ہستناپور کا ایک سیٹھ پالکی میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ گزر رہا ہے ظاہر ہے اس کے پاس کافی دولت ہوگی بس آج اس کو شکار کرنا ہے ہم سب اکٹھے چلیں گے۔

عنبر بولا۔

جو حکم سردار۔

کھانے کے بعد عنبر اور رنگ نے وہیں کچھ دیر لیٹ کر آرام کیا آرام کیا کرتا تھا بس وہ موقع کی تلاش میں رہے کہ کسی طرح سے انہیں ماریا کے بارے میں کچھ علم ہو مگر وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکے نہ تو ماریا وہاں آئی اور نہ وہ کسی سے کچھ پوچھ ہی سکے اس دوران میں دوپہر گزر گئی اور گووند نے آ کر کہا۔

چھنگو منگو، تیار ہو جاؤ ڈاکہ ڈالنے چلنا ہے۔

مجبوراً ناگ اور عنبر کو ڈاکہ کی تیاری کرنی پڑی انہوں نے آج تک کسی بے گناہ کو نہ تو لوٹا تھا اور نہ رومال سے ٹھگوں کی طرح گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا مگر وہ انکار کر کے مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتے تھے چنانچہ وہ گووندا اور دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ قلعے سے نکل کر جنگل میں ندی کی طرف روانہ ہو گئے یہ ندی کافی دور تھی اور جنگل کے درمیان میں سے ہو کر گزرتی تھی۔

ندی کنارے پہنچ کر ڈاکو ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سیٹھ کی پالکی نمودار ہوئی سیٹھ اپنی بیوی اور چار پیارے پیارے بچوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا کچھ نوکر بھی تھے جنہوں نے تلواریں اٹھا رکھی تھیں ان نوکروں میں ڈاکوؤں کا ایک جاسوس بھی تھا جس نے سیٹھ کو وہیں ندی کنارے پڑاؤ ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا سیٹھ کے نوکروں کی ساری تلواریں جاسوس نے ایک خاص جگہ رکھوا دیں اور

سیٹھ سے کہا۔

حضور آپ بچوں کے ساتھ آرام کریں میں جنگل میں سے آپ کے لیے پھل توڑ کر لاتا ہوں۔

یہ جاسوس سیدھا گووند کے پاس آ گیا اور اس نے آ کر بتایا کہ معاملہ تیار ہے اب چل کر حملہ کر دیں عنبر اور ناگ نہیں چاہتے تھے کہ ایک بے گناہ سیٹھ اور اس کے معصوم بیوی بچوں کو ہلاک کر دیا جائے

.........انہوں نے گووند سے کہا۔

سردار ہمیں اجازت دو کہ ہم اس سیٹھ کو اپنا شکار کریں۔

گووند نے مسکرا کر کہا۔

اجازت ہے ہمیں خوشی ہوگی کہ ہمارے مہمان شکار کریں گے۔

عنبر اور ناگ درختوں کی اوٹ میں سے نکلے اور دبے پاؤں جھاڑیوں میں سے ہوتے ندی کنارے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سیٹھ اپنی

بیوی اور بچوں کے ساتھ گھاس پر قالین بچھائے آرام کر رہا تھا نوکر ذرا پرے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے عنبر اور ناگ چھپنے کی بجائے سیدھے سیٹھ کے پاس پہنچ گئے سیٹھ ان کو دیکھ کر گھبرا گیا عنبر نے کہا۔

سیٹھ گھبراؤ نہیں ہم تمہیں ہلاک کرنے نہیں آئے حالانکہ ہمارے ذمے کام یہی لگایا گیا ہے ہم تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ تم اور تمہاری بیوی بچے اس وقت بڑے خونخوار اور وحشی ڈاکوؤں کے نرغے میں آ چکے ہیں وہ تمہیں قتل کر کے تمہاری دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں انہوں نے ہمیں اسی لئے بھیجا ہے کہ ہم تم دونوں کو ہلاک کر کے تمہاری دولت لوٹ کر لے جائیں مگر ہم تمہیں اور تمہارے بے گناہ بیوی بچوں کو مارنا نہیں چاہتے۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ تم یوں لیٹ جاؤ جیسے مر گئے ہو اور ساری دولت ہمارے حوالے کر دو دولت تم پھر بھی پیدا کر لو گے مگر زندگی واپس نہیں آئے گی یہ میں تمہیں یقین

دلاتا ہوں کہ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ڈاکو کسی صورت میں زندہ نہیں چھوڑیں گے تم زندہ بچ کر اب یہاں سے جا نہیں سکتے اسلئے ہماری بات پر عمل کرتے ہوئے دولت ہمارے حوالے کر دو اور زندگی بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ ڈاکو اس قدر زیادہ ہیں کہ تمہارے نوکر مل کر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سیٹھ کی بیوی بچے تو رونے لگے سیٹھ کے دماغ میں عنبر کی بات بیٹھ گئی اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میری ساری دولت لے جائیں اور میری اور میرے بچوں کی جان بخش دیں۔

عنبر نے کہا

بس اب تم سب قالین پر اس طرح لیٹ جاؤ کہ معلوم ہو کہ تم کو مار دیا گیا ہے۔

سیٹھ نے ایک مرتبان میں سارے سونے کے سکے اور بیوی کا زیور ڈال کر عنبر کے حوالے کر دیا اور خود بیوی بچوں کے ساتھ قالین پر یوں لیٹ گیا جیسے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا گیا ہو عنبر اور ناگ زیوروں اور اشرفیوں سے بھرا ہوا مرتبان لے کر گووند کے پاس آ گئے گووند نے مرتبان میں سونے کے زیوار اور اشرفیاں دیکھیں تو بڑا خوش ہوا اور عنبر اور ناگ کو شاباش دے کر بولا۔

چھنگو منگو تم واقعی بہت بہادر ٹھگ ہو میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے سیٹھ کے خاندان کو بری طرح ٹھکانے لگا دیا تھا ناں۔؟

عنبر نے کہا۔

اجی سردار! اس بے چارے نے تو چوں تک نہ کی بڑی خاموشی سے آنکھیں بند کر کے مر گیا۔

شاباش چلو واپس قلعے میں چلتے ہیں۔

اور سارے ڈاکو قلعے کی طرف لوٹ پڑے عنبر کو اس بات کا بھی بڑا دکھ تھا کہ انہوں نے سیٹھ کی بیوی اور بچوں کے کانوں کے زیور اتار کو گووند کو دے دیے ہیں جس کا اس زیور پر کوئی حق نہیں تھا عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ اگر ایسا ہو سکا تو وہ سیٹھ کی بیوی کا زیور ضرور واپس کر دے گا۔

بہرام جن

ڈاکوؤں کے جانے کے بعد سیٹھ نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

اس کی بیوی اور بچے اس کے پاس ہی آنکھیں بند کیے لیٹے ہوئے تھے اس نے جلدی جلدی انہیں اٹھایا نوکر ڈر کے مارے ایک طرف دبکے بیٹھے تھے سیٹھ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مال چلا گیا مگر اس کی جان تو بچ گئی بوڑھے نوکر نے کہا۔

سیٹھ صاحب گھر جا کر کالے بکرے کی قربانی دیں وہ تو کوئی نیک آدمی تھا جس نے آپ کو بچا لیا ورنہ یہ ٹھگ تو کسی کو نہیں چھوڑتے ان کے لئے کسی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

سیٹھ نے بال بچوں کو ساتھ لیا اور راتوں رات سفر کرتا ہوا جنگل سے

باہر آ گیا۔

ادھر پرانے قلعے میں رات کو عنبر اور ناگ کے پہلے شکار کی خوشی میں دعوت دی گئی سالم بکرے بھونے گئے آدھی رات تک دعوت جاری رہی پھر سب لوگ سو گئے عنبر اور ناگ کی سردار گووند نے بڑی تعریف کی گووند نے کہا تھا۔

بڑا سردار زرتاش جب آ کر تم سے ملے گا تو بے حد خوش ہو یہ سن کر دونوں دوست سر پکڑ کر رہ گئے تھے تو گویا زرتاش ٹھگ ان ڈاکوؤں کا بڑا سردار تھا عنبر اور ناگ کو معلوم تھا کہ جوں ہی زرتاش وہاں پہنچا وہ ان دونوں کو پہچان لے گا اور پھر ڈاکوؤں کو دھوکے دینے کے الزام میں دونوں کو مار دیا جائے گا ابھی تک انہوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تھا کہ ماریا کہاں پر ہے۔؟ دوسرے انہیں یہ بھی غم کھائے جا رہا تھا کہ جب اصل چھنگو منگو بنارسی ٹھگ وہاں آ گئے تو کیا ہوگا۔ عنبر نے کہا۔۔

مگر وہ ابھی تک آئے کیوں نہیں؟ انہیں تو آج شام تک آ جانا تھا۔؟

ناگ بولا۔

ہو سکتا ہے وہ ابھی راستے میں ہوں اور رات کو کسی وقت پہنچ جائیں۔

اس صورت میں ہمیں خبردار رہنا چاہیے۔

چنانچہ وہ دونوں جاگتے رہے بلکہ آدھی رات کو اٹھ کر پرانے قلعے کے دروازے کے باہر جا کر دور جنگل کے راستے میں بیٹھ گئے آدھی رات کے بعد دور سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی وہ چونکنے ہو گئے

ناگ نے کہا۔

شاید وہ آ رہے ہیں۔؟

عنبر ہوشیار ہو گیا تھوڑی دیر میں دو گھوڑ سوار نمودار ہوئے انہوں نے سفید پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اور گلے میں سیاہ رومال تھے عنبر سرگوشی میں ناگ سے بولا۔

یہی جھنگو منگو ہیں میں ان سے بات کرتا ہوں تم کوئی ایسا بندوبست کرو کہ یہ لوگ پرانے قلعے میں داخل نہ ہو سکیں۔

عنبر آگے بڑھ کر راستے میں کھڑا ہو گیا اتنے میں دونوں ٹھگ قریب آ گئے عنبر نے سلام کر کے کہا۔

کیا طفیل آ گیا ہے۔؟

یہ ٹھگوں کا خفیہ فقرہ تھا۔ بنارسی ٹھگ وہیں رک گئے ایک نے کہا۔

ہاں طفیل آ گیا ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا تم بنارس سے آئے ہو اور تمہارا نام جھنگو منگو ہے۔؟

انہوں نے کہا۔

ہاں ہم جھنگو منگو ہیں اور بنارس سے آئے ہیں۔

عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی سردار گووند نے کہا ہے کہ تم دونوں کو عزت سے لے کر جنگل والی کمین گاہ میں آ جاؤں وہ وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہے آؤ میرے ساتھ۔

چھنگو منگو عنبر کے ساتھ چل پڑے تھوڑی دور عنبر نے لے جا کر کہا۔

تم لوگ یہاں ٹھہرو میں سردار کو خبر کرتا ہوں۔ وہ ایک جگہ چھپ کر شکار کا انتظار کر رہا ہے۔

چھنگو منگو وہیں رک گئے اور عنبر درختوں کے پیچھے چلا گیا اس عرصے میں ٹاگ نے سانپ کا روپ بدل لیا تھا اور دونوں کا پیچھا کرتا چلا آیا تھا چھنگو منگو کے درختوں کے پاس گھوڑوں پر سے اتر کر درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے چھنگو نے کہا۔

یار منگو یہ سردار گووند یہاں کہاں بیٹھا انتظار کر رہا ہے؟

منگو نے کہا۔

چھنگو یار وہ بھی ٹھگ ہے کسی موٹی آسامی کی مار پر لگا ہوگا ابھی آ جاتا ہے۔

سانپ چھنگو کے عین پیچھے آ گیا تھا چھنگو کو کوئی خبر نہیں تھی سانپ نے پھن اٹھا کر چپکے سے چھنگو کے کندھے پر ڈس دیا ناگ نے صرف اتنا زہر جسم کے اندر داخل کیا جس سے وہ دو روز تک بے ہوش رہے اور مرے نہیں۔ منگو نے چھنگو کی طرف دیکھ کر کہا۔

مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا نظر آ رہا ہے۔

لیکن چھنگو نے کوئی جواب نہ دیا منگو نے اسے قریب آ کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا منگو ایک دم چوکس ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے ہی والا تھا کہ سانپ نے پھن اٹھا کر اسے بھی پاؤں پر ڈس دیا منگو چکر کھا کر گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا سانپ نے اسی وقت ناگ کی شکل اختیار کر لی اور عنبر کو آواز دے کر بلا لیا۔

یہ دونوں تو بے ہوش ہو گئے اب ان کو کسی ایسی جگہ چھپا دیتے ہیں جہاں یہ جنگلی درندوں سے بچے رہیں۔

انہوں نے مل کر ایک درخت کی کھوہ میں ان دونوں بیتاری ٹھگوں کو چھپا کر اوپر سے سوکھے پتے ڈال دیے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس قلعے میں آ گئے ایک بہت بڑی پریشانی سے انہوں نے اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔

دوسرے روز سردار گووند نے عنبر اور ناگ سے کہا۔

میاں چھنگو منگو ملک آسام سے پرسوں شام ہمارا بڑا سردار زرتاش ٹھگ واپس آ رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے پہلے کوئی بہت بڑا ڈاکہ مارا جائے تا کہ بڑا سردار زرتاش آئے تو اس کو تحفے پیش کیے جائیں کیا خیال ہے؟

بڑا اچھا خیال ہے عنبر نے کہا۔

مگر وہ دل ہی دل میں پریشان ہو گیا کہ اگر زرتاش وہاں آ گئی تو ان دونوں کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور کم از کم زرتاش اس بات پر ضرور ان سے پوچھ گچھ کرے گا کہ وہ دونوں کس نیت سے ٹھگوں میں چھنگو منگو کا بھیس بدل کر آئے ہوئے ہیں اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا گووند بولا۔

میرا جاسوس کل کسی قافلے کی خبر لائے گا اگر کوئی قافلہ ادھر سے گزرنے والا ہوا تو کل اسی پر ہاتھ صاف کیا جائے گا۔

عنبر اور ناگ غار میں ایک جگہ آ کر بیٹھ گئے اور اپنی تلواروں کو چمکانے لگے دل میں وہ بڑے پریشان تھے دوسری طرف انہیں چھنگو منگو کا بھی فکر تھا شام تک انہیں بھی ہوش آ جانا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ رات کو وہ بھی قلعے میں آ جائیں گے اور پھر بھانڈا پھوٹ جانے کا خطرہ تھا غرض کہ عنبر اور ناگ اپنی بہن ماریا کی تلاش میں یہاں آ کر

ایک عجیب چکر میں پھنس گئے تھے۔

ناگ نے کہا۔

آخر ہم نے بھی تو یہاں ماریا کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟

مگر یہاں تو ایک بھی عورت نہیں ہے ڈاکوؤں کے غاروں میں سوائے مردوں کے اور کوئی نہیں۔

کم از کم ہم کسی سے پوچھ ہی سکتے ہیں۔؟

اس طرح انہیں شک ہو سکتا ہے۔

تو پھر کیا ہوا شک ہوتا ہے تو ہو جائے۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کا ڈاکو ادھر سے گزرا۔ ناگ نے اسے بلا کر کہا۔

بابا ایک بات تو بتاؤ۔

ڈاکو رک گیا۔ عنبر نے غصے سے ناگ کی طرف دیکھا ناگ سمجھ گیا عنبر

نہیں چاہتا تھا کہ کسی سے ماریا کا ذکر کیا جائے وہ ڈاکو سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا جب ڈاکو چلا گیا تو عنبر نے کہا۔

تم ضرور ماریا کو کسی مصیبت میں پھنساؤ گے۔

لیکن آخر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے کل نہیں تو پرسوں زرتاش آجائے گا اور اپنا راز فاش ہو جائے گا اور سب کو پتہ چل جائے کہ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔

اچھا ان باتوں کو چھوڑو۔ پہلے جنگل میں چل کر چھنگو منگو کی خبر لیتے ہیں کہ کم بخت کہیں انہیں ہوش تو نہیں آ گیا۔

دونوں اٹھ کر جنگل میں آ گئے ان دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ جس جگہ انہوں نے بے ہوش ڈاکوؤں کو چھپایا تھا وہ وہاں نہیں تھے وہ جلدی سے قلعے کی طرف آئے ابھی وہ قلعے کے دروازے پر ہی تھے کہ سارے ڈاکوؤں نے تلواریں نکال

کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔ سردار گووند نے چیخ کر کہا۔

کون ہو تم؟ اور یہاں کس کی جاسوسی کرنے آئے تھے۔؟

عنبر اور ناگ نے دیکھا کہ اصلی چھنگو منگو سردار گووند کے پاس ہی کھڑے تھے اب عنبر اور ناگ بھلا کیا جواب دیتے آئیں، بائیں، شائیں دیکھنے لگے............گووند نے کہا۔

ان کو قید میں ڈال دو بڑے سردار کے آنے پر ان کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔

ڈاکو عنبر اور ناگ کو سب سے نچلی غار میں لے گئے اور وہاں ایک کوٹھڑی میں بند کر کے آگے بڑا سا پتھر رکھ دیا دونوں دوست بے بس ہو کر رہ گئے عنبر سے ناگ نے کہا کہ وہ بہرام جن کی مدد لے مگر عنبر نے کہا جب تک ماریہ کا پتہ نہیں چلتا جن کی مدد بیکار ہے۔

ماریا کا پتہ اگر چل سکتا ہے تو ان ڈاکوؤں میں سے ہی چل سکتا ہے اس

لئے ہمارا وہاں رہنا بہت ضروری ہے۔

کم از کم اس وقت تک ہمیں یہیں رہنا ہوگا جب تک ہمیں یہ سراغ نہیں مل جاتا کہ ماریا کو ان لوگوں نے کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟

دوسرے روز بڑا سردار زرتاش ٹھگ بھی وہاں پہنچ گیا جب اس کے سامنے عنبر اور ناگ کو پیش کیا گیا تو وہ انہیں فوراً پہچان گیا اور حیران ہو کر بولا۔

اچھا تو تم جاسوس نکلے میں بھی حیران تھا کہ تم اتنی دور کا سفر کر کے ہمارے شہر میں کیوں آ رہے ہو بہت اچھا۔ تمہیں جاسوسی کی سزا دی جائے گی تمہیں ہم سے غداری کا مزا چکھایا جائے گا۔

زرتاش نے گووند کو حکم دیا۔

گووند۔

حکم سردار۔

کل صبح سورج نکلتے ہی ان دونوں کو قلعے کی سب سے اوپر والی دیوار سے نیچے کھڈ میں گرا دیا جائے۔

ایسا ہی ہوگا سردار۔

عنبر اور ناگ کو قید میں ڈال کر ان پر کڑا پہرہ لگا دیا گیا اب عنبر کے لئے اپنا کرتب دکھانے کا وقت آ گیا تھا اس نے ناگ سے کہا

میں بہرام جن کو ابھی نہیں بلاتا میں اسے کل ٹھیک اس وقت بلاؤں گا جب یہ لوگ ہمیں قلعے کی دیوار سے نیچے گرا رہے ہوں گے۔

ناگ نے کہا۔

اور اگر بہرام جن نے آنے میں دیر کر دی تو کم از کم میری ہڈی پسلی ایک کر دی جائے گی بھائی اسے ابھی بلا لو۔ کم از کم اسے بلا کر یہ تو کہہ دو کہ کل سورج نکلتے ہی یہاں آ جائے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تم فکر نہ کرو ناگ بہرام ٹھیک وقت پر آ جائے گا۔

ہوں توں کر کے رات گزر گئی ابھی دن نکلنے میں کچھ دیر باقی تھی کہ ڈاکو ان دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر قلعے کی فصیل کے اوپر لے گئے وہاں بڑا سردار زرتاش اور گووندا اور دوسرے سارے ڈاکو تماشہ دیکھنے کے لیے موجود تھے زرتاش نے مسکرا کر کہا۔

برخوردار، اب ذرا زرتاش کے ساتھ غداری کرنے کا مزہ بھی چکھ کر دیکھ لو تمہیں معلوم نہیں کہ میرے نام سے ملک کا بچہ بچہ کانپتا ہے۔؟

خنجر نے بھی مسکرا کر کہا۔

زرتاش اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں اور تم کس کے ساتھ بات کر رہے ہو تو ابھی کانپنے لگو۔

زرتاش نے ڈانٹ کر کہا۔

بکواس بند کرو۔

عنبر بولا۔

اگر تم مجھے یہ بتادو کہ ماریا کہاں ہے تو میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو معاف کر دوں گا۔

زرتاش نے قہقہہ لگایا۔

بدنصیب تم مجھے معاف کرنا چاہتے ہو۔؟ کم بخت ابھی تمہارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے کھنڈ میں پڑا ہوگا تمہاری حیثیت ہی کیا ہے میرے سامنے۔

عنبر نے کہا۔

اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ میں تمہیں کچھ دیر کی مہلت دیتا ہوں پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا کیوں کہ تم سب لوگوں کی موت کا وقت قریب آرہا ہے۔

زرتاش نے آگے بڑھ کر بڑے زور سے عنبر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔

عنبر کو تو کچھ نہ ہوا لیکن زرتاش کو یوں لگا جیسے اس نے کسی پتھر کی سل پر ہاتھ مار دیا ہو۔ وہ کچھ حیران ضرور ہوا مگر پھر غصے میں آ کر بولا۔

ان کے سر قلم کر دیے جائیں۔

جالا دلکوار لے کر آگے بڑھا اس نے عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے فوراً آنکھیں بند کر کے بہرام جن کا خیال ذہن میں باندھا جن سامنے آ گیا جن سوائے عنبر کے اور کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا جن نے جھک کر کہا۔

کیا حکم ہے آقا۔؟

عنبر نے کہا۔

یہ لوگ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں انہیں اس گستاخی کا مزہ چکھاؤ۔

بہرام جن بولا۔

میرے آقا کیا کسی کی جان بچانی بھی ہے یا سب کو ہلاک کر دوں۔؟

عنبر نے کہا۔

صرف زرتاش ٹھگ کو نہ مارنا۔ باقی سب لوگوں نے سینکڑوں بے گناہوں کے خون کیے ہیں انہیں ان کے گناہوں کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

عنبر زرتاش کو اس لئے بچانا چاہتا تھا کہ اس کے خیال کے مطابق اسے ماریا کے بارے میں علم تھا کہ وہ کہاں ہے؟ حالانکہ زرتاش کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ماریا کے بارے میں صرف گونڈ ہی جانتا تھا کہ وہ راجہ سنگرام کے محل میں ہے جن نے ادب سے سر جھکایا اور کہا۔

ابھی حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔

ادھر زرتاش نے چیخ کر کہا۔

جلاد تو منہ کیا دیکھ رہے ہو آگے بڑھ کر ان کم بختوں کے سر کیوں نہیں قلم کر رہے۔؟

جلاد نے آگے بڑھ کر تلوار اوپر اٹھائی وہ گھما کر عنبر کی گردن پر مارنے

ہی ہوا تھا کہ کسی نے اسے اٹھا کر نیچے گہری کھڈ میں گرا دیا جاں دکی خوفناک چیخ دیر تک سنائی دیتی رہی زرتاش اٹھ کر کھڑا ہو گیا بہرام جن نے اب ڈاکوؤں کو ایک ایک کر کے اٹھا کر نیچے کھڈ میں گرانا شروع کر دیا نیچے گرتے ہی ڈاکوؤں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور وہاں ایک شور مچ گیا گوونڈ اور زرتاش بھاگنے لگے تو بہرام جن نے دونوں کو اپنے قابو میں کر لیا گوونڈ کو اس نے اٹھا کر زور سے آسمان کی طرف پھینکا گوونڈ کا جسم فضا میں کئی سو گز اوپر اٹھا اور پھر بڑی تیزی کے ساتھ کھڈ کے پتھروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا زرتاش نے چیخ کر کہا۔

عنبر میری جان بخشی کر دو مجھے معاف کر دو مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔

معاف کر دو میں ساری زندگی تمہارا غلام رہوں گا۔

عنبر نے بہرام جن کو اشارہ کیا کہ وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے جن نے سر جھکایا اور رخصت ہو گیا اب وہاں ڈاکوؤں میں سے سوائے

زرتاش کے اور کوئی نہیں تھا سب کے سب مارے گئے تھے عنبر نے زرتاش سے پوچھا۔

اب بتاؤ ہماری بہن ماریا کہاں ہے۔؟

زرتاش نے حیرانی سے کہا۔

دیوتاؤں کی قسم مجھے بالکل نہیں معلوم وہ تو گوونڈ کے پاس تھی وہی جانتا تھا کہ اس نے ماریا کو کہاں رکھ چھوڑا ہے۔

عنبر اور ناگ سر پکڑ کر بیٹھ گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ زرتاش جھوٹ نہیں بول رہا وہ سچ کہہ رہا ہے اب انہیں خیال آیا کہ انہوں نے گوونڈ کو کیوں مار ڈالا کم از کم اس سے ماریا کے بارے میں ہی پوچھ لیتے مگر اب کیا ہو سکتا تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

شیر کی گرج

ماریا راجہ سنگرام کے قلعے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

وہاں اسے اتنی بھی اجازت نہیں تھی کہ کھڑکی میں سے باہر بھی جھانک سکے بوڑھی کنیز جوان سب کنیزوں کی سردارنی تھی ماریا کی جانی دشمن بن گئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ سردارنی کی ایک بیٹی راجہ کی بیوی تھی جب سے ماریا محل میں آئی تھی راجہ نے سردارنی کی بیٹی سے برا سلوک شروع کر دیا تھا راجہ سردارنی کی بیٹی کو نوکرانیوں سے بھی بدتر سمجھنے لگا تھا اس بات کا سردارنی کو بڑا صدمہ تھا کہ ماریہ نے اس کی بیٹی کی زندگی تباہ کر دی ہے مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی کیونکہ ماریا کو راجہ اپنی رانی

بنانے کا خواہش مند تھا اور وہاں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں ماریا کیلئے وہاں دونوں طرح مصیبت ہی مصیبت تھی۔

وہ راجہ سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور سردارنی الگ اس کی جان کی دشمن بنی ہوئی تھی اسے ماریا کی نیلی آنکھوں سے بڑا جلاپا تھا کیونکہ صرف اس کی نیلی آنکھوں کی وجہ سے راجہ نے سردارنی کی بیٹی کو ذلیل کر رکھا تھا سردارنی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماریا سے ایسا انتقام لے گی کہ نہ وہ راجہ کے لائق رہے گی اور نہ آئندہ اپنی زندگی میں ہی سکھی رہ کر جی سکے گی میں نے اپنے سب سے وفادار غلام کو ایک روز اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔

تم نے برسوں میرا نمک کھایا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ میرے کام آ کر اپنی وفاداری ثابت کر سکو کیا تم میری خاطر وہ کام کر سکو گے جو اس محل میں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

غلام نے ادب سے کہا۔

اے ہماری سردارنی، یہ غلام تمہارے نمک کا حق ضرور ادا کرے گا اگر آپ کو میرے خون کی ضرورت ہے تو حکم کرو میں اپنا خون تمہارے قدموں پر نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔

سردارنی بولی۔

میرے وفادار غلام مجھے تمہارے خون کی ضرورت نہیں ہے میں چاہتی ہوں کہ تم میرے لئے ایک ایسا کام کرو جو میرے کلیجے میں جلتی ہوئی آگ بجھا سکے۔

غلام نے کہا۔

حکم کرو سردارنی بندہ حاضر ہے۔

سردارنی نے کہا۔

تو سنو، تم تو جانتے ہی ہو کہ راجہ نے جب سے نیلی آنکھوں والی کنیز

ماریا کو محل میں لا کر رکھا ہے، اس نے میری بیٹی کو بالکل ہی بھلا دیا ہے کل تک میری بیٹی راجبہ کی آنکھوں کا تارا تھی اور محل میں اسی کے نام کا سکہ چلتا تھا ماریا کے آنے کے بعد وہ ذلیل ہو گئی ہے اور راجبہ نے اس کے ساتھ لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک شروع کر دیا ہے۔

آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں سردارنی، ءے میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ اب رانی کی وہ حیثیت نہیں رہی راجبہ آپ کی بیٹی کی سب کے سامنے بے عزتی کر دیتا ہے۔

سردارنی نے غصے میں کہا۔

میں ہی ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ میری آنکھوں کے سامنے میری بیٹی کی زندگی برباد ہو میری بیٹی کی بربادی کا باعث صرف ماریا کی نیلی آنکھیں ہیں اب میں تم سے جو کام لینا چاہتی ہوں اسے غور سے سنو میں چاہتی ہوں کہ تم کسی بہانے ماریا کو قلعے سے باہر جنگل میں لیجاؤ

اور وہاں جا کر اسے کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی نیلی آنکھیں نکال کر مجھے لا دو تا کہ میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہو جائے اور میری بیٹی محل میں پھر سے وہی پرانی عزت حاصل کر لے۔

غلام نے جھک کر کہا۔

یہ تو کوئی مشکل بات ہی نہیں سردارنی آپ جس وقت حکم کریں میں یہ کام سرانجام دے دوں گا۔

سردارنی نے کہا۔

میں جانتی ہوں کہ تم کل صبح صبح ماریا کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جاؤ اسے کہو کہ جنگل میں اس کا ایک بھائی اس کا انتظار کر رہا ہے وہ اپنے بھائیوں کی یاد میں اکثر روتی رہتی ہے وہ بہت خوشی سے تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہو جائے گی بس جنگل میں جا کر اس کا کام تمام کر دو اور اس کی نیلی آنکھیں نکال کر مجھے لا دو۔ مگر یاد رکھو یہ کام بڑی راز

داری کے ساتھ ہونا چاہیے۔

غلام نے کہا۔

ایسا ہی ہوگا سردارنی جی! آپ بالکل فکر نہ کریں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی کہ ماریاں کہاں چلی گئی راجہ یہی سمجھے گا کہ وہ چپکے سے محل چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

سردارنی نے مسکرا کر کہا۔

شاباش۔ اس کے عوض میں تمہارا دامن موتیوں اور ہیرے جواہرات سے بھر دوں گی۔

غلام بولا۔

آپ کی عنایت ہے سردارنی صاحبہ، غلام کل ہی ماریہ کی نیلی آنکھیں آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دے گا اور اس کی لاش کو جنگل میں ایسی جگہ دفن کر دے گا کہ ساری زندگی کوئی اسے تلاش نہ کر سکے گا۔

سردارنی بولی۔

ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور بڑی ہوشیار کے ساتھ اپنی خونی سازش پر عمل کرنا شروع کر دو۔

غلام نے ادب سے سر جھکایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

سردارنی کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ماریا اس کے انتقام سے نہیں بچ سکے گی اور اس کی اپنی بیٹی کی زندگی تباہ و برباد ہونے سے بچ جائے گی

اس نے خوشی سے ایک قہقہہ لگایا اور اپنی دکھی بیٹی کو جا کر خوش خبری سنا دی کہ اس کی زندگی کا سنہری زمانہ ایک بار پھر شروع ہونے والا ہے

اس نے اپنی بیٹی کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے ماریا کو قتل کروا دینے کا منصوبہ مکمل کر لیا ہے وہ ماریا کے قتل تک یہ بات اپنی بیٹی سے بھی چھپا کر رکھنا چاہتی تھی۔

دوسرے دن غلام بڑی مکاری سے ماریا کے پاس گیا ماریا محل کی

دوسری منزل کے دالان میں اکیلی سنگ مرمر کے چبوترے پر بیٹھی عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچ رہی تھی غلام نے قریب جا کر ادھر اُدھر دیکھا اور جھک کر کہا۔

ماریا تمہارا بھائی تم سے ملنا چاہتا ہے۔

یہ سن کر ماریا خوشی سے اچھل پڑی۔

کہاں ہے ہو۔

شی۔ غلام نے آہستہ سے کہا خاموش رہو۔ اگر کسی کو ذرا سا بھی علم ہو گیا تو میری جان پر مصیبت آ جائے گی میں تو صرف انسانی ہمدردی کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔

ماریا نے آہستہ سے پوچھا۔

کہاں ہے میرا بھائی کیا وہ اکیلا ہے۔؟ دوسرا بھائی کہاں ہے۔؟

غلام نے کہا۔

یہ مجھے نہیں معلوم کہ دوسرا بھائی کہاں ہے بہر حال تمہارا ایک بھائی مجھے اچانک کل جنگل میں مل گیا اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں سنگرام کے محل میں رہتا ہوں میں نے کہا ہاں پھر اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا میں نے اسے صاف بتا دیا کہ ماریا ہمارے قلعے میں ہے اس نے مجھ سے التجا کی کہ کسی طرح مجھے میری بہن سے ملا دو میں نے حامی بھر لی اب تم جلدی سے تیار ہو جاؤ تمہارا بھائی قلعے سے باہر جنگل میں ایک جگہ چشمے کے پاس بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہے میں تمہیں تمہارے بھائی تک پہنچا دوں گا۔

ماریا نے کہا۔

میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔

مگر ایک بات کا خیال رہے کسی کو ہرگز ہرگز مت بتانا کہ تم میرے ساتھ جنگل میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہی ہو۔

کبھی نہیں بتاؤں گی میں وعدہ کرتی ہوں۔

غلام نے کہا۔

تو پھر تم میرے ساتھ آؤ۔

غلام ماریا کو لے کر ایک ویران سے کمرے میں آ گیا اسے معلوم تھا کہ ماریا محل سے باہر نہیں جا سکتی چنانچہ اس نے ماریا کو مردانہ لباس یعنی اسے سپاہی کی وردی پہنائی اور ساتھ لے کر قلعے کے ایک دروازے سے نکال کر باہر لے آیا۔

ٹھیک اس وقت ضلع خاندیس کے پہاڑوں سے نکل کر ایک آدم خور شیر ضلع اجین کے جنگلوں میں پھرتا پھراتا راجہ سنگرام کے قلعے کے آس پاس آ گیا تھا ایک پنجہ زخمی ہو جانے کی وجہ سے وہ تیزی سے بھاگ کر ہرن کا شکار نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے ایک برس پہلے آدمیوں پر حملے شروع کر دیے تھے کیونکہ انسان اس کے آگے بھاگ نہیں سکتا تھا

اور شیر بڑے آرام سے اسے دبوچ کر ہڑپ کر جاتا تھا۔

آدم خور شیر تین روز سے راجہ سنگرام کے قلعے کے آس پاس بھوکا پھر رہا تھا اور اسے کھانے کو کوئی آدمی نہیں ملا تھا بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اس جنگل میں کوئی ہرن اور لومڑ بھی نہیں تھا جسے چیر پھاڑ کر وہ اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتا، وہ اپنے شکار کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا وہ بار بار اپنا چہرہ اوپر اٹھا کر کسی انسان کی بو سونگھنے کی کوشش کرتا مگر ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ دوسری جانب غلام کو ساتھ لے کر راجہ سنگرام کے قلعے سے باہر نکل آیا اور جنگل میں چشمے کی طرف چلنا شروع کر دیا اس نے ماریا کو گھوڑے پر بٹھا رکھا تھا غلام نے اپنی وردی کے اندر بڑا خونخوار چھرا چھپا رکھا تھا جس کی مدد سے وہ ماریا کو قتل کرنے کے بعد اس کی نیلی آنکھیں نکالنا چاہتا تھا ماریا بے چاری بے خبری کے عالم میں اپنے بھائی کی محبت میں ڈوبی اس قاتل وحشی کے

ساتھ چلی جا رہی تھی ایک جگہ اس نے پوچھا۔

میرا بھائی کس جگہ بیٹھا ہے۔؟

غلام نے مسکرا کر کہا۔

بس ہم وہاں پہنچنے ہی والے ہیں ماریا۔ فکر نہ کرو۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک سیاہ پتھر کی چٹان کے پاس غلام نے گھوڑا روک لیا اس نے گھوڑے سے اتر کر ماریا کو بھی نیچے اتار لیا اس نے ماریا سے کہا۔

ماریا، تم یہاں بیٹھو میں تمہارے بھائی کو لے کر ابھی آتا ہوں گھبرانا نہیں میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔

ماریہ بولی۔

جلدی آ جانا بھائی مجھے اکیلی اس جنگل میں ڈر لگ رہا ہے غلام نے کہا۔

ڈرنے کی کیا بات ہے ابھی تمہارا بھائی بھی یہاں آ جائے گا۔

غلام درختوں کے پیچھے آ گیا ایک جگہ چھپ کر اس نے صدری کے اندر سے خنجر نکالا انگلی لگا کر اس کی تیز دھار کو دیکھا ایک پتھر پر خنجر کو اور زیادہ تیز کیا اور پھر قدم بقدم ماریا کی طرف بڑھنے لگا وہ پیچھے سے ہو کر ماریا پر حملہ کرنا چاہتا تھا وہ خنجر ماریا کی گردن پر مار کر ایک ہی وار میں ہلاک کر دینا چاہتا تھا اور یہ کام اس کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا اس نے قلعے میں سپہ سالار اور راجہ کے حکم سے سینکڑوں لوگوں کو خنجر مار کر قتل کیا تھا اور یہ تو بے چاری ایک بھولی بھالی مسکین سی لڑکی ہی تھی اس کو قتل کرنا کون سی مشکل بات تھی اس نے خنجر کو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑا اور جھاڑیاں اِدھر اُدھر ہٹاتا دبے پاؤں ماریا کی طرف بڑھنے لگا۔

عین اسی وقت جب آدم خور شیر نے اپنا منہ اوپر اٹھایا تو اسے ہوا میں

انسان کی بو محسوس ہوئی یہ بو بڑی تیز تھی جیسے کوئی انسان بالکل اس کے قریب ہی ہو شیر بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا وہ بے چینی سے دم ہلانے لگا اور جدھر سے انسان کی بو آ رہی تھی اس طرف پنجے سمیٹے بڑی احتیاط سے چلنے لگا وہ اس قدر ہوشیاری سے آگے بڑھ رہا تھا کہ سوکھے پتوں پر اس کے پاؤں رکھنے اور اٹھانے کی آواز تک نہ آ رہی تھی۔

اب منظر یہ تھا کہ ایک طرف سے غلام خنجر ہاتھ میں لیے ماریا کی طرف بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف سے شیرا اپنے شکار کی طرف آگے بڑھ رہا تھا ماریا بے چاری بھولا سا منہ لیے خاموش جنگل میں ڈری ڈری سی بیٹھی تھی اس نے اپنے پیچھے پاؤں کی آہٹ سنی تو فوراً پلٹ کر دیکھا پیچھے غلام خنجر ہاتھ میں لیے اس پر حملہ کرنے ہی والا تھا ماریا نے کہا۔

بھائی کہاں ہے۔

پھر جب اس نے غلام کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔

خدا کے لئے مجھے قتل نہ کرو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے مجھے معاف کر دو۔

غلام نے شیطانی قہقہہ لگایا۔

اب تمہیں کوئی طاقت میرے خنجر کی تیز دھار سے نہیں بچا سکتی تمہاری موت اب میرے ہاتھ میں ہے میں تمہیں سردارنی کے حکم سے قتل کر کے تمہاری نیلی آنکھیں نکال کر ساتھ لے جاؤں گا تمہیں اب کوئی نہیں بچا سکتا بہتر یہی ہے کہ مرنے کے لئے چپ چاپ تیار ہو جاؤ اور اپنا گلا میرے سامنے جھکا دو تاکہ میں اسے کاٹ کر رکھ دوں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

بچاؤ.........بچاؤ..........کوئی بچاؤ..........

غلام نے قہقہہ لگا کر خنجر ہوا میں لہرایا ٹھیک اس وقت شیر نے درختوں کے پیچھے سے اپنے موٹے تازے شکار کو دیکھا اس کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔

شیر نے وہیں سے ایک طوفانی چھلانگ لگائی اور ایک بھیانک گرج کے ساتھ اپنا چھ من کا جسم غلام کے اوپر گرا دیا شیر کے طاقت ور پنجے نے غلام کے سر پر پڑ کر اس کی کھوپڑی پاش پاش کر دی اس کی لاش کو منہ میں چوہے کی طرح اٹھایا اور جنگل کی طرف غائب ہو گیا۔

ماریا کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ آناً فاناً کیا ہے کیا ہو گیا ابھی غلام خنجر سے اسے ہلاک کرنے والا تھا اور ابھی شیر نے اسے ہلاک کر دیا اور لاش دانتوں میں دبوچ کر غائب ہو گیا شیر ماریا کی زندگی اور غلام کی موت بن کر وہاں آیا اور آن کی آن میں سارے کھیل کو بدل کر وہاں سے چلا

گیا شیر کی خوفناک دھاڑ، غلام کی آخری چیخ اور اس کے خون آلود لاش کو شیر کے منہ میں دیکھ کر ماریا ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی کتنی دیر تک اسے ہوش ہی نہ آیا کہ وہاں کیا ہو گیا ہے۔

پھر جب وہ ذرا سنبھلی تو اس نے محسوس کیا کہ خدا نے اس پر ایک عظیم احسان کیا ہے کہ شیر کو اس کی مدد کے لئے وہاں بھیج دیا ہے اگر شیر وہاں نہ آتا تو غلام ضرور اسے قتل کر کے اس کی آنکھیں نکال کر لے جا چکا ہوتا اب وہ ڈرتی ڈرتی اٹھی اور جدھر شیر گیا تھا اسی کی مخالف سمت کو بھاگ کھڑی ہوئی وہ دوبارہ قلعے میں واپس جا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں چلانا چاہتی تھی یہ تو خدا نے اسے سنہری موقع دیا تھا کہ اس کی جان بھی بچ گئی اور وہ اس پتھروں کے قلعے کی قید سے بھی آزاد ہو گئی۔

زرتاش کا انتقام

زرتاش کو کھنڈر میں چھوڑ کر عنبر اور ناگ ماریا کی تلاش میں چل پڑے انہیں صرف اسی قدر سراغ مل سکا تھا کہ ہوسکتا ہے ماریا کو گووند نے راجہ سنگرام کے محل میں کنیز بنا کر فروخت کر دیا ہو عنبر اور ناگ نے فیصلہ کیا کہ راجہ سنگرام کے محل کی طرف چلنا چاہیے ہوسکتا ہے ان کی بہن انہیں وہیں مل جائے انہوں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر دور راجہ سنگرام کا قلعہ دیکھا جو ایک پہاڑی کے اوپر بنا ہوا تھا وہ اس قلعے کی طرف چل دیے۔

زرتاش ٹھگ کے سارے ساتھی عنبر اور ناگ نے مروا دیے تھے اس

کا بہترین ساتھی گووند بھی ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس چیز کا زرتاش کو بے حد صدمہ ہوا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر اور ناگ سے اس کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ بے دھیانی میں عنبر اور ناگ کو مروا ڈالے یعنی انہیں اتنی مہلت ہی نہ مل سکے کہ وہ آسمانی طاقت کو بلا سکیں اس کے لیے اس نے سوچا کہ اجین کے پجاری اور راجہ کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں کیونکہ عنبر اور ناگ نے دیوتاؤں پر قربان کیے جانے والے بچے اغوا کر کے ایک ایسا جرم کیا تھا جس کی سزا موت تھی زرتاش نے سازش یہ سوچی کہ فوراً اجین پہنچ کر پجاری اور راجہ کو باخبر کر دیا جائے کہ ان کا مجرم اس وقت راجہ سنگرام کے قلعے میں ہے راجہ سنگرام کے راجہ اجین کے ساتھ بڑے برادرانہ تعلقات تھے وہ ایک منٹ کے اندر اندر عنبر اور ناگ کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر راجہ اجین کے حوالے کر سکتا تھا۔

زرتاش نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سرپٹ دوڑاتا جنگل کے ایک خفیہ راستے سے اجین کی طرف روانہ ہو گیا جس وقت عنبر اور ناگ راجہ سنگرام کے قلعے کے باہر پہنچے زرتاش اجین کے بڑے ناگ مندر کے باہر کھڑا پجاری کا انتظار کر رہا تھا۔

پجاری نے دروازہ کھولا اور باہر زرتاش کو دیکھ کر کہا۔

ارے زرتاش، یہ تم کو کیا ہوا۔ تم اتنی دیر بعد کہاں سے آ گئے؟

دونوں ایک دوسرے سے گلے لگ کر ملے پجاری ٹھگ زرتاش کو اچھی طرح جانتا تھا زرتاش پجاری کے ساتھ مندر کے اندر اس کے کمرے میں آ گیا یہاں اس نے اسے بتایا کہ عنبر اور ناگ نام کے دو نوجوان ناگ دیوتا پر قربان ہونے والے بچے کو یہاں سے اغوا کر کے لے گئے تھے اور اس وقت وہ دونوں راجہ سنگرام کے قلعے میں ہیں پجاری کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔

میں ان دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اس دفعہ وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے میرے ساتھ آؤ ابھی راجہ کے پاس چل کر ساری بات کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

پجاری زرتاش کو ساتھ لے کر سیدھا راجہ کے محل میں آ گیا راجہ پجاری کی بڑی عزت کرتا تھا اس نے اسی وقت اسے اپنے خاص کمرے میں بلا لیا پجاری اور زرتاش نے جھک کر سلام کیا اور راجہ کو الف سے لے کر یے تک ساری کہانی سنا ڈالی راجہ کا چہرہ غصے میں لال ہو گیا اس کی ساری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے ناگ دیوتا کی مقدس قربانی کو اغوا کر کے ایک گھناؤنا جرم کیا تھا راجہ کو وہم ہو گیا تھا کہ اگر اس نے مجرم کو پکڑ کر سزا نہ دی تو ناگ دیوتا اس کی سلطنت کو تباہ وہ برباد کر دے گا اور جب پجاری نے اسے بتلایا کہ اس کے مجرم راجہ سنگرام کے قلعے میں پہنچ گئے ہیں تو اس نے حکم دے دیا کہ فوراً ایک

دستہ سپاہیوں کا راجہ سنگرام کے قلعے میں جائے اور اسے جا کر ہمارا پیغام دے کر اس کے پاس جو دو اجنبی نوجوان باہر سے آئے ہیں وہ ہمارے مجرم ہیں اور انہیں ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

سپاہیوں کا ایک دستہ اسی وقت راجہ سنگرام کے قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

زرتاش اور پجاری خوشی خوشی واپس مندر میں آ گئے زرتاش اس لئے خوش تھا کہ وہ عنبر اور ناگ سے اپنے قیمتی ساتھیوں کی موت کا بدلہ لینے والا تھا پجاری اس لئے خوش تھا کہ اس نے راجہ کو مجرموں کا سراغ بتا کر پھر سے اپنی ساکھ بنالی تھی۔

ادھر عنبر اور ناگ راجہ سنگرام کے قلعے کے باہر پہنچے تو دربان نے انہیں روک کر پوچھا کہ وہ کون ہیں اور قلعے میں کس لئے آئے ہیں عنبر نے دربان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

دوست ہم کیمیا گر ہیں ہم تانبے کو سونا بنا دیتے ہیں۔؟

دربان نے کہا۔

تم جھوٹ بولتے ہو بھلا ایسا کون ہو سکتا ہے جو تانبے کو سونا بنا دے میں تمہیں تانبے کا ایک برتن دیتا ہوں اگر تم نے اسے سونے کا بنا دیا تو تمہیں قلعے کے اندر جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

عنبر نے کہا۔

لاؤ برتن۔ ابھی اسے سونے کا بنا دیتا ہوں۔

دربان دونوں کو اپنی کوٹھڑی میں لے گیا اس نے ایک تانبے کی صراحی ان کے آگے رکھ کر کہا اس صراحی کو سونے میں تبدیل کر کے دکھائیں۔

عنبر نے صراحی اپنے سامنے رکھی اور آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا اسے تانبے کو سونا بنانے کا عمل بالکل نہیں آتا تھا۔

پھر بھی اس نے کنیز کی روح سے امداد طلب کی اور کہا کہ اگر وہ اس صراحی کو سونے کی صراحی میں تبدیل کر دے تو وہ اس کا بہت شکر گزار ہو گا کیونکہ وہ دونوں ایک نیک مقصد کے لئے اس قلعے میں آئے ہیں عنبر نے آنکھیں کھول کر صراحی پر پھونک ماری تو وہ سونے کی طرح چمکنے لگی اصل میں وہ سونے کی نہیں ہوئی تھی بلکہ سونے کی طرح چمک رہی تھی دربان یہی سمجھا کہ صراحی سونے کی بن گئی ہے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اس نے کہا۔

تم واقعی سچے ہو تمہیں اجازت ہے کہ قلعے کے اندر چلے جاؤ۔

عنبر نے دیکھا کہ دربان دوست بن گیا ہے تو اس سے پوچھا۔

بھائی یہ بتاؤ کیا تم نے یہاں کوئی نیلی آنکھوں والی لڑکی دیکھی ہے؟

دربان نے سوچ کر بتایا۔

نیلی آنکھوں والی ایک لڑکی راجہ جی کے محل میں ضرور رہتی ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ اس کا نام کیا ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے۔

دربان بولا۔

راجہ جی کے محل کی کنیزوں کو سوائے غلاموں کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا کیوں کہ انہیں محل سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

عنبر اور ناگ کے لیے اتنی اطلاع ہی کافی تھی کہ راجہ کے محل میں ایک نیلی آنکھوں والی کنیز موجود ہے وہ سمجھ گئے کہ گوند نے راجہ سنگرام کے محل میں ماریا کو داخل کرا دیا ہو گا دونوں دوست دربان کی ڈیوڑھی سے نکل کر قلعے کے اندر آ گئے قلعے کی چار دیواری میں ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر آباد تھا گلیاں بازار پختہ تھے اور چاروں طرف ایک

منزلہ پتھروں کے مکان بنے ہوئے تھے شہر کے بیچ میں راجہ کا دو منزلہ محل سب سے الگ کھڑا تھا جس کے اوپر سونے کا چھتر سایہ کیے ہوئے تھا عنبر نے کہا۔

ہمیں اب کسی طرح راجہ کے محل میں داخل ہونا ہے تاکہ ماریا تک پہنچ کر اسے یہاں سے نکالنے کی کوشش کریں۔

ناگ نے کہا۔

مگر راجہ کے محل کے اندر کیسے پہنچیں گے۔ یہی تو سب سے مشکل کام ہے۔

فکر نہ کرو، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے میرے ساتھ آؤ۔ عنبر ناگ کو لے کر راجہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا محل کے دروازے پر سپاہیوں نے انہیں گھیرے میں لے کر روک لیا اور پوچھا۔

کون ہو تم لوگ اور کہاں جا رہے ہو۔؟

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم اجین سے آئے ہیں ہم اجین کے راج دربار کے شاہی حکیم ہیں اور راجہ کی خدمت کرنے آئے ہیں ہمیں راجہ سنگرام کے دربار میں پہنچا دیا جائے۔

سپاہی نے پوچھا۔

کیا راجہ صاحب نے تمہیں خود بلایا ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

یہی سمجھ لو کہ راجہ صاحب نے ہمیں خود بلایا ہے۔

سپاہیوں نے اسی وقت عنبر اور ناگ کو شاہی مہمان خانے میں پہنچا دیئے راجہ کو خبر کر دی گئی کہ اجین شہر کے مشہور حکیم ملنے کے لئے حاضر ہونا چاہتے ہیں اس وقت راجہ سنگرام کچھ کچھ بیمار رہتا تھا اس لئے کہ ماریہ گم ہو چکی تھی اور اسے یہی بتایا گیا تھا کہ غلام ماریا کو لے کر محل سے فرار ہو

گیا ہے راجہ ماریا کے لئے اداس تھا اور اسے دو روز سے بخار چڑھا ہوا تھا اس نے جب سنا کہ شہر اجین سے دو حکیم آئے ہیں تو اس سے ملنا چاہتے ہیں تو اس نے انہیں فورا بلا لیا۔

عنبر اور ناگ نے راجہ سنگرام کے سامنے پیش ہو کر ادب سے سلام کیا اور کھڑے ہو گئے۔

راجہ نے پوچھا۔

تم اجین سے آئے ہو؟

عنبر نے کہا۔

جی ہاں راجہ صاحب۔ ہم اجین سے آئے ہیں اور وہاں کے مشہور حکیم ہیں۔

راجہ نے کہا۔

مجھے بخار ہے میں بیمار ہوں، اگر تم میرا علاج کر کے مجھے تندرست کر

دو تو میں تمہیں انعام بھی دوں گا اور اپنے دربار میں نوکر رکھ لوں گا۔

عنبر نے کہا۔

ابھی آپ کو تندرست کر دوں گا۔

یہ کہہ کر عنبر نے اپنے تھیلے میں سے ایک عرق نکال کر چاندی کے پیالے میں ڈالا اس میں گلاب کا عرق شامل کیا اور راجہ کو پلا دیا یہ دوائی اس قدر تیز اثر کرنے والی تھی کہ راجہ کی بجھی بجھی طبیعت بھی درست ہو گئی اور بخار بھی اتر گیا اس کرامت سے راجہ بے حد خوش ہوا اور اس نے عنبر اور ناگ کو اپنے دربار میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا۔

عنبر نے پوچھا۔

مہاراج۔ ایسے لگتا ہے کہ آپ کی کوئی عزیز ترین شے گم ہو گئی ہے کیونکہ یہ بخار اسی کے صدمے کی وجہ سے ہوا ہے۔

راجہ عنبر کی دانشمندی پر بہت خوش ہوا اس نے اسے صاف صاف بتا دیا

کہ اس کی چہیتی نیلی آنکھوں والی کنیز کو ایک نمک حرام حبشی غلام اغوا کر کے فرار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ علیل تھا نیلی آنکھوں والی کنیز کا سن کر عنبر اور ناگ چونک پڑے عنبر نے کہا۔

کیا اس کنیز کا نام ماریا تھا۔؟

راجہ نے کہا۔

تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا۔؟

عنبر جھٹ بولا۔

مہاراج۔ ہم نے اس کنیز کی تعریف اجین میں سنی تھی کہ راجہ سنگرام کے محل میں ایک نیلی آنکھوں والی کنیز ہے۔

راجہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

کاش۔ مجھے پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہے میں غلام کی کھال کھنچوا دوں

ناگ نے پوچھا۔

مہاراج کیا آپ نے ان کی تلاش نہیں کرائی؟

راجہ کہنے لگا۔

میں نے آس پاس کا سارا جنگل چھان مارا ہے میرے سپاہی سارے پہاڑوں کو کھنگال چکے ہیں مگر ان دونوں کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔

عنبر اور ناگ راجہ سے اجازت لے کر شاہی مہمان خانے میں آ گئے انہیں وہاں آ کر خوشی بھی ہوئی تھی اور صدمہ بھی ہوا تھا خوشی اس لئے ہوئی تھی کہ انہیں اپنی بہن کا سراغ مل گیا تھا اور صدمہ اس لئے ہوا تھا کہ ماریا وہاں سے بھی گم ہو چکی تھی ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اب ہمارا اس محل میں ٹھہرنا بے مقصد ہے ہمیں یہاں سے نکل کر ماریا اور حبشی غلام کو جنگلوں میں تلاش کرنا چاہیے کیونکہ جب ماریا اس محل میں موجود ہی نہیں ہے تو پھر یہاں ٹھہرنے کا کیا فائدہ ہے۔؟

عنبر نے سوچ کر کہا۔

کہتے تو تم ٹھیک ہو مگر ہمیں دو ایک دن یہاں قیام کرنا چاہیے ہو سکتا ہے ہمیں یہیں سے ماریا اور غلام کا کوئی اتا پتہ مل جائے۔

جیسے تمہاری مرضی۔

عنبر اور ناگ کے شاہی مہمان خانے میں اترتے ہی دربار میں سب کو معلوم ہو گیا کہ دو نئے حکیم شہر اجین سے آئے ہیں رات کو عنبر اور ناگ سے کئی درباری ملنے آئے ان میں سے بعض بیمار تھے۔

اور اپنا علاج کروانا چاہتے تھے عنبر نے ان سب کو تسلی دے کر واپس بھیج دیا دوسرے روز راجہ اجین کا بھیجا ہوا سپاہیوں کا دستہ راجہ سنگرام کے قلعے میں پہنچ گیا دستے کے سیناپتی نے اسی وقت راجہ سنگرام سے ملاقات کی اور اسے اجین کا خفیہ پیغام پہنچا دیا کہ اجین سے جو دو اجنبی نوجوان اس کے ہاں آئے ہیں وہ ان کے مجرم ہیں اور انہیں فوراً

گرفتار کر کے واپس اجین روانہ کر دیا جائے۔

راجہ سنگرام حیران رہ گیا کہ اس کے راجہ اجین کے ساتھ بھائیوں ایسے تعلقات تھے اور جب اس نے یہ سنا کہ دونوں نوجوان مذہبی مجرم ہیں اور انہوں نے ناگ دیوتا کی مقدس قربانی کو چرا لیا تھا تو اس نے اسی وقت حکم دے دیا تھا کہ دونوں حکیموں کو فوراً گرفتار کر کے سپاہیوں کے ہمراہ اجین روانہ کر دیا جائے۔

سیناپتی نے کہا۔

مہاراج ہمیں آج کی رات آرام کر لینے دیں کل صبح انہیں گرفتار کر لیا جائے تاکہ ہم اس وقت مجرموں کو لے کر واپس اجین روانہ ہو جائیں۔

ٹھیک ہے۔ آپ لوگ آج کی رات آرام کریں۔

وہ رات سپاہیوں نے آرام کیا عنبر اور ناگ بھی شاہی مہمان خانے

میں آرام کر رہے تھے مگر وہ سوئے نہیں تھے بلکہ جاگ رہے تھے آدھی رات کے وقت شاہی قلعے کا وہی دربان جس کی تانبے کی صراحی کو انہوں نے سونے کی صراحی میں تبدیل کر دیا تھا کسی نہ کسی طرح ان کے پاس آ گیا عنبر اور ناگ دربان کو دیکھ کر حیران ہوئے

عنبر نے پوچھا۔.........

کیوں میاں دربان تم یہاں آدھی رات کو کیا کرنے آئے ہو؟ خیریت تو ہے۔؟

دربان کا سانس پھولا ہوا تھا اس نے جلدی جلدی بتایا۔

آپ لوگوں نے مجھ پر احسان کیا تھا اس احسان کا بدلہ چکانے آیا ہوں راجہ اجین کے سپاہی آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں جس طرح ہو سکے یہاں سے بھاگ جاؤ بس میں جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر دربان چھلاوے کی طرح وہاں سے غائب ہو گیا عنبر اور ناگ

اسے دیکھتے ہی رہ گئے مگر اس کی اطلاع پر کہ انہیں گرفتار کیا جا رہا ہے وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے انہیں یقین تھا کہ دربان جھوٹ نہیں بول رہا پہلے تو انہوں نے سوچا کہ وہیں رہ کر سپاہیوں کا مقابلہ کیا جائے پھر انہیں خیال آیا کہ مقابلہ کس لیے کریں؟ ماریا تو وہاں موجود نہیں جانا تو انہیں ضرور ہے تو پھر کیوں نہ ابھی فرار ہو جائے۔

عنبر اور ناگ اسی وقت اٹھے اور محل میں سے نکل کر قلعے کے صدر دروازے کی طرف آ گئے دربان نے انہیں آتا دیکھ کر دروازہ کھول دیا عنبر اور ناگ گھوڑے پر سوار تھے انہوں نے دربان سے ہاتھ ملایا اور چپکے سے قلعے میں سے باہر نکل گئے ان کے باہر نکلتے ہی خدا جانے کیسے محل میں شور مچ گیا کہ دونوں اجنبی بھاگ گئے ہیں۔ چین کے سپاہیوں کا دستہ فوراً ان کی تلاش میں قلعے سے باہر نکل آیا جنگل رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لیکن سپاہی جنگل میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

جنگل میں کیا گزری؟

شیر نے غلام کو ہڑپ کیا تو ماریا وہاں سے فرار ہو گئی تھی۔ پہلے تو وہ اس خیال سے جنگل میں بھاگتی رہی کہ کہیں شیر اسے بھی آ کر ہڑپ کرنا نہ شروع کر دے پھر اس نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا کیونکہ اس نے محسوس کیا تھا کہ غلام کو کھانے کے بعد شیر کا پیٹ بھر گیا ہے اور اب وہ ماریا کا پیچھا نہیں کرے گا وہ جنگل میں چلتی چلی گئی اسے کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے اگر اسے کچھ احساس تھا تو صرف اتنا تھا کہ وہ رنجیہ سنگرام کی عمر قید سے نجات حاصل کر چکی ہے اور بوڑھی کنیز نے اسے قتل کرنے کی جو سازش کی تھی اس سے بھی بچ گئی ہے

وہ دل ہی دل میں کئی بار خدائے واحد کا شکر ادا کر چکی تھی کہ عین وقت پر شیر آ گیا اگر شیر آ کر غلام کو ہلاک نہ کرتا تو ماریا کی موت یقینی تھی۔ دن اب کافی چڑھ آیا تھا اور جنگل میں روشنی پھیلی ہوئی تھی ماریا چلتے چلتے تھک گئی وہ سوچنے لگی کہ کون سی جگہ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرے اسے اب بھی خطرہ تھا کہ کہیں راجہ کے آدمی اس کی تلاش میں وہاں نہ پہنچ جائیں اس نے دو ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹا سا راستہ دیکھا جو دائیں طرف کو گھوم گیا تھا ماریا نے سوچا کہ وہ اس تنگ درے میں چھپ کر گھڑی بھر آرام کر لیتی ہے کیونکہ اس جگہ اسے کسی کے آنے کا خطرہ نہیں تھا ماریا تنگ راستے میں داخل ہو گئی یہ پہاڑی راستہ آگے جا کر داہنی جانب گھوم گیا اب وہاں ایک جگہ سے پہلو کی جانب پہاڑ کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور زمین پر گھاس کا بستر سا بچھا ہوا تھا ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ بستر کس نے بچھا رکھا ہے۔

اس نے زیادہ سوچنے میں وقت ضائع نہ کیا وہ بے حد تھکی ہوئی تھی گھاس پر لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی ماریا کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ جگہ ایک دیسی جادوگرنی کی تھی جو اس پہاڑی غار میں شاہ افراسیاب کے کالے علم کا چلہ کاٹ رہی تھی وہ ہر روز جنگل میں جا کر کسی بھولے بھٹکے مسافر کو ورغلا کر بے ہوش کر دیتی اور پھر اس کا گلا کاٹ کر اسکا خون کٹورے میں ڈال کر لاتی وہاں بیٹھ کر خون پیتی اور چلہ کاٹنا شروع کر دیتی۔

اس وقت بھی جادوگرنی جنگل میں کسی مسافر کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی خوش قسمتی سے ماریا کسی دوسرے راستے سے وہاں آئی تھی ویسے بھی جادوگرنی کو حکم تھا کہ چلہ جب ہی کامیاب ہوگا جب خون صرف آدمیوں کا پیا جائے اور چالیس روز کے بعد کسی دیسی لڑکی کا کلیجہ نکال کر بھون کر کھایا جائے جس کی ابھی شادی نہ ہوئی ہو اور جس کی

آنکھیں نیلی ہوں ماریا سو رہی تھی کہ جادوگرنی ہاتھوں میں مسافر کے خون کا کٹورہ پکڑے غار میں داخل ہوئی اس نے جو ایک نیلی آنکھوں والی لڑکی کو اپنے بستر پر سوئے دیکھا تو خوشی سے وہ باغ باغ ہو گئی۔ شاہ افراسیاب کے حکم سے گویا نیلی آنکھوں والی لڑکی خود اس کے پاس چل کر آ گئی تھی ورنہ اسے بڑی پریشانی تھی کہ وہ اس علاقے میں آخری چلے کے لئے نیلی آنکھوں والی لڑکی کہاں سے حاصل کرے گی اب جو اس نے اپنے سامنے گھاس کے بستر پر نیلی آنکھوں والی ماریا کو سوئے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوئی اور اپنے لمبے لمبے زرد خون آلود دانت نکال کر ہنسنے لگی جادوگرنی ایک برس سے وہاں چلہ کاٹ رہی تھی اس کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ جسے چاہے بکری، یا کوئی جانور بنا دے لیکن ابھی اسے وہ طاقت نہیں ملی تھی کہ اپنا آپ بوڑھی عورت سے جوان عورت میں تبدیل کر سکے وہ بھی جادوئی طاقت حاصل

کرنے کے لئے چلہ کاٹ رہی تھی اور ابھی چالیس روز کا چلہ اور نیلی آنکھوں والی لڑکی کا کلیجہ بھون کر کھانا باقی تھا۔

ماریا گہری نیند سو رہی تھی جادوگرنی نے جلدی جلدی انسانی خون کو پیا اور پھر چہرے کو ٹھیک ٹھاک کر کے بڑی شریف بوڑھی عورت بن کر سر کے بالوں کو دوپٹے میں ڈھانپ کر ماریا کے پاس بیٹھ گئی اور اسے آہستہ سے جگانے لگی۔

بیٹی، اٹھو بیٹی۔

ماریا نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اس نے اپنے سامنے ایک عجیب وغریب چہرے والی بوڑھی کھوسٹ عورت کو دیکھا پہلے تو وہ ڈر گئی مگر جب جادوگرنی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ کچھ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

بیٹی اس جنگل میں میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی وہ جنگل سے

لکڑیاں کاٹ کر روکھی سوکھی کما لیتا تھا اور میری خدمت کرتا تھا لیکن وہ دریا میں ڈوب کر مر گیا اب میں اکیلی یہاں رہتی ہوں خود ہی جنگل میں جا کر پھل وغیرہ توڑ کر لے آتی ہوں اور زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں............لو تم بھی کچھ کھا پی لو۔

جادوگرنی کی چکنی چپڑی باتوں پر ماریا نے اعتبار کر لیا.........جادو گرنی نے جنگلی پھل کھانے کو دیے ماریا کو بھوک لگی تھی وہ پھل کھانے لگی جادوگرنی نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے؟ ماریا نے اسے بتایا کہ وہ ایک قسمت کی ماری دکھیاری لڑکی ہے جس کے بھائی اس سے بچھڑ گئے ہیں اور وہ ان کو ہی تلاش کرتی پھر رہی ہے جادوگرنی نے جھوٹ موٹ افسوس کرتے ہوئے کہا۔

بیٹی گھبراؤ نہیں دیوتاؤں کی مدد سے تمہیں تمہارے بھائی ضرور مل

جائیں گے ویسے اس کٹیا کو بھی اپنا گھر ہی سمجھو تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔ تمہارے بھائیوں کو تلاش کرنے میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔

ماریا نے جادوگرنی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

اماں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں مگر بات یہ ہے کہ اس جنگل میں مجھے شاید ہی اپنے بھائی مل سکیں کیوں کہ ادھر تو کوئی بھی مسافر نہیں آتا اس لئے میرا یہاں سے چلے جانا ہی۔ بہتر ہوگا ہو سکتا ہے یہاں کسی قریبی بستی میں مجھے میرے بھائیوں کا سراغ مل جائے۔

جادوگرنی ماریا سے یہ معلوم کر چکی تھی کہ اس کی شادی نہیں ہوئی اب جو ماریا نے وہاں سے چلے جانے کے بارے میں کہا تو جادوگرنی کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی وہ بھلا کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ اس کا شکار اسکے اتنے قریب آکر ہاتھ سے نکل جائے اس نے کہا۔

نہیں بیٹی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے بھائی ایک نہ ایک دن یہاں ضرور آئیں گے اس لیے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم یہاں رہ کر ان کا انتظار کرو۔

ماریا نے کہا۔

مگر اماں میرے بھائی یہاں کیوں آنے لگے یہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں وہ میری تلاش میں آئیں یہ کوئی بستی نہیں کوئی سرائے نہیں پھر وہ یہاں کیوں آئیں گے اور پھر میں تو انہیں شہر اجین میں چھوڑ کر آئی تھی بس میں صبح یہاں سے چلی جاؤں گی۔

جادوگرنی نے مکاری سے کہا۔

اچھا بیٹی جیسے تمہاری مرضی میں بھلا تمہیں روکنے والی کون ہوتی ہو تم بے شک کل یہاں سے چلی جانا لیکن رات تو یہاں آرام سے گزارو۔

ماریا نے رات کو تھوڑے بہت پھل کھائے اور سو گئی جادوگرنی کسی بھی

صورت میں یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے نکل جائے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماریا کو بکری بنا کر وہاں قید کرے گی کیونکہ اس کے علاوہ ماریا کو روکنے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا چنانچہ جادوگرنی آدھی رات کو چپکے سے اٹھ کر ماریا کے قریب آ گئی ماریا گھاس کے بستر پر بے سدھ ہو کر سو رہی تھی۔

جادوگرنی نے ماریا کے گرد سات پھیرے لگائے ساتویں پھیرے پر اس نے کچھ راکھ لے کر ماریا کے سر کی طرف ڈال دی اور پھر قریب بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور منتر پڑھنا شروع کر دیا منتر پڑھتے پڑھتے وہ مسکرائی اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے اور ایک قہقہہ لگایا ماریا ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیا ہے اماں۔؟

ماریا نے حیرت کے ساتھ جادوگرنی کی طرف دیکھا کیوں کہ اس کا

چہرہ بے حد ڈراؤنا ہو گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی چڑیل کا چہرہ ہے ابھی ماریا آنکھیں مل کر حیران ہی ہو رہی تھی کہ جادوگرنی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر زور سے پھونک ماری پھونک ماریا کے چہرے پہ پڑتے ہی وہ بکری بن گئی۔ ایک لمحے پہلے ماریا گھاس پر لیٹی تھی اور دوسرے لمحے اب ایک سیاہ رنگ کی نیلی آنکھوں والی بکری وہاں لیٹی تھی۔

ماریا کا دماغ اسی طرح کام کر رہا تھا وہ سمجھ گئی کہ جادوگرنی نے اسے بکری بنا دیا ہے مگر وہ زبان سے بول نہ سکتی تھی وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ جس عورت کو وہ ایک ہمدرد دل ماں سمجھتی رہی تھی وہ عورت دراصل ایک مکار جادوگرنی تھی اور خدا جانے اب وہ اسے بکری بنا کر اس سے کیا کام لینا چاہتی تھی۔

ماریا بکری بن کر پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جادوگرنی کی طرف

دیکھ کر زور زور سے ممیانے لگی وہ اصل میں جادوگرنی کو برا بھلا کہہ رہی تھی کہ اس نے اسے انسان سے ایک جانور کیوں بنا دیا ہے ....مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا ماریا کو جادوگرنی نے بکری بنا کر رکھ دیا تھا جادوگرنی نے ایک موٹی رسی ماریا بکری کے گلے میں ڈال دی اور اسے غار کی دیوار کے ساتھ ایک پتھر سے باندھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر جادوگرنی جنگل میں اپنے شکار کی تلاش میں نکل گئی وہ جنگل میں ایک ایسی جگہ پر چھپ کر بیٹھ گئی جہاں سے ایک کچی پگ ڈنڈی گزرتی تھی، جادوگرنی صبح سے دوپہر تک بیٹھی رہی مگر ادھر سے کسی مسافر کا گزر نہ ہوا اسے بڑا فکر ہوا کیونکہ اگر ایک روز انسان کا خون پینے میں ناغہ ہو گیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا جادوگرنی نے آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا جادوگرنی کی خوش قسمتی اور لکڑ ہارے کی بد قسمتی کہ ادھر سے ایک لکڑ ہارے کا گزر ہوا۔

بے چارہ دن بھر کی محنت کے بعد لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے واپس بستی کی طرف جا رہا تھا کہ جادوگرنی کی اس پر نظر پڑ گئی آنکھوں میں چمک آ گئی فوراً ایک جھکی ہوئی کمر والی بوڑھی عورت کے روپ میں اس کے سامنے آ کر روتے ہوئے بولی۔

بیٹا۔ میری بچی بیمار ہے دیوتاؤں کے لئے میرے ساتھ چل کر اسے اٹھاؤ اور لے کر بستی میں کسی حکیم کو دکھا لو۔ ڈر ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔

نرم دل لکڑ ہارے نے کہا۔

اماں کہاں ہے تمہاری بیمار بیٹی؟ مجھے بتاؤ میں اسے لے کر ابھی بستی میں حکیم صاحب کو دکھاتا ہوں۔

بڑھیا بولی۔

بیٹا میرے ساتھ آؤ۔

جادوگرنی لکڑ ہارے کو لے کر ایک جگہ درختوں میں آ گئی یہاں جادو گرنی نے کہا۔

بیٹا تم یہاں بیٹھو، میں اپنی بیمار بچی کو لے کر آتی ہوں۔

لکڑ ہارا لکڑیوں کا گٹھا ایک طرف رکھ کر درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا جادوگرنی وہاں سے چلی گئی ذرا دور جا کر وہ واپس ہوئی اور لکڑ ہارے کے عقب میں آ گئی اب اس نے اپنے ہاتھ میں ایک خنجر تھام رکھا تھا، اور وہ ایک ڈائن لگ رہی تھی لکڑ ہارا؛ بے چارا اپنے خوف ناک انجام سے بے خبر بیٹھا بوڑھی عورت کی بیمار بیٹی کا انتظار کر رہا تھا کہ جادوگرنی نے ایک خوف ناک چیخ ماری لکڑ ہارا ڈر کر پیچھے دیکھنے ہی والا تھا کہ جادوگرنی نے پوری قوت سے تیز دھار والا خنجر لکڑ ہارے کی

گردن میں گھونپ دیا خون کا فوارا چھوٹ گیا لکڑ ہارا گر پڑا۔

جادوگرنی نے کٹورے کو خون سے بھرا اور جلدی جلدی دو پہاڑیوں کے درمیان والے ڈرے سے ہو کر واپس اپنی کٹیا میں آ گئی بکری ماریا نے جادوگرنی کو اپنی نیلی نیلی آنکھوں سے سہم کر دیکھا جادوگرنی نے خون سے بھرا ہوا کٹورا زمین پر رکھا آلتی پالتی مار کر پتھروں پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے کچھ منتر پڑھے اور پھر خون کا کٹورا منہ سے لگا لیا خون پی کر اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک آ گئی ماریا اگرچہ بکری بن چکی تھی مگر اس کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا وہ سمجھ گئی کہ جادوگرنی چلہ کر رہی ہے اور وہ اس کے لئے کسی انسان کو ہلاک کر کے اس کا خون پیتی ہے وہ ڈر گئی اور دیوار کے ساتھ سمٹ سی گئی۔

جادوگرنی اپنی جگہ سے اٹھ کر بکری کے پاس آئی اور اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی ماریا کے سارے بدن میں خوف اور دہشت کی ایک

لہر دوڑ گئی وہ سمجھ گئی کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے اور جادو گرنی اسے بھی حلال کر کے اس کا خون پی جائے گی مگر جادو گرنی نے ابھی ماریہ کو حلال نہیں کرنا تھا ابھی پورے چالیس دن باقی تھے چالیسویں دن اس نے ماریا کو مار کر اس کا کلیجہ بھون کر کھا جانا تھا اسے کھانے کے بعد بوڑھی جادو گرنی جوان ہو سکتی تھی اور اسے کبھی بڑھاپا نہیں آ سکتا تھا۔

جادو گرنی کچھ دیر ماریا کی نیلی آنکھوں کو غور سے دیکھتی رہی اسکے بعد اس نے جنگل سے ہرے بھرے پتے لا کر بکری کے آگے ڈھیر کر دیئے ماریا اگر انسانی روپ میں ہوتی تو کبھی ان پتوں کو نہ کھاتی مگر وہ بکری بن چکی تھی اب اسے وہ پتے ڈبل روٹی اور کیک کے ٹکڑے نظر آئے اس نے ان پتوں کو بڑے شوق سے کھایا پانی پی کر ماریا بکری چپکے سے دیوار کے ساتھ لگ کر جگالی کرنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس کا

انجام کیا ہوگا بکری بن کر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی وہ اس قدر مجبور اور بے بس ہوگئی تھی کہ اگر جادوگرنی اسے زمین کے ساتھ لٹا کر ذبح کر ڈالتی تو وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی یہی سوچتے سوچتے وہ اونگھنے لگی اور اسے نیند آ گئی وہ جگالی بھی کرتی رہی اور سو بھی گئی خواب میں اس نے اپنے دونوں بھائیوں عنبر اور ناگ کو دیکھا کہ اس کی تلاش میں جنگل میں پریشان پریشان پھر رہے ہیں ماریا بکری کے روپ میں ان کے سامنے آ کر ان کو بتانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ ماریا ہے مگر عنبر اور ناگ اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے آخر ماریا بکری زور زور سے ممیاتی ہے۔

پھر اس کی آنکھ کھل گئی وہ زور زور سے ممیا رہی تھی اس کی آواز سن کر جادوگرنی ڈنڈا لے کر آ گئی اور اسے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا ماریا بکری کو بڑی تکلیف ہوئی اور وہ اور زور سے چیخنے لگی جادوگرنی اور

زور سے پیٹنے لگی آخر بکری نے چیخنا چلانا بند کر دیا جادوگرنی بھی مارتے مارتے تھک گئی تھی۔

کم بخت ذرا کچھ روز اور ٹھہر جا پھر تیری آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گی۔

بکری نے یہ سنا تو سمجھ گئی کہ کچھ روز کے بعد جادوگرنی اسے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اسے کم از کم یہ تسلی ضرور ہوگئی کہ جادوگرنی ابھی اسے نہیں مارے گی ہو سکتا ہے اس عرصے میں کوئی کرامت ہو جائے ایسا اتفاق ہو جائے کہ اس کے بھائی بہن کی تلاش میں وہاں پہنچ جائیں اور اسے جادوگرنی کی قید سے نجات دلائیں مگر سوال یہ ہے کہ اگر ماریا کے بھائی وہاں پہنچ بھی گئے تو انہیں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ جو بکری ان کے پاس کھڑی ہے یہ ان کی بہن ماریا ہے۔؟

ماریا بکری یہ سوچ کر پریشان ہوگئی پھر اس نے سوچا کہ وہ اپنے

بھائیوں کے سامنے زور زور سے چیخنا شروع کر دے گی لیکن اس سے بھی سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ وہ وہاں سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بھاگ جائیں گے اس قسم کی سوچ بچار کرتے کرتے ساری رات گزر گئی بکری ماریا نے ایک بات خاص طور پر دیکھی کہ جادوگرنی انسانی خون پی کر ساری رات آگ جلا کر سامنے بیٹھی منتر پڑھتی رہتی تھی وہ ضرور کوئی بھاری ریاضت اور چلہ کاٹ رہی تھی۔

کاش ماریا کو پہلے علم ہو جاتا کہ وہ ایک جادوگرنی ہے تو وہ کبھی اس کے ساتھ اس کٹیا میں نہ آتی بلکہ وہاں سے اسی وقت بھاگ کھڑی ہوتی مگر جو مقدر میں لکھا تھا وہ ہو کر رہا ماریا نے وہاں پہنچنا تھا اور جادوگرنی نے اسے بکری بنا کر اپنے پاس رکھنا تھا اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ماریا چپ چاپ بیٹھ ک انتظار کرے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔؟

جادوگرنی کی موت

راجہ اجین کے سپاہیوں کو بھگا کر دونوں دوست جنگل میں آ گئے۔ اب ان کے سامنے بھی کوئی منزل نہیں تھی وہ اپنی بہن کی تلاش میں ضرور تھے مگر انہیں کچھ علم نہیں تھا کہ ماریا انہیں کہاں ملے گی اور کس طرح سے ملے گی وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے جنگل میں جا رہے تھے اتنا انہیں ضرور یقین تھا کہ راجہ کے سپاہی اب اس طرف آنے کی جرات نہ کریں گے اس لئے کہ جنگل میں جس مقام پر گھوڑا ایک بار شیر کو دیکھ لے وہ دوبارہ اس طرف کا کبھی رخ نہیں کرتا مگر سوال ایک ہی تھا جو انہیں پریشان کر رہا تھا کہ وہ ماریا کو کہاں تلاش کریں؟ اگر حبشی غلام سے اغوا کر کے لے گیا ہے تو وہ کہاں گیا ہوگا

ظاہر ہے وہ کسی دوسرے راجہ کی سلطنت میں نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہاں اس کے پکڑے جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ .... اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی تھی کہ شاید غلام نے ماریا کو کسی دوسرے شہر فروخت کر دیا ہو۔

ایسی صورت میں بھی اس کا جنگل میں سے ہو کر گزرنا پڑا ضروری تھا یہی وجہ تھی کہ وہ جنگل کے جھاڑی دار راستوں میں سے ہو کر گزرتے ہوئے ایک سے ایک شے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کہ کہیں ماریا کی کوئی نشانی نہ گری ہوئی ہو مگر وہاں سوائے جنگلی جھاڑیوں اور درختوں کے گرے پڑے پتوں کے اور کچھ نہیں تھا ماریا ادھر سے گزری ضرور تھی لیکن اس کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جو بے خیالی میں راستے پر گر سکتی اس کے علاوہ اگر ماریا کو یقین ہوتا کہ اس کے بھائی ادھر سے گزریں گے تو وہ وہیں کسی جگہ رک کر ان کا انتظار

کرتی عنبر اس سلسلے میں نہ تو بہرام جن سے کوئی مدد لے سکتا تھا اور نہ کنیز کی روح سے امداد طلب کر سکتا تھا کیونکہ ان دونوں کو غیب کا علم نہیں تھا۔

بہرام جن اور کنیز کی روح عنبر کو مشکلات سے تو چھڑا سکتے تھے مگر اسے یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ فلاں آدمی کہاں پر ہے اور کل کیا ہونے والا ہے؟ ہاں بلقیس کی روح نے ایک بار اسے ایک بزرگ کے تشریف لانے کی بشارت ضرور دی تھی مگر اس کے آگے وہ بھی کچھ بتا نہ سکتی تھی لہٰذا اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جنگل جنگل بستی بستی پھر کر اپنی بہن کو تلاش کرتے رہیں۔

ناگ نے کہا۔

میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

وہ کیا۔

وہ یہ کہ کیوں نہ میں ایک پرندہ بن کر آگے آگے اڑ کر ماریا کو تلاش کرنا شروع کر دوں پھر میں اگر اس کا کوئی سراغ پاؤں تو تمہیں آ کر بیان کر دوں۔

عنبر نے کہا خیال تو تمہارا ٹھیک ہے مگر کہیں اس جنگل میں نہ بھٹک جانا اگر تم تھوڑی دیر کے بعد واپس آ سکتے ہو تو ضرور لے جاؤ۔

ناگ بولا۔

فکر نہ کر، میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔

چنانچہ اسی وقت ناگ ایک سفید عقاب بن کر آسمان کی طرف اڑا اور جنگل کے اوپر نکل گیا۔

پہلے تو عنبر کا خیال تھا کہ وہ آگے چلتا رہے مگر پھر ناگ کی واپسی تک اس نے اسی جگہ رہ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ بھی پگ ڈنڈی پر

سے اتر کر بائیں طرف شاہ بلوط کے ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ کہاں سے چلا اور کہاں آ گیا ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ دو ہزار دو سو برس سے زندہ چلا آ رہا ہے اگر وہ کسی کو بتائے کہ اس کی عمر دو ہزار دو سو برس ہے تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔

لیکن یہ ایک حقیقت تھی.......... تلخ اور حسین حقیقت!

کتنی ہی دیر تک عنبر اسی جگہ شاہ بلوط کے درخت تلے بیٹھا ناگ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا مگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ جنگل سے بھی آگے نکل گیا ہے بہر حال اس کا انتظار بہت ضروری تھا ناگ کے بغیر وہ وہاں سے چل نہیں سکتا تھا۔

دوسری طرف جادوگرنی بھی روز کی طرح اپنے شکار کی تلاش میں نکل آئی تھی وہ پہاڑی کے درے میں سے نکل کر جنگل میں آ گئی اور کمر

جھکا کر قدم بہ قدم چلتی ہوئی کسی ایسے مسافر کی تلاش میں ایک جگہ رک گئی جس کو مار کر وہ اس کا خون پی سکے کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد اسے کسی کی آہٹ سنائی دی اس نے چونکی ہو کر چاروں طرف دیکھا اچانک اسے ایک نوجوان دکھائی دیا جو شاہ بلوط کے درخت تلے ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی کا وہاں پر انتظار کر رہا ہے۔

جادوگرنی خوشی سے نہال ہو گئی اسکا اس روز کا شکار سامنے ٹہل رہا تھا جادوگرنی عنبر کے ایک جگہ رکنے کا انتظار کرنے لگی کیونکہ وہ اسی حالت میں عنبر پر حملہ کر سکتی تھی جب کہ وہ ایک جگہ رکا ہوا ہو عنبر تھوڑی دیر تو ادھر اُدھر ٹہلتا رہا پھر وہ ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر تاگ نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔؟

وہ سفید عقاب کے روپ میں گیا تھا اسے اس وقت تک تو آ جانا

چاہیے تھا اچانک اسے خیال آیا کہ کسی شکاری نے اسے تیر مار کر زخمی نہ کر دیا ہو کیونکہ ان دنوں سفید عقاب کی راجاؤں کے دربار میں بڑی مانگ تھی پھر اسے خیال آیا کہ اگر ناگ زخمی بھی ہو گیا ہو گا تو ضرور سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا وہاں پہنچ جائے گا۔

میرا خیال ہے کہ مجھے خود آگے چل کر معلوم کرنا چاہیے۔

جس وقت عنبر یہ سوچ رہا تھا اس وقت جادوگرنی ٹھیک اس کے پیچھے پہنچ چکی تھی خنجر اس کے ہاتھ میں تھا عنبر اٹھنے ہی لگا تھا کہ جادوگرنی نے پوری قوت سے خنجر عنبر کی گردن پر مار دیا خنجر جتنے زور سے مارا گیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ گردن پر سے خون کا فوارا ابل پڑتا مگر جادوگرنی بڑی حیران ہوئی کہ خنجر گردن پر یوں پڑا تھا جیسے کسی پتھر سے ٹکرا گیا ہو اور عنبر کی گردن پر خراش تک نہ آئی تھی۔

خنجر کے گردن پر لگتے ہی عنبر نے منہ پھیر کر جادوگرنی کو دیکھا جادو

گرنی نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور بولی۔

تم میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتے ہو۔

یہ کہہ کر جادوگرنی نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ یہ ہاتھ بھی عنبر کی گردن پر پڑا اور اس کا کچھ نہ بگڑا معمولی سا زخم بھی نہ آیا اب عنبر نے جان بوجھ کر ایک کھیل کرنا چاہا وہ یوں زمین پر گر پڑا جیسے شدید زخمی ہو گیا ہو یا صدمے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا ہو جادوگرنی کو اور کیا چاہیے تھا فوراً لپک کر سامنے آئی اور عنبر کی گردن پر زور زور سے خنجر چلانے لگی مگر اس کی عقل اور دماغ حیران ہو کر رہ گیا تھا کہ عنبر کی گردن کٹتی کیوں نہیں ہے۔؟ نہ خون نکلتا ہے نہ وہاں کوئی زخم ہی ہوتا ہے نا امید ہو کر جادوگرنی نے عنبر کے پیٹ میں دھڑا دھڑ خنجر مارنے شروع کر دیئے وہاں بھی وہی کچھ ہوا جو گردن پر خنجر چلانے سے ہوا تھا۔

خنجر تھوڑا سا عنبر کے پیٹ میں جاتا اور جب باہر نکلتا تو پیٹ کی کھال

پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتی نہ کوئی زخم ہوتا نہ خون نکلتا جادو گرنی گھبرا گئی کہ یا میرے شیطان یہ کیا ماجرا ہے یہ شخص کوئی جن ہے یا بھوت کہ اس پر کسی شے کا اثر ہی نہیں ہوتا عنبر نے بڑے سکون سے ایک آنکھ کھول کر جادوگرنی کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا جادوگرنی گھبرا گئی عنبر نے کہا۔

کون ہو تم؟

جادوگرنی نے عنبر پر جادو کرنا شروع کر دیا کبھی اس کے سر پر پھونک مارتی کبھی اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لے جاتی کبھی چیخ مارتی اور کبھی زور زور سے ہنس پڑتی مگر عنبر پر اس کے جادو کا بھی کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اب جادوگرنی سمجھ گئی کہ اس کا پالا کسی زبردست جادوگر سے پڑ گیا ہے اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے جادوگروں کے سردار مجھے معاف کر دو مجھے معلوم نہیں تھا کہ

تمہارے اندر اتنی طاقت ہے کہ تم پر میرا کوئی جادو نہیں چلے گا۔

عنبر نے کہا۔ سچ سچ بتا تو کون ہے اور یہاں مجھے ہلاک کرنے سے تیرا مطلب کیا تھا۔؟

جادوگرنی نے اصلی بات کو چھپاتے ہوئے کہا۔

اے سردار جادوگر میں تجھ سے کوئی شے نہیں چھپا سکتی اس لئے کہ تمہیں سب باتوں کا علم ہے میں کالے علم کا چلہ کاٹ رہی ہوں میں چالیس روز سے یہاں ایک پہاڑی کی غار میں چلہ کر رہی ہوں اب میرے چلے کا آخری دن تھا اور میرے لئے ضروری تھا کہ میں کسی راہ چلتے مسافر کے جسم سے چلو بھر خون لا کر اسے آگ پر پھینکوں میں اسی لئے تمہارے پاس حملہ کرنے آئی تھی کیونکہ تم مجھے کوئی مسافر دکھائی دیتے تھے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایک بہت بڑے جادوگر ہو اور بڑی طاقتوں کے مالک ہو پھر میں کبھی تم پر حملہ نہ کرتی۔

عنبر نے اس کی بات کا اعتبار کرلیا اتنے میں ناگ بھی وہاں آ گیا وہ سفید عقاب کے روپ میں نہیں تھا بلکہ انسانی شکل میں تھا اس نے عنبر کو بتایا۔

میں نے قریب قریب سارا جنگل چھان مارا ہے مجھے ماریا کہیں نظر نہیں آئی۔

جادوگرنی نے پوچھا آپ کو کس کی تلاش ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

ہماری ایک بڑی ہی پیاری بہن ماریا گم ہوگئی ہے ہم دونوں کئی روز سے جنگل جنگل اسے تلاش رہے ہیں۔

جادوگرنی نے پوچھا اس کی کوئی نشانی بتا سکتے ہو؟

ناگ بولا۔

اس سے بڑی ماریا کی اور کیا نشانی ہوسکتی ہے کہ اس کی آنکھیں نیلی

ہیں۔

جادوگرنی فوراً سمجھ گئی کہ اسی لڑکی کی تلاش میں ہے جسے اس نے بکری بنا کر گھر میں قید کر رکھا ہے مگر اس نے انہیں بالکل نہ بتایا کہ ماریا اس کی غار میں بکری بنی ہوئی ہے وہ ماریا سے محروم ہو کر دوبارہ کسی نیلی آنکھوں والی لڑکی کو حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کہا۔

اس طرح کی تو کوئی لڑکی میں نے یہاں نہیں دیکھی، ادھر نیلی آنکھیں اور سنہری بال بہت کم لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔

عنبر نے ناگ کو بتایا کہ یہ ایک جادوگرنی ہے اور اپنے پہاڑ کی غار میں کالے علم کا چلہ کاٹ رہی ہے ناگ نے کہا ہمیں چل کر ذرا اس کی کٹیا کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

جادوگرنی گھبرا گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ عنبر اور ناگ اس کی کٹیا میں جائیں سب سے زیادہ خطرہ اسے عنبر سے تھا جسے وہ بہت بڑی خفیہ

طاقتوں والا جادوگر سمجھتی تھی اسے یقین تھا کہ عنبر جوں ہی اس کی جھونپڑی میں داخل ہوا وہ ماریا کو بکری کے روپ میں ضرور پہچان جائے گا! اس نے باتوں ہی باتوں میں اس کی کٹیا میں جانے کی بڑی مخالفت کی مگر عنبر نے کہا۔

ہم تمہاری کٹیا میں ضرور جائیں گے ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم کون سے کالے علم کا چلہ کاٹ رہی ہو۔

اب جادوگرنی سے کوئی جواب نہ بن پایا وہ مجبوراً عنبر اور ناگ کو لے کر غار میں آ گئی مگر اسے جس کا خطرہ تھا وہ نہ ہوئی عنبر اور ناگ نے ماریا کو بکری کی شکل میں بالکل نہ پہچانا وہ اسکے پاس ہی آ کر کھڑے ہو گئے مگر انہیں بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ جس بکری کے پاس وہ کھڑے ہیں وہ ان کی بہن ماریہ ہے۔

ناگ نے ایک بار بکری کی طرف پیار سے دیکھ کر کہا۔

کتنی پیاری نیلی آنکھیں ہیں اس بکری کی؟

عنبر نے بکری کو دیکھ کر کہا۔

ہاں بڑی پیاری بکری ہے۔

پھر اس نے جادوگرنی سے پوچھا۔

یہ بکری تم نے کس لئے پال رکھی ہے۔؟

جادوگرنی ہنس پڑی اور مکاری سے کہنے لگی۔

میں غریب جادوگرنی ہوں ابھی میرا جادو کا چلہ پورا نہیں ہوا مجھے طاقت کے لئے بکری کے دودھ پر ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے بے چاری بکری دن میں دو بار مجھے اپنا تازہ دودھ پلاتی ہے۔

اس وقت ماریا بکری زور سے میمائی وہ میمائی نہیں تھی بلکہ اس نے عنبر اور ناگ سے چیخ کر کہا تھا۔

بھائی عنبر یہ جادوگرنی جھوٹ بولتی ہے.......... یہ کچھ دنوں کے

بعد میرا کلیجہ بھون کر کھا جائے گی یہ قاتل ہے اس نے سینکڑوں مسافروں کو ہلاک کر کے ان کا خون پیا ہے اسے فوراً قتل کر دو اور مجھے بچا لو میں تمہاری بہن ماریا ہوں۔ میں بکری نہیں ہوں۔

مگر ماریا کی آواز کو عنبر اور ناگ نے صرف بکری کا ممیانا ہی سمجھا انہیں خواب میں بھی کبھی خیال نہیں آ سکتا تھا کہ یہ بکری جو ان کے پاس کھڑی ممیا رہی ہے وہ ماریا ہے جادوگرنی پھر بھی گھبرا رہی تھی اسے وہم ہو گیا تھا کہ عنبر کو کسی نہ کسی وقت جادو کے زور سے ضرور خبر ہو جائے گی کہ بکری اصل میں اس کی بہن ماریا ہے اور پھر ماریا جادوگرنی کی ساری چالاکی بتا دے گی اور عنبر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

جادوگرنی نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو عنبر کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اسے کس طرح مارے کیونکہ عنبر پر کوئی بھی ہتھیار اثر نہیں کرتا تھا وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ عنبر نے ناگ سے

کہا۔

ناگ، شام ہونے والی ہے اب ہمارا جنگل میں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں کیوں نہ اسی جگہ رات بسر کی جائے کل صبح پھر سے ماریا کی تلاش میں نکل جائے گے۔

ناگ نے کہا۔

میرا بھی یہی خیال ہے عنبر بھائی ہمیں رات اسی غار میں بسر کرنی چاہیے اس سے بہتر رات گزارنے کی جگہ تو ہمیں سارے جنگل میں کہیں نہیں مل سکتی۔

جادوگرنی تو یہی چاہتی تھی کہ وہ اس کے غار میں رات وہیں رہیں اور وہ سوتے میں ان دونوں کو ہلاک کر دے عنبر نے جادوگرنی سے پوچھا۔

کیوں بی بی جادوگرنی کیا تم ہمیں اجازت دیتی ہو کہ ہم تمہاری کٹیا

میں رات بسر کریں۔

جادوگرنی نے کہا۔

یہ میری خوش قسمتی ہوگی اگر آپ میری جھونپڑی میں رات بسر کرنا چاہے کیونکہ آپ جادوگروں کے سردار ہیں اور میں آپ کی باندی ہوں آپ جب تک چاہیں میرے ہاں ٹھہر سکتے ہیں اگرچہ میں آپ کی خدمت میں اعلیٰ اعلیٰ کھانے تو پیش نہیں کر سکتی مگر جو کچھ خدمت مجھ سے بن پڑے گی وہ خدمت میں ضرور کروں گی۔

تمہاری میمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہیں بی جادوگرنی۔

اس وقت بکری پھر زور سے میمائی اس وقت ماریا کہہ رہی تھی اس کی باتوں پر بھروسہ نہ کرو عنبر یہ بڑی کمینی اور جھوٹی ہے یہ پوری شیطان کی خالہ ہے یہ تمہیں ضرور نقصان پہنچائے گی۔

مگر عنبر اور ناگ بکری کے میمانے کو بھلا کیا سمجھ سکتے تھے ناگ نے

جادوگرنی سے کہا۔

یہ بکری بہت شور مچا رہی ہے اگر یہ اسی طرح رات کو بھی شور مچاتی رہی تو ہم ایک پل کے لئے بھی نہ سو سکیں گے۔

جادوگرنی نے کہا۔

میں ابھی اس کا بندوبست کیے دیتی ہوں۔

جادوگرنی تو بکری کو وہاں سے ہٹانے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی اس نے فوراً بکری کو کھولا اور اس کی رسی کو کھینچتی ہوئی غار سے باہر لے گئی باہر لے جا کر اس نے بکری کو زور سے دو مکے مارے۔

کمینی، اتنا شور کیوں مچا رہی ہے کیا اس لئے کہ وہ تیرے بھائی ہیں بھول جا اب ان کو، تم ان سے اب کبھی نہ مل سکو گی میں تمہیں ایک ایسی جگہ باندھ کر آؤں گی جہاں سے وہ اگر چاہیں بھی تو تمہیں نہ لے جا سکیں گے، تم اس جگہ قید رہو گی اور تمہیں اس دن نکالوں گی جس روز

مجھے تمہارے کلیجے کو بھون کر کھانا ہو گا۔

ماریا ڈر گئی جادوگرنی اسے گھسیٹتی ہوئی غار سے دور پہاڑی کے پیچھے ایک ایسی جگہ لے آئی جہاں ایک گڑھا زمین کے اندر بنا ہوا تھا' جادوگرنی نے اس گڑھے کے اندر بکری کو دھکیل دیا نیچے اتر کر بکری کے منہ کے گرد کپڑا باندھ دیا تا کہ وہ میمانہ سکے باہر نکل کر گڑھے کے اوپر جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں اب کوئی نہیں دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ وہاں کوئی گڑھا بھی ہے جس کے اندر بکری قید کی ہوئی ہے جادوگرنی نے کہا۔

اب خاموشی سے اس گڑھے میں پڑی رہو۔ تم چاہو بھی تو آواز نہیں نکال سکتی ہو۔

یہ کہہ کر جادوگرنی واپس غار میں آ گئی اب رات ہو رہی تھی عنبر اور رتناگ سونے کی تیاریاں کرنے لگے عنبر نے کہا۔

ہو سکتا ہے یہ جادوگرنی رات کو مجھے اور تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کرے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم الگ الگ سوتے ہیں میں تو مر نہ سکوں گا لیکن اگر اس نے تم پر وار کر دیا تو تمہارے لئے زندہ رہنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

ٹاگ نے کہا۔

ٹھیک ہے میں باہر جا کر لیٹ جاتا ہوں۔

ٹاگ باہر جانے لگا تو جادوگرنی نے پوچھا۔

بیٹا تم کہاں چلے؟ کیا یہاں آرام نہیں کرو گے۔

ٹاگ نے کہا۔

بی جادوگرنی مجھے یہاں گرمی لگتی ہے میں تمہاری جھونپڑی سے باہر جا کر سوؤں گا میرا بھائی عنبر اندر ہی سوئے گا۔

عنبر نے بھی کہا۔

ہاں بی جادوگرنی اسے گرمی بہت لگتی ہے۔

جادوگرنی بولی۔

جیسے تمہاری مرضی بچو، میں تو صرف تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہوں صبح اٹھ کر ناشتہ کیا پسند کرو گے۔

عنبر نے کہا صرف مرغی کا شوربا۔

جادوگرنی بولی۔

میں صبح اٹھتے ہی جنگل سے مرغیاں پکڑ کر لے آؤں گی تم بے فکر رہو۔

عنبر اندر لیٹ کر اونگھنے لگا پھر اسے نیند آ گئی ناگ باہر جا کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اس نے فوراً ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور سانپ کی شکل اختیار کر لی سانپ بن کر وہ چپکے سے چھپتا چھپاتا جادوگرنی کے غار کے اندر آ گیا اور ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر لیٹ گیا۔

آدھی رات کو جب کہ عنبر گہری نیند سو رہا تھا جادوگرنی اپنے بستر سے

ابھی اس نے جھک کر عنبر کو دیکھا کہ سو گیا ہے یا نہیں جب اسے اطمینان ہو گیا کہ عنبر سو چکا ہے تو اس نے چولہے میں آگ جلا کر لاکھ گرم کی جب لاکھ پگھل گئی اور اس میں سے بھاپ کے بلبلے نکلنے لگے تو اس نے لاکھ کا ابلتا ہوا برتن دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور دبے پاؤں عنبر کی طرف چلنے لگی۔

ناگ یہ سب کچھ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جب جادوگرنی گرم گرم لاکھ کا کٹورا لے کر عنبر کی طرف بڑھنے لگی تو وہ ایک دم ہوشیار ہو گیا اور اسے خیال آیا کہ عنبر کا وہم سچا تھا یہ عورت تو اسے ہلاک کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہے اب مزید انتظار کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ناگ نے وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا لیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جادوگرنی کے پیچھے آ گیا۔ جادوگرنی اس وقت لاکھ کا گرم گرم کٹورا دونوں ہاتھوں میں پکڑے عنبر پر گرانے کی کوشش کرنے

ہی وہ ہلی تھی کہ سانپ نے ایک دم سامنے آ کر لپک کر جادوگرنی کے ماتھے پر ڈس لیا جادوگرنی چیخ مار کر پیچھے گری گرم گرم لاخ اس کے اوپر گر پڑی اور اس کا سارا بدن جل گیا۔

ادھر زہر نے بھی اپنا کام کر دیا اور جادوگرنی دیکھتے ہی دیکھتے تڑپ تڑپ کر مر گئی عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا ناگ نے اسے سارا واقعہ سنایا وہ خوش ہوا کہ جادوگرنی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچی دونوں دوست وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اب وہ صبح کا انتظار کر رہے تھے تا کہ اپنا سفر دوبارا شروع کیا جا سکے صبح وہاں سے چلنے سے پہلے انہوں نے جادوگرنی کی کٹیا کو آگ لگا دی تا کہ جادو کی اور کالے علم کی ایک بھی نشانی سلامت نہ رہے۔

کالی بلا

صبح صبح عنبر اور ناگ اپنے سفر پر چل دیے۔

وہ اس گڑھے کے بالکل قریب سے گزرے جہاں ماریاں بکری کی شکل میں پھنسی ہوئی تھی وہ بول بھی نہیں سکتی تھی اور گڑھے کے اوپر بھی جھاڑیاں ڈال کر اسے ڈھانپ دیا گیا تھا ماریا کو خبر بھی نہ ہو سکی اور اس کے دونوں بھائی اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئے وہ بے چاری گڑھے میں پڑی روتی رہی عنبر اور ناگ اب جنگل کے کنارے پہنچ گئے تھے تیسرے پہر ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ جنگل کی حد ختم ہو گئی اور ایک ایسے شہر کی حد نظر آئی جو پہاڑیوں کے درمیان میں واقع تھا انہوں نے ٹیلے پر کھڑے ہو کر اس شہر کو بڑی حیرانی سے دیکھا ہر

عمارت پتھر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی عنبر نے کہا۔

مجھے تو یہ شہر کسی جادوگر کا بسایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ناگ بولا۔

شہر میں چل کر معلوم کیا جائے کہ کیسا شہر ہے اور کون لوگ اس شہر میں رہتے ہیں۔

دونوں دوست ٹیلے پر سے اتر کر پتھروں کے شہر کی جانب چل پڑے ایک لمبے پہاڑی راستے پر سے ہو کر وہ شہر کے دروازے پر پہنچ گئے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا نہ کوئی پہریدار تھا نہ کوئی سپاہی کھڑا چوکی دے رہا تھا انہوں نے بڑا تعجب کیا وہ شہر کے دروازے میں داخل ہو گئے وہ شہر کے بازار میں سے گزرنے لگے ایک عجیب شے انہوں نے وہاں دیکھی کہ وہاں دکانیں کھلی ہیں مگر دکاندار غائب ہیں مکانوں میں چولہے جل رہے ہیں مگر مکان دار کوئی

نہیں نہ کہیں کوئی مرد دکھائی دے رہا ہے نہ کوئی عورت نظر آ رہی ہے اور نہ بچہ کہیں کھیلتا مل رہا ہے ہر طرف سجاوٹ ہے مگر انسان کا نام و نشان تک وہاں نہیں ہے۔

ناگ نے کہا۔

دوست یہ کیسا شہر ہے کہ دکانیں کھلی ہیں اور دکاندار غائب ہیں لوگوں کے مکانوں میں چولہے گرم ہیں مگر انسان دکھائی نہیں دیتا عنبر نے کہا۔

ایسے لگتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اچانک کسی طرف اٹھ کر بھاگ گئے ہیں یا اس شہر پر اچانک کوئی ایسی آفت آئی ہے کہ وہ اپنی دکانیں بھی بند نہ کر سکے اپنے گھروں کے چولہوں کی آگ بھی نہ بجھا سکے اور انہیں یہاں سے بھاگ جانا پڑا۔

میرا بھی یہی خیال ہے عنبر مگر سوال یہ ہے کہ اس شہر پر ایسی کون سی

آفت آ گئی کیا کسی جن بھوت نے حملہ کر کے سارے لوگوں کو ختم کر دیا یا کوئی اور قیامت نازل ہو گئی ہے۔؟

دونوں دوست بازاروں میں چل پھر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شہر میں کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے بازار میں سے نکل کر وہ ایک گلی میں آئے تو انہیں ایک کتا دکھائی دیا جو ایک مکان کے نیچے بیٹھا رو رہا تھا عنبر نے لپک کر کتے کو پکڑنا چاہا مگر کتے نے عنبر کو دیکھا اور بھاگ کر ایک حویلی میں گم ہو گیا عنبر اور ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہو گئے یہ حویلی ایک سنسان اور ویران حویلی تھی وہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا حویلی کے صحن میں فوارہ چل رہا تھا جس کا شفاف پانی تالاب میں گر رہا تھا گملوں میں سرخ سرخ پھول کھلے تھے دیواروں پر زرد پھولوں سے بھری ہوئی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔

عنبر نے حیرانی سے کہا۔

مگر یہاں کے لوگ کہاں چلے گئے۔؟

ناگ نے کہا۔

خدا جانے لوگوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ایک بچہ بھی تو کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔

عنبر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گیا تو سامنے ایک بوڑھا آدمی پلنگ کے پاس کھڑا تھا عنبر پہلے تو ڈر سا گیا کہ یہ اچانک بوڑھا آدمی اس ویران شہر میں کہاں سے آگیا اس نے ناگ کی طرف دیکھا اور ناگ نے عنبر کی طرف پھر عنبر نے آگے بڑھ کر بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا بوڑھا لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا معلوم ہوا کہ وہ مر رہا ہے اور اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا عنبر اور ناگ نے اس پر جھک کر پوچھا۔

بابا اس شہر میں کون سی آفت نازل ہوئی کہ لوگ یہاں سے بھاگ گئے

اس شہر کے لوگ کہاں ہیں؟

بوڑھے نے دم توڑتے ہوئے کہا۔

بیٹا میں اس شہر سے باہر گیا ہوا تھا واپس آیا تو ایک عورت نے مجھے بتایا کہ ایک کالی بلا نے اس شہر پر حملہ کر دیا اور شہر کے سارے بچوں، نوجوانوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بکریاں بنا کر اپنے ساتھ پہاڑوں میں لے گئی جہاں ان میں سے ہر روز وہ چار بکریوں کو کھا جاتی ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

وہ بلا کون سی پہاڑیوں میں گئی ہے۔؟

بوڑھے نے کہا۔

تالاب کے پار والی پہاڑیوں میں اس بلا کا ڈیرا ہے اس شہر کے سارے لوگ بکریاں بنے ہوئے اس کالی بلا کے باڑے میں بند ہوئے ہیں۔

اتنا کہہ کر بوڑھے نے دم توڑ دیا اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا عنبر اور ناگ نے حویلی کے ایک کمرے میں سے چادر نکالی اس میں بوڑھے کی لاش لپیٹ کر وہیں دفن کر دیا ناگ بولا۔

عنبر اب ہمارا فرض ہے کہ اس شہر کے مظلوم لوگوں کو اس کالی بلا کے شکنجے سے نجات دلائیں نہیں تو وہ بلا سارے بے گناہ لوگوں کو ایک ایک کر کے کھا جائے گی۔

عنبر نے کہا۔

بات تو میرے بھی دل کو لگتی ہے اس بلا نے شہر کو تباہ کر دیا ہے اتنا خوبصورت شہر سجا سجایا قبرستان کا نقشہ پیش کر رہا ہے چلو اس پہاڑی کی طرف چلتے ہیں جہاں بوڑھے کی اطلاع کے مطابق وہ بلا رہتی ہے۔

عنبر اور ناگ حویلی میں سے باہر نکل آئے اور شہر کے سنسان بازاروں میں سے گزرتے تالاب والی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گئے شہر سے

باہر نکل کر وہ ایک پتھریلی پگ ڈنڈی پر ہو گئے جو تالاب کے ارد گرد والے پہاڑی سلسلے کی طرف جاتی تھی تھوڑی دیر بعد انہیں ایک تالاب نظر آیا اس کے ارد گرد بڑی گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں کالے رنگ کے عجیب سے پھول کھلے ہوئے تھے عنبر نے ناگ سے کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہی وہ تالاب ہے جس کے بارے میں بوڑھے نے ہمیں اطلاع دی تھی۔

مگر سوال یہ ہے کہ وہ پہاڑی کہاں ہے؟ کیا وہ سامنے والی پہاڑی ہے یا وہ اس کے پیچھے والی پہاڑی ہے جس پر کالی بلا نے قبضہ کر رکھا ہے۔؟

یہ تو ان پہاڑیو میں چل کر ہی پتہ چلے گا ناگ۔ میرا خیال ہے کہ تم سفید عقاب کی شکل میں اڑ کر فوراً پہاڑیوں کا چکر لگاؤ اور پھر مجھے آ کر بتاؤ کہ کالی بلا کا پہاڑ کون سا ہے۔

ناگ نے اسی وقت سفید عقاب کا روپ بدلا اور پھڑ پھڑا کر فضا میں اڑ گیا فضاؤں میں اڑتا ہوا وہ پہاڑیوں کے اوپر پہنچ کر چکر لگانے لگا اچانک اسے پہاڑیوں کے بیچ میں ایک باڑہ نظر آیا جس میں بے شمار بکریاں قید تھیں وہ نیچے آ گیا اور باڑے کے اوپر چکر لگانے لگا اس نے دیکھا کہ ساری بکریاں اسے دیکھ کر سمٹ گئی تھیں وہ سمجھ گیا کہ یہی وہ بکریاں ہیں جو اس شہر کے باشندے تھے ہیں اور وہ بلا بھی ان ہی پہاڑیوں میں رہتی ہو گی جس نے ان بے گناہ عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کو بے زبان بکریاں بنا دیا ہے وہ پہاڑی کے اوپر سے ہوتا ہوا اس تالاب کی طرف مڑ گیا جہاں عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا؛ جس وقت سفید عقاب نیچے پہاڑیوں کی طرف مڑا تھا تو ٹھیک اس وقت کالی بلا نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کے کانوں میں عقاب کی پھڑ پھڑاہٹ گونج رہی تھی ناگ نے عنبر کے پاس کے پاس آ کر انسانی روپ

اختیار کیا اور اسے بتایا کہ شہر کے سارے کے سارے باشندے بکریوں کی شکل میں ایک باڑے میں بند ہیں۔

کیا تم انہیں دیکھ کر آ رہے ہو۔؟

ہاں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔

تو پھر چلو، دیر کس بات کی ہے۔

عنبر اور ناگ دیس پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے جہاں کالی بلا رہتی تھی۔

چٹانوں میں خون

وہ اونچی چٹانوں کی ایک دیوار کے قریب سے ہو کر گزر رہے تھے۔ ان چٹانوں کے پتھر اوپر جا کر نوکیلے خنجروں کی طرح نکلے ہوئے تھے ہر چٹان کے بیچ میں درز تھی جہاں جنگلی کانٹے دار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ناگ اندازے کے مطابق عنبر کو اس طرف لے جا رہا تھا جہاں بکریاں بنے ہوئے انسان ایک باڑے میں بند تھے کافی اوپر چڑھنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے سبزہ زار میں آ گئے جہاں چاروں طرف پہاڑیوں نے ایک قدرتی دیوار بنا رکھی تھی جگہ جگہ بلوط کے درخت ہوا میں جھوم رہے تھے ایک طرف کوئی پرانا قبرستان تھا جس کی قبریں ڈھے چکی تھیں اور سوراخوں میں چھپکلیاں رینگ رہی تھیں عنبر نے

پوچھا۔

ناگ وہ باڑہ کہاں ہے جہاں بکریاں قید ہیں۔؟

ناگ نے بڑے غور سے آگے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میرا خیال ہے کہ اس چراگاہ کے پیچھے ہے۔

چراگاہ سے نکل کر وہ ایک چٹان کی دیوار کو عبور کر کے دوسری جانب آئے تو انہیں سامنے درختوں کے نیچے ایک باڑے میں سینکڑوں چھوٹی بڑی بھیڑ بکریاں ادھر اُدھر گھاس چرتی نظر آئیں ناگ نے کہا۔

یہی تو وہ شہر کے لوگ ہیں جن کو خوفناک بلا نے جادو کے زور سے بھیڑ بکریاں بنا دیا ہے۔

ان بکریوں کے گرد لوہے کے خاردار تار لگے ہوئے تھے عنبر نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ایک جگہ بکریوں کے پاس بیٹھی شاید ان کی

رکھوالی کر رہی تھی عنبر نے ناگ سے کہا۔

اس عورت سے چل کر بات چیت کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟

وہ کبھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے گی ناگ بولا۔

اس سے بات کرنے میں کیا ہرج ہے عنبر نے کہا۔

وہ دونوں جنگلے کے ساتھ ساتھ چلتے اس بوڑھی عورت کے پاس آ کر رک گئے انہوں نے دیکھا کہ عورت بہت بوڑھی تھی اور اس کی بھویں سفید ہو گئی تھیں اس نے بھی عنبر اور ناگ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ایک سوالیہ نظر ان پر ڈالی اور پھر حیرانی سے ان کو دیکھتی ہی رہ گئی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس بات پر حیران ہے کہ یہ دونوں نوجوان اس خطرناک جگہ پر پہنچ کیسے گئے عنبر نے قریب جا کر بوڑھی عورت کو جھک کر بڑے ادب سے سلام کیا اور پوچھا۔

بڑی بی کیا آپ ہمیں بتائیں گی کہ یہاں سے شہر کو رستہ کون سا جاتا ہے۔

بوڑھی عورت نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس طرف سے۔

آخر ناگ نے ایک فیصلہ کن سوال کر دیا۔

بڑی اماں، ہمیں بڑی بھوک لگی ہے کیا تم ہمیں ان بکریوں میں سے کسی بکری کا دودھ نہیں پلاؤ گی؟ ہم تمہارا شکریہ ادا کرینگے۔؟

عورت نے کہا۔

تم جو کوئی بھی ہو یہاں سے فوراً چلے جاؤ............تم جو کوئی بھی ہو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

ناگ بولا۔

مگر بڑی بی ہم تو یہاں سیر کرنے آئے ہیں ہمیں یہ جگہ بہت پسند ہے

اور ہم یہاں دو ایک روز ٹھہر کر لطف اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بوڑھی عورت نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

مجھے تمہاری جوانیوں پر ترس آتا ہے یہاں سے چلے جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔

اب عنبر نے بوڑھی عورت سے صاف لفظوں میں پوچھا۔

بڑی بی، ہمیں یہ بتاؤ کہ ان بکریوں میں سے عورت کون ہے۔؟

بچہ کون ہے اور بوڑھا کون ہے۔؟

اس سوال کا سننا تھا کہ بوڑھی عورت نے جلدی سے عنبر کے منہ پر اپنا کانپتا ہوا بوڑھا ہاتھ رکھ دیا اور لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

خاموش، خاموش ایسی بات نہ پوچھو جس کے لئے تمہیں بعد میں خون کے آنسو رو رو کر پچھتانا پڑے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جا یہاں ان بھیڑ

بکریوں کا بھور رہا ہے۔

ٹاگ نے کہا۔ بڑی بی وہ کون سی بلا ہے جس نے ان بے گناہ مظلوموں کو بکریاں بنا دیا ہے اور جو انہیں آہستہ آہستہ ہضم کر رہی ہے؟ ہمیں بتاؤ وہ بلا کہاں رہتی ہے۔؟

اس سوال کے ساتھ ہی فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اس کی آواز اس قدر شدید تھی کہ ارد گرد کی پہاڑیوں پر لرزہ طاری ہو گیا عنبر اور ٹاگ نے حیران ہو کر ارد گرد دیکھا کہ یہ چیخ کہاں سے بلند ہوئی تھی اس چیخ کی آواز سن کر عورت وہاں سے اٹھ کر ایک طرف کو بے تحاشا بھاگنے لگی آخر وہ دور جا کر جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہو گئی عنبر نے ٹاگ کو بتایا کہ یہ چیخ ضرور اسی کالی بلا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بلا کو پوری خبر ہو گئی تھی کہ عنبر اور ٹاگ بوڑھی عورت کے ساتھ کیا باتیں کر رہے ہیں ٹاگ نے کہا۔

اس بلا کو ہماری گفتگو کی کیسے خبر ہوگئی۔؟

عنبر بولا۔

مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ چمگادڑ کی طرح اس بلا کے منہ سے بھی کوئی خاموش لہریں نکلتی ہیں جو بہت تیز رفتاری کے ساتھ ارد گرد کے لوگوں اور پہاڑوں سے ٹکرا کر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہی واپس اس بلا کے پاس پہنچ جاتی ہیں اور اسے ساری کی ساری باتیں اور آوازیں ویسی کی ویسی سنائی دیتی ہیں۔

ناگ نے تعجب سے کہا۔

اگر یہ بات ہے تو پھر اسے یقیناً ہماری خبر ہوگئی ہوگی اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم کس نیت سے یہاں آئے ہیں۔

ظاہر ہے ایسا ہو چکا ہے ہماری جاسوسی اپنے آپ ہوگئی ہے۔ پھر اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نکالنی ہوگی۔

ناگ بچاؤ کی صورت اس کالی بلا کو نکالنی ہوگی ہمیں تو یہ سوچنا ہے کہ اس بلا پر حملہ کس طرح سے کرنا ہے اور کہاں سے شروع کرنا ہے۔ لیکن سب سے پہلے جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے نکل کر کسی محفوظ جگہ پر جا کر بیٹھنا ہوگا تاکہ ہم اطمینان کے ساتھ اس خوفناک بلا سے مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچ سکیں۔

اس فیصلے کے ساتھ ہی دونوں دوست وہاں سے چل کر چھپتے چھپاتے ایک ایسی کھائی میں آ گئے جو اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان میں سے گزر رہی تھی یہ کھائی پانی سے خالی تھی اور خشک نوکیلے پتھروں سے اٹی ہوئی تھی انہوں نے پتھروں سے ہٹ کر کھائی کی دیوار کے ساتھ ایک ابھری ہوئی چٹان کے نیچے پناہ کی جگہ تلاش کر لی اور وہاں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ پہاڑی کی خوفناک بلا پر کس طرح سے حملہ کیا جائے۔

ناگ کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اس بلا کو ہلاک کر دیا تو ساری کی

ساری بھیڑ بکریاں اپنے آپ انسانوں میں تبدیل ہو جائیں گی اس لیے بجائے اس کے کہ وہ بکریوں کو پھر سے انسانی شکل دینے کی کوشش کریں انہیں خوفناک بلا کو قتل کرنا چاہیے عنبر نے کہا وہ سامنے دور اوپر نوکیلی چٹانوں میں گھرا ہوا ایک قلعہ سا دیکھ رہے ہو تم۔

ہاں دیکھ رہا ہوں۔ ناگ نے کہا۔

وہ بلا اسی پرانے قلعے کے کھنڈر میں رہتی ہے۔

تو پھر آؤ چلیں اور اس شہر کے بے گناہ لوگوں کو اس بلا کے عذاب سے نجات دلائیں۔

عنبر کہنے لگا دوست ہم دونوں کا ایک ساتھ پرانے قلعے میں داخل ہونا کوئی عقل مندی نہیں بہتر یہ ہے کہ تم کسی دوسرے روپ میں وہاں چلو۔

ٹھیک ہے۔

ناگ نے پھنکار کر اسی وقت سیاہ کالے سانپ کا روپ دھار لیا اور عنبر سے ذرا ہٹ کر جنگل میں اس پرانے قلعے کی طرف چلنے لگا جہاں وہ خوفناک بلا رہتی تھی جنگل کا ٹکڑا تھوڑا سا تھا چلتے وہ ختم ہوا تو ایک چڑھائی آ گئی جس کے راستے پر گول گول پتھر بکھرے ہوئے تھے اور درخت ایسے تھے کہ ان کی شاخوں پر ایک بھی پتا نہیں تھا لیکن وہ کانٹوں سے بھرے ہوئے تھے ناگ سانپ کی شکل میں عنبر کے ساتھ ساتھ پتھروں میں سے ہو کر چل رہا تھا۔

عنبر نوکیلی چٹانوں والی دیوار کے پاس پہنچ کر رک گیا اس نے دیکھا کہ ان چٹانوں کے درمیان سے ایک چٹان ٹوٹی ہوئی ہے ایسے لگتا تھا جیسے اسے جان بوجھ کر توڑا گیا ہے یہاں ایک راستہ سا بنا گیا تھا جو چار دیواری کے اندر جاتا تھا جہاں باہر سے ہی بڑے بڑے کھوہ نظر آ رہے تھے عنبر سمجھ گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں خوف ناک بلا رہتی ہے

اس نے ناگ کو آگے چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس راستے میں سے چاردیواری کے اندر داخل ہو گیا۔

چاردیواری کے اندر سامنے کی طرف دیواروں کے اندر بڑے بڑے غاروں کے منہ بنے ہوئے تھے عنبر نے دیکھا کہ ناگ بھی سانپ کی شکل میں ایک گڑھے کی طرف جا رہا تھا اسی گڑھے کی سمت عنبر بھی چلنے لگا وہ ایک چھوٹے سے میدان میں سے گزرے جہاں قدم بہ قدم انہیں بکریوں کے سر اور ٹانگیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ وہی بے گناہ لوگ ہیں جنہیں بکری بنا کر خوفناک بلا ہڑپ کر گئی ہے عنبر اس بات پر بڑا حیران تھا کہ ابھی تک خوفناک بلا نے چیخ کیوں نہیں ماری۔

ظاہر ہے کہ اگر بلا کو ان کی موجودگی کا احساس چاردیواری کے باہر ہو سکتا تھا کہ اب کیوں نہیں ہوگا جب کہ وہ چاردیوار کے اندر آ گئے ہیں

اور ایک طرح سے بلا کے گھر میں داخل ہو چکے ہیں عنبر نے دیکھا کہ سانپ غائب تھا وہ ایک غار کے دہانے پر پہنچ گیا تھا غار کا منہ ایک بھیانک شے کی طرح کھلا ہوا تھا اور اندر سوائے پتھروں اور بڑی بڑی اکھڑی ہوئی چٹانوں کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس کے پیچھے سارے غار میں گہرا دھواں چھایا ہوا تھا عنبر نے خدا کا نام لیا اور اس بھیانک کھوہ میں داخل ہو گیا وہ پتھروں اور گری پڑی چٹانوں میں سے ہو کر ان کے پیچھے آ گیا۔

وہ ایک جگہ کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ آگے جا کر کیا کرے کیونکہ آگے اندھیرا پھیلا ہوا تھا عنبر رک گیا تھا مگر سانپ اس سے آگے نکل گیا تھا وہ اندھیرے میں ہی پتھروں کے اوپر اور نیچے سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر سانپ نے فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی اسے کچھ ایسی بو محسوس ہوئی جیسے ہزاروں لاکھوں

چھپکلیاں ایک جگہ اکٹھی کر کے انہیں زخمی کر دیا گیا ہو۔ سانپ آگے چل دیا دوسری طرف عنبر بھی کچھ دیر کھڑے ہو کر غور کرنے کے بعد خدا کا نام لے کر پھونک پھونک کر آگے قدم بڑھانے لگا۔

سانپ غار کا ایک موڑ گھوم کر باہر آیا تو ایک پل کے لئے ڈر کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس نے اپنے سامنے جو منظر دیکھا تھا اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس کے سامنے پتھروں کے اوپر ایک دو منزلہ مکان جتنی چھپکلی بیٹھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی سانس کے ساتھ ساتھ اس کا جسم اوپر نیچے ہو رہا تھا اور سانس کی آواز سے وہاں ایسی آواز آ رہی تھی جیسے آندھی چل رہی ہو۔ سانپ جلدی سے ایک طرف ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس خوف ناک بلا پر کس طرف سے حملہ کیا جائے۔

ادھر عنبر بھی دبے پاؤں چلتا ہوا اندھیرے میں اسی جگہ آن کھڑا ہوا جہاں سانپ پہلے ہی سے موجود تھا سانپ جلدی سے عنبر کے سامنے آ

گیا اور اپنی گردن اٹھا کر ایک طرف اشارہ کرنے لگا عنبر نے اس طرف دیکھا تو ایک پل کے لئے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اس نے ڈھائی ہزار سال میں اتنی لمبی چوڑی اور موٹی چھپکلی نہیں دیکھی تھی جہاں اس کا سانس پڑ رہا تھا وہاں سے زمین پر سے گرد اڑ رہی تھی وہ تو تاریخ کے دور سے بھی پہلے کا کوئی جانور معلوم ہو رہا تھا جب اس زمین پر انسان کی بجائے بھی بھوت رہا کرتے تھے۔

کیا خیال ہے ناگ تمہارا؟ کیا تم حملہ کرو گے۔؟

عنبر نے بڑے ہی آہستہ سے اپنا منہ ناگ کے کان کے قریب لے جا کر کہا ناگ سانپ کی شکل میں کوئی جواب تو نہ دے سکا مگر اس نے گردن ہلا کر ہاں کر دی اور بھیانک بلا کے پیچھے کی طرف نکل گیا ابھی سانپ بلا کے قریب ہی پہنچا تھا کہ جیسے غار میں بھونچال آ گیا بلا نے اٹھ کر آنکھیں کھول دی تھیں اور ایک جھرجھری سی لی تھی اسے آدمیوں

کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا بلا اٹھ کھڑی ہوئی اس نے اپنی لوہے کی لٹھ نما دم بڑی زور سے غار کی چھت پر ماری اور وہاں سے کتنے ہی پتھر نیچے گر پڑے پھر اس کے ساتھ ہی بلا کے منہ سے ایک دہشت ناک چیخ نکل گئی اس چیخ نے غار کے اندر ایک دہشت طاری کر دی اور خوفناک آواز کے ساتھ ہی بڑے زور سے سانس لے کر بلا نے وہاں آندھی چلا دی۔

سانپ جلدی سے ایک پتھر کے نیچے چھپ گیا اور عنبر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا سانپ تو بلا کو دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر عنبر اسے صاف نظر آ گیا ایک انسان پر نظر پڑتے ہی بلا کی آنکھوں سے ایک بھیانک قسم کی چکا چوند کر دینے والی روشنی نکلی اور عنبر کے اوپر پڑی اگر عنبر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یقیناً ایک صحت مند بکری میں تبدیل ہو گیا ہوتا۔ مگر عنبر پر چونکہ جادو اثر نہیں کرتا تھا۔

اس لیے وہ اسی طرح انسان کے روپ میں ہی کھڑا رہا خوفناک بلا نے اب کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکال کر عنبر کے اوپر پھینکیں۔ ان چنگاریوں میں اس قدر زیادہ گرمی تھی کہ ارد گرد پڑے ہوئے پتھر پگھل گئے اور پانی بن کر بہہ گئے مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا وہ پہلے کی طرح اپنی جگہ پر خاموشی سے کھڑا رہا تھا خوفناک بلا تو غصے میں پاگل ہو گئی یہ پہلا موقع تھا کہ کسی انسان پر اس کا جادو نہیں چل رہا تھا اس نے ایک گہری چیخ ماری اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم ایک ایسے بھوت میں بدل گیا جس کے سر پر بے شمار نوکیلے سینگ تھے اور دو دانت ہونٹوں سے باہر ہاتھی کے دانتوں کی طرح نکلے ہوئے تھے یہ بھوت اتنا بڑا تھا کہ اس کا سر غار کی چھت سے ٹکرا رہا تھا اور کندھے چٹانوں کے اوپر ٹکے ہوئے تھے اس کے سات ہاتھ پاؤں تھے اور عنبر نے دیکھا کہ ہر ہاتھ میں کوئی نہ کوئی تلوار یا نیزہ پکڑا ہوا تھا۔

عنبر مقابلے کے لیے تیار ہو گیا اس نے یہی سوچ رکھا تھا کہ بھوت نے جس وقت اس پر حملہ کیا تو وہ اس کا ہی کوئی نہ کوئی ہتھیار چھین کر اس پر حملہ کر دے گا اور اسے جلدی سے جلدی ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اتنے اونچے لمبے بھوت کو مارتے مارتے بھی عنبر تھک کر چور ہو سکتا تھا۔

سانپ نے چھپکلی کو بھوت کی شکل میں تبدیل ہوتے دیکھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا کیونکہ اس کے اندر اتنا زہر نہیں تھا کہ اتنے اونچے لمبے بھوت کو مار سکتا پھر بھی اس نے حملہ کرنے کی ٹھان لی اور رینگتا ہوا بھوت کی طرف بڑھنے لگا بھوت عنبر کی طرف سارے کے سارے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی زد میں لے کر قتل کی کوشش کر رہا تھا مگر عنبر دو چٹانوں کے بیچ کچھ اس طرح آ گیا تھا کہ بھوت کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہتھیار ہر بار چٹان کے اوپر ہی ٹکرا کر رہ جاتے تھے

اب بھوت نے ہتھیار دور پھینک دیے اور عنبر کی طرف بھیانک آوازیں نکالتا قدم بقدم اٹھاتا بڑھنے لگا۔

﴿ختم شد﴾

کیا بھوت نے عنبر کو ہلاک کر دیا۔؟

کیا عنبر بھوت کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا۔؟

سانپ نے کس طرح حملہ کیا۔؟

ماریا کا کیا بنا جو ایک بکری کی شکل میں گڑھے میں قید تھی۔؟

ان سب سوالوں کا جواب اسی ناول کی اگلی یعنی
اٹھارویں قسط ”آدم خور وحشی“ میں ملاحظہ کیجئے۔

عبرتناک [illegible]

عمرو اور حبشی [illegible] (قسط نمبر ۱۸)

(اے حمید)

BOOKS

www

فہرست

۱۔ ناگ مر گیا
۲۔ ماریا غائب ہو گئی
۳۔ غیبی گھوڑا
۴۔ موت کے ساتھ
۵۔ حبشی بھوت
۶۔ زہر کا پیالہ
۷۔ خوفناک آواز
۸۔ ہاتھی کی چیخ
۹۔ آدم خور وحشی
۱۰۔ برے پھنسے

سنو پیارے بچو!

عنبر کے ساتھ ساتھ ہاتھ پیر والے بھوت کا مقابلہ ہوتا ہے سانپ ناگ نے بھوت پر حملہ کر کے اسے بڑی مشکل سے ہلاک کیا اور ماریا کی تلاش شروع کر دی مگر ماریا کو جادو کے زور سے بکری بنا کر ایک گڑھے میں قید کر رکھا ہے۔

یہاں عنبر کا مقابلہ ان آدم خور وحشیوں سے ہوتا ہے جو عنبر کو پکڑ کر جھونپڑی میں ڈال لیتے ہیں اگلے روز اس کو بھون کر کھانے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

ناگ مر گیا؟

نوکیلے چٹانوں والے ویران قلعے میں خوفناک بلا عنبر کے سامنے کھڑی تھی اس کے ساتوں ہاتھ پیر پھیلے ہوئے تھے اور اس کے بھیانک دانتوں والے ڈراؤنے منہ کے اندر سے آگ کے شعلے باہر کو لپک رہے تھے ایسے لگتا تھا جیسے اس کی زبانیں شعلے بن کر لہرا رہی ہوں۔

عنبر کو یہ تو خبر تھی کہ وہ مرے گا نہیں چاہے بھوت اور بلا جو کچھ بھی کرے مگر وہ بھوت کو ہلاک بھی کرنا چاہتا تھا جو اسے بہرام جن کی مدد کے بغیر مشکل نظر آتا تھا۔

عنبر بہرام جن سے مدد نہیں لینا چاہتا تھا اس لئے کہ وہ اپنی کمزوری بہرام جن پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اس کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی تھی کہ وہ ہر مصیبت کا مقابلہ خود کرے اور ڈٹ کر مقابلہ کرے کنیز کی روح یا بہرام جن سے وہ وہاں مدد لیتا تھا جہاں وہ ہر طرف سے نا امید ہو جائے پس عنبر نے یہاں بھی اکیلے ہی بھوت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ناگ ایک زہریلے سانپ کے روپ میں بھوت کے عقب میں پہنچ گیا تھا وہ بھوت پر حملہ کرتے گھبرا رہا تھا اسے خطرہ تھا کہ اگر بھوت نے پلٹ کر اسے پکڑ لیا تو وہ اسے مروڑ کر کچل کر دے گا اور ناگ تو مر بھی سکتا تھا عنبر کی طرح اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہمیشہ زندہ رہ سکے پھر بھی وہ حملہ ضرور کرنا چاہتا تھا وہ ایک طرف ہٹ کر اس فکر میں پڑ گیا کہ حملہ کرے تو کہاں سے کرے۔؟

بھوت عنبر کی طرف بڑھا، اس نے عنبر کو دیکھ لیا تھا اس نے ایک بھیانک چیخ ماری یہ چیخ پہلے کی طرح بے حد اونچی اور ڈرا دینے والی

تھی سارے پہاڑ اس آواز سے لرز اٹھے مگر عنبر اپنی جگہ پر قائم رہا بھوت یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عنبر کو ڈرا کر بے ہوش کر دیا جائے اور پھر اسے قتل کر کے لاش دریا میں پھینک دی جائے مگر عنبر اپنی جگہ پر چٹان کی طرح مضبوطی سے کھڑا تھا اور بھوت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا بھوت کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں جیسے پہاڑوں کا لاوا ابل رہا تھا روشنی اور گرم سورج کی لہروں کا دریا اچھل رہا تھا ان آنکھوں میں بے حد ڈراونی کشش تھی بھوت کی آنکھوں میں آج تک کوئی آنکھیں ڈال کر نہ دیکھ سکا تھا اس کی پہلی شکست تو یہی ہو گئی تھی کہ عنبر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔

عنبر نے بلند آواز سے ناگ کو کہا۔

ناگ تم جہاں بھی ہو میری ایک بات غور سے سنو اس بھوت کی گردن پر پوری طاقت اور پورے زہر کے ساتھ حملہ کرنا اس کی گردن سب سے نازک حصہ ہے۔

ناگ نے عنبر کی بات سن لی تھی بھوت نے بھی یہ آواز سن لی تھی اور وہ زیادہ غضب ناک ہو گیا زیادہ غصے کے ساتھ عنبر پر حملہ کرنے آگے بڑھا وہ بہت اونچا لمبا اور چوڑا چکلا تھا اس کا ایک ہاتھ بڑے زور کے ساتھ عنبر کی طرف آیا عنبر جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا بھوت کے ہاتھ کی ضرب نے چٹان کو دو ٹکڑے کر دیا وار خالی جاتا دیکھ کر بھوت نے دوبارہ عنبر پر حملہ کیا عنبر پھر بچ گیا وہ بڑا حیران تھا کہ سانپ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے وہ بھوت کی گردن پر کاٹتا کیوں نہیں ہے اس نے دوبارہ ناگ کو آواز دی۔

ناگ تم حملہ کیوں نہیں کرتے کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ ناگ نے عنبر کی آواز سنی تو چوکس ہو کر آگے بڑھا اصل میں وہ بھوت پر حملہ کرتے ہوئے ڈر رہا تھا زندگی میں پہلی بار اسے خوف محسوس ہونے

لگا تھا اس کو جانے کیوں یقین سا ہو گیا تھا کہ اگر اس نے بھوت پر حملہ کر دیا تو بھوت اسے زندہ نہیں چھوڑے گا لیکن ادھر اس کے دوست عنبر کی آواز بار بار اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ بھوت کا مقابلہ کرے۔

چنانچہ سانپ اپنی جگہ سے ہلا اور اس نے زمین پر دبے دبے بھوت کی طرف رینگنا شروع کر دیا بھوت اس وقت عنبر کو اپنی مٹھی میں پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا اور عنبر ادھر سے اُدھر بھاگ کر اس کے حملوں سے بچ رہا تھا سانپ نے پیچھے سے جا کر اپنا پھن پھیلایا اور اچھل کر بھوت کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اس نے بھوت کی پیٹھ پر سے اوپر کی طرف رینگنا شروع کر دیا بھوت کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیٹھ پر کوئی چیونٹی رینگ رہی ہے اس نے کوئی خیال نہ کیا اور زمین پر سے ایک بھاری بھرکم پتھر اٹھا کر عنبر کے سر پر دے مارا پتھر عنبر کے سر پر لگا اور دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا بھوت ایک دم ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا وہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایک ایسے انسان کو دیکھ رہا تھا جس کے اندر اتنی طاقت تھی کہ وہ پہاڑ جیسے پتھر کو دو ٹکڑے کر دے اور اس کے سر سے لہو کا ایک قطرہ بھی نہ نکلے وہ اب زیادہ غصے کے ساتھ عنبر پر حملے کرنے لگا اس نے بڑی بڑی چٹانوں کو اکھاڑ کر عنبر کے ارد گرد پھینکنا شروع کر دیا عنبر بچ کر کہاں جاتا کبھی وہ ادھر ہوتا کبھی اُدھر ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کے چاروں طرف چٹانیں کھڑی ہو گئیں اور وہ اس کے اندر قید ہو گیا۔

اس پر بھوت خوفناک قہقہہ لگا کر ہنسا۔ زمین تھرتھرا گئی اس وقت سانپ بھوت کی گردن پر پہنچ چکا تھا سانپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً بھوت کی گردن پر اپنے دانت گاڑ کر اپنا سارا زہر بھوت کے جسم میں داخل کر دیا بھوت کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن پر چیونٹی نے کاٹ لیا ہو اس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر گردن پر ملا تو اسکے ہاتھ میں

سانپ آ گیا بھوت نے غصے میں سانپ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کے چھ سات ٹکڑے کر دیے اور پرے پھینک دیا عنبر نے بھوت کو سانپ کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے دیکھا تو وہ کانپ اٹھا۔

جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہو گیا تھا۔

اسکا پیارا اور وفادار دوست مر گیا تھا عنبر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس بھوت کو زندہ نہیں چھوڑے گا اس نے آنکھیں بند کر کے بہرام جن کو آواز دی۔

بہرام! تم جہاں کہیں بھی ہو، میری مدد کو آؤ۔

اس وقت بہرام جن تبت کی برف پوش پہاڑیوں کے اوپر چین کے ملک کی طرف اڑا جا رہا تھا اس نے اپنے دوست عنبر کی آواز سنی تو وہیں سے واپس مڑ گیا وہ سمجھ گیا کہ عنبر نے اسے یونہی نہیں بلایا وہ ضرور کسی ایسی مصیبت میں پھنس گیا ہے جس نے اسے بے بس کر دیا ہے ایک پل کے اندر اندر ہوا میں اڑتا ہوا بہرام جن وہاں پہنچ گیا اس نے کیا دیکھا کہ عنبر چٹانوں کی چار دیواری میں قید ہے اور ایک سات ہاتھ اور سات پاؤں والا اونچا لمبا بھوت اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا ہے بہرام جن نے اپنے دوست کو بے بسی کی حالت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے گرجدار آواز میں پوچھا۔؟

عنبر! کیا حکم ہے میرے دوست؟ میرے آقا۔

عنبر اپنے دوست ناگ کی موت پر بے حد غم زدہ تھا اس نے کہا۔

بہرام! اس بھوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو، اسی طرح جس طرح اس نے میرے پیارے دوست کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔

جو حکم میرے آقا۔

بہرام اتنا کہہ کر بھوت کی طرف بڑھا بھوت نے بھی بہرام جن کی آواز سن لی تھی مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا اتنے میں ایک

جگہ سے بہت بڑا درخت اپنے آپ اپنی جڑوں پر سے اکھڑا اور بھوت کے سر پر بڑے زور سے آ لگا بھوت ذرا لڑکھڑایا وہ سمجھ گیا کہ اس کا مقابلہ کسی طاقت ور جن سے پڑ گیا ہے بھوت بھی ایک دم غائب ہو گیا اب حالت یہ تھی کہ بہرام جن تو بھوت کو غائب ہونے کے باوجود دیکھ رہا تھا مگر بھوت بہرام کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

بہرام جن نے دونوں ہاتھوں سے بھوت کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ایک دھماکہ بلند ہوا جیسے کسی نے بہت بڑے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر پتھروں پر مار دیا ہو بھوت کے دو پاؤں ٹوٹ گئے اس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور جن پر پتھروں کی بارش شروع کر دی لیکن بہرام جن اس بھوت سے زیادہ طاقت ور تھا اس نے بھوت کو ایک بار پھر اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور اس دفعہ پوری قوت کے ساتھ ایک نوکیلی چٹان کے اوپر دے مارا چٹان کی نوک بھوت کے سینے میں آر پار ہو گئی اور وہاں خون کا دریا بہنے لگا بہرام جن نے دوسری چٹان اکھاڑ کر دونوں ہاتھوں پر اٹھائی اور بھوت کے سر پر مار مار کر اس کا سر کچل دیا بھوت کے منہ سے ایک آخری خوفناک چیخ نکلی اور وہ مر گیا اس کے مرتے ہی باڑے میں بندھی ہوئی ساری بکریاں دوبارہ انسان بن گئیں یہ لوگ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کہ وہ اس جگہ کیسے آ گئے؟ ان میں عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔ جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے۔

بھوت کی لاش بھی ظاہر ہو گئی تھی بہرام جن نے بھوت کی لاش اٹھا کر پہاڑیوں کے نیچے گہرے کھڈ میں پھینک دی اور اوپر سے چٹانوں کے بڑے بڑے پتھر پھینک کر کھڈ کو بند کر دیا۔

میرے آقا! اب یہ بلا کبھی شہر والوں کو تنگ نہیں کرے گی۔

عنبر نے دکھی آواز کے ساتھ کہا۔

بہرام! اس بھوت نے میرے عزیز دوست ناگ کو کچل کر ہلاک کر دیا ہے میں یہ غم ساری زندگی نہ بھلا سکوں گا۔

بہراجن نے کہا۔

میرے دوست! مجھے افسوس ہے کہ تمہارا وفادار اور گہرا دوست ناگ مر گیا ہے لیکن شاید تمہیں علم نہیں کہ اگر تم اس کے سارے ٹکڑے اٹھا کر کسی تھیلے میں بند کر کے اپنے پاس رکھ لو اور ہمالیہ کی چوٹیوں میں بہنے والی جھیل نندن سر کے پانی میں اسے چھینٹے دو تو دو سال کے بعد سانپ دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

بہرام! کیا تم مجھے وہاں لے جا سکتے ہو۔

بہرام کہنے لگا۔

اچھے آقا! میں تمہیں وہاں لے جانے سے معذور ہو کیونکہ اس جگہ پر کوہ قاف کے شاہ جن کا راج ہے جو ہمارے قبیلے کا دشمن ہے اگر میں تمہیں اس جگہ لے گیا تو وہ مجھے دیکھتے ہی مار ڈالے گا۔

کوئی بات نہیں بہرام میں خود کوہ قاف کے پہاڑوں میں جاؤں گا اور ہمالیہ کی چوٹیوں میں بہنے والی جھیل نندن سر پر پہنچ کر اپنے دوست کی زندگی واپس لانے کی کوشش کروں گا۔

بہرام جن نے کہا۔

کیا اب مجھے اجازت ہے آقا۔

ہاں تم جا سکتے ہو تمہارا شکریہ۔

بہرام جن ادب سے سلام کر کے واپس چلا گیا۔

عنبر نے زمین پر پڑے ہوئے اپنے دوست سانپ کے جسم کے ساتوں ٹکڑے اٹھائے اور اسے تھیلے میں ڈال کر اپنے کندھے پر لٹکا لیا وہاں سے وہ اس میدان کی طرف آ گیا جہاں بھوت نے شہر کے

بے گناہ لوگوں کو بھیڑ بکریاں بنا کر قید کیا ہوا تھا وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ سارے کے سارے لوگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گئے ہیں اور باڑے کی لوہے کی پکی تاریں کاٹ کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

عنبر نے ان کے پاس جا کر کہا۔

بھوت مر گیا ہے یہی وجہ ہے کہ تم لوگ پھر سے انسان بن گئے ہو تمہیں خدائے واحد کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں میرے ذریعے ے پھر سے زندگی عطا کی ورنہ بھوت تم سب کو باری باری کھا جاتا۔

ایک بوڑھے شہری نے آگے بڑھ کر عنبر کا ہاتھ چوم لیا۔

اے نیک دل نوجوان۔ ہم کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کریں کہ تم نے ہمارے ہاں بچوں اور بہنوں بیٹیوں کو موت کے منہ سے بچایا۔

عنبر نے کہا۔

بچانے والا صرف خدائے واحد ہے مجھے اس نے تمہارے بچانے کا ایک وسیلہ بنایا ہے اب تم لوگوں کو چاہیے کہ اپنے ویران شہر میں جا کر پھر سے اپنا کاروبار شروع کر دو اور ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرو اور خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

بوڑھے نے کہا۔

مگر اے نوجوان! ہم تو بتوں کی پوجا کرتے ہیں ہم خدا کے نام سے واقف نہیں ہیں۔

عنبر نے کہا۔

اے لوگوں! بتوں کی پوجا مت کرو جو بت تمہیں خوفناک بھوت سے تمہیں بچا سکے اس کی پوجا کیوں کرتے ہو اگر پتھر کے بتوں میں اتنی طاقت ہوتی تو وہ بھوت کو ضرور ہلاک کر دیتے مگر وہ بے بس ہیں وہ خود تمہارے محتاج ہیں اس لئے ان پتھروں کے بتوں کو توڑ کر ایک خدا

کی پوجا کرو وہ ایک خدا جو سارے آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور جس کے قبضے میں تمہاری اور میری جان ہے اور جس نے اپنی رحمت سے تمہیں اور تمہارے چھوٹے بچوں کو بچالیا ہے۔

سارے لوگوں نے عنبر کی باتوں کو غور سے سنا اس کی باتیں لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کر رہی تھیں انہوں نے ایک زبان ہو کر وہاں اعلان کر دیا کہ وہ کسی بت کی پرستش نہیں کریں گے آج سے وہ صرف خدائے واحد کی عبادت کریں گے بوڑھے نے کہا۔

اے نوجوان ہم خدا کی عبادت کس طرح کریں، ہمیں یہ بھی بتادو یہ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ دریا کے کنارے اس جگہ بیٹھ کر وہ چہرہ آسمان کی طرف اٹھائیں آنکھیں بند کرلیں اور ہاتھ باندھ کر خدا کی عبادت کریں اور اسی سے اپنی مصیبتوں کی نجات طلب کریں اور امداد مانگیں سب لوگ عنبر کے ارد گرد جمع ہو گئے عورتوں نے عنبر کو اپنا بیٹا سمجھ کر اس کی پیشانی چوم لی اور بہنوں نے اسے بھائی بنالیا۔ بچے اس کے ہاتھوں کو چومنے لگے۔

عنبر ان سب کو لے کر اس شہر میں آگیا جو اس سے پہلے ویران اور اجڑی ہوئی بستی تھی لوگ اپنی اپنی دکانوں پر جا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے کاروبار شروع کر دیا عورتیں بچوں کو لے کر اپنے گھروں میں چلی گئیں اور مکانوں میں سے پھر سے زندگی کی لہر دوڑ گئی چولہوں پر آگ جلنے لگی دکانوں پر گاہک چیزیں خریدنے لگے دریا پر عورتیں پانی بھرنے لگیں خاکروبوں نے گلی کوچوں کی صفائی شروع کر دی دیکھتے ہی دیکھتے وہ بستی جو پہلے قبرستان بنی ہوئی تھی اب زندگی کی خوشیوں اور قہقہوں سے گونج اٹھی۔

لوگوں نے مندروں کے بتوں کو جا کر توڑ ڈالا اور اس کی جگہ دریا کنارے ایک چار دیواری بنانی شروع کر دی جہاں وہ خدا کی عبادت

کرنے والے تھے جس شہر میں کبھی کسی نے خدا کا نام نہ لیا تھا وہاں اب خدا کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا ہر کوئی ایک دوسرے سے مل کر یہی کہتا تھا۔

ہمیں خدائے عظیم نے اپنی رحمت سے بچا لیا ہے۔

شہر میں چاروں طرف خدا کے نام کا بول بالا ہونے لگا عنبر اس شہر کا خاص مہمان بنالیا گیا ماریا بہن کی تلاش میں اور ناگ کی زندگی کی خاطر آگے جانا چاہتا تھا مگر شہر والوں نے اسے زبردستی روک لیا بوڑھے نے کہا۔

بیٹا عنبر! ہم لوگوں کی دلی خواہش ہے کہ تم کچھ روز ہمارے شہر میں ٹھہر کر ہمیں اپنی خدمت کا موقع دو۔ اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوگی پھر تم بے شک چلے جانا۔

عنبر شہر والوں کی معصوم خواہش کے آگے انکار نہ کر سکا اور وہ وہاں ٹھہر گیا چھ سات روز کے اندر اندر دریا کنارے خدا کی عبادت کرنے والی عبادت گاہ بن گئی اور لوگ وہاں صبح شام جا کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر خدا کی عبادت کرنے لگے اور اس کی رحمت کے طلبگار ہوتے عنبر کو بے حد خوشی ہوتی کہ ان لوگوں نے پتھر کے بتوں کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت شروع کر دی ہے مگر اس شہر میں عنبر کا ایک بہت بڑا دشمن بھی پیدا ہو چکا جو اس کو جان سے مار دینے کی سازش کر رہا تھا یہ شخص شہر کے بڑے مندر کا کاہن تھا مندر کے اجڑ جانے سے اس کی لاکھوں اشرفیوں کی آمدنی ختم ہو گئی تھی لوگ پہلے اس کے آگے سر جھکا کر گزرتے اب اس کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا کیونکہ لوگوں نے بتوں کی پوجا چھوڑ دی تھی کاہن برباد ہو کر رہ گیا تھا اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ماریا غائب ہوگئی

کاہن، عنبر کی خفیہ طاقت سے بے خبر تھا۔

اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر تو ڈھائی ہزار سال سے زندہ چلا آرہا ہے وہ تو مر ہی نہیں سکتا، کاہن کو یہ معلوم بھی کیسے ہوسکتا تھا اس لئے کہ وہ تو ساری عمر جھوٹے خداؤں کی پوجا کرتا رہا تھا اگر وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوتا تو خدا اسے یہ ضرور بتا دیتا کہ عنبر کا مقابلہ نہ کرنا کاہن بے خبر تھا اور بے خبری ہی میں عنبر کے خلاف سازش کرتا رہا اس خونی سازش میں ایک مکار عورت سوانا اس کی شریک تھی لوگوں نے اس عورت سوانا کو بھی کاہن کے ساتھ ہی شہر سے باہر نکال دیا تھا دونوں شہر سے باہر ایک ویران سرائے میں رہتے تھے وہ کبھی کبھی شہر میں کھانے پینے کی چیزیں خریدنے آتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔

عنبر اسی بوڑھے شہری کے گھر میں رہتا تھا ناگ کو تھیلے میں بند کر کے اس نے صندل کی خوشبودار لکڑی کے اندر بند کر دیا تھا ایک طرح سے یہ اس کے دوست کی لاش تھی وہ جتنی جلدی ہوسکے ہمالیہ کی جھیل نندن پر پہنچ کر اس کے پانی سے ناگ کو غسل دینا چاہتا تھا تاکہ اس کے دو سال بعد وہ پھر سے زندہ ہوسکے لیکن شہر والوں کی محبت اور اصرار کی وجہ سے وہ ٹھہر گیا دوسری جانب اسے اپنی بہن ماریا کی بھی فکر کھائے جا رہی تھی کہ خدا جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

اب ذرا پیچھے چل کر ماریا کے بارے میں بھی کچھ معلوم کریں کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے ہم اسے بکری بنی ہوئی چھوڑ کر آگے نکل گئے تھے وہ ابھی تک بکری کی شکل میں زمین کے اندر ایک گڑھے

میں پڑی تھی اس کا منہ بندھا ہوا تھا اور گڑھا گھاس پھوس سے ڈھکا ہوا تھا جادو کا اثر کچھ ایسا تھا کہ اسے نہ بھوک لگ رہی تھی اور نہ پیاس محسوس ہو رہی تھی وہ صاف محسوس کر رہی تھی کہ وہ بکری بنی ہوئی وہاں قید ہے۔ وہ ہر وقت وہاں سے نکل کر انسانی شکل میں واپس آنے کے بارے میں سوچتی رہتی پھر اسے اپنے بھائیوں ناگ اور عنبر کا خیال ستانے لگتا کہ خدا جانے وہ کہاں ہیں اور اس کو کہاں کہاں تلاش کر رہے ہیں۔

مگر انہیں تو معلوم ہی نہیں کہ وہ بکری بن کر ایک گڑھے میں پھنسی ہوئی ہے ماریا دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگتی رہتی کہ اے خدا مجھے اس عذاب سے نجات دلا اور ایک بچھڑی ہوئی بہن کو اس کے بھائیوں سے ملا دے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اس طرف سے ایک چرواہے کا گزر ہوا وہ اپنی بکریاں چراتے ہوئے اس جگہ آگیا جہاں ماریا تھی اس جگہ سبزہ بہت تھا۔

بکریاں گھاس چرنے لگیں چرواہا بیٹھ گیا کہ بکریاں گھاس کھا کر پیٹ بھر لیں تو آگے چلے ایک بکری نے گڑھے کے اوپر گھاس کا ڈھیر سا پڑا دیکھا تو وہاں آ کر اسے چرنے لگی اس کی دیکھا دیکھی ساری بکریاں وہاں آگئیں دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ساری گھاس چر لی اب نیچے بکریوں کو ایک اور بکری نظر آئی تو انہوں نے زور زور سے میمنا شروع کر دیا۔

چرواہے نے بکریوں کا شور سنا تو وہ اٹھ کر وہاں آگیا کہ یہ بکریاں میما کیوں کر رہی ہیں اب جو اس نے گڑھے کے نیچے ایک اور بکری کو دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ یہ بکری کہاں سے آگئی وہ جلدی سے گڑھے میں اترا اور بکری کو باہر نکال لایا وہ بڑا خوش تھا کیونکہ بکری کی آنکھیں

نیلی تھیں ایسی بکری بڑی مشکل سے ملا کرتی ہے اس نے بکری کے منہ کے گرد لپٹا ہوا کپڑا کھول دیا ماریا نے سکھ کا سانس لیا اور چرواہے کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھنے لگی وہ ممیا ممیا کر اسے کہہ رہی تھی کہ

میں بکری نہیں ہوں بلکہ ایک لڑکی ہوں اور مجھے جادو کے زور سے بکری بنا دیا گیا ہے لیکن اس کی زبان بھلا کون سمجھ سکتا تھا چرواہا تو اس بات پر ہی خوش تھا کہ اسے ایک نئی اور نیلی آنکھوں والی بکری مل گئی ہے جو یقیناً دوسری بکریوں سے زیادہ دودھ دے گی اور اگر وہ منڈی میں لے جا کر اسے فروخت کرے گا تو اس کی قیمت بہت زیادہ پڑے گی۔

چرواہا بکریوں کو گھاس چرانے کے بعد واپس اپنے گھر لے آیا۔

اس نے دوسری بکریوں کو تو عام جگہ پر باندھا مگر نیلی آنکھوں والی بکری کو اپنی کوٹھڑی کے باہر درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اسے بڑا نرم اور خوشبودار گھاس کھانے کو دیا اس کا باپ بھی نیلی آنکھوں والی بکری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا نیلی آنکھوں والی بکری یعنی ماریا چرواہے کے گھر میں رہنے لگی کچھ دنوں بعد چرواہے کے باپ نے کہا۔

بیٹا! یہ نیلی آنکھوں والی بکری تو زیادہ دودھ نہیں دیتی پھر اس کا کیا فائدہ ہے کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اسے منڈی میں لے جا کر بیچ دو اس طرح ہمیں بہت پیسے مل جائیں گے اور ہم سات آٹھ اور بکریاں خرید سکیں گے۔

چرواہا بولا۔

بابا جان آپ کا کہنا سر آنکھوں پر میں کل ہی گاؤں کی منڈی میں اسے لے جا کر بیچ دوں گا اگر قسمت نے ساتھ دیا اور سمجھدار گاہک مل گیا تو ہمیں بہت سے پیسے مل جائیں گے۔

چنانچہ دوسرے روز چرواہا نیلی آنکھوں والی بکری یعنی ماریا کو لے کر

گاؤں کی منڈی میں آ گیا وہاں بڑی رونق تھی اور خوب خرید وفروخت ہو رہی تھی کاروبار لوگ اپنی پسند کی بکریاں خرید کر لے جا رہے تھے چرواہا بھی اپنی نیلی آنکھوں والی بکری لے کر وہاں پہنچ گیا جب لوگوں نے دیکھا کہ ایک نیلی آنکھوں والی بکری بھی وہاں آئی ہوئی ہے تو وہاں لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا ہر کوئی بڑے شوق سے اور بڑے غور سے بکری کو دیکھ رہا تھا ماریا بھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور دل میں خوف کھا رہی تھی کہ دیکھو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی گاہک اسے خرید کے گھر لے جائے اور اسے پیار سے پالتو جانور بنا کر رکھے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ جاتے ہی اسے دیوتاؤں کے نام پر ذبح کر دے۔

آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔

ایک سوداگر نے منت مانی تھی کہ اگر اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو وہ دیوتا کے آگے نیلی آنکھوں والی بکری قربان کرے گا اس سوداگر کی شہر میں ایک بہت بڑی حویلی تھی وہ بہت امیر آدمی تھا خدا کا دیا اس کے پاس سب کچھ تھا صرف وہ اولاد سے محروم تھا جب اس نے دیوتا کے آگے جا کر منت مانی تو اس کے گھر لڑکا پیدا ہو گیا اب اس نے خود چل کر نیلی آنکھوں والی بکری تلاش کرنا شروع کر دی تھی اس علاقے میں نیلی آنکھوں والی بکری کا ملنا بہت مشکل تھا کئی شہروں کی خاک چھاننے کے بعد اس منڈی میں آ گیا وہ ادھر اُدھر منڈی میں گھومتا رہا اس نے ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو وہاں پہنچ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ ایک چرواہا نیلی آنکھوں والی بکری فروخت کرنا چاہتا ہے تو سوداگر بیحد خوش ہوا دیوتاؤں نے اس کی یہ آرزو بھی پوری کر دی تھی۔

سوداگر نے چرواہے سے پوچھا کہ وہ بکری کے کیا دام لے گا چرواہے کو تو وہ بکری مفت میں ملی تھی پھر بھی وہ اس کے پورے دام وصول کرنا

چاہتا تھا اس نے سوداگر پر یہ ظاہر کیا کہ اس کو کئی مہینوں کی تلاش کے بعد جنگل میں یہ بکری ملی ہے اس لئے وہ اپنی محنت کے پورے پورے پیسے لے گا سوداگر نے کہا۔

تم زبان سے جو کہو گے میں تمہیں وہی دوں گا ، بولو! اس بکری کے کتنے پیسے لو گے؟

چرواہے نے کچھ سوچ کر اپنی طرف سے بہت زیادہ دام بتاتے ہوئے کہا

دو ہزار سونے کی اشرفیاں۔

سوداگر بولا۔

اگر تم دس ہزار سونے کی اشرفیاں بھی مانگتے تو میں تمہیں ضرور دیتا بہر حال تم نے دو ہزار طلب کی ہیں تو میں تمہیں دو ہزار ہی دوں گا لیکن اپنی طرف سے تمہیں ایک ہزار اشرفیاں انعام کے طور پر دوں گا کیونکہ تم نے مجھے ایک ایسی چیز لا کر دی ہے جس کی مجھے بے حد ضرورت تھی اور جو مجھے کہیں سے بھی نہیں مل رہی تھی۔

سوداگر نے اسی وقت تھیلی میں سے تین ہزار اشرفیاں نکال کر چرواہے کے حوالے کیں اور نیلی آنکھوں والی بکری یعنی ماریا کو لے کر اپنی حویلی کی جانب چل پڑا ماریا اس کے ساتھ چل دی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سوداگر کو نیلی آنکھوں والی بکری کی اتنی ضرورت کس لئے تھی کیا وہ اسے اپنے بچے کے لئے خریدنا چاہتا ہے یا وہ اسے دیوتا کے آگے قربان کرنا چاہتا ہے؟ ماریا کا دل بکری کے جسم کے اندر زور زور سے دھڑکنے لگا اس نے دل ہی دل میں خدا سے دعا کی کہ اے خدائے عظیم و برتر مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک کہ میرے بھائی عنبر اور ناگ مجھے نہیں مل جاتے۔

سوداگر بکری کو لے کر اپنی حویلی میں آ گیا۔

ماریا کو ایک صاف ستھری کوٹھڑی میں ایک ستون کے ساتھ باندھ کر اس کے آگے زیتون اور کھجور کے ہرے ہرے تازہ پتے ڈال دیے گئے اس کی گھر میں بہت خدمت ہونے لگی قربانی کا دن قریب آ رہا تھا، ایک روز سوداگر کی بیوی اپنے بیٹے کو گودی میں اٹھائے بکری کے پاس آئی اور اسے اس کے اوپر سے وارا پھر اس نے بکری کے ماتھے پر ہاتھ لگا کر اپنے بچے کے ماتھے پر ہاتھ لگایا ماریا فوراً سمجھ گئی کہ اسے قربانی کے لئے وہاں لایا گیا ہے بس پھر کیا تھا اس کا دل ایک دم ڈوبنے لگا وہ سنگ مرمر کے فرش پر بیٹھ گئی اور اس کی نیلی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر وہاں اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی بھی نہیں تھا بلکہ کسی کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بکری رو رہی ہے۔

ساری رات بکری ماریا نے رو رو کر اور خدا سے دعائیں مانگ مانگ کر گزار دی دوسرے روز ایک پجاری نے آ کر ماریا کے سر پر سیندور ڈالا گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی اور بلند آواز میں دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے منتر پڑھنے لگا اب تو ماریا کو صاف پتہ چل گیا تھا کہ اس کی قربانی دی جا رہی ہے صرف اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے کب اور کس وقت قربان کیا جا رہا ہے۔

ماریا نے خیال ہی خیال میں دیکھا کہ پجاریوں نے پکڑ کر اسے زبردستی دیوتا کے بت کے آگے چبوترے پر لٹا دیا ہے لوبان سلگ رہا ہے ڈھول بج رہے ہیں منتر پڑھے رہے ہیں پھر ایک پجاری چھرا لے کر اس کی طرف بڑھتا ہے وہ بے بس اور مجبور ہو کر چبوترے پر پڑی ہے لوگوں نے اسے یوں جکڑ دیا ہے کہ وہ ذرا سا بھی ہل نہیں سکتی وہ پجاری کو دیکھ رہی تھی کہ اس نے چھرا دیوتا کی طرف لہرایا اور کچھ منتر پڑھے ہیں پھر آہستہ آہستہ چھرا اسکی گردن کی طرف آتا ہے اسے ذبح کیا جا رہا ہے اس کی گردن کاٹی جا رہی ہے جب چھرا اس کے گردن

کے بالکل قریب آ گیا تو اس نے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

پجاری سوداگر سے کہہ رہا تھا۔

کل صبح مندر میں قربانی شروع ہو جائے گی آپ اس بکری کو لے کر سورج نکلنے سے پہلے مندر میں پہنچ جائیں۔

سوداگر نے جھک کر کہا۔

میں ضرور پہنچ جاؤں گا جناب۔

پجاری نے آخری بار بکری کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور منتر پڑھتا وہاں سے نکل گیا ماریہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم پر چھرا پھیر دیا ہو وہ کانپ کر رہ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس لئے کہ اسے اپنے دونوں بھائیوں کی یاد آ گئی تھی جنہیں خبر بھی نہ تھی کہ ان کی بہن پر کیا گزرنے والی ہے وہ سوچنے لگی کہ اگر وہ دوسرے روز قربان کر دی گئی تو پھر کیا ہو گا وہ تو اپنا بچاؤ نہیں کر سکے گی وہ تو کسی کو بھی نہیں کہہ سکے گی کہ اسے قربان نہ کرو، وہ بکری نہیں بلکہ ایک عورت ہے۔

لیکن اسے یقین بھی ہو گیا تھا کہ وہ بچ نہ سکے گی پجاری کا چھرا اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لٹکتا نظر آ رہا ہے اب کوئی کرامت ہی کوئی معجزہ ہی اسے قربان ہونے سے بچا سکتا تھا۔

یہ اس کی زندگی کی آخری رات تھی وہ اپنی زندگی ختم کر بیٹھی تھی۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے اور اب وہ زندگی میں کبھی اپنے بھائیوں سے نہیں مل سکے گی اس نے ساری رات خدا کی عبادت کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ چپ چاپ فرش پر ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگنے لگی کہ اس کی موت کو وہ آسان کر دے اور جب اس کی گردن پر پجاری کی چھری چلے تو اسے تکلیف نہ ہو اس نے خدا سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی

معافی مانگی۔ پھر اپنے بھائیوں کے لئے خوش حالی اور صبر کی دعا مانگی اس کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے پچھلی رات کو اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئی۔

ابھی رات کا ایک پہر باقی تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ بکری نہیں ہے بلکہ زندہ اور جیتی جاگتی ماریا کی شکل میں بکری کی طرح فرش پر لیٹی ہوئی ہے اور اس کے گلے میں رسی بندھی ہوئی ہے خوشی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا خدا نے اس کی دعا قبول کر لی تھی اور اسے راتوں رات اپنی مہربانی سے بکری سے بدل کر پھر ماریا بنا دیا تھا پہلے تو اسے یقین نہیں آیا مگر جب اس نے اپنے ہاتھ پاؤں گردن اور ٹانگوں کو اچھی طرح سے ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس کا شک و شبہ دور ہو گیا پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنی گردن سے رسی کو کھول دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی اب وہ ایک انسان کی طرح ارد گرد دیکھ سکتی تھی اور سوچ سکتی تھی وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

پجاری اور سوداگر اسے قربانی کے لئے مندر لے جانے کے لئے آ رہے تھے وہ اٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی باہر سے کسی نے دروازہ کھولا اور پجاری سوداگر کو ساتھ لے کر کوٹھڑی کے اندر آ گیا سوداگر کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے اور پجاری نے ایک مشعل اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی مشعل کی روشنی میں پجاری نے دیکھا کہ کوٹھڑی میں بکری کہیں بھی نظر نہیں آ رہی ماریا نے اپنی آنکھیں ڈر کے مارے بند کر لی تھیں اسے معلوم تھا کہ بکری کی جگہ پجاری اور سوداگر اسے ایک نیلی آنکھوں والی عورت کی شکل میں دیکھ کر پہلے تو ششدر رہ جائیں گے اور پھر اسے پکڑ لیں گے کہ یہی وہ نیلی آنکھوں والی بکری ہے جو جادو کے زور سے عورت بن گئی ہے بکری کی جگہ اسے

مندر میں لے جا کر قربان کر دیا جائے گا۔

مگر ایسا نہ ہوا۔ اس نے سنا سوداگر پجاری سے کہہ رہا تھا۔

بکری کہاں چلی گئی؟ کمرہ تو خالی ہے۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ لوگ کیسے کہہ رہے ہیں کہ کمرہ خالی ہے جب کہ وہ ایک عورت کی شکل میں اس کمرے کے اندر موجود ہے اور مشعل کی پوری روشنی اس پر پڑ رہی ہے پجاری نے مشعل کی روشنی کمرے میں چاروں طرف ڈالی اور حیرانی سے بولا۔

میں خود حیران ہوں کہ بکری کہاں چلی گئی اور کمرہ خالی کیسے ہو گیا؟ ہم نے باہر سے تالا بھی لگا دیا تھا جو اسی طرح لگا ہوا تھا پھر بکری کہاں غائب ہو گئی۔؟

اس کمرے میں تو سوائے اس رسی کے اور کچھ نہیں کیا بکری رسی کھول کر غائب ہو گئی سوداگر نے پجاری سے پوچھا۔

پجاری نے کہا۔

وہ غائب کیسے ہو سکتی ہے وہ تو دیوتا کی امانت تھی۔

سوداگر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے پجاری صاحب مگر سوال یہ ہے کہ بکری پھر کہاں چلی گئی اس کمرے میں تو سوائے ایک رسی اور تھوڑے سے گھاس کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ماریا اب یہ عجیب اور حیرت انگیز راز کھلا کہ وہ ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو چکی ہے یعنی وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے یہ ایک ڈرا دینے والی اور ساتھ ہی ساتھ دل کو خوشی سے بھر دینے والی بات تھی ماریا لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی وہ ہر شے کو دیکھ سکتی تھی مگر لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے اس کا زندہ ثبوت اس کے پاس موجود تھا کہ وہ کوٹھڑی کے کونے میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی

تھی مشعل کی روشنی میں اس کا سارا جسم نہایا ہوا تھا مگر کمرے میں موجود دوسرے لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

غیبی گھوڑا

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔

ماریا کو جب یقین ہو گیا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا اور وہ دنیا والوں کی نظروں سے غائب ہو چکی ہے تو وہ بڑے اطمینان سے چل کر دروازے کے پاس آ گئی کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی سوداگر اور پجاری حالانکہ اس کے بالکل پاس کھڑے تھے ماریا ایک بار پھر اطمینان حاصل کرنے کے اپنا ایک ہاتھ پجاری کی آنکھوں کے سامنے لہرا دیا پجاری کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ ایک عورت قریب کھڑی اس کی آنکھوں کے آگے اپنا ہاتھ لہرا رہی ہے وہ مشعل لیے سوداگر کی طرف منہ کر کے باتیں کرتا رہا۔

وہ ضرور کوئی چھلاوہ تھا۔ وہ بکری نہیں تھی اب اس کو بھول جاؤ اور کسی دوسری بکری کی تلاش شروع کر دو، اگر منت کے مطابق آج قربانی نہ دی گئی تو تمہارے بچے پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہوگا۔

سوداگر ڈر گیا اس نے کہا۔

پجاری جی! میری مدد کریں میں اس وقت نیلی آنکھوں والی بکری کہاں سے پیدا کروں گا دیوتاؤں سے کہیے کہ مجھے کچھ روز کی مہلت دے دیں۔

پجاری نے موٹی گردن ہلا کر کہا۔

ہرگز نہیں۔ مہلت نہیں مل سکتی یا نیلی آنکھوں والی بکری کی قربانی پیش کرا دو یا دیوتاؤں کا عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

ماریا کو بے چارے سوداگر کی حالت پر بڑا ترس آیا کمینہ پجاری اسے خواہ مخواہ پریشان کر رہا تھا ماریا نے سوچا کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا پھر کیوں نہ وہ سوداگر کی مدد کرے اور پجاری کو بھی خوف زدہ کر دے اس خیال کے آتے ہی اس نے کوٹھڑی کے کونے میں جا کر اپنی آواز میں رعب پیدا کرتے ہوئے کہا۔

سنو۔ اے سوداگر۔ میں دیوتا ہبل کی بیوی بول رہی ہوں میرا نام دیوی کابوس ہے۔

ماریا کی آواز سن کر سوداگر اور پجاری دنگ رہ گئے انہوں نے گھوم پھر کر کمرے میں دیکھا مگر وہاں انہیں کوئی عورت نظر نہ آئی ماریا نے کہا تم چاہے جتنی کوشش کر لو۔ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے اس لئے کہ میں دیوی کابوس ہوں اور تم دنیا والوں کی آنکھیں مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔ اے نیک دل سوداگر! میری بات غور سے سنو! مجھے دیوتا ہبل نے خاص طور پر تمہارے لئے بھیجا ہے۔

سوداگر تو خوف کے مارے زمین پر دو زانو ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا اے مقدس دیوی میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔

ماریا نے کہا۔

ہم نے تمہاری بکری کی قربانی قبول کر لی ہے ہم وہی لئے نیلی آنکھوں والی بکری کو یہاں سے اٹھا کر لے گئے ہیں اب تمہیں کسی نیلی آنکھوں والی بکری کی قربانی دینے کی ضرورت نہیں ہاں اگر پجاری چاہتا ہے کہ قربانی دیوتا کے سامنے ضرور ہو تو وہ اپنی موٹی گردن تھوڑی سی کاٹ کر اپنا خون ہمارے قدموں پر نچھاور کر سکتا ہے ہم اس کے خون سے خوش ہو جائیں گے کیا خیال ہے تمہارا پجاری جی۔

پجاری تو۔ اتنا سن کر زمین پر گر پڑا۔

دیوی جی! مجھے معاف کر دیں میں تو آپ کا ناچیز غلام ہوں مجھے معاف کر دیں دیوتاؤں کے لئے مجھے معاف کر دیں آپ نے فرما دیا ہے کہ آپ نے قربانی قبول کر لی ہے تو ہم سب خوش ہیں آپ کی بڑی مہربانی ہے دیوی جی میرا خون نہ بہائیں میں تو مر جاؤں گا دیوی جی

ماریا نے ہنس کر کہا۔

کیا اب تم کسی نیلی آنکھوں والی بکری کو قربان کرو گے۔؟

پجاری گڑگڑا کر بولا۔

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ دیوی جی میں آپ کے قدموں میں گر کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی کسی نیلی آنکھوں والی بکری کو قربان نہیں کرے گا۔

ماریا کہنے لگی۔

ہم تمہیں معاف کرتے ہیں لیکن یہ بتاؤ پجاری کہ تم اتنے ہٹے کٹے اور موٹی گردن والے کیوں ہو جب کہ پوجا کرنے والے غریب لوگ سوکھے ساکھے ہوتے ہیں۔

پجاری نے کہا۔

دیوتاؤں کی مہربانی ہے دیوی جی!

ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

بکواس بند کرو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ غریب لوگوں کو دو وقت کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں ملتی اور تم حلوے مانڈے اڑاتے ہو۔؟

پجاری بولا۔

معاف کر دیں دیوی جی۔ معاف کر دیں جی میں اپنی موٹی گردن پتلی کر لوں گا اب غریبوں کو بھی کھانے کو دیا کروں گا۔

سوداگر نے کہا۔

دیوی جی! پجاری کو معاف کر دیں آپ کی بڑی مہربانی ہو گی لیکن ماریا پجاری کے ساتھ کوئی نہ کوئی شرارت ضرور کرنا چاہتی تھی۔ اسے تجربے نے یہ ثابت کیا تھا کہ یہ پجاری لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہیں یہ غریب لوگوں کے ساتھ کتوں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں اور بڑی آسانی سے جانوروں کی گردن پر چھرا پھیر دیتے ہیں اب بھی اگر خدا ماریا کی مدد کر کے اسے غائب نہ کرتا تو اس موٹی گردن والے پجاری نے ماریا کی گردن پر چھری پھیر دی تھی اس نے کہا۔

اچھا اے سوداگر ہم تمہاری سفارش پر اس موٹے ریچھ کو معاف کرتے ہیں لیکن ہم اس کی گردن پر وہ رسی ضرور ایک بار باندھیں گے جس کے ساتھ اس نے نیلی آنکھوں والی بکری کو باندھ رکھا تھا۔

سوداگر نے کہا۔

دیوی جی کیا اس غریب پجاری کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔

ماریا نے غصے میں آ کر کہا۔

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری قربانی قبول نہ ہو۔

نہیں نہیں دیوی جی میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔

ماریا نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

تو پھر اس بکرے پجاری کی موٹی گردن میں تم اپنے ہاتھ سے رسی باندھو بالکل اسی طرح جس طرح تم نے نیلی آنکھوں والی بکری کے گلے میں رسی باندھی تھی۔

سوداگر نے ہچکچاتے رسی اٹھائی۔

جلدی کرو..........نہیں تو تمہارے بچے کی قربانی ختم ہوتی ہے

سوداگر نے جلدی سے زمین پر جھک کر رسی اٹھائی اور پجاری سے کہنے لگا۔

پجاری صاحب! معافی چاہتا ہوں۔ مگر دیوی جی کا حکم نہیں ٹال سکتا اپنی گردن نیچی کر لیں ذرا۔

پجاری مجبور ہو گیا وہ گردن نیچی کرنے لگا تو ماریا نے گرج کر کہا۔

نہیں اسے کہو کہ یہ بکری بن جائے۔

سوداگر نے کہا۔

پجاری صاحب بکری بن جائیں۔

پجاری صاحب ہاتھ پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ سوداگر نے اس کے گلے میں رسی باندھ کر گرہ لگا دی اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

اور حکم دیوی جی۔

بس آج یہ سارا دن بکری بنا اسی طرح اس کمرے میں بندھا رہے گا اگر شام ہونے سے پہلے کسی نے اسے کھول کر آزاد کیا تو تمہارے بچے پر آفت نازل ہو جائے گی تم سن رہے ہو تاں؟

کبھی نہیں ہو گا دیوی جی! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

اچھا اب ہم جا رہے ہیں۔

پجاری بکری بنا وہاں بیٹھا رہا سوداگر ہاتھ باندھے کھڑا رہا اور ماریا

بڑے سکون کے ساتھ کمرے سے باہر آگئی کمرے سے نکل کر وہ حویلی کے برآمدے میں سے گزر کر دالان میں آگئی صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا دالان میں عورتیں ایک طرف بیٹھی قربانی کی تیاریاں کر رہی تھیں اور لوہے اور مٹی کی بڑی بڑی پراتوں میں گھی ڈال رہی تھیں ماریا ان پر مسکراتی ہوئی حویلی میں سے باہر نکل گئی۔

شہر میں لوگ بیدار ہو چکے تھے دکانیں کھل رہی تھیں گھروں میں عورتیں صبح کا کھانا تیار کر رہی تھیں اب ماریا کو سخت بھوک محسوس ہوئی جتنی دیر تک وہ بکری بنی رہی تھی اتنی دیر تک تو اسے بھوک بہت ہی کم لگتی تھی بلکہ کئی کئی روز تک تو وہ کھاتی ہی کچھ نہیں تھی لیکن اب عورت کے روپ میں واپس آتے ہی اسے ایک دم بھوک لگ گئی اسے محسوس ہوا کہ اس کا معدہ تو بالکل خالی ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ کہاں سے کچھ لے کر کھائے۔

پھر اس نے سوچا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو چکی ہے وہ جس گھر میں چاہے جا کر اپنی پسند کی چیز اٹھا کر کھا سکتی ہے اس خیال سے وہ دل ہی دل میں ہنس پڑی بازار میں لوگ اس کے قریب سے ہو کر گزر رہے تھے مگر کوئی اس کو نہیں دیکھ رہا تھا اس نے ایک عورت کی طرف غور سے دیکھا مگر اس عورت کو کچھ پتہ نہ چل سکا وہ چپکے سے اپنے دھیان میں آگے گزر گئی ایک دکان پر اس نے دیکھا کہ ایک حلوائی گرم گرم پوڑیاں تل کر تھال میں رکھتا جا رہا تھا یہ قیمے کی پوڑیاں تھیں اور اس کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی ایک بھوکا فقیر بھوکی اور للچائی ہوئی آنکھوں سے گرم گرم پوڑیوں کو دیکھ رہا تھا اس نے حلوائی سے کہا۔

بابا! دیوتاؤں کے نام پر کچھ غریب کو بھی دے دو۔

حلوائی نے اسے جھڑک کر کہا۔

بھاگ جا کمینے یہاں سے۔ اگر پوڑیاں کھانے کا شوق ہے تو جا کر پیسے لا۔

فقیر نے کہا۔

بابا مجھ غریب کے پاس پیسے کہاں سے آئیں گے۔

حلوائی بولا۔

تو پھر یہاں سے نو دو گیارہ ہو جا یہ تمہارے باپ کا مال نہیں ہے جو تمہیں مفت میں دے دوں چل چلتا پھرتا نظر آ بھاگ یہاں سے فقیر بڑا بھوکا تھا لیکن سنگدل حلوائی کی جھاڑ کھا کر چپکے سے آگے چل دیا ماریا قریب ہی کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی اسے غریب فقیر پر بڑا ترس آیا اور پتھر دل حلوائی پر بڑا غصہ آیا اس نے آگے بڑھ کر تھال میں سے ساری کی ساری پوڑیاں اٹھائیں اور گلی کے موڑ پر گھومتے ہوئے فقیر کی جھولی میں جا کر ڈال دیں غریب فقیر تو آسمان کی طرف تکتا ہی رہ گیا کہ یہ گرم گرم پوڑیاں حلوائی کے تھال میں سے نکل کر اس کی جھولی میں کیسے آ گئیں ماریا کو تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا وہ چونکہ بہت بھوکا تھا اس لئے فوراً بیٹھ کر کھانے بیٹھ گیا ادھر حلوائی نے جب تھال کی طرف دیکھا تو ساری کی ساری پوڑیاں غائب تھیں اس نے فوراً شور مچا دیا کہ پکڑو پکڑو فقیر میری ساری پوڑیاں اٹھا کر بھاگ گیا لوگ جمع ہو گئے اس نے فقیر پر شک کیا لوگ گلی میں گئے فقیر وہاں بھی نہیں تھا۔

دوسری طرف ماریا نے حلوائی کی دکان سے لڈوؤں کا بھی بڑا تھال اٹھا لیا اور ایک حویلی کی ڈیوڑھی میں آ کر رکھ دیا حلوائی جب واپس دکان پر آیا تو لڈوؤں کا تھال غائب پا کر سر پیٹ کر رہ گیا۔

لوگو! میں لٹ گیا پہلے پوڑیوں کا تھال غائب ہوا اب لڈوؤں کا تھال بھی غائب ہے میری دکان پر بھوتوں نے قبضہ کر لیا ہے میں لٹ گیا

میں لٹ گیا۔

ماریا ڈیوڑھی کے دروازے پر کھڑی یہ سب کچھ دیکھ کر ہنستی رہی پھر اس نے لڈوؤں کا تھال اٹھایا اور اس میں سے چھ سات لڈو خود کھائے اور باقی ایک جگہ بچوں کی جھولیوں میں ڈال دیے یہ بچے زمین پر بیٹھے سبق پڑھ رہے تھے کہ ان کی جھولیوں میں دھڑا دھڑ لڈو گرنے لگے پہلے تو وہ حیران ہوئے پھر خوشی سے شور مچانے لگے۔

آہاہا۔ لڈو دیے ہیں دیوتاؤں نے۔

وہ شور مچاتے لڈو کھاتے حلوائی کی دکان کے آگے سے گزرے تو حلوائی نے اپنے لڈو پہچان لیے وہ گدی پر سے اٹھ کر لڑکوں کے پیچھے بھاگا مگر لڑکے بھلا اس کے ہاتھ کب آتے تھے وہ شہر کے گلی کوچوں میں گم ہو چکے تھے۔

ماریا شہر سے باہر آ کر ایک باغ میں نہر کے کنارے پتھر پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اب وہ کیا کرے کہاں جائے اور اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کو کہاں تلاش کرے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانے پر وہ بہت خوش تھی کم از کم اسے اب یہ فکر تو نہ تھی کہ وہ رات کو سوئے گی کہاں اور دن کو کھائے گی کیا۔ وہ جہاں اور جس گھر میں چاہے جا کر سو سکتی تھی اور جہاں جس دکان پر جا کر کھانا کھا سکتی تھی وہ چاہتی تھی کہ جب تک اسے اس کے بھائی عنبر اور ناگ نہیں مل جاتے وہ غائب ہی رہے۔

لیکن عنبر اور ناگ کو وہ کہاں تلاش کرتی پھرے یہی ایک سوال تھا جو اس کے دماغ میں رہ رہ کر پیدا ہو رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے دماغ میں سوائے اس ایک سوال کے اور کچھ نہیں تھا بہت سوچ بچار کے بعد ماریا اسی نتیجے پر پہنچی کہ وہ خدا کا نام لے کر اپنے بھائیوں کی تلاش میں چل پڑے اور شہر شہر پھرتی رہے خدا کو منظور ہوا تو وہ

بھائیوں سے ایک نہ ایک دن مل ہی جائے گی۔

اب ماریا کو سفر کرنے کے لئے ایک سواری کی ضرورت تھی سواری کوئی گھوڑا ہوتو بہتر تھا ماریا کے ساتھ ایک اور بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ وہ خودتو غائب ہو چکی تھی لیکن وہ جس چیز کو ہاتھ میں پکڑتی تھی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی اس کا مطلب صاف یہ تھا کہ اگر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی تو اس کے ساتھ گھوڑا بھی غائب ہو جائے گا اور لوگوں کو نظر نہیں آئے گا وہ کسی اچھے سے گھوڑے کی تلاش میں ایک گھوڑوں کی منڈی میں آ گئی۔

اس منڈی میں جگہ جگہ گھوڑے بندھے ہوئے تھے ان میں کمزور سے کمزور گھوڑے بھی تھے اور عربی نسل کے طاقتور گھوڑے بھی تھے ہر گھوڑے پر زین کسی ہوئی تھی ماریا منڈی میں چلتی پھرتی ایک عربی گھوڑے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اس گھوڑے کی زین کے ساتھ بستر ااور پانی کی چھاگل بھی لٹک رہی تھی یہ گھوڑا سفر کے لئے بڑا شاندارار اور موزوں تھا دو چار بیوپاری اس کے پاس کھڑے گھوڑے کو بڑے غور اور شوق سے دیکھ رہے تھے ماریا نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اسے یہ گھوڑا پسند آ گیا تھا اور وہ اسی پر سوار ہو کر سفر کرنا چاہتی تھی چنانچہ اس نے بغیر کسی جھجک کے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ تھامی اور رکاب میں پاؤں رکھ کر اس پر سوار ہو گئی۔

ماریا کا گھوڑے پر سوار ہونا تھا کہ گھوڑا سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا کچھ لوگ ڈر کے مارے وہاں سے اٹھ کر دوڑے اور باقی پتھر کے بت بنے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے بیوپاری جس کا گھوڑا تھا حیرانی سے ادھر اُدھر تکنے لگا وہ ہر ایک کا منہ دیکھتا اور پوچھتا۔

ارے بھائی۔ میرا گھوڑا کہاں چلا گیا؟ میرا گھوڑا کہاں ں چلا گیا؟ وہ ابھی یہاں کھڑا تھا۔

موت کے ساتھ

وہ گھوڑا ماریا کے نیچے تھے اور وہ شہر سے باہر نکل چکی تھی۔

گھوڑا اور ماریا دونوں غائب تھے نہ کسی کو گھوڑا دکھائی دیتا تھا اور نہ اس پر بیٹھی ہوئی ماریا نظر آتی تھی گھوڑے کے چلنے کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی شہر سے باہر آ کر ماریا ایک کچی سڑک پر ہو گئی جو چھوٹے چھوٹے ٹیلوں اور گھاٹیوں میں سے گزرتی ہوئی دریا کنارے والے جنگل میں چلی گئی تھی ماریا ان گھاٹیوں اور ٹیلوں میں پہلے سفر کر چکی تھی یہ راستہ گھاٹیوں، دریاؤں، جنگلوں اور ٹیلوں میں سے ہوتا ہوا شہر وارانشی کی طرف چلا جاتا تھا دریائے گوماتی صرف ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ایک سڑک جو کہ کچی تھی کالی کٹ اور آسام کی طرف جاتی تھی۔

کالی کٹ اور آسام سے آگے ہمالیہ پہاڑ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جس کے اوپر نندن سر کی جھیل تھی ماریا اتنا لمبا سفر تو نہیں کر سکتی تھی لیکن اگر راستے میں کسی جگہ وہ اپنے بھائیوں کو تلاش نہ کر سکی تو ظاہر ہے اس کی باقی زندگی سفر میں ہی بسر ہونی تھی اسے امید تھی کہ اس جنگل اور گھاٹیوں میں سے نکل کر وہ کسی نہ کسی بستی یا شہر میں عنبر اور ناگ کو ضرور ڈھونڈ لے گی آخر وہ کہاں جا سکتے ہیں انہیں یہیں کہیں ہونا چاہیے تھا۔ وارانشی کی سمت وہ نہیں جا سکتے تھے کیونکہ وہاں کے راجہ سے ان کی دشمنی تھی یہ تو اس کے خواب و خیال میں ہی نہیں تھا کہ ناگ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں اور عنبر اسے جھیل نندن سر ہمالیہ کی پہاڑیوں میں لے جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

عنبر بوڑھے کے پاس رہ کر ہمالیہ کی طرف جانے کی تیاریاں مکمل کر

چکا تھا اس نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا تھا اس لئے کہ وہ ناگ کی لاش اور صندل والے چھوٹے سے ڈبے کے معاملے میں سخت راز داری برتنا چاہتا تھا ادھر کاہن کو کسی نہ کسی طرح خبر ہو گئی کہ اس کا سخت دشمن عنبر شہر سے باہر جا رہا ہے یہ اس کی ایک طرح سے شکست تھی اگر عنبر چلا گیا تو وہ اس سے اپنی بربادی کا بدلہ کیسے لے سکتا تھا اس نے اسی وقت پچھے کٹنی سوانہ کو بلایا اور کہا۔

سوانہ۔ تم آسمان کی تھگلی اتار بھی آتی ہو تو پھر وہیں جا کر لگا بھی آتی ہو کسی طرح ہمارے دشمن کو نیست و نابود کر دو تو جانیں۔ وہ شہر کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔

سوانہ نے پوچھا۔

ہائیں! وہ کب یہاں سے جا رہا ہے۔؟

کاہن نے کہا۔

سر کٹا بھوت

عنبر اور ناگ نے ماریا کو کیسے نکالا اور پھر کس طرف لے گئے۔ راجہ سنگرام نے ماریا سے شادی کر لی یا ماریا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ ماریا گووند کے پاس کیسے پہنچی؟ گووند نے ماریا کو کہاں قید کر رکھا تھا؟

ابھی پڑھیے ”اردو رسالہ“ پر

کوئی پتہ نہیں بہر حال میرے جاسوس نے اتنی اطلاع دی ہے کہ وہ جانے کی تیاریاں کر چکا ہے اور اب کسی وقت بھی اس شہر سے روانہ ہو سکتا ہے۔

سوانہ بولی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمیں انتظار نہیں کرنا چاہیے اور اپنا وار چلا دینا چاہیے۔

ہاں.........یہی میں چاہتا ہوں۔

تو پھر فکر نہ کرو، آج ہی اس کے گھر پہنچ کر حملہ کرتی ہوں۔

کاہن نے پوچھا۔

تمہارے حملے کا طریقہ کیا ہوگا کیا تم اس کو قتل کرو گی۔؟

سوانہ ہنس پڑی۔

یہ قیانوسی کام میں نہیں کیا کرتی کاہن! میں تو اس پر سانپ چھوڑوں گی جس گھر میں وہ رہتا ہے وہاں میں نے واقفیت پیدا کر لی ہے میں آج ہی عنبر کا کام تمام کرتی ہوں

کاہن نے کہا۔

شاباش! لیکن دیکھنا ناکام ہرگز ہرگز واپس نہ آنا نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

سوانہ ہنس کر بولی۔

اگر ناکام ہوئی تو بے شک میرے سر میں خاک ڈالنا ایسے ایسے کئی کام کر چکی ہوں میں نے تو اڑتی چڑیا کے پر کاٹے ہیں وہ عنبر اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے بھلا۔

کاہن بڑا خوش ہوا اب اسے پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ سوانہ اس کے دشمن عنبر کو ہلاک کر دے گی اور اس کے سینے میں جو انتقام کی آگ جل رہی ہے وہ ٹھنڈی پڑ جائے گی سوانہ وہاں سے نکل کر سیدھی اس

بوڑھے شہری کے گھر پہنچ گئی جہاں عنبر مہمان بن کر رہ رہا تھا۔ اس گھر میں پچھلے کتنی سوانہ کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی اس نے تھوڑے ہی دنوں میں وہاں اپنا بڑا اعتماد پیدا کر لیا تھا گھر والے سبھی اس کو بڑی خالہ کہتے تھے۔

سوانہ پچھلے کتنی وہاں پہنچی تو گھر والوں نے بوڑھی خالہ کو سر آنکھوں پر بٹھایا وہ گھر میں ادھر اُدھر بہانے بہانے چکر لگا کر یہ معلوم کرنے لگی کہ اس کا دشمن عنبر کہاں ہے؛ اسے ایک کمرے میں عنبر نظر آ گیا سوانہ اس کے کمرے میں داخل ہو گئی اس نے عنبر سے بھی کافی واقفیت پیدا کر لی تھی اور عنبر بھی اسے سمجھے بغیر بڑی خالہ کہہ کر ہی پکارتا تھا عنبر کے خیال میں کبھی یہ بات نہ آئی تھی کہ یہ بوڑھی مکار عورت اس کی جان کی دشمن بن کر وہاں آئی ہے۔

عنبر اس وقت کمرے میں بیٹھا صندل والا لکڑی کا ڈبہ کھول کر اپنے جگری دوست ناگ کی لاش کے ٹکڑوں کو غور سے دیکھ رہا تھا ٹکڑے اسی طرح ترو تازہ تھے اور خراب نہیں ہوئے تھے یہ بھی ناگ کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی ایک نشانی تھی عنبر نے ہر ٹکڑے کو دھو دھلا کر صاف کر کے پھر ڈبے میں رکھا اور تازہ صندل لگا کر ڈبہ بند ہی کرنے والا تھا کہ سوانہ کمرے میں داخل ہوئی۔

میں واری اپنے بیٹے پر سنا ہے تم جا رہے ہو بیٹا۔؟

عنبر پہلے تو حیران ہوا کہ اس کے جانے کی خبر اسے کس نے دے دی کیونکہ وہاں سوائے صاحب خانہ یا اس کی بیگم کے اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ عنبر جا رہا ہے پھر اس نے سوچا کہ بڑی خالہ ایک نیک عورت ہے اس کو کسی نے بتا دیا ہوگا اس نے کوئی خاص پروا نہ کی اور مسکرا کر سوانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

ہاں خالہ! اب بہت آپ کے شہر میں رہا یہاں کی خوب سیر کی آپ

لوگوں نے بڑی آؤ بھگت کی اب آگے چل کر اپنا کام شروع کرنا چاہیے آخر کوئی کب تک کہیں رہ سکتا ہے۔؟

وانہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے بیٹا! اس دنیا میں مسافروں کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں آج یہاں کل وہاں یہی اس دنیا کے سفر کی ریت ہے۔

مکار بوڑھیا ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جارہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ بڑی ہوشیاری سے اس زہریلے کالے سانپ کو بھی جیب سے باہر نکالتی جارہی تھی جو وہ اس مقصد کے لیے ساتھ لائی تھی کہ اس سے عنبر کو ڈسوا کر مروا دے گی اس نے بڑی چالاکی سے سانپ نکال کر عنبر کے پیچھے پلنگ پر چھوڑ دیا اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

اچھا بیٹا! جہاں بھی جاؤ خوش رہو اور ہمیں یاد کرتے رہنا ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔

عنبر نے کہا۔

بڑی خالہ مجھے بس تمہاری دعاؤں کی ہی ضرورت ہے۔

اس وقت تک سانپ عنبر کی پشت یعنی پیٹھ کے پاس پہنچ کر اپنا پھن کھڑا کر چکا تھا سوانہ کو جب یقین ہوگیا کہ اب عنبر اس سانپ کے حملے سے بچ نہیں سکتا تو اس نے ایک دم شور مچا دیا۔

ہائے ہائے سانپ۔ سانپ عنبر بچو۔

یہ سانپ ایسا تھا کہ اس کی فطرت میں تھا کہ شور کی آواز سن کر فوراً حملہ کر دیتا ہے عنبر نے چونک کر پیچھے دیکھا اور سانپ نے شور کی آواز سن کر اچھل کر عنبر کی گردن پر ڈس لیا عنبر نے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو پکڑ لیا مکار پھپھے کٹنی نے یونہی واویلا کرنا شروع کر دیا۔

ہائے بیٹا! اسے چھوڑ دو تمہیں اس نے کاٹ لیا ہے جلدی سے کسی حکیم کے پاس چلو۔

حالانکہ مکار عورت کو بہت اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اس ناگ کا کاٹا بڑی مشکل سے ایک گھڑی نکالتا ہے ڈسے کے دو تین سیکنڈ کے بعد وہ نیلا ہو کر مر جاتا ہے مگر عنبر بڑے سکون کے ساتھ سانپ کو مٹھی میں پکڑے بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری شرارت سوانہ بوڑھیا کی ہے اور سانپ اس نے جیب سے نکال کر وہاں چھوڑا ہے مگر وہ بوڑھی خالہ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا تو کچھ نہیں بگڑا تھا اس نے مسکرا کر کہا۔

بڑی خالہ۔ گھبراؤ نہیں اگر اس سے بھی زیادہ زہریلا سانپ مجھے کاٹ لے تو مجھے کچھ نہیں ہو سکتا میرا خون ہی ایسا ہے کہ مجھ پر زہر کا اثر نہیں ہوتا۔

مکار سوانا نے جب دیکھا کہ عنبر پر تو زہر کا کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تو وہ بڑی دنگ ہو کر رہ گئی سمجھ گئی کہ اس نوجوان نے ضرور صبح کے وقت کوئی ایسی جڑی بوٹی کھا رکھی ہے جس کی وجہ سے سانپ کا زہر بے اثر ہو گیا ہے تھوڑی دیر بعد سوانہ نے کہا۔

بیٹے تمہیں نہیں معلوم یہ بڑا زہریلا سانپ ہے اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا جلدی سے حکیم کے پاس جا کر کوئی دوائی کھا لو تا کہ تمہاری زندگی بچ جائے عنبر نے مسکرا کر کہا۔

بڑی خالہ! میری زندگی کی تم فکر نہ کرو تم اپنی زندگی کی خیر مناؤ؟

یہ کہہ کر عنبر نے سانپ کا منہ بوڑھی عورت کی طرف کر دیا سوانہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

ہائے ہائے بیٹا! مجھے کیوں مارنے لگے ہو میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے پرے ہٹاؤ پرے ہٹاؤ اسے۔

عنبر نے ہنس کر سانپ کو پرے ہٹا لیا اور پھر اسے اپنی جیب میں ڈال دیا اور جیب کے اوپر کپڑا ٹھونس دیا اور بولا۔

بڑی خالہ! یہ سانپ میرے پاس تمہاری یا جس کا یہ سانپ ہے اس کی امانت بن کر رہے گا وقت آنے پر میں ضرور اسے واپس کر دوں گا۔

پھپھے کٹنی سمجھ گئی کہ عنبر بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہے اب بات کو کھولنا فضول ہے وہ چپکے سے اٹھی اور بڑی تیزی سے واپس بھاگ گئی شہر سے باہر والی سرائے میں جا کر اس نے کاہن کو ساری کہانی سنا ڈالی کاہن خاموشی سے سوانہ کی کہانی سنتا رہا پھر کہنے لگا۔

ضرور اس کے پاس سانپ کے کاٹے کا کوئی منتر ہے ورنہ یہ سانپ سب سے زہریلا سانپ تھا اس کے ڈسنے سے کوئی انسان نہیں بچ سکتا انسان کیا ہے اگر یہ کسی ہاتھی کو بھی ڈس دے تو وہ کھڑے قد سے نیچے گر پڑتا ہے عنبر نے ضرور سانپ کا کوئی منتر یاد کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اس پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

سوانہ بولی۔

اس نے میری آنکھوں کے سامنے سانپ کو انگلیوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جیب میں ڈال کر رکھ لیا کہنے لگا بڑی خالہ! یہ اس شخص کی امانت ہے جس نے اسے میرے لئے بھیجا تھا۔

کاہن کے چہرے پر نفرت پیدا ہوئی۔

وہ ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ میرا مقابلہ کر سکے اگر اسے علم بھی ہو گیا ہے کہ میں اس کا دشمن ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں میں اس سے اپنی تباہی کا بدلہ ضرور لوں گا۔

سوانہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی۔

اے کاہن میں نے اتنی لمبی عمر میں بے شمار چالاک اور ہوشیار لوگ دیکھے ہیں میں تمہیں صاف صاف کہہ دیتی ہوں کہ میں اس نوجوان عنبر ایسا کوئی عجیب و غریب آدمی نہیں دیکھا تم کہتے ہو کہ اس کے پاس کوئی منتر ہے جسے پڑھ کر وہ سانپ کے زہر سے بچ گیا لیکن میں

کہوں گی کہ وہ اپنے اندر کوئی زبردست چھپی ہوئی طاقت رکھتا ہے میں نہیں جانتی کہ وہ کیا ہے مگر کوئی بہت بڑی طاقت ضرور اس کے اندر موجود ہے جس نے اسے زہریلے سانپ کے زہر سے محفوظ رکھا۔

کاہن نے غصے میں سوانہ کو جھڑک دیا۔

خاموش بوڑھیا! یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو کہ عنبر مجھ سے بڑھ کر طاقتور ہے وہ مجھ سے بڑا نہیں ہے میں بہت جلد اس سے بدلہ لوں گا انتقام لوں گا وہ میرے انتقام سے بچ نہ سکے گا پھر تمہیں اپنے آپ معلوم ہو جائے گا کہ عنبر زیادہ طاقتور ہے یا میں..............چونکہ اس شہر کے سب سے بڑے بت کدے کا کاہن ہوں اگرچہ میرا بت کدہ ویران کر دیا گیا ہے مگر میں اب بھی سب سے بڑا کاہن ہوں۔

سوانہ نے اس کا جواب کچھ نہ دیا اور وہ چلی گئی کاہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگا کہ وہ عنبر سے کیسے بدلہ لے اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بہت جلد اس شہر میں سے واپس جا رہا ہے اس لئے وہ جلدی سے جلدی اپنی کاروائی شروع کر دینا چاہتا تھا سانپ کے زہر نے عنبر پر کوئی اثر نہیں کیا تھا وہ کسی اور طریقے سے عنبر پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

سانپ کے واقعے کے اگلے روز عنبر نے بوڑھے میزبان سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سفر پر چل پڑا شہر کے لوگ اسے چھوڑنے باہر تک آئے کاہن کو بھی خبر مل گئی کہ عنبر جا رہا ہے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ عنبر کا پیچھا کرے گا اور راستے میں کسی جنگل میں اسے ہلاک کر دے گا کاہن نے اپنے ساتھ دو بہترین وفادار ساتھی لیے اور عنبر کا پیچھا شروع کر دیا۔

حبشی بھوت

ماریا صبح کے وقت شہر سے چلی تھی۔

جنگل میں ہی اسے شام ہونے لگی اسے بھوک محسوس ہوئی جنگل میں اسے سوائے جنگلی پھلوں کے اور کچھ نہیں مل سکتا تھا اس نے ایسے درختوں کی تلاش شروع کردی جس پر پھل لگے ہوں ایک جگہ چشمے کے اوپر اسے ایک پھل دار درخت نظر آیا جس پر انجیریں لگیں ہوئی تھیں ماریا وہاں گھوڑے سے اتر گئی گھوڑے سے اترتے ہی گھوڑا ایک دم ظاہر ہوگیا اب ماریا تو غائب تھی اور گھوڑا نظر آرہا تھا وہ ایک جگہ بندھا گھاس چر رہا تھا اور ماریا قریب ہی پتھر پر بیٹھی توڑی ہوئی بیٹھی انجیریں کھا رہی تھی انجیریں کھا کر اس نے پانی پیا اور سوچنے لگی کہ رات سر پر آئی ہے وہ جنگل میں کس جگہ رات بسر کرے۔؟

آخر اس نے جھاڑیوں کے درمیان ایک جگہ پسند کرلی وہاں اس نے رات بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا اور گھاس پر لیٹ گئی اسے نیند نہیں آرہی تھی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنا آپ دیکھ نہیں سکتی تھی ماریا کو زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ جو شخص غائب ہوجاتا ہے اسے کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً پھل کھاتے وقت اس کا ہاتھ ہونٹوں کے پاس آکر ادھر اُدھر ہٹ جاتا ہے کیونکہ نہ تو اسے اپنا ہاتھ نظر آتا تھا اور نہ پھل نظر آتا تھا اور نہ اپنا منہ ہی دکھائی دیتا تھا اب وہ گھاس پر لیٹ تو گئی تھی لیکن اسے اپنا جسم دکھائی نہیں دے رہا تھا اس کی وجہ سے اسے سونے میں بڑی دقت ہورہی تھی وہ عادی تھی اپنے آپ کو دیکھ کر سونے کی یہاں وہ غائب تھی دوسرے اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ وہ کہاں جارہی ہے؟

اس کی منزل کہاں ہے اور اس کے بھائی اسے کہاں ملیں گے؟ کیا وہ بے مقصد سفر تو نہیں کر رہی؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ساری عمر غائب حالت میں بھٹکتی پھرتی رہے گی اور عنبر ناگ اسے کبھی نہیں ملیں گے۔؟ یہی باتیں سوچتے سوچتے وہ اونگھنے لگی اس کا گھوڑا اس کے سامنے درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا وہ اسے دکھائی دے رہا تھا یعنی گھوڑا غائب نہیں تھا وہ صرف اس وقت غائب ہوتا تھا جب وہ اس پر سوار ہوتی تھی ماریا اونگھ ہی رہی تھی کہ اسے کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں وہ ہوشیار ہو گئی رات کے وقت جنگل میں یہ کون لوگ آ رہے تھے اسے اتنا معلوم تھا کہ رات کے وقت جنگل میں عام طور پر چور اور ڈاکو لوگ بھی پھرا کرتے ہیں ماریا نے جھاڑیاں ہٹا کر دیکھا جنگل میں اندھیرا تھا مگر چاند کی روشنی درختوں میں سے چھن چھن کر نیچے آ رہی تھی جس کی وجہ سے کہیں کہیں ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔

ماریا نے چاند کی چاندنی میں دیکھا کہ تین آدمی جنہوں نے تلواریں اور نیزے لٹکا رکھے تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے قدم قدم چلتے اسی طرف آ رہے تھے جدھر ماریا گھاس پر بیٹھی تھی ماریا کچھ اندازہ نہ کر سکی کہ وہ لوگ سپاہی تھے یا ڈاکو۔ وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے اصل میں یہ تینوں اسی علاقے کے بدنام ڈاکو تھے جنہوں نے چاروں طرف دہشت پھیلا رکھی تھی اور سرکاری سپاہی ان کی تلاش میں تھے ایک ڈاکو جو ان کا سردار تھا کہنے لگا۔

میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ کچھ وقت ٹھہر کر رات گہری ہونے کا انتظار کرنا چاہیے اندھیرا گہرا ہوگا تو ہم ساہوکار کی حویلی پر ڈاکہ ڈال سکیں گے ورنہ اس روشنی میں ہمارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔

دوسرا ڈاکو بولا۔

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں حویلی پر حملہ کر دینا چاہیے۔

تیسرے نے کہا۔

تم ہمیں مروانا چاہتے ہو کیا؟ سردار میں تمہارے خیال کے ساتھ ہوں ہم اندھیرا ہونے کے بعد ڈاکہ ڈالیں گے۔

دوسرا ڈاکو کہنے لگا۔

تو پھر ٹھیک ہے میں بھی آپ کے ساتھ ہوں اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔

سردار نے اچانک ایک طرف دیکھ کر کہا۔

ذرا دیکھنا تو وہ سامنے درخت کے نیچے کوئی گھوڑا بندھا ہوا ہے؟

دونوں ڈاکو بولے۔

ہاں سردار! وہ گھوڑا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مالک بھی وہیں کہیں سو رہا ہوگا ہوشیار ہو کر گھوڑے کے پاس چلتے ہیں مالک کو سوتے میں قتل کر کے اس کے گھوڑے کو قابو میں کر لیتے ہیں آؤ میرے ساتھ۔

ماریا نے ان ڈاکوؤں کی گفتگو سنی تو دل میں ہنسنے لگی کہ یہ بھی کتنے بے وقوف ہیں گھوڑے کے مالک کو تو وہ ساری زندگی تلاش نہ کر سکیں گے اچھا انہیں آگے آنے دو دیکھتی ہوں کیا کرتے ہیں۔

تینوں ڈاکو جنگل میں گھوڑے کے اردگرد پھیل گئے اور انہوں نے چھپ کر گھوڑے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ان کا خیال تھا کہ گھوڑے کا مالک بھی اسی جگہ گھوڑے کے پاس ہی سو رہا ہوگا وہ مالک کو ہلاک کرنا چاہتے تھے وہ اندھیرے میں جھاڑیوں کے بیچوں بیچ رینگتے ہوئے ماریا کے گھوڑے کے قریب پہنچ گئے انہوں نے گھوڑے کے اردگرد اس کے مالک کی تلاش شروع کر دی سارا علاقہ چھان مارا مگر گھوڑے کا مالک انہیں کہیں نہ دکھائی دیا۔

اصل میں گھوڑے کا مالک تو ان کی نظروں سے غائب تھا وہ نظر آتا تو اسے دیکھتے ماریا ان کو پاگلوں کی طرح ادھر سے اُدھر ٹامک ٹوئیاں

مارتے دیکھ کر بڑی خوش ہو رہی تھی۔

سردار نے کہا۔

کمال ہے گھوڑا موجود ہے اور اس کا مالک کہیں نظر نہیں آرہا۔؟

دوسرے نے کہا۔: آخر وہ اتنا قیمتی گھوڑا جنگل میں اکیلا چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے۔

تیسرا کہنے لگا۔

میرا تو خیال ہے کہ یہ گھوڑا نہیں بلکہ کوئی بھوت پریت ہے۔؟

سردار بولا۔

میں کسی جن یا بھوت پریت کو نہیں مانتا۔ کمزور آدمی کو ہی بھوت ڈراتے ہیں طاقتور آدمی سے بھوت ڈرتے ہیں اور انسان کے آگے آگے دوڑتے ہیں میں ایک بہادر سردار ہوں میں بھوت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔

پہلا ڈاکو بولا۔

تو پھر اس گھوڑے کا مالک کہاں ہے آخر وہ اس جنگل میں گھوڑا چھوڑ کر کہا جا سکتا ہے۔

سردار نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

مالک خواہ کہیں چلا گیا ہو بہر حال یہ قیمتی گھوڑا ہمارا ہے ہم اسے بازار میں بیچ کر بہت روپیہ حاصل کر سکتے ہیں اسے کھول کر ساتھ لے چلو ڈاکے کا مال اسی پر لاد کر لائیں گے۔

سردار کے حکم پر ایک ڈاکو نے ماریا کے عربی نسل کے قیمتی گھوڑے کو درخت سے کھول کر اپنے ساتھ کر لیا اور وہ جنگل میں آگے بڑھنے لگا ماریا سے اب صبر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ڈاکو اس کے سامنے اس کا گھوڑا کھول کر لے جا رہے تھے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈاکوؤں کے پیچھے پیچھے چلنے لگی وہ ڈاکوؤں کو ایک ایسا سبق سکھانا چاہتی تھی کہ وہ آئندہ

سے کسی بے گناہ شہری کے ہاں ڈاکہ نہ ڈالیں اس نے زمین پر سے ایک درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ اٹھائی اور آگے بڑھ کر ڈاکوؤں کے سردار کے سر پر ماردی ڈاکو نے طیش میں آکر پیچھے دیکھا اور ایک ڈاکو کو زور سے تھپڑ ماردیا۔

کمینے! مجھ پر حملہ کرتا ہے۔؟

ڈاکو نے حیرت سے کہا۔

سردار میرے تو دونوں ہاتھ خالی ہیں یہ دیکھ لو۔

اس دفعہ ماریا نے وہی لکڑی پہلے ڈاکو کے سر پر دے ماری وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا دوسرے ڈاکو نے کہا۔

سردار اس جنگل میں بھوت پریت بستے ہیں خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چلو۔

سردار نے کڑک آواز میں کہا۔

بکواس بند کرو۔ میں کسی بھوت پریت کو نہیں مانتا مجھ سے بڑھ کر کوئی بھوت نہیں ہے۔

وہ ابھی بات ہی کر رہا تھا کہ ماریا نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر سردار کے سر پر دے مارا سردار چکر کھا گیا اور اس کے ماتھے سے خون بہنے لگا ایک ڈاکو نے کانپتے ہوئے کہا۔

سردار بھوتوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے بھاگ چلو۔

سردار نے گرج کر کہا۔

خاموش! یہ بھوت نہیں ہیں ضرور کوئی چھپ کر ہم پر حملہ کر رہا ہے۔ میں ایک ایک کو ابھی مزا چکھاتا ہوں۔

سردار نے تلوار کھینچ لی اور جھاڑیوں پر حملہ کر دیا ماریا نے سوچا کہ اگر چہ وہ غائب ہے مگر اس کا جسم فضا میں موجود ہے وہ نہ ہو کہ سردار کی تلوار لگ جائے اور وہ دو ٹکڑے ہو جائے وہ ایک درخت کے پیچھے ہو گئی

اس نے دیکھا کہ اس کا گھوڑا ایک طرف کھڑا تھا وہ لپک کر اس طرف آ گئی اور گھوڑے پر سوار ہو گئی گھوڑا اس کے سوار ہوتے ہی غائب ہو گیا ڈاکوؤں نے گھوڑے کو غائب ہوتے دیکھا تو وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

سردار! گھوڑا غائب ہو گیا۔

اب تو سردار کی سٹی بھی گم ہونے لگی کیونکہ گھوڑا واقعی غائب ہو چکا تھا حالانکہ ایک لمحے پہلے وہ وہاں موجود تھا لیکن وہ ایک بہادر شخص تھا اور وہم پرست نہیں تھا وہ جن بھوت کا بھی مقابلہ کر سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے نعرہ لگا کر کہا۔

او بھوت کے بچے تو جہاں کہیں بھی ہے سامنے آ کر مجھ سے مقابلہ کر چھپ چھپ کر حملہ کرنا مردوں کا نہیں عورتوں کا کام ہے۔

اب سردار کو کیا معلوم کہ یہ ایک عورت ہی تھی جو چھپ چھپ کر اس پر حملہ کر رہی تھی ماریا نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ایک ڈاکو کے کندھے پر سے نیزہ کھینچ لیا اور پوری طاقت سے سردار کی ٹانگوں پر مارا نیزہ سردار کی ران میں گھس گیا وہ زخمی ہو کر نیچے گر پڑا ماریا نے دوسرا نیزہ لے کر پہلے ڈاکو کی ران کو بھی شدید زخمی کر دیا تیسرا ڈاکو بھاگنے لگا تو ماریا نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کا ایک پیر کاٹ دیا وہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔

ماریا چاہتی تھی کہ وہ ڈاکوؤں کو کچھ اس طرح زخمی کر دے کہ وہ آگے سے کسی بے گناہ شہری کے گھر ڈاکہ مارنے کے قابل نہ رہیں ایک ڈاکو کا ٹخنہ کٹ گیا تھا ماریا نے تلوار چلا کر باقی دو ڈاکوؤں کے بھی ٹخنے توڑ دیے۔ وہاں ایک شور مچ گیا تینوں ڈاکو زخمی ہو کر زمین پر پڑے آہ و بکار کرنے لگے ان کے کٹے ہوئے ٹخنوں سے خون بہہ رہا تھا ماریا نے بلند آواز میں کہا۔

اے ظالم انسانوں! تم لوگوں کو لوٹتے رہے ہو لوگوں کو بے گناہ قتل کرکے ان کے گھروں کو آگ لگاتے رہے ہو تمہیں اپنے گناہوں کی سزا مل گئی ہے اب تم کسی کا گھر نہ لوٹ سکو گے کسی کو قتل نہ کرسکو گے میں نے معصوم انسانوں کو تمہارے ظلم وستم سے بچالیا ہے۔

ڈاکو ہکا بکا ہو کر رہ گئے وہ ماریا کی آواز سن رہے تھے مگر وہ انہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ سمجھ گئے کہ کوئی چڑیل وہاں آگئی ہے سردار نے کہا۔

کیا تم کوئی چڑیل ہو اگر تم چڑیل ہو تو انسانوں سے ہمدردی کیوں کرتی ہو چڑیل تو انسانوں کو کھا جاتی ہے۔؟

ماریا نے کہا۔

میں چڑیل نہیں ہوں ایک نیک دل روح ہوں میں غریب لوگوں کی دوست ہوں اور ظلم کرنے والوں کی دشمن ہوں میں تمہیں گردن مروڑ کر مار سکتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ اگر انسان توبہ کرلے تو وہ پھر سے نیک بن سکتا ہے اس لئے اب تم توبہ کرلو کہ آئندہ سے برائی نہیں کرو گے اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پاؤں ٹھیک ہو جانے کے بعد پھر سے لوگوں کے گھر لوٹ کر ان کو قتل کرنا شروع کر دیا تو میں ایک روز آکر تمہاری گردنیں مروڑ دوں گی۔

ڈاکوؤں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

اے نیک دل روح ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سے نیک زندگی بسر کریں گے اور کبھی کسی آدمی کا گھر نہیں لوٹیں گے کبھی کسی بے گناہ شریف شہری کو قتل نہیں کریں گے آئندہ سے ہم محنت مزدوری کرکے اچھے آدمیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔

ماریا بولی۔

شاباش! میں تم کو معاف کرتی ہوں خدا بھی تم کو معاف کردے گا

کیونکہ تم نے توبہ کرلی ہے اور مجھے امید ہے کہ تم اپنی توبہ پر قائم رہو گے اب تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔

بہت اچھا اے نیک روح۔

ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کو سہارا دے کر گھوڑوں پر سوار کرایا اور وہاں سے رفو چکر ہوگئے ماریا جنگل میں اکیلی رہ گئی وہ دل ہی دل میں بہت مسکرائی پھر وہ اسی جگہ جھاڑیوں میں آگئی گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھا اور خود گھاس پر لیٹ کر سوگئی ساری رات وہ بے سدھ ہو کر سوئی رہی اس کا گھوڑا پاس ہی درخت کے ساتھ بندھا رہا۔

ماریا کی آنکھ کھلی تو دھوپ نکل آئی تھی اس نے اٹھ کر چشمے پر غسل کیا درختوں سے پھل توڑ کر کھائے ٹھنڈا پانی پیا گھوڑے کو بھی گھاس کھلا کر پانی پلایا دونوں تازہ دم ہوگئے ماریا گھوڑے پر سوار ہوئی گھوڑا غائب ہوگیا اور وہ اپنے نامعلوم سفر پر روانہ ہوگئی وہ سفر کرتی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی صرف گھوڑے کے ٹاپوں کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی اور جہاں جہاں سے گھوڑا گزرتا تھا وہاں وہاں سے گھاس ایک طرف کو دب جاتی تھی جہاں جہاں سے وہ گزرتی پرندے اس کی آواز سن کر درختوں پر سے اڑ جاتے۔

دوپہر تک وہ چلتی رہی وہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی وہ چاہتی تھی کہ اتر کر دم بھر کر آرام کرلے کہ اچانک اسے کسی لڑکے کی دردناک آواز سنائی دی۔

دیوتاؤں کے لئے مجھے نہ مارو.........مجھے نہ مارو۔

لڑکے کی التجا میں بڑا درد تھا وہ رو رو کر کسی سے فریاد کر رہا تھا ماریا کا دل درد سے بھر آیا اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جدھر سے آواز آرہی تھی وہاں آگئی اس نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دیکھا کہ ایک تیرہ چودہ برس کا بڑا ہی خوبصورت سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والا لڑکا رسیوں

سے درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور ایک حبشی غلام جو کہ پورا جن معلوم ہو رہا تھا خنجر ہاتھ میں لیے اس کی نوک لڑکے کی آنکھوں کی طرف کیے کھڑا تھا لڑکا رو رہا تھا اور حبشی جن ہنس رہا تھا۔

میری آنکھیں نہ نکالو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ پر رحم کرو۔

لڑکا بار بار روتے ہوئے حبشی سے التجا کر رہا تھا حبشی جن قہقہہ لگا کر بولا۔

تمہاری سوتیلی ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری آنکھیں نکال کر تمہیں قتل کر دوں اور پھر تمہیں زمین میں دفن کر دوں یہ دیکھو میں نے تمہارے لئے قبر بھی تیار کر لی ہے میں تمہاری آنکھیں نکال کر تمہاری سوتیلی ماں کو پیش کروں گا اور انعام پاؤں گا اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لڑکے نے گڑگڑا کر کہا۔

مجھ پر رحم کرو اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میری اپنی ماں غم سے مر جائے گی میری سوتیلی ماں سے کہو کہ وہ میری ساری جائیداد لے لے مگر مجھے نہ مارے۔

حبشی غلام نے گرج کر کہا۔

خاموش رہو اس قسم کی باتیں کر کے تم میرے دل کو موم نہیں کر سکتے میں پہلے تمہاری آنکھیں نکالوں گا پھر تمہیں قتل کر کے اس زمین میں دفن کر دوں گا اور پھر تمہاری آنکھیں تمہاری سوتیلی ماں کو پیش کر کے ایک ہزار سونے کی اشرفیاں حاصل کروں گا۔

حبشی خنجر تانے لڑکے کی آنکھوں کا نشانہ باندھ کر آگے بڑھنے لگا ماریا فوراً سمجھ گئی کہ کوئی سنگدل عورت جائیداد کی وجہ سے اس سوتیلے بیٹے کو قتل کروا رہی ہے ماریا کو وہ وقت یاد آ گیا جب ایک حبشی اس کی آنکھیں نکالنے کے لئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ بے بسی سے

اس کو دیکھ رہی تھی۔

وہ لڑکے کو بچانے کے لیے آگے بڑھی گھوڑے کو وہ حبشی غلام کے عقب میں لے آئی حبشی نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی تو پلٹ کر دیکھا۔

وہاں کوئی گھوڑا نہیں تھا وہ اسے اپنا وہم سمجھا اور خنجر لے کر لڑکے کی طرف آیا ماریا نے تلوار کھینچ لی اور گھوڑا دوڑاتی ہوئی حبشی کے پاس آئی اور تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے اس نے حبشی کا وہ ہاتھ کاٹ کر رکھ دیا جس میں اس نے خنجر پکڑ رکھا تھا حبشی چیخ مار کر زمین پر بیٹھ گیا ماریا دو بارا گھوڑا دوڑاتی ہوئی حبشی کی طرف آئی اور تلوار کے دوسرے وار سے اس نے حبشی کا سرتن سے جدا کر دیا لڑکا درخت کے ساتھ بندھا حیرانی سے حبشی کا سر کٹا اور اسے تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھتا رہا اسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

زہر کا پیالہ

ظالم حبشی مر گیا تو ماریا گھوڑے سے اتر کر لڑکے کے پاس آئی۔

لڑکے نے دیکھا کہ ایک خالی گھوڑا اس کے قریب آ کر رک گیا ہے وہ سہم گیا کہ یہ ماجرا کیا ہے ماریا نے کہا۔

میرے بیٹے میں تجھے نظر نہیں آ رہی میں تجھے نظر آ بھی نہیں سکتی، اس لیے کہ میں غائب ہوں مجھ سے ڈرو نہیں میں بھی تیری طرح ایک انسان ہوں اور عورت ہوں میں کوئی جن بھوت یا چڑیل نہیں ہوں کسی کے جادو کے زور سے غائب ہو گئی ہوں میں جنگل میں سے گزر رہی تھی کہ میں نے تیری فریاد سنی اور تیری مدد کے لیے پہنچ گئی۔

لڑکا ڈر گیا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا ماریا نے ایک بار پھر اسے تسلی دی۔

بیٹے! مجھ سے ڈرو نہیں اگر میں نے تمہیں نقصان پہنچانا ہوتا تو تمہیں اس ظالم حبشی سے نہ بچاتی مجھ پر اعتبار کرو میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ تم دکھائی دیتے ہو میں دکھائی نہیں دیتی اس کی وجہ وہ جادو ہے جو مجھ پر کر دیا گیا ہے۔

ان باتوں سے لڑکے کو کچھ حوصلہ ہوا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر لڑکے کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں لڑکا ماریا کے ہاتھوں کو اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا مگر وہ انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا ماریا نے اسے کھول کر آزاد کر دیا اور کہا۔

اب بتاؤ۔ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے۔؟

لڑکے نے سہمی ہوئی آواز میں بتایا کہ اس کا نام زمرد ہے اسکا باپ کروڑ پتی ہے اس نے دوسری شادی کر لی اس کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا اب میری سوتیلی ماں چاہتی ہے کہ میرے باپ کی ساری جائیداد، زمینیں، باغ اور محل اسکے لڑکے کو ملیں چنانچہ اس نے مجھے قتل کرانے کی سازش کی۔

اگر آپ میری مدد کو نہ آتیں تو حبشی غلام نے مجھے مار ڈالا ہوتا اور میری آنکھیں نکال کر میری سوتیلی ماں کو جا کر دے دیتا۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا تمہاری اپنی ماں کو کچھ خبر نہیں تھی۔؟

زمرد نے کہا۔

وہ بے چاری تو بیمار پڑی ہے میرا باپ اس کو بالکل نہیں پوچھتا سوتیلی ماں نے اس کے خلاف بھی میرے باپ کے کان بھر دیے ہیں۔

ماریا بولی۔

کوئی بات نہیں تم میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تمہاری ماں کے حوالے کرتی ہوں اور تمہاری سوتیلی ماں کی بھی خبر لیتی ہوں شرط صرف یہ

ہے کہ تم ہرگز ہرگز میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا۔

بہت اچھا۔

ماریا نے لڑکے زمرد کو گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے گھر کی طرف چل دی جنگل میں کچھ دیر چلنے کے بعد سامنے ایک شہر نظر آیا یہ وہی بستی اور وہی شہر تھا جس کے رہنے والوں کو عنبر اور ناگ نے اپنی جان خطرے میں پا کر کالی بلا سے بچایا تھا اور جہاں اب بتوں کی نہیں بلکہ خدائے واحد کی عبادت ہوتی تھی ماریا شہر میں داخل ہوئی تو لوگوں نے یہی دیکھا کہ ایک لڑکا گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے ماریا کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی کیونکہ وہ تو غائب تھی زمرد شہر کی مختلف گلیوں اور بازاروں میں سے ہوتا ہوا ماریا کو اپنے باپ کی حویلی کے پچھواڑے لے آیا یہاں ایک شکستہ سا دروازہ تھا جس کے اندر ڈیوڑھی میں زمرد کی اصلی ماں اور اس حویلی کی اصلی مالکن رہتی تھی۔

زمرد نے کہا۔

اس جگہ میری ماں رہتی ہے۔

ماریا نے سب سے پہلے زمرد کو گھوڑے پر سے اتارا ماریا گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی تھی اس لئے کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران ہو کہ دیکھیں کہ ایک لڑکا ہوا میں بیٹھا چلا آ رہا ہے کیونکہ ماریا کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑے نے غائب ہو جانا تھا ماریا نے گھوڑے کو مکان کے باہر باندھا اور زمرد کو لے کر اس کی ماں کے پاس آ گئی اس کی ماں بیمار تھی اور چارپائی پر لیٹی تھی اس بے چاری کو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے جگر کے ٹکڑے کو قتل کیا جا رہا تھا زمرد نے جب ماں کو ساری بات سنائی تو اس نے روتے ہوئے بچے کو گلے سے لگا لیا۔

میرے بچے! میں تیرے باپ سے کہوں گی کہ تیری ساری جائیداد

اسی سوتیلی ماں کے بچے کو دے دے ہمیں جائیداد کی کوئی ضرورت نہیں خدا کا شکر ہے کہ تمہاری جان بچ گئی۔

جب زمرد نے بتایا کہ ایک غیبی عورت ماریا نے اس کی جان بچائی ہے تو اسے یقین نہ آیا ماریا وہاں پاس ہی کھڑی تھی اب وقت تھا کہ وہ بولے چنانچہ اس نے کہا۔

زمرد کی نیک دل ماں اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے ہی خدا کے فضل سے تمہارے بچے کی جان اس ظالم حبشی سے بچائی ہے تمہارے بیٹے کی خوش قسمتی ہے کہ میں وقت پر وہاں پہنچ گئی میں بھی تمہاری طرح ایک عام عورت ہوں کوئی جن بھوت نہیں ہوں صرف جادو کے زور سے غائب ہو گئی ہوں جس وقت جادو کا زور ٹوٹ جائے گا تو اپنے آپ اصلی شکل میں آ جاؤں گی میری بات کا یقین کرو۔

زمرد کی ماں بڑی حیران ہوئی کہ عورت نظر نہیں آ رہی لیکن اس کی آواز آ رہی ہے اس نے تہہ دل سے ماریا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کے جگر کے ٹکڑے کی جان بچائی ماریا نے کہا۔

اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں زمرد کی سوتیلی ماں کا علاج میں خود کر لوں گی اس لئے کہ وہی اس فتنے کی جڑ ہے۔

زمرد کی ماں نے کہا۔

بیٹی ماریا! تم خواہ مخواہ کیوں مصیبت مول لے رہی ہو، میری قسمت میں ہی اگر یہ ٹھوکریں لکھی ہیں تو مجھے منظور ہیں میں خدا سے گلہ نہیں کرتی۔

ماریا نے کہا۔

ہرگز نہیں بہن! تمہاری قسمت میں ٹھوکریں نہیں لکھیں اس ظالم عورت نے تجھ کو اس حالت میں پہنچایا ہے وہ دوبارہ بھی تمہارے بچے کو ہلاک کرنے کی کوشش کر سکتی ہے اس لئے برائی کو جڑ سے اکھیڑنا بہت

ضروری ہو گیا ہے۔

ماریا نے زمرد سے اس کی سوتیلی ماں کا حلیہ پوچھا اسے بتایا گیا کہ اس کی سوتیلی ماں کے بال لمبے ہیں آنکھیں بلی کی طرح کی ہیں اور ماتھے پر ہر وقت تیوری چڑھی رہتی ہے اور تیز تیز غصے میں باتیں کرتی ہے

ماریا نے کہا۔

میں ابھی جا کر ذرا اس سے ملاقات کرتی ہوں۔

ماریا مکان کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر بیچ والے صحن میں آ گئی یہ حویلی بہت عالی شان تھی صحن کے بیچ میں امیر لوگوں کے گھروں کی طرح عوض تھا جس میں سرخ مچھلیاں تیر رہی تھیں چاروں طرف اوپر تک حویلی کی منزلیں اٹھتی چلی گئیں تھیں ماریا ایک غلام گردش میں آ گئی ہر طرف مکان میں چہل پہل تھی نوکرانیاں اور غلام اپنے اپنے کام میں لگے تھے کوئی چاول چھاٹ رہا تھا تو کوئی کنیز پھولوں کے گجرے تیار کر رہی تھی ماریا ایک بہت حسین اور سجے سجائے ہال کمرے میں آ گئی اس کو تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔

اس ہال کمرے کے درمیان میں ایک بڑا شاندار ریشمی گدیلوں اور تکیوں والا پلنگ بچھا تھا جس پر ایک عورت گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی سرخ انگور کھا رہی تھی اس کے پاس ایک کنیز سر جھکائے کھڑی اسے مور کے پروں سے بنا ہوا پنکھا جھل رہی تھی ماریا اس عورت کے قریب آ گئی اس نے زمرد کی سوتیلی ماں کو صاف پہچان لیا لمبے بال، بلی ایسی مکار آنکھیں اور ماتھے پر چڑھی ہوئی تیوری اس عورت نے فکر مند ہو کر کنیز سے کہا۔

حبشی غلام ابھی تک نہیں آیا اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔

پھر وہ غور سے ایک طرف تکنے لگی جیسے کچھ سوچ رہی ہو ماریا پلنگ کے ایک طرف خاموش کھڑی رہی ایک بوڑھا غلام اندر آیا اس نے جھک

کر زمرد کی سوتیلی ماں کو سلام کیا اور پاس آ کر بولا۔

حضور غضب ہو گیا جنگل میں حبشی غلام کی لاش پڑی ہے اور زمرد اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے۔

سوتیلی ماں کو جیسے بھڑ نے کاٹ کھایا ہو وہ تڑپ کر پلنگ سے نیچے اتر آئی کیا بک رہے ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟

بوڑھے غلام نے کہا۔

حضور! میں اپنی آنکھوں سے غلام کی لاش دیکھ کر آیا ہوں اور میں نے ابھی ابھی زمرد کو اپنی ماں کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

سوتیلی ماں کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے غصے سے پاؤں فرش پر مار کر کہا۔

مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کیسے ہو گیا؟ اس چھوٹے سے لڑکے نے حبشی غلام کو کیسے قتل کر دیا؟ ضرور اس میں کسی کا ہاتھ ہے۔

وہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی پھر رک گئی اور ہاتھ کے اشارے سے بوڑھے غلام کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا بوڑھا غلام چلا گیا تو سوتیلی ماں نے کنیز سے کہا۔

شگوفہ!

کنیز نے ادب سے کہا۔

جی حضور!

فوراً مرینا کو حاضر کرو۔

بہتر حضور!

کنیز مرینا کو لینے چلی گئی معلوم ہوتا تھا کہ مرینا کوئی بڑی چالاک عورت ہے جو سوتیلی ماں کی راز دار ہے سوتیلی ماں پلنگ پر بیٹھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی ماریا ذرا پرے ہٹ کر ایک سنگ مرمر کی کرسی پر چپ چاپ بیٹھ گئی کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے اور سوتیلی ماں

اس پھپھے کٹنی سے کیا باتیں کرتی ہے۔

ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور مرینا اندر داخل ہوئی اس نے جھک کر سلام کیا اور سوتیلی ماں کے پلنگ کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

سرکار نے ناچیز کو یاد فرمایا؟

ہاں مرینا! مجھے تم سے ایک بہت اہم کام لینا ہے تم جانتی ہو کہ میں نہیں چاہتی کہ میرے خاوند کی کروڑوں کی جائیداد میں سے اس کی پہلی بیوی کے لڑکے زمرد کو ایک پائی بھی ملے۔

مرینا خوشامد کرتے ہوئے بولی۔

حضور یہ تو صرف آپ کے بیٹے کا ہی حق ہے وہ تو شہزادہ ہے شہزادہ بھلا زمرد کو کیا حق ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کا مقابلہ کرے۔

سوتیلی ماں نے کہا۔

پس میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں زمرد کو اپنے راستے سے ہٹا دوں اس کے لئے مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت ہے اگر تم نے میرا یہ کام ٹھیک سے کر دیا تو میں تمہیں دولت سے مالا مال کر دوں گی۔

پھپھے کٹنی بولی۔

حضور آپ حکم کریں میں تو آپ کی غلام ہوں۔

سوتیلی ماں کہنے لگی۔

میرے پاس ایک ایسا مہلک زہر ہے جو پھیکا ہے اس کا کوئی ذائقہ نہیں زمرد ہر روز رات کو دودھ پی کر سوتا ہے میں چاہتی ہوں کہ یہ زہر اس کے دودھ والے گلاس میں جا کر ڈال دو تاکہ رات کو وہ سونے سے پہلے یہ دودھ پیے اور مر جائے۔

مرینا نے کہا۔

حضور! آپ سلامت رہیں بھلا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے میں ابھی آج

ہی اس نابکار کا کام تمام کر دوں گی آج شام ہی اس کے دودھ میں زہر ملا دوں گی اس کے ہاں دودھ میرے گھر سے ہی جاتا ہے۔

اب تم جا کر اپنا کام کرو۔

مرینا سلام کر کے چلی گئی ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ جائیداد کی ہوس نے اس عورت کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ وہ ایک معصوم بچے کی زندگی سے کھیل رہی ہے پہلے خدا نے اسے حبشی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچالیا اور اب یہ ظالم عورت اسے زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتی ہے

ماریا نے سوچا کہ اس عورت کو اس کے گناہ کا ضرور مزہ چکھانا چاہیے اور قدرت کا یہ اصول ثابت کر دینا چاہیے کہ جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے اس کے لیے کنواں تیار رہتا ہے۔

ماریا نے اس سوتیلی ماں کو اپنی کوئی نشانی دکھانی چاہی۔

وہ اس کے پلنگ کے پاس کھڑی تھی اس نے سوتیلی ماں کے قریب تخت پر رکھی ہوئی رکابی اٹھا کر زمین پر دے ماری مکار عورت بڑی حیران ہوئی کہ یہ پلیٹ اپنے آپ زمین پر کیسے گر کر ٹوٹ گئی ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ماریا نے اس کے سر پر زور سے ایک مکا مار دیا سوتیلی ماں چیخ مار کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔ بھوت، بھوت آ گیا، بھوت آ گیا۔

ماریا نے سوچا کہ ابھی بھوت کہاں آیا ہے بھوت تو آئے گا ماریا جلدی سے نیچے ڈیوڑھی میں زمرد کی ماں کے پاس آ گئی اس نے اسے جب سب کچھ بتا دیا کہ آج اسکے بیٹے کے لئے گوالن کے گھر سے جو دودھ آئے گا اس میں زہر ملا ہوا ہوگا زمرد کی ماں ہوشیار ہو گئی ماریا بھی اسی جگہ موجود تھی۔

رات کو گوالن گلاس میں دودھ لے کر آئی۔ ماریا نے کہا۔

یہ دودھ کا گلاس مجھے دے دو۔

ماریا دودھ کا گلاس لے کر اوپر سوتیلی ماں کے کمرے میں آ گئی وہ پلنگ پر لیٹی سونے کی تیاریاں کر رہی تھی اس کے سرہانے بھی دودھ سے بھرا ہوا چاندی کا ایک گلاس طشتری سے ڈھکا ہوا رکھا تھا ماریا نے سوتیلی ماں کی نظر بچا کر اس گلاس میں سے دودھ نکال کر وہ زہریلا دودھ ڈال دیا جو سوتیلی ماں نے زمرد کے لئے بھجوایا تھا خود پرے ہو کر تماشہ دیکھنے لگی۔

کنیز کمرے میں داخل ہوئی سوتیلی ماں نے کہا۔

میرے سر کی آہستہ آہستہ مالش کرو، اور پھر میرے پاؤں میں خرطوم کی مہندی لگا دینا میرے پاؤں گرم ہو جاتے ہیں۔

کنیز نے سر جھکایا اور پلنگ کے پیچھے سے آ کر سوتیلی ماں کے بالوں میں تیل کی مالش کرنے لگی تھوڑی دیر بعد ہی اسے نیند آنی شروع ہو گئی اس نے غنودگی میں کہا۔

مجھے دودھ پلا دو۔

کنیز نے بڑے ادب سے چاندی کی طشتری ہٹا کر دودھ سے بھرا ہوا گلاس سوتیلی ماں کے ہاتھوں میں تھما دیا اس نے بغیر کچھ کہے سنے گلاس منہ سے لگایا اور غٹا غٹ پی گئی دودھ ختم کر کے اس نے گلاس تخت پر ابھی رکھا ہی تھا کہ ایک دم اس کے سارے بدن کو ایک جھٹکا لگا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کنیز کو دیکھ کر پوچھا۔

یہ میں نے کیا پی لیا ہے۔؟

حضور............دودھ تھا۔؟

نہیں............نہیں............یہ کچھ اور تھا۔؟

سرکار دودھ ہی تھا۔

یہ............یہ زہر تھا............میں نے زہر پی لیا ہے بچاؤ۔ بچاؤ۔

سوتیلی ماں کی چیخ کی آواز سن کر سارے غلام اور کنیزیں وہاں جمع ہو

گئیں سوتیلی ماں پلنگ پر اس مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی جو پانی سے باہر نکال کر ریت پر پھینک دی جائے.........اور پھر اس کے سارے جسم نے پھٹنا شروع کر دیا دوسرے لمحے وہ مر چکی تھی۔

خوفناک آواز

زمرد ایک بہت بڑے دشمن سے بچ گیا۔

جس عورت نے اس معصوم بچے کے راستے میں گڑھا کھودنے کی دو بار کوشش کی تھی وہ اپنے ہی کنوئیں میں گر گئی۔ ماریا نے زمرد کی ماں سے کہا کہ اس کا خاوند اور زمرد کا باپ اب اس کے پاس ضرور آئے گا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے گا اور یہی ہوا۔ ان کے گھر میں خوشی اور مسرت کے شادیانے بجنے لگے ماریا نے ان سے اجازت لی اور وہاں سے چل دی۔

دوسروں کے دکھوں کا علاج کر کے اسے ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ اپنے دکھ بھول گئی تھی اب جو وہاں سے اکیلی ہو کر چلی تو اسے پھر اپنا

دکھ یاد آ گیا۔

اور یہ دکھ تھا عنبر اور ناگ سے جدا ہونے کا اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ شاید اب وہ زندگی بھر اپنے بھائیوں سے نہیں مل سکے گی وہ گھوڑے پر سوار شہر کے بازاروں میں سے ہو کر نکل گئی کسی نے اس کو نہ دیکھا کیوں کہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی دن ابھی ابھی نکلا تھا شہر میں بڑی گہما گہمی شروع ہو رہی تھی دکانوں پر لوگ ناشتے کر رہے تھے ماریا کو بھی بھوک محسوس ہونے لگی کیونکہ وہ زمرد کے گھر سے ناشتہ کر کے نہیں نکلی تھی اس نے چوک میں رک کر دیکھا کہ ایک دکان پر انجیریں فروخت ہو رہی تھیں۔

ایک موٹی گول گردن والا یہودی انجیریں بیچ رہا تھا وہ انجیروں کو چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں ڈال کر ایک طرف رکھے جا رہا تھا ماریا نے سوچا کہ آج انجیروں کا ہی ناشتہ کیا جائے۔

وہ موٹے یہودی کی دکان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی ایک غریب عورت نے اپنے چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں ایک پیسہ دے کر یہودی سے کہا۔

بھائی! میرے بچے کو ایک پیسے کی انجیر دے دو۔

یہودی نے نفرت کے ساتھ بوڑھی عورت کو دیکھا اور اس کے بچے کے ہاتھ سے پیسہ چھین کر بازار میں پھینک دیا۔

کمینی عورت یہ دکان تیرے باپ کی نہیں ہے بھاگ جا یہاں سے بڑی آئی ایک پیسے کی انجیریں لینے والی انجیریں لینی ہیں تو سونے کی اشرفی لا کر دو۔

بوڑھی عورت نے التجا کی۔

بھائی میرا بچہ رات بھر سے بھوکا ہے کچھ اس معصوم کا ہی خیال کرو مگر سنگدل یہودی نے اسے گالی دے کر کہا۔

بھاگتی ہے یہاں سے یا ایک پتھر تمہارے سر پہ ماروں؟ دفع ہو جا میری آنکھوں کے سامنے سے۔

غریب عورت اپنے بھوکے بچے کو لے کر سر جھکائے روتی ہوئی آگے چلی گئی ماریا کو یہودی پر بے حد غصہ آیا اس نے ایک غریب بوڑھی عورت کی سخت بے عزتی کی تھی ماریا دکان کے قریب آ گئی اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر انجیر کی ایک بڑی سی ٹوکری اٹھا کر گھوڑے پر رکھ دی یہودی نے دیکھا کہ ایک ٹوکری اس کے سامنے غائب ہو گئی ہے اس کے بعد ماریا نے دوسری ٹوکری بھی غائب کر دی اب تو یہادی دہشت زدہ ہو گیا اب ماریا نے کیا کیا کہ یہودی کی دکان میں سجی ہوئی انجیروں کی ٹوکریاں ایک ایک کر کے نالے میں الٹنا شروع کر دیں

یہودی نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

مجھے بچاؤ میں لٹ گیا مجھے بچاؤ میں لٹ گیا۔ بھوت نے میری دکان پر حملہ کر دیا۔

لوگ وہاں جمع ہو گئے اس وقت تک ظالم یہودی کے سارے پھل نالے کے پانی میں گر چکے تھے ماریا دونوں ٹوکریاں تھام کر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھی اس نے آخر ایک جگہ پردنے مکان کی دیوار کے ساتھ بیٹھی غریب عورت اور اس کے بھوکے بچے کو دیکھ لیا وہ ان کے قریب آئی اور دونوں ٹوکروں کی انجیریں اس عورت کی خالی جھولی میں الٹ دیں اور کہا۔

اے نیک ماں ان انجیروں سے اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ بھر یہ خدا نے تمہارے لیے بھیجی ہیں۔

غریب عورت نے اپنی جھولی انجیروں سے بھری ہوئی دیکھی تو پھٹی پھٹی آنکھیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی مگر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس کے بھوکے بچے نے فوراً انجیریں کھانی شروع کر دیں ماریا نے کہا۔

نیک دل ماں مجھے دیکھنے کی کوشش نہ کرو، انجیریں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤ اور رب کا شکر ادا کرو جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں۔

بوڑھی عورت نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

اے میرے رب تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے مجھے اور میرے بھوکے بچے کو کھانے کو کچھ دیا۔

ماریا اس ماں بیٹے کو مزے سے انجیریں کھاتا چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئی وہ قریب قریب شہر سے باہر نکل آئی تھی شہر کے پکے مکانوں کا سلسلہ اب ختم ہو گیا تھا اور فصیل کی گری پڑی ٹوٹی پھوٹی دیوار شروع ہو چکی تھی ماریا دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی شہر سے باہر آ گئی ایک کچی سڑک شہر سے باہر میدانوں اور پہاڑیوں جنگلوں کی طرف نکل گئی تھی ماریا نے سوچا کہ اگر وہ اس سڑک پر چلتی گئی تو اسے جنگل میں رات آ جائے گی۔

ٹھیک ہے میں رات جنگل میں ہی بسر کروں گی شہروں سے جنگل ہزار درجے بہتر ہوتے ہیں کم از کم وہاں انسان انسان پر ظلم تو نہیں کرتا۔

وہ جنگل کو جانے والی کچی سڑک پر تھوڑی سی دور ہی گئی تھی کہ اسے اپنے پیچھے گھوڑوں کی تیز تیز ٹاپوں کی آواز سنائی دی وہ راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گئی دوسرے ہی لمحے دو گھوڑ سوار بڑی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے اس کے قریب سے گزر گئے ایک گھوڑ سوار نے ایک لڑکی کو زبردستی آگے ڈال رکھا تھا جو شور مچا رہی تھی۔

بچاؤ۔ بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ بردہ فروش ہیں اور کسی شریف لڑکی کو اس غرض سے اغوا کر کے لیے جا رہے ہیں کہ وہ اسے دوسرے شہر میں لے جا کر بیچ دیں گے ماریا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور باگیں ڈھیلی چھوڑی عربی نسل کا گھوڑا دیکھتے ہی دیکھتے ہوا میں ہو گیا ہو تھوڑے فاصلے پر رہ کر

ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے لگی ڈاکو جنگل میں داخل ہو گئے ماریا بھی ان کے ساتھ ہی جنگل میں داخل ہو گئی بردہ فروش ڈاکوؤں نے ایک جگہ جھاڑیوں کی اوٹ میں پہنچ کر لڑکی کو گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور اسے زور زور سے طمانچے مارنے شروع کر دیے۔

کمینی شور مچاتی ہے خبردار جواب آواز نکالی نہیں تو تمہارا گلا اسی جگہ کاٹ کر رکھ دیں گے۔

لڑکی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

خدا کے لئے مجھے میرے گھر پہنچا دو میرا باپ مر جائے گا مجھ پر رحم کرو۔

میرے بوڑھے باپ پر رحم کرو۔

دوسرے بردہ فروش نے زور سے لڑکی کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا۔

خاموش ذلیل لڑکی اب اپنے باپ کو بھول جا اب ساری زندگی تو اپنے باپ کی شکل نہ دیکھ سکے گی اب تمہیں وہی کرنا ہو گا جو ہم کہیں گے۔

لڑکی نے کہا۔

میں مر جاؤں گی مگر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔

بردہ فروش نے پہلے تو لڑکی کو خوب مارا پیٹا پھر اسے درخت کے ساتھ باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

یہ کم بخت تو وبال جان بن رہی ہے۔

فکر نہ کرو، اگر یہ سیدھی طرح سے نہ مانی تو اسے اسی جگہ قتل کر کے ندی میں پھینک دیں گے۔

لیکن ہم اسے منڈی میں فروخت کریں گے لڑکی کا رنگ گورا ہے کم از کم دو ہزار اشرفیاں ضرور مل جائیں گی۔

ارے گھبراتے کیوں ہو؟ یہ کیا ہے اس کا باپ بھی ہمارے ساتھ چلے گا لاؤ جھولے میں سے خرگوش کے کباب کم بخت سخت بھوک لگ رہی

ہے۔

دونوں بردہ فروش خرگوش کے کباب نوش کرنے لگے ماریا ایک طرف گھوڑے پر بیٹھی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی بے کس و مجبور لڑکی کی حالت دیکھ کر ماریا کا دل بھر آیا۔ اس نے اس لڑکی کو ان ظالموں کے چنگل سے چھڑانے کا فیصلہ کر لیا بردہ فروش اسی طرح بڑے مزے سے کھانے پینے میں مصروف تھے ماریا چپکے سے گھوڑا آگے بڑھا کر اس مقام پر آ گئی جہاں لڑکی درخت کے ساتھ بندھی ہوئی تھی اس نے جھک کر لڑکی کے کان میں کہا۔

گھبراؤ نہیں میں تمہاری مدد کے لئے آ گئی ہوں میں ایک تمہاری طرح کی عورت ہوں کوئی روح یا چڑیل نہیں ہوں خبردار مجھ سے ڈر کر شور نہیں مچانا، اگر تم نے شور مچایا تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

لڑکی نے جب یہ آواز سنی تو آنکھیں گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگی مگر

بدروحوں کا مسکن

آدھی رات کو صحرا میں لاش کس کی تھی؟ کیا وہ واقعی لاش تھی اور شیر لاش کو کھا رہا تھا؟ عنبر اور ناگ کس حالات میں عظیم ہستی سے ملے؟ اور وہ عظیم ہستی کون تھی

ابھی پڑھیے ”اردو رسالہ“ پہ

وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ ڈر گئی یہ ضرور کوئی بھوت پریت ہے اس کے منہ سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔ مگر چونکہ اس کا منہ کپڑے سے بندھا ہوا تھا اس لئے ہلکی سی آواز سوائے ماریا کے اور کوئی نہ سن سکا ماریا نے جلدی سے لڑکی کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

بہن میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ گھبرانا نہیں مجھ سے ڈرنا نہیں میں کوئی بھوت پریت نہیں ہوں میں تمہاری طرح ایک عورت ہوں فرق صرف یہ ہے کہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں.......... خبردار ہرگز ہرگز مجھ سے گھبرانا یا ڈرنا نہیں میں ان لوگوں کے چنگل سے تمہیں آزاد کرا کر تمہارے گھر لے جاؤں گی۔

لڑکی نے کچھ جواب نہ دیا مگر صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کچھ حوصلہ ہو گیا ہے ماریا نے کہا۔

تم خاموش کھڑی رہو کوئی آواز مت نکالنا دیکھتی جاؤ کیا ہوتا ہے یہ ساری باتیں ماریا اس لڑکی کے ساتھ بڑی آہستہ آواز میں کر رہی تھی۔ آواز اتنی آہستہ تھی کہ سوائے اس لڑکی کے اور کوئی نہیں سن سکتا تھا پھر بھی ایک ڈاکو کو کچھ شک سا ہوا وہ اٹھ کر لڑکی کے پاس آ گیا۔

تم کسی سے باتیں کر رہی تھیں کیا؟

لڑکی نے سر ہلا دیا کہ نہیں میں کسی سے باتیں نہیں کر رہی تھی۔

تو پھر یہ آواز کیسی آ رہی تھی۔؟

دوسرے بردہ فروش نے وہیں سے کہا۔

ارے یار! تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے یہاں یہ کم بخت کس کے ساتھ باتیں کر سکتی ہے بھلا۔ واپس آؤ۔ تمہارے کباب ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔

ڈاکو واپس مڑا تو ماریا گھوڑے کو قدم قدم چلاتی پہلے والے بردہ فروش کے پاس آ گئی وہ گھوڑے سے اترنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اگر وہ

گھوڑے سے اتر جاتی تو گھوڑ ڈ ظاہر ہو جاتا اور وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی وہ غائب رہ کر ہی بردہ فروش سے لڑکی کو چھڑانا چاہتی تھی دوسرے ڈاکوں کے پاس آ کر مردانہ آواز بنا کر کہا۔

اگر تم دونوں جان کی خیر چاہتے ہو تو اس لڑکی کو اس طرح یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔

ڈاکو نے اٹھ کر ہڑ بڑا کر چاروں طرف دیکھا اور تلوار نکال لی۔

کون ہو تم، کون ہو تم؟

ماریا نے اسی مردانہ آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔

میں تم دونوں کی موت ہوں میں ایک بار پھر تم دونوں کو خبردار کرتی ہوں کہ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو اس لڑکی کو چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ تمہاری موت کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔

دونوں ڈاکو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے پہلے ڈاکو نے کہا اگر تو کوئی چڑیل ہے یا بھوت پریت ہے تو یاد رکھ میں تمہیں قتل کر دوں گا اور تمہارے ساتھ اس لڑکی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

ماریا نے سوچا کہ یہاں سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے ہی پڑیں گے وہ چپکے سے گھوڑ ڈے لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے آ گئی اور زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے ایک ڈاکو کے سر پر دے مارا ٹھیک سے پتھر ڈاکو کی کھوپڑی پر لگا اور خون جاری ہو گیا وہ سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا دوسرے ڈاکو نے ہوا میں تلوار چلانی شروع کر دی ماریا نے ایک اور پتھر اٹھا کر دوسرے ڈاکو کے سر پر دے مارا یہ پتھر اس ڈاکو کی پیشانی پر لگا اس نے اور زور سے تلوار چلانی شروع کر دی ماریا پرے ہٹ کر یہ تماشا دیکھنے لگی کہ ایک ڈاکو سر کو پکڑے زمین پر بیٹھا ہے اور دوسرا ڈاکو ہوا میں پاگلوں کی طرح تلوار چلا رہا ہے۔

درخت کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی سخت تعجب کے ساتھ یہ ڈرامہ دیکھ

رہی تھی ماریا گھوڑا دوڑاتی ہوئی آئی اور زمین پر بیٹھے ہوئے ڈاکو کے کندھے سے نیزہ چھین کر آگے نکل گئی گھوڑے کے دوڑنے کی آواز سب نے سنی مگر گھوڑا کسی کو دکھائی نہ دیا ماریا نے نیزے کو ہوا میں ہاتھوں میں لے کر تولا اور تلوار چلاتے ڈاکو کی ٹانگوں پر پھینک دیا نیزہ ڈاکو کی پنڈلی میں پرو دیا گیا وہ گر پڑا اور زخمی ہو گیا دوسرا یہ حالت دیکھ کر وہاں سے اٹھ دوڑا۔

ماریا نے اس کی گری ہوئی تلوار اٹھائی اور زخمی ڈاکو پر حملہ کر کے اس کا ایک ہاتھ کاٹ کر الگ کر دیا تاکہ آئندہ وہ اتنی آسانی سے کہیں ڈاکہ نہ ڈال سکیں ڈاکو چیخ مار کر گر پڑا ماریا نے لڑکی کی رسیاں کھول کر اسے ڈاکوؤں کے ایک گھوڑے پر بٹھایا اور واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئی لڑکی اسے شہر سے باہر ایک پرانے مکان میں لے آئی یہاں اس کا بوڑھا باپ رہتا تھا جو اس کی جدائی میں خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ماریا نے بوڑھے باپ کو اس کی بیٹی ملا دی۔ بوڑھا بے حد خوش ہوا ماریا نے اسے بھی یہی کہا کہ وہ بھوت نہیں ہے بلکہ ایک عورت ہے جو کسی وجہ سے غائب کر دی گئی ہے بوڑھے نے کہا۔

بیٹی! خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے تو نے ایک باپ کے کلیجے کو ٹھنڈا کیا

ماریا نے کہا۔

بابا یہ میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا میں نے ڈاکوؤں کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ پھر سے گناہ کر سکیں لیکن ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اس لئے اگر ہو سکے تو کچھ عرصہ کے لئے اپنی بچی کو لے کر کسی اور شہر چلے جاؤ۔

ایسا ہی کروں گا بیٹی میں یہاں سے دور اپنی بہن کے گھر چلا جاؤں گا۔

ماریا نے بابا کو سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئی یہ ایک ایسا سفر تھا کہ اسے بار بار راہ میں الجھنا پڑتا تھا اس نے

فیصلہ کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے اب وہ اپنا سفر جاری رکھے گی شام ہوتے ہی وہ جنگل میں داخل ہوگئی بابا نے اسے بتایا تھا کہ اس جنگل میں ایک آدم خور قبیلہ رہتا ہے اس سے بچ کر نکلنا ماریا نے کہا تھا کہ وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی اسلئے اسے کوئی خطرہ نہیں ہے پھر بھی بھائیوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں آدم خوروں کے قبیلے کو دیکھنے کی خواہش بھی تھی۔

ہاتھی کی چیخ

عنبر دریائے جمنا کے کنارے پہنچ گیا۔

اس کے پیچھے کاہن اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ برابر لگا ہوا تھا۔

عنبر ان دونوں سے بے خبر تھا دریا کنارے پہنچ کر اس نے گھوڑے کو کھول دیا اور تھوڑی دیر آرام کیا بارشوں کا زمانہ اگرچہ گزر گیا تھا مگر دریا چڑھاؤ پر تھا دریا کو پار کرنا بھی ضروری تھا عنبر نے خدا کا نام لیا اور گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا دریا کے بیچ میں جا کر پانی زیادہ گہرا ہو گیا تھا گھوڑا گردن تک پانی میں گم ہو چکا تھا عنبر اسے ہمت دلا کر آگے بڑھاتا جا رہا تھا آخر عنبر کو دریا کے دوسرے کنارے پر لے آیا دوسرے کنارے پر بیٹھ کر عنبر نے گھوڑے کو چارہ کھلایا اور دھوپ میں بیٹھ کر

اپنے کپڑوں کو سکھانے لگا۔

وہ ایک چٹان کے سائے میں تھا اس نے دیکھا کہ تین گھوڑ سوار دریا کے پرلے کنارے پر آ کر رک گئے ہیں یہ کاہن اور اس کے دونوں وفادار غلام تھے جو اجین شہر سے عنبر کو پیچھا کر رہے عنبر کو کوئی علم نہیں تھا وہ ان کی شکلوں سے بھی واقف نہیں تھا گھوڑ سوار کچھ دیر دریا کنارے کھڑے رہے پھر انہوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے دریا پار کر کے وہ عنبر کے قریب سے گزر رہے تھے کہ کاہن کی نظر عنبر پر پڑ گئی اسکے دل کی کلی کھل گئی جس دشمن کے تعاقب میں وہ جنگل جنگل در بدر پھر رہا تھا وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا کاہن نے بڑی مکاری سے اس کی طرف بڑھ کر کہا۔

کیا ہم آپ کے پاس تھوڑی دیر آرام کر سکتے ہیں۔؟

عنبر نے سوچا کہ بے چارے مسافر ہیں ان کی دل جوئی کرنی اس کا فرض ہے اس نے ہنس کر کہا۔

ضرور تشریف رکھیں۔

کاہن اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ وہاں بیٹھ گیا غلام گھوڑوں کو چارہ کھلانے لگے اور کاہن نے عنبر سے اپنا تعارف کرایا کہ وہ عربی گھوڑوں کا سوداگر ہے اور ہستناپور سے آسام شہر کو جا رہا ہے کاہن نے عنبر سے دریافت کیا۔

آپ کہاں جا رہے ہیں۔؟

عنبر نے کہا۔

اتفاق سے میں بھی آسام ہی کو جا رہا ہوں۔

کیا آپ بھی سوداگر ہیں۔؟

جی ہاں! میں جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتا ہوں۔

خوب خوب۔ پھر تو بہت اچھا ہوا آسام تک سفر بڑے مزے سے کٹے

گا۔

کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔

آیئے کچھ کھا پی لیجئے۔

کاہن کے غلاموں نے اس کے اشارے پر وہیں قالین کا ٹکڑا بچھا کر دوپہر کا کھانا لگا دیا انکار کے باوجود عنبر کو دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر ایک دو نوالے لینے پڑے کھانے کے بعد انہوں نے وہاں کچھ دیر آرام کیا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے عنبر آگے آگے جا رہا تھا کاہن نے اپنے غلاموں سے مل کر مشورہ کیا کہ عنبر کو کس جگہ اور کیسے قتل کیا جائے غلاموں کا خیال تھا کہ اسے اسی جگہ فوراً مار ڈالا جائے مگر کاہن کا خیال تھا کہ اگر ایسا کیا گیا تو عنبر مقابلہ کرے گا اور وہ ایک ماہر تلوار باز ہے ہو سکتا ہے وہ ہم تینوں پر غلبہ حاصل کر لے کیونکہ وہ محض پجاری ہیں انہیں تلوار چلانے کی مشق نہیں ہے ایک غلام نے پوچھا۔

پھر آپ کا کیا خیال ہے؟

کاہن نے کچھ سوچ کر کہا۔

میرا خیال ہے کہ عنبر کو رات کو سوتے میں قتل کر دیا جائے۔

جیسے آپ کی مرضی یہ فرض اگر آپ کا حکم ہو تو میں ادا کروں گا۔

ٹھیک ہے عنبر کو آج آدھی رات کو جب کہ ہم لوگ جنگل میں آرام کر رہے ہوں گے تم تلوار کے ایک ہی وار سے ہلاک کر دینا اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

جو حکم حضور! آپ نے جیسا کہا ویسا ہی ہوگا۔

کاہن نے غلام کو ایک بار پھر تاکید کی۔

مگر بڑی ہوشیاری سے کام لینا عنبر بہت بہادر تلوار باز ہے اگر اس کی آنکھ کھل گئی تو وہ پھر ہم تینوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور ہم اس کے

سامنے تلوار نہیں چلا سکیں گے۔

آپ فکر نہ کریں حضور! ایسا وار کروں گا کہ عنبر تو کیا اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔؟

بس اب تم پیچھے پیچھے آؤ میں آگے بڑھ کر عنبر سے باتیں کرتا ہوں کہیں اسے شک نہ ہو جائے کہ ہم اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔

کاہن غلاموں کو پیچھے چھوڑ کر گھوڑا دوڑاتا آگے عنبر کے پاس آ گیا۔

عنبر گھوڑے پر سوار جنگل کے دشوار گزار راستے پر چلا جا رہا تھا دل میں اس کے صرف ایک ہی خیال تھا کہ وہ ذہنی بہن ماریا کو یہاں تلاش کرے اور دوسرے یہ کہ کیا جھیل نندن سر کے پانی سے اس کا جگری دوست ناگ دوبارہ زندہ ہو جائے گا کاہن نے پیچھے سے آ کر کہا۔

آپ کا کیا خیال ہے یہ جنگل کس شہر تک پھیلا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ آپ تو اکثر ان علاقوں میں سفر کرتے رہے ہوں گے۔

عنبر نے کہا۔

یہ جنگل ہمالیہ کی ترائی تک پھیلتا چلا گیا ہے راستے میں دو ایک شہر ضرور آئیں گے اس جنگل میں خونخوار درندے بھی ضرور رہتے ہوں گے کم از کم ابھی تک تو ہمیں کوئی درندہ نہیں ملا۔

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ جنگل ابھی شروع ہوا ہے اسکے درمیان میں جب آپ پہنچیں گے تو آپ کو بہت سے خونخوار وحشی درندے ملیں گے مگر عام طور پر یہ درندے انسان کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں ہاں اگر کوئی شیر آدم خور ہو یا ہاتھی مستی میں آ جائے تو وہ انسان پر حملہ ضرور کرتا ہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس راستے سے اکثر تجارتی قافلے سفر کرتے رہتے ہیں۔

کاہن نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں رات گزارنے کے لئے ابھی سے کسی اچھی سی جگہ کو تلاش کر لینا چاہیے کیونکہ شام تو ہونے لگی ہے۔

عنبر بولا۔

یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر ایک پرانی بارہ دری ہے جس پر سیاہ پتھر کی چھت پڑی ہے ہم وہاں رات بسر کر سکتے ہیں اگر بارش ہو تو ہم محفوظ رہیں گے۔

جیسے آپ کی مرضی۔ کاہن نے کہا وہ بڑا خوش ہو گیا کہ آخر وہ رات آن ہی پہنچی جس رات کو اس نے عنبر سے اپنی تباہی کا بدلہ لینا تھا اس نے کسی بہانے ذرا پیچھے جا کر اپنے دونوں غلاموں کو خبردار کر دیا کہ وہ رات کو بارہ دری میں پڑاؤ ڈال رہے ہیں جنگل میں دو کوس چلنا شہر کے مقابلے میں بڑا مشکل ہوتا ہے چنانچہ جس وقت یہ لوگ بارہ دری میں پہنچے تو رات ہو گئی تھی یہ رات اندھیری تھی اس لئے کہ آسمان پر چاند نہیں تھا ستارے نکلے ہوئے تھے جن کی ہلکی ہلکی روشنی جنگل کے درختوں کی وجہ سے نیچے نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نے وہاں خشک لکڑیاں جمع کر کے الاؤ روشن کر دیا کاہن نے ہرن کے گوشت کے سوکھے ٹکڑے نکال کر انہیں آگ پر بھونا اور وہ مل کر کھانے لگے جنگل میں ہر طرف گہری خاموشی طاری تھی الاؤ کی روشنی میں تھوڑی دور تک درختوں کے تنے روشن ہو رہے تھے اس کے پیچھے گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اتفاق سے اس طرف ایک مست ہاتھی نکل آیا وہ کئی روز سے جنگل کے اس علاقے میں پھر رہا تھا ہاتھی نے انسانوں کی بو سونگھی تو اس جگہ پر آ گیا جہاں الاؤ روشن تھا اور عنبر وغیرہ بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

ہاتھی آگ کو دیکھ کر ڈر گیا اور ذرا پرے کھڑے ہو کر اس نے سونڈ اوپر اٹھائی اور بڑے زور سے چنگھاڑا کاہن اور اس کے ساتھی گھبرا گئے

اس لیے کہ ان کی ساری زندگی مندروں میں گزری تھی جنگل میں نہیں انہوں نے کبھی سفر نہیں کیا تھا یہ ان کا پہلا تجربہ تھا جب کہ عنبر ہزاروں بار جنگلوں میں سے اکیلا گزر چکا تھا اس کے لئے ہاتھی یا شیر کی آواز کوئی ڈرا دینے والی بات نہ تھی اس نے کاہن سے کہا۔

آپ گھبرائیں نہیں اول تو ہاتھی انسانوں کو کچھ نہیں کہتے دوسرے یہ ہے کہ جب تک یہاں آگ جل رہی ہے کوئی درندہ ہمارے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا۔

کاہن نے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ساری رات آگ جلائے رکھنا چاہیے کیوں نہیں آگ تو ساری رات جلتی رہے گی۔

عنبر نے الاؤ میں بہت سی تازہ لکڑیاں ڈال کر اس طرف دیکھا جدھر سے اسے ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی تھی اندھیرے میں اسے ہاتھی کی آنکھیں چمکتی نظر آئیں اس نے محسوس کیا کہ ہاتھی مست ہو چکا ہے اور اگر انہوں نے آگ رات بھر نہ روشن رکھی تو وہ ضرور ان پر حملہ کر دے گا اس خیال کے ساتھ ہی اس نے آگ میں اور لکڑیاں ڈال دیں وہ چاہتا تھا کہ عنبر اب سو جائے تا کہ وہ اس کا جلد سے جلد کام کر سکے اس نے جمائی لے کر کہا۔

میرا خیال ہے اب ہمیں آرام کرنا چاہیے مجھے تو نیند آ رہی ہے عنبر نے بھی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

نیند تو مجھے بھی آ رہی ہے دوستو!

کاہن اور اس کے دونوں وفادار غلام ایک طرف اور عنبر ایک طرف پڑ کر لیٹ گئے آسمان پر بادل گرجنا شروع ہو گئے کاہن نے کہا۔ اگر بارش شروع ہو گئی تو الاؤ کی آگ بجھ جائے گی کہیں ہاتھی ہم پر حملہ نہ کر دے۔

عنبر ہنس کر بولا۔

دوست! اتنا مت گھبراؤ خدا پر بھروسہ رکھو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

عنبر پر تھکاوٹ کی وجہ سے غنودگی طاری ہونے لگی تھی وہ بیٹھے بیٹھے بھی اونگھ رہا تھا چنانچہ لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا کاہن جھوٹ موٹ خراٹے بھر رہا تھا محض عنبر پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ سو رہا ہے جب اس نے دیکھا کہ عنبر گہری نیند سو گیا ہے تو اس نے آہستہ سے اپنے وفادار غلاموں کو ہلا کر جگایا۔

اٹھو دشمن سو رہا ہے اس پر وار کرنے کا موقع آ گیا ہے۔

دونوں غلام ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور چوکس ہو کر عنبر کو دور سے دیکھنے لگے الاؤ میں آگ اسی طرح روشن تھی کاہن نے غلام کے ہاتھ میں نیزہ دیا اور کہا۔

ایک ہی وار میں یہ نیزہ عنبر کی چھاتی سے پار کر دو۔

غلام نے اندھیرے میں سر جھکایا اور نیزہ ہاتھ میں لے کر دبے پاؤں عنبر کی طرف بڑھنے لگا عنبر بارہ دری کے فرش پر بڑے سکون کے ساتھ سو رہا تھا اسے یہ کبھی وہم بھی نہیں ہوا تھا کہ جو لوگ اسکے ساتھ سوداگروں کے بھیس میں سفر کر رہے ہیں اس کی جان کے دشمن ہیں وہ بے سدھ ہو کر پڑا تھا۔

غلام نے جھک کر عنبر کے سینے کو نیند میں اوپر نیچے ہوتے دیکھا اور پھر نیزہ بلند کر کے ایک ہی زوردار جھٹکے سے وہ نیزہ عنبر کے سینے میں گھونپ دیا اس کا خیال تھا کہ ایک چیخ جنگل میں بلند ہو گی عنبر کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹے گا اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا کیونکہ غلام نے نیزہ اس قدر زور سے مارا تھا کہ وہ واقعی عنبر کے سینے سے نکل کر نیچے زمین پر گر گیا تھا کاہن بھی دوسرے غلام کے ساتھ اٹھ کر عنبر کے پاس آ گیا تھا تا کہ اس کے تڑپنے کا نظارہ کر سکے مگر سب

سے پہلی شے جو وہ لوگ دیکھ کر حیران ہوئے یہ تھی کہ عنبر کے سینے سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکل رہا تھا اور عنبر تڑپ بھی نہیں رہا تھا۔ عنبر سو رہا تھا کہ اس نے اپنے سینے میں ایک سوئی سی چبھتی محسوس کی تھی اس نے سوچا شاید کوئی چیونٹی اسے سینے پر کاٹ رہی ہے اس نے ایک ہاتھ سینے پر چیونٹی کو مسلنے کے لئے رکھا تو اس کا ہاتھ ایک نیزے سے ٹکرا گیا جو اس کے سینے میں ایک بانس کی طرح گڑا تھا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اس پر نیزے سے حملہ کیا جا چکا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اس کے دشمن ہیں اور اسے مار ڈالنے کے لئے اس کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

عنبر نے آنکھیں کھول کر ان سوداگروں کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

کاہن تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا کہ یہ کون سے جن سے پالا پڑ گیا ہے کہ نیزہ سینے میں کھبا ہوا ہے اور وہ مسکرا رہا ہے خون بھی ہرگز نہیں بہہ رہا تھا غلام بھی ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھ رہے تھے حیران تھے کہ یہ معاملہ کیا ہے عنبر نے دونوں ہاتھوں سے نیزے کو اپنے سینے میں سے باہر نکال کر پرے پھینک دیا کاہن نے تلوار نکال لی عنبر نے بھی تلوار میان سے کھینچ لی دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا مگر بہت جلد عنبر نے کاہن پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے کاہن کو اپنی موت سامنے صاف نظر آ رہی تھی اس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا عنبر رات کے اندھیرے میں اسے دھکیلتا ہوا جنگل میں دور تک لے گیا۔

وہ ابھی اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ وہ ایک انسان کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا اگرچہ اسے معلوم تھا اور ثابت ہو گیا تھا کہ کاہن نے اس کو قتل کرنے کی سازش کی تھی مگر عنبر نے پھر بھی کاہن کو معاف کر دیا تھا۔

کاہن نے پیچھے ہٹتے ہٹتے جنگل میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا

اس کے وفادار غلام اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر دوسری طرف بھاگ گئے۔

عنبر واپس بارہ دری میں آ کر الاؤ کے پاس بیٹھ گیا وہ یہی چاہتا تھا کہ کاہن وہاں سے فرار ہو جائے اور کاہن جنگل میں فرار ہو چکا تھا۔

مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جنگل کے اندھیرے میں مست ہاتھی کاہن کی موت بن کر انتظار کر رہا ہے کاہن اس جنگل سے ناواقف تھا وہ یونہی منہ اٹھائے اندھیرے میں دوڑا جا رہا تھا اسے ہاتھی کی چنگھاڑ سنائی دی وہ ڈر کر ایک جگہ رک گیا ہاتھی نے بھی کاہن کی بو سونگھ لی تھی وہ اس کی طرف بڑھنے لگا ایک بار پھر اس نے زور سے سونڈ ہلا کر چنگھاڑ ماری اب کاہن ڈر کر اٹھ بھاگا۔

یہ اس نے سب سے بڑی غلطی کی تھی اگر وہ بھاگنے کی بجائے کسی درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو شاید اس کی جان بچ جاتی مگر اس نے ایسا نہ کیا۔

ہاتھی اسے بھاگتے ہوئے بڑی آسانی سے شکار کر سکتا تھا اندھیرے میں کاہن ہاتھی کو نظر تو نہیں آ رہا تھا مگر وہ اس کی بو سونگھتا ہوا برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا کاہن دوڑتے دوڑتے تھک گیا وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ ہاتھی بہت پیچھے رہ گیا ہے اور وہ اب اسے نہیں شکار کر سکتا۔

لیکن یہ اس کی بھول تھی۔ ہاتھی ایک بار کسی انسان کی بو پا لے تو پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہاتھی برابر کاہن کی بو پر لگا ہوا پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا جس وقت کاہن تھک کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ٹھیک اس وقت مست ہاتھی نے پرانے گھنے درختوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر کاہن کو اپنے شکار کو ایک نظر دیکھا اور ایسے خوفناک آواز میں دھاڑا کہ سارے کا سارا جنگل گونج اٹھا یہ خوفناک چنگھاڑ عنبر نے بھی دور بیٹھے سنی تھی وہ سمجھ گیا کہ کاہن ہاتھی کا شکار ہو رہا ہے اور اس کی

خیر نہیں۔ عنبر اب اگر چاہتا بھی تو کاہن کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ہاتھی کی چنگھاڑ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شکار کے سر پر پہنچ چکا ہے۔

کاہن نے ہاتھی کی چنگھاڑ سنی تو گھبرا کر اٹھا اور جنگل میں دوڑنا شروع کر دیا اب ہاتھی بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگا لیکن ہاتھی کے سامنے کاہن کی رفتار بہت کم تھی چند ہی قدموں پر ہاتھی نے سونڈ آگے بڑھا کر کاہن کو جکڑ کر اوپر اٹھا لیا پھر اسے زور سے زمین پر پٹخ کر اس کو پاؤں سے مسل ڈالا کاہن کی آخری کمزور سی چیخ نکلی اور اس کے بعد جنگل میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔

عنبر سمجھ گیا کہ کاہن کا کام تمام ہو چکا ہے۔

آدم خور وحشی

ماریا وسطی ہندوستان کے خطرناک جنگلوں میں سفر کر رہی تھی۔

آج سے ایک ہزار برس پہلے ان جنگلوں میں بھیل اور دراوڑ قوموں کے وحشی اور آدم خور قبیلے آباد تھے یہ لوگ جنگلی جانوروں کا شکار کرتے تھے اور اکا دکا آدمی یا عورت کو دیکھ کر بھی شکار کر لیتے اور اسے بھون کر کھا جاتے بابا نے ماریا کو اسی آدم خور قبیلے سے خبردار کیا تھا مگر ماریا کو کوئی فکر نہیں تھی اس لئے کہ وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی کوئی اسے دیکھے گا تو شکار کرے گا جب وہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی تو پھر اس کو شکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ بے فکر ہو کر گھوڑے پر سوار جنگل میں چلی جا رہی تھی دوپہر کے وقت وہ ایک

پہاڑی چشمے کے پاس رک گئی وہ گھوڑے سے اتر پڑی اس کے اترتے ہی گھوڑا دکھائی دینے لگا ماریا اب بھی اسی طرح غائب تھی ماریا نے گھوڑے کو گھاس چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا اور خود درختوں پر سے جنگلی پھل توڑ کر کھانے شروع کر دیئے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگی۔

اگر وہ خدا کی قدرت یا کسی کے جادو کے زور سے غائب نہ ہو گئی ہوتی تو اس کے لئے اکیلی سفر کرنا بہت دشوار ہو جاتا اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا مانگی کہ اے خدائے عظیم اپنی مہربانی سے مجھے میرے بھائیوں سے ملا دے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ اٹھی گھوڑے پر سوار ہوئی اس کے ساتھ گھوڑا بھی غائب ہو گیا اور اس نے جنگل میں دوبارہ سفر شروع کر دیا اسے امید تھی کہ ایک رات جنگل میں بسر کرنے کے بعد وہ اگلے روز ضرور کسی شہر میں پہنچ جائے گی شام تک وہ سفر کرتی رہی جنگل دور زیادہ گہرا ہوتا جا رہا تھا اندھیرا بڑھنا شروع ہو گیا تھا اس خیال سے گھبرا سی گئی کہ یہ کم بخت جنگل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا کہیں کھیتوں کا سلسلہ شروع نہیں ہوتا۔

اب وہ رات بسر کرنے کے لئے کسی جگہ کے بارے میں غور کرنے لگی وہ گھوڑے پر بیٹھی قدم قدم چلی جا رہی تھی گھاس کی وجہ سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بھی بلند نہیں ہو رہی تھی اچانک اسے دور ایک جگہ آگ روشن دکھائی دی وہ اس طرف بڑھنے لگی اس کا خیال تھا شاید وہاں کوئی بستی ہو جہاں سے اسے شہر کی طرف درست راستہ معلوم ہو جائے کیونکہ کبھی کبھی اسے یہ خیال بھی ستانے لگتا تھا کہ کہیں وہ راستہ تو نہیں بھول گئی اور جنگل میں ایک دائرے کی طرح ایک ہی جگہ پر چکر تو نہیں لگا رہی؟

آگ کا الاؤ ایک جگہ درختوں کے بیچ میں کھلی جگہ پر روشن تھا ماریا گھوڑے پر سوار درختوں کے پیچھے آ گئی اس نے درخت کی شاخیں ایک طرف ہٹا کر جو منظر دیکھا اس سے ماریا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس کے سامنے درختوں کے درمیان آگ کے الاؤ کے پاس کچھ جنگلی وحشی زمین پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک نوجوان لڑکے کو درخت کے ساتھ باندھ رکھا تھا آگ پر تیل کا کڑاؤ رکھا ہوا تھا صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ وحشی آدم خور لوگ ہیں اور اس لڑکے کو بھون کر کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

درخت کے ساتھ بندھا ہوا لڑکا بے بسی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا اس کو اپنی اذیت ناک موت سامنے کھڑی دکھائی دے رہی تھی ان وحشی آدم خوروں سے اس لڑکے کو اس وقت کوئی نہیں بچا سکتا تھا آدم خور زمین پر بیٹھے اس لڑکے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے

ایک آدم خور نے اٹھ کر تیل کے کڑاؤ میں لکڑی ڈال کر ہلانی شروع کر دی بیٹھے ہوئے وحشی نے پوچھا۔

تیل ابھی کھولنا شروع نہیں ہوا۔؟

یہ ایک عجیب وغریب پرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے جس کو کچھ کچھ ماریا سمجھ رہی تھی تیل کے کڑاؤ کے پاس کھڑے آدم خور نے کہا۔

ابھی گرم ہو جائے گا۔

ہم اس دشمن کو کھا کر اس کے سارے قبیلے سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیں گے۔ اس کے باپ کو جرات کیسے ہوئی کہ ہمارے قبیلے کے سردار کی خواہش پر اپنی بیٹی کی شادی سے انکار کر دے ہم سردار کو اس کی گستاخی کا مزا ضرور چکھائیں گے۔

ہم اس کی بھنی ہوئی کھوپڑی اپنے سردار کی خدمت میں پیش کریں گے

آگ اور تیز کر دو۔ ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔

ہاں ہاں آگ اور تیز کر دو۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔

وہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے ماریا نے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں گویا اس غریب کو محض اس لئے بھون کر کھایا جا رہا تھا کہ اس کے باپ نے دوسرے قبیلے کے سردار کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کی تھی ماریا کو اس لڑکے پر بڑا ترس آیا اس نے سوچا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اس کو وحشیوں کے شکنجے سے ضرور نجات دلا کر رہے گی۔

ماریا سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہتی تھی کہ تیل کے کڑاؤ کو الٹ دے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری وہ آگے بڑھنے ہی والی تھی کہ اس نے محسوس کیا درخت کے ساتھ بندھا ہوا لڑکا چپکے چپکے رسیوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہے وہ بڑی خوش ہوئی کہ نوجوان کو زندگی سے محبت تھی اور وہ موت کے خلاف لڑنا چاہتا تھا وہ بڑی دلچسپی سے لڑکے کو ہاتھ چلاتے دیکھنے لگی اس کے ہاتھ درخت کے پیچھے بندھے ہوئے تھے نوجوان درخت کے پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں کی انگلیاں سے رسی کی گرہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ماریا اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی اس نے گھوڑے پر سے جھک کر نوجوان کے ہاتھوں کی رسیوں کو کھولنے کی مدد دی نوجوان نے جب اپنے ہاتھوں کے ساتھ کسی دوسرے کی انگلیوں کو ٹکراتے محسوس کیا تو تعجب سے پلٹ کر پیچھے دیکھا مگر وہاں تو کوئی نہیں تھا اسے جلدی سے پیچھے پلٹ کر دیکھتے ایک وحشی نے دیکھ لیا اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

اس کی رسیاں دیکھو شاید کوئی اس کی مدد کر رہا ہے۔

اس آواز کے ساتھ ہی دو آدم خور جلدی سے اٹھ کر نوجوان کی طرف لپکے انہوں نے درخت کے پیچھے جا کر اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں

کو غور سے دیکھا تو وہاں دو چار گرہیں کھلی ہوئی تھیں انہوں نے چیخ مار کر کہا۔

اس نے رسیاں کھول ڈالی تھیں۔

فوراً رسیوں کو دوبارہ کس کر باندھا گیا وحشیوں نے نوجوان کے سر پر زور زور سے مکے بھی مارے کہ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی

نوجوان بے چارہ چپ ہو کر رہ گیا مگر اس کے دل میں ایک بات رہ رہ کر امید کا چراغ روشن کر رہی تھی کہ وہ کون سی غیبی انگلیاں تھیں جو اس کے ہاتھوں کو کھول رہی تھیں شاید وہ غیبی انگلیاں پھر اس کی مدد کو آ جائیں ایک آدم خور نے کھڑے ہو کر کہا۔

دیر مت کرو۔ ہمیں بھوک لگی ہوئی ہے اس دشمن کے بیٹے کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں ڈال کر تل دو۔

سب آدم خوروں نے زور سے نعرے لگائے ماریا نے سوچا کہ اب آگے بڑھ کر بے گناہ نوجوان کی مدد کرنے کا وقت آ گیا ہے نہیں تو یہ ظالم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے ماریا نے سوچا کہ لڑکے کو رسیاں کھول کر گھوڑے پر سوار کرا لینا چاہیے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی غائب ہو جائے مگر اس کا اس نے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا اگر فرض کر لیا لڑکا گھوڑے پر غائب نہ ہوا تو اس کی سکیم ناکام ہو جائے گی بہر حال اس نے آگے بڑھ کر پیچھے سے نوجوان کے ہاتھوں کی رسیاں کھولنی شروع کر دیں۔

نوجوان نے جب ایک بار پھر اپنے ہاتھوں پر غیبی انگلیوں کو محسوس کیا تو اسے بڑا حوصلہ ملا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے دادا کی روح اس کی مدد کر رہی ہے پھر اس نے سوچا کہ نہیں اس کی ماں کی روح اس کی مدد کو وہاں آ گئی ہے اور اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسیاں کھول رہی ہے اس نے سرگوشی میں کہا۔

ماں!

ماریا نے آہستہ سے کہا۔

ہاں بیٹا!

لڑکے کو بڑا حوصلہ ہوا اس نے آہستہ سے کہا۔

ماں تم آ گئی ہو۔ میں جانتا تھا تمہاری روح میری مدد کو ضرور آئے گی جلدی کرو ماں! انہیں تو یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

ماریا نے سوچا کہ اس نوجوان کو اب اسی وہم میں مبتلا رکھا جانا چاہیے کہ اس کی ماں کی روح اس کی مدد کر رہی ہے ماریا نے کہا۔

فکر مت کرو بیٹا میں تمہاری ماں کی روح ہوں میں تمہاری مدد کرنے آ گئی ہوں تم ایسا کرنا جب تمہارے ہاتھوں کی رسیاں کھل جائیں تو بھاگنا نہیں بلکہ اپنی جگہ چپ چاپ ہی بہانہ بنا کر کھڑے رہنا جیسے تمہارے ہاتھ درخت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

اچھا ماں۔

اور پھر جب میں اشارہ کروں تو یہاں سے بھاگ جانا میں تمہیں ان سے بچا لوں گی۔ سمجھے۔

سمجھ گیا ماں۔

ماریا نے نوجوان کی ساری رسیاں کھول دیں لڑکے نے پھر بھی اپنے ہاتھ درخت کے پیچھے ہی باندھے رکھے ادھر وحشیوں نے آگ کے گرد رقص کرنا اور گانا شروع کر دیا کڑاؤ میں تیل کھولنا شروع ہو گیا تھا ایک وحشی نے کہا۔

لڑکے کو پکڑ کر لاؤ اور تیل کے کڑاؤ میں ڈال دو۔

ہاں جلدی کرو اس کی موت کا وقت آ گیا ہے۔

دو وحشی لڑکے کی طرف بڑھے ماریا اب چوکس ہو کر گھوڑے پر تیار ہو گئی جونہی وحشی نوجوان کے قریب آئے اس نے تلوار کھینچ کر پورے

زور سے ایک وحشی کے سر پر دے ماری اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا وہ چکرا کر گر پڑا دوسرے نے چیخ ماری ماریا نے دوسرے وحشی پر بھی وار کیا وہ بھی زمین پر گر کے تڑپنے لگا ماریا نے لڑکے سے کہا۔

بھاگ جاؤ۔

نوجوان ایک طرف بھاگا ہی تھا کہ دو چار وحشیوں نے اسے زمین پر گرا لیا وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ ان کے ساتھیوں پر تلوار سے حملہ نوجوان نے کیا ہے انہوں نے نوجوان کو ہاتھوں پر اٹھا لیا اور کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ کی طرف بڑھنے لگے ماریا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بانس زمین پر سے اٹھا کر تیل کے کڑاؤ کو دھکیل کر زمین پر گرا دیا تیل آگ پر گرا ایک شور سا پیدا ہوا اور آگ بجھ گئی تیل سارے کا سارا زمین پر بہہ گیا۔

وحشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کڑاؤ کو تکنے لگے ماریا نے اسی بانس سے آدم خوروں پر حملہ کر دیا وہ چاروں طرف گھوم کر آتی اور وحشیوں پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیتی آدم خور ڈر کر بھاگنے لگے انہوں نے سمجھا کہ ان پر کسی بدروح نے حملہ کر دیا ہے جدھر جس کا منہ اٹھا وہ اسی طرف کو بھاگ گیا مگر جس سردار نے نوجوان کو پکڑ رکھا تھا وہ اسی جگہ کھڑا رہا ماریا نے گرج دار آواز میں کہا۔

اے آدم خور قبیلے کے سردار! خبردار اگر تم نے اس لڑکے کو قتل کیا تو میں تمہارے سارے بچوں کو ہلاک کر دوں گی میں اس جنگل کے دیوتاؤں کی روح ہوں فوراً اس نوجوان کو یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ اور آئندہ کبھی اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

آدم خور بڑے وہمی ہوتے ہیں وہ روحوں پر زبردست اعتقاد رکھتے ہیں اس نے جو ایک بدروح کی آواز سنی تو نوجوان کو چھوڑ کر سجدے میں گر گیا۔

اے روح! مجھے معاف کر دے میں آئندہ کبھی اس لڑکے کو تنگ نہیں کروں گا میرے بچوں کو کچھ نہ کہنا میں تو مر جاؤں گا مجھ پر رحم کرو مجھ کو معاف کر دے۔

جا میں نے تمہیں معاف کیا یہاں سے بھاگ جا اور خبردار جو تم نے پیچھے مڑ کر بھی دیکھا۔

وحشی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

بہت اچھا حضور! میں ہرگز ہرگز پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا اس کے ساتھ ہی آدم خور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ گیا اب اس جنگل میں رات کے اندھیرے میں صرف وہ نوجوان اور ماریا رہ گئے تھے ماریا کو وہ نوجوان اپنی ماں کی روح سمجھ رہا تھا ماریا اسے اسی خیال میں رکھنا چاہتی تھی اس نے کہا۔

میرے بیٹے! میں نے تمہاری مدد کی تمہاری جان بچا دی اب تم واپس اپنے گھر جاؤ اب یہ لوگ کبھی تجھے تنگ نہیں کریں گے۔

نوجوان نے التجا کر کے کہا۔

ماں کیا تم میرے ساتھ گھر تک نہیں چلو گی۔

ماریا نے جھوٹ موٹ کی آہ بھر کر کہا۔

نہیں بیٹا! مجھے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت نہیں بس میں اس جنگل تک ہی آ سکتی تھی اگر مجھے اجازت ہوتی تو ضرور تمہارے ساتھ گھر تک جاتی اور تمہارے باپ سے ملتی اس لئے اب تم واپس گھر جاؤ تمہیں راستے میں ڈر تو نہیں لگے گا ناں۔؟

نوجوان نے کہا نہیں ماں میں اس جنگل سے بالکل نہیں ڈرتا کیا تمہیں معلوم نہیں جب میں چھوٹا سا تھا تو تم اس جنگل کی سیر کرونے لایا کرتی تھیں پھر بھلا میں اس جنگل سے کیسے ڈر سکتا ہوں ڈر اگر تھا تو مجھے اپنے دشمنوں سے تھا ان پر تمہاری وحشت کچھ اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ

اب وہ کبھی ہمارے قبیلے پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کریں گے۔

ماریا بولی۔

ہاں بیٹا! وہ کبھی تم لوگوں کو تکلیف نہیں دیں گے اب تم خوشی خوشی گھر واپس جاؤ اور اپنے باپ کو جا کر اپنی خوش خبری سناؤ۔

نوجوان نے ہوا میں ہاتھ اٹھا کر ماں کی روح کو سلام کیا اور چپکے سے جنگل میں ایک طرف چلتے ہوئے غائب ہو گیا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ماریا بڑی خوش ہوئی کہ اس کی وجہ سے ایک نوجوان آدم خوروں کا شکار بننے سے محفوظ رہا وہ گھوڑے پر سے اتر پڑی گھوڑے کو اس نے ایک درخت کے ساتھ باندھ ڈالا تیل گرنے سے آگ خود بخود بجھ گئی تھی مگر کہیں کہیں چنگاریاں سلگ رہی تھیں ماریا اسی جگہ گھاس کا بستر بچھا کر لیٹ گئی اور نیند کا انتظار کرنے لگی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی تھوڑی دیر بعد اسے نیند نے آ لیا اور وہ سو گئی۔

برے پھنسے

کاہن کی موت کے بعد صبح سویرے عنبر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسے وحشی ہاتھی کا خطرہ ضرور تھا مگر اسے معلوم تھا کہ صبح کے وقت ہاتھی جنگل میں بہت کم نکلتے ہیں وہ درختوں کے ایک تختے سے باہر نکل کر ایک ندی کے کنارے آ گیا جو شمال کی طرف آگے جا کر دریائے جمنا سے دوبارہ مل جاتی تھی عنبر ندی کنارے دور تک چلتا گیا پھر ایک جگہ سے اس نے ندی پار کر لی اور دوسرے تختے میں داخل ہو گیا اس تختے سے وہ دو روز کے سفر کے بعد نکل گیا اس لمبے تھکا دینے والے سفر میں ایک عرصے کے بعد اسے بستی دکھائی دی۔

یہ مٹی کے کچے گھروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جس کے اردگرد کانٹوں

وار بار گئی تھی عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر بستی میں داخل ہوا تو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے عنبر نے ان سے پوچھا کہ اس بستی کا نام کیا ہے۔؟ ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر عنبر کو بستی کا نام بتا دیا عنبر نے پوچھا۔

بابا! یہاں سے جھیل نندن سر کتنی دور ہے۔؟

بوڑھے نے حیرانی سے پوچھا۔

بیٹا! کیا تم جھیل نندن سر جاؤ گے۔؟

ہاں بابا میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔

بوڑھے نے کہا۔

بیٹا جھیل نندن سر یہاں سے بہت دور ہے اگر تم صبح شام چلتے رہو تو دس روز کے بعد وہاں پہنچ سکو گے۔

عنبر خاموش ہو گیا پھر اس نے بڑے میاں سے پوچھا۔

بڑے میاں جی کیا اس بستی میں مجھے رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے گی

ہاں بیٹا۔ تم میرے گھر رات ٹھہر سکتے ہو میرے گھر میں سوائے میری ایک بیٹی گنگا کے اور کوئی نہیں رہتا۔

عنبر گنگا کے گھر آ گیا یہ گھر بستی کے دوسرے گھروں کی طرح کچا اور ایک منزلہ تھا صحن میں رواج کے مطابق تلسی کا پیڑ لگا ہوا تھا گنگا پیڑ کے نیچے بیٹھی چرخہ کات رہی تھی بوڑھے نے گنگا سے کہا۔

بیٹی گنگا۔ ! یہ نوجوان بھی تمہارا بھائی ہے یہ مسافر ہے اور رات ہمارے ہاں بسر کرے گا اس کے لئے کھانا لے آؤ۔

اچھا بابا!!

گنگا اٹھ کر کھانا لینے چلی گئی عنبر تخت پوش بیٹھ گیا اور بولا۔

بابا میں نے سنا ہے کہ آگے جنگل میں آدم خور قبیلے بھی رہتے ہیں کیا یہ سچ ہے۔؟

بڑے میاں نے کہا۔

اگر تم بیٹا مشرق کی طرف دریا کے ساتھ ساتھ چل کر سفر کرو گے تو تم آدم خوروں سے بچ رہو گے جنگل میں کہیں کہیں ایسے وحشی لوگ آباد ہیں جو انسانوں کا گوشت تو نہیں کھاتے لیکن خون ضرور پیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انسانوں کا خون پینے سے آدمی کا بدن جوان رہتا ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

میں دریا کے ساتھ ساتھ سفر کروں گا بابا۔

بڑے میاں نے کہا۔

کبھی کبھی اس قبیلے کے لوگ دریا پر پانی وغیرہ لینے کی غرض سے نکل آتے ہیں مگر ایسا مہینوں میں ایک آدھ بار ہوتا ہے تمہیں چاہیے کہ اس جنگل سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جاؤ اس کے بعد آسام اور پھر کوہ قاف ہمالیہ کا وہ سلسلہ شروع ہو جائے گا جہاں جھیل نندن سر واقع ہے

۔

اب گنگا کھانا لے کر آ گئی اس نے کیلے کے پتے بچھا کر کھانا ڈال دیا کھانے میں غریبانہ چیزیں مثلاً دال، کڑھی اور مچھلی تھی مچھلی انہوں نے گھر کے تالاب سے پکڑی تھی عنبر نے بڑے شوق سے یہ غریبوں کا کھانا کھایا اس نے بادشاہوں کے ساتھ شاہی محلوں میں بیٹھ کر کھانا کھایا تھا اور غریبوں کے جھونپڑوں میں بھی ایسا ہی کھانا کھایا تھا گنگا نے یہ سارا کھانا تیار کیا تھا عنبر نے کہا۔

گنگا بہن! تم نے بے حد اچھا کھانا پکایا ہے تمہاری جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کھانا پکانا کہاں سے سیکھا۔؟

بڑے میاں نے بتایا کہ اس نے گنگا کو بچپن ہی سے اچھا کھانا پکانے کی تربیت دی ہے اس نے کسی سے نہیں سیکھا صرف باپ اس کی مدد کرتا رہا تھا عنبر نے پوچھا۔

کیا گنگا بہن کی شادی ہو چکی ہے۔؟

بڑے میاں نے غم ناک آواز میں کہا۔

کیا بتاؤ بیٹے گھر میں غربت ہے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر بیٹی کے لئے دو چار چیزیں سونے کی بنوائی تھیں وہ ساہوکار زمین کے سود کے بدلے لے گیا ہے اب کہاں سود ادا ہوگا اور کہاں وہ زیور چھٹیں گے بس ان کو بھی گیا ہی سمجھو۔ خالی ہاتھ تو ہماری بستی میں کوئی بھی گنگا کے ساتھ بیاہ نہیں کرے گا۔

عنبر کو بڑا صدمہ ہوا کہ کمینے ساہوکار کی وجہ سے گنگا کی شادی رکی ہوئی ہے اس نے بڑے میاں سے پوچھا۔

بابا! ساہوکار کا مکان کہاں پر ہے۔؟

بوڑھے کنوئیں کے پاس ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو بیٹا اور کچھ کھاؤ گے۔

شکریہ بابا۔!

ساری رات عنبر سوچتا رہا کہ وہ کس طرح گنگا بہن کی مدد کر سکتا ہے آخر وہ صبح کو اٹھا اور سیر کا بہانہ بنا کر بوڑھے کنوئیں کے علاقے میں آ گیا اس نے ایک جگہ سے ساہوکار کے مکان کا پتہ پوچھا۔

وہ سامنے والا مکان ساہوکار کا ہے جناب۔!

عنبر چپکے سے ساہوکار کے مکان کے دروازے پر آ گیا اس نے دربان سے کہا کہ اوپر جا کر پیغام دو کہ یمن سے ہیرے جواہرات کا بیوپاری آیا ہے اس عرصے میں جب کہ دربان اندر گیا عنبر نے زمین پر سے چند چھوٹے چھوٹے گول پتھر اٹھا کر انہیں ہتھیلی میں ملنا شروع کر دیا وہ دیکھتے دیکھتے ہیرے موتی بن گئے عنبر نے انہیں جیب میں ڈال لیا دربان نے آ کر کہا۔

سیٹھ صاحب آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔

عنبر اندر گیا تو ساہوکار نے اٹھ کر عنبر سے ہاتھ ملایا اور پھر ہیرے لے کر

پاؤں تک دیکھا سفر کرتے کرتے عنبر کے کپڑے میلے ہو گئے تھے ساہوکار نے سوچا کہ یہ بھلا کیا کیمن کا ہیرے جواہرات کا بیوپاری ہوگا !پھر بھی اس نے ادب سے کہا۔

تشریف رکھیے۔

عنبر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ساہوکار کا کمرہ بڑا شاندار تھا ساہوکار نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

کون سے ہیرے ہیں۔ جی آپ کے پاس کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟ عنبر نے اسی بے نیازی سے جیب میں سے ہیرے جواہرات نکال کر ساہوکار کے آگے رکھ دیے۔

ابھی تو یہی کچھ ہے میرے پاس۔

اتنے بڑے بڑے چمکدار اور قیمتی ہیرے دیکھ کر ساہوکار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کی ساری زندگی ہیرے جواہرات کا کام کرتے گزر گئی تھی اس نے آج تک ایسے جواہرات نہیں دیکھے تھے وہ ایک ہیرے جواہر کو بڑے غور سے ہتھیلی پر رکھ کر دیکھ رہا تھا اس نے پوچھا۔

کیا آپ ان ساروں کا و بیچنا چاہتے ہیں۔؟

اگر آپ خرید سکتے ہیں تو خرید لیجیے مگر میرا خیال صرف دو ایک ہیروں کے فروخت کرنے کا ہے کچھ ہیرے آسام کے راجہ کو تحفے میں دینا چاہتا ہوں۔

ساہوکار بڑا متاثر ہوا۔

اچھا تو آپ آسام کے راجہ کے ہاں جا رہے ہیں۔؟

جی ہاں اس کے بعد نیپال اور چین کے بادشاہوں کے پاس بھی جانے کا ارادہ ہے۔

ساہوکار عنبر سے بہت متاثر ہوا اس نے اپنے لئے دو ہیرے پسند کیے

اور پوچھا۔

آپ ان کی کیا قیمت وصول کریں گے۔

عنبر کے لیے وہ دونوں ہیرے پتھر تھے پھر بھی وہ ساہوکار سے پوری پوری قیمت وصول کرنا چاہتا تھا ان ہیروں کی قیمت بھی بہت تھی وہ نایاب قسم کے ہیرے تھے یعنی ایسے جواہر جو بہت کم ملا کرتے تھے عنبر کو معلوم تھا کہ ساہوکار ان ہیروں کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہے اس نے کہا۔

میں ان دو ہیروں کے آپ سے دو ہزار سونے کی اشرفیاں لے لوں گا صرف اس لئے کہ مجھے سفر کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔

ساہوکار بڑا خوش ہوا کیونکہ دو ہزار سونے کی اشرفیاں ان ہیروں کی بہت کم قیمت تھی اسکا خیال تھا کہ عنبر کم از کم چھ ہزار اشرفیاں طلب کرے گا ساہوکار نے اسی وقت ساری کی ساری رقم نقد ادا کر دی عنبر نے دونوں ہیرے اس کے حوالے کر دیے اور اشرفیاں لے کر گنگا کے گھر آ گیا اس نے سارے پیسے گنگا کے باپ کے آگے رکھ کر کہا۔

یہ رقم میں نے اپنا تھوڑا سا سونا فروخت کر کے حاصل کی ہے اسے آپ قبول کر کے گنگا بہن کے بیاہ کی تیاریاں کریں اور یہی سمجھیں کہ ایک بھائی نے اپنی بہن کو تحفہ دیا ہے۔

بوڑھے کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اس نے اشرفیاں لے کر اسی وقت گڑھے میں بند کر دیں عنبر نے تاکید کر دی کہ کل صبح اٹھتے ہی ساہوکار کے ہاں جا کر گنگا کا زیور سود کے پیسے دے کر واپس لے لیا جائے عنبر اگلے روز تک وہیں رہا بوڑھا صبح صبح رقم لے کر ساہوکار کے ہاں گیا اور سود کے پیسے دے کر کہا۔

سیٹھ جی! میری بیٹی کا زیور واپس دے دیں اور اپنی رقم رکھ لیں۔ ساہوکار بڑا حیران ہوا کہ بڑے میاں کہاں سے پیسے لے کر آیا بڑے

میاں نے کہا۔

سیٹھ جی! اپنا پیٹ کاٹ کر آپ کے لئے رقم جمع کی تھی بیٹی کا بیاہ کرنا ہے سوچتا ہوں مرنے سے پہلے یہ قرض بھی ادا کر دوں۔

ہاں ہاں کیوں نہیں تم نے سود کی رقم دے دی ہے تو اپنا زیور واپس لے لو ضرور واپس لے لو ہم بھلا زیور رکھ کر کیا کریں گے۔

ساہوکار کا دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اس کو زیور واپس ہی کرنا پڑا زیور لے کر بوڑھا واپس گھر آ گیا عنبر بڑا خوش ہوا اس نے بڑے میاں کو تاکید کی کہ دو چار روز کے اندر اندر گنگا کا بیاہ کر دیا جائے اسی روز دوپہر کو عنبر وہاں سے چلا گیا دوسرے روز بڑے میاں نے برادری کے چار آدمی بلا کر گنگا کا بیاہ کر دیا اور وہ ہنسی خوشی اپنے گھر جا کر آباد ہو گئی۔

تین چار دن بعد ایک بہت امیر سوداگر قافلے کے ساتھ اس بستی میں سے گزرا۔ اس کو ہیرے جواہرات کا بڑا شوق تھا۔ وہ ساہوکار کے ہاں جواہرات خریدنے کی غرض سے آیا ساہوکار بڑا خوش ہوا کہ اس نے عنبر سے جو ہیرے خریدے تھے اب ان کی بھاری قیمت وصول کرے گا اس نے بڑے شوق سے دونوں ہیرے سوداگر کو دکھائے ہیرے بطخ کے انڈے کے برابر تھے اور واقعی بڑے نایاب تھے سوداگر انہیں دیکھ کر بڑا خوش ہوا اس نے قیمت پوچھی تو ساہوکار نے کہا۔

قیمت تو ان کی بہت ہے مگر آپ سے میں صرف دس ہزار اشرفیاں لوں گا اس لئے کہ آپ کو ان ہیروں کی قدر ہے۔

سوداگر نے کہا۔

بہت اچھا۔ ان ہیروں کو باندھ دیں۔

سوداگر تھیلی میں سے اشرفیاں نکالنے لگا اور ساہوکار ہاتھ میں ہیرے لے کر ٹوکری میں سے ریشمی کپڑا تلاش کرنے لگا جس میں ہیروں کو

رکھنا تھا۔

ابھی ہیرے اس کے ہاتھ میں تھے کہ اچانک ان کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا پہلے ان کی چمک ختم ہوئی پھر وہ سیاہ پڑ گئے اور پتھر کے بن گئے سوداگر حیران رہ گیا ساہوکار کی چیخ نکل گئی یہ کیا ہو گیا میں لٹ گیا لوگو۔

لوگ وہاں جمع ہو گئے کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ ساہوکار نے جو ہیرے اتنے مہنگے خریدے ہوں وہ پتھر بن گئے ہوں مگر اب کیا ہو سکتا تھا ہیرے پتھر بن چکے تھے اصل میں وہ تو پہلے بھی پتھر ہی تھے سوداگر اپنی رقم بچا کر واپس چلا گیا اور ساہوکار اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت جب کہ عنبر جنگل میں سے گزر رہا تھا تو اس کی جیب میں پڑے پڑے ہیرے بھی پتھر بن گئے اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سارے کے ساتھ پتھر باہر نکال کر پھینک دیے اور دل میں بہت ہنسا کہ اس وقت ساہوکار کا کیا حال ہو رہا ہو گا یہ ہیرے اپنا کام کر چکے تھے انہوں نے گنگا کا بیاہ کروا کر اسے ہنسی خوشی اپنے گھر پہنچا دیا تھا اب ان کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ بے شک پتھر بن جاتے۔

عنبر ندی کنارے کنارے مشرق کے علاقے میں کنارے کنارے چل رہا تھا رات کو وہ ندی کے ایک چھوٹے سے پل پر آ گیا یہ پل ندی کے دونوں کناروں پر ایک درخت ڈال کر بنایا گیا تھا اس نے پل کو عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا یہاں کانٹے دار جھاڑیاں اتنی زیادہ نہیں تھیں اور زمین پر بھی لانبی لانبی گھاس نہیں اگی ہوئی تھی عنبر گھوڑے سے اتر آیا لکڑی کی صندوقچی جس میں ناگ کی لاش تھی اس نے درخت کے ساتھ لٹکا دی گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا تا کہ وہ جی بھر کر گھاس کھائے اور پانی پی کر تازہ دم ہو جائے زمین پر اس نے ایک جگہ بستر بچھا دیا اور خود اس پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ ابھی کتنی دیر اور اسے سفر کرنا ہو گا بڑے

میاں کے حساب کے مطابق تو ابھی کافی دنوں کا سفر باقی تھا بہر حال اسے سفر کرنا تھا اور ضرور کرنا تھا جھیل نندن سر جا کر اس نے اپنے دوست کی لاش کے ٹکڑوں پر جھیل کا پانی چھڑکنا تھا عنبر سفر کرتے کرتے اکتا گیا تھا مگر یہ اس کے دوست کی زندگی کا سوال تھا ایک ایسا دوست جس نے اس کی خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

عنبر بستر پر لیٹا یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ اسے آہٹ سی سنائی دی اس نے سوچا کہ یہ اس کے گھوڑے کی ٹاپ کی آواز ہوگی جو قریب ہی درختوں میں گھاس چر رہا تھا مگر دوسری بار اسے کچھ لوگوں کی سرگوشیاں بھی سنائی دیں وہ چوکنا ہو گیا ضرور کچھ لوگ اس کے قریب کھڑے تھے اس نے بستر پر سے اٹھ کر جھاڑیوں میں چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی بھی نہ تھا اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود بستر پر آ کر لیٹ گیا مگر اب اس کے کان سرگوشیوں اور آہٹ پر لگے ہوئے تھے کافی دیر تک جنگل میں گہرا سناٹا رہا کسی قسم کی آہٹ اور سرگوشی کی آواز دوبارہ سنائی نہ دی۔

عنبر کو خیال ہوا کہ شاید یہ اسکا وہم تھا کیونکہ اگر وہ کسی کے باتیں کرنے کی آواز ہوتی تو وہ دوبارہ بھی سنائی دیتی وہ بڑے اطمینان سے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا ابھی اس پر غنودگی کا عالم شروع ہی ہوا تھا کہ اسے وہی آہٹ دوبارہ سنائی دی اس نے آنکھیں کھول دیں اور اندھیرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا آہٹ کی آواز بند ہو گئی اور اب بہت دھیمی دھیمی سرگوشیاں سی سنائی دینے لگیں جیسے کچھ سانپ دور بیٹھے پھنکار رہے ہوں۔

عنبر بستر سے اٹھ بیٹھا وہ ایک بار پھر گھوڑے کے پاس گیا اسے پیار سے تھپکی دی درختوں اور کانٹے دار جھاڑیوں میں جا کر اچھی طرح دیکھا مگر وہاں اسے کوئی بھی شخص یا سانپ نظر نہ آیا وہ بڑا حیران

ہوا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں کہ وہ لیٹتا ہے تو سنائی دیتی ہیں اور جب اٹھ کر جنگل میں گھومتا پھرتا ہے تو خاموش ہو جاتی ہیں کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ تیسری بار بستر پر آ کر لیٹ گیا اب اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

وہ جاگ رہا تھا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا جنگل میں جھینگر بول رہے تھے آسمان پر ستارے کہیں کہیں درختوں کی شاخوں میں سے دکھائی دے رہے تھے عنبر کی آنکھیں کھلی تھیں ایک دم اس پر کسی نے جیسے ایک درخت کاٹ کر پھینک دیا وہ ہڑبڑا کر اٹھنے لگا مگر اسے محسوس ہوا کہ وہ درخت کی شاخوں میں جکڑ دیا گیا ہے اور کوشش کے باوجود ہل جل نہیں سکتا اس نے غور سے دیکھا تو وہ ایک جال تھا جو درختوں کی نرم ٹہنیوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور عنبر اس جال میں بری طرح پھنس چکا تھا اب اسے کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں جو مینڈکوں کی طرح ٹرا رہے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے عنبر کو ان کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی انہوں نے عنبر کو جال سمیت اٹھا لیا اور جنگل میں روانہ ہو گئے۔

﴾ختم شد﴿

یہ لوگ کون تھے۔؟

یہ عنبر کو جال میں جکڑ کر کہاں لے گئے۔؟

ماریا اور عنبر کی ملاقات کہاں اور کن حالات میں ہوئی۔؟

کیا ماریا غائب ہی رہی یا ظاہر ہو گئی۔؟

ناگ کیسے دوبارہ زندہ ہوا۔؟

ان سب سوالوں کا جواب آپ کو اس مسلسل ناول کی اگلی قسط یعنی 19 قسط میں ملے گا۔

قبر کی آواز

ہمیشہ زندہ رہنے والا عنبر اور اس کا دوست ناگ پھنی شہر ٹرائے سے نکل کر روم میں داخل ہوتے ہیں جہاں دریائے نیل کے کنارے پراسرار اہرام میں ان کی ملاقات ایک بھٹکی ہوئی روح سے ہوتی ہے۔ اور پھر کیا ہوتا ہے........

ابھی پڑھیے ''اردو رسالہ'' پر

عنبر ناگ ماریا
قاتل ساتھی
قسط نمبر ۱۹
اے حمید

سنو پیارے بچو۔

عنبر پر جنگل میں بندروں کا ایک غول حملہ کرتا ہے عنبر بڑی مشکل سے ان سے جان بچا کر بھاگتا ہے۔ اتفاق سے وہ صندوقچی درخت کے ساتھ ہی لٹکی رہ جاتی ہے جس کے اندر اس کے دوست ناگ کی لاش پڑی ہے۔

ماریا پچھلے جنگل میں عنبر اور ناگ کی تلاش میں آگے بڑھی چلی آ رہی ہے۔ عنبر ناگ کی لاش لے کر ہمالیہ کے پہاڑوں کی طرف جا رہا ہے جہاں ایک مقدس جھیل کے پانی سے اس نے مرے ہوئے سانپ ناگ کی لاش کو پھر سے زندہ کرنا ہے۔

بندروں کا حملہ

آدم خور عنبر کو جال میں جکڑ کر جنگل کے اندر لے گئے۔ یہاں اسقدر اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ عنبر کے گرد مضبوط رسے کا جال لپٹا ہوا تھا۔ وہ جال میں اس بری طرح سے جکڑا ہوا تھا کہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ اس لئے کہ اُسے معلوم تھا کہ وہ خود تو مر نہیں سکتا۔ اسے اگر پریشانی تھی تو اس بات کی تھی کہ وہ پیچھے درخت پر وہ صندوقچی لٹکتی چھوڑ آیا تھا جس میں اُس کے جگری دوست ناگ کی لاش کے ٹکڑے تھے۔ اگر وہ صندوقچی کسی آدم خور کے ہاتھ آگئی۔ اور اس نے سانپ کے ٹکڑوں کو

بھون کر کھالیا۔ یا زمین کے اندر کسی جگہ دفن کر دیا تو عنبر ساری زندگی ناگ کو زندہ نہ کر سکے گا۔

اُس نے سوچا کہ صندوقچی جا کر لے آئے۔ مگر وہ کیسے واپس جا سکتا تھا مینڈک کی طرح ٹرٹراتے آدم خوروں نے تو اسے جال کے اندر جکڑ کر رکھ دیا تھا وہ ملنے جلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ اب تو وہ صرف یہی دعا کر سکتا تھا کہ کسی کی صندوقچی پر نظر نہ پڑے اور اس کے دوست ناگ کی زندگی بچی رہے۔ وحشی بونے اُسے کندھوں پر اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ جنگل بڑا گھرا اور گھنا ہو گیا تھا۔ جھاڑیوں کے پتے اور درختوں کی شاخیں اُس کے جسم کو چھو رہی تھیں۔ اندھیرا گھرا تھا۔ عنبر نے آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر اُسے کوشش کے باوجود کچھ نظر نہ آیا۔ وہ صرف وحشی بونوں کے جسم ہی دیکھ رہا تھا۔ جو اُس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

چلتے ہوئے وہ آپس میں کسی اجنبی زبان میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ دنیا کی یہ پہلی زبان تھی جو عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ورنہ دنیا کے ہر قبیلے کی زبان فوراً سمجھ جاتا تھا۔ خدا جانے یہ کس مخلوق کی زبان تھی۔ بس یوں لگتا تھا جیسے بہت سے مینڈک آپس میں ٹرٹرا رہے ہوں۔ عنبر نے بہت کوشش کی کہ کچھ اُس کے پلے پڑ جائے مگر وہ ہر بار اُن کی زبان کا کوئی لفظ سمجھنے میں ناکام رہا۔ اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ وحشی لوگ اُسے کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ آدم خور وحشی لوگ ہیں۔ اور اُسے بھون کر کھا جانے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ وہ خدا کے بھروسے پر چپ چاپ چلا جا رہا تھا۔ دل میں یہ ضرور سوچتا کہ دیکھئے آگے چل کر کیا ہوتا ہے!

آدم خور وحشی کسی جگہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ ایک ہی رفتار کے ساتھ عنبر کو اپنے کندھوں پر اٹھائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے

آگے آگے چلتے جا رہے تھے۔ عنبر کا سارا جسم درد کرنے لگا۔ وہ بُری طرح جال کے رسوں میں جکڑ دیا گیا تھا۔ ایک بار تو اس نے تنگ آ کر زور سے کہا۔

”کمبختو! تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو؟“

مگر اُس کی آواز پر کسی نے دھیان نہ دیا۔ اُسے کچھ آدم خور وحشیوں کی آپس میں ہنسنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اُس کے فقرے کو سمجھ گئے ہیں۔ اور خوش ہو رہے ہیں کہ عنبر پریشان ہے۔ اپنی زبان سے کسی نے کچھ نہ کہا۔ اگر وہ عنبر سے کچھ کہتے بھی تو وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ عنبر نے راضی بہ رضا ہو کر گردن پیچھے پھینک دی۔ اور آنکھیں بند کر لیں کہ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ جنگل میں ایک چھوٹی سی ندی آ گئی۔ اس ندی کو پار کرنے کے بعد سامنے ایک گھاس کا چوڑا تختہ آ گیا۔ جہاں چاروں طرف پہاڑی ڈھلان کے

اندر شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح کے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ اور دو چار جگہوں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ عنبر نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ پتھر کے تقریبا ہر سوراخ میں ایک بندر بیٹھا خوخو کر رہا ہے۔ آدم خور وحشی یہاں پہنچ کر رک گئے۔ انہوں نے عنبر کو سروں پر سے اتار کے نیچے گھاس پر رکھ دیا۔ پتھر کے سوراخوں میں سارے بندر اتر کر عنبر کے ارد گرد شور مچانے لگے۔ ایک بوڑھے سے آدم خور وحشی نے ڈنڈا لے کر بندروں کو وہاں سے بھگا دیا۔ بندر پھر اپنے سوراخوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ اور جال میں پھنسے ہوئے عنبر کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے تکنے لگے۔

عنبر کو کچھ یوں محسوس ہوا جیسے آدم خور وحشی اسے بندروں کی خوراک بنانے کے لیے وہاں لائے ہیں۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ وہ مر نہیں سکتا۔ پھر بھی اتنے خونخوار دانتوں والے بندر دیکھ کر اس کے

جسم نے بھی ایک جھرجھری سی لی۔ آدم خور وحشی عنبر کو ڈولی ڈنڈا کر کے اٹھا کر پتھر کے ایک سوراخ کے اندر لے گئے۔ یہ سوراخ کچھ کھلا تھا۔ آدم خوروں نے اُسے پتھروں پر لا کر پھینک دیا۔ اور سوراخ کا منہ ایک بڑے سے پتھر سے بند کر کے چلے گئے۔ کچھ دیر تک باہر آدم خوروں کے ٹرانے کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

عنبر پہاڑ کے سوراخ کے اندر جال میں بندھا چپ چاپ پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جتنی مصیبت میں وہ اس وقت پھنسا ہے پہلے کبھی نہیں پھنسا تھا۔ اس کی بہن ماریا اُس سے بچھڑ گئی۔ اُس کا وفادار گہرا دوست ناگ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صندوقچی میں بند پڑا تھا۔ اور وہ خود جال میں جکڑا پہاڑ کی کھوہ میں لیٹا ہے۔ بے بس ہو کر۔ اُسے کچھ خبر نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہ آدم خور وحشی اُسے خود

بھون کر کھانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ یاکھو کے بندروں کے آگے ڈال دیں گے؟

درخت کی چھال کے ریشوں سے بنا ہوا جال اب اُسے تنگ کرنے لگا تھا۔ اُس کا جسم درد کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ زور لگا کر جال میں سے آزاد ہو جانا چاہئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس نے زور لگانا شروع کر دیا۔ مگر رسیاں کچھ اس طرح اُس کے جسم کے گرد کس دی گئی تھیں کہ کافی دیر تک کوشش کرنے کے بعد وہ صرف اپنی ایک انگلی اور ایک انگوٹھے کو آزاد کرا سکا۔ ایک انگلی اور ایک انگوٹھے کی مدد سے اُس نے اپنے بازو کے گرد لپٹی ہوئی رسیوں کی گرہ کھولنے کی کوشش شروع کر دی مگر کافی دیر کی کوشش کے بعد بھی وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

خدا جانے ان آدم خور وحشیوں کو گرہ لگانے کا کونسا طریقہ معلوم

تھا کہ رسی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ عنبر ناکام ہو کر چپکا ہو رہا۔ اُس نے بہرام جن کو بلانے کے بارے میں سوچا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ بہرام جن کو بار بار بلانا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح سے جن تنگ آ کر اُلٹ کام کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اجنبی اگر اسے کہیں کہ مجھے دریا پار کرادو۔ تو وہ دریا کے عین درمیان میں جا کر ڈبو دے گا۔ اگرچہ بہرام جن کے ساتھ ابھی تک عنبر کے بہت سے دوستانہ تعلقات تھے۔ پھر بھی وہ اُس سے مدد مانگتے ہوئے گھبراتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بہرام جن سے اُس وقت تک مدد طلب کی جائے۔ جب وہ ہر طرف سے نا امید ہو گیا ہو۔ اور اُس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کی جان کو بھی خطرہ پیش ہو۔ اُسے اپنی جان کا تو کوئی خطرہ ہی نہیں تھا۔

عنبر نے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور انتظار

کرنے لگا کہ دیکھو اُس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اس نے باہر جنگل کی طرف کان لگا دیئے۔ باہر جنگل میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ درختوں پر پرندے سو رہے تھے۔ کسی پرندے کے بولنے کی آواز نہیں آ رہی تھی، کسی کسی وقت بہت دور سے کسی شیر کے گرجنے کی آواز آ جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد یہ آواز بھی بند ہو گئی۔ اب اُسے کچھ بندروں کے خوخیانے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر یہ آوازیں بھی رُک گئیں۔ اور جنگل میں ایک بار پھر گہری خاموشی طاری ہو گئی۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ اندھیرا دور ہوتا چلا گیا۔ پھر عنبر کو باہر جنگل میں چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ سمجھ گیا کہ صبح ہو گئی ہے۔ جس سوراخ کے منہ پر جو بڑا سا گول پتھر رکھا تھا۔ اُس کی درزوں میں سے روشنی کی سفید سفید کرنیں اندر آنے لگیں۔ عنبر نے ساری رات پلک تک نہ جھپکی تھی۔ دن چڑھا تو اس پر

غنودگی طاری ہونا شروع ہوگئی۔ اور وہ سو گیا۔

جس وقت اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے دیکھا کہ دروازے کا پتھر اپنی جگہ سے ہٹا ہوا ہے اور غار کے اندر صبح کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اس روشنی میں اُس نے دیکھا کہ پہاڑ کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اگر وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تو اُس کا سر چھت سے ٹکرا جاتا۔ چھ سات آدم خور وحشی بونے ہاتھوں میں نیزے لئے اندر داخل ہوئے۔ اور اُسے اٹھا کر باہر میدان میں لے آئے۔ اُس نے دیکھا کہ آدم خوروں کے قد بڑے چھوٹے تھے۔ اور ان کے چہروں کے رنگ گہرے سانولے تھے۔ انھوں نے اپنے جسم پر سرخ اور نیلے رنگ کی شاید چربی ملی ہوئی تھی۔ جس سے ان کے جسم دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ سروں پر بالوں کے گچھے تھے۔ اور آنکھوں میں بلی کی آنکھوں جیسی چمک تھی۔

عنبر نے چاروں طرف نظر گھمائی۔ اُس کے اردگرد بڑے بڑے تناور گھنے درخت تھے۔ اُوپر پہاڑی ڈھلان پر پتھر کے سوراخوں میں وحشی بندر بیٹھے خوخو کر رہے تھے۔ وہ بار بار اپنے چھوٹے چھوٹے دانت باہر نکال کر عنبر کو دیکھ رہے تھے۔ آدم خوروں نے عنبر کو اٹھا کر ایک درخت کے نیچے ڈال دیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ کھول کر اُس کے سر کے پیچھے رسی سے باندھ دیئے گئے۔ وہ وحشی اُس کے گرد ناچنے لگے۔ وہ تیزی سے اُچھال اُچھال کر کود رہے تھے۔ اور کسی انوکھی زبان میں گیت بھی گا رہے تھے۔ وہ وحشی ذرا پرے بیٹھے ناک پکڑ کر باجہ بجا رہے تھے۔ چار وحشی عنبر کے سرہانے کھڑے اُس کے جسم کے اُوپر بار بار کٹورے میں سے کائی پانی چھڑک دیتے تھے۔ ایسے لگتا تھا۔ جیسے وہ کوئی مذہبی رسم ادا کر رہے ہیں۔

‘‘کہیں وہ مجھے کسی دیوتا کے آگے قربان تو نہیں کر رہے؟’’

عنبر نے سوچا۔ اور بڑے غور سے گردن اٹھا کر اپنے اردگرد دیکھنے لگا۔ اُس کے اردگرد بے شمار آدم خور وحشی اِدھر اُدھر سے آ کر دائرے کی شکل میں جمع ہو گئے تھے۔ اور بڑے غور سے اُسے تک رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں چمک تھی۔ جیسے وہ اپنی زندگی کا کوئی بہترین تماشہ دیکھنے والے ہوں۔ ناچ ختم ہوا تو ایک وحشی نے ایک کچا ناریل لے کر زور سے عنبر کے سر کے قریب زمین پر دے مارا۔ ناریل اُسی وقت ٹوٹ گیا۔ وحشی نے ناریل کے ٹکڑے اٹھا کر اپنے ملازم کو دے دیئے۔ جس نے کہا کہ وہ اپنے بیمار باپ کے لئے لے جا رہا ہے۔

اب ایک بار زور سے ڈھول بجا۔ اور سفید پروں والی ٹوپی پہنے اس قبیلے کا سردار وہاں آ گیا۔ سردار کے دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں وہ اگرچہ ادھیڑ عمر کا تھا مگر اُس کے چہرے پر سے بڑھاپے کے آثار نمایاں نہیں تھے۔ اُس کی آنکھوں کے ارد گرد گہرے سرخ رنگ کے دائرے بنے ہوئے تھے۔ چہرے سے وحشت ٹپکتی تھی۔ سردار کو دیکھ کر آدم خور وحشیوں نے زور زور سے ناچنا شروع کر دیا۔ آخر سردار نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ناچ یکدم بند ہو گیا۔ کمال کی بات جو عنبر نے دیکھی وہ یہ تھی کہ سردار کے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہی بندروں نے بھی خوخو کرنی یکلخت بند کر دی۔ اور بالکل خاموش ہو گئے۔

سردار قدم بقدم چلتا عنبر کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ سارے آدم خور وحشی پرے پرے ہٹ کر ادب سے خاموش کھڑے ہو گئے۔

سردار بڑے غور سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے تلواریں اوپر اٹھا کر

ہوا میں لہرائیں۔ اور اپنی زبان میں ایک نعرہ لگایا۔

نعرے کی آواز پر سارے وحشیوں نے بھی ایک جوابی نعرہ لگایا۔ نعروں کی گونج جنگل میں پھیل گئی۔ کچھ جانور پھڑ پھڑا کر درختوں پر سے اُڑ گئے۔ سردار وحشی اب پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اوپر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور خود ایک طرف پتھر کے چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ پہاڑی پر سے بندروں کی قطار نیچے اتری چلی آ رہی ہے۔ اس قطار میں نیچے آ کر پہاڑ کے سوراخ والے بندر بھی شامل ہو گئے۔ بندروں کے قد کتوں کی طرح اونچے اونچے تھے۔ اور وہ بڑے وحشی انداز میں چیخ رہے تھے۔

عنبر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ کہ یہ کیا مصیبت اس کی طرف چلی آ رہی ہے۔۔۔ اسے اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں تھا مگر وہ یہ سوچ کر گھبرا گیا کہ اتنے سارے بندروں کو وہ کیسے پیچھے ہٹائے گا؟ سارے

بندر اُس کے گرد آ کر چکر لگانے لگے۔ وہ بار بار وحشی سردار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے اس کے کسی اشارے کا انتظار کر رہے ہوں۔ وحشی سردار نے اپنا نیزہ ہوا میں لہرایا۔

نیزے کا ہوا میں لہرایا جانا تھا کہ خونخوار بھوکے بندر ٹوٹ کر عنبر پر حملہ آور ہو گئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں کئی روز سے بھوکا رکھا گیا ہے۔ عنبر کے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے بندھے تھے۔ بندروں نے آ کر عنبر پر اپنے پنجے مارنے شروع کر دیئے۔ عنبر نے آنکھیں بند کر دیں۔ اور خیال ہی خیال میں کنیز کی روح کو یاد کیا۔ اس کے سوا اب اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگرچہ وہ مر نہیں سکتا تھا۔ مگر اتنے سارے بندر ایک بار تو اس کی ساری کھال ادھیڑ سکتے تھے۔ بعد میں خواہ ساری کھال اپنے آپ جڑ جاتی۔

کنیز کی روح خیال کرنے کے ساتھ ہی اس کے سامنے آن

کھڑی ہوئی۔ اور مسکرا کر کہنے لگی۔

''عنبر! تم نے مجھے کس لئے یاد کیا؟''

عنبر نے بندروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اس ناگہانی مصیبت سے میری جان بچاؤ۔''

زوح نے کہا۔

''مگر تم مر نہیں سکتے۔''

عنبر نے کہا۔

''ٹھیک ہے مگر ایسے لگتا ہے کہ آج یہ بندر مجھے مار کر ہی دم لیں گے۔ دیکھتی نہیں ہو۔ کیا لشکر کا لشکر مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔''

کنیز کی زوح نے مسکرا کر کہا۔

''فکر نہ کرو عنبر! ان کا ابھی بندوبست کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر زوح غائب ہو گئی۔ بندر بار بار عنبر کے سر پر اپنے پنجے مار

رہے تھے۔ اب کیا ہوا کہ اچانک درختوں کی طرف سے شہد کی مکھیوں کا ایک بادل سا اُڑتا ہوا آیا۔ اور آن کی آن میں وہ سارے بندروں کے ساتھ چمٹ گیا۔ بھڑوں نے جو بندروں کی آنکھوں پر کاٹا تو وہ بدحواس ہو کر چیخنے چلانے لگے۔ وحشی بڑے پریشان ہو گئے۔ شہد کی مکھیوں نے بندروں کو کاٹ کاٹ کر بُرا حال کر دیا۔ سارے بندر شور مچاتے، اپنے سروں پر زور زور سے پنجے مارتے ایک طرف کو بھاگ گئے۔ اور پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ساری شہد کی مکھیاں ان کے ساتھ ساتھ اُڑتی چلی گئیں۔

میدان بندروں سے خالی ہو گیا۔

آدم خور وحشی سردار نے نیزہ ہلا ہلا کر بندروں کو بلانے کی کوشش کی۔ مگر وہاں بندر ہوتا تو واپس آتا۔ وہ تو شہد کی مکھیوں کے حملے سے شکست کھا کر جنگل میں جس کا جدھر منہ اُٹھا گم ہو چکے تھے۔ آدم

خوروں نے اپنے سردار کی طرف دیکھا۔ سردار نے نیزہ ہوا میں لہرا کر اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہا۔ اس پر سارے وحشی نعرے لگانے لگے۔ پھر انہوں نے عنبر کو اٹھا کر دوبارہ اسی پہاڑ کے غار میں بند کر دیا۔ صرف اس کے حلق میں تھوڑا سا دودھ ٹپکا دیا گیا تھا۔

عنبر دوپہر سے لے کر شام تک غار میں اکیلا پڑا رہا۔

وہ سوچتا رہا کہ دیکھیں اب یہ آدم خور وحشی اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ شام ہو گئی۔ کھوہ میں کوئی وحشی نہ آیا۔ پھر رات ہو گئی۔ باہر سے کچھ وحشیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور دوبارہ گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ عنبر بڑا حیران تھا کہ یہ مینڈک نما لوگ کون ہیں؟

کہاں رہتے ہیں؟

اور کہاں سے آتے ہیں؟

رات گہری ہو گئی۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ پرندوں کی آوازیں

بند ہو گئیں۔ چاروں طرف ہو کا عالم ہو گیا۔ ایک بار پھر آدم خور وحشیوں کے بولنے کی تیز تیز آوزیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ غار کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ آخر پتھر ایک طرف ہٹا دیا گیا۔ اور اندر مشعل کی روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں عنبر کو کئی ایک آدم خور وحشی نظر آئے۔

انہوں نے اندر آتے ہی عنبر کو ڈولی ڈنڈا کر کے اٹھا لیا۔ اور لیکر جنگل کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے ایک درخت کے نیچے اُسے ڈال دیا۔ وحشی سردار نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ سارے کے سارے وحشی اپنے سردار کے پیچھے پیچھے درختوں کے اُوپر بندروں کیطرح چڑھ گئے۔ اور شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ عنبر درخت کے نیچے اکیلا پڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں رسیوں میں بندھے تھے اچانک جنگل میں دور کسی شیر کی گرج سنائی دی۔

خونی پنجر

سیر کی آواز کے ساتھ ہی عنبر سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہونیوالا ہے آدم خور وحشی اُسے کسی ایسے شیر کے آگے ڈال رہے تھے۔ جو انسانوں کے خون پینے کا عادی ہو چکا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ جبکہ اگر وہ چاہتے تو خود عنبر کو بھون کر کھا سکتے تھے۔

بہر حال عنبر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ شیر کی گرج ایک بار پھر سنائی دی۔ اس دفعہ اُس کی گرج سے معلوم ہوا کہ وہ قریب آ گیا ہے۔ شیر کی دہاڑنے کے ساتھ ہی جنگل میں گہرا سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ اس قدر گہری خاموشی چھا گئی کہ اگر وہاں پر سوئی بھی

بگرادی جاتی تو اُس کی آواز بھی آجاتی۔

شیر بہت قریب آگیا تھا۔ اور اُسے دبے پاؤں درختوں کے عقب میں آگے بڑھتے آدم خوروں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ درختوں پر بندروں کی طرح چھپے بیٹھے تھے۔ اور خاموش تھے۔ کسی وقت عنبر کو زمین پر لیٹے لیٹے درختوں پر اُن کی بلی جیسی مکار آنکھیں چمکتی نظر آجاتی تھیں۔ دفعتاً جنگل شیر کی خوفناک دھاڑ سے گونج اٹھا۔ یہ دھاڑ بے حد قریب سے آئی تھی۔ عنبر نے سر اٹھایا تو شیر اس سے دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا زرد رنگ کا یہ شیر بہت اونچا لمبا تھا۔ اور اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔ وہ اپنا جبڑا کھول کر غرایا تو اُس کے سامنے کے دو لمبے دانت نظر آئے جو خنجروں کی طرح چمک رہے تھے۔

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ شیر سے

مقابلہ کرنے کے خیال سے۔ اب وہ کنیز کی روح کو دوسری بار تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اس سے خود ہی نپٹنا چاہتا تھا۔ شیر نے چھلانگ لگائی۔ اور عنبر کے اوپر آن گرا۔ عنبر نے شیر کا معمولی سا بھی دباؤ محسوس نہ کیا۔ وہ پوری طرح مقابلے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ شیر نے پوری طاقت سے عنبر کے سر پر پنجہ مارا۔ اور اُلٹ کر پرے جا گرا۔ شیر کو یوں لگا جیسے اس نے کسی پتھر کی چٹان کو پنجہ مارا ہو۔ اس کا پنجہ زخمی ہو گیا۔ شیر بڑا حیران ہوا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے کہ اس کا سر پتھر کی طرح سخت ہے۔ شیر نے دوسری بار پنجہ مارا تو عنبر کے سر سے ٹکرا کر اُس کا ایک ناخن ٹوٹ گیا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔

اس عرصے میں عنبر نے زور لگا کر اپنے دونوں ہاتھوں کی رسیاں کھول لی تھیں۔ درختوں پر بیٹھے ہوئے وحشی یہ سارا منظر بڑی حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ کہ شیر کے حملے سے انسان کے جسم سے خون کا

ایک قطرہ بھی نہیں نکل رہا۔ حالانکہ اُس کے پہلے ہی پنجے کی مار سے عنبر کی کھوپڑی کے ٹکڑے اُڑ جانے چاہئیں تھے۔ لیکن عنبر کا کچھ بھی نہ بگڑا تھا۔ شیر غصے میں آ کر گرج کر ایک بار پھر عنبر پر حملہ کرنے آیا۔ جونہی وہ عنبر پر گرا، عنبر نے اُس کے گلے میں رسی ڈال کر اُسے مروڑنا شروع کر دیا۔ شیر نے عنبر کے چنگل سے نکلنے کی بیحد کوشش کی۔ وہ سٹپٹایا۔ اُس نے غضب ناک ہو کر خوفناک انداز میں عنبر کے سر پر پنجوں کی بارش کر دی۔ مگر عنبر پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ برابر رسی کو کس رہا تھا۔

رسی میں بل پڑتے گئے اور شیر کا دم گھٹنے لگا۔ اُس کے گلے سے خرخر کی آوازیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہونا شروع ہو گئے۔ اور آنکھیں باہر کو اُبل آئیں۔ عنبر رسی کو کستا چلا گیا یہاں تک کہ شیر کے گلے سے ایک آخری گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔ اُس کی

آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ اور وہ بے دم ہو کر عنبر کے پہلو میں زمین پر گر پڑا۔ یہ سارا ماجرا دیکھ کر آدم خور وحشی تو دنگ رہ گئے۔ وہ شور مچاتے ہوئے درختوں سے نیچے اتر آئے۔ اور عنبر کے جسم پر نیزے مارنے لگے۔ اُن کو یہ صدمہ تھا کہ عنبر نے ان کے جنگل کا ایک خوبصورت بادشاہ ہلاک کر دیا تھا۔

وحشی سردار نے ہاتھ بلند کر کے سب کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور خود آگے بڑھ کر عنبر کے چہرے کا بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عنبر کے جسم پر شیر کے پنجے کی ایک معمولی سی خراش بھی نہیں آئی تھی۔ اس نے جھک کر شیر کو بھی دیکھا۔ شیر کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ اور رسی اس کے گلے کی کھال کے اندر تک گھس گئی تھی۔ پھر وحشی نے زور زور سے چلّا کر اپنے آدمیوں کو کچھ کہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ انہیں عنبر کے خلاف کوئی حکم دے رہا ہے۔

سردار کا حکم سنتے ہی وحشیوں نے زور سے چیخ ماری۔ اور عنبر کو گھسیٹتے ہوئے اسی جگہ پر لے آئے۔ جہاں سے وہ چلے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ زمین پر گھسٹنے سے عنبر کی کھال اُدھڑ گئی ہوگی مگر ایسا نہیں تھا۔ عنبر بالکل صحیح سلامت تھا۔ وحشی سردار کے حکم سے عنبر کو ایک بار پھر کھوہ کے اندر قید کر کے اُس کے منہ پر بھاری پتھر رکھ دیا گیا۔ عنبر تیسری بار وہاں قید ہو کر پڑ گیا۔ وہ بڑا تعجب کر رہا تھا۔ کہ آخر یہ آدم خور وحشی اُس سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہلاک کیوں نہیں کرتے؟

ان کم بختوں پر عنبر کی طاقت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ خدا جانے وہ کس شے کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر پتھر کے فرش پر ساری رات پڑا رہا۔ رات گزر گئی۔ سن نکل آیا۔ عنبر کو باہر ڈھولوں کے بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وحشی ڈھول کی تال پر رقص کر

رہے ہیں۔ اتنے میں ایک بار پھر پتھر ایک طرف ہٹا کر دو چار وحشی اندر آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو اپنے کندھوں پر رکھا اور اٹھا کر باہر لے آئے۔

اس دفعہ باہر کا منظر بالکل ہی نیا اور عجیب و غریب تھا۔ چاروں طرف آدم خور وحشی رنگ برنگ پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے کھڑے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے۔ کچھ وحشی ایک طرف رقص کر رہے تھے۔ درمیان میں چبوترے پر سرخ رنگ کی ریت بچھی تھی۔ اس ریت پر سفید جنگلی پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ عنبر کو لا کر اس چبوترے پر لٹا دیا گیا۔ قریب ہی ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ اور اس کے اوپر ایک لوہے کا کڑاہ رکھا تھا۔ جس میں تیل گرم ہو رہا تھا۔

"یہ تو مجھے بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

عنبر نے سوچا۔ اور ایک دم ہنس پڑا۔ وحشیوں نے اُسے حیرانی سے دیکھا کہ یہ کس قسم کا آدمی ہے کہ موت کے سامنے کھڑا ہو کر بھی مسکرا رہا ہے۔ اتنے میں سردار نمودار ہوا۔ آج اُس نے بھی سروں پر طوطے کے سبز پروں کا تاج پہن رکھا تھا۔ اور گلے میں سرخ سبز پتھروں کی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لمبی تلوار تھی۔ سردار کو دیکھتے ہی زور زور سے ڈھول بجنے لگے اور وحشیوں نے اچھل اچھل کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اِدھر الاؤ میں آگ تیز کر دی گئی۔ کڑاہے میں تیل نے کھولنا شروع کر دیا۔

جب رقص کی دھن اپنی انتہا کو پہنچ چکی تو سردار نے تلوار اٹھا کر زور سے ایک چیخ ماری۔ اور چاروں طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ سردار نے اپنی زبان میں تقریر کرنی شروع کر دی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا امینڈک بول رہا ہے۔ اپنی تقریر میں وہ بار بار عنبر کی طرف

ہاتھ سے اشارہ کرتا۔ جس پر وحشی زور سے نعرہ لگاتے تقریر ختم کر کے اُس نے تلوار اٹھا کر زور سے زمین میں گاڑ دی۔

اس کے ساتھ ہی چار آدم خور وحشی لمبے لمبے نیزے لے کر عنبر کی طرف بڑھے، ان کے نیزوں کی نوکیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ عنبر کے قریب آ کر چاروں گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ نیزے انہوں نے ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔ اور نیزوں کا نشانہ عنبر کے دل کی طرف تھا۔ اب وہ شاید سردار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ سردار نے جب دیکھا کہ ہر شے تیار ہے تو اس نے تلوار لہرا کر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ سردار کے حکم ملنے کی دیر تھی کہ بھیانک چیخوں کے ساتھ چاروں کے چاروں وحشی آدم خوروں نے پوری طاقت کے ساتھ چاروں نیزے عنبر کے دل کے آس پاس میں عنبر پر حملہ کر دیا۔ وحشیوں کے خیال کے مطابق عنبر کو ایک خوفناک چیخ مارنی چاہیے تھی۔

اور اس کے جسم سے خون کا فوارہ اچھلنا چاہیے تھا۔ مگر دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ نہ تو عنبر کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ اور نہ اس کے جسم سے خون نکلا تھا۔

سردار نے ایک بار پھر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

وحشیوں نے چاروں نیزے عنبر کے بدن سے کھینچ کر نکالے اور دوسری بار پھر پوری طاقت سے گھونپ دیئے۔ مگر اس دفعہ بھی کچھ نہ ہوا۔ عنبر اُن وحشیوں کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ وحشیوں نے سردار کا حکم پا کر دھڑا دھڑ عنبر کے جسم پر نیزوں کی بارش کر دی۔ نیزہ عنبر کے جسم میں کھبتا۔ زخم کا منہ بنتا۔ اور نیزے کے باہر نکلتے ہی زخم کا منہ دوبارہ بند ہو جاتا۔ اور خون ذرا سا بھی نہ نکلتا۔ یہ حالت دیکھ کر سردار آگے بڑھا۔ اور جھک کر بڑے غور سے عنبر کے جسم کو دیکھنے لگا۔

وہ ان جگہوں کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں جہاں نیزے کھبے تھے۔ وہاں زخم اس طرح آپس میں مل گئے تھے کہ لگتا تھا کبھی کسی نے یہاں کیل تک نہیں چبھوئی۔ سردار بڑا حیران ہوا کہ یہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اُس نے سوچا کہ یہ شخص ضرور کوئی جادوگر ہے۔ اور اپنے جادوگر کے زور سے بچ رہا ہے۔ سردار کو معلوم تھا کہ جادوگر کے سر پر اگر تلوار مار کر اُسے دو ٹکڑے کر دیا جائے تو جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر بڑے زور سے قہقہہ لگایا۔ اور تلوار لہرا کر پوری طاقت سے عنبر کے سر پر دے ماری۔

سردار بڑا طاقت ور آدمی تھا۔ اُس کے بازوؤں میں ابھی تک بڑا زور تھا۔ اُسے اتنا معلوم تھا۔ اگر وہ یہ وار پتھر پر کرتا تو وہ دو ٹکڑے ہو جاتا۔ مگر عنبر کی کھوپڑی پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ الٹا تلوار اُچٹ کر دور جا گری تھی۔ جیسے وہ کسی سنگ مرمر کے پہاڑ سے ٹکرا گئی ہو۔ سردار نے

غصے میں آ کر زمین پر سے تلوار اٹھائی اور عنبر کے سر پر زور زور سے مارنی شروع کر دی۔ جیسے وہ قیمہ کرنا چاہتا ہو۔ تلوار عنبر کی کھوپڑی پر پڑتی تو ایسے آواز آتی جیسے لوہا پتھر سے ٹکرا رہا ہو۔ چھ سات واروں کے بعد تلوار ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور سردار کے ہاتھ میں صرف دستہ پکڑا رہ گیا۔ سردار نے غصے میں آ کر عنبر کے سر پر ایک پتھر اٹھا کر دے مارا کہ شاید پتھر ہی سے اس کا سر کچلا جائے۔ مگر عنبر کے سر پر معمولی سی بھی خراش نہیں آئی تھی۔ خون کی ایک لکیر تک بھی نہیں تھی۔

سردار نے نعرہ لگا کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ کڑاہے میں تیل کھول رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر لمبے لمبے بانسوں کی مدد سے کھولتے ہوئے گرم گرم تیل کے کڑاہے کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور جہاں عنبر زمین پر پڑا تھا۔ اس کے اوپر لے آئے۔ سردار نے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا اور پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وحشیوں نے حکم ملتے ہی

تیل کی کڑاہی عنبر کے اوپر انڈیل دی۔ اس دفعہ انہیں پکا یقین تھا کہ تیل کھول رہا ہے عنبر پر جونہی پڑا وہ تل کر کباب بن جائے گا۔ مگر اس بار بھی انہیں سخت ناکامی ہوئی۔

گرم گرم کھولتا ہوا تیل عنبر کے اوپر گر گیا۔ مگر وہ مسکراتا رہا۔ اُسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے کنوئیں میں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی نکال کر اس کے اوپر ڈال دیا ہو۔ اس کے جسم کا کباب ہونا تو بڑے دور کی بات تھی۔ اس کے بدن پر کہیں ایک آبلہ تک نہ پڑا۔ اب سردار اور دوسرے آدم خور وحشی سکتے میں آ گئے تھے۔ سردار تو ششدر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ اور وہ خوف زدہ ہو کر عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ اچانک جھک کر زمین پر گر کر عنبر کو سجدہ کرنے لگا۔ سردار کو زمین پر گرتے دیکھ کر سارے کے سارے وحشی عنبر کے آگے سجدے

میں گر گئے۔ عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کہا کہ رسیاں کھول کر اسے آزاد کیا جائے۔ سردار آگے بڑھا۔ اور اس نے بڑے ادب سے اور بڑی جلدی جلدی عنبر کے جسم کے گرد لپٹی ہوئی جال کی رسیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ دوسرے وحشی بھی سردار کی مدد کرنے لگے۔ عنبر آزاد ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُن کمبخت وحشیوں نے اسے زور زور سے جال میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سارے وحشی سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر دو زانو بیٹھے تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ وہ اُن کا بادشاہ ہے۔ اور باقی سارے وحشی اس کے غلام ہیں۔

"ایک طرف ہٹ کر بیٹھ جاؤ"

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔ کوئی بھی اس کی زبان کو نہ سمجھ سکا۔ مگر سارے کے سارے وحشی پرے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ سردار اس کے قدموں میں ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔ عنبر اٹھ کر اس درخت کی طرف چل

پڑا۔ جہاں شاخ کے ساتھ اس کے دوست کی لاش کے ٹکڑے لٹک رہے تھے۔ سارے وحشی غلام جانوروں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ عنبر درخت کے پاس جا کر رک گیا۔

صندوقچی ابھی تک ٹہنی کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ عنبر نے حکم دیا کہ شاخ پر سے صندوقچی کو اتار دیا جائے۔ فوراً دو وحشی درخت پر چڑھے اور انہوں نے بڑے احترام کے ساتھ صندوقچی کو ٹہنی پر سے اتار کر عنبر کے قریب زمین پر رکھ دیا۔ اور خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے عنبر نے صندوقچی اٹھائی اور واپس چبوترے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اب اُسے یہ فکر تھی کہ اس کا گھوڑا کہاں چلا گیا ہے؟

”میرا گھوڑا کہاں ہے“؟

سارے کے سارے وحشی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے تھے۔ کہ عنبر انہیں کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر نے ایک بار پھر

اپنے سوال کو دہرا دیا۔ مگر اس بار بھی کسی کے پلے کچھ نہ پڑا۔ آخر اس نے وحشی سردار کو قریب بلا کر اشاروں میں گھوڑے کی نقل اتار کر سمجھایا کہ اس کا گھوڑا کہاں ہے؟ سردار نے مسکرا کر دیکھا اور پھر اپنی زبان میں مینڈک کی طرح ٹرا کر وحشیوں سے کچھ کہا۔ دو وحشی لپک کر اٹھے۔ اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ جنگل میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ عنبر کا عربی نسل کا گھوڑا بھی تھا۔ انہوں نے گھوڑا عنبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اور بڑے ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

سردار نے زور سے ایک چیخ ماری۔ ڈھول زور زور سے بجنے لگے۔ اور وحشیوں نے پھولوں کے ہار عنبر کے گلے میں ڈالنے شروع کر دیئے وہ ہار عنبر کے گلے میں ڈالتے۔ جھک کر اس کے قدموں کو ہاتھ لگا کر چومتے اور اس کے گرد رقص کرنا شروع کر دیتے۔ عنبر

خاموشی سے چبوترے پر بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اس کی گردن ہاروں سے لد گئی۔ اس نے ہار اتار کر چبوترے پر رکھ دیئے۔ دیکھتے دیکھتے سارے وحشی ان ہاروں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں تبرک سمجھ کر اپنے اپنے گلے میں ڈال کر خوشی سے ناچنے لگے۔

عنبر نے وحشی سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"یہ جنگل کہاں جا کر ختم ہوتا ہے"؟

سردار بڑی مشکل سے عنبر کی بات سمجھ سکا۔ پھر اُس نے اپنی زبان میں عنبر کو بتایا کہ دو دن کے سفر کے بعد یہ جنگل ختم ہو جاتا ہے۔ اور آسام کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ عنبر اتنی ہی بات کافی دیر کے بعد سمجھا۔ عنبر نے سردار سے کہا کہ اب وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ سردار نے ہاتھ جوڑ کر کچھ اس قسم کی بات کی کہ ابھی وہ نہ جائے۔ وہ اُسے اپنا سورج دیوتا سمجھتے ہیں۔ اگر وہ چلا گیا تو ان کے ہاں غلے کا قحط پڑ

جائے گا۔ اور کھانے کو کوئی جانور، کوئی آدمی نہ ملے گا۔ عنبر نے باتوں اور اشاروں سے وحشیوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ وہ دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں۔ اور آدمیوں کو بھون کر کھانا چھوڑ دیں۔ وحشی کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر عنبر کو سلام کرتے رہے۔

عنبر نے صندوقچی گھوڑے کے گلے میں لٹکائی۔ اور خود گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھ کر سردار نے اپنے گلے میں سے ہڈیوں کی ایک مالا اتار کر عنبر کے گلے میں پہنا دی۔ اور اُس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ گویا یہ نشانی تھی عقیدت اور محبت کی .... سردار نے اشاروں میں عنبر کو بتایا کہ یہ ہڈیوں کا ہار بڑا مقدس ہے۔ اور اسے گلے سے کبھی نہ اتارنا۔ عنبر نے ہار کا شکریہ ادا کیا۔ اور آہستہ سے وہاں سے چل پڑا۔ اُسے جاتا دیکھ کر سارے کے سارے وحشی ایک دم

زمین پر سجدے میں گر گئے۔ درسار بھی سجدے میں پڑ گیا عنبر چپ چاپ گھوڑے پر سوار وہاں سے نکل گیا۔ جنگل میں ایک جگہ موڑ گھومتے ہوئے اُس نے مُڑ کر پیچھے دیکھا۔

سارے آدم خور ابھی تک سجدے میں گرے ہوئے تھے۔

قاتل ساتھی

دو دن کی مسافت کے بعد اس گھنے جنگل کو ختم ہو جانا تھا۔

یہ دو دن بڑے ہی پُر خطر سفر کے دن تھے۔ عنبر کو ایک ایسے جنگل میں سے گزرنا تھا۔ جہاں قدم قدم پر خونخوار قبیلے آباد تھے۔ یہ قبیلے آدم خور وحشیوں کے قبیلے تھے۔ یہ لوگ عنبر کو مار تو نہیں سکتے تھے لیکن اس کے لئے رکاوٹ کا باعث بن سکتے تھے۔ اور وہ بہت جلد ہمالیہ کے پہاڑوں میں جھیل شدن سر پہنچنا چاہتا تھا۔ جس کے پانی میں اُس کے دوست ناگ کی زندگی کا راز چھپا ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ راستے میں اسے کوئی نہ پریشان کرے۔ اور وہ بڑے سکون کے ساتھ سفر کرتا ہوا اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ مگر یہاں قدم قدم پر اُسے روکا جا رہا تھا۔ اس

سے پہلے ہی اس کے چار پانچ دن ضائع ہو گئے تھے۔

اگر یہ آدم خور وحشی اُسے نہ روکتے تو اس وقت تک وہ ہمالیہ کے دامن میں پہنچ چکا ہوتا۔ ایک بات کی اسے تسلی تھی کہ سردار نے اس کے گلے میں ہڈیوں کی مالا ڈال دی تھی۔ عنبر کو یقین تھا کہ راستے میں اگر اس کا واسطہ کسی آدم خور قبیلے سے پڑا تو وہ اس کے گلے میں سردار کی ہڈیوں کی مالا دیکھ کر اُسے کچھ نہیں کہیں گے۔ اور گزر جانے دیں گے۔ سارا دن وہ جنگل میں چلتا رہا، رات ہو گئی۔ یہ جگہ گنجان درخت کی چھاؤں میں تھی۔ جہاں دیودار کے پیڑوں نے اپنا گھنا سایہ پھیلا رکھا تھا۔ عنبر نے ناگ والی صندوقچی اوپر شاخ کے ساتھ باندھ ڈالی۔ گھوڑے کو پانی وغیرہ پلا کر اُس نے درخت کے ساتھ باندھا اور خود سونے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کئی روز سے پوری طرح نہیں سو پایا تھا۔ اور بے حد تھکا ہوا تھا۔

بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی۔ اور وہ گہری نیند میں کھو گیا۔

ٹھیک اس وقت ادھر سے ایک چور کا گزر ہوا۔ اس نے جو ایک مسافر کو جنگل میں سوئے ہوئے اور گھوڑے کو قریب ہی بندھے ہوئے دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ اور گھوڑے کو کھولنے لگا۔ گھوڑے نے ایک اجنبی کو اپنے قریب پا کر زور زور سے ہنہنانا شروع کر دیا۔

عنبر کی آنکھ کھل گئی۔

آنکھ کھلتے ہی جو شے سب سے پہلے اس نے دیکھی وہ ایک ڈراونے چہرے والا کالا چور تھا جو عنبر کا گھوڑا کھول رہا تھا۔ عنبر نے اٹھ کر آواز لگائی۔

”ٹھہر جاؤ۔ کون ہو تم؟ میرا گھوڑا کس لئے کھول رہے ہو؟“

چور وہیں رک گیا۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کا تھا۔ اُس نے دبلے

پتلے نوجوان کو گہری نظروں سے دیکھا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو جہاں لیٹے ہو خاموشی سے لیٹے رہو۔ زرا بھی حرکت کی تو تلوار کے ایک ہی وار سے تمہارے دو ٹکڑے کر دونگا۔''

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''دوست! میرے گھوڑے کو تم چرا نہ سکو گے۔ میری بات غور سے سنو۔ اگر تم جان کی سلامتی چاہتے ہو تو یہاں سے چپ چاپ نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ نہیں تو یاد رکھو تمہیں پچھتانا پڑے گا۔''

''بکواس بند کرو''۔ چور تلوار کھینچ کر مقابلے پر آ گیا۔

عنبر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیسا احمق آدمی ہے۔ حالانکہ اس کو سمجھا چکا ہوں کہ بھائی میرے مقابلے پر نہ آ۔ تو پچھتائے گا۔ مگر بے وقوف پھر بھی اپنے پیروں پر کلہاڑا اچھال رہا ہے۔ عنبر نے ایک بار پھر اُسے

سمجھانے کی کوشش کی۔

''اے بےوقوف آدمی! میں آخری بار تجھے ہدایت کرتا ہوں، کہ تلوار میان میں رکھ کر یہاں سے چلا جا۔ نہیں تو خواہ مخواہ کرجائیگا۔''

چور نے غصے میں چیخ کر کہا۔

''ارے کیلیڈی کیلپڈی کا شوربہ! تو ایک کل کا لونڈا ہو کر میرے منہ آتا ہے۔ میں تجھے ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی جان کا دشمن نہ بن اور چپکے سے اپنا گھوڑا اور ساری نقدی وغیرہ میرے حوالے کر کے یہاں سے بھاگ جا۔ نہیں تو میرے ہاتھوں قتل ہونے سے نہیں بچ سکتا۔''

اب عنبر کو بڑا غصہ آ گیا۔

اس نے تلوار سونت کر چور پر حملہ کر دیا۔ چور ایک بہت ماہر تلوار تھا۔ وہ اس سے پہلے خدا جانے کتنے لوگوں کو قتل کر چکا تھا۔ وہ بڑی مہارت سے تلوار چلاتا ہوا عنبر کے اوپر چڑھ آیا۔ عنبر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

اس نے عنبر کو مجبور کر دیا کہ وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر لڑے۔ عنبر نے درخت کے ساتھ ٹیک لگا دی۔ اور تلوار چلانے لگا وہ پوری طرح تلوار نہیں چلا سکتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چور نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر تلوار کا پورا ہاتھ مار دیا۔ چھن کی آواز پیدا ہوئی اور چور کی تلوار پھسل گئی۔ چور بڑا حیران ہوا کہ یہ چھن کی آواز ایک انسانی کھوپڑی سے کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے کسی سخت پتھر پر تلوار ماردی ہو۔ پھر بھی اُس نے زیادہ خیال نہ کیا۔ اور ایک بار پھر عنبر پر بھرپور وار کیا۔ اس دفعہ اس کا وار عنبر کی گردن پر پڑا، اور آدھی سے زیادہ تلوار عنبر کی گردن میں گھس گئی۔

چور کا خیال تھا کہ عنبر کی گردن کٹ کر نیچے لڑھک جائیگی۔ اور خون کی نہر بہہ نکلے گی۔ مگر دونوں میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ خون کی لکیر بہی اور نہ عنبر کی گردن ہی کٹی۔ اتو چور کے ہاتھ پاؤں پھول گئے

اس نے محسوس کیا کہ اس کا مقابلہ کسی انسان سے نہیں بلکہ جن سے ہے۔ وہ ایک بار پھر غصہ کھا کر حملہ آور ہوا۔ اس دفعہ اُس نے عنبر کی کمر پر وار کیا۔ تلوار پوری طرح عنبر کی کمر میں لگی۔ اور اُسے کاٹتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی۔

عنبر کا جسم دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر جانا چاہیے تھا۔ مگر چور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب اس نے دیکھا کہ عنبر کا جسم کٹ کر دوبارہ جڑ گیا۔ اور وہ اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

”اے بے گناہوں کے قاتل چور! میرا وار سنبھال۔ اس لیے کہ میں نے تیرے تین وار اپنے جسم پر اٹھائے ہیں۔ لے اب میرا ایک وار سنبھال۔“

اتنا کہہ کر عنبر نے تلوار کا ایک بھرپور وار چور کی تلوار پر مارا۔ جو دو

ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔ عنبر نے تلوار کی نوک چور کے سینے پر رکھ دی۔ اور اُسے چور کے سینے میں اتارنے ہی والا تھا کہ چور نے ہاتھ باندھ کر روتے ہوئے کہا۔

''معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔''

عنبر کے دل میں رحم آ گیا۔ اُس نے تلوار کھینچ کر نیام میں رکھ لی۔ اور کہا۔

''میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ لیکن اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خدا کو اپنے سامنے جان کر مجھ سے وعدہ کر کہ تو آئندہ سے کسی کو قتل نہیں کرے گا۔ اور کسی کو لوٹے گا نہیں۔''

چور نے کہا۔

''میں خدا کو اپنے سامنے جان کر تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج

سے لیکر اپنی ساری زندگی تک میں کسی کو نہیں لوٹوں گا۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالوں گا۔ اور کسی بے گناہ کو قتل نہیں کروں گا۔“

عنبر نے اسے سینے سے لگا لیا۔

”مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم نے صرف میرے کہنے پر میرے خدا پر ایمان لے آئے ہو۔ تم نے ایک پل کے لئے بھی نہیں پوچھا کہ یہ خدا کون ہے۔ جس کو میں اپنے سامنے جان کر قسم کھا رہا ہوں۔“

چور نے کہا۔

”اے دوست! اگرچہ میں ڈاکے ڈالتا ہوں۔ مگر خدا کے بارے میں بھی اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ اگر مرنے کے بعد اس نے میرے گناہوں کا حساب مانگا‘ تو میں کیا جواب دوں گا۔ خدا کا ڈر میرے سینے میں ایک نہ ایک جگہ ضرور چھپا ہوا تھا۔ جو آج ظاہر ہو گیا۔“

عنبر نے کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے بھائی؟“

چور نے کہا۔

”کیلاش....... میرا نام کیلاش ہے اور میں پرانے بھیل قبیلے کا آدمی ہوں۔ میرے باپ دادا جنگجو سپاہی تھے۔ انہیں دشمنوں نے تمام خاندان سمیت قتل کر دیا۔ میں کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔ اور پھر عہد کیا کہ جب تک دشمنوں سے بدلہ نہیں لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میں نے بدلہ لے لیا۔ اور پھر جب کوئی کام نہ ملا تو لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔“

عنبر نے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کیلاش کہ تم سیدھی راہ پر آ گئے۔ اب تم جا سکتے ہو“ کیلاش نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”اے طاقتور نوجوان! خدا کے نام پر مجھ پر یہ بھید کھولو کہ تلوار نے

تم پر اثر کیوں نہیں کیا؟ تم قتل ہونے کے باوجود قتل کیوں نہیں ہوئے؟ تم مرے کیوں نہیں؟ یہ کیا معمہ ہے؟ یہ کیا راز ہے؟ کیا تم کوئی دیوتا ہو؟ کیا تم شیو جی کا کوئی روپ ہو؟"

عنبر ہنس کر بولا۔

"کیلاش! یہ ایک راز ہے جو میں تمہیں بیان نہیں کر سکتا۔ اس راز کو میں تمہارے سامنے نہیں کھول سکتا۔ لیکن اتنا بتا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں دیوتا نہیں ہوں۔ میں شیو جی کا کوئی روپ بھی نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔"

چور کیلاش بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ایک عام انسان ہو کر موت پر حکومت کر سکو؟... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تلوار تمہارے جسم سے آر پار ہو جائے اور تمہارا جسم دو ٹکڑے نہ ہو؟ تم ویسے زندہ سلامت رہو اور خون کا ایک

قطرہ بھی نہ بہے؟ میں یہ ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں جو تم نے کی ہے۔ ایک عام انسان اگر ہوتا تو وہ میرے پہلے وار سے ہی ہلاک ہو چکا ہوتا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیلاش! تم ان باتوں کو بھول جاؤ۔ جو کچھ ہوا اُسے ایک خواب سمجھو اور جا کر کسی شہر میں عزت و آبرو کا کام شروع کر کے اپنی روزی کماؤ۔ خدا تمہارے رزق میں بڑی برکت دے گا۔"

کیلاش ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

"مہاراج! اب میں تمہارے دامن کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ خدا نے مجھے تم سے ملایا ہے۔ اب میں تم سے الگ نہیں ہوں گا۔ چاہے مجھے بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔"

عنبر بولا۔

نہیں نہیں کیلاش! تم میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو؟ میں تو ایک آوارہ گرد غریب سیلانی ہوں۔ میں تو اگر صبح کو یہاں ہوتا ہوں تو شام کو کسی اور جگہ ہوتا ہوں۔ تم میرے ساتھ نہ رہ سکو گے۔“

چور کیلاش نے منت سماجت کے انداز میں کہا۔

”خدا کے لیے میرا دل نہ توڑو۔ میں تمہارے ساتھ بھوکا بھی رہ لوں گا۔ مگر تمہارا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری ساری زندگی بدل دی ہے۔ اب باقی زندگی تمہاری خدمت میں ہی بسر ہو گی۔“

عنبر بڑا پریشان ہو گیا کہ یہ شخص خوانخواہ اس کے پیچھے پڑ رہا ہے۔ اُس نے آخری بار کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو اگر میرے ساتھ رہ کر مرنا پڑے تو مر جاؤ گے“؟

کیلاش نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”میں خدا کو اپنے سامنے جان کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ رہ کر تمہارے لیئے اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ لیکن میری ایک شرط ہو گی“۔

”میں ہر شرط تسلیم کرنے پر تیار ہوں۔ تم فکر نہ کرو“۔

عنبر نے کہا۔

”میری شرط یہ ہے کہ تم نے میرے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا ہو گا۔ مجھ سے کبھی بھی یہ نہیں پوچھنا ہو گا یہ کیسے ہو گیا؟ اور یہ کیونکر ہو؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے کبھی کوئی اس قسم کا سوال نہیں

کرونگا۔"

"تو پھر میرے ساتھ آ جاؤ۔ جہاں میں جاؤں گا۔ تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلنا"۔

کیلاش نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لئے اور کہا۔

"تم نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے۔ میں ساری زندگی تمہارا احسان نہ بھلا سکوں گا"۔

کیلاش نے عنبر کا گھوڑا درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اُس وقت صبح کی ہلکی ہلکی جھلکیاں نمودار ہونے لگیں تھیں۔ رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ کیلاش نے کہا۔

"میرے آقا! کیا آپ آرام کریں گے؟ یا سفر شروع کرنا پسند کریں گے؟"

عنبر نے کہا۔

”ہاں میرا خیال ہے کہ ہمیں سفر شروع کر دینا چاہئے“۔

کیلاش نے گھوڑوں پر زین کسنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ عنبر سے باتیں بھی کرنے لگا۔ اُس نے عنبر سے پوچھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں آقا کہ آپ کا ارادہ کس ملک، کس شہر کو جانے کا ہے؟ کیا آپ کی کوئی منزل بھی ہے یا نہیں؟“

عنبر نے کہا۔

”کیلاش! میری منزل ہمالیہ کی گود میں واقع جھیل شدن سر ہے۔ مجھے وہاں جلد پہنچنا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہم وہاں کتنے دنوں میں پہنچ جائیں گے؟“

کیلاش کہنے لگا۔

”میرے آقا! جھیل شدن سر کے سارے علاقے سے خوب واقف ہوں۔ اور ہمالیہ پہاڑ کو جانے والے راستے بھی میں اچھی

طرح جانتا ہوں۔ میں ان راستوں پر سفر کر چکا ہوں۔ اگر آپ سیدھے راستے پر سفر کریں تو ایک ماہ میں وہاں پہنچیں گے۔ لیکن اگر ہم خفیہ راستوں سے ہو کر گذریں تو بہت جلد ہمالیہ کے پہاڑوں میں پہنچ سکتے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا یہ خفیہ راستے خطرناک ہیں"؟

"ہاں میرے آقا! یہ راستے مختصر بھی ہیں اور خطرناک بھی ہیں۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں دو بار ان راستوں پر سفر کر چکا ہوں۔ سب سے زیادہ خطرہ وہاں اژدہوں' سانپوں اور برفانی گوریلوں کا ہے جو ایک بہت بڑے جن کی طرح ہوتے ہیں۔ اور انسان کو اپنے پیروں تلے مسل کر رکھ دیتے ہیں"۔

"کیا کبھی تم نے کوئی برفانی گوریلا دیکھا ہے کیلاش؟"

قاتل ساتھی

"ہاں میرے آقا! صرف ایک بار میں نے برفانی گوریلے کو دیکھا تھا زندگی باقی تھی جو اس سے بچ کر نکل گیا۔ ورنہ اس نے مجھے مسل کر رکھ دینا تھا، میں اسی طرح قافلوں پر ڈاکے ڈالتا۔ آسام کی سرحد سے آگے نکل کر ہمالیہ کے پہاڑوں میں ملک چین کو جانے والی سڑک پر سفر کر رہا تھا کہ ایک روز تھک کر ایک پہاڑ کی اوٹ میں بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔ میں قافلے کے راستے سے ہٹ کر سفر کر رہا تھا۔

میرے اردگرد پہاڑوں کے سلسلے تھے جو اوپر کنچن جنگا کی چوٹیوں تک چلے گئے تھے۔ مجھے بھوک لگی تو میں نے اٹھ کر جنگلی پھلوں کے درخت تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ ہمالیہ کی لڑائی میں سیتا پھل کھانے کو بہت مل جاتا ہے۔ میں سیتا پھل کے کسی درخت کی تلاش میں ادھر ادھر پہاڑوں میں گھوم رہا تھا کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پیچھے کوئی دھپ دھپ زمین پر پاؤں رکھ کر چلا آ رہا

ہے۔ میں یہ سمجھا کہ یہ ہمالیہ کا سیاہ کالا ریچھ ہے۔ چنانچہ میں تلوار نکال کر ٹیلے کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ تاکہ اگر ریچھ سامنے آئے اور حملہ کرے تو اس پر تلوار سے وار کر سکوں۔ اس سے پہلے میں چار پانچ ہمالیائی ریچھ تلوار سے مار چکا تھا۔ میں تلوار لئے گھات میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک بڑا سا پتھر لڑھکتا ہوا میرے قریب سے نیچے گذر گیا۔ میں کچھ حیران ضرور ہوا۔ مگر پھر یہ سوچا کہ ہو سکتا ہے کالے ریچھ کا پاؤں کسی جگہ اوچھا پڑا ہو۔ اور پتھر لڑھک گیا ہو لیکن یہ خیال ساتھ ہی ساتھ ضرور آیا کہ ریچھ کے پاؤں لگنے سے اتنا بڑا پتھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا.......... میں اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ ایک ہی وقت میں ہاتھی کی چنگھاڑ اور شیر کی گرج سے ملتی جلتی تھی۔ میں اس چیخ کو سن کر سہم گیا۔ مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ جس جانور کو میں ریچھ سمجھ رہا ہوں۔ وہ ریچھ نہیں کوئی اور بلا

ہے۔ مگر یہ بلا کیا تھی؟ اس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ مجھے پسینہ آ گیا میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مجھے اتنا ضرور علم ہو گیا کہ جو کچھ بھی ہے کوئی بڑی ہی خوفناک بالا ہے۔ اچانک میرے ذہن میں برفانی انسان کا خیال آ گیا۔ میں نے اس کے بارے میں جو کہانیاں سن رکھی تھیں۔ وہ ساری کی ساری دماغ میں تازہ ہو گئیں۔ میرے کانوں میں ڈر کے مارے سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اور میں نے سوچا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو وہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ لیکن وقت ایسا نازک تھا کہ میں وہاں سے بھاگنا بھی چاہتا تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ پھر میں نے جو منظر دیکھا وہ میں ساری زندگی بھی نہ بھلا سکوں گا۔ چٹان کے پیچھے سے ایسی خوفناک قد و قامت کا برفانی گوریلا نمودار ہوا۔ اُس کے لمبے لمبے ہاتھ پیر تھے۔ اس کا سارا بدن سفید بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کا سر گوریلے کی طرح ماتھے پر سے بیٹھا ہوا تھا۔

آنکھیں بھیانک انداز میں چمک رہی تھیں۔ وہ دونوں لمبے لمبے ہاتھ لٹکائے چلا آرہا تھا۔ اس کی چال جنگلی گوریلے کی طرح تھی۔ اس کی گردن کندھوں کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔ وہ ایک درخت کی طرح اونچا لمبا تھا۔ جہاں وہ پاؤں رکھتا، وہاں اُس کے بوجھ سے زمین کو دھنس جاتی تھی۔ اس کے منہ سے خور خور کی مسلسل آواز نکل رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی تھوتھنی اوپر اٹھا کر فضا میں کسی کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مگر میرے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہیں ٹیلے کی اوٹ میں دبک کر بیٹھا رہوں۔ کیونکہ اگر میں ذرا سی بھی حرکت کرتا تو برفانی گوریلا ضرور میری طرف پلٹ کر مجھے ہاتھ میں لے کر یا اپنے پیر کو میرے اوپر رکھ کر مجھے مسل ڈالتا۔ میں دم سادھے اُسی جگہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔

برفانی گوریلا ایک جگہ رُک گیا۔ وہ بار بار اپنی تھوتھنی دائیں بائیں گھما

کر فضا میں کسی شے کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر جس کی وہ بو سونگھ رہا تھا وہ اس کے سامنے آ گیا۔ یہ شامت کا مارا ایک جنگلی ریچھ تھا۔ جنگلی ہمالیہ کا ریچھ سب جانوروں سے زیادہ ضدی اور پاگل جانور ہے۔ وہ اگر بھاگ اٹھے تو معمولی سے بندر کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ اور اگر ڈٹ جائے تو شیر کے سامنے بھی ڈٹ جاتا ہے۔ اور خوب مقابلہ کرتا ہے۔ خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

برفانی گوریلے کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ برفانی گوریلے نے اپنے سامنے ایک ریچھ کو دیکھ کر زور سے چیخ ماری۔ اس کی گونج سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہوئی۔ ریچھ نے اپنے سامنے ایک خوفناک اونچے لمبے برفانی گوریلے کو دیکھا تو پہلے تو وہ مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ میں یہ سارا منظر پتھروں کے پیچھے چھپا دیکھ رہا تھا

ریچھ کو شاید معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اتنے بڑے گوریلا کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ پھر بھی اس نے منہ سے غضبناک آواز نکال کر برفانی گوریلے کی ٹانگوں پر حملہ کر دیا۔ برفانی گوریلا ایک طرف ہٹ گیا۔ ریچھ نے دوسری بار برفانی گوریلے کے پیٹ میں اچھل کر پنجہ مارنے کی کوشش کی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ پنجہ مار کر اپنے تیز ناخنوں سے برفانی گوریلے کا پیٹ پھاڑ دے گا۔ اور وہ ایسا کر بھی سکتا تھا مگر اس کا ہاتھ اوپر تک نہ جا سکا۔ ریچھ برفانی گوریلے کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ برفانی گوریلا ریچھ سے کھیل رہا ہے۔ وہ خود حملہ نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ ریچھ کو بڑے آرام سے ناکام بنا دیتا تھا۔ آخر ریچھ تھک گیا۔ اُس نے آخری بار اچھل کر برفانی گوریلے کے پیٹ پر دونوں پنجے مارے۔ یہ پنجے برفانی گوریلے کی کھال تک تو نہ پہنچ سکے۔ لیکن اُس کے پیٹ پر سے سفید بالوں کے گچھے اتار کر نیچے لے آئے۔ اب

برفانی گوریلے کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے ایک بار پھر زوردار چیخ ماری۔ اور ریچھ پر حملہ کر دیا۔ اُس نے ریچھ کو دونوں ہاتھوں سے ایک کھلونے کی طرح زمین پر پٹخ دیا۔ ریچھ کے منہ سے کرب انگیز چیخ نکلی۔ برفانی گوریلے نے ریچھ کی گردن مروڑ کر دور پھینک دی۔ اور اُس کے بدن کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ پھر اُس کے بدن کے ٹکڑوں کو اپنے پیروں تلے مسل ڈالا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑے غضبناک انداز میں خور خور کیے جا رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے ایک بار پھر تھوتھنی اٹھا کر فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ میں سہم گیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ میری بو سونگھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر برفانی گوریلے نے مجھ پر حملہ کر دیا تو میں اپنے آپ کو اُس کی زد سے بچا نہ سکوں گا۔ پھر کیا کروں؟ اس دوران میں برفانی گوریلے نے شاید میری بو پا لی تھی۔ کیونکہ وہ اُس بڑے سے پتھر کی طرف دیکھ

رہا تھا۔ جس کے پیچھے میں چھپا بیٹھا تھا۔ اب اُس نے میری طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ میری تو جان ہی نکل گئی۔ اب میرے سامنے سوائے اس کے اور کوئی راہ نہ تھی کہ جہاں بھی میں بیٹھا ہوں وہاں سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔ چاہے میری ہڈی پسلی ایک ہو جائے۔ میں جہاں بیٹھا تھا وہاں سے پہاڑی ڈھلان نیچے وادی کی طرف چلی گئی تھی۔ اس ڈھلان پر جا بجا چھوٹے بڑے پتھروں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ میں نے سارا کچھ سوچ سمجھ لیا۔ اور برفانی گوریلے کی حرکتوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ دو قدم چلتا اور ایک قدم رک کر دوبارہ بولنے کی کوشش کرتا۔ آخر وہ میرے بالکل قریب آ گیا۔ پھر اُس نے مجھے بیٹھا دیکھ لیا۔ اور چیخ مار کر ایک ہاتھ پتھر پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو ڈھلان پر نیچے لڑھکا دیا۔ میں پتھروں کے ساتھ لڑھکتا ہوا نیچے وادی میں پہنچ گیا۔ بس میرے آقا! یہ سمجھ لیں کہ زندگی

تھی جو بچ گیا۔ ورنہ مر چکا تھا......"

کیلاش نے عنبر کو برفانی گوریلے کا ایسا بھرپور نقشہ بیان کیا۔ کہ برفانی گوریلا اُسے اپنے سامنے چلتا پھرتا نظر آنے لگا۔ اب وہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جنگل میں سے گذر رہے تھے۔ دھوپ خوب نکل چکی تھی۔ دن روشن تھا۔ اور انہیں اپنی منزل قریب محسوس ہو رہی تھی۔ کیلاش کے ساتھ چلنے سے عنبر کو ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ اس کا سفر آسان اور مختصر ہو گیا تھا۔

برفانی انسان اور اژدھوں سے مقابلے کے لئے وہ بالکل تیار تھا۔

ناگاؤں کی قید میں

تیسرے روز وہ دونوں آسام کی سرحد سے نکل رہے تھے۔ کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ عنبر آگے آگے جا رہا تھا۔ کیلاش اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ یہاں جنگل اب زیادہ گھنے نہیں تھے اور پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ کیلاش نے عنبر کو بتایا تھا کہ یہ ہمالیہ پہاڑ کی ترائی کا علاقہ ہے۔ اور یہاں سے ہمارا ہمالیہ کا سفر شروع ہو رہا ہے۔ عنبر جونہی جنگل کا ایک موڑ گھوما بائیں جانب سے سن کر کے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر آیا۔ اور عنبر کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ عنبر نے گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ کیلاش نے تیر کھپتے دیکھا تو گھوڑا دوڑا کر عنبر کے پاس آیا۔ جلدی سے گھوڑے سے اتر کر عنبر کو بھی نیچے اتار کر لٹا دیا۔ اور تیر نکالنے

کی کوشش کرنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں خود اسے نکال لوں گا۔"

عنبر نے ہاتھ بڑھا کر گردن میں سے تیر نکال کر پھینک دیا......

کیلاش نے کہا۔

"میرے آقا! یہ تیر بڑے مہلک زہر میں بجھا ہوا تھا۔ جس کو یہ تیر لگ جائے وہ تھوڑی دیر کے بعد زہر کے اثر سے مر جاتا ہے۔ میرے کئی ساتھی اس زہر کی وجہ سے میری آنکھوں کے سامنے مر گئے ہیں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیلاش! فکر مت کرو۔ یہ زہر مجھے کچھ نہیں کہے گا"۔

کیلاش نے دیکھا کہ عنبر کی گردن میں جہاں تیر لگا تھا۔ وہاں زخم کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے عنبر کی اس قسم کی کرامت دیکھ چکا تھا۔ لیکن عنبر کی گردن میں جہاں تیر لگا تھا کھال نیلی

پڑ گئی تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ زہر اثر کرنے لگا ہے۔ کیلاش نے کہا۔

"میرے آقا! آپ کی گردن پر نیلا نشان پڑ گیا ہے۔ زہر نے اپنا اثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں ابھی جنگل میں سے تمباکو کے پتے توڑ کر لاتا ہوں۔ ہو سکتا اس طرح سے آپ کی جان بچ جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا کیلاش! بے فکر رہو۔ یہ نیلا نشان ابھی ختم ہو جائے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ دیکھتے دیکھتے زہر کا نشان غائب ہو گیا۔ عنبر اٹھ کر گھوڑے کی باگ تھام کر بولا۔

"چلو! میں سفر پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر میری قسمت میں موت لکھی ہوئی تو میں تمہاری تلوار کے وار سے ہی مر گیا ہوتا۔ مگر ایسا

نہیں ہے میں مر نہیں سکتا''۔

کیلاش نے پوچھا۔

''اس کی کیا وجہ ہے میرے آقا! آپ مر کیوں نہیں سکتے''؟

عنبر نے کہا۔

''کیا تمہیں وپنی شرط یاد نہیں ہے؟ تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے کبھی اس قسم کے سوال نہیں پوچھو گے..........''

کیلاش ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی میرے آقا! آئندہ سے میں ایسی غلطی کبھی نہیں کرونگا''۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں جنگلیوں کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی جنگلی ناگاؤں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں تیر کمان تھے۔ اور وہ اچھل اچھل کر اپنے غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ کیلاش تو سہم کر عنبر کے

پیچھے ہو گئے۔ ایک سردار ناگا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ان کی کھال اتارنے کے لیئے لے چلو"۔

باقی گاؤں نے عنبر اور کیلاش کے بازوؤں کو پشت پر بانس کے ڈنڈوں سے کس کر باندھ دیا۔ اور انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکاتے ہوئے اپنے ڈیرے پر لے آئے۔ ناگاؤں کا ڈیرا پہاڑوں کے درمیان ایک کھلی جگہ پر تھا۔ یہاں بانس کی جھونپڑیاں جابجا بنی ہوئی تھیں۔ پتھر کے بڑے بڑے بت بھی رکھے ہوئے تھے۔ جن کی یہ ناگا پوجا کرتے تھے۔ ناگا عورتیں ایک طرف بیٹھی بانس کے تیر کمان بنا رہی تھیں۔ بیچ میں آگ جل رہی تھی۔ ناگا سردار نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"قیدیوں کو بند کر دیا جائے۔ کل صبح ان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ تاکہ انہیں ہمارے علاقے میں آنے کا مزہ چکھایا جائے"۔

عنبر نے بہت کہا کہ وہ مسافر ہیں۔ اور ہمالیہ کے پہاڑوں کا سفر کر رہے ہیں۔ مگر سردار نے اُس کی ایک نہ سُنی۔ اور اس کی گردن پر کمان زور سے مار کر بولا۔

”اگر میرا تیر خطا نہ جاتا تو تم اب تک مر چکے ہوتے۔ خیر کل تم زندہ نہیں ہو گے۔ اور تمہارا ساتھی بھی تمہارے ساتھ ہی موت کے منہ میں پہنچا دیا جائے گا“۔

اب عنبر سمجھا کہ سردار کو یہ مغالطہ ہو رہا ہے کہ اس کا تیر عنبر کی گردن پر نہیں لگا۔ بلکہ نشانہ چوک گیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط بات تھی۔ تیر عنبر کی گردن پر ہی لگا تھا۔ لیکن عنبر اگر اسے کہتا بھی تو اسے یقین نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی انسان اس کا زہر میں بجھا ہوا تیر کھا کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ عنبر جانتا تھا کہ آخر سردار ناگا کو ہار ماننی ہی پڑے گی۔ افسوس اُسے یہ ہو رہا تھا کہ اُس کے سفر میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ ناگاؤں

نے ان دونوں کو ایک جھونپڑی میں بند کر کے باہر سخت پہرہ بٹھا دیا۔ انہوں نے دونوں کے ہاتھ بانس سے کچھ اس طرح باندھے ہوئے تھے کہ انہیں درد بھی نہیں ہو رہی تھی۔ اور وہ ہاتھ چھڑا بھی نہیں سکتے تھے۔

آدھی رات کو انہیں کھانے کو تھوڑے سے چاول اور بکری کا دودھ دیا گیا۔ عنبر نے کیلاش سے کہا۔

”آخر تمہیں میرے ساتھ سفر کرنے کا مزہ مل گیا۔ میں نہ کہتا تھا کہ میرے ساتھ شامل ہو کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔ اور آج میرے ساتھ تم بھی موت کے منہ میں پھنس گئے ہو۔ میں تو خیر بچ جاؤں گا۔ مگر تمہیں ان ظالموں کے پنجے سے کون بچائے گا؟“

کیلاش نے کہا۔

”میرے آقا! جس نے زندگی دی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں موت بھی ہے۔ اگر میرے خدا نے میری موت ان کے ہاتھوں لکھدی ہے تو مجھے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہ سکے گی۔ اور اگر میری زندگی باقی ہے تو یہ سارے جنگل کے ناگے مل کر بھی میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتے“۔

”بہرحال اس کا فیصلہ کل صبح ہو جائے گا کہ تمہاری موت خدا نے لکھی ہے یا نہیں ....“

”میرے آقا! آپ نے میری زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ میری زندگی بالکل بدل کر رکھدی ہے۔ مجھے اپنے خدا پر پورا بھروسہ ہے۔ جو اس کو منظور ہوگا وہی مجھے منظور ہوگا“۔

عنبر بہت خوش ہوا کہ خدا پر کیلاش کا اس قدر زیادہ ایمان ہو گیا تھا۔ حالانکہ کل تک وہ ایک چور، قاتل اور ڈاکو تھا۔ اس کے دل نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کیلاش کو ہرگز ناگاؤں کے ہاتھوں قتل نہیں ہونے

دے گا۔ چاہے اس کے لئے اسے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ کنیز کی روح کو اس کی مرضی کے خلاف ایک بار پھر بلا لے گا۔ خود نا گاؤں کو متاثر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر کچھ نہ ہو سکا تو مجبوراً بہرام جن کو بلا کر اس کی منت کرے گا۔ مگر کیلاش ایسے خدا پرست انسان کو کبھی نہیں مرنے دے گا۔ وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

باہر آسام کا گھنا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔

تارا دیوی

اب ذرا یہ بھی دیکھیں کہ ماریا کس حال میں ہے اور کہاں ہے؟

آدم خوروں کے چنگل سے نکل کر ماریا نے جنگل میں پھر اپنی راہ لی۔ وہ گھوڑے پر سوار چلی جارہی تھی۔ اسے بھوک لگتی تو جنگلی پھلوں اور پہاڑی ندی نالوں سے اپنی پیاس بجھاتی۔ وسطی ہند کے جنگل تھے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔ سفر کرتے کرتے وہ تنگ آ گئی تھی۔ اُسے کچھ بھی تو معلوم نہ تھا کہ اس کو اس کے بھائی کہاں ملیں گے۔ بس وہ خدا کے بھروسے پر ہمت کر کے چلی جارہی تھی۔ وہ اس مقام پر پہنچی جہاں آدم خوروں نے عنبر کو گرفتار کر لیا تھا تو اس نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ آگ جلائے بیٹھے ہیں۔ اور ایک دوسرے قبیلے کے

وحشی آدمی کو بھون کر کھا رہے ہیں۔ ماریا کا دل کانپ گیا۔

وہ سمجھ گئی کہ یہ آدم خوروں کا قبیلہ ہے۔ اور یہ اپنے کسی دشمن کو ہلاک کر کے کھا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں ماریا نے بہت پہلے کچھ سن رکھا تھا۔ اگر وہ غائب نہ ہوتی تو آدم خور اسے کبھی معاف نہ کرتے۔ وہ اسے بھی پکڑ کر کھا جاتے۔ ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ غائب ہو کر وہاں کھڑی تھی۔ وہ گھوڑے پر بیٹھی ایک درخت کے نیچے چپ چاپ کھڑی آدم خوروں کو انسانی جسم کا گوشت کھاتے دیکھ رہی تھی۔ اگر وہ ابھی تک زندہ ہوتا تو ماریا ضرور اس کی جان بچا لیتی۔ مگر وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ اب وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ ان آدم خوروں کو ان کے گناہ کی ضرور سزا ملنی چاہیے۔ کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ آئندہ سے یہ لوگ کسی آدمی کو ہلاک کر کے نہ کھائیں۔ اس نے گھوڑے پر بیٹھے درخت کی ایک شاخ توڑ کر آدم

خوروں کے درمیان میں پھینک دی۔

آدم خور ایک دم ٹھٹھک گئے۔

انہوں نے جانوروں ایسی چمکیلی آنکھیں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر انہوں نے خیال کیا کہ یہ ٹہنی ضرور کسی بندر نے درخت سے توڑ کر نیچے پھینکی ہے۔ ماریا نے سوچا کہ کوئی اور کام کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر وحشیوں کے قریب آ گئی۔ گھوڑے کی ٹاپ وحشیوں نے سنی تو چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مگر وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ پھر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ اس دفعہ ماریا نے گھوڑے کی باگیں یوں کھینچیں کہ وہ زور زور سے ہنہنایا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر وحشی چوکنے ہو گئے۔

وہ بڑا تعجب کر رہے تھے کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ جبکہ ان کے اردگرد کوئی گھوڑا موجود نہیں تھا۔ ماریا نے زور سے ایک چھینک

ماری۔ اب تو وحشی لوگ بے حد گھبرا گئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ کوئی شخص گھوڑا لیے ان کے پاس کھڑا ہے۔ مگر انہیں دکھائی نہیں دے رہا۔

ماریا گھوڑے پر سے اتر کر پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ جونہی وہ گھوڑے پر سے اتری گھوڑا ظاہر ہو گیا۔ اور سب کو دکھائی دینے لگا۔ وحشی آدم خور ایک دم اپنے قریب ایک گھوڑے کو دیکھ کر بے حد حیران ہوئے کہ یہ کہاں سے آ گیا؟

انہوں نے محسوس کیا کہ دیوتا ان کے علاقے میں آسمان سے اتر کر زمین پر آ گیا ہے۔ وہ گھوڑے کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسے بڑی عقیدت سے دیکھنے لگے۔

ایک وحشی نے کہا یہ گھوڑا اگن دیوتا کا ہے۔

سارے وحشی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماریا کے گھوڑے کو دیکھنے لگے۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو سجدہ کر دیا، بس پھر کیا تھا۔

اپنے سردار کو سجدے میں گرتا دیکھ کر سارے کے سارے وحشی سجدے میں گر گئے۔ ماریا نے موقع غنیمت جانا اور اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑا ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ وحشی سجدے میں سے اٹھے تو یہ دیکھ کر ڈر گئے کہ گھوڑا پھر سے غائب تھا وہ ابھی ڈر ہی رہے تھے کہ ماریا نے زمین پر پڑا ہوا پانی کا کٹورا اٹھا کر سارا پانی آگ پر گرا دیا۔ آگ یکدم بجھ گئی۔ وحشی اونچی اونچی آواز میں منتر پڑھنے لگے۔ ایک عجیب بات تھی کہ ماریا کو ان کی زبان پوری طرح سمجھ میں آ رہی تھی۔

وہ آگ کے دیوتا کی تعریف میں منتر پڑھ رہے تھے۔

ماریا نے ان ہی کی آواز میں کہا۔

''اے لوگوں! میں آگ کے دیوتا کی بیوی تم سے بول رہی ہوں''۔ ''میری بات کو غور سے سنو''۔

سارے کے سارے وحشی دم سادھ کر چپ ہو گئے۔ جنگل میں یکلخت گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔ ماریا نے کہا۔

"اے سردار! آگے آ جاؤ۔ میں تمہارے لئے آگ کے دیوتا کا خاص پیغام لائی ہوں"۔

وحشیوں کا سردار آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ اور وہ آسمان کی طرف سے آ رہی ہے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے عظیم دیوی! اے عظیم اگن دیوتا کی بیوی تارا! کیا حکم ہے ہم تمہارے حکم کے غلام ہیں"۔

ماریا کو معلوم ہوا کہ آگ کے دیوتا کی بیوی کا نام تارا دیوی ہے۔ اُس نے کہا۔

"اگن دیوتا نے حکم دیا ہے کہ اے وحشی سردار! تیرے گوشت کو

بھون کر اس کے حضور پیش کیا جائے"۔

یہ سنکر تو وحشی سردار روتے ہوئے سجدے میں گر پڑا۔

"معاف کر دو دیوی! میرے بچوں کے لئے مجھے معاف کر دو"۔

ماریا نے رعب دار آواز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ آگ کا دیوتا تم سے ناراض ہے۔ اس نے تمہارے گوشت کی خواہش کی ہے۔ وہ تمہارا گوشت بھون کر کھانا چاہتا ہے"۔

سردار نے سر زمین پر مار مار کر کہا۔

"عظیم دیوی تارا! آگ کے دیوتا سے میری جان بخشی کی سفارش کرو میری جان بخشی کرا دو"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ ایک شرط پر ہو سکتا ہے"۔

سردار نے سر اٹھا کر کہا۔

''دیوی! وہ کونسی شرط ہے۔ میں ہر حالت میں شرط پوری کروں گا''۔ ماریا نے کہا۔

''اگر تم لوگ وعدہ کرو کہ آئندہ سے تم کسی انسان کو نہیں کھاؤ گے تو میں اپنے خاوند کے آگے تمہاری جان بخشی کی سفارش کروں گی''۔

سردار نے ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑاتے ہوئے کہا۔

''میں اگن دیوتا کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی انسان کو بھون کر نہیں کھاؤں گا۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے قبیلے میں سے کبھی کوئی شخص کسی انسان کا شکار نہیں کرے گا۔ خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو''۔

''اور اگر تم اپنے وعدے سے پھر گئے تو''؟

''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ تم اگر اپنے وعدے سے پھر گئے تو میں سب سے پہلے اپنا گوشت بھون کر اگن دیوتا کی بھینٹ

کروں گا"۔

ماریا خوش ہوگئی کہ اس نے اپنے غائب ہونے کا اچھا فائدہ اٹھایا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ وحشی لوگ اپنے وعدے اور قسموں کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ اگر یہ ایک بار قسم کھالیں تو اس پر سے کبھی نہیں پھرتے۔ اسی طرح اگر یہ ایک بار قسم کھالیں تو چاہے ان کی جان چلی جائے مگر وہ اپنی قسم کبھی نہیں توڑیں گے۔

"ٹھیک ہے اے سردار! میں اگن دیوتا کو راضی کرلوں گی کہ وہ تمہیں کچھ نہ کہے۔ اور تمہیں بھون کر کھانے کا حکم واپس لے لے"۔

سارے وحشی ایک زبان ہوکر بولے۔

"تارا دیوی کی جے ہو"۔

ماریا نے اسی رعب دار آواز میں عنبر اور ناگ کے بارے میں پوچھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ دونوں اسی راستے سے گزرے ہیں۔

اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کا ان آدم خور وحشیوں سے ٹکراؤ نہ ہوا ہو"

اُس نے کہا۔

"کیا اِدھر سے کوئی ایسا انسان بھی گزرا ہے۔ جس کو تم لوگوں نے بھون کر کھانے کی کوشش کی ہو۔ اور اُس پر آگ نے اثر نہ کیا ہو"؟

وحشی سردار نے کہا۔

"ہاں تارا دیوی! ایک ایسا انسان یہاں سے دو روز پہلے گزرا تھا۔ وہ کوئی دیوتاؤں کے قبیلے سے تھا۔ ہم نے اسے آگ پر رکھا آگ نے اسے جلانے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے اس پر کھولتا ہوا گرم گرم پانی ڈالا۔ اس کے جسم پر گرم پانی کا کچھ اثر نہ ہوا۔ پھر ہم نے اس کے جسم میں نیزے چبھوئے وہ پھر بھی زندہ رہا.........

اسے تارا دیوی! وہ ایک دیوتا تھا"۔

ماریا سمجھ گئی کہ سردار عنبر کا ذکر کر رہا ہے۔ اُس نے پوچھا۔

”کیا اُس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی تھا“؟

وحشی سردار نے کہا۔

”نہیں اے عظیم تارا دیوی! وہ عظیم شخص اکیلا تھا“۔

”کیا اُس کے پاس کوئی سانپ بھی نہیں تھا“؟

”نہیں اے عظیم دیوی! اُس کے پاس کوئی سانپ بھی نہیں تھا۔ صرف ایک گھوڑا تھا۔ اور ایک چھوٹی سی صندوقچی تھی“۔

ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔ اُس نے پوچھا۔

”اُس صندوقچی میں کیا تھا“؟

سردار نے کہا۔

”میں نے صندوقچی کھول کر نہیں دیکھی اے دیوی“۔

ماریا کچھ پریشان ہو گئی۔ کہ ناگ کہاں چلا گیا تھا؟ وحشی سردار کی باتوں سے ہی ظاہر ہو رہا تھا کہ عنبر اکیلا سفر کر رہا ہے۔ اور ناگ اُس

کے ساتھ نہیں ہے۔ تو کیا اس سے بچھڑ گیا ہے؟ پھر اس صندوقچی میں کیا تھا؟ کیا عنبر نے ناگ کو صندوقچی میں بند کر رکھا تھا؟ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہوگئی۔ لیکن کم از کم اسے اس بات کا اطمینان ہوگیا، کہ وہ درست سمت میں سفر کر رہی ہے۔ اور اگر وہ رات کو بھی سفر کرے تو ایک دن میں عنبر کے پاس پہنچ جائے گی۔ اسے یہ سوچ کر بڑا حوصلہ ہوا۔ کہ وہ اپنے بھائی سے عنقریب ملنے والی ہے۔ اپنے دوسرے بھائی ناگ کے بارے میں وہ پریشان ضرور تھی کہ آخر وہ عنبر کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ وہ کہاں چلا گیا؟

ماریا نے بلند آواز میں کہا۔

”اے قبیلے کے سردار! اب میں جا رہی ہوں۔ میں ناگن دیوتا سے تمہاری جان بخشی کرا لوں گی۔ مگر یاد رکھنا۔ ہرگز ہرگز آج سے کسی انسان کو شکار نہ کرنا“۔

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

''کبھی نہیں عظیم تارا دیوی! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ آج سے ہمارے قبیلے میں انسان کا گوشت حرام ہو گیا ہے۔ لیکن دیوی! جاتے ہوئے ہمیں کچھ نشانی ضرور بتاتی جانا''۔

ماریا سمجھ گئی کہ ان لوگوں میں یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی دیوتا یا جن بھوت آتا ہے تو جاتی دفعہ کوئی نہ کوئی نشانی ضرور دے کر جاتا ہے۔ جس سے یہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ دیوتا اب وہاں نہیں ہے۔ ماریا نے کہا۔

''میری نشانی یہ ہوگی۔ کہ میں جاتی ہوئی اس سامنے والے درخت کی نیچے لٹکتی ہوئی ٹہنی توڑ جاؤں گی''۔

''دیوتا تمہارے نگہبان ہوں اے عظیم دیوی''!

ماریا گھوڑے پر سوار وہاں سے چلی تو درخت کی نیچی لٹکتی ہوئی

شاخ کو اس نے ہاتھ سے پکڑ کر توڑ دیا۔ شاخ کو اپنے آپ ٹوٹ کر زمین پر گرتے دیکھ کر سارے وحشیوں نے خوشی سے اگن دیوتا کی فتح کا نعرہ لگایا۔ اور پھر سجدوں میں گر گئے۔ ماریا ان کو وہیں سجدے میں چھوڑ کر آگے نکل گئی۔ اب وہ یہی چاہتی تھی کہ دن رات سفر کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے بھائیوں سے جا ملے۔ جنگل کا راستہ اب ذرا کھلا ہو گیا تھا۔ اور پہاڑی ڈھلانیں شروع ہو گئیں تھیں۔ ماریا نے گھوڑے کو قدم بقدم چلانے کی بجائے دلکی چال چلانا شروع کر دیا۔ جہاں کہیں سڑک صاف ہوتی وہ گھوڑے کو دوڑانا شروع کر دیتی۔

راستے میں اس نے ایک ہاتھی کو سڑک کے عین درمیان میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر انسان کی بو محسوس کی مگر وہ بڑا حیران ہوا کہ انسان کی بو تو بہت تیز آ رہی ہے مگر انسان کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ پھر اس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ وہ

ہوشیار ہو کر سونڈ کو چاروں طرف گھمانے لگا۔ ماریا رک گئی۔ سوائے اس سڑک کے اور کوئی راستہ نہ تھا جہاں سے گذر کر ماریا آگے نکل سکتی۔ دائیں بائیں گھنی جھاڑیاں تھیں کہ ان میں سے گھوڑا نہیں گذر سکتا تھا۔ وہ خاموش کھڑی ہاتھی کے اٹھ کر چلے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

ہاتھی کو انسان کی بڑی تیز بو آنے لگی تھی۔ وہ بے چین ہو کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور جدھر سے بو آ رہی تھی سونڈ لہراتا اس طرف آگے بڑھا۔ دس قدم کے فاصلے پر ماریا گھوڑے پر سوار کھڑی تھی۔ وہ پریشان سی ہو گئی۔ کہ ہاتھی نے اس پر سونڈ سے حملہ کر دیا تو وہ کیا کرے گی۔ ہاتھی انسان کی بو پا کر ٹھیک اس کی سیدھ میں آتا ہے اور اس وقت اگر کوئی اس کی آنکھوں پر پٹی بھی باندھ دے پھر بھی وہ کبھی غلطی نہیں کھاتا۔ اور ٹھیک انسان کے سر پر پہنچ جاتا ہے۔ ہاتھی کی

چھٹی حس بڑی تیز ہوتی ہے۔

ہاتھی کی سونڈ اُس کے سامنے فضا میں بلکہ آنکھوں کے آگے لہرا رہی تھی۔ قریب تھا کہ ہاتھی اس کے چہرے پر سونڈ مار کر حملہ کر دے۔ کیونکہ اس کے جسم میں سے اٹھتی ہوئی بو نے ہاتھی کو بتا دیا تھا کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ ماریا گھوڑے پر سے اتر پڑی۔ ہاتھی نے اپنے سامنے ایک گھوڑے کو دیکھا تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے دیوانہ وار ہوا میں سونڈ چلانی شروع کر دی۔ ماریا نے گھوڑے کو پیچھے ہٹا لیا۔ ہاتھی اور آگے بڑھ آیا۔ اس نے گھوڑے کو اور پیچھے کر لیا۔ جوں جوں وہ پیچھے ہٹتی گئی، ہاتھی آگے بڑھتا گیا۔ ماریا تنگ آ گئی۔

آخر وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ گھوڑا غائب ہو گیا۔ ہاتھی نے گھوڑے کو غائب ہوتے دیکھا تو ٹھٹھک گیا ماریا گھوڑے پر سے اتر آئی۔ گھوڑا ظاہر ہو گیا۔ ہاتھی آگے بڑھا...... ماریہ پھر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ گھوڑا

پھر غائب ہو گیا۔ ہاتھی رک گیا۔ چوتھی بار ماریا نے گھوڑے کو ظاہر کر کے غائب کیا تو ہاتھی چیخ مار کر سڑک پر سے اتر کر جنگل میں بھاگ گیا۔ ہاتھی نے گھوڑے کو بھوت پریت سمجھا تھا۔ اور جانور بھوت پریت سے بڑے ڈرتے ہیں۔

ہاتھی دفع ہوا تو ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کمبخت نے نہ صرف اس کا ناک میں دم کر دیا تھا بلکہ اس کی راہ بھی کھوٹی کر دی تھی۔

اب سامنے راستہ بالکل صاف تھا اور جنگل کے بیچ میں سے دور تک چلا گیا تھا۔ ماریا نے اس راستے پر گھوڑے کو بھگانا شروع کر دیا.......

کافی دور تک وہ گھوڑے کو بھگاتی چلی گئی۔ جنگل میں سڑک بائیں طرف گھوم گئی۔ یہاں ایک ندی آ گئی۔ ندی کافی چوڑی تھی اور اس پر کوئی پل وغیرہ نہیں تھا۔ ماریا سوچنے لگی۔ کہ وہ اس کو کیسے عبور کرے۔ اس نے سوچا وہ پانی میں گھوڑا ڈال دے۔ پھر اسے خیال

آیا کہ پانی گہرا ہوا تو گھوڑا کہیں ڈوب نہ جائے۔ وہ کنارے کنارے چلنے لگی۔ اس خیال سے کہ شاید آگے چل کر اسے کوئی پل مل جائے۔ وہ کافی دور تک چلتی چلی گئی۔ مگر کوئی پل نہ ملا۔ وہ پریشان ہوگئی۔ آخر اس نے خدا کا نام لے کر ندی میں گھوڑا ڈال دیا۔ پہلے تو گھوڑا پانی میں گردن تک غڑاپ سے ڈوب گیا۔ گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا۔ اس نے تیرنا شروع کر دیا...... تیرتے تیرتے وہ ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ ماریا نے گھوڑے پر سے اتر کر اپنے کپڑے نچوڑ کر سکھائے۔ اور سوچنے لگی کہ رات بسر کرے یا سفر جاری رکھے۔ کیونکہ شام ہونے لگی تھی۔

ماریہ جلدی سے جلدی اپنے بھائیوں سے ملنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ وہ راستے میں کسی جگہ رک کر رات بسر نہیں کرے گی۔ اور سفر جاری رکھے گی۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوگئی۔

اور گہرے ہوتے اندھیرے میں آگے بڑھنے لگی۔ اب ایک دفعہ پھر جنگل گھنا ہونے لگا تھا۔ ایک پتلی سی پگ ڈنڈی تھی جو جنگل کے بیچ میں سے گزر رہی تھی۔ ماریا گھوڑے کو قدم بقدم آگے بڑھاتی رہی۔ چلتے چلتے اسے رات ہو گئی۔ اور جنگل میں ہولناک خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ ڈر بھی رہی تھی۔ اسے طرح طرح کے جنگلی درندوں کا بھی ڈر تھا۔ اچانک اسے شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ وہ ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ یہ آواز جنگل میں دور سے آئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ کیا کرے؟ وہیں رک جائے یا آگے بڑھے؟ آخر وہ آگے چل دی۔

قربانی کے شعلے

آدھی رات کو شیر کی دھاڑ پھر سنائی دی۔

ماریا اس وقت ایک پہاڑی درے میں سے گذر رہی تھی۔ اس کے ارد گرد اونچے درخت تھے۔ شیر کی آواز سن کر درختوں پر سوئے ہوئے بندر بیدار ہو گئے۔ اور خو خو کرنے لگے۔ ماریا سہم گئی۔ کیوں کہ شیر کی آواز اب بالکل قریب سے سنائی دی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ ہاتھی سے تو وہ بچ گئی تھی۔ اب شیر سے شاید وہ کبھی نہ بچ سکے گی۔ اس نے پگڈنڈی پر ہی گھوڑے کو تیز تیز چلانا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ نکلنے گی۔ اور شیر سے دور چلی جائے گی۔ مگر یہ اس کا خیال تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ تھوڑی دور آگے ہی شیر اس کی راہ دیکھ

رہا تھا۔

وہ پہاڑی درے سے نکل کر ذرا کھلی جگہ پر آئی تو سامنے برگد کے بڑے سارے درخت کے نیچے ایک دھاریدار شیر منہ پھاڑے کھڑا چاروں طرف گردن گھما کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو رہا تھا جو ہاتھی کے ساتھ ہو چکا تھا۔ یعنی اسے بھی ایک انسان کی بو آ رہی تھی۔ مگر وہ انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس سمت سے سیدھی بو آ رہی تھی۔ شیر نے ادھر دیکھا۔ مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ شیر بو کی سیدھ پہ بڑھنے لگا۔ ماریا کو محسوس ہوا کہ یہ کم بخت شیر بھی کوئی آدم خور شیر تھا۔ دگرنہ وہ یوں ایک انسان کی بو کے پیچھے نہ پڑ جاتا۔ اب جگہ ذرا کھلی تھی۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس نے گھوڑے کو دوڑانا شروع کر دیا۔ گھوڑا تیزی سے شیر کے قریب سے گزرا تو شیر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسا گھوڑا ہے کہ جس کی آواز تو آ رہی ہے مگر شکل دکھائی نہیں دے رہی۔ اس

نے بھی پاگل ہو کر گھوڑے کی آواز کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا۔ کیونکہ جس طرف سے گھوڑے کی آواز آ رہی تھی اسی طرف سے انسان کی بو بھی آ رہی تھی۔ اب آگے آگے گھوڑا بھاگ رہا تھا۔ اور پیچھے پیچھے شیر بھاگ رہا تھا۔ مگر اس پتھریلے دشوار گذار جنگل میں گھوڑا شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ شیر گھوڑے کے سر پر پہنچ گیا۔ اور اس نے یونہی ہوا میں ایک پنجہ مارا یہ پنجہ گھوڑے کے پہلو سے ہو کر گزر گیا۔ ماریا کی ٹانگ بڑی مشکل سے بچی۔ اگر وہ گھوڑے کا رخ نہ بدل لیتی تو شیر نے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔ شیر ایسا ضدی آدم خور تھا کہ انسان کی بو کے پیچھے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ حالانکہ اسے کوئی انسان، کوئی گھوڑا، کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک ماریا کو خیال آیا کہ اس کے پاس تو وہ پتھر موجود ہے۔ جس کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے وہ

جھاڑیوں کے پاس آکر رُک گئی۔ اُس نے جھولے میں سے پتھر نکال کر انہیں آپس میں زور زور سے رگڑا۔ پتھروں کے رگڑتے ہی چنگاریاں پیدا ہوئیں۔ یہ چنگاریاں خشک جھاڑیوں پر گریں تو وہاں آگ لگ گئی۔ خشک جھاڑیوں میں آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ آگ کو دیکھ کر شیر وہیں رک گیا۔ دوسری طرف ماریہ کا گھوڑا بھی بدک گیا۔ شیر پیچھے کودا اور گھوڑا آگے کو بھاگ اٹھا۔ اب ماریا کے لئے گھوڑے کو روکنا محال ہو گیا۔ آخر بڑی مشکل سے اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ گھوڑے کی رفتار ہلکی ہو گئی۔ زیادہ تیز رفتاری میں خطرہ تھا کہ ماریہ کسی درخت سے نہ ٹکرا جائے۔ کیونکہ درختوں کا سلسلہ بڑا گنجان ہو گیا تھا۔ سامنے پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ ماریا چڑھائی چڑھنے لگی۔ رات بڑی خاموش اور کالی تھی۔ آسمان پر ستارے دھیمے دھیمے چمک رہے تھے........ چڑھائی کے بعد ڈھلان آ گئی۔ ماریا بڑی احتیاط

سے گھوڑے کو لے کر ڈھلان پر سے نیچے اترنے لگی۔ ان پہاڑی سلسلوں سے وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ آسام کہ پہاڑیاں ختم ہو رہی ہیں اور کوہ ہمالیہ کی ترائی شروع ہونے والی ہے۔

ڈھلان ختم ہوئی تو جنگل کا ایک گھنا تختہ شروع ہو گیا۔ یہاں درختوں پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور بانس کے بیشمار درخت کھڑے تھے۔ اس بانس کے جنگل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وسطی ہند سے گزر کر آسام کے صوبے میں داخل ہو رہی ہے۔

رات اب کافی ڈھل چکی تھی۔ اور دوسرے دن کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی ہو رہی تھی۔ یہاں درخت اس قدر گنجان تھے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ درختوں کی ٹہنیاں اس کے سر سے ٹکرا رہی تھیں۔

ماریا نے سوچا کہ اسے گھوڑے سے اتر کر چلنا چاہئے۔ وہ

گھوڑے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے نیچے اترتے ہی گھوڑا جو پہلے غائب تھا ایک دم سامنے آ گیا۔ ماریا نے اس کی باگ ہاتھ میں تھام لی اور جنگل میں جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتے چلنا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے تھوڑا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ماریا رک گئی۔ قریب ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس کی آواز آ رہی تھی، ماریا نے سوچا یہ لوگوں کی نہیں بلکہ چشمے کی آواز تھی۔ اس خیال پر وہ دل ہی دل میں ہنس پڑی۔ اُسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ وہ چشمے پر جھک کر پانی پی ہی رہی تھی کہ اس نے پھر کچھ آوازیں سنیں۔ اب اس نے پلٹ کر دیکھا تو چھ سات ناگا قبیلے کے نیم عریاں جنگلی اس کے گھوڑے کو باگ سے پکڑ کے کھینچے لیے جا رہے تھے اور آپس میں ہنس ہنس کر خوشی سے باتیں بھی کر رہے تھے کہ انہیں ایک شاندار گھوڑا ہاتھ آ گیا ہے۔ وہ حیران بھی تھے کہ ایسا اچھی نسل کا

گھوڑا وہاں کیسے آ گیا؟ وہ مڑ مڑ کر پیچھے بھی دیکھ رہے تھے کہ شاید اس گھوڑے کا سوار کہیں کسی جگہ چھپا ہوا ہو۔ ماریا انہیں نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ موقع کی تلاش بھی کر رہی تھی کہ کس طرح چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو جائے لیکن وہ جنگلی ناگے آپس میں یوں گتھم گتھا ہو کر گھوڑے کے ارد گرد چل رہے تھے کہ اسے ذرا سی بھی جگہ نہ مل رہی تھی۔

ماریا عاجز آ گئی کہ یہ عجیب نئی مصیبت سے پالا پڑ گیا۔

انسان زندگی میں کبھی ایسی مصیبت میں بھی پھنس جاتا ہے کہ جس کو وہ مصیبت سمجھتا ہے لیکن اصل میں وہ اس کے لئے رحمت ہوتی ہے۔ ماریا کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ ناگے جس طرف اسے اور اس کے گھوڑے کو لے جا رہے ہیں، وہاں ایک جھونپڑی میں اس کا بھائی عنبر قید ہے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ناگاؤں نے ایک دن پہلے تیر چلا کر عنبر

اور اس کے ساتھی کیلاش کو گرفتار کیا تھا۔ اور دن چڑھے اس کی کھال ادھیڑ کر سردار کے خیمے کے باہر لٹکانے والے تھے۔

ماریا بے خبر تھی۔ وہ قسمت کو کوس رہی تھی۔ اور اب بھی موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح گھوڑے پر چھلانگ کر بیٹھ جائے......

کیونکہ اس کے بیٹھنے سے گھوڑا اپنے آپ گم ہو جاتا تھا۔ یوں وہ ان جنگلی ناگاؤں کے چنگل سے بچ سکتی تھی۔ لیکن ناگاؤں نے گھوڑے کے ارد گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور کھینچتے ہوئے اپنے سردار کے ڈیرے کی طرف لئے جا رہے تھے۔ ماریا اپنی قسمت کو کوستی ہوئی ساتھ چلی جا رہی تھی۔

اب صبح کی روشنی جنگل میں پھیل گئی تھی اور صاف نظر آنے لگا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ ناگاؤں کا لباس سوائے ایک لنگوٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے کندھوں پر تیر کمان لٹکا رکھے تھے' ہاتھوں میں نیزے

تھے، اور خدا جانے کس زبان میں باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ اُن کے چہرے پر نیلے رنگ کے نشان بنے ہوئے تھے۔ آخر وہ درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ پر آ کر رک گئے۔ گھوڑے کو دیکھ کر ارد گرد جھونپڑیوں سے کئی ایک وحشی جنگلی ناگے نکل آئے...... بڑی حیرانی سے گھوڑے کو دیکھ رہے تھے، جس پر زین کسی ہوئی تھی اور پانی کی چھاگل بھی لٹک رہی تھی۔

اتنے میں ایک جھونپڑے کے اندر سے ایک ایسا ادھیڑ عمر کا ناگا باہر نکلا جس کے سر پر نیلے رنگ کے پروں کی کلغی تھی۔ اس کو دیکھ کر سارے ناگے ادب سے پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ ناگاؤں کا سردار معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ گھوڑے کو دیکھا اور اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ماریا آگے بڑھی۔ اب موقع تھا کہ وہ چھلانگ مار کر گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ وہ

چھلانگ لگانے ہی لگی تھی کہ اس سے پہلے ناگا سردار چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

ماریا سر پیٹ کر رہ گئی۔ اب اگر وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتی تو اس کے ساتھ ناگا سردار بھی غائب ہو جاتا اور جہاں وہ جاتی ناگا سردار بھی ساتھ ہی جاتا۔ یہ ماریا کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ چنانچہ وہ ایک طرف درخت کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اور دیکھنے لگی کہ وہ جنگلی ناگے اس کے گھوڑے کو کب کھلا چھوڑتے ہیں۔ اس نے ارادہ کر رکھا تھا کہ جونہی سردار گھوڑے پر سے اترے گا وہ فوراً اس پر سوار ہو کر گھوڑے سمیت گم ہو جائے گی۔ اور اپنے بھائی کی تلاش میں چل پڑے گی۔

اس کو کیا خبر تھی کہ جس کی تلاش میں وہ جنگل جنگل بھٹکتی پھر رہی ہے وہ اس کے تھوڑے فاصلے پر ہی ایک جھونپڑی میں قید ہے۔ اور موت کا انتظار کر رہا ہے۔ سردار ابھی تک گھوڑے پر سوار تھا بلکہ وہ

گھوڑے پر سوار بڑی شان سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار گھوڑے پر سوار ہوا ہے۔ اس کے پاؤں زمین پر ٹکتے ہی نہ تھے۔ وہ اکڑ اکڑ کر گھوڑے پر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

جھونپڑیوں میں آگ جلا دی گئی تھی اور لوہے کی ایک سلاخ گرم کرنے کے لئے ڈال دی گئی تھی۔

ماریا حیران ہوئی کہ یہ لوہے کی سلاخ کس کے لئے سرخ کی جا رہی ہے؟ کیا یہ میرے گھوڑے کو داغنا چاہتے ہیں؟ اگر انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں گھوڑے پر سوار ہو کر آسے غائب کر دوں گی۔ ناگا وحشیوں نے آگ کے ارد گرد رقص کرنا شروع کر دیا' وہ عجیب اوٹ پٹانگ آوازوں میں گیت بھی گا رہے تھے۔ اور رقص بھی کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سردار بھی گھوڑے سے اتر کر رقص میں شامل ہو گیا۔ ماریا اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی، اور گھوڑے کی طرف بڑھی، گھوڑا خالی ایک طرف کھڑا تھا۔ اس نے ماریا کی بو محسوس کر لی تھی، اور خوشی سے ہنہنانے لگا۔ سردار نے پلٹ کر گھوڑے کی طرف دیکھا کہ وہ ہنہنا کیوں رہا ہے؟ اس عرصے میں ماریا اس کے پاس پہنچ کر گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ سردار کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑا غائب ہو گیا۔ سردار کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چیخ مار کر رقص بند کرا دیا اور بھاگ کر درخت کے نیچے اس جگہ کو جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ جہاں ابھی ابھی گھوڑا کھڑا تھا۔ مگر وہاں گھاس پر سوائے گھوڑے کے پاؤں کے مدھم سے نشانوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ماریا گھوڑے کو لے کر پرے ہٹ گئی تھی۔ اور چپ چاپ کھڑی تھی۔ وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ لوگ ذرا پرے ہٹیں تو وہ گھوڑے کو بھگا کر وہاں سے لے جائے۔

سردار نے اونچی زبان میں ناگاؤں سے کہا کہ؛ ابھی ابھی گھوڑا یہاں کھڑا تھا' پھر وہ کہاں غائب ہوگیا؟؟ ناگا بھی حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ یہ ماجرا کیا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے بھی گھوڑے کو وہاں کھڑے دیکھا تھا۔

ایک ناگا نے کہا۔

''وہ کوئی دیوتا تھا''

دوسرا بولا۔

''وہ سندری دیوی کا روپ تھا''

تیسرے نے کہا۔

''دیوتا گھوڑے کے روپ میں بھی آیا کرتے ہیں''

سردار نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر دیوتا اپنے پجاریوں سے ملے بغیر نہیں جایا

کرتے۔ وہ اپنے غلاموں سے بات ضرور کرتے ہیں۔ اگر یہ گھوڑا و ہمارے تندی دیوتا کا روپ تھا تو پھر دیوتا نے ہم سے کوئی بات کیوں نہیں کی؟“

ایک ناگا بولا۔

”شاید وہ ہمارے درمیان اب بھی موجود ہے۔ شاید وہ ہم سے بات کرے گا“...............

سردار نے کہا۔

”دیوتا تندی ہم سے اپنی قربانی مانگنے آیا ہے۔ ہمارے بھاگ جاگ اٹھے ہیں کہ دیوتا خود قربانی لینے یہاں آئے۔ جے ہو تندی دیوتا کی“............

اس نعرے کے ساتھ ہی ناگا وحشیوں نے آگ کے گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ ماریا کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ وہ گھوڑے پر

سوار قدم قدم چلاتی وہاں سے نکل کر جنگل میں آئی اور وہاں پہنچ کر اس نے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ گھوڑا درختوں کے نیچے نیچے بھاگنے لگا۔ ماریا نے اپنا سر نیچے کر لیا تھا اور گھوڑا دلکی چال چلتا بھاگا چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنے خیال میں مصیبت سے بچ کر نکل آئی تھی۔

بد نصیب بہن کی قسمت میں شاید ابھی بھائی کا ملاپ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عین اس وقت وہاں سے بھاگ آئی تھی جبکہ ناگا وحشی اس کے قیدی بھائی کو جھونپڑی سے باہر نکالنے ہی والے تھے۔ یہ بھی قسمت کا ایک عجیب کھیل تھا کہ بہن اتفاق سے بھائی کے بالکل قریب پہنچی اور پھر دور ہو گئی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ ادھر ماریا گھوڑے پر سوار بھاگی چلی جا رہی تھی اور ادھر اس کے بھائی کو اور اس کے ساتھی کیلاش کو قربانی کے لئے جھونپڑی سے باہر نکالا جا رہا تھا۔ سردار سب سے پہلے ان دونوں کی آنکھیں گرم سلاخوں سے داغنا چاہتا تھا۔

کیونکہ یہاں کے نندی دیوتا کو بہت اچھا لگتا تھا' اور چونکہ دیوتا خود ناگاوں میں موجود تھا۔ اس لیے وہ اپنے دیوتا کی خوشی کے لیے پہلے قیدیوں کی آنکھیں نکالنا چاہتے تھے۔

رات بھر جھونپڑی میں جکڑے رہنے کے بعد کیلاش چودر کا تو بہت برا حال ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ ایک ہی رات میں اتر گیا تھا۔ موت کے خوف نے اسے زرد اور کمزور بنا دیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ عنبر اُسے حوصلہ دے رہا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں عنبر بالکل ٹھیک اور ہشاش بشاش تھا اور کیوں نہ ہوتا' اس کو تو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مر نہ سکے گا۔ نہ اس پر تلوار اثر کرے گی نہ تیر اور بھالا اثر کرے گا۔ اسے بھی معلوم نہ تھا کہ اس کی بہن ماریا ابھی ابھی وہاں کھڑی تھی۔ اگر اسے خبر لگ جاتی تو وہ اسی وقت اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا' چاہے اُسے سارے کے سارے ناگا وحشیوں

کو قتل ہی کیوں نہ کر دینا پڑتا۔

عنبر نے کیلاش کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”کیلاش! ہمت کیوں ہار بیٹھے ہو۔ میں نے تمہیں کہا نہیں ہے کہ تمہیں کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا۔ اگر ان لوگوں نے تمہیں کچھ کہا تو میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ تم پریشان کیوں ہو رہے ہو“۔

کیلاش کو اپنی موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی‘ اُس نے کہا۔

”بھائی عنبر! کیا کروں۔ یقین نہیں آ رہا آقا! ویسے لگتا ہے کہ آپ تو بچ جائیں گے۔ مگر مجھے دنیا کی کوئی طاقت ان آدم خوروں سے نہ بچا سکے گی۔

عنبر نے ایک بار پھر اسے تسلی دی۔

”کیلاش ہوش کی دوا کرو‘ کیوں پاگل ہوئے جا رہے ہو۔ مرد ہو کر رونے لگے ہو۔ اگر فرض کر لیا کہ تمہیں مرنا ہی ہوتا تو پھر بھی تمہیں

بڑی آن بان کے ساتھ مرنا چاہئے تھا"۔

"نہیں نہیں بھائی! میں آن بان کے ساتھ نہیں مر سکتا۔ میں نہیں مر سکتا۔ تم مرو آن بان کے ساتھ، مجھے تو یہاں سے بچا کر لے جاؤ۔ خدا کے لئے مجھے ان وحشیوں سے بچا لو، یہ کم بخت تو مجھے بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔

کیلاش شور مچانے لگا، ناگا وحشی اسے دیکھ کر ہنسنے لگے...... عنبر نے کہا۔

"شرم کرو، یہ لوگ تم کو پریشان دیکھ کر ہنس رہے ہیں، کیا کہہ رہے ہوں گے کہ عجیب بزدل آدمی ہے یہ"

کیلاش نے شور مچا کر کہا۔

"چاہے مجھے بزدل کہیں چاہیں بہادر۔ مگر میں ان کے ہاتھوں بھون کر پکوڑا نہیں بننا چاہتا۔ خدا کے لئے مجھے بچا لو عنبر! یہ تو آگ جلا

کر لوہا سرخ کر رہے ہیں"۔

''خاموش'' عنبر نے کیلاش کو ڈانٹ کر کہا۔ عنبر کی ڈانٹ پر کیلاش چپ ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

''عجیب پاگل ہو میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں بچا لوں گا۔ یہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر تمہیں کچھ خیال ہی نہیں آ رہا؟ کسی کی بات پر یقین ہی نہیں آ رہا''..........

سردار نے حکم دیا کہ سب سے پہلے ایک آدمی کو لایا جائے' دو ناگا آگے بڑھے، اور یہ کیلاش کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے پہلے عنبر کو پکڑا۔ اگر وہ کیلاش کو پکڑ کر لے جاتے تو عنبر کے لئے بڑی مشکل ہو جاتی۔ پھر شاید ہی وہ کیلاش کو موت کے منہ سے بچا سکتا۔ عنبر بڑا خوش ہوا کہ ناگا پہلے اسے پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ سردار کے حکم سے عنبر کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

جنگل میں رات

سردار نے عنبر کی آنکھیں نکالنے کا حکم دیا۔

کیلاش چور کی تو یہ سن کر روح کانپ گئی کہ وحشی سردار کے حکم سے عنبر کی آنکھیں نکالی جا رہی ہیں۔ مگر دل میں اسے یہ خیال ضرور تھا کہ عنبر کی یہ آنکھیں نکال نہیں سکتے۔ کیونکہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ عنبر پر کوئی بھی تیز، تلوار یا نیزہ اثر نہیں کرتا۔ نہ اس کا کہیں سے خون نکلتا ہے ورنہ ہی کوئی زخم ہوتا ہے، پھر بھی اُسے یہ تجربہ نہیں تھا جو اب عنبر کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اُس نے گرم گرم سرخ سرخ سلاخ کو دیکھا جسے ایک وحشی ناگا نے آگ میں سے باہر نکال لیا تھا اور اس پر سوکھے پتے ڈال کر جلا رہا تھا۔ سوکھا پتہ گرم سرخ دہکتی ہوئی سلاخ پر

گرتے ہی شعلہ بن کر بھسم ہو جاتا........ کیلاش کا دل موت کے خوف سے دھڑکنے لگا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد یہی سلوک اس کے ساتھ ہونے والا تھا۔

مگر وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران تھا کہ عنبر پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ نہ اس کے چہرے پر خوف کا کوئی اثر تھا اور نہ وہ موت کے ڈر سے سہما ہوا تھا۔ بلکہ اس کے چہرے پر گہرا اطمینان اور ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی، ناگا اور ان کا سردار بھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ کیسا انسان ہے جو ہنستے ہنستے موت کے گلے میں باہیں ڈال رہا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ان لوگوں نے جس جس قیدی انسان کی آنکھیں نکالی تھیں وہ چیختے چلانے لگ جاتے اور گڑگڑا کر سردار سے زندگی کی بھیک مانگا کرتے۔

عنبر بڑے سکون سے درخت سے بندھا ہوا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی سے وحشی ناگا کو سرخ دہکتی ہوئی سلاخ لئے اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ ڈھول زور زور سے پیٹے جانے لگے تھے۔ ناگا دہکتی سلاخ لئے عنبر کے بالکل سامنے آ گیا۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور بڑا تعجب کرنے لگا کہ یہ شخص ذرا بھی نہیں ڈر رہا۔ حالانکہ وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں گرم سلاخ سے نکالی جانے والی ہیں۔ ناگا نے دہکتی سلاخ لکڑی سے پکڑ رکھی تھی۔ وہ سلاخ کو عنبر کی آنکھوں کے سامنے لے آیا۔ اور سردار کے اشارے کا انتظار کرنے لگا۔ سردار کے ہاتھ اٹھا کہ اجازت دینے کی دیر تھی کہ ناگا نے دہکتی ہوئی سلاخ عنبر کی آنکھوں میں گھسیڑ دینی تھی۔

اچانک سردار نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کر دیا۔

وحشی ناگا دہکتی سلاخ عنبر کی آنکھوں کے پاس لے آیا۔ ایک پل

کے لیے وہ رکا اور پھر اس نے سلاخ عنبر کی آنکھوں میں گھسیڑ دی۔ گرم گرم سلاخ عنبر کی آنکھوں سے ٹکرا گئی۔ ایک شعلہ سا اٹھا اور سلاخ وحشی کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ اس نے حیرانی سے ارد گرد دیکھا، اور سلاخ دوبارہ اٹھا کر ہاتھ میں تھام لی۔ اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ اس دفعہ پھر سلاخ یوں آنکھوں سے ٹکرائی جیسے کسی لوہے کی دیوار سے ٹکرا گئی ہو۔ وحشی ناگا نے جتنی بار سلاخ ماری ایسا ہی ہوا۔ سردار خود آگے بڑھا اور اس نے سلاخ لیکر اپنے ہاتھ سے عنبر کی آنکھوں پر پوری طاقت سے حملہ کیا۔

اس دفعہ ایک شعلہ نکلا اور اس کی لپیٹ نے سردار کے سر کے بال جلا ڈالے اور درد کی شدت سے سردار نے سلاخ ہاتھ سے پھینک دی۔ سردار نے کہا۔

”دیوتا اس وقت قربانی قبول نہیں کر رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ

بہت زیادہ مصروف ہیں۔ اس لئے یہ قتل عام کل شام کو ہوگا۔ کل ہم دوسرے قیدی کو سب سے پہلے ہلاک کریں گے۔“

اتنا کہہ کر سردار کے حکم سے عنبر اور کیلاش کو دوبارہ کوٹھریوں میں ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا۔ کیلاش بہت ڈر رہا تھا۔ کیونکہ کل پہلے باری اس کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کل موت کے منہ سے نہ بچ سکے گا۔ آج بھی اگر عنبر کی جگہ پہلے اسے لایا جاتا تو اس وقت وہ اندھا ہو کر زمین پر پڑا تڑپ رہا ہوتا، اور آدم خور وحشی ناگا اس کے جسم کو کاٹ رہے ہوتے۔ اس نے سہمے سہمے انداز میں عنبر سے کہا۔

”میرے آقا! کل کیا ہوگا؟ کل تو یہ لوگ پہلے مجھے قتل کرنیکا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ کل مجھے موت کے منہ سے کون بچائے گا“؟

عنبر نے سوچ کر کہا۔

”ویسے تو زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ہمارے

لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔ اس لئے میں نے سوچا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے' آج رات یہاں سے فرار ہو جائیں"

"فرار"؟

"ہاں فرار۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں"۔

"مگر میرے آقا! یہاں تو چاروں طرف زبردست پہرہ لگا ہے۔ ہم کہاں سے اور کدھر سے بھاگیں گے؟ ان لوگوں کے تو کان ہماری ہر آہٹ پر لگے ہوتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ ہمیں آج رات یہاں سے بھاگ جانا ہوگا۔ ورنہ کل کم از کم تمہیں تو یہ ضرور بھون کر کھا جائیں گے"۔

کیلاش چور نے رو کر کہا۔

"ان وحشی ناگاؤں کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے کباب بنوانے سے تو کہیں بہتر ہے کہ ہم دریا میں چھلانگ لگا دیں۔"

عنبر بولا۔

کیلاش تم بہت جلد گھبرا جاتے ہو۔ اگر اسی طرح گھبراتے رہے، تو کل تمہاری لاش کے یہ لوگ تکے کباب بنا کر کھا رہے ہوں گے۔ اس لئے جو میں کہتا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

"میرے آقا"!

عنبر کو بخوبی علم ہو گیا تھا کہ کیلاش چور کو زندگی سے بہت پیار ہے۔ اور وہ موت سے بہت خوفزدہ ہے۔ اُس نے کہا۔

"تم میرے ساتھ رہنا اور شور ہرگز ہرگز نہ مچانا۔ میں جو کچھ کروں اس پر خاموش رہنا، اور مجھ سے کبھی نہ پوچھنا کہ میں کیا کر رہا ہوں سمجھ گئے ہو ناں؟"

کیلاش جھٹ بولا۔

''بالکل سمجھ گیا ہوں حضور!''

''بس اب خاموش رہو اور جو کچھ میں کروں' اُسے چپ چاپ دیکھتے چلو' اور جب میں اشارہ کروں تو میرے ساتھ یہاں سے بھاگ نکلنا''۔

''ایسا ہی ہوگا میرے آقا۔ میں خاموش ہو رہا ہوں''۔

کیلاش چور خاموشی سے جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ رات گہری ہونے لگی۔ رات کے پہلے پہر سارے وحشی ناگا سو گئے۔ کچھ جنگل میں نکل گئے۔ دو ناگا ننگی تلواریں لیے جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے لگے۔ عنبر کے دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اس نے کیلاش چور سے کہا۔

''کیا تم کسی طرح میرے ہاتھ کھول سکتے ہو؟''

"میں کوشش کروں گا"۔ .... کیلاش نے کہا، اور کھسکتا کھسکتا عنبر کے پیچھے آ گیا۔ اس نے پیچھے سے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر عنبر کے ہاتھوں کے گرد بندھی ہوئی بانس کی چھال کی رسی کی گرہ کھولنی شروع کر دی۔ شروع شروع میں اسے بڑی دقت ہوئی، مگر کچھ دیر کی انتھک محنت کے بعد وہ گرہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ عنبر کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے۔ اس نے اب کیلاش کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دیں، باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر نے کہا۔

"ناگا چاول لے کر آ رہا ہے۔ تم اپنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے رکھو اور یوں ظاہر کرو جیسے تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"۔

"بہت بہتر حضور"۔

کیلاش اپنے ہاتھ پیچھے لے گیا۔ اور یوں ٹیڑھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔ یہی بہانہ عنبر نے

بھی کیا۔ وہ بھی اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لے گیا۔ اور چپ چاپ آنکھیں ذرا سی کھولے اندر آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا، اور ایک ناگا ہاتھ میں اُبلے ہوئے چاولوں کی تھالی لئے اندر داخل ہوا۔ اور پھر چاولوں کی تھالی دونوں کے درمیان رکھنے کے لئے جھکا۔

عنبر اسی گھڑی کے انتظار میں تھا۔ جونہی اس نے تھالی زمین پر رکھی، عنبر نے اچھل کر دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبا لیا۔ یہ کام اس نے اس قدر پھرتی سے کیا کہ وحشی ناگے کی آواز تک نہ نکل سکی۔ عنبر نے اس کی گردن کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ اور اپنی پوری طاقت سے اس کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ ناگے کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔ اس نے عنبر کی گرفت سے نکلنے کے لئے بہت زور لگایا، مگر عنبر نے اسے گرا دیا۔ ناگا بے جان ہو کر نیچے گر پڑا۔ عنبر نے کیلاش کو

اشارہ کیا کہ دروازے کے ساتھ ایک طرف لگ جاؤ، اس لئے کہ ایک اور ناگا اندر آ رہا تھا۔ دونوں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرا ناگا اندر داخل ہو کر بڑے غور سے ادھر ادھر تکنے لگا۔ اس نے زمین پر ایک ناگا کی لاش دیکھی تو ابھی منہ سے چیخ نکالنے ہی والا تھا کہ عنبر اور کیلاش نے اسے گلے سے دبوچ لیا۔

ناگا ششدر رہ گیا کہ یہ اچانک دائیں یا بائیں سے کس نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ بڑے زور سے پھڑپھڑایا۔ یوں لگتا تھا، کہ وہ اس کی گرفت سے نکل بھاگے گا۔ مگر عنبر اور کیلاش نے اسے نہ چھوڑا۔ ناگا زمین پر گر پڑا۔ کیلاش بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر گر پڑا۔ پھر اس نے گردن دبا کر دوسرے ناگا کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"میں باہر جا کر دیکھتا ہوں' دوسرے لوگ کہاں ہیں"۔

عنبر دبے پاؤں باہر آ گیا۔ ایک پہریدار اور ایک کھانا لانے والا ہلاک ہو چکا تھا۔ دوسرا پہریدار جنگل کی طرف منہ کیے درخت سے ٹیک لگائے جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا' اس کو ختم کرنا بہت ضروری تھا' اس کے علاوہ وہاں چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ عنبر جنگلی بلی کی طرح پہریدار ناگے کی سمت پیچھے سے بڑھنے لگا۔ یہ بڑا خطرناک مقام تھا۔ اگر ذرا سی بھی آہٹ ہو جاتی تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ پہریدار کی بھانک چیخ سنکر سارے وحشی جاگ اٹھتے ،اور پھر دنیا کی کوئی طاقت کم از کم کیلاش کو موت کے منہ سے نہیں بچا سکتی تھی۔

عنبر نے سوچا کہ اگر اس نے پہریدار وحشی کا پیچھے سے گلا دبوچنے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ اس کا ہاتھ پھسل جائے اور پہریدار شور مچا

دے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کے سر پر پتھر مار کر اسے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا جائے۔ مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ زمین پر سے کوئی پتھر اٹھایا جاتا۔

عنبر نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ نیچے جھک کر ایک بڑا سا پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور پھر ذرا آگے جا کر پوری طاقت کے ساتھ پہریدار کے سر پر دے مارا۔ اس طرح سے یہ فائدہ ہو کہ پہریدار ناگے کی آواز تک حلق سے نہ نکل سکی۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جھونپڑی کے اندر کھڑا کیلاش چور یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ جونہی اس نے پہریدار کو زمین پر بے جان ہو کر گرتے دیکھا وہ لپک کر باہر آ گیا، اور عنبر کے پاس آ کر سرگوشی سے بولا۔

''بھاگ چلیں میرے آقا''؟

عنبر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"خاموش"! ....

انہیں پہلو میں ایک جھونپڑی میں سے ایک عورت بچے کو لے کر باہر آتی نظر آئی۔ دونوں بانس کے جھنڈ کی اوٹ میں ہو گئے' عورت نے بچے کو پانی پلایا۔ بچہ روئے جا رہا تھا۔ اندر سے کسی مرد کی آواز آئی، وہ سخت غصے میں تھا، اور شاید بچے کو چپ کرانے کے لئے کہہ رہا تھا، بچے کے رونے کی آواز سن کر باہر آگ کے گرد لیٹا ہوا ایک بوڑھا ناگا اٹھ کر بیٹھ گیا، شاید اس نے کہا۔

"یہ کیوں رو رہا ہے؟"

عورت نے بوڑھے ناگا کو خدا جانے کیا کہا کہ ناگا نے دوسرے وحشی کو جگا دیا۔ دوسرے نے اٹھ کر تھیلی میں سے کوئی پھل کی گٹھلی سی نکالی' اور بچے کے منہ میں رکھ دی' اوپر سے بوڑھے ناگے نے پانی پلا دیا۔ پانی کا گھونٹ پیتے ہی بچے نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

اس کے رونے کی آواز سن کر وہاں گھاس پر سوئے ہوئے کئی وحشی ناگے جاگ اٹھے۔

یہ صورت حال عنبر اور کیلاش کے لیئے بڑی خطرناک تھی۔

کیونکہ انہیں اپنے ساتھی ناگاؤں کی لاشیں صاف نظر آ سکتی تھیں، ایک لاش کو وہیں باہر پڑی تھیں، اور دوسری دو لاشیں جھونپڑی کے اندر تھیں۔ اس کے علاوہ جھونپڑی کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ یہ کیلاش سے سخت غلطی ہو گئی تھی کہ وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر آ گیا تھا۔ بس کسی ناگے کی جھونپڑی پر نگاہ پڑنے کی دیر تھی کہ سارا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔

کیلاش گھبرا گیا۔ کیونکہ وہاں بہت سے لوگ جاگ پڑے تھے اور بچے کو چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جھونپڑی کے اندر سے بھی کئی لوگ اٹھ کر باہر آ گئے تھے۔ عنبر نے کیلاش چور کے کان میں کہا۔

"یہاں سے اس وقت بھاگنا بہت مشکل ہے۔ فوراً درخت پر

چڑھ جاؤ"۔

یہ کہکر عنبر جھکے جھکے دبے پاؤں بھاگتی کے ایک بہت بڑے پھیلے ہوئے گنجان درخت کے پاس آ کر بیٹھ گیا، اس نے کیلاش کو اشارہ کیا کہ درخت کے اوپر چڑھ جاؤ۔

"خبردار پتوں اور شاخوں کی ذرا سی آواز بھی پیدا نہ ہو"۔

کیلاش ایک مشہور اور تجربے کار ڈاکو تھا۔ اسے جنگل میں درختوں پر چھپ کر بیٹھنے کی بڑی مہارت تھی۔ وہ عام طور پر درختوں میں چھپ کر ہی مسافروں کو لوٹا کرتا تھا۔ کیلاش کا اشارہ پا کر وہ ایک تجربہ کار جنگلی بلی کی طرح درخت کے اوپر چڑھنے لگا۔ یہ درخت بہت گھنا تھا اور تنے سے ذرا اوپر جا کر ہی اس کی موٹی موٹی شاخیں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے درخت پر چڑھنے لگا۔ کیلاش درخت کی سب سے اوپر والی شاخ میں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس

کے پاس ہی عنبر بھی آ کر چھپ گیا، وہ درخت کے اوپر گھنے پتوں والی شاخوں میں بالکل چھپ گئے تھے اور نیچے سے دیکھنے پر بالکل نظر نہیں آ رہے تھے۔

کیلاش نے پوچھا۔

"میرے آقا! کیا ہمیں ساری رات یہاں چھپے رہنا ہوگا؟"

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"ساری رات اور کل کا دن بھی، کیونکہ دن میں ہم یہاں سے اتر کر بھاگنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ کیونکہ یہ جنگلی لوگ سارا دن یہاں گھومتے رہتے ہیں اور جنگل میں بھی پھرتے رہتے ہیں"۔

"تو کیا سارا دن یہاں لٹکے رہنا ہوگا؟" کیلاش نے پریشان ہو کر پوچھا۔

عنبر نے اسے سرگوشی میں ڈانٹ کر کہا۔

''خاموش رہو۔ یہ میں سب کچھ تمہارے لئے کر رہا ہوں، ورنہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ اس درخت پر بندروں کی طرح لٹکا رہوں؟ میرا تو وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، لیکن تمہاری بڑی آسانی سے تکا بوٹی کر سکتے ہیں۔ اس لئے کم از کم اور کچھ نہیں تو اپنی جان بچانے کے لئے ہی خاموشی سے یہ تکلیف سہہ جاؤ......''

کیلاش نے کہا۔

معافی چاہتا ہوں میرے آقا!

''اب نہیں بولوں گا۔''

''شی''۔

عنبر نے کیلاش طور کو خاموش رہنے کو کہا، اور پتوں میں سے نیچے دیکھا، دو ناگے اس طرف آ رہے تھے، جہاں گھاس پر پہریدار ناگے کی لاش پڑی تھی، حیرانی کی بات یہ تھی کہ ابھی تک کسی کی جھونپڑی

سکے کھلے دوازے پر نظر نہیں پڑی تھی۔ کیلاش نے اپنا سانس روک لیا، دونوں ناگے شاید جنگل میں کسی جڑی بوٹی کی تلاش میں جارہے تھے۔ کیونکہ بیمار بچہ ابھی تک روئے جارہا تھا۔ اچانک انہوں نے رات کے اندھیرے میں گھاس پر پہریدار کی لاش کو دیکھا، اور زور سے چیخ مار کر سارے قبیلے کو خبردار کر دیا، اس کی چیخ سے وہاں ایک بھگدڑ سی مچ گئی، ناگے جھونپڑی کی طرف لپکے۔ اندر پہنچ کر انہوں نے اور زور کی چیخ ماری۔ انہوں نے اندر دونوں لاشوں کو دیکھ لیا تھا، سارے قبیلے میں شور مچ گیا کہ دونوں قیدی پہریداروں کو ہلاک کر کے بھاگ گئے ہیں، قبیلے کے سردار نے جھونپڑی سے باہر آ کر غصے میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتے، سارے جنگل میں چپہ چپہ چھان مارو“........

ناگ کی لاش کہاں گئی؟

ناگاؤں کے قبیلے میں افراتفری مچ گئی۔

سردار کا حکم پا کر کچھ وحشی نیزے لہراتے، شور مچاتے جنگل کی طرف بھاگے، اور باقی اسی جگہ گھوم پھر کر عنبر اور کیلاش چور کو تلاش کرنے لگے، وہ ایک ایک جھاڑی میں نیزے مار رہے تھے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کر دیں۔ جس سے جنگل کی اندھیری رات میں ہر شے صاف نظر آنے لگی۔ سردار پریشانی کے عالم میں آگ کے گرد ٹہل رہا تھا۔ یہ اس کی بہت بڑی توہین تھی کہ اگن دیوتا کی بھینٹ اس کے قبضے سے دھوکہ دے کر بھاگ جائے۔ ایسا اس کی وحشی زندگی میں پہلی بار ہوا تھا، اور وہ بے حد اضطراب کی حالت میں تھا، اس کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا کر اپنا سر ٹکرائے، مارے غصے کے اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ویسے اسے یقین تھا کہ وہ لوگ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ کیونکہ جنگل کے چپے چپے میں اس نے اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے۔

یہ لوگ جنگل کے تمام راستوں سے باخبر تھے، انہوں نے کافی دور تک سارے جنگل کو اپنے گھیرے میں لے لیا، اور پھر ایک ایک جھاڑی کو کنگالنے لگے۔ ساری رات جنگل میں عنبر اور کیلاش چور کی تلاش جاری رہی، مگر خدا جانے انہیں زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان نے اوپر اٹھا لیا تھا۔ ان کا کہیں نشان تک نہ مل رہا تھا۔ رات ڈھل گئی اور دن کا اجالا چاروں طرف پھیلنے لگا۔ عنبر اور کیلاش چور اسی طرح سہاگنی درخت کی سب سے اوپر والی شاخ میں چھپے ہوئے بیٹھے رہے، کسی کو معلوم نہ تھا کہ جن مفرور قیدیوں کو وہ جنگل جنگل ڈھونڈھ

رہے ہیں وہ اسی جگہ ان کے درمیان ایک درخت پر دبکے بیٹھے ہیں۔ دن کے نکلتے ہی مشعلیں بجھادی گئیں، سردار نے قبیلے کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا اور قیدیوں کو تلاش کرنے کے بارے میں گفتگو شروع کردی۔ ان کے باتیں کرنے کی آوازیں عنبر اور کیلاش کو صاف آرہی تھیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ لوگ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ ان کی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ درخت کے اوپر بیٹھے بیٹھے کیلاش تھک گیا تھا، اور اس کا سارا بدن درد کرنے لگا تھا، جبکہ عنبر پر تھکن کے کوئی اثرات نہیں تھے۔

اس لیے بھی کہ عنبر درد اور غم کی دنیا سے بہت دور تھا۔ اسے کوئی جسمانی تکلیف نہیں ہوتی تھی، ویسے بھی وہ ایک خاندانی نوجوان تھا، اور اچھے خاندان کے نوجوان ہمیشہ اونچے کردار کے ہوتے ہیں۔ وہ تکلیف میں پھنس کر کبھی نہیں گھبراتے۔ بڑے صبر اور حوصلے سے کام

لیتے ہیں' جبکہ چھوٹے دماغ کا آدمی فوراً رونا پیٹنا اور چلانا شروع کر دیتا ہے۔ کیلاش چور کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ بار بار درخت کی ٹہنی پر پہلو بدلتا، جس سے ہلکی سی چرچراہٹ پیدا ہوتی۔ ایک بار تو عنبر نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

''خدا کے لئے اپنی زندگی کا ہی خیال کرو، کیوں تم نے مرنے پر کمر کس رکھی ہے۔ اگر ان وحشیوں کو معلوم ہو گیا کہ ہم لوگ یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ تو وہ تمہیں تو ایک سیکنڈ کے اندر اندر بھون کر کھا جائیں گے۔ میرا تو وہ ایک بال بھی ٹیڑھا نہ کر سکیں گے، اور کچھ تو اپنا ہی خیال کرو"۔

کیلاش نے آہستہ سے کہا۔

''معاف کرو آقا، مگر تھک کر چور ہو گیا ہوں"۔

''تھک کر چور ہو گئے ہو تو کیا ہوا، ابھی تو سارا دن اسی ایک ٹہنی پر

بیٹھے بیٹھے بسر کرنا ہے، اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو صاف صاف کہہ دو۔ میں ابھی نیچے اتر کر اپنے آپ کو گرفتار کروائے دیتا ہوں، وہ تمہیں بھی درخت سے اتروا لیں گے"۔ کیلاش نے سرگوشی میں گڑگڑا کر کہا۔

"اب ایسا نہ کروں گا گورو جی! معافی چاہتا ہوں"۔

جس درخت کے اوپر وہ دونوں چھپے بیٹھے تھے اس کے بالکل نیچے سردار وحشی قبائل کے ناگاؤں کے ساتھ بیٹھا سوچ بچار کر رہا تھا کہ عنبر اور کیلاش کو کیسے اور کہاں سے حاصل کرے، عنبر کو ناگ کی صندوقچی کا فکر بھی تھا۔ جو اس نے جنگل میں اسی جگہ پر جھاڑیوں میں پھینک دی تھی، جہاں سے ناگاؤں نے ان دونوں کو پکڑا تھا۔ سوائے اس کے اب اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر جنگل میں سے وہ صندوقچی ساتھ لے کر رفوچکر ہو جائے۔

اس کے لئے ضروری تھا کہ ناگا اس کا پیچھا نہ کر رہے ہوں اور وہ

بڑے سکون کے ساتھ وہاں سے بھاگے، اگر وحشی اس کے پیچھے لگ گئے تو وہ ناگ کی صندوقچی حاصل نہ کر سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ صندوقچی ناگاؤں کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے آگ میں ڈال کر اس سے انتقام لینے کی کوشش کریں، کیلاش چور تھکن سے چور ہو کر پھر پہلو بدلنے لگا، یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ اگر ذرا سا پتہ بھی ٹوٹ کر نیچے گر پڑتا یا ٹہنی کے چرچرانے کی آواز ہی پیدا ہو جاتی تو ناگے ہوشیار ہو سکتے تھے۔ اور پھر صاف ان کے ایک بار اوپر سر اٹھا کر درخت میں دیکھنے کی ہی کسر تھی۔ اس کے بعد سارا کھیل ایک پل میں ختم ہو سکتا تھا۔ اس لیے عنبر نے کیلاش چور کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

دن گزرتا چلا گیا، جنگل میں گئے ہوئے ناگے بھی ناکام ہو کر واپس آ گئے۔ جب انہوں نے واپس آ کر سردار کو بتایا، کہ وہ عنبر اور

کیلاش چور کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں تو سردار کا غصہ بے حد تیز ہوگیا، اس نے نیزہ مار کر ایک ناگے کو وہیں کھڑے مار ڈالا، نیزہ سینے میں کھا کر زمین پر گرا، اور تھوڑی دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ناگا کی موت کے بعد وہاں گہرا سناٹا چھا گیا۔ کسی کو زبان سے ایک لفظ نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سردار نے اونچی آواز میں کہا۔

"اس کی لاش کو درخت کے ساتھ لٹکا دو"۔

بدقسمتی دیکھو کہ وحشی ناگاؤں نے لاش کو لٹکانے کے لئے اسی درخت کو چنا جس کے اوپر عنبر اور کیلاش چور چھپے بیٹھے تھے، وحشی ناگا لاش لے کر درخت کے نیچے آ گئے، دو ناگا بندروں کی طرح درخت کے اوپر چڑھنے لگے، کیلاش کا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ پہلے ہی ناگا کے قتل پر وہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ناگا کی لاش درخت سے لٹکانے کے لئے وہ لوگ اوپر چڑھتے چلے

آرہے ہیں تو اس نے آنکھیں بند کر لیں، اُسے اپنی موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی، عنبر بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ اگر ناگا درخت کی اوپر والی شاخ پر آ گئے یا نیچے ہی سے ان کی نظر اوپر پڑ گئی تو وہ سردار کے حکم سے تیروں کی بوچھاڑ سے انہیں چھلنی کر سکتے تھے۔

عنبر تو خیر بچ جاتا مگر کیلاش چور کی موت یقینی تھی۔ کیلاش کچھ بولنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کے لئے زبان بند رکھو، یہ وقت گفتگو کرنے کا نہیں ہے، اس وقت تو ان کی ذرا سی حرکت بھی دشمن کو چوکنا کر سکتی تھی۔

ویسے کیلاش چور دل ہی دل میں بڑا پریشان ہو رہا تھا کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اس کے باوجود عنبر کے لئے اس کے دل میں عزت بھی بڑی تھی اور اسے حوصلہ بھی بہت تھا، کیونکہ اس کی وجہ سے کیلاش چور کی جان بخشی ہو سکتی تھی بشرطیکہ عنبر کو اپنی کرامت

دکھانے کا موقع مل سکے، لیکن اگر وحشیوں نے دور ہی سے نیزوں کی بارش شروع کر دی تو پھر تو کیلاش چور کے بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مگر خدا کا شکر ہوا کہ ڈاکوؤں نے نیچے والی ٹہنی کو پسند کیا۔ انہوں نے رسے ڈال کر کیلاش کو الٹا لٹکا دیا، اور اس کے نیچے لکڑیاں اور پتے جمع کر کے آگ لگانے کی تیاریاں کرنے لگے، اب یہ مرحلہ بڑا نازک تھا، آگ جلانے کا مطلب یہ تھا کہ یقیناً وہاں سے دھواں اٹھتا۔ دھواں اٹھ کر درخت کے اوپر تک جاتا۔ عنبر اور کیلاش کا دم گھٹتا اور ضرور وہ کھانستے، کھانسنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا اور انہیں پکڑ کر اسی آگ میں ڈال دیا جاتا۔ عنبر اس نئی صورت حال سے بہت پریشان ہو گیا، اسے سب سے زیادہ پریشانی کیلاش کی طرف سے تھی جو پہلے ہی بہت گھبرایا ہوا تھا۔

ایک ناگا نے لکڑیاں جمع کر کے پتھروں کو رگڑ کر آگ جلا دی، لکڑیوں نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ یہ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس آگ میں دھواں نام کو بھی نہیں تھا، خدا جانے وہ کس خاص درخت کی لکڑیاں تھیں کہ دھواں نہیں دیتی تھیں، صرف شعلے نکل رہے تھے جو لٹکتی ہوئی لاش کے سر کو جلا رہے تھے۔ لاش کی بو درخت کے اوپر آنے لگی۔ کیلاش چور اور عنبر نے اپنی ناک کے گرد کپڑا لپیٹ لیا دو گھنٹے تک لاش جلتی رہی، شام کے وقت سردار کے حکم سے جلی ہوئی لاش کو درخت پر سے اتار کر زمین میں دفن کر دیا گیا، اب عنبر رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کیونکہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا، کہ رات کے اندھیرے میں خواہ کچھ ہو جائے وہ کیلاش کو لے کر وہاں سے فرار ہو جائے گا۔

اب ذرا ماریا کی بھی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہے؟

وحشی ناگاؤں کے چنگل سے نکل کر ماریا گھنے جنگل میں اس مقام

پر آ گئی جہاں ایک درخت کے نیچے جھاڑیوں میں عنبر نے ناگ کی صندوقچی پھینک دی تھی، ماریا گھوڑے پر سوار غائب حالت میں چلی جا رہی تھی کہ اس نے اپنے پیچھے ناگاؤں کی آوازیں سنیں...... وہ تیز تیز باتیں کرتے چلے آ رہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب کہ سردار نے انہیں عنبر اور کیلاش کو تلاش کرنے کے لئے جنگل میں بھیجا تھا' ماریا نے سوچا کہ اگر وہ راستے میں کھڑی رہی تو ناگاؤں سے اسکی ضرور ٹکر ہو جائے گی، چنانچہ وہ راستے سے اتر کر جھاڑیوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

ناگا باتیں کرتے اس کے پاس سے گذر گئے، جب وہ کافی دور نکل گئے اور ماریا نے یہ اطمینان بھی کر لیا کہ ان کے پیچھے کوئی دوسری ٹولی نہیں آ رہی تو وہ گھوڑے کو دوبارہ راستے پر لانے لگی، اچانک اس کی نظر جھاڑیوں میں گری ہوئی سیاہ لکڑی کی صندوقچی پر پڑ گئی۔ وہ

سوچنے لگی کہ یہ کس نے یہاں پھینکی ہے؟ ماریا گھوڑے سے اتر آئی، اس نے جھک کر صندوقچی کو اٹھایا اور اسے کھول دیا، صندوقچی کے ڈھکنے کا کھلنا تھا کہ ماریا کی آنکھیں میں آنسو آ گئے۔

اس نے اپنے بھائی ناگ کی کٹی لاش کے ٹکڑوں کو پہچان لیا تھا وہ رونے لگی۔ ناگ سانپ کے روپ میں تھا، اور اس کے ماتھے پر اس کے بھائی ناگ کا خاص سنہری نشان اسی طرح چمک رہا تھا، اچانک ماریا کو یاد آیا کہ عنبر نے کہا تھا کہ ناگ اگر سانپ کے روپ میں قتل بھی ہو جائے تو وہ ایک خاص عرصے تک زندہ رہ سکتا تھا۔ پھر اسے ناگ کا ایک فقرہ یاد آ گیا، اس نے ایک بار اپنی بہن ماریا کو کہا تھا۔

"یاد رکھو بہن! اگر کبھی تمہارے ہوتے ہوئے میں سانپ کی شکل میں ہلاک کر دیا جاؤں تو جب تک میرے ماتھے کا سنہری نشان چمک رہا ہوگا، میں زندہ ہوں گا۔ ایک خاص مدت کے گذرنے کے بعد

ماتھے کا نشان سیاہ پڑ جائے گا پھر سمجھ لینا کہ تمہارا بھائی مر گیا ہے"۔

ماریا نے غور سے ناگ کے ماتھے کا نشان دیکھا، وہ سنہری تھا، اور اسی طرح چمک رہا تھا جس طرح زندہ حالت میں چمکا کرتا تھا۔ اس نے صندوقچی بند کی اور گھوڑے کے ساتھ لٹکے ہوئے جھولے میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی۔ صندوقچی تو اس نے رکھ لی تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ بھائی زندہ ہے، مگر اسے خبر نہیں تھی کہ ناگ کے زندہ رہنے کی معیاد کتنی ہے، اور اسے پھر سے کیسے چلتی پھرتی حالت میں لایا جا سکتا ہے؟

اب اُسے اپنے دوسرے بھائی عنبر کی تلاش تھی۔ ایک بھائی تو عنبر سے بچھڑ کر رہ گیا تھا، ماریا سوچنے لگی کہ یہ صندوقچی وہاں کیسے آ گئی؟ اسے کون یہاں پر پھینک گیا۔ کیا اسے عنبر نے وہاں پھینکا ہے؟ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ عنبر بھائی بھی ناگ کی لاش کو وہاں نہیں پھینک

سکتا۔ ضرور کسی نے ناگ کو مار کر صندوقچی میں بند کر کے اپنی طرف سے اسے ہلاک کر کے وہاں پھینک دیا ہے...... اسے کوئی خبر نہ تھی کہ ناگ مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ وگرنہ دشمن ضرور ناگ کی لاش کو یا تو زمین کے اندر دفن کر دیتا یا آگ میں جلا کر راکھ کر دیتا۔ جو خیال ماریہ کو سب سے زیادہ پریشان کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ آخر عنبر...... اس کا بھائی کہاں چلا گیا؟ پھر اس کے دھیان میں آدم خود قبیلے کے لوگوں کی بات آئی، جنہوں نے اسے کہا تھا کہ اگر تم دن اور رات سفر کرتی رہو تو اپنے بھائی سے جا ملو گی۔ اس لحاظ سے آج رات عنبر کو ماریا سے مل جانا چاہیے تھا۔

آدم خور قبیلے والوں نے ٹھیک کہا تھا۔ عنبر ماریا کے ارد گرد ہی تھا۔ اگر عنبر اور کیلاش ناگا وحشیوں کے جنگل میں نہ پھنس جاتے تو ماریا ان سے ضرور مل جاتی۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ماریا ناگ کی

لاش والی صندوقچی لے کر آسام کی سرحد کی طرف جا رہی تھی، جسے عبور کر کے اس کو ہمالیہ کی ترائی میں داخل ہو جانا تھا اور عنبر ناگاؤں کی قید میں ایک درخت پر ٹنگا ہوا تھا۔

جب رات گہری ہو گئی تو ناگا وحشی ایک ایک کر کے نیند کی آغوش میں جانے لگے، عنبر نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ وحشی آدم خور رات کو تھوڑی دیر کے لئے ہی آرام کرتے تھے........اس وقت بھی رات آدھی گذر گئی تھی۔ اور ابھی تک دو وحشی آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سردار اور دوسرے ناگا اپنی اپنی جھونپڑیوں میں جا کر سو گئے تھے۔ کچھ وحشی وہیں گھاس پر پڑ کر سو گئے تھے۔ صرف یہ دو ناگا تھے جو ابھی تک نہیں سوئے تھے۔ عنبر اور کیلاش ان دونوں کے سونے کا انتظار کر رہے تھے، عنبر کو تو خیر بھوک اور پیاس کے ستانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر کیلاش چور کی زبان پر پیاس

کے مارے کانٹے پڑ گئے تھے، بھوک سے اس کا پیٹ اس کی کمر کے ساتھ لگ گیا تھا۔ صبح اس نے تنگ آ کر کچھ پتے کھا کر اپنی بھوک اور پیاس مٹائی تھی۔ ان پتوں نے اس کے معدے میں پہنچ کر طوفان اٹھا دیا تھا اور اب وہ درخت کے پتے کھاتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا۔ خدا جانے یہ کس قسم کا درخت تھا کہ اس کے پتوں میں بہت ہی کم نمی تھی، جس کی وجہ سے اس کی پیاس نہیں بجھی تھی۔

اب پیاس بجھانے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ درخت پر سے اتر کر وہاں سے بھاگ اٹھیں اور دور جنگل میں جا کر کسی چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا جائے۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ دونوں ناگا سو جائیں، جو ایک دو گھنٹوں سے آگ کے گرد بیٹھے ابھی تک باتیں کر رہے تھے، آگ بھی بجھ گئی تھی مگر ان کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کئی سالوں کے بعد آپس میں ملے

ہوں۔

آخر خدا خدا کرکے انہوں نے جمائیاں لینی شروع کر دیں' اور وہ پاؤں پسارنے لگے۔ انہیں سخت نیند آ رہی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نیند نے ان پر یک لخت حملہ کر دیا تھا۔ ایک ناگا اسی جگہ لیٹ گیا، دوسرا اٹھ کر ایک جھونپڑی میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد درخت کے نیچے لیٹے ہوئے ناگا کے خراٹے گونجنے لگے' عنبر اور کیلاش اسی گھڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر نے کیلاش کا ہاتھ دبا کر اس کے کان میں کہا۔

"بڑی خاموشی سے نیچے اترنا۔ ذرا بھی آواز پیدا ہوئی تو ہم بچ کر نہ جا سکیں گے۔ تمہاری جان سخت خطرے میں ہے"۔

کیلاش نے سر ہلا کر کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ عنبر سب سے پہلے نیچے اترنے لگا۔ ایک رات اور ایک دن سے درخت پر بیٹھے بیٹھے کر اس کی

ٹانگیں آپس میں جڑ گئیں تھیں پھر بھی وہ بڑی احتیاط سے نیچے اتر رہا تھا۔ کیلاش اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ انہیں سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ کہیں کوئی شاخ یا ٹہنی ٹوٹ کر نیچے سوئے ہوئے ناگا کے اوپر نہ گر پڑے۔ ان لوگوں کی نیند بڑی کچی تھی۔ ذرا سی آہٹ پر جانوروں کی طرح ایک دم بیدار ہو جاتے تھے۔ عنبر اور کیلاش بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایک ایک ٹہنی کو پکڑ کر بڑے آرام سے چھوڑ رہے تھے تاکہ وہ جھول کر اوپر والی ٹہنی سے نہ ٹکرا جائے۔ ایسا کرنے سے آواز پیدا ہوتی اور آواز سوئے ہوئے ناگا کو جگا سکتی تھی۔ اور خاص طور پر کیلاش کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ آخر بڑی احتیاط سے وہ نیچے اتر آئے۔ عنبر جھک جھک کر دبے پاؤں گھاس پر چلتا ایک طرف کو نکل گیا........ کیلاش اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب وہ سوئے ہوئے ناگا کے قریب سے گذرے تو انہوں نے اپنا سانس روک لیا،

ناگا بڑے زور زور سے خراٹے لے رہا تھا۔

وہ جب قبیلے کے جھونپڑوں سے دور چلے گئے تو چھپ چھپ کر درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں سے ہوتے ہوئے جنوب مشرق کی طرف تیز تیز چلنے لگے۔ انہیں ابھی تک ڈر تھا کہ کہیں کوئی ناگا وہاں پہرہ نہ دے رہا ہو۔ عنبر کو اس صندوقچی کی فکر تھی جس میں اس کے گہرے دوست وفادار ناگ کی لاش تھی۔ جس جھاڑی کے پاس اُس نے صندوقچی کو پھینکا تھا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ صندوقچی غائب ہے۔ عنبر نے پریشان ہو کر ادھر اُدھر تلاش کیا مگر صندوقچی کہیں بھی نہیں تھی وہ سمجھ گیا کہ کوئی اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔ وہ وہاں زیادہ دیر ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیلاش کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ مجبوراً ناگ کی صندوقچی کے بارے میں سوچتا ہوا عنبر کیلاش کے ساتھ وہاں سے آگے چل پڑا۔

برفانی انسان

ماریا جنگل سے نکلی تو سامنے ایک دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ برسات کے دن تھے۔ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ ماریا تھک گئی تھی۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے ڈاگ کی لاش والی صندوقچی ایک طرف رکھ دی اور سوچنے لگی کہ دریا کیسے پار کیا جائے؟ اسے گھوڑے پر بھروسہ نہیں تھا کہ اسے لے کر دریا پار کر جائے گا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ راستے میں ہی دریا کی تیز لہروں کی نذر نہ ہو جائے۔ وہ بیٹھ گئی۔ ایک جنگلی درخت پر سے پھل اتار کر اس نے کھائے۔ پانی پیا، وہ تو کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی مگر گھوڑا اس کے نیچے اترتے ہی ظاہر ہو گیا تھا۔ وہ بھی گھاس پر بڑے مزے سے چر رہا تھا۔ ماریا اسی شش و پنج

میں تھی کہ دریا کیسے پار کرے کہ اچانک اس کی نظر لکڑی کے ایک بہت بڑے تختے پر پڑی۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ تختہ کبھی کسی مکان کی چھت تھا۔ اور مکان گر جانے سے وہاں پڑا ہے۔

ماریا نے سوچا اگر وہ کسی طرح اس تختے کو دریا میں ڈال دے تو اس کے اوپر سوار ہو کر دریا پار کر سکتی ہے۔ ماریا نے اٹھ کر لکڑی کے تختے کے ساتھ رسی باندھی، اس کا دوسرا سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھا، اور گھوڑے کو ہنکاتی ہوئی دریا کے کنارے تک لے گئی۔ تختہ بڑے آرام سے کھینچتا ہوا دریا کے کنارے پر آ گیا، ماریا نے اسے دریا کے اندر ڈال کر اس کی رسی کنارے والے ایک درخت سے باندھ دی۔ پھر اس نے گھوڑے کو تختے کے اوپر سوار کر دیا اور خود بھی سوار ہو کر خنجر سے رسی کاٹ دی۔ رسی کاٹتے ہی دریا کی تیز لہریں ماریا اور گھوڑے سمیت تختے کو بہا کر کنارے سے دور لے گئیں دریا کے

درمیان میں آ کر تختہ ڈولنے لگا کیونکہ بیچ میں پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا ماریا نے گھوڑے کو تھامے رکھا اسے ڈر تھا کہ کہیں تختہ کسی بھنور میں نہ پھنس جائے کیونکہ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے جگہ جگہ دریا میں بھنور پڑ رہے تھے مگر چونکہ تختہ کافی چوڑا تھا اس لئے وہ بھنوروں کے اوپر سے گزر جاتا تھا ماریا نے دریا پار کر لیا دریا پار جا کر اس نے تختے کو اوپر کھینچ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئی اس کے سامنے اب جنگل ختم ہو گئے تھے اور ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا پہاڑوں کا یہ سلسلہ کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی تک اٹھتا چلا گیا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ وہ ان پہاڑیوں میں جا کر کہاں اور کس جگہ اپنے بھائی عنبر کو تلاش کرے گی اسے تو عنبر کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے۔ دوپہر تک چلتے رہنے کے بعد ماریا ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر رک گئی اس ٹیلے کے پیچھے ترائی کی ڈھلان تھی۔

اور چنار کے درختوں کی قطاریں چلی گئی تھیں بائیں جانب ایک گہری کھائی تھی جس میں جنگلی گلاب کے پھول کھل رہے تھے اس جگہ تھوڑی دیر قیام کر کے تازہ دم ہونے کے بعد ماریا کھائی میں سے ہو کر ترائی کے ٹیلوں کی طرف چلی پڑی اس کی منزل اس ترائی کی چڑھائیوں اور اترائیوں کو پار کر کے ہمالیہ کی سب سے بڑی جھیل نندن سر تک جانا تھا جس کے بارے میں آدم خور نے اسے بتایا تھا کہ شاید عنبر نندن سر جائے۔

سارا دن ماریا پہاڑوں دروں اور گھاٹیوں میں سفر کرتی رہی ....

گھوڑے پر سوار اس نے کئی ٹیلے عبور کیئے آخر شام کو جب سورج کنچن جنگا کی برف پوش چوٹی کے پیچھے غروب ہو گیا تو وہ ایک ایسی پر فضا جگہ پہنچ گئی جہاں جنگلی سیب کے درختوں کی گھنی چھاؤں میں ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا ماریا کو بھوک لگ رہی تھی اس نے گھوڑے کو

ایک درخت سے باندھ کر اس کے آگے درختوں کے پتے اور گھاس ڈال دیئے اور خود جنگلی سیب پیٹ بھر کے کھائے پانی پیا اور سوچنے لگی کہ کیوں نہ اسی جگہ رات بسر کی جائے یہاں سردی زیادہ ہو گئی تھی اس نے زین پر سے کمبل اتار کر چشمے کے کنارے بچھایا ایک کمبل اوپر لیا اور سونے کی تیاری کرنے لگی سفر کی وجہ سے وہ تھک گئی تھی اسے بہت جلد نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں برفانی انسان رہتا تھا بیچاری ماریا کو اس کی خبر نہیں تھی آدھی رات کو برفانی انسان کو پیاس لگی تو وہ اپنی غار میں سے نکل کر سیدھا اس چشمے کی طرف چل پڑا جہاں ماریا کمبل اوڑھے سو رہی تھی اب حالت یہ تھی کہ ماریا کمبل سمیت غائب تھی اور کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی صرف گھوڑا دکھائی دے رہا تھا برفانی انسان لمبے لمبے قدم اٹھاتا چشمے کے قریب آیا تو گھوڑے نے ایک خاص قسم کی بو محسوس کی

اور وہ بے چین ہو کر زمین پر پاؤں مارنے لگا۔

دوسری طرف برفانی انسان یا برفانی بھوت نے بھی انسان کی بو محسوس کر لی تھی وہ بڑی ہوشیاری سے ادھر اُدھر دیکھتا چشمے کی طرف بڑھنے لگا چشمے کے پاس ٹیلے کی اوٹ میں آ کر اس نے دیکھا کہ درخت کے ساتھ گھوڑا تو بندھا ہوا ہے مگر انسان کہیں نہیں ہے حالانکہ اسے انسان کی بڑی تیز بو آ رہی تھی برفانی بھوت بڑے چکر میں آ گیا کہ اگر انسان وہاں نہیں ہے تو بو کہاں سے آ رہی ہے اسے معلوم نہ تھا کہ ماریا چشمے کے پاس ہی کمبل اوڑھے سو رہی ہے اور وہ اُسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

اتنے میں گھوڑے نے برفانی بھوت کی موجودگی کو محسوس کر لیا اور زور زور سے ہنہنانے لگا گھوڑے کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی کمبل میں سے منہ باہر نکال کر اس نے دیکھا کہ چاندنی چھٹکی ہوئی ہے چاند

کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے چشمے کے بہنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی ہے ہر طرف بڑی گہری خاموشی ہے وہ بڑی حیرت زدہ تھی کہ گھوڑا کس چیز سے ڈر کر ہنہنا رہا ہے جب کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا اس وقت برفانی انسان ایک ٹیلے کی اوٹ میں چھپا یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جس انسان کی اسے بو آ رہی ہے وہ انسان کہاں ہے؟ گھوڑا زور زور سے اپنے اگلے پاؤں زمین پر مار رہا تھا ماریا کمبل میں سے نکل کر باہر آ گئی گھوڑے کے پاس آ کر اس نے گھوڑے کی گردن پر پیار سے تھپکی دی لیکن گھوڑا پھر بھی بے چینی سے پاؤں مار رہا تھا۔

ماریا کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا کہ وہاں خطرہ کہیں آس پاس ہی منڈلا رہا ہے وہ چوکنی ہو کر درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ وہاں کون سا ایسا جانور آ گیا ہے جس کی وجہ سے گھوڑا پریشان ہو رہا ہے کیونکہ جانوروں کی یہ عادت ہے کہ جہاں کہیں کوئی بھوت

پریت ہو یا کوئی خطرہ ہو تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں اور اپنے مالک کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیتے ہیں اب سوال یہ تھا کہ وہاں خطرہ کون سا تھا۔؟

ماریا بڑی خاموشی سے درخت کے پیچھے کھڑی تھی۔

برفانی بھوت نے جب دیکھا کہ وہاں سوائے گھوڑے کے اور کچھ نہیں ہے تو وہ ٹیلے کی اوٹ میں سے نکل آیا اب جو ماریا نے اپنے سامنے ایک سفید بالوں والے اونچے لمبے بھوت نما برفانی گوریلے کو دیکھا اس کے منہ سے بے اختیار خوف کے مارے چیخ نکل گئی۔

چیخ کی آواز سن کر برفانی بھوت پاگلوں کی طرح زور سے چلایا اس کی چیخ سے سارا پہاڑ گونج اٹھا ماریا بھی لرز گئی برفانی بھوت دیوانے گوریلے کی طرح جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی ادھر آ گیا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا چیخ وہیں سے آئی تھی مگر اسے عورت کہیں بھی دکھائی

نہیں دے رہی تھی۔

ماریا! درخت سے نکل کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں چھپ گئی تھی برفانی بھوت گھوڑے کی طرف بڑھا گھوڑا بدک کر ناچنے لگا برفانی بھوت نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا ماریا نے گھوڑے کو بچانا چاہا مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اگر وہ پتھر یا نیزہ بھی مارتی تو اس پہاڑ ایسے برفانی بھوت کی موٹی کھال پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا برفانی بھوت نے خور خور کرتے ہوئے غصے میں آ کر گھوڑے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا اور دھم سے زمین پر دے مارا گھوڑے کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی وہ تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کرنے اور ٹانگیں چلانے لگا برفانی بھوت نے دوسری بار گھوڑے کو پھر دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا اور ایک کھلونے کی طرح پتھروں پر پٹخ دیا پھر پاؤں مار مار کر اسے کچل کر رکھ دیا۔

ماریا دل تھام کر رہ گئی اس نے ایسا بھیانک منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ایک بات کے لیے اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ تاگ کی لاش والی صندوقچی برفانی بھوت کی تباہی سے بچ گئی تھی اس لیے کہ ماریا نے رات کو سونے سے پہلے اس صندوقچی کو سیب کے درخت کی شاخوں میں لٹکا دیا تھا تاکہ وہ جنگلی گیدڑوں سے محفوظ رہے برفانی بھوت گھوڑے کو ہلاک کرنے کے بعد ماریا کی تلاش میں اس کی بو کے ساتھ ساتھ ادھر اُدھر گھومنے لگا ماریا کے لیئے یہ پریشان کر دینے والی بات تھی اگرچہ وہ نظروں سے غائب تھی لیکن اگر کوئی اسے ہاتھ لگائے تو وہ اسے چھو سکتا تھا اسی طرح برفانی بھوت اس کو پکڑ کر زمین پر مار مار کر ہلاک کر سکتا تھا۔

ماریا کا کام یہ تھا کہ کسی طرح وہ برفانی بھوت سے بھاگتی رہے وہ ایک چٹان کے اوپر چڑھ گئی برفانی انسان اس چٹان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا

یہاں اسے انسانی بو بڑی تیز محسوس ہو رہی تھی اس نے چٹان کو ہلانا شروع کر دیا ماریا اگر تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے نیچے چھلانگ لگاتی تو برفانی انسان کے قابو میں آ گئی ہوتی وہ چٹان پر سے کود کر سیب کے ایک درخت کے اوپر چڑھ گئی اور اس نے اپنے آپ کو شاخوں اور پتوں کے اندر چھپا دیا تاکہ اس کی بو کم سے کم نیچے جا سکے اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ برفانی بھوت کو اس کی بو بہت کم آنے لگی اس نے خیال کیا کہ جس انسان کی اس کو تلاش تھی وہ اس سے کافی فاصلے پر چلا گیا ہے برفانی بھوت یونہی چٹانوں اور پتھروں پر زور زور سے ہاتھ مارتا غصے میں خر خر کرتا چشمے پر آیا اور جھک کر چشمے کا پانی پینے لگا اس سے کے بالکل اوپر سیب کے درخت میں ماریا پتوں اور شاخوں میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے تھی۔

برفانی بھوت چشمے پر جھکا شڑاپ شڑاپ پانی پی رہا تھا اور ماریا کا دل

خوف کے مارے زور سے دھڑک رہا تھا اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کے جسم کی بو پتوں اور شاخوں نے روک لی وگرنہ برفانی بھوت کو اگر علم ہو جاتا کہ ماریا سیب کے درخت پر بیٹھی ہے تو وہ اس درخت کو ہی جڑ سے اکھاڑ دیتا چشمے پر پانی پی کر برفانی گوریلے نے گھوڑے کی کٹی پھٹی لاش کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور واپس چڑھائی اتر کر کھائی میں غائب ہو گیا جب وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو ماریا کی جان میں جان آئی اس نے درخت پر سے اتر کر اس جگہ کو دیکھا جہاں گھوڑے کی لاش کا خون پڑا تھا ماریا کی آنکھوں میں گھوڑے کو یاد کر کے آنسو آ گئے اس نے بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکل حالات میں ماریا کا ساتھ دیا تھا۔

ماریا چشمے کے کنارے بیٹھ گئی نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی اس نے سیب کے درخت پر سے ناگ کی لاش والی صندوقچی

اتاری اور اسے کھول کر دیکھا ہلکی ہلکی چاندنی میں اسے سانپ کی لاش کے ٹکڑے دکھائی دے رہے تھے اس نے دور کنچن چنگا کی برف پوش پہاڑی کو دیکھا اسی پہاڑی کے دامن میں وہ جھیل تھی جس کے بارے میں آدم خوروں نے ماریا کو بتایا تھا کہ عنبر اسی جگہ جا رہا تھا وہ جھیل شدن سر پہنچ کر عنبر کی راہ دیکھنا چاہتی تھی اسے یقین تھا کہ اس کا بھائی وہاں ضرور آئے گا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ وہاں مل جائے گا اب وادی میں رات کا اندھیرا غائب ہونا شروع ہو گیا چاندنی پھیکی پڑنے لگی اور مشرق کی پہاڑیوں کے اوپر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی جھلکنے لگی اور درے روشن ہو گئے صبح کی روشنی کی ہلکی ہلکی روشنی جھلکنے لگی تھوڑی دیر بعد سورج طلوع ہو گیا اور ساری وادی پہاڑیاں گھاٹیاں اور درے روشن ہو گئے صبح کی روشنی میں ماریا کا خوف بھی دور ہو گیا اور اس کے اندر آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہو گئی اس نے زمین پر ایک بار پھر

گھوڑے کے خون کے دھبوں کو دیکھا اس کے ساتھ ہی ماریا نے برفانی بھوت کے پاؤں کے بڑے بڑے نشان دیکھے یہ اتنے بڑے نشان تھے کہ ماریا کا دل کانپ اٹھا پاؤں کے نشان نیچے گھاٹی میں اتر گئے تھے برفانی بھوت کا غار گھاٹی اتر کر ایک چٹان کے اندر تھا۔

ماریا وہاں رہ کر برفانی بھوت کے دوبارہ وہاں آنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی اس نے گھوڑے کی زین سے گری ہوئی تلوار اٹھا کر کمر کے ساتھ باندھی ناگ کی لاش کی صندوقچی ہاتھ میں اٹھائی اور جھیل شدن سر کی طرف چل پڑی یہاں سے اسے راستے کا علم نہیں تھا مگر وہ اندازے کے مطابق آگے بڑھ رہی تھی جھیل شدن سر کے اوپر ہر وقت سفید بادل چھائے رہتے تھے اور یہ بادل اسے دور سے کنچن چنگا کی پہاڑیوں کے دامن میں ایک جگہ دکھائی دے رہے تھے وہ اس بادل کے ٹکڑے کو اپنا نشان بنا کر سفر پر چل پڑی۔

پہاڑی راستوں پر پیدل چلنا کوئی آسان کام نہ ہوتا آدمی بہت جلد اترائی چڑھائی کرتے کرتے تھک جاتا ہے اس کے علاوہ وہ راستے میں بکھرے ہوئے پتھر پاؤں کو زخمی کر دیتے ہیں پھر بھی ماریا دوپہر تک چلتی رہی راستے میں اسے کوئی بھی انسانی بستی کہیں نظر نہ آئی کہیں کہیں چنار اور صنوبر کے درختوں کے جھنڈ مل جاتے جہاں ایک نہ ایک چشمہ بہہ رہا ہوتا یہاں وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرتی پانی پی کر پھر سفر پر روانہ ہو جاتی تیسرے پہر ماریا نے ایک جگہ پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹی سی لکڑی کی چھت والا اک منزل مکان دیکھا جس کی چھت کے سوراخ میں سے دھواں اٹھ رہا تھا ماریا کو بڑی بھوک لگ رہی تھی اس نے کئی روز سے روٹی اور دودھ نہیں پیا تھا اس نے سوچا اس مکان میں ضرور کوئی انسان رہتا ہو گا اور وہاں پہنچ کر اسے کھانے کو روٹی اور پینے کو تھوڑا سا دودھ ضرور مل جائے گا کیونکہ

اس نے دور اوپر سے مکان کے باہر ایک بکری کو بندھے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔

ماریا تازہ دم ہو کر نیچے وادی میں اترنے لگی وہ مختلف پہاڑی تنگ ڈنڈیوں اور الجھے ہوئے دشوار یعنی مشکل راستوں پر سے ہوتی ہوئی آخر اس ایک منزلہ مکان کے قریب آ گئی وہ مکان کے پچھواڑے آ کر رک گئی اور سوچنے لگی کہ اندر کس طرف سے جائے پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو غائب ہے وہ چاہے جس طرف سے بھی مکان کے اندر چلی جائے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ سکے گا چنانچہ وہ بڑے آرام سے اور آزادی سے مکان کے دروازے کے پاس آ گئی۔

ابھی وہ دروازے کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اسے اندر سے ایک عورت کے رونے کی آواز سنائی دی ماریا ٹھٹھک کر رہ گئی عورت کے رونے کی آواز برابر آ رہی تھی ماریا مکان کے اندر داخل ہو گئی اس

نے دیکھا کہ لکڑی کے فرش پر ایک لمبے بالوں والی دبلی پتلی عورت رسیوں کے ساتھ بندھی ہوئی تھی اس کو رسیوں سے زمین میں گڑی ہوئی بلیوں یعنی کھونٹیوں کے ساتھ باندھا ہوا تھا عورت کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سسکیاں بھر کر رو رہی تھی ایسے لگتا تھا جیسے اس کے سوا وہاں اور کوئی انسان نہیں ہے۔

ماریا بڑی حیرانی سے اس بدنصیب عورت کو دیکھتی رہی پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھی اس خیال سے کہ عورت نے اس کے قدموں کی آواز سن لی تو وہ گھبرا جائے گی کہ انسان تو نظر نہیں آ رہا پھر انسان کے قدموں کی چاپ کہاں سے آ رہی ہے؟ ماریا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ عورت کے ساتھ کیسے بات شروع کرے کہ باورچی خانے کا دروازہ کھلا اور ایک خونخوار قسم کا وحشی شکل والا سنگدل ڈاکو باہر آیا اس کے ہاتھ میں بھیڑ کے بھنے ہوئے گوشت کا پیالہ تھا وہ عورت کے

پاس ہی زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا اور جانوروں کی طرح جبڑے ہلا ہلا کر گوشت کھانے لگا عورت مسلسل سسکیاں بھر رہی تھی۔

سنگدل وحشی نے زور سے عورت کے سر پر مکا مارا۔ عورت کی چیخ نکل گئی وحشی ڈاکو نے کہا۔

خاموش رہتی ہے یا تمہیں بھی اپنے ساتھیوں کے آنے سے پہلے پہلے خنجر گھونپ کر ہلاک کر دوں؟

عورت نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

تم لوگوں نے میرے خاوند کو زخمی کر کے پہاڑوں میں پھینک دیا میری ماں کو ہلاک کر کے میرا گھر بار لوٹ لیا اب مجھے ہلاک کیوں نہیں کرتے؟ مجھے بھی مار ڈالو تا کہ میں اس عذاب سے نجات حاصل کروں ڈاکو زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

بد بخت عورت........ تجھے ہم ماریں گے نہیں۔ بلکہ بڑے لا مہ

کے پجاری کے ہاتھ بیچ دیں گے جو تجھے بڑے تہوار پر دیوتاؤں کے آگے قربان کرے گا تو ہمارے لیے عورت نہیں بلکہ قربانی کا بکرا ہے ہم تجھے فروخت کر کے سونے کی اشرفیاں حاصل کریں گے عورت روتے ہوئے بولی۔ رحم کرو ظالم انسانو! ایک بے کس مجبور عورت پر رحم کرو۔ عورت سسکیاں بھرتی رہی ڈاکو گوشت اڑاتا رہا اور ماریہ چپ چاپ لکڑی کے کھمبے کے ساتھ لگی یہ سارا تماشہ دیکھتی رہی۔

وہ آگے بڑھ کر مظلوم عورت کی رسیاں کاٹنے ہی لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور دو اور ڈاکو اندر آ گئے ان سبھوں کے چہرے ایک جیسے خونخوار وحشی تھے انہوں نے سروں پر سمور کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں اور کمر سے تلواریں لٹک رہی تھیں ان کی آنکھوں میں سنگدلی اور سفاکی تھی صاف لگتا تھا کہ وہ رحم نام کی شے سے ناواقف ہیں اور کئی بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگ چکے ہیں ماریا کھمبے سے ہٹ کر دیوار کے

کونے میں جا کر کھڑی ہو گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ چلتے پھرتے ہوئے کوئی ڈاکو اس سے ٹکرا جائے اور انہیں اس کی موجودگی کی خبر ہو جائے وہ عورت کو ان ظالموں سے بچانے کے لئے جو کچھ بھی کرنا چاہتی تھی بڑی خاموشی سے کرنا چاہتی تھی تینوں ڈاکو زمین پر بیٹھ کر گوشت اڑانے اور قہقہے لگانے لگے وہ ہڈیاں جکڑی ہوئی مظلوم عورت کی طرف پھینک دیتے جیسے وہ کوئی کتیا ہو عورت نے ایک سسکی بھری تو ڈاکو نے اٹھ کر زور سے اس کی ٹانگوں پر ہنٹر مار دیا عورت کی چیخ نکل گئی ماریا کا دل دہل گیا اب وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ اب صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اپنے حملے کو کدھر سے شروع کرے؟ آخر اس نے باورچی خانے کو چن لیا وہ چپکے سے باورچی خانے میں آ گئی یہاں آگ جل رہی تھی ماریا نے جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر باہر ڈاکوؤں پر دے ماری۔

ڈاکو کی موت

جلتی ہوئی لکڑی ڈاکوؤں پر گری تو وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔

بھاگ کر باورچی خانے میں گئے کہ وہاں کون ہے مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا انہوں نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا نیچے بھی کوئی نہیں تھا وہ واپس بڑے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اچانک ایک اور جلتی ہوئی لکڑی ان کے درمیان آ گری اب تو ان کو بے حد غصہ آیا کہ یہ کون شخص ہے جو چھپ کر ان پر جلتی ہوئی لکڑیاں پھینک رہا ہے باورچی خانے میں آ کر انہوں نے ایک ایک شے کو اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا اس دوران میں ماریا باہر والے کمرے میں آ گئی، اور اس نے زمین پر رسیوں میں جکڑی ہوئی عورت کے کان میں جھک کر کہا۔

میری آواز سن کر گھبراؤ نہیں میں تمہیں دکھائی نہیں دے رہی لیکن میں یہاں تمہارے پاس تمہاری مدد کے لیئے آ گئی ہوں خاموش رہو، اور گھبراؤ نہیں..........میں کوئی بھوت پریت نہیں بلکہ تمہاری طرح ایک عورت ہوں بس جادو کے زور سے غائب ہو گئی ہوں۔

مظلوم عورت کی آنکھیں کھل گئیں اسے یوں محسوس ہوا جیسے غیب کی دنیا سے کوئی روح اس کی مدد کو آ گئی ہے وہ کچھ خوف زدہ بھی ہو گئی ایک عورت کی آواز آ رہی تھی اور عورت نظر نہیں آ رہی تھی یہ بات اسے خوف زدہ کرنے کے لیئے کافی تھی لیکن وہ اسقدر مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی کہ اسے سوائے اپنی مصیبت کے اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا پھر بھی اسے ماریا کی غیبی آواز پر کافی ڈھارس ہو گئی کیونکہ اپنی آنکھوں کے سامنے وہ جلتی ہوئی لکڑیوں کو اندر فرش پر گرتے دیکھ چکی تھی۔

اس اثنا میں تینوں ڈاکو اندر باورچی خانے سے نکل کر دوبارہ باہر آ گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

اندر کوئی نہیں باہر کوئی نہیں پھر یہ کون تھا؟ کس کی شرارت تھی۔؟

میرا خیال ہے باہر سے کسی نے اندر لکڑیاں پھینکی ہیں۔

مگر باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔

ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس کی شرارت ہے۔

ڈاکو اسی طرح باتیں کرتے ہوئے مظلوم عورت کے گرد بیٹھ گئے ماریا ان کے قریب ہی کھڑی تھی وہ پھر باورچی خانے میں چلی گئی اس نے اندر جاتے ہی آگ پر پانی کا کٹورہ انڈیل دیا شوں کی آواز آئی ڈاکو بھاگ کر اندر آئے چولہے میں آگ بجھ رہی تھی اور راکھ اور دھواں اوپر اٹھ رہا تھا۔

یہ آگ کس نے بجھا دی؟

اسی کم بخت کی شرارت ہے۔

کون کم بخت۔؟

جس نے ہم پر جلتی ہوئی لکڑیاں پھینکی ہیں۔

وہ ضرور یہیں کسی دروازے کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

اگر وہ مل گیا تو میں اس کی گردن کاٹ دوں گا۔

میں اس کا کچومر نکال دوں گا۔

وہ باورچی خانے میں ماریا کو تلاش کرتے رہے اور ماریا نے باہر آ کر باورچی خانے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تینوں ڈاکو اندر قید ہو کر رہ گئے انہوں نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا ماریا نے مظلوم عورت سے کہا۔

جتنی جلدی ہو سکے میرے ساتھ یہاں سے بھاگ چلو۔

عورت نے کہا۔

نیک روح! تم دکھائی نہیں دے رہے میں دکھائی دیتی ہوں وہ مجھے بہت جلد گرفتار کرلیں گے ان کے سامنے باورچی خانے کا دروازہ توڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

اور وہی ہوا۔ تینوں ڈاکو تلواریں مار مار کر دروازہ توڑنے لگے اور ابھی ماریا اس عورت سے باتیں ہی کر رہی تھی کہ ڈاکو دروازہ توڑ کر باہر آ گئے باہر آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے مظلوم عورت کو دیکھا کہ کہیں وہ تو نہیں بھاگ گئی کیونکہ سب سے زیادہ انہیں اسی کی فکر تھی عورت اسی طرح فرش پر کھونٹوں سے بندھی پڑی تھی ایک ڈاکو نے چیخ کر کہا۔

اس مکان کو آگ لگا دو۔ اس عورت کو یہاں سے لے چلو۔

دو ڈاکوؤں نے مظلوم عورت کی رسیاں کھولنا شروع کر دیں اور ایک ڈاکو نے پتھر رگڑ کر پرانے کپڑوں کے ایک ڈھیر کو آگ لگا دی دیکھتے

قاتل ساتھی

دیکھتے آگ پھیلنا شروع ہو گئی ماریا باہر آ کر ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی ڈاکوؤں نے مظلوم عورت کی رسیاں کھول کر اسے کندھے پر اٹھایا اور لے کر باہر آ گئے مکان لکڑی کا تھا اور دیواریں آدھی پتھر کی اور آدھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں تھوڑی ہی دیر میں آگ سارے مکان میں پھیل گئی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ باہر ڈاکوؤں کے تین گھوڑے ذرا فاصلے پر درختوں تلے بندھے ہوئے تھے ماریا نے سوچا کہ اگر یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو ماریا اس عورت کو نہ بچا سکے گی کیونکہ اس کے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے اور وہ عورت کو گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے رفو چکر ہو جائیں گے ماریا فوراً اس مقام کی طرف بھاگی جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے ماریا نے وہاں جاتے ہی تینوں گھوڑوں کی رسیاں کاٹ کر انہیں ایسا ڈرایا کہ وہ منہ اٹھا کر پیچھے وادی کی طرف سرپٹ بھاگ گئے۔

گھوڑوں کے بھاگنے کی آواز سن کر ڈاکو چوکنے ہوگئے انہوں نے منہ اٹھا کر جو دیکھا تو ان کے تینوں گھوڑے نیچے کھائی کی طرف بھاگے جا رہے تھے انہوں نے بہتری سیٹیاں مار کر انہیں بلانا چاہا مگر جو جانور کسی بھوت پریت اور غیبی انسان سے ڈرا ہوا ہو وہ یا تو وہیں غش کھا کر گر پڑتا ہے اور یا ایسا بھاگتا ہے کہ پھر واپس مڑ کر نہیں دیکھتا گھوڑے بھی غیبی ماریا کے ڈرے ہوئے تھے وہ جدھر کو منہ اٹھا ادھر ہی بھاگے جا رہے تھے۔

ڈاکو سٹ پٹا کر رہ گئے انہیں یوں محسوس ہوا کہ کوئی طاقت ان کے خلاف زبردست کارروائی کر رہی ہے انہوں نے عورت کو وہیں مکان سے ذرا فاصلے پر گھاس پر بٹھا دیا اس کے دونوں ہاتھ باندھ ڈالے اور مکان سے اٹھتے ہوئے شعلوں اور دور........بہت دور نیچے بھاگتے گھوڑوں کو دیکھنے لگے کافی دور جا کر گھوڑے وادی میں گم ہوگئے اب

وہ لاچار ہو کر وہاں بیٹھے تھے وہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے کہ تم نے فلاں جگہ گھوڑے کیوں نہیں باندھے؟

تم قصوروار ہو دوسرا کہتا کہ میں نہیں تم قصوروار ہو۔

ماریا قریب ہی درخت کے پیچھے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی اس نے سوچا کیوں نہ ان تینوں کو آپس میں لڑا دیا جائے؟ اس خیال کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھی اور اس نے پیچھے سے آ کر ایک دھپ زور سے ایک ڈاکو کے سر پر لگا دی اس نے تڑپ کر پیچھے دیکھا پیچھے کوئی نہ تھا وہ سمجھا کہ دوسرے ڈاکو نے اسے مارا ہے اس نے دوسرے ڈاکو کے سر پر زور سے مکا جڑ دیا۔

کمبخت مجھ کو طمانچہ کیوں مارا تم نے؟

دوسرا ڈاکو بڑا حیران ہوا کہ یہ اسے کس جرم میں مکا رسید کر دیا گیا اس نے کہا۔

دیوتا کی قسم میں نے تو تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

اب ماریا نے تیسرے ڈاکو کے سر پر زور سے لات ماردی وہ ڈاکو گر پڑا اس نے اٹھتے ہی پوری طاقت سے پہلے ڈاکو کو لات ماردی دوسرے نے تلوار کھینچ لی دونوں ڈاکوؤں میں تلوار بازی شروع ہوگئی تیسرا ڈاکو بیچ بچاؤ کرانے لگا وہ جس ڈاکو کی طرف منہ کرتا ماریا پیچھے سے اسے ایک لات ماردیتی وہ سمجھتا کہ پیچھے والے ڈاکو نے ایسا کیا ہے وہ پیچھے والے کی طرف متوجہ ہوتا تو ماریا اگلے ڈاکو کی طرف سے ایک زوردار لات جڑ دیتی نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرے ڈاکو نے بھی تلوار کھینچ لی اور تینوں میں زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔

اس دوران میں ماریا نے بھی تلوار کمر سے کھول کر ہاتھ میں پکڑ لی اور آگے بڑھ کر ہر ایک ڈاکو پر حملہ کرنے لگی وہ پیچھے سے کسی نہ کسی ڈاکو کے کندھے یا کمر پر تلوار کا وار کردیتی چنانچہ تینوں ڈاکو زخمی ہوگئے ایک

ڈاکو جان بچا کر وہاں سے بھاگ گیا اب دو ڈاکوؤں میں مقابلہ شروع ہو گیا یہ بڑا زبردست مقابلہ تھا ایسا لگتا تھا کہ دو بھینسے آپس میں لڑ رہے ہیں کڑاک کڑاک تلواریں آپس میں ٹکرا کر بجلیاں پیدا کر رہی تھیں۔

ماریا ایک طرف کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی اور دونوں کے گرنے کا انتظار کر رہی تھی وہ کھسکتی کھسکتی مظلوم عورت تک پہنچ گئی جو درخت کے پاس رسیوں میں جکڑی پڑی تھی اس نے عورت کے کان میں کہا گھبرانا نہیں یہ سب کارستانی میری ہے ابھی یہ لوگ زخمی ہو کر گر پڑیں گے پھر تم آزاد ہو گی۔

لڑائی زیادہ خطرناک اور شدید ہو گئی ایک ڈاکو جو بہت طاقتور اور لمبا تڑنگا تھا اور سردار معلوم ہوتا تھا دوسرے ڈاکو پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہا تھا دوسرا ڈاکو زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا طاقتور ڈاکو نے آن کی آن میں

تلوار کے ایک ہی وار سے دوسرے ڈاکو کی گردن تن سے جدا کر دی یہ اس قدر جلد ہو گیا کہ ماریا اسے تکتی ہی رہ گئی ڈاکو کی سر کٹی لاش تڑپ رہی تھی لمبے تڑنگے ڈاکو نے اپنی تلوار کو گھاس پر صاف کیا اور نیام میں رکھ کر مظلوم عورت کی طرف پلٹا مظلوم عورت کانپ کر رہ گئی۔

ماریا بھی پریشان ہی ہو گئی کیونکہ یہ اس کا منصوبہ نہیں تھا اس نے تو یہ سوچ کر جنگ شروع کرائی تھی کہ تینوں آپس میں لڑتے لڑتے زخمی ہو کر گر جائیں گے اور وہ عورت کو بچا کر وہاں سے لے جائے گی۔ لیکن یہاں تو کام ہی الٹ کر رہ گیا تھا ڈاکو نے عورت کے قریب آ کر غضب ناک آنکھوں سے اسے دیکھا اور گرج کر کہا۔

کمینی عورت! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے کہ میرے دو بہترین دوست مجھ سے جدا ہو گئے تم نے ہی ہماری لڑائی شروع کروائی تھی۔

جب سے تم منحوس عورت ہمارے پاس آئی ہو ہماری بدقسمتی شروع ہو

گئی ہے اب اگر میں نے تمہیں زندہ چھوڑا تو تم بد دعا دے کر مجھے بھی مروا ڈالو گی اس لیے میں تمہیں بھی اپنے ساتھیوں کی طرح اسی جگہ قتل کر دیتا ہوں مگر میں تمہیں قتل نہیں کروں گا بلکہ اس درخت کے ساتھ لٹکا کر پھانسی دوں گا اور تمہاری لاش لٹکتی چھوڑ جاؤں گا تا کہ پرندے اور جانور تمہارا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے رہیں۔

مظلوم عورت رونے لگی۔

دیوتاؤں کے لیے مجھ پر رحم کرو مجھے پھانسی نہ لٹکاؤ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے میرا کوئی قصور نہیں میں بیگناہ ہوں مجھے معاف کر دو میں بیگناہ ہوں میں بیگناہ ہوں۔

ڈاکو نے پوری طاقت سے عورت کے منہ پر تھپڑ مار دیا عورت کے منہ سے خون جاری ہو گیا ڈاکو گرج کر بولا۔

بد بخت عورت! تو ہی میری مصیبت کی وجہ ہے میں ہرگز ہرگز تمہیں

زندہ نہیں چھوڑوں گا یہ کہہ کر ڈاکو نے درخت کی ٹہنی پر رسہ ڈال دیا۔ اور اسے پکڑ کر زور زور سے کھینچ کر دیکھنے لگا کہ وہ کچا تو نہیں ہے جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ رسہ ایک عورت کا بوجھ سنبھال لے گا تو اس نے رسے کا آگے سے پھندا بنا دیا پھر مظلوم عورت کی طرف بڑھا اور پھندا اس کے گلے میں ڈال کر اسے درخت کے نیچے کھڑا کر دیا۔

موت کے لئے تیار ہو جاؤ میں تم سے اپنے سارے ساتھیوں اور تینوں گھوڑوں کا بدلہ لوں گا۔

مظلوم عورت بڑی حیران تھی کہ وہ نیک روح کہاں چلی گئی ہے جس نے اسے بچانے کا وعدہ کیا تھا ماریا اس کے بالکل قریب کھڑی یہ سارا کھیل دیکھ رہی تھی اور مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی جب ڈاکو نے درخت پر رسہ ڈال کر پھندا مظلوم عورت کے گلے میں ڈالا اور اسے اوپر کھینچنے لگا تو عورت نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا ماریا کے

لیئے آگے بڑھ کر اس عورت کی مدد کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تلوار کا ایک ہی ہاتھ مار کر رسہ کاٹ کر رکھ دیا ڈاکو بڑا حیران ہوا کہ یہ رسہ کس نے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نے رسے کو دوبارہ باندھا، اور پھر سے درخت پر ڈال کر اسے کھینچا تو ماریا نے تلوار کا ہاتھ مار کر اسے پھر سے کاٹ دیا۔ اب تو ڈاکو پریشان ہونے کی بجائے سخت غصے میں آ گیا۔ اس نے تلوار نکال کر مظلوم عورت کی گردن کاٹ دینی چاہی۔

ابھی وہ تلوار اٹھا ہی رہا تھا کہ ماریا نے تلوار کا وار کر کے ڈاکو کا وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جس ہاتھ میں اس نے تلوار تھامی تھی ڈاکو کے منہ سے چیخ نکلی اور اس نے دوسرے ہاتھ میں تلوار لیکر عورت پر حملہ کیا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ مظلوم عورت اس پر حملے کر رہی ہے وہ سخت غصے کے عالم میں تھا اور ایک پاگل ریچھ کی طرح نعرہ مار کر مظلوم عورت پر تلوار لے کر بڑھا ماریا نے ایک لمحے ایک پل کا بھی انتظار نہ کیا کیونکہ یہ بڑا نازک وقت

تھا اگر وہ ذرا بھی چوک جاتی تو مظلوم عورت کی گردن تن سے جدا ہو جاتی ماریا نے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے ڈاکو کا دوسرا ہاتھ بھی شانے تک کاٹ دیا۔

ڈاکو لڑکھڑا کر گر پڑا اس نے اٹھنا چاہا وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ ماریا نے تیسرا وار کیا اور ڈاکو کا ایک پاؤں بھی کاٹ دیا اب وہ بے بس تھا اس کے لیے اٹھنا مشکل ہو گیا وہ زمین پر ہی پڑ کر تڑپنے لگا ماریا نے مظلوم عورت کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کیا اور کہا۔

جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔

مظلوم عورت اور ماریا دو ڈاکوؤں کی لاشیں اور ایک ڈاکو کو تڑپتا چھوڑ کر وہاں سے اٹھ دوڑیں ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی ٹیلے چھوڑ کر وہ ایک جگہ سے گھاٹی کی چڑھائی چڑھ کر پہاڑ کے اوپر گئیں اور پھر وہاں سے اترائی اتر کر مظلوم عورت ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں آ

گئی یہاں ڈاکوؤں نے اس کے خاوند کو زخمی کر کے پھینک دیا تھا عورت نے دیکھا کہ اس کا خاوند جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہے اس کے شانے میں زخم ہے جہاں خون جم گیا ہے ماریا بھی اب وہاں پہنچ گئی تھی۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا یہ تمہارا خاوند ہے؟

ہاں اے نیک روح یہ میرا خاوند ہے اسے ڈاکو زخمی کر کے یہاں پھینک گئے تھے اس نے ان سے مقابلہ کیا تھا اور بہادری سے لڑا تھا۔

فکر نہ کرو، یہ ابھی ہوش میں آجاتا ہے۔

ماریا نے رومال پانی میں بھگو کر اس آدمی کے منہ پر چھینٹے مارے تھوڑی دیر میں اسے ہوش آگیا اپنے سامنے اپنی بیوی کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا مگر شانے کا زخم اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔

ماریا اور اس کی بیوی اسے اٹھا کر قریب ہی ایک چشمے کے پاس والی جھونپڑی میں لے آئے یہاں پتھر رگڑ کر ماریا نے آگ جلائی پانی گرم کر کے مظلوم عورت کے خاوند کے زخم کو صاف کیا اسے بکری کا دودھ گرم کر کے پلایا زخم پر جڑی بوٹیاں لگا کر پٹی باندھی اور پھر اس عورت کو ایک طرف لے جا کر کہنے لگی۔

بہن! اب مجھے اجازت دو، مجھے اپنے بھائی کی تلاش میں ابھی بہت دور جانا ہے مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں نے تمہارے لیے کیا اب مجھے اجازت دو تمہارا خاوند ٹھیک ہو جائے گا۔

عورت نے ماریا کا ہاتھ پکڑ کر چومنا چاہا مگر چونکہ ماریا غائب تھی اس لئے وہ ہاتھ نہ پکڑ سکی ماریا نے عورت کو اپنے ساتھ لگا لیا عورت نے اب ٹٹول کر ماریا کا ہاتھ لے کر چوما اور کہا۔

بہن۔ نیک دل روح تم نے میری زندگی اور میرے خاوند کی زندگی

بچائی ہے میں تمہارا احسان ساری زندگی نہ بھلا سکوں گی تم نے میرے لئے وہ کچھ کیا ہے کہ میں ساری زندگی تمہیں اور تمہارے احسانوں کو یاد کرتی رہوں گی۔

ماریا وہاں سے رخصت ہو کر آگے چل دی۔

اب اس کے سامنے کنچن چنگا کی چوٹی اور اس کے دامن کی برف پوش وادی اور پر اسرار جھیل نندن سر کا سفر تھا اسے پوری امید تھی کہ اس کا بھائی عنبر اسے ضرور مل جائے گا جھیل نندن سر میں ایک مندر بھی تھا جہاں ایک بہت بڑے ناگ دیوتا کی پوجا ہوتی تھی ماریا کو یہ بات بھی آدم خوروں نے بتائی تھی۔

ماریا بے چاری پیدل ہی ناگ کی لاش کی صندوقچی ہاتھ میں لئے کنچن چنگا کی وادی کی چڑھائی چڑھنے لگی ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ بادل گھر کر آگئے۔

ہوا چلنے لگی اور گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی ماریا ایک بہت بڑے درخت کے نیچے آ گئی۔

۱۔ کیا ماریا کنچن چنگا پہنچی؟

۲۔ عنبر ماریا کو کن حالات میں ملا؟

۳۔ کیا شیش ناگ زندہ ہوا؟

۴۔ ماریا پر جادو کا اثر کب ٹوٹا؟

ان سوالوں کا جواب آپ اسی ناول کی اگلی یعنی بیسویں 20 قسط ”چھلاشیں“ میں پڑھیے۔

ختم شد

عنبر۔ ناگ ۔ ماریا

چھ لاشیں

(قسط نمبر ۲۰)

اے حمید

فہرست۔

۱۔ منگول قزاق۔

۲۔ کادمبری۔

۳۔ ڈاکو کا مکان۔

۴۔ قزاق کا قتل۔

۵۔ خوف ناک غار۔

۶۔ موت کا دریا۔

۷۔ سر کٹی عورتیں۔

۸۔ آسیبی بارہ دری۔

۹۔ چھ لاشیں۔

۱۰۔ نیلی چڑیل۔

سنو پیارے بچو۔

ماریا عنبر اور ناگ کے تعاقب میں کوہ ہمالیہ کی چوٹی کنچن چنگا کی طرف جارہی ہے اس وادی میں جھیل کنارے ناگ دیوتا کا بہت بڑا مندر ہے عنبر بھی قید سے فرار ہو کر کیلاش نامی ڈاکو کے ساتھ ناگ دیوتا کے مندر کی طرف جا رہا ہے۔

سانپ کی لاش والی صندوقچی گم ہو چکی ہے راستے میں ایک ڈاکوؤں کا گروہ حملہ کرتا ہے عنبر اکیلا مقابلہ کر کے انہیں ہلاک کر دیتا ہے پھر وہ ایک غار میں داخل ہوتے ہیں جس کے اندر ایک خوف ناک دریا بہہ رہا ہے۔

منگول قزاق

بارش بڑی موسلا دھار ہو رہی تھی۔

ماریا مہاگنی کے گنجان درخت کے نیچے بارش سے بچ کر کھڑی تھی ہمالیہ کی ترائی کی بارش کو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی اس سے زیادہ خوفناک بارش اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی پانی کی ایک بوچھاڑ تھی جو طوفانی ہواؤں کے ساتھ ڈھلان کے پتھروں اور چٹانوں پر گر رہی تھی بارش کا ایک شور تھا جس سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

بادل گھرے چھائے ہوئے تھے بجلی چمکتی تو بادل زور زور سے گرجنے لگتے پہاڑی نالے بڑی تیزی سے بہہ رہے تھے ماریا جس درخت کے نیچے کھڑی تھی وہ ایک گنجان چھتری کی طرح اس کے اوپر تنا ہوا تھا

پھر بھی پانی کی بوندیں ٹپاٹپ اس کے اوپر گر رہی تھیں سردی بھی زیادہ ہوگئی تھی ماریا نے سمور کی کھال کا کوٹ پہن رکھا تھا درخت کے نیچے وہ کھڑی غائب حالت میں تھی۔

وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ اپنے آپ کو بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی یعنی اگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھنا چاہتی تو اسے اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائی نہیں دیتے تھے یہ اسے بڑی عجیب بات لگتی تھی اور اب اسے الجھن سی ہونے لگی تھی ایک مدت سے اس نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا تھا وہ بڑی حیران تھی کہ جادو کا اثر اتنی دیر تک کیسے قائم رہا؟ اب وہ غائب ہونے کی حالت سے تنگ آگئی تھی اور چاہتی تھی کہ وہ اپنی ظاہری حالت میں آجائے اور خود بھی اپنے آپ کو دیکھنے لگے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے وہ اگر چاہے بھی تو غائب سے ظاہر نہیں ہوسکتی یہ سب جادو کا کرشمہ تھا اور جادو اس کی پہنچ

سے باہر تھا اس کے باوجود غائب ہونے سے اسے ایک فائدہ ضرور تھا کہ وہ حفاظت کے ساتھ سفر کر رہی تھی وگرنہ آج سے دو ہزار برس پہلے ویران صحراؤں اور جنگلوں میں کسی اکیلی لڑکی کا سفر کرنا ایک بے حد مشکل کام تھا اور اگر ماریا غائب نہ ہوتی تو اب تک یا تو اسے کوئی آدم خور بھون کر کھا چکا ہوتا، یا کسی شیر نے اسے ہڑپ کر لیا ہوتا۔

ماریا درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ کنچن چنگا کے پہاڑ پر جھیل شدن سر تک وہ پیدل کیسے پہنچے گی کیونکہ پہاڑوں پر وہ اتنا طویل اور دشوار سفر پیدل طے نہیں کر سکتی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کے پاس اگر گھوڑا نہیں تو کوئی خچر یا بھینسا ضرور ہو جس پر سوار ہو کر وہ آسانی سے سفر کر سکے اور منزل پر جلدی پہنچ سکے مگر وہاں کسی خچر یا بھینسے کا ملنا ایک محال بات دکھائی دیتی تھی بارش کا زور ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا وہ اسی زور و شور

کے ساتھ ہو رہی تھی۔

اتنے میں ماریا کیا دیکھتی ہے کہ ایک بھورے رنگ کا پہاڑی ریچھ بارش میں بھیگتا ڈھلان پر سے اترتا چلا آ رہا ہے ماریا نے سوچا کہ اگر ریچھ اسی درخت کے نیچے آ گیا جہاں وہ کھڑی ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہو گی کیونکہ ریچھ اس کے جسم کی بو ضرور سونگھ لے گا وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ ریچھ دوسری طرف نکل جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ خدا جانے ریچھ کو بھی کوئی اور پناہ لینے کی جگہ کیوں نظر نہ آئی وہ بھاگتا ہوا پہاڑی سے اترا اور تیز بارش میں سیدھا اسی درخت کے پاس آ کر رک گیا جہاں ایک طرف ماریا بیٹھی بارش رکنے کا انتظار کر رہی تھی۔

ریچھ کو اپنے بالکل قریب پا کر ماریا کے تو ہوش و حواس ہی گم ہو گئے ریچھ پہلے تو درخت کے نیچے کھڑا تھوتھنی اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر شاید اس نے بھی ایک انسان کی موجودگی محسوس کر لی تھی جو اسے

دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ بار بار ماریا کی طرف تھوتھنی کر کے فضا میں ماریا کی بو سونگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھ کر سر کو زور سے جھٹک دیتا ماریا دم سادھے کھڑی تھی اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا وہ بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہی تھی تا کہ اس کے جسم کی بو کم سے کم ریچھ کو پہنچے یہ طریقہ وہ اس سے پہلے بھی استعمال کر چکی تھی پھر بھی ماریا کو خطرہ تھا کہ کہیں ریچھ اس پر اچانک حملہ نہ کر دے حملے کی صورت میں اس کے پاس سوائے ایک تلوار کے اور کچھ نہ تھا۔

مصیبت یہ تھی کہ ریچھ ایک یا دو بار تلوار کا وار کرنے سے کبھی ہلاک نہیں ہوتا اس کی موٹی گردن پر اس قدر زیادہ بال ہوتے ہیں کہ تلوار کا ایک وار اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اس دوران میں ریچھ ہوشیار ہو کر انسان پر حملہ کر دیتا ہے اور اسے ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے ریچھ نے اب ہوا میں ادھر اُدھر پنجے مارنے شروع کر دیے ماریا پرے ہٹ کر

کھڑی ہو گئی ریچھ بھی اس جگہ پہنچ گیا ماریا بہت پریشان ہو گئی تھی کہ یہ کس مصیبت سے پالا پڑ گیا ہے ایک بار تو اس نے سوچا کہ تلوار مار کر ریچھ کا کام تمام کر دے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ناحق کسی جنگلی جانور کو مارنا کچھ اچھا نہیں لگتا مگر ریچھ تو اپنی فطرت کے مطابق ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا آخر ماریا نے تلوار کھینچ لی اگر بارش رک جاتی تو ماریا وہاں سے نکل جاتی بارش اس قدر تیز اور خوفناک انداز میں ہو رہی تھی کہ اس کے لئے وہاں سے نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔

ریچھ ماریا سے پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر پنجے مار رہا تھا۔ اسے ماریا نظر تو نہیں آ رہی تھی لیکن اس کی بو اسے برابر آ رہی تھی اور اس کے حساب سے وہ حملہ کر رہا تھا ماریا نے تلوار سونت لی اور ابھی وہ تلوار ہوا میں بلند کر کے ریچھ پر حملہ کرنے کی سوچ ہی رہی تھی کہ سن کر کے ایک تیر آیا اور گھپ سے ریچھ کی گردن میں آدھے سے زیادہ پیوست ہو گیا

ریچھ نے ایک بھیانک چیخ ماری۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ بارش میں تیر کدھر سے آ گیا تھا؟ وہ درخت کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی اسے خطرہ تھا۔

کہ کہیں کوئی تیر اسے نہ لگ جائے کیونکہ تیر چلانے والے کو تو وہ دکھائی ہی نہیں دے رہی ہو سکتا تھا کہ تیر نشانے پر خطا جاتا اور اس کے سینے میں آ کر لگ جاتا اتنے میں ایک اور تیر سن کر کے آیا اور رریچھ کے پیٹ میں کھب گیا ریچھ پاگلوں کی طرح شور مچانے لگا اس نے زمین پر زور زور سے پنجے مارنے شروع کر دیئے پھر دو تین تیر یکے بعد دیگرے ریچھ کے جسم میں آ کر پیوست ہو گئے ریچھ شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا خون کا فوارہ اس کے جسم سے نکل کر بارش کے پانی میں بہنے لگا تھوڑی دیر بعد ریچھ ٹھنڈا ہو گیا ماریا نے چاروں طرف بڑے غور سے دیکھا کہ یہ کون سا شکاری تھا جو چھپ کر ریچھ پر تیر چلا رہا تھا ماریا کو

بارش میں کوئی شکاری نظر نہ آیا درختوں جھاڑیوں، پتھروں اور ٹیلوں پر چھاجوں پانی برس رہا تھا اور وہاں کوئی بھی انسان نہیں تھا ماریا بڑی حیران ہو رہی تھی کہ یہ آخر تیر کہاں سے آ گئے ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دو آدمی بڑی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے سامنے کی پہاڑی ڈھلان پر سے اترے اور سیدھے ماریا کے قریب درخت کے نیچے آ کر رک گئے گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے مردہ ریچھ کو فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور اسے گھسیٹ کر درخت کے نیچے لے آئے شکل و صورت اور لباس سے وہ دونوں منگول قبیلے کے قزاق معلوم ہوتے تھے انہوں نے ریچھ کی کھال اتارنی شروع کر دی۔

ماریا یہ سب کچھ بڑی خاموشی سے ایک طرف درخت کے نیچے کھڑی دیکھ رہی تھی ایک قزاق نے دوسرے سے کہا۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں بھورے رنگ کا ریچھ مل گیا اس علاقے

میں اس رنگ کا ریچھ بہت کم نظر آتا ہے۔

دوسرا قزاق کہنے لگا۔

درگا دیوی کے مندر میں اس کھال کی بڑی قدر ہوتی ہے اب ہم یہ کھال پر دھت کو پیش کر کے مندر میں داخل ہو سکیں گے پہلا قزاق ہنس کر بولا۔

اور پھر اسی رات کے اندھیروں میں درگا دیوی کے سونے کی مورتی چرا کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں گے ہند چینی کے سوداگر درگا دیوی کی مورتی بڑی خوشی سے ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں دے کر خرید لیں گے۔

اتنی دولت ہمارے لیے عمر بھر کو کافی ہو گی پھر ہمیں کئی سالوں تک کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

دونوں قزاق قہقہے لگا کر ہنسنے لگا ماریا سمجھ گئی کہ یہ منگول قبیلے کے ڈاکو

ہیں اور کنچن چنگا کی وادی میں درگا دیوی کا مشہور مندر ہے وہاں سے سونے کی مورتی چرانے جا رہے ہیں جیسے یہ ہند چینی میں ایک لاکھ اشرفیوں کے عوض فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس زمانے میں مندروں کی سونے کی مورتیاں چرانے کے اکثر واقعات ہوتے رہتے تھے اگر چہ حکومتوں نے بڑی کڑی سزائیں مقرر کر رکھی تھیں اور مندروں کی مقدس مورتیاں چرانے والوں کو پھانسی کی سزا دی جاتی تھی پھر بھی اس قسم کی چوریاں اکثر ہو جاتی تھیں اس کی وجہ محض یہ تھی کہ دوسرے شہروں اور ملکوں میں سونے کی ان مورتیوں کی قیمت بہت پڑتی تھی۔

بارش ابھی تک موسلا دھار ہو رہی تھی۔

قزاقوں نے ریچھ کی کھال اتار کر اسے بارش کے پانی میں اچھی طرح سے دھو کر صاف کیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال دیا پھر وہ درخت کے

نیچے بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی شہر کے امیر سوداگر کی لڑکی کو بھی اغوا کر کے چھپا رکھا ہے ماریا غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

ہمیں اب یہاں سے فوراً چل کر کادمبری کی خبر لینی ہوگی مجھے ڈر ہے کہیں وہ رسی کھول کر بھاگ نہ گئی ہو۔

دوسرا قزاق کہنے لگا۔

ایک نازک لڑکی کی یہ ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے ہاتھ کی رسیاں کھول کر اس طوفانی بارش میں جنگل میں بھاگ جائے۔

پہلا بولا۔

تم بھول گئے ہو شاید کہ کادمبری کو ہم نے اس کے گھر سے زبردستی اغوا کیا ہے اور وہ اپنے ماں باپ کے گھر تک پہنچنے کے لئے اپنی جان پر بھی کھیل سکتی ہے۔

ٹھیک ہے مگر کا دمبری ایک نازک اور کمزور لڑکی ہے۔

پہلے قزاق نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

بھائی کچھ بھی ہو۔ ہمیں بارش کے رکنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے اگر کا دمبری بھاگ گئی تو ایک لاکھ اشرفیاں خاک میں مل جائیں گی ہندو چینی کے سوداگروں کے ہاتھ کا دمبری ایک لاکھ اشرفیوں پر نہیں بکے گی بلکہ ہم کا دمبری کی زیادہ قیمت وصول کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے کہ اس کے بال سنہری ہیں اور وہ ایک امیر گھرانے کی لڑکی ہے۔

دوسرا قزاق نے اٹھتے ہوئے بولا۔

چلو بھائی! اگر ہمیں یہ وہم ہو گیا ہے کہ کا دمبری بھاگ جائے گی تو چلو ابھی واپس چلتے ہیں لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ نیچے وادی کے چشمے والے غار کے منہ پر ہم ایک اتنا بھاری پتھر رکھ کر آئے ہیں جسے

دو آدمی مل کر ہی پرے ہٹا سکتے ہیں۔

میں مانتا ہوں لیکن پھر بھی ہمیں کادمبری سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

دونوں گھوڑوں کو کھولنے لگے ماریا نے خیال کیا کہ اسے بھی ان کے ساتھ ہی چلنا چاہیے تاکہ وہ کادمبری کی زندگی ان قزاقوں کے پنجے سے بچا سکے ظاہر ہے کادمبری کو یہ لوگ اس کے ماں باپ کے گھر سے اٹھا کر لے آئے تھے اور اب اسے ہند چینی کے دور دراز ملک میں کسی امیر جاگیردار کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ساتھ ہی ساتھ انہیں کنچن چنگا کی وادی کے درگاہ دیوی کے مندر میں سے سونے کی مورتی کو بھی چرانا تھا ماریا کو یہ خیال اس وقت آیا جب کہ دونوں منگول قزاق گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے اب اگر وہ کسی کے گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وہ بھی غائب ہو جاتا ہے جو ماریا نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو۔ اس کے اپنے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا وہ

پریشان سی ہوگئی اس دوران میں دونوں قزاق گھوڑوں کو ایڑ لگا کر بارش میں ڈھلان اتر کر وادی کی طرف چلے گئے۔

لیکن ماریا نے یہ سن لیا تھا کہ ان لوگوں نے کادمبری کو نیچے وادی میں کسی چشمے کے ساتھ کسی پہاڑی کھوی میں چھپا رکھا ہے ظاہر ہے کہ وہ اسے ساتھ لے کر درگاہ دیوی کے مندر کی طرف جا رہے تھے وہاں انہیں مورتی چرانی تھی اور پھر کادمبری کے ساتھ ملک ہند چینی کا رخ کرنا تھا ماریا انہیں درگاہ دیوی کے مندر میں پکڑ سکتی تھی لیکن وہ اس لڑکی کی جلد از جلد مدد کرنا چاہتی تھی جسے ان بدمعاش قزاقوں نے اس کے شریف ماں باپ کے گھر سے اغوا کر لیا تھا۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔

بادل تیز ہوا کے جھونکوں کے ساتھ مغرب کی طرف اڑے جا رہے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید برف نظر آنے لگی تھی کالی گھٹا

چھٹ گئی تھی مشرق کی سمت بادلوں میں سے سورج کی کرنوں نے جھانک کر وادی میں دیکھنا شروع کر دیا تھا وادی دور نیچے ایک سبز نگینے کی طرح نظر آ رہی تھی اس کی ایک طرف ہمالیہ کے پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا اور دوسری طرف کنچن چنگا کی پہاڑی کھڑی تھی جس کے دامن میں جھیل نندن سر تھی جہاں ماریا کو امید تھی کہ اس کا بھائی عنبر اسے ضرور مل جائے گا بارش رک گئی ماریا درخت کی پناہ گاہ سے باہر نکل آئی اور اس نے نیچے وادی کی طرف ڈھلان کی پگ ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا دونوں گھوڑ سوار بھی اسی پگ ڈنڈی پر سے ہو کر گزرے تھے تیسرے پہر ماریا مختلف پہاڑی راستوں اور گھاٹیوں میں سے ہو کر نیچے وادی میں پہنچ گئی یہ وادی بے حد سرسبز اور خوبصورت تھی جگہ جگہ زیتون اور صنوبر کے درختوں کے جھنڈ تھے اور چشمے بہہ رہے تھے

ماریا کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ کون سا چشمہ ہے جس کے پاس کھوہ میں منگول قزاقوں نے کادمبری نامی سنہرے بالوں والی لڑکی کو چھپا رکھا ہے وہ ایک چشمے کے پاس آ کر رک گئی تھکن سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اس نے ناگ کی لاش کی صندوقچی ایک طرف رکھی چشمے میں اتر کر اپنے پاؤں اور گھٹنے دھو کے ٹھنڈے پانی نے اس کی ٹانگوں کی ساری تھکن دور کر دی پھر اس نے منہ ہاتھ دھویا پانی پیا۔ ایک درخت پر سے توڑ کر ایک جنگلی پھل کھایا اور چشمے کے کنارے پر ایک پتھر کی سل پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی سنہری دھوپ نکل آئی تھی سردی تھوڑی بڑھ گئی تھی مگر پھر بھی وہ بڑی ہی خوشگوار سردی تھی سنہری دھوپ نے ماریا کے جسم کو ہلکی ہلکی گرمائش پہنچا کر پھر سے تروتازہ کر دیا۔

وہ کچھ دیر لیٹی ہوئی سوچتی رہی کہ وہ مقام کون سا ہو سکتا ہے جہاں

قزاقوں نے ایک بے کس اور مجبور لڑکی کو رسیوں میں جکڑ کر زبردستی باندھ رکھا ہے وہ سوچتے سوچتے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑے غور سے زمین کو دیکھنے لگی اصل میں اسے منگول قزاقوں کے گھوڑوں کے کھروں کے نشان نظر آ گئے تھے یہ نشان ایک ہرے بھرے سبزے کے تختے کی طرف چلے گئے تھے جو وادی سے اوپر کی طرف تھا۔ وہاں سیب کے دو چار درخت دور سے ہوا میں جھومتے نظر آ رہے تھے ماریا سمجھ گئی کہ ان درختوں کے جھنڈوں میں ہی وہ چشمہ ہے جس کے پاس کا دمبری نام کی بے کس لڑکی ڈاکوؤں کے قبضے میں تھی ماریا نے گھوڑوں کے کھروں کے نشان کے ساتھ ساتھ سیب کے درختوں والے چشمے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اوپر چشمے تک پہنچتے پہنچتے وہ تھک گئی نیچے سے یہ ہرا بھرا تختہ بالکل قریب نظر آ رہا تھا مگر چلنے پر معلوم ہوا کہ کافی فاصلے پر ہے سیب کے

درختوں کے نیچے ایک شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔

چشمے پر سیب کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں تھی ماریا نے جھک کر چشمے کا پانی پیا جو بے حد ٹھنڈا اور میٹھا تھا پھر وہ بڑی خاموشی کے ساتھ ایک طرف پتھروں پر بیٹھ گئی اور چاروں طرف نگاہ دوڑا کر دیکھنے لگی کہ آخر وہ کون سا بڑا پتھر ہو سکتا ہے جسے ڈاکوؤں نے مل کر ایک کھوہ کے منہ پر رکھا تھا؟ وہاں چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔

کسی پتھر کو دیکھ کر یہ شک نہیں ہوتا تھا کہ اسے کسی آدمی نے وہاں رکھا ہے ماریا سوچنے لگی کہ اگر یہاں پہنچ کر گھوڑوں کے قدموں کے نشان گم ہو جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ غار بھی یہیں کہیں ہو گی جس کے اندر کا دمبری قید ہے۔

کادمبری

اب ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔

ماریا چشمے کے پاس بیٹھی بڑے غور سے اردگرد کے منظر کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک جگہ پہاڑ کے پہلو میں پتھروں میں حرکت سی پیدا ہوئی ماریا نے دیکھا کہ ایک گول پتھر اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ کھسک رہا ہے پھر اس کے دیکھتے دیکھتے وہ پتھر اپنی جگہ سے گر اپڑا اور ایک غار کا منہ نمودار ہو گیا اندر ہی دونوں منگول قزاق کھڑے تھے پتھر کو پرے ہٹا کر دونوں قزاق اندر چلے گئے ماریا کے لئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ کادمبری نام کی اغوا کی ہوئی لڑکی کو وہاں سے لے جا رہے ہیں ماریا نے ایک لمحہ بھی سوچنے میں ضائع نہ کیا اور لپک

کر غار کے اندر داخل ہوگئی۔ یہ غار بھی پہاڑوں کے عام غاروں کی طرح تھا اونچی چھت دیواروں میں سے ہلکا ہلکا پانی برس رہا تھا ایک نم دار سا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا دور سے اسے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی ڈاکوؤں کے گھوڑے بھی اندر ہی تھے وہ بڑی حیران ہوئی کہ ان لوگوں نے چھپنے کے لئے کیسے کیسے ٹھکانے بنا رکھے ہیں باہر سے سپاہی لاکھ سر پٹختے رہیں وہ کبھی یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اندر ڈاکو چھپے ہوئے ہیں ماریا غار میں دیوار کے ساتھ ساتھ لگی آگے بڑھتی گئی اب اسے قزاقوں کی آپس میں باتیں کرنے کی آواز سنائی دینے لگی ایک جگہ غار موڑ مڑ گئی سامنے پتھروں کے درمیان ایک مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی میں وہی دونوں منگول ریچھ کی بھوری کھال پتھروں پر ڈالے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا۔

میرا تو یہی خیال ہے کہ اس لڑکی کو اس جگہ رہنے دیا جائے۔

دوسرا بولا۔

تمہارا مطلب ہے کہ درگا دیوی کی مورتی چرانے کے بعد یہاں آ کر اسے ساتھ لے لیا جائے۔

ہاں اگر ہم ایسے ساتھ ساتھ لیے پھرتے رہے تو خطرہ ہے کہ یہ لڑکی کہیں شور مچا کر ہمیں کسی مصیبت میں گرفتار نہ کرا دے لیکن پھر ہمیں بڑا چکر کاٹ کر دوبارہ یہاں آنا پڑے گا یہ بڑا مشکل ہوگا کیوں نہ ایسا کریں کہ اسے مندر کے باہر کسی محفوظ جگہ رسیوں سے باندھ کر چھپا دیا جائے اور مورتی چوری کرنے کے بعد اسے ساتھ لے کر ہند چینی کی سمت کوچ کر دیا جائے گا۔

خیال تو بڑا اچھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں وہاں ایسی محفوظ جگہ مل جائے گی جہاں ہم اس لڑکی کو چھپا سکیں؟

یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہو گا مگر اس جگہ اسے رکھنا مناسب نہیں ہے بھائی ہمیں بڑا لمبا سفر کر کے واپس اس جگہ آنا ہو گا۔

اور پھر یہاں سے اسے ساتھ لے کر آگے چلنا ہو گا۔

جیسے تمہاری مرضی مگر میرا تو خیال یہی ہے کہ اس لڑکی کو ہم اسی جگہ چھوڑ جائیں ایسی محفوظ غار ہمیں ساری وادی میں نہیں ملے گی زیادہ سے زیادہ ایک دن کا سفر پڑ جائے گا مگر یہ لڑکی ہمارے ہاتھوں سے نکلنے نہیں پائے گی دوسری صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں ہم کو لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

دوسرے قزاق نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

تم فکر نہ کرو یار آخر ہم ڈاکو ہیں کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں، ایسی کتنی ہی لڑکیاں اغوا کر کے فروخت کر چکے ہیں جو ہو گا دیکھا جائے گا ہم کا دمبری کو ساتھ لے کر چلیں گے۔

اور اگر اس نے راستے میں شور مچا دیا تو؟

تو ہم اسے اسی وقت قتل کر دیں گے۔

قتل تو ہم کر دیں گے لیکن ہم بھی ضرور گرفتار کر لیے جائیں گے تو پھر ہم اسے بے ہوش کر کے بورے میں بند کر کے گھوڑے پر ڈال کر چلیں گے کیا خیال ہے؟

ہاں! اگر ہم ایسا کریں تو مناسب ہو گا اور خطرہ دور ہو جائے گا۔

تو یہ تو ہم بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ بے ہوش کرنے والی بوٹی تو میرے پاس ہے۔

تو پھر چلو۔ انتظار کس بات کا ہے۔

دونوں مشعل ہاتھ میں لے کر پلٹے اور غار میں ایک طرف چل پڑے۔ ماریا ان کے پیچھے چل پڑی غار میں ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گئے یہاں مشعل کی روشنی میں پہلی بار ماریا نے ایک سنہرے بادلوں

والی نازک سی دبلی پتلی گوری گوری لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر معصومیت کے ساتھ ساتھ غم اور خوف بھی تھا اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک پتھر کے ستون کے ساتھ جکڑ رکھا تھا یہی وہ لڑکی کادمبری تھی جسے یہ منگول ڈاکو اس کے ماں باپ کے گھر سے اٹھا لائے تھے اور اب ہند چینی لے جا کر اس کا سودا کرنا چاہتے تھے ہند چینی پر ان دونوں منگول قبیلے کی حکومت تھی اور عورتیں منڈیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح عام فروخت ہوتی تھیں وہاں سنہرے بالوں والی لڑکی کی بہت قیمت پڑتی تھی۔

کادمبری نے ڈاکوؤں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے سسکیوں بھر کر کہا۔

مجھ پر رحم کرو میرے ماں باپ پر رحم کرو وہ میری جدائی میں رو رہے ہوں گے مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو وہ تمہیں دعائیں

دیں گے۔

قزاق قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

بھئی واہ گویا ہم اپنے کیے کرائے پر خود ہی پانی پھیر دیں ہم جو تمہیں اتنی دور سے اٹھا کر لائے ہیں تو یہ سونے کی چڑیا اپنے ہاتھ سے اڑا دیں؟ بھلا بتاؤ کہ ہمیں کون عقلمند کہے گا کا دمبری آنسو بھر کر بولی۔

میرے ماں باپ رو رو کر مر جائیں گے میں ان کے بڑھاپے کا سہارا ہوں ان کے بڑھاپے پر ہی ترس کھاؤ۔

ایک قزاق نے آگے بڑھ کر کادمبری کو سنہری بادلوں سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا اور دوسرے قزاق نے اس کے گال پر زور سے تھپڑ مار کر کہا۔

اب اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو ابھی تمہارے گلے پر چھری پھیر دوں گا اور تمہاری لاش کو اسی جگہ پتھروں میں دبا دوں گا دوسرے

قزاق نے کڑک کر کہا۔

خبر دار۔ اگر پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر ہم سے بات کی ہمیں عورتوں کے آنسوؤں پر رحم آتا تو تم ایسی سینکڑوں لڑکیوں کو فروخت کر کے اتنی دولت نہ کماتے تم اپنے خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم تمہیں بیچ رہے ہیں قتل نہیں کر رہے۔

ہاں! ورنہ ہمارے لئے ایک انسان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مکھی کو پکڑ کر ہاتھوں میں مسل دیں ہم نے کتنے ہی آدمیوں اور لڑکیوں کو اب تک قتل کر ڈالا ہے اور کبھی اپنے چہرے پر غم نہیں آنے دیا۔

پھر اس قزاق نے اپنے ساتھی سے کہا۔

فوراً بوٹی نکالو اور اپنا کام شروع کرو۔

دوسرے قزاق نے جھولے میں سے سبز رنگ کی ایک بوٹی نکالی اور

اسے پتھروں پر گھسنا شروع کر دیا پھر اس نے اس سیال مادے کو ایک کپڑے پر ڈالا اور آگے بڑھ کر کادمبری کی ناک پر زبردستی لگا کر اوپر سے دونوں ہاتھ رکھ دیئے کادمبری تڑپی اور پھر بے ہوش ہو کر گردن ڈھلکا دی اس کی گردن ڈھلکتے ہی دونوں قزاق قہقہہ لگا کر ہنسے اور انہوں نے فوراً گھوڑے پر سے بورا اتار کر اسے زمین پر پھیلا دیا اور کادمبری کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹنے لگے انہیں کادمبری کی رسیاں کاٹ کر اسے بے ہوشی کے عالم میں ہی بورے میں لپیٹ کر ایک قالین کی طرح گھوڑے پر ڈال دینا تھا اس طرح راستے میں لوگ یہی سمجھتے کہ وہ قالینوں کے سوداگر ہیں اور قالین درگا دیوی کے مندر میں پیش کرنے جا رہے ہیں۔

ماریا اب ایک خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتی تھی اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اسی وقت کرنا تھا اس نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کر لیا ابھی

تک وہ ایک کونے میں کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی کادمبری بے ہوش ہو چکی تھی دونوں قزاق بورے کو کھول کر ٹھیک کر رہے تھے ماریا نے آگے بڑھ کر ایک پتھر اٹھایا اور زور سے غار کی دوسری جانب پھینک دیا۔

پتھر کے گرتے ہی غار میں ایک شور مچا دونوں قزاق ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور تلوار نکال کر پتھروں کی اوٹ میں ہو گئے وہ حیرت زدہ تھے کہ غار کے اندر کس نے پتھر مارا ہے؟ ایک قزاق نے دوسرے سے کہا۔

ہمیں غار کا منہ بند کر دینا چاہیے تھا ضرور کوئی شخص اندر آ گیا ہے۔......

دوسرا قزاق بولا۔

تم یہیں ٹھہرو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں یہ کون ہے۔

اسے فوراً قتل کر دینا۔

فکر نہ کرو۔ ایسا ہی کروں گا۔

ایک قزاق بے ہوش کا دمبری کے پاس ٹھہر گیا اور دوسرا دبے پاؤں تلوار ہاتھ میں لیے دیوار کے ساتھ ساتھ باہر کی جانب چلا گیا جب دوسرا قزاق غار کا موڑ گھوم گیا تو پھر ماریا اپنی جگہ سے ہل کر پہلے قزاق کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی وہ اس قزاق کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی وہ نہ جانے کتنی عورتوں اور بچوں کا قاتل تھا جانے کتنے گھر اس نے برباد کیے تھے اور اگر وہ زندہ رہتا تو نہ جانے اور کتنے گھر اور برباد کر دیتا۔

اس کا مر جانا ہی بہتر تھا۔ ماریا نے نیام میں سے چپکے سے تلوار نکال لی اور پیچھے سے قزاق کے کندھے پر وار کیا تلوار کا ہاتھ او چھا پڑا۔ قزاق اچھل کر سامنے آ گیا مگر اس کے سامنے کوئی بھی نہیں تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا ابھی کسی نے تلوار اس کے کندھے پر ماری تھی کندھے پر سے اس کا کپڑا اپھٹ گیا تھا پھر وہ شخص

کون تھا وہ کہاں چلا گیا؟

قزاق ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے پیچھے سے آ کر ایک اور وار کیا یہ وار قزاق کے پاؤں پر پڑا اور اس کا ٹخنہ کٹ گیا قزاق چیخ مار کر گر پڑا ماریا نے دوسرا وار اس کے سینے پر کیا تلوار قزاق کے دل میں اتر گئی اور وہ خون میں لت پت وہاں زمین پر تڑپنے لگا اس کی پہلی چیخ کی آواز سن کر پہلا قزاق بھاگ کر اندر آ گیا اندر آتے ہی جب اس نے دیکھا کہ اس کا ساتھی خون میں لت پت تڑپ رہا ہے تو وہ خوف زدہ ہو گیا کیونکہ غار میں اس کو اور کوئی شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا جس نے حملہ کیا ہو دوسرے قزاق نے نزع کے عالم میں ہاتھ اٹھا کر رک رک کر کہا۔

دشمن اسی..........اسی جگہ ہے............دشمن.........تلوار کا وار

.........وہ.........وہ..

اس کے ساتھ ہی پہلے قزاق نے دم توڑ دیا دوسرا قزاق خوفزدہ سا ہو کر تلوار کھینچے دیوار کے ساتھ لگ گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا؟ ابھی ابھی کسی نے غار کے اندر پتھر پھینکا وہ ذرا کی ذرا باہر گیا واپس آیا تو اس کا ساتھی تلوار کا گہرا زخم سینے پر لیے تڑپ رہا تھا یہ آخر ماجرا کیا ہے غار کے اندر ان کا دشمن کس جگہ چھپا ہوا ہے کادمبری زمین پر اسی طرح بے ہوش پڑی تھی اس کے ہاتھ ابھی تک رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس نے اٹھ کر تلوار سے حملہ کر دیا ہو پھر قاتل کون ہے؟

قزاق کے چہرے پر پسینہ آ گیا ماریا یہ سب کچھ کھڑی دیکھ رہی تھی اس نے دوسرے قزاق کو بھی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ایک پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے قزاق کے ماتھے پر دے مارا پتھر کے لگتے ہی قزاق اچھلا اور اس نے ہوا میں زور سے تلوار کا بھرپور وار

کیا اس کے ماتھے سے خون نکلنے لگا ماریا چپکے سے اس کے پہلو میں آ گئی پہلو میں آ کر ماریا نے ایک وار کیا۔

شاید قزاق نے ماریا کی آہٹ سن لی تھی وہ اچھل کر پرے ہٹ گیا ماریا نے دوسرا وار کرنا چاہا تو وہ پتھر پر سے پھسل گئی قزاق نے دیکھا کہ ایک جگہ سے ایک پتھر لڑھکا ہے مگر وہاں کوئی انسان اسے دکھائی نہ دیا وہ ڈر گیا اور چیخ مار کر باہر کو بھاگ گیا اس نے سوچا کہ غار میں کوئی بدروح آ گئی ہے جس نے اس کے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اور اب اسے بھی قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے منگول قزاق نے اپنا گھوڑا وغیرہ سب کچھ وہیں چھوڑ دیا اور غار میں سے ایسا بھاگا کہ اس نے واپس مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا اس کے پیچھے نہیں بھاگ سکتی تھی اس نے قزاق کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہ محسوس نہ کی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی اس نے

سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قزاقوں کے ایک گھوڑے کی زین پر لٹکتا ہوا لوہے کا کٹورا نکالا اور باہر چشمے پر پانی لینے آ گئی باہر آ کر بھی اس نے چاروں طرف دیکھا دور نیچے وادی کی پہاڑی پگ ڈنڈی پر اسے دوسرا منگول قزاق بھاگتا ہوا دکھائی دیا ماریا بہت ہنسی۔ اس کو سب لوگوں نے بھوت پریت اور بدروح سمجھا تھا بہت سے لوگ اس سے ڈر گئے تھے مگر جتنا خوفزدہ یہ قزاق ہوا تھا اتنا کوئی بھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا اس نے چشمے پر سے پانی لیا اور غار میں آ گئی۔

وہ بے ہوش کا دمبری کے سرہانے بیٹھ گئی اور اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی ایک ڈونگا پانی کا ختم ہو گیا تو وہ دوسرا ڈونگا چشمے پر سے بھر کر لے آئی تیسرے ڈونگے پر کا دمبری نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے کون مار رہا ہے اور اس کے ہوش میں

لانے کی کوشش کون کر رہا ہے اس نے حیرت کے عالم میں چاروں طرف دیکھا اپنے آپ پانی کا ایک چھینٹا اس کے چہرے پر آن پڑا کادمبری نے آنکھیں جھپکا کر سہم کر کہا۔

کون ہو تم ؟ کیا تم کوئی دیوتا ہو؟

ماریا سمجھ گئی کہ کادمبری چونکہ دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتی ہے اس لئے وہ خوفزدہ نہیں ہوئی اور وہ یہی سمجھتی ہے کہ کوئی آسمانی دیوتا اس کی مدد کو وہاں آ گیا ہے ماریا نے سوچا کہ کادمبری کے اس بھرم کو قائم ہی رکھنا بہتر ہے اس نے کہا۔

اے کادمبری میں دیوتا نہیں ہوں لیکن دیوتا کی بہن ہوں اور تمہاری مدد کرنے یہاں آئی ہوں۔

کادمبری نے جب اپنے قریب ہی قزاق کی لاش پڑی دیکھی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

یہ کیسے مر گیا۔؟

ماریا نے کہا۔

اسے دیوتاؤں نے مارا ہے یہ ایک خونی اور قاتل تھا اس کا وہی انجام ہوا جو ایک خونی اور قاتل کا انجام ہوا کرتا ہے اب تم آزاد ہو دوسرا ڈاکو بھاگ گیا ہے وہ اب کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گا ہم نے اسے اندھا کر دیا ہے۔

سچ دیوی جی۔؟

ہاں۔

ماریا نے کادمبری کے ہاتھوں کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کر دیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر زمین پر سجدہ کر کے کہنے لگی کہ اے دیوی میں تمہاری پوجا کرتی ہوں تم نے میری جان بچائی میری عزت بچائی۔

ماریا نے کہا۔

اب اٹھو اور اس غار سے باہر نکلو۔ کیا تم اپنے ماں باپ کے گھر اکیلی جا سکتی ہو؟

نہیں دیوی جی! میں اکیلی نہیں جا سکتی میرا گھر یہاں سے دو دن کے سفر پر ہے۔

اچھا۔ باہر چشمے پر آؤ کچھ سوچ لیں گے۔

ڈاکو کا مکان

ماریا کادمبری کو لے کر غار سے باہر چشمے پر آ گئی۔

چشمے پر کادمبری نے منہ ہاتھ دھویا اس کے حواس قدرے درست ہوئے دونوں گھوڑے ان کے پاس ہی کھڑے تھے کادمبری کو ماریا دکھائی نہیں دے رہی تھی ماریا نے اسے بتا دیا تھا کہ جس وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو گی تو اسے گھوڑا بھی دکھائی نہیں دے گا کیونکہ وہ جس چیز کو ہاتھ میں لے یا اس پر سوار ہو تو وہ شے بھی ماریا کے ساتھ ہی غائب ہو جاتی ہے کادمبری کو یقین ہو گیا تھا کہ ماریا ایک دیوی ہے جو اس کی مدد کے لیے دیوتاؤں نے بھیجی ہے یہی وجہ تھی اس کے دل میں خوف نہیں تھا بلکہ خوشی تھی ماریا کے لئے اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا

کہ کادمبری کو کیسے واپس روانہ کیا جائے وہ اکیلی گھر جانے کے لئے جنگل کا سفر نہیں کر سکتی تھی راستے میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کا خطرہ تھا اور ہو سکتا ہے کہ مفرور قذاق بھی اس کی تاک میں ہو دوسری طرف ماریا اسے ساتھ بھی کہاں لے جاتی وہ خود ایک نامعلوم منزل کی تلاش میں اکیلی سفر کر رہی تھی اس نے کادمبری سے کہا۔

کادمبری! تمہارے لیے میرے خیال میں یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ تم میرے ساتھ ہی جھیل نندن سر کا سفر کرو۔ واپسی پر میں تمہیں تمہارے گھر میں چھوڑ دوں گی۔

کادمبری نے کہا۔

دیوی جی! اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش قسمتی ہو گی کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر سفر کروں اور جھیل نندن سر میں درگا دیوی کے مندر کے درشن کروں۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا تم نے درگا دیوی کا مندر دیکھا ہے؟

ہاں دیوی جی۔ میں ایک بار اپنے باپ کے ساتھ درگاہ دیوی کے مندر میں گئی تھی مگر تب میں بہت چھوٹی تھی پھر بھی مجھے اس مندر کا راستہ اور شکل یاد ہے۔

ٹھیک ہے ہم اکٹھے جھیل نندن سر تک چلیں گے کیا تمہیں بھوک تو نہیں لگی کادمبری؟

لگی ہے دیوی جی۔ میں نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا۔

تم یہاں ٹھہرو میں جنگل سے تمہارے لیے کچھ پھل لاتی ہوں، مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے دیوی جی!

فکر نہ کرو میرے ہوتے ہوئے ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور پھر میں دور نہیں جا رہی سامنے والے ٹیلے کے پاس ایک جنگلی سیب کا درخت

ہے وہاں سے سیب توڑکر ابھی لاتی ہوں۔

ماریا جنگل میں سیب توڑنے چلی گئی وہ صندوقچی اس جگہ چھوڑ گئی تھی کادمبری نے سوچا کہ اس میں کیا ہوگا۔ اس نے یونہی صندوقچی کو کھول دیا وہ اس کے اندر ایک سیاہ کالے ناگ کی لاش دیکھ کر ڈر گئی اور اس نے اسی وقت صندوقچی بند کر دی وہ سوچنے لگی کہ دیوی اپنے ساتھ سانپ کی لاش کیوں لیے پھر رہی ہے پھر اس نے سوچا کہ یہ دیوی دیوتاؤں کے معاملے ہیں وہ اس میں دخل دینے والی کون ہوسکتی ہے۔

اتنے میں ماریا ٹوکری میں سیب بھر کر لے آئی دونوں نے مل کر سیب کھائے چشمے کا پانی پیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جھیل نندن سر کی طرف روانہ ہوگئے ماریا جس گھوڑے پر سوار تھی وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا صرف اس کے پاؤں کی آواز آرہی تھی اور زمین پر اس کے کھروں

کے نشان پڑ رہے تھے کادمبری دوسرے گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ چل رہی تھی وہ نظر آرہی تھی دونوں آپس میں باتیں بھی کرتی جارہی تھیں بارش کے بعد ہرے بھرے درخت سرسبز جھاڑیاں اور گھاس پتھر دھل گئے تھے اب دھوپ نکل آئی تھی اور نیچے وادی میں ہلکی ہلکی دھند اٹھ رہی تھی۔

پہاڑی راستوں پر چلتے چلتے انہیں شام ہوگئی پہاڑوں میں اندھیرا چھانے لگا ماریا کے لئے اب سوال رات بسر کرنے کا تھا رات بسر کرنے کے لئے انہیں کوئی مناسب جگہ کی ضرورت تھی یہ جگہ ماریا کو اردگرد کہیں نظر نہیں آرہی تھی آخر اس نے دور تک ایک طرف صنوبر کے درختوں میں ایک کچے مکان میں سے دھوئیں کی پتلی لکیر نکلتی نظر آئی اس نے کادمبری سے کہا۔

کادمبری! وہ دور مکان دیکھ رہی ہو؟

دیکھ رہی ہوں دیوی جی۔

وہاں چلتے ہیں شاید اس جگہ رات بسر کرنے کی کوئی جگہ مل جائے جو حکم دیوی جی۔

ماریا نے کہا۔

کادمبری تم مجھے دیوی جی نہ کہا کرو۔

پھر کیا کہا کروں دیوی جی؟

تم مجھے بہن کہہ لیا کرو۔

نہیں دیوی جی! آپ مقدس دیوی ہیں میں آپ کو بہن کہہ کر پاپ نہیں کروں گی آپ آکاش میں رہتی ہیں اور میں دھرتی پر رہتی ہوں آپ سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے آپ بہت بڑی ہیں انسان سے بلند ہیں۔

ماریا خاموش ہو گئی وہ اسے یہ کہہ کر اس کے یقین اور اعتقاد کو ٹھیس نہیں

پہنچانا چاہتی تھی کہ وہ دیوی نہیں ہے وہ چپ چاپ گھوڑوں پر سوار اس مکان کی طرف چلتی چلی گئیں جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا ماریا کا خیال تھا کہ وہ کسی کسان کا مکان ہوگا اور کادمبری سے کہلوا کر ماریا وہاں رات بسر کرنے کی اجازت لے لے گئی اسے اجازت لینے کی اس لیے ضروری نہیں تھی کہ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی وہ کوٹھڑی میں کسی جگہ بھی اپنی پوستین اوڑھ کر سو سکتی تھی مکان کے قریب پہنچ کر ماریا نے کادمبری سے کہا۔

کادمبری! تم اسی جگہ جھاڑیوں کی اوٹ میں گھوڑوں کے پاس ٹھہرو، میں پہلے جا کر معلوم کرتی ہوں کہ مکان میں کون رہتا ہے اور وہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟

کادمبری کو وہیں چھوڑ کر ماریا گھوڑے سے اتری دبے پاؤں پیچھے سے ہو کر مکان کی پچھلی کھڑکی کے پاس آ گئی اگرچہ وہ کسی کو دکھائی

نہیں دیتی تھ اور وہ بلا روک ٹوک اندر جا سکتی تھی پھر بھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کے آنے کی آہٹ تک بھی ہو، وہ مکان کی پچھلی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی کھڑکی کھلی تھی ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا تو دھک سے رہ گئی وہی قزاق جس نے کا دمبری کو اغوا کیا تھا اور ماریا سے مار کھا کر بھاگا تھا اندر ایک کسان کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا اور ایک تھیلے میں جو کی خشک روٹی بھی باندھ رہا تھا ماریا کان لگا کر اس کی باتیں سننے لگی۔

قزاق اس کسان سے کہہ رہا تھا۔

وہ ضرور اس راستے سے گزرے گی اور یقیناً وہ بدروح بھی اس کے ساتھ ہو گی جس نے کا دمبری کو بچایا ہے اور میرے ساتھی کو بھی قتل کر دیا ہے تم کوشش کرنا کہ موقع پا کر کا دمبری کو ہلاک کر کے ہمارا بدلا لو اگر کا دمبری کے ساتھ بدروح نہ ہو تو اسے پکڑ کر یہاں کسی تہہ خانے

میں بند کر دینا اور مجھے درگاہ دیوی کے مندر میں خبر دینا میں سونے کی مورتی اڑانے کے سلسلے میں مندر میں ہی ہوں گا کسان نے کہا۔

تم فکر نہ کرو جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح ہو گا مجھے بڑا صدمہ ہے کہ ہمارا ایک ساتھی قتل کر دیا گیا میں کا دمبری سے اس قتل کا ضرور بدلہ لوں گا اگر وہ یہاں آئی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

قزاق نے پوچھا۔

تم اسے پہچان لوگے ناں؟ اس کے بال سنہری ہیں اور ناک پتلی ہے وہ ذرا گردن کو ایک طرف جھکا کر بات کرتی ہے۔

کسان نے کہا۔

میں اسے فوراً پہچان لوں گا۔ اگر وہ یہاں آ گئی تو یقین رکھو کہ زندہ بچ کر نہیں جائے گی۔

قزاق نے کہا۔

اور اگر اس کے ساتھ بدروح ہوئی تو؟

کسان نے بہادری سے جواب دیا۔

میں اس بدروح کو بھی جلا کر بھسم کر دوں گا بدروح میرا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی اگر میں نے درگا دیوی کی سونے کی مورتی چوری نہ کرنی ہوتی تو میں یہاں رہ کر تمہارے کا دمبری کا انتظار کرتا اور اس کم بخت کی گردن اپنے ہاتھ سے تمام کرتا لیکن مجبوراً مجھے جانا پڑ رہا ہے۔

کسان بولا۔

تم بے فکر ہو کر اوپر درگا کے مندر میں جاؤ اور سونے کی مورتی چوری کر کے ہند چینی کے ملک کی طرف نکل جاؤ ہمارے دوسرے ساتھی ہند چینی میں تمہاری راہ دیکھ رہے ہوں گے یہاں کا سارا میں سنبھال

لوں گا۔

اچھا تو اب میں جا رہا ہوں۔

قزاق نے اٹھ کر کسان سے ہاتھ ملایا اور باہر نکل آیا ماریا دوسری طرف سے ہو کر باہر والے دروازے کے پاس آ گئی اس نے بڑی عقل کی تھی کہ کا دمبری کو ایک طرف جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا ورنہ کا دمبری مشکل میں پھنس سکتی تھی اس لیے کہ ماریا غائب ہونے کے باوجود دو آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اگر وہ ایک مرد سے مقابلہ کرتی دوسرا ضرور کا دمبری کو مار ڈالتا قزاق نے کسان سے کہا۔

اگر یہاں سے کوئی گھوڑا مل جاتا تو بہت اچھا تھا۔ کم بخت دونوں گھوڑے بھی بدروح کی بھینٹ چڑھ گئے۔

کسان نے کہا۔

نندن سر کے گاؤں میں تم اپنے لیے گھوڑا خرید لینا وہاں تمہیں گھوڑا مل

جائے گا۔

بہت اچھا۔

یہ کہہ کر قزاق نے روٹی کی پوٹلی کندھے پر ڈالی تلوار کی پیٹی کو کمر میں درست کیا اور پہاڑی راستے پر درگا دیوی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا کسان مکان کے دروازے کے باہر کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا جب قزاق نظروں سے اوجھل ہو گیا تو کسان جھونپڑی کے اندر چلا گیا اس دوران میں ماریا کا دمبری کے پاس پہنچ کر اسے سارا حال کھول کر بیان کر چکی تھی۔ قزاق کا سن کا کا دمبری پریشان ہو گئی ماریا نے اسے تسلی دے کر کہا۔

گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے اور پھر میں بھی تمہاری حفاظت کر سکتی ہوں ہمیں رات گزارنے کے لئے اس سے بہتر جگہ اور کہیں نہیں مل سکتی تم مکان کے باہر جا کر کسان کو آواز دو وہ باہر

آئے تو اسے کہو کہ تم رات بسر کرنا چاہتی ہو۔

کادمبری نے کہا۔

وہ تو مجھے فوراً پہچان لے گا اور قتل کر دے گا۔

ماریا بولی۔

آخر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گی میں تمہاری حفاظت کر رہی ہوں گی تلوار میرے ہاتھ میں ہو گی اگر اس نے تم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں اس سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دوں گی۔

بہتر ہے۔

کادمبری بوجھل بوجھل قدم اٹھاتی ڈرتی ڈرتی کسان ڈاکو کے مکان کے دروازے پر پہنچ گئی وہ گھوڑے پر سے نیچے اتر پڑی ماریا اس کے ساتھ ساتھ ذرا فاصلے پر چل رہی تھی ماریا نے اپنا گھوڑا درختوں میں ہی ایک جگہ باندھ دیا تھا کادمبری کے کان میں ماریا نے سرگوشی کی۔

دروازے پر دستک دو۔

کادمبری نے دروازے پر دستک دی اندر سے کسان نے دروازہ کھول دیا جونہی اپنے سامنے اس نے سنہرے بالوں اور پتلی ناک والی کادمبری کو دیکھا تو اس کی باچھیں کھل گئیں اس نے کادمبری کو فوراً پہچان لیا پھر بھی اس نے پوچھا۔

کیا تمہارا نام کادمبری ہے؟

کادمبری کے منہ سے نکل گیا ہاں مجھے رات گزارنے کے لئے جگہ چاہیے۔

کسان نے خوش ہو کر کہا۔

کادمبری بیٹی! یہ بھی تمہارا اپنا ہی گھر ہے اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے اندر آ جاؤ سارا گھر تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہے جس جگہ چاہو بستر لگا کر سو جاؤ۔

کادمبری وہیں کھڑی رہی کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ کسان ڈاکو کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتا ہے لیکن ماریا نے پیچھے سے کادمبری کو ہاتھ سے آگے دھکیل دیا کادمبری مکان کے اندر آ گئی اس کے اندر داخل ہوتے ہی کسان نے دروازہ بند کر دیا کادمبری نے چونک کر پیچھے دیکھا دروازہ بند تھا اور ماریا اسے نظر نہیں آ رہی تھی وہ گھبرا گئی مگر ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی ماریا نے کادمبری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کان میں کہا۔

گھبراؤ نہیں میں تمہارے پاس ہی کھڑی ہوں اور ساری رات تمہارے پاس ہی رہوں گی۔

اس سے کادمبری کو کچھ حوصلہ ہوا کسان نے ایک جگہ بکریوں کی کھالیں بچھا کر بستر تیار کر دیا اور بولا۔

تم یہاں آرام کرو میں تمہارے لیے ٹماٹروں کا شوربہ گرم کرتا ہوں کیا

تم سیب کا رس پیو گی؟ اس موسم میں میں نے بڑا عمدہ سیب کا رس تیار کیا ہے۔

کا دمبری نے پہلے انکار کر دیا پھر جب ماریا نے اس کے کان میں سرگوشی کی کہ کسان کی دعوت قبول کر لو تو کا دمبری نے کہا۔

ہاں میں سیب کا رس پینا پسند کروں گی۔

کسان مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں انتہائی کمینگی اور عیاری جھلک رہی تھی جیسے وہ دل ہی دل میں کہہ رہا ہوں پی لو کا دمبری جتنا سیب کا رس پینا چاہتی ہو آج کی رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہے کل صبح تمہاری لاش اسی مکان کے صحن میں مٹی کے نیچے دفن ہو گی کسان بڑا خوش تھا کہ اسے اتنی جلدی اپنے ساتھی قزاق کے قتل کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا بے چارے کو کیا خبر تھی کہ خود اس کی موت اس کے سر کے اوپر منڈلا رہی ہے۔

کسا کمینگی سے مسکراتا ہوا باورچی خانے میں ٹماٹروں کا شوربہ اور سیب کا رس لینے چلا گیا۔ ماریا نے کادمبری سے کہا۔

بڑے آرام سے پیٹی کھول کر بستر پر لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو دو چار گھنٹے ضرور آرام کرلو تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔

کادمبری نے کہا۔

اور تم کہاں آرام کرو گی دیوی جی۔؟

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

کادمبری! آج رات اگر میں نے بھی آرام کرنا شروع کر دیا تو پھر تمہیں اس ظالم کی تلوار سے کوئی نہ بچا سکے گا میں اسی جگہ بیٹھ کر پہرہ دوں گی میں اس کسان کو کچھ نہیں کہوں گی لیکن اگر اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تو پھر تمہاری جان بچانے کے لئے اس بدبخت کو ضرور موت کے گھاٹ اتارنا پڑے گا۔

اتنے میں کسان لکڑی کے پیالے میں گرم گرم شوربہ لے کر اندر آ گیا اس نے دور ہی سے کادمبری سے کہا۔

میری بیٹی! یہ شوربہ میرے خاص باغ کے ٹماٹروں کا ہے تم اسے پیو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔

ماریا اور کادمبری میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ کسان ڈاکو نے شوربے میں بے ہوشی کی دوائی ملا دی تھی کادمبری نے شوربے کا کٹورہ لے کر پینا شروع کر دیا کسان اس سے باتیں کرنے لگا۔

بیٹی! بالکل تمہاری ہی شکل صورت کی میری ایک بیٹی بھی تھی اس کا نام بھی کادمبری تھا یہی وجہ ہے کہ جب تم کو میں نے پہلی بار دروازے پر دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ میری بیٹی کادمبری میرے پاس آ گئی ہے اس لئے میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم کادمبری ہو کیا؟

کادمبری سب جانتی تھی کہ وہ مکاری سے کام لے رہا ہے اور جھوٹ

بول رہا ہے مگر وہ خاموش تھی ادھر ماریا بھی اس کی چکنی چپڑی باتوں پر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی کہ اس بے وقوف کو اتنا بھی علم نہیں کہ ہمیں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اس دوران میں کادمبری نے ٹماٹروں کا شوربہ پی لیا۔ کسان ڈاکو بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا کادمبری پر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی وہ لیٹ گئی اور اس نے اپنا سر بستر پر لگا دیا سر لگاتے ہی وہ گہری نیند میں کھو گئی یعنی بے ہوش ہو گئی ماریا کچھ حیران ہوئی کہ کادمبری کو اتنی جلد نیند کیسے آ گئی۔؟

قزاق کا قتل

ڈاکو کسان نے جب دیکھا کہ کادمبری بے ہوش ہو گئی ہے تو وہ باہر نکل گیا اس نے کمرے میں ایک مشعل روشن کر دی تھی ماریا کو بالکل خیال ہی نہ تھا کہ کادمبری اصل میں سوئی نہیں بلکہ بے ہوش ہو گئی ہے وہ کسان کو باہر جاتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور باورچی خانے میں آ گئی یہاں اس نے ٹماٹروں کا شوربہ دیکھا تو سوچا کہ اسے پی لیا جائے یہ اس کی اور کادمبری کی خوش قسمتی تھی کہ ماریا نے وہ شوربہ نہ پیا وگرنہ ماریا بھی شوربا پیتے ہی بے ہوش ہو جاتی اور پھر کادمبری کو قتل ہونے سے کوئی نہ بچا سکتا تھا شوربہ بہت گرم تھا اس کے پاس ہی پیالے میں بکری کا دودھ رکھا تھا ماریا وہ سارا دودھ پی گئی پھر اس نے جو کی روٹی

کا ایک ٹکڑا کھایا اور اسے کسان کے پھر اندر آنے کی آہٹ سنائی دی وہ باورچی خانے کے دروازے کے ساتھ لگی دیکھنے لگی کہ کسان کیا کرنے والا ہے کسان نے جھک کر کادمبری کو دیکھا پھر اس کے چہرے کو ہاتھوں سے ہلایا وہ بالکل بے ہوش ہو چکی تھی کسان خوشی خوشی اندر باورچی خانے میں آ گیا۔

ماریا دروازے سے پرے ہٹ گئی ماریا کو شک ہوا کہ کادمبری کسان کے ہلانے جلانے سے جاگی کیوں نہیں؟ اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں کسان نے اسے شوربے میں کچھ پلا کر بے ہوش تو نہیں کر دیا اسے یقین ہو گیا کہ کادمبری کو بے ہوش کیا گیا ہے وہ اب چوکنی ہو گئی اور کسان کی ایک ایک حرکت کا غور سے جائزہ لینے لگی کسان باورچی خانے میں آ کر کچھ تلاش کر رہا تھا اسے ایک جگہ سے مونجھ کی رسی کا ٹکڑا مل گیا کسان نے اسے اچھی طرح سے کھینچ کر دیکھا اور پھر باہر

چلا گیا ماریا جان گئی کہ اب یہ بے رحم شخص کا دمبری کے گلے میں رسی ڈال کر اسے ہلاک کرنے کی فکر میں ہے وہ بھی کسان کے ساتھ ہی باورچی خانے سے نکل کر باہر آ گئی غلطی سے باہر نکلتے ہوئے ماریا کا ہاتھ شوربے کے برتن سے ٹکرا گیا شوربے کا برتن ایک شور کے ساتھ فرش پر گر پڑا کسان لپک کر باورچی خانے میں آیا ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی کسان نے دیکھا سارا شوربہ فرش پر گرا پڑا تھا وہ ادھر اُدھر نظریں گھمانے لگا اسے خیال آیا کہ کہیں بدروح تو وہاں نہیں آ گئی جس کا ذکر اس کے قزاق دوست نے کیا تھا؟ ماریا خاموشی سے دیوار کے ساتھ کھڑی کسان کی ساری حرکتوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی کسان نے میز پر سے سبزی کاٹنے کی چھری اٹھائی اور اسے یونہی اندازہ لگا کر ایک دیوار پر دے مارا یہ چھری سامنے والی دیوار پر لگی وہاں سے چھری نکال کر کسان نے اس دیوار پر ماری جہاں ماریا

کھڑی تھی ماریا جلدی سے نیچے ہو کر بیٹھ گئی وہاں سے چھری نکال کر کسان نے تیسری اور پھر چوتھی دیوار پر زور سے ماری وہ پاگلوں کی طرح ہوا میں چھریاں چلا رہا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر باورچی خانے میں کسی جگہ بدروح ہو گی تو چھری لگنے سے مر جائے گی لیکن ماریا تو اس کو دیکھ رہی تھی وہ جس طرف بھی چھری مارتا ماریا دوسری طرف ہو جاتی آخر وہ تھک گیا اسے یقین سا ہونے لگا کہ بدروح وہاں نہیں ہے اور شوربے کا پیالہ اتفاق سے نیچے گر پڑا تھا۔

وہ رسی لے کر باہر آ گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی باہر والے کمرے میں آ گئی کیا دیکھتی ہے کہ کسان رسی کو بار بار کھینچتا ہوا بے ہوش کا دمبری کے سرہانے آ کر بیٹھ گیا اور بڑے آرام سے رسی اس کی گردن میں ڈالنی شروع کر دی اب ماریا مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی وقت بڑا نازک تھا اگر وہ ذرا دیر کرتی تو

کسان اسکا گلا گھونٹ ڈالتا ماریا نے پیچھے سے آخر کسان ڈاکو کی گردن پر پوری طاقت سے ایک لات ماری کسان الٹ کر آگے جا گرا گرتے ہی وہ اٹھا اور اس نے زمین پر سے ایک ڈنڈا اٹھا کر ہوا میں چلانا شروع کر دیا کم بخت نے عجیب ہتھیار استعمال کیا تھا اگر ماریا بچ کر باورچی خانے میں نہ بھاگ جاتی تو وہ اسے ضرور زخمی کر دیتا کیونکہ ماریا اگرچہ غائب ہو چکی تھی مگر اسکے جسم پر چوٹ تو لگ سکتی تھی اور کوئی اگر اچھل کر اس کا گلا دبا دیتا تو وہ اسے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔

ماریا باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی کسان کو دیوانوں کی طرح ڈنڈا چلاتے دیکھتی رہی پھر اسے خیال آیا کہ کہیں کسان ڈاکو ڈنڈا مار کر ہی کا دمبری کا کام تمام نہ کر دے اس نے کیا کیا کہ باورچی خانے میں برتنوں کی میز کو گرا دیا ساتھ ہی وہ باورچی خانے سے لپک

کر باہر آ گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کسان اب اندر آ کر ڈنڈا گھمائے گا اور یہی ہوا کسان برتنوں کے گرنے کا شور سن کر باورچی خانے میں گھس گیا اور اس نے ڈنڈا گھمانا شروع کر دیا اس وقت ماریا بے ہوش کادمبری کے پاس کھڑی تھی ماریا بڑی حیران تھی کہ کم بخت کیسا ڈاکو کسان ہے کہ اس سے ڈرتا ہی نہیں جب وہ ڈنڈا گھماتے گھماتے تھک گیا تو باورچی خانے کے دروازے پر کھڑا ہو کر بولا۔

اے بدروح میں تم سے ہرگز نہیں ڈرتا اگر تو اپنی خیریت چاہتی ہے تو یہاں سے بھاگ جا نہیں تو میں تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا مجھے ایسے ایسے جادو کے منتر آتے ہیں کہ میں پڑھ کر پھونک دوں گا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گی آگ لگ جائے گی۔

ماریا اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ ایسا کوئی شخص منتر پڑھ کر آگ نہیں لگا سکتا جس کے دل میں کسی کو قتل کرنے کا

ارادہ ہو ویسے بھی ماریا پر زبردست جادو کا اثر تھا اور اسے کوئی چھوٹا موٹا جادو یا منتر توڑ نہیں سکتا تھا ماریا نے گرجدار آواز میں پہلی بار کہا۔

اے پتھر دل انسان سن اگر تو نے کا دمبری کا مار ڈالنے کی کوشش کی تو میں اس سے پہلے تمہیں اس جگہ ڈھیر کر دوں گی میں نے تمہاری اور تمہارے قزاق ساتھی کی ساری خفیہ باتیں سن لی ہیں میں جانتی ہوں کہ تم کا دمبری سے اپنے ساتھی کا بدلہ لینا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو جب تک میں کا دمبری کے ساتھ ہوں تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے بلکہ الٹا تمہاری زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لئے کا دمبری کی جان لینے کے خیال سے باز آجاؤ۔

کسان ڈاکو یہ آواز سن کر پہلے تو گھبرا گیا کیوں کہ یہ بڑی ڈراؤنی بات تھی کہ ایک آدمی کی آواز سنائی دے مگر وہ خود نظر آئے مگر پھر دل کو بہادر بنا کر بولا۔

اے بدروح میں کادمبری سے اپنے ساتھی کا قتل کا بدلہ ضرور لوں گا تمہیں جو کرنا ہے کرتی رہو۔ مجھے جو کرنا ہے وہ میں کرتا رہوں گا کسان ڈاکو ایک بار پھر کادمبری کی طرف بڑھا اب اس نے کمر میں سے تلوار نکال لی تھی ماریا نے بھی تلوار نکال لی اور ایک ایسا وار کیا کہ کسان کی ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار ٹوٹ کر فرش پر گر پڑی کسان پیچھے ہٹ گیا وہ بھاگ کر باورچی خانے سے سبزی کاٹنے والی چھری اٹھا لایا اور قریب تھا کہ لپک کر کادمبری کی گردن پر چلا دے کہ ماریا نے تلوار کا دستہ کسان ڈاکو کے سر پر اس زور سے مارا کہ وہ چکرا کر گر پڑا اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا مگر وہ بھی کوئی بے حد ضدی شخص تھا گرتے ہی زمین پر سے اٹھا سر پر کپڑا باندھا اور ڈنڈا اٹھا کر اسے ایک بار پھر گھمانے لگا اب وہ ایک بڑا خطرناک کھیل کھیل رہا تھا وہ ڈنڈے کو لہراتا گھماتا، ہوا بے ہوش کادمبری کے سرہانے آ گیا وہ ڈنڈا

مارکر کا دمبری کی کھوپڑی پاش پاش کردینا چاہتا تھا ماریا اس کے اس خطرناک ارادے کو بھانپ گئی۔

جوں ہی کسان ڈاکو نے کا دمبری کی کھوپڑی پاش پاش کرنے کے لئے ڈنڈا اوپر اٹھایا ماریا نے دور ہی سے تلوار کو نیزے کی طرح اچھال کر ڈاکو کی طرف پھینک دیا تلوار سیدھی کسان کے پیٹ میں جا گھسی وہ تلوار کو پکڑ کر فرش پر گر پڑا اور بری طرح تڑپنا شروع کر دیا آگے بڑھ کر ماریا نے کسان کے جسم سے تلوار باہر کھینچ لی اور کہا۔

تو اپنے کیے کی سزا کو پہنچا اگر میں تمہیں زخمی نہ کرتی تو تو کا دمبری کی کھوپڑی توڑ چکا ہوتا اب یہاں سے بھاگ کر کسی ایسے شخص کے پاس جا جو تیری مرہم پٹی کرے اور تیری زندگی بچانے کی کوشش کرے میں کا دمبری کو یہاں سے لے جا رہی ہوں۔

ڈاکو شدید درد کی حالت میں تھا اس نے کہا۔

اے بدروح تو نے مجھ سے پہلے حملہ کردیا نہیں تو کادمبری زندہ نہیں بچ سکتی تھی اگر میں زندہ رہا تو کادمبری کے ساتھ ساتھ تجھے بھی ایک نہ ایک دن ضرور قتل کروں گا۔

اتنا کہہ کر کسان بے ہوش ہو گیا۔

ماریا نے پانی کا کٹورا لیا اور بے ہوش کادمبری کے چہرے پر چھینٹے مارنے شروع کر دیئے کافی دیر کی کوشش کے بعد کادمبری نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

کیا میں.........میں زندہ ہوں؟

خدا کا شکرادا کرو تم زندہ ہو اس نے تمہیں شوربے میں دوائی پلا کر بے ہوش کر دیا تھا کیا تم اٹھ سکتی ہو؟

کادمبری نے کہا۔

میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔

اچھا تم آرام کرو میں بھی آرام کرتی ہوں۔

کادمبری نے سہم کر پوچھا۔

ڈاکو کہاں چلا گیا؟

وہ بے ہوش پڑا ہے وہ شدید زخمی ہے اس کی طرف سے فکر نہ کرو وہ اب اس قابل نہیں رہا کہ کسی دوسری عورت پر ظلم کر سکے۔

ماریا بھی اسی جگہ لیٹ گئی اب رات آدھی گزر چکی تھی ماریا کو بھی نیند آ گئی اور وہ سو گئی کادمبری نے گردن اٹھا کر دیکھا ذرا فاصلے پر ڈاکو فرش پر بے ہوش پڑا تھا اس کے بعد وہ بھی سو گئی اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اس نے اٹھ کر ماریا کو آواز دی ماریا بھی اٹھ بیٹھی انہوں نے اٹھ کر دیکھا کہ ڈاکو ختم ہو چکا تھا ماریا کادمبری کے ساتھ مکان سے باہر آ گئی چشمے پر آ کر انہوں نے منہ ہاتھ دھویا باورچی خانے میں جا کر آگ جلائی جو کا دلیا پکا کر کھایا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جھیل نندن سر کی

طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔

اب ذرا عنبر اور کیلاش کی بھی خبر لی جائے کہ وہ کس حالت میں ہیں عنبر اور کیلاش چور آدم خورنا گاؤں کی قید سے آزاد ہو کر پہاڑوں میں کافی دور نکل آئے تھے وہ ساری رات اور سارا دن سفر کرتے رہے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور جتنی جلدی ہو سکے ناگاؤں کے علاقے سے نکل جانا چاہتے تھے دوسرے روز دوپہر کے وقت وہ سفر کرتے کرتے تھک گئے گھوڑوں پر بھی تھکن طاری ہونے لگی تھی انہیں بھوک بھی تنگ کرنے لگی تھی وہ ایک جگہ صنوبر اور سیب کے درخت اور چشمہ دیکھ کر گھوڑوں سے اتر پڑے یہ جگہ بڑی پر فضا تھی انہوں نے گھوڑے ٹیلے کے دامن میں ایک جگہ گھاس چرنے اور پانی پینے کے لیے کھلے چھوڑ دیئے۔

کیلاش چور نے چشمے پر غسل کیا عنبر جنگلی خوبانیاں اور سیب توڑ کر لے

سر کٹا بھوت

عنبر اور ناگ نے ماریا کو کیسے نکالا اور پھر کس طرف لے گئے ۔ راجہ سنگرام نے ماریا سے شادی کرلی یا ماریا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی ۔ ماریا گووند کے پاس کیسے پہنچی ؟ گووند نے ماریا کو کہاں قید کررکھا تھا؟

ابھی پڑھیے ''اردو رسالہ'' پر

آیا جو انہوں نے مل کر مزے سے کھائیں چشمے کا پانی پیا اور گھاس پر لیٹ کر آرام کرنے لگے کیلاش چور نے کہا۔

بھائی ابھی جھیل نندن سر تک تو کافی سفر باقی ہے کیا تمہارا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔

عنبر نے کہا۔

ضروری تو بہت ہے لیکن ہم واپس بھی تو نہیں جا سکتے اگر واپس ہوئے تو ناگا آدم خور اس دفعہ زندہ نہیں چھوڑیں گے اگر تمہارا ارادہ ہے تو واپس چلے چلتے ہیں۔

کیلاش چور نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

نہیں بابا میں تو ہرگز واپس جانے کو تیار نہیں اگر واپسی کا راستہ ناگا آدم خوروں کے قبیلے سے ہو کر گزرتا ہے تو میں ساری زندگی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔

اسی لیے تو میں آگے بڑھتا چلا جا رہا ہوں۔

کیلاش چور بولا۔

ایک بات ہے اگر ہم جھیل نندن سر پہنچ گئے تو وہاں ایک درگا دیوی کا بہت بڑا مندر ہے اس مندر کا پروہت میرا تھوڑا بہت واقف ہے اس سے مل کر ہم مندر میں باقی زندگی بڑے مزے سے بسر کر سکتے ہیں بس صبح کو اٹھ کو بڑے بڑے مٹکوں میں پانی بھرنا پڑے گا اور باقی وقت بڑے آرام سے پڑ کر سوتے رہیں گے۔

عنبر ہنس پڑا اور بولا۔

کیلاش معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سوائے چوری کے زندگی میں اور کوئی کام نہیں کیا۔

کیلاش بولا۔۔

کیا کروں بھائی، مجھے بری صحبت میں پڑ کر اس کی عادت پڑ گئی تھی مگر

اب تو میں نے توبہ کر لی ہے اب تو میں ایک شریف انسان بن گیا ہوں عنبر بھائی کیا تمہیں میری شرافت پر کوئی شک ہے۔

عنبر نے کہا۔۔

ہر گز نہیں۔ لیکن تم کام چور ہو گئے ہو۔

کیلاش بولا۔

اچھا بابا آج سے کام چوری بھی نہیں کروں گا تم جتنی محنت مشقت کہو گے کروں گا۔ بس اب خوش ہو ناں۔

عنبر کہنے لگا

کیوں نہیں میں ہر اس نوجوان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں جو بڑی محنت اور مشقت سے کام کرتا ہے میں نے خود زندگی میں بڑی محنت کی ہے راتوں کو کام کیا ہے کبھی دشمنوں سے جنگ کی ہے کبھی بیماروں اور زخمی لوگوں کا علاج کیا ہے۔

کیلاش نے پوچھا۔

کیا تم وید یعنی حکیم بھی ہو عنبر بھائی۔

عنبر نے کہا۔

کیوں نہیں۔ بیمار اور زخمیوں کا علاج کرنا تو میں نے دو ہزار سال پہلے سیکھا تھا۔

کیلاش نے حیرت سے پوچھا۔

دو ہزار سال پہلے یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔؟

اب عنبر نے محسوس کیا کہ اس نے کیلاش چور کو کیا کہہ دیا ہے اس نے فوراً بات بدل کر کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے دو ہزار سال پہلے کی پرانی حکمت کی کتابیں پڑھ کر یہ کام سیکھا ہے۔

کیلاش نے مسکرا کر کہا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان دو ہزار سال سے زندہ چلا آئے انسان تو سو برس

میں مر جاتا ہے؟

عنبر نے کہا۔

تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو دو ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہو۔

حالانکہ کیلاش کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا اڑھائی ہزار برس سے زندہ تھا جس نے قدیم مصری فرعونوں میں جنم لیا تھا اور پرانے مصر کی گلیوں میں کھیل کود کر اپنا بچپن گزارا تھا جس نے نمرود اور شداد کی حکومتیں دیکھی تھیں جو سکندر اعظم کی فوج کے ساتھ ایران میں آیا تھا اور جس نے دارا بادشاہ کو ایران سے فرار ہوتے دیکھا تھا مگر وہ سب کچھ کیلاش چور کر بتا نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ اسے بتا بھی دیتا تو کیلاش کو کبھی یقین نہ آتا۔

کھٹاک۔

اچانک ایک پتھر لڑھک کر ان کے پاس آن گرا، اور سامنے پتھروں کی دیوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا عنبر اور کیلاش نے چونک کر اس پتھر کو دیکھا وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے یہ پتھر کہاں سے آیا تھا کیلاش کا خیال تھا کہ ہوا کی وجہ سے یہ پتھر اوپر ٹیلے پر سے کھسک گیا ہے۔

عنبر نے سوچا کہ ہوا سے پتھر کبھی نہیں کھسکا کرتے ہاں اگر زور کی آندھی چلے تو ایسا ہو سکتا ہے مگر آندھی تو چل نہیں رہی تھی عنبر نے کیلاش کو ایک طرف جھاڑیوں میں کھینچ لیا جھاڑیوں میں چھپ کر وہ اوپر کی جانب دیکھنے لگا اس دوران میں ایک اور پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔

اب عنبر کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے کیلاش کو ساتھ لے کر اس نے جھاڑیوں کی اوٹ میں سے ہوتے ہوئے ٹیلے کی دوسری سمت کھسکنا شروع کر دیا کافی دور تک جا کر انہوں نے دیکھا مگر وہاں کوئی

بھی نہیں تھا وہ واپس چشمے کے کنارے آ گئے۔

کیلاش نے ہنس کر کہا۔

بھائی یہ ساری کارستانی ہوا کی ہے۔

عنبر نے کہا۔

شاید تمہارا خیال ٹھیک ہو۔

مگر دل میں اس کے شک تھا ہوا پتھروں کو نہیں گرایا کرتی یہ کام ضرور کسی خونخوار درندے کا ہے وہ چوکس ہو چکا تھا اس نے کیلاش کو خبردار کر دیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی آدم خور شیر یا ریچھ ادھر آ رہا ہے اس لئے انہیں ہوشیار رہنا چاہیے جب تک وہ اس آدم خور سے نہ نپٹ لیتے آگے جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا کیوں کہ اگر وہ کوئی شیر تھا تو وہ آگے جا کر انہیں بے خیالی میں بھی دبوچ سکتا تھا انہوں نے اسی جگہ ٹھہر کر شیر کا یا ریچھ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ بڑے سکون کے

ساتھ جھاڑیوں میں چھپے اوپر والے ٹیلے کو دیکھ رہے تھے انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ ان کے پیچھے گھاٹی کے اوپر برفانی بھوت نمودار ہو چکا تھا۔ یہ وہی برفانی انسان، برفانی گوریلا یا برفانی بھوت تھا جس نے ماریا کے گھوڑے کو ہلاک کیا تھا۔

عنبر اور کیلاش چور کو کچھ معلوم نہ تھا کہ برفانی بھوت نے ان دونوں کو دیکھ لیا ہے اور اب وہ آہستہ آہستہ اپنے بھاری بھرکم چوڑے چکلے پاؤں اٹھاتا ان کی طرف پیچھے سے بڑھ رہا ہے برفانی گوریلا اتنی احتیاط سے پتھروں پر پاؤں رکھ رہا تھا کہ ذرا سی آہٹ بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا عنبر اور کیلاش کے بالکل قریب آ گیا پھر کچھ ایسا ہوا کہ عنبر کی چھٹی حس نے اسے ایک دم خبر دار کر دیا کہ اس کے ارد گرد خطرہ ہے عنبر کے کان کھڑے ہو گئے اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی اس سے پہلے کہ عنبر

گھوم کر دیکھا کیلاش چور کی خوف ناک چیخ بلند ہوئی وہ برفانی بھوت کو دیکھ چکا تھا۔

عنبر نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک بار تو کانپ کر رہ گیا اس کے سر کے اوپر ایک پہاڑ ایسا برفانی بھوت کھڑا اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا عنبر کو اور تو کچھ نہ سوجھا اس نے کیلاش چور پر چھلانگ لگائی اور اسے لے کر ایک طرف کر لڑھک گیا وہ برفانی بھوت سے زیادہ سے زیادہ دور چلے جانا چاہتا تھا لیکن برفانی بھوت بھی چوکس ہو گیا تھا اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ کدھر کا رخ کریں گے چنانچہ جب عنبر اور کیلاش چور لڑھکنیاں کھاتے ہوئے گھاس پر گرے تو برفانی بھوت ان کے سر پر موجود تھا اتنا فاصلہ اس نے صرف دو قدم اٹھا کر ہی طے کر لیا تھا۔

برفانی بھوت کی ایک ٹانگ عنبر کے دائیں جانب اور دوسری کیلاش

کے بائیں جانب تھی بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی خطرہ سر کے اوپر آن کر منڈلا رہا تھا کوئی فرار کا راستہ نہیں تھا کیلاش نے عنبر کی طرف اور عنبر نے کیلاش کی طرف دیکھا عنبر کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور کیلاش چور کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔

عنبر نے کیلاش سے کہا

اٹھ کر ایک طرف بھاگ جاؤ میری پروا نہ کرو یہ مجھے کچھ نہ کہہ سکے گا۔

کیلاش پہلے ہی بے حد ڈر رہا تھا اس کے اندر اٹھنے کی طاقت بھی نہ تھی لیکن عنبر کے کہنے پر اس کے اندر ایک نئی طاقت آ گئی وہ جوش کھا کر اٹھا اور ایک طرف کو بھاگ گیا ابھی اس نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ برفانی بھوت نے جھک کر اپنی بے حد لمبی باہیں پھیلائیں اور دوڑتے ہوئے کیلاش کو مٹھی میں پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔

عنبر نے دیکھا کہ کیلاش برفانی بھوت کی مٹھی میں اپنے پاؤں اور

باہیں چلا رہا تھا وہ عنبر کو مدد کے لئے پکار رہا تھا لیکن عنبر اس کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا اس لئے کہ برفانی بھوت بہت بڑا انسان نما گوریلا تھا اس نے جب دیکھا کہ برفانی بھوت کی ساری توجہ کیلاش کی طرف ہو گئی ہے تو وہ اس کی ٹانگوں کے نیچے سے چپکے سے کھسک کر جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا برفانی بھوت شاید کیلاش چور کو پکڑ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے کیلاش کو مٹھی میں دبائے ہوئے ایک طرف کو چلنا شروع کر دیا عنبر بھی اس سے کچھ فاصلے پر زمین پر رینگتے ہوئے پیچھا کرنے لگا اس نے آج تک اتنا بڑا انسانی گوریلا نہیں دیکھا تھا اس نے سن ضرور رکھا تھا کہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں برفانی انسان موجود ہے جس کے پاؤں کا نشان ریچھ کے جسم جتنا ہوتا ہے برفانی انسان یا برفانی بھوت یہی تھا عنبر زمین پر کھسکتے ہوئے اس کے پاؤں کے تازہ نشانوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا وہ واقعی بہت بڑے تھے کہ سوئے ہوئے

ریچھ کے برابر تھے۔

عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ برفانی بھوت کہاں جا رہا ہے وہ اس کے پیچھے پیچھے رینگ رہا تھا پہاڑی راستے کے پتھروں نے اس کے گھٹنے زخمی کر دیے مگر وہ چلتا چلا گیا اب کیلاش کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہو چکا ہے عنبر کو یہ ڈر تھا کہ کہیں اس کے دل کی حرکت ہی بند نہ ہو گئی ہو کیوں کہ وہ اگر چہ ایک دلیر ڈاکو تھا مگر دل کا بڑا کمزور تھا اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا بہر حال اس نے برفانی بھوت کا تعاقب جاری رکھا اور ایک ایسی وادی میں آ گیا جہاں چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں انہیں چٹانوں میں وہ غار تھا جہاں برفانی بھوت رہتا تھا چنانچہ عنبر کی آنکھوں کے سامنے ایک چٹان کے پیچھے جا کر برفانی انسان غائب ہو گیا۔

عنبر دوسری طرف سے ہو کر وہاں آیا تو اس جگہ کچھ بھی نہیں تھا وہ سمجھ گیا

کہ یہیں کہیں وہ غار ضرور ہوگا جہاں برفانی انسان گیا ہے عنبر نے غار تلاش کرنا شروع کر دیا اسے بڑا تعجب ہوا کہ اتنا بڑا گوریلا ایک دم سے کہاں غائب ہو گیا آخر اسے وہ غار مل گیا، یہ غار ایک اونچی چٹان کے دائیں پہلو میں تھا یہاں ایک بہت بڑا اشگاف تھا جس کے منہ پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں یہ جھاڑیاں تین چار مرد اونچی تھیں یہ ایک جگہ سے تڑ مڑ گئی تھیں عنبر کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اسی راستے سے برفانی بھوت غار کے اندر داخل ہوا تھا عنبر غار کے منہ پر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔

معاملہ بڑا نازک ہو گیا تھا ہو سکتا تھا کہ برفانی انسان ایک دم سے اندر جاتے ہی کیلاش کو ہلاک کر دے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اسے بے ہوش جان کر ایک طرف پھینک دے اور اس کے ہوش میں آنے کا انتظار

کرے یہ عنبر کا خیال ہی تھا اور اس خیال پر بھروسہ کر کے وہ اپنے ساتھی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

عنبر نے غار کے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا وہ جھاڑیوں میں سے کھسکتا ہوا غار کے منہ کے اندر چلا گیا غار میں نمی اور ہلکا ہلکا اندھیرا تھا چھت پر سے ہلکا ہلکا پانی رس رہا تھا عنبر دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا آگے بڑھنے لگا جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا غار میں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا کافی دور جا کر اسے جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ڈھیر ملے ان ڈھیروں کے پاس ہی پانی کھڑا تھا عنبر پانی سے بچ کر آگے نکل گیا اب غار میں ایک جانب سے کچھ روشنی سی آنے لگی تھی یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس طرف کہیں غار کی چھت میں سوراخ ہے جہاں سے دن کی روشنی اندر آ رہی ہے عنبر حیران تھا کہ برفانی بھوت کہاں گم ہو گیا ہے روشنی میں اسے زمین پر برفانی بھوت کے بڑے بڑے پاؤں

کے نشان دکھائی دیے غار کی چھت اب اونچی ہو گئی تھی۔ آگے جا کر عنبر نے دیکھا کہ ایک کھلی جگہ سے چھت میں دور اوپر ایک چھوٹا سا سوراخ ہے جس میں سے روشنی آ رہی ہے نیچے پتھروں کے ٹکڑے پڑے ہیں یہاں ایک عجیب بات عنبر نے یہ محسوس کی کہ کسی جانب سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ پانی کی آبشار سی کہاں سے گر رہی ہے اصل میں یہ آواز ایک دریا کی تھی جو ایک تیز رفتار ندی کی صورت میں ان پہاڑیوں کے نیچے ہی نیچے بہہ رہا تھا۔

اس دریا کا دہانہ پہاڑ کے بہت پیچھے ایک بہت بڑا چشمہ تھا جس کا سارا پانی اندر ہی اندر سے ایک دریا کی شکل اختیار کر کے چل رہا تھا اسی غار میں ایک جگہ پتھروں کی دیوار میں شگاف تھا جہاں سے دریا کے بہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

لیکن اس وقت عنبر کو سب سے زیادہ فکر کیلاش چور کی زندگی کی تھی وہ ہر

حالت میں اسے بچانا چاہتا تھا وہ برفانی بھوت کے قدموں کے نشانوں پر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا غار کے پہلو میں پہنچ کر پانی کے بہنے کی آواز زیادہ ہوگئی آخر وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں پتھروں میں ایک بہت بڑا شگاف تھا جہاں پہنچ کر برفانی بھوت کے پاؤں کے نشان مٹ گئے تھے عنبر نے شگاف میں جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گیا اندر بڑے زور شور سے ایک دریا ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا خدا جانے یہ دریا پہاڑ کے اندر ہی اندر سے چل کر کہاں جا کر گرتا ہے۔ برفانی بھوت کے پاؤں کے نشان ختم ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کیلاش کو لے کر اس دریا میں اتر گیا ہے عنبر کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا دریا میں اترنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ ایک طرف پتھروں میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد اسے یوں سنائی دیا جیسے دریا کے مخالف سمت سے کوئی شے پانی کو چیرتی ہوئی اندر کی طرف آ رہی ہے وہ

چوکس ہو گیا ہو سکتا ہے کہ برفانی بھوت پانی میں اتر گیا ہو اور اب واپس آ رہا ہو وہ پتھروں پر سے اٹھا اور دیوار میں ایک طرف آڑ میں چھپ گیا اچانک اسے غار کے شگاف میں برفانی بھوت پانی میں سے نکل کر غار میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔

عنبر زندگی میں پہلی بار برفانی بھوت کو قریب سے دیکھ رہا تھا اس کے سارے بدن پر سفید بالوں کے بڑے بڑے گچھے لٹک رہے تھے اس کی کھوپڑی ماتھے پر سے گوریلے کی طرح پچکی ہوئی تھی وہ بڑا اونچا لمبا تھا اور اس کے لمبے لمبے بازوؤں والے ہاتھ گھٹنوں کو چھو رہے تھے وہ جھک کر گوریلے کی طرح چلتا تھا شگاف میں سے باہر آ کر اس نے چاروں طرف دیکھا اور خر خر کرنے لگا شاید اسے غار میں کسی آدمی کی بو محسوس ہو رہی تھی۔

عنبر نے اپنے آپ کو پتھروں میں سمیٹ لیا برفانی بھوت نے شگاف

کے اندر منہ ڈال کر دریا میں کچھ سونگھا پھر سر کو دائیں بائیں ہلایا اور جھٹکا جھٹکا کسی دیوں کی طرح غار کے پیچھے چلا گیا گویا اسے یقین ہو گیا تھا کہ آدمی کی بو غار میں سے نہیں بلکہ دریا کی طرف سے آ رہی ہے۔

جہاں وہ کسی جگہ کیلاش چور کو چھوڑ آیا تھا کیوں کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے عنبر کو یہ سوچ کر قدرے تسلی ہوئی کہ برفانی بھوت نے کیلاش کو ہڑپ نہیں کیا بلکہ کسی جگہ غار کے اندر محفوظ مقام پر چھپا دیا ہے کیونکہ ویسے بھی اگر اس نے کیلاش کو کھایا ہوتا تو اس کے منہ پر ضرور خون کے نشان ہوتے وہاں کوئی نشان یا داغ نہیں تھا۔

برفانی بھوت غار میں پچھلی جانب نکل گیا۔

عنبر اپنی جگہ سے اٹھ کر دریا کے شگاف پر آ گیا اس نے سوچا کہ وہ دریا میں کس طرح سے اترے؟ خدا معلوم دریا کتنا گہرا ہے اور پھر نہ جانے پانی کا تیز بہاؤ اسے کہاں سے کہاں بہا کر لے جائے؟ آخر

اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی اس نے کمر کے گرد بندھی ہوئی رسی کھولی اس کا ایک سرا باہر پتھروں کے ساتھ باندھا دوسرا سرا ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا اور خدا کا نام لے کر دریا میں اتر گیا دریا کی گہرائی زیادہ نہیں تھی پانی اس کی کمر تک آتا تھا لیکن ایک تو پانی ٹھنڈا تھا دوسرے اس کا بہاؤ بڑا تیز تھا عنبر کے پاؤں اکھڑ رہے تھے اس نے رسی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا وہ رسی کو پکڑے کچھ دور دیوار کے ساتھ ساتھ آگے چلا گیا دریا ایک سرنگ میں سے گزر رہا تھا جس کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی اور دیواروں پر جگہ جگہ سے نوکیلے پتھر باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

رسی اب ختم ہو گئی تھی رسی کے سہارے عنبر اس مقام سے آگے نہیں جا سکتا تھا مگر اسے ابھی آگے جانا تھا اس نے رسی کو ایک نوکیلے پتھر سے باندھا اور پتھروں کو ہاتھ ڈال کر قدم قدم دیوار کے ساتھ لگا آگے کھسکنے

لگا دیوار کے ساتھ پانی کا بہاؤ زیادہ تیز نہیں تھا اس کا فائدہ عنبر کو یہ ہوا کہ وہ آگے بڑھتا چلا گیا درمیان میں لہر بڑی تیز تھی وہ دریا کی سرنگ میں کافی آگے نکل گیا سرنگ آگے جا کر ایک طرف کو مڑ گئی عنبر بھی سرنگ کے ساتھ ہی مڑ گیا اب اسے بائیں جانب پتھر کی سیڑھیاں سی دکھائی دیں جو ٹوٹی ہوئی تھیں اور دریا میں سے نکل کر اوپر چلی گئی تھیں عنبر پتھروں پر سے ہوتا ہوا ان سیڑھیوں پر آ گیا اب وہ دریا سے باہر سیڑھیوں کی ٹوٹی پھوٹی گیلی سلوں پر بیٹھا تھا۔

یہاں دیوار کے شگاف کی دور سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی یہ روشنی صرف اتنی تھی کہ اندھیرا زیادہ گہرا محسوس نہیں ہو رہا تھا روشنی اتنی نہیں تھی کہ وہ ہر شے کو اچھی طرح دیکھ سکتا دو چار سیڑھیاں اوپر اسے ایک شگاف نظر آ رہا تھا اس شگاف پر پتھر کی ایک بھاری سل دروازے کی طرح پڑی تھی لیکن ایک طرف سے شگاف کا ایک حصہ صاف دکھائی

دے رہا تھا عنبر سیڑھیاں چڑھ کر اس شگاف والی سل کے پاس آ گیا اس کے کپڑے سارے بھیگ چکے تھے اس نے شگاف کے اندر جھانک کر دیکھا اسے کچھ دکھائی نہ دیا پھر بھی وہ اس امید پر خدا کا نام لے کر اندر داخل ہو گیا کہ شاید کیلاش اسے مل جائے اور وہ اسے بچانے میں کامیاب ہو جائے۔

شگاف کے اندر جگہ جگہ پانی کھڑا تھا یہ پانی پہاڑ میں سے رس رس کر وہاں جمع ہو گیا تھا عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ کیلاش کو آواز دے کر پکارا جائے؟ برفانی بھوت تو وہاں موجود ہی نہیں تھا عنبر نے تھوڑی سی اونچی آواز میں کیلاش کو آواز دی۔

کیلاش۔

غار کے اندر اس کی آواز کتنی دیر تک گونجتی رہی وہ پریشان ہو گیا۔

کیونکہ ہو سکتا تھا یہ آواز لہروں کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی برفانی

بھوت تک پہنچ جائے اور وہ وہاں آجائے ایسی صورت میں کیلاش کی زندگی شدید خطرے میں پڑ سکتی تھی کیونکہ برفانی بھوت غصے میں آ کر اسے ہلاک کر سکتا تھا لیکن اس آواز کا یہ اچھا اثر ہوا کہ وہیں ایک جگہ پتھروں کے درمیان نیم بے ہوش پڑے کیلاش نے عنبر کی آواز سن لی اب اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ عنبر کی آواز کا جواب دے سکتا برفانی بھوت نے اسے زور سے پتھروں میں پٹخا تھا اور اس کا انگ انگ درد کر رہا تھا ڈر، خوف اور چوٹ کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہاں سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا اور برفانی بھوت ابھی واپس آ کر اسے توڑ مروڑ کر کھا جائے گا بلکہ وہ حیران تھا کہ برفانی بھوت نے اسے ابھی تک کھایا کیوں نہیں؟ عنبر کی آواز سن کر اسے بے حد حوصلہ ہوا اور اس کے اندر زندگی کی کرن ایک بار پھر

چمک اٹھی لیکن اس کے جسم پر کمزوری اس قدر طاری تھی کہ وہ آواز کا جواب نہ دے سکتا تھا پھر بھی اس نے اپنے جسم کی پوری طاقت صرف کر کے عنبر کو آواز دے ہی دی یہ آواز اتنی کمزور تھی کہ دریا کے پانی کے شور میں ہی دب کر رہ گئی۔

مگر عنبر برابر آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا اگرچہ اس نے کیلاش چور کو آوازیں دینا بند کر دی تھیں کیلاش نے محسوس کیا کہ عنبر اس کے قریب سے گزر رہا ہے اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا پتھر واپس زمین پر آ کر گرا تو اس سے شور پیدا ہوا عنبر پتھر کی آواز سن کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا کیلاش نے دوسرا پتھر گراتے ہوئے عنبر کو ہلکی سی آواز دی یہ آواز عنبر نے سن لی اور وہ کیلاش کو پکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

میں اس طرف ہوں عنبر اس طرف ہوں۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد عنبر، کیلاش کے پاس پہنچ گیا کیلاش زمین پر چت پڑا تھا عنبر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

دوست فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔

کیلاش نے آہستہ سے کہا۔

وہ..........وہ برفانی بھوت ہمیں زندہ.................زندہ نہیں

.......عنبر بولا۔

گھبراؤ نہیں۔ وہ یہاں نہیں ہے میں اسے بہت پیچھے غار میں چھوڑ کر آ رہا ہوں وہ ادھر نہیں آئے گا تم کوشش کر کے اٹھو اور میرے ساتھ واپس چلو۔

کیلاش نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اٹھ نہ سکا بڑی مشکل سے عنبر کے سہارا دینے پر وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

عنبر مجھے یہاں سے لے چلو۔ یہ بھوت مجھے ابھی آ کر کھا جائے گا۔ عنبر

نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

گھبراؤ نہیں یار آخر تم مرد ہو۔ مرد کو پریشانیوں اور مصیبتیں آہی جایا کرتی ہیں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ وہ برفانی بھوت تمہیں کچھ نہیں کہے گا اٹھو ہمت کرو اور میرے ساتھ دریا میں اتر چلو۔

موت کا دریا

کیلاش چور نے بالکل ہی ہمت ہار دی تھی۔

اصل میں اس نے زندگی میں کبھی کوئی مصیبت نہیں دیکھی تھی اب جو ایک ایک بہت بڑی آفت نے اسے گھیرا تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اس کے برخلاف عنبر شروع ہی سے مصیبتیں برداشت کرتا چلا آیا تھا۔ اس کی زندگی کا کوئی برس ہی ایسا ہوگا جب وہ موت کے قریب سے ہو کر نہ گزرا ہو اگر اس کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا نہ لکھا ہوتا تو وہ اب تک کب کا مر چکا ہوتا لیکن اس نے ہر تکلیف ہر مصیبت اور ہر برے وقت کا مردوں کی طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اس میں بہادری کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ مصیبت میں کبھی گھبرایا

نہیں تھا آدمی جب مصیبت میں گھبرا جاتا ہے تو وہ مصیبت اسے ڈبو دیتی ہے جب کہ نہ گھبرانے والے آدمی سے خود مصیبت گھبرا کر بھاگ جاتی ہے۔

کیلاش ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گیا تھا عنبر نے اس کا بہت حوصلہ بڑھایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ عنبر کیلاش کو سرزنش کرتا وہ تو چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح وہ اس بلا سے نجات حاصل کر لے چنانچہ اس نے کیلاش کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور دریا میں اترنے کے لئے سیڑھیوں کی طرف چل پڑا ابھی وہ تھوڑی دور ہی چلا ہو گا کہ اسے پانی میں شڑاپ شڑاپ کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی وہ سمجھ گیا کہ برفانی بھوت کیلاش کو ہڑپ کرنے چلا آ رہا ہے عنبر کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا اس وقت کیلاش کو ساتھ لے کر دریا میں اترنا اپنی موت کو آواز دینا تھا چنانچہ عنبر نے کیلاش سے کہا۔

جہاں میں تمہیں چھپاؤں وہیں خاموشی سے پڑے رہنا خبردار کوئی آواز مت نکالنا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔

کیلاش نے ہاں کہہ کر سر ہلایا عنبر اسے لے کر سیڑھیوں کے قریب ہی ایک کھوہ میں آ گیا یہ کھوہ اس نے سیڑھیوں پر چڑھتے وقت دیکھا تھا اس کھوہ میں اس نے کیلاش کو چھپا دیا اور اوپر ایک پتھر رکھ دیا اب پانی میں برفانی بھوت کے چلنے کی آواز بالکل قریب آ گئی تھی عنبر جلدی سے دریا میں اتر گیا اس نے سوچا یہ تھا کہ کیلاش کو وہاں چھپا کر خود دریا میں آگے نکل جائے گا جب برفانی بھوت ناکام ہو کر واپس جائے گا تو وہ کیلاش کو وہاں سے اٹھا لے گا۔

لیکن برفانی بھوت بھی ایک ہی مکار گوریلا تھا شاید اسے بو آ گئی تھی کہ اس کا شکار اس سے چھینا جا رہا ہے اس نے دریا میں آتے ہی ایک خوف ناک چیخ ماری۔ اس کی چیخ سے دریا کی سرنگ یوں کانپی

جیسے زمین پر زلزلہ آ گیا ہو عنبر کا جو حال ہوا وہ تو ہوا مگر کیلاش چیخ سن کر کھوہ میں چھپے چھپے بے ہوش ہو گیا اس کے حق میں یہ اچھا ہوا کیوں کہ اگر وہ بے ہوش نہ ہوتا تو اس نے برفانی بھوت کو دیکھ کر ضرور شور مچا دینا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ برفانی بھوت اسے ہاتھ ڈال کر کھوہ میں سے نکال لیتا اور کچا چبا جاتا۔

عنبر نے ابھی دریا میں چھلانگ لگائی ہی تھی اور وہ سرنگ کی پتھریلی دیوار کو تھامے دو قدم ہی چلا تھا کہ برفانی بھوت اس کے سر پر پہنچ گیا

عنبر نے سوچا کہ اسے ہاتھ چھوڑ کر دریا میں بہہ جانا چاہیے..........

اس نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور دریا کی لہریں سرنگ کے اندر اسے بہا کر لے گئیں مگر برفانی بھوت نے عنبر کو دریا کی لہروں پر بہتے دیکھ لیا تھا اپنے شکار کو وہ اپنے ہاتھ سے نکلتے نہیں دیکھ سکتا تھا اس نے سرنگ میں جھک کر ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور بالکل ایک مچھلی کی طرح عنبر کو

پانی کی لہروں میں سے ہاتھ میں اٹھالیا اس کے ساتھ ہی برفانی بھوت نے ایک خوف ناک قہقہہ لگایا سرنگ کی دیواریں گونجنے لگیں عنبر زندگی میں پہلی بار اپنے جسم میں برفانی بھوت کے ہاتھوں کے ناخن چبھتے محسوس کر رہا تھا۔

پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور وہ برفانی بھوت کے پنجے میں خاموش پڑا رہا وہ اسے لے کر سرنگ والے شگاف کے اندر اسی جگہ آ گیا جہاں اس نے کیلاش کو چھپا رکھا تھا ایسے لگتا تھا کہ وہ کیلاش کو تو بھول گیا ہے اور اب عنبر کو اپنا تر نوالہ بنانا چاہتا ہے عنبر نے کوئی حرکت نہ کی اور خاموشی سے دیکھتا رہا کہ برفانی بھوت اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اس نے عنبر کو اپنی آنکھوں کے قریب لا کر غور سے دیکھا عنبر کو یوں لگا جیسے برفانی بھوت کی آنکھیں دو غار ہیں جن کے اندر لاوا ابل رہا ہے اس کے دانت بڑے لمبے لمبے اور نوکیلے تھے جیسے اس

کے جبڑے کے اندر بڑے بڑے نوکدار کھمبے گڑے ہوئے ہوں برفانی بھوت نے ایک خوشی کی چیخ ماری اور عنبر کو زور سے پتھروں پر پٹخ دیا اس کا ارادہ یہ تھا کہ پتھروں پر گرنے سے اس کا شکار ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا وہ اس سے اپنی بھوک مٹائے گا۔

لیکن اس جانور کو عنبر کی خفیہ طاقت کے بارے میں بھلا کیا علم ہو سکتا تھا یہ بات تو اسے اب معلوم ہونے لگی تھی برفانی بھوت کیا دیکھتا ہے کہ پتھروں پر زور سے پٹخنے کے باوجود عنبر کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ پتھر ٹوٹ گیا ہے برفانی بھوت اپنی درندے کی زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا اس نے غصے میں آ کر دوسری بار عنبر کو پتھروں پر دے مارا سارے کے سارے پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مگر عنبر کو ایک معمولی سی خراش تک نہ آئی برفانی بھوت نے طیش میں آ کر ایک بھیانک آواز نکالی اور عنبر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر زور زور سے مسلنا شروع کر دیا وہ عنبر کو مسل

رہا تھا مگر عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑ رہا تھا الٹا برفانی بھوت کے ہاتھوں سے خون رسنا شروع ہو گیا۔

برفانی بھوت کے ہاتھ زخمی ہو گئے اس نے عنبر کو زمین پر پھینک کر اوپر اپنا پاؤں رکھ دیا پھر اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا برفانی بھوت کا خیال تھا کہ عنبر کا کچومر نکل جائے گا مگر ایسا نہ ہوا اس کے برخلاف برفانی بھوت کا پاؤں اس طرح درد کرنے لگا جیسے اس کے پاؤں کے نیچے بہت بڑا نوکیلا پتھر آ گیا ہو برفانی بھوت نے تڑپ کر عنبر کے اوپر سے پاؤں اٹھا لیا اب عنبر کی باری تھی چنانچہ اس نے حملہ شروع کر دیا عنبر نے زمین پر سے ایک بار پھر عنبر کو اپنی مٹھی میں لیا اور اپنے منہ کے پاس لے آیا اس کا ارادہ عنبر کو منہ میں دبا کر نگل جانے کا تھا جوں ہی برفانی بھوت عنبر کو اپنے منہ کے پاس لایا عنبر نے نوکیلا پتھر بڑے زور کے ساتھ برفانی بھوت کی ایک آنکھ میں مار دیا۔

برفانی بھوت نے ایک دلدوز چیخ ماری اور عنبر کو ہاتھ سے چھوڑ دیا عنبر زمین پر گر پڑا گرتے ہی وہ پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا برفانی بھوت کی آنکھ سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا وہ پاگلوں کی طرح عنبر کو ڈھونڈنے لگا وہ زمین پر جھک کر اپنی ایک ہی آنکھ سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا عنبر نے موقع غنیمت جان کر ایک اور نوکیلا پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے اس کی دوسری آنکھ میں بھی گھونپ دیا برفانی بھوت نے ایک بھیانک چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں پکڑ لیں عنبر کو خیال آیا کہ اس کی کمر میں خنجر بھی ہے اس خنجر کی طرف اس کی نگاہ ہی نہیں پڑی تھی اس نے جلدی سے خنجر نکال لیا اور نیچے سے برفانی بھوت پر حملہ کر کے اس کی پنڈلی آدھی کاٹ دی۔

برفانی بھوت نے چیخ مار کر آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر اپنی پنڈلی پکڑ لی وہ زمین پر جھک گیا عنبر نے دوسری بار حملہ کیا تو برفانی بھوت نے

اسے اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال کر غصے میں چبانا شروع کر دیا اسے یوں لگا جیسے لوہے کی طرح سخت ہو گیا تھا کہ برفانی بھوت کے دانت درد کرنے لگے تھے اس دوران میں عنبر نے بھوت کے منہ کے اندر ہی خنجر نکال کر اس کے تالو پر زبردست وار کرنے شروع کر دیے تھے برفانی بھوت کے تالو سے خون کی دھاڑیں پھوٹ پڑیں۔ اس نے گھبرا کر عنبر کو منہ سے اگل دیا زمین پر گرتے ہی عنبر نے ایک بار پھر بھوت کی پنڈلی کو کاٹنا شروع کر دیا۔

اس نے درد سے غراتے ہوئے عنبر کو ایک بار پھر پکڑ کر اس کے جسم میں اپنے تیز نوکیلے دانت گاڑنے کی کوشش کی مگر اس دفعہ بھی اس کے خوف ناک تیز دانت لوہے کی چٹان سے ٹکرا کر رہ گئے اور وہ درد سے بلبلا اٹھا اس وقت تک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عنبر نے خنجر کا ایک بھرپور وار برفانی بھوت کی گردن پر کر دیا تھا خنجر سارے کا سارا

گردن میں گھس گیا اور اس کی شہ رگ کٹ گئی اور گاڑھا خون ایک نالے کی شکل میں بہنا شروع ہو گیا برفانی بھوت نے عنبر کو پوری طاقت سے زمین پر پٹخ دیا لیکن عنبر کا کچھ بھی نہ بگڑا وہ دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑی پھرتی سے برفانی بھوت کی پنڈلی کاٹنی شروع کر دی ....برفانی بھوت اب اس قدر زخمی ہو گیا تھا اور اس کے جسم سے اتنا خون نکل گیا تھا کہ اس نے لڑکھڑانا شروع کر دیا تھا۔

عنبر اسی طرح تازہ دم تھا۔ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا چنانچہ وہ خنجر سے بڑھ چڑھ کر وار پر وار کر رہا تھا غار میں ہر طرف خون ہی خون بکھر گیا تھا برفانی بھوت اندھا ہو چکا تھا وہ ہمہما کر زور سے ایک طرف گھوما تو اس کا سر بری طرح غار کی چھت کے نوکیلے پتھر سے ٹکرایا شاید اسی ایک چوٹ کی کمی رہ گئی تھی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا عنبر اس بھوت کے گرنے کا انتظار کر رہا تھا اس کے گرتے ہی وہ اس کے اوپر چڑھ گیا

اور اس نے خنجر سے اس کی دوسری شہ رگ بھی کاٹ دی وہاں سے بھی خون کا فوراہ اچھلا اور برفانی بھوت تڑپ کر چیختا ہوا اٹھ بیٹھا اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا اٹھا کر چھت پر اور فرش پر مارنے شروع کر دیئے سرنگ کے اندر ایک زلزلہ آ گیا عنبر ایک طرف کھڑے ہو کر یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

برفانی بھوت اپنی زندگی کے آخری سانسوں پر تھا اس نے زمین میں گڑے ہوئے پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر پھینک دیے تھے وہ اس طوفانی حرکتوں میں بار بار اپنا سر دیواروں سے ٹکرا رہا تھا اور لہولہان ہو رہا تھا اس کی بھیانک چیخوں سے غار گونج رہا تھا اس قیامت کے شور میں کیلاش کو بھی ہوش آ گیا تھا اور وہ شگاف کے منہ پر رکھی ہوئی پتھر کی سل کے پیچھے چھپ کر عنبر اور برفانی بھوت کے ہیبت ناک مقابلے کا تھر تھر کانپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ برفانی بھوت عنبر کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے گا لیکن اگر اس کی نظر کیلاش پر پڑ گئی تو وہ اس کا ملیدہ بنا کر رکھ دے گا یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو پوری طرح پتھروں کے پیچھے چھپایا ہوا تھا۔

برفانی بھوت اب نڈھال ہو چکا تھا عنبر اس کی گردن پر سوار خنجر سے اس کی گردن کاٹ رہا تھا بھوت کمزوری اور نقاہت کے ساتھ اپنا ہاتھ ادھر اُدھر مار رہا تھا دو ایک بار اس نے عنبر کو تھپڑ مار کر پرے گرا دیا عنبر پھر اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کی گردن پر خنجر چلانے لگا آخر عنبر نے اس کی گردن کاٹ کر الگ کر دی اور یوں ظلم کا خاتمہ کر دیا ایک ایسے برفانی درندے کو ہلاک کر دیا جس نے آج تک سینکڑوں انسانوں کو ہڑپ کر لیا تھا۔

برفانی بھوت کی موت کے بعد عنبر فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔ اس نے اٹھ کر شگاف کے پیچھے کیلاش کو دیکھا وہ سہما بیٹھا تھا اس نے اسے تسلی

دیتے ہوئے کہا۔

دوست۔ ہمارا دشمن مر چکا ہے آؤ چل کر اس کی لاش دیکھ لو۔

کیلاش نے پوچھا۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو عنبر؟

اپنی آنکھوں سے چل کر بھوت کی لاش کا نظارہ کر لو۔

کیلاش ڈرتا ڈرتا شگاف میں سے نکل کر عنبر کے ساتھ برفانی بھوت کی لاش پر آ گیا اس نے دیکھا کہ واقعی برفانی بھوت کی گردن اس کے دھڑ سے کٹی ہوئی الگ پڑی تھی زمین اس کے خون سے بھری ہوئی تھی۔

کیلاش نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے عظیم دوست اور عظیم طاقت ور انسان یہ تم ہی تھے جس نے اس برفانی بلا کو مارا اس نے آج تک نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو

موت کے گھاٹ اتارا ہوگا اور نہ جانے اگر یہ زندہ رہتا تو کتنے اور مظلوم انسانوں کو موت کی نیند سلاتا مگر تم نے بڑی بہادری سے کام لے کر اس خونی اور انسانوں کے قاتل کا خاتمہ کر کے ظلم کا خاتمہ کر دیا تمہاری جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

عنبر نے کیلاش نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

پیارے دوست میں نے یہ سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے اگر یہ برفانی بھوت تمہیں اٹھا کر نہ لے جاتا تو شاید مین کبھی اس طرف کا رخ نہ کرتا اور شاید میں بھی یہ وادی چھوڑ کر بھاگ جاتا کیوں کہ یہ خدا بھی نہیں چاہتا کہ انسان خواہ مخواہ اپنے آپ کو کسی مصیبت میں گرفتار کروادے لیکن اس برفانی بھوت کے ظلم کی انتہا ہوگئی تھی اب اس کو کسی نہ کسی کے ہاتھوں مرنا ہی تھا خدا کا شکر ہے کہ یہ میرے ہاتھوں قتل ہوا آؤ اب یہاں سے نکل چلیں اس موت کے غار سے جتنی جلدی ممکن ہو

سکے ہمیں باہر نکل جانا چاہیے۔

کیلاش نے کہا۔

لیکن سرنگ میں دریا کے پانی کا بہاؤ بے حد تیز ہے ہم اوپر کے رخ کیسے واپس جاسکیں گے۔؟

عنبر خود بھی اس بات سے پریشان تھا کہ وہ اوپر کے رخ کو اب نہ جا سکیں گے کیوں کہ ایک تو دریا کا بہاؤ بے حد تیز تھا.........دوسرے رسی بہت پیچھے رہ گئی تھی اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ یہ دریا سرنگ میں سے گزرتے ہوئے ضرور کسی نہ کسی جگہ نکلنا ہوگا۔ تو کیوں نہ دریا کے رخ پر چلا جائے جب اس نے کیلاش سے اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا۔

میرا اپنا بھی یہی خیال تھا ضرور یہ دریا کسی نہ کسی میدان میں آگے جا کر نکلتا ہوگا اگر ہم اوپر کے رخ کو گئے تو پانی کی تیز رفتار لہریں ہمیں

بھی بہا کر نیچے لے آئیں گی۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا تم دریا کے رخ پر بہہ سکو گے۔؟

کیلاش بولا۔

کیوں نہیں۔ اب میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔

کیلاش کو واقعی ہوش آ گیا تھا برفانی بھوت کی موت نے اس میں زندگی کی تازہ روح پھونک دی تھی وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا چنانچہ دونوں دریا میں اترنے کے لئے آگے بڑھے سیڑھیاں انہوں نے ایک ساتھ طے کیں پھر انہوں نے ایک رسی سے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ لیا اور خدا کا نام لے کر سرنگ میں بہتے ہوئے تیز رفتار بہاؤ میں اتر پڑے۔

پانی میں اترتے ہی لہروں نے ان کے پاؤں اٹھا دیے اور وہ لکڑی

کے ٹکڑوں کی طرح تیز رفتار موجود کے سہارے دریا میں آگے بہنے شروع ہو گئے دریا سرنگ میں کافی دور تک چلا گیا تھا آگے جا کر سرنگ میں گھپ اندھیرا چھا گیا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا عنبر اور کیلاش چونکہ رسی سے بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ ایک دوسرے کو محسوس کر رہے تھے وہ اپنے آپ پانی میں بہے جا رہے تھے پانی زیادہ گہرا نہیں تھا جس کی وجہ سے کیلاش ڈوبنے سے بچا رہا ورنہ اس کا ڈوب جانا یقینی تھا گھپ اندھیرے میں سرنگ بالکل نظر نہیں آ رہی تھی کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کو آواز دے لیتے تھے۔

اب انہیں پانی کا شور سنائی دینے لگا یوں لگتا تھا جیسے آگے جا کر کوئی آبشار آ رہا ہے عنبر ڈر گیا کہ اگر آبشار زیادہ بلند ہوا تو کیلاش نیچے پتھروں پر گر کر پاش پاش ہو جائے گا۔ اس نے کیلاش سے کہا کہ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کرے دور سے سرنگ میں ہلکی

ہلکی روشنی داخل ہونے لگی جس نے سرنگ کی چھت کو دھیما دھیما روشن کر دیا کچھ دیر بعد سرنگ میں دریا ایک طرف کو گھوم گیا گھومتے ہی وہ روشنی میں آ گئے یہ روشنی سرنگ میں آگے جا کر ایک شگاف میں سے آ رہی تھی۔

کٹے سر کی عورتیں

شگاف کے قریب پہنچ کر پانی کا شور زیادہ ہو گیا۔

روشنی سرنگ کے اندر دور تک جا رہی تھی عنبر کا خیال تھا کہ شاید یہ دریا باہر جا کر ایک آبشار کی صورت میں نیچے گر رہا ہے پھر اس نے سوچا اگر آبشار گر رہی ہوتی تو آواز اتنی زیادہ نہ آتی کیوں کہ آواز ہمیشہ اس جگہ سے پیدا ہوتی ہے جہاں آبشار گرتی ہے اس کا اندازہ درست نکلا پھر بھی اس نے کیلاش کو خبردار کر دیا کہ وہ اپنے بچاؤ کی فکر کر لے اور اگر دریا آبشار کی شکل میں نیچے گر رہا ہو تو وہ فوراً تیر کر ایک طرف جانے کی کوشش کرے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو سرنگ کے پتھروں کو پکڑ کر اوپر جانے کی کوشش کرے۔

اب وہ شگاف کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے عنبر نے آخری بار کیلاش کو خبر دار رہنے کی ہدایت کی اور پانی کا تیز ریلا اسے بہاتا ہوا سرنگ سے باہر لے گیا باہر کھلے آسمان کی روشنی میں آتے ہی ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں انہوں نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے چاروں طرف دیکھا یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ دریا آبشار بن کر نہیں گر رہا تھا بلکہ پہاڑ کے اوپر سے ایک آبشار دریا میں بڑے زور شور کے ساتھ گر رہی تھی اس آبشار کی زد سے بچتے ہوئے عنبر اور کیلاش ایک طرف ہو کر تیرنے لگے دریا سرنگ میں سے نکل کر اچانک ایک ایسی گھاٹی میں آ گیا تھا جس کی دونوں جانب اونچے اونچے پہاڑ تھے اور درمیان میں نیلا آسمان سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا دریا کا نیلا پانی جھاگ اڑاتا اس پہاڑی درے میں سے بڑی تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔

انہوں نے اپنے آپ کو لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جب وہ پہاڑی

درے سے باہر نکلے تو اونچی اونچی چٹانوں کی وادی میں آ گئے یہاں دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا تھا یہ جگہ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی کیلاش کے لئے بھی وہ جگہ اجنبی تھی حالاں کہ اس نے ساری زندگی اس علاقے میں ڈاکے مارے تھے اور لوگوں کو لوٹا تھا انہوں نے دریا کے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد وہ دریا میں سے باہر نکل آئے۔

کیلاش چور نے دریا اور ارد گرد کے پہاڑوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

ایسے لگتا ہے کہ ہم کسی جادو کی نگری میں آ گئے ہیں یہ جگہ تو میں نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھی حالاں کہ میری ساری زندگی اسی علاقے میں ڈاکے ڈالتے گزر گئی ہے۔

عنبر نے کہا۔

پہاڑ کے اندر ہی اندر سے ہو کر دریا ہمیں کسی دور دراز جگہ پر لے آیا

ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جگہ کون سی ہے اور ہم اپنے اصل مقام سے کتنی دور نکل آئے ہیں۔

کیلاش بولا۔

بھگوان جانے ہمارے گھوڑے کس جگہ رہ گئے ہیں۔

ارے تم گھوڑوں کو رو رہے ہو۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ہم یہاں سے دوبارہ اپنی منزل پر بھی پہنچ سکیں گے یا نہیں۔

کیلاش کہنے لگا۔

مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے میں تو یہاں سے کوئی پھلدار درخت تلاش کرتا ہوں۔

عنبر نے اسے روک دیا۔

خبردار۔ اکیلے یہاں کہیں مت جانا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

عنبر نے کیلاش کو ساتھ لیا اور دریا کنارے چلنے لگا یہاں کنارے

کنارے ایک گھنا پہاڑی جنگل تھا جو اوپر پہاڑ کی چوٹی تک چلا گیا تھا دور اوپر پہاڑ کی چوٹی پر انہیں ایک پرانی عمارت دکھائی دے رہی تھی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی پرانا گرجا گھر ہے یا کوئی پوجا کرنے والوں کا مندر ہے۔

میرا خیال ہے ہمیں جنگل کے اندر ہو کر چلنا چاہیے شاید وہاں کوئی پھلدار درخت مل جائے جس کا پھل کھا کر ہم اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکیں۔

کیلاش کے اس خیال پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے جنگل کے اندر جا کر ادھر اُدھر پھلدار درختوں کی تلاش شروع کر دی جنگل کافی گنجان تھا جیسا کہ اس علاقے میں انہوں نے جنگل دیکھے تھے وہ گھوم پھر رہے تھے کہ ایک جگہ انہیں آم کے درختوں کے جھنڈ نظر آئے فوراً وہاں پہنچ کر عنبر درخت کے اوپر چڑھ گیا اور اس نے پکے پکے آم نیچے

گرانے شروع کر دیے۔

یہ آم بہت میٹھے تھے انہوں نے پیٹ بھر کر کھائے اب پانی کی تلاش ہوئی پانی وہاں کہیں بھی نہیں تھا دریا سے وہ کافی فاصلے پر جنگل کے اندر آ گئے تھے واپس دریا پر جانے کی بجائے انہوں نے سوچا کہ جنگل میں ہی گھوم پھر کر کوئی چشمہ تلاش کیا جائے یا شاید کہیں کوئی ندی ہی مل جائے ایک جگہ انہیں پتھروں پر پانی کے بہنے کی آواز سنائی دی۔

کیلاش نے کہا۔

یہ آواز کسی چشمے کی ہے۔

ہاں چلو۔ اس چشمے پر چلتے ہیں۔

دونوں چشمے کی آواز پر چلنے لگے بانس اور نرسل کی جھاڑیوں سے گزر کر آخر وہ ایک چشمے پر پہنچ گئے یہ چشمہ اوپر سے بہتا چلا آ رہا تھا اور ایک چھوٹی سی شفاف ندی کی صورت میں نیچے وادی کی طرف بہہ رہا

تھا انہوں نے جھک کر پانی پیا اچانک کیلاش نے پانی میں غور سے دیکھا اور چیخ کر بولا۔

عنبر بھائی ادھر دیکھو۔

عنبر نے چونک کر اس طرف دیکھا تو حیران رہ گیا ندی میں سرخ سرخ لعل بہتے چلے آرہے تھے یہ لعل ایک بوند کی طرح تھے ایسے لگتا تھا جیسے خون کا قطرہ جم گیا ہو پہلے تو عنبر نے خیال کیا شاید یہ کسی زخمی بھینسے کے خون کی بوندیں ہیں جو جم گئیں ہیں لیکن جب اس نے ان جمی ہوئی بوندوں کو ہتھیلی پر رکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سرخ رنگ کے نایاب اور بہت ہی قیمتی لعل ہیں جو صرف اس دور کے بادشاہوں کے خزانوں میں ہی ہوتے تھے۔

کیلاش نے کہا۔

کمال ہے یہ لعل اس چشمے میں کہاں سے بہتے آرہے ہیں۔؟

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے یہ اوپر سے آ رہے ہیں یہ تو بڑے قیمتی لعل ہیں اوپر چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ لعل کہاں سے اور کیسے آ رہے ہیں؟

کیلاش نے خوش ہو کر کہا۔

اوپر ضرور ہیرے جواہرات کی کوئی کان ہے آؤ چل کر دیکھیں اگر یہ کان ہمارے ہاتھ آ گئی تو ہم دنیا کے سب سے زیادہ امیر آدمی بن سکتے ہیں۔

کیلاش چور محض اپنے لالچ کی وجہ سے یہ سب کچھ کہہ رہا تھا کیونکہ وہ ڈاکو تھا اور اس کی ساری زندگی چوریاں کرتے اور ڈاکے مارتے ہوئے گزری تھی اگرچہ اس نے توبہ کر لی تھی پھر بھی چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا قیمتی جواہرات اور لعل ندی میں بہتے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا عنبر تو محض یہ معلوم کرنے

کے لئے اوپر جانا چاہتا تھا کہ یہ لعل کہاں سے آرہے ہیں جب کہ کیلاش جواہرات کی کان پر قبضہ جمانے کے لئے اوپر جا رہا تھا۔ بہرحال دونوں نے ندی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا۔

یہ ندی کئی بل کھا کر اوپر کی طرف جا رہی تھی بلکہ اوپر کی طرف سے نیچے آرہی تھی اس کے کنارے دونوں جانب بانس کے گھنے درخت اگے ہوئے تھے جن کی لچک دار شاخیں ندی میں لہرا رہی تھیں قیمتی سرک رنگ کے لعل اور نگینے برابر ہر لہر کے ساتھ اوپر سے نیچے کی طرف بہے چلے آرہے تھے ندی نے کئی بل کھائے کبھی وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں آجاتی اور کبھی سیدھی ڈھلان پر آبنوس اور مہاگنی کے درختوں میں نکل آتی عنبر اور کیلاش چلتے چلتے تھک گئے۔

وہ سانس لینے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئے عنبر نے چاروں طرف اور پھر

اوپر کی طرف دیکھا اوپر سرد کے درختوں کے بیچ میں سے پرانے زنگ خوردہ مندر کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور شکستہ برجیاں اب صاف دکھائی دینے لگی تھیں یہ کوئی بڑی ہی پراسرار جگہ معلوم ہوتی تھی کیلاش ایک بار پھر خوف کھانے لگا اس نے پرانے مندر کی طرف نگاہ ڈال کر کہا۔

بھائی مجھے تو یہ کوئی جنوں بھوتوں کا مسکن معلوم ہوتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

تم ہی تو کہہ رہے تھے کہ وہاں ضرور جواہرات کی کان ہے۔

کیلاش بولا۔

بھائی میں باز آیا ایسی جواہرات کی کان سے میری مانو یہیں سے واپس چلے چلتے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی نئی مصیبت میں پھنس جائیں ابھی بڑی مشکل سے ایک بلا سے چھٹکارا حاصل ہوا ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

اب تو ایسا نہیں ہو سکتا اب تو میں یہ معلوم کر کے ہی رہوں گا کہ یہ سرخ لعل اور نگینے اوپر کہاں سے آرہے ہیں؟ اگر وہاں کوئی جواہرات کی کان ہے تو اس کا بھی کھوج لگائیں گے اور اگر کوئی اس میں گہرا راز ہے تو اس راز کو بھی معلوم کریں گے۔

کیلاش ڈرتے ڈرتے مگر اوپر سے بہادر بنتے ہوئے بولا۔

ہاں ہاں۔ کوئی بات نہیں اگر تم کہتے ہو تو ہم ضرور یہ راز معلوم کریں گے۔

عنبر نے اس سے شرارت کرتے ہوئے کہا۔

میرا تو خیال ہے کہ تم اکیلے ہی اوپر جا کر اس راز پر سے پردہ اٹھاؤ میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔

کیلاش نے ہڑبڑا کر کہا۔

بھگوان کے لئے ایسا نہ کرنا عنبر بھائی میں تو اکیلا مارا جاؤں گا کیا خبر

وہاں کوئی جن بھوت مجھے ہڑپ کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہو نہ بھائی نہ ہم دونوں اکٹھے چلیں گے۔

عنبر ہنستے ہوئے بولا۔

اچھا بھائی ہم دونوں ہی چلیں گے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم اتنی جلدی ڈر کیوں جاتے ہو؟ مرد کو تو کبھی نہیں خوف کھانا چاہیے۔

کیلاش کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔

بھائی کیا بتاؤں بس برے کام کرتے کرتے دل میں ایک خوف سا بیٹھ گیا ہے اب ہر کام میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتا ہوں اگر چوریاں نہ کرتا ہوتا تو آج میرا دل بھی تمہاری طرح بہادر ہوتا چور تو ایک کھٹکے سے بھی کانپ جاتا ہے سنا نہیں کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے اس کا مطلب ہی یہی ہے کہ چور کو ذرا کھٹکا ہوا اور وہ فوراً بھاگ گیا عنبر نے کہا۔

کیلاش بھائی۔ بات تم نے سولہ آنے سچی کہی ہے کاش تم شروع ہی سے ایک ایماندار نوجوان ہوتے اور چوری چکاری نہ کیا کرتے پھر تمہارا دل بھی شیر کا دل ہوتا اور تم کسی سے خوف نہ کھایا کرتے مگر خیر اب اگر تم دل سے توبہ کرلو تو خدا تمہیں معاف کر دے گا اور تمہارے دل کا خوف ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گا۔

کیلاش بولا۔

بھائی میں نے سچے دل سے برے کاموں سے توبہ کرلی ہے مگر دل پھر بھی ڈرتا رہتا ہے دعا کرو کہ میں بھی تمہاری طرح کا بہادر نوجوان بن جاؤں۔

عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

خالی دعا سے کچھ نہیں ہوا کرتا کیلاش ہاں انسان کو دعا کے ساتھ ساتھ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ وہ اپنے اندر سے بری عادتوں کی جڑ اکھاڑ

کر پھینک دے کیوں کہ خدا صرف ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

کیلاش نے سرد آہ بھر کر کہا۔

کاش، بچپن میں میں بری صحبت میں نہ پڑ جاتا۔ اگر بچپن میں میری دوستی اچھے اچھے ایماندار اور لائق بچوں سے ہو جاتی تو آج میں بھی ایک نیک اور جرات مند بہادر نوجوان ہوتا۔

عنبر نے کیلاش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اچھا اٹھو۔ اب اوپر چلتے ہیں ورنہ ہمیں اس جگہ شام ہو جائے گی۔

کیلاش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

مگر یار۔ ہمارے گھوڑے کہاں ہیں؟ کس جگہ ہیں؟

عنبر بولا۔

اس کا پتا بعد میں کریں گے پہلے تو چل کر یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ قیمتی

لعل و جواہرات اور سرخ نگینے اوپر کس جگہ سے بہہ کر آ رہے ہیں۔

اچھا بھائی چلو۔

اس گفتگو کے بعد دونوں دوست اٹھے اور انہوں نے ایک بار پھر ندی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف سفر شروع کر دیا۔

سورج نے مغرب کی طرف جھکنا شروع کر دیا تھا جنگل میں دھوپ کا رنگ سنہری ہو رہا تھا مگر ابھی دن کی روشنی پوری شان کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی ندی اب بار بار موڑ مڑتی ہوئی اوپر جا رہی تھی وہ پہلے سے چھوٹی ہو گئی تھی اور اس کا پانی بھی شفاف ہو گیا تھا اس کی تہہ میں بیٹھے ہوئے نیلے پتھر اور اس کی لہروں پر تیرتے ہوئے جواہرات اور سرخ نگینے سے زیادہ صاف دکھائی دینے لگے تھے۔

ایک موڑ گھوم کر انہوں نے دیکھا کہ شکستہ برجیوں والا مندر ان سے ذرا فاصلے پر اور ٹیلوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی دیواروں پر سے

پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ چکا تھا برجیاں ٹوٹ چکی تھیں انہیں مندر کا بڑا دروازہ نظر آیا جو بند تھا اور جس کے اوپر ایک طاق میں جانوروں نے گھونسلہ بنا رکھا تھا ایک گدھ ٹوٹی ہوئی برجی کے اوپر بیٹھی تھی کیلاش تو سہم گیا اور بولا۔

ضرور اس جگہ بھوت رہتے ہیں۔

خاموش۔

عنبر نے کیلاش کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور ندی کے ساتھ ساتھ چلتا ایک بہت ہی بڑے گنجان درخت کے پاس آ گیا چشمہ اسی درخت کے نیچے سے پھوٹ کر بہہ رہا تھا عنبر اور کیلاش اس درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے اچانک کیلاش کی خوف کے مارے چیخ نکل گئی عنبر نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

مرد بنو کیلاش۔ یہ کیا حماقت ہے۔

کیلاش نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

اوپر..............اوپر دیکھو۔

عنبر نے اوپر دیکھا تو ایک بار تو اس کے پاؤں تلے کی بھی زمین کھسک گئی اوپر درخت کی شاخوں میں چھ بڑی ہی خوب صورت اور لمبے لمبے سنہری بالوں والی عورتوں کے کٹے ہوئے سر ٹنگے تھے جن کی گردنوں سے خون کے لال لال قطرے ٹپک کر چشمے کے پانی میں گر رہے تھے یہ خون کی بوندیں پانی میں گرتے ہی لعل اور سرخ نگینے بن جاتی تھیں۔

عنبر نے دیکھا عورتوں کی آنکھیں کھلی تھیں اور ہونٹ بند تھے ان کے چہروں پر موت کی زردی نہیں تھی بلکہ یوں لگتا تھا کہ وہ زندہ ہیں اور ابھی عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں گی عنبر چشمے پر جھک گیا خون کی بوندیں ٹپاٹپ چشمے کے پانی میں گر رہی تھیں اور گرتے ہی لعل بن

جاتی تھیں عنبر نے ایک لعل کو اٹھا کر دیکھا وہ سخت چمکیلا تھا عنبر نے عورتوں کے ٹنگے ہوئے سروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے بدنصیب عورتوں تمہارے ساتھ کس نے ظلم کیا کیا تم اس راز سے پردہ نہیں اٹھاؤ گی۔؟

آسیبی بارہ دری

عنبر کی آواز پر سر کٹی عورتوں نے کچھ نہ کہا۔

کیلاش اس کے پاس ہی سہما ہوا کھڑا تھا عنبر نے دوسری بار اپنے سوال کو دہرایا تو عورتوں کے کٹے ہوئے سروں نے ایک آہ بھری اور ان کے ہونٹ پھر خاموش ہو گئے کیلاش نے عنبر سے کہا کہ انہیں وہاں سے چل دینا چاہیے کہیں وہ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں لیکن عنبر کو تو مصیبتوں میں پھنس کر ہی مزہ آتا تھا اس نے کہا۔

کیلاش میں یہ راز معلوم کر کے ہی رہوں گا اگر تم ڈر رہے ہو تو بے شک تمہیں اجازت ہے کہ میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ میں تم سے کوئی گلہ نہ کروں گا۔

کیلاش بولا۔

اچھا بھائی تمہاری مرضی کرلو راز معلوم۔

عنبر نے اپنا سوال کئی بار دہرایا مگر سر کٹی عورتوں نے کوئی حرکت نہ کی دو ایک بار صرف انہوں نے ٹھنڈی آہیں بھریں اور پھر خاموش ہو گئیں درختوں پر لٹکے ہوئے خون ٹپکاتے سروں سے ایک دہشت ناک منظر پیدا ہو گیا تھا عنبر نے خیال ظاہر کیا کہ انہیں مندر کے اندر چلنا ہو گا کیلاش نے پہلے تو آسیب زدہ مندر میں جانے کی مخالفت کی پھر وہ بھی تیار ہو گیا۔

سوال یہ تھا کہ مندر کے اندر کس طرح داخل ہوا جائے اس کا دیمک خوردہ دروازہ اس طرح بند تھا کہ اس کی دہلیز مٹی میں چھپ گئی تھی اوپر کی جانب جنگلی بیلوں نے اسے ڈھانپ رکھا تھا دیوار بہت اونچی تھی اور اس کا گارا چونا جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا عنبر نے کیلاش کو ساتھ لیا

اور قلعے کی فصیل کے ساتھ ساتھ چل پڑا انہیں امید تھی کہ کہیں نہ کہیں سے انہیں اندر جانے کا راستہ مل جائے گا دیوار کے ساتھ ساتھ ایک کھائی تھی جو خشک ہو چکی تھی اور جس کے اندر کانٹے دار جھاڑیوں کے جھنڈوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے یہاں گلہریاں اور دوسرے کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے۔

انہیں فصیل کے ساتھ آتا دیکھ کر برجی پر بیٹھی ہوئی گدھ پروں کو تھپر تھپرا کر اڑ گئی کیلاش نے عنبر سے کہا۔

معلوم ہوتا ہے اس گدھ نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور اب وہ باقی گدھوں کو ہمارے بارے میں اطلاع کرنے گئی ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر ساری گدھیں آ کر تمہیں اٹھا کر لے جائیں گی یار تم اتنا ڈرتے کیوں ہو آخر میں بھی تو انسان ہوں نوجوان ہوں اور تمہارے ساتھ

ساتھ چل رہا ہوں۔

کیلاش بولا۔

مگر جناب عالی آپ میں اور مجھ میں بڑا فرق ہے یعنی آپ کو خواہ بھوت ہڑپ ہی کیوں نہ کر لے آپ مریں گے نہیں اور ہم تو ایک پتھر لگنے سے مر سکتے ہیں۔

انہیں اچانک ایک چیخ کی آواز سنائی دی وہ اسی جگہ رک کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے یہ آواز کسی عورت کی چیخ کی آواز تھی اور قلعے کے اندر سے آتی تھی مگر وہاں کوئی راستہ ایسا نہ تھا کہ جس سے وہ اندر داخل ہو سکتے کیلاش ڈر کر عنبر کے پیچھے ہو گیا تھا عنبر کے ہوشیار آنکھیں ارد گرد پھیلی ہوئی ہر ایک شے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں قلعے کی فصیل کے اوپر سے کوئی پرندہ پھڑ پھڑا کر اڑ گیا یہ پرندہ گدھ سے بڑا تھا اور اس کی چونچ طوطے کی طرح تھی وہ بڑی تیزی سے اڑ کر گیا تھا

عنبر نے حیرانی سے اس پرندے کو دیکھا اور کیلاش سے کہا۔ یہ پرندہ کس قسم کا تھا فصیل سے اڑا اور اڑتے ہی غائب ہو گیا۔۔

کیلاش بولا۔

مجھے تو یہ کوئی چھلاوہ معلوم ہوتا ہے۔

یار تم ہر شے کو بھوت پریت بنا دیتے ہو ٹھہرو مجھے غور کرنے دو۔

عنبر نے دماغ پر زور دے کر سوچا کہ اس نے پرندے کو پہلے کہاں دیکھا تھا پھر یک لخت اسے یاد آ گیا کہ اس پرندے کو اس نے مصر کے فرعون کے دربار میں دیکھا تھا اس پرندے کا نام راع تھا اور وہ فرعون کا اپنا درباری نشان تھا مگر سوال یہ تھا کہ دو ہزار برس کے بعد یہ شاہی پرندہ وہاں اچانک کیسے آ گیا۔؟

کیلاش یہ فرعون کا شاہی پرندہ راع تھا۔

کیلاش نے پوچھا۔

تمہیں کیسے معلوم ہوا۔؟

میں نے اسے دیکھا ہے۔

کہاں؟

عنبر کو اچانک خیال آیا کہ اس نے کیلاش سے کیا کہہ دیا ہے وہ اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے اس نے بات کو پلٹتے ہوئے کہا کہ اس نے راع کو دو تین برس پہلے ایک عجائب گھر میں دیکھا تھا جہاں فرعون کے تہ خانے میں اس کا ایک بت رکھا ہوا تھا۔

کیلاش نے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ پرندہ اس پرانے دیمک خوردہ محل میں کیسے آگیا؟

یہ تو شاہی پرندہ ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے اس کی تو نسل بھی غائب ہو چکی ہے۔

عنبر نے کہا۔

نسل تو ضرور غائب ہو چکی ہے مگر ہو سکتا ہے اس ایک ہی پرندے کو جادو کے زور سے زندہ رکھا گیا ہو؟

کیلاش نے کہا۔

جس طرح جادو کے زور سے تمہیں زندہ کر دیا گیا ہے۔

عنبر بولا۔

ہاں بالکل ایسے ہی سوال اب یہ ہے کہ اس محل کے اندر یہ پرندہ کس نے پال رکھا ہے۔؟

کیلاش کہنے لگا۔

بھائی اس کا جواب تو محل کے اندر جانے سے ہی ملے گا۔

عنبر آگے آگے اور کیلاش پیچھے پیچھے .... وہ محل قلعے یا اس پراسرار مندر کی دیوار کے گرداگرد گھوم پھر کر کوئی ایسا مقام تلاش کرنے

کی کوشش کر رہے تھے جہاں سے وہ اس آسیب زدہ عمارت کے اندر داخل ہو سکیں آخر ایک جگہ انہیں دیوار میں سے بہت سی اینٹیں اکھڑی ہوئی دکھائی دیں عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہم یہاں سے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔

دونوں نے مل کر دیوار کی باقی اینٹیں بھی اکھاڑنا شروع کر دیں تھوڑی سی کوشش کے بعد انہوں نے دیوار میں چھوٹا سا شگاف پیدا کر لیا کچھ اور اینٹیں اکھاڑنے کے بعد یہ سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ وہ اس میں سے رینگ کر عمارت کے اندر داخل ہو گئے سب سے پہلی شے جو انہوں نے اندر جاتے ہی محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہاں کہ ہوا باہر کی ہوا سے کچھ مختلف تھی اندر کی ہوا میں کچھ ایسی بو رچی ہوئی تھی جیسی بو کہ فرعون کے مقبروں کے اندر ہوا کرتی ہے عنبر اس بو سے خوب واقف تھا اس کے سامنے ایک زمین کا ٹکڑا تھا جہاں باہر ہی کی طرح کانٹے دار جھاڑیاں

سفید عقاب

عنبر ایک قافلے کے ساتھ جب ویران کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے تو عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ عورت کون تھی۔ شہزادی ہیلن کا اغوا کس نے کروایا۔ اور سپارٹا کیسے فتح ہوا۔ اور غدار وزیر کس طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

ابھی پڑھیے “اردو رسالہ” پر

اگی ہوئی تھیں دور ایک بارہ دری تھی جس کی دو منزلیں تھیں دونوں منزلوں کی کھڑکیاں بند تھیں اور دور سے اس پر کسی بھوت کا گمان ہوتا تھا۔

کیلاش نے کہا۔

عنبر بھائی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہاں پرانے بادشاہوں کی روحیں رہتی ہیں۔

عنبر نے بارہ دری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ابھی چل کر معلوم کر لیتے ہیں مگر تمہیں بھوتوں اور روحوں سے ڈرنا نہین ہوگا کیوں کہ روحیں اور بھوت ایک طاقت ور اور نیک انسان کو کبھی کچھ نہیں کہتے۔

وہ ٹوٹی ہوئی برجیوں والی بارہ دری کی طرف چل پڑے۔

ان کے قدم جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیوں میں الجھ رہے تھے جب بارہ

دری کے پاس پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ بارہ دری کے دروازے کو بھی جنگلی بیلوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور اس کی دہلیز بھی آدھی زمین میں دھنسی ہوئی تھی ایک دم سے کیلاش ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

خبر دار عنبر۔

ایک لمبی سسکار کے ساتھ ایک کوڑیوں والا سبز اور زرد سانپ اپنا پھن پھیلا کر ان دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا کیلاش کے ماتھے پر خوف کے مارے پسینہ آ گیا وہ عنبر کے پیچھے کھڑا تھا عنبر نے سانپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا وہ سانپ کے ساتھ ذرا تفریح کرنا چاہتا تھا سانپ بھی عنبر کو گھورنے لگا دونوں میں سے کوئی بھی اپنی پلکیں نہیں جھپک رہا تھا سانپ مسلسل عنبر کو دیکھے جا رہا تھا مگر عنبر اور اس کی آنکھوں کے جادو کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا سانپ محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کے سامنے کوئی معمولی طاقت کا انسان نہیں کھڑا۔

کیلاش بولا۔

بھائی اگر تمہیں اپنا خیال نہیں تو کم از کم کیلاش کی زندگی کا تو خیال کرو۔

اگر اس نے مجھے کاٹ لیا تو میں ایک پل کے اندر تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا میں اس سانپ سے واقف ہوں یہ اس علاقے کا سب سے زہریلا سانپ ہے۔

عنبر مسکرایا۔

یار گھبراؤ نہیں اگر یہ سب سے زہریلا ہے تو میں بھی بڑا زہریلا انسان ہوں اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی زہر کو کامیابی ملتی ہے۔

کیلاش بولا۔

لیکن تم کیا کرو گے؟

عنبر کہنے لگا۔

تم دیکھتے جاؤ۔

عنبر قدم قدم سانپ کی طرف بڑھنے لگا سانپ نے جب دیکھا کہ اس کی طرف اس کا دشمن بڑھ رہا ہے تو وہ پھن کو غصے میں لہرانے لگا ایک بار تو اس نے اس زور سے پھنکار ماری کہ درختوں پر سے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے کیلاش وہیں درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا رہا عنبر نے ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا جیسے اس سے ہاتھ ملانا چاہتا ہو سانپ نے سمجھا کہ دشمن اس پر وار کر رہا ہے سانپ نے لپک کر عنبر کی ہتھیلی پر ڈس دیا سانپ اور کیلاش دونوں ہی سمجھ رہے تھے کہ ابھی عنبر دھڑام سے زمین پر گرے گا اور اس کے ناک منہ سے خون جاری ہو جائے گا لیکن اس کے الٹ عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑا مسکراتا رہا اور سانپ کی طرف دیکھتا رہا سانپ کو بہت طیش آیا اس نے ایک اور پھنکار ماری اور دوسری بار عنبر کے ہاتھ پر ڈس لیا یہ خاص قسم کا زہریلا سانپ تھا اور ہمیشہ آدمی کو دو بار ڈستا تھا دوسری بار ڈسنے پر

کیلاش کی چیخ نکل گئی۔

عنبر بھگوان کے لئے آگے سے ہٹ جاؤ یہ زہر تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

عنبر نے کیلاش کو کوئی جواب نہ دیا وہ خاموش نگاہوں سے سانپ کو گھورتا اور قدم قدم اس کی طرف بڑھتا رہا ایسے لگتا تھا کہ وہ سانپ سے کھیل رہا ہے یا سانپ کی بے بسی کا تماشہ کر رہا ہے آخر عنبر نے لپک کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا سانپ نے پھرتی سے عنبر کے بازو کے گرد کئی بل ڈال دیے لیکن عنبر کو ذرا بھی درد محسوس نہ ہوا اس نے دوسرے ہاتھ سے بڑے آرام سے سانپ کے سارے بل کھول دیے اور اس کا منہ کھول کر اس کے دانتوں کو غور سے دیکھا۔

کیلاش تم سچ کہتے تھے یہ ایک بہت ہی زہریلا سانپ ہے دیکھو اس کی زہر کی تھیلی کتنی بڑی ہے اور تم میرا فکر نہ کیا کرو مجھے ایسے ہزاروں

سانپ ڈس چکے ہیں۔ مجھے کبھی کچھ نہیں ہوا۔

کیلاش بھی عنبر کے قریب آ کر سانپ کے دانتوں کو تکنے لگا جو اندر سے تالو کی طرف مڑے ہوئے تھے۔

عنبر واقعی تم امر ہو غیر فانی ہو۔

عنبر بولا۔

نہیں کیلاش۔ ایسا نہ کہو۔ میں غیر فانی نہیں ہوں غیر فانی صرف اللہ کی ذات ہے ہاں ابھی مجھے موت نہیں آئے گی اگر مجھ پر سے یہ جادو اٹھا لیا گیا تو میں ایک دم بوڑھا ہو کر مر جاؤں گا۔

کیلاش نے دیکھا کہ عنبر کی ہتھیلی پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں سے زہر پانی بن کر باہر کو نکل رہا تھا عنبر نے گھاس پر ہتھیلی رگڑ کر زہر پونچھ دیا جہاں عنبر نے زہر کو پونچھا وہاں سے گھاس جل کر سیاہ ہو گئی عنبر نے سانپ کو چھوڑ دیا اور بولا۔

اب یہ دس روز تک کسی کو نہ ڈس سکے گا۔

کیلاش بولا۔

بھائی اسے چھوڑ کیوں دیا؟ یہ کسی اور کو ہلاک کر دے گا۔

کیلاش نے آگے بڑھ کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا اور زمین پر اس کی رکھ کر اوپر پاؤں کے دباؤ سے کچل دی سانپ مر گیا۔

دشمن کو کبھی اس قابل نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہ دوسری بار بھی حملہ کر سکے

عنبر نے ہنس کر کہا۔

پیارے اگر اس میں زہر ہوتا تو تم کبھی اتنی جرائت نہ کرتے ظاہر ہے میں اپنی زندگی خطرے میں ڈال نہیں سکتا کیونکہ میں تو کسی معمولی سے حادثے میں بھی ہلاک ہو سکتا ہوں اور پھر یہ سانپ تو اس علاقے کا بے حد زہریلا سانپ ہے۔

کیلاش نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

میرا خیال ہے اب ہمیں بارہ دری میں جانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے وہ کیوں؟ عنبر نے پوچھا۔

بھائی بارہ دری کے باہر اس قدر زہریلے سانپ رینگ رہے ہیں تو اندر کیا کیا بلائیں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔

عنبر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

میاں زندگی نام ہی خطروں کا مقابلہ کرنے کا ہے اگر انسان گھر میں بند ہو کر بیٹھ جائے تو وہ دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اچھا بھائی چلو ہزار بار چلو۔ لیکن خدا کے لئے مجھ سے الگ مت ہونا۔

وہ بارہ دری کے قریب آ گئے یہاں بھی اندر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا

اچانک کیلاش نے سہم کر کہا۔

وہ دیکھو عنبر۔

عنبر نے دیکھا کہ بارہ دری کی دوسری منزل میں چھ کھڑکیاں تھیں جو

سب کی سب بند تھیں ان میں سے ہر کھڑکی پر ایک ایک عورت کا کٹا ہوا سر لٹک رہا تھا یہ وہی سر تھے جو باہر درخت پر ٹنگے ہوئے تھے پھر انہیں فضا میں ٹھنڈی آہیں بھرنے کی سرگوشیاں سنائی دیں کیلاش تو دبک کر عنبر کے پیچھے ہو گیا عنبر نے ایک ایک سر کو غور سے دیکھا ان سب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ہونٹ بند تھے چہرے پر وہی موت کی زردی چھائی ہوئی تھی دیکھتے دیکھتے سارے سر غائب ہو گئے۔ عنبر نے دیکھا کہ کھڑکیاں اسی طرح بند تھیں اور سر کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔

یہ سارا کام ان روحوں کا ہے جن کے یہ کٹے ہوئے سر ہیں خیال ہے کہ ان عورتوں کو اسی بارہ دری میں قتل کر دیا گیا تھا۔ کیلاش کہنے لگا۔

لیکن ان کے سروں سے ٹپکنے والا خون لعل کیسے بن رہا ہے؟

یہی راز معلوم کرنے تو ہم اندر جا رہے ہیں۔

اندر جارہے ہیں۔؟ کیلاش نے ہکلا کر کہا۔

ہاں اندر۔

اور عنبر نے ایک دروازے کو زور سے دبایا وہ ذرا سا چرچرایا، پھر اس نے کیلاش کے ساتھ دروازے کو زور لگا کر اندر کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا دروازے کا ایک پٹ اکھڑ کر اندر گر گیا انہیں سامنے نیم روشنی میں ایک ڈیوڑھی دکھائی دی وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ چھ سات چمگاڈریں چیختی چلاتی ان کے سروں کے اوپر سے غوطہ لگا کر گزر گئیں۔

کیلاش سمٹ کر رہ گیا۔

چھلاشیں

ڈیوڑھی سے گزر کر ایک دالان آ گیا۔

دالان کا فرش اکھڑا ہوا تھا اور اس پر گرد جمی تھی دالان کے دائیں بائیں ایک برآمدہ تھا جس میں کمروں کے دروازے بند تھے عنبر اور کیلاش برآمدے میں جا کر دروازوں کو ٹٹولنے لگے ایک دروازہ ذرا سا دھکا لگنے سے کھل گیا یہاں سیڑھیاں نیچے اتر گئی تھیں۔

کیلاش نے کہا۔

بھائی یہاں مت اترنا خدا جانے نیچے کیا ہو مجھے تو بے حد ڈر لگ رہا ہے۔

عنبر نے کیلاش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

کیلاش، اس کے بعد کبھی خوف کی بات نہ کرنا جب تک تم میرے ساتھ ہو تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں میں ہر حالت میں تمہاری جان کی حفاظت کروں گا آؤ میرے ساتھ نیچے۔

وہ سیڑھیاں اترنے لگے سیڑھیوں میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا دیواروں پر نمی سی جمی ہوئی تھی کافی سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گئے یہاں اس قدر اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا تھا عنبر نے کیلاش سے کہا کہ وہ مشعل کو روشن کرے انہوں نے چھوٹی چھوٹی مشعلیں اپنے جھولے میں ساتھ رکھی ہوئی تھیں کیلاش نے پتھر رگڑ کر ایک مشعل روشن کر دی مشعل کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ وہ دونوں ایک ایسے نم آلود کمرے میں کھڑے تھے جس کی چھت اونچی تھی اور فرش پر جگہ جگہ مٹی کے ڈھیر پڑے تھے خدا جانے یہ مٹی کہاں سے آ گئی تھی وہاں کھلی فضا میں فرعونوں کے مقبروں کی بڑی تیز بو پھیلی ہوئی تھی

کیلاش زندگی میں پہلی بار اس بو کو سونگھ رہا تھا اس نے ناک سیکڑ کر کہا۔

ایسے لگتا ہے کہ یہاں بہت سے مردے دفن ہوئے ہیں قبرستانوں کی بو آرہی ہے یہاں سے۔

عنبر مشعل کی روشنی میں آگے چلا وہ قدم قدم بڑھ رہا تھا کیلاش اس کے داہنی جانب تھا انہیں ذرا آگے جا کر ایک دروازہ ملا جو تھوڑا سا کھلا ہوا تھا عنبر نے اس کے پٹ کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا یہاں بھی سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں گویا تہہ خانے کے اندر ایک اور تہہ خانہ بنا ہوا تھا کیلاش دل کے اندر تو بے حد خوف زدہ تھا مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ عنبر نے اسے سختی سے ڈانٹا تھا عنبر نے کہا۔

مشعل مجھے دے دو تم میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

عنبر کو معلوم تھا کہ کیلاش ڈر رہا ہوگا مشعل اپنے ہاتھ میں لے کر عنبر تہہ خانے کے اندر والے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا یہ سیڑھیاں

گول چکر دار تھیں دیوار میں سوراخ تھے جن کے اندر سے کسی پرندے کے پھڑ پھڑانے کی آواز آ رہی تھی خدا جانے وہ کون سے پرندے تھے اور وہاں کیسے آ گئے تھے جہاں سیڑھیاں ختم ہوئیں وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ آ گیا جس کی چھت نیچی تھی اور دیواروں سے پانی رس رہا تھا کیلاش نے ہاتھ سے دیوار کی طرف اشارہ کیا وہاں چھ صندوق دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے عنبر صندوقوں کے پاس آ گیا۔

ان صندوقوں کو تالے نہیں لگے تھے عنبر نے کیلاش کی طرف دیکھا اور ایک صندوق کا ڈھکنا کھول دیا اس میں ایک عورت کی لاش پڑی تھی جس کا سر غائب تھا کیلاش کا دل خوف اور دہشت سے زور زور سے دھڑکنے لگا عنبر نے آگے بڑھ کر دوسرا صندوق کھولا تو اس میں بھی ایک عورت کی لاش پڑی تھی اس کا بھی سر غائب تھا.......... ایک ایک کر کے انہوں نے چھ کے چھ صندوق کھول دیے ان سب میں

ایک ایک سر کٹی عورت کی لاش پڑی تھی ان عورتوں کے کپڑے بڑے شاہانہ تھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ امیر عورتیں ہیں یا شاید کسی ریاست کی شہزادیاں تھیں۔

عنبر نے کہا۔

کیلاش مجھے یقین ہے کہ یہ ان ہی سروں کے دھڑ ہیں جو باہر درخت پر لٹکا دیے گئے ہیں۔

کیلاش بولا۔

معلوم تو یہی ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان کو کس نے قتل کر دیا اور پھر یہ لاشیں ابھی تک گلی سڑی کیوں نہیں؟

عنبر کہنے لگا۔

یہی میں بھی حیران ہوں بہر حال ابھی معلوم کیے دیتے ہیں عنبر نے جھک کر ایک لاش کے جسم کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ کھٹاک کی آواز کے

ساتھ ان کے پیچھے لوہے کا موٹی موٹی سلاخوں والا دروازہ گر پڑا اور وہ اس چھوٹے سے تہہ خانے میں قید ہو کر رہ گئے کیوں کہ سیڑھیوں کو اوپر جانے والا راستہ بند ہو گیا تھا۔

مارے گئے عنبر اب کیا ہو گا؟ یہاں تو ہماری آواز بھی کسی تک نہیں پہنچ سکتی۔

عنبر نے صندوق کے ڈھکنے بند کر دیے اور سلاخوں والے دروازے کے پاس آ کر اسے زور زور سے جھنجھوڑنے لگا جیسے اس کے جھنجھوڑنے سے دروازہ ٹوٹ جائے گا دروازے کی سلاخیں بے حد مضبوط اور موٹی تھیں عنبر انہیں ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا کیلاش زمین پر مشعل رکھ کر بیٹھ گیا۔

بھائی اور راز معلوم کر لو بارہ دری کے بس اب میں تو مر جاؤں گا اور تم قیامت کے دن تک یہاں بیٹھ کر آرام کرنا۔

عنبر نے اسے جھڑک کر کہا۔

کیلاش تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اتنی جلدی بد دل کیوں ہو جاتے ہو اگر تمہیں خوف لگتا ہی ہے تو کم از کم دوسروں کو تو خوفزدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔

کیلاش کندھے جھکا کر خاموش ہو گیا عنبر نے مشعل دیوار گیر کے سوراخ میں اٹکا دی اور کیلاش کے پاس ہی زمین پر بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ یہ دروازہ اپنے آپ کس طرح گر پڑا اس نے ایک بار پھر اٹھ کر اوپر اس جگہ دیکھا جہاں سے دروازہ گرا تھا وہاں کسی قسم کا کوئی سوراخ نہ تھا وہ بڑا حیران ہوا کہ لڑکی کی لاش سے دروازے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

میرا خیال ہے ہمیں دوسری لاشوں کو بھی ہاتھ لگا کر دیکھنا چاہیے ہو سکتا ہے کسی دوسری لاش کو چھونے سے یہ دروازہ اپنے آپ اوپر کو اٹھ

جائے۔

عنبر نے دوبارہ چھ کے چھ صندوق کھول دیے ایک ایک کر کے تمام لاشوں کے ٹھنڈے جسموں کو ہاتھ لگانے ہی والا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ صندوق سارے کے سارے خالی پڑے ہیں لاشیں غائب ہو چکی ہیں وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گیا کیلاش نے بھی جھک کر خالی صندوقوں کو دیکھا اور بے چین ہو کر کہنے لگا۔

ابھی تو لاشیں صندوق کے اندر تھیں پھر یہ کہاں اپنے آپ ہی غائب ہو گئیں۔

یہی تو میں بھی حیران ہوں کیلاش زمین پر بیٹھ گیا۔

برے پھنسے بھائی عنبر اب یہاں سے چھٹکارا ہوتا نظر نہیں آتا اب تو ساری زندگی اسی کوٹھڑی میں بسر ہو گی تم یہاں قید رہو گے اور میں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔

عنبر کیلاش کی باتیں نہیں سن رہا تھا وہ کان لگائے کوئی اور آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا یہ آواز دیوار کے دوسری طرف سے آ رہی تھی اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کیلاش کو چپ کرایا اور دیوار کے ساتھ کان لگا دیے کیلاش نے بھی اپنا کان دیوار کے ساتھ لگا دیا دوسری طرف سے اس قسم کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی اپنی ایک ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا دور سے چلا آ رہا ہو آواز ذرا فاصلے پر سے آ رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

یہ آواز سن رہے ہو کیلاش؟

کیلاش نے سرگوشی میں کہا۔

ہاں سن رہا ہوں۔ کوئی شخص دور سے چلا آ رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

وہ لنگڑا معلوم ہوتا ہے ایک ٹانگ بڑی مشکل سے گھسیٹ رہا ہے۔

کیلاش بولا۔

مجھے تو کوئی بھوت معلوم ہوتا ہے عنبر۔

خاموش۔

عنبر نے کیلاش کو خاموش کرا دیا آواز قریب آ گئی تھی اب کسی کے زور زور سے سانس لینے کی آواز بھی آنے لگی تھی پھر جیسے کسی نے کسی صندوق کے ڈھکن کو زور سے کھولا اور کا ڈھکنا جیسے فرش پر گر پڑا اچھر ایک عورت کی بھیانک چیخ فضا میں گونج گئی کیلاش کانپ گیا عنبر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا پہلی چیخ کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ عورتوں کی باری باری چیخیں بلند ہوئیں اور پھر ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

کیلاش نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

یہ کیا ہو رہا ہے اس کمرے میں عنبر؟

عنبر بولا۔

معلوم ہوتا ہے کسی نے چھ عورتوں کو باری باری قتل کر دیا ہے۔

چھ عورتوں کو؟ مگر چھ عورتیں تو اس سے پہلے بھی قتل کر دی گئی تھیں جن کے سر باہر درخت پر لٹک رہے ہیں۔

عنبر نے کہا

ہاں ایسا لگتا ہے کہ اس واقعے کو ایک بار پھر دہرایا جا رہا ہے۔

ایک بار پھر دہرایا جا رہا ہے کیلاش نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

تمہارا مطلب ہے قتل کی ہوئی عورتوں کو ایک بار پھر قتل کیا جا رہا ہے۔

خاموش۔

اب وہی پاؤں گھسیٹ کر چلنے کی آواز ان سیڑھیوں کی طرف سے آ رہی تھی جن کے آگے لوہے کی موٹی سلاخوں والا دروازہ چڑھا ہوا تھا عنبر لپک کر سلاخوں کے پاس آ گیا کیلاش سامنے والی دیوار کے ساتھ ہی لگا کھڑا رہا سیڑھیوں میں اوپر تک اندھیرا تھا خدا جانے کس طرف

سے بہت ہی ہلکی ہلکی روشنی کا غبار سا اوپر کی طرف پھیلا ہوا تھا قدموں کی بھاری بھاری گھسٹتی آواز اوپر سیڑھیوں کے پاس آ کر رک گئی کیلاش نے اپنا سانس روک لیا عنبر سلاخوں سے ہٹ کر کیلاش کے پاس اندھیرے میں آ کر چھپ گیا اس کا خیال تھا کہ شاید اسے دیکھ کر کوئی رک گیا ہے وہ چاہتا تھا کہ جو کوئی بھی ہے وہ اس کے سامنے آئے تاکہ معاملہ کھل جائے

اب پھر قدموں کی آواز آنے لگی کوئی آہستہ آہستہ پاؤں رکھتا سیڑھیاں اتر رہا تھا دونوں چپ چاپ کھڑے دیوار کے ساتھ لگے رہے پھر انہیں سیڑھیوں پر دو پاؤں دکھائی دیے یہ پاؤں لمبے لمبے تھے اور اس پر بال ہی بال اگے ہوئے تھے پھر اچانک ایک خوفناک چہرے والا انچا لمبا آدمی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اس کی ایک آنکھ بیٹھی ہوئی تھی اور دوسری آنکھ کا ڈیلا باہر کو نکلا ہوا تھا اس

کے دو دانت بھی باہر جھانک رہے تھے اس بلا کے ہاتھ میں ایک لمبی تلوار تھی جس پر سے سرخ سرخ خون کے قطرے ٹپک رہے تھے

کیلاش تو لرز کر رہ گیا۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

تم اندھیرے میں چھپے رہنا خبردار یہاں سے نکل کر روشنی میں مت آنا۔

کیلاش بولا۔

تم کہاں جا رہے ہو؟

ابھی تمہارے پاس ہی کھڑا ہوں۔

اس بلا نے دروازے پر پورے زور سے ہاتھ مارا دروازہ کھل گیا وہ خوف ناک آدمی کچھ دیر دہلیز میں کھڑا رہا اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اس کی شکل دیکھ کر وحشت ہوتی تھی پھر وہ ایک پاؤں کو

گھسیٹتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا اور سیدھا اس طرف آیا جدھر خالی صندوق پڑے تھے اس نے خالی صندوقوں کو جھک کر دیکھا اور واپس پاؤں گھسیٹتا اوپر چلا گیا۔

عنبر نے کہا۔

معلوم ہوا ہے کہ اسے ہماری موجودگی کا احساس نہیں ہوا دروازہ کھلا ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

ابھی وہ بھاگنے کی سوچ رہی رہے تھے کہ وہی خوف ناک چہرے والا بھوت پھر نمودار ہوا اس دفعہ اس کے کندھوں پر دو عورتوں کی لاشیں لٹک رہی تھیں نیچے آ کر اس نے دونوں لاشیں صندوقوں میں رکھیں اور پھر اوپر چلا گیا اوپر سے دوسری بار وہ چار عورتوں کی لاشیں کندھوں پر ڈال کر لایا اور ایک ایک کر کے اس نے چاروں لاشوں کو بھی خالی صندوقوں میں ڈال کر اوپر سے ڈھکنے بند کر دیے اس کا سانس پھولا

ہوا تھا اور وہ ہانپ رہا تھا کیلاش نے سوچا کہ انہیں اب وہاں سے بھاگ جانا چاہیے کیونکہ تہہ خانے کا دروازہ کھلا تھا اس نے عنبر کے ہاتھ کو ذرا سا دبایا اور دروازے کی طرف جانے کے لئے حرکت ہی کی تھی کہ اس کے پاؤں کی آہٹ سے وہ بھوت ایک دم چونک پڑا اس نے بجلی ایسی تیزی سے گردن گھما کر اس طرف دیکھا جہاں عنبر اور کیلاش کھڑے تھے لیکن چونکہ وہ اندھیرے میں کھڑے تھے اس لئے بھوت انہیں نہ دیکھ سکا پھر بھی اسے احساس ہو گیا تھا کہ تہہ خانے میں کوئی دوسرا انسان بھی موجود ہے اس نے تلوار ہوا میں بلند کی اور پاؤں کو گھسیٹتا عنبر کی جانب آگے بڑھنے لگا عنبر نے کیلاش کا ہاتھ تھاما وہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے وہ اندھیرے میں کافی آگے سرک کر صندوق کے پیچھے چھپ گئے..............اس خوف ناک بلا نے بغیر دیکھے بھالے دیوار پر زور زور سے تلوار چلانی شروع کر دی

پھر اس نے جھک کر دیکھا زمین پر کچھ بھی نہیں تھا وہ مڑا اور صندوق کی طرف آ گیا۔

ایسا لگتا تھا کہ اس بلا نے عنبر اور کیلاش کو دیکھ لیا ہے اس نے تلوار کا سیدھا وار کیلاش پر کیا اگر عنبر راستے میں آ کر اس کی تلوار کا وار نہ روکتا تو کیلاش ضرور مر گیا ہوتا عنبر نے خالی صندوق اٹھا کر بلا پر دے مارا بلا بے قابو ہو کر عنبر پر ٹوٹ پڑی اندھیرے میں ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی کیلاش پرے ہٹ کر چھپ گیا عنبر نے بلا کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اس سے پہلے بلا نے عنبر کے سر پر پوری طاقت سے تلوار ماری کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی تلوار یوں اچٹ گئی جیسے کسی پتھر پر لگی ہو بلا نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عنبر نے ایسے مہلک وار سے اپنے آپ کو بچا لیا ہے۔

اس موقع پر عنبر نے بلا کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور سیدھا وار اس

کے پیٹ پر کیا تلوار ایک بار اس کے پیٹ میں گھس کر باہر نکل آئی عنبر نے اپنے ہاتھ پر گرم گرم خون محسوس کیا بلا کے منہ سے ایک خوف ناک چیخ نکلی اس نے صندوق اٹھا کر لاش سمیت عنبر کے اوپر پھینک دیا عنبر کے سر پر لگ کر صندوق دو ٹکڑے ہو گیا اور لاش فرش پر گر پڑی عنبر نے تلوار کا وار کر کے بلا کا ایک گھٹنا کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ گر پڑا عنبر نے دوسرا وار اس کی گردن پر کیا بلا کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔

اس کے ساتھ ہی سارے تہہ خانے پر ایک زلزلہ سا آ گیا اندر روشنی سی ہوئی اور پھر چاروں طرف اندھیرا اور خاموشی چھا گئی عنبر نے کیلاش کو مشعل جلانے کے لئے کہا۔

کیلاش نے مشعل روشن کی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں ایک لاش بھی نہیں تھی سارے کے سارے صندوق خالی تھے تہہ خانے کی سیڑھیوں پر گرا ہوا لوہے کا جنگلا اوپر اٹھ چکا تھا وہ تیزی سے سیڑھیاں

چڑھ کر اوپر آ گئے پہلے تہہ خانے کے کمرے میں اسی طرح مٹی کے ڈھیر پڑے تھے وہ دوسرے تہہ خانے سے بھی باہر نکل آئے اب وہ پہلی منزل کے برآمدے میں تھے سورج غروب ہو رہا تھا دھوپ کا رنگ سنہرا پڑ گیا تھا دوسری منزل کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔

عنبر اور کیلاش دوسری منزل پر آ گئے یہاں انہوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا فرش پر قالین بچھا تھا اور وہاں چھ خوب صورت عورتیں زرق برق لباس میں ملبوس اس پر بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے عنبر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو ادب سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور جھک کر سلام کیا عنبر نے انہیں سلام کا جواب دیا اور پوچھا۔

تم کس مخلوق سے تعلق رکھتی ہو۔؟

نیلی چڑیل

چھ عورتوں میں سے ایک عورت نے کہا۔

اے بہادر انسان ہم ملک کوہ قاف کے ایک بادشاہ کی چھ بیٹیاں ہیں ہمیں یہ جن اٹھا کر لے آیا تھا اس نے جادو کے زور سے ہمیں قتل کر کے ہماری گردنیں اس بارہ دری کے باہر لٹکا دیں اور ہمارے دھڑ تہہ خانے کے صندوقوں میں رکھ دیے یہ خوف ناک ظالم جن ہر روز شام کو آتا ہمیں پھر سے زندہ کرتا اور دوبارہ قتل کر کے ہماری لاشیں اٹھا کر صندوقوں میں لے جا کر بند کر دیتا ہم بے بس تھیں جن کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں جن آدھی رات کو ہمیں پھر زندہ کرتا اور اس سجے سجائے کمرے میں بلا کر ہمیں رقص کرنے پر مجبور کرتا اس کے بعد وہ پھر

ہمیں قتل کر دیتا ہم نے تمہیں بارہ دری کے احاطے میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر ہم کچھ نہ کہہ سکتی تھیں ہماری زبان بند کر دی گئی تھی اب جب کہ تم نے بہادری سے کام لے کر جن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قتل کر دیا ہے تو ہم پھر سے انسان کی شکل میں آ گئی ہیں اور پھر سے زندہ ہو گئی ہیں۔

عنبر نے ان کی کہانی سنی تو بولا۔

اے نیک بہنو۔ تم سچی ہو۔ تمہاری کہانی سچی ہے مگر سوال یہ ہے کہ اب تم اپنے ملک اور اپنے باپ کے محل میں کس طرح سے جاؤ گی۔

بڑی بہن نے کہا۔

بہادر اور عظیم بھائی یہ ظالم ہمیں ایک اڑن کھٹولے پر بٹھا کر یہاں لایا تھا اور اڑن کھٹولا اس بارہ دری کی چھت پر رکھا ہوا ہے اگر ہم اس پر سوار ہو کر اسے حکم کریں کہ ہمیں کوہ قاف کے ملک میں لے چل تو وہ

ہمیں وہاں پہنچا دے گا۔

کیلاش نے پوچھا۔

اگر وہ تم لوگوں کو کسی اور جگہ لے گیا تو؟

بڑی بہن بولی۔

نہیں بھائی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اڑن کھٹولے کو جو کہا جائے وہ اسی حکم پابند ہوتا ہے وہ اپنے مالک کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

چھ کی چھ بہنیں اٹھیں اور عنبر اور کیلاش کو لے کر اوپر بارہ دری کی دوسری منزل والی چھت پر آ گئیں وہاں لکڑی کا ایک گول سا اڑن کھٹولا پڑا تھا جس کے اندر سات آٹھ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی عنبر دو اڑھائی ہزار برس کی عمر میں پہلی مرتبہ اس قسم کی کوئی چیز دیکھ رہا تھا چھ کی چھ عورتیں اڑن کھٹولے کے اندر لکڑی کے فرش پر بیٹھ گئیں انہوں نے ایک بار پھر باری باری جھک کر عنبر اور کیلاش کو سلام کیا بڑی بہن نے

کہا۔

اے نیک دل بھائی ہمارا باپ ملک کوہ قاف کا بادشاہ ہے اگر تم ہمارے ملک میں آؤ تو ہمارا باپ تم سے مل کر بہت خوش ہوگا اور ہمیں بھی بے حد خوشی ہوگی۔

عنبر نے کہا۔

میں وعدہ نہیں کرتا بہن۔ لیکن اگر کوہ قاف کے ملک کی طرف ہمارا گزر ہوا تو میں تمہارے باپ سے ملاقات کرنے ضرور آؤں گا کیا تم اکیلی اس اڑن کھٹولے میں اپنے گھر تک چلی جاؤ گی۔

کیوں نہیں بھائی بڑی بہن نے مسکرا کر کہا ہم تمہارے سامنے اس اڑن کھٹولے کو لے کر اڑئیں گی اور اپنی منزل کی طرف رواں ہو جائیں گی۔

اور ایسا ہی ہوا بڑی بہن نے بلند آواز میں اڑن کھٹولے سے کہہ دیا کہ

اسے اور اس کی بہنوں کو لے کر وہ ملک کوہ قاف کی طرف چل پڑے اس حکم کے ساتھ ہی اڑن کھٹولے میں حرکت پیدا ہوئی اور چھت پر سے اٹھنا شروع ہو گیا ایک منزل اوپر اٹھ کر اس نے ہوا میں ہی ایک طرف اڑنا شروع کر دیا عنبر اور کیلاش اس اڑن کھٹولے کو اڑتا دیکھ کر حیران رہ گئے تھوڑی دیر بعد اڑن کھٹولا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

عنبر نے حیرانی سے کیلاش سے کہا۔

کیسی عجیب و غریب شے تھی یہ بھی۔

کیلاش بولا۔

ہاں بھائی، سچ جانو تو مجھے تو یہ عورتیں بھی کوئی جادوگرنیاں معلوم ہو رہی تھیں۔

ہو سکتا ہے انہوں نے جادو کے زور سے ایسا کیا ہو بہر حال ٹھیک ہے

ہمیں یہاں سے باہر نکل کر جنگل میں چلے جانا چاہیے کیوں کہ ہوسکتا ہے یہاں رات کو پھر سے جن بھوتوں کا بسیرا ہو جاتا ہے۔

دونوں دوست اس بارہ دری سے باہر نکل آئے جب وہ خاردار جھاڑیوں والے میدان کو عبور کر کے چاردیواری سے باہر آئے تو انہوں سامنے چشمے کے اوپر والے درخت پر سے عورتوں کی کٹی ہوئی لاشیں غائب تھیں یہ سب کچھ انہیں جادو کا کرشمہ محسوس ہوا وہ دونوں ساتھ ساتھ نیچے کی طرف روانہ ہوگئے عنبر اس آسیبی بارہ دری سے دور کسی مقام پر جا کر رات بسر کرنا چاہتا تھا۔

چلتے چلتے جب انہیں رات ہوگئی تو وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں ندی کے پاس ایک قطعے پر گھاس بہت کم اگی ہوئی تھی۔..........

انہوں نے اسی مقام پر رات بسر کرنے کا فیصلہ کر کے زمین پر چادریں بچھائیں اور لیٹ گئے عنبر نے جنگلی پھل توڑے اور جو انہوں

نے مل کر کھائے اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پی کر سونے کی تیاریاں کرنے لگے وہ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے لیٹتے ہی انہیں نیند نے آلیا وہ سو گئے جنگل میں رات چھا گئی چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل چکا تھا خاموشی اتنی گہری تھی کہ کہیں کسی پرندے کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی عنبر یہی سوچ کر سویا تھا کہ نہ جانے اس کی بہن ماریا کس حال میں ہوگی اور اس کے دوست ناگ کی لاش والا صندوقچہ کہاں اور کس کے پاس پڑا ہوگا۔

اچانک سوتے سوتے اس کی آنکھ کھل گئی اسے کسی جانور کی آواز سنائی دی وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ وہ آواز کس جانور کی تھی اس نے جنگل کی خاموشی پر کان لگا دیے اس کے پاس ہی کیلاش گہری نیند سو رہا تھا اس نے کیلاش کو جگانا مناسب خیال نہ کیا جنگل میں وہی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی یہ آواز کسی درندے کی تھی یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ درندہ کون

سا ہے نہ تو یہ آواز شیر کی تھی اور نہ ہاتھی کی آواز قریب سے نہ سنائی دے رہی تھی۔

عنبر ہوشیار ہو کر اٹھ بیٹھا اور درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا اس نے تلوار نکال کر ہاتھ میں تھام لی کہ اگر خطرہ آ جائے تو وہ اس کا بہادری سے مقابلہ کر سکے آواز بند ہو گئی وہ کتنی ہی دیر کھڑا رہا آواز دوبارہ سنائی نہ دی تنگ آ کر وہ بستر پر لیٹنے ہی والا تھا کہ اسے کسی جانور کے جھاڑیوں میں سے ایک طرف بھاگ کر جانے کی آہٹ محسوس ہوئی عنبر نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھاڑیوں کی طرف دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا پھر اسے کسی عورت کا قہقہہ سنائی دیا وہ چونکا۔ اس کے بعد کسی بچے کے رونے کی آواز آئی تھوڑی دیر بعد پھر درندے کی گرج سنائی دی اب کیلاش بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

عنبر نے اسے بھی اپنے پاس بلا لیا اور خاموش رہنے کی ہدایت کی وہ

ایک درخت کے تنے کے پیچھے چھپے ہوئے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت جس کے بال اس کے سر پر کانٹوں کی طرح کھڑے ہیں کان لمبے ہیں آنکھیں نیلی ہیں زبان باہر لٹک رہی ہے گلے میں سانپوں کی مالا ہے اور ہاتھ میں کسی جانور کا کٹا ہوا سر پکڑا ہوا ہے اس طرف آ رہی ہے جہاں ان کے بستر بچھے تھے کیلاش تو اس چڑیل کو دیکھ کر ڈر گیا۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

خبر دار۔ آواز مت نکالنا۔

دیکھتے رہو۔ یہ چڑیل کیا کرتی ہے۔

لمبی زبان والی چڑیل نے جب دیکھا کہ دونوں بستروں پر کوئی انسان نہیں ہے تو وہ غصے میں آ گئی اور ادھر اُدھر تکنے لگی اس نے بستروں کو اپنے تیز ناخنوں سے چیر ڈالا اور اپنی ناک اوپر اٹھا کر جنگل میں انسانوں کی بو سونگھنے لگی کیلاش نے تو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا وہ یہ

دہشت ناک منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس وقت چاند نکل آیا تھا اور اس کی ہلکی روشنی جنگل میں پھیل رہی تھی اس روشنی میں چڑیل کی بھیانک شکل اور بھی ڈراؤنی ہوگئی تھی۔

چڑیل نے اس درخت کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا جہاں عنبر اور کیلاش چھپے ہوئے تھے درخت کے قریب آ کر وہ ایک مکروہ قہقہہ لگا کر ہنسی اور پھر اس نے زور سے درخت کے تنے پر ہاتھ مارا۔ اس کے پنجے میں اتنی طاقت تھی کہ گھنے درخت پر بھونچال سا آ گیا........

درخت سر سے لے کر پاؤں تک لرز اٹھا اور اس کی شاخوں پر سوئے ہوئے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔ اب سوچنے کا وقت گزر گیا تھا۔ اگر عنبر اور دیر تک انتظار کرتا تو چڑیل کم از کم کیلاش پر ضرور حملہ کر دیتی اور چڑیل کے حملے سے کیلاش کا بچ نکلنا محال بات تھی۔

عنبر تلوار لے کر چڑیل کے مقابلے پر باہر نکل آیا اس نے کیلاش کے

کان میں سرگوشی کر کے اسے خبردار کر دیا تھا کہ ہرگز وہاں سے ملنے کی کوشش نہ کرے چڑیل نے جب اپنے سامنے ایک نوجوان کو تلوار ہاتھ میں لیے کھڑے دیکھا تو وہ خوشی اور مذاق سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اس کے خیال میں شکار اپنے آپ باہر آ گیا تھا اور اسے کوئی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی تھی یہ چڑیل اس جنگل کی چڑیل تھی اور چاندنی راتوں میں اپنے شکار کی تلاش میں نکلتی تھی وہ اب تک سینکڑوں مظلوم انسانوں کو کھا کر ہضم کر چکی تھی بے چارے مسافر راتوں کو تھک ہار کر سو رہے ہوتے اور یہ ان پر سوتے میں ٹوٹ پڑتی ایک ہی جھٹکے سے ان کی گردن کا منکہ توڑ دیتی اور انہیں ہضم کر جاتی۔ چڑیل بڑی خوش تھی کہ اسے آج ایک نوجوان شکار کھانے کو مل رہا ہے اسے کیا خبر تھی کہ جس نوجوان کو وہ اپنا لذیز شکار سمجھ بیٹھی تھی وہ اس کی موت ہے عنبر تلوار ہاتھ میں لیے اپنی جگہ پر خاموش کھڑا چڑیل کو گھور کر

دیکھ رہا تھا چڑیل نے بھی اس پر ٹکٹکی باندھ لی اس کا خیال تھا کہ چڑیل کی آنکھوں کی وہ تاب نہ لا سکے گا کیونکہ ہمیشہ ایسا ہوا تھا کہ انسان چڑیل کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور وہ بڑی آسانی سے انہیں اپنا تر نوالہ بنا لیتی تھی چڑیل کچھ پریشان سی ہوئی کہ یہ کیسا انسان ہے کہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھور رہا تھا۔

اب اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور عنبر کی طرف دیکھ کر ایک بھیانک چیخ ماری اس چیخ نے ایک بار تو سارے جنگل کو تھرا کر رکھ دیا اس میں دہشت اور دل کو دہلا دینے والی کڑک تھی۔

.........کیلاش تو خوف زدہ ہو کر وہیں درخت کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا لیکن عنبر پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا وہ اسی طرح چڑیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ڈٹا رہا اب چڑیل نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نڈر اور بے خوف انسان کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھائے گی چنانچہ اس نے آگے

بڑھ کر اپنا لمبے لمبے ناخنوں والا پنجہ عنبر کے کندھے پر مارا مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

عنبر نے تلوار اپنے سامنے کر لی اور چڑیل کی گردن پر اس کی نوک رکھ دی وہ تلوار گھونپنے ہی والا تھا کہ چڑیل تڑپ کر پرے ہٹ گئی اس نے ایک بار پھر عنبر پر حملہ کیا اب کے اس نے عنبر کی گردن اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کوئی سخت پتھر اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے وہ جتنا اس کی گردن کو دباتی پتھر اس کے ہاتھوں میں اور چبھ جاتا اس دوران میں عنبر نے پھرتی سے کام لے کر تلوار چڑیل کے سینے میں پوری کی پوری گھونپ دی چڑیل نے ایک چیخ ماری اس چیخ میں موت کا درد اور دہشت تھی اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں عنبر نے تلوار باہر کھینچ کر ایک بار پھر اس کے سینے میں گھونپ دی۔

چڑیل دھم سے زمین پر گری اور تڑپنے لگی اس کے جسم سے سیاہ رنگ کا خون بہنے لگا دیکھتے دیکھتے وہ ٹھنڈی ہوگئی اور اس کا مردہ جسم لومڑی کی شکل میں تبدیل ہوگیا اس کے بعد وہاں ایک بلی دکھائی دی جو مری پڑی تھی اب کیلاش بھی درخت کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

شاباش۔ عنبر تم بڑے بہادر ہو میں بھی نہیں ڈرا مگر میں نے کہا کہ تم ہی اسے قتل کرو تو اچھا ہے آؤ اب اس چڑیل کی لاش کو زمین میں دبا دیں۔

انہوں نے اسے تلوار سے زمین میں ایک گڑھا کھودا اور بلی کی لاش کو اس میں دبا کر اوپر مٹی ڈال دی اس کام سے فارغ ہوکر وہ گھاس پر لیٹ گئے عنبر بے حد تھک گیا تھا کیلاش بھی تھکا ہوا تھا رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی چاند مغرب کی طرف جھکنے لگا اور اس کی روشنی پھیکی پڑتی جارہی تھی۔

کیلاش بولا۔

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس وقت اس خوف ناک بھوتوں کے جنگل سے کوچ کر جانا چاہیے کیا خبر آس پاس کوئی اس چڑیل کی بہن چھپی بیٹھی ہو۔

عنبر نے کہا۔

کوئی بات نہیں اگر اسے آنا ہے تو وہ بھی آ جائے اس کا بھی حشر یہی ہو گا۔

کیلاش بولا۔

لیکن یہاں سے کوچ کرنے میں کیا حرج ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

میں بہت تھک گیا ہوں باقی رات ہمیں اس جگہ آرام کرنا چاہیے صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی چل پڑیں گے۔

کیلاش نے کہا۔

بھائی رات کون سی باقی رہ گئی ہے بمشکل ایک پہر رہ گیا ہے کوئی دم میں صبح ہونے والی ہے میرا تو خیال ہے کہ یہاں سے چل دینا ہی اچھا ہے۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

یار کیلاش تم بہت ڈرپوک ہو آدمی کو اتنا بھی ڈرپوک نہیں ہونا چاہیے ہم رات کا باقی حصہ آرام کریں گے۔

عنبر کے اس فیصلے کے سامنے کیلاش کچھ نہیں کر سکتا تھا مجبوراً وہ چادر اوڑھ کر سو گیا عنبر بھی گھاس پر لیٹ کر اونگھنے لگا رات گزرتی چلی گئی چاند درختوں کے نیچے نیچے مغرب میں اتر گیا مشرق کی طرف سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی نمودار ہونا شروع ہو گئی دونوں بے خبر سوئے ہوئے تھے جب انہیں جاگ آئی تو دن کافی نکل آیا تھا درختوں میں سے

دھوپ چھن چھن کر ان پر پڑ رہی تھی۔

سب سے پہلے عنبر کی آنکھ کھلی اس نے کیلاش کو جگایا کیلاش ہڑبڑا کر اٹھا اور بولا۔

کون ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

اٹھو میاں بہادر۔ دن چڑھ آیا ہے۔

عنبر جنگل سے کچھ پھل توڑ کر لے آیا انہوں نے چشمے پر منہ ہاتھ دھو کر پھل کھائے پانی پیا اور واپس اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

تیسرے پہر وہ ٹھیک اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہوں نے ندی میں لعل اور سرخ نگینے دیکھ کر اوپر کا سفر شروع کیا تھا اب ندی میں کوئی بھی لعل یا نگینہ نہیں بہہ رہا تھا جو لعل ندی کی تہہ میں پڑے تھے وہ پتھر بن چکے تھے کیلاش نے کچھ نگینے اپنی جیب میں چھپا رکھے تھے اس نے جلدی

سے انہیں باہر نکالا تو یہ دیکھ کر اپنا سر پکڑ کر رہ گیا کہ سارے کے سارے سرخ نگینے سیاہ پتھروں میں تبدیل ہو گئے تھے اس لئے کہ یہ سارا جادو کا کھیل تھا جن کے ہلاک ہوتے ہی نگینے بھی پتھر بن گئے۔

عنبر نے سورج کے حساب سے مشرق کی طرف رخ کر لیا اور پہاڑیوں گھاٹیوں میں چلنے لگے اسے سب سے زیادہ اس بات کی پریشانی تھی کہ کہیں وہ اپنی اصل راہ سے بھٹک تو نہیں گئے کیونکہ سرنگ والے دریا نے خدا جانے انہیں کس علاقے میں لا کر چھوڑ دیا تھا یہ جگہ ان کی جانی پہچانی بھی نہیں تھی۔

کیلاش نے عنبر سے پوچھا۔

بھائی تم اس علاقے میں پہلے بھی کبھی آئے ہو؟

عنبر نے جواب دیا۔

یہ علاقہ میرے لئے بھی بالکل اجنبی ہے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دونوں ایک انجانے راستے پر سفر کر رہے تھے۔

ان کی منزل پہاڑی کنچن چنگا کی ترائی میں جھیل نندن سر تھی مگر وہ اپنی منزل سے بھٹک گئے تھے وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھے کہ وہ کس راستے پر جا رہے ہیں۔

سفر کرتے کرتے انہیں ایک بار پھر رات آ گئی۔

جس دریا کو انہوں نے سرنگ کے ذریعے پار کیا تھا وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا گھنے جنگلوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا تھا اب ان کے سامنے گھاٹیوں اور گھاس کے ڈھلانی میدان تھے دور برف پوش پہاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں عنبر کا خیال تھا کہ شاید وہی کنچن چنگا کی پہاڑیاں ہیں لیکن اس کے دل میں شک بھی تھا۔

رات کا اندھیرا اچھل گیا تو وہ ایک جگہ رک گئے پیدل چل چل کر ان

کے پاؤں شل ہو گئے تھے وہ گھاس پر لیٹ گئے تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کی وجہ سے وہ خاموش آنکھیں بند کیے پڑے تھے کہ انہیں ایک بوڑھا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

عنبر نے بوڑھے کو دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔

۱۔ یہ پراسرار بوڑھا کون تھا؟

۲۔ عنبر کن حالات میں کنچن چنگا کی پہاڑی پر پہنچا؟

۳۔ اس کی ماریا سے کیسے ملاقات ہوئی؟

۴۔ کیا ناگ زندہ ہو سکا؟

۵۔ یہ سب کچھ آپ اسی ناول کی اگلی یعنی اکیسویں 21 قسط ناگ زندہ ہو گیا میں ملاحظہ فرمائیے۔

ختم شد

سر کٹا بھوت

عنبر اور ناگ نے ماریا کو کیسے نکالا اور پھر کس طرف لے گئے ۔ راجہ سنگرام نے ماریا سے شادی کرلی یا ماریا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی ۔ ماریا گووند کے پاس کیسے پہنچی ؟ گووند نے ماریا کو کہاں قید کرر کھا تھا؟

ابھی پڑھیے "اردو رسالہ" پر

عنبر ناگ ماریا (21)

ناگ زندہ

اے حمید

فہرست

۱۔ بدروح کی موت

۲۔ اژدہا کا غار

۳۔ شاہی قیدی

۴۔ اُلٹا لٹکا دو

۵۔ کیلاش کا اغوا

۶۔ قتل کا تماشا

۷۔ غیبی تیر

۸۔ ملک چین کا سفر

۹۔ سنگم کی بستی

۱۰۔ ناگ زندہ ہو گیا

ناگ زندہ

سنو پیارے بچو۔

پچھلے ناول میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کیلاش اور عنبر بارہ دری کے جن کو قتل کر کے جھیل نندن سر کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

ایک جنگل میں وہ رک گئے رات ہو گئی آدھی رات کو انہوں نے ایک آواز سنی عنبر نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کسی انسان کا سایہ نظر آ رہا ہے جو جھکا ہوا ہے اسے خیال آیا کہ ماریا بھی اپنے ساتھ خالی گھوڑا لیے جھیل کی طرف آ رہی ہے اس نے ڈاکو کو قتل کر دیا ہے۔ جس کی لاش جھونپڑی میں پڑی ہے جھیل کے پاس ناگ دیوتا کے مندر میں جاتے ہی صندوق میں بند ناگ کی لاش زندہ ہو جاتی ہے۔

بدروح کی موت

عنبر نے کیلاش کا ہاتھ دبایا۔

وہ اس بوڑھے کی طرف اشارہ کر رہا تھا شام کے اندھیرے میں پہاڑی ڈھلان پر بوڑھا زمین پر جھکا کچھ تلاش کرتا چلا آ رہا تھا جیسے اسے کسی خاص قسم کی جڑی بوٹی کی تلاش ہو جب بوڑھا ان کے قریب سے گزرا تو اس نے عنبر اور کیلاش کو گھاس پر بیٹھے دیکھا وہ رکنے کی بجائے آگے بڑھنے لگا تو عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور جنگل میں شام کے وقت کیا تلاش کر رہا ہے؟ بوڑھا رک گیا عنبر نے دیکھا کہ بوڑھے کے چہرے پر غم کے سائے تھے وہ بڑا دکھی معلوم ہو رہا تھا اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر بتایا کہ گھر میں اس کا اکلوتا بیٹا سرسام کے مرض میں بیمار ہے حکیم اس کا علاج کرکے مایوس ہو چکے ہیں ایک

حکیم نے کہا ہے کہ اگر وہ ایک خاص سنہری پتوں والی بوٹی جنگل سے تلاش کر کے لے آئے تو اس کے بچے کی جان بچ سکتی ہے ثمر نے پوچھا۔

وہ حکیم کون ہے۔؟

بوڑھے نے بتایا کہ وہ اس علاقے کے جادوگر حکیم ہے وہ جادو بھی کر لیتا ہے اور حکیمی بھی کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ لڑکے پر کسی بھوت نے سایہ کر رکھا ہے جادوگر حکیم نے میری ساری کمائی لے لی ہے مگر بچہ ابھی تک صحت مند نہیں ہوا۔

وہ مرنے والا ہے آخری سانس لے رہا ہے مجھ سے اس کی حالت نہیں دیکھی جاتی اس کی ماں بار بار اپنے بچے کی حالت دیکھ کر بے ہوش ہو رہی ہے۔

ثمر کی پرانی حکیمی نے جوش مارا شروع میں تو اس نے بیماروں

کے علاج کا کام ہی شروع کیا تھا دوسرے اسے بوڑھے باپ پر ترس بھی آیا اور اس جادوگر حکیم پر غصہ بھی آیا جس نے بے چارے بوڑھے کی ساری کمائی ہتھیالی تھی اس نے کیلاش سے کہا۔

دیکھو کیلاش، جادوگر حکیم نے اس بے چارے بڈھے کو بیوقوف بنا رکھا ہے محض اس لئے کہ اس کی کمائی پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔

حالاں کہ اس کے بچے کا علاج بڑی معمولی بات ہے۔

کیلاش نے اس سے پہلے عنبر کو کبھی اس قسم کی باتیں کرتے نہیں سنا تھا اس نے کہا۔

عنبر کیا تم حکیمی بھی کر لیتے ہو؟

عنبر مسکرا کر بولا۔

ہاں میں یہ کام بھی کر لیتا ہوں پھر اس نے بوڑھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

بابا کیا تم مجھے اپنے بچے کے پاس لے جا سکتے ہو ہو سکتا ہے میرے علاج سے تمہارا بچہ تندرست ہو جائے۔

بوڑھے نے بے تاب ہو کر کہا۔

بیٹا۔ اگر تم میرے بچے کو اچھا کر دو تو میں ساری زندگی تمہاری غلامی کروں گا۔

عنبر اٹھ کھڑا ہوا۔

تو آؤ بابا میں تمہارے بچے کا علاج کروں گا اور میرا خدا اسے ضرور تندرست کر دے گا۔

عنبر کیلاش کو لے کر بوڑھے کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گیا یہ جھونپڑا ڈھلان پر اخروٹ کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے تھا جس کی دیواریں پتھروں سے چنی ہوئی تھیں ایک ہی کمرہ تھا فرش پر گھاس بچھا تھا جس پر بوڑھے لکڑ ہارے کا نو عمر لڑکا بے ہوشی کی

حالت میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا ایک طرف بچے کی ماں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور دوسری طرف جادوگر حکیم ایک مونڈھے پر بڑا سا پیٹ نکالے بیٹھا منتر پڑھ رہا تھا........ اس کا سر منڈا ہوا تھا ہاتھ میں لوہے کی چھڑی تھی جسے وہ بار بار زمین پر مار کر لڑکے پر دم کر رہا تھا اس نے خنبر کو جھونپڑے میں داخل ہوتے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا اور بوڑھے سے پوچھا۔

یہ لونڈا کون ہے۔؟

بوڑھے لکڑ ہارے نے کہا۔

گورو جی۔ یہ مجھے جنگل میں مل گیا تھا یہ کہتا ہے کہ اس کے علاج سے میرا بچہ اچھا ہو جائے گا۔

جادوگر حکیم نے نفرت سے خنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

یہ کل کا لونڈا تمہارے بچے کی بیماری کیسے دور کرے گا بھلا۔؟

تمہارے بچے پر تو جنوں کے راجہ نے سایہ کیا ہوا ہے۔

پھر کڑک کر بولا۔

تم سنہری بوٹی لائے ہو۔؟

بوڑھے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

گورو جی۔ بوٹی تو مجھے کہیں سے نہیں ملی۔

تو پھر تمہارا بچہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔

اس پر عنبر نے کہا۔

گورو جی اگر میں اس بچے کو اچھا کر دوں تو آپ مجھے کیا انعام دیں گے؟

جادوگر حکیم نے گرجدار آواز میں کہا۔

بکواس بند کرو لونڈے تم ابھی نوجوان ہو ہم نے تمہارے جیسے کئی نوجوان دیکھے ہیں جاؤ جا کر اپنی خیر مناؤ اور جنوں کے راجہ سے لڑائی

جھگڑا مول نہ لو........ نہیں تو وہ تمہیں جلا کر بھسم کر دیں گے۔

کیلاش نے فکر مند نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ عنبر خوامخواہ خود بھی مصیبت میں پھنسے اور اسے بھی پھنسا دے اس نے عنبر کا ہاتھ دبا کر کان میں کہا بھی کہ وہ جادوگر حکیم سے مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر دے لیکن عنبر نے چٹان ایسی آواز میں خم ٹھونک کر کہا۔

گورو جی......... آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں آپ کا ادب کرتا ہوں لیکن خدا کے فضل سے میں اس بچے کو اچھا بھی کر دوں گا اور جنوں کے راجہ کو بھی بھگا دوں گا۔

جادوگر حکیم نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

خاموش لڑکے جنوں کے راجہ سے لڑائی مول لینا تمہارے بس کی بات نہیں ہے میں نے تم جیسے کئی ضدی نوجوانوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے جل کر خاک ہوتے دیکھا ہے اب بھی وقت ہے کہ اپنے

ارادے سے باز آ جاؤ۔

خنجر نے مسکرا کر کہا۔

گورو جی میں کوئی برائی نہیں کر رہا میں کسی سے لڑائی مول نہیں لے رہا میں اس غریب ماں باپ کے بیمار بچے کا علاج کر رہا ہوں اور مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

اس کے ساتھ ہی خنجر نے نیم بے ہوش بچے کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر محسوس کیا کہ وہ بخار میں بری طرح پھنک رہا ہے۔ اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک سفوف نکال کر پانی میں گھولا اور اس کا ایک ایک قطرہ بیمار بچے کے حلق میں ٹپکانا شروع کر دیا اس دوائی میں کچھ ایسا اثر تھا کہ بچے نے آنکھیں کھول دیں اس کا بخار بھی اترنا شروع ہو گیا ماں باپ نے خوشی سے بچے کو چوم لیا اور خنجر کے عقیدت سے پاؤں پکڑ لیے جادوگر یہ دیکھ کر جل کر کباب ہو گیا اس نے دونوں ہاتھ بچے

کی طرف کر کے کوئی منتر پھونکا اس کے ساتھ ہی بچے نے تڑپنا شروع کر دیا ماں باپ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

بچہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کھا جانے والی نظروں سے عنبر کو تکنے لگا پھر اس نے بھاری بھرکم آدمیوں والی آواز میں کہا۔

اے نوجوانوں اگر جان کی امان چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً بھاگ جاؤ نہیں تو میں تمہیں اپنے غصے کی آگ میں جلا کر بھسم کر دوں گا۔

کیلاش تو یہ دیکھ کر ڈر گیا، عنبر نے کہا۔

اے بدروح تو نے بچے کے جسم پر اپنا قبضہ کر رکھا ہے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس معصوم کے جسم سے نکل کر ہمیشہ کے لئے اس علاقے سے بھاگ جا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں ایسی سزا چکھاؤں گا کہ تمہاری نسلیں اسے یاد رکھیں گی۔

بدروح نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اے جادوگر حکیم دیکھ رہے ہو یہ کل کا لونڈا کیسی بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا ہے کیا تم اسے سمجھا نہیں سکتے۔؟

جادوگر حکیم نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اے جنوں کے راجہ میں نے اس لونڈے کو بہت کہا تھا کہ وہ آپ سے مقابلہ کرنے کا خیال دل سے نکال دے مگر اس نے میری ایک نہیں سنی یہ بہت ضدی ہے یہ کہتا تھا کہ میں جنوں کے راجہ سے مقابلہ کروں گا۔

پنجے کے اندر بیٹھی ہوئی بدروح نے زوردار قہقہہ لگایا اور کہا۔

بہت خوب اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نوجوان کی موت اسے گھیر کر میرے پاس لے آئی ہے کوئی بات نہیں ابھی اسے مزہ چکھاتا ہوں۔

پھر اس نے عنبر سے کہا۔

اے بدقسمت نوجوان، میں آخری بار تم کو خبردار کرتا ہوں کہ مجھ سے

مقابلہ کرنے کے خیال سے باز آجاؤ اور اس بچے کو اس کے حال پر چھوڑ کر یہاں سے رفو چکر ہو جاؤ نہیں تو میں ابھی تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔

عنبر نے گردن اٹھا کر بڑی شان سے کہا۔

اے بدروح تم نے ناحق ایک بچے کو پریشان کیا ہوا ہے میں بھی تمہیں آخری بار خبردار کرتا ہوں کہ اس کے جسم کو چھوڑ کر یہاں سے رفو چکر ہو جاؤ نہیں تو تمہارے ساتھ ساتھ اس نقلی جادوگر حکیم کو بھی ہلاک کر دوں گا۔

اس پر بدروح طیش میں آ گئی اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر زور سے جھونپڑی کی چھت پر مارا پتھر چھت میں سوراخ ڈالتا ہوا باہر نکل گیا جادوگر ہنس رہا تھا کیا اش سہم گیا بچے کے ماں باپ ڈر کر ایک طرف کو سمٹ گئے ان سب کو یقین ہو گیا تھا کہ عنبر کی اب خیر نہیں لیکن عنبر اپنی

جگہ پر بڑی بہادری سے ڈٹا ہوا تھا اس کے چہرے پر ذرا سی بھی پریشانی نہیں تھی اس نے بڑے آرام سے اپنی جیب میں سے خنجر نکال کر اسے آگ پر گرم کرنا شروع کر دیا جوں جوں خنجر گرم ہو رہا تھا بدروت بے چین ہو رہی تھی بچے نے منتر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

جادوگر بھی یہ تماشا بڑے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

جبر نے قریب ہی پڑا ہوا ایک پیتل تھالی میں سے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا اور ایک ہاتھ سے گرم خنجر آگ میں سے نکال کر پکڑ لیا پھر اس نے بدروت کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

اے بدروت میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں اگر تم بچے کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے نہ چلے گئے تو میں تمہیں ہلاک کر ڈالوں گا اور یاد رکھو تمہیں میرے ہاتھ سے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہ سکے گی۔

بدروت نے کڑک کر کہا۔

بکواس بند کرو، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اچھا تو پھر یہ لو۔

عنبر نے خنجر اٹھا کر بینگسن کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا بینگسن کا دو ٹکڑوں میں کٹنا تھا کہ جھونپڑی میں ایک زوردار چیخ گونجی اور پھر ایک گہرا سناٹا طاری ہو گیا، اس چیخ کی آواز اتنی ڈراونی تھی کہ ایک بار تو عنبر کے پاؤں تلے سے بھی زمین نکل گئی مگر عنبر نے جو کرنا تھا وہ اس نے کر دیا تھا بدروح کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

بدروح کے مرتے ہی بچہ بھلا چنگا ہو کر اٹھ بیٹھا اس نے پوچھا۔

مجھے کیا ہو گیا تھا۔؟

بوڑھے باپ اور ماں نے بچے کو اپنے سینے سے لگا لیا جادوگر حکیم نے عنبر کی طاقت کا لوہا مان لیا تھا اسے محسوس ہو گیا تھا کہ یہ کوئی عظیم دیوتا کا بیٹا ہے جس نے جنوں کے راجہ کو ہلاک کر ڈالا جادوگر فوراً دو زانو ہو

گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

اے عظیم الشان دیوتا کے عظیم بیٹے تو جنوں کے راجہ کا راجہ ہے میں تیرے آگے ہاتھ جوڑ کر تیری غلامی میں آتا ہوں۔

عنبر نے اسے بتایا۔

ہاں تمہارے لئے میں ضرور دیوتا ہوں اور جنوں کے راجاؤں کا راجہ ہوں اس لئے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم نے اس بوڑھے سے جس قدر اشرفیاں لی ہیں فوراً واپس کر دے۔

جادوگر حکیم نے اسی وقت اشرفیوں کی تھیلی بوڑھے کے قدموں میں رکھ دی۔

دیوتا۔ تمہارا حکم سر آنکھوں پر تمہارے سامنے جنوں کا جادو نہ چل سکا تو بھلا میں کیسے تمہارے حکم کو ٹال سکتا ہوں۔

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دی اور کہا کہ اب ان کا بیٹا کبھی بیمار نہ ہو گا عنبر

کیلاش اور جادوگر حکیم کو ساتھ لے کر جھونپڑی سے باہر آ گیا باہر آ کر اس نے جادوگر حکیم سے پوچھا کہ وہ کس علاقے کا رہنے والا ہے؟ جادوگر حکیم نے عنبر کو بتایا کہ وہ سارے کے سارے علاقے کو جانتا ہے عنبر نے اس سے کنچن چنگا کی پہاڑی، اس کی وادی، وادی کے ناگ مندر، جھیل تندن سر اور اس کے پاس والے درگا دیوی کے مندر کے بارے میں پوچھا جادوگر حکیم نے کہا۔

اے عظیم الشان دیوتا کے عظیم بیٹے یہاں سے ایک دن کی مسافت پر کنچن چنگا کی وادی شروع ہو جائے گی وہاں سے ایک رات سفر کریں تو جھیل تندن سر آ جاتی ہے اس جھیل کے ایک طرف ناگ دیوتا کا مندر ہے اور دوسری طرف درگا دیوی کا مندر ہے لیکن اے دیوتا کیا تمہیں اس مندر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر بات ٹالتے ہوئے کہا۔

مجھے سب کچھ معلوم تھا میں صرف تمہارا امتحان لے رہا تھا۔

کیلاش نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں رات اسی جگہ بسر کرنی چاہیے اور کل صبح کو اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے۔

جادوگر حکیم بولا۔

اے دیوتا آپ کے لئے بھلا دن اور رات میں کیا فرق ہے آپ کو کوئی بھی جنگلی درندہ کچھ نہیں کہے گا اس لئے آپ اگر چاہیں تو رات کو بھی سفر کر کے صبح کنچن چنگا کی ترائی میں پہنچ سکتے ہیں۔

مگر عنبر نے رات کو سفر کرنا مناسب خیال نہ کیا اس نے جادوگر حکیم سے اجازت لی اور جھونپڑی کے باہر ایک درخت تلے بستر لگا دیے بوڑھے لکڑہارے اور اس کی بیوی نے انہیں گرم گرم بکریوں کا دودھ اور جو کی روٹی کھانے کو دی جادوگر حکیم وہاں سے جا چکا تھا پھر بھی

کیلاش کو ڈر تھا کہ کہیں وہ ان سے اپنی بے عزتی اور جنوں کے راجہ کے قتل کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے لیکن عنبر نے کہا۔

تم ہمیشہ گھبرا جاتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ جب تک تم میرے ساتھ ہو تمہیں کوئی شخص نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر اس جادوگر نے بدلہ لینے کی کوشش کی تو اس کا بھی وہی حشر کر دوں گا جو اس کے جنوں کے راجہ کا کیا ہے۔

اس سے کیلاش کی تسلی ہوگئی پھر بھی وہ ساری رات جب بھی اس کی جاگ کھلتی آنکھیں گھما کر ادھر ادھر دیکھتا رہا کہ کہیں کوئی ان پر جادو تو نہیں کر رہا کیلاش ڈرپوک ہی نہیں وہمی بھی تھا اور وہم کا علاج عنبر کے پاس نہیں تھا اس کا ساتھی ہونے کی وجہ سے عنبر کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کی جان کی حفاظت کرے اور وہ یہ فرض شروع ہی سے ادا کرتا چلا آ رہا تھا عنبر ساری رات بڑے سکون کے ساتھ سویا رہا صبح وہ اٹھا تو

بالکل تازہ دم تھا بوڑھے کا بچہ بھی بالکل تندرست تھا وہ خود عنبر اور کیلاش کے لئے دودھ لے کر آیا عنبر نے دودھ پی کر اسے پیار کیا اور پھر بوڑھے سے اجازت لے کر کیلاش کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اژدہا کا غار

دونوں دوستوں کا پہاڑی کنچن جنگا کا سفر شروع ہو گیا۔

یہ سفر جنگلوں کا سفر نہیں تھا بلکہ پہاڑیوں گھاٹیوں اور دشوار گذار پگ ڈنڈیوں اور چھوٹے چھوٹے ندی نالوں کا سفر تھا یہ سلسلے بڑے تیز

رفتار تھے عنبر اور کیلاش ان کے اندر پڑے ہوئے پتھروں پر پاؤں رکھ کر انہیں عبور کرتے کئی گھاٹیاں اتنی گہری تھیں کہ وہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا دونوں طرف پہاڑوں کی دیواریں اوپر تک چلی گئیں تھیں اگر اوپر سے اس وقت ان کے اوپر کوئی پتھر گرا دیتا تو ان کا کچومر نکل جاتا جادوگر حکیم کے مطابق اگر وہ دن بھر سفر کرتے رہتے تو شام کو انہیں کنچن چنگا کی وادی میں پہنچ جانا چاہیے تھا راستے میں دوپہر کو تھک کر انہوں نے ایک جگہ آرام کرنے کے خیال سے ڈیرا لگا لیا وہ ایک گھاٹی میں سے نکل کر چھوٹے سے پہاڑی نالے کے کنارے آ کر رک گیا۔

یہ پہاڑی نالہ اگرچہ چھوٹا سا تھا مگر اسے چھلانگ لگا کر پار کرنا بڑا مشکل تھا اس میں پانی اس قدر تیزی سے بہہ رہا تھا کہ اس میں اتر کر بھی اسے پار نہیں کیا جا سکتا تھا عنبر نے کیلاش سے کہا کہ نالے میں

پتھر پھینکے جانے چاہئیں تاکہ ان پر پاؤں رکھ کر نالہ عبور کیا جائے دونوں نے مل کر نالے کے تیز رفتار پانی میں پتھر پھینکنے شروع کر دیے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو تو نالے کی تیز لہریں تنکوں کی طرح بہا کر لے گئیں پھر انہوں نے اس میں بڑے بڑے پتھروں کو لڑھکا لڑھکا کر پھینکنا شروع کر دیا تھوڑی سی کوشش اور ہمت کرنے کے بعد نالے میں کچھ پتھر ٹک گئے اور وہاں پتھروں کا ایک ٹوٹا پھوٹا پل سا بن گیا کیلاش کچھ زیادہ ہی تھک گیا تھا...... بوڑھے لکڑ بار نے انہیں راستے کے لئے جو کی روٹیاں ساتھ کر دی تھیں روٹی کھا کر انہوں نے نالے کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پیا کیلاش کی خواہش تھی کہ کچھ دیر اور آرام کر لیا جائے مگر عنبر نے کہا کہ اگر وہاں زیادہ دیر آرام کیا تو انہیں چمن چنگا کی وادی میں پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی اس لئے بہتر یہی ہے کہ سفر جاری رکھا جائے اور آرام رات کو وادی میں جا کر کیا جائے۔

چنانچہ دونوں دوست اٹھے انہوں نے پتھروں پر پاؤں رکھ کر پہاڑی نالہ عبور کیا اور وادی کی طرف چلنا شروع کر دیا وہ کافی اونچائی پر تھے اور اب ڈھلان پھر سے شروع ہو گئی تھی کچھ دیر سفر کرنے کے بعد انہیں دور سے ایک وادی دکھائی دی جہاں ہرے بھرے درختوں کے جھنڈ کھڑے تھے عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے یہی وادی کنچن چنگا ہے۔

کیلاش نے کہا۔

ہاں وہی وادی ہے میں ایک بار گزر چکا ہوں ہم ٹھیک راستے پا جا رہے ہیں۔

منزل کو اپنے قریب پا کر ان کے اندر ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور وہ تیزی سے چلنے لگے تیسرے پہر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے کنچن چنگا کی وادی دائیں جانب برف پوش کنچن چنگا کی پہاڑی

کے دامن میں بالکل صاف نظر آرہی تھی۔

عنبر بہت خوش ہوا کہ وہاں سے وہ اب جھیل نندن سر پہنچ کر مقدس پانی حاصل کر سکے گا لیکن اسے اپنے دوست ناگ کی لاش والے صندوق کا ہر وقت خیال رہتا تھا وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا کہ ناگ کی لاش والی صندوقچی کہاں ہو گی.........؟ شام کے وقت عنبر اور کیلاش کنچن چنگا کی وادی میں پہنچ گئے یہ وادی بے حد خوب صورت اور پر فضا وادی تھی ہر طرف چشمے بہہ رہے تھے ایک طرف ڈھلان پر اوپر تک جھونپڑیاں سی بنی ہوئی تھیں ان جھونپڑیوں پر کہیں کہیں سرخ اور زرد رنگ کے جھنڈے بھی ہوا میں لہرا رہے تھے کیلاش نے عنبر کو بتایا کہ یہاں کے لوگ بڑے وہم پرست ہیں اور روحوں کی پوجا کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس جگہ سرخ اور زرد رنگ کے جھنڈے ہوں گے وہاں کوئی بدروح آ کر انہیں تنگ نہیں کرے گی۔

عنبر نے کہا۔

پھر تو ان لوگوں نے یہاں روحوں کے مندر بھی بنا رکھے ہوں گے۔

کیلاش بولا۔

کیوں نہیں، اس جگہ روحوں کے کئی مندر ہیں مگر ان میں روحیں کم اور پجاری زیادہ رہتے ہیں۔

اسی طرح باتیں کرتے اور چلتے ہوئے وہ وادی میں پہنچ گئے وادی کی بستی کے باہر ایک پہاڑی دریا بہہ رہا تھا اس دریا کے اوپر بانس کے درخت کاٹ کر پل بنایا ہوا تھا پل عبور کر کے عنبر اور کیلاش بستی میں آ گئے یہاں بستی کا صرف ایک ہی بازار تھا دکانوں پر چپٹی ناک والے دکاندار بیٹھے ہرے ہرے منکوں کی مالائیں بکرے کا گوشت، جو کا آٹا زرد اور لال رنگ کا کپڑا فروخت کر رہے تھے ان لوگوں کے رنگ گورے ہو گئے تھے عنبر سمجھ گیا کہ یہ تبت کے مشرقی علاقے میں داخل

ہو چکا ہے یہ علاقہ اس نے سینکڑوں برس پہلے دیکھا تھا جب وہ تبت میں آیا تھا اور وہاں کے راجہ نے اسے ایک ہیرا تحفے کے طور پر دیا تھا اب تو معلوم نہیں اس راجہ کی چھٹی یا ساتویں پشت حکومت کر رہی ہو گی۔

جہاں بازار ختم ہوتا تھا وہاں سے ڈھلان کے مکان شروع ہو جاتے تھے جو اوپر پہاڑ کی چوٹی تک چلے گئے تھے بستی کے بازار میں سے گزرتے ہوئے عنبر نے ایک شخص کو دیکھا اسے محسوس ہوا کہ اس کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے اسے یاد نہیں آ رہا تھا اتنے میں وہ شخص لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گیا عنبر نے کیلاش سے اس شخص کے بارے میں کوئی ذکر نہ کیا رات سر پر آ رہی تھی اس بستی میں ان کا ارادہ تھا کہ وہ رات بھر آرام کریں گے اور صبح جھیل نندن سر کی طرف روانہ ہوں گے عنبر نے کیلاش سے کسی سرائے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا

کہ اس بستی میں سرائے نام کی کوئی شے نہیں ہے البتہ ردحوں کے مندروں میں مسافروں کے آرام کرنے کی کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں وہ دونوں ایک مندر کی طرف چل پڑے یہ مندر بستی سے نکل کر مہاگنی کے ایک گنجان درخت کے نیچے بنا ہوا تھا۔

کیلاش عنبر کو اپنے ساتھ مندر کے پروہت کے پاس لے آگیا، پروہت کا سر گنجا اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں بالکل چین کے لوگوں کی طرح پروہت نے بڑے غور سے کیلاش اور عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو کہاں جا رہے ہو۔؟

کیلاش کچھ اوٹ پٹانگ بات کرنے ہی والا تھا کہ عنبر نے جھٹ کہا۔

اے نیک دل بزرگ پروہت، ہم دونوں مسافر ہیں اور ملک چین سے جھیل نندن سر کے مقدس مندر درگا مندر کی یاترا کے لئے چلے تھے آپ کے مندر میں اجازت لینے پر ایک رات بسر کر کے پھر سفر پر

روانہ ہو جائیں گے۔

پروہت نے عنبر کو سر سے پاؤں تک گھورا اور کہا۔

کیا تم کو اپنے کسی دوست کی بھی تلاش ہے۔؟

عنبر تو حیران رہ گیا کہ اس گنجے پروہت نے اس کے دل کا حال کیسے جان لیا کیونکہ اسے واقعی اپنے ناگ دوست کی تلاش تھی عنبر نے ہنس کر کہا۔

اے بزرگ انسان، آپ نے میرے دل کا حال کیسے معلوم کر لیا مجھے سچ مچ اپنے ایک دوست کی تلاش ہے جو مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔

پروہت نے مسکرا کر کہا۔

تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ تم کسی جگری دوست کی تلاش میں گھر سے نکلے ہو ہم پروہت ہیں اور بدروحوں کی پوجا کرتے ہیں ہمیں اتنا علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے چہرے پڑھ سکیں۔

عنبر نے پوچھا۔

اے بزرگ پروہت کیا تم مجھے میرے دوست کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کروں گا۔

پروہت نے کہا۔

بیٹے میں ایک معمولی پروہت ہوں اور بد روحوں کی پوجا کرتا ہوں مجھے غیب کا علم نہیں ہے ہاں میں کسی انسان کا چہرہ دیکھ کر تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کے دماغ میں کیا ہے اور وہ کیا کرنے گھر سے نکلا ہے اس کے آگے میرا علم ختم ہو جاتا ہے۔

کیلاش نے کہا۔

بابا کیا ہمیں آپ کے مندر میں رات بھر ٹھہرنے کی اجازت مل جائے گی۔؟

دراصل کیلاش عنبر اور پروہت کی لمبی گفتگو سے تنگ آ گیا تھا اور

مطلب کی بات کرنا چاہتا تھا اس کے اس سوال پر پروہت نے مسکرا کر کہا۔

کیوں نہیں بیٹے تمہارے دوست کے آگے کون انکار کر سکتا ہے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پروہت تبر کی خفیہ طاقت کے بارے میں باخبر ہو چکا ہے اس کے چہرے پر بڑی پراسرار ہنسی تھی جنبر نے بات کی تہہ میں جانے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ کی کیوں کہ اسے تو صرف رات گزارنے کے لئے جگہ چاہیئے تھی جو پروہت نے دے دی تھی۔

پروہت ان دونوں کو ساتھ لے کر ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔

تم لوگ اس جگہ رات بسر کر سکتے ہو میں ابھی تمہارے لئے دودھ اور روٹی لاتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد پروہت ان کے لئے دودھ اور روٹی لے آیا جو انہوں نے مل کر بڑے شوق سے کھائی باتوں ہی باتوں میں تبر نے پروہت کو

بتایا کہ وہ جھیل نندن سر کی یاترا کے لئے جا رہے ہیں پروہت نے کہا۔ یہ بات تم مجھے پہلے بھی بتا چکے ہو بیٹا اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم پتھر کے بتوں دریاؤں اور جھیلوں کی پوجا پر اعتقاد نہیں رکھتے پھر بھی تم جس سفر پر بھی ہو میں دیوتاؤں سے دعا کرتا ہوں کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ.........ان دنوں جھیل نندن سر پر بھگوان کا ایک نیک اور پسندیدہ انسان بھی گیروے کپڑوں میں پہنچا ہوا ہے اگر تمہاری اس سے ملاقات ہو جائے تو اس سے ضرور میرا سلام کہنا۔

عنبر نے پوچھا۔

وہ کون ہے بابا؟

پروہت نے سرد آہ بھر کر کہا۔

وہ ایک ریاست کا شہزادہ ہے لیکن لوگوں کی خدمت کے لئے گیروے کپڑوں میں مارا مارا پھرتا ہے اس کا نام مہاویر ہے۔

کیلاش نے پوچھا۔

لیکن ہم اسے کیونکر پہچان سکیں گے بابا۔؟

یاد رکھو وہ آدھی رات کو اٹھ جنگل میں کسی پہاڑی پر تمہیں بھگوان کی عبادت کرتا ملے گا وہ اچھوتوں کے ہاتھ سے پانی پینے میں شرم محسوس نہیں کرے گا اور وہ غریبوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہا ہو گا۔

پروہت چلا گیا تو عنبر اور کیلاش دیر تک مہاویر شہزادے کے بارے میں باتیں کرتے رہے کیلاش کو نیند آ گئی عنبر تھوڑی دیر مہاویر اور اپنے جگری دوست ناگ کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اسے بھی نیند آ گئی

اگلے روز وہ صبح سویرے ہی اٹھ کھڑا ہوا اس نے کیلاش کو جگایا دونوں نے چشمے پر جا کر غسل کیا پروہت ان کے لئے دودھ لے آیا دودھ پی کر انہوں نے پروہت کا شکریہ ادا کیا اور اپنے سفر پر جھیل نندن سر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کنچن چنگا کی وادی سے جھیل نندن سر تک ایک دن یا ایک رات کا سفر تھا چونکہ وہ منہ اندھیرے چلے تھے اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ شام ہونے سے پہلے پہلے جھیل نندن سر پہنچ جائیں گے اب ان کا سفر پہاڑوں کی چڑھائی کا تھا کیوں کہ نندن سر اوپر پہاڑ کی چوٹی پر جا کر واقع تھی دوپہر تک وہ چڑھائی چڑھتے چڑھتے تھک گئے ایک جگہ انہوں نے بیٹھ کر کچھ دیر آرام کیا اور دوبارہ سفر شروع کر دیا صرف اس خیال سے کہ انہیں نندن سر پہنچتے پہنچتے رات نہ ہو جائے۔

تیسرے پہر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں چڑھائی ختم ہو گئی تھی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ایک میدان شروع ہو گیا تھا جہاں اونچے نیچے بے شمار ٹیلے تھے اور کہیں کہیں کچھ اوپر پہاڑوں پر برف جمی ہوئی تھی یہاں بے حد سردی تھی کیلاش اور رنبیر نے جھولوں میں سے گرم کپڑے اور اونی ٹوپیاں نکال کر پہن لیں یہاں بڑی سرد ہوا چل رہی تھی ایک

جگہ انہیں خوبانی اور سیب کے درخت ملے یہاں انہوں نے سیب توڑ کر کھائے ایک شفاف چشمے پر پانی پیا، ایک چرواہا اپنی سفید سفید بھیڑوں کو چرا رہا تھا اس نے بتایا کہ جھیل نندن سر تھوڑی ہی دور رہ گئی ہے۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ جھیل نندن سر پہنچ گئے دور سے جھیل کے آس پاس درگا دیوی اور ناگ دیوتا کے مندروں کے سنہری کلس سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے جھیل بہت ہی خوبصورت تھی اور پہاڑیوں کے درمیان سبز رنگ کے نگینے کی طرح لگ رہی تھی اس کے پانی کی سطح ساکن تھی مندروں کی طرف سیڑھیاں جھیل کے پانی میں اتر گئی تھیں یہاں کہیں کہیں یاتری اور پجاری نہا رہے تھے اتنی سخت سردی میں بھی وہ پانی میں اتر کر غسل کر رہے تھے ایک پتلی سے پگ ڈنڈی پہاڑیوں میں سے ہو کر نندن سر کے مندر کی طرف

چلی گئی تھی دونوں دوست اس پہاڑی پگ ڈنڈی پر چل پڑے۔

جھیل کنارے پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ وہاں یاتریوں کی بڑی چہل پہل تھی شام ہو رہی تھی ارد گرد جھونپڑوں اور مندروں میں تیل کے دیے اور مشعلیں روشن ہو گئی تھیں جن کا عکس جھیل میں پڑ کر جھلملا رہا تھا درگا دیوی کا مندر بہت عالی شان تھا اس کا کلس بہت بلند تھا اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا سامنے جھیل کے دوسرے کنارے پر ناگ دیوتا کا مندر تھا جس کے مینار پر ایک سونے کا بہت بڑا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا عنبر سب سے پہلے جھیل کے کنارے پہنچا اس نے جھک کر اوک میں جھیل کا ٹھنڈا پانی پیا اور پھر اسے لکڑی کی بوتل میں بند کر کے اپنے جھولے میں رکھ لیا کیلاش نے کہا۔

یہ تم نے کس کے لیے رکھ لیا ہے۔؟ آخر اس کی اتنی جلدی کیا تھی۔؟

عنبر نے کہا۔

مجھے اس پانی سے بڑی عقیدت ہے اس میں بیماروں کے لئے زبردست شفا ہے ہو سکتا ہے جاتی دفعہ میں بھول جاؤں اس لئے میں نے ابھی سے اسے اپنے پاس بند کر کے رکھ لیا ہے۔

بہت خوب۔

مگر کیلاش بھائی اس وقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ رہنے کا بندوبست کہاں کیا جائے کیوں کہ یہ محض ایک دو رات کی بات نہیں میں کم از کم یہاں دس روز بسر کرنا چاہتا ہوں۔

کیلاش بولا۔

اس کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے میرا خیال ہے ہمیں درگا دیوی کے مندر میں انتظام کرنا چاہیے۔

لیکن عنبر ناگ دیوتا کے مندر میں رہائش اختیار کرنا چاہتا تھا صرف اس لئے کہ اسے امید تھی شاید ناگ کی لاش کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ

جائے یا اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ اسے وہاں کون لائے گا ماریا کے بارے میں بھی اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے بہرحال وہ ناگ دیوتا کے مندر میں قیام کرنا چاہتا تھا اگر اس کا جگری دوست ناگ اس کے ساتھ ہوتا تو انہیں ناگ کے مندر میں ٹھہرنے میں ذرا سی بھی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔

اس نے کیلاش سے ناگ دیوتا کے مندر کے بارے میں کہا تو وہ بولا۔

ارے بھائی اس مندر کا نام نہ لینا۔ وہ تو بڑا پراسرار اور خطرناک مندر ہے راتوں کو سنا ہے وہاں بڑے بڑے اژدہا پہرہ دیتے ہیں اور کوئی اجنبی نظر آجائے تو اسے پھونک مار کر جلا ڈالتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

مگر ہم تو اجازت لے کر وہاں ٹھہریں گے پھر اژدہا ہمیں کیوں تنگ کرنے لگے۔؟

کیلاش بولا۔

اجازت تو تم انسانوں سے لیں گے اژدہا سے تھوڑی لیں گے۔؟

اژدہا پھر اژدہا ہوتے ہیں کوئی انسان تو نہیں ہوتے اس نے جہاں دیکھا کہ دو اجنبی مندر کے اندر بیٹھے آرام کر رہے ہیں فوراً ہمیں آ کر ڈس لیں گے۔

خنجر کہنے لگا۔

یار کیلاش پھر تم نے بزدلی کی باتیں شروع کر دیں تم مجھے وہاں لے چلو باقی کام میں خود سنبھال لوں گا یہ بتاؤ کہ وہاں تمہاری کسی سے واقفیت ہے۔؟

کیلاش نے دماغ پر زور دے کر کہا۔

ہاں۔ وہاں میرا ایک چوکیدار واقف ہے۔

خنجر نے ہنس کر کہا۔

بھئی کمال ہے تم ایک چور اور وہ ایک چوکیدار.......... پھر تمہاری اس سے دوستی کیسے ہو گئی۔؟

کیلاش کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا۔

بھائی کیا بتاؤں وہ چوری کرنے میں میری مدد کیا کرتا تھا جب اس بستی کے لوگ سو جاتے تھے تو وہ آ کر بتا دیا کرتا تھا اور میں گھروں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا صبح کو وہ مجھ سے اپنی پتی لے لیا کرتا تھا بہر حال اس کے پاس چلتے ہیں وہ ضرور ناگ مندر میں تمہارا بندوبست کر دے گا۔

کیا مطلب۔؟ یعنی تم وہاں میرے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔؟

کیلاش کہنے لگا۔

بھائی تمہیں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں سانپوں سے بڑا ڈرتا ہوں۔ جس جگہ سانپ ہوں وہاں میں ایک پل کے لئے نہیں ٹھہر سکتا اور اس مندر میں تو بڑے بڑے ناگ اور اژدہا ہیں میں اس چوکیدار

کے جھونپڑے میں رہ لوں گا اس کا جھونپڑا جھیل کے شروع کی بستی میں ہے تم فکر نہ کرو میں سارا دن تمہارے ساتھ ہوا کروں گا شام کو جب تم مندر میں جانے لگو گے تو میں تم سے الگ ہو جایا کروں گا۔

جیسے تمہاری مرضی۔

عنبر کو معلوم تھا کہ کیلاش ڈرپوک ہے اور وہ کسی حالت میں بھی ایسے مندر میں نہیں رہے گا جہاں ناگ رہتے ہوں اس نے کیلاش کو چوکیدار کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور خود اس سے مندر میں ٹھہرنے کی اجازت لینے مندر کی طرف چل پڑا چوکیدار نے دور ہی سے کیلاش کو پہچان لیا دونوں ایک دوسرے سے گلے لگ کر ملے انہوں نے راز داری میں ایک دوسرے سے دو چار لمحے بات چیت کی اور پھر کیلاش نے عنبر کا اس سے تعارف کرایا اور کہا کہ عنبر اس کا بھائی ہے چوکیدار نے ہنس کر پوچھا۔

کیا یہ بھی چوری کرتا ہے؟

کیلاش نے کہا۔

نہیں یہ بڑا شریف ہے یہ جھیل نندن سر کی یاترا کو آیا ہے اور اس مندر میں ٹھہرنا چاہتا ہے۔

چوکیدار پہلے ہچکچایا پھر کیلاش کے انعام کا لالچ دینے پر راضی ہو گیا کیلاش سانپوں کے ڈر کے مارے مندر کے اندر نہ گیا بلکہ باہر ہی سے رخصت ہو گیا عنبر چوکیدار کے ساتھ مندر میں داخل ہو گیا مندر میں جگہ جگہ سانپ چل پھر رہے تھے ان میں بعض سانپوں نے اپنے پھن پھیلا رکھے تھے۔

شاہی قیدی

ایک سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر عنبر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔

سانپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور اس کی دو شاخہ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی عنبر کو بے اختیار اپنا دوست ناگ یاد آ گیا اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً سانپ کی آنکھوں کے آگے مست ہو کر کھڑا ہو جاتا لیکن عنبر پر سانپ کی سرخ آنکھوں کا کوئی اثر نہ ہوا وہ چوکیدار کے ساتھ ڈیوڑھی سے نکل کر مندر کے صحن میں آ گیا مندر کے صحن میں سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا تھا ایک لمبا سا سبز رنگ کا سانپ رینگتا ہوا بڑے دروازے کی طرف جا رہا تھا سانپ بھی عنبر کو دیکھ کر ایک طرف ہو گیا

اس تبدیلی کو چوکیدار نے بھی محسوس کیا وہ اسے لے کر ایک کوٹھڑی کے اندر آ گیا۔

یہ کوٹھڑی تمہاری ہے تم اس کے اندر جتنی دیر تک چاہو رہ سکتے ہو لیکن شرط صرف یہ ہے کہ کسی پجاری یا بڑے کاہن پر یہ ظاہر نہیں ہونے دینا کہ تم یاتری ہو کوئی پوچھے تو یہی کہنا ہے کہ تم چوکیدار کے چھوٹے بھائی ہو کیونکہ یاتریوں کو اس مندر میں ایک روز سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے۔

میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔

چوکیدار نے عنبر کے قریب منہ لا کر کہا۔

اس کے عوض اگر تم چاہو تو مجھے جاتے ہوئے سونے کے چند سکے پیش کر سکتے ہو تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ان دنوں گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

گھبراؤ نہیں جاتے ہوئے تمہیں کوئی نہ کوئی ایسی شے ضرور دیتا جاؤں گا کہ تم ساری زندگی مجھے دعائیں دیتے رہو گے۔

چوکیدار نے عنبر کو کچھ شبے کی نظر سے دیکھا جیسے وہ اس سے مذاق کر رہا ہو اور چپکے سے کوٹھڑی سے باہر نکل گیا عنبر نے اب کوٹھڑی کا جائزہ لیا ایک ایک شے کو غور سے دیکھا کونے میں موم بتی کی مشعل جل رہی تھی اس کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیواروں پر بنی ہوئی سانپوں کی تصویریں اور ابھرے ہوئے مجسمے صاف نظر آرہے تھے۔ عنبر سارے دن کے سفر کا تھکا ہوا تھا وہ چارپائی پر لیٹتے ہی سو گیا۔

دوسری طرف کیلاش نے چوکیدار کی جھونپڑی میں جا کر ڈیرا جما لیا چوکیدار نے رات کو گھر آکر عنبر کے بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے یہی بتایا کہ وہ بڑی خفیہ طاقتوں کا مالک ہے اور اس پر کوئی بھی

ناگ زندہ

زہر یا تلوار اثر نہیں کرتی چوکیدار بڑا حیران ہوا اسے یقین نہ آیا بہر حال دونوں رات کو اسی موضوع پہ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

درگا دیوی کے مندر میں روشنیاں بجھنے لگیں۔

قزاق جو درگا دیوی کا سونے کا بت چوری کرنے آیا تھا مندر کی پچھلی دیوار کے سائے میں آ کر لیٹ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ آدھی رات کے بعد ساری روشنیاں گل ہوں تو وہ ڈاکہ ڈالے آدھی رات گزر گئی تو مندر کی قریبا ساری روشنیاں بجھا دی گئیں صرف مندر کے کلس پر اور اندر مورتیوں کے پاس مشعلیں جلتی رہیں پجاری عبادت کرتے سو گئے اس وقت قزاق چپکے سے اٹھا اس نے مندر کی پرانی دیوار پر کمند پھینکی اور دیوار کے اوپر چڑھ کر مندر کی چار دیواری کے اندر کود گیا یہاں سے ایک برآمدہ اوپر والے برآمدے میں چلا گیا تھا وہاں سے ہو کر قزاق ایک دروازے کو کھول کر تہہ خانے میں اترنے لگا تھا کہ

ایک پجاری نے اس کا راستہ روک لیا یہ وقت بڑا نازک تھا قزاق نے آؤ دیکھا نہ تاؤ خنجر نکال کر پجاری کے پیٹ میں گھونپ دیا اور ساتھ ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا تا کہ اس کی چیخ کی آواز نہ نکل سکے موٹا پجاری آواز نکالے بغیر دھڑام سے فرش پر گر پڑا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

تہہ خانے میں اتر کر قزاق ایک خفیہ راستے کے ذریعے اس ہال کمرے میں آ گیا جہاں درگا دیوی کا سونے کا چھوٹا سا سونے کا بت چبوترے پر رکھا تھا یہاں ایک مشعل جل رہی تھی ایک اور پجاری دو زانو بیٹھا سر جھکائے پوجا کر رہا تھا۔ قزاق ستون کی آڑ میں کھڑا انتظار کرتا رہا کہ پجاری وہاں سے جائے تو وہ آگے بڑھ کر مورتی کو اٹھائے مگر پجاری نے پوجا کو لمبا کر دیا اتنے میں قزاق کو چھینک آ گئی اس نے اپنی چھینک کو بہت روکا مگر نہ رک سکا چھینک کی آواز سن کر پجاری چونکا وہ

اٹھ کر اس طرف آیا جدھر سے آواز آئی تھی۔

قزاق اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا پجاری ستون کے پاس آیا تو قزاق سے اس کی آنکھیں چار ہو گئیں پجاری نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

کون ہو تم؟ یہاں آدھی رات کو کیا کر رہے ہو۔؟

قزاق نے جواب دینے کی بجائے آگے بڑھ کر پجاری کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے زمین پر گرا دیا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر اس کی گردن پر پھیر کر اس کی شاہ رگ کاٹ کر رکھ دی خون کا فوارہ اچھل پڑا قزاق اچھل کر پرے ہٹ گیا پجاری کی لاش تڑپنے لگی قزاق نے جلدی سے چبوترے پر رکھی ہوئی درگا دیوی کی سونے کی مورتی اٹھائی اور اندھیرے میں گم ہو گیا۔

اُدھر آدھی رات کو عنبر اٹھ کھڑا ہوا اس کی جاگ کھل گئی تھی اس نے سوچا کہ اسے ابھی جا کر جھیل نندن سر کا پانی بوتل میں لے آنا چاہیے دل

میں اس کے ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہو سکتا ہے آدھی رات کو اس کی ملاقات کسی ایسے سانپ سے ہو جائے جو اسے ناگ کے بارے میں کچھ بتا سکے وہ کوٹھڑی میں سے نکل کر جھیل تندن سر کے کنارے پہنچ گیا جھیل کی سطح رات کے اندھیرے میں پر سکون تھی۔

ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی عنبر نے جھیل کے پانی سے لکڑی کی بوتل بھر کر اس کا منہ بند کیا اور جھولے میں رکھ لی ٹھیک اس وقت درگا دیوی کے مندر سے قزاق درگا دیوی کی سونے کی مورتی چوری کر کے باہر کو بھاگا تو ڈیوڑھی میں پہرے داروں نے اسے بھاگتے دیکھ لیا انہوں نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا تو قزاق اور تیز تیز دوڑنے لگا انہیں شک ہوا وہ اس کے پیچھے بھاگنے لگے قزاق جھیل کی طرف آ گیا جب اس نے دیکھا کہ اس کے پیچھے بہت سے لوگ لگ گئے ہیں تو وہ گھبرا گیا اس نے جیب میں سے سونے کی مورتی

نکال کر جھیل کنارے پھینک دی اور ایک طرف اندھیرے میں گم ہو گیا اس وقت عنبر پانی لے کر واپس ناگ مندر کی طرف آ رہا تھا اس کی نظر زمین پر پڑی ہوئی سونے کی مورتی پر پڑی۔

عنبر نے جھک کر مورتی اٹھا لی ابھی وہ اسے غور سے دیکھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اسے پہریداروں نے آ لیا اس کے ہاتھ سے سونے کی مورتی چھین لی اور اسے رسیوں سے جکڑ کر واپس درگا دیوی کے مندر میں لے آئے وہاں ہر طرف شور مچ گیا تھا کہ چور دو پجاریوں کو قتل کر کے سونے کی مورتی اٹھا کر بھاگ گیا ہے جب انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑے ہوئے دیکھا تو پجاری اس پر ٹوٹ پڑے لاتوں اور گھونسوں کی بارش شروع کر دی آخر بڑے پجاری نے آ کر انہیں روکا اور عنبر کو تہہ خانے میں بند کر دیا اس تہہ خانے کے منہ پر بھاری پتھر رکھا تھا اور وہاں کوئی کھڑکی دروازہ یا روشن دان نہیں تھا۔

دوسرے روز ساری بستی میں یہ خبر عام ہوگئی کہ رات پہریداروں نے ایک چور کو پکڑا ہے جو درگا دیوی کی سونے کی مورتی چرا کر بھاگ رہا تھا اس سے پہلے بھی مندر میں سونے کی مورتیاں چوری ہوا کرتی تھیں لوگ بڑے خوش ہوئے کہ آخرکار چور پکڑ لیا گیا انہوں نے بڑے پجاری سے مطالبہ کیا کہ چور کو سر عام بستی کے چوک میں آگ میں ڈال کر ہلاک کر دیا جائے۔

کیلاش عنبر کی کوٹھڑی میں آیا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا چوکیدار نے اسے بتایا کہ اس کا دوست تو ایک نامی گرامی چور نکلا کیلاش کو بڑی حیرانی ہوئی کہ عنبر کو چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔ اس نے چوکیدار سے کہا۔

تم لوگوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، میرا دوست چور نہیں ہے اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

چوکیدار بولا۔

ضرورت نہیں تھی تو پھر اس نے سونے کی درگا دیوی کی مورتی کیوں چوری کی۔

اب تو کیلاش بہت ہی حیران ہوا اچانک اسے اس قزاق کا خیال آ گیا جس کا ساتھی خنجر کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اور جو درگا دیوی کی مورتی چرانے وہاں سے بھاگا تھا اس نے چوکیدار کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ اصل چور اس کا دوست نہیں بلکہ ایک اور ڈاکو ہے جو محض اسی نیت سے اسی بستی میں داخل ہوا تھا لیکن بھلا اس کی بات پر کون اعتبار کر سکتا تھا تنگ آ کر اس نے چوکیدار سے کہا۔

سنو تمہارا میرا برسوں کا دوستانہ رہا ہے میں نے تمہارے لئے آج تک بہت کچھ کیا ہے تم سب باتوں کو چھوڑ دو یہ بتاؤ تم میرے لئے ایک کام کر سکتے ہو؟

چوکیدار نے پوچھا۔

وہ کیا۔؟

کیا تم کسی طرح میری ملاقات میرے دوست تمبر سے کرا سکتے ہو۔؟

یہ بہت مشکل ہے وہ درگا مندر کے شاہی پجاریوں کا مجرم ہے وہ تو کسی ایسے زمین دوز تہہ خانے میں قید ہو گا جہاں چڑیا پر نہیں مار سکتی ہو گی پھر بھلا میں تمہیں وہاں تک کیسے لے جا سکتا ہوں؟ وہاں تک تو میں خود بھی نہیں جا سکتا۔

کیلاش نے کہا۔

کچھ بھی ہو دوست آج میری دوستی کا حق ادا کرو اور مجھے میرے دوست سے ملوا دو۔ میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔

چوکیدار گہری سوچ میں پڑ گیا پھر سر ہلا کر بولا۔

میں کوشش کروں گا۔

کوشش نہیں دوست........مجھ سے وعدہ کرو۔

اچھا........میں وعدہ کرتا ہوں۔

میں کس وقت تیار ہوں۔؟

آج دوپہر تمہیں بتاؤں گا۔

چوکیدار یہ معلوم کرنے کے لئے درگا دیوی کے مندر میں چلا گیا کہ جبر کو پجاریوں نے شاہی قیدی کی حیثیت سے کس جگہ قید کر رکھا ہے جبر خود بڑا پریشان تھا کہ یہ کیا بیٹھے بٹھائے اس پر مصیبت آن پڑی اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر خواہ مخواہ وہ ایک تنگ و تاریک سیل زدہ تہہ خانے میں ڈال کر بند کر دیا گیا تھا جب کہ وہ سے باہر رہ کر اپنے دوست ناگ کا انتظار کرنا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ کہیں اس کی بہن ماریہ وہاں نہ آن نکلے۔

لیکن اب تو وہ تہہ خانے میں بند کر دیا گیا تھا اب اسے دنیا کی کوئی

طاقت وہاں سے باہر نہیں نکال سکتی تھی باہر نکلنے کے لیے عنبر بہرام جن کی مدد لینا نہیں چاہتا تھا اس کی وجہ وہی تھی کہ کہیں وہ تنگ آ کر بھاگ نہ جائے یا اگر بھاگے نہ تو اس کے خلاف ہی نہ ہو جائے کیونکہ جن بھی کبھی مزاج خراب ہونے سے اپنے مالک کے خلاف بھی بغاوت کر دیا کرتے ہیں وہ خاموشی سے کوٹھڑی کے پتھروں پر بیٹھ گیا یہاں بے حد سردی تھی پجاریوں نے اس سے جھیل کے پانی والا تھیلا اور گرم پوستین بھی چھین لی تھی اگر وہ ایک عام انسان ہوتا تو بہت جلدی سردی سے ٹھٹھر کر مر جاتا لیکن چونکہ اس کے جسم پر موسموں کا اثر بہت کم ہوتا تھا اس لئے وہ زندہ رہا اسے سردی کا احساس بہت کم ہوا۔

دوسرے پہر چوکیدار نے کیلاش کو آ کر بتایا کہ عنبر مندر کے سب سے پرانے اور خطرناک تہہ خانے میں قید ہے اور وہاں کوئی نہیں جا سکتا کیلاش نے چوکیدار کی ایک بار پھر منت سماجت شروع کر دی کہ اسے

کسی نہ کسی طرح سے عنبر سے ملایا جائے عادت کے مطابق پہلے تو وہ انکار کرتا رہا پھر وہ مان گیا اور بولا۔

مگر میں ایک شرط پر تمہیں تمہارے دوست سے ملاؤں گا کہ کسی حالت میں بھی میرا نام زبان پر نہیں آنا ہوگا۔

چوکیدار کی اس شرط پر کیلاش نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ کسی سے کسی حالت میں بھی اس کا ذکر نہیں کرے گا چوکیدار نے کہا۔

آج رات تیار رہنا میں تمہیں تمہارے دوست کے پاس لے چلوں گا۔

آدھی رات سے کچھ پہلے چوکیدار کیلاش کے پاس آیا اور اسے ایک سیاہ لبادہ اوڑھا کر اپنے ساتھ لے کر درگا دیوی کے مندر کی طرف چل پڑا مندر میں ہر کوئی اسے جانتا تھا اس نے سب سے یہی کہا کہ تبت سے اس کا چھوٹا بھائی کیلاش اس سے ملنے آیا ہے اس لیے وہ

اسے درگا دیوی کا مندر دکھا رہا ہے۔

چوکیدار کیلاش کو لے کر ایک خفیہ راستے کے ذریعے اس راہداری میں لے آیا جو عنبر کے قید خانے کو چلی جاتی تھی خدا جانے چوکیدار نے پہریداروں کو کیا سبز باغ دکھائے تھے کہ انہوں نے کیلاش پر سارے راستے کھول دیے۔

تھوڑی دیر بعد کیلاش عنبر کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا عنبر نے جب سارا اصل قصہ کیلاش کو سنایا تو وہ بولا۔

میرا اپنا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کام سوائے اس قزاق کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا مگر وہ کیسا بے وقوف ڈاکو تھا کہ سونے کی مورتی جھیل کے کنارے پھینک کر بھاگ گیا۔

اس کا خیال تھا کہ اس طرح میں بچ جاؤں گا۔

کیلاش نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

مگر اب کیا ہو گا، تمہیں یہاں سے کس طرح آزاد کرایا جائے۔؟

عنبر نے کہا۔

اس کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی طرح پہریداروں کو رشوت دی جائے اور چابیاں تالے توڑ کر یہاں سے فرار ہوا جائے۔

میں پوری کوشش کروں گا۔

اتنے میں چوکیدار نے آکر اسے کہا جلدی کرو، زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں کیلاش عنبر کو تسلی دے کر چوکیدار کے ساتھ تہہ خانے سے باہر نکل آیا وہ اس کے جھونپڑے میں جا کر اسے صبح تک مناتا رہا کہ کسی طرح وہ بھاری رقم لے کر عنبر کو وہاں سے بھگانے میں مدد کرے مگر چوکیدار نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ وہ جتنا کچھ کر سکتا تھا اس نے کر دیا ہے اب وہ شاہی قیدی کو بھگا کر راجہ سے اپنی کھال نہیں کھنچوانا چاہتا راجہ کا انتظام ایسا زبردست تھا کہ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

تھا کہ اصل مجرم کا پتہ نہ چلایا جا سکے۔

اُلٹا لٹکا دو

کیلاش چور نے آخر چوکیدار کو راضی کر لیا۔

خدا جانے اس نے چوکیدار کو کیا رشوت دی کیا سبز باغ دکھائے کہ وہ عنبر کو تہہ خانے سے بھگانے پر تیار ہو گیا کیلاش نے چوکیدار ہی کے ذریعے عنبر کو یہ پیغام پہنچا دیا کہ وہ آدھی رات کو تیار رہے عنبر اس لئے خوش ہوا کہ اس تہہ خانے کی بک بک جھک جھک سے چھٹکارا ملے گا

اور وہ اپنے دوست ناگ اور بہن ماریا کو تلاش کر سکے گا گورنر نے ایک نہ ایک دن تو اسے وہاں سے نکلنا ہی تھا آگ میں تو وہ لوگ اسے جلا ہی نہیں سکتے تھے طے یہ پایا کہ اس رات کو چوکیدار کسی نہ کسی طرح اپنا پہرہ تہہ خانے کے باہر لگوائے گا اور یوں وہ عنبر کو پجاری کے بھیس میں کیلاش کے ساتھ وہاں سے بھگا دے گا۔

عنبر کو بعد میں پتہ چلا کہ کیلاش نے چوکیدار سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس خدمت کے عوض عنبر سے وہ دوائی لے دے گا جسے کھا کر وہ بھی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گا اور اس پر بھی آگ اور تلوار کا وار کوئی اثر نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ آدھی رات کو چوکیدار تہہ خانے میں عنبر کے پاس آ گیا اس کے کندھے پر پجاری کا لباس تھا اس نے وہ لباس عنبر کو دیا اور کہا۔

اسے فوراً پہن کر باہر آ جاؤ۔

عنبر نے جلدی سے پجاریوں کا لباس پہن لیا چوکیدار نے پتھر ہٹا دیا عنبر تہہ خانے سے باہر آ گیا چوکیدار اسے ساتھ لے کر مندر کے پچھلے دروازے پر آ گیا یہاں کیلاش تیار کھڑا تھا ابھی عنبر نے دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک چاروں طرف سے انہیں راجہ کے سپاہیوں نے گھیر لیا ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور وہ خونخوار نگاہوں سے بھاگنے والے مجرم اور مدد کرنے والے چوکیدار اور کیلاش کو دیکھ رہے تھے سپہ سالار نے غضبناک آواز میں کہا۔

ان تینوں کو گرفتار کر کے راجہ کے حضور پیش کرو۔

سپاہی آگے بڑھے، انہوں نے عنبر کیلاش اور چوکیدار کو زنجیروں میں جکڑ لیا اور ہنٹر مارتے ہوئے شاہی محل کی طرف لے گئے یہ کسی کو نہ پتہ چل سکا کہ اس فرار کے بارے میں کس نے راجہ کے سپاہیوں کا اطلاع کر دی تھی بہر حال اب وہ گرفتار ہو گئے تھے ان کا بڑا بھیانک

انجام تھا راجہ کے دربار میں ان کو پیش کیا گیا راجہ نے اسی وقت کوئی بات سنے بغیر حکم دیا کہ ان تینوں کو پورن ماشی کی رات کو درگا دیوی کے مندر کے سامنے والے میدان میں زمین میں گاڑ کر ان کی گردنیں قلم کر دی جائیں۔

کیلاش اور چوکیدار تو تھر تھر کانپنے لگے عنبر خاموش رہا سپاہی ان تینوں کو زنجیروں میں جکڑے شاہی قلعے میں لے گئے جہاں انہیں الگ الگ تہ خانے میں ڈال دیا گیا یہ بیٹھے بیٹھائے ان پر عجیب مصیبت پڑ گئی تھی کیلاش کا تو برا حال تھا بے چارا بار بار پچھتا رہا تھا کہ اس نے عنبر کو بھگا کر لے جانے کا خیال ہی کیوں کیا؟ جب کہ اسے تو کوئی مار ہی نہ سکتا تھا دوسری طرف چوکیدار کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا جس نے لالچ میں آ کر اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور اب موت کا انتظار کر رہا تھا پورن ماشی یعنی پورے چاند کی رات کو ابھی چار پانچ دن پڑے تھے

لیکن اب انہیں کوئی نہ بچا سکتا تھا۔

اب ذرا ماریا کی بھی خبر لیں کہ وہ بے چاری کس حال میں ہے ماریا کا دیبری کے ساتھ کسان قزاق کو ٹھکانے لگانے کے بعد گھوڑے پر سوار جھیل نندن سر کی طرف سفر کر رہی ہے ناگ کی لاش کی صندوقچی اس کے پاس محفوظ رکھی ہے کا دیبری بھی گھوڑے پر سوار ماریا کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی ہے ماریا گھوڑے سمیت غائب ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دے رہی چلتے چلتے وہ شام کو اسی بوڑھے کی جھونپڑی کے باہر پہنچیں جس کے بیٹے کو عنبر کی دوائی نے تندرست کیا تھا اور جہاں جادوگر سے عنبر کا مقابلہ ہوا وہ جادوگر اس وقت بھی بوڑھے لکڑ ہارے کی جھونپڑی میں موجود تھا اور اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کر رہا تھا ماریا نے کا دیبری کو گھوڑے سمیت درختوں کے پاس چھوڑا اور خود یہ معلوم کرنے جھونپڑی کی طرف آگئی کہ یہاں کون رہتا ہے اور کیا ان

دونوں کو وہاں کھانے کے علاوہ رات بسر کرنے کو تھوڑی سی جگہ مل سکتی ہے۔؟

ماریا گھوڑے پر سوار نہیں تھی وہ غائب حالت میں تھی اور کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ جھونپڑی کی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی اور اس نے اندر جھانک کر دیکھا کہ ایک گنجا سیاہ رو جادوگر حکیم بوڑھے لکڑ ہارے اور اس کی بیوی سے سخت تلخ کلامی کر رہا ہے اور اس کا بیٹا بے چارہ سہما بیٹھا ہے جادوگر کہہ رہا تھا۔

اگر تم نے میری وہ رقم نہ دی جو تم نے چھین لی تھی تو میں ابھی تمہارے بچے کو اپنے کالے علم سے جلا کر بھسم کر دوں گا۔

بوڑھا باپ اس کی منت سماجت کرنے لگا۔

گورو جی، معاف کر دو، ہمارے بیٹے کی جان نہ لو وہ رقم اس وقت میرے پاس نہیں میں نے دو بیل منگوا کر ناگ مندر میں قربانی کر دی

تھی اگلے موسم میں میں آپ کے سارے پیسے پائی پائی کر کے ادا کر دوں گا۔

مگر جادوگر تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا اس نے بچے کو چھین کر اپنی ران تلے دبا لیا اور کہا۔

اگر بڈھے تم نے میری رقم ابھی نہ دی تو میں اپنے جن بلوا کر تمہارے بچے کی ابھی جان نکلوا دوں گا بول دیتا ہے پیسے یا نہیں۔؟

بچے کی ماں اور باپ دونوں گنجے موٹے جادوگر کے قدموں پر گر پڑے اور اس کے پیر پکڑ کر اپنے بچے کی جان بخشی کے لئے رو رو کر التجائیں کرنے لگے مگر سنگدل جادوگر کے کان پر جوں تک نہ رینگی وہ اسی طرح اپنی ضد پر اڑا رہا اور بار بار یہی کہتا رہا کہ اگر رقم نہ ملی تو وہ بچے کا سارا خون جن بھوتوں کو پلا دے گا۔

ماریا نے یہ منظر دیکھا تو اسے جادوگر پر سخت طیش آیا اور بچے کے ماں

باپ پر بے حد رحم آیا اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نقلی اور پتھر دل ظالم جادوگر کو اس کے بڑے بول کا ضرور مزا چکھائے گی۔

وہ چپکے سے کھڑکی میں سے کوٹھڑی کے اندر کود گئی اس کے اندر جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اس لئے کہ وہ تو غائب تھی پھر بھلا کسی کو کیسے اس کی موجودگی کی خبر ہو سکتی تھی جادوگر نے معصوم بچے کو ابھی تک اپنی بھاری بھرکم ران کے نیچے دبا رکھا تھا بے چارے بچے کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔

ماریا جادوگر کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک زوردار دوہتر جادوگر کے کندھے پر دے ماری جادوگر الٹ کر دور جا گرا اور بچہ اس کی ران سے نکل کر آزاد ہو گیا جادوگر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے ایک زبردست تھپڑ بچے کے گال پر جڑ دیا۔

گستاخ تمہاری یہ جرأت کہ مجھے دھکا دو۔

اس کا خیال تھا کہ اس کو بچے نے دھکا دیا ہے حالانکہ وہ بیچارہ اس کی ٹانگوں میں دبا ہوا تھا بچہ درد سے چلا اٹھا ماریا کو غصہ چڑھ گیا اس نے اتنی زور سے ایک طمانچہ جادوگر کے موٹے پھولے ہوئے گال پر جڑ دیا چٹاخ کی آواز پیدا ہوئی اور جادوگر چکرا گیا اس نے بچے کو ایک زوردار لات ماری وہ یہ سمجھا کہ یہ طمانچہ بھی بچے نے ہی اچھل کر مارا ہے

لات کھا کر بچہ اپنے باپ کے قدموں میں جا گرا اور درد سے تڑپنے لگا ماریا نے اسی طرح ایک زوردار لات جادوگر کے پھولے ہوئے پیٹ پر دے ماری جادوگر پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا اور ہائے ہائے کرنے لگا بوڑھا لکڑہارا اور اس کی بیوی بھی حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کون جادوگر کو طمانچے اور لاتیں مار رہا ہے مگر ان سب بیچاروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا آخر ماریا نے بارعب آواز میں کہا۔

سن اے جادوگر میں تیری موت بن کر یہاں آئی ہوں میں درگا دیوی ہوں تم نے اس معصوم بچے پر جو ظلم کیا ہے اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں جان سے نہ ماروں تو خود ہی اپنے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر کے درخت پر الٹے لٹک جاؤ۔

جادوگر تھر تھر کانپنے لگا بوڑھا لکڑ ہارا اور اس کی بیوی بھی سہم کر ایک طرف کھڑے ہو گئے انہیں عورت کی آواز آ رہی تھی مگر عورت کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی جادوگر زمین پر گر پڑا۔

معافی درگا دیوی معافی مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے معاف کر دو میں آئندہ کبھی ایسا ظلم نہیں کروں گا۔

ماریا نے کہا۔

لیکن جو ظلم تم کر چکے ہو اس کی سزا تمہیں مل کر رہے گی۔

جادوگر سجدے میں گر پڑا۔

معاف کردو دیوی، معاف کردو۔

ماریا نے گرج کر کہا۔

ہرگز نہیں ابھی اٹھ کر باہر چلو یہاں سے رسی پکڑو اور اپنے پیروں میں باندھ کر درخت پر اُلٹے لٹک جاؤ میں تم کو حکم دیتی ہوں اگر تم نے ذرا سی اور دیر کر دی تو میں ترشول مار کر تمہاری گردن تن سے جدا کر دوں گی۔

موٹا جادوگر کانپتا ہوا اٹھا کونے سے رسی لے کر باہر درخت کے نیچے آ گیا پھر وہ درخت کے اوپر چڑھ گیا ایک شاخ پر بیٹھ کر اس نے پہلے رسی اپنے پاؤں میں باندھی اور پھر الٹا لٹک گیا وہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی موٹا تازہ ریچھ درخت پر الٹا لٹکا دیا گیا ہو ماریا جھونپڑ سے کے اندر آ گئی بوڑھا لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اور بچے ایک دیوار سے لگے

کھڑے تھے یہ عجیب و غریب تماشا اپنی حیران آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جھونپڑے کے اندر جا کر ماریا نے نرم اور میٹھی آواز میں کہا۔

اے نیک دل بابا، اپنے بچے کے ساتھ تم یہاں خوش و خرم رہو اور کبھی اس جادوگر کی طرف سے خوف مت کھانا اب یہ زندگی بھر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

بچے کی ماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے درگا دیوی۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہم غریبوں کے گھر پر آئیں اور آپ نے ہمارے بچے کی جان بچائی ہم آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

یہ میرا فرض تھا کہ ایک غریب مزدور کی مدد کرتی اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیتی۔

بوڑھے نے عرض کی۔

اے عظیم درگا ماتا! اس ظالم جادوگر کو اپنے ظلم کی کافی سزا مل چکی ہے اسے اب معاف کر دیں۔

ماریا نے کہا۔

میں اسے کبھی معاف نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اگر آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو میں اسے معاف کرتی ہوں جاؤ جا کر اس کی رسی کاٹ دو۔

بوڑھا لکڑ ہارا درانتی لے کر باہر گیا درخت پر چڑھ کر اس نے جادوگر کی رسی کاٹ دی۔ وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا ماریا نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

اس نیک بوڑھے کی سفارش پر میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں

.........یہاں سے بھاگ جاؤ اگر پھر کبھی تم نے ادھر کا رخ کیا تو میں

تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی............دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے......

جادوگر نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا نے بوڑھے اور اس کی بیوی سے کہا۔

سنو بابا، ہماری ایک بہن اس جنگل میں اس وقت اکیلی سفر کر رہی ہے وہ آپ کی جھونپڑی میں ابھی آئے گی اسے رات بسر کرنے کے لئے جگہ چاہیئے اسے یہاں رات گزارنے دو اس کا ہم تمہیں نیک بدلہ دیں گے۔

بوڑھے اور اس کی بیوی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

درگا ماتا، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کی بہن ہمارے جھونپڑے میں رات بسر کرے کاش ہم اس کی اس سے زیادہ خدمت کر سکتے۔

ماریا نے کہا۔

زیادہ خدمت کی ضرورت نہیں میں جا رہی ہوں میری بہن ابھی کوئی دم میں یہاں آ جائے گی۔

ماریہ وہاں سے نکل کر سیدھی درختوں میں کادمبری کے پاس آ گئی اس نے پوچھا کیا اندر کیا تماشا ہو رہا تھا اور باہر درخت پر الٹا کون لٹکا تھا ماریہ نے ہنستے ہوئے کادمبری کو سارا قصہ سنایا اور پھر اسے ساتھ لے کر جھونپڑی میں آ گئی کادمبری کا دیکھ کر بوڑھے اور اس کی بیوی نے سر جھکا دیا۔

اے عظیم ماں کی عظیم بہن ہمارا غریب سا جھونپڑا آپ کی خدمت کے لئے ناکافی ہے کاش ہمارے پاس کوئی بہت شاندار محل ہوتا جہاں ہم آپ کی بہتر خدمت کر سکتے۔

کادمبری نے کہا۔

کوئی بات نہیں بابا.......... آپ کی جھونپڑی میرے لئے کسی محل

سے کم نہیں ہے مجھے اس جھونپڑی میں رات بسر کر کے بے حد خوشی ہوئی۔

بوڑھے کی بیوی نے جھونپڑے کے فرش پر خشک گھاس بچھا دیا کا دبری کو کھانے کے لئے جو کی روٹی اور بکری کا دودھ دیا اس کے ساتھ ماریا بھی کھانے پر بیٹھ گئی کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ کا دبری اکیلی روٹی نہیں کھا رہی بلکہ اس کے ساتھ ماریا بھی کھانا کھا رہی ہے کھانے سے فارغ ہو کر ماریا بھی کا دبری کے ساتھ ہی گھاس پر لیٹ گئی اور پھر دونوں سو گئیں۔

صبح ان کی آنکھ کھلی تو سورج نکل آیا تھا اور اس کی روشنی باہر پہاڑوں اور وادی پر پھیل گئی تھی دور کنچن چنگا پہاڑیوں کی برف پوش چوٹیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں رخصت ہونے سے پیشتر کا دبری یوں ہی بوڑھے اور اس کی بیوی سے باتیں کرنے لگی باتوں ہی باتوں میں

اسے معلوم ہوا کہ خبرا اپنے کسی دوست کے ساتھ وہاں آیا تھا۔

ماریا نے کادمبری کے کان میں کہا۔

بابا سے پوچھو وہ لوگ کس طرف گئے ہیں۔؟

کادمبری کے سوال کرنے پر بوڑھے لکڑہارے نے بتایا کہ وہ لوگ وہاں سے جھیل نندن سر جانے کا سوچ رہے تھے اور ضرور وہ اسی طرف گئے ہیں ماریا کے اشارے پر کادمبری نے بوڑھے سے جھیل نندن سر جانے والے راستے کی ساری معلومات حاصل کر لیں اور پھر ان کا شکریہ ادا کر کے ان سے اجازت لے کر آگے روانہ ہو گئیں بوڑھا اور اس کی بیوی اور بچہ اس وقت تک اپنے جھونپڑے کے باہر کھڑے رہے جب تک کہ کادمبری ان کو گھوڑے پر سوار دکھائی دیتی رہی کادمبری کے ساتھ ساتھ درگا دیوی یعنی ماریا بھی گھوڑے پر سوار چلی جا رہی تھی مگر وہ انہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔

اب انہیں سارے راستے کا علم ہو گیا تھا ماریا کو یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اس کا بھائی عنبر بھی جھیل نندن سر کی طرف گیا ہے اور وہاں ان دونوں کی ضرور ملاقات ہو جائے گی اسے یہ بھی امید تھی کہ وہاں ناگ کی لاش کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی انکشاف ضرور ہو گا اور عنبر اسے پھر سے زندہ کر لے گا ان کی یہ ملاقات کئی مہینوں کے بعد ہو رہی تھی راستے میں ماریا نے کادمبری کو اپنے بھائی عنبر کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں اور جب اس نے یہ کہا کہ عنبر پر زہر اور کسی قسم کی مہلک وار کوئی اثر نہیں کرتا اور یہ کہ وہ کبھی نہیں مرتا تو وہ بے حد حیران ہوئی اس نے کہا۔

ماریا بہن! مجھے اس کا یقین نہیں آ رہا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان پر تلوار کا حملہ ہو اور اس پر کوئی اثر نہ ہو۔؟

ماریا نے کہا۔

پیاری بہن اگر میں تمہاری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو سکتی ہوں تو پھر یہ معجزہ بھی ہو سکتا ہے یہ سب کچھ کسی غیبی طاقت کے ہاتھوں ہو رہا ہے اس میں ہماری کوشش جادو یا کسی عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

دوپہر کے بعد وہ کنچن چنگا کی وادی میں پہنچ گئے یہاں کچھ وقت آرام کرنے کے بعد وہ جھیل نندن سر کی طرف چل پڑیں ابھی رات نہیں ہوئی تھی کہ وہ جھیل نندن سر پہنچ گئیں جھیل نندن سر کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک سنہری بالوں والی لڑکی گھوڑے پر سوار بازار میں سے گزر رہی ہے انہیں ماریا دکھائی نہ دی جو اس کے ساتھ ہی ساتھ گھوڑے پر سوار چل رہی تھی وہ دونوں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھیں جہاں وہ قیام کر سکیں۔

کیلاش کا اغوا

انہیں جھیل کے بائیں جانب ایک مندر دکھائی دیا۔

ماریہ نے کادمبری سے کہا کہ اس مندر کی طرف چلا جائے شاید وہاں اسے رہنے کے لئے جگہ مل جائے کادمبری نے گھوڑے کا رخ مندر کی طرف کر دیا۔ یہ درگا دیوی کا مندر تھا دروازے پر ایک عورت جو شکل و صورت سے پجارن معلوم ہوتی تھی تلسی کے پودے کو پانی دے رہی تھی اس عورت نے گیروے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے مندر کے دروازے پر دونوں جانب مشعلیں جل رہی تھیں ماریہ نے

کادمبری سے کہا کہ اس عورت سے بات کرو کادمبری گھوڑے سے اتر کر اس پجارن کے پاس آئی اور کہا کہ وہ بڑی دور سے درگا دیوی کے مندر کی زیارت کرنے آئی ہے کیا اسے وہاں ٹھہرنے کو جگہ مل جائے گی۔؟

پجارن نے بڑے غور سے کادمبری کو دیکھا اور کہنے لگی۔

بیٹی اس مندر میں یاتریوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہوتی لیکن تم مجھے پیاری لڑکی لگی ہو اس لئے تمہیں میں اپنے ہاں ٹھہراؤں گی، آؤ میرے ساتھ گھوڑے کو ادھر درختوں میں باندھ دو۔

کادمبری گھوڑے کو لے کر درختوں میں آ گئی یہاں آ کر تھی ماریا بھی گھوڑے سے اتر پڑی اس کے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا یعنی اب وہاں ایک جگہ دو گھوڑے تھے لیکن پجارن دور تھی اس لئے اسے گھوڑے نظر نہیں آ رہے تھے ماریا نے کادمبری سے کہا کہ وہ اس کے

ساتھ ساتھ ہی ہوگی کادمبری پجارن کے پاس آ گئی پجارن اسے ساتھ لے کر مندر کے اندر اپنے مکان میں لے گئی یہ ایک منزلہ مکان مندر کے صحن میں ایک طرف بنا ہوا تھا صحن میں گائے بندھی ہوئی تھی پجارن نے ایک تخت پر کادمبری کے لئے دودھ اور جوار کی روٹی رکھ دی اور کھانے کو کہا کادمبری کے ساتھ ساتھ ماریا نے بھی تھوڑا سا دودھ پیا اور روٹی کھائی پجارن کادمبری کو ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئی جہاں زمین پر گھاس کا بستر بچھا تھا دیوار کے ساتھ تپائی پر موم کی شمع روشن تھی پجارن بولی۔

بیٹی تم اس کمرے میں آرام کرو یہ بتاؤ تمہارا ارادہ کتنے دن تک ٹھہرنے کا ہے۔

کادمبری نے کہا۔

یہی کوئی چھ سات روز خیال ہے کہ پورن ماشی کی رات کو مندر میں

چراغاں دیکھ کر واپس چلی جاؤں گی۔

پجارن کہنے لگی۔

بڑی اچھی بات ہے اس دفعہ چراغاں کے ساتھ تم تین ایسے چوروں کو قتل ہوتے بھی دیکھ سکو گی جنہوں نے درگا دیوی کے مقدس مندر میں سے سونے کی مورتی چوری کرنے کی کوشش کی تھی۔

کادمبری نے پوچھا۔

کیا انہیں پورن ماشی کی رات کو پھانسی دی جائے گی۔؟

ہاں بیٹی سنا ہے بڑے مشہور چور ہیں اگر وقت پر پتہ نہ چل جاتا تو یہ لوگ مورتی لے اڑے تھے سنا ہے ان میں سے ایک چور تو بڑا خوش خوش رہتا ہے جیسے اسے موت کی کوئی پرواہ نہ ہو باقی دونوں چوروں کا برا حال ہے۔

یہ سن کر ماریا کا ماتھا ٹھنکا اس نے کادمبری کے کان میں سرگوشی کی کہ

پجارن سے خوش خوش رہنے والے چور کے بارے میں اور کچھ پوچھے کادمبری کے پوچھنے پر پجارن نے اسے بتایا کہ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی کہ دو چور تو موت کے ڈر سے بیمار رہنے لگے ہیں جب کہ ایک چور خوب کھاتا پیتا ہے اور ہر وقت مسکراتا رہتا ہے ماریا کو شک ہوا کہ کہیں وہ اس کا بھائی عنبر ہی نہ ہو اس نے کادمبری کے کان میں سرگوشی کی کہ پجارن سے پوچھو یہ لوگ کس جگہ پر قید ہیں؟

کادمبری نے پوچھا۔

ماتا جی، راجہ نے ان خطرناک چوروں کو کس جگہ قید کر رکھا ہے۔؟

پجارن کہنے لگی۔

وہ لوہ پر والی پہاڑی کے پرانے قلعے میں قید ہیں وہاں تو کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا اچھا اب تم آرام کرو میں صبح آ کر تمہیں پوجا کے وقت جگا دوں گی۔

اچھا ماتا جی۔

پجارن چلی گئی تو ماریا نے کہا۔

کادمبری ہو نہ ہو، ان چوروں میں سے میرا ایک بھائی عنبر ہی ہے صرف وہی ایک ایسا شخص ہے جو موت کی خبر سن کر بھی خوش رہ سکتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اسے کوئی بھی ہلاک نہ کر سکے گا۔

کادمبری نے کہا۔

ہو سکتا ہے یہ تمہارا بھائی عنبر ہی ہو مگر اسے مورتی چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی ماریا بہن؟

وہ ضرور کسی سازش کا شکار ہو گیا ہو گا ایسا ہوا ہو گا کہ چوروں کے ساتھ وہ بھی پکڑا گیا ہو گا بہر حال میں اس سے ملاقات کرنے پہاڑی قلعے پر جاؤں گی تم کمرے کا دروازہ کھلا رکھنا میں وہاں سے ہو کر سیدھا یہاں آؤں گی۔

بہت اچھا لیکن وہ سانپ کی لاش والی صندوقچی کا کیا کرنا ہے۔

ماریہ نے چونک کر کہا۔

ارے ہاں، اسے تو میں بھول ہی گئی تھی لاؤ اسے مجھے دو میں سب سے پہلے اسے جھیل نندن سر کے پانی میں غسل دے کر لاتی ہوں۔

ماریہ نے صندوقچی لی اور مندر سے نکل کر سیدھی جھیل پر آ گئی جھیل مندر کے سامنے ہی تھی وہ سیڑھیوں پر اتر کر جھیل نندن سر کے کنارے کھڑی ہو گئی اس نے جھک کر صندوقچی جھیل کے پانی میں ڈال دی جب اس کے اندر خوب پانی بھر گیا تو اسے لے کر واپس کاہیری کے پاس آ گئی اور کہنے لگی۔

پیاری بہن۔ اس صندوقچی کو حفاظت سے رکھنا خبردار اس کی طرف سے غافل مت ہونا۔

نہیں بہن میں غافل نہیں ہوں گی تم فکر مت کرو۔

کامیری نے صندوقچی دیوار والی تپائی کے نیچے رکھ کر اور گھاس پھونس ڈال دیا ماریا وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور سیدھی پہاڑی والے قلعے کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہ قلعہ بہت پرانا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہاں سوائے قیدیوں کے تہہ خانوں کے اور کچھ نہیں ہے اونچے لمبے بند دروازے پر سخت پہرہ تھا صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس میں سے سپاہی اندر باہر آتے جاتے تھے ماریا نے سوچا اگر وہ گھوڑے سے اتری تو گھوڑا ظاہر ہو جائے گا اور سپاہی اسے پکڑ لیں گے چنانچہ وہ پہاڑی کی اوٹ میں آ گئی یہاں اس نے گھوڑے کو ایک پتھر کے ساتھ باندھا اور خود قلعے کے دروازے کی طرف آ گئی دروازے کی چھوٹی کھڑکی بند تھی اور باہر دو سپاہی نیزے کندھوں پر رکھے پہرہ دے رہے تھے ماریا چونکہ غائب تھی اس لئے اسے تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا پھر بھی کھڑکی بند تھی

اسے کھولنے کے لیے اگر ماریا آگے بڑھ کر ہاتھ لگاتی تو لازمی بات تھی کہ پہرے دار چوکس ہو جاتا کہ یہ کھڑکی خود بخود کیسے کھل گئی چنانچہ وہ ایک جگہ کھڑی ہو کر کھڑکی کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔

اسے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اندر سے ایک سپاہی باہر آیا ماریا نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ کھلی کھڑکی میں سے اندر داخل ہو گئی اندر ایک چھتی ہوئی ڈیوڑھی تھی جو بائیں طرف کو گھوم گئی تھی دونوں جانب کوٹھڑیاں تھیں جہاں سپاہی بیٹھے آرام کر رہے تھے ایک سپاہی تلوار تیز کر رہا تھا ماریا قریب سے گزری تو اسے قدموں کی چاپ سنائی دی وہ چونک کر تکنے لگا پر وہاں کوئی بھی اسے نظر نہ آیا ماریا نے اس سے مذاق کرنا چاہا اس نے زمین پر سے ایک روڑا اٹھا کر سپاہی کے کندھے پر دے مارا سپاہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور تلوار ہاتھ میں لیے چاروں طرف دیکھنے لگا وہاں کوئی نہیں تھا ماریا نے ایک اور کنکر اٹھا کر اس کے سر پر

دے ماری۔

سپاہی نے غصے میں کہا۔

کون ہے یہاں۔؟

دوسرے سپاہی نے پوچھا۔

کس سے باتیں کر رہے ہو۔؟

سپاہی بولا۔

ابھی ابھی میں نے یہاں کسی کے قدموں کی چاپ سنی پھر کسی نے روڑا مارا اور اب یہ کنکر میرے سر پر آن لگا ہے۔

دوسرے سپاہی نے ہنس کر کہا۔

پاگل تم نئے نئے آئے ہو یہ قلعہ بھاری ہے یہاں پرانے بادشاہوں کی روحیں پھرا کرتی ہیں۔

پہلا سپاہی بولا۔

پھرتی ہیں تو پھرا کریں مگر ہمیں پتھر تو نہ ماریں۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

تمہارا وہم ہوگا بھلا کسی روح کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں پتھر مارے تم کچھ پاگل ہو گئے ہو، چلو اپنا کام کرو۔

دوسرا سپاہی مسکراتا ہوا واپس کوٹھڑی میں جانے ہی والا تھا کہ ماریا نے ایک بڑا سا روڑا اٹھا کر اس کے کندھے پر بھی دے مارا وہ تو ڈر کر اندر کوٹھڑی میں بھاگ گیا ماریا ہنس پڑی اور ڈیوڑھی میں سے آگے نکل گئی اب اسے ان تہہ خانوں کی تلاش تھی جہاں اس کے خیال میں عنبر کو قید کیا گیا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے کیسے معلوم ہو کہ وہ تہہ خانے کہاں ہیں اس کے لئے ضروری تھا کہ کسی سے پوچھا جائے لیکن ماریا کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی اگر وہ کسی سے پوچھ بھی لیتی تو یقیناً وہ ڈر کر بھاگ جاتا ماریا نے ایک سپاہی کو دیکھا جو گھوڑے کو دانہ ڈال رہا تھا۔

ماریا چپکے سے اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی گھوڑا گھبرا کر ادھر اُدھر پاؤں مارنے لگا سپاہی اسے پچکارنے لگا ماریا نے سپاہی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اس نے پلٹ کر دیکھا پیچھے کچھ نہیں تھا وہ ڈر کے مارے وہیں ٹھنڈا برف ہو گیا ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

خبردار، اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسی جگہ قتل کر دیئے جاؤ گے میں ایک شہزادی کی روح ہوں جسے اس قلعے میں آج سے ہزار سال زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا میں درگا دیوی کے مندر میں رہتی ہوں میں ان لوگوں کو دیکھنا چاہتی ہوں جنہوں نے میرے مندر میں سے سونے کی مقدس مورتی چوری کرنے کی جرات کی تھی کیا تمہیں معلوم ہے دو چور کس جگہ قید ہیں۔؟

سپاہی کے منہ سے لفظ نہیں نکل رہے تھے اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا چور اس طرف قید ہیں ماریا نے اس کے کندھے پر بوجھ ڈال کر

کہا۔

کس طرف۔؟

اس.......اس طرف.......سیڑھیاں........آگے....کوٹھڑیاں

........ہاں.......ہاں........اس.......طرف......

سپاہی بے ہوش ہونے کے قریب تھا ماریہ نے اس کے کندھے پر سے ہاتھ اٹھا لیا اور دیوار کے ساتھ نیچے کو جاتی سیڑھیوں میں آ گئی سپاہی کچھ دیر وہاں بت بنا کھڑا رہا پھر چیخ مار کر ایک طرف کو بھاگ گیا ماریا سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آ گئی سپاہی نے جاتے ہی دوسرے سپاہیوں کو سارا قصہ سنا دیا کچھ اس کا مذاق اڑانے لگے مگر ان دو سپاہیوں نے جنہیں ماریا نے پتھر مارے تھے کہا۔

اسے مذاق نہ کرو یہ سچا ہے اس روح نے ابھی ابھی یہاں سے گزرتے ہوئے ہمیں بھی پتھر مارے تھے یہ دیکھو پتھر ابھی تک زمین پر پڑے

تیں۔

ہوتے ہوتے یہ خبر سپاہیوں کے سپہ سالار تک پہنچ گئی........ اسے جب معلوم ہوا کہ ایک بھٹکی ہوئی روح موروثی چوروں کے بارے میں پوچھ رہی تھی تو وہ چوکس ہو گیا اس نے اسی وقت حکم دیا کہ چوروں کی کوٹھڑیوں کے باہر زبردست پہرہ لگا دیا جائے جس وقت پہریدار تہہ خانے میں سے تلواریں ہاتھوں میں لیے گزرے ماریا دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھی وہ سپاہیوں کو آتا دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئی سپاہی گزر گئے ماریا نے ایک جگہ گھوم کر دیکھا کہ سامنے سلاخ دار کوٹھڑی کے باہر زبردست پہرہ لگا ہے اور اندر ایک آدمی سر جھکائے پریشانی کے عالم میں گھاس پر بیٹھا آنسو بہا رہا ہے ماریا سمجھ گئی کہ یہ عنبر تو ہرگز نہیں ہو سکتا مگر اس کا ساتھی ضرور ہے۔

یہ چور کیلاش تھا اب ماریا اس سے بات کرنے کا بہانہ تلاش کرنے لگی

پہرے دار ایک دوسرے کے آمنے سامنے ستونوں پر بیٹھے تھے وہ الگ ہوں تو ماریا کیلاش سے بات کرے مگر وہ تو جیسے وہاں جم کر بیٹھ گئے تھے ادھر اُدھر ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے آخر ماریا کو ایک ترکیب سوجھی اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا اور تہہ خانے میں دوسری طرف زور سے پھینک دیا دونوں پہرے دار اس طرف بھاگے ماریا جلدی سے سلاخوں کے پاس آئی اور کیلاش سے بولی۔

سنو کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہارے ساتھیوں کے نام کیا ہیں اور وہ کہاں ہیں۔؟

کیلاش نے چونک کر اوپر نیچے اور ادھر اُدھر دیکھا اور حیران ہوا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے ماریہ نے کہا۔

وقت ضائع مت کرو مجھے جلدی سے بتاؤ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔

کیلاش نے سر پکڑ لیا۔

تم.......تم کون ہو۔؟

ماریا بولی۔

میں ایک روح ہوں۔

اس پر کیلاش چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا ماریا سر پکڑ کر الگ کھڑی ہو گئی کیوں کہ اس کی چیخ کی آواز سن کر سپاہی بھاگ کر وہاں آ گئے تھے انہوں نے کیلاش کے اوپر پانی کی بالٹی پھینک دی اسے ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ ابھی ابھی یہاں ایک روح آئی تھی سپاہیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کیلاش سے کہا۔

بکواس بند کر کے آرام سے پڑے رہو نہیں تو پورن ماشی سے پہلے پہلے تمہاری گردن اتار دی جائے گی۔

کیلاش گھاس پر کانپتے ہوئے بیٹھ گیا اور دونوں سپاہی پہرہ دینے لگے اب وہ بڑے ہوشیار ہو گئے تھے اور ایک ایک آہٹ پر ان کے

کان لگے تھے ماریا کو وہاں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا سوائے اس بات کے کہ کیلاش بھی ایک چور تھا اور اسے پورن ماشی کی رات کو پھانسی ملنے والی تھی اس نے سوچا کہ اس شخص کو عنبر کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلوم ہوگا اس لئے اسے یہاں سے باہر نکالنا چاہیے رات گزر گئی تھی ماریا نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کے سر پر اس زور سے پتھر مارا کہ وہ گرتے ہی بے ہوش ہوگیا دوسرا سپاہی چلانے ہی والا تھا کہ ماریا نے پہلے سپاہی کی لوہے کی ڈھال لے کر اسے دوسرے سپاہی کے سر پر دے مارا دوسرا سپاہی بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا یہ سب کچھ عنبر دیکھ رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا ماریا نے پتھر سے کوٹھڑی کا تالا توڑ ڈالا اور کیلاش سے کہا۔

فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔

کیلاش نے کہا۔

مگر کہاں اسے روت میں یہاں سے باہر نکلا تو پکڑا جاؤں گا۔

ماریا نے کہا۔

بے وقوف فوراً ایک سپاہی کے کپڑے پہن لو اور باہر نکلنے کی کوشش کرو۔

کیلاش ڈرپوک تھا لیکن ماریا کے ہمت دلانے پر اس نے ایک سپاہی کے کپڑے اُتار کر پہن لیے ڈھال اور تلوار لگائی اور ماریا کے اشارے پر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا ماریا نے کہا۔

اب خاموشی سے قلعے کی کھڑکی میں سے ہو کر باہر نکل جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں فکر نہ کرو اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا اور تم پر حملہ کیا تو میں اسے وہیں ختم کر دوں گی۔

کیلاش سپاہی کا لباس پہنے سر جھکائے اندھیرے میں چپ چاپ کھڑکی کے پاس آ گیا اس نے اندر سے دستک دی باہر سے پہریدار

نے پوچھا۔

کون ہے۔؟

ماریا کے کہنے پر کیلاش نے کہا۔

میں سپاہی ہوں سپہ سالار کے حکم سے رابعہ کے محل میں جا رہا ہوں۔

پہرے دار نے باہر سے کھڑکی کھول دی کیلاش چپکے سے باہر نکل آیا
ماریا بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی ماریا سپاہی کو لے کر چپکے سے
پہاڑی کی اوٹ میں آ گئی جہاں اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔

قتل کا تماشا

کیلاش کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔

وہ رات کے اندھیرے میں ایک ایسی عورت سے باتیں کر رہا تھا جو اسے نظر ہی نہیں آ رہی تھی ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ بھٹکی ہوئی روح یا جن بھوت نہیں ہے بلکہ ایک عام لڑکی ہے جو کسی جادوگر کے جادو کے زور سے غائب ہو گئی ہے تب کہیں جا کر اسے تھوڑا سا حوصلہ ہوا.........اور جب ماریا نے پوچھا۔

تمہارے ساتھ اس شخص کا نام کیا ہے جو اپنی موت کی سزا سن کر پریشان نہیں ہوا۔

کیلاش نے کہا۔

وہ کبھی بھی اپنی موت کی سزا سن کر پریشان نہیں ہوا بلکہ جب بھی کسی

نے اسے مارنے کی کوشش کی تو وہ زندہ رہا وہ تو مر ہی نہیں سکتا۔

ماریا نے خوشی سے بے تاب ہو کر کہا۔

کیا اس کا نام عنبر ہے؟

ہاں یہی اس کا نام ہے اور وہ میرا دوست ہے ہم نے اکٹھے جنگلوں کا سفر کیا ہے۔

جب ماریا نے بتایا کہ وہ اس کی بہن ماریا ہے تو کیلاش بے حد حیران ہوا اس نے کہا۔

اگر تم ہی ماریا ہو تو پھر عنبر کے ساتھ میں بھی تمہارا بھائی ہوں وہ تو ہر روز تمہیں یاد کیا کرتا ہے یہاں آنے کا اس کا مقصد ہی یہی تھا کہ تم سے اور اس کے دوست ناگ سے ملاقات ہو جائے مگر ناگ کی صندوقچی گم ہو جانے کا اسے بہت افسوس تھا۔

ماریا نے کہا۔

وہ صندوقچی میرے پاس پڑی ہے یہ بتاؤ کہ عنبر سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟

کیلاش بولا۔

ماریا بہن ہم سب چوروں کو راجہ نے الگ الگ قید کر رکھا ہے ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ کون کس جگہ پر قید ہے۔

اس کے بعد کیلاش نے مورتی کی چوری، عنبر کی شبہے میں گرفتاری چور کا بھاگ کر مورتی عنبر کے پاس پھینک جانا اور پھر عنبر کے فرار کی کوشش کے بعد ان کی گرفتاری کا سارا قصہ سنا دیا، ماریا کہنے لگی۔

کیا اس بستی کے ارد گرد تمہاری نگاہ میں کوئی ایسی جگہ ہے۔

جہاں تم چھپ سکو۔

کیلاش نے کہا۔

میں اس بستی کے چپے چپے سے واقف ہوں بستی میں تو کوئی بھی جگہ

نہیں ہے کیونکہ میں جہاں بھی گیا لوگ سپاہیوں کو خبر کر دیں گے ہاں ان پہاڑیوں میں ایک پرانی غار ہے جہاں کسی زمانے میں بادشاہوں کی ٹکسال ہوا کرتی تھی یہ ٹکسال اب ویران پڑی ہے اگر تم میرے کھانے پینے کی ذمہ داری لے لو تو میں وہاں چھپ سکتا ہوں۔

تمہیں کھانا وغیرہ وہاں پہنچا دیا کروں گی تم وہ جگہ مجھے دکھا دو میں کسی نہ کسی طرح عنبر کو بھی لے کر وہاں پہنچ جاؤں گی۔

کیلاش نے کہا۔

لیکن ماریہ بہن اس وقت تو میرا بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے میرے ساتھ ذرا بازار تک آؤ میں تمہیں ایک دکان دکھاتا ہوں وہاں سے میرے لئے روٹی اور کباب اٹھا لاؤ۔

کیلاش نے ماریہ کو ساتھ لیا اور بازار میں آ گیا۔

وہ چھپ کر ایک کونے میں کھڑا رہا اس نے اشارے سے ماریہ کو ایک

دکان دکھائی ماریہ وہاں گئی تو مشعل کی روشنی میں کڑاہی میں گرما گرما مچھلی تلی جارہی تھی ماریا ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہوگئی وہاں جو کی بڑی بڑی روٹیاں بھی پڑی ہوئی تھیں دکاندار گاہکوں کو بڑے بڑے پتوں پر مچھلی کے ٹکڑے اور جو کی روٹی رکھ کر دے رہا تھا مچھلی کی خوشبو سے ماریا کی بھوک بھی چمک اٹھی اس نے سب کے سامنے چپکے سے مچھلی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اپنی جیب میں رکھ لیا پھر جو کی روٹی اٹھا کر جیب میں رکھ لی دکان دار پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر تکنے لگا۔

ارے ابھی میں نے یہاں مچھلی کا ٹکڑا رکھا تھا وہ کہاں چلا گیا۔؟

وہ ایک گاہک سے لڑائی کرنے لگا ماریا نے دوسری جیب سے چاندی کا ایک سکہ نکال کر دکاندار کے تھال میں اُچھال دیا یہ مچھلی اور روٹی کی قیمت تھی دکاندار سکے کو تھال میں گرتے دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ایک گاہک نے کہا۔

یہ کوئی بھوت ہے۔

دوسرا بولا۔

یہ ضرور کسی جن کی کارستانی ہے۔

ایک گاہک نے ہوا میں مکا لہرا کر کہا۔

ارے بہت جن قابو کیے ہیں میں نے ذرا سامنے تو آئے کون جن ہے۔؟

ماریا کو اس بڑبولے گاہک پر سخت غصہ آیا اس نے دکاندار کا کڑچھا اٹھا لیا کڑچھا ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا ماریا نے کڑچھا لے کر زور سے مغرور گاہک کی پشت پر دے مارا وہ لڑکھڑا گیا اور بولا۔

ارے یہ کوئی بھوت ہے بڑا زبردست بھوت ہے۔

بازار میں ایک دم شور مچ گیا کہ مچھلی والے کی دکان پر بھوت آ گیا ہے دیکھتے دیکھتے وہاں بھگدڑ مچ گئی اور سارا بازار خالی ہو گیا ماریا مچھلی اور

روٹی لے کر کیلاش کے پاس آ گئی کیلاش اسے لے کر پہاڑوں کے بیچ میں اس مقام پر آ گیا جہاں ایک پراسرار سے غار کے اندر کبھی ٹکسال ہوا کرتی تھی مگر اب مکڑوں نے وہاں جگہ جگہ جالے بن رکھے تھے غار کے منہ پر اس قدر گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں کہ اس کا منہ سامنے سے دکھائی ہی نہیں دیتا تھا ماریا نے کہا۔

کیلاش اب تم اس جگہ آرام کرو خبردار باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ راجہ کے خونخوار سپاہی شکاری کتوں کی طرح تمہاری تلاش میں ہوں گے۔

کیلاش بولا۔

مگر ماریا بہن بھگوان کے لئے میرے کھانے پینے سے غفلت مت برتنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے بھول جاؤ اور میں بھوکا پیاسا مر جاؤں۔

گھبراؤ نہیں میں صبح پھر تمہارے پاس آؤں گی اور تمہارے لئے بکری

کا دودھ اور مکھن ساتھ لاؤں گی۔

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے واپس چل پڑی اب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہی تھی رات آدھی گزر چکی تھی چاند کی تیرھویں تاریخ تھی۔

دوسرے روز چاند کی چودھویں تاریخ تھی اور پورن ماشی کی رات تھی اسی رات کو خنجر اور چوکیدار کو راجہ کے حکم سے پھانسی ملنے والی تھی۔

اس وقت سے پہلے پہلے خنجر کو قید سے نکال لانا چاہتی تھی مگر مصیبت یہ تھی کہ اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ خنجر قلعے میں کس مقام پر قید ہے وہ گھوڑے پر سوار پھر قلعے میں آ گئی۔

قلعے کے دروازے پر سخت پہرہ تھا کیلاش کے فرار نے سپاہیوں کو چوکس کر دیا تھا وہاں کتنے ہی سپاہی تلواریں لیے کھڑے پہرہ دے رہے تھے ایسی حالت میں ماریا کا قلعے کے اندر داخل ہونا بہت مشکل تھا قریب سے گزرتے ہوئے اگر کسی کے ساتھ ذرا سا بھی اس کا جسم

لگ جاتا تو خطرہ تھا کہ کوئی اسے وہیں نہ جھپٹ لے ماریا اگرچہ غائب تھی لیکن اگر کوئی اس پر تلوار سے وار کرتا تو وہ مر سکتی تھی اور یا اگر کوئی اسے پکڑے تو وہ اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکتی تھی۔

ماریا درگا دیوی کے مندر میں آ گئی اس نے درختوں میں کادمبری کے گھوڑے کے ساتھ ہی اپنا گھوڑا باندھا اور آہستہ سے قدم قدم چلتی اس کوٹھڑی میں آ گئی جہاں کادمبری سو رہی تھی کادمبری نے کوٹھڑی کا دروازہ کھلا رکھا ہوا تھا ماریہ کے اندر داخل ہونے سے کادمبری کی آنکھ کھل گئی اس نے کادمبری کو بتایا کہ عنبر کا پتہ چل گیا ہے۔

پھر اس نے کادمبری کو ساری کہانی سنائی کادمبری کو خوشی بھی ہوئی کہ عنبر کا پتہ چل گیا ہے اور اسے افسوس بھی ہوا کہ اسے پھانسی کی سزا ہو گئی ہے اگرچہ اسے معلوم تھا کہ پھانسی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی ماریا کو بھی عنبر کی اتنی فکر نہ تھی اگر اسے پریشانی تھی تو اس چوکیدار کی تھی جو

محض اس جرم میں موت کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے عنبر کو فرار ہونے میں مدد دی تھی خواہ اس نے لالچ میں ہی ایسا کیا تھا بہر حال اس کی جان خطرے میں تھی اور اسے بچانا ماریا اپنا فرض سمجھتی تھی اگر اس نے چوکیدار کی مدد نہ کی تو اسے پورن ماشی کی رات کو پھانسی کے پھندے سے کوئی بچانے والا وہاں نہ تھا۔

رات کو دونوں بہنیں سو گئیں۔

صبح صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ماریا نے کٹورے میں دودھ اور جو کی روٹی لی اور غار میں کیلاش کے پاس پہنچ گئی کیلاش اس کی راہ دیکھ رہا تھا ماریا نے اسے بتایا کہ بستی میں اس کے فرار ہو جانے کا بڑا شور مچا ہوا ہے راجہ کے حکم سے ساری فوج جگہ جگہ اس کی تلاش میں چھاپے مار رہی ہے کیلاش بڑا گھبرا گیا اس نے کہا۔

اگر وہ یہاں آ گئے تو مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔

ماریہ کہنے لگی۔

میرا خیال ہے اس جگہ کے بارے میں کسی کا دھیان نہیں آ سکتا تم یہاں بالکل محفوظ ہو اور پھر تمہیں یہاں آج کا دن ہی تو گزارنا ہے آج رات کو جب عنبر کو ہلاک کرنے کے لئے کھیل پر چاپا جائے گا اور عنبر کسی صورت سے بھی ہلاک نہیں ہو گا تو پھر ہم سب یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

کیلاش نے پوچھا۔

کیا عنبر کے بارے میں تمہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں پر قید ہے۔

ماریہ بولی۔

نہیں اسے بڑے ہی خفیہ مقام پر رکھا گیا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں میں اس لئے مطمئن ہوں کہ عنبر مر نہیں سکتا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی طاقت کو دیکھ کر الٹا یہ لوگ اس کی پوجا کرنا شروع کر دیں اور پھر

تمہارے لئے بھی آسانی ہو جائے گی۔

کیلاش نے سر ہلا کر افسوس کے ساتھ کہا۔

بے چارہ چوکیدار مارا جائے گا ناحق اس نے لالچ کیا اور مصیبت میں پھنس گیا۔

اس کا بھی میں نے انتظام کر لیا ہے میں اسے ہلاک ہونے نہیں دوں گی اگر پہلے چوکیدار کو قتل کرنے کے لئے لایا گیا تو میں اسے بچا لوں گی اگر عنبر کو لایا گیا تو وہ خود اس کا بندوبست کرے گا بہرحال میں وہاں پر موجود ہوں گی میں چوکیدار کا خون نہیں ہونے دوں گی۔

کیلاش نے ڈر کر کہا۔

اور میں یہاں اکیلا پڑا رہوں گا یہ جگہ تو مجھے بھوتوں کا ڈیرا لگتی ہے ساری رات چھت میں چمگادڑیں چیختی رہی ہیں بھگوان کے لئے رات کو جلدی آ جانا بہن نہیں تو ڈر کے مارے میرا دم نکل جائے گا۔

ماریا نے کہا۔

تم نے مرد ہو کر اپنے نام کو بٹہ لگایا ہے ذرا بھی حوصلے سے کام نہیں لیتے میں اکیلی عورت ہوں اور میں نے اجاڑ جنگلوں میں تنہا سفر کیا ہے غائب تو میں اب ہوئی ہوں پہلے سب کو نظر آتی تھی پھر بھی میں دشوار گزار جنگلوں میں آدم خور قبیلوں کے بیچ سے گزری ہوں اور کبھی نہیں ڈری۔

کیلاش شرمندہ سا ہو گیا ماریا اسے ناشتہ کروا کر واپس کادمبری کے پاس آ گئی بستی میں پورن ماشی کے میلے کی بڑی تیاریاں ہو رہی تھیں لوگوں کو زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ رات کو درگا دیوی کی سنہری مورتی کے چوروں کو سزا ملنے والی تھی مندر کے سامنے میدان میں راجہ کے لئے تخت بچھا کر شامیانے لگا دیے گئے تھے رنگ برنگ دریاں بچھا دی گئی تھیں مندر میں منتر گائے جا رہے تھے شام ہوئی تو سارا

مندر مشعلوں کی روشنی سے جگمگ جگمگ کرنے لگا جوں جوں آدھی رات قریب آرہی تھی لوگوں میں جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا چودھویں کا چاند آسمان کے اوپر چمک رہا تھا اس کی روشنی جھیل پر چاندی کی طرح پڑ رہی تھی پجارن نے کادمبری کو پھولوں کے ہار اور خوشبوئیں ایا کردیں اور کہا۔

آج بڑا مقدس دن ہے تم ہار پہن کر خوشبو لگا کر میلے میں جانا........

اور ہاں جب چوروں کی گردنیں کاٹی جائیں تو گھبرانا نہیں کیونکہ اس طرح دیوتا ناراض ہو جاتے ہیں۔

ماریا اسی جگہ کادمبری کے کمرے میں فرش پر ایک طرف بیٹھی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اتنے بڑے ہجوم میں وہ بے گناہ چوکیدار کو کس طرح بچا سکے گی۔

دوسری طرف قلعے کے پراسرار خفیہ تہہ خانے میں غریب چوکیدار کا

دہشت کے مارے برا حال ہو رہا تھا اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور چند ہی دنوں میں وہ اتنا کمزور پڑ گیا تھا کہ پہچانا نہ جاتا تھا جیل کے دروازے پر سپاہی جاگ کر پہرہ دے رہا تھا ابھی کوئی دم میں چوکیدار کو جلاد نے آ کر لے جانا تھا موت کے خوف سے چوکیدار کی آنکھوں کے گرد گہرے گہرے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اسے اپنی موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی اسے یقین تھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہ سکے گی لیکن قدرت کے کام نرالے ہوتے ہیں آدمی جہاں مایوس ہو جاتا ہے وہاں قدرت اس کے بچاؤ کا بندوبست کر دیتی ہے۔

اس مصیبت میں اگر کوئی خاموش اور بے نیاز تھا تو صرف عنبر تھا محض اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ وہ مر نہ سکے گا ورنہ اس کا حال بھی چوکیدار کی طرح ہوتا یا چونکہ وہ ایک شاہی خاندان کا شہزادہ تھا اس لئے ہو سکتا تھا کہ وہ موت کو سامنے پا کر زیادہ پریشانی اور بزدلی کا

اظہار نہ کریں کیونکہ وہ لوگ جن کے خیالات اونچے بلند اور طاقت ور ہوتے ہیں وہ موت کو سامنے پا کر بھی گھبرایا نہیں کرتے یا پھر ایسے لوگ موت کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے دیکھتے ہیں جو کسی خاص اور اعلیٰ مقصد کے لئے جان قربان کر رہے ہوں عنبر کو چونکہ یقین تھا کہ وہ مر نہ سکے گا اس لئے وہ خاموش اور پر سکون تھا پہریدار سپاہی اسے بڑی حیرانی سے دیکھنے لگے تھے کہ اس شخص پر اپنی موت کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ موت سے ہرگز نہیں خوف کھاتا انہیں کیا خبر تھی کہ اس کی وجہ محض اتنی سی ہے کہ عنبر کو یقین ہے کہ موت اس پر حرام کر دی گئی ہے۔

اسی طرح جب کسی انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا تو وہ موت سے خوف نہیں کھاتا کیونکہ موت اس کے لئے ایک دروازے کی طرف ہوتی ہے جس میں سے گزر کر اسے دوسری

دنیا میں جانا ہوتا ہے وہ موت سے بے نیاز ہو جاتا ہے چنانچہ اس کے بعد جب ہم اسلام کے مجاہدوں اور شیر دل شہیدوں کا ذکر کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ موت کو بچوں کا کھیل سمجھتے تھے اور خود موت ان سے خوف کھاتی تھی۔

عنبر اپنی کوٹھڑی میں گھاس پر چپ چاپ بیٹھا تھا پہریدار ہر بار آگے سے گزرتے ہوئے اسے غور سے دیکھتا تھا عنبر یوں بے فکر بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی اسے رہائی ملنے والی ہو اس کے چہرے پر موت کا ڈر نہیں تھا وہ بڑے سکون کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی ٹھیک جب آدھی رات کا گجر بجا تو سپاہیوں کا ایک دستہ مارچ کرتا ہوا اس کی کوٹھڑی کے دروازے کے باہر آ کر رک گیا انہوں نے کندھوں پر ننگی تلواریں ڈال رکھی تھیں پہریدار نے سلام کر کے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا دو سپاہی

کوٹھڑی کے اندر داخل ہوتے انہوں نے فوراً عنبر کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ لیا اور اسے کہا کہ وہ ان کے ساتھ باہر چلے کیونکہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔

عنبر سپاہیوں کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

سپاہی اسے لے کر پرانے قلعے کے خفیہ دروازے سے نکل کر ایک رتھ کے پاس آ گئے جو چاروں طرف سے ڈھکی ہوئی تھی عنبر کو رتھ میں بٹھا کر اس کی زنجیر رتھ کے ڈنڈے سے باندھ دی گئی تاکہ وہ فرار نہ ہو سکے اسی طرح چوکیدار کو بھی اس کی کوٹھڑی سے زنجیریں ڈال کر باہر نکال کر ایک رتھ میں بٹھا دیا گیا دونوں رتھ اس جگہ پر آ کر رک گئے جہاں زمین کھود کر اتنا سوراخ بنایا گیا تھا کہ ایک آدمی گردن تک اس میں چھپ جائے سامنے شامیانوں کے نیچے راجہ اور اس کے درباری بیٹھے تھے مشعلیں ہر طرف روشن تھیں روشنی اتنی تھی کہ زمین پر گری

ہوئی سوئی بھی نظر آ جاتی تھی۔ سامنے لوگوں کا ہجوم کھڑا تھا جو کتنی دیر سے قتل کا تماشا دیکھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

غیبی تیر

خیرا اور چوکیدار کو قتل کرنے کے لئے رتھوں سے اتار لیا گیا۔

ان کے نیچے اترتے ہی لوگوں نے نعرے لگائے کہ درگا دیوی کے مجرموں کو پھانسی چڑھا دو درگا دیوی کی مورتی چرانے والوں کی

گردنیں کاٹ دو۔ چوکیدار بے چارے کا تو موت کے خوف سے برا حال ہو رہا تھا عنبر خاموش تھا اور بڑی پرسکون نظروں سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس وقت لوگوں کے ہجوم میں ایک طرف اس کی بہن ماریا بھی کادمبری کے ساتھ کھڑی ہے ماریا نے اپنے بھائی عنبر کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اگرچہ اسے علم تھا کہ عنبر کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرے گا پھر بھی اس نے اتنی مدت بعد بھائی کو دیکھا تو اس کا دل بھر آیا ان لوگوں نے بھائی کو زنجیریں کیوں ڈال رکھی ہیں جب کہ عنبر بالکل بے گناہ تھا۔

بڑے پجاری نے راجہ سے اجازت چاہی راجہ نے ہاتھ اٹھا کر اجازت دے دی کہ ملزموں کو ان کے جرم کی سزا دے دی جائے اب وقت آگیا تھا کہ ماریا آگے بڑھ کر بے گناہ چوکیدار کو بچانے کی کوشش

کر کے اس نے کادمبری کے کان میں کہا کہ وہ اسی جگہ کھڑی رہے اور اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلے۔

میں ابھی واپس آتی ہوں اور اگر یہاں ہجوم بے قابو ہو گیا تو تم پجارن کی کوٹھڑی میں چلی جانا میں وہاں پہنچ جاؤں گی بہر حال تجھے اگر دیر ہو گئی تو تم مندر والی کوٹھڑی سے باہر ہرگز مت نکلنا۔

کیونکہ ماریہ کو معلوم تھا کہ عنبر اور چوکیدار کو بچا کر ابھی پرانے غار میں کیلاش کے پاس پہنچانا ہے کادمبری نے کہا کہ وہ مندر کی کوٹھڑی میں اس کا انتظار کرے گی ماریہ نے اسے یہ تاکید کر دی کہ ناگ کی لاش والی صندوقچی کا بہت خیال رکھے اور اسے اپنی نظروں سے ادھر ادھر نہ ہونے دے ماریہ وہاں سے اٹھ کر بھیڑ کے اوپر سے ہوتی ہوئی اس مقام پر آ گئی جہاں ایک چبوترے پر عنبر اور چوکیدار کو زمین میں گاڑنے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا ماریہ نے اپنے بھائی عنبر کو سامنے دیکھا

تو وہ برداشت نہ کر سکی اور سیدھی اس کے پاس چلی گئی۔

چوں کہ وہ غائب تھی اس لیے کسی نے بھی اسے نہ دیکھا یہاں تک کہ عنبر بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

ماریہ نے عنبر کے قریب جا کر اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

میرے بھائی خدا تمہیں سلامت رکھے میں تمہاری بہن ماریہ ہوں۔

عنبر ماریہ کی آواز سن کر چونکا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ماریہ تم؟ مگر یہ کیا۔؟ تم مجھے نظر کیوں نہیں آ رہی۔؟

بھائی مجھے جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا ہے ویسے تم مجھے محسوس کر سکتے ہو۔

ماریہ نے اپنا ہاتھ عنبر کے ہاتھ میں دے دیا وہاں کھڑے سپاہیوں نے دیکھا کہ عنبر اپنے آپ کو اس طرح حرکت دے رہا ہے جیسے وہ کسی سے ہاتھ ملا رہا ہو پھر انہوں نے عنبر کے باتیں کرنے کی آواز بھی سن لی تھی

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔

تم یہ کس سے باتیں کر رہے ہو۔؟ خاموش رہو خبردار، جو زبان سے ایک لفظ بھی نکالا۔

ماریا پرے ہٹ گئی عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ میرے پاس کوئی نہیں پھر بھلا میں کس سے باتیں کر سکتا ہوں۔

سپاہی نے غصے میں کہا۔

خاموش تم چور ہو اور تمہیں چوری کی سزا ملنے والی ہے دیوتا بھی تمہیں مرنے کے بعد معاف نہیں کریں گے۔

ماریا نے عنبر کے کان میں کہا۔

میرے بھائی تمہارا تو یہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے میں چوکی دار کو بچانے کی کوشش کروں گی اور ہاں......... کیلاش بھاگ کر ایک غار میں

چھپا ہوا ہے یہاں سے میں تمہیں اور چوکیدار کو وہاں لے جاؤں گی اگر کسی وجہ سے ہم بچھڑ گئے تو رات کے اندھیرے میں کسی طرح قلعے کے پیچھے والی پہاڑی پر پہنچ جانا اسی جگہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ایک جگہ غار کا دروازہ ہے اس غار کے اندر کیلاش نے پناہ لے رکھی ہے۔

عنبر نے کہا۔

بہت اچھا ماریا ہاں.......... چوکیدار کو ضرور بچاؤ اگر بچا سکتی ہو تو یہ ناحق مارا جا رہا ہے۔

میں پوری کوشش کروں گی۔

ماریا چپکے سے چوکیدار کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی جلاد نے آگے بڑھ کر چوکیدار کو کھدے ہوئے گڑھے میں اتار دیا اس کے ساتھ ہی دوسرے جلاد نے عنبر کو گڑھے میں اتار دیا گڑھا کافی گہرا تھا اب صرف چوکیدار اور عنبر کی گردنیں ہی زمین سے اوپر نظر آ رہی تھیں باقی

سارا دھڑ زمین کے اندر چھپا ہوا تھا پجاری نے دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر راجہ کا اعلان پڑھا جس کے ذریعے ان دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر راجہ کا اعلان پڑھا جس کے ذریعے ان دونوں کی گردنیں قلم کی جا رہی تھیں اعلان ختم ہوا تو دونوں جلاد چوکیدار اور عنبر کے پیچھے تلواریں ہاتھوں میں لیے کھڑے ہو گئے وہ راجہ کے حکم کے منتظر تھے پجاری نے راجہ کی طرف دیکھ کر اجازت طلب کی راجہ نے اجازت دے دی پجاری نے سر جھکا کر سلام کیا اور جلادوں کو حکم دیا کہ وہ دونوں مجرموں کی گردنیں قلم کر دیں حکم ملتے ہی جلادوں نے تلواریں اوپر اٹھا لیں دونوں تلواریں ایک ہی وقت میں عنبر اور چوکیدار کے سروں کی طرف بڑھیں۔

ابھی جلاد کی تلوار چوکیدار کی گردن تک نہیں پہنچی تھی کہ ماریا نے تلوار کا ایک زوردار ہاتھ مار کر جلاد کا وہ بازو ہی کاٹ دیا جس میں تلوار پکڑ

رکھی تھی جلاد چیخ مار کر چبوترے کی زمین پر گرا اور تڑپنے لگا دوسرے جلاد نے عنبر کی گردن پر تلوار ماری تو تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی جیسے وہ کسی پتھر سے ٹکرا گئی ہو اس انقلاب سے وہاں شور مچ گیا پجاری اور راجہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جلادوں کو تکنے لگے دوسرے جلاد نے آگے بڑھ کر چوکیدار کی گردن کاٹنی چاہی تو ماریا نے تلوار کا وار کر کے اس کا بازو بھی کاٹ ڈالا............ دوسری طرف عنبر کی گردن سے ٹکرا کر دوسرے جلاد کی تلوار بھی ٹوٹ گئی لوگ خوف زدہ ہو کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ماریا نے چوکیدار کے کان میں کہا۔

باہر نکل کر قلعے والے پہاڑ کی طرف بھاگ جاؤ۔

ماریا نے اس کے ساتھ ہی تلوار کے وار کر کے ارد گرد کھڑے بہت سے آدمیوں کو زخمی کر دیا وہاں بھگدڑ مچ گئی عنبر بھی گڑھے میں سے

باہر نکل آیا اس نے فضا میں دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

لوگو سنو۔ میں بے گناہ ہوں میں مورتی چور نہیں ہوں اسی وجہ سے راجہ کے جلاد مجھے قتل نہیں کر سکتے۔

پھر اس نے آواز بدل کر یہی بات چوکیدار کے بارے میں کہی لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا چوروں کو پھانسی دو.......... تانگوں کی گردنیں کاٹ دو ماریا نے اس بھیڑ میں چوکیدار کے لئے راستہ بنانا شروع کر دیا وہ تلوار چلاتی اس کے آگے آگے چلی جا رہی تھی

......راستے میں جو کوئی بھی آتا اس کی تلوار سے زخمی ہو کر بھاگ جاتا یا وہیں گر پڑتا لوگ بڑے حیران ہو رہے تھے کہ لوگ اپنے آپ زخمی ہوتے چلے جا رہے ہیں نہ تو انہیں تلوار چلانے والی دکھائی دے رہی تھی اور نہ تلوار سے زخمی ہونے والے لوگوں کا کچھ پتہ چل رہا تھا کہ انہیں کون زخمی کر رہا ہے۔؟

بہر حال لوگ اِدھر اُدھر بھاگے چلے جا رہے تھے۔

ماریہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر چوکیدار کو ایک گھوڑے پر سوار کیا اور اس کے پیچھے خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گئی لوگوں نے دیکھا کہ چوکیدار ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر وہ گھوڑا چوکیدار سمیت غائب ہو گیا لوگ ڈر کر بھاگنے لگے اُدھر عنبر نے بھی موقع پا کر ایک گھوڑے کو پکڑا اور اس پر جلدی سے سوار ہو گیا سپاہیوں نے اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے مگر تیر اس کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر یوں زمین پر گر پڑتے جیسے وہ کسی پتھر کی سخت چٹان سے ٹکرا رہے ہیں دونوں کا جدھر منہ اٹھا انہوں نے گھوڑوں کو بھگانا شروع کر دیا۔

ماریا اور چوکیدار تو سپاہیوں کو دکھائی ہی نہیں دے رہے تھے ان کا پیچھا کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا انہوں نے سیدھا پراسرار غار کے ٹیلے کا رخ کیا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا لوگوں نے ایک

گھوڑے کے بھاگنے کی آواز سنی تو بڑے حیران ہوئے کہ یہ کون سا جادوئی گھوڑا ہے کہ نظر نہیں آ رہا مگر اس کے ٹاپوں کی باقاعدہ آواز آ رہی ہے سپاہی آواز کی طرف لپکے مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی ایسے لگا جیسے غیبی گھوڑا چوکیدار کو لے کر غائب ہو گیا ہو سپاہیوں نے عنبر کے گھوڑے کا تعاقب شروع کر دیا کیونکہ وہ انہیں بھاگتا ہوا صاف نظر آ رہا تھا راجہ نے حکم دے دیا کہ جو کوئی عنبر اور چوکیدار کو پکڑ کر لائے گا اسے وہ اپنی آدھی دولت دے دے گا۔

سپاہی پوری رفتار کے ساتھ عنبر کا پیچھا کر رہے تھے۔

دوسری طرف ماریا چوکیدار کو لے کر قلعے کے پچھلے ٹیلے والی غار میں پہنچ گئی چوکیدار نے غار میں پہنچ کر کیلاش کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی دونوں چور ایک دوسرے کے گلے لگ کر ملے کیلاش نے چوکیدار کو ماریا کے بارے میں صرف اتنا بتایا کہ وہ ایک نیک روح

ہے جس نے ہمیشہ بے گناہ لوگوں کی مدد کی ہے کیلاش سے چوکیدار نے خوشی سے چہک کر کہا۔

اگر یہ نیک روح میری مدد نہ کرتی تو اس وقت میری لاش چبوترے کے گڑھے میں پڑی ہوتی۔

کیلاش نے ماریا سے عنبر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

وہ خیریت سے ہے اس کے پیچھے راجہ کے سپاہی لگے تھے مگر وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے میں نے اسے غار کا پتہ دے دیا ہے وہ آج رات کسی وقت یہاں پہنچ جائے گا۔

ماریا چوکیدار کو کیلاش کے پاس چھوڑ کر عنبر کی سدھ بدھ لینے باہر نکل گئی چوکیدار کے دل میں ابھی تک یہ خوف تھا کہ راجہ کے سپاہی اسے غار میں بھی آ کر تلاش نہ کرلیں۔

کیلاش، اگر اب کے پکڑے گئے تو راجہ ہم دونوں کو بھوکے کتوں کے

آگے ڈال دے گا۔

کیلاش نے کہا۔

فکر مت کرو، وہ لوگ اس جگہ قیامت تک نہیں پہنچ سکتے۔

چوکیدار بولا۔

اور اگر وہ آ گئے تو کیا ہو گا۔؟

کیلاش نے کہا۔

اگر وہ آ بھی گئے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے اس غار کا دوسرا سرا ایک ویران سوکھی جھیل کے اندر جا نکلتا ہے میں اس غار کے چپے چپے سے واقف ہوں ہم جھیل کی طرف نکل جائیں گے اور سپاہیوں کے قابو میں نہ آ سکیں گے تم بالکل مت گھبراؤ لیکن چوکیدار برابر پریشان تھا اور ایک طرح سے کیلاش کو بھی دل میں ایک پریشانی لگی ہوئی تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ غار کے دوسرے خفیہ راستے سے باخبر تھا

مگر پھر بھی اگر سپاہیوں نے انہیں اچانک آن لیا تو وہ اتنی جلدی نہ بھاگ سکے گا لیکن اس نے یہ کہہ کر تسلی دی۔

پھر کیا ہوا اگر سپاہی آ گئے ماریا ہمیں پھر بچا لے گی وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی وہ جو چاہے کر سکتی ہے۔

چوکیدار کی تھوڑی سی تسلی ہو گئی۔

ادھر ماریا گھوڑے پر سوار اسے سرپٹ دوڑاتی درگا دیوی کے مندر کے دوسری جانب والے جنگل میں آ گئی اس نے عنبر کو اسی جنگل میں داخل ہوتے دیکھا تھا یہ جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا ایک پہاڑ کی ڈھلان پر جگہ جگہ درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ماریا نے گھوڑا لے کر جنگل کے اندر عنبر کو تلاش کرنا شروع کر دیا اسے ایک جگہ کچھ لوگوں کی باتیں سنائی دیں ماریا نے کان لگا کر سنا کچھ دور لوگ آپس میں باتیں کرتے اس کی طرف چلے آ رہے تھے ماریا نے جھاڑیوں کی اوٹ

میں نے دیکھا یہ راجہ کے چھ سات سپاہی تھے جو گھوڑوں پر سوار عنبر کی تلاش میں آ رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ مجرم ان کے ہاتھوں بچ کر کہیں نہیں جا سکتا وہ یہیں کہیں جنگل میں ہے اور وہ اسے بہت جلد گرفتار کر لیں گے .... ماریہ چوکس ہو کر کھڑی ہو گئی اس نے کمان میں تیر جوڑ لیا جب سپاہی اس کے قریب سے گزرنے لگے تو اس نے نشانہ باندھ کر ایک سپاہی کی ران پر تیر چلا دیا تیر سپاہی کی ران میں کھب گیا وہ چیخ مار کر گھوڑے پر سے گر پڑا دوسرے سپاہیوں نے سپاہی کی طرف دیکھا اور پھر رک کر چاروں طرف تکنے لگے۔

چھپ جاؤ، دشمن یہیں کہیں تاک میں چھپا ہوا ہے۔

اس سے پہلے کہ سپاہی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں چھپتے ماریہ نے دو تیر چلا کر دو اور سپاہیوں کو زخمی کر دیا سپاہیوں نے یونہی ہوا میں تیر چلانے شروع کر دیے وہ حیران تھے کہ تیر جدھر سے آ رہے ہیں وہاں

کوئی انسان انہیں دکھائی کیوں نہیں دیتا ماریہ ایک جگہ کھڑی ہو کر تو حملہ نہیں کر رہی تھی چونکہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی اس لئے وہ اس بات کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہی تھی وہ جھاڑیوں میں سے نکل کر سپاہیوں کے عقب میں آ گئی چار سپاہی زخمی حالت میں زمین پر پڑے تھے اور ان کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا باقی سپاہیوں میں سے تین مورچے سنبھالے درختوں کی آڑ میں بیٹھے تھے اور دو ان جھاڑیوں کی طرف رینگ رہے تھے جہاں ان کے خیال میں ماریہ چھپی ہوئی تھی۔

ماریہ تو ان کے پیچھے چپ چاپ گھوڑے پر بیٹھی تھی وہ کمان میں تیر جوڑ رہی تھی کہ اس کا گھوڑا زور سے ہنہنایا۔

اس کی آواز پر چاروں سپاہیوں نے ایک دم پلٹ کر پیچھے دیکھا اور چاروں تیر اکٹھے چلا دیئے اگر ماریہ گھوڑے پر جلدی سے جھک نہ جاتی

تو چاروں کے چاروں تیروں نے اس کی گردن چھلنی کر دی تھی یہ تیر اس کی گردن کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئے ماریا نے آہستہ سے جھٹکے جھٹکے گھوڑے کو دوسری طرف درختوں کے پیچھے کھڑا کر دیا سپاہی بڑے حیران تھے کہ گھوڑے کی آواز کہاں سے آئی تھی اور اگر آواز آئی تھی تو گھوڑا کہاں ہے۔؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ماریہ نے ایک تیر جوڑ کر چھوڑ دیا ایک اور سپاہی اپنا پیٹ پکڑ کر گر پڑا ماریا نے دوسرا تیر چھوڑا جو دوسرے سپاہی کی ٹانگ میں لگا اور اسے بھی زخمی کر گیا تیسرے تیر نے تیسرے سپاہی کو زخمی کیا اور ابھی وہ چوتھا تیر چھوڑنے ہی والی تھی کہ چوتھا سپاہی وہاں سے اٹھ دوڑا۔

اس نے جنگل میں اپنے باقی ساتھیوں کو خبردار کیا کہ دشمن کی بھاری تعداد جنگل میں چھپی ہوئی ہے اس لئے فوراً وہاں سے نکل چلو یہ آواز سن کر زمین پر رینگنے والے سپاہی بھی اٹھ کر ایک طرف کو بھاگنے لگے

میدان خالی پاکر ماریہ نے عنبر کی تلاش شروع کر دی اب صبح کا اُجالا ہر طرف پھیلنے لگا تھا...... اب تک چاندنی رات میں اُسے ہر شے دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھی سورج طلوع ہوا تو ماریہ نے زمین پر عنبر کے گھوڑے کے نشان دیکھے۔

وہ ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چل پڑی کافی دور جا کر نشان ایک طرف کو گھوم گئے ماریہ بھی اسی طرف کو گھوم گئی ایک چشمے کے پاس اسے عنبر کا گھوڑا درختوں میں گم ہوتا دکھائی دیا ماریہ نے عنبر کو آواز دی۔

عنبر بھائی رک جاؤ۔

عنبر اسی جگہ رک گیا۔ ماریہ اس کے پاس آ گئی اس نے عنبر کو بتایا کہ سپاہی بھاگ گئے ہیں لہذا انہیں اب فوراً قلعے والی غار میں چل کر پناہ لینی چاہیے کیونکہ دن چڑھ گیا ہے اور سارے شہر میں ان کی تلاش شروع ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

لیکن ماریا بہن میں تمہاری طرح غائب نہیں ہوں مجھے تو گھوڑے پر سوار سب لوگ دیکھ لیں گے کیونکہ بستی کے دوسری جانب والے پہاڑوں میں جانے کے لئے ہمیں ہر حالت میں بستی میں سے ہو کر گزرنا پڑے گا۔

ماریا نے کہا۔

بھائی تم میرے گھوڑے پر آ کر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ اس طرح تم بھی غائب ہو جاؤ گے۔

عنبر کو یہ تجویز بہت پسند آئی اس نے اپنا گھوڑا وہیں جنگل میں چھوڑا اور خود ماریا کے ساتھ اس کے گھوڑے پر بیٹھ گیا ماریا کے گھوڑے پر بیٹھتے ہی وہ بھی ماریا اور اس کے گھوڑے کے ساتھ غائب ہو گیا اب انہوں نے بستی کی طرف چلنا شروع کر دیا بستی میں ہر طرف ایک افراتفری

سی مچی ہوئی تھی ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ شاہی چور بھاگ گئے ہیں اور راجہ خود ان کی تلاش میں نکل آیا ہے۔

ملک چین کا سفر

وہ چاندنی رات درگا دیوی کے مندر پر قیامت کی رات تھی۔

دیوی کی مورتی چوری کرنے والے ملزموں کو سزا سے بچ کر بھاگ جانا بڑے ہی شگون کی بات تھی سارے مندر میں بابا کار مچی ہوئی

تھی۔ پجاری پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہے تھے کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی تھی کہ اصل بات کیا ہوئی ہے جس پجارن نے کادمبری کو اپنی کوٹھری میں پناہ دے رکھی تھی وہ بھی پریشان تھی اس نے کادمبری کے پاس آ کر کہا۔

غضب ہو گیا بیٹی، شاہی چور پھر بھاگ گئے۔

کادمبری وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کر رہی تھی کیونکہ اسے شبہ ہو گیا تھا کہ مندر کے پجاری کو اس پر شک پڑ چکا ہے کہ یہ عورت چوروں کی ساتھی ہے جب پجارن نے اسے آ کر بتایا کہ ملزم بھاگ گئے ہیں تو اس نے خوش ہو کر کہا۔

یہ تو بہت اچھا ہوا۔

پجارن حیران سے کادمبری کو دیکھنے لگی کہ یہ کیسی عورت ہے جو شاہی ملزموں کے فرار پر خوش ہو رہی ہے وہ چپکے سے وہاں سے چلی گئی اس

نے جا کر بڑے پجاری کو ساری بات سنا دی پجاری کو شک تو پہلے ہی تھا اب اسے بالکل یقین ہو گیا کہ یہ عورت بھی چوروں کے ساتھ ملی ہوئی تھی اس نے کادبری کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا اس نے فوراً اپنے ایک ساتھی پجاری کو ہمراہ لیا اور کادبری کی کوٹھری میں پہنچ گیا کادبری ناگ کی لاش کی صندوقچی کو پکڑے دروازے سے باہر نکل رہی تھی کہ جٹے کٹے پجاریوں نے اسے پکڑ لیا کادبری کے منہ میں انہوں نے کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ ڈالے اور نیچے لے جا کر ایک تہہ خانے میں بند کر دیا کادبری نے ناگ کی صندوقچی کو جلدی سے تخت کے نیچے کر دیا تھا پجاری کا خیال تھا کہ وہ ابھی کادبری کو قید میں رکھے گا جب راجہ کے سپاہی ملزموں کی تلاش میں ناکام ہو جائیں گے تو وہ کادبری کو نکال کر راجہ کے حضور پیش کر دے گا اور یوں اس سے بہت بڑا انعام حاصل کرے گا۔

اُدھر ماریا، عنبر کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھائے پرانے قلعے کے عقبی ٹیلے پر آ گئی یہاں جھاڑیوں میں غار کا دروازہ تلاش کرنے میں اسے کوئی وقت نہ ہوئی کیلاش اور چوکیدار ماریا اور عنبر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ماریا نے کہا۔

تم لوگ اب یہاں کچھ دیر آرام کرو میں اب درگا دیوی کے مندر میں جا کر کادمبری کو لے آؤں وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔

کیلاش نے کہا۔

ہوشیار ہو کر جانا بہن ماریا، درگا دیوی کا مندر تو بڑی خطرناک جگہ ہے وہاں تو سب ہماری جان کے دشمن پھر رہے ہوں گے۔

عنبر نے کہا۔

تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ ماریا سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

ماریا گھوڑے کو لے کر غار سے باہر نکل گئی۔

سورج کافی چڑھ آیا تھا ہر طرف روشن دھوپ پھیلی ہوئی تھی ماریا گھوڑے پر سوار ہو گئی اس نے درگا دیوی کے مندر کی طرف رخ کر لیا وہ کوشش کر رہی تھی کہ گھوڑے کو قدم بقدم چلائے اور گھاس کے میدان میں سے گزرے تاکہ اس کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز پیدا نہ ہو کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سن کر چونک کر دیکھتے تھے کہ گھوڑ سوار کہاں ہے۔؟ گھوڑا کہاں ہے؟ آواز آ رہی ہے اور گھوڑا سوار غائب ہے گھوڑا غائب ہے بستی کے قریب جا کر ماریا نے ایک سنسان سی سڑک پر چلنا شروع کر دیا یہاں لوگ بہت کم آ جا رہے تھے اور یہ سڑک جھیل کے گرد چکر کاٹ کر درگا دیوی کے مندر کو چلی گئی تھی ماریا تھوڑی دیر بعد مندر کے بڑے دروازے کے سامنے درختوں کے جھنڈ میں کھڑی تھی۔

اس نے بڑے آرام سے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور خود پجاری کی کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آکر ٹھہر گئی اس نے دروازے کو ذرا سا دبایا دروازہ اندر سے بند تھا وہ کچھ دیر سوچتی رہی کہ شاید کا دبری سو رہی ہے کیونکہ یقیناً رات کو وہ ماریا وغیرہ کے انتظار میں جاگتی رہی ہوگی ماریا نے دروازے پر دستک دی اندر سے کوئی آواز نہ آئی ماریا نے ذرا رک کر زیادہ زور سے دستک دی دستک دے کر وہ ایک طرف کو ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے میں اندر سے پجارن نے دروازہ کھولا اور باہر ادھر ادھر دیکھنے لگی باہر کوئی نہیں تھا ماریا نے موقع غنیمت جانا اور جلدی سے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی پجارن بھی دروازہ بند کر کے کوٹھڑی میں آگئی۔

ماریا نے اندر آکر دیکھا کہ کا دبری وہاں موجود نہیں ہے وہ کچھ پریشان سی ہو گئی کیونکہ وہاں اسے کا دبری کا کوئی معمولی سا لباس بھی

دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ سوچنے لگی کہ کادمبری کہاں جا سکتی ہے۔؟

وہ پجارن سے بھی نہیں پوچھ سکتی تھی پجارن تھوڑی دیر اندر رہ کر باہر نکل گئی اب ماریا کمرے میں اکیلی تھی اس نے تلاشی لینی شروع کر دی کادمبری کا ایک بھی لباس اس کی ایک بھی نشانی وہاں پر موجود نہیں تھی ماریا کو یہ خیال نہ آیا کہ وہ تخت پوش کے نیچے بھی دیکھے کہ وہاں ناگ کی لاش والی صندوقچی پڑی ہوئی تھی اس وقت اس کا خیال صرف کادمبری کی طرف لگا ہوا تھا۔

ماریا کو یقین ہو گیا کہ کادمبری وہاں نہیں ہے تو اسے خیال آیا کہ شاید وہ اس کی تلاش میں قلعے کے ٹیلے والے غار کی طرف نہ چل پڑی ہو ماریا باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے غار میں پہنچ گئی راستے میں لوگوں نے ڈر کر سڑک چھوڑ دی جب انہوں نے دیکھا کہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی آواز ان کے قریب

سے ہو کر گزر گئی ہے لیکن گھوڑا کہیں نظر نہیں آیا تو وہ اور زیادہ دہشت زادہ ہو گئے غار میں آ کر سب سے پہلا سوال ماریا نے یہ پوچھا کہ کادبری تو نہیں آئی۔؟

عنبر نے کہا۔

نہیں وہ تو یہاں نہیں آئی۔

اب سب کو فکر ہونے لگا کہ وہ کہاں چلی گئی جب ماریا نے عنبر کو بتایا کہ ناگ کی لاش بھی کادبری کے پاس ہی تھی تو عنبر کو تشویش لگ گئی اس نے پوچھا۔

ماریا تم نے کمرے میں ناگ کی لاش والی صندوقچی کو دیکھا تھا۔؟ نہیں میں نے اسے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں آیا۔

عنبر نے کہا۔

کاش تم صندوقچی کو دیکھ لیتیں اگر صندوقچی وہاں پر موجود تھی تو اسے تمہیں اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا کیونکہ میرا خیال ہے کہ ڈرکا دیبری کو کسی نے اغوا کیا ہے تو وہ صندوقچی ساتھ نہیں لے گئی ہوگی اور اگر صندوقچی وہاں پر نہیں ہے تو ضرور وہ اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہے۔

بات بڑی معقول تھی ماریا انہی قدموں واپس درگا دیوی کے مندر کی طرف چل پڑی۔

دوسری طرف پجارن کسی کام سے دوبارہ کمرے میں آئی تو اس کی نظر تخت پوش کے نیچے رکھی ہوئی صندوقچی پر پڑ گئی اس نے صندوقچی کو باہر نکال لیا اسے پجارن نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس نے جو ڈھکنا کھولا تو اندر پانی میں ڈوبی ہوئی سانپ کی لاش پڑی تھی پہلے تو پجارن سہم گئی پھر اس نے صندوقچی کو اسی طرح بند کر کے دوسرے

کمرے کی پچھلی کوٹھڑی میں رکھ دیا کیونکہ وہاں سانپ کو ہلاک کر کے دفن کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔

پجارن سانپ کی لاش کو کوٹھڑی میں رکھ کر مندر میں پوجا کرنے چلی گئی ٹھیک اسی وقت ماریا کوٹھڑی کی کھڑکی میں سے کود کر کمرے میں آ گئی اور اس نے آتے ہی کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی اس نے چپہ چپہ چھان مارا لیکن اسے ناگ کی لاش والی صندوقچی کہیں نظر نہ آئی۔

اس سے ماریا نے یہی نتیجہ نکالا کہ کالا دیسری کو اغوا نہیں کیا گیا بلکہ وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے وہ واپس جانے کی سوچ ہی رہی تھی کہ موٹا تازہ پجاری اپنی موٹی توند پر ہاتھ پھیرتا ڈکار مارتا کمرے میں آیا اور ایک دیگچی میں سے سوکھے چاول نکال کر تھالی میں ڈالنے لگا موٹا پجاری تھالی میں چاول بھی ڈال رہا تھا اور ساتھ گانا بھی گا رہا تھا۔

ماریا چپکے سے باہر جانے لگی تو اس کے پاؤں سے ٹکرا کر ایک لوٹا اُلٹ گیا سارا پانی فرش پر بہہ گیا موٹے پجاری نے لوٹے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ تم کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا کہ الٹ گئے۔

ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے موٹا پجاری لوٹے کو نہیں بلکہ اسے گالیاں دے رہا ہے اس نے زمین پر سے ایک رسی کا ٹکڑا اٹھایا اور اس پجاری کے سر پر دے مارا پجاری تو ڈر کر پرے کھڑا ہو گیا ماریا نے بڑے آرام سے اس کے سامنے جا کر اس کے پھولے ہوئے پیٹ پر ایک مکا جڑ دیا، پجاری ہائے کہہ کر زمین پر بیٹھ گیا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا ماریا نے کہا۔

موٹے پجاری یہاں ایک لڑکی رہتی تھی وہ کہاں ہے۔؟

اتفاق سے اس پجاری کو کوئی علم نہ تھا کہ کادمبری کہاں ہے اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اسے آکاش کی دیوی میں بالکل نہیں جانتا کہ یہاں کوئی لڑکی رہتی تھی اس وقت وہ کہاں ہے۔؟ میں اس مندر میں نیا نیا آیا ہوں۔

ماریا نے اس کی ننگی کھوپڑی پر چپت مار کر کہا۔

بھاگ جاؤ یہاں سے۔

پجاری بھاگنے لگا تو ماریا نے گرج کر کہا۔

اُدھر سے نہیں ادھر سے بھاگو۔

موٹا پجاری دروازے کی بجائے کھڑکی میں سے باہر کودا تو گیند کی طرح باہر لڑھک گیا ماریا اس کی حالت پر ہنس پڑی کہ کس قدر بزدل ہے یہ پجاری، بہرحال وہ سمجھ گئی کہ کا دیری یقیناً اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے مگر سوال یہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے اگر وہ اپنی مرضی سے گئی ہے تو اسے پرانے قلعے کی طرف آنا چاہیے تھا لیکن وہ ادھر ابھی تک نہیں آئی تھی خدا جانے پھر وہ کہاں گئی۔؟ وہ کوٹھڑی سے باہر نکل آئی

باہر موٹے پجاری نے شور مچا دیا کہ اندر درگا دیوی کی روح آئی ہوئی ہے سارے پجاری جمع ہو گئے اور پجارن کے کمرے کو دیکھ کر جے دیوی کے نعرے لگانے لگے ماریا ان حالات سے پریشان ہو گئی۔ بہر حال وہ کمرے سے باہر آ گئی ظاہر ہے اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا پھر بھی چونکہ وہاں ہجوم بہت زیادہ ہو گیا تھا اس لئے خطرہ تھا کہ وہ کسی سے ٹکرا نہ جائے وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی بچتی بچاتی مندر سے باہر کی طرف چل پڑی اتفاق سے وہ ایک سوکھے ساکھے پجاری سے ٹکرا گئی پجاری نے شور مچا دیا۔

جے دیوی میا، جے دیوی درگا میا۔

لوگ اس کی طرف بھاگے اگر ماریا تیزی سے دوسری طرف نہ بھاگ جاتی تو یقیناً وہ لوگوں میں گھر جاتی اور پجاری عقیدت کے مارے اسے پکڑ کر وہیں بیٹھ جاتے اور پھر خدا جانے اس کے ساتھ کیا سلوک

کرتے وہ لپک کر مندر کی ڈیوڑھی میں آ گئی یہاں بھی بہت سے پجاری جمع تھے ماریا کو دروازے میں سے نکلنے کے لئے کچھ دیر دیوار کے ساتھ لگ کر انتظار کرنا پڑا مندر سے باہر آ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور بھاگ کر اس مقام پر آ گئی جہاں اس کا گھوڑا بندھا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتی پجاریوں کے قریب سے ہو کر گزر گئی پجاری گھوڑے کی آواز سن کر خوشی سے نعرے لگانے لگے ماریا اب ان کی پہنچ سے باہر ہو چکی تھی غار میں پہنچ کر ماریا نے عنبر اور کیلاش کو سارے حالات سے باخبر کر دیا کیلاش نے کہا۔

اگر ناگ کی لاش وہاں نہیں ہے تو ضرور کادمبری اپنی مرضی سے وہاں سے گئی ہے اسے کسی نے اغوا ہرگز نہیں کیا۔

عنبر نے کہا۔

ہو سکتا ہے جس نے کادمبری کو اغوا کیا ہو وہ ناگ کی لاش والی صندوقچی

بھی ساتھ لے گیا ہو۔

اس پر سب خاموش ہو گئے ماریا کہنے لگی۔

مگر کمرے میں ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ کادبری کو کوئی شخص زبردستی پکڑ کر لے گیا ہو۔

عنبر نے کہا۔

بہرحال ہمیں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کادبری کو اغوا بھی کیا جا سکتا ہے۔

ماریا نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کادبری کے بغیر وہ لوگ یہاں سے کیونکر واپس جائیں گے کیلاش نے کہا۔

اگر ہم اسی جگہ بیٹھے رہے تو ہمیں دوبارہ گرفتار کیا جا سکتا ہے کیونکہ راجہ کے سپاہی بستی کے اردگرد سارے علاقے کو کھنگال رہے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان پہاڑیوں میں بھی ضرور آئیں گے۔

چوکیدار نے کہا۔

کیلاش بھائی کا خیال درست ہے راجہ کے سپاہی بہت ہوشیار اور لومڑ کی طرح مکار ہیں وہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس پرانے ٹکسال کے غار کو کبھی نہیں بھولیں گے وہ ایک آدھ روز میں یہاں پہنچ جائیں گے اور اگر ہم اسی جگہ بیٹھے رہے تو وہ ہمیں ضرور پکڑ لیں گے۔

مخبر نے کہا۔

تم لوگ ٹھیک کہتے ہو ماریا میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جانا چاہیے۔

پھر اس نے چوکیدار سے پوچھا کہ اس کی نگاہ میں یہاں کوئی اور ایسی جگہ ہے جہاں چھپ کر وہ کادمبری کی واپسی کا انتظار کر سکیں چوکیدار نے ہاتھ کانوں پر لگا کر کہا۔

دیوتاؤں کے لئے یہاں کسی اور جگہ رہنے کے بارے میں ہرگز ہرگز

نہ سوچیں یہ بستی اب ہمارے لئے قاتلوں کی بستی بن گئی ہے اس شہر کی زمین ہم پر تنگ ہو چکی ہے یہاں کا بچہ بچہ ہمارا دشمن بن چکا ہے یہاں سے ہمیں فوراً کسی دوسرے ملک کی طرف چلے جانا چاہیے۔

عنبر کیلاش اور ماریا رات کو ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ وہ اگر کا دیبری کو قسمت کے حوالے کر بھی دیں تو وہ وہاں سے کس طرف کو کوچ کریں ماریا کہنے لگی۔

یہ علاقہ ہمارے لئے اجنبی ہے ہم شمال کی طرف جائیں گے تو بھی کھاٹ منڈو ملک کا راجہ ہمیں گرفتار کرلے گا کیونکہ وہ اس راجہ کا بھائی ہے۔

کیلاش کہنے لگا۔

کیوں نہ ہم ملک چین کی طرف چلے چلیں۔؟

یہ خیال سب کو اچھا لگا عنبر نے ماریا کی طرف دیکھا ماریا نے بھی اس

خیال کو پسند کیا کہ ملک چین میں انہیں کچھ عرصے کے لئے پناہ مل سکتی ہے جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو وہ واپس آ سکتے ہیں چوکیدار نے کہا۔

میں آپ کے ساتھ اتنی دور نہیں جا سکتا راستے میں ایک چھوٹا سا شہر سکم آتا ہے وہاں میرا ایک ماموں شاہی مندر میں پتریوں کا سیوادار ہے میں وہاں آپ سے الگ ہو جاؤں گا۔

کیلاش بولا۔

بلکہ ہمارا پہلا پڑاؤ ہی سکم شہر میں ہو گا ہم تمہیں وہاں چھوڑتے جائیں گے۔

ماریہ نے پوچھا۔

کیا ہم سکم کے شہر میں ہی قیام نہیں کر سکتے۔؟

کیلاش نے کہا۔

سکلم ایک چھوٹا سا شہر ہے وہاں اگر ہم سب ٹکے رہے تو پہچان لیے جائیں گے ہمیں چوکیدار کو وہاں چھوڑ کر آگے نکل جانا ہوگا۔

انہوں نے اگلے روز صبح منہ اندھیرے وہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا کیلاش جو کہ اس علاقے سے پوری طرح واقف تھا ان کا گائیڈ بن گیا اس نے بتایا کہ وہ اس غار کے اندر ہی اندر چل کر جنوب مشرق کی جانب ایک خشک جھیل کے دہانے پر لے گیا۔

سکم کی بستی

انہوں نے خشک جھیل عبور کر لی۔

وہ چھپتے چھپاتے جنوب مشرقی پہاڑیوں کی گھاٹیوں کی جانب سفر کر رہے تھے ابھی وہ تندن سر کے راجہ کے ملک میں تھے انہیں ہر وقت پکڑے جانے کا اندیشہ تھا کیلاش اور چوکیدار کا رنگ ابھی تک زرد تھا سب سے زیادہ موت کا خوف ان دونوں کو تھا کیونکہ ماریا غائب تھی وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی اور عنبر کو کوئی مار نہیں سکتا تھا اگر کسی کی جان پر بنی ہوئی تھی تو وہ چوکیدار اور کیلاش تھے اگرچہ ماریا گھوڑے پر سوار ان کے آگے آگے نگرانی کر رہی تھی پھر بھی انہیں خوف تھا کہ کسی پہاڑی پر سے اچانک راجہ کے سپاہی نیچے نہ اتر پڑیں اس لیے کیلاش اور چوکیدار برابر پہاڑی ڈھلانوں پر خوف زدہ نظروں سے دیکھتے جا

رہے تھے۔

مگر وہ خیریت سے میدانی علاقے سے نکل کر گھاٹیوں کے سلسلے میں داخل ہو گئے اگرچہ یہ گھاٹیاں دونوں طرف سے اونچے اونچے پہاڑی ٹیلوں سے گھری ہوئی تھیں اس کے باوجود یہاں خطرہ زیادہ قریب آ گیا تھا اگر کسی ٹیلے کے اوپر سے سپاہیوں کی نگاہ ان پر پڑ جاتی تو وہ بڑی آسانی سے تیر چلا کر انہیں ہلاک کر سکتے تھے دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ لوگ یہ سفر پیدل طے کر رہے تھے ان میں سے صرف ماریہ کے پاس اپنا گھوڑا تھا ان کے پاؤں پتھروں پر چل چل کر چھلنے لگے تھے عنبر تو ان زخموں سے محفوظ تھا مگر چوکیدار اور کیلاش کے پیروں سے خون رسنے لگا تھا مگر جان کو بچانے کا خیال انہیں تیز تیز چلا رہا تھا آخر وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے عنبر اور ماریہ نے ان کے پیر دیکھے تو انہیں بڑا صدمہ ہوا ماریہ نے کہا۔

تم دونوں میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ میں کچھ دور پیدل چلوں گی اگلے پڑاؤ پر گھوڑوں کا بندوبست کر لیں گے۔

کیلاش اور چوکیدار نے اوپر اوپر سے انکار کیا اور پھر جھٹ چھلانگ لگا کر ماریا کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اب عنبر اور ماریا ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگے گھوڑے پر سوار ہو کر ماریا کافی آگے جا کر ان کی نگرانی کر سکتی تھی لیکن اب وہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور تھی بہر حال یہ سفر جاری رہا اور خوش قسمتی سے راجہ کا ایک بھی سپاہی ادھر نہ آیا حالاں کہ وہ شکاری کتوں کی طرح ارد گرد کے علاقے میں منڈلا رہے تھے۔

تیسرے پہر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے گھاٹیوں کا سفر ختم ہو گیا یہاں ایک خشک جھاڑیوں کا میدان شروع ہو گیا۔ جو کافی دور کھڑے پہاڑوں کے دامن تک چلا گیا تھا کیلاش نے بتایا کہ اس

پہاڑ کے دوسری جانب سکم کا شہر ہے انہوں نے آدھا میدان عبور کیا تھا کہ ماریا کی ایڑیوں سے خون ٹپکنے لگا اس میدان میں کانٹے اور چھوٹے چھوٹے پتھر بہت تھے کیلاش اور چوکیدار نے گھوڑے سے اتر کر کہا۔

ماریا بہن۔ تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ تم تمہارے پاؤں سے خون رستا نہیں دیکھ سکتے۔

ماریا راضی نہ ہوئی مگر عنبر اور کیلاش نے اسے زبردستی گھوڑے پر سوار کر دیا لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر تک نہ رہ سکتی تھی.........میدان کانٹے دار جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا لازمی تھا کہ کہیں سے گھوڑوں کا بندوبست کیا جائے وہ پیدل ہونے کی وجہ سے سست رفتاری سے سفر کر رہے تھے انہیں راستے میں ہی شام ہو گئی وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پاس رک گئے یہاں انہوں نے پتھروں کو رگڑ کر آگ جلائی

ساتھ لائی ہوئی خشک مچھلی کو بھون کر کھایا اور پانی پیا عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں رات اسی مقام پر بسر کرنی چاہیے کیلاش تمہارا کیا خیال ہے کیا ہم دشمنوں کے خطرے سے محفوظ ہیں۔؟

کیلاش نے کہا۔

پوری طرح محفوظ نہیں ہیں یہ ہم نے آگ جلا رکھی ہے اسے دیکھ کر دور دور سے سپاہیوں کو ہماری خبر ہو سکتی ہے ویسے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل کر سنگم کے علاقے میں داخل ہو جائیں راجہ کے سپاہی بڑے ہوشیار اور مکار ہیں وہ دشمن کی دور ہی سے بو سونگھ لیتے ہیں۔

انہوں نے آگ کو فوراً پانی ڈال کر بجھا دیا عنبر نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے کیلاش مگر سوال یہ ہے کہ تم لوگ پیدل کتنی دور تک چل سکو گے ماریا اور تم دونوں کے پاؤں زخم کھا کھا کر سوج گئے ہیں ظاہر

ہے تم لوگ زخمی حالت میں تو سفر نہیں کر سکتے۔

کیلاش نے کہا۔

مگر یہاں سے ہمیں کوئی سواری بھی تو نہیں مل سکتی۔

چوکیدار بولا۔

یہاں کبھی کبھی چرواہے اپنے بھینسے چرانے نکل آیا کرتے ہیں اگر کوئی چرواہا مل جائے تو ہم اس سے ایک دو بھینسے خرید کر اس کی سواری بنا سکتے ہیں۔

ماریا بولی۔

اور اگر چرواہے کی جگہ کوئی سپاہی آ گیا تو کیا ہوگا۔؟

کیلاش نے سہم کر کہا۔

بھگوان کے لئے ایسا نہ کہو بہن میرا تو دم نکل جانے گا کمبخت زمین میں گاڑ کر سر قلم کرتے ہیں تڑپنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

حقیقت یہ تھی کہ رابعہ کہ دو سپاہیوں نے دور سے آگ جلتی دیکھ کر دشمن کی بو سونگھ لی تھی اور وہ ٹیلوں کی آڑ میں گھوڑے دوڑاتے ان لوگوں کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے کیلاش عنبر ماریا اور چوکیدار کو اس کی کچھ خبر نہ تھی وہ بڑے آرام سے ٹیلے کے پاس زمین پر بیٹھے رات بسر کرنے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے عنبر نے کہا۔

ماریا تم ذرا ٹیلے پر چڑھ کر ارد گرد نظر تو ڈالو کوئی دشمن ہماری تاک میں ہو۔

ماریا ٹیلے پر چڑھ گئی جوں ہی اس نے سر اٹھایا کیا دیکھتی ہے کہ دو سپاہی ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی میں ان کی طرف گھوڑے دوڑائے چلے آ رہے ہیں وہ جلدی سے نیچے آئی اور اس نے آتے ہی سب کو خبردار کر دیا کہ دشمن آ رہا ہے عنبر نے کیلاش اور چوکیدار کو ٹیلے کی اوٹ میں ایک جگہ چھپا دیا ماریا دوسری جانب جھاڑیوں کے پاس کھڑی ہو

گئی عنبر اسی جگہ بجھی ہوئی آگ کے پاس بیٹھا رہا اتنے میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز قریب آ کر رک گئی دو وحشی چہروں اور خونی آنکھوں والے سپاہی گھوڑوں پر سے اتر کر عنبر کے پاس آئے اسے جھک کر دیکھا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اس نے خوشی سے چلا کر کہا۔

یہ تو شاہی چور ہے۔

دوسرا سپاہی لپک کر عنبر کے قریب آیا اور اسے ایک نظر دیکھ کر بولا۔

تم ٹھیک کہتے ہو یہ تو وہی شاہی مفرور مجرم ہے جس کی ہمیں تلاش تھی اسے فوراً گرفتار کر لو۔

انہوں نے عنبر کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ رسیوں سے باندھنا شروع کر دیئے عنبر نے کہا۔

اگر تم لوگ مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ ساری عمر

تمہارے بچوں کو بھی دولت کی حسرت باقی نہ رہے گی۔

اس پر سپاہیوں نے قہقہہ لگایا ایک نے کہا۔

تم ہمیں ورغلا نہیں سکتے ہم راجہ کے وفادار سپاہی ہیں ہم تمہیں گرفتار کر کے راجہ کے سامنے پیش کریں گے اور وہی انعام حاصل کریں گے جو راجہ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔

دوسرا کہنے لگا۔

تم ایک مفلس اور غریب مجرم ہو جس کے سر پر موت منڈلا رہی ہے تم ہمیں کیا دے رہے ہو۔

عنبر کے دونوں ہاتھ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اس نے ذرا سے کوشش کے بعد اپنے ہاتھوں کی رسیاں توڑ ڈالیں اور بولا۔

تم لوگوں نے اس وقت بھی میری طاقت کو دیکھ لیا تھا جب جلاد مجھے مارنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس وقت بھی دیکھ رہے ہو جب کہ میں

نے تمہاری باندھی ہوئی رسی کو توڑ کر رکھ دیا ہے تم پر لازم ہے کہ میری عزت کرو اور اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ چلو، ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔

عنبر کے اس شعبدے پر پہلے تو وہ دونوں سپاہی حیران ہوئے پھر انہوں نے لوہے کی زنجیر نکال کر عنبر کے ہاتھوں میں ڈالنے کی کوشش کی عنبر نے ہاتھ جھٹک دیا مگر وہ دونوں مل کر اسے زنجیر میں جکڑ چکے تھے انہوں نے عنبر کو زنجیریں ڈال کر گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا اور بولے۔

کہو اب تمہیں کون بچا سکتا ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

میرا خدا اب بھی میرے ساتھ ہے اور وہی مجھے بچائے گا۔

اب ماریا آگے بڑھی اس نے پیچھے سے ایک سپاہی کے نیام سے اس

کی تلوار کھینچ لی سپاہی نے چونک کر پیچھے دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہ آیا اس کی تلوار نیام سے غائب ہو چکی تھی دوسرے سپاہی نے تلوار نکالنے کی کوشش کی تو ماریا نے ایک بھرپور وار کر کے اس کا ایک بازو کاٹ کر رکھ دیا سپاہی ہڑبڑا کر گر پڑا۔

ماریا نے بلند آواز میں کہا۔

اگر تم دونوں کو اپنی جان عزیز ہے تو اب بھی وقت ہے یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ ایک پل کے اندر اندر تم دونوں کی لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی۔

دوسرے سپاہی نے غیب کی آواز سنی تو تھر تھر کانپنے لگا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بولا۔

ہم ابھی چلے جاتے ہیں۔

پھر اس کا ساتھی سپاہی بھی گھوڑے پر سوار ہوا اس کے کٹے ہوئے بازو

سے خون بہہ رہا تھا دوسرے ساتھی نے اس کے بازو کے گرد کپڑا لپیٹ دیا اور دونوں وہاں سے ایسے دم دبا کر بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا نے عنبر کی زنجیریں کھول دیں اب چوکیدار اور کیلاش بھی اوٹ میں سے نکل کر ان کے پاس آ گئے وہ بڑے خوش تھے کہ دشمن نے ان پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا وہ دوبارہ اپنے سفر پر چل پڑے شام ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے خشک جھاڑیوں والا میدان عبور کر لیا اب ان کے سامنے پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑا دریا بہہ رہا تھا سورج غروب ہو رہا تھا جس کی سنہری کرنیں دریا میں پڑ کر اس کے پانی کو سرخ بنا رہی تھیں۔

کیلاش نے کہا کہ کچھ دور آگے جا کر رسوں کا پل بنا ہوا ہے اس پل پر سے اس دریا کو عبور کیا جا سکتا ہے سب لوگ دریا کے الٹے رخ اوپر کی

طرف روانہ ہو گئے یہاں پہاڑی سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر بکھرے پڑے تھے دریا پار ایک بہت عظیم الشان پہاڑ کھڑا تھا کیلاش نے بتایا کہ یہی وہ پہاڑ ہے جس کے دوسری جانب شہر ہکلم واقع ہے جہاں چوکیدار نے رک جانا تھا کافی دور راہ پر چلنے کے بعد انہیں ایک جگہ رسوں کا پل بنا ہوا نظر آیا۔

یہ پل کچھ رسوں کو آپس میں ملا کر بنایا گیا تھا اور دریا کے دونوں کناروں پر کھڑی چٹانوں سے باندھ کر ایک دوسرے سے ملا دیا گیا تھا خنجر نے پل پر قدم رکھا تو وہ ڈولنے لگا کیلاش ڈر کر پیچھے ہٹ گیا چوکیدار نے کہا۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ پل بہت مضبوط ہے کئی سالوں سے یہاں کے لوگ اسی پل پر سے ہی دریا کو پار کرتے چلے آرہے ہیں یہ اگرچہ ڈولتا ہے مگر خطرناک بالکل نہیں ہے۔

سب سے پہلے عنبر اور ماریہ نے پل پر قدم رکھا اس کے بعد کیلاش اور چوکیدار چلے آئے رسوں کا پل ڈولنے لگا نیچے جھاگ اڑاتا دریا کا پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا وہ قدم بقدم چلتے رسوں کو پکڑتے پل پر سے گزرنے لگے چوکیدار عنبر اور ماریہ پورے سکون اور اعتماد کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ کیلاش اپنی عادت کے مطابق ڈر ڈر کر قدم اٹھا رہا تھا آخر پل عبور کر لیا گیا دوسرے کنارے پر پہنچ کر کیلاش نے خدا کا شکر ادا کیا اور زمین پر بیٹھ گیا پھر کہنے لگا۔

راجہ کے سپاہی اب زیادہ تعداد میں فوج بنا کر ہماری تلاش میں آئیں گے بہتر یہی ہے کہ ہم رسوں کا یہ پل کاٹ دیں تاکہ وہ ہمیں پھر کبھی گرفتار نہ کر سکیں۔

ماریہ نے کہا۔

کیلاش، تم بہت بزدل ہو اور محض اپنی جان بچانے کی خاطر ہزاروں

لوگوں کو اس پل سے محروم کرنا چاہتے ہو کیا تمہیں معلوم ہیں کہ اس علاقے کے لوگ اسی پل کے ذریعے سے دریا کو عبور کرتے ہیں۔

عنبر نے بھی کہا۔

ماریا ٹھیک کہتی ہے ہم یہ پل کاٹ کر دریا میں گرا کر یہاں کے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا نہیں کر سکتے۔

کیلاش بولا۔

اور اگر ہم پکڑے گئے تو کیا ہو گا۔؟

ماریا بولی۔

ہم کوئی بھیڑ بکریاں نہیں ہیں کہ سپاہی ہمیں آسانی سے پکڑ لیں گے ہم اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اپنی حفاظت کے لئے جدو جہد کر سکتے ہیں اور ایسا ہمیں کرنا بھی چاہیے اور پھر ہم یہاں سے چین کی طرف نکل جائیں گے سکم کے علاقے میں راجہ کی فوج داخل نہیں ہو سکتی۔

چوکیدار نے کہا۔

ماریا ٹھیک کہتی ہے کیلاش، یہاں سے سکم کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اس علاقے میں راجہ نندن سر کی فوج بغیر اجازت کے نہیں آ سکتی۔ اور اگر وہ اجازت لے کر سکم آ گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہیں کون بچائے گا۔؟

چوکیدار نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔

دیکھا جائے گا میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لوں گا لیکن اس پل کو نہیں توڑوں گا میں یہاں کے غریب لوگوں کو محض اپنی جان بچانے کے لئے اس پل کی سہولت سے محروم نہیں کر سکتا۔

کیلاش نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اچھا بابا، نہ توڑو اس پل کو۔ اگر تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو تو بے شک کرو میں تو صرف تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہا تھا۔

چاروں پل کے دوسرے کنارے پر ایک درے میں سے گزر کے پہاڑ کے دوسری طرف آ گئے یہاں ڈوبتے سورج کی سنہری روشنی میں سکم شہر کی بستی صاف نظر آ رہی تھی کچے مکان پہاڑی ڈھلان پر یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے مکانوں میں سے کہیں کہیں دھوئیں کی پتلی لکیریں اوپر کو اٹھ رہی تھیں سوائے عنبر کے سب کی بھوک چمک اٹھی چوکیدار ان کو لے کر اپنے بھائی کے گھر آ گیا۔

چوکیدار کے بھائی کا گھر بستی کے ایک کنارے پر تھا ارد گرد انگوروں کا باغ تھا یہ سیاہ انگوروں کا باغ تھا اس باغ میں سیب اور خوبانی کے پیڑ بھی تھے چوکیدار کے بھائی نے ان سبھوں کو بڑی خوشی کے ساتھ باغ میں دستر خوان بچھا کر بٹھایا اور ان کی باجرے کی روٹی، ساگ اور انگوروں سے خاطر کی چوکیدار کا بھائی اپنے بھائی سے مل کر بڑا خوش ہوا چوکیدار نے اسے سارا ماجرا سنا دیا اس نے کہا۔

تم فکر نہ کرو یہاں نندن سر کے سپاہیوں کے آنے کی جرائت نہیں اور اگر وہ آ بھی گئے تو میں ایک ایک کی گردن اڑا کر اس باغ میں ان کی قبریں بنا دوں گا۔

چوکیدار کے بھائی کے سامنے ظاہر نہ ہوئی تھی وہ خاموش تھی اور کوئی بات نہیں کر رہی تھی چوکیدار نے بھی اپنے بھائی کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس کے بھائی نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ دستر خوان پر لگے ہوئے کھانے کی رکابیوں میں سے ایک رکابی میں سے کبھی کبھی انگوروں کا گچھا اپنے آپ اوپر اٹھتا دیکھا تھا اور پھر فضا میں غائب ہو جاتا تھا پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید اس کی نظروں کا دھوکا ہے لیکن جب دو چار مرتبہ ایسا ہوا تو اس نے چونک کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا بھائی نے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔

وہ خاموش ہو گیا، رات انہوں نے وہیں انگور کے باغ میں خشک

گھاس پھونس پر توشکیں بچھا کر بستر کی سردی بہت تھی۔ آس پاس آگ روشن کر دی گئی جو ساری رات جلتی رہی صبح سویرے اٹھ کر ان کی خاطر گرم دودھ اور باجرے کی روٹی سے کی گئی پھر عنبر اور کیلاش نے باری باری چوکیدار سے ہاتھ ملایا اس کے بھائی کی مہمان نوازی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور ملک چین کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماریا نے جاتے جاتے چوکیدار کے بڑے بھائی کے کندھے پر پڑا ہوا کپڑا اٹھا کر زمین پر گرا دیا وہ حیران ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا ماریا وہاں سے جا چکی تھی اور چوکیدار مسکرا رہا تھا۔

ناگ زندہ ہو گیا

درگا مندر کے پجاری نے کادمبری کو تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا وہ دوسری پورن ماشی یعنی چاندنی رات کو کادمبری کو راجہ کے حضور قربانی کے لئے پیش کرنا چاہتا تھا کادمبری بڑی بے بسی کی حالت میں تہہ خانے میں بند تھی وہاں صرف ایک بوڑھا نوکر صبح شام آ کر اسے کھانا دے جاتا تھا یہ نوکر گونگا اور بہرہ تھا۔ یعنی وہ نہ سن سکتا تھا اور نہ ہی بول سکتا تھا کادمبری اکیلی تہہ خانے میں بیٹھی روتی رہتی اور ماریا کو یاد کیا کرتی کہ جانے وہ کہاں ہو گی۔

اسے ناگ کی لاش والی صندوقچی کا بھی خیال آتا کہ کم از کم وہ اسے ہی

اپنے ساتھ اٹھا لائی۔ اس نے کئی بار نوکر کو سمجھانے اور اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ صندوقچی کہاں ہے مگر وہ گونگا اور بہرہ کچھ بھی نہ سمجھتا تھا۔ بے چاری کا دیبری تھک ہار کر صبر کر کے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہو گا مل جائے گا۔ اس کے سوا وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

اب ذرا ناگ والی صندوقچی کا حال سنیے۔

ایک طویل مدت کے بعد ناگ کو ہوش آنا شروع ہو گیا۔ جھیل نندن سر کے مقدس پانی نے سانپ کے ٹکڑوں میں زندگی کی گرمی پیدا کر دی اور وہ آپس میں جڑ کر بلنے لگے۔ صندوقچی ایک کمرے کی پچھلی کوٹھڑی میں پڑی تھی۔ ناگ کے ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے تھے مگر ابھی اس میں نئی زندگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

پورن ماشی کی رات آ گئی۔ پجاری کے لئے کا دیبری کو راجہ کے حضور پیش

کر کے انعام و اکرام حاصل کرنے کا وقت آ گیا تھا اس نے پجارن سے کہا کہ کادمبری کو تیار کرے اسے زرق برق لباس پہنائے کیونکہ وہ اسے راجہ کے دربار میں پیش کرنا چاہتا ہے پجارن نے ایک روز کادمبری کو نہلا دھلا کر نئے زرق برق کپڑے پہنائے کادمبری بے چاری نے کچھ نہ کہا اس نے تو اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا پھر بھی اس نے پجارن سے پوچھا کہ اسے کس لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

پجارن نے کہا۔

تمہیں شاہی بیگموں کے حضور پیش کیا جائے گا، وہ تمہیں اپنے محل میں ملازم رکھ لیں گی اور تمہاری ساری زندگی وہاں عیش و عشرت سے بسر ہوگی۔

کادمبری سادہ عورت تھی اس نے پجارن کی باتوں پر یقین کر لیا اور دل میں سوچا کہ چلو وہ ان لوگوں کی قید سے تو چھوٹے گی

..........پجاری نے ایک روز کادمبری کو ساتھ لیا اور راجہ کے دربار میں حاضر ہو گیا اس نے جھک کر آداب عرض کیا اور راجہ کو بتایا کہ وہ درگا دیوی کے مندر میں پورن ماشی کی رات کو قربانی کے لئے ایک ایسی لڑکی کو لایا ہے جو ان لوگوں کی بہن ہے جو فرار ہو گئے تھے۔

پجاری راجہ سے ایک ایسی زبان میں گفتگو کر رہا تھا؛ جس کو کادمبری بالکل نہیں سمجھتی تھی راجہ پجاری پر بڑا خوش ہوا کہ اس نے درگا دیوی کے آگے راجہ کی لاج رکھ لی ہے اور مفرور ملزموں کی بہن کو پکڑ کر لے آیا ہے۔ اس نے پجاری کو سونے کا ہار انعام میں دیا اور کادمبری کو شاہی محل میں بھیج دیا ساتھ ہی سپاہیوں کو خبردار کر دیا کہ وہ کادمبری کی زبردست نگرانی کریں اور اسے ادھر سے اُدھر نہ ہونے دیں۔

پورن ماشی کی رات میں ابھی دو دن باقی تھے۔

پورے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ مفرور ملزموں کی بہن کو شاہی سپاہیوں

نے گرفتار کر لیا ہے اور پورے چاند کی رات کو اس کی قربانی دی جائے گی یہ خبر کادمبری نے بھی سن لی اور وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئی لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا پہرہ سخت کر دیا گیا تھا اور اسے حرم سے نکال کر ایک کوٹھڑی میں بند کر کے چوکی پہرہ لگا دیا گیا تھا وہاں وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف پجارن کے کمرے کی پچھلی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی صندوقچی میں ناگ کی لاش میں زندگی پیدا ہونا شروع ہو گئی اس کی مہلت کے دن پورے ہو گئے تھے جھیل کے مقدس پانی نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ سانپ کے ٹکڑے آپس میں مل گئے تھے اور سانپ میں زندگی آ گئی تھی ناگ کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا تو اس نے سوچا کہ وہ کہاں ہے۔؟ اسے ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آ گئیں کہ کس طرح اسے عنبر کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا اور پھر عنبر نے اسے اٹھا

کر صندوق میں بند کر دیا تھا اور پھر جھیل کی طرف چل نکلا تھا۔

ناگ کو خیال آیا کہ شاید عنبر بھی وہیں کہیں ہو گا اس نے زور لگا کر صندوقچی کا ڈھکنا الٹ دیا اور بڑے سکون سے رینگتا ہوا صندوقچی سے باہر آ گیا اس نے دیکھا کہ وہ ایک کباڑ خانہ نما پرانی کوٹھڑی میں ہے جہاں اندھیرا چھایا ہوا ہے صرف ایک روشن دان میں سے روشنی کی لکیر سی اندر آ رہی ہے ناگ رینگتا ہوا روشن دان میں سے دوسرے کمرے میں آ گیا وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں پر ہے۔؟ کس جگہ پر ہے کس ملک میں ہے اور عنبر کہاں ہے؟ ماریا کہاں ہے۔؟ دیوار پر سے رینگ کر وہ نیچے آ گیا ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کدھر جائے کہ کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی ناگ جلدی سے ایک کونے میں مٹکے کے پیچھے چھپ گیا دروازہ کھلا اور پجاری اور پجارن اندر داخل ہوئے ناگ بڑے غور سے ان کی باتیں سننے لگا اس

خیال ہے کہ ان کی گفتگو ہی سے وہ اندازہ لگا سکے کہ وہ کس ملک میں

ہے۔

پجاری نے کہا۔

کاویری کہتی ہے کہ اس کے پاس ایک صندوقچی بھی تھی جس میں

سانپ کے جسم کے ٹکڑے پڑے تھے دیوتا جانیں کہ وہ کوئی جادو ٹونا نہ

ہو کیا اس کے پاس کوئی صندوقچی تھی۔؟

پجارن نے کہا۔

ہاں ہاں ایک صندوقچی تھی اسے میں نے پرانی کوٹھری میں پھینک دیا

تھا اس میں کسی کالے سانپ کے ٹکڑے بھی تھے۔

پجاری نے کہا۔

جلدی سے وہ صندوقچی اٹھا لاؤ ہمیں سانپ کے ٹکڑوں کو جلا ڈالنا

چاہیے اس طرح اگر اس میں کوئی جادو ٹونا ہو گا تو وہ ضائع ہو جائے گا

اور ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

پجارن بولی۔

مگر کادمبری تو اب راجیہ کے محل میں قید ہے اور اسے کل رات قربان کر دی جائے گا پھر فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟

پجارن نے ڈانٹ کر کہا۔

تم وہ صندوقچی جا کر لاؤ جلدی کرو، میں کادمبری کی تمام نشانیاں جلا کر بھسم کر دینا چاہتا ہوں جلدی کرو۔

ناگ ان دونوں کی اتنی گفتگو سے ہی سمجھ گیا کہ ساری کہانی کیا ہے وہ ایک عورت کادمبری کے قبضے میں تھا جو راجیہ کے محل میں قید ہے جاتے ہوئے وہ صندوقچی یہاں چھوڑ گئی تھی عنبر نے ضرور یہ صندوقچی کادمبری کو دی ہوگی کادمبری سے مل کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ عنبر کہاں ہے۔؟

ماریا نے کہا۔

اتنے میں پجارن کوٹھڑی میں بھاگی بھاگی پریشان حال آئی اور اس نے بتایا۔

غضب ہوگیا صندوقچی کھلی پڑی ہے اور سانپ غائب ہے پجاری حیرت سے بولا۔

کیا کہا سانپ غائب ہے؟ مگر وہ تو ٹکڑے ٹکڑے سانپ تھا وہ تو مردہ تھا، وہ کہاں بھاگ گیا۔؟

پجارن اندر سے صندوقچی لے آئی وہ خالی تھی اور سانپ غائب تھا پجارن بڑا حیران ہوا کہ سانپ جو کہ مر چکا تھا یہاں سے کیسے نکل گیا۔؟ دونوں حیران پریشان ہوتے کمرے سے باہر نکل گئے ناگ بھی مٹکے کے پیچھے سے باہر نکل آیا وہ سوچنے لگا کہ اب اسے جتنی جلدی ہو سکے راجہ کے محل میں پہنچ کر کادمبری کی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اگر وہ مر گئی تو پھر اسے ساری زندگی غم کے

بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے گا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے محل کے اندر گھسنے کون دے گا ظاہر ہے اسے کوئی ایسا بھیس بنانا چاہیے کہ وہ بڑی آسانی سے محل میں داخل ہو جائے سوچ سوچ کر اس نے محل کی ایک خادمہ کا بھیس بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔

کمرے میں ہی اس نے محل کی ایک کنیز کا خیال ذہن میں لا کر پھنکار ماری اور دوسرے لمحے وہ شاہی محل کی خادمہ کے لباس میں وہاں کھڑا تھا ناگ جلدی سے باہر مندر کے آنگن میں آ گیا یہاں اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا وہ چپکے سے مندر سے باہر نکل آیا اور ایک دکاندار سے محل کا پتہ پوچھ کر اس طرف چل پڑا شاہی محل بے حد خوب صورت تھا ساری عمارت لکڑی کی بنی ہوئی تھی جس پر سونا چڑھا ہوا تھا

دروازے پر زبردست پہرہ تھا، ناگ دروازے میں سے گزرنے لگا تو پہریدار نے اسے روک کر کہا۔

بی بی شاہی حرم کی طرف سے اندر جاؤ کیا تم یہاں کی پرانی خادمہ ہو کر اتنا بھی نہیں جانتیں کہ شاہی محل کی خادمائیں حرم کے دروازے سے محل میں جاتی ہیں۔

ناگ نے کہا۔

میں اپنے خیال میں آ رہی تھی اس لئے بھول گئی۔

اور وہ شاہی محل کے حرم والے دروازے کی طرف آ گئی یہاں عورتیں تلواریں کاندھوں پر رکھے پہرہ دے رہی تھیں ناگ ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا کسی نے اسے نہ روکا سب نے یہی سمجھا کہ وہ کوئی محل کی خادمہ ہے محل کے اندر جا کر ناگ پریشان ہو گیا کہ کس سے بات کرے............... کس کے پاس جائے اور کادمبری کے بارے میں پوچھے آخر اسے باغ میں بارہ دری کے پاس ایک ادھیڑ عمر کی نوکرانی چنگیر میں سفید پھولوں کے ہار گوندھتی نظر آئی ناگ نے اس

کے پاس جا کر سلام کیا اور بیٹھ گیا۔

بوڑھی نوکرانی نے پوچھا۔

کیا تم نئی آئی ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔؟

ناگ چوکنا ہو گیا فوراً بولا۔

ہاں بی بی میں نئی آئی ہوں بڑا پجاری جو ہے وہ مجھے ملک نیپال سے راجہ کے لئے خرید کر لایا ہے۔

بوڑھی نوکرانی بولی۔

لڑکی یہاں دیانت داری سے کام کرو گی تو بڑی سکھی رہو گی یہ میری نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا اور کسی کی لگائی بجھائی ہرگز نہ کرنا۔

ناگ نے کہا۔

بہت اچھا بی بی، میں تمہاری نصیحت ہمیشہ پلے باندھ کر رکھوں گی۔

پھر ناگ بھی بوڑھی کنیز کے پاس بیٹھ کر باتیں بنانے لگا پھر اس نے

پوچھا۔

بڑی بی یہ بتاؤ کہ کل رات۔ جس عورت کی قربانی دی جارہی ہے وہ کس جگہ قید ہے۔

خادمہ نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔

تم کیوں پوچھ رہی ہو۔؟

ناگ نے کہا۔

بات یہ ہے بڑی بی، مجھے میرے بابا نے کہا تھا کہ اگر تم کسی ایسی عورت کے درشن کر لو جسے درگا دیوی پر قربان کیا جارہا ہو تو تمہارے سارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

بوڑھی نوکرانی نے کہا۔

اگر تم مجھے سونے کی چار اشرفیاں دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں ابھی بتا دوں گی۔

ناگ نے وعدہ کیا کہ وہ رانی سے انعام ملنے پر اسے سونے کی دس اشرفیاں دے دے گی اس پر بوڑھی نوکرانی نے اسے بتایا کہ کادمبری نام کی لڑکی جسے اگلے دن رات کو درگا دیوی کے نام پر قربان کیا جا رہا ہے شاہی محل کی سب سے اوپر والی منزل میں بائیں جانب والی کوٹھڑی میں قید ہے۔

اگر تم وہاں کسی جگہ سامنے چھپ کر بیٹھ رہو تو کسی نہ کسی وقت اس لڑکی کی جھلک دیکھ سکتی ہو۔

ناگ کا مقصد پورا ہو گیا تھا اس نے بوڑھی نوکرانی کو جھک کر سلام کیا اور بڑے آرام سے ٹہلتا ٹہلتا محل کی اوپر والی منزل پر آ گیا راستے میں سیڑھیوں اور غلام گردش میں سے گزرتے ہوئے اسے شک کی نگاہ سے کسی نے نہ دیکھا کیونکہ وہ ایک شاہی خادمہ کے روپ میں تھا ایک تنگ سیڑھیوں پر سے گزر کر ناگ اس مقام پر آ گیا جہاں اسے سامنے

فصیل کی برجی کے نیچے ایک کوٹھڑی نظر آئی جس کے باہر دو سپاہی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے گویا کہ کادمبری اسی کوٹھڑی کے اندر قید تھی چونکہ اس سے پہلے بھی درگا دیوی کے دو شکار بھاگ چکے تھے اس لیے کادمبری کی بڑی سخت نگرانی کی جا رہی تھی ناگ کے لیے اب سب سے پہلا اہم کام یہ تھا کہ وہ کس طرح سے کوٹھڑی کے اندر جائے اور کادمبری سے ملاقات کرے۔

اس کے پاس اندر جانے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ وہ سانپ بن کر رینگتا ہوا کوٹھڑی میں جائے لیکن اس میں یہ بڑا خطرہ تھا کہ اگر کسی پہریدار کی آنکھ پڑ گئی تو وہ اسے دو ٹکڑے بھی کر سکتا ہے لیکن اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ ناگ خادمہ کے بھیس میں ہی کوٹھڑی کی پچھلی جانب آ گیا یہاں اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا اس نے پلک جھپکتے ہی اپنا حلیہ خادمہ سے بدل کر سانپ کا کیا اور پچھلی دیوار پر سے ہوتا ہوا ایک گول سوراخ

تنگ آ گیا یہ سوراخ روشن دان کے طور پر استعمال ہوتا تھا سانپ اس سوراخ میں داخل ہو گیا اب وہ کوٹھڑی کی دیوار پر تھا۔

اس نے دیکھا کہ ایک سنہرے بالوں والی لڑکی گھاس پر سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی پیٹھ ناگ کی طرف تھی ناگ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا وہ بڑی تیزی سے دیوار پر سے نیچے اتر گیا نیچے آتے ہی اس نے انسانی شکل اختیار کی اور کادمبری کے سامنے آ گیا کادمبری تو دہشت زدہ ہو کر رہ گئی کہ دروازہ بھی بند ہے اور یہ انسان کہاں سے آ گیا۔ ؟

ناگ نے فوراً اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

کادمبری، میں ناگ ہوں جسے تم صندوقچی میں بند کر آئی تھیں میں تمہارا دوست ہوں میں تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ سانپ سے انسان اور انسان سے سانپ بن جاؤں اس لئے حیران مت ہونا۔

کادمبری بولی۔

کیا........کیا........تم ناگ ہو۔؟

ناگ نے کہا۔

ہاں میں ناگ ہوں تم دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاؤ میں جب باہر سے دروازہ کھولوں تو تیزی سے باہر نکل کر میرے ساتھ چل پڑنا دیر ہرگز نہ کرنا۔

اس کے ساتھ ہی کادمبری کے دیکھتے دیکھتے ناگ نے ایک پھنکار ماری کادمبری کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ناگ دیوار پر چڑھ کر سوراخ میں سے باہر نکل گیا باہر دونوں سپاہی چل پھر کر دروازے کے آگے پہرہ دے رہے تھے ایک سپاہی چلتا ہوا فصیل کی دیوار تک جاتا پھر دوسرا اس طرف آ جاتا ناگ فصیل کی دیوار کے پاس چھپ گیا جونہی ایک سپاہی اس کے پاس آیا ناگ نے لپک کر اس کے گلے پر

ڈس دیا زہر اس قدر مہلک تھا کہ سپاہی کا گلا ایک دم خشک ہو کر بند ہو گیا وہ آواز بھی نہ نکال سکا دوسرے سپاہی نے جب دیکھا کہ پہلا سپاہی ابھی تک دیوار سے پلٹ کر واپس نہیں آیا تو وہ اس طرف آ گیا۔

وہاں اس نے پہلے سپاہی کی لاش دیکھی جو نیلی ہو گئی تھی دوسرا سپاہی لاش پر جھکا ہی تھا کہ ناگ نے دیوار کی آڑ میں سے نکل کر اس کی گردن پر بھی حملہ کر دیا دوسرے سپاہی کا بھی وہی حشر ہوا اور وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا ناگ فوراً انسانی جون میں آ گیا اس نے لپک کر کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا کاجبری پہلے ہی سے تیار کھڑی تھی وہ باہر آ گئی ناگ اسے ساتھ لے کر فصیل کے اوپر چڑھ گیا جہاں ایک بیل نیچے تک چلی گئی تھی فصیل کے اس علاقے میں اور کوئی نہیں تھا ناگ نے بیل کی شاخوں کا سہارا لے کر کاجبری کو نیچے اتارنا شروع کر دیا

کاویری ڈرتی ڈرتی ناگ کا سہارا لیے اس کے ساتھ ہی محل کی دیوار سے نیچے اُتر گئی وہاں ان کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا ویسے بھی سپاہی محل کے اردگرد منڈلا رہے تھے ناگ کاویری کو لے کر ایک طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ اسے گھوڑوں کے ہنہنانے اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی اس نے کاویری کے ساتھ ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور کاویری کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ سپاہیوں کا گشتی دستہ تھا جو محل کے اردگرد نگرانی کر رہا تھا سپاہی گھوڑوں پر سوار آگے نکل گئے تو ناگ نے کاویری سے کہا۔

یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے ہمیں پہاڑوں کی طرف نکل جانا ہوگا میرے ساتھ آؤ۔

کاویری ناگ کے پیچھے پیچھے گڑھے میں سے نکل کر جنوب مشرق کی پہاڑیوں کی طرف بھاگنے لگی کافی دور بھاگنے کے بعد اس کا سانس

پھول گیا، وہ تھک کر بیٹھ گئی ناگ نے اسے کہا کہ یہ وقت بیٹھنے کا نہیں کاڈبری اٹھ کر قدم قدم ناگ کے ساتھ چلنے لگی آگے ڈھلان سے اتر کر ایک گھاٹی آ گئی یہاں ایک نہر بہہ رہی تھی، دونوں اس نہر کے کنارے کنارے ایک طرف کو روانہ ہو گئے وہ شام ہونے سے پہلے پہلے پہاڑیوں میں جس قدر دور ہو سکے آگے نکل جانا چاہتے تھے ان میں کوئی بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔

بس وہ مسلسل بھاگے چلے جا رہے تھے۔

ختم شد

۱۔ ناگ اور کا دمبری بھاگتے ہوئے کہاں جا نکلے۔؟

۲۔ ناگ اور کا دمبری کی ماریا سے کہاں ملاقات ہوئی۔؟

۳۔ کیا عنبر دوبارہ ناگ سے مل سکا۔؟

۴۔ ملک چین میں ان کے ساتھ کیا گزری۔؟

یہ سب کچھ آپ اسی ناول کے اگلے 22 حصے

''سرائے کی چڑیل'' میں پڑھیے گا۔

عنبر ناگ ماریا

سرائے کی چڑیل

(قسط نمبر ۲۲)

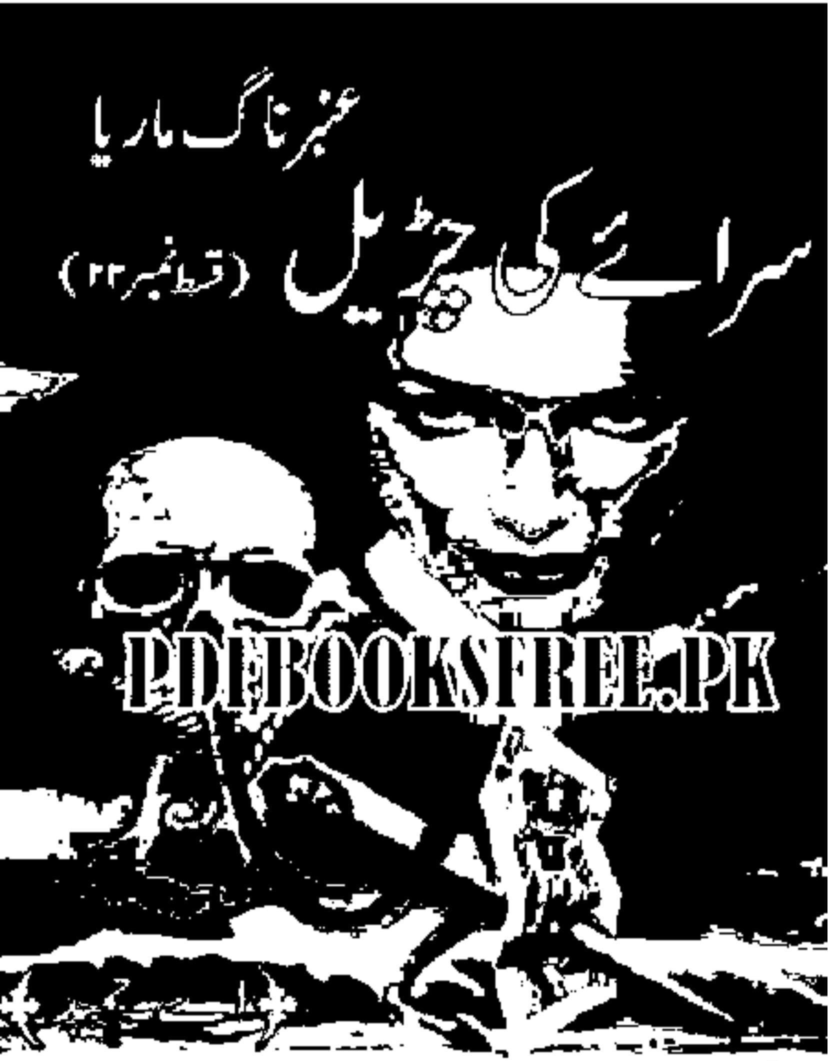

سنو پیارے بچو!

ناگ زندہ ہونے کے بعد کادمیری کو لے کر لندن سر کے شاہی محل کی قید سے بھاگ نکلتا ہے۔ ماریا دوسری طرف کیلاش اور عنبر کو ساتھ لے کر چین کے ملک کی طرف روانہ ہوتی ہے۔

اس ملک میں ایک چینی لڑکی انہیں ملتی ہے جو چین تک دونوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ ایک جگہ سانپ ان پر حملہ کرتا ہے مگر عنبر اسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ پھر وہ ایک سرائے میں پہنچتے ہیں جہاں ایک چڑیل سے مقابلہ ہوتا ہے۔ چڑیل ماری جاتی ہے۔ یہ لوگ صحرائے گوبی میں سے گزرتے ہیں۔ راستے میں ایک نجومی سے ملاقات ہوتی ہے جو انہیں بتاتا ہے کہ ناگ سے وہ چین میں مل سکیں گے۔

چٹان پر خون

پہاڑوں میں نہر دائیں طرف کو گھوم گئی۔

یہاں سے ناگ نے کادمبری کو ساتھ لیا اور بائیں جانب چیڑ کے درختوں کے ساتھ ساتھ گھاٹی میں سے نکل کر ایک ڈھلان پر آ گیا۔ یہ معمولی سی ڈھلانی سطح تھی جو نیچے جا کر ایک میدان کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اس ڈھلان پر سے ہو کر دونوں میدان میں آ گئے۔ یہاں کائی کے پودے اور خاردار جھاڑیاں جگہ جگہ اُگی ہوئی تھیں۔ پتھروں پر جنگلی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ جن میں کاسنی اور زرد رنگ کے چھوٹے

چھوٹے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کادمبری تھک گئی تھی۔ مگر ناگ وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے خوب معلوم تھا کہ کادمبری کے فرار کی خبر سب کو ہوگئی ہوگی اور راجہ کے سپاہی اس کی تلاش میں نکل چکے ہوں گے۔ راجہ کے شہر سے بھی ایک راستہ ملک سکم کی طرف جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس راستے پر سپاہی بھی پیچھے چلے آرہے ہوں گے۔ ناگ نے کادمبری سے کہا کہ وہ ذرا ہمت اور بہادری سے کام لے۔ ورنہ وہ پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

کادیری نے حوصلے سے کام لیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ میدان میں سے نکل گئے۔ اب ایک دفعہ پھر چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو دریائے آمو تک چلا گیا تھا۔ یہ وہی دریا تھا جس کے پل پر سے گزر کر عنبر، کیلاش اور ماریا ملک سکم پہنچے تھے۔ سارا دن کادیری اور ناگ ٹیلوں کے درمیان میں سفر کرتے رہے۔ شام کو کادیری کا تھکاوٹ کے مارے برا حال ہو گیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔

”ناگ بھائی! اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔“

ناگ نے سوچا کہ بے چاری کادیری واقعی بہت تھک گئی ہے۔ اس لیے اب یہاں کسی محفوظ جگہ پر آرام کرنا چاہیے اور رات کاٹنے کے بعد صبح منہ اندھیرے پھر سے سفر جاری کرنا چاہیے۔ ایک مقام پر ٹیلے کے اوپر سے بہت بڑی بیل باہر کو نکلی ہوئی تھی اور اس نے وہاں چھپر سا ڈال رکھا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اس چھپر کے اوپر رات بسر

کرنی چاہیے۔ تاکہ اگر نیچے سے دشمن گزرے تو اس کو خبر ہو جائے۔ وہ کادمبری کو لے کر اوپر پہاڑی چھپر پر آ گیا۔ یہاں سردی تھی۔ ناگ نے مندر سے لیے ہوئے گرم لبادے کو کادمبری کے اوپر ڈال دیا اور خود گرم پوستین لپیٹ کر پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

یہاں ناگ نے کادمبری سے عنبر کے بارے میں پوچھا۔

کادمبری نے اسے عنبر سے ملاقات تک سے لے کر اس سے جدا ہونے تک کی ساری کہانی سنا ڈالی اور عنبر کی بے حد تعریف کی کہ وہ کتنا اچھا بھائی ہے کہ اس نے اپنی بہن کا ہمیشہ خیال رکھا۔ پھر اس نے ماریا کے بارے میں بھی بتایا کہ کس طرح ماریا نے ہر مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیا۔ ناگ کو اپنا گہرا اور عزیز ترین دوست عنبر بہت یاد آنے لگا اور پھر اس نے اونگھنا شروع کر دیا۔

”کادمبری بہن! اب تم بھی سو جاؤ۔ صبح پھر سفر کرنا ہے۔“

سرائے کی چڑیل

”شب بخیر بھائی ناگ!“

”شب بخیر بہن!“

کادمبری دن بھر کی تھکی ہاری تھی وہ لیٹتے ہی سو گئی۔ ناگ پہلے تو بار بار اونگھ رہا تھا مگر جب وہ پتھروں پر پوستین اوڑھ کر لیٹا تو اس کی نیند ہی غائب ہو گئی۔ کادمبری سو رہی تھی اور ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی۔ کادمبری کو جگا کر اس سے باتیں کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ناگ لیٹے ہی لیٹے آسمان پر پھیلے ہوئے تاروں کو دیکھنے لگا۔ یہ اس کی اور کادمبری کی خوش قسمتی تھی کہ ناگ کو نیند نہیں آئی تھی۔ نہیں تو کادمبری کی خیر نہیں تھی۔

ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پھر بھی تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں پہاڑوں کی چوٹیاں اور نیچے پتھریلے راستے دھیمے دھیمے دکھائی دے رہے تھے۔ ناگ نے سونے کی بہت کوشش کی مگر اسے نیند نہ آئی۔

اس نے کئی دفعہ آنکھیں بند کیں مگر نیند تو جیسے اس سے کوسوں دور بھاگ چکی تھی۔ وہ نیچے پتھریلے راستے کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ آخر نیند آ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور چت لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اُسے نیند آنے ہی والی تھی کہ دور کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ ناگ ایکدم چوکنا ہو گیا۔ اس نے سانس روک کر وہی آواز دوبارہ سننے کی کوشش کی۔ آواز پھر سنائی نہ دی۔ مگر وہ سو فیصد گھوڑے کی آواز تھی۔ شاید کوئی مسافر منزل پر جلدی پہنچنے کے لیے رات کو سفر کر رہا تھا۔ یا شاید راجہ کے سپاہی ان دونوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ دونوں باتوں کا امکان تھا۔ بہرحال ناگ ہوشیار ہو گیا اور اوپر سے جھک کر نیچے سڑک پر

اندھیرے میں گھورنے لگا۔

اچانک گھوڑے کے ٹاپوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ ناگ کے کان کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اندھیرے میں تین آدمیوں کو آگے بڑھتے دیکھا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور باتیں کرتے آ رہے تھے۔ قریب آنے پر ناگ نے دیکھا کہ وہ راجہ کے سپاہی تھے۔ ناگ کی نگاہ اپنے آپ کادمبری پر چلی گئی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اگر ناگ بھی گہری نیند سو رہا ہوتا تو خدا جانے کادمبری پر کیا گزر جاتی۔ ناگ جس جگہ بلندی پر آگے بڑھے ہوئے پتھر کے چھجے پر لیٹا تھا، سپاہی اس کے عین نیچے آ کر گھوڑوں سے اتر گئے۔ انہوں نے گھوڑے ایک جگہ باندھے۔ زمین پر لکڑیاں اور خشک جھاڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور اس کے ارد گرد بیٹھ کر سرد رات میں آگ تاپنے اور باتیں کرنے لگے۔ وہ کادمبری کے فرار اور راجہ

کے انعام کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ راجہ نے کادمبری کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے لیے ایک لاکھ سونے کی اشرفیوں کے انعام کا اعلان کر رکھا ہے۔ یہ بہت بڑا انعام تھا اور اس کے لالچ میں سپاہی بڑی آسانی سے کادمبری کا خون کر سکتے تھے۔ ناگ چوکس ہو گیا اور بڑے غور سے لیٹا لیٹا ان کی باتیں سننے لگا۔ دو سپاہی آگ تاپتے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ایک سپاہی ٹین کے ڈبے میں کوئی گرم شے پیتے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

سپاہی کی نظریں اوپر پتھر کی باہر نکلی ہوئی سل پر اٹھیں جہاں ناگ اور کادمبری لیٹے ہوئے تھے۔ سپاہی بڑے غور سے باہر نکلی ہوئی سل کو تکتا رہا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا:

”یہ پتھر کی سل باہر کیوں نکلی ہوئی ہے؟“

دوسرے سپاہی نے ہنس کر کہا:

"تمہیں فکر کیوں پڑ گئی ہے۔ باہر نکلی ہے تو باہر نکلی رہنے دو۔"

سپاہی کہنے لگا:

"تم یہاں آگ تاپو۔ میں ذرا اوپر چل کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ جگہ باہر کیوں نکلی ہوئی ہے۔"

تیسرے سپاہی نے کہا:

"اگر وہاں کوئی جن بھوت مل گیا تو مدد کے لیے ہمیں آواز ضرور دینا سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔ فکر نہ کرو۔ یہاں مجھ سے بڑا جن بھوت اور کوئی نہیں ہے۔ میں ہر چھوٹے بڑے جن کو ہلک جھپکنے میں تہ تیغ کر سکتا ہوں۔"

پتھر کی سل کے اوپر لیٹے ہوئے ناگ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ کم بخت سپاہی کو جانے کیا سوجھی تھی کہ اوپر پتھر کی سل کا راز معلوم کرنے

چلا آ رہا تھا۔ بھلا اس کو کیا پڑی تھی خواہ مخواہ اوپر چڑھنا شروع کر دے۔ اچھا بھلا اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ ناگ سپاہی کو اوپر آتے دیکھ کر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ کادمبری کی جان خطرے میں تھی۔ اگر اس سپاہی نے کادمبری کو سوتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ضرور اپنے ساتھیوں کو اوپر بلا لے گا اور کادمبری کو پکڑ کر لے جائے گا۔ ناگ کے لیے ان تینوں سپاہیوں کا ایک ہی وقت میں مقابلہ کرنا بڑا مشکل تھا۔

ناگ نے اٹھ کر جلدی سے سوئی ہوئی کادمبری کے اوپر اپنی پوستین ڈال کر اوپر گھاس بکھیر دی اور خود ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا۔ وہاں اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کادمبری کو جگا کر وہاں سے بھگا لے جاتا۔ سپاہی سر پر پہنچ چکا تھا۔ ناگ کو یوں محسوس ہوا جیسے سپاہی کی موت اسے اپنے ساتھیوں سے جدا کر کے اوپر لا رہی ہے۔ وگرنہ یہ

ممکن تھا کہ وہ تینوں ایک ساتھ اوپر نہ آتے۔ ناگ کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ سپاہی کا راستے میں ہی خاتمہ کر دے۔ چھ سات ماہ کی بے ہوشی کے بعد ناگ کے زہر میں اتنی تیزی آ گئی تھی کہ اگر وہ کاٹ کر بے ہوش بھی کرنا چاہتا تو دشمن کا ہلاک ہو جانا یقینی تھا۔ اس کے زہر کی تھوڑی سے تھوڑی مقدار بھی انسان کو مارنے کے لیے بہت زیادہ تھی۔

سپاہی ادھر ادھر دیکھتا اوپر چڑھتا آ رہا تھا۔ ظاہر ہے اوپر آ کر اس نے دیکھنا تھا کہ کوئی شخص پتھر کی سل پر لیٹا ہوا ہے۔ وہ اسے غور سے دیکھ کر ضرور پہچان لیتا اور پھر اپنے ساتھیوں کو آواز دیتا۔ ایسی صورت میں وہاں الجھن پیدا ہو سکتی تھی اور ناگ کے حملے کے دوران کوئی نہ کوئی سپاہی بڑی آسانی سے کادمبری کو ہلاک کر سکتا تھا۔ اس خیال سے ناگ نے اپنی جون بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے آنکھیں بند کر

کے گہرا سانس لیا۔ زور سے پھنکار ماری اور دوسرے لمحے وہاں ناگ کی جگہ ایک کالا سانہ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ سانپ ٹیلے کی اوٹ میں سے باہر نکل آیا اور ٹیلے کی دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔

اس دوران میں سپاہی اوپر آ چکا تھا۔ اور اس نے کادبری کو لیٹے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک شخص کو سوئے ہوئے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھا۔ اس نے جھک کر کادبری کے چہرے پر سے نرم کمبل پرے ہٹا دیا۔ کادبری کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گیا۔ جس چیز کی تلاش میں وہ پہاڑوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ وہ سامنے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے باقی ساتھیوں کو آواز دے کر اوپر بلانا چاہا۔ وہ خوشی خوشی نیچے جھک کر آواز دینے ہی والا تھا کہ اتنے عرصے میں ناگ وہاں پہنچ گیا۔ سپاہی نے کالے سانپ کو پھن پھیلائے اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا۔

سانپ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہا تھا۔ سپاہی پر سانپ کی آنکھوں کے جادو کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ اب جو کچھ بھی ہونا تھا ایک پل کے اندر ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ سپاہی چیخ مارنے ہی والا تھا۔ سانپ نے فوراً لپک کر سپاہی کی گردن پر ڈس لیا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہی نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا ناگ کا دم گھٹنے لگا۔ آج تک کبھی کسی نے اتنی دلیری نہیں کی تھی۔ اس نے جتنے آدمیوں کو بھی ڈسا تھا اس میں سے کسی نے بھی اس کی گردن پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ مگر یہ سپاہی کوئی بڑا ہی بہادر سپاہی تھا۔ اس نے ناگ کی گردن مروڑنا شروع کر دی۔ ناگ کا سانس رک گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے تارے سے ناچنے لگے لیکن یہ اس کی خوش قسمتی اور سپاہی کی بدقسمتی تھی کہ زہر نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ وہ اس کے خون میں شامل ہو کر سپاہی کے جسم کو سن کر چکا تھا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ

گئی۔ ہاتھوں کی طاقت جاتی رہی اور وہ دھڑام سے پتھروں پر گر پڑا۔

اس کے گرتے ہی کادمبری کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک سپاہی اس کے قریب ہی زمین پر گرا پڑا ہے اور سامنے ایک کالا سانپ اپنا پھن پھیلائے کھڑا ہے۔ کادمبری نے دیکھا کہ ناگ کا بستر خالی تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ ناگ ہی ہے جس نے کسی دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ سانپ وہاں سے کھسک گیا۔ ٹیلے کے پاس جا کر اس نے اپنی جون بدلی۔ پھر سے انسان کا روپ اختیار کیا اور سرگوشی میں کادمبری کو سب کچھ بتا دیا۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ سپاہی کے دوسرے ساتھی بھی اپنے ساتھی کی تلاش میں آوازیں دیتے اوپر آ گئے۔

''کادمبری جلدی سے چھپ جاؤ۔''

کادمبری ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئی۔ ناگ بھاگ کر دوسری طرف

نکل گیا۔

دونوں ساتھی اپنے ساتھی کو پکارتے اوپر آ گئے تھے۔ انہوں نے زمین پر اپنے ساتھی کو دیکھا اور فوراً اس پر جھک کر اسے ہلانے جھلانے لگے۔ مگر وہ تو مر چکا تھا۔ اس کا جسم زہر کے اثر سے پھٹ چکا تھا اور خون جگہ جگہ سے رس کر جم گیا تھا۔ انہوں نے پریشان ہو کر آس پاس دیکھا۔

''معلوم ہوتا ہے سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

''بھاگو یہاں سے۔'' دوسرے سپاہی نے ڈر کر کہا۔

''نہیں...... مجھے یہاں کسی آدمی کے پاؤں کے نشان نظر آ رہے ہیں۔''

دونوں سپاہی قدموں کے نشانوں کا پیچھا کرتے اس طرف آ گئے۔ جہاں کادمبری چھپی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے کھینچ کر باہر نکال

لیا۔

''آخر ہم نے تمہیں گرفتار کر لیا۔ اب ہم راجہ سے ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں انعام میں حاصل کریں گے اور رجھ سے اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ بھی لیں گے۔ ہمارا ساتھی تمہاری وجہ سے مارا گیا ہے۔''

انہوں نے دیکھتے دیکھتے کا دھری کو رسی میں جکڑ لیا اور اسے کھینچتے ہوئے پہاڑی پر سے نیچے لے گئے۔ اس سے پہلے سانپ پہنچ کر سپاہیوں کے گھوڑے کو ڈس چکا تھا۔ وہ گھوڑا زمین پر مرا پڑا تھا۔ سپاہیوں نے گھوڑے کو مرتے ہوئے دیکھا تو سمٹ کر ایک طرف ہو گئے۔

''خبردار! سانپ یہاں بھی آ چکا ہے۔''

''گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے فوراً بھاگ چلو۔ یہاں رہنا

خطرے سے خالی نہیں۔”

جس سپاہی نے کاڈبری کو اپنے کاندھے پر اٹھا رکھا تھا اس نے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے پر اسے ڈالا اور خود اوپر چڑھنے ہی والا تھا کہ سانپ نے پیچھے سے آ کر اس کے پاؤں پر ڈس دیا۔ سپاہی لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا اور اس کا جسم زہر کی وجہ سے اکڑنا شروع ہو گیا۔

اس نے چیخ مار کر اپنے ساتھی کو پکارا۔ اس کا ساتھی اس کی طرف بھاگا جب وہ قریب آیا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے پیچھے سے اس کی گردن پر تیز سوئی چبھو دی ہو۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

قریب ہی ایک سیاہ کالا سانپ پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ سپاہی کی گردن لکڑی کی طرح سخت ہونا شروع ہو گئی۔ اس نے نیام میں سے تلوار نکال کر اس کے دو ٹکڑے کرنے چاہے۔ مگر اس کے ہاتھ میں اب طاقت نہ رہی تھی۔ تلوار کے دستے پر پڑتے ہی اس کا ہاتھ لڑکھڑا

گیا اور وہ پہلے سپاہی کیلاش کے اوپر گر پڑا۔ کادمبری نے اپنے آپ کو گھوڑے کے اوپر سے گرا لیا۔ سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور پھر سے انسانی روپ میں آ گیا۔

مرتے مرتے سپاہی نے جب ایک سانپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے انسان بنتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مگر وہ سوائے دیکھنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس کی بولنے اور سننے کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔ اب اس کی نظر بھی دھندلانے لگی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں کی روشنی بجھی جاتی رہی اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ وہ مر چکا تھا اور اپنے دوسرے مردہ ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا تھا

”گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے نکل چلو کادمبری بہن! ہو سکتا ہے کہ ان سپاہیوں کے ساتھی بھی ادھر کو آ رہے ہوں۔“

کادمبری اور ناگ ایک ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے اور انہوں

نے آدھی رات کے اندھیرے میں ہی گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ کادمبری نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک انسان کو سانپ بن کر دوسرے انسان کو ڈستے دیکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرنے لگی تھی۔

جیسا کہ اس نے عنبر اور ماریا کو بتایا تھا کہ سکم کے ایک بہت بڑے شہر میں کادمبری کا بڑا بھائی خشک کھالوں اور نرم پوستینوں کی تجارت کرتا تھا۔ وہ اس خیال سے ناگ کے ساتھ سکم کی طرف جا رہی تھی کہ اپنے بھائی کے پاس پہنچ جائے گی۔ ناگ اس لیے چلا جا رہا تھا کہ عنبر نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ اب چین کے ملک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ مر تو سکتا نہیں۔ اس لیے وہ اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ ملکوں کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کچھ خبر نہیں تھی کہ اس پر جادو کا اثر کب ٹوٹ جائے اور اس کو موت آ جائے۔

وہ باقی ساری رات پہاڑیوں اور ٹیلوں میں سفر کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو انہیں اپنے سامنے ایک بہت بڑا پہاڑ نظر آیا۔ جس کے دامن میں دریائے آمو بہہ رہا تھا۔ یہ دریا کافی چوڑا تھا۔ ناگ نے کادبری نے کہا:

”اگر ہم نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے تو پھر لہریں ہمارے گھوڑوں کو بہا کر لے جائیں گی۔ کیونکہ پانی کا بہاؤ بڑا تیز ہے۔“

کادبری نے کہا:

”یہاں کے لوگ کس جگہ سے دریا عبور کرتے ہیں۔ یہاں کہیں نہ کہیں کوئی پل ضرور بنا ہوا ہوگا۔ ہمیں تلاش کرنی چاہیے۔“

خاصی دور آگے جا کر انہیں دو رسوں کا پل مل گیا۔ جس پر سے گزر کر عنبر، ماریا اور کیلاش دوسری طرف پہنچے تھے۔ ناگ نے گھوڑے خود

سنبھال لیے اور کادمبری سے کہا کہ وہ بڑے آرام سے رسوں کو پکڑ کر پیچھے پیچھے چلی آئے۔ پل ان کے بوجھ سے ہلنے لگا تھا۔ کادمبری خوف زدہ تھی۔ پھر بھی وہ پل پر سے گزر گئے۔

چینی لڑکی

ادھر ماریا، عنبر اور کیلاش ایک زرد رنگ کے صحرا میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ صحرا حدِ نظر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں موسم ایکدم تبدیل ہو گیا تھا۔ گرمی زیادہ ہو گئی تھی اور خشک ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ کیلاش ان راستوں سے تھوڑا بہت واقف تھا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو بتایا کہ یہ صحرائے گوبی ہے۔ یہاں۔ یہاں سے مشرق کی جانب نیچے نیچے سفر کرتے رہنے سے وہ ایک دن چین کے ملک میں پہنچ جائیں گے۔ کیلاش نے یہ بھی بتایا کہ اس صحرا میں اکثر خانہ بدوش قبیلے پھرتے

رہتے ہیں جن کا تعلق خونخوار منگولوں سے ہے۔ وہ مسافروں اور قافلوں کو لوٹ کر لوگوں کو بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کیلاش خود ہی سہم گیا۔ کیونکہ اسے ہر قدم پر اپنی موت کا ڈر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عنبرا اور ماریا تو نہیں مریں گے لیکن اگر کوئی مصیبت آ گئی تو اس کی جان ضرور خطرے میں ہو گی خواہ بعد میں ماریا اور عنبرا اسے بچا ہی کیوں نہ لیں۔

عنبر نے پوچھا:

''صحرا کتنی دور تک چلا گیا ہے؟ کیا تمہیں اس کا کچھ اندازہ ہے؟''

کیلاش نے کہا:

''میں نے اس صحرا میں کبھی سفر نہیں کیا۔ لیکن میں نے کچھ مسافروں سے سنا ہے کہ یہ صحرا ایک رات اور ایک دن کے سفر تک

پھیلا ہوا ہے۔۔ یعنی اگر ہم بغیر رکے گھوڑوں پر ایک رات اور ایک دن سفر کرتے رہیں تو اس صحرا کو پار کر جائیں گے۔“

عنبر نے کہا:

”مگر یہاں ایک ساتھ اتنا لمبا سفر کرنا مشکل ہے۔۔ ہمیں راستے میں پڑاؤ بھی کرنا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں راستے میں کوئی ایسی جگہ مل جائے گی جہاں سائے میں پڑاؤ کر سکیں؟ اور پھر ہمارے کھانے پینے کا کیا ہوگا؟ پانی کہاں سے ملے گا؟ ہم تو اپنے ساتھ سوائے جوار کی روٹیوں کے اور کچھ بھی لے کر نہیں چلے۔ پانی کا مشکیزہ تو آج کے دن ختم ہو جائے گا۔“

کیلاش نے کہا:

”ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں یہ قافلوں کے گزرنے کا اور سفر کرنے کا راستہ ہے۔ یہاں سے اکثر قافلے گزرا کرتے ہیں۔ اس

سرائے کی چڑیل

راستے پر لوگ ریت کے اندر پانی کے بڑے بڑے مٹکے چھپا کر اوپر پتھر رکھ دیتے ہیں۔ ہم تھوڑی سی کوشش کے بعد پانی تلاش کر سکتے ہیں۔ باقی کھانے کو ہمیں راستے میں کچھ نہیں ملے گا۔"

ماریا بولی:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اس صحرا میں سے جلد سے جلد گزر جانا چاہیے۔ راستے میں زیادہ دیر پڑاؤ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہمیں گھوڑوں کے لیے بھی پانی اور گھاس پھوس کی ضرورت ہوگی جو یہاں مشکل سے ملیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"بہر حال ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے۔ گرمی شدت اختیار کر گئی تو کسی جگہ سایہ دیکھ کر آرام کر لیں گے۔ آخر یہاں سے تجارتی کارواں گزرتے ہیں۔ راستے میں کہیں نہ کسی سرائے وغیرہ کا ضرور

بندوبست کیا گیا ہوگا۔"

انہوں نے صحرا میں سفر کرنا شروع کر دیا۔ جس راستے پر وہ جا رہے تھے۔ ان کی دونوں جانب ببول کی جنگلی جھاڑیاں جگہ جگہ اگی ہوئی تھیں۔ جسے نہ انسان کھا سکتا تھا نہ گھوڑا کھا سکتا تھا۔ یہ جھاڑیاں بہت زہریلی ہوتی ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے تھوہر کے جھاڑ دیکھے۔ تھوہر کو سرخ رنگ کا پھل لگتا ہے جسے گھوڑے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ انہوں نے وہاں رک کر گھوڑوں کو سیر ہو کر تھوہر کا پھل کھلایا اور پھر وہاں سے چل پڑے۔

آدھا دن سفر کرتے کرتے گزر گیا۔ سورج سر کے عین اوپر آ گیا اور گرمی زیادہ پڑنے لگی۔ کیلاش کا گرمی کے مارے برا حال ہونے لگا۔ گھوڑوں کو بھی پسینہ بہنے لگا۔ ماریا بھی گرمی سے تنگ آ گئی۔ زرد رنگ کا صحرا تپش سے جل بھن رہا تھا۔ عنبر نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہیے۔ گرمی زیادہ ہو گئی ہے۔ دھوپ کی تپش کم ہو تو پھر آگے بڑھیں گے۔''

کیلاش نے جھٹ کہا:

''بھگوان کے لیے ابھی، اسی وقت، اسی جگہ رک جاؤ۔ میرا تو گرمی کے مارے کچومر نکلا جا رہا ہے۔''

عنبر نے ماریا سے پوچھا:

''ماریا! تمہا کیا خیال ہے؟''

کیلاش بولا:

''عنبر بھائی! ماریا بہن سے کیا پوچھ رہے ہو۔ وہ تو غائب ہے اس کو گرمی کہاں لگ رہی ہو گی۔''

ماریا نے ہنس کر کہا:

''میں غائب ہو گئی ہوں کوئی مر تو نہیں گئی کہ مجھ پر گرمی کا اثر نہیں

ہو گا۔ مجھے بھی دھوپ تنگ کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے یہاں ٹھہر جائیں۔" عنبر نے دور ایک جگہ ببول کی چند ایک اونچی اونچی جھاڑیاں دیکھیں۔ وہ ان جھاڑیوں کے سائے میں جا کر رک گئے۔ گھوڑوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا اور خود سائے میں ٹھنڈی ریت پر لیٹ گئے۔ ماریا بھی ریت پر لیٹ گئی۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر جب وہ ریت پر لیٹی تو ریت ایک جگہ سے صاف نیچے کو دب گئی۔ چنانچہ عنبر اور کیلاش کو معلوم ہو گیا کہ ماریا یہاں لیٹی ہوئی ہے۔

دھوپ ذرا ڈھلی اور تپش کی شدت کم ہوئی تو انہوں نے سفر کا ارادہ کیا۔ ماریا کہنے لگی:

"میری رائے میں رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے یہ بہتر ہو گا کہ میں آگے جا کر کسی سرائے وغیرہ کا سراغ لگاؤں اور اگر راستے میں کوئی خطرہ بھی ہو تو اس کے بارے میں بھی واپس آ کر آپ لوگوں کو خبردار

کر دوں۔ ہم تینوں کا ساتھ ساتھ سفر کرنا فضول ہے۔“

عنبر نے کہا:

”اگر تم ایسا کر سکو تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ اس طرح ہم ایک بہت بڑی مشکل پر قابو پا سکتے ہیں۔“

”میں ابھی آگے جانے کو تیار ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔“

ماریا گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ گھوڑے تازہ دم تھے۔ ماریا انہیں سرپٹ دوڑاتی آگے نکل گئی۔ کیلاش اور عنبر کو ماریا ویسے بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ انہوں نے صحرائی راستے پر کچھ دور تک ریت اڑتے دیکھی اور پھر وہ نظر آنا بند ہو گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ ماریا آگے نکل چکی ہے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑوں کو قدم قدم چلاتے آگے بڑھنے لگے۔ کیلاش فکرمند سا ہو کر کہنے لگا:

"عنبر بھائی! ہم ملک چین کے سفر پر نکل تو پڑے ہیں۔ کہیں وہاں پہنچ کر ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

عنبر نے پوچھا:

"وہ کونسی مصیبت؟"

کیلاش کہنے لگا:

"میں نے سنا ہے کہ چین پر جس شاہی خاندان کی حکمرانی ہے اس کا ایک بڑا ہی ظالم بادشاہ فومانچو اس وقت حکومت کر رہا ہے۔ فومانچو بڑا سنگدل بادشاہ ہے۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اس کے سپاہی مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں اور وہ ملزموں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا ہے۔"

عنبر نے کہا

"یار کیلاش! تم ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہو۔ بادشاہ کوئی کوئی

رحم دل ہوتا ہے۔ باقی اکثر بادشاہ اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔“

”ہاں بھائی! تمہارے لیے تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ اس لیے کہ تمہیں تو کوئی مار ہی نہیں سکتا۔ مگر مجھے بے گناہ کی گردن نہ اڑوا دینا۔“

”یار تم گھبراتے کیوں ہو۔ پہلے کہیں تمہاری گردن کسی نے اڑائی ہے جو اب تمہارے ساتھ ایسا ظلم ہوگا۔ بھائی اگر تم زیادہ گھبراتے ہو تو بے شک واپس سکلم چلے جاؤ، ابھی وقت ہے۔“

”بھائی! کیا تم مجھے بزدل سمجھتے ہو۔ میں ضرور تمہارے ساتھ جاؤں گا۔“

”تو پھر میرے ساتھ چلو گے تو خاموشی سے سفر کرو اور خبردار کسی بات پر گھبرا کر اپنے ساتھ ہمیں بھی پریشان نہ کر دو۔“

کیلاش خاموش ہو گیا۔

دوسری طرف ماریا گھوڑے پر سوار صحرائی راستے پر بہت آگے نکل گئی۔ یہاں خشک اور بنجر قسم کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ریت کم ہونے لگی تھی۔ زمین ریتلی نہیں بلکہ پتھریلی ہو گئی تھی۔ ماریا نے ایک جگہ کچھ پتھروں کو ایک جگہ جڑے ہوئے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہاں پانی کے مٹکے چھپے ہوئے ہیں۔ اُسے خوشی ہوئی کہ اس جگہ وہ اپنے مشکیزے پانی سے بھر سکتے ہیں۔ یہاں سے آگے چل کر اسے بائیں جانب ببول کی اونچی جھاڑیوں میں ایک جھونپڑا دکھائی دیا۔

ماریا گھوڑا دوڑاتی اس جھونپڑے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ اس کے رکتے ہی جھونپڑے کا دروازہ کھلا اور ایک چھوٹی آنکھوں والے آدمی نے باہر آ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر ایک اور آدمی اندر سے باہر نکل آیا۔

''ابھی ابھی مجھے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی تھی۔''

''آواز تو میں نے بھی سنی تھی۔''

''پھر گھوڑ سوار کہاں غائب ہو گیا؟''

''کہیں ہمارا وہم ہی نہ ہو؟''

''مگر آواز ہم دونوں نے سنی ہے۔ دور سے گھوڑے کی آواز جھونپڑے کے باہر آ کر رک گئی تھی۔''

''لیکن گھوڑا اور سوار کہاں چلے گئے؟ یہاں تو چاروں طرف سنسان سناٹا چھایا ہوا ہے۔ نہ کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔''

پہلا آدمی سر کو جھٹک کر جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔ دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ ماریا ایک طرف گھوڑے پر سوار خاموش کھڑی ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ ان لوگوں کے چہرے بڑے خوفناک تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوداگر نہیں ہیں بلکہ ان کا

تعلق ڈاکوؤں سے ہے جو راستے میں قافلوں کو لوٹا کرتے ہیں۔ ماریا گھوڑے سے اترنے لگی تو اسے خیال آیا کہ اگر وہ نیچے اتر گئی تو گھوڑا ظاہر ہو جائے گا اور اندر بیٹھے ہوئے ڈاکو اسے پکڑ لیں گے۔

وہ گھوڑے پر سوار گھوڑے کو قدم قدم بڑے آرام سے چلاتی جھونپڑی کے پیچھے والی کھڑکی پر آ کر رک گئی۔ زمین چونکہ پتھریلی تھی اس لیے گھوڑے کے چلنے سے اس کے کھروں کی آواز پیدا ہوئی۔ دونوں ڈاکو ایک دفعہ پھر باہر آ گئے۔

''گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز پھر آئی تھی۔''

''ہاں! میں نے بھی سنی ہے۔''

''لیکن گھوڑا کہاں ہے؟''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔''

''یار! یہاں کوئی بھوت تو نہیں رہتا؟''

"میں یہاں کئی بار آ چکا ہوں۔ کبھی کوئی بھوت نہیں ملا۔"

"پھر یہ کیا ہو رہا ہے کہ گھوڑے کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ آواز رک جاتی ہے۔ ہم باہر نکلتے ہیں تو گھوڑا رک جاتا ہے۔"

دوسرے ڈاکو نے کہا۔

"چھوڑ دو یار ان باتوں کو۔ اندر چل کر مال تقسیم کرتے ہیں۔ کہیں اگر غول آ گئے تو وہ ہمیں بھی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

ڈاکو جھونپڑے کے اندر آ گئے۔ ماریہ سمجھ گئی کہ یہ لوگ ڈاکو ہیں اور ابھی ابھی کہیں ڈاکہ ڈال کر آئے ہیں اور اب لوٹا ہوا مال برابر تقسیم کر رہے ہیں۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے دھکا دیا۔ کھڑکی تھوڑی سی کھل گئی۔ وہ کیا دیکھتی ہے کہ جھونپڑی کے اندر فرش پر بڑے قیمتی کپڑوں کا تھان اور ہیرے جواہرات پڑے ہیں۔ قریب ہی ایک بڑی ہی پیاری چینی گڑیا سی لڑکی بیٹھی ہے۔ اس

کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور سر جھکا ہوا ہے۔ ماریا کو اس نتیجے پر پہنچتے دیر نہ لگی کہ یہ ڈاکو اس لڑکی کو کہیں سے اٹھا کر زبردستی لے آئے ہیں۔ وہ کھڑکی کے ساتھ لگ کر ان کی باتیں سننے لگی۔

''آدھے ریشمی کپڑے اور آدھے جواہرات تم لے لو۔ آدھے مجھے دے دو۔''

''پھر وہی بات۔ سوال یہ ہے کہ اس لڑکی کو اپنے ساتھ کون لے جائے گا؟''

''یہ تم مجھے دے دو۔''

''وہ کس حساب سے؟ آدھے کپڑے اور آدھے جواہرات بھی تم نے لے لیے۔ پھر یہ لڑکی کس طرح لے رہے ہو؟''

''چلو پھر اس کو بھی آدھا آدھا کر دو۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا احمق کہیں کے؟''

''زبان کو لگام دو۔ نہیں تو ابھی گردن اتار دوں گا۔''

''اچھا ایسا کرو کہ اپنے آدھے حصے میں سے تم ایک سو ہیرے اور ریشمی کپڑوں کے دو تھان مجھے دے دو اور بے شک لڑکی تمہاری ہو گئی۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''تو پھر میں تمہیں مفت میں اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دے سکتا۔ منڈی میں اس کی قیمت کچھ نہیں تو دس ہزار سونے کی اشرفیوں سے کم تمہیں پڑے گی۔ آخر تم اتنی رقم کس حساب سے لے جاؤ گے؟ ڈاکہ ہم دونوں نے مل کر ڈالا ہے۔''

''میں نے چار آدمیوں اور ایک عورت کو قتل کیا ہے جبکہ تم نے صرف دو آدمیوں اور ایک عورت کو قتل کیا ہے۔''

"لیکن میں نے ایک بچے کا بھی گلا گھونٹا تھا۔ تم نے بچے کو نہیں مارا اس لیے میرا حق تم سے زیادہ ہے۔"

ماریہ یہ سن کر سخت غصے میں آ گئی کہ ان ڈاکوؤں نے کئی مرد عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے۔ دوسری طرف چینی لڑکی چپ چاپ بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی اور رو رہی تھی۔ دونوں ڈاکو ایک دوسرے سے جھگڑتے جھگڑتے الجھ پڑے۔ ایک نے تلوار نکالی تو دوسرے نے بھی تلوار کھینچ لی۔ دونوں آمنے سامنے مقابلے پر کھڑے ہو گئے۔ چینی لڑکی سر اٹھا کر انہیں حیرت سے تکنے لگی۔ وہ لکڑی کے ستون کے ساتھ لگ گئی۔ ماریہ بھی کھڑکی کے ساتھ لگی ان دونوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگی۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ دونوں ڈاکو ایک دوسرے سے لڑتے لڑتے مارے جائیں تو اچھا ہے۔ کم از کم اسے ان لوگوں کو قتل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لیکن وہ دونوں بڑے ماہر

تلوار باز تھے۔ ہر ایک دوسرے کا وار بچا رہا تھا۔ لڑائی تیز ہو گئی تھی۔ تلوار ٹکرا کر چنگاریاں اڑا رہی تھیں۔ چینی لڑکی ڈر کر سمٹ گئی تھی۔

لڑتے لڑتے ایک ڈاکو نے تلوار کا ایک زوردار ہاتھ مارا۔ دوسرا ڈاکو بدقسمتی سے اس کا وار بچا نہ سکا۔ تلوار اس کی گردن پر پڑی اور آدھی گردن کندھے پر نیچے کو لٹک گئی۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور ڈاکو لڑکھڑا گیا۔ پہلے ڈاکو نے دوسرا وار بھی کر دیا۔ دوسرا ڈاکو زمین پر گرا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ پہلے ڈاکو نے زوردار وحشیانہ قہقہہ لگایا اور خون آلود تلوار نیام میں ڈال کر چینی لڑکی سے کہا:

"دیکھا میں کتنا بہادر ہوں۔ بس اگر تم نے بھی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دوں گا۔"

چینی لڑکی کانپ اٹھی۔ ڈاکو نے سارے جواہرات اور ریشمی کپڑے ایک گٹھڑی میں باندھے اور چینی لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا:

’’اب یہ سارا مال میرا ہے۔ اٹھو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہر میں جا کر میں تجھے ایک اور ڈاکو کے پاس بیچ دوں گا۔‘‘

منگولوں کی قید

ڈاکو چینی لڑکی کو زبردستی اٹھا کر جھونپڑے سے باہر لے آیا۔

باہر اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے پاس آ کر وہ اسے زبردستی اس پر سوار کرانے لگا۔ چینی لڑکی سسکیاں بھر رہی تھی اور گھوڑے پر سوار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ڈاکو اس کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا۔ اب ماریا سے یہ تماشا برداشت نہ ہوا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر اس جگہ گئی جہاں ڈاکو گھوڑے کے پاس کھڑا تھا، ڈاکو کو نہ ماریا دکھائی دے رہی تھی نہ اس کا گھوڑا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر گھوڑے کے اوپر رکھی ہوئی ہیرے جواہرات کی تھیلی اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھ لی۔ ڈاکو کی نظر گھوڑے پر پڑی تو وہ چونکا جواہرات کی تھیلی غائب تھی۔ صرف

کپڑوں کی گٹھڑی وہاں پڑی تھی۔ اس نے چینی لڑکی کو تو وہیں چھوڑا اور جواہرات کی تھیلی کو تلاش کرنے لگا۔

لیکن اس کو تھیلی بھلا کہاں سے مل سکتی تھی۔ وہ تو ماریا کے گھوڑے پر آتے ہی غائب ہوگئی تھی۔ ڈاکو سر پکڑ کر رہ گیا کہ آخر جواہرات کہاں غائب ہوگئے۔ ایک پل پہلے تو خود اس نے اپنے ہاتھوں سے تھیلی گھوڑے کے اوپر رکھی تھی۔ ماریا نے اب دوسرا کام یہ کیا کہ ایک طرف سہمی کھڑی چینی لڑکی کی طرف گھوڑا بڑھایا۔ گھوڑے کی ہلکی ہلکی ٹاپ سن کر ڈاکو کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ اسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز ضرور سنائی دی تھی لیکن گھوڑا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ جوہرات کی تھیلی بھی غائب ہوگئی اور کوئی گھوڑے پر سوار قریب سے بھی گزرا ہے۔ لیکن دکھائی نہیں دے رہا۔ چینی لڑکی ایک طرف

سہمی کھڑی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اس لڑکی کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار کرا لینا چاہیے۔ اس طرح اس کے ساتھ چینی لڑکی بھی غائب ہو جائے گی اور ماریا ڈاکو کو قتل کرنے سے بچ جائے گی۔

ماریا نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر چینی لڑکی کو پکڑا اور اس کے کان میں سرگوشی کی:

”خاموشی سے میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ڈرنا نہیں۔ میں بھوت نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری ہمدرد ہوں اور آسمان سے تمہاری مدد کرنے کے لیے آئی ہوں۔“

چینی لڑکی تو دہشت زدہ ہو گئی۔ کسی نے اس کا بازو تھام رکھا تھا اور کان میں سرگوشی بھی ہو رہی تھی مگر سامنے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

سرگوشیوں کی ہلکی سی آواز ڈاکو نے بھی سن لی تھی۔ وہ چینی لڑکی کی طرف بڑھا۔ اب چینی لڑکی بھی ہوشیار ہو گئی۔ یہ اس کی زندگی اور

موت کا سوال تھا۔ ماریہ نے اسے سہارا دیا اور وہ لپک کر ماریہ کے گھوڑے پر اس کے آگے سوار ہوتے ہی وہ ایکدم سے غائب ہو گئی۔ ڈاکو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جوہرات کی تھیلی کے بعد ایک جیتی جاگتی زندہ لڑکی اس کی نگاہوں کے سامنے غائب ہو گئی تھی۔ کیا یہاں بھوت رہتے ہیں؟ ڈاکو ڈر گیا۔ مگر بھاگنے کی بجائے وہ آگے پیچھے بڑھ کر معاملے کی تو تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریہ نے چینی لڑکی کے کان میں کہا:

"خاموشی سے بیٹھے رہنا اور زمین پر اترنے کی ہوگز کوشش مت کرنا۔"

ماریہ نے گھوڑے کو آگے بڑھا کر تلوار ڈاکو کی گردن پر رکھ دی اور رعب دار آواز میں کہا:

"اے ظالم انسان! اگر اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو ابھی اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے بھاگ جاؤ' نہیں تو تمہاری لاش کے ٹکڑے اس زمین پر چیلیں اور کوے کھائیں گے۔"

اب تو ڈاکو کی سٹی گم ہو گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح تکنے لگا۔ کلوا کا لوہا اس کی گردن کو چھو رہا تھا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ بھوت پریت نے اس چینی لڑکی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے ہاتھ باندھ کر کہا:

"جو حکم سرکار! ایسا ہی ہو گا۔ میں جا رہا ہوں۔ میں بھاگ رہا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی کانپتے کانپتے ڈاکو گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے بگٹٹ بھگاتا وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ ماریا گھوڑے پر سے نیچے اتر پڑی۔ اس نے چینی لڑکی کو بھی نیچے اتار لیا۔ نیچے اترتے ہی چینی لڑکی

پھر سے دکھائی دینے لگی۔ گھوڑا بھی ظاہر ہو گیا۔ صرف ماریہ غائب تھی مگر وہ چینی لڑکی کے پاس ہی کھڑی تھی۔

ماریہ نے کہا:

''اے لڑکی! سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور ان لوگوں نے تمہیں کس جگہ سے اغوا کیا تھا؟''

چینی لڑکی نے کہا:

''میرا نام تھانگ ہے۔ میرا باپ شنگھائی میں تاجر ہے۔ ڈاکوؤں نے مجھے میرے گھر سے اغوا کیا تھا اور اب کیتھے کی منڈی میں لے جا کر فروخت کرنا چاہتے تھے۔''

ماریہ بولی:

''فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ شنگھائی یہاں سے کتنی دور ہے؟''

تھانگ نے کہا۔

''شنگھائی یہاں سے دس راتوں کے سفر پر ہے۔ لیکن اگر کیتھے شہر میں مجھے میرے چچا کے پاس پہنچا دیں تو میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔''

''ماریا نے کہا:

''ہم لوگ بھی کیتھے کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ ہم تمہیں کیتھے پہنچ کر تمہارے چچا کے حوالے کر دیں گے۔''

تھانگ نے پوچھا:

''تم کون ہو دیوی! تمہارے ساتھ اور کون کون سفر کر رہا ہے؟ اور تم مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟''

ماریا نے کہا:

''تھانگ بہن! تم کو میں ساری بات نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے وقت چاہیے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں کوئی آسمانی روح نہیں ہوں۔

بلکہ تمہاری طرح کی ایک لڑکی ہوں جس کو جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا ہے۔ میرے پیچھے پیچھے میرے دو بھائی بھی سفر کرتے چلے آرہے ہیں۔ میں ان کے لیے آگے آگے ایسی جگہ تلاش کرنے نکلی تھی جہاں ہم لوگ رات کو آرام کر سکیں کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔"

چینی لڑکی بولی:

"ہم لوگ اس جھونپڑے میں رات گزار سکتے ہیں۔ مگر...... مگر وہاں تو ایک ڈاکو کی لاش پڑی ہے۔ پہلے اس لاش کو وہاں سے اٹھوانے کا بندوبست کیا جانا چاہیے۔"

"یہ سارا کام ہو جائے گا۔ آؤ میرے ساتھ جھونپڑے کے اندر۔"

ماریا چینی لڑکی تھونگ کو لے کر جھونپڑے کے اندر آ گئی۔ اندر فرش پر ڈاکو کی لاش ویسے کی ویسے پڑی تھی۔ زمین پر اس کا خون جم

سفید عقاب

عنبر ایک قافلے کے ساتھ جب ویران کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے تو عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ عورت کون تھی۔ شہزادی ہیلن کا اغوا کس نے کروایا۔ اور سپارٹا کیسے فتح ہوا۔ اور غدار وزیر کس طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

ابھی پڑھئے "اردو رسالہ" پر

چکا تھا۔ ماریا نے چینی لڑکی کے ساتھ مل کر لاش کو اٹھایا اور باہر لے آئی۔ یہاں انہوں نے چینی لڑکی کے ساتھ مل کر لاش کو اٹھایا اور باہر لے آئی۔ یہاں انہوں نے لاش کو اٹھا کر پہاڑی کی ایک گہری اور اندھیری کھائی میں پھینک دیا۔ تھپ کی آواز کے ساتھ ڈاکو کا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ دوبارہ جھونپڑے کے اندر جا کر دونوں نے مل کر فرش کو کپڑے سے صاف کیا۔ لکڑی کے تخت پر بچھونا بچھایا اور ماریا نے کہا:

''تھا تگ! تم یہاں آرام کرو۔ میں پیچھے آنے والے بھائیوں سے مل کر انہیں یہاں لے آؤں۔''

اتنا کہہ کر ماریا گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے چل دی۔

آدھے راستے میں انہیں عنبر اور کیلاش مل گئے۔ ماریا نے انہیں ڈاکوؤں اور چینی لڑکی کی ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ رات بسر کرنے

کے لیے ایک بڑے اچھے جھونپڑے کا بندوبست ہو گیا ہے جہاں چینی لڑکی ان کے لیے گرم گرم قہوہ تیار کر رہی ہے۔

عنبر نے کہا:

''تم نے تو کمال کر دکھایا ماریا بہن! ڈاکو بھی بھگا دیے اور رات بسر کرنے کا انتظام بھی کر لیا۔''

ماریا نے جواہرات کی تھیلی دکھا کر کہا:

''اور یہ جواہرات کی تھیلی بھی ان سے چھین لی ہے جو چینی لڑکی تھا تنگ کے ماں باپ کی امانت ہے۔ ہمیں شنگھائی پہنچ کر چینی لڑکی کے ساتھ ہی ساتھ یہ جوہرات بھی اس کے باپ کو واپس کرنے ہیں۔''

عنبر نے کہا:

''ضرور ضرور۔ ہم تھا تنگ کے باپ کی ایک ایک امانت اسے

واپس کریں گے۔"

کیلاش بولا:

"بھائی کم از کم جواہرات تو اپنے پاس رکھ لو۔ باپ کو اس کی لڑکی مل جائے گی اسے اور کیا چاہیے؟"

"خاموش کیلاش!" عنبر نے ڈانٹ کر کہا۔ "چور چوری سے جاتا ہے مگر ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم کو جو چوری کی لت پڑی ہوئی ہے تم اس سے اب بھی باز نہیں آتے۔ یاد رکھو! اب تم عنبر اور ماریا کے ساتھ ہو۔ چوروں کے کسی گروہ کے ساتھ نہیں ہو۔ ہم تھانگ کے باپ کی ساری امانتیں واپس لوٹا دیں گے۔"

کیلاش جھٹ بولا:

"معافی چاہتا ہوں عنبر بھائی! ویسے ہی میرے منہ سے جملہ نکل گیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں خود ایمان داری کو پسند کرتا ہوں

اور چوری سے مجھے نفرت ہے۔"

ماریا ہنس کر بولی:

"تو پھر جواہرات اپنے پاس رکھنے کے بارے میں تم نے کیوں سوچا تھا؟"

بات آئی گئی ہوگئی۔ یہ لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے، سفر کرتے جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے جس کے اندر چینی لڑکی ان کے لیے گرم گرم قہوہ تیار کر چکی تھی۔ یہاں گرمی گھٹ گئی تھی اور شام ہوتے ہی سردی بڑھنا شروع ہوگئی تھی۔ یہاں گرمی گھٹ گئی تھی اور شام ہوتے ہی سردی بڑھنا شروع ہوگئی تھی۔ ماریا نے چینی لڑکی سے عنبر اور کیلاش کا تعارف کروایا۔ عنبر نے گڑیا ایسی چینی لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"تھانگ بہن! اب تم اپنے بہن بھائیوں کے درمیان آ گئی ہو، اس لیے کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ ہم کیتھے میں تمہیں تمہارے چچا کے

حوالے کر کے آگے بڑھیں گے۔"

چینی لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے کہا:

"میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ ایسے بھائی اور بہن مل گئے۔ اگر ماریا بہن تھوڑی دیر اور یہاں نہ آتیں تو ڈاکو مجھے لے کر خدا جانے کہاں رفو چکر ہو چکے ہوتے۔"

عنبر نے کہا:

"تمہارے باپ کے گھر سے لوٹے ہوئے جواہرات بھی ہمارے پاس تمہاری امانت بن کر رہیں گے۔ ہم انہیں کیتھے میں تمہارے چچا کے سپرد کر دیں گے جہاں سے شنگھائی جاتے ہوئے تم اپنے ساتھ لے جا سکو گی۔"

"شکریہ بھائی! بہت بہت شکریہ۔"

چینی لڑکی تھانگ اندر قہوہ لینے چلی گئی۔ قہوہ پینے کے بعد وہ دیر

تنگ جھونپڑے کے اندر شمع جلا کر سفر کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تھا تنگ ایسے ستون کے ساتھ لگی ان کی باتیں سنتی رہی جو اس گاؤں کو منہ اندھیرے چھوڑ کر اس کے ساتھ جا رہے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی اور آسمانی دیوتاؤں کے حضور دعا پڑھ رہی تھی جنہوں نے اسے ظالم ڈاکوؤں کے پھندے سے چھڑایا اور اب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ سردی بڑھ گئی۔ ماریا اور تھا تنگ نے مل کر زمین اور تخت پر خشک گھاس پھوس بچھا دیا۔ ایک طرف ماریا اور چینی لڑکی تھا تنگ اور دوسری طرف کیلاش اور عنبر پوستین اوپر لے کر لیٹ گئے۔ ستون کے ساتھ طاق میں شمع جل رہی تھی۔ کچھ دیر وہ سب باتیں کرتے رہے۔ پھر انہیں نیند آ گئی اور ایک ایک کر کے سارے سو گئے۔

دوسرے دن منہ اندھیرے اٹھ کر ماریا نے سب کو جگا دیا۔

گھوڑوں کو دانہ دنکا ڈال کر پانی پلایا گیا۔ سب نے اٹھ کر قہوے اور جوار کی روٹی کا ناشتہ کیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ آسمان پر صبح کا ستارہ ٹمٹمانے لگا تھا اور مشرق کی طرف صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ وہ سب کے سب تیار ہو کر جھونپڑی سے باہر نکل آئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب انہیں رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ چینی لڑکی انہیں راستہ بتا رہی تھی۔ وہ تمام راستے سے باخبر تھی۔ دوپہر تک وہ سفر کرتے رہے۔ اب صحرا ختم ہو گیا تھا اور ایک بار پھر پتھریلا پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ موسم میں گرمی کی جگہ سردی آ گئی تھی۔ دور ملک چین کی طرف جاتا کوہ ہمالیہ کا سلسلہ اور اس کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف نظر آنے لگی تھی۔

تیسرے پہر ان پہاڑیوں پر جیسے پگھلا ہوا سونا پھیل گیا۔ ہر طرف بادامی رنگ کی سنہری روشنی پھیل گئی۔ سفر بے حد دلچسپ ہو گیا

تھا۔ عنبر اور کیلاش آگے آگے اور ماریا اور تھاتنگ پیچھے پیچھے سفر کر رہی تھیں۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔ اب ایک بار پھر رات آگئی تھی۔ انہیں رات بسر کرنی تھی۔ اس عرصے میں راہ میں کوئی بھی گاؤں نہیں آیا تھا۔ عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑا کر آگے آگے جائے اور کوئی ایسی جگہ دیکھے جہاں وہ لوگ رات بھر آرام کر کے اگلے روز پھر سفر کر سکیں۔ ماریا گھوڑا لے کر آگے نکل گئی۔ اس کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کچھ دور تک آتی رہی۔ پھر ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

عنبر، چینی لڑکی اور کیلاش قدم قدم گھوڑا چلاتے آگے بڑھ رہے تھے اور باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک پہاڑی نالہ عبور کیا اور ایک درخت کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ دائیں جانب سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ رک گئے اور جدھر سے گھوڑوں کی آواز آ رہی تھی ادھر دیکھنے لگے۔ شام کے دھندلکے

میں انہیں کچھ گھوڑ سوار تلواریں لہراتے آگے بڑھتے نظر آئے۔ ان کی تلواریں سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ کیلاش نے سہم کر کہا:

"میرا خیال ہے ہم پھنس گئے ہیں۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا مطلب؟"

کیلاش نے کہا:

"شاید یہ منگول قزاق ہیں۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ گھوڑ سوار ان کے سروں پر آن پہنچے۔ یہ سات آٹھ منگول قزاق تھے جن کے چہروں پر درندگی اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ ان کی خوفناک باریک آنکھیں دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ ایک ایک قزاق نے کم از کم بارہ خون کیے ہوئے ہیں۔

انہوں نے آتے ہی عنبر کیلاش اور چینی لڑکی تھانگ کے ارد گرد گھیرا

ڈال لیا۔ قزاقوں کے سردار نے چیخ کر کہا:

''انہیں پکڑ کر ساتھ لے چلو۔''

دوسرے قزاقوں نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر اونٹ کے اون کی رسیاں نکال کر عنبر، کیلاش اور تھاتنگ کو کس کر باندھا، انہیں گھوڑوں پر ڈالا اور اپنے ساتھ لے کر مغربی پہاڑیوں کی طرف گھوڑے دوڑاتے غائب ہو گئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ کیلاش اور عنبر سنبھل نہ سکے۔ کیلاش، عنبر اور تھاتنگ کو انہوں نے الگ الگ گھوڑوں پر ڈال رکھا تھا۔ ان کے گھوڑے سرپٹ بھاگ رہے تھے اور منگول منہ سے خوفناک آوازیں نکالتے جا رہے تھے۔ ایک گھاٹی اور پہاڑی درے میں سے گزر کر وہ ایک میدان میں آ گئے جس کے دونوں جانب پہاڑ تھے اور سامنے ایک جھیل تھی۔ یہاں میدان میں جھیل کنارے کچھ خیمے لگے تھے۔ جھیل پر دو تین کشتیاں کھڑی تھیں۔

منگولوں نے ان خیموں کے پاس آ کر گھوڑے روک لیے۔ عنبر کیلاش اور تھانگ کو الگ الگ خیموں میں بند کر کے پہرہ لگا دیا گیا۔ کیلاش تو خیمے میں آتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تھانگ سسکیاں بھرنے لگی کہ ایک مصیبت سے تو نجات ملی تھی کہ اب نئی مصیبت میں پھنس گئی۔ عنبر سوچ رہا تھا کہ ماریا جب واپس آئے گی تو کیا سوچے گی کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے۔ کاش وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتی۔ پھر ان منگول ڈاکوؤں کی قید سے نکلنا بے حد آسان تھا۔ اسے خیال آیا کہ اس نے خوامخواہ ماریا کو آگے بھیج دیا۔

موت کے سائے

ماریا گھوڑا دوڑاتی کافی آگے نکل گئی۔

راستے میں اسے ایک پہاڑی نالہ ملا۔ پھر پہاڑیوں کے درمیان آ گیا۔ میدان کی ایک جانب بلند چٹانوں میں ایک جگہ گھاس اگ رہی تھی اور قریب ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ماریہ نے سوچا کہ رات بھر کے پڑاؤ کے لیے یہ جگہ بہترین ہو گی۔ چنانچہ اس مقام کو چن کر وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس چل پڑی۔ جب وہ اس مقام پر پہنچی جہاں وہ عنبر اور کیلاش وغیرہ سے جدا ہوئی تھی تو وہاں انہیں کچھ بھی نظر

نہ آیا۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ لوگ کدھر چلے گئے؟ اصول کے مطابق تو انہیں اس جگہ سے کافی آگے ملنا چاہیے تھا۔ مگر وہ اس جگہ پر بھی موجود نہ تھے۔ ماریا ایک لمحے کے لیے وہاں رک گئی۔ پہلے اس نے سوچا کہ کہیں وہ راستہ بدل کر آگے نہ بڑھ رہے ہوں۔ پھر خیال آیا کہ وہ ایسی صورت میں راستہ کیونکر بدل سکتے ہیں جبکہ انہیں معلوم تھا کہ ماریا آگے گئی ہوئی ہے۔

تو پھر یہ لوگ کہاں گم ہو گئے؟

ماریا کے دماغ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ویسے وہ بڑی پریشان ہوگئی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہوا۔ پتھریلی زمین پر گھوڑوں کے کھروں کے نشان بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ورنہ ان سے ہی اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کدھر گئے ہیں۔ کچھ نہ سوچتے ہوئے ماریا نے پیچھے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ وہ لوگ کسی خیال سے ڈوبے سے

چکر کاٹ کر نہ آگے جا رہے ہوں۔ وہ بہت دور پیچھے نکل گئی۔ یہاں تک کہ اسے رات نے آ لیا۔ ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ ماریا گھوڑے پر سے اتر پڑی۔ یہاں وہی نالہ تھا جس پر سے وہ گزر کر آگے گئے تھے۔ ماریا نے ایک جگہ گھوڑا باندھا اور پوستین بچھا کر پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ عنبر اور کیلاش کہاں گم ہو گئے۔ سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

اب ذرا ناگ اور کادمبری کی بھی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہیں؟

ناگ اور کادمبری نے اکٹھے دریائے آمور کا رسوں کا پل عبور کیا اور پہاڑوں کے دامن میں سے گزر کر ایک ایسے مقام پر آ گئے جہاں سے سکم شہر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ وہ نندن سر کے راجہ کی سرحدوں سے بچ کر نکل آئے تھے۔ اب انہیں راجہ کے سپاہیوں کا ڈر نہیں تھا۔ دوپہر کے وقت وہ سکم شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ کادمبری نے ناگ کو

بتایا کہ اس شہر میں اس کا بھائی پرانی کھالوں اور خشک میووں کا کاروبار کرتا ہے۔ کادبری کو اس کے گھر کا پتہ نہیں تھا۔ شہر میں بڑی رونق تھی۔ ناگ نے ایک جگہ سے کارواں سرائے کا پوچھا اور وہ سرائے میں جا کر اتر گئے۔ رات انہوں نے سرائے میں بسر کی۔

صبح ہوئی تو ناگ نے سرائے کے مالک سے کادبری کے بھائی کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا:

”یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر شہر سے باہر ایک سوداگر رہتا ہے جو پرانی کھالوں اور خشک میووں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس سے مل کر آپ کو کچھ پتہ چل سکے گا۔“

ناگ، کادبری کو لے کر شہر سے باہر آ گیا۔

کافی دور پہاڑوں میں چلنے کے بعد اسے ایک جگہ کچھ مکان دکھائی دیے۔ ان مکانوں میں سے ایک مکان کے ارد گرد باغ بنا تھا۔

ناگ نے وہاں جا کر نوکر سے پوچھا کہ یہاں کون رہتا ہے؟ اس نے سوداگر کا نام بتایا تو وہ کادمبری کا بھئی ہی نکلا۔ کادمبری خوشی خوشی مکان کے اندر داخل ہوگئی۔ سامنے اس کا بھائی تخت پر قالین بچھائے کچھ سوداگروں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے جو اپنی بہن کو آتے دیکھا تو حیران ہو کر اٹھا اور کادمبری کے پاس آ کر بولا:

''کادمبری بہن! یہ تم ہو؟ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟''

کادمبری نے کہا:

''بھائی! میں کادمبری ہوں۔ دیوتاؤں نے ہمیں ایک بار پھر ملا دیا۔''

اس نے بہن کو گلے سے لگالیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کادمبری نے ناگ سے ملایا اور کہا:

''اگر میرا بھائی ناگ میری مدد نہ کرتا تو میں آج تمہارے پاس نہ

پہنچ سکتی۔ اس نے مجھے ہر مصیبت سے نکال کر یہاں تک پہنچایا ہے۔"

کادمبری کے بھائی نے ناگ کا ہاتھ چوم کر کہا:

"میرے عزیز! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟ تم نے میری پیاری بہن کو مجھ سے ملا کر جو احسان کیا ہے اُسے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا۔"

ناگ نے کہا:

"یہ تو میرا فرض تھا کہ ایک بے سہارا عورت کی مدد کروں اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دوں۔ کادمبری اگر آپ کی بہن ہے تو یہ میری بہن بھی تو ہے۔"

کادمبری کے بھائی نے کہا:

"ناگ بھائی! آپ واقعی ایک عظیم انسان ہیں۔ میرا گھر آپ

کے لیے حاضر ہے۔ اسے اپنا گھر ہی سمجھیے اور جب تک جی چاہے یہاں رہیے اور سکم کی سیر کیجیے۔"

"شکریہ بھائی! بہت بہت شکریہ۔"

باتوں کے دوران کادمبری کے بھائی نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ ناگ باتیں کرتے ہوئے آنکھیں نہیں جھپکاتا تھا۔ اس نے اس کا ذکر اپنی بہن کادمبری سے کیا تو وہ بات کو چھپاتے ہوئے بولی:

"تمہارا وہم ہے بھائی! ناگ آنکھیں جھپکاتا ہے۔"

مگر اسے یقین نہ آیا۔

رات کو ناگ الگ کمرے میں سویا۔ کادمبری کے بھائی کو شک پڑ گیا تھا کہ ناگ کوئی جادوگر ہے اور وہ جادو کے زور سے چیزوں کو گم کر سکتا ہے۔ اس نے جوگیوں اور سنیاسیوں سے سن رکھا تھا کہ جو شخص

آنکھیں نہیں جھپکتا وہ یا تو جادوگر ہے اور یا اس پر سانپ کا اثر ہوتا ہے۔ آدھی رات کو کادبری کا بھائی دبے پاؤں ناگ کے کمرے میں آیا اور اسے سوتا ہوا غور سے دیکھنے لگا۔ ناگ کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ سو رہا تھا۔

کادبری کی بھائی ڈر کر باہر نکل آیا۔ اسے یوں لگا جیسے ناگ نے سوتے میں اسے دیکھ لیا ہو۔ صبح وہ ناگ سے آنکھیں ملاتے ہوئے کترا رہا تھا۔ اس نے کادبری سے کوئی بات نہ کی۔ دوسری رات اس نے ایک سانپ لے کر ناگ کے کمرے میں بستر کے نیچے چھپا دیا۔ رات کو ناگ سونے کمرے میں آیا۔ وہ بستر پر لیٹا ہی تھا کہ اسے سانپ کی بو محسوس ہوئی۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ اس علاقے میں اکثر سانپ پائے جاتے تھے۔ لیکن آدھی رات کو جب وہ سو رہا تھا تو سانپ بستر کے نیچے سے نکل آیا اور اپنا پھن پھیلا کر ناگ کے

چہرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک اس وقت کادمبری کا بھائی بھی بروے کے پیچھے چھپا کھڑا تھا اور یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

سانپ نے پھن پھیلا کر سوئے ہوئے ناگ کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اس پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ دوسری طرف ناگ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ سانپ پھن پھیلائے اس کے سامنے جھوم رہا ہے۔ ناگ نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ سانپ کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ ناگ نے کہا:

”کیوں او بے ادب! تجھے معلوم نہیں تھا کہ تو کس کے کمرے میں آ گیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں؟“

سانپ نے گردن نیچی کر لی جیسے اس سے معافی مانگ رہا ہو۔ ناگ نے سانپ کو جھٹک کر فرش پر پھینک دیا اور خود کروٹ بدل کر سو گیا۔ سانپ چپکے چپکے ڈر کر رینگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کادبری کا بھائی یہ تماشا دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ صبح اٹھ کر اس نے ناگ سے سانپ کے بارے میں بات کی تو ناگ مسکرا کر کہنے لگا:

''مجھے میرے گورو نے ایک ایسا منتر دیا ہے جس کے پڑھنے سے سانپ کا زہر مجھ پر اثر نہیں کرتا اور سانپ سامنے آتے ہی غلام بن جاتا ہے۔''

کادبری کا بھائی بولا:

''کیا آپ مجھے وہ منتر بتائیں گے؟''

ناگ ہنس کر بولا:

''وقت آنے پر ضرور بتاؤں گا۔''

اُسی روز ناگ نے کادبری اور اس کے بھائی سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سکم شہر سے روانہ ہو گیا۔ اب اس کا سفر اکیلے شروع ہو گیا تھا۔ سکم شہر سے نکل کر وہ پہاڑیوں میں اس راستے پر ہولیا

سرائے کی چڑیل

جو ملک چین کو جانے والی بڑی شاہراہ کی جانب جاتا تھا۔ شام تک وہ اکیلا سفر کرتا رہا۔ رات ہونے سے پہلے وہ ایک پہاڑی چشمے پر پہنچ کر رک گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ یہاں اس نے رات بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ رات بھر وہ پتھروں پر پوستین میں گھسا، کبھی سویا اور کبھی جاگتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا وہ چین میں اپنے دوست عنبر اور اپنی بہن ماریا سے مل سکے گا۔

دن نکلا تو وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر آگے چل پڑا۔

دوپہر تک وہ سفر کرتا رہا۔ تیسرے پہر اُسے دور پہاڑی ڈھلان پر ایک جھونپڑا نظر آیا۔ یہ وہی جھونپڑا تھا جہاں عنبرؔ، ماریا اور کیلاش ٹھہرے تھے اور انہیں چینی لڑکی تھانگ ملی تھی۔ ناگ ڈھلانی میدان میں سے گزر کر اس جھونپڑے میں آگیا۔ یہاں سوائے گھاس پھونس، دو چار مٹی کے برتنوں کے اور ایک تخت پوش کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

ناگ کو یہاں فضا میں اپنے جگری دوست عنبر اور بہن ماریا کی بو محسوس ہوئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ دونوں اس جگہ رکے ہیں اور رات بسر کر کے آگے گئے ہیں۔ یہ سانپ ہونے کی وجہ سے اس کی چھٹی حس تھی جو اسے احساس دلا رہی تھی۔

ناگ نے اس جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رات بھر ناگ کو اپنے دوست کی بو آتی رہی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اور ماریا اسی جگہ سے گزرے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ناگ کو ایک اور بو بھی آ رہی تھی۔ یہ بو اس کو کسی اجنبی شخص کی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر اور ماریا کے ساتھ یہ اجنبی شخص کون سفر کر رہا ہے؟ یہ دوسرا شخص کیلاش تھا۔ رات کے پچھلے پہر ناگ کو نیند آئی اور وہ سو گیا۔ پچھلے پہر اس کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہی قزاق جس کو ماریا نے بھگا دیا تھا اور جس

سے چینی لڑکی اور جواہرات کی تھیلی چھین لی تھی اس کے سر کے اوپر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

”اٹھو! کون ہو تم؟“

ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جھونپڑے میں شمع جل رہی تھی۔ ناگ نے کہا:

”بھائی! میں مسافر ہوں اور چین کی طرف کا سفر کر رہا ہوں۔“

قزاق نے گرج کر کہا:

”تمہارے پاس جو کچھ ہے میرے حوالے کر دو۔ تمہارا گھوڑا میں نے پہلے ہی لے لیا ہے۔ نکالو تمہارے پاس جو کچھ ہے۔“

ناگ نے کہا:

”میرے پاس سونے کے کچھ سکے ہیں۔ خدا کے لیے مجھ سے یہ نہ لو۔ نہیں تو میں راستے میں بھوکا مر جاؤں گا اور گھوڑے کے بغیر تو میں

دو قدم بھی نہ چل سکوں گا۔"

"بکواس بند کرو۔ نہیں تو خنجر مار کر تمہارا ابھی کام تمام کردوں گا۔"

ان ہی باتوں میں صبح ہوگئی۔ قزاق ناگ کے سونے کے سکے اور گھوڑا لے کر ایک طرف روانہ ہوگیا۔ ناگ پریشان ہوگیا۔ اس کے لیے اب کوئی اور راستہ نہ تھا سوائے اس کے کہ ڈاکو کو سانپ بن کر ڈس لے۔ مصیبت یہ تھی کہ اس کے اندر اتنا زہر اکٹھا ہوگیا تھا کہ اس کے کاٹتے ہی انسان ہلاک ہوجاتا تھا۔ وہ اگر چاہتا بھی تو زہر میں کمی نہیں کرسکتا تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ اختیار کیا اور مختلف جھاڑیوں اور ٹیلوں میں سے نکل کر اس راستے پر ہوکر بیٹھا جہاں سے ابھی ڈاکو کو گزرنا تھا۔ اس نے دور سے دیکھا۔ ڈاکو گھوڑے پر سوار چلا آرہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سانپ اسے زمین پر سے اچھل کر نہیں ڈس سکتا تھا۔

ناگ جلدی سے ایک ایسی چٹان پر چڑھ گیا جو سڑک پر آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ ڈاکو قریب آ رہا تھا۔ جونہی وہ ناگ کے نیچے سے گزرنے لگا سانپ نے چٹان پر سے ڈاکو کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ ڈاکو بڑبڑا کر گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اس عرصے میں سانپ نے ڈاکو کو ڈس لیا تھا۔ وہ زمین پر اکڑنے لگا۔ اس کا بدن نیلا پڑ کر پھٹنا شروع ہو گیا۔ سانپ نے دوبارہ انسان کی جون بدل لی۔ ڈاکو کی آنکھیں پھٹ کر بہہ گئی تھیں اور وہ مر چکا تھا۔ ناگ نے اپنی چیزیں اور سونے کے سکے دوبارہ اپنی جیب میں ڈالے اور گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیا۔ اس ڈاکو نے اپنے ساتھی کو ہلاک کیا تھا۔ قدرت نے اس کو قتل کی سزا دے دی تھی۔

جھونپڑے کے قریب سے دوبارہ گزر کر وہ گھاٹیوں میں سے ہوتا ہوا پتھریلے میدان میں آ گیا۔ وہ بڑے سکون سے چلا جا رہا تھا کہ

ایک طرف سے کچھ منگول گھوڑ سوار اسے آتے دکھائی دیے۔ وہ رکا نہیں بلکہ چلتا رہا۔ گھوڑ سوار اس کے ارد گرد آ کر رک گئے۔ انہوں نے لپک کر اس کی مشکیں کس دیں اور گھوڑے پر ڈال لیا۔ پھر اس کی جیبوں کی تلاشی لی اور اسے ساتھ لے کر اسی جھیل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے اس سے پہلے کیلاش، عنبر اور چینی لڑکی تھا تمگ کو قید کر رکھا تھا۔ یہ منگول قزاقوں کا ایک قبیلہ تھا جو کاشان کے علاقے سے اتر کر اس علاقے میں ڈاکے مارتا اور لوگوں کو اغوا کرتا پھرتا تھا۔ یہ ڈاکو سونا اور مال غنیمت تو آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اور آدمیوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں بنا کر فروخت کر دیتے تھے۔

ناگ کو لے جا کر منگولوں نے خیمے میں بند کر دیا۔ اس نے کوئی مقابلہ نہ کیا۔ وہ یہ سوچ کر خاموش ہو رہا کہ دیکھیں قدرت اسے کیا دکھاتی ہے۔ وہ خیمے کے اندر بند کر دیا گیا تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر عنبر، کیلاش اور چینی لڑکی تھاتنگ بھی الگ الگ خیموں میں قید تھیں۔ ناگ اصل میں سفر کرتے کرتے تھک گیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ آرام کرے۔ خواہ وہاں وہ قید میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ قید کی اس کو فکر نہ تھی۔ وہ قید سے جب چاہے آزاد ہو سکتا تھا۔

ماریا بھی عنبر اور کیلاش کی تلاش میں چلی آ رہی تھی۔ بہت دور پیچھے جا کر بھی جب اسے اپنے ساتھیوں کا سراغ نہ ملا تو وہ واپس ہو کر آگے کو روانہ ہو گئی۔ ایک مقام پر آ کر اس نے گھوڑوں کے پاؤں کے نشان دیکھے۔ وہ گھوڑے پر سے اتر کر ان نشانوں کو جھک کر غور سے تکنے لگی۔ یہ سراغ پہلو کی جانب مغربی پہاڑیوں کی طرف جا رہے تھے۔ ماریا گھوڑے پر سوار ہو کر ان کھروں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ دوپہر تک چلتی گئی۔ دوپہر کے بعد اسے دور سے ایک پانی کی جھیل

کا چمکیلا کنارہ نظر آیا۔ جھیل کے کنارے خیمے لگے تھے اور منگول وہاں ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔

گھوڑوں کے قدموں کے نشان ان خیموں کی طرف ہی چلے گئے تھے۔ ماریا کو شک سا ہونے لگا کہ کہیں ان منگولوں نے عنبر، کیلاش اور تھ تنگ کو اغوا نہ کر لیا ہو۔ کیونکہ اس نے منگولوں کے ڈاکوں اور لوٹ مار وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار قدم قدم چلتی ان خیموں کے پاس آ گئی۔ یہ خیمے ایک جگہ اکٹھے لگے ہوئے تھے۔ ان میں منگول بیٹھے کام کاج کر رہے تھے۔ کچھ عورتیں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ باہر کچھ منگول تلواریں تیز کر رہے تھے۔ وہ سارے کے سارے شکل صورت سے ڈاکو معلوم ہوتے تھے۔ ماریا ان سے ذرا فاصلے پر سے گزرتے ہوئے آگے نکل کر جھیل کے پاس آ گئی۔ جھیل میں دو کشتیاں کھڑی تھیں۔ ماریا واپس دوبارہ خیموں کے پاس

آ گئی۔ اس نے ایک خیمے کا پردہ اٹھا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر لوٹ مار کا قیمتی سامان پڑا تھا۔

ماریا کا شبہ یقین میں تبدیل ہو گیا کہ یہ منگول ڈاکو ہیں اور لوٹ مار کے علاوہ ضرور عورتوں اور مردوں کو اغوا کر کے انہیں غلام بنا کر فروخت بھی کرتے ہوں گے۔ ماریا نے دیکھا کہ ذرا فاصلے پر ڈھلان کی جانب چھ سات خیمے الگ الگ لگے تھے۔ ان کے باہر منگول ڈاکو ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اس طرف چلنے لگی۔

قتلِ عام

ساتوں خیمے تھوڑے فاصلے پر لگے ہوئے تھے۔

ماریا ایک خیمے کے پاس آئی۔ خیمے کے دروازے پر دو پہرے دار منگول پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا ابھی کچھ سوچ رہی تھی کہ اندر سے دو منگول ڈاکو ایک لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ ماریا نے لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ چینی لڑکی تھانگ تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ عنبر اور کیلاش بھی یہیں کسی جگہ قید ہوں گے۔ منگول چینی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے

خیموں کے درمیان میں آ گئے۔ یہاں پہلے ہی سے پانچ چھ قزاق بیٹھے انگوروں کی دعوت اڑا رہے تھے۔ انہوں نے تھا نگ کو بیچ میں لا کر پھینک دیا۔ بے چاری تھا نگ کی بری حالت تھی۔ وہ رو رہی تھی اور ہاتھ جوڑ کر انہیں ظلم سے باز رکھنے کی التجائیں کر رہی تھی۔ لیکن سنگدل قزاق قہقہے لگا رہے تھے۔

ایک قزاق نے ہنٹر لہرا کر کہا:

"لڑکی! اگر تم نے ہمیں اپنا مشہور چینی رقص نہ دکھایا تو ہنٹر مار مار کر تمہاری چمڑی ادھیڑ ڈالی جائے گی۔"

ماریہ یہ سارا تماشا دور ٹیلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ چینی لڑکی زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ لیکن اس کی فریاد سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ سنگدل قزاق اسے ہنٹروں سے پیٹنے لگا۔ چینی لڑکی کی چیخیں نکل گئیں۔ اب یہ نظارہ ماریہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس نے پیٹی میں سے خنجر

نکالا اور منگول کی چھاتی کا نشانہ لگا کر اسے زور سے اچھال دیا۔ خنجر زن کی آواز کے ساتھ ماریا کے ہاتھ سے نکلا اور سیدھا اس منگول کے سینے میں جا کر کھب گیا جو تھا تنگ کو ہنٹر مار رہا تھا۔ منگول سینے کو پکڑ کر زمین پر گر پڑا اور اس کی چھاتی سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔

سارے قزاق حیران رہ گئے کہ یہ خنجر کدھر سے آیا۔ وہ تلواریں نکال کر ادھر ادھر دوڑنے اور دشمن کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن ماریا کو تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے اور اسکے علاوہ وہاں اور کوئی دشمن نہیں تھا۔ زخمی منگول کو اٹھا کر وہ خیمے میں لے گئے۔ دوسرے قزاق نے ہنٹر پکڑ کر چینی لڑکی پر غصہ نکالنا شروع کر دیا۔ وہ تھا تنگ کو اس قدر زور سے مارنے لگا کہ وہ بلبلا اٹھی۔

ماریا نے زمین پر گرا ہوا ایک نیزہ اٹھا لیا۔ نیزہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ اس نے نیزے کو ہاتھوں میں تول کر منگول کی

طرف پوری طاقت سے پھینک دیا، نیزہ منگول کے سینے میں پسلیوں کو توڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔ وہ نیزے میں پرو دیا گیا۔ اس کی ایک کرب ناک چیخ بلند ہوئی اور وہ نیزے پر ہاتھ رکھے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ وہاں سب منگول خیموں سے باہر نکل آئے۔ یہ ایک عجیب تماشا ہو رہا تھا کہ فضا میں سے خنجر اور نیزے برس رہے تھے اور قاتل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ منگول چیخیں مارتے، چلاتے ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے۔

چینی لڑکی تھا تنگ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی کہ اس کی مدد کے لیے ماریا پہنچ گئی ہے۔ ایک قزاق نے تھا تنگ کو اٹھایا اور خیمے میں لا کر بند کر دیا۔ ماریا نے ان لوگوں کو اسی جگہ حیران و پریشان چھوڑا اور خود قدم قدم گھوڑے کو چلاتی ہوئی چینی لڑکی کے خیمے کے قریب آ گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اندر کیسے داخل ہو۔ اگر وہ گھوڑے

سے اترتی ہے تو گھوڑا ظاہر ہو جاتا ہے۔ ماریا گھوڑے کو دوڑا کر کافی دور درختوں کے پاس لے آئی۔ یہاں اس نے جھاڑیوں کی اوٹ میں گھوڑے کو چھپا کر اس پر سے نیچے اتر آئی۔ اس کے اترتے ہی گھوڑا نظر آنے لگا۔ ماریا وہاں سے پیدل چل کر چینی لڑکی تھانگ کے خیمے کے باہر آ گئی۔

یہاں دو منگول پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں ماریا بالکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ حالانکہ وہ ان کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر ذرا پرے پھینک دیا۔ پتھر گرنے کی آواز پر پہرہ دار اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔ ماریا نے موقع غنیمت جان کر خیمے کا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ پہرے دار پردے کو بھی اٹھتا ہوا دیکھیں۔

اندر تھانگ گھاس پر سر جھکائے بیٹھی رو رہی تھی۔ ماریا نے قریب

جا کر آہستہ سے با کہ میں آ گئی ہوں فکر نہ کرو۔ تھانگ نے سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی ہے۔ ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر تھانگ کا ہاتھ تھام لیا اور بولی:

”تھانگ! یہ بتاؤ کیلاش اور عنبر کہاں ہیں اور تم لوگ ان منگول قزاقوں کے پھندے میں کیسے پھنس گئے؟“

تھانگ نے راستے میں ڈاکہ پڑنے اور پھر رسیوں میں کس کر انہیں اغوا کرنے کا سارا واقعہ سنا دیا۔ اگرچہ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ پھر بھی پہریداروں نے اس کی آواز سن لی۔ ایک پہرے دار نے اندر جا کر چاروں طرف دیکھا اور پوچھا:

”تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟“

تھانگ نے کہا:

"اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہوں۔"

منگول کچھ حیرت سے تھانگ کی طرف اور پھر خالی خیمے میں نظر دوڑائی اور بولا:

"خبردار! اگر تم نے اپنے آپ سے بات بھی کی۔"

تھانگ نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ جب وہ باہر نکلنے لگا تو ماریا اس کی گردن پر تلوار کا ہاتھ مارنے ہی والی تھی کہ یہ سوچ کر رک گئی کہ ابھی اسے کیلاش اور عنبر کی بھی خبر لینی ہے۔ ابھی سے یہاں افراتفری مچانا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ افراتفری کی صورت میں منگول کیلاش اور چینی لڑکی کو ہلاک کر ڈالتے۔ پہرے دار باہر نکل گیا تو ماریا نے آہستہ سے پوچھا:

"وہ لوگ کہاں ہیں؟"

چینی لڑکی نے دھیمی آواز میں کہا:

"میرا خیال ہے وہ ساتھ والے خیمے میں قید ہیں۔ یہ لوگ ڈاکو ہیں اور مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں بنا کر بیچنے کا دھندا کرتے ہیں۔ ماریا بہن! تم بڑے ٹھیک وقت پر آئی ہو۔ یہاں سے ہمیں نکال لے چلو۔ نہیں تو ہماری خیر نہیں۔"

ماریا بولی:

"گھبراؤ نہیں۔ میں یہی کوشش کر رہی ہوں کہ تم لوگوں کو یہاں سے نکال دوں۔ میں مخبر کے خیمے میں جا رہی ہوں۔ تم اپنی جگہ سے مت ہلنا۔"

"بہت اچھا۔"

یہ کہہ کر ماریا خیمے سے باہر نکل آئی۔ ایک سپاہی نے خیمے کے پردے کو اپنے آپ اٹھتے اور گرتے دیکھتے تو وہ آنکھیں ملنے لگا۔

اسے اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ خیمے کا پردہ اپنے آپ بھی اوپر اٹھ کر نیچے گر

سکتا ہے۔ پھر اس نے سر کو یوں جھٹک دیا جیسے وہ اس کا وہم ہو۔

حالانکہ یہ وہم نہیں تھا۔ ماریا نے دوسرے پردے میں سے جھانک کر دیکھا تو اندر عنبر خاموشی سے زمین پر بیٹھا تھا۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا:

''میں آ گئی ہوں عنبر بھائی!''

عنبر مسکرایا۔

''ماریا بہن! مجھے پوری امید تھی کہ تم ہماری مدد کو ضرور آؤ گی۔ دوسرے خیمے میں کیلاش قید ہے۔ اس کا برا حال ہو رہا ہے۔ اسے جا کر تسلی دو۔''

ماریا کہنے لگی:

''جاتی ہوں مگر یہ بتاؤ کہ تم لوگوں نے کمال کیا۔ منگولوں کا مقابلہ بھی نہ کر سکے۔''

عنبر بولا:

"انھوں نے اس طرح اچانک ہمیں آ کر پکڑ کر جکڑ لیا کہ اتنی مہلت ہی نہ دی کہ ہم مقابلہ کر سکتے۔ بہر حال اب تم آ گئی ہو تو ڈٹ کر مقابلہ کریں گے لیکن سب سے پہلے کیلاش کی جا کر خبر لو۔"

خیمے کے اندر سے سرگوشیوں کی آواز سن کر اس خیمے کا پہرے دار منگول بھی اندر آ گیا اور شبے کی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا مگر وہاں اسے عنبر کے سوا اور کوئی بھی شخص دکھائی نہ دیا۔ اس نے عنبر کی پسلیوں میں ہنٹر کا دستہ مار کر کہا:

"کس سے باتیں کر رہے تھے تم؟"

عنبر مسکرا کر بولا:

"دیوتاؤں کے بیٹے سے۔"

منگول گرجا:

"بکواس بند کرو۔ کل جب تمہیں یہاں سے لے جا کر منڈی

میں غلام بنا کر بیچ دیا جائے گا تو تمہیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ پھر بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کر سکو گے۔''

عنبر بولا:

''کیا حضور مجھے معاف نہیں کر سکتے؟''

''ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔''

عنبر نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ پہرے دار باہر جانے لگا تو ماریا نے اس کی ٹانگوں کے آگے اپنی ٹانگ رکھ دی۔ وہ الٹ کر گر پڑا۔ اٹھتے ہی وہ جہاں گرا تھا وہاں پھٹی ہوئی آنکھوں سے اس ٹانگ کو تلاش کرنے لگا جس سے ٹکرا کر وہ زمین پر گر پڑا تھا۔ لیکن وہاں کچھ بھی تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر تکنے لگا۔ عنبر ہنس پڑا۔ اس نے غصے میں آ کر پیٹی میں سے خنجر نکال لیا اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر کو بچنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ منگول نے طیش میں

آ کر پوری طاقت سے خنجر عنبر کی گردن میں گھسیڑ دیا۔ عنبر کو تو کچھ نہ ہوا؛ البتہ ماریہ نے اوپر سے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے منگول کی گردن تن سے جدا کر دی۔ عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ تم نے کیا کر دیا ماریا! اسے حملہ کرنے دیتے مجھے کیا ہونے لگا تھا؟''

ماریا بولی:

''میں برداشت نہیں کر سکی کہ یہ خنجر سے میرے بھائی پر حملہ کرے۔''

ان کی آواز سن کر باہر کا منگول پہرے دار بھی اندر آ گیا۔ اس نے جو اپنے ساتھی کی لاش کو خون میں لت پت دیکھا تو بوکھلا گیا۔ انتقام کی آگ اس کے سینے میں بھڑک اٹھی۔ اس نے تلوار کھینچی اور بھاگ کر عنبر پر ٹوٹ پڑا۔ عنبر پرے ہٹ گیا۔ منگول منہ کے بل زمین پر گرا۔

عنبر نے کہا:

”ماریا! اسے زندہ مت چھوڑنا! نہیں تو کیلاش اور تھانگ کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔“

منگول نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا کہ وہ کس کو کہہ رہا ہے کہ منگول پر حملہ کرو۔ ابھی وہ حیران ہو ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک خنجر اس کی پشت میں کھب گیا جس نے اس کے دل کے دو ٹکڑے کر دیے۔ منگول بغیر آواز نکالے گھاس پر لڑکھڑا کر گرا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر اوع ماریا نے مل کر دونوں منگولوں کی لاشیں گھاس پھوس کے ڈھیر کے اندر چھپا دیں اور خون کو بھی وہاں سے صاف کر دیا۔

عنبر کہنے لگا:

”میرا خیال ہے کہ کیلاش ساتھ والے خیمے میں قید ہے۔ جلدی سے جا کر اسے وہاں سے کسی طرح نکال کر جھیل کے مشرقی کنارے

والی جھاڑیوں میں لے جاؤ۔ اس کے بعد کسی طرح تھانگ کو بھی وہاں پہنچا دو۔ پھر میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ منگول بہت زیادہ ہیں۔ ان سب کے ساتھ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

ماریا جلدی سے وہاں سے نکل کر باہر آ گئی۔ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ اندر دو منگول قزاق قتل کر دیے گئے ہیں ک۔ لیکن انہیں تھوڑی دیر بعد پتہ لگ جانا تھا کیونکہ خیمے کے دروازے پر پہرے دار کوئی نہیں رہا تھا۔ ماریہ چپکے چپکے چلتی دوسرے خیمے کے پاس آ گئی۔ اس خیمے کے دروزے پر بھی پردہ لٹک رہا تھا۔ اس کا رخ تھوڑا سا جھیل کی طرف تھا۔

دروازے پر دو پہرے دار نیزے ہاتھوں میں تھامے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریہ نے ان کی آنکھ بچا کر دروازے کا پردہ تھوڑا سا اٹھایا اور خیمے کے اندر داخل ہو گئی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اندر نگ

بڑے مزے سے گھاس پر لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اسے جگا دیا۔

”کون ہے؟“ ناگ نے اٹھتے ہی کہا۔ مگر اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔

”مجھے کس نے جگایا ہے؟“

جب اسے نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو چپکے سے پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا نے ایک بار پھر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ماریا ہنس پڑی۔

”ناگ بھائی!“

”ارے...... یہ تو ماریا کی آواز ہے۔ ماریا بہن! تم کہاں ہو؟“

”میں تمہارے پاس کھڑی ہوں۔“

”کہاں؟“

”یہاں“ اور ماریا نے اپنا ہاتھ ناگ کے سر پر رکھ دیا۔

”لیکن تم دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟ تم نظروں سے غائب کیوں ہو؟ عنبر کہاں ہے؟ تم سب لوگ کہاں ہو؟“

ماریا نے آہستہ آواز میں کہا:

”سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے کسی جادو کے اثر سے غائب کر دیا گیا ہے۔ کسی وقت بھی اس جادو کا اثر ٹوٹ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اتنی لمبی تان کر کیوں سو رہے تھے؟ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم خونخوار منگولوں کی قید میں ہو اور تمہیں یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

ناگ بولا:

’’وہ تو ٹھیک ہے ماریہ بہن! لیکن میں نے سوچا کہ اگر یہ پکڑ کر لے آئے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ ذرا خیمے میں آرام ہی کر لیں گے۔ یہاں سے فرار ہونا تو میرے لیے کوئی مشکل بات ہی نہیں۔ جب اور جس وقت چاہوں گا۔ یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ عنبر اور تم کہاں گم ہو گئے تھے جھیل نندن سر پر سے پانی میں بھگو کر مجھے کون لایا تھا؟ اور.........اور پجاری کی کوٹھڑی میں مجھے کون پھینک گیا تھا؟‘‘

ماریہ بولی:

’’افوہ! تم تو ایک ہی سانس میں اتنی ڈھیر ساری باتیں کر گئے ہو عنبر بھائی! اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عنبر کے علاوہ وہ ایک

نوجوان کیلاش اور دوسری نوجوان لڑکی تھا۔ تم کو ان ظالموں کے چنگل سے رہائی دلائی جائے۔"

ناگ نے پوچھا:

"بہر حال یہ وقت تفصیل بتانے کا نہیں۔ یہ ہمارے بہن بھائی ہی ہیں۔ بعد میں تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔"

"یہ لوگ کس جگہ قید ہیں؟"

"ساتھ والے خیموں میں۔"

"یعنی سامنے والے خیمے میں؟"

"نہیں۔ ایک بائیں طرف والے خیمے میں اور ایک دائیں طرف والے خیمے میں عنبر بیٹھا ہوا ہے۔"

"ابھی سب کو یہاں سے باہر نکالتے ہیں۔"

"یہ منگول بڑے خوفناک لوگ ہیں۔ ہمیں بڑی احتیاط سے کام

لینا ہوگا۔ اگر ذرا سی بے احتیاطی ہو گئی تو یہ لوگ کیلاش اور چینی لڑکی تھا تگ کو ضرور قتل کر دیں گے۔"

"تم میرے ساتھ رہنا۔ ہم دونوں باہر نکل کر منگولوں کی خبر لیتے ہیں۔ میں تمہارے پہلو میں زمین پر چلوں گا۔ اگر کسی جگہ الگ ہونا پڑا تو ایک دوسرے کو اطلاع دے کر الگ ہوں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ دیکھو کوئی اندر آ رہا ہے۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔

خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک منگول ہاتھ میں لوہے کا پیالہ لیے اندر داخل ہوا اور بولا:

"یہ لو شوربہ پیو۔ کل تمہیں ہمارے ساتھ شغر کی منڈی جانا ہوگا۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے تمہیں ہر طرح سے صحت مند رہنا ہوگا تاکہ منڈی میں تمہاری زیادہ قیمت پڑ سکے۔ ویسے تم نوجوان ہو اور طاقتور

میں سانپ ہوں

اس کہانی میں عنبر کی ملاقات ایک ایسے سانپ سے ہوتی ہے جو سو سال ہونے کی وجہ سے ہر روپ دھار لیتا ہے پھر دونوں کیا کرتے ہیں

ابھی پڑھئے "اردو رسالہ" پہ

جسم کے مالک ہو۔ تمہارے دام زیادہ اٹھیں گے۔"

ناگ نے شوربے کا پیالہ لے کر دو گھونٹ پی کر کہا:

"کیا مجھے اتنی اجازت ہے کہ میں تھوڑا سا شوربہ دیوتاؤں اور مرے ہوؤں کی روحوں کے نام پر زمین پر پھینک دوں؟"

"ہرگز نہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں پچاس کوڑوں کی سخت سزا دی جائے گی۔"

ناگ نے شوربہ پیتے ہوئے کہا:

"ماریا! تم جا کر اپنا کام کرو۔"

منگول نے چونک کر پوچھا:

"یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

ناگ ہنس پڑا۔

"اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں منگول! تم گھبرا کیوں گئے؟"

"بکواس بند کرو اور چپکے ہو کر بیٹھے رہو۔ اگر اب میں نے تمہاری آواز سنی تو کوڑے مار مار کر چمڑی ادھیڑ ڈالوں گا۔"

اس دوران میں ماریا باہر نکل گئی تھی اور باہر خیمے سے ذرا ہٹ کر ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس کھڑی ناگ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ منگول پہرے دار باہر چلا گیا تو ناگ نے شوربے کا پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ پھر اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر ہلکی سی پھنکار ماری اور سانپ کی جون میں آ گیا۔ سانپ بن کر وہ خیمے کے اندر رینگتا ہوا پچھلی طرف سے باہر نکل گیا۔ اس نے ماریا کو تلاش کر لیا۔ ماریا نے جھک کر کہا:

"میرے ساتھ ساتھ رہنا ناگ!"

ڈاکوؤں سے نجات

اب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

پہاڑوں کے دامن میں جھیل پر سائے گہرے ہو رہے تھے۔

خیموں کے باہر منگولوں نے کہیں کہیں الاؤ روشن کر رکھا تھا۔ ماریا ناگ کو لے کر عنبر کے خیمے کی طرف آ گئی۔ اس نے ناگ کو ایک جگہ جھاڑیوں میں رکنے کے لیے کہا اور خود چپکے سے پہرے دار کی آنکھ بچا کر خیمے کے اندر داخل ہو گئی۔ عنبر لیٹا ہوا تھا۔ ماریا نے اسے سرگوشی میں آواز دی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیا کیا لاش کا پتہ چلا؟''

''اس کی طرف تو میں ابھی جاتی ہوں۔ پہلے یہ خوش خبری سن لو کہ ناگ مل گیا ہے۔''

''کیا کہا؟ میرا دوست! میرا بھائی ناگ مل گیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟''

''باہر ایک جھاڑی میں چھپا ہوا ہے۔ منگولوں نے اسے بھی اغوا کر کے ساتھ والے خیمے میں بند کر رکھا تھا۔ میں کیلاش کی تلاش میں اندر گئی تو وہ سو رہا تھا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ ناگ زندہ ہے اور اس سے پھر ملاقات ہو گئی۔''

''بس میں تمہیں یہ کہنے آئی تھی۔ اب میں کیلاش کے خیمے کو تلاش کر کے اسے جھیل کی طرف پہنچاتی ہوں۔ اس کے بعد چینی لڑکی کو نکال کر کسی نہ کسی طرح وہاں لے جاؤں گی۔ تم بھی رات ہونے سے

پہلے پہلے وہاں پہنچ جانا۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ دیر مت کرنا۔”

“فکر نہ کرو ماریا! میں جلدی سے جلدی وہاں پہنچنے کی کوشش کروں گا۔”

ماریا باہر نکل گئی۔

منگول آگ روشن کیے اس کے اردگرد بیٹھے ناچ گا رہے تھے۔

ماریا نے سانپ کو ساتھ لیا اور پیچھے سے ہو کر اس خیمے کے سامنے آ گئی جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ اندر کیلاش قید ہے۔ وہ پہرے دار کی نظریں بچا کر خیمے کا پردہ تھوڑا سا اٹھا کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر کیلاش زمین پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔ ماریا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

“کیلاش!”

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ماریا! کیا یہ تم ہو؟''

''میرے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ کیا تم کسی طرح یہاں سے نکل کر جھیل کے مغربی کنارے پہنچ سکتے ہو؟''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے ماریا بہن؟ باہر میری جان کے دشمن خونی آنکھوں والے منگول ڈاکو ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے ہیں۔''

''کیا تم پچھلی طرف سے نہیں بھاگ سکتے؟''

''نہیں ماریا بہن! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ تم انہیں نہیں سمجھتیں۔''

''میں انہیں تم سے زیادہ سمجھتی ہوں اور اس وقت تین منگول ڈاکوؤں کو قتل کر چکی ہوں۔''

''ہائیں! کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ عنبر بھائی

کو میں خبردار کر آئی ہوں۔ اور ناگ بھی مل گیا ہے۔ وہ باہر میرا انتظار کر رہا ہے۔“

”ناگ مل گیا؟ کہاں سے ملا؟ کیسے ملا؟“

”پھر وہی بات؟ کیلاش! یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں۔ کسی طرح یہاں سے نکل کر جھیل کنارے پہنچو۔“

”ماریا بہن! اگر تم چاہتی ہو کہ میں یہاں سے باہر نکلوں تو سب سے پہلے خیمے کے باہر میری جان کے دشمن جو پہرہ دے رہے ہیں، ان کا کچھ بندوبست کرو۔ انہیں یہاں سے ہٹاؤ۔ پھر میں دوڑ کر جھیل کنارے پہنچ جاؤں گا۔“

ماریا نے سرد آہ بھر کر کہا:

”کیلاش! تم ہمیشہ بزدلی دکھاتے ہو۔ تمہارے لیے ہمیشہ ہم میں سے کسی نہ کسی کو راستہ ہموار کرنا پڑتا ہے۔ خدا کے لیے کبھی اپنی

بہادری سے بھی کام لیا کرو۔''

''ماریا بہن! تم پہرہ داروں کو باہر سے ہٹا لو۔ پھر دیکھنا میں کس قدر بہادری سے کام لیتا ہوں! کس قدر شجاعت دکھاتا ہوں۔''

''اچھا بابا! پہرہ داروں کو وہاں سے ہٹائے دیتی ہوں۔ مگر تم دیر نہ کرنا۔ جونہی پہرے دار نظروں سے اوجھل ہوں فوراً یہاں سے نکل کر کسی طرح بچتے بچاتے جھیل کے کنارے پہنچ جانا۔ اگر ہمیں وہاں آتے دیر بھی ہو گئی تو تم وہاں بیٹھ کر ہماری راہ دیکھنا۔''

''بہت اچھا ماریا بہن! ایسا ہی ہو گا۔''

ماریا کیلاش کے خیمے سے نکل کر چینی لڑکی تھامُک کی طرف آ گئی۔ چینی لڑکی کے خیمے پر بہت سخت پہرہ تھا۔ چار پہرے دار منگول خیمے کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ ابھی تک ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ تیسرے خیمے نے

اندر دو پہرہ داروں کی لاشیں دفن ہیں۔ رات ہوگئی تو عنبر چپکے سے نکلا اور چھپتا چھپاتا جھیل کے پاس جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گیا۔

ماریا نے ایک طرف ہٹ کر ناگ سے کہا کہ تھانگ کے خیمے کے باہر بڑا سخت پہرہ ہے۔ ناگ نے کہا:

”تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں جا کر پہرہ داروں کو وہاں سے ہٹاتا ہوں۔“

”کیا تم انہیں ڈرا کر بھگاؤ گے؟ وہ دوسرے ساتھیوں کو لے کر آجائیں گے اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ایک ایک کر کے ان چاروں کو ختم کر دیا جائے۔ یہ لوگ قاتل ہیں۔ انہوں نے بڑے خون کیے ہیں۔ ان کا مارا جانا ہی اچھا ہے۔ تم ایسا کرو کہ پہرہ داروں کو تم ٹھکانے لگا دو۔ باقی دو کو میں سنبھال لوں گی۔“

"ٹھیک ہے۔ چلو میرے ساتھ۔"

ناگ نے رینگنا شروع کر دیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ خیمے کے پاس پہنچ کر ماریا نے کہا:

"اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ تم سب اگلے دو پہرہ داروں کو ڈس دو۔ پچھلے دو تو میں سنبھال لوں گی۔"

ناگ رینگتا ہوا وہاں آ گیا جہاں اگلا پہرہ دار چکر لگا کر گزرنے والا تھا۔ سانپ نے اپنا پھن پھیلا لیا اور خیمے کی آڑ میں چھپ کر پہرے دار کی راہ دیکھنے لگا۔ جب وہ اس کے قریب سے نکلنے لگا تو سانپ نے آگے بڑھ کر ایک ہی لپک میں اس کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ پہرے دار لڑکھڑا کر گرا۔ زہر نے اس کے سارے بدن کو سن کر دیا تھا۔ دوسرا پہرے دار وہاں پہنچا تو پہلے پہرے دار پر جھک گیا۔ وہ جھکا ہی تھا کہ سانپ نے اس کی گردن پر بھی ڈس لیا۔ گردن پر ڈستے

ہی پہرے دار نے ہاتھ گردن پر مارا۔ پھر اس کا سارا بدن کانپ کر اکڑنے لگا اور گلا بند ہو گیا۔ وہ بھی ایک ہی پل میں گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ ناگ کے اندر اب اتنا زہر باقی نہیں تھا کہ وہ کسی کو ڈس سکتا۔ اس کے لیے اسے کم از کم آدھ گھنٹے کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ناگ چپکے سے نکل کر ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اب ماریا کی باری تھی۔ باقی دو پہرے داروں نے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو دیکھا تو وہ بھاگ کر ان کی طرف آئے۔ ان کے آتے ہی ماریا نے کمان میں تیر جوڑا اور اسے چلا دیا۔ سن کی آواز کے ساتھ ہی تیر کمان سے نکل کے تیسرے پہرے دار کی چھاتی میں دل کے آر پار ہو گیا۔ دل کا زخم مہلک ثابت ہوا اور تیسرا پہرے دار بھی گر کر مر گیا۔ چوتھے پہرے دار نے شور مچا دیا۔ اس کے شور مچاتے ہی منگول بھاگ کر ادھر ادھر سے جمع ہو گئے۔ اس دوران میں ماریا نے خیمے میں داخل ہونے کی بہت کوشش کی مگر

وہ کامیاب نہ ہو سکی اور منگول قزاقوں نے خیمے میں سے تھانگ کو نکال کر قابو میں کر لیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی موت کی ذمے داری چینی لڑکی پر ڈالتے ہوئے اسے مار پیٹ رہے تھے۔

ماریا کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ وہ اتنے سارے ڈاکوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے کمان میں تیر جوڑ کر چلانے شروع کر دیے۔ منگول ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ وہ چونکہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی اس لیے بہت قریب سے سامنے کھڑے ہو کر دل سے نشانے لگا رہی تھی۔ اس کا ہر تیر دل کے ٹھیک نشانے پر بیٹھتا تھا۔ اور منگول قزاق ایک بار تڑپ کر ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ دس بارہ ڈاکو دیکھتے دیکھتے ماریا کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔ باقی منگول بڑے پریشان ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ادھر کیلاش نے جب خیمے کے باہر پہرہ داروں کو غائب پایا تو وہ بھاگ کر جھیل کے قریب والی جھاڑیوں

میں آ گیا۔ وہاں پہلے ہی سے موجود عنبر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف جھاڑیوں میں کھینچ کر چھپا لیا۔

اب ماریہ اکیلی منگولوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس عرصے میں ناگ بھی پھر سے تازہ دم ہو گیا تھا۔ وہ رینگ رینگ کر، چھپ چھپ کر اس جگہ آیا جہاں ایک منگول نے چینی لڑکی تھا تنگ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں قابو کر رکھا تھا۔ سانپ نے بڑے آرام سے پیچھے سے آ کر اسے ڈس دیا۔ منگول دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ تھا تنگ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اسے گرتا دیکھ کر دوسرا منگول آگے بڑھا اور اس نے چینی لڑکی کو قابو کر لیا۔ وہ یہ سمجھا کہ منگول کو کوئی تیر لگا ہے۔

دوسرے ڈاکو نے رسی نکال کر چینی لڑکی کو جکڑ کر ایک درخت سے باندھ دیا اور خود باقی ڈاکوؤں کے ساتھ تلوار نکال کر ہوا میں چلانے لگا۔

کسی منگول ڈاکو کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ تیر کدھر سے آ رہے ہیں؟ ماریا تاک کر نشانے باندھ رہی تھی۔ اس کا کوئی تیر بھی خطا نہیں جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ بہت قریب آ کر نشانہ لگاتی تھی۔ وہاں تمام خیموں میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ ناگ نے دوسرے منگول کو بھی ہلاک کر دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ منگول قزاقوں کو بڑی خاموشی کے ساتھ کون قتل پر قتل کر رہا ہے؟ ماریا کی اب یہ کوشش تھی کہ کسی طرح سے وہ تھانگ کو اٹھا کر اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کروا لے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تھانگ اس کے ساتھ ہی غائب ہو کر دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ مگر وہاں قریب کوئی گھوڑا نہ تھا۔ ماریا وہاں سے نکل کر ایک طرف جانے لگی تو اس نے ناگ کو دیکھا۔ ایک ڈاکو تلوار لیے اس کے پیچھے اسے ہلاک کرنے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ ناگ کی جان خطرے میں تھی۔ ماریا بھاگ کر اس طرف گئی۔ اس نے زمین پر

گرا ہوا ایک نیزہ اٹھایا اور پیچھے سے ڈاکو کی کمر میں گھونپ دیا۔ ڈاکو منہ کے بل آگے کو گر پڑا۔ ماریا نے ناگ کو اٹھا کر اپنی گردن کے گرد لپیٹ لیا اور بولی:

''میں گھوڑے کی تلاش میں ہوں تاکہ تھاتنگ کو اس پر اپنے ساتھ سوار کر کے یہاں سے نکل جاؤں۔''

ذرا فاصلے پر ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ ماریا لپک کر اس گھوڑے کے پاس آئی اور اس پر سوار ہو گئی۔ گھوڑا دوڑاتی وہ اس درخت کے پاس آئی جہاں اس نے اپنا گھوڑا باندھا تھا۔ اپنا گھوڑا بدل کر وہ چینی لڑکی کی طرف گئی۔ چینی لڑکی کو دو منگول گھسیٹتے ہوئے ایک خیمے کی طرف لیے جا رہے تھے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر ایک منگول ڈاکو کے سر پر تلوار کا دستہ مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے نے پلٹ کر دیکھا تو ماریا نے اس کے کندھے پر تلوار کا وار کیا۔ ڈاکو کا کندھا لٹک

گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ماریا نے تھا نگ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:

"تھا نگ! میرے گھوڑے پر آ جاؤ۔"

تھا نگ لپک کر ماریا کے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی وہ غائب ہو گئی۔ ڈاکو حیران کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے کہ ابھی چینی لڑکی وہاں کھڑی تھی۔ ابھی وہ کہاں گم ہو گئی؟

سانپ کا حملہ

ماریا ناگ اور چینی لڑکی تھاتم کو لے کر جھیل کی طرف آ گئی۔

عنبر اسی جھیل کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ کیلاش بھی اس کے ساتھ آ کر شامل ہو گیا تھا۔ منگول ڈاکوؤں میں ایک افراتفری اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ دیکھتے دیکھتے ان کے کتنے ہی آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور قیدی بھی جانے کہاں غائب ہو گئے تھے، وہ خونخوار بن کر چکر لگا رہے تھے اور ایک دوسرے پر چیخ رہے تھے۔

ماریا نے ایک جگہ جھاڑیوں میں عنبر اور کیلاش کو دیکھ لیا۔ وہ ان کے پاس آ کر بولی:

”عنبر بھائی! میں ناگ اور تھانگ کو لے کر آ گئی ہوں۔“

ماریا نے ناگ کو گلے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ زمین پر آتے ہی ناگ ظاہر ہو گیا۔ عنبر نے پیار سے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور اس سے باتیں کرنے لگا مگر وہ اسے کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ ناگ نے انسان کی شکل اختیار کرنی چاہی۔ لیکن ماریا نے اسے منع کر دیا:

”ناگ بھائی! ابھی سانپ ہی بنے رہو۔ ابھی تمہاری ضرورت ہے اور اور پھر انسان کی شکل میں تمہیں چھپا نہ سکوں گی۔“

ناگ سانپ ہی بنا رہا۔ عنبر نے اسے اپنی گردن کے گرد لپیٹ لیا اور ماریا سے کہا:

”ماریا بہن! میرا خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔“

ماریا بولی:

''لیکن ہمارے پاس صرف ایک ہی گھوڑا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ اس کشتی میں سوار ہو کر جھیل کے پار پہنچو۔ میں تھاتنگ کو لے کر تمہارے پاس جھیل کے اس پار آ جاؤں گی۔''

عنبر نے کہا:

''تم تھاتنگ کو بھی ہمارے ساتھ ہی کر دو۔''

''نہیں عنبر بھائی! ہو سکتا ہے تمہاری کشتی کسی مصیبت میں پھنس جائے اس لیے تھاتنگ کو میں اپنے ساتھ گھوڑے پر ہی بٹھائے رکھوں گی۔''

''اچھا خدا حافظ! جھیل کے پار ملیں گے۔''

''میں جھیل پار والے جنگل میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

ماریا گھوڑے پر تھاتنگ کو بٹھائے وہاں سے نکل گئی۔

عنبر اور کیلاش چھپتے چھپاتے ایک کشتی تک پہنچ کر اس میں سوار ہوئے۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھ کر اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ کوئی انہیں نہیں دیکھ رہا۔ مگر یہ ان کی بھول تھی۔ جس قبیلے کے دو ڈیڑھ سو آدمیوں کو قتل کر کے وہ جا رہے تھے وہ قبیلے والے اتنی آسانی سے انہیں چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے خاص جاسوس ہر اس مقام پر پہرے پر بٹھا دیے تھے جہاں سے انہیں امید تھی کہ قیدی بھاگ سکتے ہیں۔ جھیل کے بارے میں انہیں بہت زیادہ شک تھا کہ قیدی ضرور ادھر ہی کا رخ کریں گے۔

جاسوس نے اسی وقت تیر چلا کر دوسرے منگولوں کو خبردار کر دیا۔ عنبر کی کشتی جھیل میں سے گزر رہی تھی۔ سانپ اس کے گلے میں لپٹا ہوا تھا اور کیلاش پاس ہی کشتی میں بیٹھا تھا۔ جاسوس نے جا کر منگول سردار کو اطلاع کر دی تھی کہ دو قیدی کشتی کے ذریعے جھیل پار کر کے

بھاگ رہے ہیں۔ دس منگول ڈاکوؤں کی ایک ٹولی تیر کمان اور تلواریں لے کر جھیل کے دوسرے کنارے پہنچ گئی اور مفرور دشمنوں کا انتظار کرنے لگی۔ منگول ڈاکوؤں کو اب یقین ہو گیا تھا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ وہ انتقام کی آگ میں بھڑک رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کشتی کنارے پر لگے اور وہ ان پر ٹوٹ پڑیں۔

عنبر اور کیلاش کو کوئی خبر نہیں تھی کنارے پر ان کی موت ان کی راہ دیکھ رہی ہے۔ ماریا ابھی تک گھوڑے پر سوار اوپر پہاڑی پر سے ہو کر چلی آ رہی ہے۔ گھوڑے کے ذریعے راستہ لمبا تھا۔ اسے ایک لمبا چوڑا چکر کاٹ کر آنا پڑا تھا۔ وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ منگول قزاقوں کا دستہ ان سے پہلے جھیل کنارے پہنچ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ اس چھپنے کی خبر نہ عنبر کو تھی اور نہ کیلاش اور نہ ناگ کو تھی۔

منگول دیکھ رہے تھے کہ عنبر اور کیلاش کشتی کھیتے ہوئے کنارے کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کا اپنے ساتھیوں کے قاتلوں کو دیکھ کر خون کھول رہا تھا۔ جونہی عنبر نے کشتی کنارے کے ساتھ لگا کر قدم کشتی سے باہر رکھا ایک خونی تیر سن کر کے آیا اور کیلاش کے سینے میں دل کے پار ہو گیا۔ کیلاش کے منہ سے صرف ایک ہلکی سی آہ ہی نکل سکی اور زمین پر گرتے ہی مر گیا۔ عنبر اس پر جھکا ہی تھا کہ دوسرا تیر اس کی اپنی گردن میں آ کر کھب گیا۔ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ ناگ بچ گیا۔ ناگ تیزی سے گردن سے اتر کر عنبر کے قدموں میں آ گیا۔ عنبر نے دوبارہ کشتی میں چھلانگ لگا دی اور زور زور سے چیخو چلانے شروع کر دیے۔ اس وقت چار پانچ منگول کشتی میں چھلانگ لگا کر عنبر کو قابو کر چکے تھے۔ عنبر نے اپنی گردن میں سے کھینچ کر تیر باہر نکال کر پھینک دیا۔ ناگ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ وہ جھیل کنارے جھاڑیوں

میں ہی چھپا ہوا تھا۔ منگولوں نے عنبر کو قابو کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑا اور کشتی کو چلاتے ہوئے جھیل کے خیموں والے کنارے پر واپس آ گئے۔

ناگ ساری صورت حال سمجھ گیا تھا۔

اُسے معلوم تھا کہ ماریا کو اس جگہ پہنچنا ہے۔ وہ اسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا اور ماریا کی راہ دیکھنے لگا۔ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اگر وہ سانپ کی شکل میں رہا تو ماریا اسے نہ دیکھ سکے گی۔ وہ سانس کو اندر کھینچ کر پھنکارا اور انسان کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ ایسی صورت میں ماریا اسے دور سے ہی دیکھ کر پہچان سکتی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس نے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنی۔ ناگ جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر سامنے آ گیا۔ وہ تو ماریا کو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ماریا نے اسے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ بہت پریشان

ہوئی کہ ناگ وہاں سامنے کھل کر کیوں کھڑا ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اگر منگولوں نے اسے دیکھ لیا تو ان تینوں پر پھر سے کوئی نئی مصیبت ٹوٹ سکتی ہے؟

قریب آ کر اس نے ناگ سے کہا:

''چھپ جاؤ ناگ۔ منگول تمہیں دیکھ لیں گے۔''

ناگ آواز کا اندازہ لگا کر ماریا کے قریب آ گیا۔ ماریا نے کہا:

''عنبر اور کیلاش کہاں ہیں ان کی کشتی مجھے دکھائی نہیں دیتی۔''

ناگ نے کہا:

''منگول عنبر کو دوبارہ پکڑ کر لے گئے ہیں۔''

اور کیلاش کو بھی؟''

''نہیں ماریا بہن! کیلاش کی لاش قریب ہی گھاس پر پڑی ہے۔''

ماریا اور تھانگ نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے یہ سنا تو ششدر رہ گئیں۔ ماریا تو ایکدم سے گھوڑے پر سے اتر آئی۔ اس کے پیچھے اترتے ہی گھوڑا اور اس پر بیٹھی ہوئی چینی لڑکی تھانگ سامنے دکھائی دینے لگی۔ ماریا نے کہا:

"تھانگ گھوڑے کو درخت کی آڑ میں لے آؤ۔"

وہ بھی ناگ کے ساتھ درختوں کی اوٹ میں آگئی۔ یہاں ناگ نے سارا قصہ سنایا کہ کس طرح وہ بڑے سکون سے جھیل میں چلے آرہے تھے کہ کنارے پر پہنچ کر منگولوں کے ایک دستے نے ان پر حملہ کر دیا۔ پہلا تیر کیلاش کے دل کے پار ہو گیا اور وہ گرتے ہی مر گیا اور باقی لوگ عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر واپس لے گئے۔ ماریا اور ناگ اس جگہ آگئے جہاں کیلاش کی لاش پڑی تھی۔ زمین پر خون جم گیا تھا اور کیلاش کی روح کب کی پرواز کر چکی تھی۔ ماریا نے کہا:

”ناگ بھائی! یہ تو بہت بڑا ظلم ہو گیا۔ کیلاش کی موت کا مجھے بے حد صدمہ ہوا ہے۔ بے چارے نے کبھی کسی کو کچھ نہ کہا تھا۔“

”ہاں بہن! بڑا شریف آدمی تھا اور ہنس مکھ بھی۔ مگر موت آنی تھی اور آ گئی۔ اب سوائے صبر کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”میرا خیال ہے ہمیں اس کی لاش کو جھیل میں ڈال دینا چاہیے تا کہ جنگلی درندے اس کی بے حرمتی نہ کر سکیں۔“

ماریا اور ناگ نے مل کر کیلاش کی لاش کے ساتھ ایک بھاری پتھر باندھا اور اسے آہستہ سے اٹھا کر جھیل میں ڈال دیا۔ لاش ایک پل کے اندر اندر جھیل کے گہرے پانی میں غائب ہو گئی۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ اور ماریا درختوں کے پاس وہاں آ گئے جہاں بے چاری چینی لڑکی تھانگ گھوڑے پر چپ چاپ سہمی بیٹھی تھی۔

”ماریا بہن! ہمیں کیلاش کی موت کا بدلہ لینا ہوگا۔ ورنہ اس کی

روح ہمیشہ بے چین رہے گی۔''

ماریا بولی:

''فکر نہ کرو ناگ ہم بدلہ ضرور لیں گے اور عنبر کو بھی ظالم منگولوں کے پنجے سے رہا کروائیں گے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم تھانگ کے پاس اس جگہ چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ میں جھیل پار جا کر عنبر کو بچا کر لاتی ہوں۔''

''کیا تم اکیلی یہ کام کر سکو گی؟''

''ہاں! میرا خیال ہے کہ میں اکیلی ہی یہ مہم سر کر لوں گی۔ تم ویسے بھی میرے ساتھ نہیں جا سکتے کیونکہ میں چینی لڑکی کو اکیلی چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ وہ ڈرپوک ہے۔ ہو سکتا ہے گھبرا کر چلانا شروع کر دے یا کوئی ڈاکو ادھر پھرتا پھراتا نکل آئے اور اسے اٹھا کر لے جائے۔''

''جیسے تمہاری مرضی ماریا بہن! میں تھانگ کی حفاظت کروں گا۔''

"لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا اور وہ یہ کہ اس مقام سے ہٹ کر کہیں نہیں جانا۔ ان درختوں کی آڑ میں ہی چھپے رہنا ہے۔ میں اسی جگہ عنبر کو لے کر آؤں گی۔ تم دونوں کو اسی جگہ رہنا ہے۔"

"میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا ماریا! تم جاؤ اور عنبر کو بچا کر اپنے ساتھ لاؤ۔"

ماریا گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑا دوڑاتی چلی گئی۔

ناگ نے چینی لڑکی تھامگ کو ساتھ لیا اور درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جھاڑیوں کے درمیان شاخیں کاٹ کر اس نے اتنی جگہ بنالی کہ وہ دونوں لوگوں کی نظروں سے چھپ کر بیٹھ رہیں اور انہیں کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ چکر کاٹ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ ناگ نے پتوں پر کسی کے چلنے کی آواز سنی تو چوکنا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک منگول ہاتھ میں تلوار لیے

جھاڑیوں کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ناگ نہتا تھا وہ اکیلا منگول ڈاکو کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے چینی لڑکی سے کہا:

''تھانگ! تم اسی جگہ چپ چاپ بیٹھی رہو اور خبردار گھبرانا ہرگز نہیں۔ میں سانپ بن کر اس ڈاکو کی خبر لیتا ہوں۔''

''لیکن میں......... مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''اگر تم ڈرتی رہی تو یہ ڈاکو مجھے ہلاک کر کے تمہیں گرفتار کر کے لے جائے گا اور پھر ساری زندگی تمہیں اس کے پنجے سے کوئی رہا نہ کرا سکے گا۔''

چینی لڑکی نے ڈر کر کہا:

''اچھا۔ میں یہاں بیٹھی رہتی ہوں ناگ بھائی! تم جاؤ۔''

ناگ چپکے سے جھاڑیوں سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے

سانس اندر کی طرف کھینچ کر زور سے سانس لیا اور ایکدم انسان سے سانپ بن گیا۔ سانپ بنتے ہی وہ گھاس پر رینگتے ہوئے دوسری طرف سے منگول پر حملہ کرنے کے لیے نکل گیا۔ اس دوران میں منگول ڈاکو جھاڑیوں میں چھلانگ کر چینی لڑکی کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ تھانگ نے ڈاکو کو اپنے سامنے پا کر زور سے چیخ ماری۔

ناگ کو اب محسوس ہوا کہ ڈاکو تو حملہ کر چکا ہے اور تھانگ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اب سب سے زیادہ اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں ڈاکو چینی لڑکی پر تلوار سے حملہ نہ کر دے۔ کیونکہ منگول اپنے ساتھیوں کے قتل عام سے سخت آگ بگولا ہو رہے تھے اور وہ ہر سامنے آ جانے والی شے کو دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ ناگ تیزی سے رینگتا ہوا جھاڑیوں کی طرف آ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ منگول ڈاکو تھانگ کو کاندھے پر ڈال کر جھاڑیوں میں سے باہر نکل رہا تھا۔

چینی لڑکی چیخ چیخ کر پاؤں مار رہی تھی۔ منگول نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ تھا تنگ کا منہ بند ہو گیا مگر وہ بدستور ٹانگیں چلاتی رہی۔ ناگ اندازہ کر کے سامنے کی طرف آ گیا۔ ادھر سے منگول ڈاکو کو گزرنا تھا۔ سانپ نے اپنی گردن اٹھا کر پھن پھیلا لیا اور پگ ڈنڈی کے پہلو میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جونہی منگول تھا تنگ کو اٹھائے نمودار ہوا ناگ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

جذبات میں ناگ سے یہ غلطی ہو گئی کہ وہ منگول کے سامنے آ گیا تھا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ منگول کے پاس تلوار اور تیر کمان بھی ہے۔ ناگ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ چھپ کر پیچھے سے حملہ کرتا۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ منگول نے اپنے سامنے سیاہ کالے ناگ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس نے چینی لڑکی کو زمین پر اتار دیا اور خود کمان میں تیر جوڑ کر چلا دیا۔ سن سے تیر سانپ کی گردن کے قریب سے گزر گیا۔

اب ناگ کو اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا۔

منگول لوگ سانپ سے نہیں ڈرتے تھے۔ ان کی ساری زندگی جنگلوں اور صحراؤں میں گزرتی تھی اور اکثر وہ سانپوں کو مارتے تھے۔ منگول آگے بڑھ بڑھ کر سانپ پر تلوار سے حملے کر رہا تھا۔ ناگ کو اپنی فکر پڑ گئی کہ اگر ایک بھی تلوار کا وار اسے لگ گیا تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے گا اور منگول اسے بعد میں اپنے پاؤں تلے کچل دے گا۔ ایسی صورت میں ناگ صحیح معنوں میں سچ مچ ہمیشہ کے لیے مر جائے گا۔

ناگ نے اپنا بچاؤ شروع کر دیا۔ منگول ایسا ماہر تلوار باز تھا کہ وہ ناگ کو ڈسنے کا چھوٹا سا موقع بھی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ منگول اس پر تیر چلانے لگا۔ ناگ نے ایک درخت کو دیکھا۔ اس کی طرف لپکا اور اس پر چڑھ گیا۔ منگول نے سانپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ جب اس نے دیکھا کہ

سانپ اس کی پہنچ سے باہر نکل گیا ہے تو وہ چینی لڑکی کی طرف پلٹا جو ایک طرف سہمی بیٹھی تھی۔

منگول نے اسے دوبارہ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور چل پڑا۔

اب ناگ نے بڑی عقل مندی اور ہوشیاری سے منگول پر حملہ کرنے کی ترکیب بنائی۔ وہ درخت پر سے اتر کر بڑی مکاری کے ساتھ منگول کا پیچھا کرنے لگا۔ منگول کے وہم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سانپ اس کا پیچھا کر رہا ہوگا۔ اس لیے کہ ایک عام سانپ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ کسی انسان کو تعاقب کرے۔ زیادہ سے زیادہ ایک انسان کو ڈس کر ہلاک کر سکتا ہے۔ مگر اس کا تعاقب کرنے کی اسے کیا ضرورت ہے؟ مگر منگول بے چارے کو یہ خبر نہیں تھی کہ اس کا معاملہ ایک ایسے سانپ سے ہے جو ایک انسان بھی ہے اور جو اس کا دشمن ہے اور جس کی بہن کو وہ کندھے پر اٹھا کر اغوا کر کے لیے جا رہا

ہے۔

منگول ایک پگ ڈنڈی پر موڑ گھومنے ہی لگا تھا کہ ایک پھنکار کی آواز سنائی دی اور سانپ نے اچھل کر منگول کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ منگول نے اپنے پیچھے سانپ کو دیکھا تو اس کا خون کھول اٹھا کہ کم بخت ابھی تک اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اُسے خبر ہی نہ ہوئی تھی کہ ناگ نے اپنے پھن سے اس کی پنڈلی پر ڈس دیا ہے۔ منگول نے چینی لڑکی کو زمین پر پھینکا اور تلوار نکال کر ناگ کی طرف بڑھا۔ ناگ پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس لیے کہ اسے معلوم تھا کہ اس سے ایک قدم آگے منگول نہ بڑھ سکے گا۔

اور وہی ہوا جونہی منگول نے دوسرا قدم اٹھایا اس کے پیر ڈگمگانے لگے۔ ناگ نے پھنکار ماری اور پلک جھپکتے ہی انسان کی جون میں آ گیا۔ منگول نے یہ شعبدہ بازی دیکھی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی

رہ گئیں۔ مگر اب زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے تلوار اپنے آپ چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔ اس کا سارا بدن لرزنے لگا۔ اس کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ اس میں سے خون رسنے لگا۔ پھر وہ دھڑام سے زمین پر گرا اور گرتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

دشمن کچلا گیا

منگول کے گرتے ہی تھا تنگ زمین پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ناگ اور تھا تنگ نے مل کر منگول ڈاکو کی لاش کو گھسیٹا۔ اسے جھیل کے پاس لائے اور پھر اسے جھیل میں پھینک دیا۔ ناگ نے کیلاش کے خون کا بدلہ لے لیا تھا اور منگول کو بھی مار کر جھیل میں ڈال دیا تھا۔

تھا تنگ نے کہا:

''کیا ہمیں اسی جگہ چھپ کر ماریا کی راہ دیکھنی چاہیے؟''

ناگ بولا:

''ضروری یہی ہے کہ ہم اسی جگہ چھپ کر ماریا بہن کا انتظار کریں۔ کیونکہ وہ ہمیں اسی جگہ بیٹھے رہنے کی تاکید کر گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ ہمیں اسی جگہ کسی مقام پر چھپ جانا چاہیے۔''

چنانچہ وہ جھیل کنارے پتھروں کے درمیان ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔

ادھر ماریا گھوڑے سر سوار منگولوں کے خیموں کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ابھی وہ کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ منگولوں نے عنبر کو ایک درخت کے ساتھ الٹا لٹکا رکھا ہے اور نیچے آگ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کر رہے ہیں۔ اردگرد سارے قبیلے کے ڈاکو جمع ہیں۔ گویا عنبر کو آگ میں زندہ جلانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پہلے تو ماریا نے سوچا کہ وہ اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کرے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ

آگ عنبر کو جلا نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ عنبر کی قسمت میں موت نہیں تھی۔ جن منگول دیکھیں گے کہ عنبر پر آگ کا اثر نہیں ہو رہا تو وہ ضرور اس سے متاثر ہو کر نہ صرف یہ کہ عنبر کو رہا کر دیں گے بلکہ الٹا اس کی پوجا شروع کر دیں گے۔ لیکن یہ کام بڑا لمبا تھا۔ کہاں آگ جلے۔ کہاں آگ کے شعلے بلند ہوں اور پھر کہیں آگ کے اثر نہ کرنے کا انتظار کیا جائے!

ماریا نے پہلے ہی حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک درخت کی آڑ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہاں سے وہ درخت بالکل سامنے تھا جس کی شاخ پر منگولوں نے عنبر کو باندھ رکھا تھا۔ منگول آگ جلانے کے لیے پتھروں کو رگڑنے لگے۔ ایک چنگاری پیدا ہوئی اور لکڑیوں میں آگ لگ گئی۔ لکڑیاں گیلی تھیں۔ آگ آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی۔ اب ماریا نے حملہ کرنے

کے لیے نیام میں سے تلوار باہر نکال لی۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے دور سے نشانہ باندھ کر اس طرح تلوار پھینکی کہ وہ سیدھی رسی کو کاٹتی ہوئی ایک منگول کے سر پر جا لگی۔

رسی کے ٹوٹتے ہی عنبر دھڑام سے سلگتی ہوئی لکڑیوں پر گر پڑا۔ سارے منگول ایک شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے تلواریں نکال لیں۔ اب عنبر نے بھی ایک منگول پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کی تلوار کھینچ کر کچھ تلوار بازی کے جوہر دکھانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ ماریا اس کی مدد کے لیے وہاں پہنچ چکی ہے۔ دوسرے منگول اس پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اس پر تلواریں اور تیر چلانے لگے۔ لیکن ان کی حیرانی دم بدم بڑھتی جا رہی تھی کہ عنبر پر نہ تو تلوار کا اثر ہوتا تھا اور نہ نیزے سے کوئی زخم لگتا تھا اور نہ خون بہتا تھا۔ عنبر نے ایک ڈاکو کی تلوار چھین لی اور میدان میں آ گیا۔

وہ ایک بہادر نوجوان سپاہی کی طرح بڑی مہارت کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اس نے تلوار چلانے کا فن مصر کے قدیم فرعونوں کے سپہ سالاروں سے سیکھا تھا۔ وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ دشمنوں کی صفوں میں گھس کر ان کا صفایا کر رہا تھا۔ دوسرے اسے یہ بھی برتری حاصل تھی کہ اس کو زخم نہ لگتا تھا۔ اس پر کسی کی تلوار اثر نہیں کر رہی تھی جبکہ اس کی تلوار دوسروں کو قتل پر قتل کیے جا رہی تھی۔ دوسری جانب سے ماریا بھی دور کھڑی اپنا کام کر رہی تھی۔

ماریا دھڑا دھڑ ایک کے بعد دوسرا تیر چلا رہی تھی۔ منگول ڈاکوؤں کا ایک بار پھر قتل عام شروع ہو گیا۔ وہ لوگ گھبرا گئے۔ کیونکہ یکے بعد دیگرے ان کے آدمی قتل ہو کر زمین پر گر رہے تھے جبکہ ان کے دشمن تبر پر کسی تیر تلوار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ عنبر تو چلا رہا ہے۔ پھر یہ تیر اڑ کر کہاں سے آ رہے

تیں؟ ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ منگول ڈاکوؤں کے قدم اکھڑ گئے۔ انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ آخر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس شکست سے نہ ماریا کو امید تھی اور نہ عنبر کو امید تھی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ڈاکو بھاگیں گے نہیں۔ وہیں جم کر مقابلہ کریں گے اور بھاگنا انہیں پڑے گا۔ لیکن یہ بات ان کے خیال کے الٹ ہوئی تھی۔ منگول وہاں سے جھیل کی طرف اور پہاڑیوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔

ماریا نے عنبر کو آواز دی:

"عنبر! رک جاؤ۔ انہیں بھاگنے دو۔"

عنبر تلوار ہاتھ میں لیے رک گیا۔ منگول وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ ماریا عنبر کے قریب آ کر گھوڑے پر سے اتر گئی۔ وہاں بے شمار ڈاکوؤں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ عنبر نے کہا:

"کیا تمہیں کیلاش کے بارے میں پتہ چل گیا ہے؟"

ماریا نے کہا:

’’ہاں۔ کیلاش کی موت کا مجھے بے حد صدمہ ہوا ہے۔ مجھے ناگ نے بتایا اور پھر ہم نے کیلاش کی لاش کو جھیل میں ڈال دیا۔ لیکن ہم نے کیلاش کی موت کا بدلہ لے لیا ہے۔‘‘

عنبر نے پوچھا:

’’ناگ اور تھانگ کس جگہ پر ہیں؟‘‘

ماریا بولی:

’’وہ جھیل کے دوسرے کنارے پر ہیں۔ مجھے ان کی فکر ہے کیونکہ کچھ منگول شکست کھا کر جھیل کی طرف بھاگے ہیں اور کشتی میں جھیل پار کر رہے ہیں۔‘‘

’’تو پھر جلدی چلو۔ ہمیں ناگ کے پاس پہنچنا چاہیے۔‘‘

’’آؤ میرے ساتھ۔‘‘

”یہاں بہت سے گھوڑے بندھے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے تھانگ اور ناگ کے لیے بھی گھوڑے لے چلنے چاہئیں۔“

”بڑا اچھا خیال ہے۔ گھوڑے حاصل کرنے کا اس سے اچھا موقع شاید کبھی نہ ملے گا۔“

انہوں نے وہاں سے تین گھوڑے لیے۔ ایک گھوڑے پر عنبر سوار ہو گیا اور دو گھوڑوں کو ویسے ساتھ لے کر وہ جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں جب انہوں نے اس جگہ ناگ اور تھانگ کو نہ دیکھا جہاں ماریا انہیں چھوڑ گئی تھی تو وہ کچھ پریشان ہو گئے۔

”وہ یہاں سے کدھر چلے گئے؟ میں تو انہیں اسی جگہ چھوڑ کر گئی تھی۔“

تلاش کرتے کرتے جب وہ جھیل کے کنارے پتھروں کے درمیان پہنچے تو انہوں نے منگولوں کو دیکھا جو کشتی میں سے نکل کر

بھاگے جا رہے تھے۔ ماریا اور عنبر وہیں رک گئے۔

”کہیں انہوں نے ناگ کو تو نہیں دیکھ لیا؟“

”یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ناگ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ البتہ مجھے چینی لڑکی کی فکر ہو سکتی ہے۔“

اتنی دیر میں منگول بڑی تیزی سے کنارے کے جنگل میں غائب ہو گئے۔ ماریا اور عنبر آگے بڑھ کر تھانگ اور ناگ کو تلاش کرنے لگے۔ آخر ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ وہ دونوں سامنے کے درختوں سے نکل کر چلے آ رہے تھے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ناگ کو گلے سے لگا لیا۔ انسان کی جون میں آنے کے بعد ناگ سے عنبر کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ وہ اب جھیل کنارے بیٹھ گئے۔ ناگ دیر تک عنبر سے باتیں کرتا رہا۔ ماریا اور تھانگ نے اس دوران میں جھیل میں جی بھر کر نہایا۔ عنبر نے اپنے خون آلود کپڑے دھو کر سکھائے۔ وہ بھی نہا دھو کر صاف ستھرا ہو

گیا۔ پھر انہوں نے جھولے میں سے جوار کی روٹی نکال کر پانی کے ساتھ کھائی۔ کچھ دیر آرام کیا۔ عنبر نے کہا۔

''اب ہم پر ایک بھاری ذمے داری آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں تھا تنگ کو شنگھائی میں اس کے ماں باپ کے گھر تک پہنچانا ہے۔ ویسے بھی میں ملک چین کے سفر کے لیے نکلا تھا۔ لیکن اب میرے ساتھ ہی ساتھ ایک کام بھی کرنا ہوگا۔''

ماریا نے کہا:

''ہم تھا تنگ کو اس کے ماں باپ کے پاس ضرور پہنچائیں گے۔ یہ ہمارا فرض بھی ہے۔''

ناگ بولا:

''کیلاش نے کہا تھا کہ یہاں سے ملک چین کی سرحد چار دنوں اور چار راتوں کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس حساب سے اگر ہم آج

کا دن بھی سفر میں شامل کر لیں تو ہم تین روز کے بعد چین کی سرحد میں ہوں گے۔“

”ہاں...... تھانگ! کیا تمہیں چین کے راستوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“

تھانگ کہنے لگی:

”میں شنگھائی پہنچ کر اپنے ماں باپ کے گھر جا سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کسی راستے کا علم نہیں ہے۔“

اور بات بھی سچ تھی۔ تھانگ کو منگولوں نے اغوا کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ راستے میں اگر کسی جگہ اسے ہوش بھی آیا تھا تو وہ راستوں کو ذہن میں نہ رکھ سکی تھی۔ ایک تو اس کی عمر کم تھی' دوسرے اسے بے ہوشی کے عالم میں سفر کرنا پڑا تھا۔

ماریا نے کہا:

”کوئی بات نہیں۔ ہم اندازے سے سفر شروع کریں گے۔ ستارے ہماری رہنمائی کریں گے اور خدا ہماری مدد کرے گا۔ ہم ایک نہ ایک دن ضرور ملک چین پہنچ جائیں گے۔“

خنجر نے کہا:

”کیلاش نے کہا تھا کہ اس وقت فو مانچو نام کا ایک خونخوار بادشاہ ملک چین پر حکمرانی کر رہا ہے۔ وہ ایک جابر اور سخت دل بادشاہ ہے۔ کیوں تھانگ! تمہیں کچھ بادشاہ کے ظلم کے بارے میں علم ہے؟“

تھانگ نے کچھ سوچ کر کہا:

”لوگ بادشاہ سے بہت ڈرتے ہیں۔ میرا باپ سوداگر ہے۔ وہ ہر سال بادشاہ کے کوتوال کو بہت سا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوتوال کے نوکر جس گھر میں چاہیں گھس جاتے ہیں اور وہاں سے غلہ، کپڑا اور جو چاہے سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔ کسی کو زبان کھولنے

کی جرأت نہیں ہوتی۔ بادشاہ لوگوں کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑا خوش ہوتا ہے۔“

ماریا، عنبر اور رناگ تعجب سے تھانگ کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ڈاکوؤں کی کمیں گاہ میں داخل ہونے والے ہیں۔

تھانگ نے کہا:

”بادشاہ کی ملکہ بڑی نرم دل ہے۔ مگر ملکہ کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ اس کی آواز نہ ہونے کے برابر ہے۔ بادشاہ ملکہ کی بھی پروا نہیں کرتا۔ شاید اس لیے کہ ملکہ کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا جو بادشاہ کے بعد اس کا تخت سنبھال سکے۔ ان دنوں بادشاہ نئی شادی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔“

”بہت خوب۔“ عنبر بولا۔ ”تھانگ نے تو ہمیں کافی باتیں بتا

دی ہیں...... میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے منگول ڈاکو اپنے کسی ساتھی قبیلے کے ساتھ یہاں تک پہنچ جائیں۔"

''بڑا مناسب خیال ہے...... آؤ چلیں۔''

عنبر، ناگ اور تھا نگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ماریہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے سمیت غائب ہو گئی۔ اور انہوں نے ملک چین کی طرف کا سفر شروع کر دیا۔ جنگل کے علاقے سے نکل کر وہ ایک گھاٹی میں اتر گئے۔ گھوڑوں پر سوار ہونے کی وجہ سے وہ بڑے آرام سے سفر کر رہے تھے گھوڑے پتھریلی اور اونچی نیچی زمین پر سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے۔ یہ پہاڑی گھوڑے تھے اور انہیں ایسی پتھریلی زمین پر سفر کرنے کی بڑی مہارت تھی۔

شام تک یہ لوگ چلتے رہے۔ گھاٹیوں سے نکل کر وہ ایک میدانی

علاقے میں آ گئے جہاں دور دور تک گھاس اگا ہوا تھا۔ جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ بہت دور پہاڑوں کی ایک دیواری اٹھتی چلی گئی تھی۔ تھا نگ نے انہیں بتایا کہ یہ چین کے سرحدی پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں کے پار ملک چین آباد ہے۔ عنبر، ماریا اور ناگ ان پہاڑیوں کو بڑے شوق سے تکنے لگے۔ ان تینوں کو چین دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ آج وہ اپنے شوق کو پورا کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اب شام کا اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

عنبر نے کہا کہ انہیں رات بسر کرنے کے لیے کسی مناسب جگہ کو چن لینا چاہیے۔ تھا نگ کہنے لگی کہ میرا خیال ہے یہاں کہیں ایک دریا بہہ رہا ہے۔ دریا کے کنارے کچھ گاؤں آباد ہیں۔ اگلے روز ڈاکو ایک گاؤں میں ٹھہرے تھے۔ وہ لوگ اس گاؤں میں رات بسر کرنے کے خیال سے آگے روانہ ہو گئے۔ رات ہونے والی تھی کہ وہ ایک دریا پر

پہنچ گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا دریا تھا۔ کنارے پر جھاڑیوں کے جھنڈ اگے تھے اور ذرا فاصلے پر ایک جگہ چراغوں کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ ماریا نے کہا:

''میرا خیال ہے یہ روشنی کسی گاؤں میں ہو رہی ہے۔ آؤ وہاں چلتے ہیں۔''

کانا چور

دریا کا پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔

دریا کا پاٹ چوڑا نہیں تھا۔ دوسرا کنارہ بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔

عنبر کا خیال تھا کہ گھوڑوں کو دریا میں ڈال کر دریا پار کر لینا چاہیے۔

ماریا نے کہا کہ ہو سکتا ہے دریا کا تیز بہاؤ گھوڑوں کے پاؤں نکال دے۔ ناگ نے کہا کہ اگر ہم آگے چلیں تو ممکن ہے کہ ہمیں کوئی پل مل جائے۔ وہ آگے چلنے لگے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا مگر انہیں پل کسی جگہ بھی دکھائی نہ دیا۔ آخر انہیں ایک جگہ دریا میں بڑے بڑے پتھر ایک دوسرے کے ساتھ گڑے ہوئے ملے۔ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ ان پتھروں پر سے ہی گزر

کر دریا پار کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا گھوڑے ان پتھروں پر سے ہی گزر کر دریا پار کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا گھوڑے ان پتھروں پر پاؤں جما کر چل سکیں گے؟ عنبر نے ادھر ادھر کی باتیں سوچنے کی بجائے خدا کا نام لے کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

وہ پتھروں پر سے سنبھل سنبھل کر گھوڑا بڑھانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی ماریا، تھائی تگ اور ناگ بھی دریا میں اتر گئے۔ پتھر نوکیلے بھی تھے اور ڈھلانی بھی۔ پھر بھی گھوڑوں کو ڈاکوؤں نے کچھ ایسی مشق کرا رکھی تھی کہ وہ اونچے نیچے پتھروں پر یوں چل رہے تھے جیسے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔ وہ بڑی جلدی انہیں دریا کے پار لے گئے۔ چلتے چلتے وہ اس گاؤں میں پہنچ گئے جہاں کے کچھ مکانوں سے روشنی آ رہی تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ چند ایک کچے پکے مکان تھے۔ کچھ باغ تھے اور ایک نہر باغ کے بیچ میں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ ماریا نے

انہیں نہر کنارے ٹھہرنے کو کہا اور خود یہ معلوم کرنے آگے بڑھی کہ گاؤں میں کون لوگ رہتے ہیں اور کیا کوئی ایسی جگہ بھی ہے کہ جہاں رات بسر کی جا سکے۔

ماریا کو ایک حویلی کے باہر مشعل روشن نظر آئی۔ قریب آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ کوئی سرائے ہے۔ ڈیوڑھی میں سرائے کا موٹا تازہ مالک بیٹھا کڑاہی میں مچھلی بھون رہا تھا۔ ماریا چونکہ نظر نہیں آتی تھی اس لیے خود کو اس سے کوئی بات نہیں کر سکتی تھی، اس لیے وہ واپس آئی اور ان سب کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئی۔ عنبر اور ناگ نے تھاتنگ کو ساتھ لیا اور سرائے کے مالک سے جا کر کہا کہ وہ وہاں ایک رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ موٹے تازے سرائے کے مالک نے بڑے غور سے ناگ، عنبر اور تھاتنگ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا:

''یہ لڑکی کون ہے؟''

عنبر نے کہا:

''ہم تینوں بہن بھائی ہیں۔ نندن سر والے درگا دیوی کے مندر کی زیارت کو گئے تھے۔ اب واپس اپنے شہر سنگھائی جا رہے ہیں۔''

ماریا پاس ہی گھوڑے پر سوار کھڑی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ درگا دیوی کے نام پر سرائے کا مالک کچھ چونکا تھا۔ سرائے کے مالک نے کہا:

''کیا تم نندن سر سے آ رہے ہو؟ سنا ہے وہاں درگا دیوی کی سونے کی مورتی چوری ہو گئی تھی۔ کیا اس کا چور پکڑا گیا یا نہیں؟''

عنبر نے گول مول سی بات کرتے ہوئے کہا:

''ہم نے بھی سنا تھا۔ پتہ نہیں چور پکڑا گیا یا نہیں۔ ہم تو سارا دن دیوی کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ اچھا تو کیا ہمیں کوئی کمرہ مل

جائے گا؟"

سرائے کے مالک نے اپنا کھنیسے ایسا سر ہلا کر کہا:

"ہاں ہاں مل جائے گا۔ مگر زیادہ آرام دہ نہیں ہوگا۔ اوپر کی منزل میں بے تخت آپ کو نہیں ملیں گے۔ زمین پر ہی سونا ہوگا۔"

ناگ بولا:

"کوئی بات نہیں ہم زمین پر ہی سو جائیں گے۔"

اتنے میں ایک آدمی سرائے کے مالک کے پاس آیا اور اس کی طرف جھک کر کوئی بات کر کے اوپر سیڑھیاں چڑھ گیا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ اس آدمی کو اس نے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ پھر فوراً اسے یاد آ گیا کہ یہ تو وہی درگا دیوی کے سونے کے بت کا چور ہے جس نے مورتی خود چرائی تھی اور نام عنبر کا لگا کر وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ اسی شخص نے اپنے دوسرے ساتھی کو قتل کیا تھا اور ایک پجاری کو ہلاک کر دیا تھا۔ عنبر

نے ذرا پیچھے ہٹ کر ماریا کے کان میں کہا:

”یہ آدمی جو ابھی ابھی اوپر گیا ہے، اس کی نگرانی کرنا۔“

عنبر نے محسوس کیا تھا کہ اس چور نے بھی جاتے جاتے عنبر کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ جیسے اس نے بھی عنبر کو پہچان لیا تھا۔ ماریا نے سر ہلایا اور گھوڑا اصطبل میں روک کے باہر چلی گئی۔ گھوڑے کو ایک سب سے الگ جگہ باندھ کر وہ اندر آئی۔ عنبر، ناگ اور تھاگنگ اوپر جا رہے تھے۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اوپر والی منزل میں کمرہ تھا جس کے اندر سوائے ایک لکڑی کی تپائی اور زمین پر بکھرے ہوئے دو چار پرانے میلے سے تکیوں اور ایک پھٹے پرانے قالین کے اور کچھ نہ تھا۔ انہوں نے اندر آتے ہی زمین صاف کر کے سونے کے لیے جگہ بنا لی۔ تھاگنگ اور ماریا نے تکیے اور چادریں سلیقے سے لگا دیں۔

عنبر نے کہا:

"میں کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں۔ ماریا تم اس آدمی کا پتہ کرو۔"

عنبر نیچے کھانے پینے کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ ماریا چپکے سے برآمدے کی طرف کھسک گئی۔ اس نے مورتی چور کی شکل اچھی طرح دیکھ لی تھی۔ یہ برآمدہ ایک لکڑی کی گیلری سی تھی جس کے ساتھ ساتھ دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں اندھیرا تھا۔ دوسرے کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ ماریا کھڑکی کے ساتھ لگ گئی۔ اس نے کھڑکی کے پٹ کو اندر دھکیلنے کی کوشش کی۔ پٹ اندر سے بند تھا۔ اندر سے دو آدمیوں کی آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

ماریا نے بہت کام لگا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ دروازہ بھی اندر سے کنڈی لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔

دروازے سے بھی کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ماریہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ مورتی چور کا کیسے پتہ کرے کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے اور کس مار پر یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟ سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا کہ وہ اندر سے کسی کے باہر آنے یا باہر سے کسی کے اندر جانے کا انتظار کرے۔ اس کا خیال تھا کہ جب کوئی دروازہ کھولے گا تو وہ چپکے سے اندر داخل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی مگر نہ کوئی اندر سے باہر نکلا نہ باہر سے کوئی اندر گیا۔

آخر ماریا کی امید بر آئی۔ سیڑھیوں میں کسی کے پاؤں کی بھاری چاپ سنائی دی۔ پھر سرائے کے مالک کی شکل نظر آئی۔ اس نے ادھر ادھر اچھی طرح دیکھا اور چپکے سے دروازے کے پاس آ کر دستک دی۔ اندر سے کسی نے پوچھا:

"کون ہے؟"

سرائے کے مالک نے کہا:

"درگا دیوی۔"

ماریا کو معلوم ہوا کہ یہ ان کا خفیہ لفظ تھا جسے سن کر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آدمی اپنا ہے کوئی غیر نہیں ہے۔ اندر سے دروازہ کھل گیا۔ چونکہ سرائے کا مالک موٹا تھا، اس لیے ایک پٹ پورے کا پورا کھولنا پڑا۔ اس سے ماریا نے فائدہ اٹھایا اور سرائے کے مالک کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کو اندر داخل

ہوتے اور ایک طرف کھڑے ہوتے کسی نے بھی نہ دیکھا کیونکہ وہ غائب تھی۔

اندر ایک شمع جل رہی تھی۔ لکڑی کے دو تختوں پر ایک تو وہی مورتی چور اور دوسرا اس کا ایک ساتھی جس کی ایک آنکھ کانی تھی بیٹھے تھے۔ دروازہ کانے چور نے کھولا تھا۔ سرائے کا مالک بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

مورتی چور نے کہا:

"تم نے ان لوگوں کو سرائے میں ٹھہرا کر سخت غلطی کی ہے۔ میں اس نوجوان کو پہچانتا ہوں۔ اس کا نام عنبر ہے اور یہ وہی شخص ہے جس کو میری جگہ چوری کے الزام میں موت کی سزا ہوئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بچ کیسے گیا۔"

مالک نے پوچھا:

”کیا اس نے تمہیں یہاں دیکھا ہے؟“

چور بولا:

”صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ پہچان لیا ہے۔ اس کو صاف پتہ چل گیا ہے کہ میں ہی مورتی چور ہوں۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا کوئی راز دار یہاں ہو۔ اور پھر وہ بھی چین کی طرف جا رہا ہے۔ اگر اس شخص کو قتل نہ کیا گیا تو ہمارے لیے چین میں جا کر شاہی محل سے شاہی ہیرے چرانے کا کام مشکل ہو جائے گا۔ خطرہ ہو گا یہ شخص وہاں میرا راز طشت از بام نہ کر دے اور ہمیں گرفتار نہ کرا دے۔ یاد رکھو اگر وہاں ہمیں پکڑ لیا گیا تو بادشاہ فوما نچو کس قدر ظالم ہے یہ تم سب لوگ جانتے ہو۔ وہ اپنے ہاتھ سے تم دونوں کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے گا۔“

سرائے کے مالک نے پریشان ہو کر کہا:

”پھر کیا کیا جائے؟“

مورتی چور بولا:

’’وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس کو آج کی رات ہی قتل کر دیا جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ قصہ ہی پاک ہو جائے گا۔ پھر ہم بڑے آرام سے چین کے شاہی محل میں ڈاکہ ڈال سکیں گے۔ کم از کم ہمارے راز سے کوئی واقف تو نہیں ہو گا۔‘‘

سرائے کا مالک بولا:

’’مگر یہ کام کون کرے گا؟ میں نے تو آج تک ایک چڑیا تک کو نہیں مارا۔ میں یہ کام کیسے کر سکوں گا؟‘‘

مورتی چور نے اپنے کانے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا:

’’یہ کام میرا ساتھی کرے گا۔ کیوں! تم تیار ہو ناں؟‘‘

کانے چور نے سر ہلا کر کہا:

’’بالکل تیار ہوں جناب۔ بالکل تیار ہوں۔‘‘

سرائے کا مالک پوچھنے لگا:

''کیا ان تینوں بہن بھائیوں کو قتل کرنا ہوگا؟''

مورتی چور نے کہا:

''ہاں۔ ان تینوں کو ہلاک کرنا ہوگا۔ کیونکہ عنبر نے میرے بارے میں ان سبھوں کو بتا دیا ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خطرناک بات نہیں ہو سکتی کہ چور جس گھر میں چوری کرنے جائے وہاں کے لوگوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا گیا ہو۔''

کانے ساتھی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''فکر نہ کریں استاد! میں آج رات کو ہی ان تینوں کو صفایا کر دوں گا۔ آپ لوگ تین لاشوں کے صبح کفن دفن کا بندوبست کر لیں۔''

سرائے کا مالک بولا:

''یہ بات تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم انہیں ہلاک کرو۔ باقی سارا کام

میں سنبھال لوں گا۔ میری سرائے کے پیچھے اتنی کافی جگہ خالی ہے کہ چاہے اس میں سات آدمیوں کو دفن کر دو۔"

یہ سن کر ماریا چپکے سے دروازے سے باہر نکل گئی۔

سرائے کا مالک بھی اسی وقت دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔

ماریا سیدھی کمرے میں آ گئی۔ وہاں ناگ، عنبر اور تھامگ کھانے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے کھانا کھاتے ہوئے انہیں مورتی چور اور سرائے کے مالک کی ساری سازش سے خبردار کر دیا۔ عنبر ہنس پڑا۔ ناگ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ تھامگ گھبرا گئی:

"اب کیا ہو گا عنبر بھائی! یہ تو بڑے قاتل لوگ ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر کیا ہوا۔ ہم بھی قاتلوں سے نپٹنا خوب جانتے ہیں۔

ہماری تلوار صرف ان لوگوں کے سروں پر چلتی ہے جو اس سے پہلے کئی

لوگوں کا خون کر چکے ہوتے ہیں۔ تم پریشان نہ ہو۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔''

ناگ بولا:

''بلکہ ان کے اپنے سروں پر موت منڈلا رہی ہے۔ یہ ان کی بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمارے مقابلے پر آ رہے ہیں۔''

عنبر نے کہا:

''مگر یہ مورتی چور بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اس نے تو چین کے بادشاہ کے قیمتی جواہرات چرانے کا جو منصوبہ بنایا ہے تو یہ ایک بڑا دلیری کا کام ہے۔''

تھانگ کہنے لگی:

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ فوما نچو ایسے ظالم بادشاہ کے شاہی محل میں چوری کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے محل کے گرد دن رات

خونخوار منگولوں کا پہرہ رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگیوں میں سینکڑوں آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ ان کے لیے کسی کا خون بہانا معمولی سی بات ہے۔ یہ لوگ اگر چین بھی گئے تو ضرور کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

ماریا کہنے لگی:

''وہ تو بڑے دور کی بات ہے۔ پہلے تو ان لوگوں سے اسی جگہ مقابلہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ہم سب کو آج رات قتل کرنے آرہے ہیں۔''

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''عنبر بھائی! پھر کیا حکم ہے؟''

عنبر نے سر ہلا کر کہا:

''قاتل کو یہاں تک آ جانے دو۔ اگر اس نے حملہ کیا تو پھر اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہمیں اس کا انتظار کرنا ہوگا۔''

"جیسے تمہاری مرضی۔"

کھانا کھانے کے بعد عنبر نے ان سبھوں کو کمرے میں اس طرح سلایا کہ اگر کوئی دروازہ توڑ کر یا کھڑکی کے پٹ توڑ کر اندر آ کر حملہ کرے تو وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ دروازے کے پہلو میں ماریا اور تھا تنگ لیٹی تھیں اور دوسری طرف ناگ اور عنبر پڑے تھے۔ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو ماریا نے کہا:

"عنبر بھائی! میں ذرا کانے چور کی خبر لینے جا رہی ہوں۔ کیونکہ وہی ہم سب کو قتل کرنے کا ارادے سے آ رہا ہے۔"

"ہاں بہن ماریا! تمہیں اجازت ہے۔ لیکن کوشش کرنا کہ اس کی جان نہ جائے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو آدمی میٹھے سے ہلاک ہوتا ہو اُسے زہر دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ٹھیک ہے عنبر!"

اتنا کہہ کر ماریا چپکے سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ باہر اندھیرا تھا۔ صرف گیلری میں دور اس جگہ شمع جل رہی تھی جہاں موریتی چور کا کمرہ تھا۔ ماریا اس کمرے سے ذرا فاصلے پر راستے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

آدھی رات گزر گئی تو موریتی چور کے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ وہی کانا چور نمودار ہوا۔ اس نے اپنے چہرے کا سیاہ کپڑے میں چھپا رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جسے وہ اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کانا چور دبے پاؤں گیلری کے لکڑی کے فرش پر چلتا ہوا عنبر اور ماریا کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ماریا آگے جا کر کمرے سے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ جونہی کانا چور دبے پاؤں رکھتا وہاں پہنچا، ماریا نے اس کے ہاتھ پر ایسا جھٹکا دیا کہ تلوار اس کی کلائی سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

سرائے کی چڑیل

کالے چور نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔

اُس نے لپک کر تلوار پھر اٹھا لی اور پریشان ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پر مکا کس نے مارا ہے؟ یہ تو وہ خواب میں بھی معلوم نہ کر سکتا تھا کہ۔ کا ایک ایسی لڑکی نے مارا ہے جس کا نام ماریا ہے۔ جو اس کے قریب ہی غائب ہو کر کھڑی ہے اور جس کو وہ قتل کرنے جا رہا ہے۔ ماریا اپنے کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ کالا چور دبے پاؤں چلتا اب دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ وہ کان لگا کر سننے لگا کہ

اندر کوئی جاگ تو نہیں رہا؟ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے بالکل قریب سانس لے رہا ہے۔ سانس لینے کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ ماریا نے بہت کوشش کی کہ سانس آہستہ لے مگر وہاں خاموشی اتنی زیادہ تھی کہ سانس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ اس الو کے پٹھے کو ہلاک کرنے کی بجائے کیوں نہ ڈرایا جائے؟ چنانچہ اس نے ایک گہرا سانس بھر کر آہستہ سے اپنا ہاتھ کانے چور کی گردن پر رکھ کر کھینچ لیا۔ کانا چور دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ ماریا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سرگوشی میں کہا:

او کانے چور! تیری موت تجھے یہاں لے آئی ہے۔ میں اس سرائے کی چڑیل ہوں۔ میں ابھی تیری گردن میں ناخن گاڑ کر تمہارا سارا خون پی جاؤں گی۔''

چور نے ایک دہشت ناک چیخ ماری اور تلوار وہیں چھوڑ کر وہ دوڑا۔ گیلری میں سے ہو کر وہ کمرے کے پاس پہنچا۔ دھڑام سے دروازہ کھول کر اندر گر پڑا۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اب وہ لوگ کیا سازش کرتے ہیں۔ مورتی چور نے دروازہ بند کر کے کانے چور کو ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”کمینے! تجھے کیا ہو گیا تھا؟ ان لوگوں کو ہلاک کر دیا یا نہیں؟“

کانا بولا:

”دیوتا کے لیے مجھے وہاں نہ بھیجو۔ وہاں تو دروازے پر ایک چڑیل پہرہ دے رہی ہے۔“

”کیا بکتے ہو؟ چڑیل یہاں کہاں!“

”مجھے آسمانوں کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہاں ایک چڑیل

پہرہ دے رہی ہے۔ پہلے اس نے میرے ہاتھ پر مکا مار کر میری تلوار گرا دی۔ پھر اپنا ٹھنڈا ہاتھ میری گردن پر رکھ دیا۔ پھر قہقہہ لگا کر ہنسی اور کہا کہ وہ میرا خون پینا چاہتی ہے...... میں وہاں سے بھاگ آیا۔ تم چاہے میری چمڑی ادھیڑ دو مگر میں وہاں نہیں جاؤں گا۔“

ماریا اندر ایک طرف کھڑی ہوگئی وہ یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں کسی نے دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ موری چور نے دروازے کے پاس جا کر پوچھا کہ باہر کون ہے؟ باہر سے کسی نے آواز دی:

”درگا دیوی۔“

چور نے دروازہ کھولا تو سرائے کا مالک جلدی سے اندر آ گیا اور آتے ہی پوچھا:

”کام تمام کر دیا یا نہیں؟“

مورتی چور نے اسے بتایا کہ کم بخت کانے چور نے سارا کچھ چوپٹ کر دیا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں دروازے کے ساتھ چڑیل لگی کھڑی ہے۔ سرائے کے موٹے مالک نے کانپتے ہوئے کہا:

"چڑیل؟"

مورتی چور بولا:

"تم پر بھی لرزہ طاری ہونے لگا؟ تم سب بزدل اور نکمے ہو۔ تم پر وہی مثل ٹھیک ہے کہ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔ لاؤ ادھر تلوار میں خود جاتا ہوں۔"

ماریا نے سنا تو ہوشیار ہو گئی۔ مورتی چور تلوار لے کر دروازہ کھول کر باہر نکلا تو ساتھ ہی چپکے سے وہ بھی باہر نکل گئی اور مورتی چور سے پہلے دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر مورتی چور اس سے خوف زدہ نہ ہوا تو وہ ضرور تلوار کا ہاتھ چلا دے گا اور ڈر

اس نے ایسا کر دیا تو ہو سکتا ہے تلوار اس پر پڑ جائے اور وہ شدید زخمی ہو جائے، اس لیے کچھ اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ ماریا اس خیال کے ساتھ ہی دروازہ کھول کر کمرے کے اندر آ گئی۔ اس نے دروازہ کھلا رکھا۔

اندر آ کر ماریا نے عنبر اور ناگ وغیرہ کو خبردار کر دیا۔ وہ بھی ہوشیار ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔ اس کی میں خبر لیتا ہوں۔ ماریا نے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور خود دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ باہر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اتنے میں گیلری کے لکڑی کے فرش پر مورتی چور کے پاؤں کی آواز سنائی دی۔ پھر کسی نے ذرا سا دبا کر دروازہ کھولا اور مورتی چور اندر آ گیا۔ اندھیرے میں وہ دروازے کی دہلیز پر کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے عنبر اور ناگ وغیرہ زمین پر ایک طرف سوئے ہوئے دکھائی دیے۔

اس نے تلوار اٹھائی اور ان کے قتل کا ارادہ لے کر آگے بڑھا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگوں میں پاؤں اڑا دیا۔ مورتی چور اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ ہدایت کے مطابق خنجر وغیرہ میں سے کوئی نہ اٹھا۔ وہ خاموشی سے لیٹے رہے۔ مورتی چور نے یہ سمجھا کہ وہ کسی شے سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہے۔ وہ اٹھا اور دوبارہ تلوار اٹھانے کے لیے جھکا۔ مگر تلوار اب ماریا نے اٹھا رکھی تھی۔ یعنی تلوار مورتی چور کی نظروں سے غائب تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ تلوار کہاں چلی گئی؟

اس نے فرش پر سے ایک لکڑی کا لٹھا اٹھا کر خنجر کے سر پر مارنا چاہا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر پیچھے سے مورتی چور کو ایسا دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر سامنے جا گرا۔ وہ پھر اٹھا اور سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

ماریا نے دیوار سے گھوڑے کی رسی اٹھا کر مورتی چور کے گلے میں ڈال دی۔ وہ گھبرا کر رسی کو پکڑنے لگا۔ ماریا نے رسی کو بل دے کر کس

دی۔ اتنے میں عنبر اور ناگ بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے شمع روشن کر دی اور ماریا کے ہاتھ سے رسی لے کر مورتی چور کی مشکیں کس دیں۔

عنبر نے کہا:

"کم بخت! تو نے ہمارے قتل کا ارادہ کر کے کس لیے اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسایا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمیں کچھ کہنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر ہے۔ ایک بار پہلے تو نے مجھ پر مورتی چوری کرنے کا جھوٹا الزام لگا کر مجھے موت کے کنارے پہنچایا اور اب میری جان کے خلاف ہو رہا ہے؟ کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں ہے؟"

مورتی چور نے بڑی مکاری سے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"حضور غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ کے بارے میں غلط سنا تھا۔ آپ تو دیوتاؤں کے اوتار ہیں۔ میری عقل پر پتھر پڑ گئے جو میں نے

آپ کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچا۔ اس دفعہ میری خطاؤں کو معاف کر دیں۔ اس کے بعد اگر آپ کو کوئی شکایت پیدا ہوئی تو جو چور کی سزا وہی میری سزا۔"

ناگ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا:

"یہ تو نے چین کے بادشاہ کو لوٹنے کا کیا منصوبہ بنایا ہے۔ اپنے اس خطرناک ارادے سے باز رہ۔ چین کا بادشاہ فوما نچو بڑا جابر بادشاہ ہے۔ ہم سے تیری جان تو بچ جائے گی۔ مگر یاد رکھ۔ چین کا بادشاہ تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

مورتی چور نے گڑگڑا کر کہا:

"سرکار! آپ نے غلط سنا ہے۔ یہ تو میں سرائے کے مالک کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ میری توبہ جو پھر کبھی چین کے بادشاہ کے شاہی محل میں نقب لگانے کا نام بھی لوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

عنبر بولا:

"ہم اگر چاہیں تو تمہیں ابھی قتل کر سکتے ہیں اور جس طرح تم نے سرائے کے مالک کے ساتھ مل کر ہمارے قتل کے بعد ہمیں زمین میں دفن کرنے کی سازش کی تھی، اسی طرح ہم بھی تم دونوں بلکہ تینوں کو سرائے کے ساتھ والی کھڈ میں ہلاک کر کے دفن کر سکتے ہیں۔ بولو! کیا تم تیار ہو؟"

مورتی چور تو عنبر کے پاؤں پر گر پڑا۔

"حضور معافی! سرکار معافی! یہ میری بدبختی تھی کہ میں نے آپ کی طاقت کا اندازہ نہ کیا اور آپ کی جان کا دشمن بن گیا۔ میں بھول گیا تھا سرکار کہ آپ کے پاس خفیہ طاقت ہے اور آپ کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے چاہے کسی قسم کی قسم لے لیں میں آئندہ ہرگز ہرگز آپ کے بارے میں اس قسم کی سازش نہیں

کروں گا۔"

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔:

"کیوں دوست! تمہارا کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا:

"میں تو کہتا ہوں رات کا وقت ہے۔ ہر طرف اندھیرا چھارہا ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ پہلے اس کے تلوار سے چار ٹکڑے کردو اور پھر سرائے کے مالک کو مار کر زمین میں گاڑ دو۔"

مورتی چور چیخ مار کر ناگ کے قدموں میں گر پڑا:

"سرکار معاف کردیں۔ میں ساری عمر آپ کا غلام بن کر زندہ رہوں گا۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔"

عنبر نے کہا:

"اچھا جو۔ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا اگر پھر کبھی

تم نے ایسی حرکت کی تو ایک پل کے اندر اندر تمہیں موت کے فرشتے کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

مورتی چور نے اٹھ کر عنبر کے ہاتھ چومے اور بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح باہر کو بھاگ گیا۔ ماریا نے اب اس کے ساتھ جانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے صرف اتنا عنبر سے کہا:

"کہیں اس کمینے دشمن کو معاف کر کے تم نے غلطی تو نہیں کی؟"

عنبر نے کہا:

"اگر اس نے دوبارہ سازش کی تو اسے ضرور سزا دی جائے گی۔ اس دفعہ معاف کر دینا ہی اچھا تھا۔ آخر اس نے ہمارا کیا بگاڑ لینا تھا۔"

ناگ بولا:

"یہ مکار شخص ملک چین جا کر بادشاہ فومانچو کے شاہی محل پر ضرور

ڈاکہ ڈالے گا۔"

"اور فکر نہ کرو۔ جواہرات کے لالچ میں یہ اپنی گردن ضرور اتروالے گا۔ چین کے لوگ غافل نہیں ہوتے۔ وہ ہر وقت ہوشیار اور جاگ رہے ہوتے ہیں۔"

یہ خیالات تھانگ کے تھے۔

اُدھر اپنے کمرے میں گھستے ہی مورتی چور کے چہرے پر سخت غصے کے اثرات آ گئے۔ وہ مٹھیاں بھینچ بھینچ کر فرش پر ٹہلنے لگا۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ اسے اپنی شکست کا خیال سونے نہیں دے رہا تھا۔ وہ عنبر اور ناگ وغیرہ کو اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا اور چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ان کا کام تمام کر دے۔ اس لیے کہ ان کو چور کے راز کا بھی علم ہو گیا تھا۔ اس راز کا وہ چین کے بادشاہ کے شاہی محل میں ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہے۔ اگر عنبر، ناگ زندہ رہے اور چین پہنچ گئے تو یہ

خبر بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی تھی اور ایسی صورت میں مورتی چور کی ساری محنت، سارے کیے دھرے پر پانی پھر سکتا تھا۔ اس نے کانے چور کو لات مار کر اٹھایا۔

"بدبخت! تو تو اپنی بہادری کی بڑی ڈینگیں مارتا تھا۔ اب تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تلوار اٹھاتے ہوئے تیرے ہاتھ کانپتے ہیں؟"

کانے چور نے اسی انداز میں گڑگڑانا شروع کر دیا۔

صبح ہو گئی۔ دن کی روشنی پھیل گئی۔ عنبر اور ناگ نے بستر لپیٹا اور چین کی طرف کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے سرائے کے مالک کو رہائش اور خوراک کے پیسے ادا کیے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ صرف ماریا نے یہ کیا کہ سرائے کے موٹے مالک کے کان میں جھک کر کہا:

"موٹے! خبردار اگر دوبارہ کسی کو دفن کرنے کے لیے اپنی زمین

پیش کی۔"

موٹے مالک نے گردن پھیر کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے دوسرے کان میں ایک سرگوشی کی:

"موٹے! میں تمہاری سرائے کی چڑیل ہوں۔"

موٹا مالک تھر تھرانے لگا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ ماریا نے زور سے اس کے گنجے سر پر ایک تھپڑ مار دیا۔ گنجے کا تو انجر پنجر ہل گیا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے بیٹھ گیا۔ ماریا نے زور سے اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر چیخ ماری۔ ایک خوفناک چیخ موٹے مالک کے منہ سے بھی نکل گئی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ لوگ اسے اٹھانے کے لیے بھاگے۔ ماریا وہاں سے نکل کر عنبر اور ناگ کے ساتھ مل گئی۔

اوپر سے شور سن کر موتی چور اور کانا چور بھی نیچے آ گئے۔ انہوں

نے سرائے کے مالک کو اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے گئے۔ وہاں جا کر اس نے بھی یہی کہا کہ مجھے سرائے کی چڑیل نے تھپڑ مارا ہے۔

مورتی چور نے اسے نفرت سے دیکھ کر کہا:

''تم سب بزدل اور نکھٹو ہو۔ تم سے کبھی کچھ نہیں ہوگا۔ میں تو اس کانے کو بھی تمہارے پاس ہی چھوڑ کر چین جانا چاہتا ہوں۔ کم بخت میرے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گا۔''

کانے چور نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

''میرے آقا! ایسا ظلم مجھ پر نہ کرنا۔ میں یہاں فاقوں سے مر جاؤں گا۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں اگر تمہارے کام نہ آیا تو بے شک میری گردن اتار دینا۔ مجھے وہیں کسی چینی دریا میں ڈبو دینا۔''

''کم بختو! تم لوگ تو میرے لیے وبال جان بن گئے ہو۔ میرا دشمن میری ساری دولت پر پانی پھیرنے کے لیے زندہ سلامت

میرے آگے آگے جا رہا ہے اور تم لوگ کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔ تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اسے ہلاک ہی کر دیتے۔ خیر! کوئی بات نہیں۔ میں یہ کام خود کروں گا۔"

صبح کے وقت ماریا، عنبر، ناگ اور تھاننگ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے تھے، کوئی دوسرے پہر ان کے پیچھے پیچھے موریتی چور اور کانا چور گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ان کے درمیان صرف ایک منزل کا فرق تھا۔ عنبر کو معلوم تھا کہ چور جواہرات کی چوری کے لیے ضرور سفر کرے گا۔ وہ چین جانے سے رک نہیں سکتا۔ مگر وہ ان سے بے نیاز تھا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا تو وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اب تو اسے ایک ہی لگن تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے چین میں داخل ہو کر شنگھائی پہنچے اور تھاننگ چینی لڑکی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کرے۔

ماریا عنبر اور ناگ کے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہی تھی۔ گاؤں سے دو

صبح کے وقت سورج نکلنے کے ساتھ ہی چلے تھے۔ دوسرے پہر وہ میدانی علاقے میں آ گئے جہاں دور دور تک کوئی ٹیلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں سردی بہت بڑھ گئی تھی اور تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے پیچھے پیچھے موتی چور اور کانا چور بھی گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ تیسرے پہر آسمان پر بادل گرجنے لگے اور رہ رہ کر بجلی چمکنے اور کڑکنے لگی۔ بارش ایکدم شروع ہو گئی۔ عنبر، ناگ اور ماریا وغیرہ ایک بہت پرانے گھنے درخت کے نیچے آ کر رک گئے۔

یہ لوگ کن حالات میں چین پہنچے؟

چوروں نے چین کے شاہی محل میں کیونکر نقب لگائی؟

سنگدل فومانچو نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

کیا چینی لڑکی اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ سکی؟

ان تمام سوالوں کے جواب اسی ناول کی اگلی یعنی تیئسویں ۲۳ قسط

''سرخ بالوں والا قاتل'' میں ملاحظہ فرمائیے

عنبر ۔ ناگ ۔ ماریا

سرخ بالوں والا قاتل

قسط (۲۳)

ایم اے راحت

سنو پیارے بچو!

چین کی طرف ماریا، عنبر، ناگ اور چینی لڑکی سفر کر رہی ہے، ان کے پیچھے پیچھے کانا چور بھی آ رہا ہے جو چین کے شاہی جواہرات چرانا چاہتا ہے۔

بارش کے طوفان میں یہ لوگ ایک جگہ پناہ لیتے ہیں۔ سامنے دیوارِ چین ہے جس پر سخت پہرہ لگا ہے۔ یہ لوگ بڑی مشکل سے چین پہنچتے ہیں۔ وہاں بادشاہ فومانچو کی حکومت ہے۔ چور شاہی محل میں چوری کرتا ہے۔ عنبر اسے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کرتا ہے۔ یہاں ایک چالاک جادوگرنی سے مقابلہ ہوتا ہے۔ شاہی وزیر عنبر کے قتل کی سازش کرتا ہے۔ مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ عنبر کو ہلاک نہیں کر سکتا۔

کالے پتھروں کی سرائے

بجلی چمکی، بادل گرجا اور بارش تیز ہو گئی۔

عنبر، ناگ، ماریا اور تھانگ نے ایک گنجان درخت کے نیچے پناہ لے رکھی تھی۔ موسلا دھار بارش میں درخت کی گھنی شاخوں میں سے پانی ٹپکنے لگا۔ سفر میں اتنی خوفناک بارش انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ چینی لڑکی تھانگ تو سہم گئی۔ اسے کبھی اس قسم کے طوفان سے پالا نہیں پڑا تھا۔ ماریا بھی بجلی کی گرج کے ساتھ کانپ اٹھی۔ آخر وہ ایک لڑکی تھی اور لڑکی کا دل بڑا معصوم ہوتا ہے۔ عنبر اور ناگ بڑے سکون سے بیٹھے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی بجلی کی چمک اور بادلوں کی

گرج کے ساتھ کان کھڑے کر دیتے تھے۔ ناگ کا خیال تھا کہ انہیں اتنے طوفان میں درخت کے نیچے پناہ نہیں لینی چاہیے۔ کیونکہ عام طور پر بجلی ان پر ضرور گر جائے گی۔ ماریا اور تھانک نے بھی ایسے طوفان میں باہر نکلنے کی مخالفت کی۔ چنانچہ عنبر کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اب وہ اسی جگہ کھڑے بارش میں بھیگتے طوفان کے تھمنے کا انتظار کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے بارش رکی۔ طوفان کا زور ختم ہوا۔

بادلوں نے گرجنا بند کیا اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر درخت میں سے باہر نکلے۔ بارش کے بعد موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی تیز ہوا چلنے لگی تھی۔ اگرچہ بارش نہیں ہو رہی تھی، لیکن آسمان پر بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے۔ سردی کی وجہ سے انہوں نے تیز تیز چل کر سفر کرنا شروع کر دیا۔ سردی میں گھوڑے بھی خوب گرم ہو کر بھاگ رہے تھے۔ انہیں آسانی یہ تھی کہ راستہ میدانی تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں زمین

اونچی نیچی تھی۔ مگر ان کی ڈھلانیں لمبی تھیں۔ بارش کے بعد زمین پر کیچڑ نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ زمین سخت تھی کہیں کہیں مٹی کی جگہ ریت بکھری ہوئی تھی جو بارش کے طوفان کے بعد بیٹھ گئی تھی۔

دن ڈھلنے تک یہ چاروں مسافر سفر کرتے رہے۔ شام کے قریب جا کر گھاس کا اونچا نیچا میدان ختم ہو گیا اور ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ آگے چل کر پہاڑوں کی ایک دیوار تک چلا گیا تھا جو مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی تھی۔ چینی لڑکی تھاتک نے بتایا کہ ان پہاڑوں کے اوپر دیوار چین ہے۔ ناگ نے پوچھا۔

”میں نے دیوار چین کے بارے میں کہیں سے سنا ہے کہ وہ بہت لمبی ہے۔“

تھاتک نے کہا:

”ہاں ناگ بھائی! وہ مغرب کی طرف چین کی ایک سرحد تک چلی گئی ہے۔“

عنبر کہنے لگا:

”اس دیوار کو بنے ایک ہزار برس سے زیادہ نہیں ہوا۔ یہ میرے سامنے بنی تھی اور اس وقت میں۔۔۔“

عنبر بولتے بولتے ایک دم رک گیا۔ وہ بے خیالی میں اپنا خاص راز بیان کر گیا تھا۔ ناگ اور ماریا اور تھا تک اس کی طرف حیران ہو کر تکنے لگے تھے۔ عنبر نے مسکرا کر فوراً بات بدل دی اور بولا:

”میرا مطلب تھا کہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ اس دیوار کو بنے ایک ہزار برس ہو گئے ہیں اور یہ ہونگ چو بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔“

ماریا نے پوچھا:

اتنی لمبی دیوار بنانے کا کیا فائدہ تھا؟“

چینی لڑکی نے کہا:

”چین کی مغربی سرحد بہت لمبی ہے اور وہاں ہر طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس طرف سے اکثر بادشاہ اپنی فوج لے کر چین پر چڑھائی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ چین کے بادشاہ ہونگ چو نے سوچا کیوں نہ ان پہاڑوں کے اوپر ایک اونچی دیوار بنا دی جائے۔ تاکہ کوئی بھی دشمن حملہ کر کے چین کی سرحد کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس نے ان پہاڑوں کے اوپر ایک بہت لمبی اور اونچی پتھروں کی دیوار کھڑی کر دی۔ اب اس طرف سے دشمن کبھی چڑھائی نہیں کر سکتا۔“

ماریا نے کہا:

”اس دیوار پر یقیناً فوج کا پہرہ لگا ہوتا ہوگا۔“

تھامنگ کہنے لگی:

"کیوں نہیں! ہر ایک فرلانگ کے فاصلے پر دیوار کے اوپر فوجی چوکی ہے جہاں فوج کے پہرے دار ہوتے ہیں ویسے بھی دیوار کے اوپر سپاہی مسلسل گشت کرتے رہتے ہیں۔ دیوار اتنی چوڑی ہے کہ چار رتھ ساتھ ساتھ چل دوڑ سکتے ہیں۔"

ناگ، عنبر اور ماریا دیوار چین کے بارے میں معلومات حاصل کر کے بہت حیران ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ اس زمانے میں ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اہرام عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اور یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ اگر انسان اور انتھک لگن سے کام تو وہ دنیا کا ہر ناممکن کام کر سکتا ہے۔

چھوٹی موٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں میں سے گزرتے ہوئے یہ قافلہ ایک دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔ یہ دریا پہاڑی تھا اور اس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ یہاں اس دریا پر کوئی پل نہیں تھا۔ تھامنگ چونکہ اس علاقے سے واقف تھی کہنے لگی:

"اس دریا پر کہیں بھی کوئی پل نہیں ہے۔ اسے یہیں سے ہمیں عبور کرنا ہوگا۔ ڈاکو جو مجھے اٹھا کر لائے تھے انھوں نے یہ دریا گھوڑے پانی میں ڈال کر عبور کیا تھا۔"

ناگ نے پوچھا:

"تو کیا ہم بھی اسی طرح دریا کو عبور کریں؟ اس کا تیز رفتار پانی گھوڑوں کو اپنے ساتھ بہا کر نہیں لے جائے گا؟"

"نہیں ناگ بھائی! یہ پانی دیکھنے میں تیز رفتار ہے۔ مگر اس کا دباؤ اتنا زیادہ نہیں ہے۔"

تھامنگ کے اس انکشاف پر عنبر نے کہا کہ تھامنگ ٹھیک کہتی ہے۔ اس دریا کی تہہ میں بڑے بڑے پتھر ہیں۔ جس نے اس کے بہاؤ

میں کمی پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا دریا کو تیر کر ہی عبور کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے۔ منگول قزاقوں کے گھوڑے بڑے ماہر تیراک تھے اور سخت جانی کے عادی تھے۔ وہ اس سے پہلے جانے کتنے دریا عبور کر چکے تھے۔ وہ دریا میں اترتے ہی بڑے مزے کے ساتھ پانی کی لہروں کو چیرتے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ بھی ان کی خوش قسمتی تھی کہ دریا کا پانی چوڑا نہیں تھا۔ وگرنہ پانی کے بہاؤ میں گھوڑوں کو زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ کیوں کہ دریا کے نیچے پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں پر سے گھوڑوں کے کھر پھسل رہے تھے۔

آخر گھوڑوں کے ساتھ وہ لوگ دریا کے کنارے پر آ گئے۔

سردی میں ان کے گیلے کپڑے انہیں اور زیادہ سردی کا احساس دلا رہے تھے۔ ماریا چونکہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے

اس نے تو چپکے سے اپنے کپڑے اتار کر نچوڑے اور پھر سے پہن لیے۔ تھانگ ایک ٹیلے کے پیچھے جا کر اپنے کپڑے نچوڑ کر دوبارہ پہن کر آ گئی۔ عنبر کو سردی لگتی ہی نہیں تھی۔ ناگ البتہ سردی میں ٹھٹھر رہا تھا۔

کیوں کہ سانپ کو ہمیشہ بڑی سردی لگا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ گرمیوں میں زمین کے باہر نکل آتا ہے۔ اور سردیوں میں زمین کے اندر جا کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر جب تک سردیوں کا موسم رخصت نہیں ہو جاتا۔ وہ باہر نہیں نکلتا۔

عنبر نے کہا:

”میرا خیال ہے ہمیں آگ جلا کر گرم ہو جانا چاہیے۔“

ناگ بولا:

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ کیوں کہ سردی مجھے بھی لگ رہی

ہے۔"

مگر سوال یہ تھا کہ وہاں آگ کس چیز کی جلائی جاتی۔ نہ وہاں سوکھی گھاس تھی اور نہ خشک لکڑیاں ہی مل سکتی تھیں۔ عنبر اور ناگ نے ادھر ادھر بہتیرا تلاش کیا مگر انہیں جلانے کے لیے کچھ بھی نہ مل سکا۔

تھاتک بولی:

"اگر ہم یہاں سے دو منزل تک سفر کرتے جائیں تو سامنے والی پہاڑی کی پرلی جانب ایک پرانی سرائے ہے۔ ہم اس سرائے میں جا کر آگ بھی تاپ سکیں گے اور رات بھی وہاں بسر کر سکیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"خدا کے لیے وہاں جلدی چلو۔ سردی کے مارے تو میرے دانت بجنے لگے ہیں۔"

عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم نے اس سرائے میں قیام کیا تھا؟ تھاتک؟"

"ہاں عنبر بھائی! ڈاکو مجھے لے کر اس سرائے میں ٹھہرے تھے۔ اس سرائے کی مالک ایک تبتی عورت ہے۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جادو ٹونا بھی کرتی ہے اور جادو کے زور سے ہوا میں اڑنے لگتی ہے اور انسان کو بلی اور بلی کو انسان بنا دیتی ہے۔"

عنبر ہنس پڑا۔

"پھر تو میں اس سرائے میں دو راتیں بسر کروں گا۔ اور اس جادو گرنی کے کرتب دیکھوں گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ ناگ!"

ناگ نے دانت بجاتے ہوئے کہا:

"خدا کے لیے عنبر! میرا خیال پوچھنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ اب سرائے میں چلنے کی فکر کرو۔ ٹھنڈ کے مارے میرا برا حال ہو رہا ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"یار ناگ! میں نے تمہیں بڑے بڑے ڈاکوؤں کے آگے اتنا پریشان ہوتے نہیں دیکھا جتنا تم سردی کے ہاتھوں پریشان ہو رہے ہو۔"

ناگ بولا:

"میں سردی برداشت نہیں کر سکتا عنبر! یہ تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ آؤ اب سرائے میں چلتے ہیں۔ کیا خیال ہے ماریا! تم پہلے جا کر وہاں معلوم نہیں کر لیتیں۔ کہ وہ جادوگرنی کون ہے اور اصل دھندا کیا کرتی ہے؟"

ماریا بولی۔

"ہاں! میرے خیال میں مجھے پہلے ہی جانا چاہیے۔"

اتنا کہہ کر ماریا نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور وہاں سے تیز تیز آگے نکل گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ناگ اور عنبر گھوڑا دوڑائے چل پڑے۔ سردی کی شدت بڑھ گئی تھی اور بارش کے بعد تیز ہوا بدن کو کاٹنے لگی تھی۔ ناگ نے منہ کے گرد گرم کھال لپیٹ لی تھی۔ دوسری طرف ماریا گھوڑا دوڑاتے اس پہاڑی کی پرلی جانب پہنچ گئی جہاں کالے رنگ کے پتھروں سے بنی ہوئی ایک پرانی سرائے ایک طرف کو جھکی ہوئی سی کھڑی تھی۔ ماریا نے اتنی خوفناک سرائے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کی دیوار کے پتھر جگہ جگہ سے اکھڑ گئے تھے۔ ڈیوڑھی کی چھت کا چھجا ایک طرف کو لٹکا ہوا تھا اور مشعل جلنے کی طاق میں چڑیوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ ماریا نے ایک جگہ پر اپنا گھوڑا چھپا دیا اور خود گھوڑے پر سے اتر کر سرائے سے باہر آ گئی سرائے کے باہر آمنے سامنے تخت بچھے تھے۔ جن پر کچھ چینی، تبتی اور منگولیا کے رہنے والے مسافر بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے۔ ماریا ڈیوڑھی میں

سے گزر کر سرائے کے صحن میں آ گئی۔

ڈیوڑھی میں ایک ترچھی آنکھوں والا منگول بیٹھا پہرا دے رہا تھا۔ مگر اس نے ماریا کو نہ دیکھا۔ ماریا غائب جو تھی۔ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ سرائے کے صحن چاروں طرف کمرے اور کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں صحن تھا اور صحن کے اوپر کوئی چھت نہیں تھی۔ کھلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ شام ہو گئی تھی۔ آسمان پر سرخ رنگ کے دو چار ستارے نکل آئے تھے۔ سردی کی وجہ سے صحن میں کوئی مسافر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اصول کے طور پر ڈیوڑھی میں جو کوئی مسافر داخل ہونے لگتا اسے پہرے دار سرائے کی مالک جادوگرنی کے پاس لے جاتا تھا۔ جہاں وہ رات بسر کرنے کا کرایہ ادا کرتا اور پھر اسے اس کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا جاتا۔

لیکن ماریا چونکہ غائب حالت میں اندر داخل ہوئی تھی۔ اس لیے

اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ سرائے کی مالکہ جادوگرنی کس کوٹھڑی میں بیٹھ کر سرائے کا حساب کتاب کرتی ہے۔ اس نے ایک ایک کوٹھڑی دیکھنی شروع کر دی۔ کوٹھڑیوں کے دروازے سردی کی وجہ سے اندر سے بند تھے۔ ماریا نے کان لگا کر ایک ایک کوٹھڑی کی آوازیں سننے کی کوشش کی۔ مگر کسی کوٹھڑی سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ معلوم ہوتا کہ مسافر کھانا کھا کر بہت جلد سو گئے ہیں۔ اس زمانے میں یہی رواج تھا۔ چونکہ مسافر سارا سارا دن سفر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ شام کو تھک کر چور ہو جاتے اور بہت جلد سو جاتے تھے۔ ایک کوٹھڑی کے اندر سے اسے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔ ایک کوٹھڑی کے اندر سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گھوڑا اندر زور زور سے سانس لے رہا ہو۔

ایک کوٹھڑی کے اندر کسی عورت نے بچے کے منہ پر طمانچہ مارا۔ مگر

بچے کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ دیکھتے دیکھتے آخر ماریا اس کوٹھڑی کے پاس آ گئی جہاں سرائے کی مالک جادوگرنی ایک چبوترے پر آگ کے پاس بیٹھی ایک نوجوان چینی سے باتیں کر رہی تھی۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا ماریا بھی اندر داخل ہو گئی اور ایک طرف کھڑی ہو کر سرائے کی مالک کی باتیں سننے لگی۔ جادوگرنی ایک بوڑھی عورت تھی جس کی ناک طوطے ایسی تھی اور آنکھوں الو کی آنکھوں کی طرح گول اور زرد تھیں۔ اس کی شکل بڑی بھیانک اور چڑیلوں جیسی تھی وہ منگولیائی زبان میں بات کر رہی تھی۔ جس کا ایک ایک لفظ ماریا کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ غائب ہونے کے بعد اس میں یہ طاقت آ گئی تھی کہ وہ ہر قسم کی زبان کا مطلب سمجھ جاتی تھی۔ جادوگرنی چینی نوجوان سے کسی ایسے شخص کے بارے میں بات کر رہی تھی جسے شام کو سرائے میں آ جانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں آیا تھا۔ اس نے چینی سے کہا:

"آخر وہ کہاں جا کر گم ہو گیا؟؟ اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔"

چینی نوجوان نے کہا:

"میرا خیال ہے وہ آ رہا ہو گا۔"

جادوگرنی بولی:

"مگر اس کے ساتھی نے تو آ کے پیغام دیا تھا کہ وہ آج پہنچ جائے گا۔ کم بخت جانے راستے میں کہاں مارا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی اس نے درگا دیوں کے مندر میں ہمیں ناامید کیا ہے اور اب جانے چین کے شاہی محل میں جا کر کیا گل کھلائے گا۔"

ماریا کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جادوگرنی مورتی چور کا انتظار کر رہی تھی جس نے درگا دیوی کے مندر سے مورتی چرا کر عنبر پر جھوٹا الزام لگا دیا تھا اور خود فرار ہو گیا تھا اور اب وہ ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو گا۔ ماریا وہاں سے نکل کر واپس اس مقام پر آ گئی جہاں اس کا گھوڑا بندھا

تھی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ واپس نکل گئی۔ راستے میں اسے ناگ، عنبر اور تھا تنک مل گئے۔ اس نے عنبر کو جادوگرنی کی ساری باتیں سنا ڈالیں۔ اور پھر ان کے ساتھ مل کر سرائے کی جانب چلنے لگی۔

چالاک جادوگرنی

عنبر سیدھا سرائے کی مالک جادوگرنی کے پاس آ گیا۔

اس نے جادوگرنی کو بتایا کہ وہ مسافر ہیں اور ہندوستان سے چین کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ رات آ گئی ہے۔ انہیں رات بسر کرنے کے لئے سرائے میں جگہ چاہیے۔ جادوگرنی نے عنبر کو اور عنبر نے جادوگرنی کو بڑے غور سے گھور کر دیکھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں غیر معمولی جادو کی چمک نظر آئی۔ جادوگرنی خاص طور

پہ عنبر سے متاثر ہوئی۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک دیکھ لی تھی۔ اس سے پہلے یہ چمک اسے کسی انسان کی آنکھوں میں نظر نہیں آئی تھی۔ عنبر کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے جادوگرنی نے پوچھا:

''یہ چینی لڑکی جو تمہارے ساتھ ہے یہ کون ہے؟ کیا یہ تمہاری کنیز ہے؟''

عنبر نے سوچا کہ اگر اس نے یہ کہا کہ تھانک اس کی بہن ہے تو جادوگرنی کو کبھی یقین نہیں آئے گا۔ کیونکہ ایک چینی لڑکی ایک مصری نوجوان کی بہن کیسے ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے اس نے سوچا کہ تھانک کو اپنی کنیز یعنی نوکرانی ظاہر کرے۔ کیوں کہ اس زمانے میں کنیز رکھنا کوئی بری بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا:

''ہاں! یہ چینی لڑکی میری کنیز ہے اور یہ میرا بھائی ہے۔''

ماریا بھی جادوگرنی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اچانک جادوگرنی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس کی الوانی زرد آنکھیں گھبرا گئیں۔ اس نے بے چینی کے عالم میں پہلو بدلا اور پھر دائیں بائیں دیکھ کر بولی۔

''تمہارے ساتھ اور کون سفر کر رہا ہے؟''

عنبر نے کہا:

''بس ہم تینوں ہی سفر کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ تم خود دیکھ سکتی ہو۔ ہم تینوں ہی یہاں کھڑے ہیں۔''

جادوگرنی نے بے چینی سے کہا:

''نہیں! نہیں! یہاں کوئی اور شخص بھی کھڑا ہے۔ مجھے کسی عورت کے بدن کی بو آ رہی ہے۔''

ماریا اور عنبر حیران رہ گئے کہ یہ کس بلا کی جادوگرنی ہے کہ اس نے غائب ہو چکی ماریا کے وجود کو قریب کھڑا محسوس کر لیا۔ ماریا جلدی سے

پرے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ اب سرائے کی جادوگر مالکن نے ایک گہرا سانس بھرا اور بولی:

''معلوم ہوتا ہے ابھی ابھی کوئی عورت میرے قریب سے ہو کر گزری ہے۔''

زندگی میں پہلی بار ماریا محتاط ہوئی۔ جب سے وہ غائب ہوئی تھی اسے کبھی کسی نے اپنے قریب محسوس نہیں کیا تھا۔ کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے پاس کھڑی ہے یا اس کے قریب سے ہو کر گزری ہے۔ بہر حال ماریا کے الگ ہو کر کھڑے ہونے سے بات ٹل گئی مگر جادوگرنی کو عنبر اور اس کے ساتھیوں پر شک سا پڑ گیا تھا کہ کہ یہ کوئی عجیب و غریب سے لوگ ہیں۔ عنبر کی آنکھوں میں تو جادوگرنی کو ایسا معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے اندر جادو کا خزانہ چھپائے ہوئے ہے۔

جادوگرنی مالکہ نے انہیں نوکر کے ساتھ ایک کوٹھڑی کی طرف بھیج دیا۔ چینی نوجوان نے ان کے جانے کے بعد کہا: ''کیا بات تھی؟ تم بے چین کیوں ہوگئی تھیں خالہ؟''

جادوگرنی بولی:

تم ابھی بچے ہو۔ تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکو گے۔ جاؤ تم جا کر اپنی کوٹھڑی میں آرام کرو۔''

جب وہ چینی نوجوان جانے لگا تو جادوگرنی نے اسے بلا کر کہا:

''لیکن نہیں! میں تمہارے ذمے ایک کام لگاتی ہوں۔ تم آج کی رات ان مسافروں کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دو اور یہ معلوم کرو کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کس غرض کے ساتھ اس سرائے میں اترے ہیں؟ اور کس مقصد کو سامنے رکھ کر چین کی طرف جا رہے ہیں؟''

چینی نوجوان نے کہا:

"لیکن خالہ! میں ۔۔۔ میں ۔۔۔ میرا مطلب ہے میں کیسے پہرہ دوں گا؟ وہ لوگ مجھے دیکھ کر کیا سوچیں گے؟"

جادوگرنی نے ڈانٹ کر کہا:

"چاہے کچھ سوچیں! تمہیں پہرہ دینا ہو گا۔ تم چوکیدار کا بھیس بدل کر کوٹھڑیوں کے سامنے چکر لگانا اور موقع ملتے ہی عنبر کی کوٹھڑی میں کان لگا کر یا جھانک کر معلوم کرنا کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"بہت بہتر خالہ۔"

"چینی نوجوان کو یہ کام مجبوراً کرنا پڑ رہا تھا۔"

اِدھر اپنی کوٹھڑی میں جا کر عنبر نے دروازہ بند کر دیا اور بولا:

"ماریا! تم کہاں ہو؟"

"میں یہاں کھڑی ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"کمال ہے۔ یہ جادوگرنی تو کوئی بڑی زبردست عورت معلوم ہوتی ہے۔ تمہاری موجودگی کا احساس ہمیں نہیں ہوتا۔ مگر اس جادوگرنی کو ہو گیا۔ یہ کیا بات ہے۔"

ماریا نے کہا:

"میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا بات ہے۔"

ناگ نے کہا:

بات یہ ہے کہ جانوروں کی طرح جادوگرنی کی حس بھی بہت تیز ہے۔ جانور بھی ماریا کی موجودگی سے بدک جاتے ہیں۔ یہی حال جادوگرنی کا ہے۔ اس میں اس کے کمال کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک عام چال باز جادوگرنی ہے جو چند ایک چھوٹے ٹونوں سے جانتی ہے اور بس۔ تم لوگوں کو اس کے بارے میں زیادہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ۔۔۔"

ماریا نے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ ہمیں بے فکر ہو کر رہنا چاہیے اور پھر ہمیں یہاں ایک ہی رات کی رات ہی تو ٹھہرنا ہے۔"

عنبر بولا:

"ٹھیک ہے۔ اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔ لیکن اگر یہاں کچھ کھانے کو مل جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

ناگ نے اسی وقت باہر جا کر ایک نوکر سے کہا:

"کھانے کو یہاں کیا کیا ہوگا؟"

نوکر نے کہا:

"اس وقت سوائے بکری کے دودھ کے آپ کو اور کچھ نہیں مل سکتا۔"

ناگ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سرائے میں سوائے بکری کے دودھ کے اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ سب نے بکری کے دودھ کا ایک پیالہ منگوکر پیا اور بستروں میں گرم ہو کر لیٹ گئے۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی اور کمرہ خوب گرم ہو رہا تھا۔ جب کہ باہر بہت سخت سردی تھی اور تیز ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ رات پڑتے ہی باہر برآمدے میں چینی نوجوان نے پہرے دار کے لباس میں گشت لگانی شروع کر دی وہ چلتے ہوئے ہر ایک کوٹھڑی کے دروازے پر جا کر کچھ دیر کے لیے رک رکتا۔ دروازے کے ساتھ کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا اور پھر آگے ٹہلنے لگتا۔

عنبر اور ناگ وغیرہ جس کوٹھڑی میں تھے۔ اس کے دروازے پر بار بار آ کر رکتا۔ دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا مگر اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عنبر اور ماریا سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ جادوگرنی کی وجہ سے وہ بڑی احتیاط کو نے

لگے تھے اور انہیں خیال تھا کہ باہر ضرور کوئی نہ کوئی ان کی باتیں سن رہا ہوگا۔ چنانچہ وہ بڑی آہستگی سے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر ماریا سے کہہ رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم باہر نکل کر ایک چکر سرائے کے باہر کا لگاؤ۔ اگر سورتی چور آگیا ہو تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ جادوگرنی کے ساتھ کیا باتیں کر رہا ہے۔"

"بہت بہتر! میں ابھی جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر ماریا چپکے سے اٹھی اور دروازے کے پاس آگئی۔ باہر کی طرف چینی نوجوان پہرے دار کے بھیس میں دروازے کے ساتھ کان لگائے جھکا کھڑا تھا۔ اس نے کسی کے پاؤں کی چاپ سنی جو دروازے کی جانب آرہی تھی۔ پہرے دار جلدی سے پیچھے ہٹ کر کونے میں اندھیرے کی جانب آگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دروازہ

اپنے آپ کو کھلا اور اپنے آپ بند ہو گیا۔ پہرے دار کی تو عقل گم ہو گئی۔ یہ منظر اس نے صاف طور پر دیکھا تھا کہ دروازہ کھلا۔ اس کا ایک پٹ علیحدہ ہوا۔ کوئی اندر کی طرف نہیں تھا۔ کوئی باہر کی طرف نہیں تھا۔ دروازہ کھل کر اپنے آپ بند ہو گیا۔

اس وقت ماریا باہر نکل گئی تھی۔ ماریا نے اندھیرے میں چینی پہرے دار کو کھڑے دیکھا تو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہوگئی کہ یہ پہرے دار ان کی کوٹھڑی کے سامنے کیا کر رہا ہے۔ جب کوٹھڑی کا دروازہ بند ہو گیا تو پہرہ دار اندھیرے میں نکل کر روشنی میں آگیا۔ اس نے دائیں بائیں غور سے دیکھا اور پھر جھک کر کوٹھڑی کے دروازے سے کان لگا دیے۔ اب ماریا سمجھ گئی کہ جادوگرنی کی طرف سے یہ شخص ان کی جاسوسی کر رہا ہے۔ اسے بڑا غصہ آیا اور اس نے سوچ کہ اس پہرے دار کو جاسوسی کرنے کا تھوڑا سا مزا

چکھانا چاہیے۔ چنانچہ یہ سوچ کر وہ پہرے دار کے قریب آئی۔ جھک کر اس کے کان میں کہا:

''میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔''

یہ سن کر پہرے دار کی چیخ نکل گئی۔ اس نے ڈر کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ حیران سا ہوا۔ پھر اس نے ہنس کر گردن جھٹکی۔ جیسے کہہ رہا ہو، میں بھی کتنا احمق ہوں۔ بھلا کسی بھوت کا یہاں کیا کام؟ وہ مسکرا کر دوسری بار جھک کر دروازے کے سوراخ میں سے اندر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اب ماریا نے پیچھے سے آ کر ایک زوردار لات پہرے دار کی پیٹھ پر دے ماری۔ پہرے دار منہ کے بل آگے کی جانب گرا اور اٹھ کر چیختا چلاتا ایک طرف بھاگ گیا۔ اس کی چیخ و پکار کی آوازیں سن کر ایک کوٹھڑی میں سے ایک عورت اور مرد دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔

''کون ہے؟ یہ کون چیخیں مار رہا ہے؟''

مرد تو زور زور سے پکار رہا تھا۔ مگر پہرے دار تو وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ اس مرد کی بیوی نے کہا:

''اندر آ جائیں۔ یہ ضرور کوئی بھوت ہوگا۔''

مرد نے چھاتی پھلا کر کہا:

''اری بیگم! بہت دیکھے ہیں ہم نے بھوت! کم بخت اگر بھوت سامنے آ جائے تو ایسی لات ماروں کہ نانی یاد آ جائے اس کو۔''

ماریا اس کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ جب مرد مرغے کی طرح سینہ پھلا کر اندر جانے لگا تو ماریا نے پیچھے سے ایک لات اس کی پیٹھ پر بھی دے ماری۔ مرد نے ہڑبڑا کر پوچھا:

''بیگم! یہ لات تم نے ماری ہے؟''

بیگم نے کانپتے ہوئے کہا:

"نہیں۔۔۔ میں نے لات نہیں ماری۔"

مرد نے چیخ مار کر کہا:

"تو پھر یہاں ضرور کوئی بھوت ہے۔۔۔ اندر بھاگ چلو۔"

دونوں میاں بیوی لپک کر اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔ ماریا کو پتا چل گیا کہ جادوگرنی نے ایک شخص کو ان کی جاسوسی پر لگا دیا ہے۔ اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ جاسوس کون ہے۔ ظاہر ہے کہ جادوگرنی کا کوئی اپنا خاص آدمی ہو گا۔ ماریا نے جاسوس کا پیچھا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہ وہاں سے سیدھی جادوگرنی کی کوٹھڑی کی طرف آ گئی۔ جادوگرنی کی کوٹھڑی بند تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سنا کہ جادوگرنی اندر کوئی منتر پڑھ رہی تھی۔ اس نے دروازے کی درز میں سے دیکھا۔ جادوگرنی کے پاس وہی مورتی چور اور اس کا ساتھی بیٹھے تھے۔ جادوگرنی منتر پڑھ کر

آگ میں کوئی شے ڈالتی۔ شعلہ بھڑکتا اور پھر آگ اصلی حالت میں آ جاتی۔ ماریا اب کسی طرح کوٹھڑی کے اندر داخل ہونا چاہتی تھی تاکہ یہ معلوم کرے کہ مورتی چور اور جادوگرنی کیا سازش کر رہے ہیں۔ اس نے دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ جادوگرنی نے مورتی چور کی طرف دیکھا۔ مورتی چور نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ جادوگرنی نے آگ بجھا کر اوپر بڑا سا تھال الٹا رکھ دیا اور شمع روشن کر دی۔ مورتی چور کے ساتھی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ دروازے کے بیچ میں کھڑا تھا اور ماریا اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ ماریا نے ذرا پرے ہٹ کر آہستہ سے آواز دی

"ادھر آؤ۔۔۔ جلدی سے۔"

چور کا ساتھی اس طرف گیا تو ماریا چپکے سے اس کے قریب سے گزر کر کوٹھڑی میں داخل ہو گئی۔ وہ کونے میں لگ کر کھڑی ہو گئی۔

جب چور کے ساتھی نے آکر بتایا کہ اسے برآمدے میں کسی نے آواز دی اور پھر کچھ دکھائی نہیں دیا تو جادوگرنی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے گہرا سانس لیا اور بولی:

''اس میں ضرور کوئی راز ہے۔''

مورتی چور نے پوچھا:

''راز؟ کون سا راز؟''

''شی۔۔۔۔ خاموش!''

جادوگرنی پر پھر وہی بے چینی طاری ہوگئی۔ اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں۔ اس نے چاروں طرف کوٹھڑی میں نظر گھما کر سرگوشی میں کہا۔

''مجھے کسی عورت کی بو آرہی ہے۔ یہاں کوئی عورت موجود ہے۔''

''کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو خالہ! ہمیں تو یہاں کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔''

مگر جادوگرنی نے کوٹھڑی کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ چکر وہ اس طرح لگا رہی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ ماریا سخت پریشان ہوگئی۔ یہ بات اس کے لیے بڑی تشویش ناک تھی کہ جادوگرنی نے اٹھ کر اسے تلاش کرنا شروع کر دیا تھا وہ جدھر جادوگرنی جاتی دوسری طرف ہٹ جاتی۔ مگر آخر کہاں تک بھاگتی؟ ایک دفعہ تو جادوگرنی اس کے جسم کو پکڑنے ہی والی تھی کہ ماریا نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ ٹھوکر سے ایک برتن لڑھک گیا۔ جادوگرنی نے چیخ کر کہا:

''اندر کوئی ہے۔۔۔۔ پکڑو اسے۔''

ماریا لپک کر دروازے کی طرف آئی اور اسے کھول کر باہر بھاگ

گئی۔ جادوگرنی نے فاتحانہ نظروں سے مورتی چور کو دیکھا اور کہا:

میں نہ کہتی تھی کہ اندر کوئی موجود ہے۔ وہ دیکھو غیبی عورت بھاگ گئی ہے۔

کافر جن کا قتل

ماریا بھاگ کر اپنی کوٹھڑی میں آ گئی۔

اس نے عنبر اور ناگ کو ساری بات سنائی اور بتایا کہ جادوگرنی اس کی بو سونگھ لیتی ہے۔ اگر وہ ہوشیاری سے کام نہ لیتی تو جادوگرنی نے اسے ضرور پکڑ لیا ہوتا۔ ماریا نے انہیں بتایا کہ جادوگرنی کوئی بڑی ہی مکار عورت ہے اور وہ مورتی چور کے ذریعے چین کے شاہی محل کے جواہرات خود حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ان جواہرات میں ایک نایاب اور انمول ہیرا زرقاب نامی ہے۔ جادوگرنی ہمیشہ جوان رہنے کے لیے کوئی خاص عمل کر رہی ہے۔ اس عمل کے لیے اسے زرقاب ہیرے کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ جادوگرنی وہ ہیرا حاصل کرنے

کے لیے چور کو استعمال کر رہی ہے کہ وہ شاہی محل کے سارے ہیرے چرا کر لے آئے۔ کیونکہ چور زرتاب ہیرے کو پہچان نہیں سکتا۔ عنبر نے کہا:

"جادوگرنی کے پاس جادو کی طاقت کتنی ہے؟"

ماریا نے کہا:

"اگرچہ اس کے پاس کوئی غیر معمولی اور زیادہ طاقت نہیں ہے۔ لیکن اتنی ضرور ہے کہ وہ میرے غائب ہونے کے باوجود میری بو سونگھ لیتی ہے۔"

"یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔"

ناگ بولا:

"ہمارے بارے میں اس کا کیا خیال ہے۔"

ماریا نے کہا:

"ہمیں وہ اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی سازش سے ہم واقف ہیں اور ہم بھی ملک چین جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہم اس راز کو بادشاہ کے آگے فاش کر دیں اور وہ زرتاب ہیرے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے۔"

عنبر نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑا ہی قیمتی ہیرا ہے۔ جب ہی تو وہ اسے اپنے خاص محل کے لیے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ اس راز کو اپنے تک ہی رکھیں اور اگر چین کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ نیک سلوک کیا تو اس پر ظاہر کر دیں اور یوں اسے خطرے سے بچا لیں۔"

ناگ کہنے لگا:

"عنبر بھائی! مجھے اجازت دو کہ میں اس جادوگرنی کو ابھی ہلاک

کر دوں۔

عنبر نے کہا:

"نہیں ناگ بھائی! ہمیں صبر اور تحمل سے کام لینا چاہیے ابھی تک اس نے ہمارے بارے میں کوئی شدید قدم نہیں اٹھایا۔ ہاں اگر اس نے ہم پر حملہ کروایا تو پھر ہم اپنے بچاؤ کے لیے کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔"

تھاتنک بولی:

"ابھی آدھی رات باقی ہے۔ میرے خیال میں ہمیں ابھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیوں کہ جادوگرنی ضرور ہمیں مروانے کی کوشش کرے گی۔"

ماریا نے کہا:

میرا خیال بھی یہی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے نہ رہے

گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔"

عنبر بولا:

یہ تو بزدلی ہوگی۔ اور پھر آدھی رات کو اندھیرے میں ہم کہاں ٹکریں مارتے پھریں گے۔ اگر جادوگرنی ہمارے خلاف کوئی قدم اٹھاتی ہے تو اسے ایسا کرنے دیں۔ ہم پوری طرح اپنا بچاؤ کریں گے۔"

"اگر تمہاری یہی رائے ہے بھائی! تو پھر تم لوگ آرام کرو میں باہر پہرہ دیتی ہوں۔ اگر خطرہ ہوا تو جگا دوں گی۔" ماریا نے کہا۔

ناگ بولا:

"میں بھی ماریا بہن کے ساتھ پہرہ دوں گا۔"

ماریا کہنے لگی:

نہیں۔۔۔ نہیں ناگ بھائی! تم آرام کرو۔ میں اکیلی ہی کافی

ہوں۔“

”مگر جادوگرنی کو تمہاری موجودگی کا احساس ہو جاتا ہے۔“

”پھر کیا ہوا۔ میں اس سے دور ہٹ کر کھڑی ہوں گی اور پھر میں اس کے کمرے میں تھوڑے جا رہی ہوں۔ میں تو اپنے دروازے پر ہی رہوں گی اور اگر کوئی خطرہ ہوا بھی تو میں تمہیں فوراً جگا دوں گی۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔“

”اچھا! اب تم لوگ آرام کرو۔ میں باہر جا کر پہرہ دیتی ہوں۔“

ماریا کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ صحن میں گھپ اندھیرا تھا۔ برآمدے کے کونے میں کوئی مشعل بھی نہیں جل رہی تھی۔ وہاں بھی گھپ اندھیرا تھا۔ صرف آسمان پر ستاروں کی شمعیں جل رہی تھیں جن کی ہلکی ہلکی روشنی میں کوٹھڑی کے دروازے دھندلے دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ ماریا اپنے دروازے سے ہٹ کر ذرا پرے

صحن میں ایک جگہ پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گئی اور دیکھنے لگی کہ جادوگرنی کی کوٹھڑی سے کون باہر آتا ہے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ جادوگرنی کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور اندر سے مورتی چور کا ساتھی باہر نکلا۔ اس نے چہرے پر کپڑا باندھ رکھا تھا اس کے ایک ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے جادوگرنی بھی باہر نکل آئی۔

اب ماریا کے لیے سامنے آنا ذرا مشکل ہو گیا۔ کیوں کہ جادوگرنی اس کی بو سونگھ لیتی اور اسے پکڑ لیتی۔ ماریا دوسری طرف ہٹ گئی۔ جادوگرنی چور کے ساتھی کو عنبر کی کوٹھڑی کے باہر لے آئی۔ پھر اس کے کان میں جھک کر کچھ کہا۔ چور کا ساتھی تلوار لے کر کوٹھڑی کے اندر چلا

گیا۔ ماریہ بڑی پریشان ہوگئی۔ اسے خطرہ تھا کہ اندر جا کر چور کا ساتھی کسی نہ کسی کو ضرور قتل کر دے گا۔ وہ دعائیں مانگنے لگی کہ عنبر یا ناگ میں سے کوئی نہ کوئی جاگ رہا ہو۔ جادوگرنی نے بڑی مکاری سے کام لیا اور وہ دروازے کے باہر خود کھڑی ہوگئی۔

ماریہ نے ایک بار اندر جانے کی کوشش بھی کی لیکن جادوگرنی نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ ماریہ پھر دور ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ اب ذرا اندر کا حال سنیں۔ خوش قسمتی سے ناگ جاگ رہا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دروازہ کھلا تو وہ یہ سمجھا کہ ماریہ دوبارہ اندر آگئی ہے۔ مگر اس کی جگہ چور کا ساتھی چہرے پر ڈھاٹھا باندھے اور ہاتھ میں تلوار لیے آگیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ اس بدبخت کی موت اسے اندر گھیر لائی ہے۔ اب اگر وہ ذرا دیر سے کام لیتا تو وہ شخص کسی نہ کسی کو تلوار مار کر ضرور ہلاک کر ڈالتا۔ مصیبت یہ تھی کہ دروازے کے پاس ہی تھا تنگ سوئی

ہوئی تھی اور چور کا ساتھی بڑی آسانی سے اسے قتل کر سکتا تھا اور ناگ کو اتنا موقع بھی نہ ملتا کہ وہ انسان سے سانپ کی جون میں آ کر اسے ڈس سکے۔ مگر چور کے ساتھی کو خیال آیا کہ پہلے عنبر کو مارنا چاہیے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر عنبر کی چارپائی تلاش کرنے لگا۔ اس دوران میں ناگ کو وقت مل گیا۔

اس نے اپنے اوپر چپکے سے گرم لحاف کر لیا۔ لحاف کے اندر ہی اندر آنکھیں بند کر کے پھنکار ماری اور وہ انسان کی جون سے سانپ کی جون میں آگیا۔ سانپ بنتے ہی وہ فوراً رینگ کر لحاف سے باہر آگیا اور قاتل کے پیچھے نکل آیا۔ قاتل نے عنبر کے بستر کو تلاش کر لیا تھا۔ اس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر خنجر عنبر کے سینے میں دل کے پاس گھونپ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک چیخ کی آواز بلند ہوگی اور پھر خون کا فوارہ چھوٹنے لگا اور وہ عنبر کو تڑپتا چھوڑ کر دوسرے

آدمی ہر حملہ کر دے گا۔

لیکن ان سے کچھ بھی نہ ہوا، نہ عنبر نے چیخ ماری، نہ اس کے سینے سے کوئی خون نکلا، عنبر نے چپکے سے سینے میں سے خنجر نکال کر قاتل کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا:

"ایک بار پھر کوشش کرو۔"

قاتل کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں۔ وہ جو منظر دیکھ رہا تھا ایسا منظر اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو بت بنا عنبر کو دیکھتا ہی دیکھتا رہ گیا۔ سانپ اس وقت پھن پھیلا کر قاتل کے سامنے آ گیا اور اپنی پتلی زبان نکال کر پھنکارنے اور جھومنے لگا۔ قاتل کی رہی سہی ہمت بھی ختم ہو گئی۔ وہ الٹے پاؤں بھاگ اٹھا۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا ہی تھا کہ سانپ نے اس کی پنڈلی پر ڈس دیا اور واپس کوٹھڑی میں چلا گیا۔ ماریا پرے کھڑی تھی اس نے دیکھا کہ قاتل کا

ساتھی بری طرح لڑکھڑا کر زمین پر گرا ہے۔ جادوگرنی لپک کر اس کی طرف اندھیرے سے نکل کر آئی اس پر جھک گئی۔

چور کے ساتھی نے ہچکی لے کر کہا:

"سانپ ۔۔۔ سانپ نے ڈس دیا۔ وہ ۔۔۔ وہ مرا نہیں۔ میں نے خنجر مارا ۔۔۔ دل میں ۔۔۔ مگر ۔۔۔ وہ ۔۔۔ وہ مرا نہیں۔ خون نہیں نکلا۔ وہ انسان نہیں دیوتا ۔۔۔ دیوتا ہے۔"

اور ایک ہچکی لے کر قاتل مر گیا۔

جادوگرنی اسے گھسیٹتی ہوئی اپنی کوٹھڑی کے اندر لے گئی اور دروازہ بند کر دیا، ماریا بھاگ کر دروازہ کے پاس آئی اور دروازہ میں سے اندر دیکھنے لگی۔ جادوگرنی نے مورتی چور کو جگا کر کہا:

"اسے سانپ نے ڈس دیا ہے۔ مگر اتنی سردی میں وہاں سانپ کہاں سے آ گیا؟ یہ کہتا ہے عنبر کے سینے میں اس نے خنجر گھونپا۔ مگر نہ تو

خون نکلا اور نہ ہی وہ زخمی ہوا۔۔۔۔ وہ دیوتا ہے۔۔۔۔ ضرور یہ شخص کوئی زبردست جادوگر ہے۔"

موریتی چور نے کہا:

"پھر اب کیا ہوگا؟ اگر وہ سچ مچ کوئی زبردست جادوگر ہے ہے تو ہم اپنی سازش میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے وہ تو جادو کے زور سے ہمارے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا۔"

جادوگرنی نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:

افراسیاب جادوگر کے حکم سے میں اس کی جادوگری کو آزماؤں گی اور شکست دوں گی۔ میں ابھی اس پر جادو کرتی ہوں۔ اس کی کوٹھڑی میں ایک خوفناک جن کو بھیجتی ہوں جو ان تینوں کو قتل کردے گا۔ یہ لوگ میرے جن سے نہیں بچ سکیں گے۔"

ماریا بھاگ کر عنبر کے پاس آئی اور انہیں خبردار کردیا کہ جادوگرنی

کسی جن کو بھیج رہی ہے تاکہ وہ انہیں قتل کردے۔ عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ناگ پھر سے اپنی انسان کی جون میں آچکا تھا۔ ناگ نے کہا:

"کم از کم تمہیں تھا نگ اور ماریا کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے عنبر! اس وقت اس کی بہت ضرورت ہے کہ تم اپنے بہرام جن سے مدد طلب کرو۔ ارووہ اب کام نہیں آئے گا تو پھر کب کام تہیں آئے گا تو پھر کب کام آئے گا۔"

عنبر نے محسوس کیا کہ معاملہ نازک صورت اختیار کرگیا ہے۔ اگر سچ مچ جادوگرنی نے جادو کے زور سے اپنے کسی قابو کیے ہوئے جن کو وہاں بھیج دیا تو وہ خود تو بچ جائیگا مگر ناگ، تھا نگ اور ماریا کو اس بھیانک جن کے چنگل سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ چنانچہ اس نے بہرام جن سے مدد لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے آنکھیں بند کرکے بہرام جن کا تصور آنکھوں میں کیا اور آہستہ سے آواز دی:

"بہرام! تم جہاں کہیں بھی ہو میری آواز کو سنو اور میری مدد کو پہنچو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے بہرام جن اس کے پاس کھڑا تھا۔ مگر اسے سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بہرام جن نے مسکرا کر پوچھا:

آپ نے مجھے بڑی دیر کے بعد یاد کیا ہے میرے آقا! کیا بات ہے آپ کو میری ضرورت نہیں تھی کیا؟"

عنبر نے کہا:

"بہرام! یہ باتیں پھر بھی کروں گا۔ پہلے یہ سنو کہ ابھی ابھی یہاں ایک جن کو بھیجا جا رہا ہے کہ ہم سب کو قتل کر دیا جائے۔ یہ جن افراسیاب کے بادشاہ کا جن ہے۔ تم ہمیں اس سے بچاؤ۔"

جن نے ہنس کر کہا:

"یہ کون سی بڑی بات ہے، میرے آقا! میں میں سلیمان علیہ

السلام کا توحید پرست جن ہوں۔ وہ تو میرا ابھی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ ابھی آپ دیکھ لیں کہ اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر بہرام غائب ہو گیا۔

اتنے میں دروازہ ایک دم ٹوٹ کر گر پڑا۔ ایک بھیانک قہقہہ گونجا اور فرش پر سے کسی نے تخت اٹھا کر چھت پر یوں دے مارا جیسے وہ کوئی لکڑی کا کٹورا ہو۔ تخت پوش فرش پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تھاتگ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی اور رونے لگی۔ اب جادوگرنی کا جن نمودار ہوا۔ وہ ایک خوف ناک سینگوں والا جن تھا جس کا سر اوپر چھت کے ساتھ ٹکرا رہا تھا۔ اس کے دانت بڑے لمبے لمبے تھے اور ہاتھ زمین کو چھو رہے تھے۔ تھاتگ عنبر کے پیچھے آ کر چھپ گئی۔

عنبر نے کہا:

"اے افراسیاب کے جن! اگر تم اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو جن

قدموں سے چل کر آئے ہو انہیں قدموں سے چل کر واپس چلے جاؤ۔"

جن نے ایک اور قہقہہ لگایا اور عنبر کو اٹھا کر چھت کے ساتھ دے مارا۔ اگر عنبر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے بدن کے پرنچے اڑ جاتے۔ مگر عنبر چونکہ مر نہیں سکتا تھا اس لیے اس کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اب بہرام نے اپنا کام دکھایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے افراسیاب کے جن کی گردن پر ایک پتھر آکر لگا اور وہ زمین پر جھک گیا۔ اس کے بعد کسی نے ایک لمبی تلوار اس کے سینے میں گھونپ دی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور تڑپنے لگا۔ بہرام جن نے تلوار کھینچ کر اس کی گردن تن سے اڑا دی اور پھر اس کے جسم کے ٹکڑے اٹھا کر باہر صحن میں پھینک دیے۔

باہر ماریا کھڑی تھی۔ اس نے اندھیرے میں لاش کے ٹکڑے فرش پر گرتے دیکھے تو سمجھ گئی کہ عنبر نے بہرام جن کو بلوا کر اس سے

جادوگرنی کے جن کو ہلاک کروا دیا ہے۔ جادوگرنی نے جب دیکھا کہ اس کے جن کے ٹکڑے اڑا دیے گئے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگی اور اپنی کوٹھڑی میں آکر اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور آگ کے پاس افراسیاب کے بت کے آگے سجدے میں گر کر تھر تھر کانپنے لگی۔ افراسیاب کی آواز آئی کہ اے ہماری جادوگرنی تم نے بڑی غلطی کی جو ہمارے جن کو سلیمان علیہ السلام کے جن سے لڑایا۔ اس میں ہمارے جن کی شکست لازمی تھی۔ کیوں کہ میری طاقت سلیمان علیہ السلام کی طاقت سے بہت کم ہے۔

اب بھی عقل سے کام لو اور اپنی اس حرکت سے باز آجاؤ۔ نہیں تو جس آدمی کے پاس بہرام نامی جن ہے وہ تمہیں بھی قتل کر سکتا ہے۔

جادوگرنی تھر تھر کانپتی رہی۔ ادھر ماریا عنبر کے پاس آگئی۔ جن کے ہلاک ہونے پر انہوں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ دروازہ بند کر کے وہ

اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے اور جنوں کی لڑائی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ عنبر کا خیال تھا کہ اب جب کہ ان کی طاقت کی دہشت جادوگرنی پر بیٹھ گئی ہے۔ وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ ان سے کبھی مقابلہ نہیں کرے گی۔

"اس لیے بہتر ہے کہ ہم سورج کی پہلی کرن کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جائیں۔"

اور یہی ہوا۔ ابھی دن پوری طرح سے نہیں نکلا تھا کہ عنبر، ناگ اور تھانگ جادوگرنی کی ڈیوڑھی میں اس کے پاس آ گئے۔

شگوفہ چڑیل

جادوگرنی انہیں اپنے پاس دیکھ کر ڈر گئی۔

اس نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا کہ کیا وہ لوگ جا رہے ہیں؟

عنبر نے جادوگرنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ ہاں وہ جا رہے ہیں۔ اس دوران میں ماریا بھی اس کے پاس آ گئی۔ جادوگرنی نے ماریا کی بو سونگھ لی تھی۔ مگر وہ ڈر کے مارے بول نہیں رہی تھی۔ آخر ماریا نے خود ہی چبوترے پر سے ایک تھالی اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دی۔ جادوگرنی حیرانی سے تھالی کو تکتی رہی اور پھر بھی کچھ نہ بولی۔ عنبر

نے پوچھا:

"کہو خالہ! اب کیسی طبیعت ہے؟ کیا اب بھی جنگ کرنے کا کوئی خیال ہے؟"

جادوگرنی نے عنبر کی نظروں سے گھبرا کر کہا:

"میں کسی کے ساتھ بھلا کیا جنگ کر سکتی ہوں۔ میں تو ایک غریب کمزور سی عورت ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر آدھی رات کو ہمارے کمرے میں جن کس لیے بھیجا تھا؟"

جادوگرنی نے مکاری سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"سامری کی قسم! میں نے کسی جن کو نہیں بھیجا۔ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ کسی کے خلاف کچھ کرنے کی۔ میں تو ایک غریب کمزور سی عورت ہوں۔"

عنبر نے ہنس کر طنزیہ انداز میں کہا:

"میں سب سمجھتا ہوں کہ تم کتنی کمزور اور غریب عورت ہو۔ اگر مجھ میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ زندہ رہتا تو تمہارا جن پہلے ہی وار میں مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔ بہرحال اب ہم ملک چین کی طرف جا رہے ہیں۔ تم ہمارے خلاف جو کچھ کرنا چاہتی ہو کر لو۔ ہم جہاں بھی ہوں گے تمہارا مقابلہ کریں گے۔"

اتنا کہہ کر عنبر، ناگ، ماریا اور تھانگ سرائے سے باہر نکل آئے اور جادوگرنی انہیں دیکھتی ہی رہ گئی۔ جب وہ چلے گئے تو جادوگرنی نے اسی وقت مورتی چور کو ساتھ لیا اور اپنی کوٹھڑی میں آ کر دروازہ بند کر لیا۔ اس نے چور سے کہا:

"یہ تمہاری جواں مردی کا امتحان ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ تم میں کتنی بہادری اور بزدلی ہے۔ اس سے پہلے تم نے بزدلی دکھائی تھی اور

مرتے مرتے بچے تھے۔ اگر اب کی بار بھی تم نے بہادری سے کام نہ لیا تو یاد رکھو میرا جادو تمہیں جہاں بھی تم ہو گے جلا کر بھسم کر دے گا۔"

موری چور نے ڈرتے ہوئے کہا:

"خالہ! اس بار میں بزدلی نہیں دکھاؤں گا۔ میں بہادری سے کام لوں گا اور تمہیں شاہی محل میں سے بادشاہ کے سارے ہیرے چرا کر لا دوں گا۔ لیکن تم بھی اپنی شرط یاد رکھنا۔ مجھے آدھے ہیرے مل جانے چاہئیں۔"

جادوگرنی نے کہا:

"ضرور ضرور! میں نے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کروں گی۔ لیکن اگر تم نے کسی وجہ سے یہ کام نہ کیا اور وہیں سے بھاگ گئے تو یاد رکھو تمہارا بھی وہی انجام ہو گا جو تمہارے ساتھی کا ہوا۔"

موری چور بولا:

"سوال یہ ہے کہ یہ لوگ جو میرے آگے آگے چین جا رہے ہیں میرے لیے پریشانی ضرور پیدا کریں گے۔ انہیں میری شکل کا بھی پتا چل گیا ہے اور یہ میری سازش سے بھی واقف ہیں۔ کیا ان پر تمہارا جادو نہیں چل سکتا۔"

جادوگرنی موری چور کو یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ ان لوگوں سے پہلے ہی شکست کھا چکی ہے۔ اس نے گردن اکڑا کر کہا:

"کیوں نہیں چل سکتا؟ میرا جادو بڑا زبردست ہے۔ یہ پہاڑ کے پتھروں میں بھی شگاف پیدا کر سکتا ہے۔ میں اگر چاہوں تو آسمان کا ٹکڑا اتار کر زمین پر پھینک دوں اور زمین کا ٹکڑا اٹھا کر آسمان پر لگا دوں۔ میں جادو کے زور سے ان لوگوں کی نگرانی کروں گی اور تمہیں ہر قدم پر اپنی مدد پہنچاؤں گی۔"

پھر جادوگرنی نے آگ جلا کر جادو کے منتر پڑھنے شروع کر

دیے۔ وہ منتر پڑھ پڑھ کر آگ میں پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینکے جا رہی تھی۔ پھر اس نے گلے میں سے سبز منکوں کی مالا اتار کر اس کو پھیرنا شروع کر دیا۔ مالا پھیرتے پھیرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس آگ کے گرد چکر لگائے اور ایک ہنڈیا کو الٹا زمین پر رکھ کر اس سے پوچھا:

”عنبر اور اس کے ساتھی جہاں کہیں بھی ہوں ان کی نگرانی کرو اور مجھے ایک ایک پل کی خبر دو۔۔۔۔۔ سنا تم نے؟“

ہنڈیا میں سے منی سی آواز آئی:

”سن لیا خالہ جادوگرنی! میں عنبر اور ان کے ساتھیوں کی نگرانی کروں گی اور تمہیں ایک ایک پل کی خبر لا کر دوں گی۔“

جادوگرنی کہنے لگی:

مجھے یہ بتاؤ کہ اس کے ساتھ وہ انسان کون ہے جو غائب ہے اور ساتھ رہتے ہوئے بھی کسی کو نظر نہیں آتا؟“

ہنڈیا کی آواز نے کہا:

”میں اپنی بڑی چڑیل بہن سے پوچھ کر بتاتی ہوں کہ وہ عورت کون ہے۔ کیوں کہ میری بڑی چڑیل بہن غیبی انسانوں کو زیادہ جانتی ہے۔“

جادوگرنی نے کہا:

”مجھے جلدی سے یہ خبر لا کر دو۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“

ہنڈیا کی آواز غائب ہو گئی۔ جادوگرنی کے منتر پڑھنے کی آواز تیز ہو گئی۔ اس نے اٹھ کر آگ کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہنڈیا میں سے ایک دوسری چڑیل کی منی آواز بلند ہوئی۔

”اے جادوگرنیوں کی ملکہ جادوگرنی! شگوفہ چڑیل تمہاری خدمت میں حاضر ہے۔ میں کاغان کی وادیوں کی سیر کرتی پھر رہی تھی

کہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے مجھے یاد کیا ہے۔ میں فوراً تمہاری خدمت میں حاضر ہو گئی ہوں۔“

جادوگرنی نے پوچھا:

”شگوفہ چڑیل! یہ بتاؤ کہ ملک چین کو جانے والے عنبر اور اس کے ساتھیوں میں وہ کون انسان ہے جو غائب ہے مگر ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے؟“

شگوفہ چڑیل نے کہا:

”اے جادوگرنیوں کی ملکہ جادوگرنی! اس لڑکی کا نام ماریا ہے اس کو مصر کے ایک بہت پرانے جادوگر کاہن اعظم نے اپنے جادو سے غائب کر دیا ہے۔ وہ عنبر اور ناگ کی بہن ہے۔“

جادوگرنی نے کہا:

”اور ہاں! مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ناگ کون ہے۔ اس کی آنکھوں پر

مجھے شک ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں ہے۔ کیا تم مجھے اس کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہو؟“

شگوفہ چڑیل نے کہا:

”اے جادوگرنیوں کی ملکہ! میری بات کو غور سے سن وہ نوجوان جس کا نام ناگ ہے وہ اصل میں ایک سانپ ہے جو اس زمین پر ایک سو برس زندہ رہنے کے بعد وہ پلٹ کر انسان کے روپ میں آ گیا ہے۔ اب اس میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ جب چاہے انسان سے سانپ اور سانپ سے انسان بن سکتا ہے۔ کل رات جس سانپ نے مورتی چور کے ساتھی کو ڈسا تھا وہ بھی ناگ تھا جو اپنی جون بدل کر سانپ بن گیا تھا۔“

جادوگرنی یہ سن کر کچھ حیران ہوئی اور بولی:

”شگوفہ چڑیل! یہ بتاؤ کہ کیا اس ناگ کو کسی طرح سے ہلاک نہیں

کیا جا سکتا؟"

شگوفہ چڑیل نے کہا:

"اے جادوگرنیوں کی جادوگرنی! اس کو ہلاک کرنے کا طریقہ بڑا مشکل اور لمبا ہے۔ اگر تم اسے قتل کر کے اس کی لاش پانچ سال تک ایک ایسی جگہ دبائے رکھو جہاں تم ہر ایک مہینے کے بعد لاش کھول کر اس پر گندھک کا تیزاب ڈالتی رہو تو یہ ناگ عرصہ پانچ سال کے بعد مکمل طور پر مر جائے گا۔ دوسری صورت میں اگر تم اسے قتل کر کے زمین میں سلا دو گی یا آگ میں جلا دو گی یا پانی میں ڈبو دو گی تو یہ ایک مہینے کے بعد وہاں سے پھر سانپ بن کر جی اٹھے گا۔"

جادوگرنی بولی:

"یہ تو بڑی مشکل بات ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس کے ساتھی عنبر پر میرے آدمی نے جب خنجر چلایا تو اس پر خنجر کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ اس کو

زخم کیوں نہیں آیا؟ اس نے جسم سے خون کیوں نہیں بہا؟"

شگوفہ چڑیل نے کہا:

"اے جادوگرنیوں کی جادوگرنی! یہ شخص جس کا نام عنبر ہے ایک عجیب اور کمال کا شخص ہے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گی کہ یہ شخص اس زمین پر ڈھائی ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔"

جادوگرنی نے چونک کر پوچھا:

"کیا کہا تم نے؟ ڈھائی ہزار برس سے یہ شخص زندہ ہے؟"

ہاں اے عظیم جادوگرنی! میں تمہیں ایک ایسا راز بتا رہی ہوں جو سوائے اس شخص عنبر کے کسی کو معلوم نہیں یہ عنبر نوجوان ڈھائی ہزار برس پہلے ایک فرعون بادشاہ کے گھر پیدا ہوا۔ پھر اس نے مصر کے ایک غریب حکیم کے گھر پرورش پائی۔ پھر جوان ہو کر یہ شخص بادشاہ بنا اور کاہن اعظم کی عظیم ترین دیوی کے حکم اور دعا سے اسے یہ کمال حاصل

ہوگیا کہ یہ شخص اب ہر دور میں زندہ رہے گا۔ یہ کبھی نہیں مرے گا۔ اس پر تیر، تلوار، آگ اور خنجر کسی شے کا اثر نہیں ہوگا۔ اس کے جسم پر جہاں زخم لگے گا خون نہیں بہے گا اور زخم اپنے آپ بند ہو جائے گا۔ یہ بڑا ہی طاقت ور شخص ہے، اے جادوگرنی! اس سے بچ کر رہنا۔ سلیمان علیہ السلام کے جن بھی اس کے پاس آتے جاتے ہیں۔ میں بھی اس کے سامنے عاجز اور مجبور ہوں۔"

یہ سن کر جادوگرنی سکتے میں آگئی کہ عنبر اتنی بھرپور اور حیرت انگیز طاقت کا مالک ہے۔ اسے تو پہلے ہی شک تھا کہ وہ غیر معمولی انسان ہے۔ بہر حال وہ زرتاب ہیرا حاصل کرنے کے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا سکتی ہے۔ وہ بوڑھی ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر جھریاں پڑ رہی تھیں۔ اسے بڑھاپے اور موت سے خوف آتا تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ اور جوان رہنا چاہتی تھی اور اس کے لیے وہ ایک

جادو کا عمل کر رہی تھی جس میں زرتاب ہیرے کی سخت ضرورت تھی۔ اس ہیرے کے بغیر وہ عمل پورا نہیں ہوتا تھا اور دوا تیار نہیں ہوتی تھی۔

اس نے شگوفہ چڑیل سے کہا:

"تم عنبر کو ہلاک نہیں کر سکتی ہو تو کیا ایسا نہیں کر سکتی کہ وہ شاہی محل سے ہیروں کی چوری میں موتی چور کے کام میں دخل نہ دے سکیں؟"

شگوفہ چڑیل بولی:

اس کے لیے میں کوشش کر سکتی ہوں۔ میں ان لوگوں کی توجہ کسی دوسری طرف لگا سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں اور بہت کچھ کر سکتی ہوں۔"

جادوگرنی نے کہا:

"پھر تم ہی اپنی بہن کی جگہ یہ کام کرو۔"

چڑیل کہنے لگی:

"جو تمہارا حکم اے جادوگرنیوں کی جادوگنی! یہ کام میں کروں گی۔ میں عنبر کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ سفر کروں گی اور انہیں پیروں کی ہونے والی چوری کے بارے میں کسی سے اور خاص طور پر چین کے بادشاہ نوما نچو سے بات کرنے سے باز رکھوں گی۔"

جادوگرنی نے کہا:

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتی ہو۔"

شگوفہ چڑیل نے ایک قہقہہ لگایا جو بڑا ہی مکروہ تھا اور غائب ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی جادوگرنی نے ہنڈیا الٹ دی اور مورتی چور سے کہا:

"مورتی اب تمہارا کام بے حد تک آسان ہو گیا ہے۔ اب تم بے خطر ہو کر سفر کر سکتے ہو۔ یہ لوگ تمہارے راستے میں اگر رکاوٹ بنتے یا انہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو شگوفہ چڑیل ان کا

مقابلہ کرے گی۔ تمہیں بھی راستے میں یا چین پہنچ کر کسی وقت مدد کی ضرورت پڑے تو شگوفہ چڑیل کو یاد کرنا۔ وہ تمہاری مدد کے لیے فوراً پہنچ جائے گی۔"

"بہت اچھا خالہ۔"

"تم آج ہی دوپہر کے بعد سفر شروع کر دینا اور تم اس راستے سے ہو کر جانا جو جنوب مشرق سے ہو کر ادشان کی پہاڑیوں اور کالام کے درے میں سے گزر کر دیوار چین کی طرف جاتا ہے۔ اس طرح تم محفوظ ہو گے۔"

مورتی نے پوچھا:

"دیوار چین پر سے کس طرح گزروں گا؟"

جادوگرنی نے کہا:

"یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ تم ایک تاجر کا بھیس بدل کر دیوار چین

کی چوکی پر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو دھوکہ دے کر بڑی آسانی سے گزر سکتے ہو۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ تم پر شک کرے۔ سوداگر کئی ملکوں سے آ کر چین میں داخل ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے خالہ! میں آج ہی دوپہر کو اپنا سفر شروع کر دوں گا۔"

ادھر موتی چین کے سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ دوسری طرف عنبر، ناگ، تھاگ اور ماریا ملک چین کی طرف سفر کر رہے تھے۔ وہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ چھوٹی سی پہاڑی ندی کنارے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ گھوڑوں کو دانہ دنکا اور تازہ دم ہو کر پھر آگے چل پڑے۔

ماریا اٹھا لی گئی

چین کی طرف سفر کرتے ہوئے انہیں چھ روز ہو گئے تھے۔

عنبر، ناگ اور ماریا نے وہ اونچا لمبا پہاڑ عبور کر لیا تھا جس کے پار دیوارِ چین شروع ہوتی تھی۔ دیوارِ چین ایک طرح سے چین کی اس زمانے کی سرحد تھی۔ دیوار کی دوسری جانب ملک چین آباد تھا۔ جیسا کہ تھاگ نے پہلے بیان کیا، یہ دیوار چین کے بادشاہ نے باہر کے حملہ آور دشمنوں سے بچنے کے لیے بنائی تھی۔ اس دیوار کی چوڑائی اتنی

کے فاصلے پر سپاہیوں کی چوکی تھی جہاں کم از کم سات آٹھ سپاہی ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔ ہر چوکی کا ایک دروازہ تھا جو ہمیشہ بند رہتا تھا اور صرف خاص موقع پر کھولا جاتا۔ سوداگروں اور سرکاری کارندوں کے آنے جانے کے لیے ایک چھوٹی سی سرنگ ہر چوکی پر بنی ہوئی تھی جس کے منہ پر چار سپاہی تلواریں اور تیر کمان لیے ہر وقت موجود رہتے۔

ایک چوکی سے دوسری چوکی تک، دیوار کے اوپر پہرہ داروں کی گشت ہر وقت جاری رہا کرتی۔ دور سے دیوار چین کو دیکھ کر ثنبر نے کہا:

”خدا کا شکر ہے کہ ہم منزل کے قریب پہنچ گئے۔“

پھر انہوں نے تھا تگ (چینی لڑکی) سے مشورہ لیا کہ دیوار چین یا چین کی سرحد تک پہنچنے کا سب سے مختصر ترین راستہ کونسا ہوگا؟ تھا تگ

نے انہیں بتایا کہ وہ دو روز کے سفر کے بعد دیوار تک پہنچیں گے اور سب سے مختصر راستہ بھی یہی تھا۔ جس پر وہ سفر کر رہے تھے۔ سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں داخل ہوئے۔ جہاں چھ سات گھاس پھوس کے بنے ہوئے مکانات تھے۔ جن میں گڈریے اور لکڑ ہارے چینی رہتے تھے۔ چینی لڑکی تھا تگ نے ایک چینی بوڑھے سے اپنی زبان میں بات کر کے وہاں ایک جھونپڑی رات بسر کرنے کے لیے حاصل کر لی۔ چینی بوڑھا ایک لکڑ ہارا تھا جو وہاں اکیلا رہتا تھا۔ اس کے بچے چین کے دارالحکومت اس کی بہن کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ چینی لڑکی نے خود ہی چاول ابالے اور چھوٹی مچھلیوں کو بھون کر ان کا شوربہ بنایا جنہیں ان سبھوں نے بڑے شوق سے کھایا۔

چینی بوڑھے نے تھا تگ سے پوچھا:

"بیٹی! تم ایک چینی لڑکی ہو۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ تمہارا ساتھ کیسے ہوا اور تم کس طرح سفر کر رہی ہو؟"

تھانگ نے بوڑھے چینی کو اپنی مصیبت کی ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ عنبر وغیرہ نے کس طرح اس کی مدد کر کے اسے ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑایا اور اب صرف اسے ماں باپ کے پاس پہنچانے شنگھائی تک کا دشوار سفر کر رہے ہیں۔ بوڑھا چینی عنبر اور ناگ سے بڑا متاثر ہوا۔ شام کو بوڑھا ان کے لیے باغ سے سیب اور انگور توڑ لایا۔ جو انہوں نے مل کر کھائے اور شمعوں کے روشن ہوتے ہی سو گئے۔

ماریا ان سے ذرا ہٹ کر سوئی۔ اس لیے کہ کوئی اس سے ٹکرا وغیرہ نہ جائے۔ چونکہ وہ غائب تھی اور کسی کو نظر نہیں آتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ اس قسم کی احتیاط برتتی تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے مورتی چور بھی سفر کر رہا تھا۔ اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ اگر بن سکتی تھی تو

وہ ماریا ہی بن سکتی تھی۔ جادوگرنی نے بھی اسے ہدایت کی تھی کہ اگر ہو سکے تو کسی طرح ماریا کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم نے ماریا کو قابو کر لیا تو پھر یہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ماریا ہر وقت غائب رہتی تھی۔ اسے قابو میں کرنا بڑا مشکل تھا۔ پھر بھی مورتی نے ٹھان لی تھی کہ وہ وقت آنے پر ماریا کو اپنے قبضے میں کر کے ہی دم لے گا۔ چین کے شاہی ہیروں کی چوری کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

ویسے بھی یہ ایک قیمتی منصوبہ تھا۔ مورتی ہیرے چرا کر اپنی ساری زندگی عیش و عشرت سے بسر کر سکتا تھا۔ اس راستے میں اسے ماریا بے حد پریشان کر سکتی تھی۔ وہ نظروں سے غائب رہ کر مورتی اور جادوگرنی کے سارے منصوبے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ چنانچہ مورتی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی ماریا کو اپنے قبضے میں ضرور کریگا۔

وہ ان لوگوں کے پیچھے پیچھے سفر کر رہا تھا اور ان کی ہر ایک نقل و

حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جب انہوں نے چینی بوڑھے کی جھونپڑی میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ تھوڑی دور ٹیلے کے پیچھے کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی اسی جگہ ٹیلے کے پاس قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑے کو ان نے ایک درخت کے ساتھ باندھا اور گھاس پھوس اس کے آگے ڈال کر عنبر وغیرہ کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ماریا کس جگہ پر ہے لیکن چونکہ وہ غائب تھی اس لیے کسی کو بھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔ پھر بھی عنبر کے بات کرنے اور ناگ کے اشاروں وغیرہ سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ ماریا جھونپڑے کے اندر داخل ہو گئی ہے اور بائیں جانب کونے میں اپنا بستر جما رہی تھی۔ اس نے ماریا کے نیچے اترتے ہی اس کے گھوڑے کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے گھوڑے کا رنگ بادامی اور سیاہ تھا۔ ماریا جب اس پر سوار ہوتی تھی تو وہ غائب ہو

جاتا تھا۔ اس وقت وہ اصطبل میں دوسرے گھوڑوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ چینی بوڑھے نے بھی حیرانی سے تھاگ سے پوچھا:

"بیٹی تم تو کل تین ہو پھر یہ چوتھا گھوڑا کہاں سے آ گیا؟"

پہلے تو تھاگ ذرا گھبرائی، پھر جلدی سے بولی:

"بابا! آپ کو مغالطہ لگا ہے۔ ہمارے پاس چار ہی گھوڑے تھے۔ یہ ایک گھوڑا ہم نے سفر میں کسی وقت کام آنے کے لیے فالتو رکھ چھوڑا ہے۔"

"اچھا! اچھا! یہ تو بڑی عقل مندی کی بات ہے۔"

چینی بوڑھا خاموش اور مطمئن ہو گیا تھا۔

لیکن مورتی کے دل میں ایک ہی خیال بار بار اٹھ رہا تھا کہ ماریا کو کس طرح سے قابو کیا جائے۔ جادوگرنی نے اسے جاتے وقت ایک سفوف دیا تھا۔ یہ زرد رنگ کا ایک سفوف تھا جو نیلے رنگ کی شیشی میں

پڑا ہوا تھا۔ اس سفوف کی خاصیت یہ تھی کہ اگر اسے کسی رومال یا کپڑے کے ٹکڑے پر تھوڑا سا گرا کر کسی شخص کی ناک پر رکھ دیا جائے تو وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا تھا اور دوپہر تک بے ہوش رہتا تھا۔

مورتی نے وہ سفوف اور رومال جیب میں ڈالا اور رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف عنبر، ناگ، تھاگ اور ماریا چونکہ دن بھر کے سفر سے تھکے ہوئے تھے۔ اس لیے بہت جلد انہیں نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔ مورتی اسی انتظار میں تھا۔ وہ ٹیلے کی آڑ میں سے نکل کر دبے پاؤں جھونپڑی کی طرف رینگنے لگا۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ زمین پر جھک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ رات اندھیری تھی اور آسمان پر چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں جھونپڑی کا دروازہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر مورتی جو زمین پر منہ کے بل لیٹ

گیا اور اس نے چھپکلی کی طرح دھیرے دھیرے رینگ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ جھونپڑی کا دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک کمبل تھا جو اس کے آگے لٹک رہا تھا۔ مورتی رینگتا رینگتا اس کمبل کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے زندگی میں بڑے بڑے ڈاکے ڈالے تھے مگر اس کا دل کبھی اتنا نہیں گھبرایا تھا جتنا اس کا دل اس وقت گھبرا رہا تھا۔ بات ہی ایسی تھی وہ ایک ایسی چیز پر ڈاکہ ڈالنے جا رہا تھا جو اسے بالکل نظر نہیں آتی تھی۔ اگر اس کا اندازہ صحیح نکلا اور اس کا ہاتھ ٹھیک نشانے پر پڑا تو پو بارہ ورنہ اس کی جان کی خیر نہیں تھی۔

منصوبہ اس کا یہ تھا کہ وہ اندازے کے مطابق آگے بڑھ کر بے ہوش کر دینے والے سفوف کا رومال ماریا کی ناک پر رکھ دے گا۔ جب وہ بے ہوش ہو جائے گی تو اسے اٹھا کر لے آئے گا اور اس کی مشکیں کس کر اور منہ کے گرد کپڑا باندھ کر اسے قید کر کے اپنے قبضے

میں کر ے گا۔ وہ ایک رسی ماریا کے گلے میں باندھ رکھے گا جس کی وجہ سے وہ اسے ہمیشہ دکھائی دیتی رہے گی۔ منصوبہ بڑا خطرناک تھا اور مورتی کو یقین تھا کہ وہ اس میں ضرور کامیاب ہوگا اور اگر وہ ایک دفعہ کامیاب ہو گیا تو پھر کوئی مشکل بات نہ تھی کہ وہ ہیروں کو بھی اپنے قبضے میں کر لے گا۔

اگر اسے خطرہ تھا تو صرف یہ تھا کہ کہیں اس کا ہاتھ اوچھا نہ پڑ جائے اور ماریا پہ سے لیٹی ہو اور وہ کسی اور جگہ رومال زور سے زمین پر دے مارے۔ ایسی صورت میں ماریا چیخ مار کر سب کو جگا سکتی تھی اور پھر عنبر اور ناگ سے کوئی مشکل نہ تھا کہ اسے وہیں قتل کر دیتے۔ اس لیے مورتی چور بڑی احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جھونپڑی کے دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ کمبل اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا

تھا۔ اور دور پہاڑیوں کے پیچھے چاند کی روشنی ابھرنے لگی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی دم میں چاند نکلنے والا تھا۔ وہ چاند کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے یہ سارا کام ختم کر دینا چاہتا تھا۔

مورتی نے ایک ہاتھ لیٹے لیٹے آگے بڑھا کر جھونپڑی کا پردہ ذرا سا ہٹایا اور جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر کونے میں ایک موم بتی جل رہی تھی۔ جس کی دھیمی دھیمی روشنی میں مورتی نے دیکھا کہ ایک طرف عنبر، ناگ سو رہے تھے اور دوسری طرف چینی لڑکی تھامگ سو رہی تھی۔ ان سب نے اپنے اوپر کمبل ڈال رکھے تھے۔ مورتی نے دیکھا کہ تھامگ سے ذرا ہٹ کر کوئی شخص سو رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی ماریا ہے۔ کیوں کہ جھونپڑے کے اندر چوتھا انسان سوائے ماریا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اس کی منزل اس کے سامنے تھی اس نے دھیرے دھیرے بڑی احتیاط کے ساتھ

ماریا کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ وہ ماریا کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ قریب آ کر اس نے کان لگا کر سنا۔ کمبل کے اندر منہ چھپائے ماریا خراٹے لے رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

مورتی کچھ دیر خاموش فرش پر اوندھے منہ لیٹا رہا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ میں بے ہوشی کے سفوف والا رومال رکھا اور دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے ماریا کے منہ پر سے کمبل ہٹا دیا۔

وہ یہ دیکھ کر حیران رک گیا کہ وہ کسی کا چہرہ نہیں تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ یہاں ماریا ہی سو رہی ہے۔ چونکہ وہ غائب تھی اس لیے کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی اور اس کا چہرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب وقت ضائع کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ مورتی نے اندازے کے مطابق بے ہوشی کے سفوف والا ہاتھ جلدی سے ماریا کے چہرے پر رکھ دیا اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے دبا دیا۔ ماریا اس کے ہاتھوں کے نیچے مچھلی کی طرح تڑپی اور پھر بے جان ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

مورتی نے بڑی تیزی کے ساتھ اسے اٹھا کر کندھے پر رکھا اور اسی طرح رینگتا ہوا جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا اس کے کندھے پر پڑی تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے اپنی زندگی کا ایک عجیب و غریب تجربہ ہو رہا تھا۔ ایک عورت کا پورا بوجھ اس کے کندھے پر پڑا ہوا تھا اور وہ عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا کو لے کر وہ ٹیلے کی اوٹ میں آ گیا۔ یہاں اس نے اسے زمین پر لٹا کر اس کے دونوں ہاتھ ایک مضبوط رسی سے اس کی پیٹھ پر باندھے۔ اس کے منہ کے گرد کپڑا لپیٹا تا کہ وہ ہوش میں آنے پر شور نہ مچا سکے اور ایک رسی اس کی کمر سے باندھ کر اپنی کمر سے باندھی اور بڑے مزے سے زمین پر لیٹ کر اپنی کامیابی پر خوش ہونے لگا۔ پھر

اچانک اسے خیال آیا کہ وہاں پر ٹھہرنا بڑی خطرناک بات ہوگی۔ صبح صبح جب عنبر اور ناگ کو معلوم ہوگا کہ ماریا وہاں موجود نہیں ہے تو وہ اس کی تلاش میں باہر نکلیں گے اور ارد گرد علاقے کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے دور نکل جائے۔

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اٹھا۔ اس نے بے ہوش ماریا کو گھوڑے پر ڈالا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر دیوار چین کی طرف مغربی گھاٹیوں میں سے ہو کر سفر کرنے لگا۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ گھوڑا پہاڑی ڈھلانوں اور چڑھائیوں پر سے ہوتا ہوا ایک خالی میدان میں آ گیا۔ اس میدان میں سے گزر کر وہ ایک چھوٹے سے پہاڑی نالے کو عبور کر کے ایک جھیل کے پاس پہنچ گیا۔ جھیل کے ساتھ ساتھ ایک پتھریلی پگڈنڈی پہاڑ کا چکر کاٹ کر

دوسری طرف نکل گئی تھی۔ سوریتی بغیر رکے سفر کرتا رہا اور جب سورج کی روشنی چاروں طرف پھیلی تو وہ جھیل سے بہت دور نکل چکا تھا اور دیوار چین اسے بہت قریب دکھائی دے رہی تھی۔

دن چڑھا تو سب سے پہلے تھانگ کی آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا کہ ماریا کا کمبل ایک طرف پڑا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ ماریا باہر چشمے پر منہ ہاتھ دھونے گئی ہوگی۔ اس نے عنبر اور ناگ کو بھی جگا دیا۔ اتنے میں چینی بوڑھا ان کے لیے بکریوں کا دودھ اور ابلے ہوئے چاول لے کر آ گیا۔ بوڑھا چلا گیا تو عنبر وغیرہ ماریا کا انتظار کرنے لگے کہ وہ آئے تو سب مل کر ناشتہ کریں۔ مگر ماریا آ ہی نہیں رہی تھی۔ عنبر اور ناگ کو کچھ فکر سا ہوا۔ وہ دونوں جھونپڑے سے باہر آ گئے۔ انہوں نے اصطبل میں جا کر دیکھا تو ماریا کا گھوڑا اسی طرح بندھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا کہیں پاس ہی کسی جگہ گئی ہے۔ انہوں نے ماریا کو تلاش

کرنا شروع کر دیا۔ عنبر نے آوازیں بھی دیں۔ انہوں نے ارد گرد کا سارا علاقہ چھان مارا مگر ماریا کا کوئی نشان تک نہ ملا۔

ناگ نے کہا:

”ماریا کہاں جا سکتی ہے؟“

”یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں ایک بار پھر اسے تلاش کرنا چاہیے۔“

اب تھا تنگ بھی ان کے ساتھ آ کر مل گئی۔ انہوں نے ایک بار پھر ماریا کی تلاش شروع کر دی۔ وہ ہر قدم پر ہر موڑ پر ماریا کو آواز دیتے مگر کسی طرف سے کوئی جواب نہ آتا۔ دھوپ کافی نکل آئی تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ مگر ماریا کہیں نہ مل رہی تھی۔ وہ تھک ہار کر جھونپڑے میں آ کر بیٹھ گئے۔ عنبر بڑا پریشان تھا کہ وہ بغیر کہے اور بتائے کس طرف نکل گئی؟

”وہ ضرور یہیں کہیں قریب ہی گئی ہے۔ ورنہ اس کا گھوڑا یہاں موجود نہ ہوتا۔“

تھا تنگ نے کہا:

”لیکن ہم نے تو ارد گرد کا سارا علاقہ چھان مارا ہے وہ کسی جگہ نظر نہیں آئی۔ اگر آس پاس کہیں ہوتی تو ہماری آوازوں کا جواب ضرور دیتی۔“

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اسے ایک دم جادوگرنی کا خیال آ گیا۔ اس نے کہا:

”مجھے ڈر ہے کہیں ماریا کو کسی نے اغوا نہ کر لیا ہو۔“

ناگ بولا:

”وہ غائب رہی ہے۔ وہ تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ پھر کوئی اسے کیونکر اغوا کر سکتا ہے؟“

یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا وجود اس جگہ جہاں وہ غائب ہو موجود رہتا ہے۔ اگر کوئی تیر چلائے تو تیر ماریا کو لگ سکتا ہے اور اگر کوئی اندازہ لگا کر اس کا گلا دبانے کی کوشش کرے تو اس کا گلا بھی دبا سکتا ہے۔ وہ غائب اسی وقت تک ہے جب تک کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ ماریا اس جگہ بیٹھی یا سو رہی ہے تو دشمن اس پر قابو ڈال سکتا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے اس کا منہ بند کر کے اسے اغوا کر سکتا ہے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ کسی نے ماریا کو سوتے میں اغوا کر لیا ہے؟"

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ ذرا اس کمبل کی طرف دیکھو۔"

سب ماریا کے دور پڑے کمبل کی طرف دیکھنے لگے۔ کمبل اس طرح پڑا ہوا تھا جیسے کسی نے نوچ کر ایک طرف پھینک دیا ہو۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ ماریا نے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ عنبر کے خیال پر سب کو یقین سا ہونے لگا کہ واقعی ماریا کو کسی نے سوتے میں منہ میں کپڑا ٹھونس کر زبردستی اغوا کر لیا ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟ عنبر کو شک تھا کہ یہ کارستانی اسی مکار جادوگرنی کی ہے۔ اس نے اپنے کسی خاص آدمی کو بھیجا ہے جس نے آدھی رات کو سوتے میں ماریا کو اغوا کر لیا۔ کیوں کہ جادوگرنی کو ماریا کے وجود کا احساس ہو گیا تھا اور وہ اسے ہیروں کی چوری کے منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی تھی۔

ناگ نے پوچھا:

"تو کیا موروثی چور نے ماریا کو اغوا کیا ہے؟ کیوں کہ جادوگرنی کا

وہی ایک آدمی چین کی طرف سفر کر رہا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مورتی نے شاید ماریا کو اغوا نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ ہمارے کافی پیچھے سفر کر رہا ہے۔ یہ کسی ایسے آدمی کا کام ہے جس کو جادوگرنی نے اپنے جادو کے زور سے تیار کیا ہے۔"

تھانگ نے کہا:

"عنبر بھائی! میرا تو دل کہتا ہے کہ یہ کام اسی مورتی چور کا ہے۔ وہ ہمارے پیچھے ایک منزل کے فاصلے پر سفر کر رہا تھا اسے جادوگرنی نے ہمارے اور ماریا کے بارے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ایک رات کے سفر کے بعد وہ ہمارے پاس پہنچ سکتا تھا۔۔۔"

ناگ بولا:

"تھانگ ٹھیک کہتی ہے عنبر! مورتی چور کے سوا اور کوئی شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس نے ایک رات آرام کرنے کی بجائے مسلسل سفر کیا اور یوں وہ ہمارے قریب پہنچ گیا۔ آدھی رات کو وہ رینگتا ہوا ہمارے جھونپڑے میں آیا اور کمبل کی وجہ سے وہ ماریا کے پاس پہنچ گیا۔ اگر ماریا کے اوپر کمبل نہ ہوتا تو وہ کبھی ماریا کے وجود کو نہ پہچان سکتا تھا کیوں کہ پھر تو ماریا نظر ہی نہ آتی۔"

عنبر نے سر ہلا کر کہا:

"میرا ابھی اب بھی خیال ہے کہ سارا کام جادوگرنی نے مورتی چور ہی سے کروایا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ ہمارے لیے بھی سوچنا ہے۔ کیا ہم یہاں رہ کر ماریا کے واپس آنے کا انتظار کریں یا آگے چلیں۔ کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ جونہی ماریا کو تھوڑا سا موقع ملا۔ وہ مورتی کی قید سے آزاد ہو کر اسے قتل کر کے واپس اسی جھونپڑی میں

پہنچ جائے گی۔"

ناگ نے کہا:

"اس کی کیا خبر ہے کہ وہ کب مورتی چور کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے موتی نے کسی دوائی سے ماریا کو بے ہوش کر رکھا ہو اسے دوسرے روز جا کر ہوش آئے۔"

عنبر کہنے لگا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ ماریا کو کسی تیز دوائی سے بے ہوش کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ نا ممکن تھا کہ وہ چیخ مار کر ہمیں بیدار نہ کرتی۔ بے ہوشی کی دوا اس قدر تیز اور جلدی اثر کرنے والی تھی کہ وہ ایک دم بے ہوش ہو گئی۔ اسے اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ شور مچا کر ہمیں بیدار کر سکتی۔"

ناگ بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس جگہ ٹھہر کر انتظار کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر ماریا کا پیچھا کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ مورتی اسے اغوا کر کے بھاگا ہے تو ابھی راستے میں ہی ہوگا۔ وہ واپس تو جائے گا نہیں۔ وہ بھی چین کی طرف سفر کر رہا ہے۔ ہم اگر تیزی کے ساتھ سفر کریں تو دیوار چین کے پاس اسے پکڑ سکتے ہیں۔"

تھانگ نے کہا:

"عنبر بھائی! آپ اپنے بہرام جن سے مدد کیوں نہیں مانگتے۔ یہ تو ہماری ایک پیاری بہن کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔"

ناگ نے کہا:

"ہاں عنبر! بہرام کو بلا کر اس سے پوچھو تو سہی کہ ماریا کہاں ہے؟ اور اسے کون اٹھا کر لے گیا ہے۔"

عنبر، بہرام کو بلانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا

کہ یہ اس کی بڑی ہی پیاری بہن کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

چنانچہ وہ تیار ہو گیا۔ اس نے جھونپڑی کے آگے کمبل ڈال کر آنکھیں بند کیں اور بہرام جن کو آواز دی۔

"بہرام! تم جہاں بھی ہو میرے پاس آ جاؤ۔ بہرام! جہاں کہیں بھی ہو تھوڑی دیر کے لیے آ کر میری سن جاؤ۔"

چار پانچ مرتبہ یہی جملہ دہرانے کے بعد عنبر نے محسوس کیا کہ بہرام جن اس کے پاس کھڑا ہے۔ کیونکہ عنبر نے بہرام کے جسم کی گرمی کو محسوس کیا تھا۔ اس گرمی کو سب نے محسوس کیا تھا۔ جھونپڑے کے اندر کی سردی کم ہو گئی تھی۔ بہرام نے کہا:

"میں حاضر ہوں میرے آقا! فرمایئے آپ نے مجھے کس لیے یاد فرمایا؟"

عنبر نے کہا:

"بہرام! ہماری بڑی اچھی بہن ماریا گم ہو گئی ہے۔"

بہرام جن نے مسکرا کر کہا:

"مگر حضور! وہ تو پہلے بھی گم ہی تھی۔ وہ تو کسی کو بھی نظر نہیں آتی تھی۔"

عنبر بولا:

ٹھیک ہے۔ لیکن اس کو کسی نے سوتے میں اغوا کر لیا ہے۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے اور اب وہ کس مقام پر ہے۔"

بہرام جن ادب سے جھک گیا اور پھر بولا:

"غیب کا علم مجھے نہیں ہے۔ میں یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ ماریا کو کس نے اٹھایا؟ اور اسے اٹھانے والا اس وقت کہاں ہے؟ ہاں میں یہ کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ ماریا فلاں جگہ پر ہے۔ وہاں سے

میں اسے اٹھا کر لے آؤں گا۔ یہاں میں مجبور ہوں اور ایک گزارش میں بھی کروں گا کہ برائے مہربانی مجھے بار بار نہ بلایا کریں کیوں کہ مجھے اور بھی بہت سے لوگوں کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ اگر آپ کو میری اتنی ہی ضرورت ہے تو مجھے حکم کریں میں سب کی نوکری چھوڑ کر آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

عنبر کو خوب معلوم تھا کہ اگر بہرام سب کی خدمت چھوڑ کر صرف اس کے در پر آن کر بیٹھا گیا تو وہ اس کے لیے عذاب بن جائے گا۔ کیوں کہ وہ ہر وقت اسے یہی کہتا رہے گا کہ سرکار! کوئی کام بتائیں؟ جن نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔ اس خیال سے عنبر نے کہا:

"نہیں! نہیں بہرام! تمہارا شکریہ! اگر تمہیں نہیں معلوم کہ ماریا کہاں ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہم خود معلوم کر لیں گے۔ تمہاری تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ! اب تم چاہو تو جا سکتے ہو۔"

"جو حکم میرے آقا! میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

بہرام جن نے سلام کیا اور چلا گیا۔

سب آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ آخر یہی طے پایا کہ وقت ضائع کرنے کی بجائے اٹھ کر آگے بڑھا جائے اور ماریا کا تعاقب کیا جائے۔

"موریتی کو ہم دیوار چین تک پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ سکتے ہیں۔ وہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا کہ اس نے ماریا کو کسی دوسرے ڈاکو کے ہاتھ واپس روانہ کر دیا ہو۔ کیوں کہ دوسرے ڈاکو کو بھی یہاں آنے میں چھ دن لگتے ہیں۔"

آخر انہوں نے سامان باندھ کر گھوڑوں پر رکھا۔ بوڑھے چینی کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور جھونپڑی سے نکل کر دیوار چین کی

طرف چلنے لگے۔ یہاں زمین پتھریلی ہوگئی تھی۔ چاروں طرف ڈھلانوں اور چڑھائیوں پر پتھری پتھر بکھرے پڑے تھے۔ ایک جگہ عنبر نے جھک کر زمین پر گرا ہوا لوہے کا ایک بندہ اٹھایا۔

"یہ تو ماریا کا ہے۔"

"ہم ٹھیک راستے پر جارہے ہیں عنبر بھائی! ماریا کو اغوا کرکے اسی راستے سے چین لے جایا جارہا ہے۔"

انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔

دیوارِ چین

مورتی چور پوری رات اور پورا دن سفر کرتا رہا۔

شام کو ماریا ہوش میں آنے لگی تو اس نے پھر وہی زرد سفوف رومال میں ڈال کر سنگھا دیا۔ وہ پھر بے ہوش ہوگئی۔ رات کو تھوڑی دیر کے لیے وہ ایک جگہ رکا۔ اس نے ماریا کی مشکیں کھول دیں۔ اسے ڈھیلا ڈھالا کر کے زمین پر لٹا دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں دابے تاکہ اس کے جسم میں خون کا دوران صحیح رہے۔ اس کے حلق میں

اس نے دوبارہ اس کے ہاتھ رسی سے باندھے۔ رسی اپنی کمر کے گرد باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں ہی آگے چل پڑا۔ وہ عنبر اور ناگ کے تعاقب سے بچنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کتنی جلدی ہو سکے ان کی زد سے دور بھاگ جائے اور ملک چین کے اندر داخل ہو جائے۔ چین میں داخل ہو کر وہ بڑی آسانی سے سیدھے اپنے ساتھی کے گھر پہنچ سکتا تھا۔

دوسرے روز دن چڑھا۔ چاروں طرف روشنی پھیلی تو دیوار چین تھوڑے فاصلے پر اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ اب ایک بہت بڑا مرحلہ اس کے سامنے تھا اور یہ مرحلہ دیوار چین عبور کرنا تھا۔ اس نے ایک جگہ رک کر جھولے میں سے سوداگروں کا لباس نکال کر پہن لیا۔ اب وہ بالکل ایک ہندی سوداگر معلوم ہوتا تھا۔ اسی روپ میں اس نے ماریا کو گھوڑے پر اپنے پیچھے الٹا لٹا دیا۔ خود آگے بڑھ گیا اور دیوار کی

پہلی چوکی کی طرف بڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ چوکی کے قریب جا رہے تھے اسے دیوار پر گشت کرتے ہوئے چینی سپاہی صاف نظر آنے لگے تھے۔ سامنے ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ جس کے باہر چار چینی سپاہی آمنے سامنے کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ موری آہستہ آہستہ گھوڑے کو چلاتا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اب وہ دیوار کے بالکل پاس ہی تھا۔ دیوار پر گشت کرتے سپاہیوں نے اسے دور سے دیکھ کر کہا:

”کون ہو تم؟“

موری وہیں ٹھہر گیا اور مسکرا کر بولا:

”میں ایک ہندی تاجر ہوں۔“

سپاہیوں نے کہا:

”نیچے آ جاؤ۔“

مورتی دیوار کے نیچے اس جگہ آ گیا جہاں دروازے پر پہرہ لگا ہوا تھا چاروں چینی سپاہیوں نے مورتی کو گھیر لیا۔ اسے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں کوئی سپاہی اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ نہ پھیرنا شروع کر دے۔ کیوں کہ پیچھے اس نے بے ہوش ماریا کو لٹا رکھا تھا۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اسے ہاتھ لگانے پر بڑی آسانی سے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اس نازک اور خطرناک مرحلے سے بچنے کے لیے مورتی چور گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور اس نے کمر کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کھول کر گھوڑے پر رسی ڈال دی۔ سپاہیوں کے پاس آ کر وہ ہاتھ جوڑ کر جھک گیا اور بولا:

”حضور! میں ایک ہندی سوداگر ہوں۔ سوداگری کرنے کی خواہش لے کر آپ کے عظیم الشان ملک میں آیا ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں تو میں آپ کے

بچوں کو دعائیں دوں گا اور سوداگری کر کے آپ کے ملک کا نام روشن کروں گا۔“

مورتی چور نے کچھ ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ سپاہی اس کی باتوں میں آ گئے۔ ویسے بھی اس زمانے میں سرحدوں پر اس قدر پابندیاں ہوتی تھیں اور سوداگروں کو تجارت کرنے کی بہت آزادی ہوتی تھی۔ سپاہیوں نے مورتی چور سے پوچھا:

”تم اکیلے کیوں سفر کر رہے ہو؟“ ”سوداگر تو تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کرتے ہیں؟“

مورتی نے ہوشیاری سے کہا:

حضور! میں جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہوں۔ میں اگر قافلے کے ساتھ سفر کروں تو جنگل جنگل گھوم پھر کر جڑی بوٹیاں اکٹھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے مجھے اکیلا ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔“

سپاہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔"

مورتی کی جان میں جان آئی۔ اس نے جھک کر تمام سپاہیوں کو باری باری سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چھوٹے دروازے کی سرنگ میں سے گزرنے لگا۔ یہاں اندھیرا تھا مگر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ آخر وہ سرنگ میں سے باہر چمکیلی دھوپ میں نکل آیا۔۔۔

وہ ملک چین کی سرزمین میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہاں ہر شے پر ایک خاص قسم کی چمک دمک تھی۔ جنگلی پھولوں کا رنگ شوخ تھا اور وہ ہوا میں جھوم رہے تھے۔ گہرے نیلے آسمان پر سفید کبوتر چکر لگا رہے تھے۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ یہاں سے ایک کافی چوڑی پتھریلی سڑک چین کے دارالحکومت کینتھے کی طرف چلی گئی تھی۔ مورتی اس سے پہلے بھی چین آ چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس سڑک پر تین

دن سفر کرنے کے بعد وہ کینتھے پہنچ جائے گا۔ اس نے گھوڑے کو کینتھے جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

سارا دن وہ سفر کرتا رہا۔ رات کو اس نے ایک جگہ قیام کیا۔ ماریا کے ہاتھ کھول کر اس کے بازوؤں اور پاؤں کی مالش کی۔ اس کے حلق میں خوراک ٹپکائی۔ اسے پانی پلایا اور تھوڑا سا سفوف رومال پر ڈال کر اسے ایک بار پھر سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔ دراصل وہ ماریا کو ہوش میں لانے کا خطرہ راستے میں مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کینتھے اپنے دوست کی حویلی میں پہنچ کر اسے بے شک ہوش آ جائے۔ وہ ماریا کو اس وقت تک اپنے پاس قید میں رکھنا چاہتا تھا جب تک کہ وہ شاہی محل سے ہیرے چرا کر نہیں لے آتا۔

پُر اِسرار ٹکڑا

مورتی چور ملک چین کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔

دوسری طرف عنبر، ناگ اور تھانگ بھی چین کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ انہیں ماریا کے پاؤں سے گری ہوئی جوتی ملی۔ اس جوتی سے انہیں یقین ہو گیا کہ ماریا کو جس کسی نے بھی اغوا کیا ہے وہ ملک چین کی طرف ہی اسے لے جا رہا ہے۔ وہ سفر کرتے رہے۔ اب ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ وہ چین پہنچ کر سب سے پہلے ماریا کی تلاش کریں اور تھانگ کو اس کے ماں

باپ کے گھر پہنچا دیں۔ ماریا کی گمشدگی کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھے۔ عنبر بہت اداس تھا۔ ناگ بھی دن میں کئی بار اپنی بہن ماریا کو یاد کرتا تھا۔ وہ انہیں اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ اس نے اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کے ساتھ مصیبت کے کئی وقت گزرے تھے۔ خوشیاں بھی اکٹھے دیکھی تھیں اور غم بھی ایک ساتھ اٹھائے تھے۔

وہ برابر منزلوں پر منزلیں طے کرتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی جھیل تھی۔ اس جھیل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عنبر، ناگ اور تھانگ پہاڑ کے درے میں سے گزر کر دوسری جانب نکل گئے۔ اب دیوارِ چین ان کے بالکل سامنے تھی۔ تھانگ نے دیوارِ چین کو دیکھا تو وہ بڑی خوش ہوئی۔ اس کا وطن آ گیا تھا۔ اگر ڈاکو اسے لے جاتے اور عنبر اور ماریا اس کی مدد نہ کرتے تو وہ زندگی میں پھر شاید کبھی اپنے پیارے وطن

چین کو نہ دیکھ سکی تھی۔ اس وقت تھانگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ سوچ کر کہ جس لڑکی نے اسے بچایا تھا۔ وہ خود اس وقت مصیبت میں گرفتار تھی اور خدا جانے کن برے حالات میں چین کی طرف سفر کر رہی تھی۔ تھانگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی! کاش اس وقت ماریا بہن بھی ہمارے ساتھ ہوتی۔ پھر وہ دیوار چین کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتی۔"

عنبر کہنے لگا:

تھانگ بہن! خدا کی مدد ہمارے ساتھ رہی تو ہم ماریا کو ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔ اس دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے، جو ہم سے ہماری پیاری بہن کو چھین لے۔ چین پہنچ کر ہم سب سے پہلے ماریا کو تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کریں گے۔"

"اور ہم اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

ناگ نے جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔ وہ سب ہی خوش تھے اور سب ہی اداس بھی تھے۔ ماریا بہن انہیں بہت یاد آ رہی تھی۔ بہر حال چین کی سرحدی دیوار دیکھ کر انہیں یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انہیں اس بات کی بھی خوشی تھی کہ ماریا اسی جگہ موجود ہے جہاں وہ جا رہے ہیں۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سورتی چور یا کوئی دوسرا ڈاکو ماریا کو اٹھا کر کسی دوسرے ملک کی طرف لے جاتا۔ ایسی صورت میں ان کے لیے بڑی مشکل ہو جاتی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ انہیں بھوک لگی اور وہ ایک چھوٹی سی شفاف ندی کے کنارے بیٹھ گئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو بھی کھلا چھوڑ دیا۔ تا کہ وہ جی بھر کر ہری ہری گھاس کھائیں اور ندی کا پانی پئیں۔ خود بھی انہوں نے جوار کی روٹی کھائی، پانی پیا، تازہ دم ہوئے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد منہ ہاتھ دھو کر گھوڑوں پر سوار ہو کر دیوار چین کی طرف چل پڑے۔

دیوار چین کے قریب پہنچ کر انہیں اوپر گشت کرتے سپاہی دکھائی دینے لگے۔ چوکی کے قریب بڑے دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گئے۔ سپاہیوں نے ان کے پاس آ کر غور سے دیکھا۔ ایک سپاہی نے پوچھا۔

”تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟“

عنبر نے آگے بڑھ کر چینی سپاہیوں کو سلام کیا اور کہا:

”ہم سوداگر ہیں۔ گرم کپڑے کی تجارت کرتے ہیں اور اسی غرض کے ساتھ چین آئے ہیں۔ ہم یہاں رہ کر تجارت کرنا چاہتے ہیں۔“

سپاہی نے کہا:

”یہ چینی لڑکی تمہارے ساتھ کیسے آ گئی؟“

عنبر نے کہا:

”یہ ایک غم نصیب اور مصیبت کی ماری لڑکی ہے۔ اس کا نام تھانگ ہے۔ اسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے تھے کہ ہم نے انہیں قتل کر کے اس معصوم لڑکی کو چھڑایا۔ اس کا باپ شنگھائی میں رہتا ہے۔ ہم شنگھائی جا کر اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔“

چینی سپاہی بڑے خوش ہوئے۔ کہ ایک غیر ملک کے رہنے والے نے ان کی ایک چینی لڑکی کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا ہے۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور کہا:

”تم لوگ ہمارے دوست ہو۔ تم ہمارے ملک میں داخل ہو سکتے ہو۔“

”شکریہ آپ کا، بہت بہت شکریہ۔“

اندر داخل ہونے سے پہلے سپاہیوں نے چینی زبان میں گفتگو کی۔ اس سے پوچھا کہ کہیں یہ لوگ اسے اغوا کر کے تو نہیں لے جا رہے؟ جو یہ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے نا؟

تھا تنگ نے انہیں چینی زبان میں ہی بتایا کہ عنبر اور ناگ واقعی اس کے بھائی ہیں اور انہوں نے اسے ڈاکوؤں سے بچایا ہے اور اب ساتھ لے کر اس کے ماں باپ کے گھر لے جا رہے ہیں۔ وہ دیوار چین کے دروازے میں داخل ہو کر ڈیوڑھی میں آ گئے۔ یہاں سے گزر کر وہ چین کی سرزمین کر اندر داخل ہو گئے۔ تھا تنگ نے اپنے وطن کی زمین پر قدم رکھتے ہی سجدہ کر کے اپنے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اب وہ اپنے وطن میں تھی اور اسے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا:

عنبر بھائی! میں جس زبان میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے مجھ پر ایک ایسا احسان کیا ہے سے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنے وطن میں کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"تھا تنگ بہن! ہم نے جو کچھ کیا اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسری لڑکی بھی مصیبت میں گرفتار ہوتی تو ہم اس کی بھی ضرور مدد کرتے۔"

"تم لوگ بہت نیک ہو۔ میں تمہیں اپنے وطن کی زمین پر کھڑی ہو کر سلام کرتی ہوں۔ دنیا میں اگر تم ایسے بہادر، دلیر اور نیک نوجوان ہوں تو کسی کی بیٹی اور بہن کو کبھی کوئی مصیبت نہیں آ سکتی۔"

اسی طرح آپس میں بھائی بہنوں کے پیار کی باتیں کرتے ناگ، عنبر اور تھا تنگ گھوڑوں پر سوار چین کے ملک میں سفر کرتے رہے۔ تھا تنگ نے انہیں بتایا کہ اگر وہ سیدھے یعنی چین کے دارالحکومت جانا چاہتے ہیں تو وہ ٹھیک سڑک پر جا رہے ہیں۔ اور اگر ان کا خیال پہلے اس کے ماں باپ کے گھر شنگھائی جانے کا ہے تو انہیں ایک دن اور

ایک رات کے سفر کے بعد راستہ بدل دینا ہوگا۔ اس سوال پر عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی کیوں نہ ہم تھاتنگ بہن کو پہلے اس کے ماں باپ کے پاس چھوڑ آئیں اور پھر بہن ماریا کی تلاش کریں؟"

تھاتنگ فورا بولی:

"نہیں نہیں عنبر بھائی! آپ میرا خیال نہ کریں۔ سب سے پہلے ماریا بہن کی فکر کریں۔ اسے تلاش کریں۔ اسے دوبارہ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔"

عنبر نے کہا:

تھاتنگ بہن! تم محسوس نہیں کر سکتیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہم تمہاری ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ماریا کی تلاش میں تم بھی ہمارے ساتھ ماری ماری پھرتی رہو۔ اس طرح تمہیں بھی تکلیف ہوگی اور ہمارے کام میں بھی رکاوٹ پڑے گی۔ اس لیے تمہیں میرا مشورہ یہی ہے کہ ہمیں اجازت دو پہلے ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئیں۔"

ناگ نے حامی بھرتے ہوئے کہا:

"عنبر کا خیال درست ہے تھاتنگ بہن! تمہارے لیے یہی مناسب ہے کہ تم اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ ہمیں جیسے ہی ماریا ملے گی اسے خود لے کر تمہارے پاس آ جائیں گے۔"

تھاتنگ نے غمزدہ آواز میں کہا:

"کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ ماریا کو لے کر میرے غریب خانے پر آؤ گے؟"

عنبر نے زور دے کر کہا:

ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ جیسے ہی ماریا ملے گی ہم اسے لے کر

تمہارے گھر پر ضرور آئیں گے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔"

"اچھا تو پھر میں پہلے گھر جانے پر تیار ہوں۔"

شاباش! اچھی بہنیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے بڑے بھائیوں کا کہنا مان لیں۔ تم واقعی ہماری بڑی اچھی بہن ہو۔

یہ طے کر کے کہ تھاتنگ کو پہلے اس کے گھر میں اس کے ماں باپ کے حوالے کیا جائے گا۔ عنبر اور ناگ نے شنگھائی کو زین میں رکھ کر سفر شروع کر دیا۔ اب وہ ایک سرسبز و شاداب میدانی علاقے میں سے گزر رہے تھے جہاں کہیں کہیں گندم اور جوار کے کھیت صبح کی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ موسم بڑا خوش گوار ہو گیا تھا۔ دھوپ کی وجہ سے سردی کم ہو چکی تھی۔ چین کی زمین بہت ہری بھری اور خوب صورت تھی۔ پہاڑ چٹانوں کی طرح اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ چٹانوں پر درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ یہ سب کچھ انہیں جنت کے ایک ٹکڑے کی طرح

معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بڑے ہشاش بشاش ہو کر سفر کر رہے تھے۔ جگہ جگہ انہیں ندیاں اور پہاڑی نالے مل رہے تھے۔ ان کا پانی میٹھا اور شفاف تھا۔

سارا دن وہ سفر کرتے رہے۔ جس سڑک پر وہ جا رہے تھے وہ پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی دونوں جانب چیڑ اور چیری کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ سڑک پر ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں پھیلی ہوئی تھی۔ راستے میں انہیں کچھ گھوڑ سوار بھی ملے جو تبت کی جانب سے دیوار چین کی چوکی کی طرف جا رہے تھے۔ ایک ریڑھ گاڑی ملی جس پر سپاہیوں کے لیے کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا۔ انہوں نے سپاہیوں کو سلام کیا جس کا جواب چینی سپاہیوں نے خندہ پیشانی سے دیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ چینی سپاہی بڑے ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہیں۔ عنبر نے آج تک ایسے ہنس مکھ اور خوش اخلاق سپاہی نہیں دیکھے

تھے اس کا ہمیشہ سے اکھڑ اور بدمزاج سپاہیوں سے ہی پالا پڑا تھا۔

سفر کرتے کرتے انہیں رات ہونے لگی۔ پہاڑی میدان میں اندھیرا پھیلنے لگا۔ تھانگ نے کہا کہ اس سڑک کے کنارے کچھ فاصلے پہ چونگ پیانگ نام کا ایک گاؤں آتا ہے وہ اس گاؤں کی سرائے میں رات بسر کر سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ قافلہ گاؤں کی سرائے پر پہنچ گیا۔ سرائے کے بوڑھے چینی مالک نے مسکراتے ہوئے عنبر، ناگ کا خیر مقدم کیا اور بولا:

"آپ کی تشریف آوری کا شکریہ! فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ اس وقت میرے پاس دیہاتی مرغابیوں کے تازہ بنے ہوئے تکے اور کباب موجود ہیں جو آپ کی خدمت میں سفید چاولوں کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"شکریہ بڑے میاں! ہم آپ کی مہمان نوازی سے بیحد خوش ہوئے ہیں۔ لیکن کھانے کے علاوہ ہمیں رات بسر کرنے کے لیے جگہ بھی چاہیے۔ جہاں ہم تینوں بہن بھائی آرام کر سکیں۔"

بوڑھے چینی نے سر ہلا کر کہا:

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے اس ناچیز غریب کی سرائے کو رات بسر کرنے کے لیے چنا۔ میں آپ کی خدمت میں اپنی سرائے کا سب سے آرام دہ کمرہ پیش کروں گا۔ میرے ساتھ تشریف لایئے۔"

بوڑھا چینی عنبر اور تھانگ کو لے کر سرائے کے سب سے آرام دہ کمرے میں لے آیا۔ یہ ایک لمبا چوڑا کمرہ تھا۔ جس کے درمیان میں ایک بخاری میں آگ جل رہی تھی۔ زمین پر گھاس کے اوپر گرم گدیلے بچھے تھے۔ گرم لحاف بھی ایک طرف تہہ کیے رکھے تھے۔ کمرہ گرم اور پرسکون تھا۔ عنبر اور ناگ بے حد خوش ہوئے۔ ایک مدت

کے بعد انہیں اس قسم کا کمرہ مل رہا تھا۔ انہوں نے کہا:

بڑے میاں! ہم آپ کا پہلے ہی سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہمیں اس سرائے کا سب سے عمدہ کمرہ آرام کرنے کے لیے دیا۔ بس اب ہمیں کھانے کے لیے مرغابی کے کباب اور چاول بھجوا دیں۔ ہمیں سخت بھوک لگی ہے۔"

"فکر نہ کرو میرے بچو! میں ابھی کھانا لے کر آتا ہوں۔"

بوڑھا چینی چلا گیا۔

عنبر اور ناگ نے تھانگ کے ساتھ مل کر لحاف کھول کر ایک طرف رکھ دیئے اور جوتے اور گرم پوششیں اتار کر گرم پانی سے غسل کیا۔ پھر بخاری کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور ماریہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ خدا جانے وہ بے چاری کس حال میں ہے؟ اسے بھی اس طرح کا گرم کمرہ اور مرغابی کا گوشت نصیب ہے یا نہیں؟ اتنے میں بوڑھا

چینی اندر داخل ہوا۔ اس نے نوکر کے سر پر کھانے کا تھال اٹھوا رکھا تھا۔ کھانے میں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ نوکر نے فرش پر دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ وہ کھانا کھانے اور باتیں کرنے لگے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہن قوم کی باتیں شروع ہو گئیں جو چینی قوم کی دشمن تھی اور جس کے حملوں سے تنگ آ کر دیوار چین بنائی گئی تھی۔

چینی بوڑھے نے کہا:

"ہن قوم ہماری سب سے بڑی دشمن ہے۔ وہ ایک غریب اور سست قوم ہے۔ وہ ڈاکے مار کر لوٹ مار کر کے زندگی بسر کرنے کی عادی ہے۔ جب کہ ہم چینی ایک محنت کش اور جفاکش قوم ہیں۔ ہم دھوپ میں اور سخت سردی میں محنت کر کے اپنے کھیتوں میں فصل اگاتے ہیں۔ پتھر کاٹ کر نہریں جاری کرتے ہیں۔ اس لیے ہم خوش حال ہیں۔ ہن قوم کو ہماری خوش حالی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ پس وہ

چاہتی ہے کہ چین پر قبضہ کرلیا جائے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ ہم اپنی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا آپس میں اتحاد بہت ہے اور جس قوم کا آپس میں اتحاد ہو وہ کبھی دشمن سے شکست نہیں کھایا کرتی۔''

عنبر نے کہا:

''بڑے میاں! ہم آپ کی زبان سے چینی قوم کی ایمانداری، اتحاد اور محنت کشی کی باتیں سن کر بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ دنیا کی دوسری قومیں بھی آپ سے سبق حاصل کریں۔ کیوں کہ آپ ایسی قومیں اگر سب ہوجائیں تو اس دنیا میں کہیں کوئی جنگ ہو اور نہ کہیں کوئی شخص بھوکوں مرے۔ پھر دنیا میں ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی ہوجائے۔''

بوڑھا بولا:

''بالکل ٹھیک ہے آپ کا خیال۔ ہم اس خیال پر عمل کرتے ہیں۔ ہم امن سے رہتے ہیں اور کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی کوئی تنگ نہ کرے۔ لیکن جب کوئی فساد کرنے والی قوم ہم پر چڑھائی کرتی ہے تو ہم اپنے وطن کی اپنی جان دے کر بھی حفاظت کرتے ہیں۔ ہن قوم ہماری اس لیے دشمن قوم ہے کہ اس نے کبھی ہماری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بلکہ ہماری دوستی کو ٹھکرایا ہے۔ اب ہم نے ایک ایسی دیوار کھڑی رک دی ہے۔ جس کو عبور کرنا بڑا مشکل ہے۔ پھر بھی ہن قوم کے گوریلے ہمارے شہروں میں چھپ چھپ کر پھرتے رہتے ہیں۔ وہ ہماری نہروں اور پتھروں کے پلوں کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پکڑے جاتے ہیں تو خودکشی کر لیتے ہیں۔ آج کل وہ ہمارے بادشاہ کے بیٹے یعنی ولی عہد وانگ لنگ کو قتل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔''

ناگ نے پوچھا:

"کیا ولی عہد حال ہی میں پیدا ہوا ہے۔"

بوڑھا کہنے لگا:

"ہاں بیٹا! ولی عہد وانگ کی عمر دو برس ہے۔ وہ ہمارے بادشاہ فومانچو کے بعد تخت پر بیٹھے گا اور یوں بادشاہ کی سلطنت چلتی رہے گی۔ ملکہ بھی بے حد خوش ہے کہ اس کی گود بھی بری ہوئی اور بادشاہ کی سلطنت کا چراغ بھی گل ہونے سے بچ گیا۔ کیوں کہ اگر بادشاہ کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوتا تو اس کے بعد اس کی سلطنت وزیروں اور سپہ سالاروں نے آپس میں بانٹ ڈالنی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بادشاہ اب ملکہ کا بھی خاص خیال رکھنے لگا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے وہ اس کی ذرا بھر پروا نہیں کرتا تھا اور دوسری شادی کرنے کی فکر میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری ملکہ سلامت کو پھر سے ان کا جائز اور باعزت مقام

ملا۔ لیکن یہ دشمن قوم ہن ہم سے بدلہ لینے کی فکر میں رہتی ہے۔۔۔ اور ہمارے ولی عہد وانگ کو قتل کرنے کے آئے دن منصوبے بناتی رہتی ہے۔ مگر ہم اپنے دشمنوں کو ہمیشہ شکست دیں گے کیوں کہ ہم اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں۔"

عنبر اور ناگ سرائے کے بوڑھے چینی مالک کی حب الوطنی کے جذبے سے بھری باتوں سے بڑے متاثر ہوئے۔ انھوں نے اس کی اور چینی قوم کے آپس کے اتحاد کی بڑی تعریف کی اور کہا:

"بڑے میاں! ہم جب تک اس زمین پر رہیں گے اس کو ایسے ہی پیار کرتے رہیں گے جیسے کہ ہم اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا! اچھا اب تم کھانا کھا کر آرام کرو۔ تم لوگ ایک لمبے سفر کے تھکے ہوئے ہو۔ صبح کس وقت سفر پر روانہ ہو گے؟"

ناگ نے کہا:

"ہم سورج نکلنے پر یہاں سے چلیں گے۔ دراصل ہم کو بڑی مدت کے بعد ایک آرام دینے والا کمرہ ملا ہے۔ اس لیے ہم جی بھر کر اپنی تھکان اتارنا چاہتے ہیں۔"

بوڑھا مسکرا کر بولا:

"بیٹا! اس سرائے کو تم اپنا گھر ہی سمجھو اور چاہے جتنی دیر یہاں رہو۔ مجھے خوشی ہوگی۔ میں صبح صبح تمہارے گھوڑوں کو دانہ دنکا کھلا کر، ان کی مالش کروا کر انہیں تازہ دم کر رکھوں گا۔ تم جس وقت چاہو سفر پر روانہ ہو سکتے ہو۔"

بوڑھا شب بخیر کہہ کر چلا گیا۔ رات بھر ناگ اور عنبر آپس میں چینی قوم کی تعریف کرتے رہے۔ تھانگ بڑی خوش ہو رہی تھی کہ اس کی قوم کو اس کے بھائیوں نے بہت پسند کیا ہے۔ رات بھیگنے لگی تھی کہ

انھیں اپنے کمرے کے باہر کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ ناگ نے عنبر اور عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ اس وقت تھانگ گہری نیند سو رہی تھی۔ آہٹ ایک بار پھر ہوئی۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر غور سے سننے لگے کہ یہ آواز کیسی تھی۔

اب انھیں کسی شخص کے سرائے کے ساتھ ساتھ چلنے کی آواز سنائی دی پھر ایک پتھر زمین پر گرا پھر خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا ناگ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کی پچھلی کھڑکی کے پرانے پٹ سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور باہر جھانکنے لگا۔ اس نے جونہی باہر جھانک کر دیکھا۔ ایک تیر سن کرتا ہوا آیا اور کھڑکی کے پٹ میں آ کر کھب گیا۔ اگر ناگ اپنی گردن پیچھے نہ کر لیتا تو تیر اس کی آنکھ میں پیوست ہو جاتا اور وہ وہیں گر کر ٹھنڈا ہو جاتا اور عنبر کو ایک بار پھر ناگ کو زندہ کرنے کی مصیبت پڑ جاتی۔

کھڑکی میں تیر لگنے کی آواز سے عنبر جلدی سے اٹھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ گاؤں کی پتھریلی گلی چاندنی رات میں دور تک سنسان پڑی تھی۔ اسے گلی کے موڑ پر کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔ عنبر بھاگ کر اسی طرف گیا۔ موڑ پر جا کر اس نے سرخ بالوں والے ایک آدمی کو جس نے قبائلی جنگلیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ ایک مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس شخص نے عنبر کو نہیں دیکھا تھا۔ عنبر واپس ناگ کے پاس آ گیا۔ اس نے اسے سارا ماجرہ سنایا اور کہا کہ دشمن مکان میں گیا ہے۔ میں ابھی جا کر اس کا پتا کرنا چاہتا ہوں۔

ناگ نے کہا:

”عنبر بھائی! تم یہاں ٹھہرو۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہ سرخ بالوں والا قبائلی منگول کون تھا؟ اگر تم گئے تو لوگ تمہیں دیکھ لیں گے۔ میں اپنی جون بدل کر وہاں جاؤں گا۔“

عنبر نے کہا:

”اگر تم سانپ بن کر گئے تو جان کا خطرہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم کسی دوسرے جانور کی جون میں جاؤ۔“

ناگ کہنے لگا:

”فکر نہ کرو۔ ایسا ہی کروں گا۔ تم یہاں سے مت جانا۔ میں ابھی سب کچھ معلوم کر کے آتا ہوں۔“

ناگ چپکے سے کمرے کے دروازے میں سے باہر نکل گیا۔ باہر ہلکی ہلکی چاندنی میں گاؤں کی پتھریلی سڑک خاموش تھی۔ کہیں کہیں پتھر چمک رہے تھے۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا اس مکان کے پچھواڑے پہنچ گیا۔ جہاں ناگ پر تیر سے تابڑ توڑ حملہ کرنے والا سرخ بالوں کا منگول چھپا تھا۔ اس مکان کی دیوار میں کوئی بھی کھڑکی نہیں تھی۔ گلی کے فرش سے لے کر چھت تک ایک ہی دیوار چلی گئی

تھی۔ سامنے کے رخ جو دروازہ تھا وہ بند تھا۔

صرف اوپر ایک چوکور سوراخ سا تھا۔ جس میں سے موم بتی کی ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ اندر جانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ کوئی ایسی جون بدلے جو اس سوراخ میں سے آسانی سے اندر داخل ہو جائے اور اندر والوں کو معلوم بھی نہ ہو کوئی کمرے کے اندر موجود ہے۔ اس نے مکڑا بن کر اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ایک طرف ہٹ کر وہ زمین پر ٹانگیں اور بانہیں سینے کے ساتھ لگا کے لیٹ گیا اور زور سے سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے لمحے ناگ کی جگہ زمین پر ایک مکڑا رینگ رہا تھا۔

سرخ بالوں والا قاتل

مکڑے نے دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ اس چورس سوراخ میں سے کمرے کے اندر جانا چاہتا تھا جو اوپر چھت کے قریب دیوار پر بنا ہوا تھا اور جہاں سے موم بتی کی ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔ رینگتے رینگتے مکڑا سوراخ کے کنارے پر پہنچ گیا۔ پھر وہ سوراخ میں سے گزر کر دوسری جانب کمرے کی دیوار کے اندر آ گیا۔ اندر آ کر اس نے دیکھا کہ طاق میں کڑوے تیل کا دیا جل رہا ہے۔ دو آدمی جو شکل و صورت سے آدم خور لگتے تھے، زمین پر بیٹھے

ہیں۔ ان کے درمیان ایک نوجوان چینی کو منہ میں کپڑا ٹھونس کر باندھ رکھا ہے۔ بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کے بال سرخ ہیں۔ اسی شخص نے بوڑھے چینی کی کھڑکی پر تیر مارا تھا۔ دوسرا آدمی کہہ رہا تھا۔

"تمھارا تیر خطا نہیں جاتا۔ وہ ضرور مر گیا ہوگا۔"

سرخ بالوں والا کہنے لگا:

"میں نے تاک کر تیر چلایا تھا۔ مجھے یقین ہے بوڑھا چینی مر گیا ہوگا۔ وہ بڑا محب وطن بنا پھرتا ہے۔ ہم بن قوم کے خونخوار لوگ ہیں۔ ہم تمام محب وطن چینیوں کو مار کر دم لیں گے۔ ایک روز سارے چین پر ہماری بادشاہت ہوگی۔"

دوسرا آدمی بولا:

"اب اس چینی کا بھی خاتمہ کر دو۔ اس کو تم نے کس لیے زندہ رکھ چھوڑا ہے۔ یہ بھی تو بڑا زبردست محب وطن چینی ہے۔"

سرخ بالوں والے نے تلوار میان سے کھینچ کر کہا:

"ابھی اس کا خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ تم اس کی ٹانگوں کو پکڑے رکھو تاکہ یہ زیادہ ٹانگیں نہ چلائے اور میں اس کی گردن پر تلوار چلاتا ہوں۔ اس کو قتل کرنے کے بعد میں بارہ چینی محب وطن لوگوں کو قتل کر چکا ہوں گا۔ دیوتاؤں نے مجھ پر کرم کیا۔ یہ میں بارہواں چینی قتل کر رہا ہوں۔"

دیوار کے ساتھ لگے مکڑے ناگ نے یہ ساری بات سنی تو دنگ رہ گیا۔ یعنی یہ سرخ بالوں والا اور اس کا ساتھی بن قوم کے لٹیرے اور قاتل ہیں اور یہاں چینی وطن پرستوں کو چھپ چھپ کے قتل کر رہے ہیں۔ ابھی اس نے اس کی کھڑکی پر اپنی طرف سے بوڑھے چینی پر تیر چلایا تھا۔

مکڑے نے وقت ضائع نہ کیا اور بڑی تیزی سے نیچے اتر آیا۔

اس نے ایک کونے میں جا کر سانس لیا اور ایک دم سیاہ کالے سانپ کے روپ میں بدل گیا۔ سرخ بالوں والا منگول وحشی اپنی تلوار چینی نوجوان کی گردن کے پاس لے جا رہا تھا اور اس کا ساتھی چینی نوجوان کی ٹانگوں کو قابو میں کیے ہوئے تھا۔ اس نے کہا:

"کیا سوچ رہے ہو۔ فوراً اس کے گلے پر تلوار چلاؤ اور اس کا کام تمام کرو۔"

اس وقت تک ناگ کالے سانپ کے روپ میں سرخ بالوں والے منگول کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ وہ تلوار چلانے ہی والا تھا کہ اس کے ساتھی نے چیخ کر کہا:

"سانپ!"

سرخ بالوں والے نے ایک دم مڑ کر پیچھے دیکھا۔ مگر اتنے عرصے میں سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔ اس نے لپک کر سرخ بالوں والے کی

گردن پر ڈس لیا تھا۔ وحشی منگول نے ایک ہاتھ تلوار کا مارا۔ لیکن سانپ ایک مٹکے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ دوسرا ساتھی دہشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سرخ بالوں والے منگول کے منہ سے جھاگ جاری ہو گئی اور اس کا جسم تھر تھر کانپتے نیلا پڑ گیا اور آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ وہ گرتے ہی مر گیا۔ اس کے ساتھی نے جب یہ حالت دیکھی تو باہر بھاگ گیا۔

سانپ مٹکے سے نکل کر دروازے کے پاس گیا۔ وہ باہر گلی میں نکل آیا۔ اس نے زور سے پھنکار مار کر اپنی جون بدلی۔ وہ پھر انسان کے روپ میں آ کر ناگ بن گیا۔ واپس کوٹھڑی میں آ کر اس نے چینی نوجوان کی مشکیں کھولیں۔ اس کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکالا اور اس نے پوچھا:

"یہ سب کیا ہے؟"

ناگ نے یوں بہانہ کیا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ گلی میں سے گزر رہا تھا کہ جھونپڑے کا دروازہ چوپٹ کھلا دیکھ کر اندر آ گیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ چینی نوجوان نے ناگ کو بتایا کہ یہ لاش چین کے دشمن ایک بن گورلیے کی ہے جو یہاں وطن پرست عوام کو ہلاک کرنے پر لگا ہوا تھا۔

"مجھے یہ ہلاک کرنے لگا تھا کہ کونے سے ایک سانپ نکل آیا۔ جس نے اسے ڈس دیا۔ اس کا ساتھی بھاگ گیا ہے۔ اگر عین وقت پر سانپ نہ آ جاتا تو یہ شخص مجھے قتل کر چکا تھا اور اس کی لاش کی جگہ یہاں میری لاش پڑی ہوتی۔"

ناگ نے بڑا تعجب کیا اور چینی نوجوان سے کہا:

"بھائی! اب تم آزاد ہو۔ تم جا سکتے ہو۔ ان وطن دشمن لوگوں سے خبردار رہنا۔ آئندہ ان کے پھندے میں نہ آنا۔"

چینی نوجوان نے ناگ کا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔

ناگ بھی وہاں سے واپس سرائے کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس نے عنبر کو سارا ماجرا سنایا۔ عنبر نے ناگ کو مبارک باد دی کہ اس نے ایک وطن پرست چینی کی جان بچائی اور اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ اس نے کہا:

"اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ یہاں چینیوں کے سب سے بڑے دشمن بن قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر رکھی ہیں۔"

ناگ بولا:

"چینی بابا نے تو بتایا ہے کہ چین کی نیک دل ملکہ کے بیٹے کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

”فکر نہ کرو۔ میرے خدا نے چاہا تو ان وطن دشمن لوگوں کی ساری سرگرمیاں ناکام بنا دیں گے۔ اچھا میرا خیال ہے کہ اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔ صبح پھر سفر پر روانہ ہونا ہے۔“

اس کے بعد عنبر اور ناگ بستروں میں گھس کر سو گئے۔ صبح کے وقت تھانگ نے انہیں آ کر جگایا۔ رات وہ دیر تک جاگتے رہے تھے۔ اس لیے خوب گہری نیند سو رہے تھے۔ تھانگ منہ اندھیرے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سرائے کے مالک بوڑھے چینی نے ناشتا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ چینی بوڑھے کو انہوں نے سونے کے سکے دیے۔ اس سے ہاتھ ملایا۔ راستے کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں اور آگے چل پڑے۔

ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گئے

جہاں سے شنگھائی کی سمت جانے والی سڑک کیتھے کی شاہراہ سے الگ ہوتی تھی وہ تھانگ کو لے کر شنگھائی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب ماریا اور موریتی چور کی بھی خبر لی جائے کہ وہ کس حال میں ہیں اور کہاں پر ہیں۔ موریتی چور بھی ماریا کو لے کر اسے سرائے میں آ گیا جہاں دو رات پہلے عنبر اور ناگ ٹھہرے تھے۔ چینی بوڑھے نے اس کو بھی سرائے میں کمرہ دے دیا۔ رات کو ماریا کو ہوش آ گیا۔ موریتی چور نے اب اسے اور بے ہوش کرنا مناسب نہ خیال کیا۔ اس نے سوچا کہ ایک رات ماریا کو ہوش میں رہنا چاہیے اور وہاں سے روانہ ہوتے وقت وہ دوبارہ بے ہوش کر دے گا۔ ہوش میں آتے ہی ماریا نے اپنے ارد گرد دیکھا تو حیران ہوئی کہ وہ کہاں سوئی تھی اور کہاں اٹھی ہے؟

اس نے موریتی چور کو دیکھ کر پہچان لیا۔ پھر جب اس نے اپنی کمر کے گرد بندھی ہوئی رسی کا دوسرا سرا موریتی کی کمر کے گرد بندھا ہوا

دیکھا تو سارا معاملہ سمجھ گئی کہ اس نے اسے اغوا کر لیا ہے۔ ماریا کے ہاتھ بھی اس کی کمر کے گرد بندھے ہوئے تھے۔ مورتی نے اسے ہوش میں آتا دیکھ کر کہا:

”ماریا! میں نے تمھیں بے ہوش کر کے اغوا کر لیا ہے اور صرف اس لیے کہ تم کو معلوم ہے کہ میں جادوگرنی کے حکم پر چین کے شاہی خزانے کے ہیرے چوری کرنے جا رہا ہوں۔ میں تمھارے ساتھیوں کی پروا نہیں کرتا۔ مگر تم سے مجھے شدید خطرہ تھا کیوں کہ تم غائب رہتی ہو اس لیے میں نے تمھیں اغوا کر کے اپنے ساتھ باندھ کر رکھ لیا ہے، جب تک میں ہیرے چرا نہیں لیتا اور چین کی سرحد سے نکل نہیں جاتا تم اسی طرح میرے ساتھ رہو گی اور اگر تم نے میری قید سے بھاگنے کی کوشش کی تو میں اسی وقت تمھیں جان سے مار ڈالوں گا اور کسی کو جان سے مارنا میرے لیے کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔“

ماریا نے سوچا کہ اس شخص کے ساتھ چاپلوسی سے کام لینا چاہیے۔ اب جب کہ وہ اس کی قید میں ہے تو اسے مقابلے کی دعوت دینا بے کار ہے۔ چنانچہ ماریا نے کہا:

”بھائی! تم نے تو خواہ مخواہ مجھے قید میں ڈال دیا ہے۔ میں نے تو کبھی بھی اپنے بھائیوں کے کام میں دخل نہیں دیا۔ میری طرف سے تم چاہے بادشاہ کو اغوا کر لو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔“

مورتی چور مسکرا کر بولا:

”بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو ماریا۔ میں تمھیں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ تم خوشامد کر کے مجھے اپنے جال میں نہیں الجھا سکتیں۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے کہ جب تک میں ہیرے چرا کر چین کی سرحد سے باہر نہیں نکل جاتا تم میرے ساتھ اسی طرح قید میں رہو گی۔“

ماریا خاموش ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اس وقت مورتی پر اپنی باتوں سے اثر ڈالنا فضول ہوگا۔ ماریا چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی۔ دوسرے بستر پر اپنی کمر کے ساتھ رسی باندھے مورتی لیٹ گیا۔ وہ سو نہیں رہا تھا۔ بلکہ بڑے غور سے اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں ماریا لیٹی ہوئی تھی۔ مگر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

قید سے فرار

آدھی رات کے بعد ماریا کو نیند آ گئی۔

مگر مورتی چور برابر جاگ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ماریا خوب گہری نیند ہو گئی ہے۔ تو اس نے اس کی رسی چارپائی کے ساتھ کس کر باندھی اور خود بھی سو گیا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے ماریا کو آواز دی۔ ماریا نے جواب دیا اور بولی:

"تم مجھے بے کار اپنے ساتھ لیے پھر رہے ہو۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے کسی کام میں کوئی دخل نہیں

دوں گی۔ کسی سے ذکر تک نہیں کروں گی کہ تم نے مجھے بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔“

موریتی نے مسکرا کر کہا:

”میں کچی گولیاں نہیں کھیلا ماریا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میری قید سے آزاد ہو کر تم یہاں سے سیدھا اپنے بھائی عنبر کے پاس جاؤ گی اور اس میرے بارے میں ایک ایک لفظ بتا دو گی۔“

ماریا نے کہا:

”لیکن عنبر کو تو تمھارے بارے میں سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ انھیں میرے منصوبے کے بارے میں ساری باتیں معلوم ہیں۔ مگر انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میں اس وقت کس جگہ اور کس مقام پر سفر کر رہا ہوں۔ تم میری قید سے آزاد ہو کر اسے یہ سب

کچھ بتا دو گی اور پھر وہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔“

ماریا نے بے ساختگی سے کہا:

”موریتی چور! پکڑ تو وہ تمھیں ایک نہ ایک دن ضرور لیں گے۔ اس بات کے بارے میں تم اپنے دل میں یقین کر رکھو۔ ہاں اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں اس وقت تمھاری جان بخشی کی ضرور سفارش کروں گی۔“

موریتی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا:

”ماریا! تمھارا یہ وار بھی ناکام ہو گیا ہے۔ میں نے ایک زمانہ دیکھا ہوا ہے۔ میں نے زمانے کے بڑے بڑے گرم سرد دیکھے ہوئے ہیں۔ تم میرے سامنے ایک معمولی بچی ہو۔ اگر تم میں میرے مقابلے میں کوئی برائی ہے تو یہی ہے کہ تم جادو کے زور سے غائب ہو چکی ہو اور میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

ماریا بولی:

”کیا جادوگرنی تمھیں ایسی کوئی دوا نہیں دے سکتی جسے چہرے پر مل کر تم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو سکو؟“

”اس کے پاس ایسی دوائی نہیں ہے اور پھر مجھے ایسی دوا کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لیے کہ ہم لوگ جتنا لوگوں کے سامنے آئیں گے اور ان میں گھومیں پھریں گے ہم پر اتنا ہی شک کم کیا جائے گا۔“

اتنے میں چینی نوکر نے دروازے پر دستک دی۔ موریتی نے فوراً اٹھ کر ماریا کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ نوکر فرش پر ناشتہ رکھنے لگا۔ پھر کنکھیوں سے خالی چار پائی کی طرف دیکھ کر بولا:

”جناب عالی! یہ رسی آپ نے اپنی کمر کے گرد کیوں باندھ رکھی ہے؟“

”بکواس بند کرو۔ جس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تم اس کے

بارے میں کیوں پوچھ گچھ کر رہے ہو۔ خاموشی سے ناشتہ لگا کر باہر نکل جاؤ۔“

چینی نوکر چپکے سے باہر نکل گیا۔ ناشتے کے بعد موریتی نے ماریا کو دوائی سنگھا کر پھر سے بے ہوش کر دیا۔ اس نے اسے کاندھے پر ڈالا اور گھوڑے کے آگے کی طرف جا کر ڈال دیا۔ چینی بوڑھے کو سونے کے سکے دے کر چین کے شہر کیتھے کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کو شنگھائی جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ وہ سیدھا کیتھے کی جانب سفر کر رہا تھا۔ راستے میں وہ ایک ایسی وادی سے گزرے جہاں قدم قدم پر پھولوں بھری جھاڑیاں نیلی دھوپ اور تروتازہ ہوا میں جھوم رہی تھیں۔ اس نے سارا دن سفر جاری رکھا۔ شام کو وہ ایک ندی کنارے پہنچ کر ٹھہر گیا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ ماریا کو بھی کھانا کھلایا اور دوبارہ رات کو سفر شروع کر دیا۔ وہ جلدی سے جلدی کیتھے پہنچنا چاہتا

تھا۔ چنانچہ اگلے روز تیسرے پہر وہ اس سڑک پر پہنچ گیا جو بڑی شاہراہ سے نکل کر شنگھائی کی طرف جاتی تھی اور جس پر عنبر اور ناگ سفر کر رہے تھے۔ وہ لوگ شنگھائی کی طرف جا رہے تھے اور مورتی چور ماریا کو لے کر لیتھے کی جانب روانہ ہو گیا۔

رات بھر وہ سفر کرتا رہا۔ دوسرے روز دوپہر کے وقت مورتی کو دور سے چین کے دارالحکومت لیتھے کی فصیل کی لکیر دکھائی دی۔ وہ اپنی منزل کو سامنے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ فصیل کے دروازے پر اسے چینی سپاہیوں نے روک دیا۔ اس نے دیوار چین سے حاصل کی ہوئی لکڑی کی مہر ان کو دکھائی اور بڑے آرام سے دروازے میں سے گزر کر لیتھے میں داخل ہو گیا۔ وہ تیسری بار اس خوب صورت اور گنجان آباد شہر میں آ رہا تھا۔ اسے اپنے دوست کے گھر کا پتہ معلوم تھا۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر میں بڑی رونق تھی۔ لوگ سودا خرید بھی رہے تھے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف لڑ جھگڑ بھی رہے تھے۔ گھروں میں سے عورتوں اور بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مختلف گلیوں اور محلوں میں سے گزر کر مورتی چور اپنے دوست کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے دوست کا نام کھسیاتا تھا اور اس کا تعلق بھی تبت کے ان لوگوں سے تھا۔ جن کے آباؤ اجداد بن قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ چین میں ایک سوداگر کا بھیس بنا کر زندگی بسر کر رہا تھا۔ مگر اصل میں وہ چینی وطن پرستوں کے خلاف سازش کر کے انھیں ایک ایک کر کے قتل کر رہا تھا۔ جادوگرنی سے بھی اس کا تعلق تھا۔ اور اسے ہیروں کی چوری کے سارے منصوبے کا علم تھا۔ جادوگرنی نے اس سے بھی وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے ہیروں کی چوری میں مورتی چور کی مدد کی تو وہ اسے بھی ہیرے جواہرات کی ایک تھیلی انعام کے طور پر پیش کرے گی۔ یہی وجہ تھی کہ

کھباتا بڑی بے چینی سے مورتی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

مورتی نے حویلی میں داخل ہوتے ہی ماریا کے بارے میں اسے ایک ایک بات بتادی۔ کھباتا تو بڑا حیران ہوا کہ ایک عورت غائب رہ کر اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے۔ اس نے مورتی سے کہا:

"تمھارا کمال تو یہ ہے کہ تم ایک ایسی عورت کو قید کر کے سفر کر رہے ہو جو نظر نہیں آتی اور جو کسی وقت بھی تم پر حملہ کر سکتی ہے۔"

مورتی نے کہا:

"اس کا پورا پورا بندوبست میں نے کر رکھا تھا۔ میں نے زیادہ سے زیادہ راستے میں ماریا کو بے ہوش رکھا۔ جب اسے ہوش آتا تو میں اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتا۔ بہر حال اب یہ عورت تمھارے حوالے کرتا ہوں۔ تم اسے اپنے تہہ خانے میں ڈال دو اور جب تک میں شاہی ہیرے چرا کر یہاں سے فرار نہیں ہو جاتا اسے اسی تہہ خانے میں قید رکھو۔"

بہت بہتر ایسا ہی ہوگا، مورتی بھائی!

ان کی ساری باتیں ماریا سن رہی تھی۔ اسے دیوار کے ساتھ لگا کر ایک تخت پوش پر بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا گیا تھا اور صرف کمر کے ساتھ رسی بندھی تھی جس کا ایک سرا کھمبے کے ساتھ کس کر باندھ دیا گیا تھا۔ مورتی نے پوچھا:

"یہ بتاؤ کہ شاہی محل کے خزانے اور قلعے کی دیوار کا نقشہ تمھارے پاس موجود ہے کیا؟"

کھباتا نے آنکھ کے اشارے سے اسے خبردار کیا کہ ماریا پاس بیٹھی سن رہی ہے۔

مورتی نے بلند آواز سے کہا:

"کھباتا! فوراً ماریا کو لے جا کر قید میں ڈال دو۔"

"بہت بہتر۔"

کھمباتا نے اٹھ کر ماریا کو رسی سے پکڑا اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ نیچے تہہ خانے میں لے گیا اور وہاں جا کر اس نے اسے کوٹھری میں دونوں ہاتھ باندھ کر ڈال دیا اور دروازے پر تالہ ڈال کر اوپر آ گیا۔ اوپر آ کر اس نے مورتی کو وہ نقشہ دکھایا جو ایک ریشمی کپڑے پر بنا ہوا تھا۔ اور جس میں پوری پوری وہ جگہ اور اس کے برآمدے اور کمرے دکھائے گئے تھے جہاں بیچ میں زمین کے نیچے ایک الماری میں چین کے شاہی ہیرے ایک چاندی کے مرتبان میں بند تھے۔ ان ہی ہیروں میں زرقاب نام کا وہ شاہی ہیرا بھی شامل تھا۔ جس کی جادوگرنی کو اشد ضرورت تھی۔

کھمبا نے کہا:

"اگر تم کہو تو میں بھی تمھارے ساتھ جا سکتا ہوں اور تھوڑی بہت

مدد کر سکتا ہوں۔"

اس پر مورتی نے کہا:

"تمھاری ضرورت نہیں۔ میں یہ کام اکیلے ہی کروں گا۔ تم اگر میرے ساتھ گئے تو ہو سکتا ہے ہم پکڑے جائیں۔ اس لیے تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں واپس یہیں آؤں گا۔"

شہر سے تھوڑی دور ایک جھیل کے کنارے شاہی محل کھڑا تھا۔ اس محل میں چین کا بادشاہ فوما نچو حکومت کرتا تھا۔ اس کی ملک اور شہزادہ بھی وہیں رہتے تھے۔ مورتی کھمباتا سے آدھی رات تک مشورہ کرتا رہا کہ وہ کس بھیس میں شاہی محل میں جائے۔ کھمباتا کی رائے تھی کہ محل میں نقب لگا کر ہیرے چرانے چاہیں۔ مورتی کا خیال تھا کہ اسے بھیس بدل کر شاہی محل میں داخل ہو جانا چاہیے اور پھر اندر ہی اندر سے خزانے والے کمرے تک پہنچ کر ہیرے اڑا لینے چاہیں۔ آخر

اسے کھسیانا کی بات تسلیم کرنی پڑی۔ کیوں کہ بھیس بدل کر جانے میں اگرچہ خطرہ کم تھا مگر بات لمبی ہو جاتی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ شاہی محل کی عقبی دیوار میں شگاف ڈال کر محل میں داخل ہوا جائے اور نقشے کے مطابق خزانے والے مقام تک پہنچ کر ہیروں کا مرتبان چرا لیا جائے۔

مورتی چور رات کے اندھیرے کا انتظار کرنے لگا۔ نیچے تہ خانے میں ماریا رسیوں میں جکڑی ہوئی بے بس و مجبور بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ وہاں سے کیوں کر رہائی حاصل کرے فرار ہو گئی اور مورتی چور محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جھیل کی پچھلی جانب کے جنگل سے محل کی عقبی دیوار تک پہنچ گیا۔ گھوڑا اس نے جنگل ہی میں ایک جگہ چھپا کر باندھا اور خود چھپتا چھپاتا محل کی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ نقب لگانے کے لیے اس نے کدال اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ مورتی نے

دیوار میں شگاف ڈالنا شروع کر دیا۔ یہاں سے محل کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد دیوار میں شگاف ڈالنا شروع کر دیا۔ یہاں سے محل کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا کہ وہ اس میں سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ جگہ محل کا ایک باغ تھی۔ جہاں بارہ دری سے آگے اس کمرے کی دیوار تھی جہاں چاندی کے مرتبان میں شاہی ہیرے جواہرات پڑے تھے۔

مورتی دبے پاؤں چھپ چھپ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خزانے کی دیوار کے پاس ہی پہنچا تھا کہ ایک طرف سے دو گھوڑ سوار گشت کرتے ہوئے ادھر آئے اور دائیں بائیں دیکھنے بھالنے لگے۔ مورتی ایک طرف چھپ گیا۔ سپاہی عین اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ سردی بہت ہو جاتی ہے، میری بیوی پھر بیمار پڑ گئی، بادشاہ تو مانو بڑا نیک بادشاہ ہے، خیرات بہت کرتا

ہے۔ مگر ظلم بھی بہت کرتا ہے، ولی عہد شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جتنی دیر وہ وہاں کھڑے رہے موریتی ایک درخت کے پیچھے دم سادھے چپ چاپ کھڑا رہا۔ آخر وہ وہاں سے چلے گئے۔ موریتی آگے بڑھنے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ خزانے کی عمارت کے باہر رات کو بھی بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔ سپاہی برابر گشت کر رہے تھے۔ موریتی کافی دیر وہاں کھڑا موقع کا انتظار کرتا رہا مگر اس نے دیکھا کہ رات ڈھلنی شروع ہو گئی ہے۔ آسمان پر صبح کی روشنی پھیلنے لگی ہے۔

اب اس کا وہاں زیادہ دیر کھڑے رہنا خطرناک تھا۔ وہ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ بڑی آسانی سے گرفتار کیا جا سکتا تھا اور پھر فومانیچو ایسے ظالم بادشاہ سے رحم کی امید رکھنا ایک ناممکن بات تھی۔ موریتی چور ناکام ہو کر واپس چل پڑا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اگلے روز آئے گا

اور اپنے ساتھ بے ہوش کرنے والی دوائی بھی لائے گا۔ جس جگہ اس نے دیوار میں شگاف ڈالا تھا۔ وہاں اس نے ادھر اُدھر سے جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں اور شگاف کر چھپا دیا۔

دوسری طرف ماریا آزاد ہونے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ کی رسی کھول دی تھی تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے دوسرے ہاتھ کی رسی بھی کھول دی اور اب وہ آزاد تھی۔ اس نے وہ رسی بھی کھول لی جس سے وہ ستون کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اب سب سے بڑا مرحلہ باہر کے دروازے کھلوا کر وہاں سے فرار ہونا تھا۔ ماریا نے کیا کیا کہ زمین پر زور سے لوہے کا جگ پٹخ دیا۔ یہ شور سن کر کھمبانا اوپر سے نیچے آیا۔ اس نے دروازے کے پاس منہ لے جا کر کہا:

”کیا بات ہے؟ یہ اندر کیا ہو رہا ہے؟“

ماریا نے بڑی رحم طلب آواز بنا کر کہا:

دیوتاؤں کے لیے مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو پیاس کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

کھمباتا نے ایک پل کے لیے سوچا کہ ماریا کو پانی پلائے یا نہیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو رسی کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ پانی کا کٹورا لے کر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ جونہی اس نے دروازے کا ایک پٹ کھولا اور اندر داخل ہوا، ماریا پلک جھپکنے میں باہر نکل گئی۔ کھمباتا نے اندر جا کر دیکھا کہ رسی کھمبے کے ساتھ گری پڑی تھی اس نے رسی اٹھائی تو وہ ساری کی ساری اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

وہ سرپٹ کر رہ گیا۔ ماریا فرار ہو چکی تھی۔ وہ بھاگا بھاگا تہہ خانے سے نکل کر اوپر آیا۔ اس نے ماریا کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ مگر ماریا خاموش کھڑی رہی۔ کھمباتا نے لپک کر مکان کا بڑا دروازہ بند کرنے

کی کوشش کی۔ اسی وقت ایک بھاری پتھر اس کے سر پر لگا اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

ماریا خاموشی سے اس کے مکان سے باہر نکل آئی۔ وہ آزاد تھی اور غائب تھی۔ پیچھے کے گلی کوچے رات کے اندھیرے میں خاموش اور سنسان تھے۔ کہیں کہیں کونوں میں لیمپ جل رہے تھے ماریا گلیوں میں سے گزرتی بڑے بازار میں آ گئی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مرحلہ یہ تھا کہ وہ کس جگہ رات بسر کرے اور آئندہ کے بارے میں سوچے۔ آخر وہ ایک باغ میں آ گئی اور ایک درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ گئی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

قتل کی سازش

مورتی واپس گھر آیا تو کھمباٹا پریشان بیٹھا تھا۔

جب اس نے بتایا کہ ماریا فرار ہو گئی ہے تو مورتی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ دھم سے تخت پوش پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"ارے احمق نے یہ کیا کر دیا۔"

"بھائی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو دروازے پر تالہ

ڈالے آرام سے سو رہا تھا کہ ماریا نے پانی مانگا۔ بس پانی دینے اندر گیا تو وہ باہر بھاگ گئی اس نے تو پہلے ہی سے رسیاں کھول رکھی تھیں۔"

"اب کیا ہوگا۔ وہ تو مجھے جینے نہیں دے گی۔ وہ تو موت بن کر ہمارے سروں پر منڈلائے گی۔ کوئی پتہ نہیں وہ یہیں کہیں موجود ہو۔ ہماری ساری باتیں سن رہی ہو۔ ابھی تلوار کا وار کر کے ہمیں ہلاک کر دے۔"

کھمباٹا بھی ڈر گیا۔ مورتی نے اٹھ کر گھر کے سارے دروازے بند کر ڈالے اور ہاتھ پھیلا کر سارے کمروں میں پھرنے لگا۔ اس نے کھمباٹا کو بتایا کہ وہ کل رات ہیروں پہ ہاتھ صاف کرنے جائے گا کیوں کہ محل کے اندر سخت پہرہ ہے۔

"خدا جانے اب ماریا مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور جب میں

وہاں پہنچوں تو سپاہی مجھے گرفتار کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوں۔"

کھمباتا نے کہا:

"اگر یہ بات ہے تو ہمیں ابھی جا کر ہیرے چرا کر لے آنے چاہئیں۔ اتنی جلدی ماریا محل میں نہیں جا سکتی۔"

اب تو صبح ہونے والی ہے۔ محل تک جاتے جاتے دن چڑھ آئے گا۔ اس وقت واپس جا کر ہیروں کو چرانا مشکل ہے۔ بہر حال میں آج رات کو بڑی احتیاط کے ساتھ ایک بار پھر کوشش کروں گا۔ اب کے تمھیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"میں ضرور چلوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ ماریا اتنی جلدی بادشاہ کے دربار میں نہیں پہنچ سکتی۔ بادشاہ فونانچو کے دربار تک رسائی حاصل کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔"

معرقی چور تخت پوش پر لیٹ گیا اور پریشان ہو کر رات کو ڈاکہ

ڈالنے کے بارے میں ترکیبوں پر غور کرنے لگا۔ اب اسے جان کا خطرہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بڑی احتیاط سے وہاں جائے گا اور اگر ذرا سا بھی خطرہ ہوا تو فوراً وہاں سے بھاگ آئے گا اور ہیروں کی چوری کا خیال کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دے گا۔

رات گزر گئی۔ سورج نکل آیا۔ کیتھے شہر میں چاروں طرف روشنی ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے کام کو باہر نکل آئے۔ بازاروں میں شور وغل مچ گیا۔ ماریا درختوں کے نیچے ابھی تک سو رہی تھی۔ اسے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آئیں تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ دن کافی چڑھ آیا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی ندی پر جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ اسے بھوک بہت لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ بجائے کسی دکاندار کے ہاں کوئی کھانے کی چیز اڑانے کے واپس کھمباتا کے گھر ہی جا کر ناشتہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ

کھمبانا کے گھر کی طرف چل پڑی۔

اس نے دیکھا کہ مورتی ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ کھمبانا باورچی خانے میں گھی کے گلگلے تل رہا تھا۔ وہ چپکے سے باورچی خانے میں اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ کھمبانا کو بالکل احساس نہ ہوا کہ ماریا اس کے پاس کھڑی ہے۔ وہ گلگلے تل تل کر ٹوکری میں ڈالے جا رہا تھا۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر کھانے شروع کر دیئے۔ اچانک کھمبانا نے محسوس کیا کہ ٹوکری میں گلگلے کم ہو گئے ہیں۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک دم اسے ماریا کا خیال آیا اور وہ ڈر گیا کہ ماریا وہاں موجود ہے اور ہو سکتا ہے وہ کوئی شے اس کے سر پر مار کر اسے مار ڈالے۔

کھمبانا نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"میری بہن! مجھے معاف کر دینا۔ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں

بے گناہ تھا۔ مجھے جو کچھ میرے دوست مورتی نے کہا۔ وہ میں نے کر دیا۔ تم بے شک سارے کے سارے گلگلے کھا لو۔ تم بے شک روز آ کر یہاں ناشتہ کیا کرو۔ میں تمھاری روزانہ خدمت کروں گا۔ مجھے تم اپنا غلام ہی خیال کرو۔"

ماریا گلگلے کھاتے ہوئے بڑا ہنسی۔ مگر زبان سے اس نے ایک لفظ تک نہ نکالا۔ وہ خاموش رہی۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا تو چپکے سے باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔ جاتے جاتے نشانی کے طور پر وہ ایک گلگلا۔ اٹھا کر اسے زور سے کھمبانا کے منہ پر مارتی گئی۔ کھمبانا چیخ مار کر وہاں سے بھاگ گیا۔ مورتی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چیخ کی وجہ پوچھی تو کھمبانا نے سارا قصہ سنا دیا۔ مورتی نے تلوار نکال کر کمرے میں چاروں طرف گھمانی شروع کر دی کہ اگر ماریا کہیں بھی کھڑی ہو گی تو تلوار لگنے سے اپنے آپ ہلاک ہو جائے گی۔ لیکن

ماریا اس وقت شہر کے بازاروں سے گزر رہی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ کہیں سے گھوڑا حاصل کر کے واپس اس سڑک پر چلی جائے جہاں اسے امید تھی کہ عنبر اور ناگ سفر کرتے چین کے دارالحکومت کی طرف آ رہے ہوں گے۔ سوال یہ تھا کہ گھوڑا کہاں سے لیا جائے۔ ماریا نے دیکھا کہ شہر کے بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ منڈی میں کاروبار بڑے زور شور سے ہو رہا تھا۔ چینیوں کے علاوہ وہاں جاپانی منگول، روسی اور سمرقندی لوگ بھی گھوم پھر رہے تھے۔ کاروان سرائے کے باہر قافلے اترے ہوئے تھے اور لوگ اپنی چیزیں آوازیں لگا کر فروخت کر رہے تھے۔

ماریا چپ چاپ بازاروں میں سے گزرتی چلی گئی۔ کسی کو احساس تک نہ ہوا تھا کہ ان کے درمیان ایک ایسی عورت گزر رہی ہے جو کسی کو نظر نہیں آ رہی، جو غائب ہے۔ ایک تنگ سے بازار میں سے

گزرتے ہوئے ماریا نے دیکھا کہ ایک حویلی کا بڑا دروازہ کھلا ہے اور اندر ڈیوڑھی میں چار پانچ سفید گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ یہ گھوڑے بڑے ہی خوب صورت تھے۔ ایک نوکر ان کے آگے چارہ ڈال رہا تھا۔ ماریا کو وہ گھوڑے بے حد پیارے لگے۔ اس نے سوچا کیوں نہ ایک گھوڑا یہاں سے کھول کر اپنے ساتھ کر لیا جائے۔ اس خیال سے وہ مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئی۔ اس کو احساس ہوا کہ گھوڑے چارہ کھا رہے ہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ گھوڑے جی بھر کر پیٹ بھر لیں تو پھر ان میں سے کسی کو اڑا لیا جائے۔ ماریا خاموشی سے ایک طرف ڈیوڑھی میں پتھر کے بنچ پر بیٹھ گئی اور منگول قسم کے غلام کو گھوڑوں کو چارہ کھلاتے اور مالش کرتے دیکھتی رہی۔

اچانک کسی نے اندر سے غلام کو آواز دی۔ وہ جلدی سے اندر کی طرف بھاگ گیا۔ آواز کسی ایسے شخص کی تھی جو بڑا سخت مزاج معلوم

ہوتا تھا۔ کیوں کہ آواز میں غرور اور اکھڑ اپن بہت پایا جاتا تھا۔ ڈیوڑھی میں گھوڑوں کی بدبو سے تنگ آ کر ماریا نے سوچا کیوں نہ ذرا حویلی کی سیر کی جائے اور دیکھا جائے کہ یہ بدمزاج اکھڑ آدمی کون تھا جس نے نوکر کو اس طرح بلایا ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکر کو بلاتا ہے۔ وہ ڈیوڑھی سے نکل کر اندر والے صحن میں آ گئی۔ یہاں بیچ میں پانی کا فوارہ چل رہا تھا۔ چاروں طرف برآمدے میں سفید پھولوں والی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ماریا یہاں رک گئی۔

کیوں کہ ایک آواز اسی اکھڑ اور سخت مزاج آدمی کی تھی اور نوکر بھی اسی کمرے میں گیا تھا۔ وہ ستون کے پاس لگ کر کھڑی ہو گئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا گیا تھا۔ اسے اندر سے کنڈی لگانے کی آواز سنائی دی۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا

پڑی ہے کہ دن کے وقت اپنے ہی گھر میں دروازوں کو اندر سے کنڈی چڑھا کر باتیں کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں ضرور خفیہ قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ماریا کا شوق بڑھ گیا۔ اس کی خواہش ہوئی کہ ان لوگوں کی باتیں سنی جائیں کہ وہ کیا کہہ سن رہے ہیں۔ اس نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اندر سے ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ وہی اکھڑ آواز والا مرد بول رہا تھا۔ یہ چینی زبان نہیں تھی۔ بلکہ وہ منگول اور جن قوم کی تریان میں باتیں کر رہا تھا۔ دوسرا آدمی بھی اسی زبان میں بات کر رہا تھا۔ ماریا کو اتنی طاقت مل گئی تھی کہ ہر زبان کا مطلب سمجھ لیتی تھی۔ اس نے ان لوگوں کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ وہ کسی بڑے ہی خطرناک کام پر وہاں آئے ہیں اور بادشاہ کے بیٹے یعنی ولی عہد شہزادے کو ہلاک کرنا یا اغوا کرنا چاہتے ہیں۔

ماریا کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اب وہ اندر جانے کے لیے بے تاب

ہوگئی۔ مگر وہ اندر نہیں جا سکتی تھی کیوں کہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اتنے میں اسے وہی نوکر نظر آیا وہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا تانبے کا جگ لے کر چلا آ رہا تھا۔ دروازے کے پاس آ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ نوکر کے ساتھ ماریا نے دیکھا کہ ایک طرف دیوار کے ساتھ تخت بچھا تھا۔ اس پر قالین پڑا تھا۔ اور ایک وحشی قسم کا آدمی جس نے منگولی لباس پہن رکھا تھا۔ کمر میں تلوار لگائے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک باز پکڑا ہوا ہے۔

دوسرا آدمی دروازہ بند کر کے واپس آ گیا نوکر نے تپائی پر پانی کا جگ رکھ دیا اور واپس جانے لگا۔ دوسرے آدمی نے دوبارہ دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اب ماریا بھی ان کے ساتھ ہی کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ منگول وحشی کو دوسرے آدمی نے چاندی کے کٹورے میں پانی بھر کر پلایا۔ پانی پی کر منگول وحشی نے اکھڑ آواز میں کہا:

''اس روز یہاں نوکر بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اگر تم نے شہزادے کو قتل کر دیا تو اسے اغوا کر کے لے آئے تو ہم نہیں چاہتے کہ یہاں کسی کو کانوں کان ہمارے آنے کی اطلاع ہو۔''

دوسرے آدمی نے کہا:

''ارژنگ تم فکر نہ کرو۔ یہاں راز داری سے کام لیا جائے گا۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ مجھے بھی اپنے قبائلی سردار کو جا کر منہ دکھانا ہے اور پھر میں بھی اس چینی قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں تو بھیس بدل کر یہاں گھوڑوں کی سوداگری کر رہا ہوں۔ مجھے یہاں کے چینیوں کے سامنے ان کے بادشاہ اور ملک کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ حقیقت میں تو میں بھی ہن قوم کا باشندہ ہوں اور چین پر اپنی قوم اور اپنے سردار کی حکومت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

ارژنگ بولا:

''شاباش! اور ہماری حکومت صرف اسی صورت میں یہاں قائم ہو سکتی ہے کہ ہم بادشاہ کے بیٹے شہزادہ ولی عہد کو ختم کر دیں اور پھر اپنی لوٹ مار کی کارروائیاں تیز کر کے چین میں خانہ جنگی کی فضا قائم کر دیں۔ پھر ہم حملہ کر دیں گے۔ ہن قوم ایک سیلاب کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے گی۔ اور اس ملک پر اپنا جھنڈا لہرا دیا جائے گا۔ مگر اس کے لیے بھی ہمیں بڑی احتیاط اور بڑی رازداری سے کام لینا ہوگا۔''

سوداگر بولا:

''ایسا ہی ہوگا ارژنگ! اب تمھارے سامنے اس کمرے میں ہمارے سوائے اور کوئی نہیں ہے۔''

ماریا اس خیال پر بڑی ہنسی۔ انھیں خبر نہیں تھی کہ ان کے بالکل قریب ایک لڑکی کھڑی ان کی ساری خفیہ باتیں سن رہی ہے۔ ماریا بڑی حیران ہوئی کہ ایک اتفاق کے ساتھ وہ اس حویلی میں آ گئی اور

اسے ایک بڑے ہی پراسرار منصوبے کا علم ہو گیا۔ جو پراسرار بھی ہے اور انتہائی خونی بھی۔ ارژنگ نے کہا:

میں آج واپس جا رہا ہوں۔ چاند کی پہلی تاریخ کو واپس آؤں گا۔ میرے ساتھ دوسرے ساتھی بھی ہوں گے۔ اس روز ہم اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیں گے۔ شاہی محل میں ہماری ایک خاص عورت ورشا اس وقت ملکہ چین کی خاص کنیز کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ وہ ولی عہد شہزادے کو دودھ بھی پلاتی ہے اس نے ہمارے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔ اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے رات کو محل میں جا کر ورشا کو وہ خاص قسم کا زہر دیا جائے جو ولی عہد شہزادے کو پلا کر ہلاک کر ڈالے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کسی طرح شہزادے کو وہاں سے اغوا کر کے یہاں لایا جائے اور یہاں اسے قتل کر کے زمین کے اندر دفن کر دیا جائے۔''

سوداگر کہنے لگا:

ورشا نے ہماری راہ آسان کر دی ہے۔ اب ہمارے لیے ولی عہد شہزادے تک رسائی حاصل کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔"

ماریا اب جلدی سے باہر نکلنا چاہتی تھی تا کہ دیوارِ چین سے دارالحکومت کیتھے کی طرف آنے والی سڑک پر واپس جا کر وہ عنبر اور ناگ کو تلاش کر کے سارے منصوبے اور ولی عہد شہزادے کے قتل کی سازش سے باخبر کر دے۔ وہ دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر جانے والی تھی کہ نوکر نے باہر سے دستک دی۔ شاید وہ کھانے کے لیے کچھ لایا تھا۔ ماریہ چوکس ہو کر کھڑی ہو گئی۔ سوداگر نے دروازہ کھولا۔ نوکر اندر آیا اور ماریا باہر نکل گئی۔ باہر آ کر وہ ڈیوڑھی میں آ گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے آرام سے ایک گھوڑا کھولا۔ اسے خاموشی سے لے کر حویلی کی ڈیوڑھی سے باہر آ کر

اس پر سوار ہو گئی۔ گھوڑے پر ماریا کا سوار ہونا تھا کہ گھوڑا غائب ہو گیا۔ بازار میں ایک چینی دکاندار نے ابھی ابھی سفید گھوڑے کو حویلی میں سے نکلتے دیکھا تھا۔ اچانک گھوڑا غائب ہوا تو وہ بوکھلا سا گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور سر ہلا دیا۔ جیسے اس کی نظروں کو دھوکا ہوا ہو۔

ماریا گھوڑے پر سوار شہر سے باہر نکل آئی اور اسے سرپٹ دوڑاتی کیتھے شہر سے دیوارِ چین کو جانے والی شاہراہ پر روانہ ہو گئی۔

☆ شاہی محل میں سونے کی مورتی کا اصل چون کون تھا۔

☆ جاسوسہ ورشا نے نوکرانی بن کر اس شاہی محل میں کیسے جاسوسی کی۔

☆ شہزادے کو قتل کرنے کے لیے زہریلی بانسری بجا کر کیسے سانپ کی مدد لی گئی۔

یہ سب کچھ جاننے کے لیے اس ناول کی اگلی سیریز کے چوبیسویں 24 حصے زہریلی بانسری میں ملاحظہ کیجیے۔

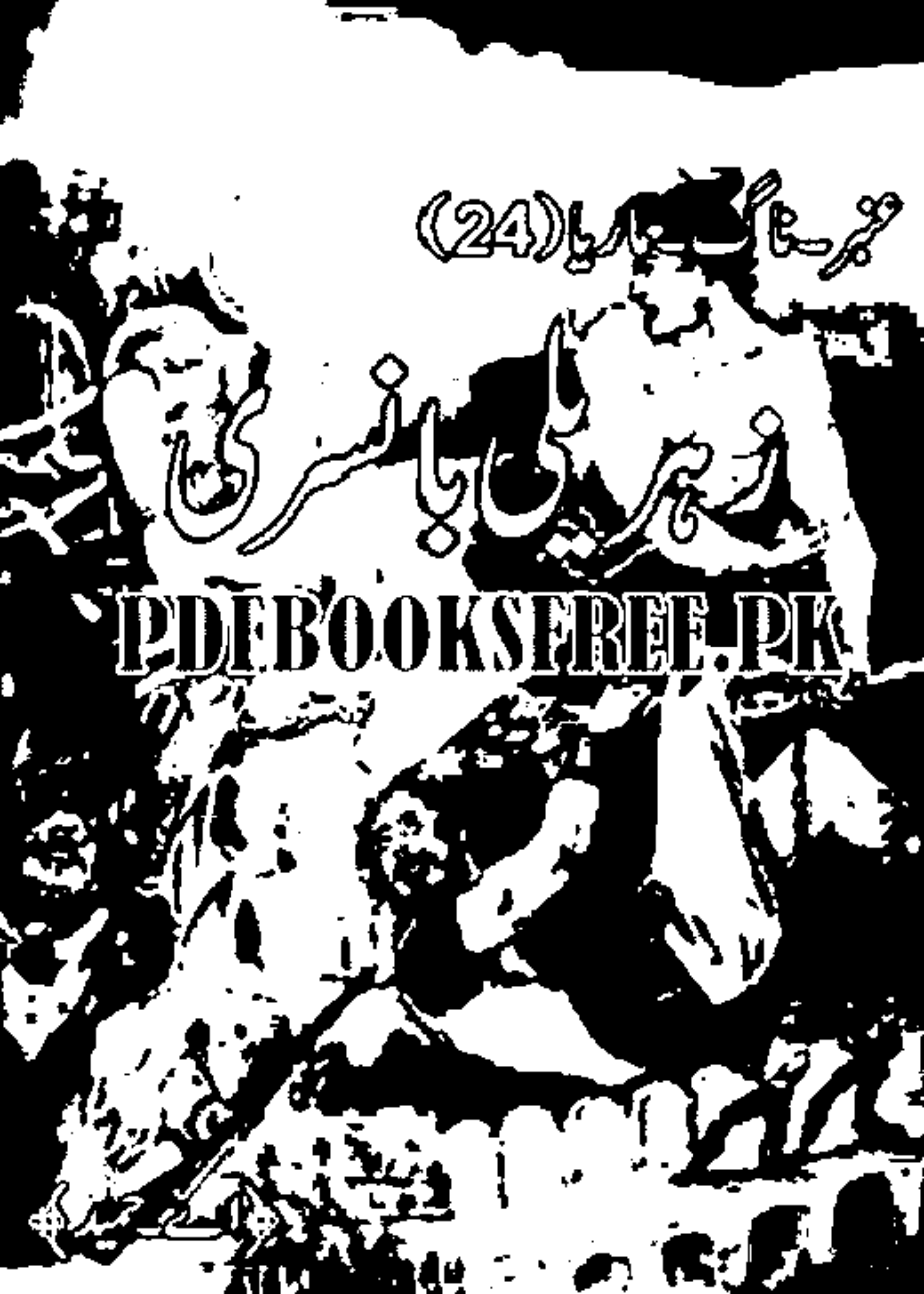

عمرو سے ناگ ہارا (24)

زہریلی بانسری

سنو پیارے بچو!

آدھی رات کو مورتی چور شاہی محل میں سونے کی مورتی چرانے کے لیے پہنچتا ہے۔ پکڑا جاتا ہے۔ بادشاہ ہنو مانچو اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دیتا ہے۔ وحشی ہُن قبائل کی جاسوسہ ورشا شاہی محل میں نوکرانی بن کر جاسوسی کر رہی ہے۔ وحشی منگول حملہ کرنے والے ہیں۔ ورشا جاسوسہ چین کے شہزادے کو ہلاک کرنے کے لیے ایک زہری سانپ کو اس کے کمرے میں چھوڑ دیتی ہے۔ خود بانسری بجاتی ہے۔ سانپ بانسری کی آواز سن کر کمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

w.urdurasala.com

شاہی چور

ala.com

موری آدھی رات کو شاہی محل کی طرف چل پڑا۔

دل میں اس کے یہ دھڑکا ضرور لگا تھا کہ کہیں ماریا اس کا پیچھا نہ کر رہی ہو یا اس نے کسی طریقے سے شاہی محل والوں کو اس کی چوری کے بارے میں خبردار نہ کر دیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رات کے اندھیرے میں شہر کی گلیوں میں دیواروں کے ساتھ لگ لگ کر جا رہا تھا۔ ہر موڑ پر وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا اور کان لگا کر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سننے کی کوشش کرتا کہ کہیں ماریا غائب ہو کر اس کے پیچھے پیچھے تو نہیں آ رہی۔ اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ ماریا اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ شہر سے باہر نکل کر وہ شاہی محل کی جانب بڑھنے لگا۔ ایک کھائی میں اس نے گھوڑے کو باندھ رکھا تھا گھوڑے پر سوار ہو کر وہ جھیل کے اوپر سے ہو کر شاہی محل کے عقب میں آ گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس نے دیوار میں ایک جگہ سوراخ کر رکھا تھا جسے جھاڑیوں میں چھپا دیا گیا تھا۔ موری نے ذرا دور ہی درختوں میں گھوڑے کو باندھ دیا اور دبے پاؤں رسی اور جھولا لے کر محل کی دیوار کے سوراخ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات بڑی اندھیری تھی شاہی محل میں کہیں کہیں شمعیں جل رہی تھیں۔ موری نے آگے بڑھ کر سوکھی شاخوں کو ایک طرف ہٹایا اور تیزی کے ساتھ سوراخ میں سے گزر کر شاہی محل کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ شاہی محل کے اندر کا سارا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ وہ چھپتا چھپاتا پہلے روز والی جگہوں کی بجائے دوسرے مقامات سے ہوتا ہوا اس بارہ

دری کے پاس آ گیا جہاں خزانہ تھا۔ کل رات کی طرح آج بھی خزانے کے کمرے کے باہر پہرہ لگا تھا اور چار سپاہی مسلسل گشت کر رہے تھے۔ مورتی نے بے ہوش کر دینے والی دوائی رومال میں ٹپکا کر اسے ہاتھ میں تھاما اور پہلے نمبر پر آنے والے سپاہی کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اندھیرے میں چھپا کھڑا تھا۔ سپاہی گشت کرتا ہوا اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے رومال اس کے ناک پر رکھ دیا۔

دوائی کی تیز بو سے سپاہی اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ مورتی نے اسے اندھیرے میں کھینچ کر اس کا لباس خود پہنا' تلوار لگائی اور پہرے دار سپاہی بن کر گشت کرنے لگا۔ گشت لگاتے لگاتے جب وہ خزانے کے کمرے کے پاس سے گزرا تو اس نے دروازہ کو دھکا دے کر کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں صرف ایک شمع روشن تھی جس کی دھندلی روشنی میں مورتی نے ایک طرف صندوق کے اوپر سانپ کے بت کو بیٹھے دیکھا۔ مورتی سمجھ گیا کہ یہ لکشمی دیوی کے سانپ کا بت ہے۔ وہ ایک طرف سے سیڑھیاں اتر کر نیچے تہہ خانے میں چلا گیا۔ یہاں ایک سپاہی پہرے پر موجود تھا۔ مگر مورتی کی خوش قسمتی سے وہ اونگھ رہا تھا۔ اس کا سر دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ مورتی نے بڑی آسانی کے ساتھ اس کے ناک پر بھی بے ہوش کرنے والی دوائی والا رومال رکھ کر اسے بھی بے ہوش کر دیا۔ اب اُس کا راستہ صاف تھا۔

وہ نقشے کے مطابق تہہ خانے کی دیوار کے اندر لگے ہوئے لوہے کے ہینڈل کو گھمانے لگا۔ لوہے کی ہتھی کے گھومتے ہی دیوار میں ایک دروازہ سا نمودار ہو کر اوپر کو اٹھتا چلا گیا۔ ہتھی چھوڑ کر مورتی اندر آ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کی دیواریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کے فرش پر سرخ رنگ کا بڑا سا قالین بچھا تھا اور کونے

میں ایک لوہے کی پیٹی رکھی ہوئی تھی۔ سورتی سمجھ گیا کہ یہی وہ صندوق ہے جس میں چین کے شاہی خاندان کے ہیرے جواہرات بند ہیں۔ اس کا دل خوشی اور خوف کے ملے جلے جذبات سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے سانس کو درست کیا اور پیٹی کے پاس جا کر اسے موم بتی جلا کر غور سے دیکھنے لگا۔

صندوقچی پر کچھ حروف چینی زبان میں لکھے ہوئے تھے۔ سورتی نے نقشہ نکال کر سامنے رکھ لیا اور اس کے مطابق حروف ملانے شروع کر دیے۔ نقشہ اس قدر درست تیار کیا گیا تھا کہ تھوڑی ہی کوشش کے بعد پیٹی کا تالا کھل گیا۔ اس نے تالے کو الگ کر کے ڈھکنا اٹھایا تو اس کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ اس کے سامنے چینی بادشاہوں کا جمع کیا ہوا ہیرے جواہرات کا خزانہ موم بتی کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ سورتی کو ڈر تھا کہ اندر کوئی آ نہ جائے۔ اس نے جلدی جلدی سارے جواہرات اپنے جھولے میں ڈال کر کمر کے گرد باندھ لیے اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر اس نے مٹھی کو اسی طرح گھمایا۔ دروازہ دوبارہ اسی جگہ پر آ گیا اور دیوار ایک دوسرے کے ساتھ مل گئی۔ سورتی دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتا تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے باہر دیکھا۔

پہریدار سپاہی اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ وہ وہاں سے دبے پاؤں چلتا شاہی محل کے صحن میں آ گیا۔ دیوار کا شگاف اس کے بالکل سامنے تھا۔ محل کی دوسری اور تیسری منزلوں پر کافی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ سپاہی کے لباس میں تلوار کا مٹھ تے پر رکھے شگاف میں سے باہر نکل گیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہو گیا تھا۔ اس نے ہیرے چوری کر لیے تھے اور اب وہ آزاد تھا۔ اسے کسی نے گرفتار نہیں کیا تھا۔ وہ خوشی خوشی ان درختوں کی طرف

بڑھنے لگا جہاں اس نے اپنے گھوڑے کو باندھ رکھا تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب رات کافی گزر چکی تھی۔ شہر پر اسی طرح سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اندھیری گلیوں اور بازاروں سے ہوتا ہوا پرانی گلی کے مکان میں آ گیا۔ اس کے ساتھی نے جب موتی کو دیکھا کہ وہ شاہی جواہرات چوری کر کے لے آیا ہے تو بے حد حیران ہوا۔ کیونکہ یہ بہت ہی مشکل کام تھا۔ اس نے کہا:

"موتی، تم نے بڑی جرأت سے کام لے کر ہیروں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ صبح ہوتے ہی شاہی محل میں سب کو معلوم ہو جائے گا کہ شاہی ہیرے چوری ہو گئے ہیں، ہر طرف شور مچ جائے گا۔ بادشاہ کا غضب سارے شہر پر نازل ہوگا۔ گھر گھر کی تلاشی لی جائے گی۔ نہ جانے کتنے بے گناہوں کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔ اس لیے میرے خیال میں تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم جتنی جلدی ہو سکے راتوں رات شہر سے نکل جاؤ۔"

موتی نے کہا:

"تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر میں یہاں سے نکل بھی جاؤں تو دیوارِ چین کس طرح پار کروں گا۔ وہاں چینی سپاہیوں کو بھی خبر مل جائے گی کہ شاہی ہیرے چوری ہو گئے ہیں۔ وہ ایک ایک مسافر کی بار بار تلاشی لیں گے اور اس کے سامان کی پڑتال کریں گے۔ ایسی حالت میں میرا وہاں سے نکلنا بہت مشکل بات ہو گی اور وہ لوگ ضرور مجھے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیں گے۔"

ساتھی نے پوچھا:

"پھر کیا کیا جائے؟"

موتی نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہیروں کو اسی مکان میں کسی جگہ چھپا دیا جائے اور جب حالات ذرا ٹھنڈے ہو جائیں تو چین سے فرار ہوا جائے۔"

ساتھی بولا:

"یہاں ہیروں کو تم کسی جگہ پر نہیں چھپا سکتے۔ اس لیے کہ بادشاہ کے سپاہی ہر گھر کے کمرے کی تلاشی لیں گے اور وہ زمین کو کھود کر بھی دیکھیں گے۔ میری مانو تو اس اندھیرے میں ہی یہاں سے نکل جاؤ اور باقی وقت کسی جنگل میں بسر کرو اور پھر کسی رات کو کسی ویران اور نامعلوم مقام پر سے کمند مار کر دیوار چین کو عبور کرنے کی کوشش کرو۔"

مورقی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے ساتھی کا مشورہ بھی ٹھیک تھا۔ وہاں رہ کر اس کے پکڑے جانے اور دردناک موت مرنے کا خطرہ بہت زیادہ تھا۔ جنگل میں وہ کسی نہ کسی جگہ پر چھپ کر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا اور پھر وہ دیوار چین کے ساتھ ساتھ چل کر کسی ویران مقام پر سے پہریداروں کی نظریں بچا کر کمند کی مدد سے دیوار کے دوسری طرف جا سکتا تھا۔ اس نے بہتری اسی میں سوچی کہ اس سے پہلے کہ شاہی محل میں ہیروں کی چوری کا شور مچ جائے اور شہر پر قیامت ٹوٹ پڑے وہ کیتھے کے شہر سے بھاگ جائے۔

مورقی بولا:

"بہت اچھا دوست میں یہاں سے ابھی کوچ کرتا ہوں۔ میں یہاں رہ کر تمہاری زندگی بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔"

مورقی اسی دم گھوڑے پر سوار ہوا۔ تھوڑا بہت کھانے کا سامان ساتھ رکھا اور کیتھے شہر کی ویران اور سنسان گلیوں بازاروں سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا۔ شہر سے باہر آتے ہی اس نے گھوڑے کو اس سڑک پر ڈال دیا جو ہرے بھرے کھیتوں اور درختوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی دیوار چین کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ ساری رات سفر کرتا رہا۔ صبح کے

وقت وہ ایک چھوٹے سے دریا کے لکڑی کے پل سے گزرا تو دائیں جانب ایک جنگل شروع ہو گیا۔ وہ تھک گیا تھا؛ چنانچہ ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رک گیا۔

دوسری طرف صبح ہوئی تو پہریدار سپاہی کو ہوش آیا۔ اس نے دیکھا کہ ذرا فاصلے پر شاہی جواہرات کے کمرے والا پہرے دار بھی بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ ہوش میں آنے کے بعد دونوں سُتھی گھما کر کمرے میں آئے تو سامنے شاہی جواہرات کا صندوق خالی پڑا تھا۔ خوف کے مارے ان میں سے ایک کمزور دل سپاہی تو اسی وقت بے ہوش ہو کر دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ دوسرا سپاہی اسے بے ہوش ہی چھوڑ کر باہر بھاگا۔ اس نے باہر آ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

"ہیرے چوری ہو گئے۔ شاہی خزانے کے ہیرے چوری ہو گئے۔"

محل میں ہر طرف ہاہا کار مچ گیا۔ سارے محل کے پہرے دار خزانے کے کمرے کی طرف بھاگے۔ بادشاہ فوما نچو کو جب یہ بھیانک خبر ملی تو وہ تخت پر بیٹھے بیٹھے لرز گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے اپنی تلوار ور میان سے کھینچی اور اسے دیوار پر مار کر چیخا۔

"رات ہونے سے پہلے پہلے اگر چور کو ہیروں سمیت گرفتار کر کے میرے سامنے نہ لایا گیا تو میں فوج کے سپہ سالار اور اس کے بیوی بچوں کو زندہ دیوار میں چنوا کر دیوار کو آگ لگا دوں گا۔"

فوج کا سپہ سالار تو کانپ کر رہ گیا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بادشاہ فوما نچو مذاق میں نہیں کر رہا۔ اگر اس نے چور اور ہیرے نہ پکڑے تو بادشاہ واقعی اسے اور اس کے بال بچوں کو زندہ دیوار میں چنوا دے گا۔ اسے لوگوں کی زبردست حمایت حاصل تھی۔ لوگ بادشاہ

کو ظالم ہونے کے باوجود خدا کا آسمانی دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کی ہر بات پتھر پر لکیر بن جاتی تھی اور لوگ اسے آسمانی بات سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے تھے۔ سپہ سالار نے اپنی فوج کے ایک قابل اور برق رفتار دستے کو طلب کیا اور اسے کہا کہ وہ شہر سے باہر دیوار چین کی طرف روانہ ہو جائے۔ راستے میں ہر مسافر کی تلاشی لے۔ دیوار چین کے تمام سپاہیوں کو چوری کے بارے میں خبردار کر دے۔ راستے میں کسی جگہ بھی رک کر قیام نہ کرے۔ دستہ اسی وقت تیز طرار گھوڑوں پر سوار ہو کر بجلی کی طرح اڑتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا۔ دوسری طرف اس نے سارے شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ لوگوں کو شہر سے باہر جانا اور باہر سے کسی آدمی کا شہر میں آنا بند کر دیا گیا۔

ہزاروں کی تعداد میں فوج نے گھر گھر کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ کیتھے کے گلی کوچوں میں مکانوں کے فرش کھودے جانے لگے۔ ہر کوئی پریشان تھا کہ کسی نے ہیرے چرا کر ان کے گھر میں ہی دفن نہ کر دیے ہوں۔ دوپہر تک آدھے سے زیادہ شہر کے مکانوں کو کھود کر رکھ دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں کی بار بار تلاشی لی جا چکی تھی۔ دوسری طرف شاہی فوج کا برق رفتار دستہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ راستے میں سپاہی کھیتوں اور جنگل میں پھیل گئے تھے۔ انھیں جہاں کہیں بھی کوئی کسان، کوئی لکڑہارا، کوئی گڈریا اور کوئی مسافر دکھائی دیتا وہ اسے روک کر اس کی تلاشی لیتے اور پھر آگے کو اٹھ دوڑتے۔

موریتی بھی سڑک کے کنارے سے ذرا ہٹ کر ایک جنگل میں آرام کر رہا تھا۔ وہ ساری رات کا جاگا ہوا تھا۔ اس لیے اسے نیند آ گئی تھی۔ شاہی فوج کے سپاہی بغیر رکے بڑی تیزی سے سفر کرتے آ رہے تھے۔ اس لیے وہ اس جنگل میں بھی پہنچ گئے جہاں ایک جگہ

جھاڑیوں کے پیچھے موتی چور ہیروں کا جھولا اپنے نیچے رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ غافل چور کو بالکل جاگ نہ آئی۔ شاہی فوج تین ٹکڑیوں میں بٹ کر سفر کر رہی تھی۔ دو دستے سڑک کے دائیں بائیں چل رہے تھے اور ایک دستہ سڑک کے درمیان میں سفر کر رہا تھا۔ بائیں طرف والے سپاہی جنگل میں دائیں بائیں تیز نظروں سے دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ناک انسان کی بو کو سونگھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

گھوڑوں کی آواز سے موتی کی آنکھ کھل گئی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور جھاڑیوں میں چھپ کر شاہی فوج کے دستے کو ایک قطار میں جنگل میں سے گزرتا دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ ہیروں کی چوری کا سب کو علم ہو گیا ہے اور یہ سپاہی اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی طرف سے بالکل محفوظ ہو کر بیٹھا تھا کہ اسے اپنے پیچھے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ موتی نے چونک کر پیچھے دیکھا اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ ایک خونخوار چہرے والا سپاہی اسے گھور رہا تھا۔

’’کون ہو تم؟‘‘

موتی نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

’’حضور سرکار میں ایک مسافر ہوں۔‘‘

سپاہی نے بگل بجا کر باقی سپاہیوں کو بھی وہاں طلب کر لیا۔ اب تو موتی کے جسم کا خون سرد پڑنے لگا۔ موت اس کے سر پر آن پہنچی تھی۔ ہیروں کا جھولا اس کی کمر کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سردار نے کہا:

’’اس کی تلاشی لی جائے۔‘‘

فورا! دو سپاہی گھوڑے پر سے اترے اور انہوں نے موتی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہاں زیادہ تلاشی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

دوسرا ہاتھ مارتے پر ہی انہوں نے جھولا اس کی کمر سے کھول کر پکڑ لیا۔

"اس میں کیا ہے؟"

مورتی چور نے ہکلاتے ہوئے کہا:

"اس میں ۔۔۔ اس میں ۔۔۔ کہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔ کچھ نہیں سرکار۔"

سپاہیوں نے جھولے کو کھولا تو دنگ رہ گئے۔ خوشی سے ان کی چیخ نکل گئی۔ شاہی ہیرے مل گئے تھے۔ انہوں نے بگل بجا کر دوسرے دستے والوں کو اطلاع کر دی کہ چوری کا مال مل گیا ہے۔ تمام کے تمام سپاہی وہاں آن موجود ہوئے۔ اس وقت مورتی چور بے ہوش ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔

کالا جادوگر

سپاہی مورتی چور کو لے کر واپس کینتھے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ اس سڑک پر جا رہے تھے جس سڑک کر ماریا گھوڑے پر سوار دیوارِ چین کی طرف آ رہی تھی۔ اسے عنبر اور ناگ کی تلاش تھی' جو چینی لڑکی کو لے کر شنگھائی پہنچ گئے تھے۔ سپاہیوں نے مورتی کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اب اسے ہوش آ گیا تھا۔ اسے موت اپنے سامنے نظر آ رہی تھی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اب موت سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور دل خوف سے لرز رہا تھا۔ اس نے جرم بھی بہت بڑا کیا تھا ۔۔۔ چوری کرنا بہت بڑا جرم ہے اور پھر شاہی محل کے کے ہیرے چوری کرنا ایک ایسا جرم تھا جسے کوئی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ سپاہی بڑی سڑک پر چین کے دارالحکومت کینتھے کی طرف

بڑھے جا رہے تھے کہ راستے میں ماریا نے انہیں دیکھا۔ ماریا پیچھے کی طرف سے دیوار چمن کی طرف آ رہی تھی۔

ماریا سپاہیوں کو دیکھ سکتی تھی جب کہ سپاہی ماریا کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا۔ ماریا کو جادو کے ذریعے غائب کر دیا گیا تھا۔ ماریا ایک جگہ سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ سپاہیوں نے سورتی کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے پر باندھ رکھا ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ سورتی شاہی ہیروں کی چوری کے سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہ اس کے انجام سے واقف تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی سورتی چور کو بچانے کے بارے میں نہ سوچا؛ حالاں کہ اگر وہ چاہتی تو اسے سپاہیوں کے چنگل سے چھڑا سکتی تھی۔ وہ غائب تھی اور غائب رہ کر وہ بہت کچھ کر سکتی تھی۔ مگر اس نے کچھ نہ کیا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ چور کو اس کی چوری اور گنہگار کو اس کے گناہ کی سزا ملے۔ وہ سڑک کے کنارے درخت کے نیچے گھوڑے پر بیٹھی سورتی کو زنجیروں میں جکڑے سپاہیوں کے ساتھ جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ چلے گئے تو ماریا نے اپنے گھوڑے کو پھر سے سڑک کر ڈال دیا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

وہ صبح سے سفر کر رہی تھی۔ راستے میں ایک رات اس نے ایک جگہ جنگل میں بسر کی تھی۔ جہاں سے وہ صبح منہ اندھیرے اٹھ کر چل پڑی تھی۔ چلتے چلتے اسے پھر شام ہو گئی اور بھوک نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بھوک مٹانے کے علاوہ ایک اور سوال کسی جگہ رات بسر کرنے کا تھا۔ اس کے اردگرد دیا تو میدان تھے جن میں گھاس اگا تھا اور یا کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ دور ایک مقام پر اسے بانس کے جھونپڑے سے دھواں نکلتا نظر آیا۔ اس نے سوچ کہ وہاں ضرور کوئی نہ کوئی رہتا ہوگا۔ وہ اس جھونپڑے کی طرف چل پڑی۔

جھونپڑے کے قریب آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ جھونپڑی کا آدھا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایک طرف آڑ میں باندھا۔ اس کے نیچے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا۔ یعنی وہ اب غائب نہیں رہا تھا بلکہ سب کو نظر آ سکتا تھا۔ ماریا جھونپڑے کے پاس آ کر رک گئی۔ اس نے جھونپڑی کے ادھ کھلے دروازے میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ وہاں کوئی عورت یا مرد نہیں تھا۔ جھونپڑی بالکل خالی تھی۔ اینٹوں کے بنے ہوئے چولہے میں آگ جل رہی تھی آگ پر کڑاہی میں گرم پانی ابل رہا تھا۔

ماریا جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ یہاں کسی قسم کا کوئی خاص سامان نہیں تھا۔ زمین پر بانس کی ایک چارپائی بچھی تھی۔ کونے میں بانس کی تپائی لکڑی کے پیالے اور مٹی کا گھڑا پڑا تھا۔ چولہے کے پاس تختے پر جوار کی دو روٹیاں اور نمک کی ڈلی رکھی تھی۔ ماریا کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس نے روٹی کھانی شروع کر دی۔ نمک کے ساتھ روٹی کھا کر اس نے ٹھنڈا پانی پیا اور چارپائی پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ جس نے یہ آگ جلائی ہے وہ کہاں ہے؟ اس نے اٹھ کر ادھر ادھر کھڑکی میں سے جھونپڑی کے باہر بھی دیکھا' وہاں نہ آدم نہ آدم زاد تھا۔ ہر طرف جنگل اور اجاڑ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر کسی غریب لکڑہارے کا ہے۔ کونے میں ایک کلہاڑی بھی پڑی تھی۔

ماریا پھر چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ شام ڈوب چکی تھی اور اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ ماریا نے اٹھ کر مشعل کو روشن کر دیا۔ مشعل کی روشنی میں جھونپڑی کی ہر شے صاف صاف نظر آنے لگی۔ ماریا تھکی ہوئی تو پہلے ہی سے تھی۔ لیٹتے ہی اسے اونگھ آ گئی۔ اونگھتے اونگھتے وہ سو گئی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی کہ جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر

داخل ہوئے۔ ان میں ایک سپاہی قسم کا آدمی تھا اور دوسرا کوئی جادوگر معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ اس کا رنگ سیاہ تھا۔ منہ سر کالے بالوں میں چھپا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور گلے میں سبز منکوں کی مالائیں تھیں۔ وہ آتے ہی چولہے پر دھری ہوئی کڑاہی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

جادوگر قسم کے آدمی نے جیب سے کوئی سفوف نکال کر گرم پانی میں ڈالا تو اندر ایک تیز قسم کی بو پھیل گئی۔ اس تیز بو کی وجہ سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جو دیکھا کہ دو آدمی چولہے کے پاس کھڑے ہیں تو وہ چپکے سے چارپائی سے اٹھ کر ان کے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ چونکہ وہ غائب تھی اس لیے ان میں سے کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ سپاہی قسم کا آدمی بولا:

"اگر تم نے ہمت نہ کی تو سورتی کو قتل کر دیا جائے گا اور جادوگرنی زرتاب ہیرے سے محروم ہو جائے گی۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی دوا نہ بنا سکے گی۔ وہ بھی بوڑھی ہو کر مر جائے گی اور ہم بھی ایک روز بوڑھے ہو کر مر جائیں گے۔"

جادوگر نے سر ہلا کر کہا:

"گھبراؤ نہیں، یہ جو میں عرق تیار کر رہا ہوں۔ اسے پی کر آدمی میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ وہ اکیلا بیس آدمیوں کا مقابلہ کر سکے۔ اگر محل کی دیوار سے بھی چھلانگ لگائے تو اسے کوئی چوٹ نہ آئے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ دوائی سورتی کو دے کر کہو کہ اسے پی جائے اور پھر سپاہیوں کا مقابلہ کر کے وہاں سے فرار ہو جائے۔"

سپاہی بولا:

"اور زرتاب ہیرے کا کیا بنے گا؟"

جادوگر نے کہا:

"سب سے پہلے تو ہمیں سورتی کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب وہ بچ جائے گا تو پھر زرتاب ہیرے کو حاصل کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی جائے گی۔"

سپاہی نے پوچھا:

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"

جادوگر نے کہا:

"تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ فوراً یہ دوائی لے کر کیتھے کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم محل کے سپاہی ہی تمہیں سورتی کی کوٹھڑی میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر کوئی رکاوٹ ہوئی بھی وہ اسے تم دور کرنے کی کوشش کرنا اور یہ دوائی کو کسی نہ کسی طرح پلا دینا۔ اس کے بعد اسے کہنا کہ وہ تلوار کھینچ کر سپاہیوں کا مقابلہ کرے۔ اس میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ وہ ان سب کو قتل کر کے وہاں سے فرار ہو سکے گا۔ اسے کہنا کہ وہ فرار ہو کر سیدھا اس جھونپڑے میں آ جائے۔ میں اس کا اسی جگہ انتظار کروں گا۔"

سپاہی کہنے لگا:

"تمہیں تو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

جادوگر مسکرا کر بولا:

"نہیں نہیں یہاں کے گاؤں میں ایک جادوگر حکیم مشہور ہوں اور دم کر کے اور جڑی بوٹیوں اور تعویذ دھاگے سے ان کا علاج کرتا ہوں۔ ان لوگوں کو ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ میں چوروں کا سردار ہوں اور سورتی کی جان بچانے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہوں۔ بس اب تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔"

"بہت بہتر۔"

یہ کہہ کر سپاہی نے نیلے رنگ کی دوائی لکڑی کی ایک بوتل میں ڈالی۔ اسے اپنے لباس کے اندر چھپایا اور جھونپڑی سے باہر نکل کر گھوڑے پر سوار وہاں سے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مورتی چور ایک بزدل شخص ہے اور دوائی پینے کے باوجود وہ لڑ نہ سکے گا اور قابو کر لیا جائے گا۔ پھر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مورتی شاہی قید ہے۔ وہ بادشاہ کے خاص تہہ خانے میں قید ہوگا اور سپاہی اس تک دوائی لے کر نہ پہنچ سکے گا۔

بہرحال اس نے اسی جھونپڑے میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر مورتی کی قسمت میں ہے کہ اس کی جان بچ جائے تو اسے کیا پڑی ہے کہ مورتی کو ہلاک کرتی پھرے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ جھونپڑی میں کہاں سوئے؟ جادوگر کتنے پانی میں تھا یہ ماریا کو اس بات سے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اسے جادوگرنی کی طرح پتہ ہی نہیں چل سکا تھا کہ جھونپڑی کے اندر ماریا غائب حالت میں موجود ہے۔ وہ بڑے آرام سے جھونپڑی میں ایک طرف گھاس پر لیٹ گئی اور بڑے غور سے دیکھنے لگی کہ نقلی جادوگر کیا کرتا ہے۔

جادوگر نے سپاہی کے جاتے ہی ایک کٹورے کا ڈھکنا اٹھا کر جو دیکھا تو جوار کی دونوں روٹیاں غائب تھیں۔ یہ روٹیاں ماریا کھا گئی تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ابھی تو دو روٹیاں وہاں چھوڑ گیا تھا۔ پھر وہ کہاں چلی گئیں؟ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا کہ کہیں اس نے کھا تو نہیں لیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ روٹی کھائے اور اسے احساس نہ ہو۔ اس کے علاوہ اسے بھوک بھی اسی طرح لگی ہوئی تھی۔ وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا کہ روٹیاں کہاں چلی گئی ہیں۔ اس نے ایک صندوق میں سے سیب اور انگور نکال کر چارپائی پر رکھے اور بیٹھ کر بڑے مزے

سے انہیں کھانے لگا۔ انگور اور سیب دیکھ کر ماریا کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ وہ چپکے سے اٹھ کر جادوگر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

اس بات نے ماریا کا حوصلہ بلند کر دیا تھا کہ جادوگر کو اس کی موجودگی کا بالکل احساس نہیں تھا؛ ورنہ جادوگرنی نے تو فوراً اس کی بو سونگھ لی تھی اور ہاتھ پھیلا کر اسے پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی۔ جادوگر بڑے مزے سے انگور کھا رہا تھا۔ طشتری میں دو سیب باقی تھے۔ ماریا نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر دونوں سیب اٹھا لیے۔ طشتری میں سے ایک دم سیب غائب ہو گئے۔ جادوگر کی نظر جو طشتری میں پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ دونوں سیب غائب ہیں۔ بڑا تعجب کرنے لگا ابھی تو سیب وہاں رکھے تھے۔ ابھی کہاں چلے گئے؟ اپنا ہاتھ پیٹ پر پھیرا کہ کہیں میں کھا تو نہیں گیا۔ مگر اسے یقین تھا کہ اس نے صرف انگور کھائے ہیں، سیب کو تو اس نے ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

ماریا بڑے مزے سے سیب کھا رہی تھی۔ اب وہ انگوروں کی طرف بڑھی۔ جادوگر نے انگور کے گچھے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ماریا نے اپنا ہاتھ پہلے آگے بڑھا کر انگوروں کا گچھا اٹھا لیا۔ گچھا ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گیا۔ اب تو جادوگر کی عقل دنگ رہ گئی کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف غور سے دیکھنے لگا۔ وہ سمجھا کہ کسی مردے کی روح یا کوئی بھوت اندر آ گیا ہے جو اس کی چیزیں اٹھا اٹھا کر کھائے جا رہا ہے۔ اس نے آواز دی:

"کون ہو تم؟ کیا تم کوئی جن بھوت ہو؟ کیا تم کسی مردے کی بے چین روح ہو؟ بولو جواب دو۔ نہیں تو میں ابھی جادو کروں گا کہ تمہارے سارے جسم میں آگ لگ جائے گی۔"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ اسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ کوئی

جھوٹ موٹ کا جادوگر ہے اور اس کے جادو کا اثر اس پر نہیں ہو سکتا۔

اس کے جواب میں ماریا بالکل خاموش رہی۔ جادوگر نے پھر آواز دی:

"اے بھوت! میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرے سامنے ظاہر ہو جا۔ نہیں تو میں تمہیں منتر پھونک کر ہلاک کر ڈالوں گا۔"

اس کے جواب میں ماریا نے لکڑی کی طشتری اٹھا کر زور سے جادوگر کے پیٹ پر دے ماری۔ جادوگر پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"ارے ظالم مار ڈالا۔ اچھا بابا! میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ تمہاری جو مرضی ہے کرنا۔ میری جان چھوڑ دے۔"

ماریا ہنس پڑی۔ اس کی آواز سن کر جادوگر بولا:

"تو کوئی عورت ہے؟ تو ضرور کوئی چڑیل ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میری اچھی چڑیل! میرا ایک کام کر دے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے شاہی محل کے خزانے سے زرتاب نام کا ہیرا اڑا کر لا دے۔ میں ساری عمر تمہارا غلام رہوں گا۔"

ماریا نے پہلی بار زبان کھولی اور کہا:

"سن اے احمق جادوگر! زرتاب ہیرا تجھے کبھی نہیں مل سکتا۔ تمہاری جادوگری اور تم دونوں اس ہیرے کو زندگی بھر کبھی حاصل نہ کر سکو گے۔ تم بوڑھے ہو کر مر جاؤ گے۔ اس لیے ہیرے کا خیال چھوڑ دے۔ وہ جو تم نے دوائی بنا کر مورتی کے لیے روانہ کی ہے۔ اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مورتی چور بادشاہ لومانچو کے عتاب سے بچ نہ سکے گا۔ ممکن ہے کہ تیری دوائی پہنچنے تک اسے قتل کر دیا گیا ہو۔"

جادوگر نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اے چڑیل! مجھے معاف کر دے تو دیوی کے بھید جانتی ہے۔ میرے لیے کیا حکم ہے۔ تو جو مجھے کہے گی میں وہی کروں گا۔"

ماریا نے کہا:

"پہلا کام تو یہ کر اس جھونپڑی سے نکل کر گاؤں میں کسی دوسری جگہ جا۔ صرف صبح کو میرے لیے دودھ اور روٹی لے کر آنا۔۔۔ چل۔۔۔ یہاں سے بھاگ جا۔"

جادوگر نے کہا:

"جو حکم چڑیل خالہ۔"

ماریا نے ڈانٹ کر کہا:

"خبردار! جو مجھے چڑیل خالہ کہا۔ نہیں تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔ بھاگ یہاں سے۔۔۔ اور صبح کو میرے لیے دودھ اور روٹی لانا مت بھولنا' سمجھے؟"

"سمجھ گیا بہن' سمجھ گیا۔ میں صبح کو دودھ اور روٹی لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔"

جادوگر جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔ ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ بلا اس کے سر سے ٹل گئی۔ اس نے جھونپڑی کا دروازہ اندر سے بند کیا اور مشعل بجھا کر بڑے سکون کے ساتھ چارپائی پر لیٹ کر سو گئی۔ اسے یقین تھا کہ جادوگر صبح سے پہلے پہلے اس کی جھونپڑی کا کبھی رخ نہ کرے گا۔ جادوگر ڈر گیا تھا۔ وہ جھونپڑے سے نکل کر سیدھا گاؤں میں آ گیا۔ یہاں ایک اور جادوگر رہتا تھا جو اس سے بڑا جادوگر تھا۔ چھوٹے نے بڑے کو سارا قصہ سنا دیا۔ بڑے جادوگر نے کہا:

"ابھی چل کر میں اس چڑیل کا تیا پانچہ کرتا ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔ تم تو بزدل ہو جو ایک معمولی چڑیل سے ڈر گئے۔"

بڑا جادوگر' چھوٹے جادوگر کو لے کر رات کے اندھیرے میں جھونپڑے کی طرف چل دیا۔

شنگھائی سے واپسی

ماریا ابھی جاگ رہی تھی کہ اسے آہٹ سنائی دی۔

وہ چارپائی سے اٹھ کر کواڑ کے سوراخ میں سے باہر دیکھنے لگی۔ رات کے اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ جادوگر اپنے ایک ساتھی کو لیے چلا آ رہا ہے۔ یہ ساتھی بڑا جادوگر تھا جس کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی اور سر پر اس نے بڑا سیاہ پگڑ باندھ رکھا تھا۔ ماریا سمجھ گئی کہ وہ اسے قابو کرنے آ رہا ہے۔ وہ چوکس ہو کر جھونپڑے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ جھونپڑی کا دروازہ دھڑاک سے توڑ دیا گیا اور دونوں جادوگر اندر آ گئے۔ بڑے جادوگر نے اندر آتے ہی تلوار گھما کر کہا:

"اے بدروح چڑیل، تو جہاں کہیں بھی ہے ظاہر ہو جا اور یہاں سے نکل جا، ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اپنے شاگرد کی طرح ڈر جاؤں گا۔ میں اس کا استاد اور بڑا جادوگر ہوں۔ میرے پاس ایسا منتر ہے کہ اگر پھونک دوں تو تم یہیں بھسم ہو جاؤ گی۔"

ماریا نے سوچا کہ کہیں سچ مچ ہی بڑا جادوگر اسے بھسم نہ کر دے۔ آخر کار وہ کوئی جادوگرنی تو نہیں ہے اور نہ ہی اسے عنبر کی طرح ایسی طاقت حاصل ہے کہ مر نہ سکے۔ پھر اس نے سوچا کہ اس نے یہاں کمزوری دکھائی تو ہو سکتا ہے بڑا جادوگر اسے کبھی معاف نہ کرے اور اس پر غلبہ حاصل کرے۔ اس لیے اسے ہرگز ہرگز کمزوری نہیں دکھانی چاہیے جیسے بھی ہو اسے بڑے اور چھوٹے، دونوں جادوگروں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ بڑے جادوگر نے دیکھا کہ ماریا اس کے سوال کا جواب نہیں دے رہی تو وہ دلیر ہو گیا۔ اس نے قہقہہ لگا کر اپنے شاگرد سے کہا:

"دیکھا برخوردار، میرے جادو کا اثر۔ اب بتاؤ کہاں ہے تمہاری

چڑیل؟"

پھر اس نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر اس پر کچھ پڑھا اور زمین پر دوبارہ پھینکا تو وہاں سے آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ ماریا کچھ خوف زدہ سی ہوگئی۔ اب وہ بول کر جادوگر کو یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ اس نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ سوائے اس کے وہ اور کچھ نہیں کرسکتی تھی کہ کوئی شے اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ وہ کھسکتی کھسکتی بڑے جادوگر کے پیچھے آگئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تلوار کی ٹہنی سی پھیر رہا تھا۔ ماریا نے چولہے پر سے ایک پتھر اٹھایا اور زور سے اس کی طرف اچھالا پتھر اس کی تلوار سے ٹکرا کر گر پڑا۔

جادوگر نے قہقہہ لگا کر کہا:

"پتھر پھینکنے سے کچھ نہیں ہوگا چڑیل کی نانی' اگر ہمت ہے تو میرے سامنے آ کر مقابلہ کر۔ ابھی تجھے جلا کر راکھ کرتا ہوں۔"

چھوٹا جادوگر ڈر کے مارے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ ماریا اس کے پاس گئی اور پانی والا لکڑی کا جگ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ چھوٹے جادوگر نے ایک چیخ ماری اور جھونپڑی سے باہر بھاگ گیا۔ اس کی چیخ کی آواز پر بڑا جادوگر بھی کانپ اٹھا۔ اس نے دیوار کے پاس آ کر گھاس پر منتر پھونکا اور وہاں آگ لگ گئی۔ ماریا نے گرم پانی کی کڑاہی اٹھا کر آگ پر الٹ دی۔ آگ بجھ گئی گرم پانی کی چھینٹیں بڑے جادوگر کی ٹانگوں پر پڑیں اور وہ اچھل پڑا۔

"کم بخت کی بچی' اب تیری خیر نہیں۔ لے اب مرنے کے لیے تیار ہوجا۔"

اس نے نشانہ باندھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر ماریا کے بالکل پاس آ کر گر پڑی۔ اگر وہ اچھل کر پرے نہ ہٹ جاتی تو تلوار نے اس کا کام تمام کردیا تھا۔ ماریا نے

جھپٹ کر زمین پر سے تلوار اٹھائی اور بھاگ کر سامنے والی دیوار کے پاس آ گئی۔ تلوار غائب ہو گئی۔ بڑے جادوگر نے اب دیوار کے ساتھ لگا بانس پکڑ لیا اور ساری جھونپڑی میں اچھل کود مچا کر بانس چلانے لگا۔ ماریا کبھی ادھر جاتی اور کبھی ادھر جاتی۔ کئی بار وہ بانس کی زد میں آتے آتے بچی۔ وہ بھی پریشان تھی کی کم بخت کسی مسخرے جادوگر کی مصیبت میں پھنس گئی۔

آخر اسے موقع مل ہی گیا۔ جادوگر پاگل اندھوں کی طرح بانس گھماتے گھماتے ستون کے ساتھ خود ہی ٹکرا کر گر پڑا۔ بانس چارپائی سے الجھ گیا۔ وہ بانس کو کھینچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے پوری طاقت سے تلوار کا دستہ اس کے سر پر دے مارا۔ جادوگر کی ایک چیخ بلند ہوئی اور ہو گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے رسی لے کر اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے اور اسے گھسیٹتی ہوئی جھونپڑے سے باہر لے گئی۔ باہر لا کر اس نے جادوگر کو ایک درخت کے نیچے ڈالا اور خود جھونپڑے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ بڑی مشکل سے اس نے مصیبت سے نجات حاصل کی تھی۔ رات آدھی کے قریب ہو گئی تھی اور سارے جنگل میں ہر طرف اندھیرا اور خاموشی چھائی تھی۔ ماریا تھک کر چور ہو گئی تھی۔ بڑے جادوگر کی اس نے مشکیں کس دی تھیں اور چھوٹے جادوگر کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ اتنا ڈر گیا ہے کہ اب وہاں نہیں آئے گا؛ چنانچہ وہ چارپائی پر گرتے ہی بڑے مزے سے سو گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا۔

اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اٹھ کر دروازہ کھولا اور باہر دیکھا۔ وہاں بڑا جادوگر نہیں تھا۔ وہ ڈر گئی۔ کم بخت اگر رات کو ماریا کی چارپائی پر حملہ کر دیتا تو وہ یقینا مر چکی ہوتی۔ لیکن بڑا جادوگر بھی ڈر

گیا تھا۔ اس کا جادو بھی اسے جواب دے گیا تھا۔ آدھی رات کو اس کا شاگرد اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔۔۔ ماریا نے اٹھ کر باہر چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ رات کی بچی ہوئی روٹی کھائی اور جھونپڑے سے نکل کر درختوں کے پچھلے جھنڈ میں اس جگہ آ گئی جہاں اس نے اپنا گھوڑا باندھا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں اس کا گھوڑا موجود نہیں تھا۔ اسے جادوگر کھول کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

ماریا کو بڑا سخت غصہ آیا۔ وہ جل بھن کر گاؤں کی طرف چل پڑی کہ ابھی جا کر جادوگر سے اپنا گھوڑا واپس لیتی ہے۔ گاؤں میں دس بارہ کچے کچے مکان بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک ایک مکان سے باہر تکنے لگی کہ اس کا گھوڑا کہاں بندھا ہوا ہے۔ وہاں گھوڑا کہیں بھی نہیں تھا۔ آخر اس نے ایک مکان کے اندر سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ شاید گھوڑے نے بھی اس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ جانور بڑے حساس ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے مالک کی موجودگی کا اور قریب ہونے کا بہت جلدی پتہ چل جاتا ہے۔ ماریا آواز کے اندازے سے ایک مکان کے باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز اسی مکان کے اندر سے آئی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ اندر ڈیوڑھی میں اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ وہاں اور کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا ڈیوڑھی میں سے گھوڑے کے پاس آ گئی۔ کوٹھڑی کی کھڑکی بند تھی۔ اس کے اندر سے بڑے اور چھوٹے جادوگر کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سنا۔ بڑا جادوگر کہہ رہا تھا:

سورلی کا زندہ واپس آنا اور زرتاب ہیرے کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ سورلی نہ بھی آئے مگر شاہی ہیرے کو جادوگرنی کے لیے ضرور اڑانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے پھر یہ کام تمہیں کرنا پڑے۔”

چھوٹے جادوگر نے گھبرا کر کہا:

"مجھے؟"

"ہاں ہاں تجھے، یہ بڑی جادوگرنی کا حکم ہے۔ پہلے شاگرد کا فرض ہوتا ہے استاد اس وقت آگے بڑھتا ہے جب شاگرد کا کام ہو جائے۔"

گھوڑا ایک بار پھر خوشی سے ماریا کو قریب محسوس کر کے زور سے ہنہنایا۔ اس کی آواز پر دونوں جادوگر کوٹھڑی سے باہر آ گئے مگر اس عرصے میں ماریا اس کی پیٹھ پر سوار ہو چکی تھی اور اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا تھا۔

"ارے وہ کم بخت گھوڑے کو لے گئی۔"

بڑے جادوگر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ماریا نے گھوڑے کو موڑا اور اسے ایڑ لگا کر بڑے جادوگر کے اوپر چڑھا دیا۔ گھوڑے نے دولتیاں مار مار کر بڑے جادوگر کا حلیہ بگاڑ دیا۔ وہ چیختا چلاتا، شور مچاتا وہاں سے بھاگ گیا۔ سڑک پر آ کر اس نے جنگل کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ ماریا نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈالنا چاہا مگر یہ سوچ کر رک گئی کہ ابھی اس نے بڑے کام کرنے ہیں۔ کم بخت یہی ایک احمق جادوگر نہیں وہ گیا پیچھا کرنے کے لیے۔

چنانچہ وہ گھوڑے کو لے کر گاؤں سے باہر آ گئی۔

دھوپ خوب کھلی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی پھیلی تھی۔ سردی کی شدت کم ہو چکی تھی اور درخت صبح کی تازہ ہواؤں میں جھوم رہے تھے۔ ماریا نے دیوار چین کی طرف اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ چلتے چلتے اسے شام ہو گئی اس نے بے خیالی میں وہ چوراہا بھی عبور کر لیا جہاں سے ایک سڑک شنگھائی شہر کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ اس چوراہے سے آگے نکل گئی۔ اسے پھر رات آ گئی۔ یہ رات اس نے ایک ویران بارہ

دری کے کھنڈر میں پرانے باغ کے ٹوٹے ہوئے بنچ پر لیٹ کر گزار دی۔ صبح اٹھ کر پھر سفر پر چل نکلی۔ دوپہر کے وقت اس نے دور سے دیوارِ چین کو دیکھا۔ وہ بڑی ناامید سی ہوگئی کہ چین کی سرحد سامنے آگئی تھی اور ابھی تک اسے عنبر اور ناگ میں سے کوئی بھی نہیں ملا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ وہ دیوارِ چین کے پاس جا کر ہی عنبر اور ناگ کو دیکھ لے۔ اگر وہاں بھی وہ لوگ اسے دکھائی نہ دیے تو پھر کسی شاہی رتھ کے اوپر بیٹھ کر واپس کیتھے آجائے گی اور اپنے بھائیوں کی تلاش شروع کر دے گی۔ کیونکہ اب اس میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ واپسی کا سفر بھی گھوڑے پر بیٹھ کر طے کرتی۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں:

وہ چینی لڑکی تھانگ کو لے کر اس کے ماں باپ کے گھر پہنچ گئے تھے اور اب واپس کیتھے آنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کیونکہ انہیں ماریا کی بھی فکر تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ڈاکوؤں کی قید سے آزاد ہو کر ضرور چین کے دارالحکومت پہنچ گئی ہوگی۔ انہوں نے ایک روز صبح صبح تھانگ کے ماں باپ سے اجازت طلب کی۔ تھانگ کے باپ نے کہا:

''میرے بچو! تم نے میری بچی کو واپس میرے پاس پہنچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے اسے میں ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا۔۔۔ میری اور تھانگ کی والدہ کی تو یہ خواہش تھی کہ تم کم از کم ایک مہینہ ضرور ہمارے گھر رہتے تاکہ ہم تمہاری جی بھر کر خدمت کر سکتے مگر چونکہ تمہیں بہن ماریا کی بھی خبر لینی ہے اس لیے میں مجبوراً تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ خدا کرے کہ تمہاری بہن تمہیں مل جائے اور تم لوگ ہمیشہ خوش خوش رہو۔''

چینی لڑکی تھا تنگ نے بھی آنسو بھری آنکھوں سے اپنے بھائی عنبر اور ناگ کو رخصت کیا۔ تھا تنگ کی ماں نے عنبر اور ناگ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور راستے کے سفر کے لیے میٹھی روٹیاں پکا کر ساتھ کر دیں۔ دونوں وہاں سے نکل کر شنگھائی کے باہر آ گئے۔۔۔ اس زمانے میں شنگھائی آج کی طرح بڑا شہر نہیں تھا۔ بس آج کے قصبے کے برابر شہر تھا۔ شہر کے ارد گرد سبزیوں اور چاول کے کھیت تھے۔ آڑو اور ناشپاتیوں کے باغ تھے۔ ایک بہت بڑی جھیل تھی۔ عنبر اور ناگ اس جھیل سے بھی آگے نکل گئے۔ اب وہ اس سڑک پر آ گئے جو اس چوراہے کی طرف جاتی تھی جہاں سے ایک سڑک کیتھے کی جانب پھٹ جاتی تھی۔ وہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ شام انہیں راستے میں ہی آ گئی۔ وہ رات کے پہلے ستارے کے نکلنے تک سفر کرتے رہے۔ وہ رات انہوں نے ایک سرائے میں بسر کی۔ اگلے دن پھر سفر شروع کر دیا۔ دوسری رات انہوں نے ایک باغ میں سو کر گزار دی۔ تیسرے روز وہ چوراہے پر آ گئے اور انہوں نے چین کے دارالحکومت کیتھے کی جانب اپنا سفر شروع کر دیا۔

وہ دو دن اور دو راتیں سفر کرتے رہے اور چوتھے روز چین کے دارالحکومت کیتھے میں آ گئے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سورتی چور گرفتار ہو کر بادشاہ کے خاص قید کانے میں پڑا اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا جہاں منگول ارژنگ بادشاہ کے بیٹے ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے کے لیے اس کے محل میں بھیس بدل کر پہنچ گیا تھا۔ اور اب ورشا نوکرانی کی تلاش میں تھا۔ جہاں ارژنگ کا ساتھی سوداگر اپنی حویلی میں شہزادے کی موت کی خبر سننے کے کے لیے بے تاب بیٹھا تھا اور جہاں ان کا خیال تھا کہ ان کی بہن ماریا بھی کسی جگہ بیٹھی ہوگی اور یا آزاد ہو کر عنبر اور ناگ کی تلاش میں سراؤں وغیرہ میں ماری ماری پھر رہی ہوگی۔

خدا کی قدرت دیکھیے کی عنبر اور ناگ شہر میں گھومتے گھومتے اس مقام پر آ گئے جہاں اس سوداگر کی حویلی تھی جو بن قوم کا جاسوس تھا اور جس کا ساتھی ارشنگ ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے کے لیے محل میں سوداگر کا بھیس بدل کر داخل ہو چکا تھا۔ اور نوکرانی ورشا سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہوں نے سوداگر کو دیکھا کہ حویلی کے باہر گھوڑوں کے پاس کھڑا ہے۔ عنبر اور ناگ کے گھوڑے اب تھک تھک کر بوڑھے ہو گئے تھے۔ وہ ان گھوڑوں کو فروخت کر کے نئے گھوڑے حاصل کرنا چاہتے تھے: چنانچہ وہ سوداگر کے پاس آ کر رک گئے۔ عنبر نے پوچھا:

"کیا آپ گھوڑوں کے سوداگر ہیں جناب؟"

سوداگر نے مسکرا کر کہا:

"جی ہاں، میں گھوڑوں کی تجارت کرتا ہوں۔ فرمایئے، میں آپ کے کیا کام آ سکتا ہوں؟"

ناگ نے کہا:

"جناب! ہم یہ گھوڑے بیچ کر نئے اور تازہ دم گھوڑے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کریں گے؟"

سوداگر نے خندہ پیشانی سے کہا:

"تشریف لائیے، آپ دور سے آتے معلوم ہوتے ہیں میرا غریب خانہ حاضر ہے۔ مہمان خانے میں تشریف رکھیے۔ آپ کو جس قسم کے گھوڑے پسند ہوں گے اسی قسم کے گھوڑے پیش کر دیے جائیں گے۔"

عنبر اور ناگ سوداگر کے اخلاق اور خوش خلق طبیعت سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہ بتایا کہ وہ جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتے ہیں اور یہاں یہ معلوم کرنے

آئے ہیں کہ اس قسم کی تجارت کے یہاں پر کتنے امکانات ہیں۔

سوداگر نے عنبر کو مختلف قسم کے گھوڑے دکھائے آخر انہوں نے دو گھوڑے پسند کر لیے۔ سودا طے ہوگیا۔ کچھ رقم اور دے کر انہوں نے دونوں گھوڑے خرید لیے۔ سوداگر نے انہیں کہا کہ رات ہوگئی ہے۔ وہ اس کے مہمان خانے میں رات بسر کر لیں۔ عنبر اور ناگ نے شکریے کے ساتھ یہ دعوت قبول کر لی۔

w.U

راز کھل گیا

رات کو کھانے پر بن منگول ارژنگ بھی آگیا۔

سوداگر اسے اٹھ کر ملا اور ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ عنبر اور ناگ نے بڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا کہ مجھے اس آدمی پر بن قوم کے جاسوس ہونے کا شک ہو رہا ہے۔ تم جا کر پتہ کرو کہ وہ اندر کیا باتیں کر رہے ہیں؟ ناگ نے کہا کہ سوداگر جانے ابھی واپس آجائے۔ وہ مجھے نہ دیکھ کر کیا کہے گا۔

عنبر نے کہا:

"تم جا کر معلوم کرو کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ میں سوداگر کو سنبھال لوں گا۔"

ناگ چپکے سے اٹھا اور سانپ کا روپ بدل کر ساتھ والے کمرے میں جا کر ایک مرتبان کے پیچھے چھپ کر سوداگر اور بن جاسوس کی

باتیں سننے لگا۔ سوداگر پوچھ رہا تھا:

”کہو کیا ہوا؟ تم اپنی مہم میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟“

جن جاسوس نے سر پر سے لوہے کا خود اتارتے ہوئے کہا:

”یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ارژنگ ایک مہم پر جائے اور ناکام لوٹ کر آئے۔ میں اپنی مہم میں کامیاب ہو کر لوٹا ہوں۔“

”تو کیا تم نے شہزادے ولی عہد کو قتل کر دیا؟“

”ارژنگ نے مسکرا کر کہا:

”یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ بہر حال میں نے زہر ورشا نوکرانی کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ موقع ملتے ہی ولی عہد شہزادے کو وہ زہر دے دے گی۔“

سوداگر نے کہا:

”چلو یہ کام تو تقریباً پورا ہوا۔ ورشا ایک ہوشیار جاسوسہ ہے۔ وہ یہ کام بڑی خوبی سے انجام دے گی۔ مگر زہر دینے میں دیر کس بات کی تھی ارژنگ؟“

ارژنگ بولا:

”صرف اس بات کی دیر تھی کہ ملکہ شہزادے کو ساتھ لے کر صحت افزا پہاڑ ہوچی پر چلی گئی ہے۔ وہ اپنے ساتھ سوائے چند نوکروں اور ایک سوڈانی کنیز کے اور کسی کو نہیں لے گئی۔ ورشا کو بھی یہیں چھوڑ گئی ہے۔ اس لیے اب خواہ کچھ ہو ملکہ کی محل میں واپسی کا تو انتظار کرنا ہی پڑے گا۔“

سوداگر بولا:

”خیر کوئی بات نہیں۔ کیا کہا ہے، ملکہ کب تک واپس آ جائے گی؟“

”یہی کوئی دو ایک دن میں واپس آ جائے گی۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ناگ چپکے سے باہر نکل آیا۔ عنبر کے پاس آ کر وہ دوبارہ انسان کی جون میں آیا اور اس نے اندر کی ساری باتیں شروع سے آخر تک عنبر کو سنا دیں۔ عنبر تو دنگ رہ گیا کہ یہ سوداگر ایک جاسوس ہے اور ارژنگ نام کے ایک ساتھی جاسوس کے ساتھ مل کر چین کے ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے کی بھیانک سازش کر چکا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا:

"ناگ ہمیں فوراً شاہی محل میں پہنچ کر ملکہ کو خبردار کر دینا چاہیے۔"

"مگر ملکہ تو صحت افزا پہاڑ پر گئی ہوئی ہے۔"

"ہمیں اس کی اطلاع بادشاہ فوماچو کر دینی چاہیے۔"

ناگ نے کہا:

"نہیں اس طرح سوداگر کو شک ہو گا۔ ہم رات یہاں آرام کریں گے۔ کل صبح ناشتہ کر کے یہاں سے نکلیں گے تا کہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہو۔"

عنبر بولا:

"جیسے تمہاری مرضی۔"

اتنے میں سوداگر بھی مسکراتا ہوا اندر سے باہر آ گیا۔ اس کے ساتھ ارژنگ بھی تھا۔ سوداگر نے ارژنگ کا تعارف یوں کروایا:

"یہ میرے بڑے بھائی ارژنگ ہیں، یہ تبت میں گھوڑوں کی سوداگری کرتے ہیں۔"

ارژنگ نے باری باری عنبر اور ناگ سے ہاتھ ملایا۔ ناگ نے کہا:

"آپ سے مل کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"آپ کے چھوٹے بھائی صاحب نے ہمیں بڑے عمدہ گھوڑے دیے ہیں۔ امید ہے آپ کو بھی پسند آئے ہوں گے۔"

ارژنگ نے منہ بنا کر کہا:

"ہاں! اچھے گھوڑے ہیں۔"

پھر اس نے سوداگر سے کہا:

"ذرا اندر آ کر میری ایک بات تو سن جاؤ۔"

سوداگر ارژنگ کے ساتھ اٹھ کر اندر چلا گیا۔ اندر آتے ہی ارژنگ نے کہا:

"یہ کون لوگ ہیں؟"

"میرے پاس گھوڑے خریدنے آئے تھے۔ گھوڑے خرید لیے تو میں نے حسب عادت انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ رات ہو گئی ہے صبح چلے جائیں گے۔"

ارژنگ نے بھنویں سکیڑ کر کہا:

"مجھے ان پر شک ہے۔ یہ مجھے دشمن معلوم ہوتے ہیں۔"

سوداگر نے کہا:

"تمہیں کیسے احساس ہوا ہے؟"

"ان میں سے ایک نوجوان کو میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ بہر حال اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں اور کوئی عجب نہیں کہ وہ ہماری جاسوسی کرنے یہاں بھیجے گئے ہوں اور انہیں ہماری سازش کا علم بھی ہو چکا ہو۔"

سوداگر ڈر گیا:

اگر یہ بات ہے تو ہمیں ان کا کام تمام کر دینا ہو گا۔ یہ لوگ تو ہماری بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔"

ارژنگ نے کہا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن اپنا شک دور کرنے کے لیے ہمیں چھپ کر ان کی باتیں سننی چاہئیں۔ اس کے لیے تم انہیں جا کر کہو

کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے کام سے باہر جا رہے ہیں۔ اس طرح وہ تنہا ہو کر جو باتیں کریں گے انہیں ہم خفیہ جگہ چھپ کر سن سکیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

چنانچہ سوداگر نے ایسا ہی کیا۔ عنبر اور ناگ جب اپنے کمرے میں گئے تو سوداگر نے آ کر کہا کہ وہ اپنے بھائی ارژنگ کے ساتھ ذرا دوسرے محلے تک ایک کام سے جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ دونوں ان کے کمرے میں کھڑکی کے پاس ایک خاص جگہ آ کر چھپ گئے۔ عنبر اور ناگ اپنے کمرے میں آ گئے۔ انہیں احساس ہوا کہ وہ دونوں حویلی میں اکیلے ہیں تو وہ بے فکر ہو کر باتیں کرنے لگے۔

عنبر نے کہا:

"اگر کسی طرح ورشا نوکرانی پہاڑ پر پہنچ گئی تو وہ ضرور ولی عہد کو زہر دے دے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم شاہی محل میں جانے کی بجائے صبح سیدھا پہاڑ کی طرف چل پڑیں اور وہاں جا کر ملک چین کو خبردار کر دیں؟"

ناگ نے کہا:

"اگر تم یہی مناسب خیال کرتے ہو تو بہتر ہے۔ ہم صبح پہاڑ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"میرا تو خیال یہی ہے کہ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے ملکہ کو جا کر خبردار کر دینا چاہیے تاکہ ورشا اور اس کے ساتھی یہ جاسوس سوداگر اور خطرناک غدار ارژنگ کو فوری طور پر گرفتار کر لیا جائے۔"

ناگ بولا:

"تو پھر ہم صبح صبح ہی یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ اب ہمیں سو جانا چاہیے۔"

اس کے بعد دونوں اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ ان کی باتیں سن کر ارژنگ نے سوداگر اور سوداگر نے ارژنگ کی طرف اندھیرے میں دیکھا۔ ارژنگ کی آنکھوں سے تو خون نکلنے لگا۔ وہ سوداگر کا بازو پکڑ کر دبے پاؤں اپنے کمرے میں آگیا اور بولا:

"میرا شک ٹھیک نکلا۔ یہ دونوں ہمارے دشمن ہیں اور غضب یہ ہے کہ کم بختوں کو ہماری ساری کی ساری سازش کا علم ہو چکا ہے۔ اب ان کا زندہ رہنا ہمارے لیے بے حد خطرناک ہے۔ اگر یہ زندہ رہے تو ہماری موت یقینی ہے۔"

سوداگر نے کہا:

"میں خود ان کی باتیں سن کر پریشان ہو گیا ہوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ ابھی اسی وقت چل کر ان دونوں کو قتل کر کے حویلی کی پچھلی کوٹھڑی میں زمین کھود کر دبا دیا جائے۔"

ارژنگ نے خنجر کھینچ کر کہا:

"یہ لو خنجر اور ابھی جا کر دونوں کا کام تمام کر دو۔"

سوداگر نے خنجر ارژنگ سے لے کر کپڑوں میں چھپا لیا اور عنبر کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ادھر عنبر سو گیا تھا مگر ناگ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ اسے ابھی تک نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہ اس کے ساتھ اکثر ہوتا رہتا تھا کہ جب بھی کوئی خطرناک واقعہ ہونے والا ہوتا تو اس کی طبیعت بے چین ہو جاتی اور اسے نیند نہیں آتی تھی۔ آج بھی اس کی یہی حالت تھی۔ وہ کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ اسے شک سا ہو گیا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہونے والا ہے۔ وہ اپنے بستر پر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اپنے کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی بری نیت کے ساتھ ان کے

کمرے میں آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے سوداگر اور ارژنگ کو ان دونوں پر شبہ ہو گیا ہو اور ان میں سے کوئی انہیں ہلاک کرنے آ رہا ہو۔

ناگ نے ایسا کیا کہ بستر پر تکیے بیچ میں رکھ کر اوپر کمبل ڈال دیا۔ دیے کی لو مدھم کر دی اور خود پھنکار مار کر سانپ کا روپ دھار کر کونے میں پرانے سامان کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ رات اندھیری تھی۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر گلی میں سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے قدموں کی آواز ایک بار پھر سنی۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھتے قدموں کی چاپ تھی۔ کوئی شخص ان کی کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آ کر رک گیا تھا۔ ناگ ہوشیار ہو گیا۔ اس کا شک سچ تھا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا۔ مگر اندر سے کنڈی لگنے کی وجہ سے دروازہ نہ کھل سکا۔ ایک پل کے لیے باہر گہری خاموشی چھا گئی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ باہر کھڑا آدمی سوچ رہا ہو کہ وہ کس طرح اندر جائے آخر ناگ نے دیکھا کہ ہلکی ہلکی روشنی میں دروازے کی بیچ والی درز میں سے ایک ہاتھ اندر داخل ہوا اور اس نے بڑے آرام سے اندر لگی ہوئی کنڈی کھول دی۔ کنڈی کے کھلتے ہی دروازے کا ایک پٹ ہولے سے کھلا اور کوئی شخص منہ پر کپڑا باندھے کمرے میں آ گیا۔ ناگ نے اندھیرے میں اسے پہچاننے کی بہت کوشش کی، مگر وہ اسے پہچان نہ سکا۔ وہ آدمی دیے کی دھیمی دھیمی روشنی میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے بڑے غور سے دونوں بستروں کی طرف دیکھا۔

پھر وہ آہستہ سے چل کر عنبر کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ اس نے جھک کر عنبر کا کمبل ایک طرف کر دیا۔ عنبر خدا جانے گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا کہ اسے بالکل ہی خبر نہ ہوئی۔ وہ اتنی گہری نیند سو رہا تھا کہ خراٹے لے رہا تھا۔ وہ آدمی جب دیے کی روشنی میں نیچے کو جھکا تو

ناگ نے اسے پہچان لیا۔ وہ سوداگر تھا۔۔۔ اب تو ناگ ہوشیار ہو گیا اور رینگتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ سوداگر کے پیچھے آ گیا اور ایک ستون پر چڑھ کر سوداگر کے بالکل برابر آ گیا۔ یہ ستون سوداگر کے عقب میں کھڑا تھا۔

سوداگر نے جب دیکھا کہ عنبر گہری نیند ہو رہا ہے تو اس نے اپنی قمیض کے اندر سے چمکتا ہوا خنجر نکال کر بڑی تیزی کے ساتھ عنبر کی گردن میں گھونپ دیا۔ ادھر سوداگر نے عنبر کی گردن میں خنجر گھونپا اور ادھر ناگ نے ایک ہی جھٹکے کے ساتھ سوداگر کی گردن پر کاٹ دیا۔ سوداگر نے گردن پر ہاتھ مار کر پیچھے دیکھا۔ ایک کالا سانپ ستون کے اوپر چڑھ رہا تھا۔ سوداگر کا رنگ سفید پڑ گیا۔ سانپ کے زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا۔ اس کی گردن کی رگیں سوجنے لگیں۔ حلق خشک ہو گیا۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ سوداگر کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس نے چیخ مارنی چاہی مگر وہ چیخ نہ مار سکا۔ اس کی ٹانگوں پر لرزہ سا آیا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا اور گرتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔ ناگ چپ چاپ چھت کے اوپر لگا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ سوداگر کا ساتھی یہ معلوم کرنے ضرور آئے گا کہ ان لوگوں کا کام تمام ہو گیا کیا؟ اور یہی ہوا۔

تھوڑی دیر میں ارژنگ بھی اندر آ گیا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ عنبر پھر بھی سویا رہا۔ وہ بے حد گہری نیند سویا ہوا تھا۔ خنجر کے گردن پر لگنے کی تو اسے ہلکی سی بھی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ کوئی اس اس کے سرہانے کھڑا ہے۔ اسے خنجر کا ہلکا سا جھٹکا بھی نہ لگا۔ ارژنگ چپکے سے کمرے کے اندر آ گیا۔ اس نے جب سرہانے کی طرف سوداگر کو فرش پر گرے ہوئے دیکھا تو لپک کر اس کے پاس آیا۔ اس نے سوداگر کو اٹھایا وہ مر چکا تھا۔ ارژنگ دنگ رہ گیا کہ خنجر

عنبر کی گردن میں کھبا ہوا تھا اور سوداگر کا جسم اکڑ چکا تھا۔

ارژنگ نے سوچا کہ عنبر بھی مر گیا ہے۔ وہ عنبر کی گردن سے خنجر نکال کر ناگ کے بستر کی طرف بڑھا اور اس نے زور زور سے خالی تکیوں پر خنجر چلانے شروع کر دیے۔ اتنے میں ناگ بھی چھت پر سے رینگتا ہوا نیچے اتر آیا۔ وہ ارژنگ کو ڈسنے کے لیے پھنکار کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ ارژنگ نے خنجر اس کی طرف پھینکا اور خود ایک ہی چھلانگ لگا کر کمرے کی کھڑکی سے کود کر باہر گلی میں نکل گیا۔ گلی کے فرش پر گرتے ہی وہ اٹھا اور جدھر کو منہ اٹھا ادھر کو بھاگ گیا۔

ناگ اب دوبارہ انسان کے روپ میں آ گیا۔ اس نے عنبر کو جگایا۔ عنبر نے اٹھ کر اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"یہ مچھر نے کاٹا تھا مجھے؟"

ناگ نے کہا:

"اٹھ کر دیکھو تم پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ سوداگر کو میں نے ڈس کر ڈھیر کر دیا ہے اور ارژنگ مجھ سے بچ کر بھاگ گیا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"کمال ہے یعنی ان دونوں نے آخر حملہ کر ہی دیا۔ چلو اب اس کی لاش کو ٹھکانے لگائیں اور یہاں سے بھاگ چلیں۔۔۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، ارژنگ پھر یہاں پہنچ جائے اور تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ لاش کو یہیں چھوڑو اور یہاں سے نکل کر ملکہ چین کے پاس چلو تاکہ شہزادے ولی عہد کی جان بچائی جا سکے کیونکہ ارژنگ ضرور اب ولی عہد کے قتل کے کام کو تیز کر دے گا۔"

قتل کی سازش

عنبر اور ناگ سوداگر کی حویلی سے باہر نکل آئے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہوں نے شاہی محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ارتھنگ فرار ہو چکا ہے اور ولی عہد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کو تیز کر دے گا: چنانچہ وہ جلدی سے جلدی شاہی محل تک پہنچنا چاہتے تھے۔ شہر سے باہر نکل کر وہ اس جھیل کے پاس آ گئے جس کے دوسری جانب پہاڑی کے دامن میں چینی شہنشاہ فوما نچو کا شاندار محل کھڑا تھا۔

دور سے محل کی کھڑکیوں میں کہیں کہیں روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

جھیل کا پورا چکر لگا کر عنبر اور ناگ محل کے نزدیک آ گئے۔ اچانک چار سپاہیوں نے انہیں گھیر لیا:

’’کون ہو تم لوگ اور ادھر کیا کر رہے ہو؟‘‘

عنبر نے کہا:

’’ہم شہنشاہ سے ملنے آئے ہیں۔ ہمارا شہنشاہ سے ملنا بہت ضروری ہے۔ اگر تم لوگوں نے ہمیں شہنشاہ تک نہ پہنچایا تو ولی عہد شہزادے کی زندگی خطرے میں ہو گی۔‘‘

سپاہیوں نے قہقہہ کرنا شروع کر دیا اور کہا:

’’تم دونوں کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اگر پھر کبھی ادھر قدم رکھا تو نیزوں سے تمہارا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔ چلو بھاگو یہاں سے۔‘‘

عنبر اور ناگ نے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن سپاہی غصے میں آ گئے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں۔ مجبور ہو کر عنبر اور ناگ وہاں سے چلے گئے۔ وہ جھیل کے پاس آ کر رک گئے۔ ناگ نے کہا:

’’ہم نے غلطی کی جو اس طرف آ گئے۔ ہمیں ادھر آنے کی بجائے

پہاڑ پر ملکہ سے ملاقات کرنے جانا چاہیے تھا۔"

عنبر بولا:

"ابھی ادھر چلے جاتے ہیں۔ ابھی کون سی دیر ہوئی ہے۔"

"تو پھر آؤ ہو چی پہاڑ پر چلتے ہیں۔ ملکہ سے ملاقات کرنے میں اتنی بک بک جھک جھک نہیں کرنی پڑے گی۔"

چنانچہ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور پہاڑ کی چڑھائی چڑھنا شروع کر دی۔

ایک پہاڑ عبور کر کے وہ میدان میں آ گئے۔ یہاں سے ہو چی پہاڑ سامنے نظر آ رہا تھا۔ اب دن کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ ہو چی پہاڑ پر جمی ہوئی برف صبح کی روشنی میں چمکنے لگی تھی۔ میدان میں سے گزر کر انہوں نے ایک بار پھر پہاڑیوں میں سے گزرنا شروع کر دیا۔ یہاں پتھریلی سڑک پہاڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس سڑک پر وہ گھوڑوں پر سوار آگے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے رک کر ایک جگہ جنگلی آڑو توڑ کر کھائے، چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور پھر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

دوپہر کے وقت وہ چین کے مشہور پہاڑ ہو چی کے شاہی محل کے باہر کھڑے تھے۔ یہاں سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں کو جا کر بتایا کہ وہ کیتھے سے ایک خاص شاہی پیغام لے کر ملکہ کے پاس آئے ہیں: لہذا ملکہ عالیہ کو اطلاع کر دی جائے۔ سپاہیوں نے پہلے تو حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ پھر کہنے لگے:

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم شاہی پیغام لے کر آ رہے ہو؟"

ثبوت تو ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ ناگ نے ہوشیاری سے کام لے کر سپاہی کے کان میں کہا:

"ہم شاہی گارڈ کے خاص جاسوس ہیں اور ایک انتہائی خفیہ پیغام لے کر آرہے ہیں۔ ہمارا ملکہ سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

سپاہی نے کہا:

"تم لوگ یہاں ٹھہرو۔ میں ملکہ کی اجازت کے بغیر تمہیں ان کے پاس نہیں بھیج سکتا۔ میں خود جا کر ملکہ کی اجازت حاصل کرتا ہوں۔"

عنبر اور ناگ شاہی محل کی ڈیوڑھی میں بیٹھ گئے۔ سپاہی اندر چلا گیا۔ ملکہ اس وقت سو کر اٹھی تھی اور غسل کرنے کے بعد ولی عہد شہزادے کو دودھ پلا رہی تھی۔ سپاہی شاہی حرم کے باہر کھڑا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کنیز نے آ کر کہا:

"ملکہ سلامت نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

سپاہی نے اپنی تلوار اور تیر کمان ایک طرف رکھے اور نگاہیں جھکا کر شاہی حرم میں داخل ہوا۔ ملکہ سلامت ولی عہد شہزادے کے سنہری بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ سپاہی جھک کر سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

"کیا پیغام لے کر آئے ہیں وہ لوگ؟"

سپاہی نے کہا:

"ملکہ عالیہ، وہ کہتے ہیں پیغام بے حد ضروری ہے اور اس میں کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

ملکہ چین نے بھنویں اٹھا کر سپاہی کی طرف دیکھا۔

"ایسی کون سی بات ہوگئی۔ خیر ان لوگوں کو میرے حضور حاضر کرو۔"

"بہتر ملکہ عالیہ۔"

سپاہی الٹے قدم واپس نکل گیا۔

ڈیوڑھی میں آ کر اس نے عنبر سے کہا:

"تم لوگ خوش قسمت ہو کہ ملکہ سلامت نے تمہیں اپنے حضور طلب کیا ہے۔ اپنے سارے ہتھیار یہاں رکھ دو اور حرم میں جا کر ملکہ عالیہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ ملکہ سلامت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

عنبر اور ناگ بے حد خوش ہوئے کہ انہیں اتنی جلدی ملاقات کی اجازت مل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے سارے تیر کمان اور تلواریں وغیرہ ڈیوڑھی میں سپاہیوں کے پاس جمع کرائیں اور ہاتھ باندھ کر چار بوڑھی کنیزوں کے پیچھے پیچھے شاہی محل کے خاص حرم میں داخل ہو گئے۔ ملکہ ایک عالی شان سبز رنگ کے تخت پر سنہری سونے کی تاروں والا لباس پہنے اطمینان سے بیٹھی تھی۔ دو کنیزیں اس کے پہلو میں کھڑی مورچھل ہلا رہی تھیں۔ دو کنیزیں اس کے پاؤں دبا رہی تھیں۔۔۔ عنبر اور ناگ ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

ملکہ نے پوچھا:

"تم لوگ کون ہو اور کیسا خاص پیغام لائے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ملکہ سلامت، ہم تنہائی میں وہ پیغام دینا چاہتے ہیں۔"

ملکہ نے اپنی کنیزوں کی طرف دیکھا۔ چاروں کنیزیں باہر نکل گئیں۔ ملکہ کے ساتھ ہی تخت پر مخمل کے بچھونے پر ولی عہد شہزادہ دودھ پینے کے بعد گہری نیند سو رہا تھا۔ جب وہاں سے ساری کنیزیں چلی گئیں تو ملکہ نے کہا:

"اب بتاؤ کہ تم کیا پیغام لائے ہو؟"

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا:

"ملکہ سلامت، ولی عہد شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے۔"

ملکہ چونک کر اٹھ بیٹھی:

"کیا کہا؟ میرے شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے؟ تم کو کیسے علم ہوا؟ تم لوگ کون ہو؟"

عنبر نے ملکہ کو ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ کس طرح سوداگر اور ارژنگ نے مل کر ولی عہد کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ دونوں جن قوم کے جاسوس ہیں۔ ورشان کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور زہر درشا کے پاس پہنچ بھی چکا ہے۔ ملکہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کا رنگ خوف کے مارے زرد ہو گیا۔

عنبر نے کہا:

ملکہ سلامت، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہم ولی عہد شہزادے کی حفاظت کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہم اس پر آنچ تک نہ آنے دیں گے۔"

ملکہ نے بڑا عقلمند سوال کیا:

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بھی میرے بچے کے دشمن نہیں ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ملکہ سلامت، ہم آپ کے اور ولی عہد شہزادے کے خیر خواہ ہیں اور ہم اس کی جان بچانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔"

ملکہ نے کہا:

"میں کس طرح تم پر یقین کروں۔ ہو سکتا ہے تم بھی ارژنگ کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"ملکہ سلامت، میں آپ کو ابھی ثبوت دیے دیتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ ڈریں نہیں۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک زبردست پھنکار ماری اور

سانپ بن کر اپنا زبردست پھن پھیلا کر سوئے ہوئے ولی عہد شہزادے کے سر کے اوپر سایہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ملکہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے جسم کا آدھا خون خشک ہو گیا۔ عنبر نے فوراً ملکہ کو سنبھالا دیا اور کہا:

"ملکہ سلامت، اگر اس وقت میرا دوست چاہے تو وہ پلک جھپکنے کے اندر اندر ولی عہد شہزادے کو ڈس کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اور آپ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ آپ کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ ہم ولی عہد شہزادے کی دشمنوں سے جان بچانے آئے ہیں۔ اسے ہلاک کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ ہم آپ کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں؟ کیا اب بھی آپ کو کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟"

ملکہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"ہرگز نہیں، مجھے آپ پر یقین ہے۔"

اس کے ساتھ ہی سانپ نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور وہ رینگتا ہوا عنبر کے پاس آ کر دوبارہ انسانی جون میں واپس آ گیا۔ ملکہ نے آنکھیں مل کر کہا:

"میں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ ایک انسان دیکھتے دیکھتے سانپ بن جائے اور پھر سانپ سے انسانی شکل میں واپس آ جائے؟"

ناگ نے کہا:

"اے ملکہ عالیہ، اس وقت ضروری تھا کہ میں آپ کے سامنے سانپ کے روپ میں آتا، ورنہ آپ کو کسی اور طرح قائل نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہم شہزادے کے ہمدرد ہیں، اس کے دشمن نہیں ہیں، وگرنہ اگر ہم دشمن ہوتے تو ابھی تک شہزادہ میرے زہر سے ہلاک ہو چکا

ہوتا۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھ میں جادو کے زور سے۔۔۔ آپ یوں ہی سمجھ لیں۔۔۔ مجھ میں جادو کے زور سے اتنی طاقت آگئی ہے کہ میں جب چاہوں سانپ بن جاؤں۔۔۔ اور جب چاہوں واپس انسان کے روپ میں آجاؤں۔"

ملکہ نے کہا:

"تم لوگ کمال کے لوگ ہو۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن ملکہ عالیہ! آپ وعدہ کریں کہ ہماری اس طاقت کے راز کو کسی کے سامنے بھی نہیں کھولیں گی۔ کیوں کہ یہی وہ طاقت ہے جس کی مدد سے ہم نے ولی عہد شہزادے کی جان کی حفاظت کرنی ہے اور اس کے دشمنوں کا کام تمام کرنا ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"ہرگز نہیں! میں کسی اس طاقت کا ذکر تک نہیں کروں گی۔۔۔ لیکن یہ لوگ میرے شہزادے کے دشمن کیوں ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"وہ جن قوم کے لوگ ہیں۔ جن قوم آپ کے دشمن ہے۔ وہ شہزادے کو ہلاک کر کے چین پر حملہ کر کے جنگ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہار بھی ہوئی تو کم از کم چین کے تخت پر کوئی دوسرا بادشاہ بھی تو نہ بیٹھ سکے گا۔"

ناگ نے کہا:

"ان باتوں کو چھوڑیئے ملکہ سلامت! آپ سب سے پہلے مکار کنیز ورشا کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کر دیں، تاکہ کیتھے میں اسے شاہی محل سے فوراً گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جائے۔"

ملکہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی:

"میں ابھی یہ حکم تم دونوں کو لکھے دیتی ہوں۔ تم یہ حکم نامہ لے کر فوراً کیتھے کے شاہی محل میں پہنچ جاؤں اور ورشا کو گرفتار کروا کر تہہ خانے میں ڈال دو۔ تم شہنشاہ سے خود جا کر ملنا اور میرے احکام دکھا دینا۔"

عنبر نے کہا:

"جو حکم ملکہ عالیہ! آپ یہاں ولی عہد کی کڑی نگرانی کریں اور کسی مرد کو اس وقت کے بعد شاہی حرم کے ارد گرد تک نہ پھٹکنے دیں۔ کیونکہ ارژنگ ہمارے جنگل سے فرار ہو چکا ہے اور وہ ولی عہد شہزادے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

ملکہ بولی:

"فکر نہ کرو۔ میں حرم کے ارد گرد کڑا پہرہ لگوا دیتی ہوں اور بادشاہ کو بھی لکھ دیتی ہوں کہ وہ فوج لے کر خود یہاں آئے اور اپنی حفاظت میں ولی عہد شہزادے کو واپس شاہی محل میں لے چلے۔"

اسی روز دوسرے پہر عنبر اور ناگ ورشا کی گرفتاری کے بارے میں چین کی ملکہ کا شہنشاہ فوما نچو کے نام ایک خفیہ پیغام لے کر واپس دارالحکومت کیتھے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کیتھے شہر میں شام کی روشنیاں جھلملانے لگی تھیں کہ عنبر اور ناگ شاہی محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہاں انہی سپاہیوں نے دونوں کو روک دیا اور تلواریں نکال کر غرائے۔

"تم پھر یہاں آ گئے؟ اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

عنبر نے جیب سے ملکہ چین کا خاص حکم نامہ نکال کر دکھا دیا جس پر ملکہ کی شاہی انگوٹھی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ مہر دیکھ کر سپاہی ایک دم جھک گئے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا اور کہا:

"آپ اندر مہمان خانے میں تشریف لے چلیں۔"

عنبر اور ناگ گردنیں اٹھائے بڑی شان سے گھوڑوں پر سے اترے۔ اپنے گھوڑے انہوں نے سپاہیوں کے حوالے کیے۔ جیسے وہ ان کے نوکروں اور شاہی مہمان خانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ فوراً شاہی اجازت نامے کے ساتھ شہنشاہ فومانچو کے حضور میں اطلاع کر دی گئی۔

تھوڑی بعد بادشاہ نے انہیں اپنے خاص کمرے میں طلب کر لیا۔ عنبر اور ناگ پہلی بار شہنشاہ چین کے سامنے کھڑے تھے۔۔۔ فومانچو ایک دیو قامت بادشاہ تھا۔ جس کے چہرے سے سنگ دلی ٹپکتی تھی۔ اس نے عنبر کے ہاتھ سے ملک کا خط لے کر اسے کھولا اور پڑھا۔ پڑھنے کے بعد اس نے غصے میں کہا:

"مجھے کیسے یقین آئے کہ تم میرے ولی عہد شہزادے کے خیر خواہ ہو؟ کیوں نہ میں تمہیں بھی دشمن سمجھ کر ہلاک کروا ڈالوں؟"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، اگر آپ نے ہمیں ہلاک کروا دیا تو آپ اپنے ولی عہد شہزادے کی جان بچا سکیں گے۔

بادشاہ بولا:

"مگر تمہارے پاس ثبوت کیا ہے کہ تم میرے خیر خواہ ہو؟ بولو۔۔۔ جواب دو۔۔۔ جلدی بولو نہیں تو ابھی سر تن سے جدا کر دوں گا۔"

ناگ اور عنبر بڑے پریشان ہوئے کہ یہ تو کوئی سچ مچ پاگل بادشاہ ہے۔ کہیں تلوار مار کر سر تن سے جدا ہی نہ کر دے۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ کی خیر خواہی حاصل کرنے کے لیے اسے کوئی جادو کی کرامت دکھانا بہت ضروری ہے، چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے بادشاہ، آپ اتنی جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اگر آپ کو ہم

پر بھروسہ نہیں تو دیکھو، ہم تمہیں ثبوت دیے دیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔ ناگ پھنکار مار کر سانپ کے روپ میں آیا اور اس نے لپک کر بادشاہ کی گردن کے گرد چکر ڈال کر اسے بے بس کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"اگر سانپ چاہے تو آپ کو ایک پل میں ڈس کر آپ کا کام تمام کر سکتا ہے۔ یہی سانپ اگر آپ کا خیر خواہ نہ ہوتا تو آپ کے شہزادے کو بھی ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ کیوں کہ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم آپ کے دوست ہیں اور آپ کو جن قوم کے خون خوار دشمن قبائل سے بچانا چاہتے ہیں۔۔۔ کیا اب بھی آپ کو ہماری نیت پر شبہ ہے؟"

اس عرصے میں بادشاہ کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس کی گردن کے گرد کنڈلی مارے سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور بادشاہ کی آنکھوں کے پاس اپنا پھن پھیلا کر جھوم رہا تھا۔ بادشاہ کی گردن کی رگیں خشک ہو گئی تھیں اور وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ آواز دے کر کسی کو بلا سکے۔ وہ سانپ کو بھی نہیں پکڑنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ اسے ڈس نہ دے۔ اس کی جان مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ یہ دونوں نوجوان اس کے دشمن نہیں، بلکہ اس کے خیر خواہ ہیں اور ولی عہد شہزادے کی جان بچانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ وہ ان پر یقین کرتا ہے۔ عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ بادشاہ کی گردن سے اتر کر نیچے آ گیا۔ نیچے آ کر اس نے پھنکار ماری اور دوبارہ انسان کی جون میں آ کر اس نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور کہا:

"اے بادشاہ، ہم تمہارے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ ہم پر بھروسہ

کرو۔''

بادشاہ نے خنجر اور ناگ کے ہاتھ لے کر چوم لیے اور کہا:

''میں آج سے تمہیں اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں۔ تم نے جو کہا، میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ میں ابھی ورشا کے قتل کا حکم دیتا ہوں۔ تم شاہی محل میں میرے خاص مہمان بن کر رہو گے۔''

بادشاہ تلوار کھینچ کر خود ورشا کنیز کو قتل کرنے چل پڑا۔

ارژنگ غار میں

لیکن مکار کنیز ورشا بھی ہوشیار ہو چکی تھی۔

اسے ارژنگ نے خاص آدمی کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس لیے فوراً محل چھوڑ کر ویران کھنڈروں میں پہنچ کر اس کا انتظار کرے۔ ورشا کنیز کو جب ارژنگ کی یہ اطلاع ملی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا راز فاش ہو گیا ہے۔ وہ بادشاہ فوما نچو کے قہر اور ظلم سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے ارژنگ کا پیغام ملتے ہی اپنے کمرے میں جا کر لباس بدلا اور محل کے خفیہ راستے سے نکل کر باہر آ گئی۔ باہر پہرے دار نے اسے روک لیا۔

''کون ہو تم اور کہاں جا رہی ہو؟''

ورشا نے چہرے کا نقاب اٹھا کر اسے دیکھا اور ڈانٹ کر کہا:

"تم ملکہ کی خاص کنیز کو بھی نہیں پہچانتے؟ میں ورشا ہوں۔ اور بادشاہ کے خاص حکم سے ایک ضروری کام پر جا رہی ہوں۔"

سپاہی نے جھک کر ادب سے کہا:

"معافی چاہتا ہوں حضور! مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

اور ورشا محل کی دیوار سے گزر کر جھیل کے عقب والے درختوں میں سے ہوتی ہوئی ویران کھنڈروں میں پہنچ گئی۔ وہ بڑی پریشان تھی اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ ویران کھنڈر میں آ کر اس نے ارژنگ کی تلاش شروع کر دی۔ وہ ایک پرانی خستہ دیوار کے قریب سے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی گزر رہی تھی کہ پیچھے سے ارژنگ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ورشا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ارژنگ نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"گھبراؤ نہیں، یہ میں ہوں ارژنگ۔۔۔ تمہارا دوست۔"

ورشا نے اطمینان کا سانس لے کر کہا:

"تم نے تو میری جان ہی نکال لی تھی۔ یہ بتاؤ کہ ہمارا راز کیوں کر فاش ہوا؟ وہ کون شخص ہے جس نے ہماری سازش کو بے نقاب کر دیا؟ ہم نے تو بڑی راز داری سے کام لیا تھا۔ کہیں گھوڑوں کے سوداگر نے تو غداری نہیں کی؟"

ارژنگ نے کہا:

"اس بے چارے نے تو ہماری خاطر اپنی جان کی قربانی دے دی ہے۔ اگر وہ اپنی جان قربان نہ کرتا تو اس وقت تمہیں بچانے کے لیے میں بھی زندہ نہ ہوتا۔"

اور پھر ارژنگ نے اسے الف سے لے کر یے تک ساری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح عنبر نام کا ایک سوداگر اپنے دوست ناگ کے

ساتھ گھوڑے خریدنے آیا اور کس طرح انہوں نے چھپ کر ہماری باتیں سن لیں اور پھر وہاں سے ملکہ چین کو باخبر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ پھر کس طرح سوداگر نے انہیں قتل کرنا چاہا مگر خود سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوگیا۔

"میں نے بڑی مشکل سے کھڑکی سے چھلانگ لگا کر اپنی جان بچائی! ورنہ اس موذی سانپ نے مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔"

ورشا گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"پھر اب کیا ہوگا؟ ہم اپنی بن قوم کے سردار کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے؟ اگر ہم ولی عہد کو قتل کیے بغیر واپس چلے گئے تو سردار ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

ارژنگ نے کہا:

"تم فکر نہ کرو ارژنگ نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ ہم کوئی اور سازش کریں گے مگر ولی عہد کو ہلاک کر کے ہی دم لیں گے۔"

ورشا نے کہا:

"اور سازش کیا ہو سکتی ہے؟ سارے محل میں لوگ میری شکل سے واقف ہو گئے ہیں۔ میں اب محل میں نہیں جا سکتی۔ اگر محل میں کسی نے مجھے دیکھ لیا تو وہ میری تکا بوٹی کر دیں گے۔ بلکہ نوبانچو خود میری تکا بوٹی کر کے آدم خوروں کی طرح بھون کر کھا جائے گا۔"

ارژنگ نے کہا:

"ابھی کچھ روز ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ دوسری سازش ضرور تیار کی جائے گی اور اس دفعہ ہم اپنی سازش میں کسی کو شریک نہیں کریں گے اور کبھی ناکام نہیں ہوں گے۔"

ورشا نے کہا:

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ہم اس شہر میں کس جگہ چھپ کر رہیں گے۔ بادشاہ تو سارے شہر میں ہمیں شکاری کتے چھوڑ کر تلاش کروائے گا۔ اس کی نظروں سے کیسے بچ سکیں گے؟"

ارژنگ نے کہا:

"تم میرے ساتھ آؤ۔ یہاں سے سات کوس کے فاصلے پر ایک پہاڑی غار ہے۔ وہاں میں اکثر چھپا کرتا ہوں۔ اس غار کا منہ ایک تالاب کے کنارے ڈھلوان میں ہے اور وہاں گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ ہم ابھی کچھ روز وہاں جا کر چھپتے ہیں۔ پھر جب حالات اچھے ہو گئے تو کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔ اتنی دیر تک میں بھی کوئی مناسب ٹھکانہ تلاش کر لوں گا۔"

ورشا نے کہا:

"ٹھیک ہے۔۔۔ اب اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے۔ جلدی چلو یہاں سے۔۔۔ بادشاہ کے سپاہی ابھی ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔"

دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے اور غار کی طرف چل پڑے۔

ادھر بادشاہ فوانچو ننگی تلوار ہاتھ میں لیے، آگ بگولا بنا شاہی حرم میں آن داخل ہوا اور چیخ کر بولا:

"کہاں ہے وہ ذلیل کنیز ورشا؟ اسے فوراً! حاضر کیا جائے۔"

حرم کی کنیزوں کے رنگ اڑ گئے۔ وہ ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ بڑی کنیزیں اور خواجہ سرا سجدے میں گر پڑے۔ فوانچو نے ایک بار پھر گرج کر کہا:

"کہاں ہے ورشا؟"

ورشا کی تلاش شروع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ ورشا غائب ہے۔۔۔

بادشاہ خود خفیہ رستے میں آ گیا۔ جہاں سے کنیزوں نے ورشا کو باہر

نکلتے دیکھا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ شاہی دستہ بھی خفیہ راستے سے نکل کر محل کی عقبی دیوار کے باہر آ گیا۔ یہاں کے پہرے دار سپاہی سے بادشاہ نے پوچھا:

"کیا تم نے ورشا کو یہاں سے گزرتے دیکھا ہے؟"

سپاہی تھر تھر کانپنے لگا:

"بادشاہ سلامت! وہ یہاں سے گزری تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بادشاہ کا خاص کام کرنے جا رہی ہے۔"

بادشاہ نے غصے میں آ کر تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور سپاہی کی گردن اڑا دی۔

"یہ سزا ہے بادشاہ کے دشمن کو بھگا دینے کی۔"

فومانچو نے اسی وقت فوج کو ساتھ لیا اور رتھوں پر سوار ہو کر اس پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ملکہ چین ولی عہد شہزادے کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ شام کے وقت شاہی قافلہ پہاڑ پر پہنچ گیا۔

بادشاہ نے ولی عہد کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ملکہ سے کہا:

"ملکہ! ہم خوش ہیں کہ تمہارا پیغام ہم تک پہنچا۔ لیکن افسوس کہ ورشا محل سے فرار ہو چکی تھی۔ مگر میں نے سپاہی اس کی تلاش میں چھوڑ دیے ہیں۔ وہ میرے پنجے سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اب میں تمہیں اور ولی عہد کو یہاں ایک پل نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ تمہیں ابھی میرے ساتھ محل میں واپس چلنا ہوگا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ شہنشاہ چین فومانچو اپنی ملکہ اور ولی عہد شہزادے کو لے کر فوج کی حفاظت میں راتوں رات واپس شاہی محل کی طرف چل پڑا۔ آدھی رات کو بادشاہ کی سواری محل میں اتر گئی۔

اگلے روز شاہی دربار میں ہیروں کے شاہی چور سورتی کو طلب کیا گیا۔ عنبر اور ناگ بھی دربار میں موجود تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ

مورتی چور کی گردن کاٹ کر کتوں کے آگے پھینک دی جائے۔"

"اس بدبخت چور کو میری آنکھوں کے سامنے سے لے جاؤ۔ مجھے چوروں سے نفرت ہے۔ یہ ایک انتہائی گھٹیا کام ہے اور صرف گھٹیا لوگ ہی چوری کرتے ہیں۔"

سپاہی مورتی کو دربار سے لے کر قلعے کی دیوار کے اوپر لے گئے۔ یہاں ایک چبوترے پر کالے کپڑے پہنے ایک جلاد کلہاڑا لیے مورتی کا انتظار کر رہا تھا کہ کب وہ آئے اور اس کی گردن اتار دی جائے۔ مورتی طور کو غش پر غش آ رہے تھے۔ وہ قدم قدم پر گر پڑتا تھا۔ سپاہی ہنٹر مار مار کر اسے اٹھا رہے تھے اور زبردستی اپنے پاؤں پر چلا رہے تھے۔ چبوترے کے پاس آ کر جلاد نے اسے گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ زور سے ہاتھ مار کر اس کے کپڑے پھاڑ کر گردن ننگی کر دی۔ پھر اسے زبردستی چبوترے کے پتھر پر جھکا کر لکڑی کے شکنجے میں کس دیا۔ مورتی چیخ مار کر رونے لگا۔ جلاد نے کلہاڑا اٹھایا اور کھٹاک سے اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔

برے کام کرنے والے کو برائی کی سزا مل گئی تھی۔

مورتی کی گردن اور دھڑ کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

عنبر اور ناگ شاہی محل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بادشاہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔

مگر عنبر اور ناگ کو سب سے زیادہ پریشانی اپنی بہن ماریا کے بارے میں بھی کہ خدا جانے وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے۔ اس کے بارے میں انہیں کچھ بھی خبر نہیں ملی تھی۔

ادھر اب ذرا ماریا کا بھی حال دیکھیں کہ وہ کیا کر رہی ہے اور کہاں ہے؟

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ دیوار چین کی طرف عنبر اور ناگ

کے بارے میں معلومات حاصل کرنے جا رہی تھی۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ وہاں دیوار چین کے اس دروازے پر جہاں سے مسافر آتے جاتے ہیں ایک کتاب ہوتی ہے جس پر آنے جانے والوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔

اگر عنبر اور ناگ واپس گئے ہوں گے تو ان کے نام ضرور وہاں لکھے ہوئے ہوں گے۔ چلتے چلتے آخر ماریا دیوار چین کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے دیوار کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ بڑا دروازہ اسی طرف تھا۔

دیوار چین پر پہرے دار سپاہی تھوڑے فاصلے پر گشت لگا رہے تھے۔ وہ بڑے صدر دروازے کے پاس آ کر رک گئی۔ اب وہ سوچنے لگی کہ کون سا ایسا طریقہ اختیار کرے کہ دروازے پر جو چوکیدار سپاہی بیٹھا ہے اس کے رجسٹر میں سے عنبر اور ناگ کا نام تلاش کرے۔ سوچ سوچ کر آخر اس نے ایک فیصلہ کیا۔۔ اپنے گھوڑے کو ایک جگہ ٹیلے کی جھاڑیوں کے عقب میں چھپا کر باندھا اور خود چلتی ہوئی بڑے دروازے کی ڈیوڑھی میں آ گئی۔ وہ سب کو دیکھ رہی تھی مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ڈیوڑھی میں سپاہی ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔ ماریا بھی ان کے درمیان بچ بچ کر چلتی ہوئی کہ کسی سے اس کا کندھا بھی نہ چھو جائے اس چوکیدار کے پاس آ گئی جو اپنے سامنے چوکی پر بڑا سا رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ اس میں ان لوگوں کے نام اور حلیے درج تھے جو شہر سے باہر نکلتے تھے۔

ماریا اس چوکیدار سپاہی کے عقب میں جا کر کھڑی ہو گئی اور جھک کر بڑے غور سے کھلی کتاب کو تکنے لگی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ ورق الٹ کر پیچھے بھی دیکھے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا؟

آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔

ماریا نے فرش پر گرا ہوا ایک پتھر اٹھا کر دوسری طرف پھینکا۔ اس کی آواز پر چوکیدار اٹھ کر دوسری طرف گیا تو ماریا نے کتاب کے ورق الٹ کر دیکھنے شروع کر دیے۔ مگر اسے کہیں بھی عنبر یا ناگ کے نام اور حلیے دکھائی نہ دیے۔ اُن لوگوں نے سرحد پار نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی چین میں ہی تھے۔ اتنے میں چوکیدار اندر آ گیا۔ اس نے جو اپنے آپ کتاب کے ورق الٹتے ہوئے دیکھے تو بڑا حیران ہوا۔ کیونکہ کمرے میں ہوا بھی نہیں چل رہی تھی۔ ماریا نے ورق الٹنے بند کر دیے اور پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ چوکیدار نے ایک لمحے کے لیے بڑے غور سے کتاب کے ورق دیکھے اور پھر سر ہلا کر بیٹھ گیا۔

ماریا کمرے میں سے نکل کر ڈیوڑھی میں آ گئی۔ ڈیوڑھی میں سپاہی گھوم پھر رہے تھے۔ ایک سپاہی سے ماریا کا کندھا ٹکرا گیا۔ اس نے دوسرے سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا:

"کیا بات ہے بڑے کندھے مار رہے ہو؟"

دوسرے سپاہی نے حیرانی سے کہا:

"میں نے تو تمہیں کندھا نہیں مارا۔"

پہلا بولا:

"بکواس کرتے ہو۔"

ان دونوں کی آپس میں تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ ماریا ہنستی ہوئی ڈیوڑھی سے باہر نکل گئی۔ ٹیلے کی اوٹ میں آ کر اس نے دیکھا تو گھوڑا غائب تھا۔ جس جگہ اس نے گھوڑا باندھا تھا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ماریا تو پریشان ہو گئی۔ گھوڑے کے بغیر تو وہ ایک قدم بھی نہ چل

سکتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ کسی قافلے میں رتھ یا گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر واپس پہنچ جائے گی۔ مگر یہاں تو اس کا اپنا گھوڑا ہی غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھا کہ کہیں گھوڑا رسی تڑوا کر سیر سپاٹا نہ کر رہا ہو۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور پھر درخت کے ساتھ رسی بھی نہیں تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی گھوڑے کو کھول کر لے گیا ہے۔

ماریا نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہاں کون اس کا گھوڑا کھول کر لے جا سکتا ہے۔ یہاں تو سارے سپاہی رہتے ہیں اور چمن کے سپاہی بڑے ایماندار تھے۔ وہ چوری کبھی نہیں کرتے تھے اور پھر ان کے پاس اپنے گھوڑے موجود تھے۔ ان کی تنخواہیں بڑی بڑی تھیں۔ انہیں چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟ تو پھر یہ چوری کس نے کی تھی؟ چور کون تھا؟ ظاہر ہے وہ اسی علاقے میں کہیں ہو گا یا وہ گھوڑا لے کر دارالحکومت کی طرف روانہ ہو گیا ہو گا۔ اس طرح تو اس کا پیچھا کرنا بھی مشکل تھا۔ ماریا نے پہلے تو ہمت ہار دی۔ پھر اس نے سوچا کہ اس کا سفید گھوڑا بہت برق رفتار اور وفادار تھا۔ اسے اس کی ضرور تلاش کرنی چاہیے۔

گھوڑے کو دوبارہ حاصل کرنے کا پکا فیصلہ کر کے وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اس نے زمین پر گھوڑے کے قدموں کے نشان تلاش کرنے کی بہت کوشش کی۔ آخر اسے گھاس کے میدان میں سے نکل کر گھوڑے کے کھروں کے نشان نظر آ گئے۔ یہ نشان ایک گاؤں کی طرف جا رہے تھے جو قریب ہی تھا۔ ماریا چلتے چلتے اس گاؤں میں پہنچ گئی۔ نشان گاؤں سے بھی آگے نکل گئے۔ ماریا بھی نشانوں کا پیچھا کرتے کرتے گاؤں سے دور نکل گئی۔ یہاں اسے ایک مقام پر ایک ٹوٹی پھوٹی سی حویلی دکھائی دی۔ گھوڑے کے قدموں کے نشان اس

حویلی کی طرف جا رہے تھے۔ ماریا حویلی کے باہر آ گئی۔ حویلی کا بڑا دروازہ بند تھا۔ دیواروں کی اینٹیں جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سے چھپر ڈھے گیا تھا۔

گھوڑے کے قدموں کے نشان یہاں آ کر مٹی اور گھاس میں گڈ مڈ ہو گئے تھے۔ ماریا کھڑے ہو کر سوچنے لگی کہ گھوڑا یہاں کہاں ہو گا۔ حویلی کے اندر کون لوگ ہوں گے؟ کیا یہاں ڈاکو رہتے ہوں گے؟ آخر اس نے ہمت کر کے دروازے پر زور سے دستک دی۔ اندر سے کسی کی آواز نہ آئی۔ ماریا نے پھر دستک دی۔ اس دفعہ کسی نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ ماریا جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ ایک آدمی باہر نکلا جس کی شکل تبت کے رہنے والے لوگوں کی سی تھی۔ اس نے سر پر لوہے کا خود رکھا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دوبارہ اندر چلا گیا۔ اس دوران میں ماریا دروازے میں سے گزر کر اندر جا چکی تھی۔ اندر ایک اور آدمی گھوڑے کو چارہ ڈال رہا تھا۔ یہ ماریا کا سفید گھوڑا تھا۔ اندر والے آدمی نے پوچھا:

”باہر کون تھا؟“

تبتی نے کہا:

”کوئی بھی نہیں تھا۔ میرا خیال ہی ہوا ہو گا۔“

دوسرے نے کہا:

”خبردار رہنا۔ یہاں اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ ہم نے گھوڑا چرایا ہے تو دیوار پر الٹا لٹکا دیں گے۔ یہاں چوری کی سزا موت ہے۔ پھر سے جا کر دیکھ آؤ باہر کوئی سپاہی تو نہیں ہے؟“

تبتی نے کہا:

”کہہ دیا ایک بار کہ باہر کوئی نہیں ہے۔ پھر بار بار کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اس قسم کے سینکڑوں گھوڑے چرا کر بیچ

ڈالے ہیں۔ مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔"

ماریا سمجھ گئی کہ یہ لوگ چور ہیں اور گھوڑے چرا کر فروخت کرتے ہیں۔ اب وہ گھوڑا لے کر وہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ مگر دونوں چور گھوڑے کے آس پاس کھڑے تھے۔ گھوڑے نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا اور وہ ایک بار زور سے ہنہنایا تھا۔ ایک چور نے کہا:

"یہ ہنہنایا کیوں ہے؟"

دوسرا بولا:

"یہ تمہیں دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔"

"بکواس بند کرو۔"

"اچھا اب یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔ گھوڑے کا مالک ضرور ہماری تلاش میں آئے گا۔ ایک مدت کے بعد سفید گھوڑا چوری کیا ہے۔ اس کے کافی پیسے مل جائیں گے۔ یہاں سے اسے لے کر جتنی جلدی نکل چلیں اتنا ہی اچھا ہے۔"

چور نے کہا:

"پاگل آدمی اس وقت یہاں سے نکلنا خطرناک ہے۔ ذرا شام کا اندھیرا پھیلے تو نکلیں گے۔ یہ گھوڑا تو دور سے نظر آ جائے گا۔۔۔"

دوسرا بولا:

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ابھی ہمیں شام کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"اچھا تو تم ایسا کرو کہ گھوڑے کی حفاظت کرو۔ گاؤں جا کر کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔ مجھے بڑی بھوک لگی ہے اور پھر راستے میں بھی ہمیں کھانے پینے کی ضرورت پڑے گی۔"

[redacted]

”مگر جلدی واپس آجانا۔“

”فکر نہ کرو، ابھی گیا اور ابھی آیا سمجھو۔“

ایک چور حویلی میں سے باہر نکل گیا اور دوسرا چور گھوڑے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔ پہلا چور جاتے ہوئے اسے کہہ گیا تھا:

”خبردار کوئی بھی آجائے، دروازہ مت کھولنا۔“

ماریا نے سوچا کہ اس چور کو یہاں سے کیسے بھگایا جائے؟ اس نے دروازے پر جاکر اندر سے دروازے پر دستک دی۔ وہ چور کو نظر تو نہیں آرہی تھی۔ وہ یہ سمجھا کہ باہر سے کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آگیا اور بولا:

”کون ہے باہر؟“

باہر کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔ باہر تو کوئی بھی نہیں تھا۔ چور واپس آکر پھر گھوڑے کے پاس بیٹھ گیا۔ ماریا نے اب کیا کیا کہ دروازے کے پاس جاکر اس کی کنڈی کھول دی اور دونوں کواڑ کھول دیے۔ دروازے کے کھلتے ہی چور ہڑبڑا کر اٹھا اور باہر آگیا۔ اس نے تلوار کھینچ لی تھی۔ تاکہ اگر کوئی سپاہی ہو تو اس کا مقابلہ کرے۔ مگر باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا اگر گھوڑے پر سوار ہو جاتی تو گھوڑا غائب تو ہو جاتا مگر وہ اسے لے کر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ اس طرح اس کا سر دروازے کی چھت سے ٹکرا جاتا۔ ماریا کے لیے اب ایک ہی صورت باقی تھی؛ چنانچہ اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر زور سے ہاتھ مارا۔

گھوڑا زور سے اچھلا اور ہنہنایا۔ ماریا نے رسی کھول دی۔ گھوڑا باہر کی طرف بھاگا۔ ماریا ایک طرف ہوگئی۔ جونہی گھوڑا باہر نکلا چور نے لپک کر اس کی لگام تھام لی۔ کم بخت بڑا ہی دلیر گھوڑ سوار تھا وہ چور بھی۔ اس نے تھوڑی دور بھاگ کر گھوڑے کو روک لیا اور پچکارتا ہوا

حویلی کی طرف لے آیا۔ اب ماریا نے چور کو چاروں شانے چت گرانے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ وہ اس کے لیے خواہ مخواہ مصیبت کا باعث بن رہا تھا۔ وہ حویلی کے دروازے کے پاس آیا ہی تھا کہ ماریا نے زور سے ڈنڈا اس کے سر پر دے مارا۔ چور چکرا کر زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا۔ ماریا نے گھوڑے کی لگام تھام لی اور اس پر سوار ہونے ہی والی تھی کہ اچانک دوسرا چور وہاں آ گیا۔

اس نے جو اپنے ساتھی کو بے ہوش اور گھوڑے کو حویلی کے باہر دیکھا تو بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ وہ گھوڑے کو بھگانے ہی والا تھا کہ ماریا نے ایک زوردار ڈنڈا اس کی کمر پر جما دیا۔ چور ہائے کہہ کر زمین پر گر پڑا۔ ماریا نے اس کے اٹھتے ہی دوسرا ڈنڈا بھی اس کے سر پر دے مارا۔ دوسرا چور بھی وہیں بے ہوش ہوگیا۔ ماریا کو ان پر بے حد غصہ آ رہا تھا کہ خواہ مخواہ بیچ میں پڑ کر اس کا وقت ضائع کر رہے تھے۔۔۔

دونوں چوروں کو بے ہوش چھوڑ کر ماریا گھوڑے پر سوار ہوئی اور اس بڑی پتھریلی سڑک پر چل پڑی جو چین کے دارالحکومت کیچے کی طرف جاتی تھی۔

ماریا کو ہم چین کے راستے میں چھوڑتے ہیں اور عنبر ارژنگ اور کنیز ورشا کی خبر لیتے ہیں کہ وہ ان ولی عہد شہزادے کو اغوا یا قتل کرنے کے لیے کون سی نئی سازش کر رہے ہیں؟ عنبر اور ناگ تو بڑے ٹھاٹھ سے شاہی محل میں رہ رہے تھے۔ انہیں ماریا کی ضرور فکر تھی۔ ارژنگ اور ورشا شہر سے باہر والے پہاڑ کے غار میں چھپے ہوئے تھے۔ ارژنگ ایک روز فقیر کا بھیس بدل کر غار سے باہر نکلا۔ شہر آیا۔ وہاں سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خریدیں اور اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ نوجوان کی تلاش میں سپاہی فوانچو کے حکم سے شہر میں جگہ جگہ

چھاپے مار رہے ہیں۔ واپس غار میں آ کر اس نے ساری روئیداد ورشا کو سنا دی۔

ورشا نے کہا:

"نوما نچو کے سپاہی یہاں بھی تلاش کرتے کرتے پہنچ جائیں گے ان کی مثال شکاری کتوں کی ہے جس نے اپنے شکار کی بو سونگھ لی ہو۔ وہ شکار کو پکڑے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

ارژنگ بولا:

"ان کا باپ بھی اس غار میں نہیں پہنچ سکتا۔ یہ اس علاقے کی سب سے محفوظ ترین جگہ ہے۔ کسی کو اس غار کا علم نہیں ہو سکتا۔"

ورشا بولی:

"تم احمق ہو۔ ناسمجھ ہو۔ تم نہ تو نوما نچو کو جانتے ہو اور نہ اس کی فوج کے سپاہیوں کو جانتے ہو۔ تم دیکھ لینا ایک نہ ایک دن وہ اس غار کے باہر کھڑے ہوں گے۔"

ارژنگ فکر مند ہو کر کہنے لگا:

"اگر تم سچ کہتی ہو تو پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہم اس ملک کو چھوڑ کر باہر نہیں بھاگ سکتے۔ ہمارے سامنے دیوار چین کھڑی ہے۔ ہمیں بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا جائے گا اور پھر ہمارا وہی حشر ہوگا جو مورتی چور کا ہوا۔ ہماری گردنیں اڑا کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دی جائیں گی۔ سوال یہ ہے کہ ہم کب تک یہاں چھپے رہیں گے؟ ہمیں واپس جادوگرنی کے پاس جا کر اسے اطلاع دینی ہے اور آئندہ کیا کرنا ہے اس کے بارے میں اس سے ہدایات لینی ہیں۔"

ورشا نے کہا:

"ابھی تو ہمیں نوما نچو کے سپاہیوں سے جو ہمیں تلاش کر رہے

ہیں۔ اپنی جان بچانی ہے اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم کسی طرح سے اس غار کے اندر ایک اور غار کھود لیں اور وہاں جا کر چھپ جائیں تاکہ اگر سپاہی یہاں تک پہنچ بھی جائیں تو ہم ان کی نظروں سے اوجھل ہو سکیں۔"

ارژنگ کہنے لگا:

"ہم آج ہی یہ سرنگ کھودنا شروع کر دیں گے۔"

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ارژنگ نے غار کے اندر جا کر پتھروں کے درمیان ایک ڈھلانی جگہ پر سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ ورشا پتھر ہٹاتی گئی۔ وہ دو روز تک غار کھودتے رہے۔ تیسرے روز انہوں نے دیوار میں نیچے کی جانب اتنی جگہ بنالی کہ وقت پڑنے پر وہاں جا کر چھپ جائیں اور کسی کی ان پر نظر نہ پڑ سکے۔ ارژنگ باہر سے جا کر اور پتھر اٹھا لایا۔ انہوں نے سرنگ کے منہ پر بے شمار چھوٹے بڑے پتھر اس طرح رکھ دیے کہ وہاں دیوار سی بن گئی اور سرنگ کا منہ اس طرح ڈھک گیا کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ غار سے باہر نکل آئے۔ تالاب میں انہوں نے غسل کیا۔ ارژنگ کا لایا ہوا کھانا بیٹھ کر کھایا۔ کھلی ہوا میں گہرے گہرے سانس لیے اور آرام کرنے کے لیے ایک بار پھر غار میں گھس گئے۔

چھٹے روز وہ غار کے اندر بیٹھے وہاں سے فرار ہونے کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک انہیں باہر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز غار کے پاس آ کر رک گئی۔ ارژنگ بھاگ کر غار کے منہ کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ فومانچو کی فوج کے خاص سراغ رساں سپاہی گھوڑوں سے اتر کر تالاب کے کنارے آرام کر رہے ہیں کوئی پانی پی رہا ہے کوئی نہا رہا ہے اور

کوئی گھوڑے کو پانی پلا رہا ہے۔ ایک سپاہی پتھروں کو غور سے دیکھتا غار کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ارژنگ فوراً واپس مڑا۔ اس نے ورشا کو بتایا کہ سپاہی ان کی تلاش میں غار تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ ابھی سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی غار کے اندر داخل ہو گیا۔

ارژنگ اور ورشا کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ بھاگ کر غار کے اندر والی سرنگ میں پناہ لے سکتے۔ ارژنگ نے ورشا کو دیوار کے ساتھ کر دیا اور خود تلوار کھینچ کر ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے چھپ گیا۔

سپاہی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ننگی تلوار تھی۔ وہ غار کی دیواروں کو بڑے غور سے دیکھ بھی رہا تھا۔ ارژنگ پتھر کے پیچھے دم سادھے کھڑا تھا۔ پرلی طرف ورشا بھی سائے میں سانس روکے کھڑی تھی۔ سپاہی ارژنگ کے پتھر کے قریب پہنچ کر رک گیا اور کان لگا کر جیسے کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس نے ارژنگ کے سانس لینے کی آواز سن لی ہے۔ کیونکہ غار میں بڑی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ارژنگ نے سانس روک لیا۔ سپاہی بھی بت بن کر کھڑا رہا۔ آخر ارژنگ کب تک سانس روکتا؟ جب اس نے سانس چھوڑا تو سپاہی تلوار کھینچ کر پتھر کے سامنے آ کر چیخا۔

"باہر نکل آؤ جو کوئی بھی تم ہو۔"

www.Ul

موت ٹل گئی

ارژنگ تلوار سونت کر سامنے آ گیا۔

واگر وہ ایسا نہ کرتا تو سپاہی اسے تلوار مار کر ہلاک کر دیتا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اسے سامنے آنا ہی پڑا، حالانکہ وہ بے خبری میں سپاہی پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ جوں ہی وہ سامنے آیا چینی سپاہی نے اسے پہچان لیا کہ یہ تو ارژنگ ہے جس کی تلاش میں وہ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ اس نے چیخ مار کر کہا:

"ادھر آؤ میرے ساتھیو، ارژنگ یہاں موجود ہے۔"

وہ آواز دے کر اپنے ساتھی سپاہیوں کو بلانا چاہتا تھا مگر اس کی چیخ غار کے اندر ہی گونج کر رہ گئی۔ ارژنگ نے جب دیکھا کہ سپاہی نے اسے پہچان لیا ہے تو وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ سپاہی بھی ڈٹ کر سامنے آ گیا۔ دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ سپاہی بار بار اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ یہ بات ارژنگ کے لیے بڑی خطرناک تھی۔ وہ جلدی سے جلدی سپاہی کی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینا چاہتا تھا۔ وہ پہلو بدل بدل کر پے در پے وار کرنے لگا۔ سپاہی بھی بڑا ماہر تلوار زن تھا۔ وہ ارژنگ کا ہر وار بچا جاتا۔ اب اس نے بھی بڑھ چڑھ کر حملے کرنے شروع کر دیے اور ایک طاقت ایسا آیا کہ اس نے ارژنگ کو نیچے گرا دیا۔ قریب تھا کہ وہ ارژنگ کے سینے میں تلوار گھونپ دیتا کہ ورشا نے پیچھے سے پتھر اٹھا کر بڑے زور سے سپاہی کے سر پر دے مارا۔

سپاہی کی آنکھوں کے سامنے نیلے رنگ کی بجلی سی کوندی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی ارژنگ نے تلوار مار کر اسے ہلاک کر دیا اور لاش کو گھسیٹ کر اس سرنگ میں لے گیا جو انہوں نے اپنے

چھپنے کے لیے بنائی تھی۔ وہ خود بھی ورشا کے ساتھ سرنگ میں اتر کر چھپ گیا اور باہر سرنگ کے منہ کو پتھروں اور سوکھی جھاڑیوں سے اس طرح ڈھانپ دیا کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کوئی سرنگ بھی ہے۔ سپاہی کی لاش ان کے قریب ہی پڑی تھی۔ زمین پر گرے ہوئے خون کو انہوں نے مٹی اور پتھر ڈال کر چھپا دیا تھا۔ ویسے بھی غار میں اتنی روشنی نہیں تھی کہ زمین پر گرا ہوا خون نظر آ جاتا۔

ورشا نے کہا:

"اگر میں پیچھے سے پتھر نہ مارتی تو اس سپاہی نے تمہاری جان لے لی تھی۔"

ارژنگ بولا:

"ہاں میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر تم وقت پر حملہ نہ کرتیں تو اس نے میرا کام تمام کر دیا تھا۔ پھر تم بھی نہ بچ سکتی تھیں۔ تمہیں بھی سپاہی اپنے ساتھ لے جاتے اور بادشاہ کے حوالے کر دیتے اور بادشاہ تمہارے ساتھ جو سلوک کرتا اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"

ورشا نے کہا:

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے سپاہی کو ہلاک کر کے تمہاری نہیں بلکہ اپنی جان بچائی ہے؟"

ارژنگ بولا:

"دونوں کی جان بچائی ہے۔۔۔ بہر حال اب یہ وقت اس قسم کی فضول باتوں کا نہیں۔ ہمیں خاموش رہ کر دیکھنا ہے کہ اس سپاہی کی تلاش میں اس کے ساتھی اندر آتے ہیں یا نہیں۔۔۔ کم بخت نے جانے کیسے اس غار کا منہ دیکھ لیا۔ اس کی موت اسے یہاں گھیر لائی تھی۔"

ورشا نے کہا:

"میرا خیال ہے وہ لوگ ادھر ضرور آئیں گے۔ کہیں انہیں اس سرنگ کا سراغ بھی نہ مل جائے؟ یہاں سے تو ہمیں کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔"

ارژنگ کہنے لگا:

"یہاں تک وہ کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ باہر سے سرنگ کے منہ کو گھاس پھونس اور پتھروں سے اس طرح ڈھانپ دیا گیا ہے کہ انہیں کبھی شک بھی نہیں ہو سکتا کہ یہاں بھی کوئی سرنگ ہو سکتی ہے۔"

ورشا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا:

"شی۔۔۔ گھوڑوں کی ہنہنانے کی آواز آئی تھی۔"

ارژنگ بولا:

"ہاں میں نے بھی سنی تھی۔"

ٹھیک اس وقت غار کے باہر تالاب کے کنارے سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں اپنے ایک ساتھی کے گم ہونے کی خبر ملی۔ انہوں نے اسے آوازیں دے کر پکارا مگر وہ کسی جگہ بھی نہ ملا۔ وہ پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلتے تالاب کے کنارے غار کے منہ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں ان کا ایک گھوڑا ہنہنایا جس کی آواز اندر ارژنگ اور ورشا نے بھی سنی۔ ایک سپاہی نے بڑے غور سے دیوار کی طرف دیکھ کر کہا:

"ایسے لگتا ہے جیسے یہاں ضرور کوئی غار ہے۔"

دوسرا بولا:

"یہاں غار کہاں ہو گا یار، چھوڑو اسے۔"

تیسرا آدمی گھوڑے سے اتر کر بولا:

"میرا خیال ہے یہاں ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

اب وہ سارے سپاہی اسی جگہ رک گئے۔ ایک سپاہی نے آگے

بڑھ کر پتھروں کو ادھر ادھر ہٹایا تو سامنے غار کا منہ نظر آ گیا۔

"ارے یہ غار ہے۔ وہ ضرور اندر گیا ہوگا۔ چلو میرے ساتھ۔ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔"

"سارے سپاہی اندر نہیں جا سکتے۔ ہم باہر کھڑے رہتے ہیں تم لوگ اندر جا کر دیکھو۔"

چھ سات سپاہی تلوار سونت کر غار کے اندر داخل ہو گئے۔ باقی سپاہی باہر کھڑے رہے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کر لیں جن کی روشنی سے غار میں دن چڑھ آیا۔ ارژنگ اور ورشا نے سرنگ کے اندر چھپے چھپے سپاہیوں کی آوازیں سن لی تھیں۔ ورشا کا تو مارے خوف کے برا حال ہو رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی موت کا وقت آ گیا ہے۔ ارژنگ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں سپاہی سرنگ کا بھی سراغ نہ لگا لیں۔ وہ دم سادھے سرنگ میں ورشا کے ساتھ ہی دبکا بیٹھا تھا۔ پاس ہی چینی سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ اسے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ کہیں سپاہی مشعلوں کی روشنی میں زمین پر گرا ہوا خون نہ دیکھ لیں۔ اگرچہ اس نے خون کو مٹی اور پتھروں میں چھپا دیا تھا۔

جوں جوں سپاہی غار میں آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ ورشا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سپاہی ہر قدم پر اپنے ساتھی سپاہی کو آوازیں بھی دے رہے تھے۔ ان کی آواز غار میں بھیانک گونج پیدا کرتی تھی۔ ارژنگ نے سوچ لیا تھا کہ اگر سپاہیوں نے اسے ڈھونڈ لیا تو وہ تلوار لے کر ان پر ٹوٹ پڑے گا اور کسی نہ کسی طرح غار سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ سرنگ کے اندر ایک قیدی بکرے کی موت مرنا اسے گوارا نہ تھا۔ سرنگ کی دیوار کی درز میں سے اس نے دیکھا کہ سپاہی مشعلوں کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

وہ سرنگ کے پاس آ کر رک گئے۔ انھوں نے مشعلیں لے کر چاروں طرف غار کی دیواروں کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ مقام بڑا نازک تھا۔ ایک سپاہی مشعل لے کر سرنگ کی دیوار کے پاس بھی آ گیا۔ ورشا نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ ارژنگ نے سر نیچے کر لیا۔ مگر یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ سپاہیوں کو دیوار کی درز دکھائی نہ دی اور وہ یہی سمجھے کہ یہ ایک دیوار ہے جس پر جنگلی بیل چڑھی ہوئی ہے؛ حالاں کہ اگر وہ بیل کو پکڑ کر کھینچتے تو وہ ساری کی ساری ان کے ہاتھ میں آ جاتی اور سرنگ کے پتھر سامنے نظر آنے لگتے۔

لیکن قدرت نے ارژنگ اور ورشا کی جان بچانی تھی۔ سپاہیوں کو سرنگ دکھائی نہ دی۔ پھر بھی خطرہ پوری طرح ٹلا نہ تھا۔ کیوں کہ ساتوں سپاہی اسی جگہ کھڑے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا:

”آخر وہ کہاں گم ہو گیا، ابھی تو ہمارے ساتھ تھا۔“

دوسرا بولا:

”تالاب سے پانی پی کر وہ کدھر گیا تھا؟ تمھیں کچھ معلوم ہے؟“

پہلے نے کہا:

”میں نے اسے اس غار کی طرف ہی آتے دیکھا تھا۔“

دوسرے سپاہی نے کہا:

”مگر وہ غار میں تو نہیں ہے پھر کہاں چلا گیا؟“

تیسرا سپاہی بولا:

”کہیں باہر نہ نکل گیا ہو۔“

پہلا سپاہی بولا:

"باہر نکل کر وہ کہاں جا سکتا ہے؟ وہ ضرور یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

تیسرے سپاہی نے رائے دی:

"یہاں اور کہاں چھپا ہوا ہوگا۔ غار تو یہاں آ کر بند ہو جاتا ہے۔"

ایک اور سپاہی بولا:

"کہیں اس غار میں کوئی دروازہ تو نہیں ہے۔"

دوسرا سپاہی پھر بولا:

"میں نے ایک ایک دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا ہے یہاں غار بالکل بند ہو جاتا ہے۔"

ارژنگ کی تو جان ہی نکل گئی کہ یہ کم بخت پھر سے غار کی تلاشی لینے لگے ہیں۔ مگر خیریت گزری کہ انہوں نے دیواروں کو پھر سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے کا خیال ترک کر دیا۔

"چلو اسے باہر چل کر دیکھتے ہیں۔ وہ ضرور پہاڑی کے اوپر چلا گیا ہوگا۔"

یہ کہہ کر سارے سپاہی غار سے نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی غار میں گہری خاموشی اور ہلکا ہلکا اندھیرا ایک بار پھر چھا گیا۔ سرنگ کے اندر بیٹھے بیٹھے ارژنگ اور ورشا نے سکھ کا گہرا سانس لیا۔

ورشا نے آنکھیں بند کر کے کہا:

"اے عظیم دیوتاؤ، تمہارا شکر ہے کہ تم نے ہماری جان بچائی۔"

ارژنگ کہنے لگا:

"احمق عورت، دیوتاؤں کی بجائے میرا شکریہ ادا کرو۔ اگر میں یہ سرنگ نہ کھودتا تو تمہارے دیوتا بھی تمہیں نہ بچا سکتے تھے۔ تمہارے دیوتا دیکھتے رہ جاتے اور سپاہی تمہیں گرفتار کر کے لے جاتے۔"

ورشا بولی:

’’بکواس بند کرو۔ تمہیں بھی دیوتاؤں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنہوں نے ہمارے دماغ میں سرنگ کھودنے کا خیال ڈالا۔‘‘

ارژنگ نے ورشا کو جھڑک کر کہا:

’’اب چھوڑو ان فضول باتوں کو اور سرنگ سے نکل کر اس لاش کو کہیں ٹھکانے لگاؤ۔ یہاں ہمیں رہنا ہے اور ہمارے ساتھ لاش نہیں رہ سکتی۔‘‘

ورشا کہنے لگی:

’’مگر ابھی تو وہ غار سے باہر ہی ہوں گے۔‘‘

ارژنگ بولا:

’’میں جا کر دیکھتا ہوں۔‘‘

ارژنگ سرنگ میں سے باہر نکل آیا۔ باہر آکر اس نے سرنگ کے منہ پر دوبارا جھاڑیاں رکھیں اور دبے پاؤں چلتا ہوا غار کے دہانے پر آگیا۔ یہاں ایک جگہ چھپ کر اس نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ سارے کے سارے سپاہی ابھی تک غار کے باہر تالاب کے کنارے کھڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ کچھ سپاہی پہاڑی کے اوپر گمشدہ سپاہی کو دیکھنے گئے ہوئے ہیں۔ سپاہی آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا:

’’بادشاہ کو جا کر کیا منہ دکھاؤ گے۔ ورشا کمینی کو پکڑ لیا جاتا تو بہتر تھا۔‘‘

’’اور ارژنگ بھی تو ہاتھ نہیں آیا۔‘‘

’’بلکہ الٹا ہمارا ایک سپاہی گم ہو گیا ہے۔‘‘

’’شہنشاہ تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔‘‘

’’میرا تو خیال ہے کہ دونوں غدار چین چھوڑ کر بھاگ گئے

ہیں۔"

"مگر وہ دیوار چین اتنی آسانی سے عبور نہیں کر سکتے۔"

"ہو سکتا ہے وہ سمندر عبور کر کے جاپان کی طرف نکل گئے ہوں۔"

ارژ تنگ کو خیال آیا کہ وہ سمندر عبور کر کے جاپان کی طرف بھی بھاگ سکتا ہے۔ یہ ایک اچھا خیال تھا۔ اگرچہ سمندر عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا اور ویسے بھی سمندر وہاں سے بہت دور تھا۔ پھر بھی جب کوئی صورت باقی نہ رہے تو سوائے اس کے اور کیا چارہ ہو سکتا تھا۔

اتنے میں کچھ سپاہی پہاڑی سے اتر کر نیچے آ گئے۔

"کیوں دیو تنگ کا کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں ہم نے ساری پہاڑی چھان ماری ہے۔ اس کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ وہ کسی جگہ بھی نہیں ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ واپس چلا گیا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ بھگوڑا ہو گیا ہے؟"

"شاید۔"

"نہیں نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چین کی فوج کا سپاہی بھگوڑا نہیں ہو سکتا۔ وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے۔ یہ بادشاہ فو مانچو کی حکومت ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ وہ پھر کہاں چلا گیا؟"

"یہ ہم واپس محل میں جا کر معلوم کریں گے۔ اس وقت ہمیں فوراً محل میں واپس جانا چاہیے۔"

"چلو دوستو محل کی طرف۔"

اور سارے سپاہیوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر انہیں ایڑ لگائی اور

انہیں سرپٹ دوڑاتے ٹیلے کے ساتھ ساتھ تالاب کے کنارے کنارے میدان کی طرف نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی ارژنگ فوراً واپس غار میں سرنگ کے اندر آیا۔ اس نے ورشا سے کہا کہ سپاہی وہاں سے چلے گئے ہیں۔

ورشا نے کہا:

"شکر ہے سر سے بلا ٹل گئی۔ اب ہمیں سپاہی کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔"

"اسی غار میں زمین کھود کر اسے دبا دیتے ہیں۔"

ارژنگ نے ایک جگہ سے پتھروں کو ہٹا کر زمین کھودنا شروع کر دی۔ کافی دیر کی محنت کے بعد اس نے ایک گڑھا کھود لیا۔ سرنگ میں سے وہ سپاہی کی لاش کو کھینچ کر باہر لے آئے۔ پھر لاش کو کپڑوں سمیت گڑھے میں پھینک کر مٹی اور پتھر ڈال کر اسے بھر دیا۔

"اب کیا کریں؟ کیا اسی جگہ بیٹھ کر جادوگرنی کے پیغام کا انتظار کریں۔"

"جادوگرنی کا پیغام کبھی نہیں آئے گا ورشا۔"

"تو پھر یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے۔ آخر جائیں تو کہاں جائیں؟"

"میرے ذہن میں ایک خیال ہے۔"

"کیا؟"

ارژنگ نے کچھ سوچ کر کہا:

"میں اپنی جن قوم کے سردار کے سامنے ناامید و ناکام ہو کر واپس جانا نہیں چاہتا۔ میں فوناچو سے اپنے دوستوں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا ہوں اور میں بدلہ اسی صورت میں لے سکتا ہوں کہ اس کے شہزادے کو قتل کر دوں۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ بھیس بدل کر شہر میں

سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے والے جوگی کے روپ میں ایک دکان کرلوں۔ پھر کسی طرح ایک سانپ شاہی محل تک پہنچا کر شہزادے کو ڈسوا دوں اور اس کا کام تمام کروادوں۔"

ورشا بولی:

"سازش تو بڑی اچھی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تمہیں سانپوں کا تجربہ ہے؟"

"میں سانپوں کو پکڑنے کا کام خوب جانتا ہوں۔ بس یہ سکیم بڑی اچھی ہے۔ اس پر عمل کریں گے۔ تم اسی سرنگ میں چھپی رہو جب تک میں بھیس بدل کر شہر جا کر دکان کھولتا ہوں۔ پھر تمہیں بھی اپنے ساتھ وہاں سے لے جاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔"

اگلے روز ارژنگ نے جوگی کا بھیس بدل لیا۔ اس بھیس میں وہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ خود ورشا کی نظریں دھوکا کھا گئیں۔ اسے حلیہ بدلنے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ارژنگ نے جھولا گلے میں ڈالا اور شہر کی طرف چل پڑا۔

www.urdurasala.c

بھوکی بستی

شہر میں آ کر ارژنگ خفیہ طور پر اپنے قبیلے کے آدمی سے ملا۔

سوداگر کے مرنے کے بعد شہر میں یہی ایک آدمی تھا جو ارژنگ کے قبیلے سے تھا اور کہتے ہیں ہمن قوم کے سردار کی جاسوسی کرنے پر لگایا گیا تھا۔ یہ ایک معمولی سے محلے میں رہ رہا تھا اور لوگوں کی بھیڑ بکریاں چرا کر گزر اوقات کرتا۔ ارژنگ چھپ کر اسے ملا۔ اسے سارا حال سنایا۔ چرواہے نے اس سے پوچھا:

”سوداگر کی موت کے بعد تم شہر میں کہاں رہو گے اور یہ جوگیوں ایسا حلیہ تم نے کس لیے بنا رکھا ہے۔ اگر تم اپنا تعارف نہ کرواتے تو میں تمہیں نہیں پہچان سکتا تھا۔“

ارژنگ نے کہا:

”مجھ پر اب بھاری ذمے داری آن پڑی ہے۔ ورشا کو میں نے غار میں چھپا رکھا ہے۔ اسے بھی دن میں ایک بار کھانا دینے جانا ہوگا۔ پھر ولی عہد شہزادے کا کام تمام کرنے کے لیے نئی سازش بھی تیار کرنی ہوگی۔“

چرواہے نے کہا:

”یہ کام تو تمہیں کرنا ہی ہوگا۔ ویسے اگر تم چاہو تو ورشا کو کھانا پہنچانے کا کام میں اپنے ذمے لے سکتا ہوں۔“

ارژنگ نے کہا:

”نہیں نہیں، تم اپنا کام کیے جاؤ۔ تمہارے پاس پہلے ہی بہت کام ہے۔ سارے شہر کی روزانہ کی کارگزاری لکھ کر مجھے بھجوانا معمولی کام نہیں ہے۔ میں یہ کام بھی خود ہی کر لوں گا۔ تم میرے لیے صرف اتنا کر دو کہ مجھے شہر کے اندر کسی جگہ ایک دکان لے دو جہاں میں اپنا کام

شروع کر سکوں۔ سانپوں کا بندوبست میں دو ایک دن میں کر لوں گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں دکان تمہیں لے دوں گا۔ لیکن تم نے سوچا کیا ہے؟"

"کس کے بارے میں؟"

"ولی عہد کے قتل کے بارے میں؟"

ارژنگ ابھی کسی کو بھی اپنا راز نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا:

"ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا۔ دو ایک دن کے اندر اندر کوئی فیصلہ کر لوں گا۔"

چرواہے نے شہر کے اندر ارژنگ کو ایک دکان دلوا دی۔ ارژنگ جنگل میں سے سانپ پکڑ لے آیا اور ان کو چھوٹے بڑے مٹی کے مرتبانوں میں بند کر کے دکان میں سجا دیا۔ اس نے یہی مشہور کر دیا کہ وہ سانپ کے کاٹے کا علاج کرتا ہے۔ وہ صرف آدھی رات کے وقت روٹی اور دودھ لے کر تالاب والے غار میں جاتا اور ورشا کو کھانا کھلا کر اور دوسرے دن کا کھانا وہاں رکھ کر واپس اپنی دکان پر آ جاتا۔ محلے میں اس نے اپنے آپ کو بڑا شریف اور نیک مشہور کر رکھا تھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ حلیمی اور نرمی سے گفتگو کرتا۔ یوں وہ ایک مکار لومڑی کی طرح بکری کی کھال پہن کر وقت کا انتظار کرنے لگا۔

ماریا چین کی سرحد کے اندر سفر کر رہی تھی۔

ارژنگ کو شہر کیتھے میں اس کی سانپوں کی دکان پر چھوڑ کر اب ہم ماریا کی طرف چلتے ہیں جو چین کے دارالحکومت کی طرف سفر کر رہی تھی۔ اسے سفر کرتے ہوئے تیسرا دن تھا اور وہ رات کو سفر کرتی برابر آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ راستے میں کہیں کہیں آبادیاں بھی آ جاتیں۔ اس زمانے میں چین میں دوسرے ملکوں کی طرح بہت کم

آبادی تھی۔ جنگل میں رات بسر کرنے میں بڑی آسانی تھی۔ ماریا بڑے مزے سے کسی جگہ گھوڑا باندھ کر سو جاتی۔ آبادی میں آ کر اسے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا۔ کوئی اس کا گھوڑا کھول کر نہ لے جائے۔ وہ خود تو غائب ہے کہیں کوئی گاڑی اس کے اوپر سے نہ گزر جائے۔

کسی کے گھر میں وہ جا نہیں سکتی تھی۔ غائب حالت میں وہ کسی سے کیا کہے کہ وہ رات بسر کرنا چاہتی ہے۔ لوگ اس کی آواز سن کر ہی بھاگ جاتے تھے۔ کیونکہ اس کی آواز تو سنائی دیتی تھی مگر صورت شکل نظر نہ آتی تھی۔ وہ کوشش کرتی کہ اسے جنگل میں ہی رات آئے اور وہ آرام سے رات بسر کرے۔ لیکن اس وقت اسے شام ایک بستی کے قریب آ رہی تھی۔ اس بستی کے مکانوں کو اس نے دور ہی سے ایک پہاڑی کی ڈھلان اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سورج ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کافی ڈھل گئی تھی اور اس کا رنگ سنہری ہو گیا تھا۔ ماریا ڈھلان اتر کر بستی کے آس پاس آ گئی۔ یہ کافی بڑی بستی تھی اور ایک قصبہ لگ رہی تھی۔ قصبے کے باہر غلے کی منڈی بھی لگی تھی۔ جہاں بیوپاری اناج وغیرہ خرید رہے تھے۔ وہاں کافی لوگ جمع تھے۔

ماریا ان سب لوگوں سے بچ کر نکل جانا چاہتی تھی۔ تاکہ وہ بستی سے باہر نکل کر دور کسی ویران جگہ پر رات بسر کرے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ اب اسے بھوک بھی سخت لگ رہی تھی۔ پیاس کا علاج تو اس نے راستے میں ندی کا پانی پی کر کر لیا تھا۔ لیکن بھوک کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی تندور پر جا کر روٹی خریدے۔ روٹی خریدنے کے لیے اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ سارے کے سارے پیسے اس کے راستے میں سفر کرتے خرچ ہو گئے

تھے۔ مجبوراً اسے قصبے میں سے ہو کر گزرنا پڑا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ کسی نانبائی کی دکان پر جا کر ایک روٹی اٹھا لے گی اور کھا لے گی لیکن اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ وہ چوری کرے اور نانبائی سے روٹی لے کر اسے پیسے نہ دے۔ سوچ سوچ کر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے گلے کے چاندی کا ہار اتار کر نانبائی کے تھال میں رکھ دے گی اور وہاں سے روٹی اٹھا لے گی۔ یہ سوچ کر وہ بستی کے بڑے بازار میں داخل ہو گئی۔ اتفاق سے بستی کے بڑے بازار میں ایک بھی نانبائی کا تندور نہیں تھا۔ یہاں ساری کی ساری دکانیں کچے آٹے اور کچے چاولوں کی تھیں۔ پھل کی بھی کوئی دکان نہیں تھی۔

ماریا چلتے چلتے ایک گلی میں سے گزرنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ گلی کی دوسری جانب جا کر کوئی تندور تلاش کر لے گی۔ یہاں بڑے ہی غریب لوگوں کے کچے کچے مکان تھے۔ یہ ایک غریب واڑہ تھا۔ ہر طرف مفلسی ٹپک رہی تھی۔ ماریا کو ایک مکان میں سے دو بچوں کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ رک گئی۔ آواز اس قدر درد بھری تھی کہ وہ ایک قدم آگے نہ اٹھ سکی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے بچے بھوک سے بلک بلک کر رو رہے ہیں۔ ماریا گھوڑے سے اترنے لگی تو اسے خیال آیا کہ اس کے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے یہاں سے کوئی اس کا گھوڑا ہی کھول کر لے اڑے۔ اس نے گھوڑے کو کچے مکان کی دوسری طرف جنگلی تھوہر کی کانٹے دار بیل کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خود چپکے سے کوٹھڑی کے باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ احتیاط سے کام لے رہی تھی کہ کوئی اس کے قدموں کی آواز بھی نہ سنے۔

کچی کوٹھڑی کے سامنے پھٹا ہوا بوریا لٹک رہا تھا۔ اندر سے بچوں

کے رونے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ ماریا نے بڑی احتیاط سے پردہ ایک طرف کیا اور کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس کوٹھڑی کی چھت میں ایک کافی بڑا سوراخ تھا جس میں سے شام کی دھوپ کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک عورت غمگین صورت بنائے چولہے پر ہنڈیا چڑھائے بیٹھی ہے اور اس کے قریب بیٹھے ہوئے چار بچے رو رہے ہیں۔ وہ باری باری سب کو چپ کرا رہی ہے اور خود بھی روتے ہوئے کہہ رہی ہے:

"میرے بچو! میں شوربہ پکا رہی ہوں۔ ابھی تمہیں ڈال کر دیتی ہوں۔"

بچوں کے آگے لکڑی کے خالی کٹورے پڑے ہیں۔ ماریہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ اتنی دیر سے چولہے پر ہنڈیا رکھے بیٹھی ہے۔ بچے رو رہے ہیں اور اس نے ایک بار بھی ہنڈیا کا ڈھکنا اٹھا کر نہیں دیکھا۔

اتنے میں ایک بوڑھا چینی اندر آیا۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور وہ لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا۔

عورت نے بوڑھے سے پوچھا:

"پیسے ملے بابا؟"

بوڑھے نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"نہیں بیٹی! جاگیردار نے کہا ہے پیسے نہیں ہیں۔ نہ پیسے ملے، نہ روٹی ملی۔ جاگیردار ظالم ہے بیٹی! وہ دولت مند ہے۔ ہم غریب ہیں۔ اسے ہمارے بچوں کی بھوک کا کیا احساس ہو سکتا ہے۔ اس کے بچے سونے کا نوالہ کھاتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو روٹی کا سوکھا ٹکڑا بھی نہیں ملتا۔"

عورت نے کپڑا منہ کے آگے رکھ کر رونا شروع کر دیا۔۔۔

بوڑھے نے کہا:

"یہ ہنڈیا میں کیا چڑھایا ہے؟"

عورت نے سسکتی آواز میں کہا:

"بچوں کا دل بہلانے کے لیے انہیں حوصلہ دینے کے لیے ہنڈیا میں گرم پانی ڈال کر ابال رہی ہوں۔ اس خیال سے کہ ہنڈیا چولہے پر چڑھی ہوئی دیکھ کر یہ روئیں گے نہیں اور سو جائیں گے۔"

بوڑھے نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"کل سے ہم سب کو فاقہ ہے۔ ہم سے فاقہ برداشت نہیں ہوتا۔ پھر یہ معصوم بچے کیسے بھوک برداشت کریں گے۔ ان کو بھلا نیند کہاں آئے گی۔ اب تو خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ ان بچوں کو اٹھا لے۔ مجھ سے میرے پوتوں کے فاقے نہیں دیکھے جاتے۔"

عورت نے رو کر کہا:

"بابا ایسا نہ کہو۔ میں مر جاؤں اگر میرے بچے زندہ نہ رہیں۔"

"مگر بیٹی انہیں کھانے کو نہیں ملے گا تو وہ زندہ کیسے رہیں گے؟ تم بھی خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے پردے رہنے دے اور ہمیں اس دنیا سے اٹھالے۔ ظالم بادشاہ اور جاگیرداروں کے راج میں غریب کے بچے بھوک کے ہی مرا کرتے ہیں۔"

عورت نے روتے ہوئے کہا:

"بابا کیا ہماری کبھی نہیں سنی جائے گی؟"

بوڑھے نے کہا:

"شاید کبھی اس زمین پر بھی غریب کی سنی جائے گی۔ اس وقت چمن ایک جنت ہوگا۔ یہاں پر مزدوروں اور کسانوں کا راج ہوگا اور کوئی بھوکا نہیں رہے گا۔۔۔ مگر بیٹی وہ بڑی دور کی بات ہے۔ ابھی تو ہم جاگیرداروں اور نوابوں کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔"

ماریا نے دردناک منظر ایسا زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے تو اپنی

بھوک بھول گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس غریب عورت، اس کے بچوں اور بھوکے بابا کی حالت دیکھ کر آنسو بھر آئے۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ جب تک اس بھوکے خاندان کو کھانا نہیں کھلائے گی۔ خود بھی بھوکی رہے گی ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ اس ظالم جاگیردار سے۔ اس کے ظلم کا بدلہ لے گی۔ جس نے اس بوڑھے مزدور کی مزدوری نہ دے کر بچوں کو بھوکا رکھا ہے۔ سب سے پہلے تو اس نے ان بچوں کو روٹی کھلانے کی فکر کی اور وہاں سے باہر نکل آئی۔ گھوڑے کو اس نے وہیں چھوڑا اور گلی میں سے نکل کر دوسرے بازار میں آگئی۔ یہاں اسے ایک جانب سے مکئی کی تازہ تازہ روٹیوں کی خوشبو آئی۔ وہ اس خوشبو کے ساتھ ساتھ چلتی ایک نانبائی کی دکان پہ آگئی۔ یہاں روٹیاں ایک تھال میں رکھی تھیں اور نانبائی لوگوں سے پیسے لے کر روٹیاں فروخت کر رہا تھا۔ ماریا نے جلدی سے تھال میں سے چھ سات روٹیاں اٹھالیں اور اس کی جگہ اپنے گلے کا چاندی کا ہار اتار کر رکھ دیا۔

نانبائی نے جو تھال میں سے روٹیوں کو غائب ہوتے اور پھر چاندی کے ہار کو وہاں گرتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے جلدی سے ہار اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور بولا:

"لوگو یہ ہار میری بیٹی کا ہے۔ کل سے گم ہو گیا تھا۔ اب مل گیا۔"

لوگوں نے یہی سمجھا کہ نانبائی ٹھیک کہہ رہا ہوگا۔ کسی نے اس کی طرف دھیان نہ دیا ماریا نے بھی ضرورت محسوس نہ کی کہ نانبائی کے جھوٹ کا پول کھولے۔ اسے اس وقت بھوکے بچوں کا خیال آ رہا تھا۔

وہ جلدی جلدی گلی میں سے گزر کر واپس کچے مکان میں پہنچی۔ وہاں ابھی تک بچے رو رہے تھے۔ ماریا نے جاتے ہی مکئی کی روٹیاں ان کے درمیان پھینک دیں۔ روٹیاں چھت پر سے گرتی دیکھ کر عورت اور

بوڑھے کی آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ کہاں سے آ گئیں بیٹی؟"

عورت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"آسمانوں کے رب نے ہماری دعا سن لی۔ میرے بچوں کی فریاد سن لی۔

اس نے اسی وقت روٹی توڑ کر بچوں کے منہ میں ڈالی۔ بچے خوش ہو کر روٹی کھانے لگے۔ بابا اور عورت نے بھی بڑے سکون کے ساتھ روٹی کھانا شروع کر دی۔ وہ روٹی کھاتے رہے اور ماریا ایک طرف کھڑے بڑے اطمینان سے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کے دل کو بھی خوشی مل رہی تھی۔ کھانا کھا کر پانی پی کر ان کی جان میں جان آئی۔

عورت نے بچوں کو سلا دیا۔ بوڑھا بھی سو گیا۔ اب عورت اکیلی رہ گئی۔ اس نے زمین پر جھک کر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا سے اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

جب وہ خدا کی عبادت کر چکی تو ماریا نے آہستہ سے کہا:

"میری بہن! میں ایک آسمانی روح ہوں اور تم سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ وہ جاگیردار کہاں رہتا ہے جس نے تمہارے بابا کی مزدوری نہیں دی۔ جو تمہارے بابا کی مزدوری مار کر اپنے بچوں کو سونے کا نوالہ کھلاتا ہے اور تمہارے بچوں کو بھوکا مارتا ہے۔"

عورت تو دنگ سی ہو کر رہ گئی۔

وہ گرتے گرتے بچی۔ ماریا نے اسے پھر حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں میری بہن! میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ میں تمہاری محبت کی وجہ سے آئی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ وہ جاگیردار کہاں رہتا ہے؟"

عورت نے خشک اور سہمی ہوئی آواز میں کہا:

"اس بستی سے باہر۔۔۔ اس۔۔۔ اس کا ایک محل ہے۔۔۔ وہ۔۔۔ اس محل میں رہتا ہے۔۔۔"

"شکریہ" میں جا رہی ہوں۔ خدا تم سے خوش رہے۔ اب تمہارے بچے کبھی رات کو بھوکے نہیں سویا کریں گے۔ میں جاگیردار سے تمہارے بابا کی مزدوری لینے جا رہی ہوں۔ میں پھر آؤں گی۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔"

"خدا حافظ۔"

عورت بھونچکی سی ہو کر کوٹھڑی میں دیکھتی رہ گئی اور ماریا بوریا اٹھا کر باہر نکل گئی۔ اب رات ہو گئی تھی۔ گلی میں کہیں کہیں مشعلیں روشن ہو گئی تھیں۔ ماریا نے اپنا گھوڑا کھولا۔ اس پر سوار ہوئی اور بستی سے باہر نکل آئی۔ جاگیردار کا محل اسے بستی سے نکلتے ہی سامنے دکھائی دینے لگا۔ وہ سب سے اونچی عمارت تھی اور اس میں جگ مگ جگ مگ روشنیاں ہو رہی تھیں۔

www.urdura

زہریلی بانسری

جاگیردار کے محل کے پاس جا کر ماریا رک گئی۔

محل کے پچھواڑے ایک چھوٹا سا درختوں کا ذخیرہ تھا۔ ماریا نے اس ذخیرے میں گھوڑے کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود جاگیردار کے محل کی طرف آ گئی۔ محل کے دروازے پہ چوکیدار پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اس کی نظریں بچا کر محل کے اندر داخل ہو گئی۔ ماریا یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ جس بستی میں غریبوں کے بچے بھوک سے بلک بلک کر مر رہے ہیں اس بستی میں ایک آدمی اتنے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہا ہے اسے غریبوں کے بھوکے بچوں کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہے۔

محل کے صحن میں فوارہ چل رہا تھا۔ مشعلیں جگہ جگہ روشن تھیں۔ نوکر چاکر بڑے خوش و خرم کام کاج میں لگے تھے۔ رات کے کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ماریا نوکروں وغیرہ سے بچتی بچاتی جاگیردار کے محل کے اندر آ گئی۔ یہاں کھانے کی میز لگی تھی جس پر قسم قسم کے مزے دار کھانے چنے ہوئے تھے۔ موٹے پھولے ہوئے پیٹ اور لال لال چقندر ایسے چہرے والا جاگیردار بڑی سی چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے خوشامدی ساتھی میز کے اردگرد بیٹھے جاگیردار کی تعریفیں کر رہے تھے۔ ماریا کو سخت غصہ آیا کہ یہ شخص یہاں اتنے عیش و آرام سے ہے اور ایک غریب بوڑھے کو اس کی محنت کی مزدوری بھی نہیں دیتا جس سے اس نے اپنے بچوں کو روٹی کھلانی تھی۔

جاگیردار قہقہے لگا رہا تھا۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو کر یہ تماشا دیکھتی رہی۔ اتنے میں وہاں دو چار نوکر ایک لڑکے کو پکڑ کر لے آئے۔

جاگیرادر نے پوچھا:

"اسے کیوں پکڑ لائے ہو؟"

نوکر نے جھک کر کہا:

"حضور اس نے باورچی خانے میں سے مرغی کا ایک انڈا چرا لیا ہے۔"

جاگیردار نے کہا:

"کیوں لڑکے تو نے انڈا کیوں چرایا؟"

لڑکے نے روتے ہوئے کہا:

"حضور میری ماں بیمار ہے۔ حکیم جی نے کہا تھا کہ بیمار ماں کو انڈا کھلاؤ گے تو وہ تندرست ہو جائے گی۔ حضور ہمارے پاس کھانے کو روٹی بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ انڈا کہاں سے لائیں میں نے اسے باورچی خانے سے چرا لیا۔"

جاگیردار نے کڑک کر کہا:

"تیری یہ ہمت کہ ہمارے باورچی خانے سے تو انڈا چوری کرے۔"

لڑکے نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"حضور معاف کر دیں۔ غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیں۔"

جاگیرادار نے غصے میں کہا:

"کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے میرے سامنے کوڑے لگاؤ۔"

نوکر تو جیسے پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے جھک کر آداب کیا اور کوڑا نکال کر لڑکے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ لڑکے کی چیخیں نکل رہی تھیں اور ظالم جاگیردار اور اس کے خوشامدی قہقہے لگا رہے تھے۔ ماریا سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ ایکدم آگے بڑھی اور اس نے پیٹتے نوکر کے ہاتھ سے ہنٹر چھین لیا۔ نوکر تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ ہنٹر اس

کے ہاتھ سے غائب ہو گیا تھا۔ جاگیردار نے کہا:

"کم بخت اسے مارتے کیوں نہیں؟"

نوکر نے کہا:

"حضور ہنٹر کسی نے چھین لیا ہے۔"

'کون ہے جس نے ہمارا ہنٹر چھینا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی شڑاپ کی آواز آئی اور ماریا نے نوکر کو ہنٹر سے مارنا شروع کر دیا۔ نوکر بلبلا اٹھا اور چلاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔ دوسرے نوکر نے اسے بچانے کی کوشش کی تو ماریا نے اسے بھی ہنٹروں سے دھڑا دھڑ مارنا شروع کر دیا۔ وہ بھی شور مچاتا چیختا چلاتا بھاگ گیا۔ یہ سارا تماشہ جاگیردار اور اس کے خوشامدی دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔۔۔ انہیں ہنٹروں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں اور نوکر بھی تڑپتے دکھائی دے رہے تھے۔ مگر نہ تو مارنے والا دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہنٹر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنی چاندی کی کرسی پر سے اتر آیا۔

اس نے اپنے خوشامدیوں کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ نوکر کمینے بہانہ بنا رہے ہیں۔ مکر کر رہے ہیں۔ میں خود ان کی خبر لیتا ہوں۔"

جاگیردار آگے بڑھا تو ماریا نے اس کے پھولے ہوئے پیٹ پر ایک زوردار ہنٹر مار دیا۔ جاگیردار تڑپ اٹھا:

"ارے ظالم مار ڈالا۔۔۔"

اس کے خوشامدی اسے بچانے کے لیے آگے بڑھے۔ ماریا پیچھے ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ اتنے بڑے ہجوم کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پکڑے جانے کا اندیشہ تھا۔ ٹھیک ہے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن کوئی نہ کوئی اسے جھپٹا مار کر پکڑ ضرور سکتا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ

کر کھڑی ہو گئی۔ جاگیردار نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا:

"کوئی بھوت پریت تھا۔ بھاگ گیا۔ میرے آتے ہی بھاگ گیا۔ بھلا وہ میرا مقابلہ کر سکتا تھا؟"

خوشامدی ایک زبان ہو کر بولے:

"سرکار، آپ کا مقابلہ بھلا کون مائی کا لال کر سکتا ہے۔ آپ تو سارے چمن میں ایک ہی بہادر اور دلیر جاگیردار ہیں۔"

جاگیردار نے خوش ہو کر کہا:

"آؤ کھانے پر ٹوٹ پڑو دوستو، میں نے آج تمہارے لیے کتنے ہی سالم بکرے پکوائے ہیں اور چاول خاص طور پر زعفرانی پانی میں ابالا ہے۔ میں نے سفید موروں کے کباب بنوائے ہیں اور سمرقند کے ہرنوں کے تکے لگوائے ہیں۔ کھاؤ پیو اور خوش ہو جاؤ۔"

خوشامدی خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے میز کی طرف بڑھے جو کھانے سے لدی ہوئی تھی۔ ماریا کو بڑا طیش آیا کہ یہ لوگ یہاں بیٹھے سفید موروں کا گوشت کھا رہے ہیں اور بستی کے اندر غریب مائیں اپنے اور اپنے بچوں کے لیے سوکھی روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہی ہیں۔ ماریا آگے بڑھ کر کھانوں سے لدے ہوئے میز کے پاس گئی اور اس نے سالن کے پیالے اٹھا کر ایک ایک کر کے خوشامدیوں پر پھینکنے شروع کر دیے۔ وہ تو سارے بڑبڑا گئے۔ ان کے کپڑے سالن سے تر بتر ہو گئے۔ چہروں پر چوٹیں آ گئیں وہ چیختے ہوئے بھاگنے لگے۔ جاگیردار آگے بڑھا تو ایک تانبے کا پیالہ لڑھک کے اس کے ماتھے پر آن لگا۔ سارا سالن اس کے لباس پر گر پڑا۔ اور پیشانی سے خون بہتا شروع ہو گیا۔

جاگیردار بھی شور مچاتا وہاں سے بھاگ گیا۔

گھر کے نوکر چاکر اس کی مدد کو آئے۔ انہیں بھی شوربے کے

پیالے لگے اور وہ بھی وہاں سے اٹھ کر دوڑے۔ ماریا نے جاگیردار کا پیچھا کیا۔ وہ ایک کمرے میں جا کر بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ ماریا اندر آ گئی۔ موٹا ہونے کی وجہ سے وہ ہانپ رہا تھا۔ ماریا کو بڑا غصہ تھا کہ اس نے معصوم بچے کو کوڑے لگوائے تھے۔ اس نے فرش پر سے ایک ریشمی رسی اٹھائی اور اسے جاگیردار کی گردن کے گرد کس دیا۔ جاگیردار نے زور سے چیخ ماری۔ چیخ کی آواز سن کر لوگ اس طرف دوڑے۔ ماریا نے اسے پوری طاقت سے کھینچ کر فرش پر پھینک دیا اور خود پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

جاگیردار کی گردن میں ریشمی رسی گھس گئی تھی اور وہاں سے خون رسنے لگا تھا۔ یہ غریبوں کا خون تھا جو باہر نکل رہا تھا۔ نوکروں نے جاگیردار کے گلے سے رسی اتاری اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ جاگیردار درد کی شدت سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ فوراً حکیم صاحب کو بلایا گیا۔ حکیم نے آ کر جاگیردار کو کوئی سفوف سنگھایا۔ جاگیردار ہوش میں آیا اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ماریا وہاں سے باورچی خانے میں آ گئی۔ یہاں سے اس نے ہرن، مور اور تیتر کا بھنا ہوا گوشت اور سوکھی مچھلیاں اٹھا کر تھیلے میں ڈالیں اور محل سے باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہو کر غریب بوڑھے کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کے جھونپڑے میں دیا بھی نہیں جل رہا تھا۔ ماریا نے چپکے سے کھانے پینے کی چیزیں جھونپڑی کے اندر رکھیں اور وہاں سے چل دی۔ رات کو خاموشی میں بستی سنسان تھی۔ صرف جاگیردار کے محل میں شور مچا ہوا تھا۔ ماریا کے دل کو سکون ہو گیا کہ اس نے جاگیردار سے بوڑھے کی غریبی اور معصوم بچے کے ظلم کا بدلہ لے لیا ہے۔

وہ راتوں رات بستی سے باہر نکل آئی اور رات بسر کرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگی۔ اندھیرے میں وہ کسی جنگل

میں رات بسر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ جنگل میں رات بسر کرنے کے لیے وہ ہمیشہ شام کے وقت جگہ چن لیتی تھی اور پھر اسے اچھی طرح صاف ستھرا کر لیتی تھی تا کہ کیڑے مکوڑوں کا خطرہ نہ رہے۔ مگر اب رات کافی گزر چکی تھی۔ اندھیرا خوب گہرا ہو گیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے سوچا کہ رات کسی کی حویلی یا بڑے گھر کے صحن یا ڈیوڑھی میں بسر کرنی چاہیے۔ وہ ایک بار پھر بستی کی طرف آ گئی اور جاگیردار کے محل کے ساتھ والے مکانوں کے آگے سے گزرنے لگی۔ وہ گھوڑے پر بیٹھی قدم بقدم چل رہی تھی۔

ایک حویلی کی ڈیوڑھی میں اسے روشنی دکھائی دی۔ اس نے ڈیوڑھی میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی بوریا اوڑھے سو رہا تھا۔ ماریا کے خیال میں اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے گھوڑے پر سے اتر کر اسے ڈیوڑھی میں ایک طرف باندھا اور خود ایک طرف لیٹ گئی۔ سخت تھکاوٹ کی وجہ سے اسے لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ صبح کے وقت بھی وہ سوئی رہی۔ وہ گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی کہ دن نکلنے پر بوڑھا چوکیدار بیدار ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر جو ڈیوڑھی میں ایک طرف سفید گھوڑا بندھا ہوا دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یہ راتوں رات سفید گھوڑا کہاں سے آ گیا؟ اس نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھا تو گھوڑا زور سے ہنہنایا۔۔۔ اس آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھا چوکیدار حیرانی سے گھوڑے کو دیکھ رہا ہے گھوڑے کی آواز سن کر حویلی کا مالک بھی پہنچ گیا۔

''یہ گھوڑا کہاں سے آیا؟ کون لایا ہے اسے؟''

چوکیدار نے کہا:

''سرکار مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں رات کو سو رہا تھا۔ صبح اٹھا ہوں تو یہ گھوڑا یہاں بندھا ہوا تھا۔''

"کمال ہے اسے یہاں کون باندھ گیا؟" مالک نے گھوڑے کو اچھی طرح دیکھ کر کہا: "بڑی اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہے۔ اسے دیوتاؤں نے میری سواری کے لیے دیا ہے۔ بس اسے قابو کر کے رکھو۔ یہ گھوڑا یہاں سے جانے نہ پائے۔ میں ہر روز اس پر سوار ہو کر اپنی زمینوں پر جایا کروں گا۔ میرے اصطبل میں تو اس قسم کا ایک بھی گھوڑا نہیں ہے۔"

ماریا ذرا پرے کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی: گویا یہ حویلی کا مالک بھی کوئی جاگیردار قسم کا آدمی تھا اور اس کے گھوڑے پر ناجائز طور پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ ماریا دل میں بڑا ہنسی کہ اس بستی کے سارے جاگیردار دوسروں کا حق مارتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ ذرا اس چھوٹے جاگیردار کو بھی اس کے لالچ کا تھوڑا سا مزہ چکھانا چاہیے۔ اس نے آگے بڑھ کر چھوٹے جاگیردار کی قمیض پیچھے سے کھینچ لی۔ وہ ہڑبڑا کر مڑا اس نوکر کے منہ پر زور سے طمانچہ مار دیا۔

"کم بخت مجھ سے مذاق کرتا ہے؟"

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ اس نے نوکر بے چارے کو کیوں مارا؟ ماریا نے ایک زوردار طمانچہ چھوٹے جاگیردار کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ کیونکہ نوکر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کا ہاتھ بالکل نہیں اٹھا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے دوسرا طمانچہ جڑ دیا۔ چھوٹا جاگیردار ڈیوڑھی سے دم دبا کر بھاگ گیا۔ ماریا اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔ بوڑھے چوکیدار نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا شروع کر دیا کہ گھوڑا کہاں چلا گیا۔ ماریا سیدھی جاگیردار کے طویلے میں آ گئی۔ یہاں اس کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ماریا نے سارے گھوڑے ایک ایک کر کے کھول دیے اور انہیں مار مار کر وہاں سے بھگا دیا۔ جاگیردار نے

بے شمار طوطے، کبوتر اور چڑیاں پنجروں میں قید کر رکھی تھیں۔ ماریا نے سب کے پنجرے کھول دیے۔ سارے طوطے، کبوتر اور چڑیاں پھر پھر کرتی اڑ گئیں۔

ماریا کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس نے بے چارے معصوم پرندوں کو جاگیردار کی قید سے آزاد کرادیا ہے۔ اب دن کافی نکل آیا تھا۔ ماریا سفید گھوڑے پر سوار بستی سے نکل کر بڑی سڑک پر آگئی اور چین کے دارالحکومت کی طرف اس نے اپنا سفر شروع کردیا۔ عنبر اور ناگ کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ کوئی معمولی سی خبر بھی اسے نہیں تھی کہ اس کے بھائی کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ویسے اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ چین کے دارالحکومت کیتھے میں ہی ہیں اور بڑے خوش حال ہیں۔

ادھر ارژنگ کی دکان چل نکلی تھی۔ ایک ہفتے میں ہی وہ سارے علاقے میں بڑا مشہور ہو گیا تھا پہلے ہی سے اسے سانپوں کا تجربہ تھا۔ وہ سانپ کے زہر کا علاج کرلیا کرتا تھا؛ چنانچہ اس کے پاس سانپ کے کاٹے کے جتنے مریض آئے اس نے انہیں تندرست کر کے واپس بھیجا۔ اس کی وجہ سے ارژنگ کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس علاج کے لیے آنے لگے۔ اس نے بھی اپنے پر پرزے پھیلا شروع کردیے۔ اس نے شہر کی سب سے مکار عورت کملا کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا۔ اس عورت کو اس نے اپنا رازدار بنا لیا۔ اسے بتادیا کہ وہ ایک بہت بڑا کام کرنے والا ہے اور اگر اس نے ارژنگ کا ساتھ دیا تو وہ اسے ہیرو جواہر سے مالا مال کردے گا۔ کملا بڑی لالچی عورت تھی۔ جب ارژنگ نے اسے بتایا کہ وہ ولی عہد شہزادے کو سانپ کے زہر سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو وہ کانپ گئی۔

مگر جب ارژنگ نے اسے سونے چاندی کا لالچ دیا تو وہ راضی

ہوگئی۔ کمالا نے ارژنگ کو ایک بھیانک ترکیب بتائی۔

"سنو ارژنگ! اگر تم سانپ لے کر محل میں گئے تو پکڑے جاؤ گے۔ میں کسی طرح محل میں جا کر ملکہ چین تک رسائی حاصل کرتی ہوں۔ تم پہلے ایک بانسری لاؤ اور اپنے سب سے زہریلے سانپ کو اس بانسری کی آواز پر لگا دو۔ سانپ کو ایسی مشق کراؤ کہ جب وہ بانسری سنائی دے تو وہ اپنی پٹاری سے نکل کر بانسری بجانے والے کی طرف رینگنا شروع کر دے۔ پھر اس کے پاس پہنچ کر اسے ڈس دے۔ جب سانپ کو پوری مشق کرا دی جائے گی تو میں وہ بانسری لے کر ملکہ چین کے محل میں پہنچ جاؤں گی اور وہ بانسری ولی عہد شہزادے کے پاس بیٹھ کر بجایا کروں گی۔ ملکہ یہ سمجھے گی کہ میں شہزادے کا دل بہلا رہی ہوں۔ پھر ایک روز تم سانپ کو محل کے باہر چھوڑ جانا۔ میں بانسری بجاؤں گی۔ سانپ شہزادے کے کمرے میں آئے گا تو میں بانسری اس کے پاس چھوڑ کر باہر بھاگ آؤں گی۔ بس پھر سانپ شہزادے کا خود بخود کام تمام کر دے گا۔"

ارژنگ کو کمالا کی یہ ترکیب اس قدر پسند آئی کہ وہ اس کی عقل اور دانش مندی پر حیران ہو کر رہ گیا۔ اس نے اسی وقت شہر جا کر ایک بانسری خریدی اور سب سے زہریلے ناگ کو اس کی آواز پر مشق کرانی شروع کرا دی۔ وہ جس وقت بانسری بجاتا۔ سانپ پٹاری میں سے نکل کر اس کی طرف آنا شروع ہو جاتا۔

☆☆ شہزادے کو سانپ کے ڈسنے کے بعد ناگ نے شہزادے کا زہر

چوس لیا۔ عین اسی موقع پر جاسوس ورشا اور ارژنگ بھی پکڑے گئے۔

☆ ورشا کو غار میں قید کر دیا گیا اور وہ فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوئی۔

☆ عنبر اور ماریا نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

☆ ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا ہے اور پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ۔

یہ سب کچھ کیا تھا

جاننے کے لیے اسی ناول کی اگلی سیریز کے پچیسویں (25) حصے

''قاتل کی تلاش'' میں ملاحظہ کیجیے۔

چوس لیا۔ عین اسی موقعے پر جاسوسہ ورشا اور ارژنگ بھی پکڑے گئے۔

☆ ورشا کو غار میں قید کر دیا گیا اور وہ فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوئی۔

☆ عنبر اور ماریا نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

☆ ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا ہے اور پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ۔

یہ سب کچھ کیا تھا

جاننے کے لیے اسی ناول کی اگلی سیریز کے پچیسویں (25) حصے

''قاتل کی تلاش'' میں ملاحظہ کیجیے۔

چوس لیا۔ عین اسی موقعہ پر جاسوس ورشا اور ارژنگ بھی پکڑے گئے۔

☆ ورشا کو غار میں قید کر دیا گیا اور وہ فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوئی۔

☆ عنبر اور ماریا نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

☆ ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا ہے اور پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ۔

یہ سب کچھ کیا تھا

جاننے کے لیے اس ناول کی اگلی سیریز کے پچسویں (25) حصے

''قاتل کی تلاش'' میں ملاحظہ کیجیے۔

چوس لیا۔ عین اسی موقع پر جاسوس، ورشا اور ارشنگ بھی پکڑے گئے۔

☆ ورشا کو غار میں قید کر دیا گیا اور وہ فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوئی۔

☆ عنبر اور ماریا نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

☆ ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا ہے اور پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ۔

یہ سب کچھ کیا تھا

جاننے کے لیے اس ناول کی اگلی سیریز کے پچسویں (25) حصے

''قاتل کی تلاش'' میں ملاحظہ کیجیے۔

چوس لیا۔ عین اسی موقعہ پر جاسوسہ ورشا اور ارژنگ بھی پکڑے گئے۔

☆ ورشا کو غار میں قید کر دیا گیا اور وہ فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوئی۔

☆ عنبر اور ماریا نے کیا کارنامہ انجام دیا۔

☆ ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا ہے اور پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ۔

یہ سب کچھ کیا تھا

جاننے کے لیے اسی ناول کی اگلی سیریز کے پچیسویں (25) حصے

''قاتل کی تلاش'' میں ملاحظہ کیجیے۔

ہوگئی۔ کمالا نے ارژنگ کو ایک بھیانک ترکیب بتائی۔

"سنو ارژنگ! اگر تم سانپ لے کر محل میں گئے تو پکڑے جاؤ گے۔ میں کسی طرح محل میں جا کر ملکہ چین تک رسائی حاصل کرتی ہوں۔ تم پہلے ایک بانسری لاؤ اور اپنے سب سے زہریلے سانپ کو اس بانسری کی آواز پر لگا دو۔ سانپ کو ایسی مشق کراؤ کہ جب وہ بانسری سنائی دے تو وہ اپنی پٹاری سے نکل کر بانسری بجانے والے کی طرف رینگنا شروع کر دے۔ پھر اس کے پاس پہنچ کر اسے ڈس دے۔ جب سانپ کو پوری مشق کرا دی جائے گی تو میں وہ بانسری لے کر ملکہ چین کے محل میں پہنچ جاؤں گی اور وہ بانسری ولی عہد شہزادے کے پاس بیٹھ کر بجایا کروں گی۔ بلکہ یہ سمجھے گی کہ میں شہزادے کا دل بہلا رہی ہوں۔ پھر ایک روز تم سانپ کو محل کے باہر چھوڑ جانا۔ میں بانسری بجاؤں گی۔ سانپ شہزادے کے کمرے میں آئے گا تو میں بانسری اس کے پاس چھوڑ کر باہر بھاگ آؤں گی۔ بس پھر سانپ شہزادے کا خود بخود کام تمام کر دے گا۔"

ارژنگ کو کمالا کی یہ ترکیب اس قدر پسند آئی کہ وہ اس کی عقل اور دانش مندی پر حیران ہو کر رہ گیا۔ اس نے اسی وقت شہر جا کر ایک بانسری خریدی اور سب سے زہریلے ناگ کو اس کی آواز پر مشق کرانی شروع کرا دی۔ وہ جس وقت بانسری بجاتا۔ سانپ پٹاری میں سے نکل کر اس کی طرف آنا شروع ہو جاتا۔

☆☆ شہزادے کو سانپ کے ڈسنے کے بعد ناگ نے شہزادے کا زہر

عنبر ۔ ناگ ۔ ماریا (۲۵)

قاتل کی تلاش

اے ۔ حمید

فہرست

۱۔ غار کے اندر غار
۲۔ تہہ خانے سے فرار
۳۔ پراسرار کھنڈر
۴۔ قاتل کی تلاش
۵۔ یہاں بھوت
۶۔ جاسوسہ کی موت
۷۔ موٹی باورچن
۸۔ جادو کا تعویذ
۹۔ قبرستان کی رات
۱۰۔ شیر کی دھاڑ

سنو پیارے بچو!

سانپ شہزادے کے کمرے میں آجاتا ہے اور اسے ڈس دیتا ہے مگر ناگ اس کا سارا زہر چوس کر شہزادے کو بچا لیتا ہے منگول جاسوسہ ورشا اور ارژنگ پکڑے جاتے ہیں۔

جاسوسہ کو ایک غار میں قید کیا گیا ہے منگول جاسوس جو کہ نوکر کے بھیس میں ہے اسے کھانا دینے آتا ہے وہ اسے وہاں سے فرار کروا دیتا ہے مگر عنبر اور ماریا اسے گرفتار کر لیتے ہیں واپسی پر وہ ایک قبرستان میں ٹھہرتے ہیں یہاں ایک قبر میں رات کو دھواں نکلتا دکھائی دیتا ہے پھر ایک شیر کی خوفناک دھاڑ سنائی دیتی ہے۔

غار کے اندر غار

ارژنگ نے زہریلے ناگ کو بانسری پر لگا دیا۔

وہ جس وقت بانسری بجاتا ناگ اپنی پٹاری میں سے نکل کر بانسری کی طرف آنا شروع کر دیتا پھر جب وہ بانسری بجانا روک دیتا تو سانپ اس کے گرد چکر لگانے لگتا ارژنگ یہی چاہتا تھا اب اس کے سامنے چین کے ولی عہد شہزادے اور شہنشاہ فومانچو کے بیٹے کو ہلاک کرنے کے لئے میدان صاف تھا اسے اگر کسی کا انتظار تھا تو وہ کمالا عورت تھی جسے اس نے ملکہ کے خاص محل میں کنیز بننے کے لئے روانہ کیا تھا۔

کمالا بڑی مکار عورت تھی اس نے کسی نہ کسی طرح چین کی ملکہ تک رسائی حاصل کر لی وہ ملکہ کے شاہی حرم میں پہنچ گئی اس نے ایک ایسی عورت کی سفارش ڈلوائی جس کی ملکہ بڑی عزت کرتی تھی کمالا نے محل میں جاتے ہی تھوڑے ہی دنوں میں ملکہ کی ایسی خدمت کی کہ وہ کمالا

کے گن گانے لگی کمالا نے ملکہ پر ظاہر کر دیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ ہمدرد اور وفادار کنیز ہے اس نے ولی عہد شہزادے کو بھی اپنا کر لیا وہ ہر وقت ننھے شہزادے کو لیے پھرتی رہتی ایک روز ارژنگ کے پاس آئی اور کہنے لگی!

ارژنگ آدھا کام ہو گیا ہے میں نے ملکہ کی خوشنودی حاصل کر لی ہے اس وقت ملکہ مجھ پر بڑا بھروسہ کرنے لگی ہے ولی عہد کے سلسلے میں ملکہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتی لیکن وہ مجھ پر بھروسہ کرتی ہے میں گھنٹوں شہزادے کے کمرے میں اسے گود میں لیے کھلاتی رہتی ہوں۔

ارژنگ نے خوش ہو کر کہا۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے تم نے مجھے خوش خبری سنائی ہے کمالا نے کہا کہ اسے زہریلی بانسری دے دی جائے تا کہ وہ اسے شہزادے کے پاس جا کر بجایا کرے تا کہ زہریلا سانپ اس کے کمرے میں آ کر اسے

ہلاک کردے ارژنگ نے کمالا کو بانسری دے دی اور کہا۔

یہ ایک امانت ہے جو میں تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔

اسے سنبھال کر رکھنا اس کو استعمال کرنے سے پہلے سوچ لینا اسے شہزادے کے کمرے میں جا کر دن میں کم از کم دس پندرہ بار ضرور بجانا اس کے بعد جب تمہیں یقین ہو جائے کہ بانسری کی آواز محل کے باہر جا سکتی ہے تو مجھے آکر خبر دینا پھر میں سانپ لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا اور یوں ہم چیمن کے بادشاہ سے بن قبیلے کے لوگوں کا بدلہ لیں گے۔

کمالا نے بانسری چھپاتے ہوئے کہا۔

اب میں تمہیں اطلاع کرنے آؤں گی کہ سانپ لے کر آ جاؤ۔

میں تمہاری راہ دیکھوں گا۔

کمالا ارژنگ سے رخصت ہو کر سیدھی ملکہ کے حرم میں پہنچ گئی اس نے جاتے ہی شہزادے کے پاس بیٹھ کر بانسری بجانی شروع کر دی

تھا شہزادہ بانسری کی آواز سن کر بڑا خوش ہوا اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا اتنے میں ساتھ والے کمرے میں ملکہ تک بھی بانسری کی آواز پہنچ گئی وہ بھی شہزادے کے پاس آ گئی اس نے دیکھا کہ کمالا کنیز شہزادے کے پاس بیٹھی بانسری بجا رہی ہے اور وہ اسے بڑا خوش ہو کر سن رہا ہے کمالا نے ملکہ کو اندر آتے دیکھا تو ادب کے ساتھ اٹھ کر سلام کیا ملکہ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔

یہ بانسری تم نے کہاں سے لی ہے کمالا؟

کمالا نے جھک کر کہا۔

ملکہ سلامت میری بہن! اپنے گاؤں گئی تھی وہاں ایک میلہ لگا ہوا تھا جہاں سے وہ بانسری خرید لائی میں نے اس سے شہزادہ صاحب کے لئے یہ بانسری لے لی کہ اسے بجاؤں گی تو شہزادہ خوش ہوا کرے گا دیکھئے شہزادہ بانسری کی آواز سن کر کس قدر خوش ہو رہا ہے۔

ملکہ نے کہا۔

ہاں میں نے دیکھا ہے شہزادہ بہت خوش ہوا ہے مجھے بھی خوشی ہوئی ہے کہ تم شہزادے کا.......... میرے پیارے بیٹے کا اتنا خیال رکھتی ہو۔

کمالا نے کہا۔

ملکہ سلامت شہزادے سے مجھے اتنا ہی پیار ہے جتنا آپ کو اس سے ہے میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ شہزادہ ہمیشہ خوش رہے یہی وجہ ہے کہ میں یہ سریلی بانسری لے آئی ہوں ملکہ نے خوش ہو کر کمالا کو انعام و اکرام دیا۔

اب مکار عورت نے اپنا یہ اصول بنا لیا اور دن میں دو تین بار وہ شہزادہ ولی عہد کے کمرے میں جاتی اور اسے بانسری بجا کر سناتی وہ دیر تک وہاں بیٹھی بانسری بجاتی رہتی وہ چاہتی تھی کہ ولی عہد شہزادہ بانسری کی

آواز کو پیچی سننے لگ جائے اور اگر اس آواز کے بعد وہ سانپ کو دیکھے تو شور نہ مچا سکے ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف ورشا تالاب والے غار میں چھپی ہوئی تھی کیوں کہ شہزادے پر قاتلانہ حملے کے بعد بادشاہ نے ورشا کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا خاص حکم دے رکھا تھا اور فوج اس کی اور ارژنگ کی تلاش میں تھی ارژنگ تو جوگی بابا کا بھیس بدل کر شہر میں سانپوں کے کاٹے کی دکان کھول کر بیٹھ گیا تھا اس نے کمالا کو بانسری دے دی تھی اور اب ولی عہد کی موت کا انتظار کر رہا تھا۔

ماریا بھی چین کے دارالحکومت کی طرف چلی آ رہی تھی۔

ایک روز وہ دارالحکومت کیتھے کے علاقے میں داخل ہو گئی........

رات ہو گئی تھی اسے پیاس لگی ہوئی تھی وہ شہر سے باہر ایک ٹیلے کے پاس تالاب دیکھ کر رک گئی یہ وہی تالاب تھا جس کے پہلو والے غار میں ورشا چھپی ہوئی تھی اور جسے آدھی رات کے بعد ارژنگ کھانا

دینے آیا کرتا تھا ماریہ نے چاروں طرف دیکھا اسے جب اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ گھوڑے سے نیچے اتر آئی نیچے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا ماریا اسے لے کر تالاب کے پاس آ گئی گھوڑے نے جی بھر کر تالاب کا پانی پیا ماریا نے بھی پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی اب وہ سوچنے لگی کہ رات کہاں بسر کی جائے شہر میں اس کا کوئی بھی جاننے والا نہیں تھا اس کے لئے سارا شہر اجنبی تھا اس کا خیال تھا کہ رات کے وقت وہ اجنبی شہر میں کہاں جا کر ماری ماری پھرے گی بہتر یہی ہو گا کہ وہ رات شہر سے باہر کسی جگہ بسر کر دے اور صبح کے وقت شہر میں داخل ہو تا کہ اسے معلوم ہو سکے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے اور وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی اس خیال کے بعد اس نے رات بسر کرنے کے لئے جگہ کی تلاش شروع کر دی رات کا اندھیرا چھا رہا تھا چاند اس اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا چاند کی ہلکی ہلکی روشنی ٹیلوں

تالاب اور میدانوں میں پھیلی ہوئی تھی دور ماریا کو شہر کے کی دھیمی دھیمی روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں وہ گھوڑے کو ایک جگہ باندھ کر خود ٹیلے کی طرف آ گئی اسے کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں اسے کوئی پریشان نہ کر سکے۔

اس نے ٹیلے کے دامن میں پتھروں کے پاس سونے کے بارے میں سوچا پھر وہ آگے بڑھ گئی ایک جگہ اسے جھاڑیاں دکھائی دیں وہ جھاڑیوں کے پاس چلی آئی وہ کسی ایسی ہی چھپی ہوئی جگہ میں رات کاٹنا چاہتی تھی جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے وہ جھاڑیوں کو ہاتھ سے ادھر اُدھر ہٹا کر دیکھنے لگی اچانک ایک جھاڑی کو اس نے پرے ہٹایا تو وہ نیچے زمین پر گر پڑی معلوم ہوا کہ کسی نے ان جھاڑیوں کو پتھروں کے اوپر ہاتھ سے چپکا رکھا ہے وہ زمین میں اگی ہوئی جھاڑیاں نہیں ہیں۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ کسی نے ایسا کیا ہے اور اگر ایسا کیا ہے تو کیوں کیا ہے کسی کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ اس ویرانے میں پتھروں میں جھاڑیاں توڑ کر چپکا دے ماریا کے دل میں اس راز کو حل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور اس نے جھاڑیوں کو ادھر اُدھر ہٹانا شروع کر دیا اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں ایک غار کا چھوٹا دروازہ ہے جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے ہیں ماریا نے ایک پتھر ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا اندر اندھیرا تھا ماریہ نے سوچا کہ غار خالی ہے سونے اور رات بسر کرنے کے لئے اس سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ خدا کا نام لے کر غار کے اندر داخل ہو گئی اندر داخل ہونے کے بعد اس نے غار کے منہ پر دوبارہ پتھر رکھ دیا اور باہر ہاتھ نکال کر آگے جھاڑیاں زمین پر سے اٹھا کر پھیلا دیں اس کے وہم و گمان میں بھی

نہیں تھا کہ اس کے اندر کوئی عورت چھپی ہوئی ہے جسے ارژنگ نام کا آدمی رات کو کھانا دینے آتا ہے ماریہ نے اسی وقت زمین پر چادر بچھائی اور لیٹ گئی اب وہ سونے کی کوشش کرنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگی۔

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی زور سے کھانس ہو وہ جلدی سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اسے یوں محسوس ہوا جیسے باہر سے کوئی غار کے منہ سے جھاڑیاں اور پتھر ہٹا رہا ہے ماریا چوکس اور ہوشیار ہو گئی پھر کسی نے باہر سے دیوار کے منہ پر سے پتھروں کو ہٹا دیا چاندنی اندر غار میں آنے لگی چونکہ وہ غائب تھی اس لئے اسے تو کوئی نہ دیکھ سکا مگر ماریہ نے دیکھا کہ باہر سے ایک منگول اور بن قوم ایسے چہرے والا ادھیڑ عمر مگر بڑا مضبوط آدمی غار کے سوراخ میں سے اندر

آنے کی کوشش کر رہا ہے ماریہ پریشان سی ہو گئی کہ اب وہ کیا کرے اندر بھاگے یا باہر جائے اتنے میں ارژنگ غار کے اندر آ گیا اس کے ہاتھ میں ورشا کے لئے روٹی اور دودھ پکڑا ہوا تھا ماریہ نے اپنا سانس روک لیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

ارژنگ غار کے اندر آ کر باہر ہاتھ ڈال کر پھر سے پتھر غار کے منہ پر جمانے لگا اور جھاڑیاں وغیرہ چپکانے لگا اس کام سے فارغ ہو کر وہ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ماریہ کے قریب سے ہو کر آگے کو نکل گیا ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ شخص غار میں کیا کرنے اور کس سے ملنے آیا ہے؟ کیا کوئی دوسرا شخص بھی غار میں چھپا ہوا ہے ماریہ کی نیند اچاٹ ہو گئی اور وہ ارژنگ کے پیچھے پیچھے غار میں چل پڑی ارژنگ غار میں ایک طرف گھوم گیا ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ گھوم گئی اچانک ماریا کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا پتھر لڑھک کر دور جا گرا ارژنگ

ایک دم رک گیا۔

وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پیچھے دیکھنے لگا کہ اس کا تعاقب کون کر رہا ہے؟ یہ پتھر کس نے گرایا ہے وہ لپک کر اس جگہ آیا جہاں ماریہ کے پاؤں سے ٹھوکر کھا کر پتھر گرا تھا ماریا جلدی سے پرے ہٹ گئی ارژنگ نے جیب سے پتھر نکال کر ان کی چنگاریاں روشن کیں اور بڑے غور سے پتھروں کو دیکھنے لگا مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا ماریا ضرور ایک طرف ہٹ کر کھڑی تھی لیکن وہ ارژنگ کو نظر ہی نہیں آ رہی تھی کیونکہ وہ تو غائب تھی ارژنگ نے ادھر ادھر دیکھا اور غار میں پیچھے تک بھی گیا پھر جب اسے اطمینان ہو گیا کہ غار میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور پتھر اتفاق سے گر پڑا ہے تو وہ آگے چل پڑا۔

ماریا دیوار کی اوٹ سے نکل کر پھر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔

آخر ارژنگ اس جگہ پر آ گیا جہاں سے اس نے زمین کھود کر غار کے

اندر ایک غار بنا لیا تھا یہاں اس نے ایک پتھر اٹھا کر دیوار کے ساتھ ٹھک ٹھک کیا کسی نے اندر سے بھی اسی طرح پتھر بجا کر ٹھک ٹھک کی

پھر ارژنگ نے آواز دی۔

ورشا باہر آ جاؤ۔

اندر سے ورشا نے آواز دے کر پوچھا۔

یہ تم ہو ارژنگ؟

ہاں یہ میں ہوں ارژنگ۔

اس کے ساتھ ہی ورشا نے اندر سے پتھر ہٹایا اور باہر نکل آئی۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتی لیے باہر آ کر کھڑی ہو گئی ہے ورشا نے موم بتی زمین پر رکھ دی غار میں روشنی ہو گئی ارژنگ نے روٹی نکال کر ورشا کے آگے رکھ دی۔

لو ورشا کھانا کھا لو کل میں تمہارے لیے بھنا ہوا گوشت لاؤں گا۔

ورشا نے کہا۔

ارژنگ آخر میں کب تک اس غار میں قید رہوں گی میں تو یہاں سے تنگ آ گئی ہوں خدا کے لئے مجھے اس غار سے نکال کر لے جاؤ۔

ارژنگ نے کہا۔

ورشا، حالات ابھی بہت خراب ہیں شہنشاہ فومانچو کے سپاہی تمہاری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں اگر کسی کو بھی تمہاری بھنک پڑ گئی تو تمہاری لاش کتوں کے آگے ڈال دی جائے گی عقلمندی اسی میں ہے کہ جب تک حالات ٹھیک نہیں ہوتے تم اسی جگہ چھپی رہو جوں ہی مجھے موقع ملا میں اسی وقت تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔

ورشا نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

جب تک حالات اچھے ہوں گے اس وقت تک میں شاید اسی جگہ دم گھٹ جانے سے مر جاؤں۔

ارژنگ کہنے لگا۔

باہر بھی تم زندہ نہیں رہ سکو گی باہر بھی موت تمہاری تلاش میں پھر رہی ہے اس لیئے بہتر یہی ہے کہ اپنی جان بچا کر اس غار میں کچھ روز اور چھپی رہو۔

ورشا نے تنگ آ کر کہا۔

اس سے تو یہی بہتر ہے کہ میں باہر نکل کر چین سے فرار ہونے کی کوشش کرو اگر پکڑی جاؤں تو مر جاؤں اور اگر بھاگ جاؤں تو کم از کم اس غار کی زندگی سے تو نجات مل جائے گی۔

ارژنگ بولا۔

باہر موت ہی موت ہے ورشا چین کی سرحدوں کو تم پار نہیں کر سکتیں دیوار چین کے ایک ایک چپے پر سپاہی گشت کر رہے ہیں اور جنگلوں میدانوں اور بستیوں میں بھی فوج کے دستے تمہاری تلاش میں گشت

کرتے پھر رہے ہیں ایک دفعہ تم نے باہر قدم رکھا تو تم فوراً پکڑی جاؤ گی اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ حالات سدھرنے تک اسی جگہ بیٹھی رہو ورنہ میری طرف سے تم بے شک ابھی چلی جاؤ۔

ورشا نے کہا۔

اگر تم چھپ سکتے ہو اور بھیس بدل کر اس شہر میں دشمنوں کے درمیان رہ سکتے ہو تو میں کیوں نہیں رہ سکتی۔؟

ارژنگ نے کہا۔

میں مرد ہوں ورشا میں سو بھیس بدل سکتا ہوں تم عورت ہو تم نے اگر بھیس بھی بدلا تو پکڑی جاؤ گی۔

ورشا نے پوچھا۔

اچھا اس بات کو چھوڑو میری قسمت میں جو کچھ ہوگا اسے سہہ لوں گی تم یہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تمہاری سازش کس مقام تک پہنچی ہے؟

ارژنگ نے اچانک ایک طرف دیکھا دراصل اس وقت ماریا نے زور سے اپنا ایک کان کھجایا تھا اور اس کی آواز ارژنگ نے سن لی تھی ورشا نے پوچھا۔

کس کو دیکھنے کی کوشش کر رہے ہو؟

ارژنگ بولا۔

مجھے شبہ ہے کہ ہمارے علاوہ بھی اس غار میں کوئی ہے ورشا حیرانی سے بولی۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔؟

ارژنگ نے کہا۔

ہاں ورشا اس سے پہلے جب میں تمہارے پاس آ رہا تھا تو میرے پیچھے ایک پتھر گرا تھا میں نے دیکھا تو کوئی نہیں تھا اب ایسے لگتا ہے جیسے مجھے کسی کے کپڑوں کے گھسنے کی آوازیں آئی ہیں۔

ورشا بولی۔

اگر پہلے سے غار کا منہ بند تھا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اندر کوئی آ جائے کیا غار کا منہ بند تھا؟ جھاڑیاں اور پتھر اسی طرح لگے ہوئے تھے؟

ارژنگ نے سوچ کر کہا۔

کبھی لگتا ہے کہ غار کا منہ اسی طرح بند تھا جس طرح کہ میں بند کر کے گیا تھا اور کسی وقت شک پڑتا ہے کہ جھاڑیاں ایک جگہ سے ہلی ہوئی تھیں۔

ورشا نے کہا۔

ہائے میں مر گئی۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو اگر کسی نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو میں تو مر جاؤں گی پھر تو مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی دشمن کے سپاہی بڑے آرام سے مجھے پکڑ کر لے جائیں گے۔

ارژنگ نے کہا۔

میں اٹھ کر ذرا اپنا اطمینان کرلوں۔

ارژنگ اٹھ کر ادھر اُدھر ٹٹولنے اور دیکھنے لگا موم بتی اس نے ایک ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی ماریا پر مصیبت آ گئی وہ کبھی ادھر اور کبھی ادھر ہونے لگی اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں اس کے لگنے سے کوئی پتھر نہ گر پڑے کہیں کوئی آواز پیدا نہ ہو جدھر ارژنگ موم بتی لے کر جاتا وہ دوسری طرف ہو جاتی وہ اگر چاہتی تو پتھر مار کر اسے گرا سکتی تھی مگر وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں ورشا نام کی عورت اس غار میں کیوں چھپی ہوئی ہے اور وہ لوگ کس کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور بادشاہ کی فوج ورشا کے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے۔

آخر جب ارژنگ نے غار کو خوب اچھی طرح سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں ہے تو

وہ ورشا کے پاس آ کر بیٹھ گیا اس نے موم بتی پتھروں پر رکھ دی ورشا کی بھی جان میں جان آئی۔

میرا وہم تھا ورشا یہاں ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہے تم آرام سے کھانا کھاؤ۔

شکر ہے دیوتاؤں کا میری تو تم نے یہ کہہ کر جان ہی نکال دی تھی کہ غار میں کوئی اور آدمی بھی موجود ہے ارژنگ نے کہا۔

میں بھی حیران تھا کہ مجھے ایسا خیال کیوں کر آیا یہاں تو ہمارے سوا اور کوئی بھی نہیں آ سکتا۔

ورشا آرام سے روٹی کھانے لگی کھانا کھانے کے بعد دودھ پی کر اس نے ارژنگ سے پوچھا۔

اچھا اب بتاؤ کہ تم نے ولی عہد کے خلاف اب کون سی سازش کی ہے؟

ارژنگ نے کہا۔

یہ میں تمہیں تمہارے کان میں بتاؤں گا کیوں کہ اگر چہ میں نے غار میں ہر طرح سے اطمینان کرلیا ہے لیکن پھر بھی میں شکی مزاج آدمی ہوں میں سرگوشی میں بات کروں گا لاؤ اپنا کان ادھر لاؤ۔

ورشا نے کان ارژنگ کے قریب کیا ارژنگ نے اس کے کان میں بانسری والا سارا قصہ بیان کردیا ماریہ جھٹ جھک کر ان کے قریب ہو گئی مگر وہ سوائے بانسری کے لفظ کے اور کچھ نہ سن سکی اس کے قریب آتے ہی ارژنگ نے ماریہ کے سانس کو اپنے چہرے پر محسوس کیا اس نے تڑپ کر پوچھا۔

ورشا یہ تم سانس لے رہی ہو۔

ورشا نے کہا۔

ہاں میں ہی سانس لے رہی ہوں بھلا اگر میں سانس نہ لوں تو زندہ کیسے رہوں گی۔

ارژنگ نے کہا۔

لیکن تمہارا سانس مجھے اپنے کان کے قریب کیوں محسوس ہوا ہے؟

ورشا ہنس پڑی۔

تم پاگل ہو گئے ہو حالاں کہ غار کی قید میں میں رہی ہوں اور دماغ تمہارا خراب ہو گیا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر سانس لے رہی ہوں گی۔؟

ارژنگ نے کہا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا ہے حالاں کہ میں نے صاف صاف کسی کا سانس اپنے گال پر مس ہوتا محسوس کیا تھا۔

ورشا نے کہا۔

تم آج ہی جا کر کسی حکیم سے اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ بہر حال میں نے سب کچھ سن لیا ہے میں تمہاری سازش کے بارے میں بڑی خوش

ہوں اور تمہارے دماغ کی داد دیتی ہوں تم نے واقعی بڑی سمجھ داری سے کام لیا ہے مجھے یقین ہے کہ اس دفعہ ہم اپنی سازش میں ناکام نہیں رہیں گے اور اپنے دشمن کا گلا گھونٹ دیں گے۔

ارژنگ نے کہا۔

ضرور ضرور بانسری ہمارے لئے بڑا کام کرے گی بانسری کی سازش بڑی کامیاب ہو کر رہے گی۔

ورشا نے پوچھا۔

کیا یہ تمہارا خیال تھا؟

ارژنگ بولا۔

تو اور کس کا؟ تم مجھے کیا سمجھتی ہو میں ایک انتہائی عقل مند اور چالاک آدمی ہوں۔

ورشا نے کہا۔

یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم ایک چالاک آدمی ہو، لیکن عقل مند بھی ہو گے اس کے بارے میں مجھے شبہ ہے۔

ارژنگ کہنے لگا۔

تم مجھ سے جلتی ہو۔

ورشا بولی

اگر تم عقلمند ہوتے تو یہ کبھی شک نہ کرتے کہ اس غار میں کوئی اور بھی ہے یا یہ کہ تمہارے قریب آ کر کوئی سانس لے رہا ہے۔

ارژنگ نے گہرا سانس لے کر کہا۔

ورشا، میں تمہیں جھوٹ نہیں کہہ رہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے خود کسی کے سانس کو اپنے چہرے پر محسوس کیا ہے۔

ورشا زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

تم جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھتے ہو۔

ارژنگ نے کہا۔

نہیں ورشا میں خواب نہیں دیکھ رہا میں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں میں نے کسی کے سانس کو محسوس کیا تھا۔

یہ تمہارا وہم تھا۔

ہو سکتا ہے میرا وہم ہو۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ شخص جس کا نام ارژنگ تھا کس قدر رپاڈا آدمی ہے اپنی بات پر اڑا ہوا ہے اگرچہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور اس نے واقعی اپنے چہرے پر ماریہ کے سانس کو ٹھیک محسوس کیا تھا ماریا اس کے بالکل قریب جھک کر باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھی مگر حیران وہ اس بات پر تھی کہ ارژنگ کس قدر ثابت قدمی سے اپنی بات پر اڑا ہوا تھا وہ اس کی عیاری پر بڑی حیران ہوئی۔

ارژنگ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اچھا اب میں چلتا ہوں تم آرام کرو۔

اگر غار کے اندر قید میں پڑے رہنے کو تم آرام کہتے ہو تو میں آرام کرتی ہوں۔

تم موت کے منہ سے دامن بچا کر یہاں لیٹی رہو ورشا، باہر موت تمہاری راہ دیکھ رہی ہے اس زندگی کو غنیمت جانو اور چپ چاپ پڑی رہو۔

اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔

میں کل پھر آؤں گا۔

اتنا کہہ ارژنگ اٹھا ورشا موم بتی لے کر غار کے اندر چلی گئی غار کے اندر جا کر اس نے غار کے منہ کو اندر سے پتھر رکھ کر بند کر دیا ارژنگ نے باہر سے بھی پتھر لگا دیا پھر وہ غار سے باہر نکل گیا باہر سے اس نے بھی غار کے منہ پر پتھر اور جھاڑیاں چپکا دیں۔

تہہ خانے سے فرار

غار میں ماریا اکیلی رہ گئی۔

غار کے اندر جو غار تھا اس میں ورشا بڑے آرام سے لیٹی ہوئی تھی ماریا خاموشی سے ایک طرف پتھروں پہ بیٹھ گئی وہ سوچنے لگی کہ کیا کرے اسے ان دونوں کی باتوں سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شہنشاہ چین کے خلاف کوئی خوفناک سازش کر رہے ہیں مگر وہ سازش کیا ہے اس کے بارے میں ماریا کو کچھ معلوم نہ تھا ارژنگ اور ورشا نے سرگوشی میں جو بات کی تھی اس میں ماریہ نے صرف بانسری کا ایک لفظ سنا تھا بانسری کو وہ شہنشاہ کے خلاف کس طرح استعمال کر رہے تھے ماریہ بے

خبر تھی اس نے یہ بھی سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ لوگ ولی عہد شہزادے کو اغوا یا قتل کرنے کے بارے میں کھچڑی پکا رہے ہوں سوال یہ تھا کہ اگر ماریا بادشاہ یا ملکہ کو سازش سے باخبر بھی کرے تو کیا ہوگا ظاہر ہے ولی عہد کو تو پہلے بھی بڑی احتیاط، حفاظت اور کڑے پہرے میں رکھا گیا ہوگا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ سازش کس قسم کی ہو رہی ہے ملکہ یہ بادشاہ کو آگاہ کرنا بے کار تھا۔

اگر ماریا بادشاہ کو ولی عہد کے خلاف ہونے والی سازش سے آگاہ بھی کر دے تو زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرے گا کہ ولی عہد کی حفاظت کے انتظامات زیادہ سخت کر دے گا اصل سراغ تو اس بات کا لگانا چاہیے کہ یہ سازش کیوں ہو رہی ہے؟ کہاں ہو رہی ہے کون کون اس میں شامل ہے اور اس خطرناک اور قاتل منصوبے پر کب سے عمل شروع ہو رہا ہے ماریا غار میں پتھر کے اوپر بیٹھی یہی سوچتے سوچتے اونگھنے لگی

وہ سو گئی کچھ دیر سونے کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا ورشا غار کے اندر میں سے موم بتی ہاتھ میں لیے باہر نکل رہی تھی ماریہ بڑی حیرت سے اسے تکنے لگی۔

ورشا نے باہر آ کر موم بتی ایک پتھر پر رکھ دی اور اس کے بعد کچھ تماشا کرنے لگی کچھ دیر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد اس نے موم بتی اٹھائی اور دوبارہ تہہ خانے میں چلی گئی ماریا حیران تھی کہ وہ کیا چیز ڈھونڈنے باہر آئی تھی ماریہ نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اس عورت کو قابو کر کے اسے وصلیت جان ہے یہ عورت بڑی آسانی سے اس کے قابو میں آ سکتی تھی پھر اس نے سوچا کہ یہ بڑی مکار عورت ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی مہلک ہتھیار بھی موجود ہو۔

ماریا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ غار کے دروازے پر کسی نے ٹھک ٹھک کی کسی نے باہر سے غار کے منہ پر رکھا ہوا پتھر ہٹا دیا ماریا نے دیکھا باہر دن نکل آیا تھا وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی وہی آدمی یعنی ارژنگ پھر سے اندر آ رہا تھا وہ گھبرایا ہوا تھا اس نے غار میں آتے ہی اندر سے دہانے پر پتھر رکھا اور تہہ خانے کے پاس آ کر ورشا کو آواز دی

ورشا، ورشا۔

ورشا بڑی تیزی سے تہہ خانے میں سے باہر نکل آئی کیا بات ہے

ارژنگ۔

ارژنگ نے کہا۔

غضب ہو گیا ورشا میرے خاص جاسوس نے خبر دی ہے کہ بادشاہ کو اس رہائش گاہ کا پتہ چل گیا ہے اور سپاہی تمہیں تلاش کرنے کے لیے محل سے نکل کر ادھر کو دوڑے چلے آ رہے ہے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔

ورشا گھبرا گئی۔

ورشا نے کہا بڑی بری بات ہوئی جہاں سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی ارژنگ بولا۔

تم جلدی سے یہاں سے نکل جاؤ بعد میں دیکھ لیں گے تم اس وقت یہاں سے نکلو اور اسی وقت ورشا ارژنگ کے ساتھ غار سے باہر نکل آئی ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی ارژنگ نے ورشا کو گھوڑے پر بٹھایا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک طرف دوڑ پڑا ماریہ بھی گھوڑے پر سوار ہوئی اور ارژنگ کے گھوڑے کے عقب میں چل پڑی ابھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہی ہوئے تھے کہ فوج کا ایک دستہ غار کے سامنے آن موجود ہوا انہوں نے غار کے باہر گھیرا ڈال دیا دس بارہ سپاہی تلواریں نکال کر غار کے اندر چلے گئے انہوں نے غار کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر ورشا وہاں ہوتی تو انہیں ملتی۔

فوج ناکام ہو کر واپس چلی گئی۔

اس وقت ارژنگ ورشا کو لے کر شہر کی حدود سے کافی دور نکل چکا تھا۔ ماریا نے بھی ان کے پیچھے پیچھے اپنا گھوڑا لگا رکھا تھا وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ دونوں کہاں جا کر چھپتے ہیں اور ولی عہد کے خلاف اب کون سی سازش تیار کر رہے ہیں دن چڑھ آیا میدانوں اور اردگرد کے اونچے اونچے ٹیلوں پر سفید دھوپ خوب چمک رہی تھی ارژنگ ورشا کو لیے گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا ماریا بھی پیچھے پیچھے جا رہی تھی اسی طرح دوڑتے دوڑتے انہیں دوپہر گزر گئی اب وہ ایک چٹیل میدان کو عبور کر کے ایک ایسے علاقے میں آ گئے تھے جہاں جگہ جگہ بیشمار چیڑھ کے درخت اُگے ہوئے تھے۔

ارژنگ ایک جگہ چھوٹی سی ندی کے کنارے رک گیا اس نے نیچے اتر کر ورشا کو بھی گھوڑے سے اتارا ندی کنارے جھک کر دونوں نے پانی پیا گھوڑے نے بھی پانی پیا اور گھاس چرنے لگا ارژنگ اور ورشا

پاؤں پھیلا کر گھاس پر پتھروں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ماریہ نے درختوں کے پیچھے گھوڑا باندھا اس کے آگے گھاس ڈالا اسے پانی پلایا اور چھپ کر دونوں کو دیکھنے لگی۔

پراسرار کھنڈر

ارژنگ اور ورشا کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ماریہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پیچھے چل پڑی ایک بار تو اسے خیال بھی آیا کہ یوں کسی کے پیچھے ماری ماری پھرتی رہے پھر اس نے

سوچا کہ یہ ایک ولی عہد شہزادے کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا خدا نے ایک مدت بعد ملکہ چینن کی سنی تھی اس کے گھر ولی عہد پیدا ہوا تھا اور اس کے دن پھرے تھے فومانچو ایسا ظالم بادشاہ اس کی دل جوئی کرنے لگا تھا اگر شہزادے کو کچھ ہو گیا تو ملکہ کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی اس لیے ضروری تھا کہ وہ جہاں تک ممکن ہو سکے شہزادے کی زندگی کی حفاظت کرتی۔

مگر ورشا اور ارژنگ چلے جا رہے تھے ایک جگہ دریا آ گیا ماریہ نے سوچا کہ یہ لوگ دریا کو کس طرح عبور کریں گے کیوں کہ دریا کے اوپر کسی جگہ بھی کوئی پل نہیں تھا مگر وہ دریا کے پار نہیں جانا چاہتے تھے دریا کنارے خشک چٹانوں کے پیچھے نشیب میں کسی پرانی سرائے کے کھنڈر تھے ماریہ سرائے کے ان کھنڈروں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی ورشا اور ارژنگ گھوڑوں سے اتر کر اس کھنڈر میں داخل ہو گئے اب وہ اس

کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے ماریا بھی وہاں پہنچ کر رک گئی اس نے خیال کیا کہ ظاہر ہے یہ لوگ اس سرائے کے پرانے اور ٹوٹے پھوٹے کھنڈر سے باہر تو ہرگز نہیں جائیں گے ورنہ وہ ادھر آ کر گھوڑوں سے کیوں اتر جاتے چنانچہ اس نے ایک جگہ اپنا گھوڑا باندھ دیا اور سرائے کے کھنڈر میں داخل ہوگئی۔

یہ اگرچہ کوئی پرانی سرائے تھی مگر کسی زمانے میں بڑی عالی شان سرائے رہ چکی ہوگی اس کے کھنڈر بتا رہے تھے کہ یہ پہلے وقتوں میں بڑی عظیم الشان سرائے تھی اس کی چار دیواری ڈھے گئی تھی ستون برآمدوں میں گرے ہوئے تھے دیواروں میں شگاف پڑ چکے تھے اکثر کمروں کی چھتیں ٹیڑھی ہوگئی تھیں۔

ماریا بڑی حیران تھی کہ ارژنگ اور روشا سرائے کے کھنڈروں میں آ کر کہاں گم ہو گئے وہ انہیں تلاش کرنے لگی ایک جگہ اسے ارژنگ کا

گھوڑا بندھا ہوا نظر آیا وہ ایک دیوار کی محراب میں کھڑا جھاڑیوں میں منہ مار رہا تھا مگر ارژنگ اور روشا غائب تھے وہ کچھ پریشان سی ہوگئی کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے ماریہ نے ان کو ڈھونڈنا شروع کر دیا وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ ادھر برسوں سے کسی انسان کا گزر نہیں ہوا وہ سوچنے لگی کہ یا خدا دونوں کو زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا آخر وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے کسی طرف سے کسی انسان کے چلنے کھانسنے یا بات کرنے کی آواز تک نہیں آ رہی تھی وہ کھنڈروں میں گھوم پھر کر پھر اسی جگہ جاتی آخر وہ تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔

صاف ظاہر تھا کہ ارژنگ و روشا کو کسی تہہ خانے کے اندر لے گیا ہے اس تہہ خانے کا سراغ کیسے لگایا جائے یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ تہہ خانہ کہاں ہے اس کا دروازہ کہاں ہے ماریا نے پھر اٹھ کر تہہ خانے کے دروازے کو تلاش کرنا شروع کر دیا اچانک اس کے کانوں میں

ارژنگ کے کھانسنے کی آواز آئی اس نے کان لگا کر سنا آواز ایک جگہ زمین کے اندر سے آ رہی تھی ماریا نے زمین کے ساتھ کان لگا دیے اب اسے ارژنگ کے باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دونوں اس جگہ زمین کے اندر کسی تہہ خانے میں موجود تھے ماریا ادھر اُدھر تہہ خانے کا دہانہ ڈھونڈنے لگی کمال کی بات یہ تھی کہ اس نے چپہ چپہ چھان مارا مگر اسے کہیں بھی تہہ خانے کا دروازہ دکھائی نہ دیا حالانکہ وہ وہیں کسی جگہ موجود تھا مجبورا ناکام ہو کر ماریا ارژنگ کے گھوڑے کے پاس بیٹھ گئی کہ کب ارژنگ تہہ خانے سے باہر آتا ہے۔

دیر تک وہ انتظار کرتی رہی کوئی باہر نہ آیا ماریا تنگ آ گئی اس نے پرانی جگہ پر جا کر ایک بار پھر زمین کے ساتھ کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی مگر اس دفعہ آواز بھی نہیں آ رہی تھی وہ ناامید ہو کر واپس گھوڑے کے پاس آ ہی رہی تھی کہ اس نے ارژنگ کو اینٹوں کے ایک ڈھیر کے پیچھے سے نکلتے دیکھا تو گویا تہہ خانے کا دروازہ اس ڈھیر کے آس پاس کہیں تھا ارژنگ اکیلا تھا وہ ورشا کو تہہ خانے میں چھوڑ آیا تھا ماریا تہہ خانے کی تلاش میں جانے ہی والی تھی کہ اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ارژنگ کے مکان کا پتہ چلائے تہہ خانے کا سراغ تو مل ہی گیا ہے اور وہ یہاں کسی وقت بھی آ سکتی ہے لیکن ارژنگ کہاں رہتا ہے یہ اسے معلوم نہیں۔

ارژنگ اس عرصے میں گھوڑے پر سوار ہو کر واپس شہر کی طرف چل پڑا تھا ماریا بھی گھوڑے پر سوار ہوئی اور شہر کی طرف روانہ ہو گئی کافی دیر کی گھوڑ سواری کے بعد وہ شہر میں داخل ہو گئے ماریا برابر ارژنگ کا پیچھا کر رہی تھی ارژنگ شہر کے بازاروں میں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے چھتے ہوئے تنگ بازار میں آ گیا ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی

رہی اسی تنگ بازار میں ارژنگ کی دکان تھی جس کے پیچھے اس کا مکان بھی تھا۔

اپنی دکان کی ڈیوڑھی میں آ کر ارژنگ گھوڑے سے اتر پڑا نوکر نے اس کا گھوڑا تھام لیا ارژنگ مکان کے اندر آ گیا۔

ماریا کے لئے اب یہ پریشانی تھی کہ وہ گھوڑا کہاں باندھے پھر اس نے ارژنگ کے مکان میں داخل ہونے کا خیال چھوڑ دیا اس نے مکان تو دیکھ ہی لیا تھا چنانچہ وہ واپس پرانی سرائے والے تہہ خانے کی طرف چل پڑی شہر سے باہر نکلتے ہی اس نے سوچا کہ وہ رات کہاں کھنڈروں میں بھٹکتی پھرے گی کیوں نہ کسی جگہ رات بھر کے لئے ٹھہر جائے صبح ہونے پر وہ پھر کھنڈر میں چلی جائے گی۔

اب وہی پرانا، بلکہ ہر رات والا سوال سامنے تھا کہ رات کہاں اور کس جگہ بسر کی جائے شہر میں شام کی روشنیاں جھلملانے لگی تھیں رات کی آمد آمد تھی ماریا کو بھوک بھی لگ رہی تھی مکانوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے بھنی ہوئی مچھلی کی خوشبو آ رہی تھیں۔

ایک بہت خوب صورت مکان کے پاس جا کر وہ رک گئی اسے کچھ اس قسم کا مکان چاہیے تھا جس کے باغ میں وہ اپنے گھوڑے کو باندھ کر چھپا سکے لوگ اس کا گھوڑا چرا کر لے جاتے تھے یہ مکان کسی امیر آدمی کا آدمی کا مکان معلوم ہوتا تھا چار دیواری کے اندر بڑا خوب صورت اور گنجان درختوں والا باغ تھا ماریا گھوڑے پر سوار ایک ایک قدم گھوڑے کو چلاتی باغ کی چار دیواری میں آ گئی یہاں بہت سی اونچی اونچی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ماریہ نے ایک جگہ گھوڑے کو باندھ دیا اور خود مکان کے بڑے دروازے کی طرف آ گئی۔

دروازہ کافی بڑا تھا اور اس کا ایک چھوٹا دروازہ بھی تھا ماریہ نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارا اور پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی ایک

موٹے تازے پھولے ہوئے پیٹ والے چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھولا اور باہر اپنی فٹ بال جیسی گردن نکال کر تلخ آواز میں بولا۔

کون بدتمیز دروازہ توڑ رہا ہے۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اس کا خیال تھا کہ دروازہ کھلنے پر اسے اتنی جگہ ضرور مل جائے گی کہ وہ اندر داخل ہو سکے مگر یہ چوکیدار اتنا موٹا تھا کہ اس نے کوئی جگہ ہی نہ چھوڑی تھی اتنے میں چوکیدار نے تڑاخ سے دروازہ بند کر دیا ماریہ نے دوبارہ آ کر دروازے پر زور سے ہاتھ مارا چوکیدار نے اس دفعہ بڑے غصے سے سر باہر نکالا اور تڑپ کر بولا۔

کہاں ہو تم بدتمیز کے بچے۔؟

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ یہ موٹا بدتمیز چوکیدار امیر مالک کا بگڑا ہوا ملازم ہے اور اسے خواہ مخواہ گالی دے رہا ہے اسے ضرور مزا چکھانا چاہیے اس

نے قریب جا کر بڑے زور سے موٹے چوکیدار کے سر پر چپت لگا دی چوکیدار تو بھونچکا سا ہو کر رہ گیا کہ یہ چپت کس نے ماری ہے؟! ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ماریا نے اسے گردن سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا چوکیدار اوندھے منہ زمین پر گر پڑا ماریہ دروازے میں سے اندر داخل ہو گئی چوکیدار کپڑے جھاڑ کر زمین پر سے اٹھا اور پریشان ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ یہ کون جن بھوت تھا جس نے اسے کھینچ کر باہر لا پھینکا وہ گھبرا کر جلدی سے مکان کے اندر آ گیا اور دروازہ زور سے بند کر دیا مگر اس عرصے میں ماریا مکان کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

ماریا ایک خوبصورت کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی یہ دروازہ بھی اندر سے بند تھا اتنے میں ایک نوکر انگوروں اور نارنگیوں سے بھرا ہوا طشت لے کر آیا اور دروازے کی رسی کھینچی گھنٹی کے کھنچتے ہی دروازہ اندر سے اپنے آپ کھل گیا نوکر اندر داخل ہو گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ اندر چلی گئی اس کمرے میں ایک بھینس جیسی گردن والی موٹی عورت میز پہ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کئی نوکرانیاں اس کی خدمت کر رہی تھیں کوئی اسے چمچ دے رہی تھی کوئی سالن پر نمک چھڑک رہی تھی کوئی اسے پنکھا جھیل رہی تھی موٹی عورت دھڑا دھڑ کھانا کھائے جا رہی تھی ماریا کو تو پہلے ہی بڑی بھوک لگی تھی اس عورت کو وحشیوں کی طرح کھانا کھاتے دیکھ کر اس کی بھوک بھی تیز ہو گئی وہ چپکے سے میز کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھالیوں میں بھنا ہوا گوشت پڑا تھا موٹی عورت ایک ایک کر کے تھالیوں کا گوشت ہڑپ کر رہی تھی۔

وہ ایک پلیٹ میں سے بطخ کی ٹانگ اٹھانے لگی ماریہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر پہلے ٹانگ اٹھا لی اس کے ہاتھ میں آتے ہی بطخ کی ٹانگ غائب ہو گئی موٹی عورت نے ذرا غور سے پلیٹ میں دیکھا پھر سر جھٹک کر دوسری بوٹی اٹھالی وہ تیسری پلیٹ میں سے تیتر کی گردن اٹھانے لگی تو ماریا نے آگے بڑھ کر اسے بھی اٹھا لیا تیتر کی گردن بھی غائب ہو گئی اب تو موٹی عورت بڑی پریشان ہوئی کہ آخر قصہ کہانی کیا ہے یہ بار بار بوٹیاں کہاں گم ہو رہی ہیں اس نے چوتھی بار ایک تھالی میں سے گوشت کی بوٹی اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ماریہ نے وہ بوٹی بھی اٹھا لی موٹی عورت نے غراتے ہوئے کہا۔

حرامی نوکرانیو، یہ میری بوٹیاں کون اٹھا کر لے جا رہا ہے؟ نوکرانیاں تو پریشان ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں موٹی عورت کو ایک نوکرانی پر شبہ تھا کہ وہی اس کی تھالی میں سے بوٹی اچک کر لے جاتی ہے موٹی عورت نے اس نوکرانی کو مارنا شروع کر دیا وہ چھڑی سے کھال ادھیڑنے لگی نوکرانی کی چیخیں نکل گئیں ماریا کو سخت غصہ آیا اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر موٹی عورت سے چھڑی چھین لی اور دھڑا دھڑ اسے

پیٹنا شروع کر دیا موٹی عورت کا جسم تو آرام کر کے اور اعلیٰ کھانے کھا کر نرم و نازک ہو چکا تھا اس کے بدن پر جو چھڑی پڑی تو اس کی تو چیخ نکل گئی چھڑی نظر نہیں آ رہی تھی مارنے والی بھی نظر نہیں آ رہی تھی مگر موٹی عورت کی خوب مرمت ہو رہی تھی اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

تمام نوکرانیاں دہشت زدہ تھیں کہ آخر اسے چھڑی سے کون مار رہا ہے دوسرے کمروں سے اور لوگ بھی وہاں آ گئے مگر کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ اسے پیٹ کون رہا تھا ماریا نے چھڑی پھینک دی موٹی عورت کا برا حال ہو رہا تھا لوگ اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے جہاں اس کا شاندار نرم نرم بستر بچھا ہوا تھا اسے بستر پر لٹا دیا گیا موٹی عورت بے ہوش ہو چکی تھی ماریا بھی اس کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی یہ کمرہ بڑا پر سکون تھا بستر بھی بڑا نرم نرم تھا ماریا کا دل چاہا کہ رات اسی بستر پر

لیٹ کر آرام کرنا چاہیے ایک عرصے سے اسے اس قسم کا آرام دہ بستر نصیب نہیں ہوا تھا۔

ماریا نے پاؤں سے جوتی نکال کر موٹی عورت کے بدن پر مارنا شروع کر دی وہ تو پھر بلبلا اٹھی نوکرانیاں بھاگی بھاگی آ گئیں تو ماریا پرے ہو کر کھڑی ہو گئی موٹی عورت نے کہا۔

یہاں ضرور کوئی بھوت آ گیا ہے دیوتہ کے لئے مجھے یہاں سے لے چلو اس کمرے میں نہیں ٹھہر سکتی۔

ایک بزرگ عورت نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بیٹی وانگ، یہ تمہارا وہم ہے یہاں کوئی بھوت نہیں رہتا تم آرام کرو اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔

موٹی عورت بولی۔

چچی، میں سچ کہتی ہوں یہاں ضرور کوئی بھوت ہے۔

بیٹی سونے کی کوشش کرو تمہیں ابھی نیند آجائے گی اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

موٹی عورت نے آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی اسے سوتا دیکھ کر وہ عورتیں وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئیں ماریا نے سوچا کہ اس کی آرام دہ بستر پر سونے کی خواہش تو پوری نہ ہوئی یہ کم بخت موٹی عورت تو سونے کی تیاریاں کر رہی ہے ماریہ نے اب کے کیا کیا کہ تپائی پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور موٹی عورت کے منہ پر ڈال دیا وہ تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور کھانسنے لگی سارا پانی اس کے کھلے منہ میں سے حلق میں چلا گیا تھا وہ شور مچانے لگی ماریا نے پیچھے سے آکر اس کے سر پر زور سے دو ہتھڑ ماری اور وہ پلنگ پر سے لڑھک کر فرش پر گر گئی۔

ہائے میں مرگئی............ہائے میں مرگئی.......مجھے بچاؤ مجھے

میں یہاں نہیں رہوں گی۔

اور یہ کہہ کر موٹی عورت کمرے میں سے بھاگ کر باہر نکل گئی ماریہ نے خدا کا شکر ادا کیا وہ یہی چاہتی تھی اس کے جاتے ہی ماریہ نے اندر سے کمرے کی کنڈی چڑھائی اور بستر پر آرام سے لیٹ گئی اچانک کسی نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا ماریہ نے اٹھ کر کنڈی کھول دی وہی نوکرانی اندر آئی جسے ماریہ نے بچایا تھا۔ ماریہ نے کہا۔

میرے لئے دودھ سے بھرا ہو جگ لاؤ میں نے تمہیں موٹی مالکن کی مار سے بچایا تھا میں ایک نیک دل روح ہوں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی میرے لئے دودھ لے آؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔

قاتل کی تلاش

نوکرانی چونک پڑی کہ کدھر سے آواز آرہی ہے۔

ماریہ نے اسے ایک بار پھر تسلی دی کہ وہ گھبرائے نہیں اور جو کچھ اس نے کہا ہے اس پر عمل کرے نوکرانی کو کچھ حوصلہ ہوا اور وہ سر جھکا کر باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد وہ دودھ لے کر واپس کمرے میں آگئی ماریہ نے کہا۔

دودھ کا پیالہ تپائی پر رکھ دو۔

ماریہ کا خیال تھا کہ اگر اس نے نوکرانی کے ہاتھ سے پیالہ لیا تو وہ ڈر جائے گی کیونکہ پیالہ ماریہ کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو جاتا نوکرانی نے دودھ تپائی پر رکھ دیا ماریہ نے دودھ پی کر پیالہ واپس تپائی

پر رکھ دیا اور کہا۔

یہاں بیٹھ جاؤ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیا کرتی ہو۔؟

نوکرانی فرش پر پلنگ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی وہ حیران تھی کہ بستر پر کوئی عورت بیٹھی بھی ہے اور دکھائی بھی نہیں دے رہی مگر ماریا کی پیار بھری باتوں سے اس کے اندر حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔

نوکرانی نے کہا۔

اے نیک روح میں ایک غمزدہ عورت ہوں میری ساری عمر اس مالکن کی خدمت کرتے گزر گئی ہے مگر مجھے یہاں سے سوائے سوکھی روٹی کے اور کچھ نہیں ملا اب میری بیٹی جوان ہوگئی ہے وہ گاؤں میں ہے مجھے اس کی شادی کرنی ہے مگر میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں کہ میں خرچ کرسکوں۔

ماریا نے پوچھا۔

تمہیں کتنی رقم چاہیے۔؟

نوکرانی نے کہا۔

اگر دس ہزار سکے ہوں تو میں اپنی بیٹی کی شادی کر کے اس فرض کو پورا کرسکتی ہوں مگر نہ کبھی اتنے پیسے میرے پاس ہوئے ہیں اور نہ کبھی میری بچی کا بیاہ ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

تم فکر مت کرو بہن میں تمہاری مدد کروں گی۔

اے نیک دل روح اگر تم میری کچھ مدد کرسکو تو میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔

ماریا کہنے لگی۔

میں کل صبح تمہیں یہ رقم ادا کر دوں گی پھر تم گاؤں جا کر اپنی بیٹی کی شادی کر لینا۔

نورانی ماریا کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی ماریا کو سخت نیند آرہی تھی وہ سوگئی، وہ ساری رات بڑی آرام سے سوئی رہی ...... صبح سویرے اس کی آنکھ کھل گئی کیونکہ باہر باغ میں مرغے بانگیں دے رہے تھے اس نے اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اپنے کمرے سے نکل کر سیدھی موٹی مالکن کے کمرے میں پہنچ گئی موٹی عورت بڑے مزے سے سو رہی تھی ماریا نے جاتے ہی اس کی ٹانگ پکڑ کر زور سے کھینچی موٹی عورت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی ماریا نے ڈراؤنی آواز بنا کر کہا۔

سن اے سنگ دل موٹی عورت میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی میں تمہارا خون لے کر ہی یہاں سے جاؤں گی مجھے بھوتوں نے کہا ہے کہ تمہارے خون کا پیالہ بھر کر لاؤں اب تو اپنا خون دینے کے لئے تیار ہو جا۔

موٹی عورت کی تو جان ہی نکل گئی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

مجھ پر رحم کرو میری جان نہ نکالو میں مر جاؤں گی میں مرنا نہیں چاہتی۔

ماریا نے کہا۔

نہیں نہیں، تجھے مرنا ہی ہوگا میں تیرا خون لینے آئی ہوں، تجھے اپنا خون دینا ہی ہوگا اگر تو نے انکار کیا تو میں دنیا کا سب سے زہریلا سانپ تیرے بستر پر چھوڑ دوں گی جو تجھے ڈس کے ایک پل میں مار ڈالے گا۔

موٹی عورت چیخ پڑی۔

رحم کرو، رحم کرو، میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں تم میری جان کے بدلے جو چاہے مجھ سے لے لو مگر خدا کے لئے میرا خون مت نکالو میرا خون نکالا تو میں مر جاؤں گی۔

ماریا نے کہا۔

اچھا تو پھر مجھے تم پر ترس آگیا ہے اگر تم پچاس ہزار سونے کے سکے لا

کر مجھے دے دو تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گی، کیا تم تیار ہو۔؟

موٹی عورت نے جلدی سے کہا۔

میں پچاس ہزار سونے کے سکے ابھی لا کر تمہارے آگے ڈھیر کر دیتی ہوں مگر میری جان بخش دو کیا تم سکے لے کر یہاں سے چلی جاؤ گی۔؟

ماریا بولی۔

ہاں میں سونے کے سکے لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی مگر شرط یہ ہے کہ ابھی لا کر سونے کے سکے میرے حوالے کر دو۔

موٹی عورت نے کہا۔

میں وہی منگواتی ہوں ابھی منگواتی ہوں۔

ماریا نے کہا۔

لیکن خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ تم سونے کے پچاس ہزار سکے مجھے دے رہی ہو اگر تم نے کسی کو بتایا یا کسی کے سامنے اس کا

ذکر بھی کیا تو میں تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ہلاک کر دوں گی۔

نہیں نہیں کبھی نہیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گی میں کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کروں گی۔

تو پھر ابھی جا کر سونے کے سکے لاؤ۔

موٹی عورت بڑی مشکل سے بستر پر سے اٹھی اور کمرے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گئی ماریا ایک تخت پر بیٹھ کر موٹی عورت کا انتظار کرنے لگی کچھ دیر بعد کمرے کا ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور موٹی عورت ایک تھیلی اٹھائے اندر آئی اس نے آواز دے کر پوچھا۔

اے رحم دل روح کیا تم کمرے میں ہی ہو۔؟

ماریا نے فوراً جواب دیا۔

ہاں میں اندر ہی ہوں کیا تم سونے کے سکے لے آئی ہو۔؟

موٹی عورت بولی۔

یہ پچاس ہزار سونے کے سکے حاضر ہیں۔

ماریا نے کہا۔

انہیں فرش پر رکھ دو۔

موٹی عورت نے سکوں کی تھیلی فرش پر رکھ دی اور خود پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئی ماریا نے تھیلی اٹھالی موٹی عورت یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی فرش پہ پڑے پڑے ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔

ماریا نے کہا۔

اب تم آزاد ہو اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔

موٹی عورت نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

کیا اب تم کبھی میری جان نہیں لو گی۔ کیا اب میں زندہ رہوں گی۔؟

ماریا بولی۔

ہاں میں اب کبھی تمہاری جان نہیں لوں گی اب تم زندہ رہو گی مگر میری شرط یاد رکھنا اگر تم نے بھول کر بھی اس رقم کا ذکر کسی سے کیا تو میں اس وقت اسی جگہ آ کر تمہارا گلا دبا کر ہلاک کر ڈالوں گی۔

نہیں نہیں ہرگز ذکر نہیں کروں گی میری موت نہیں آئی جو میں کسی سے اس کا ذکر کروں یہ سونے کے سکے اب تمہارے ہیں تم اس کی مالک ہو میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تم نے میری جان بخشی کر دی اگر تم کہتیں کہ یہ سارا مکان اور اس مکان کی ساری چیزیں مجھے دے دو تو میں سب کچھ تمہارے حوالے کر دیتی۔

ماریا نے کہا۔

نہیں نہیں مجھے تمہارے مکان اور مکان کی بے کار چیزوں کی ضرورت نہیں ہے جس چیز کی مجھے ضرورت تھی وہ میں نے تم سے لے لی ہے اب تم آزاد ہو۔

موٹی عورت نے کہا۔

مگر اے نیک روح تمہیں ان سکوں کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔؟

ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

خاموش، بدتمیز موٹی عورت اگر پھر کبھی ایسا سوال کیا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی معافی مانگو۔

موٹی عورت نے گڑگڑا کر کہا۔

میں معافی مانگتی ہوں مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی حضور مجھے معاف کر دو۔

ماریا بولی۔

بکواس بند کرو اب میں جا رہی ہوں۔

موٹی عورت نے کہا۔

حضور جاتی دفعہ کوئی نشانی ضرور دیتے جاؤ تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ چلی گئی ہیں آپ کی مہربانی ہو گی اور میری تسلی ہو جائے گی۔

ٹھیک ہے میں تمہیں نشانی دیتی جاؤں گی۔

ماریا نے سونے کے سکوں کی تھیلی اٹھا کر کندھے پر رکھی اور پاؤں سے جوتی نکال کر بڑے زور سے موٹی عورت کی موٹی گردن پر ماری وہ تڑپ کر بلبلا اٹھی۔

ہائے میں مر گئی۔

ماریا نے کہا۔

یہ ہے میری نشانی............اب میں جا رہی ہوں۔

ماریا مکان کے صحن میں آ گئی اب اسے نوکرانی کی تلاش تھی کیوں کہ یہ سارے سونے کے سکے ماریا نے اس نوکرانی کو دیئے تھے تا کہ وہ بڑی دھوم دھام سے اپنی بچی کی شادی کرے صحن میں آ کر ماریا نے دیکھا کہ نوکرانی پانی کا جگ لیے باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی وہ بھی

باورچی خانے میں آ گئی نوکرانی چولہے کے پاس کھڑی کڑاہی میں پانی ڈال رہی تھی وہاں اور کوئی بھی نہیں تھا ماریہ نے آہستہ سے کہا۔

بہن میں تمہارے لیے سونے کے سکے لے آئی ہوں۔

نوکرانی نے چونک کر پیچھے دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا ماریہ وہاں موجود تھی مگر اسے نظر نہیں آسکتی تھی اس نے کہا۔

اے نیک دل روح کیا سچ مچ تو سونے کے سکے لے آئی ہے۔؟

ہاں میری بہن سکوں کی تھیلی میرے ہاتھ میں ہے میرے ساتھ اپنے کمرے میں آؤ تا کہ تم وہاں سے احتیاط سے چھپا کر رکھ سکو۔

نوکرانی چپ چاپ باورچی خانے سے باہر نکل گئی ماریا اس کے ساتھ ساتھ گئی نوکرانی ماریہ کو لے کر مکان کے پیچھے اپنے کمرے میں لے آئی یہ ایک غریب سا کمرہ تھا جس کے اندر سوائے ایک چار پائی کے اور کچھ بھی نہیں تھا ماریہ نے کہا۔

یہ لو میری بہن سونے سکوں کی تھیلی۔

ماریہ نے تھیلی چار پائی پر رکھ دی نوکرانی نے اسے کھول کر دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ لال ہو گیا اور جب ماریہ نے اسے بتایا کہ یہ پورے پچاس ہزار سکے ہیں تو اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا اس نے کہا۔

نیک دل روح میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے مگر یہ تو بہت ہی دولت ہے میں اتنی دولت لے کر کیا کروں گی۔؟

ماریہ نے کہا۔

اچھی بہن تو نے ساری زندگی اس موٹی مالکن کی خدمت کی ہے جس کا صلہ تمہیں سوائے جھڑکیوں کے کچھ نہیں ملا یہ دولت لے کر تم اپنے گاؤں چلی جاؤ اپنی بچی کا بیاہ بھی کرو اور باقی زندگی آرام سے بسر

کرو۔

نوکرانی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

یہ دولت کہاں سے آئی ہے اے نیک روح کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ اس دولت کا مالک..........

ماریا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اس بارے میں تم بالکل فکر نہ کرو اس دولت کا مالک اس دنیا میں کوئی نہیں ہے یہ خدا نے تمہیں دی ہے تمہیں اس کے متعلق کبھی کوئی پوچھنے نہیں آئے گا تم بے فکر ہو کر اس دولت کو خرچ کرو یہ میں تمہیں قول دیتی ہوں۔

نوکرانی نے جھک کر ماریا کا شکریہ ادا کیا ماریا نے اجازت لی اور مکان سے باہر نکل آئی جب وہ بڑے دروازے میں سے گزرنے لگی تو وہی موٹی گردن والا چوکیدار اسی جگہ دروازہ بند کیے کھڑا تھا ماریا کو شرارت

سوجھی اس نے چوکیدار کے کان میں کہا۔

دروازہ کھولو میں بھوت کی ماں ہوں۔

چوکیدار گھبرا گیا ایک بار پہلے بھی بھوت اسے اٹھا کر باہر پٹخ چکا تھا ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ماریا نے زور سے اس کی کھوپڑی پر ایک دھپ جمادی چوکیدار وہاں سے چیخ مار کر بھاگ گیا ماریہ نے ہنستے ہوئے دروازہ کھولا اور مکان سے باہر نکل گئی چار دیواری کے باغ میں سے اس نے اپنے گھوڑے کو کھولا اس پر سوار ہوئی اور باہر نکل گئی دن نکل آنے کی وجہ سے شہر میں رونق ہو گئی لوگ اپنے اپنے کام پر چلے جا رہے تھے مزدور مزدوری کی تلاش میں پھر رہے تھے اب ماریا وہاں سے سیدھی شہر سے دور پرانی سرائے والے کھنڈر میں پہنچنا چاہتی تھی تا کہ یہ معلوم کر سکے کہ چین کے ولی عہد کے خلاف کیا کھچڑی پک رہی ہے ناشتہ اس نے مکان میں ہی کر لیا تھا شہر سے دور جا کر

ایک جگہ اس نے گھوڑے کو گھاس وغیرہ کھلا کر پانی پلایا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئی دوپہر تک وہ چلتی رہی آخر وہ اس کھنڈر کے پاس پہنچ گئی وہاں ہر طرف خاموشی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی کوئی گیدڑ بھی نظر نہیں آ رہا تھا ماریا اینٹوں کے اس ڈھیر کے پاس آ گئی جہاں اس نے ارژنگ کو باہر نکلتے دیکھا تھا اور جہاں اس کے خیال میں زمین کے اندر والے تہہ خانے کا دروازہ تھا گھوڑے کو چھوڑ کر وہ اینٹوں کے ڈھیر کے آس پاس تہہ خانے کا دروازہ تلاش کرنے لگی اسے دروازہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا وہ کچھ ناامیدی ہو گئی اسے خیال آنے لگا کہ اسے غلطی لگ گئی ہے ارژنگ شاید ادھر سے نہیں آیا تھا...........اور ہو سکتا ہے کہ اس نے ورشا کو کسی اور جگہ چھپا دیا ہو۔

وہ واپس جانے کے بارے میں سوچنے لگی۔

ابھی وہ واپسی سے متعلق فیصلہ کر رہی تھی کہ اچانک اسے دور سے

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی ماریا چونکی ہو گئی گھوڑے کے ٹاپ کی آواز قریب سے قریب ہو رہی تھی ماریا جلدی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور پرے ہٹ کر دیکھنے لگی کہ کون آ رہا ہے دور اس نے ایک گھوڑ سوار کو دیکھا جو سرائے کے کھنڈر کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

یہاں بھوت ہیں

گھوڑ سوار کھنڈر کے قریب آ کر رک گیا۔

ماریا نے اسے جھٹ پہچان لیا وہ ارژنگ تھا ارژنگ کے گھوڑے کے پیچھے کھانے کا طباق بندھا ہوا تھا ارژنگ نے رک کر دائیں بائیں دیکھ کر یہ اطمینان کیا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا جب اسے تسلی ہو گئی کہ وہ اس جگہ اکیلا ہے تو آگے چل کر اینٹوں کے ڈھیر کے پاس آ گیا ماریا اسی انتظار میں تھی وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی اس کے گھوڑے کے ٹاپ کی آواز ارژنگ کو چوکنا کر سکتی تھی چنانچہ ماریہ خاموشی سے گھوڑے کو قدم بقدم چلاتی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے لے گئی یہاں اس نے گھوڑے کو باندھا اور نیچے اتر آئی اب اس کا گھوڑا تو ظاہر ہو گیا تھا مگر وہ خود غائب تھی۔

وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر کے قریب آ گئی ارژنگ ایک جگہ سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر دوسری طرف رکھ رہا تھا جب وہ کافی اینٹیں اٹھا چکا تھا تو نیچے سے ایک کافی کھلا سوراخ نمودار ہوا ارژنگ سوراخ میں داخل ہو گیا ماریا بھی اس کے پیچھے ہی داخل ہونے لگی تو ارژنگ نے مڑ کر سوراخ کو بند کرنا شروع کر دیا ماریہ پریشان ہو گئی کیونکہ اب اگر وہ داخل ہوتی تو ارژنگ سے جسم کے ساتھ اس کا جسم رگڑ کھا جاتا اور وہ پکڑی جاتی غار کے اندر داخل ہونا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا ادھر ارژنگ جلدی جلدی سوراخ کو اینٹوں سے بند کر رہا تھا ماریہ نے سوچا کہ کون سی ایسی ترکیب کی جائے کہ ارژنگ وہاں سے تھوڑی دیر کے لئے ہٹ جائے وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ارژنگ سوراخ بند کر کے اندر غائب ہو گیا۔

وہ بڑی حیران ہوئی کہ اس مکار اور چالاک شخص نے کس کس جگہ چھپنے کے لئے غار تلاش کر رکھے ہیں سوال یہ تھا کہ وہ اندر کیسے داخل ہو ظاہر ہے ورشا بھی اندر ہی تھی اور ارژنگ اس کے لئے کھانا لے کر آ رہا تھا وہ خاموشی سے ایک طرف ہو کر پتھروں پر بیٹھ گئی اگر وہ اینٹیں

ہٹا کر اندر جاتی تو ارژنگ کو شک پڑ سکتا تھا پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ اندر جا کر دروازے کو بڑی احتیاط سے بند کر دے تو ارژنگ کو واپسی پر شک نہیں پڑ سکتا کیونکہ باہر بیٹھ کر ان لوگوں کا انتظار کرتے رہنا بھی فضول تھا۔

چنانچہ ماریہ نے خدا کا نام لیا اور اینٹیں ہٹا کر غار کے اندر داخل ہو گئی اس نے اندر جا کر بڑی ہوشیاری سے اینٹیں ایک ایک کر کے اسی طرح دروازے پر چن دیں اور غار کے اندر آگے کو چلنے لگی اندر پہلے والے غار کی طرح اندھیرا تھا وہ آگے چلتے ہوئے گھبرانے لگی کیا خبر ورشا اور ارژنگ راستے میں ہی بیٹھے ہوں اور وہ ان سے ٹکرا جائے ایسی صورت میں ماریہ کا پکڑا جانا یقینی تھا اگر ایک بار ماریہ کو کسی نے پکڑ لیا تو پھر اس کا بچ کر نکلنا مشکل تھا ارژنگ کو تو پہلے ہی سے شک تھا کہ کوئی روح اس کا پیچھا کر رہی ہے۔

تھوڑی دور آگے چلنے کے بعد ماریہ کو ارژنگ کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی وہ ایک جگہ رک کر باتیں سننے لگی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ باتیں کوئی چھپ کر کر رہا ہے ایک بات سے اس کی تسلی ہو گئی تھی کہ ارژنگ اور ورشا اس کے راستے میں نہیں بیٹھے ہیں بلکہ کسی چار دیواری کے اندر چھپ کر باتیں کر رہے ہیں وہ دونوں کی باتیں سننے لگی آواز تو صاف سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے ویسے بھی وہ دونوں دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے یہ آوازیں غار کی ایک دیوار کے پیچھے سے آ رہی تھیں ماریہ اس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اس نے یہ معلوم کرنے کی سر توڑ کوشش کی کہ وہاں کون سی ایسی جگہ ہے جہاں کسی بٹن کے دبانے سے دیوار کی غار کا منہ کھل جائے مگر اسے سخت ناکامی ہوئی، دیوار میں جگہ جگہ ٹٹولنے کے بعد بھی وہاں کوئی بٹن نہ مل سکا۔

ماریا ناامید ہو کر بیٹھ گئی دونوں کی باتیں سننے کی اس نے لاکھ کوشش کی مگر اس کے پہلے ہی کچھ نہیں پڑ رہا تھا ماریا کو اتنا تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ دونوں ولی عہد شہزادے کے خلاف سازش کر رہے ہیں مگر سازش کیا ہو رہی ہے یہ اسے معلوم نہ تھا۔ یہی وہ معلوم کرنا چاہتی تھی اور بار بار اپنے کان دیوار کے ساتھ لگا دیتی لیکن کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا کافی دیر تک ان کی باتوں کی ہلکی ہلکی آواز آتی رہی پھر یہ آواز یک لخت بند ہو گئی ماریہ سمجھ گئی کہ وہ لوگ باہر آ رہے ہیں اتنے میں دیوار اپنے آپ ایک جگہ سے الگ ہوئی اور اندر سے ارژنگ اور ورشا باہر آ گئے۔

باہر آ کر ارژنگ نے ورشا سے کہا۔

بس اب ہر شے اپنی اپنی جگہ پر تیار ہے صرف بانسری کے آنے کی دیر ہے جس روز محل سے آہ و بکا اور ماتم کی آوازیں آ گئیں سمجھ لینا یہ بہت

مشکل کام میں نے کر دیا ہے اور ولی عہد شہزادے کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔

ورشا نے پوچھا۔

کیا بانسری نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا ہے؟

ارژنگ نے کہا۔

بانسری پر ہم نے ایک خاص موسیقی کی دھن کو اس قدر پکا کر لیا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ولی عہد ہماری اس سازش کے جال سے بچ کر نکل جائے۔

ورشا نے کہا۔

وہ تو سب ٹھیک ہو گیا مگر اب یہ سوال ہے کہ میں اس عذاب میں کب تک پڑی رہوں گی میرے دکھوں کی رات کب ختم ہو گی میں اس قبر سے کب باہر نکلوں گی۔؟

ارژ تنگ بولا۔

میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ تمہیں صبر کے ساتھ کچھ دن گزارنے پڑیں گے شہر میں ہی نہیں بلکہ سارے ملک میں تمہاری تلاش ہو رہی ہے جگہ جگہ فوج کے سپاہی چھاپے مار رہے ہیں کوئی جگہ سوائے اس غار کے ایسی نہیں جہاں تمہاری تلاش نہیں ہو رہی ہو اس لئے کچھ دیر صبر کر کے بیٹھی رہو جونہی حالات ذرا اچھے ہوئے میں یہاں سے خود تمہیں نکال کر لے جاؤں گا۔

ورشا بولی۔

لیکن ارژ تنگ اس جگہ سے مجھے خوف آتا ہے۔

ارژ تنگ نے پوچھا۔

وہ کیوں؟ یہ غار بھی تو پہلے والے غار ہی کی طرح ہے یہاں سے تمہیں خوف کیوں آنے لگا۔

ایسے لگتا ہے کہ یہاں کوئی ہر وقت مجھے دیکھتا رہتا ہے یہ بھی تمہارا وہم ہے یہاں تو کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا میں باہر سے اچھی طرح دیکھ بھال کر پورا اطمینان کرنے کے بعد اندر داخل ہوتا ہوں تم یہاں بے فکر ہو کر رہو یہاں کوئی بھی نہیں آ سکتا۔

کھڑ کھڑ کھڑاک۔...........

اس آواز نے ارژ تنگ اور ورشا کو چونکا دیا۔

دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ یہاں بھی کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے یہ آواز اب تم نے اپنے کانوں سے سن لی ہے۔

شی.........خاموش۔

ارژ تنگ نے دیوار کے ساتھ کان لگا دیے۔

باہر غار میں کسی کے چلنے کی آواز آ رہی ہے۔

ورشا چیخی۔

ہائے میں مر گئی یہ کوئی ضرور بھوت پریت ہے دیوتا کے لیے مجھے یہاں سے لے جاؤ میں اب یہاں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔

ارژنگ نے فوراً محسوس کیا کہ یہ بات اسے ورشا کے سامنے نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس کا ڈر جانا ایک قدرتی بات تھی اگر چہ ورشا ایک چالاک اور مکار عورت تھی پھر بھی وہ ایک کمزور دل عورت تھی اور اگر ڈر کر وہ یہاں سے نکل گئی تو ضرور پکڑی جائے گی اور پھر ارژنگ کی بھی خیر نہیں کیوں کہ وہ سپاہیوں کے ظلم و تشدد سے گھبرا کر ضرور بول پڑتی اس نے جلدی سے کہا۔

میں ابھی باہر دیکھ کر آتا ہوں۔

ارژنگ دیوار میں سے گزر کر باہر غار میں آ گیا غار کے اندر اس نے چل پھر کر اچھی طرح دیکھا اسے کہیں بھی کوئی شخص دکھائی نہ دیا مگر ماریا ایک جگہ چھپ کر کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی.......ارژنگ واپس دیوار کے اندر سے ہو کر غار کے دوسری جانب آ گیا ورشا نے بے تابی سے پوچھا۔

کون تھا ارژنگ۔؟

ارژنگ نے مسکرا کر کہا۔

تمہارے ساتھ میں بھی پاگل ہو گیا تھا بھلا اس خفیہ غار میں کون آ سکتا ہے میں نے پوری تسلی کر لی ہے وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔

تو پھر وہ قدموں کے چلنے کی آواز کیسی تھی۔؟

یہ محض میرا وہم تھا۔

مگر مجھے وہ کسی شے کے گرنے کی آواز کیسی سنائی دی تھی۔؟

میرا خیال ہے وہ غار کی چھت پر سے کوئی پتھر گر پڑا ہو گا۔ یہ بڑے پرانے غار ہیں ان کے اندر چھت پر سے کبھی کبھی پتھر گرتے ہی رہتے ہیں۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو ارژنگ۔؟

تو اور کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں بھئی تمہارے آگے مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اچھا تم نے کھانا کھا لیا اب میں جاتا ہوں کل اسی وقت پھر تمہارے لیے کھانا لے کر آؤں گا اور شاید شہزادے کے بارے میں بھی کوئی خبر لاؤں کیونکہ میرا خیال ہے کمال مجھے آج نہیں تو کل ضرور سانپ لے کر آنے کا پیغام بھیجے گی۔

ورشا بولی۔

ارژنگ مجھے تو سچ بڑا ڈر محسوس ہو رہا ہے میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں مجھے یہاں سے نکال کر لے جاؤ میں یہاں زندہ نہیں رہ سکتی۔

تم تو دیوانی ہوتی جا رہی ہو بھلا اس وقت میں تمہیں کیسے نکال کر لے جاؤں؟ اور پھر لے جاؤں بھی کہاں کس جگہ؟ اگر پہلے تم نے اس قسم کے ڈر کا رونا رویا ہوتا تو میں کوئی بندوبست بھی کر لیتا لیکن اس وقت

اچانک کیا ہو سکتا ہے پہلے ہی بڑی مشکل سے تمہیں یہاں تک لایا ہوں۔

خدا کے لئے مجھے اپنے ساتھ شہر لے چلو میں بھیس بدل کر تمہارے ساتھ شہر چلی چلتی ہوں۔

یہ غلط بات ہے تمہیں ضرور کوئی نہ کوئی پہچان لے گا اور تمہارے ساتھ میری جان پر بھی بن جائے گی۔

میں آدھی رات کے اندھیرے میں تمہارے ساتھ نکل جاتی ہوں رات کے اندھیرے میں تو ہمیں کوئی نہیں دیکھے گا۔

احمق عورت، رات کے وقت تو شہر کے اندر اور باہر جگہ جگہ فوج کے سپاہی گشت کرتے ہیں اور ہر آنے جانے والے سے پوچھ گچھ کرتے ہیں رات کے وقت تو یہاں سے نکلنا بہت ہی خطرناک ہے۔

تو پھر میں کیا کروں کدھر جاؤں میرا دل بے حد گھبرا رہا ہے یہاں تو

میں تو ایک رات بھی اب زندہ نہیں رہ سکتی۔

ارژنگ نے ذرا ڈانٹ کر کہا۔

بس اب خاموش رہو اگر تم نے پھر یہاں سے نکلنے کا شور مچایا تو میں بری طرح سے پیش آؤں گا تم خاموشی سے اسی جگہ چھپی رہو میں ابھی تمہیں یہاں سے باہر نہیں نکال سکتا.........جب وقت آئے گا تو اپنے آپ تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔

ورشا رونے لگی۔

تم مجھے ڈانٹ کیوں رہے ہو میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے میں نے تو صرف تم لوگوں اور اپنے قبیلے کے سردار کے لئے اپنی زندگی سخت خطرے میں ڈال لی ہے ورنہ میں آج ایک آزاد اور عزت دار شہری کی طرح باہر نکل کر زندگی بسر کرتی۔

ارژنگ کو محسوس ہوا کہ اسے غصے نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ اگر ورشا

ناراض ہوگئی اور بدلہ لینے کے لئے اس نے بادشاہ کو سب کچھ بتا دیا تو اس کی کم بختی آ جائے گی بادشاہ ورشا کی تو جان بخشی کر دے گا مگر ارژنگ کو کبھی معاف نہیں کرے گا اس نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

میرا مطلب تمہیں ڈانٹنا نہیں تھا ورشا بہن میں تو ذرا اس لئے غصے میں آ گیا تھا کہ تمہیں اپنے قبیلے کے لوگوں اور سردار کی عزت کا بھی ذرا خیال نہیں بس تمہیں اپنی جان کی فکر کھائے جا رہی ہے؟ ذرا سوچو تو جب سردار کو معلوم ہوگا کہ ورشا نے اپنی جان کس قدر مصیبت میں ڈال کر وقت کاٹا اور چین کے ولی عہد کو ہلاک کر کے ہی دم لیا تو تمہاری کس قدر وطن میں عزت و آبرو نہیں ہوگی لوگ تمہیں اپنی دیوی سمجھیں گے تمہیں اپنے سروں پر اٹھاتے پھریں گے اور اگر انہیں یہ معلوم ہوا کہ تم ڈر کر بھاگ گئی ہو اور کام کو بیچ میں ادھورا ہی چھوڑ دیا

ہے تو انہیں کسی قدر صدمہ نہیں ہوگا یاد رکھو قوم اور قبیلے کا سردار تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

ورشا پر ان باتوں کا بہت اثر ہوا اس نے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو ارژنگ مجھے گھبرانا نہیں چاہیے مجھے ہمت سے کام لینا چاہیے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میں گھبرا گئی تو میری قوم اور قبیلے کا سردار ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

لوگ تمہیں ہمیشہ برے نام سے یاد کریں گے۔

نہیں نہیں ارژنگ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی میں ایسا۔ کبھی نہیں ہونے دوں گی میں حوصلے اور بہادری سے کام لوں گی تم بے شک ابھی چلے جاؤ میں جب تک حالات اچھے نہیں ہو جاتے اسی جگہ رہوں گی اور اپنی قوم اور اپنے ملک اور اپنے سردار کی عزت کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دوں گی مگر پیچھے نہیں ہٹوں گی۔

ارژنگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ورشا سیدھے راستے پر آگئی تھی اس کی ڈھلمل طبیعت کو دیکھ کر اسے تسلی ہو گئی اس نے ورشا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

شاباش ورشا بہن، تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم بن قوم کی ایک بہادر اور غیرت مند خاتون ہو تمہیں اپنے وطن کی نیک نامی اور سردار کی سر بلندی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے اچھا اب میں جاتا ہوں کل پھر آؤں گا۔

ٹھیک ہے ارژنگ تم بے شک جاؤ، میں تمہاری بڑی بہادری کے ساتھ یہاں رہ کر انتظار کروں گی۔

ارژنگ دیوار کے سوراخ میں سے باہر آیا ماریا اسی جگہ کھڑی دیوار کے ساتھ کان لگائے ان کی باتیں سن رہی تھی ارژنگ کو دیوار کے قریب آتا محسوس کر کے ماریہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی ارژنگ باہر نکل کر

غار میں سے گزر کر باہر نکل گیا اور اس نے سوراخ کو دوبارہ اینٹوں سے چن دیا۔

جاسوسہ کی موت

ماریا ایک بار پھر غار کے اندر اکیلی رہ گئی۔

وہ دیوار میں سے اس سوراخ کو تلاش کرنے لگی جس میں سے نکل کر ارژنگ باہر آیا تھا اور جس کے اندر ورشا چھپی ہوئی تھی اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ورشا کے سامنے جا کر اسے قابو کر لے گی اور اس سے یہ معلوم کر کے رہے گی کہ ولی عہد شہزادے کو کس طرح ہلاک کیا جا رہا ہے یہ اس کا آخری فیصلہ تھا کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ رک گئی اسے باہر گھوڑوں کے سموں کی آوازیں سنائی دیں ایسے لگتا تھا کہ بہت سے گھوڑ سوار کھنڈر کی طرف آ رہے ہیں ماریا جلدی سے غار کے منہ پر آئی اس نے اینٹیں ادھر اُدھر ہٹا کر باہر دیکھا باہر کوئی بھی نہیں تھا مگر قریب سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں اندر رہنا اب خطرے سے خالی نہیں تھا۔

ماریا کے دل نے کہا فوراً یہاں سے باہر نکل چلو ماریا جلدی سے غار کے سوراخ میں سے باہر آئی اس کا باہر نکلنا ہی بہتر تھا اور اس کے حق میں اچھا تھا کیوں کہ باہر سپاہیوں کا ایک دستہ اپنے سردار کے ساتھ آن موجود ہوا تھا صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کسی نے ورشا کی مخبری کر دی تھی اور سپاہی اس کی تلاش میں ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے تھے کیوں کہ سپاہی

ٹھیک غار کے دروازے یعنی اینٹوں کے ڈھیر کے پاس آ گئے سردار نے کہا۔

اس ڈھیر کو پرے ہٹا دیا جائے اس جگہ وہ غار ہے جس کے اندر ورشا چھپی ہوئی ہے۔

سپاہیوں نے اینٹوں کو اٹھانا شروع کر دیا تھوڑی سی اینٹیں ہٹانے کے بعد ہی غار کا دہانہ دکھائی دینے لگا سردار نے خوش ہو کر کہا۔

کچھ سپاہی اس غار کے اندر اتر جائیں اور ورشا کو زندہ یا مردہ پکڑ کے لے آئیں۔

چھ سپاہی غار کے اندر مشعلیں جلا کر تلواریں ہاتھوں میں لیے اتر گئے باقی سپاہی غار کے باہر کھڑے رہے ماریا بھی ایک طرف دیوار کے ساتھ لگی رہی اور تماشہ دیکھنے لگی کہ کیا ہوتا ہے اسے یقین تھا کہ سپاہی غار کے چپے چپے کو اکھاڑ کر رکھ دیں گے اور ورشا کو زمین کے اندر سے

بھی نکال لائیں گے کیوں کہ کسی مخبر نے بالکل صحیح خبر دی تھی۔

سپاہیوں نے غار کے اندر جا کر دیواروں پر تلواریں اور بھالے مارنے شروع کر دیے یہ غار کوئی زیادہ بڑا غار نہیں تھا آخر وہ اس دیوار کے پاس پہنچ گئے جس کی دوسری طرف ورشا ابھی بیٹھی تھی ورشا نے بھی سپاہیوں کی آوازیں سن لی تھیں انہوں نے نیزے مار مار کر مشعلوں کی روشنی میں دیوار کو گرا دیا دوسری طرف ورشا بلی کی طرح ڈری ہوئی بیٹھی تھی سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے گرفتار کر لیا وہ ورشا کو لے کر غار سے باہر آ گئے سردار نے جب ورشا کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

میرے بہادر سپاہیو تم نے ایک وطن کی دشمن عورت کو پکڑا ہے اس عورت نے ہمارے ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے کی سازش کی تھی اسے ہم بادشاہ کے پاس لے چلیں گے اور تمہیں انعام و اکرام دلایا جائے گا۔

انہوں نے ورشا کو ایک گھوڑے پر بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے دارالحکومت کی سمت روانہ ہو گئے ماریہ بھی ان کے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑائے چل پڑی وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ورشا کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور کیا وہ ولی عہد کی سازش کے بارے میں بادشاہ کو کچھ بتاتی ہے یا نہیں؟ اس کا سفید گھوڑا بھی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔

ماریا بھی فوج کے دستے کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہو گئی

........سپاہی شاہی محل میں آ گئے ماریہ بھی محل کی چاردیواری کے اندر آ گئی اب وہ چاہتی تھی کہ اپنے گھوڑے کو کسی جگہ پر چھپا دے تاکہ واپسی پر وہ اسے آسانی سے لے کر شہر میں اپنے بھائی عنبر اور ناگ کو تلاش کر سکے اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر اور ناگ اسی شاہی محل کے ایک کمرے میں رو رہے ہیں۔

ورشا کو اسی وقت بادشاہ فامانچو کے سامنے پیش کر دیا گیا بادشاہ اپنے ولی عہد شہزادے کی دشمن عورت کو دیکھ کر سخت غصے میں آ گیا وہ تخت پر سے اتر کر ورشا کے پاس آیا اور اپنی خوف ناک آنکھوں سے اسے گھور کر بولا۔

اس بدبخت عورت کو تہہ خانے میں لے جا کر ڈال دو میں آج رات اس سے خود پوچھنے آؤں گا کہ اس کے ساتھی اس شہر میں کہاں کہاں رہتے ہیں؟

ورشا بت بنی کھڑی رہی سپاہی اسے پکڑ کر لے گئے اور انہوں نے اسے اس تہہ خانے میں لے جا کر ڈال دیا جہاں قیدیوں کو اذیت دے کر ان سے راز اگلوائے جاتے تھے یہاں شکنجے لگے تھے دیواروں میں نیزے لگے تھے اور قسم قسم کی اذیت دینے کا ساز و سامان نصب تھا

ماریا نے جب بادشاہ کا حکم سنا تو وہ شاہی محل کی چھت والی بارہ داری

میں آ گئی یہاں وہ رات کا پہلا حصہ گزارنا چاہتی تھی تاکہ آدھی رات کے وقت واپس تہہ خانے میں جا کر ورشا کا حال دیکھ سکے۔

ورشا کو تہہ خانے میں پھینک کر سپاہی باہر گئے تو وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اس کو یقین ہو گیا کہ اس کی موت کا وقت آ گیا ہے اور اس کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں لیکن یہ موت بڑی تکلیف دہ تھی اس کو اذیت دے کر مارا جا رہا تھا.......... بادشاہ نے بڑی سنگدلی سے اسے مارنا تھا ہو سکتا کہ اس کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا الگ الگ کاٹ دیا جائے وہ ایسی دردناک موت نہیں مرنا چاہتی تھی یہاں اسے کوئی بچا بھی نہیں سکتا تھا اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں بادشاہ کی بھیانک اذیت سے گھبرا کر وہ ارژنگ یا کسی دوسرے کا نام نہ لے لے اس طرح سے قوم کے ساتھ غداری ہو گی اور جن قوم کے غیور بیٹے اسے کبھی معاف نہیں کریں گے وہ نسلوں تک ورشا کا نام ایک غداری کی

حیثیت سے لیں گے ورشا یہ نہیں چاہتی تھی تو پھر وہ کیا کرے۔؟

خودکشی ۔:

اچانک ورشا کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اسے خودکشی کر لینی چاہیے حالاں کہ وہ موت سے بہت ڈرتی تھی مگر اسے اپنی قوم اور اپنے وطن کی عزت کا بھی بڑا خیال تھا خودکشی کر لینے سے اس کی قوم کی عزت باقی رہ جاتی تھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ختم کر لے گی مگر چین سے کے بادشاہ کے ظلم اور اذیت سے تنگ آ کر غداری کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ کس طرح سے خودکشی کرے؟ تہہ خانے میں قیدیوں کو اذیت دینے کا سامان بکھرا ہوا تھا اس نے سوچا کہ وہ دیوار میں لگے ہوئے نیزے کو اپنے سینے میں اتار دے، مگر اس کی اسے ہمت نہ پڑی اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اپنا گلا گھونٹ لے اس نے

اپنا گلا گھونٹنا چاہا مگر اس کا جب سانس گھٹنے لگا تو اس نے اپنا ہاتھ گردن پر سے ہٹا لیا۔

آخر وہ کس طرح اپنے آپ کو ہلاک کرے۔؟

ایک دم اسے خیال آیا کہ اس کے پاس تو زہر موجود ہے اصل میں ارژنگ اور ورشا کے ساتھ ساتھ دوسرے من گوریلوں کو قبیلے کے سردار کی طرف سے زہر کی ایک خاص پڑیہ ملی ہوئی تھی انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کبھی وہ یہ دیکھیں کہ اب ان کا مر جانا ہی ملک اور قوم کے لئے مفید ہے تو وہ فوراً زہر کھا کر مر جائیں اور اپنی قوم اور وطن پر قربان ہو جائیں ورشا نے زہر کی پڑیہ اپنی قمیض کی آستین کے اندر چھپا کر رکھی ہوئی تھی اس نے آستین کی سلائی ادھیڑ کر زہر کی پڑیا باہر نکال لی یہ زہر کچھ اس قسم کا تھا کہ اسے کھا کر انسان پر بے ہوشی چھا جاتی تھی اور وہ بے ہوشی میں ہی مر جاتا تھا ورشا کو اس قسم کی موت سے ڈر نہیں لگتا تھا۔

اس نے زہر کی پڑیا پتھروں کے نیچے چھپا دی اور تہہ خانے کے لوہے کی سلاخوں والے دروازے کے پاس جا کر پہرے دار سے کہا۔

مجھے پیاس لگی ہے۔

پہرے دار نے پانی کا کٹورا اندر تھما کر کہا۔

لو پی لو، شاید یہ تمہاری زندگی کا آخری پانی ہے۔

پہرے دار نے بالکل ٹھیک کہا تھا وہ پانی کے چند گھونٹ ورشا کی زندگی کے آخری گھونٹ تھے وہ پانی کا کٹورا لے کر قید خانے کے فرش پر آ کر بیٹھ گئی پہرے دار کی نظریں بچا کر اس نے پتھروں کے نیچے سے زہر کی پڑیا نکال کر پانی میں زہر ملا لیا اب اس کے سامنے کٹورے میں زہر پڑا ہوا تھا۔

یہ اس کی زندگی کے آخری سانس تھے جو وہ لے رہی تھی زندگی کے

آخری لمحوں میں اس نے اپنی ماں کو یاد کیا بھائیوں اور باپ کو یاد کیا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر اس نے اپنی قوم اور اپنے قبیلے کے سردار کو یاد کیا اس نے سوچا کہ وہ اپنے ملک اور اپنے وطن پر قربان ہو رہی ہے اتنے میں دروازے پر آہٹ ہوئی ورشا نے دیکھا پہریدار دروازہ کھول رہا تھا دروازے کے کھلتے ہی بادشاہ ثوما نچوا اپنے وزیر اور ایک جلاد کے ساتھ اندر آ گیا اس نے ورشا پر نفرت کی ایک نظر ڈالی اور کہا۔

اے بدنصیب عورت اگر تو ہمیں یہ بتا دے کہ تمہارے ساتھ اور کون کون لوگ ہیں اور وہ یہاں کس جگہ چھپے ہوئے ہیں تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔

ورشا نے کہا۔

اے بادشاہ، میں اپنی قوم اور اپنے قبیلے سے کبھی غداری نہیں کروں گی

میں تمہیں کبھی یہ نہیں بتاؤں گی کہ میرے ساتھی کون ہیں اور وہ یہاں کس کس جگہ پر کام کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے طیش میں آ کر کہا۔

بدبخت عورت اگر تو نے نہ بتایا تو تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹ دی جائے گی تمہیں بری طرح اذیت دے کر مارا جائے گا اور پھر تمہارا گوشت بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیا جائے گا، اگر تو اپنی زندگی چاہتی ہے تو اب بھی وقت ہے ہمیں بتا دے کہ تمہارے ساتھی کہاں رہتے ہیں ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

ورشا نے مسکرا کر کہا۔

اے بادشاہ اگر تو ایک بار چھوڑ کر دس ہزار بار بھی میرے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے تو میں پھر بھی تمہیں یہ نہیں بتاؤں گی کہ یہاں میرے ساتھی کہاں کہاں ہیں میں اپنی قوم سے کبھی غداری نہیں کروں گی۔

وزیر نے کہا۔

کیا تو اس بات کو مانتی ہے کہ تمہارے ساتھی جو کہ شہنشاہ چین کے دشمن ہیں اس شہر میں کام کر رہے ہیں۔؟

ورشا بولی۔

نہ صرف کام کر رہے ہیں بلکہ تمہارے شہزادے ولی عہد کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کر رہے ہیں اور وہ اپنی سازش میں اس دفعہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

بادشاہ اپنے شہزادے کے بارے میں اس قسم کی بات سن کر لرز اٹھا اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔

اگر تو نے ان لوگوں کے نام نہ بتائے تو میں تجھے زندہ آگ میں ڈال دوں گا میں تجھ پر کتے چھوڑ دوں گا۔

اے بادشاہ تو چاہے جو کچھ کر لے میں تجھے ہرگز ہرگز یہ نہ بتاؤں گی کہ

میرے ساتھی تمہارے خلاف کیا سازش کر رہے ہیں اگر تو مجھے ہلاک کر دے گا تو تمہارا بیٹا بھی موت کے پنجے سے نہ بچ سکے گا موت اس کے سر پر بھی منڈلا رہی ہے۔

بادشاہ نے چیخ کر کہا۔

اس عورت کو دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے اس کے جسم میں لوہے کے کیل گاڑھ دیے جائیں۔

جلاد ایک دم آگے بڑھا ورشا نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔

اگر اجازت ہو تو میں ایک گھونٹ پانی اس کٹورے میں سے پی لوں۔

ہرگز نہیں۔

بادشاہ نے چیخ کر کہا ورشا نے سوچا کہ اب اگر ایک پل کی بھی سستی سے کام لیا گیا تو سارا کام چوپٹ ہو کر رہ جائے گا پھر وہ زہر نہ پی

سکے گی اور بادشاہ اسے اتنی اذیت دے گا کہ ہو سکتا ہے وہ گھبرا کر اپنے ساتھیوں کے نام بتا دے کیونکہ بادشاہوں کی اذیت سے بڑے بڑوں کا دل گردہ جواب دے جاتا ہے اس سے پہلے کہ جلاد آگے بڑھتے ورشا نے پلک جھپکنے میں زمین پر سے پانی کا کٹورا اٹھا کر ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے کا سارا زہر پی لیا جلاد نے لپک کر ہاتھ مارا اور کٹورا ورشا کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا مگر وہ زہر پی چکی تھی زہر کے پیتے ورشا پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور وہ زمین پر دھڑام سے گر پڑی بادشاہ نے گرج کر کہا۔

پانی میں اس نے کیا پیا ہے؟! اسے پانی کس نے دیا تھا۔؟

جلاد نے کٹورے کو سونگھ کر کہا۔

بادشاہ سلامت اس میں زہر کی بو آ رہی ہے۔

اسے زہر کس نے لا کر دیا تھا۔

حضور کسی میں اتنی جرات نہیں کہ اسے زہر لا کر دے ضرور اس نے زہر کہیں چھپا کر رکھا ہو گا۔

اسے فوراً شاہی حکیم کے پاس لے جایا جائے۔

ورشا کو اٹھا کر شاہی حکیم کے پاس لے جایا گیا مگر وہ مر چکی تھی بادشاہ کو بے حد افسوس ہوا کہ وہ بادشاہ کے دشمنوں کا اتہ پتہ بتائے بغیر مر گئی اس نے حکم دے دیا کہ شہر میں فوج کی سرگرمیاں تیز کر دی جائیں جن گوریلوں کا کھوج لگانے کے لئے نئی فوج بھرتی کی جائے اور جس پر ذرا سا بھی شک ہوا اسے فوراً گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور پیش کیا جائے۔

صبح ہوئی دن کی روشنی پھیلی تو ماریا محل کی چھت والی بارہ دری سے اٹھ کر نیچے محل کے صحن میں آ گئی یہاں سے وہ بادشاہ کے تہہ خانے میں جانے ہی والی تھی کہ اسے پتہ چلا کہ ورشا نے زہر کھا کر اپنے آپ کو

ہلاک کر دیا ہے اسے حیرانی بھی بہت ہوئی اور اس نے ورشا کی بہادری کی تعریف بھی کی اس نے اپنے وطن اپنی قوم اور اپنے قبیلے کے عوام کے ساتھ غداری نہیں کی اور اپنی جان دے دی اب ماریا کا محل میں کوئی کام نہیں تھا وہ فوراً اب ارژنگ کی حویلی میں جا کر یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس پر ورشا کی موت کا کیا اثر ہوا ہے؟ اور وہ کہاں ہے ماریہ نے گھوڑا وہیں محل کے صحن میں چھوڑا اور ارژنگ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی ارژنگ کو ابھی ورشا کی موت کی خبر نہیں ملی تھی۔

ماریا نے اسے دیکھا کہ وہ اپنی دکان کے اندر ایک لکڑی کے تخت پوش پر بیٹھا ایک مریض آدمی کی ٹانگ کے زخم کو دیکھ رہا ہے ماریا چپکے سے اس کے پاس ہی ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئی ارژنگ زخم پر مرہم لگا کر اسے رخصت کر رہا تھا کہ ایک نیلی آنکھوں اور الو کی شکل والا آدمی دکان کے اندر داخل ہوا ارژنگ اسے دیکھ کر مکان کے پچھلے کمرے میں آ گیا وہ آدمی بھی ارژنگ کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلا گیا ماریا سمجھ گئی کہ یہ شخص ارژنگ کو ورشا کی موت کی خبر دینے آیا وہ بھی دونوں کے ساتھ ہی اندر چلی گئی۔

موٹی باورچن

الو کی شکل والے نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

ورشا نے زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے۔

ارژنگ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو زرخان۔؟

سچ کہہ رہا ہوں کسی غدار نے ہماری جاسوسی کر دی شاہی فوج نے خفیہ کھنڈر میں چھاپہ مار کر ورشا کو گرفتار کر لیا وہ اسے لے کر شاہی قید خانے میں چلے گئے جہاں اس نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔

ارژنگ ادھر اُدھر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

یہ تو بہت برا ہوا ورشا کا مرنا ہمارے لیے اچھا ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو مار کر ہمارے راز کی حفاظت کی ہے مگر بری بات یہ ہوئی ہے کہ شاہی جاسوس ہمارے پیچھے لگا ہے اسے ہماری ایک ایک بات کا علم ہو رہا ہے کوئی عجب نہیں کہ انہیں ہمارے اس ٹھکانے کا بھی پتہ چل گیا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے ٹھکانے فورا بدل دینے چاہئیں ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

ہاں تم ٹھیک کہتے ہو تم فورا یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر چلے جاؤ میرا ابھی یہاں رہنا ضروری ہے جب تک ولی عہد شہزادے کا کام تمام نہیں ہوتا میں یہاں سے نہیں جا سکتا لیکن تم فورا یہ شہر چھوڑ دو ورشا کے بارے میں سردار کو اطلاع جتنی جلدی ہو سکے پہنچا دی جائے۔

الو کی شکل والے نے کہا۔

اگر یہ بات ہے تو شاہی محل میں کمالا کا بھانڈا بھی پھوٹ سکتا ہے اس کے بارے میں اگر شاہی محل میں کسی کو معلوم ہو گیا کہ وہ جن قوم کی گوریلا ہے تو پھر ہمارا سارا کام چوپٹ ہو جائے گا ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا ہم شہنشاہ چین کا تختہ نہ الٹ سکیں گے۔

میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا کمالا کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر

نہیں ہے اسے بے حد پراسرار حالات میں شاہی محل میں روانہ کیا گیا ہے اور پھر وہ خود بڑی ہوشیار عورت ہے۔

مگر ارژنگ اگر اس کا بھانڈا ابھی پھوٹ گیا تو کیا ہوگا؟

ہوگا کیا، وہ بھی زہر کھالے گی اور کیا ہوگا آخر اسے زہر کس دن کے لئے دیا ہوا ہے۔؟

لیکن ہماری سازش ناکام ہو جائے گی۔

سازش اگر ایک بار ناکام ہو گئی تو دوسری بار ہم کوشش کریں گے ہم ہر ممکن طریقے سے ولی عہد کو ہلاک کریں گے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ہی دم لیں گے۔

دیوتا ہمارے نگہبان ہوں، میں اب جاتا ہوں۔

فورا جاؤ اور اس شہر سے کسی دوسرے شہر میں مکان بدل لو تمہارے لئے یہاں خطرناک ہے کیونکہ تم بیچ بازار میں کام کرتے ہو۔

ایسا ہی ہوگا ارژنگ میں آج شام ہی اس شہر سے کوچ کر جاؤں گا۔

الوکی ناک والا یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ارژنگ پریشان ہو کر کمرے میں ٹہلتا رہا پھر وہ ساتھ والے کمرے میں گیا اور اس نے وہاں سے ایک مرتبان لا کر تخت پوش پر رکھ دیا اس مرتبان میں کوئی بڑا ہی زہریلا سانپ بند تھا ارژنگ نے سانپ نکال کر اسے غور سے دیکھا اور پھر مرتبان میں بند کر دیا۔

یہ سب کچھ ماریہ کمرے میں ایک طرف کھڑی چپ چاپ دیکھ رہی تھی اس نے اس دوران میں کوئی آواز نہ نکالی تھی کسی قسم کی حرکت نہیں کی تھی ارژنگ کے سانپ نکالنے سے اس کا ماتھا ٹھنکا یہ شخص سانپ سے کیوں کھیل رہا تھا؟ اس سے پہلے تو اس نے کبھی سانپوں میں دلچسپی نہیں لی تھی ماریا سوچنے لگی اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش

کرنے لگی اسے خیال آیا کہ وہ ارژنگ کو پریشان کر کے اس سے راز اگلوانے کی کوشش کرے مگر ایسا ذرا مشکل تھا اس لئے کہ یہ لوگ کسی کو راز بتانے کی جگہ زہر کھا کر مر جانا زیادہ پسند کرتے تھے۔

ارژنگ کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا............ماریا ارژنگ کے کمرے سے باہر آ گئی اس نے سوچا کہ اسے شاہی محل میں جا کر مکار عورت کملاا کی نقل و حرکت پر غور کرنا چاہیے کیونکہ اب جو کچھ کرنا ہے کملاا نے ہی کرنا ہے پھر اسے بانسری کا خیال آیا جو ارژنگ نے کملاا کے ذریعے شاہی محل میں ولی عہد شہزادے تک پہنچا دی تھی آخر اس بانسری کا راز کیا تھا۔؟ یہ لوگ بانسری پر اس قدر زور کیوں دے رہے تھے ضرور اس میں کوئی گہرا راز چھپا ہوا تھا ماریہ نے شاہی محل میں جا کر کملاا کو دیکھنے اور اس کی نقل و حرکت پر غور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ارژنگ کی حویلی سے نکل کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر کے گنجان بازاروں اور گلی کوچوں سے نکل کر وہ کھلے میدان میں آ گئی جہاں ایک خوش نما پہاڑی کے دامن میں شاہی محل کھڑا مسکرا رہا تھا دھوپ خوب چمک رہی تھی ماریہ چونکہ غائب تھی اور اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اس لئے وہ بڑے اطمینان سے بازاروں اور گلی کوچوں میں سے گزرتی ہوئی شاہی محل کے دروازے پر آ گئی شاہی محل کے دروازے پر بڑا سخت پہرہ لگا ہوا تھا لیکن ماریا تو بڑی آسانی سے اندر جا سکتی تھی اسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ وہ آگے بڑھ کر محل کے دروازے میں سے گزر گئی اب وہ حرم کی طرف آ گئی اس طرف ملکہ کا محل تھا ملکہ کے محل کے باہر بھی بڑا سخت پہرہ لگا ہوا تھا ماریہ سب کی آنکھ بچا کر یہاں سے بھی نکل گئی اب وہ شاہی حرم کی سیڑھیاں چڑھتی اوپر والے چبوترے پر آ گئی یہاں ایک

جگہ ملکہ کا خاص کمرہ تھا ماریا اس کمرے کے باہر آ کر کھڑی ہو گئی دروازہ اندر سے بند تھا وہ کان لگا کر سننے لگی کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ اندر سے کوئی خاص آواز آ رہی تھی صرف کسی وقت بانسری کی آواز آ کر گم ہو جاتی ماریہ سمجھ گئی کہ یہ وہی بانسری ہے جس کے بارے میں وہ بہت کچھ سن چکی ہے اسے خواہش ہوئی کہ وہ اندر جا کر دیکھے کہ یہ بانسری کون بجا رہا ہے کیونکہ وہ بانسری کے انداز کو پہچان نہ سکی تھی کسی وقت لگتا کہ کوئی بچہ اسے بجا رہا ہے اور کسی وقت ایسے لگتا کہ کوئی سیانا آدمی اسے بجا رہا ہے۔

ماریا نے دروازے کو ذرا سا دھکیلا تو وہ کھل گیا۔

ماریا اندر داخل ہو گئی یہ ملکہ چین کا خاص کمرہ تھا مسہری پر شہزادہ ولی عہد لیٹا ہوا کھیل رہا تھا ملکہ چین اس کے قریب ہی کرسی پر پاؤں پھیلائے لیٹی تھی نوکرانیاں پنکھا جھل رہی تھیں ایک ادھیڑ عمر کی نوکرانی

بچے کے پاس ہی بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی بانسری تھی وہ کسی وقت خود بانسری بجانے لگتی اور کسی وقت ملکہ سے عرض کرتی کہ وہ بجائیں ملکہ کو بانسری بجانا نہیں آتی تھی مگر وہ ایک خاص دھن بار بار بجاتی یہی وہ خاص دھن تھی جس پر سانپ کو لگا دیا گیا تھا اور جس کے بارے میں سوائے کمالا اور کسی کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔

ماریا بڑے غور سے بانسری کی دھن کو بار بار سنتی رہی پھر کمالا نے جھک کر ادب سے ملکہ سے کہا۔

ملکہ سلامت، اس بانسری کی آواز پر شہزادہ بہت خوش ہوتا ہے میں تو کہتی ہوں کہ یہ بانسری یہاں ہر وقت بجتی رہنی چاہیے تا کہ ولی عہد شہزادہ ہمیشہ خوش و خرم رہے۔

ملکہ نے کہا۔

کیوں نہیں کمالا میں تو اپنے پیارے بیٹے اور ملک کے ولی عہد کی خوشی

کے لئے ہر قسم کی قربانی دے سکتی ہو یہ تو صرف بانسری بجانے کا معاملہ ہے بانسری تو میں خود ساری رات بجا سکتی ہوں۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہی وہ مکار عورت ہے جسے ارژنگ نے یہاں روانہ کیا ہے اور جو اس کے ساتھ مل کر ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے شام ہو رہی تھی اور اب ماریا کو بھوک بھی بہت ستانے لگی تھی اس نے سوچا کہ پہلے تو شاہی باورچی خانے میں جا کر بھوک کی آگ بجھائی جائے اور پھر ملکہ سے مل کر اسے بتا دیا جائے کہ اس کے بیٹے کو قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔

ماریا باورچی خانے کی طرف آ گئی۔

شاہی باورچی خانے کا سراغ اسے ایک خادمہ سے ملا جو سر پر پھلوں کا ٹوکرا رکھے وہاں جا رہی تھی ماریا اس کے ساتھ ساتھ باورچی خانے میں داخل ہو گئی شاہی باورچی خانہ بہت بڑا تھا اور وہاں قسم قسم کے

کھانے اور پکوان پک رہے تھے موٹی موٹی عورتیں کھانا پکا رہی تھیں نوکرانیاں بے چاری ان کے اشاروں پر ناچ رہی تھیں ایک بڑی موٹی شاہی باورچن بار بار اپنی دبلی پتلی سی نوکرانی کو ڈانٹتی۔

اری شانگ تو کیا کر رہی ہے بد بخت چیل اٹھ گرم شوربہ اس میں ڈال وہ کیتلی اٹھا کر ادھر رکھ دے۔

نوکرانی شانگ بے چاری کٹھ پتلی کی طرح کام کر رہی تھی۔

ابھی لائی بیگم جی ابھی جاتی ہوں بیگم جی۔

یہ کہہ کر اس کی زبان سوکھ رہی تھی موٹی باورچن ہر کیتلی میں سے بھنا ہوا گوشت اٹھا اٹھا کر چکھ رہی تھی بے چاری نوکرانی کو بھی بڑی بھوک لگی تھی اس نے ایک تھالی سے ایک ابلا ہوا انڈا اٹھا کر کھانا چاہا تو موٹی باورچن نے زور سے اس کے ہاتھ پر ڈوئی ماری۔

کم بخت بد یدی، پھر انڈا کھانا شروع کر دیا کمینی ابھی ملکہ سے کہہ کر

تجھے بدر کروا دوں گی بول کیا سزا دوں تجھے میں اس گستاخی کی۔؟

نوکرانی ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

بیگم صاحب، معاف کر دیں بھوک بہت لگی تھی صبح سے کچھ نہیں کھایا غلطی ہو گئی آئندہ سے یہ غلطی کبھی نہیں ہو گی معاف کر دیں سرکار۔

موٹی باورچن بولی۔

اری اوکی پٹھی اگر تم سب اسی طرح کھانے لگیں تو شاہی محل کی بیگمیں کیا کھائیں گی؟ نکل جا یہاں سے باہر چل دور ہو جا میری نظروں سے۔

موٹی باورچن نے مار مار کر بے چاری کمزور سی نوکرانی کو باہر نکال دیا نوکرانی باہر جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی اور رونے لگی ماریا اس کے پاس گئی اس نے دیکھا کہ نوکرانی کا ایک بچہ بھی تھا جو بھوک سے بلک بلک کر رو رہا تھا اس کی رونے کی آواز پر موٹی باورچن غصے میں لال ہو کر باہر آئی اور نوکرانی پر برسنے لگی۔

اری کمینی عورت اپنے اس بچے کو لے کر اپنی کوٹھڑی میں بھاگ جا نہیں تو ابھی اس بچے کو کچا چبا کر کھا جاؤں گی نوکرانی جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔

حضور کے پاؤں پڑتی ہوں میرے بچے کو کچھ نہ کہیں میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔

موٹی باورچن نے کہا۔

دفع ہو جاؤ دور ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے نوکرانی بے چاری جلدی سے بچہ اٹھا کر وہاں سے اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔

ماریا کو موٹی باورچن پر سخت طیش آیا وہ باورچی خانے میں آ کر کھانے کے طباق غور سے تکنے لگی ایک چاندی کی تھالی اٹھا کر اس نے اس میں پلاؤ زردہ اور قورمہ ڈالنا شروع کر دیا موٹی باورچن نے بڑی

حیرت سے دیکھا کہ میز پر سے اچانک ایک تھالی غائب ہو گئی ہے اور پھر زردہ، قورما اور پلاؤ بھی غائب ہونا شروع ہو گیا ہے وہ آنکھیں مل مل کر تکنے لگی مگر اسے نہ تو ماریا نظر آ سکتی تھی اور نہ قورما اور زردہ۔

ماریا نے زردے پلاؤ سے بھری ہوئی تھالی اٹھائی اور نوکرانی کی کوٹھڑی میں آ گئی نوکرانی اپنے بھوکے بچے کو بہلانے کی کوشش کر رہی تھی اس نے نوکرانی کے سامنے زردے پلاؤ کی تھالی رکھ دی اور کہا۔

اے نیک دل عورت اسے کھا اور بچے کو بھی کھلا خدا کا شکر ادا کر اس نے تیرے لیے اپنی یہ نعمتیں بھیجی ہیں میں جنت کی پری ہوں اور تمہارے لئے خدا کے حکم سے یہ نعمتیں لائی ہوں۔

بے چاری نوکرانی تو زردے پلاؤ کی تھالی دیکھ کر دنگ رہ گئی وہ تو ڈر گئی

ماریا نے کہا۔

ڈرو نہیں۔ اسے کھاؤ اور بچے کو بھی کھلاؤ۔

نوکرانی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اے پری میں ڈرتی ہوں اگر موٹی باورچن کو معلوم ہو گیا تو وہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی وہ مجھے اس شہر سے نکلوا دے گی۔

ماریا نے کہا۔

تم بالکل فکر نہ کرو، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں میں یہ کھانا اس کے پاس سے نہیں لائی تم آرام سے اسے کھاؤ اور بچے کو کھلاؤ۔

نوکرانی نے کہا۔

مگر یہ کھانا اور تھالی تو ہمارے ہی باورچی خانے کی ہے۔

ماریا بولی۔

تو پھر کیا ہوا کسی کو کیا خبر کہ تم نے کیا کھایا ہے زیادہ باتیں بنا کر وقت ضائع نہ کرو تمہارے بچے کو بھی بے حد بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا شروع کرو میں پھر آؤں گی۔

ماریا نوکرانی کی کوٹھڑی سے چلی گئی۔

وہاں سے نکل کر وہ سیدھی باورچی خانے میں آئی اب اس کی بھوک بھی خوب چمک اٹھی تھی وہ بھی کچھ نہ کچھ کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھانا چاہتی تھی باورچی خانے میں باورچیوں کی سردار موٹی عورت اپنے سامنے ایک طشت زردے، پلاؤ، بریانی اور بھنی ہوئی چھ بطخوں سے بھرا رکھے کھانے کی تیاریاں کر رہی تھی ماریہ بھی اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی باورچن نے جس بوٹی کو پسند کر کے اسے ہاتھ میں اٹھا کر کھانا چاہا ماریہ نے اسی کو تھالی میں سے پکڑ کر اٹھا لیا بطخ کی بوٹی غائب ہوگئی باورچن بڑی تعجب سے آگئی کہ یہ بوٹی کہاں چلی گئی؟ اس نے مرغ کی ٹانگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ماریا نے وہ ٹانگ بھی طشت میں سے اٹھا کر کھانی شروع کر دی باورچن کی تو عقل گم ہو کر رہ گئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اب ماریا نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ بڑھایا اور طشت کے کھانے پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔

باورچن چیخ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

کوئی بھوت میرا کھانا کھا رہا ہے پکڑو، دوڑو، کوئی بھوت میرا کھانا کھائے جا رہا ہے۔

کنیزوں اور نوکرانیوں نے آگے بڑھ کر موٹی باورچن کے گرد گھیرا ڈال دیا مگر ماریا کو اس کی ذرا پرواہ نہ تھی وہ تو اس گھیرے کے درمیان سے بھی آگے بڑھ کر کھانا کھا سکتی تھی آخر میں ماریا کو شرارت سوجھی اور اس نے شوربے کا پیالہ اٹھا کر موٹی باورچن کے اوپر انڈیل دیا۔

جادو کا تعویذ

باورچن چیختی چلاتی وہاں سے بھاگ گئی۔

ماریا کو باورچن کی درگت دیکھ کر بڑی ہنسی آئی خوب پیٹ بھر کر کھانے کے بعد وہ شاہی حرم میں آ گئی یہاں وہ سیدھی ملکہ کے کمرے میں پہنچی ملکہ کھانا کھانے کے بعد مسہری پر لیٹی آرام کر رہی تھی اس کے پہلو میں ولی عہد شہزادہ لیٹا ہوا سو رہا تھا نوکرانی کمالا بانسری بجا کر اٹھتے ہوئے بولی۔

ملکہ عالیہ، شہزادہ گہری نیند سو گیا ہے اگر حضور کی اجازت ہو تو میں بھی جا کر تھوڑی دیر آرام کر لوں۔

ملکہ نے کہا۔

ہاں کمالا! تو بھی بہت تھک گئی ہے اب تو جا کر آرام کر تو میرے بچے کی بہت خدمت کرتی ہے سارا دن بانسری بجا بجا کر اسے خوش رکھتی ہے میں تجھے بہت انعام و اکرام دوں گی۔

مکار کمالا نے کہا۔

ملکہ سلامت مجھے کسی انعام و اکرام کی ضرورت نہیں میں تو بس حضور کو اور شہزادے صاحب کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں مجھے آپ کو خوش دیکھ کر ہی خوشی مل جاتی ہے بس میرا سب سے بڑا انعام یہی ہے۔

ملکہ بولی۔

نہیں نہیں کمالا، تو میری سب سے بہترین خادمہ ہے........سب سے وفادار نوکرانی ہے میں تیری خدمت کو کبھی نہیں بھلاؤں گی اب تو جا کر بے شک آرام کر شہزادہ سو رہا ہے؟

کمالا نے جھک کر کہا۔

خدا حافظ ملکہ سلامت۔

خدا حافظ کمالا۔

نوکرانی باہر چلی گئی اب کمرے میں سوائے ملکہ ماریا اور شہزادے کے اور کوئی نہیں تھا شہزادہ سو رہا تھا ملکہ بھی سونے کی کوشش کر رہی تھی اس سے بہتر موقع ماریا کو نہیں مل سکتا تھا اس نے ملکہ کی مسہری کے قریب جا کر سرگوشی میں کہا۔

ملکہ سلامت میری آواز پر گھبرانا نہیں..........میں آسمان کی ایک نیک روح ہوں میں تمہاری مدد کے لئے یہاں آئی ہوں۔

ملکہ آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اسے کمرے میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا اس نے حیرانی سے پوچھا۔

کون..............کون ہو تم۔

ماریا نے بڑی نرم آواز میں کہا۔

ملکہ سلامت میں ایک نیک روح ہوں اور آسمانوں سے آپ کی مدد کے لئے آئی ہوں میں آپ کی دوست ہوں..........دشمن نہیں ہوں۔

ملکہ نے کہا۔

مگر..........مگر تم میری کیا مدد کرنے آئی ہو مجھے مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے میں تو اس ملک کی ملکہ ہوں۔

ماریا نے کہا۔

یہ مت کہو ملکہ کہ آپ کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے ٹھیک ہے آپ ملکہ ہیں مگر آپ کو وہ کچھ معلوم نہیں جو مجھے معلوم ہے آپ اس وقت چاروں طرف سے سخت مصیبت میں گھر گئی ہیں۔

ملکہ نے چونک کر کہا۔

کیا مطلب۔؟

مطلب یہ کہ آپ کے خلاف ایک زبردست سازش ہو رہی ہے۔

میرے خلاف۔

ماریا نے کہا۔

ہاں آپ کے اور آپ کے ولی عہد شہزادے کے خلاف۔

ملکہ نے کہا۔

یہ .... یہ تم کیا کر رہی ہو اے آسمانی روح۔

میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ملکہ سلامت، آپ کے ولی عہد پر اس سے پہلے بھی قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے کیا آپ کو معلوم ہے ناں۔؟

ملکہ بولی۔

ہاں مجھے معلوم ہے۔

ماریا نے کہا۔

تو پھر یہ سمجھ لیں کہ ایک سازش آپ کے بچے کے خلاف اور ہو رہی

ہے یہ سازش بڑی ہی خطرناک ہے۔

مگر کون سازش کر رہا ہے میرے بچے کے خلاف۔؟

آپ کے دشمن، آپ کے وطن کے دشمن جو لوگ آپ کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے شاہی خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دینا چاہتے ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ اس ملک پر آپ حکومت کریں

کون ہیں وہ لوگ۔؟

وہی جن قوم کے گوریلے جو اس ملک کے چپے چپے پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے پھرتے ہیں۔

ملکہ نے کہا۔

مگر ہم نے تو ان کی سرغنہ عورت کو گرفتار کر لیا تھا، وہ تو زہر کھا کر خودکشی بھی کر چکی ہے۔

ماریا نے کہا۔

ٹھیک ہے ملکہ سلامت مگر وہ اکیلی ہی آپ کی دشمن نہیں ہے اس شہر میں دوسرے لوگ بھی ہیں جو آپ کے خلاف منصوبے اور خطرناک سازشیں بنا رہے ہیں۔

ملکہ نے کہا۔

کون ہیں وہ لوگ۔؟

ماریا بولی۔

ان میں سے ایک تو یہ آپ کی نوکرانی کملا بھی ہے۔

ملکہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔

یہ غلط ہے یہ جھوٹ ہے کملا ایسا نہیں کر سکتی وہ میرے شہزادے سے اتنا ہی پیار کرتی ہے جتنا پیار میں کرتی ہوں وہ تو صبح سے لے کر شام تک اسے کھلاتی رہتی ہے تم جھوٹ بول رہی ہو تم آسمانی روح نہیں ہو تم ضرور کوئی جھوت پریت ہو یا کوئی بھٹکی ہوئی بدروح ہو یہاں سے

بھاگ جاؤ نہیں تو میرے پاس ایسے شاہی منتر ہیں کہ اگر میں نے انہیں پڑھ دیا تو تم بھسم ہو کر ختم ہو جاؤ گی۔

ماریا بڑی پریشان ہوئی کہ اس پگلی ملکہ کو کیا ہو گیا ہے......اسے اپنی بھلائی برائی کا کچھ پتہ ہی نہیں اس نے کہا۔

ہوش کی دوا لو ملکہ سلامت تمہاری آنکھوں پر لوگوں نے پٹی باندھ دی ہے کملا تمہارے خاندان کی سب سے بڑی دشمن ہے اس کا ایک خوفناک ساتھی ارژنگ ہے جو شہر میں سانپ کے کاٹے کا علاج کرتا ہے اس کی تجویز سے یہ بانسری محل میں بھجوائی گئی ہے اس بانسری میں کوئی بڑا ہی بھیانک راز چھپا ہوا ہے۔

ملکہ نے پوچھا۔

کیا ہے وہ راز۔؟

ماریا نے کہا۔

کاش مجھے خود معلوم ہوتا افسوس یہی ہے کہ مجھے خود نہیں معلوم کہ یہ لوگ بانسری سے کون سا خطرناک کام لینا چاہتے ہیں۔

ملکہ نے ہنس کر کہا۔

اگر تمہیں بھی معلوم نہیں کہ بانسری کا خطرناک راز کیا ہے تو پھر تم کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتی تم جھوٹی ہو تم مکار ہو اور کمالا کی دشمن ہو، اگر تم فوراً یہاں سے نہ گئیں تو میں منتر پڑھ کر تجھے ہلاک کر ڈالوں گی بھاگ جا یہاں سے اے بدروح ورنہ میں تمہارے ساتھ بڑا بھیانک سلوک کروں گی۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ ملکہ پوری طرح کمالا کے جادو میں آ چکی ہے کمالا نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس پر جادو کر دیا ہے اور وہ اس کی برائی سننے پر کسی صورت بھی تیار نہیں ہو رہی تھی اس نے آخری بار کہا۔

ملکہ سلامت تم اپنے بچے کو اگر خطرے میں ڈالنا چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اس ملک کے لئے اس ملک کے عوام کے لئے اور شاہی خاندان کو بچانے کے لئے تمہیں میری باتوں کو غور سے سننا ہوگا ابھی حکم دو کہ کمالا کو گرفتار کر لیا جائے اور ارژنگ کے مکان پر چھاپہ مار کر اسے بھی پکڑ کر دربار میں حاضر کیا جائے۔

ملکہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

خبردار، جو تم نے ایک لفظ بھی میری وفادار خادمہ کے خلاف زبان سے نکالا! یہاں سے دور ہو جا..........

ماریا نے سوچا کہ ملکہ پاگل ہو گئی ہے کمالا نے ضرور کوئی تعویذ پانی میں گھول کر اسے پلا دیا ہے وہ چپکے سے ملکہ کے کمرے سے باہر نکل گئی اس نے سوچا کہ یہاں سے سیدھا بادشاہ ٹوماٹیو سے جا کر ملا جائے اس لئے کہ بادشاہ اس کی بات ضرور سنے گا مکار کمالا کا جادو اس پر نہیں چلا ہوگا۔

لیکن مکار کمالا نے ماریا کی ساری باتیں سن لی تھیں وہ سمجھ گئی کہ کوئی بد روح اس کا پیچھا کر رہی ہے اس کے پاس جادوگرنی کا دیا ہوا ایک تعویذ تھا جسے اگر پانی میں گھول کر پلا دیا جائے تو آدمی پلانے والے کا غلام ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سن سکتا کمالا نے یہی تعویذ ملکہ چیلن کو پلا رکھا تھا اب وہ ایک اور تعویذ لے کر بڑی تیزی سے بادشاہ کے کمرے کی طرف بڑھی وہ بدروح کے پہنچنے سے پہلے پہلے بادشاہ کے پاس جا کر اسے کسی نہ کسی طرح وہ تعویذ پلا دینا چاہتی تھی تاکہ ماریہ کی باتوں کا اس پر بھی کوئی اثر نہ ہو وہ جس وقت بادشاہ کے کمرے میں پہنچی تو بادشاہ اس وقت کھانا کھا رہا تھا اس کا وزیر اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

کمالا نے تعویذ اس گلاس میں چپکے سے گھول دیا جس میں بادشاہ نے پانی پینا تھا پھر خود سونے کے جگ میں سے اس نے پانی ڈال کر بادشاہ کی طرف بڑھی بادشاہ نے مسکرا کر مکار عورت کی طرف دیکھا اور کہا۔

تم کو ہمارا کس قدر خیال رہتا ہے کمالا، میں تم سے بڑا خوش ہوں۔

کمالا نے کہا۔

حضور کی عمر دوگنی ہو اور حضور کا خاندان رہتی دنیا تک چین پر حکومت کرتا رہے میری تو زندگی کی سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ میں آپ کے خاندان کی خدمت کرتی رہوں۔

جس وقت ماریا بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوئی اس وقت بادشاہ تعویذ ملا پانی پی رہا تھا ماریہ کو فوراً احساس ہو گیا کہ مکار کمالا اپنا کام کر چکی ہے اب اس کی باتوں کا بادشاہ پر بھی کوئی اثر نہ ہو گا پھر بھی اس نے سوچا کہ بادشاہ اگر اکیلا ہو تو اسے خطرے سے آگاہ کر دیا جائے کھانا کھانے کے بعد وزیر اور کمالا سلام کر کے چلے گئے بادشاہ کمرے میں اکیلا رہ گیا ماریہ بڑی خاموشی سے بادشاہ کے قریب آئی اور اس

نے بڑی نرم آواز میں کہا۔

فوما نچو، میری آواز پہچانتے ہو؟

بادشاہ نے تعجب سے اوپر دیکھ کر کہا۔

کون؟

میں تمہاری ماں کی روح ہوں بیٹے۔

یہ خیال ماریا کو اسی وقت آیا تھا کہ کیوں نہ وہ فوما نچو سے اس کی ماں کی روح بن کر بات کرے اس طرح ہوسکتا ہے اس پر اثر ہو جائے فوما نچو ایک دم سجدے میں گر پڑا کیونکہ پرانے چین کے لوگ اپنے ماں باپ کی روحوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور جانتے تھے کہ ان کے ماں باپ کی روحیں اگر چاہیں تو اپنے بچوں سے آکر مل سکتی ہیں بادشاہ نے کہا۔

اے نیک ماں، میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ تم نے جنت سے اتر کر میری عزت بڑھائی اور اپنے بچے سے ملنے آئی میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

ماریا نے کہا۔

بیٹے تم میری یہی خدمت کر سکتے ہو کہ اپنے خاندان کی حفاظت کرو اپنی اولاد کو تباہی اور بربادی سے بچائے رکھو اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرو۔

بادشاہ نے کہا۔

پیاری ماں میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے میں نے ہمیشہ اپنے باپ دادا کے نام کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے خاندان کی حفاظت کی ہے۔

ماریا بولی۔

مگر بیٹا، اس وقت تمہارے بچے کی زندگی خطرے میں ہے۔

نے بڑی نرم آواز میں کہا۔

فومانچو، میری آواز پہچانتے ہو۔؟

بادشاہ نے تعجب سے اوپر دیکھ کر کہا۔

کون؟

میں تمہاری ماں کی روح ہوں بیٹے۔

یہ خیال ماریا کو اسی وقت آیا تھا کہ کیوں نہ وہ فومانچو سے اس کی ماں کی روح بن کر بات کرے اس طرح ہو سکتا ہے اس پر اثر ہو جائے فومانچو ایک دم سجدے میں گر پڑا کیونکہ پرانے چین کے لوگ اپنے ماں باپ کی روحوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور جانتے تھے کہ ان کے ماں باپ کی روحیں اگر چاہیں تو اپنے بچوں سے آ کر مل سکتی ہیں بادشاہ نے کہا۔

اے نیک ماں، میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ تم نے جنت سے اتر

کر میری عزت بڑھائی اور اپنے بچے سے ملنے آئی میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

ماریا نے کہا۔

بیٹے تم میری یہی خدمت کر سکتے ہو کہ اپنے خاندان کی حفاظت کرو اپنی اولاد کو تباہی اور بربادی سے بچائے رکھو اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرو۔

بادشاہ نے کہا۔

پیاری ماں میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے میں نے ہمیشہ اپنے باپ دادا کے نام کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے خاندان کی حفاظت کی ہے۔

ماریا بولی۔

مگر بیٹا، اس وقت تمہارے بچے کی زندگی خطرے میں ہے۔

کیا کہا ماں میرے شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے اس کے خلاف لوگ بڑی بڑی سازشیں کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

ماں وہ کون لوگ ہیں جو میرے بچے کے خلاف میری اولاد کے خلاف سازش کر رہے ہیں مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔

میں انہیں قتل کروادوں گا جو لوگ سازش کر چکے ہیں وہ مر گئے ہیں اب تو اس شہر میں میرا کوئی بھی دشمن باقی نہیں بچا۔

یہ تمہارا وہم ہے بیٹا ابھی اس شہر میں تمہارے بے شمار دشمن ہیں جو تمہارے خاندان کو تباہ کر کے خود چین کے تخت پر بیٹھنا چاہتے ہیں جو تمہارے بچے کو قتل کر کے تمہارے تخت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

بادشاہ نے گرج کر کہا۔

مجھے ان کے نام بتاؤ ماں،، میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا ماریہ نے

جب دیکھا کہ لوہا گرم ہے تو اس پر جھٹ کہا۔

تمہارے بچے کی سب سے بڑی دشمن اس وقت تمہاری نوکرانی کمالا ہے۔

بادشاہ نے سر ہلا کر کہا۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ماں کمالا میری بڑی وفادار نوکرانی ہے جتنا اسے میرے خاندان کے بچوں سے پیار ہے اتنا پیار تو مجھے بھی نہیں، وہ تو ملکہ سے بڑھ کر میرے بچے کی خدمت کرتی ہے تمہیں غلطی لگی ہے ماں کمالا ایسی نہیں ہے۔

ماریہ نے کہا۔

میری بات پر بھروسہ کرو نا ماں نچو یہ عورت تمہاری اور تمہارے خاندان کی جانی دشمن ہے اسے فوراً قتل کروا دو ورنہ تمہیں شہزادے کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

بادشاہ نے سخت لہجے میں کہا۔

ماں، میں کمالا کے خلاف اسی طرح ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا جس طرح میں تمہارے خلاف کسی کی زبان سے ایک لفظ نہیں سن سکتا۔

ماریا ناامید ہوگئی پھر اس نے ارژنگ کے بارے میں بادشاہ سے کہا۔

تو پھر تم ایسا کرو کہ شہر میں ارژنگ کو جا کر گرفتار کر لو وہ تو تمہارا ایران دشمن ہے اس نے تو تمہارے بچے کو پہلے بھی ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔

کہاں ہے وہ میرا دشمن اسے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا،

ماریا نے بادشاہ کو ارژنگ کا مکمل پتہ بتا دیا۔

ارژنگ کو اذیت دے کر پوچھو وہ تمہیں کمالا کے بارے میں سب کچھ بتا دے گا یہ دونوں آپس میں مل کر ولی عہد کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

اور اگر ارژنگ نے کچھ نہ بتایا تو پھر میں یہ کہوں گا کہ ماں کو تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں ابھی ارژنگ کو گرفتار کروا کر اپنے دربار میں پیش کرتا ہوں۔

ماریا خاموش ہوگئی اس کی یہ چال بھی ناکام ہوگئی تھی اس نے صرف اتنا کہا۔

اچھا بیٹا جب تم ارژنگ کو گرفتار کر لو گے تو میں پھر تمہارے پاس آؤں گی خدا حافظ۔!

بادشاہ نے اسی وقت وزیر کو بلا کر حکم دیا کہ شہر میں جا کر ارژنگ کے مکان کا گھیرا ڈال کر اسے گرفتار کر کے پیش کیا جائے لیکن کمالا بڑی مکار تھی اس نے اسی وقت ارژنگ کو اپنے ایک جاسوس کے ذریعے خبر کر دی تھی کہ وہ وہاں سے بھاگ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے چنانچہ جس

وقت شاہی فوج اس کے گھر میں پہنچی تو وہاں سوائے ٹوٹے پھوٹے مرتبانوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا زہریلے سانپ بھی ارژ تنگ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

قبرستان کی رات

شہر سے باہر ٹیلے پر ایک پرانا قبرستان تھا۔

ارژ تنگ نے شہر سے بھاگ کر اس قبرستان میں پناہ لی اس نے تمام سانپوں کے مرتبان توڑ دیے اور سانپوں کو دریا میں بہا دیا لیکن سب

سے زہریلا وہ سانپ اپنے پاس مرتبان میں بند رکھا جس کو اس نے اور کمالا نے بانسری کی آواز پر لگا رکھا تھا ارژ تنگ کے لیے دشمن کے شہر میں یہ آخری معرکہ تھا اسے معلوم تھا کہ اگر اس دفعہ وہ اپنی مہم میں ناکام ہو گیا تو پھر وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا۔

قبرستان غیر آباد تھا، وہاں پر نئے مردوں کو دفن نہیں کرتے تھے کیونکہ زمین کے اندر شورہ پیدا ہو گیا تھا ارژ تنگ نے ایک پرانی قبر کھود کر مردے کی ہڈیاں باہر پھینکیں اور خود اس کے اندر ڈیرا جما کر بیٹھ گیا کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ارژ تنگ قبر کے اندر رہ رہا ہے پہلی رات اسے قبر کے اندر لیٹے لیٹے ڈر لگا اسے مردے کا چہرہ اپنے اوپر جھکا ہوا محسوس ہوا مگر اس نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور دوسری رات وہ بڑے آرام سے سویا رہا اس نے اپنے جاسوس کے ہاتھ کمالا کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے قبرستان میں آ کر ملے

.... کیونکہ وہ قبر سے باہر نہیں نکل سکتا کمالا کو اس کی اطلاع ملی تو وہ ارژنگ سے ملاقات کرنے چل پڑی۔

مکار کمالا نے اپنے آپ کو سیاہ لبادے میں چھپا رکھا تھا اگرچہ ماریا اسی جگہ شاہی محل کے ارد گرد منڈلایا کرتی تھی مگر کمالا اس ہوشیاری کے ساتھ وہاں سے نکلی کہ ماریہ کو بھی خبر نہ ہو سکی وہ سیدھی قبرستان میں آ گئی اور اس نے قبروں میں ارژنگ کو تلاش کرنا شروع کر دیا آخر وہ اسے ایک قبر کے اندر مل گیا جونہی ارژنگ نے کمالا کو دیکھا وہ جلدی سے باہر آ گیا قبرستان میں رات کا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا

ارژنگ نے کمالا سے پوچھا۔

وہ کون روح تھی جس نے تم سے اور ملکہ سے باتیں کی تھیں؟ کمالا نے اسے حال سنا ڈالا ارژنگ نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

ہو نہ ہو یہ وہی ماریہ ہے جو اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کی تلاش میں یہاں آئی ہوئی ہے اسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے وہ خود تو سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا کیا اسے خبر نہیں کہ ناگ اور عنبر بھی وہیں شاہی محل میں رہتے ہیں۔؟

کمالا بولی۔

میرا خیال ہے کہ ابھی تک اسے یہ خبر نہیں ہوئی کیونکہ میں نے عنبر اور ناگ کو کل ہی ماریا کے بارے میں فکر کا اظہار کرتے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ خدا جانے ماریہ کہاں ہے کس حال میں ہے۔؟

ٹھیک ہے لیکن اس عورت کا محل میں آ جانا کوئی اچھی بات نہیں ہے یہ اسی کی مخبری کا نتیجہ ہے کہ آج میں اپنا شہر والا مکان چھوڑ کر یہاں قبرستان کے اندر پڑا ہوں۔

کمالا نے کہا۔

اب مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہے وقت بہت کم رہ گیا ہے ماریہ کا حملہ ملکہ اور

بادشاہ پر میں نے بے اثر کر دیا ہے مگر کل کی کوئی خبر نہیں ہو سکتا ہے ملکہ پر میرے تعویذ کا اثر جاتا رہے اور کل اس پر ماریا کی باتوں کا جادو چل جائے پھر میری جان کی خیر نہیں ہے۔

ارژنگ نے کہا۔

اگر ایسا ہو گیا تو بادشاہ کبھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

اسی لئے تو میں تمہیں ملنے آئی ہوں کیا تم سانپ اپنے ساتھ لے آئے ہو؟

ہاں، میں نے سارے سانپ دریا میں پھینک دیے ہیں مگر زہریلا بانسری والا سانپ اپنے ساتھ لایا ہوں تم یہ بتاؤ کہ تم نے ولی عہد شہزادے پر بانسری کی مشق پوری کر لی ہے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر سانپ چھوڑا گیا تو وہ بانسری کی آواز پر سیدھا ولی عہد شہزادے کے کمرے میں چلا جائے گا؟

کمالا نے کہا۔

کیوں نہیں جائے گا میں نے سانپ اور بانسری دونوں پر بڑی محنت کی ہے دن رات میں کئی کئی بار میں نے کمرے میں جا کر بانسری بجائی ہے بہتر ہے کہ تم کل کسی وقت رات کو سانپ لے کر محل کے باہر پچھلی دیوار والی کھڑکی کے نیچے آ جاؤ جوں ہی میں بانسری بجانی شروع کروں تم سانپ کو مرتبان میں سے باہر نکال دو وہ اپنے آپ بانسری کی آواز پر شہزادے کے کمرے میں آ جائے گا اور پھر اس کا کام تمام کر دے گا۔

ارژنگ نے تشویش سے کہا۔

کمالا، اگر سانپ اوپر جانے میں ناکام رہا تو پھر کیا ہوگا؟

کمالا بولی۔

تم اس رات محل کے نیچے گھوڑا لے کر موجود رہنا اگر سانپ نے شہزادے کو نہ ڈسا تو بھی اور اگر ڈس لیا جب بھی میں کھڑکی میں سے رسی کے ذریعے نیچے آ جاؤں گی اور تمہارے ساتھ وہاں سے بھاگ جاؤں گی کیونکہ اس کے بعد میرا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا سانپ نے شہزادے کو ڈس لیا تو بھی بانسری کا راز فاش ہو جائے گا اگر سانپ نے شہزادے کو نہ کاٹا تو میں خود اسے زہر دے دوں گی اس کے بعد بھی مجھے وہاں سے بھاگنا ہی پڑے گا بہر حال تم محل کے نیچے گھوڑا لیے میری راہ دیکھنا۔

ارژنگ بولا۔

فکر نہ کرو، میں وہاں پر موجود رہوں گا اب تم جاؤ مگر ذرا ہوشیار ہو کر جانا ہو سکتا ہے کوئی جاسوس تمہارا تعاقب کر رہا ہو میں کل رات ستارہ زہرہ کے طلوع ہوتے ہی محل کی پچھلی کھڑکی کے نیچے آ جاؤں گا۔

کملا نے پوچھا۔

مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ تم پہنچ گئے ہو؟

ارژنگ بولا۔

میں محل کے نیچے آتے ہی ایک مشعل روشن کروں گا اس مشعل کی روشنی تمہیں نیچے کھائی کی جھاڑیوں میں نظر آ جائے گی میں مشعل کو چار مرتبہ ہلاؤں گا اس کے ساتھ ہی تم بانسری بجانا.........تمہاری بانسری بجانے کی آواز پر میں سانپ کو چھوڑ دوں گا تم میری بات کو اچھی طرح سمجھ گئی ہو ناں۔؟

ہاں ارژنگ میں تمہاری ایک ایک بات کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں اب میں جاتی ہوں کل رات ستارہ زہرہ کے آسمان پر نکلتے ہی میں شہزادے کے کمرے کی کھڑکی پر آن کھڑی ہوں گی اور تمہاری مشعل کی روشنی کا انتظار کروں گی۔

ٹھیک ہے اب تم جلدی سے واپس چلی جاؤ۔

کمالا قبروں میں سے نکل کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔

کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی کہ کمالا شاہی محل سے نکل کر قبرستان میں جا کر ارژنگ سے ملاقات کر آئی ہے وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ پیدل چلتی محل کے پچھلی جانب پہنچی وہاں اس نے کالے رنگ کے رسے کی ایک سیڑھی لٹکا رکھی تھی اس سیڑھی پر چڑھ کر وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہو کر اندر چلی گئی کمالا کی بات تو یہ تھی کہ اس نے ماریا کو بھی دھوکہ دے دیا تھا جو ہر وقت شاہی محل کے دروازے پر منڈلاتی رہتی تھی۔

ماریا رات کو محل کے اندر اوپر والی بارہ دری میں سوتی تھی اور دن کو موتی باورچن کے باورچی خانے میں جا کر خوب مزے سے کھانا کھاتی پھر وہ کمالا کا تعاقب شروع کر دیتی اور رات کو بارہ دری میں جا کر سو جاتی

کمالا رات ہی کو شاہی محل سے نکل کر باہر گئی اور ماریا کو خبر تک نہ ہوئی کمالا چپکے سے جا کر سو گئی اور دوسرے دن کا انتظار کرنے لگی سارا دن وہ ملکہ کے پاس بیٹھی اس کی خدمت کرتی رہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو شک بھی ہو کہ اس کے دل میں کیا ہے اس روز کمالا نے شہزادے سے بھی بہت پیار کیا شاید اس خیال سے بھی کہ اسے معلوم تھا یہ شہزادے کا آخری دن ہے۔

شام ہو گئی۔

پھر رات کا اندھیرا پھیل گیا وہ شہزادے کے کمرے میں آ گئی ملکہ نے شہزادے کو پیار کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی دو کنیزیں شہزادے کے آس پاس بستروں پر سونے لگیں تو کمالا نے انہیں یہ کہہ کر وہاں سے چلتا کیا کہ شہزادے کی صحت پر ان کے خراٹوں کی آواز کا برا اثر پڑتا ہے ویسے بھی وہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ کمالا کے حکم کے آگے سر

اٹھا سکے تو کراتیاں کمرے سے چلی گئیں کمالا نے شہزادے کو سلا دیا اور خود کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

آدھی رات کو اس نے آسمان کی طرف دیکھا وہاں سے ستارہ زہرہ نمودار ہونا شروع ہوا تو کمالا محل کی کھڑکی سے نیچے کھائی میں دیکھنے لگی وہاں اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا ادھر ارژنگ بھی قبر سے نکل کر چھپتا چھپاتا رات کو گشت کرنے والے سپاہیوں اور پہریداروں کی نظروں سے بچتا محل کی پچھلی دیوار والی کھڑکی کے نیچے پہنچ گیا تھا

ارژنگ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا.............کیوں کہ وقت پورا ہو گیا تھا اس نے ایک چھوٹی سی مشعل نکال کر اسے آگ دکھائی مشعل روشن ہوئی تو جھاڑیوں کے پیچھے اس نے وہ چار مرتبہ لہرایا اس کے بعد اس نے مشعل کو بجھا کر جھاڑیوں میں پھینک دیا۔

کھڑکی میں بیٹھی ہوئی کمالا نے جوں ہی مشعل کی روشن کو کھائی میں

چار مرتبہ لہراتے دیکھا فوراً اس نے بانسری کی آواز پر کان لگائے بیٹھا تھا جوں ہی اس نے بانسری کی آواز سنی فوراً زہریلے سانپ والا مرتبان نکال کر اس کے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا یہ وہ سانپ تھا جو بانسری کی ایک خاص دھن پر لگا ہوا تھا اسے عادت ڈال دی گئی تھی کہ جوں ہی بانسری کی خاص دھن بجے وہ باہر آ کر اس کی طرف چلنا شروع کر دے۔

سانپ مرتبان کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

جوں ہی اس نے بانسری کی آواز سنی سانپ نے آہستہ آہستہ مرتبان سے باہر آنا شروع کر دیا ارژنگ اسے بالکل کھڑکی کے نیچے لے کر بیٹھا ہوا تھا اوپر مکار کمالا بھی کھڑکی کے باہر منہ کر کے بانسری بجا رہی تھی سانپ نے مرتبان میں سے نکل کر بانسری کی آواز کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا وہ دیوار پر رینگتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا ارژنگ

نے مرتبان کھائی میں پھینک دیا تھا اور خود درختوں کے نیچے گھوڑوں کے پاس کھڑا تھا وہ اپنے ساتھ ایک گھوڑا کمالا کے لئے فالتو لایا تھا سانپ کھڑکی کے پاس پہنچ گیا تھا کمالا اوپر کھڑکی میں بیٹھی برابر بانسری بجا رہی تھی اب کمالا نے بھی سانپ کو دیوار پر اوپر چڑھتے دیکھ لیا تھا سانپ کھڑکی کے پاس آ گیا کمالا بانسری بجاتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ سانپ کھڑکی میں آ کر رک گیا اس نے اپنا پھن اٹھا کر کمرے کے اندر دیکھا اور چپکے سے نیچے اتر کر جدھر سے بانسری کی آواز آ رہی تھی ادھر کو چلنے لگا۔

اب ذرا ماریا کا حال بھی سنیں کہ وہ کہاں ہے۔

ماریا اپنی بارہ دری میں لیٹی ہوئی عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچ رہی تھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی کیونکہ گرمی اور مچھر بہت تھے وہ اٹھ کر محل کی دیوار کے اوپر ٹہلنے لگی اچانک اسے بانسری کی آواز سنائی دی

وہ چونکی ہوئی کیونکہ یہ اسی بھیانک اور منحوس بانسری کی آواز تھی جس کے بارے میں ماریا نے ارژنگ اور ورشا کی زبانی بہت کچھ سن رکھا تھا اور جس کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ یہ ولی عہد شہزادے کو ہلاک کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

ماریا جلدی سے بارہ دری سے نیچے آ گئی اس نے محسوس کیا کہ بانسری کی آواز اس طرف سے آ رہی ہے جس طرف ولی عہد شہزادے کا کمرہ ہے ماریا ایک پل ضائع کئے بغیر وہاں سے شہزادے کے کمرے کی طرف بھاگی راستے میں اس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر پہرے دار چوکس ہو کر بولا۔

کون ہے؟ بولو نہیں تو نیزہ مار دوں گا۔

ماریا پہرے دار کو نظر تو نہیں آ رہی تھی لیکن اس نے ماریا کے بھاگنے کی آواز صاف سن لی تھی ماریا خاموش ہو گئی اور دبے پاؤں آگے بڑھتے

گئی پہرے دار نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بڑا حیران ہوا کہ یہ آواز تھی یا اس نے جاگتے ہوئے کوئی خواب دیکھا تھا۔

ماریا جلدی جلدی غلام گردش میں آ گئی یہاں اندھیرا تھا صرف دور ایک لیمپ جل رہا تھا راستے میں موٹا پہریدار ڈھال سرہانے رکھے سو رہا تھا ماریہ کو اس پر بڑا غصہ آیا کیونکہ اس نے سارے راستے کو گھیر رکھا تھا ماریا چاہتی تھی کہ اس کے پیٹ پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے مگر یہ وقت مذاق اور دل لگی کا نہیں تھا کیوں کہ پہرے دار اٹھ کر شور مچا سکتا تھا۔ بانسری کی آواز برابر آ رہی تھی۔

ماریا اب شہزادے کے کمرے کے قریب آ چکی تھی اس نے کمرے کے دروازے پر کان لگا کر سنا بانسری کی آواز رک گئی تھی اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا اس نے پردہ ایک طرف ہٹایا تو اندر کا منظر دیکھ کر وہ کانپ گئی۔

شہزادہ اپنے پلنگ پر میٹھی نیند سو رہا تھا۔

ایک سیاہ کالا سانپ اپنا پھن پھیلائے شہزادے کے چہرے پر جھوم رہا تھا کمالا کھڑکی سے باہر رسی کی سیڑھی پر اتر رہی تھی ماریہ کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا اگر وہ بھاگ کر اندر جاتی ہے تو خطرہ ہے کہ سانپ گھبرا کر شہزادے کو ڈس نہ لے.......... اگر رک کر انتظار کرتی ہے تو ہو سکتا ہے سانپ پھر بھی اسے کاٹ لے ادھر کمالا کو گرفتار کرنا بھی بہت ضروری تھا۔

ماریا قدم بقدم آگے بڑھنے لگی اس نے دیوار پر لٹکی ہوئی تلوار نکال کر ہاتھ میں لے لی وہ آہستہ آہستہ چلتی سانپ کے پیچھے آ گئی غنیمت کی بات یہ تھی کہ وہ سانپ کو نظر نہیں آ رہی تھی مگر سانپ نے اس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا ماریہ پیچھے سے آ کر سانپ پر حملہ کرنے ہی والی تھی کہ سانپ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر لپک کر شہزادے ولی عہد

کی گردن پر ڈس دیا ماریہ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اس نے تلوار کا ایک ہی ہاتھ مار کر سانپ کے دو ٹکڑے کر دیے اور شور مچا دیا۔

شہزادے کو سانپ نے کاٹ کھایا............شہزادے کو سانپ نے کاٹ کھایا...........

ماریہ نے جھک کر کھڑکی میں دیکھا رسی کی سیڑھی پر کمالا نیچے اتر رہی تھی اس نے تلوار مار کر رسی کاٹ دی مگر کمالا زمین کے قریب پہنچ چکی تھی جھاڑیوں میں سے ارژنگ نے نکل کر اسے گھوڑے پر بٹھایا اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

شیر کی دھاڑ

شاہی محل میں ہر طرف ایک شور مچ گیا۔

ملکہ، بادشاہ وزیر اور درباری بھی شہزادے کے کمرے کی طرف بھاگے ماریہ کو یقین تھا کہ ولی عہد شہزادہ سانپ کے زہر سے بچ نہیں سکے گا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ شہزادے کے قاتلوں کا پیچھا کرے گی تا کہ انہیں گرفتار کر کے سزا تو دلائی جا سکے اس نے شاہی محل سے نکل کر ایک گھوڑا پکڑا اور جس طرف ارژنگ اور کمالا وغیرہ گئے تھے ادھر کو روانہ ہو گئی رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا ارژنگ اور کمالا خدا جانے کس طرف غائب ہو گئے تھے مگر ماریہ اندازے سے مطابق ایک ویران سڑک پر جنگل میں گھوڑا سرپٹ دوڑائے بھاگی جا رہی تھی۔

ادھر محل میں شہزادے کو سانپ کاٹنے کی خبر عنبر اور ناگ کو بھی لگی ناگ اسی وقت عنبر کو ساتھ لے کر شہزادے کے کمرے میں آ گیا غم کے مارے ملکہ تو بے ہوش ہو چکی تھی بادشاہ سر جھکائے بیٹھا تھا درباری اداس تھے ننھا شہزادہ پلنگ پر پڑا آخری سانس لے رہا تھا سانپ کا زہر اپنا اثر کر چکا تھا اب اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی شاہی حکیم اس کے اوپر جھکے ہوئے اپنا اپنا زور لگا رہے تھے مگر سب نا کام ہو گئے ناگ نے اندر داخل ہوتے ہی ولی عہد شہزادے کو غور سے دیکھا اور اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں زہریلے سانپ نے کاٹا تھا ناگ نے شاہی حکیموں کو پرے ہٹا دیا شہزادے کی گردن کے زخم پر انگلی رکھی اور آنکھیں بند کر لیں شہزادے کا جسم نیلا پڑ گیا تھا اور سانس اکھڑنا شروع ہو گیا تھا اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی شاہی حکیم نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بیٹا، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

ناگ نے کہا۔

مجھے کوشش کر لینے دیجئے۔

دوسرے داڑھی والے حکیم نے کہا۔

بیٹا جہاں اتنے اتنے بڑے حکیم نا کام ہو گئے وہاں تم اس کا کیا علاج کرو گے سانپ بڑا زہریلا تھا زہر اپنا کام کر چکا ہے۔

ناگ نے حکیم کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

گھبرائیے نہیں حکیم جی سانپ کا سارا زہر ابھی باہر آ جائے گا اور شہزادہ پھر سے زندہ ہو جائے گا۔

شہزادے کا زندہ ہو جانے کی آواز سن کر بادشاہ نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

ناگ میری ساری دولت لے لو اور میرے بچے کو زندہ کر دو میں اپنی

ساری بادشاہت تمہارے قدموں میں رکھتا ہوں۔

ناگ نے کہا۔

بادشاہ سلامت، بے فکر رہیں، مجھے دولت کی ضرورت نہیں میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں مجھے فرض ادا کرنے دیں۔

ناگ نے سانپ کے کاٹنے کے زخم پر انگلی رکھ کر آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنا شروع کر دیا دیکھتے دیکھتے زخم کا منہ کھل گیا اور اس میں سے سبز رنگ کا زہر باہر بہنے لگا جوں جوں زہر باہر نکل رہا تھا شہزادے کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی اس کے بدن کی نیلاہٹ دور ہو رہی تھی اور اس کا سانس پھر سے ٹھیک چلنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہزادے کے جسم سے سارا زہر باہر نکل گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں ناگ پرے ہٹ گیا اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

لیجیے بادشاہ سلامت ولی عہد تندرست ہو گیا اب اگر اسے زندگی میں کبھی سانپ نے کاٹا تو اس پر زہر کا کبھی اثر نہیں ہوگا۔

بادشاہ نے ناگ کو گلے لگا لیا اور اپنے شہزادے کو چومتے ہوئے کہنے لگا۔

ناگ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر کبھی نہیں بھولوں گا۔

ملکہ کو ہوش میں آنے کے بعد جب یہ بتایا گیا کہ شہزادہ بالکل ٹھیک ہے تو خوشی کے مارے اس کا چہرہ لال ہو گیا اس نے اپنے شہزادے کو گلے سے لگا لیا اور ناگ کا بے حد شکریہ ادا کیا سارے حکیم حیران رہ گئے کہ اس نوجوان کے پاس ایسا کون سا جادو ہے کہ جس کی مدد سے اس نے شہزادے کے جسم سے سارا زہر نکال کر باہر پھینک دیا بادشاہ نے اپنے شاہی حکیموں کی طرف نفرت سے دیکھ کر کہا۔

تم سب لوگ احمق ہو اور میرے دربار میں بیٹھے روٹیاں توڑتے ہو

میں آج سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خبردار تمہیں دربار میں آنے کی اجازت نہیں گھر پر بیٹھے رہا کرو۔

شاہی حکیموں پر تو جیسے پٹی پڑ گیا ایک وید قرطاس تو بے حد جل کر رہ گیا اس نے اسی وقت دل میں عہد کر لیا کہ وہ اپنی اور سارے حکیموں کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے ناگ کو ضرور نیچا دکھا کر رہے گا خواہ اسے کتنی بڑی سازش ہی کیوں نہ کرنی پڑے اس وقت تو وہ بادشاہ کے حکم کے مطابق وہاں سے چلا گیا لیکن اس کے دل میں نفرت ....اور انتقام کا لاوا اندر ہی اندر کھولنا شروع ہو گیا۔

ناگ اور عنبر نے بادشاہ سے اجازت لی اور واپس اپنے کمرے میں آ گئے انہوں نے ماریہ کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے محسوس کیا جیسے ماریا شاہی محل میں آ چکی ہے مگر اتفاق سے ان سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکی۔

عنبر نے کہا۔

وہ ضرور شہزادے کے کمرے میں آئی تھی آخر شور کس نے مچایا کہ شہزادے کو سانپ نے ڈس لیا ہے اگر وہ وہاں موجود نہ ہوتی تو شہزادے کو کوئی نہ بچا سکتا اور پھر سانپ کو تلوار کے وار سے کس نے ٹکڑے ٹکڑے کیا؟ ضرور ماریا یہاں آئی ہے۔

ناگ نے کہا۔

اگر وہ آئی ہے تو پھر اب کہاں ہے؟

عنبر کہنے لگا۔

یہ سارا کام کمالا اور ارژنگ کا ہے انہوں نے ہی شہزادے کو سانپ سے ڈسوانے کی سازش کی جس کا ماریا کو پتہ چل گیا.......لیکن وہ اس وقت شہزادے کے کمرے میں پہنچی جب سانپ شہزادے کو ڈس چکا تھا اس نے کمالا کو باہر جاتے دیکھا ہوگا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر اس

کے تعاقب میں گئی ہے۔

ناگ نے کہا۔

تمہارا خیال مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے پر اب وہ کہاں ہوگی؟ کیا تمہارے خیال میں ہمیں ماریہ کے پیچھے اس کی مدد کو نہیں پہنچنا چاہیے خدا نہ کرے وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ارژنگ بڑا ظالم آدمی ہے اور کمالا بڑی مکار عورت ہے وہ لوگ اسے سخت نقصان پہنچائیں گے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

شاید تم بھول گئے ہو کہ ماریہ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور وہ غائب رہ کر جو چاہے کر سکتی ہے۔

ناگ نے بے چینی سے کہا۔

نہیں نہیں عنبر بھائی مجھے کچھ یقین ہو رہا ہے کہ ہماری بہن ماریہ کسی

بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہے اس لیے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ابھی یہاں سے اس کی تلاش میں چل نکلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور ہم اس کی مدد بھی نہ کر سکیں۔

عنبر خاموش ہو گیا اسے ناگ کی باتوں نے متاثر کیا تھا اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اگر تمہاری رائے یہی ہے تو میں تیار ہوں۔

ناگ نے کہا۔

ہمیں ابھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

عنبر کہنے لگا لیکن ہم ماریہ کی تلاش میں اس وقت رات کے اندھیرے میں کہاں جائیں گے۔

ناگ نے جنگل کی طرف منہ کر کے کہا۔

مجھے اس جنگل اور پہاڑیوں میں سے ماریہ کے کپڑوں کی خوشبو آ رہی

ہے یہ خوشبو آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے اگر ہم نے دیر کر دی تو ہو سکتا ہے کہ پھر ہم ماریا کو کبھی زندگی بھر نہ مل سکیں۔

یہ بات سن کر عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ بھائی اگر یہ بات ہے تو میں ابھی اسی وقت اپنی بہن کی مدد کے لئے جانے کو تیار ہوں آؤ میرے ساتھ۔

اسی وقت وہ بادشاہ کے حضور گئے سلام کرنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ ایک بے حد ضروری کام کے واسطے دو چار دنوں کے لئے شہر سے باہر جا رہے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

ابھی تو میں ولی عہد شہزادے کی صحت کی خوشی میں بہت بڑا جشن منانے والا تھا تمہارا ہونا تو بہت ضروری تھا اس لئے کہ تم لوگوں نے تو میرے بچے کی جان بچائی ہے تم نہ ہوئے تو مجھے کس قدر کمی محسوس ہو

گی۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم مجبور ہیں کام ہی ایسا آن پڑا ہے کہ جانے کے بنا کوئی چارہ نہیں لیکن ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بہت جلد واپس آ جائیں گے۔

بادشاہ نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

میں تمہاری راہ دیکھتا رہوں گا میرے بچو۔

عنبر اور ناگ بادشاہ سے اجازت لے کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور محل سے باہر نکل آئے شہر سے باہر آتے ہی انہوں نے گھوڑوں کو چابک ماری اور انہیں سرپٹ دوڑاتے جنگل اور ٹیلوں کی طرف روانہ ہو گئے ناگ اس سفر میں عنبر کی راہ نمائی کر رہا تھا وہ اسے بتاتا جاتا تھا کہ ماریا کے کپڑوں کی مہک کس طرف سے آ رہی ہے سفر کرتے کرتے انہیں

دن چڑھ آیا ایک چوراہے پر پہنچ کر عنبر نے پوچھا۔

دوست یہاں سے چار سڑکیں پھوٹ رہی ہیں یہ بتاؤ کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیے۔؟

عنبر بھائی مجھے ماریا کے کپڑوں کی مہک آنی بند ہوگئی ہے ایسے لگتا ہے کہ وہ کہیں گم ہوگئی ہے یا کسی زمین دوز تہہ خانے میں چلی گئی ہے۔

عنبر بولا۔

پھر کیا کریں۔؟

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس سڑک پر چلنا چاہیے جو سمندر کی طرف جاتی ہے کیوں کہ ارژنگ اور کمالا دیوار چین کی طرف نہیں جا سکتے وہاں انہیں پکڑے جانے کا ڈر ہے وہ سمندر کے راستے کسی جہاز یا کشتی پر سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کریں گے۔

ماریا بھی ضرور اسی طرف گئی ہے۔

عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے ہم اسی سڑک پر چلیں گے۔

دونوں دوست سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر ہو لیے ادھر ماریا کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ ارژنگ اور کمالا کا برابر پیچھا کر رہی تھی صبح ہوئی سورج کی روشنی پھیلی تو اس نے زمین پر دو گھوڑوں کے سموں کے نشان دیکھے وہ سمجھ گئی کہ ارژنگ اور کمالا اسی طرف گئے ہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہی تھی اب وہ ایک گھنے جنگل میں سے گزر رہی تھی چلتے چلتے راستے میں ایک دریا آ گیا ماریا نے دیکھا کہ دریا کے کنارے دو انسانوں کے گھوڑوں سے اتر کر چلنے پھرنے کے نشان زمین پر پڑے تھے یہ نشان ارژنگ اور کمالا کے تھے ماریا نے دریا کو لکڑی اور پتھروں کے ایک پل پر سے عبور کیا۔

دریا کے دوسری طرف جنگل میں اسے شیر کی گرج سنائی دی وہ رک گئی آواز پہاڑی ڈھلان کی سمت سے آئی تھی کچھ دیر بعد آواز پھر گونجی

اس دفعہ شیر کی آواز میں غصہ اور طیش بھی تھا ایسے لگتا تھا کہ اس نے کسی جانور پر حملہ کیا ہے ماریا گھوڑے کو لے کر آواز کی طرف روانہ ہوگئی۔

دوپہر تک جنگل میں چلتے رہنے کے بعد اس نے اچانک ایک جگہ جھاڑیوں میں خون دیکھا وہ وہاں آگئی جھاڑیوں میں گھس کر کیا دیکھتی ہے کہ مکار عورت اور شہزادے ولی عہد پر قاتلانہ حملہ کرنے والی کمالا کی لاش گھاس پر پڑی ہے جسے شیر نے آدھا کھالیا تھا ماریا کا دل اس عبرت ناک انجام پر کانپ اٹھا ظلم کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔

ایک قاتل تو اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اب دوسرا باقی تھا ماریا نے ارژنگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اس کے دل میں بس ایک ہی لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ارژنگ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر ملکہ چین کے حضور پیش کرے اس غم زدہ ماں کے پاس پیش کرے جس کے معصوم بچے کو اس شخص نے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

چلتے چلتے دور ماریا کو پہاڑی ٹیلے کے اوپر ایک عبادت گاہ کا مینار دکھائی دیا اور وہ اس کی طرف بڑھنے لگی۔

﴿ختم شد﴾

۱۔ چلین کا شاہی حکیم ہنگ سے بدلہ لینے کی کیسی کیسی سازشیں کرتا ہے

۲۔ شیر ماما پر حملہ کر کے اسے ہڑپ کر جاتا ہے۔

۳۔ اورنگ جاسوس جیل سے فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہوا۔

۴۔ ماریا کو پکڑنے کے لئے یہ لوگ ماریہ کے اوپر بنے ہوئے پل پر سے گزرتے ہیں لیکن عین اس وقت پل ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ کیسے ہوا................ جاننے کے لئے اسی ناول کی اگلی سیریز چھبیسویں 26 حصے ''پل ٹوٹ گیا'' میں ملاحظہ کیجئے۔

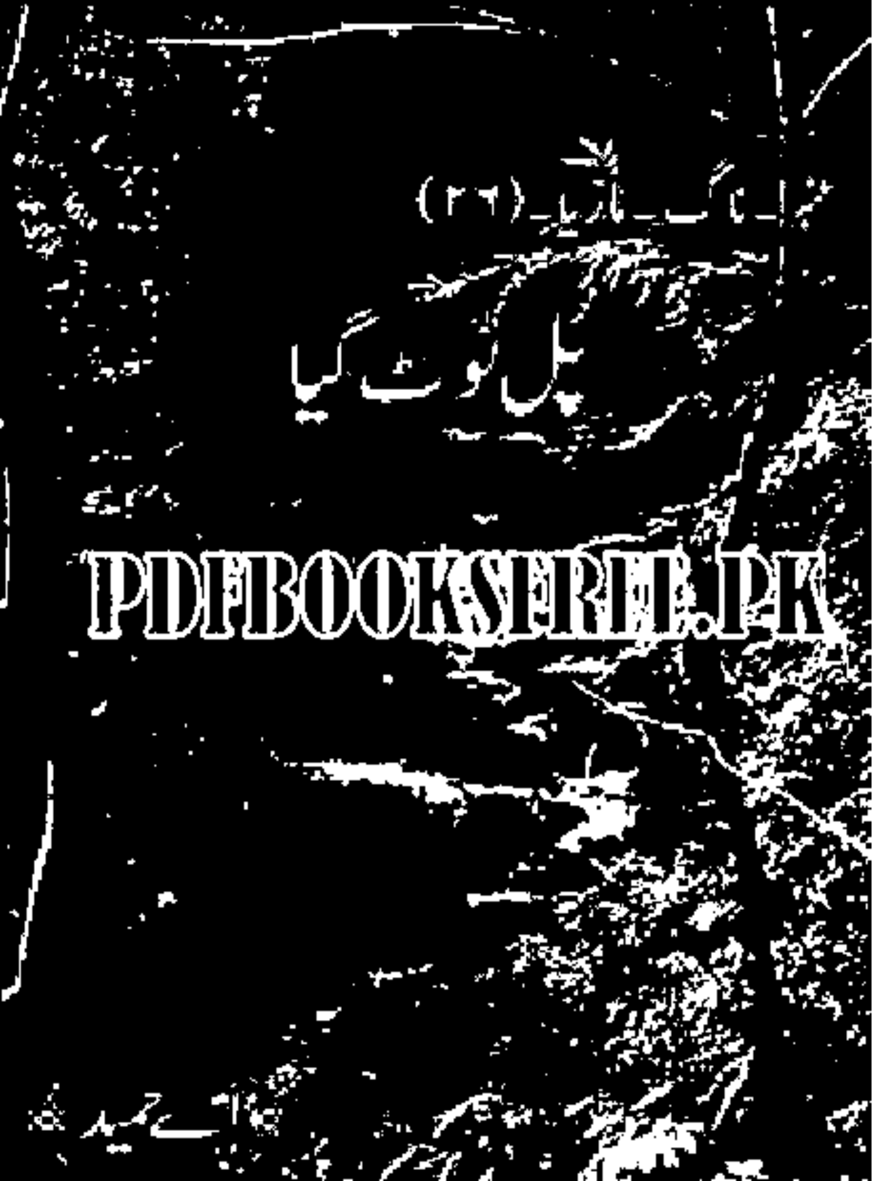

جاسوسی دنیا (۲۶)

پل ٹوٹ گیا

[illegible]

فہرست

جاسوس پجاری

غیبی دشمن

خطرناک چال

موت کا کنواں

ماریا کی چیخ

خونی سازش

ارژنگ کی لاش

خانقاہ کی رات

منگول گوریلا

پُل ٹوٹ گیا

سنو پیارے بچو:

شیر نے کمالا پر حملہ کیا اور اسے ہڑپ کر گیا۔

ارژنگ جاسوس سمندر کے راستے جیل سے فرار ہو گیا۔ چین کا شاہی حکیم ناگ سے بدلہ لینے کی سازش کرتا ہے۔

ماریا عنبر کی تلاش میں شاہی محل کی طرف آ رہی ہے۔ وہ دور سے ایک پہاڑی کے اوپر خانقاہ دیکھتی ہے۔ اس خانقاہ میں جاسوس ارژنگ بھی ہے۔ وہ بھاگ جاتا ہے۔ ماریا کو یہاں پکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ایک دریا کے اوپر بنے ہوئے پُل پر سے گزرتے ہیں کہ پُل ٹوٹ جاتا ہے

جاسوس پُجاری

ماریا کو ایک ٹیلے پر خانقاہ دکھائی دی۔

یہ خانقاہ اسی پہاڑی راستے پر تھی جس پر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔ ارژنگ اس کے آگے آگے تھا۔ اسے کوئی خبر نہ تھی کہ ماریا اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اسے خبر ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ ماریا غائب تھی اس کا گھوڑا بھی غائب تھا کماا کے شیر کے ہاتھوں مارے جانے کا اسے بہت افسوس تھا۔ مگر وہ اکیلا شیر کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار بھاگتا چلا گیا اس نے اپنا کام پورا کر لیا تھا سانپ نے چین کے ولی عہد کو کاٹ کھایا تھا اور اسے یقین تھا کہ شہزادہ اب بچ سکا ہوگا اس لیے خوش بھی تھا کہ اب وہ واپس اپنے قبیلے

میں جا کر سرخرو ہو سکے گا اب اس کا چین میں رہنا بے کار تھا۔ ویسے بھی اس کے پیچھے فوج کے سپاہی لگے ہوئے تھے وہ جتنی جلدی ہو سکے چین سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

ٹیلے والی خانقاہ میں اس کے قبیلے کا ایک گوریلا جاسوس پجاری کے بھیس میں رہتا تھا ارژنگ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ ویسے بھی وہ جاسوس پجاری سے ملاقات اور مشورے کے بعد آگے جانا چاہتا تھا۔ وہ خانقاہ کی طرف مڑ گیا۔ پیچھے سے ماریا نے ارژنگ کو خانقاہ کی طرف مڑتے دیکھ لیا۔ وہ خوش ہوئی کہ اس نے اپنے دشمن کو پا لیا ہے۔ اس نے بھی خانقاہ کی طرف گھوڑا موڑ دیا۔

ارژنگ خانقاہ کے سامنے والے دروازے سے داخل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے شبہ تھا کہ کہیں سپاہی اس کی تلاش میں وہاں بھی نہ پہنچ گئے ہوں اب جبکہ اس کے خیال میں ولی عہد شہزادہ مارا گیا تھا سپاہی

اس کی تلاش میں پاگل کتوں کی طرح پھر رہے ہوں گے۔ احتیاط سے کام لیتے ہوئے وہ خانقاہ کے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک درخت کے نیچے اس نے گھوڑا اور خود خانقاہ کی پچھلی دیوار والی کھڑکی کے پاس آ کر اس نے کواڑ پر آہستہ سے دستک دی۔

اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ ارژنگ نے دوبارہ اپنے خاص انداز میں دروازے پر پھر ہاتھ مارا اس دفعہ کھڑکی کا پٹ کھل گیا سامنے ایک خادمہ کھڑی تھی۔ اس نے ارژنگ سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے؟

ارژنگ نے کہا:

"میں مسافر ہوں۔ سفر کرتے شام ہو گئی ہے کیا میں تھوڑی دیر کے لیے خانقاہ میں ٹھہر کر آرام کر سکتا ہوں؟"

خادمہ نے کہا:

"تم مسافر ہو تو تمہیں پچھلی کھڑکی سے آنے کی ضرورت تھی؟ تم بڑے دروازے کی طرف سے کیوں نہیں آئے؟"

ارژنگ کچھ پریشان سا ہو گیا کہ یہ کس بلا سے پالا پڑ گیا ہے۔

"بہن میں ناواقف ہوں اسی طرف سے آ رہا ہوں میرا خیال تھا کہ شاید خانقاہ کو یہی راستہ جاتا ہے۔"

خادمہ نے کہا:

"تم مجھے کوئی چور معلوم ہوتے ہو۔ چلے جاؤ۔ یہاں سے، یہاں تم جیسے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

اتنا کہہ کر خادمہ نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔ ارژنگ اسے پکارتا ہی رہ گیا اس بڑا غصہ آیا کہ یہ بدتمیز خادمہ کہاں سے ٹپک پڑی۔ کیونکہ اس سے پہلے جب وہ خانقاہ میں پجاری جاسوس سے ملنے آیا تھا تو یہ خادمہ نہیں تھی۔ اس نے سوچا کہ بڑے دروازے سے اندر چلا

جائے۔ مگر پھر اسے سپاہیوں کا خیال آ گیا اور اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اب سوائے کھڑکی کے راستے خانقاہ کے اندر جانے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارا۔

خادم نے غصے میں دروازہ کھول کر کہا:

”تم جاتے ہو یا بڑے پجاری کو بلا کر تمہاری مرمت کراؤں؟“

ارژنگ نے کہا:

”میں بڑے پجاری سوانگ سے ملنا چاہتا ہوں۔ ذرا انہیں بلا دو۔“

خادم نے طنز کے ساتھ کہا:

”واہ واہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ کہاں تم اٹھائی گیرے چور اور کہاں اس خانقاہ کا بڑا پجاری سوانگ فو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ اگر جان کی امان چاہتے ہو تو یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ نہیں تو ابھی نوکروں کو بلا کر تمہاری پٹائی کرواتی ہوں۔“

ارژنگ کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر خادم کے منہ پر ہتھوڑ رکھ کر اس کی گردن پکڑ لی اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر فرش پر پھینک دیا۔ خادم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کام سے فارغ ہو کر ارژنگ خانقاہ کے صحن میں آ گیا پجاری زرد رنگ کے لباس میں پھول ہاتھوں میں لیے خانقاہ کے بڑے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔

ارژنگ سمجھ گیا کہ خانقاہ میں پوجا شروع ہے اور سوانگ اس وقت اندر ہی ہوگا، چنانچہ وہ سیدھا سوانگ کے کمرے کی طرف آ گیا۔ اس کا کمرہ کھلا تھا۔ اندر جا کر ارژنگ نے دروازے کو کنڈی لگا دی۔ پھر وہ تخت پوش پر بیٹھ کر تھالی میں رکھی ہوئی انجیریں مزے سے کھانے اور سوچنے لگا کہ یہاں سے وہ کس طرف کو جائے گا؟

اس زمانے میں خشکی کے راستے سفر کرنا بڑا دشوار ہوا کرتا تھا۔ وہ واپس اپنے ملک میں جانا چاہتا تھا یہ ملک چین کی سرحد کے جنوب

مغرب کی جانب واقع تھا۔ وہاں تک وہ خشکی کے راستے بھی سفر کر کے جا سکتا تھا۔ لیکن ایک تو راستہ دشوار گزار تھا اور دوسرے اس کے پاس سواری کے لیے ایک ہی گھوڑا تھا اس کا ارادہ سمندر کے راستے واپس جانے کا تھا کیونکہ سمندر میں مسافروں کے جہاز عام چلا کرتے تھے۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے چھ دن کے اندر اندر اپنے وطن پہنچ سکتا تھا۔ سمندری جہاز میں اسے کھانے پینے کو بھی مل سکتا تھا جب کہ خشکی میں کچھ نہ ملتا تھا۔ ویسے بھی خشکی میں ہر قدم پر اس دھڑکا لگا رہتا کہ سمندری جہاز میں ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ کمرے میں چپ چاپ بیٹھا سوچتا رہا اور انجیریں کھاتا رہا۔ پھر وہ تخت پوش پر لیٹ گیا اور اسے نیند آ گئی۔ کچھ دیر بعد جب شام ہو چکی تھی تو خانقاہ کا جاسوس پجاری سوانگ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ ایک اجنبی شخص کو اپنے کمرے میں سوئے ہوئے دیکھ کر

حیران ہوا قریب آ کر اس نے جھک کر دیکھا کہ وہ تو اس کا ساتھی جاسوس ارژنگ تھا اس نے بازو ہلا کر اسے جگایا ارژنگ نے اٹھتے ہی اپنے دوست جاسوس کو گلے سے لگا لیا۔ سوانگ نے پوچھا:

"تم کب سے یہاں پہنچے ہو؟"

ارژنگ نے کہا:

"تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

ارژنگ بولا:

"ہاں تمہاری خادمہ نے مجھے دیکھا ہے بڑی بدتمیز خادمہ رکھی ہے تم نے۔ میں بڑے دروازے سے بچ بچا کر پچھلی کھڑکی پر آیا مگر تمہاری ضدی خادمہ نے مجھے اندر ہی نہیں گھسنے دیا۔ الٹا مجھے چور کہا۔"

سوانگ ہنس پڑا:

"اسے معاف کر دو۔ وہ میری بڑی وفادار خادمہ ہے اس کیا معلوم

تھا کہ تم کون ہو۔ اگر اسے معلوم ہوتا تو کبھی تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتی اچھا تم یہ بتاؤ کہ اپنے کام میں کامیاب ہوئے ہو یا نہیں؟"

ارژنگ نے کہا:

"کل تک تمہیں خبر پہنچ جائے گی۔"

سوانگ نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا:

"کون سی خبر؟"

ارژنگ نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"ہم نے ولی عہد شہزادے کو ہلاک کر دیا ہے۔"

سوانگ بولا:

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

ارژنگ کہنے لگا:

"تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں؟"

سوانگ نے ارژنگ کو سینے سے لگایا اور منصوبے کی تکمیل پر اسے بڑی مبارک باد دی۔

"ارژنگ تم نے اور کمالا نے مل کر وہ کام کیا ہے جو ہمارے پورے قبیلے میں کوئی نہیں کر سکتا تھا سردار اس خبر کو سن کر بے حد خوش ہوگا اور تمہیں قبیلے کا خاص انعام ملے گا۔"

ارژنگ نے کہا:

"مگر ایک بڑی افسوس ناک بات ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" حیرانی سے جاسوس پجاری کا منہ کھل گیا "تم تو خیریت سے ہو ناں؟"

ارژنگ نے کہا:

"ہم دونوں اپنا کام ختم کرنے کے بعد وہاں سے اس طرف آ رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ شیر نے کمالا پر اچانک حملہ کر دیا۔ میں نے

تلوار کھینچ لی۔ مگر اتنی دیر میں شیر نے کمالا کو ہڑپ کر لیا تھا۔"

پجاری جاسوس بولا:

"وہ بڑی قیمتی عورت تھی اس کی موت سے ہمارے قبیلے کو بڑا نقصان ہوا ہے؟"

ارژنگ نے کہا:

جس وقت سانپ نے شہزادے کی گردن پر کاٹا ہے ہم اس وقت محل سے نکل بھاگے تھے۔ کیونکہ اب تو معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔ ہمارا وہاں ایک پل کے لیے بھی بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتا تھا: چنانچہ ہم وہاں سے بھاگ اٹھے۔ مگر سانپ اس قدر زہریلا تھا کہ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا کہ شہزادے کی گردن پر سانپ نے کاٹا تھا اور وہ ضرور مر گیا ہو گا۔ کل تک سارے چین میں اس موت کی خبر پھیل جائے گی۔"

جاسوس پجاری کرسی پر بیٹھ گیا

"تم نے کچھ کھایا ہے؟"

"تھالی میں تمہاری انجیریں ختم کر دی ہیں اب مجھے بھوک نہیں رہی۔ تم سناؤ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہمارے آدمی ٹھیک کام کر رہے ہیں؟"

سوانگ نے کہا۔

"سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک کام کر رہے ہیں اس خانقاہ میں صرف میں اکیلا ہوں ساتھ والے گاؤں میں ہمارا ایک جاسوس سرائے کھول کر بیٹھا ہوا ہے سارے ملک سے ہمارا جو بھی گوریلا آتا ہے وہ اسی سرائے میں آ کر ٹھہرتا ہے تم پہلے جاسوس ہو جو کھڑکی کے راستے یہاں آئے ہو۔"

"میں نے وہ سرائے کبھی نہیں دیکھی۔"

"خیر یہ بتاؤ کہ تم کب تک قیام کرو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ میں رات گزرنے کے بعد صبح منہ اندھیرے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ کیونکہ میرا راز کھل گیا ہے۔ فوج کے سپاہی میری تلاش میں ہیں۔ اگر میں یہاں زیادہ دن رہا تو ہو سکتا ہے کہ میں پکڑ لیا جاؤں۔"

"پھر تو تمہیں اس کمرے سے بھی باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ کیونکہ اس خانقاہ میں اکثر کوئی نہ کوئی فوجی آتا رہتا ہے اور پھر تمہاری تو انہیں تلاش بھی ہے۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے کہ اسی کمرے میں چھپ کے پڑا رہوں اور دن نکلنے سے پہلے پہلے اندھیرے میں ہی یہاں سے کوچ کر جاؤں۔"

جاسوس پجاری نے پوچھا:

"مگر یہ مخبری کس نے کی؟ یہ کس نے بادشاہ کو خبر دی کہ تم شہر کے اندر ایک حویلی میں رہ رہے ہو؟"

"بادشاہ کے جاسوس بھی بڑے ہوشیار ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کسی کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ولی عہد کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اگر ہمارا راز فاش ہو جاتا تو سب سے پہلے کمالا پکڑ لی جاتی، اسے فوراً قتل کر دیا جاتا اور ہمارا کام دھرے کا دھرا رہ جاتا۔"

"یہ ہماری قوم کی، ہمارے قبیلے کی خوش قسمتی ہے کہ ہمارا راز فاش نہیں ہوا، ورنہ اس کے بعد ہم اپنے سردار کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاتے۔"

اردژنگ نے کہا:

"سوانگ، اب تمہیں بھی یہاں بے حد ہوشیار ہو کر رہنا ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کے جاسوس چپے چپے پر پھر رہے ہیں۔"

سوانگ نے کہا:

"تم میری فکر نہ کرو میں یہاں ہر طرح سے ہوشیار اور چوکس ہوں اور پھر عرصہ بارہ برس سے اس خانقاہ میں بیٹھا ہوں۔ لوگوں کا مجھ پر بے حد اعتماد ہو گیا ہے۔ کسی کو خواب میں بھی شک نہیں پڑ سکتا کہ میں دشمن قوم کا جاسوس ہوں اور چین میں تخریبی کارروائیاں کروا رہا ہوں۔

اچانک ارژنگ کو خادمہ کا خیال آ گیا۔

"ارے بھائی میں تو بھول ہی گیا تمہاری خادمہ تو پچھلے کمرے میں پڑی ہے میں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔"

سوانگ نے ہنس کر کہا۔

"اگر کچھ دیر بعد بتاتے تو اس بے چاری کا کام تمام ہو گیا تھا اچھا میں اس کی خبر لیتا ہوں اتنی دیر تم آرام کرو رات کا کھانا ہم دونوں اکٹھے ہی کھائیں گے۔"

سوانگ باہر جانے لگا تو ارژنگ نے اسے بلا کر کہا۔

"ایک بات دماغ میں اچھی طرح بٹھا لو۔ یہاں کوئی بھی اپنے قبیلے کا جاسوس آئے اس کے ساتھ کسی کھلی جگہ کبھی کوئی بات نہ کرنا اسے کمرے میں لے جا کر دروازہ اندر سے بند کر کے بات کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے شک ہے کہ ایک ایسی عورت ہمارے پیچھے لگی ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔"

سوانگ نے تعجب سے پوچھا:

"کیا مطلب؟"

ارژنگ بولا:

"مطلب یہ ہے کہ اس عورت کو میرے خیال کے مطابق کسی نے جادو کے زور سے غائب دیا ہے۔ یا وہ خود غائب ہو گئی ہے۔"

"کمال ہے یعنی آج کے زمانے میں بھی کوئی شخص غائب ہو سکتا ہے؟"

"میں نے دو ایک بار اسے اپنے آس پاس چلتے محسوس کیا ہے اس نے اس سے پہلے ورشا پر حملہ بھی کیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی عورت نے چمپن کے بادشاہ کے آگے ہماری مخبری کی ہے، ورنہ بادشاہ کے فرشتوں کو بھی ہمارے بارے میں علم نہیں ہو سکتا تھا۔"

"اچھا بھائی میں تم پر یقین کر لیتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر سوانگ باہر نکل گیا۔

غیبی دشمن

ارژنگ نے اندر سے کنڈی لگائی اور سو گیا۔

ماریا نے ارژنگ کو خانقاہ کی طرف مڑتے دیکھ لیا تھا، چنانچہ وہ بھی خانقاہ کی سمت مڑ گئی۔ خانقاہ کے بڑے دروازے کے سامنے آ کر وہ رک گئی یہ کوئی بڑی پرانی خانقاہ تھی اس میں کسی بہت بڑے جنّ بزرگ کی قبر تھی جہاں آ کر ارد گرد کے دیہات کے لوگ چڑھاوے چڑھاتے اور لوبان جلاتے تھے خانقاہ کے دروازے سے لوبان کی خوشبو آ رہی تھی۔

ماریا کو یقین تھا کہ ارژنگ اسی خانقاہ میں گیا ہے مگر وہ اسے کہیں

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماریہ نے سوچا کہ اپنا گھوڑا اس جگہ باندھے۔ وہ اکیلی بڑے آرام سے اندر گھوم پھر کر، کمرہ کمرہ، کوٹھڑی کوٹھڑی جھانک کر ارژنگ کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔

وہ گھوڑے پر سوار خانقاہ کے پچھواڑے آ گئی۔ یہاں ٹیلے کی ڈھلان پر ایک گھاٹی میں تھوہر اور ناگ پھنی کی گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ گھوڑا باندھنے کے لیے اس سے بہتر جگہ اور نہیں تھی۔ ماریہ گھاٹی میں آ گئی یہاں اس نے گھوڑے کے آگے بہت سا گھاس توڑ کر ڈالا اور اس کی رسی ڈھیلی کر کے ایک درخت سے باندھ دی۔ گھوڑا اب ظاہر ہو گیا تھا۔ مگر ماریہ غائب تھی۔ اس کی نگاہ خانقاہ کی دیوار والی کھڑکی پر پڑ گئی۔ اسی کھڑکی کے راستے ارژنگ گیا تھا۔

ماریہ نے کھڑکی کے پاس آ کر اسے غور سے دیکھا کھڑکی بند تھی اس نے کواڑوں کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی مگر دوسری جانب

کوئی بھی باتیں نہیں کر رہا تھا۔ ماریہ نے خیال کیا کہ کیوں نہ وہ کھڑکی پر دستک دے کر دیکھے کہ کون آ کر اسے کھولتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ارژنگ خود ہی آ جائے۔ چونکہ ماریہ کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا اس لیے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے کھڑکی پر ہاتھ مار دیا چھ سات بار کھڑکی پر دستکیں دینے کے بعد اسی بددماغ خادمہ نے کواڑ کھول کر باہر دیکھا:

"کون ہے بدتمیز؟"

جب اسے باہر کوئی دکھائی نہ دیا تو اس نے بڑبڑاتے ہوئے کھڑکی بند کر دی۔ ماریہ نے دوسری مرتبہ پھر کھڑکی کے کواڑ کھٹکھٹائے اب کے خادمہ نے غصے میں باہر دیکھا جب اس دفعہ بھی اسے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے دو چار بار آنکھیں جھپکائیں۔ سر کو ایک طرف ہلکا سا جھٹکا دیا اور اپنے آپ سے کہنے لگی:

"میرا خیال ہے میرے کان بجنے لگے ہیں۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں

ہے۔"

ماریا کو شرارت سوجھی اس نے قریب ہو کر کہا:

"میں جو ہوں..... چڑیل..... جن..... بھوت:"

اتنا سننا تھا کہ خادمہ چیخ مار کر دھڑام سے گر پڑی اور ماریا ہنسی ہوئی کھڑکی میں سے اندر کھود گئی وہ خانقاہ کے صحن میں آ گئی یہاں بھی فضا بڑی پُربہار تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ رنگ برنگے پھول کھل رہے تھے چاندی ایسے پانی کا ایک فوارہ باغ کے بیچ میں لگا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اگرچہ وہ ایک دور دراز علاقے کی خانقاہ ہے مگر بڑی خوب صورت ہے اور اس کی اچھی طرح دیکھ بھال بھی کی جاتی ہے۔

اب اس نے ارژنگ کی تلاش شروع کر دی۔ وہ برآمدے میں سے گزرتے ہوئے ایک ایک کمرے کی کھڑکی میں سے اندر جھانک کر دیکھ لیتی۔ مگر وہاں سوائے پجاری لڑکوں اور درویشوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

ہر کوٹھری میں ایک چٹائی بچھی تھی۔ جس پر بیٹھے پجاری لڑکے آنکھیں بند کیے منتر اور اشلوک پڑھ رہے تھے۔ ماریا نے خوب اچھی طرح سے ایک ایک پجاری کے چہرے کو دیکھا۔ مگر ان میں کوئی بھی ارژنگ نہیں تھا..... تو پھر وہ کہاں چلا گیا؟ ماریا بڑے کمرے میں آ گئی۔ جہاں عورتیں، مرد اور بچے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھ کر پوجا پاٹ کر رہے تھے۔ ماریا نے ان لڑکوں کو بھی غور سے دیکھا۔ ارژنگ ان میں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ حیران ہوئی کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔ اب صرف بڑے کمرے کا پچھلا حصہ ہی رہ گیا تھا جو اس کمرے والی قبر کے عقب میں تھا۔

ماریا اس کی طرف آ گئی۔

یہ جگہ ایک پختہ دیوار کی اوٹ میں تھی اور اس پر گلاب کی سرخ بیلیں

چڑھی ہوئی تھیں۔ ماریا کو یہ علاقہ بھی بہت پسند آیا۔ یہ جگہ جنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی ایک طرف دیوار کے ساتھ ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بھی بہہ رہا تھا۔ وہاں سب کچھ تھا مگر جس آدمی کی ماریا کو تلاش تھی وہ اسے نہیں مل رہا تھا۔ آخر وہ قبر کے پیچھے والے علاقے میں بھی خوب چلی پھری اس نے چپہ چپہ چھان مارا مگر ارژنگ کا کسی جگہ کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ آخر وہ تھک کر پتھر کے ایک سٹول پر بیٹھ گئی۔ یہاں بیٹھ کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ وہ پجاریوں اور لوگوں کو اِدھر اُدھر چلتے پھرتے آتے جاتے دیکھنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ارژنگ یہاں ہوگا تو وہ اسے ضرور دکھائی دے گا۔

ماریا کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔ شام کے سائے چاروں طرف پھیل گئے خانقاہ میں دیے اور مشعلیں روشن ہو گئیں۔ مگر ارژنگ کہیں نظر نہ

آیا ماریا کو خیال آیا کہ وہ یہاں نہیں آیا شاید وہاں تھوڑی دیر رک کر آگے نکل گیا ہے وہ اٹھ کر اس جگہ آ گئی جہاں کچھ گھوڑے بندھے تھے۔ اچانک اس کی نظر ارژنگ کا گھوڑا پہچان لیا۔ اب تو اسے دنیا کی کوئی طاقت باہر نہیں نکال سکتی تھی۔ اسے اپنا کھویا ہوا دشمن مل گیا تھا ارژنگ بھی وہیں کسی کمرے میں چھپا ہوا ہے۔

اس نے اٹھ کر ایک بار پھر کمروں کی تلاشی لینا شروع کر دی جاسوس پجاری بڑے کمرے سے نکل کر باہر آ رہا تھا اور ماریا اس کمرے کے اندر جا رہی تھی کہ دونوں کی بے دھیانی میں ٹکر ہو گئی۔ جاسوس پجاری کے تو ہوش اڑ گئے۔ جب اس نے دیکھا کہ جس عورت سے اس کی ٹکر ہوئی ہے وہ اسے نظر ہی نہیں آ رہی ہے ماریا ایک دم سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی اور جاسوس پجاری کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اس ٹکر نے اس پر کیا اثر کیا ہے۔ پجاری کچھ دیر اسی جگہ کھڑا اسر

کھچا تارہا پھر ایک دم سے اسے ارژنگ کا وہ جملہ یاد آ گیا کہ اس کے تعاقب میں ایک ایسی چڑیل یا عورت لگی ہے جو خود تو سب کچھ دیکھ سکتی ہے مگر خود کسی کو نظر نہیں آتی۔ اب وہ چوکس ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ کی غیبی جاسوسہ ارژنگ کی تلاش میں خانقاہ تک پہنچ گئی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ ایک عورت اس کے قریب ہی کھڑی اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی ہے اور وہ جدھر جائے گا اسی طرف کو پیچھا کرے گی۔

وہ ہوشیار ہو گیا۔ وہ اب سامنے والے دروازے سے ارژنگ کے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ کمرے کے پیچھے آ گیا اس نے چابی نکال کر تالا کھولا اور تھوڑا سا کواڑ کھول کر فوراً اندر چلا گیا اور جلدی سے کھڑکی بند کر لی ارژنگ ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا اور سر کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا۔ اس نے سوانگ کو کھڑکی کے راستے اندر داخل

ہوتے دیکھا تو حیرت سے بولا:

”خیر تو ہے سوانگ؟ کیا فوج کے سپاہی آ گئے ہیں؟“

سوانگ نے آہستہ سے کہا:

”آہستہ بات کرو۔ تمہاری وہ غیبی چڑیل یہاں بھی پہنچ گئی ہے۔“

ارژنگ نے سرگوشی میں پوچھا:

”مگر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ یہاں آ گئی ہے۔ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی۔“

سوانگ بولا:

”اتفاق سے اس کی مجھ سے ٹکر ہو گئی۔ کہو اب یقین آیا؟ میں اسے جھانسہ دے کر پچھلی طرف سے آیا ہوں۔ اب تمہارے لیے بے حد ضروری ہو گیا ہے کہ اسی جگہ چھپ کر بیٹھے رہو یہاں سے ہرگز ہرگز باہر نہیں نکلنا۔ وہ ضرور اسی کمرے کے ارد گرد منڈلا رہی ہو گی۔“

ارژنگ اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا اور سوراخ میں سے باہر دیکھنے لگا۔

سوانگ نے کہا:

"بھلا وہ تمہیں کہاں نظر آئے گی ہو سکتا ہے جس سوراخ میں سے تم باہر جھانک رہے ہو وہ غیبی عورت اسی سوراخ میں سے اندر جھانک رہی ہو۔"

سوانگ نے بالکل ٹھیک بات کہی تھی۔ وہ تڑپ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ سوانگ نے جلدی سے کھڑکی کے سوراخ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سوانگ نے اشارہ کیا۔

ارژنگ ایک دم سے بڑے تخت پوش کے نیچے چھپ گیا۔

سوانگ نے دروازہ کھول دیا۔

نوکر نے جھک کر کہا:

"حضور، کھانا تیار ہے اگر حکم ہو تو لے آؤں؟"

سوانگ نے کہا:

"ہاں، لے آؤ۔"

نوکر چلا گیا۔ سوانگ نے صرف تھوڑا سا ہی دروازہ کھولا تھا اور وہ بھی خود بیچ میں کھڑا تھا اس خیال سے کہ کہیں غیبی عورت لپک کر اندر نہ داخل ہو جائے۔ نوکر کے جاتے ہی سوانگ نے دروازہ بند کر دیا اور ارژنگ سے باہر آنے کے لیے کہا۔ ارژنگ نے باہر آ کر سوانگ سے کہا:

"دروازہ پورا تو نہیں کھولا تھا؟"

"نہیں۔ غیبی عورت سے ٹکر لگتے ہی مجھے تمہارا خیال آ گیا تھا اور میں خبردار ہو گیا۔ میں نے دروازہ تھوڑا سا ہی کھولا تھا۔"

ارژنگ کمرے میں ٹہلنے لگا:

"کیسی عجیب بات ہے کہ ایک ایسی عورت میرے پیچھے لگی ہے جو کسی

کو دکھائی نہیں دیتی۔"

پھر وہ پلٹ کر بولا: "سوانگ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا جادو نہیں ہے کہ تم اس عورت کو اپنے قابو میں کر سکو۔ یہ ہماری زندگی اور ہمارے منصوبے کے لیے بے حد ضروری ہے۔"

سوانگ نے کچھ سوچ کر کہا:

"جہاں تک مجھے یاد ہے ہمارے پاس کوئی ایسا جادو ٹونا نہیں ہے جس کی مدد سے ہم اس غیبی چڑیل کو قابو کر سکیں ہاں اگر ہم عقل سے کام لیں اور وہ اس وقت یہاں کھڑی ہماری باتیں نہ سن رہی ہو تو ہم اس پر قابو پا سکتے ہیں۔"

ارژنگ نے پوچھا:

"وہ کیسے؟"

سوانگ بولا:

"اس کے لیے ہمیں کافی سوچ بچار کرنا ہوگا کچھ سوچ کر ایک منصوبہ تیار کرنا ہوگا ایک جال پھیلانا ہوگا جس میں اس عورت کو پھنسانا ہوگا۔"

"وہ جال کس طرح تیار ہو سکتا ہے؟"

سوانگ کھڑکی کے پاس گیا اس نے کواڑ کے ساتھ کان لگا کر یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ کہیں وہ عورت یعنی ماریا باہر تو نہیں کھڑی ہے؟ جب اسے یقین ہو گیا کہ ماریا باہر بھی نہیں اور اندر بھی نہیں ہے تو اس نے ارژنگ کے قریب آ کر کہا:

"سنو ارژنگ ہمیں اس غیبی دشمن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا یہ ہمارے قبیلے ہماری قوم اور ہمارے سردار کی عزت اور زندگی کا سوال ہے یہ غیبی عورت ہمارے ملک ہمارے قبیلے اور ہماری قوم کی دشمن ہے اگر ہم اسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے تو

یہ ہماری سب سے بڑی خدمت ہوگی۔"

ارژنگ نے کہا:

سوانگ میں تمہارے ایک ایک لفظ پر یقین لاتا ہوں مگر سوال یہ ہے کہ ایک ایسے دشمن کو ہم کیوں کر اور کیسے ہلاک کر سکتے ہیں جو ہمیں دکھائی ہی نہیں دیتا یہ تو ہوا میں تلوار چلانے والی بات ہوگی۔"

"میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ اس کے لیے ہمیں ایک جال تیار کرنا ہوگا۔ بڑی عقلمندی اور ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے وہ جال کیا ہوگا؟"

سوانگ نے کہا:

"ہم اس غیبی عورت کو اسی طرح پکڑیں گے جس طرح ہم کسی آدم خور شیرنی کو پکڑتے ہیں یا کسی پاگل ہاتھی کو پکڑتے ہیں۔ ہمیں سارے جنگل میں آگ لگا کر آدم خور شیرنی کو اس راستے پر لانا ہوگا۔ جہاں ہم

نے اس کے لیے ایک گڑھا کھود رکھا ہوگا۔ اس گڑھے کو ہم نے گھاس سے ڈھانپ رکھا ہوگا بس جوں ہی آدم خور شیرنی ادھر آئے گی وہ اپنے آپ گڑھے میں گر پڑے گی۔ گھاس کی چھت کے گرنے سے ہمیں پتہ چل جائے گا کہ غیبی عورت اندر گر چکی ہے۔ گڑھا اتنا گہرا ہو گا کہ وہ ہزار کوشش کرنے پر بھی باہر نہ نکل سکے گی ہم اوپر سے گڑھے کو بند کر دیں گے اور پھر ہماری غیبی دشمن ہوا اور پانی نہ ملنے سے خود بخود ہلاک ہو جائے گی۔"

ارژنگ نے سوانگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"تم نے بہترین جال تیار کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ گڑھا کس جگہ کھودا جائے؟ اور غیبی دشمن عورت کو اس طرف کیسے لایا جائے۔"

اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی:

"کون ہے؟"

"حضور کھانا لایا ہوں"

سوانگ نے ارژنگ کو اشارہ کیا وہ دوبارہ تخت پوش کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ سوانگ نے کنڈی کھول کر دروازے کو اتنا بمشکل کھولا کہ کھانے کا تھال پکڑ کر وہ اندر لا سکے نوکر نے دروازے کو اور کھول کر اندر آنے کی کوشش کی تو سوانگ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"اندر کیوں گھسے آ رہے ہو؟ اسی جگہ کھڑے رہو۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

نوکر بڑا حیران ہوا کہ آج بڑے پجاری کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ دروازہ تھوڑا سا ہی کھولتا ہے اور اس میں بھی بیچ میں آ کر کھڑا ہو جاتا۔ اس کے جاتے ہی سوانگ نے دروازے کو بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ ارژنگ بھی تخت پوش کے نیچے سے باہر نکل آیا وہ دونوں تخت پوش پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے وہ ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے سوانگ نے اسے بتایا کہ غیبی دشمن کو بڑی مکاری سے پھانسنے کی کوشش کرے گا۔

"اگر ہم نے ذرا بھی بھول چوک کی تو ہم بری طرح پٹ جائیں گے اور غیبی دشمن عورت ہم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

ارژنگ بولا:

"تم مجھے جو کہو گے میں کروں گا۔ دماغ لڑانا تمہارا کام ہے اور دشمن سے لڑنا میرا کام ہے۔"

سوانگ نے جھک کر ارژنگ کے کان میں ساری سازش کا حال کھول کر بیان کر دیا ارژنگ بہت خوش ہوا اور بڑے پجاری کی عقلمندی پر عش عش کر اٹھا جس وقت کمرے میں ماریا کے خلاف سازش ہو رہی تھی ٹھیک اس وقت ماریا اس کمرے کے باہر برآمدے میں ایک ستون کے ساتھ کھڑی تھی مگر اسے ارژنگ اور سوانگ کے بارے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں۔

خطرناک چال

سوانگ اور ارژنگ نے ماریا کو جال میں پھانسنے کا خطرناک منصوبہ بنایا تھا۔

سوانگ کا دماغ خوب لڑا۔ اس نے ارژنگ سے کہا کہ وہ کمرے میں اس وقت تک بند رہے جب تک کہ وہ جنگل میں جا کر ایک خاص مقام پر گڑھا نہیں کھود آتا۔ اس کے بعد سازش یہ تھی کہ ارژنگ ماریا کو اپنا آپ دکھا کر باہر نکلے گا۔ ماریا کو اپنے پیچھے لگا کر جنگل میں اس جگہ پر لے جائے گا جہاں گہرا گڑھا گھاس پھونس کی چھت کے نیچے چھپا ہوا ہو گا۔ وہ گڑھے کے قریب سے ہو کر گزر جائے گا اور جب ماریا اس پر سے گزرنے لگے گی تو دھڑام سے اس کے اندر گر جائے گی۔

"سارا کام بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہونا چاہیے اگر کچھ بھی کسر رہ گئی تو کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

"فکر نہ کرو سوانگ میں بڑی چالاکی سے ماریا کو جال میں پھانس لوں گا۔ اسے اس طرح اپنے ساتھ لگاؤں گا کہ اسے کبھی شک نہ گزرے گا کہ اس کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔"

"بہر حال میرے آنے تک تمہیں اس کوٹھڑی میں بند رہنا ہو گا۔ ایک پل کے لیے بھی باہر نہیں نکلنا میں جنگل سے واپس آؤں تو پھر جو میں کہوں اس پر عمل کرنا۔"

ارژنگ نے کہا:

"بہت اچھا سوانگ، میں ہرگز اس کوٹھڑی سے باہر نہیں جاؤں گا۔"

سوانگ بولا:

"میں شام تک کے لیے کھانے پینے کا سامان اندر رکھوا دوں گا۔ باہر

سے تالا لگا کر جاؤں گا اچھا اب تم آرام کرو۔ رات ہو گئی ہے میں بھی آرام کرتا ہوں۔"

سوانگ اپنے بستر پر اور ارژنگ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر کل کے بارے میں سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انہیں نیند آ گئی۔

ماریا باہر کھڑے کھڑے تھک گئی تھی اس نے ایک بار پھر جا کر اصطبل میں دیکھا تھا۔ ارژنگ کا گھوڑا اسی جگہ بندھا گھاس چر رہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ ارژنگ ابھی تک خانقاہ کے اندر موجود ہے مگر خدا جانے وہ کس جگہ زمین کے اندر اتر گیا تھا کہ صبح سے رات ہو گئی تھی اور وہ کہیں نظر نہیں آیا تھا ماریا نے فیصلہ کیا کہ وہ رات اسی خانقاہ میں رہے گی اس کا دشمن اسی جگہ تھا پھر اس کا کسی دوسری جگہ چلے جانا بالکل بے کار تھا وہ خانقاہ کے بڑے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئی

اب اسے بھوک بھی بہت لگی تھی۔

وہ خانقاہ کے لنگر خانے میں آئی اس نے وہاں ایک جگہ بیٹھ کر روٹی اور مچھلی کھائی۔ اب رات بسر کرنے کا سوال تھا اس نے سوچا کہ وہ کیوں نہ خانقاہ کے بڑے کمرے میں کسی قبر کے پاس پڑ کر سو رہے اس سے بہتر جگہ ساری خانقاہ میں اور کوئی نہیں تھی وہ بڑے کمرے میں آ گئی وہاں کچھ پجاری بیٹھے عبادت کر رہے تھے اس میں بڑا پجاری سوانگ بھی تھا لوگ بار بار اس کے پاؤں چھو رہے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی بڑا پجاری ہے۔ اسے اس کی شکل پر ہن قوم کے جاسوس ہونے کا شک سا پڑا۔ اصل میں سوانگ کی شکل ہن قوم کے منگولوں سے بڑی ملتی تھی۔ ماریا اس قسم کے لوگوں کو پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ اسے خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے ارژنگ کا اسی پجاری کے ساتھ کوئی چکر ہو اور وہ اسی کے پاس ٹھہرا ہوا ہو۔

ماریا سوانگ کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ مگر سوانگ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے کمرے میں سے تقریباً سارے لوگ عبادت ختم کر کے چلے گئے۔ اب وہاں اکیلا پجاری سوانگ رہ گیا اس نے آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس دیکھا اور چپکے سے اٹھ کر قبر کے پاس آیا۔ قبر کے سرہانے کی جانب ایک صندوقچی اٹھا کر نیچے سے ایک اینٹ اٹھائی۔ وہاں ایک سوراخ سا پیدا ہوا اس سوراخ میں ہاتھ ڈال کر پجاری ایک لکڑی کی ڈبیا نکالی۔ اسے اپنی جیب میں رکھا۔ صندوقچی دوبارہ اپنی جگہ پر جمائی اور باہر نکل گیا۔

ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی باہر آ گئی۔

پجاری صحن میں سے ہو کر برآمدے میں آ گیا۔ ماریا اس کا پیچھا برابر کر رہی تھی۔ سوانگ اپنی کوٹھڑی کے دروازے کے پاس آ کر رک گیا ایک پل کے لیے اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تو جیب سے چابی نکال کر تالے میں گھمائی۔ کوٹھڑی کے دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ ماریا اندر داخل ہوتے ہوتے رہ گئی کم بخت سوانگ کو ماریا کا احساس ہو گیا تھا۔ اگر اس سے ماریا کی ٹکر نہ ہوتی تو ماریا کے لیے یہ مشکل نہ تھی۔ پھر اس کے لیے راستہ صاف تھا مارے کو یقین ہونے لگا کہ ارژنگ اسی پجاری کی کوٹھڑی کے اندر چھپا ہوا ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اب اس کوٹھڑی میں کیسے داخل ہوا جائے؟

ماریا نے سوچا کہ رات تو کسی طرح بسر کرو۔ پھر صبح کو دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے ارژنگ رات کو سفر نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اس نے رات کو سفر کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر ماریا کے لیے اسے پانا مشکل ہو جائے گا۔ تو کیا وہ ساری رات وہاں کھڑی ہو کر ارژنگ کا پہرہ دے؟ یہ بھی

بڑا مشکل تھا۔ ماریہ نے فیصلہ آخر یہی کیا کہ اسے صبح آ کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ کیونکہ عام طور پر اندھیری راتوں کو جب آسمان پر چاند نہ ہو مسافر سفر نہیں کیا کرتے تھے۔

وہ برآمدے سے ہٹ کر خانقاہ کے بڑے کمرے میں آ گئی۔ وہاں باقی سب چراغ بجھ گئے تھے۔ صرف ایک جگہ دیوار کے ساتھ مشعل روشن تھی۔ جس کی ہلکی ہلکی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ماریہ قبر سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ ایک تخت پر لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے رہ کر اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کا خیال آ رہا تھا۔ خدا جانے وہ کہاں ہوں گے؟ یہ بھی قسمت کا پھیر تھا کہ ایک ہی جگہ شاہی محل میں رہ کر بھی وہ ایک دوسرے سے نہ مل سکے۔

ان کو یہاں چھوڑ کر اب ذرا عنبر اور ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں۔

دونوں دوست ارژنگ اور کمالا کی تلاش میں برابر آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ انہیں یہ بھی شبہ تھا کہ ہو سکتا ہے ان کی بہن ماریہ بھی ارژنگ کی تلاش میں اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ وہ سفر کرتے کرتے کافی آگے نکل آئے۔ راستے میں انہیں ایک جگہ رات ہو گئی یہ وہی گاؤں تھا جو خانقاہ سے کچھ میل کے فاصلے پر تھا جس کی ایک سرائے کا مالک وہ الو کی ناک والا منگول تھا جو ارژنگ اور جاسوس پجاری کی طرح گوریلا تھا اور چین میں تخریبی کارروائیاں کر رہا تھا۔ عنبر اور ناگ اس گاؤں میں داخل ہوئے تو گھروں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔

ایک آدمی سے انہوں نے سرائے کے بارے میں پوچھا۔ اسی طرح پوچھتے پچھاتے وہ الو کی شکل والے گوریلا جاسوس کی سرائے میں آ گئے۔ جاسوس نے عنبر اور ناگ کو دیکھا تو پوچھا:

”تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“

عنبر نے کہا۔

"ہم دونوں بھائی ہیں اور جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ہم چین کے جنگلوں، میدانوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ کیا آپ کی سرائے میں ہمیں رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے گی؟"

جاسوس نے کہا:

"اگر تمہارے پاس پیسے ہیں تو ضرور جگہ مل جائے گی۔ اگر خالی ہاتھ ہو تو گاؤں سے باہر کسی جنگل میں جا کر لیٹ رہو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

ناگ بولا:

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی، ہمارے پاس تمہیں کرایہ دینے کو رقم موجود ہے۔ ہم فقیر یا کوئی بھوکے ننگے نہیں ہیں یہ لو اپنی رقم پہلے ہی لے لو۔"

اور ناگ نے جیب سے سونے کے کچھ سکے نکال کر سرائے کے مالک کے سامنے رکھ دیے۔ جاسوس مالک کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ آج تک کبھی کسی نے اسے سونے کا سکا نہیں دیا تھا۔ وہ تو عنبر اور ناگ کے گن گانے لگا اور ان کی آؤ بھگت شروع کر دی۔

انہیں وہ کمرہ دیا جو سرائے میں سب سے اچھا تھا۔ اچھائی اس میں یہ تھی کہ وہاں ایک انگیٹھی بھی تھی جہاں رات کو سردی میں آگ جلائی جا سکتی تھی۔ مگر اس رات سردی بالکل نہیں تھی۔ موسم بڑا اچھا اور خوشگوار تھا۔ رات اگرچہ اندھیری تھی نیلے آسمان پر کھلے ہوئے بے شمار ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی۔ عنبر اور ناگ نے کمرے میں آ کر بستر جما لیا۔ اتنے میں سرائے کا جاسوس مالک اندر آیا وہ خوش آمدید کرنے والوں کی طرح مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا:

"میرا کمرہ یہاں سے چار کمرے چھوڑ کر پانچواں ہے۔ کسی شے کی

رات کے وقت ضرورت ہو، مجھے آواز دے لیں۔ میں ہر خدمت کے لیے ہر وقت آپ کو حاضر ملوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"آپ کا بہت بہت شکریہ، ہم آپ کے اچھے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ہاں اگر کسی شے کی ضرورت پڑی تو میں ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔"

سرائے کا مالک باہر نکل گیا تو ناگ نے کہا:

"یہ سارا کام سونے کے سکوں کا ہے۔ اگر ہمارے پاس سکے نہ ہوتے تو یہ شخص کبھی ہمیں سرائے کے اندر نہ گھسنے دیتا۔"

عنبر بولا:

"بالکل ٹھیک، اس وقت ہم کسی قبرستان میں پڑے ہوتے۔"

ناگ نے کہا:

"مجھے تو یہ آدمی بھی کوئی خطرناک مجرم لگتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے عنبر؟"

عنبر کہنے لگا:

"بھائی ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔ بہر حال ہمیں اس سے چوکس رہنا چاہیے۔"

باتیں کرتے کرتے وہ سو گئے۔ آدھی رات کو اچانک موسم بدل گیا۔ جہاں آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ وہاں ایک دم سے بادل آ گئے اور بجلی رہ کر چمکنے لگی۔ پھر گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش ہو گئی۔ بارش شروع ہوئی تو موسم سرد ہو گیا۔

سردی کی وجہ سے عنبر اور ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ زبردست بارش ہو رہی ہے۔ بجلی چمک رہی ہے اور بادل گرج رہے ہیں کمرے میں سردی بڑھ گئی تھی۔

عنبر نے کہا:

"ناگ یار، مجھے تو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ کم بخت اوپر لینے کو کوئی لحاف نہیں ہے۔"

ناگ بھی سردی سے ٹھٹھر رہا تھا، اس نے کہا:

"یار، میں تو سرائے کے مالک کے پاس جا کر اس سے لحاف مانگتا ہوں۔ نہیں تو رات میں ہی ہمارا دم نکل جائے گا اور صبح ہماری لاشیں سردی سے اکڑی ہوئی ملیں گی۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے آگ نہ جلا لیں؟"

ناگ بولا:

"پتھر بھی نہیں ہیں جس سے آگ روشن کریں۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر سرائے کے مالک کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رات بھر کے لئے ہمیں دو لحاف دے دے۔ اس کے پاس کتنے ہی ہوں گے، آخر سرائے چلاتا ہے۔"

"ابھی جاتا ہوں۔" ناگ نے کہا۔

ناگ اپنی کوٹھڑی میں سے نکل کر سرائے کے مالک کی کوٹھڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

مالک کی کوٹھڑی چار کوٹھڑیاں چھوڑ کر تھی۔ بارش بڑے زور سے ہو رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں صحن میں گرتی بارش صاف نظر آنے لگتی۔ ناگ برآمدے میں گزرتا سرائے کے مالک کی کوٹھڑی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ پتا چلائے اندر کون

کیا باتیں کر رہا ہے۔ اس نے اپنا کان دروازے کے ساتھ لگا دیا۔ اندر سرائے کے مالک سے کوئی دوسرا آدمی آہستہ آہستہ بات کر رہا تھا۔

ناگ کے کچھ پلے نہ پڑا۔ لیکن اتنا اس نے سن لیا کہ بات ولی عہد کے قتل کے بارے میں ہو رہی تھی وہ چوکنا ہو گیا اب بہت ضروری ہو گیا تھا کہ اندر جا کر ان کی باتیں سنی جائیں، کیونکہ سرائے کا مالک بھی دشمن قبیلے کا جاسوس نکل آیا تھا۔ ناگ کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ سانپ کا روپ بدل کر کمرے میں کسی طرح داخل ہو جائے۔ اس نے واپس جا کر عنبر کو بھی اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہ کی اور ایک پل کے اندر اندر اپنی جون بدل کر سانپ کے روپ میں گیا۔ وہ دیوار پر رینگ کر روشندان کے ذریعے کمرے کے اندر والی دیوار پر آ گیا۔ یہاں قدرے اندھیرا تھا۔ سانپ نیچے اتر آیا اور ایک جگہ

چھپ کر کیا دیکھتا ہے کہ سرائے کا مالک کرسی پر بیٹھا ہے اور ایک ٹھگنے قد کا آدمی اس کے پاس چارپائی پر بیٹھا اس سے باتیں رہا ہے۔

اس آدمی کا حلیہ ایسا تھا کہ لگتا تھا وہ ابھی ابھی سفر کر کے سرائے میں پہنچا ہے۔ اس کے کپڑے کہیں کہیں سے بارش کے باعث ابھی تک گیلے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ہمیں بالکل توقع نہیں تھی کہ ولی عہد شہزادہ اتنے زہریلے سانپ سے ڈسے جانے کے باوجود بچ جائے گا۔ مگر وہ بچ گیا ہے اور ہماری ساری سازش ناکام ہو گئی ہے۔ اب ہم قبیلے والوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہے۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"لیکن ارژنگ اور کمالا کہاں ہیں یہ کام تو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنا فرض اچھی طرح سے ادا کیوں نہیں کیا؟ کیا انہیں معلوم

نہیں تھا کہ انہیں اپنی جان پر کھیل کر بھی ولی عہد شہزادے کو قتل کرنا ہے؟"

ٹھگنے قد کا آدمی بولا:

"ضرور معلوم تھا اور شہزادے کو سانپ نے ڈس بھی لیا تھا۔"

"تو پھر وہ زندہ کیسے بچ گیا؟"

"کہتے ہیں شاہی دربار میں کوئی نیا حکیم آیا ہے۔ اس نے کوئی ایسی دوا لگائی کہ سانپ کا سارا زہر شہزادے کے جسم سے باہر آ گیا۔"

"حیرت کی بات ہے۔ افریقہ کے زہریلے سانپ سے بھی ایک معصوم بچہ ہلاک نہ ہو سکا۔ اب کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں قبیلے کے سردار کا خاص پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"وہ پیغام کیا ہے؟"

"سردار کو تمام حالات کا علم ہو گیا ہے۔ اسے بے حد صدمہ ہوا ہے کہ

شہزادہ ابھی تک زندہ ہے۔ یہ اس کی اور اس کے قبیلے کی بڑی سخت بے عزتی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم جس طرح سے بھی ہو سکے چین کے شہزادے کو ہلاک کر کے سردار کو خبر کرو۔"

سرائے کا مالک خاموش ہو گیا پھر سر اٹھا کر بولا:

"مگر دوست، سردار کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں میرا کام کچھ اور کرنا ہے۔ اگر میں ولی عہد شہزادے کے پیچھے پڑ گیا تو یہاں میرا کام کون سنبھالے گا؟"

جاسوس نے کہا:

"بہر حال یہ سردار کا حکم ہے اور میں نے تمہیں حکم سنا دیا ہے۔ تمہاری مرضی ہے کہ تم جو چاہے کرو۔"

سرائے کا مالک بولا:

"مگر ارژنگ اور کمالا کو کہاں سے تلاش کیا جائے؟ ان سے تو شاہی

محل کے اندر کی بہت سی فائدہ مند معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔"

"وہ تو خدا معلوم اپنی جان بچائے کہاں کہاں پھر رہے ہوں گے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ انہیں شاہی فوج کے سپاہیوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا ہو۔ کیونکہ ان کی کوئی خبر کسی جاسوس کو نہیں مل رہی۔"

مالک نے پوچھا:

"تم کب واپس جا رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ میں صبح صبح واپس روانہ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں وہاں جا کر سردار کو سارے حالات سے باخبر کروں گا۔ کیا تم اپنا اپنا فرض سنبھالنے کے لیے تیار ہو ناں؟"

"تیار ہوں، میں انکار کیسے کر سکتا ہوں؟"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ سردار نے بھی تاکید کی تھی کہ یہ کام بڑی ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ جلدی انجام تک پہنچا دیا جانا

چاہیے۔"

"میرا خیال ہے اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ میں بھی دن بھر کا تھکا ہوا ہوں۔ اب سونا چاہتا ہوں۔ صبح جانے سے پہلے مجھے مل کر جانا۔"

"ضرور...... خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر جاسوس کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ سانپ کے روپ میں چھپ کر یہ ساری باتیں سن رہا تھا جاسوس کے چلے جانے کے بعد وہ بھی دیوار کے ساتھ ساتھ کھسکتا دروازے کی دہلیز میں سے نکل کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے ایک بار پھر انسان کی جون بدل لی اور دروازے پر دستک دی۔

سرائے کے مالک نے دروازہ کھولا اور ناگ کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر پوچھا:

"تمہیں کیا چاہیے؟"

"اگر ہمیں دو ایک لحاف مل جائیں تو ہم سردی سے بچ جائیں گے۔ کمرہ بڑا ٹھنڈا ہے ہمیں بالکل نیند نہیں آ رہی۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"اس وقت میرے پاس ایک ہی لحاف ہے جو کہ فالتو ہے۔ وہ اگر چاہو تو لے جا سکتے ہو۔"

"شکریہ، ہم ایک لحاف میں گزارہ کر لیں گے۔"

سرائے کے مالک نے ناگ کو لحاف دیا۔ ناگ لحاف لے کر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ناگ نے لحاف تخت پر رکھ دیا اور بولا:

"عنبر بھائی، میں ایک بڑی زبردست خبر لے کر آ رہا ہوں۔"

"وہ کون سی خبر ہے، سناؤ؟"

عنبر نے بے تابی سے پوچھا۔ ناگ نے کہا:

"سرائے کا مالک بھی دشمن قبیلے کا جاسوس ہے۔"

"کیا کہا؟"

پھر ناگ نے شروع سے آخر تک سرائے کے مالک اور جاسوس کی ساری باتیں عنبر کو سنا ڈالیں۔ عنبر تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ اس نے ناگ سے پوچھا کہ اس سلسلے میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ناگ نے کہا:

"میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"وہ یہ کہ کل صبح جب جاسوس یہاں سے چلا جائے گا اور سرائے کا مالک اکیلا رہ جائے گا تو میں اس سے جا کر ملوں گا اور اسے وہ ساری باتیں بتا دوں گا جو اس کے اور جاسوس کے درمیان ہوئی تھیں۔ وہ مجھ پر یقین کر لے گا۔ پھر ہم اسے اپنی چال کے مطابق چلائیں گے اور اس طرح شہزادے کو موت کے منہ سے بھی بچا لیں گے اور اس شخص کو

گرفتار بھی کر لیں گے۔"

"چال تو بڑی اچھی ہے۔ مگر کیا یہ شخص ہماری باتوں میں آ جائیگا؟"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اسے قائل کرنا میرا کام ہے اور میں یہ کام بڑی اچھی طرح سے کرلوں گا۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو ہم اس جاسوس کو گرفتار کر کے یہاں کے بہت سے جاسوسوں کو گرفتار کروا سکتے ہیں۔"

"خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ اب آرام کرتے ہیں کل صبح کو دیکھا جائے گا۔"

دونوں لحاف اوڑھ کر سو گئے۔ بارش رات کے پچھلے پہر کہیں جا کر تھم گئی۔ بادل چھٹ گئے اور آسمان پر ایک بار پھر تارے چمکنے لگے۔

دونوں دوست گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ مگر سرائے کے مالک کو بہت کم نیند آئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سردار نے اس کے ذمے شہزادے کو قتل کرنے کا بڑا مشکل کام ڈال دیا ہے۔

موت کا کنواں

اب ہم ایک بار پھر ماریا کی طرف آتے ہیں۔

ماریا سرائے سے کچھ دور خانقاہ کے اندر بڑے کمرے کے تخت پر سو رہی تھی۔ سوانگ پجاری نے ارژنگ کے ساتھ مل کر چال بنائی کہ صبح صبح جنگل میں جا کر گڑھا کھودے گا اور پھر ارژنگ ماریا کو اپنا آپ دکھا کر ساتھ جنگل میں لے جائے گا اور دھوکے سے گڑھے کے اندر گرا دے گا۔ ماریا تھکی ہوئی تھی اور پھر گرج چمک بارش سے سردی ہو گئی۔ ماریا گرم ہو کر سوتی رہی۔ دوسری طرف سوانگ چپکے سے منہ اندھیرے ہی اپنی کوٹھڑی سے نکل کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ وہ زمین کھودنے کی بجائے جنگل میں کسی ایسے قدرتی گڑھے یا کھائی کی تلاش میں تھا۔ جس کے اوپر کے اوپر گھاس کی چھت ڈال کر وہ پھندا بنا

سکے۔

مشعل کی روشنی میں اس نے جنگل میں کسی کھائی یا گڑھے کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کرتے کرتے آخر اسے ایک اندھا کنواں مل گیا جس کی تہہ میں سوکھے پتوں کے ڈھیر لگے تھے اور اس میں پانی بالکل نہیں تھا۔ سوانگ کو یہ کنواں پسند آ گیا۔ اس کی گہرائی بھی کافی تھی۔ اس کے اندر گرنے کے بعد ماریا باہر کبھی نہیں نکل سکتی تھی۔ سوانگ نے خنجر سے درختوں کی بہت سی جھاڑیاں کاٹیں اور انہیں کنوئیں کے اوپر ڈال دیا۔ پھر ان جھاڑیوں کے اوپر گھاس پھونس ڈال دیا اور ایسا بنا دیا کہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا یہاں نیچے ایک اندھا گہرا کنواں موجود ہے۔ یہ خوفناک جال پھیلانے کے بعد سوانگ چپکے سے واپس خانقاہ میں آ گیا۔

اس وقت تک صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔ سوانگ جلدی سے

واپس اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ ارژنگ ابھی تک سو رہا تھا۔

اس نے ارژنگ کو جگایا اور کہا:

”میں اندھے کنوئیں کے اوپر گھاس کا چھپر ڈال آیا ہوں۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم وہاں ماریا کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے اس میں گرا دو۔“

ارژنگ نے ایک ایسا سوال کیا جس کا جواب سوانگ پجاری کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا:

”مگر مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ وہ کنواں کہاں پر ہے؟“

سوانگ بولا:

”ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ اس کے لیے تو ضروری ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر وہ کنواں پہلے دکھا دیا جائے۔“

ارژنگ نے کہا:

"لیکن اب تم دن چڑھ آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ماریا باہر بیٹھی ہماری چوکیداری کر رہی ہو؟"

سوانگ نے کہا:

"تو پھر خیال ہے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے یہاں سے نکلنا چاہیے۔"

ارژنگ بولا:

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"میں پہلے یہاں سے نکلوں گا تم میرے پیچھے پیچھے آنا۔ جس جگہ گھاس کے اوپر سے میں ٹیڑھا ہو کر گزروں، تم سمجھ لینا کہ اسی جگہ وہ کنواں چھپا ہوا ہے۔"

ارژنگ نے کہا:

"تم ایسا کرنا کہ چلتے چلتے کنوئیں کی چھت والی گھاس پر اپنا کوئی رومال گرا دینا۔ میں وہاں سے بچ کر جاؤں گا اور ماریا کو بھی اشارہ دوں گا کہ میں اس کے اوپر سے گزر رہا ہوں۔ پھر جب وہ اس کے اوپر سے گزرے گی تو اپنے آپ کنوئیں میں گر پڑے گی۔"

سوانگ نے کہا:

"یہ بالکل ٹھیک ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ ماریا اس وقت باہر بیٹھی ہماری راہ دیکھ رہی ہے؟ یہ کہ وہ ہمارا تعاقب کر رہی ہے؟"

ارژنگ نے کہا:

"یہ بڑی معمولی بات ہے۔ تم ابھی سے جا کر برآمدے کے باہر مٹی آٹا پھیلا دو۔ ہم اس پر ماریا کے پاؤں کے نشان صاف پہچان لیں گے۔"

سوانگ بولا:

"شاباش، تم نے میرا بڑا مسئلہ حل کر دیا۔"

سوانگ اسی وقت اٹھ کر پچھلی کوٹھڑی میں گیا۔ وہاں سے مٹھی بھر خشک آٹا لے کر وہ دروازے کے باہر برآمدے میں آیا اور اس نے دروازے کے آگے برآمدے میں چپکے سے آٹا زمین پر بکھیر دیا۔

دوسری جانب ماریا سے غلطی یہ ہوگئی کہ وہ دیر تک سوتی رہی نیند نے اسے دھوکہ دے دیا اور وہ پیچھے رہ گئی۔ اگر وہ صبح صبح اٹھنے کی عادی ہوتی تو وہ بڑی آسانی سے سوانگ کو جنگل میں جا کر اندھے کنوئیں کے اوپر گھاس کا چھپر ڈالتے دیکھ لیتی اور کبھی اس میں نہ گرتی۔ مگر تقدیر اور ماریا کی سستی کی ماری طبیعت نے اپنا کام کر دکھایا۔ اس نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ خانقاہ کے بڑے کمرے میں پجاری ادھر اُدھر بیٹھے بھجن گا رہے تھے۔

دن چڑھ آیا تھا۔ اسے بڑا افسوس ہوا کہ وہ اتنی دیر تک سوئی رہی۔ وہ

بڑی تیزی سے اٹھ کر ارژنگ کے کمرے کی طرف گئی۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر وہ لپک کر طویلے میں آ گئی کہ دیکھے ارژنگ کا گھوڑا وہاں موجود ہے یا نہیں۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ ارژنگ کا گھوڑا طویلے میں اسی طرح سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ارژنگ ابھی تک خانقاہ میں ہے۔ وہ واپس سوانگ کے کمرے کی طرف چل دی۔ وہ اس کمرے کے باہر کھڑی ہو کر ارژنگ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔

جب وہ طویلے میں گئی تھی تو اندر سے سوانگ نے نکل کر برآمدے میں بکھرے ہوئے سفید آٹے کو غور سے دیکھا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ کیونکہ ماریا کے پاؤں کے نشان وہاں سے گزر رہے تھے۔

اس نے فوراً اندر جا کر ارژنگ کو بتایا:

"ماریا باہر آ کر کسی دوسری طرف نکل گئی ہے۔"

ارژنگ بولا:

"کیا مطلب؟"

سوانگ نے کہا:

"مطلب یہ کہ وہ ہمارے کمرے سے باہر آئی ہے اور کچھ دیر رکنے کے بعد کسی دوسری طرف چلی گئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ طویلے میں تمہارا گھوڑا دیکھنے گئی ہوگی۔ وہ واپس آ رہی ہوگی۔ تم تھوڑی دیر بعد نکلیں گے۔ بلکہ میں دروازے سے باہر کھڑے ہو کر ماریا کا انتظار کرتا ہوں۔ جوں ہی میں نے زمین پر ماریا کے قدموں کے نشان دیکھے، میں تمہیں اشارہ کروں گا۔ تم میرے پیچھے پیچھے چل پڑنا۔"

"بہت اچھا چچا میاں۔"

ارژنگ کمرے میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور سوانگ پجاری دروازے کے باہر ایک طرف کھڑے ہو کر ماریا کا انتظار کرنے لگا۔ وہ تھوڑی

دیر کے بعد برآمدے کے فرش کو دیکھ لیتا تھا کہ وہاں کسی لڑکی کے پاؤں کے نشان پڑے ہیں یا نہیں۔ اوپر سے اس نے بہانہ کیا ہوا تھا کہ وہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہاتھ جوڑے اشلوک بھی پڑھ رہا تھا۔

اتنے میں ایک بار جو سوانگ نے چوری چوری آنکھیں کھول کر زمین کو دیکھا تو وہاں ماریا کے پاؤں کے نشان پڑنے لگے تھے یہ نشان سامنے دیوار کے ساتھ جا کر رک گئے۔ سوانگ سمجھ گیا کہ ماریا طویلے سے واپس آگئی ہے۔ وہ چپکے سے کمرے کے اندر چلا گیا۔ اس نے ارژنگ سے کہا:

"یہی چڑیل باہر کھڑی تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔ اب تم باہر نکل آؤ اور میرے ساتھ پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دو۔ وہ بھی تمہارا تعاقب کرے گی۔ جنگل میں جا کر میں اندھے کنوئیں والی جگہ پر اپنا رومال

چھینک کر آگے نکل جاؤں گا۔ بس تمہارا کام اس جگہ خفیہ جاسوس کو لے آنا ہے۔ اس کے بعد وہ خود بخود کنوئیں کے اندر گر جائے گی۔“

”بہت اچھا، میں تیار ہوں۔“

سوانگ خاموشی سے باہر آگیا۔ باہر آ کر وہ برآمدے سے ہو کر خانقاہ کے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے ہی ارژنگ بھی کمرے سے نکل آیا اور سوانگ کے تعاقب میں چل پڑا۔ ماریا ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ اس نے جو ارژنگ کو باہر نکلتے دیکھا تو خوشی کے مارے جھوم اٹھی۔ اس کا دشمن اس کے سامنے تھا۔ وہ بھی بڑی چوکس ہو کر ارژنگ کے پیچھے لگ گئی۔

اب آگے آگے سوانگ پجاری جا رہا تھا۔ پیچھے پیچھے ارژنگ تھا اور اس کے پیچھے ماریا لگی ہوئی تھی۔ جنگل شروع ہو گیا۔ ماریا نے سوچا کہ یہ دونوں ضرور کسی خاص مار پر جا رہے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ یہ اب کیا

سازش کرنے والے ہیں۔ ٹیلوں کے درمیان سے گزر کر ارژنگ ایک پہاڑی راستے پر ہو لیا۔ کیونکہ سوانگ بھی آگے آگے اسی راستے پر جا رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ ارژنگ سڑک پر سے اتر کر جنگل میں ایک کھلی جگہ پر آ گیا۔ یہاں زمین پر دور تک ہری بھری گھاس اگی ہوئی تھی۔ ارژنگ کی نظریں دور سوانگ پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ کس جگہ پر رومال گراتا ہے۔ آخر سوانگ نے ایک جگہ رومال گرا دیا اور خود گھاٹی کی طرف گھوم گیا۔

ارژنگ سمجھ گیا کہ سوانگ نے رومال گرایا ہے۔ اسی جگہ گھاس کے نیچے اندھا کنواں چھپا ہوا ہے۔ وہ چلتے چلتے اس جگہ آ گیا یہاں وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ذرا ٹیڑھا ہو کر گزرا اور آگے جا کر پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ظاہر یہی ہوا کہ وہ گھاس کے ٹکڑے کے اوپر سے گزرا ہے۔ تھوڑی دیر رک کر وہ پھر آگے چل پڑا۔ ماریا برابر اس کے پیچھے

پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اس بے چاری کو کوئی علم نہیں تھا کہ موت کا کنواں اس کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ بڑی خاموشی سے چلی آ رہی تھی۔ آخر وہ جگہ آ گئی جہاں گھاس کے نیچے کنواں چھپا ہوا تھا۔

اگر ماریا کو معلوم نہ تھا۔ وہ ان دونوں مکار آدمیوں کی چال میں آ گئی تھی وہ بے خبری کے عالم میں چلتی ہوئی کنوئیں کے اوپر پڑی گھاس کی چھت کے اوپر آ گئی۔ جوں ہی اس نے گھاس کے اوپر پاؤں رکھا چھت نیچے گر پڑی اور ماریا کو لیتی ہوئی اندھے کنوئیں کے اندر آن گری۔ ماریا کی ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ نیچے گھاس کے ڈھیر پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

ماریا کی چیخ

ماریا کی چیخ کی آواز سن کر ارژنگ نے پلٹ کر دیکھا۔

سوانگ بھی بھاگ کر ارژنگ کے پاس آ گیا۔ وہ اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ماریا کو انہوں نے اپنے جال میں پھنسا کر اندھے کنوئیں میں گرا دیا تھا وہ کنوئیں کے پاس بھاگ کر آئے گھاس کی چھت کنوئیں کی تہہ میں گری ہوئی تھی۔ انہیں ماریا نیچے نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ نیچے ہی ہو گی۔ اگر وہ گرتی تو نہ چھت گرتی اور نہ اس کی چیخ کی آواز آتی۔

سوانگ نے خوش ہو کر کہا:

"دیکھا میری چال کتنی کامیاب رہی۔ تم ساری زندگی بھی کوشش کرتے

تو اس غیبی چڑیل کو نہیں پکڑ سکتے تھے۔ اب تم اور ہم آزاد ہیں۔ بے شک رات کو دروازے کھلے رکھ کر سوؤ۔ یہ تمہارا تعاقب نہ کر سکے گی۔"

ارژنگ کہنے لگا:

"میں تمہاری عقل کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم نے کمال کر دکھایا۔ اس عورت ماریا کو جو کہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی اس کو پکڑنا بڑا مشکل کام تھا جو تمہاری چالاکی نے ایک پل میں کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب میں آزاد ہوں اور جہاں چاہے جا سکتا ہوں، جہاں چاہے رہ سکتا ہوں۔ اب میں چین کے شاہی خاندان کے خلاف کھل کر سازش کر سکوں گا۔"

"اب اس کنوئیں کو اوپر سے بند کر دینا چاہیے۔"

"وہ نیچے سے باہر تو قیامت تک نہیں آ سکتی۔ کیونکہ کنواں گہرا ہے اور

باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔"

اندر کنوئیں میں گھاس کے ڈھیر پر ماریا بے ہوش پڑی تھی۔

ارژنگ اور سوانگ نے ادھر ادھر سے درختوں کی ٹوٹی پھوٹی شاخیں اکٹھی کر کے کنوئیں پر دوبارہ چھت ڈال دی اور اوپر پتے اور گھاس بکھیر دیا۔ پھر سوانگ نے کہا:

"یہاں ہم اوپر قبر کا نشان بنا دیں گے تا کہ لوگ اس کیا اوپر سے نہ گزریں پھر اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکے گا اور ماریا بھوک اور پیاس کے مارے اندر خود بخود مر جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک بات ہے۔ اچھا خیال ہے۔"

اس کام سے فارغ ہو کر ارژنگ اور سوانگ واپس خانقاہ میں آ گئے۔ اس روز ارژنگ اپنے وطن جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ مقتول قبیلے کا ایک اور گوریلا جو کہ سرائے کے مالک سے بھی مل چکا تھا

وہاں پہنچ گیا۔

سرائے کا مالک خوش ہو کر بولا:

"خدا کا شکر ہے کہ سردار کو کچھ تو میرا خیال آیا۔ بھلا تم ہی بتاؤ میں یہ کام اکیلا کیسے کر سکتا تھا؟"

ناگ نے کہا:

"بے چارہ ارژنگ اور کمالا تو سخت ناکام ہو گئے۔ چلو خیر کوئی بات نہیں۔ ہم دونوں اس کام کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام تک پہنچائیں گے۔"

سرائے کے مالک کو یقین ہو گیا تھا کہ ناگ اسی کا آدمی ہے۔ جس نے عنبر کے بارے میں ناگ سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ عنبر بھی اس کا ساتھی منگول گوریلا ہے جو دیوار میں سیندھ لگانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ناگ نے رات والے ساتھی کے بارے میں پوچھا تو

سرائے کے مالک نے بتایا کہ وہ منہ اندھیرے واپس چلا گیا تھا۔

ناگ نے عنبر کو بھی اسی جگہ بلا لیا اور مالک سے اس کا تعارف کرایا۔

عنبر نے سرائے کے مالک سے کہا:

"ولی عہد شہزادے کو ہلاک کرنے میں ہم دونوں سے جو مدد بھی ہو سکی ضرور کریں گے۔ یہ ہمارے سردار کا حکم ہے۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"یہ بتائیں کہ شاہی محل کے بارے بھی آپ لوگ کچھ جانتے ہیں؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"ہمارا سردار کوئی احمق آدمی نہیں ہے۔ اس نے ہزاروں میں سے ہمیں چن کر تمہارے پاس کیوں بھیجا ہے؟ صرف اس لیے کہ ہم شاہی محل میں ایک برس رہ چکے ہیں۔ ارژنگ اور کمالا کو تم نے ہی شاہی محل میں داخل کروایا تھا۔ برا ہوا اس شاہی حکیم کا جس نے سانپ

کے تدبر کا علاج کر دیا۔ ورنہ شہزادے کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔"

عنبر نے کہا:

"ارتنگ کو سانپ اور بانسری میں نے ہی لا کر دی تھی۔"

سرائے کا مالک خوش ہو کر بولا:

"تب تو میرا کام آدھا رہ گیا ہے۔ مجھے تم لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ بلکہ میرا بوجھ آپ نے کم کر دیا ہے۔"

عنبر بولا:

"اصل میں سردار نے بھی یہی سوچ کر تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے اور تمہارا ہاتھ بٹایا جائے۔"

سرائے کے مالک کو اب پوری طرح اعتبار آ گیا تھا کہ عنبر اور ناگ بھی اسی قبیلے کے گوریلے جاسوس ہیں۔ اس نے جلدی سے ان کے لیے قہوہ بنایا اور کہا:

"اب سازش کس طرح سے شروع کی جائے؟"

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ اس سوال کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ مگر عنبر نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے کہا:

"اس کے بارے میں کچھ سوچ کر کل فیصلہ کریں۔ یہ کام جلد بازی کا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بڑی عقل مندی اور ٹھنڈے دل سے کوئی فیصلہ کرنا ہے اور پھر ہر حالت میں اس پر عمل کرنا ہوگا۔"

سرائے کا مالک بولا:

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور سیانے ہیں۔ آپ جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔"

عنبر اور ناگ یہی چاہتے تھے کہ بیوقوف شخص پر قابو پا کر اس سے اپنے مطلب کے مطابق کام لیں۔ منصوبہ ان کا یہ تھا اس شخص کو سرائے سے

اٹھا کر واپس کہاں لے جایا جائے۔ اس سے بہتر ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اس ترکیب پر عمل کرنا چاہتے تھے۔

اسی رات عنبر اور ناگ اپنی سازش کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے کہ سرائے کے مالک نے آکر ان کے دروازے پر دستک دی۔ ناگ اسے اندر لے آیا۔ سرائے کے مالک نے بتایا کا ابھی ابھی ایک گوریلا اسے اطلاع دے گیا ہے کہ یہاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر ٹیلے کے اوپر جو پرانی خانقاہ ہے وہاں کے پجاری سوانگ سے جلد ملا جائے اور ولی عہد کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں اگر اس کی ضرورت پڑے تو اسے بھی ساتھ لے لیا جائے کیونکہ ارژنگ بھی اسی جگہ موجود ہے۔

ارژنگ کا نام سن کر عنبر اور ناگ کا ماتھا ٹھنکا۔ کیوں کہ وہ مکار آدمی ان دونوں کی شکلوں سے واقف تھا۔ ناگ نے ذرا سی گھبراہٹ ظاہر کی۔ مگر عنبر نے فوراً سنبھل کر کہا:

"میں سمجھ گیا کون آیا ہوگا۔ ٹھیک ہے ہم خانقاہ میں جا کر پجاری سوانگ اور ارژنگ سے پورا پورا مشورہ لیں گے۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"تو پھر ہمیں کل ہی خانقاہ کی طرف کوچ کر جانا چاہیے کیونکہ گوریلے نے کہا ہے کہ سردار خاص حکم ہے کہ ایک پل بھی ضائع نہ کیا جائے۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔"

ناگ بولا:

"سردار کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کل صبح ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"ٹھیک ہے، میں صبح کے لیے گھوڑوں کا انتظام ابھی سے کیے دیتا

ہوں۔"

"تو پھر اب صبح ملاقات ہوگی...... خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

سرائے کا مالک خوشی خوشی اپنے کمرے میں اور عنبر اور ناگ اپنے کمرے میں آ گئے۔ سرائے کا مالک اس لیے بڑا خوش تھا کہ اس کی مدد کے لیے دو اور جاسوس عنبر اور ناگ آ گئے ہیں اور پھر خانقاہ میں مشورہ دینے کے لئے سوانگ اور ارژنگ بھی اس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

عنبر نے کمرے میں آتے ہی ناگ سے ہاتھ ملایا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے بڑی ہوشیاری اور دانشمندی سے کام لے کر سارے معاملے کو سنبھال لیا ہے۔

"اب سوال ارژنگ کا ہے۔ اس کم بخت نے تم دونوں کو دیکھا ہوا ہے۔ وہ تو میں پہلی نظر میں ہی پہچان لے گا اور ہمارا راز فاش کر دے گا۔"

ناگ نے کہا:

"اس کے بارے میں بھی سوچ لیں گے۔"

عنبر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ ارژنگ ایک جرائم پیشہ ڈاکو اور قاتل ہے۔ اس نے خدا جانے کس کس کو قتل کیا ہے۔ اگر تم وقت پر شہزادے کی مدد نہ کرتے تو اس نے شہزادے کو بھی سانپ ڈسوا کر ہلاک کر دیا تھا۔"

ناگ بولا:

"اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا کہ ارژنگ ایک قاتل ہے۔ اس کے ہاتھ کئی بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اسے خانقاہ میں جاتے ہی ہلاک کر دیا جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

ناگ کہنے لگا:

"میری رائے میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے صرف یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر ہم ارژنگ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں ورنہ وہ تو ہم دونوں کے لیے مصیبت بن جائے گا اور ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر میرے خیال میں یہاں سے ہم سرائے کے مالک کے ساتھ اکٹھے چلیں گے۔ راستے میں جب پڑاؤ ہو گا تو تم کوئی بہانہ بنا کر پہلے آگے چلے جانا۔ خانقاہ پہنچ کر ارژنگ کو تلاش کرنا۔ وہ یقیناً تمہیں وہیں کہیں مل جائے گا۔ بس وہ جہاں ملے وہیں اس کا کام تمام کر دینا پھر تم آ کر ہمیں رہ میں مل جانا۔ اس کے بعد ہمارا راستہ صاف ہو گا۔"

ناگ کو یہ تجویز پسند آئی۔ رات کو سو گئے۔ صبح صبح سرائے کا مالک تیار ہو کر آ گیا۔ سرائے کے باہر گھوڑے سفر کے لیے تیار کھڑے تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سرائے کے مالک نے خانقاہ کی طرف ان کی رہنمائی شروع کر دی۔

خُونی سازش

ماریا کنوئیں میں بند تھی۔

رات کے بعد دن نکلا تو اوپر گھاس کی چھت میں سے سورج کی ایک آدھ کرن اندھے کنوئیں میں آ گئی۔ اندھیرے میں ذرا سا اجالا ہوا۔

ماریا کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ ایک دن اور رات سے وہاں بند تھی۔ ارژنگ اور سوانگ کا مقصد یہی تھا کہ ماریا بھوک اور پیاس کی شدت سے اپنے آپ ہلاک ہو جائے گی۔ ماریا کا دل گھٹنے لگا۔

بھوک تو اس سے برداشت ہو رہی تھی مگر پیاس کی شدت نے برا حال کر دیا تھا۔ اس نے کنوئیں کی دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنا شروع کر دیا۔ کہیں کہیں پختہ اینٹوں میں پودے اگے ہوئے تھے۔ اس نے

پودوں کو اکھاڑ کر ان کی جڑوں کی رطوبت سے اپنی پیاس کو کسی حد تک بجھایا۔ وہ سوچنے لگی کہ یا خدا! اس قید خانے سے کب رہائی ملے گی؟ وہ خود تو کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بس دعا کرنے لگی۔

ادھر عنبر اور ناگ سرائے کے مالک کو ساتھ لیے خانقاہ کی طرف برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ طے شدہ پال کے مطابق دوپہر کو عنبر نے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کر لیا۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"خانقاہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہیں چل کر آرام کریں گے۔"

مگر عنبر نے کہا:

"میں تو تھک گیا ہوں۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی بھائی۔ چلو کچھ دیر آرام ہی کر لیتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ناگ اچانک چونک کر بولا:

"بھائی۔ مجھے تو ایک کام یاد آ گیا۔ میرا تم لوگوں سے پہلے خانقاہ پہنچنا بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو سردار ناراض ہو جائے گا۔ یہ اس کا حکم تھا کہ اس کام کو سب سے پہلے کروں۔"

سرائے کے مالک نے پوچھا:

"بھائی وہ کون سا کام ہے۔ کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔"

ناگ نے کہا:

"یہ رازداری کا کام ہے۔ اس کے بارے میں سوائے سردار کے اور کوئی نہیں جانتا اور سردار کا حکم ہے کہ اسے کسی کو نہ بتایا جائے۔"

خنجر کہنے لگا:

اچھا بھائی، اگر سردار کا حکم ہے تو پھر ہم کون ہیں۔ تمہیں روکنے والے۔ تم بے شک پہلے جاؤ ہم خانقاہ میں تمہارا انتظار کریں گے:

سرائے کا مالک بولا:

"بھائی جلدی سے واپس خانقاہ پہنچ جانا۔ ارژنگ اور سوانگ بھی تمہاری راہ دیکھیں گے۔ ایسا نہ ہو تم دیر کر دو۔ کیونکہ تمہارے بغیر ہم کوئی بھی مشورہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

ناگ نے ہاتھ ہلا کر کہا:

"بھائی تم ذرا سا بھی فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد خانقاہ میں تمہیں آن ملوں گا۔ تم لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

ناگ بڑی چالاکی سے طے شدہ چال کے مطابق وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ اب اس کی منزل وہ خانقاہ تھی جہاں ارژنگ رہ رہا تھا۔ وہ سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ خانقاہ واقعی وہاں سے زیادہ دور تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ناگ کو دور ایک ٹیلہ دکھائی دیا جس کے اوپر خانقاہ کا گنبد چمک رہا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی وہ خانقاہ ہے جہاں

ارژنگ اور سوا تنگ پجاری رہتا ہے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار اور تیز کر دی۔

ابھی شام کے سائے پھیلنے ہی لگے تھے کہ ناگ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارژنگ اسے دیکھ کر چوکنا ہو جائے۔ وہ خانقاہ کی پچھلی طرف آ گیا۔ یہاں اس نے چٹانوں کے درمیان ایک جگہ اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ خود خانقاہ کی عقبی دیوار کے پاس آ کر آگے چلنے لگا۔ اب ایک دروازہ آ گیا۔ ناگ دروازے کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے زور سے آواز دی:

"کون ہو تم؟ ٹھہر جاؤ! ورنہ تیر چلا دوں گا۔"

ناگ نے سوچا کہ کہیں یہ ارژنگ ہی نہ ہو۔ اگر اس نے اسے دیکھ لیا تو اسی جگہ بھانڈا پھوٹ جائے گا! چنانچہ وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ دائیں جانب کو گھوم گیا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ادھر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ ناگ تیزی سے کوٹھڑی کے اندر گھس گیا اور اس نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ دروازہ بند کرتے ہی پہرے دار نے باہر سے دروازے پر دھکے مارنے شروع کر دیے۔

"دروازہ کھول کر باہر آ جاؤ۔ نہیں تو تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور ایسی سزا ملے گی کہ تمہاری نسلیں بھی اسے نہ بھلا سکیں گی۔"

ناگ کو پہرے دار کی بک بک سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس دوران میں جون بدل کر سانپ بن گیا تھا۔ پہرے دار کے ساتھ دوسرے پجاری بھی آن ملے تھے۔ انہوں نے دروازے کو توڑ دیا۔ جب دروازہ توڑ کر اندر آئے تو حیران رہ گئے۔ کیونکہ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ سب پہریدار کی طرف دیکھ کر بولے:

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خبردار جو پھر کبھی اس

طرح کا شور مچایا۔"

پہریدار نے کہا:

"میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نوجوان کو کوٹھڑی میں گھستے اور اس کا دروازہ بند کرتے دیکھا ہے۔"

دوسرے پجاریوں نے کہا:

"تو پھر وہ کہاں گم ہو گیا؟"

پہریدار نے کہا:

"یہ میں کیا جانوں۔ شاید وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہو گا۔"

مگر بھلا ناگ ان کے ہاتھ کیسے آ سکتا تھا۔ وہ تو سیاہ کالے سانپ کی شکل میں ایک مرتبان کے اندر چھپا ہوا تھا۔ تھک ہار کر پجاری پہریدار کو برا بھلا کہتے کوٹھڑی سے واپس چلے گئے۔ کمرے میں ناگ اکیلا رہ گیا تھا کہ ساری خانقاہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ گھوم پھر کر یہ معلوم کرے کہ ارژنگ کس جگہ پر ہے۔ پھر جب ارژنگ مل جائے تو اسے فوراً ڈس کر مار ڈالے۔

ناگ نے باہر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔

کوٹھڑی سے باہر شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا خانقاہ کے بڑے کمرے یعنی عبادت گاہ کی طرف آ گیا۔

عبادت گاہ میں لوگ پوجا کر رہے تھے سانپ یہاں بھی بڑی احتیاط سے دیوار کے ساتھ ساتھ لگ کر چل رہا تھا۔ ذرا خطرہ محسوس ہوتا تو فوراً ایک طرف کو دبک جاتا۔ خطرے کا احساس دور ہوتا تو پھر رینگنا شروع کر دیتا۔

کبھی موقع ملتا تو سر اٹھا کر لوگوں کو بھی دیکھ لیتا کہ کہیں ارژنگ تو نہیں بیٹھا ہے۔

ارژنگ بڑی عبادت گاہ میں نہیں تھا۔ سانپ وہاں سے باہر آ گیا۔ اس نے گھوم پھر کر سارے کمرے دیکھ لیے۔ اب صرف پجاریوں کی کوٹھڑیاں رہ گئی تھیں۔ اس نے کوٹھڑیوں کے بھی چکر لگانے شروع کر دیے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ارژنگ ایک کوٹھڑی میں سے باہر نکل کر خانقاہ کی ڈیوڑھی کی طرف چل پڑا۔ سانپ ہوشیار ہو گیا۔

ارژنگ اس سے دور تھا۔ پھر بھی وہ دیوار پر چڑھ کر تیزی سے خانقاہ کے باہر کھڑے گھوڑے پر سوار ہوا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب تو ناگ کے لیے بھی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ بھی ارژنگ کے گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھا کرے۔ وہ اسی وقت پھنکار مار کر انسان کے روپ میں آ گیا۔ چٹانوں کے پیچھے سے اس نے اپنا گھوڑا پکڑا اور اس پر سوار ہو کر جدھر ارژنگ کو دیکھ لیا شام کے اندھیرے میں وہ جنگل میں جا رہا تھا۔ ناگ نے بھی تعاقب جاری رکھا۔ ارژنگ ایک

جگہ پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ ناگ بھی گھوڑے پر سے اتر آیا۔ اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور چپکے سے ارژنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

ارژنگ اصل میں اس جگہ آ گیا تھا جہاں کنوئیں کے اندر ماریا زندہ دفن کی جا رہی تھی۔

کنوئیں میں ماریا کا برا حال تھا۔ پیاس کی شدت سے اس کی زبان پر کانٹے پڑ گئے تھے۔ بھوک نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔

وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں کنوئیں کے اندر سوکھی گھاس کے ڈھیر پر پڑی تھی۔ ارژنگ یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ اندر ماریا مری ہے یا زندہ ہے۔ وہ اسے دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ماریا کو آواز نہیں دے گا۔ بلکہ پتھر رگڑ کر شعلہ پیدا کرے گا اور اسے کنوئیں میں پھینک کر آگ لگا دے گا۔

ناگ اسی وقت پھنکار مار کر سانپ کی جون میں آ گیا۔

وہ ارژنگ کے عقب میں ایک درخت کی اوٹ میں آ کر بیٹھ گیا اور دیکھنے لگا کہ ارژنگ کیا کرتا ہے۔ ارژنگ نے کنوئیں کے اوپر پڑی ہوئی چھت ایک طرف ہٹائی اور اندر جھانک کر دیکھنے لگا۔

ناگ بڑا حیران ہوا کہ یہ اندر کیا جھانک رہا ہے۔ اتنے میں ارژنگ نے ایک آواز دی:

”اے غیبی چڑیل کیا تو ابھی تک زندہ ہے؟“

ارژنگ نے یہ سوال بار بار دہرایا۔ کنوئیں میں سے کوئی آواز نہ آئی۔

ارژنگ نے ایک قہقہہ لگا کر کہا:

”غیبی چڑیل، آخر تو میرے قابو آ گئی۔ تو نے غائب رہ کر ہم لوگوں کو بے حد تنگ کیا تھا۔ مگر اب تو میرے انتقام سے بچ نہ سکے گی۔ میں اس کنوئیں میں آگ لگا رہا ہوں اور تو اسی دوزخ میں ہی جل کر راکھ

ہو جائے گی۔“

ناگ کا ماتھا ٹھنکا کہ کنوئیں کے اندر کہیں ماریا نہ ہو۔ کیوں کہ نشانیاں ساری ماریا کی مل رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ارژنگ نے اپنی مکاری سے کام لے کر اسے کنوئیں میں گرا دیا ہو اور اب اسے جلا کر بھسم کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ آگ لگانے سے پہلے پہلے ارژنگ کو ڈس دینا بہت ضروری ہے۔

ارژنگ دو پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ سانپ اس کے پیچھے آ گیا۔ سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر زور سے پھنکار ماری۔ ارژنگ نے خوف زدہ ہو کر پیچھے دیکھا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے ایک سیاہ کالے سانپ کو پھن پھیلا کر بار بار زبان نکالتے اور جھومتے دیکھ کر اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کا سانس خشک ہو گیا۔ ارژنگ نے زمین پر سے درخت کی کٹی ہوئی شاخ اٹھا کر

سانپ کی گردن پر مارنے کی کوشش کی ہی تھی کہ سانپ نے لپک کر اس کی گردن پر ڈس دیا۔

ارژنگ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس کا ہاتھ درخت کی شاخ پکڑے ہی رہ گیا۔ اس کا جسم گرم ہو کر پھٹنے لگا۔ خون اس کے ناک، کان اور منہ سے بہنا شروع ہو گیا اور وہ گر پڑا۔ سانپ فوراً اپنے اصلی انسانی روپ میں آ گیا۔ ارژنگ نے غور سے ناگ کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گیا۔

"تم..... تم ہو.....؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں، میں ہوں ناگ۔ تمہارا دشمن۔ تم جیسے ظالم تانگوں کا دشمن۔ بتاؤ اس کنوئیں میں کون ہے؟"

ارژنگ کے منہ آخری الفاظ نکلے:

"نہیں بتاؤں گا..... نہیں....."

اور ارژنگ کی گردن ڈھلک گئی اور وہ مر گیا۔

ناگ نے اسے تو وہیں چھوڑا اور کنوئیں کے اندر منہ کر کے آواز دی:

"ماریا بہن، میں ناگ بول رہا ہوں اگر تم کنوئیں کے اندر ہو تو آواز دو۔ میں نے ارژنگ کو ہلاک کر دیا ہے۔"

کنوئیں کے اندر سے ایک کمزور سی آواز آئی:

"ناگ بھائی، ناگ بھائی۔"

ناگ تو بے چین ہو گیا۔ کنوئیں کے اندر سچ مچ ماریا ہی تھی اور اگر وہ ذرا دیر کر دیتا تو ارژنگ آگ لگا کر اسے بھسم کر چکا تھا۔

ناگ نے کنوئیں میں منہ ڈال کر دوبارہ کہا:

"ماریا بہن، گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی تمہیں باہر نکالتا ہوں۔"

ناگ بھاگ کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔ ایک مضبوط رسا ہمیشہ

گھوڑے پر موجود رہتا تھا۔ وہ رسا لے کر کنوئیں کے پاس آ گیا۔ ایک درخت کے ساتھ اس نے رسا باندھا۔ پانی کی چھاگل ساتھ لی اور رسا کنوئیں کے اندر پھینک کر نیچے اتر گیا۔

"ماریا بہن تم کہاں ہو؟"

ماریا نے کمزور آواز میں کہا:

"میں یہاں ہوں ناگ بھائی۔"

ٹٹول ٹٹول کر ناگ ماریا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے چھاگل سے ماریا کو پانی پلایا۔ پانی پی کر اسے کچھ ہوش آیا تو اس نے کہا:

"ناگ بھائی خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔ اگر آج کی رات کوئی نہ آتا تو صبح تک میں مر گئی ہوتی۔"

ناگ نے کہا:

"میں ابھی تمہیں باہر نکالے دیتا ہوں ماریا بہن۔"

ماریا نے پوچھا:

"عنبر بھائی کہاں ہیں؟"

"تم خاموشی سے آرام کرو۔ وہ بھی یہیں ہے۔ میں سب کچھ تمہیں بتا دوں گا۔"

ناگ نے ماریا کو اچھی طرح رسے کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر پہلے خود اوپر آیا۔ پھر بڑی مشکل سے رسے کو گھوڑے کے ساتھ باندھ کر اسے آگے چلایا۔ گھوڑے کے زور لگانے سے رسا ماریا کو لے کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔

ارژنگ کی لاش

ماریا نیم بے ہوش تھی۔

ناگ نے ماریا کو پانی پلایا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر کہیں جا کر اسے پوری طرح ہوش آیا۔ ناگ کو ماریا نے پوری کہانی سنائی کہ کس طرح ارژنگ اور پجاری سوانگ نے اسے دھوکہ دے کر جنگل میں اپنے پیچھے لگا لیا اور پھر بڑی مکاری سے اسے اندھے کنوئیں میں گرا دیا۔ ناگ نے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ میں عین وقت پر پہنچ گیا، وگرنہ ان لوگوں نے تمہیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

ماریا نے عنبر کے بارے میں پوچھا۔ ناگ نے بتایا:

"عنبر اور سرائے کا مالک پیچھے پیچھے آ رہے ہیں ہم نے ایک بڑی خطرناک چال چلی ہے۔ میں نے اور عنبر نے سرائے کے مالک پر یہ

ظاہر کیا ہے کہ ہم بھی بن منگول ہیں اور ان کے ساتھ ہیں ہمیں بھی قبیلے کے سردار نے ولی عہد شہزادے کے قتل میں ان کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"مگر خانقاہ میں تو ارژنگ بھی موجود ہے۔ وہ ابھی ابھی یہاں تھا وہ کہاں چلا گیا؟"

ناگ نے ماریا کو ارژنگ کی لاش دکھا کر کہا:

"یہ دیکھو اس کی لاش۔ میں نے اسے ختم کر دیا ہے۔ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ سوانگ پجاری ہمیں نہیں پہچانتا۔ وہ ہماری باتوں پر بھروسہ کرے گا جس طرح سرائے کے مالک نے کیا ہے۔ بس اب ہم جس طرح سے چاہیں انہیں کام پر لگائیں گے اور شاہی محل لے جا کر گرفتار کروا دیں گے۔"

ماریہ نے کہا:

"یہ تم لوگوں نے بڑی اچھی چال سوچی ہے۔ چلو اب خانقاہ چلتے ہیں۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔"

ناگ نے کہا:

اس وقت میرے پاس خشک مچھلی موجود ہے۔ تم تھوڑی سی وہ کھالو تاکہ تمہیں کچھ حوصلہ ہو۔"

ناگ نے ماریا کو گھوڑے کے ساتھ لٹکے ہوئے جھولے میں سے خشک بھنی ہوئی مچھلی کے کچھ ٹکڑے دیے اور پھر اسے ساتھ لے کر وہ اس خانقاہ کی طرف چل پڑا۔ اس دوران میں عنبر اور سرائے کا مالک خانقاہ پہنچ گئے تھے۔ وہ ایک کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ بڑے پجاری سوتنگ کو اطلاع کر دی گئی کہ سردار کی طرف سے بھیجے گئے جاسوس اس سے ملنے آئے ہیں۔ ناگ بھی ماریا کو لے کر خانقاہ پہنچ گیا۔

اس نے ماریا کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہا اور خود اس کمرے میں آ گیا جہاں عنبر اور سرائے کا مالک موجود تھا۔ عنبر نے ناگ کو دیکھتے ہی کہا:

"کیا کام کر لیا ناگ بھائی؟"

اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ کیا ناگ نے ارژنگ کا کام تمام کر دیا ہے؟ سرائے کا مالک اس اشارے کو نہ سمجھ سکا مگر ناگ سمجھ گیا۔ اس نے کہا:

"عنبر بھائی! آپ کی دعا سے کام اچھی طرح ہو گیا ہے۔"

عنبر بہت خوش ہوا کہ ارژنگ کا کانٹا راستے سے نکل گیا ہے۔ اب ناگ کسی نہ کسی طرح سرائے کا مالک کی موجودگی ہی میں عنبر کو بتانا چاہتا تھا کہ ماریا بھی مل گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ہے۔ ماریا اندر کمرے میں آ کر ایک طرف کھڑی تھی اور اپنے بھائی عنبر کو بڑے شوق

سے دیکھ رہی تھی۔ جس طرح کہ ایک مدت کی بچھڑی ہوئی بہن اپنے بھائی کو دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک اٹھے۔ اس سے رہا نہ گیا۔ وہ چپکے سے آگے بڑھی اور عنبر کے کان کے قریب منہ لا کر بولی:

"تم پر سلامتی ہو میرے بھائی۔ میں ماریا ہوں۔"

عنبر کے کان میں ماریا کی آواز پڑی۔ تو وہ بے حد خوش ہوا اس کا چہرا خوشی سے لال ہو گیا۔ وہ سرائے کے مالک کے سامنے تو اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ ناگ کی طرف منہ کر کے بولا:

"ناگ بھائی، تم سے دوبارہ مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

سرائے کا مالک نے حیرانی سے پوچھا:

"مگر تم تو ابھی ابھی جدا ہوئے تھے۔ تمہیں جدا ہوئے زیادہ دیر تو نہیں

ہوئی۔ پھر یہ خوشی کا اظہار کیسا؟"

عنبر نے جلدی سے کہا:

"بھائی تمہیں نہیں معلوم، ہم دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم جب تھوڑی دیر الگ رہ کر بھی ملتے ہیں تو ہمیں اتنی خوشی ہوتی ہے کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔"

سرائے کے مالک نے مسکرا کر کہا:

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

ناگ بولا:

"عنبر بھائی، مجھے خود تم سے مل کر بے حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اگر ہم اس خانقاہ میں نہ آتے تو پھر خدا جانے کب ملاقات ہوتی؟"

سرائے کے مالک نے پریشان سا ہو کر کہا:

"بھائیو تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ آخر تم آپس میں

ملنے پر اتنی خوشی کا اظہار کیوں کر رہے ہو جب کہ تم ابھی کچھ دیر پہلے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔"

عنبر ہنستے ہوئے بولا:

"بھائی، تم ہماری آپس کی محبت کو نہیں سمجھ سکتے ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ سوانگ پجاری کب آ رہا ہے؟"

سرائے کا مالک کہنے لگا:

"میں نے آدمی تمہارے سامنے بھجوا دیا ہے۔ بس آنے والا ہے۔"

خنجر نے کہا:

"بھائی میرا تو خیال ہے کہ تم خود اسے جا کر لاؤ۔ ہم نے بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں اور سردار نے کہا تھا کہ ہرگز وقت ضائع نہ کیا جائے۔"

ناگ نے جان بوجھ کر عنبر کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے بھائی کہ تم خود جا کر سوانگ کو لے آؤ۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ دیر کر دے۔"

سرائے کے مالک کا اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر اسے مجبوراً اٹھنا ہی پڑا۔ جب وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو بولا:

"بھائیو، اگر مجبور کرتے ہو تو میں خود جا کر پجاری سوانگ کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سرائے کا مالک کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی عنبر نے ہاتھ بلا کر ماریا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"پیاری بہن، تمہاری تلاش میں ہم جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرے۔ آخر ہم چین کے شاہی دربار میں آ گئے۔ یہاں بھی تمہاری تلاش جاری رکھی۔ جہاں کہیں ہمیں تمہاری اطلاع ملی کہ لوگوں نے تمہیں دیکھا ہے یا محسوس کیا ہے تو ہم فوراً اس جگہ پہنچ جاتے۔ خدا کا

شکر ہے کہ اب تم ہمیں مل گئیں۔"

عنبر نے ناگ کی زبانی جب یہ سنا کہ ارژنگ نے ماریا کو ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا اور پجاری سوانگ بھی اس سازش میں برابر کا شریک تھا تو اسے بے حد دکھ ہوا۔ اس نے کہا:

"میں بہت خوش ہوں ناگ کہ تم نے ارژنگ کا کام تمام کر کے اس سے اگلے پچھلے سارے بدلے لے لیے۔ اب ہم اس پجاری سوانگ کو بھی اپنی بہن ماریا پر کیے گئے ظلم کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"اگر تم اجازت دو بھائی تو میں ابھی پجاری سوانگ کو بھی ڈس کر ارژنگ کے پاس جہنم میں پہنچا دیتا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بھائی، ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ابھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر ہم نے ان سے بڑا کام لینا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ ناگ بھائی نے معصوم ولی عہد شہزادے کی جان عین وقت پر بچالی۔ وگرنہ کمالا اور ارژنگ نے تو اس پر سانپ چھوڑ دیا تھا۔"

ناگ بولا:

"چھوڑ کیا دیا تھا بلکہ سانپ نے تو ڈس بھی لیا تھا۔ وہ تو شہزادے کی خوش قسمتی تھی کہ ہمیں وقت پر اطلاع مل گئی نہیں تو شہزادے کی جان نہیں بچ سکتی تھی۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ دروازے کے باہر آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر نے کہا:

"وہ آ رہے ہیں ماریا بہن، اب تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا الگ ہو کر رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ماریا نے کہا:

"ارتنگ نے میرے بارے میں پجاری سوانگ کو بتا دیا تھا کہ ایک غیبی چڑیل اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اس لیے پجاری سوانگ سے خبردار ہو کر رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں تم اس سے ہوشیار رہنا اور دور رہنے کی کوشش کرنا۔"

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور سرائے کا مالک پجاری سوانگ کو لے کر اندر داخل ہوا۔ سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر پجاری سوانگ سے عنبر اور ناگ کا تعارف کروایا۔

"یہ عنبر اور ناگ ہیں۔ سردار نے منگولیا سے انہیں ہماری مدد کے لیے خاص طور بھیجا ہے۔ میرا خیال ہے سوانگ تم کو ان سے مل کر ضرور خوشی ہوگی۔ کیونکہ ان کے آنے سے ہمارا کام آسان ہو جائے گا اور بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔"

مکار پجاری سوانگ نے بڑی تیز نظروں سے عنبر اور ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ عنبر اور ناگ نے پجاری کی نگاہوں کی عیاری بھانپ لی۔ مگر وہ بالکل گھبرائے نہیں اس لیے کہ وہ اس سے پہلے کئی مکار لوگوں کو بھگتا چکے تھے۔ پجاری نے عنبر سے پوچھا:

"کیا تم منگولیا کے رہنے والے ہو عنبر؟"

"جی ہاں، میں وہیں پیدا ہوا۔ میرا تعلق شان قبیلہ سے ہے۔"

اتنا کچھ عنبر نے پہلے ہی سے معلوم کر لیا تھا اور پھر اس میں ایک خاص قوت تھی کہ وہ ہر زبان سمجھ بھی لیتا تھا اور بول بھی سکتا تھا اس نے منگولی زبان میں پجاری سے باتیں شروع کر دیں۔ مگر پجاری کو یہ زبان بہت معمولی آتی تھی۔ اس نے گھبرا کر کہا:

"بس بس میں یہ زبان روانی سے نہیں بول سکتا بھائی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ سردار نے تمہیں اور کیا کیا ہدایات دی ہیں؟"

عنبر بولا:

"سردار نے ہمیں سب سے بڑی ہدایات یہی دی ہے کہ خانقاہ میں جا کر تم سے اور ارژنگ سے ملاقات کی جائے۔ ارژنگ کو واپس بھجوا دیا جائے اور تم لوگ ولی عہد شہزادے کو قتل کرنے میں سوانگ کی مدد کرو۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"اور میری بھی تو مدد کرو۔"

عنبر بولا:

"ہاں تمہاری بھی مدد کرنے کے لیے سردار نے کہا تھا۔"

پجاری سوانگ کہنے لگا:

"لیکن میرے خیال میں تم اتنا بڑا کام نہ کر سکو گے۔ اس لیے یہ کام میں اپنے ذمے لیتا ہوں عنبر اور ناگ میری مدد کریں گے تم چاہو تو واپس اپنی سرائے میں جا سکتے ہو۔"

اصل میں سرائے کا مالک یہی چاہتا تھا۔ مگر اوپر اس نے کہا:

"مگر میں بھی اس مہم میں شریک ہو کر اپنے ملک کی اور اپنی عوام اور قبیلے کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

پجاری سوانگ نے کہا:

"وہ تم پھر کسی وقت کر لینا ابھی تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔ کیونکہ اتنے زیادہ آدمی اس کام پر نکلے تو پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ بس ہم تینوں ہی کافی ہیں۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"تو پھر اجازت دو...... لیکن میں ذرا ارژنگ سے تو مل لوں۔ بڑی دیر

کے بعد اس سے ملاقات ہو رہی ہے۔ کہاں ہے ارژنگ؟"

پجاری سوانگ کہنے لگا:

"آؤ اس کے کمرے میں چلتے ہیں۔ یہ ساتھ والے کمرے میں ہی رہتا ہے۔"

پجاری سوانگ عنبر اور ناگ وغیرہ کو لے کر ارژنگ کی کوٹھڑی میں آ گئے۔ ماریا دل ہی دل میں بڑی ہنس رہی تھی کہ ارژنگ کی لاش تو کنوئیں کے پاس جنگل میں پڑی ہے۔ ناگ بھی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ کمرے کو خالی دیکھ کر پجاری سوانگ کچھ پریشان ہو کر بولا:

"وہ کبھی اس وقت رات کو گھر سے باہر نہیں نکلا۔"

ناگ نے کہا:

"ہو سکتا ہے خانقاہ کے اندر عبادت کر رہا ہو۔"

"نہیں، وہاں سے میں آ رہا ہوں۔ خانقاہ میں وہ کہیں بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر کہاں جا سکتا ہے؟"

پجاری بولا:

"میرا خیال ہے کہ وہ کہیں جنگل میں نہ چلا گیا ہو۔"

"جنگل میں؟ وہ کس لیے؟"

پجاری نے کہا:

"بات دراصل یہ ہے کہ ارژنگ کے پیچھے ایک غیبی چڑیل لگ گئی تھی جو ہماری منگول قوم کی دشمن اور چین کے لوگوں کی دوست تھی۔ اسے جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا تھا۔ وہ خود تو سب کو دیکھ لیتی تھی۔ مگر خود کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ ہم نے اسے مار ڈالنے کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ جنگل میں جا کر ایک اندھے کنوئیں پر گھاس کی چھت ڈالی اور بہانے سے اس غیبی چڑیل کو اپنے پیچھے لگا کر اس اندھے کنوئیں

میں پھینک آئے۔ اب تک تو غیبی چڑیل کنوئیں کے اندر دم توڑ چکی ہو گی۔"

ناگ نے کہا:

"تو تمہارا خیال ہے کہ ارژنگ وہاں گیا ہو گا؟"

پجاری بولا: "ہو سکتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر وہاں چل کر دیکھ لیتے ہیں۔ کہیں ارژنگ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔"

پجاری سوانگ کا خیال ارژنگ کے پیچھے جنگل میں جانے کا نہ تھا مگر جب ناگ نے یہ بتایا کہ ہو سکتا ہے وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہو تو اس نے کہا:

"ہاں ہاں، چلو جنگل میں اس اندھے کنوئیں پر چلتے ہیں کہیں ارژنگ

وہیں پر نہ گیا ہو۔"

وہ سارے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ماریا وہیں ٹھہری رہی۔ وہ پجاری کی باتیں سن سن کر دل میں بہت ہنس رہی تھی کہ جس عورت کو وہ اپنی طرف سے اندھے کنوئیں میں پھینک کر مار آئے ہیں۔ وہ ان کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ ماریا نے وہیں باورچی خانے میں جا کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور تخت پر لیٹ گئی۔

پجاری سوانگ سرائے کے مالک۔ عنبر اور ناگ کو لے کر مشعل کی روشنی میں جنگل میں سے ہو کر اس مقام پر آ گیا۔ جہاں اندھا کنواں تھا جس میں وہ ماریا کو پھینک گئے تھے۔ سب سے پہلے جب پجاری نے یہ دیکھا کہ اندھے کنوئیں کے اوپر سے چھت غائب ہے تو وہ انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔

"ارے اس کنوئیں کے اوپر سے شاخوں کی چھت کس نے اتار دی

ہم تو یہاں گھاس پھونس کی چھت ڈال رکھی تھی۔"

اس نے مشعل کی روشنی میں جھک کر نیچے کنوئیں میں دیکھا۔

روشنی میں سارا کنوآں خالی دکھائی دیا۔ پجاری بولا:

"ہو سکتا ہے، غیبی چڑیل نیچے مری پڑی ہو۔ کیونکہ وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کنوئیں کے اوپر سے چھت کس نے اٹھا کر پرے پھینک دی؟ اور ارژنگ کہاں ہے؟"

ناگ کو معلوم تھا کہ اس کی لاش کہاں پڑی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ایک طرف جا کر جھوٹ موٹ چونک کر کہا:

"یہ کس کی لاش ہے؟"

پجاری، ناگ، سرائے کا مالک اور عنبر بھاگ کر ادھر گئے۔

پجاری نے ارژنگ کی لاش فوراً پہچان لی۔

"ارے، یہ تو ارژنگ کی لاش ہے۔ اسے قتل کس نے کیا ہے؟"

ناگ نے لاش پر جھک کر کہا:

"ارژنگ کو قتل نہیں کیا گیا۔ اسے کسی سانپ نے کاٹا ہے۔ دیکھو اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے یہ سانپ کے زہر کا اثر ہے۔"

پجاری کو ارژنگ کی موت کا بڑا دکھ ہوا۔ سرائے کا مالک بولا:

"اس جنگل میں زہریلے سانپ بہت ہوتے ہیں۔ بے چارہ غیبی چڑیل کو دیکھنے آیا ہوگا کہ سانپ نے ڈس لیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کی روح کی بخشش کے لیے دعا کرنی چاہیے۔"

عنبر بولا:

"ہم اس کی لاش کو زمین کے اندر دفن کر دیں نہیں تو یہاں چیلیں اور کوّے تو کیا سرخ چیونٹیاں ہی اس کے سارے جسم کو کھا کر ختم کر جائیں گی۔"

انہوں نے مل کر ایک گڑھا کھودا اس میں ارژنگ کی لاش کو دفن کر دیا۔

خانقاہ کی رات

ارژنگ کی لاش کو دفن کرنے کے بعد واپس خانقاہ میں آ گئے۔

عنبر اور ناگ کا خیال تھا کہ ماریا بھی غائب حالت میں ان کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوگی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو پجاری نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ عنبر اور سرائے کا مالک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ پجاری ایک بڑی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ناگ کو بھی ماریا دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ تخت پوش پر لیٹی لیٹی سو گئی تھی......

ناگ نے تخت پوش خالی دیکھا تو اس پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ماریا کے منہ سے چیخ نہیں نکل گئی۔ پھر بھی اس نے ایک آہ سی بھری۔ جس کو پجاری نے سن لیا۔ وہ ناگ کے ہڑبڑا کر اٹھنے سے بھی شک میں پڑ گیا۔

جلدی سے بولا:

"یہ ابھی ابھی کسی لڑکی نے آہ بھری تھی۔ ناگ تم ہڑبڑا کر تخت پوش سے کیوں اٹھے ہو؟ کیا تم نے اپنے نیچے کسی انسان کو محسوس کیا تھا؟"

ماریا یہ سن کر جلدی سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

ناگ نے کہا:

"نہیں تو، میں نے تو اپنے نیچے کسی انسان کو محسوس نہیں کیا۔"

مکار پجاری نے کہا:

"تو پھر ایک دم ہڑبڑا کر کیوں اٹھے تھے؟"

ناگ نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے کہا:

"مجھے تخت پوش پر کانٹا سا چبھا تھا۔"

پجاری سوانگ نے کہا:

مجھے شک ہے کہ وہ چڑیل کنوئیں میں سے نکل کر آزاد ہو گئی ہے:

وگرنہ یہ کیسے ہوتا کہ کنوئیں کی چھت غائب ہوتی اور پھر میں نے کنوئیں پر رسے کا نشان بھی دیکھا تھا!

ناگ نے کہا:

"مگر وہ غیبی چڑیل کنوئیں سے باہر کیسے آ سکتی تھی؟"

عنبر بولا:

"ارژنگ اسے باہر نکال نہیں سکتا تھا۔"

سرائے کا مالک کہنے لگا:

"جو کچھ بھی ہو ہمیں یہی سمجھنا چاہیے کہ غیبی چڑیل کنوئیں سے باہر آ چکی ہے اور ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ ہمیں ہر ایک پل اس سے خبردار رہنا ہوگا۔"

سرائے کا مالک ڈرتے ہوئے کہنے لگا:

"کیا معلوم کہ وہ اس وقت بھی اس کمرے کے اندر موجود ہو۔"

عنبر نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"نہیں بھائی ہم غیبی چڑیل کو نہیں جانتے۔"

پجاری بولا:

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میری اس سے ٹکر ہوئی تھی۔ وہ اگر کنوئیں سے باہر ہے تو پھر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے ہمیں اس کمرے کی تلاشی لینی چاہیے۔"

عنبر ناگ اور ماریا گھبرا گئے۔ کیونکہ ناگ نے اشاروں سے عنبر کو بتا دیا تھا کہ ماریا اس کمرے میں موجود ہے۔ ماریا دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ سرائے کے مالک اور پجاری نے اٹھ کر کمرے میں ماریا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں بازو کھول کر ادھر ادھر ہاتھ مار رہے تھے کہ اگر ماریا وہاں ہوئی تو ضرور ہاتھ اس سے ٹکرائیں

گئے۔ عنبر اور ناگ بھی ماریا کو تلاش کر رہے تھے۔ مگر انہوں نے ہاتھ پھیلا کر ماریا کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ جدھر جدھر عنبر اور ناگ بازو پھیلائے جاتے، ماریا ان کے پیچھے پیچھے جاتی۔

آخر عنبر نے کہا:

''میرا خیال ہے، غیبی چڑیل اس کمرے میں نہیں ہے۔''

ناگ بولا:

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

سرائے کا مالک کہنے لگا:

''اگر وہ ہوتی تو اب تک ضرور کسی نہ کسی سے ٹکرا جاتی۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ ضرور اندھے کنوئیں میں ہلاک ہو گئی ہے۔''

پجاری سر کو جھٹک کر بولا:

''ہو سکتا ہے، تم لوگ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن جانے کیوں میرا دل بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ وہ یہاں موجود ہے۔ اگر کمرے کے اندر نہیں ہے تو کمرے سے باہر کسی جگہ کھڑی ہمارا انتظار کر رہی ہے کہ ہم باہر نکلیں اور وہ ہمارا تعاقب شروع کر دے اور موقع ملتے ہی ہم پر حملہ کر دے۔''

ماریا کو پجاری پر سخت غصہ آیا کہ کم بخت کو کیسا شک پڑ گیا ہے۔ ناگ اور عنبر نے بھی سوچا کہ ایسا گدھا ہے کہ ایک بات کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا! بہرحال انہیں اس بات کی خوشی ہو گئی تھی کہ ماریا بچ گئی ہے۔ اب پجاری نے کہا:

''ہمیں اپنی خفیہ کاروائی شروع کر دینی چاہیے۔''

''ضرور ضرور'' سرائے کے مالک نے کہا۔

پجاری بولا:

"سب سے پہلی بات تو یہ طے ہے کہ سرائے کے مالک کو صبح ہی واپس سرائے میں چلے جانا چاہیے۔ تاکہ یہ وہاں جا کر اپنا کام کرتا رہے اور ہمارا بوجھ ہلکا ہو۔ زیادہ آدمی اکثر مصیبت کا باعث بن جاتے ہیں کیوں عنبر تمہارا کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا:

"مناسب خیال ہے یہ واپس ہی چلا جائے تو اچھا ہے۔ ہم اکیلے ولی عہد کو ختم کر سکتے ہیں اور پھر ہمیں شاہی محل کے چپے چپے کا حال معلوم ہے۔"

سرائے کا مالک بڑا خوش ہوا کہ اس کی جان چھوٹی۔ وہ اس قدر خطرناک کام پر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں اس کی جان کو قدم قدم پر خطرہ تھا اس نے کہا:

"جیسے آپ کا حکم ہو، میں ویسے ہی کروں گا۔ میں صبح ہی واپس اپنی

سرائے میں چلا جاؤں گا اور وہاں رہ کر کام کروں گا۔"

پجاری بولا:

"ٹھیک ہے تم چلے جانا۔۔۔ اب عنبر تم یہ بتاؤ کہ شاہی محل کا حدود اربعہ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"شہنشاہ چین کا شاہی محل بہت بڑا ہے۔ وہ ایک بہت خوبصورت جھیل کے کنارے آباد ہے۔"

پجاری نے کہا

"اس کو چھوڑو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ جس ولی عہد شہزادے کو ہم نے قتل کرنا ہے، وہ کہاں پر ہوتا ہے؟"

عنبر کہنے لگا:

"ولی عہد شہزادے اپنی والدہ ملکہ چین کے ساتھ ملکہ کے محل میں رہتا

ہے۔ ملکہ کا کمرہ شاہی محل کے مغربی جانب ہے۔ وہاں دن رات سپاہیوں کا سخت پہرہ رہتا ہے۔"

پجاری بولا:

"کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ہم شاہی محل کے اندر داخل ہو سکیں؟"

"یہ کہنا مشکل ہے لیکن ایک راستہ ہے یہ راستہ محل کی مشرقی جانب ایک دیوار میں ہے اس دیوار میں ایک پرانا دروازہ ہے جو ہمیشہ بند رہتا ہے اس دروازے میں سوراخ کر کے ہم رات کے وقت محل کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"

پجاری نے پوچھا:

"پھر اس کے بعد ہم ولی عہد شہزادے تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟"

"اسے لیے ہمیں محل کے صحن میں سے ہو کر بائیں جانب ایک بارہ دری پر چڑھنا ہو گا۔ اس بارہ دری سے ایک راستہ نیچے محل کے ایک کمرے میں جاتا ہے۔ راستے میں اگر پہرہ داروں کو ہم قتل کرتے چلے جائیں تو وہ برآمدوں اور ایک کمرے میں سے گزر کر ہم ملکہ چین کے سونے کے کمرے میں پہنچ جائیں گے۔ ولی عہد شہزادہ بھی اسی خواب گاہ میں ہمیں ملے گا۔ پہلے شہزادہ الگ ایک کمرے میں اپنی خادمہ کی نگرانی میں سوتا تھا۔ لیکن جب سے شہزادے پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے ملکہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ ہی سلاتی ہے۔"

پجاری بولا:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ پھر ہمیں شہزادے کے ساتھ ساتھ ملکہ کو بھی ہلاک کرنا ہو گا کیونکہ ظاہر ہے جب ہم شہزادے کے گلے پر خنجر چلائیں گے تو وہ شور مچائے گا اور شور کی آواز سن کر اس کی ماں بھی اٹھ پڑے گی اور پھر ہماری گرفتاری یقینی ہو جائے گی۔"

عنبر نے ناگ سے پوچھا:

"پھر تم کیا مشورہ دیتے ہو ناگ۔"

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں بے ہوش کر دینے والی دوائی استعمال کرنی پڑے گی۔ بے ہوش کر دینے سے ہم بڑی آسانی کے ساتھ ملکہ کی جان پر ہاتھ ڈالے بغیر ولی عہد کو اٹھا کر لے جائیں گے، یا اسے وہاں ہلاک کر دیں گے۔"

"یہ خیال مجھے پسند آیا ہے۔" پجاری سوانگ بیچ میں بول پڑا:

"بے ہوش کر دینے والی دوائی میرے پاس موجود ہے اس دوائی کی مدد سے ملکہ، کنیزوں اور شہزادے کو بے ہوش کر دیں گے اور پھر اسے اٹھا کر لے جائیں گے۔ راستے میں خطرہ محسوس ہوا تو اسے وہیں ختم کر دیں گے۔"

سرائے کا مالک بولا:

"بہترین چال ہے یہ۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں کل ہی یہ کام کر ڈالنا چاہیے۔"

ناگ بولا:

"ٹھیک ہے ہم صبح صبح دارالحکومت کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں وہاں چل کر بھیس بدل کر گھوڑوں وغیرہ کی تجارت کریں گے اور کسی وقت رات کے اندھیرے میں شاہی محل پر حملہ کر دیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ بات طے ہو گئی اب میں چل کر کل کے سفر کے لیے بندوبست کرتا ہوں صبح تم سب لوگ تیار رہنا سرائے کا مالک اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گا اور ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

اس خفیہ اجلاس کے بعد سرائے کا مالک تو ناگ کے ساتھ اسی کمرے

میں رات بسر کرنے کے لیے رہ گیا اور پجاری سوانگ اگلی صبح کا وعدہ لے کر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عنبر اور ناگ اکیلے نہیں تھے وہ آپس میں کھل بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ماریا بھی اسی کمرے میں موجود تھی۔ سرائے کے مالک کی وجہ سے وہ بھی کوئی بات نہیں کر سکتی تھی۔ سرائے کا مالک سونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ باتیں ہی باتیں کیے جا رہا تھا۔ ایک بات ختم ہوتی تھی تو دوسری شروع کر دیتا تھا۔ اصل میں وہ واپس اپنے گھر جانے پر خوش تھا۔ پھر اس نے غیبی چڑیل کی باتیں شروع کر دیں اور کہنے لگا کہ میں بہت بہادر ہوں۔

میں تو کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ اگر کوئی غیبی چڑیل ہے تو بے شک میرے سامنے آئے۔ ایک ایسا جھانپڑ دوں کہ قلابازیاں کھاتی نظر آئے۔

ماریا اس کی باتوں پر سخت پیچ و تاب کھا رہی تھی مگر مجبور تھی سرائے کے مالک کو اس کی باتوں کا ترند و ثبوت نہیں دے سکتی تھی۔

آخر ناگ نے کہا:

''اگر یہاں غیبی چڑیل آ گئی تو تم لنگوٹی تھام کر یہاں سے بھاگتے نظر آؤ گے۔''

''غیبی چڑیل میں اتنی جرات ہے کہ میرے سامنے آئے۔''

ماریا غصہ کھا کر اور کڑوا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اس نے سوچا وہ سرائے کے مالک کو راستے میں جا کر پکڑے گی اور اس کی توہین والی باتوں کا اسے ضرور جواب دے گی۔ تھوڑی دیر بعد سرائے کا مالک سو گیا اور زوردار خراٹے لینے لگا۔

ناگ نے ماریا کو آہستہ سے آواز دی:

''ماریا کیا تم یہاں پر ہو؟''

ماریا نے سرگوشی میں کہا:

"ہاں میں یہاں ہوں"

منگول گوریلا

منہ اندھیرے پجاری سوانگ نے آ کر سب کو جگا دیا۔ وہ چین کے دارالحکومت کی طرف سفر کی تیاریاں کرنے لگے۔ عنبر اور ناگ کو معلوم تھا کہ ماریا کس جگہ پر سو رہی ہے۔

انہوں نے سوانگ اور سرائے کے مالک کو اس طرف جانے ہی نہ دیا۔ ماریا ایک طرف سب سے الگ ہو کر کونے میں منگلوں کے پیچھے کمبل اوڑھے سو رہی تھی شور سن کر وہ بھی اٹھ بیٹھی۔ ناگ کسی بہانے منگلوں کے پاس آیا اور اس نے سرگوشی میں ماریا کے کان میں کہا:

"تیاری پکڑ لو ماریا بہن۔"

ماریا اٹھ کر اسی جگہ چھپی بیٹھی رہی اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرتی رہی۔ پجاری سوانگ نے سفر کی تیاری کر رکھی تھی۔ خانقاہ کے باہر گھوڑے تیار تھے۔ ایک فالتو گھوڑا بھی ساتھ تھا جس پر کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس نے سونے کے بہت سے سکے بھی رکھ لیے تھے تا کہ راستے میں کام آ سکیں۔ سرائے کا مالک برا منہ بنا کر بڑبڑ کرتا ہوا اٹھا۔ اسے نیند پیاری تھی۔ مگر پجاری سوانگ نے اس کی پیٹھ پر لات مار کر کہا:

"اُٹھتے ہو یا اُٹھا کر باہر پھینک دوں؟"

"اُٹھتا ہوں بھائی سوانگ، ناراض کیوں ہوتے ہو۔"

سرائے کا مالک بھی اُٹھ کر تیار ہو گیا۔ وہ واپس سرائے میں جانے کے لیے تیار ہوا تھا اور باقی لوگ چین کے شاہی محل کی طرف جانے کو تیار ہو رہے تھے۔ ابھی صبح کا اجالا پوری طرح سے نہیں پھیلا تھا کہ یہ قافلہ خانقاہ سے روانہ ہو گیا۔ ایک منزل طے کرنے کے بعد انہوں نے سرائے کے مالک کو دوسری سڑک پر روانہ کر دیا۔ یہ سڑک سرائے کے مالک کے گاؤں کی طرف جاتی تھی۔ سوانگ نے اسے کہا:

"تم اکیلے ڈرو گے تو نہیں؟"

سرائے کے مالک نے سینہ ٹھونک کر کہا:

"میں کوئی بچہ ہوں جو ڈروں گا۔"

پجاری نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا:

"میاں غیبی چڑیل کنوئیں سے باہر نکل چکی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ راستے میں تم پر حملہ کر دے۔"

سرائے کے مالک نے گردن اکڑا کر کہا:

"اجی کئی دیکھی ہیں غیبی چڑیلیں۔ باپ کی قسم اگر وہ مجھے راستے میں مل گئی تو ایک ہی مکا مار کر اس کا کچومر نکال دوں گا۔"

سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور سرائے کا مالک اکیلا روانہ ہو گیا۔ اس کا گاؤں خانقاہ سے دو پڑاؤ کے فاصلے پر تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب سرائے کا مالک علیحدہ سڑک پر اکیلا چلا، ماریا نے ناگ سے کان میں کہا:

"ناگ بھائی، میں ذرا سرائے کے مالک کی خبر لے کر تم لوگوں کے ساتھ ابھی آ کر مل جاتی ہوں، فکر نہ کرنا۔"

ناگ مسکرا دیا اور ماریا سرائے کے مالک کے پیچھے چل پڑی۔ وہ

گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ سڑک کچی اور پتھریلی تھی اس گھوڑا خوب دوڑ رہا تھا۔ ماریا نے بھی کچھ فاصلے پر اس کے پیچھے گھوڑا اگا رکھا تھا۔ وہ جلد سرائے کے مالک سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتی چلی جاتی۔ آخر اسے واپس بھی جانا تھا۔ ماریا ایک ٹیلے کے اوپر سے ہو کر سرائے کے مالک کے آگے جا کر سڑک کنارے کھڑی ہو گئی اور اس کا انتظار کرنے لگی۔ جب اس نے دور سے سرائے کے مالک کو گھوڑے پر آتے دیکھا تو وہ سڑک کے عین درمیان میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

سرائے کے مالک کا گھوڑا قریب آیا تو ماریا نے اپنے گھوڑے کی باگیں زور سے کھینچ کر اسے روک لیا۔ اس کا گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ سرائے کے مالک کا گھوڑا دوسرے گھوڑے کی ہنہناہٹ سن کر بدک گیا اور سرائے کے مالک کو نیچے گرا تو وہ ایک درخت کے نیچے جا کر رک گیا۔ سرائے کا مالک بھی پریشان ہو گیا۔ کیونکہ ایک اور گھوڑے کی ہنہناہٹ اس نے بھی سنی تھی۔ مگر گھوڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے اچانک غیبی چڑیل کا خیال آ گیا۔ وہ ڈر کر اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔ مگر ماریا نے کمند ہاتھ میں لے کر زور سے اس پر پھینکی۔ سرائے کا مالک اس کمند میں پھنس کر گر پڑا۔ ماریا نے گرج کر کہا:

"میں غیبی چڑیل ہوں اور تجھ سے بدلہ لینے آئی ہوں۔ بول اب مجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کی جرات کرے گا؟"

سرائے کے مالک کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"معاف کر دو اے غیبی چڑیل۔ مجھ سے سخت غلطی ہو گئی۔

معاف کر دو اب کبھی تمہارے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں

نکالوں گا۔"

ماریا نے گرج کر غصے سے کہا:

"نہیں، ہرگز نہیں میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے سب کے سامنے میری بے عزتی کی ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں تمہارا ابھی سارا خون نکال کر پی جاؤں گی۔"

سرائے کا مالک سجدے میں گر پڑا۔

"دیوتاؤں کے لیے میری خطا بخش دو، میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔"

اور سرائے کا مالک سجدے میں گر پڑا۔ ماریا نے قہقہہ لگا کر رسی کو زور سے کھینچ کر کہا:

"میں تمہیں تمہاری بدزبانی کی سزا ضرور دوں گی۔ چلو اس درخت کے پاس...... چلو......"

سرائے کا مالک سہم کر درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا نے اس کے گرد رسا لپیٹ کر اسے کس کر باندھ دیا اور کہا:

"جب تک کوئی راہ گیر آ کر تمہاری مدد نہیں کرتا۔ تم اسی جگہ پڑے رہو گے۔

دیوتاؤں سے دعا کرو کہ کوئی مسافر جلدی ادھر سے گزرے۔ کیونکہ وہی تمہیں اس سے نجات دلائے گا، میں جا رہی ہوں۔"

ماریا نے ایک قہقہہ لگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس مڑ گئی۔ اس عرصے میں پجاری سوانگ کے ساتھ ناگ اور عنبر سفر کرتے ہوئے کافی نکل گئے تھے۔ ماریا نے بھی ان کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور بڑی تیزی سے سفر طے کرنے لگی۔ دھوپ خوب نکل آئی تھی۔ موسم خوب گرم ہو گیا تھا۔ دوپہر کے وقت مسافروں نے راستے میں ایک چشمے کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں انہوں نے کھانا نکال کر کھایا۔ کھانا

کھا کر وہ چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ماریا بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ جان بوجھ کر ان کے پیچھے پیچھے رہنا چاہتی تھی لیکن ذرا آگے آ کر اس نے عنبر کے کان میں کہہ دیا کہ میں آ گئی ہوں۔

عنبر نے چپکے سے ناگ کو اطلاع کر دی کہ ماریا واپس آ گئی ہے۔ یہ چھوٹا سا قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔

خانقاہ سے چین کے دارالحکومت تک کا سفر بڑا لمبا تھا۔ راستے میں انہوں نے کئی پہاڑ اور دریا اور جنگل عبور کرنے تھے۔ پجاری سوانگ راستے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ کچھ ہفتے میں پہنچ جائیں گے۔ راستے میں پجاری سوانگ نے ایک مقام پر اپنے ایک گوریلا جاسوس سے بھی ملاقات کرنی تھی جو ان کے لیے چین میں کام کر رہا تھا۔

عنبر اور ناگ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ گوریلا پہچان نہ لے اور ان کا راز

فاش نہ ہو جائے۔ انہیں اپنی زندگیوں کے بارے میں کوئی فکر نہ تھا۔ اندیشہ تھا کہ پھر شہزادہ ولی عہد کی زندگی خطرے میں ہی رہے گی۔ عنبر نے باتوں ہی باتوں میں پجاری سوانگ سے پوچھا بھائی وہ گوریلا کون ہے۔ اور اس کا نام کیا ہے، پجاری نے کہا:

"اس کا نام خاقان ہے اور وہ ایک عرصے سے ہمارے لیے یہاں جاسوسی کر رہا ہے۔"

خاقان کا نام سنتے ہی عنبر کو کچھ تشویش ہوئی تھی۔ کیونکہ اسی نام کے ایک گوریلے سے ان کا ہیروں کی چوری کے سلسلے میں شاہی محل میں واسطہ پڑ چکا تھا۔ اگر یہ وہی خاقان تھا تو اسے معلوم تھا کہ عنبر اور ناگ شہنشاہِ چین اور ملکہ چین کے آدمی ہیں۔ جن قوم کے گوریلے نہیں ہیں عنبر نے ناگ سے بھی راستے میں خاقان نام کے گوریلے کے بارے میں ذکر کیا۔ اس نے بھی یہی کہا کہ وہ شخص ضرور انہیں جانتا ہوگا، پھر

حال اس کا فیصلہ سفر کے درمیان خاقان کے گاؤں جا کر ہی ہو سکتا تھا کہ وہ شخص کون ہے اور عنبر اور ناگ کو جانتا بھی ہے یا نہیں سفر جاری رہا منزلوں پر منزلیں گزرتی گئیں۔ رات انہوں نے ایک جنگل میں بسر کی۔ صبح کو پھر وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ کھانا کھایا۔ گھوڑوں کو دانا دنکا کھلا کر پانی پلایا۔ خود بھی آرام کیا اور گھوڑوں کو بھی کھلا چھوڑ دیا۔ شام کو سفر پر روانہ ہو گئے اور آدھی رات تک سفر طے کرتے رہے۔

آدھی رات گزر جانے کے بعد وہ ایک جگہ میدان میں سو گئے۔ عنبر اس دوران میں چوری چوری ماریا کو کھانا دیتا رہا۔ رات کو وہ سوتے رہے۔ صبح پھر آگے روانہ ہو گئے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے انہیں تین دن گزر گئے۔ اب خاقان کا گاؤں قریب آ رہا تھا۔ سوانگ نے ایک پہاڑ کی ڈھلان پر سے اترتے ہوئے عنبر کو دور سے نیچے وادی

میں ایک مکان دکھایا جس کی چھت پر گندم کے گٹھے پڑے سوکھ رہے تھے۔

وہ دیکھو۔ مکان خاقان کا ہے جو ہمارا بہترین جاسوس ہے اور بڑی دیر سے ہمارے لیے یہاں کام کر رہا ہے۔ سردار کو اس پر بڑا بھروسہ ہے۔ کیا تم اسے نہیں جانتے؟ اسے تو ہمارے قبیلے کے بھی لوگ جانتے ہیں۔"

عنبر نے جھوٹ موٹ ہی کہہ دیا:

"ارے ہاں، مکان دیکھ کر یاد آیا۔ اس کا نام تو میں نے کئی بار سردار کی زبان سے سنا ہے وہ بھی کہا کرتا ہے کہ خاقان بروندا کی وادی میں رہتا ہے اور بڑا وفادار جاسوس ہے۔"

بیچاری سوانگ نے مسکرا کر کہا:

"جب ہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اسے نہ

جانتے ہو، اس کے نام سے تو ہن قوم پرستوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ کیوں ناگ تم بھی اسے جانتے ہو ناں؟"

ناگ نے فوراً جواب دیا:

"بھائی سوانگ، خاقان کو بھلا کون نہیں جانتا۔ وہ تو ہمارا بڑا وفادار انسان ہے۔ ہماری منگول قوم کو اس پر فخر ہے۔ ہم تو اس کی وفاداری اور محبت کے ہمیشہ گن گاتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے خاقان کی زیارت نصیب ہو رہی ہے۔"

عنبر نے ناگ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا:

"ناگ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم خاقان سے ملاقات کرنے والے ہیں، ورنہ ایسے بہادر گوریلوں کا دیدار بھلا کب کسی کو ملتا ہے۔"

پجاری سوانگ نے خوش ہو کر کہا:

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم بھی خاقان سے اتنا ہی پیار کرتے ہو جتنا کہ میں کرتا ہوں۔ خاقان بے شک ہماری قوم کا قیمتی بیٹا ہے اس نے کئی بار اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر منگول قبیلے کے عوام کے لیے کام کیا ہے۔"

ناگ نے جھوٹ کہا:

"بھلا ایسے لائق بیٹے کو کون سی قوم بھلا سکتی ہے؟"

پجاری سوانگ نے کہا:

"شاید تمہیں معلوم نہ ہو۔ خاقان پہلا منگول گوریلا ہے جس نے اپنی قوم اور وطن کے لیے اپنے بچوں تک کو قربان کر دیا ہے۔ ہم اس پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ پجاری جس خاقان کی تعریف کر رہا ہے اگر یہ وہی خاقان نکلا، جسے وہ جانتے ہیں اور جو ان کو جانتا ہے تو معاملہ بڑا

گڑبڑ ہو جائے گا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا خاقان سے ملاقات ہو کر ہی رہنی تھی۔ پجاری سوانگ خاقان کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کر رہا تھا۔

"بس اب کچھ دیر میں ہم خاقان کے مکان میں پہنچنے والے ہیں۔ وہ یہاں اکیلا رہتا ہے۔ اس نے کسان کا بھیس بنا رکھا ہے جس کی اپنی تھوڑی سی زمین ہے اور جو اپنی زمین کی آمدنی پر بڑی قناعت سے گزارہ کر رہا ہے۔ لیکن یہ بات یہاں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ وہ چینی قوم کا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

پجاری سوانگ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ عنبر اور ناگ کو اس کا قہقہہ بہت برا لگا۔ پجاری کہنے لگا:

"دوپہر کا کھانا ہم خاقان کے گھر پر ہی کھائیں گے۔"

ناگ نے پوچھا:

"اسے ہماری اطلاع تو نہیں ہے؟"

سوانگ نے کہا:

"اطلاع کیسے دیتے بھائی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہمیں جلدی میں خانقاہ سے کوچ کرنا پڑا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ ہم بغیر اطلاع دیے بھی خاقان کے ہاں پہنچ سکتے ہیں اور جاسوس گوریلے تو اطلاع دیے بغیر ہی پہنچا کرتے ہیں۔"

عنبر و ناگ بڑے گھبرائے کہ اب کیا ہوگا۔ اگر سچ مچ وہی خاقان نکلا جو انہیں جانتا ہے تو پھر وہ کیا کریں۔ ان کا راز تو فوراً فاش ہو جائے گا۔ خاقان انہیں دیکھتے ہی پجاری سوانگ کو کہہ دے گا کہ یہ دشمن کے آدمی ہیں۔ انہیں فوراً گرفتار کر لو۔

معاملہ سارے کا سارا چوپٹ ہو جائے گا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ خاقان کے گھر میں پہنچنے سے پہلے پہلے دو ماریا سے مشورہ

کریں مشورے کے لیے ضروری تھا کہ وہ سفر کرتے کرتے رک جائیں۔"

چنانچہ اس کا حل عنبر نے ڈھونڈ نکالا۔

اس نے اچانک ایک چیخ ماری اور گھوڑے پر سے نیچے گر پڑا۔ پجاری سوانگ نے ایک دم اپنا گھوڑا روک لیا اور عنبر کو اٹھا کر اس کا سر سہلانے لگا۔

"خیریت تو ہے نہ عنبر؟ عنبر کیا ہو گیا تھا بھائی؟"

عنبر نے آنکھیں کھول کر کہا:

"مجھے کوئی عورت نظر آئی ہے جس کے بڑے لمبے لمبے دانت ہیں اور آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ میں ڈر گیا تھا۔"

پجاری سوانگ نے کہا:

ضرور وہی نیلی چڑیل تمہیں نظر آئی ہے۔ کم بخت ہمارا برابر پیچھا کر رہی ہے۔ خیر کوئی بات نہیں تم آرام کرو۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ کسی طرح جنگل میں سے چندن بوٹی تلاش کر کے لائی جائے۔ اس بوٹی کو اگر میں پانی کے ساتھ کھاؤں تو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

پجاری سوانگ نے کہا:

"وہ بوٹی کہاں ملے گی؟ اس کی شکل و صورت کیسی ہے؟ مجھے بتاؤ میں ابھی اسے جنگل سے توڑ کر لاتا ہوں۔"

عنبر نے یوں ہی جوٹ موٹ اسے بوٹی کی شکل بتائی پجاری سوانگ قریب کے جنگل میں بوٹی تلاش کرتے چلا گیا۔ عنبر اور ناگ نے ماریا کو اپنے پاس بلایا اور ساری بات کھول کر بیان کر دینے کے بعد اس سے مشورہ لیا۔ ماریا نے کہا:

"ضرور یہ وہی خاقان ہے اور ہم وہاں جا کر ایک زبردست مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اگر ہم خاقان اور پجاری کو ہلاک بھی کر دیں تو ہمارا مقصد حل نہیں ہوگا۔ اس ملک میں سینکڑوں منگول گوریلے کام کر رہے ہیں۔

منگول کسی دوسرے گوریلے کے سپرد یہ کام کر دے گا کہ وہ ولی عہد کو قتل کرے اور ہمیں کبھی پتہ نہ چل سکے گا کہ وہ گوریلا کون ہے؟"

ناگ بولا:

"پھر کیا کرنا چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے؟"

ماریا نے کہا:

"یہی ہو سکتا تھا کہ میں پہلے جا کر پتہ کر لیتی کہ خاقان کون ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ میں خاقان کی شکل سے ہی واقف نہیں۔ اسے صرف تم دونوں ہی جانتے ہو اس طرح میرا وہاں جانا بے معنی ہے۔"

ابھی دو باتیں ہی کر رہے تھے کہ دور سے انہیں پجاری سوانگ آتا دکھائی دیا۔ عنبر نے ماریا سے کہا کہ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ سوانگ آ رہا ہے تم پیچھے چلی جاؤ۔ اب سوانگ ان کے پاس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ سارے جنگل میں چندن بوٹی کہیں بھی نہیں ہے۔ عنبر نے کہا کہ سارے جنگل میں چندن بوٹی کہیں بھی نہیں ہے عنبر نے کہا کہ اس کی سر درد ٹھیک ہو گئی ہے۔ اب چندن بوٹی کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور یہ قافلہ خاقان کے گھر کی طرف چلنے لگا۔

خاقان کا گھر بالکل قریب آ گیا تھا۔

پُل ٹوٹ گیا

دوپہر کے وقت یہ لوگ خاقان کے گھر پہنچ گئے۔

سوانگ پجاری آگے آگے تھا۔ عنبر اور ناگ پیچھے پیچھے تھے۔ ان کے پہلو میں ماریا چلی آ رہی تھی۔ عنبر اور ناگ پریشان تھے کہ اگر خاقان نے انہیں پہچان لیا تو سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے گا۔ خاقان کا مکان ایک معمولی دیہاتی کسان کا مکان تھا۔ کچی دیواروں کے اوپر گھاس کی چھت پڑی تھی۔

باہر آنگن میں ایک بھینس بندھی چارہ کھا رہی تھی۔

سوانگ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک نوجوان دیہاتی نے دروازہ کھولا:

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

سوانگ نے کہا:

"خاقان کہاں ہے؟ ہم اس سے ملنے آئے ہیں۔"

نوجوان بولا:

"وہ ابھی ابھی ساتھ والے گاؤں میں سبزی ترکاری لینے گیا ہے۔ آپ کو ضروری کام ہے تو انتظار کریں۔ میں اسے جا کر بلا لاتا ہوں۔"

سوانگ نے بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"ہمیں کچھ کھانے پینے کو دے کر تم خاقان کو جا کر ہماری خبر دے دو۔ بلکہ اسے ساتھ لے کر آؤ۔ کہنا خانقاہ کا بڑا پجاری اور اس کے دوست ملنے آئے ہیں۔"

نوجوان دیہاتی نے کہا:

"ابھی کھانا حاضر کرتا ہوں۔"

کوٹھری میں جا کر وہ ایک طشت میں روٹیاں، ساگ، چٹنی اور دودھ لے آیا۔

"یہ روکھی سوکھی حاضر ہے، اسے تناول فرمائیں۔ میں ابھی جا کر خاقان کو خبر کرتا ہوں۔ بلکہ اسے ساتھ ہی لے کر آتا ہوں۔"

نوجوان چلا گیا۔ عنبر، ناگ اور پجاری سوانگ کھانا کھانے لگے۔ عنبر اور ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خاقان گھر پر نہیں تھا۔ ناگ نے ماریا کے لیے چوری چوری روٹی اور ساگ بچا کر الگ رکھ لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ چشمے پر پانی پینے اور منہ ہاتھ دھونے کے بہانے گیا۔ ماریا قریب ہی بھوکی بیٹھی تھی۔ ناگ نے آہستہ سے ماریا کو آواز دی۔

ماریا نے کہا:

"میں یہاں ہوں ناگ بھائی، اس نیلے پتھر کے پاس۔"

"میں تمہارے لیے روٹی لایا ہوں ماریا بہن۔"

ماریا بولی:

"ٹھیک ہے یہاں رکھ دو۔ بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے؟"

"کیا خاقان گھر پر نہیں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"نہیں، مگر ایک نوجوان اسے ساتھ والے گاؤں سے بلانے کے لیے چلا گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کریں۔ خاقان ہمیں آتے ہی پہچان لے اور ہم ایک اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ سوانگ کے ساتھ ہماری لڑائی شروع ہو جائے گی اور ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

ماریا نے کھانا کھاتے ہوئے کہا:

"اگر تم کہو تو میں کھانا کھا کر اس دیہاتی نوجوان کے پیچھے جاتی ہوں اور راستے میں ہی خاقان کا کام تمام کر دیتی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"اگر اسے مارے بغیر کام نکل سکے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"وہ کون سا طریقہ ہو سکتا ہے؟"

ناگ نے کہا:

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔"

ماریا نے کہا:

"جہاں تک مجھے یاد ہے خاقان جس گاؤں میں گیا ہے اس راستے میں ایک پہاڑی ندی پر رسے کا پُل بنا ہوا ہے اگر کسی طرح سے میں جا کر وہ پُل گرا دوں تو پھر خاقان اس طرح ہمیں نہ مل سکے گا۔ کیونکہ ندی کافی چوڑی ہے اور پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے۔"

ناگ نے کہا:

"یہ ترکیب تم نے بڑی اچھی بتائی ہے ماریا بس اسی پر عمل کرو۔

خاقان سے بچنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ابھی تم جا کر تلوار سے رسّی کا پُل کاٹ ڈالو۔"

ماریا کھانا کھا کر اٹھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ندی کے پُل کی طرف دوڑ پڑی۔ اس کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ دونوں گاؤں کے درمیان ایک تیز رفتار پہاڑی ندی تھی جس کے اوپر جال کی طرح چھوٹا سا رسیوں کا پُل کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ وہی نوجوان تھا جو خاقان کو بلانے کے لیے جا رہا تھا۔ ماریا اس کے قریب سے نکل کر بہت آگے آ گئی وہ پُل کی طرف چلا جا رہا۔

گھوڑے سے اتر کر اس نے تلوار نکالی اور درخت کے ساتھ بندھا ہوا پُل کا رسا کاٹنے لگی۔ رسا کافی مضبوط تھا لیکن اس کی تلوار بھی بہت تیز تھی اس نے جلدی جلدی رسا کاٹنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف دیہاتی نوجوان بھی جلدی جلدی راستہ طے کرتا اور پُل

کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ماریا کو وہ نوجوان کچھ فاصلے پر اپنی طرف آتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا نے تلوار کے پے در پے دو تین ہاتھ رسے پر مارے اور رسا کٹ گیا۔ رسے کے کٹتے ہی رسیوں کا پل ندی میں گر گیا۔

ماریا گھوڑے پر سوار ہو کر پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ دیہاتی نوجوان قریب آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کسی نے پل کاٹ کر گرا دیا ہے۔ وہ تعجب سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ کام اس علاقے میں کبھی نہ ہوا تھا۔

لیکن اب وہ ندی کے دوسری طرف نہ جا سکتا تھا۔ ندی عبور بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ پانی اس قدر تیز تھا کہ اگر وہ اس میں اتر جاتا تو پانی کا ریلا اسے تنکے کی طرح اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا کہ کیا کیا جائے۔ پھر وہ، نا امید ہو کر مڑا اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔ وہاں مکان پر عنبر، ناگ اور سوانگ خاقان کا انتظار کر رہے تھے۔ ناگ نے چپکے سے سونگ ماریا کی ساری سکیم سمجھا دی تھی۔

دیہاتی نوجوان نے جب آ کر بتایا کہ کسی نے رسوں کا پل کاٹ دیا ہے اور خاقان کے پاس گاؤں میں نہیں جا سکا تو وہ حیران رہ گئے۔

عنبر نے پوچھا:

"یہ پل کس نے کاٹ دیا؟ کیا پہلے بھی یہاں کبھی ایسا واقعہ ہوا ہے؟"

دیہاتی نوجوان نے کہا:

"بالکل نہیں، یہ ساری زندگی میں پہلی بار ہوا ہے کہ پل توڑ دیا گیا ہو۔ پل تو سالوں سے اسی طرح چلا آ رہا تھا۔"

سوانگ نے کہا:

"یہ کام کس کا ہو سکتا ہے؟"

دیہاتی نوجوان نے کہا:

"یہاں ہمارے ملک میں ہماری دشمن منگول قوم کے گوریلے آج کل بڑی سرگرمیاں دکھا رہے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ کام انہی دشمن کے گوریلوں کا ہے۔"

سوانگ نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ان کے گوریلے ہی یہ کام کر گئے ہوں مگر جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اب وہ خاقان سے نہیں مل سکتے تھے۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ اسے کہہ رہے تھے کہ ہمیں آگے چلنا چاہیے اور خاقان کو ملنے کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔

سوانگ نے کہا:

"خاقان کا ملنا بہت ضروری تھا اس سے شہزادے کے قتل کے بارے میں بہت کچھ مشورہ لینا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے پل ٹوٹ چکا ہے۔ ظاہر ہے سوائے آگے چلنے کے ہم اور کیا کر سکتے ہیں؟ مگر سوال یہ ہے کہ ہم اس ندی کو کیسے پار کریں گے۔"

ناگ نے کہا:

"مگر ہم تو بھی ندی کے ساتھ ساتھ سفر کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ایک مقام پر ہمیں اس ندی کو عبور کرنا ہوگا۔"

دیہاتی نوجوان نے کہا:

"یہاں سے اگر آپ دو دن کی مسافت پر ندی کے ساتھ ساتھ چلتے جائیں تو ایک جگہ پر لکڑی کا پل ملتا۔"

سوانگ نے اندیشے کا اظہار کیا:

"کیا معلوم گوریلوں نے اس پل کو بھی تباہ کر دیا ہو؟"

عنبر نے جھٹ کہا:

"یہ تو ہمیں وہاں چل کر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر پل توڑ بھی دیا ہوگا

تو ہم وہاں جا کر کچھ بندوبست کر لیں گے۔"

سوانگ کہنے لگا:

"ٹھیک ہے۔ پھر۔ چلو یہاں سے آگے چلیں۔ اب ہمیں ایک جگہ پر رکنا تو نہیں ہے۔ ہم ایک اہم کام پر نکلے ہوئے ہیں۔"

سوانگ نے دیہاتی نوجوان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"دوست، پل تیار ہو جانے کے بعد خاقان یہاں آئے تو اسے کہنا کہ اس کے خاقان کے دوست آئے تھے اور آگے چین کے دارالحکومت کی طرف چلے گئے ہیں۔ اسے کہنا کہ ہم واپسی پر اسے ضرور ملیں گے اور ایک خوش خبری بھی سنائیں گے۔"

دیہاتی نوجوان نے جھک کر کہا:

"بہت اچھا جناب، میں ان کے آتے ہی آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

عنبر، ناگ اور سوانگ اس گاؤں سے بھی نکل گئے۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ عنبر اور ناگ نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا کہ ماریا کی عقلمندی اور ہمت نے ان پر مصیبت آتے آتے ٹل گئی۔

اگر وہ یہ کام نہ کرتی اور رسوں کا پل نہ کاٹتی تو ان کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ ان کا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ شام تک دامن میں اسی تیز رفتار ندی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔

ندی میں پہاڑوں کا شفاف پانی شور مچاتا، پتھروں سے ٹکراتا، بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بہتا چلا جا رہا تھا۔ انہوں نے فاصلے فاصلے پر بستر لگا لیے۔ یہاں موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ آگ جلا کر انہوں نے کھانا پکایا۔ کھانا کھا کر سوانگ، عنبر اور ناگ سے باتیں کرنے لگا۔ ناگ نے یہاں بھی کھانا چھپا کر چپکے سے دور بیٹھی ہوئی ماریا کو دے دیا تھا۔

سوانگ کہہ رہا تھا:

"ابھی سات روز کا سفر باقی ہے۔ اگر ہم اسی رفتار سے چلتے رہے تو خیال ہے کہ سفر چھٹے روز ہی ختم ہو جائے گا اور ہم چین کے دارالحکومت پیکنگ پہنچ جائیں گے۔"

عنبر بولا:

"مجھے یقین ہے کہ ہمارا سفر جلد ختم ہو جائے گا۔"

سوانگ نے پوچھا:

"یہ ناگ ادھر بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کسی سے باتیں کر رہا ہے۔"

عنبر نے جلدی سے کہا:

"اس کی عادت ہے کہ وہ کھانا کھا کر کچھ دیر الگ جا کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔"

سوانگ نے کہا:

"جب ہی میں بھی حیران تھا کہ ہر دفعہ کھانے کے بعد الگ جا کر کیوں بیٹھ جاتا ہے اور کس سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہتا ہے۔"

عنبر بولا:

"میں خود اس کی عادت سے کبھی تنگ آ جاتا ہوں۔ مگر ہزار بار منع کرنے پر بھی اس کی یہ عادت دور نہیں ہوتی۔ اچھا میں اسے جا کر بلا لاتا ہوں۔"

عنبر اٹھ کر ناگ کے پاس گیا اور بولا:

"ناگ بھائی، اب ماریا بہن سے باتیں کرنی بند کر دو۔ سوانگ کو خواہ مخواہ کہیں شک نہ ہو جائے۔ ماریا بہن، تم بھی اب آرام سے سو جاؤ۔ صبح نکلنے کے وقت ملاقات ہوگی۔"

ماریہ نے کہا:

"عنبر بھائی، میں نے غائب ہو کر آپ کو بھی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ میں خود بھی تنگ آ گئی ہوں۔ مگر کیا کروں۔ اب یہ بات میرے بس میں نہیں رہی۔ خدا جانے جادوگر نے کون سا کالا علم پڑھ کر مجھ پر پھونکا ہے کہ سب کو دیکھتی ہوں، لیکن مجھے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جس شے کو ہاتھ میں لیتی ہوں غائب ہو جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"ایسا نہ کہو ماریہ بہن اس وقت تمہارا غائب ہونا ہمارے لیے بڑی رحمت کا باعث ہے۔ اگر تو غائب نہ ہوتی تو خاقان ہمیں پکڑ لیتا اور ہم ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔ ابھی تو تم کچھ عرصہ غائب ہی رہو تو اچھا ہے۔ چلو ناگ، واپس سوانگ کے پاس چلتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے ہم پر ابھی سے کسی قسم کا شک پڑے۔"

"چلو بھائی، اچھا ماریہ بہن اب تم آرام کرو۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

"شب بخیر۔"

"شب بخیر"

عنبر اور ناگ اٹھ کر سوانگ پجاری کے پاس آ گئے، جو آگ کے پاس کھانا کھانے کے بعد لیٹا اونگھنے لگا تھا۔ عنبر اور ناگ بھی اس کے قریب ہی کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد تینوں گہری نیند سو چکے تھے۔ ادھر ماریہ کو بھی نیند نے آ لیا تھا اور وہ بھی کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔

﴿ختم شد﴾

- عنبر، ناگ اور ماریا، پجاری سوانگ کے ساتھ مل کر چین کے ظالم ولی عہد کو ٹھکانے لگانا چاہتے ہیں۔

- پجاری سوانگ اپنے ساتھیوں سمیت ایک مکان میں قیام کرتا ہے۔

- عین اسی وقت ایک اندھیری گلی کی حویلی سے جادوگر نکلتا ہے اور ماریا پر حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیتا ہے اور اس حویلی کو آگ لگا دیتا ہے۔

- عنبر، ناگ اور پجاری سوانگ، ماریا کو آگ سے نکالنے اور بدلہ لینے میں کیسے کامیاب ہوئے۔ یہ سب کچھ جاننے کے لیے اس ناول کی اگلی سیریز کے ستائیسویں حصے طوفانی دریا میں ملاحظہ کیجیے۔

مظہر کلیم ایم اے

طوفانی دریا (حصہ نمبر ۲)

(آخری حصہ)

فہرست

۱۔ جادوگر کو اڑاؤ

۲۔ بلا کی کھوپڑی

۳۔ جادوگر مر گیا

۴۔ اندھیری گلی والی حویلی

۵۔ نوکر کی نمک حلالی

۶۔ کیا ماریا مر گئی؟

۷۔ خونی سازش

۸۔ طوفانی دریا

۹۔ رات کو حملہ

۱۰۔ ہاتھی تلے کچل دو

سنو پیارے بچو۔

عنبر ناگ اور ماریا پجاری سوانگ کے ساتھ چین کے سب سے بڑے شہر کیتھے کی طرف جا رہے ہیں وہاں وہ چین کے ظالم ولی عہد کو ٹھکانے لگانا چاہتے ہیں سوانگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر سے باہر ایک بستی کے مکان میں قیام کرتا ہے ایک اندھیری گلی میں حویلی ہے جہاں جادوگر ماریا پر حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیتا ہے اور تہہ خانے میں قید کر دیتا ہے وہ حویلی کو آگ لگا دیتا ہے ماریا تہہ خانے میں پھنس گئی ہے وہ باہر نہیں نکل سکتی دور سے نوکر کی آواز سنائی دیتی ہے۔

جادوگر کو لاؤ

دن چڑھ آیا۔

صبح کی روشنی چاروں طرف جنگل میں پھیل گئی درختوں پر چڑیاں چہچہانے لگیں سوانگ عنبر اور ناگ اٹھ کر سفر کی تیاری کرنے لگے انہوں نے کمبل لپیٹ کر گھوڑوں پر باندھے اور سوار ہو کر چین کے دارالحکومت کیتھے کی جانب روانہ ہو گئے ماریا بھی اس عرصے میں منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو چکی تھی ناگ نے اسے چوری چھپے ناشتہ کروا دیا تھا یہ قافلہ ایک بار پھر اپنی منزل کی سمت رواں دواں تھا یہ قافلہ اسی طرح سفر کرتا رہا، دن آتا گزر جاتا، رات کو یہ لوگ کسی جگہ آرام کرتے اور اگلے دن پھر اپنا لمبا سفر شروع کر دیتے وہ بڑی برق رفتاری سے سفر کر رہے تھے یہی وجہ تھی کہ چھٹے روز دوپہر سے ذرا پہلے انہیں دور سے کیتھے شہر کی فصیل دکھائی دینے لگی، شہر کی دیوار کو دور سے دیکھ کر وہ

بڑے خوش ہوئے .... سوانگ پجاری نے کہا۔

دیوتاؤں کا شکر ہے کہ آخر ہم اپنی منزل پر پہنچ ہی گئے۔

عنبر بولا۔

اگر ہم صبح سے شام تک سفر نہ کرتے تو ہم اتنی جلدی منزل پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔

ناگ نے پوچھا۔

سوانگ بھائی ہمیں شہر میں پہنچ کر کہاں قیام کرنا ہوگا۔؟

کیا شہر میں کوئی ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں ہماری کسی کو خبر نہ ہو۔؟

سوانگ نے مسکرا کر کہا۔

ناگ بھائی کیا تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہمارے گوریلے شہروں اور گاؤں میں جگہ جگہ کام کر رہے ہیں اگر ارژنگ یہاں نہیں ہے تو کیا ہوا کئی ارژنگ اسی شہر میں موجود ہیں۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

وہ تو ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے سردار کی طاقت کے آگے کسی کی طاقت نہیں ہے ہمارے بہادر منگول گوریلوں نے چین میں سازش کا جال پھیلا رکھا ہے لیکن ہمیں یہ خبر نہیں ہے کہ ارژنگ کے بعد اس کا فرض اس شہر میں کون ادا کر رہا ہے۔

ناگ نے سوانگ کو پھلاتے ہوئے کہا۔

عنبر بھائی اس کی خبر تو سوائے سوانگ بھائی کے اور کسی کو نہیں ہو سکتی ہم ٹھہرے چھوٹے چھوٹے جاسوس اور سوانگ بھائی تو بڑا جاسوس ہے یہ تو اسے ہی معلوم ہوگا کہ شہر میں ارژنگ کے بعد کون کام کر رہا ہے اور ہم کس کے ہاں جا کر اتریں گے۔

سوانگ پجاری اپنی تعریف سن کر پھول گیا تھا وہ مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

اس میں کیا شک ہے کہ میں تم دونوں سے بڑا جاسوس ہوں اور سوائے میرے اس علاقے میں اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ ارژنگ کی موت کے بعد کون سا گوریلا کام کر رہا ہے بہر حال تم چوں کہ اپنے ہی جاسوس ہو اس لئے تمہیں بتانے میں کوئی ہرج بھی نہیں ہے سنو اس شہر کے باہر ایک بستی ہے جو پرانے جوہڑ کے کنارے آباد ہے اس بستی میں بھیڑیں ذبح کرنے والے قصاب رہتے ہیں ہمارا ایک چالاک اور مکار گوریلا گنڈپ اسی بستی میں قصاب بن کر رہتا ہے اس کا کام شہر میں فوج کی تعداد کو معلوم کرتے رہنا ہے ویسے وہ قصابوں کی دلالی کرتا ہے اور اسی پر گزر بسر کرتا ہے لیکن اسے شاہی محل کے ایک ایک سپاہی اور چوکیدار کے بارے میں پوری معلومات کا علم ہے ہم اسی جاسوس گنڈپ کے گھر جا رہے ہیں۔

ناگ بولا۔

دیوتا ہمارے سردار کو کامیاب کریں گنڈپ کا تو میں نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔

عنبر نے جھٹ گرہ لگائی۔

میں بھی گنڈپ جاسوس کا آج ہی نام سن رہا ہوں۔

سوانگ پجاری نے بڑی شان سے گردن اٹھا کر کہا۔

اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میں تم دونوں سے بڑا جاسوس ہوں سردار مجھ پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے اسی لئے تم دونوں کو میری مدد کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے اب سمجھ گئے نا تم؟

عنبر اور ناگ نے کہا۔

کیوں نہیں کیوں نہیں۔ ہم تو آپ کے شاگرد ہیں آپ ہمارے استاد اور مالک ہیں۔

سوانگ اپنی تعریف سن سن کر پھول کر کپا ہو گیا تھا وہ اب شہر کے باہر

کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے یہاں جگہ جگہ دور دور کر کے مکان بنے ہوئے تھے یہ مکان کچے پکے تھے اور ان کے باہر گندے مندے بچے مٹی میں کھیل رہے تھے سوانگ نے کہا۔

وہ سامنے جو بستی نظر آ رہی ہے۔ یہی وہ بستی ہے جہاں ہمارے جاسوس گنڈپ کا مکان ہے۔ ہم اس بستی میں جا رہے ہیں۔

یہ بستی ایک گندے جوہڑ کے کنارے پر آباد تھی اور بڑی غلیظ بستی تھی صفائی کا وہاں کوئی بندوبست نہیں تھا گھروں میں سے گندے پانی کی نالیاں جگہ جگہ سے نکل کر جوہڑ میں گر رہی تھیں .... مکانوں کے باہر بھینسوں کی کھالیں سکھانے کے لئے ڈال رکھی تھیں جن کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی عنبر نے کہا۔

یہ تو بڑی گندی بستی ہے۔

سوانگ بولا۔

گوریلوں کو ہر جگہ ہر بستی میں رہنا پڑتا ہے یہاں تک کہ اگر ہمارا سردار مجھے حکم دے تو میں اس گندے جوہڑ میں بھی رہ سکتا ہوں۔

ناگ بولا!۔

کیوں نہیں۔ سردار ہمیں حکم دے تو میں اس جوہڑ میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر سکتا ہوں۔

سوانگ نے کہا۔

شاباش، ایک وفادار جاسوس اور گوریلے کا یہی کام ہے کہ وہ اپنے سردار کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دے اور کبھی ضرورت پڑے تو اپنا سر بھی کٹوا دے۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

جیسا کہ ورشا نے اپنی جان دے کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک سچی جاسوس اور منگول قوم کی بہادر بیٹی ہے اس نے جب دیکھا کہ شاہی

سپاہی اسے پکڑ لیں گے تو اس نے جھٹ زہر کھا کر خودکشی کر لی وہ خود مر گئی مگر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کیا۔

سوانگ نے کہا۔

سردار نے ورشا کے بچوں کو اپنے خیمے میں بلا کر اعلان کر دیا تھا۔ کہ وہ اب ورشا کے نہیں سردار کے بچے ہیں اور وہ شاہی خیمے میں شہزادوں کی طرح رہیں گے جب سردار ایسا قدر دان ہو تو پھر قوم کیوں نہ اس کے حکم پر اپنی جان قربان کر دے۔

ناگ کہنے لگا۔

ہم سردار کو سلام کرتے ہیں۔ منگول قوم کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

سوانگ نے کہا۔

شی، خاموش ہو جاؤ، ہم بستی میں داخل ہو چکے ہیں شاہی دربار کے جاسوس بھی یہاں چپے چپے پر کام کر رہے ہیں ہمیں بڑی احتیاط کی

ضرورت ہے۔

ناگ نے سرگوشی میں پوچھا۔

گندپ کا گھر کہاں ہے۔؟

سوانگ نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ سامنے والا مکان گندپ کا ہے۔

گندپ کا مکان ایک منزلہ اور کچا تھا باہر صحن میں بھینس کی کھالیں سوکھ رہی تھیں کھرلی میں جانوروں کا کٹا ہوا چارہ پڑا تھا دو آدمی زمین پر چٹائی بچھائے بیٹھے تھے سوانگ وغیرہ اور ناگ کو ساتھ لے کر صحن میں آ گیا اور گھوڑے سے اتر کر کہنے لگا۔

دیوتاؤں کی آپ لوگوں پر رحمت ہو یہ بتاؤ کہ گندپ کہاں ہے ہم اس سے بھینسوں کا سودا کرنے دور سے آئے ہیں۔

وہ لوگ بھی بھینسوں کے آڑھتی تھے اور گندپ کے پاس سودا کرنے

آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

دیوتا آپ پر بھی مہربان ہوں گنڈپ مکان کے اندر ہمارے لیے دودھ لینے گیا ہے آپ یہاں بیٹھ جائیں۔

شکریہ۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

سوانگ نے عنبر اور رنگ کو چٹائی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تینوں چٹائی پر بیٹھ گئے پہلے والے آڑھتی نے سوانگ سے پوچھا۔

آپ لوگ کس شہر سے آئے ہیں۔؟

سوانگ نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

ہم شکالم گاؤں سے آئے ہیں جو یہاں سے دو دن کے سفر پر ہے ہم وہاں بھینسوں کی آڑھت کرتے ہیں بڑے تہوار کے لیے جانور خریدنے تھے ہم نے سوچا کہ چل کر گنڈپ سے بات کرتے ہیں آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔؟

دوسرا آڑھتی بولا۔

ہم یہاں سے دور ایک گاؤں سے آئے ہیں ہم تو ہمیشہ گنڈپ ہی سے سودا کرتے ہیں ایک تو اس کے جانور بڑے صحت مند ہوتے ہیں دوسرے یہ بڑا ایماندار آڑھتی ہے کبھی ناجائز قیمت وصول نہیں کرتا خوش اخلاق اور دیانت دار بیوپاری ہے اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے؟

عنبر نے کہا۔

بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔

اتنے میں مکان کا دروازہ کھلا اور گنڈپ دودھ کی بالٹی اور لکڑی کا گلاس ہاتھ میں نمودار ہوا اس نے سوانگ کو دیکھا تو وہیں ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکا پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

کہیے جناب تہوار کے لیے جانور لینے آئے ہوں گے آپ؟

سوانگ بولا۔

ہاں بھائی گنڈپ تم تو تہوار ہو یا نہ ہو، ہمیشہ تم ہی سے سودا لیتے ہیں یہ تو تم جانتے ہی ہو۔

گنڈپ گلاس میں دودھ ڈال کر مہمانوں کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

کیوں نہیں کیوں نہیں تم لوگ تو میرے خاص بیوپاریوں میں سے ہو ....اچھا اندر آ کر اپنے جانور دیکھ لو۔

بہت بہتر۔

سوانگ عنبر اور ناگ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود گنڈپ کے ساتھ مکان کے پچھواڑے طویلے میں چلا گیا یہاں بھینسیں وغیرہ بندھی جگالی کر رہی تھیں یہاں آ کر گنڈپ نے تیز نگاہوں سے سوانگ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ تمہارے ساتھ کون لوگ ہیں۔ اگر انہیں قتل کرنا ہو تو۔ مجھے بتاؤ میں ابھی ان کا کام تمام کیے دیتا ہوں۔

سوانگ نے کہا۔

نہیں یہ اپنے آدمی ہیں۔ سردار نے انہیں میری مدد کرنے کے لئے بھیجا ہے ارژنگ کی ناکامی کے بعد اب ہم ولی عہد کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں اسی لیے اپنے ان مددگار جاسوس گوریلوں کے ساتھ یہاں آیا ہوں تم یہ بتاؤ کہ شاہی محل کا کیا حال ہے؟ ارژنگ کی موت کے بعد ولی عہد شہزادے کی حفاظت کس کس طریقے سے کی جاتی ہے۔؟

گنڈپ کہنے لگا۔

کل تک تو یہ حال تھا کہ شہزادے کو ملکہ اپنے ساتھ سلاتی ہے اور اس کی خواب گاہ کے باہر پچاس سپاہی تلواریں ہاتھ میں لیے دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں میری ایک جاسوس عورت جو شاہی حرم سرا میں دودھ

پہنچاتی ہے ابھی شام کو آ رہی ہو گی اس سے تازہ ترین اطلاعات مل جائیں گی ان کی روشنی میں تم اپنی سازش تیار کر سکتے ہو۔

سوانگ نے پوچھا۔

کیا وہ قابل اعتبار عورت ہے۔؟

گنڈپ نے چھرا اٹھا کر زمین پر مارتے ہوئے کہا۔

سوانگ تم گنڈپ کو کیا سمجھتے ہو میں کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا عورت اور مرد کی چال دیکھ کر پہچان جاتا ہوں کہ یہ کون ہے اور کس کا آدمی ہے میری جاسوس عورت خاص منگول قبیلے کی ہے اور اس ملک کے سپاہیوں کے ہاتھوں اپنے دو بچے ذبح کروا بیٹھی ہے وہ ولی عہد شہزادے کی دیکھ بھال کرنے پر ملازم ہے۔

سوانگ نے کہا۔

اس سے تو ہم بڑا کام لے سکتے ہیں۔

ٹھیک ہے وہ شام تک آ جائے گی وہ ہمیشہ اندھیرا ہونے کے بعد یہاں آتی ہے اور پھر مجھے محل کی خبریں دے کر واپس ان ہی قدموں پر چلی جاتی ہے۔

میں اسے ضرور ملوں گا۔

ضرور ملنا مگر اس وقت یہاں سے چلو ان آڑھتیوں کو خواہ مخواہ کہیں شک نہ پڑ جائے کہ ہم چھپ کر کیا باتیں کر رہے ہیں۔

چلو آؤ۔

گنڈپ نے جلدی جلدی پہلے آڑھتیوں کو فارغ کر دیا ان کے جاتے ہی سوانگ نے گنڈپ کو عنبر اور ناگ سے ملوایا مکار گنڈپ نے دور درختوں کے نیچے بندھے ہوئے گھوڑوں کو دیکھ کر کہا۔

تم لوگ تین ہو مگر یہ چوتھا گھوڑا کس کا ہے۔

عنبر، ناگ اور سوانگ نے چونک کر ادھر دیکھا۔ واقعی وہاں چوتھا سفید

رنگ کا گھوڑا بھی کھڑا تھا۔ بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ ماریا گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کرتے کرتے تھک گئی تھی اور سونا چاہتی تھی مگر وہاں سونے کی کسی کو اجازت نہیں تھی ماریا کو نیند نے بے ہوش سا کر دیا تھا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے گھوڑے پر سے اتر کر گھاس پر چت لیٹ گئی اس کے گھوڑے سے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا۔ سوانگ نے کہا۔

یہ گھوڑا ہمارا تو نہیں ہے ہمارے گھوڑے تو بادامی رنگ کے ہیں یہ گھوڑا تو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں کیا یہ تمہارے کسی بیوپاری کا گھوڑا تو نہیں ہے گنڈپ۔؟

گنڈپ بولا۔

ہرگز نہیں۔ میرے بیوپاری تو اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جا بھی چکے ہیں ٹھہرو میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ گھوڑا کس کا ہے۔؟

ادھر یہ کچھ ہو رہا تھا ادھر ماریا بڑے اطمینان سے گھاس پر لیٹی آرام کر رہی تھی اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کے گھوڑے کی جاسوسی کرنے کے لئے گنڈپ سوانگ اور عنبر وغیرہ اس کی طرف بڑھ رہے ہیں گھوڑے کے قریب پہنچ کر عنبر نے اونچی آواز میں باتیں کرنی شروع کر دیں تا کہ اس کی باتوں کی آواز ماریا تک پہنچے اور وہ اگر نزدیک ہی کہیں ہے تو ہوشیار ہو جائے ماریا نے عنبر کی آواز سن لی تھی اور وہ چوکس ہو کر دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی اسے اب افسوس ہو رہا تھا کہ وہ گھوڑے سے کیوں اتر پڑی اور اگر اسے گھوڑے سے اترنا ہی تھا تو کم از کم گھوڑے کو کسی ایسی جگہ کھڑا کرتی جہاں وہ چھپ جاتا مگر اب گھوڑا ظاہر ہو گیا تھا اور گنڈپ وغیرہ اس کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھ رہے تھے گنڈپ اور سوانگ نے گھوڑے پر بندھے ہوئے کمبلوں کو دیکھ کر کہا۔

یہ تو کسی مسافر کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے جو دور سے سفر کرتا ہوا یہاں تک

آیا ہے۔

گنڈپ نے شک کی نگاہ ڈال کر کہا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی شاہی جاسوس تمہارا تعاقب کرتا ہوا خانقاہ سے یہاں تک پہنچ گیا ہو۔؟

سونگ نے کہا۔

ایسا ہو سکتا ہے۔

ناگ نے جھٹ کہا۔

لیکن استاد اگر کوئی جاسوس ہوتا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ یہاں سب کے سامنے گھوڑا باندھ کر کہیں چلا جاتا، وہ تو گھوڑے کو چھپا کر رکھتا۔

عنبر نے ناگ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

ناگ کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے جاسوس کو تو بڑا ہوشیار ہونا چاہیے تھا اس کی کوشش تو ہونی چاہیے تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہماری نظروں سے دور رہتا پھر اسے یہاں سب کے سامنے گھوڑا باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔

گنڈپ بولا۔

بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ گھوڑا اس مسافر کا ہے وہ مسافر کہاں ہے جو اس گھوڑے پر دور سے سفر کرتا چلا آ رہا ہے

سونگ نے ادھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ ضرور یہیں کہیں ہوگا، ہمیں اس کو تلاش کرنا ہوگا مجھے اب بھی شبہ ہے کہ یہ ضرور کسی جاسوس کا گھوڑا ہے جو ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔

گنڈپ کہنے لگا۔

میری رائے میں ہمیں ایک طرف چھپ کر دیکھنا چاہیے کہ اس گھوڑے کو کھولنے کون آتا ہے۔

سوانگ بولا۔

ہاں یہ تجویز بڑی معقول ہے ہمیں فوراً اردگرد کی جھاڑیوں میں چھپ جانا چاہیے۔

وہ سب قریبی جھاڑیوں میں چھپ گئے عنبر اور ناگ کو بھی مجبوراً ان کے ساتھ ہی جھاڑیوں میں چھپ جانا پڑا۔ ادھر ماریا ایک طرف کھڑی اسی گھڑی کا انتظار کر رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ یہ لوگ پرے ہوں تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے غائب کر دے اور دور چلی جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا سوانگ، گنڈپ، عنبر اور ناگ کے جھاڑیوں میں چھپتے ہی وہ مسکراتی ہوئی درختوں کے پیچھے سے نکلی بڑے آرام سے قدم قدم چل کر گھوڑے کے پاس آئی...... گنڈپ اور سوانگ وغیرہ بڑے غور سے گھوڑے کو دیکھ رہے تھے۔

مگر انہیں سوائے گھوڑے کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا اس لئے کہ ماریا غائب تھی اور وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے ماریا آگے بڑھ کر رکاب پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

اس کا گھوڑے پر سوار ہونا تھا کہ گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی ایک دم غائب ہو گیا۔

ادھر گھوڑا غائب ہوا، ادھر سوانگ اور گنڈپ کی آنکھوں کو ملنا شروع کر دیا گنڈپ کا تو سر چکرانے لگا تھا۔

سوانگ، جو کچھ میں نے دیکھا کیا تم نے دیکھا ہے یہ گھوڑا ایک دم سے کہاں غائب ہو گیا؟ یہ گھوڑا تھا یا کوئی بھوت پریت تھا۔؟

عنبر نے کہا۔

میں بھی حیران ہوں کہ یکا یک گھوڑا کہاں غائب ہو گیا۔؟

ناگ نے بھی بناوٹی حیرانی سے کہا۔

یہ ضرور کوئی بھوت تھا۔

سوانگ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا اس نے ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے کہا۔

گنڈپ، ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

کیا مطلب؟ گنڈپ نے تعجب سے پوچھا ہمارا کون پیچھا کر رہا ہے سوانگ۔؟

سوانگ بولا۔

جو اس گھوڑے پر سوار ہے۔

عنبر اور ناگ چونک اٹھے تو کیا سوانگ کو ماریا کے بارے میں معلوم تھا

گنڈپ سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

میں سمجھ نہیں سکا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر بیان کرو کہ اصل بات کیا ہے کون ہمارا پیچھا کر رہا ہے اور گھوڑے پر کون بیٹھا ہے جو دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ جس نے گھوڑے کو بھی اپنے ساتھ ہی غائب کر دیا ہے

سوانگ پجاری نے کہا۔

گنڈپ میری بات غور سے سنو، ارژنگ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ ایک غیبی چڑیل جو کہ شاہی خاندان کی زبردست ہمدرد ہے ہمارا اکثر پیچھا کرتی ہے اور ہمیں ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی رہتی ہے ایک بار اس غیبی چڑیل کی مجھ سے ٹکر بھی ہو گئی تھی۔ پھر میں نے ایک زبردست چال چلی اور ارژنگ کے ساتھ مل کر اس غیبی چڑیل کو خانقاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اندھے کنوئیں میں گرا کر اوپر سے چھت ڈال دی ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے کنوئیں میں آگ نہیں لگائی ہمارا خیال تھا کہ یہ غیبی عورت اپنے آپ دم گھٹنے سے اندر مر جائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ ایک روز میں جنگل میں گیا تو کنوئیں کی چھت کھلی تھی اور ارژنگ کی لاش کنوئیں سے باہر پڑی تھی میرا خیال تھا کہ یہ کارستانی سانپ کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اس

سوانگ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا اس نے ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے کہا۔

گنڈپ، ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

کیا مطلب؟ گنڈپ نے تعجب سے پوچھا ہمارا کون پیچھا کر رہا ہے

سوانگ۔؟

سوانگ بولا۔

جو اس گھوڑے پر سوار ہے۔

عنبر اور ناگ چونک اٹھے تو کیا سوانگ کو ماریا کے بارے میں معلوم تھا

گنڈپ سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

میں سمجھ نہیں سکا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر بیان کرو کہ اصل بات کیا ہے کون ہمارا پیچھا کر رہا ہے اور گھوڑے پر کون بیٹھا ہے جو دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ جس نے گھوڑے کو بھی اپنے ساتھ ہی غائب کر دیا ہے

سوانگ پجاری نے کہا۔

گنڈپ میری بات غور سے سنو، ارژنگ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ ایک غیبی چڑیل جو کہ شاہی خاندان کی زبردست ہمدرد ہے ہمارا اکثر پیچھا کرتی ہے اور ہمیں ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی رہتی ہے ایک بار اس غیبی چڑیل کی مجھ سے ٹکر بھی ہو گئی تھی۔ پھر میں نے ایک زبردست چال چلی اور ارژنگ کے ساتھ مل کر اس غیبی چڑیل کو خانقاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اندھے کنوئیں میں گرا کر اوپر سے چھت ڈال دی ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے کنوئیں میں آگ نہیں لگائی ہمارا خیال تھا کہ یہ غیبی عورت اپنے آپ دم گھٹنے سے اندر مر جائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ ایک روز میں جنگل میں گیا تو کنوئیں کی چھت کھلی تھی اور ارژنگ کی لاش کنوئیں سے باہر پڑی تھی میرا خیال تھا کہ یہ کارستانی سانپ کی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اس

غیبی عورت نے کیا تھا اس نے کسی طریقے سے کنوئیں سے نکل کر ارژنگ کو ہلاک کر دیا تھا اور خود فرار ہو گئی تھی وہ خانقاہ سے اس سفید گھوڑے پر سوار ہمارا پیچھا کرتی چلی آ رہی ہے وہ گھوڑے پر سے اتر کر قریب ہی کہیں گئی ہو گی کہ ہمیں گھوڑا نظر آ گیا کیونکہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو گھوڑا نظر نہیں آتا اور جب اتر پڑتی ہے تو گھوڑا ظاہر ہو جاتا ہے وہ کہیں قریب ہی بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھی ہمارے دور ہوتے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی اور گھوڑا غائب ہو گیا کوئی معلوم نہیں کہ وہ اس وقت بھی ہمارے کہیں آس پاس ہی کھڑی ہماری گفتگو سن رہی ہو اس لئے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

گندپ پریشان سا ہو کر بولا۔

سوانگ تم سچ کہہ رہے ہو کیا؟ مجھے تم یہ کوئی جادو کی کہانی معلوم ہو رہی ہے۔

میں سچ کہہ رہا ہوں گندپ، سوانگ نے اعتماد کے ساتھ کہا تم نے اپنی آنکھوں سے گھوڑے کو غائب ہوتے دیکھا ہے پھر بھی تم یقین نہیں کر رہے آؤ، ہم لوگوں کا یہاں ٹھہرنا خطرناک بات ہو گی وہ چڑیل کسی وقت بھی ہم پر حملہ کر سکتی ہے۔

عنبر نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔

ہاں گندپ بھائی سوانگ ٹھیک کہتا ہے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے کیوں کہ سفید گھوڑے کو غائب ہوتے دیکھا ہے پھر بھی تم یقین نہیں کر رہے آؤ ہم لوگوں کا یہاں ٹھہرنا خطرناک بات ہو گی، وہ چڑیل کسی وقت بھی ہم پر حملہ کر سکتی ہے۔

عنبر نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔

ہاں گندپ بھائی سوانگ ٹھیک کہتا ہے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے کیوں کہ سفید گھوڑے کو غائب ہوتے میں نے بھی دیکھا ہے۔

سوانگ عنبر ناگ اور گنڈپ جلدی سے مکان کے اندر چلے گئے سوانگ نے مکان کے دروازے کو صرف اتنا ہی کھولا کہ اس میں سے ایک آدمی بمشکل اندر داخل ہو سکے وہ غیبی چڑیل کو مکان کے اندر داخل ہونے سے روکنا چاہتا تھا اندر آ کر سوانگ نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی وہ چاروں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ اس غیبی چڑیل سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔

گنڈپ نے کہا۔

میرے خیال میں ہمیں جھاڑیوں میں آگ لگا دینی چاہیے تھی کیونکہ میں نے سن رکھا ہے کہ جہاں آگ ہو وہاں چڑیلیں نہیں آیا کرتیں۔

سوانگ نے کہا۔

ٹھیک ہے مگر اب وقت گزر گیا ہے ہم اس مکان کو تو آگ نہیں لگا سکتے

ناگ بولا۔

اگر ایک غیبی چڑیل ہمارا پیچھا کر رہی ہے تو پھر کیا ہوا ہم ہمیشہ چار دیواری کے اندر بیٹھ کر صلاح مشورہ کریں گے اس طرح سے ہمارا راز اس پر ظاہر نہیں ہوگا اور جب اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکے گی؟

عنبر بولا۔

ناگ کا خیال ٹھیک ہے اس کے سوا ہم کچھ اور کر بھی نہیں سکتے۔

سوانگ نے کہا۔

میرا ارادہ کچھ اور ہے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں میرا خیال ہے کہ میں کسی یہاں کے جادوگر سے ملوں اور اس سے اس غیبی چڑیل کا کوئی ایسا توڑ پوچھوں جس سے یہ ہمیشہ کے لئے ختم کی جا سکے۔

عنبر اور ناگ ہوشیار ہو گئے سوانگ نے گنڈپ سے پوچھا کہ وہاں کوئی ایسا جادوگر ہے جو جن بھوتوں کا توڑ کرنا جانتا ہو؟ گنڈپ نے کہا

راز اس پر ظاہر نہیں ہوگا اور جب اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکے گی؟

عنبر بولا۔ ناگ کا خیال ٹھیک ہے اس کے سوا ہم کچھ اور کر بھی نہیں سکتے۔ سوانگ نے کہا۔ میرا ارادہ کچھ اور ہے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں میرا خیال ہے کہ میں کسی یہاں کے جادوگر سے ملوں اور اس سے اس غیبی چڑیل کا کوئی ایسا توڑ پوچھوں جس سے یہ ہمیشہ کے لئے ختم کی جا سکے۔ عنبر اور ناگ ہوشیار ہو گئے سوانگ نے گنڈپ سے پوچھا کہ وہاں کوئی ایسا جادوگر ہے جو جن بھوتوں کا توڑ کرنا جانتا ہو؟ گنڈپ نے کہا کہ وہ ایک جادوگر کو جانتا ہے سوانگ نے کہا کہ اسے ابھی لے کر یہاں آؤ۔

میں اس چڑیل سے سب سے پہلے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

جلتی کھوپڑی

رات کا کھانا بھی انہوں نے کوٹھڑی میں ہی بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد گنڈپ چپکے سے دروازے کو ذرا سا کھول کر جادوگر کو بلانے باہر نکل گیا ماریا نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنی تھیں عنبر اور ناگ کو اتنا وقت نہیں ملا تھا کہ وہ ماریا کو خبردار کر دیتے کہ سوانگ جادوگر کو بلا رہا ہے اس لئے وہ مکان کے ارد گرد مت آئے ماریا اس وقت بڑے مزے سے مکان کے سامنے گھوڑے پر سوار بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ گھوڑا کون سی خفیہ جگہ پر باندھے تا کہ وہ رات مکان کی چھت پر آرام سے بسر کر سکے اس نے گنڈپ کو کوٹھڑی سے باہر نکل کر آتے

طرف جاتے دیکھا اس نے سوچا کہ وہ کسی کام کو جا رہا ہوگا۔

ماریا کو کیا معلوم تھا کہ وہ اسے ہلاک کروانے کی سازش پر عمل کرنے جا رہا ہے وہ بڑے اطمینان سے گھوڑے پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی گنڈپ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے مکان کے پیچھے جا کر ایک گری ہوئی پرانی دیوار کی اوٹ میں گھوڑے کو باندھا اور خود مکان کی چھت پر چڑھ گئی یہاں اس نے کمبل بچھایا۔

اور لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی آج عنبر اور ناگ نے اسے کھانا نہیں پہنچایا تھا چنانچہ اس نے ایک درخت پر سے انجیریں توڑ کر کھالی تھیں اور پیٹ کی آگ بجھالی تھی۔

ماریا مکان کی چھت کے اوپر کمبل بچھائے سو رہی تھی اس کا گھوڑا مکان کے پچھواڑے گری ہوئی دیوار کی اوٹ میں بندھا ہوا تھا۔ مکان کے اندر سوانگ عنبر اور ناگ جادوگر کی راہ دیکھ رہے تھے اور گنڈپ جادوگر کو بلانے گیا ہوا تھا سوانگ عنبر سے کہہ رہا تھا۔

میں اس دفعہ اس غیبی چڑیل کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کام تمام کر دوں گا وہ اب کے میرے وار سے بچ نہیں سکے گی جادوگر سے ایسا ٹونا معلوم کروں گا کہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

عنبر اوپرے دل سے کہہ رہا تھا۔

کیوں نہیں سوانگ بھائی ہمیں اس بلا سے ضرور پیچھا چھڑانا چاہیے یہ تو ہمارے لیے ایک ہمیشہ کا خطرہ بن کر پیچھے لگ گئی ہے۔

ناگ نے بھی کہا۔

کاش یہ اندھے کنوئیں میں ہی ہلاک کر دی جاتی تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

سوانگ نے ڈانٹ کر کہا۔

پھر کیا ہوا میں اس دفعہ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا میرا نام بھی سوانگ

ہے میں نے ساری عمر مردوں کی پوجا کرتے گزاری ہے میں ان بھوتوں اور چڑیلوں سے خوب واقف ہوں ذرا مجھے جادوگر سے مشورہ کر لینے دو پھر دیکھنا میں اس غیبی چڑیل کو کیسے تگنی کا ناچ نچاتا ہوں۔

ناگ کو دل پر جبر کر کے سوانگ کے منہ سے ماریا کے خلاف باتیں سننی پڑ رہی تھیں ان دونوں کے دل میں بس ایک ہی بات تھی کہ کسی طرح ان میں سے کوئی باہر جا کر ماریا کو تلاش کر کے ساری سازش سے خبردار کر دے مگر سوال یہ تھا کہ باہر جا کر ماریا کو کون آوازیں دے دے کر بلائے عنبر اور ناگ میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ ماریا کہاں ہے وہ مجبوراً خاموش ہو کر اپنے اپنے بستروں پر بیٹھے سوانگ کی باتیں سن رہے تھے۔

ادھر گندپ جادوگر کے ہاں پہنچ گیا تھا۔

یہ جادوگر بڑا مکار اور خوفناک آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں سانپ کی

طرح سرخ تھیں سارا جسم کالا سیاہ تھا سر کے بال سانپوں کی طرح اس کے اس کندھوں پر جھول رہے تھے وہ ایک بلی کو کندھے پر بٹھائے اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا تھا طاق میں ایک دیا جل رہا تھا گندپ نے اندر جا کر ہاتھ جوڑے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا جادوگر نے پوچھا۔

کہو گندپ بیٹا، کیسے آنا ہوا؟

گندپ نے کہا۔

مہاراج ایک غیبی چڑیل کے ہاتھوں بڑا تنگ ہوں وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی میرے گھر میں آ کر میری بھینسوں کو ہلاک کر جاتی ہے میرا اس نے بڑا نقصان کیا ہے اب کہتی ہے کہ وہ مجھے بھی کھا جائے گی میں نے اسے کہا کہ میں سوامی جی جادوگر کے پاس تمہارا توڑ لینے جا رہا ہوں تو وہ کڑک کر بولی میں اس سوامی جادوگر کو بھی کھا جاؤں گی۔

اس بات پر مکار جادوگر اچھل پڑا اور نفرت سے کڑک کر بولا۔

اس حرام خور چڑیل کی یہ جرات کہ میرے منہ آئے؟ مجھ کو کھا جانے کی گستاخی کرے۔

گندپ بولا۔

سوامی جی مہاراج، اس کمینی چڑیل نے بالکل ایسا ہی کہا تھا۔ میں تو خود اس کی اس گستاخی سے غصے میں آ گیا تھا مگر مہاراج میں کیا کر سکتا تھا وہ تو مجھے نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

جادوگر اٹھ کر بولا۔

کہاں ہے وہ کمینی چڑیل۔ چلو مجھے اپنے گھر لے چلو۔ میں ابھی اسے بھون کر کھا جاؤں گا۔

گندپ نے کہا۔

وہ میرے گھر کے آس پاس منڈلا رہی ہے سرکار۔ جادوگر نے کڑک کر کہا۔

میں ابھی اسے جلا کر بھسم کر دوں گا چلو میرے ساتھ چلیے مہاراج۔ گندپ جادوگر سوامی کو لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ بہت جلد جادوگر گندپ کے مکان میں آ گیا یہاں سوانگ عنبر اور ناگ پہلے ہی سے بیٹھے تھے سوانگ نے اٹھ کر جادوگر سے ہاتھ ملایا اور اسے نیلی چڑیل کے بارے میں اور بھی ایسی باتیں بیان کیں کہ جادوگر کو زیادہ تاؤ آ گیا۔

سوانگ نے کہا۔

سوامی جی، نیلی عورت تو کسی جادوگر کو کچھ نہیں سمجھتی وہ کہتی ہے کہ میں اس سے پہلے کتنے ہی جادوگروں کو مار چکی ہوں اب آپ خود غور کر لیں کہ آپ کا کس قسم کی چڑیل کے ساتھ پالا پڑا ہے۔

جادوگر نے غصے میں کہا۔

سوانگ تم زیادہ باتیں مت بناؤ تم ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ

میں کیسے اس نابکار غیبی چڑیل کو قابو کرتا ہوں وہ میرے پنجے سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی۔

اس کے بعد جادوگر نے اپنے جھولے میں سے ایک مردے کی کھوپڑی نکالی پھر کچھ ہڈیاں باہر رکھ دیں درمیان میں آگ جلا کر کھوپڑی اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی دوسرے ہاتھ سے منہ میں منتر پڑھ پڑھ کر آگ میں خاک ڈالنے لگا عنبر اور ناگ کو بس ایک ہی فکر تھا کہ کہیں سچ مچ اس کے جادو کا اثر ماریہ پر نہ ہو جائے لیکن یہ ان کا وہم تھا ماریہ پر جس جادوگر نے جادو کیا تھا وہ افراسیاب کا خاص جادوگر تھا اس پر اب سوائے خود افراسیاب کے اور کسی جادوگر کا اثر نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ چھت کے نیچے جادوگر منتر پڑھ پڑھ کر کھوپڑی پر پھونکتا رہا اور چھت کے اوپر ماریہ بڑے آرام سے سوئی رہی۔

سوانگ اور گنڈپ بے چین ہو رہے تھے کہ جادوگر کے جادو کا اثر کیوں نہیں ہو رہا۔ مگر ان میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ اس سے نہ پوچھیں وہ خاموشی مگر بے چینی سے جادوگر کو منتر پڑھتے دیکھ رہے تھے ان کے خیال کے مطابق جادوگر کو اب تک معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ غیبی چڑیل کہاں ہے مگر وہاں کچھ بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا پھر بھی جادو جادو ہوتا ہے جادوگر کے منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ وہ آگ میں راکھ کی چٹکی پھینکتے پھینکتے اچانک رک گیا۔

سوانگ نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا۔

مہاراج غیبی چڑیل کا کچھ پتہ چلا؟

جادوگر نے لال لال آنکھیں گھما کر کہا۔

میرے جادو نے مجھے بتایا ہے کہ وہ غیبی چڑیل یہیں کسی جگہ پر بیٹھی ہے یا شاید سو رہی ہے۔

گنڈپ نے جلدی سے کہا۔

مہاراج یہ بھی پتہ کریں کہ وہ کہاں ہے۔؟

بک بک بند کرو میں یہی تو معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں بیچ میں مت بولو مجھے جادو کرنے دو۔

گنڈپ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

جو حکم مہاراج۔

جادوگر نے دوبارا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے شروع کر دیے اس کے جادو نے صرف اتنا اثر کیا تھا کہ جادوگر کو بتا دیا تھا کہ غیبی چڑیل کہیں اس کے بہت ہی قریب سو رہی ہے وہ کہاں ہے؟ کس جگہ پر ہے یہاں اس کا جادو بے بس معلوم ہو رہا تھا جادوگر اندر ہی اندر خود بھی پریشان ہو گیا تھا کیونکہ اس نے بڑے لمبے لمبے دعوے کیے تھے اور لوگوں کے سامنے بڑی ڈینگیں ماری تھیں مگر پتہ کچھ بھی نہیں چل رہا تھا آخر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غیبی چڑیل کہیں اسی جگہ پر ہے میری کھوپڑی کہہ رہی ہے کہ وہ اسی کمرے میں یا اس کمرے سے باہر کسی جگہ لیٹی ہوئی ہے۔

سوانگ نے کہا۔

مہاراج کیوں نہ پہلے اس کا گھوڑا تلاش کیا جائے، اگر گھوڑا مل گیا تو ہمیں اس کے یہاں ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔

جادوگر نے اسے جھاڑتے ہوئے کہا۔

خاموش بےوقوفو ایسی باتیں نہ کرو گھوڑے کی تلاش کرنے کی بجائے ہم خود غیبی چڑیل کو ہی کیوں نہ تلاش کریں آؤ میرے ساتھ عنبر اور ناگ بھی ساتھ اٹھنے لگے تو جادوگر نے چیخ کر کہا۔

اتنا میلہ بنا کر میرے ساتھ نہ چلو۔ سوانگ اور گنڈپ کافی ہیں تم لوگ اسی جگہ بیٹھے رہو، ہم ابھی غیبی چڑیل کو پکڑ کر لاتے ہیں۔

وہ تینوں کمرے سے باہر نکل گئے عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ بھائی کہیں یہ کم بخت ماریا کو پکڑ ہی نہ لیں۔

ناگ نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

عنبر بھائی کیسی بچوں ایسی باتیں کر رہے ہو۔ ماریا کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی اور پھر اس پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا اس پر ایک بہت بڑے جادوگر کا سایہ ہے وہ یونہی کسی کے قابو میں آنے والی نہیں بلکہ مجھے تو خطرہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کی ماریا کے ہاتھوں پٹائی نہ ہو جائے۔

عنبر نے کہا۔

اگر ایسا ہو جائے تو مزہ آ جائے۔

فکر نہ کرو ایسا ہی ہوگا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ سوانگ وغیرہ کی موت انہیں گھیر کر باہر لے آئی ہے۔

وہ کوٹھڑی کے اندر یہ باتیں کر رہے تھے اور کوٹھڑی کے باہر رات کے اندھیرے میں مشعلیں ہاتھ میں لیے گنڈپ اور سوانگ جادوگر پیچھے پیچھے چل رہے تھے جادوگر کے ہاتھ میں جو کھوپڑی تھی وہ بار بار جل جاتی تھی اور جادوگر کو بتا دیتی تھی کہ غیبی چڑیل کس جگہ چھپی ہوئی ہے۔

جادوگر مر گیا

جادوگر کھوپڑی لے کر چھت پر جانے والی سیڑھی کے پاس آ گیا، اچانک وہاں پہنچ کر کھوپڑی اس کے ہاتھ میں زور سے ہلی ....جادوگر نے اپنی لال لال آنکھیں گھما کر کہا۔

دومارا........ نیلی چڑیل یقیناً چھت کے اوپر سو رہی ہے۔

اور وہ سارے جادوگر سمیت چھت کی سیڑھیاں اوپر چڑھنے لگے خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ماریا نے سوتے میں محسوس کیا کہ اس کے ارد گرد کچھ شور سا پیدا ہو رہا ہے اس کی آنکھ کھل گئی اسے یوں لگا جیسے کوئی شخص سیڑھیاں چڑھ رہا ہے ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی پھر وہ جلدی سے چھت کے ایک طرف ہو گئی اس نے دیکھا کہ مشال کی روشنی میں تین آدمی

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آ رہے ہیں جادوگر مردے کی کھوپڑی ہاتھ میں پکڑے آگے آگے تھا ماریا فوراً سمجھ گئی کہ ان لوگوں کو اس کی موجودگی کا پتہ چل گیا ہے اور اب وہ جادوگر کو بلا کر اس سے منتر کروا کر پکڑنا چاہتے ہیں ماریا ہوشیار ہو گئی۔

جادوگر کی کھوپڑی کمال کر رہی تھی کم بخت کسی ایسے چالاک مردے کی تھی کہ جدھر ماریا چھپی کھڑی تھی وہ ادھر کو ہی منہ کر کے حرکت کر رہی تھی جادوگر نے اب ایک نیزہ ہاتھ میں پکڑ لیا تھا پھر اچانک نیزہ اس نے ہوا میں مار دیا، وہ نیزہ ماریا کے بالکل قریب آ کر چھت پر گر پڑا ماریا سہم کر پرے ہو گئی کمینے جادوگر کو کھوپڑی نے بالکل ٹھیک بتا دیا تھا کہ ماریا کس جگہ پر کھڑی ہے ماریا پریشان ہو گئی اب اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنا بچاؤ کرے ورنہ اس کی زندگی خطرے میں تھی وہ نہتی تھی اس کے پاس نہ تلوار تھی نہ نیزہ۔ وہ پھر کیسے اپنی جان

کی حفاظت کرتی وہ زمین پر گرا ہوا نیزہ اٹھاتے لگی تو جادوگر نے آگے بڑھ کر نیزہ اٹھالیا۔

نیزہ اٹھا کر وہ کھوپڑی کی طرف دیکھنے لگی کہ جدھر وہ رخ کرے ادھر وہ حملہ کر دے کھوپڑی اسی طرف اشارہ کر رہی تھی جس طرف ماریا سہمی ہوئی چھت پر کھڑی تھی ہاتھ میں نیزہ اٹھا ہوا تھا اور اس کی سیدھ بالکل ماریا کی طرف تھی جادوگر کو ماریا نظر تو نہیں آ رہی تھی مگر کھوپڑی اسے ٹھیک ٹھیک بتا رہی تھی کہ ماریا کس طرف ہے چنانچہ وہ اسی سمت کو نیزے کا رخ کر کے حملہ کرنے ہی والا تھا ماریا کو یقین ہو گیا کہ اگر اب اس نے نیزہ مارا تو وہ اس کے وار سے بچ نہ سکے گی پھر وہ کیا کرے؟

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ جادوگر نے ایک زوردار بڑھک مار کر نیزہ ماریا کی طرف زور سے پھینک دیا نیزے کی نوک ماریا کے کرتے کو

پھاڑتی ہوئی چھت کی زمین میں دھنس گئی اب ماریا کے لیے وقت ضائع کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا اس نے ایک لمحے کے اندر اندر چھت کے کچے فرش پر گڑا ہوا نیزہ کھینچا اور اسے ہاتھوں میں تول کر پوری قوت سے جادوگر کے سینے کا نشانہ لے کر پھینک دیا اس کا خیال تھا کہ جادوگر بچ جائے گا لیکن خوف اور وحشت کے مارے اس نے جو نشانہ لیا تھا وہ ٹھیک نشانہ ثابت ہوا نیزہ سیدھا جادوگر کے دل میں اتر کر جسم کے آر پار ہو گیا اس کے ساتھ ہی جادوگر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ الٹ کر دوسری طرف جا گرا گنڈپ اور سوانگ پاگلوں کی طرح جادوگر کو تکنے لگے جو چھت کے فرش پر خون میں لت پت تڑپ رہا تھا وہ خود ڈر گئے تھے ان کا خیال تھا کہ اب ان کی باری ہے اور غیبی چڑیل ان کو بھی ہلاک کر دے گی۔

جادوگر کا انجام انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا وہ اب وہاں

سے بھاگ جانا چاہتے تھے ماریا ایک طرف ہٹ کر کھڑی ان دونوں کو دیکھتی رہی سوانگ نے سرگوشی میں گنڈپ سے کہا۔

جادوگر کو نیچے لے چلو۔ خون زیادہ بہہ گیا تو وہ زندہ نہ بچ سکے گا۔

گنڈپ نے جھک کر دیکھا کہ سوامی جادوگر کی روح اپنا سارا کالا علم لے کر اس دنیا سے کوچ کر چکی ہے اس کا جادو خود اس کی اپنی زندگی بچانے میں کوئی کام نہیں آیا تھا گنڈپ نے جادوگر کے سینے پر کان رکھ کر کہا۔

سوانگ یہ تو بے چارہ اگلی دنیا کو چلا گیا۔

جادوگر اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔ وہ ابھی زندہ ہوگا، نہیں بھائی تم خود دیکھ لو جادوگر کے دل کی حرکت بند ہو چکی ہے اور ایک بار دل دھڑکنا بند ہو جائے تو پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت دوبارہ زندہ نہیں کر سکتی۔

سوانگ نے کہا۔

بھگوان کے لئے نیچے چلے چلو یہاں تو جادوگر کے بعد ہماری زندگیاں بھی خطرے میں ہیں وہ غیبی چڑیل ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گی یہاں سے بھاگ چلو۔

آؤ۔

اور وہ دونوں نیچے جھک جھک کر چھت پر سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگے آخری سیڑھی پر ماریہ ہاتھ میں لکڑی کا ڈنڈا لیے کھڑی تھی جوں ہی سوانگ اور گنڈپ اس کے قریب سے گزرنے لگے تو ماریا نے زور سے ڈنڈے کا ایک ہاتھ سوانگ کے سر پر دے مارا سوانگ چکرا کر گر پڑا اس عرصے میں عنبر اور ناگ بھی کمرے سے نکل کر باہر آ چکے تھے۔

کیا ہوا سوانگ بھائی کو؟

گنڈپ نے کہا۔

کچھ نہیں، یوں ہی چکرا کر گر پڑا ہے تو اسے اٹھا کر اندر لے آتے ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

جادوگر کہاں ہے کیا اس نے غیبی چڑیل کو پکڑا نہیں۔؟

گنڈپ بولا۔

جادوگر کو غیبی نے اسی کا نیزہ مار کر قتل کر دیا ہے اوپر چھت پر اس کی لاش پڑی ہے ہم لوگوں کی جانیں بھی خطرے میں ہیں جلدی سے یہاں سے کوٹھڑی میں بھاگ چلو۔

عنبر اور ناگ دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ماریا کو مار ڈالنے کی نیت لے جانے والے کا خود ہی کام تمام ہو گیا ماریا نے یہ کام بڑی ہمت اور جرات کا کیا تھا پھر بھی وہ وہاں کھلم کھلا خوشی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے چنانچہ وہ گنڈپ کے ساتھ ہی سوانگ کو اٹھا کر کوٹھڑی کے اندر

لے آئے ماریا اوپر بڑے آرام سے چھت پر بیٹھی جادوگر کی لاش کو غور سے دیکھتی رہی پھر وہ اٹھ کر سیڑھیوں سے نیچے آئی اور صحن میں ایک طرف خشک چارے کے ڈھیر پر لیٹ کر آرام کرنے لگی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

جادوگر کی لاش اوپر ہی پڑی تھی کوٹھڑی کے اندر سوانگ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لایا گیا ہوش میں آتے ہی اس نے ہم کر پوچھا۔

گنڈپ تو خیریت سے ہے۔؟

ہاں سوانگ بھائی میں خیریت سے ہوں کم بخت غیبی چڑیل نے آخر اپنا کام کر ہی دکھایا جادوگر بے چارے کو ہلاک کر دیا اور تمہیں ڈنڈا مار کر بے ہوش کر دیا مگر کوئی بات نہیں میں اس سے گن گن کر بدلے لوں گا۔

اندھیری گلی والی حویلی

جادوگر کی لاش ابھی تک چھت پر پڑی تھی۔

ماریا کو اگرچہ بہت نیند آ رہی تھی مگر وہ صحن میں سوکھے چارے کے ڈھیر پہ لیٹی بڑی چوکس تھی اور جاگ رہی تھی اسے شک تھا کہ کہیں ان لوگوں نے کسی دوسرے جادوگر کو نہ بلا لیا ہو اور دوسرے حملے کی تیاریاں نہ کر رہے ہوں گنڈپ نے کہا۔

میں جادوگر کی لاش کو چھت پر سے نیچے لا کر کسی جگہ دفن کر دینا چاہتا ہوں نہیں تو ایسا نہ ہو کہ ہم پر جادوگر کے قتل کا الزام لگ جائے۔

عنبر بولا۔

کیا یہ ضروری ہے۔؟

ہاں بہت ضروری ہے۔ سوانگ نے کہا، میں اور تم گنڈپ کے ساتھ اوپر جاتے ہیں اور جادوگر کی لاش کو نیچے لا کر مکان کے پچھواڑے زمین میں دفن کر دیتے ہیں یہ کام رات کے اندھیرے میں ہی ہو جانا چاہیے نہیں تو دن نکل آیا تو پھر مشکل ہو جائے گی اور لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔

عنبر، سوانگ اور گنڈپ کمرے سے نکل کر چھت پر جادوگر کی لاش لینے چلے گئے ماریا نے میدان صاف دیکھا تو کمرے کے اندر آ گئی اندر ناگ اکیلا بیٹھا تھا ماریا نے اس سے پوچھا کہ یہ جادوگر کب آیا تھا؟

ناگ نے کہا۔

ماریا بہن، ہم اندر بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے تھے سوانگ کی وجہ سے ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے ہمیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم کہاں ہو میں تو

تمہیں کسی طرح سے ضرور خبردار کر دیتے کہ جادوگر یہاں آ رہا ہے تم کسی دوسری جگہ چلی جاؤ۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم اوپر چھت پر آرام کر رہی ہو۔

ماریہ نے کہا۔

میرے لئے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا اگر میں جادوگر کو ہلاک نہ کرتی تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا کم بخت کا جادو اتنا ضرور سچا تھا کہ اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ میں کس جگہ کھڑی ہوں اس کا دوسرا نیزہ تو میری قمیض کو پھاڑ کر نکل گیا تھا اگر میں ذرا پرے نہ ہٹتی تو اب تک مر چکی ہوتی۔

ناگ بولا۔

تم نے بڑا اچھا کیا جو اس مکار جادوگر کو جہنم میں پہنچا دیا کمبخت نے اپنے جادو سے نہ جانے اب تک کتنے لوگوں کو تہ تیغ کیا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ اب تم کہاں ہو۔؟

ماریہ نے کہا۔

میں باہر سوکھے چارے کے ڈھیر پر بیٹھی صبح ہونے کا انتظار کر رہی ہوں یہ لوگ اوپر کیا کرنے گئے ہیں۔؟

جادوگر کی لاش کو چھت سے اٹھا کر مکان کے پچھواڑے دفن کر دینا چاہتے ہیں تا کہ کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔

ماریہ بولی۔

ٹھیک ہے۔ اس جادوگر کا زمین کے اندر چلے جانا ہی بہتر ہے میں چارے کے ڈھیر پر بیٹھی آرام کر رہی ہوں میرا خیال ہے صبح یہ لوگ یہاں سے چل پڑیں گے۔

میرا اپنا بھی خیال یہی ہے اگر کوئی تبدیلی ہوئی تو میں چارے کے ڈھیر کے پاس آ کر تمہیں خبردار کر دوں گا۔

میرا خیال ہے وہ لوگ لاش اٹھا کر نیچے آ رہے ہیں میں جاتی ہوں۔

یہ کہہ کر ماریا کمرے سے باہر نکل گئی۔

اتنے میں عنبر سوانگ اور گنڈپ اوپر سے جادوگر کی لاش اٹھانے نیچے آ گئے انہوں نے لاش کو چارے کے ڈھیر کے پاس اسی جگہ رکھ دیا جہاں قریب ہی ماریا بیٹھی ہوئی تھی مگر کوئی بھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

سوانگ یہاں صحن میں ہی گڑھا کھود ڈالو۔

بہتر ہے۔

سوانگ عنبر اور ناگ نے صحن میں گڑھا کھودنا شروع کر دیا جب گڑھا تیار ہو گیا تو انہوں نے جادوگر کی لاش کو اس میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور چارہ اٹھا کر اوپر بکھیر دیا تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہونے پائے کہ یہاں کسی کی لاش دفن ہے اس کام سے فارغ ہو کر گنڈپ نے کہا۔

جادوگر کی موت سے مجھے بڑا صدمہ ہوا ہے مگر کیا کیا جائے اس کی

موت اسی طرح لکھی تھی لیکن اب ہمیں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ غیبی چڑیل کو کھلی چھٹی مل گئی ہے ہو سکتا ہے وہ یہاں بیٹھی ہماری باتیں سن رہی ہو۔

ناگ نے کہا۔

پھر تو ہمیں پچھلے پہر خاموشی سے یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔

سوانگ نے کہا۔

خاموش، چپکے سے اندر آ جاؤ۔ یہ باتیں اندر جا کر کریں گے مگر خبردار دروازہ اس طرح کھولنا کہ ہمارے سوا کوئی دوسرا اندر داخل نہ ہو سکے گنڈپ نے جا کر کوٹھڑی کا دروازہ تھوڑا سا کھولا اور اس کے درمیان کھڑا ہو گیا پھر اس نے ایک ایک کر کے سوانگ عنبر اور ناگ کو اندر داخل کیا اور آخر میں جلدی سے خود بھی اندر داخل ہو کر دروازہ فوراً بند کر دیا دروازے پر کنڈی لگا کر وہ بیٹھ گیا۔

میری تجویز یہ ہے کہ ہم ایک ایک کر کے یہاں سے نکلیں اور شہر کے اندر والی حویلی میں پہنچ جائیں۔

گنڈپ کی اس تجویز پر سوانگ نے حامی بھرتے ہوئے کہا، بڑی معقول تجویز ہے ہمارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں یہاں غیبی چڑیل ہر وقت ہماری نگرانی کرتی رہے گی اور ہم ولی عہد شہزادے کو قتل نہ کر سکیں گے شہر کے اندر والی حویلی بڑی چھپی ہوئی جگہ پر ہے۔

گنڈپ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ عنبر اور ناگ کو اس حویلی کا پتہ معلوم نہیں ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

استاد گنڈپ، ہم تو نئے نئے جنگلوں سے آئے ہیں ہمیں تمہاری شہر کی اندر والی خفیہ حویلی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

سوانگ بولا۔

تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ میں عنبر کو لے کر یہاں سے پہلے نکلتا ہوں اور گنڈپ تم ناگ کو لے کر میرے پیچھے پیچھے آ جانا، مگر خبردار اتنا خیال رہے کہ غیبی چڑیل کو ہمارا سراغ نہ ملنے پائے اگر اسے علم ہو گیا تو وہ ہمارا پیچھا کرے گی۔

گنڈپ کہنے لگا۔

تم فکر نہ کرو میں بڑی ہوشیاری سے ناگ کو لے کر چلوں گا اب تم پہلے عنبر کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ، حویلی کے پچھلے دروازے کی چابی دہلیز کی اینٹ اکھاڑ کر نکال لینا۔

سوانگ نے کہا۔

بہت اچھا، آؤ عنبر بھائی۔

چلو۔

سوانگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور بڑی خاموشی سے دروازہ کھول کر صحن کی

دیوار کے ساتھ رینگ کر وہ مکان سے باہر آگیا یہاں وہ دونوں تالاب کے کنارے کنارے سے ہو کر شہر کو جانے والی کچی سڑک پر آگئے اور پھر چپکے سے شہر کے اندر داخل ہو گئے گنڈپ کی خفیہ حویلی شہر کیتھے کے اندر گنجان آباد محلے میں تھی یہ ایک تنگ اور اندھیری گلی تھی جس کے آخر میں حویلی کا دروازہ تھا اس کا پچھلا دروازہ ایک دوسری تنگ و تاریک گلی میں تھا سوانگ عنبر کو لے کر حویلی کے پچھلے دروازے پر آگیا۔

اس نے دہلیز کی اینٹ اکھاڑ کر نیچے سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر حویلی کے اندر داخل ہو گیا یہ حویلی بڑی ہی خستہ حالت میں تھی چھتوں سے جالے لٹک رہے تھے زمین پر گرد پڑی تھی۔

سوانگ عنبر کو حویلی کے اندر ایک تہہ خانے میں لے گیا جہاں اس قدر اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا سوانگ نے شمع جلا کر طاق

میں رکھ دی عنبر نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ تہہ خانے میں دو چار تخت پوش بچھے تھے دیواروں پر تیز تلواریں اور تیر کمان لٹک رہے تھے کونے میں مٹی کے بڑے بڑے مٹکوں میں شاید چاول اور اناج بھرا ہوا تھا۔

سوانگ نے کہا۔

یہ جگہ کیسی ہے عنبر۔؟

عنبر نے کہا۔

سوانگ بھائی پہلے والے مکان سے تو یہ جگہ اس لحاظ سے ہزار درجے بہتر ہے کہ یہاں کم از کم غیبی چڑیل تو ہم کو نہ دیکھ سکے گی۔؟

سوانگ نے کہا۔

مجھے یقین ہے ہمیں چڑیل نے نہیں دیکھا ہوگا اب ان لوگوں کو بھی بڑی ہوشیاری سے یہاں تک آنا چاہیے اگر انہیں غیبی چڑیل نے دیکھ

لیا تو پھر ہمارا یہاں رہنا بھی بے کار ہو گا لیکن خیر کوئی بات نہیں اگر ایسی ویسی بات ہو گئی تو میں ایک بار پھر غیبی چڑیل کو ہلاک کرنے کی کوشش کروں گا اور اس دفعہ وہ میرے ہاتھ آ گئی تو بچ نہ سکے گی۔

عنبر نے کہا۔

اگر وہ میرے قابو میں آ گئی تو میں بھی اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

ادھر گنڈپ بھی ناگ کو لے کر اپنی طرف سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ گھر سے باہر نکل آیا اس کا خیال تھا کہ ماریا نے اسے نہیں دیکھا ہو گا مگر اس نے تو پہلے سوا تنگ کو بھی جاتے دیکھ لیا تھا اور اب گنڈپ کو بھی ناگ کے ساتھ چھپ چھپ کر گھر سے نکلتے دیکھ رہی تھی اس نے گنڈپ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا گھوڑا اس نے اسی جگہ رہنے دیا عجیب اتفاق تھا کہ اس گھوڑے کی کسی نے بھی تلاش نہیں کی تھی۔

گنڈپ ناگ کو لے کر شہر کے گنجان آباد محلے کی تنگ و تاریک گلی میں

حویلی کے باہر لے آیا ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔

گنڈپ ناگ کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا اور اس نے دروازہ زور سے بند کر لیا اس معاملے میں گنڈپ کامیاب ہو گیا تھا کہ اس نے ماریا کو حویلی کے اندر داخل ہونے کی مہلت نہیں دی تھی یہ لوگ تو حویلی کے اندر چلے گئے اور اب ماریا باہر اکیلی رہ گئی وہ تنگ سی گلی میں اکیلی کھڑی تھی دن نکل آیا تھا اور گلی میں سورج کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی اسے بھوک اور پیاس نے بھی تنگ کر رکھا تھا اس نے سوچا کہ وہ کہاں سے تھوڑا بہت کھانا حاصل کرے؟

اسے ایک مکان سے مچھلی تلنے کی خوشبو آئی وہ اس مکان کی ڈیوڑھی میں آ گئی صحن کے اندر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک موٹا سا آدمی بڑے مزے سے چولہے کے سامنے بیٹھا مچھلی تل تل کر مٹی کی پلیٹ میں رکھ بھی رہا تھا اور ساتھ ساتھ کھا بھی رہا تھا اس کا نوکر سامنے بیٹھا بھوکی

نظروں سے مچھلی کو تک رہا تھا موٹے نے مچھلی کی تھالی تپائی پر رکھ دی اور خود آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور توند پر ہاتھ پھیر پھیر کر مچھلی کھانے لگا نوکر بے چارے کو بھی بڑی بھوک لگی تھی موٹے نے نوکر کو حکم دیا۔

فوراً میرے پیچھے آ کر میرے سر کی مالش کر۔ میں مچھلی کھاتا جاتا ہوں تو مالش کرتا جا۔

نوکر نے کہا۔

سرکار، بھوک سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

اگر اجازت ہو تو تھوڑی سی مچھلی میں بھی کھا لوں۔؟

موٹے نے کہا۔

خبردار جو پھر ایسی بک بک کی تم نوکر ہو، میں مالک ہوں۔ مچھلی صرف میں کھاؤں گا، تم میرا منہ دیکھو گے اور میری خدمت کرو گے۔

نوکر بولا۔

بہت اچھا سرکار۔

اور نوکر بے چارا بھوکا ہی اٹھا اور موٹے مالک کے پیچھے آ کر اس کے سر کی مالش کرنے لگا مالک بڑے مزے لے لے کر مچھلی چٹ کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ نوکر کو ڈانٹے بھی جا رہا تھا۔

کم بخت ذرا زور سے ہاتھ لگا حرام کی کیوں کھاتا ہے۔

ماریا نے یہ نقشہ دیکھا تو اسے موٹے مالک پر سخت غصہ آیا کہ کم بخت کس قدر سنگ دل ہے کہ اسے ذرا بھی رحم نہیں آتا خود پیٹ بھر کر کھا رہا ہے اور اپنے نوکر کو بھوکوں مار رہا ہے ماریا نے آگے بڑھ کر چپکے سے مچھلی سے بھری ہوئی تھالی موٹے کے آگے سے اٹھالی تھالی کو ایک دم غائب ہوتے دیکھ کر موٹے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ہائیں۔ میری مچھلی کہاں گئی؟ کون لے گیا میری مچھلی۔ ارے کم بخت

تھالی تم نے تو نہیں اٹھائی۔؟

نوکر بھی حیران ہو کر بولا۔

حضور میں تو دونوں ہاتھوں سے آپ کے سر پر مالش کر رہا ہوں پھر بھلا میں تھالی اٹھا کر کہاں لے جا سکتا ہوں۔؟

موٹے نے کہا۔

ارے تو پھر کون لے گیا میری مچھلی کی تھالی، ابھی تو یہاں پڑی تھی کم بخت کو زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا۔

ماریا نے کونے میں کھڑے ہو کر مچھلی کے دو تین بڑے بڑے قتلے خود کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی اور باقی اس نے نوکر کے لئے رکھ لی اب سوال یہ تھا کہ وہ نوکر کو کس طرح مچھلی کھلائے اس کی ایک ترکیب اس نے سوچی، ماریا نے آگے بڑھ کر پچھلے حصے پر سے ایک زوردار مکا موٹے مالک کی پھولی ہوئی توند پر مار دیا۔

موٹا مالک چلایا تھا۔

ارے مار ڈالا! ظالم۔ ارے یہ کون ہے ارے کم بخت تم ہو گیا۔؟

نوکر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

مالک میں تو آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کی مالش کر رہا ہوں پھر میں آگے سے آ کر آپ کے پیٹ پر مکا کیسے مار سکتا ہوں۔

اتنے میں ماریا نے ایک اور مکا موٹے کی توند پر جڑ دیا اب تو وہ چلاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا ماریا نے پیچھے سے ایک مکا مار دیا وہ بھاگنے لگا وہ بھاگ رہا تھا اور ماریا اسے مکے مار رہی تھی پھر اسے صحن میں ایک طرف جھاڑو پڑا نظر آیا ماریا نے جھاڑو اٹھا لیا اور دھڑا دھڑ موٹے کو پیٹنا شروع کر دیا وہ بڑا حیران تھا کہ یہ کون غیبی طاقت اسے مار رہی ہے آخر ماریا نے گرج کر کہا۔

موٹے یہاں سے کان کھینچ کر اور زمین پر لکیریں کھینچ کر بھاگ جا

نہیں تو میں ابھی تمہارے پیٹ کو پھاڑ کر ساری مچھلیاں باہر نکال لوں گی۔

موٹا زمین پر سجدے میں گر پڑا۔

اے آسمانی دیوی معاف کر دے ابھی لکیریں کھینچتا ہوں ماریا نے گھورتے ہوئے کہا۔

کان بھی کھینچ۔

موٹا بولا۔

ارے ارے، کان بھی کھینچتا ہوں دیوی جی۔

موٹے کا سارا بدن ڈر کے مارے کانپ رہا تھا اس نے پہلے تو پانچ مرتبہ اپنے کان کھینچے اور پھر زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر لکیریں کھینچنے لگا کوئی پچاس لکیریں کھینچنے کے بعد ماریا نے اس کی گردن پر مکا مار کر کہا۔

کیسی سورائی گردن بنا رکھی ہے تم نے کھا کھا کر، اب بھاگ جا یہاں سے اور خبردار جو پھر اس گھر میں قدم رکھا اب اس گھر میں میرا بسیرا ہوگا جن بھوت رہا کریں گے۔

موٹا بولا۔

جاتا ہوں مائی باپ جاتا ہوں مائی باپ آپ بے شک میرے گھر میں رہیں بے شک میرے گھر میں رہیں۔

اتنا کہہ کر موٹا وہاں سے دم دبا کر بھاگ گیا۔

ماریا اب نوکر کی طرف متوجہ ہوئی وہ بے چارا خوف کے مارے ایک چارپائی کے نیچے چھپا ہوا تھا ماریا نے چارپائی کے پاس آ کر کہا۔

باہر نکل آؤ صرف تمہیں مچھلی کھلانے کے لئے تو میں نے یہ سب کچھ کیا ہے مجھ سے گھبراؤ نہیں میں نیکی کی دیوی ہوں لو مچھلی کھاؤ۔

نوکر کی نمک حلالی

موٹا بہت ڈر گیا تھا۔

وہ گلی میں جا کر دھڑام کر کے گرا اور بے ہوش ہو گیا لوگ وہاں جمع ہو گئے گلی میں شور مچ گیا کہ اناج کا بیوپاری موٹا گلی میں بے ہوش پڑا ہے شور سن کر گنڈپ بھی باہر آ گیا کیونکہ وہ بھی اسے محلے میں رہتا تھا

اس نے پوچھا۔

کیا بات ہے؟ کیا ہوا۔

ایک آدمی نے بتایا۔

جناب یہ موٹا گرتے ہی بے ہوش ہو گیا ہے۔

گنڈپ نے پوچھا۔

کیا وجہ ہوئی۔؟

یہی تو معلوم نہیں۔

آخر بڑی مشکل سے موٹے کو ہوش میں لایا گیا، اس نے گنڈپ کو دیکھتے ہی اس سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

گنڈپ بھائی مجھے اس بھوتنی سے بچاؤ جو میرے مکان میں آ کر ساری مچھلی کھا گئی ہے اس نے مجھے مکے بھی مارے ہیں اور جھاڑو مار مار کر گھر سے نکال دیا ہے۔

گنڈپ نے پوچھا۔

ارے احمق کون بھوتنی تمہارے گھر میں رہتی ہے۔؟

موٹا بولا۔

بھائی کوئی نئی بھوتنی آ گئی ہے کہتی ہے یہاں سے نکل جا اب تیرے

گھر میں میں رہوں گی۔

گنڈپ تو وہیں کانپ کر رہ گیا .... تو گویا غیبی عورت ان کا پیچھا کرتی وہاں بھی آ گئی تھی وہ خاموش رہا اور موٹے کو دم دلاسہ دے کر واپس اپنی حویلی کے تہہ خانے میں آ گیا، اس نے آتے ہی سوانگ اور عنبر وغیرہ کو سارے حالات سے باخبر کر دیا۔

وہ کم بخت غیبی چڑیل یہاں بھی آ گئی ہے اگر وہ ساتھ والے گھر میں آ گئی ہے تو ضرور اس نے ہمارا یہ گھر بھی دیکھ لیا ہوگا۔

عنبر اور ناگ یہ سن کر بڑے خوش ہوئے کہ ماریا وہاں بھی پہنچ گئی ہے اوپر سے انہوں نے بھی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ تو بڑی بری بات ہوئی ہے۔

سوانگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اسے اب اسی مکان میں قابو کر لیا جانا چاہیے یہ مکان

اس کی قبر بنا دینی چاہیے کوئی ایسی سازش کرنی چاہیے کہ وہ اس مکان میں پھنس جائے اور ہم مکان کو آگ لگا دیں۔

گنڈپ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

اب تو ایسا ہی کرنا پڑے گا، اس دفعہ تو اس کی موت اسے اس مکان میں کھینچ لائی ہے تم لوگ خاموش رہو میں آج ہی اسے مکان کے اندر بند کر کے آگ لگا دیتا ہوں۔

ناگ نے کہا۔

تمہیں ہماری مدد کی بھی ضرورت ہوگی۔

بالکل نہیں۔ تم خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو میں سب کچھ خود ہی سنبھال لوں گا۔

یہ کہہ کر گنڈپ سوانگ اور عنبر کو حویلی کے تہہ خانے میں ہی چھوڑ کر باہر گلی میں نکل گیا، وہ سیدھا اس موٹے کے پاس گیا جو ساتھ والے

مکان کے ایک کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔

گنڈپ نے اسے کہا۔

تم فکر نہ کرو میں آج سے خود تمہارے مکان میں رہوں گا اور اس غیبی چڑیل کو ختم کر کے ہی دم لوں گا لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کام کے لئے مجھے تمہارے مکان کے کسی ایک کمرے کو آگ لگا دینی پڑے کیا تم اس پر تیار ہو۔؟

موٹے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

بھائی میرے سارے مکان کو چاہے آگ لگا دو مگر اس بھوت کی اماں کو میرے گھر سے نکال دو، میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا میں مکان دوبارہ بنوا لوں گا۔

بس اب تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔

یہ کہہ کر گنڈپ موٹے کے مکان میں چلا گیا وہ ایک کمرے میں جا کر چھپ گیا اس وقت ماریا مکان کی چھت پر چڑھ کر دوسری گلی میں اس حویلی کے بڑے دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں عنبر اور ناگ وغیرہ رہتے تھے گنڈپ حویلی کے پچھلے دروازے سے نکلا تھا ماریا نے اسے نہ تو مکان سے نکلتے دیکھا تھا اور نہ ہی موٹے کے مکان میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

گنڈپ نے یہاں بھی وہی ترکیب استعمال کی جو سوانگ اور وارژ تمک نے ماریا کو پکڑنے کے لئے استعمال کی تھی اس نے اندر سے آٹا لا کر اس کی ہلکی ہلکی تہہ صحن میں کمروں کے دروازوں تک بچھا دی اس کا مقصد یہ تھا کہ غیبی چڑیل جس کمرے میں بھی رات کو یا شام کو جا کر سوئے گی اسے پاؤں کے نشانوں سے پتہ چل جائے گا چال بڑی خطرناک تھی کیونکہ صحن میں آٹے کی تہہ اتنی معمولی تھی کہ پتا ہی نہیں چلتا تھا اس کام سے فارغ ہو کر گنڈپ ایک کمرے کی کھڑکی میں

چھپ کر بیٹھ گیا اس کمرے کو اس نے اندر سے بند کر رکھا تھا تاکہ کہیں غیبی چڑیل اندر آ کر اسے دیکھ نہ لے کیونکہ اگرچہ وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتی تھا مگر وہ تو اسے دیکھ سکتی تھی۔

ماریا کافی دیر مکان کی چھت پر ادھر ادھر چل پھر کر شہر کے مکانوں کو دیکھتی رہی اور نیچے گلی میں جھانکتی رہی پھر جب وہ تھک گئی تو اس خیال سے نیچے اتر آئی کہ مکان کے کسی کمرے میں چل کر آرام کرے کیونکہ وہ بھی رات بھر جاگتے رہے تھے اور ضرور آرام کر رہے ہوں گے اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ مکار گنڈپ اس کی ٹوہ میں مکان کی ایک کھڑکی کے پیچھے بیٹھا اس کی راہ دیکھ رہا ہے۔

ماریا چھت پر سے نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔

مکار گنڈپ کھڑکی کے ساتھ لگا بیٹھا باہر صحن میں جھانک رہا تھا اسے یوں لگا جیسے کوئی مکان کی سیڑھیاں اتر رہا ہے وہ چوکنا ہو گیا ماریا کے

قدموں کی آواز اس نے صاف طور پر سن لی تھی وہ کھڑکی کی اوٹ میں ہو گیا اور چیتے ایسی عیار آنکھوں سے سیڑھیوں کی طرف تکنے لگا سیڑھیوں پر سے ماریا اتری تو نظر نہیں آ سکتی تھی البتہ اس نے یہ دیکھا کہ صحن میں جو آٹا بکھرا ہوا ہے اس پر کسی عورت کے پاؤں کے ہلکے ہلکے نشان پڑ رہے ہیں وہ دل میں خوف زدہ بھی ہو گیا اور خوش بھی ہوا خوف اسے اس بات سے آیا کہ عورت جو اسے نظر نہیں آ رہی تھی اس کے پاؤں کے نشان صحن میں پڑ رہے تھے اور خوش اس لئے ہوا کہ اس کا کام بن گیا تھا اور ماریا اس کی چال میں آ گئی تھی۔

ماریا بڑی بے فکری سے صحن میں ادھر ادھر چل پھر کر کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہی تھی جہاں وہ لیٹ کر تھوڑی دیر سو سکے تاکہ شام کو پھر تازہ دم ہو کر سوانگ وغیرہ کا پیچھا کر سکے گھر میں سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں تھا نوکر موٹے مالک کے پاس چلا گیا تھا کیونکہ مالک کی خدمت

کرنا اس کا فرض تھا سارا گھر ویران تھا اور ماریا اکیلی وہاں پھر رہی تھی آخر اسے ایک کمرہ پسند آ گیا یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی ایک کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں یہ کھڑکی باہر گلی میں کھلتی تھی ماریا نے کھڑکی کو بند کر دیا کمرے کے اندر سے کنڈی لگائی اور آرام دہ بستر پر لیٹ کر نیند کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف مکار گنڈپ نے اندازے سے معلوم کر لیا کہ ماریا کسی نہ کسی کمرے میں چلی گئی ہے اور اب وہ صحن میں نہیں ہے چنانچہ وہ مکار لومڑی کی طرح دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا اور جھک کر فرش پر پاؤں کے نشان دیکھنے لگا ماریا کے پاؤں کے نشان سارے صحن میں بکھرے پڑے تھے آخر میں یہ نشان صاف صاف ایک کمرے کی طرف جاتے نظر آ رہے تھے یہ کمرہ اندر سے بند تھا اور باہر سے اس کی کنڈی نہیں لگی تھی گنڈپ فوراً سمجھ گیا کہ غیبی چڑیل اسی

کمرے میں گئی ہے اب وہ انتظار نہیں کر سکتا تھا غیبی چڑیل پوری طرح اس کے پنجے میں تھی اب صرف اتنی سی بات تھی کہ وہ لپک کر جائے اور مکان کے باہر لوہے کی سلاخ والی کنڈی چڑھا دے۔

اتفاق سے ماریا ایک ایسے کمرے میں داخل ہوئی تھی جو موٹے مالک کی خواب گاہ تھی اور جس کا دروازہ بڑا مضبوط تھا اور اس کے باہر لوہے کی بہت طاقتور کنڈی لگی تھی اس کنڈی کو جا کر لگانا ہی تھا یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی گنڈپ بھاگ کر دروازے کے پاس پہنچا اور اس نے لوہے کی کنڈی لگا کر دروازے کو باہر سے بھی بند کر دیا ماریا ابھی اندر سوئی نہیں تھی اس نے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سنی تو فوراً بستر پر سے اٹھ کر دروازے کے پاس آئی اب جو اس نے دروازے کو کھولنا چاہا تو دروازہ باہر سے بند تھا ایک دم اسے خیال آیا کہ دشمن گنڈپ نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے اس نے دروازے کو زور سے

دھکا دیا مگر وہ دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ ٹس سے مس تک نہ ہوا وہ لپک کر گلی والی کھڑکی کی طرف آئی کھڑکی کا دروازہ کھولا تو وہاں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں گویا ماریا اس کمرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی وہ چپکے سے پلنگ پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ وہاں سے کیسے باہر نکلے اُدھر گنڈپ نے سوانگ اور عنبر وغیرہ کو جا کر بتانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اس نے غیبی عورت کو قید کر لیا ہے وہ سیدھا موٹے آدمی کے پاس گیا اور بولا۔

سنو، میں نے اس چڑیل کو قبضے میں کر لیا ہے جس نے تمہارے مکان پر قبضہ کر رکھا ہے مجھے زیتون کا تیل دو تا کہ میں اس کمرے میں جلتے ہوئے چیتھڑے پھینک کر وہاں آگ اور دھواں کر دوں جس سے چڑیل دم گھٹ کر خود بخود مر جائے۔

موٹا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بھائی کیا چڑیل مر جائے گی اس طرح سے؟

ہاں وہ ضرور مر جائے گی یہ تم نہیں جانتے یہ میں جانتا ہوں تم یہ بتاؤ کہ زیتون کا تیل کہاں ہے جلدی کرو وقت بہت کم ہے موٹے نے خوش ہو کر کہا۔

میرے نوکر کو ساتھ لے لو یہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا اور سارا کام بھی خود ہی کرے گا بے شک میرے سارے مکان کو آگ لگا دو مگر اس چڑیل کی بچی کو زندہ نہیں چھوڑنا جس نے میری توند پہ مکے اور جھاڑو مار مار کر مجھے گھر سے باہر نکال دیا ہے۔

تم فکر نہ کرو۔

گنڈپ نوکر کو ساتھ لے کر موٹے کے مکان میں آ گیا۔

جلدی سے زیتون کے تیل کا کپا اور پرانے کپڑوں کے چیتھڑے لا کر گلی والی کھڑکی کے پاس ڈھیر کر دو۔

بہت بہتر سرکار۔

گنڈپ آگ جلانے والے پتھر کو لے کر گلی والی کھڑکی کی سلاخوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا ماریا نے دیکھا کہ مکار گنڈپ سلاخوں سے کافی دور کھڑا کمرے میں مسکرا کر دیکھ رہا ہے پھر بولا۔

اے غیبی چڑیل تو ارژنگ کے ہاتھوں بچ گئی تھی تو نے ارژنگ کو ہلاک کر دیا تھا مگر اب میرے ہاتھوں نہ بچ سکے گی اب تیری موت تیرے سر پر آ گئی ہے میں اس کمرے کو آگ لگا رہا ہوں اور تو اس آگ میں جل بھن کر کباب ہو جائے گی میں جانتا ہوں کہ تو یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی تمہارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اتنے میں نوکر نے زیتون کے تیل کے کپے لا کر گنڈپ کے پاس رکھ دیے ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ جس نوکر پر ترس کھا کر اس نے یہ ساری

بک بک مول لی تھی وہ بھی اس کی موت کے سامان میں گنڈپ کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

گنڈپ نے نوکر سے کہا۔

بھاگ کر اندر سے اور چیتھڑے لے آ۔

بہت اچھا حضور۔

نوکر گلی والے دروازے میں سے ہو کر مکان کے اندر آ گیا اور گنڈپ گلی میں کھڑکی کے نیچے بیٹھا زیتون کے تیل میں چیتھڑے بھگو بھگو کر پاس رکھتا گیا پھر اس نے ایک چیتھڑے کو آگ لگائی اور بانس کی مدد سے اسے سلاخوں میں سے کھڑکی کے اندر پھینک دیا ماریا پرے ہٹ گئی آگ میں لپٹا ہوا چیتھڑا پلنگ پر گرا اور فوراً اس نے اندر آگ لگا دی ماریا کا دھوئیں اور آگ میں دم گھٹنے لگا وہ کھانسنے لگی اور بے حال سی ہو گئی اتنے میں کمرے میں اور آگ میں بھڑکتے چیتھڑے کھڑکی

کے راستے اندر آنے لگے دیکھتے دیکھتے کمرے میں آگ چاروں طرف پھیل گئی۔

ماریا پیچھے بند دروازے کے ساتھ آن لگی گلی میں گنڈپ کے قہقہے گونج رہے تھے کھٹاک کی آواز آئی اور کسی نے باہر سے دروازے کی سلاخ اتار دی، دروازہ کھلا اور نوکر نے آہستہ سے آواز دی۔

دیوی جی، باہر آجاؤ۔

ماریا لپک کر باہر آگئی، اس نے نوکر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

سکھی رہو بھائی میں باہر آگئی ہوں۔

نوکر نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی کی سلاخ دوبارہ لگادی اور چیتھڑوں کا ڈھیر لے کر گلی میں گنڈپ کے پاس پہنچ گیا۔

لیجئے سرکار چیتھڑے اور لے آیا ہوں۔

گنڈپ بڑا خوش تھا اور اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا اس نے نوکر سے کہا۔

پیارے اب چیتھڑوں کی ضرورت نہیں اندر سارا کمرہ جل کر راکھ ہو رہا ہے چڑیل بھی اندر جل بھن کر راکھ ہو گئی ہوگی جاؤ اپنے مالک سے جا کر کہو کہ میں نے غیبی چڑیل کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہے۔

بہت اچھا سرکار۔

نوکر اپنے موٹے مالک کی طرف چل پڑا کمرے کے اندر کے حصے کو آگ نے سارے کا سارا چاٹ لیا تھا کمرے کے سارے پردے پلنگ تخت مٹکے اور دریا جل کر راکھ ہو گئی تھیں صرف دیواروں کی اینٹیں باقی رہ گئی تھیں لوہے کا دروازہ ویسے کا ویسا باہر سے بند تھا

..........گنڈپ نے آ کر لوہے کے دروازے کو دیکھا باہر سے اسی طرح سلاخ دار کنڈی لگی ہوئی تھی گلی والی کھڑکی کی سلاخیں بھی جوں کی توں موجود تھیں اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ کمرے میں قید غیبی

چڑیل کا نام ونشان باقی نہیں رہا اور آگ نے اسے چٹ کرلیا ہے۔

گنڈپ اپنی کامیابی پر بے حد خوش حویلی کے تہہ خانے میں پہنچا اور اس نے سوانگ، عنبر اور ناگ کو اٹھا کر اپنا کارنامہ سنایا۔

تمہیں خوش ہو جانا چاہیے کہ میں نے اپنے راستے کے سب سے بڑے کانٹے کو صاف کر دیا ہے غیبی چڑیل کا اب وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہا شعلوں نے اسے راکھ بنا کر ہواؤں میں بکھیر دیا ہے۔

یہ سن کر عنبر اور ناگ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جو واقعات گنڈپ نے سنائے کہ کس طرح اس نے آٹا بکھیرا اور پھر غیبی عورت کے پاؤں کے نشان لیے پھر کس طرح اس نے دروازے کے باہر کنڈی لگا کر اندر آگ لگا دی اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ماریا اب اس دنیا میں نہیں ہے اگر وہ موجود ہوتی تو عنبر اور ناگ کو کم از کم تسلی دینے وہاں ضرور آتی۔ غم سے ان کے دل بیٹھ گئے ماریا ان کی بہن تھی اور وہ بے چاری ان کی خاطر جان پر کھیل گئی تھی ادھر گنڈپ اپنی کامیابیوں کی خوشیاں منا رہا تھا سوانگ نے کہا۔

گنڈپ بھائی، تم نے وہ کام کر دکھایا جو اتنے بڑے جادوگر سے نہ ہوا تم نے کمال کر دیا ہے اب ہم بڑے سکون اور آرام کے ساتھ چین کے ولی عہد شہزادے کے قتل کے منصوبے پر عمل کر سکیں گے اس غیبی عورت نے ہمیں اپنی ڈال دی تھی۔

کیا ماریا مر گئی؟

ماریا اس مکان کے جلتے ہوئے کمرے سے نکل کر اوپر چھت پر آ گئی۔ چھت پر ایک چوبارہ تھا ماریا وہاں ایک چارپائی پر جا کر لیٹ گئی اور اپنا سانس درست کرنے لگی جو وحشت اور آگ کے خوف کی وجہ سے پھول گیا تھا ادھر تنبر اور تاگ کا برا حال ہو رہا تھا وہ اپنی طرف سے ماریا کو رو دورا بیٹھے تھے بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ کمرے میں بند ہو کمرے کو آگ لگا دی جائے اور وہ زندہ بچ جائے؟ وہ کھل کر ماریا کے غم میں رو بھی نہیں سکتے تھے بلکہ الٹا انہیں سوانگ اور گنڈپ کے ساتھ مل کر ماریا کی موت پر خوشی منانی پڑ رہی تھی گنڈپ اور سوانگ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

نوکر نے موٹے مالک کو جا کر بتایا کہ غیبی چڑیل کا کام تمام کر دیا گیا ہے یہ اس نے جھوٹ بولا تھا، وہ موٹے اور ظالم مالک کو نہیں بتانا چاہتا تھا کہ اس نے غیبی دیوی کو بچا لیا ہے اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ غیبی عورت ابھی تک اسی کے گھر میں موجود ہے موٹا مالک بڑا خوش ہوا کہ اس کے گھر سے ایک بلا کا سایہ دور ہو گیا وہ نوکر کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر میں آ گیا اپنے جلے ہوئے کمرے کو دیکھ کر اس نے کہا۔

مجھے کمرے اور سامان کے جل جانے کی کوئی پروا نہیں مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرے گھر سے آسیب دور ہو گیا۔ سامان اور کمرہ میں پھر سے تیار کر لوں گا۔

اس نے نوکر کو حکم دیا کہ فوراً اوپر والے کمرے میں جا کر اس کا بستر لگا دیا جائے نوکر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا باہر

صحن میں چارپائی پر لیٹی آرام کر رہی تھی جب نوکر اوپر کے کمرے میں گیا تو ماریا نے اٹھ کر قریب جا کر کہا۔

کیا تم کسی طرح میرے لئے کچھ کھانے کو لا سکتے ہو بھائی، مجھے سخت بھوک لگی ہے۔

نوکر پہلے تو چونک کر ڈر گیا، پھر جب اسے خیال آیا کہ یہ تو وہی دیوی ہے جس نے اسے کھانا کھلایا تھا اور اس سے ہمدردی کی تھی تو اس نے آہستہ سے کہا۔

دیوی جی، میں ابھی آپ کے لئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں مگر دیوتاؤں کے لئے آپ یہاں سے کسی دوسری چھت پر چلے جائیں موٹا مالک اسی کمرے میں آرام کرنے کے لئے آ رہا ہے۔

ماریا نے کہا۔

تم فکر نہ کرو، میں کھا کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔

نوکر کہنے لگا۔

میں ابھی آپ کے لئے روٹی لاتا ہوں۔

نوکر نیچے اتر گیا جاتے جاتے ماریا نے اسے کہا کہ وہ روٹی لا کر اسی چارپائی کے اوپر رکھ دے نوکر کے جانے کے بعد ماریا نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح عنبر اور ناگ کو ضرور خبر کر دینی چاہیے کہ وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہے کیونکہ انہوں نے تو یہی سمجھ رکھا ہوگا کہ ماریا آگ میں جل بھن گئی ہے۔

میں کھانے کے بعد حویلی میں جا کر عنبر اور ناگ سے ملاقات کروں گی موٹا مالک ہانپتا کانپتا اوپر آ گیا اس کا دم پھولا ہوا تھا نوکر نے کمرے میں اس کا بستر لگا دیا تھا موٹا بستر پر آ کر دھڑام سے گر پڑا اور اس نے بڑے مزے سے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں پھر نوکر سے بولا۔

ارے کم بخت، تو اپنے ساتھ کپڑے میں کیا لپیٹ کر لایا تھا؟ نوکر

کپڑے میں ماریا کے لئے ایک روٹی اور اچار لایا تھا جو اس نے چارپائی پر باہر رکھ دیا تھا اور جسے ماریا نے اٹھا لیا تھا ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی روٹی کپڑے سمیت غائب ہو گئی تھی ماریا بڑے مزے سے باہر صحن میں ایک طرف بیٹھی روٹی کھا رہی تھی نوکر نے کہا۔

حضور میں تو کچھ بھی اوپر نہیں لایا۔

ارے کم بخت، میں نے خود تمہارے ہاتھ میں ایک رومال دیکھا تھا جس میں کچھ بندھا ہوا تھا۔

سرکار دیکھ لیجئے۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔

حرام خور، تم نے باہر چارپائی پر کیا رکھا تھا۔

حضور بے شک دیکھ لیں سامنے چارپائی خالی پڑی ہے موٹے مالک نے باہر صحن میں دیکھا تو واقعی چارپائی خالی پڑی تھی نوکر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ غیبی عورت نے روٹی اٹھالی تھی موٹے مالک نے سر

کھجاتے ہوئے کہا۔

کمال ہے میرا دماغ تو چکر نہیں کھا گیا۔؟

پھر اس نے نوکر سے کہا۔

میرا سر دباؤ، مجھے نیند آ رہی ہے۔

نوکر موٹے کا سر دبانے لگا سر دبواتے دبواتے وہ سو گیا نوکر اٹھ کر نیچے آ گیا اور جلے ہوئے کمرے میں سے سامان نکال کر ایک طرف رکھنے لگا۔

ماریا کھانا کھانے کے بعد حویلی میں جا کر عنبر اور ناگ کو اطلاع دینا چاہتی تھی تاکہ وہ اس کے بارے میں غم نہ کھائیں موٹا مالک اوپر والے کمرے میں خراٹے لے رہا تھا ماریا چپکے سے مکان کے بڑے دروازے میں سے باہر نکل گئی گلی میں آ کر وہ گنبد پ کی حویلی کی پچھلی طرف آ گئی شام ہونے کی وجہ سے گلی میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل گیا تھا

حویلی کا پچھلا دروازہ بند تھا ماریہ وہاں ایک مکان کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور انتظار کرنے لگی کہ عنبر یا ناگ میں سے کوئی باہر آئے وہ خود اندر نہیں جانا چاہتی تھی اس بار وہ بڑی احتیاط برت رہی تھی اور اپنی کسی حرکت کی وجہ سے گندپ اور سوانگ پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ زندہ ہے وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی مگر کوئی بھی باہر نہ نکلا۔

جب وہ انتظار کرتے کرتے تنگ آ گئی تو اس نے سوچا کہ اب اسے خود ہی اندر چلے جانا چاہیے کیا خبر کوئی ساری رات اس دروازے سے باہر نہ نکلے ابھی وہ اندر جانے کے لئے قدم آگے بڑھانے ہی والی تھی کہ دروازہ کھلا اور سوانگ، گندپ کے ساتھ باہر نکلا دونوں بڑے خوش تھے اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے خوش وہ اس لیے تھے کہ وہ اپنی طرف سے ماریہ کو ہلاک کر بیٹھے تھے ماریہ انہیں دیکھ کر

ایک طرف ہو گئی وہ دونوں دروازے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

گندپ نے کہا۔

میرے خیال میں اب ہمیں اپنی سازش پر عمل کر دینا چاہیے وقت بہت کم رہ گیا ہے اگر ہمارا بھید کھل گیا تو پھر بڑی مشکل ہو جائے گی۔

سوانگ کہنے لگا۔

میں خود بھی چاہتا ہوں کہ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے اپنا کام شروع کر دینا چاہیے سب سے پہلے تو ہمیں اپنے اس گورے جاسوس سے ملاقات کرنی ہے جو اس وقت شاہی محل میں حرم کے باورچی خانے میں کام کر رہا ہے۔

گندپ بولا۔

تمہارا مطلب سوانا سے ہے سوانا اس وقت خوش قسمتی سے ملکہ بین کا

شاہی باورچی ہے اور وہ شاہی باورچی خانے میں ہی رہتا ہے میں اسے صبح ہی آدمی بھیج کر بلاتا ہوں اس سے ساری بات طے کر لینی چاہیے اس وقت شاہی محل میں بس وہی ایک ہمارا جاسوس رہ گیا ہے۔

سوانگ نے کہا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سوان بھی ولی عہد کو ہلاک کرنے میں ہماری مدد نہ کر سکا تو پھر سوائے اس کے ہمارے لیے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ کسی نہ کسی طرف سے محل میں گھس کر ولی عہد کو قتل کریں اور اپنے آپ کو گرفتار کروا کر خود ہی اذیت ناک موت مر جائیں کیونکہ ہم سردار کو زیادہ انتظار نہیں کروا سکتے اس میں ہماری ہی بدنامی بھی ہے۔

گنڈپ بولا۔

تمہارا خیال بالکل مناسب ہے سوانگ مگر سوال یہ ہے کہ ہم اپنے ان دو جاسوسوں تنبر اور ناگ سے کیا کام لے سکتے ہیں؟

سوانگ بولا۔

یہ تو سوان سے بات چیت کرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا ہو سکتا ہے وہ کہے کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہی نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان دونوں کو کوئی کام بتا دے۔

گنڈپ کہنے لگا۔

تو پھر طے ہو گیا کہ صبح سوان کو شاہی محل سے بلوایا جائے گا۔

سوانگ بولا۔

ہر حالت میں.......... اچھا میں اب ذرا بازار کا ایک چکر لگا کر ابھی آتا ہوں۔

یہ کہہ کر سوانگ چلا گیا اور گنڈپ نے اندر جا کر دروازہ بند کر دیا ان دونوں کی گفتگو کا ماریا کو ایک فائدہ تو یہ ہوا تھا کہ ان کی آئندہ چال کا اسے پتہ چل گیا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لوگ آئندہ کیا کرنے

والے ہیں نقصان صرف یہی ہوا کہ وہ اندر حویلی میں جا کر ناگ اور عنبر سے نہ مل سکی تھی وہ پھر گلی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ خواہ مخواہ سوانگ وغیرہ کو اس کے زندہ ہونے کے بارے میں شک پڑ جائے۔

چنانچہ وہ عنبر اور ناگ سے ملے بغیر واپس موٹے مالک کے گھر کی طرف آ گئی رات ہو گئی تھی اور موٹے مالک نے گھر کا بڑا دروازہ اندر سے بند کروا لیا تھا ماریا عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی ادھر جاتی ہے تو دروازہ بند ہے ادھر آتی ہے تو دروازہ بند ملتا ہے اسے غصہ بھی بڑا آیا مگر وہ کوئی بھی غیر ذمے داری اور بے احتیاطی کا کام نہیں کرنا چاہتی تھی وہ اب ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہی تھی کچھ دیر وہ گلی میں اکیلی ٹہلتی رہی سامنے سے اسے ایک نوجوان گدھے کے ساتھ گلی میں داخل ہوا وہ نوجوان آگے آگے تھا گدھا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا

ماریا کو یوں ہی دل لگی سوجھی وہ نوجوان آگے نکل گیا تو ماریا نے اس کے گدھے کا منہ دوسری طرف کر دیا نوجوان نے آگے جا کر دیکھا کہ گدھا پیچھے کی طرف جا رہا ہے تو بڑا حیران ہوا دوڑ کر گدھے کو پکڑا اور کان کھینچ کر ساتھ ساتھ چلانے لگا اب کے ماریا نے گدھے کی دم پکڑ کر زور سے کھینچی گدھے نے زور سے دلتی جھاڑی نوجوان نے گدھے کو دو تین ڈنڈے مارے اور وہاں سے چل دیا، ماریا بہت ہنسی۔

اتنے میں موٹے مالک کا دروازہ کھلا اور نوکر کشورہ لے کر باہر نکلا ماریا بڑی خوش ہوئی وہ دروازہ بند کر ہی رہا تھا کہ ماریا نے قریب جا کر کہا۔ میں آ گئی ہوں۔ اچھا کیا کہ تم نے دروازہ کھول دیا میں اندر جا رہی ہوں اور اوپر والی منزل میں کونے کے تخت پوش پر سوؤں گی وہاں مجھے کھانا دے جانا۔

نوکر نے سر ہلا کر کہا۔

بہت اچھا دیوی جی، میں کھانا لے کر آ جاؤں گا۔

نوکر بازار چلا گیا اور ماریا دروازے میں سے ہو کر مکان کے اندر گئی وہ سیدھی سیڑھیاں چڑھنے لگی اوپر جا کر اس نے کمرے کے باہر کونے میں تخت پوش پر کمبل بچھایا اور دوسرا کمبل اوپر لے کر لیٹ گئی اور نوکر کا انتظار کرنے لگی موٹا سامنے والے کمرے میں قالین پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا کوئی ساز بجا کر دل بہلا رہا تھا وہ اس قدر بھونڈے انداز میں ساز بجا رہا تھا کہ ماریا کے کانوں میں درد ہونے لگا اس کا خیال تھا کہ وہ ساز بجاتے بجاتے تھک کر بند کر دے گا مگر وہ ایسا ڈھیٹ تھا کہ اپنا بے سرا ساز بجائے جا رہا تھا ماریا نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے جب ہاتھ چھوڑے تو وہ پھر ساز بجا رہا تھا اس نے سوچا کہ اندر جا کر اس کے ساز کو توڑ پھوڑ دینا چاہیے۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ کم بخت سمجھ جائے گا کہ ماریا زندہ ہے۔

وہ بے بس ہو کر لیٹی رہی اتنے میں نوکر دبے پاؤں چھت پر آیا اس کے ہاتھ میں روٹی اور پھل تھا اس نے چپکے سے یہ چیزیں کونے والے تخت پوش پر آ کر رکھ دیں اور آہستہ سے کہا۔

دیوی جی، کھانا حاضر ہے۔

اور چپکے سے واپس ہو گیا اس کے پاؤں میں کوئی شے لگ کر دور جا گری اس کی آواز سن کر موٹے مالک نے ساز بجانا بند کر دیا اور آواز دی۔

کون ہے باہر۔

نوکر نے کہا۔

میں ہوں حضور آپ کا نوکر۔

حضور، آپ کے لئے زیتون کا تیل لینے گیا تھا۔

کہاں ہے وہ۔

نیچے رکھ دیا ہے حضور۔

ارے کم بخت اوپر لا کر میرے سر کی مالش کر نیچے کس لیے رکھ کر آئے ہو۔؟

ابھی لایا سرکار۔

نوکر زیتون کا تیل لانے نیچے چلا گیا ماریا کھانا کھا رہی تھی اور موٹے نے دوبارہ ساز بجانا شروع کر دیا ماریا کا دماغ چکرانے لگا کم بخت بے حد بھونڈا سا ساز بجا رہا تھا مگر وہ کچھ نہ کرنا چاہتی تھی ساز سننے پر مجبور تھی نوکر زیتون کا تیل لے کر آ گیا اور اس نے موٹے کے سر کی مالش شروع کر دی خدا کا شکر ہے کہ مالش کرواتے ہوئے اس نے ساز بجانا بند کر دیا مالش کرواتے کرواتے اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا نوکر اسے سوتا چھوڑ کر نیچے جا کر خود بھی سو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ماریا کو بھی نیند آ گئی۔

آدھی رات کا وقت ہو گا کہ شور سن کر ماریا کی آنکھ کھل گئی کیا دیکھتی ہے کہ موٹا کمرے سے باہر نکلا ہوا ہے اور نیچے نوکر کو آوازیں دے رہا ہے۔

ارے الو کی دم بھاگ کر اوپر آ۔ کہاں مر گیا ہے۔

نوکر بھاگتا ہوا اوپر آیا۔

کیا حکم ہے حضور۔؟

ابے حضور کے بچے مجھے اندر گرمی لگ رہی ہے میرا بستر باہر تخت پوش پر لگا دے۔

تخت پوش کا نام سن کر ماریا جلدی سے اٹھ بیٹھی بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ ماریا کی آنکھ کھل گئی ورنہ وہ موٹا تخت پوش پر خود ہی بستر لگانے لگتا تو بھانڈا ہی پھوٹ جاتا ماریا نے اپنے کمبل اٹھا کر دیوار پر رکھ دیے اور ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی وہ دل ہی دل میں موٹے کو برا

بھلا کہہ رہی تھی کمینے نے اس کی نیند خراب کر دی تھی نوکر بستر سے لے کر تخت پوش پر آیا اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ماریا وہاں نہیں ہے اس نے جلدی جلدی بستر لگایا اور مالک سے کہا۔

بستر لگا دیا حضور آرام کریں۔

موٹا مالک تخت پوش پر لیٹ گیا نوکر پیچھے چلا گیا تھوڑی دیر بعد موٹا مالک چاندنی رات میں باہر خراٹے لے رہا تھا ماریا اس کے کمرے میں چلی گئی اور اس کے بستر پر جا کر لیٹ گئی کم بخت کا بستر بڑا آرام دہ تھا ماریا کو نیند آنے لگی اس نے سوچا اگر اسے نیند آ گئی اور کم بخت موٹا باہر سے اٹھ کر اچانک اندر اپنے بستر پر آ گیا تو بڑا برا ہو گا اس لیے اسے بستر پر نہیں سونا چاہیے وہ جلدی سے موٹے کے پلنگ پر سے اٹھ کر کونے میں قالین پر لیٹ گئی وہ زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہی تھی وہ اگر چاہتی تو موٹے کو تگنی کا ناچ نچا سکتی تھی

اسے چھت پر سے نیچے پھینک سکتی تھی مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی کہ موٹا مالک سوانگ ڈورگنڈپ اسی خیال میں رہیں کہ غیبی عورت مر چکی ہے وہ ان پر اپنا زندہ ہونے کا راز نہیں کھولنا چاہتی تھی۔

خونی سازش

ماریا کی ایک بار پھر آنکھ لگ گئی۔

اس کی جاگ کھلی تو کیا دیکھتی ہے کہ موتا کمرے کے اندر آ کر کونے میں کسی شے کو تلاش کر رہا ہے وہ جلدی سے بستر پر سے اٹھ کر پرے ہٹ گئی اس کے اٹھنے سے کھڑ کھڑ ہوئی تو موتے نے چونک کر بستر کی طرف دیکھا وہ کچھ دیر بت بنا کھڑا رہا جیسے اسے شک پڑ گیا ہو کہ کمرے میں ضرور کوئی غیبی شخص موجود ہے ماریا کو فکر لگی کہ کہیں موتے کو اس کی موجودگی کا پتہ تو نہیں چل گیا مگر موتے نے سر کو جھٹک دیا یعنی اس کا شک اپنے آپ دور ہو گیا اتنے میں نوکر اوپر آ گیا اس نے نوکر سے کہا۔

کیوں رے تمہارا کیا خیال ہے غیبی چڑیل جل گئی تھی ناں؟

نوکر نے ہاں کرتے ہوئے کہا۔

بالکل جل گئی تھی حضور اتنی آگ میں تو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا اچھا اب بھاگ کے نیچے جا اور میرا ناشتہ لگا دے ہرن کے کباب بنائے ہیں۔؟

جی سرکار بنائے ہیں۔

شاباش میں ابھی نیچے آ کر ناشتہ کرتا ہوں۔

نوکر کے ساتھ ہی ماریا بھی نیچے اتر گئی باورچی خانے میں جا کر اس نے ناشتہ کیا اور پھر باہر گلی میں آ گئی سب سے پہلے تو اس نے مکان کے باہر جا کر اپنے گھوڑے کو دیکھا گھوڑا وہاں پر نہیں تھا...... کوئی چور اسے کھول کر لے جا چکا تھا اسے یہی امید تھی اس نے سوچا کوئی بات نہیں وہ کوئی دوسرا گھوڑا لے گی گلیوں میں دن کے چڑھ آنے

سے بڑی رونق ہوگئی لوگ اپنے اپنے کام پر جا رہے تھے دکانیں کھل گئی تھیں اور خرید و فروخت ہو رہی تھی وہ وہاں سے سیدھی گنڈپ کی حویلی والی گلی میں آ گئی اس نے دیکھا حویلی کا بڑا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور دروازے میں سے اندر جھانک کر دیکھا ڈیوڑھی میں ہلکی ہلکی روشنی تھی اور ایک بڑا سا تخت پوش بچھا تھا جس پر ایک بوڑھا چوکیدار آرام سے بیٹھا تربوز کھا رہا تھا ماریا نے آہستہ آہستہ کر کے دروازے کا ایک پٹ اتنا کھول دیا کہ وہ اس میں سے گزر سکتی تھی ابھی وہ دروازہ کھول کر اندر ہی گئی تھی کہ چوکیدار نے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا۔

ارے کم بخت، یہ ہوا پھر چلنے لگی۔

اور اس نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اس وقت تک ماریہ ڈیوڑھی میں آ

چکی تھی اب اسے عنبر اور ناگ کی تلاش تھی وہ ڈیوڑھی میں سے نکل کر ایک صحن میں آ گئی جس کے ساتھ ساتھ نیم دائرے کی شکل میں کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں ایک کوٹھڑی میں سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ماریا اس کوٹھڑی کے پاس جا کر باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی اسے اندر سے گنڈپ کے بات کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

میں نے سوانگ کو شاہی محل سے بلوا بھیجا ہے وہ آ رہا ہوگا یہاں اس کے ساتھ ساری بات ہو جائے گی۔

سوانگ کہنے لگا۔

اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔

گنڈپ بولا۔

بس آ ہی رہا ہوگا۔

گنڈپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا ماریا چپکے سے ستون کے ساتھ لگ

کر کھڑی ہو گئی۔

اب تو ہمیں دروازہ کھلا رکھنا چاہیے وہ غیبی چڑیل تو جل بھن کر راکھ ہو گئی ہے اب کس کا ڈر بھلا۔؟

اسے کیا خبر تھی کہ وہ غیبی چڑیل اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ستون کے ساتھ لگی کھڑی تھی عنبر اور ناگ کو ایک بار پھر ماریا کی موت کا صدمہ ہوا ماریا نے دیکھا کہ وہ دونوں کوٹھڑی کے اندر قالین پر بیٹھے تھے اتنے میں باہر ڈیوڑھی سے ایک ٹھگنا سا گنجا آدمی اندر آیا گنڈپ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

سوانا تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں۔؟

سوانا نے مکاری سے ہنس کر کہا۔

بھلا مجھے کوئی دیکھ سکتا ہے اتنی ہوشیاری سے آیا ہوں کہ کیا مجال کسی کی مجھ پر نظر بھی پڑ جائے۔

گنڈپ بولا۔

اندر آ جاؤ۔

گنڈپ اسے لے کر اندر چلا گیا ماریا باہر کی باہر رہ گئی اصل میں وہ اندر جا سکتی تھی مگر وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی وہ باہر ہی کھڑی ان لوگوں کے باہر نکلنے کا انتظار کرتی رہی رات کی باتوں سے اسے اتنا پتہ چل گیا تھا کہ عنبر اور ناگ گھر پر ہی رہیں گے۔

اندر آتے ہی سوانگ نے دروازہ بند کر لیا اور سوانا سے پوچھا یہ بتاؤ سوانا کہ شاہی محل کے حالات کیا ہیں؟

سوانا نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ کون ہیں۔؟

گنڈپ نے عنبر اور ناگ کا تعارف کرا دیا۔

یہ عنبر اور ناگ ہیں۔ سردار نے منگولیا سے انہیں خاص طور پر ہماری مدد

ہاں، لیکن وہاں بھی اب کوئی شہزادے کے پاس نہیں رہ سکتا کنیزیں ملکہ کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ جس کمرے میں شہزادہ ہوتا ہے اس کے باہر بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے کوئی چڑیا بھی اندر جا کر پر نہیں مار سکتی ملکہ ہر وقت شہزادے کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتی ہے۔

پھر تو ہمارے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔

سوانا بولا۔

ورشا اور وارژنگ کے بے وقوفیوں کی وجہ سے وہاں حالات بڑے خراب ہو گئے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ شہزادے کو ایک دم سے ختم کر دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا وہ اپنی سازش کو لمبا کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہاں کوئی پرندہ بھی دم نہیں مار سکتا۔

سوانگ نے پوچھا۔

پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ سردار تو بے حد غصے میں ہے کہ ہم گوریلوں سے ابھی تک اتنا سا کام نہیں ہو سکا کہ شہزادے کی زندگی کا خاتمہ کر دیں اب تک کتنے ہی گوریلے ہلاک ہو چکے ہیں کئی گوریلوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے مگر شہزادہ ابھی تک زندہ ہے اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکا سردار نے حکم دیا ہے کہ چاند رات سے پہلے پہلے شہزادہ ولی عہد کو ختم کر دیا جائے نہیں تو ہم سبھوں کی زندگیاں خطرے میں ہوں گی۔

سوانا کہنے لگا۔

سردار نے بجا فرمایا ہے ہمیں شرم آنی چاہیے کہ ہم نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا۔

سوونگ نے کہا۔

پھر تم ہی کوئی راستہ بتاؤ ہم نے تمہیں صرف اسی لئے بلایا ہے کہ تم پرانے تجربہ کار گوریلے ہو تمہیں ضرور کوئی ترکیب بتاؤ گے جس سے ہم

اس مہم میں کامیاب ہو سکیں۔

سوانا کہنے لگا۔

میرے ذہن میں تو صرف یہی ایک ترکیب ہے۔

گنڈپ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

کون سی۔؟

یہی کہ تم دونوں کسی طرح بھیس بدل کر میرے پاس شاہی محل میں پہنچ جاؤ میں کھانے میں شہزادے کو زہر بھی نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا دودھ ملکہ خود بناتی ہے اور کھانا خود میں کھا کر بھجواتا ہوں مجھے ہر کھانا زبردستی کھلایا جاتا ہے تا کہ اگر میں نے زہر ڈالا ہو تو پہلے میں ہلاک ہو جاؤں شاہی محل کی فضا ایسی ہو گئی ہے کہ باپ بیٹے پر اور بیٹا باپ پر شک کرنے لگا ہے کوئی کسی کا اعتبار نہیں کرتا۔

گنڈپ بولا۔

تم کوئی ترکیب بتانے لگے تھے۔

ہاں۔ سوانا بولا۔ ترکیب کوئی خاص نہیں بڑی معمولی ترکیب ہے مگر ذرا بہادری سے کام لینا پڑے گا آدھی رات کو تم لوگ ڈاکوؤں کا سیاہ لباس پہن کر کسی طرح شاہی محل میں آ جاؤ اور ملکہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر شہزادے کو قتل کر دو۔

سوانگ نے کہا۔

خواب گاہ کے باہر تو سپاہیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔

سوانا نے کہا۔

ان لوگوں کو ہم کسی نہ کسی طرح قابو کر لیں گے۔

سوانگ نے پوچھا۔

کیا ہم محل کے دروازے سے داخل ہوں گے۔؟

سوانا بولا۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تم لوگ آج آدھی رات کو شاہی محل کے پیچھے برج والی دیوار کو کمند مار کر عبور کر کے اوپر آ جانا وہاں سے میں تمہاری رہنمائی کروں گا میں وہاں موجود ہوں گا۔

بہت اچھا۔

گنڈپ نے پوچھا۔

کیا ہم چاروں وہاں آئیں۔؟

سوانا نے کہا۔

تم چاروں کو ہی آنا ہو گا، جتنے آدمی زیادہ ہوں گے ہم اتنی ہی جلدی سپاہیوں کو ایک ایک کر کے قابو کر سکیں گے۔

ٹھیک ہے آج رات تم ہمارا انتظار کرنا۔

سوانا بولا۔

عقبی برج والی دیوار پر یاد رکھنا وہاں آم کا ایک بہت بڑا درخت بھی

ہے میں اس دیوار کے اوپر کمند لیے کھڑا ہوں گا۔

بہتر ہے ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔

سوانا نے کہا۔

تو پھر اب میں جاتا ہوں۔

بہت اچھا۔

سوانا چلا گیا، گنڈپ نے دروازہ پھر سے بند کر دیا ماریا ستون کے ساتھ اسی طرح کھڑی تھی تھوڑی دیر بعد گنڈپ اور سواٹنگ بھی کمرے میں سے نکل کر حویلی کی ڈیوڑھی میں آ گئے اور چوکیدار سے کوئی کوٹھڑی کھلوا کر اندر چلے گئے ماریا نے یہ موقع غنیمت جانا اور وہ لپک کر اندر چلی گئی ناگ اور عنبر سر جوڑے پریشان اداس بیٹھے تھے ماریا نے جاتے ہی کہا۔

عنبر بھائی سلام۔

ماریا کی آواز سنتے ہی عنبر اور ناگ کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں وہ بے حد خوش ہوئے ناگ بولا۔

ماریا بہن خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو مگر یہ بتاؤ کہ تم زندہ کیسے رہیں اس بدبخت نے تو سارے کمرے میں آگ لگا دی تھی۔

ماریا نے کہا۔

خدا نے مجھے بچانا تھا سو بچا لیا۔ موٹے کے نوکر نے مجھے آ کر کمرے میں سے باہر نکال دیا نہیں تو میں اندر ہی جل بھن کر راکھ ہو چکی ہوتی

ناگ نے کہا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم نے پھر تمہاری آواز سنی ہم تو بے حد افسوس کر چکے تھے۔

ماریا نے کہا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اب سازش کیا تیار ہو رہی ہے۔؟

عنبر نے گنڈپ اور سوانا کے درمیان جو باتیں ہوئی تھیں وہ ساری کی ساری بیان کر دیں ماریا بولی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ابھی سے جا کر ملکہ کو خبردار کر دینا ہوگا۔

ہاں ماریا بہن یہ کام تم ہی کر سکتی ہو فوراً جاؤ اور ملکہ اور بادشاہ کو جا کر خبردار کر دو کہ شہزادہ ولی عہد کی زندگی سخت خطرے میں ہے اس کے گرد پہرہ سخت کر دیا جائے۔

میں ابھی جاتی ہوں تم لوگوں کو میں رات کو یہاں پھر ملوں گی۔

عنبر نے کہا۔

ہو سکتا ہے ہماری تمہاری ملاقات شاہی محل میں ہی ہو جائے کیونکہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ہی ہوں گے۔

بہتر ہے۔

اب باہر سے گنڈپ وغیرہ کی آوازیں سنائی دیں ناگ نے کہا۔

وہ لوگ آ رہے ہیں تم جلدی سے باہر نکل جاؤ۔

گنڈپ اور سوانگ کوٹھڑی میں آ گئے انہوں نے سیاہ کپڑے اٹھا رکھے تھے جنہیں پہن کر وہ شاہی محل میں آدھی رات کو جانا چاہتے تھے ماریا کمرے میں سے باہر نکلنے لگی تو اس کا کندھا دروازے سے ٹکرا گیا دروازہ زور سے بج اٹھا گنڈپ نے چونک کر دیکھا۔

یہ دروازہ کس نے ہلایا ہے۔

سوانگ نے حیرانی سے پوچھا۔

کون ہو سکتا ہے۔

کہیں وہ غیبی چڑیل پھر تو نہیں آ گئی۔ عنبر ناگ کیا وہ اندر آئی تھی تم لوگوں نے محسوس کیا اسے۔؟

ناگ نے کہا۔

ہرگز نہیں استاد، ہم نے تو یہاں کسی کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا یہاں

تو ہم اکیلے ہی بیٹھے ہیں۔

سوانگ اگر وہ کم بخت بچ گئی ہے اور زندہ ہے تو ہم پر بڑی بھاری مصیبت نازل ہو سکتی ہے۔

سوانگ نے کہا۔

لیکن بھائی گنڈپ اس نے ہماری سازش کی باتیں تو سنی ہی نہیں ہیں، اسے کیا معلوم کہ ہم کون سی چال چل رہے ہیں۔؟

عنبر کہنے لگا۔

سوانگ ٹھیک کہتا ہے غیبی چڑیل اگر زندہ بھی ہوئی تو اسے ہمارے منصوبے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔

گنڈپ بولا۔

ارے کم بختو، وہ ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھینک سکتی ہے خدا سے دعا کرو کہ وہ زندہ نہ ہو۔

بھائی وہ مر چکی ہے فکر نہ کرو۔ اب یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا ہے سوانگ کی اس بات پر گنندپ کی توجہ سیاہ کپڑوں کی طرف بٹ گئی اس نے کہا۔

یہ سیاہ کپڑے پہن کر ہمیں آدھی رات کے اندھیرے میں محل کے اندر داخل ہونا ہے۔ یہ کپڑے ہمیں گھر سے نکلتے وقت پہنے ہوں گے۔

طوفانی دریا

ماریا حویلی سے باہر گلی میں آ گئی۔

اب وہ شاہی محل میں جا کر ملکہ چین کو خبردار کرنا چاہتی تھی کہ آج رات اس کے شہزادے کو قتل کرنے کی سازش بنائی جا رہی ہے محل وہاں سے کافی فاصلے پر تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ ماریا کسی شے پر سوار ہو کر جائے گھوڑا اس کے پاس نہیں تھا وہاں کسی جگہ اسے کھلا گھوڑا دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا ہر کوئی گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا ماریا بازار میں تیز تیز چل رہی تھی اچانک اسے ایک گھوڑا گاڑی نظر آئی وہ ایک جگہ کھڑی تھی اس کا مالک شاید اندر کوئی شے خرید رہا تھا ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اس گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر شاہی محل کو چل دے۔

وہ آگے بڑھی اور گھوڑا گاڑی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ گاڑی بڑی عمدہ تھی اور مضبوط لوہے سے بنی تھی آگے دو بڑے ہی صحت مند اور توانا گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ سائیس بھی مالک کے ساتھ ہی اندر گیا ہوا تھا۔ ماریا نے کچھ سوچنے کی بجائے چھلانگ لگا دی اور گاڑی پر سوار ہو گئی اس کے گاڑی پر سوار ہوتے ہی گاڑی مع گھوڑوں کے غائب ہو گئی گھوڑوں نے اگلی ٹانگیں اوپر اٹھا لیں۔ وہ زور سے ہنہنائے اور بدک کر آگے کو دوڑ پڑے ماریا ڈر کر ایک طرف کو سمٹ گئی لوگ بڑے حیران تھے کہ گھوڑوں کے بھاگنے کی آوازیں آ رہی ہیں مگر گھوڑے کہیں دکھائی نہیں دیتے ماریا نے باگیں کھینچ کھینچ کر بے حد کوشش کی کہ گھوڑوں کو کھڑا کرے مگر گھوڑے تو وحشیوں کی طرح بھاگے چلے جا رہے تھے۔

ماریا ایک نئی مصیبت میں پھنس گئی تھی اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ پیدل چل کر ہی محل میں پہنچ جاتی گھوڑے پاگلوں کی طرح بھاگے چلے جا رہے تھے اب وہ شہر سے باہر نکل آئے تھے اور میدانی علاقہ شروع ہو گیا تھا ماریا نے سوچا کہ وہ چھلانگ لگا دے مگر ایسا کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر تھا گھوڑا گاڑی بڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی زمین پتھریلی تھی اگر ماریا چھلانگ لگا دیتی تو اس کا سارا جسم لہولہان ہو جاتا بلکہ ممکن تھا کہ وہ مر بھی جاتی۔ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

ماریا کا دماغ چکر کھانے لگا کہ وہ کیا کرے؟

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ باگوں کو بار بار کھینچ کر گھوڑوں کو کھڑا کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر گھوڑے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے اب شہر کافی پیچھے رہ گیا تھا میدانی علاقہ بھی ختم ہو گیا تھا گھوڑے پتھریلی سڑک پر پہاڑوں کی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے اب پہاڑی ٹیلے شروع ہو گئے یہ ٹیلے دور تک چلے گئے تھے سڑک ان میں

سے گھوم پھر کر ٹیلوں کے دوسری طرف نکل گئی تھی ٹیلوں سے باہر نکل کر گھوڑا گاڑی آئی تو سامنے دریا کا پل آ گیا ماریہ کا کلیجہ کانپ گیا۔

اگر گھوڑا گاڑی پل پر سے گر پڑی تو کیا ہوگا؟

یہ پل پتھروں سے بنایا گیا تھا گھوڑے وحشیوں کی طرح دوڑتے ہوئے پل پر چڑھ گئے پل عبور کرتے ہوئے گاڑی کا ایک پہیہ پل کی دیوار سے ٹکرا گیا اور گاڑی الٹ کر گھوڑوں سمیت دریا میں گر پڑی۔

دریا تیز رفتار تھا گھوڑے گاڑی کو لے کر دریا میں ڈوب گئے جھٹکے سے ماریا دور جا گری وہ تیز اور ٹھنڈے پانی میں تیرنے لگی سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے دریا میں گرنے کے صدمے سے وہ بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اب مصیبت اس کے سر پر آن پڑی تھی اور وہ اس کا جواں ہمتی اور بہادری سے مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔

دریا کی لہریں اسے بہائے لیے چلی جا رہی تھیں دریا آگے جا کر

پہاڑوں کی طرف گھوم گیا یہ دریا اتنا چوڑا نہیں تھا مگر پانی کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ ماریا ایک تنکے کی طرح بہتی چلی جا رہی تھی دریا پہاڑوں میں سے نکل کر ایک درے میں آ گیا یہاں چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ کھڑے تھے اور بیچ میں دریا بہتا چلا جا رہا تھا یہاں آ کر پانی کا بہاؤ کچھ ہلکا ہو گیا تھا ماریہ کے ہاتھ پیر سن ہو گئے تھے پھر بھی وہ کنارے کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنے لگی اتفاق سے اس کا ہاتھ ایک پتھر پر پڑ گیا۔

وہ پتھر کے اوپر آ کر بیٹھ گئی یہاں سے وہ کھسکتی کھسکتی اس بڑے پتھر پر چلی گئی جو کنارے کے قریب ہی دریا میں پڑا تھا اس پتھر پر سے وہ کنارے پر کود گئی کنارے پر آتے ہی وہ بے سدھ ہو کر زمین پر اوندھے منہ پڑ گئی کافی دیر اسی طرح پڑی رہنے کے بعد وہ اٹھی اور دھوپ میں اپنے کپڑے سکھانے لگی کپڑے سوکھ گئے تو وہ اٹھ کر ایک

طرف کو چل پڑی اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں سے کہاں آن پہنچی ہے اتنا معلوم تھا کہ وہ شہر سے سینکڑوں میل دور نکل آئی ہے دریا چونکہ پہاڑی تھا اس لئے اس نے ماریا کو چکر دے کر میل ہا میل آگے لا کر پھینک دیا تھا کمزوری اور بھوک کے مارے ماریا کا برا حال ہو رہا تھا اسے سردی بھی بہت لگ رہی تھی وہ چاہتی تھی کہ گرم قہوہ پی کر دھوپ میں لیٹ جائے کیونکہ اس طرح اس کے بیمار ہو جانے کا اندیشہ تھا وہ لڑکھڑا لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ اسے ایک جھونپڑی سی دکھائی دی تو اس کی جان میں جان آگئی وہ اس جھونپڑی کی طرف چلنے لگی یہ جھونپڑی ایک جگہ چٹان کے پاس بنی ہوئی تھی جھونپڑی کے باہر کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا جھونپڑی میں داخل ہوگئی اندر بھی کوئی نہیں تھا چولہے پر آگ جل رہی تھی اور پانی گرم ہو رہا تھا ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا اور چولہے کے

پاس آ کر کھڑی ہوگئی ایک جگہ مٹی کی پیالی میں خشک قہوہ پڑا تھا ماریا نے جلدی سے ایک پیالہ قہوہ بنا کر پیا اور زمین پر بچھے ہوئے خشک گھاس کو بستر بنا کر لیٹ گئی وہ بے حد تھکی ہوئی تھی اسے نیند آگئی اس کی آنکھ کھلی تو باہر کسی نے گدھے کو مارا تو وہ زور سے رینگنے لگا۔ ماریا زمین پر سے اٹھ کر پرے ہوگئی ایک لکڑہارا بوڑھا لکڑیوں کا گٹھا گدھے پر سے اتار رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔

کم بخت تو پھر ضد کرنے لگا۔ اچھا ٹھہر جا، آج میں تمہیں۔

حلال کر کے ہی دم لوں گا تو نے پھر مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے

لکڑہارے نے لکڑیاں لا کر اندر رکھیں اور چولہے کے پاس آ کر حیرانی سے پیالے کو دیکھ کر خود بخود ہی بولا۔

ہائیں۔ یہ پیالی میں قہوہ کس نے پیا ہے؟

پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے پھر یہ قہوہ کون پی گیا، میرا خیال ہے ضرور پہاڑی ڈاکوؤں میں سے کوئی آیا ہوگا کم بختوں نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے کھانے پینے کی چیزیں لاتا ہوں اور یہ ڈاکو مجھ سے چھین کر لے جاتے ہیں۔

ماریا دور بیٹھی بوڑھے لکڑہارے کی باتیں بڑی دل چسپی سے سنتی رہی بوڑھا اپنے لیے قہوہ تیار کرنے لگا اتنے میں باہر شور سا ہوا اور دو گھوڑ سوار جھونپڑی کے باہر آ کر رک گئے انہوں نے بوڑھے کو باہر بلایا خود گھوڑوں سے اتر پڑے بوڑھے نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

جناب کیا حکم ہے۔؟

وہ سمجھ گیا کہ یہ دونوں پہاڑی ڈاکو ہیں۔

ایک ڈاکو نے گرج کر کہا۔

او بڈھے ہم ڈاکو ہیں۔ ہم ڈاکہ ڈالنے جا رہے ہیں ہمیں بھوک لگی ہے جلدی سے اندر جو کچھ بھی کھانے کو ہے باہر لے آ۔

بوڑھا بولا۔

حضور میرے پاس تو اس وقت سوائے قہوے کی ایک پیالی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ایک ڈاکو بولا۔

بکتے ہو۔ جلدی سے اندر جو کچھ ہے باہر لے آ۔

بوڑھے نے کہا۔

سرکار آپ خود چل کر دیکھ لیں۔

چلو۔

دونوں ڈاکو گھوڑوں پر سے اترے انہوں نے اندر آ کر جھونپڑی کی ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر دیکھا جب کھانے کو کچھ نہ ملا تو انہوں

نے بوڑھے کو مارنا شروع کر دیا بے چارے بوڑھے کی چیخیں نکل گئیں ماریا کو بے حد غصہ آیا کہ یہ کمینے ڈاکو ایک بے چارے بڈھے کو اس قدر مار رہے ہیں وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس نے زمین پر ایک طرف رکھا ہوا ڈنڈا اٹھا لیا اور پوری طاقت سے ایک ڈاکو کے سر پر دے مارا ڈنڈے کے لگتے ہی ڈاکو کی آواز نکالے بغیر زمین پر گر پڑا۔

دوسرے ڈاکو نے حیرانی سے اردگرد اور پھر بوڑھے کی طرف دیکھا تو نے میرے ساتھی کو مار ڈالا۔ اب تو بھی میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

دوسرے ڈاکو نے خنجر نکال لیا۔ بوڑھا ہاتھ جوڑ کر بولا۔

حضور قسم لے لیں میں نے آپ کے ساتھی کو نہیں مارا، میں بے گناہ ہوں مجھے بالکل نہیں معلوم کہ ڈنڈا کس نے مارا ہے میں نے آپ کے ساتھی کو نہیں مارا۔

ڈاکو نے گرج کر کہا۔

بکواس بند کرو۔ تم نے نہیں مارا تو پھر کیا یہاں تیرے فرشتوں نے اسے مارا ہے۔ اب تو بھی اپنی موت کے لئے تیار ہو جا۔

جوں ہی دوسرا ڈاکو آگے بڑھا ماریا نے دوسرا ڈنڈا اس کے سر پر بھی دے مارا، وہ ڈاکو بھی تیورا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا بوڑھا الکڑ بار تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اردگرد تکنے لگا کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے یہ کون ہے جو ان لوگوں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر رہا ہے۔ ماریا نے سوچا کہ بوڑھے سے باتیں کرنا فضول ہے اسے گھوڑے کی سخت ضرورت ہے اور باہر ڈاکوؤں کے دو گھوڑے کھڑے ہیں کیوں نہ ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی محل پہنچ جائے اور ملکہ کو اس کے شہزادے کی قتل کی سازش سے آگاہ کر دے۔

وہ جھونپڑی سے باہر نکلی۔ باہر آتے ہی خدا جانے گھوڑوں کو کیا ہوا کہ

ایک دم بدکے اور زور زور سے اپنے دونوں پاؤں زمین پر مارنے لگے ماریا نے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کو قابو میں کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو ہاتھ نہیں لگنے دے رہے تھے چنانچہ وہ دونوں گھوڑے اپنی اپنی رسیاں تڑا کر وہاں سے سرپٹ بھاگ گئے۔

ماریا بے چاری ناکامی کے عالم میں گھوڑوں کو تکتی رہ گئی تھوڑی دور جا کر ہی گھوڑے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ماریا پریشان ہو کر وہیں بیٹھ گئی بوڑھا اس دوران میں دونوں ڈاکوؤں کی لاشوں کو گھسیٹ کر جھونپڑے سے باہر لا چکا تھا وہ ایک ایک ڈاکو کے سینے پر کان لگا کر دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ دونوں ڈاکو ہلاک ہو چکے تھے بوڑھے نے ایک ڈاکو کی لاش کو گھسیٹا اور پہاڑ پر سے نیچے گہری کھڈ میں گرا دیا پھر اس نے دوسری لاش کو گھسیٹا اور اسے بھی گہری کھڈ میں گرا دیا۔

ماریا چپ چاپ بیٹھی بوڑھے کو یہ کام کرتے دیکھتی رہی وہ چاہتی تھی کہ بوڑھے سے باتیں کرے مگر اسے شک تھا کہ بوڑھا بھی ڈر کر بھاگ جائے گا بوڑھے کا گدھا جھونپڑی کے باہر بندھا ہوا تھا مگر ماریا بے چارے لکڑہارے کو اس کے گدھے سے محروم کرنا نہیں چاہتی تھی دوپہر گزر گئی تھی اور سورج غروب ہونے والا ہی تھا اسے ہر حالت میں رات ہونے سے پہلے پہلے شاہی محل میں پہنچنا چاہیے تھا مگر اس کے کوئی آثار کوئی امید دکھائی نہیں دے رہی تھی آخر وہ اٹھ کھڑی ہو گئی اور اس نے شہر کو جانے والی چھوٹی سی پہاڑی پگ ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔

چلتے چلتے وہ تھک کر چور ہو گئی ابھی تک اسے شہر کی فصیل نظر نہیں آئی تھی اب وہ دریا کے ساتھ ساتھ واپس جا رہی تھی ابھی وہ شہر سے کافی دور تھی کہ شام ہو گئی دھوپ ڈھل گئی اور ہر طرف شام کی ہلکی ہلکی سیاہی

پھیل گئی ماریا کا دل دھڑکنے لگا کہ اب تو وہ کسی صورت میں بھی رات تک شہر نہیں پہنچ سکتی وہ لوگ ضرور شہزادے کو ہلاک کر دیں گے، پھر اسے خیال آیا کہ ناگ اور عنبر ایسا نہیں ہونے دیں گے وہ ان کے ساتھ ہیں۔

اسے ایک جگہ دیے کی روشنی نظر آئی۔

ماریا اس روشنی کی طرف آنے لگی یہ دیا ایک لکڑی کے چھوٹے سے مکان کے باہر جل رہا تھا ماریا نے قریب آ کر دیکھا کہ ایک عورت فرش پر چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی ہے اس کا خاوند پاس بیٹھا روٹی کھا رہا ہے روٹی کھانے کے بعد وہ ہاتھ دھو کر اٹھا اور بولا۔

میں ساتھ والے گاؤں جا رہا ہوں کوشش کروں گا کہ رات تک واپس آ جاؤں اگر واپس نہ آیا تو صبح ضرور آ جاؤں گا تم کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند رکھنا اور خبردار کسی کے لئے بھی دروازہ مت کھولنا۔

عورت بولی۔

بہت بہتر۔

خاوند چلا گیا عورت وہاں اکیلی رہ گئی وہ کسی کام کے لئے اندر گئی تو ماریا نے آگے بڑھ کر چنگیر میں سے ایک روٹی اٹھا لی اور کھانی شروع کر دی عورت نے واپس آ کر چنگیر کی روٹیاں کپڑے میں لپیٹیں اور کمرے میں جا کر دیا جلانے لگی اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ ایک روٹی غائب ہو گئی ہے کمرے کا دیا جلا کر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر کے کنڈی لگا دی اور اندر بستر پر لیٹ گئی تھی ماریا کو اب خیال آیا کہ اسے بھی اندر جا کر سو جانا چاہیے تھا اب وہ رات کہاں جنگل میں ماری ماری پھرے گی مگر اب وہ لاکھ دروازہ کھٹکھٹاتی اندر سے کسی نے نہیں کھولنا تھا۔

چار و نا چار وہ باہر صحن میں ہی ایک طرف پڑ کر لیٹ گئی۔ رات کا پہلا

پہر گزر رہا تھا کہ وہاں تین پہاڑی ڈاکو آ گئے یہ علاقہ پہاڑی ڈاکوؤں سے بھرا ہوا تھا یہ ڈاکو رات کو ڈاکے ڈالا کرتے تھے یہ لوگ غریب آدمیوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے ماریا نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں تو اس کی آنکھ کھل گئی کیا دیکھتی ہے کہ تین ہٹے کٹے ڈاکو تلواریں ہاتھوں میں لیے گھوڑوں پر سوار آئے ہیں اور دروازے پر ہاتھ مار کر کہہ رہے ہیں۔

دروازہ کھولو، جو کچھ اندر موجود ہے ہمیں دے دو، ہم ڈاکو ہیں۔

اپنا ڈاکو ہونا وہ اس لئے ظاہر کر دیا کرتے تھے کیونکہ لوگ ڈاکو کا نام سن کر ڈر جایا کرتے تھے اور جلدی سے جو کچھ ہوتا تھا نکال کر سامنے رکھ دیتے تھے مگر عورت کو اس کے مالک نے منع کر دیا تھا کہ خبردار گھر کا دروازہ ہرگز نہ کھولنا چنانچہ وہ اندر بیٹھی خوف سے کانپتی رہی مگر اس نے دروازہ نہ کھولا۔

ڈاکوؤں نے پھر کہا۔

دروازہ کھول دو نہیں تو ہم دروازہ توڑ دیں گے۔

مگر عورت نے پھر بھی اندر سے دروازہ نہ کھولا۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

دروازے کو توڑ دو۔

دوسرے ڈاکوؤں نے دروازے پر تلواریں مارنی شروع کر دیں پرانی لکڑی کا دروازہ تھا وہ ٹوٹنا شروع ہو گیا اندر سے عورت کے رونے کی آواز آنے لگی۔

اب ماریا نے سوچا کہ اس نے اس عورت کے گھر کی روٹی کھائی ہے اسے ضرور بچانا چاہیے چنانچہ اس نے پتھر اٹھا کر ایک ڈاکو کے ہاتھ پر زور سے مارا اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ماریا نے تلوار کا ایک وار کر کے اسی ڈاکو کا بازو کاٹ کر پھینک دیا۔

وہ ڈاکو تو ششدر رہ گیا اور چیخ مار کر ایک طرف کو بھاگ اٹھا دوسرے ڈاکو آوازیں دینے لگے اب ماریا نے تلوار کا دوسرا ہاتھ مار کر ایک اور ڈاکو کا بازو کاٹ دیا ڈاکوؤں میں افراتفری مچ گئی کہ یہ کون غیبی بھوت ہے جو ان کے بازو کاٹتا چلا جا رہا ہے ماریا نے گرج کر کہا۔

سنو ڈاکوؤ۔ میں اس علاقے کا بھوت ہوں اور عورت بن کر یہاں گھومتا پھرتا ہوں.......... میری بات غور سے سنو۔ اگر تم نے اس عورت کو ٹوٹے ہوئے دروازے کی قیمت نہ دی تو میں تم سب کا پیچھا کر کے قتل کر دوں گی۔

ڈاکوؤں کا تو خوف سے رنگ اڑ گیا۔

اے بھوت، دیوتا کے لئے ہمیں بخش دے تم اس عورت کو ایک ہزار سونے کے سکے دیے دیتے ہیں۔

ماریا نے کہا۔

فوراً دے دو۔

ڈاکوؤں کے سردار نے اشارہ کیا، ایک ڈاکو آگے بڑھا اور اس نے ہزار سونے کے سکوں کا تھیلا عورت کے ٹوٹے ہوئے دروازے کے آگے رکھ دیا۔

ماریا بولی۔

اب تم بھاگ جاؤ یہاں سے اور خبردار پھر اگر اس طرف کا رخ کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

ڈاکو گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگنے لگے تو ماریا نے گرج کر کہا ایک گھوڑا اسی جگہ چھوڑتے جاؤ۔

ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

بہتر جناب۔

ڈاکو ایک گھوڑا اسی جگہ چھوڑ کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے اس زمانے

میں ڈرڈاکے بڑے پڑتے تھے تو لوگ وہم پرست بھی بڑے تھے اور جنوں بھوتوں سے اس قدر ڈرتے تھے کہ ان کا ہر کہا مانتے تھے عورت نے ڈاکوؤں کو وہاں سے بھاگتے دیکھا تو لوٹے ہوئے دروازے میں سے باہر آگئی زمین پر اشرفیوں کی تھیلی پڑی تھی وہ بڑی حیران تھی کہ ڈاکو اشرفیوں کی تھیلی وہاں پھینک کر کیسے بھاگ گئے۔؟

ماریا نے بڑی پر سکون آواز میں اس عورت سے کہا۔

میری بہن، میں بھوت نہیں ہوں میں ایک نیک روح ہوں اتفاق سے ادھر سے گزر رہی تھی کہ تمہیں مصیبت میں دیکھا تو تمہاری مدد کو آ گئی ڈاکو تمہارا دروازہ توڑ گئے ہیں میں نے ان سے یہ اشرفیاں رکھوالی ہیں انہیں لے لو اور جب تمہارا خاوند آئے تو اسے کہنا کہ دروازہ نیا لگوا لے۔

عورت نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اے نیک روح میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں، تو نے میری عزت بچائی میری جان بچائی، میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کروں گی۔

ماریا نے کہا۔

کوئی بات نہیں۔ بہن انسان کو انسان کے کام آنا چاہیے۔

عورت نے پوچھا۔

کیا تم آسمانوں پر رہتی ہو۔؟

ماریا بولی۔

ہاں بہن، میں آسمانوں پر رہتی ہوں۔

عورت نے کہا۔

اے نیک روح، میرے خاوند کا کاروبار خراب ہے ہم لوگ غریب ہیں کیا کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے کہ ہمارا کاروبار چل نکلے۔

ماریا بولی۔

نیک بہن، اس تھیلے کو کھولو اس میں اتنی اشرفیاں ہیں کہ تمہارا خاوند اس سے اپنے کاروبار کو ترقی دے سکتا ہے۔

عورت نے تھیلا کھولا تو حیران رہ گئی وہ سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا ماریا نے مسکرا کر اس عورت کی طرف دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے چلنے ہی والی تھی کہ اسے خیال آیا، رات کو کہاں در بدر پھرے گی چنانچہ وہ عورت کی اجازت لے کر اسی مکان میں ایک طرف لیٹ کر سوگئی۔

رات کو حملہ

ادھر جب آدھی رات ہوئی تو قتل کی سازش کا وقت آ گیا۔

گنڈپ کی حویلی میں خبرناگ اور سواتگ وغیرہ نے کالے کپڑے پہنے وہ ایک ایک کر کے حویلی سے باہر نکلے اور شہر کی گلیوں میں سے ہوتے باہر میدان میں آ گئے یہاں گھوڑے ان کا انتظار کر رہے تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہ شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے رات بڑی اندھیری تھی ہر طرف خاموشی تھی دور سے کبھی کبھی کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آ جاتی تھی وہ گھوڑوں کو قدم بقدم چلاتے شاہی محل کے اس حصے کی طرف آ گئے جہاں ملکہ رہتی تھی یہ حصہ محل کے مغربی جانب تھا اور اس کے پہلو میں گول دیوار اوپر تک چلی گئی تھی۔

یہاں سے وہ پچھواڑے والی دیوار کی طرف آ گئے۔

یہاں پر ایک جگہ آم کے درختوں کے گھنے جھنڈ تھے گنڈپ نے سرگوشی میں ناگ سے کہا۔

یہی وہ جگہ ہے۔

اب وہ سارے کے سارے درختوں کے نیچے گھوڑوں پر سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور اوپر محل کی عقبی دیوار کی طرف دیکھنے لگے اس دیوار پر سے سوانگ نے کمند کو نیچے پھینکنا تھا کچھ دیر گزرنے کے بعد سوانگ نے بے چین ہو کر کہا۔

کہیں وہ سو تو نہیں گیا گنجے کا بیٹا۔؟

گنڈپ نے کہا۔

اگر وہ سو گیا ہے تو میں ابھی جا کر سب سے پہلے اسے قتل کر دوں گا کم بخت کو اپنی ذمے داری کا بھی احساس نہیں۔؟

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ دیوار کے اوپر سوانا کا سایہ نمودار ہوا۔

وہ آ گیا ہے۔

سوانگ نے پوچھا۔

کیا رسا نیچے پھینک رہا ہے۔؟

گنڈپ بولا۔

ہاں، اس نے رسا نیچے لٹکا دیا ہے۔

سوانا نے اوپر سے رسا نیچے لٹکا دیا، گنڈپ نے آگے بڑھ کر رسے کو تھاما اور دیوار کے ساتھ ساتھ اوپر چڑھنا شروع کر دیا اوپر جا کر وہ دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

اب سوانگ نے رسے کے ذریعے اوپر چڑھنا شروع کر دیا سوانگ کے جانے کے بعد عنبر اور ناگ اکیلے رہ گئے انہیں یہ موقع بڑی مشکل سے ملا تھا۔

ناگ نے کہا۔

عنبر بھائی اب کیا کرنا چاہیے۔؟

عنبر نے کہا۔

شی آہستہ بولو۔ نازک وقت آ رہا ہے اس کے لئے ہمیں بڑی ہوشیاری اور چالاکی کی ضرورت ہے تمہیں اوپر جا کر ہم سے الگ ہو جانا ہے تمہارا کام صرف یہ ہوگا کہ جب یہ لوگ شہزادے کے کمرے میں داخل ہونے لگیں تو انہیں وہیں ڈس کر بے ہوش کر دینا۔

ناگ نے پوچھا۔

اور تم کہاں ہو گے۔؟ کیا ہم ملکہ کو جا کر خبردار نہ کر دیں۔؟

عنبر نے کہا۔

اس کے لئے اب وقت باقی نہیں رہا۔ اگر تم ابھی اس طرف کو چلے گئے تو شک کی وجہ سے ہو سکتا ہے یہ لوگ واپس چلے جائیں میں چاہتا

ہوں کہ آج انہیں پکڑوا دیا جائے۔

انہیں بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت ہے میں تو کہتا ہوں کہ انہیں ختم کر دینا چاہیے۔

عنبر بولا۔

نہیں، میں انہیں زندہ بادشاہ کے دربار میں پیش کرنا چاہتا ہوں کیا تم ایسا نہیں کر سکتے۔؟

ناگ نے کہا۔

میرے لیے بے ہوش کرنا مشکل ہوگا کیونکہ میرا زہر ان دنوں بہت زیادہ ہو رہا ہے میں نے اگر انہیں ایک بار ڈس دیا تو وہ زندہ نہ بچ سکیں گے۔

پھر کیا کیا جائے؟ میں انہیں مارنا نہیں چاہتا، میں انہیں زندہ پکڑ کر ان کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگانا چاہتا ہوں تا کہ ملک چین کے امن

پسند عوام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمن کی سازشوں سے چھٹکارا مل جائے۔

اوپر سے سوانگ نے آواز دی۔

تم کیا کر رہے ہو؟ اوپر کیوں نہیں آتے۔؟

آ رہے ہیں۔

اور عنبر اور ناگ بھی رسے کے ذریعے شاہی محل کی دیوار سے اوپر چڑھ گئے اندھیرے میں سوانا انہیں ایک بارہ دری کے اندر لے گیا جہاں سیڑھیاں نیچے اتر گئی تھیں وہ سیڑھیاں اترنے لگے یہ سیڑھیاں اندھیری اور ویران تھیں سوانا گنجا آگے آگے جا رہا تھا اس کے پیچھے گنڈپ اور سوانگ تھے اور ان کے پیچھے عنبر اور ناگ چل رہے تھے سیڑھیاں اتر کر وہ انہیں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں لے گیا یہاں اندھیرا تھا سوانا نے ایک چراغ روشن کیا، ان سب کے پاس تلواریں اور خنجر تھے سوانا بولا۔

یہاں سے آگے چل کر وہ علاقہ شروع ہو جاتا ہے جہاں قدم قدم پر سپاہی تلواریں لیے پہرہ دے رہے ہیں تم لوگوں کو ایک ایک سپاہی سے مقابلہ کرنا ہوگا، یہاں سے نکل کر ایک لمبی راہداری میں سے گزرنے کے بعد ملکہ کی خوابگاہ کا دروازہ آ جائے گا، جس کے اندر شہزادہ سو رہا ہے۔

گنڈپ نے کہا۔

کیا تم سپاہیوں کو بے ہوشی کی کوئی شے نہیں کھلا سکے۔؟

سوانا نے کہا۔

ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ لوگ بے ہوش ہو جاتے تو اسی وقت میری گردن قلم کر دی جاتی میرا خیال ہے کہ تم لوگ اگر ایک ایک کر کے چلو تو ان کی نظریں بچا کر ملکہ کے کمرے تک پہنچ سکتے ہو۔

سوانگ بولا۔

کیوں نہ ہم ان تمام سپاہیوں کو ہلاک کرتے ہوئے آگے بڑھیں؟

گنڈپ نے کہا۔

میرا اپنا بھی یہی خیال ہے ہمیں تمام سپاہیوں کو ختم کر دینا چاہیے ہمارے پاس تلواریں وغیرہ سب کچھ ہے۔

سوانا نے کہا۔

یہ بات ذرا مشکل ہوگی محل میں شور مچ جائے گا اور تم سب لوگ پکڑے جاؤ گے اس کی جگہ اگر تم لوگ ان کی نظریں بچا کر ملکہ کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کرو گے تو زیادہ مناسب بات ہوگی، عنبر نے کہا۔

مگر ہم کتنے لوگوں سے نظریں بچائیں گے؟

گنڈپ نے کہا۔

آخر تم لوگوں کو میری بات ہی ماننی پڑے گی کہ ہمیں ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دینا چاہیے ہم صرف اسی صورت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

ایسا کیوں نہ کریں کہ ایک ایک کر کے ہم یہاں سے جائیں تاکہ اگر دو پکڑا بھی جائے تو باقی لوگ بچے رہیں، اور دوسری بار کوشش کریں۔

سوانا نے کہا۔

یہ بات بڑی اچھی لگتی ہے میرا خیال ہے ایسا ہی کرتے ہیں مگر پہلے کون جائے گا۔؟

ناگ نے جھٹ کہا۔

پہلے میں جانے کو تیار ہوں۔

شاباش، گنڈپ بولا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی تم بہادر منگول قوم کے

بیٹے ہو، جاؤ خنجر لے جانا، بڑی ہوش مندی سے جانا اور اگر سب پہرے داروں کو قتل کرنا پڑے تو بھی قتل کرنے سے باز نہ آنا کسی نہ کسی طرح ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ کر شہزادے کی گردن اتار کر اپنے ساتھ واپس لے آنا اگر تم کچھ دیر تک نہ آئے تو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم پکڑے گئے ہو پھر ہم دوسرے آدمی کو روانہ کریں گے۔ جاؤ۔

ناگ نے خنجر کو آنکھ ماری اور دروازہ کھول کر خنجر ہاتھ میں لیے چپکے سے باہر نکل گیا۔ راہداری میں اندھیرا تھا اس نے ایک موڑ گھوم کر دیکھا کہ دور طاق میں ٹمٹما رہا تھا ناگ اس روشنی کی طرف چل دیا یہاں سے پہریداروں کی گشت شروع ہو جاتی تھی ناگ ایک سپاہی کے پاس پہنچ کر بولا مجھے ابھی ملکہ کے پاس لے چلو۔

سپاہی ایک سیاہ لباس والے نوجوان کو اچانک اپنے قریب دیکھ کر پریشان ہو گیا اس نے جلدی سے ناگ کو گرفتار کر لیا اور اپنے ساتھی سے کہا۔

اسے نیچے لے جاؤ۔

دوسرا سپاہی ناگ کو لے جانے لگا تو ناگ نے کہا۔

خدا کے لئے مجھے ملکہ کے پاس لے چلو۔ یہ بڑا نازک وقت ہے ولی عہد شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے اسے ہلاک کرنے کی سازش کی جا رہی ہے وہ لوگ آ رہے ہیں مجھے ملکہ کے پاس لے چلو۔

دوسرا سپاہی مسکرایا پھر اس نے جیب سے ایک رومال نکال کر ناگ کے منہ پر رکھ دیا منہ پر ہاتھ رکھ کر انگلیوں کو زور سے دبایا، اس کے ہاتھ میں بے ہوش کر دینے والی دوا میں بھیگا ہوا رومال تھا ناگ اسی وقت بے ہوش ہو گیا، سپاہیوں نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا۔

ایک سپاہی بولا۔

چور معلوم ہوتا ہے صبح کو توال کے آگے پیش کریں گے۔

دوسری طرف جب سوانگ نے دیکھا کہ کافی دیر ہو گئی ہے ناگ واپس نہیں آیا تو اس نے گنڈپ سے کہا۔

میرا خیال ہے اب عنبر کو جانا چاہیے چلو عنبر تم جاؤ اور معلوم کرو کہ ناگ کہاں ہے؟

عنبر بھی چاہتا تھا وہ کوٹھڑی سے باہر نکل گیا لیکن وہ اس بات پر بڑا حیران تھا کہ ناگ کہاں جا کر گم ہو گیا ہے اگر وہ ملکہ کے پاس پہنچ گیا ہوتا تو اب تک سپاہیوں کو وہاں پہنچ کر سوانگ وغیرہ کو گرفتار کر لینا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا سارے محل میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی راہداری سے گزر کر جب وہ بھی پہرے داروں کے پاس پہنچا تو اچانک پیچھے سے چار سپاہیوں نے اس پر چھلانگ لگا کر اسے قابو میں کر لیا وہ کہتا ہی رہا کہ مجھے ملکہ کے پاس لے چلو شہزادے کی زندگی خطرے میں ہے مگر اس کی کسی نے نہ سنی اور اسے بھی دوائی سنگھا کر بے ہوش کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا۔

یہ ایک ایسی بات ہو گئی تھی جس کے بارے میں عنبر اور ناگ میں سے کسی نے بھی سوچا نہیں تھا انہیں وہم بھی نہیں تھا کہ یوں وہ بے ہوش کر کے کمروں میں بند کر دیے جائیں گے۔

کافی دیر گزرنے کے بعد جب عنبر بھی واپس نہ آیا تو گنڈپ نے کہا۔

میرا خیال ہے اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے وہ لوگ شاید پکڑے گئے ہیں۔

سوانگ بولا۔

ہمیں پہرے داروں کا کام تمام کر کے آگے بڑھنا ہوگا اگر ہم نے ذرا بھی بے احتیاطی اور بزدلی سے کام لیا تو ہمارا حشر اچھا نہ ہوگا۔

سوانگ نے کہا۔

تم لوگ آگے بڑھو، میں اپنے باورچی خانے میں جاتا ہوں دیوتا

تمہیں کامیاب کریں۔

سوانا چپکے سے دوسری طرف نکل گیا اور گندپ اور سوانگ راہداری میں آگے چل پڑے۔

راہداری خاموش اور ویران تھی یہ آمنے سامنے دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر رینگ رہے تھے انہوں نے دور موڑ پر ایک چراغ جلتے دیکھا وہ روشنی کی طرف قدم بقدم بڑھنے لگے پھر انہیں ایک پہریدار دکھائی دیا گندپ نے اشارہ کیا سوانگ چیتے کی طرح آگے بڑھا اور ایک دم سپاہی کی گردن پر جھپٹ کر اس کا گلا کاٹ دیا سپاہی نیچے گر پڑا اور مر گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ پھر آگے بڑھے اب ایک اور سپاہی پہرہ دے رہا تھا اس سپاہی پر گندپ نے جھپٹا مارا اور اس کی گردن کاٹ دی، وہ آواز بھی نہ نکال سکا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا اسے تڑپتا چھوڑ کر دونوں آگے بڑھے انہیں اب سامنے ملکہ کی خواب گاہ کا دروازہ دکھائی دے رہا تھا گندپ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوانگ سے کہا کہ ہوشیار ہو جائے منزل قریب آ گئی ہے۔

سوانا نے ٹھیک کہا تھا وہاں سپاہیوں کا پہرہ سخت تھا ایک سپاہی پہرہ دیتا ہوا آتا تھا اور گزر جاتا تھا پھر دوسرا سپاہی اس کی جگہ آ کر آگے گزر جاتا تھا اس طرح پہریداروں کا ایک چکر بندھ گیا تھا۔

گندپ اور سوانگ نے تجویز یہ بنائی کہ وہ ایک ایسی جگہ جا کر چھپ جائیں جہاں ایک ایک کر کے سارے پہرے داروں کو ختم کر دیں اور پھر ملکہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر شہزادے کو ہلاک کر ڈالیں وہ ملکہ کی خواب گاہ کی پہلو والی دیوار کی طرف آ گئے یہاں اندھیرا ذرا کم تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آمنے سامنے دیوار میں دو مشعلیں روشن تھیں دونوں رینگ رینگ کر آگے چل رہے تھے پھر وہ ایک جگہ چھپ کر

کھڑے ہو گئے۔

دوسرے سپاہی پہرہ دیتے چل رہا تھا جب وہ ان دونوں کے قریب آیا تو انہوں نے جھپٹا مار کر اسے قابو کر لیا اور اس کی گردن دبا دی وہ بے چارہ دم گھٹنے سے مر گیا اور آواز بھی نہ نکال سکا یہی حال دوسرے اور تیسرے پہرے دار سپاہی کا ہوا۔

ہاتھی تلے کچل دو

اب میدان صاف تھا۔

ملکہ کی خواب گاہ کا دروازہ سامنے تھا، وہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا سوانگ اور گنڈپ آگے بڑھے وہ دروازے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ سامنے سے آتے ہوئے ایک سپاہی نے انہیں دیکھ لیا اس نے ایک دم شور مچا دیا گنڈپ اور سوانگ اس کی طرف لپکے کہ اسے بھی موت کی نیند سلا دیا جائے لیکن اب وقت گزر چکا تھا پہرے دار کے شور مچانے سے وہاں سپاہیوں کا ایک پورا دستہ ادھر اُدھر سے آ کر جمع

ہو گیا تھا گنڈپ اور سوانگ نے تلواریں نکال لیں سپاہیوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں اور وہاں زبردست جنگ شروع ہو گئی گنڈپ اور سوانگ بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے ان کی تلواریں بڑی کاٹ کر رہی تھیں دیکھتے دیکھتے انہوں نے چار پانچ سپاہیوں کو گرا دیا۔

لیکن آخر وہ اتنے زیادہ سپاہیوں کا کب تک مقابلہ کرتے شور و غل سن کر محل کے سارے سپاہی وہاں آ گئے تھے سارے محل میں شور مچ گیا تھا ملکہ اور بادشاہ فوما نچو بھی جاگ پڑے تھے بادشاہ اور ملکہ دروازہ کھول کر باہر آ گئے بادشاہ نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟

اس عرصے میں سپاہیوں نے گنڈپ اور سوانگ کو قابو کر لیا تھا۔

پہرے دار نے کہا۔

حضور انور، یہ ڈاکو ہیں اور آپ کی خواب گاہ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے غالباً یہ حضور شہزادے کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔

بادشاہ نے کہا۔

تو کیا یہ منگول جاسوس ہیں لے جاؤ، انہیں کل دربار میں پیش کرو۔

ایک پہرے دار نے کہا۔

حضور انور دو اور بھی ہم نے پکڑے ہیں انہیں بے ہوش کر کے کمرے میں بند کر رکھا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

انہیں بھی کل ان کے ساتھ ہی پیش کرو وہ بھی ان کے ساتھی ہوں گے

بادشاہ اور ملکہ خواب گاہ میں چلے گئے۔

گنڈپ اور سوانگ کو رسیوں میں جکڑ کر الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا دوسری کوٹھڑیوں میں ناگ اور عنبر بھی قید تھے صبح ہو گئی۔

ناگ کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو کوٹھڑی میں قید پایا۔ اسے یاد آ گیا کہ رات اسے سپاہیوں نے بے ہوش کر دیا تھا اس نے سوچا کہ ضرور اس کے دوسرے ساتھی بھی گرفتار کر لیے گئے ہوں گے اب اسے کیا کرنا چاہیے وہ خود جب اور جس وقت چاہے وہاں سے سانپ بن کر باہر نکل کر آزاد ہو سکتا تھا۔

لیکن عنبر کے بغیر وہ آزاد نہیں ہونا چاہتا تھا پھر اسے یہ بھی بھروسہ تھا کہ بادشاہ چین اسے نقصان نہیں پہنچائے گا کیونکہ وہ تو اس کا دوست ہے اور اس نے اس کے شہزادے کی جان بچائی تھی چنانچہ وہ وقت کا انتظار کرنے لگا دوسری جانب عنبر بھی ہوش میں آ گیا تھا اور اس وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ بادشاہ اسے کچھ نہیں کہے گا کیونکہ وہ تو دربار کا شاہی حکیم ہے اور بادشاہ کا ہمدرد ہے۔

دن چڑھے دربار لگا بادشاہ تخت پر آ کر بیٹھ گیا اس نے حکم دیا کہ رات

کے منگول جاسوسوں کو پیش کیا جائے جو اس کے شہزادے کو ختم کرنے آئے تھے۔

دربار میں سوانگ اور گنڈپ کے ساتھ عنبر اور ناگ کو بھی پیش کیا گیا سارے درباری ناگ اور عنبر کو دیکھ کر حیران رہ گئے بادشاہ بھی بڑا حیران ہوا شاہی حکیم بڑا خوش ہوا کیونکہ اسے ناگ نے شکست دی تھی اور وہ ناگ کو بادشاہ کی نظروں میں ذلیل ہوتا دیکھ کر بے حد خوشی محسوس کر رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا۔

یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کیا عنبر اور ناگ نے بھی میرے بچے کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی یہ تو میرے خاص آدمی ہیں اور میں نے تو ان کی ہمیشہ عزت کی ہے۔

اب گنڈپ اور سوانگ کو پتہ چلا کہ اصل میں عنبر اور ناگ منگول

جاسوس نہیں تھے بلکہ بادشاہ کی طرف سے جاسوسی کرنے آئے تھے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اب انہیں ضرور پھنسایا جائے گا، مخبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

حضور انور میں اور ناگ جاسوس بن کر ان گوریلوں میں جا ملے تھے صرف یہ معلوم کرنے کہ یہ لوگ شہزادہ صاحب کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتے پھر ہم ان کے ساتھ ہی محل میں آگئے تاکہ آپ کو اطلاع کی جائے۔

بادشاہ نے پوچھا۔

پھر تم لوگوں نے مجھے خبردار کیوں نہیں کیا؟

ناگ نے کہا۔

حضور ہم آپ کی طرف آ رہے تھے کہ آپ کے سپاہیوں نے ہمیں بے ہوش کر کے کمروں میں بند کر دیا۔

اس پر گنڈپ نے ہنس کر کہا۔

بادشاہ سلامت میں سچ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں اور اپنی جان بچانا چاہتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ دولت کے لالچ میں ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور انہوں نے آپ کے بچے کو ہلاک کرنے کا سارا منصوبہ بتایا تھا ہمارے منگول سردار نے ان دونوں کو ایک صوبے کی صوبے داری پیش کی تھی اس شرط پر کہ یہ شہزادہ جمیل کا سر کاٹ کر لے آئیں چنانچہ آج یہ ہمارے ساتھ ولی عہد شہزادے کا سر کاٹنے آ رہے تھے کہ پکڑے گئے اور اب جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں۔

درباری خوف سے پکار اٹھے۔

ان دونوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

بادشاہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

کیا یہ منگول جاسوس ٹھیک کہہ رہے ہیں عنبر؟

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت یہ جھوٹ کہتے ہیں، ہم آج بھی آپ کے وفادار ہیں اور کل بھی تھے۔

سوانگ نے قہقہہ مار کر کہا۔

شاہ چین، ان لوگوں نے ہی ولی عہد شہزادے کو ہلاک کرنے کی سازش بنائی تھی۔ ساری چال ان کی تھی ہم تو ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے یہ اب موت کے خوف سے ایسا کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ان کو شام ہونے سے پہلے پہلے محل کی دیوار پر لٹکا کر اوپر سے ہاتھی گزارے جائیں۔

دربار برخاست ہو گیا۔

بادشاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اور ناگ دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہیں انہوں نے بادشاہ کو قتل کرنے کی کوشش کی کہ نہ انہیں موت سے ڈر ہے اور نہ دولت کی لالچ ہے مگر بادشاہ نے اپنا حکم صادر کر دیا اور واپس اپنی خواب گاہ میں چلا گیا شاہی حکیم بڑا خوش ہوا کہ اس کا دشمن ختم ہو جائے گا گنڈپ اور سوانگ بھی خوش تھے کہ خود تو مر رہے ہیں مگر ساتھ دشمن کو بھی لے کر مریں گے۔ سپاہیوں نے انہیں لے جا کر قید میں ڈال دیا۔

محل کے اوپر والی دیوار پر دو بڑے بڑے ہاتھی لا کر باندھ دیے گئے قیدیوں کو رسیوں میں جکڑ کر اوپر لایا گیا ناگ اگر چاہتا تو سانپ بن کر فرار ہو سکتا تھا اور کئی لوگوں کو ہلاک کر کے عنبر کو بھی آزاد کروا سکتا تھا مگر وہ بادشاہ کے سامنے اپنی کرامت کرنا چاہتا تھا وہ بے وقوف بادشاہ اور احمق ملکہ کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اسے موت کا خوف نہیں اسے

دولت کا لالچ نہیں وہ فرار ہوسکتا تھا لیکن نہیں ہوا کیونکہ وہ بے گناہ ہے اور عنبر کی طرح بادشاہ کا ہمدرد ہے۔

سارے درباری وہاں جمع تھے بادشاہ بھی وہاں آ گیا ملکہ ان کے ساتھ تھی گنڈپ اور سوانگ ایک طرف رسیوں میں بندھے کھڑے تھے موت ان کے چہروں پہ لکھی ہوئی نظر آ رہی تھی دوسری جانب عنبر اور ناگ کو رسیوں میں جکڑ کر لا کھڑا کر دیا گیا ہاتھیوں کو آگے چلانے والا مہاوت بھی آنکس لے کر آ گیا، زمین پر تختے بچھا دیے گئے ان تختوں پہ مجرموں کو لٹا کر ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلنا تھا سارے درباری دم بخود تھے بادشاہ کے اشارے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

بادشاہ نے عنبر اور ناگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

شروع کرو۔

لوگوں نے بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے لگائے جب ہر طرف

سناٹا چھا گیا تو جلاد نے عنبر اور ناگ کو پکڑ کر الگ الگ تختوں پر لٹا دیا عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے کہا۔

ناگ تم کیا انتظار کر رہے ہو یہاں سے بھاگ نکلو میں بھی تم سے بعد میں آن ملوں گا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

ابھی تماشہ دکھاتا ہوں۔

لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ مسکرا کیوں رہے ہیں بڑے بہادر ہیں ورنہ موت کی آغوش میں پہنچ کر بھلا کون مسکراتا ہے تختوں پر باندھ کر جلاد نے مہاوت کو اشارہ کیا کہ وہ دونوں ہاتھیوں کو لے کر آ جائے مہاوت دونوں پہاڑ ایسے ہاتھیوں کو لے کر آگے بڑھا ایک ہاتھی نے عنبر کے تختے پر اور دوسرے ہاتھی نے ناگ کے تختے پر پاؤں رکھا ناگ پر ہاتھی دوسرا پاؤں اگر رکھ دیتا تو وہ ضرور کچلا جاتا لیکن اس سے

پہلے کہ ہاتھی اپنا دوسرا پاؤں اس پر رکھتا، ناگ نے ایک زوردار پھنکار ماری اور سانپ کی جون میں آ گیا ہاتھی سانپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹا جلاد بھی گھبرا گیا مگر سانپ محل کی سب سے اوپر والی دیوار پر چڑھ کر کنڈل مار کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ، ملکہ درباریوں، گنڈپ اور سوانگ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

بادشاہ نے پکار کر کہا۔

عنبر کو ہلاک کر دو............ سانپ کو بھی ہلاک کر دو۔

ہاتھی عنبر کے اوپر چڑھا چڑھ کر اتر گیا، پھر چڑھا پھر چڑھ کر اتر گیا دس بارہ بار ایسا ہوا مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا وہ اسی طرح بڑے آرام سے تختوں پر لیٹا رہا ہاتھی اس کے اوپر سے یوں گزر جاتا جیسے کوئی چوہا گزر گیا ہو درباری اب اور زیادہ حیران ہوئے بادشاہ نے کہا۔

اس کی گردن تلوار مار کر اتار دی جائے۔

جلاد اب عنبر کی گردن پر تلوار چلانے لگا مگر ہر بار تلوار اس کی گردن سے ٹکرا کر یوں آواز پیدا کرتی جیسے وہ کسی چٹان کے سخت پتھر سے ٹکرا رہی ہو۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ عنبر کا جسم تیروں سے چھلنی کر دیا جائے سپاہیوں نے ایک قطار میں کھڑے ہو کر عنبر کے جسم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی مگر تیر اس کے بدن میں پیوست ہونے کی بجائے اس کے جسم سے ٹکرا کر دوہرے ہو کر نیچے گر پڑے اب تو بادشاہ بھی دنگ رہ گیا ملکہ نے بادشاہ کے کان میں کہا۔

یہ کوئی دیوتا ہی ان کی عزت کرو، ان کی بد دعا نہ لو۔

بادشاہ نے عنبر کو رہا کرنے کا حکم دیا اب عنبر نے کھڑے ہو کر کہا۔

بڑے افسوس کی بات ہے اے بادشاہ کہ تم نے مجھے ہلاک کرنے

میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اب جب کہ تم پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ تم مجھے ہلاک نہ کر سکو گے تو تم نے مجھے معاف کر دیا تم نے ہماری وفا کی قدر نہ کی ناگ نے تمہارے بچے کی جان بچائی لیکن تم نے اس کے ساتھ ہی سنگدلوں ایسا سلوک کیا۔

بادشاہ نے معافی مانگی اور کہا۔

مجھے معاف کر دو عنبر میں بھول گیا تھا میری آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی ہوئی تھی مجھ سے غلطی ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

اب تمہیں اور یہاں پر جمع سب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں مر نہیں سکتا اور جو مر نہ سکے اسے موت کا کیا خوف ہو گا ناگ میرا دوست ہر جون بدل سکتا ہے وہ جب چاہے تمہاری قید سے آزاد ہو سکتا تھا مگر اس نے کہا کہ نہیں بادشاہ اسے کچھ نہیں کہے گا لیکن بادشاہ نے

ہمارے ساتھ بے انصافی کی اگر ہم میں خفیہ طاقتیں نہ ہوتیں تو اس وقت ہم دونوں کی لاشیں یہاں پگلی پڑی ہوتیں۔

بادشاہ نے گنڈپ اور سوانگ کو تو اسی وقت مروا دیا اور عنبر اور ناگ کو بڑی عزت سے اپنے ساتھ پالکی میں بٹھا کر محل کی طرف روانہ ہو گیا شاہی حکیم یہ دیکھ کر جل بھن کر رہ گیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے خاص محل میں لے جا کر بادشاہ اور ملکہ نے ان دونوں کی بہت عزت افزائی کی اور انہیں اپنے دربار میں خاص عہدے پیش کیے مگر عنبر اور ناگ نے کہا کہ وہ کوئی عہدہ قبول نہیں کریں گے........

انہیں اپنی بہن ماریا کا انتظار ہے وہ جس وقت یہاں پہنچ گئی ہم اسی روز آپ کا ملک چھوڑ جائیں گے.........

☆ ماریا ایک جھونپڑے میں پناہ لیتی ہے لیکن اسی رات چور جھونپڑی پر حملہ کر دیتے ہیں۔

☆ چونکہ ماریا کسی کو دکھائی نہیں دیتی اس لئے وہ ایک ایک کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

☆ عنبر شاہی محل میں بیٹھا ماریا کا انتظار کرتا رہتا ہے کیا ماریا اور عنبر دوبارہ ملے۔

☆ عنبر اور ناگ ایک سمندری جہاز میں سوار ہو کر کس طرف کو روانہ ہوئے۔

☆ یہ سب کچھ جاننے کے لئے اسی ناول کی اگلی سیریز کے "اٹھائیسویں حصے" "خونی مکان" میں ملاحظہ کیجئے۔

ختم شد

قسط نمبر ۴۸

خونی مکان

السعید

فہرست

- بھائی کی تلاش
- فقیر گویا
- اندھیرے میں جال
- بچ کر کہاں جاؤ گے؟
- خونی مکان
- سوانا ڈاکو
- ظلم کی ناؤ
- سانپ آ گیا
- آخری فیصلہ
- سمندر کی طرف

سنو پیارے بچو:

ماریا لکڑ ہارے کی بیوی کے جھونپڑے میں رات بسر کرتی ہے کہ چور حملہ کرتے ہیں، وہ دروازہ توڑ کر اندر آتے ہیں، اور ماریا ایک کو ہلاک کر دیتی ہے کیونکہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ گنڈپ اور سوانگ کو شاہی محل میں پھانسی دی جاتی ہے عنبر شاہی محل کے باہر بیٹھا ماریہ کا انتظار کر رہا ہے۔

ماریہ دیر سے پہنچتی ہے عنبر اور ناگ ملک چین چھوڑ کر ایک سمندری جہاز میں سوار جاپان کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

بھائی کی تلاش

سوانگ اور گنڈپ کو پھانسی ملنے کے بعد سوان بھاگ گیا تھا۔ ان کا راز فاش ہو گیا تھا۔ اور بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ جس وقت گنڈپ اور سوانگ کو شہنشاہ چین کے حکم سے پکڑ لیا گیا۔ اسی وقت سوانا شاہی باورچی خانے سے بھاگ گیا۔ عنبر اور ناگ نے شہنشاہ کو بتایا کہ محل میں گوریلے جاسوسوں کا ایک آدمی سوانا بھی موجود ہے۔ اسے فوراً گرفتار کیا جائے۔ سپاہی سوانا کو پکڑنے کے لئے شاہی باورچی خانے کی طرف بھاگے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ سوانا فرار ہو چکا ہے۔ بادشاہ نے سارے شہر میں ڈونڈی پٹوا دی کہ جو کوئی

شاہی باروچی سوانا کو پکڑ کر لائے گا یا اس کا اتا پتا بتائے گا اسے دس ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔

عنبر اور ناگ شاہی مہمان خانے سے نکل کر شہر میں ایک مکان میں آ گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کی بہت منت سماجت کی کہ وہ شاہی محل میں ہی ٹھہریں۔ مگر بادشاہ کی طرف سے ان کا دل اس قدر کھٹا ہو چکا تھا۔ کہ وہ نہ مانے اور اٹھ کر شہر کے اندر ایک مکان میں آ رہے۔ یہ مکان شاہی محل کے پچھواڑے والی بستی میں تھا۔ اور یہاں زیادہ تر گھوڑوں کے سوداگر رہتے تھے۔ عنبر نے سپاہیوں کو ساتھ لے کر گنڈپ کی حویلی میں بھی چھاپہ مارا۔ مگر وہاں بھی سوانا نہیں تھا۔ ساتھ والے مکان کا موٹا مالک گرفتار کر لیا گیا۔ کیوں کہ وہ بھی گنڈپ کا ساتھی تھا۔ اور اس نے ماریا کے خلاف اطلاع دے کر اسے آگ میں زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔

یہ لوگ ماریا کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر اور ناگ کا خیال تھا۔ کہ ماریا ایک آدھ دن میں کیتھے شہر میں پہنچ جائے۔ اس کے بعد وہ اسے ساتھ لے کر ملک جاپان کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ ناگ کو جاپان دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ جاپان کو ایک راستہ خشکی کی طرف سے بھی جاتا تھا۔ مگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سمندر کے راستے سے جائیں گے۔ سمندر کا سفر کیے ہوئے انہیں ایک مدت گزر گئی تھی۔

دوسری طرف ماریا نے جب غریب لکڑہارے کی بیوی کے ہاں ڈاکوؤں کا بھگا کر رات بسر کی تو صبح کیتھے کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس وقت عورت کا خاوند بھی آ گیا۔ بیوی نے جب اس بتایا کہ رات اس کے ہاں ڈاکو آ گئے تھے۔ اور وہ دروازہ توڑ چکے تھے کہ ایک نیک دیوی نے آکی جان بچائی اور ڈاکوؤں سے پانچ ہزار سونے کی اشرفیوں کی تھیلی بھی دلوائی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے پوچھا۔

وہ نیک دل دیوی کہاں ہے؟ میں اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

بیوی نے کہا۔

مگر تم اسے دیکھ نہیں سکو گے۔ وہ ایک آسمانی روح ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔

خاوند بولا۔

پھر کیا ہوا۔ میں زبان سے ہی اس کا شکریہ ادا کر لوں گا۔ اس نے میرے گھر کی عزت بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

بیوی کہنے لگی۔

میں دیکھتی ہوں۔ اگر وہ باہر ہوئی تو اسے ضرور بلاؤں گی۔

دونوں میاں بیوی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گئے۔ اس وقت ماریا جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ ابھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئی تھی۔

اس کا گھوڑا صحن میں درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ نوجوان نے اپنی بیوی سے کہا۔

یہ گھوڑا کس کا ہے؟ یہاں کون آیا ہے؟

بیوی نے کہا۔

میرا خیال ہے یہ اسی نیک دل روح کا گھوڑا ہے۔

مگر بیوی روح کو گھوڑے کی کیا ضرورت ہے۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ اسی کا گھوڑا ہے۔

پر اس عورت نے ماریا کو آواز دے کر کہا۔

اے نیک دل روح۔ اگر تو یہاں موجود ہے تو سن کہ میرا خاوند تمہاری مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

میں اسی جگہ موجود ہوں۔ اپنے خاوند سے کہو کہ میرا شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض سمجھ کر ادا کیا ہے۔

خاوند بولا۔

بہن۔ میں پھر بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہارے احسان کو کبھی نہ بھلا سکوں۔ اگر تم وقت پر میری بیوی کی مدد سے نہ کرتیں تو میرا گھر اور عزت برباد ہو گئی تھی۔

ماریہ نے کہا۔

بھائی۔ عزت تو خدا دیتا ہے۔ خدا تم لوگوں کی عزت کو بچانا تھا۔ اس لئے مجھے یہاں بھیج دیا۔ تمہیں خدا کا شکر بجالانا چاہیے میں تو درمیان میں ایک ذریعہ ہوں۔ اس سے زیادہ میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔

نوجوان نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

اے نیک دل روح۔ کیا تم ایک بات بتانا پسند کرو گی؟

ماریہ نے کہا۔

ہاں ہاں۔ پوچھو بھائی تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔

نوجوان بولا:

میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تم روح ہو تو پھر تمہیں اس گھوڑے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ روح تو بغیر گھوڑے کے جہاں جی چاہے جا سکتی ہے۔

ماریہ نے کہا۔

تم نے بڑا ذہین سوال کیا ہے۔ بھائی اب میرا جواب غور سے سنو۔

میں کوئی روح یا بھوت نہیں ہوں۔ جو کسی پرانے غار میں رہتی

ہو اور جہاں جی چاہے بغیر گھوڑے کے ہوا میں سفر کر سکتی ہے۔ بلکہ میں بھی تمہاری طرح گوشت پوست کا ایک انسان ہوں۔

نوجوان نے کہا۔

تو پھر میری بہن تم ہماری طرح دکھائی کیوں نہیں دیتیں؟

ماریا نے کہا۔

اس لیے کہ مجھے ایک بہت بڑے جادوگر نے جادو کے ذریعے غائب کر دیا ہے۔ اب میں سب کو دیکھتی ہوں مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میں جس چیز کو ہاتھ میں تھام لیتی ہوں یا اس پر سوار ہوتی ہوں وہ بھی میرے ساتھ غائب ہو جاتا ہے۔

نوجوان کہنے لگا۔

خدا تمہارا بھلا کرے بہن تم نے بڑی مشکل کے وقت ہماری مدد کی ہے ہماری پشتیں بھی تمہارے اس احسان کا بدلہ نہ چکا سکیں گی۔

ماریا بولی:

ایسی باتیں نہ کہو بھائی میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے ہاں مجھے یہ بتاؤ کہ کیتھے شہر یہاں سے کتنی دور ہے مجھے وہاں جانا ہے۔

نوجوان نے کہا۔

میری بہن کیتھے شہر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے اگر تم اس وقت یہاں سے چلو تو کل صبح وہاں پہنچ جاؤ گی۔ اگر تم رات کو کہیں راستے میں آرام نہ کرو۔ تو آدھی رات سے بھی پہلے وہاں پہنچ سکتی ہو۔

ماریا نے کہا۔

تو پھر میں اب یہاں سے روانہ ہوتی ہوں۔

بیوی کہنے لگی۔

ہماری تو زبردست خواہش ہے کہ تم دو ایک روز ہماری مہمان

بن کر رہتیں اور ہمیں بھی خدمت کا موقع ملتا۔

ماریا نے کہا۔

بہن میں ضرور تمہارے ہاں رک جاتی۔ مگر کیتھے شہر میں میرے بھائی میری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے میرا جانا بہت ضروری ہے۔

نوجوان نے کہا۔

بہن اگر تمہیں واقعی چلے جانا ہے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کر کے نہیں روک سکتے۔ ہاں اگر کیتھے شہر میں تمہیں تمہارے بھائی نہ مل سکے تو شہر کی سب سے بڑی سرائے میں میرا بڑا بھائی گھوڑوں کا سائیں ہے۔ اس کے پاس جا کر میرا نام لینا۔ وہ تمہیں سرائے میں رہنے کو کمرہ دلا دے گا۔

ماریا نے کہا

بہت اچھا۔ میرے بھائی اب میں جاتی ہوں۔

ماریا نے ان دونوں نیک دل میاں بیوی سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ دنوں میاں بیوی نے دیکھا کہ ماریا گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔ ایک پل کے لئے تو وہ بھی خوف زدہ سے ہو گئے۔ پھر انہوں نے ہاتھ ہلا کر ماریا کو رخصت کیا۔

ان لوگوں سے رخصت ہو کر ماریا نے کیتھے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ گھوڑا پتھریلی سڑک پر ادھر ادھر سے بل کھاتا چلا جا رہا تھا۔ ایک اور جگہ سے اس نے دریا کا پل عبور کیا۔ اور اب سامنے ایک میدان تھا جس کے دونوں جانب اونچے اونچے ٹیلے کھڑے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہاں سے کیتھے شہر کی فصیل شروع ہوتی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی یہاں سے گزری تھی۔ چلتے چلتے اسے رات ہو گئی۔ اور وہ رات سرائے کے باہر آ کر رک گئی۔

یہ سرائے ایک معمولی سی دیہاتی سرائے تھی جس کے باہر مٹی کا

دیا روشن تھا۔ ماریا نے یہاں کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ کیا اور سرائے کے پیچھے والے باغ میں ایک جگہ پہنچ کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اسے اچانک بھوک کا شدید احساس ہوا۔ وہ سرائے میں آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ سرائے کا باورچی آلو کے گرم گرم قتلے تل رہا تھا۔ ماریا اس آدمی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ بھوک نے اسے ایک دم نڈھال کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بغیر کچھ کھائے پیئے سو جائے گی اور کھانا صبح اپنے بھائیوں کے پاس جا کر کھائے گی۔ مگر بھوک نے اسے بدحال کر دیا۔ ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر تھال میں سے آلوؤں کے گرم گرم قتلوں کی ایک تھالی اٹھائی۔ ساتھ ہی ایک روٹی تھامی اور باورچی کے آگے سونے کی ایک اشرفی ڈال کر واپس باغ میں اس جگہ آ گئی جہاں وہ رات بسر کرنے کا ٹھکانہ بنا چکی تھی۔

سرائے کے مالک نے جب دیکھا کہ تھال میں سے آلو کے قتلوں

کی رکابی غائب ہو گئی ہے۔ اور اس کی جگہ سونے کی اشرفی پڑی ہے تو پاگل سا ہو کر آس پاس تکنے لگا۔ اس نے جلدی سے سونے کی اشرفی اٹھا کر اپنی اندر والی جیب میں ڈال لی۔ اس کا خیال تھا کہ سوائے اس کے اور کوئی اسے نہیں دیکھ رہا۔ مگر نہیں اسی سرائے میں فقیروں کا بھیس بدل کر سوانا بھی موجود تھا۔ اس نے جو تھال میں سے ایک پلیٹ گم ہوتے ہوئی دیکھی تو فوراً سمجھ گیا کہ یہاں کوئی ایسی شے موجود ہے جو گم ہو گئی ہے۔ یک لخت دماغ عنبری چڑیل کی طرف پلٹ گیا۔

تو گتندپ ٹھیک کہتا ہے کہ عنبری چڑیل کمرے میں جل کر ہلاک نہیں ہوئی۔ وہ ضرور یہاں موجود ہو گی۔

سوانا نے ایک عرب تاجر کا بھیس بدل رکھا تھا۔ اس نے نقلی داڑھی مونچھ لگا رکھی تھی۔ ایسے حلیے میں کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ وہ فوراً اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کیتھے کی طرف ایک ہی کور دیا!

باقی رہ گیا تھا۔ جو گنڈپ والے مکان کے باہر ایک فقیر بن کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

سوانا راتوں رات گھوڑے پر سفر کرتا صبح ہونے سے پہلے پہلے شہر پہنچ گیا۔ شہر میں جاتے ہی وہ سیدھا گنڈپ کے مکان کے باہر پہنچا فقیر گوریلا ایک مکان کے باہر تختے پر سو رہا تھا۔ سوانا نے اسے جاتے ہی اٹھایا اور کہا۔

گنڈپ اور سوانگ ایسے بہادر گوریلوں کی موت کا بدلہ لینے کا وقت آن پہنچا ہے۔ عنبر اور ناگ کی بہن ماریا جو کہ غیبی چڑیل بن کر ہمیشہ ہمیں پریشان کرتی رہی ہے۔ اس وقت شہر کی طرف اپنے بھائیوں کی تلاش میں آ رہی ہے۔

فقیر گوریلا اٹھ کر بیٹھ گیا:

یہ تو بہت اچھا موقع ہے مگر وہ غائب ہے۔ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ پھر ہم اس سے کیسے اپنے ساتھیوں کا بدلہ لیں گے؟

سوانا نے کہا۔

اس کے لئے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔

فقیر گوریلا بولا۔

مجھے بتاؤ میں اپنے بہادر ساتھیوں کی موت کا بدلہ لینے کے لئے مشکل سے مشکل کام بھی کر گزروں گا۔

سوانا نے کہا۔

یہ کام میں خود اس لئے نہیں کر سکتا کہ ہوسکتا ہے ماریا مجھے اس بھیس میں بھی پہچان لے کیونکہ وہ بہت ہوشیار لڑکی ہے تم ایسا کرو کہ ماریا سے ملو۔

مگر کہاں؟ مجھے تو معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ کہاں ہے کیوں کہ وہ تو مجھے دکھائی ہی نہیں دے گی۔

سوانا نے کہا۔

"سنو۔ غیبی عورت ماریا اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کی تلاش میں سیدھی اس حویلی میں آئے گی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اسی جگہ رہتے تھے۔ اور ماریا کا اس حویلی میں انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ یہاں آئے تو تم ایسا کرنا کہ دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھے رہنا اور چوکس ہو کر رہنا۔ جب تم دیکھو کہ حویلی کا دروازہ اپنے آپ کھل رہا ہے۔ تو سمجھ جانا کہ وہ غیبی عورت داخل ہو رہی ہے۔ ٹھیک اس وقت خوف کھائے بغیر تم آگے بڑھ کر کہنا کہ اے غیبی عورت میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم اپنے بھائی عنبر اور ناگ کی تلاش میں آئی ہو مجھے عنبر اور ناگ نے تمہارے پاس بھیجا ہے وہ دونوں بیمار ہیں اور حویلی کے تہہ خانے میں لیٹے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ پھر جب وہ تمہارے ساتھ تہہ خانے میں جائے تو کسی طرح اس کے اندر داخل ہوتے ہی تہہ خانے کا دروازہ باہر سے بند کر دینا۔ وہ اندر قید ہو کر رہ جائے گی۔ وہ تہہ خانے سے کبھی بھی نہیں نکل سکے گی۔ پھر تم مجھے آ کر اطلاع کر دینا۔

فقیر گوریلا بولا۔

میں ایسا ہی کروں گا سوانا بھائی تم فکر نہ کرو۔

مگر تم ڈرو گے تو نہیں۔

ہرگز نہیں۔ میں کبھی نہیں ڈر سکتا۔ سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔ بس میں غیبی عورت کا انتظار کر رہا ہوں۔

میں دوپہر کے وقت تمہارے پاس معلوم کرنے آؤں گا کہ تم کامیاب ہوئے یا نہیں۔

میں کامیاب ہوں گا۔ تم آؤ گے تو غیبی عورت ماریا تہہ خانے میں قید ہو گی۔

فقیر گور ملے کو خبردار کر کے سوانا وہاں سے چلا گیا اور شہر والی سرائے میں جا کر ایک سوداگر بن کر ٹھہر گیا اور دوپہر ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر ماریا رات بسر کرنے کے بعد صبح ہونے سے پہلے ہی گاؤں سے نکل گئی۔ وہ جلدی سے جلدی شہر پہنچ کر اپنے بھائیوں سے ملنا چاہتی تھی۔ سورج نکل چکا تھا۔ کہ اسے شہر کی فصیل نظر آنے لگی۔ وہ بڑی خوش ہوئی شہر میں داخل ہو کر وہ گنڈپ کی حویلی والے محلے کی طرف آ گئی۔ کیونکہ اسے یقین تھا۔ کہ اسی جگہ سے اسے عنبر اور ناگ کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ وہاں مونے مالک کا نوکر بھی تھا۔ وہ اس سے عنبر اور ناگ کے بارے میں معلوم کرے گی کہ وہ کہاں ہیں۔

حویلی کے پاس آ کر وہ گھوڑے سے اتر گئی گھوڑا ظاہر ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایک طرف باندھا اور چپکے سے حویلی کا دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے اندر فقیر گوریلا بیٹھا اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس نے جو دروازے کو اپنے آپ کھلتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گیا کہ غیبی عورت آ گئی ہے جلدی سے اٹھ کر بولا۔

ماریا بہن۔ کیا تمہیں اپنے بھائیوں کی تلاش ہے؟

ماریا نے کہا ہاں مگر آپ کو کیسے معلوم؟

ماریا نے بےتابی سے پوچھا۔

وہ کہاں ہیں۔

فقیر نے مسکرا کر کہا۔

مجھے عنبر اور ناگ نے ہی تمہارے پاس بھیجا ہے وہ اس وقت اس حویلی کے تہہ خانے میں تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔

ماریا نے پوچھا۔

مگر تم کون ہو؟

نقرئی گوریلے نے کہا۔

میں تمہارے بھائیوں کا دوست ہوں اور انہوں نے مجھے تمہیں لینے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ دونوں بیمار ہیں۔ اور اس وقت حویلی کے تہہ خانے میں سوئے ہوئے ہیں۔

عنبر اور ناگ کی بیماری کا سن کر ماریا بے چین ہو گئی اس نے ایک پل کے لئے بھی یہ نہ سوچا کہ کہیں یہ شخص اس کے ساتھ دھوکہ تو نہیں کر رہا۔ وہ اس کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتی حویلی کی نچلی منزل میں آ گئی جہاں تہہ خانہ تھا۔ یہ تہہ خانہ بڑا پراسرار او خفیہ تھا۔ اس کے اندر جانے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ اندر کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ اوپر چھت کے قریب ایک گول چھوٹا سا سوراخ تھا۔ جس میں سے ہوا اندر جاتی تھی۔

تہہ خانے کے دروازے پر جا کر فقیر جاسوس نے دروازہ کھولا اور کہا۔

اندر آ جاؤ میری بہن ماریا وہ سامنے والی دیوار کے پاس بستر پر عنبر اور ناگ سو رہے ہیں۔

ماریا نے کہا۔

دیا جلاؤ یہاں تو اندھیرا ہے۔

فقیر جاسوس نے بڑی نرمی اور ہمدردی سے کہا۔

بہن تم سامنے والی دیوار کے پاس چلو میں ابھی دیا جلاتا ہوں۔

ماریا بولی۔

اچھا مگر ذرا جلدی روشنی کرو۔

آواز سے فقیر جاسوس کو پتہ چل گیا کہ ماریا تہہ خانے کے اندر جا چکی ہے اور وہ دیوار کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ وہ اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ذرا بھی دیر نہ کی بجلی کی سی تیزی کے

ساتھ تہہ خانے سے چھلانگ لگا کر باہر بھاگا اور جلدی سے دروازہ بند کر کے باہر سے لوہے کی سلاخ گرا دی۔ ماریا اندر قید ہو کر رہ گئی۔

اب جو ماریا کو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ تو زبردست فریب کیا گیا ہے۔ فقیر نے نوکر بن کر دھوکہ دیا ہے۔ وہ لپک کر دروازے کے پاس آئی۔ اس نے دروازے کو اندر کی طرف کھینچا مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے عقل سے کام لے کر سوچا نہیں تھا کہ آخر ایک اجنبی شخص اس کے ساتھ ہمدردی کیوں کر رہا ہے۔ اب وہ پھنس چکی تھی۔ تہہ خانے میں عنبر اور ناگ کہیں بھی موجود نہ تھے۔

ماریا سر پکڑ کر بیٹھ اندھیرے میں بیٹھ گئی۔

شہر میں آ کر وہ ایک نئی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ کاش وہ ایک مکار اجنبی کا اعتبار نہ کرتی۔ کبھی کسی پرائے آدمی پر بھروسہ نہیں کرنا

چاہیے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔

۔۔۔۔۔ چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔

اس نے سوچا کہ نا امید ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کی بجائے اٹھ کر دیکھا جائے کہ یہاں سے بھاگ جانے کا کوئی راستہ ہے بھی یہ نہیں؟ ماریا نے اندھیرے میں دیواروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ وہ دیر تک تہہ خانے میں ٹٹول ٹٹول کر ادھر ادھر گھومتی رہی مگر اسے کسی بھی جگہ کوئی دروازہ یا کھڑکی دکھائی نہ دی۔ بس اوپر چھت کے قریب ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس میں سے ہلکی ہلکی دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ یہ محض ہوا کے لیے سوراخ رکھا گیا ہے۔ اس سوراخ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ اس سوراخ کے پاس جا کر کسی کو مدد کے لئے پکار سکتی تھی۔

آخر وہ تھک ہار کر بیٹھ گئی۔

ادھر فقیر جاسوس حویلی والی گلی سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا شہر کے گنجان آباد علاقے والی سرائے میں جا کر سوانا سے ملا۔ سوانا اسکی صورت دیکھتے ہی کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک جگہ ستون کے ساتھ لگ کر اس سے کہنے لگا۔

تمہاری صورت بتا رہی ہے کہ تم کامیاب ہو گئے ہو۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

فقیر جاسوس بولا۔

ہاں سوانا تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے غیبی عورت کو حویلی کے تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہے اور ہزار کوشش کرنے کے باوجود وہاں سے باہر نہیں نکل سکتی۔

سوانا بولا۔

شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی میں اس عورت سے منگوال

بہادروں کی موت کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ بلکہ اگر اس کی تلاش میں عنبر اور ناگ بھی یہاں آئے تو میں ان کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ انہیں بھی ماریا کے ساتھ ہی ہلاک کر ڈالوں گا۔

سوانا میرا خیال ہے کہ ہمیں عنبر اور ناگ سے بھی بدلہ لینا چاہیے وہ دونوں بادشاہ کے آدمی تھے اور انہوں نے جھوٹ موٹ ہمارے آدمیوں کے ساتھ مل کر انہیں دھوکے سے مروا دیا ہے۔ ہمارا اب فرض بنتا ہے کہ ہم گنڈپ اور سوانگ کی روحوں کو تسکین پہنچانے کے لئے عنبر اور ناگ کو بھی قتل کر دیں۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ان دونوں کو یہاں کیسے بلوایا جائے۔ میں نے سنا ہے وہ شاہی محل میں نہیں ہیں اور شہر میں کسی جگہ آ کر رہ رہے ہیں۔

جاسوس فقیر نے کہا۔

اسک کا کھوج لگانا مشکل نہیں۔ میں نے ان کی شکلوں سے واقف ہوں میں نے انہیں اکثر حویلی کے اندر آتے جاتے دیکھا ہے۔

سوانا نے پوچھا۔

مگر تم ان دونوں کا کھوج کس طرح لگاؤ گے؟ کیا تم شہر بھر میں گشت لگا کر ایک ایک گھر میں جھانک کر دیکھو گے؟

فقیر جاسوس بولا۔

اس کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں۔ مجھے گلی گلی جا کر لوگوں کو دیکھنا پڑے گا۔ ایک ایک گھر کی پڑتال کرنی پڑے گی۔

سوانا نے کہا۔

نہیں نہیں۔ یہ کام بڑی ہمت طلب ہے اس طرح بڑی دیر لگے گی۔

ماریا نے کہا۔

سنو میں تمہیں ایک بتاتی ہوں اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں اتنا سونا اتنے ہیرے جواہرات دوں گی کہ تمہاری سات پشتیں بھی اگر انہیں کھاتی رہیں تو وہ دولت ختم نہیں ہوگی۔

فقیر جاسوس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

تم نے مجھے غداری پر نہیں ورغلا سکتیں۔

ماریا نے ایک اور وار کیا۔

سنو۔ یہ غداری نہیں ہے۔ بلکہ یہ عقلمندی ہے۔ آخر تمہیں ایک طاقت اور مضبوط قوم کے خلاف غداری کر کے کیا ملے گا؟ چینی ایک بڑے بہادر اور محب الوطن قوم ہو۔ تم ایک ہزار سال بھی کوشش کرتے رہو تو یہاں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ پھر تم اپنی زندگی ایک فقیر بن کر لوگوں سے بھیک مانگ کر کیوں ضائع کر رہے ہو کیا یہ اچھی بات

نہیں کہ تم مجھے آزاد کر دو اور میں تمہیں دنیا کے قیمتی اور نادر ہیرے جواہرات لا کر دے دوں؟

فقیر جاسوس بولا۔

غبی عورت ماریا سوانا ٹھیک کہتا تھا کہ ماریا کی چالاکی سے بچ کر رہنا اس کی باتیں پتھروں میں بھی سوراخ کر دیتی ہیں۔ یاد رکھو ماریا میں ایک محب الوطن منگول ہوں۔ میں مر جاؤں گا لیکن اپنی قوم اپنے وطن اور اپنے بادشاہ سردار سے غداری نہیں کروں گا۔ تم میرے قدموں میں اگر اس دنیا کی ساری دولت بھی لا کر ڈھیر کر دو تو میں تمہیں ایک پل کے لئے بھی آزاد نہ کروں گا۔

اس کا ہر وار خالی گیا تھا۔ ہر حربہ ناکام رہا تھا۔ اس نے اپنے تجربے میں اس بات کو خاص طور پر دیکھا تھا کہ منگول گورے بڑے وفادار اور سچے اور دھن کے پکے تھے۔ وہ اپنی جان پر کھیل جاتے تھے۔ زہر کھا کر خودکشی کر لیتے تھے۔ مگر اپنے وطن اپنے سردار اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کبھی نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ ماریا فقیر جاسوس کو ورغلانے میں ناکام رہی تھی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اگرچہ وہ بہت پریشان تھی۔ مگر پیٹ کی آگ بھی تو بجھانی ہی تھی۔ اس نے روٹی کھائی اور کٹورے میں پانی پیا اور دل پر جبر کر کے بیٹھ گئی بس اسے ایک امید تھی کہ اگر عنبر اور ناگ ادھر آ نکلے تو وہ آزاد ہو جائے گی کیونکہ سوانا اور فقیر جاسوس کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ناگ اور عنبر کن کن خفیہ طاقتوں کے مالک ہیں۔

وہ اپنی طرف سے ان کو ہلاک کرنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ناگ ایک زہریلا خطرناک سانپ ہے انسان نہیں ہے۔ وہ جس وقت اور جب چاہے انہیں سانپ بن کر ختم کر سکتا ہے اور عنبر پر موت حرام کر دی گئی ہے۔

چاہے اسے تلواریں مار مار کر کچھ کر لو وہ مر ہی نہیں سکتا بس ماریا خدا سے ہی دعا مانگنے لگی کہ کسی طرح سے عنبر اور ناگ حویلی آ جائیں کیونکہ انہیں بھی تو ماریا کی تلاش ہوگی۔

فقیر جاسوس حویلی کے باہر بھیک مانگ رہا تھا۔

شہر کے گنجان ترین محلے میں عنبر اور ناگ اپنے گمنام سے مکان میں چپ چاپ بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ عنبر نے اچانک گہری سوچ سے بیدار ہو کر کہا۔

ناگ کیوں نہ ہم گنبد پ والی حویلی کا ایک بار پھر چکر لگا آئیں ہو سکتا ہے ماریا وہاں پہنچ کر ہمیں تلاش کر رہی ہو۔

ناگ نے بھی عنبر کی بات سے اکتفا کیا اور دونوں گنبد پ والی حویلی جانے کے لیے گھر سے نکل پڑے۔ جب وہ حویلی کے دروازے پر پہنچے تو وہاں وہ فقیر کھڑا تھا اور اس نے ان دونوں کو فورا پہچان لیا۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر عنبر کے کان میں کہا۔

کیا تم اپنی بہن ماریا سے ملنے آئے ہو۔

اندھیرے میں جال

عنبر اور ناگ ایک دم چونک اٹھے۔

یہ کون فقیر ہے جسے نہ صرف ان کی بہن ماریا کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ دونوں وہاں اپنی بہن ماریا کی تلاش میں آئے ہیں۔ انہوں نے پہلے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر فقیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم کون ہو بابا؟ اور تمہیں ہمارے نام کا کہاں سے علم ہوا؟

فقیر جاسوس مسکرایا اور کہنے لگا۔

میں ایک نمک حلال نوکر ہوں بھائی عنبر جو ساتھ والے موٹے مالک کے مکان میں نوکر تھا۔ بہن ماریا نے مجھے ایک بار جب کہ میں بھوکا تھا تو مجھے کھانا کھلایا تھا۔ میں اس کے احسان کو نہیں بھولا میں نے بہن ماریا کو آگ سے جھلستے ہوئے کمرے سے باہر نکالا اور اس کی جان بچائی۔ بہن ماریا نے مجھے بتا دیا کہ وہ غائب ہو چکی ہے جادو کے زور سے آپ لوگ اس سے بچھڑ گئے۔ وہ بھی یہاں سے چلی گئی۔ آخر کل رات وہ میرے پاس اس مکان میں آئی۔ اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا اور کہا کہ اگر وہ یہاں آئیں تو انہیں یہاں تہہ خانے میں بٹھانا۔ میں پھر آؤں گی۔ میں نے انہیں بہت روکا مگر اس نے کہا کہ مجھے ایک ضروری کام ہے پھر وہ چلی گئی۔

ناگ نے پوچھا۔

اس نے بتایا نہیں کہ کیا کام تھا؟

فقیر گور ملے نے کہا۔

نہیں میرے بھائی بہن ماریا نے یہ نہیں بتایا۔ بس اتنا ہی کہا کہ

عنبر اور ناگ آ گئیں تو انہیں اسی گھر میں رکھنا میں بہت جلد آ رہی ہوں۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

تو پھر ٹھیک ہے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ ماریا سے بھی ملاقات ہو گئی۔ اب ہم اکٹھے اس ملک کو چھوڑ سکیں گے میرا خیال ہے ہمیں اس جگہ رہ کر ماریا کا انتظار کر لینا چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے عنبر بھائی۔ ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں ہماری تو بہت بڑی مشکل اس فقیر نے حل کر دی۔

فقیر جاسوس دل ہی دل میں بڑا خوش ہو رہا تھا۔ کہ ان کی مشکل کہاں حل ہوئی ہے وہ تو ایک مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ پاگل فقیر گوریلے کو یہ خبر ہی نہیں تھی کہ جن لوگوں کو وہ معمولی سمجھ کر قید کرنے کی

کوشش کر رہا تھا وہ کتنی بڑی طاقتوں کے مالک ہیں۔

فقیر گوریلا بولا:

اب کیا حکم ہے ان دونوں کے ساتھ کیا کیا جائے اور ماریا کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے وہ بھی تو اسی حویلی کے نیچے تہہ خانے میں قید ہے۔ اگر عنبر اور ناگ کو معلوم ہو گیا کہ اسی مکان میں ماریا بھی قید ہے تو وہ اسے ضرور چھڑا لیں گے۔ اور پھر وہاں سے بھاگ جائیں گے۔ میں ان کی زبان سے سنا ہے کہ وہ ملک چھوڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم اپنے بہادر گوریلوں کی روحوں کا انتقام نہ لے سکیں گے۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے۔ جلدی کرنا ہو گا۔

سوامی بولا:

ابھی کرتے ہیں جو کچھ کرنا ہے فکر نہ کرو۔ مجھے صرف سوچنے دو تم نے حالات کو دوسرے رخ پر ڈال دیا ہے۔ ورنہ اگر تم نے دونوں کو

الگ الگ تہہ خانوں میں بند کیا ہوتا تو ہمارے لئے بڑا آسان تھا کہ ہم تینوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالتے۔ اب کوئی دوسری چال سوچنی پڑے گی۔

فقیر کوریا! کہنے لگا۔

تم بعد میں سوچنا پہلے میری ایک ترکیب سنو۔

سواتا نے پوچھا۔

کون سی ترکیب۔

فقیر کوریا بولا!۔

میری ترکیب یہ ہے کہ عنبر اور ناگ کو بھی کسی طرح مکان کے اندر بند کر کے مکان کو آگ لگا دی جائے۔ اب وہ مکان ویسے بھی ہمارے کسی کام کا نہیں رہا۔ اس میں ہر روز سپاہیوں کے چھاپے پڑتے رہتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ اس طرح اس مکان کی بک بک سے بھی پیچھا چھٹے گا۔ اور ہمارے دشمنوں کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔

سواتا سوچنے لگا اور پھر بولا

مکان کو آگ لگائی تو سارا محلے کا محلہ جل کر راکھ ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں میں مکان میں چھپ کر بیٹھ جاؤں گا تم بہانے بہانے سے ان دونوں کو میری طرف لانا۔ میں خنجر گھونپ کر ان میں سے ایک کا خاتمہ کر دوں گا۔ دوسرے کو تم سنبھال لینا۔

فقیر کوریا بولا!۔

یہ بہتر چال معلوم ہوتی ہے ایسا ہی کرتے ہیں میرا خیال ہے تم ابھی میرے ساتھ چلو شام کو ہی سیاہی پھیل رہی ہے۔ ہم ان دونوں کو ہلاک کرنے کے بعد رات کے اندھیرے میں لاشیں تالاب میں پھینک آئیں گے۔

سوداما بولا

چلو میرے ساتھ۔

یہ ایک بڑی ہی خوفناک سازش تھی اور اگر عنبر اور ناگ میں خفیہ طاقتیں نہ ہوتیں تو ان کی موت یقینی تھی مگر احمق فقیہ جاسوس اور سوداما کو یہ علم نہ تھا کہ وہ کن لوگوں سے ٹکر لے رہے ہیں۔ وہ تو ایک طرح سے اپنی موت کو دعوت دے رہے تھے۔ اور یہ تھا بھی سچ اس میں صرف ایک خطرہ تھا کہ اگر غلطی سے ناگ پہلے سامنے آ گیا۔ اور خنجر اسے لگ گیا تو اس کا شدید زخمی ہو جانا یقینی تھا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ سوداما اور فقیر گوریا بھی نہیں بچ سکتے تھے۔ ان کو کیا عنبر ہی ختم کر دینے کے لئے کافی تھا۔

ادھر حویلی کے اندر عنبر اور ناگ کمرے میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ناگ کہہ رہا تھا۔

ابھی تک ماریا نہیں آئی خدا خیر کرے۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے۔ بس آ ہی رہی ہوگی۔ مگر وہ کہاں چلی گئی؟ آخر اسے اس اجنبی شہر میں کون سا ایسا ضروری کام پڑ گیا؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

ناگ بولا

یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ بہر حال ہمیں تو انتظار کرنا ہی ہوگا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور فقیر گوریا اندر داخل ہوا اور بولا

عنبر بھائی ماریا آ گئی ہے۔ وہ باہر کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے مجھے

اس مکان سے خوف محسوس ہوتا ہے میں اندر نہیں جاؤں گی میرے بھائیوں سے کہو کہ وہ باہر آ جائیں۔

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔

یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ہم باہر چل کر ماریا سے مل لیتے ہیں۔

آگے آگے عنبر اور پیچھے پیچھے ناگ دونوں فقیر گوریلے کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئے۔

باہر ایک راہداری سی تھی جس میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ فقیر جان بوجھ کر انہیں اس طرف لایا تھا کیونکہ راستے میں ایک جگہ دیوار کے پیچھے سوانا گوریلا خنجر لیے چھپا ہوا تھا۔

جونہی فقیر جاسوس عنبر کو ساتھ لے کر اس دیوار کے قریب سے گزرا سوانا نے پوری طاقت سے چمکتا ہوا تیز دھار خنجر عنبر کی گردن میں سارے کا سارا گھونپ دیا۔

اس کے ساتھ ہی فقیر گوریلے نے ناگ پر چھپا مار کر حملہ کر دیا۔

عنبر اور ناگ فوراً سمجھ گئے کہ ان کو دھوکے سے جال میں پھنسایا گیا ہے۔ عنبر نے خنجر اپنی گردن میں ہی رہنے دیا اور سوانا کے جبڑے پر اس زور سے گھونسہ مارا کہ وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ دوسری طرف سے ناگ نے ایک زوردار پھنکار ماری اور یک لخت سانپ کی جون میں آ گیا۔ اس نے سانپ کو جون میں آتے ہی فقیر کو پوری طاقت سے دانت مار کر ڈس دیا۔ عنبر نے جلدی سے جیب میں سے پھر نکال کر کونے میں لگی ہوئی شمع جلا دی۔

فقیر جاسوس زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ سانپ کے زہر نے اپنا اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا رنگ نیلا پڑ رہا تھا۔ دوسری طرف سوانا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ناگ دوبارہ انسانی جون میں آ چکا تھا۔

سوانا نے اٹھ کر روشنی میں جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر اس کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عنبر کی گردن میں پورا خنجر گھسا ہوا تھا۔ اور وہاں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہہ رہا تھا۔ نیچے اس کا ساتھی زہر کے اثر سے نیلا پڑ کر دم توڑ رہا تھا۔

عنبر نے ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن میں سے خنجر کھینچ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس کرامت کو دیکھ کر سوانا اور زیادہ ششدر رہ گیا۔ خنجر سوانا کی گردن پر رکھ کر عنبر نے کہا۔

بولو ماریا کہاں ہے؟

یہاں اب سوانا گوریا کی بہادری دکھانے کا وقت تھا۔ یہاں عنبر غلطی کھا گیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ منگول گوریلے مر جاتے ہیں۔ مگر دل کا راز کسی سے نہیں کہتے۔ سوانا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عنبر کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا مگر اسے کبھی نہیں بتائے گا کہ ماریا اسی حویلی کے تہہ خانے میں قید ہے۔ عنبر سوانا کو گھسیٹ کر کمرے میں لے گیا اور

اس نے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ تھا۔ انہوں نے پوچھ پوچھ کر اپنا سر خالی کر لیا مگر مجال کہ سوانا اپنی زبان سے ایک لفظ بھی کہا وہ عنبر اور ناگ تنگ آ گئے۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے عنبر اس شخص کو واقعی معلوم نہیں ہے کہ ماریا کہاں ہے اگر اسے معلوم ہوتا تو جتنی اذیت ہم نے اسے دی ہے یہ ضرور بک پڑتا۔

عنبر بولا۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔

عنبر نے سوانا کو دراصل پہچانا نہیں تھا۔ کہ یہ سوانا ہے اس نے سوانا کی گردن پر ایک زوردار مکا مارتے ہوئے کہا۔

بھاگ جاؤ۔ یہاں سے خبردار جو پھر کبھی اس طرف کا رخ بھی کیا

۔ اس شہر کا دانہ پانی تم پر حرام ہے۔ اگر ہم نے تمہیں یہاں پھر کبھی دیکھا تو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے ساتھی کا ہوا ہے۔

سوانا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میں پھر کبھی اس شہر میں نہیں آؤں گا۔ کسی دوسرے شہر چلا جاؤں گا ۔ آپ کو میں نے غلط سمجھا تھا۔ آپ لوگ تو دیوتا ہیں۔ میری خطا معاف کر دیں۔

اور سوانا جھک کر دونوں کو سلام کر کے باہر نکل گیا۔ حویلی سے باہر آتے ہی وہ بھاگ اٹھا۔ اس کی واقعی جان بچ گئی تھی۔ اسے ہرگز یہ امید نہیں تھی۔ کہ یہ لوگ اسے زندہ چھوڑ دیں گے۔ اول تو اسے پوری توقع تھی کہ عنبر اور ناگ اسے پہچان لیں گے اور وہیں قتل کر دیں گے۔ لیکن نہ صرف کہ انہوں نے سوانا کو پہچانا نہیں تھا بلکہ اسے معاف بھی کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھے کہ گوریلوں نے ان لوگوں کو کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اور ان کا براہ راست گوریلوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ بھاگتا ہوا سیدھا اپنے شہر کے باہر والے مکان میں پہنچا دروازہ بند کر کے وہ چارپائی پر گر پڑا اور سوچنے لگا کہ اب وہ ماریا کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ صبح پہلی فرصت میں اسے جا کر ختم کر دے گا۔ اپنے دوست فقیر گوریلے کی موت کا بدلہ وہ اب ماریا سے لے گا۔

ادھر سوانا یہ سازش کر رہا تھا۔ ادھر عنبر اور ناگ حویلی میں رات بسر کرنے کی سوچ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ رات بسر کرنے کے بعد صبح سویرے وہاں سے اپنے شہر والے مکان میں چلے جائیں گے۔ اور ہر روز شہر کے باہر والے دروازے پر جا کر ماریا کے

آنے کی راہ دیکھا کریں گے۔ انہیں کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ اسی حویلی کے تہہ خانے میں ماریا بے چاری بے یارو مددگار پڑی ہے۔

صبح ہوتے ہی وہ دونوں شہر چلے گئے۔ اور سوانا اپنے ساتھی کے قتل کا بدلہ لینے گھر سے نکل کر حویلی کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہ اس وقت بھی اس بات پر بڑا خوش تھا کہ ماریا اس کی قید میں ہے اور دوسری بات یہ کہ عنبر اور ناگ نے اسے پہچانا نہیں۔ ورنہ اس وقت وہ دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوتا۔

حویلی کے دروازے پر آ کر وہ رک گیا۔ اس نے احتیاط کی وجہ سے ادھر ادھر دیکھا جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں جو اسے دیکھ رہا ہو تو حویلی کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا اس کا خیال تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ مگر ایک آدمی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اور وہ آدمی تھا موٹے مالک کا نمک حلال نوکر جس نے ایک بار ماریہ کی جان بچائی

تھی۔ اس نے دور سے اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے باہر کھڑے کھڑے دیکھا کہ سوانا جو کہ گنڈپ اور سوانگ کے ساتھ کبھی کبھی وہاں آیا کرتا تھا بڑے پراسرار انداز میں حویلی میں داخل ہو رہا ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ یہ شخص کس مقصد کے لئے اس جگہ گیا ہے؟

نوکر سوچتا رہا سوچتا رہا۔ مگر چونکہ آدمی سیدھا سادا تھا۔ کچھ سمجھ نہ سکا اور سر کو جھٹک کر یہ خیال کر کے مکان سے باہر آ گیا کہ ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی کام سے اندر گیا ہو۔ نوکر باہر گلی میں آ کر اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے باہر بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ کر کھجوروں کی گٹھلیاں دھونے لگا۔ وہ کھجوروں کی گٹھلیوں کو دھو کر انہیں پیس کر ایک دوا تیار کر رہا تھا۔

اس وقت اس کا موٹا مالک گھر کے اندر گہری نیند سو رہا تھا۔

اب ذرا تہہ خانے میں چل کر دیکھتے ہیں کہ ماریہ کس حال میں ہے۔

سوانا بری نیت سے لے کر تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تہہ خانے کی دیوار کے سوراخ میں سے جو کہ اس کا اکیلا روشن دان تھا۔ اندر چیتھڑوں کا آگ لگا کر پھینک دے گا۔ ساتھ ہی سوراخ کو بند کر دے گا۔ تہہ خانے میں دھواں بھر جائیگا۔ اور اس طرح دم گھٹنے سے ماریا ختم ہو جائے گی۔ اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائیگا۔ چنانچہ سوانا باورچی خانے میں پہنچا۔ وہاں اس نے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں کا ایک گولا سا بنایا۔ اسے زیتون کے تیل میں بھگویا۔ اسے آگ لگا کر پھونک مار کر بجھایا اور سے لے کر تہہ خانے والے روشن دان کے پاس آ گیا۔ چیتھڑوں کو پھونک مار کر بجھا دینے سے ان میں سے مسلسل دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے تھے جو کہ سخت کڑوا اور بدبودار دھواں تھا۔ روشن دان کے قریب آ کر سوانا نے وہ دھواں چھوڑتا گولا اندر پھینک دیا۔

ماریا تہہ خانے کی دیوار کے ساتھ لگ کر خاموش اور اداس بیٹھی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ روشن دان کے سوراخ میں سے ایک گولا نیچے گرا ہے جس میں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ تو وہ پہلے تو ڈر گئی۔ کہ یہ کیا بلا نیچے آ گئی ہے۔ پھر وہ اٹھ کر دھواں اگلتے گولے کے پاس آئی اور اسے پاؤں مار مار کر بجھانے لگی۔ مگر وہ کمبخت ایسا گولا تھا۔ کہ جوں جوں وہ اسے بجھاتی اس میں سے اور دھواں نکلنے لگتا۔

ماریا نے کھانسنا شروع کر دیا۔

باہر کھڑے سوانا کو ماریا کے زور زور سے کھانسنے کی آواز آئی تو وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اور روشن دان کے ساتھ منہ لگا کر بولا۔

یہ ہے میرا انتقام اے نیچ عورت میں نے اپنے ساتھی کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے۔ تمہارے بھائی یہاں آئے تھے۔ بلکہ میں انہیں دھوکے سے یہاں لایا تھا۔ انہوں نے میرے دوست کو ہلاک کر ڈالا

۔ میں اس کی موت کا تم سے بدلا لے رہا ہوں۔ اب تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتی۔ یہ دھواں تمہاری موت کو تمہارے قریب کر دے گا۔ ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔

ماریا بے چاری پریشان ہوگئی۔ وہ سچ مچ موت کے پھندے میں پھنس گئی تھی۔ دھوئیں سے تہہ خانہ آہستہ آہستہ بھرنا شروع ہوگیا تھا۔ یہ دھواں بے حد کڑوا اور کسیلا تھا۔ اس میں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک بار تو ماریا کی آنکھوں کے سامنے موت کی شکل گھوم گئی وہ اپنے بھائیوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ کاش ان میں سے کسی کو خبر مل جائے کہ وہ کس حال میں ہے۔

ماریا کے بھائیوں کو تو خبر نہ مل سکی مگر اتفاق سے تخت پوش پر کھجور کی گٹھلیاں دھوتے ہوئے نمک حلال نوکر کو ناک میں کڑوے دھوئیں کی تیز بو محسوس ہوئی۔ اس نے سوچا یہ دھوئیں کی بو کس طرف سے آئی

ہے۔؟ شاید کوئی گھر میں آگ جلا رہا ہوگا۔ وہ خود ہی یہ خیال کر کے چپکے سے بیٹھا رہا۔ ادھر تہہ خانے میں دھواں بھرنا شروع ہوگیا تھا۔ اور ماریا کے لئے سانس لینا مشکل ہونے لگا تھا۔ وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی۔ اور خدا سے دعا کر رہی تھی کہ یا خدا میں بیگناہ ہوں تو مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔

آخر خدا نے ماریا کی دعا قبول کر لی اور تخت پوش پر بیٹھے کام کرتے نمک حلال نوکر نے محسوس کیا کہ دھواں کہاں سے آ رہا ہے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ گنڈ سپ حویلی کی پچھلی گلی میں سے دھوئیں کی ہلکی ہلکی سی لکیر اٹھ کر آسمان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ ہوشیار ہوگیا اب اسے سوانا کا بھی خیال آیا کہ وہ کس نیت سے تہہ خانے میں گیا تھا۔ کہیں وہ حویلی کو آگ تو نہیں لگا رہا؟

اگر اس نے پاگل پن میں آکر حویلی کو آگ لگا دی تو یہ سارا محلہ

جل کر راکھ ہو جائے گا۔ نوکر تیزی سے اٹھ کر حویلی کے پچھواڑے والی گلی میں آ گیا۔ جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس نے کیا دیکھا کہ دھوئیں کی ایک لکیر سی تہہ خانے کے روشندان میں سے نکل رہی ہے۔

اس نے روشندان کے پاس آ کر اس پر دو تین ہاتھ مارے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ ٹوٹا ہوا تو نہیں ہے پھر اس نے روشندان میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی کہ کہیں اندر آگ تو نہیں لگی ہوئی ٹھیک اس وقت ماریا کو زور سے کھانسی آ گئی۔ اوپر روشن دان کے سوراخ سے لگے لگے نوکر نے کسی عورت کی کھانسی کی آواز سنی تو بڑا چونکا کہ یہ عورت کی آواز نیچے سے کہاں سے آ گئی۔ کیونکہ ان لوگوں کے گھر میں تو ایک مدت سے کبھی کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ اس نے کان لگا کر غور سے سنا۔ عورت کے کھانسنے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ نوکر نے

منہ روشندان کے ساتھ لگا کر آواز دی۔

نیچے کون ہے؟

ماریا نے جو اوپر سے کسی کی آواز سنی تو بولی۔

میں ہوں۔ خدا کے لئے میری جان بچاؤ۔

نوکر نے ماریا کی آواز پہچان لی۔

کیا یہ تم ہو نیک دل دیوی؟

ہاں۔ یہ میں ہی ہوں جلدی سے نیچے آؤ اور مجھے یہاں سے نکالو۔

نوکر بولا۔

ابھی آیا نیک دیوی ابھی آیا گھبراؤ نہیں۔

نوکر چھلانگ لگا کر حویلی کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ یہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ صحن اور وہاں سے اس دروازے پر آ گیا جو نیچے

جانے والی سیڑھیوں میں کھلتا ہے۔ یہ دروازہ بند تھا۔ اور باہر تالا لگا ہوا تھا۔ سوال اس دروازے کو بند کر گیا تھا۔ نوکر تالے کو دیکھ کر ایک پل کے لئے تو پریشان ہو گیا۔

پھر جلدی سے پتھر یا کوئی ایسی شے تلاش کرنے لگا جس کی مدد سے وہ اس تالے کو توڑ سکے۔

وہ لپک کر باورچی خانے میں آ گیا۔ وہ چونکہ گنڈپ کا ہمسایہ تھا اس لئے اس کے گھر چپے چپے کی خبر تھی یہاں سے وہ لوہے کی سلاخ لے کر بھاگتا ہوا باورچی خانے سے باہر آ گیا۔ سلاخ کو اس نے کنڈے کے اندر ڈالا اور پوری طاقت لگا کر اسے اپنی طرف کھینچ دیا۔ کھینچتے ہی کنڈی تالے سمیت دروازے سے باہر نکل کر گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی نوکر بھی نیچے گر پڑا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور دروازہ کھول کر تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا تہہ خانے کے دروازے پر آ گیا۔

اس دروازے پر بھی تالا لگا ہوا تھا۔

نوکر بھاگتا ہوا اوپر گیا اور دوپر سے ہی سلاخ لے کر نیچے آ گیا۔ اس کی مدد سے اس نے تالا توڑ دیا اور دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ دروازے کا کھلنا تھا کہ دھوئیں کا بادل نکلنے لگا نوکر نے ماریا کو آواز دی۔

نیک دیوی تم کہاں ہو۔ کیا تم زندہ ہو؟

ماریا ایک کونے میں لگ کر ناک کے آگے کپڑا رکھے بیٹھی تھی۔

اس نے کھانستے ہوئے کہا۔

ہاں میں زندہ ہوں بھائی۔

نوکر بولا۔

باہر نکل آؤ بہن دروازہ کھلا ہے

ماریہ نے دیکھا کہ کمرے میں سے دھواں کافی نکل چکا تھا اور

دروازے میں سے روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ لپک کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کھانستے کھانستے وہ فرش پر بیٹھ گئی اور بولی۔

بھائی پانی پلاؤ۔

نوکر بھاگ کر باورچی خانے میں گیا اور کٹورے میں پانی بھر کر لے آیا۔

یہ لو پانی میں کہاں رکھوں؟ مجھے تم دکھائی نہیں دے رہیں۔

ماریہ نے کہا۔

جہاں تم کھڑے ہو وہیں رکھ دو۔

نوکر نے اسی جگہ پانی سے بھرا ہوا کٹورا رکھ دیا اور خود پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کٹورا ایک دم غائب ہو گیا۔ ماریہ نے کٹورا اٹھا لیا تھا۔ اور اب وہ اس سے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ ماریہ کو پانی کے چھینٹے اور غرارے کرنے سے کچھ ہوش آیا اس نے

کٹورا زمین پر رکھ دیا اور بولی۔

تم نے میری ایک بار پھر جان بچائی ہے بھائی میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ یہ شخص جس نے مجھے اس تہہ خانے میں بند کر کے دھواں بھر دیا کون تھا۔ اور کہاں پر رہتا ہے۔

نوکر نے کہا۔

بہن۔ پہلے تم اوپر چل کر کچھ دیر آرام کرو۔ کھانا وغیرہ کھاؤ۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔

ماریہ نے کہا۔

میں اس آدمی کو اس کے گھر کو خوب جانتا ہوں بہن مگر پہلے تم اوپر چل کر کچھ کھا لو۔

ماریہ نوکر کے ساتھ اوپر حویلی کے کمرے میں آ گئی۔

وہ بستر پر آرام سے لیٹ گئی۔ اور نوکر اپنے گھر کی طرف کھانا لینے

چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ طشت میں ماریا کے لئے کچھ پھل روٹی اور دودھ لے کر آ گیا۔ ماریا نے بڑے شوق سے کھانا کھایا دودھ پیا اور خدا کا شکریہ ادا کرنے کے بعد نمک حلال نوکر کا بھی شکریہ ادا کیا پھر اس نے دشمن کے بارے میں پوچھا جس نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ نوکر نے کہا۔

نیک دل بہن جس شخصیت نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نام سوانا ہے اور وہ یہاں سے دو محلے چھوڑ کر ایک گلی میں رہتا ہے۔ وہ بھی یقیناً گنڈپ اور سوانگ سے ملا ہوا تھا۔ ضرور اسی نے تمہارے بھائیوں کو یہاں دھوکے سے بلایا ہوگا اور پھر تمہیں تہہ خانے میں بند کر کے اندر دھوئیں سے بھرے ہوئے چیتھڑے پھینکے ہوں گے۔ کیونکہ میں نے اسے صبح اس حویلی کے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ میں نے اس کا پیچھا بھی کیا تھا۔ مگر وہ تہہ خانے کے

دروازے کو اندر سے بند کر کے نیچے اتر گیا تھا۔

ماریا نے پوچھا۔

اس شخص کی نشانی کیا ہے؟

نوکر نے کہا

اس کا سر گنجا ہے اور لوگ اسے سوانا چاچا کے نام سے پکارتے ہیں وہ ذرا لنگڑا کر چلتا ہے اور بڑا باتونی ہے بڑی باتیں کرتا ہے۔

ماریا نے پوچھا۔

اس کا مکان کس قسم کا ہے اور یہاں سے کتنی دور ہے۔ میں اگر وہاں جاؤں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ یہ سوانا ہی کا مکان ہے؟

نوکر نے کہا۔

میری نیک بہن تمہیں اس طرح پتہ نہ چل سکے گا۔ کیوں نہ میں تمہارے ساتھ چل کر تمہیں سوانا اپنے سامنے کھڑا دکھا دوں؟

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

اس سے بڑھ کر اور کونسی اچھی بات ہو سکتی ہے۔ اگر تم مجھے چل کر اشارے سے بتا دو کہ یہی وہ شخص ہے جس نے میری جان لینے کی کوشش کی تو میں تمہاری بے حد شکر گزار رہوں گی۔

نوکر بولا۔

میرے ساتھ آؤ بہن میں تمہیں سوان کے مکان پر لئے چلتا ہوں۔ تم میرے پیچھے پیچھے چلتی چلی آؤ۔

بہت اچھا میرے بھائی۔

اور ماریا نوکر کے ساتھ حویلی سے باہر نکل آئی۔

سوان کا مکان شہر کے ایک گنجان آباد حصے میں تھا۔ یہ علاقہ اگرچہ گنجان تھا مگر شہر کے کنارے پر تھا۔ اور دیوار کے پرلی جانب کھلے کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ ماریا کو لے کر نوکر آگے چل رہا تھا۔ وہ ماریا کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر اسے اتنا معلوم تھا کہ ماریا اس کے ساتھ ساتھ پیچھے چلی آ رہی ہے۔ ایک جگہ گلی کا موڑ گھومتے ہوئے نوکر رک گیا۔ ماریا نے قریب آ کر کہا۔

میرے بھائی فکر نہ کرو۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے چل رہی ہوں۔

ٹھیک ہے۔

نوکر پھر چل پڑا۔ چلتے چلتے آخر وہ اس بستی میں آ گئے جو شہر کے

کنارے پر تھی اور جس کی ایک گلی میں سوانا کا گھر تھا۔ نوکر گھر کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا بھی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ نوکر نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے ایک آدمی نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔

کون ہے؟

نوکر نے کہا۔

مالک گھر پر نہیں ہیں کیا؟

وہ آدمی بولا۔

نہیں

اور اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ نوکر بے چارہ اس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر نوکر کے کان میں کہا۔

میرے بھائی سوانا کا مکان یہی ہے ناں؟

نوکر بولا۔

ہاں۔ ماریا بہن سوانا کا مکان یہی ہے۔

ماریا کہنے لگی۔

تو پھر بے شک چلے جاؤ۔ اب میں جانوں اور میرا کام تم جا کر آرام کرو۔

اگر تمہاری خواہش ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔ اگر تم کہو تو میں اس وقت تک تمہارے پاس ہی رہوں گا۔ جب تک کہ وہ بدبخت سوانا نہیں آ جاتا۔

نہیں بھائی۔ تم واپس چلے جاؤ۔ اب تمہارا کام ختم ہوتا ہے۔ اب میرا کام شروع ہو گا۔ میں اپنا کام اچھی طرح جانتی ہوں۔

نوکر چلا گیا۔ ماریا وہاں گلی میں اکیلی رہ گئی۔ گلی میں کبھی کبھی کوئی انسان گزر جاتا تھا۔ ورنہ وہ سنسان تھی۔ ماریا کو شرارت سوجھی اس

نے دروازے پہ دستک دی۔ اس آدمی نے ایک بار پھر دروازہ کھولا کون بدتمیز ہے۔

ماریا خاموش رہی۔ اس آدمی نے گلی میں ادھر ادھر جھانک کر دیکھا وہاں اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔

ماریا نے ایک بار پھر دستک دی۔ آدمی نے پھر دروازہ کھولا۔ اب وہ بڑ غصے میں تھا۔ وہ دروازے میں سے نکل کر گلی میں آ گیا اور بولا۔

کون الو کا پٹھا ہے؟

ماریا اسی گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ جوں ہی وہ دروازے کو چھوڑ کر گلی میں آیا۔ ماریا جلدی سے مکان کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک ڈیوڑھی تھی۔ ڈیوڑھی میں سے گزر کر ایک صحن آ گیا۔ جیسا کہ اس زمانے میں گھر ہوا کرتے تھے۔ یہ ویسا ہی ایک گھر تھا صحن میں ایک فوارہ لگا تھا جہاں سے پانی نہیں نکل رہا تھا۔ فوارے میں زنگ لگا تھا۔

آمنے سامنے دو کمرے تھے۔

ماریا ایک کمرے کے پاس آ گئی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ باہر تالا لگا تھا۔ ماریا کمرے کے قریب آ گئی۔ یہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا کو جانے کیا سوجھی کہ اس نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ اس عرصے میں وہ نوکر نما آدمی ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر کے سیڑھی چڑھ کر دوسری منزل میں چلا گیا تھا۔ ماریا نے آہستہ سے دروازے پر دوسری بار دستک دی۔ اندر سے کسی نے ہولے سے کنڈی کھولی اور دروازے میں ایک ڈاکو قسم کی سرخ آنکھوں والا چہرہ نمودار ہوا۔

کیا سوانا آ گیا؟

ماریا خاموش ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ خونخوار آنکھوں والا ڈاکو شاید یہ سمجھا تھا کہ گھر کے ملازم نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ باہر تو کوئی بھی نہیں ہے تو وہ بڑا حیران سا ہوا۔

اور دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔ ماریا نے دروازے پر کان لگا دیئے کرتے تو سہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ اسے ایک لڑکی کے سسکیاں بھرنے کی آواز آئی۔ وہ چوکنی ہو گئی۔ یہ اندر لڑکی کون ہے۔ یہ لڑکی رو کیوں رہی ہے؟ ضرور ان لوگوں نے اس بے چاری کو زبردستی پکڑ کر گھر میں بند کر رکھا ہو گا۔ اس کا پتہ چلانا چاہیے۔ ماریا نے اب کر یہ کیا کہ اینٹ اٹھا کر زور سے صحن میں ماری اینٹ کے شور کی وجہ سے اوپر سے ملازم نے آواز دی۔

کون ہے نیچے؟

اور اس کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بھی کھل گیا اور ڈاکو قسم کے آدمی نے باہر نکل کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ارے یہ کس الو کے پٹھے نے اینٹ پھینکی ہے۔

اب نوکر بھی نیچے آ گیا۔ اور نوکر آپس میں حیرانی سے دیکھتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔

یہ کس نے اینٹ پھینکی تھی؟

جناب میں خود حیران ہوں۔

کم بخت تمہارے ہمسائے بڑے ذلیل لوگ ہیں یہ اینٹ ہمسائے کی طرف سے آئی ہے۔ ورنہ یہاں کون اینٹ پھینک سکتا ہے؟ باہر تو ہم دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔

نوکر نے کہا۔

جناب میں ابھی جا کر معلوم کرتا ہوں۔

نہیں نہیں اس وقت رہنے دو پھر جا کر معلوم کر لینا۔ ابھی سونا بھی نہیں آیا اس کو آ لینے دو۔

بہتر جناب۔

نوکر اوپر چلا گیا اور ڈاکو قسم کا آدمی کمرے کے اندر چلا گیا۔

اس عرصے میں ماریا کمرے کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اس نے اندر جا کر دیکھا کہ کمرے میں سرخ رنگ کا ایک قالین بچھا ہے۔ اس تخت پر ایک خوش شکل بھولی بھالی سی لڑکی لیٹی رو رہی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر بندھے ہوئے ہیں۔ ماریا اسے دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس کا خیال ٹھیک تھا۔ ان لوگوں نے اس لڑکی کو کہیں سے زبردستی اغوا کیا ہے۔ اور اب یا تو اسے کسی جگہ فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یا اس کے باپ سے بھاری رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ماریا اس لڑکی کے سرہانے کی طرف جا کر قالین پر چپکے سے بیٹھ گئی اور یہ دیکھنے لگی کہ وہ ڈاکو اندر آ کر اس سے کس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ ڈاکو اندر آ کر لڑکی کے پاس تخت پر بیٹھ گیا اور نفرت سے کہنے لگا۔

اگر تم نے رونا دھونا بند نہ کیا تو ہم تمہارے جسم کے ٹکڑے کر کے

انہیں چیل کوؤں کے آگے ڈال دیں گے۔

لڑکی بس روئے جا رہی تھی ڈاکو نے پھر گرج کر کہا۔

سوانا کو آ لینے دو۔ میں ابھی تمہیں چھری سے ذبح کرتا ہوں۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈاکو قسم کے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اندر سوانا داخل ہوا۔ ماریا کا خون اسے دیکھ کر کھول اٹھا۔ یہ اس کا دشمن تھا جس نے ماریا کو دو بار ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔ لیکن وہ ہر بار بچ گئی تھی سوانا کو دیکھ کر ڈاکو بولا۔

سنو سوانا۔ یہ لڑکی اپنی ضد نہیں چھوڑتی۔ بس روئے جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے آج رات اگر اس نے رونا بند نہ کیا تو صبح اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال دیں گے۔

سوانا نے تیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

ٹھیک ہے تمہیں پورا حق حاصل ہے دوست تم اس لڑکی کے ساتھ

جو چاہو سلوک کر سکتے ہو۔ میں اس میں کوئی دخل نہیں دوں گا۔

ڈاکو بولا۔

ٹھیک ہے میں آج رات کو ہی اس کا کام تمام کر دوں گا۔ اس بک بک جھک جھک سے تو بہتر ہے ہم اس کا خاتمہ کر دیں کیونکہ یہ لڑکی ہمیں بہت تنگ کرے گی اور ہو سکتا ہے ہمارا بھانڈا ہی پھوڑ دے۔

سواتا کہنے لگا۔

میرا خیال ہے ہمیں ایک موقع اسے دینا چاہیے ہم اسے زرطاش کے حوالے کر دیتے ہیں اس سے اشرفیاں وصول کر لیتے ہیں۔ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔

ڈاکو نے کہا۔

ہاں یہ تجویز بھی ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔

پھر وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔

تمہیں معلوم ہے زرطاش کون ہے؟ وہ ایک بہت خونخوار قسم کا جانور ہے۔ اس نے اب تک سینکڑوں عورتوں کو اغوا کر کے دوسرے شہروں میں لے جا کر غلام بنا کر فروخت کیا ہے۔ اس کی بیچی ہوئی عورتوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں گم ہو گئیں۔

سواتا نے کہا۔

ان عورتوں کو کالے پانیوں کے دور دراز جزیروں میں جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔ وہ عورتیں ہمیشہ کے لئے اپنے گھروں سے الگ کر دی جاتی ہیں۔ ان کے گھر والوں کے لئے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مر جاتی ہیں تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔

اب مظلوم لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

مجھ پر رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔ میرے ماں باپ پر رحم کرو۔ وہ غریب ہیں۔ ان کا اس دنیا میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میرا غم

وہ برداشت نہ کر سکیں گے۔ وہ مر جائیں گے۔

ڈاکو نے قہقہہ لگایا۔

وہ مر جائیں گے۔ تو کیا ہو جائے گا؟ ان کا مر جانا ہی بہتر ہے ہم تم پر بھی رحم نہیں کھا سکتے۔ تم ایک موٹی مچھلی ہو۔ ہم تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم تمہاری بھاری قیمت وصول کریں گے۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں اسی وقت قتل کر دیں گے۔

مظلوم لڑکی سسکیاں بھرنے لگی۔

سوانا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

تم ہزار کوشش کرو۔ مگر ساری زندگی یہاں سے بھاگنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تم اب زندگی بھر کے لئے قید خانے میں آ گئی ہو۔ یہ گھر ایک قلعہ ہے جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔

ڈاکو نے کہا۔

سوانا اس غیبی عورت کا کیا بنا؟ تم نے بتایا ہی نہیں؟

سوانا بولا۔

اسے میں کمرے میں بند کر کے اندر دھواں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ اب تک ہلاک ہو چکی ہو گی۔

ڈاکو نے کہا۔

بہت اچھا ہوا کہ اس غیبی عورت سے بھی پیچھا چھوٹا۔ کم بخت نے پریشان کر رکھا تھا۔ کہیں دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی کہاں کھڑی ہے اور ابھی کہاں بیٹھی ہے۔

سوانا نے کہا۔

بھائی میرا نام بھی سوانا ہے۔ میں نے اپنے بہادر ساتھی کی موت کا اس ٹھیک ٹھیک بدلہ لینا تھا۔ سو لے لیا۔ مگر ابھی ہمارے دو دشمن اسی شہر میں باقی ہیں۔ ایک عنبر اور دوسرا ناگ ابھی ان دونوں کو بھی ختم کرنا

ہے کم بختوں کا پتہ نہیں چل رہا کہ وہ شہر میں کس جگہ پہ ہیں۔

ڈاکو فرش پہ پاؤں مار کر بولا۔

فکر نہ کرو وہ ہمارے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے ہم انہیں نکال کر باہر لے آئیں گے۔

سوانا نے کہا۔

مگر یار ایک تو جوان جادوگر ہے۔ جس وقت چاہے سانپ بن جاتا ہے اور دوسرے پہ خنجر کا بھی زخم نہیں لگتا۔

ڈاکو بولا۔

یہ سب بکواس ہے۔ میں انہیں دیکھ لوں گا۔ میرے ہتھے ایک بار چڑھ گئے تو دیکھنا ایسا تگنی کا ناچ نچاؤں گا کہ ساری جادوگری بھول جائیں گے۔

سوانا بولا۔

ایسا ہی ہوگا۔

ڈاکو نے کہا۔

چلو اب ہم چل کر کھانا کھا لیں۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

چلو۔

دونوں ڈاکو باہر نکل گئے۔

اب کمرے میں ماریا اور وہ مظلوم لڑکی اکیلی رہ گئی۔ فرق صرف یہ تھا کہ مظلوم لڑکی کو یہ نہیں پتہ تھا۔ کہ اس کمرے میں ایک اور لڑکی ماریا بھی موجود ہے۔ جو اس کی ہمدرد ہے اور اسکی مددگار بن کر وہاں آئی ہے۔ لڑکی بے چاری تخت پوش پر بندھی پڑی تھی سسکیاں بھر کر روئے جا رہی تھی۔ ماریا اس کے قریب آ کر تخت پوش پر بیٹھ گئی۔

لڑکی نے محسوس کیا کہ کوئی شخص اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا ہے۔ مگر اسے کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایک دم چپ ہو گئی

اب اسے اپنے جسم کے ساتھ کسی کا جسم لگتا محسوس ہوا۔ وہ کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔ ماریا نے اسے پریشان کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اس نے کہا۔

اے مظلوم لڑکی میری آواز سن کر حیران مت ہونا۔ میں تمہاری ہمدرد بن کر یہاں آئی ہوں۔

آواز سن کر مظلوم لڑکی کا رنگ خوف سے زرد پڑ گیا۔

کون کون ہو تم؟

ماریا نے کہا۔

میں وہی غیبی عورت ہوں جس کا ذکر یہ لوگ ابھی کر رہے تھے۔ میں نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔ ان لوگوں کی دشمن ہوں۔ مجھ سے خوف مت کھاؤ۔ میں بھی تمہاری طرح ایک لڑکی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں نظر نہیں آ سکتی۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔

مظلوم لڑکی نے پوچھا۔

مگر۔ مگر تم غائب کیوں ہو؟

ماریا نے آہ بھر کر کہا۔

یہ ایک راز ہے۔ گہرا راز۔۔۔۔۔ تم یوں سمجھ لو کہ مجھے کسی بہت بڑے جادوگر نے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے۔ اگر میں تمہیں نظر آ جاؤں تو تم دیکھو گی کہ میں بھی تمہاری طرح ایک لڑکی ہوں اور تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مظلوم لڑکی نے کہا۔

دیوتا تم پر مہربان ہو میری نیک دل بہن۔ میری مدد کرو اور مجھے یہاں سے نکال کر میرے ماں باپ کے پاس لے چلو۔ وہ میری

جدائی میں غم سے مر جائیں گے۔

ماریہ نے کہا۔

فکر نہ کرو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی مگر اس لئے ذرا عقلمندی سے کام لینا ہوگا۔ تم ذرا صبر کرو۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور سوانا اور ڈاکو اندر آ گئے۔ وہ کھانا کھا چکے تھے۔ ماریہ تخت پوش سے چپکے سے اٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔ سوانا اور ڈاکو آپس میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر وہ کمرے سے باہر نکل کر باہر سے تالا لگا کر چلے گئے۔ ماریہ بھی کمرے کے اندر پھنس کر رہ گئی۔

سوانا ڈاکو

مظلوم لڑکی اور ماریہ کمرے میں اکیلی رہ گئیں۔

شام سے رات ہوگئی۔ دونوں ایک دوسری سے باتیں کرتی رہیں۔ مظلوم لڑکی نے ماریہ کو بتایا کہ وہ ایک ایسے شہر کے رہنے والی ہے۔ جو یہاں سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلے پر ہے۔

میرے ماں باپ بڑے غریب ہیں۔ میرا باپ بوڑھا ہے مگر پھر بھی کھیتی باڑی کرتا ہے اور ہمارا پیٹ پالتا ہے۔ یہ ڈاکو دو روز پہلے رات کو ہمارے گھر میں آ گئے۔ انہوں نے میرے ماں باپ اور ماں کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اور مجھے زبردستی اٹھا کر یہاں لے آئے۔

اب یہ مجھے یہاں سے دوسرے شہر جا کر غلام بنا کر فروخت کرنا چاہتے

ہیں۔ انہوں نے ایک بار مجھے کسی امیر کے ہاں بیچ دیا تو پھر میرے لئے کبھی وہاں سے بھاگ کر واپس جانا ناممکن ہو جائے گا۔ جانے قسمت مجھے پھر کہاں سے کہاں لے جائے اور کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھروں۔

ماریا نے کہا۔

تم فکر نہ کرو میری بہن میں تمہاری مدد کروں گی اور تمہیں ضرور یہاں سے نکال کر تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا دوں گی

ابھی وہ باتیں کر رہی تھی کہ ایک نوکر کمرے میں کھانا رکھ کر چلا گیا۔ انہوں نے مل کر جوار کی روٹی اور ساگ کی چٹنی کھائی۔ باہر سے کمرے کو تالا لگا دیا گیا تھا۔ ماریہ نے کہا۔

بہن اب صبح ہی یہاں سے نکل سکتے ہیں۔

لڑکی کہنے لگی۔

ماریہ بہن اگر ہم یہاں سے بھاگ گئیں تو یہ ہمارا پیچھا کریں گے۔

گھبراؤ نہیں یہ ہماری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ میں تمہیں اپنے گھوڑے پر بٹھاؤں گی تم مجھے گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ اس کے بعد میری زندگی مسلسل خطرے میں ہوگی۔ یہ ڈاکو جس وقت اور جب چاہیں مجھے وہاں سے اغوا کر کے لئے جا سکیں گے۔ یہ لوگ ایک تلوار بن کر میرے سر پر ہمیشہ لٹکتے رہیں گے۔ اس طرح سے تو میری زندگی عذاب بن کر رہ جائے گی۔

یہ بات تم نے ٹھیک کہی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر میں تمہیں ان پتھر دل خونی ڈاکوؤں کے حوالے نہیں کروں گی۔ میں ان لوگوں کا کام تمام کر کے ہی یہاں سے چلوں گی۔ یہ لوگ خونی قاتل بھی ہیں۔ انہوں نے کئی لوگوں کو قتل کیا ہے۔ یہ ہرگز ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ۔

ان پر رحم کیا جائے۔ انہیں ان کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

باتیں کرتے کرتے لڑکی کو نیند آ گئی وہ سو گئی ماریا بھی کونے میں قالین پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگی۔ وہ کئی روز کی تھکی ہوئی تھی۔ اسے بہت جلد نیند آ گئی۔ اور وہ گہری نیند سو گئی۔ دونوں لڑکیاں کمرے میں سو رہی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک لڑکی نظر آ رہی تھی اور دوسری لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی۔ رات آدھی گزر چکی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور گھر کا مالک اندر داخل ہوا۔

اس کے ہاتھ میں شمع دان تھا۔ جس میں ایک شمع جل رہی تھی۔

لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ سے ماریا کو ٹہوکا دیا اور وہ بھی جاگ پڑی۔ گھر کا مالک آگے بڑھ کر لڑکی کے بستر کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

چلو تمہاری قیمت کا فیصلہ کریں۔ جس شخص کے پاس تجھے فروخت کرنا تھا وہ یہیں گھر پر ہی آ گیا ہے۔

ماریا چوکنی ہو گئی۔

کیا تم لوگ مجھ پر رحم نہیں کرو گے؟ میں بے گناہ ہوں۔ مجھ پر ظلم کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا؟

اس شخص نے ڈانٹ کر کہا۔

خبردار آگے سے بک بک مت کرو۔ جو میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو۔ میرے ساتھ نکل کر چلو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں اسی جگہ ختم کر دیا جائے گا۔

ماریا نے لڑکی کے کان میں آہستہ سے کہا۔

جس طرح یہ لوگ تمہیں کہتے ہیں ویسے ہی کرو۔

لڑکی نے ویسے ہی کیا وہ چپکے سے اٹھ کر گھر کے مالک کے ساتھ چل پڑی۔ ان دونوں کے کمرے سے باہر نکلتے ہی ماریا بھی وہاں

سے باہر آ گئی۔ اور گھر کے مالک اور لڑکی کے پیچھے چلتی دوسری منزل پر ایک کمرے میں آ گئی۔ جس کے فرش پر سرخ رنگ کا ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں سوانا کے علاوہ ایک اور آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس آدمی کی عمر پکی تھی۔ اور سر پر بال گھنگریالے تھے۔ اس کا پیٹ باہر کو پھولا ہوا تھا۔

مگر یہ تو گونگی ہے اور پھر پریشان ہے۔ ظاہر ہے اس کو تم لوگوں نے ابھی غلامی پر راضی نہیں کیا۔ یہ جس گھر میں بھی جائے گی وہاں پریشان رہے گی۔ اور ان لوگوں کو پریشان کرے گی۔ اسے خرید کر مجھے گھر میں کچھ عرصہ اس خوش رہنے کی مشق کرانی ہوگی۔ اس محنت کے میں پیسے کاٹ لوں گا۔

یہ گونگی نہیں ہے۔ میں اسے ابھی بلاتا ہوں۔

سوانا نے لڑکی کو زور سے آواز دی۔ مظلوم لڑکی نے ہاں کہہ کر

آگے سے جواب دیا سوانا نے بیوپاری سے کہا۔

دیکھو لڑکی بولتی ہے باقی تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ ابھی خوش نہیں ہے۔ اس کے لئے میں تم سے ایک ہزار اشرفیاں کم لے لوں گا۔ لیکن اس سے کم پر راضی نہیں ہوں گا۔ کیونکہ اس سے زیادہ خوبصورت کنیز تمہیں سارے چین میں کہیں نہیں ملے گی۔

گھر کے مالک نے بھی کہا۔

جی ہاں۔ ہم نے بڑی محنت سے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے چین کی ملکہ کے شاہی حرم سے اسے پکڑا ہے۔ وہاں تو چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ جہاں سے ہم اسے اٹھا کر لائے ہیں۔

لڑکی نے چیخ کر کہا۔

یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں ایک غریب کسان کی بیٹی ہوں میرا باپ ایک غریب کسان ہے وہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتا ہے یہ

لوگ مجھے زبردستی اٹھا کر لے آئے ہیں۔

سوانا نے مسکرا کر کہا۔

کبھی کبھی یہ کنیز اس قسم کی باتیں ضرور کرنے لگتی ہے۔

بیوپاری نے کہا۔

یہ باتیں خطرناک ہو سکتی ہیں۔ میں اس کی بھی رقم کاٹوں گا۔ کیونکہ مجھے گھر پر رکھ کر اس کنیز پر بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ اس کا دماغ صاف کرنا ہوگا۔

سوانا نے کہا۔

میں پانچ ہزار سونے کی اشرفیوں سے ایک پائی بھی کم نہیں لوں گا۔ اگر آپ کو منظور ہے تو میں ابھی اس کنیز کو آپ کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو پھر آپ کے پاس اسے فروخت نہیں کروں گا۔

ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔ صرف اس لئے کہ کنیز اس میں شک نہیں بڑی حسین ہے اور مجھے اس میں تھوڑا بہت منافع مل جائے گا۔

کیا رقم مجھے ابھی ادا کرنی ہوگی؟

سونا نے کہا۔

رقم پوری کی پوری ابھی ادا کرنی ہوگی۔ اگر آپ نے رقم کا وعدہ کیا تھا۔ پھر ہم اس بات کی ذمے داری نہیں لے سکتے۔ ہم کسی دوسرے بیوپاری کے ہاتھ بھی اس کنیز کو فروخت کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

بیوپاری نے مسکرا کر کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بیوپاری ہیں کوئی چور اچکے نہیں ہیں۔ ہم دولت ساتھ لے کر کاروبار کرتے ہیں۔ کنیز میرے حوالے کیجئے اور اپنی رقم وصول کیجئے۔

سوانا نے کہا۔

کنیز حاضر ہے۔

اب ماریا نے سوچا کہ اگر اس نے بیوپاری سے لڑکی کو چھینا تو یہ اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ کیونکہ اس کی رقم بھی ڈوب جائے گی۔ جبکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سزا صرف سوانا اور اس کے ساتھی کو ملنی چاہیے۔ جنہوں نے مظلوم لڑکی کو اغوا کیا تھا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر کنیز کے دائیں جانب کھڑی ہوگئی۔ یہاں دیوار کے طاق میں شمع روشن تھی۔ جس کی روشنی سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

سوانا اور اس کا ساتھی کنیز لڑکی کو بیوپاری کے حوالے کر کے رقم وصول کرنے ہی والے تھے کہ ماریا نے کمرے کے کونے میں سے ایک مٹی کا مٹکا اٹھایا اور پوری طاقت سے گھر کے مالک کے سر پر دے مارا۔ مٹکا ٹوٹ کر بکھر گیا اور مالک دھڑام سے گرتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ سوانا اور بیوپاری تو خوف کے مارے اچھل کر پرے ہو گئے۔ ماریا پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی اور سوانا کے عقب میں کھڑی ہوگئی۔ سوانا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ بیوپاری نے بھی خوف کے مارے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

سوانا کمرے سے باہر نکل گیا اور اس نے بیوپاری کو کہا کہ آپ بھی کمرے سے باہر آجائیں۔ اور بیوپاری بھی سوانا کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا۔ کمرے میں رکھی ہوئی شمع پر ہاتھ مار کر سے بجھا دیا۔ اب کمرے میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ماریا کو کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ کنیز اور سوانا وغیرہ کہاں ہیں۔ اس کے لیئے انتہائی خطرناک تھا۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ سوانا دونوں ہاتھ پھیلا کر کمرے میں اسے ڈھونڈ رہا ہو۔ اگر اس نے ماریا کو اپنی شکنجے میں جکڑ لیا تو وہ اس سے اپنے آپ کو نہ چھڑا سکے گی۔

وہ تیزی سے سمٹ کر دروازے کے پاس آگئی۔

دروازہ کھلا تھا۔ ماریا دوازے سے باہر آ گئی۔ اسے کنیز لڑکی کی بڑی فکر ہو رہی تھی۔

اتنے میں سوان لڑکی کو اس کی آنکھوں کے سامنے لے کر بھاگ گیا اور وہ منہ تکتی رہ گئی تھی۔ اگر وہاں اندھیرا نہ ہوتا تو وہ کبھی ان لوگوں کو وہاں سے فرار نہ ہونے دیتی۔ سوان نے بڑی پھرتی سے کام لیا تھا۔ ماریا کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا جس پر سوار ہو کر وہ ان لوگوں کا تعاقب کرتی۔ وہ حویلی سے باہر گلی میں آ گئی۔ گلی میں اندھیرا تھا ستاروں کی دھیمی دھیمی سی روشنی ہو رہی تھی۔

وہ جدھر سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی تھی۔ ادھر کو بھاگنے لگی۔ اس خیال سے کہ جہاں تک وہ بھاگ سکتی ہے اسے پیچھا کرنا چاہیے مگر اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تھیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سوان اور بیوپاری کنیز لڑکی کو لے کر وہاں سے نکل چکے ہیں۔ ماریا اس بستی سے نکل کر تالاب کے کنارے آ گئی۔ یہاں وہ ایک جگہ درخت کے پاس کھڑی ہو گئی۔ جھک کر گھوڑوں کے سموں کے نشان دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

ظلم کی ناؤ

سورج کی روشنی پھیلی تو ماریا کو گھوڑوں کے سم نظر آ گئے۔

یہ نشان تالاب کے کنارے کنارے شہر سے شمال کی طرف ایک بستی کو جا رہے تھے۔ وہ ایک ایسی بستی کے کنارے پہنچ گئی۔ جہاں ایک ٹیلے کے سائے میں بہت سے ایک منزلہ مکان بنے ہوئے تھے۔ ان مکانوں کی دیواروں پر بڑے بڑے پتوں والی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بڑے پراسرار مکان معلوم ہو رہے تھے۔ ماریا ایک مکان کے قریب آ کر رک گئی یہاں گھوڑوں کے سموں کے نشان گم ہو گئے تھے۔ کیونکہ بستی کی گلیاں پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔

اور پتھروں پر گھوڑوں کے سموں کے نشان نہیں پڑتے۔

دن نکل چکا تھا۔ بستی کے لوگ اپنے کام پر گھروں سے نکل کر جا رہے تھے۔ ماریا بڑی خاموشی سے بستی کے اندر داخل ہو گئی۔ سوانا اور بیوپاری کو چونکہ معلوم ہو گیا تھا کہ غیبی عورت ان کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس لئے وہ بڑے چوکس ہو گئے تھے۔ انہوں نے کمال ہوشیاری سے گھوڑوں کو بھی کہیں غائب کر دیا تھا۔ ماریا نے ساری بستی کے گلی کوچوں میں گھوم پھر کر دیکھ لیا۔ اسے کسی جگہ گھوڑوں یا کنیز لڑکی کا سراغ نہ مل سکا۔

وہ تھک گئی۔ اسے بھوک اور پیاس بھی لگ رہی تھی۔ ایک جگہ اس نے دیکھا کہ کچھ عورتیں کنوئیں پر پانی بھر رہی ہیں۔

ماریا ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے کیسے پانی پینے کے لئے مانگتی؟ وہ خود بھی نہیں پانی پی سکتی تھی۔ کیونکہ ہر عورت نے پانی کا گھڑا اپنے کندھے پر اٹھا رکھا

تھا۔ آخر وہ کنویں کے پاس کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی۔ کہ یہ عورتیں پانی بھر کر اپنے اپنے گھروں کو جائیں تا کہ بعد میں وہ آرام سے پانی پی سکے۔ عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ اور باتیں بھی کر رہی تھیں۔ ایک عورت نے دوسری سے کہا۔

شانو۔ تلسی تمہارا بابا باہر سے آیا ہے کہ نہیں؟

دوسری نے کہا۔

اری اس کا باپ تو باہر کہیں گھوڑے بیچ رہا ہو گا۔

تیسری بولی۔

نہیں بھئی۔ اس کے بابا نے اب ترقی کر لی ہے وہ اب غلام اور کنیزیں بھی بیچتا ہے۔

ماریا کے کان کھڑے ہوئے۔ تلسی نام کی لڑکی خاموش تھی۔ اور کسی کے سوال کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں

لوگ غلام کنیزیں عام فروخت کیا کرتے تھے۔ ابھی ایسا قانون نہیں بنا تھا۔

جس کی وجہ سے غلاموں اور کنیزوں کا فروخت کرنا جرم قرار دیا گیا ہو۔

تلسی پانی کا گھڑا سر پر اٹھائے چپکے سے ایک طرف چل پڑی۔

ماریا کو خیال آیا کہ اگر اس کا باپ غلاموں اور کنیزوں کی تجارت کرتا ہے تو ہو سکتا ہے اس کا سوانا سے کوئی تعلق ہو اور وہ لوگ اسی لڑکی کے گھر گئے ہوں ماریا نے تلسی نام کی لڑکی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا

لڑکی پانی کا گھڑا سر پر اٹھائے بستی کی تنگ و تاریک گلیوں میں سے ہوتی ہوئی ایک ایسے مکان کے اندر چلی گئی جس کی ڈیوڑھی کے باہر ایک منگول چوکیدار نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ تلسی کے اندر جاتے ہی پہرے دار نے دروازہ بند کر دیا۔ ماریا نے سوچا کہ ایک

عام مکان کے باہر چوکیدار کی بھلا کیا ضرورت ہوتی ہے؟ ہو نہ ہو اس مکان میں ضرور کوئی راز ہے۔ اس نے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔

لیکن منگول چوکیدار ڈٹ کر دروازے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ یہاں سے بھی ماریا کو شک ہوا کہ ہو سکتا ہے۔ سوانا وغیرہ نے چوکیدار کو بھی خبردار کر دیا ہو کہ وہ دروازے سے بالکل نہ ہٹے۔ کیونکہ ایک غیبی عورت اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گی۔ بہرحال ماریا کا اندر جانا بہت ضروری تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اندر کیونکر داخل ہو۔ آخر اسے ایک تجویز سوجھی۔ اس نے ساتھ والے مکان کی ڈیوڑھی میں جا کر زور سے ایک چیخ ماری۔

چوکیدار نے چیخ کی آواز سنی تو دروازہ چھوڑ کر بھاگتا ہوا۔ ساتھ والے مکان میں آیا۔ اس عرصے میں ماریا لپک کر دروازے میں آئی اور اسے زور سا کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ منگول چوکیدار نے ساتھ

والے مکان میں لاکھ ادھر ادھر دیکھا کہ جس عورت کی چیخ کی آواز آئی تھی وہ کدھر چلی گئی۔ لیکن وہاں کوئی عورت موجود نہ تھی۔

وہ واپس آ کر پھر سے پہرہ دینے لگا۔ وہ خبردار ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ماریا نے دیکھا۔ اندر سارے کمروں کے دروازے بند تھے۔ ایک بھی کمرہ ایسا نہیں تھا۔ جس کا دروازہ ذرا سا بھی کھلا ہو۔ اس لئے یہ پتہ چلانا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ کہ سوانا اور جیو پاری کہاں ہیں۔ میں اور انہوں نے مظلوم لڑکی کو کس طرح کمرے میں قید کر رکھا تھا۔

پھر بھی ماریا نے ہمت نہ ہاری اسے ہر حالت میں مظلوم لڑکی کو وہاں سے نکال کر اسکے ماں باپ کے گھر پہنچانا تھا۔ اس نے اس کو فیصلہ کر رکھا تھا۔ وہ یہ نیک کام کئے بغیر واپس نہیں جا سکتی تھی۔ حالانکہ اسے ابھی اپنے بھائیوں عنبر اور ناگ کو بھی تلاش کرنا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی ایک ایک کمرہ کا جائزہ لینے لگی۔ مکان میں صرف

چار کمرے تھے۔ چاروں کے چاروں بند تھے۔ ایک طرف سے ماریا کو مچھلی تلنے کی خوشبو سونگھ کر اسکی بھوک چمک اٹھی۔ وہ باورچی خانے کی طرف گئی یہاں ایک بھاری بھرکم سرخ آنکھوں اور ڈاکوؤں جیسا آدمی چولہے پر کھڑا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ اگر اس نے وہاں سے ایک بھی ٹکڑا اٹھایا تو اس کو شک ہو جائے گا۔ کہ غیبی عورت یہاں بھی آ گئی ہے اور وہ یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ اور ماریا کو پھر در بدر پھر کر ان کا پیچھا کرنے پڑے۔ اس لئے ماریا چاہتی تھی۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پائے۔ کہ وہ مکان کے اندر آ چکی ہے۔ اور ان لوگوں کی بے خبری میں ہی وہ مظلوم لڑکی کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرے۔ بھوک تو اسے بے حد لگی تھی لیکن وہ صبر کر کے باورچی خانے میں ایک طرف کھڑی رہی۔ بھاری بھرکم ڈاکو نے تھالی میں مچھلی کے ٹکڑے رکھے اور اسے

لے کر باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

ماریا نے بھوک کا خیال چھوڑ کر اس آدمی کا یہ معلوم کرنے کے لئے پیچھا کیا کہ وہ کس کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ چاروں کمروں میں سے ایک کمرے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے دروازے پر آہستہ سے ہاتھ مارا۔ اندر سے آواز آئی۔

کون ہے؟

ڈگمبر۔

ٹھہرو۔

دروازے کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا سوان کا چہرہ نمودار ہوا۔ ڈگمبر جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ اسی وقت بند کر دیا گیا۔ ماریا کو سوان کی شکل دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی گویا اس نے اپنا مقصد پا لیا تھا۔ اگر سوان وہاں موجود تھا۔ تھا تو اس کا صاف مطلب یہ تھا۔ کہ کنیز لڑکی

بھی وہاں ضرور موجود ہوگی۔ ورنہ ان لوگوں کو اتنی احتیاط کرنے اور دروازے بند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ماریا اب اس کمرے میں داخل ہونے کے طریقے سوچنے لگی۔

وہ کوئی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ کسی ایسے طریقے سے اندر داخل ہونا چاہتی تھی۔ جس سے ان لوگوں کو ذرا بھی شک ہو جائے۔ چنانچہ وہ باہر کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ باورچی خانے میں آ گئی اور یہاں اس نے رات کی باسی روٹی کے ساتھ تلی ہوئی مچھلی کا ایک قتلہ کھا کر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا بھوک مٹ جانے سے اس میں ایک تازگی و بشاشت آ گئی تھی۔ وہ باورچی خانے سے باہر نکل کر دوبارہ اسی کمرے کے سامنے ایک سٹول پر آ کر بیٹھ گئی۔ جس کے اندر سوانا اور مظلوم لڑکی بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور سب لوگ باہر

آ گئے۔ اب جو ماریا نے دیکھا تو ان میں بیوپاری بھی تھا۔ سوانا بھی تھا بھاری بھر کم ڈاکو نما آدمی بھی تھا۔ اور مظلوم لڑکی کنیز بھی تھی۔ لیکن کنیز لڑکی کو انہوں نے بے ہوش کر کے کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ ماریا نے فوراً سٹول پر سے اٹھ کر دوسری طرف کھڑی ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ لوگ کنیز کو فروخت کر رہا تھا۔ صحن میں گھوڑے کھڑے تھے۔ ڈکمبر نے ماریا کے دیکھتے دیکھتے ایک گھوڑے پر آگے بے ہوش لڑکی کو ڈال کر اوپر چادر ڈالی۔ پھر اسی گھوڑے پر خود سوار ہوا اور ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا سوانا اور بیوپاری ہی جگہ کھڑے تھے۔

ماریا پریشان ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کیا کرے آخر اس نے بھاگ کر ایک گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں اور اس پر جلدی سے سوار ہو گئی۔

سوانا اور بیوپاری نے صحن میں کھڑے ایک گھوڑا غائب

ہوتے ہوئے دیکھا تو چیخ پڑے۔

کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ غیبی عورت اندر آ کر گھوڑے پر سوار ہو چکی ہے۔ ماریا کو ان پر بے حد غصہ آیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس سے پہلے کہ منگول چوکیدار حویلی کا دروازہ بند کرے ماریا نے تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے مکان کی ڈیوڑھی سے باہر نکل چکی تھی۔ جاتے جاتے اس نے منگول چوکیدار کی گردن پر زور سے ہنٹر مارا۔ تو تیورا کر گر پڑا۔ سوانا اور بیوپاری جلدی سے مکان کے دروازے پر آ گئے۔ انہیں کچھ دیر تک ماریا کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دیتی رہی جب کہ گھوڑا نہیں نظر آ رہا تھا۔

بیوپاری نے کہا۔

اب کیا ہوگا۔ یہ غیبی عورت تو ڈاکو ڈگمبر کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ اس سے کنیز بھی چھین لے گی۔ اور شاید ڈگمبر پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔

سوانا نے مسکرا کر کہا۔

ہمیں کیا۔ ہم نے لڑکی کو ڈگمبر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اس نے کنیز خرید لی ہے۔ اب وہ جانے اور اس کا کام جانے ہم نے اسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ایک روح اس کا پیچھا کر رہی ہے اس نے کہا تھا کہ کوئی پرواہ نہیں۔ میں دیکھ لوں گا۔ اس روح کو بھی اب ٹھیک ہے۔ ہماری ذمہ داری تو ادا ہو گئی۔ اب وہ جانے اور اس کا کام جانے کیوں استاد کیسی رہی؟

بیوپاری نے کہا۔

اگر غیبی عورت نے ہم سے بھی بدلہ لینے کی کوشش کی تو ہم کیا کریں گے۔ ہم تو اس کے آگے بے بس ہیں۔ ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے وہ تو ایک غیبی روح ہے غیبی بھوت ہے ہم انسانوں کا مقابلہ

تو کر سکتے ہیں مگر بھوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سوانا قہقہہ لگا کر کہا۔

ارے میں بڑے بڑے بھوتوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہے یہ عورت کیا چیز ہے دیکھا نہیں وہ ہمارا پیچھا کر رہی تھی۔ اور ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ آخر ہم نے لڑکی کا سودا کر ہی دیا۔ ڈگمبر سے اشرفیاں بھی وصول کر لیں کیا یہ ہماری فتح نہیں ہے؟

ضرور ہے ضرور ہے مگر استاد سوانا تمہیں ایک بات بتائے دیتا ہوں کہ یہ غیبی عورت ایک نہ ایک دن تم سے انتقام ضرور لے گی۔ میں تو آج ہی شہر سے جا رہا ہوں پیچھے تم رہ جاؤ گے یہ عورت تمہیں بھی معاف نہیں کرے گی۔

سوانا نے بیوپاری کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

تم احمق ہو تمہاری بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا اور پھر غیبی عورت

سوانا بولا

بکواس بند کرو۔

بیوپاری مسکراتا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا اور حویلی سے باہر نکل گیا سوانا کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ کہیں وہ سچ تو نہیں کہہ رہا ہو۔ کہیں سچ مچ اس کی موت غیبی عورت کے ہاتھوں تو نہیں لکھی؟ پھر اس نے اپنے سر کو جھٹک دیا اور حویلی سے باہر نکل آیا ساتھ والے مکان میں جا کر اس نے ایک گھوڑا حاصل کیا اس پر سوار ہوا شہر والی گنڈپ کی پرانی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف ماریا گھوڑا دوڑائے ڈاکو ڈگمبر کا تعاقب کر رہی تھی۔ ڈگمبر شہر سے باہر نکل کر اس سڑک پر آ گیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح چین کی سرحد پار کر کے وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ مگر وہ اس طرح ایک بے ہوش لڑکی کو ساتھ لے کر سرحد پار نہیں کر سکتا تھا۔ ضرور راستے میں کہیں نہ کہیں وہ اپنے ساتھیوں کی مدد لے گا۔ ماریا یہ سوچ کر اس کا کچھ فاصلہ پر سے برابر پیچھا کر رہی تھی۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی وہ مظلوم لڑکی کو ان ظالموں کے پنجے سے ضرور نجات دلائے گی۔

سانپ آ گیا

اب ذرا عنبر اور ناگ کی خبر بھی لی جائے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ عنبر اور ناگ شہر کے ایک سرائے میں رہ رہے تھے۔ وہ دن میں ایک بار گنبد والی حویلی کا چکر ضرور لگاتے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں ماریا تو نہیں آ گئی۔ انہیں ماریا کا شدید انتظار تھا۔ وہ اسی کے لئے وہاں بیٹھے تھے۔ ورنہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر جاپان جانے کی ساری تیاریاں مکمل کر چکے تھے! ایک روز عنبر جا کر حویلی کا چکر لگاتا اور ایک دن ناگ جا کر وہاں پتہ کر لیتا۔ وہ مونے کے پرانے نمک حلال نوکر سے بھی ملتے ایک روز وہاں عنبر پہنچا تو نوکر نے بتایا کہ ماریا آئی تھی اور پھر چلی گئی۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟

نوکر نے کہا۔

سوانا بھی یہاں موجود تھا۔ اس نے ماریا کو ایک تہہ خانے میں بند کر کے اندر دوسری بار پھر آگ لگا دی تھی۔ اگر میں ماریا کی مدد نہ کرتا تو وہ اس بار ضرور ختم ہو جاتی۔

پھر کیا ہوا۔

نوکر بولا۔

پھر یہ ہوا کہ عین وقت پر مجھے پتہ چل گیا کہ نیچے تہہ خانے میں ماریا بند ہے اور وہاں سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں نے فوراً وہاں پہنچ کر ماریا کو اندر سے باہر نکالا۔ اس کے بعد ماریا وہاں سے چلی گئی اور پھر اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔

عنبر نے نوکر سے کہا۔

دوست تم بڑے نیک انسان ہو۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میری بہن کی جان بچائی۔ میں جا رہا ہوں پھر آؤں گا۔ اگر اس عرصے میں ماریا آئے تو اسے لے کر سرائے میں آ جانا۔ ہم لوگ وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

نوکر نے کہا۔

بہت اچھا جناب میں ضرور وہاں آ جاؤں گا آپ بالکل فکر نہ کریں۔

عنبر واپس آ گیا ہے۔ اس نے ناگ کو ساری کہانی سنا دی۔

ناگ نے کہا۔

یہ سوانا کم بخت بڑا ظالم آدمی ہے۔ اگر میرے ہتھے چڑھ گیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے دوسری بار میری بہن کی جان لینے کی کوشش کی ہے۔

عنبر نے کہا۔

سوانا نے کئی لوگوں کو قتل کیا ہے۔ وہ ایک خونی ڈاکو ہے۔ اس نے ہزاروں عورتوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا ہے۔ اور کئی گھروں کے چراغ گل کر کے انہیں برباد کیا ہے۔ وہ خانقاہ میں یہی کام کرتا تھا۔ میرا خیال ہے وہ یہاں سے خانقاہ میں چلا گیا ہو گا۔

ناگ نے کہا۔

اگر مجھے وہ کہیں مل گیا تو پھر اس کی خیر نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم سرائے میں ٹھرو گے۔ میں واپس خانقاہ میں جا کر اس کا کام تمام کر کے واپس آتا ہوں۔

عنبر بولا۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں یہاں اکیلا رہ کر تمہارا انتظار

نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے ماریا جلدی واپس آ جائے اور ہمیں یہاں سے کوچ کرنا پڑے

رات کو ناگ دوبارہ گنبد والی حویلی کی طرف گیا۔

آج رات حویلی کا چکر لگانے کی اس کی باری تھی اس نے سیدھا وفادار نوکر کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو نوکر وہاں نہیں تھا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ دوسری بستی میں گیا ہوا تھا۔ ناگ نے سوچا کیوں نہ وہ گنبد والی حویلی میں خود جا کر معلوم کرے کہ ماریا وہاں موجود ہے یا نہیں اسے ماریا سے ملنے کی کوئی زیادہ امید نہیں تھی پھر بھی وہ حویلی کا بڑا دروازہ بند ہے وہ سمجھ گیا کہ سوانا وہاں پہنچ گیا ہے اس کا خون غصے سے کھول اٹھا۔ سوانا اس کی بہن کا دشمن تھا۔ اس نے اس کی بہن ماریا کو دو بار ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ ناگ غصے میں دروازہ کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ ناگ نے سوچا کہ پچھلے دروازے سے اندر داخل ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ حویلی کے عقبی دروازے پر آ گیا۔ یہ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ ناگ دروازے میں داخل ہو گیا تھا۔ اندر راہداری میں اندھیرا تھا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔

ایک جگہ سے ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی ایک کمرے میں سے باہر آ رہی تھی۔ اس نے کمرے کے دروازے میں سے اندر جھانکا اندر سوانا موجود تھا۔ وہ ایک چمڑے کے تھیلے میں سونے کی اشرفیاں ڈال رہا تھا۔ یہ وہ اشرفیاں تھیں جو اس نے کنیز لڑکی کو فروخت کر کے حاصل کی تھیں ناگ نے محسوس کیا کہ سوانا وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اپنی بہن کے قاتل کو سامنے دیکھ کر ناگ کا خون کھول اٹھا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے سوانا نے ماریا کو قتل کر دیا ہے۔ اور اب وہاں سے

بھاگ رہا ہے۔

ناگ نے ذرا پرے ہٹ کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنا سانس زور سے اوپر کی طرف کھینچا جب اس نے سانس چھوڑا تو وہ انسان سے سانپ بن چکا تھا۔ سانپ بن کر ناگ زمین پر رینگتا ہوا سوانا کے کمرے میں داخل ہو گیا وہ دیوار پر چڑھ گیا دیوار سے ہو کر ناگ چھت پر اس جگہ آ گیا جہاں نیچے سوانا تھیلے میں اشرفیاں ڈال رہا تھا۔ ناگ نے فوراً وہاں سے چھلانگ لگائی اور ایک دم سوانا کے سر پر گرا اور گرتے ہی اس کی گردن میں اپنا کنڈل ڈال کر اپنا پھن پھیلا کر سوانا کے منہ کے آگے کر دیا۔ سوانا نے سانپ کو گلے میں لٹکتے اور اس کا خوف ناک آنکھوں والا پھن اپنی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کی تو جان ہی نکل گئی۔

اب ناگ نے زبان کھول کر کہا۔

سنو تم میری بہن ماریا کے دشمن ہو میں ماریا کا بھائی ناگ ہوں تم مجھے جانتے ہو۔ مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ میں اس غیبی عورت کا بھائی ہوں جس کا نام ماریا ہے اور جسے تم نے ایک بار ارژنگ کے ساتھ مل کر اور دوسری بار اکیلے تہہ خانے میں بند کر کے قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ اب تم میرے قابو میں ہو اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا

سوانا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

بھائی مجھے معاف کر دو میں بے گناہ ہوں۔

ناگ نے کہا۔

کیا تم اس لئے بے گناہ ہو کہ تم نے میری بہن کو تہہ خانے میں بند کر کے آگ لگا دی تھی؟ اگر ہمارا دوست اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو تم اسے جلا کر بھسم کر چکے تھے۔ میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا ہرگز ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ تم نے خانقاہ میں بیٹھ کر نہ جانے کتنی بھولی

بھالی معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ میں ان تمام معصوم اور بیگناہ بچیوں کا تم سے بدلہ لوں گا۔ بتاؤ تم نے ماریا کو کہاں قتل کیا ہے جلدی بولو۔

سوانا نے کہا۔

مجھ سے قسم لے لو ماریا زندہ ہے وہ مری نہیں وہ زندہ ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

تو پھر کہاں ہے؟

وہ۔۔۔۔۔ وہ یہاں سے جا چکی ہے۔

ناگ اپنا پھن سوانا کے منہ کے پاس لے آیا اور اپنی لال زبان لہرا کر بولا۔

سچ سچ بتاؤ وہ کہاں گئی ہے۔ نہیں تو ابھی تمہیں ختم کیے دیتا ہوں یاد رکھو میرا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ تم نے اپنے ایک ساتھی کو میرے زہر سے ہلاک ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

سوانا نے محسوس کر لیا تھا۔ کہ اس نے سچ نہ بولا تو اس کی خیر نہیں چنانچہ وہ کہنے لگا

اس وقت ماریا ڈگمبر نام کے ایک ڈاکو کا پیچھا کر رہی ہے جو ایک اغوا کی ہوئی چینی لڑکی کو لے کر دیوار چین کی طرف جا رہا ہے۔ میں نے اس لڑکی کو ڈگمبر کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ یہ اشرفیاں میں نے اس لڑکی کو بیچ کر حاصل کی ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

مگر ماریا اس ڈاکو کا پیچھا کیوں کر رہی ہے؟

سوانا نے کہا۔

ماریا اس مظلوم لڑکی کو بچانا چاہتی ہے۔

ناگ بولا

کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔

سوانا کہنے لگا۔

اگر میں جھوٹ بولوں تو دیوتا مجھ پر اپنا عذاب نازل کریں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ ناریا اس ڈاکو کا پیچھا کر رہی ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

کیا وہ دیوار چین کی طرف جا رہا ہے؟

سوانا نے کہا۔

ہاں وہ ملک کی سرحد عبور کر کے منگولیا جانے کا ارادہ رکھتا ہے جہاں وہ اس لڑکی کو منگول سردار کے آگے پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

وہ سرحد کس طرح پار کر سکتا ہے کیا وہ اتنے لمبے سفر میں کسی جگہ بھی نہیں رکے گا۔

سوانا نے کہا۔

یہاں سے دو روز کے سفر کے بعد وہ ایک جنگل میں ٹھہرے گا۔ جہاں اس کے ساتھی اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اسے سرحد پار کرانے میں اس کی مدد کریں گے۔

سمجھ گیا اب بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

سوانا نے کانپتے ہوئے کہا۔

مجھے معاف کر دو۔ میں توبہ کرتا ہوں۔

ناگ بولا۔

تم جھوٹ بولتے ہو تم جس جس بے گناہ کو قتل کر چکے ہو اس کا بدلہ تم سے کون لے گا؟ تم نے ہزاروں گھروں کو برباد کیا ہے اور آگے چل

گر تم زندہ رہ تو نہ جانے کتنے اور گھروں کے چراغ گل کرو گے۔ کتنے گھروں کو برباد کرو گے۔

سواتا نے کہا۔

نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

ناگ بولا۔

تمہارا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے تمہارا مر جانا ہی بہتر ہے۔

نہیں نہیں مجھے مارو نہیں۔

کیا تم نے ان لوگوں پر ترس کھایا تھا۔ جو تم سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر التجا کرتے رہے کہ ہمیں قتل نہ کرو۔ مگر تم نے تلوار سے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ تم نے اس مظلوم لڑکی پر رحم کھایا تھا جسے تم نے ایک ڈاکو کے ہاتھ فروخت کر دیا اور جس کو بچانے کے لئے بے چاری ماریا در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے؟ تمہارا ایک ہی ٹھکانہ ہے اور وہ ہے جہنم۔۔۔۔۔ اور میں تمہیں جہنم پہنچانے میں مدد کروں گا۔

اس کے ساتھ ہی سانپ نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لپک کر سواتا کے چہرے پر ڈس دیا۔ سواتا کے دونوں ہاتھوں سے ناگ کی گردن کو پکڑ لیا مگر اب اس میں وہ طاقت نہیں رہی تھی اگر پہلے بھی وہ سانپ کو پکڑ لیتا تو اسے قابو نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ ناگ میں سانپ بن جانے کے بعد بہت ہی طاقت آ جاتی تھی۔ اگر وہ اسے ہاتھوں میں پکڑ کر دبانے کی کوشش کرتا تو ناگ اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیتا۔ زہر نے سواتا کے سارے جسم میں پھیل کر اسے ختم کرنا شروع کر دیا۔ پہلے اس کی آنکھیں سفید ہوئیں پھر ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں اور وہ زمین پر دھڑام سے گر پڑا اور گرتے ہی مر گیا۔

سانپ دوبارہ انسان کی شکل میں آ گیا۔

اس نے سونے کی اشرفیوں کا تھیلا اٹھایا اور چپکے سے حویلی کے

عقبی دروازے سے نکل کر واپس سرائے کی طرف چل پڑا۔ سرائے میں آ کر اس نے عنبر کے آگے اشرفیوں کا تھیلا رکھ دیا اور کہا۔

یہ لو بھائی ماریا کا پتہ چل گیا ہے کہ وہ کہاں ہے اور یہ جاپان کے سفر کا خرچ بھی آ گیا۔

عنبر نے تعجب سے پوچھا۔

کیا مطلب؟ یہ اشرفیاں کہاں سے لائے ہو؟

ناگ نے کہا۔

عنبر بھائی ماریا کے دشمن سوان کو بھی ہلاک کر آیا ہوں۔ اور یہ اشرفیاں بھی لے آیا ہوں۔

بھائی کھل کر بات کرو کہ اصل قصہ کیا ہے۔

ناگ نے سارا قصہ عنبر کو سنا دیا۔ عنبر بڑا خوش ہوا کہ اس نے ماریا کے دشمن کا خاتمہ کر دیا ہے اور یہ بھی پتہ چلا لیا ہے کہ ماریا اس وقت کہاں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہیے ماریا کی تلاش میں اس کے پیچھے جلد از جلد روانہ ہو جانے چاہیے۔ کہیں وہ بیچاری کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے کیونکہ اس ڈگمبر ڈاکو کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ایک غیبی عورت اس کا پیچھا کر رہی ہے۔

ہم منہ اندھیرے ہی یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ منہ اندھیرے اٹھ کر عنبر اور ناگ نے منہ ہاتھ دھلویا۔ سرائے والے کو پیسے ادا کیئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد شہر سے باہر نکل آئے۔

شہر سے باہر آ کر وہ اس کی پکی سڑک پر ہو لئے جو دارالحکومت سے چین کی مشرقی سرحد دیوار چین کی طرف جاتی تھی۔ وہ دونوں اس سڑک پر پہلے بھی سفر کر چکے تھے۔ انہیں سارے راستے کی خبر تھی۔ دن چڑھا تو دونوں دوست اور بھائی شہر سے بہت دور نکل چکے تھے۔ اور ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے۔

کو ہوش آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ گھوڑے پر آگئے پڑی ہے اور ڈاکو اسے بھگائے لئے جا رہا ہے۔ ڈاکو نے بھی دیکھ لیا کہ لڑکی کو ہوش آ گیا ہے۔ لڑکی نے سہمے ہوئے کہا۔

مجھے چھوڑ دو۔ مجھ پر رحم کرو۔

ڈاکو نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

پتھر سے دودھ نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ میں پیشہ ور مجرم ہوں۔ ڈاکو ہوں غلام فروش ہوں میں سینکڑوں عورتوں کو اغوا کر کے فروخت کر چکا ہوں۔ کئی لوگوں کو قتل کر چکا ہوں۔ میں نے آج تک کبھی کسی پر رحم نہیں کھایا۔ رحم کے لفظ سے میں واقف نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں سونا دے کر خریدا ہے۔ اور اب اپنے منگول سردار کی خدمت میں پیش کر کے بہت بڑا انعام حاصل کروں گا۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ ہاتھ آئی ہوئی سونے کی چڑیا کو پھر سے اڑ جانے کی اجازت دے دوں۔

کنیز نے روتے ہوئے کہا۔

میں ایک غریب ماں باپ کی بچی ہوں میری ماں اور میرا باپ میرے غم میں مر جائیں گے۔ مجھ پر نہیں تو ان کے بڑھاپے پر ہی رحم کرو۔

ڈومبر نے قہقہہ لگایا۔

ہاہاہا۔ میں رحم کرنا نہیں جانتا۔ اگر تم نے رونا بند نہ کیا تو میں تمہیں دریا میں پھینک کر ایسے غوطے لگاؤں گا۔ کہ تمہیں نانی یاد آ جائے گی۔ اور یاد رکھو مجھ پر تمہارے رونے دھونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں نے ایسی کئی عورتوں کو روتے دیکھا ہے۔ میں تمہارے ماں باپ کو بھی جا کر قتل کر سکتا ہوں میں نے بوڑھوں پر بھی کبھی ترس نہیں کھایا۔ اس لئے چپکے سے بیٹھی رہو اور میرے ساتھ سفر کرتی رہو۔

کنیز چپ ہو گئی۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ رونا پیٹنا بے کار ہے۔ وہ اس ظالم ڈاکو سے بچ نہیں سکتی۔ اس نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ دریا کو پار کرنے کے بعد ایک وادی آ گئی جگہ جگہ بڑی بڑی چٹانیں کھڑی تھیں۔ اس وادی میں ایک چٹان کے پیچھے ایک جھونپڑی سی بنی ہوئی تھی۔ ڈاکو ڈگمبر اس جھونپڑی کی طرف مڑ گیا جھونپڑی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ اور دور سے ایسے لگتا تھا جیسے جھونپڑی کہیں نہیں ہے۔ بلکہ جھاڑیوں ہی جھاڑیاں ہیں یہ ڈاکو کی ایک کمین گاہ تھی۔ یہاں اس کے دوسرے ساتھی اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈگمبر چٹان کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ وہ یہ معلوم کر کے تسلی کرنا چاہتا تھا۔ کہ کیا جھونپڑی میں اس کے آدمی موجود ہیں؟ کہیں کوئی غیر آدمی تو وہاں نہیں؟ اس نے منہ سے سیٹی کی خاص آواز نکالی۔ دوسری طرف سے بھی اسی قسم کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اور پھر جھونپڑی میں سے تین ڈاکو نکل کر باہر آ گئے۔ ان کی شکلیں دیکھ کر ڈگمبر ان کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ تینوں ڈاکوؤں نے اس سے ہاتھ ملائے۔

ڈگمبر بولا۔

اس لڑکی کو اتار کر اندر لے آؤ۔

ڈاکوؤں نے کنیز لڑکی کو زبردستی گھوڑے سے اتار ڈالا اور اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔ ڈگمبر نے گھوڑا ایک طرف جھاڑیوں میں باندھا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔ جھونپڑی میں لکڑی کے تخت پوش بچھے ہوئے تھے۔ کونے میں آگ جل رہی تھی۔ جس پر گرم گرم قہوہ ابل رہا تھا۔ ڈاکوؤں نے ڈگمبر کو قہوہ پیش کیا۔ منہ ہاتھ دھو کر قہوہ پینے کے بعد وہ تازہ دم ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

اب یہ بتاؤ کہ سرحد پار کرنے کا کیا بندوبست ہوا ہے؟

ایک ڈاکو بولا۔

سارا معاملہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہر شے تیار ہے۔ دیوار چین کے پاس پہلے گاؤں میں ہمارے آدمی آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ کو اس لڑکی کیساتھ دیوار کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف لے جائیں گے۔ وہاں ایک جگہ پر انہوں نے ایک سرنگ کھود رکھی ہے۔ یہ سرنگ دیوار کی ایک جانب سے چل کر دوسری جانب نکل جاتی ہے اس میں سے گزر کر آپ سرحد کی دوسری جانب نکل جائیں گے۔ پھر آپ آزاد ہوں گے۔ اور آپ کو کوئی نہیں پکڑے گا۔

ڈگمبر نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ اس کے بعد بڑی آسانی کے ساتھ منگولیا پہنچ جاؤں گا۔ میں سارا راستہ جانتا ہوں مشکل صرف چین کی سرحد اور خاص طور پر دیوار چین پار کرنے کی تھی۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

اس کا معاملہ بڑی اچھی طرح سے طے پا جائے گا۔ اتنا اچھا انتظام ہو چکا ہے کہ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور آپ سرحد کے پار ہوں گے۔

ڈگمبر نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ پھر مجھے اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔

دوسرا ڈاکو بولا۔

میری رائے ہے کہ آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہے آپ نے دو دن دو رات سفر کیا ہے۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم آج کی رات آرام کر لیں اور کل صبح سفر پر روانہ ہو جائیں۔

ڈگمبر بولا۔

جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔

ڈگمبر ڈاکو وہاں رات بسر کرنے پر راضی ہو گیا۔

اس دوران میں ماریہ چٹان کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنا گھوڑا ذرا فاصلے پر ایک جھاڑی میں چھپا دیا۔ اور خود جھونپڑی کے آس پاس آ کر جائزہ لینے لگی۔ اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ ڈاکو اس جھونپڑی میں رات بھر ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اب اس کی یہی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح رات کو لڑکی وہاں سے اٹھا کر لے جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اندھیرا ہونے کا انتظار کرے چنانچہ وہ جنگل میں آ کر ایک چشمے کے کنارے پر بیٹھ گئی یہاں اس نے کچھ جنگلی پھل کھائے۔ چشمے کا پانی پیا۔ گھوڑے کو گھاس کھلا کر پانی پیا۔ گھوڑے کو گھاس کھلا کر پانی پلایا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ سورج پہاڑیوں میں غروب ہو چکا تھا۔

ادھر عنبر اور ناگ فاصلہ کم کرنے کے لئے رات دن سفر کر رہے تھے راستے میں وہ صرف تھوڑی دیر کے لئے گھوڑے کو دانہ دنکا کھلانے کے لئے رکتے اور پھر سفر شروع کر دیتے۔ اس کا فائدہ یہ ہو کہ وہ کافی آگے نکل آئے۔ اب وہ ماریہ سے صرف ایک رات کے فاصلے پر تھے۔ یعنی اگر وہ ساری رات سفر کرتے رہیں تو صبح اس وادی میں پہنچ جائیں گے۔ ماریہ جھونپڑی کے باہر چشمے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

سورج غروب ہو گیا۔ جنگل میں اندھیرا چھا گیا۔ ماریہ نے دور سے دیکھا کہ جھونپڑی کے اندر چراغ روشن ہو گیا ہے۔ وہ جھونپڑی کے باہر آ گئی۔ جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے ڈاکوؤں کے باتیں کرنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماریہ کچھ دیر وہاں خاموش کھڑی ان کی باتیں کرنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں سنتی رہی۔ ابھی اندر داخل ہونے کا موقع نہیں تھا۔ اس کے علاوہ وہ ڈاکو

زیادہ تھے۔ ماریا کے پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ کنیز لڑکی کو ساتھ لے کر کسی طرح گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ صرف اسی طرح سے وہ لڑکی اس کے ساتھ غائب ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ ڈر بھی تھا کہ ڈگمبر کہیں چاروں طرف سے گھیر کر ماریا کو پکڑ نہ لے کیونکہ اسے علم تھا کہ ایک غیبی عورت اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ جو عام عورتوں کی طرح کمزور ہے۔ صرف اس میں اتنی ہی طاقت ہے کہ وہ غائب ہو گئی ہے۔

اتنے میں جھونپڑی میں سے ایک ڈاکو باہر نکل کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کا ڈول تھا۔ شاید وہ چشمے سے پانی لینے جا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اس ڈاکو کا کام تمام کر دینا چاہیے۔ تا کہ ایک ڈاکو تو کم ہو۔ اس خیال کے بعد ماریا ڈاکو کے پیچھے چل پڑی۔

چشمے پر پہنچ کر ڈاکو نیچے جھکا ڈول میں پانی بھر رہا تھا۔ کہ اوپر سے ماریا نے پوری طاقت سے پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ ڈاکو نے ہائے بھی نہ کی اور چشمے میں گر پڑا۔ پانی اس کی لاش کو ڈول سمیت بہاتا ہوا آگے دریا کی طرف لے گیا۔

ماریا جلدی سے جھونپڑی کے پاس واپس آ گئی۔

اب وہاں تین ڈاکو رہ گئے تھے۔ جب چشمے والا ڈاکو واپس نہ آیا تو وہ لوگ پریشان ہو کر اسے آوازیں دینے لگے پھر چشمے پر گئے۔

اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملا۔ اچانک ڈگمبر کو چشمے کے پتھر پر خون کے قطرے نظر آ گئے۔ اس نے جھک کر خون کے قطروں کو دیکھا اور کہا۔

اسے پتھر مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اس کی لاش چشمے میں بہہ گئی ہے۔ جلدی سے واپس چلو ایک بھوت ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔

وہ سارے ڈاکو جلدی سے جھونپڑی میں آ گئے جھونپڑی میں آ کر ڈگمبر نے غیبی عورت کے بارے میں ساری باتیں انہیں بتا دیں۔ اور آخر میں کہا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ عورت اس جھونپڑی کے آس پاس منڈلا رہی ہے۔ اگر ہم نے ہوشیاری سے کام نہ لیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سب کو باری باری اسی طرح پتھر مار کر ہلاک کر دے۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے کیا؟

کیوں نہیں؟ ڈگمبر بولا۔ اگر ہم نے اسے گرفتار نہ کیا تو وہ ہم سب کو برباد کر دے گی۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے فوراً پکڑ کر رسیوں سے جکڑ دیں۔

تیسرا بولا۔

مگر ہم ایک ایسے انسان کو کیوں گرفتار کر سکتے ہیں جو ہمیں نظر ہی نہیں آتا۔

اس کی ایک ترکیب ہے۔

وہ کیا؟

اس کے بعد ڈاکو ڈگمبر نے ان ڈاکوؤں کو وہ ترکیب بتائی جو اس کے دماغ میں آئی تھی۔ ماریا اس چال سے بے خبر تھی جو ڈاکو اس کے لئے پھیلا رہے تھے۔ کنیز لڑکی اسے باہر جا کر بتا نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اسے ڈاکوؤں نے باندھ کر ایک طرف ڈال رکھا تھا۔ ماریا نے جھونپڑی کے باہر کھڑی اس انتظار میں تھی کہ جھونپڑی سے باہر پھر کوئی ڈاکو نکلے اور وہ اسے بھی ختم کر دے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ڈاکو اسکے خلاف بڑا زبردست جال پھیلا چکے ہیں۔

سب سے پہلا کام تو ڈاکوؤں نے یہ کیا کہ کنیز لڑکی کے منہ پر

کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ اگر ماریا جھونپڑی میں آئے تو وہ اسے یہ نہ بتا سکے کہ اس کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ بھاگ جاؤ لڑکی کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے کے بعد ڈاکو آپس میں ہنستے مسکراتے باتیں کرتے جھونپڑی کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ اس عرصے میں وہ ایک باریک ریشمی رسی دروازے کے درمیان باندھ چکے تھے۔ اسی رسی کا رنگ کالا تھا۔ اور وہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ماریا نے جب دیکھا کہ ڈاکو جھونپڑی سے باہر آ کر ایک طرف چلے گئے ہیں۔ اور جھونپڑی کا دروازہ چوپٹ کھلا ہے تو وہ قریب میں آ گئی۔ وہ آگے بڑھ کر دروازے کی طرف آئی قریب ہی جھاڑیوں میں ڈاکو رسی کو جھٹکا لگنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ڈاکو جھونپڑی کے اندر چھپ کر دروازے کے پاس ہی زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ کہ جوں ہی رسی کو دباؤ پڑے وہ لپک کر ماریا کو قابو کر لے۔ ماریا ہر قسم کے خطرے سے بے فکر ہو کر جھونپڑی کے دروازے میں آ گئی اسے کالے رنگ کی ریشمی رسی نظر نہ آئی جوں ہی وہ دروازے میں داخل ہوئی رسی کو جھٹکا لگا اس پر دباؤ پڑتے ہی ڈاکو نے اچھل کر ماریا کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا ادھر سے دوسرے ڈاکو بھی آ گئے۔ انہوں نے پاگل چیتوں کی طرح اچھل کر اپنے آپ کو ماریا پر گرا دیا۔ ماریا گر پڑی۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ماریا پر کپڑا ڈال کر اسے رسی میں اس بری طرح سے جکڑ دیا کہ وہ بے چاری ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

کنیز نے یہ سب دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ وہ کچھ نہ کر سکی تھی۔ کیونکہ اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ وہ آواز دے کر ماریا کو خبردار نہ کر سکی تھی۔ کہ وہاں سے واپس چلی جاؤ۔ ماریا کو چادر میں جکڑ کر ڈگمبر نے اسے بھی کنیز کے پاس ہی ڈال دیا۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

میں تو زندگی کا سب سے عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ چادر کے اندر

کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ مگر اندر عورت رسی میں جکڑی ہوئی ہے۔

ڈگمبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

ماریا تم ارژنگ اور سوانا کے پنجے سے نکل گئیں۔ مگر یاد رکھو اب تم میرے پنجے سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ اب تم میری قید میں ہو اور میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔ تا کہ تم پھر مجھے دھوکہ نہ دے سکو۔

ماریا خاموش رہی اور کچھ نہ بولی۔

اب خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔ بولو تمہیں اب کون بچا سکتا ہے؟

کون تمہاری مدد کر سکتا ہے؟

اب ماریا نے زبان کھولی اور کہا۔

ڈگمبر یاد رکھو، خدا کی رسی دراز ہوتی ہے۔ مگر ایک وقت آتا ہے کہ ظالم خود اپنے بچھائے ہوئے جال میں ہی قید ہو کر رہ جاتا ہے۔

تم نے میرے خلاف جو سازش کی ہے اس میں تم کامیاب ہو گئے ہو؟ لیکن میں بہت جلد تمہاری قید سے آزاد ہو جاؤں گی۔

ہاہاہا ان باتوں کو بھول جاؤ تمہاری موت ہی اب مجھ سے نجات دلائے گی۔

ڈاکوؤں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ کل سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ماریہ کو قتل کر کے اسکی لاش کو دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری ماریا نے یہ خونی فیصلہ سنا تو دل میں ڈر سی گئی کہ اگر کسی نے اس کی مدد نہ کی تو یہ لوگ اسے ضرور ختم کر دیں گے۔ عنبر اور ناگ کے بارے میں اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اس نے خدا کے آگے دعا کی اور خاموش فرش پر پڑی رہی۔

سمندر کی طرف

عنبر اور ناگ راتوں کو بھی سفر کرتے چلے آ رہے تھے۔

سفر کرتے کرتے جب رات آدھی گزر گئی تو ناگ نے کہا۔

بھائی عنبر میں تو تھک گیا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ ہم رات کا باقی حصہ کسی جگہ پڑ کر سو رہیں۔ اس طرح دن رات سفر کرتے کرتے تو ہمارا برا حال ہو جائے گا۔

عنبر نے بھی محسوس کیا کہ اب آرام کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ تھکان اسے بھی بہت ہو رہی تھی۔ اس نے ناگ سے پوچھا کہ وہ کس جگہ رات رہیں؟ ناگ نے جواب میں کہا اس جنگل میں بیا ہے کسی جگہ سو جائیں لیکن اب آرام بڑا ضروری ہے۔ عنبر اور ناگ جنگل میں رک گئے۔ انہوں نے دریا پار کر لیا تھا۔ اور اب ایک چشمے کے کنارے آ گئے تھے۔ چشمے پر انہوں نے گھوڑوں سے اتر کر خود بھی پانی اور گھوڑوں کو بھی پلایا عنبر نے کہا۔

یہاں قریب کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔ نہیں تو کسی کے گھر قیام کر لیتے۔

ناگ بولا۔

بھائی گھر کا آرام چھوڑ دو۔ وہ کبھی ہمارے نصیب میں نہیں ہے۔ نہ ہمارا کوئی گھر ہے نہ بار۔ بس جہاں سینگ سمائیں وہیں پڑ کر سو جاتے ہیں بھائی میں تو اسی چشمے کے کنارے سونے لگا ہوں

مگر جانے کیا بات تھی کہ عنبر کا اس جگہ دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا۔ وہ لیٹنے کی بجائے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ناگ تو اسی جگہ گھاس پر لیٹ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ عنبر سونے کی بجائے ادھر

ادھر ٹہل رہا ہے۔ تو بولا

بھائی کی بات ہے تمہیں نیند نہیں آ رہی؟

عنبر نے کہا۔

خدا جانے کی بات ہے تمہیں نیند نہیں آ رہی

عنبر نے کہا۔

خدا جانے کیا بات ہے دل کو اطمینان نہیں ہے۔

ناگ بولا۔

کچھ کچھ میرا دل بھی بے چین ہے خدا ہماری بہن ماریا کو سلامت رکھے۔

ناگ لیٹا رہا اور عنبر ٹہلتا رہا۔ رات کا دوسرا حصہ بھی گزر گیا رات کا پچھلا پہر شروع ہوا تو ڈاکوؤں میں ڈگمبر نے سب سے پہلے اٹھ کر دوتوں کا جگایا اور کہا۔

چلو اٹھو سب سے پہلے اس غیبی چڑیل کا کام تمام کر دیں۔

ڈاکو فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے ڈگمبر نے ماریا کو اسی طرح رسی میں جکڑی ہوئی اپنے کاندھے پر رکھا اور جھونپڑی سے باہر نکل آیا ایک ڈاکو نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں اسے دریا میں چل کر پھینک دینا چاہیے۔

دوسرے نے کہا۔

میرا تو خیال ہے کہ پہلے چشمے پر پہنچ کر اسے قتل کیا جائے۔ اس کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دیے جائیں۔

دریا پر کھلی جگہ ہے۔ ہو سکتا ہے کسی کی نگاہ پڑ جائے۔ چشمہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ وہاں ہم اسے قتل کرنے کا کام کر سکتے ہیں۔

پہلا ڈاکو بولا۔

یہ ٹھیک ہے۔

یہ سوچ کر ڈاکو نے ماریا کو کندھے پر اٹھایا اور وہ چشمے کے قریب جھاڑیوں کی طرف چل پڑے۔

اتنے میں عنبر اور ناگ بھی سفر طے کر کے چشمے کے قریب پہنچ گئے اور وہاں قریب ہی بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔ اتنے میں انہیں کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔

عنبر نے ناگ سے کہا ہمیں یہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔

دونوں وہاں سے اٹھ کر درختوں کے پیچھے چھپ کر دیکھنے لگے کہ رات کے پچھلے پہر یہ کون آ رہا ہے۔ پچھلی رات کا چاند اب درختوں کے اوپر آ چکا تھا۔ اور اسکی ہلکی ہلکی روشنی میں چشمے کے آس پاس کا سارا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکو اور ڈگمبر بڑے مزے سے ماریا کو کندھے پر اٹھائے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے خیال میں جنگل سنسان تھا۔ اور کوئی بھی ان کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔

ان کو معلوم نہیں تھا۔ کہ عنبر اور ناگ اس جنگل میں موجود ہیں۔

ڈگمبر ماریا کو کندھے پر اٹھائے چشمے کی طرف چل پڑا۔

ادھر چشمے پر عنبر اور ناگ اسی طرح بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ رات بڑی خاموش تھی۔ ان کے کان میں کسی کے چلنے اور جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز پڑی تو وہ خاموش ہو گئے۔ عنبر نے ناگ کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

شی کوئی آ رہا ہے۔

ناگ نے کہا۔

انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی کو کاندھے پر اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ عنبر اور ناگ خاموشی سے دیکھتے رہے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اور کیا کرنے جا رہے ہیں۔

ڈگمبر نے ایک جگہ ماریا کو لٹا دیا۔ اور اپنے ساتھی سے کہا۔

میرا خنجر لاؤ اس عورت کو میں ذبح کر دوں گا۔۔

عنبر نے ناگ کے کان میں کہا۔

یہ لوگ ڈاکو ہیں اور کسی عورت کو قتل کرنے یہاں لائے ہیں۔

ڈاکو نے خنجر نیام سے نکال کر ڈگمبر کے حوالے کر دیا۔ چاندنی رات میں خنجر چمکنے لگا۔ اتنے میں ماریا کے رونے کی آواز آئی۔

عنبر اور ناگ نے ماریا کی آواز پہچان لی تھی اور وہ ماریا کے بچانے کے لیے دوڑے۔

جب ڈاکوؤں نے ان دونوں کو وہاں دیکھا تو بہت حیران ہوئے کہ یہ دونوں اس ویرانے میں کیا کر رہے ہیں۔

ڈاکوؤں عنبر اور ناگ سے لڑنے لگے اور ایک ڈاکو عنبر پر خنجر سے وار کرنے لگ گیا اور اس نے عنبر پر خنجر سے وار پر وار کیا لیکن وہ یہ دیکھ

کر بہت حیران ہوا کہ اتنے خنجر لگنے کے باوجود عنبر کو کچھ بھی نہیں ہوا اور خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا۔

عنبر نے ماریا کی رسیاں کھول دیں اور ڈاکوؤں سے لڑنے لگا اتنے میں ناگ بھی سانپ کی شکل میں آ گیا۔ اس نے ایک ڈاکو کے گرد لپیٹ کر اس کو ڈنک مار لیا ڈاکو چیخیں مار کر تڑپنے لگا اور مر گیا اتنے میں عنبر نے ایک ڈاکو کی گردن مروڑ کر توڑ دی۔ اور اس کے بعد ناگ ڈگمبر کی طرف بڑھا اور اسکی گردن کے گرد لپٹ گیا اور اس پر گرفت مضبوط کر لی۔

عنبر نے جلدی سے اٹھ کر ماریا کی رسیاں کھولیں اور اس کو حوصلہ دیا ماریہ نے جب عنبر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی اور اس نے پوچھا کہ ناگ کہاں ہے۔ عنبر نے کہا وہ دیکھو ناگ نے ڈاکو کی گردن کے گرد کنڈلی مار رکھی ہے۔

ڈاکو کی آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں۔ اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ ناگ نے اس کی گردن پر بل دینے شروع کر دیے تھے۔ ڈاکو ڈاکو نے دونوں ہاتھوں کی گرفت کمزور ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اب اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ سانپ کو اپنی گردن سے الگ کر سکے۔ اس نے عنبر کو ہاتھ جوڑ دیے۔

مگر ناگ نے ٹھیک اس وقت ڈاکو ڈگمبر کو ڈس لیا۔ ڈسنے کے بعد وہ ڈاکو کی گردن سے نیچے اتر آیا۔ ڈاکو کا رنگ نیلا پڑنے لگا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ زہر اس کے دل و دماغ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ زمین پر گرا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔ ناگ پھر سے انسان کے روپ میں آ گیا۔ وہ بھی ماریا سے جا کر ملا اور بولا۔

ماریا بہن اگر ہم سو جاتے یا یہاں دیر سے پہنچتے تو پھر خدا جانے کیا ہو جاتا۔ یہ قاتل تو تمہیں قتل کرنے کا پورا پورا بندوبست کیا تھا۔

عنبر نے کہا۔

یہ بتاؤ کہ جس لڑکی کی زندگی بچانے کی خاطر تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا وہ کہاں ہے؟

ماریا نے حیران ہو کر پوچھا۔

مگر تمہیں اس لڑکی کے بارے میں کیسے علم ہوا۔

عنبر بولا۔

ہمیں وفادار نوکر نے ساری بات بتا دی تھی۔ وہ کنیز لڑکی کہاں ہے۔

ماریا نے کہا۔

جھونپڑے میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ ڈاکو اسے لے کر منگولیا جا رہے تھے۔ جہاں ڈگمبر اسے سردار کی خدمت میں پیش کر کے انعام و اکرام حاصل کرنا چاہتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

چلو اچھا ہوا کہ یہ شخص بھی مر گیا۔ جانے کتنے گھر یہ اجاڑ چکا تھا۔ اور اگر زندہ رہتا تو جانے کتنے اور گھر اجاڑتا۔

ناگ بولا۔

اس کا مر جانا ہی بہتر تھا۔

ماریا نے کہا۔

آؤ میرے بھائیو۔ جھونپڑی میں چل کر اس بے چاری کنیز کی بھی خبر لیں۔

تینوں بہن بھائی چشمے سے اٹھ کر جھونپڑی میں آ گئے۔

اب مشرق میں دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ جھونپڑی میں معصوم لڑکی اسی طرح بندھی ہوئی تھی۔ اور اس کے منہ میں ریشمی رومال ٹھونسا ہوا تھا۔ ماریا نے جاتے ہی اس کے منہ سے رومال نکال کر باہر پھینکا۔

لڑکی نے سب سے پہلا سوال یہ کیا۔

تم ان ظالموں سے کیسے بچ گئیں ماریا بہن؟

ماریا نے ناگ اور عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

خدا کے حکم سے میرے بھائیوں نے مجھے بچا لیا ہے یہ عین وقت پر پہنچ گئے اور میری جان بچ گئی۔

عنبر اور ناگ مظلوم لڑکی سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اسے کہا کہ وہ پہلی فرصت میں اسے ماں باپ کے گھر پہنچائیں گے۔

کنیز نے خوش ہو کر کہا۔

تم سچ مچ میرے بھائی ہو۔ کوئی بھائی اپنی بہن کو مصیبت میں دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔ کاش دنیا کے سارے لوگ دکھ درد میں ایک دوسرے کے اسی طرح کام آنا سیکھ لیں۔ پھر یہ ساری دنیا جنت بن جائے۔

صبح ہوگئی۔

وادی میں ہر سمت اجالا پھیل گیا۔ کنیز لڑکی اور ماریا نے مل کر کھانا کھایا۔ انہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ عنبر نے کہا۔

ایک مدت کے بعد بھائیوں نے بہن کے ساتھ مل کر کھانا کھایا ہے۔

خدا کا شکر ہے اس نے آج بھائیوں کو بچھڑی ہوئی بہن سے ملا دیا۔ اب ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔

عنبر نے کہا۔

یہ تو خدا کو ہی معلوم ہے۔ ابھی ہم نے ایک ساتھ مل کر بڑے بڑے کٹھن سفر کرنے ہیں۔ ابھی ہمیں جاپان جانا ہے۔ پھر وہاں سے سمندری سفر کر کے ہندوستان آنا ہے۔ کوئی پتہ نہیں کیسے کیسے حالات ہوں۔ کن کن مصیبتوں سے ہمیں پالا پڑے۔ ہمیں صرف ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی ہوگی کہ مصیبت آئے تو کبھی نہ گھبرائیں۔ خدا سے دعا بھی کریں اور خود بھی ہمت کریں۔ بہادری اور جرأت سے کام لیں اور ایک دوسرے کو کبھی نہ بھلائیں۔ پھر ہم اکیلے رہ کر بھی بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ کر کے فتح حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی روز دوپہر کے وقت عنبر، ماریا اور ناگ کنیز لڑکی کو ساتھ لے کر واپس چین کے دارالحکومت کھیتے کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات ہوگئی تو انہوں نے جنگل میں ایک جگہ آگ روشن کی اور مزے سے کھانا کھا کر کے سو گئے۔

دن چڑھا تو وہ پھر سفر کرنے لگے۔ اسی طرح دو دن اور دو راتیں سفر کرنے کے بعد وہ کھیتے پہنچ گئے۔ کھیتے پہنچ کر انہوں نے گھوڑے بدلے سفر کی تھکان اتاری اور سیدھا کنیز کے شہر کو چل دیے۔

کنیز لڑکا کا گھر کھیتے سے سمندر کو جانے والی سڑک پر کافی

دور تھا۔ آخر سفر کرتے کرتے وہ اس شہر میں آ گئے۔ لڑکی اپنے گھر کا رستہ جانتی تھی۔ وہ انہیں اپنے گھر لے گئی۔ ماں باپ نے اپنی بچی کو دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ بے حد خوش ہوئے۔ عنبر اور ناگ کی بے حد خدمت کی۔ چار روز اس شہر میں رہنے کے بعد تینوں وہاں سے اجازت لے کر سمندر کی طرف چل پڑے۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ عنبر اور ناگ اس بار سمندر کے راستے جاپان کا سفر کرنا چاہتے تھے۔ سمندر وہاں سے بہت دور تھا۔ مگر وہ برابر سفر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک مہینے کے سفر کے بعد انہیں دور سے سمندر کا کنارہ نظر آیا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر انہوں نے سمندر کے ٹھاٹھیں مارتے پانی کو دیکھا تو انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ ایک لمبی مدت کے بعد انہیں سمندر کا گہرا نیلا پانی اور اس سطح پر تیرتے سفید بادبانوں والے جہاز دکھائی دیے۔

عنبر نے کہا۔

ماریا بہن یہ سوچ کر مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔ کہ ہم ایک مرتبہ پھر سمندری جہاز میں اکٹھے سفر کریں گے۔

ناگ نے کہا۔

اب ہم تینوں بہن بھائی اکٹھے رہیں گے۔ اور کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

ماریا بولی۔

خدا کرے۔

ٹیلے سے اتر کر انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ دن ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ سمندر کے کنارے ملک چین کی آخری بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ یہ چھوٹا سا بڑا خوش

حال شہر تھا۔ وہ ایک سرائے میں اترے جہاں سے انہیں معلوم ہوا کہ ملک جاپان کو جانے والا جہاز چار روز بعد وہاں سے روانہ ہونے والا ہے۔

☆ عنبر ماریا اور ناگ کی پھر ملاقات کیسے ہوئی۔

☆ جہاز کا کپتان عنبر کے خزانے کو لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن ناگ نے اس کا استقبال کیا۔

☆ جہاز طوفان میں پھنس کر ڈوب گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا ایک تختے پر سوار ہو کر آدم خور وحشیوں کے جزیرے میں پہنچ گئے۔

☆ سمندری ڈاکو اسی جزیرے پر پہنچ کر عنبر، ماریا اور ناگ کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ان میں سے کون مارا گیا۔ اور کون کون موت کے منہ میں پہنچے یہ سب کچھ جاننے کے لئے اس ناول کی اگلی سیریز کے انیسویں حصے موت کا جہاز ملاحظہ کیجیے۔

☆ سمندری ڈاکو، اسی جزیرے پر پہنچ کر عنبر، ماریا اور ناگ کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ان میں سے کون مارا گیا۔ اور کون کون موت کے منہ میں پہنچے یہ سب کچھ جاننے کے لئے اس ناول کی اگلی سیریز کے انیسویں حصے موت کا جہاز ملاحظہ کیجئے۔

عنبر ناگ ماریا

موت کا جہاز

قسط نمبر (۴۹)

اے حمید

فہرست!

چور سے ملاقات
بادبان کھل گئے
چور کی تلاش
کپتان کی مرمت
آیا طوفان
موت کا جہاز
سمندر میں جنگ
آدم خور وحشی
جاپانی بندرگاہ
ملکہ کی روح

سنو پیارے بچو!

عنبر، ناگ اور ماریا کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ ایک شہر کی سرائے میں اُترتے ہیں چار روز کے بعد یہاں سے ایک سمندر جہاز آگے کو روانہ ہو رہا ہے۔

جہاز سفر پر روانہ ہوتا ہے جہاز کا کپتان عنبر کے خزانے کو لوٹنا چاہتا ہے ناگ اس کی مرمت کرتا ہے یہ جہاز طوفان میں پھنس کر ڈوب جاتا ہے عنبر، ناگ اور ماریا ایک تختے پر سوار ہو کر ایک آدم خور وحشیوں کے جزیرے میں پہنچ جاتے ہیں وہاں سے فرار ہو کر وہ سمندر میں جاتے ہیں جہاں سمندری ڈاکو انہیں اغوا کر لیتے ہیں۔ آدھی رات کو سمندری ڈاکو عنبر کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

چور سے ملاقات

سرائے میں تینوں بہن بھائیوں کی تیسری رات تھی۔

وہ سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے عنبر نے سمندر جہاز پر کھانے پینے کے لئے خشک انگور اور بادام خرید کر جھولے میں بھر لئے تھے ناگ نے تیار ریشمی لباس بنوایا تھا۔ ماریا نے بھی نئے نئے کپڑے بنوا لیے تھے مگر ان کپڑوں کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لئے کہ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی پھر رنگ برنگ ریشمی کپڑے پہننے کا بھلا فائدہ ہی کیا تھا عنبر اور ناگ اسے مذاق کیا کرتے کہ ماریا بہن جب تمہارے پہنے ہوئے کپڑے کسی کو نظر ہی نہیں آئیں گے تو پھر انہیں سجا بنا کر پہننے کی کیا ضرورت ہے بس سیدھے سادے کپڑے پہن لیا کرو۔ ماریا ہنستی۔

بھائیو، غائب ہو کر تو میں بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں زندگی کا سارا مزہ جاتا رہا ہے کاش کسی طرح مجھ پر سے جادو کا اثر جاتا رہے اور میں پھر سے ایک عام عورت بن کر زندہ رہ سکوں۔

ناگ جواب میں کہتا۔

خدا کو منظور ہوا تو جادو کا اثر ایک نہ ایک دن ضرور ٹوٹ جائے گا۔ وہ دن بھی آ جائے گا جب ہم تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ سکیں گے۔

دو روز بعد ان کا جہاز سمندر کے سفر پر روانہ ہونے والا تھا۔

عنبر اور ناگ کو سرائے کا کونے والا کمرہ ملا تھا وہاں انہوں نے اپنے بستر لگا لیے تھے ایک طرف دیوار کے ساتھ انہوں نے ماریا بہن کا بستر بھی بچھا دیا تھا سرائے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ ایک ایسی لڑکی بھی رہ رہی ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی جب وہ کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی تو پھر کسی کو خبر بھی کیسے ہو سکتی تھی لیکن سرائے کے کھانا لانے والے نوکر کو بڑی حیرانی تھی کہ عنبر اور ناگ

تین آدمیوں کا کھانا کیوں منگواتے ہیں؟

ایک روز وہ چھپ گیا اور دروازے کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ لوگ تیسرا کھانا کسے کھلاتے ہیں عنبر نے عادت کے مطابق ایک کھانا اٹھایا اور ماریا کے سامنے رکھ دیا ماریا نے باتیں کرتے ہوئے کھانا شروع کر دیا نوکر کو بڑی حیرانی ہو رہی تھی کیونکہ اسے کمرے میں ایک عورت کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں اور کھانے کی پلیٹ میں سے کھانا بھی غائب ہو رہا تھا مگر سب سے بڑی حیرانی کی بات یہ تھی کہ عورت اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

نوکر نے اس کا ذکر سرائے کے مالک سے کیا تو اس نے کہا۔

تمہارا دماغ الٹ گیا ہے گدھے کہیں کے.......... بھاگ جا یہاں سے اور جا کر کام کر۔

نوکر نے کہا۔

مالک مگر ان کے پاس تھیلے میں سونے کی اشرفیوں کا ڈھیر بھی ہے مجھے تو یہ کوئی چور معلوم ہوتے ہیں۔

مالک نے ڈانٹ کر کہا۔

الو کی دم وہ چور ہوں یا کوئی اور ہوں، ہمیں اس سے کیا؟ چل دور ہو یہاں سے۔

نوکر چلا گیا۔ مالک اپنے کام میں لگ گیا لیکن وہاں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کے کان کھڑے ہو گئے یہ شخص ایک مشہور چور تھا اس کا کام ہی مسافروں کو لوٹنا تھا وہ سمندری جہازوں پر سفر کرتا اور راستے میں کسی نہ کسی امیر مسافر کو تاڑ کر اسے دوست بناتا اور پھر لوٹ کر راستے میں کسی بندرگاہ پر اتر جاتا۔

اس چور کا نام پھوما تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ عنبر اور ناگ نام کے دو

بھائی سمندری جہاز میں جاپان تک سفر کر رہے ہیں اور ان کے پاس سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا جھولا ہے تو اس کی طبیعت للچا گئی اس نے جھٹ فیصلہ کر لیا کہ وہ انہی پر ہاتھ صاف کرے گا اور ان کا مال لوٹ کر راستے میں کسی بھی پہلی یا دوسری بندرگاہ پر چپکے سے اُتر جائے گا وہ بڑا خوش ہوا کہ اسے شکار مل گیا کئی روز سے وہ شکار کی تلاش میں تھا مگر اسے شکار نہیں مل رہا تھا اس بحری جہاز میں عنبر اور ناگ ہی سب سے امیر آدمی تھے جو سفر کر رہے تھے۔

چور اب عنبر اور ناگ کے ساتھ دوستی ڈالنے کے لئے ان کے کمرے کی طرف آ گیا رات کا پہلا پہر تھا اور سرائے میں روشنیاں ہو رہی تھیں اور بڑی رونق تھی عنبر اور ناگ سرائے کے قہوہ خانے میں بیٹھے کھانے کے بعد قہوہ پی رہے تھے ان کا کمرہ بند تھا باہر تالا پڑا تھا اور اندر ماریا کھانا کھا کر آرام کر رہی تھی عنبر اور ناگ دونوں بھائی ایک میز پر بیٹھے بڑے مزے سے گرم گرم قہوہ پی رہے تھے وہ بڑے خوش تھے کہ ایک عرصے کے بعد سمندر میں سفر کرنے والے تھے۔

ناگ کہنے لگا۔

عنبر سمندری سفر بڑا مزے دار رہے گا۔ کیوں کہ کل جہاز کے ایک خلاصی سے ملاقات ہوئی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ سمندری طوفان ان دنوں بہت کم آتے ہیں۔

عنبر کہنے لگا!

بھائی ناگ اگر طوفان راستے میں آ بھی گیا تو پھر کیا ہے ہم بڑے بڑے طوفانوں سے کھیلتے آئے ہیں ہم طوفانوں میں خوش رہتے ہیں ہم طوفانوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔

یہ تو ٹھیک ہے عنبر لیکن بعض طوفان ایسے ہوتے ہیں کہ سفر کا سارا مزہ برباد ہو جاتا ہے اور جہاز سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

اگر جہاز ڈوب بھی گیا تو کیا ہوگا ہم دونوں بچ جائیں گے میں تو مر ہی نہیں سکتا، باقی تم سانپ بن کر سمندر پر تیر سکتے ہو۔

ناگ لاجواب ہو کر ہنستے ہوئے بولا۔

بھائی عنبر تمہارے ساتھ باتوں میں کوئی پورا نہیں اتر سکتا تم جو کہتے ہو میں مان لیتا ہوں۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ چور نے ان کے پاس آ کر جھک کر سلام کیا اور بڑی ہی میٹھی اور نرم آواز میں بولا۔

اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو کیا آپ اس پردیسی کو قہوے کی ایک پیالی پلا سکتے ہیں؟

عنبر نے خوش اخلاقی سے کہا۔

کیوں نہیں بھائی ایک پردیسی کی خدمت کر کے ہمیں خوشی ہوگی یہاں ہمارے پاس بیٹھو اور قہوہ پیو۔

چور وہاں بیٹھ گیا۔ ناگ نے اس کی پیالی میں قہوہ ڈالتے ہوئے پوچھا

تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو۔؟

چور نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

میں ایک غریب پردیسی ہوں، میرا گھر دریائے یانگسی کے کنارے تھا سیلاب آیا اور میرا سب کچھ بہا کر لے گیا میرے بیوی بچے بھی سیلاب میں بہہ گئے اب میں اس دنیا میں اکیلا ہوں زمین کا ایک آخری ٹکڑا رہ گیا تھا اسے بیچ کر اتنے پیسے بڑی مشکل سے ہوئے ہیں کہ جہاز کا کرایہ دے سکوں میں یہاں سے جاپان جا رہا ہوں شاید وہاں جا کر میرے حالات اچھے ہو جائیں۔

عنبر نے کہا۔

تمہاری دردناک کہانی سن کر مجھے بڑا افسوس ہوا ہے۔

ناگ نے کہا۔

بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں بھائی ؟

چور نے عاجزی سے کہا۔

آپ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھ سے ہمدردی کے دو بول کہے ورنہ اس دنیا میں کون کسی کے دکھ درد کو سنتا ہے بس مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ سفر میں کبھی کبھی آپ کے پاس آ کر بیٹھ جایا کروں اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کروں۔

عنبر نے چور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ہمیں خوشی ہوگی تمہیں اپنے پاس بٹھا کر تم بے شک جب اور جس وقت چاہو ہمارے پاس آ سکتے ہو۔

آپ بھی جاپان جا رہے ہیں کیا؟

ہاں بھائی، ہم بھی جاپان جا رہے ہیں، تمہارے ساتھ سفر بڑا اچھا کٹے گا۔

چور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر چلا گیا۔

عنبر اور ناگ پر چور کی جھوٹی کہانی نے بڑا اثر کیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

بے چارا بہت دکھی ہے ہم ضرور اس کی مدد کریں گے۔

عنبر بولا۔

میرا تو خیال ہے ہمیں اسے کچھ اشرفیاں دے دینی چاہئیں۔

اس طرح اس کی خودداری کو شاید ٹھیس لگے۔

یہ بھی ٹھیک ہے میرا خیال ہے کہ ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرن چاہئے اگر کوئی ایسی گھڑی آ گئی تو ہم اس کی ضرور مدد کریں گے۔

قہوہ پینے کے بعد عنبر اور ناگ اپنے کمرے میں ماریا کے پاس آ گئے انہوں نے ماریا کو بھی چور کے بارے میں بتایا تو وہ بولی۔

ہمیں اس شخص سے بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے آج کے زمانے میں لوگ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر کے بھی نقصان پہنچا جاتے ہیں۔

خنیر نے کہا۔

ایسی بات نہیں ہے ماریہ بہن۔ وہ شخص سچ مچ بڑا دکھی تھا سیلاب نے اس کے بیوی بچوں کو بھی ہلاک کر دیا ہے۔

ناگ بولا۔

ویسے ہمیں ہوشیار ضرور رہنا چاہیے۔ ماریہ بہن کا خیال درست ہے ہم ایک لمبے سفر پر نکلے ہوئے ہیں ہمیں ہر طرح کے آدمیوں سے پالا پڑ سکتا ہے۔

تھوڑی دیر وہ باتیں کرنے کے بعد وہ سو گئے۔

ادھر چور سرائے کے مالک کے پاس جا کر بیٹھ گیا سرائے کا مالک چور

سے ملا ہوا تھا مالک نے چور سے پوچھا۔

کہو دال گلتی نظر آتی ہے یا نہیں۔؟

چور مکاری سے مسکرا کر کہنے لگا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں کسی کام میں ہاتھ ڈالوں اور نا کام ہو جاؤں میں نے ان پر اپنی غریبی کا جادو ڈال دیا ہے اب میرا راستہ ہموار ہو گیا ہے۔

مالک بولا۔

اسامی بڑی موٹی ہے نوکر کہہ رہا تھا کہ ان کے پاس بڑی دولت ہے۔

فکر نہ کرو یہ ساری دولت میں راستے میں ہی ٹھکانے لگا دوں گا۔

ہمارا حصہ مت بھول جانا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے تمہارا حصہ تمہیں واپس آتے ہی دے دوں گا، آخر تم نے مجھے جہاز کا کرایہ دیا ہے مجھے سرائے میں رہنے کے لئے کمرہ دیا

ہے اور پھر میں نے ہمیشہ تمہیں چوری کے مال میں سے حصہ دیا ہے۔

سرائے کا مالک سر کھجاتے ہوئے بولا۔

یار ایک انوکھی بات نوکر بتا رہا تھا۔

چور نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

کون سی انوکھی بات۔؟

مالک بولا۔

خدا جانے اب اس کا دماغ پھر گیا تھا یا ویسے ہی جھوٹ بول رہا تھا۔

آخر بات کیا ہے۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟

کہہ رہا تھا کہ ان دو مسافروں کے پاس سونے کی اشرفیوں کے ڈھیر ہیں اور ان کے ساتھ ایک عورت ہے جو نظر نہیں آتی۔

چور بولا۔

یہ کیا بات ہوئی۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا وہ کیسے غائب ہو سکتی

ہے اور کیسے کھانا کھا سکتی ہے۔

سرائے کے مالک نے غصے سے کہا۔

وہ تو کہتا ہے کہ اس نے کسی غیبی عورت کو تھالی میں سے کھانا کھاتے بھی دیکھا ہے وہ نظر نہیں آ رہی تھی مگر تھالی میں سے کھانا غائب ہو رہا تھا۔

چور نے سر کو جھٹک کر کہا۔

اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو گا۔

سرائے کا مالک کہنے لگا۔

میرا بھی یہی خیال تھا اور میں نے بھی اسے یہی کہا تھا کہ تمہارا سفر بالکل آرام دہ رہے گا۔

چور اپنے چچا سے باتیں کرتے ہوئے بولا۔

چچا نے چور کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا کہ کہیں یہ لوگ

کوئی نادیدہ قوتیں نہ رکھتے ہوں جس کی وجہ سے تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔

چور کے چچا نے کہا۔

فکر نہ کرو چاچا۔ میں کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا اگر یہ جادوگر بھی ہوئے تو ایسا کام دکھاؤں گا کہ یہ لوگ سارا جادو وادو بھول جائیں گے۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی ویسے کوشش کرنا کہ جہاز میں زیادہ آگے نہ جاؤ راستے میں ہی اشرفیوں پر ہاتھ صاف کر کے کسی بندرگاہ پر اتر جانا۔

چور کہنے لگا۔

چاچا۔ میں تو تم سے بھی زیادہ بے صبرا ہوں لیکن بہت جلدی بھی ہاتھ صاف کیا تو پہلی بندرگاہ بھی تین دن اور تین رات کے سفر کے بعد آتی ہے۔

سرائے کا مالک بولا۔

ہاں، اتنی دیر تو ضرور لگ جائے گی بہر حال تمہارا بے چینی سے انتظار کروں گا۔

چور سرائے کے مالک سے دیر تک باتیں کرتا رہا پھر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو اسے خیال آیا کہ عنبر اور ناگ کے کمرے کے قریب سے گزرنا چاہیے کمرے کے پاس آ کر چور نے دروازے کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا دیا جل رہا تھا اور اندر دونوں بھائی قالین پر سو رہے تھے اس نے سوچا کہ نوکر غلط کہتا تھا کہ ان کے پاس کوئی غیبی عورت بھی ہے اگر ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ اسے ضرور نظر آتی کیونکہ ایسے لوگ عام طور پر سونے کے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں مگر اندر تو سوائے دونوں بھائیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

چور اپنے کمرے میں آ کر سو گیا۔

بادبان کھل گئے

اگلا روز ملک چین میں ان کا آخری روز تھا۔

عنبر اور ناگ نے اٹھ کر باہر سے ناشتہ منگوایا۔ ماریا بھی اٹھ پڑی تھی تینوں نے مل کر ناشتہ کیا نوکر نے پھر جا کر سرائے کے مالک سے کہا کہ اندر دو آدمی ہیں مگر ناشتہ تین انسان کر رہے ہیں مالک کے پاس اس وقت چور بھی بیٹھا ہوا تھا سرائے کے مالک نے اسے کہا کہ وہ خود جا کر معلوم کرے کہ اصل معاملہ کیا ہے چور وہاں سے اٹھا اور عنبر کی کوٹھڑی کے دروازے پر آ کر اندر جھانکنے لگا نوکر نے سچ کہا تھا۔

کیا دیکھتا ہے کہ اندر قالین پر دستر خوان بچھا ہے عنبر اور ناگ آمنے سامنے بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں لیکن ان کے برابر ایک اور تھالی رکھی ہے جس میں سے انڈا اور پھل غائب ہو رہے ہیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی تیسرا انسان وہاں بیٹھا ان کے ساتھ ناشتہ کر رہا ہے مگر دکھائی نہیں دے رہا۔

چور بڑا حیران ہوا کہ یہ قصہ کیا ہے ضرور یہ لوگ جادوگر ہیں اسے بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا جادوگروں کے تھیلے سے اشرفیاں چرانا سانپ کے منہ سے منکا نکالنے والی بات تھی چور نے کئی بار اندر جھانک کر دیکھا آخر اس نے دروازے پر دستک دی عنبر نے جلدی سے ماریا کو اشارہ کیا ماریا نے تھالی ہاتھ میں اٹھا لی۔ تھالی ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی ناگ نے دروازہ کھول دیا چور نے جھک کر سلام کیا اور بولا۔

میں معافی چاہتا ہوں آپ کو تکلیف دی میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ سوچا آپ کو سلام کرتا جاؤں۔

عنبر نے کہا۔

تشریف لاؤ بھائی۔ اور ناشتہ کرو۔

چور بھی تو چاہتا تھا کہ کسی طرح اندر داخل ہو جائے۔

شکریہ میں تھوڑی دیر کے لئے اندر آ جاتا ہوں ناشتہ سرائے کے مالک نے مجھے کرا دیا ہے وہ بھی آپ کی طرح بڑا رحمدل انسان ہے اور مجھ سے بڑی ہمدردی رکھتا ہے۔

چور اندر داخل ہو گیا اور عنبر اور ناگ کے پاس قالین پر آ کر بیٹھ گیا اس نے دیکھا کہ چند لمحے پہلے دستر خوان پر جو تیسری تھالی پڑی تھی وہ غائب تھی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ کمرے میں قالین پر ایک جگہ دباؤ پڑا ہوا تھا جیسے کوئی غیبی انسان وہاں بیٹھا ہو، وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا!

آپ کو دیوتا بہت دولت عطا کریں۔ آپ ایسے لوگوں کے دم قدم سے ہی دنیا میں نیکی قائم ہے آپ نے مجھ جیسے دکھی انسان سے ہمدردی کر کے اپنے بلند اخلاق کا ثبوت دیا ہے۔

عنبر نے پھل کی طشتری چور کی طرف بڑھا کر کہا۔

یہ تو ہر انسان کا فرض ہے بھائی کہ وہ مصیبت میں دوسرے انسان کے کام آئے لو یہ انجیر کھاؤ۔

شکریہ۔

اور چور نے ایک انجیر اٹھا کر اسے منہ میں رکھ لیا وہ پھل بھی کھا رہا تھا اور ساتھ ساتھ عنبر سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا اس کی چالاک نظریں بڑی ہوشیاری سے کمرے کی ایک ایک شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ناگ نے کہا۔

سنا ہے بادبانی جہاز کل صبح صبح یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔

چور بولا۔

میں کپتان سے ملا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ اگر موسم اچھا رہا تو ہم کل صبح چین کے ساحل سے چل پڑیں گے۔

عنبر نے کہا۔

موسم تو اچھا ہی رہے گا۔

ناگ کہنے لگا۔

تو پھر کل اس وقت ہم بحری جہاز میں سفر کر رہے ہوں گے۔

ضرور ضرور۔

اچانک ماریا کے ہاتھ سے چمچ نیچے گر پڑا عنبر اور ناگ کچھ گھبرا سے گئے چور نے قالین پہ چمچ گرتے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

کمال ہے یہ چمچ اوپر سے کیسے آ گیا؟

ناگ جھٹ بولا۔

الماری کے اوپر اسے میں نے رکھا تھا میرا خیال ہے اپنے آپ نیچے گر پڑا ہو گا۔

چور نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

میرا بھی یہی خیال ہے وگرنہ آسمان سے تو گر نہیں سکتا۔

عنبر نے کہا۔

جی ہاں۔

اور چمچ اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا، ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ اس کی ذرا سی بے احتیاطی سے عنبر اور ناگ کو جھوٹ بولنا پڑا اور اگر وہ موقع پر بہانہ نہ کرتے تو خطرہ تھا کہ اجنبی آدمی کو شک پڑ جاتا چور کو ثبوت مل گیا تھا کچھ دیر چکنی چپڑی باتیں کرنے کے بعد اس نے بڑے ادب سے اجازت لی جھک کر سلام کیا اور بڑی مسکین صورت بنائے کمرے میں

سے باہر نکل گیا۔

وہاں سے وہ سیدھا سرائے کے مالک کے پاس آیا۔

تمہارے نوکر نے ٹھیک کہا تھا۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ میں ایک تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔

مالک نے پوچھا۔

کون سا تماشہ؟

چور نے بڑے آرام سے سرائے کے مالک کو چیچ کے گرنے کا سارا واقعہ سنا دیا، سرائے کا مالک گردن ایک طرف کر کے سر کھجانے لگا۔

کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟

مجھے تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چیچ ایک دم قالین پر گر پڑا حالانکہ وہاں کوئی

بھی نہیں تھا۔

سرائے کے مالک نے فکر کے ساتھ کہا۔

بچو جی اب یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے یہ لوگ ضرور جادوگر ہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا میں تو کہتا ہوں لعنت بھیجو ان کو۔

چور نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

چچا اگر ان کا مال نہ اڑایا تو پھر مزہ کیا آیا۔

تمہاری جو مرضی ہے کرو، ویسے میرا مشورہ تمہیں یہی ہے کہ ان کا پیچھا چھوڑ دو کوئی دوسری آسامی تلاش کرو۔

چور قہقہہ لگا کر ہنسا اور کہنے لگا۔

چچا، اب تو یہ دونوں بھائی مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے ان کے پاس جو اشرفیاں ہیں ان پر میری مہر لگ چکی ہے اب وہ میری ہیں میں انہیں ضرور چوری کر کے رہوں گا۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

اچھا بھئی تمہیں کون روک سکتا ہے جو جی میں آئے کرو۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر عنبر اور ناگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے ماریا بھی ان کے قریب ہی بیٹھی تھی یہ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر قہوہ پی رہے تھے ملازم ابھی ابھی قہوے کی صراحی اندر رکھ کر گیا تھا ساتھ تین پیالیاں بھی تھیں۔

ملازم نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

صاحب۔ آپ دو آدمی ہیں مگر پیالیاں تین کس لئے منگواتے ہیں؟

عنبر نے ہنس کر کہا۔

یار ایک پیالی میں اپنی روح کے لئے منگواتا ہوں میرے ساتھ میری روح بھی قہوہ پینے یہاں آتی ہے۔

نوکر نے کہا۔

صاحب آپ کی روح آپ کے اندر نہیں ہے۔

عنبر بولا۔

نہیں میاں میری روح میرے اندر ہوتی تو پھر یہ تیسری پیالی کیوں منگواتا۔؟

ملازم کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ ناگ نے اسے باہر جانے کو کہا۔

ملازم پھر بھی مشکوک نگاہوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھتا ہوا باہر نکلا تھا اس سے پہلے جو وہاں موجود تھا اور ماریا کے ہاتھ سے چمچ گرنے والا حادثہ ہو چکا تھا۔

لہٰذا ناگ نے کہا۔

یہ شخص جو غریب آدمی بن کر ہمارے پاس آیا تھا اس کے سامنے ماریا کے ہاتھ سے چمچ قالین پر گر کر ظاہر ہو گیا تھا کہیں اس کو شک تو نہیں پڑ گیا ہم پر؟

عنبر کہنے لگا۔

میرا خیال ہے کہ اس نے چمچ کو غور سے نہیں دیکھا۔

مگر اس نے تو پوچھا تھا کہ یہ چمچ کہاں سے آ گیا۔؟

ماریا نے کہا۔

میرا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ اسے کچھ کچھ شک ہو گیا ہے عنبر کہنے لگا۔

ارے بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے! اول تو ایک عام آدمی کو یقین ہی نہیں آ سکتا کہ ایک دم سے چمچ ظاہر ہو جائے گا پھر وہ کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا کہ ایک انسان اس کے پاس ہی غائب حالت میں قہوہ پی رہا ہے۔

ناگ کہنے لگا۔

بات تو ٹھیک ہے مگر آج کل دنیا بڑی ہوشیار ہو گئی ہے۔

ہو سکتا ہے اسے وہم ہو گیا ہو۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

ناگ بھائی اگر اسے وہم بھی ہو گیا ہے تو پھر کیا ہو گا ہو جانے دو اسے وہم وہ ہمارا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتا۔

ناگ نے کہا۔

بگاڑ تو واقعی کچھ نہیں سکتا، بہر حال ہمیں اپنی طرف سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

دروازے پر کسی نے دستک دی ماریا اٹھ کر قالین پر ذرا پرے ہو کر بیٹھ گئی اس لئے کہ اسے ہمیشہ یہ ڈر رہتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی تو دے ہی نہیں رہی کہیں کوئی اس کے اوپر آ کر نہ بیٹھ جائے۔ ناگ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

ایک آدمی دروازے میں کھڑا تھا عنبر نے پوچھا۔

آپ کو کس سے ملنا ہے۔

اس آدمی نے کہا۔

معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو تکلیف دی میں نجومی ہوں اور فال رمل سے مستقبل کا حال بتاتا ہوں اس سفر میں جتنے مسافر جا رہے ہیں میں نے سب کے زائچے بنا کر انہیں آنے والے زمانے کا حال بتا دیا ہے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ بھی جہاز میں سفر کر رہے ہیں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں اگر آپ بھی زائچہ بنا کر اپنے آنے والے زمانے کا حال معلوم کرنا چاہیں تو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں میں اس کام کا معاوضہ صرف ایک اشرفی لیتا ہوں۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر مسکرایا۔ ناگ نے کہا۔

آ جایئے اندر۔

نجومی کمرے میں آ کر قالین پر بیٹھ گیا اس نے سیٹ نکال کر سامنے رکھ لی اور بولا۔

آپ میں سے کون صاحب اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔؟

عنبر نے کہا۔

میرا زائچہ بنا کر بتایئے کہ میری قسمت کیسی ہے۔؟

نجومی نے اسی وقت ایک کتاب نکالی۔ اس میں سے ستاروں کا حال معلوم کر کے اس نے سلیٹ پر عنبر کا زائچہ بنایا زائچہ بنا کر وہ یکدم چونک پڑا پھر وہ دیر تک سلیٹ پر سفید چاک سے بنے ہوئے ستاروں کے حساب کتاب کو دیکھتا رہا آخر عنبر نے پوچھا۔

آپ کچھ بتائیں گے بھی یا اس حساب کتاب کو ہی دیکھتے رہیں گے؟

نجومی نے سلیٹ پر سے نظریں اٹھا کر بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور بولا۔

معاف کیجئے میں نے آج تک ایسا زائچہ نہیں دیکھا میں نے اپنی

زندگی میں ہزاروں زائچے بنائے ہیں مگر یہ پہلا زائچہ ہے جس نے مجھے چکر میں ڈال دیا ہے۔

عنبر مسکرا کر بولا۔

آخر میرے زائچے میں ایسی کون سی بات ہے جس نے آپ کو چکر میں ڈال دیا ہے۔

نجومی اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔

بات ہی کچھ ایسی ہے۔

ناگ نے کہا۔

آخر ایسی کون سی بات ہے کچھ ہمیں بھی تو بتایئے۔

عنبر بولا۔

ہاں ہاں۔ قسمت میں جو کچھ لکھا ہے صاف صاف بیان کر دیں ہم فکر لگانے والوں میں سے نہیں ہیں، ہماری قسمت میں قدرت نے جو لکھ دیا ہے ہمیں منظور ہے۔

نجومی نے ایک بار پھر سلیٹ پر نگاہیں جما دیں پھر آنکھیں اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میرے حساب سے آپ اڑھائی ہزار برس سے اس دنیا میں زندہ ہیں اور ابھی جانے کتنے ہزار برس اور اس دنیا میں زندہ رہیں گے ....آپ کو ابھی موت نہیں آسکتی آپ بہت بڑی طاقت کے مالک ہیں اور آپ کا ستارہ بڑی آب و تاب سے آسمان پر چمک رہا ہے۔

عنبر اور ناگ ٹھٹھک سے گئے نجومی نے سچی بات ان کے منہ پر کہہ دی تھی آج تک کسی نے انہیں یہ بات نہیں بتائی تھی عنبر نجومی کے سچے حساب کتاب کا قائل ہو گیا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا راز افشا ہو جائے اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

واہ نجومی صاحب، آپ نے بھی کمال کر دیا بھلا آپ ہی بتایئے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا انسان ہو سکتا ہے جو ہزاروں سال تک زندہ رہ سکے؟ یہ تو بالکل غیر قدرتی بات ہے کیونکہ جو انسان پیدا ہوا ہے اسے ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے آپ کا حساب بالکل غلط ہے۔

نجومی نے کہا۔

میرے عزیز، ایک بات یاد رکھو میرا حساب کبھی غلط نہیں ہو سکتا میں تمہیں جو کچھ بیان کر رہا ہوں بالکل سچ ہے اور حساب کی رو سے اس میں رتی بھر بھی جھوٹ نہیں ہے میں خود حیران ہوں کہ ایک انسان کس طرح ہزاروں برس تک زندہ رہ سکتا ہے اگر تم مجھے سچی بات بتا دو تو میں تمہارا بہت شکر گزار رہوں گا کیا واقعی تم اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو؟

عنبر قہقہہ مار کر ہنسا۔

میاں نجومی! معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ الٹ گیا ہے جاؤ بھائی اپنا کام کرو، یہ لو ایک اشرفی اور سرائے میں جا کر کوئی ٹھنڈی چیز پیو۔ تا کہ تمہارے دماغ کی گرمی دور ہو معلوم ہوتا ہے کہ گرمی تمہارے دماغ کو چڑھ گئی ہے۔

نجومی نے ایک اشرفی لے کر اپنی جیب میں رکھی اور عنبر کی طرف بڑے غور سے دیکھتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے عنبر کی بات پر یقین نہیں ہے اور اس پر یہ راز کھل گیا ہے کہ وہ اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے اور موت اس پر حرام ہے جب وہ کمرے میں سے باہر نکل گیا تو عنبر نے کہا۔

بھائی یہ نجومی تو کوئی بڑا ایلا کا آدمی معلوم ہوتا ہے کم بخت نے بالکل ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر بتا دیا۔

ناگ نے کہا۔

اپنے کام میں بڑا ماہر تھا۔

ماریا نے اندیشے کا اظہار کیا۔

کہیں یہ شخص ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کرے گا؟

عنبر بولا۔

یہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے بھلا؟ ماریا بہن! تم تو خواہ مخواہ فکر کرنے لگ جاتی ہو۔ وہ جس سے بھی یہ بات کرے گا اس کی بات پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا اور پھر وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے اور اگر کوئی یقین کر بھی لے تو ہمیں کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

عنبر ٹھیک کہہ رہا ہے ماریا۔ یہ معمولی بات ہے اگرچہ نجومی نے بڑا ٹھیک حساب لگایا ہے مگر ہمارے لئے اس سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

وہ رات کو بھی کھانے پر نجومی ہی کی باتیں کرتے رہے پھر وہ سو گئے

پچھلے پہر وہ اٹھے سرائے کے مالک سے اجازت لی اور بندرگاہ پر آ گئے سمندر میں جاپان کو جانے والا بحری جہاز بالکل تیار کھڑا تھا مسافر اپنا اپنا سامان لے کر اس میں سوار ہو رہے تھے سورج ابھی نہیں نکلا تھا ہوا خوب چل رہی تھی عین وقت پر کپتان کے حکم سے جہاز کے بادبان کھول دیے گئے بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہونا شروع ہو گیا۔

چور کی تلاش

جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

عرشے پر صبح سے شام تک بڑی رونق اور چہل پہل ہوتی جہاز کو سمندر میں سفر کرتے دوسرا روز جا رہا تھا موسم بہت خوشگوار تھا آسمان پر بادلوں کا نام و نشان تک نہ تھا سارا دن ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چلتی صرف رات کو سردی ہو جاتی جہاز پر روشنیاں ہو جاتیں مسافر کچھ دیر کھانا کھانے کے بعد عرشے پر چہل قدمی کرتے اور پھر نیچے جا کر اپنے اپنے کیبن یا نچلی منزل کے فرش پر جا کر سو جاتے۔

عنبر اور ناگ نے ایک کیبن الگ اپنے لئے لے لیا تھا اسی کیبن میں ماریا بھی ان کے ساتھ ہی تھی ماریا رات کو کیبن کے فرش پر گدیلا بچھا کر سو جاتی اوپر کی دو نشستوں پر ناگ اور عنبر سوتے ماریا دن میں عرشے پر گھوم پھر لیتی تھی چور ابھی اسی جہاز میں سفر کر رہا تھا اس نے عنبر اور ناگ کے ساتھ دوستی کر لی تھی اور وہ دن کا زیادہ وقت ان ہی کے پاس گزارتا تھا انہیں اب چور سے وحشت ہونے لگی تھی کیونکہ اس

کی وجہ سے وہ ماریا سے کوئی بات نہیں کر سکتے تھے مگر چور تو جیسے ان کے ساتھ چپک ہی گیا تھا عنبر اور ناگ اس وقت سو رہے تھے اگلے دن صبح چور اپنے ساتھ انگور لے کر ان کے کمرے میں داخل ہوا۔

بھائی تم نے یہ تکلیف کیوں کی؟ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی؟ انگور تو ہم کھاتے ہی رہتے ہیں۔

چور نے کہا۔

نہیں بھائی صاحب قسم لے کر کہتا ہوں کہ آپ نے ایسے انگور نہیں کھائے ہوں گے۔ دکاندار نے بڑی مشکل سے دیے ہیں صرف اس وجہ سے کہ میری اس سے واقفیت تھی کہہ رہا تھا کہ ایک خاص امیر آدمی کی امانت ہے جس کے پاس جاپان لیے جا رہا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

اچھا تو یہ بات ہے۔

چور بولا۔

جی ہاں تب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ ذرا چکھ کر دیکھیں بس خاص تحفہ ہی ہے۔

عنبر نے کہا۔

لاؤ بھائی پھر تو ضرور کھائیں گے۔

چور نے ٹوکری درمیان میں رکھ دی۔ سب انگور کھانے لگے چور نے اپنے لئے ایک خاص گچھا نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسی میں سے توڑ توڑ کر کھانے لگا عنبر اور ناگ کے آگے ٹوکری میں جو انگور تھے وہ اسی طرف سے انگور کھانے لگے چور ساتھ ساتھ باتیں بھی کیے جا رہا تھا وہ انہیں ایک سمندری ڈاکو کی کہانی سنا رہا تھا جو اپنے جہاز پر سمندر میں گھومتا رہتا تھا اور جہازوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیتا تھا۔

تو جناب ایک روز ایسا ہوا کہ یہ بحری ڈاکو اپنا جہاز لیے سمندر میں چکر لگا رہا تھا کہ اس نے دور سے ایک جہاز کو دیکھا ڈاکو نے اپنے جہاز کا رخ اس جہاز کی طرف موڑ دیا اس کا خیال تھا کہ وہ ایک تجارتی جہاز ہوگا اور ڈاکو آسانی سے اس پر حملہ کر کے لوٹ لے گا جب وہ قریب پہنچا اس نے دیکھا کہ وہ جہاز ایک جنگی جہاز تھا اور اس کے اوپر بڑی بڑی توپیں لگی تھیں اب کیا ہو سکتا تھا جنگی جہاز نے ڈاکوؤں کے جہاز کا خاص جھنڈا اڑتے دیکھا تو اس پر دھڑا دھڑ گولہ باری شروع کر دی دیکھتے دیکھتے جہاز ڈوبنے لگا ڈاکو کے ہاتھ پاؤں پھول گئے جلدی سے ایک کشتی میں اپنے خزانے کا صندوق لے کر اترا اور سمندر میں بھاگ گیا پھر........

چور کہانی سنا رہا تھا اور عنبر اور ناگ پر غنودگی چھا رہی تھی انہیں نیند آنے لگی تھی اصل بات یہ تھی کہ چور نے انہیں دھوکہ دے کر ایسے انگور کھلا دیے تھے جن کے باہر بے ہوش کرنے والا سفوف ملا ہوا تھا عنبر اور

ناگ اتنے ہوشیار ہوتے ہوئے بھی دھوکہ کھا گئے انہیں محسوس ہی نہ ہوا کہ انگوروں کے اوپر سفوف ملا ہوا ہے۔

چور باتیں سنا رہا تھا کہانی سنا رہا تھا اس نے بڑی مزے دار کہانی چھیڑ دی تھی تاکہ عنبر اور ناگ اس کی طرف ہی توجہ دیں اور جلدی بے ہوش ہو جائیں اور ایسا ہی ہوا کہانی سنتے سنتے عنبر نے کہا۔

بھائی مجھے نیند آ رہی ہے۔

اور قالین پر لیٹتے ہی سو گیا ناگ بھی وہیں لیٹ کر سو گیا، وہ سوئے نہیں تھے بلکہ بے ہوش ہو چکے تھے چور نے ایک قہقہہ لگایا اندر سے کیبن کا دروازہ بند کیا اور اٹھ کر سامان کی تلاشی لینی شروع کر دی آخر اسے وہ تھیلا مل گیا جو سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا یہ تھیلا سامان کے نیچے پڑا تھا سونے کی اشرفیوں کا تھیلا اٹھا کر چور کیبن سے باہر نکل آیا اور سیدھا کپتان کے کیبن کی طرف آ گیا۔

یہ چور جہاز کے کپتان سے بھی ملا ہوا تھا کپتان اس قسم کے چوروں کی سرپرستی کرتا تھا وہ ان سے سونے کی اشرفیوں کا کچھ حصہ وصول کرتا تھا اور پھر جہاز کو کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر راستے میں کسی جزیرے وغیرہ پر روک دیتا تھا اور چور کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل جاتا تھا چور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا کندھے پر اٹھائے کپتان کے پاس آیا تو وہ میز پر نقشے پھیلائے ان پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر چور کو دیکھا۔

تم.........کیا کام ختم کر لیا؟

ہاں کپتان۔

کپتان بولا۔

کامیاب ہو گئے۔؟

چور نے کہا۔

میں کبھی ناکام نہیں ہوا کپتان یہ دیکھو اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا۔

ٹھیک ہے میرا حصہ اس میز پر الگ رکھ دو۔

چور نے اسی وقت سونے کی پانچ سو اشرفیاں گن کر میز پر الگ رکھ دیں اور بولا۔

یہ ہے تمہارا حصہ کپتان اب تم اپنا فرض ادا کرو جہاز کو پہلے جزیرے پر روک کر مجھے فرار ہونے کا موقع دو میں اس جزیرے پر دوسرے جہاز سے واپس چلا جاؤں گا۔

کپتان نے اشرفیاں اٹھا کر ایک صندوق میں بند کر کے تالا لگا دیا۔

شاباش۔ تم بہت ایماندار چور ہو۔ ہم تم جیسے چوروں کی قدر کرتے ہیں جزیرہ دو روز کے بعد آئے گا میں وہاں جہاز کو روک دوں گا تم فوراً اتر جانا۔

ٹھیک ہے کپتان اب تم ایسا کرو کہ یہ میری اشرفیوں کی امانت بھی

اپنے پاس رکھو، جاتے وقت میں تم سے لے لوں گا کیوں کہ میرے پاس اس جہاز میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

لاؤ تمہاری امانت میرے پاس محفوظ رہے گی۔

چور نے اشرفیوں کا تھیلا کپتان کے حوالے کر دیا کپتان نے اس کے سامنے تھیلے کے منہ پر لاخ کی مہر لگائی اور ایک دوسرے صندوق میں رکھ کر تالا لگا دیا۔

تم جس وقت چاہو میرے پاس آ کر اپنی امانت واپس لے سکتے ہو۔

لیکن کپتان میں اب اس حلیے میں باہر جہاز پر جا کر چہل قدمی نہیں کر سکتا کیونکہ جن لوگوں کا میں نے مال چوری کیا ہے وہ ہوش میں آنے کے بعد جہاز پر مجھے چلتا پھرتا دیکھ کر پہچان لیں گے اور پکڑ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے۔

کپتان نے کہا۔

اگر تم چاہو تو دو روز تک میرے اس کیبن میں بند رہ سکتے ہو اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک بوڑھے سے یہودی تاجر کے بھیس میں بدل دیتا ہوں تمہارا ایسا حلیہ بدلوں گا کہ وہ لوگ تمہیں کبھی بھی نہ پہچان سکیں گے کہو کیا خیال ہے۔

چور نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ تم حلیہ تبدیل کر کے مجھے یہودی سوداگر بنا دو میں تمہارے کیبن میں دو دن تک بند نہیں رہ سکتا۔

جیسے تمہاری مرضی، ساتھ والے کیبن میں ابھی آ کر تمہارا حلیہ تبدیل کر دیتا ہوں۔

ایک گھنٹے کے بعد چور کپتان کے کیبن میں نکلا تو وہ ایک بوڑھا یہودی سوداگر بنا ہوا تھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور چہرے پر جھریاں تھیں کپتان کو چہرہ بدلنے میں بڑی مہارت حاصل تھی اس نے رنگ و

روغن سے جوان چور کو بوڑھا یہودی بنا دیا تھا۔

ادھر جب عنبر اور ناگ کو ہوش آیا تو ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھنے لگے ناگ نے کہا۔

وہ تمہارا غریب اور دکھی آدمی کہاں ہے بھائی؟

عنبر نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

معلوم ہوتا ہے وہ کوئی چور اچکا تھا ہمیں بے ہوش کر کے ضرور ہماری اشرفیاں لے اڑا ہے۔

ناگ نے جلدی سے جا کر صندوق کے نیچے تھیلے کو دیکھا اشرفیوں کا تھیلا غائب تھا اب ماریا بھی اندر آ گئی جب اسے معلوم ہوا کہ عنبر اور ناگ کو بے ہوشی کی دوائی کھلا کر چور ان کی اشرفیاں لوٹ کر لے گیا ہے تو اسے بے حد غصہ آیا۔

مجھے تو پہلے ہی اس کمینے پر شک تھا۔

ناگ بولا۔

ناگ بار بار عنبر کو کہتا تھا کہ اس شخص کا اعتبار نہ کرو مگر میری کسی نے سنی ہی نہیں دیکھ لو وہ دھوکہ دے کر چلا گیا۔

عنبر بولا۔

بھائی مجھ سے غلطی ہوگئی آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

ماریا نے کہا۔

مگر چور جا کہاں سکتا ہے وہ ضرور اسی جہاز پر ہوگا ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ وہ ہم سے چھپ کر کہاں جا سکتا ہے۔؟

وہ بڑا امکار ہے اس نے اپنا کچھ نہ کچھ ضرور بندوبست کر رکھا ہوگا وہ کبھی ایسی جگہ چھپا ہوگا جہاں سے ہم اسے کبھی تلاش نہ کر سکیں گے۔

ناگ بولا۔

وہ میری نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا میں سانپ بن کر اس جہاز

کا کونہ کونہ تلاش کروں گا۔

عنبر نے کہا۔

نہیں نہیں ناگ ہم یہ خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتے تم سانپ بن کر جہاز پر گھومتے پھرے تو ہو سکتا ہے تمہیں دیکھ کر مسافر تم پر حملہ کر دیں اس میں تمہاری جان کو خطرہ ہے ہم تمہیں اجازت نہیں دیں گے اشرفیاں اور پیدا کر لیں گے۔

مگر بھائی ہم پردیس میں جا رہے ہیں ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے اور پھر میں چور سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ وہ حرامی جانے کتنے مسافروں کو لوٹ چکا ہوگا، وہ کوئی عادی چور ہے جس کا کام ہی جہاز پر سفر کرنے والے مسافروں کو لوٹنا ہے۔

ماریا نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ کوئی بھی چور جہاز کے کپتان سے ملے بغیر جہاز میں

چوری کر کے نہ تو اپنا مال چھپا سکتا ہے اور نہ خود چھپ سکتا ہے؟

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ وہ چور جو ہے وہ ضرور کپتان سے ملا ہوا ہے اور کپتان چوری میں اس سے حصہ لیتا ہوگا مجھے یقین ہے کہ وہ کپتان کے پاس ہی کہیں چھپا ہوا ہے اور اس کے پاس چور نے چوری کا مال رکھا ہوا ہے۔

عنبر بولا۔

ماریا نے بڑے پتے کی بات کہی ہے ناگ ہمیں اس پر ضرور غور کرنا چاہیے میرا خیال ہے ہمیں جہاز کے کپتان کے کیبن میں جا کر چور کو اور اپنی اشرفیوں کو تلاش کرنا چاہیے۔

تو پھر یہ کام تو ماریا بڑے اچھے طریقے سے کر سکتی ہے۔

کیوں نہیں، میں تیار ہوں، بلکہ ابھی جا کر معلوم کرتی ہوں کہ چور کس جگہ چھپا ہوا ہے اگر وہ کپتان کے کیبن میں ہوا تو میں ابھی واپس آ کر آپ کو اطلاع کرتی ہوں۔

ضرور جاؤ۔

ماریا خوشی سے وہاں سے چلی گئی۔

جہاز کے کپتان کا کیبن دوسری منزل پر نیچے تھا ماریا کیبن سے باہر پہنچ کر رک گئی کیبن کا دروازہ بند تھا ماریا نے ایک سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا کپتان نقشے دیکھ رہا تھا اتنے میں ایک نوکر طشت اٹھائے آیا وہ دروازہ کھول کر اندر جانے لگا تو ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلی گئی۔

کپتان نے نوکر کو دیکھ کر کہا۔

میز پر رکھ کر دفع ہو جاؤ خبردار اندر مت آنا۔

نوکر سلام کر کے واپس چلا گیا۔

کپتان نے طشت میں رکھے ہوئے پیالوں میں سے ایک پیالا اٹھایا اور اس میں قہوہ ڈال کر پینے لگا وہ نقشوں پر غور کر رہا تھا جہاز سمندر کے وسط میں ڈولتا ہوا چلا جا رہا تھا کھڑکی کے گول شیشے میں سے باہر سمندر کا نیلا پانی دکھائی دے رہا تھا ماریا کپتان کے قریب ہی کھڑی تھی وہ بھی نقشے کو غور سے دیکھنے لگی کپتان ساتھ ساتھ نقشے پر نشان بھی لگاتا جا رہا تھا۔

ماریا نقشے کو دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئی تھی اس نے کیبن میں ادھر اُدھر چکر لگانا شروع کر دیا۔

کیبن میں ایک طرف دیوار کے ساتھ صندوق لگے تھے سارا کیبن الم غلم چیزوں سے بھرا ہوا تھا کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا ماریا ایک جگہ تپائی پر بیٹھ گئی اس کے بیٹھنے سے تپائی پر رکھی ہوئی طشتری نیچے فرش پر گر پڑی اس کے کھڑاک سے کپتان نے چونک کر طشتری کی طرف دیکھا اور پھر یہ سوچ کر نقشے پر نظریں گاڑ دیں کہ جہاز کے ڈولنے کی وجہ سے گر پڑی ہوگی۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مصیبت ٹل گئی وہ سوچنے لگی کہ اگر چور اس کیبن میں ہوتا تو ضرور نظر آ جاتا پھر وہ کہاں چلا گیا؟ وہ وہاں بیٹھ کر چور کا انتظار کرنے لگی پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کپتان چور کے ساتھ نہ ملا ہو یہ ایک شریف اور ایماندار کپتان ہو پھر کیا بات بنی؟ پھر تو اگر وہ ساری زندگی وہاں بیٹھی رہے تو چور نہیں آئے گا۔

کپتان کی مرمت

ماریا کیبن میں بے چین ہوگئی۔

کپتان اپنے کام میں لگا ہوا تھا اور چور وہاں آنے کا نام ہی نہ لیتا تھا بلکہ اب تو ماریا کو یقین سا ہونے لگا تھا کہ اس کپتان کا چور سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ اٹھ کر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اندر ایک بوڑھا یہودی داخل ہوا۔ یہ چور تھا مگر ماریا کو معلوم نہ تھا کپتان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اب کیا لینے آئے ہو یہاں۔

چور نے کہا۔

کپتان میں ٹھیک ہوں ناں؟ مجھے کوئی پہچان تو نہیں سکے گا؟

کپتان بولا۔

ارے کم بخت کے بچے تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا جاؤ بھاگ جا یہاں سے تم کو چور سے ایک دم شریف بوڑھا بنا دیا ہے اور کیا چاہیے بھاگ جا یہاں سے اور مجھے پریشان نہ کر۔

چور نے جھک کر سلام کیا اور کیبن سے باہر نکل گیا۔

ماریا کو پتہ چل گیا تھا کہ یہی شخص چور ہے اور کپتان سے ملا ہوا ہے۔ جس نے چور کا حلیہ بدل دیا ہے اور وہ جوان سے بوڑھا یہودی سوداگر بن گیا ہے ماریا چپکے سے اٹھی اور کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی کپتان نے اپنے آپ دروازہ کھلتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ کتنی ہی دیر دروازے کو تکتا رہ گیا پھر سر کو جھٹک کر کام میں لگ گیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

کم بخت کبھی کبھی دماغ بھی چکر کھا جاتا ہے۔

ماریا نے عرشے پر آ کر بوڑھے سوداگر کو تلاش کرنا شروع کر دیا مگر وہ

ایسا گم ہوا تھا کہ کہیں نظر نہیں آتا تھا وہ سیدھی اپنے کیبن میں عنبر اور ناگ کے پاس پہنچی اور انہیں ساری داستان سنا دی اب وہ تینوں بوڑھے سوداگر کو تلاش کرنے لگے قسمت کی خوبی دیکھیں کہ بوڑھا سوداگر خود ہی عنبر کے کیبن میں آ گیا صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ چور کی تلاش کے سلسلے میں عنبر اور ناگ کیا کر رہے ہیں۔

ناگ اور عنبر نے بوڑھے سوداگر کو اندر آتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو شاید یہی وہ چور ہے جس کے بارے میں ماریا کہہ رہی تھی سوداگر نے کہا۔

میرے بچو! میں تمہارے ساتھ والے کیبن میں رہتا ہوں سوچا تم سے مل لوں۔ سفر اچھا کٹے گا۔ کہو کیا حال ہے تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔؟

جاپان! عنبر نے کہا۔

بوڑھا کہنے لگا۔

خوب میرے بچو! میں بھی جاپان ہی جا رہا ہوں موسم خوشگوار ہے ہم ایک مہینے کے بعد جاپان پہنچ جائیں گے۔

اتنے میں ماریا بھی اندر آ گئی اس نے بوڑھے سوداگر کو دیکھا تو عنبر کے کان میں اور پھر ناگ کے کان میں کہا۔

یہی وہ چور ہے۔

عنبر اور ناگ نے غور سے بوڑھے سوداگر کے چہرے کو دیکھا تو صاف معلوم ہوا کہ رنگ و روغن سے چہرے پر جھریاں ڈالی ہوئی ہیں عنبر نے اور تو کچھ نہ کیا جلدی سے اٹھ کر اپنے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر دیا

چور نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور بولا۔

ہی ہی ہی، میرے بچے تم نے دروازہ بند کر دیا اچھا کیا باہر سے ہوا آ رہی تھی میں بوڑھا ہوں مجھے سردی محسوس ہوتی ہے۔

عنبر نے بوڑھے سوداگر کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں نے دروازہ اس لئے بند کیا ہے کہ تمہاری چیخوں کی آوازیں باہر کوئی نہ سن سکے۔

چور نے چونک کر دیکھا۔

کیا مطلب؟

عنبر نے زور سے چور کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔

مطلب یہ کہ ٹھیک ٹھیک اور ابھی بتا دو کہ تم نے ہمارا مال چوری کر کے کہاں چھپایا ہے ورنہ تمہاری مشکیں کس کر رات کو سمندر میں پھینک دیں گے اور کسی کو تمہارے انجام کی کانوں کان خبر تک نہ ہوگی۔

بوڑھے نے کہا۔

مال؟ کون سا مال بیٹے؟ تم کس مال کی بات کر رہے ہو؟

ناگ نے چور کی گردن میں رسی ڈال دی اور اسے مروڑتے ہوئے بولا۔

ابھی بتاتا ہوں کون سا مال۔؟

ناگ نے رسی کو بل دیے تو چور نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ابھی بتاتا ہوں ابھی بتاتا ہوں۔ وہ مال میں نے جہاز میں ایک جگہ چھپا کر رکھا ہوا ہے اگر تم لوگ اجازت دو تو ابھی لے کر آ جاتا ہوں۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

احمق چور تم ہمیں اتنا اناڑی نہ سمجھو ہمیں معلوم ہے کہ اس جہاز کا کپتان تم سے ملا ہوا ہے تم نے ہماری اشرفیاں کپتان کے پاس رکھی ہوئی ہیں اور اسی نے تمہارا حلیہ تبدیل کیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے چور کے سر پر ہاتھ مار کر اس کے سفید بال نوچ لیے نیچے سے چور کے کالے بال نکل آئے پھر چور کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اس کی جھریاں بھی مٹا دیں۔ اب تو چور نے ہاتھ پاؤں جوڑنے شروع کر دیے اس کا سارا بھید کھل گیا تھا سارا راز کھل گیا تھا

اس نے کہا۔

مجھے معاف کردو تم مجھ پر بازی لے گئے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم بہت ذہین اور ہوشیار لوگ ہو تو میں کبھی تمہاری اشرفیوں پر ہاتھ نہ ڈالتا اب جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی کپتان سے جا کر تمہارا سارے کا سارا مال لے آتا ہوں مگر ہاں ان اشرفیوں میں سے کچھ حصہ کپتان نے لے لیا ہے ہو سکتا ہے وہ مجھے اپنا حصہ واپس نہ کرے۔

ناگ بولا۔

تم مجھے لے کر کپتان کے پاس چلو۔ میں سارے کا سارا حصہ اس سے لوں گا۔

چور نے کہا۔

نہیں بھائی ایسا کرنے سے کپتان ناراض ہو جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

تم فکر نہ کرو، تم اکیلے ہی جاؤ اور اس سے حصہ واپس لینے کی کوشش کرو اگر وہ نہ مانا تو پھر دیکھا جائے گا۔

بہت بہتر۔

چور باہر نکلا تو عنبر نے ماریہ سے کہا۔

ماریہ چور کے ساتھ جاؤ اور کپتان سے اشرفیاں واپس لینے کی کوشش کرو۔

ابھی جاتی ہوں۔

ماریہ نے چور کا تعاقب شروع کر دیا کپتان اس وقت کیبن سے باہر عرشے پر ایک طرف کھڑا دور سمندر کی طرف تک رہا تھا۔

چور اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے غور سے چور کی طرف دیکھا اور چونک کر کہا۔

ارے تمہیں کیا ہو گیا۔؟ تمہارا حلیہ کس نے بگاڑ دیا۔؟

چور واقعی ایمان دار تھا اس نے کہا۔

کپتان صاحب، میں رقم اصل مالک کو واپس کر رہا ہوں اور آئندہ سے توبہ کر رہا ہوں کہ پھر کبھی چوری نہیں کروں گا اس لئے مہربانی کر کے مجھے وہ اشرفیاں بھی لوٹا دیں جو میں نے آپ کو دی تھیں کیونکہ جب میں رقم نہیں لے رہا تو آپ اپنا حصہ بھی نہیں لے سکتے۔

کپتان نے ڈانٹ کر کہا۔

او چور کے بچے بھاگ جا یہاں سے تو نے میرے پاس کوئی رقم نہیں رکھی کوئی اشرفیاں جمع نہیں کرائیں میں نہیں جانتا تم کون ہو۔ بھاگ جا یہاں سے نہیں تو ابھی تمہیں اپنے آدمیوں سے کہہ کر سمندر میں پھینکوا دوں گا۔

چور کے ہوش اڑ گئے کپتان اس وقت جہاز کا مالک تھا وہ جو چاہے کر سکتا تھا وہ اپنے نوکروں کو حکم دیتا تو سچ مچ وہ چور کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتے چور نے کپتان کی بڑی منت سماجت کی مگر وہ بھلا ہاتھ میں آئی ہوئی رقم کب واپس کرنے والا تھا اس نے ایک زور دار تھپڑ چور کے منہ پر مارا، چور کے منہ سے خون نکلنے لگا۔

کمینے خبر دار جو پھر کبھی ادھر کا رخ کیا سمجھے؟

چور بے چارہ اپنے منہ سے خون پونچھتا ہوا واپس عنبر کے پاس آ گیا اور سارا قصہ سنا ڈالا عنبر نے کہا۔

تم ہمارے پاس ہی ٹھہرو کپتان اپنے آپ ساری رقم لے کر یہاں آ جائے گا۔

چور نے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے بھائی؟

عنبر بولا۔

تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

ادھر ماریا نے جب دیکھا کہ کپتان نے چور کو مار مار کر بھگا دیا ہے اور سارے مال کو ہضم کرنے کی فکر میں ہے تو اس نے کپتان کو مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا ماریا نے وہاں تو کپتان کو کچھ نہ کہا بلکہ سیدھی کپتان کے کیبن میں آ گئی کیبن میں آ کر اس نے کپتان کے سامان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

کپتان بھی کیبن کے اندر آ گیا ماریا رک گئی کپتان ہنس رہا تھا اس نے کیبن کو اندر سے بند کیا اور صندوق کے نیچے سے اشرفیوں کا تھیلا نکال کر اسے بڑے مزے سے دیکھنے لگا پھر اس نے اپنی اشرفیاں بھی نکال کر اس تھیلے میں ملا دیں اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

کمینہ مجھ سے اشرفیاں واپس لینے آیا تھا اسے پتہ نہیں تھا کہ میں تو چوروں کا مال بھی کھا جایا کرتا ہوں۔

پھر اس نے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اٹھا کر صندوق میں بند کر دیا اتفاق سے ماریا پیچھے کو ہٹی تو اس کے پاؤں سے لگ کر تپائی الٹ گئی اور اس پر رکھا ہوا گلاس گر کر ٹوٹ گیا.......... کپتان نے پلٹ کر تپائی کی طرف دیکھا وہ بڑا حیران ہوا کہ تپائی اپنے آپ کیسے الٹ گئی اس وقت جہاز بالکل نہیں ڈول رہا تھا۔ سمندر بڑا پرسکون تھا اور بحری جہاز بڑی ہموار رفتار کے ساتھ جا رہا تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا پھر آگے بڑھا اور جھک کر تپائی کو دیکھنے لگا اس وقت ماریا اس کے بالکل پاس کھڑی تھی ماریا نے پوری قوت سے ایک زوردار دو ہتڑ کپتان کی گردن پر مارا کپتان گرتے گرتے بچا۔ وہ ڈر کر پرے ہٹ گیا۔

ماریا نے کہا۔

سن اے بے ایمان انسان تو نے ایک چور کو دھوکہ دیا ہے تو چوروں کا

سردار ہے تو چوروں سے چوری کرواتا ہے اور پھر ان کے مال میں سے اپنا حصہ لیتا ہے تو چوروں سے بھی بدتر ہے میں تجھے معاف نہیں کروں گی میں اس عورت کی روح ہوں جس کے خاوند کی ساری رقم تم نے چوری کر لی تھی میرا خاوند غم سے مر گیا اور میں نے سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی اب میں تم سے اپنا انتقام لینے آئی ہوں اور یاد رکھو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔

کپتان تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے سامنے ایک روح کھڑی تھی وہ اس کی آواز سن رہا تھا مگر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا اس نے کہا۔

اے روح! مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے معاف کر دے میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوروں کی سرپرستی نہیں کروں گا۔

روح نے کہا۔

تمہاری سزا یہ ہے کہ تجھے ان ساری اشرفیوں سے محروم کر دیا جائے گا اور یہ اس شخص کو دے دی جائیں گی جن کی اصل ملکیت ہیں وہ لوگ بھی اسی جہاز میں سفر کر رہے ہیں لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو اگر تم نے دوبارہ ان اشرفیوں کو چھیڑنے کی کوشش کی تو میں اسی وقت یہاں آ کر تمہاری گردن مروڑ دوں گی اور تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں گی۔

کپتان نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

مجھے منظور ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا میں ویسے ہی کروں گا جیسے تمہارا حکم ہوگا میں توبہ کرتا ہوں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔

ماریا نے کہا۔

ٹھیک ہے میں تمہیں معاف کرتی ہوں چلو صندوق کھولو!

بہت بہتر۔

کپتان نے ایک نوکر کی طرح ماریا کا حکم مانتے ہوئے صندوق کھول دیا ماریا نے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا کپتان نے دیکھا کہ تھیلا ایک دم سے غائب ہو گیا ہے ماریا تھیلا لے کر کیبن سے باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی کپتان نے حیرانی سے خالی صندق کو دیکھا اور سر پیٹ کر رہ گیا۔

ہائے میں تو لٹ گیا اب کیا کروں۔ ساری دولت برباد ہو کر رہ گئی

....

وہ پلنگ پر گر پڑا اور دولت کے لٹ جانے پر افسوس کرنے لگا۔

ماریا اشرفیوں کا تھیلا لے کر عنبر اور ناگ کے پاس پہنچ گئی چور وہاں سے جا چکا تھا ماریا نے اشرفیاں عنبر کے سامنے ڈال دیں ناگ نے کہا۔

عنبر اور ناگ دونوں بھائی خوش ہو گئے اور ماریا کو دعائے دینے لگے۔

سوال یہ ہے کہ اس چور کے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے کیا اسے معاف کر دیا جائے اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ آئندہ چوری نہیں کرے گا۔

ناگ نے کہا۔

بھائی اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ اب زندگی بھر کسی مسافر کا مال نہیں چرائے گا۔

عنبر اور ناگ ماریا کی بات سن کر سوچنے لگے۔

آیا طوفان

اور پھر ایک روز سمندر میں طوفان آ گیا۔

اس دن رات کو ہی آسمان پر بادل جمع ہونے شروع ہو گئے تھے پہلے تو بہت حبس ہو گیا ہوا یکدم بند ہو گئی کپتان نے حکم دیا کہ فالتو بادبان بھی کھول دیے جائیں تاکہ تھوڑی بہت ہوا جو چل رہی ہے اس سے کچھ تو جہاز کو آگے چلنے میں مدد ملے فالتو بادبان بھی کھول دیے گئے مگر ہوا چل ہی نہیں رہی تھی جہاز بیچ سمندر میں رک گیا کپتان اور جہاز کی اوپر والے عرشے پر آ گئے اور ادھر اُدھر مسافروں کے ساتھ لیٹ کر آرام کرنے لگے۔

سمندر میں جب ہوا بند ہو جاتی ہے تو بادبانی جہاز کھڑے ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان کے بادبانوں میں ہوا نہیں بھرتی اور وہ آگے نہیں چل سکتے کپتان ایک تجربہ کار ملاح تھا اسے معلوم تھا کہ یہ جو ہوا بند ہوئی ہے اور آسمان پر بادل جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں یہ ضرور کوئی طوفان آنے والا ہے اس نے حکم دے دیا کہ سارے ملازم چوکس ہو جائیں سامان پر ترپالیں ڈال دی جائیں اور طوفان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

رات کے پچھلے پہر ہوا چلنا شروع ہو گئی ہوا میں ٹھنڈک بھی تھی اور نمی کی بو بھی تھی یہ اس بات کا بالکل صاف اشارہ تھا کہ طوفان آ رہا ہے کپتان اور جہاز کے ملازموں کے لئے سمندری طوفان کوئی نئی بات نہیں تھی وہ سمندر میں سفر کرتے ہی رہتے تھے اور طوفان آتے ہی رہتے تھے انہوں نے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے بعض ضروری انتظامات کر لیے وہ آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے انہوں نے یہی خیال کیا ہوا تھا کہ بارش آئے گی تیز تیز ہوا چلے گی جہاز خوب

لہروں پر ڈولے گا اور پھر طوفان گزر جائے گا۔

انہیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ ایک خوفناک طوفان آ رہا ہے کپتان مزے سے اپنے کیبن میں جا کر سو گیا۔

عنبر اور ناگ بھی سو رہے تھے ماریا بھی سو رہی تھی اکثر مسافر سو رہے تھے جہاز کے جو ملازم جاگ رہے تھے وہ ادھر ادھر کے کام کر رہے تھے باورچی خانے میں مسافروں اور جہاز کے عملے کے لئے صبح کا ناشتہ تیار ہو رہا تھا جہاز لہروں پہ چلا جا رہا تھا ہوا ذرا تیز ہوئی تھی اور جہاز معمولی انداز میں لہروں پر ڈولنا شروع ہو گیا تھا پھر آسمان پر بجلی چمکنا شروع ہو گئی اور بادل گرجنے لگے ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی اور ہوا بھی تیز ہو گئی۔

ہوا نے بڑھتے بڑھتے آندھی کی شکل کا اختیار کر لی اور سمندر میں طوفان سا آ گیا بڑی بڑی لہریں اٹھ اٹھ کر جہاز سے ٹکرانا شروع ہو

گئیں۔ جہاز ادھر سے اُدھر ڈولنے لگا بادبانوں میں ہوا اتنی بھر گئی کہ ان کے پھٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا جہاز ہوا کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا بارش بھی موسلا دھار ہونے لگی بادل زور زور سے گرجنے لگے بجلی ایک بار زور سے کڑکی تو ایسے لگا کہ جہاز پر گر پڑی ہے مسافر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے کپتان بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

جہاز کے ملازم ادھر سے اُدھر بھاگنے لگے کپتان نے جب دیکھا کہ سمندر میں زبردست طوفان آ گیا ہے تو وہ ترپال کا کوٹ پہن کر جہاز کے اوپر عرشے پر آ گیا اس نے دیکھا کہ جہاز بہت بڑے طوفان میں گھرا ہوا تھا سمندر کی لہریں پہاڑ کی طرح اوپر اٹھ کر بار بار جہاز سے ٹکرا رہی تھیں اس نے فورا حکم دیا۔

بادبانوں کو لپیٹ دیا جائے۔

جہاز کے ملازم فورا لکڑی کے بڑے بڑے مستولوں پر چڑھ کر

بادبانوں کو لپیٹنے لگے مستول بھی جہاز کے ساتھ ہی ساتھ بری طرح سے ڈول رہے تھے اچانک چیخ بلند ہوئی اور ایک ملاح اوپر والے مستول سے گر کر دھڑام سے عرشے پر آن گرا اور گرتے ہی مر گیا ہر طرف ایک شور مچ گیا کپتان نے اسے فوراً اٹھوا کر سمندر میں پھنکوا دیا اور کہا۔

بادبانوں کو لپیٹ دیا جائے۔ جسے مرنا تھا وہ مر گیا۔

ملاح اس قسم کی موتوں کے عادی تھے اپنے ایک ساتھی کی لاش کو طوفانی سمندر کے حوالے کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے کام میں لگ گئے

طوفان تھمنے کا نام ہی نہ لیتا تھا بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا تھا دن چڑھ آیا تھا مگر آسمان کو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا بارش اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی......... سمندری لہریں پہاڑوں کی طرح اٹھ اٹھ کر جہاز کے پیندے کو اچھال رہی تھیں جہاز ایک کھلونے کی

طرح بے رحم سمندری لہروں کے اوپر اچھل رہا تھا طوفان کی شدت تیز ہو گئی ایک بہت بڑی لہر آئی اس نے پوری طاقت سے جہاز کو ٹکر ماری جہاز ایک طرف کو جھک گیا مسافروں کی چیخیں نکل گئیں کپتان گر پڑا اس کا سر سامنے ستون سے ٹکرایا اور خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔

عنبر اور ناگ ابھی تک اپنے کیبن میں بیٹھے تھے وہ بھی طوفان کی وجہ سے پریشان تھے مگر اتنے نہیں جتنا کہ دوسرے مسافر پریشان تھے البتہ ماریا گھبرا رہی تھی اس نے عنبر سے کہا۔

بھائی عنبر، طوفان تو خطرناک شکل اختیار کر رہا ہے اگر یہی حال رہا تو یہ جہاز مجھے بچ کر ساحل تک پہنچتا نظر نہیں آتا۔

عنبر بولا۔

لگتا تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

ناگ نے کہا۔

اگر ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہمیں ابھی سے کسی کشتی کو تاڑ کر اس کے ذریعے سے نیچے اتر جانا چاہیے طوفان اور زیادہ تیز ہوتا چلا گیا طوفان کی ٹھنڈی ہوا میں مسافر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے سمندر میں جا گرتے تھے عنبر اور ناگ حیرانی سے چاروطرف دیکھ رہے تھے اس نے ایسا بھیانک طوفان اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا اسی وقت ایک ایسی خوفناک لہر سمندر میں اٹھی کہ اس نے جہاز کے بائیں پہلو میں ٹکر مار کر اسے دائیں طرف کو جھکا دیا اس طرف جہاز کے جھکتے ہی وہاں ایک کہرام مچ گیا مسافر ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے ہر طرف ایک افراتفری سی مچ گئی۔

کپتان نے چلا کر کہا۔

کشتیاں سمندر میں اتار دی جائیں۔

ملاحوں نے کشتیاں سمندر میں اتارنی شروع کر دیں مسافر کشتیوں

میں چھلانگیں لگانے لگے ایک چیخ و پکار کا سماں پیدا ہو گیا کوئی کسی کو نہیں پوچھتا تھا کوئی کسی کو نہیں سنتا تھا دیکھتے دیکھتے ساری کشتیاں مسافروں سے بھر گئیں کپتان کے حکم سے کشتیاں سمندر میں اتار دی گئیں عنبر اور ناگ اور ماریا ابھی جہاز کے اوپر ہی کھڑے تھے۔

جہاز پر اب سوائے کپتان کے اور کوئی نہیں تھا کپتان نے عنبر اور ناگ کی طرف دیکھ کر اونچی آواز میں کہا۔

تم لوگ کیا سوچ رہے ہو فورا جہاز چھوڑ دو۔

مگر عنبر اور ناگ جہاز کو کہاں چھوڑتے؟ کشتیوں میں اس قدر مسافر سوار ہو گئے تھے کہ وہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی کپتان نے بھی ایک کشتی میں چھلانگ لگا دی اب جہاز پر سوائے ماریا، عنبر اور ناگ کے اور کوئی نہیں تھا مسافروں سے بھری ہوئی کشتیاں طوفانی لہروں پر بہتی ہوئی دور نکل گئیں۔

ماریہ کانپتے ہوئے بولی۔

اب کیا ہوگا؟ جہاز ڈوب گیا تو میں اور ناگ تو کسی صورت زندہ نہ بچ سکیں گے۔

عنبر نے کہا۔

فکر نہ کرو، ماریا بہن خدا سے دعا کرو وہ کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنادے گا۔

جہاز ایک طرف کو جھکا جھکا بڑی تیزی سے آگے بڑھتا جارہا تھا بڑی بڑی لہریں بار بار اس سے آ کر ٹکرا رہی تھیں ایک طرف کو جہاز کے جھکے ہونے کی وجہ سے عنبر اور ناگ وغیرہ بڑے پریشان تھے وہ اس پر ٹھیک طرح سے کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے انہوں نے جنگلے کو پکڑ رکھا تھا اور اس کے ساتھ لگ کر لیٹے ہوئے تھے سمندر میں زبردست طوفان تھا مسافروں سے بھری ہوئی کشتیاں اب نظروں سے اوجھل

ہو چکی تھیں اتنے بڑے جہاز میں سوائے ان تینوں بہن بھائیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

انہیں صرف ایک ہی ڈر تھا کہ اب اگر کوئی بڑی لہر دائیں طرف سے دوبارہ اٹھ کر جہاز سے ٹکرائی تو وہ الٹ جائے گا اور ان کے لئے ایک مصیبت پیدا ہو جائے گی جہاز ڈوب جائے گا اور ان کے پاس کوئی لکڑی کا تختہ بھی نہیں تھا جس پر بیٹھ کر وہ اپنی جان بچا سکیں کرنا خدا کا کیا ہوا کہ سمندر کی طوفانی لہر بائیں طرف سے اٹھنے کی بجائے اس طرف سے اٹھی جدھر کو جہاز جھکا ہوا تھا سمندر کے نیچے پہاڑ تھا پہاڑ کی جہاز کے ساتھ ٹکر ہوئی تو جہاز ایک دم اچھل کر سیدھا ہو گیا۔

عنبر اور ناگ اس کے ساتھ ہی عرشے پر گر پڑے قریب ہی انہیں ماریا کے بھی گرنے کی آواز آئی، ناگ نے کہا۔

ماریا تم خیریت سے ہو ناں؟

ماریانے چیخ کر کہا۔

ہاں، خدا کا شکر ہے کہ اس لہر نے جہاز کو ڈوبنے سے بچا لیا۔

ہواؤں اور طوفانوں کا شور اس قدر زیادہ تھا کہ وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی جہاز کے سیدھے ہوتے ہی عنبر نے کہا۔

جلدی سے کیبن میں چلو۔

وہ تینوں عرشے پر سے بھاگ کر اپنے کیبن میں آ گئے سارا جہاز خالی پڑا تھا وہ جس کیبن میں چاہتے جا سکتے تھے مگر وہ اپنے کیبن میں آ گئے اندر آ کر انہوں نے دروازہ زور سے بند کر دیا باہر طوفان اسی طرح کا تھا لہروں کے اوپر جہاز اسی طرح ڈول رہا تھا ناگ نے کہا ایک آفت سے تو بچ گئے اب خدا کرے کہ یہ طوفان تھم جائے پھر جا کر سوچیں گے کہ اب کیا کریں۔

خدا نے چاہا تو طوفان بھی ختم ہو جائے گا۔

لیکن طوفان سارا دن، ساری رات جاری رہا دوسرے روز جا کر کہیں ہوا کا زور کم ہوا اور طوفان کا زور ٹوٹ گیا دوپہر کے وقت بادل چھٹ گئے ہوا معمول پر آ گئی اور دھوپ سمندر پر چمکنے لگی۔

سمندر بھی پرسکون ہو گیا اب اس کی لہروں میں وہ زور اور وہ خم باقی نہیں رہا تھا جہاز بڑے سکون کے ساتھ ایک بار پھر سمندر میں چلنے لگا۔

لیکن اب یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو جا رہا ہے جہاز کے کچھ بادبان ہوا کے زور کے ساتھ ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا تھا عنبر اور ناگ وغیرہ اپنے کیبن سے باہر عرشے پر نکل آئے سفید نیم گرم دھوپ میں آ کر انہیں بے حد سکون نصیب ہوا وہ دیر تک عرشے پر بیٹھے دھوپ میں اپنے بدن کو سکون پہنچاتے رہے۔

پھر عنبر نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ ہم کدھر کو جا رہے ہیں۔؟

موت کا جہاز

جہاز گمنام منزل کی طرف بہا چلا جا رہا تھا۔

اس کی کوئی منزل نہ تھی، کوئی راستہ نہ تھا وہ بھیانک طوفان کے بعد وسیع سمندر میں ٹھیک رہا تھا ماریہ کا خیال تھا کہ اگر وہ کپتان کے کیبن میں جائیں تو وہاں نقشوں کی مدد سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ جہاز کس سمت کو جا رہا ہے ناگ نے کہا کہ ان میں سے نقشہ کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا اور یہ بات ٹھیک بھی تھی جہازی نقشے بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں ان کی سمت اور ڈگریوں، زاویوں کو پڑھنا ایک عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے ماریہ نے کہا۔

پھر بھی ہمیں کیبن میں جا کر دیکھنا ضرور چاہیے۔

وہ تینوں عرشے پر سے اٹھ کر کپتان کے کیبن میں آ گئے جہاز کے ایک طرف کو جھک کر پھر سیدھا ہو جانے کی وجہ سے وہاں بہت سی چیزیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں پھر بھی بہت کچھ باقی تھا میز پر نقشے میخوں سے ساتھ گڑے ہوئے اسی طرح سے تھے وہ ان نقشوں پر جھک گئے مگر وہی بات ہوئی انہیں بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں کیا لکھا ہے اور کیا نشان لگے ہیں نقشے میں جگہ جگہ جزیرے سے بنے ہوئے تھے مگر یہ پتہ نہیں تھا یہ جزیرے کہاں ہیں؟

عنبر نے کہا۔

نقشوں کو دیکھنا بیکار ہے ہم ایک ایسے جہاز پر سوار ہیں جس کی کوئی منزل نہیں ہے ہو سکتا ہے یہ کسی خاص سمت کو سفر کر رہا ہو اور یہ بھی ہو

سکتا ہے کہ دس پندرہ میل کے دائرے کے اندر اندر یہ ایک ہی جگہ پہ چکر لگا رہا ہو ایسی صورت میں یہ ساری عمر اسی جگہ چکر لگاتا رہے گا اور ہم یہاں سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔

ماریا کہنے لگی۔

یہ تو بڑی بھیانک بات ہوگی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہماری ساری عمر اسی جہاز میں گزر جائے گی اور یہ جہاز ہماری قبر بنے گا۔

عنبر نے کہا۔

مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ہم کوشش کریں گے کہ جہاز کو کسی خاص سمت پر ڈال دیا جائے۔

ناگ نے پوچھا۔

بھائی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟

اس کے لئے ہمیں کچھ روز اسی طرح سفر کرنا ہوگا، سمندر کا پانی ہمیں بتا

دے گا کہ ہم ایک ہی جگہ پر دائرے کی شکل میں چکر لگا رہے ہیں یا آگے نکل رہے ہیں پانی کا رنگ بدل جائے گا۔

ناگ نے کہا۔

سب سے پہلے تو ہمیں باورچی خانے میں چل کر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پانی اور خوراک کا ذخیرہ کتنے دنوں کا ہے تا کہ ہم بھوک اور پیاس سے تو نہ مر جائیں۔

وہ جہاز کے باورچی خانے میں آگئے یہاں بھی اکثر خوراک کے مرتبان ٹوٹے پڑے تھے کھانے پینے کے پھل اور سبزیاں فرش پر بکھری ہوئی تھیں شربت کے مٹکے ٹوٹ چکے تھے اور شربت بہہ کر ضائع ہو گیا تھا صرف پانی کا ایک مٹکا بھرا ہوا باقی تھا جوان کے اندازے کے مطابق صرف پندرہ بیس دنوں کے لئے کافی تھا عنبر نے کہا۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں کھانے پینے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں ناگ بھی کسی حد تک گزارا کر سکتا ہے باقی ماریا بہن کے لئے یہاں اتنی خوراک اور پانی موجود ہے کہ یہ دو مہینے تک اس پر گزارا کر سکتی ہے۔

ماریا نے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے عنبر بھائی لیکن میں اس قبر میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔

وہ تو ہم بھی نہیں چاہتے ہماری کوشش تو یہی ہے کہ جس طرح سے اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس جہاز سے نجات حاصل کی جائے تاکہ ہم خشکی پر اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔

بہر حال ہم اب تو اس جہاز پر ہی سوار ہیں اور کوشش کے باوجود ہم اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

اسی طرح باتیں کرتے اور جہاز کی سیر کرتے کرتے شام ہو گئی

سارے جہاز پر مسافروں کی چیزیں بکھری پڑی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی بغاوت ہو گئی تھی کوئی انقلاب آ گیا تھا کہ لوگ افراتفری میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے جدھر کو سینگ سمائے ادھر کو بھاگ گئے۔

جب وہ عرشے پر پھرتے پھرتے تھک گئے تو اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گئے وہ بہت تھکے ہوئے تھے انہیں جلدی نیند آ گئی وہ ساری رات سوتے رہے اور ساری رات جہاز آگے سمندر میں بڑھتا چلا گیا ان کی آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا وہ کیبن سے نکل کر عرشے پر آ گئے سمندر کا نیلا پانی پر سکون تھا چاروں طرف خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی موسم بے حد خوشگوار تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی وہ نیچے باورچی خانے میں آ گئے ماریا نے آگ جلا کر ناشتہ تیار کیا، انہوں نے ایک تپائی پر بیٹھ کر ناشتہ کیا اور باتیں کرتے رہے۔

خدا جانے ابھی ہمیں کتنے دن اور سمندر میں بسر کرتے ہوں گے عنبر نے کہا۔

میں نے سمندر کا رنگ بدلا ہوا دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ ہم ایک چکر میں نہیں گھوم رہے ہمارا جہاز کسی سمت کو ضرور جا رہا ہے۔

یہ معلوم نہیں کہ یہ کس طرف کو جا رہا ہے۔

ناگ نے کہا۔

کہیں یہ واپس چین کی طرف ہی نہ جا رہا ہو؟

عنبر ہنس کر بولا۔

نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاز کا رخ مشرق کی سمت نہیں ہے بلکہ مغرب کی سمت ہے جدھر سورج غروب ہوتا ہے ماریہ پیالیوں میں قہوہ ڈالتے ہوئے بولی۔

یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے چل رہے ہیں تو ایک نہ ایک دن کسی جگہ پہنچ ہی جائیں گے خدا کرے کہ وہ کوئی ملک کا ساحل ہو کسی ویران جزیرے کا ساحل نہ ہو۔

یہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر جہاز کی سمت ہمارے اختیار میں ہو تو ہم ویران جزیروں سے بچ سکتے ہیں مگر یہاں تو جہاز ایک بے لگام اونٹ کی طرح آگے بڑھتا جا رہا ہے۔

ناشتے کے بعد وہ عرشے پر دھوپ میں آ گئے اور گہرے نیلے سمندر کی پرسکون لہروں کو دیکھنے لگے ہوا بڑی موافق چل رہی تھی بادبان چھوٹے ہوئے تھے اور جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ ذرا ذرا ڈولتا آگے مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا عنبر کی نگاہیں دور سمندر میں لگی ہوئی تھیں۔

اچانک اس کے چہرے پر ایک سنجیدگی سی آ گئی اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ کیا شے ہے؟

کہاں؟ ماریا نے پوچھا۔

وہ دیکھو.........دور.........مجھے تو کوئی جہاز معلوم ہو رہا ہے سب نے غور سے دیکھنا شروع کر دیا ناگ نے کہا۔

یہ تو کوئی جہاز ہے اس کے بادبان پھولے ہوئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ انسانوں کی شکل تو دیکھیں گے یہ جہاز ضرور جاپان کی طرف سے آ رہا ہے اور ملک چین کی طرف جا رہا ہے۔

ماریا بولی۔

اس جہاز کے کپتان سے ہم مدد حاصل کر سکتے ہیں وہ ضرور اپنے کسی آدمی کو ہمارے ساتھ لگا دے گا اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو کم از کم ہمارے جہاز کو ٹھیک سمت پر ڈال دے گا تا کہ ہم منزل پر پہنچ جائیں۔

عنبر ابھی تک اس بادبانی جہاز کو غور سے دیکھ رہا تھا جو دور سمندر میں افق کے پاس ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

دوستو! ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے خدا نے ہماری سن لی ہے اور اس جہاز کو ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے ہم اس جہاز کے کپتان سے ہر قسم کی مدد لے سکتے ہیں اب ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم بہت جلد منزل پر پہنچ جائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

کم از کم اس جہاز کے آنے سے یہ تو ظاہر ہو گیا ہے کہ ہم ایک چکر میں نہیں گھوم رہے بلکہ آگے بڑھ رہے ہیں اب ہمیں جہاز کے یہاں تک آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

ایکا ایکی عنبر کو خیال آیا۔

لیکن.........لیکن ایک بات تو ہم نے سوچی ہی نہیں؟

وہ کون سی بھائی؟ ماریا نے پوچھا۔

اگر یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا ہوا تو پھر کیا کریں گے۔؟

بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا نام سن کر ماریا اور ناگ خاموش ہو گئے وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے لیکن اگر وہ خونخوار ڈاکوؤں کے ہجوم میں گھر جائیں تو مارے بھی جا سکتے تھے ماریا کو تو بڑی آسانی سے قتل کیا جا سکتا تھا اور یہی حال ناگ کا تھا اگر اسے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے تو وہ کچھ عرصے کے بعد سمندر میں مر جائے گا اور بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر سوائے خون کے پیاسے ڈاکوؤں کے اور کوئی نہیں ہوا کرتا یہ لوگ بڑے ظالم اور سنگ دل ہوتے ہیں ان کے لیے کسی آدمی کو قتل کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ہم کسی اڑتے ہوئے مچھر کو مار دیتے ہیں اگر کوئی فکر نہیں تھی تو عنبر کو نہیں تھی کیونکہ وہ تو مر ہی نہیں سکتا تھا پھر بھی اسے ناگ اور ماریا کی بہت فکر تھی کہ اگر کہیں یہ لوگ بحری ڈاکوؤں کے ہجوم میں گھر گئے تو یہ بے بس ہو جائیں گے آخر ناگ سانپ بن کر کتنے ڈاکوؤں کو ہلاک کر سکتا تھا زیادہ سے زیادہ دو یا تین ڈاکوؤں کو مار سکتا تھا اس کے بعد ناگ کی موت یقینی تھی۔

ماریا نے کہا۔

یہ بات تو ہم نے سوچی ہی نہیں تھی۔

ناگ نے کہا۔

یہ تو جہاز کے قریب آنے پر ہی پتہ چلے گا کہ یہ تجارتی جہاز ہے یا بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔

اور جب جہاز کافی قریب آ گیا تو ڈاکوؤں نے اپنے جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا مشہور کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا لہرا دیا۔

یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا۔

سمندر میں جنگ

کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا دیکھ کر ماریا کے اوسان خطا ہو گئے یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا اور بحری ڈاکو کسی کو معاف نہیں کرتے تھے بے دریغ قتل عام کرنا ان کی عادت تھی ماریا اگرچہ غائب تھی وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی مگر اگر اسے تلوار ماری جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے تو وہ ایک عام انسان کی طرح مر بھی سکتی تھی پھر اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر بحری ڈاکوؤں نے جہاز کو آگ لگا دی تو وہ کہاں جائے گی۔؟

سمندر میں چھلانگ لگائے گی؟

بحری ڈاکوؤں کا جھنڈا جہاز پر عنبر اور ناگ نے بھی دیکھ لیا تھا اس جھنڈے کو دیکھ کر وہ تشویش میں آ گئے۔

عنبر نے کہا۔

یہ تو سچ مچ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔

ماریا نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

یہ تو بڑی بھاری مصیبت سر پر آ گئی ہے۔

ناگ بولا۔

کچھ بھی ہو، مصیبت سر پر آ گئی ہے اب ہمیں اس کا مقابلہ کرنا ہو گا ہم اپنے آپ کو ان بے رحم ڈاکوؤں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔

عنبر نے کہا۔

انہیں قریب آ لینے دو ہمارے جہاز پر چار توپیں لگی ہیں جن میں سے جہاز کے الٹنے سے دو ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں باقی دو توپوں سے ہم ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

میرے خیال میں توپوں سے حملہ کرنا ہمیں مہنگا پڑے گا کیونکہ ڈاکوؤں کے پاس لازمی طور پر توپیں زیادہ ہوں گی پھر ہمیں توپ چلانے کا تجربہ بھی نہیں ہے وہ ہمارے جہاز کو سمندر میں ڈبو دیں گے ایسی صورت میں ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ہم ڈاکوؤں کے جہاز پر جا کر پناہ حاصل کریں۔

ماریا نے پوچھا۔

تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔؟

ناگ بولا۔

ہمیں اپنے طریقے سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنا چاہیے ان کو یہاں تک آنے دیں اور خود چھپ جائیں میں سانپ کے روپ میں آ کر حملے کے لئے تیار ہو جاؤں ماریا کو کسی تہہ خانے میں چھپا دیا جائے اور عنبر تلوار لے کر سامنے آ کر مقابلہ کرے یہ تو مر ہی نہیں سکتا، اور نہ زخمی ہو

سکتا ہے ممکن ہے ڈاکوؤں پر اس کی کرامت کا اثر ہو جائے اور وہ بھاگ جائیں پھر ماریا بھی چھپ کر ان پر حملہ کر کے انہیں بوکھلا سکتی ہے۔

عنبر نے کہا۔

تمہارا مطلب ہے گوریلا لڑائی لڑی جائے۔

ناگ بولا۔

بالکل ہمیں گوریلا جنگ کرنی چاہیے توپ چلانے کا تو نام بھی نہیں لینا چاہیے جوں ہی ہم نے ایک توپ چلائی ڈاکو توپوں کے گولے چلا چلا کر ہمارے جہاز کے پرخچے اڑا دیں گے وہ ہمیشہ بھی کیا کرتے ہیں جس جہاز پر سے جنگ کا اعلان نہ ہو وہ اس پر چھلانگیں لگا کر اسے لوٹ لیتے ہیں اور مسافروں کو قتل کر دیتے ہیں ہمیں وہ لوٹ بھی نہیں سکتے قتل بھی نہیں کر سکتے تو پھر ان سے ڈرنے کی کیا ضرورت

ہے۔

عنبر نے کہا۔

تو پھر ہمیں گوریلا جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔

ادھر گوریلا جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ڈاکوؤں کا جہاز اس جہاز کے بہت قریب آ چکا تھا ماریا ایک ایسی جگہ پر جا کر کھڑی ہو گئی جہاں وہ ہجوم سے اور چلتی تلواروں سے محفوظ بھی تھی اور دشمن پر حملہ بھی کر سکتی تھی ناگ نے فوراً جون بدل لی اور وہ سانپ بن گیا سانپ بن کر وہ ایک ستون کے اوپر چڑھ گیا یہاں سے وہ دشمن پر حملہ کر کے بڑی آسانی سے اس پر چڑھ کر اپنی جان بھی بچا سکتا تھا۔

عنبر نے تلوار کھینچ لی اور ایک جگہ کیبن کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور ڈاکوؤں کے جہاز کو سمندر میں اپنے جہاز کے قریب آتے دیکھنے لگا ڈاکوؤں کے جہاز پر سروں پر نیلے لال پیلے رومال باندھے

ڈاکو صاف نظر آ رہے تھے ان کے کانوں میں بالیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں اور وہ تلواریں لہرا رہے تھے ڈاکوؤں کا کپتان بھی تلوار لیے عرشے پر کھڑا تھا۔

عنبر کے جہاز کے قریب آ کر انہوں نے رسے ڈال کر اپنے جہاز کو قریب کیا اور بڑی حیرانی سے عنبر کے خالی جہاز کو تکنے لگے وہ بڑے حیران تھے کہ یہ جہاز خالی کیوں ہے؟ اس کے مسافر کہاں چلے گئے؟ اس جہاز کے ملاح کہاں ہیں؟ کپتان کہاں ہے؟ قریب آ کر انہوں نے عنبر کے جہاز میں چھلانگیں لگا دیں ڈاکو جہاز کے عرشے پر تلواریں لیے دندناتے پھرنے لگے کپتان نے بھی عرشے پر چھلانگ لگا دی اور چیخ کر بولا۔

کپتان کو کیبن میں تلاش کرو یہ جہاز سارے کا سارا خالی ہے معلوم ہوتا ہے مسافر سارے کے سارے بیماری سے مر گئے ہیں۔

ڈاکوؤں نے ایک ایک کیبن کی تلاشی لی سارے جہاز کو دیکھا گیا اور بعد میں ڈاکوؤں کے سردار نے عنبر کی طرف دیکھا اور چنگھاڑتے ہوئے بولا مسافر کدھر ہیں کپتان کہاں ہے۔

ناگ اور ماریا چھپے ہوئے تھے

عنبر نے کوئی جواب نہیں دیا تو ڈاکوؤں کے سردار نے لوٹ مار کرنے کا حکم دے دیا جیسے ہی ڈاکو جہاز کے عرشے پر پھیلے ناگ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور عنبر پہلے ہی تیار کھڑا تھا عنبر کو چار پانچ ڈاکوؤں نے تلواروں کے سائے میں گھیرا ہوا تھا ڈاکو لوٹ مار کر رہے تھے کہ ناگ کے قریب چلے گئے ناگ کے منہ سے سانپ کی آواز سن کر ڈاکو اس طرف لپکے مگر ناگ چھپ گیا تھا ڈاکو اسی وقت مر گیا ایک ڈاکو ماریا کے قریب کھڑا تھا ماریا نے پوری طاقت سے ایک ڈنڈا اس ڈاکو کی کھوپڑی پر مار دیا ڈاکو چیخ مار کر گر پڑا کپتان اس کی طرف لپکا ماریا

نے دوسرا ڈنڈا مار کر دوسرے ڈاکو کی کھوپڑی توڑ دی اس کے بعد ماریا نے تیسرے ڈاکو کا سر پھوڑ دیا اور خود دوسری طرف ہٹ گئی۔

یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں کی موت سے کپتان بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے دشمن نظر نہیں آ رہا تھا اور ڈاکو مر رہے تھے اس دوران میں سانپ نے دو اور ڈاکوؤں پر حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا اور خود جہاز کے مستول کے اوپر جا کر آرام کرنے لگا۔

کپتان چکر کھا گیا اس نے اعلان کیا۔

جہاز کو آگ لگا دو اس جہاز پر بدروحوں کا قبضہ ہے۔

ایک ڈاکو نے پتھر رگڑا ہی تھا کہ ماریا نے اسی کی تلوار کھینچ کر اسی کا سر قلم کر دیا کپتان حیران رہ گیا۔

اس کو کس نے قتل کر دیا؟

وہ غرایا اور اس نے غصے میں زمین پر تلوار مار کر توڑ دی.........ماریا

نے سوچا کہ کپتان کو بھی تھوڑا مزہ چکھانا چاہیے وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی کپتان کے پاس آئی اور پیچھے سے اس نے کپتان کی گردن پر اس زور سے تلوار کا دستہ مارا کہ وہ چکرا کر گر پڑا اور پھر ڈر کر اٹھ کر دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

جہاز کو آگ لگا دو اس پر بدروحوں کا سایہ ہے آگ لگا دو۔

دوسرا ڈاکو آگ لگانے لگا تو ماریا نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر گرج کر چڑیلوں جیسی آواز بنا کر بولی۔

اگر تم لوگوں نے جہاز کو آگ لگانے کی کوشش کی تو تم کو ایک ایک کر کے مار ڈالا جائے گا تمہارے جہاز میں پتھر پھینک پھینک کر ڈبو دیا جائے گا خبردار، جہاز کو آگ لگانے کی ہمت نہ کرنا تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ نہیں تو تمہاری خیر نہیں ہے۔

کپتان ڈاکو نے چونک کر آواز سنی اور قہقہہ لگا کر بولا۔

تم بدروح ہو تم نے میرے چھ سات ساتھی مار دیے ہیں کیا تم سامنے آ کر میرا مقابلہ کر سکتی ہو مردوں کی طرح.......... یا کسی مرد کو میرے پاس بھیج سکتی ہو کہ وہ مجھ سے مقابلہ کرے اگر وہ جیت گیا تو میں یہ جہاز چھوڑ دوں گا نہیں تو اپنے سارے ماب قتل کروا کر خود بھی قتل ہو جاؤں گا مگر شکست قبول کر کے واپس اپنے جہاز پر نہیں جاؤں گا۔

ماریا سوچ میں پڑ گئی ڈاکو کپتان بڑا ضدی تھا یہ لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اسے معلوم تھا کہ یہ شخص ایسے کبھی نہیں مانے گا، اس نے سوچا کہ عنبر کو اس کے مقابلے پر سامنے آنا چاہیے وہی ایک شخص تھا جو اس ڈاکو کو شکست دے سکتا تھا چنانچہ اس نے کہا۔

سن اے ظالم ڈاکو تمہارے مقابلے پر اپنے ایک بھائی کو بھیج رہی ہوں وہ تمہیں شکست دے گا اور تم پر ثابت کر دے گا کہ وہ تم سے زیادہ طاقت ور ہے اور تمہیں ہلاک کر سکتا ہے پھر بھی اگر تم یہاں سے نہ گئے

تو تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔

ڈاکو نے کہا۔

میں تمہارے بھائی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں تم اسے میرے پاس بھیجو۔

ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی عنبر کے پاس گئی وہ بھی سامان کے پیچھے چھپا ڈاکوؤں کے کپتان اور ماریا کی ساری گفتگو سن رہا تھا ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

عنبر بھائی اب تمہیں میدان میں آ جانا چاہیے۔

ماریا بولی۔

تو پھر سامنے آ جاؤ اور ڈاکوؤں کے کپتان کو شکست دو۔

ماریا وہاں سے پرے ہٹ گئی اور عنبر تلوار لے کر کپتان کے سامنے آ گیا کپتان ڈاکو نے اپنے سامنے ایک پتلے دبلے نوجوان کو تلوار

لہراتے دیکھا تو قہقہہ مار کر زور سے ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

اے بدروح یہ کس بونے کو تو میرے سامنے لے آئی ہے کیوں اسے میرے ہاتھ سے قتل کرواتی ہے؟ اسے واپس بلا لے۔ اور کسی پہلوان کو میرے مقابلے کے لئے بھیج یہ تو ناحق میرے ہاتھوں مارا جائے گا مجھے اس کی نوجوانی پر ترس آتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

اے ظالم ڈاکو یہ شخص تجھے تیرے گناہوں اور انسانوں پر ظلم و ستم کی سزا دینے خدا کی طرف سے آیا ہے اس کے وار سے خوف کھا یہ تیرے بدن کی بوٹیاں اڑا دے گا اور تم اس کا ایک بال تک بیکا نہ کر سکو گے۔

ڈاکو کپتان نے ایک قہقہہ لگایا۔

ہاہاہاہا............یہ منہ اور مسور کی دال لے بیٹا میرا وار سنبھال ڈاکو نے عنبر پر پوری طاقت سے وار کیا وہ ایک بے حد چالاک تلوار باز تھا

اس کی ساری زندگی تلوار بازی میں گزری تھی عنبر کو اب تلوار چلانے کی مشق نہیں رہی تھی پھر بھی اس نے ڈاکو کا وار روک لیا اب ڈاکو نے دوسرا وار کیا۔ وہ ویسے بھی ایک اونچا لمبا بھاری بھر کم ڈاکو کپتان تھا عنبر پرے ہٹ گیا تلوار لکڑی کے صندوق پر پڑی اور اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے۔

ڈاکو کپتان نے چیخ کر کہا۔

میرا وار سنبھال او احمق لڑکے۔

یہ وار بڑا خطرناک اور چالاکی کا وار تھا عنبر اس سے بچ نہ سکا تلوار سیدھی عنبر کی گردن پر پڑی اور اسے کاٹتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی مگر عنبر کی گردن اسی جگہ قائم رہی پہلے تو کپتان سمجھا کہ جب عنبر ہلے گا تو گردن نیچے گر پڑے گی مگر ایسا نہیں ہوا تو وہ ششدر رہ گیا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ تلوار نے عنبر کی گردن کاٹی تھی۔

اس عرصے میں عنبر نے ڈاکو کی ٹانگ پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا کپتان نے دوسری بار پھر پوری طاقت اور چالاکی سے حملہ کیا اور اس دفعہ عنبر کے سینے میں پوری کی پوری تلوار گھونپ دی مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا نہ خون نکلا نہ زخم ہوا دوسرے ڈاکو بھی دنگ ہو کر رہ گئے کپتان بھی حیران ہوا کہ یہ ماجرا کیا ہے عنبر نے ابھی تک کپتان پر خود حملہ نہیں کیا وہ صرف کپتان پر اپنی خفیہ طاقت کو ظاہر کرنا چاہتا تھا جب اس کی کرامت کپتان ڈاکو پر ظاہر ہو گئی تو اس نے حملہ کر کے کپتان کے بازو کو شدید زخمی کر دیا۔

کپتان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔

کپتان کو زخمی ہوتا دیکھ کر سارے کے سارے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے مگر وہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے انہوں نے عنبر پر تلواریں برسانی شروع کر دیں مگر وہی ہوا جو ہوتا تھا عنبر کے جسم سے خون کا

ایک قطرہ بھی نہ نکلا اور اسے کوئی زخم بھی نہ ہوا تلواریں اس کے جسم پر پڑتیں اور ربڑ کی طرح اس کا جسم مل جاتا اب تو ڈاکو پریشان ہو کر پرے ہٹ گئے اس دوران میں عنبر کا ہر وار کاری پڑ رہا تھا اس نے چھ سات ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا یہ صورت حال بیحد پریشان کر دینے والی تھی دوسری طرف ماریا بھی اپنا کام کیے جا رہی تھی اور اس نے بھی ڈنڈے مار کر چھ سات ڈاکوؤں کی کھوپڑیاں توڑ کر انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا۔

کپتان ڈاکو زندگی میں پہلی بار خوف زدہ ہوا تھا وہ دشمن کا ایک آدمی بھی نہیں مار سکا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پندرہ بیس آدمی کٹ گئے تھے اگر اس نے لڑائی کو جاری رکھا تو ایک ایک کر کے اس کے سارے کے سارے ڈاکو ہلاک ہو سکتے تھے اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

میں صلح کرتا ہوں جنگ بند کر دو۔

ڈاکو بھی خوف زدہ تھے اور لڑائی بند کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کپتان کے اعلان کے ساتھ ہی وہ پیچھے ہٹ گئے عنبر نے تلوار بھی نیام میں ڈال لی اور آگے بڑھ کر کپتان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

تم نے میری طاقت کو آزما لیا ہو گا اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم اور تمہارے سارے ڈاکو میرے مقابلے میں کس قدر حقیر ہیں اس وقت تم میرے رحم و کرم پر ہو میں اگر چاہوں تو ایک ایک کر کے تم سب کو قتل کر دوں اور تم میرے جسم پر ایک معمولی سا زخم بھی نہیں لگا سکتے کیا تم اپنی شکست کو مانتے ہو؟

ڈاکو کپتان نے بڑی مشکل سے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

چلو ٹھیک ہے برخوردار تم جیتے ہم ہارے ہم واپس جا رہے ہیں مگر ایک بات بتا دو کہ یہ طاقت تم میں کہاں سے آ گئی عنبر نے کہا۔

تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تمہیں اپنی خفیہ طاقت کا راز بتاؤں تم ایک ڈاکو ہو جس نے ہزاروں بے گناہوں کا خون کیا ہے میں تمہیں ان بے گناہوں کے ظلم کی سزا بھی دینا چاہتا ہوں اور تمہاری سزا یہ ہوگی کہ میں تمہارے جہاز کو آگ لگا دوں گا۔

ماریا نے بھی ڈانٹ کر کہا۔

ہاں ہم اس سنگدل ڈاکو کے جہاز کو آگ لگا دیں گے اب کپتان نے گڑگڑا کر کہا۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی مسافر کو تنگ نہیں کروں گا صرف سرکاری گودام لوٹوں گا مسافروں کو کچھ نہیں کہوں گا عنبر نے بلند آواز میں پوچھا۔

کیا اس کا وعدہ قبول کر لیا جائے؟

ماریا نے کہا۔

چلو اسے معاف کر دیا جائے اس کی بات پر اعتبار کر لیا جائے مگر اے ڈاکو کپتان ایک بات یاد رکھنا میں تمہارے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہوں گی اگر تم نے کسی جگہ مسافروں کو تنگ کیا یا ان کا سامان لوٹا تو یاد رکھنا میں اسی جگہ تمہارے جہاز کو آگ لگا دوں گی اور اسے ڈبو دوں گی۔

ڈاکو کپتان نے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

میں ایک بہادر آدمی ہوں اور بہادر اپنے وعدے پر ہمیشہ قائم رہتا ہے میں آئندہ کبھی بھی کسی بے گناہ کو تنگ نہیں کروں گا۔

ماریا اور عنبر نے ڈاکو کپتان کو معاف کر دیا پھر عنبر نے کپتان کو جہاز کے طوفان میں گھر کر الٹ جانے اور مسافروں کے کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ جانے کی ساری کہانی سنا ڈالی اور اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سفر کر رہے ہیں ڈاکو کپتان نے اسے بتایا کہ اس وقت وہ جنوبی بحر الکاہل کے سمندروں میں ہیں اور اگر اسی طرح سفر کرتے رہے تو

ایک روز جنوبی افریقہ کے ساحل پر پہنچ جائیں گے گویا وہ جاپان کے سمندر سے بھٹک گئے تھے۔

کپتان اپنے جہاز کو لے کر چلا گیا اب عنبر نے جہاز کو کوشش کر کے کپتان کے مشورے کے مطابق دوبارا جاپان کے سمندر کی طرف ڈال دیا ان کے جہاز نے جاپان کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا ہوا کافی تیز تھی جس کی وجہ سے ان کے جہاز کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اسی طرح سفر کرتے رہے تو ایک نہ ایک دن وہ اپنی منزل جاپان ضرور پہنچ جائیں گے۔

آدم خور وحشی

بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

سمندر میں کوئی طوفان نہ آیا مگر زمین نظر نہیں آ رہی تھی تینوں بہن بھائیوں کو جہاز میں اکیلے سفر کرتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے جہاز میں پانی کا ذخیرہ بھی ختم ہونے کو تھا بس چار پانچ روز کا پانی اور خوراک باقی رہ گئی تھی وہ ہر روز اس امید پر اٹھ کر جلدی سے جہاز کے عرشے پر جاتے کہ اب شاید زمین کا کنارا نظر آئے مگر ہر بار انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا خدا جانے وہ کن سمندروں میں سفر کر رہے تھے کہ زمین کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آتا تھا اب تو وہ نا امید سے ہو چلے تھے۔

ناگ نے ایک روز کہا۔

بھائی عنبر میرا تو خیال ہے کہ ہم گرداب میں پھنس گئے ہیں اور پچھلے کئی روز سے بس ایک ہی دائرے میں چکر لگا رہے ہیں عنبر نے سمندر کے پانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں ناگ سمندر کے پانی کا رنگ وہ نہیں ہے جو آج سے چھ روز پہلے تھا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم ایک ہی جگہ چکر نہیں لگا رہے بلکہ آگے بڑھ رہے ہیں اب آگے کس سمت کو بڑھ رہے ہیں؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔

ماریا بھی ان کے پاس ہی کھڑی تھی کہنے لگی۔

اگر چار پانچ روز تک کہیں زمین نظر نہ آئی تو پانی کا مٹکا ختم ہو جائے گا اور پھر کم از کم میرے اور ناگ بھائی کے لئے ایک مصیبت بن جائے گی پانی کے بغیر ہم کتنے دن زندہ رہ سکیں گے۔ ناگ تو شاید زندہ رہ لے مگر میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔

عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بہن ماریا، تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے خدا پر بھروسہ رکھو وہ ضرور ہمیں اس سمندر سے نکال کر کسی نہ کسی منزل پر پہنچا دے گا۔

ناگ نے کہا۔

ڈاکو کپتان نے کہیں ہمیں غلط راستے پر نہ ڈال دیا ہو آخر وہ ہمارا دشمن تھا ہو سکتا ہے اس نے ہم سے اپنے آدمیوں کی موت کا بدلہ لیا ہو اور ہمیں غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔

عنبر بولا۔

ایسا ہو سکتا ہے مگر جہاں تک میرے تجربے کا تعلق ہے میں ان بحری ڈاکوؤں کے سرداروں کو خوب جانتا ہوں یہ ظالم اور سنگ دل ضرور ہوتے ہیں مگر بات کے جھوٹے نہیں ہوتے یہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور پھر سمندر کے پانی کے رنگ کی تبدیلی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم آگے

بڑھ رہے ہیں کسی ایک جگہ پر چکر نہیں لگا رہے اس لئے ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ ہم کسی نہ کسی مقام پر ضرور پہنچ جائیں گے۔

وہ ہر روز اسی قسم کی باتیں کرتے اور سو جاتے ہر رات ایک نئی امید لے کر سوتے اور صبح اٹھ کر پھر ناامید ہو جاتے ماریا زیادہ پریشان تھی اس لئے کہ وہ ایک عام انسان تھی اس میں سوائے اس بات کے کہ وہ غائب تھی اور کوئی طاقت نہیں تھی وہ بھوک پیاس سے مر سکتی تھی اور اسے کوئی مار بھی سکتا تھا عنبر اور ناگ کو بھی اپنی بہن ماریا کا زیادہ خیال تھا وہ بغیر کھائے پیئے برسوں گزارا کر سکتے تھے مگر ماریا ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

آخر قدرت نے ان کی سن لی۔

ایک روز وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر عرشے پر آئے تو انہیں دور آسمان کے کنارے کے ساتھ زمین کی کالی لکیر نظر آئی خوشی سے ان

کے چہرے کھل گئے وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے سمندر میں انہوں نے ناریل بھی تیرتے ہوئے دیکھے ان ناریلوں کو دیکھ کر عنبر نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے ہم کسی جزیرے پر پہنچ رہے ہیں۔

ناگ بولا۔

ہو سکتا ہے یہ ملک جاپان کا ساحل ہو۔

عنبر نے کہا۔

ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ایسا جزیرہ ہو جہاں آدم خور قبیلے کے لوگ رہتے ہوں۔

ناگ بولا۔

جاپان کے بے شمار جزیرے ہیں اگر یہ ان جزیروں میں سے کوئی جزیرہ ہے تو پھر ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں ہمیں کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے

۔

ماریا بولی۔

اور اگر یہ آدم خوروں کا جزیرہ ہوا تو کیا کریں گے جاپان کے ملک میں بھی صرف ایک شہر کیوشو میں ہی مہذب لوگوں کی آبادی ہے باقی سارا ملک یا تو ویران ہے اور یا جنگلی قبیلے رہتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

پھر کیا ہوا ماریا بہن آخر ہمیں ہر قسم کی مصیبتوں کے لئے تیار بھی تو رہنا ہوگا دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔؟

زمین قریب سے قریب آ رہی تھی۔

اب انہیں دور ناریل کے درختوں کے جھنڈ دکھائی دینے لگے تھے یہ جھنڈ بڑے گھنے اور سرسبز تھے صاف معلوم ہوتا تھا کہ جزیرہ بڑا سرسبز و شاداب ہے اور وہاں ضرور آبادی ہوگی کس قسم کے لوگ آباد ہوں گے

یہ انہیں معلوم نہیں تھا جہاز کے بادبان پھولے ہوئے تھے اور ہوا بڑی تیزی سے جہاز کو جزیرے کے ساحل کی طرف لیے جا رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

اگر جہاز اسی رفتار سے چلتا رہا تو ہو سکتا ہے کہ یہ بڑے زور سے جزیرے کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے اس لئے ہمیں اسے قابو میں کر کے اس کی رفتار کو کم کرنا چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

میں اوپر جا کر بادبانوں کو گرا دیتا ہوں۔

عنبر بولا۔

ٹھیک ہے تم اوپر جاؤ اور سارے بادبان گرا کر لپیٹ دو ناگ مستول پر چڑھ گیا اس نے چاروں بادبان کھول کر گرا دیے اور پھر انہیں لپیٹ کر مستول کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیا.......... بادبانوں کے

لیٹنے کے فوراً بعد جہاز کی رفتار میں بے حد کمی آ گئی جزیرے کا ساحل بہت قریب آ گیا تھا اور ساحل کی ریت اور ناریلوں کے درخت صاف نظر آ رہے تھے

ماریا نے کہا۔

یہ جزیرہ تو مجھے ویران لگتا ہے یہاں کوئی آدمی ہی نظر نہیں آ رہا۔

ناگ بولا۔

میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اتنا ہرا بھرا جزیرہ ویران نہیں ہو سکتا۔

عنبر بولا۔

یہاں ضرور کوئی نہ کوئی قبیلہ آباد ہوگا جزیرہ اگرچہ چھوٹا سا ہے مگر بے حد سرسبز ہے یقیناً یہاں پھلوں کے درخت بھی ہوں گے اس قسم کا جزیرہ بے آباد نہیں رہ سکتا۔

ماریا کہنے لگی۔

ابھی وہاں پہنچ کر پتہ چل جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد بادبانی جہاز جزیرے کے ساحل سے تھوڑی دور ریت میں پھنس کر رک گیا رفتار چونکہ اس کی بے حد کم تھی اس لئے وہ ٹوٹ نہ سکا اگر رفتار تیز ہوتی تو اس کا ٹکڑے ہو جانا یقینی تھا جہاز کے رکتے ہی عنبر نے ماریا سے کہا۔

ماریا بہن تم جہاز کے اندر ہی رہو۔ ہم دونوں چل کر پتہ کرتے ہیں کہ جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے یا نہیں۔

جہاز جزیرے کے بالکل ساتھ کھڑا تھا بیچ میں تھوڑا سا سمندر آ گیا تھا یہاں پانی گھٹنے گھٹنے تک تھا عنبر اور ناگ رسے کی مدد سے سمندر میں اتر گئے ماریا جہاز کے اوپر کھڑی انہیں سمندر کے پانی میں سے ہو کر جزیرے پر جاتے دیکھتی رہی وہ پانی میں سے گزر رہے تھے ایک مدت کے بعد انہوں نے ساحل کی ریت پر قدم رکھا۔

ان کے دلوں میں عجیب طرح کی خوشی پیدا ہو گئی وہ ساحل کی ریت پھر تھوڑی دور تک چلتے لگے سامنے ناریلوں کے جھنڈ اور جنگل شروع ہو جاتا تھا ماریا جہاز کے جنگلے پر کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی عنبر اور ناگ نے ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہا اور جزیرے کے جنگل میں داخل ہو گئے وہ جنگل میں چلتے چلتے کافی آگے نکل گئے جنگل ختم ہی نہیں ہوتا تھا راستہ بڑا دشوار گزار تھا کہیں کوئی پگ ڈنڈی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی جہاں سے یہ خیال ہی پیدا ہو کہ یہاں کوئی آبادی ہو گی اور لوگ اس پگ ڈنڈی پر سے گزرتے ہوں گے کہیں کوئی جنگلی قبیلہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر اور ناگ چلتے چلے گئے حقیقت یہ تھی کہ یہاں ایک آدم خور قبیلہ آباد تھا اس قبیلے کے لوگوں نے عنبر اور ناگ اور ان کے جہاز کو جزیرے کے ساتھ لگتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ دونوں کو موقع دے رہے تھے کہ وہ جنگل میں دور تک نکل جائیں اور جہاز سے دور ہو جائیں اور اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں آدم خور قبیلے والوں نے زمین میں ایک بہت بڑا گڑھا کھود کر اوپر گھاس پھونس کی چھت ڈال رکھی تھی تاکہ وہ اس کے اندر گر کر قید ہو جائیں اور پھر آدم خور بڑے مزے سے ان کو بھون کر کھا جائیں۔

دوسری طرف دس بارہ آدم خور وحشی نیزے ہاتھوں میں لے کر سمندر میں اتر گئے وہ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتے ہوئے جہاز کے پاس پہنچ گئے پچھلی طرف سے وہ جہاز کے اوپر چڑھ گئے ماریا اس وقت اپنے کیبن میں بیٹھی آرام کر رہی تھی آدم خور وحشی جہاز کے عرشے پر آ کر ادھر اُدھر تلاشی لینے لگے ماریا نے عرشے پر قدموں اور باتیں کرنے کی آواز سنی تو باہر آ گئی کیا دیکھتی ہے کہ جزیرے کے وحشی عجیب زبان میں باتیں کرتے ادھر اُدھر پھر رہے ہیں وہ ششدر رہ گئی

کہ جس جزیرے کو وہ لوگ بے آباد سمجھ رہے تھے وہاں وحشی آباد ہیں اور کتنے مکار ہیں کہ جہاز کے اوپر چپکے سے چڑھ آئے ہیں ماریا کا خیال ایک دم عنبر اور ناگ کی طرف چلا گیا کہ خدا جانے ان کا کیا حشر ہوا ہوگا، ظاہر بات تھی کہ ان کو بھی انہوں نے قید کرلیا ہوگا۔ ماریا کیبن سے نکل کر جہاز کے جنگلے کے پاس آ گئی یہاں ایک وحشی کپتان کے کیبن سے نکالی ہوئی ایک لکڑی کی صندوقچی کو توڑ رہا تھا ماریا نے سوچا کہ ان لوگوں کو خوف زدہ کرنا چاہیے خوفزدہ ہوکر یہ بھاگ جائیں گے ماریا نے زور سے چیخ ماری، وحشی اچھل کر سمندر میں گر پڑا۔ دوسرے آدم خور چیخ کی آواز سن کر عرشے کی طرف دوڑے۔ ماریا نے ایک اور چیخ ماری وحشی سہم کر ایک دوسرے کو تکنے لگے ماریا نے زمین پر سے ایک لکڑی اٹھا کر زور سے ایک وحشی کے سر پر دے ماری وہ سر کو پکڑ کر سمندر کی طرف بھاگا اور جنگلے پر سے کود گیا۔

ماریا نے اونچی چڑیلوں جیسی آواز میں کہا۔

بھاگو، بھاگو، بھاگو۔

آدم خور وحشی بے حد وہم پرست ہوتے ہیں انہوں نے جو ایک چڑیل کی آوازیں اور چیخیں سنیں تو ڈر گئے اور دیکھتے دیکھتے سمندر میں کود گئے اور جزیرے کی طرف تیرنے لگے اب ماریا نے سوچا کہ عنبر اور ناگ کا پتہ کرنا چاہیے کہ وہ بے چارے کس حال میں ہیں کہیں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئے۔؟

جاپانی بندرگاہ

ماریا نے جہاز کے اوپر سے رسہ لٹکایا اور سمندر میں اتر آئی۔

پانی گھٹنے گھٹنے تک تھا وہ سمندر کے پانی میں سے ہوتی ہوئی جزیرے پر آ گئی آدم خور بھاگ کر ناریل کے جھنڈوں میں غائب ہو گئے ماریا نے جنگل میں اندازے کے مطابق اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف اس کے خیال میں عنبر اور ناگ گئے تھے جنگل کافی گھنا تھا ناریلوں کے علاوہ وہ دوسرے گنجان اور گھنے درخت اُگے ہوئے تھے جھاڑیاں اتنی زیادہ تھیں کہ بڑی مشکل سے ماریا کو راستہ مل رہا تھا وہ پودوں اور پتوں کو ادھر اُدھر کرتی آگے بڑھ رہی تھی وہ نظر تو نہیں آ رہی تھی مگر جہاں جہاں سے وہ گزر رہی تھی وہاں وہاں سے جھاڑیاں اِدھر اُدھر ہٹ رہی تھیں اس وقت اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو وہ ڈر کر بھاگ

جاتا کہ اگر وہاں آدمی کوئی نہیں ہے تو یہ جھاڑیاں اور پودے اپنے آپ وہاں سے کیسے ہٹتے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ بھی جنگل میں چلے جا رہے تھے مگر وہ بہت دور تھے ان کے دائیں بائیں آدم خور جنگلی بھی چھپ کر چلے جا رہے تھے تا کہ جوں ہی وہ دونوں گڑھے میں گریں انہیں فوراً قابو میں کر لیا جائے عنبر اور ناگ باتیں کرتے چلے جا رہے تھے عنبر کہہ رہا تھا۔

یہاں کہیں بھی کوئی جنگلی نہیں رہتا، حد ہو گئی۔ ایسا جزیرہ بے آباد تو نہیں رہ سکتا۔

ناگ بولا۔

میں بھی حیران ہوں۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں اس جزیرے پر کچھ دور ٹھہر جانا چاہیے یہاں پانی

کے چشمے ہیں اور پھل دار درخت بھی ہیں ہم یہاں کچھ روز آرام کرنے کے بعد آگے چل پڑیں گے۔

ناگ کہنے لگا۔

مگر یہاں سے آگے کہاں جائیں گے؟ ہمیں تو سمندری راستے کا کوئی بھی علم نہیں ہے۔

عنبر بولا۔

ہم یہاں بھی ساری زندگی نہیں رہ سکتے آخر ایک نہ ایک دن یہاں سے کوچ کرنا ہی پڑے گا۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں آدم خوروں نے زمین کے اندر گڑھا کھود کر اوپر گھاس ڈال رکھا تھا وہ بے خیالی میں چلتے جا رہے تھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں ان کے لئے کوئی جال بچھایا گیا ہے جب وہ خطرناک جگہ پر پہنچے تو ایک دم گڑھے کے اندر گر پڑے۔

نیچے گرتے ہی وہ اٹھے اور ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔

یہاں ضرور وحشی لوگ رہتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے انہوں نے جنگلی جانور پکڑنے کے لئے یہ جال بچھایا ہوگا جس میں گر کر ہم پھنس گئے۔

عنبر بولا۔

یہاں کون سے جنگلی جانور ہیں؟ اور پھر اتنا بڑا جنگلی جانور تو کوئی بھی یہاں نہیں ہوگا جتنا بڑا یہ گڑھا کھودا گیا ہے۔

ناگ نے کہا۔

تمہارا مطلب ہے کہ یہ جال ہمیں پھانسنے کے لئے بچھایا گیا تھا؟

میرا تو یہی خیال ہے۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ گڑھے کے اوپر آدم خور وحشی تیر کمان اور نیزے لے کر نمودار ہو گئے وہ قہقہے لگا رہے تھے اور رقص کر رہے تھے ایک دم سے چھ سات وحشی گڑھے میں کود پڑے اور انہوں نے عنبر اور ناگ کو رسیوں میں جکڑ کر باہر نکال لیا وحشیوں کے سردار نے گونج دار آواز میں کہا۔

ان کو جھونپڑوں کے باہر لے آؤ۔

وحشی عنبر اور ناگ کو گھسیٹتے ہوئے جنگل کے درمیان ایک ایسی جگہ لے آئے جہاں آدم خوروں کے جھونپڑے تھے ان دونوں کو درختوں کے ساتھ باندھ دیا گیا اور ان کے ارد گرد لکڑیاں چن دیں عنبر سمجھ گیا کہ یہ آدم خور ہیں اور انہیں بھون کر کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

عنبر نے کہا۔

ناگ تم کیا سوچ رہے ہو؟ اس وقت اپنی جون بدلو گے جب ہمارے

ارد گرد آگ لگا دی جائے گی۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

مجھے ان آدم خور وحشیوں پر رحم آ رہا تھا سوچ رہا تھا کہ شاید انہیں عقل آ جائے اور یہ ہمیں جلانے سے باز آ جائیں۔

عنبر نے کہا۔

پاگل ہو گئے ہو کبھی وحشی انسان کو بھی عقل آ سکتی ہے جلدی سے سانپ کی جون بدلو۔ میں تو زندہ رہوں گا تم جل جاؤ گے۔

ناگ بولا۔

بہت بہتر میں ابھی ان لوگوں کو اس گستاخی کا مزہ چکھاتا ہوں۔

یہ کہہ کر ناگ نے زور سے لمبا سانس کھینچا جب اس نے سانس باہر نکالا تو وہ سیاہ کالا سانپ بن گیا تھا وحشی آدم خوروں نے جب دیکھا کہ درخت کے پاس آدمی کی جگہ سانپ آ گیا ہے تو وہ بڑے بڑے

ڈیلے پھاڑ کر تکنے لگے۔

سردار نے کہا۔

یہ جادوگر ہیں۔ یہ جادوگر ہیں ان کو آگ لگا دو۔ سانپ کا سر کچل دو۔

لیکن سانپ سب کچھ سن رہا تھا سانپ نے آگے بڑھ کر ایک آدم خور کو ڈس دیا اور وہ اسی جگہ گرا اور گرتے ہی مر گیا دوسرے وحشی پرے پرے ہٹ گئے سانپ پھنکارتا ہوا ان کی طرف آیا۔

سردار تلوار لے کر سانپ کی طرف بڑھا، سانپ جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

سردار نے چیخ ماری۔

اس شخص کو آگ لگا دو، یہ بھی جادوگر ہے۔

وحشی آدم خور پتھر رگڑ کر لکڑیوں کو آگ لگانے لگا اس عرصے میں ماریا بھی وہاں پہنچ گئی تھی اس نے جب عنبر کو درخت کے ساتھ بندھے اور

آدم خور کو آگ لگاتے دیکھا تو بھاگ کر وہاں آئی اور آگ لگانے والے آدم خور کے سر پر پتھر اٹھا کر زور سے مارا۔ آدم خور سر پکڑ کر چکرایا اور زمین پر تڑپنے لگا دوسرے وحشی کو ماریا نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی گردن کٹ کر الگ جا گری اب تو باقی وحشی ڈر گئے مگر سردار نے حکم دیا کہ درخت کے ساتھ بندھے ہوئے جادوگر کے ٹکڑے اڑا دیے جائیں۔

جوں ہی وحشی عنبر کی طرف بڑھے ماریا نے دو آدمیوں کو وہیں ڈھیر کر دیا سانپ نے پیچھے سے آ کر باقی دو آدم خوروں کو ڈس کر ہلاک کر دیا وہاں ایک پل کے اندر اندر چھ سات آدم خوروں کی لاشیں بچھ گئیں ماریا نے سردار کے قریب جا کر تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو تمہاری گردن تن سے جدا کر دی جائے گی میں اس جزیرے کی روح ہوں چلو چل کر اس شخص کو اپنے ہاتھ سے

کھولو۔

سردار تھر تھر کانپنے لگا کیوں کہ اسے آواز تو آ رہی تھی مگر شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ جنگل کی روح سے ڈرنے لگا تھا۔

جزیرے کی مقدس روح، مجھے معاف کر دے میں ابھی جا کر اس شخص کو آزاد کرتا ہوں۔

سردار نے آگے بڑھ کر عنبر کو آزاد کر دیا دوسری جانب سے ناگ بھی اصلی روپ دھار کر وہاں آ گیا ماریا پڑے سے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

تم احمق سردار ہو۔ اب تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ اس جزیرے کے مالک ہم لوگ ہیں اگر ہم چاہیں تو تم سب وحشیوں کو ایک پل میں ختم کر سکتے ہیں مگر ہم نے تمہیں معاف کیا۔

آدم خوروں کے سردار نے عنبر اور ناگ کے سامنے سر جھکا دیا۔

اے مقدس دیوتاؤ اس جزیرے کے قبیلے کا سردار تمہیں سلام کرتا ہے ہم تمہارے غلام ہیں تم جیسا حکم کرو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔

سردار کو سر جھکائے دیکھ کر باقی وحشیوں نے بھی سر جھکا دیے اور عنبر اور ناگ کی شان میں نعرے لگائے اتنی دیر میں وہ وحشی بھی پہنچ گئے جن کو ماریا نے جہاز سے مار بھگایا تھا انہوں نے بھی آ کر بتایا کہ جہاز پر کوئی روح آ گئی ہے۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

ہم اپنے جہاز کے ساتھ ادھر آ نکلے ہیں ہمارے جہاز پر روحوں کے دیوتاؤں کا بسیرا ہے ہم لوگ دیوتا ہیں ہمارے ساتھ اس جزیرے کی روح بھی ہے۔

سردار نے ادب سے کہا۔

ہم جزیرے کی روح اور تمام دیوی دیوتاؤں کو سلام کرتے ہیں

ہمارے لئے جو حکم ہے ہمیں بتاؤ ہم اس پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھیں گے

عنبر اور ناگ کی وحشیوں نے بڑی زبردست دعوت کی۔

زمین پر کیلے کے پتے بچھا کر ان پر قسم قسم کے لذیذ اور میٹھے جنگلی پھل چن دیے گئے ماریا بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی انہوں نے بڑے مزے سے دعوت اڑائی بعد میں جنگلی لوگوں نے اپنے رقص پیش کیے شام ہونے سے پہلے عنبر اور ناگ ماریا کو ساتھ لے کر جہاز پر واپس آ گئے سردار بھی ان کے ساتھ ہی جہاز تک آیا عنبر نے سردار کو جہاز میں بلا لیا اور کیبن میں لے جا کر اسے گرم گرم قہوہ پلایا اور کہا۔

دیکھو سردار، ہم کسی نہ کسی طرح سمندر میں راستہ بھول گئے ہیں ہمیں یہ بتا دو کہ یہ جگہ کون سی ہے؟ یہ جزیرہ کس مقام پر ہے اور یہاں سے جاپان کا ملک کتنی دور ہے۔؟

عنبر کی یہ بات سن کر سردار ہنس پڑا۔

مقدس لوگو تم بڑے بھولے ہو تم لوگوں نے اگر جاپان کی طرف سفر کرنا ہے تو پھر تم بالکل ٹھیک راستے پر جا رہے ہو ایک طرح سے تم جاپان کے سمندر میں داخل ہو چکے ہو ہمارا جزیرہ جاپان کے ملک کا سب سے پہلا جزیرہ ہے مگر یہ بے آباد ہے یہاں سے جاپان زیادہ دور نہیں ہے۔

عنبر اور ناگ خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو کیا وہ جاپان کے سمندر میں پہنچ گئے تھے ماریا بھی بڑی خوش ہوئی ناگ نے پوچھا۔

بادبانی جہاز پر ہم سفر کریں تو کتنی دیر میں جاپان پہنچ جائیں گے۔

سردار نے کہا۔

اگر آپ لوگ دن رات سفر کرتے رہیں اور ہوا موافق رہی تو آپ چوتھے روز صبح کو جاپان کی سب سے بڑی بندرگاہ کیوشو پہنچ جائیں گے۔

یہ خبر سن کر انہیں بڑی خوشی ہوئی کہاں تو انہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور خدا جانے ابھی انہیں کتنے عرصے اور سمندر میں بھٹکنا پڑے گا اور اب انہیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ وہ چار روز کے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

دوسری رات انہوں نے اپنے جہاز پر سردار اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کی جہاز پر سبز کیلے کے پتے بچھا کر وہاں کھانے اور پھل سجا دیے گئے وحشیوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا ماریا نے کچھ کھانے خود پکائے تھے آدھی رات تک یہ محفل جاری رہی پھر ایک ایک کر کے سارے لوگ واپس جزیرے پر چلے گئے جہاز پر عنبر اور ناگ اور ماریا رہ گئے ان کا خیال صبح کو وہاں سے سفر کرنے کا تھا دن چڑھا تو عنبر نے سردار سے مل کر جہاز پر پانی اور پھل کا اتنا ذخیرہ رکھوا لیا جو ان کے لیے مہینہ بھر کافی تھا صرف اس خیال سے کہ اگر ایسا اتفاق ہو گیا کہ

طوفان کی وجہ سے جہاز بھٹک گیا تو انہیں پانی وغیرہ مل جایا کرے۔

جہاز کے بادبان کھول دیے گئے۔

عنبر اور ناگ نے سردار سے ہاتھ ملایا سردار اور اس کے ساتھیوں نے جھک کر سلام کیا لنگر اٹھا دیا گیا لنگر کے اٹھتے ہی بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز جزیرے کے ساحل سے کھلے سمندر کی طرف بڑھنے لگا وحشی لوگ جزیرے کی ریت پر رقص کر رہے تھے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام کر رہے تھے جب تک عنبر اور ناگ کو وحشی نظر آتے رہے وہ رقص کرتے رہے اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور جہاز کھلے سمندر میں آ گیا۔

کھلے سمندر میں آتے ہی انہوں نے جہاز کو سورج کے حساب سے ایک خاص رخ پر ڈال دیا اس کا حساب وحشیوں کے سردار نے عنبر کو بتایا تھا بادبانوں کی رسیاں ایک خاص حد تک کھینچنے سے جہاز مشرق کی

طرف۔ سمندر کے اس علاقے کی طرف روانہ ہو گیا جدھر جاپان کا ساحل تھا۔ سارا دن جہاز چلتا رہا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ سمندر بڑا پرسکون تھا۔ جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ماریا، عنبر اور ناگ جہاز کے عرشے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سمندر کا نظارہ بھی کر رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اگر موسم خوشگوار رہا اور سمندر پرسکون رہا تو ہم تیسرے روز جاپان کی بندرگاہ کیوشو میں ہوں گے۔

مجھے یقین ہے کہ موسم خوشگوار رہے گا۔ عام طور پر ان دنوں طوفانوں کا زور تھم جایا کرتا ہے۔ جو طوفان آتے تھے وہ آ چکے۔

ماریا نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ ہم جاپان جا کر کہاں قیام کریں گے۔؟

عنبر ہنس پڑا۔

تمہاری بہن بھی کتنی بھولی ہے۔ بھئی پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ کبھی سفر پر جاتے ہوئے یا کسی نئے ملک میں داخل ہوتے ہوئے ہم نے یہ سوچا ہے کہ وہاں جا کر کہاں ٹھہریں گے اور کس جگہ رات بسر کریں گے؟

ناگ بولا۔

وہ سفر ہی کیا جس میں پہلے ہی یہ طے کر لیا جائے کہ کہاں جا کر ٹھہرنا ہے اور کس جگہ جا کر رات بسر کرنی ہے کس مقام پر جا کر رات کا کھانا کھانا ہے۔ سفر کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ بس چلتے چلے جاؤ جہاں رات پڑے سو جاؤ، جہاں دن چڑھے اٹھ کر پھر سفر شروع کر دو۔

ماریا نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے مگر شاید آپ لوگ بھول گئے ہیں کہ جاپان جادوگروں کا ملک ہے وہاں بڑے بڑے جادوگر رہتے ہیں اور وہاں قبیلوں کی

بادشاہت ہے ایسے بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو ایک شہر کے ملک میں رہتے ہیں غریبی بے حد ہے اور ڈاکو بھی قدم قدم پر ملتے ہیں۔

جنبر پھر ہنس پڑا۔

تو کیا ہوا بہن! کیا ہمیں پہلے کبھی ڈاکوؤں اور ظالم بادشاہوں سے پالا نہیں پڑا؟ یہ باتیں تو ہم کرتے ہی آئے ہیں ہمارا مقصد جاپان کی سیر کرنا وہاں گھوم پھر کر وہاں کی تاریخ سے واقف ہوتا وہاں کے لوگوں سے مل جل کر اس ملک کے لوگوں کے حالات معلوم کرنا ہے اور بس........ ہمیں جادوگروں سے بھلا کیا کام؟

ماریا نے کہا۔

ہمیں تو جادوگروں سے کوئی کام نہیں ہو گا، مگر وہ ہمارا پیچھا ضرور کریں گے ہو سکتا ہے کسی جادوگر کو اپنے جادو کے زور سے معلوم ہو جائے کہ ہم تینوں خفیہ طاقت رکھتے ہیں پھر وہ ہماری جان کے دشمن بن سکتے ہیں۔

اری پگلی ہماری جان کے دشمن بن کر وہ کیا کر لیں گے جہاں تک میرا خیال ہے انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

ناگ بولا۔

یہ تو بالکل سچی بات ہے مگر سنا ہے کہ جاپان کے جادوگر بڑے زبردست ہوتے ہیں۔

تو کیا ہوا ہم بھی بڑے زبردست ہیں اس لئے کہ ہم میں جرات اور بہادری بھی ہے اور بہادری کے آگے کسی جادوگر کا جادو کبھی نہیں چلا کرتا، جادو چلتا ہی کمزور پر ہے بہادر اور دلیر آدمی پر جادو کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا۔

ایسی ہی باتیں کرتے دن گزر گیا، پھر دوسرا اور تیسرا دن بھی گزر گیا تیسرے روز وہ سو گئے چوتھے روز وہ سو کر اٹھے تو خوشی سے اچھل

پڑے کیونکہ دور افق کے پاس جاپان کا ساحل دکھائی دے رہا تھا ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا وہ ایک مدت کی دربدری کے بعد آخر اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے یہ ساحل جاپان کی سب سے بڑی اور مشہور بندرگاہ کیوشو کا تھا دوپہر کے وقت وہ کیوشو کی بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔

ملکہ کی روح

وہ اپنا جہاز لے کر بندرگاہ میں نہیں آ سکتے تھے۔

اس طرح وہاں حکومت کے سپاہیوں کو ان پر شک پڑ سکتا تھا کہ وہ اکیلا

وہ تندرست نہیں ہوا تھا۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو شہر سے دور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک محل میں رکھا تھا یہاں کھلی آب و ہوا میں وہ بستر پر پڑا رہتا بادشاہ کی ملکہ مر چکی تھی پہاڑی کے محل پر شہزادہ زندگی کے دن پورے کر رہا تھا حکیموں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ بس اب چند دن کا مہمان ہے اور جلد مر جائے گا بادشاہ کو اپنے بیٹے کا بے حد غم تھا اس کے مرنے کے بعد سلطنت سنبھالنے والا کوئی نہ تھا بادشاہ کا ایک وزیر تھا یہ وزیر بڑا مکار اور سازشی تھا دراصل شہزادے کو بیماری بھی اسی وزیر کی وجہ سے لگی تھی وزیر نے فوج کے سپہ سالار کو بھی نارمل کر رکھا تھا سپہ سالار کو اس نے یہ لالچ دیا تھا کہ وہ اسے اپنا وزیر بنائے گا اور اس کے بیٹے کو سپہ سالار بنا دے گا جس وقت عنبر اور ناگ وغیرہ کیوشو میں داخل ہوئے تو وہاں کا بادشاہ غم زدہ تھا شہزادہ پہاڑی والے ٹیلے پر موت اور زندگی کے

درمیان جنگ کر رہا تھا اور وزیر اسے کھانے میں برابر زہر کھلا رہا تھا۔

عنبر اور ناگ کے پاس سونے کی اشرفیاں تھیں اس لئے وہ شہر کی ایک سرائے میں اتر گئے یہاں انہوں نے اپنے لئے ایک شاندار کمرہ لیا جہاں بستر جما لیا رات کو سو کر اٹھے تو بڑے تازہ دم تھے سفر کی ساری تھکان اتر چکی تھی وہ دونوں شہر کی سیر کو نکل آئے ماریا کو انہوں نے کمرے میں ہی چھوڑ دیا ماریا خود بھی باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی اس کے سر میں ابھی تک جہاز کے سمندری سفر کی وجہ سے ہلکے ہلکے چکر آ رہے تھے۔

کیوشو شہر کے بازار اور گلی کوچے کافی حد تک ملک چین سے ملتے جلتے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں زبان دوسری بولی جاتی تھی اور چین کی طرح یہ شہر صاف ستھرا نہیں تھا یہاں گندگی بہت تھی گلیوں میں صفائی کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا مکان بھی پرانے اور بوسیدہ سے تھے

لوگ البتہ بڑے خوش خوش تھے اور اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے غریبی بھی بہت زیادہ تھی دونوں بھائی سیر کرتے کرتے شہر سے باہر آگئے یہاں ایک جھیل تھی جس میں ایک کشتی پڑی تھی عنبر اور ناگ کشتی میں سوار ہوگئے اور جھیل کی سیر کرنے لگے سیر سے فارغ ہوکر وہ جھیل سے باہر آگئے عنبر نے کہا۔

جھیل بڑی خوب صورت ہے ناگ بھائی دیکھو اس میں کتنے بے شمار کنول کے پھول کھلے ہیں۔

ہاں عنبر، اس کا پانی بھی گہرا نیلا ہے مگر وہ عمارت کون سی ہے؟ ناگ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

جھیل کے پاس ہی ذرا فاصلے پر ایک جگہ ٹوٹا ہوا گنبد سا بنا ہوا تھا عنبر اور ناگ اس پرانی عمارت کے پاس آگئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں کوئی پرانا قلعہ ہوگا دیواریں گر چکی تھیں صرف ایک گنبد اور اس کے ٹوٹے پھوٹے دو چار ستون باقی رہ گئے تھے جگہ جگہ پرانی اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر پڑے تھے۔

عنبر نے کہا۔

کوئی تاریخی عمارت معلوم ہوتی ہے۔

ناگ بولا۔

ہاں، جاپان کی تاریخ بھی کافی پرانی ہے۔

وہ گنبد کے نیچے آگئے یہاں سنگ مرمر کا فرش ایک جگہ سے اکھڑا ہوا تھا یہاں بے شمار جنگلی جھاڑیاں اور پودے اُگے ہوئے تھے عنبر نے سنگ مرمر کے ٹوٹے ہوئے فرش کو دیکھ کر کہا۔

یہ بڑا قیمتی پتھر ہے ناگ، میں نے اس قسم کا پتھر قدیم مصر کے شاہی محلوں میں دیکھا ہے۔

ناگ نے ایک پتھر اٹھایا تو دوسرا پتھر ذرا سا کھسک گیا اس نے دوسرا

پتھر اٹھایا تو وہاں ایک سوراخ سا دکھائی دیا۔

ناگ نے کہا۔

یہ سوراخ کیسا ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی خفیہ غار ہے۔

عنبر بولا!۔

مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔

انہوں نے پتھروں کو پرے ہٹایا تو نیچے پتھر کی پرانی سیڑھیاں کسی نامعلوم تہہ خانے کو اتر رہی تھیں۔

ارے یہاں تو سیڑھیاں ہیں ضرور اس کے نیچے کوئی خفیہ غار یا تہہ خانہ ہے کیا خیال ہے نیچے چل کر دیکھا جائے؟

ناگ نے کہا۔

بھائی اس کی کیا ضرورت ہے ماریا سرائے میں بیٹھی ہے ہم خواہ مخواہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو ماریا کے لئے مشکل ہو جائے گی اجنبی دیس ہے وہ یہاں اکیلی رہ جائے گی پھر کسی وقت آ کر اسے دیکھیں گے۔

عنبر بولا!۔

جیسے تمہاری مرضی۔

انہوں نے اسی طرح غار کے اوپر سنگ مرمر کی سلیں رکھ دیں اور واپس سرائے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ادھر ماریا کمرے میں اکیلی لیٹی ہوئی تھی کمرہ سارے کا سارا خالی تھا و چونکہ غائب تھی اس لئے لیٹی ہوئی نظر ہی نہیں آ رہی تھی اب ہوا یہ تھا کہ سرائے میں اترنے کے ساتھ ہی وہاں کے دو مشہور چوروں کو خبر مل گئی تھی کہ سرائے میں دو بڑے سوداگر اترے ہیں جن کے پاس سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے چوروں نے سرائے کے نوکر سے بات کی اور کہا۔

ہم تمہیں سونے کی دس اشرفیاں دیں گے ہمیں وہ کمرہ بتاؤ جہاں ملک چین سے آئے ہوئے سوداگر اترتے ہیں۔

نوکر چوروں کو اس کمرے کے باہر لے گیا جس کے اندر ماریا لیٹی ہوئی تھی نوکر چلا گیا چوروں نے لوہے کی لمبی سلاخ ڈال کر دروازے کی کنڈی کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

ماریا تو حیرانی سے ان دونوں چوروں کو دیکھتی رہ گئی وہ انہیں پوچھ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کون ہیں اور کیا کرنے آئے ہیں ویسے اتنا وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ دونوں چور ہیں اور چوری کی نیت سے اندر آئے ہیں

چوروں نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا ایک چور نے کہا۔

جلدی سے یہ معلوم کرو کہ سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا کہاں ہے؟

ابھی معلوم کیے دیتا ہوں۔

اور دوسرے چور نے عنبر اور ناگ کے مختصر سے سامان کو الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا ماریا یہ سب کچھ کونے میں چٹائی پر لیٹی دیکھتی رہی اور خاموش رہی پہلے والے چور نے کہا۔

یار جلدی سے پتہ کرو اشرفیاں کہاں ہیں اگر یہ دیر ہو گئی تو سوداگر واپس آ جائیں گے اور ہمارے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔

دوسرا چور بولا۔

یار کیا کروں کم بختوں نے اشرفیاں معلوم نہیں کس جگہ چھپا رکھی ہیں۔

پھر اس نے ایک صندوق کو الٹا کیا تو اندر سے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا باہر آن گرا چوروں کی باچھیں کھل گئیں انہوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

وہ مارا استاد.........اشرفیاں تو مل گئیں چلو اب یہاں سے بھاگ چلو۔

وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اٹھا کر وہاں سے بھاگنے ہی والے تھے کہ ماریا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک بھاری گلدان تھا اس نے پیچھے سے آ کر گلدان زور سے ایک چور کے سر پر دے مارا چور تو بوکھلا کر پیچھے دیکھا پیچھے کچھ نہیں تھا ماریا نے دوسرے چور کے سر پر بھی زور سے گلدان دے مارا دونوں سر کو پکڑ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ایک چور نے دوسرے سے کہا۔

یہ کیا.............یہ کیا ہو رہا ہے استاد۔

بھوت.......یہاں بھوت ہیں۔

ماریا نے زور سے چیخ مار کر کہا۔

میں تم دونوں کو کچا کھا جاؤں گی کچا چبا جاؤں گی۔

یہ آواز تو ان چوروں پر بجلی بن کر گری۔

بھاگو...........بھوت.........بھوت.......بھوت......

اور دونوں چور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اسی کمرے کے فرش پر پھینک کر دروازہ کھول کر ایسے بھاگے کہ پھر پلٹ کر دیکھا بھی نہیں ماریا نے اشرفیوں والا تھیلا اٹھا کر دوبارہ صندوق میں رکھ دیا اور دروازے کو بند کر کے چٹائی پر لیٹ گئی وہ عنبر اور ناگ کا انتظار کرنے لگی۔

عنبر اور ناگ اس وقت سرائے کے مالک کے پاس بیٹھے اس کے کیوشو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے سرائے کے مالک نے بتایا کہ کیوشو ایک خوب صورت شہر ہے اور بادشاہ کی نیکی اور اچھے سلوک کی وجہ سے لوگ بڑے خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں عنبر نے پوچھا۔

شہر سے باہر جو ایک پرانا کھنڈر ہے وہ کس عمارت کا ہے؟

سرائے والے نے کہا۔

وہ.......وہ جھیل کے کنارے ہے؟

ہاں ہاں وہی۔

سرائے والا بولا۔

وہ ایک بڑی پرانی عمارت ہے کہتے ہیں کسی زمانے میں وہاں ایک عالی شان محل ہوتا تھا جہاں کیوشو کی ملکہ اپنے بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی پھر ایسا ہوا کہ سنگدل وزیر نے بادشاہ کو قتل کر کے اس کی لاش تہہ خانے میں دفن کر دی اور خود تخت پر قبضہ کر لیا اس نے ملکہ کو بھی قید کر کے اسی تہہ خانے میں ڈال دیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا بے چاری دکھیاری ملکہ نے اپنی ساری زندگی بادشاہ کی قبر پر گزار دی اور آخر ایک دن اس قبر کے پاس مر گئی وزیر کے حکم سے ملکہ کی لاش کو تہہ خانے میں بادشاہ کی قبر کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا آج بھی کہتے ہیں کہ چاندنی راتوں میں کبھی کبھی ملکہ کی روح کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔ وہاں اب سوائے چوروں ڈاکوؤں کے اور کوئی نہیں جاتا۔

ناگ نے پوچھا۔

کیا یہ سچ ہے۔

سرائے کا مالک بولا۔

ہم یہی سنتے آئے ہیں لوگ ادھر جاتے ہوئے ڈرتے ہیں مگر کچھ لوگوں نے اپنے کانوں سے وہاں چاندنی رات میں ملکہ کے رونے کی آوازیں سنی ہیں۔

عنبر نے کہا۔

بڑی دردانگیز کہانی ہے بے چاری ملکہ کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔

سرائے کے مالک نے بتایا۔

ہاں اور اب بھی شاید یہی کہانی دہرائی جا رہی ہے اب بھی کیوشو کی ملکہ مر گئی ہے وزیر نے اسے مروا دیا ہے اور اب وہ بوڑھے بادشاہ اور اس کے شہزادے کو مروا رہا ہے ان دونوں کو زہر دے رہا ہے تا کہ وہ آہستہ

آہستہ مر جائیں کسی کو شک بھی نہ ہو اور وہ زبردستی تخت پر قبضہ کر کے گدی سنبھال لے

ناگ نے پوچھا۔

کیا بادشاہ کو اس سازش کی خبر نہیں ہے۔

بے چارا بادشاہ بے حد نیک اور بھولا ہے اسے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ اسے اور اس کے لخت جگر کو کھانے میں آہستہ آہستہ زہر دی جا رہی ہے دیوتا ہم پر رحم کریں۔

سرائے کا مالک اپنے کام میں لگ گیا عنبر اور ناگ کو ریاست کیوشو کے شاہی محل کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے تو ماریا نے انہیں بتایا کہ چور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے تھے اور اشرفیاں چرا کر لے جانے والے تھے کہ اس نے انہیں گلدان مار مار کر بھگا دیا عنبر اور ناگ بڑا ہنسے اور ماریا کی

بہادری کی داد دینے لگے پھر انہوں نے ماریا کو جھیل کنارے والے گنبد اور بادشاہ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ سب بتا دیا، ماریا نے ملکہ کی دکھی روح کے بارے میں سن کر درد بھرے لہجے میں کہا۔

جی چاہتا ہے اب کے چاندنی رات میں جا کر ملکہ کی روح سے ملاقات کروں۔

اچھا بھئی۔ اب تو کھانے کا وقت ہو گیا ہے پھر سوچیں گے! لیکن ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ چاندنی رات میں گنبد کے کھنڈر میں جا کر مری ہوئی ملکہ کی غمگین روح سے ضرور ملاقات کرے گی۔

اس سرائے کے پاس ایک جھیل کے کنارے پرانے محل سے آدھی رات کو کسی ملکہ کی روح کے رونے کی آواز آئی تو ماریا نے آدھی رات کو اس

ویران محل کا رخ کیا۔

۲۔ اندھیرے میں قبر کے سرہانے ایک روت بال کھول کر بیٹھ جاتی ہے اور بار بار اس سے باتیں کرتی ہے۔

۳۔ دراصل یہ ملکہ ایک زہریلی ناگن تھی جس نے انسان کا روپ بدل رکھا تھا۔

اور اس نے کس کس سے کیا کیا انتقام لیا یہ سب کچھ جاننے کے لئے اس ناول کی اگلی قسط کے تیسویں حصے "سمندر میں لاش" میں ملاحظہ کیجئے۔

ختم شد

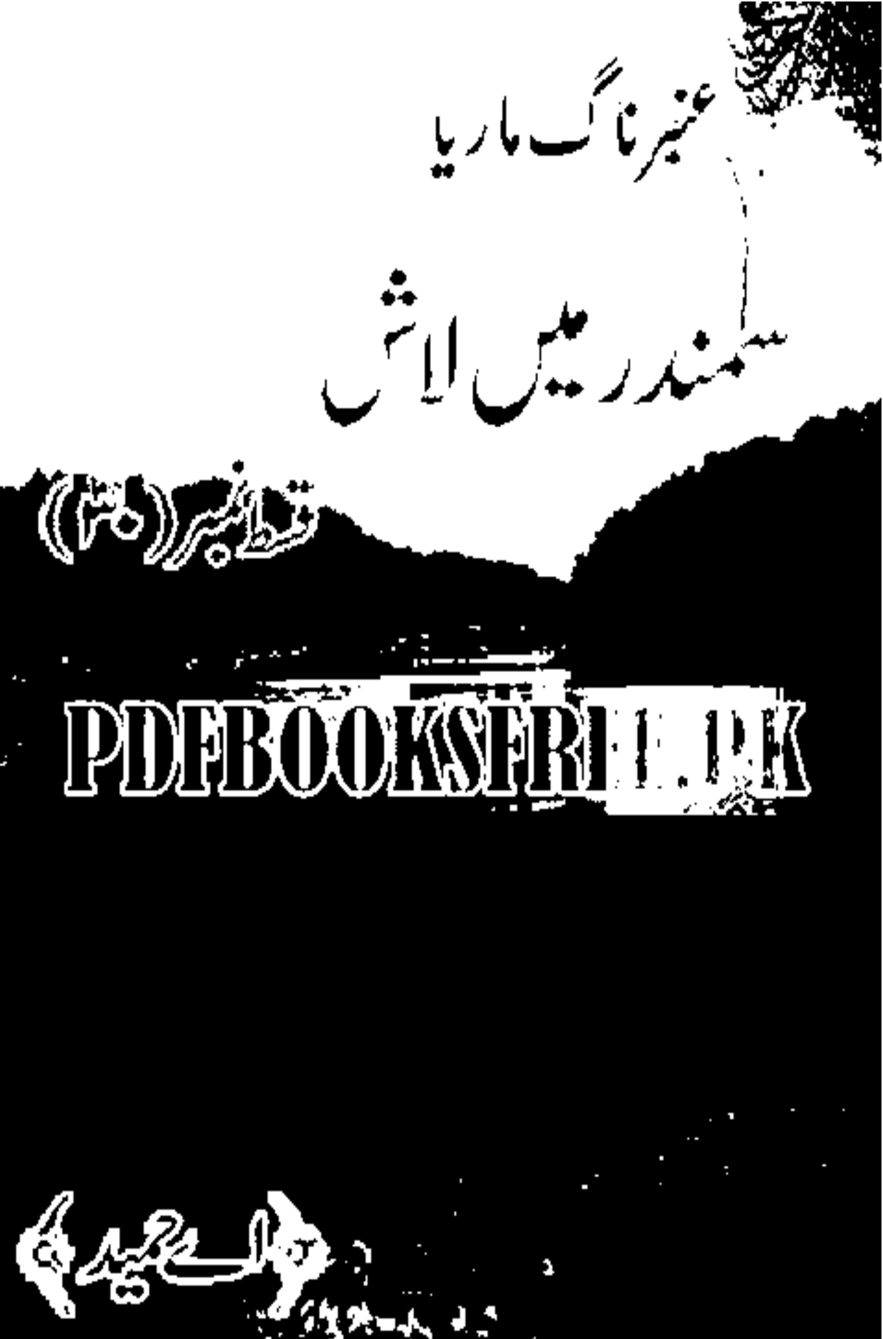

عنبر ناگ ماریا

سمندر میں لاش

قسط نمبر (۳۰)

اے حمید

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھئے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

۱۔ مقبرے کی آواز

۲۔ عیار وزیر

۳۔ پہاڑی والا محل

۴۔ عنبر کا اغوا

۵۔ سمندر میں لاش

۶۔ موت کا سایہ

۷۔ ناگ کی پھنکار

۸۔ پہلوان جادو

۹۔ دریا پر قتل

۱۰۔ تلوار ٹوٹ گئی

سنو پیارے بچو!

سمندری ڈاکوؤں سے بچ کر یہ لوگ کیوشو شہر کی بندرگاہ پر ایک سرائے میں اترے ہیں اس سرائے کے پاس ہی ایک جھیل ہے جس کے کنارے پر ایک پرانا محل ہے کہتے ہیں کہ اس محل میں آدھی رات کو کسی ملکہ کی روح آ کر رویا کرتی ہے ماریا آدھی رات کو اس ویران محل میں جاتی ہے اندھیرے میں ایک روح وہاں آ کر روتی ہے ایک قبر کے سرہانے وہ بال کھول کر بیٹھ جاتی ہے ماریا اس روح سے باتیں کرتی ہے ادھر کیوشو کا بوڑھا نواب مرنے والا ہے ملکہ اسے زہر دے رہی ہے کیونکہ وہ ملکہ نہیں بلکہ ایک زہریلی ناگن ہے جس نے انسان کا روپ بدل رکھا ہے۔

مقبرے کی آواز

جاپان پر ایک نیک دل حکمران کی حکومت تھی۔

بادشاہ ایک رحم دل انسان تھا مگر اس کا وزیر بے حد مکار اور بے رحم انسان تھا وہ بادشاہ اور اس کے بیٹے کو مار کر خود تخت و تاج پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اس نے سپہ سالار اور شاہی محل کے خانساماؤں کو اپنے ساتھ ملا رکھا تھا وہ بادشاہ اور شہزادے کو کھانے میں ایک ایسا زہر دے رہا تھا جس سے آدمی آہستہ آہستہ مرتا ہے اور کسی کو شک بھی نہیں ہوتا کہ اسے زہر دیا گیا ہے شہزادہ بیمار ہو کر کیوشو شہر سے دور ایک پہاڑی کے محل میں بستر پر پڑا تھا اور بوڑھا بادشاہ اپنے شاہی محل میں بیمار رہنے لگا تھا۔

جس وقت عنبر اور ناگ اور ماریا جاپان کے مشہور شہر کیوشو کی سرائے میں اترے تو اس وقت نیک دل بوڑھے جاپانی بادشاہ کا چراغ گل ہو رہا

تھا وزیر بڑا خوش تھا کہ اب وہ سلطنت کا بادشاہ بن جائے گا اور تخت پر اس کا قبضہ ہو جائے گا سپہ سالار کو اس نے یہ لالچ دے کر ساتھ ملا رکھا تھا کہ وہ اسے اپنا وزیر بنا لے گا اور اس کے بیٹے کو فوج کا سپہ سالار بنا دے گا یہ سازش شاہی محل کے اندر ہی اندر پروان چڑھ رہی تھی اور رعایا کو اس کی کانوں کان خبر نہیں تھی رعایا اپنے بادشاہ اور شہزادے سے بڑا پیار کرتی تھی ان کی بیماری سے لوگ بڑے اداس تھے وہ اسے ایک قدرتی بیماری سمجھ رہے تھے جس کا علاج شاہی حکیموں کے پاس بھی نہیں تھا وزیر نے بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے شہر میں یہ بات مشہور کرا دی تھی کہ بادشاہ اور شہزادہ کسی خطرناک روگ میں مبتلا ہو گئے ہیں اندر اندر سے وہ دونوں کو زہر کھلا رہا تھا اور اوپر اوپر سے جھوٹی ہمدردی جتانے کے لئے ملک کے مندروں میں بھی دیوتاؤں کے سامنے بادشاہ اور شہزادے کی صحت کی دعائیں بھی منگوا رہا تھا۔

بادشاہوں کی تاریخ اس قسم کے نمک حرام وزیروں اور سازشوں سے بھری پڑی ہے حموربی اور فرعون مصر کے دربار سے لے کر شاہ جاپان کے شاہی محل تک ہمیں درباری سازشوں کا ایک جال پھیلا ہوا نظر آتا ہے جس میں ہم بادشاہوں کو قید خانوں میں سسک سسک کر مرتے اور شہزادیوں کے سر قلم ہوتے دیکھتے ہیں عنبر نے ان تمام درباری سازشوں کو اپنی آنکھوں سے خون ٹپکاتے دیکھا تھا وہ اڑھائی تین ہزار سال سے زندہ تھا اور تاریخ کے خون آلود دریا میں بہتا چلا آ رہا تھا۔ تاریخ کے ہر دور میں بادشاہ کے ہر عہد میں امن، خوشی اور سکون کا زمانہ بڑا مختصر ہوتا اور اس کی ساری عمر دشمنوں اور درباری سازشوں کا مقابلہ کرتے گزر جاتی تھی۔

عنبر اب جاپان کی سرزمین میں داخل ہوا تھا۔

اسے یہاں کی سازشوں کی کچھ خبر نہیں تھی وہ ابھی ناگ اور ماریہ کے

ساتھ کیوشو کی سرائے میں اترا ہوا تھا اسے دو روز ہوئے شہر کی سرگشت کی تھی اور شہر سے باہر والی جھیل کی سیر کی تھی اس نے ٹیلے پر اس پرانے گنبد کا کھنڈر بھی دیکھا تھا جس کے صحن میں جھاڑیوں کے درمیان چھپی ہوئی سیڑھیاں نیچے کسی پراسرار تہہ خانے کو جاتی تھیں اور جس کے بارے میں انہوں نے سرائے کے مالک سے سنا تھا کہ وہاں قدیم جاپان کے ایک بادشاہ اور ملکہ کی قبریں ہیں اور چاندنی راتوں میں وہاں ملکہ کے رونے کی آوازیں آیا کرتی ہیں اسے روحوں پر یقین تھا اس کے باوجود اس کے دل میں یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ تہہ خانے میں قبروں کے پاس جا کر ملکہ جاپان کی بھٹکی ہوئی روح کے بین سنے مگر ماریا نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے محض اس لئے عنبر اور ناگ کو نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے وہاں جانے سے منع کریں گے اور ماریا چاہتی تھی کہ تہہ خانے کے مقبرے

میں جا کر اس دکھی ملکہ کی روح سے باتیں کرے جس کے بادشاہ کو آج سے ہزار برس پہلے جاپان کے ظالم وزیر نے ہلاک کر دیا تھا ماریا اب صرف چاندنی رات کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ دکھی ملکہ کی روح صرف پورے چاند کی رات کو مقبرے میں آ کر رویا کرتی تھی۔

پورے چاند کی رات میں ابھی سات دن باقی تھے۔

شہر میں آنے کے بعد یہ بات عنبر اور ناگ نے بھی سن لی تھی کہ بادشاہ جاپان اور اس کا اکلوتا شہزادہ بیٹا کسی ایسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہیں جس کا علاج ملک کے اور دربار کے کسی بھی حکیم کے پاس نہیں ہے عنبر نے سرائے کے مالک سے بات کی تو اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

میاں جی کیا بتاؤں......... ہمارا پیارا نیک دل بادشاہ اور پیارے شہزادے کو جانے کس کس کی نظر کھا گئی ہے کہ دونوں باپ بیٹا بستر مرگ پر پڑے ہیں ملکہ پہلے چل بسی اور اب بادشاہ اور شہزادہ بھی

مرنے والے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

کیا کوئی بھی شاہی حکیم ان کی بیماری کا علاج نہیں کر سکا؟

جی نہیں۔ سارے حکیم لا جواب ہو گئے ہیں کہتے ہیں بادشاہ اور شہزادے کی بیماری ہماری سمجھ میں نہیں آتی جادوگروں نے آ کر جادو ٹونے بھی کیے ہیں سینکڑوں بکروں کو ذبح بھی کیا ہے محل میں کئی کئی روز تک دھونی بھی دی ہے مگر بادشاہ اور شہزادے کا روگ دور نہیں ہوا۔

ناگ نے کہا۔

کیا ہم بادشاہ اور شہزادے کا علاج کر سکتے ہیں۔

سرائے کے مالک نے تعجب سے ناگ کو دیکھا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟

عنبر نے کہا۔

میرا مطلب ہے کیا ہمیں اجازت مل سکتی ہے کہ ہم شاہی محل میں جا کر بادشاہ کا علاج کر سکیں۔

کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ اگر تم علاج کر سکتے ہو تو تم کھلے بندوں شاہی محل میں جا سکتے ہو مگر سوال یہ ہے کہ کیا تم کوئی حکیم یا سنیاسی ہو جو بادشاہ کے اس مرض کا علاج کرو گے جو شاہی حکیموں کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی؟

عنبر نے کہا۔

بابا! ہم حکیم یا سنیاسی نہیں ہیں لیکن کچھ دوائیں ہمارے پاس ایسی ہیں کہ وہ ہر بیماری کو دور کر دیتی ہیں اگر تم ہمیں شاہی دربار میں پہنچا دو تو ہو سکتا ہے ہماری دوا سے بادشاہ اور شہزادہ تندرست ہو جائیں۔

سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا۔

نیکی اور پوچھ پوچھ ....میں آج ہی اگر تم چاہو تو تمہیں شاہی محل میں پہنچائے دیتا ہوں۔

ناگ نے کہا۔

اس وقت شام ہو رہی ہے میرا خیال ہے ہم کل شاہی محل جانا پسند کریں گے کیوں عنبر بھائی کیا خیال ہے تمہارا؟

عنبر نے ناگ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

تمہارا خیال ٹھیک ہے ہم کل دن چڑھے شاہی محل میں جا کر بادشاہ کا علاج کریں گے اور اپنی دوا آزمائیں گے ہمیں یقین ہے کہ ہماری دوا سے بادشاہ سلامت ضرور اچھے ہو جائیں گے۔

سرائے کا مالک بولا۔

میرے بچے! اگر تمہاری دوا نے بادشاہ اور شہزادے کو تندرست کر دیا تو بادشاہ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائے گا اور رعایا تمہیں دعائیں دے گی کیونکہ ہم اپنے نیک بادشاہ اور شہزادے سے بے حد پیار کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

فکر نہ کرو!! ....میرے خدا نے چاہا تو ہماری دوا اپنا پورا پورا اثر دکھائے گی اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

سرائے کا مالک بولا۔

مگر پیارے بیٹے! یہ تو بتاؤ کہ یہ خدا کون ہے؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

بابا پہلے ایک کام سے فارغ ہو جائیں پھر تمہیں خدا کی طاقت اور عظمت کے بارے میں بھی بتائیں گے۔

یہ کہہ کر عنبر اور ناگ بابا کو سلام کر کے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے وہاں ماریا پہلے ہی سے ان کی راہ دیکھ رہی تھی۔

تم لوگوں نے باہر بڑی دیر کر دی، بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

ماریا بہن! ہم تمہارے لیے مینڈکوں کا بندوبست کرنے گئے تھے۔

مینڈک؟ وہ کس لئے۔

تمہارے کھانے کے لئے۔

خدا بچائے...... میں کیوں مینڈک کھانے لگی۔؟

عنبر نے کہا۔

بات یہ ہے ماریا بہن کہ یہاں جاپان میں مینڈک لوگوں کا من بھاتا کھایا جاتا ہے لوگ بڑے خوش ہو کر اسے کھاتے ہیں ہم نے سوچا کہ تم بھی اسے خوش ہو کر کھاؤ گی۔

خدا کے لئے مذاق نہ کرو عنبر بھائی، مجھے ایسا مذاق ہرگز پسند نہیں میں کوئی بلی نہیں ہوں جو مینڈک کھاؤں میں سوائے مچھلی کے یہاں اور کچھ نہیں کھاؤں گی اور وہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ہاتھ سے بھون کر......

عنبر اور ناگ زور سے ہنس پڑے۔

بہن ماریا، تم سچ مچ برا مان گئیں، ہم تمہیں بھلا مینڈک کیوں کھلائیں گے ہم مچھلی ہی بھون کر کھائیں گے لیکن یہاں تو ہر آدمی یا مینڈک کھاتا ہے یا سانپ بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

پھر تو بھائی ناگ کو خبردار رہنا چاہیے کیونکہ اگر انہوں نے یہاں کبھی سانپ کی جون بدلی تو ہو سکتا ہے کوئی چینی جاپانی اسے پکڑ کر بھون ڈالے اور پھر مزے سے دعوت اڑائے۔

ناگ نے کہا۔

فکر نہ کرو، جب سے یہاں آ کر میں نے یہ سنا ہے اور دیکھا ہے کہ جاپانی لوگ سانپ کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں میں بہت چوکس ہو گیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ میں یہاں سانپ کی جگہ شیر یا ہاتھی کی جون بدلنے کی کوشش کروں گا کیونکہ یہ لوگ شیر ہاتھی سے بہت ڈرتے ہیں۔

ماریا نے تنگ آ کر کہا۔

اچھا بھائی اس بحث کو چھوڑو اور جلدی سے کھانا منگاؤ میرے پیٹ میں تو چوہے دوڑنے لگے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

مینڈکوں کے بارے میں کیا خیال ہے بہن ماریا؟

ماریا نے منہ بسور کر کہا۔

خدا کے لئے اب مذاق بس بھی کرو، عنبر بھائی۔

اس پر دونوں دوست، دونوں بھائی کھلکھلا کر ہنس پڑے اور انہوں نے نوکر کو کمرے میں بلا کر کہا۔

دیکھو بھئی! ہمارے لئے بھنی ہوئی مچھلی کا شوربہ چوزے کے کباب اور ہرن کے شامی کباب لے آؤ۔

نوکر نے کہا۔

حضور آپ امیر سوداگر ہیں کیا آپ مینڈک اور سانپ نہیں کھائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

ارے لعنت بھیجو مینڈک اور سانپ پر........تم جا کر وہی لاؤ جو ہم کہہ رہے ہیں۔

بہت اچھا حضور! ابھی لایا۔

نوکر جانے لگا تو عنبر نے کہا۔

سنو میاں! کھانا ذرا زیادہ لانا......... میرا مطلب ہے تین آدمیوں کا لانا۔

نوکر نے حیرانی سے پوچھا۔

حضور آدمی تو آپ دو ہیں۔ پھر تین آدمیوں کا کھانا لانے کی کیا ضرورت ہے۔

ناگ نے کہا۔

بھئی ہمارا مطلب تھا کہ زیادہ کھانا لانا۔ ہم بڑے پیٹو ہیں ہم زیادہ کھانا کھاتے ہیں سمجھ گئے ہوناں۔؟

نوکر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

سمجھ گیا حضور! بالکل سمجھ گیا میں بھی ایک وقت میں دو آدمیوں کا کھانا کھاتا ہوں، اگر چہ مالک مجھے بہت مارتا ہے مگر سرکار میں کیا کروں، مار بھی سہہ لیتا ہوں اور کھانا بھی دو آدمیوں کا کھالیتا ہوں میں بھی

آپ کی طرح پیٹو ہوں......... ہی ہی ہی ہی......... نوکر احمقوں کی طرح ہنستا ہوا باہر نکل گیا اس کے باہر جاتے ہی ماریہ نے کہا۔

عنبر بھائی! آپ نے اسے یہ کیوں کہہ دیا کہ تین آدمیوں کا کھانا لانا اگر اسے شک پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا؟

عنبر نے سر جھٹک کر کہا۔

ارے نہیں ماریہ بہن اسے شک نہیں پڑ سکتا وہ تو ایک بے وقوف نوکر ہے اسے کیا معلوم میں کیا کہہ رہا ہوں۔

ماریہ بولی۔

بھائی یہ بے وقوف نوکر بڑے ہوشیار ہوتے ہیں ہمیں ان سے بچ کر ہی رہنا چاہیے اور ہر قسم کی احتیاط کرنی چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

ہاں یار عنبر! ماریہ بہن ٹھیک کہتی ہیں ہم ایک غیر ملک میں ہیں یہاں

ہمارا کوئی دوست یا واقف نہیں ہمیں بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لینا چاہیئے ہمیں اپنی کمزوریوں سے کسی کو آگاہ نہیں کرنا چاہیے۔

ارے نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے تم گھبراؤ نہیں بہرحال آئندہ سے میں احتیاط سے کام لوں گا۔

ماریا کا خیال درست تھا نوکر اگرچہ بے وقوف تھا لیکن ہوشیار بھی بہت تھا وہ یہ سوچنے لگا کہ ان لوگوں نے تین آدمیوں کے کھانے کے بارے میں کیوں کہا ہے وہ یہی سوچتے سوچتے سرائے کے مالک کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ سوداگروں کے کمرے میں تین آدمیوں کا کھانا چاہیے سرائے کے مالک نے کہا۔

ارے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے وہاں تو دو سوداگر ہیں پھر انہیں تین آدمیوں کا کھانا کس لئے چاہیے؟

نوکر نے کہا۔

انہوں نے تو یہی کہا تھا۔

پھر بولا کہ نہیں نہیں انہوں نے کہا تھا کہ ہم زیادہ کھانا کھاتے ہیں اس لئے تین آدمیوں کا کھانا لے آؤ.........مگر سرائے کے مالک کا ماتھا ٹھنکا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ سوداگر جادوگر تو نہیں ہیں..........

بادشاہ کا علاج بھی کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور دو آدمی ہو کر تین آدمیوں کا کھانا بھی مانگ رہے ہیں ضرور یہ جادوگر ہیں اور انہوں نے اپنے ہمزاد کو قابو میں کر رکھا ہے۔

عیار وزیر

دوسرے روز سرائے کا مالک عنبر اور ناگ کو لے کر شاہی محل کی طرف چل پڑا۔

بادشاہ کے شاہی محل کے باہر بڑا سخت پہرہ تھا مگر بادشاہ کا حکم تھا کہ جو شخص میرے بیٹے کا علاج کرنے آرہا ہو اسے بالکل نہ روکا جائے

سرائے کے مالک نے عنبر کو لے جا کر شاہی محل کے بڑے پہرے دار سے ملایا، اس نے پوچھا۔

یہ کون لوگ ہیں؟ یہ کوئی دوسرے ملک کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

اے کوتوال محل..........یہ دونوں بھائی ہیں اور ملک مصر سے آئے ہیں یہ حکیم ہیں یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس بیمار شہزادے اور بادشاہ کا علاج موجود ہے اگر آپ اجازت دیں تو ان کو بادشاہ سلامت کے

حضور پیش کیا جائے۔

کوتوال بولا۔

اس میں اجازت کی کون سی بات ہے بھائی ہمیں تو خوشی ہے اگر یہ ہمارے پیارے بادشاہ اور شہزادے کا علاج کر کے انہیں تندرست کر دیں..........انہیں میرے ساتھ بھیج دیں میں خود انہیں لے کر بادشاہ سلامت کی خواب گاہ میں جاؤں گا۔

سرائے کے مالک نے عنبر سے کہا۔

لو بیٹا اب تم یہ سمجھو کہ بادشاہ سلامت کے پاس پہنچ گئے ہو۔ دیوتا، تمہاری دوائیوں میں اثر ڈالیں اور ہمارا پیارا بادشاہ اور نیک دل شہزادہ اچھا ہو جائے اچھا یہاں اب ہماری تمہاری ملاقات سرائے میں ہوگی۔

سرائے کا مالک عنبر اور ناگ کو کوتوال کے حوالے کر کے واپس آگیا۔

کوتوال ان دونوں کو لے کر شاہی محل کے بڑے دیوان خانے میں پہنچا اور وہاں خاص فوجی دستے کے کمانڈر سے کہا کہ عنبر اور ناگ کو بادشاہ سلامت کے حضور پیش کیا جائے کیونکہ وہ بیمار شہزادے کا علاج کریں گے کمان داران دونوں کو لے کر بادشاہ سلامت کے خواب گاہ میں آ گیا بادشاہ مسہری پر لیٹا ہوا تھا عنبر نے دیکھا کہ بادشاہ بڑا کمزور اور نازک ہو رہا تھا اس کی داڑھی اور سر کے بال سفید ہونے لگے تھے رنگ زرد تھا آنکھوں کے نیچے سبزی مائل حلقے تھے۔

عنبر اور ناگ فوراً سمجھ گئے کہ اسے زہر دیا جا رہا ہے یہ نشانیاں اس شخص کی ہوتی ہیں جسے کھانے میں آہستہ آہستہ مارنے والا زہر دیا جا رہا ہے عنبر اور ناگ نے بادشا کو جھک کر سلام کیا بادشاہ نے آہستہ سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت ہم دونوں بھائی ہیں، ہم ملک مصر سے سیر و سیاحت کرتے کرتے یہاں پہنچے ہیں ہمیں جاپان کا ملک دیکھنے کا بہت شوق تھا یہی شوق ہمیں آپ کے دیس میں کھینچ لایا ہے یہاں آ کر ہم نے سنا کہ نصیب دشمناں آپ بیمار ہیں ہمارے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ آپ کا علاج کر کے آپ کو تندرست کیا جائے کیونکہ ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ رعایا آپ سے بہت پیار کرتی ہے اور آپ کا زیادہ دیر تک زندہ رہنا اور شہزادہ صاحب کا تندرست رہنا بہت ضروری ہے۔

بادشاہ مسکرایا اور کہنے لگا۔

کیا تم لوگ حکیم ہو؟ کیا اس سے پہلے تم نے کسی بیمار کا علاج کیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت! ہم حکیم تو نہیں ہیں مگر ہم اس سے پہلے کئی

بیماروں کا علاج کر کے انہیں تندرست کر چکے ہیں ویسے میں نے مصر میں حکمت کا سبق بھی لیا ہے۔

بادشاہ کا وزیر جو کہ پاس کھڑا تھا بولا۔

تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم حکیم ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

ثبوت تو کوئی نہیں ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ ہم شہزادے صاحب اور بادشاہ کا علاج کر کے انہیں صحت مند کر دیں گے۔

وزیر نے کہا۔

اور اگر ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو اس کا کون ذمے دار ہو گا۔

عنبر نے کہا۔

اگر ایسی بات ہو گئی تو آپ بے شک ہماری گردن قلم کر سکتے ہیں اس جواب سے بادشاہ اور وزیر چونک اٹھے اس سے پہلے کسی بھی علاج کرنے والے نے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا تھا بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اس کا اور شہزادے کا کامیاب علاج کر سکے گا وزیر کو فکر لگ گیا کہ اگر اس شخص نے بادشاہ اور شہزادے کی بیماری پکڑ لی اور علاج کر لیا تو اس کی ساری سازش ناکام ہو جائے گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ ساری بات کھل جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ اسے زہر دیا جا رہا ہے وہ سوچ میں پڑ گیا اس نے سوچا کہ خواہ مخواہ کچھ ہو جائے عنبر اور ناگ کے علاج کو ناکام بنانا چاہیے ورنہ اس کے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

بادشاہ نے کہا۔

اے نوجوان حکیم! کیا تم خوب سوچ سمجھ کر بات کر رہے ہو؟ کیونکہ اس سے پہلے بھی کسی حکیم نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ اور شہزادے کو وزیر زہر دے رہا ہے وہ شاہی

درباروں میں اس قسم کی سازشوں کو دیکھتا آیا تھا اس نے ایسے کئی وزیروں کو دیکھا تھا جنہوں نے تخت وتاج اپنے قبضے میں لینے کے لئے بادشاہ کو ہلاک کروا دیا اور ولی عہد شہزادے کو زہر دے کر مروا دیا عنبر کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا کوئی مشکل بات نہیں تھی وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ ایک نیک دل بھولا بھالا انسان ہے جب کہ وزیر ایک مکار اور چالاک شخص ہے اس نے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ بادشاہ اور شہزادے کی جان ہر قیمت پر بچائے گا۔

اس نے کہا۔

اے نیک دل بادشاہ! ٹھیک ہے آپ نے بہت حکیم دیکھے ہیں آپ کا اور شہزادے صاحب کا بہت سے حکیموں نے علاج کیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے علاج سے شہزادہ بھی اچھا ہو جائے گا اور آپ بھی تندرست ہو جائیں گے۔

وزیر نے مکاری سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ بادشاہ کو کیا بیماری ہے۔؟

عنبر نے پہلے ناگ کی طرف اور پھر وزیر کی طرف دیکھا وزیر کے چہرے پر عیاری تھی وہ چاہتا تھا کہ عنبر کچھ کہے اور وہ اسے جھٹلا دے مگر عنبر نے بھی سارے زمانے دیکھے تھے وہ اس قسم کے کئی وزیر دیکھ چکا تھا اس نے اصل بات چھپاتے ہوئے کہا۔

وزیر صاحب! میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا ہاں! بادشاہ سلامت کا علاج شروع کرنے کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ انہیں کون سا روگ ہے۔

وزیر لاجواب ہو گیا اس نے کہا۔

تم علاج کس طرح شروع کرو گے؟

ناگ نے کہا۔

ہم بادشاہ سلامت کو سب سے پہلے الگ کمرے میں رکھیں گے اور پھر

ان کا علاج شروع کریں گے انہیں گرم پانی میں دوائیں ڈال کر غسل دیں گے۔

بادشاہ نے کہا۔

ٹھیک ہے اے نوجوان حکیمو! تم میرا اور میرے شہزادے کا علاج آج ہی سے شروع کردو۔ چلو میرے ساتھ پہاڑی والے محل پر اور میرے بیٹے کو بھی دیکھو، میں چاہتا ہوں کہ تم پہلے میرے شہزادے کا علاج کرو وہ مجھ سے زیادہ بیمار ہے۔

عنبر نے سر جھکا کر کہا۔

ہم حاضر ہیں حضور!

بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً خاص سواری کا انتظام کیا جائے اسی وقت سواری کا بندوبست ہو گیا اور بادشاہ، عنبر، اور ناگ وزیر کو لے کر پہاڑی والے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا وزیر پریشان تھا کہ کہیں وہ لوگ بادشاہ اور شہزادے کو تندرست نہ کر دیں، وہ تو بادشاہ اور شہزادے کو ہلاک کرنے کے جتن کر رہا تھا بہر حال وہ ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔

پہاڑی والے محل میں عنبر اور ناگ نے شہزادے سے ملاقات کی۔ شہزادہ بہت بیمار تھا اور بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتا تھا زہر نے اس پر بہت اثر کر دیا تھا وہ مرنے کے قریب تھا ناگ نے شہزادے کی آنکھوں میں زہر کو صاف پہچان لیا عنبر نے شہزادے کی نبض دیکھی تو کانپ اٹھا نبض بڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی شہزادہ بڑی مشکل سے بول سکتا تھا۔

عنبر نے پوچھا۔

شہزادہ سلامت، آپ کو بھوک لگتی ہے یا نہیں۔؟

شہزادے نے آہستہ سے کمزور آواز میں کہا۔

بہت کم......... بہت کم بھوک لگتی ہے۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے کہا۔

میرے بیٹے! دیوتا تم پر مہربان ہو تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔

پھر عنبر نے کہا۔

پیارے حکیم! تم نوجوان ہو اور مجھے میرے بچے کی طرح عزیز ہو دیوتاؤں کی قسم، اگر تم نے میرے بچے کو تندرست کر دیا تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔

عنبر نے کہا۔

اے نیک دل بادشاہ! آپ پہلے ہی رعایا کی بہت خدمت کر رہے ہیں رعایا آپ کے گن گاتی ہے رعایا کے بچے بچے کی دعائیں آپ کے اور آپ کے شہزادے کے ساتھ ہیں میں پوری کوشش کروں گا کہ دیوتا اور میرا خدا آپ کے بچے کو اچھا کر دے۔

وزیر بڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا اس نے کہا۔

حضور بادشاہ سلامت! ہمیں علاج شروع کرنے سے پہلے سوچ سمجھ لینا چاہیے ان دونوں نوجوان حکیموں کو ہم نہیں جانتے یہ لوگ اجنبی ہیں اور دوسرے ملک سے یہاں آئے ہیں دیوتا نہ کریں اگر کوئی خرابی ہو گئی تو.........

نہیں نہیں وزیر صاحب، بادشاہ نے بات کاٹ کر کہا......... ہمیں ان دونوں نوجوانوں پر پورا پورا بھروسہ ہے یہ ہمارے بیٹے کا علاج کریں گے ہماری طرف سے انہیں اجازت ہے۔

وزیر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ خاموش ہو گیا۔

جیسے حضور کی مرضی۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! میں اپنا علاج شروع کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ شہزادے کے کمرے کو دوسرے لوگوں سے بالکل خالی کر دیا جائے اس کمرے میں سوائے آپ کے اور آپ کے شہزادے کے اور کوئی نہ ہو۔

یہ بات وزیر کے لئے بہت فکر اور پریشانی والی بات تھی لیکن بادشاہ کو عنبر پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ کمرے سے سب لوگ چلے جائیں بادشاہ کے حکم کے آگے کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ انکار کر سکے چنانچہ چپکے سے وزیر اور اس کے دوسرے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب خواب گاہ میں بادشاہ ناگ عنبر اور شہزادہ رہ گئے شہزادے پر نیم بے ہوشی طاری تھی وہ نہ بات کر سکتا تھا اور نہ بستر پر ہل جل سکتا تھا۔

عنبر نے بادشاہ سے کہا۔

حضور! اگر آپ نے اپنا اور شہزادے کا علاج توجہ سے نہ کیا تو دونوں کی جان کا خطرہ ہے یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میں اور میرا بھائی یہاں آ گئے اس لئے کہ جو بیماری آپ کو اور شہزادے کو ہے اس کا علاج سوائے ہمارے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

میرے بچے! میں ساری عمر تمہارا شکر گزار رہوں گا میں پوری توجہ سے علاج کراؤں گا تم بے فکر ہو کر علاج کرو، پہلے یہ بتاؤ کہ شہزادے کے بچنے کی کوئی امید ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

پوری پوری امید ہے کہ شہزادہ سلامت رہے گا اگر ہم لوگ یہاں پہنچنے میں دیر کر دیتے تو شہزادے کا بچنا محال تھا۔

بادشاہ نے پوچھا۔

میرے بچے یہ بتاؤ کہ شہزادے کو بیماری کون سی ہے ؟

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! کیا آپ کو یقین ہے کہ اس وقت ہماری باتیں سوائے آپ کے اور ہمارے اور کوئی نہیں سن رہا؟

بادشاہ بولا۔

یقین کرو، ہم یہاں مکمل تنہائی میں ہیں اور ہماری باتیں کوئی غیر آدمی نہیں سن رہا۔

عنبر نے کہا۔

تو پھر غور سے سنیے میں آپ کو آپ کی اور شہزادے کی بیماری کی وجہ بیان کرنے لگا ہوں۔

بادشاہ آگے کو ہو کر سننے کے لئے بے تاب ہو گیا عنبر نے کہا،

بادشاہ سلامت آپ کو اور آپ کے شہزادے کو زہر دیا جا رہا ہے۔

بادشاہ ایک دم چونک پڑا.......

کیا کہا زہر دیا جا رہا ہے۔؟

ہاں بادشاہ سلامت! زہر........ آپ کو اور شہزادے کو زہر دیا جا رہا ہے یہ ایک بڑا ہی خطرناک زہر ہے اس کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور آدمی بستر پر پڑ جاتا ہے اور دھیرے دھیرے کمزور ہوتا ہوتا آخر ایک دن مر جاتا ہے آپ کو اور شہزادے کو بھی یہی زہر دیا جا رہا ہے۔

بادشاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

مگر........ مگر یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے بچے! مجھے اور میرے بیٹے کو کون زہر دے سکتا ہے کیسے زہر دے سکتا ہے؟

عنبر نے کہا۔

یہ مت پوچھیں کہ آپ کو کون، کیوں اور کیسے زہر دے رہا ہے بس آپ یہ سمجھ لیں کہ کوئی آپ کا دشمن ہے جو آپ کو اور آپ کے بچے کو ہلاک

کرنا چاہتا ہے وہ آپ کو ختم کر کے کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا۔

یہ زہر کیسے دیا جا رہا ہے۔

کھانے میں، پینے میں۔

لیکن..........لیکن مجھے کبھی محسوس نہیں ہوا کہ مجھے کھانے میں یا پینے میں کسی شے میں زہر دیا جا رہا ہے۔

ناگ نے کہا۔

بادشاہ سلامت! جو زہر آپ کو دیا جا رہا ہے اس کا ذائقہ پھیکا ہے اس کا رنگ بھی کوئی نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

جہاں تک میرا خیال ہے یہ زہر آپ کو اور شہزادے کو کھانے میں ملا کر دیا جا رہا ہے۔

بادشاہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

شہزادے کے اندر زہر بری طرح اثر کر چکا ہے زہر کا اثر آپ پر بھی ہوا ہے سب سے پہلے تو ہمیں یہ کام کرنا ہوگا کہ آگے سے زہر جسم کے اندر جانا بند ہو جائے اس کے بعد اس زہر کا علاج کریں گے جو جسم کے اندر جا چکا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا۔

کیا ہم کھانا پینا بند کر دیں؟

ناگ نے کہا۔

نہیں بادشاہ سلامت! آپ کے اور شہزادے کے کھانے پینے کا معائنہ میں کیا کروں گا..........کوئی بھی شے مجھے دکھائے بغیر آپ کو

اور شہزادے کو نہیں دی جائے گی۔

بادشاہ بولا۔

بہت خوب......میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں تم آج سے شاہی باورچی خانے کے محافظ ہو مگر کیا تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کھانے یا پانی میں زہر ہے؟

ناگ مسکرایا عنبر نے کہا۔

یہ بات آپ ہم پر چھوڑ دیں میرے بھائی ناگ میں یہ قابلیت ہے کہ یہ کسی بھی شے کے اندر چھپے ہوئے زہر کو دیکھ کر سونگھ کر پہچان لیتا ہے۔ مگر میرا ایسا دشمن کون ہے جو میرے خاندان کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

آپ ابھی یہ بات نہ چھیڑیں، ابھی اس بات کو بھول جائیں کہ دشمن کون ہے اور وہ کیوں ایسا کر رہا ہے ابھی تو ہمیں صرف زہریلے کھانے پینے کو روکنا اور آپ کے جسم والے زہر کا علاج کرنا ہے۔ اس کے بعد جب شہزادہ اور آپ تندرست ہو جائیں گے تو یہ بھی سوچ لیں گے کہ ہمارا دشمن کون ہے اور آپ فکر نہ کریں خدا نے چاہا تو ہم آپ کو آپ کا دشمن بھی بتا دیں گے۔

بادشاہ نے کہا۔

پیارے نوجوانو! تم دیوتاؤں کی رحمت بن کر میرے محل میں آئے ہو......میں تمہاری مہربانیوں کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہو گا......

عنبر نے کہا۔

اس کی کوئی ضرورت نہیں بادشاہ سلامت! ہم آپ کے شاہی خاندان کو آپ کے نیک اور رعایا سے محبت کرنے والے خاندان کو تباہی سے

بچانا چاہتے ہیں یہ ہمارا اخلاقی اور انسانی فرض ہے۔ اب آپ ایسا کریں کہ فوراً ہمیں کنول کے پھولوں کے سیاہ بیج منگوا دیں۔

بادشاہ نے تالی بجائی، ایک نوکر اندر آ کر جھک گیا۔

حکم عالی سرکار؟

بادشاہ نے کہا۔

فوراً کنول کے سیاہ بیج لائے جائیں۔

بہت بہتر سرکار۔

ملازم چلا گیا، تھوڑی دیر بعد سونے کی تھالی میں رکھے ہوئے کنول کے سیاہ بیج پیش کر دیے گئے عنبر اور ناگ نے مل کر انہیں پیسا اس میں ایک خاص دوائی ملائی، اور شہزادے کو دودھ کے ساتھ پلا دی بادشاہ کو بھی وہی دوائی پلا دی۔

یہی دوائی تم رات کو سونے سے پہلے ایک بار پھر پلائیں گے بادشاہ نے کہا۔

آپ دونوں ہمارے شاہی مہمان ہوں گے آپ شہزادے کے ساتھ والے کمرے میں رہیں گے آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دی جائے گی آپ کسی کو بھی حکم کریں آپ کے حکم کی فوراً تعمیل کی جائے گی۔

پہاڑی والا محل

وزیر کو جب معلوم ہوا کہ ناگ باورچی خانے کا محافظ لگا دیا گیا ہے تو وہ بڑا سٹپٹایا۔

مگر بادشاہ کے حکم کے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا بادشاہ کا حکم وہ بھی نہیں ٹال سکتا تھا جب تک بادشاہ زندہ تھا اسے اس کا حکم ماننا ہی پڑتا تھا اس نے شاہی باورچی کو بلایا جو اس کے ساتھ ملا ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی وزیر نے چپکے سے سپہ سالار کو بھی بلا لیا۔

یہ کم بخت دونوں حکیموں عنبر اور ناگ نے آکر ہمارے لئے ایک نئی مصیبت پیدا کر دی ہے وہ شاہی باورچی خانے کا محافظ بن گیا ہے بادشاہ کو اور شہزادے کو دیا جانے والا کھانا اور پانی وہ خود جانچا کرے گا یہ تو بڑا کام خراب ہو گیا اس کم بخت کو معلوم ہو جائے گا کہ کھانے پینے میں زہر ملا ہوا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

مگر اسے کس طرح معلوم ہوگا کہ کھانے میں زہر ہے؟ زہر تو پھیکا ہے بے رنگ ہے وہ تو نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ سونگھا جا سکتا ہے اسے چکھ کر بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

وزیر نے کہا۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ بڑے زبردست حکیم ہیں ان کم بختوں کو پتا چل جائے گا کہ کھانے میں زہر ہے۔

باورچی نے کہا۔

سرکار! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں میں کس دن کے لئے آپ کا نمک کھا رہا ہوں، دیوتاؤں کی قسم آج سے ایسی استادی کے ساتھ زہر ملاؤں گا کہ ناگ حکیم کا باپ بھی آ جائے تو معلوم نہ کر سکے گا کہ کھانے میں زہر ملا ہوا ہے۔

وزیر بولا۔

ر سکو تو یہ بڑی اچھی بات ہو گی ورنہ میں تو نا امید ہو چلا تھا۔

شاہی باورچی نے کہا۔

سرکار نا امید ہونے کی ضرورت ہی نہیں، آپ کا غلام کس لئے زندہ ہے؟ آخر ہم سو پشت سے شاہی خاندانوں کے کھانے پکا رہے ہیں اور بادشاہوں کو زہر دے رہے ہیں ہمارا تجربہ کب کام آئے گا آپ ذرا آج ناگ کو آنے تو دیں میں زہر ملاؤں گا اور دیکھوں گا وہ کیسے معلوم کرتا ہے کہ کھانے میں زہر ہے۔

سپہ سالار نے پوچھا۔

شاہی باورچی! تم کرو گے کیا؟ کون سی استادی لگاؤ گے زہر ملانے میں؟ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔؟

شاہی باورچی نے کہا۔

اگر آپ مجھ سے میرا شاہی خاندانی راز معلوم ہی کرنا چاہتے ہیں تو سنیے میں آج رات بادشاہ اور شہزادے کے کھانے میں زہر نہیں ملاؤں گا۔

وزیر نے حیرانی سے پوچھا۔

تو پھر کیا کرو گے؟

سرکار میں کھانے میں زہر نہیں ملاؤں گا بلکہ ان چمچوں کے ساتھ زہر لگا دوں گا جن سے شہزادہ اور بادشاہ چاول کھاتے ہیں کیوں کیسی ترکیب ہے؟

سپہ سالار اور وزیر خوش ہو کر بولے۔

شاباش! تم نے بڑی اچھی ترکیب سوچی ہے اس طرح سے تو ساری زندگی ناگ کو پتا نہیں چل سکتا کہ بادشاہ اور شہزادے کو زہر دیا جا رہا

ہے۔

شاہی باورچی نے غرور سے گردن اکڑا کر کہا۔

حضور! یہ لونڈے دوبارہ پیدا ہو کر بھی آ جائیں تو میری ہوشیاری اور تجربے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

شاباش! تم آج سے کھانے کی بجائے چمچوں کے ساتھ زہر لگایا کرو، ہم چاہتے ہیں کہ اب جلدی سے جلدی بادشاہ اور شہزادے کا خاتمہ ہو جائے میں اگر چاہوں تو آج رات کو ہی تلوار کا وار کر کے دونوں کو ختم کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتا اس طرح رعایا ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی کہ ہم نے بادشاہ اور شہزادے کو قتل کر دیا ہے رعایا ان دونوں سے بہت محبت کرتی ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ دونوں بادشاہ اور شہزادہ بیمار رہ کر آہستہ آہستہ مر جائیں تا کہ رعایا بھی سمجھے کہ یہ بیمار رہ کر قدرتی طور پر مر گئے ہیں۔

شاہی باورچی نے کہا۔

فکر نہ کریں حضور ایسا ہی ہوگا، میں زہر زیادہ لگاؤں گا دیوتاؤں نے چاہا تو دو تین روز کے اندر اندر ان دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

سپہ سالار کہنے لگا۔

اگر تم بادشاہ اور شہزادے کو جلدی ختم کر دو تو میں تمہیں دریا پار کے سارے گاؤں دے دوں گا، تم اور تمہارا خاندان دریا پار کی ساری زمین اور وہاں کے گاؤں کا مالک ہوگا،

شاہی باورچی نے جھک کر کہا۔

حضور کا اقبال بلند ہو............ بادشاہ اور شہزادے کو ایک ہفتے کے اندر اندر ختم کر دیا جائے گا بادشاہوں کو زہر دینے کا میں خاندانی نسخہ استعمال کروں گا۔

ٹھیک ہے تم باورچی خانے میں جا کر اپنا کام کرو۔

شاہی باورچی سلام کر کے چلا گیا، سپہ سالار اور وزیر دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑ کر باتیں کرتے رہے کہ کس طرح بادشاہ اور شہزادے کی موت کے بعد انہوں نے ملک پر حکومت کرنی ہے تخت و تاج پر قبضہ کرنا ہے رعایا کو یہ یقین دلانا ہے کہ بادشاہ اور شہزادہ قدرتی موت مرے ہیں وزیر نے کہا۔

ہمیں بادشاہ اور شہزادے کی موت پر دوسرے لوگوں سے زیادہ سوگ منانا ہوگا بڑا ماتم کرنا ہوگا تاکہ رعایا کو یہ یقین ہو جائے کہ ہمیں بادشاہ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

ایسا ہی کریں گے لیکن جب تم بادشاہ بن جاؤ تو مجھے وزیر بنانا مت بھولنا۔

ہرگز نہیں بھول سکتا، جو شخص میری مدد کرتا ہے میں اسے کبھی فراموش نہیں کرتا، میں جس روز شاہی تخت پر بیٹھ کر تاج سر پر رکھوں گا اسی روز تم کو وزیر بنانے کا اعلان کر دوں گا۔

پھر تم بھی فکر نہ کرو، ساری فوج تمہارے ساتھ ہوگی لیکن اگر تم اپنے وعدے سے پھر گئے تو پھر میں فوج کو شاہی محل پر حملہ کرنے کا حکم دے دوں گا۔

وزیر نے کہا۔

ایسا کبھی نہیں ہوگا، دوست! کبھی نہیں ہوگا۔

دونوں، وزیر اور سپہ سالار اپنی نئی سازش کا خیال دل میں لے کر وہاں سے چلے گئے انہیں معلوم تھا کہ بادشاہ اس وقت تک پہاڑی والے محل میں ہی رہے گا جب تک کہ عنبر اور ناگ شہزادے کا مکمل علاج نہیں کر لیتے شاہی باورچی کی نئی ترکیب پر وزیر اور سپہ سالار بڑے خوش اور مطمئن تھے انہیں دل سے یقین تھا کہ عنبر اور ناگ کبھی یہ معلوم

نہ کر سکیں گے کہ کھانے کے چچوں کے ساتھ بے رنگ بے ذائقہ اور نظر نہ آنے والے زہر کا سفوف مل دیا گیا ہے سپہ سالار بھی وزیر کے ساتھ چالاکی کر رہا تھا جس طرح کہ وزیر اس کے ساتھ مکاری سے کام لے رہا تھا وزیر نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ جونہی شہزادے اور بادشاہ کی موت کے بعد اس نے تخت پر قبضہ کیا وہ سپہ سالار کو اسی وقت قتل کرا دے گا کیونکہ جو سپہ سالار بادشاہ سے غداری کر سکتا ہے وہ وزیر سے بھی غداری کر سکتا تھا دوسری طرف سپہ سالار نے بھی دل میں ٹھان رکھی تھی کہ بادشاہ اور شہزادے کی موت کی خبر آتے ہی وہ وزیر کو قتل کروا دے گا اور فوج میں یہ مشہور کر دے گا کہ وزیر نے بادشاہ اور شہزادے کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے تا کہ فوج کی ہمدردیاں سپہ سالار کے ساتھ ہو جائیں اس لئے کہ فوج بادشاہ سے محبت کرتی تھی اگر ایسی بات نہ ہوتی تو سپہ سالار کب کا بادشاہ کو ختم کر کے تخت پر قبضہ

جما چکا ہوتا۔

عنبر اور ناگ کو بیمار شہزادے کے ساتھ والا شاہی کمرہ دے دیا گیا اس کے ساتھ ہی شاہی باورچی خانہ تھا جہاں شاہی باورچی نے چمچے کے ساتھ زہر کا سفوف ملا دیا تھا تا کہ رات کے کھانے پر شہزادے اور بادشاہ کو روز کی طرح زہر کی خوراک ملتی رہے عنبر اور ناگ نے کنول کے بیج شہزادے اور بادشاہ کو پلا دیئے تھے اب وہ اپنے کمرے میں آ گئے عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ مجھے یقین ہے کہ یہ وزیر ہی ہے جو شاہی باورچی کے ساتھ مل کر بادشاہ اور شہزادے کو زہر کھلا رہا ہے۔

ناگ نے کہا۔

اس میں شک کی کوئی وجہ ہی نہیں ظاہر ہے وزیر ان دونوں کو قتل کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے اور سپہ سالار جو ہے وہ وزیر کے ساتھ سازش

میں ملا ہوا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا کیونکہ ہمارا مقابلہ دو دھاری تلوار سے ہے۔

تم فکر نہ کرو عنبر! کم از کم آج کے بعد سے بادشاہ اور شہزادے کو کھانے میں یا پانی وغیرہ میں زہر بالکل نہیں ملے گا۔

اور اگر زہر نہ ملا تو میں دو روز میں بادشاہ اور شہزادے کو تندرست کر دوں گا۔

شام کو عنبر جا کر ماریا کو بھی پہاڑی والے شاہی محل میں لے آیا اس کی آمد کی کسی کو خبر نہ ہوئی کیونکہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی عنبر اور ناگ نے بادشاہ کی بیماری وزیر اور سپہ سالار کی سازش اور شاہی باورچی کے ہاتھوں زہر کھلانے کی ساری باتیں ماریا کو سنا دیں تا کہ وہ بھی اپنے دوستوں اور دشمنوں سے خبردار رہے۔ رات کے کھانے کا معائنہ

کرنے کے لئے ناگ باورچی خانے کی طرف آ گیا۔

عنبر کا اغوا

شاہی باورچی ناگ سے پہلے ہی ہوشیار ہو چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ آج رات شہزادے اور بادشاہ کو جو کھانا جائے گا اس کی نگرانی ناگ کرے گا وہ اس کا معائنہ بھی کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ کہیں اس کے اندر زہر ملا ہوا تو نہیں ہے؟ شاہی باورچی نے خاص طور پر کھانے میں زہر نہیں ڈالا تھا بلکہ زہر کھانے والے چمچوں کے

ساتھ لگا دیا گیا تھا ناگ باورچی خانے میں داخل ہوا تو باورچی نے بڑے ادب سے اٹھ کر اسے سلام کیا۔

خوش آمدید حضور! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے باورچی خانے میں تشریف لائے فرمایئے آپ اس وقت کیا کھانا پسند کریں گے۔؟

ناگ اچھی طرح جانتا تھا کہ وزیر اس باورچی کے ساتھ مل کر بادشاہ اور شہزادے کو زہر دے رہا ہے باورچی سے ملے بغیر یہ خطرناک کھیل کھیلا ہی نہیں جا سکتا تھا وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باورچی نے شاہی کھانے میں زہر کس قدر اور کتنی مقدار میں ملایا ہے اس نے کہا۔

تمہارا شکریہ میاں۔ میں اس وقت کچھ نہیں کھاؤں گا۔

باورچی نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

تو پھر سرکار پھلوں کا رس ہی پی لیجیے۔ کم از کم ہماری دلجوئی ہی ہو جائے گی۔

ناگ باورچی کی باتونی اور لچھے دار خوشامدانہ باتوں سے تنگ آ گیا تھا اس نے کہا۔

اچھا بھائی مجھے ایک گلاس اناس کا رس پلا دو۔

زہے نصیب! زہے نصیب!

باورچی نے چاندی کا ایک گلاس بھر کر ناگ کو پیش کیا ناگ نے اناس پی کر گلاس تپائی پر رکھا تو باورچی نے پوچھا۔

حضور کیسا تھا شربت۔؟

بہت اچھا تھا۔

سرکار یہ خاص شاہی باغات میں اُگے ہوئے پھلوں کا رس تھا اور حضور اس کو آپ کے خادم نے خاص اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔

شکریہ۔

ناگ نے بات پلٹتے ہوئے کہا۔

یہ بتاؤ کہ شاہی محل میں جانے والے کھانے کا طشت لگا دیا گیا ہے؟

باورچی بولا۔

جی ہاں حضور! کھانا لگا دیا گیا ہے بس آپ کا انتظار تھا کہ آپ تشریف لائیں اور کھانے کا معائنہ کریں تا کہ اسے بادشاہ اور شہزادے کے حضور میں پیش کیا جائے دیوتاؤں کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے ہمارے پیارے بادشاہ اور نیک دل شہزادے کو بیمار کیا۔

سرکار! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی کھانے میں زہر ملا سکے۔ میں تو ایسے غدار کی گردن اتار کر رکھ دوں۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

کوئی بات نہیں۔ اگر مجھے اس کا پتا چل گیا تو میں خود اس کی گردن اتار دوں گا۔

باورچی نے کہا۔

سرکار! ہم اپنے بادشاہ سلامت کا نمک کھاتے ہیں بھلا ہم کبھی یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ سلامت کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے؟

ٹھیک ہے میاں! کوئی بھی یہ نہیں چاہتا اچھا اب ذرا کھانا میرے پاس لے آؤ۔

بہت بہتر حضور۔

باورچی نے ملازموں کو حکم دیا وہ کھانے کا طشت لے کر ناگ کے سامنے رکھ کر ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے ناگ کے سامنے طشت میں قسم قسم کے کھانے لگے ہوئے تھے اس نے سب سے پہلی طشتری اٹھا کر اسے غور سے دیکھا ناگ چونکہ خود سانپ تھا اس لئے اس کو زہر کا فوراً معلوم ہو جاتا تھا باورچی بڑے غرور سے پاس ہی کھڑا ناگ کو

غور سے دیکھ رہا تھا ناگ نے پہلی طشتری رکھ دی اس میں زہر نہیں تھا دوسری طشتری اٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور وہ بھی طشت میں رکھ دی اس میں بھی زہر نہیں ملا ہوا تھا.......

ناگ نے باری باری ساری طشتریاں اٹھا اٹھا کر غور سے دیکھیں انہیں چکھا بھی کسی میں بھی زہر نہیں ملا ہوا تھا..........وہ بڑا حیران ہوا کہ اگر اس کھانے میں زہر نہیں ہے تو پھر بادشاہ اور شہزادے کو کون زہر دے رہا ہے پانی میں بھی زہر نہیں تھا ناگ نے ایک بات وہاں بیٹھے ہی محسوس کی تھی کہ اسے باورچی خانے سے زہر کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی یہ بو صرف ناگ ہی محسوس کر سکتا تھا لیکن یہ بات معلوم نہیں ہو رہی تھی کہ آخر وہ زہر کہاں ہے باورچی بڑا خوش ہو رہا تھا کہ ناگ زہر تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے وہ اٹھ کر دوسری طرف گیا تو ناگ نے ایک چمچہ کو پکڑ کر سونگھا چمچہ کے سونگھتے ہی ساری بات کھل گئی چمچہ کے ساتھ زہر لگا دیا گیا تھا اس نے باری باری چاروں چمچے دیکھے چاروں کے ساتھ بڑا ہی قاتل اور مہلک زہر لگا ہوا تھا ناگ نے بڑی ہوشیاری سے چاروں چمچے جیب میں رکھ لیے اور اس کی جگہ دوسرے طشت میں سے چار چمچے اٹھا کر رکھ دیے۔

باورچی کمرے سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں سونے کا جگ تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے میں نے کھانے کا معائنہ کر لیا ہے اس میں کچھ بھی نہیں ہے کھانا بادشاہ کے محل میں لے جاؤ۔

ملازم طشت کندھوں پر رکھ کر بادشاہ کے کمرے میں چلے گئے۔

ناگ نے کہا۔

میاں باورچی! ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تمہاری نگرانی میں بادشاہ

سلامت اور شہزادے کو بڑا اچھا کھانا مل رہا ہے یہ محض افواہ تھی کہ کھانے میں زہر ملایا جاتا ہے میں نے پوری طرح سے ایک ایک چیز کو جانچ کر دیکھا ہے کسی بھی کھانے میں کوئی خطرناک یا زہریلی شے نہیں ملی ہوئی۔

باورچی خوش ہو کر بولا۔

سرکار! یہ سب ہوائیاں ہمارے دشمن اڑاتے ہیں بات اصل میں یہ ہے کہ میرے دشمن یہ چاہتے ہیں کہ وہ میری جگہ شاہی باورچی بن کر عیش کریں بس وہ میرے خلاف کوئی نہ کوئی سازش کرتے ہی رہتے ہیں مگر سرکار میری نیت صاف ہے میں ایک ایمان دار آدمی ہوں میں اپنے بادشاہ سلامت سے پیار کرتا ہوں اور ان کی بھلائی چاہتا ہوں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ناگ کہنے لگا۔

شاباش! تم واقعی ایک نیک اور اچھے انسان ہو۔

اتنا کہہ کر ناگ باورچی خانے سے اٹھ کر بادشاہ اور شہزادے کے کمرے میں آ گیا شاہی باورچی نے اسے باہر جاتے دیکھا تو بڑا خوش ہوا کہ اس کی سازش کا ناگ کو پتا نہیں چل سکا اور زہر چمچوں اور پانی میں مل کر بادشاہ اور شہزادے کے دستر خوان پر پہنچ گیا ہے۔

ناگ سیدھا بادشاہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا وہ کھانا کھانے والا تھا اس نے ناگ سے پوچھا۔

کیوں بیٹے ناگ۔ تم پوری طرح سے مطمئن ہو کہ کھانے میں کوئی زہریلی شے نہیں ہے؟

ناگ نے کہا۔

جی نہیں۔ کھانا بالکل محفوظ ہے.......... ہاں جگ والا پانی نہ پئیں۔

کیا اس میں زہر ہے؟

جی ہاں۔۔۔۔۔۔

بادشاہ غصے سے بولا۔

اگر پانی میں زہر ہے تو یہ سوائے باورچی کے اور کسی کی شرارت نہیں میں ابھی اسے بلا کر پوچھتا ہوں اور جرم ثابت ہو جانے پر اسے قید میں ڈالے دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔

ناگ نے بادشاہ کو یہ بالکل نہیں بتایا تھا کہ چمچے کے ساتھ بھی زہر لگا تھا جنہیں اس نے بدل دیا ہے پانی والے زہر کے بارے میں بھی اسے علم تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ پورے ثبوت کے بغیر وہ شاہی باورچی پر ہاتھ ڈالے وہ اپنی طرف سے پوری تسلی کرنا چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ باورچی کے ساتھ اور کون کون شریک ہے اگر وہ بادشاہ کو بتا دیتا کہ کھانے میں زہر باورچی ملا رہا ہے تو بادشاہ اسے فوراً قتل کروا دیتا اور باورچی کی موت کے بعد بادشاہ کے دشمنوں کے بارے میں کبھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کہاں ہیں اور بادشاہ کے خلاف کیا سازش کر رہے ہیں۔

ناگ خاموشی سے شاہی باورچی کی نگرانی کر کے اس کے ساتھیوں کا بھی پتا چلانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے بادشاہ سے کہا۔

نہیں بادشاہ سلامت! مجھے شاہی باورچی پر بالکل شک نہیں ہے وہ ایک وفادار خادم ہے پانی میں زہر کسی باہر کے انسان نے ملایا ہے جو آپ کے خاندان کا دشمن ہے میں کوشش کر رہا ہوں ضرور اس کا پتا چلا لوں گا۔

بادشاہ کے لئے فوراً دوسرا پانی لایا گیا۔

پانی کا سونے کا جگ واپس باورچی خانے میں پہنچا تو باورچی کا ماتھا ٹھنکا کہ ناگ نے زہر کا کھوج لگا لیا ہے مگر اسے یہ تسلی ضرور تھی کہ بادشاہ جس چمچے کے ساتھ کھانا کھائے گا اس کا زہر بادشاہ کے جسم میں

ضرور چلا جائے گا اسے یہ خبر ہی نہیں تھی کہ ناگ نے چمچے بھی بدل دیے ہیں بادشاہ اور شہزادے نے کھانا کھا لیا۔ ناگ ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں ماریا اور عنبر کے پاس آ گیا۔ ان کو ساری بات سنائی کہ باورچی نے کھانے میں تو زہر نہیں ڈالا تھا مگر چمچے کے ساتھ زہر ملا دیا تھا اور پانی زہریلا تھا عنبر بولا۔

اس باورچی کے ساتھ وزیر اور سپہ سالار بھی ملے ہوئے لگتے ہیں ہمیں ان کا بھی پورا پورا کھوج لگانا ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت ہونا بہت ضروری ہے۔

ناگ نے کہا۔

فکر نہ کرو، اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا پہلے مجھے ثبوت مل جائے کہ وزیر اور سپہ سالار سازش میں شریک ہیں اس کے بعد میں انہیں

گرفتار کروا کر جیل میں ڈلوا دوں گا۔

عنبر نے باقاعدہ بادشاہ اور شہزادے کا علاج شروع کر دیا تھا ناگ ہر روز اپنی نگرانی میں بادشاہ اور شہزادے کو کھانا کھلاتا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ اور شہزادے کی صحت ٹھیک ہونے لگی وہ تندرست ہونا شروع ہو گئے کہاں تو شہزادہ اپنے بستر سے اٹھ نہیں سکتا تھا اور کہاں اب یہ حالت ہو گئی کہ شہزادے نے بستر پر سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا تھا...... اس کے چہرے پر زردی کی جگہ سرخی آ گئی تھی بادشاہ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا اس کی صحت بھی اچھی ہو گئی تھی۔

وزیر اور سپہ سالار کو پریشانی ہو گی کہ ان کی سازش تو ناکام ہو رہی ہے وہ بادشاہ اور شہزادے کو جلدی سے جلدی ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور وہ دونوں تندرست ہونا شروع ہو گئے تھے عنبر کی جڑی بوٹیوں کے استعمال سے شہزادہ بہت ٹھیک ہو گیا اب وہ دربار میں بھی

جانے لگا تھا سارے درباری اور رعایا بڑی خوش تھی کہ ان کا بادشاہ اور شہزادہ صحت مند ہو گئے ہیں عنبر اور ناگ کی بے حد عزت کی جاتی تھی شہر کے سارے مندروں میں شکرانے کی دعائیں مانگی گئیں غریبوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔

ایک روز وزیر نے سپہ سالار کو بلایا اور تشویش سے کہا۔

پانسہ الٹ گیا ہے ہمارا سارا کیا کرایا دھرے کا دھرا رہ گیا ہے ہم نے جو کچھ سوچا تھا اسے اس عنبر اور ناگ نے برباد کر دیا ہے جب تک یہ دونوں اس محل میں ہیں ہماری کوئی سازش کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سپہ سالار نے مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا۔

ان کو ٹھکانے لگانا کوئی مشکل کام نہیں اگر تم کہو تو میں آج ہی ان دونوں کا کام تمام کرا دیتا ہوں۔

وزیر بولا۔

اجازت کیسی بھائی یہ کام تو ہمیں ہر حال میں کرنا ہے اگر یہ زندہ رہے تو ہم ساری زندگی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے ان کو فورا قتل کروا کر ان کی لاشیں گم کرا دو، شاہی محل میں یہی مشہور ہو جائے گا کہ وہ کہیں چلے گئے ہیں۔

سپہ سالار بولا۔

ٹھیک ہے میں یہ کام آج رات ہی کرا دوں گا میرے خاص آدمی عنبر کو اٹھا کر دریا کنارے لے جائیں گے اور وہاں جا کر اسے قتل کر کے لاش دریا میں بہا دیں گے میرے لئے یہ بڑا ہی معمولی کام ہے۔

ٹھیک ہے اس کے بعد ناگ کو بھی اسی طرح ختم کر دیا جائے گا۔

تو یہ کام آج رات ہی ہو جانا چاہیے۔

فکر نہ کرو، آج ہی ہو گا یہ کام............کل عنبر اس دنیا میں نہیں ہو

گا۔

وزیر نے کہا۔

لیکن یہ قتل بڑی رازداری سے ہونا چاہیے کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو کہ ہم نے عنبر کو ختم کر دیا ہے اس لئے کہ عنبر اس وقت بادشاہ کا خاص آدمی ہے رعایا بھی اس کی بڑی عزت کرتی ہے۔ درباری اور شاہی محل کے لوگ بھی اس سے پیار کرتے ہیں فوج بھی اسے پسند کرتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بادشاہ اور شہزادے کو صحت ملی ہے۔

سپہ سالار بولا۔

میں کوئی بچہ نہیں ہوں یہ کام بڑی رازداری سے ہی ہوگا باری باری دونوں بھائی ہلاک کر دیے جائیں گے اور کسی کو ہم پر شبہ تک نہیں ہو گا۔

تو فوراً جا کر ان آدمیوں کا بندوبست کرو جو عنبر کو راتوں رات اٹھا کر دریا پر لے جا کر قتل کریں گے۔

سپہ سالار وزیر سے رخصت ہو کر اپنے محل میں چلا گیا اس نے اسی وقت چار بڑے چنے کٹے اور بہادر سپاہیوں کو تیار کیا ان کا کام یہ تھا کہ عنبر کو اس کے کمرے سے اغوا کر کے دریا کنارے لے جائیں اور وہاں جا کر ہلاک کریں اور پھر لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا کی لہروں میں بہا دیں یہ آدمی بڑے بے ڈر اور دلیر تھے وہ اس سے پہلے کئی درباریوں کو ہلاک کر چکے تھے وہ سپہ سالار کا حکم پا کر وہاں سے چلے گئے اور عنبر کے محل کے ادھر اُدھر اندھیرے میں چھپ کر عنبر کا انتظار کرنے لگے کہ وہ باہر نکلے اور یہ اسے اٹھا کر لے جائیں۔ رات ہو گئی تھی بادشاہ اور شہزادے کو دوا کھلا کر عنبر شاہی خواب گاہ سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی طرف آ رہا تھا کہ راہداری اندھیرے میں اچانک چار طرف سے اس پر سپاہیوں نے حملہ کر دیا۔

دو سپاہیوں نے اس کے منہ پر کپڑا ڈال کر اسے بے بس کر دیا اور باقی دو سپاہیوں نے اسے پکڑ کر اٹھا لیا، وہ اسے لے کر محل کے باہر پچھلی طرف آ گئے یہاں انہوں نے عنبر کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تا کہ وہ آواز نہ نکال سکے انہوں نے عنبر کو گھوڑے پر ڈالا اور اسے سرپٹ دوڑاتے دریا کی طرف اٹھ دوڑے.....

سمندر میں زندہ لاش

عنبر کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا مگر اسے پورا پورا ہوش تھا وہ جان گیا تھا کہ اسے وزیر اور سپہ سالار کے آدمی اغوا کر کے لے جا رہے ہیں وہ دل ہی دل میں بے فکر اور مطمئن تھا اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ ساری زندگی بھی لگے رہیں تو اسے مار نہیں سکتے دریا کنارے پہنچ کر سپاہیوں نے گھوڑے روک لیے.......سردار سپاہی بولا۔

اس کمبخت کو زمین پر ڈال دو۔

سپاہی نے عنبر کو رسیوں میں بندھے بندھائے زمین پر ڈال دیا سردار نے حکم دیا کہ عنبر کا سارا جسم تیروں سے چھلنی کر کے اسے دریا میں پھینک دیا جائے عنبر نے سردار کا یہ حکم سنا تو پریشان ہوا اسے تیروں کے لگنے کا تو کوئی غم ہی نہیں تھا اگر غم تھا تو یہ کہ نہ جانے دریا میں بہتا وہ کہاں جا پہنچے؟ وہ ننگ اور ماریا سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن وہ کر بھی کچھ نہیں سکتا تھا اس لئے کہ اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں میں

بندھے ہوئے تھے۔

اچانک اس پر تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اس کے چاروں طرف کھڑے سپاہی کمانیں ہاتھوں میں لیے اس پر تیروں کی بارش کر رہے تھے اس کے سارے جسم میں جگہ جگہ تیر کھب گئے سردار نے کہا۔

اسے اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔

سپاہیوں نے عنبر کو اٹھایا اور دھڑام سے دریا میں پھینک دیا وہ سب کچھ بہت جلدی جلدی ہو گیا سردار کو محسوس ہوا کہ عنبر کے جسم پر تیر تو بے شمار لگے تھے مگر کہیں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا تھا پھر اس نے سوچا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کا جسم تیروں سے چھلنی ہو جائے اور خون نہ بہے یہ اس کا خیال ہے۔ خون تو دریا میں بہہ رہا ہو گا سردار مطمئن ہو گیا کہ اس کے ذمے سپہ سالار نے جو کام لگایا تھا وہ اس نے پورا کر دیا۔

دو سپاہیوں کو لے کر رات کے اندھیرے میں روپوش ہو گیا رات زیادہ گزر گئی تو ناگ اور ماریا پریشان ہو گئے کہ عنبر کہاں چلا گیا؟ انہوں نے محل کا کونا کونا چھان مارا مگر عنبر کہیں نہ ملا آخر ناگ نے جا کر بادشاہ اور شہزادے کو خبر دی کہ عنبر کہیں نظر نہیں آ رہا۔ بادشاہ کو بھی فکر لگی کہ کہیں دشمنوں نے اسے اس لئے ختم کر دینے کی کوشش نہ کی ہو کہ وہ بادشاہ اور شہزادے کا علاج کر کے انہیں تندرست کر رہا ہے بادشاہ نے کہا۔

میرے بچے! فکر کرنے کی ضرورت نہیں میں عنبر کو تلاش کرنے کے لئے ابھی سپاہیوں کو سارے شہر میں پھیلا دیتا ہوں میرے سپاہی اسے جہاں کہیں بھی وہ ہو گا ڈھونڈ نکالیں گے۔

آدھی رات کو ہی بادشاہ کے حکم پر سپاہی عنبر کی تلاش میں سارے شہر میں پھیل گئے ناگ اور ماریا غمگین سے ہو کر کمرے میں بیٹھے ہوئے

تھے رات کافی گزر گئی تھی وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ساری شرارت وزیر اور سپہ سالار کی ہے لیکن ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اس لیئے وہ وزیر یا سپہ سالار کے خلاف کسی بھی الزام کو ثابت نہیں کر سکتے تھے وہ صبر کر کے لیٹ گئے انتظار کرنے لگے کہ دیکھتے ہیں بادشاہ کی فوج عنبر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوتی ہے یا نہیں۔ ایک بات کی دونوں کو تسلی تھی کہ عنبر مر نہیں سکتا، لیکن ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ اسے کسی ایسے گہرے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا ہو جہاں سے وہ کبھی بھی باہر نہ نکل سکے۔

عنبر کا حال بھی سنیئے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔

سپہ سالار کے آدمیوں نے جب اس کے جسم میں تیر مار کر دریا میں پھینکا تو وہ پانی کے اندر چلا گیا اس کے جسم میں ایک ایسی طاقت آ گئی تھی کہ پانی کے اندر گرتے ہی اس کے ناک کے اندر کی جھلی بند ہو جاتی تھی اور پانی پھیپھڑوں میں نہیں جاتا تھا پھیپھڑوں کے اندر کی ہوا محفوظ ہو جاتی تھی اور وہ دریا میں ڈوبے رہنے کے باوجود مر نہیں سکتا تھا عنبر دریا میں گرتے ہی پانی کی لہروں کے ساتھ نیچے چلا گیا، پھر وہ اوپر کی طرف ابھرنے لگا دریا کا بہاؤ تیز تھا اس کا سر باہر نکل آیا اور وہ لہروں کے ساتھ ساتھ آگے بہنے لگا۔

وہ ساری رات دریا کے بہاؤ کے ساتھ جدھر کو دریا جا رہا تھا ادھر کو ہی بہتا رہا اس نے اپنا آپ دریا کی لہروں میں ڈھیلا چھوڑ دیا تھا جس کی وجہ سے اس کا آدھا جسم پانی کے اندر تھا اور آدھا جسم پانی کے اوپر تیر رہا تھا پانی اس کے منہ کے اندر نہیں جا رہا تھا اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس کی زندگی بھی کیا زندگی ہے کہ مصیبتوں اور حادثوں سے بھری ہوئی ہے اگر آج وہ شاہی محل کے اندر بیٹھا شان سے حکم چلا رہا ہے تو کل

بھکاری بن کر گلی گلی چکر لگا رہا ہے اگر آج وہ بادشاہ کے پاس تخت پر بیٹھا ہے تو کل دریا میں ایک لاش کی طرح تیرتا چلا جا رہا ہے اسے اپنی ساری پچھلی زندگی یاد آ گئی کس طرح وہ اڑھائی ہزار سال پہلے فرعون کے شاہی محل میں پیدا ہوا پھر کس طرح اس کا باپ چل بسا اور ایک سازش کے ذریعے اسے ایک غریب ماہی گیر کے جھونپڑے میں پھینک دیا گیا پھر کیسے وہ اپنے دوست کے ساتھ ترقی کرتے کرتے مصر کا بادشاہ بنا اور پھر دیوتا نے اسے دعا یا بددعا دی کہ وہ کبھی نہ مرے گا اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

وہ اپنی پچھلی زندگی کی باتیں سوچتا ہوا دریا کی لہروں پر بے بسی کے ساتھ رسیوں میں جکڑا ہوا بہتا چلا گیا اس نے دو ایک بار ہاتھوں کو ہلا کر رسیاں کھولنے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہا پھر اسے ماریا اور ناگ کا خیال آیا کہ جب انہیں پتہ چلے گا کہ وہ غائب ہے تو انہیں کس قدر

پریشانی ہوگی سپہ سالار کے سپاہیوں نے اسے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ مقابلہ کر سکتا اسے ایک دم جھپٹ لیا گیا اور رسیوں میں جکڑ کر پھینک دیا گیا اگر اسے ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو وہ سارے کے سارے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا اب تو وہ دریا کی لہروں پر بہا جا رہا تھا اور رات گزر رہی تھی۔

صبح کی ہلکی ہلکی روشنی آسمان پر چمکنے لگی تو اس نے دریا میں بہتے ہوئے آنکھیں گھما کر ارد گرد دیکھا دریا کے کنارے کافی دور تھے دریا کا پاٹ یہاں چوڑا ہو گیا تھا وہ گھبرا گیا کہ کہیں کسی مقام پر پہنچ کر دریا سمندر میں نہ گر رہا ہو کیونکہ سمندر اس شہر کے بہت قریب تھا وہ پریشان ہو گیا اگر وہ دریا کی لہروں کے ساتھ سمندر میں جا گرا تو اس کے لئے بڑی مصیبت بن جائے گی نہ جانے پھر اسے کتنے عرصے تک سمندر میں ہی بھٹکنا پڑے کیونکہ اس زمانے میں سمندروں میں بہت کم جہاز اور

کشتیاں چلا کرتی تھیں اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی بہت بڑی مچھلی اسے سالم کا سالم اپنے پیٹ میں نگل لے وہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا مچھلی اسے کھا تو نہیں سکتی تھی ہضم بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ اس وقت تک کے لیے مچھلی کے پیٹ کے اندر بند ہو جاتا جب تک کہ مچھلی زندہ رہتی۔

اب اس نے کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح دریا کے کنارے پر جا لگے اس کے لیے عنبر نے اپنے جسم کو کنارے کی طرف دھکے دینے شروع کر دیئے اس کا نتیجہ بڑا اچھا نکلا اور وہ آہستہ آہستہ دریا کے کنارے کی طرف بڑھنے لگا دن کافی نکل آیا تھا کہ عنبر کنارے کے قریب آ گیا ٹھیک اس وقت عنبر نے ایک بادبانی کشتی دیکھی جو کنارے کی طرف سے اس کے پاس آ رہی تھی۔

یہ کشتی ایک غریب جاپانی ماہی گیر کی تھی اس نے قریب آ کر جب

دیکھا کہ ایک لاش دریا میں تیرتی آ رہی ہے جس کا جسم تیروں سے چھلنی ہے اور سارے بدن میں تیر لگے ہوئے ہیں تو وہ گھبرا گیا عنبر نے زور سے آواز دے کر کہا۔

مجھے کشتی پر کھینچ لو۔

ماہی گیر نے جب دیکھا کہ لاش بول بھی رہی ہے تو وہ خوف زدہ ہو گیا غریب ماہی گیر بہت وہم پرست تھا سمجھا کوئی بھوت یا چڑیل دریا میں لاش کا روپ دھار کر چلی آ رہی ہے اس نے اپنی کشتی موڑی اور وہاں سے بھاگ گیا............ عنبر کو بہت افسوس ہوا کہ ماہی گیر اس کی مدد کرنے کی بجائے وہاں سے ڈر کر بھاگ گیا اگر وہ لاش بن کر ہی پڑا رہتا تو شاید ماہی گیر اسے اٹھا کر کنارے پر لے جاتا کیونکہ جاپان کے غریب لوگ لاش کا بڑا احترام کرتے ہیں مگر اب کیا ہو سکتا ہے ماہی گیر رفو چکر ہو چکا تھا عنبر ایک بار پھر دریا میں اکیلا رہ گیا تھا دریا کی

لہریں اسے بڑی تیزی سے آگے کی طرف..........سمندر کی طرف بہائے لیے جا رہی تھیں دریا کے کنارے دور ہٹتے جا رہے تھے دریا کا پاٹ چوڑا ہو رہا تھا اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو کناروں کی طرف دھکیلے دریا کے ٹھنڈے پانی نے اس کا بدن سن کر دیا تھا وہ مر تو نہیں سکتا تھا مگر ٹھنڈا ضرور ہو سکتا تھا عنبر نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔

سارا دن دریا اسے لے کر آگے بڑھتا رہا۔

سورج غروب ہونے لگا دھوپ کا رنگ سنہری پڑ گیا پھر شام کی سیاہی پھیلنا شروع ہو گئی دن کی روشنی گم ہونے لگی آسمان پر اکا دکا ستارے چمکنے لگے عنبر کو اپنے دوست ناگ اور بہن ماریا کا خیال آ گیا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں وہ اپنے بہن بھائیوں سے دور ہوتا جا رہا تھا رات آ گئی ہر طرف خاموشی اور اندھیرا چھا گیا آسمان پر بے شمار ستارے موتیوں کی طرح چمکنے لگے ہوا بھی کچھ تیز ہو گئی تھی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سمندر قریب آ رہا ہے فضا میں سمندر کی مچھلیوں کی خاص بو عنبر کو محسوس ہونے لگی تھی وہ کچھ گھبرا سا گیا کہ اگر ایک بار وہ سمندر پر چلا گیا تو جانے پھر کہاں سے کہاں نکل جائے۔

عنبر راتوں رات سمندر میں داخل ہو چکا تھا۔

دوسرے دن کا سورج نکلا تو عنبر نے پانی کی لہروں پر لیٹے لیٹے دیکھا کہ وہ سمندر میں تیر رہا تھا..........دونوں طرف دریا کے کناروں کا نام و نشان بھی نہ تھا سمندر کی بڑی بڑی موجیں اسے نیچے سے اٹھا کر بڑی تیزی سے آگے کی طرف دھکیل رہی تھیں ایک بار تو اس کا سر چکرا گیا آخر وہی ہو کر رہا تھا جس کا اسے ڈر تھا نہ اس کی کسی کو خبر تھی اور نہ کسی کو اس کی بابت معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟

اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا سمندر کا پانی نیلا تھا اس کی بڑی بڑی

لہریں اوپر نیچے ہو رہی تھیں جیسے سمندر اونچے نیچے گہرے سانس لے رہا ہو چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

سمندر کی لہروں نے عنبر کو اٹھا رکھا تھا وہ اسے ڈوبنے نہیں دے رہی تھیں سمندر کا پانی دریا کے پانی کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈا نہیں تھا وہ کچھ نیم گرم تھا شاید اس کی وجہ سورج کی تپش ہو دور دور تک کسی کشتی یا بادبانی جہاز کا نشان تک نظر نہ آتا تھا عنبر عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا اس نے برا برا وقت دیکھا تھا لیکن اس سے برا وقت اس پر کبھی نہیں پڑا تھا کہ نہ زندہ رہے نہ مردہ ہے بس زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہا ہے یہ بڑی دردناک حالت تھی عنبر کو اپنے پر ترس آنے لگا تھا کہ کیسی عجیب مصیبت میں الجھ گیا ہے۔

وہ دن بھی گزر گیا۔

عنبر کو سمندر میں دوسری رات آ گئی۔ رات کو سمندر کا پانی ٹھنڈا ہو گیا عنبر کو سردی تو نہیں لگتی تھی مگر اس کا بدن ضرور سن ہو گیا تھا پانی کا بہاؤ بھی بڑا تیز تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سمندر کے کسی بہت ہی تیز دھارے پر چڑھ آیا ہے سمندروں میں کسی کسی جگہ پانی کی ایک پٹی بڑی تیز رفتاری سے بہنے لگتی ہے اسے سمندری دھارا کہتے ہیں اگر کوئی جہاز اس دھارے پر چڑھ آئے تو وہ بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے کیونکہ جہاز سمندر میں ایک خاص رفتار سے چلتے ہیں اور تیز دھارے پر آ جاتے سے اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے چنانچہ آج سے ہزاروں برس پہلے بھی اور آج کے زمانے میں بھی جہازوں کے کپتان اپنے جہازوں کو اس سمندری دھارے سے ہمیشہ بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

سمندر کے تیز دھارے پر چڑھ آنے سے عنبر بڑے زور کے ساتھ لہروں پر آگے کی طرف بہنے لگا اس کی حالت لکڑی کے ایک ٹکڑے کی

طرح تھی جو طوفان کے ساتھ ساتھ بہہ رہا ہو جسے کچھ معلوم نہ ہو کہ اس کی منزل کہاں ہے اسے جانا کہاں ہے؟ دریا سے لے کر سمندر تک پانی میں یہ اس کا تیسرا دن اور دوسری رات تھی راتیں اس نے ہزاروں لاکھوں دیکھی تھیں مگر ایسی رات اس نے اپنی ڈھائی ہزار سالہ زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی وہ راتوں کو جنگلوں میں سویا تھا اس نے جنگل کے خونخوار شیروں کے غاروں میں لیٹ کر راتیں کاٹی تھیں اس نے ظالم اور ظالم بادشاہ کے قید خانوں میں زنجیریں اور بیڑیاں پہن کر ٹھنڈے پتھروں پر راتیں بسر کی تھیں مگر ایسی رات اس نے کبھی بسر نہ کی تھی کہ وہ رسیوں میں جکڑا سمندر میں بہا جا رہا ہے۔

عنبر کو کسی وقت اپنی حالت پر رونا آتا اور کسی وقت ہنسی بھی آتی اس کی قسمت اچھی تھی کہ دیوتاؤں کی بد دعا یا دعا کی وجہ سے وہ مر نہیں سکتا تھا ورنہ اب تک اس کا جسم بھی سمندر کے نمکین کھارے اور تیزابی پانی میں گل سڑ کر مچھلیوں کی خوراک بن گیا ہوتا وہ اس بات پر بڑا حیران تھا کہ ابھی تک کسی مچھلی نے اس پر حملہ نہیں کیا؟ چھوٹی چھوٹی بے شمار مچھلیاں اس کے پاس سے ہو کر گزر جاتی تھیں مگر ابھی تک وہیل یا شارک قسم کی کوئی خونخوار اور بڑی مچھلی نہیں آئی تھی۔

آخر اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی۔

دن چڑھا تو ایک شارک مچھلی انسان کو بو پا کر عنبر کی طرف لپکی عنبر نے دور ہی سے مچھلی کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا شارک مچھلی انسان کی دشمن ہوتی ہے اس کے دانت بڑے تیز ہوتے ہیں انسان کو دور ہی سے بو پا لیتی ہے اور پھر حملہ کر کے انسان کے ٹکڑے اڑا دیتی ہے عنبر نے شارک کو دیکھا کہ اپنا خوفناک دانتوں والا منہ کھولے اس کی طرف لپکی چلی آ رہی ہے اس نے آنکھیں بند کر لیں وہ جانتا تھا کہ وہ مر تو نہیں سکتا مگر شارک اسے تنگ بہت کرے گی شارک نے تیزی

سے آ کر عنبر کے پہلو میں دانت مارے لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ عنبر کے سارے جسم میں تیر گڑے ہوئے تھے اور وہ نیزوں کی طرح اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔

جونہی شارک نے عنبر کے پہلو میں دانت مارے لوہے کے تیر اس کے حلق میں چبھ گئے شارک تڑپ کر اچھلی اور پرے ہٹ گئی وہ جھنجھلا کر ایک بار پھر حملہ آور ہوئی اس دفعہ بھی لوہے کے تیر اس کے جبڑے میں گھس گئے اور اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا شارک مچھلی گھبرا کر بھاگ گئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا پالا کس قسم کے انسان سے پڑا ہے جس کے سارے جسم پر لوہے کے بڑے بڑے کانٹے نکلے ہوئے ہیں۔

شارک کو دم دبا کر بھاگتے دیکھ کر عنبر کو ہنسی آ گئی۔ اس کے خیال میں یہ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ شارک مچھلی ایک انسان سے شکست کھا کر بھاگ گئی تھی نہیں تو شارک مچھلی ایک بار کسی بے بس انسان کے پیچھے پڑ جائے تو اسے ہلاک کیے بغیر کبھی باز نہیں آتی۔ شارک کے بھاگنے کے بعد عنبر کا سمندر میں سفر پھر شروع ہو گیا۔ اب وہ سمندر کے تیز دھارے پر سے اتر چکا تھا اور بڑی ہمواری اور تھوڑی رفتار کے ساتھ لہروں کے ساتھ ساتھ بہا چلا جا رہا تھا اس نے کئی بار سر اٹھا کر سمندر کی سطح پر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ کہیں سے کوئی جہاز تو نہیں آ رہا؟ مگر ہر بار اسے ناامیدی ہوئی سمندر کا سینہ دور دور تک خالی تھا اور اس پر بڑی بڑی لہریں سانس لے رہی تھیں۔

تیسرے پہر جب سورج کی کرنوں کا رنگ ذرا ذرا سنہری ہونے لگا تھا عنبر نے ایک بار پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اسے دور افق کے پاس ایک جہاز کے سفید سفید بادبان دکھائی دیے اس کے دل میں زمین پر چلنے کی خواہش مچلنے لگی وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ یا خدا یہ جہاز

اس کی طرف آ جائے کہیں دور دور ہی سے نہ گزر جائے۔ جہاز اس کی طرف ہی آ رہا تھا کیونکہ کچھ دیر عنبر نے دیکھا تو اب بادبانوں کے ساتھ ساتھ اسے جہاز کا لکڑی کا پیندا بھی دکھائی دینے لگا تھا۔

جہاز اس کے قریب آ رہا تھا۔

موت کا سایہ

جہاز والوں نے بھی عنبر کو سمندر میں تیرتے دیکھ لیا تھا۔

یہ جہاز ایک ایسے سوداگر کا تھا جو غلاموں کی تجارت کرتا تھا۔ وہ افریقہ اور سیام سے انسانوں، بچوں اور عورتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح زبردستی اٹھا کر جہاز میں ڈال دیتا اور پھر یمن اور دوسرے ملکوں میں جا کر انہیں فروخت کر دیتا جہاز پر سارے ملازم اس کے اپنے ملازم تھے کپتان بھی جہاز کا اس کا اپنا آدمی تھا سب کو معلوم تھا کہ سوداگر انسانوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے کہ انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح اغوا کر کے دوسرے ملکوں میں امیر لوگوں کے پاس غلام اور لونڈی بنا کر بیچ دیتا ہے مگر وہ اس کے آگے دم نہیں مار سکتے تھے کیونکہ سوداگر بڑا ظالم اور قاتل آدمی تھا اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں غلاموں اور لونڈیوں کو قتل کیا تھا جو غلام اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیتا اس کو وہ قتل کر کے سمندر میں پھینکوا دیتا۔

سوداگر جہاز کے اگلے حصے پر کھڑا تھا۔

اس نے ایک انسان کو سمندر کی لہروں پر تیرتے دیکھا تو خیال آیا کہ اسے بھی پکڑ کر جہاز پر سوار کرا لینا چاہیے تا کہ ایک اور غلام بن جائے

جہاز عنبر کے قریب آ کر رک گیا سوداگر کے ملازم کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں اترے اور انہوں نے عنبر کو اٹھا کر کشتی میں ڈال لیا عنبر کے کہنے پر اس کے سارے جسم میں سے تیر نکال ڈالے انہیں بڑی حیرانی ہوئی کہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود عنبر کو کچھ نہیں ہوا تھا انہوں نے عنبر کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور جہاز پر سوداگر کے سامنے جا کر پیش کیا۔

سوداگر نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر اس کے بھرے بھرے بازو ٹٹول کر بولا۔

ہوں.........تم ایک صحت مند اور مضبوط نوجوان ہو۔ پہلے چل کر گرم قہوہ پیو۔ پھر تم سے پوچھوں گا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے تھے۔

عنبر کو ایک کیبن میں لے جا کر بستر پر لٹا دیا گیا۔

جہاز پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا عنبر نے دیکھا کہ کیبن میں دیواروں کے ساتھ مردہ انسانوں کی کھوپڑیاں ٹنگی ہوئی ہیں ایک غلام دودھ کا پیالہ لے کر اندر آیا عنبر نے دودھ پی کر پوچھا۔

بھائی مجھے یہ بتاؤ کہ یہ جہاز کس کا ہے؟ کہاں جا رہا ہے اور یہ دیواروں پر انسانوں کی کھوپڑیاں کس لئے سجائی گئی ہیں۔؟

غلام نے کہا۔

تمہیں آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا بہر حال میں تمہیں اتنا بتا دیتا ہوں کہ تم ایک ایسے جابر سوداگر کے جہاز پر ہو جو انسانوں کو غلام بنا کر فروخت کرتا ہے ہم سب غلام ہیں اور اس وقت تم بھی اپنے آپ کو غلام ہی سمجھو۔ لیکن میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ یہ جہاز کہاں جا رہا ہے کیونکہ مجھے اس کی اجازت نہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ یہ دیواروں پر کھوپڑیاں کس لئے سجائی گئی ہیں۔

غلام نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

یہ ان بدنصیب غلاموں، لونڈیوں اور بچوں کی کھوپڑیاں ہیں جنہوں نے سوداگر کے ظلم کے خلاف بغاوت کی اور اس جہاز پر سے فرار ہونے کی کوشش کی سوداگر نے ان عورتوں، بچوں اور آدمیوں کو قتل کر کے ان کی کھوپڑیاں یہاں لٹکا دی ہیں تا کہ دوسرے غلام اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔

عنبر اس قسم کی باتیں سن کر بڑا حیران ہوا کہ یہ سوداگر کس قدر ظالم شخص ہے وہ افسوس کرنے لگا کہ ایسے ظالم انسان کے جہاز پر آ گیا اس سے تو بہتر تھا کہ وہ سمندر میں رہتا غلام دودھ کا خالی پیالہ لے کر چلا گیا تو عنبر سوچنے لگا اسے اب کیا کرنا چاہیے ظاہر ہے وہ سوداگر کا غلام بنا دیا گیا تھا سوداگر نے اسے بھی اپنے غلاموں میں شامل کر لیا تھا جنہیں وہ یمن اور بغداد وغیرہ لے جا کر بیچنا چاہتا تھا کیا وہ سوداگر پر اپنا آپ ظاہر کر دے؟

نہیں اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

تھوڑی دیر بعد سوداگر خود اندر آ گیا، اس کی بڑی ڈراؤنی ڈاکوؤں جیسی مونچھیں تھیں اور ہاتھ میں انسانی کھال کے چمڑے کا بنا ہوا ہنٹر پکڑ رکھا تھا سوداگر نے عنبر کی طرف مکاری سے مسکرا کر دیکھا اور پوچھا۔

تم کون ہو اور سمندر میں تیر مار کر زخمی کر کے تمہیں کس نے گرایا تھا.........

عنبر نے جھٹ پٹ ایک جھوٹی کہانی گھڑ کر کہا۔

جناب! میرا نام عنبر ہے میں ایک تجارتی جہاز پر نوکر تھا کہ ہمارے جہاز پر بحری ڈاکوؤں کے جہاز نے حملہ کر دیا، انہوں نے ہمارا جہاز لوٹ کر غرق کر دیا میں جان بچا کر ایک تختے پر چڑھ گیا ڈاکوؤں نے مجھے دیکھ لیا انہوں نے مجھے باندھ کر سمندر میں ڈال دیا پھر مجھ پر تیر

بر سائے میں زخمی ہو گیا، لیکن سمندر کے پانی نے میرے زخموں کو اچھا کر دیا۔

سوداگر قہقہہ مار کر ہنسا۔

بہت خوب .... گویا تم جہاز پر ملازم تھے کان کھول کر سن لو اب تم میرے غلام ہو، تم میرا ہر حکم بجا لاؤ گے میں تمہیں جو کہوں گا تم وہی کرو گے چلو اب بستر سے اٹھو اور جہاز کے نچلے عرشے کی جا کر صفائی کرو۔

سوداگر نے زور سے ہنٹر مارا۔ عنبر تڑپ کر اٹھ بیٹھا عجیب بد تمیز قسم کا یہ سوداگر تھا عنبر نے جان بوجھ کر عاجزی سے کہا۔

جو حکم حضور!

اور پانی کی بالٹی اور برش لے کر نیچے عرشے میں آ گیا۔ جہاز کے اس حصے میں دوسرے غلاموں کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں عنبر اس جہاز پر رہ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں ویسے بھی وہ جہاز پر رہنے پر مجبور تھا کیونکہ وہ تیر کر سمندر پار نہیں کر سکتا تھا وہ صفائی کرتے کرتے ان عورتوں کے پاس پہنچ گیا دوسری طرف غلام سر جھکائے بیٹھے تھے ان کے پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے عورتوں کے پاؤں تو زنجیروں میں نہیں بندھے تھے مگر ان کی گردنوں میں لوہے کا موٹا کڑا ڈال دیا گیا تھا ان عورتوں کی حالت بڑی قابل رحم تھی وہ خاموش بیٹھی تھی اور کسی سے بات نہیں کر رہی تھی ان میں کچھ بوڑھی تھیں اور ایک عورت نوجوان تھی اس کے چہرے کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی شریف خاندان کی نیک عورت ہے۔

عنبر کو جہاز پر پہلا روز تھا۔ وہ کسی سے بات کر کے کوئی نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا چنانچہ وہ خاموشی سے کام کر کے اوپر چلا گیا رات کو غلاموں میں سوکھی چپاتیاں اور جنگلی گھاس کا ساگ تقسیم کیا گیا سوداگر کے نوکر غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک کر

رہے تھے جو غلام ذرا ایک روٹی زیادہ مانگتا اسے بڑی بری طرح ہنٹروں سے مارا جاتا عنبر یہ تماشا دیکھ کر بڑا غمگین ہو گیا اسے سوداگر اور اس کے نوکروں پر سخت غصہ آیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود غلام تھا وہ موقع کا انتظار کرنے لگا۔

اب ہم واپس جاپان کے شہر کیوشو میں آتے ہیں۔

عنبر کو گم ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا ناگ اور ماریا بہت پریشان تھے کہ ان کا بھائی کہاں چلا گیا سارا شہر بادشاہ نے چھنوا دیا مگر عنبر کا کہیں نشان تک نہ ملا تھا ادھر وزیر اور سپہ سالار بڑے خوش تھے کہ انہوں نے عنبر کا کام تمام کر دیا ہے اب ان کی نگاہ ناگ پر تھی کیونکہ عنبر کے بعد ناگ بادشاہ اور شہزادے کا علاج کر رہا تھا اور وہ دونوں بڑی تیزی سے تندرست ہو رہے تھے ویسے بھی ناگ ان کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھی کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے وہ بادشاہ اور شہزادے

میں سے کسی کو بھی کھانے پینے میں زہر نہیں دے سکتے تھے اب وہ عنبر کے بعد ناگ کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک سازش تیار کی اور ناگ کو ہلاک کرنے کی تیاریاں کرنے لگے چال یہ تھی کہ ناگ کو اس کے کمرے میں سوتے میں قتل کر دیا جائے اس کام کے لئے سپہ سالار نے اپنے ایک خاص آدمی کو چن لیا۔

یہ شخص اسی کمرے کے باہر پہرہ دیتا تھا۔

سپہ سالار نے اسے کہا۔

تم نے ہر حالت میں ناگ کو ہلاک کرنا ہے اگر تم ناکام رہے تو یاد رکھو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

پہرے دار نے جھک کر کہا۔

سرکار! ہم آپ کے غلام ہیں میں آپ کا ہر حکم بجا لاؤں گا، میں ایک خونخوار ڈاکو بھی ہوں اور قاتل بھی ہوں میں نے زندگی میں سینکڑوں

لوگوں کو قتل کیا ہے۔ مجھ سے بچ کر یہ دبلا پتلا سا نوجوان کہیں نہیں جا سکتا آپ فکر نہ کریں کل صبح کو اس کے کمرے میں اس کی لاش پڑی ہوگی۔

شاباش! مجھے تم سے یہی امید ہے تم نے اپنا کام اچھی طرح کامیابی سے کر دیا تو میں تمہیں دولت سے مالا مال بھی کر دوں گا اور تمہاری ترقی بھی کر دوں گا۔

سرکار کی عنایت ہے۔

سپہ سالار کے جانے کے بعد پہرے دار نے اپنے کرتے کے اندر ایک تیز دھار والا خنجر چھپا کر رکھ لیا، اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا وہ چونکہ ناگ کے دروازے کے باہر پہرہ دیتا تھا اس لئے وہ جس وقت بھی چاہے دروازہ کھول کر اندر جا سکتا تھا۔

ناگ شہزادے کو دوائی کھلانے گیا ہوا تھا ماریا اپنے کمرے سے نکل کر شاہی محل کے باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا وہ غائب تھی مگر وہ شاہی محل کے باغ میں ٹہلتے ہوئے سب کو دیکھ رہی تھی شام کو وہ ناگ کے کمرے میں آنے لگی تو اس نے دیکھا کہ پہرے دار ادھر اُدھر دیکھ کر چپکے سے ناگ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

ماریا بہت حیران ہوئی کہ جب کمرہ خالی ہے ناگ وہاں نہیں ہے تو پہرے دار کو یوں چوروں کی طرح اندر داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی اسے کچھ شک سا پڑ گیا وہ بھی پہرے دار کے ساتھ ہی کمرے کے اندر داخل ہو گئی اب پہرے دار سمجھ رہا تھا کہ وہ کمرے کے اندر اکیلا ہے اسے کیا معلوم تھا کہ ماریا اسی کمرے میں کھڑی اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہی ہے پہرے دار اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناگ جس پلنگ پر سوتا ہے اس کے آس پاس کون کون سی تپائی اور چیزیں وغیرہ پڑی رہتی ہیں تا کہ جب وہ رات کے اندھیرے میں

اندر داخل ہو تو کسی شے سے ٹکرا نہ جائے۔

پہرے دار نے جھک کر پلنگ کے نیچے بھی دیکھا کمرے کی ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر چپکے سے باہر نکل گیا ماریا سوچ میں پڑ گئی کہ یہ شخص اندر کیا کرنے آیا تھا اسے خیال آیا کہ کہیں یہ شخص ناگ کو نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتا ہو سکتا ہے عنبر کے غائب کرنے میں اس آدمی کا بھی ہاتھ ہو، ہو سکتا ہے یہ شخص وزیر کے اشارے پر کام کر رہا ہو اور ناگ کے پلنگ کا جائزہ لینے اندر آیا ہو۔

ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو جاگ کر نگرانی کرے گی اس نے ناگ کو اس لئے نہ بتایا کہ کہیں وہ دوسرے کمرے میں جا کر نہ سو جائے اور وزیر کی سازش کا راز راز ہی رہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ پہرے دار کس کے اشارے پر کام کر رہا ہے اور کہیں عنبر کو ان ہی لوگوں نے تو گم نہیں کیا ناگ رات کے وقت واپس اپنے کمرے میں آ گیا پہلے تو ماریا کا خیال تھا کہ وہ ناگ کو کچھ نہیں بتائے گی لیکن پھر اسے خیال آیا کہ نہیں ناگ کو بے خبر نہیں رکھنا چاہیے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آنکھ لگ جائے اور ناگ کو نقصان پہنچ جائے۔ اس نے ناگ کو پہرے دار کی ساری نقل و حرکت بتا دی ناگ نے ہنس کر کہا۔

ماریا بہن! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمارے لئے...... تم بھی اچھی طرح اس بات سے واقف ہو کہ ہماری ساری زندگی اس قسم کی سازشوں میں بسر ہوئی ہے ہم نے ایسے کتنے ہی سازشیوں کو دیکھا ہے ہم پر کتنی ہی بار قاتلانہ حملے ہوئے ہیں پھر ان لوگوں سے ڈرنے کا کیا فائدہ؟

ماریا نے کہا۔

ناگ بھائی۔ تم عنبر نہیں ہو کہ تم پر زخم کا اثر نہ ہو تمہیں اپنے لیے اور

میرے لئے اپنی زندگی کی حفاظت کرتی ہے میں یہ کیسے گوارا کر سکتی ہوں کہ میرے بھائی کو نقصان پہنچے۔

ناگ نے کہا۔

اچھی بہن! تم بالکل غم نہ کرو، جو مجھ پر حملہ کرے گا خود زندہ بچ کر نہیں جائے گا بہر حال اگر تم کہتی ہو تو میں ہوشیار رہوں گا۔

ماریا نے کہا۔

میں چاہتی ہوں کہ آج رات تم پلنگ کے نیچے قالین پر سوؤ پلنگ پر سرہانوں کو جوڑ کر اس کے اوپر کمبل ڈال دیا جائے تا کہ آنے والا یہ سمجھے کہ کوئی سو رہا ہے۔

مگر اس کی کیا ضرورت ہے بہن؟

میرا دل کہتا ہے کہ یہ شخص رات کو حملہ کرنے ضرور آئے گا۔ اگر تمہارا دل کہتا ہے تو میں ایسا ہی کر لیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، رات کے کھانے کے بعد ماریا صندوقوں کے پیچھے قالین پر لیٹ گئی اور ناگ نے اپنے پلنگ پر سرہانے جوڑ کر اوپر کمبل ڈال دیا، بالکل ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی آدمی سو رہا ہے وہ خود پلنگ کے نیچے قالین پر لیٹ گیا ماریا نے صندوقوں کے پیچھے سوراخ سا کر رکھا تھا جس میں سے وہ کمرے کا سارا منظر پورے کا پورا دیکھ سکتی تھی ناگ نے پلنگ کے نیچے ایک طرف سے مسہری کی چادر ذرا اوپر سے ہٹا رکھی تھی۔

آدھی رات گزر گئی۔ وہ آپس میں سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے ماریا کہہ رہی تھی۔

خدا جانے ہمارا بھائی عنبر کہاں ہے کس حال میں ہے۔

ناگ نے کہا۔

وہ جہاں کہیں بھی ہے زندہ ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں وہ کسی گہری

سازش کا شکار ضرور ہوا ہے مگر اسے کوئی بھی ہلاک نہیں کر سکتا وہ ایک نہ ایک دن ضرور ہم سے آ ملے گا۔

کاش وہ جلدی ہمارے پاس واپس آ جائے۔

خدا نے چاہا تو ہمارا بھائی جلدی ہی واپس آ جائے گا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی دونوں خاموش ہو گئے کمرے میں صرف ایک موم بتی جل رہی تھی جس کی روشنی بڑی مدھم تھی صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہونے والا ہے ماریا صندوق کے پیچھے سے اور ناگ پلنگ کے نیچے سے باہر جھانکنے لگا۔

دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھلا اور وہی پیہرے دار ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر لئے اندر داخل ہوا اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا اب وہ پلنگ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا ناگ سمجھ

گیا کہ وہ اسے قتل کرنے آیا ہے ماریا کا خیال درست نکلا تھا وزیر نے پیہرے دار سے مل کر اسے قتل کرنے کی سازش بنائی تھی۔

ناگن کی پھنکار

قاتل خنجر لیے ناگ کے پلنگ کے پاس آ کر رک گیا۔

کمرے میں روشنی زیادہ نہیں تھی قاتل نے سوچا کہ اگر اس نے ناگ کے منہ پر سے چادر ہٹائی تو وہ جاگ پڑے گا۔ اس بے وقوف کو کیا خبر تھی کہ اگر وہ چادر ہٹاتا تو نیچے سوائے تکیے کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

پلنگ کے نیچے ناگ چپکے سے لیٹا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا صندوقوں کے

پیچھے بیٹھی ماریا بھی یہ تماشا دیکھ رہی تھی پہرے دار قاتل نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اپنی طرف سے ناگ پر حملہ کر دیا وہ اوپر تلے وار کر رہا تھا اسے کچھ احساس ہوا کہ چادر کے نیچے انسان کا جسم نہیں ہے اس نے جلدی سے چادر ہٹا دی نیچے دو تکیے پڑے تھے جو خنجر لگنے سے پھٹ گئے تھے۔

پہرے دار قاتل حیران رہ گیا ناگ اسے دھوکا دے گیا تھا۔

اس نے سوچا اگر ناگ قتل نہ ہوا تو سپہ سالار اسے مروا دے گا، اس نے جلدی سے پلنگ کے نیچے دیکھا کہ کہیں ناگ نیچے نہ چھپا ہوا ہو لیکن اس وقت تک ناگ نے اپنی جون بدل لی تھی پلنگ کے نیچے سے سیاہ کالا سانپ پھنکار مار کر باہر آ گیا پہرے دار قاتل کو چکر آ گیا وہ گھبرایا اور پیچھے گر پڑا سانپ نے اپنا پھن پھیلا لیا اور پہرے دار کے سر کے اوپر آ کر لہرانے لگا پہرے دار ہمت سے کام لیتے ہوئے اٹھا اور خنجر

والے ہاتھ سے سانپ پر حملہ کر دیا سانپ نے پرے ہٹ کر حملہ بچایا، پہرے دار نے زمین پر گرے ہوئے گلدان کو اٹھا کر سانپ پر دے مارا اگر سانپ ایک دم دوسری طرف نہ ہٹ جاتا تو گلدان اس کے سر پر پڑتا اور وہ کچلا جاتا۔

ماریا بھی اب صندوقوں کے پیچھے سے باہر نکل آئی تھی وہ قاتل پر حملہ کرنے کے لئے کوئی ہتھیار تلاش کر رہی تھی کہ سانپ نے لپک کر قاتل پہرے دار کی گردن پر ڈس لیا سانپ کے ڈستے ہی پہرے دار پر غنودگی چھا گئی زہر بڑی تیزی سے اس کے خون میں چلا گیا اور دل سے ہوتا ہوا دماغ میں پہنچ گیا پہرے دار کے پاؤں لڑکھڑا گئے وہ سنبھلا مگر اب اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے تھے اس کی ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا وہ ایک بار لڑکھڑایا اور سنبھلتے سنبھلتے گر پڑا گرنے کے ساتھ ہی اس کا جسم اکڑ گیا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

پہرے دار قاتل مر گیا تھا۔

ماریا نے ناگ سے کہا۔

یہ قاتل تو مر گیا اب اس کی لاش کو کہاں لے جائیں؟ تمہیں اسے کمرے میں نہیں مارنا چاہیے تھا بہتر ہوتا کہ ہم اسے کسی طرح کمرے سے باہر لے جا کر مارتے۔

سانپ نے اسی وقت انسان کا روپ بدل لیا اور کہا۔

ماریا بہن! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ یہ شخص میرے کمرے میں آ کر مرا ہے میں بادشاہ سلامت کو ثبوت پیش کر سکوں گا کہ پہرے دار کسی کے کہنے پر مجھے ہلاک کرنے آیا تھا کہ کہیں سے سانپ نکل آیا اور پہرے دار دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

ہاں ہاں بھائی یہ تو تم نے بڑی عمدہ بات کی اس طرح ہم بادشاہ

سلامت پر یہ ثابت کر سکیں گے کہ ان کا قاتل ہمارا بھی دشمن ہے اور یہ کہ پہرے دار نے کسی کے اکسانے پر ہم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اگر سانپ نہ نکل کر اسے ڈستا تو وہ تمہیں ختم کر چکا تھا۔

ناگ نے کہا۔

ہم اس کی لاش اسی جگہ پڑی رہنے دیں گے اور جا کر بادشاہ کو اطلاع کرتے ہیں۔

ٹھیک ہے تم جاؤ میں کمرے میں ہی رہوں گی ہمیں صبح ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔

ناگ نے اسی وقت بادشاہ سلامت کو جا کر اطلاع کی بادشاہ نے جب سارا حال سنا تو خود ناگ کے کمرے میں آ کر پہرے دار کی لاش دیکھی جسے سانپ نے ڈس لیا تھا سانپ کے زہر سے لاش کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا بادشاہ نے کہا۔

یہ ضرور کسی کی سازش ہے یہ لوگ عنبر کو گم کر چکے ہیں اور اب تمہیں ختم کرنا چاہتے ہیں دیوتاؤں نے رحم کیا اور تمہاری جان بچ گئی۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ پہرے دار کی لاش اٹھا کر دریا میں پھینک دی جائے غلاموں نے پہرے دار کی لاش اٹھا کر محل کی چھت سے دریا میں پھینک دی۔

بادشاہ نے کہا۔

پیارے بچے ناگ! مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہوشیاری سے کام لیا اور تمہاری جان بچ گئی، اگر تم غافل ہو جاتے تو یہ قاتل ضرور تمہارا کام تمام کر دیتا جس کا مجھے بے حد صدمہ ہوتا مجھے پہلے ہی عنبر کا بے حد صدمہ ہے نہ معلوم اس وفادار نوجوان کو دشمنوں نے کہاں غائب کر دیا ہے کاش! مجھے اس کا سراغ مل جاتا مگر کوئی بات نہیں میرے جاسوس سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں وہ ضرور عنبر کو ڈھونڈ نکالیں گے۔

ناگ نے کہا۔

بادشاہ سلامت، جہاں تک میرا خیال ہے آپ کا وزیر یہ ساری سازش کر رہا ہے۔

بادشاہ نے خاموشی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناگ! تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نادان ہوں میں نے ایک زمانہ دیکھا ہے بیٹے مجھے سب کچھ معلوم ہے میں جانتا ہوں کہ وزیر مجھے اور شہزادے کو راستے سے ہٹا کر میری حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مگر میں مجبور ہوں اس لئے کہ وزیر کے ساتھ سپہ سالار بھی ملا ہوا ہے اگر میں نے وزیر کو قید میں ڈالا تو فوج کا سپہ سالار مجھے اور میرے بیٹے کو ہلاک کر کے تخت و تاج کا مالک بن جائے گا اس لئے میں خاموش ہوں۔

ناگ نے کہا۔

مگر حضور! وزیر کا بھی کچھ نہ کچھ علاج ہونا چاہیے۔ اسے اگر کھلی چھٹی

دے دی گئی تو وہ سر پر چڑھ جائے گا اور آپ کو بہت زیادہ نقصان پہنچائے گا۔

میں اس کا بھی بندوبست کرلوں گا۔ اس وقت میں یہی چاہتا ہوں کہ وزیر اور سپہ سالار کے حملوں کو ناکام بناتا رہوں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس کے زہر کھلانے کے حملے کو ناکام بنا دیا گیا ہے تم لوگ ٹھیک وقت پر آ گئے ہو اور تم نے مجھے اور میرے شہزادے کو وزیر کی خونی سازش سے بچالیا ہے۔

ناگ بولا۔

آپ بے فکر رہیں حضور! مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا آپ کے لئے کروں گا۔ جب تک میں یہاں ہوں میرے خدا نے چاہا تو دشمن آپ پر کوئی وار نہ کر سکے گا۔ وہ ہر حملے میں ناکام ہوگا اور شکست کھائے گا۔

بادشاہ نے ناگ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

دیوتاؤں کا مجھ پر کرم ہوا کہ انہوں نے تمہاری جان بچالی اب تم جا کر آرام کرو، میں عنبر کی تلاش کے لئے فوج کے ایک تازہ دم دستے کو دریا کے دہانے کی طرف روانہ کر رہا ہوں ہو سکتا ہے اسے ہلاک کر کے کسی نے دریا میں پھینک دیا ہو اور کچھ نہیں تو دریا کی دلدل میں اس کی لاش تو مل جائے تاکہ میں اس کے لئے ایک شاندار مقبرہ بنا سکوں۔

ناگ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔

بادشاہ سلامت! اس بات کی آپ فکر نہ کریں، عنبر کو یہ لوگ ہلاک نہیں کر سکتے آپ ایسا کریں فوج کو شہر کے اردگرد والے جنگل میں پھیلا دیں اور تاکید کر دیں کہ وہ چپہ چپہ زمین کو دیکھیں کہ کہیں کوئی گڑھا کوئی غار تو نہیں ہے اگر ہو تو وہاں عنبر کو تلاش کریں۔

میں آج ہی حکم جاری کر دیتا ہوں۔

ناگ نے بادشاہ سے اجازت طلب کی اور سیدھا شہزادے کے پاس آ

گیا۔ اس نے شہزادے کو سلام کیا اور دوائی تیار کرنے لگا شہزادے کو بھی پتا چل چکا تھا کہ ناگ پر پہرے دار سپاہی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا سانپ نے اسے ڈس لیا شہزادے نے ناگ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔

ناگ بھائی دیوتاؤں نے تمہاری جان بچالی۔ اس کی مجھے بے حد خوشی ہے اگر بدقسمتی سے وہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو پھر ہمارا زندہ رہنا بھی مشکل تھا دشمن تمہارے بعد میں بھی اپنی سازش کا نشانہ بناتا۔

شکریہ شہزادہ صاحب، خدا نے مجھے بچالیا۔ شاید اس لئے کہ آپ کی اور بادشاہ سلامت کی خدمت کر سکوں۔

پھر ناگ نے شہزادے کو دوائی پلائی اور شاہی باورچی خانے میں آ گیا تاکہ دوپہر کے کھانے کا معائنہ کر سکے باورچی کھانا لگا رہا تھا ناگ نے کھانے کو اچھی طرح دیکھا بھالا! ہر چیز دیکھی پینے کا پانی دیکھا اور کھانے کے طشت اپنی نگرانی میں بادشاہ کی خوابگاہ میں لے گیا اس نے پاس بیٹھ کر بادشاہ کو کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا، اس کے بعد وہ باورچی خانے میں آ گیا یہاں سے اس نے خشک مرغ کے کچھ ٹکڑے اور روٹی رومال میں ماریا کے لیے رکھی اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

ماریا کمرے میں قالین پر بیٹھی کھانے کا انتظار کر رہی تھی۔

ناگ نے اندر آ کر کھانا ایک لکڑی کے طشت میں لگا کر ماریا کے آگے رکھ دیا۔

آج یہ خشک گوشت ہی جلدی میں لا سکا ہوں۔ بہن۔

یہی بہت ہے بھائی! تم سلامت رہو میں روکھی سوکھی کھا کر بھی گزارہ کر سکتی ہوں خدا جانے عنبر نے بھی کچھ کھایا ہے یا نہیں؟

ناگ نے کہا۔

تم مت گھبراؤ.........اس کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوگا صحت مند ہوگا، بس ضرور بے بس ہوگا پھنس گیا ہوگا، نہیں تو اب تک واپس آ چکا ہوتا۔

خدا اسے جلد لائے بھائی۔

آمین۔

وزیر اور سپہ سالار کو جب معلوم ہوا کہ ان کی چال دھری کی دھری رہ گئی ہے اور ناگ کو قتل کرنے کی بجائے پہرے دار خود سانپ کے ڈسنے سے مر گیا ہے تو وہ سر کو پکڑ کر بیٹھ گئے وزیر سپہ سالار پر برسنے لگا۔

تم نے غلط آدمی کو چنا تھا تمہیں چاہیے تھا کہ کوئی ایسا آدمی چنتے جو بے حد مکار ہوتا جسے معلوم ہوتا کہ ناگ کس جگہ پر سویا ہوا ہے اس سے تو ناگ زیادہ چالاک نکلا کہ بستر پر تکیے بچھا کر خود کسی دوسری جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔

سپہ سالار بولا۔

پہرے دار میرا خاص راز دار سپاہی تھا مجھے کیا خبر تھی کہ ناگ اس سے زیادہ مکار نکلے گا اور اسے پہلے ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ رات کو اسے قتل کرنے کوئی آ رہا ہے۔

وزیر نے تعجب کرتے ہوئے کہا۔

سوال یہ ہے کہ ناگ کو یہ کس طرح پتا چل گیا کہ پہرے دار آدمی رات کو اسے قتل کرنے آ رہا ہے۔

اسی بات پر میں خود حیران ہوں وزیر صاحب! کم از کم اس محل میں کوئی بھی سپاہی ایسا نہیں ہے جو میرا خاص راز دار ہو کسی کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے خلاف بغاوت کر کے ناگ کے ساتھ مل جائے۔

وزیر نے چیخ کر کہا۔

تو پھر ناگ کو جا کر کس نے اطلاع دی کہ تمہیں آدھی رات کو قتل کیا جا رہا ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ کسی نے مخبری ضرور کی ہے۔

وزیر جھنجھلا کر کہنے لگا۔

یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ کسی تے مخبری کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مخبری کس نے کی ہے؟ وہ کون آدمی ہے جس نے ہمارے ساتھ غداری کی اور ناگ کے ساتھ بادشاہ کے ساتھ وفاداری کی؟

اس کا پتا چلا لیا جائے گا۔

بس اس غدار کا جلد سے جلد پتا چلاؤ تا کہ اسے گرفتار کر کے میں اپنے ہاتھوں پھانسی پر چڑھاؤں۔

اس کا میں بہت جلد پتا لگا لوں گا۔

یہ کہہ کر سپہ سالار چلا گیا۔

اس نے اپنے سارے آدمیوں کو خبردار کر دیا کہ معلوم کیا جائے ہم میں مخبر اور دشمن کا جاسوس کون ہے مگر وہاں کوئی مخبر یا جاسوس ہوتا تو اس کا پتا بھی چلتا جاسوس تو کوئی بھی نہیں تھا جاسوسی تو ماریا اور ناگ نے خود کی تھی جس وقت وہ اپنے خاص سپاہی کو جاسوس کا سراغ لگانے کی ہدایت کر رہا تھا اس وقت خود اس کی جاسوسی ہو رہی تھی یعنی ماریا اس کے قریب ہی کھڑی اس کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

وہ کھانے کے بعد سیر کرتی کراتی شاہی محل کے خاص حصے کی طرف نکل آئی تھی کہ اس نے سپہ سالار کو ایک سپاہی سے چھپ کر باتیں کرتے دیکھا وہ چپکے سے اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اس نے سنا کہ وہ سپاہی سے کہہ رہا تھا۔

پہرے دار ناگ کو قتل کرنے میں ناکام ہو گیا ہے کسی نے اس کی خبر پہلے سے ناگ کو کر دی تھی تمہارے ذمے یہ کام لگاتا ہوں کہ تم یہ معلوم

کرو کہ جاسوسی اور مخبری ہم میں سے کس نے کی تھی؟ کون غدار ہمارے درمیان چھپا بیٹھا ہے اور ہماری چالوں کو ناکام بنا رہا ہے۔

سپاہی سر جھکا کر چلا گیا۔

ماریا مسکراتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں آ گئی ناگ قالین پہ بیٹھا دوائی بنا رہا تھا ماریا نے ناگ کو سپہ سالار کی ساری بات سنائی تو وہ بڑا ہنسا اور کہنے لگا۔

کوئی جاسوس ہوگا تو وہ پکڑیں گے جاسوس تو ہم خود ہیں ہمیں وہ کیسے پکڑیں گے۔

سپہ سالار نے ایک اور کام کیا تھا جس کی ماریا اور ناگ کو خبر نہ تھی۔

اس نے وزیر کو خبردار کرنے کے بعد اپنے ایک ایسے آدمی کو ناگ کے قتل کا حکم دے دیا تھا جو شاہی دربار کا خاص جلاد تھا اور جس کے لیے کسی انسان کو مار ڈالنا ایسا ہی تھا جیسے ہم گرمیوں میں مچھر مار ڈالتے ہیں یہ جلاد بڑا سنگ دل تھا اور اس کے شکنجے سے بچ کر آدمی کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

اس سے پہلے وہ کس قدر آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا یہ خود اس کو بھی معلوم نہیں تھا وہ اونچا لمبا ایک پہلوان تھا جس میں اتنی طاقت تھی کہ اگر درخت کو پورے زور سے ٹکر مارے تو وہ اپنی جڑ سے اکھڑ کر دور جا گرے اس نے ناگ کو دیکھا ہوا تھا سپہ سالار کے حکم پر سر جھکا کر بولا۔

حضور کا نمک کھاتا ہوں، ناگ تو میرے سامنے ایک چیونٹی ہے میں انگوٹھے سے اسے ایک پل میں مسل کر رکھ دوں گا۔

پہلوان جلاد

عنبر سمندری جہاز پر غلام بن چکا تھا۔

ظالم سوداگر نے اس کو عرشے کی صفائی کے کام پر لگا دیا تھا۔ وہ صبح سے لے کر شام تک جہاز کے تختوں کی صفائی کرتا باورچی خانے میں جا کر جھاڑو دیتا فرش کو پانی سے دھوتا، اس نے کئی بار سوچا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے مگر وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا جہاز سمندر میں سفر کر رہا تھا وہ جہاز کی کشتی بھی سمندر میں نہیں اتار سکتا تھا وہ بے بس تھا مجبور تھا چنانچہ غلام بن کر جہاز میں جابر سوداگر کا ہر حکم بجا لا رہا تھا دن بھر کام کرنے کے بعد اسے صرف شام کو کھانا ملتا اگر اس کے اندر خفیہ طاقت نہ ہوتی تو وہ بے حد کمزور ہو گیا ہوتا، لیکن چونکہ اپنی خفیہ طاقت کی وجہ سے نہ تو وہ دکھتا تھا اور نہ اسے بھوک تنگ کرتی تھی۔ اس لئے وہ صحت مند رہا۔

جہاز کو سمندر کی لہروں پر سفر کرتے بیس روز گزر گئے سوداگر نے محسوس کیا کہ باقی غلام تو دن میں ایک بار کھانا کھانے سے کمزور ہو جاتے ہیں مگر عنبر چونکہ نیا غلام آیا ہے اس کی صحت ویسے کی ویسی ہے جب کہ کھانے کو اس کو بھی دوسرے غلاموں کی طرح بہت کم ملتا ہے چنانچہ سوداگر نے ایک روز عنبر کے پاس جا کر اسے زور زور سے دو چار ہنٹر مارے اور پوچھا۔

کیوں بے تو اتنا ہٹا کٹا کیسے ہے؟ کیا تو چھپ چھپ کر باورچی خانے میں جا کر کھانا کھاتا ہے۔

عنبر کو ہنٹر لگنے کا بھی درد نہیں ہوا تھا اس نے مسکرا کر کہا۔

جناب! میں نے زندگی میں کبھی چوری نہیں کی کبھی جھوٹ نہیں بولا میں ایک اعلیٰ خاندان کا نوجوان ہوں اور اعلیٰ خاندان کے بچے نہ تو جھوٹ بولتے ہیں اور نہ چوری کرتے ہیں۔

بکواس بند کرو کمینے۔!

اور سوداگر نے دھڑا دھڑ عنبر کو ہنٹروں سے پیٹنا شروع کر دیا عنبر کو ذرا سی تکلیف نہیں ہو رہی تھی وہ بڑے مزے سے بیٹھا سوداگر کے ہنٹروں کی مار کھاتا رہا اور مسکراتا رہا، سوداگر کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کم بخت کیسا آدمی ہے کہ اس پر مار کا بھی اثر نہیں ہو رہا حالانکہ اس کے ہنٹر کھا کر موٹے سے موٹے غلام کی چیخیں نکل جاتی تھیں اس نے طیش میں کہا۔

کم بخت! مار کھا کر بھی ہنس رہا ہے تجھ پر ذرا اثر نہیں ہو رہا؟ کیا تو لوہے کا بنا ہوا ہے۔

عنبر نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

جی ہاں جناب۔ میں لوہے کا بنا ہوا ہوں آپ مار مار کر تھک جائیں گے مگر مجھے کچھ نہیں ہوگا، میرا ایک بال تک بیکا نہیں ہوگا۔

سوداگر ایک دم ہنٹر کھینچ کر اس کے قریب آ کر بولا۔

کیا تم جادوگر ہو۔

عنبر نے کہا۔

میں جادوگروں کا باپ ہوں۔

بکواس کتے۔

سوداگر نے زور سے عنبر کے سر پر ہنٹر مارا اور غصے میں بک بک کرتا وہاں سے چلا گیا عنبر کو سوداگر پر غصہ تو بے حد آیا مگر وہ اکیلا وہاں کر کچھ نہیں سکتا تھا اس نے بالٹی اٹھائی اور فرش صاف کرتے نچلی منزل پر آ گیا جہاز کے اس حصے میں پیاز کی بو پھیلی ہوئی تھی غلام عورتیں بھی یہاں کام کر رہی تھیں کوئی آٹا پیس رہی تھی اور کوئی کپڑے سی رہی تھی۔

عنبر نے دیکھا کہ وہ شریف چہرے والی لڑکی ایک طرف اور سب سے الگ بیٹھی سوت کات رہی تھی عنبر نے قریب جا کر دیکھا تو اس لڑکی کی

آنکھوں میں آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے عنبر کے دل پر شریف لڑکی کے آنسوؤں کا بڑا اثر ہوا اس نے آہستہ سے پوچھا۔

بہن تمہارا نام کیا ہے اور تم رو کیوں رہی ہو۔؟

شریف لڑکی نے کہا۔

بھائی میرا نام رخسانہ ہے میں ایک شریف ماں باپ کی بیٹی ہوں میں نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا میرے ماں باپ میری شادی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ یہ بحری ڈاکو مجھے اٹھا کر لے آئے اب خدا جانے یہ کہاں لے جا کر مجھے بیچ دیں گے اور میں زندگی بھر اپنے ماں باپ کا منہ نہ دیکھ سکوں گی۔

عنبر نے کہا۔

رخسانہ بہن! تمہاری کہانی سن کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے مگر میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں میں مجبور ہوں، تمہاری طرح میں بھی

یہاں غلام ہوں۔

رخسانہ بولی۔

کاش! میرا بھی کوئی بھائی ہوتا اور وہ میری مدد کرتا۔

عنبر نے کہا۔

بہن رخسانہ! تم مجھے اپنا بھائی ہی سمجھو۔ میں تم سے بھائی بن کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں یہاں سے نکال کر ہی دم لوں گا۔

رخسانہ نے کہا۔

میرے بھائی تم خود یہاں ایک غلام کی زندگی بسر کر رہے ہو بھلا تم میری کیا مدد کر سکو گے۔

عنبر کہنے لگا۔

ایسی کوئی بات نہیں بہن! انسان اگر ہمت سے کام لے اور مصیبت میں گھبرائے نہیں تو ہر مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

ہمیں خدا کی رحمت سے نا امید نہیں ہونا چاہیے خدا اگر چاہے تو دکھوں کے اندھیرے میں روشنی کرسکتا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا اور اکیلا اس خونی جہاز سے فرار نہیں ہوں گا بلکہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر نکلوں گا اور تمہیں تمہارے ماں باپ تک پہنچاؤں گا۔

رخسانہ کے چہرے پر چمک آ گئی کہنے لگی۔

بھائی تم نے میری مردہ زندگی میں امید کی شمع روشن کردی ہے میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے مجھے میرا بچھڑا ہوا بھائی مل گیا ہے۔

اتنے میں ظالم سوداگر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جو رخسانہ اور عنبر کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا تو غصے میں بھرا ہوا ان کے پاس آیا اور عنبر کی پیٹھ پر اس زور سے ہنٹر مارا کہ رخسانہ کی چیخ نکل گئی اگرچہ عنبر کو

تکلیف نہیں ہوئی تھی لیکن اسے سخت طیش آ گیا اس نے سوداگر کے ہاتھوں سے ہنٹر کھینچ لیا اور پوری طاقت سے ہنٹر اس کے منہ پر مارنے ہی والا تھا کہ سوداگر کے غلاموں نے اسے پکڑ کر ہنٹر اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا سوداگر کا پارہ تو ایک دم چڑھ گیا۔

اس نے چیخ مار کر کہا۔

اس گستاخ کمینے غلام کو کوٹھڑی میں بند کردو۔ اس کو کھانے کو کچھ بھی نہ دو۔ اسے بھوکا پیاسا مار دو۔

غلاموں نے عنبر کو جکڑ کر اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور جہاز کے تہہ خانے میں لا کر ڈال دیا جہاز کا یہ تہہ خانہ نمدار اور تاریک تھا اندر سیلن اور اندھیرا تھا یہاں پیاز اور لہسن کی بڑی سخت بو پھیلی ہوئی تھی عنبر خاموشی سے وہاں بیٹھا سوچنے لگا کہ یہاں سے فرار کیسے ہوا جائے؟ اور اگر جہاز کسی جزیرے پر لگ گیا تو وہاں سے کیسے نکل سکے گا؟ اس کے

حساب کے مطابق زمین دکھائی دینے والی تھی اور وہ سمندر میں تیرتی جھاڑیوں کو دیکھ چکا تھا شاید کوئی بڑا شہر قریب آ رہا تھا جہاں جا کر سوداگر غلاموں کو فروخت کرنا چاہتا تھا۔

سارے جہاز پر یہ خبر پھیل گئی کہ عنبر نے سوداگر کو مارنے کے لئے ہنٹر اٹھایا تھا جس کے بعد سوداگر نے عنبر کو جہاز کے گندے تہہ خانے میں بند کر دیا ہے ہوتے ہوتے یہ خبر رخسانہ تک پہنچی تو اسے بڑا صدمہ ہوا کیونکہ اس کا ایک نہایت اچھا بھائی سخت تکلیف میں تھا، اسے یہ بھی خبر مل گئی تھی کہ عنبر کو جیل خانے میں کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا جا رہا...... وہ پریشان ہو گئی کہ اس کا بھائی تو قید میں بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ عنبر کو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس تنگ کرتی ہے وہ تو صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھانا کھایا کرتا ہے۔ بہن اپنے بھائی کے لئے پریشان ہو گئی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے بھائی کو کھانا پانی ضرور پہنچائے گی چاہے اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے رخسانہ نے اپنے بھائی کی مدد کرنے کے لئے بڑا خطرناک فیصلہ کیا تھا مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی عنبر کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

وہ قید میں بڑے مزے سے چٹائی پر لیٹا ہوا تھا اس کی کوٹھڑی کی ایک گول کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی وہ سارا دن وہاں بیٹھا سمندر کی لہروں کو دیکھتا رہتا اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی جزیرہ یا کسی شہر کی بندرگاہ قریب آ رہی ہے کیونکہ سمندر کی لہروں پر کبھی کبھی وہ گھاس اور جھاڑیوں کو تیرتے دیکھ رہا تھا تین روز گزر گئے اس عرصے میں وہاں کوئی بھی اسے کھانا پانی دینے نہ آیا سوداگر تو چاہتا ہی یہی تھا کہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے۔

رخسانہ نے اس دوران میں کئی بار عنبر بھائی کو کھانا پہنچانے کی کوشش کی مگر اسے ہر بار موقع نہ مل سکا، آخر ایک رات رخسانہ نے دو سوکھی

روٹیاں جو اس نے اپنے حصے سے بچائی تھیں کپڑے میں لپیٹیں ایک کپی میں پانی بھرا اور خدا کا نام لے کر عنبر کے تہہ خانے کی طرف چل پڑی سارے جہاز پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف اوپر کے حصے میں جہاں سوداگر کے کمرے تھے مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی وہ دبے پاؤں دیواروں کے ساتھ ساتھ لگ کر چلتی لکڑی کی اس سیڑھی کے پاس آ گئی جو نیچے عنبر کے تہہ خانے کو جاتی تھی رخسانہ نے ایک پل کے لئے وہاں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے سیڑھیاں اتر گئی نیچے آ کر وہ تہہ خانے کے دروازے کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی دروازے کے باہر لوہے کی بھاری کنڈی لگی تھی۔

رخسانہ نے بڑی مشکل سے کنڈی کھول دی اور دروازے کو دھکیل کر کھول دیا عنبر اندر چٹائی پر لیٹا ہوا تھا سمندر والی کھڑکی میں سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی عنبر نے رخسانہ کو دیکھا تو جلدی سے اٹھ کر بیٹھ

گیا اور بولا۔

رخسانہ بہن تم؟ تم اس وقت یہاں کہاں؟

رخسانہ نے دروازہ بند کر کے کہا۔

بھائی عنبر! میں تمہیں بھوکا پیاسا مرتا نہیں دیکھ سکتی، میں تمہارے لئے روٹی اور پانی کی کپی لائی ہوں۔

رخسانہ بہن! تم نے زندگی کا بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے تمہاری جان سخت خطرے میں ہے خدا کے لئے یہاں سے واپس چلی جاؤ، مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہے۔

رخسانہ نے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے بھائی کہ تمہیں روٹی اور پانی کی ضرورت نہ ہو بھلا دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہے جو بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ سکے۔

عنبر نے کہا۔

میں تمہارے سامنے دنیا کا ایک ایسا آدمی موجود ہوں جو بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے دیکھ لو۔ مجھے روٹی کھائے اور پانی پیئے آج چوتھا روز ہے مگر میں تمہارے سامنے زندہ ہوں اور پوری طرح صحت مند ہوں۔

رخسانہ نے بڑی حیرت سے کہا۔

ہاں بھائی! میں خود بھی حیران ہوگئی تھی جب میں نے تمہیں بڑے آرام سے چٹائی پر لیٹے ہوئے دیکھا تھا، یہ بتاؤ کہ کیا تم چوری چوری کچھ کھاتے رہے ہو؟

عنبر مسکرایا۔

ایسا نہیں ہے رخسانہ بہن یہاں کون آ کر مجھے کچھ کھلا سکتا ہے اور میں خود یہاں سے کیسے باہر جا سکتا ہوں بس یوں سمجھ لو کہ میں دنیا کا ایک ایسا انسان ہوں جو روٹی اور پانی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

رخسانہ نے تعجب سے کہا۔

مگر میرے بھائی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟

خدا کے لئے مجھ سے اس وقت بحث نہ کرو، یہ بات میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا اس وقت تم یہاں سے چلی جاؤ، اگر کسی نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو سوداگر تمہیں قتل کروا دے گا۔

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ کسی نے باہر سے دروازہ کھول دیا رخسانہ ایک دم سے عنبر کے پیچھے ہوگئی آنے والا ہٹا کٹا چوکیدار تھا جو ظالم سوداگر کی طرف سے عنبر کی نگرانی پر لگا ہوا تھا اس نے جو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور عنبر کے پاس ایک غلام عورت کھانا لے کر بیٹھی ہے تو اس نے تلوار کھینچ لی اور چیخ کر کہا۔

میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ عنبر نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا

مگر چوکیدار موٹا تھا اس نے عنبر کو جھٹک دیا اب رخسانہ سامنے آ گئی چوکیدار نے رخسانہ پر وار کیا عنبر نے رخسانہ کو دھکا دے کر پرے گرا دیا تلوار سیدھی عنبر کے سر پر پڑی وار اس قدر طاقت ور تھا کہ عنبر کے سر کو دو ٹکڑے ہو جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ تلوار اچٹ گئی۔

چوکیدار تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

اس کی حیرانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عنبر نے اس کے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ وہی تلوار چوکیدار کے موٹے پیٹ میں گھونپ دی ایک چیخ بلند ہوئی اور موٹا چوکیدار دھڑام سے فرش پر گر پڑا رخسانہ تھر تھر کانپنے لگی۔

یہ تو بہت برا ہوا۔ سوداگر کو پتا چل جائے گا۔ وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

عنبر نے کہا۔

گھبراؤ نہیں رخسانہ بہن! میں ابھی سارا بندوبست کیے دیتا ہوں۔

عنبر نے رخسانہ کے ساتھ مل کر بڑی مشکل سے موٹے چوکیدار کو گھسیٹا اسے گھسیٹ کر کھڑکی تک لائے اور پھر لاش کو سمندر میں پھینک دیا سمندر کی لہروں میں لاش ایک بار ابھر کر غائب ہو گئی اس کے بعد انہوں نے مل کر فرش پر سے خون کے دھبے صاف کیے عنبر نے کہا۔

اب تم فوراً یہاں سے واپس چلی جاؤ۔

مگر رخسانہ بڑی بڑی حیران آنکھوں سے عنبر کو دیکھتے ہوئے بولی بھائی عنبر! ایک بات بتاؤ گے تو میں یہاں سے جاؤں گی جلدی سے پوچھو کیا بات ہے؟

رخسانہ نے پوچھا۔

یہ بتاؤ کہ تمہیں کچھ ہوا کیوں نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے تلوار تمہارے سر پر گرتے دیکھی تھی تلوار اچٹ گئی اور تمہارے سر پر ہلکا سا

زخم بھی نہ آیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

عنبر نے کہا۔

خدا کے لئے یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں ہے تم جلدی سے چلی جاؤ میں پھر تمہیں ضرور سب کچھ بتا دوں گا......... جلدی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دو اور کنڈی چڑھا دو۔

رخسانہ کچھ حیران کچھ پریشان سی تہہ خانے میں سے باہر نکل گئی باہر جا کر اس نے دروازہ بند کر کے اسی طرح لوہے کی کنڈی لگا دی اور لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے قید خانے میں آ کر دوسری عورتوں کے پاس سو گئی۔

دریا پر قتل

سپہ سالار کے کہنے پر پہلوان جالاد ناگ کے پیچھے لگ گیا۔

وہ جلدی سے جلدی ناگ کو ختم کر کے سپہ سالار سے انعام و اکرام حاصل کرنا چاہتا تھا ناگ کو کوئی علم نہ تھا کہ پہلوان سیاہ موٹا جالاد اس کو مارنے کی فکر میں ہے جالاد کے لئے ناگ کو مارنا کوئی مشکل بات نہیں تھی بس وہ صرف اتنی ہوشیاری ضرور کرنا چاہتا تھا کہ ناگ کو اس طرح ہلاک کرے کہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یا تو ناگ کو رات کے وقت اس کے کمرے میں جا کر مار دے یا اسے کسی بہانے باہر جنگل میں دریا کنارے لے جائے اور اس کا کام تمام کر دے جالاد نے دوسرا طریقہ زیادہ پسند کیا۔

اس نے ناگ سے دوستی تو پہلے ہی کر لی تھی اس مہم کو شروع کرنے کے

ساتھ ہی وہ ایک روز ناگ کے پاس آیا اور بڑی رازداری سے کہا۔

بھائی! تم سے ایک بات کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے، پھر تمہیں بات بتاؤں گا۔

ناگ نے کہا۔

اچھا بھائی میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے بات نہیں کروں گا تم مجھے بتا دو۔

تم مجھے بتا دو۔

جالاد نے کہا۔

بات یہ ہے کہ دریا کنارے میری ایک دوسری بیوی رہتی ہے میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں پہلے ہی شادی کر چکا ہوں اب اس کم بخت کو کہیں سے یہ معلوم ہو گیا ہے اور وہ میرے ساتھ ہر روز لڑائی کرتی ہے اگر تم میرے ساتھ جا کر صرف میری اور میرے بچوں کی زندگی کی

خاطر اسے میرے ساتھ دریا کنارے جا کر یہ کہہ دو کہ میری پہلی بیوی نہیں ہے تو میری اس کی لڑائی ختم ہو جائے گی اور میرے بال بچوں کی زندگی بن جائے گی کیا میری اور میرے بچوں کی خاطر تم ایسا کر لو گے

ناگ جالاد کو ایک احمق سا سیدھا سادا آدمی سمجھتا تھا اس نے کہا۔

ہاں میں تمہارے بال بچوں کی خاطر یہ جھوٹ بول دوں گا اس خیال سے کہ اس جھوٹ میں تمہارے گھر کی بھلائی ہے تم دونوں گھروں میں امن قائم رکھ سکو گے۔

تو پھر آج شام ہی میرے ساتھ چلو۔

ناگ نے پوچھا۔

لیکن ہمیں کس جگہ جانا ہو گا۔

جالاد نے جھٹ جواب دیا۔

بس یہی دریا کنارے۔ وہاں میں نے ایک جھونپڑا ڈال رکھا ہے اس

جھونپڑے میں میری بیوی بچے رہتے ہیں۔

بہت اچھا میں تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔

خدا تمہیں خوش رکھے ناگ میاں! مجھے تم سے یہی امید تھی تم بڑے نیک اور دل کا درد رکھنے والے نوجوان ہو میں شام کو آ کر تمہیں لے چلوں گا تم تیار رہنا۔

میں تیار رہوں گا۔

ناگ واپس کمرے میں آیا تو ماریا نے پوچھا۔

ناگ بھائی! میں نے کھڑکی میں سے دیکھا تھا تم جلاد سے کیا باتیں کر رہے تھے؟

ناگ نے ساری بات سنائی تو ماریا بولی۔

بھائی تم بھی بڑے بھولے ہو، یہ شخص بڑا پتھر دل کا آدمی ہے اس کا کوئی بھروسہ نہیں جو شخص بڑے سکون سے دوسرے انسان کی گردن اتار دیتا ہے اس پر تم کیسے بھروسہ کر سکتے ہو۔

ناگ ماریا کی بات سن کر ہنس دیا۔

ماریا بہن۔ تم کو وہم ہو گیا ہے یہ شخص بڑا ہی احمق اور بیوقوف قسم کا آدمی ہے میں تو حیران ہوں کہ یہ جلاد کیسے بن گیا۔؟

تم چاہے جو بھی کہو مگر مجھے تو یقین ہے کہ یہ شخص تمہیں کسی جال میں پھنسانا چاہتا ہے تمہیں اس سے خبردار رہنا چاہیے اور میری مانو تو اس کے ساتھ رات کو دریا پار مت جاؤ۔

ناگ بولا۔

بھئی دریا پار تھوڑے جاتا ہے اس کے ساتھ تو دریا کے کنارے جانا ہے اور پھر یہ اس کی گھریلو زندگی کے امن کا سوال ہے دونوں بیویاں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں میں ذرا جا کر اس عورت سے دو بول کہہ دوں گا تو اس کے گھر میں ساری لڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔

ماریا نے کہا۔

میں جانتی ہوں ناگ بھائی تم باز نہیں آؤ گے۔ تم ضرور جا کر ہی رہو گے چلو ٹھیک ہے مگر میری مانو تو خبردار رہنا........

ناگ نے کہا۔

خبردار تو میں ہر وقت رہتا ہوں یہ کوئی کہنے کی بات ہے ماریا نے پھر عنبر کا ذکر چھیڑ دیا۔

خدا جانے عنبر بھائی کہاں ہے اور کس حال میں ہے اس کی تو کوئی خبر تک نہیں ملی۔ ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا ہے پتا نہیں اس کم بخت وزیر اور سپہ سالار نے اسے کہاں گم کر دیا ہے کہ اس کی خوشبو تک کہیں سے نہیں آ رہی۔

ناگ بھی عنبر کو یاد کر کے اداس ہو گیا۔

دل تو میرا بھی بھائی کی یاد میں بڑا اداس رہتا ہے مگر کسی سے کوئی بات

نہیں کر سکتا کئی بار خیال آیا کہ تمہیں ساتھ لے کر اس شہر سے عنبر کی تلاش میں نکل پڑوں پر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ عنبر ایک طاقت ور انسان ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو گا زندہ ضرور ہو گا۔ بس اس کی جدائی سے دل بے تاب سا ہو جاتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

میرا تو دل کہتا ہے کہ عنبر اس شہر میں نہیں ہے اسے یا تو رسیوں سے باندھ کر کسی تہہ خانے میں پھینک دیا گیا ہے اور یا اسے جہاز پر سوار کروا کر یہاں سے چلتا کر دیا ہے تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ہاں کسی وقت میرے دل میں بھی یہ خیال آتا ہے کہ اسے یہاں سے اغوا کر کے کسی دوسرے ملک میں پہنچا دیا گیا ہے مگر پھر سوچتا ہوں کہ اتنے دنوں تک عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر نہیں رکھا جا سکتا اگر اسے موقع

ملتا تو وہ ضرور فرار ہو کر ہم تک پہنچ جاتا، ایسا بھی نہیں ہوا۔

بادشاہ سلامت نے بھی اپنی فوج اور جاسوسوں سے ملک کے چپے چپے چھان مارا ہے لیکن عنبر کی کوئی خبر نہیں مل سکی میرا تو خیال ہے کہ میں وزیر کو قابو میں کر کے اس سے پوچھوں کہ بتاؤ عنبر کہاں ہے؟

ہاں یہ خیال اچھا ہے لیکن اس طرح وزیر کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک غیبی عورت عنبر کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے اس سے یہ بھی بھید کھل جائے گا کہ مجھے ایک غیبی عورت کی امداد حاصل ہے جو کہ ہم کسی کو نہیں بتانا چاہتے ہاں اگر عنبر کی زندگی اور موت کا سوال ہوتا تو میں تمہیں اس کی اجازت دے دیتا مگر ایسا نہیں ہے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ عنبر جہاں کہیں بھی ہے زندہ ہے وہ مر نہیں سکتا، اس لئے ہمیں سکون کے ساتھ اور صبر کے ساتھ رہ کر یہاں عنبر کا انتظار کرنا ہوگا، وہ جہاں کہیں بھی ہے ایک نہ ایک دن یہاں ضرور آئے گا۔

ناگ بادشاہ اور شہزادے کو دوائی کھلانے چلا گیا اور ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو ناگ کا پیچھا کرے گی وہ جب جلاد کے ساتھ دریا کنارے والے جھونپڑے میں جائے گا تو وہ اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ ساتھ جائے گی اب وہ شام ہونے کا انتظار کرنے لگی ادھر جلاد بھی اپنی چھری اور تلوار تیز کر رہا تھا آج شام اس نے ناگ کو ہمیشہ کے لئے گہری نیند سلانا تھا اس کے ساتھ ہی اسے سپہ سالار سے انعام کی توقع بھی تھی اور یہ بھی وعدہ تھا کہ سپہ سالار اس کی ماہانہ تنخواہ میں ایک ہزار اشرفیوں کا اضافہ کروا دے گا۔ اتنے پیسوں سے وہ شہر سے باہر پھلوں کا ایک پورا باغ خرید سکتا تھا۔

جلاد بڑے شوق سے چھری تیز کرنے لگا ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

بچو ناگ آج تو میرے ہاتھ سے بچ کر نہ جا سکے گا تو نے بہت سے

لوگوں کو ناکوں چنے چبوائے ہیں مگر تو میرے جال سے بچ کر نہ نکل سکے گا آج تو میں تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دوں گا۔ دیکھتا ہوں آج تمہیں مجھ سے کون چھڑاتا ہے۔؟

شام ہوئی تو جلاد نے چھری اپنی قمیض کے اندر چھپائی اور ناگ کے کمرے کی طرف آ گیا دروازے پر دستک دی تو ناگ نے اسے اندر بلا لیا ناگ اس وقت منہ ہاتھ دھونے کے بعد گرم دودھ پی رہا تھا ماریا کھانا کھا کر سیر کے بہانے باہر گئی تھی اصل میں وہ ایک طرف درخت کے پاس کھڑی جلاد اور ناگ کے وہاں سے جانے کا انتظار کر رہی تھی کہ یہ لوگ دریا کی طرف جائیں اور وہاں ان کا پیچھا کرے۔

ناگ نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور جلاد کو اندر بلا لیا۔

اندر آ جاؤ بھائی! دودھ پیو گے؟

جلاد نے خوش ہو کر کہا۔

نہیں بھائی تمہارا بہت شکریہ میں کھانا کھا کر آ رہا ہوں ساتھ ہی دل میں کہنے لگا بچو جی پی لے دودھ یہ تمہاری زندگی کا آخری پیالہ ہو گا۔

ناگ نے کہا۔

کیا تمہارے بچے جھونپڑے میں ہی ہیں۔؟

ہاں بھائی! بڑی مشکل سے انہیں منا کر لایا ہوں بیوی تو آنے کو تیار نہیں تھی جب میں نے اسے بتایا کہ بھائی ناگ تمہیں قسم کھا کر کہنے کو تیار ہے کہ میری اور کوئی بیوی نہیں ہے تو وہ راضی ہو کر آ گئی ہے بچے بھی ساتھ ہی لیے آئی ہے۔

ناگ نے کہا۔

چلو بھائی میں تیار ہوں۔

شکریہ ناگ بھائی۔

ناگ جلاد کے ساتھ دریا کی سمت روانہ ہو گیا۔

ان کے پیچھے ہی پیچھے ماریا بھی چل پڑی شام ہو گئی تھی رات کا شروع شروع کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا مکانوں اور دکانوں کے اندر شمعدان روشن ہو گئے تھے بازاروں میں لوگوں کی چہل پہل ماند پڑ گئی تھی موسم بھی ہلکا ہلکا سرد ہو گیا تھا ناگ جلاد کے ساتھ باتیں کرتا جا رہا تھا۔

ناگ بھائی! تم اتنے اچھے حکیم ہو کبھی میری بیوی کے دماغ کا بھی علاج کرو، کم بخت کو میرے بارے میں وہم ہو گیا ہے کہ میں اس کو جانی دشمن ہوں دیوتاؤں کے لئے اس کے دماغ سے یہ وہم کا بھوت نکالو نہیں تو میں اسے بھی ختم کر دوں گا۔

ناگ نے کہا۔

کیسی باتیں کرتے ہو بھائی! میری آج کی گواہی سے دونوں مطمئن ہو جائیں گی اور تمہارے گھر میں پھر کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا۔

جلاد نے کہا۔

بھائی تمہیں نہیں معلوم۔ اسے بڑا وہم ہے وہ وہمی عورت ہے میں تو کہتا ہوں کوئی ایسی دوائی مل جائے کہ اسے کھلاؤں اور وہ میری ہر بات کو سچ مان کر گردن جھکا دیا کرے۔

کوئی بات نہیں پھر........ فکر نہ کرو، تمہیں ایک ایسی دوائی دوں گا کہ وہ پھر کبھی تم پر اعتراض نہیں کرے گی مگر تم نے بھی تو دو شادیاں کر کے اپنے گلے میں استروں کی مالا ڈال رکھی ہے تم سے کس نے کہا تھا کہ دو بیویاں گھر میں ڈال لو۔

جلاد سرد آہ بھر کر بولا۔

بس جو ہونا تھا ہو گیا حکیم صاحب۔

ناگ نے کہا۔

پھر اب جو ہو گیا ہے اس کی سزا بھگتو۔

یہی تو ہوتا نہیں بھائی ۔

وہ باتیں کرتے دریا کنارے آ گئے ناگ نے کنارے پر ایک طرف اناس کے پتوں اور ڈالیوں سے بنا ہوا چھوٹا سا جھونپڑا دیکھا اس نے جلاد سے پوچھا ۔

کیا یہی تمہارا گھر ہے ۔؟

ہاں بھائی یہی ہمارا گھر ہے چلو گے وہاں؟ آؤ تمہیں اپنے بچوں سے ملوادوں ۔

اور جلاد بہانے بہانے بڑی مکاری سے ناگ کو جھونپڑے کے پاس لے آیا وہ تو خدا کا شکر تھا کہ ماریا جلاد کا تعاقب کر رہی تھی نہیں تو پتا نہیں کیا ہو جاتا یہ تو یقینی بات تھی کہ جلاد نے تلوار یا چھری کے پیچھے سے ایک ہی وار سے ناگ کی گردن اتار دینی تھی اور ناگ عنبر نہیں تھا کہ اسے کچھ نہ ہوتا وہ یقیناً ہلاک ہو جاتا ۔

ماریا نے بھی چلتے وقت خنجر لے لیا تھا خنجر اس کے کرتے کے ساتھ لگا ہوا تھا جلاد ناگ کو لے کر جھونپڑے میں داخل ہوا تو ساتھ ہی ماریا بھی اندر داخل ہو گئی جھونپڑے میں کچھ برتن پڑے تھے اور کوئی وہاں نہیں تھا ناگ نے پوچھا ۔

بھئی تمہاری بیوی کہاں ہے؟

جلاد نے ہنس کر کہا ۔

میرا خیال ہے بچوں کو لے کر باغ میں گئی ہو گی ابھی آ جاتی ہے اتنی دیر میں تم تھوڑا سا دودھ پی لو ۔

نہیں میاں دودھ تو میں پی کر آ رہا ہوں اس کی ضرورت نہیں ہے تم ایسا کرو جا کر اپنی بیوی بچوں کو بلا لاؤ ۔

جلاد بولا ۔

ابھی جا کر بلا لاتا ہوں تم ذرا وہ صندوق پر سے چادر تو مجھے پکڑا دینا ۔

ماریا ایک دم چوکس ہو گئی اور خنجر لے کر جلاد کے پیچھے آ گئی۔

اس نے جلاد کی آواز میں سے خون کی بو سونگھ لی تھی جونہی ناگ کا رخ دوسری طرف ہوا جلاد نے قہقہہ لگا کر خنجر قمیض میں سے نکالا اور ناگ پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے پلک جھپکتے میں پیچھے سے خنجر پوری طاقت سے جلاد کی پسلیوں میں گھسیڑ دیا خنجر سیدھا اس کے دل کے اندر چلا گیا ایک چیخ مار کر جلاد زمین پر گر پڑا ناگ نے پلٹ کر دیکھا تو ششدر رہ گیا ماریا نے کہا۔

وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا بھائی؟ میں نہ کہتی تھی کہ اس کی باتوں میں نہ آؤ یہ شخص بڑا قاتل ہے ہزاروں کی گردنیں اتار چکا ہے مگر تمہارے کانوں پر اس کا کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا اب بتاؤ میں سچی تھی یا نہیں؟

ناگ ماریا کا بڑا شکر گزار ہوا۔

ماریا بہن تم سچی تھیں۔ اس وقت اگر تم نہ میری مدد کرتیں تو میں کبھی کا ختم

ہو گیا ہوتا......... آؤ اب واپس چلیں اس جلاد کی لاش وزیر اور سپہ سالار کی عبرت کے لئے اسی جگہ رہنی چاہیے۔

انہوں نے جلاد کی تڑپتی ہوئی لاش کو وہیں چھوڑا اور واپس آ گئے۔

تلوار ٹوٹ گئی

عنبر کو بھوکا پیاسا کوٹھڑی میں پڑے سات روز گزر گئے۔

آٹھویں روز سوداگر نے دو غلاموں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر تہہ خانے کی طرف چلا کہ چل کر عنبر کی لاش اٹھاؤ اور سمندر میں پھینک دو اسے

یقین تھا کہ سات روز روٹی اور پانی کے بغیر عنبر مر گیا ہوگا کوئی بھی انسان کم از کم پانی کے بغیر سات روز تک زندہ نہیں رہ سکتا اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھلوا کر دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے عنبر اسی طرح چاق و چوبند پوری طرح صحت مند اور تندرست چٹائی پر بیٹھا مسکرا رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہر روز مرغ پلاؤ کھا رہا ہو، سوداگر نے چلا کر کہا۔

اس مردود کو لے جا کر بادبان کے رسے کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دو۔ یہ چوری چھپے کھاتا پیتا رہا ہے۔

غلاموں نے عنبر کو اٹھایا اور اوپر عرشے پر لے آئے عنبر مسکرائے جا رہا تھا سوداگر کو اس کے مسکرانے پر اور غصہ آ رہا تھا عرشے پر پھانسی دی جانے کی خبر سن کر سارے غلام اور خلاصی جمع ہو گئے سوداگر درمیان میں تلوار لیے کھڑا تھا۔

اس کم بخت کو پھانسی چڑھا دو، یہ ہنس ہنس کر ہم سب کا مذاق اڑا رہا ہے اس کو مذاق کرنے کا مزا چکھا دو۔

غلام افریقہ کے بڑے ہٹے کٹے تھے انہوں نے جھٹ پٹ عنبر کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا اور اسے اوپر کھینچ کر مستول کے ساتھ لٹکا دیا عنبر لٹک گیا وہ پھر بھی ہنس رہا تھا اسے لٹکتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رسے کے ساتھ نہیں لٹک رہا بلکہ زمین کے اوپر کھڑا ہے سوداگر نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا!

اس کی لاش کو دو روز تک لٹکے رہنے دو تیسرے دن اسے اتار کر سمندر کی مچھلیوں کے آگے ڈال دینا۔

عنبر رسے کے ساتھ لٹکا رہا اور غلام اپنے اپنے کام میں لگ گئے ان سب کے خیال میں عنبر مر چکا تھا مگر وہ اس بات پر حیران ضرور ہوئے تھے کہ عنبر تڑپا بالکل نہیں تھا سوداگر بھی اپنے کیبن میں چلا گیا اور کپتان

سے آنے والے جزیرے کے بارے میں باتیں کرنے لگا کپتان کہنے لگا۔

تین دن بعد ہم باماکو کے شہر میں پہنچ جائیں گے۔

سوداگر نے بطخ کی ٹانگ کھاتے ہوئے کہا۔

اس دفعہ میرے پاس زیادہ غلام نہیں ہیں۔ اسلئے دوسرے پھیرے ہمیں افریقہ کے نچلے حصے میں جا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پکڑ کر لانا ہوگا۔

کپتان بولا۔

مالک آپ جو حکم کریں گے غلام اس پر عمل کرے گا لیکن میں پھر آپ سے گزارش کروں گا کہ کریک فائر جزیرے میں چل کر پرانے جاپانی بحری ڈاکوؤں کا دبایا ہوا خزانہ ضرور تلاش کریں میرے پاس اس کا پرانا نقشہ موجود ہے مجھے یقین ہے کہ خزانہ ہمیں ضرور مل جائے گا کہتے ہیں وہ اتنا قیمتی خزانہ ہے کہ پھر ہمیں ساری زندگی غلاموں کو پکڑ کر فروخت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

سوداگر نے جانوروں کی طرح گوشت کھاتے ہوئے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے مگر کریک فائر جزیرہ بے آباد ہے اور کہتے ہیں کہ وہاں بہت زہریلے سانپ ہوتے ہیں وہاں ہم سبھوں کی جان کا خطرہ ہے اور پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ خزانہ مل جائے کیونکہ پرانے بحری ڈاکو بڑے مکار تھے انہوں نے ایسی جگہوں پر خزانہ دبایا ہوگا جہاں سے کبھی کوئی انسان حاصل نہ کر سکے۔

کپتان کہنے لگا۔

سرکار! یہ آپ کا خیال ہے سانپ کسی جزیرے میں نہیں ہوتے، اور پھر ایک بار چل کر کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ مجھے یقین ہے کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے آپ باماکو کی بندرگاہ ہی سے جزیرے کی

طرف سفر شروع کرنے کا حکم دے دیں۔

سوداگر کچھ سوچ کر بولا۔

یہ بتاؤ کہ یہ جزیرہ باباکوکی بندرگاہ سے کتنی دور ہے؟

اگر ہم صبح صبح باباکوکی بندرگاہ سے جنوب مشرق کی طرف سات سو ڈگری پر چلیں اور راستے میں کوئی طوفان نہ آئے تو ہم ساتویں روز کریک فائر جزیرے کے ساحل پر پہنچ جائیں گے۔

سوداگر نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

وہ نقشہ کہاں ہے جس میں خزانے کا راستہ بتایا گیا ہے؟

ابھی دیتا ہوں۔

کپتان نے ایک الماری میں سے چمڑے کے غلاف میں لپٹا ہوا ہرن کی کھال پر بنا ہوا پرانا سا نقشہ نکال کر تپائی پر پھیلا دیا۔

یہ ہے وہ نقشہ جناب! آپ اسے غور سے دیکھیں یہ دیکھیے یہ جزیرے کا جنوب مغربی علاقہ ہے یہاں پام اور ناریل کے بے شمار جھنڈ ہیں یہاں سے چل کر ہم اس جانب ویران اور بنجر ساحل کی طرف آ جاتے ہیں جہاں سوائے خشک ریتلی چٹانوں کے اور کچھ نہیں ہے یہاں دو درخت آپس میں اوپر جا کر گلے مل رہے ہیں ان درختوں سے شمال کی طرف ایک سو قدم کے فاصلے پر ایک چٹان ہے جس کے اندر ایک غار کا دروازہ ہے بس اسی غار میں خزانہ کسی جگہ دبایا ہوا ہے۔

سوداگر دیر تک خزانے کے نقشے کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اسے نقشے نے خاصا متاثر کیا ہے کپتان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ جہاز کو لے کر جزیرے میں جائے اور خزانہ تلاش کرے اصل وجہ یہ تھی کہ وہ خزانہ خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سوداگر کی مرضی کے بغیر وہ جزیرے کی طرف سفر نہیں کر سکتا تھا اس کی چال یہ تھی کہ وہ جہاز کو جزیرے تک لے جائے وہاں جا کر سوداگر اور

دوسرے غلاموں کو قتل کر دے اور خود خزانے اور جہاز پر قبضہ کر کے باقی زندگی آرام و آسائش کے ساتھ گزارے اس سلسلے میں کپتان نے چار جہازیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا یہ چاروں کپتان کے ساتھی تھے اور جہاز چلانے میں اس کی مدد کرتے تھے۔ پانچوں ایک دوسرے کے راز دار تھے مگر کوئی کسی سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا کہ کہیں کسی کو شک نہ پڑ جائے۔

سوداگر نے کہا۔

بہت بہتر ہم بندرگاہ سے سیدھے جزیرے کی طرف چل پڑیں گے۔ لیکن ایک بات میں کھول کر بیان کر دیتا ہوں اگر وہاں خزانہ نہ ملا تو میں تمہیں اسی جزیرے میں سب کے سامنے قتل کر کے پھینک دوں گا۔ کیا یہ تمہیں منظور ہے؟

کپتان نے کہا۔

مجھے منظور ہے آپ گھبرائیں نہیں خزانہ وہاں ضرور ملے گا۔ کپتان نے سوداگر کی یہ شرط اس لئے مان لی تھی کہ وہ تو سوداگر کو وہاں سے جا کر خود قتل کرنے کی سازش تیار کر رہا تھا سوداگر کی کیا مجال تھی کہ کپتان کو مار سکتا کپتان بڑا خوش ہوا کہ وہ کامیاب ہو گیا اور اس کی سازش کا پہلا قدم منزل کی طرف اٹھ گیا ہے سوداگر ویران کریک فائز جزیرے کی طرف جانے پر رضا مند ہو گیا تھا اور کپتان بحری ڈاکوؤں کے خزانے پر قبضہ کر کے دولت مند بننے کے خواب کو پورا ہوتے دیکھ رہا تھا۔

دو دن جہاز کو سمندر میں مزید گزر گئے۔

اس عرصے میں عنبر بادبان کے ساتھ اوپر رسے سے لٹکا رہا

.........تیسرے دن صبح سوداگر نے حکم دیا کہ عنبر کی لاش کو رسے پر سے نیچے اتارا جائے تاکہ اسے مچھلیوں کی خوراک بنا دیا جائے غلام

آگے بڑھے انہوں نے رسی کو ڈھیل دے کر لاش نیچے اتاری .... مگر حیرت سے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی تین دن تین رات تک رسی پر لٹکے رہنے کے باوجود عنبر زندہ تھا صحت مند تھا اور ہشاش بشاش تھا غلام ڈر کر پیچھے ہٹ گئے سوداگر بھی خوفزدہ سا ہو گیا عنبر نے کہا۔

کیا تم لوگوں کو اب بھی یقین نہیں آتا کہ میں زندہ ہوں؟

سوداگر نے تلوار لہرا کر کہا۔

یہ جادوگر ہے اسے قتل کر دوں گا۔

سوداگر نے بڑے زور سے تلوار عنبر کی گردن پر ماری۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عنبر کی گردن اڑ کر سمندر میں گر پڑتی لیکن اس کے الٹ ہوا سوداگر کی تلوار عنبر کی گردن پر لگتے ہی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی دستہ سوداگر کے ہاتھ میں رہ گیا اور تلوار ٹوٹ کر سمندر میں گر گئی۔ اب تو سارے

غلام سجدے میں گر پڑے۔

تم دیوتا ہو .... ہم دیوتا کو سلام کرتے ہیں۔

عنبر نے بڑی شان سے مسکرا کر طنز کے ساتھ سوداگر کو دیکھا اور کہا۔

کیوں اے ظالم! انسان کیا اب بھی تمہیں محسوس نہیں ہوا کہ ظلم کی ناؤ آخر ایک دن ڈوب جاتی ہے کیا تمہیں یقین نہیں آیا کہ میں غیر فانی ہوں اور مر نہیں سکتا یاد رکھو اگر تیرے جہاز کے سارے غلام تلواریں لے کر مجھ پر ٹوٹ پڑیں تو بھی مجھے ایک زخم تک نہیں لگا سکتے ہاں اگر میں چاہوں تو ایک ایک کر کے تم سب کو قتل کر سکتا ہوں۔

سوداگر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے دیوتا۔! مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہوئی آج سے تم نہیں بلکہ میں تمہارا غلام ہوں۔

اور سوداگر عنبر کے قدموں پر گر پڑا عنبر نے اپنا پاؤں اٹھا کر ظالم سوداگر

کے سر پر رکھ دیا اور گردن اٹھا کر کہا۔

دیکھ لو اے جہاز پر رہنے والے غلامو اور اس سوداگر کے ساتھیوں! میں آج سے تمہارے مالک کا مالک ہوں مگر تم میرے غلام نہیں ہو تمہارا مالک میرا غلام ہے میں اسی پر اسی طرح حکم چلاؤں گا جس طرح یہ کبھی مجھ پر حکم چلایا کرتا تھا۔ میں اگر چاہتا تو جب یہ مجھے ہنٹر مارا کرتا تھا تو اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیتا مگر میں نے اسے معاف کیا اور ایسا نہ کیا میں آج بھی اسے معاف کرتا ہوں...... مگر یہ میرا غلام بن کر رہے گا میں جو اسے حکم دوں گا اسے وہی کرنا ہوگا کیوں بولو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟

سوداگر نے سر اٹھا کر کہا۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مالک! آپ میرے مالک ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں آپ جو مجھے حکم دیں گے میں اسے بجا لاؤں گا۔

عنبر نے بلند آواز سے کہا۔

تم اٹھ کر وہاں بیٹھ جاؤ۔ کپتان کہاں ہے؟ اس کو بلایا جائے کپتان اسی جگہ چھپ کر کھڑا تھا وہ اپنے خاص راز دار آدمیوں کے ساتھ کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اب سوداگر کے ساتھ ساتھ عنبر کو بھی ختم کرنا ہوگا تاکہ کہیں وہ خزانے پر قبضہ نہ جما لے۔ مگر عنبر تو مر نہیں سکتا تھا اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ عنبر کو کسی بندرگاہ پر اتار کر جہاز لے کر بھاگ جائے گا پھر راستے میں سوداگر اور اس کے ساتھیوں کو سوتے میں ہی ختم کر دے گا اب وہ عنبر کی خوشامد کر کے ہی وقت گزارنا چاہتا تھا چنانچہ جب عنبر نے اسے بلایا تو اس نے جھک کر کہا۔

میں حاضر ہوں میرے آقا۔

عنبر نے کہا۔

اگر تم ایک ایمان دار کپتان ہو اور تمہیں اپنی زندگی سے پیار بھی ہے تو

مجھے صاف صاف بتاؤ کہ ہم کسی بڑے شہر کے ساحل پر کب پہنچیں گے؟

ہم پرسوں صبح بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے۔

بہت خوب، بس اب تم جا سکتے ہو مجھے تم سے یہی پوچھنا تھا ہاں ایک بات اور بتاؤ جس بندرگاہ پر ہم پہنچیں گے کیا وہاں سے مجھے کوئی ایسا جہاز مل جائے گا جو واپس جاپان کے ملک کو جا رہا ہو۔

آقا ایاما کو بندرگاہ سے مہینے میں ایک بار جہاز جاپان کو جاتا ہے یہ وہاں چل کر ہی معلوم ہوگا کہ جہاز کس روز جاپان جا رہا ہے اس کے سوا اور کوئی جہاز وہاں سے جاپان کو نہیں جاتا۔

شکریہ تمہارا کپتان اب تم سے میری ملاقات ساحل پر پہنچ کر ہوگی اور یقیناً وہ ہم دونوں کی آخری ملاقات ہوگی۔

کپتان بڑا خوش ہوا کہ عنبر بندرگاہ پر پہنچ کر اس سے جدا ہو رہا تھا وہ یہی چاہتا تھا کہ عنبر بن کر جو نئی مصیبت اس پر نازل ہوئی ہے وہ اپنے آپ ہی ٹل جائے کیونکہ عنبر کو ٹھکانے لگانا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کا ہاتھ چوم لیا۔

آپ ایک عظیم دیوتا ہیں۔ آپ کو میرا دلی سلام قبول ہو۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔

شکریہ کپتان صاحب! مجھے تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں اور ہاں سوداگر آقا اور میرے غلام............اب تم بھی اپنے کمرے میں نہیں بلکہ اس تہہ خانے میں جا سکتے ہو جہاں تم نے مجھے قید کر رکھا تھا۔

غلامو! اس نئے غلام کو اٹھا کر تہہ خانے میں پھینک دو۔

غلاموں کی بھلا کیا مجال تھی کہ وہ عنبر کا حکم نہ مانتے انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے عنبر کی ایسی طاقت دیکھی تھی کہ وہ تھر تھر کانپنے لگے تھے انہوں نے اسی وقت سوداگر آقا کو کندھوں پر اٹھایا اور تہہ خانے

کے فرش پر پھینک آئے وہ انہیں آوازیں ہی دیتا رہ گیا کہ کم بختو مجھے یہاں کیوں گھسیٹے جا رہے ہو؟ میں تمہارا آقا ہوں میں اس جہاز کا مالک ہوں لیکن کسی بھی غلام نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا وہ کل تک اس کے آگے سر جھکاتے تھے اور آج اس کو اٹھا کر قید خانے میں پھینک آئے تھے۔

عنبر نے نیچے جا کر رخسانہ بہن سے ملاقات کی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بہن! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ اب میرا وعدہ نبھانے کا وقت آ گیا ہے۔

شکریہ میرے بھائی! مجھے تم سے ایسی امید ہی تھی۔

جہاز پر اس وقت عنبر کی حکومت تھی لیکن اسے حکومت کی خواہش نہیں تھی وہ بھی چاہتا تھا کہ جہاز جلد سے جلد بندرگاہ پر پہنچے اور وہ وہاں پہنچ کر سارے غلاموں کو آزاد کر دے اور پھر دوسرے جہاز پر سوار ہو کر واپس جاپان اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے پاس پہنچ جائے۔

۱۔ جہاز کا کپتان سوداگر کو قتل کر کے اس سے خزانے کا نقشہ چھین لیتا ہے۔

۲۔ ایک جادوگر کی روح نے ویران محل کے اندر ماریا کو پتھر بنا کر تابوت میں بند کر دیا۔

۳۔ عنبر اور ناگ ماریا کو تلاش کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

۴۔ جہاز کا کپتان خزانے تک پہنچ جاتا ہے لیکن وہاں ایک خوفناک سیاہ ناگ دولت پر پہرہ دے رہا ہے۔

د خزانے کو حاصل کرنے میں کون کہاں تک کامیاب ہوا یہ سب کچھ جاننے کے لئے اس ناول کی اگلی سیریز کے اکتیسویں 31 حصے "سانپ دیوتا" میں ملاحظہ کیجیے۔

ختم شد

عنبر ناگ ماریا

(قسط نمبر ۳۱)

صاحب اور دیوتا

اے حمید

فہرست

خزانے کی تلاش

غار والا مقبرہ

ماریا پتھر بن گئی

سانپ دیوتا

پراسرار جنگل

خزانہ مل گیا

جہاز میں آگ

جادوگر زمبو

کالا جادو

شاہی قبرستان

خزانے کی تلاش

بندرگاہ دور سے دکھائی دینے لگی۔

سوداگر کے بادبانی جہاز کے بادبان اتار دیے گئے۔ جہاز کم رفتار کے ساتھ چلتا ہوا بندرگاہ کے ساتھ جا لگا۔ وہاں کے لوگوں کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ جاپان کے سمندری جزیروں سے ایک جہاز غلاموں کو بھر کر لا رہا ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگ وہاں غلام خریدنے کے لیے پہلے ہی سے موجود تھے۔ سوداگر نے عنبر سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دوبارہ

کبھی زندگی میں غلاموں کی تجارت نہیں کرے گا۔ وہ عنبر کا بے حد احترام کرتا تھا اور اس کی طاقتوں سے خوف بھی کھاتا تھا۔ مگر کپتان کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے تھے۔ کپتان نے سازش کر رکھی تھی کہ وہ خزانے کی تلاش میں جاتے ہوئے راستے میں سوداگر کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دے گا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہاز پر قبضہ کر کے خزانے کی تلاش وہ خود کرے گا۔ اس سازش میں کپتان کے ساتھ جہاز کے دس بارہ جہازی بھی شریک تھے۔

عنبر جہاز کے عرشے پر سوداگر اور کپتان کے ساتھ کھڑا سیڑھی لگنے کا انتظار کر رہا تھا۔ رخسانہ بھی عنبر کے پاس ہی کھڑی تھی۔ سوداگر نے رخسانہ کو آزاد کر دیا تھا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ رخسانہ کو یابا کی بندرگاہ پر اس کے ایک رشتے دار کے حوالے کر دے گا۔ رخسانہ کا یہ رشتے دار شہر کے اندر ریشمی قالینوں کا کاروبار کرتا تھا۔ بندرگاہ کے قلی سیڑھی اٹھا کر جہاز کے ساتھ لگا رہے تھے۔ سوداگر نے عنبر سے کہا۔

"آپ یہاں دوسرے جہاز کا انتظار کریں گے یا میرے ساتھ آگے چلنے کا ارادہ ہے؟ میں یہاں سے چار دن کا سفر کر کے دوسرے شہر سے تجارت کا مال لے کر واپس جنوبی افریقہ چلا جاؤں گا۔ اگر آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو میں جنوبی افریقہ سے آپ کو جاپان جانے والے جہاز میں سوار کروا دوں گا"۔

عنبر نے پوچھا

"اس بندرگاہ سے مجھے جاپان جانے والا جہاز کب مل سکے گا؟"

کپتان نے کہا

"یہاں سے اب ایک ماہ کے بعد جاپان کو جہاز جائے گا۔ کیونکہ ابھی دس روز ہوئے یہاں سے ایک جہاز جا چکا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایک مہینہ اس اجنبی بندرگاہ پر رک کر جہاز کا انتظار کرنا ہوگا"۔

کپتان نے کہا

"جی ہاں' لیکن اگر میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو بہتر ہوگا۔ اگر آپ کی مرضی اس شہر کی سیر کرنے کی ہے تو میں آٹھ روز بعد یہاں سے گذروں گا۔ میں واپسی پر آپ کو یہاں سے لے چلوں گا"۔

عنبر بولا:

"ہاں' میرا خیال ہے' یہ تجویز زیادہ اچھی لگتی ہے۔ میں آپ کا اسی بندرگاہ پر آٹھویں روز انتظار کروں گا۔ اس دوران میں اس نئے شہر کی سیر بھی ہو جائے گی اور رخسانہ بہن کو بھی اس کے رشتہ داروں کے حوالے کر دوں گا"۔

سوداگر نے کہا:

"کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟"

عنبر بولا

"ہاں' یہ میرا آخری فیصلہ ہی سمجھیں"۔

اتنی دیر میں سیڑھی جہاز کے ساتھ لگا دی گئی۔ سب سے پہلے عنبر، سوداگر اور رخسانہ نے زمین پر قدم رکھا۔ عنبر' رخسانہ کو لے کر اس کے رشتے دار دار کے ہاں چل دیا۔ ان کے بعد جہاز پر سے غلاموں کو زنجیروں میں جکڑ کر اتارنا شروع کر دیا گیا۔ عنبر کے کہنے پر سوداگر نے عورتوں اور بچوں کو بھی آزاد کر دیا تھا۔ اسی وقت بندرگاہ پر منڈی لگ گئی۔

غلاموں کو بولی دے کر نیلام کیا جائے گا۔ امیر لوگ غلاموں کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کر خرید رہے تھے۔ جن عورتوں اور بچوں کو آزاد

کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک طرف بیٹھے آپس میں خوش ہو ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں اتنے پیسے دے دیئے گئے تھے کہ وہ دوسرے جہاز کا کرایہ ادا کر کے واپس جاپان اپنے وطن جا سکیں۔

عنبر نے سوداگر سے کہا تھا کہ وہ رخسار کو اس کے رشتے داروں کے حوالے کر کے شام تک واپس جہاز پر آ جائے گا۔ عنبر وہ رات جہاز پر ہی بسر کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر تک سارے کے سارے غلام فروخت کر دیئے گئے۔ غلاموں سے جہاز خالی ہو گیا تو سوداگر نے کپتان سے کہا۔

''ہمیں کل تک کھانے پینے کا سارا سامان جہاز میں ڈال لینا چاہیے تاکہ اگلا سفر آسانی سے کٹ جائے:

کپتان اصل میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ سوداگر وہاں سے آگے دوسری بندرگاہ پر تجارت کا سامان خریدنے جائے۔ اس کی خواہش تھی بلکہ

چال بھی تھی کہ سوداگر کو اسی جگہ سے گمنام جزیرے کی طرف لے جایا جائے تاکہ راستے میں اس کام کے لیے کپتان نے اپنے ساتھیوں کو بالکل تیار کر رکھا تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ سوداگر عنبر سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ وہاں سے آگے تجارتی مال خریدنے جائے گا تو اسے اپنی چال ناکام ہوتی نظر آئی۔ اس نے سوداگر سے کہا:

''حضور، آپ شاید جزیرے والے خزانے کو بھول گئے ہیں''۔

سوداگر بولا:

''ارے ہاں خوب یاد دلایا۔ میں تو خزانے کو بھول ہی گیا تھا۔ تمہارے پاس تو اس کا پورا نقشہ موجود ہے''۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

''حضور، ایک بار آپ خزانے پر پہنچ گئے تو ساری زندگی کاروبار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اتنی دولت، اتنے ہیرے

جواہرات ہاتھ لگیں گے کہ آپ کی اولادیں سکھ چین کی زندگی بسر کریں گی۔ پھر آپ کو سمندروں میں بھٹکتے پھرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ساری زندگی عیش آرام سے گزرے گی۔"

سوداگر بولا:

"تمہاری بات میرے دل کو لگتی ہے۔ اگر خزانہ مل گیا تو پاؤ بارہ ہو جائیں گے۔ میں بھی اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔

کپتان نے کہا:

"اور سرکار آپ نے عنبر سے وعدہ بھی کرلیا ہے کہ آئندہ غلاموں کی تجارت نہیں کریں گے۔ تو پھر یہ نقصان اسی طرح پورا ہوگا کہ آپ خزانے کو حاصل کریں۔ خزانے کے جواہرات فروخت کر کے آپ اس قسم کے سات جہاز اور تیار کروا سکتے ہیں۔ آپ کا ہر بندرگاہ پر ایک عالی شان محل ہوگا۔ آپ کے تجارتی جہاز سمندر میں سفر کریں

گے اور آپ گھر بیٹھ کر آرام سے زندگی بسر کریں گے"۔

سوداگر پیسے اور دولت کا بڑا لالچی تھا۔ مکار کپتان نے اسے کچھ ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ آگے جا کر تجارتی مال خریدنے کی بجائے کپتان کے ساتھ خزانے کی تلاش میں جانے پر راضی ہوگیا۔ آدھا تیار تو وہ پہلے ہی تھا۔ باقی آدھا تیار کپتان نے اپنی لچھے دار باتوں سے کر دیا۔

ادھر عنبر رخسانہ کو لے کر شہر کے اندر آ گیا۔ یہاں اس نے رخسانہ کے رشتے دار سوداگر کی تلاش شروع کر دی۔ رخسانہ کو اتنا معلوم تھا کہ اس کا ایک ماموں وہاں قالینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ پوچھتے پوچھتے آخر عنبر رخسانہ کے ماموں کی حویلی پر پہنچ گیا۔ یہ بہت خوبصورت اور اونچی لمبی حویلی تھی جس کے باہر دربان کھڑا تھا۔ عنبر نے دربان سے پوچھا کہ حویلی کے مالک کا کیا نام ہے؟ دربان نے نام بتایا تو وہ

رخسانہ کا ماموں نکلا۔ معلوم ہوا کہ رخسانہ کا ماموں اپنے بچوں سمیت کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک ماہ سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ عنبر سوچنے لگا کہ وہ رخسانہ کو کس کے حوالے کرے۔ دربان کو جب معلوم ہوا کہ مالک کی بھانجی آئی تو اس نے بڑے ادب کے ساتھ عنبر اور رخسانہ کو بیٹھک میں بٹھایا اور بولا:

"حضور، آپ پریشان نہ ہوں۔ رخسانہ ہماری بیٹی ہے۔ اسے آپ میری بیوی بچوں کے پاس چھوڑ جائیں۔ ہم ان کے ماموں جان کا نمک کھاتے ہیں۔ ہماری یہ بھی مالکن ہیں۔ یہ ہمارے پاس بڑی ہنسی خوشی رہیں گی۔ اور انہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

عنبر نے رخسانہ سے پوچھا:

"رخسانہ بہن! تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم یہاں رہنے کو تیار ہو؟"

رخسانہ بولی:

"پیارے بھائی، یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں یہاں بڑی خوشی کے ساتھ رہ لوں گی۔ اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ بھی نہیں جا سکتی۔ کیوں کہ تمہیں جہاز کا انتظار کرنا ہے۔ اگر تم بھی میرے ساتھ اس حویلی میں رہ لو تو بڑا اچھا ہو۔ جہاز کی واپسی تک ہم اسی حویلی میں انتظار کریں گے۔ اس طرح سے میرا دل بھی لگ جائے گا"۔

عنبر نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی رخسانہ بہن، میں بھی تمہارے ساتھ اسی حویلی میں رہ جاتا ہوں۔ آخر مجھے بھی تو واپس جاپان ہی جانا ہے"۔

عنبر نے رخسانہ کو دربان کی بیوی بچوں کے حوالے کیا اور خود شہر کی سیر کرتے حویلی سے نکل پڑا۔ یہ بندرگاہ کا شہر تھا۔ سمندر کے تجارتی راستے پر ہونے کی وجہ سے وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ اگرچہ یہ کوئی بڑا شہر نہیں تھا پھر بھی وہاں رونق تھی۔ دکانوں پر لوگ خرید و فروخت کر

رہے تھے۔ باغوں میں بچے جھولے جھول رہے تھے۔ عبادت گاہوں میں عورتیں اور مرد عبادت کرنے جا رہے تھے۔ دوسری طرف کھیتوں میں خریدے ہوئے غلام جانوروں کی طرح کام کر رہے تھے اور ان کے سروں پر مالک ہنٹر لیے کھڑے تھے۔ عنبر سیر کرتے کرتے شہر کے اس علاقے میں آ گیا جہاں ماہی گیر سمندر کنارے کشتیوں میں بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

کافی دیر تک وہ سمندر کنارے کھڑا ماہی گیروں کو گیت گاتے اور مچھلیاں پکڑتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ادھر ادھر کی سیریں کرتا واپس اپنے جہاز پر آ گیا۔ کپتان نے سوداگر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ عنبر کے ساتھ خزانے کی تلاش کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ اس لیے کہ کپتان ڈرتا تھا، کہیں عنبر بھی ساتھ نہ چل پڑے۔ اسے معلوم تھا کہ اگر عنبر بھی ان کے ساتھ گیا تو وہ اپنی چال میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ عنبر

بندرگاہ پر پہنچا تو سوداگر جہاز پر کھڑا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے پوچھا:

”کیا بچی کو اس کا ماموں مل گیا؟“

عنبر نے کہا:

”ماموں تو نہیں ملا، مگر اس کا گھر مل گیا ہے“۔

سوداگر نے کہا:

”چلو اچھا ہوا۔ ایک ذمے داری کا بوجھ تو اتر گیا“۔

عنبر بولا:

”ہاں، لیکن میں نے اسی کی حویلی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رخسار کو خود اس کے ماموں کے حوالے کروں۔ وہ کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ ایک ماہ تک واپس آ جائے گا۔ اتنی دیر تو ویسے بھی مجھے اس شہر میں رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا تھا“۔

سوداگر کہنے لگا:

"ہاں یہ تو ہے۔ میرا ارادہ پرسوں یہاں سے لنگر اٹھانے کا ہے"۔

عنبر سوداگر کے پاس تخت بیٹھ گیا۔

"اتنی جلدی؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم کم از کم ایک ہفتہ یہاں ٹھہرو گے"۔

سوداگر کے قریب ہی کپتان بھی آ کھڑا ہو گیا۔ کپتان کو ڈر تھا کہ کہیں سوداگر اسے اصلی بات نہ بتا دے کہ وہ خزانے کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ سوداگر جان بوجھ کر عنبر سے دل کی بات چھپا گیا اور بولا:

"کھانے پینے کا سارا سامان لاد لیا گیا ہے۔ سوچتا ہوں اب یہاں یوں ہی بے کار کھڑے رہنے سے کہیں اچھا ہے کہ چل کر کاروبار کیا جائے۔ غلاموں کی تجارت چھوڑنے کا نقصان بھی تو پورا

کرنا ہو گا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ایک برے کام سے توبہ کر لی ہے۔ اس کا تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ بہرحال میری دعا ہے کہ تم اپنے کاروبار میں ترقی کرو۔ تم جہاں رہو خوش رہو"۔

سوداگر نے مکاری سے کہا:

"بس مجھے تو تمہاری نیک تمنائیں چاہئیں۔ تم نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی ہے۔ اب مجھے دنیا میں کسی شے کا بھی لالچ نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ دیانت داری سے کام کروں اور جو روکھی سوکھی ملے اسی پر گزارہ کروں"۔

حالانکہ سوداگر پہلے سے زیادہ لالچی ہو گیا تھا اور خزانے کی تلاش میں اپنی زندگی کا خطرہ مول لے رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

"میں تم سے بہت خوش ہوں کہ تم ایک اچھے انسان بن گئے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ساری زندگی انسان ہی بنے رہو گے"۔

سوداگر بولا:

"میں نے ساری زندگی اچھا انسان بنے رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ عنبر، تم زندگی میں جب کبھی بھی مجھے ملو گے ایک اچھا انسان ہی پاؤ گے"۔

کپتان نے جھوٹ موٹ منہ بنا کر کہا:

"ان کے ساتھ ہمیں بھی اب غریبی میں عمر بسر کرنی پڑے گی"۔

عنبر نے کہا

"کپتان صاحب، نیک اور سچی زندگی اگر غریبی میں بھی بسر ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ برے آدمی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا

ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو"۔

سوداگر نے سر جھکا کر کہا:

"واہ واہ! بجا ارشاد فرمایا"۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد عنبر واپس رخسانہ کے پاس چلا گیا۔

دوسرے روز رات گئے تک کپتان اور سوداگر سفر پر روانہ ہونے کی تیاریاں کرتے رہے۔ جہاز کے بادبانوں کی پھر سے مرمت کی گئی۔ پانی اور کھانے کی چیزوں کا اور زیادہ ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ کیونکہ خزانے والے جزیرے کا سفر لمبا تھا۔ شام کو عنبر جہاز پر آیا۔ اور سوداگر سے آخری ملاقات کر کے واپس چلا گیا۔ کیوں کہ صبح جہاز اپنے دشوار سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ سوداگر نے کچھ اور ملاح بھرتی کرنے کا خیال ظاہر کیا تو کپتان نے کہا:

"اس کی کیا ضرورت ہے حضور! جہاز پر اس وقت جتنے ملاح کام کر

رہے ہیں اتنے ہی کافی ہیں"۔

اس لیے کہ کپتان نہیں چاہتا تھا کہ نئے لوگ جہاز پر آئیں۔ اس کے ساتھ جہاز کے آدھے ملاح مل گئے تھے۔ ان کی مدد سے وہ راستے میں ہی بغاوت کر کے جہاز پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

سوداگر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ گمنام جزیرے پر پہنچ کر ہمیں کچھ ملاحوں کو جہاز پر رکھنا ہوگا اور کچھ کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ اس لیے اور لوگوں کا بھرتی کرنا ضروری ہے"۔

کپتان جھٹ بولا:

"حضور! آپ خواہ مخواہ خرچ کیوں بڑھا رہے ہیں؟ مجھے ایک کپتان ہونے کی وجہ سے بڑا تجربہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ اتنے ہی ملاح ہمارے لیے کافی ہیں"۔

سوداگر کپتان کی باتوں میں آ گیا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی"۔

کپتان کی جان میں جان آئی۔ کیوں کہ وہ زیادہ آدمیوں کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اگر نئے لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں تو وہ سوداگر کے وفادار ہوتے۔ سوداگر جہاز کا مالک تھا۔ کپتان کے لیے انہیں بغاوت پر اکسانا ایک مشکل تھا۔ اتنی جلدی وہ نئے لوگوں کو بغاوت کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

رات کو جب سوداگر وغیرہ جہاز پر سو گئے تو کپتان نے اپنے خاص آدمیوں کو کمرے میں بلایا اور کہا:

"وقت قریب آ رہا ہے۔ صبح جہاز اپنے سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ تم لوگوں کو پوری طرح تیار رہنا ہوگا۔ ایک دن کے سفر کے بعد یعنی کل رات کو ہمیں بغاوت کر دینی ہوگی۔ سب سے پہلے ہمیں جہاز

کے مالک سوداگر کو قتل کر کے اس کا سر بادبان کے رسے کے ساتھ لٹکا دینا ہو گا۔ پھر ایک ایک کر کے سوداگر پر سارے کے سارے ساتھی ٹوٹ پڑنا۔ بس پھر ہم جہاز پر قبضہ کر لیں گے اور خود جا کر خزانے کو تلاش کریں گے۔ میرے پاس خزانے کا نقشہ موجود ہے۔ ہم خزانہ حاصل کر کے رہیں گے۔ میں اپنے وعدے کو ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ خزانے کو جہاز پر لانے کے بعد اس کی ساری دولت آپس میں برابر تقسیم کر دی جائے گی"۔

آدھی رات کے بعد یہ لوگ عرشے پر جا کر سو گئے۔

دوسرے دن منہ اندھیرے ہی جہاز کا لنگر اٹھا لیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور موافق ہوا میں جہاز نے بندرگاہ سے کھسکنا شروع کر دیا۔ سوداگر اور کپتان جہاز کے عرشے پر کھڑے بندرگاہ اور شہر کی عمارتوں کو دور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ بندرگاہ کا ساحل نظروں سے ہٹنے لگا اور آخر ساحل سمندر میں گم ہو گیا۔ اس وقت جہاز پانی کی لہروں پر گمنام جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

غاروالا مقبرہ

اب ہم آپ کو واپس جاپان کے شہر کیوشو لیے چلتے ہیں۔

کیوشو میں ناگ اور ماریا شہزادے کے ٹیلے والے شاہی محل میں رہ رہے ہیں۔ ماریا ناگ کے کمرے میں ہی ایک طرف قالین پر پڑ کر سو جاتی ہے۔ اس کا سوائے ناگ کے کسی کو علم نہیں۔ کیونکہ وہ غائب ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ بادشاہ اور شہزادہ پوری طرح تندرست ہو گئے ہیں۔ وزیر اور سپہ سالار نے بادشاہ اور شہزادے کو ہلاک کرنے کی جو سازش کی تھی وہ ناکام ہو گئی ہے۔ اس نے جس جس کو ناگ کے قتل کرنے کے لیے بھیجا وہ خود قتل ہو گیا اور واپس نہ آیا۔ آخری بار جلاد گیا۔ اس کی بھی لاش کمرے میں پڑی ہوئی ملی۔ ناگ نے بادشاہ کو بتایا کہ جلاد اسے مارنے آیا تھا کہ سانپ نے اسے ڈس دیا۔ یہ اس نے نہیں بتایا کہ وہ خود سانپ بن گیا تھا۔

وزیر اور سپہ سالار بڑے پریشان تھے کہ آخر ناگ میں ایسی کون سی بات ہے کہ اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ ایک بات کی انہیں خوشی تھی کہ انہوں نے عنبر کو ختم کر دیا تھا۔ وہ تو کم از کم یہی سمجھ رہے تھے کہ عنبر دریا کی لہروں میں بہتا لاش بن گیا ہوگا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ دور سمندر پار ایک شہر میں رخسانہ کے ساتھ حویلی میں رہ رہا ہے۔ اب انہیں جو پریشانی تھی وہ ناگ کے بارے میں تھی۔ وہ جلدی سے جلدی ناگ کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ناگ ہی ان کے

راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ وزیر نے جھنجھلا کر کہا:

''اس کم بخت کو جانے کیسے زہر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کی جگہ شاہی محل کا کوئی اور حکیم ہوتو اسے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کھانے میں زہر ملا لیا گیا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ناگ چمچ کے ساتھ لگے ہوئے معمولی سے معمولی زہر کی تہہ کو بھی سونگھ کر جانچ لیتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہم بادشاہ اور شہزادے کو زہر نہیں دے سکتے''۔

سپہ سالار بولا:

''میں تو کہتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے کو ہی قتل کر دیا جائے۔ روز روز کی جھک جھک ہی ختم ہو جائے گی''۔

وزیر نے عقلمندی سے سر ہلا کر کہا:

''خبردار سپہ سالار! ایسا کبھی مت سوچنا۔ ایسی خطرناک حرکت کبھی نہ کر بیٹھنا۔ ساری رعایا اور پوری فوج شہزادے اور بادشاہ سے محبت

کرتی ہے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ بادشاہ اور شہزادے کو قتل کر کے ہم تخت پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ ہمیں کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ کام سوائے ہمارے اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے''۔

سپہ سالار نے کہا:

''لیکن آخر ہم کب تک انتظار کرتے رہیں گے؟ نہ بادشاہ مرتا ہے نہ شہزادہ مرتا ہے اور نہ ناگ مرتا ہے۔ آخر ہم کریں تو کیا کریں؟ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟''

وزیر نے سوچ کر کہا:

''ناگ ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسے راستے سے ہٹائے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسے کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگانا ہوگا''۔

''یہ تو ہم دونوں جانتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کم بخت کو

راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟ ایسی کون سی ترکیب کی جائے کہ ناگ ختم ہو جائے؟"

سپہ سالار کی اس بات پر وزیر نے کہا:

"آ گئی ترکیب"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ترکیب میرے ذہن میں آ گئی ہے"۔

سپہ سالار نے پوچھا:

"آخر مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ کیا ترکیب ہے؟"

وزیر نے عیاری سے مسکرا کر کہا:

'یہ تجویز مجھے اس سانپ نے سجھائی ہے جس نے جلاد کو ڈسا تھا۔ ہم ناگ کے کمرے میں زہریلا سانپ چھوڑ دیں گے۔ وہ ایک ایسا سانپ ہوگا۔ جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ یہ سانپ رات کے وقت

ناگ کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے گا۔ صبح کو ناگ مردہ ہوگا"۔

سپہ سالار خوش ہو گیا:

"وزیر میں تمہارے دماغ کی داد دیتا ہوں۔ سچ مچ یہ ایک اچھی ترکیب ہے۔ سانپ کے ڈسنے سے ناگ نہیں بچ سکے گا۔ مگر ایسا سانپ ہمیں کہاں ملے گا؟"

وزیر نے مونچھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا:

"اس کا سب بندوبست میں کر لوں گا۔ میں آج ہی اس ملک کا سب سے زہریلا سانپ حاصل کرتا ہوں۔ میرے ایک دوست کو زہریلے سانپ پالنے کا شوق ہے۔ میں اس کے گھر سے سانپ منگوا کر ناگ کے کمرے میں چھوڑ دوں گا۔ اس دفعہ وہ ہمارے پنجے سے بچ کر نہ جا سکے گا"۔

وزیر نے اسی روز اپنے خاص دوست کو بلایا اور بلا کر کہا کہ وہ اسے

ملک کا سب سے زیادہ زہریلا سانپ لا کر دے۔ وہ ایسا زہریلا سانپ ہو کہ جس کے ڈسنے سے انسان ایک ہی پل کے اندر اندر مر جائے۔ وزیر کے دوست نے کہا:

"سرکار عالی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں کل ہی آپ کی خدمت میں ایسا سانپ پیش کروں گا۔ جس کی پھنکار اگر آدمی کے چہرے پر پڑ جائے تو وہاں چھالے پڑ جائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آدمی گر کر دم توڑ دے"۔

وزیر نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش! مجھے ایسا ہی سانپ چاہیے تھا۔ کل اسے لا کر میرے حضور پیش کرو اور سنو! خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ تم نے مجھے سانپ لا کر دیا ہے"۔

اس نے سر جھکا کر کہا۔

"سرکار! آپ اطمینان رکھیے۔ میں مر بھی جاؤں گا مگر کسی کو یہ نہ بتاؤں گا کہ حضور کو میں نے سانپ لا کر دیا ہے"۔

"ٹھیک ہے! اب تم جا سکتے ہو۔ میں صبح تمہارا انتظار کروں گا"۔

دوسرے دن وہ آدمی سانپ لے کر وزیر کے حضور پیش ہوا۔ وزیر اسے لے کر خاص کمرے میں آ گیا۔ یہاں سپیرے نے اپنے لباس کے اندر سے مٹی کا ایک کٹورا نکالا اور اسے وزیر کے سامنے رکھ کر بولا:

"حضور یہ وہ زہریلا سانپ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اجازت ہو تو میں کھول کر آپ کو دکھا دوں"۔

"ہاں ہاں تمہیں اجازت ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تمہارے ہاتھ سے سانپ گرنے نہ پائے"۔

"حضور، ساری عمر زہریلے سانپوں کو کھلاتے گزری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ سانپ میرے ہاتھ میں آ کر گر پڑے"۔

سپیرے نے کٹورے کے منہ پر لپٹا ہوا کپڑا ہٹا دیا۔ اندر سے سانپ نے پھنکار ماری۔ سپیرے نے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹا اور اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو گردن سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ یہ سانپ سبزی مائل سیاہ تھا۔ اس کے سارے جسم پر زرد رنگ کے داغ تھے۔ اگرچہ وہ چھوٹا تھا مگر اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وزیر سانپ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا، کہنے لگا:

"مجھے یقین ہے یہ وہ کام ضرور کرے گا۔ جسے میرے بہادر سے بہادر وفادار ساتھی بھی نہیں کر سکے"۔

سپیرے نے سر کو جھکا کر کہا:

"جناب عالی! آپ حکم کریں تو یہ سانپ ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کا کام تمام کر سکتا ہے۔ اس کے اندر بہت زہر ہے۔ اس کے زہر سے انسان کا خون سیاہ ہو کر رگوں میں پتھر بن کر جم جاتا ہے اور انسان ستون کی طرح کھنچ کر مر جاتا ہے"۔

"ٹھیک ہے اسے میرے پاس چھوڑ دو"۔

سپیرا سانپ کو وزیر کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ وزیر نے سانپ کا کٹورا ایک صندوق میں بند کر کے اسے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد اس نے سپہ سالار کو بلا کر اسے بتایا کہ سانپ حاصل کر لیا گیا ہے۔

"بس اب اس سانپ کو ناگ کے کمرے میں چھوڑنا باقی ہے"۔

سپہ سالار نے پوچھا:

اور یہ کام کون کرے گا؟ آدمی ایسا ہونا چاہیے جو وفادار اور اعتباری ہو"۔

وزیر کے چہرے پر کمینہ مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا:

"گھبراؤ نہیں سپہ سالار، جو آدمی ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑ کر آئے گا وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اور جب وہ زندہ نہیں رہے گا تو

یہ راز، راز نہیں رہے گا۔ کسی کو پتہ نہ چل سکے گا کہ ناگ کی موت میں ہمارا ہاتھ ہے“۔

سپہ سالار نے کہا:

”ٹھیک ہے، میں بھی تسلی کرنا چاہتا تھا۔“ پھر جھنجھلا کر بولا:

”کم بخت یہ ساری مصیبت صرف اس لیے پیدا ہو رہی ہے کہ رعایا بادشاہ اور شہزادے کو پیار کرتی ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں کب کا ان دونوں کا کام تمام کر چکا ہوتا“۔

سازش کا جال پوری طرح سے پھیلا دیا گیا۔ یہ جال ناگ کے ارد گرد کانٹے دار کی طرح بچھایا جا رہا تھا۔ اور ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ناگ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ وزیر نے شاہی باورچی کو بلا کر کہا کہ اسے ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑنا ہو گا۔ شاہی باورچی پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وزیر اور سپہ سالار شاہی خاندان کے خلاف ہیں۔ وہ خود ان کے کہنے پر بادشاہ اور شہزادے کو زہر دیتا رہا تھا۔ باورچی کا دل یہ کام کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر وزیر کے سامنے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ادب سے جھک کر کہا:

”حضور عالی! میں حاضر ہوں۔ آپ حکم کریں تو میں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں پیش کر دوں گا“۔

وزیر نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا:

”اس وقت ہمیں تمہارے سر کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بھی ضرورت ہوئی تو تمہیں کاٹنے کی زحمت نہیں دیں گے۔ بلکہ خود کاٹ لیں گے۔ اس وقت تمہیں صرف یہ خدمت دی جاتی ہے کہ اس کٹورے میں پڑے زہریلے سانپ کو آدھی رات کے وقت ناگ کے کمرے میں کسی طرح جا کر چھوڑ آؤ“۔

شاہی باورچی بولا:

"بہت بہتر حضور"۔

وزیر نے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو"

باورچی نے سانپ کا کٹورا اپنے لباس کے اندر چھپایا اور وہاں سے چلا گیا۔

جس رات ناگ کے کمرے میں سانپ پھینکنے کی سازش ہوئی اسی رات کو ماریہ نے سوچا کہ وہ ٹیلے کی ترائی والے غار کے اندر جو مقبرہ ہے وہاں جائے اور جا کر دیکھے کہ وہ کون سی ملکہ کی روح ہے جو اپنے بادشاہ کے قتل کے دکھ میں چاندنی راتوں کو بین کرتی ہے۔ اس رات آسمان پر چاند شام ہی سے نکل کر چمکنے لگا تھا۔ چاند کی روشنی میں شہر کے ارد گرد کے جنگل اور باغ صاف جھلکنے لگے تھے۔ ماریہ نے ناگ کو بالکل نہ بتایا کہ وہ غار والے مقبرے کی طرف جا رہی ہے۔ رات کو کھانا آیا تو ناگ نے دروازہ بند کر کے ماریہ کو ساتھ بٹھایا اور دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانے پر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ماریہ نے مقبرے والی ملکہ کا ذکر تک نہ کیا۔ ناگ کو ہرگز ہرگز نہ بتایا کہ وہ آج رات مقبرے میں جائے گی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد شاہی باورچی نے ناگ کے کمرے میں جا کر سانپ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے سیاہ لباس پہنا۔ سانپ والے کٹورے کو جیب میں چھپایا اور آدھی رات کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ بھی کھانے سے فارغ ہو کر شہزادے کے پاس اسے دوائی کھلانے چلا گیا۔ شہزادے کی صحت بڑی اچھی ہو گئی تھی۔ اب وہ بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھتا تھا۔ کہاں تو وہ بستر سے نہیں اٹھ سکتا تھا اور اب گھوڑ سواری بھی کر رہا تھا۔ جنگل میں جا کر شیر اور ہرن کا شکار بھی کر رہا تھا۔

شہزادے سے اجازت لے کر ناگ بادشاہ کے محل میں آ گیا بادشاہ کھانے کے بعد سونے کے پیالے میں قہوہ پی رہا تھا۔ سارے کمرے میں قہوے کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ نے بادشاہ کی خدمت میں جھک کر سلام عرض کیا اور عنبر کی دی ہوئی دوائی کھلائی بادشاہ نے دوائی کھا کر ایک آہ بھری اور کہا:

’’کاش، اس وقت ہمارا پیارا اور ہمدرد بیٹا عنبر بھی یہاں ہوتا، ہمیں تندرست دیکھ کر اسے کس قدر خوشی ہوتی۔ خدا جانے بیچارہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا‘‘۔

ناگ نے کہا:

’’بادشاہ سلامت، عنبر میرا پیارا بھائی ہے۔ اس کے بچھڑ جانے کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔ کوئی رات ایسی نہیں آتی۔ جب میں اسے خواب میں نہیں دیکھتا، اس کی یاد میرے دل سے ایک پل کے لیے

بھی الگ نہیں ہوتی۔ لیکن قسمت میں بھائی بھائی کی جدائی لکھی تھی۔ خدا کرے کہ وہ جہاں بھی ہو خوش ہو اور جلد ہم سے پھر آن ملے‘‘۔

بادشاہ نے کہا:

’’ہمیں سب سے زیادہ فکر اور غم اس بات کا ہے کہ کہیں دشمنوں نے اسے ہلاک نہ کر دیا ہو‘‘۔

ناگ کے منہ سے نکل گیا:

’’وہ مر نہیں سکتا‘‘

بادشاہ نے تعجب سے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

’’کیا مطلب؟‘‘

ناگ کو اب محسوس ہوا کہ اس کے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھی۔ پھر بھی وہ جلدی سے بولا:

’’میرا مطلب یہ تھا بادشاہ سلامت کہ میرا دل کہتا ہے، میرا بھائی مر

نہیں سکتا۔ وہ ضرور زندہ ہوگا۔ وہ بہادر ہے اور اکیلا سات دشمنوں پر بھاری ہے۔ وہ ضرور زندہ ہے اور ہم سے آن ملے گا"۔

بادشاہ سلامت نے کہا:

"خدا تمہاری دعا قبول کرے"۔

ناگ بادشاہ کے محل سے کچھ اداس سا ہو کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا دل اپنے پیارے بھائی عنبر کی یاد سے بوجھل ہو رہا تھا۔ کمرے میں آ کر ناگ نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر وہ عنبر کی یاد میں کھویا رہا اور اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس کمرے میں ماریا بھی اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اس نے ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ماریا بہن، آج بادشاہ سلامت بھی عنبر بھائی کو بہت یاد کر رہے تھے"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ نے دوسری بار یہی جملہ دہرایا:

پھر بھی کوئی جواب نہ آیا تو اس نے چونک کر پوچھا:

"ماریا، تم کمرے میں ہو یا نہیں؟"

کمرے میں ماریا نہیں تھی۔ ناگ نے اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اندر سے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ کیونکہ ماریا کنڈی کھلوائے بغیر اندر نہیں آ سکتی تھی۔ ناگ نے خیال کیا کہ شاید وہ کھانا کھانے کے بعد باہر باغ میں چہل قدمی کرنے گئی ہو گی۔ وہ پلنگ پر بیٹھا رہا اور رات گزرتی گئی۔ ماریا نہ آئی۔ ناگ پریشان ہو کر اٹھا اور باہر باغ میں جا کر ماریا کو دھیمی آواز میں پکارنے لگا۔ مگر کسی جگہ سے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جواب کہاں سے آتا؟ ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔

ماریا اس وقت ٹیلے والے پرانے مقبرے کی طرف جا رہی تھی۔

راستہ ظاہر ہو گیا۔ چاندنی سیڑھیوں میں تھوڑی دور جا کر بجھ گئی تھی۔ ماریا نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا اور خدا کا نام لے کر نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔

سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ کیا دیکھتی ہے کہ پتھر کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی ایک طرف کو جا رہی تھی۔ ماریا اس پگ ڈنڈی پر چل پڑی۔ اب جوں جوں وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اندھیرا زیادہ ہو رہا تھا۔ ماریا کے ایک طرف غار کی دیوار تھی اور دوسری جانب ایک گہری کھائی تھی۔ اس کھائی کے اندر اندھیرا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کھائی کے اندر کیا ہے۔ پگ ڈنڈی ایک جانب آگے جا کر مڑ گئی۔ ماریا بھی ساتھ ہی گھوم گئی۔ اندھیرے میں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی۔ اس نے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔

اب اسے آگے کچھ ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ اس تاریک مقبرے کے اندر روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟ آگے چل کر پگ ڈنڈی ایک چوڑے سے آنگن میں آ کر ختم ہو گئی۔ یہاں اوپر غار کی چھت اونچی تھی اور چھت کے بیچ میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس میں ہلکی ہلکی چاندنی کی روشنی غار میں آ رہی تھی۔ ماریا آنگن کے ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور دھیمی روشنی میں دیکھنے لگی کہ وہاں کیا کچھ ہے؟ سامنے کی طرف دیوار سے ذرا ہٹ کر زمین پر ایک پتھروں کا چبوترہ تھا۔ جس کے اوپر دو قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی بادشاہ اور اس کی ملکہ کی قبریں ہیں۔ بادشاہ کو کئی سو برس پہلے اس کے وزیر نے قتل کروا دیا تھا اور ملکہ کو دریا میں پھنکوا دیا تھا اور اب ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں بین کرتی تھی۔

ماریا کچھ دیر خاموش کھڑی قبروں کو دیکھتی رہی۔

وہاں بڑی گہری خاموشی تھی۔ کسی پتے کے کھڑکنے کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ماریا کو یوں لگا جیسے دور سے کسی کے پتھروں پر سلیپر گھسیٹ کر چلنے کی آواز آ رہی ہے۔ اس نے آواز پر کان لگا دیے۔ سچ مچ یہ کسی ایسے انسان کے قدموں کی آواز تھی جو بڑی آہستہ آہستہ پتھروں کے فرش پر جوتی کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ ماریا کو کچھ خوف سا لگنے لگا تھا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور یاد دلایا کہ وہ ایک بہادر اور دلیر لڑکی ہے۔ اس نے بڑی بڑی ڈراؤنی جگہوں پر اندھیری راتیں بسر کی ہیں اور وہ کئی جن بھوتوں کو مل چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ملک کی روح ہو سکتی ہے۔ پھر کیا ہوا وہ اس سے ملاقات کرے گی۔ اس کا انتظار کرے گی۔ اور دیکھے گی کہ وہ کس طرح بین کرتی ہے۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ ماریا کو کھڑے کھڑے یوں لگا جیسے اس کے دونوں پاؤں بھاری ہو رہے ہیں۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

اس نے اپنا ایک پاؤں ہلانا چاہا تو اسے دقت ہوئی۔ دوسرے پاؤں کو اٹھانا چاہا تو وہ بھی اسے بہت بھاری لگا۔ جیسے کسی نے اس کے پاؤں کے ساتھ وزنی پتھر باندھ دیے ہوں۔ ماریا گھبرا گئی۔ پتھروں پر سلیپر کی گھسٹنے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ ماریا نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے دونوں پاؤں پتھر ہو گئے ہیں اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود وہاں سے ایک انچ بھی اپنے پاؤں آگے نہ کر سکی۔ اب تو اسے پسینہ آ گیا۔ اس پر آنے والی روح کا جو کوئی بھی وہ شے تھی اس کا جادو چل چکا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اس کا باقی جسم بھی بے حس ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے اپنے بازو ہلانے چاہے تو وہ بھی نہ ہلے۔ ہاتھ ہلانے چاہے تو ہاتھ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ گردن کو ہلانا چاہا تو گردن بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماریا نے زور سے چیخ مارنی چاہی، لیکن اس کے حلق سے آواز

بھی نہ نکلی۔ ماریہ ساری کی ساری پتھر بن چکی تھی۔ وہ پتھر کا بت بن کر غار کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ نہ وہ بول سکتی تھی اور نہ ہی اپنی جگہ سے ہل سکتی تھی۔ ماریہ پر آنے والی طاقت ور روح کا جادو چل چکا تھا۔ ماریہ اگرچہ غائب تھی وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن آخر وہ گوشت پوست کی ایک عام عورت تھی۔ اس کے پاس عنبر کی طرح کوئی خفیہ طاقت نہیں تھی۔ وہ بے بس اور مجبور ہو کر کھڑی تھی۔ وہ پتھر بن گئی تھی اور اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں کا نور بالکل نہیں پتھرایا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔

مگر جو کچھ وہ دیکھ رہی تھی اسے بیان نہیں کر سکتی تھی۔

یہ بڑی ناقابل رحم حالت تھی۔

قدموں کی آواز قریب آ کر رک گئی۔ ماریہ کے کان بھی پتھر کے نہیں ہوئے تھے۔ وہ آواز سن رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ سن رہی تھی۔

لیکن نہ ہل سکتی تھی اور نہ بول سکتی تھی۔ یہ ایک عجیب حالت اس پر طاری کر دی گئی تھی۔ وہ کسی غیبی روح کے قابو میں آ چکی تھی۔ اس نے سنا کہ غار کے اندر کسی نے گہرا لمبا سانس لیا ہے۔ ماریہ نے پوچھنا چاہا کہ کون ہے اور اس پر جادو کس لیے کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ تو بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ماریہ نے اپنے آپ کو حالات اور قسمت کے حوالے کر دیا اور پتھر کا بت بن کر اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ ذرا ہل کر زمین پر گری تو ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

اب اسے ایک آواز سنائی دی۔ گہری، پراسرار، سرگوشی ایسی اور نفرت بھری آواز۔۔۔ اس آواز کے لہجے میں بدلہ لینے کا انداز تھا۔

''سنو ماریہ، مجھے معلوم ہے۔ تم ایک غائب لڑکی ہو۔ تمہیں سوائے میرے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم میرے قابو میں ہو۔ میں اس

مقبرے کا بھوت ہوں۔ یہاں ایک ملکہ کی روح کی آواز چاندنی راتوں میں آ کر بین کیا کرتی تھی۔ اس ملکہ کی قبر اپنے بادشاہ کے ساتھ ہے۔ میں نے اس روح کو بھی قابو میں کر لیا ہے۔ مجھے اس ملکہ کی روح سے نفرت تھی۔ میں اس کی روح سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے رونے اور بین کرنے کی آواز سن کر میرا ایک بچہ بھی مر گیا۔ میں نے ملکہ کی روح کو ایک مرتبان میں بند کر کے زمین کے اندر دفن کر دیا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ملکہ کی روح سے ملاقات کرنے جو بھی آئے گا۔ میں اسے بھی پتھر بنا کر اپنے قابو میں کر کے یہاں مقبرے کے اندر ہی دفن کر دوں گا۔ تم جس وقت مقبرے کے اندر داخل ہوئی تھیں تو مجھے پتہ چل گیا تھا۔ میں نے تم کو پتھر بنا کر اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اب تم ساری زندگی پتھر بن کر رہو گی۔ تمہیں کوئی یہاں سے باہر نہیں نکال سکے گا۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم کسی کو نظر نہیں آتی ہو۔ میں تمہیں اٹھا کر ایک تابوت کے اندر ڈال دوں گا۔ اس پتھر کے تابوت میں ایک ہزار برس پہلے چین کی ایک شہزادی کی لاش رکھی گئی تھی جو اب مٹی بن کر اڑ گئی ہے۔ تابوت خالی ہو گیا۔ اس تابوت میں تمہیں لٹا دیا جائے گا۔ ہر آدمی کو تابوت خالی نظر آئے گا۔ کیونکہ تم غائب عورت ہو۔ لیکن اصل میں تم پتھر بن کر اس کے اندر لیٹی ہو گی۔ تمہیں اب کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ تم اس وقت تک زندہ رہو گی جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ تب سب کچھ سنو گی۔ سب کچھ دیکھو گی۔ لیکن نہ بول سکو گی، نہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکو گی۔ نہ تابوت میں سے اٹھ کر باہر نکل سکو گی۔ تمہاری زندگی قیامت کے دن تک اس تابوت کے اندر پڑے ہوئے غیبی پتھر کے بت کی طرح گزر جائے گی۔ آؤ میں تمہیں تابوت میں لٹا دوں"۔

ماریا نے بھوت کی ساری باتیں سنی تھیں اس کا ایک ایک لفظ اس کی

سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جس وقت اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ مقبرے کے اندر جا کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرے۔ وہ ایک خوفناک مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس غار کے اندر اب اس کی ساری زندگی گزرنے والی تھی۔ اتنے میں ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے اپنے لمبے لمبے طاقتور بازوؤں میں اٹھا لیا ہو۔ وہ ایک پتھر کے بت کی طرح بھوت کے بازوؤں پر پڑی تھی۔ بھوت اسے اٹھا کر آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹتا واپس غار میں لے گیا۔ غار میں آگے جا کر اپنے آپ دیوار میں ایک جگہ سے پتھر ہٹے اور دروازہ نمودار ہو گیا۔

بھوت نے دیوار کے پتھر اپنے ہاتھ سے ہٹائے تھے۔ وہ ماریا کو بازوؤں پر لکڑی کی تیلی کی طرح ڈالے دیوار میں سے گزر کر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس کوٹھڑی کی دیواریں پتھریلی تھیں۔ اور چھت نیچی تھی۔ ماریا نے نیم اندھیرے میں دیکھا کہ کوٹھڑی کے درمیان میں پتھر کا ایک کھلا تابوت پڑا تھا۔ بھوت کے ہاتھوں نے اسے تابوت کے اندر لٹا دیا۔ ماریا پتھر کے ستون کی طرح اپنے آپ تابوت کے اندر لیٹ گئی۔ اس نے ہلنے جلنے اور نکل کر بھاگنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ مگر وہ اپنی انگلی کیا آنکھوں کی پلکیں تک نہیں ہلا سکتی تھی۔ بھوت نے اسی پراسرار نفرت بھری آواز میں کہا:

"اب تم قیامت تک اس کوٹھڑی کے تابوت کے اندر پڑی رہو گی۔ کوئی آ کر تمہاری خبر نہیں لے گا۔ کوئی آ کر تمہیں نہیں پوچھے گا کہ تم کس حال میں ہو۔ تم کسی سے بات نہ کر سکو گی۔ تم کسی کی آواز نہ سن سکو گی۔ یہ ہے سزا میرے غار کے اندر داخل ہو کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرنے اور باتیں کرنے کی۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

فضا میں ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز گونجی اور دیوار کے پتھر دوبارہ اپنی جگہ پر چُن دیے گئے۔ ماریا سمجھ گئی کہ بھوت چلا گیا ہے۔ وہ تابوت کے اندر ایک اکڑی ہوئی لاش کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ پتھر کی سرد اور بے جان لاش کی طرح، جس کے صرف کان اور آنکھیں زندہ تھیں باقی وہ ساری کی ساری مردہ تھی۔ ٹھنڈا بے حس پتھر تھی۔ ماریا کو اپنی حالت پر ترس آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اس بند کوٹھڑی میں ماریا کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ بے چاری خود بھی اپنے آنسو نہیں پونچھ سکتی تھی۔ اسے اپنے دونوں بھائیوں عنبر اور ناگ کا خیال آ گیا۔ عنبر بے چارہ پہلے ہی گم تھا۔ اب ماریا بھی گم ہو گئی تھی۔ ناگ کس قدر پریشان ہوگا۔ پہلے بھائی گم ہو گیا۔ اب بہن گم ہو گئی۔ خدا جانے اس پر کیا بیتے گی؟ ماریا کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔ یہ باتیں سوچ کر اس کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو بہنے لگے۔

آنسو اس کی آنکھوں میں سے نکل کر سفید موتی بنتے اور لڑھک لڑھک کر تابوت کے اندر پتھر کی چھوٹی چھوٹی گولیوں کی طرح گر پڑتے۔ ماریا کو آنسوؤں کے موتیوں کے گرنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی کہ اس کے آنسو بھی پتھروں کے چھوٹے چھوٹے موتی بن کر گر رہے ہیں۔

کوٹھڑی کے اندر گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

ہاں اندر خدا جانے کہاں سے اور کدھر سے ہلکی ہلکی روشنی اور ہلکی ہلکی ہوا ضرور آ رہی تھی۔ ماریا اگر گردن ہلا سکتی تو ضرور گردن ہلا کر دیکھتی کہ یہ روشنی اور ہوا کدھر سے آ رہی ہے۔ مگر وہ تو سیدھی سپاٹ پتھر کا بت بنے تابوت کے اندر لیٹی تھی اور اس کی آنکھیں اوپر چھت کو تک رہی تھیں۔ صرف وہ اپنی آنکھوں کے اندر ڈیلوں کو گھما کر تھوڑا

تھوڑا دائیں بائیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں پتھر کی دیوار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ماریا نے جب یہ سوچا کہ اب خدا جانے کب تک اسے ایک بے جان پتھر کی لاش بن کر اس تابوت کے اندر رہنا ہوگا تو اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

رات گزر گئی۔ مگر ماریا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ ناگ نے رات کوئی بار اٹھ کر ماریا کو آواز دی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید وہ آدھی رات کو کسی وقت دروازہ کھول کر اندر آ گئی ہو اور چپکے سے اپنے بستر پر لیٹ گئی ہو۔ لیکن ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی:

صبح اٹھ کر سب سے پہلے ناگ کی نظریں قالین پر اس جگہ گئیں جہاں ماریا سویا کرتی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ نے قریب جا کر قالین کو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا اور آوازیں بھی دیں۔

''ماریا بہن، ماریا بہن''

مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

آدھی رات کو جب ناگ اٹھ کر باہر آیا تھا تو شاہی باورچی سیاہ لباس پہنے سانپ کا کٹورا لیے ذرا پرے کھڑا تھا۔ ناگ باغ میں جا کر ماریا کو تلاش کرنے کا خیال کیا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے میں واپس آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ باورچی کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ وہ کمرے کے اندر سانپ کو چھوڑے۔ باورچی واپس چلا گیا اس نے وزیر کو بتایا کہ رات اسے موقع نہیں مل سکا۔ اس لیے وہ آج رات کو شروع میں ہی سانپ کو اندر پھینکنے کی کوشش کرے گا۔

وزیر نے شاہی باورچی کو بہت ڈانٹا کہ وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''اگر آج رات بھی تم نے ناگ کے کمرے میں سانپ نہ چھوڑا تو

میں یہی سانپ تم پر چھوڑ دوں گا''۔

باورچی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

''سرکار غلطی ہو گئی۔ آج رات چاہے میری جان چلی جائے لیکن سانپ ناگ کے کمرے میں چھوڑ کر رہوں گا''۔

وزیر چلا گیا۔ باورچی رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر دن چڑھا تو ناگ نے ماریا کی تلاش شروع کر دی۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ ماریا کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ صرف آواز دے سکتا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اور سب کے سامنے آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ نہیں تو لوگ پوچھتے کہ بھائی تم کس کو پکار رہے ہو؟ ناگ، بادشاہ اور شہزادے کو بھی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بہن ماریا گم ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ بادشاہ اور شہزادے کو اس نے اپنی بہن ماریا کے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے سے کبھی ذکر تک نہ کیا تھا کہ اس

کی ایک بہن ماریا بھی ہے جو غائب حالت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔

ناگ سارا دن محل کے آس پاس کے باغوں، کھیتوں، ویرانوں اور جنگل میں ماریا کو تلاش کرتا پھرا۔ جگہ جگہ درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے آوازیں دیں:

''ماریا بہن، ماریا بہن، ماریا بہن تم کہاں ہو؟''

لیکن کسی جگہ سے بھی ماریا کی آواز سنائی نہ دی اور آواز سنائی بھی کہاں سے دیتی۔ وہ تو بے چاری غار والے پوشیدہ مقبرے کی ایک اندھیری کوٹھڑی کے تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہوئی تھی۔ ناگ کا دل غم سے بھر آیا۔

پہلے ہی اسے عنبر بھائی کے بچھڑنے کا صدمہ تھا۔ اب اس کی بہن ماریا بھی اس سے جدا ہو گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر ناگ بستر پر گر

پڑا اور اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کی یاد میں بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے کچھ دیر رونے کے بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھا کر سوچنے لگا کہ رونے دھونے کی بجائے اسے ہمت سے کام لے کر ماریا کی تلاش شروع کرنی چاہیے۔ ضرور اسے کسی طاقت ور چیز نے اغوا کر لیا ہوگا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ صبح اٹھ کر وہ جنگل اور پہاڑوں میں ایک بار پھر ماریا کو ڈھونڈنے نکلے گا۔

رات کو جلد ہی ناگ شمع بجھا کر سو گیا۔

سانپ دیوتا

ناگ نے دروازہ کھلا رکھا تھا کہ شاید رات کو ماریا آ جائے۔

ناگ گہری نیند سویا ہوا تھا کہ شاہی باورچی آدھی رات کو دروازے کے باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کٹورا تھا جس میں زہریلا سانپ قید تھا۔ شاہی باورچی نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ باورچی اسی موقع کی تاک میں تھا۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے وقت بالکل نہ

ضائع کیا۔ جلدی سے ناگ کے پلنگ کے پاس جا کر کٹورے کے اوپر سے کپڑا ہٹایا اور سانپ کو پلنگ کے اوپر پھینک کر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باورچی خانے میں جا کر سو گیا۔ اسے یقین تھا کہ سانپ نے اسے ڈس لیا ہوگا اور وہ مر چکا ہوگا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ صبح جب وزیر کو معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن مر چکا ہے تو اسے انعام ملے گا۔

ادھر کا حال بھی سنیں۔ باورچی جس وقت سانپ کا کٹورا ناگ کے پلنگ پر الٹ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا تو سانپ کٹورے سے نکلنے کے فوراً بعد ہوشیار ہو گیا۔ وہ ایک بڑا ہی زہریلا سانپ تھا اور انسان کا تو جانی دشمن تھا۔ آدمی کی بو پا کر وہ فوراً اس کی طرف لپکتا تھا اور اسے ڈس دیتا تھا۔ ناگ کے پلنگ پر سانپ نے ہوشیار ہو کر اپنا پھن پھیلا دیا۔ ناگ بے خبر ہو کر بے سدھ ہو کر سو رہا تھا۔ سانپ نے پھن اٹھا

کر دو تین زور زور سے پھنکاریں ماریں تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی بہت بڑا سانپ، کوئی سانپوں کا بادشاہ اس کے قریب ہی ہے۔ سانپ کا پھن وہیں کا وہیں رک گیا۔

سانپ کو فضا میں سانپوں کے بادشاہ کی خاص بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے سارے بدن پر خوف سا طاری ہو گیا۔ کیونکہ سانپوں کے بادشاہ کے سامنے دنیا کے سارے سانپ ادب سے جھک جاتے ہیں اور اپنا پھن سمیٹ لیتے ہیں۔ سانپوں کے بادشاہ کو سامنے پا کر سانپ کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ پھنکار سکے، اپنا پھن پھیلا سکے یا اپنی گردن بھی اٹھا کر دیکھ سکے۔ یہی حال اس سانپ کا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سانپوں کا سرتاج اور بادشاہ سانپ یعنی ناگ دیوتا کہیں اس کے قریب ہی ہے۔ سانپ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ اس کا پھن اپنے آپ سمٹنا شروع ہو گیا۔

ٹھیک اس وقت ناگ نے کروٹ بدلی۔ سانپ اچھل کر ناگ کے منہ کے پاس آ گیا۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ ناگ نے سانپ کو اور سانپ نے ناگ کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ناگ کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہی سانپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ سانپوں کے بادشاہ‘ ناگ دیوتا اس کے سامنے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سانپ نے پلنگ سے نیچے اتر کر فرش پر ناگ کے آگے گردن جھکا دی۔ ناگ نے کہا:

”تمہیں میرے پلنگ پر آنے کی جرات کیسے ہوئی؟“

سانپ نے اپنی خاص آواز میں جسے صرف ناگ ہی سمجھ سکتا تھا، کہا:

”اے ناگ دیوتا، اے سانپوں کے سردار بادشاہ‘ مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخش دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اگر مجھے پہلے خبر نہ ہوتی کہ مجھے ناگ دیوتا کے کمرے میں پھینک دیا گیا ہے تو میں کبھی یہ ہمت، یہ جرات نہ کرتا، میری کیا مجال کہ میں آپ کے پلنگ کے قریب بھی آ سکوں“۔

ناگ نے آگے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔

”بول اب تیری کیا سزا ہو؟ کیا تیری گردن مروڑ دوں؟“

سانپ کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ اتنا زہریلا سانپ ہونے کے باوجود وہ ناگ کے ہاتھوں میں ریشم کے دھاگے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا:

”اے سانپوں کے سردار بادشاہ، خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہوا غلطی سے ہوا۔ مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخشی کر دو۔ میں ساری عمر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا“۔

ناگ نے کہا:

"چلو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن اب یہ بتا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟"

سانپ نے جواب دیا:

"اے سب سے بڑے سانپ دیوتا، مجھے اس شاہی محل کا باورچی آپ کے کمرے میں پھینک گیا ہے تا کہ میں آپ کو ڈس کر ہلاک کروں۔ کاش مجھے پہلے خبر ہوتی کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ پھر تو میں سب سے پہلے اسی باورچی کو ہلاک کرتا"۔

ناگ کہنے لگا:

"اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس شخص نے میری جان لینے کی کوشش کی ہے، اسے تم جا کر ختم کر دو۔ تا کہ میرا دشمن دوبارہ دشمنی نہ کر سکے"۔

سانپ نے زمین پر سر لگا کر کہا:

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر اے عظیم سانپوں کے بادشاہ میں ابھی آپ کے دشمن سے آپ کے ساتھ دشمنی کا بدلہ لیتا ہوں"۔

ناگ نے ڈانٹ کر کہا:

"جاؤ دفع ہو جاؤ۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے اور خبردار آئندہ مجھے اپنی منحوس شکل نہ دکھانا"۔

"جو حکم عظیم دیوتا"۔

اور سانپ بھیگی بلی کی طرح چپکے سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر ہلکی سی پھنکار ماری اور باورچی کے کپڑوں کی بو پر شاہی باورچی خانے کی طرف رینگنے لگا۔ سانپ کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہوتی ہے اس کے لیے شاہی باورچی کے کپڑوں کی بو ابھی تک سارے محل میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کی بو

کے ساتھ ساتھ راہداری میں سے رینگتا ہوا شاہی باورچی خانے کے دروازے پر آ گیا۔ اندر باورچی گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔ اور اس کے کپڑوں کی تیز بو آ رہی تھی۔

سانپ چپکے سے دروازے کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ باورچی خانے میں شمع جل رہی ہے۔ جس کی دھیمی روشنی میں موٹا تازہ باورچی اپنی توند پر ہاتھ رکھے سو رہا ہے۔ اور زور زور سے خراٹے لے رہا ہے۔ یہی وہ شخص تھا جو ناگ دیوتا کا دشمن تھا اور جس نے سانپ کا ناگ دیوتا کو ہلاک کرانے کے لیے اس کے کمرے میں پھینکا تھا اور ناگ دیوتا کے سامنے ذلیل کروایا تھا۔ اگر ناگ دیوتا کے دل میں رحم نہ آتا تو اس نے سانپ کو ضرور بہ ضرور ہلاک کر دینا تھا۔ سانپ کو باورچی پر سخت غصہ آ گیا۔ پھر اسے ناگ دیوتا کا حکم یاد آیا کہ دشمن کو ہرگز ہرگز معاف نہ کیا جائے۔

سانپ کمرے کے فرش پر سے ہوتا ہے باورچی کے قریب آ گیا۔ اس نے پھن پھیلایا اور باورچی کے منہ کے قریب لا کر اسے جھلانے لگا۔ پھر اس نے زور سے پھنکار ماری۔ پھنکار کی گرم اور زہریلی ہوا لگتے ہی باورچی چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ کیوں کہ گرم سانس نے اس کے چہرے کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ باورچی نے اپنے سامنے زہریلے سانپ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ وہ گھبرا کر بھاگنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے آناً فاناً اس کے پاؤں پر ڈس لیا۔

اس سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ موٹے باورچی کے خون میں جاتے ہی اس نے ایک دم سے سارے جسم کو پتھر کر دیا۔ باورچی چیخ مار کر فرش پر گرا۔ اس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ نوکر دوڑے دوڑے اندر آئے۔ انہوں نے باورچی کو زمین پر مردہ پڑے ہوئے دیکھا اور ایک گہرا سبز

سانپ ان کی آنکھوں کے سامنے کمرے سے نکل کر باہر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کچھ نوکر سانپ کے پیچھے بھاگے۔ لیکن سانپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ خدا جانے وہ کہاں گم ہو گیا تھا؟

سارے محل میں شور مچ گیا کہ شاہی باورچی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور وہ مر گیا ہے وزیر کو صبح معلوم ہوا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ جس سانپ نے ناگ کو ڈسنا تھا اس نے باورچی کو الٹا کیسے ڈس لیا۔ اس سوال کا جواب صرف باورچی ہی دے سکتا تھا کہ کس طرح سانپ اسے تلاش کرتا ہوا باورچی خانے میں آیا اور اسے ڈس کر چلا گیا۔ مگر وہ تو مر چکا تھا۔ بہر حال وزیر کی ایک اور سازش ناکام ہو گئی تھی۔ اس نے سپہ سالار سے مشورہ کیا تو اس نے کہا:

"تمہاری ہر ترکیب اسی طرح ناکام ہوتی رہے گی، اب تم خاموش ہو جاؤ۔ ناگ کو میں خود جا کر قتل کروں گا"۔

وزیر نے گردن ٹیڑھی کر کے سپہ سالار کو دیکھا:

"سپہ سالار اس وقت میدان میں آتا ہے جب ساری فوج جواب دے جاتی ہے"

سپہ سالار بولا:

"فوج جواب دے گئی ہے۔ ہمارا چلایا ہوا کوئی بھی تیر نشانے پر نہیں بیٹھا۔ اب سپہ سالار کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھے۔ لیکن اگر تم یہ کام خود کرنا چاہتے ہو تو میں اپنی جگہ خالی کر دیتا ہوں"۔

وزیر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں، میں یہ گستاخی کیسے کر سکتا ہوں؟ یہ کام تم خود اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ مجھے خوشی ہو گی کہ دشمن تمہارے وار سے گرا ہے۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ یہ حملہ تو کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا حملہ بڑا کاری ہو گا اور ہمارا دشمن اب کے بچ نہیں سکے

گا"۔

سپہ سالار نے بڑے فخر سے کہا:

"میرا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ دشمن نے ہمیشہ مجھ سے شکست کھائی ہے"۔ سپہ سالار اور وزیر نے مل کر یہ سازش تیار کر لی کہ ناگ کو سپہ سالار خود موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اس کے بعد بادشاہ اور شہزادے کو دوبارہ زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے اور تخت پر قبضہ کر کے وزیر خود بادشاہ بن بیٹھے اور سپہ سالار کو وزیر بنا دیا جائے۔ سپہ سالار اپنے بیٹے کو سپہ سالار کی جگہ پر لا کر بٹھا دے۔ یہ ایک عجیب طرح کی کھچڑی تھی جو اندر ہی اندر پکائی جا رہی تھی۔

ادھر ناگ اس سازش سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ بے چارہ اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر کی تلاش میں تھا۔ ماریا کا اسے بہت ہی غم تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ماریا۔ اگرچہ دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اگر وہ ایک بار مصیبت میں پھنس جائے تو اکیلی نکل نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ عنبر تو مر نہیں سکتا تھا۔ مگر ماریا مر سکتی تھی۔ اسے تلوار یا تیر کا زخم بھی لگ سکتا تھا۔ وہ کنوئیں میں گر کر شدید زخمی بھی ہو سکتی تھی۔ ناگ کو بس یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ عنبر تو اپنی حفاظت کر سکتا ہے مگر ماریا نہیں کر سکتی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے اندر اور شہر کے باہر، جنگل، ویرانے اور ٹیلوں میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ وہ ماریا کو آوازیں دے کر بھی بلاتا۔ مگر ماریا کی آواز اسے کہیں سے بھی سنائی نہ دیتی۔ ناگ کی پریشانی کا احساس بادشاہ اور شہزادے کو بھی ہو گیا تھا۔ ایک روز جب ناگ بادشاہ اور شہزادے کو دوائی کھلانے گیا تو بادشاہ نے پوچھا:

"کیا بات ہے ناگ بیٹے! تم کچھ دنوں سے پریشان سے دکھائی دیتے ہو۔ ایسی کون سی بات ہے جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے ہر دکھ کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ آخر

ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ ہمارے پاس بھلا کس چیز کی کمی ہے“۔

شہزادے نے بھی کہا:

”ہاں ناگ بھائی، میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ پچھلے کچھ دنوں سے تم کچھ اداس اداس نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے ہمیں کھول کر بیان کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے“۔

ناگ انہیں کیسے بتاتا کہ وہ اپنی ایک ایسی بہن کی تلاش میں ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے بات کو چھپاتے ہوئے کہا:

”ایسی کوئی بات نہیں بادشاہ سلامت۔ خدا آپ کا اقبال بلند کرے۔ میں بالکل خوش ہوں۔ بس کچھ دنوں سے سر میں درد رہنے لگا ہے“۔

شہزادے نے کہا:

”تم تو دوسروں کا علاج کرتے ہو۔ پھر تمہیں درد کیوں رہنے لگا؟“

ناگ مسکرانے لگا:

”شہزادہ سلامت' انسان آخر ایک کمزور شے ہے۔ بیماری زندگی میں آتی رہتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں دو ایک روز میں اچھا ہو جاؤں گا“۔

بادشاہ کہنے لگا:

”ہم جانتے ہیں کہ تمہیں اپنے بھائی عنبر کے گم ہو جانے کا بھی بڑا دکھ ہے۔ عنبر کا ہمیں بھی صدمہ ہے ہم نے اس کی تلاش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عنبر کو دشمن اغوا کر کے کسی دوسرے ملک میں سمندر پار لے گئے ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو وہ ہم سے ضرور آن ملے گا“۔

ناگ نے کہا:

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے حضور! عنبر میرے دل پر گہرا غم چھوڑ گیا ہے۔ ویسے مجھے امید ہے کہ وہ ایک دن ضرور مل جائے گا"۔

"ہم سے جو ہو سکے گا ہم اب بھی اس کی خاطر کرنے کو تیار ہیں۔ تم اگر چاہو تو ہم اپنے خاص آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں بھی اس کی تلاش میں بھیج سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"اس کی کوئی ضرورت نہیں بادشاہ سلامت عنبر جہاں کہیں بھی ہو گا وہ واپس آنے کے لیے پوری پوری کوشش کر رہا ہو گا اور وہ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اس کا مجھے پورا یقین ہے"۔

اس کے بعد بادشاہ اور شہزادہ وزیر وغیرہ کی سازشوں کی باتیں کرنے لگے۔ بادشاہ نے بتایا کہ وزیر کی ہر چال ناکام ہو گئی ہے اور اب وہ بالکل سیدھا ہو گیا ہے۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے رعایا کے

ساتھ پیش آتا ہے اور بادشاہ کا ہر حکم جھک کر بجا لاتا ہے۔ ناگ نے کہا:

"ہم نے اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ بادشاہ سلامت وزیر کی ہم نے ایک بھی نہیں چلنے دی۔ اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ کا ہر حکم سر جھکا کر تسلیم کرے۔

ناگ بادشاہ کے شاہی کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اس نے کھانا کھانے کے بعد اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دوپہر کو آرام کرنے کے لیے سو گیا۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک باغ میں بڑا خوبصورت تالاب ہے جس کی سطح پر زرد رنگ کے کنول کے پھول کھلے ہیں۔ درختوں پر پرندے بول رہے ہیں۔ کنارے ایک سنگ مرمر کی بارہ دری ہے جس میں ماریا پتھر کا بت بنی کھڑی ہے۔ ناگ اس کے پاس جا کر ہاتھ لگاتا ہے تو وہ ٹھنڈا بے جان پتھر ہے۔

مگر اس کی آنکھوں میں وہی چمک ہے۔ وہ دیکھ رہی ہے مگر بول نہیں سکتی۔ ناگ اسے آواز دیتا ہے۔ ماریا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے مگر وہ سوائے ناگ کو بے بسی سے تکنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ ناگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ماریا کو زور زور سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اچانک ماریا کے جسم میں حرکت ہوئی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے کہا:

"ناگ بھائی، میں پتھر ہوں۔ میں پتھر ہوں"۔

اور ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے۔ کیا ماریا سچ مچ کسی جگہ پتھر بنا دی گئی ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس مقام پر ہے؟ کیا اس کا خواب جھوٹا تھا؟ نہیں اس کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کبھی اسے زندگی میں کوئی جھوٹا خواب نہیں آیا تھا۔ ناگ پریشان ہو گیا کہ

ماریا کس جگہ پتھر بنی ہوئی ہے؟ اسے اتنا معلوم تھا کہ ماریا پر جادو چل جاتا ہے کیونکہ وہ کمزور خیال کی لڑکی ہے۔ اگر اس کا دل مضبوط ہوتا اور خیال طاقتور ہوتا تو جادو نہ چل سکتا۔

پراسرار جنگلی

ماریا پتھر کا بت بنی تہہ خانے والے مقبرے کے تابوت میں پڑی ہے۔

ناگ اس کی تلاش میں ہے۔ سپہ سالار ناگ کو خود قتل کرنے کے لیے میدان میں آ گیا ہے۔ اب ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں اور اس سمندری جہاز کا بھی پتہ کرتے ہیں جو خزانے کی تلاش میں گمنام جزیرے کی طرف جا رہا ہے۔ عنبر کو پاپا بندرگاہ کے شہر میں رخسانہ کے ماموں کی حویلی میں جاپان واپس جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا ہے۔ خزانے کی تلاش میں نکلا ہوا سوداگر کا جہاز کھلے سمندر میں گمنام جزیرے کی طرف سفر کر رہا ہے۔

موسم بڑا خوشگوار ہے۔ جہاز اپنے بادبان کھولے سمندر کی پرسکون لہروں پر چلا جا رہا تھا۔ جہاز کو بندرگاہ سے روانہ ہوئے دوسرا دن ہے۔ آج کا دن بڑا خطرناک دن ہے۔ کیونکہ یہی وہ دن ہے جس کی رات کو جہاز کے کپتان نے بغاوت کر کے سوداگر اور اس کے وفادار ملاحوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ کپتان نے اپنے سارے آدمیوں کو بتا دیا ہے کہ آدھی رات کو بغاوت کے شعلے بلند کر دیے جائیں گے اور سوداگر اور اس کے وفادار ساتھیوں کو سوتے میں ہی ختم کر دیا جائے گا۔

کپتان نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس رات سوداگر کے

ساتھیوں کو آرام کرنے کی چھٹی دے دی تھی اور اپنے آدمیوں کو کام پر لگایا تھا تا کہ سوداگر کے ساتھی سو جائیں اور انہیں سوتے میں ہلاک کر دے۔ کپتان کے سارے آدمی ہوشیار اور چوکس ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سوداگر نے کچھ دیر آرام کیا۔ شام ہوئی تو وہ اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر کپتان کے پاس آ کھڑا ہوا اور باتیں کرنے لگا۔

کپتان سوداگر کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کل وہ اس شخص کے قتل کے بعد اس جہاز کا مالک ہوگا۔ جہاز پر اس کی حکمرانی ہو گی اور سارے کے سارے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ خزانہ پانے کے بعد اپنے آدمیوں میں اسے تقسیم نہیں کرے گا بلکہ صرف چند ایک وفادار ساتھیوں کو تھوڑا بہت حصہ دے گا اور باقی ساری دولت اپنے پاس ہی رکھے گا۔

سوداگر نے کہا:

"تمہارا کیا خیال ہے ابھی ہمیں جزیرے پر پہنچنے میں کتنے دن لگیں گے؟"

کپتان نے کہا:

"نقشے کے مطابق ہم اس وقت جزیرے سے کوئی دو دن اور دو راتوں کے فاصلے پر ہیں۔ اگر ہم اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے اور موسم خوشگوار رہا تو دو دن کے بعد ہم اس جزیرے میں پہنچ جائیں گے جہاں ہیرے جواہرات کا خزانہ ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

سودگار نے خوش ہو کر کہا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم خزانہ حاصل کر سکیں گے؟"

کپتان بولا:

"کیوں نہیں میرے آقا! نقشہ صاف صاف مجھے بتا رہا ہے کہ

جزیرے میں ایک خاص جگہ پر بحری ڈاکوؤں کا بیش قیمت اور انمول خزانہ دفن ہے۔ پھر بھلا ہمیں ناکامی کا منہ کیسے دیکھنا پڑے گا؟"

سوداگر کی باچھیں کھل گئیں:

"خزانہ مل جائے تو پھر میں اس قسم کے کئی جہاز بنواؤں گا۔ پھر سارے سمندری میں میرے ہی تجارتی جہاز چلا کریں گے۔ دنیا کا امیر ترین انسان ہوں گا"۔

سوداگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کپتان نے بھی قہقہہ لگایا اور بولا:

"میرے آقا! اتنی دولت پانے کے بعد ہم غلاموں کو نہ بھلا دیجئے گا۔ ہم ہمیشہ آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں"۔

سوداگر نے کپتان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"گھبراؤ نہیں کپتان، تم میرے دوست بھی ہو۔ میں تمہیں پورے جہازوں کے ایک تجارتی بیڑے کا کمانڈر بنا دوں گا۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے۔ میں تمہیں اپنے سے کبھی جدا نہیں کروں گا"۔

کپتان نے کہا:

"بس حضور ہمیں آپ سے یہی ایک امید ہے کہ آپ ہمیں ہمیشہ اپنے قدموں میں رکھیں گے"۔

سوداگر بولا:

"ضرور ضرور"۔

سوداگر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور کپتان دل میں سوچ رہا تھا کہ میاں سوداگر، کن خیالوں میں گھوم رہے ہو۔ ذرا رات ہو لینے دو پھر تمہیں آٹے دال کا بھاؤ بتا دیں گے۔ تم تو اب آدھی رات تک کے مہمان ہو۔ سوداگر اپنے انجام سے بےخبر تھا۔ اس نے کہا:

"میاں کپتان، خزانے کو ہم جہاز کے خفیہ تہہ خانے میں رکھیں گے اور کسی بھی ملاح کو اس کے بارے میں نہیں بتائیں گے کہ وہ جہاز میں

کس جگہ پر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تم تو خوب جانتے ہو یہ لوگ بڑے لالچی ہوتے ہیں اور تھوڑی سی دولت کے لالچ میں دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی جرات کی تو تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بڑا ظالم انسان ہوں۔ میں ان سبھوں سے نپٹ لوں گا"۔

پھر اس نے ایک طرف نگاہ سکیڑ کر کہا:

"کپتان' آج مجھے جہاز کے عرشے پر بہت کم لوگ نظر آ رہے ہیں۔ باقی ملاح کہاں چلے گئے ہیں؟"

کپتان نے کہا:

"میں نے آدھے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے تاکہ وہ آرام کر سکیں۔ کیونکہ جزیرے پر پہنچ کر انہیں بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ملاح سمندر کی زندگی سے اکتا نہ جائیں"۔

سوداگر نے کپتان کو شاباش دیتے ہوئے کہا:

"تم بہت تجربہ کار اور عقل مند کپتان ہو۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لے رہے ہو۔ جزیرے پر پہنچتے ہی ان لوگوں کو بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ یہ باری باری جتنا بھی آرام کر لیں کم ہے"۔

پھر سوداگر نے جمائی لے کر کہا:

"اچھا بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح ملاقات ہوگی۔

کپتان نے کہا:

"شب بخیر میرے آقا، صبح ملیں گے"۔

کپتان نے دل میں کہا۔ صبح تم کہاں ملو گے؟ صبح تو تمہاری لاش سمندر میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی۔ سوداگر اپنے انجام سے بے خبر کیبن میں جا کر بے سدھ ہو کر سو گیا۔ سوداگر کے دوسرے وفادار

ساتھی بھی عرشے پر سمندر کی ٹھنڈی ہوا میں لیٹ گئے تھے۔ انہیں چھٹی مل جانے کی بڑی خوشی تھی اور وہ کپتان کو دعائیں دے رہے تھے کہ اس نے انہیں آرام کرنے کا موقع دیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کپتان تو ان کے ہمیشہ کے لیے آرام کرنے کا بندوبست کر رہا ہے۔

سمندر میں سورج غروب ہو گیا۔

شام کی روشنی اندھیرے میں بدل گئی۔ سمندر پر رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ کالی کالی لہریں ڈراؤنی لگنے لگیں۔ سوداگر کے آدمی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اگر وہ اس رات غافل ہو کر نہ سوتے تو کبھی موت کے گھاٹ نہ اترتے اور پھر شاید کپتان بھی جہاز پر قبضہ نہ کر سکتا۔ لیکن وہ غافل ہو گئے تھے گنہگار آدمی غافل ہو جاتا ہے۔ وہ سارے آدمی ڈاکو اور قاتل تھے۔ انہوں نے بے شمار

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر کے گناہ کیا تھا۔ قدرت آج ان کو ان کے گناہ کا بدلہ دے رہی تھی۔ یہی حال سوداگر کا تھا۔ وہ ساری زندگی غلاموں پر ظلم کرتا آیا تھا اس نے ہزاروں لوگوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا بچوں کو یتیم کیا تھا۔ ماؤں سے ان کے بیٹے چھینے تھے۔ قدرت اسے بھی اس کے گناہوں کی سزا دے رہی تھی۔ اب وہ دولت کے لالچ میں ویران جزیرے کی طرف جا رہا تھا۔ اگر وہ اب بھی دولت کا لالچ نہ کرتا اور تجارت کرنے کے لیے آگے روانہ ہو جاتا تو بچ سکتا تھا۔ مگر اس نے لالچ کیا کہ خزانہ حاصل کر لوں اور کسی کو نہ دوں۔ سب کو قتل کر کے خود خزانے کا مالک بن جاؤں۔ اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا تھا؟

جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو کپتان چپکے سے اپنے کیبن سے باہر

نکل آیا۔ بغاوت کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تلوار کھینچ لی اور اپنے آدمیوں کو جہاز کے ایک طرف لے کر سرگوشی میں کہا:

"وقت آ گیا ہے۔ سارا کام ہوشیاری سے کرنا۔ میں سوداگر کو جا کر کیبن میں ختم کرتا ہوں۔ تم ایک ایک کر کے فوراً اس کے آدمیوں کو ہلاک کر دینا۔ خبردار کوئی بچ نہ سکے۔ اگر کوئی بچ بھی گیا تو اسے سمندر میں دھکا دے دینا"۔

کپتان نے اشارہ کیا اور سوداگر کے کیبن کی طرف آ گیا۔

کپتان کے آدمیوں نے تلواریں سونت لیں اور سوداگر کے سوئے ہوئے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے سوتے میں ہی قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ کم بخت اس طریقے سے قتل کرتے چلے جا رہے تھے کہ کیا مجال جو کسی کی آواز تک بھی نکل سکے۔ تلوار گردن پر رکھ کر اوپر سے جسم کا پورا بوجھ ڈال دیتے۔ گردن گنڈیری کی طرح کٹ کر دور جا گرتی۔

ایک ملاح کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے زور سے چیخ ماردی۔ باقی لوگ بھی بیدار ہو گئے۔ اب وہاں گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ مگر سوداگر کے آدمی سو کر اٹھتے تھے اور ان پر سستی چھائی ہوئی تھی۔ جب کہ کپتان کے آدمی تازہ دم تھے اور پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے سوداگر کے آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

اوپر شور اور چیخ و پکار کی آوازوں نے سوداگر کو جگا دیا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ اس کے سر پر کپتان تلوار سونتے کھڑا تھا۔ سوداگر نے گرج کر کہا:

"نمک حرام! تمہاری یہ مجال؟"

کپتان نے اس سے پہلے کہ سوداگر تلوار پکڑے ایک زوردار ہاتھ مارا اور سوداگر کا ایک بازو کٹ کر فرش پر گر پڑا۔ سوداگر بھی کسی زمانے میں بحری ڈاکو رہ چکا تھا۔ اس نے حوصلہ نہ ہارا بلکہ ایک ہی ہاتھ سے

تلوار چلانے لگا۔ لیکن اس کا ایک ہاتھ زیادہ دیر تک کپتان کے دو ہاتھوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ پھر خون بہہ جانے سے سوداگر پر کمزوری بھی چھا گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ کپتان حملے پر حملے کر رہا تھا۔ سوداگر اس کا ہر وار بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گیا اور گر پڑا۔ کپتان اس کے گرنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

سوداگر کے گرتے ہی کپتان نے پوری کی پوری تلوار سوداگر کے سینے میں گھونپ دی۔ سوداگر کے ہونٹوں سے ایک آخری چیخ بلند ہوئی اور وہ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ کپتان اسے کیبن میں ہی چھوڑ کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں بھی میدان اب صاف تھا۔ کپتان کے ساتھیوں نے سوداگر کے تمام ساتھیوں کو ختم کر کے لاشیں سمندر میں پھینک دی تھیں۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا:

”شاباش میرے دوستوں، ہم نے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔ جہاز کے ظالم مالک کی لاش اس کے کیبن میں پڑی ہے۔ اسے بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دو“۔

جہاز پر صبح ہونے سے پہلے پہلے کپتان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ سوداگر کی لاش کو کیبن سے گھسیٹ کر عرشے پر لایا گیا اور پھر ملاحوں نے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ کپتان نے اونچی آواز میں اعلان کیا کہ آج سے جہاز کے تمام لوگ آزاد ہیں اور اگر خزانہ مل گیا تو اسے سارے ملاحوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس اعلان پر ملاحوں نے خوشی سے کپتان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ لیکن حقیقت میں کپتان کے دل میں کھوٹ تھا۔ اس نے اپنے خاص ساتھی سے مل کر یہ کھچڑی پکا رکھی تھی کہ خزانہ حاصل کرتے ہی کسی نہ کسی طرح سارے ملاحوں کو جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہ جہاز لے کر اکیلے فرار ہو جائیں گے۔ یہ

ایک بڑی خطرناک سازش تھی۔ اگر ملاحوں کو اس کی خبر ہو جاتی تو وہ کپتان کی تکا بوٹی کر دیتے۔ لیکن وہ بے خبر تھے۔

سورج نکلا تو جہاز کھلے سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

دو دن اور دو راتیں کھلے سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ سفر کرنے کے بعد جہاز کے ملاحوں کو دور گمنام جزیرے کی چٹانیں دکھائی دیں۔ انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے کہ زمین نظر آ گئی۔ کپتان نے نقشہ دیکھا۔ اس کے مطابق وہی گمنام جزیرہ تھا۔ جہاں خزانہ دفن تھا۔ شام کے وقت جہاز جزیرے کے ساحل کے ساتھ لنگر ڈال چکا تھا۔ جہاز پر شمعیں روشن ہو گئیں اور ملاح ساحل کی ریت پر اتر کر ناچنے گانے اور آگ جلا کر کھانا وغیرہ پکانے لگے۔

کپتان ایک خاص ساتھی کے ساتھ مشعل لے کر جزیرے میں تھوڑی دور تک گیا۔ یہاں چاروں طرف پتھروں کی نوکیلی چٹانیں

ابھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ رات کی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ آبادی کا نام و نشان تک نظر نہ آ رہا تھا۔ کپتان نے خیال ظاہر کیا کہ جزیرے پر کوئی جنگلی آباد نہیں ہیں کیونکہ یہ جزیرہ عام سمندری راستے سے بالکل ہٹ کر ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

''کپتان میں نے یہ سنا ہے کہ سمندروں میں جزیرہ خواہ کتنا ہی دور دراز کیوں نہ ہو۔ وہاں کوئی نہ کوئی وحشی قبیلہ ضرور آباد ہوتا ہے''۔

کپتان نے کہا:

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ایسے جزیرے جہاں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو وہاں جنگلی جانور بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے''۔

ساتھی بولا:

"یہ تو صبح ہی معلوم ہوگا۔ ویسے تمہیں یقین ہے کپتان کے نقشے کے مطابق یہی وہ جزیرہ ہے جہاں خزانہ دفن ہے؟"

کپتان نے کہا:

"کیوں نہیں، نقشے میں اسی جزیرے کا نشان لگایا گیا ہے" کپتان اور اس کے ساتھی واپس آ گئے۔

آدھی رات کے بعد سب لوگ سو گئے۔ کچھ جہاز کے عرشے پر لیٹ گئے اور کچھ جزیرے کے ساحل کی ٹھنڈی ریت پر بے سدھ ہو کر سو گئے۔ کپتان اپنے خاص ساتھی کے ساتھ جہاز کے عرشے پر سویا۔ اسے کسی بھی دشمن کا یہاں کوئی خوف نہیں تھا۔ جہاز کا سارے کا سارا عملہ اس کا وفادار عملہ تھا۔ اس لیے وہ بڑی بے فکری سے سو رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد جب یہ سارے لوگ سو رہے تھے۔ جزیرے کی چٹانوں کی طرف سے ایک جنگلی آدمی نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر

صرف گھاس پھونس کی ایک لنگوٹی تھی۔ سارے جسم پر رنگ ملا ہوا تھا۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑا ہوا تھا۔ چٹان کے پیچھے سے نکل وہ ساحل کی ریت پر سوئے ہوئے ملاحوں کے پاس آیا۔ اس نے جھک کر ایک ایک ملاح کو دیکھا۔ پھر تھوتھنی اوپر کر کے ہوا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ وہ جہاز کو سمندر میں کھڑے دیکھنے لگا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس کا سیاہ بدن چمک رہا تھا۔ جنگلی آدمی نے کسی ملاح کو کچھ نہ کہا اور بڑی خاموشی سے جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

دن چڑھا تو ایک ایک کر کے سارے جہازی جاگ پڑے۔

کپتان نے چار ملاحوں کو ساتھ لیا۔ باقیوں کو جہاز کے اوپر رہنے کی ہدایت کی اور نقشہ جھولے میں ڈال کر خزانے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سورج نکل آیا تھا اور جزیرے پر دھوپ چمکنے لگی تھی۔ یہاں گرمی

اور حبس تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کے ساتھ چٹانوں میں سے ہو کر درختوں کے جھنڈوں میں آ گیا۔ درختوں پر ایک بھی پرندہ نہیں تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ صرف دور سمندروں کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کو لے کر نقشے کے مطابق آگے چل پڑا۔

خزانہ مل گیا

کپتان خزانے کے نقشے کا بڑا ماہر تھا۔

وہ نقشے کے ایک ایک نشان اور ایک یک نقطے کو سمجھتا تھا۔ اسے راستہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ چلتے چلتے اسے دو پہر ہو گئی۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ گرمی میں انہیں پسینہ آ رہا تھا۔ ایک جگہ درختوں کی چھاؤں دیکھ کر وہ رک گئے۔ اور آرام کرنے لگے۔

اس جزیرے پر ہر طرف چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ صرف سمندر کے

ساحل کے ساتھ ساتھ درختوں کی قطاریں تھیں اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ نقشے کے مطابق وہاں ایک جگہ چھوٹا سا جنگل تھا جس میں سے گزر کر انہیں ایک چٹیل میدان میں سے نکل کر ان دو درختوں کے درمیان پہنچنا تھا جو ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ بس انہی درختوں کے سائے میں جو چٹان تھی خزانہ اس چٹان کے اندر تھا۔

کپتان کا ساتھی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ باقی جہازی خنجر لگائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کپتان اگرچہ پہلے اس جزیرے پر کبھی نہیں آیا تھا۔ مگر اسے اس قسم کے بے آباد اور گمنام جزیروں میں اتر کر سفر کرنے کا بڑا تجربہ تھا۔ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر ان لوگوں نے تھوڑا بہت کھانا اور پھل کھائے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ کپتان کو بہت دور سے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیے۔ اس نے جھٹ نقشہ

دیکھا اور ساتھی سے کہا:

"میرا خیال ہے یہی وہ جنگل ہے۔ جس کا اس نقشے میں نشان لگایا گیا ہے۔"

ساتھی نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

"ہاں کپتان! یہی وہ جنگل ہے۔ ہم خزانے کے قریب پہنچ چکے ہیں کپتان۔"

کپتان کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی کہنے لگا:

"میرا خیال کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ نقشہ سچا ہے۔ جھوٹا نہیں ہے۔ یہی وہ جنگل ہے جس کے پار چٹان کے اندر سونے اور جواہرات سے بھرا ہوا صندوق ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔"

ساتھی نے خوشامد کے ساتھ کہا:

"کپتان آپ ایک ماہر اور تجربہ کار کپتان ہیں۔ بحری ڈاکو اس

لیے آپ سے تھر تھر کانپتے ہیں کہ آپ ان کے سارے رازوں کو جانتے ہیں۔ آپ ان کی ساری کمزوریوں سے واقف ہیں"۔

کپتان نے اپنے دوسرے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"سنو! ہم خزانے کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ تم لوگ میرے غلام ہو۔ مگر میں تمہیں خزانے میں پورا حصہ دوں گا۔ میں تمہارا حق نہیں ماروں گا نہیں۔ تمہاری محنت کا تمہیں پورا معاوضہ ملے گا۔ لیکن ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا۔ اگر کسی ملاح نے مجھ سے غداری کرنے کی کوشش کی تو اس جزیرے پر سب سے پہلے اسی کا خون بہے گا"۔

ملاحوں میں سے ایک اچھی عمر کے گٹھے ہوئے بدن والے جہازی نے کہا:

"کپتان، ہم کبھی آپ کے ساتھ غداری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور پھر اس وقت غداری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب

ہمیں خزانے میں سے پورا پورا حصہ مل رہا ہے۔ ہم آپ کے وفادار ہیں اور وفادار رہیں گے"۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش! مجھے تم لوگوں سے یہی امید تھی۔ چلو اب اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ ہیرے جواہرات اور سونا ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

جہازی ڈھلے اور چٹانوں، خشک بنجر ٹیلوں اور چھوٹی چھوٹی ویران گھاٹیوں میں سے گزرتے ہوئے جنگل کی طرف چلنے لگے۔ سورج ٹھیک ان کے سروں کے اوپر چمک رہا تھا۔ گرمی کے مارے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ مگر دولت کا لالچ انہیں آگے چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ چلتے گئے۔ جنگل قریب آ گیا۔ یہ پام اور ناریل کے درختوں کا جنگل تھا۔ جس میں بڑے بڑے چوڑے پتوں اور کانٹوں والے گھنے

درخت بھی تھے۔ اس جنگل میں پہنچ کر انہیں کچھ سکون محسوس ہوا۔ یہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں اتنی گرمی نہیں تھی۔ اگرچہ حبس بڑا تھا مگر انہیں دھوپ سے ضرور نجات مل گئی تھی۔

وہ جنگل میں سے گزرتے چلے گئے۔ کپتان اور اس کا ساتھی بار بار نقشہ نکال کر دیکھ لیتے کہ وہ ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ نقشے کے مطابق وہ سیدھے راستے پر چل رہے تھے۔ کپتان اور ساتھی بیچ میں تھے۔ دو ملاح آگے آگے جا رہے تھے اور دو ملاح پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اچانک آگے چلنے والے ملاحوں میں سے ایک ملاح نے زور سے چیخ ماری۔ وہ دلدل میں گر پڑا۔ دوسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چیخ کی آواز سن کر کپتان، اس کا ساتھی اور دوسرے ملاح آگے کی طرف بھاگے۔ چوتھا ملاح دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اس کی کمر تک دلدل پہنچ گئی تھی اور آہستہ آہستہ اسے اندر کو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ وہ چلا رہا تھا۔

"مجھے بچاؤ، کپتان مجھے بچاؤ"۔

کپتان نے رسہ کھول کر دلدل میں اس کی طرف پھینکا۔ دوسرے ملاحوں نے رسے کو درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا۔ رسہ مصیبت میں پھنسے ہوئے ملاح سے دور جا کر گرا۔ کپتان نے دوسری بار رسہ پھینکا تو ملاح سینے تک دلدل میں دھنس چکا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ دلدل باقاعدہ سانس لیتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس قدر تیزی سے ملاح کو اپنے اندر کھینچ رہی تھی جیسے وہ کئی روز سے بھوکی ہو۔

کپتان نے چیخ کر کہا:

"رسے کو پکڑنے کی کوشش کرو"۔

ملاح چیخا:

"آہ کپتان! میں اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتا۔ خدا کے لیے

مجھے بچالو۔ دلدل کے اندر کوئی میرے دونوں پاؤں پکڑ کر نیچے کھینچ رہا ہے۔ مجھے بچاؤ۔“

کپتان کے ساتھی نے کہا:

”رسّی کو پکڑو“۔

ملاحوں نے رسہ دوبارہ اس کی طرف پھینکا اب کے رسہ ملاح نے پکڑ لیا۔ وہ رسے سے پاگلوں کی طرح لپٹ گیا۔ یہی رسہ اب اس کی زندگی کا سہارا تھا۔ ملاحوں نے رسے کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ انہیں تعجب ہوا کہ دلدل میں پھنسا ہوا ملاح اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کر رہا تھا۔ خدا جانے دلدل کے اندر سے اس کی ٹانگوں کو کس طاقت ور شے نے پکڑ لیا تھا کہ پانچ آدمیوں کی طاقت مل کر بھی اسے نہیں نکال سکی تھی۔

اس نے چیخ کر کہا

”کپتان، خدا کے لیے کچھ کرو۔ میں مر رہا ہوں“

کپتان نے ملاحوں کو جھڑک کر کہا:

”کم بختو پوری طاقت سے رسہ کھینچو“

ملاحوں نے کہا:

”کپتان ہم پورا زور لگا رہے ہیں مگر رسہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ اندر سے کسی نے اسے پکڑ لیا ہے“۔

کپتان بولا:

”بدبختو‘ دلدل میں کیا جانور ہو سکتا ہے بھلا۔ زور لگاؤ‘ اور زور لگاؤ۔ میں بھی زور لگاتا ہوں“۔

وہ سب مل کر زور لگاتے رہے اور بدنصیب ملاح دلدل کے اندر ہی اندر اترتا چلا گیا۔ پہلے سینہ اندر تھا پھر دونوں بازو اور کندھے بھی دلدل کے اندر چلے گئے۔ پھر گردن اور اس کے بعد اس کا کھلا ہوا منہ

بھی دلدل کے اندر گم ہو گیا۔ صرف دو آنکھیں رہ گئی۔ جو بے بسی کے عالم میں اپنے ساتھیوں کو آخری بار تک رہی تھی اور ایک آخری چیخ کے ساتھ اس کی آنکھیں اور سر بھی دلدل نے نگل لیا، کپتان، اس کا ساتھی اور دوسرے ساتھی ملاح سب دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے، خدا جانے یہ خوفناک دلدل کس قسم کی تھی کہ چار پانچ آدمی مل کر بھی ایک ملاح کو دلدل میں سے باہر نہ کھینچ سکے۔

کپتان نے کہا:

”اس کی قسمت میں ہی یہ موت لکھی تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ چلو اب آگے بڑھو۔ ہمیں شام سے پہلے پہلے خزانے تک پہنچ جانا چاہیے اور رات ہونے تک واپس جہاز پر بھی پہنچنا بہت ضروری ہے“۔

باقی ملاحوں کو اپنے ایک ساتھی کی اس طرح بھیانک موت کا بڑا دکھ تھا۔ مگر وہ کپتان کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ کھل کر اپنے دوست کی موت پر رو بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کپتان بڑا ظالم شخص ہے اور اس نے جہاز پر سوداگر کو قتل کر کے قبضہ کر رکھا ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا

”چلو ساتھیو، ہمیں ابھی بہت دور چلنا ہے“۔

سارے ملاح کپتان کے ساتھ چل پڑے۔

دوپہر کے بعد وہ جنگل میں سے باہر نکل آئے۔ اب ان کے سامنے ایک چھوٹا سا چٹیل میدان تھا۔ کپتان نے ایک ٹیلے کے اوپر چڑھ کر دیکھا۔ میدان کے دوسری جانب پام کے دو درخت ایک دوسرے کی طرف اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ وہاں ایک کمان سی بن گئی تھی۔ کپتان خوشی سے جھوم اٹھا۔ نقشے کے مطابق یہی وہ جگہ تھی جس کے قریب ہی ایک چٹان کے اندر بحری ڈاکوؤں کا قیمتی خزانہ

دفن تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"دوست، ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ منزل ہمارے قدموں میں آ گئی ہے۔ بس اب تھوڑی ہی دیر میں ہم خزانے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ دیوتا ہم سب پر مہربان ہیں"۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"نقشے نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا۔ ہر جگہ، ہر مقام، ہر جنگل اور درخت ہمیں نقشے کے مطابق ملتے چلے گئے ہیں"۔

کپتان ہنس کر بولا:

"اور اسی طرح اب ہمیں خزانہ بھی مل جائے گا"۔

ساتھی بولا:

"ضرور ضرور"۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ملاحوں اور کپتان کا یہ قافلہ کمان کی

طرح جھکے ہوئے درختوں کے نیچے کھڑا تھا۔ یہ لوگ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔ ان کے بدن پسینے میں تر تھے اور سانس پھولا ہوا تھا۔ مگر انہیں بڑی خوشی تھی کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور خزانے کا نشان مل گیا۔

کپتان نے کہا:

"اب ہمیں وہ غار تلاش کر لی چاہیے جس کے اندر خزانہ دفن ہے۔ یہ غار ایک چٹان میں ہے۔ نقشے کے مطابق اس چٹان کے اوپر ایک پتھر کی شکل کسی بوڑھے کی طرح ہے جو زمین پر جھکا ہوا ہو"۔

درختوں کے آس پاس انہوں نے جھکی ہوئی کمر والے بوڑھے کی چٹان کی تلاش کرنی شروع کر دی۔ ایک ملاح نے خوش ہو کر نعرہ لگایا:

"مل گئی کپتان، چٹان مل گئی"۔

کپتان اور اس کا ساتھی بھاگ کر اس طرف گئے۔ سچ مچ ان کے

سامنے ایک چٹان کھڑی تھی جس کے اوپر ایک بڑا سا پتھر ٹکا ہوا تھا۔ اس پتھر کی کاٹ تراش قدرتی طور پر ایسی ہوئی تھی کہ صاف لگتا تھا کوئی بوڑھا آدمی کمر جھکائے کھڑا زمین پر کچھ تلاش کر رہا ہے۔

"بس اسی چٹان کے اندر کسی غار کا دروازہ ہے"۔

وہ لوگ بڑی بے تابی اور جوش کے ساتھ چٹان میں سے غار کا دروازہ ڈھونڈنے لگے۔ چٹان کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ کپتان اور اس ساتھی لوہے کی ہتھوڑی سے پتھروں کو بجا بجا کر آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک جگہ کپتان نے لوہے کی ہتھوڑی ماری تو اندر سے کھوکھلی آواز سنائی دی۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے دوسری بات ہتھوڑی پتھروں پر ماری۔ اندر سے پھر وہی کھوکھلے پن کی آواز آئی۔ کپتان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"دروازہ اسی جگہ ہے"۔

انہوں نے مل کر چٹان کے پتھروں کو توڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک سل نیچے گر پڑی۔ پتھر کی سل کا نیچے گرنا تھا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ ایک تنگ سا اندھیرا راستہ غار کے اندر جاتا تھا۔ کپتان نے اپنے ساتھی سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ تم لوگ باہر ہی ٹھہرو"۔

باقی ملاحوں کو غار کے منہ پر کھڑا کر کے کپتان اپنے ساتھی کے ہمراہ غار کے اندر اتر گیا۔ کچھ الٹی سیدھی سیڑھیوں کے بعد غار دائیں طرف کو گھوم گئی۔ غار کی چھت نیچی تھی اور انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ غار میں اندھیرا ابھی تھا۔ کپتان نے مشعل نکال کر جلائی اور ہاتھ میں لے کر آگے بڑھنے لگا۔ روشنی میں انہیں راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ذرا کھلی جگہ میں آ گئے۔ یہاں غار کی چھت بلند ہو گئی تھی اور سامنے ایک پتھروں کا چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔

کپتان نے مشعل دیوار میں اڑا کر نقشے کو دیکھا۔

"ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ نقشہ کہتا ہے کہ اسی چبوترے کے اندر خزانہ دفن کیا گیا ہے۔"

ساتھی نے کہا:

"ہمیں چبوترے کو توڑ دینا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے"

ساتھ لائی ہوئی کدالوں سے کپتان اور اس کے ساتھی نے چبوترے کے پتھروں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے کدالیں چلاتے گئے۔ پتھروں نے اکھڑنا اور ٹوٹنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے پتھر نیچے گرتے گئے۔ آخر میں ایک بڑی سل آ گئی۔ کپتان اور اس کے ساتھی نے کدالیں اس کے نیچے پھنسا کر دو چار دفعہ زور لگایا تو سل اکھڑ کر نیچے گر پڑی۔ سل کے گرتے ہی اندر ایک درمیانے سائز

کا ابھرے ہوئے ڈھکن والا صندوق نظر آیا۔ کپتان کی باچھیں کھل گئیں۔

"مل گیا خزانہ"۔

اس نے کدال مار کر صندوق کا تالا توڑا اور ڈھکن کھول کر الٹ دیا۔ صندوق میں سونے کے زیورات اور ہیرے موتی لال ستاروں کی طرح جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ کپتان تو خزانے کی دولت دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ ہیرے جواہرات میں ڈال دیے اور انہیں اٹھا اٹھا اپنے اوپر گرانے لگا۔

"ہیرے' لعل' یاقوت' سونے کے ہار۔۔ ہا ہا ہا' یہ سب میرے ہیں۔ یہ سب میرے ہیں۔ ہا ہا ہا"۔

کپتان کا ساتھی بڑی سنجیدگی سے کپتان کو اور خزانے کی دولت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ

میں ہے۔ کپتان نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

‘‘کیوں، کیا تم اتنی دولت پا کر خوش نہیں ہوئے؟’’

کپتان کا ساتھی جلدی سے مسکرا کر بولا:

‘‘کیوں نہیں، کیوں نہیں کپتان! میں بہت خوش ہوں۔ لیکن ایک بات ہے’’۔

کپتان نے کہا:

‘‘وہ کیا بات ہے؟ کھول کر بیان کرو’’ اور اس نے کچھ جواہرات اپنی جیب میں ڈال لیے۔

اس کے ساتھی نے کہا:

‘‘میں جب یہ سوچتا ہوں کہ اتنے قیمتی جواہرات اور سونے کے زیورات ہم احمق قسم کے جہازیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیں گے تو میرا دل اداس ہو جاتا ہے اور ساری خوشی پر پانی پھر جاتا ہے’’۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا

‘‘تم گدھے ہو جو یہ سوچتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کوئی بے وقوف ہوں جو اتنی دولت ان الو کے پٹھوں میں بانٹ دوں گا؟ ہرگز نہیں۔ میں نے، اتنے سارے لوگوں کا خون اس لیے نہیں بہایا کہ خزانے تک آنے کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد اسے گدھوں میں بانٹ دوں۔ یہ صرف ہم دونوں میں تقسیم ہوگا اور بس’’

ساتھی نے کہا:

‘‘مگر کپتان، ہم نے جہازیوں سے وعدہ کیا تھا کہ خزانے کی دولت ان میں برابر بانٹی جائے گی’’۔

‘‘خاموش’’ کپتان نے ڈانٹ کر کہا: ایسا کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔ ان ملاحوں میں سے کوئی اس لائق نہیں ہے کہ وہ اس دولت کا حصے دار بن سکے۔ وہ میرے غلام ہیں۔ میں انہیں جیسے کہوں گا انہیں

کرنا ہوگا"۔

ساتھی بولا

"اور اگر وہ نہ مانے پھر؟"

کپتان نے گرج کر کہا

"پھر میں ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دوں گا۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں ہو؟"

ساتھی کہنے لگا

"ہاں ہاں کپتان میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بالکل تمہارے ساتھ ہوں"۔

کپتان بولا

"بس پھر مجھے کس چیز کا ڈر ہے۔ آؤ اب اس خزانے کو اٹھا کر باہر لے چلیں"۔

انہوں نے صندوق کو بند کیا۔ کپتان نے صندوق اپنے ساتھی کے کندھے پر رکھا۔ اسے آگے آگے چلا کر خود اس کے پیچھے پیچھے چلتا غار سے باہر آ گیا۔ باہر جب ملاحوں نے خزانے کے صندوق کو دیکھا تو خوشی سے نعرہ لگایا:

"کپتان زندہ باد، خزانہ زندہ باد"۔

کپتان نے تلوار لہرا کر کہا

"کپتان کبھی ناکام نہیں لوٹتا۔ ہم نے خزانہ پا لیا ہے۔ یہ خزانہ میرے آباؤ اجداد نے یہاں دفن کیا تھا۔ اس پر سب سے پہلا میرا حق ہے۔ میرے آباؤ اجداد بحری ڈاکو تھے۔ لیکن جیسا کہ میں نے وعدہ کیا ہے۔ میں اس خزانے کی ساری دولت سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دوں گا۔ چلو اب اس صندوق کو اٹھاؤ اور واپس جہاز پر چلو۔ ایسا نہ ہو کہ راستے میں رات کا اندھیرا پھیل جائے"۔

ایک ہٹے کٹے موٹے تازے جہازی نے کپتان کے ساتھی سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر رکھا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ واپسی کا سفر خوشگوار تھا۔ ایک تو دھوپ ڈھل گئی تھی۔ گرمی کی شدت کم ہوگئی تھی اور دوسرے انہیں خزانہ ملنے کی خوشی تھی۔ جہازی گیت گاتے بڑے مزے سے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے کپتان ننگی تلوار کندھے پر رکھے چلا آ رہا تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہاں دھوپ کے ڈھل جانے سے روشنی کم ہوگئی تھی۔ پھر بھی وہ دلدلوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے چلے گئے اور انہوں نے جنگل خیر خیریت سے پار کیا۔

اب ان کے سامنے چٹانوں، گھاٹیوں اور چھوٹے بنجر ٹیلوں کا سلسلہ تھا۔ وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ شام ہو رہی تھی۔ کہ وہ ان گھاٹیوں سے باہر نکل کر باہر آ گئے۔ انہیں وہ درخت سامنے نظر آ رہا تھا جس کے دوسری جانب سمندر میں جزیرے کے کنارے ان کا جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ کپتان نے خوشی سے چلا کر کہا کہ ساتھیو منزل تھوڑی دور رہ گئی ہے۔ خزانہ تمہارا ہے۔ ملاح تیز تیز قدموں سے چلنے لگے اور پھر وہ درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر باہر آئے تو سامنے سمندر میں ان کا جہاز کھڑا تھا۔

جہاز میں آگ

خزانہ جہاز پر پہنچا دیا گیا۔

ملاحوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور عرشے پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ کپتان کی ساری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بحری ڈاکو کا دفن کیا ہوا خزانہ اتنی آسانی سے مل گیا تھا، نہیں تو دفن کیے ہوئے خزانے نصیب اور قسمت کے ساتھ ہی ملتے ہیں۔ یہ تو وہ ایک خاص وقت کے گزر جانے کے پر زمین کے اندر ہی اندر چلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یا پھر ان کے اوپر سانپ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کوئی بھی ان کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچتا ہے۔ سانپ ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔ خزانے تو کہاں ملنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی جان بچا کر ہی واپس آ جائیں تو غنیمت ہوتی ہے۔

لیکن کپتان اپنے آپ کو بہت ہی خوش نصیب خیال کر رہا تھا کہ اس نے کامیابی کے ساتھ جہاز پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر خزانے کو بھی حاصل کر لیا۔ اس نے خزانے کا صندوق اپنے کیبن میں اپنے پلنگ کے نیچے رکھوا دیا۔ اسے کسی پر بھروسہ نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس نے ایک سازش تیار کر رکھی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر تمام ملاحوں کو جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہاں سے جہاز لے کر سمندر میں فرار ہو جائے گا۔ اور پھر اپنے ساتھی کو بھی قتل کر کے سارے خزانے کا تنہا مالک بن بیٹھے گا۔ ادھر اس کے ساتھی نے بھی دل میں سوچ رکھا تھا

کہ جب وہ کپتان کے ساتھ اکیلا سفر پر چلے گا تو راستے میں اسے ہلاک کر کے خزانے پر خود قبضہ کر لے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دھوکہ دے رہے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دھوکے میں پہلے کون کامیاب ہوتا ہے۔

کپتان نے اعلان کیا کہ خزانہ ملنے کی خوشی میں جزیرے پر ایک بہت بڑی دعوت ہو گی جو کپتان اپنی طرف سے دے گا۔ جہازی بڑے خوش ہوئے۔ کپتان نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ دعوت کے بعد سارے ملاحوں میں خزانے کی دولت برابر برابر بانٹ دی جائے گی۔ اس نے ملاحوں میں خوشی کی ایک اور لہر دوڑا دی۔ وہ خوشی سے ناچنے اور چیخنے لگے۔ کپتان اپنے ساتھی کو لے کر کیبن میں آ گیا۔

اس نے کہا۔

"آج آدھی رات کو ہمیں ان تمام ملاحوں کو اسی گمنام جزیرے پر

چھوڑ کر جہاز لے کر یہاں سے فرار ہو جانا ہے"۔

کپتان کا ساتھی خوش ہو کر بولا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کپتان، میں تیار ہوں، مگر ان لوگوں بے ہوش کر دینا چاہیے"۔

کپتان نے کہا

"اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ میرے پاس بے ہوش کرنے والی دوائی موجود ہے۔ میں یہ دوائی ان کے شربت میں ڈال دوں گا جو وہ کھانے کے ساتھ پئیں گے"۔

ساتھی بولا

"بہت خوب کپتان، میں تمہاری عقلمندی کی داد دیتا ہوں"۔

کپتان نے فخر سے کہا۔

"بحری جہاز کا کپتان میں ایسے ہی نہیں بن گیا میاں، ایک زمانے

کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ سارے سمندروں میں آوارہ گردی کر چکا ہوں۔ پھر کہیں جا کر یہ دانائی حاصل ہوئی ہے"۔

ساتھی نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"کپتان، بس اب تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گا۔ چاہے تو مجھے خزانے میں سے حصہ دو یا نہ دو۔ میں اب تمہاری ساری زندگی تمہارا غلام بن کر تم سے دانائی اور تجربہ حاصل کروں گا۔

کپتان نے فوراً تسلی دے کر کہا

"ایسا نہ کہو۔ تم میرے ساتھی ہو۔ خزانے میں سے تمہیں برابر کا حصہ ملے گا۔ آخر ہم دو ہی تو خزانے کے مالک رہ جائیں گے۔ پھر ہمیں آپس میں خزانہ بانٹنے میں کیا حرج ہوگا"۔

کپتان نے دل میں کہا، کچھ فکر نہ کرو، آج رات تمہارا بھی کام تمام کر دوں گا۔ ادھر کپتان کے ساتھی نے بھی دل میں کہا کہ میاں کپتان تم چاہے جتنی مکاری کر لو۔ میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ آج رات تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس خزانے پر صرف میرا حق ہے۔

دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ لیکن دولت نے، ہیرے جواہرات اور سونے کی چمک نے انہیں ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن اوپر سے بڑے میٹھے تھے۔

اس رات جزیرے پر بڑی زبردست اور شاندار دعوت ہوئی۔

جزیرے کے ساحل پر جگہ جگہ مشعلیں روشن کر کے چراغاں کیا گیا۔ ملاح خوشی سے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ جانوروں کی طرح مرغابیوں کے بھنے ہوئے گوشت کی رکابیوں اور بھنی ہوئی مچھلیوں کے طشتوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اونچی اونچی باتیں بھی کر رہے تھے۔ کھانا بھی ڈٹ کر کھا رہے تھے اور خوشی سے جھوم بھی رہے تھے۔

کپتان نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے سب کی نظر سے بچا کر شربت کے مٹکے میں بے ہوش کر دینے والی دوا ملا دی تھی۔ کپتان خود بھی ملاحوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آگ پر وہ سالم بکرے کو نمک مرچ لگا کر بھون رہا تھا اور ساتھ ساتھ بوٹیاں توڑ توڑ کر کھائے بھی جا رہا تھا۔ دعوت زوروں پر تھی۔ ایک شور اور ہنگامہ مچا تھا۔ کپتان اور اس کا ساتھی گوشت کھا رہے تھے مگر شربت نہیں پی رہے تھے۔ اس کی جگہ وہ سنگتروں کا عرق پی رہے تھے جو انہوں نے چھپا کر صراحی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ہر طرف خوشی اور مسرت بکھری تھی۔

لیکن ان کے عقب والے پام کے درختوں کی قطار میں جزیرے کے جنگلی لوگ تیر ہاتھوں میں لیے چھپے بیٹھے تھے اور کسی خاص وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ سردار کے اشارے پر دو جنگلی درختوں کی دوسری طرف سے نکل کر زمین پر رینگتے ہوئے سمندر کی طرف چل

دیے۔ کچھ دور آگے جا کر وہ رینگتے رینگتے مگرمچھوں کی طرح سمندر میں کود گئے۔

رات بھیگنے لگی تو ملاح ایک ایک کر کے بے ہوش ہونا شروع ہو گئے۔ ان پر غنودگی سی طاری ہوتی اور وہیں سر جھکا کر بے ہوش ہو جاتے۔ جب سارے کے سارے ملاح بے سدھ ہو کر پڑ گئے تو کپتان اور اس کا ساتھی اٹھے لپک کر اس کشتی میں گئے جو سمندر کے کنارے ریت پر کھڑی تھی۔ انہوں نے کھینچ کر کشتی کو سمندر میں ڈالا اور زور زور سے چپو چلاتے جہاز کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ رات کے اندھیرے میں جہاز لنگر ڈالے خاموش کھڑا تھا۔ کشتی جہاز کے پاس لے جا کر وہ رسے کے ذریعے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔ پھر انہوں نے اوپر سے شربت سے بھرے ہوئے ڈرم ایک دوسرے کے اوپر سمندر میں کھڑی کشتی میں گرا دیے۔ بھاری بھر ڈرموں کے گرتے

ہی کشتی ٹوٹ کر سمندر میں غرق ہو گئی۔

"دوست، اب میدان صاف ہے"۔

کپتان نے خوش ہو کر اپنے ساتھی کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم صبح ہونے سے پہلے اس جزیرے سے بہت دور نکل جائیں گے"۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اس کے بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی بحری جہاز نے جزیرے کے ساحل سے دور ہٹنا شروع کر دیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ جزیرے پر سناٹا طاری تھا۔ ساحل کی رات پر کچھ مشعلیں جل رہی تھیں اور کچھ بجھ گئی تھیں۔ جہاز کے سارے کے سارے ملاح ریت پر بے ہوش پڑے تھے۔ اور جہاز آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ بڑا دردناک منظر تھا۔ جہاز اپنے جہازیوں کو ایک گمنام جزیرے پر بے یار و مددگار چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس جزیرے کی طرف کبھی کوئی جہاز نہیں آتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب یہ جہازی اس جزیرے پر بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔

کپتان اور اس کا ساتھی جہاز کے عرشے پر کھڑے جزیرے کو رات کی ہلکی ہلکی روشنی میں دور ہوتا دیکھ رہا تھے۔ کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آخر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اب سارا خزانہ ہمارا ہے ہم ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیوروں سے بھرے ہوئے صندوق کے مالک ہیں ہم اس خزانے کو برابر آپس میں بانٹ لیں گے۔ ہاہاہاہا!"

کپتان بار بار قہقہے قہقہے لگا رہا تھا اور خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی خوشی تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل

کرنے کے بعد وہ اس جہاز اور کروڑوں اشرفیوں کی مالیت کے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ اپنے ساتھی کو بھی کسی طرح ٹھکانے لگایا جائے۔ آخر اس کے مکار دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”دوست تھوڑی دیر کے لیے تم جہاز کی چرخی پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نیچے سے تمہارے لیے اور اپنے لیے بھنی ہوئی بطخ کا طشت لے کر آتا ہوں۔ ہم آج کی کامیابی کی خوشی میں بطخ کا گوشت اڑائیں گے۔“

کپتان کی جگہ جہاز کی چرخی پر اس کا ساتھی کھڑا ہو گیا اور کپتان اس کے پیچھے سے نیچے سیڑھیاں اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے صندوق باہر کھینچ کر کھولا اور ایک بار پھر اس کا ڈھکن کھول کر خزانے کے ہیروں، موتیوں اور جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات کو لالچی نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اتنی دولت اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس دولت سے وہ اپنے کئی جہاز خرید لے گا۔ ہر ملک میں اپنے لیے ایک محل بنوائے گا۔ ہزاروں غلام اور کنیزیں اپنی خدمت کے لیے ملازم رکھے گا۔

پھر اسے اپنے ساتھی کا خیال آیا۔ اسے اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کپتان کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے تیز دھار خنجر اپنی چمڑے کی پیٹی سے نکالا اور کیبن سے نکل کر دبے پاؤں چلتا ہوا ان سیڑھیوں کے پاس آ گیا جو اوپر عرشے پر چرخی کے پاس جا نکلتی تھیں۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا۔ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں ہو رہی تھی۔ دروازے میں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کا ساتھی بڑے مزے سے جہاز کی

چرخی گھما رہا تھا۔

کپتان کا ساتھی چرخی گھماتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اسے کپتان کا جلدی سے جلدی کام تمام کر دینا چاہیے بہتر ہے کہ وہ چرخی چھوڑ کر رسی کے ساتھ باندھ دے اور نیچے جا کر کپتان کو اس کے کیبن کے اندر ہی تلوار کے ایک وار سے ہلاک کر دے۔ اگر دیر ہو گئی تو اور زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے کپتان کو ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے چرخی کی رسی کو باندھنا شروع کر دیا۔ رسی کو باندھ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ خنجر کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے بڑا زور کے ساتھ ایک تیز دھار والا خنجر پورے کا پورا اس کی پشت میں کھب گیا۔ اس کا جسم لرز کر جھٹکے کھانے لگا۔ اس کا نچلا دھڑ ایکدم سن ہونے لگا۔ اور وہ پتھر کی طرح لڑکھڑا کر جہاز کے فرش پر گر پڑا۔ اس نے اپنے اوپر کھڑے

کپتان کو مکارانہ ہنستے دیکھا۔ مگر وہ بے بس ہو چکا تھا۔ اس کا آدھا دھڑ مردہ ہو چکا تھا۔ کپتان نے بازو لہرا کر خنجر کا ایک اور وار اپنے ساتھی کے دل پر کر دیا۔ یہ وار کاری لگا۔ خنجر کے تیز پھل نے دل کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کپتان کا ساتھی ذرا سا تڑپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ مر چکا تھا اور کپتان قہقہے قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ اب اتنے بڑے جہاز اور اتنی زیادہ دولت کا اکیلا مالک تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح خوشی سے رقص کرنے لگا۔ اس کے قہقہوں کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ خون سے بھرا ہوا خنجر صاف کرتے ہوئے کپتان اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ جہاز ایک ہموار رفتار کے ساتھ سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

کیبن میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور خزانے کا صندوق سامنے کھول کر بیٹھ گیا۔ وہ ایک ایک ہیرے موتی اور ایک ایک سونے

کے زیور کو اٹھا کر دیکھتا، اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا۔ اسے چومتا۔ اسے اپنے سر پر رکھتا اور پھر مسرت سے سر ہلانے لگتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی میں کبھی ایسی خوشی نہیں ملی تھی۔ کاش! اس مکار قاتل کپتان کو معلوم ہوتا کہ اس کی یہ اتنی بڑی خوشی کوئی دم کی مہمان ہے بلکہ وہ خود بھی اس دنیا میں کوئی دم کا مہمان ہے۔ اس لیے کہ وہ جزیرے کے دو جنگلی جو سمندر میں اترے تھے۔ اس وقت کیبن کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہے تھے۔

وہ نیزے ہاتھوں میں لیے کپتان کے کیبن کے باہر آ کر رک گئے انہیں اندر سے کپتان کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب تعجب سے دیکھا اور پھر دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ کپتان خزانے کا صندوق کھولے دیوانوں کی طرح ہیرے جواہرات سے کھیل رہا تھا۔ جنگلیوں نے چپکے سے دروازہ کھولا

اور کیبن کے اندر آتے ہی ایک وحشی نے چیخ مار کر دونوں کے دونوں نیزے کپتان کی پشت میں پیوست کر دیے۔ کپتان جھوم جھوم کر جواہرات اور سونے کے زیورات سے کھیل رہا تھا کہ پیچھے سے اچانک دو نیزے اس کی پیٹھ میں آ کر کھب گئے۔

اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکل آئیں۔ وہ آگے کو دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا۔ نیزے کپتان کے جسم کے اندر گڑ گئے تھے اور خون کے فوارے چھوٹ پڑے تھے۔ ایک جنگلی نے آگے بڑھ کر کپتان کی پیٹھ میں سے کھینچ کر نیزہ باہر نکالا اور کپتان کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔

”تم ڈاکو ہو، تم قاتل ہو، تمہارا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے ساتھی ہمارے جزیرے پر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ ہم ان سب کو بھون کر زندہ کھا جائیں گے۔“

کپتان جنگلی ڈراؤنی شکل دیکھتا رہ گیا۔ جنگلی نے ہاتھ اٹھا کر نیزہ

اس کے سامنے سے دل میں آر پار کر دیا۔ کپتان کے منہ سے آخ کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ دونوں جنگلی وہاں کھڑے کچھ دیر تک کپتان کی لاش کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے لاش کو اٹھایا اور جہاز کے عرشے پر آ گئے۔ جہاز سمندر کی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔ جنگلیوں نے کپتان کی لاش کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ انہوں نے جہاز کے بادبان ایک طرف گھما کر اس کا رخ واپس جزیرے کی طرف کر دیا۔

جادوگر زمبو

جہاز جزیرے کے قریب پہنچا تو جنگلیوں نے اس میں آگ لگا دی۔ جہاز کو آگ لگا کر انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ وہ تیر کر جزیرے کے ساحل پر آ گئے۔ ساحل پر جزیرے کے سارے جنگلی نیزے ہاتھوں میں لیے جمع تھے۔ انہوں نے جہاز میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا۔ جہاز میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے بادبان جل رہے تھے۔

سارا جہاز جل رہا تھا۔ آسمان صبح کی ہلکی ہلکی چمک میں روشن ہو گیا تھا۔ جلتے ہوئے جہاز کے شعلوں کا عکس سمندر میں پڑ رہا تھا۔ اس جہاز میں جو کچھ تھا سب جل رہا تھا۔ کپتان کے کیبن میں بحری ڈاکوؤں کے لوٹے ہوئے خزانے کا صندوق بھی تھا۔

دیکھتے دیکھتے جہاز نے جل کر سمندر میں ڈوبنا شروع کر دیا۔ پہلے جہاز کے لکڑی کے مستول گرے۔ پھر اس کی پہلو کی دیواریں شعلے بن کر سمندر کی لہروں میں گر پڑیں اور پھر سارا جہاز جل کر راکھ ہو گیا۔ جزیرے میں جنگلی شور مچا رہے تھے اور جہاز کو جلتے دیکھ کر خوشی سے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے جزیرے پر بے ہوش سارے کے سارے بحری ڈاکوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جہاز کے سمندر میں ڈوبتے ہی ایک دردناک کہانی کا باب ختم ہو گیا۔

عنبر بندرگاہ میں رخسانہ کے ماموں کی حویلی میں جاپان والے جہاز کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جہاز ابھی تک بندرگاہ پر نہیں پہنچا تھا۔ عنبر کو ناگ اور ماریا کی طرف سے بڑی تشویش تھی، بڑی فکر تھی۔ ناگ اور ماریا اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے۔ اس کا عنبر کو پورا پورا احساس تھا۔ وہ جلد سے جلد بندرگاہ چھوڑ کر واپس جاپان جانا چاہتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اکیلا واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ جاپان جانے والے بحری جہاز پر سوار ہو جائے اور وہ جہاز ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ رخسانہ کا ماموں جس جہاز پر آیا تھا وہ اسی بندرگاہ سے واپس شمالی افریقہ کو جا رہا تھا۔ رخسانہ کے ماموں نے عنبر سے کہا کہ وہ انتظار کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ شمالی افریقہ کے ملک حبشہ کو جانے والے جہاز میں سوار ہو جائے اور پھر حبشہ سے جاپان چلا جائے۔ کیوں کہ حبشہ سے اسے جنوب مشرقی ایشیا کے لیے جہاز مل جائے گا۔

عنبر نے کہا:

"کیا آپ کو یقین ہے کہ حبشہ سے مجھے جاپان کے سمندر کی جانب جانے والا جہاز مل جائے گا؟"

ماموں نے کہا۔

"ضرور مل جائے گا۔ میں حبشہ رہ چکا ہوں۔ میرے سامنے وہاں سے سنگاپور اور کیوٹو کی طرف جہاز جاتے رہتے ہیں۔ ویسے اگر تم ہمارے پاس رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا چاہو تو ہمیں خوشی ہوگی۔ لیکن جیسا کہ تم اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے بارے میں پریشان ہو تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ باقی ہے کہ یہاں شمالی افریقہ چلے جاؤ اور پھر وہاں سے جاپان کا راستہ لو۔"

عنبر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

وہ میرا خیال ہے مجھے آپ کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ میں اپنے بھائی اور بہن کے بارے میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے آپ یہ بتائیے کہ شمالی افریقہ جانے والا جہاز یہاں سے کب روانہ ہو رہا ہے؟"

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"میں اسی جہاز پر یہاں پہنچا ہوں۔ وہ کل شام کو یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔ اگر تم کل اس جہاز پر سوار ہو جاؤ تو تین دن تین راتیں سفر کرنے کے بعد حبشہ پہنچ جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سے تمہیں دس بارہ دن کے اندر اندر جاپان جانے والا جہاز مل جائے گا"۔

عنبر نے دل میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ میں کل شام ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا"۔

رخسانہ نے کہا۔

"بھائی عنبر! آپ کے جانے سے میں بہت اداس ہو جاؤں گی۔ آپ نے میری اس مشکل وقت میں مدد کی تھی جب کہ زمین پر رہنے والا ایک ایک پرندہ میرا دشمن بن گیا تھا۔ میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ایسی بات نہ کرو رخسانہ بہن میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ جس طرح ایک بھائی کو اپنی بہن کے لیے کرنا چاہیے تھا، میں نے اسی طرح کیا۔ اس میں شکریے کی کون سی بات ہے بھلا۔"

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"عنبر میاں، تم ایک نیک اور بہادر انسان ہو میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے مجھے معلوم ہے کہ تم ایسے نوجوان اس دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ تم نے میری بھانجی کی زندگی بچا کر عزت بچا کر ہم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور ہمارا سارا خاندان تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولے گا۔"

عنبر نے رخسانہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"رخسانہ میری بہن ہے۔ اس کی عزت میری عزت ہے۔ اس کی زندگی میری زندگی ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو وہ مجھے نقصان پہنچے گا اس لیے میں ایک بار پھر اپنے دل کی سچی آواز دہراؤں گا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ رخسانہ کی بھلائی کی خاطر کیا ہے۔ میں نے کوئی بھی کام اپنے فائدے کے لیے نہیں کیا۔ اس لیے میں کہوں گا کہ مجھے یہ سمجھ کر یاد کیا کریں کہ میں آپ کا بھائی تھا۔"

اگلے روز شام کو عنبر بندرگاہ سے رخصت ہو گیا۔

بندرگاہ پر رخسانہ اور اس کا ماموں دونوں آئے۔ عنبر جہاز پر سوار ہو گیا۔ جہاز نے ٹھیک وقت پر لنگر اٹھا دیا اور شمالی افریقہ کی طرف اپنا

تین دن اور تین راتوں کا سفر شروع کر دیا۔ عنبر کے لیے شمالی افریقہ اس کے لیے اپنے وطن کی جگہ تھا۔ وہ مصر میں پیدا ہوا اور وہیں بڑھا پلا تھا۔ مگر یہ بات دو ہزار سال پہلے کی تھی۔ اب وہ دو ہزار پانچ سو سال کے بعد وہاں جا رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس طرح اتنے برس گزارنے کے بعد مصر واپس نہیں آیا ہوگا۔

عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اڑھائی ہزار برس کے بعد حبشہ اور شمالی افریقہ کے ملک کتنے بدل گئے ہیں۔ مصر کے فرعونوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور روم کے بادشاہوں نے شمالی افریقہ کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شہر میں ایک ریاست قائم تھی جس کا ایک الگ بادشاہ تھا۔ شہروں میں قبیلوں کے سرداروں کی حکومت تھی۔ یہ سب کچھ عنبر نے سن رکھا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ چل کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ لیکن حبشہ میں وہ زیادہ دیر تک رک نہ سکے گا۔

اسے فوراً وہاں پہنچ کر کسی نہ کسی پہلے جہاز میں سوار ہو کر جاپان کی طرف چلے جانا ہوگا۔ جہاز ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ کوئی طوفان نہیں تھا۔ ہوا بڑی موافق چل رہی تھی اور بادبانی جہاز ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جہاز ساری رات سفر کرنے کے بعد سارا دن بھی سفر کرتا رہا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ جہاز پر زیادہ تر افریقہ کے غریب حبشی سوار تھا۔ وہ خود افریقہ کا رہنے والا تھا۔ مگر وہ اس افریقہ میں بڑھا پلا تھا۔ جو شمال میں بحیرہ روم کے کنارے پر تھا۔ اور جہاں کی آب و ہوا میں رہنے والے سیاہ نہیں تھے بلکہ سانولے اور کھلتے ہوئے رنگ کے تھے۔

اسی جہاز میں ایک افریقہ کا جادوگر بھی سوار تھا۔ اس نے جہاز پر

لوگوں اور جہاز کے کپتان کو اپنے جادو کے کرتب دکھا کر بڑا اثر ڈال رکھا تھا۔ عنبر نے دو ایک بار اس جادوگر کو جہاز کے عرشے پر جہاز کے کپتان کے ساتھ قالین پر بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کرتے اور قہوہ پیتے دیکھا تھا۔ کپتان اس جادوگر کا بڑا ادب کرتا تھا اور اس سے ڈرتا بھی تھا۔ جادوگر نے اس فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ وہ جہاز میں جس مسافر سے چاہے مذاق کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ کسی مسافر کی بے عزتی بھی کر دیتا تو کپتان اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ مسافر جہاز کے کپتان کے پاس جا کر شکایت کرتے تو وہ سر لپیٹ کر خاموش ہو جاتا۔ ایک بار جادوگر نے ایک غریب آدمی کا کھانا سمندر میں پھینک دیا۔ وہ اپنے بچوں کو کھانا کھلانے بیٹھا تھا کہ کہیں جادوگر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اتفاق سے غریب آدمی کے بچے نے پانی گرایا تو اس کی چھینٹیں اڑ کر جادوگر کے ریشم کے لباس پر گر پڑیں۔ بس پھر کیا تھا جادوگر سخت طیش میں آ گیا۔

اس نے غریب آدمی کو گالیاں دیں اور کھانا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ غریب آدمی اس کی شکایت لے کر کپتان کے پاس پہنچا تو اس نے الٹا اس غریب آدمی کو برا بھلا کہہ کر کیبن سے باہر نکال دیا۔ عنبر نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموش رہا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جادوگر ایک کمینہ، ظالم اور بدمعاش آدمی ہے۔ وہ جادو کے زور سے لوگوں سے پیسے ٹھگ لیتا ہے۔ عنبر کو یہ جادوگر بڑا برا لگتا تھا۔ اس نے کبھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جہاز پر سفر کرتے ہوئے تیسرا دن تھا کہ ایک ایسا حادثہ ہو گیا جس نے عنبر کو جادوگر کے مقابلے پر لا کھڑا کر دیا۔ عنبر عرشے پر کھانا کھانے کے بعد ٹہل رہا تھا۔ آسمان پر دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ جہاز موافق ہوا میں آرام سے چلا جا رہا

تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ جادوگر ایک بوڑھے حبشی کو ڈنڈوں سے بری طرح مار رہا ہے۔

یہ دیکھ کر عنبر برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھاگ کر جادوگر کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر سمندر میں پھینک دیا۔

"تمہیں ایک بوڑھے شخص کو اس بری طرح پیٹتے شرم نہیں آتی؟"

جادوگر نے اپنی لال لال غصہ بھری آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔ جادوگر بڑا طاقت والا اونچا لمبا حبشی قسم کا آدمی تھا۔ عنبر اس کے مقابلے میں ایک نوجوان سا تھا۔ جادوگر نے طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اے نوجوان کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ جاؤ اور جا کر اپنا کام کرو"۔

عنبر نے زور سے جادوگر دیو کا ہاتھ پرے جھٹک دیا:

"بکواس بند کرو۔ تم ایک بدمعاش اور ظالم شخص ہو۔ تم نے سارے جہاز پر ایک ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا"۔

جادوگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میاں نوجوان، جاؤ اپنی خیر مناؤ اور میرے مقابلے پر نہ آؤ۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو میں تمہاری کھوپڑی توڑ کر ابھی دو ٹکڑے کر دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارے جیسے جادوگر میں نے بہت دیکھے ہیں۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو چپکے سے اس غریب بوڑھے کے آگے ہاتھ جوڑ کر اس

سے اپنی زیادتی کی معافی مانگو۔ نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا"۔

اب تو جادوگر سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے فرش پر پڑا ہوا لکڑی کا ایک اور ڈنڈا اٹھا لیا اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر پر سے ہٹنے کی بجائے اسی جگہ کھڑا رہا۔ ڈنڈا عنبر کے سر پر لگا۔ جادوگر کا خیال تھا کہ وہ گر پڑے گا۔ لیکن وہ بالکل نہ گرا۔ جادوگر بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا شاید اس نوجوان کا سر مضبوط ہے۔ عنبر نے بھی فرش پر سے ڈنڈا اٹھا لیا۔ جادوگر نے دوسری بار پوری طاقت سے عنبر کے سر پر ڈنڈا مارا۔ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کا بھیجہ پاش پاش ہو گیا ہوتا۔ مگر عنبر اتنی شدید چوٹ کھانے کے بعد بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جادوگر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے اپنی زندگی میں اس قسم کا نوجوان نہیں دیکھا تھا۔ دوسری طرف جب عنبر نے زور سے ایک ڈنڈا جادوگر کی ٹانگ پر مارا تو وہ ٹانگ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

لیکن جلدی سے اٹھا اور اس نے عنبر پر جادو کرنا شروع کر دیا جادوگر نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کالے علم کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔ جادوگر کے منہ سے شعلے نکلنے لگے۔ یہ شعلے تیزی سے عنبر کے چہرے پر گرے۔ جادوگر کو یقین تھا کہ عنبر اس کے جادوں سے جل کر بھسم ہو جائے گا۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ جادوگر ششدر ہو گیا۔ اس عرصے میں جہاز کے دوسرے مسافر اور کپتان بھی وہاں آ گیا تھا۔ یہ سارا ماجرا انہوں نے بھی دیکھا تھا۔

کپتان نے کہا:

"یہ تم سے زیادہ بڑھ کر جادو جانتا ہے زمبو جادوگر"۔

جادوگر کا نام زمبو تھا۔ زمبو نے چونک کر پہلے جہاز کے کپتان کو پھر عنبر کو دیکھا۔ اب اس نے ایک بڑا ہی خوفناک جادو کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔ یہ منتر ایک بار اس نے ایک پہاڑی کے ٹیلے پر پڑھ کر پھونکا

تھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ منتر کے پھونکے جانے کے ساتھ عنبر کے سارے بدن پر آگ لگ گئی۔ جہاز کے مسافر اور کپتان خوفزدہ ہو کر پرے ہٹ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ عنبر مر گیا ہے۔ وہ اتنی بڑی آگ کے شعلوں میں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ لیکن جب تھوڑی دیر کے بعد آگ بجھی تو سارے یہ دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے کہ عنبر اسی طرح اپنے سارے ریشمی کپڑوں سمیت کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آگ نے اس کے سر کے ایک بال تک کو اور ریشمی لباس کے ایک دھاگے تک کو نہیں جلایا تھا۔ جادوگر زمبو سمجھ گیا کہ یہ نوجوان کوئی بہت بڑا منتر جانتا ہے جس کی وجہ سے اس پر کسی قسم کے جادو کا اثر نہیں ہو رہا۔ اس نے عنبر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر پوری طاقت سے فرش پر دے مارا۔ عنبر کی جگہ اگر وہ پتھر کی بہت بڑی سل کو اٹھا کر اس طرح فرش پر مارتا تو اس کے کئی ٹکڑے ہو جاتے۔

مگر عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ وہ کپڑے جھاڑ کر بڑے سکون کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"تم جیت گئے۔۔۔ زمبو، تم ہار گئے"۔

کالا جادوگر

جادوگر زمبو بڑا مکار شخص تھا۔

اس نے عنبر کے آگے اپنی ہار مان لی اور اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولا۔

"میاں عنبر، تم سچ مچ جیت گئے اور میں ہار گیا۔ تم آج سے میرے استاد ہو اور میں تمہارا شاگرد ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟"

جب عنبر نے اسے بتایا کہ وہ حبشہ کے شہر جا رہا ہے تو جادوگر بڑا خوش ہوا۔

"بھئی واہ، میں بھی حبشہ ہی جا رہا ہوں۔ خوب بہت خوب، مجھے بڑی خوشی ہوگی، اگر تم حبشہ میں میرے گھر مہمان بن کر رہو اور مجھے اپنی خدمت کرنے کا موقع دو۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ کی نوازش ہے ویسے میں سرائے میں ہی ٹھہروں گا"۔

جادوگر نے عیاری سے کہا۔

"اونہوں یہ ہمارے شہر والوں کی توہین ہوگی کہ اتنا بڑا انسان ہمارے شہر میں آئے اور سرائے میں ٹھہرے۔ آخر ہمارا گھر کس کے لیے ہے؟ نہیں نہیں میاں عنبر، میں تمہیں سرائے میں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ تمہیں میرے گھر میں ہی ٹھہرنا ہوگا۔"

جہاز کے کپتان اور حبشہ کے رہنے والے دوسرے مسافروں نے بھی عنبر کو مجبور کیا کہ وہ جادوگر کے گھر میں ہی ٹھہرے۔ آخر عنبر نے

ہاں کر دی۔ جادوگر بڑا خوش ہوا۔

دوسرے روز جہاز ملک حبشہ کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

جادوگر زمبو نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر اپنے مکان میں لے آیا۔ یہ مکان ایک جنگل میں شہر کے قریب ہی تھا۔ اور گھاس پھونس کے دو کمرے سے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں جادوگر نے اپنا جادو کا سامان رکھا ہوا تھا اور دوسرے میں زمین پر بستر بچھا تھا۔

”میاں عنبر، تم اس بستر پر آرام کیا کرو گے۔ میں ساتھ والے کمرے میں سو جاؤں گا۔ بس جب تک تمہارا جہاز بندرگاہ سے روانہ نہیں ہوتا۔ تم اس جگہ بے فکر ہو کر آرام کر۔ بس اسے اپنا ہی گھر سمجھو“۔

عنبر نے کہا۔

”آپ میرے لیے کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ میں اگر کسی

سرائے میں چلا جاتا تو اچھا تھا۔ آپ کے لیے زحمت نہیں بننا چاہتا“۔

جادوگر جھٹ بولا:

”بھئی کمال ہے پھر وہی بات۔ نہیں نہیں میں تمہاری وجہ سے مجھے بالکل زحمت نہیں ہو رہی۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے، اب تم یہاں آرام کرو، میں بازار سے تمہارے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں“۔

جادوگر چلا گیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ یہ شخص اچانک اس پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ چلو اسے تو کسی نہ کسی جگہ ٹھہرنا ہی تھا۔ سرائے نہ سہی۔۔ جادوگر کا گھر ہی سہی۔۔ جادوگر اس کا کیا بگاڑ لے گا۔

جادوگر وہاں سے چل کر شہر میں ایک حویلی میں آ گیا۔ اس حویلی

میں سوائے ایک بوڑھے نوکر کے اور کوئی نہیں رہتا تھا۔ یہ حویلی جادوگر کی اپنی تھی۔ وہ جان بوجھ کر عنبر کو اس حویلی میں نہیں لایا تھا۔ جادوگر حویلی کے تہہ خانے میں گیا۔ یہاں اس کا بوڑھا نوکر پہرہ دے رہا تھا۔ جادوگر کو دیکھ کر نوکر نے جھک کر سلام کیا۔ جادوگر نے اسے ساتھ لیا اور تہہ خانے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ کوٹھڑی کے اندر زمین پر ایک تخت پوش بچھا تھا جس پر کپڑے میں ڈھکی ہوئی ایک جوان لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ جادوگر نے لڑکی کے منہ سے کپڑا اٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بس اب میرا چلہ پورا ہونے والا ہے۔ مجھے ایک ایسا نوجوان مل گیا ہے جس پر موت اپنا اثر نہیں کرتی"۔

بوڑھے نے چونک کر کہا۔

"کیا سچ کہتے ہو میرے آقا؟"

جادوگر بولا۔

"ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جہاز میں مجھے ایک ایسا جوان ملا ہے جس پر موت بے اثر ہو چکی ہے۔ خدا جانے وہ کب سے زندہ ہے اور کب تک زندہ رہے گا۔ نہ جانے کس بہت بڑے جادوگر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے کہ موت کے پنجے سے آزاد ہو گیا ہے۔ بس اب اگر وہ نوجوان یہاں آ کر کسی طرح اپنے ہاتھ سے اس بے ہوش لڑکی کا گلا کاٹ دے تو اس لڑکی کے خون کو پی کر میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاؤں گا۔ پھر موت میرے لیے بھی حرام ہو جائے گی۔ میں بھی موت کے پنجے سے نکل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤں گا۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نوجوان عنبر کو کس طرح مجبور کیا جائے کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار چلائے"۔

بوڑھا نوکر خاموش ہو گیا۔ جادوگر نے لڑکی کے چہرے پر دوبارہ

چادر ڈال دی اور بولا۔

"میں اب اس نوجوان کے پاس جا رہا ہوں۔ میں اسے لے کر یہاں آؤں گا اور اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار پھیر دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اس کوٹھڑی میں بند کر دوں گا وہ مرے گا تو بالکل نہیں۔ مگر وہ اس کوٹھڑی سے ساری زندگی باہر بھی نہ نکل سکے گا۔"

جادوگر وہاں سے نکل گیا۔ بوڑھا ایک گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اس نوکر نے کتنی ہی لڑکیوں کے گلے پر چھری پھرتے دیکھی تھی۔

جادوگر کو ہمیشہ زندہ رہنے کا شوق پاگل پن کی حد تک تھا۔ اسے جادو کے زور سے پتہ چلا تھا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے کنواری لڑکی کا گلا کٹوا کر اس کا خون پیے گا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گا۔ اس کی خاطر جادوگر نے کتنی ہی کنواری لڑکیوں کو اغوا کیا۔ انہیں حویلی میں لا کر بے ہوش کر کے رسیوں میں جکڑ دیا۔ پھر وہ کسی نوجوان کی تلاش میں نکلا۔ جہاں کہیں اسے خبر ملی کہ ایک آدمی ایسا ہے جس پر موت اثر نہیں کرتی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس آدمی کو لاتا۔ اس سے کنواری لڑکی کو قتل کرواتا۔ اور پھر اس کا خون پی جاتا اور ساتھ ہی اس آدمی کو بھی قتل کر دیتا۔ مگر وہ ہر بار اپنے تجربے میں ناکام رہا تھا۔ کسی بھی ایسے آدمی کو حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ جو سچ مچ موت کے پنجے سے آزاد ہو چکا ہو۔ عنبر پہلا نوجوان اسے ملا تھا جس پر واقعی موت حرام ہو چکی تھی۔

جادوگر بڑی خوشی خوشی واپس جنگل والے جھونپڑے میں عنبر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"میاں عنبر، اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔"

عنبر نے پوچھا

"آخر وہ ایسا کون سا کام ہے؟ اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کر دوں گا"۔

جادوگر بولا۔

"وہ کام تمہارے بس میں ہے عنبر میاں"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ۔ میں کرنے کو تیار ہوں"۔

جادوگر نے کہا۔

"میں ایک بہت زبردست چلہ کر رہا ہوں۔ چالیس دن پورے کر چکا ہوں۔ آج اکتالیسواں دن ہے۔ اگر تم میری حویلی میں چل کر میری بے ہوش بچی کی گردن پر اپنا ہاتھ زور سے مار دو تو میرا چلہ بھی پورا ہو جائے گا اور میری بچی بھی ہوش میں آ جائے گی، نہیں تو نہ میرا چلہ مکمل ہو گا اور نہ ساری زندگی میری بچی کو ہوش آئے گا۔ یہ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ چل کر میری بچی کی زندگی بچا لو"۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب، یہ کون سی بڑی بات ہے میں بھی آپ کے ساتھ چل کر اس کی گردن پر ہاتھ مار دیتا ہوں۔ مگر کیا میرے ہاتھ مارنے سے وہ زخمی تو نہیں ہو جائے گی"۔

جادوگر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ میں نے اس کی گردن پہ روئی اور کپڑا لپیٹ دیا ہے۔ اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی"۔

جادوگر عنبر کو لے کر حویلی میں آ گیا۔

اس عرصے میں بوڑھا بے ہوش کنواری لڑکی کی گردن پر تلوار رکھ کر اوپر کپڑا لپیٹ چکا تھا۔ تلوار کا تیز پھل بے ہوش لڑکی کی نازک گردن

کے اوپر تھا اور کپڑا اس طرح سے لپیٹ دیا گیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی کی گردن پہ ہاتھ مارے تو تلوار اس کی گردن میں دھنس جائے اور وہ اسی وقت ہلاک ہو جائے۔ یہ کام خاص طور پر بوڑھے کو سونپا گیا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کئی لڑکیوں کی گردنوں پر اس طرح تلواریں رکھ کر کپڑا لپیٹا تھا۔ اس دفعہ وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی گردن پر کپڑا لپیٹتے ہوئے خوف کھا رہا تھا۔

اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ وہ یہ ظلم کب تک کرتا رہے گا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے۔ بوڑھے نوکر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آنے والے نوجوان کو سب کچھ بتا دے گا۔ اس طرح وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی جان بھی بچا لے گا اور اس نوجوان کو بھی قتل ہونے سے بچا لے گا۔ اب وہ نوجوان عنبر کی راہ دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جادوگر نوجوان کو لے کر حویلی میں آ گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان لڑکی زمین پر بے ہوش پڑی ہے۔ اور اس کی گردن کے اوپر کپڑا لپیٹا ہوا ہے۔

جادوگر نے کہا۔

”میاں عنبر، یہی وہ میری بدنصیب بچی ہے جسے میں نے اپنے چلے کی خاطر بے ہوش کر دیا ہے، اگر تم نے اس کی گردن پر ہاتھ نہ مارا تو نہ صرف یہ کہ میری بچی مر جائے گی بلکہ میرا چلہ بھی ادھورا رہ جائے گا۔ بس اب تم اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارو تاکہ یہ پھر زندہ ہو جائے اور میرا چلہ بھی پورا ہو جائے۔“

عنبر نے سوچا کہ آخر گردن پر ہاتھ مار دینے سے کیا ہو گا۔ لڑکی تو مرے گی بالکل نہیں۔ وہ تیار ہو گیا۔ ابھی اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ بوڑھے نے اس کا ہاتھ روک دیا اور جادوگر سے کہا۔

"سرکار، مشک تو آپ نے جلایا ہی نہیں"۔

جادوگر بولا۔

"ارے، یہ تو میں بھول ہی گیا۔ میاں عنبر میں ابھی اپنے صندوق سے جادو کا مشک لے کر آتا ہوں۔ اس کے دھوئیں کے بغیر یہ چلہ پورا نہیں ہوگا۔ میں ابھی آیا"۔

جادوگر وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

جادوگر باہر گیا تو بوڑھے نوکر نے شروع سے لے کر آخر تک عنبر کو سارا قصہ کھول کر بیان کر دیا کہ کس طرح جادوگر ہمیشہ زندہ رہنے کے پاگل پن میں کتنی ہی بے گناہ لڑکیوں اور نوجوانوں کی زندگیاں ختم کر چکا ہے۔ عنبر کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بڑا پریشان ہے کہ اس سے خواہ مخواہ ایک لڑکی کا خون ہونے والا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"بابا" آپ نے مجھے قاتل بننے سے بچا لیا۔ اگر آپ جادوگر کو بہانے سے مشک لینے نہ بھیجتے تو میں لڑکی کی گردن پر ہاتھ مار دیتا اور کپڑے کے نیچے چھپی تلوار لڑکی کی گردن میں گھس کر اسے ہلاک کر دیتی"۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

"میاں عنبر یہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر مشک ایسی جگہ چھپا دی تھی تاکہ عین وقت پر جادوگر کو یاد دلاؤں اور جب وہ باہر جائے تو میں آپ کو ساری بات بیان کر دوں"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ جادوگر بڑا ظالم ہے۔ اگر اس کو ختم نہ کیا گیا تو پھر ابھی نہ جانے یہ کتنی لڑکیوں اور بے گناہ نوجوانوں کا خون کرے گا۔ اس لیے تم لڑکی کی گردن کے نیچے سے تلوار کھینچ لو اور میں اس تلوار سے خود جادوگر کو

ہلاک کروں گا"۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے مگر۔۔۔ یہ نوجوان جادوگر بڑا مکار ہے۔ اس کے جادو میں بڑا اثر ہے۔ اس کے پاس کالا جادو ہے۔ وہ اپنے جادو سے تجھے آگ میں بھسم کر دے گا"۔

عنبر مسکرایا۔

"بابا' تم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لو گے کہ جادوگر کا جادو مجھ پر نہیں چلے گا اور وہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گا"۔

بوڑھا نوکر بولا۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹا۔ اس ظالم شخص کو تو کوئی بھی شخص آج تک ہلاک نہیں کر سکا"۔

اتنے میں مشک لے کر جادوگر کوٹھڑی میں آ گیا۔

"لو میاں عنبر، مشک تو میں لے آیا۔ اب اسے جلاتا ہوں اور تم اپنا کام کرو"۔

عنبر نے گرج کر کہا۔

"بس اب آگے کچھ نہ کرنا۔ آج سے تمہارا یہ ظلم کا کھیل بند ہوتا ہے۔ اب تم کسی کو قتل نہ کر سکو گے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ میں تم سے ان تمام معصوم لڑکیوں اور بے گناہ آدمیوں کے خون کا بدلہ لوں گا، جن کو تم نے باری باری مار ڈالا اور ان کا خون پی گئے"۔

جادوگر کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے خواب میں بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ یہ نوجوان اس کے راز کو پا لے گا اور اس کے خلاف ہو کر اس کی جان کا دشمن ہو جائے گا۔ مگر اب وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ جادوگر سمجھ گیا کہ بوڑھے نوکر نے غداری کی ہے۔ اور عنبر کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ جادوگر نے اپنی کمر سے

تلوار کھینچ کر نکالی اور عنبر کے سامنے آ گیا۔ عنبر نے بھی تلوار سونت لی۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہو گیا۔

جادوگر کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے بڑی چالاکی سے عنبر کی گردن پر تلوار کے دو چار ہاتھ مارے اور یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا کہ تلوار اس کی گردن پر لگ کر یوں اچٹ گئی تھی جیسے اس کی گردن پتھر کی ہو۔

دوسری طرف عنبر بڑھ بڑھ کر جادوگر پر وار کر رہا تھا۔

اس کی تلوار جادوگر کے چاروں طرف چل رہی تھی۔ جادوگر اب وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بھاگ جائے۔ کیونکہ وہ عنبر کو مار ہرگز نہیں سکتا تھا۔

عنبر بھی سمجھ گیا کہ جادوگر بھاگنے کی سوچ رہا ہے۔ ایک بار جادوگر بھاگنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ عنبر نے لپک کر تلوار ماری اور جادوگر کی

گردن کٹ کر پرے جا گری۔ جادوگر مر گیا۔ بوڑھے نوکر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک پتھر دل ظالم مر گیا تھا۔ عنبر اور بوڑھے نے مل کر لڑکی کو ہوش دلایا۔ بوڑھا لڑکی کو لے کر اس کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور عنبر جنگل والی جادوگر کی جھونپڑی میں جا کر سو گیا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ جہاز کے آنے تک وہیں قیام کرے گا۔

شاہی قبرستان

ماریا کو غار کے مقبرے میں پڑے ایک مہینہ گذر گیا ہے۔

وہ پتھر کا بت بنی تابوت میں پڑی ہے۔ نہ اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے۔ وہ اپنے جسم کو ہلا بھی نہیں سکتی۔ اس کا سارا جسم پتھر بنا ہوا ہے۔ صرف وہ سن سکتی ہے، بول بھی نہیں سکتی۔ وہ دیکھ سکتی ہے۔ مگر ڈیلے زیادہ نہیں ہلا سکتی۔ وہ مردہ نہیں۔ مگر مردہ بھی ہے۔ اس کا ذہن سوچ رہا ہے۔ اپنے بھائی عنبر اور ناگ کے بارے میں، خدا جانے وہ اپنی بہن کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اسے

کہاں کہاں تلاش کر رہے ہوں گے۔ انہیں کبھی پتہ نہیں چل سکتا کہ ان کی بہن ماریا ٹیلے کے غار والے تہہ خانے کے مقبرے میں ایک تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہے۔ وہ صبح و شام تابوت کے اندر لیٹی دل میں سوچتی رہتی کہ کبھی نہ کبھی تو شاید اس کی قسمت کے دن پھر جائیں گے۔ شاید کبھی اسے تلاش کرتے کرتے اس کا کوئی بھائی وہاں پہنچ جائے گا۔

وہ مقبرے کے تابوت میں زندہ دفن تھی۔

ادھر شاہی محل میں وزیر اور سپہ سالار نے بغاوت کے کام کو تیز کر دیا تھا۔ وہ ایک پل ضائع کیے بغیر جلدی سے جلدی ناگ کو قتل کر کے بادشاہ اور شہزادے کی رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں۔ تین بار ناکام ہونے کے بعد سپہ سالار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود اس دفعہ جا کر ناگ کا کام تمام کر دیگا۔

اس مقصد کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ رات کو سوتے میں ناگ کے کمرے میں جا کر اسے قتل نہیں کرے گا۔ بلکہ اسے کسی بہانے شہر سے باہر شاہی قبرستان میں لے جائے گا اور وہاں موقع پا کر اسے ختم کر دے گا۔ یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔

سپہ سالار نے ایک روز ناگ سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ وہ شاہی قبرستان میں اپنے باپ کی قبر پر پھول چڑھانے جا رہا ہے۔

"اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو اس سے میرے باپ کی روح کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں رواج ہے کہ باپ کی قبر پر کبھی اکیلے نہیں جاتے بلکہ اپنے کسی خاص پیارے دوست کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ تم مجھے بہت پیارے ہو۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟"

ناگ بھولا بھالا نوجوان تھا زیادہ مکر و فریب نہیں جانتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کیساتھ فریب نہیں کیا تھا، بولا:

"سپہ سالار صاحب، اگر آپ کی مرضی ہے۔ آپ کی خواہش ہے تو ضرور جاؤں گا۔ اگر آپ کے باپ کی روح کو میرے جانے سے ثواب مل سکتا ہے۔ تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تیار ہوں"۔

سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔

"دیوتا تمہیں خوش رکھیں میرے دوست۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ آؤ میرے ساتھ"۔

سپہ سالار نے پھولوں کے ہار لیے اور ناگ کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں شاہی قبرستان کی طرف چل پڑے۔ شاہی قبرستان شہر سے باہر پہاڑیوں میں ایک ویران جگہ پر تھا۔ یہاں دن کو بھی ویرانی چھائی رہتی تھی۔ قبرستان کے دروازے پر شاہی چوکیدار

نے سپہ سالار کو جھک کر سلام کیا۔ سپہ سالار نے اسے کچھ سونے کے سکے خیرات کیے اور ناگ کو لے کر قبروں میں چلنے لگا۔ گھوڑے انہوں نے قبرستان کے دروازے پر ہی چھوڑ دیے تھے۔ یہاں ہر طرف شاہی خاندان کی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔

شاہی قبروں میں ایسی بھی قبریں تھیں جو کئی کئی سو سال پرانی تھیں۔ سپہ سالار ناگ کو بتاتا جاتا تھا کہ فلاں قبر کس بادشاہ کی ہے اور فلاں کس بادشاہ کی رانی یا رشتے دار کی ہے۔ ناگ بڑے غور سے ایک ایک قبر کو دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اس شاہی قبرستان میں نہیں آیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سپہ سالار اسے قتل کرنے کے لیے وہاں لایا ہے۔ وہ قبروں پر لکھے ہوئے کتبوں کو بھی پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ قبرستان میں کافی دور نکل آئے۔ یہاں سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"سپہ سالار صاحب، آپ کے والد کی قبر کہاں ہے؟"

سپہ سالار نے یونہی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہیں کہیں تھی۔ اصل میں میں بہت دیر بعد ادھر آیا ہوں"۔

پھر وہ ایک قبر کی طرف یوں ہی اشارہ کر کے بولا۔

"وہ ہے میرے باپ کی قبر"۔

یہ قبر ایک شکستہ اور پرانی قبر تھی۔ جس کے نیلے پتھر پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا۔ ناگ نے قبر کے پتھر کو دیکھ کر کہا۔

"مگر اس کے پتھر پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا؟"

سپہ سالار نے کہا۔

"پرانی قبر ہے۔ پتھر بھی پرانا تھا۔ جو کچھ لکھا وہ مٹ گیا۔ سوچتا ہوں باپ کی روح کیا کہتی ہوگی۔ ایک نیا سفید پتھر پھر سے یہاں لکھوا

دوں"۔

ناگ بولا:

"ہاں یہ ضرور کریں۔ بزرگوں کی روحوں کا ہمیں بہت خیال رکھنا چاہیے"۔

پھول چڑھانے کے بعد ناگ وہاں عبادت کرنے لگا۔ سپہ سالار نے بھی جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر لیں اور چوری چوری ناگ کو تکنا شروع کر دیا۔ وہ اس پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ سپہ سالار نے خنجر نکال کر اپنے ہاتھ میں چھپا کر پکڑ لیا تھا۔ وہ ایک ہی وار سے ناگ کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا۔ ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کے خلاف کس قدر بڑی سازش ہو رہی ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ سچے دل سے سپہ سالار کے فرضی باپ کی قبر پر دعا مانگ رہا تھا۔

اچانک ناگ کو خطرے کا احساس ہوا۔ یہ بات خاص طور پر ناگ کے اندر موجود تھی۔ اسے سانپ ہونے کی وجہ سے عین وقت پر خطرے کا احساس ہو جاتا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ خطرہ کدھر ہے؟ اس کے پاس تو اس کا دوست سپہ سالار کھڑا تھا۔ پھر اسے خطرہ کس سے ہو سکتا تھا۔ لیکن اسے فوراً ہی پتہ چل گیا کہ خطرہ کدھر سے تھا ٹھیک اس وقت سالار نے ناگ کو غافل جان کر خنجر والا ہاتھ اٹھا کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ تڑپ کر پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر اس کی گردن میں پیوست ہو گیا تھا۔ ناگ کے پرے ہٹتے ہی سپہ سالار بپھر گیا۔ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے جا رہا تھا۔ ناگ بھی پوری طرح سے چوکس ہو گیا تھا۔ اس کا دشمن کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ ناگ نے زمین پر سے ایک لکڑی اٹھالی اور اسے ڈھال بنا کر خنجر کے وار روکنے لگا۔ اس نے سپہ سالار سے کہا۔

"سپہ سالار! یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تم تو میرے دوست بنتے تھے۔ پھر

تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ویسے میرے کانوں میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ تم میرے دشمن ہو، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ آج یقین آگیا"۔

سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

"اگر یقین آگیا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"سپہ سالار، اب بھی وقت ہے اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ اور اپنی جان بچا کر واپس چلے جاؤ۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تم پر رحم آتا ہے"۔

سپہ سالار نفرت سے چلایا۔

"اے معمولی دو کوڑی کے نوجوان، تمہاری یہ مجال کہ مجھ پر ترس کھاؤ۔ اپنی حیثیت پہچان کر بات کرو۔ میں اس ملک کی ساری فوج کا سپہ سالار ہوں۔ میں اگر چاہوں تو بادشاہ کو بھی تخت سے نیچے اتار سکتا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"تو پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ تم کس کا انتظار کر رہے تھے؟"

سپہ سالار بولا:

"اس کی وجہ بھی تم ہی تھے۔ اب میں تمہاری زندگی کا چراغ اسی لیے گل کر رہا ہوں کہ اپنی حکومت کا چراغ روشن کر سکوں۔ لو اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"اے سپہ سالار! میں آخری بار تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ ہتھیار پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر تم اب بھی اپنی ضد پر اڑے

رہے تو پھر تمہاری موت میرے ہاتھوں ہوگی اور تمہاری موت پر میں اپنے ہاتھ سے مہر لگاؤں گا اور مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا"۔

"بکواس بند کرو اے معمولی گھٹیا آدمی' اب اگر تم نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں تمہاری زبان کاٹ کے رکھ دوں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ کے لیے اب یہی ایک راستہ تھا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے سپہ سالار کو مار ڈالے۔ سپہ سالار نے ناگ پر حملہ کیا۔ ناگ دوڑ کر بڑے سے گول پتھر کے پیچھے گر پڑا۔ فرش پر گرتے ہی ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور پلک جھپکتے ہی ایک خونخوار شیر بن کر سپہ سالار کے سامنے آ گیا۔ اس کی دھاڑ سے ساری وادی اور شاہی قبرستان گونج اٹھا۔ سپہ سالار کی تو سٹی گم ہو گئی۔ اس کی سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ ناگ کہاں چلا گیا اور یہ شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ اس جگہ کبھی کسی نے شیر کو نہیں دیکھا تھا۔ شاہی قبرستان میں ویسے بھی شیر کا کوئی کام نہیں تھا۔ اور پھر اس علاقے میں شیر کہیں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ادھر جنگل ہی بہت کم گھنے تھے۔ ناگ شیر کے روپ میں ایک بار پھر زور سے گرجا۔ اس کی دھاڑ سے سپہ سالار کا دل کانپ اٹھا۔

یہ دھاڑ عام شیروں کی دھاڑ سے بہت مختلف تھی۔ شیر ایک جگہ کھڑا سپہ سالار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا شیر تھا جس کی آنکھوں سے آگ کے شرارے نکل رہے تھے۔ سپہ سالار اس خیال سے بڑا خوفزدہ ہو رہا تھا کہ ناگ کہاں گم ہو گیا؟ کہیں یہ شیر ناگ تو نہیں؟ مگر ایک جیتا جاگتا انسان کیسے شیر بن سکتا ہے؟ سپہ سالار کے دماغ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ ڈر بھی رہا تھا'

حیران بھی تھا اور خنجر سے شیر کا مقابلہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اور شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ بھی رہا تھا۔ شیر اسے موقع دے رہا تھا کہ وہ اس دنیا کی ہوا میں زندگی کے کچھ اور سانس لے لے۔ اس کی شیر کے ہاتھوں موت یقینی تھی۔ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ سپہ سالار سے کچھ باتیں کرنی چاہئیں۔ اس نے کہا۔

"سپہ سالار مجھے پہچانتے ہو؟"

سپہ سالار کی ٹانگیں ناگ کی آواز سن کر کانپنے لگیں۔ وہ اتنا کہہ ہی سکا۔

"ناگ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں۔۔۔ اب تم مجھ سے بچ نہ سکو گے۔ میں تم سے ان تمام لوگوں کا بدلہ لوں گا جن کو تم نے قتل کروایا یا قتل کر دیا۔"

سپہ سالار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار

نے خنجر شیر کی گردن میں مارنا چاہا مگر اس سے پہلے شیر نے ایک زبردست تھپڑ سپہ سالار کے منہ پر مارا۔ شیر کے پنجے میں اس قدر طاقت تھی کہ سپہ سالار کے چہرے کا ایک حصہ بالکل اڑ گیا اور وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

شیر نے قریب جا کر ایک اور تھپڑ اس کی کھوپڑی پر مارا جو دو ٹکڑے ہو گئی۔ سپہ سالار کی آنکھوں میں زندگی کی آخری شمع بجھنے لگی۔

ناگ نے پھنکار مار کر جون پھر سے بدل لی۔ وہ پھر سے انسان بن گیا۔ سپہ سالار نے آخری بار ناگ کو شیر سے انسان بنتے دیکھا اور ایک جھرجھری سی لے کر ہمیشہ کے لیے سو گیا۔ سپہ سالار مر گیا تھا۔

ناگ نے اس کے جسم پر قریب سے جھاڑیاں اور سوکھے پتے اٹھا کر ڈالے اور واپس اپنے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل میں آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر عنبر اور ماریا کو

یاد کرنے لگا۔

شام ہو گئی۔

ناگ کمرے سے باہر نکلا اور بادشاہ کے کمرے کی جانب اسے دوائی کھلانے چل دیا۔ رات گزر گئی۔ دن چڑھا۔ سپہ سالار کے گم ہو جانے کی خبر سارے محل میں پھیل گئی۔ فوج نے سپہ سالار کی تلاش شروع کر دی۔ اس کی گمشدگی سے وزیر سب سے زیادہ پریشان تھا۔ وہ خود سپاہیوں کا دستہ لے کر سپہ سالار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تلاش کرتے کرتے کسی نے آ کر بتایا کہ سپہ سالار کی لاش شاہی قبرستان میں پڑی ہے۔ بادشاہ اور وزیر وہاں پہنچ گئے۔ لاش سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے شیر نے پنجہ مار کر ہلاک کیا ہے۔ سپہ سالار کے چہرے اور گردن پر شیر کے پنجوں کے نشان تھے۔ بادشاہ اور وزیر بڑے حیران ہوئے کہ اس طرف شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ

وہاں کبھی کسی نے یہ نہیں سنا تھا کہ شیر نے آ کر کسی کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

”وزیر صاحب، شاہی قبرستان میں شیر کہاں سے آ گیا؟“

وزیر نے حیرانی سے کہا۔

”حضور انور، میں خود حیران ہوں کہ یہاں شیر کدھر سے آ گیا؟ ہمارے ملک کے جنگلوں میں بھی کہیں کہیں ہی شیر دیکھا جاتا ہے اور اس نے بھی آج تک کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر یہ کیا چکر ہے؟ یہ شیر کہاں سے آ گیا تھا؟“

بادشاہ کہنے لگا۔

”میں خود حیران ہوں، بہر حال سپہ سالار کی لاش پورے اعزاز اور شاہی رسموں کے مطابق دفن کی جائے گی۔“

سپہ سالار کو شاہی قبرستان میں دفن کر دیا گیا تو وزیر گہری سوچ میں

ڈوبا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کی سمجھ سے یہ معمہ نہیں کھل رہا تھا کہ ناگ کیسے سپہ سالار کے خنجر سے بچ گیا اور سپہ سالار کو ہلاک کرنے والا شیر کہاں سے آ گیا؟

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اب ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ چاہے اس کی اپنی جان چلی جائے۔ وہ ناگ کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے رہے گا۔ صاف ظاہر تھا کہ وزیر کی موت بھی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اس کی بھی موت قریب تھی۔

ناگ نے بادشاہ اور شہزادے کو اتنا ضرور بتا دیا کہ سپہ سالار اسے بہانے بہانے سے شاہی قبرستان لے گیا تھا۔ وہاں جا کر اس نے ناگ پر حملہ کیا تھا۔ پھر اچانک ایک طرف سے شیر نکل آیا، جس نے سپہ سالار پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ ڈالا۔ اگر شیر وہاں نہ آ جاتا تو ناگ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے کو یہ ہرگز نہ بتایا کہ یہ اس کی اپنی کارستانی تھی اور اس نے خود شیر بن کر سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ادھر وزیر ناگ کو ختم کرنے کی سازش تیار کر رہا تھا اور ادھر ناگ نے ماریا کو تلاش کرنے کی مہم تیز کر دی تھی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے باہر والے ویرانوں اور قبرستان میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ اسے جگہ جگہ آوازیں دیتا۔ اس کا نام لے لے کر اسے آہستہ آہستہ سے پکارتا۔ مگر ماریا کی آواز کسی طرف سے بھی سنائی نہ دیتی۔

ایک روز وہ ماریا کی تلاش سے تھک ہار کر واپس شاہی محل کی طرف آ رہا تھا وہ تالاب والی پہاڑی کے قریب سے گزرا تو اچانک اس کی نگاہ پہاڑ کی ڈھلان پر ایک جگہ پڑی جہاں سے کچھ پتھر نیچے گرے ہوئے تھے۔ ناگ کے قدم رک گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ سے پتھروں کو گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ایک غار سا

نمودار ہو گیا۔ دو چار اور پتھر نیچے گر پڑے۔ ناگ کو اچانک خیال آیا کہ یہ تو وہی مقبرے والا غار ہے جہاں ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں آ کر بین کیا کرتی ہے۔ کہیں ماریا اس مقبرے میں تو نہیں گئی؟

اس خیال کے ساتھ ہی ناگ غار کے اندر سیڑھیاں اترنے لگا۔

خوفناک ناول

(قسط نمبر ۳۲)

سلیمانی انگوٹھی

اے حمید

فہرست

مقبرے کا بھوت

ملکہ سلامبو

خون پیتی لاش

حبشی لڑکی

آدھی رات

سلیمانی انگوٹھی

زہریلا جال

جادوگر کی موت
ظلم کا بدلہ
ویل مچھلی

مقبرے کا بھوت

ناگ غار کی سیڑھیاں اتر کر مقبرے میں آ گیا۔

عنبر اور ماریا کے ساتھ وہ ایک بار اس مقبرے کو دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس مقبرے میں ہزار برس پہلے کے ایک بادشاہ اور ایک ملکہ کی قبریں ہیں۔ بادشاہ کو اسکے غدار وزیر نے سازش کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور اس کی ملکہ اپنے بادشاہ کی قبر پر روتے روتے اس کے غم میں مر گئی تھی۔ اب چاندنی راتوں میں ملکہ کی بے چین رو

مقبرے میں آ کر بین کیا کرتی تھی۔ ساری باتیں سوچتے ہوئے ناگ مقبرے کے اندر ایک جگہ رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ اس جگہ آ گیا تھا جہاں ایک چبوترے پر بادشاہ اور ملکہ دونوں کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔

ناگ نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔ یہ اس کا وہم تھا۔ مقبرے میں ہر طرف سناٹا تھا، گہری خاموشی تھی۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ قبروں کے قریب آ کر ناگ نے قبروں کے ساتھ لگے ہوئے پتھروں کو غور سے دیکھا وہاں جو کچھ ہزار برس پہلے کھدا ہوا تھا وہ مٹ چکا تھا۔ قبروں کے پہلو میں ایک چھوٹا سا راستہ دیوار کے ساتھ اندر کو جا رہا تھا۔ ناگ پہلے کبھی اس راستے پر نہ گیا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے ماریا اندر آئی ہو اور وہ اس راستے پر سے ہو کر آگے نکل گئی ہو۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ راستے آگے جا کر بند ہو جاتا ہے یا کسی طرف کو نکل جاتا ہے۔

ناگ ماریا بہن کی تلاش میں بڑی سوچ بچار سے کام لے رہا تھا۔ اس کو جوش بھی تھا مگر وہ ہوش بھی رکھتا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر تنگ راستے پر چل دیا۔ یہ راستہ آگے جا کر ایک طرف کو مڑ گیا۔ ناگ بھی اسی طرف گھوم گیا۔ یہاں غار کی چھت نیچی ہو گئی تھی۔ اور ناگ کو سر جھکا کر چلنا پڑ رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں ماریا کو بھوت کی آواز آئی تھی۔

ناگ اپنی جگہ پر خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور غور کرنے لگا کہ اس مقبرے میں یہ راستہ کدھر کو جا نکلتا ہے؟ آگے اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ چل کر دیکھنا چاہیے کہ کہیں ماریا وہاں تو کسی مصیبت میں نہیں پھنس گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماریا اسی مقبرے میں کسی

جگہ پر ہے۔ بھائی کو بہن کی خوشبو آنے لگی تھی۔ ناگ ابھی دو قدم ہی چلا ہوگا کہ اچانک اسے کچھ آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم رک گیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر سننے لگا کہ یہ آواز کیسی ہے؟

یہ آواز اسی بھوت کی تھی جو پاؤں گھسیٹتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ بھوت کو احساس ہوگیا تھا کہ کوئی آدمی مقبرے میں گھس آیا ہے۔ انسانوں کا یہ بھوت جانی دشمن تھا اور انہیں ماریا کی طرح پتھر بنا کر تابوتوں میں بند کرنا چاہتا تھا۔ پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ناگ نے اندازہ لگایا کہ آواز غار کے اگلے حصے کی جانب سے آ رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ناگ کو خیال آیا کہ وہ سکتا ہے یہ کوئی آسیب ہو۔ کوئی بھوت پریت یا کوئی روح ہو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی جون بدل کر کوئی جانور بن جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی ناگ نے آنکھیں بند کر کے سانس اندر سینے میں کھینچ لیا۔ پاؤں کے گھسٹنے کی آواز زیادہ قریب آ گئی تھی۔ ناگ نے آہستہ سے پھنکار ماری اور سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ غار کی دیوار پر چڑھا اور رینگتا ہوا ایک طرف اندھیرے میں چھپ کر دیکھنے لگا کہ آواز کس کی ہے اور کون آ رہا ہے؟

اب آواز کے ساتھ اسے ایک دہشت ناک آواز بھی سنائی دی۔

”تم بچ کر نہیں جاؤ گے۔ تم آ گئے ہو تو اب آ جاؤ۔ میں تمہیں سلا دوں گا۔ ہمیشہ کے لیے سلا دوں گا“۔

ناگ سانپ بنا ہوا تو ایک بار کانپ گیا۔ آواز میں بڑی دہشت تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بھوت بڑی تکلیف میں بول رہا ہے۔ سانپ اب انتظار کرنے لگا کہ وہ اپنی آنکھوں سے بھوت کو دیکھے۔ اس کی لال آنکھیں اندھیرے میں اب ہر شے کو صاف دیکھ

رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد سانپ نے دیکھا کہ ایک دھوئیں کا انسان نما گولا غار میں اس طرف بڑھا آ رہا ہے۔ جہاں ناگ تھوڑی دیر پہلے کھڑا تھا۔ وہ حیرانی سے دھوئیں کے اس گولے کو دیکھنے لگا جس کی شکل کسی ایسے انسان سے ملتی جلتی تھی جس کا قد بہت بڑا ہو اور جس کے سر پر دو لمبے لمبے سینگ ہوں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس مقبرے کا بھوت ہے۔ بھوت ٹھیک ناگ کی جگہ پر آ کر رک گیا۔ دھوئیں کا گولہ ادھر ادھر گھوم کر تکنے لگا کہ جس انسان کی اس کو بو آئی تھی وہ کہاں ہے؟

بھوت نے ایک قہقہہ لگایا۔ اس کا قہقہہ بڑا ڈراؤنا تھا جس کی آواز دیر تک غار کے اندر گونجتی رہی۔

”تم مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ تم مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتے میں ابھی تمہیں تلاش کر لوں گا۔ میں بھوت ہوں۔ میں تمہیں قابو کر کے چھوڑوں گا“۔

بھوت نے زور سے پھونک ماری۔ اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکلا جس نے غار کی دیوار کو چاٹنا شروع کر دیا۔ سانپ جلدی سے رینگتا ہوا چھت پر چلا گیا۔ بھوت کا شعلہ دیواروں کو چاٹتا رہا پھر شعلہ بجھ گیا۔ بھوت نے ایک اور قہقہہ لگا کر کہا:

”تم بھسم ہو گئے ہو۔ تم میری آگ میں جل کر خاک ہو گئے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ ہا ہا ہا۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔“

سانپ بڑا خوش ہوا کہ بھوت دھوکا کھا گیا۔

وہ چھت سے چمٹا ہوا تھا۔ رینگ کر دیوار پر آ گیا۔ دیوار ابھی تک گرم تھی۔ وہ دیوار میں ابھرے ہوئے ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا۔ بھوت نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑی آزادی کے ساتھ مقبرے کی قبروں کے آس پاس چکر لگانے لگا۔ وہ بڑی

آہستہ آہستہ پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا۔ چکر لگاتے لگاتے وہ ملکہ کی قبر کے پاس رک گیا۔ اس نے لمبا ہاتھ بڑھا کر قبر کے پہلو میں سے پتھر کی ایک سل اتار کر پرے پھینک دی۔ وہاں ایک شگاف نکل آیا۔ بھوت نے شگاف کے اندر ہاتھ ڈالا اور مٹی کا ایک مرتبان نکال کر باہر رکھ دیا۔ اس مرتبان کے اوپر ڈھکن چڑھا ہوا تھا۔ سانپ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور حیران ہو رہا تھا کہ بھوت مٹکے میں سے کیا نکالنے والا ہے؟ بھوت نے مٹکے کے اوپر جھک کر قہقہہ لگا کر کہا۔

”اے ملکہ کی بے چین روح! کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟“

ناگ فوراً جان گیا کہ بھوت نے ملکہ کی روح کو مرتبان کے اندر قید کر رکھا ہے۔ سانپ ہونے کی وجہ سے وہ جانتا تھا کہ بھوتوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھٹکی ہوئی روحوں کو جس جگہ چاہیں قید کر کے رکھ لیں۔ بھوت نے ایک قہقہہ لگا کر ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

”اے بدنصیب ملکہ کی روح! کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟“

مرتبان کے اندر سے ملکہ کی بھٹکی ہوئی روح کی اداس آواز سنائی دی۔ اس آواز میں عاجزی اور رحم کی درخواست تھی۔

”اے بھوت! مجھ پر رحم کر اور مجھے آزاد کر دے۔ اس مٹکے کے اندر میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔۔۔“

بھوت نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

”بدنصیب ملکہ! تمہاری وجہ سے میرا بچہ مر گیا ہے۔ میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تم سے اپنے بچے کی موت کا بدلہ لوں گا۔ تم قیامت تک اس چھوٹے سے مرتبان میں قید رہو گی۔“

ملکہ کی روح نے عاجزی سے کہا:

”اے بھوت! میں نے جان بوجھ کر تمہارے بچے کو نہیں مارا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ کبھی تمہارے

علاقے میں نہیں آؤں گی''۔

بھوت نے سخت غصے میں آ کر کہا۔

''خاموش بدنصیب روح! تم نے جان بوجھ کر کیا ہے یا نہیں اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مگر تمہاری وجہ سے میرے بچے کی موت ہوئی ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گا''۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

''اے بھوت مجھ پر ترس کھاؤ۔ میں پہلے ہی ایک غم زدہ بھٹکی ہوئی روح ہوں اور اپنے بادشاہ کی روح کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ میرے بادشاہ کو ایک ہزار برس پہلے قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ بھی بد قسمت تھا۔ میں بھی بد قسمت ہوں کہ اپنے خاوند سے بچھڑ کر ہزار سال سے اس کی روح کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں''۔

بھوت نے چیخ کر کہا۔

''تو پھر میں کیا کروں۔ کیا میں نے تمہارے بادشاہ کو قتل کیا تھا؟ اگر میں نے تمہارے بادشاہ کو قتل نہیں کیا تو پھر تو نے میرے بچے کو کیوں مار ڈالا۔ بس۔ اب بکواس بند کر۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا''۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

''اے آسمانوں کے مالک میری فریاد سن۔ مجھ پر رحم کر اور مجھے اس بھوت کے ظلم سے نجات دلا''۔

اس پر بھوت کو سخت غصہ آیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

''خاموش بد بخت ملکہ! اگر تو نے پھر خدا کا نام لیا تو میں تمہیں پھونک مار کر بھسم کر دوں گا اور تو آسمانوں سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے گی۔ اب تو تمہیں امید ہے کہ شاید تیرے بادشاہ کی روح کبھی مل جائے۔ پھر یہ امید بھی ختم ہو جائے گی''۔

ملکہ کی روح نے جلدی سے کہا:

"نہیں نہیں! خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ اب میں کسی کے آگے فریاد نہ کروں گی۔ اب میں کسی کو مدد کے لیے نہیں پکاروں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ تو بیشک قیامت تک مجھے اس مرتبان میں بند رکھ۔ میں کبھی شکایت نہیں کروں گی"۔

بھوت کھلکھلا کر بولا۔

"ہاں۔۔۔ اب آئی ہو تم سیدھے راستے پر۔ بس اب خبردار آئندہ کبھی میرے سامنے اپنے خدا کا نام مت لینا۔ میں جا رہا ہوں"۔

اور بھوت مٹی کے مرتبان کو مقبرے کے شگاف کے اندر رکھا۔ باہر پتھر کی سل جڑ دی اور آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹتا واپس جدھر سے آیا تھا ادھر کو چلا گیا۔ ناگ نے یہ سارا تماشا اپنی لال لال آنکھوں سے پوری طرح دیکھا تھا۔ بھوت چلا گیا تو ناگ چپکے سے چھت پر سے رینگ کر نیچے فرش پر آ گیا۔ وہ ابھی انسان کے روپ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ کیونکہ بھوت کے پھر واپس آ جانے کا خطرہ تھا۔ وہ ناگ کو انسان کی شکل میں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ سانپ مقبرے سے رینگتا ہوا غار کے دروازے پر آ گیا۔ غار سے باہر نکل کر اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی اور واپس شاہی محل میں آ گیا۔

بھوت مقبرے کے دالان میں سے گزر کر دیوار کے شگاف میں سے ہو کر اس کوٹھڑی میں آیا جہاں ماریا تابوت کے اندر پتھر بنی لیٹی ہوئی تھی۔ ماریا کئی روز سے اس تابوت میں پتھر کی موت بنی پڑی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سو بھی رہی ہے اور جاگ بھی رہی ہے۔ اس کا سارا بدن پتھر بن گیا تھا۔ مگر آنکھیں حرکت کر رہی تھیں۔ اور کوٹھڑی کی چھت کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سن بھی رہی تھی۔ مگر نہ ہل جل سکتی تھی۔ اور نہ کوئی لفظ زبان سے ادا کر سکتی تھی۔ اسے بھوت کے

پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلنے کی دور سے آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گئی کہ بھوت اس کی طرف آ رہا ہے۔

وہ سوائے تابوت میں بے حس پتھر بن کر پڑی رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ پتھر بنی پڑی رہی۔ پاؤں کی آواز قریب آ گئی۔ پھر ماریا نے اپنے اوپر ایک سفید گولے کو جھکتے ہوئے دیکھا جس میں سے دو سرخ انگارہ آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ یہ بھوت کی آنکھیں تھیں۔ بھوت نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔ ماریا سہم گئی۔

"سنو! تمہارا انجام اسی تابوت میں آئے گا۔ قیامت کے روز تک تم اس تابوت میں پڑی رہو گی۔۔ میں نے ملکہ کی روح کو بھی قید کر رکھا ہے۔ وہ بھی قیامت تک قید رہے گی۔ مجھے آج مقبرے میں کسی اور انسان کی بو آئی تھی۔ مگر وہ شاید بچ کر نکل گیا۔

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس مقبرے میں اگر کوئی انسان آیا تھا تو وہ ضرور عنبر یا ناگ بھائی ہوگا۔ وہ ضرور ماریا کی تلاش میں آیا ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اس خوفناک بلا سے بچ کر چلا گیا۔ نہیں تو اس کا انجام بھی یہی ہوتا کہ کسی کوٹھڑی کے تابوت میں پتھر بنا کر لٹا دیا جاتا۔ ماریا کو خوشی ہوئی کہ ناگ بھائی اسے تلاش کرتا کرتا مقبرے تک پہنچ گیا ہے۔ بھوت بولے جا رہا تھا۔

"اگر وہ انسان پھر اس مقبرے میں آیا تو مجھ سے بچ کر نہ جا سکے گا۔ اس بار وہ مجھے دھوکا دے کر جان بچا کر چلا گیا۔ دوسری بار اسے اتنی مہلت نہیں دوں گا۔ میں اسے پتھر بنا کر تابوت میں قید کر دوں گا۔ جس طرح میں نے تمہیں پتھر بنا کر قید کر رکھا ہے"۔

ماریا بھوت کی لال لال انگارہ آنکھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اسے جواب دینا چاہتی تھی لیکن بول نہیں سکتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ بے بس تھی۔ بے حس تھی۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھی۔ بھوت نے

ایک بار پھر قہقہہ لگایا اور اسی طرح پاؤں کو گھسیٹتا کوٹھڑی میں سے نکل گیا۔ اپنے پیچھے وہ دیوار کے شگاف کو پتھر کی سل سے بند کرتا گیا۔

ماریہ کے دل میں اچانک ایک خیال آیا کہ یہ اگر بھوت ہے تو پھر اسے دیوار کی سل اتار کر اندر آنے کی ضرورت ہے؟ بھوت تو دیوار میں سے آر پار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ دیوار ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھوت کیسا ہے کہ پتھر ہٹا کر اسے کوٹھڑی میں آنا پڑتا ہے۔ کہیں یہ کوئی انسان تو نہیں جس نے بھوت کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے؟ یہ ایک انوکھا خیال تھا جو ماریہ کے دماغ میں آیا تھا۔ اب وہ خیال کرنے لگی کہ بھوت کی آنکھوں میں انسانی آنکھوں جیسی چمک ہے۔ وہ آنکھیں کسی سانپ کی آنکھوں سے ملتی جلتی ہیں، اس کی آواز بھی کسی غیبی روح یا بھوت کی آواز نہیں لگتی بلکہ انسان کی آواز سے ملتی ہے۔ تو کیا یہ بھوت کوئی انسان ہے؟ تو پھر اس نے ملکہ کی روح کو کیسے قابو کر رکھا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی بڑا عیار جادوگر ہو۔ اور جادو کے زور سے اس نے روح کو قابو کر لیا ہو اور مقبرے میں آنے والے انسانوں کو جادو ہی کے زور سے پتھر بنا دیتا ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ آخر ایسا کیوں کرتا ہے؟ ہو سکتا ہے۔ وہ کچھ عرصے بعد تابوت کی زندہ لاشوں کو پھر سے انسان بنا کر بھون کر کھا جاتا ہے اور یہ کوئی آدم خور وحشی ہو جس کو انسانوں کی تکلیف پر خوش ہونے کی عادت پڑ گئی ہو۔

ماریہ اس قسم کی باتیں سوچتی رہی اور تابوت میں لیٹی رہی۔

ملکہ سلامبو

ناگ شاہی محل میں آ گیا تھا۔

اس کا ارادہ تھا کہ ایک بار پھر پر اسرار آواز والے مقبرے میں جائے اور ماریا بہن کو وہاں تلاش کرے۔ مگر اس دفعہ وہ پوری طرح سے تیار ہو کر جانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مقبرے کا بھوت اس پر حملہ کر دے۔ اسے شک پڑ چکا تھا کہ ہو نہ ہو ماریا ضرور اسی مقبرے میں کسی جگہ قید کر دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ اور کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ مقبرے میں جانے کا اسے شوق تھا وہ مقبرے میں آئی ہو گی اور بھوت نے اسے قید کر لیا ہو گا۔ ناگ ملکہ کی روح کو بھی مرتبان سے نکال کر آزاد کر دینا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ڈرتا بھی تھا کہ کہیں ملکہ کی روح الٹا اس کو ہی نہ چمٹ جائے۔ کیونکہ روحوں کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ بھٹکنے والی روحوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ کسی وقت بھی اپنا ارادہ بدل کر حملہ کر سکتی ہے۔

ادھر ناگ پر اسرار مقبرے میں جا کر تلاشی لینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ماریا بے چاری پتھر کی تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ عنبر حبشہ کے شہر میں کالے علم والے جادوگر کو مار کر جنگل میں اس کے جھونپڑے میں جاپان جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اب ہم ناگ اور ماریا کو تو جاپان کے شہر ٹوکیوشو میں چھوڑتے ہیں اور ذرا پیچھے چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے؟

عنبر سارا دن تو حبشہ شہر میں آوارہ گردی کرتا رہتا اور شام کو جنگل والی جادوگر کی جھونپڑی میں آ کر پڑا رہتا۔ وہ اب انتظار کرتے کرتے تنگ آ گیا تھا۔ اور جلد سے جلد واپس اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن کم بخت جس جہاز کو جاپان کی طرف روانہ ہونا تھا وہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ ہر حالت میں اسے انتظار ضرور کرنا تھا اور وہ مجبوراً انتظار کر رہا تھا۔ جس جنگل میں عنبر رہ رہا تھا وہ شہر کے قریب ہی سے شروع ہو کر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان دور دریا تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ آبادی بھی کم تھی۔ دو چار بازار تھے۔ جن میں افریقہ کے کالے حبشیوں نے دکانیں کھول رکھی تھیں۔

عنبر ایک روز حبشہ کے ایک چھتے ہوئے بازار میں سے گزر رہا تھا۔ اس بازار کے اوپر چھت پڑی ہوئی تھی۔ حبشہ گرم شہر تھا شہر میں گرمی

پڑ رہی تھی۔ یہ چھتا ہوا بازار ٹھنڈا ٹھنڈا تھا۔ عنبر کو اس بازار میں سے گزرتے ہوئے بڑا لطف آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بازار آگے چل کر ایک گلی میں گھوم گیا ہے۔ اس گلی میں بھی ریشمی کپڑوں اور گرم مسالوں اور خشک پھلوں کی دکانیں تھیں۔ عنبر گلی میں دور تک نکل گیا۔

یہ گلی ایک جگہ پہنچ کر گھوم گئی اور سامنے ایک تالاب کے کنارے املی کے گنجان درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ جھنڈ کے ایک مکان کی صرف چھت نظر آ رہی تھی۔ عنبر کو یونہی خیال آیا کہ اس مکان کو دیکھنا چاہیے۔ یہ کوئی بڑا پراسرار مکان دکھائی دیتا ہے۔ چل کر معلوم کیا جائے کہ یہاں کون رہتا ہے۔ عنبر گلی میں سے نکل کر تالاب کے کنارے کنارے چلتا ہوا املی کے درختوں کے پاس آ گیا۔ یہاں کانٹے دار جھاڑیوں کی ایک باڑ لگی ہوئی تھی۔ سامنے ایک لکڑی کا جنگلہ لگا تھا۔ جنگلے کا دروازہ بند تھا۔ سامنے ایک خوفناک منہ والا کتا

عنبر نے جنگلے کو اوپر چڑھ کر پھلانگا اور پراسرار مکان کے بائیں باغ میں آ گیا۔ گھاس زمین پر بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ایک مدت سے گھاس کو کاٹا نہیں۔ گھاس کے درمیان سے ایک پگڈنڈی مکان کے دروازے تک چلی گئی تھی۔ عنبر پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ دائیں بائیں درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بیٹھا تھا۔ بڑی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عنبر نے خیال کیا کہ ان درختوں کے پرندے کہاں چلے گئے؟ ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر رک گیا۔

اس درخت پر کسی انسان کی کھوپڑی کیل سے ٹھونکی ہوئی تھی۔ عنبر کو تعجب ہوا کہ یہ کھوپڑی کس لیے یہاں ٹھونک دی گئی ہے؟ کیا یہاں جادوگر کیا گیا ہے؟ فضا زیادہ پراسرار ہوتی جا رہی تھی۔ مکان کے دروازے کو اردگرد اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں نے آدھے سے زیادہ

عنبر نے جنگلے کو اوپر چڑھ کر پھلانگا اور پراسرار مکان کے بائیں باغ میں آ گیا۔ گھاس زمین پر بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ایک مدت سے گھاس کو کاٹا نہیں۔ گھاس کے درمیان سے ایک پگڈنڈی مکان کے دروازے تک چلی گئی تھی۔ عنبر پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ دائیں بائیں درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بیٹھا تھا۔ بڑی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عنبر نے خیال کیا کہ ان درختوں کے پرندے کہاں چلے گئے؟ ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر رک گیا۔

اس درخت پر کسی انسان کی کھوپڑی کیل سے ٹھونکی ہوئی تھی۔ عنبر کو تعجب ہوا کہ یہ کھوپڑی کس لیے یہاں ٹھونک دی گئی ہے؟ کیا یہاں جادوگر کیا گیا ہے؟ فضا زیادہ پراسرار ہوتی جا رہی تھی۔ مکان کے دروازے کو اردگرد اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں نے آدھے سے زیادہ

ڈھانپ رکھا تھا۔ عنبر نے مکان کے چاروں طرف گھوم کر جائزہ لیا کہ وہاں کیا کیا ہے۔ مکان کے ارد گرد وہی جنگلی گھاس کا میدان تھا اور درختوں کے جھنڈ تھے۔ دو چار گھنے درختوں نے تو آدھے مکان پر اپنی ٹہنیاں پھیلا رکھی تھیں۔

عنبر پلٹ کر واپس مکان کے دروازے پر آ گیا۔ مکان کی پچھلی جانب صرف ایک کھڑکی تھی جو بری طرح بند تھی۔ مکان کے سامنے رخ پر بھی جتنی کھڑکیاں تھیں وہ سب کی سب بند تھیں۔ عنبر دروازے پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے؟ بچپن ہی سے اس کو راز معلوم کرنے کی بڑی لگن رہی تھی۔ وہ اس پراسرار خاموش مکان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہے اور کیوں ہے؟

اتنا بڑا مکان ویران کیوں ہے؟ اس مکان کے رہنے والے کہاں چلے گئے؟ انہیں کون سی مصیبت اپنے ساتھ لے گئی؟ اس قسم کے خیال عنبر کے دماغ میں چل رہے تھے۔ اس نے خدا کا نام لے کر دروازے پر سب سے پہلے دستک دی۔ اس خیال سے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا بری بات ہے۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ اندر کوئی رہتا ہو۔ دستک کا کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر نے دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر بار بار دستک دی مگر اندر سے کسی نے بھی دروازہ نہ کھولا۔ اب عنبر کے لیے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جائے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ تو جیسے اندر سے کسی نے تختے سے بند کر رکھا تھا۔ عنبر نے بے حد کوشش کی۔ اسے زور لگا لگا کر پسینہ آ گیا مگر دروازہ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ دروازے کے پیچھے پتھروں کی دیوار چن دی گئی ہے۔

عنبر کے دل میں اندر جا کر راز معلوم کرنے کا شوق اور بڑھ گیا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے وہ مکان کے اندر جا کر ہی چھوڑے گا۔ اس نے مکان کے گرد پھر کر اس کا پھر سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ کوئی ایسی جگہ دیکھنا چاہتی تھی جہاں سے وہ کود کر مکان کے اندر داخل ہو سکے۔ کھڑکیاں ساری کی ساری بند تھیں اوپر کھڑکی پر چڑھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ آخر عنبر کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ ایک ایسے درخت پر چڑھ گیا جس کی ٹہنیاں مکان کی چھت پر جھکی ہوئی تھیں درخت کی شاخوں سے ہوتا ہوا وہ مکان کی چھت پر آ گیا۔ ڈھلانی چھت پر وہ بڑی احتیاط سے قدم رکھتا ہوا درمیان میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں ایک چورس روشندان بنا ہوا تھا۔

اس روشندان کو لکڑی کے تختوں سے بند کر دیا گیا۔ عنبر نے دو تین ہاتھ زور سے مارے تو ایک جگہ سے لکڑی کا تختہ اکھڑ گیا۔ اس نے تختے کو باہر کھینچ لیا اور اوپر سے نیچے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں جو شے سب سے پہلے اسے نظر آئی وہ نیلے رنگ کا قیمتی قالین تھا جو فرش پر بچھا ہوا تھا۔ ایک عجیب شے یہ تھی کہ روشندان سے لے کر نیچے فرش پر بچھا ہوا تھا۔ ایک عجیب شے یہ تھی کہ روشندان سے لے کر نیچے فرش تک ایک رسے کی سیڑھی چلی گئی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ عجب معاملہ ہے کہ روشندان سے سیڑھی نیچے جا رہی ہے۔ یہ کس مقصد کے لیے مالک مکان نے لٹکائی تھی؟ بہرحال اب وہ اس مکان کی سیر کیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ جان کا خطرہ تو اسے تھا ہی نہیں۔ تو پھر کیوں نہ اس پراسرار مکان کا راز حل کیا جائے؟

عنبر نے خدا کا نام لیا اور روشندان میں سے اندر داخل ہو کر رسی کی سیڑھی پر پاؤں رکھا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔ کمرے میں روشنی بہت کم تھی۔ صرف اسی ایک روشندان سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس کے علاوہ بند کھڑکیوں کی درزوں میں سے بھی ہلکی ہلکی روشنی کی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ عنبر سیڑھی اتر کر قالین پر آ گیا۔ مدھم روشنی میں اس نے دیکھا کہ کمرہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ مگر ہر شے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔

صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سالہا سال سے یہاں کوئی شخص بھی رہنے کے لیے نہیں آیا۔ دیواروں پر بھی ریشمی قیمتی قالین لٹک رہے تھے۔ دروازے پر کمخواب کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ سنبل سے بھرے ہوئے نرم نرم تکیے ایک مور کی شکل کے دیوان پر رکھے تھے۔ تانبے کی تپائی پر چینی مٹی کا بڑا قیمتی گلدان پڑا تھا۔ جس کے پھول مرجھا کر سوکھ گئے تھے۔ ہاتھی دانت کے ایک اونچے تخت پر شیشے کے گلاب پاش رکھے تھے۔ سرخ پتھر کے بنے ہوئے پھولوں میں عود و لوبان سلگانے کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ کمرے کی فضا میں ایسی بو رچی ہوئی تھی جس قسم کی بو عنبر نے کبھی فرعون مصر کے مقبروں میں سونگھی تھی۔

عنبر کا ذہن ایک دم دو ہزار برس پہلے کے اہرام مصر کی طرف چلا گیا۔ بالکل اسی طرح کی بو اسے کمرے سے آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یا خدا یہ کیا معاملہ ہے؟ یہاں فرعون مصر کے وقتوں کی خوشبو کہاں سے آ گئی؟ اس نے چال پھر کر کمرے کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دروازے کا پردہ ہٹایا تو اس میں سے گرد اٹھی۔ گرد ہر شے پر پڑی ہوئی تھی۔ پردے کے پیچھے ایک اور کمرہ تھا جہاں روشنی بہت ہی کم تھی۔ بلکہ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر نے تپائی پر رکھی ہوئی موم بتی اٹھا کر اسے جلایا۔ موم بتی کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس کمرے میں بھی نیلے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سامنے کی طرف ہاتھی دانت کی تپائی رکھی تھی۔

عنبر تپائی کے پاس آیا تو حیران رہ گیا۔

''تپائی پر ملکہ تفریتی جو کہ دو اڑائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک فرعون کی بیوی تھی اس کا چھوٹا سا بت رکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پر اسرار مکان کا تعلق ضرور پرانے مصر کے فرعونوں سے ہے۔

لیکن اس مکان کا اہرام مصر سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ عنبر اسی راز پر سے پردہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ موم بتی کی روشنی میں ذرا آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا تھا۔ یہاں سے سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کو اترتی تھیں۔

عنبر کو کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ کیونکہ اس کو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی تھی اور زخمی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی جرات اور ہمت کے ساتھ ان سیڑھیوں پر سے نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی نیچے جا کر سیڑھیاں ختم ہو گئیں اور تہہ خانے کا راستہ بائیں طرف مڑ گیا۔ عنبر بھی اسی طرف گھوم گیا۔ آگے جا کر ایک دروازہ آ گیا۔ جس پر لوہے کی زنجیر پڑی تھی۔ عنبر نے زنجیر کو غور سے دیکھا۔ زنجیر کے ساتھ کوئی تالا نہیں لگا تھا۔ صرف دو بار سے بل دے کر مضبوطی سے کس دی گئی تھی۔

عنبر نے بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیے۔ اس خیال سے کہ اندر سے کوئی آواز تو نہیں آ رہی۔ مگر اندر گہرا سناٹا طاری تھا۔ عنبر کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کون راز ہے۔ اس نے زنجیر کو کھولنا شروع کر دیا۔ جب ساری زنجیر کھول کر الگ ہو گئی تو عنبر نے آہستہ سے دروازے کے ایک پٹ کو اندر کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر سے اہرام مصر کے مقبروں والی بو کا ٹھنڈا جھونکا آیا۔

عنبر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ یا خدا! یہ اندر کوئی مصری ممی دفن ہے کیا؟ کیونکہ یہ ان دواؤں کی تھی جنہیں مصری بادشاہوں اور شہزادیوں

کی لاشوں کو حنوط کرتے وقت لگایا جاتا تھا۔ عنبر کا باپ بھی یہی کام کرتا رہا تھا۔ عنبر اس بو سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ اپنے آپ کو کوٹھڑی کے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکا۔ موم بتی کی روشنی میں وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ چھت نیچی ہے جس طرح کہ اہرام مصر کی ہوتی ہے۔ درمیان میں چبوترے پر ایک تابوت رکھا ہے جس کے باہر لکڑی سے مشہور ملکہ مصر سلامبو کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ عنبر نے اڑھائی ہزار سال پہلے مصر کی ملکہ سلامبو کا زمانہ دیکھا تھا۔ یہ ایک بڑی جابر اور سنگ دل ملکہ تھی۔ وہ انسانوں کا بے دریغ خون بہایا کرتی تھی۔ وہ جنگ میں پکڑے ہوئے قیدیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے شیروں کے آگے ڈال کر ان کی اذیت ناک موت کا منظر دیکھا کرتی۔ اسے اس کے سپہ سالار نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ ملکہ سلامبو تو اڑھائی ہزار پہلے مصر کے ایک اہرام میں دفن ہوئی تھی پھر اس کا تابوت یہاں کیسے آ گیا؟ وہ خود مصر کا تھا۔ وہ فرعون مصر کے محل میں پیدا ہوا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس قسم کے تابوت میں جس انسان کی لاش یعنی ممی ہوتی ہے اسی کی شکل تابوت کے باہر بنا دی جاتی ہے۔ تو کیا اس تابوت کے اندر مصر کی جابر اور ظالم ملکہ سلامبو کی لاش تھی؟

اگر عنبر کو یہ یقین ہوتا کہ وہ مر جائے گا تو کبھی اس کوٹھڑی میں آنے کی ہمت نہ کرتا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ وہ مر نہیں سکتا۔ اسے ایسی دعا یا بددعا دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ لوگ پیدا ہوں گے اور بوڑھے ہو کر مر جائیں گے۔ بادشاہ تخت پر بیٹھیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔ سلطنتیں آئیں گی اور اجڑ جائیں گی۔ ایک دور آئے گا اور گزر جائے گا مگر وہ زندہ رہے گا۔ وہ نہ بوڑھا ہو گا اور نہ

موت کی آغوش میں جائے گا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ اڑھائی ہزار سال سے اسی طرح نوجوان کا نوجوان اور زندہ چلا آ رہا تھا۔ اس کے سارے ساتھی ایک ایک کر کے بوڑھے ہوتے اور مرتے چلے گئے تھے۔ مگر وہ زندہ اور نوجوان تھا اور خدا جانے ابھی کب تک اسے اسی طرح زندہ اور جوان رہنا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اس کے اندر تابوت کھول کر ملکہ سلامبو کی لاش دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے پورا زور لگا کر مہر کو توڑتے ہوئے تابوت کا ڈھکنا کھول کر پرے رکھ دیا۔ تابوت کے ڈھکنے کا کھلنا تھا کہ کوٹھڑی میں کسی جانور کی ہیبت ناک چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی کسی عورت کے قہقہے کی آواز آئی۔ عنبر نے تابوت میں دیکھا تابوت کے اندر مصر کی ظالم ملکہ سلامبو کی لاش پڑی تھی۔ اس کے سارے بدن پر سوائے چہرے کے سفید پٹیاں ہی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ ملکہ سامبو کی آنکھوں میں حرکت تھی۔ وہ عنبر کی طرف ڈھیلے بار بار گھما کر دیکھ رہی تھی۔

خون پیتی لاش

عنبر زندگی میں پہلی بار یہ حیرت انگیز ممی دیکھ رہا تھا۔

اس نے آج تک جتنی بھی ممیاں دیکھی تھیں وہ سب کی سب لاشیں تھیں۔ مردہ تھیں۔ یہ پہلی ممی کی لاش تھیں جو زندہ تھی اور جو اس کی طرف ڈیلے گھما کر بڑی مکاری سے دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے سلامبو یعنی ملکہ مصر کو پہچان لیا تھا مگر سلامبو نے عنبر کو نہیں پہنچانا تھا۔ وہ پہچان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ عنبر کبھی اس سے ملا نہیں تھیں۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ قہقہہ سلامبو کی لاش نے لگایا تھا۔ سلامبو کی لاش کے چہرے پر ایک تعجب سا ضرور تھا۔ وہ حیران تھی کہ اسے دیکھ کر اس اجنبی نوجوان کو خوف سے غش کیوں نہیں آ گیا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اسے بے ہوش ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ کس قسم کا نوجوان ہے۔

عنبر سلامبو کی لاش کو مسلسل تک رہا تھا۔ آخر اس نے ہمت کر کے آہستہ سے کہا۔

”کیا تم مصر کی ملکہ سلامبو ہو؟“

سلامبو کی لاش نے قہقہہ لگایا اور بولی۔

”تم تاریخ کے طالب علم معلوم ہوتے ہو۔ لیکن تم جو کوئی بھی ہو اب تم میرے غضب سے بچ نہیں سکو گے۔ میں اس شخص کا انتظار کر رہی تھی کہ جو یہاں آئے اور میرے تابوت کا ڈھکنا اٹھائے۔ تاکہ میں آزاد ہو جاؤں اور سب سے پہلے اسی شخص کو کھا جاؤں۔ میں نے

اڑھائی ہزار سال تک تمہارا انتظار کیا ہے۔ میں اڑھائی ہزار سال سے کسی انسان کے خون اور گوشت کی بھوکی تھی۔ مجھے بڑی بھوک لگی ہے۔ میں ابھی تمہیں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گی۔ تم مجھ سے اب بچ کر نہیں جا سکتے۔ کیونکہ میرے تابوت کا ڈھکنا کھلتے ہی اس تہہ خانے کا دروازہ اپنے آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ دروازہ پتھر بن گیا ہے۔ تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عنبر مسکراتا رہا اور سلامبو کی لاش کی طرف تکتا رہا سلامبو نے غصے میں آتے ہوئے اپنی آنکھیں گھما کر کہا۔

"تم ہنس رہے ہو؟ ابھی تمہیں اپنی تقدیر پر رونا آئے گا۔ ابھی تمہاری آنکھوں سے خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔ تم ایک معمولی سے نوجوان ہو۔ اگر اس دنیا کا کوئی پہلوان بھی تلوار اٹھا کر مجھ پر پوری طاقت سے مارے تو بھی میں مر نہیں سکتی تو اب کبھی نہیں مروں گی۔ میں نے ایک چلہ کیا تھا۔ اس کا اثر الٹ ہو گیا۔ جس سپہ سالار نے مجھے زہر دیا تھا اس زہر نے میرے چلے کو الٹ کر دیا۔ میں مر گئی مگر اب پھر زندہ ہو گئی ہوں اور اب کبھی نہیں مروں گی۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ابھی تابوت سے باہر نکل کر تمہیں ہڑپ کر جاؤں گی۔ میں جس روپ میں چاہے اپنے آپ کو تبدیل کر سکتی ہوں۔ میں ہاتھی بن سکتی ہوں۔ میں شیر بن سکتی ہوں۔ میں اژدہا بن سکتی ہوں۔ میں تمہیں شیر بن کر کھاؤں گی"۔

عنبر سلامبو کی لاش کی طرف دیکھ کر اب بھی مسکرائے جا رہا تھا۔

سلامبو کی لاش سے برداشت نہ ہو سکا کہ ایک نازک سا نوجوان اس کے اوپر کھڑا اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اس نے تابوت میں لیٹے لیٹے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے دل پر رکھا اور گہرا سانس لیا۔ پھر زبان سے کہا۔

"شاقلز مات!"

اتنا کہنا تھا کہ تابوت میں سے سلامبو کی جگہ ایک خونخوار قسم کا طاقتور شیر انگڑائی لے کر اٹھا اور اچھل کر تابوت سے باہر آ گیا۔ عنبر ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اب بھی شیر کی طرف دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ شیر کو طیش آ گیا۔ وہ زور سے دھاڑا اور اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ اچھل کر عنبر کی طرف جھپٹا اور بھرپور طاقت کے ساتھ ایسے زور کا پنجہ عنبر کے سر پر مارا کہ کوٹھڑی کی فضا گونج اٹھی۔ اس کی جگہ اگر کسی دوسرے آدمی کی کھوپڑی ہوتی تو اس کا کہیں پتا نہ چلتا۔

لیکن ہوا یہ کہ شیر تڑپ کر دور جا گرا۔ اس کا پنجہ گویا کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔ شیر نے دوسری بار لپک کر حملہ کیا۔ اس بار شیر نے عنبر کے سر کو گردن تک اپنے منہ میں لے لیا اور زور سے چبایا۔ شیر نے چیخ مار کر عنبر کو چھوڑ دیا۔ اس کے دانت بڑے ہی سخت پتھر سے ٹکرا کر اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔ شیر جھنجلا کر زور سے دھاڑا۔ اس نے عنبر پر جھپٹ

کر اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ خود ہی زخمی ہو گیا۔ اس کے پنجوں اور دانتوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ وہ لوہے کی چٹان بن کر اپنی جگہ کھڑا تھا۔ شیر اسے اپنی جگہ سے ذرا سا بھی ہلا نہیں سکا تھا۔

آخر عنبر نے مسکراتے مسکراتے ایک ہاتھ زور سے شیر کی گردن پر مارا۔ شیر لڑھکنیاں کھاتا ہوا دیوار کے ساتھ زور سے ٹکرایا اور پھر گھبرا کر تابوت میں کود گیا۔ تابوت میں جاتے ہی وہ پھر سلامبو کی لاش بن گیا۔ اب سلامبو کی لاش کے بولنے کا وہ انداز نہیں تھا جو پہلے تھا۔ لاش تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور عنبر کے آگے سر جھکا کر بولی۔

''تم جیت گئے۔ میں ہار گئی۔ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ میرا مقابلہ ایک بڑے زبردست اور طاقت ور انسان سے ہے تو میں کبھی تمہارے سامنے بڑا بننے کی جرات نہ کرتی۔ مگر خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم کون

ہو اور تمہارے اندر یہ طاقت کہاں سے آئی ہے کہ تم پر موت اثر نہیں کرتی"۔

عنبر نے تابوت کے چبوترے پر لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ملکہ سلامبو! میرا نام عنبر ہے۔ میں آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک مشہور فرعون کے محل میں پیدا ہوا۔ مگر مجھے ایک سازش کی وجہ سے دریائے نیل میں پیدا ہوتے ہی بہا دیا گیا۔ میری چھوٹی سی کشتی کو ایک ملاح نے پکڑا۔ وہ مجھے اٹھا کر گھر لے گیا۔ میں نے اسی گھر میں پرورش پائی۔ جب میرا باپ مرنے لگا تو اس نے مجھے بتایا کہ اصل میں میں فرعون مصر کا بیٹا ہوں۔ اس وقت تک میرا فرعون باپ مر چکا تھا اور ماں دوسرے فرعون کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سنا دوں گا۔ میں اپنی ماں کو لے کر محل سے نکلا تو ایک سازش کا شکار ہو گیا۔ جنگل میں ایک درویش سے ملاقات ہوئی اس نے مجھے خدا کی محبت سکھائی۔ پھر ایک جگہ پر مجھے ایک بددعا دی گئی۔ یا دعا دی گئی اور میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ میں اس وقت سے لے کر آج تک زندہ ہوں۔ میں مرا نہیں اور نہ موت میری قسمت میں ہے۔ میں ہر دور میں سے گزر رہا ہوں۔ میں نے تمہارا دور حکومت بھی دیکھا ہے ملکہ سلامبو! اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں تمہارے وزیر نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا"۔

ملکہ سلامبو کی لاش نے عنبر کی آپ بیتی سنی تو بڑی حیران ہوئی۔ اس نے کہا۔

"عنبر! مجھے تمہاری سچی آپ بیتی نے بڑا متاثر کیا ہے۔ میں بھی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئی۔ مگر میں مر کر زندہ ہوئی ہوں اور لاش بن کر قیامت تک زندہ رہوں گی۔ ایک زندہ انسان کی شکل میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ مگر تم ایک چلتے پھرتے انسان کی شکل میں زندہ ہو۔ تم مجھ سے

بڑے ہو۔ میں تمہیں آج سے اپنا بھائی بناتی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہارے کام آؤں گی۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ میں تمہیں لا کر دوں گی۔ کیونکہ میں کالے علم کا چلہ کاٹ رہی تھی اور اس علم کے ذریعے میں بہت کچھ کر سکتی ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھی بہن سلامبو! میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے اپنا بھائی بنا لیا ہے۔ میری ایک بہن ماریا بھی ہے جو ملک جاپان کے شہر کیوشو میں ہے۔ میں نے اسے اپنے بھائی ناگ کے پاس بادشاہ کیوشو کے محل میں چھوڑا تھا۔ غدار وزیر نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے رسیوں میں جکڑ کر دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ بڑی مشکل سے ایک بحری ڈاکوؤں کے جہاز والوں نے مجھے اٹھایا اور اپنا قیدی بنا لیا۔ وہ مجھے قتل کرنے لگے۔ مگر میری طاقت ان پر ظاہر ہو گئی۔ انہوں نے مجھے ایک بندرگاہ پر اتار دیا۔ وہاں سے ایک جہاز میں بیٹھ کر حبشہ کے ملک میں آ گیا اور واپس جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کر رہا تھا کہ اس پر اسرار مکان کے قریب سے گزرا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں اس مکان کے اندر جانے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی اور میں اندر چلا آیا"۔

ملکہ سلامبو نے کہا۔

"مگر اندر آنے کے تو سارے دروازے بند تھے تو کہاں سے آئے؟"

عنبر بولا۔

"میں اس مکان کی چھت والے روشندان کی سیڑھی سے اندر آیا تھا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ یہ سیڑھی کس نے روشن دان کے ساتھ لگا رکھی ہے؟"۔

سلامبو کہنے لگی۔

''اس کا راز تم پر ابھی کھل جائے گا۔ میرے تابوت کو ایک مکار اور لالچی ڈاکو اہرام سے نکال کر یہاں لے آیا تھا۔ اس نے میرے تابوت میں میرے ساتھ دفن کیا ہوا سارا سونا اور ہیرے جواہرات چرا لیا اور اب وہ میرے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی پٹیاں بھی اتارنا چاہتا ہے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتی رہی مگر مجبور تھی۔ اس لیے کہ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کسی عام آدمی کے تابوت کھولنے سے زندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ راز بھی اب معلوم ہوا کہ میرے تابوت کو صرف وہی آدمی کھول کر مجھے زندگی بخش سکتا تھا جو خود ہزاروں سال سے زندہ ہو اور جس پر موت حرام ہو چکی ہو۔ یہ تم ہی تھے۔ میں تمہارا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہو گا''۔

عنبر نے پوچھا۔

''تو کیا وہ ڈاکو آج آ رہا ہے؟''

''اسی ڈاکو نے روشندان کے ساتھ سیڑھی لٹکا رکھی تھی۔ وہ اسی سیڑھی کے ذریعے نیچے اتر کر میرے تابو کے پاس آتا تھا، میرے ہیرے جواہرات چرا کر لے جاتا تھا۔ وہ آج میری لاش کی ریشمی پٹیاں چرانے آئے گا۔ اسے یہی معلوم ہو گا کہ میں مر چکی لاش ہوں۔ ممی ہوں۔ میں زندہ رہوں گی۔ لیکن میں جان بوجھ کر لاش بن کر تابوت میں لیٹی رہوں گی۔ آگے تم یہاں کسی جگہ چھپ کر دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ ہاں یہ بتاؤ عنبر کہ تم یہاں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو؟''

عنبر نے کہا۔

''میں ایک جنگل میں رہتا ہوں''۔

''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی رہتا ہے؟''

”نہیں میں وہاں اکیلا رہتا ہوں۔ اصل میں وہ ایک جادوگر کی جھونپڑی تھی۔ اس جادوگر نے بھی مجھے ہلاک کر کے میرا خون پینے کی کوشش کی تھی مگر خود ہلاک ہو گیا۔ اب میں اس کی جھونپڑی میں بیٹھا جاپان کی طرف جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا ہوں“۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ انہیں باہر والے کمرے میں کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ سلامبو کی لاش نے کہا۔

”وہی ڈاکو آ رہا ہے۔ تم یہیں کہیں چھپ جاؤ۔ وہ مجھے لاش سمجھے گا۔ آج اس کی موت اسے میرے پاس لا رہی ہے۔۔ جلدی کرو۔۔ وہ آ رہا ہے“۔

عنبر جلدی سے کوٹھڑی میں پتھروں کی ایک آگے کو بڑھی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ اسی طرح چھپا تھا کہ ذرا سا چہرہ آگے نکال کر تابوت کو صاف صاف دیکھ رہا تھا۔۔ سلامبو کی لاش جو کہ تابوت کے

اندر اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی چت لیٹ گئی۔ باہر آنے والے کمرے میں کسی کے قدموں کی بوجھل آواز کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

عنبر سانس روک کر خاموش کھڑا رہا۔ کوٹھڑی کی دیوار کے پتھر ایک طرف ہٹے اور ایک سایہ اندر داخل ہوا۔ اس سائے نے منہ سر لپیٹ رکھا تھا۔ وہ تابوت کے قریب آ کر آس پاس نظریں گھما کر دیکھنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے شک پڑ گیا ہے کہ اندر کوئی موجود ہے۔

عنبر بہت ہی آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ اتنی آہستہ کہ خود اسے اپنے سانس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈاکو کا سایہ اب سلامبو کی لاش پر جھک گیا۔ وہ شاید جھک کر لاش کی ریشمی پٹیاں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمانے میں بادشاہوں اور ملکاؤں کی لاشوں کی ریشمی پٹیوں کی بڑی قدر و قیمت تھی اور سونے کے بھاؤ تل کر بکتی تھیں۔

خدا جانے سلامبو کی لاش کیا سوچ رہی تھی۔

ڈاکو اس پر جھکا ہوا تھا کہ اچانک اس کی دردناک چیخ کی آواز فضا میں گونج گئی۔ عنبر جلدی سے دیوار کے پیچھے سے نکل آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ڈاکو کی گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔ سلامبو کی لاش نے اپنے دونوں بازوؤں سے ڈاکو کو دبوچ رکھا ہے اور اپنا منہ ڈاکو کی گردن سے لگا رکھا ہے۔ کوٹھڑی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ ڈاکو خوف سے مر گیا ہے۔ پیارے بچو! خود سے بھی اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔ خوف سے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اس لیے کبھی کسی شے سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔ ہمیشہ ہمت اور حوصلے کو رکھنا چاہیے۔

کوٹھڑی کی خاموشی میں عنبر کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جانور زبان سے لپ لپ کرتا پانی پی رہا ہو۔ وہ ایک دم چونک اٹھا۔ سلامبو کی لاش ڈاکو کی گردن میں اپنے دانت گاڑے اس کا خون پی رہی تھی۔

عنبر چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑا یہ مکروہ منظر دیکھتا رہا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی مصری ممی کی لاش کو زندہ انسان کا خون پیتے دیکھ رہا تھا۔ سلامبو کی لاش نے شاید ڈاکو کے جسم کا سارا خون چوس چوس کر پی لیا تھا۔ جب اس نے لاش کو چھوڑا تو وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑی۔ ڈاکو مر چکا تھا۔

عنبر سلامبو کے پاس گیا تو سلامبو کی لاش کے سفید ہونٹ خون میں لتھڑے تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ مسکراہٹ بڑی ڈرا دینے والی تھی۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہاں سے چیخ مار کر بھاگ جاتا یا بے ہوش ہو کر لاش کے اوپر ہی گر پڑتا۔ لیکن عنبر کے دل سے خوف ہمیشہ کے لیے دور ہو چکا تھا۔

عنبر نے سلامبو سے پوچھا۔

"تم نے ڈاکو کا سارا خون پی لیا سلامبو؟"

سلامبو کے خون آلود ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"ہاں عنبر! میں اب انسانی خون پی کر ہی زندہ رہ سکتی ہوں"۔ عنبر کانپ گیا۔

حبشی لڑکی

عنبر نے سلامبو کی لاش سے پوچھا۔

"سلامبو! کیا تم اب قیامت تک اسی تابوت میں لیٹی رہو گی؟"

"ہاں اگر میں زندہ نہ ہوتی تو ساری عمر اسی تابوت میں لیٹی رہتی لیکن اب میں زندہ ہو گئی ہوں اب میں اس تابوت میں ہی نہیں بلکہ باہر بھی نکل سکتی ہوں۔۔"

عنبر نے کہا

"لیکن اگر تم باہر نکلو گی تو لوگ تمہیں لاش دیکھ کر تمہارے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ پھر تمہیں بڑی پریشانی ہو گی۔ اس کا تم کیا کرو گی۔

سلامبو کی لاش نے مسکرا کر کہا۔

"شاید تمہیں میری ایک خفیہ طاقت کا ابھی تک علم نہیں ہوا جو مجھ میں اب پیدا ہوئی ہے"۔

"وہ طاقت کون سی ہے سلامبو؟"

"وہ یہ ہے کہ میں جس وقت اور جہاں چاہے غائب ہو سکتی ہوں اور جس وقت اور جہاں چاہوں پھر سے ظاہر ہو سکتی ہوں۔"

عنبر یہ سن کر حیران ہوا کہ یہ تو اس کی بہن ماریا سے بھی آگے بڑھ گئی۔ اس میں تو اتنی طاقت نہیں کہ وہ جہاں چاہے ظاہر ہو جائے۔ وہ تو صرف جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو ظاہر نہیں ہو سکتی۔ لیکن سلامبو کے اندر اتنی طاقت موجود ہے کہ وہ جب اور جس وقت چاہے غائب ہو سکتی ہے اور جہاں چاہے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس نے حیرت سے کہا۔

"سلامبو بہن! یہ تو تمہارا بڑا کمال ہے۔ میں حیران ہوں کہ تمہارے اندر کیسی کیسی طاقتیں پیدا ہو گئی ہیں"۔

سلامبو کہنے لگی۔

"ہاں میرے بھائی! لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر تم یہاں آ کر میرے تابوت کا ڈھکنا نہ اٹھاتے تو میرے اندر کوئی معمولی سے معمولی طاقت بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے لیے تمہارا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں اور قیامت تک میں تمہارے اس احسان کو نہیں بھولوں گی"۔

عنبر نے کہا

"اگر یہ بات تھی تو پھر تم نے شیر بن کر مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

سلامبو ہنس دی اور بولی۔

"پیارے عنبر بھائی! اس وقت مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ تم ہی وہ شخص ہو جو ڈھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو۔ میں پھر سے زندہ ہونے کی خوشی میں یہ بھول گئی ہوں کہ جس شخص کے ڈھکنا کھولنے سے میں پھر سے زندہ ہو جاؤں گی وہ وہی ہوگا جو ڈھائی ہزار برس سے زندہ ہوگا۔ لیکن جب میرے حملے سے بھی تم بچ گئے اور مر نہ سکے تو میں لرز اٹھی اور ایک دم خیال آیا کہ تم تو میرے اوپر احسان کرنے والے ہو۔ تم نے ہی تو مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور میرے اندر کی طاقتوں کو بیدار کیا ہے۔ پھر میں نے تم سے معافی مانگی اور اب میں ایک بار پھر تم سے معافی مانگتی ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں نہیں سلامبو! معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور پوچھو! میں تم سے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولوں گی تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دیا کروں گی۔"

عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم ہر روز ایک انسان کا خون پیا کرو گی؟"

سلامبو کہنے لگی۔

"نہیں عنبر بھائی ایسا نہیں ہے۔ میں روزانہ ایک بکرے یا گائے بھینس یا گیدڑ اور لومڑ کا خون پی کر بھی اپنی پیاس بجھا سکتی ہوں لیکن اگر کسی نے میرے ساتھ دشمنی کی یا کوئی تمہارا دشمن ہوا تو میں اس کا خون بڑے شوق سے پیوں گی۔ میں کسی بے گناہ یا نیک آدمی کو کبھی تنگ نہیں کروں گی۔"

"کیا ڈاکو صرف تمہاری چیخ سن کر ہی بے ہوش ہو گیا تھا؟"

سلامبو نے کہا۔

"ہاں عنبر! انسان، گیدڑ، لومڑ یا بکرے کو دیکھ کر اس کا خون پینے سے پہلے میں ایک چیخ مارا کروں گی۔ جس کی آواز سنتے ہی وہ بے ہوش ہو جائے گا۔ پھر میں بڑے مزے سے اس کا سارا خون پی جاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہیں خون پینا برا نہیں لگتا؟"

سلامبو زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"عنبر! میں ایک مردہ لاش ہوں جو زندہ ہو گئی ہے۔ تم مجھے زندہ انسان نہ سمجھو۔ مردہ لاش کے لیے کسی انسان یا جانور کا خون پینا کوئی بری بات نہیں ہے"۔

اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر چھویا جا سکتا تھا۔ جب کہ سلامبو کی لاش کو غائب حالت میں بالکل نہیں چھوا جا سکتا تھا۔ وہ بالکل ہی غائب ہو گئی تھی۔ اسے سلامبو کی آواز سنائی دی۔

"کیوں عنبر؟ اب تمہیں یقین آ گیا کہ میں غائب ہو سکتی ہوں۔"

"ہاں سلامبو! مجھے یقین آ گیا ہے۔ تم واپس آ جاؤ"۔

اور سلامبو واپس آ گئی۔ اس کی لاش دوبارہ تابوت کے اندر ظاہر ہو گئی۔ وہ اسی طرح تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"سلامبو! میں تمہاری خفیہ طاقت کو مان گیا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم غائب ہو کر دوبارہ واپس آ سکتی ہوں"۔

سلامبو نے کہا!

"میرے بھائی عنبر! تم نے مجھے دوبارہ ہمیشہ کی زندگی دے کر مجھ پر

اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر چھویا جا سکتا تھا۔ جب کہ سلامبو کی لاش کو غائب حالت میں بالکل نہیں چھوا جا سکتا تھا۔ وہ بالکل ہی غائب ہو گئی تھی۔ اسے سلامبو کی آواز سنائی دی۔

”کیوں عنبر؟ اب تمہیں یقین آ گیا کہ میں غائب ہو سکتی ہوں۔“

”ہاں سلامبو! مجھے یقین آ گیا ہے۔ تم واپس آ جاؤ“۔

اور سلامبو واپس آ گئی۔ اس کی لاش دوبارہ تابوت کے اندر ظاہر ہو گئی۔ وہ اسی طرح تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

”سلامبو! میں تمہاری خفیہ طاقت کو مان گیا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم غائب ہو کر دوبارہ واپس آ سکتی ہوں“۔

سلامبو نے کہا!

”میرے بھائی عنبر! تم نے مجھے دوبارہ ہمیشہ کی زندگی دے کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے جس ملک میں، جب اور جہاں بھی بلاؤ گے۔ میں اسی جگہ پہنچ جاؤں گی اور مجھ سے جتنی بھی تمہاری مدد ہو سکے گی کروں گی۔ جو کچھ میرے اختیار میں ہو گا وہ میں تمہارے لیے کروں گی۔ اب تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ کیونکہ مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ میں دو ڈھائی ہزار برس سے جاگ رہی ہوں۔ آج دو ہزار سال بعد میں پھر آرام سے سوؤں گی۔

عنبر نے کہا۔

”تم آرام کرو سلامبو! میں جا رہا ہوں۔ میں تمہارے وعدے کو یاد رکھوں گا۔ اگر زندگی میں مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہوئی اور تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو میں تمہیں ضرور یاد کروں گا“۔

”اور میں ضرور تمہاری مدد کو وہاں پہنچوں گی“۔

”لیکن سلامبو! میں تمہیں کس طرح بلاؤں گا۔ بس یہ آخری بات بتا

دو"۔

"تم صرف میرا نام لے کر مجھے آواز دینا۔ میں اسی وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی"۔

"اچھا سلامبو! شب بخیر"۔

"شب بخیر"۔

سلامبو نے نیند بھری آواز میں کہا۔ اس کو نیند آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جو دو ہزار سالوں سے کھلی تھیں۔ بے خواب تھیں نیند کی وجہ سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ گہری نیند سو گئی۔ عنبر نے اس سے پہلے کبھی کسی مردہ لاش کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آج اس کے سامنے ایک لاش گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے یہ سب بڑا عجیب سا لگا۔ یہی کہ ایک لاش زندہ ہوتی ہے۔ اس سے باتیں کرتی ہے۔ شیر کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ پھر ایک آدمی کا اس کی کی آنکھوں کے سامنے خون پیتی ہے۔ پھر غائب ہو کر دوبارہ حاضر ہوتی ہے اور پھر سو جاتی ہے۔

ڈاکو کی بے جان مردہ لاش ممی سلامبو کے چبوترے کے پاس ہی فرش پر پڑی تھی۔ عنبر نے اسے اٹھانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ یہ لاش اپنے گل سڑ کر کوٹھڑی کے اندر ہی مٹی بن جائیگی۔ عنبر بڑی خاموشی سے آگے بڑھا۔ سلامبو بڑے سکون کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی۔ عنبر نے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور دیوار کے شگاف میں سے باہر نکل کر مکان کے بڑے کمرے میں آ گیا۔

یہاں رسی کی سیڑھی اسی طرح لٹک رہی تھی۔ وہ سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ وہ روشندان میں سے نکل کر اوپر مکان کی چھت پر آ گیا۔ یہاں سے وہ درخت کی شاخوں میں سے ہوتا زمین پر اتر آیا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اور مکان کے ویران باغ کے درختوں

لگے ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ عنبر جب اس مکان میں داخل ہوا تھا تو اسے ہرگز یقین نہیں تھا کہ جب وہ مکان سے باہر نکلے گا تو مصر کی ایک دو ہزار پرانی ممی سلامبو کے بارے میں اتنی ڈھیر ساری معلومات لے کر اس سے مل کر، اس سے باتیں کر کے اور اس کی پراسرار طاقتوں کا تماشا دیکھ کر باہر نکلے گا۔

اس نے جنگلے کو پھاندا اور باہر تالاب کے کنارے آ گیا۔ یہاں سے ہو کر وہ اس گلی میں آ گیا جو آگے چل کر حبشہ کے چھتے ہوئے بازار میں نکل گئی تھی۔ اس بازار میں دکانوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں اور لوگ بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ قہوہ خانوں کے باہر افریقی اور سوڈان کے باشندے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ اور بڑی گرمجوشی سے باتیں بھی کر رہے تھے۔ عنبر کا دل قہوہ پینے کو چاہا۔ وہ ایک قہوہ خانے کے باہر خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔ ایک افریقی غلام نے جھک کر پوچھا۔

”آقا! قہوہ حاضر کروں؟“

”ہاں“۔

غلام قہوہ کی پیالی عنبر کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ عنبر بڑے سکون سے قہوے کے ہلکے ہلکے گھونٹ پیتے ہوئے سلامبو کی زندہ لاش کے بارے میں سوچنے لگا۔ اتنے میں ایک بوڑھا حبشی وہاں آیا۔ وہ پریشان تھا۔ اور قہوہ پینے والے لوگوں میں کسی خاص آدمی کو تلاش کر رہا تھا۔ آخر وہ ایک موٹی گردن والے یہودی کے پاس جھک کر بولا۔

”آقا! میری بچی مر رہی ہے۔ اس کی بری حالت ہے۔ دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ میرے ساتھ چل کر میری بچی کی جان بچا لو۔ تم حکیم ہو تمہارے سوا اسے کوئی نہیں بچا سکتا“۔

موٹی گردن والے یہودی نے بڑی نفرت سے کہا۔

"بوڑھے غلام! تم میرا علاج نہیں کرا سکتے۔ میں کسی کا علاج سونے کے ایک ہزار سکے لے کر کرتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس اتنے پیسے ہیں؟"

بوڑھے افریقی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میں غریب ہوں آقا۔ میرے پاس بڑی مشکل سے ایک وقت کی روٹی ملتی ہے۔ میں ساری عمر تمہارا غلام بن کر خدمت کروں گا۔ لیکن چل کر میری بچی کی جان بچا لو"۔

یہودی نے اسے ٹھوکر مار کر پرے گرا دیا۔

'بھاگ جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔ نہیں تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا"۔

بوڑھا افریقی فرش پر گر پڑا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ وہ اٹھ کر موٹے یہودی کے پاس گیا اور بولا۔

"تمہیں ایک دکھی اور غریب بوڑھے کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

یہودی نے غرا کر کہا۔

"اگر تمہیں اس پر ترس آتا ہے تو تم جا کر اس کی بیٹی کا علاج کر لو۔ برخوردار اس کی بیٹی کے جسم سے سارا خون نکل چکا ہے اور وہ کوئی دم کی مہمان ہے۔ وہ ابھی مر جائے گی"۔

عنبر نے کہا۔

"اب میں اس کا علاج کروں گا۔ وہ کبھی نہیں مرے گی۔ تم صبح اسے بھلی چنگی چلتے پھرتے دیکھو گے"۔

پھر عنبر نے بوڑھے افریقی سے کہا۔

"چلو بابا! مجھے اپنے ساتھ گھر لے چلو۔ میں چل کر تمہاری بچی کا

علاج کروں گا"۔

بوڑھا افریقی بڑی حیرانی سے عنبر کا منہ تکنے لگا۔ اسے تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ ایک نوجوان سا لڑکا اس کی مرتی ہوئی بچی کا علاج کر کے اسے پھر سے زندگی بخش سکے گا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ وہ عنبر کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ بوڑھے افریقی کا گھر شہر کے اندر ہی ایک بڑی ہی گندی اور غریب سی جگہ پر تھا۔ ایک کوٹھڑی کا کچا مکان تھا۔ جس کے اندر مٹی کا دیا جل رہا تھا۔ تختے پر ایک بے حد کمزور اور دبلی پتلی افریقہ لڑکی پڑی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی۔ یہودی کے کہنے کے مطابق اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔ اس کا منہ کھلا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ نہ بول رہی تھی اور نہ کچھ سن رہی تھی۔

عنبر نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ لڑکی کی نبض ڈوب رہی تھی۔ نبض کی دھڑکن بہت ہی ہلکی محسوس ہو رہی تھی۔ بوڑھے افریقی باپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم کہیں سے پیاز اور ہلدی پیدا کر سکتے ہو بابا؟"

"ہاں میرے بچے! گھر میں تھوڑی سی ہلدی اور پیاز کی ایک گٹھی موجود ہے"۔

"وہ جلدی سے لا دو"۔

آدھی رات

بوڑھا افریقی اسی وقت پیاز اور ہلدی لے آیا۔

عنبر نے پیاز کو کوٹ کر اس میں ہلدی ملائی۔ پھر جیب میں سے ایک چھوٹی سی نیلے رنگ کی شیشی لے کر اس میں سے سرخ رنگ کا ایک سفوف نکال کر اس میں ملایا اور اس کا لیپ لڑکی کے ماتھے پر کر دیا۔ لیپ کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی لڑکی کا سانس جو اکھڑا اکھڑ کر چل رہا تھا ایک دم ٹھیک ہو گیا۔ اس کی نبض بھی درست ہو گئی۔ بخار کم ہو گیا

اور لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ بوڑھے افریقی نے اپنی بچی کو موت کے منہ سے باہر آتے دیکھا تو عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”میرے بچے تم تندرستی کا فرشتہ بن کر میرے غریب گھر میں اترے ہو۔ تم نے میری پیاری بچی کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔“

افریقی لڑکی نے بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر اپنے باپ اور عنبر کو دیکھا اور کمزور آواز میں پوچھا۔

”بابا! میں کہاں ہوں؟“

بوڑھے باپ نے بڑی شفقت سے بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تم اپنے گھر میں ہو میری بچی۔“

لڑکی نے کہا۔

”میں زندہ ہوں ناں بابا۔“

”ہاں بیٹا تم زندہ ہو۔ اس نوجوان نے تمہارا علاج کر کے تمہیں پھر

زندہ کر دیا ہے۔ تمہیں اس نوجوان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

لڑکی نے احسان بھری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں۔۔ آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بہن! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ مجھ سے جو ہو سکتا تھا میں نے کیا۔ میرے پاس تمہاری بیماری کا علاج موجود تھا۔ وہ میں نے کر دیا۔ اب تم بالکل درست ہو گئی ہو۔ پھر یہ بخار تمہیں کبھی نہیں چڑھے گا۔

پھر عنبر نے اس کے باپ سے کہا۔

"بابا! تم اس شہر میں کیا کرتے ہو؟ اس لڑکی کی ماں کہاں ہے۔

بوڑھے افریقی نے کہا۔

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے بیٹا۔ یہ چھوٹی سی تھی کہ اس کی ماں مر گئی۔

میں نے ہی اسے پال پوس کر بڑا کیا۔ میں بڑا ہی بدنصیب ہوں کہ جب یہ جوان ہو گئی تو اس کی شادی نہ کر سکا"۔

"وہ کیوں بابا؟ اسکی شادی کرنے میں کونسی رکاوٹ ہے؟"

عنبر کے پوچھنے پر بوڑھے افریقی نے کہا۔

"میرے بچے! جس لڑکے کے ساتھ میری بچی کی شادی ہونی تھی وہ اس شہر کے سب سے بڑے دولت مند جاگیردار کے محل میں زر خرید غلام بن کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کو اتنی اجازت نہیں ہے کہ وہ جاگیردار کے محل سے باہر نکل سکے۔ یا اپنی شادی کروا سکے۔ جاگیردار بڑا ظالم انسان ہے۔ اس نے کہہ رکھا ہے کہ اگر شادی کرو گے تو میں تمہیں کالے پانی بھیج کر تمہاری بیوی کو قتل کروا دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"کمال ہے۔ یہ جاگیردار تو کوئی بڑا سنگ دل آدمی لگتا ہے۔"

"ہاں بیٹا! وہ بڑا سنگ دل ہے۔ اس کے حکم کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ بادشاہ کا وزیر اس جاگیردار کا بھانجا ہے۔ وزیر کی شہ پر وہ شہر میں من مانی کرتا پھرتا ہے۔ اور کوئی اسے پوچھنے والا نہیں ہے۔ اور پھر میں اس کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ اس نے میری بچی کے ہونے والے خاوند کو منڈی میں خریدا ہے اور وہ اس شہر کے قانون کے مطابق اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کر سکتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہتے ہو وہ مجھے بتاؤ"۔

بوڑھے افریقی نے غمگین آواز میں کہا:

"میں کیا اور میری خواہش کیا ہے بیٹے! ہوگا تو وہی جو جاگیردار چاہے گا"۔

عنبر نے بوڑھے افریقی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بابا! تم گھبراؤ نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم یہی چاہتے ہو کہ تمہاری بچی کی شادی اس کے منگیتر سے ہو جائے؟"

"ہاں بیٹا! ہر باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ جاگیردار لڑکے کو محل سے کبھی نہیں نکلنے دے گا۔ اگر اس نے محل سے بھاگ کر شادی کر بھی لی تو جاگیردار دونوں کو ختم کر دے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! میں یہ شادی کروا سکتا ہوں"۔

بوڑھے افریقی نے خوشی اور حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا بھلا یہ دبلا پتلا سانو جوان کیسے ایک جابر جاگیردار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اس نے کہا۔

"میرے بچے! تم ناممکن چیز کو ممکن کیسے بنا سکتے ہو؟ تم کیوں خواہ

مخواہ اپنی جان مصیبت میں پھنساتے ہو۔ میری بچی کی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم نے ہم پر یہی احسان کم کیا ہے کہ میری بچی کو موت کے منہ سے بچالیا ہے۔‘‘

عنبر نے کہا۔

’’سنو بابا! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک ٹھیک اور سچ سچ کہہ رہا ہوں۔ میں لڑکے کو جاگیردار کے محل سے لے آؤں گا ان دونوں کی شادی بھی کروادوں گا۔ لیکن اس کے بعد تمہیں ان دونوں کو اس ملک سے باہر بھیج دینا ہوگا تا کہ جاگیردار کے غلام اور سپاہی میرے بعد تمہاری بیٹی اور داماد کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ اس شہر میں ساری عمر نہیں رہ سکتا۔‘‘

عنبر کی باتیں لڑکی بھی بڑے غور سے آنکھیں بند کیے سن رہی تھی۔ اس نے عنبر کے اس آخری جملے پر کہا۔

’’بھائی! یہ بتاؤ کہ تم کس طرح میری مدد کر سکتے ہو؟ تم کس ترکیب سے میرے منگیتر کو جاگیردار کے بھیانک محل سے یہاں لا سکتے ہو؟‘‘

عنبر نے کہا۔

’’یہ بات تم مجھ پر چھوڑو میری بہن! کیا تم شادی کے بعد اپنے بابا اور خاوند کے ساتھ یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر خوشی سے آباد ہو سکتی ہو؟‘‘

لڑکی نے جلدی سے کہا۔

’’کیوں نہیں۔ میں ایسا کر سکتی ہوں‘‘۔

عنبر نے بوڑھے افریقی سے پوچھا۔

’’کیوں بابا کیا تم بھی تیار ہو؟‘‘

بوڑھا بولا

41

’’اگر کسی طرح تم غلام لڑکے کو جاگیردار کے محل سے باہر نکال کر

ہمارے پاس لا دو تو ہم تینوں یہاں سے عمران کے شہر میں چلے جائیں گے جو یہاں سے ایک رات کے سفر پر ہے۔ وہاں میرا ایک بیٹا کوتوال شہر کا چوکیدار ہے۔ وہاں ہم بڑے امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ عمران شہر میں اس شہر کا قانون بھی لاگو نہیں ہوتا۔“

عنبر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آج آدھی رات کو تمہارا ہونے والا داماد اپنے آپ محل سے نکل کر اس گھر میں موجود ہوگا۔ پھر تم لوگ جس طرف چاہے یہاں سے نکل جانا۔ اب میں جاتا ہوں۔ صبح کو حاضر ہوں گا“۔

بوڑھے نے کہا۔

”بیٹا تم کہاں جا کر رہو گے اسی غریب گھر میں رات بسر کیوں نہیں کر لیتے؟“

عنبر نے کہا۔

”نہیں بابا۔ میرا اپنے گھر جانا بہت ضروری ہے۔ میں صبح آؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ بہن! آدھی رات کو تمہارا منگیتر یہاں موجود ہوگا۔“

عنبر چلا گیا۔ بوڑھا افریقی اسے گلی کے باہر تک چھوڑنے آیا۔ جنگل والے جھونپڑے میں پہنچ کر عنبر نے پہلا کام یہ کیا کہ آنکھیں بند کر کے سلامبو کی لاش کو یاد کیا اور پھر اسے آواز دی۔

”سلامبو! سلامبو! میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ میری مدد کو آؤ“۔

ابھی اس نے اپنا جملہ ختم ہی کیا تھا کہ فضا میں پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنائی دی اور پلک جھپکنے میں سلامبو کی ممی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ عنبر سلامبو کے وعدے کو آزمانا بھی چاہتا تھا۔ سلامبو کی لاش کو اپنے سامنے دیکھ کر عنبر بڑا خوش ہوا کہ سلامبو نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ سلامبو نے پوچھا۔

”عنبر بھائی! مجھے کس لیے یاد کیا؟ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

عنبر نے کہا۔

”سلامبو بہن میں معافی چاہتا ہوں کہ بہت جلد میں نے تمہیں تکلیف دی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایک غریب باپ کی بچی بڑی مصیبت میں ہے“۔

سلامبو نے کہا۔

”اس کی مصیبت مجھے کھول کر بیان کرو“۔

عنبر نے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ سلامبو نے کہا۔

”یہ کونسی بڑی بات ہے۔ آج آدھی رات کو افریقی لڑکی کا منگیتر اس کے گھر میں ہوگا“۔

عنبر نے کہا۔

”لیکن سلامبو بہن! تمہیں ایک اور تکلیف بھی کرنی ہوگی“۔

”وہ کیا ہے عنبر؟“

”وہ یہ کہ یہ لوگ بے حد غریب ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں ہیں کہ عمران کے شہر کو بھاگ کر جا سکیں۔ تمہیں دو گھوڑے بھی وہاں لا کر دینے ہوں گے“۔

”فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہوگا۔ ان لوگوں کو جس جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ ان کے پاس آدھی رات کے بعد موجود ہوگی“۔

سلامبو چلی گئی اور عنبر اگلی صبح تک کے لیے سو گیا۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھا افریقی اور اس کی بچی گھر میں جاگ رہے تھے۔ لڑکی کا بخار اتر چکا تھا۔ اور وہ بالکل اچھی ہو گئی تھی۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عنبر یہ کام کر دے۔ وہ تو ایک دبلا پتلا سا نوجوان ہے۔

”بے چارہ ہمارا دل بہلا کر چلا گیا ہے۔ بھلا وہ کہاں جابر جاگیردار کے محل سے ہمارے بچے کو یہاں سے نکال کر لا سکتا ہے“۔

لڑکی نے کہا۔

"نہیں بابا! چاہے تم جو کچھ کہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ لڑکا یہ کام ضرور کرے گا اور میرا ہونے والا خاوند یہاں پہنچ جائے گا"۔

اتنے میں آدھی رات ہوگئی۔

اچانک دروازے کا پٹ کھلا اور بوڑھے کا ہونے والا داماد وہاں آ گیا۔ بوڑھا افریقی اور لڑکی اسے اپنے سامنے پا کر حیران رہ گئے۔ لڑکے نے کہا۔

"بابا! میں یہاں کیسے آ گیا؟"

بوڑھے نے کہا۔

"بیٹا یہ بات تو ہم تجھ سے پوچھنے والے تھے"۔

لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں ہاں! ہمیں بتاؤ کہ تم جاگیردار کے محل سے یہاں کیسے پہنچ گئے؟"۔

غلام لڑکے نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں گھوڑوں کے اصطبل میں سویا تھا کہ کسی نے زور سے میرا کندھا جھنجھوڑا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر کسی نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے کندھے سے پکڑ کر باہر کو کھینچا۔ پھر میں ہوا میں اڑ رہا تھا اور ایک دم سے کسی نے اس گلی کے باہر مکان کے دروازے پر اتار کر رکھ دیا۔ اور تم یہ سن کر بھی حیران ہو گے کہ اس وقت مکان کے باہر تین گھوڑے بھی موجود ہیں"۔

بوڑھا افریقی اور لڑکی یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ وہ جلدی سے باہر آئے۔ سچ مچ مکان کے آگے تین بڑی اعلیٰ نسل کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک گھوڑے کے اوپر گٹھڑی رکھی تھی۔ انہوں نے گٹھڑی اٹھا کر کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اندر اشرفیوں کی تھیلی۔ کھانے پینے کا سامان

اور تین جوڑے پوشاک کے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ لے کر مکان کے اندر آ گئے۔ بوڑھے نے عنبر کا سارا واقعہ غلام لڑکے کو سنایا اور کہا۔

"اس نوجوان نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔ پہلے اس نے میری بچی کو اچھا کیا اور اب تمہیں یہاں پہنچا دیا۔ بلکہ گھوڑے بھی ساتھ کر دیئے اور یہ پوشاکیں اور سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی بھی۔ اب ہم عمران شہر میں جا کر ساری عمر آرام سے بسر کر سکتے ہیں"۔

اتنے میں دروازہ کھول کر عنبر بھی اندر آ گیا۔

"میں اس لیے جلدی آ گیا ہوں بابا کہ تم لوگوں کو جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ صبح ہوتے ہی جب جاگیردار کو معلوم ہو گا کہ غلام غائب ہے تو وہ اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے گا۔ اگر تم لوگ اس وقت ہی نکل جاؤ تو صبح ہونے تک عمران شہر کے قریب پہنچ چکے ہو گے۔ پھر تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا"۔

بوڑھے افریقی نے عنبر کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما۔ اس نے اپنے ہونے والے داماد سے کہا۔

"بیٹا! یہی وہ نیک دل نوجوان ہے جس نے تمہیں جاگیردار کی قید سے آزاد کیا۔ میری بچی کی جان بچائی اور اب تمہیں اتنی دولت دی ہے کہ ہم ساری زندگی سکون سے بسر کر سکیں گے۔ ٹھیک ہے عنبر بیٹے! ہم اسی وقت یہاں سے نکل جاتے ہیں"۔

لڑکی نے کہا۔

"بھائی تم نے ہمارے لیے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ اگر ہم ساری زندگی تمہارے پیر دباتے رہیں تو بھی حساب پورا نہیں ہو گا"۔

عنبر نے کہا۔

"بہن! میں نے ایک انسانی فرض ادا کیا ہے۔ میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اب تم لوگ یہاں سے نکل جانے کی تیاریاں کرو"۔

غلام لڑکے نے بھی آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔ اور کہا۔

"میرے آقا! آپ نے یہ سب کچھ کیسے کر دکھایا؟ کیا آپ کے پاس جادو ہے یا کوئی خفیہ طاقت ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ وقت اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے۔ تم کو آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ تم ان لوگوں کو لے کر فوراً یہاں سے کوچ کر جاؤ اور کوشش کرو کہ صبح ہونے کے بعد ہی دوسرے شہر کی فصیل میں داخل ہو جاؤ تاکہ جاگیردار کے آدمی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں"۔

"بہت بہتر میرے آقا"

بوڑھا افریقی لڑکی اور غلام لڑکا۔۔۔ تینوں نے باری باری عنبر سے ہاتھ ملایا۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ عنبر کو بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے ایک غریب بوڑھے کی زندگی کو خوشیوں کے پھولوں سے بھر دیا ہے۔

سلیمانی انگوٹھی

دوسرے دن جاپان کو جانے والا جہاز بندرگاہ میں آن لگا۔

عنبر نے ضروری سامان ساتھ لے کر کرایہ ادا کیا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گیا۔ شام کو جہاز نے لنگر اٹھایا۔ بادبان کھلے اور جہاز نے گہرے نیلے سمندر میں جاپان کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہ ایک لمبا سفر تھا۔ عنبر جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ ایک نہ ایک دن جاپان اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے پاس پہنچ جائے گا۔ ان سے مل کر انہیں کس قدر خوشی ہو گی۔

عنبر کو ہم جہاز پر چھوڑتے ہیں۔ اور اب واپس جاپان کے شہر کیوشو میں چل کر دیکھتے ہیں کہ ناگ کس حالت میں ہے۔ پہلے ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں کہ ناگ نے پوری تیاری کر کے تابوت والے مقبرے میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہاں مقبرے کے بھوت نے ملکہ مصر کی روح کو قید کر رکھا تھا۔ اور جہاں ناگ کے خیال میں ماریا بھی کسی نہ کسی جگہ قید تھی۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ مقبرے کے بھوت نے ملکہ مصر کی روح کو قید کر رکھا تھا۔ اور جہاں ناگ کے خیال میں ماریا بھی کسی نہ کسی جگہ قید تھی۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ مقبرے کے بھوت نے ماریا بے چاری کو پتھر کی مورتی بنا کر مقبرے کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی کے تابوت میں لٹا رکھا ہے جہاں وہ بالکل ہل جل نہیں سکتی

تھی۔ صرف آوازیں سن سکتی تھی اور دیکھ سکتی تھی۔

ناگ دو چار روز کے بعد پوری طرح سے تیار ہو کر مقبرے والے تہہ خانے کی طرف چل پڑا۔ تیاری اس نے یہ کی تھی کہ اپنے ساتھ ایک تیز دھار والا خنجر چھپا کر رکھ لیا تھا تا کہ اگر کوئی اس پر حملہ کرے تو وہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ وہ شہر سے باہر نکل کر ٹیلے کے پاس آ گیا۔ ابھی دن نکلا ہی تھا اور شہر کی دیواروں پر صبح کی پہلی سنہری دھوپ چمکنے لگی تھی۔ جھاڑیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتا ہوا وہ غار کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں بے شمار جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ناگ نے جھاڑیوں کو ہاتھوں سے ادھر ادھر ہٹایا اور غار کے اندر داخل ہو گیا۔

ادھر ناگ غار کے اندر داخل ہوا ادھر مقبرے کے بھوت کو پتا چل گیا کہ کوئی انسان غار کے اندر داخل ہوا ہے۔ وہ اپنے اندھیرے گڑھے سے نکل کر باہر آ گیا اور مقبرے کے ایک طرف چھپ کر

دیکھنے لگا کہ غار میں کون آیا ہے۔ یہ اسے اس روز بھی احساس ہو گیا تھا مگر وہ ناگ کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ کیونکہ ناگ نے سانپ کا بھیس بدل رکھا تھا۔ پھر بھی بھوت نے یہ کیا تھا کہ ماریا کی پتھر بنی لاش کو اٹھا کر ایک دوسرے تہہ خانے میں جا کر لٹا دیا تھا۔

ناگ ابھی غار میں آیا ہی تھا کہ اسے بھی کچھ یوں لگا جیسے اندر پہلے ہی سے کوئی موجود ہے۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے بھوت جاگ اٹھا ہو اور وہ بے خبری میں ناگ پر حملہ کر دے۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ سانپ بن کر اندر جائے۔ چنانچہ اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور ایک دم انسان سے سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ رینگ رینگ کر مقبرے کی دیوار پر آگے گزرنے لگا۔ مقبرے کے بالکل سامنے پہنچ کر وہ ایک طرف ہو کر چھپ گیا۔ بھوت نے جب دیکھا کہ اندر کوئی بھی نہیں آ رہا تو وہ اپنی جگہ سے باہر نکل یا اور مقبرے

کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ ناگ نے دیکھا کہ بھوت اس وقت انسان کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ ناگ بڑا حیران ہوا کہ یہ بھوت انسان کی شکل میں کیسے آ گیا؟ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے بھوت انسان بن سکتا ہو۔

لیکن اسے کچھ یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ بھوت اصلی بھوت نہیں ہے۔ یا تو نقلی بھوت ہے اور یا پھر کوئی بڑا ہی زبردست اور چالاک جادوگر ہے جو یہاں رہ کر کالے علم کا چلہ کر رہا ہے۔ اور اس نے یقیناً جادو ٹونے کے زور سے ہی ملکہ بے چاری کی بے چین روح کو قید کر رکھا ہے۔ ناگ نے سب سے پہلے ماریا کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دیوار میں پتھروں کے شگاف میں لیٹا بڑی خاموشی سے بھوت کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ بھوت نے مقبرے کے چاروں طرف گھوم کر جب اطمینان کر لیا کہ وہاں اس کے سوائے اور کوئی غیر شخص نہیں ہے تو وہ قبر کے پہلو میں آ کر جھکا اور گڑھے میں سے ایک مرتبان نکال کر سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مرتبان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"سن اے ملکہ کی روح! میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میری بات مان لے نہیں تو میں تمہیں اسی مرتبان کے اندر جلا کر بھسم کر دوں گا اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں دھکیل دوں گا جہاں تم قیامت تک شعلوں میں جلتی رہو گی۔"

اچانک مرتبان میں سے ملکہ کی روح کی آواز آئی۔

"اے بھوت! اے عظیم جادوگر! میں مجبور ہوں۔"

بھوت نے چیخ کر کہا۔

"خبردار جو مجھے پھر سے جادوگر کہا۔ میں جادوگر نہیں ہوں۔ میں اس مقبرے کا بھوت ہوں اور مجھ میں بڑی طاقت ہے۔ میں جس کو

چاہوں پتھر بنا کر قید کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے بھوت کی زبان سے یہ بات سنی تو اس کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو اسی بھوت یا جادوگر نے ماریا کو کسی جگہ پتھر بنا کر قید کر رکھا ہے اور یہ بھوت نہیں ہے بلکہ جادوگر ہے۔ اسی لیے وہ روح کی زبان سے جادوگر کا لفظ سننا گوارا نہیں کرتا۔ روح نے کہا۔

"اے عظیم بھوت! میں ایک بدنصیب بادشاہ کی بھٹکتی ہوئی بدنصیب روح ہوں۔ میں ایک کمزور اور بے بس ہوں تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو؟ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟ دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ مجھے آزاد کر دے میں تو پہلے ہی اپنے بدقسمت بادشاہ کی روح کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں"۔

بھوت نے زبردست قہقہہ لگا کر کہا:

"میں تمہیں اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ تم مجھے یہ نہ بتا دو کہ بادشاہ سلیمان کی سلیمانی انگوٹھی کس ملک کے کون سے غاروں میں بند ہے"۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

"دیوتاؤں کی قسم لے لو مجھ سے۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ شاہ سلیمان کی انگوٹھی کون سے ملک میں اور اس ملک کے کون سے غار میں ہے۔ میں تو خود بھٹکتی پھرتی روح ہوں۔ میری پرواز اس زمین کے پہلے آسمان سے اوپر بھی نہیں ہے۔ پھر میں تمہیں کیسے بتا سکتی ہوں کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے؟"۔

بھوت نے گرج کر کہا:

"تم ایک روح ہو۔ تم اس زمین کو کھنگال کر پتا کر سکتی ہو۔ اگر تم وعدہ کرو کہ تم مجھے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگا کر بتا دو گی تو میں تمہیں ابھی آزاد کر دوں گا۔۔ لیکن اس کے لیے تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر تم

وعدے سے پھر گئیں تو میں تمہیں بھسم کر کے جہنم میں پھینک دوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی بھوت نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر زور سے جھٹک دیے۔ ایک شعلہ سا زمین سے اٹھا تو مقبرے کی چھت سے جا ٹکرایا۔ بھوت نے ایک بار پھر ہاتھ جھٹکا۔ شعلہ ایک بار پھر بلند ہوا اور مقبرے کی چھت سے ٹکرا کر بجھ گیا۔ مرتبان کے اندر سے روح کی آواز آئی:

"معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے آگ میں مت پھینکو۔ میں بے گناہ ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں بدنصیب روح ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو"۔

"ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔" بھوت نے قہقہہ لگا کر کہا "میں تم کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم جھوٹ بول

رہی ہو۔ تمہیں سب معلوم ہے کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں۔ تم کو میرے لیے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانا ہوگا۔ تم کو بتانا ہوگا کہ سلیمانی انگوٹھی کس ملک کے کس غار میں ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی جاؤ اور جا کر پتا کرو کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے۔ مگر میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ تم مرتبان کے اندر ہی اپنے بادشاہ کی روح کو بلاؤ اور اس سے پوچھو کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے؟"

ملکہ کی روح نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے نہ تو یہ معلوم ہے کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے بدنصیب بادشاہ کی روح کہاں ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو خود آسمان کے خلاؤں میں بھٹک رہی ہوں۔ میں خود اپنے بدنصیب بادشاہ کی روح کو تلاش کر رہی ہوں"۔

بھوت نے زور سے مرتبان پر ہاتھ مارا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ تو جھوٹ بولتی ہو۔ میں تمہیں کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ میں تمہیں ہمیشہ اسی مرتبان میں قید رکھوں گا اور پھر ایک دن تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔۔۔ ہا ہا ہا ہا۔ میں تمہاری جگہ اس لڑکی کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں بھیجوں گا۔ جس کو میں نے پتھر بنا دیا ہے۔ میں اسے مار کر اس کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانے روانہ کروں گا"۔

بھوت نے مرتبان کو مقبرے کے تابوت کے اندر بند کر کے لوہے کا بڑا سا تالہ لگایا اور پاؤں گھسیٹتا واپس غار کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی ناگ دیوار پر سے اتر کر قبر کے پہلو والے چبوترے کے پاس آ گیا۔ جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا اس کا سراغ اسے مل گیا تھا۔ اس پر یہ راز کھل گیا تھا کہ ماریا کہاں ہے؟ ماریا کو بھوت نے پتھر بنا کر کسی جگہ چھپا دیا تھا۔ جس لڑکی کا اس نے ذکر کیا تھا وہ ضرور ماریا ہی تھی۔

ناگ پریشان ہو گیا۔

اب وہ ماریا کا کھوج لگانے کے لیے بے تاب تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ جگہ تلاش کرے جہاں بھوت نے ماریا کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑا تھا۔ ناگ کو اب کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا کہ یہ بھوت اصلی بھوت نہیں ہے بلکہ کوئی بہت مکار جادوگر ہے۔ جس کو کسی بہت بڑے چلے کے لیے سلیمانی انگوٹھی کی تلاش ہے۔ ناگ کو اتنا معلوم تھا کہ جس شخص کے پاس سلیمانی انگوٹھی ہو جن بھوت اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ ناگ بڑا حیران تھا کہ جب کہ اگر وہ خود بھوت ہے تو اسے سلیمانی انگوٹھی منگوا کر کسی بھوت کو قابو کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟ ضرور یہ شخص کوئی عیار جادوگر ہے اور بھوت بالکل نہیں ہے۔

ناگ اسے ابھی جا کر کاٹ سکتا تھا لیکن وہ ڈر رہا تھا کہ جادوگر اس پر اپنا جادو کر کے اسے ماریا کی طرح پتھر نہ بنا دے۔

پھر بھی وہ ماریا سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ماریا کا ہر حال میں کھوج لگانا تھا۔ سانپ نے مقبرے کے چبوترے کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ وہ رینگ بھی رہا تھا اور بڑا چوکنا ہو کر ایک ایک پتھر کو غور سے دیکھ رہا تھا اور سونگھ رہا تھا کہ کہیں سے اسے ماریا کی خاص بو آ جائے۔ اچانک ایک دیوار کے پاس وہ رک گیا۔ اس دیوار کی دوسری جانب سے اسے ماریا کے کپڑوں کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ تو کیا ماریا اس دیوار کے پیچھے موجود تھی؟

ناگ کا خیال ہوا کہ وہ انسان کی شکل میں آ کر اس دیوار کو کہیں سے توڑ کر دوسری طرف کوٹھڑی میں جا کر ماریا کو ملے۔ اگر اس دیوار میں کوئی دروازہ یا کوئی شگاف ہے تو اسے ڈھونڈے۔ سوائے

اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس میں ایک ڈر بھی تھا کہ انسان بنتے ہی جادوگر اس کی بو محسوس کرے گا۔ ہو سکتا ہے پھر وہ اچانک پیچھے سے آ کر یا سامنے سے آ کر ناگ پر اپنا جادو پھونک دے۔ بہر حال ماریا بہن کے لیے ناگ کو یہ قربانی دینی ہی تھی۔

اس نے دیوار کے ساتھ لپٹ کر گہری پھنکار ماری۔

پھنکار مارتے ہی سانپ پھر سے انسان بن گیا۔ حیرانی کی بات یہ ہوئی کہ ناگ کے اس پھنکارنے کی آواز دور غار کے اندر ایک کمرے میں لیٹے ہوئے بھوت نے بھی سن لی۔ پھنکار کی آواز نے اسے شک میں ڈال دیا کہ غار کے اندر کوئی جانور ضرور ہے۔ اس نے جادو کے زور سے معلوم کیا کہ یہ جانور نہیں بلکہ کوئی انسان ہے۔ وہ اٹھ کر غار کے اندر چل پڑا جس طرف سے کہ آواز آئی تھی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ اصل میں بھوت نہیں تھا بلکہ ایک

بہت بڑا افریقی جادوگر تھا جس کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش تھی۔ سلیمانی انگوٹھی کا سراغ صرف کوئی روح ہی لگا سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اس غار کے اندر ملکہ کی روح کو قید کیے بیٹھا تھا۔ اب وہ یہ ارادہ کیے ہوئے تھے کہ ماریا کو مار کر اس کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں بھیجے۔ کیونکہ ملکہ کی روح کے بارے میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ سلیمانی انگوٹھی کا سراغ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ اس کی ساری توجہ اپنے مرے ہوئے بادشاہ کی طرف لگی ہوئی تھی۔

زہریلا جال

ناگ نے انسان کے روپ میں آتے ہی دیوار کے شگاف کی تلاش شروع کر دی۔

اندھیرے میں وہ دیوار کے پتھروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ سے کوئی پتھر تھوڑا سا بھی ملے تو وہ اکھاڑ کر دیوار میں راستہ بنا لے۔ مگر پتھر ایک دوسرے کے ساتھ بری طرح جڑے ہوئے تھے۔ اسے ماریا کے کپڑوں اور اس کے جسم کی بو سانپ بن کر

اسی دیوار کے پیچھے سے آ چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اسی غار کے اندر کسی جگہ وہ بھوت نما جادوگر ضرور چھپا ہوا ہے۔ اس نے اگر ماریا کو آواز دی تو وہ اسے ضرور سن کر چوکس ہو جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اندھیرے میں اس پر حملہ کر دے۔

اسے یہ بھی خیال تھا کہ شاید بھوت نے ماریا کو بھی پتھر بنا کر رکھ چھوڑا ہو۔ ایسی حالت میں وہ اس کی آواز کا جواب بھی نہیں دے سکے گی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ دیوار کے پتھروں کو ٹٹول رہا تھا کہ اسے غار کے اندر سے پاؤں کے گھسٹنے کی آواز سنائی دی۔ بھوت پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف بھوت کو بھی شک ہو گیا تھا کہ مقبرے میں ضرور کوئی انسان موجود ہے۔ اب اسے بھی انسان کے موجود ہونے کا احساس شدید ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پاؤں کی آواز کوئی سنے۔ مگر وہ مجبور تھا

اس لیے اس کی ایک ٹانگ چھوٹی تھی اور زخمی تھی۔ اسے مجبوراً پاؤں کو گھسیٹ کر چلنا پڑتا تھا۔

ناگ نے اندھیرے میں ہی دیکھ لیا کہ بھوت غار کے پچھلے حصے سے اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ وہ اس وقت بھوت کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے بھوت سے یہ پتا چل جائے کہ ماریا کہاں ہے اور اس کے تابوت تک جانے کا راستہ کون سا ہے۔ اس کے بعد وہ بھوت کو ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ اور پھر اب تو ناگ کو بہت حد تک یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھوت اصلی نہیں ہے بلکہ کوئی زبردست جادوگر ہے جس نے سلیمانی انگوٹھی حاصل کرنے کے لیے یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے۔

ناگ نے دیوار کے پاس ہی چھپ کر گہرا سانس لیا اور سانپ کی شکل بدل کر دیوار کے پتھروں کے اوپر کو رینگ گیا۔ بھوت آگے

بڑھتے بڑھتے ٹھیک اس جگہ آ گیا جہاں کہ ناگ سانپ بنا اوپر دیوار کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ بھوت نے ادھر ادھر بڑے غور سے دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر اس نے ایک جگہ دیوار کے پتھر کو اکھاڑا، اندر ہاتھ ڈال کر کسی شے کو گھمایا۔ دیوار میں ایک چھوٹا سا شگاف نمودار ہو گیا۔ بھوت اس شگاف کے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی دیوار کا شگاف اپنے آپ بند ہو گیا۔

ناگ سانپ کے روپ میں دیوار کے ساتھ لگا رہا۔ وہ اب بھوت نما انسان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے کہ اندر وہ جا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اندر بھوت موجود تھا۔ وہ باہر نکلے تو وہ اندر جائے۔ ویسے اس بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ ماریا ضرور دیوار کی دوسری طرف موجود ہے۔ اگر اسے ڈر تھا تو صرف یہی تھا کہ کہیں یہ بھوت جادوگر ماریا کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اس خیال سے ناگ پریشان ہو گیا

اور سوچنے لگا کہ اگر سچ مچ جادوگر نے ماریا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ بے چاری آواز بھی بلند نہ کر سکے گی۔ کیونکہ وہ تو پتھر بنی ہو گی۔ تو پھر کیا کیا جائے؟

ناگ سانپ کے روپ میں ہی دیوار سے نیچے اتر آیا اور پتھروں میں رینگ رینگ کر وہ جگہ ڈھونڈنے لگا جہاں سے جادوگر بھوت اندر گیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہاں کوئی چھوٹا سا سوراخ ہی موجود ہو جس میں سے گزر کر وہ اندر چلا جانے۔ کافی دیر تلاش کرنے کے بعد اسے آخر ایک سوراخ مل ہی گیا۔ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور سوراخ کے اندر داخل ہو کر دیوار کی دوسری جانب نکل آیا۔

دیوار کی دوسری طرف ایک تنگ سی نیم اندھیری کوٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی کے بیچ میں پتھر کا ایک تابوت رکھا تھا۔ تابوت کا منہ بند تھا۔ بھوت اس کے پاس کھڑا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تابوت پر کچھ

پڑھ پڑھ کر پھونک رہا تھا۔ پھر اس نے تابوت کے ڈھکنے کو اٹھا دیا۔ سانپ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ تابوت کے اندر کون لیٹا ہوا ہے۔ وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا چھت کے ساتھ چپک گیا۔ اس نے جو تابوت کے اندر نگاہ ڈالی اور حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ سچ مچ تابوت کے اندر ماریا پتھر بنی لیٹی ہوئی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ماریا کی آنکھیں زرد تھیں۔ بھوت نے کچھ پڑھ کر زور سے ماریا کے جسم پر پھونک ماری اور کہا۔

"میرے اور شاہ افراسیاب کے حکم سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ"۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ ماریا تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بھوت نے کہا۔

"سن اے لڑکی! میں نے اپنے جادو کے زور سے تجھ میں اتنی طاقت پیدا کر دی ہے کہ تو نہ صرف میری آواز سنے بلکہ مجھے جواب بھی دے سکے گی۔ لیکن تو اس تابوت سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ بول کیا تو میری آواز سن رہی ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں میں تمہاری آواز سن رہی ہوں"۔

بھوت بولا۔

"تو پھر میری باتوں کو غور سے سن۔ ۔۔ میں نے تمہیں یونہی یہاں لا کر پتھر بنا کر قید نہیں کیا۔ میرے تمہارے یہاں لانے کا ایک مقصد ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"آخر تو نے مجھے یہاں کس لیے قید کر رکھا ہے؟"

بھوت نے کہا۔

"میں تمہاری روح سے ایک کام لینا چاہتا ہوں"۔

"میری روح سے؟" ماریا نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں تمہاری روح سے؟" بھوت نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری روح سے اس لیے یہ کام لینا چاہتا ہوں کہ یہ کام ایک عورت کی روح ہی کر سکتی ہے۔ ملکہ مصر کی روح میرے لیے بے کار ہے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اپنے مرے ہوئے خاوند کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یہ کام تمہاری روح کو کرنا ہوگا"۔

ماریا نے کہا "مگر میں تو زندہ ہوں"۔

بھوت نے مکروہ قہقہہ لگایا۔

"تھوڑی دیر بعد تو زندہ نہیں ہوگی"۔

سانپ یہ سن کر لرز گیا۔ تو کیا واقعی یہ جادوگر ماریا کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ ماریا بھی پریشان ہوگئی۔ اس نے چیخ کر کہا:

"یہ ظلم ہے۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ تم کیسے بھوت ہو کہ خود کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور عورتوں کو ہلاک کر کے ان کی روحوں سے کام لیتے پھرتے ہو"۔

بھوت نے گرج کر کہا۔

"خاموش بدزبان لڑکی! تمہیں میں یہ راز بھی بتائے دیتا ہوں کہ میں اس ملک افریقہ کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں بھوت نہیں ہوں مگر مرنے کے بعد بھوت ضرور بن جاؤں گا۔ میری بات کو غور سے سن! مجھے سلیمانی انگوٹھی کی تلاش ہے۔ مگر میں یہ نہیں جانتا کہ یہ سلیمان بادشاہ کی نایاب انگوٹھی کس جگہ پر ہے۔ یہ سراغ صرف ایک عورت کی روح لگا سکتی ہے۔ اس کام کو اب تم نے کرنا ہوگا۔ اگر مجھے سلیمانی انگوٹھی نہ ملی تو میرا سارا کالا علم اور جادوگری خاک میں مل جائے گی اور میں افریقہ کے قبیلوں میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ اب تو لوگ مجھ سے اور میرے جادو سے ڈرتے ہیں۔ مگر پھر کوئی مجھ سے

نہیں ڈرے گا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں تمہیں مار کر تمہاری روح کو حکم دوں گا کہ وہ میرے لیے سلیمانی انگوٹھی کو تلاش کرے۔ کیونکہ عورت کی روح پر یہ ساری زمین کھل جائے گی۔ اسے زمین کے اوپر باہر اور اندر کی ساری چیزیں دکھائی دینے لگیں گی۔

ماریہ نے کہا۔

"سن اے جادوگروں کے بادشاہ! اگر کسی طرح سے میرے بھائی ناگ اور عنبر کو پتا چل گیا کہ تم نے مجھے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ یہاں آ کر تمہاری تکہ بوٹی اڑا دے گا۔

بھوت کہنے لگا:

"ہا ہا ہا۔ میں نے اسے کئی تکہ بوٹی کرنے والے دیکھے ہیں اگر وہ یہاں آ گئے تو یقین کرو اسی مقبرے کے اندر ان کی قبریں بھی بن جائیں گی"۔

ماریہ نے نفرت سے کہا:

"اے جادوگر! کان کھول کر سن لے۔ خواہ میرا کتنا ہی نقصان ہو جائے میں تمہارے حکم کو کبھی نہیں مانوں گی۔ تم نے اگر مجھے مار ڈالا تو میری روح ستاروں میں بھٹکتی پھرے گی مگر تمہارے پاس کبھی نہیں آئے گی"۔

بھوت نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"میں خود تمہیں مجبور کر دوں گا کہ تم میرے کے مطابق چلو تم میرے حکم کو ٹالنے کی جرات نہیں کر سکتیں۔ تم پر میرا جادو ہو گا تم میرے قابو میں ہو گی۔ بہرحال اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ پھر تمہیں یہ وقت نہیں ملے گا۔ میں تمہیں آج رات کی مہلت دیتا ہوں۔ کل صبح صبح میں یہاں آؤں گا۔ اگر تم تیار ہو گئیں تو بڑا اچھا ہے۔ اگر تم راضی نہ بھی ہوئیں تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔ اگر تم اپنی مرضی سے تیار ہو گئیں تو

اس کا تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ میں تمہاری روح کو سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانے کے بعد آزاد کر دوں گا۔ بہر حال آج رات کی مہلت ہے۔ اب میں جارہا ہوں"۔

بھوت جادوگر پاؤں گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی دیوار کا شگاف اپنی جگہ پر آ گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے لیٹنے کی کوشش کی تو وہ دوبارہ لیٹ نہ سکی۔ وہ بول سکتی تھی۔ سن سکتی تھی۔ مگر اب لیٹ نہ سکتی تھی۔ شاید غصے یا جلدی میں بھوت جادوگر اسے دوبارہ الٹا کر پتھر بنانا بھول گیا تھا۔

سانپ جلدی سے چھت پر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے زور سے پھنکار ماری اس کی پھنکار کی آواز ماریا نے سنی تو خوش ہو کر بولی۔

"ناگ بھائی! یہ تم ہو کیا؟"

اتنی دیر میں ناگ انسانی روپ میں واپس آ گیا تھا۔ اس نے کہا

"ہاں ماریا بہن یہ میں ہوں"۔

ماریا کی آنکھوں میں اپنے بھائی سے مل کر خوشی کے آنسو آ گئے۔ ناگ نے کہا۔

"ماریا تم مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ میں نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ میں نے اسے مکار جادوگر کو ملکہ مصر کی روح سے باتیں کرتے بھی سن لیا ہے کم بخت یہ کوئی بڑا ہی خطرناک قسم کا جادوگر ہے۔ اسکے پاس جادو کی بہت بڑی طاقت ہے اور اب یہ سلیمانی انگوٹھی حاصل کر کے دنیا کے تمام جادوگروں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے"۔

ماریہ نے کہا۔

"فکر نہ کرو بھائی! اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا"۔

ناگ بولا۔

"اب میں آ گیا ہوں۔ اس کا یہ خواب خاک میں ملا دوں گا"۔

"مگر ناگ بھائی! تم نے میرا سراغ کس طرح لگایا؟"

ناگ نے ماریا کو اس کے سراغ لگانے کی ساری کہانی شروع سے آخر تک سنائی اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئیں۔ ورنہ میں تو نا امید ہو گیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ میں بھی کیسا بد قسمت ہوں کہ پہلے بھائی گم ہوا اور اب بہن کا کچھ پتا نہیں"۔

"کیا عنبر بھائی کا کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں ماریا بہن! خدا جانے وہ کس ملک میں در بدر ہو رہا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس کی جان کی طرف سے ہمیں کوئی غم نہیں مگر اس کی جدائی بھی تو برداشت نہیں ہوتی۔ ہم تینوں کو ہمیشہ ایک ساتھ رہ کر دنیا کی سیر کرنی چاہیے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ہم اکٹھے رہے ہوں۔ ذرا ایک مہینے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور قسمت ہمیں پھر ایک دوسرے سے الگ کر دیتی ہے"۔

ماریا نے جادوگر بھوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"اس جادوگر سے مجھے بچاؤ تا کہ میں بھی واپس شاہی محل میں تمہارے ساتھ جا کر عنبر کے بارے میں کچھ سوچ سکوں"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا انتظام تو کل صبح ہی ہو جائے گا۔ مگر ایک کام تمہیں کرنا پڑے گا"۔

"وہ کیا؟"

"جب صبح جادوگر بھوت آئے تو تمہیں اسے کہنا کہ میں تمہاری مرضی کے مطابق کام کرنے پر تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ مجھے پتھر سے پھر انسان بنا دو۔ میں چبوترے کے باہر نکل کر ایک بار اپنے خدا

کے آگے دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا چاہتی ہوں۔ جب وہ یہ بات مان جائے گا تو اس کے بعد باقی کام میں خود کرلوں گا“۔

ماریا نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گی۔ مگر ناگ بھائی ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بد بخت کوئی بہت ہی بڑا جادوگر ہے۔ مجھ پر آج تک کسی کا جادو نہیں چلا۔ مگر اس کے جادو نے تو مجھے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔“

”تم فکر نہ کرو ماریا بہن! بس جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گا“۔

”کیا تم اسے سانپ بن کر کاٹو گے؟“

”ہاں میں یہی کرسکتا ہوں“۔

”اور اگر اس پر زہر کا اثر نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر تو قیامت آجائے گی۔ وہ ہم دونوں کو بھسم کر کے رکھ دے گا“۔

ناگ نے کہا۔

”میں ایک بار ڈسنے سے اپنے جسم کا سارا زہر اسکے بدن میں داخل کردوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں اتنا زہر کسی پہاڑ کے اندر ڈالوں تو وہ پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہ جادوگر میرے زہر کو برداشت نہیں کرسکے گا“۔

ناگ اور ماریا اسی طرح باتیں کرتے رہے اور وقت گزرتا چلا گیا۔ وہاں رات ہونے کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔ ناگ نے اندازے سے بتایا کہ تین پہر گزرنے کے بعد صبح ہوگی اور جادوگر آئے گا۔

وہ جادوگر کا انتظار کرنے لگے۔

جادوگر کی موت

شاید صبح ہوگئی تھی۔

کیونکہ ناگ اور ماریا کو دیوار کے اس پار کسی کے دیوار کے پتھر اکھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"جلدی سے چھپ جاؤ۔ جادوگر بھوت آرہا ہے"۔

"تم اسی طرح کرنا جس طرح میں نے تمہیں کہا ہے"

"فکر نہ کرو۔ اب تم چھپ جاؤ"۔

ناگ نے گہرا سانس لے کر پھنکار ماری اور سیاہ رنگ کا کالا اور بڑا سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ چبوترے پر سے رینگ کر نیچے اترا اور دیوار کے پاس ہی کسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ دیوار میں ٹھک ٹھک ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دیوار کے پتھر ایک جگہ سے ہٹے۔ ایک شگاف سا نمودار ہوا اور جادوگر بھوت اندر آ گیا۔ وہ پاؤں گھسٹ کر چلتا ہوا ماریا کے تابوت کے پاس آ کر بولا۔

"رات جانے سے پہلے میں تمہیں پتھر بنانا بھول گیا تھا۔ مجھے بعد میں خیال آیا۔ مگر پھر سوچا کہ تم تابوت سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ اور اگر باہر نکل بھی آؤ تو تم کچھ نہ کر سکو گی۔ اب بولو۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے"۔

ماریا نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اے عظیم جادوگر! میں ہار گئی تو جیت گئے۔ تم مجھے جس طرح کا

حکم دو گے میں اسی طرح عمل کروں گی۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بڑے جادوگر ہو اور تمہارے جادو کے آگے میری کوئی ہستی نہیں ہے۔ میری نجات اسی میں ہے کہ میں مر کر تمہارے کام آؤں آخر ایک نہ ایک دن تو مجھے مرنا ہی ہے۔ اور اگر میں نے تمہارا کہا نہ مانا تو پھر بھی مجھے ہلاک کر دو گے۔۔۔ اب میں تیار ہوں“۔

بھوت نے ایک خوشی کی چیخ ماری اور کہا۔

”شاباش! تم ایک بڑی ہی عقلمند اور سمجھدار لڑکی ہو۔ میں تمہیں ایک اچھا فیصلہ کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگا کر بتا دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا۔“

”مگر میری ایک شرط ہے۔“

ماریا نے کہا۔ بھوت نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

”وہ کون سی شرط ہے۔ بتاؤ۔“

ماریا بولی۔

”میں ایک مذہبی قسم کی لڑکی ہوں۔ میں مرنے سے پہلے اپنے خدا کی عبادت کر کے اس کے دربار میں دعا کرنا چاہتی ہوں۔ میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم مجھے پتھر سے پھر سے چلتی پھرتی عورت بنا دو۔ تاکہ میں اس تابوت سے باہر نکل کر اپنے خدا کے حضور میں دوزانو ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگوں اور اپنی بخشش کے لیے دعا کروں۔“

جادوگر بھوت مسکرایا۔

”اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ تم یہاں سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ ویسے بھی میرے جادو کا اثر اس سارے مقبرے میں پھیلا ہوا ہے۔ میں ابھی تمہیں اس تابوت سے باہر

نکالے دیتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر بھوت نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ آنکھیں بند کیں اور کوئی منتر پڑھنے لگا۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس نے دو چار مرتبہ ماریا پر پھونک ماری۔ آخری پھونک سے ماریا تابوت میں سے اٹھ کر باہر آگئی۔ ناگ سانپ بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ہر شے اس کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ ماریا آزاد ہو کر بے حد خوش ہوئی۔ بھوت نے کہا۔

"لو میں نے تھوڑی دیر کے لیے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ اب تم اپنے خدا کے آگے عبادت کر لو۔ مگر جلدی جلدی کرنا۔ اس لیے کہ میں تمہیں اسی تابوت میں لٹا کر بہت جلد مار دینا چاہتا ہوں"۔

"فکر نہ کرو اے عظیم جادوگر! میں بڑی جلدی اپنی عبادت ختم کر لوں گی۔ عبادت کے بعد تمہیں اجازت ہوگی کہ تم جتنی جلدی چاہو

مجھے ہلاک کر دو"۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم فوراً اپنی عبادت شروع کر دو"۔

ماریا جان بوجھ کر بھوت کو باتوں میں لگا رہی تھی۔ وہ ناگ کو موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ تیاری کرے۔ بھوت چبوترے کے پاس دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ ماریا زمین پر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور آنکھیں بند کر کے اس نے اپنے خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ بھوت جادوگر بڑی دلچسپی سے ماریا کو عبادت کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماریا کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے کرتے کے اندر سے ایک لمبا خنجر چھپا رکھا تھا وہ پتھر بن جانے کے بعد جادو کے ذریعے ماریا کی گردن کو نرم کر کے اس کی گردن کاٹ دینا چاہتا تھا۔

ادھر سانپ بھی پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اس نے دیوار کے اندھیرے میں چھپے چھپے اپنے پھن کو بڑی خاموشی سے پورا پھیلا لیا

تھا۔ وہ زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھ آیا تھا۔ اور سانپ کھسکتے کھسکتے جادوگر کے پیچھے آ گیا تھا۔ اچانک جادوگر کو کمرے میں ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی اسے یوں لگا جیسے کوئی اور انسان بھی کوٹھڑی میں موجود ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ بھلا یہاں کوئی تیسرا انسان کیسے آ سکتا ہے۔ پھر اسے سسکار کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ یہ سانپ کے زبان باہر نکالنے کی آواز تھی۔ اب وہ کچھ گھبرا گیا۔

اس نے ایک دم جو پلٹ کر دیکھا تو پیچھے پانچ فٹ کا سیاہ کالا سانپ فرش سے اوپر اپنا پھن اٹھائے کھڑا اسے لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ اس سے پہلے کے جادوگر بھوت اس پر کوئی جادو کرے سانپ نے بجلی کی طرح لپک کر جادوگر کی گردن پر ڈس دیا اور اپنے جسم کا سارا زہر ایک پل کے ہزارویں حصے کے اندر اندر جادوگر کے خون میں شامل کر دیا۔ جادوگر اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھا اور زمین پر

گر پڑا۔ زہر نے اس کی زبان اور پاؤں پتھر کے کر دیے تھے۔ زبان بند ہو جانے کی وجہ سے وہ سانپ پر کوئی منتر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اور اگر منتر نہ پڑھے تو جادو نہیں ہو سکتا تھا۔

جادوگر نے فرش پر سے اٹھنے کی کوشش کی اور وہ اٹھ نہ سکا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک اور جادو کرنے کی کوشش کی مگر اس کے دونوں ہاتھ پتھر بن کر لٹک گئے تھے۔ اب اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔ مقبرے کے اندر چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں یوں لگا جیسے ہزاروں بلیاں ایک ساتھ زور زور سے چیخ کر رو رہی ہیں پتھر کی دیواروں پر زور زور سے کسی کے سر ٹکرانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ناگ انسان کے روپ میں جادوگر کے سامنے آ گیا۔

ماریا بھی اٹھ کر جادوگر کے سامنے آ گئی۔ اس نے جادوگر سے کہا۔

"اے شیطان جادوگر! آخر تو میرے بھائی کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔ یاد رکھ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"اب تمہاری روح قیامت تک سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں دربدر بھٹکتی رہے گی۔ اسے کبھی سکون نہیں ملے گا اور یہی تمہاری سب سے بڑی سزا ہے۔"

جادوگر کچھ نہ بول سکتا تھا اور نہ ماریا اور ناگ پر جادو کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون بہنے لگا تھا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا دیکھتے دیکھتے اس کا سارا جسم پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر فرش پر بکھر گیا۔

ناگ نے ماریا کو ایک طرف کر لیا۔

"ادھر ہو جاؤ بہن ماریا۔ اس کے جسم کے ذروں تک میرے زہر کا اثر پہنچ گیا ہے۔ اگر اس کے خون کی ایک چھینٹ کسی پر پڑ جائے تو وہ بھی زندہ نہیں رہے گا"۔

ماریا ناگ بھائی کے قریب آ گئی۔

"بھائی! تمہارے زہر نے واقعی بڑا کام کیا ہے۔ کم بخت یہ کوئی منتر بھی پڑھ کر نہیں پھونک سکا"۔

ناگ بولا۔

"لیکن ماریا بہن ایک بات ضرور کہوں گا کہ اگر میں سارا زہر اس کے جسم میں داخل نہ کرتا تو یہ کبھی نہ مرتا۔ اس میں بڑی طاقت تھی۔ پہاڑ سے زیادہ طاقت تھی۔ یہ سچ مچ بہت بڑا جادوگر تھا۔ پہاڑ بھی اتنی دیر تک میرے زہر کو برداشت نہیں کر سکتا تھا جتنی دیر اس جادوگر نے برداشت کیا"۔

ماریا بولی۔

"بھائی ناگ اب یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے باہر نکل چلو۔ میرا

تو اس مقبرے میں اندر دم گھٹنے لگا ہے"۔

ناگ اور ماریا دونوں دیوار کے شگاف میں سے ہو کر کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔

ناگ نے کہا۔

"اس جادوگر کے جادو کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ تم اب غائب نہیں ہو بلکہ پھر سے ظاہر ہو گئی ہو۔ اب تمہیں ہر کوئی دیکھ سکے گا"۔

"ہاں ناگ بھائی! مجھے اس کی بھی بڑی خوشی ہے کہ اب میں غائب نہیں رہی۔ میں بھی لوگوں کو اب دیکھ سکتی ہوں اور لوگ بھی مجھے دیکھ سکیں گے خدا کا شکر ہے کہ میں غائب ہو جانے کی بک بک سے چھوٹ گئی"۔

کوٹھڑی سے نکل کر وہ بادشاہ اور ملکہ کی قبروں کے پاس آئے تو ناگ نے کہا۔

"ماریا بہن! ہمیں بے چاری ملکہ کی بے چین روح کو ضرور آزاد کر دینا چاہیے۔ وہ پہلے ہی بھٹک رہی تھی کہ اس جادوگر نے اسے مرتبان میں قید کر کے اس پر ایک اور مصیبت نازل کر دی ہے"۔

"ہاں ناگ بھائی! آؤ ملکہ کی روح کو آزاد کرتے ہیں"۔

انہوں نے قبر کے پہلو میں تالے کو توڑا اور اندر سے مرتبان نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ ناگ نے مرتبان کے اوپر سے لکڑی کے ڈھکنے کو توڑ دیا۔ مرتبان کے ڈھکنے کے ٹوٹتے ہیں ملکہ مصر کی روح آزاد ہو کر باہر آ گئی۔ انہیں ملکہ کی روح نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر اس کی آواز اور گہرے سانس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ روح نے کہا۔

"میرے بچو! میں کس زبان سے تم دونوں کا شکریہ ادا کروں کہ تم دونوں کی وجہ سے میں آزاد ہو گئی۔ اس کم بخت ظالم بھوت جادوگر نے مجھے اس مرتبان میں بند کر کے اپنا قیدی بنا لیا تھا"۔

"وہ جادوگر کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"اسے اداس ملکہ! اس جادوگر کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے"۔

روت نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا کہا؟ تم دونوں نے اسے ہلاک کر دیا؟"

"ہاں ملکہ صاحبہ! ساتھ والی کوٹھڑی میں اس کی لاش کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں"۔

"شاباش میرے بچو! تم نے انسانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ ابھی نہ جانے یہ بدبخت جادوگر کتنی عورتوں کو پتھر بنا کر ہلاک کرتا"۔

ماریا نے کہا۔

"ملکہ عالم! میرے بھائی نے یہاں آ کر مجھے بچایا۔ جادوگر کو ہلاک کیا اور آپ کو قید سے آزاد کیا ہے۔ ہمیں آپ سے بڑی

ہمدردی تھی۔ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہوئے"۔

ملکہ نے پوچھا۔

"مگر میرے بچے! تو نے اتنے بڑے جادوگر کو اکیلے کیسے ہلاک کر دیا۔ وہ تو کسی سے بھی مرنے والا نہیں تھا"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"میرے ساتھ میرے خدا کی مدد شامل تھی ملکہ صاحبہ! اس لیے میں کامیاب ہو گیا"۔

ملکہ نے خوش ہو کر کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے ہر حالت میں اپنے خدا کو یاد رکھا۔ دنیا میں وہی لوگ سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے خدا کو ایک پل کے لیے بھی نہیں بھولتے۔ میرے بچو! میں ایک بار پھر تم دونوں کا

شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور اب میں جاتی ہوں۔ مجھے اپنے مرے ہوئے خاوند کی روح کی تلاش میں جانا ہے۔ خدا حافظ۔

”خدا حافظ“

ملکہ کی روح چلی گئی۔

مقبرے میں گہری خاموشی طاری ہوگئی۔ ناگ ماریا کو لے کر غار کے باہر والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ غار کے دروازے کے قریب آ کر روشنی سی ہوگئی۔ ماریا نے کہا کہ وہ اس روشنی کو ترس گئی تھی۔ وہ دونوں مقبرے والی غار سے باہر آ گئے۔ ناگ نے پلٹ کر ماریا سے کوئی بات کرنی چاہی تو وہ دنگ رہ گیا۔ وہاں ماریا نہیں تھی۔

ماریا غار سے باہر نکلتے ہی غائب ہوگئی تھی۔

ناگ نے ماریا کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

”ماریا! ماریا! تم کہاں ہو ماریا؟“

ماریا نے کہا۔ اس کی آواز میں اداسی تھی۔

”میں تمہارے بالکل پاس کھڑی ہوں بھائی! اتنا زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ میری بدقسمتی کہ میں غار سے باہر نکلتے ہی پھر غائب ہو گئی ہوں۔ میں تو سمجھی تھی کہ ایک بار سے میرا پیچھا چھوٹا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی میری آزمائش باقی ہے۔ ابھی میرا امتحان باقی ہے۔ اچھا اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں خدا کے آگے سر جھکاتی ہوں۔ آؤ ناگ بھائی شاہی محل کو چلتے ہیں“۔

دونوں بہن بھائی غار سے نکل کر پیدل ہی شہنشاہ جاپان کے شاہی محل کو روانہ ہو گئے۔ شاہی محل میں وزیر نے شہزادے کو خود جان سے مارنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے وزیر نے ساری تیاری مکمل کر لی تھی۔ یہ اس کا آخری داؤ تھا۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا تو جاپان کے تخت و تاج کا مالک بن جاتا۔ وزیر کو پورا یقین

تھا کہ وہ شہزادے کو ضرور ختم کر دے گا۔ ایک شہزادے کو ہلاک کر دینا ایک وزیر کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اگر اسے وہم تھا تو صرف یہی کہ ناگ کو جو کوئی بھی مارنے گیا وہ خود مر گیا۔ پتا نہیں ناگ کے پاس کون سا جادو تھا کہ کوئی بھی قاتل آج تک بچ کر نہیں آیا تھا۔ بہر حال اس دفعہ شہزادے کو ناگ بھی نہ بچا سکے گا۔ وزیر نے بچ کر نکل آنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

نے ایک ایسے نوکر کو دے دی جو رات کو شہزادے کا بستر لگاتا تھا۔ وزیر نے اسے زبردست انعام کا لالچ دیا تھا۔ نوکر لالچ میں آ گیا۔ وزیر نے اسے کہا۔

"رات کو۔۔ کسی بھی رات کو۔۔ دو ایک دنوں کے اندر اندر تم یہ سانپ والی پٹاری کھول کر شہزادے کے بستر میں سانپ کو پھینک دینا کام بڑی ہوشیاری سے کرنا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ یہ سانپ تم نے پھینکا ہے"۔

نوکر نے وزیر کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"حضور آپ پرواہ نہ کریں۔ یہ کام میں ایسی ہوشیاری سے کروں گا۔ کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی"۔

"مگر شہزادے کو جلدی مر جانا چاہیے"۔

"حضور! میں پوری پوری کوشش کروں گا"۔

سانپ لے کر نوکر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ روپے اور دولت کا لالچ ایسا تھا کہ جس نوکر نے سالہا سال سے شہزادے کا نمک کھایا تھا وہ شہزادے کی جان لینے پر تیار ہو گیا تھا۔ سچ ہے لالچ بری بلا ہے۔ نوکر نے دیکھا کہ شہزادہ ہر آدھی رات کے بعد سوتا ہے۔ وہ اپنے والد اور ناگ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ پھر ناگ اسے اپنے ہاتھ سے دودھ پلاتا ہے۔ اس کے بعد ناگ اس کے ساتھ شطرنج کھیلتا ہے۔

بادشاہ اپنے محل میں جا کر سو جاتا ہے۔ شہزادہ اور ناگ دیر تک شطرنج کھیلتے رہتے ہیں۔ پھر ناگ اپنے کمرے کو اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ نوکر شہزادے کے بستر کو درست کرتا ہے اور پھر کہیں جا کر شہزادہ سوتا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے سانپ آدھی رات کے بعد شہزادے کا بستر ٹھیک کرتے ہوئے بستر میں چھوڑنا پڑے گا۔ اس کے لیے

ضروری تھا کہ وہ شروع رات ہی میں سانپ کی پٹاری شہزادے کے پلنگ کے نیچے جا کر چھپا دے۔

چنانچہ ایک رات نوکر نے سانپ والی پٹاری اٹھا کر کپڑوں کے اوپر رکھی اور چپکے سے شہزادے کے کمرے میں جا کر آنکھ بچا کر پلنگ کے نیچے چھپا دی۔ شام کے بعد شہزادہ نہا دھو کر باغ میں کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ پھر بادشاہ سلامت بھی شہزادے کے کمرے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ناگ بھی آ گیا۔ ناگ کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ وہ ٹھٹھک گیا۔ اسے کمرے کے اندر سے کسی اجنبی کی بو آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہاں اجنبی کون ہو سکتا ہے۔ اس نے شہزادے اور بادشاہ کے ساتھ مل کر کھانا کھانا۔ پھر بادشاہ سلامت چلے گئے اور شہزادے نے ناگ کے ساتھ مل کر شطرنج کھیلنی شروع کر دی۔

شطرنج کھیلتے کھیلتے ایک بار پھر ناگ کو محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی شے موجود ہے۔ ادھر پٹاری کے اندر سانپ بھی کچھ بے قرار سا ہو رہا تھا۔ اسے بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے میں کوئی اس سے بھی زیادہ طاقت ور شے آ گئی ہے۔ رات گئے جب شہزادہ تھک گیا تو اس نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہا ہوں"۔

نوکر ابھی اندر نہیں آیا تھا۔ ناگ نے شہزادے سے کہا۔

"شہزادہ سلامت! آج کی رات میری طبیعت کچھ بے چین ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو کچھ خطرہ ہے"۔

شہزادے نے کہا۔

"خطرہ؟ کیسا خطرہ ناگ بھائی؟"۔

ناگ نے کہا۔

"حضور! آپ کی جان کو کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ آپ ایسا

کریں کہ آج رات اپنے بستر پر سونے کی بجائے کونے والے تخت پوش پر سوئیں بستر ویسے ہی خالی رکھیں۔ میں آپ کے پاس ہی کسی جگہ چھپ جاؤں گا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ آپ کا دشمن اس کمرے میں موجود ہے''۔

شہزادے نے حیرانی سے کہا۔

''ناگ بھائی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا دشمن اس کمرے میں موجود ہو اور ہمیں اس کی خبر نہ ہو۔ میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا''۔

''شہزادہ سلامت! آپ ابھی میری بات نہیں سمجھ سکیں گے۔ آپ آرام سے جا کر تخت پر سو جائیں۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔ اور ہاں کسی کو ہرگز خبر نہ ہو کہ آپ کے کمرے میں، میں بھی ہوں''۔

''جیسے تمہاری مرضی بھائی''۔

شہزادہ تخت پر جا کر لیٹ گیا۔ ناگ نے شہزادے کے بستر سے

ایک تکیہ اٹھایا اور خود شہزادے کے تخت کے نیچے گھس کر لیٹ گیا۔ روشنی مدھم کر دی گئی۔

اتنے میں دروازے کا پردہ ہٹا اور نوکر اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑی حیرانی سے شہزادے کو تخت پر سوئے ہوئے دیکھا۔ وہ شہزادے کو جگا کر پلنگ پر سونے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ سانپ کی پٹاری پلنگ کے نیچے پڑی تھی۔ آج کی رات نوکر نے شہزادے کو جان سے مار دینے کا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ نوکر نے سوچا کہ اسے سانپ تخت کے پاس ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ سانپ تخت پر چڑھ کر اپنے آپ شہزادے کو ڈس کر مار ڈالے گا۔

نوکر دبے پاؤں پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔ ناگ نوکر کی ساری حرکتوں کو تخت کے نیچے لیٹا بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ نوکر نے پلنگ کے نیچے جھک کر سانپ کی پٹاری نکالی اور اسی طرح دبے پاؤں تخت

کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے پٹاری کھول کر الٹ دی اور وہاں سے جلدی سے باہر بھاگ گیا۔

ناگ ساری بات کو سمجھ گیا۔ نوکر سانپ سے شہزادے کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ یہی وہ سانپ تھا جس کی بو ناگ کو محسوس ہو رہی تھی اور یہی وہ دشمن تھا جس کا خطرہ ناگ محسوس کر رہا تھا۔ وہ سانپ سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں سانپ پٹاری سے نکل کر تخت پر چڑھ کر شہزادے کو نہ ڈس دے۔ ویسے اگر شہزادے کو ڈس بھی دیتا تو ناگ اس کا علاج کر سکتا تھا۔ لیکن سانپ کا زہر شہزادے کو تھوڑا بہت نقصان ضرور پہنچاتا۔

کیونکہ وہ نیا نیا بیماری سے اٹھا تھا۔

پٹاری نے آہستہ آہستہ ہلنا شروع کر دیا۔ پھر سبز اور نیلے رنگ کا ایک سانپ پٹاری کے نیچے سے نکل کر تخت کی طرف رینگنے لگا۔ ناگ

کو ڈر تھا سانپ شہزادے کی طرف نہ بڑھے۔ کیونکہ شہزادہ سچ مچ سو چکا تھا۔ سانپ بھی آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ اسے بھی اپنے سے زیادہ طاقتور شے کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ناگ نے ہاتھ آگے بڑھا کر سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

ناگ نے خطرناک زہریلے سانپ کو یوں مزے سے پکڑ لیا جیسے کوئی بچہ زمین پر سے گیند اٹھا لیتا ہے۔ اتنا خطرناک زہریلا سانپ ناگ کی مٹھی میں آ کر ایک بے جان رسی کی طرح لٹکنے لگا۔ وہ سانپ کو لے کر پلنگ سے باہر آ گیا۔ اس نے سانپ سے اس کی اپنی زبان میں پوچھا۔

”بول تجھے کس نے یہاں بھیجا ہے؟“

”سانپ نے لرزتی ہوئی زبان سے کہا۔“

’’اے ناگ دیوتا! اے سانپوں کے سرتاج! مجھے شہزادے کا نوکر یہاں چھوڑ گیا ہے‘‘۔

’’کیا تجھے علم نہیں تھا کہ یہاں ناگ دیوتا موجود ہے؟‘‘

’’شہنشاہ غلطی ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ جو سزا دیں مجھے قبول ہوگی۔ آپ کے اشارے پر مر مٹنے کو بھی تیار ہوں؟‘‘

ناگ نے کہا۔

’’نہیں تجھے مر مٹنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہو تم میرے بھائی ہو۔ میں بھی سانپ ہوں۔ تم بھی سانپ ہو۔ تمہاری سزا یہی ہے کہ جس نوکر نے تمہیں شہزادے کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا ہے اسے جا کر ہلاک کر دو‘‘۔

’’جو حکم سرکار‘‘

سانپ شہزادے کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ نے شہزادے کو جگا کر کہا۔

’’شہزادہ سلامت! اب آپ اطمینان سے اپنی مسہری پر جا کر سویئے میں نے دشمن کو یہاں سے بھگا دیا ہے‘‘۔

’’کیا مطلب؟‘‘

ناگ بولا۔

’’مطلب یہ ہے کہ وزیر صاحب نے آپ کو ہلاک کروانے کے لیے آپ کے نوکر کے ذریعے ایک بڑا ہی زہریلا سانپ یہاں پھنکوایا تھا‘‘۔

’’پھر؟ کہاں ہے وہ سانپ‘‘ شہزادہ گھبرایا ہوا تھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

’’گھبرایئے نہیں شہزادہ صاحب! اس سانپ کو میں نے قابو کر کے اسے واپس نوکر کے پاس بھیجا ہے تا کہ اس کی جا کر خبر لے‘‘۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔ میں تو گھبرا ہی گیا تھا"۔

ناگ نے اسی وقت بادشاہ سے ملاقات کی اور اسے ساری صورت حال بیان کی اور کہا۔

"بادشاہ سلامت! وزیر کی سازشیں اب آپ کے اور آپ کے ولی عہد کی گردن تک پہنچ گئی ہیں۔ اگر آپ نے اس موقع پر اس کا سر نہ دبایا تو وہ آپ کے اور شہزادے کے لیے بڑا ہی مہلک ثابت ہو گا۔ وزیر ایک عیار اور مکار آدمی ہے اس کی چالاکی اور عیاری کے آگے آپ بے بس ہیں۔ اس کا مقابلہ صرف میں ہی کر سکتا ہوں"۔

بادشاہ نے کہا

"میرے بچے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں کہ تم میری سلطنت کو اور اس ملک کے غریب عوام کو ایسے ظالم وزیر کے ظلم سے بچاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! آج کی رات اگر مجھے شک نہ پڑ جاتا اور میں شہزادے کے کمرے میں آ کر نہ سوتا تو شہزادے کا بچنا محال تھا۔

وزیر نے ایک ایسا خطرناک اور زہریلا سانپ شہزادے کو مروا دینے کے لئے بھیجا تھا کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا"۔

بادشاہ نے ناگ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں بیٹا! تم نے میرے خاندان اور میری سلطنت کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے۔ اب تمہیں اجازت ہے کہ وزیر کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرو مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ وزیر بڑا مکار ہے"۔

"فکر نہ کریں بادشاہ سلامت! میں اسے سنبھال لوں گا"۔

ناگ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ماریا ایک کونے میں سو رہی تھی۔ اس نے ناگ کو آتے دیکھا تو جاگ پڑی اور اس سے پوچھا کہ وہ صبح

صبح کہاں سے آ رہا ہے؟ ناگ نے اسے سانپ کا سارا قصہ سنا دیا۔ ماریا نے بھی ناگ سے یہی کہا وزیر اس قابل نہیں ہے کہ اسے اب اپنی مرضی سے شاہی خاندان کو زندگیوں سے کھیلنے کا موقع دیا جائے۔ اس ملک کے لوگ بادشاہ اور شہزادے کو پسند کرتے ہیں۔ وزیر کو کوئی حق نہیں کہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کرے۔

ناگ بولا

”اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں وزیر کو ٹھکانے لگا کر ہی دم لوں گا“

اب ذرا سانپ کو دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ ناگ سے اجازت لے کر سانپ سیدھا اس نوکر کی تلاش میں روانہ ہوا جس نے اسے شہزادے کے کمرے میں اسے ہلاک کرنے کے لیے چھوڑا تھا۔ وہ نوکر کی بو اپنے محل کے مختلف کمروں اور غلام گردشوں سے ہوتا آخر ایک ایسے کمرے کے باہر آ گیا جہاں سے نوکر کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔ اس کا شکار اور شہزادے کا قاتل اسی کمرے میں تھا۔ سانپ انتظار کرنے لگا کہ وہ باہر آئے۔ کافی دیر تک وہ ایک طرف ہو کر چھپا رہا مگر کوئی باہر نہ آیا۔ تنگ آ کر سانپ نے روشن دان کے قریب ہی ایک سوراخ تلاش کر لیا اور اس میں سے ہو کر وہ نوکر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

نوکر اس وقت نہانے دھونے کے بعد کپڑے بدل رہا تھا اور یہ پتا کرنے شہزادے کے کمرے میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ اس کے خیال میں شہزادہ مر چکا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور اچانک خود وزیر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ چادر سے منہ سر ڈھانپ رکھا تھا۔ کمرے میں آ کر وزیر نے چادر اتار دی۔ وزیر کو سامنے دیکھ کر نوکر ادب سے جھک گیا۔ وزیر نے

پوچھا۔

”کیا تم نے کام کر دیا تھا؟“

”جی سرکار“

”سانپ شہزادے کے بستر میں ڈال دیا تھا؟“

”جی سرکار“

شاباش! اس کا مطلب ہے کہ اب تک شہزادہ ختم ہو چکا ہوگا۔ ہم تمہیں صبح بہت انعام دیں گے۔ اب صرف بادشاہ باقی رہ گیا ہے۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کو ٹھکانے لگا کوئی مشکل نہیں۔ ہاں۔ اس کے علاوہ ایک ناگ بھی ہے۔ اسے بھی کسی نہ کسی طرح ختم کرنا ہوگا۔ وہ بادشاہ کا بہت ہمدرد بنا پھرتا ہے“۔

نوکر نے کہا۔

”حضور جو حکم دیں گے۔ یہ خاکسار اس پر فوری عمل کرے گا۔ اگر کہیں تو ابھی جا کر ناگ کی گردن بھی کاٹ کر لے آؤں“۔

وزیر بولا۔

”نہیں ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ کل یا پرسوں یہ کام کرنا ہوگا۔ آج شہزادے کی موت پر محل میں رسومات ادا ہوں گی۔ اس کے بعد تم ناگ کو اس کے کمرے میں جا کر قتل کر دینا۔ ہم تمہیں اس کا انعام الگ دیں گے“۔

نوکر نے ادب سے کہا۔

”حضور کا اقبال بلند ہو۔ ہم تو آپ ہی کا نمک کھاتے ہیں۔ آپ کے لیے تو ہماری جان بھی حاضر ہے“۔

سانپ یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے نوکر کو پہچان لیا تھا۔ اسے پوری طرح علم ہو گیا تھا کہ وزیر نے نوکر کے ذریعے اس سے ایک گھناؤنا جرم کروانا چاہا تھا۔ سانپ کو ان دونوں پر بے حد طیش آ رہا

تھا۔ کہ وہ اس کے ہاتھوں ایک بے گناہ شہزادے کو ہلاک کروا رہے تھے۔ سانپ چپکے سے دیوار سے اتر کر نیچے آ گیا۔ وزیر کی اس طرف پشت تھی۔

سانپ نے آگے بڑھ کر چپکے سے وزیر کے ٹخنے پر ڈس دیا۔ سانپ کے دانتوں کی سوئی سی وزیر کے ٹخنے میں چبھی تو اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔

"سانپ!"

اس کے منہ سے نکل گیا۔ نوکر بھاگنے لگا۔ سانپ نے لپک کر نوکر کی پنڈلی پر بھی ڈس دیا۔ یہ سانپ وزیر نے خاص طور پر منگوایا تھا اور بڑا زہریلا تھا۔ اس نے دوسرے کے لیے گڑھا کھودا تھا۔

اب وہ خود اس پر گر رہا تھا۔ سانپ کے زہر نے ان دونوں کی حالت خراب کر دی۔ سانپ چپکے سے باہر نکل گیا۔ وزیر اور نوکر کے جسم کانپنے لگے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھوں، ہونٹوں، کانوں اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔ وزیر تو پاگلوں کی طرح کمرے میں چکر لگانے لگا اور پھر گھبرا کر باہر کو بھاگا مگر دروازے سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہی حال نوکر کا ہوا۔ وہ بھی فرش پر چکر کھا کر گرا اور گرتے ہی اس کا دم نکل گیا۔

دونوں ظالم اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

سانپ وہاں سے سیدھا ناگ کے پاس پہنچا۔ اس نے ناگ کو جا کر یہ خوشخبری سنائی کہ نوکر کے ساتھ وزیر کا کام بھی تمام کر دیا گیا ہے۔ ناگ بے حد خوش ہوا۔ کیونکہ جو کام اس نے خود کرنا تھا وہ اسکے بھائی سانپ نے کر دیا تھا۔ ناگ نے سانپ کا شکریہ ادا کیا۔ سانپ نے زمین کے ساتھ گردن لگا کر ناگ کو ادب سے سلام کیا اور

پیچھے کھسکتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہیل مچھلی

وزیر کی موت کی خبر بادشاہ کو کر دی گئی۔

بادشاہ بے حد خوش ہوا کہ اس کا سب سے بڑا دشمن جہنم میں چلا گیا۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے دشمن اپنے آپ موت کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اب وہ اپنے تمام دشمنوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ اسی روز سارے ملک میں اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ نے اپنے شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ دو روز تک تخت نشینی کا جشن ہوتا رہا۔

رعایا نے بڑی خوشی منائی۔ سارے شہر میں لوگوں نے چراغ جلائے۔ جلوس نکالے۔ دعائیں مانگیں۔ بادشاہ نے ناگ کو اپنا وزیراعظم مقرر کر دیا ناگ یہ عہدہ قبول نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ بادشاہ اور شہزادے کے بہت ہی مجبور کرنے پر وزیراعظم بن گیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی اسے اسی شہر میں رہ کر اپنے بھائی عنبر کا انتظار کرنا تھا۔ عنبر کے بغیر وہ اور ماریا اس ملک کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

ماریا نے ناگ کو مبارک باد دی اور کہا۔

"وزیراعظم صاحب مبارک ہو۔ آپ تو اب بہت بڑے آدمی بن گئے ہیں۔ دیکھئے اپنی رعایا کا خیال رکھیں۔ ہم بھی آپ کی رعایا ہیں"۔

ناگ بولا

"ماریا بہن! تم میری بڑی نیک دل بہن ہو۔ تم میری رعایا نہیں ہو۔ اور پھر یہ وزیراعظم تو میں صرف اسی وقت تک ہوں جب تک عنبر یہاں نہیں آتا۔ جس روز وہ یہاں پہنچ گیا۔ میں یہ عہدہ چھوڑ دوں گا اور ہم تینوں اس ملک سے نکل کر کسی دوسرے ملک کی طرف چل پڑیں گے اس ملک سے اب جی بھر گیا ہے"۔

ماریا کہنے لگی۔

"میرا بھی اس ملک میں اب دل نہیں لگتا۔ اس ملک میں ہم نے زیادہ تکلیفیں اٹھائی ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"ویسے تو ہماری قسمت میں معلوم ہوتا ہے کہ تکلیفیں ہی لکھی ہیں مگر اس ملک میں تکلیفوں نے زیادہ ہمارا استقبال کیا ہے۔ تم پتھر بن گئیں۔ عنبر گم ہو گیا۔ مجھ پر جانے کتنی بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ اب تو عنبر بھائی خدا کرے جلدی آ جائے اور ہم یہاں سے بوریا بستر گول

کریں"۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہاں سے کدھر جانے کا خیال ہے؟"

"میرا تو ارادہ ہے کہ واپس مصر چل کر باقی زندگی بسر کر دی جائے۔ سیریں کرتے کرتے میں تو تھک گیا ہوں۔ اور پھر سیریں کیا خاک کی ہیں؟ مصیبتیں ہی اٹھائی ہیں آج تک"۔

"ہاں بھائی ناگ! شاید ہی کوئی چھ سات دن ایسے آئے ہوں گے کہ ہم تینوں بھائی بہن کو ایک جگہ مل کر سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا ہو"

ناگ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"اب خدا ہمارے بھائی کو خیر خیریت سے ہم تک لے آئے"

"عنبر بھائی ضرور آ جائے گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ آ رہا ہے اور بہت جلد آ جائے گا"۔

"تمہاری زبان مبارک ہو بہن"

ان دونوں بھائی بہن کو تو یہاں چھوڑتے ہیں اور اب واپس چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور آپ نے پڑھ لیا ہے کہ عنبر ملکہ مصر سلاسو کی لاش سے جدا ہو کر جاپان جانے والے جہاز پر سوار ہو گیا تھا۔

یہ جہاز ایک چھوٹا سا جاپانی جہاز تھا جس کے صرف تین بادبان تھے۔ یہ عام طور پر چھوٹے چھوٹے جزیروں کے درمیان چلا کرتا تھا۔ مگر روپے کے لالچ میں آ کر جہاز کے مالک نے اسے ایک لمبے سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راستے میں طوفان جو آیا تو جہاز بری طرح ڈولنے لگا۔ مسافروں میں شور مچ گیا۔ ہر کوئی پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ لیکن جہاز کا کپتان بڑا تجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے جہاز کو سنبھال لیا اور طوفان میں سے نکال کر لے گیا۔

عنبر کپتان کی تجربہ کاری اور مہارت سے بڑا متاثر ہوا۔ وہ ایک دوپہر کو کپتان سے ملا اور اس نے کپتان کی فرض شناسی بہادری اور تجربہ کاری کی بڑی تعریف کی۔ کپتان مسکراتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"نوجوان! میری ساری عمر سمندروں میں طوفانوں کا مقابلہ کرتے گزر گئی۔ میں نے اس سے چھوٹے چھوٹے جہازوں میں رہ کر اس سے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ لیکن اس جہاز کا مالک بڑا لالچی ہے۔ اس نے مسافروں کو غرق کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

عنبر بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اتنے چھوٹے جہاز کو اتنے بڑے سمندری سفر پر نہیں چلانا چاہیے تھا۔ بہر حال آپ کی وجہ سے ہم سبھوں کی جان و مال بچ گئے اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار

ہیں"۔

کپتان نے مسکرا کر پوچھا۔

"میاں تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں جاپان کے شہر کیوشو جا رہا ہوں"

"مگر تم جاپان کے رہنے والے نہیں لگتے"

"جی ہاں۔ آپ نے صحیح اندازہ لگایا۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں مگر میرا ایک بھائی کاروبار کے سلسلے میں کیوشو میں ہے۔ میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔

"بہت خوب میرا خیال ہے اگر موسم صاف رہا اور ہوا اسی طرح چلتی رہی تو ہم سات روز کے بعد جاپان کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"راستے میں سمندری ڈاکوؤں کے ملنے کا ڈر تو نہیں؟"

کپتان زور سے ہنسا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

برخوردار! تم نوجوان ہو کر سمندری ڈاکوؤں سے ڈرتے ہو، جب میں تمہاری عمر کا تھا تو ان سمندروں میں کشتی لے کر اکیلا سفر کیا کرتا تھا۔ مجھے تو کبھی سمندری ڈاکوؤں سے ڈر نہیں لگا تھا۔ ایک بار تو سمندری ڈاکوؤں سے مڈبھیڑ بھی ہوگئی۔

عنبر نے پوچھا

"پھر کیا ہوا؟"

کپتان ہنس کر بولا۔ "بس کیا ہونا تھا۔ میں نے مقابلہ کیا اور سارے سمندری ڈاکوؤں کو سمندر میں پھینک کر جہاز پر قبضہ کرلیا۔ وہ جہاز کئی سال تک میرے پاس رہا اور میں اس پر سمندروں میں سیریں کرتا رہا۔ لیکن ایک روز کھلے سمندر میں سفر کرتے ہوئے اسے طوفان نے آن گھیرا۔ اس پر بجلی گری اور وہ ڈوب گیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ اور دس روز کے بعد ایک جزیرے کے ساحل پر جا لگا۔ یہ جزیرہ آدم خور وحشیوں سے بھرا ہوا تھا"۔

عنبر نے پوچھا

"کیا آدم خور وحشیوں نے آپ کو پکڑا نہیں؟"

کپتان گردن ہلا کر بولا

"کسی آدم خور میں یہ جرات نہیں کہ مجھے پکڑ کر ہڑپ کر سکے میں خود ایک زمانے میں آدم خور رہ چکا ہوں"۔

"تو کیا آپ آدمی کھاتے رہے ہیں؟"

"ارے آدمی کیا میں تو بڑے بڑے ہاتھی بھون کر ثابت کے ثابت کھا جایا کرتا تھا۔ ایک بار جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک

پاگل ہاتھی سے سامنا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی دلیر تھا۔ میں بھی دلیر تھا۔ نہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار تھا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر چیخ ماری۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر آواز نکالی۔ مگر ہاتھی پیچھے نہ ہٹا۔ آخر میں نے آگے بڑھ کر ہاتھی کو سونڈ سے اٹھایا اور اپنے کندھے پر ڈال کر آگے چل پڑا۔ گھر آ کر میں نے اسی طرح ہاتھی کو بھون ڈالا اور سالم کا سالم ہی ہڑپ کر گیا“۔

عنبر نے مذاق سے کہا۔

”آپ کا منہ تو اتنا بڑا نہیں ہے۔ پھر آپ نے سارا ہاتھی کیسے نگل لیا؟“

کپتان کہنے لگا۔

”برخوردار! میرا کھانا کھاتے کا منہ اور ہے اور ہاتھی کو کھانے کا منہ اور ہے۔ اگر میں تمہیں اپنا وہ منہ دکھا دوں جس سے میں بڑے بڑے ہاتھی اور وہیل مچھلی تک کھا جاتا ہوں تو تم خوف کھا کر بے ہوش ہو جاؤ گے۔ کیا میں تمہیں وہ منہ دکھاؤں؟“

عنبر نے کہا۔

”نہیں نہیں کپتان صاحب۔ میں ڈر کر بے ہوش ہونا پسند نہیں کرتا۔ مجھے آپ کی باتوں پر بھروسہ ہے۔ میں آپ پر اعتبار کرتا ہوں“

کپتان زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا۔

”اب تمہیں یقین آیا۔ لو سنو۔ ایک بار ایک وہیل مچھلی میرے قابو آ گئی۔ میں اکیلا کشتی لے کر سمندر میں آوارہ گردی کر رہا تھا کہ اچانک سامنے ایک بہت بڑی وہیل مچھلی نے سر نکال کر مجھے غضبناک نظروں سے دیکھا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ اس کم بخت کی اتنی جرأت ہو

گئی کہ مجھے آنکھیں دکھائے۔ میں اسی وقت کشتی میں سے کود کر پانی میں آ گیا اور ویل مچھلی کو دم سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کشتی پر لے آیا۔ ویل مچھلی نے بہت میرے ہاتھ پاؤں جوڑے مگر میں نے اسے معاف نہ کیا۔ بس ساحل پر آگ جلائی اور سالم کی سالم ویل مچھلی کو بھون کر ہڑپ کر گیا"۔

عنبر کپتان کی باتوں سے بہت ہنسا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کپتان ایک تجربہ کار ملاح ہونے کے ساتھ بڑا باتونی اور پھکڑ باز بھی ہے۔ وہ اس کی بچوں جیسی من گھڑت کہانیوں سے لطف اٹھاتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ کپتان جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ ویل مچھلی چار منزلہ مکان جتنی بڑی ہوتی ہے۔ اور دنیا کا کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا جو ویل مچھلی کو دم سے پکڑ کر ساحل پر لے جائے اور اسے بھون کر کھا جائے۔ اسی طرح سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ اکیلا آدمی ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی عنبر کپتان کی باتوں پر ہنستا اور خوش ہوتا رہا۔

چھٹے روز بادبانی جہاز سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ وہ سمندر کے نیچے ایک ابھری ہوئی چٹان سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ جہاز غلطی سے اس طرف آن نکلا تھا۔ جہاز کے دو ٹکڑے ہوتے ہی اس میں پانی بھر گیا اور ڈوبنا شروع ہو گیا۔ مسافر پانی میں گر پڑے۔ ہر طرف ایک قیامت برپا ہو گئی۔ عنبر بڑی مشکل سے لکڑی کے ایک تختے پر سوار ہو گیا۔ کئی مسافر لکڑی کے تختوں پر سوار ہو گئے تھے۔ اور سمندری کی بے رحم لہریں انہیں بہائے لئے جا رہی تھیں۔ عنبر نے دیکھا نہیں مگر اسے یقین تھا کہ کپتان بھی ضرور کسی نہ کسی تختے یا کشتی پر سوار ہو چکا ہو گا۔

عنبر کا تختہ دوسرے مسافروں سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اگر اس کے پاس چپو ہوتے تو وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا۔ مگر چپو کسی کے پاس بھی نہیں

تھے۔ جس کی وجہ سے لہریں جدھر کو بہا کر لے گئیں مسافر ادھر ہی کو بہتے چلے گئے۔ کچھ دور تک مسافر عنبر کو نظر آتے رہے۔ آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ عنبر اب سمندر میں اکیلا سفر کر رہا تھا۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ اچھا بھلا سفر کرتے کرتے یہ کیا نئی مصیبت پڑ گئی۔ اس وقت شام کا سماں تھا۔ سورج سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔ پھر چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا۔

آسمان پر ستارے نکل آئے۔ سردی زیادہ ہو گئی۔ عنبر کو تو خیر سردی نہیں لگتی تھی۔ مگر وہ بڑی الجھن میں تھا کہ منزل کی طرف جاتے جاتے خواہ مخواہ بھٹک گیا اب نہ جانے اسے کب تک سمندر میں بے یار و مددگار سفر کرنا پڑے گا۔ اس نے سوچا کہ سلامبو کی لاش کو بلا لے۔ پھر اس نے خیال کیا کہ سلامبو کا احسان لینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کالے علم اور کالے جادو کا کرشمہ ہوتا ہے۔ کالے

جادو میں آدمی جتنا فائدہ اٹھاتا ہے اس سے سوگنا زیادہ انسان کا نقصان ہو جاتا ہے۔ مثلاً کالے علم والے کی کوئی اولاد زندہ نہیں بچتی۔ اگر اولاد نہ ہو تو بہن یا بھائی مر جاتے ہیں۔ عنبر ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہ کالے جادو والی سلامبو سے مدد مانگ کر زیادہ فائدہ اٹھائے اور پھر اس کی بہن ماریا یا ناگ پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے۔

عنبر سمندر میں اکیلا تختے پر بیٹھا۔ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو وہ اسی سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ بہر حال جاپان کی بندرگاہ کی طرف وہ نہیں جا رہا تھا۔ کیونکہ رات کو اس نے ستاروں کا رخ جو دیکھا تو وہ اس رخ کے مخالف تھا جس کے حساب سے جہاز سفر کر رہا تھا۔ بہر حال اب اسے بہادری اور ہمت سے مصیبت کا مقابلہ کرنا تھا۔ عنبر ہمیشہ مصیبتوں کا بہادری سے مقابلہ کرتا آیا تھا۔ اسے مصیبت نے بھی

پریشان نہیں کیا تھا۔ اگر اسے پریشانی اور افسوس تھا تو صرف یہ کہ وہ اپنے بھائی اور بہن سے زیادہ دور ہو گیا تھا۔ وہ سارا دن بھی عنبر سمندر میں سفر کرتا رہا۔ سمندر کی لہریں پرسکون تھیں۔ سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا۔ دوپہر کے وقت عنبر نے دور سمندر میں ایک پہاڑ سا ابھرتے دیکھا اس کا خیال تھا کہ یہ کسی جزیرے کا ساحل ہے۔ مگر اصل میں یہ وہیل مچھلی تھی۔

عمبر ناگ ماریا

موت کا تعاقب

(حصہ ۳۲)

مظہر کلیم ایم اے

فہرست :

☆ وہیل کے پیٹ میں

☆ مہارانی فوالانی

☆ شگنتالا کی کہانی

☆ طوفانی کشتی

☆ پراسرار جہاز

☆ خونی بن مانس

☆ خونی مقابلہ

☆ جزیرے سے روانگی

☆ طوفان کی رات

سنو پیارے بچو!

ناگ کیوشو شہر کا وزیرِ اعلیٰ بن گیا ہے۔ اس نے ماریا کو بھی ساتھ رکھا ہے۔ وہ عنبر کا انتظار کر رہے ہیں۔ عنبر جہاز کے غرق ہو جانے سے ایک تختے پر بیٹھا سمندر میں سفر کر رہا ہے۔ وہ ملک برما پہنچ جاتا ہے۔ یہاں کا راجہ بدھ دوت کے ماننے والوں پر بہت ظلم کرتا ہے۔ ایک خونی بن مانس نمودار ہوتا ہے۔ جو انسانوں کا خون پی کر زندہ رہتا ہے۔

عنبر کا اس خونی بن مانس سے خوفناک مقابلہ ہوتا ہے۔ عنبر بن مانس کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں سے واپس ناگ اور ماریا کی تلاش میں روانہ ہوتا ہے۔

ویل کے پیٹ میں

سمندر میں عنبر نے دوسری بار پہاڑ کو ابھرتے دیکھا۔

اس کا خیال تھا کہ یہ کسی غیر آباد جزیرے کا ساحل ہے۔ اس قسم کے جزیرے ان سمندروں میں عام پھیلے ہوئے تھے اور وہ وہاں اس سے پہلے بھی ایسے جزیروں میں جا چکا تھا۔ لکڑی کے تختے پر بیٹھا وہ بڑے شوق سے ساحل کے پہاڑ کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن ایک بار جو اس نے دیکھا تو پہاڑ غائب تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ پہاڑ کہاں چلا گیا؟ ابھی ایک پل ہوا کہ ایک سیاہ کالا پہاڑ دکھائی دے رہا تھا اور اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دور تک سمندر ہی سمندر ہے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سمندر کی لہروں پر وہی سیاہ پہاڑ نمودار ہوا۔

پہاڑ قریب آ رہا تھا۔ عنبر کانپ گیا۔ یہ پہاڑ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ویل مچھلی تھی۔ یہ خوفناک مچھلی سمندر میں ڈبکی لگاتی اور کبھی باہر نکل آتی۔ ایک بار اس نے گہرا سانس چھوڑا تو اس کے سر سے پانی کا ایک فوارہ سا چھوٹ پڑا۔ مصیبت یہ تھی کہ ویل مچھلی کا رخ اسی طرف تھا جس طرف عنبر تختے پر پڑا بہا چلا آ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عنبر مر نہیں سکتا تھا۔ مگر آخر وہ انسان تھا۔ ایک بار تو موت کو سامنے دیکھ کر وہ کانپ اٹھتا تھا۔ اس کے بعد اسے موت کا کوئی خوف نہیں رہتا تھا۔ یہی حالت اس کی پہلی بار ویل مچھلی کو دیکھ ہوئی۔

ویل اس کے قریب آ رہی تھی۔ اب عنبر کو کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ ہاں اسے یہ ضرور خیال تھا کہ ویل سے مقابلہ ہوگا اور وہ اس کی راہ میں خواہ مخواہ رکاوٹ ڈالے گی۔ عنبر کوشش کرنے لگا کہ وہ ویل مچھلی سے دور ہٹ جائے۔ اس نے ہاتھ پانی میں ڈال کر چپوؤں کی طرح ہلاتے

ہوئے تختے کو دور لے جانا شروع کر دیا۔ تختہ تھوڑی دور ہوا اور سمندر کی لہروں نے اسے پھر وہیں لا کھڑا کیا۔ اب ویل سمندر میں ڈبکی لگاتی عنبر کے بہت قریب آ گئی تھی۔ اگرچہ ویل کی آنکھ چھوٹی ہے لیکن وہ سمندر میں بڑی دور تک دیکھ لیتی ہے۔ ویل مچھلی نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔

وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ ایک شکاری کشتی میں سوار اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ویل مچھلی نے عنبر پر حملہ کرنے کا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی طرف طوفان میل کی طرح بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ عنبر کے پاس بچاؤ کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ اس کے راستے سے جس قدر دور ہٹ سکتا ہے ہٹ جائے اس کی وہ سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ مگر سمندر کی لہریں اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی تھیں۔

دوسرے ویل مچھلی کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

ویل نے عنبر کے بالکل سامنے آ کر لکڑی کے تختے کو ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہی زور میں آگے نکل گئی۔ اس کے اچھلنے کی وجہ سے سمندر میں بڑے زور کا طوفان سا اٹھا۔ ایک بڑی لہر کی وجہ سے سمندر کے نیچے نیچے سے ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ ویل نے ایک بار پھر تختے کو زور سے ٹکر ماری۔ تختہ تنکے کی طرح اچھل کر عنبر سمیت سمندر میں دور جا گرا۔ تختے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ عنبر سمندر میں گر پڑا۔ اس نے پانی میں تیرنا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ویل مچھلی سے بچ گیا ہے۔ مگر ویل تو عنبر کو ختم کرنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی۔ وہ عنبر کی طرف منہ کھول کر بڑھی۔

عنبر نے دیکھا کہ ویل دور سے منہ پورے کا پورا کھولے اس کی طرف

چلی آ رہی ہے۔ اس کا منہ ایک کالے غار کی طرح کھلا تھا۔ وہ سانس اندر کی طرف کھینچ رہی تھی جس کی وجہ سے سمندر کا پانی بڑی تیزی سے اندر کی طرف جا رہا تھا۔ عنبر نے بڑا بچاؤ کیا مگر وہ پانی کے دھارے میں بہتا ہوا ویل مچھلی کی طرف جانے لگا۔ آخر وہ پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ بہتا ہوا ویل کے منہ میں داخل ہو گیا۔

ویل کو پورا کھلا منہ ایک بہت بڑے غار کی مانند تھا جس کی چھت اور فرش کے کناروں پر سفید دانتوں کی سلاخیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ عنبر نے ویل مچھلی کے دانت پکڑ کر وہاں رکنے کی کوشش کی مگر پانی کا بہاؤ اس قدر تیز تھا وہ رک نہ سکا۔

سمندر کا تیز پانی آبشار کی طرح عنبر کو اپنے ساتھ ویل مچھلی کے پیٹ میں بہا لے گیا۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اندھیرے کنوئیں میں نیچے اتر رہا ہے یہاں اندھرا ہی اندھیرا ہے کہیں سے روشنی کی ایک

کرن بھی نہیں آ رہی تھی۔ عنبر ویل مچھلی کی زبان پر سے پھسلتا ہوا اس کے گلے میں سے ہو کر معدے میں اتر گیا۔ اس کے پاؤں نرم نرم گدیلے سے ٹکرائے۔ یہ ویل مچھلی کے معدے کا فرش تھا۔ ویل مچھلی نے عنبر کو ہڑپ کرنے کے بعد منہ بند کر لیا تھا۔ اب اس کے منہ کے اندر سمندر کا پانی داخل نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر کے لیے یہ زندگی کا ایک عجیب و غریب تجربہ تھا اس نے بڑی بڑی مصیبتیں دیکھی تھیں مگر یہ مصیبت وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ویل مچھلی کے پیٹ میں جا کر عنبر کو محسوس ہوا کہ اس کا سانس رک رہا ہے۔ عنبر کا سانس اگر بند بھی ہو جاتا تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن سانس رکنے کا شدید احساس اسے ہو رہا تھا۔ اسے تیز قسم کے تیزاب کی بو اپنے نتھنوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

ویل مچھلی کے پیٹ میں سمندر کا پانی بھرا تھا جس میں مچھلیاں تیر رہی

تھیں۔ عنبر اچھی طرح جانتا تھا کہ ویل اپنی طرف اسے ہڑپ کر کے ہضم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن عنبر ہضم نہیں ہو رہا تھا ویل مچھلی اپنے پیٹ میں درد محسوس کرنے لگی۔ جس طرح ہمارے معدے میں کھانا ہضم نہ ہو تو ہم درد محسوس کرنے لگتے ہیں۔

ویل مچھلی بڑی حیران تھی کہ یہ کیسا آدمی ہے کہ اس کے معدے میں جا کر ہضم ہونے کو نام تک نہیں لیتا۔ اس نے سمندر میں بہت الٹ پلٹ کیا۔ بڑی قلابازیاں لگائیں۔ عنبر معدے کے اندر غوطے کھاتا رہا مگر ہضم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویل کے پیٹ میں عنبر کے پڑے رہنے سے درد بڑھ گیا۔ ویل اب کوشش کرنے لگی کہ اسی طرح جزیرے کے ساحل پر جا کر ریت پر لوٹ پوٹ ہو اور انسان کو ہضم کرے۔ کیوں کہ اب وہ عنبر کو پیٹ سے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔ ویل کو معلوم تھا کہ اندر خشکی کتنی دور اور کہاں ہے چنانچہ ویل مچھلی نے

اپنے اندازے کے مطابق خشکی کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا پیٹ کے درد نے اسے بدحال کر دیا تھا وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ خشکی کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ اگر عنبر تختے پر سفر کر رہا ہوتا تو کبھی جزیرے پر نہ پہنچ سکتا۔ لیکن ویل مچھلی اپنی چھٹی حس سے کام لے کر بالکل ٹھیک سمت میں خشکی کی طرف جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک غیر آباد جزیرے کا ساحل دکھائی دینا شروع ہو گیا۔

اس جزیرے کے ساحل پر ناریل اور تاڑ کے جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔ ویل مچھلی کا درد کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے لپکتی ہوئی جزیرے کے ساحل پہنچی اور آتے ہی اس نے ساحل کی ریت پر لوٹ پوٹ ہونا شروع کر دیا۔

ویل کے پیٹ میں عنبر نے قلابازیاں کھانا شروع کر دیں مچھلی۔ سمندر

کے اندر کیا کر رہی ہے۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ ویل مچھلی جزیرے کی زمین پر پہنچ کر لوٹ پوٹ ہو کر اسے ہضم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

ویل ناکام ہوگئی پیٹ کے درد میں اضافہ ہوگیا۔ عنبر اگر ہضم ہو جاتا تو ویل کے پیٹ میں سکون آ جاتا۔ مگر اب یہ ہو رہا تھا کہ عنبر کے پاؤں اور ہاتھ ویل کے پیٹ کی دیواروں سے بار بار ٹکرا کر درد کی ٹیسیں پیدا کر رہے تھے۔ ویل گھبرا گئی اور درد سے پریشان ہوگئی۔ ویل کے پیٹ میں عنبر بھی پریشان ہوگیا۔ اس نے اسی الٹ پھیر میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے نہیں۔ بہت جلد اس کا ہاتھ ایک خنجر سے ٹکرایا۔ یہ خنجر عنبر نے کسی خاص اور نازک موقع کے لیے رکھا ہوا تھا۔

وہ خاص اور نازک موقع آ گیا تھا۔ اس نے خنجر ہاتھ میں تھام کر ویل

کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ویل تڑپ اٹھی اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

عنبر نے ویل کے پیٹ کی دیوار کو ایک طرف سے چیرنا شروع کر دیا۔ وہ مچھلی کے پیٹ سے کسی نہ کسی طرح باہر نکلنا چاہتا تھا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر خنجر کو ویل کے پیٹ میں دوسری بار گھونپ کر پیٹ کی دیوار کو اوپر سے نیچے تک چیر ڈالا۔ ویل کی کھال بڑی موٹی تھی۔ تیسری بار اسی جگہ خنجر مار کر چیرے کے بعد ویل کا پیٹ پھٹ گیا اور سمندر میں اس کے خون کی ندی بہہ نکلی وہ تڑپ کر اوپر کو اٹھ آتی عنبر اس کے پیٹ کو چیر بیٹھا تھا۔

ویل کے پیٹ کی دیوار شق ہوتے ہی سمندر کا پانی اندر آنا شروع ہو گیا عنبر اچھل کر ویل کے پیٹ سے باہر سمندر میں آ گیا۔ سمندر کی لہروں نے اسے سمندر کے اوپر اچھال پھینکا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ سمندر کے عین

بیچ میں ہوگا مگر جب وہ سمندر کی سطح پر ابھرا تو تھوڑے فاصلے پر زمین کا ساحل اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ نہ صرف وہ وہیل مچھلی کی مصیبت سے چھوٹ، بلکہ سمندر کا سفر بھی ختم ہوا۔

وہ سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا جزیرے کے ساحل پر آ گیا۔

وہ بے حد تھک گیا تھا؛ چنانچہ اس نے ساحل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر پاؤں پھیلا دیے۔ وہیل مچھلی کے پیٹ میں قلا بازیاں کھا کھا کر اس کا انگ انگ ٹوٹ ٹوٹ رہا تھا۔ اسے ایک دم نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ وہ کافی دیر تک سوتا رہا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج مغرب کی طرف سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔

جزیرے پر شام چھا رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈوں کے ساتھ رات کا پہلا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ اٹھ کر ناریل

کے درختوں کی سیر بھی کرے اور یہ بھی معلوم کرے کہ اس جزیرے میں کون سے لوگ آباد ہیں۔ وہ اٹھ کر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سامنے اسے ایک دلدل نظر آئی۔ وہاں سے زمین بلبلے سے کھا رہی۔ یہ ایک بے حد خطرناک دلدل تھی جس میں اگر ہاتھی بھی گر جاتا تو باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ اس قسم کے خوب صورت منظر والے جزیرے میں یہ خوف ناک دلدل کہاں سے آ گئی؟ دلدل عام طور پر افریقہ کے جنوبی جنگلوں میں اس نے دیکھی تھیں؛ بہر حال اس نے جزیرے کی سیر کا ارادہ چھوڑ دیا۔

ویسے بھی اب رات سر پر آ گئی تھی۔ جزیرے کے جنگل میں تاریکی بڑھ رہی تھی۔ اندھیرے میں اسے ڈر تھا کہ خواہ مخواہ کسی دلدل میں نہ پھنس جائے۔ عنبر واپس سمندر کنارے کی ریت پر آ کر بیٹھ گیا۔ آتی دفعہ وہ درختوں کے نیچے پڑے کچھ ناریل اٹھا کر ساتھ لیتا آیا تھا۔ ان کو توڑ

گر اس نے پانی پیا اور گودا بڑے مزے سے کھایا۔ ویسے اسے عام انسانوں کی طرح ہی روزمرہ بھوک لگتی تھی۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ساری زندگی کچھ کھائے پیے بغیر بسر کر سکتا تھا۔ بھوک اس کے اختیار میں تھی۔ بھوک پیاس اسے عام لوگوں کی طرح تنگ نہیں کرتی تھی۔

رات پڑتے ہی جزیرے میں سردی بڑھ گئی تھی۔ آسمان سے شبنم بھی گرنے لگی اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا بھی ٹھنڈی ہو گئی۔

عنبر نے ادھر ادھر سے کچھ خشک جھاڑیاں وغیرہ ایک جگہ جمع کیں اور دو پتھروں کو رگڑ کر ان میں آگ روشن کر دی۔ وہاں ایک آگ کا الاؤ سا لگ گیا۔ آگ کی گرمی نے عنبر کو بڑا سکون دیا۔ وہ بڑے مزے کے ساتھ الاؤ کے پاس ہی ریت پر لیٹ گیا۔ اب اسے سردی تنگ نہیں کرتی تھی۔ اصل میں عنبر کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ اسے بھی عام لوگوں کی طرح بھوک لگتی تھی، سردی لگتی تھی اور پیاس لگتی تھی، نیند آتی تھی۔

لیکن اس کے باوجود وہ ہر شے کے بغیر گزارہ کر سکتا تھا۔ ریت پر آگ کی ہلکی گرمائش نے عنبر پر غنودگی طاری کر دی۔ دیکھتے دیکھتے وہ گہری نیند سو گیا۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون کے ساتھ ساحل کی ریت کا منہ دھلا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ آسمان پر بے شمار ستارے چاندی کے زیوروں کی طرح چمک رہے تھے۔ سوائے سمندر کے شور کے وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ جزیرے کی طرف تو بے حد گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی پرندے کے بولنے کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔

عنبر بے خبر ہو کر ریت پر سو رہا تھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ سمندر میں تختے پر تیرتے ہوئے اس نے ایک رات بھی آنکھ جھپک کر نہ دیکھی تھی پھر وہیل مچھلی کے پیٹ میں جا کر اسے بہت محنت کرنی پڑی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھا اور اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

ٹھیک اس وقت جزیرے کے جنگل میں سے دو لمبی تڑنگی عورتیں جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتی باہر نکلیں۔ انہوں نے کاندھوں پر تیر کمان لٹکا رکھے تھے۔ ان کے جسم شیر کی کھال سے لپٹے ہوئے تھے۔ بال لمبے لمبے تھے اور کھلے تھے۔ دونوں عورتیں جزیرے کی دیکھ بھال کو باہر نکلی تھیں۔ انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ سیر کرتے ہوئے جب سمندر کے کنارے ایک جگہ دھیمی دھیمی آگ روشن دیکھی تو وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

ان کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ جزیرے میں کوئی غیر آدمی بھی آ سکے گا۔ قریب آ کر انہوں نے عنبر کو گہری نیند سوئے ہوئے دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ایک نے دوسری کو اشارے سے کہا:

"یہ کون ہو سکتا ہے؟"

دوسری نے کہا:

"میرا خیال ہے کسی تباہ شدہ جہاز کا مسافر ہے۔"

"اسے بے ہوش کر کے لے چلو۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے ہماری ملکہ غلام بنائے گی۔ وہ بڑی خوش ہو گی۔ اس کا رنگ بھی سفیدی مائل ہے۔ چاندرات کو شاید ملکہ اس کی قربانی دیوتاؤں کے آگے پیش کرے۔ کیونکہ بزرگوں سے سنا ہے کہ سفید فام کی قربانی سے بزرگوں کی روح بہت خوش ہوتی ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ سوم رس مجھے دو۔"

عورت نے سوم رس کے دو قطرے ہاتھ پر مل کر اپنا ہاتھ عنبر کی ناک کے آگے کر دیا۔ پہلا سانس لیتے ہی عنبر بے ہوش ہو چکا تھا۔ دونوں عورتوں نے عنبر کو شکار کیے ہوئے ہرن کی طرح کندھوں پر ڈالا اور اسے لے کر جنگل میں غائب ہو گئیں۔ یہ جنگل جزیرے کے وسط میں

جا کر ایک کھلی ہوئی جگہ پہنچتا تھا۔ جہاں درختوں کے اوپر بانس کی چھتوں والی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان جھونپڑیوں کے ساتھ رسی کی سیڑھیاں لٹک رہی تھیں۔ جونپڑی میں جانے کے لیے رسیوں کی سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ ایک طرف ایک بہت ہی گنجان درخت کے اوپر بڑی ہی خوب صورت جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ اس جھونپڑی کی چھت سرخ چھال کی تھی اور بانس کی دیواروں پر جنگلی پھولوں کی بیلیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ یہ بڑی ہی خوب صورت جھونپڑی تھی۔ یہ اس قبیلے کی ملکہ کی جھونپڑی تھی۔

یہ قبیلہ عورتوں کا ایک قبیلہ تھا جہاں مردوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو اسے اسی وقت سمندر میں بہا دیا جاتا تھا۔ ملکہ کے حکم سے سال میں ایک بار عورتوں کی شادی ہوتی تھی۔ ان کے خاوند ایک مہینہ جھونپڑیوں میں رہنے کے

بعد وہاں سے چلے جاتے تھے۔ جزیرے کے مغربی کنارے پر یہ آدمی کھیتی باڑی کر کے مچھلیاں پکڑ کر گزارہ کرتے تھے۔

ان آدمیوں کو ہرگز ہرگز اجازت نہیں تھی کہ وہ عورتوں کی سلطنت میں ان کی اجازت کے بغیر قدم رکھیں۔

یہ ساری کی ساری عورتیں چھ چھ سات سات فٹ کی اونچی لمبی اور جوان عورتیں تھیں۔ یہ بڑی جنگ کرنے والی بہادر عورتیں تھیں۔ جنگل میں اکیلے تیر کمان سے شیر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اس کا شکار کرتی تھیں جنگلی ریچھ کی گردن ایک مکہ مار توڑ دیتی تھیں۔ چھوٹے موٹے درخت کو ذرا سا زور لگا کر جڑ سے اکھاڑ پھینکتی تھیں۔

اس قبیلے کی مہارانی کا نام فولانی تھا۔ فولانی کا قد چھ فٹ سے زیادہ تھا۔ دو خادمائیں اس کے پیچھے کھڑی ہو کے مور کے پروں کا پنکھا جھل رہی تھیں۔ ملکہ فولانی نے پیچھے جھانک کر دیکھا اور پوچھا:

"تم کس لیے یہاں آئی ہو؟ بیان کرو۔"

ناچتے ہوئے عورت نے رک کر ہاتھ جوڑے سر کو جھکایا اور کہا:

"مہارانی صاحبہ! آپ کو ایک خوش خبری سنانے کے لیے آئی ہوں۔"

"خوش خبری؟" ملکہ نے خوش ہو کر پوچھا۔ "جلدی بیان کرو کہ خوش خبری کون سی ہے؟"

ناچنے والی عورت نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی:

"مہارانی صاحبہ! آپ کو مبارک ہو جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف رات کو گشت کر رہی تھیں کہ ہمیں وہاں سفید فام آدمی مل گیا۔"

مہارانی خوشی سے اچھل پڑی:

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں ملکہ سلامت میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ہمارے ساتھ ہماری جھونپڑی میں تشریف لے چلیں اور اپنی آنکھوں سے ایک خوش شکل سفید نو جوان کو بے ہوش دیکھ لیں۔"

مہارانی نے کہا:

"شاباش" پھر تالی بجا کر کہا: "ان دونوں کو ہیرے جواہرات کے ہار دیے جائیں۔ سنو! تم دونوں ابھی یہاں سے اپنی جھونپڑی میں جاؤ اور جا کر اس سفید فام نو جوان کو لے کر محل میں پیش کرو۔"

"جو حکم ملکہ صاحبہ۔"

دونوں عورتیں سر جھکا کر واپس اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اب ذرا عنبر کا بھی حال سنیں:

دن چڑھا تو عنبر کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ ایک بانس کی چھت والی جھونپڑی میں ایک جگہ رسیوں سے جکڑا پڑا ہے۔

بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یا ماجرا کیا ہے۔ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا؟

اس نے نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ جھونپڑے کی کھڑکی کھلی تھی جس میں سے درخت کی شاخیں اندر آ رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ جھونپڑی زمین سے کافی اونچی ہے؛ ورنہ درخت کی شاخیں اندر نہیں آ سکتی تھیں۔

مگر سوال یہ تھا کہ اسے وہاں کون لے آیا ہے۔ اسے رسیوں سے کس نے باندھا ہے؟ کیا وہ آدم خور وحشیوں کے قبضے میں آ گیا ہے؟ کیا اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا؟ کیونکہ اگر وہ نیند کے عالم میں ہوتا تو ضرور اس کی جاگ کھل جاتی۔ پھر اس کی نظر چھت کے ساتھ لٹکتے ہوئے دو انسانوں کے سروں پر پڑی۔ یہ دشمنوں کے سر تھے جنہیں سکھا دیا گیا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ اس جنگل کے کسی وحشی قبیلے کی جھونپڑی میں بند ہے اور اسے بے ہوش کر کے یہاں کسی خاص مقصد کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بانس کے ایک ستون کے ساتھ کس کر باندھ دیے گئے تھے۔

اس نے رسی تڑانے کی کوشش کی مگر کم بختوں نے اتنی سختی سے اسے رسی سے کس کر باندھا تھا کہ ہزار کوشش کے باوجود رسی کی ایک بھی گانٹھ نہ کھول سکا۔ عنبر نے کوشش چھوڑ دی اور یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ دیکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ آدم خور وحشی کیا سلوک کرتے ہیں۔ اسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ جنگل کے آدم خوروں کے قبضے میں آ چکا ہے۔ یہ تو اس کے خیال و خواب میں بھی نہیں تھا کہ اسے فولانی قبیلے کی آدم دشمن عورتوں نے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔

اتنے میں جھونپڑی کا دروازہ کھلا۔ عنبر نے دیکھا کہ دو لمبی چوڑی عورتیں کندھوں پر تیر کمان لٹکائے۔ جسم کے گرد شیروں کی کھال لپیٹے اندر آ کر اس کے سر کے اوپر کھڑی ہو گئیں۔ دونوں بڑی گہری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

ایک نے دوسری سے کہا:

اسے بے ہوش کر کے لے جایا جانا چاہیے۔"

دوسری بولی:

"یہ ہمارے لیے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم ایک معمولی سے مرد سے گھبرا جائیں اور اسے بھی اپنے قابو میں نہ کر سکیں"

پہلی بولی:

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ہم اسے بے ہوش نہیں کریں گی۔ صرف گلے میں رسی ڈال کر اسے گھسیٹ کر ملکہ فولانی کے دربار میں لے چلیں گی۔"

دوسری نے کہا:

"اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو تیر مار کر اس کا سارا بدن چھلنی کر دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے چلو۔"

عنبر ان دونوں کی باتیں سمجھ رہا تھا؛ حالانکہ یہ ایک زبردست پرانی زبان تھی اور سوائے ان لوگوں کے اور کوئی ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔

دونوں عورتوں کو بھی یقین تھا کہ عنبر ان کی زبان سے ناواقف ہے۔ اس لیے وہ آپس میں بڑی کھل کر باتیں کر رہی تھیں۔ عنبر نے پہلے تو خیال کیا کہ اپنی خاص قوت سے کام لے کر رسی توڑ کر آزاد ہو جائے۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ آزاد ہو کر وہ کہاں جائے گا؟ جزیرے میں چل پڑے؟ اس لیے بہتر یہی ہے کہ چل کر دیکھے کہ ملکہ فولانی کون ہے؟ اسے کس لیے پکڑ کر لایا گیا ہے؟ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے اور یہ کیسا قبیلہ ہے جہاں سوائے عورتوں کے ایک بھی مرد دکھائی نہیں دے رہا۔

چنانچہ اس نے عورتوں کو اجازت دے دی کہ وہ اس کی رسیاں کاٹ کر اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں لے چل پڑیں۔

وہ جنگلی بلی اور کمزور بنا دونوں عورتوں کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔

اس جزیرے میں ایک بات اس نے خاص طور پر دیکھی کہ یہاں جنگل بہت ہی گھنا تھا۔ دن کو بھی وہاں رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے جنگل کا گھنا پن ختم ہوا اور ایک میدان سا آ گیا۔

اس میدان میں گھاس اگی ہوئی تھی جسے شاید لمبی لمبی تلواروں سے بڑے اچھے طریقے سے کاٹ دیا گیا تھا۔ یہاں ایک اور چیز دیکھ کر عنبر بڑا حیران ہوا۔ چاروں طرف درختوں میں جھونپڑے بنے ہوئے تھے ان میں سے کچھ جھونپڑوں کی رسی کی سیڑھیاں نیچے لٹک رہی تھیں اور کچھ سیڑھیاں لپیٹ کر اوپر کھینچ لی گئی تھیں۔ اس قسم کی جھونپڑیاں عنبر نے کسی زمانے میں جنوبی افریقہ کے گھنے جنگلوں میں سیر و سیاحت کرتے ہوئے ایک آدم خور قبیلے کی دیکھی تھیں…………

اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں یہ قبیلہ بھی تو آدم خوروں کا نہیں ہے۔

اب تو جو کچھ ہونے والا تھا۔ اسے برداشت کرنا ہی تھا۔ دوسری عجیب بات عنبر نے دیکھی کہ راستے میں اسے تمام کی تمام عورتیں ہی ملی تھیں کوئی مرد یا بچہ کسی جگہ بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

تمام عورتوں نے اپنے جسم کے گرد شیر کی کھال لپیٹ رکھی تھی۔ کندھوں پر تیر کمان لٹکائے ہوئے تھے اور سب کی سب اونچی لمبی اور کڑیل جوان تھیں۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یہ کس قسم کا قبیلہ ہے کہ یہاں کوئی بھی مرد نہیں اور جس عورت کو دیکھو چھ فٹ کی ہے۔ یہاں کے مرد کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں عورتوں نے اسے ایک درخت کے نیچے لا کھڑا کر دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے

ہوئے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ درخت کے اوپر جو جھونپڑی بنی ہوئی تھی وہ بہت خوب صورت تھی۔ اس کی چھت سرخ تھی اور دیواریں جنگلی پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ ضرور اس قبیلے کی ملکہ وغیرہ کی جھونپڑی ہے۔

دونوں عورتوں نے ایک بار پھر تالی بجا کر رقص کرنا اور ملکہ کی تعریف میں گیت گانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ کھڑکی میں آئی۔ عنبر اس عرصے میں زمین پر چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ بالوں، سرخ آنکھوں اور کالے رنگ والی بنی ٹھنی عورت کھڑکی میں آ کر اسے بڑے شوق سے تکنے لگی ہے۔ یہ مہارانی فولانی تھی۔

مہارانی کو سامنے دیکھ کر دونوں عورتیں جھک گئیں۔ انہوں نے عنبر کو بھی جھکنے کا کہا لیکن وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ کے چہرے پر غصہ آ گیا مگر وہ خاموش رہی۔ خادماؤں نے محل کے ساتھ ایک بڑی ہی خوب صورت رنگ دار سیڑھی لٹکا دی۔ ملکہ فولانی نے بھی شیر کی کھال اپنے جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس سر پر گھونگھوں کا تاج تھا۔ عنبر کے قریب آ کر اس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔ اس کا قد عنبر سے بھی اونچا تھا۔ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد اس نے اپنی زبان میں عورتوں سے کہا:

''اسے لے جا کر مندر کے جھونپڑے میں بند کر دو۔ تم نے ہمارے دیوتاؤں کی خوشی کے لیے بڑا اچھا شکار تلاش کیا ہے میں تمہیں انعام دوں گی۔ یہ شخص مجھے کسی اچھے ملک کا رہنے والا لگتا ہے۔ مگر یہ ہماری زبان نہیں سمجھ سکتا اس لیے اس سے پوچھنا بے کار ہوگا۔ اس سے اشاروں اشاروں میں پوچھو کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟''

عنبر اپنی خاص خفیہ طاقت کے ذریعے سے ملکہ فولانی کے قبیلے کی ساری

زبان سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ ان پر یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی زبان سے ناواقف ہے: چناں چہ جب دونوں عورتوں میں سے ایک نے اشاروں ہی اشاروں میں اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے۔ تو اس نے بھی اشاروں ہی اشاروں سے انہیں بتایا کہ وہ سمندر پار سے آ رہا ہے۔ وہ سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان میں ان کا جہاز غرق ہو گیا اور وہ تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے پر آ نکلا۔

دونوں عورتوں نے عنبر کے اشاروں کو ٹھیک سمجھ لیا تھا۔ اس کا اندازہ عنبر کو اس وقت ہوا۔ جب عورتوں نے اپنی زبان میں ملکہ کو بتایا کہ یہ شخص سمندر پار سے آ رہا ہے۔ یہ جس جہاز پر سوار تھا اسے طوفان نے آن گھیرا۔ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا اور یہ ایک تختے پر بیٹھ کر بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر پہنچا ہے۔

ملکہ قولانی نے کہا:

”اسے خود دیوتاؤں نے اپنی قربانی کے لیے چن لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ شخص کبھی جان بچا کر اس جزیرے پر نہ آتا۔

بس یہ ایک نیک شگون ہے۔ دیوتا ہم سے خوش ہیں اور اس کی قربانی کے بعد وہ اور بھی ہم سے خوش ہوں گے۔ پھر ہمارے کھیتوں میں پہلے سے زیادہ اناج اگے گا اور ہمارے جال مچھلیوں سے بھر کر سمندر سے نکلیں گے۔“

عورت بولی:

”ملکہ سلامت رہیں دیوتا ہم پر مہربان ہیں۔ آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہم اسے مندر والی جھونپڑی میں بند کیے دیتی ہیں۔“

ملکہ نے کہا:

”اور ہاں اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔ اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اسے باندھے رکھنا۔ مگر کھانے کو اعلیٰ

سے اعلیٰ خوراک دینا اور گیت گانے والی کو کہنا کہ ہر روز اس کے پاس جا کر ہمارے دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گائے۔ تاکہ وہ ہم پر مہربان رہیں۔"

عورت بولی:

"ایسا ہی ہوگا ملکہ سلامت۔"

یہ کہہ کر دونوں نے عنبر کو ساتھ لیا اور جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر اسے جھونپڑے میں بند کر دیا۔ یہ جھونپڑا بڑے مضبوط بانسوں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لکڑی کے ایک دیوتا کا بت رکھا تھا۔ اس بت کی زبان باہر کو لٹک رہی تھی۔

عورتوں نے عنبر کے گلے میں لوہے کا کڑا ڈال کر زنجیر کو بانس کے ستون سے باندھ دیا تھا۔ عنبر نے اسے کھینچ کر دیکھا۔ سچ مچ بڑی مضبوط زنجیر تھی۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور پھنس گیا ہوتا تو وہ ساری عمر

وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔

عنبر تو خیر خود ہی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ مار تو اسے کوئی بھی نہیں سکتا۔ خواہ اس قبیلے کے سارے دیوتا ایک جگہ جمع ہو کر اس پر حملہ کر دیتے تو وہ پھر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وہ اس وقت جزیرے میں ہی رہنا چاہتا تھا جب تک کہ کوئی جہاز ادھر نہیں آتا یا وہاں سے کسی کشتی وغیرہ کا بندوبست نہیں ہو جاتا تھا اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ قبیلے کی عورتیں اس کا لوہا نہیں مان لیتیں۔

شکنتلا کی کہانی

اپنی پوشیدہ طاقت دکھانے کے لئے عنبر انتظار کر رہا تھا۔

اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ سیاہ فام عورت قبیلے کی مہارانی ہے اور عنبر کو دیوتاؤں پر قربان کرنے کے لیے رکھا جا رہا ہے۔ اب وہ قربانی کے دن ہی ان تمام قبیلے کی عورتوں کو بتا سکتا تھا کہ وہ ان سب سے ان کے دیوتاؤں سے بھی بڑا اور طاقت ور آدمی ہے۔

خدا جانے قربانی کا دن کب آنے والا تھا۔ عنبر کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے جھونپڑے کے ستون سے باندھ دیا گیا تھا۔ زنجیر اتنی لمبی تھی کہ وہ جھونپڑے میں آسانی سے چل سکتا تھا۔

اسے بڑی اعلےٰ خوراک کھلائی جاتی تھی۔ صبح منہ اندھیرے اسے انناس اور ناریل کے قتلے کھانے کو دیے جاتے۔ دوپہر کو بھی بھنی ہوئی بہترین مچھلی اسے دی جاتی۔ تیسرے پہر پھل پیش کیے جاتے۔ ان پھلوں میں لذیذ انناس، میٹھے خوشبودار کیلے اور آم بھی شامل ہوتے۔

عنبر حیران تھا کہ اس قدر پھلدار درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ ابھی تک بے آباد کیوں پڑا ہے۔

اس جزیرے پر صرف اسی قبیلے کی حکمرانی تھی۔ عنبر نے اندازہ کر لیا تھا کہ جزیرے میں اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ ملکہ کی طرف سے عنبر کے سامنے بیٹھ کر دیوتاؤں کے بھجن گانے والی صبح شام آتی اور عنبر کے سامنے جھک کر سلام کرتی۔ پھر وہ دو زانو ہو کر زمین پر بچھی ہوئی ہرن کی کھال پر بیٹھ جاتی اور آنکھیں بند کر کے دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گانا شروع کر دیتی۔ وہ خیال کرتی کہ عنبر اس کی زبان نہیں سمجھتا ہے۔

چنانچہ وہ کچھ اور ہی گیت گایا کرتی۔ ان گیتوں میں دیوتاؤں کی تعریف تو نہ ہوتی؛ البتہ کسی دور دراز کے ملک کی تعریف ہوتی جو شاید اس گانے والی عورت کا وطن تھا۔

عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ اس کے دل میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ عورت وہاں دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گانے کی بجائے اپنے وطن کے گیت گاتی ہے اس سے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون ہے اور یہاں جزیرے میں بیٹھ کر اپنے دور دراز کے وطن کے گیت کیوں گاتی ہے؟

اس عورت کا رنگ بھی سیاہ نہیں تھا بلکہ گندمی تھا۔

ایک شام کو گانے والی جھونپڑے میں آئی۔

اس نے جھک کر عنبر کو سلام کیا اور دو زانو ہو کر ہرن کی کھال پر بیٹھ گئی اور بڑی پُر درد آواز میں اپنے وطن کا گیت گانا شروع کر دیا عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے عورت کو روک دیا۔

"ٹھہرو"

عورت رک گئی۔ اس نے گانا بند کر دیا۔ عورت کو یقین تھا کہ عنبر ان کی زبان ہی نہیں سمجھ سکتا؛ چنانچہ اس نے شارے سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس نے گانا کیوں بند کر دیا۔ عنبر نے صاف ہی پوچھ لیا:

یہ بتاؤ کہ تم دیوتاؤں کے گیت گانے کے بجائے اپنے وطن کے دردناک گیت کیوں گاتی ہو؟

گانے والی عورت کا تو رنگ سفید پڑ گیا۔ پہلے تو وہ اس بات پر خوف زدہ ہو گئی کہ عنبر کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ دیوتا کی تعریف میں نہیں بلکہ اپنے وطن کی تعریف میں گیت گاتی ہے۔ اگر اس نے ملکہ کو یہ بات بتا دی تو وہ اسے زندہ بھون کر کتوں کے آگے ڈال دے گی۔

گانے والی نے کانپتے ہوئے عنبر سے پوچھا:

"کیا تم ہماری زبان سمجھ لیتے ہو؟"

عنبر نے ان ہی کی زبان میں جواب دیا:

"اگر تمہاری زبان نہ سمجھ لیتا تو تمہیں یہ کیوں کہتا کہ تم دیوتاؤں کی تعریف کی جگہ اپنے وطن کے گیت گا رہی ہو۔"

گانے والی عورت بولی:

"میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ بھگوان کے لیے ملکہ فوانی کو نہ بتانا کہ میں یہاں بیٹھ کر اپنے وطن کے گیت گاتی تھی اور دیوتاؤں کی بے عزتی کرتی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بتاؤں گا مگر تم کون ہو اور یہاں کیسے آ گئی ہو؟"

عورت بولی:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کسی وقت سناؤں گی۔ ویسے تم مجھے شکنتلا کے نام سے پکار سکتے ہو۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تم ہندوستان کی رہنے والی ہو؟"

عورت نے جواب دیا:

"ہاں میں ہندوستان کی رہنے والی ہوں"

عنبر نے پوچھا:

"اور یہاں کیسے آ گئیں؟"

شکنتلا نے کہا:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اگر کسی نے سن لی تو تمہارے ساتھ مجھے بھی ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ابھی کل اس جزیرے پر آئے ہو تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھ لی؟"

عنبر نے کہا:

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے تم اسے چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ تم کب سے اس جزیرے میں ہو؟ اور کہاں سے آئی ہو؟"

شکنتلا نے کہا:

"اگر تم میری کہانی سننا ہی چاہتے ہو تو لو سنو۔ میں ملک ہندوستان کے ایک شہزادے راج کمار کی بیوی ہوں۔ ہماری ریاست کوہ ہمالیہ کے دامن میں دریائے پھلگو کے کنارے پر ہے میں اپنے راجکمار کے محل میں بڑے سکون سے زندگی بسر کر رہی تھی کہ ایک روز ہمارے محل میں تاجر آیا۔ اس نے راج کمار کو اور مجھے بڑے قیمتی ہیرے جواہرات دکھائے۔ اس نے بتایا کہ وہ ملک یمن سے آیا ہے۔ ہمیں ہیرے جواہرت بہت پسند آئے۔ اس بدبخت تاجر کو میں پسند آگئی تھی اس نے مجھے وہاں سے اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم نے اس کے

سارے ہیرے جواہرات خرید لیے۔ وہ شاہی محل کے عقب میں شاہی سرائے میں اترا ہوا تھا۔ وہاں اس کے دوسرے ساتھی بھی تھے ایک روز اس نے میری اور میرے خاوند راجکمار کی دعوت کی۔ یہ دعوت اس نے سرائے میں اپنے کمرے میں کی مجھے کیا خبر تھی کہ رات میری بدقسمتی کی رات ہوگی میں اپنے راج کمار کے ساتھ بڑے شاندار قیمتی کپڑے پہن کر تاجر کی دعوت میں گئی۔ تاجر نے ہمارا بڑا زبردست استقبال کیا۔ خود باہر ہمیں لینے آیا۔ ہمارے راستے میں اس کے نوکروں نے پھول برسائے وہ جھک جھک کر ہمیں سلام کرتا ہمیں کمرے میں لے گیا۔ دعوت کا زبردست انتظام کیا گیا تھا۔ دنیا جہان کی نعمتیں وہاں رکھی ہوئی تھیں۔ تاجر کے نوکر بڑی چابک دستی سے کام کر رہے تھے۔ وہ ہمارے آگے پیچھے بچھے جاتے تھے۔

ہمارے ذرا سے اشارے پر وہ لپک کر آتے اور ہمیں جس شے کی

ضرورت ہوتی ہمارے سامنے پیش کر دیے۔ میرا خاوند راج کمار تاجر کے اخلاق اور مہمان نوازی سے بڑا خوش ہو رہا تھا۔

رات گہری ہو گئی تو میرے خاوند نے اجازت مانگی۔ تاجر نے ادب سے جھک کر کہا کہ راجکمار جی، اگر اجازت ہو تو میں آپ کی خدمت میں ملک کشمیر کا خاص قہوہ پیش کرنا چاہتا ہوں قہوہ ایسا ہے جس میں زعفران ڈالا جاتا ہے اور کھانے کو بہت جلد ہضم کر دیتا ہے۔ راجکمار کی اور میری بدنصیبی کہ ہم وہاں قہوہ پینے کے لیے ٹھہر گئے۔

تاجر بڑا خوش ہوا جلدی سے اس کے نوکر چاندی کی صراحی اور چاندی کے پیالے آ گئے۔ صراحی کشمیری قہوے سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن اصل میں قہوے میں بے ہوش کر دینے والی دوائی ملائی ہوئی تھی۔ ہم دونوں اس خطرناک سازش سے بے خبر تھے۔ ہمارے آگے سونے کے طشت میں قہوے سے بھری ہوئی چاندی کی پیالیاں پیش کی گئیں۔ ہم دونوں نے پیالیاں پکڑ لیں اور ایک ایک گھونٹ قہوہ پینا شروع کر دیا کم بخت وہ تاجر بھی ہمارے ساتھ ہی قہوہ پی رہا تھا۔ مگر صاف ظاہر تھا کہ اس کے قہوے میں بے ہوش کر دینے والی دوائی نہیں تھی۔

قہوے کے تین گھونٹ پیتے ہی ہمارے سر چکرانے لگے اور میں تو ایک دم بے ہوش ہو گئی۔ بعد میں راج کمار بھی بے ہوش ہو گئے تھے۔ خدا جانے تاجر نے کیسے وہ سارا سامان سمیٹا۔ راج کمار کو سرائے میں ہی چھوڑا اور مجھے بے ہوشی کی حالت میں ہی اونٹ پر ڈال کر اپنے سامان اور نوکروں سمیت ہماری ریاست سے راتوں رات نکل گیا۔

مجھے جس وقت ہوش آیا تو میں اونٹ پر سوار ایک صحرا میں سے گزر رہی تھی اور تاجر چھری رکھے میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں بہت روئی چیخی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ظالم تاجر کے دل میں رحم پیدا کرنا بڑا مشکل تھا

اس نے ہندوستان کی ایک دور دراز شہر میں لے جا کر مجھے ایک ماہ قید رکھا۔ کیونکہ اس دوران میں راجکمار نے بڑی تیزی سے میری تلاش شروع کروا دی تھی۔ تاجر نے مجھے دوسرے مہینے باہر نکالا۔

رات کو میرے منہ کو کپڑا ٹھونس کر بند کیا اور وہاں سے لے کر ایک بندرگاہ پر آ گیا۔ یہاں ایک سمندری بادبانی جہاز تیار کھڑا تھا۔ یہ جہاز تاجر کے کسی دوست کا تھا مجھے اس جہاز پر سوار کیا گیا۔ جہاز منہ اندھیرے ہندوستان کے ساحل سے کسی نامعلوم منزل کو روانہ ہو گیا۔

ایک ماہ اور بارہ دن کے سفر کے بعد جہاز ایک ایسے شہر پہنچا جہاں ریت ہی ریت دکھائی دیتی تھی۔ ایک بازار تھا جہاں زیادہ تر عورتوں اور غلاموں کی منڈی لگتی تھی۔ منڈی میں عورتوں کو کنیزیں بنا کر اور مردوں کو غلام کے طور پر بیچا جاتا تھا۔

تاجر کم بخت نے مجھے اس منڈی میں فروخت کر دیا۔ مجھے ایک سوڈانی

سوداگر نے خرید لیا۔ اس سوڈانی کا محل مصر میں تھا۔ اس محل میں مجھ سے ہر طرح کی خدمت لی جاتی۔ مجھے خادماؤں میں شریک کر دیا گیا۔ میں نے رو پیٹ کر کہا میں شہزادی ہوں۔

ایک ریاست کی مہارانی ہوں۔ مگر وہاں میری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔ بوڑھی نوکرانی نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا میں اس کی مار پیٹ سے تنگ آ گئی۔ میں نے ایک غلام سے اپنے دل کا راز کھول کر بیان کر دیا اور اس سے کہا کہ ہم دونوں وہاں بھاگ جاتے ہیں غلام تیار ہو گیا۔ وہ خود سوڈانی سوداگر کے محل کی خدمتوں سے تنگ آیا ہوا تھا چنانچہ اس نے سب کچھ معلوم کر لیا کہ کس بندرگاہ سے جہاز کب روانہ ہوتا ہے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح ایک جہاز کے کپتان کو پہلے سے ہی کرایہ دے دیا۔ جس روز جہاز نے وہاں سے کوچ کرنا تھا اس روز ایک رات پہلے ہی ہم دونوں پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ وقت پر

میں اس نیک دل غلام کے ساتھ سوڈانی ظالم کے محل سے بھاگ گئی اور شہر میں چھپتی چھپاتی بادبانی جہاز پر سوار ہو گئی۔ غلام میرے ساتھ ہی تھا۔ یہ جہاز جنوبی افریقہ کے سمندر کا پورا چکر کاٹ کر خلیج بنگال کے کالے پانیوں میں سے ہوتا ہوا ہندوستان کے شہر اراکاٹ کی بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔

جہاز نے آدھی رات کو لنگر اٹھا دیا۔ صبح ہوئی تو جہاز کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ میں نے اور غلام نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا کہ ہماری جان ایک بہت مصیبت سے چھوٹ گئی۔ لیکن کیا خبر تھی کہ اس سے بھی بڑی مصیبت ابھی میرا انتظار کر رہی تھی۔"

عنبر نے پوچھا:

"وہ کیا مصیبت تھی شگنتلا؟"

شگنتلا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"وہی مصیبت اب بیان کرنے لگی ہوں۔ جہاز کو سمندر میں سفر کرتے پورا مہینہ بھی گزرا تھا کہ ایک روز ہماری بدبختی سے آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ سمندر میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان اٹھنے لگا۔ میں گھبرا گئی۔ مسافروں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ طوفان بڑے زوروں پر آ گیا۔ جہاز نے بری طرح ڈولنا شروع کر دیا۔ بارش طوفانی ہو گئی۔ ہوائیں آندھیاں بن گئیں۔ لہروں نے اچھل اچھل کر جہاز کو کھلونے کی طرح ادھر ادھر پھینکنا شروع کر دیا۔ ہر طرف مسافر چیختے چلاتے دکھائی دینے لگے۔ وفادار اور نیک دل غلام ہر طرح سے میری دل جوئی کر رہا تھا۔ لیکن جو لیکھ میں لکھا تھا وہ تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ ایک ایسی سمندری لہر آئی کہ جہاز الٹ گیا۔ چیخ و پکار مچ گئی۔ کہرام بپا ہو گیا۔ انسان چوہوں کی طرح سمندر میں ڈوبنے لگے۔ میرا ہاتھ ایک لکڑی

کے تختے پر پڑ گیا۔ بھگوان جانے بے چارا غلام کہاں تھا۔ نہ مجھے اس کی خبر تھی نہ اسے میری خبر تھی۔ میں بے جان تنکے کی طرح تختے پر بیٹھی سمندر کی لہروں پر تیرتی چلی جا رہی تھی۔ جانے کتنے دن گزر گئے۔ بھوک پیاس سے میں سوکھ کر کانٹا بن گئی۔ آخر میں اس جزیرے کے ساحل پر آ گئی۔ یہاں سے یہ عورتیں اٹھا کر لے آئیں۔ چونکہ میرا رنگ صاف تھا اور قد لمبا تھا اس لیے ان عورتوں نے مجھے بھی اپنے قبیلے میں شامل کر لیا۔ اب میں یہاں کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ ایک طرح سے قیدی ہوں۔ نہ یہاں سے کہیں باہر جا سکتی ہوں' نہ کسی کے آگے اپنا دکھ درد بیان کر سکتی ہوں۔ اس بات کو آج چار سال گزر گئے ہیں تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے اپنی دردبھری کہانی سنائی ہے۔ وہ بھی اگر تم ہماری زبان نہ سمجھ رہے ہوتے تو میں اتنی کہانی بھی تمہیں بیان نہیں کر سکتی تھی۔“

عنبر کا دل شگفتا کی دردبھری کہانی سن کر بہت اداس ہو گیا۔ شگفتا سچ مچ ایک مصیبت زدہ عورت تھی۔ بے چاری کہاں ایک شہزادے کی بیوی اور کہاں آدم خور عورتوں کے قبیلے میں آ کر پھنس گئی تھی۔

عنبر نے کہا:

”شگفتا! تمہاری زندگی کے دردبھرے حالات سن کر میرے دل پر بہت اثر ہوا ہے۔ آج سے میں تمہیں اپنی بہن کی طرح سمجھوں گا اور میں تمہیں ایک بھائی بن کر قول دیتا ہوں کہ جب تک تمہیں اس جہنم سے نکال کر تمہارے خاوند راج کمار کے پاس نہیں پہنچاؤں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا اور اپنی بہن ماریا سے بھی نہیں ملوں گا۔“

شگفتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا:

”بھگوان تمہاری حفاظت کرے میرے بھائی' مجھے خطرہ ہے کہیں میری مدد کرتے کرتے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو۔“

قربانی کے لیے

شگفتا بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ عنبر پر اسرار طاقت والا ہے۔ وہ تو الٹا اسے سمجھانے لگی کہ وہ اسے وہاں سے نکالنے کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اس جزیرے میں آ کر کبھی کوئی شخص واپس نہیں جا سکا۔ وہاں کبھی کوئی جہاز نہیں آیا۔ وہاں سے صرف آدم خور قبیلوں کی پرانی کشتیاں کبھی کبھی دیکھی جاتی ہیں۔ یا پھر مغربی کنارے پر آدم خور مرد

لوگ اپنی ڈونگیوں میں بیٹھ کر سمندر میں مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ عنبر نے پوچھا:

"کیا ان عورتوں کی پاس کوئی کشتی نہیں ہے؟"

شگفتا نے کہا:

"نہیں بھائی، یہ عورتیں کبھی سمندر میں کشتی پر بیٹھ کر نہیں گئیں۔ ہمیشہ تیر کر سمندر میں جاتی ہیں۔ یہ بڑے غضب کی تیرنے والی عورتیں ہیں دور دور تک تیرتی چلی جاتی ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"ان کے مرد جو جزیرے کی مغربی کنارے پر رہتے ہیں ان کے پاس کس قسم کی کشتیاں ہیں؟"

شگفتا نے کہا:

"معمولی قسم کی ڈونگیاں سی ہیں جن میں بڑی مشکل سے آدمی بیٹھ

سکتے ہیں۔ یہ ڈونگیاں سمندر کی بڑی موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ صرف کنارے کنارے رہتی ہیں۔"

عنبر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہاں بیٹھ کر ایک بڑی کشتی تیار کرنی ہو گی۔"

شگفتا نے آہ بھر کر کہا:

"میرے بدنصیب بھائی تم کشتی تیار کرنے کی سوچ رہے ہو اور ظالم ملکہ تمہیں پورے چاند کی رات کو دیوتا کے آگے قربان کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔"

عنبر ہنس پڑا:

"شگفتا بہن تم اس بارے میں بالکل فکر نہ کرو۔ ملکہ فوادانی کی یہ خواہش زندگی بھر پوری نہ ہو گی کہ مجھے دیوتا کے آگے قربان ہوتا

دیکھے۔ بلکہ اسے ڈرنا چاہیے کہ کہیں الٹا میں اسے کسی دیوتا پر قربان نہ کر دوں۔"

شگفتا پھٹی پھٹی نگاہوں سے عنبر کو دیکھنے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو بھائی؟ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ ملکہ کو دیوتا کے آگے قربان کر دو؟" عنبر نے شگفتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بہن اس بات کو چھوڑو۔ تم اپنے وطن کی یاد میں گیت گاؤ۔ مجھے تمہارے گیت بڑے اچھے لگتے ہیں۔ دوسرے اگر کسی نے مجھے تم سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو تم پر مصیبت آ جائے گی۔"

شگفتا نے اپنا مچھلی کی ہڈیوں سے بنا ہوا ساز اٹھایا اور گانا شروع کر دیا

اتنے میں ایک جنگلی عورت اندر آئی اس کے ہاتھ میں کیلے کے سبز پتوں پر سرخ رنگ کے میٹھے آم رکھے تھے۔ اس نے آم عنبر کے قدموں میں لا کر رکھ دیے اور اپنی زبان میں شگفتا سے کہا:

"یہ ہماری زبان نہیں جانتا شگفتہ! ورنہ میں اسے بتاتی کہ ملکہ نے پرسوں اسے قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

شگفتہ ہنس پڑی۔ عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ شگفتہ نے عورت سے کہا:

"یہ خوش قسمت ہے کہ ہماری ملکہ نے اسے قربانی کے لیے پسند کیا۔ یہ دنیا سے سیدھا جنت میں دیوتاؤں کے پاس جائے گا۔"

جب وہ عورت چلی گئی تو شگفتہ نے کہا:

"یہ تو بڑی بری خبر سنا گئی ہے کم بخت۔ اگر ملکہ نے تمہاری قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرسوں رات کو تمہیں قربان کر دیا جائے گا۔ تمہارے سینے میں ایک ہی وقت میں ایک سو تیر مارے جائیں گے۔ یہ بڑا ظلم ہوگا۔ میں یہ برداشت نہ کر سکوں گی۔"

اور شگفتہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تم غم نہ کرو بہن! اگر میرے خدا کو منظور ہوا تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کی قربانی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

شگفتہ نے جھنجلا کر کہا:

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سو تیروں کی بوچھاڑ انسان کے سینے پر ہو اور وہ مر نہ سکے۔ کیا تم اس سے پہلے یہاں سے بھاگ جاؤ گے؟ مگر تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ اس جزیرے میں تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہیں فولادی ملکہ ڈھونڈ نکالے گی۔ آخر تم ہنس کیوں رہے ہو؟ تم اپنی زندگی کیسے ان ظالم عورتوں سے بچا سکو گے؟"

عنبر اسے کھول کر ساری بات بیان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا:

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں شگفتہ! چاہے میں کچھ بھی کروں۔ یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ

ہوں گے۔ یہ ناکام ہوں گے اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

شگفتا نے پوچھا:

"کیا یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے؟"

"ہا ہا ہا۔" عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا: "تم دیکھ لینا۔"

ایک عورت عنبر کے جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر شگفتا نے پھر سے گانا شروع کر دیا۔ اب وہ اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں گانا شروع کر دیا۔ اب وہ اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں گا رہی تھی۔ جنگلی عورت نے عنبر کے قریب آ کر ایک ناریل توڑ کر اس کا پانی عنبر کے سر پر ڈالا۔ آنکھیں بند کر کے کچھ دعا پڑھی۔ اسے پھونک ماری اور آنکھیں بند کیے جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

شگفتا بے حد غمگین انداز میں کہنے لگی:

"یہ سنگدل لوگ تمہیں قربان کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"یہ لوگ جتنی جلدی تیاریاں کریں اچھا ہے۔ مجھے ان لوگوں کو اپنا غلام بنانے کا موقع جلدی مل جائے گا بہن۔"

"ہائے میرے بھگوان، تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

عنبر نے کہا:

"تم سمجھ بھی نہ سکو گی شگفتا اور جب تم اپنی آنکھوں سے بھی دیکھو گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ جو کچھ تم دیکھ رہی ہو یہ ٹھیک ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ مگر تم جو کچھ دیکھ رہی ہو گی وہ ایک حقیقت ہو گی۔ ایسا سچ مچ ہو رہا ہو گا۔"

شگفتا نے جھنجلا کر پوچھا:

"آخر کیا ہو رہا ہو گا؟ اس روز کیا ہو گا؟ کیا آسمان پھٹ پڑے گا؟ کیا

آسمان سے فرشتے تمہاری مدد کو آئیں گے؟ کیا دیوتا خود تمہاری زندگی کو بچا نہیں سکتے؟''

عنبر نے کہا:

''ہاں شکنتلا! ایسا ہی ہوگا' بلکہ اس سے بھی مزیدار بات ہوگی۔ تمہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آئے گا۔ آکاش سے تم فرشتوں کو نیچے اترتے دیکھو گی۔''

آخر شکنتلا نے اٹھتے ہوئے کہا:

''میں جا رہی ہوں میری تو سمجھ میں تمہاری کوئی بات نہیں آتی بھائی' میں بھگوان سے دعا کروں گی کہ وہ تمہاری زندگی بچائے۔ مگر مجھے امید بالکل نہیں ہے کہ تم اس عورت کے ظلم سے بچ سکو۔ میں نے بہت سے لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیوتاؤں کے آگے قربان ہوتے دیکھا ہے۔ انہوں نے بہت شور مچایا۔ دیوتا کو بار بار آوازیں

دیں۔ مگر کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔ تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے افسوس یہ ہوگا کہ یہاں زندگی میں پہلی بار ایک انسان سے اپنا دکھ درد بیان کیا تھا۔ اس سے کچھ ہمدردی کی توقع ہوئی تھی تو وہ بھی اس دنیا سے چل بسا۔''

شکنتلا روتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد عنبر دیر تک ہنستا رہا۔

رات ہوگئی۔ چاند جنگل پر چمکنے لگا۔ اس کی روشنی میں جنگل کے گھنے درخت بھی روشن ہوگئے۔ عنبر کو اسی چاندنی رات میں قربان کیا جانا تھا۔ ایک رات چھوڑ کر اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ عنبر جھونپڑی کی کھڑکی میں سے باہر جنگل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی لکڑی کا ایک بت بنا تھا۔ یہ اس قبیلے والوں کے دیوتا کا بت تھا۔

اسی دیوتا پر عنبر کو قربان کیا جا رہا تھا۔ عنبر اس کی طرف دیکھ کر بولا:

"واہ رے میرے لکڑی کے دیوتا، تمہاری قسمت میں بھی میرے ہاتھوں شکست لکھی تھی۔ بچو جب تمہارے بت کے سامنے میں مروں گا نہیں۔ تیر میرے سینے میں نہیں کھب سکیں گے تو ساری عورتیں تمہیں چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دیں گی۔ وہ مجھے اپنا دیوتا سمجھنے لگیں گی۔ پھر بتاؤ تمہاری کیا عزت رہ جائے گی۔ آخر لکڑی کے الو ہی نکلے تم بھی۔"

عنبر ہنستا بھی رہا اور لکڑی کے دیوتا سے باتیں بھی کرتا رہا۔

صبح ہو گئی۔ دن نکل آیا جنگل کی دو عورتیں عنبر کے لیے ناشتہ لے کر آئیں۔ ناشتے میں پھولوں کی بنی ہوئی چنگیر میں تیتر کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ انناس اور سیب کے قتلے تھے۔ زرد رنگ کے کیلے تھے اور ناریل کے دودھ میں ڈوبے ہوئے کنول کے پھول جو اس جزیرے

کی مہارانی ہی کھا سکتی تھی۔ عنبر کو بھوک تو نہیں تھی لیکن اس نے عورتوں کے سامنے بڑے شوق سے ناشتہ کیا۔

عورتیں چلی گئیں تو عنبر اپنے پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئی زنجیر سے کھیلتے ہوئے کھڑکی میں سے باہر جنگل کا منظر دیکھنے لگا۔ اتنے میں شگفتا اپنا ساز لے کر اسے مذہبی گیت سنانے آ گئی۔ شروع شروع میں تو وہ اپنے وطن کی گیت گایا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ یونہی دو ایک گیت گاتی اور عنبر سے باتیں شروع کر دیتی۔ آج وہ کچھ پریشان تھی۔

عنبر نے پریشانی کے بارے میں پوچھا:

"شگفتا! معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم پر رات کی باتوں کا اثر ہے اسی لیے تم ابھی تک اداس ہو ورنہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے تمہاری اداسی کی؟"

شگفتا نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"بھائی عنبر! میں صرف اس لیے پریشان ہوں کہ آج رات تمہیں

دیوتاؤں کے بتوں کے آگے قربان کر دیا جائے گا اور مجھ سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہوگا۔"

عنبر ہنس دیا:

تم اتنی سی بات پر پریشان ہو رہی ہو؟

"تو کیا تمہارے لیے یہ ایک معمولی بات ہے؟ یہ ظالم عورتیں تمہیں دیوتاؤں کے آگے باندھ کر تمہارے جسم کو تیروں سے چھلنی کر دیں گی اور تم اسے معمولی سی بات خیال کر رہے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"اچھی بہن! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ وقت آنے پر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔ پھر تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"آخر وقت آنے پر مجھے کیا معلوم ہوگا؟ یہی ناں کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔ کاش میں تمہیں کبھی نہ ملتی اور مجھے تم سے اپنے بھائی کی طرح پیار نہ ہوتا۔"

عنبر نے آگے بڑھ کر شکنتلا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا:

"دنیا میں غم بہت ہیں اور خوشیاں کم ہیں۔ آخر تم کس کس کا غم کھاؤ گی؟ اس لیے جب میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا پس تمہیں خوش ہو جانا چاہیے۔"

مگر شکنتلا کو کسی پل چین نہ پڑتا تھا۔ وہ بڑی بے چین تھی اس نے مہارانی کو خود جا کر اس جگہ کا معائنہ کرتے دیکھا جہاں عنبر کو قربان کیا جا رہا تھا۔ اس نے کہا:

"عنبر بھائی! میں نے ملکہ فوانی کو جلادوں سے کہتے سنا ہے کہ اپنے تیروں کو زہر میں بجھا دو اور اتنے کس کر تیر مارنا کہ عنبر ایک سے زیادہ سانس بھی لینے نہ پائے اور مر جائے۔ نہیں تو دیوتا خوش نہیں ہوں گے اور ان کا عذاب جزیرے پر نازل ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر کیا ہوا۔ ملکہ جلادوں کو جو کہتی ہے کہنے دو مجھے معلوم ہے کہ کیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ جلاد اپنے مقصد میں ناکام ہو جائیں گے۔ ملکہ اور دوسرے لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ خود دیوتا شرم اور ندامت سے سر جھکا لیں گے۔"

شگفتا نے تنگ کر کہا:

"مگر کیسے ہوگا؟ تم کیسی خواب ایسی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیر تم پر چلایا جائے اور تم پر اثر نہ ہو۔ میں تو آج تک یہی دیکھتی آئی ہوں کہ جس آدمی کے سینے پر تیر چلایا گیا وہ اس کے جسم کے پار ہو گیا۔ تمہاری باتیں سن کر تو مجھے تمہاری عقل پر اور زیادہ رونا آرہا ہے۔"

عنبر نے پاؤں کی زنجیر کو ہلاتے ہوئے کہا:

"شگفتا! آج رات تم ایک ایسا تماشہ دیکھو گی جو تم نے اپنے وطن ہندوستان میں بھی کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ تم حیرانی سے دنگ رہ جاؤ گی۔ تمہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا کہ تم جو کچھ دیکھ رہی ہو وہ سچ ہے یا تم خواب دیکھ رہی ہو مگر وہ خواب نہیں ہوگا' بلکہ حقیقت کی دنیا ہوگی۔"

عنبر اسی قسم کی باتیں شگفتا سے کرتا رہا شگفتا کو کچھ اعتبار آیا اور کچھ نہ آیا وہ ناامید سی ہو کر اٹھی اور جھونپڑے سے نکل گئی۔

اب شام ہونے لگی تھی۔ پھر آسمان پر چودھویں کا چاند نکل آیا جزیرے میں لوگوں کے خیال کے مطابق یہ عنبر کی آخری رات تھی۔ قربانی کے لیے دیوتاؤں کے بتوں کے سامنے جگہ تیار کر لی گئی تھی۔ آدھی رات کو جزیرے کی کچھ عورتیں عنبر کے جھونپڑے میں آئیں اور عنبر کی زنجیر کھول کر ساتھ باہر لے گئیں۔

طوفانی کشتی

عنبر کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے

وہ اگر چاہتا تو زنجیر تڑوا کر بھاگ سکتا تھا یا عورتوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ عورتوں کو شکست بھی دے دیتا۔ کیونکہ اس نے تو مرنا ہی نہیں تھا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مہارانی فولاوانی اور اس کی ساری عورتوں کی فوج کو اپنے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پر اپنی پوشیدہ طاقت کا اظہار کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ کر لے اور ان سے محنت کروا کر اپنے لیے ایک جہاز کا نمونہ تیار کروائے جس پر سوار ہو کر وہ شکنتلا کو اپنے ساتھ لے کر ہندوستان سے ہوتا ہوا جاپان واپس ماریا اور ناگ کے پاس پہنچے۔

جس جگہ قربانی دی جانے والی تھی وہاں قبیلے کی ساری

عورتیں نیم دائرے کی صورت میں کھڑی تھیں۔ ایک بڑے گنجان درخت کے تنے کے اوپر جزیرے کے تمام بڑے دیوتاؤں کے بت لٹک رہے تھے۔ عنبر کو اس درخت کے تنے سے لے جا کر باندھ دیا گیا۔ اب ملکہ فولاوانی کا انتظار تھا۔ ملکہ بڑی شان کے ساتھ ایک سجے سجائے تخت پر بیٹھ کر آئی۔ تخت کو لمبی چوڑی عورتوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ تخت درمیان میں لا کر رکھ دیا گیا۔ ملکہ نے اشارہ کیا رقص کرنے اور گانے بجانے والی عورتیں آگے آ گئیں۔ انہوں نے ڈھول کی تھاپ پر ناچنا اور دیوتاؤں کی تعریف میں گانا شروع کر دیا۔ عنبر چپ چاپ یہ سارا کچھ دیکھتا رہا۔ شکنتلا بھی ایک طرف کھڑی غم سے اداس آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ عنبر جلادوں کے تیروں سے بچ نہیں سکے گا۔ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔

وہ اپنے بھگوان سے دعا مانگ رہی تھی کہ وہ عنبر کی حفاظت کرے۔

لیکن اس کا دل صاف لفظوں میں گواہی دے رہا تھا کہ عنبر کی موت یقینی ہے

ناچتے اور گاتے عورتوں کے جسم پسینے میں شرابور ہو گئے۔

جب وہ تھک کر چور ہو گئیں تو ملکہ نے اشارا کیا اور انہوں نے گانا ناچنا بند کر دیا اور ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔

ملکہ نے بلند آواز سے کہا:

"اے جزیرے کے عظیم دیوتاؤ میں اس جزیرے کی مہارانی تمہارے قدموں میں ایک سفید نوجوان کی قربانی پیش کر رہی ہوں۔ اس قربانی کو قبول کرو اور میرے جزیرے پر خوش حالی نازل کرو۔ بارش برساؤ میرے کھیتوں کو ہرا بھرا کرو۔ ناریل کے درختوں میں دودھ ڈالو آم کو مٹھاس عطا کرو۔"

سب عورتیں جھک گئیں۔ ملکہ نے بھی سر جھکا کر دیوتا کی پوجا شروع کر دی۔ کچھ دیر تک وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھایا تو دوسری عورتوں نے بھی سر اٹھا لیے۔ ملکہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"جلادوں کو حاضر کرو۔ قربانی کا وقت ہو گیا ہے۔ آسمان پر چاند چمک رہا ہے۔ دیوتا سفید فام نوجوان کے خون کا انتظار کر رہے ہیں۔"

بارہ جوان اور کڑیل عورتیں شیر کی کھالیں پہنے تیر کمان لے کر عنبر کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے تیر زہر میں بجھا رکھے تھے۔ یہ وہ تیر تھے کہ اگر شیر کے جسم میں کھب جائیں تو ایک پل کے اندر اس کا خاتمہ کر دیں۔ اگر ہاتھی کے جسم میں لگ جائیں اسے کھڑے دھم سے زمین پر گرا دیں۔

عنبر خاموش درخت کے ساتھ بندھا تھا۔ شکنتلا کا دل غم سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ملکہ نے اشارہ کیا تو جلاد عورتوں نے کمانوں میں تیر چڑھا کر کمانیں اوپر اٹھا لیں۔ اب وہ ملکہ کے دوسرے اشارے کا

انتظار کر رہی تھیں۔

شگفتا نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

عنبر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اور بے خوفی کی وجہ سے وہاں کی تمام عورتیں حیران ضرور تھیں۔ یہاں تک کہ ملکہ فوالانی بھی سوچ میں پڑ گئی تھی کہ کیسا نوجوان ہے جیسے موت کا ذرا سا بھی خوف نہیں ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ دہشت کے مارے ضرور بے ہوش ہو گیا ہوتا۔ اسے وہ تمام نوجوان یاد تھے جو اسی طرح بھٹکتے ہوئے جزیرے میں آ گئے تھے۔ اور ملکہ فوالانی کے حکم سے دیوتاؤں پر قربان کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے ہر کوئی نوجوان درخت پر بندھے بندھے بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن یہ پہلا نوجوان تھا جسے کوئی خوف نہیں تھا۔ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔

آخر ملکہ نے جلادوں کو اشارہ کیا۔ ملکہ کا اشارہ ملتے ہی جلادوں نے تیروں کا نشانہ لیا اور تاک کر ایک ہی وقت میں بارہ کے بارہ زہر میں بجھے ہوئے نوکیلے تیر عنبر کے سینے پر مارے۔ شگفتا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مگر وہاں سب کے لیے ایک عجیب بات ہوئی بارہ کے بارہ سینے میں کھبنے کی بجائے اس کے سینے سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے۔ تمام عورتیں حیران رہ گئیں۔ ملکہ بھی حیران ہوئی کہ یہ تیر زمین پر کیسے گر پڑے۔ اسے خیال آیا کہ شاید جلادوں نے نشانہ ٹھیک نہیں لگایا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"پھر سے ٹھیک نشانہ لگاؤ۔"

جلاد عورتوں نے دوسری بار کمانوں میں تیر چڑھا کر عنبر کی چھاتی کا نشانہ لیا اور ان سے تیر ایک طرف ہی وقت میں چھوڑ دیے۔ تیر بجلی اسی تیزی کے ساتھ عنبر کے سینے کی طرف گئے۔ اس کے سینے سے

ٹکرائے اور دو پارا تیز سے ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اب تو ملکہ بڑی حیران ہوئی۔

وہ تخت پر سے اٹھی اور عنبر کے پاس گئی وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کہیں عنبر اپنی قمیص کے اندر پتھر کی کوئی سل تو نہیں چھپا رکھی۔ عنبر کے پاس آ کر اس کی قمیص پھاڑ ڈالی۔ عنبر کا سینہ بالکل خالی تھا۔ وہاں کوئی پتھر کی سل نہیں تھی۔ ملکہ فوالائی نے حیرت سے عنبر کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے غصے میں آ کر جلادوں سے کہا:

”دیوتا ناراض نہ ہو جائیں۔ تیرے پھر سے نشانے پر چلاؤ۔“

جلادوں نے تیسری بار چلہ چڑھا کر تیر چلائے۔ سن کی آواز کے ساتھ تیر کمانوں سے نکلے اور عنبر کے ننگے سینے سے ٹکرا کر ٹیڑھے ہونے اور زمین پر گر پڑے۔ عنبر نے مسکرا کر کہا:

ملکہ فوالائی! میں پہلی بار تمہاری زبان میں تم سے بول رہا ہوں۔

یاد رکھو۔ تمہاری عورتوں کے سارے تیر ختم ہو جائیں گے۔ مگر میرے سینے پر زخم کا معمولی سا نشان بھی نہیں آئے گا۔“

ملکہ فوالائی تو دنگ رہ گئی۔ پہلی حیرت اسے یہ تھی کہ عنبر کے سینے پر تیر نہیں لگ رہے۔ دوسری حیرت اسے یہ ہوئی کہ وہ اس کی زبان بولنے لگا ہے۔ مگر ملکہ بڑی ضدی تھی۔ وہ دیوتاؤں کے آگے قربانی ضرور دینا چاہتی تھی۔ اس نے طیش میں آ کر حکم دیا کہ اس گستاخ جادوگر نوجوان پر شیر چھوڑ دیا جائے۔

”یہ جادوگر ہے۔ اسے جادوگری کا مزہ چکھایا جائے۔ دیوتاؤں کی خواہش یہی ہے کہ اس جادوگر کو اپنے جادو سمیت قربان کر دیا جائے۔ اسے شاہی ببر شیر کیا کے آگے ڈال دیا جائے۔“

اسی وقت شاہی شیر کو زنجیروں میں بندھا ہوا لایا گیا۔ عورتوں نے اپنے اپنے نیزے تان لیے کہ اگر شیر ان پر حملہ کرے تو وہ اپنا بچاؤ کر

سکیں۔ عنبر سے دس قدم کے فاصلے پر آ کر شیر کی زنجیر کھول دی گئی۔ یہ شیر بڑا جوان شیر تھا۔ بڑا خونخوار شیر تھا۔ وہ اپنے زرد دانت نکالے غرا رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے ایک بھرپور گرج ماری اور عنبر پر لپک کر حملہ کر دیا۔ شگفتا کی جان ہی نکل گئی۔

اس نے عنبر کی ہلکی سی کرامت دیکھ لی تھی۔ اب اسے بھی کچھ یقین سا ہو گیا تھا۔ کہ عنبر واقعی ایک جادوگر ہے۔ مگر اسے اس بات کا شک تھا۔ کہ عنبر کا جادو شیر کے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ شیر کے آگے عنبر کا سنبھلنا بڑا مشکل تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ شیر گرجتا، غراتا، اچھلتا ہوا عنبر کی طرف بھاگا۔ عنبر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ شیر نے پوری طاقت سے اپنے پنجے عنبر کے چہرے پر مارا اور وہی ہوا جس کی عنبر کو امید تھی۔ شیر درد سے تڑپ اٹھا۔ کیونکہ اس کا پنجہ عنبر کے چہرے کی بجائے ایک پہاڑ سے جا کر ٹکرایا تھا۔ اس کا پنجہ زخمی ہو گیا اور کئی ناخن ٹوٹ گئے۔

جہاں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ شیر غصے میں آ گیا۔ اس نے دوسری بار حملہ کیا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھا۔ اس دفعہ شیر نے بائیں ہاتھ کا پنجہ پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر مارا۔ اس حملے کی آواز سے رات کے وقت سارے کا سارا جنگل گونج اٹھا۔ شگفتا کو یقین تھا کہ اس زوردار پنجے نے عنبر کی گردن اڑا دی ہو گی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئی کہ عنبر اسی طرح درخت کے ساتھ بندھا مسکرا رہا تھا اور شیر دوہرا ہو کر زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ شیر تیسری مرتبہ اٹھ کر عنبر پر حملہ آور ہوا۔ اس بار شیر نے عنبر کو زور سے ٹکر ماری۔ عنبر سے ٹکراتے ہی شیر زمین پر پتھر کے ستون کی طرح گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

اب تو ہر طرف ایک سناٹا چھا گیا۔ جلاد عورتیں ڈر کر پرے ہٹ گئیں۔ عنبر نے تھوڑا سا جھٹکا مار کر وہ زنجیریں توڑ ڈالیں جن کے ساتھ وہ درخت سے بندھا ہوا تھا۔ ملکہ فولانی تخت پر اٹھ کر کھڑی ہو

گئی شگفتا کے چہرے پر حیرانی بھی تھی اور خوشی بھی۔ عنبر نے ملکہ کے تخت کے پاس آ کر کہا:

"سنو اے جزیرے کی ملکہ! تمہیں معلوم ہو گیا۔ کہ میں طاقت میں تمہارے دیوتاؤں سے بھی بڑا ہوں۔ مجھے دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی۔ تم اور تمہاری ساری جادو عورتیں بھی مل جائیں تو میرے جسم پر سے ایک بال تک نہیں اکھاڑ سکتیں۔ میں چاہوں تو اس جزیرے کا بادشاہ بن کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تمہارے جزیرے میں رہنا پسند نہیں۔

میں واپس اپنے ملک جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میرے لوگ، میرے بھائی بہن میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ لیکن آج سے اس روز تک جب کہ میں اس جزیرے سے روانہ نہیں ہوتا۔ تم

لوگ میرے غلام اور کنیزیں ہو۔ میں جو حکم دوں گا تمہیں ماننا پڑے گا اس لیے کہ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ میں تمہارا دیوتا ہوں۔"

ملکہ فوالانی تخت سے اتر کر عنبر کے پاس آ کر جھک گئی۔ اسے جھکتے دیکھ کر ساری کی ساری ظالم عورتیں بھی جھک گئیں۔ ملکہ نے کہا:

"اے عظیم دیوتا! تو ہمارا مالک ہے، تو ہمارا بادشاہ ہے۔ ہم سب تیرے غلام ہیں۔ تو جو چاہے گا، وہی اس جزیرے پر ہو گا۔ ہماری خواہش ہے کہ تو ہمیشہ اس جزیرے پر آباد رہے۔ ہم خوشی سے تیری اطاعت کریں گے اور تیرے ہر حکم کو تسلیم کریں گے۔ میں اور میری رعایا آج سے تیرے غلام ہیں۔"

"تمہیں عقل آ گئی۔ اس کے لیے میں خوش ہوں۔ لیکن ایک بات میں تمہیں کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں انسانی قربانی کا جانی دشمن ہوں۔ آج کے بعد اس جزیرے پر کسی انسان کی قربانی ہرگز

ہرگز نہیں ہوگی۔ اگر کسی نے اس جزیرے پر میرے جانے کے بعد بھی کسی بے گناہ یا گنہ گار انسان کو قربان کیا تو میں اپنی طاقت سے اس جزیرے کو آگ لگا دوں گا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں جہاں اور جس وقت چاہوں آگ لگا دوں۔ میں پہلے روز ہی تمہیں اپنی طاقت سے اپنا غلام کر سکتا تھا مگر میں نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ شاید تم خود ہی سمجھ جاؤ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں تمہیں ایسی کرامت دکھاؤں گا جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور یقین کر لو گے۔ پھر تم سیدھے راستے پر آ جاؤ گے اور تمہیں میرے دیوتا ہونے کا اعتبار آ جائے گا۔ کیا تم لوگ وعدہ کرتے ہو کہ آج کے بعد تم کبھی کسی انسان کی قربانی نہیں دو گے؟"

سب عورتوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

"اے عظیم دیوتا، ہم وعدہ کرتی ہیں کہ آئندہ کبھی اس جزیرے پر کسی

انسان کو قربان نہیں کیا جائے گا۔"

عنبر نے ملکہ فولادی کی طرف توجہ دے کر کہا:

"ملکہ فولادی، کیا تم بھی وعدہ کرتی ہو کہ اس جزیرے پر پھر کبھی ایسا ظلم نہیں ہوگا؟"

ملکہ نے عنبر کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"میں قسم کھا کر وعدہ کرتی ہوں کہ اس جزیرے پر آج کے بعد سے پھر کبھی کسی انسان کا خون نہیں بہایا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے یقین آ گیا۔ شکنتلا! آگے آؤ۔"

شکنتلا جلدی سے آگے آ گئی۔ عنبر نے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ عورت کون ہے؟"

فولادی نے کہا:

"اس عورت کو ہم نے جزیرے کے ساحل پر پڑے پایا تھا۔ اس کا

جہاز غرق ہو گیا تھا۔ اور بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں تک پہنچی تھی۔”

“اور پھر تم نے اسے بھی اپنی کنیزوں میں شامل کر لیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم جس عورت کو پکڑتیں اسے غلام یا کنیز بنا لیتیں اس کی سزا تمہیں ملنی چاہیے؟”

ملکہ فوالانی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

“رحم اے عظیم دیوتا۔ مجھ پر رحم کرو۔”

عنبر نے گرج کر کہا:

“تم نے بڑے ظلم کیے ہیں۔ تمہیں سزا ضرور ملے گی اور تمہاری سزا یہ ہے کہ جب تک میں اس جزیرے میں ہوں' تمہارے گلے میں زنجیر ڈال کر مندر والی اس جھونپڑی میں بکری کی طرح باندھ کر رکھا جائے گا جہاں مجھے باندھا گیا تھا۔”

عنبر نے جلادوں کو حکم دیا کہ ملکہ فوالانی کو لے جا کر مندر والی جھونپڑی میں بند کر دیا جائے۔

عنبر کا حکم مان لیا گیا۔ اور فوالانی کو جھونپڑی میں بند کر دیا گیا۔ بہار کا موسم آنے کو تھا اور بارشیں شروع ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے ملکہ فوالانی کو بخار ہو گیا۔ اور عنبر کے حکم پر ایک بادبانی کشتی تیار ہونے لگی۔

پراسرار جہاز

جزیرے پر بارشوں کا موسم لمبا ہو گیا۔

ہر وقت آسمان پر بادل چھائے رہتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بارش ہو جاتی۔ یہ وہاں کا برسات کا موسم تھا۔ ملکہ فوالانی اب عنبر کی بڑی خیر خواہ بن گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ برسات کا موسم کم از کم چار ماہ تک ضرور رہتا ہے۔ عنبر کے لئے انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ سمندر میں بھی بڑا طوفان تھا۔ بڑی بڑی لہریں اٹھ کر ساحل سے ٹکراتی رہتیں۔ شگفتا بھی بڑی بے تابی سے موسم کے پرسکون ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ بادبانی کشتی کو ایک بڑے گنجان درخت کے نیچے چھپا دیا گیا تھا۔ ایک رات ملکہ فوالانی بڑی سخت بیمار ہو گئی۔ اسے اس قسم کا بخار ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور اس کا سانس اکھڑنا شروع ہو گیا۔

جزیرے کی جنگلی عورتوں کے خیال میں ان کی ملکہ اب مرنے والی تھی کیوں کہ جزیرے میں آج تک جس کسی کو اس قسم کا بخار ہوا تھا وہ کبھی زندہ نہیں بچا تھا۔ عنبر نے ملکہ کی حالت دیکھی تو شگفتا سے کہا کہ وہ جزیرے کے جنگل میں جا کر بیر بہوٹی کے پھول لے آئے۔ شگفتا اسی وقت کچھ عورتوں کو ساتھ لے کر جنگل میں گئی اور بیر بہوٹی کے سرخ پھول چن کر لے آئی۔ عنبر نے ان پھولوں کو گرم پانی میں بھگو کر ان کا عرق نکالا اور اس کے قطرے ملکہ کے حلق میں ٹپکائے۔ ساری جنگلی عورتیں بڑی حیرانی سے عنبر کو علاج کرتے دیکھ رہی تھیں۔ عرق کے ٹپکائے جانے کے ساتھ ہی ملکہ کا سانس درست ہو گیا اور بخار کی شدت بھی کم ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ملکہ ہوش میں آ گئی۔ عنبر نے ان تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور انہیں سمجھایا کہ آئندہ جب کسی کو اس قسم کا بخار ہو تو اس کا

علاج جڑی بوٹی کے عرق سے کیا جائے۔ ملکہ عنبر کی عقل مندی سے بے حد متاثر ہوئی۔ اس نے اسے کہا:

"عنبر! اگر تم ہمارے جزیرے پر رہ جاؤ تو یہ ہماری بہت بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا کر رکھیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"ملکہ فولانی! میرے کچھ فرض ہیں جو میں نے ابھی جا کر پورے کرنے ہیں۔ مجھے شگفتا کو اس کے خاوند کے پاس پہنچانا ہے۔ جاپان میں اپنی ایک بہن ماریا اور بھائی ہاگ سے جا کر ملنا ہے۔ انسان کا جو فرض ہے وہ اسے سب سے پہلے پورا کرنا چاہیے اور اس کے مقابلے میں اگر دنیا کے عیش و آرام بھی ملتے ہوں تو چھوڑ دینے چاہئیں۔ ایسا آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا جو دنیا کے عیش تو سارے کرتا ہے مگر فرض ایک بھی ادا نہیں کرتا۔ اس لیے مجھے معاف کیا جائے۔ میں اس

جزیرے میں بیٹھ کر خود آرام کی زندگی بسر نہیں کر سکتا جب تک میرے بھائی اور بہنیں تکالیف میں زندگی گزار رہے ہوں۔"

ملکہ نے کہا:

"شاباش ہے تمہارے اے نیک دل اور فرض شناس انسان تم جتنے بہادر ہو اتنے ہی ذمے دار اور اچھے انسان بھی ہو لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گی کہ اگر کبھی تم یہ سمجھو کہ تم نے اپنے سارے فرض ادا کر لیے ہیں تو پھر اس جزیرے میں آ کر زندگی کے کچھ سال ضرور بسر کرنا۔"

عنبر نے کہا:

"فولانی! میں نے زندگی میں کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ میں نے آج تک جس سے وعدہ کیا ہے اسے پورا کیا ہے انسان وہی اچھا ہے جو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ میں تم سے وعدہ نہیں کرتا۔

لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے زندگی میں یہ وقت ملا تو اس جزیرے پر ضرور آؤں گا۔"

اس رات ملکہ نے اپنے صحت یاب ہونے کی خوشی میں ایک زبردست دعوت دی۔ جزیرے کی تمام عورتوں کو کھانے پر بلایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ملکہ نولانی نے عنبر سے پوچھا:

"بھائی! اگر برا نہ مانو تو کیا میں ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

عنبر سمجھ گیا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"ہاں ملکہ ضرور پوچھو۔ لیکن میں جواب دینے کا وعدہ نہیں کرتا۔"

ملکہ نے کہا:

"تمہارے پاس یہ طاقت کہاں سے آئی ہے کہ تم پر موت کا ہاتھ اثر نہیں کرتا۔ تم زندہ رہتے ہو۔ تمہیں زخم نہیں لگتا اور تلوار تیر تم پر بے اثر ہو جاتے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر تم ضد کرو گی تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ ایک گہرا راز ہے۔ ایک ایسا راز جسے میں کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ملکہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن عنبر نے اسے اپنا راز بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

پھر اس نے کہا:

"کاش! تم مجھے بھی اپنے راز میں شریک کر سکتے۔ کاش میں بھی تمہاری طرح غیر فانی ہو سکتی۔"

عنبر بولا:

"یہ خدا کی مرضی ہے اور خدا کی مرضی کے بغیر اس کائنات کا ایک ذرہ

بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ میرا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے یہ طاقت خدا نے اپنے آپ مجھے دی ہے۔ میں اسے نہ آگے کسی کو دے سکتا ہوں اور نہ اسے اپنے سے الگ کر سکتا ہوں۔ ہاں اتنا تمہیں ضرور کہوں گا کہ اگر انسان نیک ہو جائے۔ اپنا فرض ایمانداری سے ادا کرے تو موت کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

تم نے بڑے ظلم کیے ہیں۔ تم خدا سے توبہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے خدا ایک دن تمہیں معاف کر کے میری طرح تمہیں بھی طاقت عطا کر دے۔

پھر عنبر پوچھا:

”مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اس جزیرے میں کب سے ملکہ بن کر حکمرانی کر رہی ہو؟ کیا تم اس جزیرے میں پیدا ہوئی تھیں یا تم بھی کسی جہاز کے غرق ہونے کے بعد اس جزیرے کے ساحل پر آن لگی تھیں؟“

ملکہ فوادانی نے ایک گہرا سانس لیا اور جیسے اپنے خیالوں میں گم ہو گئی۔

پھر سر اٹھا کر کہنے لگی:

یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں اس جزیرے میں پیدا ہوئی تھی۔ میری ماں جس جہاز میں سفر کر رہی تھی اسے طوفان نے آن گھیرا۔ وہ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا۔ میری ماں کسی طرح کشتی میں بیٹھ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئی۔ کئی روز تک کشتی سمندر میں ہچکولے کھاتی رہی۔

پھر ایک بہت بڑی لہر نے اسے اٹھا کر اس جزیرے پر پھینک دیا۔

میں چھوٹی سی تھی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ سمندر میں سفر کر رہی تھی۔ جہاز ڈوب گیا۔ میں ماں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئی۔

پھر اس جزیرے پر کبھی کوئی جہاز نہیں آیا تھا اور یہاں سے نکل کر واپس جانا مشکل تھا۔ پھر میری ماں ایک روز مر گئی۔۔۔۔۔

میری پرورش یہاں کی ایک جنگلی عورت نے کی۔ وہ بڑی جابر قسم کی عورت تھی۔ اس نے مجھے بھی ظالم اور جابر بنا دیا۔ وہ مر گئی تو میں نے

یہاں عورتوں کو ملا کر ایک فوج بنائی۔ ان عورتوں کو جو قد کاٹھ کی بڑی اونچی لمبی تھیں لڑنا سکھایا۔ ان کے آدمیوں کو جزیرے کے دوسرے حصے کی طرف نکال دیا اور میں یہاں کی ملکہ بن گئی۔

عنبر نے پوچھا:

”تمہارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ تم یہاں سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں جانے کی کوشش کرو اور وہاں جا کر ایک شریف اور نیک دل عورت کی طرح اپنے بچوں میں زندگی بسر کرو؟“

ملکہ بولی:

”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ میں ساری دنیا میں اکیلی تھی۔ میں اگر یہاں سے نکل جانے کی کوشش بھی کرتی تو کس طرف جاتی؟ کس کے گھر جاتی؟ کس ملک میں کس شہر میں جاتی؟ مجھے یہاں ہی رہنا تھا۔ میں یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ یہاں مجھے جابر عورت نے جس قسم کی تربیت دی ویسی ہی میں بن گئی۔ میری ماں ایک نیک دل عورت تھی۔ لیکن جس نے میری پرورش کی وہ ایک ظالم اور سنگ دل عورت تھی۔ اگر کوئی اچھی عورت میری تربیت کرتی تو میں ایک اچھی عورت ہوتی۔

عنبر نے کہا:

”تم نے ٹھیک کیا ملکہ فولادی، انسان کی تربیت ہی اسے اچھا یا برا بناتی ہے۔ بہر حال اب مجھے خوشی ہے کہ تم ایک اچھی عورت بن گئی ہو اور تم نے ظلم سے توبہ کر لی ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا مگر جہاں بھی ہوں گا یہ سوچ کر خوش ہوا کروں گا کہ دور سمندروں میں میری ایک ایسی بہن رہ رہی ہے جو نیک عورت ہے۔ اچھی عورت ہے۔“

ملکہ فولادی نے حسرت سے کہا:

”کاش میں اتنی خوش قسمت ہوتی کہ تم ایسا بھائی میرے پاس رہ سکتا۔“

عنبر نے کہا:

"نہیں ملکہ یہ تقدیر کا چکر ہے مجھے یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔ اگر میں یہاں رہ سکتا تو ضرور رہتا۔ لیکن جیسا کہ میں تمہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میرا فرض مجھے بلا رہا ہے اور میں ایسا انسان نہیں ہوں کہ اپنے آرام کے لیے اپنے انسانی فرض کو بھول جاؤں۔ مجھے معاف کر دینا میں مجبور ہوں۔"

باتوں ہی باتوں میں رات گہری ہوتی گئی۔ ملکہ کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ سو گئی۔ عنبر واپس اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد موسم کھل گیا۔ برسات گزر گئی۔ گہرے نیلے آسمان پر سورج چمکنے لگا۔ عنبر کے لیے سفر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تیاریاں شروع کر دیں اور کشتی میں تمام ضروری سامان رکھ دیا گیا۔ دوسرے روز منہ اندھیرے وہ اس جزیرے سے روانہ ہونے والا تھا کہ ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ دوپہر کو دور سے کسی بادبانی جہاز کے مستول نظر آئے۔

اس جزیرے پر کئی سالوں کے بعد یہ بادبانی جہاز نظر آیا تھا جزیرے کی ساری عورتیں ساحل پر آ گئیں اور جہاز کو ساحل کی طرف آتے دیکھ کر تکنے لگیں۔ ملکہ نے عنبر کو ساتھ لیا اور سمندر کے کنارے ایک ٹیلے پر کھڑی ہو کر بڑے غور سے جہاز کو قریب آتے دیکھنے لگی۔

"عنبر یہ ایک عجیب بات ہے۔ یہ جزیرہ عام سمندری راستوں سے بالکل پرے ہٹ کر ہے۔ یہاں کبھی کوئی تجارتی جہاز نہیں آیا۔ پھر یہ جہاز کون سا جہاز ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا: "کہیں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز نہ ہو؟"

ملکہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا نام سن کر ایک بار تو کانپ گئی۔ کیونکہ اس کی عورتوں کی فوج بحری ڈاکوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

”بحری ڈاکو بڑے جفاکش اور طاقتور ہوتے تھے۔ وہ جس جزیرے پر حملہ کرتے اسے اجاڑ اور ویران کر کے رکھ دیتے۔“

ملکہ نے کہا:

””عنبر نے ملکہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

”تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے ملکہ! اگر بحری ڈاکوں کو جہاز ہے۔ تو پھر کیا ہوا۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر ان ڈاکوؤں نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو خدا کی قسم میں اکیلا ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالوں گا اور ان کے جہاز کو آگ لگا دوں گا۔ تم اس جہاز کو قریب تو آلینے دو۔“

اچانک ملکہ کو خیال آیا کہ عنبر کو تو کوئی بھی شخص ہلاک نہیں کر سکتا، جب کہ یہ جسے چاہے مار سکتا ہے۔ ملکہ کو کافی تسلی ہوئی۔ اس نے جہاز کے بادبانوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

”جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا خوفناک جھنڈا نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے جہاز پر سیاہ رنگ کا پرچم ضرور ہوتا ہے جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا نشان بنا ہوتا ہے۔“

عنبر بولا:

”تو پھر یہ جہاز کس کا ہے؟“

اب جہاز سمندر کی لہروں پر بہتا ساحل کے بہت قریب آچکا تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ جہاز پر کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا۔ نہ کوئی سورای اوپر عرشے پر کھڑی تھی اور نہ کوئی جہازی ملاح ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جہاز اپنے آپ بہا چلا آرہا ہے۔

ملکہ نے کہا:

”یہ کوئی جادو کا جہاز معلوم ہو رہا ہے۔ اس پر ایک بھی انسان چلتا پھرتا

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیوتا معاف کریں۔ نہ معلوم یہ کسی بھوت پریت کا جہاز ہے یا کیا ہے؟”

عنبر بھی بڑے غور سے جہاز کو جزیرے کے ساحل پر آتے دیکھ رہا تھا۔

جہاز بالکل ویران لگ رہا تھا۔ عرشے پر نہ کوئی آدم نہ آدم زاد۔۔۔۔

یا خدا یہ معاملہ کیا ہے؟ جزیرے کی ساری عورتیں جہاز کو تک رہی تھیں

جہاز زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز تھا جو عام طور قریب قریب کی بندرگاہوں کے درمیان تجارت کیا کرتے ہیں یہ چھوٹا سا جہاز ساحل پر آن لگا۔

اب ہر کوئی اس جہاز پر جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیونکہ جہاز کے بادبان پھٹے ہوئے تھے اور سمندر کی ہوا میں ڈراؤنے انداز میں لہرا رہا تھا۔ عنبر سب سے پہلے جہاز پر جا کر سوار ہو کر اس کو دیکھنے لگا۔

خونی بن مانس

جہاز پر تجارت کا سامان کچھ نہیں تھا۔

لیکن وہاں ایک اور شے بھی تھی جس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ عنبر اور فولانی نے جہاز کا کونا کونا چھان مارا۔ انہیں سوائے ادھر ادھر بکھری ہوئی ہڈیوں کے اور کچھ نہ ملا۔

یہ ہڈیاں انسانی ہڈیاں تھیں۔ کچھ انسانی کھوپڑیاں تھیں۔ جو کپتان کے کیبن کے عقبی کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ہڈیاں کن کی ہیں؟ اگر یہ ملاحوں کی ہڈیاں ہیں تو انہیں کس نے

قتل کیا؟ اگر یہ لوگ۔ سارے قتل ہو گئے تو کپتان کی لاش ابھی تک صحیح وسالم کیوں پڑی ہے؟ اس قسم کی باتیں وہ سوچتے ہوئے جہاز سے نیچے اتر آئے۔

ملکہ اور عنبر نے اعلان کر دیا کہ رات کو جہاز کے اوپر کوئی نہ جائے۔ ویسے جہاں جہاز کھڑا تھا وہاں کچھ جنگلی عورتوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ عنبر ایک رات چھوڑ کر اس جزیرے سے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ اپنے جھونپڑے میں جا کر سو گیا۔ اس نے کشتی پر ضرورت کی تمام چیزیں ہی جمع کر دی تھیں۔ اس کے دل میں ایک خیال آیا تھا کہ وہ اس پراسرار جہاز کو کیوں نہ اپنے سفر کے لیے استعمال کرے؟

پھر اس نے یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ خدا جانے جہاز کہیں منحوس ہی نہ ہو اور پھر یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جہاز کتنی دیر تک چل سکے گا۔ ویسے بھی اتنے بڑے جہاز کو سنبھال کر لے چلنا دو آدمیوں کے لیے بڑا مشکل تھا۔ عنبر سو گیا تھا۔ ملکہ بھی اپنے جھونپڑے میں خواب خرگوش میں گم تھی۔ رات چاندنی تھی۔ چاند جزیرے پر اپنی روشنی پھیلا رہا تھا۔

بادبان کے اڑنے اور پھڑ پھڑانے سے بڑی ڈراؤنی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنے تن بدن کی ہوش نہیں تھی۔ صرف ایک عورت جس کا دل کمزور تھا جاگ رہی تھی۔

یہ جنگلی عورت ساحل کی ریت پر لیٹی بڑے غور سے بادبانوں کے پھڑ پھڑاتے کپڑے کو تک رہی تھی۔ جہاز سمندر میں ایک بہت بڑے بھوت کی طرح کھڑا تھا۔ ویران جہاز کا خیال اس کے ذہن کو پریشان کر رہا تھا۔ اسے کسی وقت یوں لگتا جیسے جہاز میں سے کوئی عجیب سی بلا باہر نکلی ہے اور رسی کی سیڑھی پر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔

یہ عورت اگرچہ جنگلی عورتوں کے ساتھ رہتی تھی مگر اس کا دل بڑا نازک

تھا اور وہ اکثر ڈر جایا کرتی تھی۔

جہاز کو تکتے تکتے اسے نیند آنے لگی۔ اس پر غنودگی چھا گئی اور وہ سو گئی۔ ٹھیک اس وقت جب اسے نیند آئی جہاز کے عرشے پر سچ مچ۔ ایک عجیب و غریب سی بلا نمودار ہوئی۔ اس بلا کی شکل افریقہ کے بن مانس سے ملتی جلتی تھی۔ مگر اس بن مانس کا سر بہت چھوٹا۔ کندھے بے حد چوڑے اور سیاہ بالوں کے جنگل سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ ریچھ کی طرح جھکا ہوا تھا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ یہ بن مانس چپکے سے جہاز کی سیڑھی پر نیچے اترا اور ساحل کی ریت پر آ کر ایک بہت بڑے گوریلے کی طرح آگے جھک کر اپنے لمبے لمبے بازو لہراتا دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اس کے بازو اتنے لمبے تھے کہ لمبی لمبی تیز ناخنوں والی انگلیاں زمین کو چھو رہی تھیں۔

اس نے ایک جگہ کھڑے ہو کر جھکے جھکے ان جنگلی عورتوں کو دیکھا جو جزیرے کی گرم چاندنی رات کی ٹھنڈی ہوا میں مست ہو کر سو رہی تھیں جنگلی عورتوں کے تیر کمان ان کے پاس ہی ریت پر پڑے تھے۔ اچانک اپنا ایک لمبا ہاتھ بڑھا کر اس بن مانس بلا نے سوئی ہوئی ایک جنگلی عورت کے منہ پر رکھ دیا۔ شاید اس نے عورت کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس نے اتنے زور سے اس کا منہ بند کیا کہ جنگلی عورت طاقت ور ہونے کے باوجود منہ سے ایک آواز بھی نہ نکال سکی۔ وہ صرف ایک بار تڑپ کر رہ گئی اور پھر شاید بیہوش ہو گئی تھی۔ کالے بن مانس نے بے ہوش جنگلی عورت کو ایک کھلونے کی طرح اٹھایا۔ اپنے کندھے پر ڈالا اور بھاری بھاری قدم اٹھاتا جہاز کی طرف آ گیا۔

جہاز کے پاس آ کر اس نے رسی کی سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

52

جزیرے کے ساحل پر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ان میں جہاز کی

کالی بلا ایک عورت کو اٹھا کر لے گئی ہے۔ بن مانس جہاز کے اوپر جا کر جنگلی عورت کو کپتان کے کیبن میں لے آیا۔ بیہوش عورت کو اس نے ایک کونے میں پھینک دیا۔ پھر کپتان کی لاش کو اٹھایا اور عرشے پر جا کر اسے سمندر میں پھینک دیا کپتان کی لاش سمندر میں ڈوب گئی۔ بن مانس نے واپس کیبن کی لاش سمندر میں ڈوب گئی۔ بن مانس نے واپس کیبن میں آ کر بے ہوش جنگلی عورت کو جھک کر غور سے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کے لمبے لمبے چھریوں ایسے ناخون سے عورت کی گردن کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔ گردن میں سے خون کا فوارہ چھوٹا تو بن مانس نے اس پر اپنا منہ رکھ دیا وہ لمبے لمبے گھونٹ خون کے پینے لگا۔ ایک پل کی اندر اندر اس نے جنگلی عورت کے جسم کا سارا خون پی لیا۔۔۔۔ عورت مر چکی تھی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں رہا تھا۔

خون پینے کے بعد بن مانس نے مری ہوئی جنگلی عورت کی رانوں اور بازوؤں کا بھرا بھرا گوشت کھانا شروع کر دیا۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے جنگلی عورت کی باقی بچی ہوئی لاش کو اٹھایا اور جہاز کی پچھلی طرف لا کر سمندر میں پھینک دیا۔

سمندر کی لہریں لاش کو بہا کر گہرے پانیوں میں لے گئیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر بن مانس نے خوشی سے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ زور زور سے مارے۔ اس طرح کرنے سے ڈھول ایسی آواز پیدا ہوئی پھر وہ بھاگ کر جہاز کی نچلی منزل میں گیا اور اندھیری راہداری میں کہیں غائب ہو گیا۔

جزیرے پر رات کا اندھیرا صبح کے اجالے میں بدلنے لگا ستارے ماند پڑ گئے۔ چاند مغرب کی طرف جھک گیا۔ ساحل کی ریت پر سوئی ہوئی جنگلی عورتیں ایک ایک کرنے اٹھنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان

میں سے ایک عورت غائب ہے۔ اس عورت کو جگہ جگہ تلاش کرنے بعد بھی جب ناکامی ہوئی تو وہ بھاگی بھاگی اپنی ملکہ کے پاس آئیں اور اسے عورت کی گمشدگی کا واقعہ سنایا۔ ملکہ اسی وقت عنبر کی جھونپڑی میں آگئی۔ عنبر کو جگا کر بتایا کہ اس طرح سے ایک عورت غائب ہوگئی اور تلاش کرنے کے بعد بھی نہیں مل رہی۔ عنبر بڑا پریشان ہوا اس نے کہا!

''وہ کہاں جا سکتی ہے اسے جزیرے میں تلاش کیا جائے وہ ضرور جنگل میں کسی جگہ کھو گئی ہوگی۔''

ملکہ نے کہا:

''یہ ناممکن ہے کہ ہماری عورتوں میں سے کوئی جنگل میں کھو جائے یہ تمام عورتیں جنگل کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ ان کے جنگل میں جا کر گم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

عنبر نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

''پھر وہ کہاں گم ہو سکتی؟ کہیں آدھی رات کو وہ سمندر میں تو نہیں ڈوب گئی؟ گرمی سے گھبرا کر نہانے گئی ہو اور سمندر کی لہریں اسے بہا کر لے گئی ہوں؟''

''ہماری عورتیں بڑی ماہر تیراک ہیں۔ وہ طوفان میں بھی سمندر میں تیر کر واپس آ سکتی ہیں۔ ایسا پرسکون سمندر تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں''

عنبر نے کہا:

''تو پھر اسے زمین کھا گئی؟ آسمان نے نگل لیا؟''

ملکہ بولی:

''یہی تو میں حیران ہوں۔''

بہرحال عنبر نے ملکہ اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر جزیرے کے جنگل میں عورت کی تلاش شروع کردی۔ صبح سے شام تک جنگل کو

چھان مارا۔ مگر جنگلی عورت نے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملی۔

یہ ایک رات عجیب معاملہ وہاں پیدا ہو گیا تھا۔ اس گم ہو جانے والی عورت کی بڑی بہن غمگین تھی اور اپنی بہن کی یاد میں آنسو بہا رہی تھی۔ ایسی صورت میں قبیلہ وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے جزیرے سے رخصتی ملتوی کر دی اور فیصلہ کیا کہ وہ دو روز بعد وہاں سے جائے گا۔ دوسرے روز رات کو جب ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو رات کے سناٹے میں وہی سیاہ خونی بن مانس جہاز کے عرشے پر پھر نمودار ہوا۔ یہ تو کسی عورت کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ویران آسیبی جہاز میں ایک بلا رہتی ہے۔ جو عورت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ وہ ساری عورتیں دن بھر کی تھکی ماندی بڑے آرام سے سو رہی تھیں۔ بن مانس نے جہاز کے عرشے پر سے اٹھا کر نیچے ریت پر سوئی ہوئی عورتوں کو دیکھا اور اپنی لال لال انگارہ سی آنکھوں کو نچاتا رسی کی سیڑھی پر پاؤں دھرتا

نیچے ریت پر اتر آیا۔ لمبے لمبے دبے دبے پاؤں رکھتا وہ پاس ہی سوئی پہلی جنگلی عورت کے پاس آ کر جھک گیا اور اپنی لال لال خونی آنکھوں سے اسے غور سے تکنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ عورت بے سدھ ہو کر سوئی ہے تو اس نے اپنا وہی پرانا ہتھکنڈا استعمال کیا۔

اس نے عورت کے منہ پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ سرہانے کی طرح رکھ کر زور سے دبا دیا۔ جنگلی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اس کا منہ اتنے زور سے بند کیا گیا تھا کہ وہ آواز تک نہ نکال سکی۔ اس کا سانس بند ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔

اپنے اوپر جھکے ہوئے خوفناک چہرے والے بن مانس کو دیکھ کر دہشت سے اس کا خون خشک ہو گیا۔ بن مانس نے اپنا ہاتھ اور زیادہ دبا دیا۔ عورت کا جسم تڑپا اور وہ ٹھنڈی ہو گئی۔

بن مانس نے مردہ عورت کو کندھے پر اٹھایا اور اسے لے کر جہاز کے

اوپر عرشے پر آ گیا یہاں اس نے اس عورت کو بھی پہلی عورت کی طرح زمین پر لٹا کر اس کی گردن کی رگیں کاٹ دیں۔ رگ کٹ جانے سے خون باہر ابلنے لگا۔ بن مانس نے کٹی ہوئی رگ پر اپنا منہ رکھا اور لپ لپ کر کے اس کا خون پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس نے عورت کے جسم کا سارا خون پی لیا۔ پھر اس نے عرشے کے تختے پر گرے ہوئے خون کو بھی صاف کر دیا۔ مردہ عورت کا تھوڑا سا گوشت کھانے کے بعد اسے اٹھا کر سمندر میں پھینکا اور خود جہاز کے نچلے حصے میں جا کر اندھیرے میں کہیں گم ہو گیا۔

اگلے روز جب معلوم ہوا کہ ایک اور عورت گم ہو گئی ہے تو وہاں شور مچ گیا۔ عنبر اور ملکہ نے تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان سے پوچھنا شروع کر دیا۔ کہ گم ہونے والی دوسری عورت کو آخری بار کس نے دیکھا تھا؟

ایک عورت نے آگے بڑھ کر کہا:

"میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ریت پر سوتے دیکھا تھا۔"

دوسری عورت نے کہا:

"رات سونے سے پہلے اس نے میرے ساتھ باتیں کی تھیں۔"

تیسری عورت بولی:

"وہ بالکل تندرست اور خوش و خرم تھی اس لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس نے سمندر میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی ختم کر لی ہو"

"ہمارے ہاں آج تک کبھی کسی عورت نے پریشان ہو کر اپنی زندگی کو ختم نہیں کیا۔ ہمارے جزیرے پر کبھی کوئی عورت پریشان نہیں ہوئی۔ ہم سب لوگ ہمیشہ ہنستے مسکراتے اور خوش رہتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"پھر یہ چکر کیا ہے؟ یہ عورتیں کہاں گم ہونے لگی ہیں؟"

غضب خدا کا ہر روز ایک عورت گم ہو رہی ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"یہی تو میں پریشان ہوں۔ معلوم ہوتا ہے دیوتا ہمارے جزیرے پر اپنا قہر نازل کر رہے ہیں۔"

عنبر نے جھٹ ملکہ کو جواب دیا:

فوالائی' ایسا کبھی نہ سوچنا۔ دیوتاؤں کو اس جزیرے پر اپنا قہر نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دیوتا ان باتوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتے۔"

ملکہ نے کہا:

"تو پھر تم ہی بتاؤ عنبر کہ میری جنگجو دلیر عورتیں کہاں گم ہو رہی ہیں۔ انہیں کون اٹھا کر لے جا رہا ہے۔"

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے کہا:

"ہاں تم نے ٹھیک یاد دلایا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس جزیرے میں رہنے والا کوئی شیر رات کو چپکے سے آتا ہو اور ایک عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہو؟"

ملکہ نے کہا:

"لیکن ایسی حالت میں ریت پر اس کے پاؤں کے نشان تو ضرور ہونے چاہئیں۔ مگر ریت پر اس کے پاؤں کے نشان نہیں ہیں۔"

عنبر نے ساحل پر جا کر ریت کو غور سے دیکھا۔ وہاں سوائے عورتوں کے پاؤں کے نشانوں کے اور کوئی نشان نہیں تھا۔ اصل میں بن مانس کے پیروں کے نشان صبح اٹھ کر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے والی عورتیں کے پاؤں کے نشان میں گم ہو گئے تھے۔ عنبر نے کہا:

"یہاں تو کسی شیر یا ریچھ کے پیروں کے نشان نہیں ہیں اور اگر ہوں گے بھی تو اسے تمہاری ہی بے وقوف عورتوں نے مٹا دیا ہے۔

لیکن ایک بات ضرور ثابت ہوتی ہے وہ کوئی بلا اس جزیرے میں موجود ہے جو عورت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔“

ملکہ سوچ میں پڑ گئی کہنے لگی:

”لیکن عنبر مجھے اس جزیرے پر حکمرانی کرتے سالہا سال گزر گئے ہیں۔ کبھی آج تک اس جزیرے پر ایسی بلا نے حملہ نہیں کیا۔ پھر آج یہ بلا سات سمندر پار کر کے کہاں سے آ گئی؟“

عنبر نے کہا:

”ایسا سکتا ہے ملکہ سمندر میں عجیب قسم کی جانور رہتے ہیں طوفان کے بعد کسی وقت بھی کسی سمندر سے کوئی جانور باہر نکل کر ساحل پر آ سکتا ہے۔“

ملکہ بولی:

مگر ایسا چالاک جانور کون سا ہو سکتا ہے جو نہ تو اپنے پیروں کے نشان

چھوڑتا ہے نہ آواز نکالتا ہے اور چپکے سے ایک عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔؟“

ملکہ کے اس سوال پر عنبر بھی سوچنے لگا کہ ملکہ سچ کہتی ہے ایسا جانور اس دنیا میں کون سا ہو سکتا ہے کہ جو نہ تو آواز پیدا کرے نہ اپنے پیروں کے نشان چھوڑے اور ایک نہ ایک عورت کو شکار کر کے لے جائے؟ ایسا تو آدم خور شیر بھی نہیں کرتا۔ نہ جنگلی ریچھ اتنی چالاکی سے شکار کرتا ہے۔ پھر یہ چکر کیا ہے؟ عنبر کا دماغ بھی دے گیا۔

اچانک عنبر کو خیال آیا کہ جہاز پر چل کر دیکھنا چاہیے کہ کہیں جہاز پر تو کوئی کام نہیں ہو رہا؟

اس نے ملکہ فوالانی کو ساتھ لیا اور جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آ گیا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی ہوئی تھی ایکا ایکی

ملکہ نے چونک کر کہا:

ادھر دیکھو عنبر! خون۔۔۔۔۔"

عنبر لپک کر ملکہ کی طرف گیا تو اسے عرشے کے تختے پر تازہ جمے ہوئے خون کے چوڑے چوڑے دو چار دھبے نظر آئے۔ اس نے دھبوں کو انگلی سے مل کر دیکھا۔ تازہ خون تھا۔ وہ ملکہ کی طرف اور ملکہ اس کی طرف پریشانی اور حیرانی سے دیکھنے لگی:

"یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے تو یہ خون اپنی عورت کا لگتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میرے ساتھ جہاز کے کیبن میں آؤ۔"

جہاز کے کیبن میں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ کپتان کی لاش غائب ہے اور وہاں بھی فرش پر خون کے کچھ دھبے بکھرے پڑے ہیں۔ مگر یہ خون زیادہ پرانا تھا۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ کسی نے ان عورتوں کو جہاز پر لا کر قتل کر دیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ قاتل کون ہے۔ اور جہاز پر کہاں چھپا ہوا ہے؟ انہوں نے جہاز کا ایک ایک کونا چھان مارا۔ مگر انہیں قاتل بن مانس کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ وہ ناکام ہو کر جہاز سے نیچے اتر آئے۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اس جہاز کو آگ لگا دینی چاہیے۔"

ملکہ نے کہا:

"اس سے کیا ہو گا؟ ہمیں کل صبح جہاز پر جا کر ایک بار پھر پوری تسلی لینی چاہیے۔ قاتل ضرور اسی جہاز میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔"

خونی مقابلہ

جزیرے پر خونی رات کا اندھیرا ابھر چھا گیا۔

عنبر اور ملکہ اگلے روز جہاز کی تلاشی لینے کا ارادہ کر کے اپنے اپنے جھونپڑوں میں بڑے آرام سے سو رہے تھے کہ آدھی رات کے سناٹے میں خونی بن مانس ایک بار پھر عرشے پر نمودار ہوا۔ چاند مشرق کے افق پر ابھی نکلا تھا اور اس کی زرد روشنی بڑی دھیمی دھیمی تھی۔ جزیرے کے جنگل میں گھپ گہرا اندھیرا تھا۔ دور کسی گھنے درخت پر الو کے بولنے کی آواز کبھی گونج جاتی تھی جو ساری فضا کو اور زیادہ ڈراونی بنا دیتی تھی۔ خونی بن مانس نے عرشے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔

اور پھر چپکے سے جہاز کی رسی کے ذریعے نیچے ساحل پر اتر آیا۔ گیلی ریت پر پاؤں رکھتا وہ دبے دبے سوئی ہوئی جنگلی عورتوں کے پاس آیا۔ ہر رات کی طرح اس نے ایک عورت کو جھک کر غور سے دیکھا اور اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے بے بس کر دیا۔ عورت بے چاری تڑپی اور تڑپ کے بے سدھ ہو گئی۔ وہ مر چکی تھی۔ بن مانس نے اسے کندھے پر رکھا اور جدھر سے آیا تھا ادھر کو چلا گیا۔ جہاز کے

اوپر چڑھ کر اس نے جنگلی عورت کا خون پیا اور اس کی لاش کو سمندر

میں پھینک کر جہاز میں گم ہو گیا۔

صبح ہوئی تو جنگلی عورتوں میں سے ایک اور عورت غائب تھی۔

اب تو وہاں کہرام مچ گیا۔ عنبر نے اسی وقت ملکہ فوانی کو ساتھ لیا اور جہاز پر جا کر قاتل کی تلاش شروع کر دی۔ اچانک اس نے ایک بار فرش کے تختوں پر خون کے دھبے دیکھے۔ یہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

عنبر نے کہا:

"قاتل اسی جہاز میں چھپا ہے۔ وہ عورت کا خون پی کر شاید لاش سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ ہم اسے تلاش کر کے چھوڑیں گے۔"

انہوں نے بڑی تیزی سے قاتل کی تلاش شروع کر دی۔

جہاز کو ایک بار پھر انہوں نے کھنگال ڈالا۔ لیکن خدا جانے بن مانس جہاز میں کس جگہ چھپ جاتا ہے کہ انہیں وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ ملکہ کہنے لگی:

"میرا خیال ہے قاتل یہاں نہیں ہے۔ وہ ضرور خون کرنے کے بعد جزیرے کے جنگل میں کسی جگہ چھپ جاتی ہو گی۔ ہمیں اسے جنگل میں تلاش کرنا چاہیے۔"

عنبر بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قاتل جہاز پر عورت کا خون کرے اور پھر جہاز پر سے اتر کر جزیرے کے جنگل میں جا کر چھپ جائے؟ اگر اسے جنگل میں جا کر چھپنا ہے تو پھر اسے عورت کو جزیرے پر لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

ملکہ نے کہا:

"اسی بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔"

عنبر بولا:

"اس کا مطلب ہے کہ قاتل ضرور اسی جہاز میں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

ہمیں اسے اسی جگہ تلاش کرنا چاہیے۔ آؤ ہم ایک بار پھر تلاش کرتے ہیں۔"

عنبر اور ملکہ فولانی نے ایک بار پھر جہاز میں جنگلی عورتوں کے وحشی قاتل کو تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ قاتل جہاز میں کس جگہ چھپا ہوا ہے۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس جزیرے پر آ گئے۔ عنبر نے کہا:

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم رات کو جزیرے کے ساحل پر چھپ کر اس کا انتظار کریں۔ کیونکہ وہ رات کو جنگلی عورتوں پر حملہ کرتا ہے۔"

فولانی نے کہا:

"کیا وہ آج رات بھی آئے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ جنگلی عورت کا بھیس بدل کر جہاز کے پاس ہی ساحل پر لیٹ جائے گا۔ تاکہ اگر قاتل آئے تو سب سے پہلے وہی سامنے لیٹا ہو۔ وہ اسی پر حملہ کرے اور وہ اسے پکڑ لے۔ فولانی نے اس بات کو پسند نہ کرتے ہوئے کہا:

"تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالتے ہو عنبر بھائی جزیرے میں سینکڑوں جنگلی عورتیں آخر کس دن کے لیے رکھی ہیں؟ وہ یہ کام کر دیں گی۔"

عنبر نی کہا:

"نہیں ملکہ میں اب کسی عورت کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ قاتل جب عورت پر حملہ کرتا ہے تو وہ ایک ہی وار میں اسے ہلاک کر دیتا ہے اس کا مطلب ہے جب تک میں قاتل کے مقابلے کو پہنچوں گا وہ ایک عورت کو ہڑپ کر چکا ہوگا۔۔۔۔۔

اس لیے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں خود اپنے آپ کو جنگلی عورت کے روپ میں اس جگہ لٹا دوں۔ جب قاتل آئے تو بجائے کسی بیگناہ عورت کے مجھ پر حملہ کرے اور میں اسے پکڑ لوں۔"

ملکہ کو اب ماننا ہی پڑا؛ چنانچہ عنبر کو جنگلی عورتوں نے تیار کرنا شروع کر دیا۔

اس کے سر پر نقلی بال لگائے، اسے جنگلی عورتوں کا لباس پہنایا۔ عنبر بالکل ایک جنگلی عورت لگنے لگا۔ شام ہو گئی۔ پھر رات کے سائے گہرے ہونے لگے۔ جزیرے پر رات آ گئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ سمندر تاریک ہو گیا۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے مگر اندھیرا بہت زیادہ تھا۔

عنبر جنگلی عورت بن کر جہاز کے بالکل پاس ہی ریت پر لیٹ گیا۔

دوسری تمام جنگلی عورتوں کو وہاں سے اٹھا دیا گیا۔

آدھی رات کے بعد مشرق کی طرف سے چاند نکلا۔

پیلا پیلا زرد اور اداس چاند۔ اس کی روشنی دھیمی دھیمی اور زرد زرد تھی۔ جزیرے کی رات پر دھیمی دھیمی ایک دھند سی پھیل گئی۔ عنبر چپ چاپ ریت پر لیٹا آسمان پر چمکتے ہوئے ننھے منے سینکڑوں ستاروں کو دیکھتا اور کبھی جہاز کے جنگلے کی طرف تکنے لگتا۔

کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ قاتل اسی جہاز کے جنگلے پر سے اس پر حملہ کرنے آئے گا۔ کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ کہیں وہ جزیرے کے جنگل میں ہی نہ چھپا ہو۔ ایسی صورت میں وہ جنگل کی طرف سے آئے گا۔ پھر بھی وہ چاہے کسی طرف سے کیوں نہ آئے۔ وہ آج رات عنبر کے شکنجے سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ آج قاتل اگر آیا تو اس کی موت اسے گھیرا کر ادھر لائے گی۔

سمندر پر دھند پھیلی تھی۔ لہروں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

جزیرے پر گہرا سناٹا طاری تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ آسمان پر

آدھا چاند نکل آیا اور کبھی کبھی کوئی الو بول جاتا تھا۔ عنبر بڑی خاموشی سے ریت پر لیٹا جہاز کر عرشے کو گھور رہا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق قاتل جو کوئی بھی تھا۔ وہ آدھی رات کے بعد حملہ کرتا تھا! چنانچہ اسے اس وقت آ جانا چاہیے تھا۔ عنبر کا دل اسے بار بار کہنے لگا کہ قاتل آ رہا ہے۔۔۔ اور قاتل آ گیا۔

عنبر بڑے غور سے جہاز کے جنگلے کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کسی بہت بڑی بلا کا بن مانس قسم کا سر ابھرا ہے۔ عنبر نے ریت پر سے ذرا سا سر اٹھا کر بڑے غور سے اس بلا کو دیکھنے کی کوشش کی۔

اب وہ بلا ذرا اوپر ہو گئی تھی۔ وہ ایک اونچے لمبے چوڑے ہاتھی بن مانس کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ منہ گردن اور سینہ اوپر اٹھاتا ہوا جہاز کے جنگلے پر نمودار ہو رہا تھا۔ عنبر اس بات پر بڑا حیران تھا کہ اتنا بڑا بن مانس اور دیو کا دیو آخر اس جہاز میں کس جگہ چھپا رہا۔ عنبر بن مانس کا

انتظار کرتے ہوئے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ اسے ایک بہت بڑا بن مانس ہی لگا تھا۔

بن مانس نے جہاز کے لنگر والی سیڑھی کی مدد سے نیچے ساحل پر اترنا شروع کر دیا۔ پھر وہ پانی میں شڑاپ شڑاپ گزرتا ہوا ساحل کی ریت پر آ گیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ یہ بلا جنگلی عورتوں پر حملہ کرتی تھی۔ وہ حملے کے لیے تیار ہو گیا۔ بن مانس آہستہ آہستہ اپنے بھاری بھرکم پاؤں اٹھاتا عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ رک گیا۔ اس نے اپنی موٹی گردن گھما کر جزیرے کے ساحل کو چاروں طرف سے دیکھا اور زور زور سے سینے پر ہاتھ مارے۔

سینے پر ہاتھ مارنے سے ڈھول کی سی آواز پیدا ہوئی۔ بن مانس بے چین ہو گیا تھا۔ کہ اس کی شکار جنگلی عورتیں کہاں چلی گئیں۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ایک جنگلی عورت کا خون پی کر اس کا

گوشت کھا کر اپنی بھوک مٹانا چاہتا تھا۔ مگر وہاں ایک بھی جنگلی عورت دکھائی نہیں دے رہی ہے لیکن یہ کیا۔ یہ ایک جنگلی عورت لیٹی ہوئی ہے۔

بن مانس کی نظر جزیرے کی رات کی ہلکی ہلکی چاندنی میں اس جنگلی عورت پر پڑی جس کا بھیس بدلے خود عنبر وہاں لیٹا ہوا تھا۔ بن مانس خوشی سے ناچ اٹھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ جنگلی عورت یعنی عنبر کی طرف دبے پاؤں جھک جھک کر آگے بڑھنے لگا۔

عنبر تیار ہو گیا۔ وہ بھی کانی آنکھ سے بن مانس قاتل بابا کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ قریب آ کر بن مانس عنبر پر، جنگلی عورت سمجھ کر جھکا اور اپنی گردن ہلا کر اپنی لال لال آنکھیں نچا نچا کر اسے بڑے غور سے تکنے لگا۔

عنبر ڈر گیا کہ کہیں وہ اسے پہچان نہ لے کہ یہ تو مرد ہے عورت نہیں ہے اور وہاں سے بھاگ نہ جائے، مگر عنبر نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر بن مانس بابا نے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ اس پر حملہ کر دے گا۔ عنبر کو خیال آیا کہ بن مانس تو پوری کی پوری بلا ہے، وہ اس کا مقابلہ کیسے کرے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ خود تو مر نہیں سکتا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بن مانس کو کیسے مار سکے گا؟ عنبر خدا جانے کیوں اپنے ساتھ تلوار وغیرہ نہیں لایا تھا۔ ملکہ وغیرہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جزیرے کے جھونپڑے میں لیٹی عنبر کی خیریت سے واپسی اور بابا کے قتل کا انتظار کر رہی تھیں۔ انہیں جزیرے میں سوائے گہری خاموشی کے اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

ملکہ عنبر نے اپنی خاص سہیلی جنگلی عورت سے کہا:

”عنبر کو ناحق ہم تکلیف دی“ بابا اس جزیرے کے جنگل میں ہی کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ وہ اگر جہاز پر ہوتی تو اب تک حملہ کر چکی ہوتی۔

اتنا بڑا جنگل چھوڑ کر اسے ایک ویران جہاز پر رہنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟“

جنگلی سہیلی نے کہا:

”یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو سوچیے کہ اسے ایک خاموش اور الگ تھلگ جہاز چھوڑ کر جنگل میں جا کر چھپنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ضرور جہاز میں ہی کسی جگہ چھپا ہو گا۔“

ملکہ بولی:

”مگر میرا دل نہیں مانتا۔“

ملکہ کا دل مانے یا نہ مانے۔ قاتل جزیرے پر جہاز میں سے نکل کر آ چکا تھا۔ جس وقت ملکہ اپنی سہیلی کی ساتھ باتیں کر رہی تھی ٹھیک اس وقت قاتل بابا۔ یعنی بن مانس ریت پہ بیٹھے ہوئے عنبر پر جھکا اسے اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں بن مانس اسے

پہچان نہ لے۔ ہو سکتا ہے کہ پھر وہ اسے مرد سمجھ کر اس پر حملہ نہ کرے کیوں کہ اب تک بن مانس نے عورتوں کو ہی ہڑپ کیا تھا۔

عنبر بڑے سکون سے آنکھیں بند کیے جان بوجھ کر ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ سو رہا ہے جب کہ وہ جاگ رہا تھا: البتہ اس نے اپنی آنکھیں ضرور بند کر رکھی تھیں۔ تاکہ بن مانس کو شک نہ پڑ جائے کہ وہ جاگ رہا ہے۔ بن مانس کو بھی جیسے کچھ شبہ سا ہو گیا تھا کہ کوئی عجیب و غریب سی شے زمین پر پڑی خراٹے لے رہی ہے۔

مگر جو کچھ تھا وہ انسان ضرور تھا کیوں کہ اسے انسان کے گرم گرم خون کی بو آ رہی تھی اور اس کی بھوک تیز ہو رہی تھی۔

بن مانس نے اپنا بھاری بھرکم بازو اٹھا کر اپنا ہاتھ عنبر کے منہ پر ایک گدی کی طرح رکھ کر اوپر سے دبا دیا۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے:

حالاں کہ اس کا دم بالکل نہیں گھٹ رہا تھا۔ اگر بن مانس اس کا ناک اور منہ بھی بند کر دیتا جب بھی عنبر کا دم نہیں گھٹ سکتا تھا۔ وہ تو پانی کے اندر رہ کر بھی سانس لے سکتا تھا۔ بن مانس اپنی طرف سے پورا زور لگا کر عنبر کو یعنی جنگلی عورت کو ہلاک کر رہا تھا۔

عنبر نے دیکھا کہ بن مانس کی سرخ انگارا آنکھوں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ یہ کوئی اس جزیرے کی بہت بڑی بلا تھی۔ جس نے کسی دوسرے جزیرے سے اچانک آ کر اس جزیرے کے رہنے والوں پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ اتنی بڑی بلا تھی کہ عنبر نے سوچا بچاری جزیرے کی عورتیں اس کا مقابلہ نہیں سکتی تھیں۔ اور پھر بن مانس کا حملہ اچانک اور آدھی رات کو ہوتا تھا۔ اور ایک دم سوئی عورت کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ عورت نہ چیخ سکتی تھی نہ وہ آواز نکال کر کسی دوسرے کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتی تھی۔

عنبر کو گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ اپنی آواز منہ سے نکال کر کسی کو اپنی طرف بلا نہیں سکتا تھا۔ بن مانس نے جب دیکھا کہ جنگلی عورت یعنی عنبر مر چکا ہے تو اس نے عنبر کو کمر پر ڈالا اور چل دیا۔ یہی بن مانس پر حملے کا موقع تھا۔ کیوں جہاز پر چلے جانے سے عنبر دوسری عورتوں کو نہیں بلا سکتا تھا۔

عنبر نے بن مانس کے کندھے پر پڑے پڑے ایک زور سے چھلانگ لگائی اور اچھل کر نیچے ریت پر گر پڑا۔ بن مانس تو اسے دیکھتے رہ گیا۔ اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا کہ جس عورت کو اس نے ہلاک کر دیا ہو وہ زندہ ہو اور پھر اس کی گرفت سے نکل کر بچ جائے۔ اس نے ایک زور دار چیخ ماری جس سے سارا جنگل گونج اٹھا اس کی چیخ کی آواز ملکہ فوادانی اور جزیرے کی دوسری عورتوں نے بھی سنی۔

ملکہ نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے عنبر پر قاتل نے حملہ کر دیا ہے یہ کسی خطرناک وحشی بن مانس کی آواز تھی۔ ضرور اس جنگل میں کسی جزیرے سے کوئی خوفناک بن مانس آ گیا تھا۔ جو ہم پر رات کو حملہ کرتا تھا چلو عنبر کی مدد کو چلتے ہیں۔ اس نے ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے۔''

''چلو ملکہ سلامت۔''

تمام جنگلی عورتیں ملکہ نواہ فی کے ساتھ تیر کمان اور نیزے پکڑ کر شور مچاتیں جزیرے کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ٹھیک اس وقت عنبر اور بن مانس کا ریت پر بڑا زبردست مقابلہ ہو رہا تھا۔ چاند میں عنبر اور بن مانس لڑتے صاف دکھائی دے رہے۔ بن مانس نے کئی بار عنبر کو اٹھا اٹھا کر زمین پر مارا۔ مگر عنبر کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ وہ پھر سے اٹھ کھڑا ہوتا۔ بن مانس اپنی وحشی زندگی میں پہلی بار ایک ایسے نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ جس پر اس کے بھاری بھرکم مکوں اور تیز ناخنوں

کے حملے کا کچھ بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ بن مانس کے حملوں سے کئی بار عنبر کے پیٹ پر ناخنوں کی ہلکی ہلکی خراشیں آتیں اور وہ پھر سے ٹھیک ہو جاتیں۔ نہ خون کا ایک قطرہ بہتا اور نہ عنبر کے جسم پر کوئی چوٹ آتی۔ بن مانس کی حیوانی عقل بھی چکر کھا گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔

اس نے ایک بار پھر عنبر کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور پوری طاقت سے اسے ریت کی زمین پر دے مارا۔ ایکی آواز پیدا ہوئی جیسے زمین پر آٹے کی بوری کے گرنے سے ہوتی ہے۔ بن مانس نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہوگا۔ مگر عنبر زندہ تھا۔ اور بن مانس کی طرف غصے بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بن مانس نے دوسری بار حملہ کرنا چاہا ہی تھا کہ عنبر نے زمین پر سے ریت اٹھا کر بن مانس کی آنکھوں میں پھینک دی۔

آج تک کسی نے اس طرح بن مانس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ ابھی وہ کود ہی

رہا تھا کہ عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے بن مانس کے منہ پر دے مارا۔ مگر بن مانس کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کی منہ پر ایک کنکر مار دیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ریت گھس گئی تھی اور وہ اندھا ہو گیا تھا۔ عنبر بار بار اس کے پیٹ میں گھونسے مار رہا تھا۔ مگر بن مانس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اب اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی تلوار یا نیزہ کیوں نہیں لایا۔ پھر اس نے سوچا کہ ملکہ کو اپنی عورتیں لے کر وہاں آ جانا چاہیے تھا تاکہ وہ بن مانس پر تیروں کی بارش کر دیتیں۔

کیونکہ عنبر تو مر نہیں سکتا تھا۔ وہ بن مانس گوریلے کو مار بھی نہیں سکتا تھا: بس یہی ہو سکتا تھا کہ بن مانس عنبر کے ساتھ لڑتے لڑتے خود ہی تھک کر گر پڑے۔ مگر بن مانس تھکنے والی چیز نہیں تھی۔ ادھر عنبر بھی مرنے والی شے نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان دونوں کا مقابلہ ساری رات اور پھر اگلے روز تک جاری رہ سکتا تھا۔ عنبر نے زور سے ملکہ کو آواز دی۔ اس وقت ملکہ اپنی جنگجو عورتوں کے ساتھ جنگل میں سے نکل کر جہاز کے قریب ساحل کی ریت پر آ گئی تھی۔ اب جو انہوں نے اپنے سامنے ایک اونچے لمبے خوف ناک بن مانس کو عنبر کے ساتھ لڑتے دیکھا تو دنگ رہ گئیں۔

تو یہ تھی وہ بلا جو ان کی عورتوں کو ہر روز اٹھا کر لے جاتی تھی؟

لڑائی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ بن مانس بار بار عنبر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ رہا تھا۔ اسے توڑ مروڑ رہا تھا۔ مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر بھی بن مانس کے ساتھ پوری طرح لڑائی کر رہا تھا۔ مگر بات وہی تھی کہ نہ عنبر بن مانس کو مار سکتا تھا اور نہ بن مانس عنبر کو مار سکتا تھا۔

ملکہ نے دور ہی سے عنبر کو آواز دی۔

”فکر نہ کرو عنبر! ہم آ گئے ہیں۔“

اس آواز پر بن مانس نے چونک کر عورتوں کی طرف دیکھا جو ذرا پرے جنگ کرنے کے لیے قطار بنا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ادھر عنبر کے بناوٹی بال بھی اتر گئے تھے اور وہ عورت سے پھر مرد بن گیا تھا۔ بن مانس پر اس بات کا بھی عجیب اثر ہوا کہ جس شے کو وہ عورت سمجھ رہا تھا وہ اچانک مرد بن گئی۔ اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور عورتوں کی طرف بھاگا۔ جنگلی عورتیں پہلے سے ہی تیار کھڑی تھیں اور وہ انتظار کر رہی تھیں کہ بن مانس یا1 عنبر سے الگ ہو تو اس پر حملہ کریں۔ اب جونہی بن مانس عنبر سے الگ ہو کر ان کی طرف دوڑا جنگلی عورتوں نے ملکہ کے حکم پر کمانوں میں زہر میں بجھے تیر اور انہیں کھینچ کر پوری طاقت کے ساتھ بن مانس پر چلا دیے۔

پچاس تیر پوری رفتار کے ساتھ سن کرتے ہوئے ہوا میں اڑے اور بن مانس کی چھاتی میں جا کر گڑ گئے۔ بن مانس ایک بار ذرا ڈگمگایا مگر پھر چیخ مار کر عورتوں کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں ملکہ نے ایک خنجر عنبر کے پاس پھینک دیا تھا۔ عنبر نے خنجر سے بن مانس پر حملہ کر دیا۔ وہ بار بار اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ رہا تھا اور باہر نکال رہا تھا۔ بن مانس کے جسم سے خون بہنے لگا۔

"بن مانس کے سر پر تیر مارو۔"

عورتوں نے ایک بار پھر کمانوں میں تیر جوڑے اور عنبر کے حکم کے مطابق بن مانس کے سر پر تیر مار دیے۔ سارے تیر بن مانس کے سر میں گڑ گئے۔ بن مانس لڑکھڑایا۔ پھر اٹھا اور عورتوں پر حملہ کرنے بھاگا عورتیں بڑی ہوشیار اور دلیر تھیں۔ وہ لپک کر دوسری جانب ہو گئیں۔ عنبر نے خنجر بن مانس کے پیٹ پر چلانا شروع کر دیا۔ اب اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس کے پیر ڈگمگانے لگے تھے۔ جنگلی عورتوں نے قریب آ کر بن مانس پر نیزے پھینکے۔ کتنے ہی نیزے بن مانس کے

سینے، گردن اور پیٹ میں کھب گئے۔

اب اس کی حالت خراب ہونی شروع ہو گئی تھی اور بار بار لڑکھڑا رہا تھا، اس پر تیروں، نیزوں اور عنبر کے خنجروں کا حملہ برابر جاری رہا۔ آخر وہ گر پڑا۔ ریت پر گرتے ہی جنگلی عورتیں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ انہوں نے نیزے مار مار کر بن مانس کا کچومر نکال دیا۔

مرنے سے پہلے بن مانس نے ایک آخری چیخ ماری جس نے سارے کے سارے جنگل میں ایک ایسی زبردست گونج پیدا کی کہ جنگل کے درختوں پر بیٹھے ہوئے سارے پرندے اڑ گئے۔

بن مانس ریت پر پڑا، خون میں لت پت زندگی کے چند آخری سانس لے رہا تھا۔ ملکہ قولانی دوسری عورتوں کے ساتھ عنبر کے پاس آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ عنبر کے جسم پر زخم کی ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں تھی، وہ اس کی طاقت کو مان گئی۔

جزیرے سے روانگی

بن مانس کے گرتے ہی جنگلی عورتوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

اب صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ عنبر اور ملکہ سب سے پہلے بن مانس کے پاس گئے۔ بن مانس دم توڑ رہا تھا۔ اس کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے کہیں کوئی سمندر کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا رہی ہوں۔

عنبر نے ایک نیزہ لے کر بن مانس کے دل میں گاڑ دیا۔ بن مانس نے

ایک چیخ ماری اور ختم ہو گیا۔

جنگلی عورتوں نے اس کے ارد گرد ناچنا شروع کر دیا، ملکہ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی اگر تم بہادری اور جرات سے کام نہ لیتے تو ہمیں اس بلا کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ نہ جانے ابھی کتنی عورتوں کو یہ بن مانس ہلاک کرتا۔"

عنبر نے کہا:

"فوالانی! یہ میرا فرض تھا اور پھر مجھے معلوم تھا کہ یہ خوف ناک بلا عورتوں کو اور دوسروں کو تو ہلاک کر سکتی ہے مگر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس لیے میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا خدا کا شکر ہے کہ یہ خونی بلا اپنے انجام کو پہنچی۔"

شکنتلا نے بھی آ کر عنبر کو مبارک باد دی۔ اس روز سارے جزیرے میں ایک خوف ناک بلا سے نجات حاصل کرنے کا دن منایا گیا۔ سارا دن جنگلی عورتیں ناچتی رہیں۔ انہوں نے عنبر کے گلے میں بے شمار پھولوں کے ہار ڈالے۔

بن مانس کی لاش کے ساتھ ہزاروں پتھر باندھ کر اسے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ پتھر بن مانس کی لاش لے کر سمندر کی تہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ بن مانس کی لاش پر سمندری مچھلیوں نے حملہ کر دیا اور جو بلا کل تک انسانوں کو گوشت کھاتی تھی، آج اس کا گوشت سمندر کی مچھلیاں کھا رہی تھیں۔ دنیا میں ہر برائی کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ اسی لیے عقل مند لوگوں نے کہا ہے کہ انسان کو برائی سے بچتے رہنا چاہیے۔

دو روز بعد عنبر نے ملکہ سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اب مجھے اس جزیرے سے کوچ کر جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ موسم پھر سے خراب ہو جائے اور میں اس جگہ رہ جاؤں۔"

ملکہ نے کہا:

"ہماری تو یہی خواہش ہے کہ تم ہمارے جزیرے میں ہی رہ جاؤ۔ مگر چوں کہ تم نے اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریہ کے پاس جانا ہے اس لیے میں تمہیں روک نہیں سکتی۔ میری رائے میں تم کل صبح یہاں سے چلے جانا۔ کیونکہ صبح کے وقت سمندر کی لہریں پرسکون ہوتی ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے میں کل صبح یہاں سے چل پڑوں گا۔ اس جہاز کو اسی طرح یہاں رہنے دینا۔ تم لوگ اگر چاہو تو اس پر اپنا گھر بنا سکتے ہو لیکن اس میں خطرہ ہے کہ کسی بھی لہر کے آنے پر یہ جہاز یہاں سے بہہ کر گہرے سمندر میں جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا لنگر ٹوٹ چکا ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"ہم جزیرے کے درختوں پر جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں۔ ہمیں وہاں بڑا سکون ملتا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد ہم اس جہاز کو آگ لگا کر جلا ڈالیں گے۔ کیوں کہ اس میں ہماری عورتوں کا خون بہایا گیا ہے۔ ہم اس منحوس یادگار کو یہاں نہیں دیکھ سکتے۔"

عنبر بولا:

"میرا بھی یہی خیال ہے تم میرے بعد اس جہاز کے ساتھ جو چاہے سلوک کرنا۔"

عنبر نے اسی روز شکنتلا کے ساتھ مل کر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ بڑی بادبانی کشتی کو نکال کر سمندر کے کنارے لایا گیا۔ اس میں کئی روز کی خوراک اور پانی جمع کیا گیا۔ اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی گئی اور پھر وہ وقت بھی آ گیا۔ جب کہ عنبر کو اس جزیرے سے رخصت ہونا تھا جس میں اس نے کچھ عرصہ گزارا تھا اور بڑے بڑے عجیب تجربے

کیے تھے۔ اصل میں عنبر کا بھی یہاں دل لگ گیا تھا اگر اسے اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کی یاد نہ ستاتی تو شاید وہ اسی جزیرے میں آباد ہو جاتا۔ وہ اس جزیرے کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔ وہ بڑے مزے سے اس جزیرے میں اپنی باقی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن اسے ماریا اور ناگ کا خیال ضرور دکر آتا تھا کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہیں اور وہ اس کے بارے میں کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے۔

اس کی بادبانی کشتی سمندر میں اتار دی گئی۔ وہ شگفتا کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا۔

جنگلی عورتوں نے انہیں پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا۔ ملکہ فولانی نے اپنے ہاتھ سے عنبر اور شگفتا کے سر میں ناریل کا دودھ ڈالا۔ یہ اس جزیرے کی رسم تھی کہ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے ہر بہن اپنے بھائی کے سر میں ناریل کا دودھ ڈالا کرتی تھی۔ تاکہ اس کا سفر سکون

اور آرام سے کٹے۔

عنبر نے کہا:

فولانی بہن! مجھے آپ لوگوں کا اچھا سلوک بہت یاد آئے گا۔ میں اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کو جا کر بتاؤں گا کہ جزیرے کے لوگ کتنے اچھے تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا۔“

ملکہ کہنے لگی:

”عنبر بھائی! ہم بھی تمہیں بہت یاد کیا کریں گے۔ تم نے ہماری جس جس طرح سے مدد کی ہے۔ ہم اسے کبھی نہیں بھولیں گی۔ تم نے ہمیں ایک خوفناک بلا سے نجات دلائی۔ ہم تمہیں جلد سمندری سفر کے بعد بہن ماریا اور بھائی ناگ سے ملا دیں گے۔“

عنبر نے کہا:

”اچھا بہن خدا حافظ۔“

"خدا حافظ۔"

نورانی نے شگفتہ کو بھی گلے لگایا اور اسے پیار سے الوداع کیا۔ کشتی کے بادبان کھول دیے گئے۔ ان میں ہوا بھر گئی اور کشتی نے کھلے سمندر میں سفر شروع کر دیا۔ سمندر بڑا پر سکون تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی بادبانی کشتی ساحل سے دور ہوتی گئی۔ جزیرے کے درخت دور ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جزیرہ سمندر کی لہروں میں چھپ گیا اور بادبانی کشتی کھلے سمندر میں ہندوستان کی طرف سفر کرنے لگی۔

طوفان کی رات

بادبانی کشتی کھلے سمندر میں سفر کر رہی تھی۔

آسمان پر دھوپ کھلی تھی موسم بڑا سہانا تھا۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون اور ٹھہراؤ کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ شگفتہ نے کھانے پینے کے سارے سامان کو بڑے سلیقے سے کشتی کے نیچے والے تہہ خانے میں اکٹھا کر کے رکھ دیا تھا۔ دوپہر کو اس نے خشک مچھلی تل کر بنائی۔ دونوں نے مل

کر کھانا کھایا اور پھل سے لطف اٹھایا۔ پھر وہ کشتی کے تختے پر جنگلے کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون اور آرام سے بہہ رہی تھیں۔

طوفان کے کوئی آثار نہیں تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔

شگفتا نے پوچھا:

''عنبر بھائی اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو کب تک ہندوستان کے ساحل پر پہنچیں گے؟''

عنبر نے کہا:

شگفتا! اگر موسم اسی طرح خوشگوار رہا کسی طوفان نے ہمیں راستے سے نہ بھٹکایا تو ہم ایک مہینے کے اندر اندر ہندوستان کے ساحل پر جا لگیں گے۔''

شگفتا بولی:

''عنبر کیا تمہارے پاس نقشہ ہے؟''

عنبر نے کہا:

''نہیں شگفتا! میرے پاس کوئی نقشہ نہیں ہے مگر میں ستاروں کے حساب سے سمندروں میں سفر کرتا رہا ہوں۔ سمندر میرے لیے نیا نہیں ہے۔ میں نے ان پانیوں میں بڑی آوارہ گردی کی ہے۔ میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں ستارے کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ وہ ہر رات ٹھیک وقت پر اور اپنی ٹھیک جگہ پر نکلتے ہیں۔ ان کے زاویے بھی بالکل سچے ہوتے ہیں۔ ان کی رہنمائی میں ہم ٹھیک راستے پر سفر کریں گے۔''

شگفتا نے کہا:

''مجھے اپنا گھر بار اب بہت یاد آنے لگا ہے۔ میرا شوہر میرے لیے بے حد پریشان ہوگا۔ خدا جانے میرے بچے کی کیا حالت ہوگی؟''

سب جب مجھے دیکھیں گے تو خوشی سے ناچ اٹھیں گے۔ انہیں امید ہی نہیں ہوگی کہ میں کبھی پھر ان سے مل سکوں گی۔"

عنبر نے کہا:

"شگفتہ! انسان کو خدا کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں ہر وقت اپنے دل میں خدا کا خیال رکھنا چاہیے اور ہر مصیبت میں اسی سے مدد لینی چاہیے۔ جس کی مدد خدا کرتا ہے اسے کبھی دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

شگفتہ کہنے لگی:

"ہاں عنبر بھائی بھگوان میں بڑی طاقت ہے۔ بھگوان کو یاد کرنے والا آدمی کبھی شکست نہیں کھاتا۔ اس کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ میں ہمیشہ بھگوان سے خدا سے دعا کرتی رہی تھی کہ مجھے ایک بار اپنے خاوند اور بچے سے ملا دے۔ خدا نے میری دعا قبول کی اور تمہیں میری

مدد کے لیے بھیج دیا آج میں تمہارے ساتھ اپنے گھر بچوں کے پاس واپس جا رہی ہوں۔"

عنبر نے شگفتہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"تم خوش نصیب ہو شگفتہ! بہن خدا نے تمہاری دعا قبول کی اب دعا کرو کہ موسم خوشگوار رہے راستے میں کوئی طوفان ہمارا راستہ نہ گھیرے اور ہم خیر خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔"

شگفتہ دعا کرنے لگی عنبر بادبانوں کی رسیاں کھولتے ہوئے انہیں دوبارا کسنے لگا کیونکہ ہوا کچھ تیز ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے بادبانوں پر دباؤ زیادہ بڑھ جانے سے رسیاں تھوڑی ڈھیلی ہوگئی تھیں۔ رسیوں کو کس کر وہ کشتی پر دوزانو ہو کر خدا سے دعا مانگتی رہی کہ ان کا سفر آرام سے کٹے اور وہ بہت جلد اپنے بچے اور گھر بار میں واپس پہنچ جائے۔

بادبانی کشتی سمندر میں بہتی چلی گئی رات کو عنبر کتنی دیر تک ستاروں کے

حساب سے ان کی کشتی بڑے صحیح راستے کی بڑی خوشی تھی۔ کیوں کہ وہ جلد سے جلد شگفتہ کو اس کے بچے، خاوند اور ماں باپ کے پاس پہنچا کر وہاں سے اپنی بہن ماریا اور رونگ کے پاس جانا چاہتا تھا۔

بادبانی کشتی میں انہیں سفر کرتے ہوئے دس روز ہو گئے۔

سمندری سفر بڑے سکون سے کٹا۔ شگفتہ صبح اٹھ کر عبادت کرتی۔ پھر ناشتہ بناتی۔ دونوں کشتی میں بیٹھ کر ناشتہ کرتے قہوہ پیتے۔ عنبر پھر بادبانوں کی مرمت شروع کر دیتا کیوں کہ دس بارہ دن کے سفر کے بعد وہ ایک جگہ تھوڑے سے پھٹ جاتے۔ عنبر ہر روز ان کی مرمت کرتا۔

شگفتہ کشتی کے فرش کو صبح شام دو وقت پانی سے دھوتی اسے صاف کر کے چمکا دیتی۔ دن اسی طرح ہنسی خوشی اور مصروفیت کے ساتھ سمندر میں گزر رہے تھے۔ عنبر کو بڑی تسلی تھی کہ طوفان سے وہ بچے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ طوفان کا موسم نہیں تھا۔ پھر بھی طوفان کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ خاص طور پر وہ جس سمندر میں اب داخل ہو گئے تھے وہ ایک گرم مرطوب علاقے کا سمندر تھا۔ یہاں گرم ہوائیں چلتی تھیں۔ جن کی وجہ سے فضاؤں میں رطوبت بڑھ جاتی تھی اور گرم ہو کر تیز ہوائیں چلا کرتی تھیں۔

ایک روز بعد صبح سو کر اٹھے تو آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ عنبر نے بڑی تشویش کی ساتھ بادلوں کو دیکھا شگفتہ نے کہا:

"بھگوان رحم کرے یہ تو بادل آ گئے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بادل آ گئے ہیں تو پھر کیا ہوا؟ بادل تو آسمان پر چھایا ہی کرتے ہیں۔

"نہیں عنبر بھائی' میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بادل بڑے خطرناک ہیں۔ دیکھو ان کی طرف دیکھو کیا یہ تمہیں خطرناک نہیں لگتے؟"

عنبر نے غور سے دیکھنے پر محسوس کیا کہ فضا میں کوئی غیر معمولی سا حبس ہے۔ اس سے پہلے جب بھی اس قسم کا حبس اس نے دیکھا تھا وہاں طوفان ضرور آیا۔ عنبر نے طوفان سے نپٹنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے سارے انتظام کر لیے۔ تہہ خانے میں کھانے پینے چیزوں کو فرش پر سے اٹھا کر اوپر خانوں میں بند کر دیا تاکہ اگر کشتی کے اندر پانی آ جائے کھانے پینے کی چیزیں بچ جائیں۔

بادبانوں کی رسیوں کو ڈھیلا کر دیا گیا۔ کیوں کہ اب تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی اور بادلوں نے ہلکے ہلکے گرجنا شروع کر دیا تھا۔

شگفتہ تو بے حد ڈری ڈری سی تھی۔ عنبر نے اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے اسکی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"اری بہن تو تو سچ مچ ڈرنے لگی ہے۔"

شگفتہ نے جھوٹ موٹ مسکراتے ہوئے کہا:

"نہیں تو، میں تو بالکل نہیں ڈری ہوئی۔ میں تو بہادر لڑکی ہوں۔ بھلا میں کیوں ڈرنے لگی۔"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"شاباش، تم سچ مچ بڑی بہادر لڑکی ہو۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ بھلا شگفتہ ایسی لڑکی بھی کبھی معمولی سے طوفان سے ڈر سکتی ہے؟ اور پھر طوفان تو کہیں بھی نہیں ہے۔ بس ذرا سی ہوا تیز ہوئی ہے اور بادلوں نے گرجنا شروع کیا ہے۔ اور یہ تو سمندر میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔"

عنبر نے شگفتہ کا دل بہلانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ پھر وہ شگفتہ کے بچے کا ذکر کرنے لگا۔

"شگفتہ! تمہارا بچہ کتنی عمر کا ہوگا؟"

شگفتہ کہنے لگی:

"چھوٹا سا ہے۔ بڑا پیارا بچہ ہے۔ جب مسکرا مسکرا کر میری طرف

دیکھتا ہے تو میری روح کو سکون نصیب ہوتا ہے بھگوان اسے سلامت رکھے۔ میری زندگی اس کے اور اپنے خاوند کے بغیر آدھی رہ گئی ہے‘‘

عنبر بولا:

’’فکر کرنے کی کوئی بات نہیں شگفتا! تم اب بہت جلد اپنے خاوند اور پیارے بچے کے پاس پہنچ جاؤ گی۔ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں اور صرف دس دن کا سفر ہی تو باقی رہ گیا ہے جہاں بیس دن گزر گئے ہیں وہاں دس دن اور بھی گزر جائیں گے اور یہ بادل اور یہ ہوا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہم نے طوفان میں سے گزر کر دیکھا ہے۔ پھر طوفان تو آئے گا بھی نہیں۔ بس ذرا سے بادل ہیں گرج برس کر چلے جائیں گے۔‘‘

لیکن اندر سے عنبر کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ طوفان آ رہا ہے اور بڑا شدید طوفان آ رہا ہے کیونکہ اگرچہ ہوا چل رہی تھی لیکن فضا میں حبس موجود تھا۔ یہ حبس اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ کوئی بہت بڑا طوفان آ رہا

ہے۔ عنبر کو اپنی فکر نہیں تھی وہ تو مصیبتوں اور تکلیفوں کا عادی تھا۔ طوفان میں اگر اس کی کشتی غرق بھی ہو جاتی تو وہ بڑے آرام سے لکڑی کے کسی تخت پر بیٹھ کر گزارہ کر سکتا تھا آخر ایک نہ ایک روز تو لکڑی کا تختہ بھی کنارے لگ جاتا ہے۔

لیکن اسے فکر تھی تو ساری فکر شگفتا کی تھی۔ جو ایک عورت بھی تھی اور ایک عام عورت بھی تھی۔ عام عورت ان معنوں میں کہ اس پر موت حملہ کر کے اسے ختم کر سکتی تھی۔ لیکن عنبر نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک شگفتا کو اس کے شوہر اور بچے سے نہیں ملاتا اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ سے نہیں ملے گا۔ پھر بھی طوفان سر پر کھڑا تھا۔ ہوا تیز ہو گئی تھی۔

اب مینہ بھی برسنا شروع ہو گیا تھا۔ مینہ کی بوچھاڑیں اور ہوا کے تھپیڑے بادبانوں کو پھڑ پھڑا رہے تھے۔ عنبر شگفتا کو لے کر نیچے تہہ خانے میں آ گیا یہاں بارش سے بچ کر آرام سے بیٹھ گئے۔ کشتی

سمندر کی لہروں میں ڈولنا شروع ہو گئی تھی شگفتہ کا دل بھی ڈوبنے لگا تھا۔ اس نے سمندر میں سفر ضرور کیا تھا مگر طوفان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہندوستان کا ساحل دو روز کے فاصلے پر رہ گیا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا۔ بجلی زور زور سے کڑکنے لگی۔ ہوا بے حد طوفانی ہو گئی اور سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنے لگیں۔ بادبانی کشتی میں بارش کا پانی بھرنے لگا عنبر اور شگفتہ نے مل کر پانی کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ بادبان چونکہ کھلے تھے۔ اس لیے ان میں آندھی کی ہوا بھر کر کشتی کو پاگل بنا کر اڑائے لیے جا رہی تھی عنبر لپک کر اوپر آیا اور اس نے خنجر سے بادلوں کی رسیاں کاٹ دیں بادبان سمٹ گئے۔ اس سے جہاز کی رفتار اور ڈولنا بھی کم ہو گیا۔ سمندر یہاں پر بڑا گہرا تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ ان کی بادبانی کشتی طوفان میں صرف اس لیے بچی ہوئی تھی کہ وہ ہلکی پھلکی تھی اور لہریں اسے جدھر کو موڑتیں وہ مڑ جاتی تھی۔ اگر اس کی جگہ کوئی بڑا بادبانی جہاز ہوتا تو وہ ضرور ٹوٹ پھوٹ جاتا۔

مگر اب طوفان اس قدر زیادہ بڑھ گیا تھا کہ اس ہلکی پھلکی کشتی کی بھی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ لہروں کے تھپیڑے اسے کھلونے کی طرح لہروں پر اچھال رہے تھے۔ تہہ خانے میں بھی پانی بھر گیا تھا اور کھانے پینے کی ساری چیزیں بھیگ گئی تھیں۔

عنبر نے کہا:

شگفتہ میں اوپر جا کر بادبان کھول کر ان کا رخ مخالف سمت کو کرتا ہوں اس طرح شاید ہماری کشتی ڈوبنے سے بچ جائے۔“

شگفتہ نے روتے ہوئے کہا: ”بھگوان کے لیے کچھ کرو عنبر بھائی۔“

عنبر نے کہا:

”اگر تم اسی طرح روتی رہیں تو میں کوئی کام نہ کر سکوں گا تم حوصلہ کیوں نہیں رکھتیں۔ جب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے

گا خدا ہمارے ساتھ ہے پھر تم کیوں گھبراتی ہو؟"

شگفتہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"عنبر بھائی! میں ایک ڈرپوک عورت ہوں۔ میرا بچہ میرے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا اس لیے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں شرمندہ ہوں۔ اچھا اب نہیں روؤں گی۔"

عنبر بولا:

شاباش! اب تم تہ خانے میں بیٹھو۔ میں اوپر جا کر بادبان کھول کر ان کا رخ بائیں جانب کو کر دوں۔"

شگفتہ تہ خانے میں ایک لکڑی کے تختے کے اوپر سمٹ کر بیٹھ گئی اور خدا کو یاد کرنے لگی۔ عنبر اوپر چلا گیا۔ بڑی تیز آندھی چل رہی تھی۔ سمندر کی لہریں شاں شاں کرتیں اوپر اٹھ کر کشتی کو ادھر سے ادھر اچھال رہی تھیں۔ بارش زوروں سے ہو رہی تھی۔ کشتی بادبانوں کے بغیر کسی

نامعلوم منزل کی طرف اپنے آپ بڑی تیزی سے اڑی جا رہی تھی۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہ بادبانوں کو کھول کر کشتی کے رخ کو دوسری طرف کرنے کی کوشش کرے گا۔

لیکن جب اس نے ایک ہی بادبان کھولا تو اس میں اس قدر تیزی سے ہوا بھر گئی کہ وہ پھٹ گیا۔ اور اس کے چیتھڑے اڑ کر سمندر میں پھیل گئے۔ یہ حال دوسرے بادبان کا ہوا۔ عنبر تیسرا بادبان کھول ہی رہا تھا کہ ایک زبردست لہر نے کشتی کو ایک طرف لڑھکا دیا۔ تہ خانے سے شگفتہ کی چیخ کی آواز آئی۔ عنبر نے نیچے جا کر شگفتہ کو اوپر کھینچا اور وہ ایک طرف کو لڑھکی۔

طوفان پورے زوروں پر تھا۔

شکنتلا اور عنبر طوفان سے کیسے نکلے؟

کیا وہ ہندوستان کے ساحل تک پہنچے؟

ناگ اور ماریا کے ساتھ کیوشو میں کیا بیتی؟

عنبر سے ان کی ملاقات کس ملک میں ہوئی؟

یہ سب واقعات آپ اس ناول کی
اگلی یعنی چونتیسویں قسط "آتشی اژدھا" میں پڑھیے۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر ناگ ماریا

آتشی اژدہا

PDFBOOKSFREE.PK کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست:۔

☆ کشتی ڈوب گئی
☆ ریچھ سے مقابلہ
☆ سمندری بلا
☆ قیدی لڑکا
☆ آدم خور
☆ غار پر حملہ
☆ دشمن کی تلاش
☆ آتشی اژدہا
☆ خونی بلا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کشتی ڈوب گئی

بادبانی کشتی طوفان کی وجہ سے ٹیڑھی ہوگئی تھی۔

عنبر اور شگفتا ٹیڑھی کشتی کے اوپر بیٹھے لہروں پر کسی نامعلوم منزل کی طرف بہے چلے جارہے تھے۔ اب طوفان کا زور اتر گیا تھا۔ سمندر کی لہریں سکون پر آگئی تھیں۔ سمندر کا پہلے جیسا زور نہیں رہا تھا۔ شگفتا بڑی ڈر رہی تھی۔ اسے سمندر سے خوف محسوس ہورہا تھا۔ عنبر نے اسے بہت سمجھایا کہ اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اسے مرنے نہیں دے گا۔ لیکن بیچاری شگفتا آخر ایک کمزور عورت تھی اور اس کے پاس عنبر کی طرح کوئی خفیہ طاقت بھی نہیں تھی۔ وہ اگر سمندر میں گر جاتی تو ڈوب کر مر سکتی تھی۔ اسے اپنا بچہ اور خاوند یاد آرہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

عنبر نے اسے تسلی دی:

"حوصلہ نہیں ہارو شگفتا! میں تمہیں سمندر میں ڈوبنے نہیں دوں گا اور اب تو طوفان بھی گزر گیا ہے۔ اب تمہیں کس کا ڈر ہے؟"

شگفتا نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا:

"بھگوان جانے ہمارا انجام کیا ہوگا؟ تم تو زندہ رہو گے مگر میں زندہ نہ رہوں گی۔ دیکھو کتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہماری کشتی کے گرد پھر رہی ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"یہ مچھلیاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ میں تمہارا ذمہ لیتا ہوں"

"لیکن عنبر آخر کب تک ہم اس ٹیڑھی کشتی پر سفر کر سکیں گے؟"

عنبر نے کہا:

"گھبراؤ نہیں شگفتا! میرے خدا نے چاہا تو ہم بہت جلد کسی نہ کسی جزیرے کے کنارے جالگیں گے۔ اس طرف سمندر میں بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے پھیلے ہوئے ہیں میرا تو خیال ہے کہ کل صبح تک کسی نہ کسی جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

شگفتا نے کہا:

"اور اگر اس جزیرے پر بھی آدم خوروں کا بسیرا ہوا تو کیا ہوگا؟"

عنبر نے اسے حوصلہ دیا:

"آدم خور تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ میں جب تک تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی آدم خور وحشی یا آدم خور جانور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ساری رات اور سارا دن وہ دونوں ٹیڑھی کشتی پر بیٹھے سمندر میں سفر کرتے رہے۔ رات کو سردی ہوگئی۔ عنبر نے اپنی چادر سر سے اتار کر شگفتا کو دے دی۔ کیونکہ عنبر کو تو سردی لگتی ہی نہیں تھی، شگفتا بے چاری

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

نے سردی میں ٹھٹھرنا شروع کر دیا تھا۔ سمندر میں رات کو ہمیشہ ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ پیاس اور بھوک کے مارے شگفتا کا برا حال ہونے لگا تھا۔ پیاس کی وجہ سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ بھوک نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ عنبر کو نہ تو بھوک تنگ کر رہی تھی نہ پیاس۔ اگر وہ پریشان تھا تو شگفتا کی وجہ سے پریشان تھا۔ مگر مجبور تھا۔ اس کے لیے کھانا اور پانی کہاں سے لاتا۔

دوسرے دن کا سورج نکلا تو سمندر پر چاروں طرف دھوپ پھیل گئی۔ دھوپ کی وجہ سے فضا گرم ہوگئی۔ شگفتا کشتی پر نڈھال سی ہو کر لیٹی ہوئی تھی۔ عنبر نے سوچا! پانی میں سے کسی مچھلی کو پکڑ کر شگفتا کے پیٹ کی آگ بجھانی چاہیے۔ اس نے کشتی پر لیٹ کر ایک ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ مچھلیاں اس کے ہاتھ میں سے پھسل پھسل کر جانے لگیں۔ آخر عنبر نے ایک لمبی سی مچھلی کو پکڑ لیا۔ اس نے مچھلی کا پیٹ چاک کر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کے صاف کیا اور شگفتا کو کہا کہ وہ اسے کھالے۔

"یہ تو کچی ہے بھائی۔"

"پھر کیا ہوا شگفتا بہن، مچھلی آدھی پہلے ہی پکی ہوئی ہوتی ہے اور پھر تمہیں بھوک بھی تو بہت لگی ہے۔ لو اسے کھا جاؤ۔"

شگفتا نے کچی مچھلی کے تین چار ٹکڑے کھائے تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک واپس آ گئی۔

اس نے کہا:

"بھگوان کا شکر ہے کہ مجھے کچھ کھانے کو دو لقمے ملے نہیں تو میرا تو بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ اب بھگوان ہم پر رحم کرے اور زمین آ جائے۔"

"ضرور ضرور، فکر نہ کرو۔ خدا ہماری یہ دعا بھی قبول کرے گا۔"

شگفتا نے کہا:

"عنبر بھائی تم کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں بھی تو بھوک لگی ہو گی۔ پیاس لگی ہو گی؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اچھی بہن، خدا کی مہربانی سے نہ مجھے بھوک ستاتی ہے نہ پیاس تنگ کرتی ہے۔ میں ان دونوں چیزوں سے بے نیاز ہوں۔ تم میرا فکر کرنا چھوڑ دو۔"

شگفتا نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"تم سچ مچ کسی دیوتا کے اوتار ہو عنبر بھائی ہمارے ملک میں لوگ آپ کی پوجا کریں گے۔"

عنبر ہنس پڑا:

"پیاری بہن، مجھے کسی سے پوجا کروانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میں ایک دیوتا بن کر زندگی گزار سکتا تھا۔ لیکن مجھے اس کی ضرورت

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے میں ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک عام انسان۔۔۔ جو محنت کرتا ہے اور روکھی سوکھی کھا کر خوش خوش رہتا ہے۔

شگفتا بڑے غور سے عنبر کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ شخص سچ مچ بڑی طاقتوں کا مالک ہے اور دیوتا ہے وہ خود اس کی پوجا کرنا چاہتی تھی۔ عنبر باتیں بھی کر رہا تھا اور سمندر میں چاروں طرف نظر بھی دوڑا لیتا تھا۔ ایک دم وہ باتیں کرتے کرتے رک گیا۔ دور مشرق کے افق پر اسے کالی لکیر نظر آنے لگی تھی۔

"شگفتا! بہن مبارک ہو۔"

"کس بات کی بھائی؟"

"زمین نظر آ گئی ہے۔"

"کیا سچ مچ؟"

"ہاں ادھر دیکھو۔"

شگفتا نے دیکھا کہ دور سمندر میں ایک کالی لکیر پھیلی ہوئی ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ پھر وہ سوچ کر اداس ہو گئی کہ کہیں یہ کسی طوفان کی لہر نہ ہو۔ عنبر نے اسے سمجھایا کہ اتنی جلدی کبھی دوسرا طوفان سمندر میں نہیں آیا کرتا۔ ایک بار طوفان گزر گیا ہے تو اب کچھ روز کے بعد طوفان آئے گا۔

"کیا یہ سچ مچ زمین ہے عنبر بھائی؟"

"ہاں شگفتا! میں سمندروں اور جزیروں سے خوب واقف ہوں یہ کسی جزیرے کا ساحل ہے۔ تم دیکھ لینا یہ لکیر بڑھتی جائے گی پھر تمہیں درخت نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔"

عنبر نے ٹھیک کہا تھا۔

لکیر نے پھیلنا شروع کر دیا۔ دوپہر کے وقت شگفتا نے دیکھا کہ وہ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کالی لکیر ناریل اور تاڑ کے گھنے درخت بن گئے تھے جن کی ٹہنیاں سنہری دھوپ میں لہرا رہی تھیں۔ شگفتا کی خوشی کا تو ٹھکانہ نہ رہا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس جزیرے پر انہیں کھانے پینے کو بہت کچھ مل جائے گا۔ ان کی کشتی ٹیڑھی ہو کر اب آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوبنے لگی تھی۔ انہیں ابھی تک لمبے لمبے مستولوں نے بچا رکھا تھا جو کشتی کو اپنے ساتھ سمندر پر تیرا رہے تھے۔ اگر لکڑی کے لمبے مستول نہ ہوتے تو کشتی کب کی ڈوب چکی ہوتی مگر اب کشتی میں پانی بھرنے لگا تھا۔

عنبر نے کہا:

"کشتی میں پانی بھرنا شروع ہو گیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" شگفتا گھبرا گئی تھی۔

عنبر بولا:

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہم جزیرے پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ جس حساب سے کشتی میں پانی بھر رہا ہے اس حساب سے ہم بہت پہلے جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

مگر ایسا نہ ہوا۔ عنبر کا اندازہ غلط نکلا تھا۔ کشتی میں لہروں کے بار بار ٹکرانے سے ایک شگاف بن گیا تھا۔ جس میں سے پانی بڑے زوروں کے ساتھ کشتی کے تہ خانے میں داخل ہو رہا تھا۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا شگفتا کو خطرہ تھا۔ ساحل ابھی کافی دور تھا کہ کشتی ہولے ہولے ڈوبنے لگی۔ شگفتا گھبرا کر رونے لگی۔ عنبر نے کہا:

"روتی کس لیے ہو بہن؟ کیا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں؟ میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں ڈوبنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔ میں سمندر میں دو آدمیوں کو کندھے پر بٹھا کر تیر سکتا ہوں۔"

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

"مگر تم خود ڈوب جاؤ گے۔"

"ہرگز نہیں شگفتا! میں ڈوب نہیں سکتا۔"

تھوڑی دیر بعد کشتی ڈوبتے ڈوبتے ان کے نیچے سے نکل کر سمندر کی تہہ میں چلی گئی اور وہ دونوں سمندر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے شگفتا نے گھبرا کر عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گردن تک پانی میں ڈوب گئی تھی۔ اسے دو ایک غوطے بھی آئے۔ سمندر کا نمکین پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا۔ وہ کھانسنے لگی۔ عنبر نے اسے بڑے آرام سے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا اور خدا کا نام لے کر جزیرے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ جزیرے کا ساحل دور تھا۔ مگر اس کے گھنے درخت پوری طرح نظر آ رہے تھے۔ عنبر جزیرے کی طرف تیرتا چلا گیا۔ تیرتے تیرتے اس نے شگفتا سے پوچھا:

"اب تو سب ٹھیک ہے ناں بہن؟"

شگفتا کا خوف کے مارے برا حال تھا اس نے کپکپاتے ہوئے کہا:

"میں ڈر رہی ہوں بھگوان میری حفاظت کرنا۔"

عنبر نے کہا:

"شگفتا! تم میرے ساتھ بڑے آرام سے پہنچ جاؤ گی۔ تم بالکل مت گھبراؤ۔ میں تمہیں بڑے سکون کے ساتھ ساحل پر پہنچا دوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں تم سمندر میں غرق نہیں ہو سکتیں۔"

عنبر شگفتا کو اپنے کندھے پر بٹھائے تیرتا ہوا جزیرے کے ساحل پر آ گیا۔ ساحل کی ریت پر آتے ہی اس نے شگفتا کو ریت پر لٹا دیا۔ شگفتا کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ نقاہت اور کمزوری سے بے جان سی ہو رہی تھی۔ عنبر وہاں سے اٹھ کر درختوں کے سائے میں گیا اور زمین پر گرے ہوئے دو ناریل لے کر آ گیا۔ اس نے ناریل توڑ کر اس کا میٹھا پانی شگفتا کو پلایا۔ تھوڑا سا گودا بھی کھلایا۔ پانی پی کر اور گری کھا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کر شگفتا کی جان میں جان آئی۔ اس نے کچھ دیر بعد عنبر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ عنبر نے کہا:

“میں نہ کہتا تھا کہ تمہیں ساحل پر لے آؤں گا۔ اب دیکھ لو میں تمہیں لے آیا ہوں۔ اب ہم دونوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔”

دونوں نے ہاتھ باندھ کر اپنے اپنے انداز میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کی مصیبت میں مدد کی اور خیریت سے ساحل تک پہنچا دیا۔

شگفتا کافی دیر تک ریت پر لیٹی رہی۔ اب اس کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ ناریل کے میٹھے پانی اور سورج کی گرمی نے اس کے جسم میں حرارت پیدا کر کے اس کی طبیعت درست کر دی تھی۔

عنبر نے کہا:

“میرا خیال ہے کہ شاید اس جزیرے میں بھی کوئی آبادی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو یہاں کے لوگ گھنے جنگل میں کہیں موجود ہوں گے۔”

“ہاں بھائی ساحل کے ساتھ ساتھ تو ایک بھی جھونپڑا دکھائی نہیں دے رہا۔ بھگوان کرے کہ یہاں اچھے لوگوں کی آبادی ہو۔ اگر آدم خور نکل آئے تو تمہیں خبر ہونے تک ان کے تیر کم از کم مجھے ضرور چھلنی کر دیں گے۔”

عنبر نے مسکرا کر کہا:

“اچھی بہن تم کیوں اس قسم کی باتیں سوچ سوچ کر اپنے آپ کو پریشان کرتی ہو؟ جب میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا کہ تمہیں یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ تم بڑے سکون کے ساتھ ایک نہ ایک روز اپنے بچے اور خاوند کے پاس پہنچ جاؤ گی تو پھر تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟”

شگفتا بولی:

“اچھا بھائی میں اب پریشان نہیں ہوں گی۔ بھگوان تمہیں طاقت دے شکتی دے کہ تم غریبوں اور ضرورت مندوں کے کام آ سکو۔

تم ایک سچے دیوتا ہو۔ دیوتاؤں کے اوتار دیوتا ہو۔ میں ساری زندگی تمہارا احسان نہ بھلا سکوں گی۔ بھگوان ہمیں اس جزیرے کی مصیبت سے بھی نجات دلائے۔“

عنبر نے کہا:

”رات کے ہونے سے پہلے پہلے ہمیں ایسا بندوبست کر لینا چاہیے جہاں ہم رات بسر کر سکیں کیونکہ ہمیں ابھی تک کچھ خبر نہیں کہ اس جزیرے پر کون لوگ رہتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے لیے ان درختوں کے نیچے ایک جھونپڑا بنا لیں۔ اس جھونپڑے میں ہم بڑی آسانی سے رات بسر کر سکیں۔ کیا خیال ہے شکنتلا؟“

”ٹھیک خیال ہے بھائی ہمیں ابھی سے جھونپڑا بنانا شروع کر دینا چاہیے۔

دونوں ریت پر سے اٹھ کر درختوں کے نیچے گئے اور انہوں نے زمین پر پڑی ہوئی ناریل کے درختوں کی لمبی لمبی ٹہنیاں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ ٹہنیاں کندھوں پر لاد کر انہوں نے ایک جگہ ڈھیر کر دیں جب کافی ذخیرہ جمع ہو گیا تو عنبر نے اسی جگہ جھونپڑی بنانا شروع کر دی۔ جھونپڑی بنانے میں اسے بہت مہارت ہو چکی تھی۔ وہ کئی جزیروں پر اس قسم کی جھونپڑیاں بنا کر رہ چکا تھا۔

شام تک جزیرے کے ساحل پر ناریل کے درختوں کے نیچے جھونپڑی بن کر تیار ہو گئی۔ عنبر نے جھونپڑی کے اندر بھی زمین پر گھاس پھونس اور سوکھے پتوں کا فرش بچھا دیا۔ جھونپڑی کی چھت ڈھلانی تھی تاکہ اگر بارش ہو تو پانی چھت پر سے بہہ جائے۔ عنبر کو کچھ خبر نہ تھی کہ ابھی انہیں کسی جہاز کے انتظار میں کتنی دیر وہاں رہنا پڑے گا۔ وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ نقشہ تجارتی جہازوں کے راستے پر نہیں ہے بلکہ بہت

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

بہٹ کر ہے اس لیے یہاں کسی جہاز کا گزر بڑی مشکل بات ہے۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ درخت کاٹ کر کشتی بنائی جائے۔

اس کام کے لیے عنبر نے دو درخت بھی چن لیے جنہیں کاٹ کر وہ کشتی بنا سکتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ درخت کو کاٹا کیسے جائے؟ ان کے پاس نہ کوئی آری تھی اور نہ کوئی چاقو چھری وغیرہ تھی۔ وہ رات انہوں نے جھونپڑے میں بسر کر دی۔ عنبر نے جھونپڑے کو اندر سے دو حصوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایک حصے میں چیچی شکنتلا سوئی اور اگلے حصے میں عنبر سو گیا۔ وہ آدھی رات تک پہرہ بھی دیتا رہا اور سوچتا بھی رہا کہ اس جزیرے میں کب تک انہیں رہنا ہو گا۔

وہ یہ باتیں معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا کہ اس جزیرے پر کوئی قبیلہ آباد بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو وہ کہاں گیا؟ کیونکہ ایسا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کے زرخیز جزیرے پر انسان کی آبادی نہ ہو۔ انسان اس جزیرے میں ضرور رہتے تھے۔ لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ اور وہ لوگ کون ہیں؟ کیا ان کا تعلق ریڈ انڈین قبیلے سے ہے یا لمبے بالوں والے عیسائی ہیں؟ عنبر نے فیصلہ کیا کہ وہ کل صبح کو سارے جزیرے میں گھوم پھر کر دیکھے گا۔

* * *

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ریچھ سے مقابلہ

شگفتا ابھی جھونپڑے میں سوئی ہوئی تھی کہ عنبر نے اٹھ کر جزیرے کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ اسے اس جزیرے کے جنگل میں اکیلے گھومتے ہوئے کوئی خطرہ یا ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس قسم کے ویران جزیرے بہت دیکھ چکا تھا۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ جزیرا پہلے والے جزیرے سے بہت زیادہ گھنا تھا۔ یہاں قدم قدم پر درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ جھاڑیاں پورے پورے ایک آدمی کے قد کی تھیں۔ بعض جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درختوں کی شاخیں زمین پر لٹک رہی تھیں۔ ان کے اوپر رنگ برنگ کے طوطے اور چڑیاں بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔

عنبر سیر کرتے کرتے جنگل میں کافی آگے نکل گیا۔ یہ جزیرا اتنا بڑا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جزیرے کے دوسرے ساحل پر پہنچ گیا۔ سارا جنگل سنسان تھا۔ کہیں کوئی آبادی نہیں تھی۔ جنگلی وحشی لوگ بھی یہاں نہیں تھے۔ عنبر کو یقین ہو گیا جزیرے پر کوئی انسان یا جانور آباد نہیں ہے۔ اب وہ دوسری طرف سے جنگل میں داخل ہو گیا۔

جزیرے کا یہ ساحل بھی پہلے والے ساحل کی طرح سنسان اور غیر آباد تھا صرف اس طرف ساحل کے ساتھ ساتھ بھورے رنگ کی چٹانیں بہت تھیں۔ جن میں سے بعض کا رنگ موسموں کی مار کھا کر سیاہ پڑ گیا تھا۔ یہ چٹانیں بڑی ڈراؤنی لگتی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کئی چڑیلیں ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھی ہیں۔

اب عنبر دوسری طرف سے جنگل میں داخل ہوا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں جزیرے کے جنوب مشرقی علاقے میں کوئی آبادی تو نہیں

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ جنگل کا یہ حصہ بھی بہت ہی گھنا تھا۔ بڑے بڑے گنجان، گہری چھاؤں والے اونچے لمبے درخت بڑی شان سے کھڑے تھے۔ ان کی اوپر والی شاخیں سمندر کی طرف سے آتی ہوا میں جھوم رہی تھیں۔ عنبر چلتا چلا گیا۔ وہ اپنے اندازے کے مطابق بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔ یہ جنگل کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تھا۔ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔ عنبر کو خیال آیا کہ کہیں وہ بھٹک نہیں گیا۔ لیکن کچھ بھی ہو ایک چھوٹے سے جزیرے پر وہ کہاں بھٹک سکتا تھا۔ بہر حال وہ کسی نہ کسی طرف سمندر کے ساحل پر تو نکل ہی سکتا تھا۔

جنگل اتنا گھنا تھا کہ سورج کی دھوپ وہاں نہیں پہنچ رہی تھی۔

یہ دھوپ درختوں کے اوپر ہی اوپر رہ جاتی تھی۔ نیچے سورج کی روشنی بڑی دھیمی ہو کر پہنچ رہی تھی۔ عنبر نے ایک جگہ ایک سانپ کو دیکھا جو درخت کی ٹہنی سے نیچے تک لٹک رہا تھا۔ یہ سانپ اژدہا قسم کا تھا اور

بڑا موٹا تھا۔ عنبر اسے دور کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ یہ سبز اور سیاہ رنگ کا کوڑیوں والا سانپ بڑا ہی خوبصورت تھا۔

سانپ کا سر نیچے جھوم رہا تھا۔ شاید اسے بھی عنبر کا پتہ چل گیا تھا۔ اس نے نیچے لٹکے ہی لٹکے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا۔ سانپ کی آنکھیں گہری سرخ تھیں اور ان میں بڑی کشش تھی۔ مگر عنبر کے اندر بھی بے حد طاقت اور کشش تھی۔ کہتے ہیں سانپ جس کی طرف دیکھتا ہے اس پر اپنا جادو ڈال دیتا ہے۔ لیکن عنبر کی آنکھوں میں اتنی کشش تھی کہ یہ بھی جس طرف دیکھتا تھا اس پر جادو ڈال دیتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ سانپ کا اثر صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کمزور ہوتے ہیں۔ جو لوگ طاقت ور خیال کے ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر سانپ بھاگ جاتا ہے۔

اس اژدہا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ عنبر نے جب گھور کر اژدہا کی آنکھوں

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

میں آنکھیں ڈالی تو سانپ کو شاید زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ اسے کوئی بڑی ہی طاقت ور آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ سانپ کو اپنی طاقت اور اپنا زہر ختم ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اپنا منہ اوپر اٹھایا اور درخت پر رینگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ عنبر مسکرا کر آگے چل دیا تھوڑی دور آگے جا کر اس نے ایک درخت پر اسی قسم کا ایک سانپ دیکھا جو اوپر کسی شے پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

عنبر نے اوپر دیکھا تو وہاں درخت کی شاخ پر بڑا ہی موٹا چوہا بیٹھا تھا شاید چوہے نے بھی سانپ کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کر لیا تھا چوہا چونکہ ایک کمزور جانور ہے اس لیے وہ سانپ کو اپنے قریب پا کر کانپ رہا تھا۔ اس کی جگہ اگر شیر کا بچہ ہوتا تو کبھی سانپ کو دیکھ کر نہ ڈرتا، بلکہ سانپ اسے دیکھ کر ڈر جاتا اور وہاں سے بھاگ جاتا۔ کیونکہ شیر کا بچہ بہادر ہوتا ہے۔ اس کے اندر کمزوری نہیں ہوتی بلکہ بہادری ہوتی ہے۔ دلیری اور جرات ہوتی ہے۔ بہادر اور دلیر انسان سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ عنبر اس جگہ کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ سانپ کس طرح چوہے پر حملہ کرتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ سانپ گھات لگائے بیٹھا ہے۔ وہ چوہے پر ضرور حملہ کرے گا۔ عنبر چوہے کو کانپتے ہوئے صاف دیکھ رہا تھا۔ چوہے میں اگر دلیری اور بہادری ہوتی تو اپنی جان بچا سکتا تھا۔ بلکہ سانپ پر حملہ کر کے اسے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ لیکن چوہے کی بزدلی اسے موت کے پاس لے جا رہی تھی۔ موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ سانپ بجلی ایسی پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا۔

اس کا منہ کھلا اور آدھا چوہا سانپ کے منہ میں تھا چوہے نے چیخنا شروع کر دیا۔ اب بزدلوں کی طرح چیخنے سے کیا ہوتا ہے۔

سانپ نے چوہے کو ایک دم ہڑپ کر لیا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

چوہے کو ہڑپ کرنے کے بعد سانپ رینگتا ہوا دوسرے درخت پر چلا گیا۔ عنبر سانپ کے اس شکار پر بڑا خوش ہوا۔ اسے خیال آیا کہ قدرت بہادر اور دلیر جانور کو پسند کرتی ہے اور اسے زندہ رہنے کا موقع دیتی ہے جب کہ بزدل جانور کو دوسرے جانور اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ وہ اسی قسم کی باتیں سوچتا چلا جا رہا تھا کہ اس کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا۔ ٹھوکر سی کھا کر وہ ایک درخت کے تنے پر گر پڑا۔

اس درخت کے تنے پر بڑے بڑے چوڑے، کانٹے دار لمبوترے پتے اپنے بازو پھیلائے تھے۔

عنبر کو خیال نہیں تھا کہ یہ آدم خور درخت ہے۔

جزیروں اور افریقہ کے جنگلوں میں ایسے بہت سے درخت پائے جاتے ہیں جو گوشت خور ہوتے ہیں۔ وہ اپنی شاخیں پھیلائیں کھڑے رہتے ہیں۔ جوں ہی کوئی جانور یا انسان ان کے اوپر گرتا

ہے ان کی شاخیں ریچھ کے بازوؤں کی طرح اسے اپنے ساتھ لگا کر جکڑ لیتی ہیں۔ ان کی گرفت اور پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑا طاقتور آدمی بھی اگر چاہے تو ان کا حلقہ توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔ ان آدم خور اور گوشت خور درختوں کی ٹہنیاں لوہے کی طرح مضبوط ہوتی ہیں۔ لچک جاتی ہیں مگر ٹوٹتی نہیں ہیں۔ پھر یہ ٹہنیاں اپنے لمبے لمبے کانٹے جانور یا انسان کے جسم میں چبھو کر اس کا خون پینا شروع کر دیتی ہیں۔ جب شکار کے جسم سے سارا خون نکل جاتا ہے تو پھر اس کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھانا شروع کرتی ہیں اور آخر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر نیچے پھینک دیتی ہیں۔

عنبر بھی جس درخت پر گرا وہ اسی قسم کا گوشت خور درخت تھا۔ اس کے گرتے ہی درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں آپس میں مل گئیں اور انہوں نے عنبر کو کھینچ لیا۔ پہلے تو عنبر گھبرا گیا کہ یہ کس مصیبت سے پالا پڑ گیا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

پھر اسے خیال آیا کہ یہ تو گوشت خور درخت ہے۔ وہ چپکے سے شاخوں میں پڑا رہا۔ درخت نے اب اپنا کام شروع کر دیا۔

اس کی شاخوں نے اپنے لمبے لمبے نوکیلے کانٹے عنبر کے جسم میں چبھوئے اور اپنی طرف سے عنبر کا خون پینا شروع کر دیا۔ مگر عنبر کے جسم میں خون ہوتا تو کوئی اسے پیتا۔ وہاں تو خون نام کی کوئی شے نہیں تھی شاخوں کے کانٹے عنبر کے جسم میں اس طرح اتر گئے جس طرح ربڑ کے اندر اتر گئے ہوں۔ وہاں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔

کانٹے اپنا کام کر رہے تھے۔ مگر درخت کی شاخوں نے محسوس کیا کہ ان کے اندر خون نہیں جا رہا۔ درخت اپنے انداز میں ضرور پریشان ہو گیا ہو گا۔ اس کے برخلاف یہ ہوا کہ درخت کی شاخوں کے کانٹے ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ خدا معلوم عنبر کے جسم میں وہ کون سا زہر تھا کہ کانٹے جھڑنے لگے تھے۔ درخت کی شاخوں نے گھبرا کر عنبر کو چھوڑ

دیا۔ عنبر شاخوں میں سے نکل کر درخت کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا۔

"اے آدم خور درخت! تو نے زندگی میں پہلی بار میرے جیسا انسان دیکھا ہو گا۔ یاد رکھ اگر مجھے تمہاری بھوک کا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی پتھروں کو رگڑ کر تمہیں آگ لگا دیتا۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا اس لئے کہ تمہیں قدرت نے پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تو جانوروں سے اپنا رزق حاصل کرے۔ تو اندھا ہے۔ نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ پس میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عنبر آگے نکل گیا۔

درخت کی ٹہنیاں دیر تک منہ اٹھائے کھڑی جیسے عنبر کو جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ عنبر جنگل میں سے گزرنے لگا۔ اب وہاں چھوٹی چھوٹی چٹانیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان چٹانوں پر سیاہ رنگ کی لمبی لمبی گھاس اگی تھی۔ بعض چٹانوں میں سے سیاہ رنگ کا مادہ سا نکل کر بہہ رہا تھا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے قریب جا کر دیکھا' یہ مادہ گرم تھا اور اس میں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ ٹھیک اس وقت عنبر نے جنگل میں ایک ریچھ کی آواز سنی۔ ریچھ کی آواز کو عنبر خوب پہچانتا تھا۔ اب عنبر کو شکنتلا کا خیال آیا جسے وہ جھونپڑے میں اکیلی چھوڑ آیا تھا۔ اسے فکر ہوا کہ وہ اکیلی ہے۔ کہیں ریچھ اس پر حملہ نہ کر دے۔ کیونکہ ریچھ کی آواز اسی جانب سے آئی تھی جس طرف شکنتلا کی جھونپڑی تھی۔ عنبر نے جنگلوں میں بھاگنا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک بار پھر اسے ریچھ کی غراہٹ سنائی دی۔ اب وہ سمندر کے کنارے پہنچ رہا تھا۔ اسے سمندر کی طرف سے ہوا آنے لگی تھی۔ ایک بار جو ریچھ کی آواز بلند ہوئی تو اس کے ساتھ ہی عنبر کو شکنتلا کی چیخ بھی سنائی دی۔ عنبر کے اندر جیسے کسی نے بجلی بھر دی۔ اسے شکنتلا کی شکل یاد آ گئی کہ ریچھ اس پر حملہ کر رہا ہے اور وہ رو رہی ہے۔ چیخ رہی ہے اور پیچھے ہٹتی چلی جا رہی ہے۔ عنبر نے پوری طاقت سے آواز لگائی:

”میں آ رہا ہوں شکنتلا!“

یہ آواز شکنتلا کے علاوہ ریچھ نے بھی سن لی۔ اس وقت ریچھ شکنتلا کے جھونپڑے کے سامنے چٹان کے پاس اپنے دونوں پاؤں اٹھائے کھڑا تھا اور ہولے ہولے غراتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شکنتلا خوف کے مارے زمین پر گر پڑی تھی اور رینگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے عنبر کی آواز سنی تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے عنبر اس کی مدد کو وہاں پہنچ گیا ہے۔ ریچھ ایک پل کے لیے گردن گھما کر ٹھٹکا۔ اس نے اپنی موٹی کالی گردن گھما کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ جب اسے دوسری آواز سنائی نہ دی تو وہ دوبارہ شکنتلا پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ ابھی اس نے ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ ریچھ نے فضا میں ایک اور آدمی کی بو سونگھی۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

گویا ایک اور شکاری وہاں آن پہنچا تھا۔ ریچھ کئی عرصے سے انسانی گوشت کا بھوکا اور پیاسا تھا۔ انسان کی بو پا کر وہ مست ہو گیا تھا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور شگفتہ کی طرف لپکا۔ شگفتہ ڈر کے مارے ریت پر جہاں پڑی تھی وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اس میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ ایک قدم بھی اور آگے رینگ سکے۔ اس کا کمزور جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ سیاہ کالا بھاری بھرکم ریچھ اس کے سر پر آ کر اپنا بالوں بھرا بدن تھرتھرا کر ناچنے اور غرانے لگا۔

آدم خور ریچھ شگفتہ کو اپنا تر نوالہ بنانے سے پہلے خوب ناچنا چاہتا تھا۔ وہ ریت پر نیم بے ہوش عورت کے ارد گرد چکر لگانے لگا پھر اس نے شگفتہ کی گردن پر پنجہ مارا۔

اس کے استرے ایسے تیز تیز بلیڈ اگر شگفتہ کی گردن پر پڑ جاتے تو وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتی۔ لیکن اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس نے اپنا

منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ بچ گئی۔ اس کے منہ سے خوف کے مارے چیخ نکل گئی۔

ٹھیک اس وقت عنبر جنگل سے نکل کر ساحل کی ریت پر آ گیا تھا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ شگفتہ زمین پر پڑی ہے اور ایک خوفناک ریچھ اس کے گرد ناچ رہا ہے اور بار بار اس پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عنبر نے زور سے آواز دی:

"شگفتہ، میں آ گیا ہوں گھبراؤ نہیں۔"

ریچھ نے ایک اور آدمی کی آواز سنی تو اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس کے پیچھے عنبر دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریچھ نے سوچا یہ کیسا انسان ہے کہ بجائے اس سے ڈرنے کے اس کی طرف بڑی دلیری کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس نے شگفتہ کو تو وہیں چھوڑا اور اب عنبر پر حملہ کرنے کے لیے اس کی طرف بڑھا۔ عنبر پہلے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

سے ہی تیار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریچھ کی گردن دبوچنے کی کوشش کی۔ ریچھ کی گردن اتنی موٹی تھی کہ اس کے قابو میں نہ آئی۔ دوسری طرف ریچھ نے اپنی پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر پنجہ مارا۔

استرے ایسے تیز ناخن عنبر کی گردن سے پھر کر باہر آ گئے۔

مگر عنبر کو کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ نہ خون بہا اور نہ گردن کٹی زخم پھر ربڑ کی طرح آپس میں مل گیا۔ شگفتا اٹھ کر پرے بھاگ گئی۔ عنبر نے زمین پہ سے ریت اٹھا کر ریچھ کی آنکھوں میں ڈال دی۔ ریچھ گھبرا گیا۔

اس نے عنبر کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور زور لگا کر اسے بھینچنا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور انسان ہوتا تو اس کی ساری پسلیاں ٹوٹ جاتیں۔ مگر عنبر کی پسلیاں اور ہڈیاں تو لوہے جیسی بنی ہوئی تھیں۔

اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ عنبر نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ریچھ کی آنکھوں میں ڈال کر اس کے ڈیلے باہر نکال دیے۔ ریچھ اندھا ہو کر غصے میں آ گیا۔ وہ غصے میں پاگل ہو کر عنبر پر جھپٹا۔

عنبر کو ریچھ کے وار سے بچنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ریچھ کے ہر وار کو وہ اپنے سینے پر سہتا۔ اس کے سینے پر ریچھ کے ناخنوں سے لمبا زخم لگتا اور پھر گوشت ربڑ کی طرح آپس میں مل جاتا۔

دونوں لڑتے لڑتے گر پڑے۔ عنبر نے زمین پہ سے پتھر اٹھا کر ریچھ کی کھوپڑی پر مارنا شروع کر دیا۔ شگفتا دور کھڑی کانپ رہی تھی۔

عنبر نے کہا:

"شگفتا! ریچھ کے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا میں ابھی اس کا کام تمام کیے دیتا ہوں۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ عنبر بڑی آسانی سے ریچھ کے سر پر پتھر مار رہا تھا۔

ریچھ اپنے پنجوں سے عنبر کی کھال ادھیڑ رہا تھا لیکن عنبر کی کھال لوہے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

جیسی تھی۔ اس پر ریچھ کے پنجوں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

آخر ریچھ تھک گیا۔ اس کے ڈیلے پھوٹ گئے تھے۔ عنبر نے کھوپڑی پر پتھر مار مار کر اسے توڑ دیا تھا۔ ریچھ خون میں لت پت ہو گیا۔ کمزوری محسوس کرنے لگا اور زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی عنبر اس پر جھپٹا اور پتھر مار مار کر اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دیے۔

ریچھ نے آخری سانس لیا اور مر گیا۔

عنبر نے اٹھ کر شگفتا کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اسے تسلی دی۔

شگفتا بے چاری کا ڈر کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ عنبر نے اسے جھونپڑے میں لے جا کر گھاس پر لٹا دیا اور اسے ناریل توڑ کر اس کا دودھ پلایا۔ اور پھر اسے بتایا کہ وہ جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اسے ریچھ کی آواز اور پھر شگفتا کی چیخ سنائی دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا اور میری اچھی بہن کی جان بچ گئی۔"

☆

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

سمندری بلا

یہ جزیرے پر ان کی دوسری رات تھی۔

اس ویران جزیرے میں کھانے پینے کے لیے پھل تھے اور چشمے ندی کا پانی تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیا بات تھی کہ یہاں کسی قسم کی بھی انسانی آبادی نہیں تھی۔ عنبر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنے زرخیز اور خوش حال جزیرے پر کوئی آبادی نہ ہو۔ لیکن اس نے دوسرے روز بھی جزیرے کو سارے کا سارا چھان مارا تھا۔ مگر اسے آبادی کا کہیں کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ شکنتلا کے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ وہ اب اس جزیرے سے کیسے اپنے ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو؟ ایک

بات ظاہر تھی کہ اس جزیرے پر کبھی کوئی جہاز نہیں آئے گا۔ دوسرے اگر وہ کسی نہ کسی طرح ایک کشتی بنا بھی لیں تو وہاں سے کدھر کو روانہ ہوں؟ یوں ہی بے یار و مددگار سمندر میں بھٹکنے اور طوفان کا مقابلہ کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اسی جزیرے میں بیٹھ کر وقت کا انتظار کریں۔

عنبر تو وہاں سے کشتی بنا کر جانے کو تیار تھا۔ مگر شکنتلا تیار نہیں تھی۔ وہ اپنی جان کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ عنبر بھی اسے مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہ سمندری طوفان سے بے حد ڈرتی تھی۔ خدا جانے وہ کس مصیبت میں سے اسے پہلے ہی طوفان سے نکال کر ساحل تک لایا تھا۔ عنبر کو صرف ایک امید تھی کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس جزیرے پر آن لگے اور وہ اس میں سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اسے یہ کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ایسا بھولا

بھلا کا جہاز کب آئے گا اور آئے گا بھی یا نہیں؟

بہرحال اس نے شگفتہ کو بڑی تسلی دی تھی کہ وہ خدا نے چاہا تو بہت جلد اس جزیرے سے چل پڑیں گے۔ شگفتہ نا امید تھی۔ پریشان تھی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار اپنے بچے اور خاوند اور گھر بار کو یاد کر کے آنسو آ جاتے تھے۔ عنبر اسے ہر دفعہ حوصلہ دیتا اور کہتا کہ اس طرح پریشان ہونے سے بھلا کیا ہو گا؟

“شگفتہ بہن میں جانتا ہوں کہ انسان کی زندگی میں اس قسم کی مصیبتیں آتی ہی رہتی ہیں۔ ان مصیبتوں کو شکست وہی انسان دے سکتا ہے جو ان مصیبتوں سے گھبراتا نہیں اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہم اس چھوٹے سے جزیرے میں گھر گئے ہیں۔ ویسے اگر یہ جزیرہ نہ ہوتا تو کم از کم تمہارا زندہ بچنا ممکن تھا۔ اس جزیرے نے تمہاری جان بچائی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے ایک کشتی بنا کر بھی لے جا سکتا ہوں۔ مگر اس میں بھی تمہاری جان کا خطرہ ہے۔ میں تو مر نہیں سکتا لیکن تمہاری جان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہاں بیٹھ کر کسی سفر کرتے ہوئے جہاز کی راہ دیکھیں۔”

شگفتہ بولی:

“مگر عنبر بھائی اس طرف تو شاید قیامت تک بھی کوئی جہاز نہیں آئے گا ہم تو ایک فضول امید کے سہارے یہاں بیٹھے ہیں۔”

عنبر نے کہا:

“نہیں شگفتہ ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے ان جزیروں اور سمندروں کا بڑا تجربہ ہے۔ اگر سمندر میں جہاز غرق ہو جاتے ہیں تو قدرت نے ڈوبتے انسانوں کی جان بچانے کیلئے سمندر میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی پیدا کر رکھے ہیں اور ان جزیروں کی طرف بھی

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

نہ کبھی کوئی نہ کوئی جہاز ضرور پھیرا مارا کرتے ہیں۔ یہ تو ایک زرخیز اور پھلوں اور چشموں سے بھرا ہوا جزیرا ہے۔ میں نے زندگی میں ایسے جزیرے بھی دیکھے ہیں جن پر سوائے زہریلے پانی کے چشموں اور بنجر چٹانوں کے گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں تھا۔ لیکن جہاز کوئی نہ کوئی ادھر بھی آ نکلتا تھا۔ اس لئے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

کچھ بھی ہو شگفتا مایوس ہو چکی تھی۔

وقت گزرنے لگا۔ انہیں اس گمنام جزیرے پر آئے دس روز گزر گئے تھے۔ اب شگفتا کی پریشانی کچھ کم ہو گئی تھی۔ اب اس نے عنبر کے ساتھ مل کر جھونپڑی کی دیواریں پتھر کی کر لی تھیں اور چھت بھی دوبارہ ڈال لی تھی۔ جھونپڑی کے اندر دو چھوٹے چھوٹے سے کمرے بھی بنا لیے تھے ایک کمرے میں عنبر سوتا اور دوسرے میں شگفتا سوتی تھی۔ عنبر روز صبح صبح جنگل میں جا کر جنگلی پھل توڑ کر لے آتا جسے وہ ناشتے

دھوئیں کو دیکھ لے تو وہ وہاں مدد کو آ جائے۔ کیوں کہ سمندری جزیروں میں جہاز کو اسی طرح بلایا جاتا تھا۔

جزیرے پر دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا۔ دھواں چٹان پر اٹھتا رہا مگر کوئی جہاز ان کی مدد کو نہ آیا۔ اب تو عنبر بھی سوچنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس طرف کوئی جہاز نہ آیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟

اگر شگفتا کو اپنے گھر بار کا خیال پریشان کرتا تھا تو عنبر کو اپنی بہن ماریا اور ناگ کا خیال ستاتا تھا۔ وہ بھی ان لوگوں سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ مگر وہ دونوں اس جزیرے پر بری طرح پھنس گئے تھے۔ اب وہ ایک ہی صورت میں وہاں سے جا سکتے تھے کہ کوئی بادبانی جہاز ان کی مدد کو وہاں آئے۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ وہاں سے نکلنے کا نہیں تھا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

اس ویران جزیرے پر رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔ شگفتا نے

دھوئیں کو دیکھ لے تو وہ وہاں مدد کو آ جائے۔

کیوں کہ سمندری جزیروں میں جہاز کو اسی طرح بلایا جاتا تھا۔

جزیرے پر دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا۔ دھواں چٹان پر اٹھتا رہا مگر کوئی جہاز ان کی مدد کو نہ آیا۔ اب تو عنبر بھی سوچنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس طرف کوئی جہاز نہ آیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟

اگر شگفتا کو اپنے گھر بار کا خیال پریشان کرتا تھا تو عنبر کو اپنی بہن ماریہ اور ناگ کا خیال ستاتا تھا۔ وہ بھی ان لوگوں سے جلد سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ مگر وہ دونوں اس جزیرے پر بری طرح پھنس گئے تھے۔ اب وہ ایک ہی صورت میں وہاں سے جا سکتے تھے کہ کوئی بادبانی جہاز ان کی مدد کو وہاں آئے۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ وہاں سے نکلنے کا نہیں تھا۔ وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

اس ویران جزیرے پر رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔ شگفتا نے بہت سے پھلوں کو خشک کر کے بھی رکھ لیا تھا کہ جس موسم میں پھل نہ ہو اس موسم میں وہ بھوکے نہ مریں۔۔۔۔

انہیں وہاں کام ہی کیا تھا۔ عنبر دن بھر جنگل میں چکر لگاتا رہتا اور شگفتا چٹان پر آگ کے پاس بیٹھی رہتی۔ اس خیال سے کہ اگر خوش قسمتی سے کوئی جہاز دور سے آتا دکھائی دے تو دھواں کر کے تو اسے اپنی طرف بلا سکے۔ مگر اسے کبھی کوئی جہاز نظر نہ آیا تھا۔

ایک روز عجیب واقعہ ہوا۔

ہوا یوں کہ شگفتا کو چٹان پر آگ کے پاس چھوڑ کر عنبر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی سمندر میں ڈوبی ہوئی چٹان پر چڑھ کر مچھلی کا شکار کرے گا۔ اس کام کے لیے اس نے ایک لمبی سی نوکیلی چھڑی بنا کر ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا وہ جزیرے کے جنوبی حصے کی طرف آ گیا۔ یہاں

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کنارے کی چٹانیں دور اندر جنگل میں چلی گئی تھیں اور سمندر کا پانی بھی کھاڑی کی شکل میں جنگل میں آ گیا ہوا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ جنگل میں کھاڑی کے کنارے کی چٹان پر چل کر مچھلی کا شکار کرے گا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے ساتھ ساتھ چلتا جنگل کے اندر جا رہا تھا کہ اچانک رک گیا۔ وہ زمین پر جھک کر پیروں کے نشان دیکھنے لگا۔ ریت پر کسی عجیب سے جانور کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ نشان ہاتھی کے پاؤں سے بھی بڑے تھے۔ پاؤں کی بارہ انگلیاں تھیں۔ عنبر بہت حیران ہوا کہ اس جزیرے میں یہ خوفناک پاؤں والا جانور کہاں سے آ گیا۔ پہلے تو اس نے اس جگہ کسی جانور کے پیروں کے نشان نہیں دیکھے تھے۔ نشان کو اس نے ہاتھ لگایا۔ وہ گیلے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس ہاتھی نما جانور کو یہاں گزرے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

عنبر نے اندازہ لگایا کہ یہ جانور رات کو وہاں سے گزرا ہوگا۔ یہ ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی تھی۔ اسے اپنی تو زیادہ فکر نہیں تھی۔ اسے سب سے زیادہ فکر شکنتلا کی تھی کہ کہیں اسے کچھ نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیوں کہ کوئی بھی درندہ اسے جان سے مار سکتا تھا اور وہ ہر وقت تو اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

عنبر پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ یہ نشان جنگل میں جا کر ایک بہت بڑے درخت کا چکر کاٹ کر دوبارہ سمندر کی طرف مڑ گئے۔ عنبر نشانوں کے ساتھ ہی گھوم گیا۔ پاؤں کے نشان دوبارہ سمندر کے کنارے آ کر سمندر میں اتر گئے تھے۔ وہ چپکا کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ خوف ناک جانور سمندر سے آیا تھا اور سمندر میں ہی چلا گیا ہے۔ تو کیا یہ کوئی سمندری بلا ہے؟

اس نے اپنی ڈھائی ہزار سالہ زندگی میں بڑی بڑی سمندری بلائیں دیکھی تھیں۔ بلکہ وہیل مچھلی کے پیٹ کی بھی سیر کی تھی۔ مگر ایسی

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

خوف ناک بلا اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی جس کے پاؤں ہاتھی کے پاؤں کی طرح ہوں۔ جس کے پاؤں کی بارہ انگلیاں ہوں اور جو دو ہاتھ پاؤں پر انسانوں کی طرح چلتی ہو۔

یہ کوئی ویل مچھلی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ویل مچھلی کبھی ساحل پر آ کر سفر نہیں کرتی۔ پھر ویل مچھلی کے پاؤں اور انگلیاں نہیں ہوتیں۔ یہ کوئی بڑا تیندوا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ تیندوا بھی ساحل پر آ کر اس طرح سے نہیں چلتا تو پھر یہ کیا بلا تھی؟ اور ساحل پر کیا لینے آئی تھی؟

اس قسم کے خیال سوچتا عنبر جلدی سے واپس شگفتا کے پاس آ گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں بلا اس کی طرف نہ نکل گئی ہو۔ مگر شگفتا خیریت سے تھی۔ وہ چٹان پر آگ کے پاس بیٹھی تھی۔ آگ میں سے دھواں برابر اٹھ رہا تھا۔ عنبر چٹان پر جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور ناریل کا گودا توڑ کر کھانے لگا۔

شگفتا نے پوچھا:

"کیا جزیرے میں آج کوئی انوکھی شے نظر آئی؟"

عنبر نے کہا:

"کچھ بھی نہیں۔ کل کی طرح آج بھی جزیرہ ویران پڑا تھا۔ اکیلا تھا۔ درختوں پر پرندے بول رہے تھے۔ سمندر میں مچھلیاں تھیں اور دو تین جگہ سانپ دیکھے جو ٹہنیوں پر لٹک رہے تھے۔"

اس نے سمندری بلا کے پاؤں کے نشانوں کے بارے میں شگفتا سے کوئی بات نہیں کی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ سمندری بلا کا سن کر شگفتا کا برا حال ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی ڈری ہوئی تھی۔ اس قسم کی خوف ناک خبر سن کر تو اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔

شگفتا سرد آہ بھر کر بولی:

"عنبر بھائی! جانے بھگوان نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے۔"

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ تمہیں بھی اس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔۔۔۔ کاش، میں تمہارے سامنے اپنی مصیبت بیان نہ کرتی۔ کم از کم تم تو اس مشکل میں نہ پھنستے۔"

خنجر نے کہا:

"بہن ایسی باتیں کبھی مت سوچنا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری یہ خوش قسمتی ہوگی کہ میں تمہارے کام آسکوں۔ انسان وہ اچھا ہے جو پریشانی میں کسی کے دوسرے انسان کے کام آتا ہے۔ مشکلیں انسانوں پر ہی پڑا کرتی ہیں۔ مشکلوں سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے۔ مشکل تو آتی ہی اس لئے ہے کہ انسان کی بہادری کا امتحان لیا جائے اور اسے زیادہ بہادر بنایا جائے۔ مشکل سے گھبرا کر بھاگ جانا مردوں کا کام نہیں ہے۔۔۔۔ میں اب تمہارے ساتھ آیا ہوں تو اس وقت تک تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک کہ تم اپنے گھر اپنے بچے اور خاوند

کے پاس نہیں پہنچ جاتیں۔"

شگفتا نے کہا:

"میرے بھائی میں کس زبان سے تمہاری مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں؟ تم نے مجھے نہ صرف سنگدل جابر ملکہ کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ جنگلی ریچھ سے بھی میری جان بچائی۔ اگر بھگوان کی مدد ہوئی اور میں اپنے گھر پہنچ گئی تو میں وپنے خاوند کو بتاؤں گی کہ تم کتنے بہادر ہو۔"

باتوں ہی باتوں میں شام ہو گئی۔ وہ چٹان سے اتر کر جھونپڑے کے باہر آ کر بیٹھ گئے۔ شگفتا نے پتھر رگڑ کر وہاں آگ روشن کر دی۔ رات کو وہ جھونپڑی کے باہر آگ ضرور روشن کرتے تھے تا کہ اس کی وجہ سے جنگلی ریچھ ادھر کا رخ نہ کریں۔ شگفتا نے آگ پر رکھ کر دو روز کی پڑی ہوئی مچھلی بھونی جو ان دونوں نے مل کر کھائی۔ پھر وہ اپنے بچے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

اور ماں باپ کو یاد کر کے ان کی باتیں کرنے لگی۔ شکنتالا کی یہ عادت بن گئی تھی کہ وہ ہر روز رات کو آگ کے سامنے بیٹھ کر اپنے خدا کو یاد کرتی اور پھر اپنے بچے اپنے خاوند اور اپنے ماں باپ کو یاد کر کے ان کی باتیں کرتی۔ عنبر خاموشی سے ہر روز اس کی باتیں سنتا۔ پھر شکنتالا اپنے وطن اور بھگوان کی یاد میں گیت گاتی اور سو جاتی۔

اس رات بھی شکنتالا نے اپنے بھگوان کی یاد میں گیت گایا اور اسے نیند آنے لگی۔

عنبر نے کہا:

"شکنتالا بہن تمہیں نیند آ رہی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا۔ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔"

شکنتالا بولی:

"بہت اچھا بھائی۔"

یہ کہہ کر شکنتالا جھونپڑی کے اندر چلی گئی اور اپنے کمرے میں جا کر سو گئی عنبر دیر تک جھونپڑی کے باہر آگ کے پاس بیٹھا رہا۔ سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ مگر آگ کی وجہ سے وہاں گرمائش تھی۔ ٹھنڈ نہ تھی۔ جھونپڑی کے اندر بھی اتنی سردی نہیں ہوتی تھی۔ ویسے عنبر نے ناریل کی چھال کو بُن کر کمبل بنا لئے تھے جنہیں وہ رات کو اوپر لے کر سوتے تھے۔ سمندر کی لہروں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ان لہروں کی آواز سنتے سنتے عنبر کے کان پک گئے تھے نہ جانے کیا بات تھی آج اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ نیند جیسے دماغ سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر سمندر کے کنارے ریت پر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اس طرف نکل گیا جدھر اس نے سمندری بلا کے پاؤں کے نشان دیکھے تھے۔ آسمان پر چاند روشن تھا جس کی چاندنی جزیرے پر آ رہی تھی۔ اس نے جھک کر ریت پر دیکھا وہاں سمندری بلا کے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

پاؤں کے نشان اسی طرح موجود تھے۔ سمندر کی ہوا میں خشک ہو کر وہ سخت ہو گئے تھے۔ کچھ دیر عنبر ان نشانوں کو تکتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹی سی چٹان کے اوپر چڑھ کر جنگل میں دیکھنے لگا۔ جنگل میں بڑی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آج کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ نہیں تو زرد رنگ کے طوطے اور لال رنگ کی چڑیاں آدھی رات تک بولتی رہتی تھیں۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ آج پرندے بھی خاموش تھے۔

وہ جب سے اس جزیرے پر آیا تھا یہ پہلی رات تھی کہ جنگلی پرندے بول نہیں رہے تھے۔ عنبر چٹان سے اتر کر واپس جانے ہی لگا تھا کہ اسے اپنے پیچھے کچھ عجیب سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی نے زور سے سیٹی بجائی ہو۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ چاندنی رات میں ساحل سمندر کی ریت چمک رہی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

آواز عنبر نے ضرور سنی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ آواز کس کی تھی؟ پہلے عنبر نے سوچا کہ شاید کوئی پرندہ بولا ہو۔ لیکن جزیرے پر اس طرح کی آواز آج تک ایسے پرندے کی آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ شاید اس کا وہم ہو۔ وہ چٹان پر سے نیچے آ گیا۔ ریت پر آ کر وہ چلتا ہوا سمندر کے کنارے آ گیا اور اب خاموشی سے اپنے جھونپڑے کی طرف چلنے لگا۔ اچانک اسے پھر وہی آواز سنائی دی آواز پیچھے سے آئی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ سمندر میں ایک لمبی ہاتھی نما سونڈ باہر نکلی سانس لے رہی تھی۔ چاندنی میں یہ سونڈ صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ سیاہ رنگ کی سونڈ تھی۔

عنبر دنگ رہ گیا کہ یہ سمندری بلا کہاں سے آ گئی؟

☆

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

قیدی لڑکا

عنبر اس سونڈ کو دیکھتا رہا۔

یہ سونڈ ہاتھی کی سونڈ سے مختلف تھی۔ یہ لمبی اور موٹی تھی۔

چاندنی میں اسے یہ سونڈ گہرے سیاہ رنگ کی لگ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے سونڈ نے آخری سانس لیا۔ اسی طرح کی خوف ناک سسکار پیدا ہوئی اور پھر سونڈ سمندر کے پانی میں گم ہوگئی۔ عنبر یہ منظر کھڑا دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ سمندری بلا کے راز پر سے پردہ اٹھ گیا تھا۔ یہی وہ بلا تھی جس کے قدموں کے نشان ساحل کی ریت پر جنگل کے اندر تک چلے گئے تھے۔ یہ ہاتھی یقیناً نہیں تھا۔ کیونکہ ہاتھی سمندر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ کوئی بڑی ہی ڈراؤنی چیز تھی۔ جس کی لمبی کالی سونڈ

بھی تھی ہاتھ بھی تھے اور پاؤں بھی تھے جن کی بارہ بارہ انگلیاں تھیں۔ پاؤں جتنے بڑے تھے اس حساب سے تو یہ بلا ایک چٹان سے کم اونچی نہ تھی۔

عنبر خاموشی سے واپس جھونپڑی میں آ گیا۔ شگفتا گہری نیند سو رہی تھی۔ عنبر بھی اپنے حصے میں گھاس پر لیٹ گیا۔ اس نے الاؤ میں اور لکڑیاں ڈال دیں تا کہ آگ ساری رات جلتی رہے۔ جھونپڑی کے دروازے کو اس نے کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا تھا۔ وہ سمندری بلا کے بارے میں غور کرتا رہا کہ یہ سمندر میں کہاں سے آ گئی؟ اس نے اپنی اڑھائی ہزار سالہ زندگی میں اس قسم کی خوفناک بلا پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ زمین کے اندر کہیں سے نکل آئی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ ایسی بلا ہو جو سمندر کے اندر ہی زندہ رہتی ہو سمندر کے اندر ہی کہیں پرورش پاتی رہی ہو یا یہ بھی ہو سکتا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ ایسی کوئی بلا اس علاقے کے سمندروں میں پائی جاتی ہو جو سمندر کے پانی میں بھی زندہ رہ سکتی ہو اور پانی سے باہر نکل کے بھی سانس لے سکتی ہو۔

حالاں کہ سمندر کے اندر جتنے بھی جانور رہتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کچھوے قسم کے جانور ہی ہیں جو پانی سے باہر آ کر بھی کچھ دیر زندہ رہتے ہیں۔ نہیں تو عام طور پر پانی کے جانور خشکی پر آ کر زندہ نہیں رہتے۔ پھر سمندری بلا کی سونڈ بھی تھی۔ سونڈ والا اتنا بڑا سمندری جانور عنبر نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس سوچ بچار میں اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ چاند مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے سمندری لہروں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہونے لگا تھا۔ رات کے پچھلے پہر آسمان پر صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا۔ ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی۔

دن نکل آیا۔ مشرق سے سورج طلوع ہوا۔ اس کی سنہری روشنی نے سمندر کو چمکیلا کر دیا۔ جزیرے کے جنگل میں پرندے چہچہانے لگے۔ شگفتا سب سے پہلے اٹھی۔ اس نے سمندر کے پانی میں غسل کیا اور پھر رات کی بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ روشن کیا۔ چٹان پر جا کر آگ جلائی اور اس میں گیلی جھاڑیاں ڈال دی۔ چٹان کی آگ میں گیلی جھاڑیاں اس لیے ڈالی جاتی تھیں کہ دھواں مسلسل اٹھتا رہے۔ یہی وہ دھواں تھا جسے دیکھ کر کسی نہ کسی بادبانی جہاز کو اس جزیرے کی طرف مدد کے لیے آنا تھا۔ مگر ایک مہینہ گزر جانے پر بھی کوئی جہاز اس طرف ان دونوں کی مدد کو نہیں آیا تھا۔

عنبر سو کر اٹھا تو شگفتا نے جنگلی انناس اور ناریل کاٹ کر کیلے کے پتوں میں سجا رکھے تھے۔ یہ صبح کا ناشتہ تھا۔ عنبر نے انناس اور ناریل کے ٹکڑے کھا کر چشمے کا پانی پیا اور بانس کا نیزہ کندھے پر رکھ کر بولا!

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

"میں کھاڑی میں مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہوں شگفتا! بہن تم جھونپڑی سے دور مت جانا بلکہ چٹان پر ہی بیٹھی رہنا۔ "

شگفتا نے تعجب سے پوچھا:

"کیوں عنبر بھائی آج کیا کوئی خاص بات ہے۔ تم نے پہلے تو کبھی مجھے ایسا نہیں کہا؟"

عنبر کو خیال آیا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ کہہ کر شگفتا کو شک میں ڈال دیا۔ جھٹ بولا:

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میرا مطلب ہے کہ احتیاط کرنا ہمارا فرض ہے۔ جنگلی ریچھوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کم بخت دن کو بھی ادھر چکر لگا سکتے ہیں۔ "

"اچھا بھائی میں جھونپڑی سے دور نہیں جاؤں گی۔ "

عنبر نیزہ کندھے پر رکھے کھاڑی کی طرف آ گیا۔

یہ وہی کھاڑی تھی جس کے کنارے اس نے دو دن پہلے سمندری بلا کے پاؤں کے نشان دیکھے تھے اور جس کے قریب ہی رات اس نے سمندری بلا کی کالی سیاہ سونڈ کو ایک سسکار کے ساتھ پانی میں ڈوبتے دیکھا تھا۔

چلتے ہوئے عنبر جنگل اور سمندر کی طرف بڑے غور سے دیکھتا جا رہا تھا کہ کہیں سمندری بلا آس پاس تو نہیں ہے۔ وہ کھاڑی کے قریب آ گیا اس نے سمندر کے کنارے جھک کر پاؤں کے نشان دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر ریت پر سمندری بلا کے قدموں کے تازہ نشان کہیں نہیں تھے۔ وہی پرانے نشان تھے جو اب سمندری ہوا لگنے سے سخت ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ سمندری بلا رات سمندر سے باہر نہیں نکلی تھی۔

عنبر کچھ دیر وہاں کھڑا سمندر کی طرف تکتا رہا۔ سمندر کا پانی پر سکون

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ جنگل میں بھی خاموشی تھی۔ صرف پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں جو روشنی سے بھرے ہوئے جزیرے کے چمکیلے دن میں بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں۔ عنبر پھر آگے چل دیا۔ اب وہ ساحل سمندر کو چھوڑ کر کھاڑی کے ساتھ ساتھ چلتا جزیرے کے اندر جنگل میں آ گیا۔ یہاں بڑی چھوٹی چٹانیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں جن کے بیچ میں سمندری پانی کے چھوٹے چھوٹے گڑھے بن گئے تھے۔ یہ وہ پانی تھا جو جوار بھاٹا کی لہریں رات کو اپنے ساتھ اندر لے آئی تھیں۔ اس پانی کے گڑھوں میں مچھلیاں بھی ساتھ آ جاتی تھیں۔ عنبر کے پاس صرف بانس کا ایک نیزہ ہی تھا جس کی نوک پتھر پر رگڑ کر تیز کر دی گئی تھی۔ عنبر ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پانی میں اناس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینکے جنہیں دیکھ کر چھ سات موٹی موٹی مچھلیاں بھاگتی ہوئی اس طرف آ گئیں۔ انہوں نے پانی میں منہ

باہر نکالا ہی تھا کہ عنبر نے زور سے نیزہ مارا۔ ایک موٹی مچھلی نیزے میں پروئی گئی۔ عنبر نے نیزے سمیت اسے باہر نکال لیا۔ اسے گھاس پر پھینک کر عنبر نے دوسری مچھلی کو بھی شکار کر لیا۔ وہ تیسری مچھلی کو شکار کرنے کے بارے میں تیاریاں کر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی شے کے دھپ سے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک سیاہ رنگ کا سبز دھاریوں والا بہت بڑا سانپ درخت کی شاخ سے گر کر نیچے گھاس پر پڑا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر سانپ نے اپنا چھوٹا بکری جتنا سر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا اور زمین سے کوئی چھ فٹ بلند ہو کر اسے ہلانے لگا۔ گویا اژدہا عنبر پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ اب وہ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔ عنبر کو اس اژدہے پر بڑا غصہ آیا۔ کم بخت خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اتنی دیر میں وہ دو تین اور مچھلیاں پکڑ سکتا تھا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے اپنا نیزہ اوپر اٹھایا۔

اژدہا نے جھٹ اپنی گردن پیچھے کر لی اور لپک کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ اژدہے کا حملہ یہ تھا کہ اس نے اپنا منہ کھول کر عنبر کے کندھے پر اپنے دانت گاڑ دیے۔ اس کے دانت عنبر کے جسم میں اتر گئے۔ سانپ اپنے تیز تیز دانتوں کو واپس کھینچ رہا تھا کہ عنبر نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دبوچ لی۔ اژدہا کے لیے یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ آج تک کسی انسان نے اس کی گردن کو یوں پکڑ کر نہیں دبوچا تھا۔ اس کا چہرہ اور سر کا رمن کر کسی انسان کو جرات نہ ہوئی تھی کہ سانپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا۔۔۔ لیکن اس بہادر انسان نے ایسا کر دکھایا تھا۔ اژدہا عنبر کے دبوچنے پر گھبرا سا گیا۔ اس نے عنبر کی گرفت سے اپنی گردن کو آزاد کرانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے سارا زور لگا کر ایک زبردست جھٹکا مارا۔ جھٹکے کے ساتھ ہی سانپ کی موٹی سری اس کی گردن سے الگ ہو گئی۔ گردن عنبر کے ہاتھوں میں رہ گئی اور سانپ کا موٹا بھدا جسم زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے خون سے گھاس والی زمین لال ہو گئی۔ عنبر نے سانپ کی گردن بھی اسی جگہ پھینک دی اور کھاڑی میں ہاتھ دھو کر دوبارہ مچھلیاں پکڑنے لگا۔ کچھ اور مچھلیاں پکڑ کر عنبر انہیں نیزے میں پروئے واپس چل پڑا۔

یہ مچھلیاں دو روز کے لیے کافی تھیں۔

وہ کھاڑی والے جنگل میں سے نکل کر سمندر کی طرف آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی کنارے کی طرف چلی آ رہی تھی۔ عنبر کے پاؤں وہیں جمے کے جمے رہ گئے۔ یہ دوسرا عجیب سا واقعہ تھا جو اس جزیرے میں ہو رہا تھا۔

پہلا واقعہ سمندری بلا کا ظاہر ہونا اور دوسرا یہ کہ ایک ایسے جزیرے کی

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

طرف کوئی کشتی آ رہی تھی جو دور دراز سمندر میں تھا اور جس کے بارے میں عنبر کو یقین تھا کہ اس کے ارد گرد کوئی جزیرہ نہیں ہے۔ لیکن اس چھوٹی سی کشتی نے ثابت کر دیا تھا کہ اس جزیرے کے قریب کوئی اور جزیرہ ابھی تھا کیوں کہ جو کشتی آ رہی تھی۔ وہ چھوٹی تھی اور اس میں کچھ جنگلی لوگ سوار تھے۔

سورج کی دھوپ میں عنبر ان آدمیوں کے سروں پر لگے ہوئے جانوروں کے رنگ دار پر صاف دیکھ رہا تھا۔

عنبر کے لئے اب باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ جلدی سے ایک چٹان کے پیچھے ہو گیا۔ اس چٹان کے اوپر پھل کا ایک گنجان درخت جھکا ہوا تھا۔ اس درخت کی گھنی شاخوں نے آدھی سے زیادہ چٹان کو اپنے چوڑے پتوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ عنبر پیچھے کی طرف سے اس چٹان کے اوپر چڑھ کر درخت کی شاخوں میں

چھپ کر بیٹھ گیا اور بے تابی سے اس کشتی کو دیکھنے لگا جو اب کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ عنبر نے گنا اس میں چھ جنگلی آدمی سوار تھے۔ انہوں نے کشتی کو کھینچ کر ریت کے اوپر کیا اور پھر کشتی میں لیٹے ہوئے ایک لڑکے کو باہر نکالا جس کے ہاتھ پاؤں رسی سے بندھے ہوئے تھے۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور اس لڑکے کو یہاں لا کر کیا کرنے والے ہیں؟ اتنا اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جنگلی لوگ ہیں اور کسی قریب کے جزیرے میں رہتے ہیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اس قیدی لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔

جنگلی آدمیوں نے بڑے بڑے نیزے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔

لڑکے کو انہوں نے زمین پر لٹا دیا۔

عنبر کو اچانک خیال آیا کہ کہیں یہ آدم خور نہ ہوں اور اس لڑکے کو مار کر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کھانے کی تیاری نہ کر رہے ہوں۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ لڑکے کی جان بچانا چاہیے پھر اس نے سوچا ایسا کرنے سے شگفتا! کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ وہ تو مر نہ سکے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ کچھ آدم خور بھاگ جائیں اور پھر چھپ کر جزیرے پر حملہ کریں اور سوتے ہوئے بے چاری شگفتا! کو ہلاک کر ڈالیں۔

عنبر چٹان پر درخت کی شاخوں میں چھپا رہا اور دیکھنے لگا کہ یہ لوگ نوجوان لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس نے دور ہی سے دن کی روشنی اور دھوپ میں دیکھا کہ لڑکے کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور بال گھنگریالے تھے اور اس کے سر کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔

عنبر چکر میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ اس لڑکے کی جان بچائے یا نہ بچائے؟

اسے پھر شگفتا! کا خیال آ رہا تھا۔ وہ اکیلا ہوتا تو ایک دم سے ان آدم خوروں کے سامنے آ جاتا۔ ان میں سے کوئی بھی عنبر کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ شگفتا! بھی تھی۔ وہ جزیرے پر اکیلی تھی عنبر ان آدم خوروں سے دشمنی مول لے کر شگفتا! کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ آدم خوروں نے زمین میں چار کھونٹیاں گاڑیں اور اس کے ساتھ لٹا کر لڑکے کو باندھ دیا۔ پھر انہوں نے اس کے ارد گرد لکڑیاں چن کر ان میں آگ لگا دی۔ گویا یہ آدم خور لڑکے کو بھون کر کھانا چاہتے تھے۔ یہ آگ قیدی لڑکے سے کچھ فاصلے پر تھی اور آہستہ آہستہ اس کی طرف پہنچ رہی تھی۔ لڑکے نے زمین پر لیٹے لیٹے ہاتھ پاؤں مارے مگر اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کھونٹیوں کے ساتھ بڑی مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

آدم خور جنگلی آگ کے گرد ناچنے لگے۔

اب ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اچانک سمندر میں سے اسی سمندری بلا کی سیاہ کالی سونڈ باہر نکلی۔ اسے سوائے عنبر کے اور کسی نے نہ دیکھا۔ کیونکہ جنگلی مارے کے مارے آگ کے گرد سر نیچے کیے ناچ رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ سونڈ فضا میں بلند ہونے لگی۔ وہ ایک ستون کی طرح سمندر میں کھڑی ہو گئی۔ پھر نیچے کو خم کھا سمندر کی سطح کے ساتھ لگ گئی۔ اس کے بعد سمندری بلا پانی میں سے باہر نکل آئی۔ خدا کی پناہ وہ ایک بڑی ڈراؤنی پہاڑ ایسی کالی بلا تھی جس کی لمبی سونڈ جھول رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ جن پر لمبے لمبے بال تھے اوپر کو اٹھے تھے اور وہ دونوں پاؤں سمندر میں ڈالے باہر نکل رہی تھی۔ اس نے ایسی سسکاری ماری اور پانی سے نکل کر کنارے پر آ گئی۔

اب آدم خور جنگلیوں نے بھی اس بلا کو دیکھ لیا تھا۔ سمندری بلا نے گویا ان پر جادو کر دیا۔ وہ سب جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ کے کھڑے گئے۔ نیزے ان کے ہاتھوں سے نیچے گر پڑے۔ جیسے انہیں سمندری بلا نے سانس کھینچ کر پتھر کا بت بنا دیا تھا۔

سمندری بلا کا ایک پاؤں سمندر میں تھا۔ اس نے دوسرا پاؤں نکال کر اس آگ پر رکھ دیا۔ جو قیدی لڑکے کے ارد گرد جل رہی تھی۔ آگ ایک طرف سے بجھ گئی۔ پھر سمندری بلا نے دونوں ہاتھ اور سونڈ آگے کر کے تین آدم خور جنگلیوں کو اوپر اٹھایا اور انہیں زور سے گھما کر سمندر میں اچھال دیا۔ جنگلی بے جان پتھروں کی طرح دور سمندر میں جا کر گر گئے۔ اس کے بعد سمندری بلا نے باقی تین جنگلیوں کو بھی اسی طرح پکڑ کر اپنے سر کے اوپر گھمایا اور اس زور سے اچھالا کہ وہ تینوں کے تینوں جنگل کے اندر درختوں کے اوپر جا گرے اور ان کی ہڈیاں سرمہ بن گئیں۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

اس کام سے فارغ ہو کر سمندری بلا نے آگ کے ارد گرد ایک چکر لگایا اور واپس سمندر میں جا کر پانی میں گم ہو گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ عنبر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چھ آدم خور جو ایک بے گناہ قیدی لڑکے کو ہڑپ کرنے کے لئے آئے تھے خود موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔

عنبر کو ایک دم خیال آیا کہ سب سے پہلے بھاگ کر آگ سے لڑکے کو بچانا چاہیے۔ وہ جلدی سے چٹان کے پیچھے سے نکلا اور بھاگتا ہوا سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچا جہاں لڑکے کو زمین پر جکڑ دیا گیا تھا۔

خوش قسمتی سے سمندری بلا کے چٹان ایسے پاؤں کے پڑنے سے آگ آدھے سے زیادہ بجھ چکی تھی۔ عنبر نے پہلا کام یہ کیا کہ بڑی تیزی سے جلتی ہوئی لکڑیوں کو اٹھا کر دور دور پھینک دیا۔ لڑکا بالکل

یہ قیدی لڑکے نے اپنی زبان میں کہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر وہ زبان نہیں سمجھے گا۔ مگر عنبر دنیا کی ساری زبانیں سمجھتا تھا۔

اس نے کہا:

”تم میرے بھائی ہو۔“

قیدی لڑکا حیران رہ گیا کہ یہ شخص اس کی زبان بھی جانتا ہے۔

☆

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

یہ قیدی لڑکے نے اپنی زبان میں کہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر وہ زبان نہیں سمجھے گا۔ مگر عنبر دنیا کی ساری زبانیں سمجھتا تھا۔

اس نے کہا :

"تم میرے بھائی ہو۔"

قیدی لڑکا حیران رہ گیا کہ یہ شخص اس کی زبان بھی جانتا ہے۔

☆

آدم خوروں کا جزیرہ

عنبر قیدی لڑکے کو لے کر جھونپڑے میں آ گیا۔

جس کشتی میں آدم خور جزیرے پر اترے تھے وہ عنبر اور قیدی لڑکے نے مل کر ایک طرف کنارے کی جھاڑیوں میں چھپا دی تھی۔ عنبر نے جھونپڑے میں آ کر ساری کہانی شکنتلا کو سنا ڈالی۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اس جزیرے پر ایک سمندری بلا کے پاؤں کے نشان اس نے پہلے بھی دیکھے تھے۔ مگر شکنتلا سے بات نہیں کی تھی۔ شکنتلا سمندری بلا کا سن کر بہت ڈر گئی۔ عنبر نے اسے بتایا کہ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ لڑکا بھی زندہ نہ بچتا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے لڑکے سے اس کی زبان میں پوچھا :

"تم کون ہو اور یہ کون لوگ تھے جو تمہیں ہڑپ کرنے یہاں لائے تھے؟"

قیدی لڑکے نے کہا :

"میرا نام بوریلا ہے۔ میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں میرا باپ یہاں سے تھوڑی دور ایک جزیرہ ہے وہاں رہتا ہے۔ وہ اس جزیرے کا راجہ تھا۔ مگر منتری میرے باپ کا دشمن ہے۔ اس نے میرے باپ اور میری ماں کو ایک غار میں قید کر دیا اور خود جزیرے کا راجہ بن بیٹھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مجھے اس جزیرے پر لا کر قتل کر کے کھا جائیں۔ اگر سمندری بلا سنگرام باہر نکل کر ان لوگوں کو ہلاک نہ کرتی تو وہ ضرور مجھے ختم کر چکے ہوتے۔"

عنبر نے پوچھا :

"یہ سمندری بلا سنگرام کیا شے ہے؟"

بوریلا کہنے لگا :

"سنگرام ایک بڑی ہی خوفناک سمندری بلا ہے۔ یہ ہر مہینے ہمارے جزیرے میں سے ایک آدمی کی قربانی لیتی ہے۔ جب میرا باپ راجہ تھا تو وہ بھی ہر مہینے کسی ایک لڑکی کو اس بلا کے آگے سمندر میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اب منتری راجہ بن گیا ہے تو اسے بھی ہر مہینے کی چاندرات کو ایک لڑکی اس بلا کے آگے ڈالنی ہو گی۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ بلا جزیرے پر آ کر سارے لوگوں کو ہلاک کر دے گی۔"

عنبر بولا :

"کیا یہ بلا سمندری بلا ہر مہینے اپنی قربانی لینے آتی ہے؟"

"ہاں میرے آقا! چاندرات کو یہ بلا سمندر میں سے اپنی سونڈ باہر نکال کر کنارے پر رکھ دیتی ہے۔ جزیرے کے لوگ لڑکی کو ہار سنگار کروا کر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

نئے کپڑے پہنا کر وہاں لے آتے ہیں اور اسے بابا کی سونڈ پر بیٹھا دیتے ہیں۔ پھر وہ بابا لڑکی کو سونڈ میں لپیٹ کر سمندر میں لے جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا :

"یہ تو بڑا ظلم ہے۔"

شگنتلا بولی :

"بھگوان اس بابا کا ستیاناس کرے جس نے جزیرے کی جانے کتنی لڑکیوں کو آج تک ہڑپ کر لیا ہوگا۔"

بوریا نے کہا :

"اب تک ہزاروں لڑکیاں اس کالی بابا کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے۔ اگر قربانی نہ دی گئی تو یہ بلا سارے جزیرے کو تہس نہس کر دے گی۔"

عنبر نے اس لڑکے بوریا سے پوچھا :

"یہ بتاؤ کیا اب تم واپس اپنے جزیرے پر جانا چاہتے ہو یا اسی جگہ رہنا چاہتے ہو؟"

بوریا کہنے لگا :

"میرے آقا! وہاں گیا تو منتری کے ساتھی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر یہاں رہا تب بھی وہ بہت جلد اس جزیرے پر میری تلاش میں آئیں گے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بچ گیا ہوں۔"

عنبر نے پوچھا :

"سوال یہ ہے کہ سمندری بلا نے تمہاری مدد کیوں کی؟"

بوریا بولا :

"سمندری بلا آگ سے بڑی نفرت کرتی ہے۔ وہ جہاں کہیں آگ دیکھتی ہے وہاں ہر شے کو ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

جزیرے میں باہر آگ نہیں جلاتے۔ ہر شخص جھونپڑی کے اندر آگ جلاتا ہے۔ ویسے بھی سمندری بلا بہت کم دن کے وقت سمندر سے باہر آتی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عین وقت پر میری مدد کو آگئی۔“

شگفتہ نے کہا:

”اس بلا کا کوئی بھروسہ نہیں پوریا! وہ تمہیں بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ اسے تم زمین پر بندھے ہوئے نظر نہیں آئے ہو گے۔“

”ہاں بہن شاید ایسا ہی ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم لوگ اس جزیرے پر کس طرح آگئے؟ تم یہاں کیسے زندہ ہو؟ یہاں تو رات کو بھوت آ کر بسیرا کرتے ہیں اور کبھی کبھی سمندری بلا بھی یہاں آ کر آرام کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جزیرے پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ شروع شروع میں ایک قبیلے نے اس جزیرے پر آ کر آباد ہونے کی کوشش کی تھی مگر سمندری بلا نے ان سب کو مار بھگا دیا۔ اب کوئی شخص بھی ادھر آنے کی

کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ آج اس لیے بتانا پڑا کہ تم بھی میرے ساتھ تھے۔

بوریلا نے کہا:

ہمارا اس جزیرے پر رہنا بے حد خطرناک ہے۔ سمندری بلا یہاں آ کر ہمیں سوتے میں کھا جائے گی۔ اسے انسانوں کی بو آ جاتی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔

”مگر ہم کہاں جائے گے بوریلا؟ شگفتا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

”کیا یہاں آس پاس کوئی اور جزیرا ہے؟

بوریلا کہنے لگا:

”سوائے ہمارے جزیرے کے آس پاس کوئی جزیرا نہیں ہے۔

پھر ہم کہاں جاسکتے ہیں؟

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

بوریلا نے کہا:

”یہاں بیٹھ کر سمندری بلا کے ہاتھوں مر جانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنی کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں نکل چلیں۔ آخر کسی نہ کسی جزیرے پر پہنچ ہی جائے گے۔

عنبر بولا:

”نہیں بوریلا نہیں، میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوں میں اپنی بہن کے ساتھ اس وقت تک اسی جگہ رہوں گا جب تک کہ کوئی جہاز نہیں آ جاتا۔

شگفتا بولی:

”بوریلا کیا اس طرف بحری جہاز آیا کرتے ہیں؟

بوریلا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

”نہیں شگفتا بہن ان جزیروں کے آس پاس کبھی کوئی جہاز نہیں دیکھا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ یہ جزیرے۔۔۔ یہ دونوں جزیرے دنیا کے کسی نقشے پر نہیں ہیں ان جزیروں پر میں نے اپنے باپ کی حکومت میں ہی آنکھیں کھولیں اب میری عمر چودہ پندرہ برس کی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک بار سمندری جہاز دیکھا تھا جو راستہ بھول کر ادھر آ گیا تھا۔ میرے باپ نے جہاز والوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ انہیں خوب کھلایا پلایا۔ ان کے جہاز میں پھل اور پینے کے پانی کے مٹکے رکھ دیے اور وہ لوگ خوش خوش جزیرے سے چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی جہاز کو نہیں دیکھا۔

عنبر نے کہا:

"پھر تو میرا خیال ہے کہ ہم تمہارے راجہ باپ کے جزیرے پر جائیں گے۔"

بوریا! خوف سے کانپ گیا۔

"میرے آقا! ان آدم خوروں کے پاس جاؤں گے تو وہ میرے ساتھ تم لوگوں کو بھی مار ڈالیں گے۔ منتری نے سارے جزیرے کے لوگوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس نے لوگوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ جادوگر ہے جادوگری اس نے جزیرے کے جادوگر سے سیکھی تھی۔ اس بڑے جادوگر کو بھی اس نے قتل کروا دیا تھا۔ ہم لوگ وہاں گئے تو اسی وقت مار ڈالے جائیں گے۔ خدا جانے میرے ماں باپ کو اس نے کس وقت تک کے لیے قید کر رکھا ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دیں میری مانیں ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے کسی دوسرے جزیرے کی طرف چلے جاتے ہیں۔"

شکنتلا نے کہا:

"یہ لڑکا بوریا ٹھیک کہتا ہے عنبر بھائی! آدم خوروں کے وحشی جزیرے پر جانا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے برابر ہے۔ یہاں رہنا بھی

خطرے سے خالی نہیں کیونکہ یہاں سمندری بلا ضرور حملہ کرے گی۔ پہلے تو میں اکیلی جھونپڑی میں رہ لیتی تھی۔ اب میں ہرگز اکیلی نہیں رہ سکتی۔ بھگوان کے لیے اس لڑکے کے کہنے پر عمل کرو اور یہاں سے کھلے سمندر کی طرف نکل چلو۔

عنبر ہنس پڑا اور بولا:

"تم دونوں ڈرپوک ہو۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ میں ایک بہادر انسان ہوں۔ میں نے ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا ہے۔ اور بڑی بہادری سے سچائی کا ساتھ دیا ہے۔ مجھے آج تک کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ میں چاہتا ہوں کہ آدم خور منتری کے جزیرے پر جا کر اس کے نوجوان راج کمار کے ماں باپ کو ظالم منتری کی قید سے آزاد کراؤں اور اسے جزیرے کا راجہ بناؤں۔ کیا تم لوگ میرے ساتھ نہیں چلو گے؟ بوریا لڑکا تو عنبر کا منہ تکتا رہ گیا۔ اسے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک نوجوان انسان سمندری بلا اور جزیرے کے اتنے سارے آدم خور وحشیوں کا اکیلا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے کہا "میرے آقا! اس خیال کو دل سے نکال دیں۔ اگر ہم منتری کے جزیرے پر گئے تو زندہ بچ کر واپس نہ آ سکیں گے۔

عنبر نے کہا:

بوریا! تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے ایسے بہت سے آدم خور وحشی دیکھے ہیں اور پھر میں سمندری بلا کا بھی مقابلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے میرے خدا نے اتنی طاقت دے رکھی ہے۔ کیوں شگفتا! کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟

شگفتا! کہنے لگی:

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں بھائی مگر خواہ مخواہ اپنے ساتھ ہم دونوں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈالنے سے کیا حاصل ہوگا بھلا؟

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

بہتر یہی ہے کہ ہم اس خیال سے باز آ جائیں اور ساتھ والے جزیرے پر جانے کی بجائے کسی دوسری زمین کسی دوسرے ملک کی طرف نکل چلتے ہیں۔

عنبر نے پکے ارادے کے ساتھ کہا :

”اگر تم لوگ میرے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو بے شک مت جاؤ اور یہیں رہو۔ مگر میں بوریلا کے راجہ باپ کے جزیرے پر ضرور جاؤں گا۔ میں منتری کی ساری فوج سے مقابلہ کروں گا اور اسے شکست دے کر سمندری بلا کو بھی ہلاک کر کے جزیرے پر دوبارہ بوریلا کے باپ کو تخت پر بٹھا کر دم لوں گا۔

شگفتہ گھبرا کر بولی :

”بھائی اگر تم وہاں چلے جاؤ گے تو ہم یہاں مرنے کے لیے کیوں پیچھے رہ جائیں۔ ہم بھی پھر تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔

بوریلا کو ابھی تک یقین نہیں تھا کہ عنبر آدم خوروں اور سمندری بلا کا مقابلہ کر سکے گا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید اس آدمی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اس نے کہا :

”میرے آقا آپ کو سمندری بلا کی طاقت اور آدم خور وحشیوں کی درندگی کا پورا پورا احساس نہیں ہے۔ یہ لوگ صحیح سلامت ہاتھی کو کھڑے کھڑے بھون کر کھا جاتے ہیں۔ آپ بے چارے ان کے آگے کیا کریں گے؟ سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہ نکلے گا کہ میرے ساتھ آپ بھی پکڑ لیے جائیں گے اور آپ کو بھی سمندری بلا کے آگے ڈال دیا جائے گا“۔

عنبر نے جوش میں آ کر کہا۔

”خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں سمندری بلا اور جزیرے کے آدم خوروں پر برتری حاصل کر کے رہوں گا“۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

بوریلا اور شگفتہ خاموش ہو گئے۔ شگفتہ سمجھ گئی تھی کہ عنبر نے پکا فیصلہ کر لیا ہے اور اب اسے آدم خوروں کے جزیرے پر جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کہا۔

"عنبر بھائی! اگر آپ نے جانے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو پھر ہم بھی آپ کے ساتھ ہی چلیں گے۔ قسمت میں جو کچھ لکھا ہوگا اسے بھگت لیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"شگفتہ بہن! تم لوگوں کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا جائے گا تم لوگوں کی میں اپنے سے بڑھ کر حفاظت کروں گا"

بوریلا کہنے لگا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ میں واپس آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں"۔

عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! اب یہ بتاؤ کہ کس وقت یہاں سے چلا جائے؟"

بوریلا نے کہا۔

"سب سے بہترین اور محفوظ وقت آدھی رات کا وقت ہے۔ کیونکہ اس وقت جزیرے پر سب لوگ سو رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ سمندری بلا بھی رات کو کبھی سمندر سے باہر نہیں نکلتی"۔

"پھر ٹھیک ہے ہم آج ہی رات یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ کیا تم کشتی میں بیٹھ کر جزیرے تک ہماری رہنمائی کر سکوں گے؟"

"کیوں نہیں"۔ بوریلا نے کہا "ضرور رہنمائی کر سکوں گا۔ میں کئی بار اس جزیرے پر اکیلا کشتی میں سوار ہو کر آیا ہوں۔ میرے لیے یہ کوئی نیا سفر نہیں ہوگا"۔

عنبر نے کہا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

''آج رات ہمیں تیار رہنا ہوگا''

عنبر اور قیدی لڑکا بوریا مل کر کشتی کو جھاڑیوں میں سے نکال کر سمندر کے کنارے لے آئے اس میں انہوں نے شگفتا کو سوار کرایا۔ پھر خود بیٹھے اور کشتی رات کے اندھیرے میں ساتھ والے آدم خوروں کے جزیرے کی طرف چلنا شروع ہوگئی۔ یہ جزیرہ آدھے دن کے سفر پر تھا۔ سمندر بڑا پر سکون تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ستاروں کے حساب پر بوریا بڑے آرام سے کشتی کو سمندر کی لہروں پر کھیتا چلا جا رہا تھا۔

پچھلے پہر کی نیلی نیلی روشنی آسمان پر پھیلی تو عنبر اور شگفتا نے دور ایک جزیرے کے ہرے بھرے سرسبز درختوں کو ابھرتے دیکھا۔ یہ آدم خوروں کا جزیرہ تھا۔ شگفتا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بوریا بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

کیوں کہ بہر حال وہ اس کے جانی دشمنوں کا جزیرہ تھا۔ مگر عنبر خاموش تھا اور اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔

☆

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

غار پر حملہ

منہ اندھیرے ہی کشتی آدم خوروں کے جزیرے پر جا لگی۔

بوریا نے کشتی کو جزیرے کے پچھلے حصے کی طرف لگا دیا تھا۔ اس طرف کوئی آبادی نہیں تھی۔ صرف تاڑ کے جنگل ہی جنگل اور چٹانیں ہی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ تینوں کشتی سے اتر آئے۔ کشتی کو انہوں نے ریت پر کھینچ کر چٹان کے پاس جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ وہ خود بھی جھاڑیوں میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے بوریا سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ بوریا کہ وہ غار کس طرف ہے جہاں تمہارے باپ اور ماں کو منتری نے قید کر رکھا ہے؟"

بوریا نے کہا۔

"یہاں سے اگر آپ اس جنگل میں چلتے چلے جائیں تو راستے میں ایک ریچھ کی طرح جھکی ہوئی چٹان آئے گی۔ اس چٹان کے پیچھے ایک اور جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی پہاڑی کے غار میں میرے ماں باپ قید ہیں۔ مگر وہاں منتری کے آدم خوروں کا بڑا زبردست پہرہ ہے۔ اول تو آپ وہاں تک پہنچ نہیں سکیں گے اگر پہنچ بھی گئے تو پہرے پر کھڑے آدم خور آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم شگفتا کو لے کر اسی چٹان کی کھوہ میں کشتی کے پاس چھپے رہو اور جب تک میں واپس نہ آؤں یہاں سے ہرگز ہرگز باہر مت نکلو۔ اب

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

میں جا رہا ہوں۔"

شگفتا! کہنے لگی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے خنجر بھائی۔"

خنجر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شگفتا! بہن! یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میری خفیہ طاقت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ جب تک تمہیں یہاں کوئی دیکھے گا اس وقت تک میں سب کام اپنے ہاتھ میں لے چکا ہوں گا۔"

اتنا کہہ کر خنجر وہاں سے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی بوریلا نے ادھر ادھر سے جھاڑیاں کاٹ کر بڑی جلدی سے ایک چھت سی وہاں ڈال دی۔ چھت کے نیچے اس نے پتے بچھا دیے اور شگفتا! سے کہا۔

"شگفتا! بہن! تم یہاں لیٹ کر آرام کرو۔ میں باہر چھپ کر پہرہ دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس طرف کوئی بھی آدم خور نہیں۔

ایک درخت کے اوپر چڑھ کر عنبر نے دیکھا سامنے ایک جگہ غار کا منہ کھلا ہوا تھا۔ جس کے باہر دو آدم خور نیزے لیے آرام سے زمین پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیزے زمین پر گاڑ رکھے تھے اور آپس میں باتیں کر کے ہنس رہے تھے۔ وہ بڑے بے فکر تھے۔ اس لیے کہ انہیں خواب میں بھی خیال نہیں آ سکتا تھا۔ کہ ان کے جزیرے پر کوئی غیر آدمی قدم رکھ سکتا ہے جزیرے کے منتری کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سمندری بلا نے دوسرے جزیرے پر حملہ کر کے بوریلا کو اور اس کو قتل کر کے کھانے والے آدم خوروں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ اس نے ہنس کر اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

"اچھا ہوا کہ سمندری بلا نے بوریلا کو ہڑپ کر لیا۔ وہ ہماری کالی ماتا ہے وہ ہمارا خیال رکھے گی۔"

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

اسے کیا خبر تھی کہ بوریلا زندہ ہے اور اسی کے جزیرے میں ایک جگہ چھپا بیٹھا تھا اور عنبر۔۔۔ منتری کا دشمن اس غار کے قریب پہنچ گیا ہے جہاں راجہ رانی قید ہیں۔ اس کی امید نہ جزیرے کے نمک حرام ظالم منتری کو تھی اور نہ ان پہریدار آدم خوروں کو تھی جو غار کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر ان کی اس غفلت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ درخت پر بیٹھا کافی دیر تک سوچتا رہا کہ کون سا طریقہ اختیار کرے کہ وہ غار کے اندر پہنچ جائے۔ آخر ایک ترکیب اس کے دماغ میں آ گئی۔

وہ درخت پر سے نیچے اتر آیا۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں چلتے چلتے وہ اس جگہ جا پہنچا جہاں جنگلی بیلوں نے ایک گھنی چھت ڈال رکھی تھی۔ یہاں اسے پہریدار آدم خوروں کی باتیں کرنے کی پوری آواز آ رہی تھی وہ ان کی جنگلی زبان اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سمندری بلا کی قربانی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ ایک آدم خور کہہ رہا تھا۔

”اس دفعہ چاند رات کو بوڑھے کی لڑکی شگتی کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ کاش میں اس سے شادی کر لیتا۔ پھر اس کی جان بچ سکتی تھی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ چاند رات کو اسے سمندری بلا کے آگے ڈال دیا جائے گا۔“

دوسرا آدم خور بولا۔

”کیا اس آدم خور سمندری بلا سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی؟“

پہلے آدم خور نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”دیوتا ہمیں معاف کریں۔ خبردار ایسی بات پھر زبان سے مت نکالنا۔ سمندری بلا ایک دیوی ہے۔ سمندر کی دیوی ہے اس کی وجہ سے اس جزیرے پر جوالا مکھی نہیں پھٹتا۔ اس کی وجہ سے یہاں کبھی کوئی طوفان نہیں آیا۔ کبھی کوئی بیماری نہیں پھوٹی۔ اسے کوئی ہلاک نہیں کر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

سکتا۔ اگر وہ مرگئی تو یہ جزیرہ بھی تباہ ہو جائے گا۔"

دوسرا آدم خور بھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ کرنے لگا۔ عنبر ان کی بیوقوفوں ایسی باتوں پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ کس قدر جاہل تھے یہ آدم خور وحشی۔ ایک سمندری جانور کو دیوی دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ ایک سمندری جانور کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے جنگل کی دوسری طرف اچھال دیا۔

جنگل کی خاموشی میں پتھر گرنے کی آواز پر دونوں آدم خور چونک ہو گئے۔ انہوں نے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ عنبر نے ایک اور پتھر اٹھا کر ادھر پھینک دیا۔ دونوں آدم خور جلدی سے اٹھے اور تیزی سے اٹھ کر جنگل کی طرف لپکے۔ عنبر اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ آدم خوروں کے جاتے ہی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں سے باہر نکل آیا۔ اور بھاگ کر سامنے غار میں داخل ہو گیا۔

اس غار میں نمی، ٹھنڈک اور ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ عنبر بڑی تیزی سے غار کے اندر چلنے لگا آگے جا کر غار ایک طرف کو گھوم گیا۔ عنبر نے اس قسم کے بہت سے غار دیکھے تھے۔ وہ بڑی احتیاط سے چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ غار آگے سے جا کر تنگ ہو گیا۔ پھر بائیں ہاتھ کو گھوما تو سامنے ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بانس کے درختوں کے ڈنڈے کاٹ کر بنایا گیا تھا عنبر اس دروازے کے پاس جا کھڑا ہو گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا اسے ہلکے ہلکے اندھیرے میں دو انسان زمین پر لیٹے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک اس جزیرے کا بوڑھا راجہ تھا اور ایک رانی تھی۔ عنبر نے آہستہ سے لکڑی کے دروازے کو ایک طرف ہٹایا اور اندر چلا گیا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

دونوں انسان اسے آتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے ان کی زبان میں کہا۔

”کیا تم راجہ اور رانی ہو اس جزیرے کے؟“

دونوں انسان حیرانی سے عنبر کو دیکھنے لگے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی باہر کا آدمی ان کے پاس پہنچ سکتا ہے۔

راجہ نے کہا۔

”ہاں ہم اس جزیرے کے راجہ اور رانی ہیں۔ مگر تم کون ہو؟“

عنبر نے کہا۔

”یہ میں سب کچھ آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے میں آپ کو خوشی کی خبر سنانی چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا راجکمار بوریلا زندہ ہے۔“

رانی اور راجہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ رانی نے آنکھوں میں آنسو

لا کر کہا۔

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“

”ہاں رانی، میں سچ کہہ رہا ہوں“

رانی نے پوچھا۔

”کہاں ہے میرا بیٹا؟“

عنبر نے کہا

”وہ اسی جزیرے میں ایک خفیہ جگہ پر چھپا ہوا ہے۔“

راجہ نے کہا۔

”مگر بیٹا، اسے تو نمک حرام منتری نے سمندری بلا کے جزیرے میں قتل کرانے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ پھر وہ کیسے بچ گیا؟“

عنبر نے کہا۔

”یہ باتیں پھر بتاؤں گا۔ اس وقت حالات یہ ہیں کہ آپ کا بیٹا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

یور یلا زندہ ہے اور اسی جزیرے میں ایک جگہ چھپا ہوا ہے میں آپ کو اور اس جزیرے کے لوگوں کو ظالم منتری سے نجات دلانے آیا ہوں"۔

رانی نے کہا۔

"مگر بیٹا تم اکیلے اس شیطان کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ وہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس کے پاس کالے علم کا جادو ہے"۔

عنبر بولا۔

"رانی صاحبہ آپ فکر نہ کریں۔ یہ سارا کام میں سنبھال لوں گا۔ اس کا سارا جادو میں ایک ہی پل میں باہر نکال دوں گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ میرے ساتھ یہاں سے نکل چلیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جب میری اور نمک حرام منتری کی جنگ چھڑے تو وہ آپ کو اپنے آدمی بھیج کر قتل کروا دے"۔

رانی نے کہا۔

"مگر بیٹا باہر تو آدمی خود پہرہ دے رہے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔ جلدی کریں۔ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے"۔

عنبر نے راجہ اور رانی کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

اس نے بانس کے دروازے کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگا دیا۔ غار کے اندھیرے میں راجہ اور رانی کو پیچھے پیچھے چلاتا عنبر غار کے منہ پر آ کر رک گیا۔ دونوں کو پیچھے کھڑا کر کے عنبر نے دیکھا کہ پہریدار باہر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک پہریدار زمین پر لیٹا ہوا اونگھ رہا تھا اور دوسرا دروازے کے پاس کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر دبے پاؤں غار سے باہر نکل آیا۔ اس نے پہریدار کے پیچھے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

آ کر ایک چھلانگ لگا کر کھڑے ہوئے پہریدار کی گردن دبوچ لی۔ وہ منہ بل زمین پر گرا۔ دوسرا پہریدار شور کی آواز سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جو ایک اجنبی کو اپنے ساتھی کے ساتھ گتھم گتھا دیکھا تو نیزہ اٹھا کر پورے زور سے عنبر کی پسلیوں میں مار دیا۔ عنبر نے اس نیزے کی بالکل پرواہ نہ کی اور پہلے والے پہریدار کی گردن دباتا رہا۔ دوسرے پہرے دار نے نیزہ کھینچ کی پوری طاقت سے پھر عنبر کی پسلیوں میں گھونپ دیا۔ اس دفعہ عنبر اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلا پہریدار گلا دبانے سے مر چکا تھا۔ عنبر نے اپنی پسلیوں میں سے نیزہ نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔

یہ منظر دیکھ کر زندہ پہرے دار دنگ رہ گیا۔ عنبر کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہہ رہا تھا۔ عنبر نے نیزہ اٹھایا، لہرایا اور آدمخور کے سینے میں اتار دیا۔ زخم اس قدر گہرا لگا کہ آدمخور بغیر آواز نکالے زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ عنبر لپک کر واپس غار میں آیا اور بولا۔

"جلدی سے میرے ساتھ چلیں راستہ صاف ہے"۔

راجہ اور رانی لڑائی کا یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ حیرت زدہ تھے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ ایک طاقتور آدم خور کے ہاتھوں سے دو نیزے کھانے کے باوجود زندہ ہے۔ نہ صرف زندہ ہے بلکہ زخمی تک نہیں ہوا۔ لیکن یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں تھا۔ وہ عنبر کے پیچھے چھپتے چھپاتے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ چٹان کے قریب سے گھوم کر وہ گھنے درختوں کے نیچے سے ہوتے اس چٹان کے پاس آ گئے۔ جہاں ایک چھت کے نیچے شگفتا چھپی ہوئی تھی اور لوریلا پہرہ دے رہا تھا۔

لوریلا بڑا چوکنا ہو کر چٹان کی اوٹ میں جھاڑیوں میں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی تو پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس کے سامنے اس کی ماں اور

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

بوڑھا باپ عنبر کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ وہ جھاڑی میں سے نکل کر بازو پھیلائے اپنے ماں باپ کی طرف بڑھا۔ راجہ رانی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو زندہ دیکھا تو خوشی سے باغ باغ ہو کر انہوں نے بچے کو سینے سے لگا لیا۔ اور خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔

عنبر نے کہا۔

''تم لوگ اب اسی جگہ چھپے رہو یا یہاں سے کشتی میں سوار ہو کر واپس سمندری بلا کے جزیرے میں چلے چلو۔ کیوں کہ میں منتری کے خلاف جنگ شروع کرنے والا ہوں۔ اگر تم لوگ لڑائی میں میرے ساتھ ہوئے تو میں تمہاری جان کی ذمے داری نہیں لے سکتا۔ ہاں فتح پانے کے بعد تمہیں اپنے پاس بلا سکتا ہوں''۔

راجہ نے کہا۔

''بیٹا' سمندری بلا کا جزیرہ محفوظ نہیں ہے۔ میں نے اپنے لیے

ایک خفیہ پناہ گاہ تلاش کر رکھی ہے۔ ہم وہاں جا کر چھپ جاتے ہیں وہ پناہ گاہ ایسی جگہ پر ہے جس کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ یہ جگہ میں نے بنائی ہی اسی لیے تھی کہ اگر کبھی جزیرے پر بغاوت ہو گئی تو وہاں چھپ جاؤں گا۔ لیکن نمک حرام منتری نے محل سے بھاگنے کی مہلت ہی نہیں دی۔

''چلیے میں آپ کو وہاں چھوڑ آتا ہوں''۔

یہ خفیہ جگہ جنگل کی پرلی جانب ایک چوڑی سی چٹان کے نیچے تھی۔ دروازے پر لمبی لمبی گھاس اگی تھی اور اندر بیٹھنے کے لیے خشک گھاس کے علاوہ پانی کا مرتبان اور خشک پھلوں کا ایک مرتبان بھی تھا۔ عنبر نے راجہ رانی' شکنتلا اور بوڑھے بابا کو اس خفیہ جگہ پر چھوڑا اور خود اکیلا ہی منتری سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

دشمن کی تلاش

جزیرے کے جنگل میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں کسی وقت درخت پر بیٹھا کوئی پرندہ بولتا تو خاموشی جیسے چونک اٹھتی۔ اس جزیرے میں جنگلی جانور بھی نہیں تھے۔ شاید آدم خوروں نے سارے کے سارے مار کر کھا لیے تھے۔ عنبر چھپ چھپ کر جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ ایک پگ ڈنڈی جنگل میں چلی گئی تھی۔ عنبر نے جان بوجھ کر اس پگ ڈنڈی کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ راستے میں کسی آدم خور سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ دور سے اسے ڈھول بجنے کی آواز آنے لگی۔ راجہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا کہ منتری کا بانس کا محل کس جگہ پر ہے۔ یہ ڈھول اسی محل کے باہر بج رہا تھا۔

عنبر کو دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آدم خور پگ ڈنڈی پر چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں نیزے اٹھا رکھے تھے۔ وہ باتیں کرتے عنبر کے قریب سے گزر گئے۔ اچانک ایک آدم خور رک گیا۔ دوسرے سے کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے یہاں کوئی انسان چھپا ہوا ہے“۔

عنبر اس آدم خور کی عقل پر حیران رہ گیا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ جنگل میں رہتے رہتے انہیں بھی عادت پڑ گئی تھی کہ وہ جانوروں کی طرح انسان کی بو سونگھ لیتے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔

”یہاں کوئی غیر آدمی کہاں سے آ جائے گا؟“

”یہی میں سوچ رہا تھا“

اتنا کہہ کر دونوں آدم خور آگے نکل گئے۔ عنبر درخت کے پیچھے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

سے نکل کر آگے روانہ ہو گیا۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا ڈھول کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی تھی۔ وہ اس ڈھول کی آواز پر چلا جا رہا تھا۔ اب یہ آواز بہت قریب سے آ رہی تھی۔ عنبر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے بانس کا ایک بہت خوبصورت مکان بنا ہوا ہے۔ یہ تو بالکل جھونپڑے کی طرح کا مگر بناوٹ بڑی اچھی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی نمک حرام منتری کا محل ہے۔ محل کے دروازے پر ایک آدم خور بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔ وہ ڈھول پر یوں ہاتھ مار رہا تھا جیسے سو رہا ہے۔

وہ یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ وہی دو پہریدار وہاں بھاگے بھاگے آئے جو راجہ رانی کے غار کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی منتری کی دہائی دی۔ نمک حرام منتری ان کی آوازیں سن کر محل سے باہر آ گیا۔ عنبر یہ تماشہ بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ دونوں آدم خور راجہ رانی کے فرار کی خبر سنانے آئے ہیں۔ منتری کا رنگ سیاہ تھا اور وہ بڑا موٹا تازہ ہاتھی کی طرح تھا۔

اس نے کڑک کر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ تم لوگ راجہ رانی کو اکیلے کیوں چھوڑ کر آ گئے؟''

آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ پھر سر اٹھا کر بولے۔

''سرکار! وہ بھاگ گئے ہیں''۔

''کیا کہا؟'' منتری بادل کی طرح گرجا۔

''کہاں بھاگ گئے ہیں؟''

آدم خور پہریدار نے کانپتے ہوئے کہا۔

''حضور! دیوتا ہی جانتے ہیں کہ راجہ اور رانی کہاں بھاگ گئے ہیں۔ ہم پہرہ دے رہے تھے کہ ایک نوجوان سے مقابلہ ہوا۔ اس نے ہمارے ایک آدمی کو مار دیا۔ میں بھاگ کر یہاں آیا ہوں۔ وہ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

راجہ رانی کو بھگا کر ساتھ لے گیا ہے"۔

منتری نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"کون تھا وہ نوجوان؟"

"حضور! اس کا رنگ کالا نہیں تھا۔ وہ اس جزیرے کا رہنے والا نہیں لگتا تھا۔

منتری نے تالی بجا کر کہا۔

"ان دونوں پہرے داروں کی گردنیں کاٹ کر لاشوں کو گدھوں کے آگے ڈال دیا جائے"۔

آدم خور زمین پر گر کر رونے لگا۔

"سرکار! رحم رحم رحم"

"بکواس بند کرو۔ لے جاؤ انہیں اور کاٹ دو ان کی گردنیں"۔

جلادوں نے آگے بڑھ کر دونوں آدم خوروں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ اور انہیں کھینچتے ہوئے جنگل کی طرف لے گئے جہاں انہیں قتل کر دیا جانے والا تھا۔ منتری نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"سارے جزیرے میں آدم خور سپاہیوں کو پھیلا دو۔ راجہ رانی اس جزیرے سے بچ کر نہ جانے پائیں۔ سمندری کنارے کی تمام کشتیوں کو اپنے قبضے میں کر لو۔ ہر طرف پہرہ بٹھا دو اور حکم جاری کر دو کہ جو کوئی راجہ اور رانی کو دوبارہ گرفتار کر کے لائے گا مہا منتری کی طرف سے اسے بہت انعام اکرام دیا جائے گا۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ جنگل کا چپہ چپہ چھان ماریں اور سمندر کے کنارے ناکہ بندی کر دیں۔ راجہ اور رانی جہاں کہیں بھی ہوں انہیں گرفتار کر کے ہمارے حضور پیش کیا جائے"۔

"جو حکم سرکار"۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ڈھول بجانے والے نے زور زور سے ڈھول بجایا۔ یہ ڈھول کچھ اس طرح سے بجایا گیا تھا کہ دیکھتے دیکھتے وہاں کتنے سارے آدم خور جمع ہو گئے۔ منتری نے ان کے سامنے ایک بار پھر اعلان کیا کہ راجہ رانی قید سے بھاگ کر جزیرے میں کسی جگہ روپوش ہو گئے ہیں۔ انہیں فوراً تلاش کر کے لایا جائے۔ سب آدم خور جانوروں کی طرح آوازیں نکالتے جنگل کی طرف دوڑ پڑے۔

جس درخت پر عنبر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کے نیچے سے بھی آدمخوروں کا جلوس گزرنے لگا۔ وہ سارے کے سارے جنگل میں پھیل گئے۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ راجہ، رانی، بوریلا اور شکنتلا وغیرہ ایک محفوظ جگہ پر چھپے ہوئے ہیں۔ نہیں تو ان کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اب وہ انتظار کرنے لگا کہ آدم خور وہاں سے ہٹیں تو وہ نیچے اترے۔ آدم خور بانس کے محل کے سامنے بھی پہرہ دینے لگے تھے۔ یہ پہریدار صرف

دو آدمی تھے۔ ڈھول والا بھی نیزہ تھام کر شور مچاتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ان آدم خوروں کی عورتیں بھی تیر کمان لے کر شور مچاتیں راجہ رانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھیں۔

عنبر چاہتا تھا کہ کسی طرح محل میں داخل ہو کر منتری کو قابو کرلے۔ وہ سارے کے سارے جزیرے کے آدم خوروں سے مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے رہنما نمک حرام منتری کو قبضے میں لے کر ان پر اپنا اثر ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ شام ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شام کا اندھیرا ہوتے ہی وہ کسی نہ کسی طرح پہریداروں کو دھوکا دے کر منتری کے محل میں داخل ہو جائے گا۔ وہ خواہ مخواہ کسی انسان کا خون نہیں بہانا چاہتا تھا۔ اس وقت دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ عنبر خاموشی سے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا رہا۔

آہستہ آہستہ دھوپ ڈھل گئی۔ جنگل میں شام کے سائے پھیل

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ منتری کے محل کے باہر مشعلیں روشن کر دی گئیں۔ کچھ عورتیں بھنی ہوئی مرغیاں اور پھل لے کر اندر داخل ہوئیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ جزیرے کے راجہ منتری کا کھانا جا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ درخت پر بیٹھا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی ہے۔ اور سوائے محل کے آگے پہرہ دیتے آدم خوروں کے وہاں اور کوئی نہیں تو وہ آہستہ سے درخت سے نیچے اتر آیا۔ زمین پر پاؤں رکھتے ہی اس نے جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر محل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

وہ محل کی پچھلی جانب سے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔

بس محل کے پیچھے بھی ایک آدم خور نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کے لیے اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ کسی طرح آدم خور کو قابو میں کرے چنانچہ وہ ایک جنگلی بلّے کی طرح آدم خور کی

طرف بڑھنے لگا۔ آدم خور بڑی بے فکری سے محل کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ ٹہل رہا تھا۔ جب اس کی پیٹھ عنبر کی طرف ہوئی تو عنبر نے ایک جھپٹا مارا اور اچھل کر آدم خور کی گردن اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ وہ آواز بھی پیدا نہ کر سکا اور عنبر کے بوجھ سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ اس کے زمین پر گرنے کی آواز پیدا ہوئی۔

عنبر نے آدم خور کو گردن ہی سے پکڑ کر جنگل کی طرف کھینچ لیا محل کی کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک عورت نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا اور پہرے دار کو آواز دی۔

”جھالا! کہاں ہو تم جھالا؟“

مگر جھالا کا تو عنبر نے کام تمام کر دیا تھا۔ عنبر نے صرف ایک کام اور کیا کہ آدم خور کا نیزہ اپنے ہاتھ میں لے کر سر پر اس کا تاج رکھ لیا۔ قمیض اتار کر پھینک دی اور ابھی جھاڑیوں میں ہی تھا کہ وہی عورت

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

پہرے دار کو آواز دیتی محل کی پچھلی کھڑکی سے باہر آ گئی۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ اس عورت کی موت اسے عنبر کے پاس لا رہی تھی۔ لیکن عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ آدم خور عورت نے جھاڑیوں کے پاس آ کر جھالا کو ایک بار پھر آواز دی۔ عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنا چہرہ عورت کی طرف نہیں کر رہا تھا۔ عورت نے پوچھا۔

"جھالا! تم اپنا چہرہ کیوں چھپا رہے ہو؟"

عنبر نے انہی کی زبان میں جواب دیا۔

"آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔"

عورت کو شک سا ہوا۔ اس نے قریب آ کر کہا۔

"جھالا! ذرا اپنا منہ تو اونچا کرو۔"

اب عنبر کو اپنا چہرہ اوپر کرنا پڑا۔ عورت ایک اجنبی شخص کو آدم خوروں کے لباس میں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ اس نے شور مچانا چاہا ہی تھا کہ عنبر نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر اور نیزہ اس کی گردن پر رکھ کر کہا۔

"خبردار! اگر شور مچایا تو اسی وقت اسی جگہ تمہیں بھی جھالا کی طرح قتل کر کے پھینک دوں گا"۔

پھر عنبر نے اپنی قمیض پھاڑ کر عورت کے منہ میں ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب وہ نمک حرام منتری کے محل کی پچھلی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ کھڑکی کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے کونے میں ذرا سا سر اٹھا کر اندر دیکھا۔ موٹا کالا بھدا ہاتھی نما منتری اپنی بیگموں اور آدم خور ساتھی کے ہمراہ زمین پر بیٹھا جانوروں کی طرح بطخ اور مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ کس طرف سے اندر داخل ہو کہ اسے خبر نہ ہو۔ مگر اب وہاں زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ ایک غلطی عنبر سے یہ ہو گئی کہ اس کے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ کا نیزہ کھڑکی کے بانس سے ٹکرا گیا۔ منتری کے ساتھی نے آواز لگائی۔

''کون ہے باہر؟' جھالا! تم کہاں ہو؟''

باہر خاموشی طاری رہی۔ اب منتری کے ساتھی کو شک سا ہوا وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا اور جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ جوں ہی اس نے جھک کر باہر دیکھا اس کی آنکھیں عنبر سے چار ہو گئیں۔ وہ تو حیران ہو کر رہ گیا کہ یہ شخص یہاں کیسے آ گیا۔ اس نے ایک زور سے چیخ ماری۔ اس کے ساتھ ہی عنبر نے نیزہ اس کے دل میں اتار دیا۔ وہ لڑکھڑا کر کھڑکی سے باہر گر پڑا۔ منتری اور دوسرے آدم خور اٹھ کر باہر کو بھاگے۔ عنبر کھڑکی میں سے کود کر اندر آ گیا۔۔۔ منتری نے چیخ کر کہا۔

''اسے زندہ پکڑ لو۔ یہی ہمارا دشمن ہے''۔

چھ سات آدم خور عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ جوں ہی آدم خور اس کی طرف بڑھے اس نے آگے لپک کر ایک آدم خور کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ اس نے نیزے سے دوسرے آدم خور پر حملہ کیا وہ تڑپ کر گر پڑا۔ منتری نے کہا۔

''اسے زخمی کر دو''۔

پانچوں آدم خور عنبر پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ٹانگوں پر نیزے چلانے لگے۔ مگر عنبر کو بھلا کہاں اور کیسے زخم لگ سکتا تھا۔ لیکن اب عنبر ان کے قابو میں آ گیا تھا۔ انہوں نے فوراً اسے بانس کی رسی میں جکڑ کر منتری کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ منتری کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ کھانا پینا چھوڑ کر عنبر کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرایا۔

''بدبخت نوجوان تم کون ہو؟ یہاں یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر مسکرا رہا تھا بولا۔

"اے نمک حرام ظالم منتری! میں اس جزیرے پر تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اس جزیرے کے اصلی اور خاندانی راجہ سے سب کے سامنے معافی مانگو اور جزیرے کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ نہیں تو موت تمہارے سر کے اوپر لٹک رہی ہے"۔

منتری غصے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ جزیرے کا مالک تھا۔ جزیرے کا راجہ تھا اور ایک نوجوان لڑکا سب عورتوں اور آدم خوروں کے سامنے اس کی بے عزتی کر رہا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر مکا مارا۔ عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ ہاں منتری کو یوں لگا جیسے اس نے کسی پتھر پر ہاتھ مار دیا ہو۔ اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ ہاتھ کو ملتے ہوئے بولا۔

"تمہاری موت تمہیں اس جزیرے میں لے آئی ہے۔ غلامو! لے جاؤ اس گستاخ باغی کو یہاں سے۔ کل صبح اسے سب کے سامنے اژدہا سے کٹوا کر مروا دیا جائے گا"۔

آدم خور جکڑے ہوئے عنبر کو لے گئے۔

"یہ کوئی عجیب قسم کا نوجوان لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں مجھے ایک خاص کشش دکھائی دی ہے۔ کہیں یہ کوئی جادوگر تو نہیں ہے؟"

اس کا ساتھی سر جھکا کر کہنے لگا۔

"سرکار! آپ سے بڑھ کر اس جزیرے میں اور کون بڑا جادوگر ہو سکتا ہے۔ آپ اس جزیرے کے مالک ہیں۔ آپ اس جزیرے کے سب سے بڑے جادوگر ہیں بھلا آپ کا مقابلہ یہ دبلا پتلا باغی نوجوان کر سکتا ہے؟"

منتری کچھ پریشان سا تھا اور اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

"لیکن میرا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑا تو یوں لگا تھا کہ میں نے کسی چٹان پر مکا مارا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

ساتھی نے کہا

"جناب یہ آپ کا وہم ہے۔ اس نوجوان کا جبڑا مضبوط ہوگا۔ کل اس کی ساری طاقت نکال دی جائے گی۔ اسے اس جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ سے کٹوایا جائے گا۔ وہ ایک ہی پل میں پانی بن کر پگھل جائے گا"۔

منتری اپنے ساتھی کی باتوں میں آگیا۔ بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس جزیرے کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں جزیرے کا راجہ ہوں۔ سب سے بڑا دیوتا ہوں۔ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں کل اسی باغی نوجوان کو اپنے سامنے سانپ کے آگے ڈالوں گا۔ لیکن یہ کہاں سے آیا ہے؟"

ساتھی نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی وہ نوجوان ہے جس نے راجہ رانی کو بھاگنے میں مدد دی ہے۔ یہ اس جزیرے کا آدمی نہیں ہے۔ اسے ضرور معلوم ہوگا کہ راجہ رانی کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

نمک حرام منتری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ یہی وہ نوجوان ہے جس نے میرے دشمن کو فرار کروا دیا ہے۔ اسے ضرور معلوم ہے کہ راجہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ میں کل اس سے یہ راز اگلوا کر رہوں گا۔ وہ میری اذیت کو برداشت نہ کر سکے گا"۔

"کل صبح آپ کا دشمن راجہ آپ کے قدموں میں ہوگا"۔

عنبر کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر بانس کا چھاپہ رکھ دیا گیا۔ یہ گڑھا زمین کھود کر بنایا گیا تھا اور پانچ چھ فٹ گہرا تھا۔ عنبر چپ چاپ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھے گئے تھے۔ اس نے سلامبو کی لاش سے مدد لینی چاہی۔ مگر پھر سوچا کہ ایسا کون سی مشکل پڑ گئی ہے جو وہ سلامبو کا احسان لے۔ خدا نے چاہا تو وہ اکیلا ہی مقابلہ کر کے کامیاب ہو گا۔

* * *

آتشی اژدہا

راجہ رانی، شگفتہ اور ربوریا کو بڑا فکر لگا۔

رات ہو چکی تھی اور عنبر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ انہوں نے چٹان کے اوپر سے کئی بار آدم خوروں کے دوڑنے بھاگنے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ منتری کے آدمی راجہ رانی کی تلاش میں بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ شگفتہ کو سب سے زیادہ عنبر کی فکر لگی تھی، حالانکہ اسے سب سے زیادہ معلوم تھا کہ عنبر کو کوئی بھی شخص مار نہیں سکتا۔ پھر بھی ایک بہن اپنے بھائی کے لیے ضرور پریشان ہوتی ہے۔ راجہ نے شگفتہ سے کہا۔

"بیٹی مجھے افسوس ہے کہ صرف ہماری وجہ سے تمہارے بھائی کو

اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑی"۔

رانی نے کہا۔

"کاش، ہمارا بچہ ہمیں پہلے ہی مل جاتا اور ہم تمہارے بھائی کو تکلیف دیے بغیر اس جزیرے سے کسی دوسری زمین کی طرف نکل جاتے"۔

شگفتہ نے کہا۔

"رانی جی، میرے بھائی نے جو کچھ کیا یہ اس کا انسانی فرض تھا۔ وہ ایک بہادر، دلیر اور انسانوں سے پیار کرنے والا انسان ہے، کسی کو کسی تکلیف میں دیکھ کر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی مدد نہ کرے آپ فکر نہ کریں۔ وہ بہت جلد کامیاب ہو کر واپس آ جائے گا"۔

یوریلا بولا۔

"عنبر کبھی کسی کے آگے شکست نہیں کھائے گا پتا جی۔ وہ ایک بہت طاقت ور انسان ہے۔ میں نے اسے اکیلا چھ چھ آدمیوں کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے"۔

راجہ نے کہا۔

"لیکن اس نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟ کہیں وہ بے چارا کسی انوکھی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ رات ہو گئی ہے وہ دوپہر کا نکلا ہوا ہے۔ اب تک اسے واپس آ جانا چاہیے تھا"۔

یوریلا نے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں باہر جا کر اپنے بھائی کو تلاش کرتا ہوں"۔

شگفتہ نے فوراً کہا۔

"خبردار، بھائی عنبر نے سختی سے منع کیا تھا کہ اس تہہ خانے میں سے ہرگز ہرگز کوئی شخص باہر نہ نکلے۔ ہمیں بھائی کے کہنے پر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

حالت میں عمل کرنا چاہیے۔ عنبر تو مصیبت کو سنبھال سکتا ہے لیکن ہم میں سے کوئی آدم خوروں کے ہتھے چڑھ گیا تو پھر زندہ بچ کر نکلنا مشکل ہو جائے گا بہتر یہی ہے کہ ہم اسی تہہ خانے میں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں وہ جہاں کہیں بھی ہو گا کچھ نہ کچھ ضرور کر رہا ہو گا"۔

اب ذرا عنبر کی بھی سنیں۔

وہ زمین کے اندر کھدے ہوئے گڑھے میں خاموشی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ کل جب صبح ہو گی تو اس جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ سے ڈسوایا جائے گا۔ وہ مرے گا نہیں۔ سب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ نمک حرام منتری اس پر اپنا جادو کرے گا۔ جادو کا بھی اثر نہیں ہو گا۔ وہ بے بس ہو جائے گا اور پھر عنبر اسے اپنے قابو میں کر کے اصلی راجہ کو جزیرے پر واپس لانے کا اعلان کر دے گا۔

اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ وہ صبح ہونے کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اوپر بانس کی چھت پڑی تھی جس میں سے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے نظر آ رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا۔ وہ اوپر تک رہا تھا کہ آدم خوروں نے آ کر گڑھے کے اوپر سے بانس کی چھت اٹھائی اور عنبر کو رسے کی مدد سے باہر کھینچ لیا۔ ایک آدم خور نے عنبر کے گلے میں رسی ڈال کر کہا۔

"چلو بدنصیب باغی! تمہاری موت محل کے باہر منہ کھولے کھڑی تمہاری راہ دیکھ رہی ہے"۔

عنبر نے ہنس کر آدم خور سے کہا۔

"کیا وہاں سانپ میرا انتظار کر رہا ہے؟"

آدم خور بولا۔

"سانپ نہیں۔ اژدہا کہو اژدہا۔ جزیرے کا سب سے زہریلا اژدہا جس کے سانس کے ساتھ باہر چنگاریاں پھوٹتی ہیں جو پھونک مار کر درختوں میں آگ لگا دیتا ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اگر یہ اژدہا تمہیں ڈس دے تو کیسا ہوگا؟"

آدم خور نے طیش میں آ کر عنبر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ مگر طمانچہ مارتے ہی وہ ہاتھ کو کھینچ کر دبانے لگا۔ اس کے ہاتھ کو سخت چوٹ لگی تھی۔ وہ بڑا حیران سا ہو گیا کہ عنبر کا چہرہ پتھر کا بنا ہوا ہے؟

آدم خور عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر نمک حرام موٹے منتری کے محل کے سامنے لے آئے۔ یہاں منتری دوسری جادوگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ تخت ایک چبوترے پر رکھا تھا سامنے ایک دائرے کی شکل میں جزیرے کے سارے آدم خور مرد، عورتیں اور بچے جمع تھے۔ یہ لوگ ایک اجنبی باغی کو سانپ سے ڈسوانے کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ عنبر کو لا کر چبوترے کے آگے ڈال دیا گیا۔

منتری نے کہا۔

"اس باغی کو زمین میں ایک موٹا سا بانس گاڑ کر اس کے ساتھ باندھ دیا جائے"۔

فوراً زمین میں ایک موٹا سا بانس گاڑ دیا گیا۔ اس کے ساتھ عنبر کو پیچھے ہاتھ کر کے باندھ ڈالا گیا۔ عنبر کے چہرے پر ذرا سی بھی پریشانی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔ یہ بات جزیرے کے سارے لوگوں اور منتری کے ساتھی جادوگروں کے لیے بھی کچھ عجیب سی تھی۔ جو موت کے منہ میں جا کر بھی مسکرا رہا ہو۔ اسے وہ یا تو بہادری سمجھ رہے تھے اور یا یہ خیال کر رہے تھے کہ عنبر کے پاس کوئی خاص جادو ہے۔ منتری کا بھی یہی خیال تھا۔ اس نے اپنے ساتھی

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

جادوگر سے جھک کر کہا۔

"یہ کم بخت موت کو سامنے دیکھ کر بھی مسکرا کیوں رہا ہے؟ ضرور اس کے پاس کوئی بہت بڑا جادو ہے"۔

منتری کے ساتھی جادوگر نے سر کو جھٹک کر کہا۔

"مہا منتری جی' آپ بچوں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ بے چارہ بھول میں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاید اس کی جان بخش دی جائے گی۔ بھلا اتنا چھوٹا سا نوجوان اتنا بڑا جادوگر کیسے ہو سکتا ہے؟ جادوگر بننے کے لیے تو ایک عمر چاہیے"۔

ساتھی جادوگر یہ کہہ کر چبوترے پر سے نیچے آ گیا۔

عنبر کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"بولو ہمارا دشمن راجہ اور رانی کہاں ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"میں نے انہیں اسی جزیرے میں ایک خاص جگہ پر چھپا رکھا ہے"۔

منتری نے گرج کر پوچھا۔

"کہاں ہے وہ جگہ جلدی بتاؤ؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"بھلا میں تم لوگوں کو کیسے بتا سکتا ہوں کہ راجہ رانی کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ تم مکار اور دغا باز ہو۔ تم انہیں نکال کر قتل کر دو گے اور میں تمہیں قتل کر کے انہیں دوبارہ تخت پر بٹھانا چاہتا ہوں"۔

منتری نے غصے میں کہا۔

"میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ میں تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کروا کر جنگلی گدھوں کو کھلوا دوں گا"۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے پہلی بار ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"نمک حرام مکار منتری' تو کیا ہے۔ اگر تمہارے جزیرے کے سارے آدم خور بھی مل کر چاہیں تو میرے جسم کا ایک معمولی سا ناخن بھی الگ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر میں چاہوں تو ایک ایک کر کے تم سبھوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ میں اب بھی تمہیں کہتا ہوں کہ خون خرابہ نہ کراؤ۔ چپکے سے تخت چھوڑ کر یہاں سے دفع ہو جاؤ تاکہ اصلی راجہ اپنے تخت پر آ کر بیٹھ جائے"۔

جادوگر نے چیخ کر کہا۔

"خاموش بدزبان' ابھی تمہیں اس گستاخی کی سزا مل جاتی ہے۔ بول' کیا تو نہیں بتائے گا کہ ہمارا دشمن راجہ اور رانی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

عنبر نے ڈانٹ کر کہا۔

"کبھی نہیں بتاؤں گا"

جادوگر گرجا۔

"تم اپنی موت کو آوازیں دے رہے ہو"

عنبر نے چہرہ اوپر اٹھا کر کہا۔

"سن اے احمق جادوگر' میرے سامنے تمہارا اور تمہارے نمک حرام منتری کا جادو کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ تم اپنا بڑے سے بڑا منتر مجھ پر پھونک کر دیکھ لو۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس لیے کہ میں تم سے بڑا جادوگر ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا زبردست جادو ہے جو تمہارے سارے جادو کو ہڑپ کر جائے گا"۔

منتری نے بلند آواز میں ڈانٹ کر کہا۔

"خاموش بدزبان، ابھی جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ کا زہر تمہارے جسم میں داخل ہو کر تمہیں بھسم کر کے رکھ دے گا۔ دیکھنا

ہوں تمہارا جادو تمہیں کیسے بچاتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ تمہارا ہر جادو مجھ پر بے اثر ہو گا۔ تم اور تمہارا زہریلا سانپ مجھے مار نہیں سکے گا۔ اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا۔ تم سب مر جاؤ گے۔ لیکن میں زندہ رہوں گا اور اگر چاہوں تو تم سب کو مار سکتا ہوں"۔

جادوگر نے چیخ کر کہا۔

"اژدہا لایا جائے"۔

اسی وقت ایک آدم خور ایک بہت بڑا بانس کا ٹوکرا لے آیا۔ ٹوکرے کو اس نے عنبر کے آگے رکھ کر اس کا ڈھکنا اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ٹوکرے میں سے سبز اور سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا سانپ یعنی اژدہا پھنکارتا ہوا باہر

نکلا۔ اس نے پھونک ماری اور بانس کے ٹوکرے کے ڈھکن کو آگ لگ گئی۔ وہاں کھڑا ہر کوئی خوف زدہ تھا۔ مگر عنبر بے فکری کے ساتھ بانس سے بندھا مسکرا رہا تھا۔

اژدہا نے عنبر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ وہ عنبر کے بالکل قریب آ گیا۔ اس نے اپنا پھوڑے جیسا منہ اٹھا کر عنبر کی طرف لال لال انگاروں آنکھوں سے دیکھا۔ عنبر نے بھی اپنی آنکھیں اژدہا کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

اژدہا نے زور سے ایک پھونک ماری۔ اس کے منہ سے شرارے سے نکل کر عنبر کے چہرے پر پڑے مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔ اژدہا نے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن پر ڈسنا چاہا ہی تھا کہ عنبر نے سانپ سے کہا۔

"سن اے بے وقوف سانپ! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ناگ کا بھائی ہوں جو تم سب سانپوں کا سرتاج ہے اور جو سانپ سے جون بدل کر انسان کی شکل میں میرے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے“۔

سانپ نے یہ سنا تو ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اور چپکے سے زمین پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔

عنبر نے مسکرا کر منتری سے کہا۔

”اے منتری، اپنے اژدہا سے پوچھو کہ وہ مجھے ڈستا کیوں نہیں ہے؟ وہ میری زبان سے دو باتیں سن کر جھاگ کی طرح کیوں بیٹھ گیا ہے؟“

سارے لوگ حیران تھے کہ اژدہا کو کیا ہو گیا ہے۔ منتری نے حالات بگڑتے دیکھ کر جادوگر کو اشارہ کیا کہ وہ اپنے جادو سے عنبر کو ہلاک کر دے۔ جادوگر نے جیب میں سے ایک کنکر نکال کر اس پر کچھ پڑھا اور زور سے عنبر پر دے مارا۔ کنکر عنبر کے چہرے سے ٹکراتے ہی بجلی کی کڑک بن کر عنبر پر گرا۔

ایک دھماکہ ہوا۔ ایک غبار بلند ہوا۔ ایک شعلہ چمکا۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ عنبر کی ہڈیاں بھی جل کر بھسم ہو گئی ہوں گی۔ لیکن سب یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ عنبر اسی طرح مسکرا رہا تھا۔ اس نے جادوگر سے کہا۔

”خبیث جادوگر! تو نے جو جو منتر پھونکنا ہے پھونک لے جو جو جادو کرنا ہے کر لے تاکہ تجھے حسرت باقی نہ رہے۔ کیوں کہ جس وقت میں نے اپنا منتر پھونکا پھر تم کہیں نظر نہیں آؤ گے“۔

جادوگر ذرا گھبرایا۔ مگر منتری کا حوصلہ پا کر اس نے عنبر پر دوسرا منتر پھونکا۔ اس کا بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب عنبر نے آنکھیں بند کر کے سامیو کی لاش کو یاد کیا اور پھر زور سے پھونک ماری۔ عنبر کے منہ سے ایک شعلہ نکلا جس نے پگھلے ہوئے لاوے کی طرح جادوگر پر گر کر

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ جادوگر کی جگہ زمین پر راکھ پڑی تھی۔

سارے آدم خور دہشت زدہ ہو گئے۔

عنبر رسی توڑ کر آزاد ہو گیا۔ منتری نے چیخ کر حکم دیا۔

"اس جادوگر نوجوان کو نیزوں سے چھلنی کر دو"

ایک ہی وقت میں بے شمار آدم خوروں نے اپنے اپنے نیزے عنبر پر پھینکے۔ مگر اب عنبر پوری طرح تیار تھا۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سارے نیزے واپس پلٹ کر آدم خوروں کے سروں پر یوں لٹکنے لگے کہ جیسے ابھی گر کر ان کی کھوپڑیاں توڑ دیں گے۔ آدم خور ڈر کر بھاگنے لگے۔ وہ جدھر بھاگتے نیزے ان کے ساتھ ساتھ جاتے۔ عنبر نے کہا۔

"اب بتاؤ کہاں گیا تمہارا جادو؟ نمک حرام منتری اب تو اپنے ظلم کا مزہ چکھنے کے لیے تیار ہو جا"۔

عنبر نے زمین پر بیٹھے ہوئے سانپ سے کہا۔

"اے اژدہا، ناگ دیوتا کے حکم سے اٹھ اور اس جزیرے کے ظالم منتری کو ڈس کر ہلاک کر دے"۔

عنبر کا حکم سنتے ہی ناگ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اٹھا اور پھنکارتا ہوا چبوترے پر پہنچ گیا۔ منتری نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر اژدہا نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔ منتری گر پڑا۔ اژدہا نے پھونک ماری اور منتری کے جسم میں آگ لگ گئی۔ وہ درد سے تڑپنے اور چلانے لگا۔ مگر اژدہا نے ایک اور پھونک مار کر اسے جلا کر راکھ کر ڈالا۔

عنبر چبوترے پر آ کر تخت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آدم خوروں کو بتایا کہ وہ سمندر کے تمام جزیروں کا دیوتا ہے اور انسان کے بھیس میں یہاں کے حالات معلوم کرنے آیا تھا۔ نمک حرام منتری نے غداری کر کے یہاں کے نیک دل راجہ اور رانی کو قید کر کے خود

حکومت سنبھال لی تھی۔ اب وہ مر گیا ہے۔ یہ تخت دوبارہ اس کے راجہ کو دیا جائے گا۔ آدم خور عنبر کو سچ مچ دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے عنبر اور راجہ رانی کے حق میں زور زور سے نعرے لگائے۔

عنبر نے آدم خوروں کو ساتھ لیا اور راجہ رانی کی طرف چل پڑا۔

☆

خونی بلا آ گئی

راجہ، رانی، شگفتا اور بوریا نے آدم خوروں کی آوازیں سنیں۔ وہ ڈر گئے۔ ان کا خیال تھا کہ آدم خوروں نے عنبر کو قتل کر دیا ہے اور اب وہ راجہ رانی اور اس کے بیٹے بوریا کو گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔ شگفتا بے چاری بڑی ڈرپوک تھی۔ اس کا تو رنگ زرد ہو گیا۔ بوریا بھی گھبرا گیا۔ رانی کا خون خشک ہو گیا۔ کیونکہ وہ آدم خوروں کی خصلت کو جانتی تھی۔ راجہ نے ان سب کو تسلی دی اور کہا کہ اگر آدم خور بری نیت سے آئے ہیں تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ اول تو وہ تہہ خانے کے اندر داخل نہ ہو سکیں گے جو کوئی اندر آئے گا اسے نیزے مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے باوجود خود راجہ بھی گھبرا گیا تھا۔

اس جزیرے پر آدم خوروں سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔ ایک بار وہ تہہ خانے میں داخل ہو گئے تو پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کا بھی زندہ رہنا محال ہے۔

اتنے میں انہیں عنبر کی آواز سنائی دی۔

''شگفتا! گھبراؤ نہیں۔ میں آ گیا ہوں''

عنبر کی آواز سن کر سب کی جان میں جان آئی۔ آدم خور باہر اپنے راجہ اور رانی کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے۔ عنبر تہہ خانے کے اندر آ گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس نے آتے ہی راجہ سے کہا۔

''مبارک ہو اے نیک دل راجہ! تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ نمک حرام منتری اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں میدان میں پڑی ہیں۔ جزیرے پر آپ کی حکمرانی بحال ہو گئی ہے۔ جزیرے کے باہر عوام آپ کے حق میں نعرے لگا رہے ہیں۔ آپ اور رانی صاحبہ باہر آئیے۔ لوگ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہیں''۔

خوشی سے راجہ نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔ رانی کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ یوریلا نے بھی عنبر کے ہاتھ پکڑ کر چوم لیے۔ شگفتا نے اپنے بھائی کو زندہ سلامت دیکھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ راجہ نے کہا۔

''بیٹا عنبر! دیوتا تمہیں اس نیکی کا بدلہ دیں گے۔ تم نے میرے خاندان کو تباہی سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں اور میری آنے والی نسلیں تمہارے احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں گی''۔

عنبر نے کہا۔

''میں نے حق دار کو اس کا حق پہنچایا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ اب آپ باہر تشریف لے چلیں''۔

جوں ہی لوگوں نے راجہ اور رانی کو تہہ خانے سے باہر آتے دیکھا۔ انہوں نے اچھل اچھل کر نیزے لہرا لہرا کر راجہ اور رانی کے حق میں نعرے لگائے۔ عورتیں گیت گانے لگیں۔ بچے خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ انہوں نے راجہ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور ایک جلوس بنا کر اسے بانس کے شاہی محل میں لے آئے۔ اس سے اگلے روز راجہ نے اپنے بیٹے بوریا کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کی تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ جزیرے کے لوگوں میں مٹھائی اور پھل بانٹے گئے۔ عنبر نے بھرے دربار میں اعلان کیا۔

"آج سے اس جزیرے پر کوئی شخص آدم خور نہیں ہوگا۔ کوئی انسان اپنے دوسرے بھائی کو مردہ گوشت نہیں کھائے گا۔ ہر کوئی انسان ایک دوسرے سے پیار کرے گا۔ ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئے گا۔ اگر کسی شخص نے آدم خوری کی تو دیوتا اس کے گھر بار کو اس کے بیوی بچوں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ آج سے تم سب لوگوں کو میرے اور اپنے راجہ کے سامنے دیوتاؤں کی قسم کھانی ہوگی کہ اس جزیرے پر کسی انسان کو مار کر ہڑپ نہیں کیا جائے گا۔

تمام کے تمام آدم خوروں نے نیزے اوپر اٹھا کر قسم کھائی کہ وہ آئندہ سے آدم خوری نہیں کریں گے۔ اور محنت، دیانت داری اور انسان دوستی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ تاجپوشی کی رسم چھ روز تک جاری رہی۔ عنبر اور شکنتلا کو راجہ نے ایک شاندار بانس کی جھونپڑی دے رکھی تھی جس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ شکنتلا اب وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ عنبر بھی جانے کے لیے بے تاب تھا۔ وہاں ان کا اب کوئی کام نہیں رہا تھا۔

انہوں نے ایک روز راجہ سے بات کی تو راجہ نے کہا۔

"میرے بیٹے اگر تم لوگوں کو پہلے ہندوستان جانا ہے تو ہندوستان

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اس جزیرے سے صبح کے وقت کشتی میں سوار ہو کر چلو تو دوسرے روز صبح تم ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جاؤ گے۔ میں خود تمہیں بڑی شان سے یہاں سے رخصت کروں گا۔ مگر بیٹے ابھی تمہیں ایک کام کے بارے میں مجھے مشورہ دینا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ کون سا کام ہے مہاراج؟"

راجہ نے کہا۔

"تم تو جانتے ہی ہو کہ اس جزیرے پر ہر ماہ کی چاند کی پندرہ تاریخ کو ایک خوفناک سمندری بلا نازل ہوتی ہے اور قربانی کے لیے ایک نوجوان لڑکی کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ قربانی ہمیں ضرور کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اگر ہم جزیرے کی کوئی جوان لڑکی اس سمندری بلا کو بھینٹ نہ کریں تو وہ ہمارے جزیرے کو تباہ و برباد کر دے گی۔

میں چاہتا ہوں کہ تم اس بارے میں مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟ کیونکہ میں یہ رسم۔۔۔۔ یہ ظالمانہ رسم ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ میرے پیچھے کوئی طاقت ور ہاتھ نہ ہو۔ کیا تم اس بارے میں میری کچھ مدد کرو گے؟ کیا تم جزیرے کی بے گناہ لڑکیوں کو سمندری بلا سے بچا سکو گے؟"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا جزیرے سے واپس جانا بھی بہت ضروری تھا اور جزیرے کی بے گناہ لڑکیوں کو سمندری بلا سے بچانا بھی ضروری تھا۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مہاراج! اگرچہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں یہاں رہ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کر سمندری بلا کا انتظار کروں۔ لیکن آپ اور آپ کے جزیرے کی بے گناہ معصوم بچیوں کی زندگی کی خاطر میں یہاں رہ کر سمندری بلا کا مقابلہ کرنے پر تیار ہوں"۔

راجہ نے خوش ہو کر عنبر کا ماتھا چوم لیا۔

"شاباش میرے بہادر بچے! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم نے آج جزیرے کی ہزاروں بے گناہ بچیوں کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچا لیا"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن راجہ کیا یہاں کے لوگ سمندری بلا سے مقابلہ کرنا گوارا کر لیں گے۔ کیا وہ دیوتاؤں کو ناراض کرنا قبول کر لیں گے؟"

راجہ نے کہا۔

"میرے بچے جزیرے کا کوئی آدمی ایسا نہیں جس نے اپنے گھر

کی کوئی نہ کوئی بچی اس خوف ناک بلا پر قربان نہ کی ہو۔ جزیرے کا ہر آدمی اس بلا کے خلاف ہے اور اس کا جانی دشمن ہے۔ وہ سمندری بلا کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ بلا اتنی بڑی اور اتنی طاقت ور ہے کہ سوائے تمہارے ہر کوئی اس سے خوف کھاتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ بدبخت خونی بلا تمہارے ہی ہاتھوں مرے گی"۔

عنبر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے مہاراج! میں تیار ہوں"۔

عنبر نے جھونپڑے میں آ کر شگفتہ کو ساری بات بیان کر دی۔ شگفتہ اداس ہو گئی۔ ایک تو اس لیے کہ گھر جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی اور دوسرے یہ کہ اسے خطرہ تھا کہ اتنی بڑی سمندری بلا کہیں عنبر کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

''عنبر بھائی' سمندری بلا بڑی طاقت ور ہے۔ وہ بہت بڑی ہے۔ بھگوان نہ کرے کہ تم پر اس کا وار چل جائے۔ کیا تم اس بلا کو ختم کر سکو گے عنبر بھائی؟''

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شگفتا! دنیا کا کوئی بھی جانور' کوئی ایسا درندہ اور کوئی ایسی بلا نہیں جس کا مقابلہ میں نہ کر سکوں اور جسے میں ہلاک نہ کر سکوں۔ تم اپنی آنکھوں سے سمندری بلا کو میرے ہاتھوں ہلاک ہوتے دیکھو گی''۔

شگفتا نے کہا۔

''میرے پیارے بھائی میرا دل ڈرتا ہے''۔

عنبر بولا۔

''تمہیں اپنے دل کو مضبوط کرنا ہو گا شگفتا! میں سمندری بلا کو ہلاک کیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ اس بلا نے سینکڑوں معصوم

بچیوں کو ہلاک کیا ہے اور اگر میں اسے مارے بغیر چلا گیا تو نہ جانے ابھی کتنی اور لڑکیوں کو ہڑپ کر جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ جزیرے کے لوگوں کو جزیرے کی معصوم لڑکیوں کو اس خونی بلا سے نجات دلائی جائے''۔

شگفتا آخر راضی ہوتے ہوئے بولی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو عنبر بھائی' میں اس معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بے شک میں سمندری بلا کے مارے جانے تک تمہارے ساتھ اسی جزیرے میں رہوں گی''۔

سارے جزیرے میں یہ خبر عام ہو گئی کہ عنبر سمندری بلا1 کا مقابلہ کرے گا۔ کچھ لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کچھ غمگین ہو گئے کہ کہیں عنبر بلا کے ہاتھوں مارا نہ جائے۔ جس بوڑھے ماہی گیر باپ کی بچی کو اس دفعہ قربان کیا جا رہا تھا۔ اس نے یہ خوش خبری سنی تو سجدے میں

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

گڑگڑ کر دیوتاؤں سے عنبر کی سلامتی اور سمندری بلا کی موت کی دعائیں مانگنے لگا۔ قربان ہونے والی لڑکی بے چاری غم کے مارے پہلے ہی سوکھ گئی تھی۔ اب اس نے یہ خوشخبری سنی تو وہ بھی آنکھیں بند کر کے دیوتاؤں سے دعائیں مانگنے لگی۔

چاند کی پندرھویں تاریخ کو سمندری بلا پانی میں نکلا کرتی تھی۔ جزیرے میں چاند کی پندرھویں تاریخ کا بڑی بے تابی سے انتظار کیا جانے لگا۔ چاند ہر رات آسمان پر تھوڑا سا بڑھ جاتا تھا۔ آخر بارھویں رات اور پھر تیرھویں رات آ گئی۔ سمندر کے کنارے جہاں بلا پانی میں سے نکلا کرتی تھی بانس کا ایک چبوترہ بنا دیا گیا۔ اس چبوترے پر سرخ کپڑے پہنا کر قربان ہونے والی لڑکی کو بٹھا دیا جاتا تھا۔

چبوترے کے بانس پر رنگ برنگ پھول چڑھا دیے گئے۔

چاند کی پندرھویں رات بھی آ گئی۔ ہر طرف بڑا زبردست جوش پایا جاتا تھا۔ لوگ پریشان بھی تھے۔ اور خوش بھی۔ پریشان اس لیے تھے کہ کہیں ان کے جزیرے پر کوئی آفت نازل نہ ہو جائے۔ خوش اس لیے تھے کہ سمندری بلا کے خون خرابے سے انہیں ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ عنبر نے جزیرے میں راجہ کے ذریعے اعلان کروا دیا تھا کہ رات کو سب لوگ سمندر کے کنارے جمع ہو جائیں اور اپنی آنکھوں سے سمندری بلا کی موت کا تماشہ دیکھیں۔ چاند آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ جزیرے کے سارے مرد، عورتیں اور بچے سمندر کنارے پہنچ گئے تھے۔

عنبر نے چبوترے پر کھڑے ہو کر کہا۔

”سنو اے جزیرے کے رہنے والو! تم نے ایک مدت تک اس خونی بلا کے ظلم و ستم سہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس قاتل سے اپنے بچوں کی موت کا بدلہ لو۔ یاد رکھو یہ بلا محض ایک آدم خور بلا ہے۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

اس کا دیوتاؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ وہ میرے ہاتھوں مر جائے گی۔ اگر یہ دیوی ہوتی تو کبھی نہ مرتی۔ میں دیوتا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نہیں مرتا۔ نہ مجھ پر نیزہ اثر کرتا ہے اور نہ سانپ کا زہر اثر کرتا۔ اس لیے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ سمندری بلا ایک آدم خور جانور ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں ہے۔ میں اسے اپنی طاقت سے ہلاک کر دوں گا۔ اور تمہیں ایک آفت سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ اس کے بعد اس جزیرے پر خوش حالی آئے گی۔ ہر طرف خوشیوں کے پھول کھلیں گے“۔

لوگوں پر عنبر کی تقریر کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے زور زور سے تالیاں بجا کر کہا کہ وہ سمندری بلا کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اسے ختم کر کے ہم پر احسان کرو۔ عنبر نے کہا۔

”میں اسی کام کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ نہیں تو میں یہاں سے چلا گیا ہوتا اور یاد رکھو جب میں سمندری بلا سے مقابلہ کروں تو گھبرانا نہیں۔ اگر وہ سمندر سے باہر نکل آئی تو تم لوگ وہاں سے پرے پرے ہٹ جانا۔ بچوں اور عورتوں کو پیچھے کر دینا“۔

اتنے میں ایک آدمی نے آگے بڑھ کر عنبر کو سرخ کپڑے تھال میں پیش کیے۔ عنبر نے اس لڑکی کے سرخ کپڑے پہن لیے جسے آج قربانی کے لیے پیش کیا جا رہا تھا۔ یہ عنبر نے خاص طور پر کیا تھا تاکہ پہلی نظر میں سمندری بلا کو دھوکا دیا جا سکے۔ عنبر نے سرخ چولا پہن لیا اور چبوترے پر خاموشی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اب وہاں گہری خاموشی ہو گئی۔ سمندری بلا کے سمندر سے باہر نکلنے کا وقت ہو گیا تھا۔ چاند آسمان پر ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون سے آ کر کنارے سے ٹکرا رہی تھیں۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ذرا پرے درختوں کے نیچے مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں ایک اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ جس پر ایک تخت رکھ دیا گیا تھا۔ اس تخت پر راجہ، رانی، ان کا بیٹا پوریلا اور شکنتلا بیٹھے تھے۔ شکنتلا کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ بے چاری پہلے ہی سے ڈرپوک تھی۔ دل ہی دل میں بھگوان سے اپنے پیارے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی۔ راجہ اور رانی بھی دل میں کچھ پریشان تھے۔ رانی نے راجہ سے کہا۔

”دیوتا اس بہادر بچے کی حفاظت کریں۔ لیکن بلا بڑی خوفناک ہے۔ وہ ایک پہاڑ جتنی اونچی ہے۔ ایک نوجوان اس کا کس طرح مقابلہ کر سکے گا؟“

اس پر رانی کے بیٹے نے کہا۔

”ماتا جی، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ تمبر بھائی کس بہادری اور دلیری سے سمندری بلا کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ سچ مچ ایک دیوتا ہے۔ بہت طاقت والا دیوتا ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میں نے اسے حیرت انگیز کام کرتے دیکھا ہے۔ وہ مر نہیں سکتا۔ وہ کامیاب ہوگا“۔

راجہ نے کہا۔

”دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں“۔

سمندر کی طرف سے ایک لمبی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

جزیرے میں کھڑے سارے لوگ ایک دم خاموش ہو گئے۔

عورتوں نے بچوں کو اپنے پیچھے کر لیا۔ مرد جھک کر غور سے سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ سمندری بلا کی سیاہ کالی لمبی سونڈ ایک ستون کی طرح سمندر میں سے بلند ہو رہی تھی۔ بلا آخر آ گئی تھی۔ جس لڑکی کو قربان کیا جانے والا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پیچھے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ راجہ، رانی، شکنتلا اور پوریلا بھی خاموش نگاہوں سے

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

سمندر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بالا نے اپنی سونڈ کو آگے کرنا شروع کر دیا۔ وہ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتی ہوئی کنارے پر آ گئی تھی۔ سونڈ بڑھتے بڑھتے عنبر کے قریب چبوترے پر آ گئی۔ یہاں قربانی کے لیے پیش کی جانے والی لڑکی کو سونڈ پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ سونڈ نے چبوترے پر لہرانا شروع کر دیا۔ لیکن قربانی پیش نہیں کی جا رہی تھی۔ سمندری بالا پیچ و تاب کھانے لگی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ حملہ کیا جائے۔ عنبر نے آنکھیں بند کر کے سامبو کی لاش کو یاد کیا اور اپنے پیچھے سے تلوار نکال کر اس زور سے سمندری بالا کی سونڈ پر ماری کہ وہ آدھی کٹ کر گر پڑی۔

ایک بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بالا سمندر میں کھڑی ہو گئی

وہ کون تھے؟

سمندری بالا ایک پہاڑ کی طرح سمندر میں کھڑی تھی۔

عورتوں اور بچوں نے رونا شروع کر دیا۔ لوگ بھاگ کر درختوں پر چڑھ گئے۔ رابعہ رانی، شکنتلا اور بوریا بھی چبوترے پر سے اتر کر پیچھے چلے گئے۔ جزیرے پر ایک خوف اور دہشت چھا گئی۔ صرف عنبر اپنی جگہ پر دلیری سے ڈٹا ہوا تھا۔ عنبر کھڑا ہو گیا۔ سمندری بالا کی آدھی سونڈ کٹ چکی تھی۔ اور وہاں سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ سمندری بالا سمندر سے نکل کر باہر ریت پر آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کہ عنبر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دے اور پھر پاؤں سے کچل کر ہلاک کر دے۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

عنبر پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس نے سلامبو کی لاش کو آہستہ سے آواز دی۔ پھر وہاں جزیرے کے لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ درختوں کے اوپر سے ایک سرخ رنگ کا بادل لہراتا ہوا آیا اور اس نے سمندری بلا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خدا جانے اس بادل میں کون سی آگ بھری تھی کہ سمندری بلا نے چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے سارے جسم پر آگ لگ چکی تھی۔ وہ بڑی بری طرح اچھل کود رہی تھی۔ جس کی وجہ سے جزیرے پر بھونچال سا آ گیا تھا۔ اس نے غصے میں کئی ایک درخت اکھاڑ کر پھینک دیے۔ وہ جس درخت کو ہاتھ لگاتی اسے بھی آگ لگ جاتی۔ پھر آسمان پر بجلی چمکی اور سمندری بلا پر بجلی گری۔

بجلی کے گرتے ہی سمندری بلا زمین پر سے بہت اونچی اچھلی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے بدن کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے اور ہر ٹکڑے کو آگ لگی ہوئی تھی۔ سمندری بلا کے مرتے ہی

سارے لوگ درختوں جھاڑیوں سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ خوشی سے ناچ رہے تھے۔ تالیاں بجا رہے تھے۔ گا رہے تھے۔۔۔ لوگوں نے عنبر کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ راجہ، شکنتلا اور رانی نے سکھ کا سانس لیا۔

راجہ نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”بھگوان تجھے ہمیشہ خوش رکھے بیٹا، تم سچ مچ ایک دیوتا ہو۔ میں تمہیں سلام کرتا ہوں“۔

راجہ نے جھک کر عنبر کو سلام کیا۔ اسے دیکھ کر سارے لوگ عنبر کے آگے جھک گئے۔

عنبر نے ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہو کر کہا۔

”سنو اے جزیرے کے لوگو، تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا کہ ظالم کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ جس بلا نے تم پر کئی سالوں سے ظلم کر رکھا تھا آج وہ اپنے انجام کو پہنچی۔ اسے میرے خدا نے اپنی

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

طاقت سے ہلاک کر دیا۔ تم لوگ مجھے دیوتا سمجھتے ہو۔ میں نے بھی تمہیں یہی کہا تھا کہ میں دیوتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ تمہیں سمندری بلا کے مرنے تک اپنے ساتھ رکھ سکوں اور تم کہیں راجہ کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اب سمندری بلا مر چکی ہے۔ تمہارا جزیرہ آفتوں سے بچ گیا ہے۔ تم آزاد اور خوشحالی میں زندگی بسر کرو گے۔ تمہارا راجہ ایک نیک دل راجہ ہے۔ ہمیشہ اس راجے کی وفاداری کرنا۔ تمہارے راجہ نے تمہارے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔۔ اور یہ بھی سن لو! کہ میں دیوتا نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح کا ایک عام انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے کبھی اپنے لیے کسی انسان کو تکلیف نہیں دی۔ مجھے ایک خاص طاقت مل گئی ہے جو مجھے ہر جگہ مدد دیتی ہے اور مجھے مصیبت سے بچاتی ہے۔ میں ابھی مر نہیں سکتا۔ یہ بادل جو آگ لے کر آسمان پر آیا تھا اور جس میں سے بجلی گر رہی تھی میری ایک بہن

نے بھیجا تھا۔۔۔ تمہاری مدد کے لیے۔ تمہیں ایک ظالم اور خونی بلا کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے۔ اب تم بچ گئے ہو۔ تمہارے بچے اور تمہاری بچیاں آزادی اور سلامتی کے ساتھ اس جزیرے پر زندگی بسر کریں گی۔ اب کوئی بلا تمہارے جزیرے کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھے گی۔ اگر اس بلا میں کوئی روحانی طاقت ہوتی تو وہ میرے ہاتھوں سے کبھی ہلاک نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مجھے مار کر اس جزیرے کو بھی تباہ کر دیتی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ ایک سمندری جانور تھا اور میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے"۔

لوگوں نے عنبر کو زندہ باد کے نعرے لگائے۔

دو روز تک جزیرے پر سمندری بلا سے نجات حاصل ہونے کا دن منایا جاتا رہا۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل لگی رہی۔ لوگوں نے رقص

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کیا گیت گائے۔ عورتوں نے بچوں کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ پھل تقسیم کیا گیا۔ مچھلی کے خاص خاص پکوان پکائے گئے۔

تیسرے روز عنبر نے شکنتلا سے کہا کہ وہ جزیرے سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

شکنتلا بولی۔

"بھگوان کے لیے اب رکنا نہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں سے نکل چلتے ہیں۔ ابھی ہمیں اپنے ملک بھی پہنچنا ہے۔ اور سمندر کا سفر ایک اکیلی کشتی میں کرنا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"راجہ نے بتایا تھا کہ یہاں سے ہندوستان کا ساحل بہت قریب ہے۔ اگر ہم صبح کے وقت کشتی میں سوار ہو کر سفر شروع کریں تو دوسرے روز صبح صبح ہندوستان پہنچ جائیں گے۔ یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اس جزیرے پر پہنچ گئے ہیں جو ہندوستان سے بہت قریب تھا۔ اگر ہماری کشتی ہمیں یہاں سے ہزاروں میل دور لے جاتی تو ہم کیا کر سکتے تھے۔"

شکنتلا بولی۔

"بھگوان کی مہربانی ہے یہ بھی۔ اب تم راجہ سے بات کرو اور کشتی تیار کروانی شروع کر دو۔"

عنبر نے اسی روز راجہ سے بات کی اور کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اپنی نگرانی میں ایک کشتی تیار کرواؤں جس میں بادبان بھی لگے ہوں اور یہ بڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف چل سکتی ہو۔"

راجہ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا بیٹے۔ میں تمہیں خوبصورت اور مضبوط کشتی تیار کروا

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

کر دوں گا جو ہر طوفان کا مقابلہ بھی کر سکے گی اور تمہیں منزل پر جلدی سے جلدی پہنچائے گی۔ اس موسم میں طوفان بھی نہیں آتے۔ ینگوان نے چاہا تو تم بہت جلد ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جاؤ گے"۔

راجہ نے اسی وقت ایک چھوٹی مگر بڑی مضبوط کشتی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اس جزیرے کے لوگ کشتی بنانے میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے جنگل میں جا کر خاص قسم کے درخت کاٹے جن کی لکڑی سمندری میں بھی خراب نہیں ہوتی۔ کشتی کی تیاری شروع ہو گئی۔ عنبر روز جا کر کام کی نگرانی کرتا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد کشتی بالکل تیار ہو گئی۔ اسے سمندر کے کنارے ساحل پر پہنچا دیا گیا۔ اس میں سفر کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کا سامان رکھ دیا گیا۔ پھل، خشک میوے، سوکھی ہوئی مچھلی، پانی سے بھرے ہوئے لکڑی کے چھ ڈرم اور نیزے، تیر کمان اور خنجر۔۔۔ تاکہ اگر ضرورت پڑے تو اپنی حفاظت کی

جا سکے۔

جزیرے سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا۔

جزیرے کے سارے کے سارے لوگ عنبر کو اپنے دوست اور احسان کرنے والے کو الوداع کہنے کے لیے سمندر کے کنارے آن کھڑے ہوئے۔ ہر کوئی عنبر کو اپنے سے جدا کرتے ہوئے اداس تھا۔ انہیں عنبر سے بڑا پیار ہو گیا تھا اور پھر عنبر نے ان کے لیے بڑا کام کیا تھا۔ انہیں ایک ایسی مصیبت سے نجات دلائی تھی جو ان کے بچوں کو ہڑپ کر رہی تھی۔

انہوں نے شگفتہ اور عنبر کے گلے میں پھولوں کے بے شمار ہار ڈالے۔ راجہ اور رانی نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر ماتھے چومے اور دعائیں دیں۔ بوریالا نے آگے بڑھ کر عنبر کے قدموں کو ہاتھ لگایا اور کہا۔

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

"میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا"۔

راجہ نے کہا۔

"پیارے بیٹے! اگر زندگی میں کبھی تمہیں خیال آئے کہ زندگی شہر سے دور رہ کر کسی پرسکون جگہ پر بسر کرنی چاہیے تو سیدھے یہاں ہمارے پاس چلے آنا۔ ہمارے دل تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں بھی تم لوگوں کو نہ بھلا سکوں گا راجہ صاحب' میں بھی آپ کو یاد رکھوں گا۔ آپ کے ساتھ بڑے خوبصورت اور یادگار دن بسر ہوئے ہیں"۔

شگفتا اور عنبر کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی کشتی نے کھلے سمندر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے نعرے لگائے۔ بچوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدا حافظ کہا۔ عنبر اور شگفتا کشتی پر کھڑے ہاتھ ہلانے والوں کا جواب اپنے ہاتھ ہلا ہلا کر اور مسکرا کر دے رہے تھے۔ جزیرہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ جزیرہ بہت دور رہ گیا۔ عنبر اور شگفتا کشتی میں آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھا دور جزیرے کی ایک سیاہ لکیر باقی رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد یہ لکیر بھی غائب ہو گئی۔

اب وہ کھلے سمندر میں تھے اور کشتی اپنے بادبان پھیلائے ہندوستان کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ شگفتا کشتی میں سو گئی تھی اور اپنے ماں باپ' بچے اور گھر کے خواب دیکھ رہی تھی۔ عنبر لکڑی کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا اپنی بہن ماریا اور ناگ کو یاد کر رہا تھا۔ انہیں ایک عرصے سے ایک دوسرے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ نہ ماریا اور ناگ کو علم تھا کہ عنبر کس حال میں ہے اور نہ عنبر کو کچھ خبر تھی کہ ماریا اور

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ناگ کیسے ہیں۔

سمندر کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر بادلوں کا دور دور تک نشان نہیں تھا۔ سمندر بڑے سکون کی حالت میں تھا۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کشتی کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اسی طرح سارا دن اور ساری رات سفر کرتے رہے تو اگلے روز صبح صبح وہ ہندوستان کے ساحل پر ہوں گے۔ وہ اس سے پہلے ہندوستان صرف ایک بار آیا تھا۔ اور وہ بھی تبت والے خشکی کے راستے سے۔

سمندر کی طرف سے وہ اس ملک میں کبھی داخل نہیں ہوا تھا۔ راجہ نے اسے ستاروں کا حساب بتا دیا تھا۔ وہ سورج کے حساب سے ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔

ستاروں نے رات کو چمک کر عنبر کو بتانا تھا کہ وہ کدھر کو جا رہا ہے۔

جب شام آئی تو عنبر اور شگفتہ بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگے جس میں انہوں نے یہ معلوم کرنا تھا کہ کہیں وہ راستے سے بھٹک تو نہیں گئے؟ کیونکہ راجہ نے اسے کہہ دیا تھا کہ یہ بڑے خطرناک اور دنیا کے گہرے سمندر ہیں۔ اگر وہ راستہ ایک بار بھول گیا تو پھر ان کی کشتی شاید ساری زندگی سمندری لہروں پر بھٹکتی رہے گی۔ رات کو ستارے ایک ایک کر کے چمکنا شروع ہو گئے۔ عنبر نے بڑے غور سے ستاروں کے نشان دیکھے۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"شگفتہ بہن! ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔"

شگفتہ خوشی سے بولی۔

"سچ بھائی؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں، وہ دیکھو ستاروں کی ٹولی۔ یہ ہمیں تمہارے وطن کا راستہ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

دکھائی ہے۔ ساری رات ہمیں اسی ٹولی کی طرف سفر کرنا ہو گا۔ پھر ہم صبح اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے"۔

شگنتا بڑی خوش تھی کہ ایک مدت بعد وہ اپنے خاوند' بچے اور ماں باپ سے ملے گی۔ اس کے لیے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ اس کی ساری مصیبت کٹ گئی تھی۔ صرف ایک رات باقی رہ گئی تھی۔ ساری رات ان کی کشتی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں پرسکون لہروں پر سفر کرتی رہی۔ جزیرے کے راجہ نے جو کیا تھا وہ سچ ہو رہا تھا۔ صبح کے وقت سمندر پر روشنی پھیلی تو انہیں دور کسی جزیرے کے ساحل کی سیاہ لکیر دکھائی دی۔ زمین کو قریب آتے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے کشتی کا رخ اور زیادہ ساحل کی طرف کر دیا۔ ہوا بڑی موافق چل رہی تھی۔ کشتی بڑی تیزی کیساتھ ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔

شگنتا نے کہا۔

"بھگوان کرے کہ یہ ہندوستان کا ہی ساحل ہو۔ کہیں کوئی اور آدم خور جزیرہ نہ نکل آئے"۔

عنبر بادبانوں کی رسیاں ٹھیک کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"شگنتا بہن' تم تو خواہ مخواہ ڈرتی رہتی ہو۔ فکر نہ کرو۔ یہ کوئی آدم خور جزیرہ نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہندوستان کا ساحل ہی ہے"۔

کشتی پوری رفتار کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دوپہر کے وقت جب کہ سورج آسمان کے درمیان چمک رہا تھا اور ہر طرف دھوپ اور روشنی پھیلی ہوئی تھی ان کی کشتی ساحل کے قریب پہنچ گئی۔ اس ساحل پر ناریل اور تاڑ کے گھنے درخت جھکے ہوئے تھے جس طرح کہ عام طور پر جزیروں پر ہوا کرتے ہیں۔ شگنتا نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ

COURTESY OF www.pdfbooksfree.pk

ضرور کوئی آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔ عنبر کو بھی ابھی تک پورا یقین نہیں تھا کہ یہ ہندوستان ہی کا ساحل ہے۔ وہ بڑے غور سے ساحل کی طرف دیکھنے لگا۔ ساحل پر اسے کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کشتی ساحل پر پہنچ گئی۔ عنبر نے بادبانوں کو لپیٹ دیا تھا۔ کشتی کو ایک طرف چٹان کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس کشتی میں کھانے پینے کا اتنا سامان تھا کہ وہ اس جگہ اگر چاہتے تو ایک ماہ تک زندہ رہ سکتے۔ ساحل کی ریت پر اتر کر وہ دھوپ میں لیٹ گئے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لیٹنے سے انہیں بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ موسم گرم تھا مگر ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی تھی جو سمندر کی جانب سے جزیرے کی طرف چل رہی تھی۔

شگفتہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عنبر بھائی ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ اس جزیرے پر کون لوگ آباد ہیں اور یہ ہندوستان کا ساحل ہے یا نہیں؟"

عنبر کہنے لگا۔

"خیال تو تمہارا ٹھیک ہے۔ اچھا۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں جزیرے کے اندر جا کر معلوم کرتا ہوں"۔

شگفتہ بولی۔

"نہیں نہیں میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گی"۔

عنبر نے کہا۔۔۔۔۔۔"چلو پھر آؤ میرے ساتھ"۔

عنبر نے شگفتہ کو ساتھ لیا اور جزیرے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس جزیرے پر انہوں نے آم کے بھی بے شمار درخت دیکھے۔ آم کے ایک درخت کے پاس چند وحشی جنگلی لوگوں نے شگفتہ اور عنبر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔۔۔

آگے کیا ہوا۔۔۔۔۔؟

کیا شنکلا اور ٹمبر وحشی لوگوں کی قید سے آزاد ہو گئے؟

کیا شنکلا ہندوستان میں اپنے شوہر اور بچے کے پاس پہنچ گئی؟

موت در موت۔ کیسے ٹمبر دشمنوں میں پھنستا گیا اور نکلتا گیا۔

یہ سب کچھ جاننے کیلئے۔۔ آپ یقیناً بے چین ہوں گے۔

تو آئندہ ناول "اوپر موت نیچے موت" ۲۵ ویں قسط پڑھنا نہ بھولیں۔

عنبر ناگ ماریا

اوپر موت نیچے موت

(قسط نمبر ۳۵)

(اے حمید)

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تا کہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھئے تا کہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

☆ کالے جنگلی
☆ آگ میں زندہ
☆ شگفتہ! کہاں گئی؟
☆ آدم خور سردار
☆ خونی ہاتھی
☆ موت کی شرط
☆ جادوگرنی سے ملاقات
☆ اوپر موت' نیچے موت
☆ خنجر مار دو
☆ شیر آیا تھا

سنو پیارے بچو!

شگفتا اور عنبر آدم خوروں کے جزیرے سے نکل کر سمندر میں سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل کے ساتھ آن لگتے ہیں۔ یہاں جنگل میں ناٹے قد کے جنگلی ان کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ان وحشیوں کو معلوم ہی نہیں کہ شگفتا ان کے راجہ کی بیٹی ہے وہ انہیں پکڑ کر سردار کے پاس لے جاتے ہیں سردار ان کو ہلاک کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ عنبر سردار کو شکست دیتا ہے۔ یہاں خونی ہاتھی حملہ کرتا ہے۔ عنبر اکیلا خونی ہاتھی کا مقابلہ کر کے اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

کالے جنگلی

وحشی لوگ شگفتا اور عنبر کو لے کر جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ خوف سے شگفتا کا رنگ زرد تھا۔ عنبر نے چلتے چلتے اسے تسلی دی کہ وہ گھبرائے بالکل نہیں۔ مگر شگفتا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ناٹے قد کے سیاہ فام وحشی ان دونوں کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ ان کی زبان مشکل تھی۔

وہ کبھی کبھی آپس میں بات کر لیتے تھے۔ عنبر ان کی زبان اپنی خفیہ

طاقت کی وجہ سے سمجھ ضرور رہا تھا۔ پر اسے سمجھنے میں کچھ دقت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ زبان آریاؤں سے پہلے کی زبان تھی بلکہ فرعونوں کے مصر سے بھی پہلے کی زبان تھی۔ وحشی ننگے انہیں دھکیل دھکیل کر آگے لیے جا رہے تھے۔ وہ کسی وقت ہنس کر بھی بات کر لیتے۔ ایک وحشی نے دوسرے سے کہا:

"راجہ سے کہہ کر میں اس عورت کو اپنی بیوی بنا لوں گا۔"

دوسرا بولا:

"میں اس نوجوان کو اپنا غلام بناؤں گا۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ شگفتا ان کی زبان نہیں سمجھتی تھی، نہیں تو اس کا یہ باتیں سن کر اور زیادہ برا حال ہوتا۔ عنبر نے جب راجہ کا لفظ سنا تو وہ چونکا۔ اسے شک ہوا کہ وہ ہندوستان کے ساحل پر ہی آن لگا ہے۔ اس نے شگفتا سے اپنی زبان میں کہا کہ یہ وحشی لوگ انہیں کسی راجہ کے پاس لے جا رہے ہیں اور اس کے خیال میں راجہ صرف ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ملک ہندوستان ہی ہے۔ شگفتا کو بھی ذرا سا حوصلہ ہوا کہ وہ اپنے وطن میں تو ہے۔ اگرچہ اسے ابھی تک کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے وطن میں تو ہے۔ اگرچہ اسے ابھی تک کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ جنگلی اور وحشی لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ جنگل میں آم اور املی کے بے شمار گھنے درخت تھے۔ یہ درخت ہندوستان میں بڑے عام ہوتے تھے۔

شگفتا نے عنبر سے کہا:

"بھائی بھگوان جھوٹ نہ بلوائے یہ ہندوستان ہی ہے۔"

عنبر بولا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔"

شگفتا نے کہا:

"مگر عنبر بھائی یہ وحشی لوگ ہمیں کہاں لیے جا رہے ہیں؟"

"راجہ کے پاس۔ فکر نہ کرو، راجہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"بھگوان کا شکر ہے کہ تم میرے ساتھ ہو نہیں تو جانے میرے ساتھ یہ جنگلی لوگ کیا سلوک کرتے۔"

وحشی لوگ عنبر اور شگفتا کو کسی اور زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر بڑے حیران ہو رہے تھے۔ وہ آپس میں کہتے کہ دیکھو یہ دونوں کس بے فکری سے باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں پتہ ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اب عنبر کو تشویش ہوئی کہ یہ جنگلی لوگ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے والے ہیں۔ اسے اپنی تو فکر نہیں تھی۔

ڈر تھا تو شگفتا کا تھا۔ اس کی موجودگی میں تو دنیا کا کوئی شخص شگفتا کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔ لیکن ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ شگفتا کو الگ لے جا کر قید کر دیا جائے اور پھر اسی قید میں اسے مار ڈالا جائے۔ ایسی صورت میں بے چارہ عنبر اس کے لیے کیا کر سکتا تھا بھلا۔

بہر حال عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قسمت میں ابھی کیا کیا لکھا ہے۔ جنگل گھنا ہوتے ہوتے زیادہ گہرا ہو گیا۔ یہاں موسم گرم مرطوب تھا۔ مچھر ان کے سروں پر چکر لگاتے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ایک جگہ عنبر نے مور کو دیکھا جو اپنے نیلے رنگ کے خوبصورت پنکھ کھولے ایک درخت کے نیچے مزے سے ناچ رہا تھا۔ عنبر نے شگفتا کو ناچتا مور دکھایا۔

مگر شگفتا کو حسین مور دیکھ کر بھی کوئی خوشی نہ ہوئی وہ اپنے انجام کے بارے میں بڑی پریشان تھی۔

کئی درختوں پر عنبر نے سبز رنگ کے سانپوں کو ہری بھری بیلوں کی طرح لٹکتے دیکھا۔ اب کیا ہوا کہ درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک سانپ نے ایک وحشی کی گردن پر ڈس دیا وہ ایک دم زمین پر بیٹھ گیا۔ دوسرے وحشی نے خنجر نکال کر ڈسنے والی جگہ پر زخم لگایا اور پھر زہر

چوس کر تھوک دیا۔ تیسرے وحشی نے ایک سانپ کو تیر مار کر نیچے گرا لیا اس کی گردن کاٹ کر الگ کر دی اور دھڑ اس وحشی کو دے دیا جسے سانپ نے کاٹا تھا۔ وحشی عنبر اور شگفتہ کے سامنے دیکھتے دیکھتے اسے چبا کر کھا گیا۔

سانپ کے کھاتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جنگل میں سفر شروع کر دیا عنبر نے ان وحشی لوگوں کی عقل مندی کی داد دی کہ کتنی جلدی انہوں نے موت کو بھگا دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ندی پر آ گئے۔ یہ ندی چھوٹی سی تھی اور بل کھاتی گزر رہی تھی۔ ندی کے کنارے بڑی بڑی گھاس اگی تھی جس میں اگر آدمی چھپ جائے تو کسی کو ڈھونڈے سے بھی نہ ملے عنبر نے دیکھا کہ وحشی ان جھاڑیوں سے بچ کر چل رہے تھے۔

خدا جانے وہ کسی جانور سے خوف زدہ تھے۔ یہ مگر مچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مگر مچھ دریاؤں میں ہوتا ہے۔ وہ ندی کنارے نہیں آتا۔ عنبر نے شگفتہ سے کہا کہ یہ لوگ کسی جانور سے خوف زدہ ہیں۔ وحشی لوگ چلتے چلتے ایک دم رک گئے اور فضا میں تھوتھنیاں بلند کر کے کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک وحشی نے اونچی آواز میں کہا:

”درختوں پر چڑھ جاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ فوراً جنگل میں شیر کی دھاڑ گونجی اور ایک زرد دھاریوں والا خونخوار شیر جھاڑیوں میں سے چھلانگ لگا کر باہر نکلا۔ وحشی کچھ درختوں پر چڑھ گئے تھے اور کچھ ابھی زمین پر ہی تھے۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ شگفتہ کو لے کر ایک درخت پر چڑھ چکا تھا۔ شیر نے دھاڑتے ہی ایک وحشی کو منہ میں دبوچ لیا۔ وحشی بڑا بہادر تھا۔ اس نے کھلے ہاتھ سے خنجر شیر کے پیٹ میں گھونپنا شروع کر دیا۔ مگر شیر بھلا خنجروں سے کہاں مرتا ہے۔ ویسے شیر گھبرا ضرور گیا اس نے جنگلی کو منہ سے نکال کر پھینک دیا اور پھر ایسے زور سے پنجہ مارا

کر وحشی کی گردن اڑ گئی۔

یہ سارا تماشہ دوسرے وحشی درختوں پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے شیر پر بے شمار تیر چلائے مگر شیر صاف بچ گیا۔ شیر نے مردہ وحشی کو تو اسی جگہ چھوڑا اور اچھل کر ایک دوسرے وحشی کو پکڑ لیا جو ایک درخت کی نیچی شاخ پر بیٹھا شیر پر تیر چلا رہا تھا۔ وحشی کی چیخ سے جنگل گونج اٹھا۔ شیر نے وحشی کو گردن سے دبوچا اور اسے گھسیٹتا ہوا جنگل میں گم ہو گیا۔ دوسرے وحشی اس پر تیر برساتے رہے مگر شیر صاف نکل گیا۔

شیر کے جاتے ہی سارے کے سارے وحشی درختوں پر سے نیچے اتر آئے انہوں نے اپنے ساتھی کی گردن کٹی لاش کو اٹھا کر ایک درخت کے نیچے لٹایا۔ اوپر ادھر ادھر سے خشک پتے اکٹھے کر کے ڈالے اور آگے چل دیئے۔

جیسے کچھ ہوا نہیں تھا۔ ان میں کسی نے شیر کا پیچھا کر کے اسے مارنے یا

اپنے دوسرے ساتھی کی موت کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کی۔ وہ شکنتلا اور عنبر کو ساتھ لے ایک بار پھر جنگل میں روانہ ہو گئے۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں سے گزر رہے تھے۔ یہ ٹیلے ہری بھری جھاڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک ہرن جھاڑیوں میں سے نکل کر چوکڑیاں بھرتے بھاگا تو ایک وحشی نے تیر مار کر اسے زخمی کر کے گرا لیا۔ پھر اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

ایک بولا:

"آج اسے بھون کر کھائیں گے۔"

دوسرے نے کہا:

"میں نے تو سانپ کا ناشتہ کر لیا ہے۔"

تیسرے نے کہا:

"اگر میں تمہارا زہر نہ چوستا تو تم مر گئے ہوتے۔"

دوسرا بولا:

"میں تمہیں اس کے بدلے میں مور کا گوشت کھلاؤں گا۔"

عنبر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے ملک میں داخل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ مور بھی ہندوستان میں ہی ہوتا ہے۔ اس نے ایک وحشی سے آخر پوچھ ہی لیا کہ کیا اس ملک کا نام ہندوستان ہے۔ سارے کے سارے وحشی عنبر کو اپنی جنگلی زبان میں بات کرتے دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کھڑے ہو گئے۔

ایک وحشی نے پوچھا:

"تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھی ہے؟"

عنبر نے کہا:

"میں چھوٹا سا تھا جب اس جگہ آیا تھا یہاں رہا تھا۔ میں نے یہاں کی زبان سیکھ لی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہندوستان ہی ہے۔"

وحشی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ چیخ کر دوسرے وحشیوں سے کہا:

"یہ شخص مجھے کوئی بدروح معلوم ہوتی ہے۔"

دوسرا بولا:

"ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دو۔"

تیسرے نے کہا:

"نہیں نہیں! انہیں راجہ کے پاس لے جاؤ۔ راجہ کو پتہ چل گیا تو وہ ہم پر ناراض ہو گا۔ ہم ان دونوں کو راجہ کے حوالے کر کے اس سے انعام حاصل کریں گے۔ کیونکہ اس عورت کو تو راجہ بڑا خوش ہو کر اپنی بیوی بنائے گا۔"

"ٹھیک ہے، ہم اس طرح کریں گے۔"

"لیکن اگر ہم انہیں قتل کر دیں تو راجہ کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ اس طرح اس ملک میں ایک بدروح نہیں آنے پائے گی۔"

"اسے ختم کر دیں گے۔"

ایک وحشی نے کہا:

"یہ بھی تو سوچو کہ ان دو بدروحوں کا قتل ہم اپنے اوپر کیوں لیں؟ کیوں نہ انہیں راجہ کے سامنے پیش کر کے اسے کہیں کہ یہ دونوں بدروحیں ہیں اور انہیں ہلاک کر دیا جائے۔"

"یہ بات اچھی ہے۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بات ٹل گئی۔ نہیں تو شگفتہ کو بچانے کے لیے بڑی مشکل ہو جاتی۔ اب جنگل میں ایک گول دائرے کی قسم کا چھوٹا سا میدان آ گیا۔

اس میدان میں درختوں کے نیچے جگہ جگہ لمبوتری چھتوں والی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔ ننگ دھڑنگ کالے کالے بچے جھونپڑیوں سے باہر کھیل رہے تھے۔

شگفتہ نے کہا:

"بھگوان کا شکر ہے کہ ہم آخر یہاں پہنچ گئے۔ میرا تو چل چل کر سخت برا حال ہو گیا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"میں خود چل چل کر تنگ آ گیا تھا۔ کم بخت جانے کہاں سے آئے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ ان کا قبیلہ ہے یہاں ان کا راجہ رہتا ہو گا۔"

"ہاں یہ راجہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے وہ ہمیں قید میں ڈال دے اور پھر کسی روز ہمیں دیوتا کے آگے قربان کر دے۔"

"ہائے میں مر گئی۔ بھگوان کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"تم بہت جلد ڈر جاتی ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے بڑی مشکل

میں تمہیں موت کے منہ سے بچایا ہے۔ اچھا دیکھتے ہیں کہ یہاں کیا تماشہ ہوتا ہے۔''

وحشی لوگ انہیں لے ایک جھونپڑی کے باہر رک گئے۔ پھر ایک وحشی نے زور سے ڈھول بجایا۔ ڈھول کی آواز سن کر جنگلیوں کا راجہ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

یہ راجہ ایک سیاہ رنگ کا ہٹا کٹا ڈاکوؤں کی شکل ایسا آدمی تھا۔ اس نے اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر اور شگفتا کو دیکھا اور ریچھ کی طرح ہنس کر بولا:

''عنبر سمجھ گیا کہ راجہ شگفتا کو ضرور اپنی بیوی بنا کر چھوڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ شگفتا پہلے ہی ایک راجہ کنور کی بیوی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی تھا۔ عنبر نے شگفتا کو ظالم راجے کی قید سے بچانے کا فیصلہ کرلیا۔

وحشیوں نے راجہ کو سارا کچھ ہی بتا دیا کہ یہ شخص انکی جنگلی زبان بھی سمجھتا ہے اور یہ دونوں کوئی بدروح ہیں۔ کیونکہ شیر نے ان پر حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ سن کر کہ عنبر جنگلیوں کی زبان جانتا ہے۔ راجہ اس کے قریب آگیا۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا:

''تم کون ہو؟ تم ہماری زبان کس طرح جانتے ہو؟''

عنبر نے مسکرا کر کہا:

''راجہ میں بچپن میں یہاں اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا۔ مجھے بچپن ہی سے یہ زبان یاد ہو گئی تھی۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔'' راجہ نے چلا کر کہا۔ ''تم بدروح ہو۔ تم ہمارے قبیلے میں نحوست اور بیماری پھیلانے آئے ہو۔ تمہیں آگ میں ڈال کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور اس عورت سے ہم شادی کریں گے۔''

شگفتا نے عنبر سے پوچھا کہ راجہ کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر نے اسے بتایا

کہ راجہ کہہ رہا ہے۔ میں شگفتا سے بیاہ کروں گا۔ شگفتا رونے لگی:

"عنبر بھائی مجھے اس ظالم وحشی سے بچالو۔ میں اپنے خاوند کی وفادار بیوی ہوں۔ میں اپنے راج کنور کے ہوتے ہوئے مرسکتی ہوں مگر دوسری شادی نہیں کرسکتی۔"

"حوصلہ رکھو شگفتا! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

پھر عنبر نے راجہ سے کہا:

"اے راجہ! تم مجھے بے شک بدروح جان کر آگ میں ڈال دو مگر اس عورت سے شادی مت کرو۔ کیونکہ اس کی شادی ہوچکی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ یہ اگر ملک ہندوستان ہے تو اسی ملک کی ایک ریاست کا راجہ اس عورت کا خاوند ہے۔ یہ اس راجہ کی رانی ہے۔"

وحشی راجہ قہقہہ لگا کر ہنس اور شگفتا کی طرف دیکھ کر بولا:

"ہم اس آکاش کی اپسرا سے ضرور شادی کریں گے۔"

اس نے اسی وقت اعلان کر دیا:

اس نوجوان کو آگ میں ڈالنے اور اس عورت سے ہماری شادی کی تیاریاں شروع کردی جائیں۔"

"جو حکم مہاراج۔"

جنگلیوں نے دونوں کو لے جا کر الگ الگ جھونپڑوں میں رسیوں میں جکڑ کر قید کر دیا۔ باہر عنبر کے لیے ایک گڑھا کھود کر اس میں درخت کاٹ کاٹ کر لکڑیاں ڈالی جانے لگیں۔ راجہ کی پہلی بیویاں اور دوسری عورتیں شگفتا کو جھونپڑی میں نکال کر دلہن بنانے لے گئیں۔ شگفتا روتی چلاتی رہی۔ مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس نے دور ہی سے روتے ہوئے عنبر کو آواز دی۔

"عنبر بھائی بھگوان کے لیے میری مدد کرو۔ نہیں تو میں خودکشی کرلوں گی۔"

عنبر نے شکنتلا کی فریاد سن لی تھی اور دل میں پکا عہد کر لیا تھا کہ وہ شکنتلا کو بچائے گا بھی اور اس راجہ کو تھوڑا سا مزہ بھی چکھائے گا۔ وہ جھونپڑی کے فرش پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے زمین میں کھونٹا گاڑ کر جکڑ دیا گیا تھا۔

اب وقت کم رہ گیا تھا۔ کیونکہ راجہ نے شکنتلا سے بیاہ کی پوری تیاریاں فٹافٹ شروع کر دی تھیں۔ ادھر زمین کے گڑھے میں لکڑیاں ڈال کر انہیں آگ لگا دی گئی تھی۔ لکڑیاں دھڑا دھڑ جلنا شروع ہو گئی تھیں۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ اسے اس وقت آگ میں ڈالا جائے گا جب لکڑیاں ساری کی ساری جل کر سرخ کوئلہ بن جائیں گی۔

وہ اپنے بارے میں ذرا بھی فکر مند نہیں تھا۔ اسے اگر کوئی فکر تھی تو صرف شکنتلا کی تھی کہ وہ کہیں گھبرا کر کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے۔

چونکہ وہ بڑی نیک، شریف اور وفادار بیوی تھی۔ اس لیے اسے

خطرہ تھا کہ کہیں چپکے سے خودکشی ہی نہ کر لے جو عنبر کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹکا دے کر رسیاں توڑ ڈالیں۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں دو وحشی اندر آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو آزاد دیکھ کر شور مچا دیا عنبر کو پھر جکڑ دیا گیا۔

آگ میں زندہ

دوپہر کو عنبر جھونپڑے سے باہر لایا گیا۔

دو کالے جنگلیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا اور اسے آگ کے گڑھے کی طرف لے جا رہے تھے۔ خونخوار راجہ ایک اونچی کرسی پر بیٹھا تھا۔ شکنتلا کو جھونپڑے میں زبردستی دلہن بنایا جا رہا تھا۔

راجہ نے حکم دیا:

"اس بدروح کو آگ میں ڈال دو تا کہ دیوتا خوش ہوں اور ہمارا قبیلہ بیماری اور نحوست سے بچ جائے۔"

لکڑیاں گڑھے میں ساری کی ساری جل چکی تھیں اور اب وہاں سرخ رنگ کے بڑے بڑے انگارے دہک رہے تھے۔ یہ آگ اتنی شدید تھی کہ اس کے قریب نہیں کھڑا ہوا جاتا تھا۔ سارے وحشی پرے پرے کھڑے تھے۔ راجہ کا حکم سن کر دو وحشیوں نے عنبر کو لمبے لمبے نیزوں سے آگ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ عنبر اگر چاہتا تو نیزے چھین کر ان وحشیوں کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا۔ وہ اس وحشی راجہ کو آگ میں زندہ رہنے کی کرامت دکھانا چاہتا تھا۔ تا کہ وہ اسے دیوتا سمجھنے لگے اور یوں شکنتلا کی جان بھی بچ جائے گی۔

عنبر اپنے آپ آگ کی طرف چل پڑا۔ وہ آگ کے دہکتے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر راجہ کی طرف دیکھا۔ وہاں آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی انسان وہاں ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ لیکن عنبر بڑے سکون سے کھڑا تھا۔

عنبر نے راجہ سے کہا:

"اے راجہ میری بات کو کان کھول کر سن۔ تو مجھے آگ میں زندہ جلا کر بھسم کرنا چاہتا ہے۔ تو نے میرے لیے آگ کا یہ دوزخ تیار کیا ہے۔ تو اس جگہ آ کر ایک بھی سانس نہیں لے سکتا جہاں میں بڑے آرام سے کھڑا ہو کر تجھ سے بات کر رہا ہوں۔ سن میں ابھی تمہاری آگ میں اتر جاؤں گا۔ میں ان سرخ کوئلوں پر جا کر بیٹھ جاؤں گا اور آگ میں زندہ ہوں گا۔ اور مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ تم لوگ عام آدمی ہو اور میں دیوتا ہوں۔ ہاں میں دیوتا ہوں تم نے مجھے آگ ڈالنے کا حکم دے کر گستاخی کی ہے تمہیں اس کی سزا دی جائے گی۔ لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کہ میں دیوتا ہوں اور تو نے مجھے سزا کا حکم دے کر کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔"

یہ کہہ کر عنبر بڑے آرام کے ساتھ یوں جلتے ہوئے دہکتے انگاروں پر اتر گیا۔ جس طرح کوئی آدمی پانی کے تالاب میں اتر جاتا ہے عنبر بڑے سکون سے دہکتے انگاروں پر آلتی پالتی مار کر اپنا منہ راجہ کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔ آگ نے عنبر کے جسم کا ایک بال تک نہیں جلایا تھا۔ آگ دہک رہی تھی اور عنبر آگ میں بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔

یہ تماشہ دیکھ کر وحشی تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ ان میں دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کئی جنگلی سجدے میں گر گئے۔ راجہ اپنی اونچی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا عنبر نے آگ پر بیٹھے بیٹھے اونچی آواز میں کہا:

"راجہ تم نے وہ کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جسے تم نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آگ دھڑا دھڑ دوزخ کی طرح دہک رہی ہے۔ اگر تم اس اگ میں جنگل کا سب سے بڑا ہاتھی بھی ڈال دو تو وہ جل بھن کر کوئلہ بن جائے گا۔ لیکن آگ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ اس لیے کہ میں انسان نہیں ہوں' بلکہ ایک دیوتا ہوں۔

اب اگر میں چاہوں تو تم تمہیں وہاں کھڑے کھڑے اٹھا کر اس آگ میں پھینک سکتا ہوں اور تم ایک سوکھے پتے کی طرح اس آگ میں جل جاؤ گے۔ بولو کیا میں اٹھاؤں تجھے؟"

راجہ نے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے کہا:

"مجھے معاف کر دو اے عظیم معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ ایک بہت بڑے دیوتا ہیں۔ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو آپ آگ سے باہر آ جائیں۔ میں آپ کے پاؤں چھونے کے لیے بے تاب ہوں"

عنبر نے آگ پر بیٹھے بیٹھے کہا:

"اب تمہیں ہوش آ گیا ہے۔ اگر پہلے ہی اس کام سے باز آ جاتے تو کتنا اچھا تھا۔"

راجہ نے کہا:

"مہاراج اگر آپ حکم کریں تو میں ان سارے جنگلیوں کو آگ میں جھونک دیتا ہوں۔ جنہوں نے آپ کو پکڑ کر میرے سامنے لانے کی جرات کی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"ان کا قصور نہیں ہے انہوں نے تو وہی کیا جو تم نے انہیں کہہ رکھا تھا۔ وہ بے گناہ ہیں۔ اچھا اب میں تمہارا قصور بھی معاف کرتا ہوں۔"

عنبر دہکتے ہوئے انگاروں پر سے اٹھ کر آگ سے باہر آ گیا۔ جوں ہی وہ باہر آیا سارے کے سارے جنگلی اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے کہ اتنی زیادہ آگ میں رہ کر اس شخص کا ایک بال تک نہیں جھلسا۔ آگ نے اسے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

"عنبر نے کہا"

جو کے ان کا بھگوان بنا ہوا تھا۔ کہ میں تم کو ایک شرط پر معاف کروں گا۔

کہ تم شگفتا کو چھوڑ دو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ شگفتا کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔"

راجہ نے اسی طرح ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج شگفتا آج سے میری بہن ہے۔ اگر میں اس پر آنکھ ڈالوں تو میری آنکھ پھوٹ جائے۔"

راجہ نے حکم دیا کہ شگفتا بہن کو بڑی عزت کیساتھ لایا جائے۔

شگفتا اسی وقت آ گئی۔ وحشی اس کے آگے بھی سر جھکا رہے تھے۔

شگفتا نے پوچھا:

"یہ کیا کایا پلٹ ہو گئی بھائی عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"وہی ہوا جو میرے ساتھ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ پہلے لوگ مجھے قتل کرنے کے لیے بھاگتے ہیں اور پھر میرے آگے ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے آگ میں بھسم کرنے کی کوشش کی تھی۔ آگ نے مجھے کچھ نہ کہا کیونکہ میں کسی درویش کی دعا سے زندہ ہوں۔ یہ لوگ مجھے دیوتا سمجھنے لگے ہیں۔"

شگفتا نے کہا:

"ان سے پوچھو کہ یہ ملک کون سا ہے اور ہماری ریاست یہاں سے کتنی دور ہے۔ ان سے سوائے اس کے ہم کوئی اور کام نہیں لے سکتے۔"

عنبر بولا:

"ہاں شگفتا بہن تم نے جواب یاد دلایا۔ میں ابھی راجہ سے ساری بات کرتا ہوں۔"

راجہ بڑی عزت کیساتھ عنبر اور شگفتا کو اپنے خاص جھونپڑے میں لے گیا۔ جہاں زمین پر شیر اور ہرن کی قیمتی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔

راجہ نے جھک کر کہا:

"مہاراج! تشریف رکھیں۔"

عنبر اور شگنتلا شیر کی کھال پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد راجہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ عنبر نے پہلا سوال کیا کہ یہ کون سا ملک ہے؟

راجہ نے کہا:

"اے عظیم دیوتا! یہ ہندوستان ہے اور ہم اس ملک کے مشرقی ساحل پر ہیں۔ اس سے آگے پہاڑ ہیں، میدان ہیں، جنگل ہیں، ہم ادھر کبھی نہیں گئے۔ سنا ہے کہ ادھر بھی بہت قبیلے آباد ہیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"اے راجہ! اب میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ میں کوئی دیوتا نہیں ہوں بلکہ ایک تمہاری طرح کا عام انسان ہوں۔ مجھ میں تجھ میں فرق

صرف اتنا ہے کہ میرے اندر ایک خاص طاقت ہے جو مجھے دہکتی آگ میں بھی زندہ رکھتی ہے۔ یہ میری بہن شگنتلا ہے۔ یہ اس ملک ہندوستان کی ایک ریاست کی راجہ کنور کی بیوی ہے۔ اس کی ریاست پہاڑ ہمالیہ کے دامن میں ہے۔ میں اسے اس کے گھر کے جا رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا۔ ہم ایک جزیرے پر پہنچے جس کے راجہ نے ہمیں کشتی دے کر اس طرف روانہ کر دیا۔"

راجہ کہنے لگا:

"آپ نے ٹھیک کہا اے عظیم انسان! یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر سمندر میں ایک جزیرہ ہے جہاں سنا ہے کہ آدم خور وحشی رہتے ہیں۔ کیا آپ کے ساتھ انہوں نے برا سلوک تو نہیں کیا؟"

عنبر نے کہا:

"میرے سامنے انہوں نے بھی ہتھیار پھینک دیے تھے۔ وہ مجھے مارنا

چاہتے تھے مگر نہ مار سکے اور ڈر گئے۔ پھر انہوں نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ تم یہ بتاؤ کہ ہمالیہ پہاڑ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

راجہ بولا:

"ہمالیہ پہاڑ سنا ہے کہ یہاں سے بہت دور ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی آج تک اس پہاڑ تک نہیں پہنچا۔ کہتے ہیں کہ ہمالیہ پر سارا سال برف جمی رہتی ہے اور اس کے دامن میں چاندی کے چشمے بہتے ہیں اور درختوں پر سونے کے پنکھ لگتے ہیں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

میں نے آج تک ایسا کوئی درخت نہیں دیکھا جس کی ڈالیوں پر سونے کے پنکھ لگتے ہوں؛ بہر حال ہمیں اسی ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں جانا ہے۔ وہاں ایک ریاست ہے جس کا نام کیا ہے۔ شگنتا؟"

شگنتا نے کہا:

"ہماری ریاست کا نام امی سارا ہے۔"

راجہ بولا:

"اے میری نیک بہن، میں نے اس ریاست کا نام کبھی نہیں سنا۔ لیکن ہم آپ کو ایک ایسے راستے پر ضرور ڈال دیں گے جو یہاں سے دریاؤں کی وادی کو جائے گا۔ ہمالیہ تک کا سفر بڑا لمبا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے کئی ماہ لگ جائیں گے، اگر آپ گھوڑوں پر سفر کریں گے تو شاید ایک مہینے میں پہنچ جائیں۔

لیکن راستے میں بڑے خطرناک جنگل آئیں گے۔ آدم خور قبیلے ملیں گے طوفانی دریا آئیں گے۔ صحرا بھی شاید آئے۔ جہاں رات دن گرم آندھیاں چلتی رہتی ہیں۔ اگر آپ نے حوصلہ نہ ہارا تو ایک نہ ایک دن اپنی پر ضرور پہنچ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا:

’’ہم حوصلہ ہارنے والے نہیں ہیں۔ ہم نے طوفانی سمندروں میں سفر کیا ہے۔ ہم نے آدم خور قبیلوں کو اپنا غلام بنایا ہے۔ ہم ہمالیہ کو کیا سمجھتے ہیں۔ ہم منزل تک پہنچ کر ہی دم لیں گے۔‘‘

راجہ بولا:

’’بھگوان آپ کے ساتھ ہوگا میرے آقا۔‘‘

عنبر اور شگنتلا نے چار پانچ روز اس قبیلے میں بسر کیے۔ راجہ نے ان کی بڑی خدمت کی۔ انہیں خوب پھل، جنگلی شہد اور اعلیٰ قسم کی مچھلیوں کے کباب کھلائے۔ شگنتلا کی صحت اچھی ہو گئی۔ ایک روز انہوں نے وہاں سے چلنے کا منصوبہ بنایا۔

عنبر نے راجہ سے کہا:

’’اے راجہ! ہمارا ارادہ ہے کہ کل صبح سورج نکلنے سے پہلے پہلے ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں۔ یہ بتاؤ کہ تم ہماری سواری کے لیے کیا بندوبست کر سکتے ہو؟‘‘

راجہ نے کہا:

’’کاش میں آپ کے لیے گھوڑوں والے رتھ کا بندوبست کر سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں۔ یہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔ میرے پاس چند گدھے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں تین گدھے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔‘‘

عنبر نے کہا:

’’میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔ گدھے ہمیں سفر میں کافی مدد دے سکتے ہیں۔ کم از کم شگنتلا پیدل چلنے سے بچ جائے گی۔‘‘

دوسرے روز راجہ نے ایک گدھے پر عنبر اور شگنتلا کے سفر کے واسطے کھانے پینے کا سامان لدوا دیا۔ ان میں سوکھی مچھلی تھی۔ شہد کا ایک مرتبان تھا، پھل تھے اور شکر قندی تھی۔ ایک گدھے پر شگنتلا بیٹھ گئی اور

دوسرے گدھے پر عنبر بیٹھ گیا۔ انہوں نے راجہ سے اجازت لی اور ہمالیہ کے پہاڑ کی طرف اپنے طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔

قبیلے والوں نے انہیں جنگل میں جس راستے پر ڈالا تھا۔ وہ شام کو ایک پہاڑی کے دامن میں بہتے دریا پر آ نکلا۔ دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ مگر پانی کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ عنبر پل کی تلاش میں نکلا آخر انہیں اوپر کی جانب لکڑی کا ایک پل مل گیا جو بانس جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ انہوں نے دریا عبور کر لیا۔ گدھے پل پر جاتے ڈرتے تھے لیکن عنبر انہیں کھینچ کر لے گیا۔ دریا پار کرنے کے بعد وہ ایک میدان میں آ گئے۔

سورج غروب ہونا شروع ہو گیا تھا۔

سفر چھوڑ کر وہ رات بسر کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ انہیں ایک جگہ چٹیل سا ٹیلہ دکھائی دیا۔ اس ٹیلے پر انہوں نے رات بسر کرنے کے لیے ڈیرے ڈال دیے۔ رات کو عنبر نے آگ روشن کر دی تا کہ جنگلی جانور ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔ ساری رات جنگل کی طرف سے شیر کی آواز آتی رہی۔

شکنتلا کہاں گئی؟

شکنتلا شیر کی آواز سن کر رات بھر ڈرتی رہی۔

دن چڑھا تو عنبر نے درختوں کے نیچے بہتی ندی پر جا کر غسل کیا۔ پھر انہوں نے گدھے کے چھوٹے میں سے خشک مچھلی اور جوار کی روٹی کے خشک ٹکڑے نکال کر ناشتہ کیا۔ اب انہیں پھر سفر پر چلنا تھا۔ ابھی انہیں بہت دور جانا تھا۔ سفر میں یہ ان کی پہلی رات تھی۔ عنبر خدا سے دعا مانگتا تھا کہ اے خدا یہ سفر خیر و خیریت سے کٹ جائے۔ اسے اپنی

فکر نہیں تھی۔ فکر تھی تو شکنتلا کی تھی۔

کیونکہ وہ قدم قدم پر ڈر کر حوصلہ ہار دیتی تھی۔ اس نے شکنتلا سے بھائی بن کر وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے بہن سے ملنے سے پہلے اس کے گھر ضرور چھوڑ کر آئے گا۔ وہ ہر حالت میں اپنا وعدہ نبھانا چاہتا تھا۔

دھوپ نکل آئی جنگل اور میدان میں ہر طرف روشنی پھیل گئی دور تک اونچے نیچے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔ ان ٹیلوں کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے درختوں کے ذخیرے تھے۔ ان درختوں کی چھاؤں میں بہنے والی جنگلی ندیوں کا پانی گدلا سا تھا۔ ان میں پہاڑوں کی گیروی مٹی کا رنگ ملا ہوا تھا۔ چشمہ یہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ موسم گرم تھا۔ دن میں دھوپ چبھنے لگتی۔ رات کو حبس ہو جاتا اور لمبے لمبے مچھر کاٹتے۔ رات کو مچھروں سے بچنے کے لیے انہوں نے پاس ہی تھوڑی سی آگ جلائی تھی جس میں سے دھواں اٹھتا رہا اور وہ مچھروں سے بچے رہے۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ گدھوں پر سوار ہوئے اور پھر سفر پر آگے کو چل پڑے۔ گدھے بھی دانہ دنکا کھا کر تازہ دم ہو چکے تھے۔ شگفتا رات والے شیر سے گھبرا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جو شیر رات کو بولتا رہا تھا۔ وہ ضرور کسی نہ کسی جھاڑی میں چھپا ہوگا۔ عنبر نے اسے بتایا کہ دن کو شیر اپنی کچھار سے بہت کم نکلا کرتے ہیں۔ شیر رات کو شکار کرتا ہے اور پھر شکار کے بعد آرام کرتا ہے۔ پھر بھی شگفتا ڈرتی رہی۔ چلتے چلتے وہ کافی دور نکل گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جنگلی ندی نالے عبور کر رہے تھے۔ راستے میں انہیں کہیں بھی کوئی آبادی دکھائی نہ دی۔ آج سے دو اڑھائی ہزار برس پہلے ہندوستان میں بہت کم آبادی تھی۔

اس زمانے میں دنیا میں کہیں بھی آبادی زیادہ نہیں تھی۔ چند ایک بڑے بڑے شہر آباد تھے۔ اور جنگلوں میں وحشی لوگوں کے قبیلے تھے۔ جو ان کے خون کے پیاسے ہوتے تھے۔ وہ مسافروں کو لوٹ کر قتل کر دیتے تھے۔ عنبر کو ایسے کئی جنگلیوں سے پالا پڑ چکا تھا۔ اس لیے تیار تھا۔ اس کی وجہ سے شگفتا کو بھی بہت حوصلہ ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شگفتا کبھی سفر پر نکلنے کی جرات نہ کرتی۔ اس کے علاوہ وہ عنبر کی پراسرار خفیہ طاقت سے بھی واقف ہو چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ پڑ جائے عنبر اسے بچا لے گا۔

وہ ٹیلوں کی وادی سے نکل کر ایک میدان میں آ گئے جہاں اونچے اونچے درختوں کے سایہ دار جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔ شگفتا اور عنبر دونوں ہی ان راستوں سے واقف نہیں تھے۔ یہ سارے علاقے ان کے لیے اجنبی تھے۔ شگفتا تو اپنی ریاست سے کبھی باہر نہیں گئی تھی۔

عنبر نے بھی پہلی بار اس علاقے میں قدم رکھا تھا کہ افریقہ کی طرح ہندوستان کے جنگل بھی آدم خور وحشیوں اور خونخوار شیر، ہاتھی اور چیتوں

سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدم خور وحشیوں سے لڑتے لڑتے وہ تنگ آ چکا تھا۔ اس نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اب اگر اسے کوئی آدم خور قبیلہ ملا تو وہ اس کی خوب مرمت کرے گا۔

دو پہر ڈھل گئی۔ شام کے سائے میدانوں میں پھیلنے لگے۔ درختوں کے نیچے اندھیرا ہو گیا۔ گدھے بھی تھک گئے تھے۔ شگفتہ بھی گدھے کے اوپر بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ اس نے عنبر سے کہا کہ انہیں اب رک کر آرام کرنا چاہئے۔

عنبر نے کہا:

"اگر تمہاری خواہش ہے تو کسی جگہ رات بسر کرنے کو کوئی ٹھکانہ تلاش کرتے ہیں۔"

شگفتہ کہنے لگی:

"میں تھک گئی ہوں گدھے پر زندگی میں پہلی بار سواری کر رہی ہوں۔ اگر ہمیں کہیں سے گھوڑے مل جاتے تو راستہ بھی جلدی طے ہو جاتا اور اتنی تکلیف بھی نہ ہوتی۔"

عنبر بولا:

"شگفتہ! بہن گھوڑے یہاں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ دو تین گدھے ہی مل گئے۔ ورنہ ہمیں یہاں سے پیدل گزرنا پڑتا۔"

"پھر تم کیا کرتیں؟"

شگفتہ نے کہا:

"ہر کام میں خدا کی کوئی بہتری ہوتی ہے۔" "آؤ اب کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں ہم رات بسر کر سکیں۔"

یہ درختوں اور جنگلی جھاڑیوں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ یہاں گرمی اور حبس تھا۔ جھینگر چیں چیں کر رہے تھے۔ بعض درختوں پر سے نمی ٹپک رہی تھی۔ آخر چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں اتفاق سے

ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کے کنارے ٹھنڈک تھی۔

عنبر نے کہا:

"یہ جگہ رات بسر کرنے کے لیے اچھی رہے گی۔ کیا خیال ہے؟"

شگفتا نے کہا:

"بڑا اچھا خیال ہے لیکن۔ میں سب سے پہلے نہانا چاہتی ہوں"

عنبر بولا:

"اچھی بات ہے تم نہاؤ، میں ذرا جنگل کی سیر کرتا ہوں۔"

"بھگوان کے لیے زیادہ دور نہ نکل جانا۔ نہیں تو میں ڈر کے مارے بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

عنبر قہقہہ لگا کر بولا:

"بھئی تم تو ہر وقت بے ہوش ہونے کو تیار رہتی ہو۔ خدا کے لیے کسی وقت تو ذرا دل نکال لیا کرو۔"

شگفتا کہنے لگی:

"میں ایسا نہیں کر سکتی عنبر بھائی میرا دل بڑا چھوٹا ہے۔"

عنبر بولا:

"بہت اچھا، تمہارے گھر پہنچ کر میں تمہارے بابا سے کہوں گا کہ شگفتا بیٹی کو ایک بڑا دل کہیں سے منگوا کر دو۔"

شگفتا ہنس پڑی:

"بھائی، تم بہت شریر ہو۔ اچھا اب جاؤ، میں ذرا غسل کر لوں۔"

عنبر وہاں سے چلا گیا اور شگفتا چشمے کے کنارے بیٹھ کر نہانے لگی۔ عنبر جنگل میں قریب ہی درختوں کے نیچے گھوم رہا تھا۔ یہاں گرمی کم تھی اور سائے میں حبس کے باوجود ٹھنڈک تھی۔ ایک درخت پر سے عنبر کو سسکارنے کی آواز آئی اس نے اوپر دیکھا۔ ایک سنہری اور گیروے رنگ کا سانپ ٹہنی پر لٹک رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا رکھا تھا اور

24

جھول کر عنبر کو اپنی طرف بلایا۔

"پیارے سانپ! ذرا نیچے آ کر میری بات سن جا۔"

وہ حیران رہ گیا کہ سانپ نے عنبر کی آواز سن کر درخت پر سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ عنبر اپنی اس طاقت سے ابھی تک بے خبر تھا کہ اگر وہ کسی جانور سے بات کرے تو وہ اس کی بولی سمجھ جاتا تھا۔ سانپ کے ساتھ خاص طور پر یہ بات تھی کہ وہ عنبر کے کپڑوں اور چہرے کی بو سے ناگ دیوتا کا دوست ہے۔ سانپ سچ مچ نیچے آ کر عنبر کے پاس ہی کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

عنبر نے قریب جا کر جھک کر کہا:

"بھائی تم اس جنگل میں کب سے ہو؟"

سانپ نے پھنکار ماری عنبر سانپ کی بولی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اگر ناگ ہوتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ سانپ نے کیا کہا ہے۔ عنبر نے ہاتھ آگے بڑھا

کر سر پر رکھ دیا اور کہا:

"خوش رہو میرے بھائی! تم نے میری عزت کی ہے کہ میرے ایک اشارے پر درخت پر سے نیچے اتر آئے ہو۔ مگر دوست مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری بولی نہیں جانتا۔ نہیں تو تمہارے ساتھ یہاں بیٹھ کر ضرور کچھ باتیں کرتا۔"

سانپ نے پھر پھنکاری ماری۔ اس نے عنبر سے کچھ کہا تھا جسے وہ نہ سمجھ سکا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ ایک موڑ گھوم کر وہ سامنے آیا تو اس نے ایک ایسا تماشہ دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیا دیکھتا ہے کہ ایک نورانی چہرے والا شخص لیٹا ہوا ہے اور ایک سانپ نے پھن پھیلا کر ان پر سایہ کر رکھا ہے۔ عنبر درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے پاؤں کے کھڑاک سے اس نورانی صورت والے بزرگ کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے سوئے ہوئے

اور سانپ کو اپنے پھن کا سایہ کیے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ کوئی بہت بڑا سادھو یا درویش ہے جو شہر کو چھوڑ کر خدا کی عبادت کرنے جنگل میں آ گیا ہے۔

ایک مدت کے بعد کسی بزرگ صورت درویش کو دیکھ رہا تھا۔ درویش کی عمر اتنی زیادہ نہیں تھی۔ تن پر صرف ایک ہی زرد رنگ کا چولا تھا۔ وہ گہری نیند میں سو رہا تھا اور سانپ اپنا پھن پھیلائے اسی جگہ سایہ کیے ہوئے تھا۔ عنبر نے سوچا کہ چپکے سے واپس چلا جائے۔ کیونکہ وہ بزرگ کو جگانا نہیں چاہتا تھا؛ حالانکہ اسے اپنی بہن کی وجہ سے کافی پریشانی تھی اور وہ اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ عنبر وہاں سے چلنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک طرف جنگل میں دھاریوں والا اور اونچا لمبا شیر نمودار ہوا۔ عنبر اسی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

شیر درختوں کے پیچھے سے بڑے آرام کے ساتھ قدم قدم چل کر نکلا۔ اور اس بزرگ کے پاس آ کر رک گیا۔ سانپ شیر کو قریب آتے دیکھ کر ذرا پرے ہو کر بیٹھ گیا۔ شیر نے دونوں اگلی ٹانگیں زمین کے ساتھ جوڑ کر بزرگ کو سلام کیا اور پھر ان کے پاؤں کی طرف آ کر زمین پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اور وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ عنبر تیز تیز قدم اٹھاتا اس طرف آ گیا جدھر وہ شگفتہ کو چھوڑ گیا تھا۔

چشمے پر کوئی نہیں تھا۔ شگفتہ غائب تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید کسی جھاڑی کی اوٹ میں کپڑے بدل رہی ہو۔ وہ انتظار کرنے لگا۔ کوئی بھی نہ آیا۔ اس نے شگفتہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

”شگفتہ بہن! شگفتہ بہن تم کہاں ہو؟“

اس کی کسی آواز کا جواب نہ آیا۔ عنبر پریشان ہو گیا کہ یا خدا! شگفتہ کہاں گم گئی؟ وہ کہاں چلی گئی؟ اس جنگل سے تو وہ بالکل ہی ناواقف ہے۔

وہ اکیلی ایک قدم اٹھاتے ہوئے ڈرتی ہے پھر وہ کس طرف کو نکل گئی

۔عنبر نے بڑی تیزی سے شکنتلا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس نے ارد گرد کے سارے جنگل کی ایک ایک جھاڑی کے پاس جا کر شکنتلا کو پکارا۔ جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کہیں نظر نہ آئی۔

اب تو عنبر کو بڑی پریشانی ہوئی۔ وہ اسی جگہ تھک ہار کر واپس آ گیا یہاں اس نے شکنتلا کو چھوڑا تھا۔

وہ خاموشی سے چشمے کے کنارے گھاس پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ تینوں گدھے اپنی جگہ پر بندھے ہوئے تھے۔ انہیں کسی نے اپنی جگہ سے نہیں چھیڑا تھا۔ وہ زمین کو غور سے دیکھنے لگا گھاس پر کسی کے قدموں کے نشان نہیں تھے۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ ایک جگہ سے گھاس دبی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے کوئی شخص وہاں آیا ہے۔ اس جگہ پر پاؤں کے نشان کدھر سے آئے ہیں اور کہاں جاتے ہیں وہ جلدی سے اٹھ کر جنگل میں اس اس جگہ گیا جہاں پہلے اس نے ایک بزرگ کو درخت

کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ جگہ جہاں درویش سو رہا تھا خالی تھی۔ نہ وہاں شیر تھا اور نہ وہ سانپ جس نے بزرگ کے سر پر اپنا سایہ کر رکھا تھا۔ اب تو عنبر اور زیادہ پریشان ہو گیا کہ یہ چکر کیا ہے۔ کہیں اس درویش نے تو شکنتلا کو اغوا نہیں کر لیا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ درویش کی صورت تو بڑی نورانی تھی اور پھر جو لوگ جنگلوں میں خدا کی عبادت کرتے ہیں یہ سب باتیں عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نہیں جانتا تھا کہ شکنتلا کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

جس وقت عنبر اسے چشمے شکنتلا کو چھوڑ کر خود جنگل کی سیر کرنے کے لیے نکلا تو شکنتلا نے بڑے آرام اور سکون کے ساتھ چشمے کے ٹھنڈے پانی میں غسل کیا۔ اپنے بال دھوئے اور پھر خشک کر کے لباس پہن لیا۔ وہ چشمے کے کنارے بیٹھی بالوں میں لکڑی کی کنگھی کر

رہی تھی کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ شگفتہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ تڑپ کر مچلی اور اس نے اجنبی کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کی مگر اس عرصے میں اس کا دماغ چکرانا شروع ہو گیا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

اس نے بے ہوش ہوتے ایک جنگلی کی خوف ناک شکل دیکھی۔ اس کے سر پر بکری کے سینگ لگے تھے۔ اور جسم پر شیر کی کھال تھی۔ ڈر کے مارے شگفتہ اسی وقت بے ہوش ہو گئی۔ جنگلی نے اسے کندھے پر ڈالا اور درخت پر چڑھ گیا۔

وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر سے ہوتا ہوا جنگل میں سفر کرنے لگا۔ درختوں درختوں پر چلتا۔ ایک ایک ٹہنی کو پھلانگتا وہ جنگلی آخر ایک درخت کے اوپر گھنی شاخوں میں ایک جھونپڑا سا بنا ہوا تھا۔ یہ جھونپڑا بانس کے ڈنڈے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

جنگلی نے شگفتہ کو جھونپڑے کے اندر گھاس پر ڈال دیا اور اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا تاکہ وہ ہوش میں آ کر آواز نہ نکال سکے۔ وہ خود جھونپڑے میں اس کے پاس ہی گھاس پر بیٹھ گیا اور پتھر پر کوئی ڈال کر اسے پتھر سے رگڑنے لگا۔

جنگلی نے پسی ہوئی بوٹی کا لیپ انگلی پر سے اٹھا کر شگفتہ کے ماتھے پر لگا دیا۔ اس دوائی کا ماتھے پر لگنا تھا کہ اس کی تیز مہک سے شگفتہ کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے اسی خوف ناک چہرے والے جنگلی کو دیکھ کر شگفتہ نے زور سے چیخ ماری اور پھر بے ہوش ہو گئی۔ اس کی چیخ کی آواز گلے میں ہی دب کر رہ گئی۔ کیوں کہ جنگلی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھا تھا۔

اگر اس کے منہ پر کپڑا نہ ہوتا تو اس کی چیخ کی آواز جنگل میں گونجتے ہوئے عنبر تک ضرور پہنچ جاتی اور وہ شگفتہ کو ڈھونڈ نکالتا۔

شگفتہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

جنگلی نے ناریل کی چھال کی بنی ہوئی رسی دیوار پر سے اتاری۔ شگفتہ کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر جھونپڑی کے ایک ڈنڈے سے خوب کس کر باندھا اور خود جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا ہر طرف پھیل گیا تھا۔ جنگلی کے لیے جنگل کا اندھیرا اور روشنی ایک برابر تھی۔ اسے اندھیرے میں بھی جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دیتی تھی

وہ درخت پر سے چھلانگ لگا کر دوسرے درخت پر آ گیا۔

وہاں سے وہ نیچے اترا اور اس نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں سوائے ایک نیزے کے اور کچھ نہیں تھا۔ بھاگتے بھاگتے اسے رات ہو گئی۔ وہ ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں بہت سی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں درمیان میں آگ روشن تھی اور بہت سے جنگلی اس کے گرد بیٹھے ہاتھی کا گوشت نوچ نوچ کر کچا ہی کھا رہے تھے۔ جنگلی ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ کسی نے اس کی طرف نہ دیکھا وہ ایک جھونپڑے سے اندر چلا گیا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے زیادہ بڑا صاف ستھرا تھا۔

آدم خور سردار

جنگلی جھونپڑے میں آ کر جھک گیا۔

اس کے سامنے کے بیچ میں صندل کے ایک تخت پر اس قبیلے کا سردار آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر شیر کی ہڈیوں کا تاج تھا اور گلے میں موٹے موٹے لال منکوں کی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ اس نے جسم کی کھال ڈال رکھی تھی اور تاج میں مور کے بڑے بڑے پنکھ لگے تھے۔ اس کی آنکھیں لال تھیں۔ رنگ کالا سیاہ تھا اور موٹا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا۔ جنگلی نے جھک کر سلام کیا تو سردار نے چہرہ اوپر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

جنگلی نے کہا: "میری بکری مجھے واپس دے دو سردار۔ میں تمہارے لیے ایک خادمہ تلاش کر کے لے آیا ہوں۔"

سردار نے پوچھا:

"تم اسے کہاں سے لائے ہو؟"

جنگلی نے کہا:

"سردار اسے جنگل میں سے اٹھا کر لایا ہوں۔ وہ بہت خوب صورت ہے اور کسی راجہ کی بیوی لگتی ہے۔"

سردار نے کہا:

"تو پھر صبح اسے لا کر پیش کرو۔"

جنگلی نے پوچھا:

"اور میری بکری سردار؟"

سردار بولا:

"وہ تمہیں صبح مل جائے گی۔ لیکن خبردار! اگر پھر تم کبھی اس طرف اپنی بکری کو لے آئے۔"

جنگلی نے سر جھکا کر کہا:

"سردار! میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔ بکری پال کر اس کا دودھ پی کر گزارہ کرتا ہوں۔ یا کبھی کبھی ادھر سے کوئی مسافر گزرتا ہے تو اسے بھون کر کھا جاتا ہوں۔ میں پھر کبھی اپنی بکری لے کر ادھر نہیں آؤں گا اگر تم نے میری بکری نہ پکڑ رکھی ہوتی تو میں اس عورت کو بھی بھون کر کھا جاتا۔"

سردار نے پوچھا:

"کیا یہ عورت اکیلی سفر کر رہی تھی؟"

جنگلی بولا:

"ہاں سردار! بالکل اکیلی سفر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ صرف تین گدھے وہاں بندھے ہوئے تھے میرا خیال ہے کہ یہ کسی دریا والے گاؤں سے آئی ہے اور ساتھ والے گاؤں میں جا رہی ہو گی کہ شام ہو گئی اور اس نے وہاں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

سردار نے کہا:

"تم نے سخت غلطی کی جو گدھوں کو وہاں چھوڑ کر آ گئے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ گدھوں کو بھی ساتھ ہی لاتے۔ اگر تم جا کر گدھوں کو لے آؤ میں تمہیں ایک اور بکری انعام میں دوں گا۔"

"یہ کون سی مشکل بات ہے سردار! میں جا کر تینوں گدھے اٹھا لاتا ہوں کیا مجھے ایک بکری اور مل جائے گی ناں؟"

سردار نے تڑک کر کہا:

"بدبخت! ہم جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ اگر تم تینوں

گدھے! اگر ہمیں آج رات ہی دے دو گے تو ہم صبح تمہیں دو بکریاں دیں گے۔ ایک تمہاری بکری اور دوسری ہماری طرف سے انعام والی بکری۔ اب تم جاؤ اور جا کر گدھوں کو لے آؤ۔"

جنگلی بولا:

"ابھی جاتا ہوں سردار۔"

یہ کہہ کر جنگلی بھاگتا ہوا جنگل میں سے واپس چل پڑا۔

وہ انہی راستوں پر جا رہا تھا جہاں سے وہ آیا تھا۔ اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ لیکن جنگلی یوں بھاگا چلا جا رہا تھا۔ جیسے اسے جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دے رہی ہو اور یہ سچ بھی تھا۔ اس جنگلی کے لیے رات اور دن ایک برابر تھے۔ جنگل میں رہتے رہتے وہ جنگل کے اندھیرے اجالے کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس طرف آ رہا تھا جہاں سے اس نے شگفتا کو اٹھایا تھا۔

اب ذرا عنبر کی بھی سنیں۔

اگر وہ اپنی جگہ پر سویا رہتا یا بیٹھا رہتا تو اسے شگفتا کا سراغ مل سکتا تھا مگر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ذرا فاصلے پر سے ایک آواز سی آئی۔ یہ آواز بالکل ایسے تھی جیسے کوئی عورت بیٹھی رو رہی ہے۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا اور جدھر سے آواز آ رہی تھی اس طرف کو چل پڑا۔ جنگل میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی طرف طرف کو چل پڑا۔ مگر عنبر بھی جنگل کے اندھیروں کا عادی ہو گیا تھا وہ تو دو ہزار برس سے ان جنگلوں کی خاک چھانتا چلا آ رہا تھا۔

عورت کے رونے کی آواز دور سے آ رہی تھی۔ عنبر آواز کا پیچھا کرتا جنگل میں کافی دور نکل گیا۔ ادھر جنگلی وہاں پہنچ چکا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے عنبر لیٹا ہوا تھا۔ جنگلی نے دیکھا کہ چشمے کے کنارے کوئی انسان نہیں ہے۔ تینوں گدھے اسی طرح بندھے ہوئے ہیں جنگلی نے

گدھوں اسی طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جنگلی نے گدھوں کو کھولا اور انہیں ہنکاتا ہوا اپنے ساتھ لگا کر وہاں سے واپس چل دیا۔

عنبر نے کان لگا کر سنا کہ رونے کی آواز ایک جھاڑی کے پیچھے سے آرہی تھی۔ عنبر نے جھک کر آواز دی:

”کون ہے یہاں؟ جو کوئی بھی ہے باہر آئے۔“

عورت کے رونے آواز پھر بھی آتی رہی کسی نے اس کا سوال جواب نہ دیا۔ دو تین بار پکارنے کے بعد عنبر نے آگے بڑھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹایا تو ایک زرد آنکھوں والی بلی میاؤں میاؤں کرتی رہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز بالکل عورت کے رونے کی آواز سے ملتی تھی۔

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زور سے ادھر دے مارا جدھر کو بلی بھاگ گئی تھی۔

مگر بلی جنگل کے اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

عنبر سر کو جھکائے ایک افسوس اور پریشانی کے ساتھ واپس چل پڑا۔ وہ بڑا حیران ہو رہا تھا کہ یہ بیٹھے بٹھائے اسے کیا مصیبت پڑ گئی کہ شگفتہ ایک دم غائب ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے زمین کھا گئی یا جنگل کے درختوں نے اسے اپنے اندر نگل لیا۔ جنگل میں سے گزرتے گزرتے عنبر جب چشمے پر پہنچا تو دھک سے رہ گیا۔

تینوں گدھے غائب تھے۔

ارے؟ یہ گدھے کدھر چلے گئے؟ وہ خود جا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ رسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے لپک کر کھونٹوں کو دیکھا صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کسی نے رسی کو کھولا ہے اور گدھوں کو ہانکتا ہوا لے گیا ہے تو گویا اس جنگل میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ڈاکو ہیں، چور ہیں راہ چلتوں کو لوٹنا اور انہیں اغوا کرنا ان کا کام ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گدھوں کو چرایا ہے۔

عنبر کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ اس جنگل میں چوروں اور ٹھگوں کا کوئی قبیلہ موجود ہے جن کے پاس اسکی بہن شگفتا بھی ہے اور گدھے بھی ہیں۔ تو گویا جنگل میں اس چوروں کے گروہ کو تلاش کرنا چاہیے۔ شگفتا ان کے پاس مل جائے گی۔ مگر یہ کام رات کو نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ ڈاکو راتوں کو جنگل میں چھپ جاتے ہیں۔

اندھیرے میں ان کا کھوج لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ جب کہ دن کے اجالے میں ان کا کچھ نہ کچھ سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

عنبر صبح کی امید لے کر سو گیا۔

نیند اسے دیر بعد آئی۔ صبح سویرے ہی اسکی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ کر چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ خدا کو یاد کر کے شگفتا کی خیریت اور واپسی کی دعا مانگی اور جنگل میں ایک طرف چلنے لگا۔ وہ ایک خاص حساب کے مطابق چلا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چور یا ڈاکو جو کوئی بھی ہے وہ جنگل کے پیچھے سے آیا ہوگا۔ جنگل کے آگے وہ بڑی دور تک گھوم آیا اور اسے وہاں سوائے اس درویش کے کوئی انسان دکھائی نہیں آیا تھا۔ چلتے چلتے عنبر چاروں طرف بڑے غور سے ایک ایک شے کو دیکھ رہا تھا درختوں پر اندھیرا اور خاموشی تھی۔ سب پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں آرام کر رہے تھے۔ درختوں کی شاخوں میں کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے بڑی مشکل سے راہ بناتا چلا جا رہا تھا اس نے محسوس کیا کہ وہ اس تنگ ڈنڈی پر چل رہا ہے جس پر سے گزر کر وہ اور شگفتا سفر کر رہے تھے۔ ادھر دور دور تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر وہ کدھر چل کر شگفتا کو تلاش کرے عنبر ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے درخت میں کوئی لمبے لمبے سانس لے رہا ہے اس نے اوپر نگاہ اٹھائی۔ شاخوں میں ایک زرد آنکھوں والا الو اسے

غور سے تک رہا تھا۔ یہ الو زور زور سے سانس لے رہا تھا یا شاید اسے اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ عنبر کو خیال آیا کہ وہ جانوروں سے بات کر سکتا ہے۔ اس نے منہ اوپر اٹھا کر کہا:

"اے الو کیا تو بتا سکے گا کہ میری بہن شگفتہ کہاں ہے؟ اسے کون لے گیا ہے؟ میرے گدھے کہاں ہیں۔ انہیں کون لے گیا ہے؟"

الو جواب میں بولا:

"ٹرٹرٹرو۔۔۔۔۔ ٹرٹرٹرو۔۔۔۔۔"

وہ اپنی زبان میں عنبر سے کہہ رہا تھا:

"اے عنبر! شگفتہ ایک آدم خور ظالم جنگلی کی قید میں ہے۔ جو اپنے سردار کو شگفتہ دے کر اس کے عوض اپنی بکری واپس لے گا۔ تمہارے گدھے اس وقت سردار کے پاس ہیں۔"

لیکن عنبر اپنی بات تو جانوروں کو سمجھا سکتا تھا۔ مگر ان کی بات نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جانور عنبر کی بولی جانتے تھے۔ عنبر جانوروں کی بولی نہیں جانتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں سارے کا سارا جنگل بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ کسی طرف سے انسان تو کیا کسی جانور کی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

عنبر ناامید سا ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ واپس اپنے چشمے پر گیا۔ وہ اس جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ اپنی تلاش صبح اسی جگہ سے شروع کرنا چاہتا تھا۔

ادھر وہ جنگلی عنبر کے تینوں گدھوں کو لے کر قبیلے کے سردار کے پاس پہنچ گیا۔ گدھے جھونپڑے کے باہر کھڑے کر کے جنگلی نے اندر جا کر سردار سے کہا کہ گدھے حاضر ہیں۔

سردار خود مشعل لے کر باہر آیا۔ تینوں گدھے بندھے ہوئے تھے۔ سردار بڑا خوش ہوا کیونکہ اس علاقے میں گدھوں کی بڑی قدر تھی۔

اس نے جھولا کھول کر دیکھا تو اس میں کھانے پینے کی چیزیں تھی سردار بہت خوش ہوا۔ جنگلی سردار کو گدھے دے کر واپس اپنے جھونپڑے میں چلا گیا۔ جنگلی نے آگے بڑھ کر شگفتا کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا کپڑا جو اسے شگفتا کے اوپر دیا ہوا تھا۔ کپڑا ہٹتے ہی شگفتا نے سکھ کا سانس لیا۔

شگفتا نے جنگلی سے کہا۔

''بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے اٹھا کر یہاں کیوں لے آئے ہو؟''

جنگلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی بولی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔

شگفتا نے پھر کہا:

''بھگوان تمہارا بھلا کرے گا۔ مجھے چھوڑ دو' مجھے چھوڑ دو۔''

جنگلی نے جھلے جھلے' شگفتا کو دیکھتے دیکھتے ہنسنا شروع کر دیا اور اپنی زبان میں اسے کہا:

''پاگل عورت' تو اب میرے قبضے میں ہے۔ میں تجھے سردار کی خدمت میں پیش کر کے سردار سے اپنی بکری لوں گا۔ مجھے اپنی بکری سے بڑا پیار ہے۔ جب سے وہ گئی ہے میں بہت اداس ہوں سردار کے آدمی اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہ آدم خور ہیں۔ ان کے ڈر کے مارے میں درخت کے اوپر جھونپڑا بنا کر رہتا ہوں۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہتے مگر میری بکریوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ وہ ان کا دودھ پیتے ہیں۔ وہ اس سے پہلے بھی میری چار بکریاں اٹھا کر لے گئے ہیں۔ یہ آخری بکری رہ گئی تھی اسے بھی اٹھا کر لے گئے۔ اب میں تمہیں پیش کر کے سردار سے اپنی بکری واپس لے لوں گا۔''

جنگلی زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ گئے۔ شگفتا نے روتے ہوئے جنگلی سے ایک بار

پھر التجا کی کہ وہ اسے معاف کر دے۔ اسے آزاد کر دے۔

شکنتلا کی بات جنگلی کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اس نے شکنتلا سے کہا:

”تو سردار کے پاس اس کی نوکرانی بن کر رہے گی۔ وہ تجھے کھانے کے لیے انسانوں، مگرمچھوں اور ہاتھی کا گوشت دے گا۔ وہ تیرے بچے پالے گا۔ اور کیا چاہیے۔ تو وہاں راج کرے گی۔“

جنگلی ہنستا رہا اور پھر وہاں ایک جگہ گھاس پر پڑ کر سو گیا اور ریچھ کی طرح خراٹے لینے لگا۔

شکنتلا بے چاری کا برا حال ہو رہا تھا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے وہ خود بانس کے ایک ڈنڈے کے ساتھ جکڑی ہوئی تھی۔ وہ صرف تھوڑا سا ہل سکتی تھی۔ وہ عنبر کو یاد کر کے رونے لگی کہ وہ اس کے لیے کس قدر پریشان نہیں ہوگا۔ جب وہ دیکھے گا کہ شکنتلا غائب ہے تو بے چارے کو بڑی پریشانی ہوگی۔ وہ خدا جانے اسے جنگل میں کہاں کہاں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔

اتنے میں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی جھونپڑے میں آنے لگی۔ درختوں پر سوئے ہوئے پرندے جاگ پڑے اور چہچہانے لگے۔ جنگلی نے اٹھ کر شکنتلا کو کھول کر اٹھایا۔ اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور درختوں پر سے ہوتا ہوا اس طرف چل پڑا جدھر آدم خور سردار کا جھونپڑا تھا۔

خونی ہاتھی

عنبر نے صبح اٹھ کر پھر شگفتا کی تلاش شروع کر دی۔

دوسری طرف جنگلی شگفتا کو لے کر منہ اندھیرے ہی سردار کے پاس پہنچ گیا۔ سردار نے شگفتا کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کہ نوجوان خوب صورت لڑکی اسے خادمہ مل گئی ہے جو اس کی خدمت کرے گی۔ اس کے بچے پالے گی اور اس کے لیے کھانا پکایا کرے گی۔ اس نے جنگلی کو شاباش دی کہ اس نے سردار کی خدمت میں بڑے عمدہ قسم کے تین گدھے اور ایک تندرست لڑکی پیش کی۔

جنگلی نے کہا:

''سردار! میری اس محنت کا صلہ دو بکریاں دے دو۔''

سردار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جنگلی کو فوراً دو بکریاں دے کر رخصت کیا جائے۔

جنگلی خوش خوش بکریاں لے کر جنگل میں واپس اپنے جھونپڑے کی طرف چل پڑا وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے سامنے ایک انسان آتا دکھائی دیا۔ یہ عنبر تھا۔ عنبر نے بھی ایک جنگلی کو دیکھا کہ بکریاں ساتھ لئے چلا آ رہا ہے۔

اس نے سوچا کہ یہ کوئی گڈریا اور جنگل میں اپنی بکریاں چرا رہا ہے

قریب آ کر اس نے جنگلی سے جزیرے کی زبان میں پوچھا:

''کیا تم اس جنگل میں رہتے ہو؟''

جنگلی نے اس کی زبان نہیں سمجھی تھی۔ وہ ہنس پڑا اور دیسی زبان میں بولا

"تم کون احمق ہو جو اس خونی جنگل میں یوں گھوم رہے ہو؟"

عنبر فوراً جنگلی کی زبان سمجھ سکتا ہے لیکن جب عنبر نے اس کے سوال کا جواب دیا کہ وہ اپنی بہن کی تلاش میں ہے جو اس جنگل میں کھو گئی ہے تو جنگلی بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا:

"تمہیں ہماری جنگلی زبان کیسے آ گئی؟"

عنبر نے کہا:

"میں اس ملک کے سارے قبیلوں کی زبانیں جانتا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ کہیں کوئی دبلی پتلی نوجوان لڑکی کو تم نے دیکھا ہو؟"

"جنگلی مکاری سے بولا:

"نہیں! میں نے یہاں کبھی کسی عورت کو نہیں دیکھا میرے پاس صرف یہ دو بکریاں ہیں۔ انہی سے خوراک حاصل کرتا ہوں۔"

جنگلی دل میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اس عورت کا بھائی وغیرہ ہے۔ جسے اس نے ابھی ابھی سردار کے ہاں چھوڑا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ شخص اس جنگل میں ایسی جگہ جائے جہاں شیر رہتے ہیں؛ چناں چہ اس نے عنبر سے کہا:

"یہاں سے بائیں جانب ایک پہاڑی ہے جس کی کھوہ میں ایک عورت رہتی ہے۔ اگر اس کے پاس جاؤ تو وہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں بتا سکتی ہے کہ تمہاری بہن کہاں ہے۔"

"""بہت اچھا بھائی' میں جا کر اس عورت سے پوچھتا ہوں۔"

جنگلی بکریاں لے کر آگے چل دیا۔ عنبر جنگل میں بائیں طرف والے پہاڑ کی طرف گھوم گیا۔ اسے خیال آیا کہ وہ سلامبو کی لاش سے کیوں نہ مدد حاصل کرے؟ اس نے اسی وقت سلامبو کا خیال دل میں لا کر آواز دی۔ آواز دینے کی دیر تھی کہ سلامبو کی لاش اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا بات عنبر' تم نے مجھے کس لیے یاد کیا؟''

عنبر نے کہا:

''میں اپنی بہن شگفتہ کے ساتھ اس جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ ہمیں رات ہو گئی۔ ہم سو گئے۔ صبح شگفتہ چشمے پر نہا رہی تھی۔ میں جنگل کی سیر کر رہا تھا۔ واپس آیا تو شگفتہ غائب تھی۔ ایک دن اور رات گزر گئی ہے مجھے اپنی بہن کا کچھ پتہ نہیں۔ خدا کے لیے میری پریشانی دور کرو اور مجھے بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہو گی؟''

سلامبو کی لاش نے ٹھنڈے سپاٹ لہجے میں کہا:

''عنبر تو بڑا نادان ہے۔ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میں تمہارے لیے پہاڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر سکتی ہوں۔ بادشاہوں کے محل زمین سے اکھاڑ کر پھینک سکتی ہوں مگر کسی چھپی ہوئی شے کے بارے میں بالکل نہیں بتا سکتی۔ میں آنے والے زمانے اور چھپے ہوئے زمانے میں

جھانک کر نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تم کہو تو میں اس پورے جنگل میں آگ لگا سکتی ہوں۔ شیر سے لڑ سکتی ہوں۔ مگر تمہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ شگفتہ اس وقت کہاں ہے۔''

عنبر نے اداس ہو کر کہا:

''پھر تمہیں بلانے سے کیا فائدہ ہوا سلامبو؟''

سلامبو بولی:

''مجھے افسوس ہے بھائی کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔''

عنبر نے کہا:

''یہاں ایک گھنے درخت کے نیچے ایک درویش سو رہا تھا اس کے سر پر ایک سانپ نے اپنے پھن کا سایہ کر رکھا تھا۔ ایک شیر اس کے پاس بیٹھا تھا۔ جب سے شگفتہ غائب ہوئی ہے وہ درویش بھی غائب ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ درویش کون تھا؟ کیا شگفتہ کے غائب ہونے

میں اس کا ہاتھ تو نہیں ہے؟"

سلامبو کہنے لگی:

"عنبر! میں تمہیں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔ مجھے خود معلوم نہیں ہے کہ وہ درویش کون تھا۔ میں گزرے ہوئے زمانے کو بالکل نہیں دیکھ سکتی۔ گزرا ہوا زمانہ میرے لیے ایک پردہ ہے۔ ایک دیوار ہے۔ جس کے پار میں ایک لمحے کے لیے بھی دیکھ سکتی۔ میں صرف وہی شے دیکھتی ہوں جو گزر رہی ہے۔ میں مجبور ہوں۔ میں طاقتور ضرور ہوں۔ اتنی زیادہ طاقت رکھتی ہوں کہ اس گھنے درخت کو چاہوں تو ابھی جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دوں۔ مگر تمہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ کل کیا ہونے والا اور جو گزر گیا ہے وہ کہاں ہے؟"

عنبر نے کہا:

"پھر میں نے تمہیں یوں ہی تکلیف دی سلامبو! تم اگر چاہو تو جا سکتی

ہو۔"

سلامبو بولی:

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکی عنبر! لیکن تم نے اتفاق سے مجھ سے وہ شے مانگی ہے جو میں تمہیں نہیں دے سکتی۔ خدا حافظ۔"

سلامبو کی لاش درختوں میں غائب ہو گئی۔ عنبر اکیلا رہ گیا۔

اس کے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ جنگلی کی بتائی ہوئی عورت کے پاس جا کر شکنتلا کے بارے میں پوچھے۔ اسے معلوم تھا کہ جنگلوں میں ایسی عورتیں رہا کرتی ہیں جو جادو کے زور سے بتا دیتی ہیں کہ فلاں شخص کس جگہ ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ عنبر پہاڑ کے نیچے پہنچ گیا۔ جنگلی نے جیسا بتایا تھا وہاں ایک کھوہ موجود تھی۔ عنبر نے سوچا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں جادوگر عورت

رہتی ہے۔ اس نے کھوہ کو باہر سے اچھی طرح سے دیکھا اور پھر اس کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا اور تنگ سا غار تھا۔

غار میں چھت پر سے پانی رس رہا تھا۔ عنبر نے پاؤں آگے رکھا تو ایک دو پتھر لڑھک گئے۔ پتھروں کے لڑھکنے سے آواز پیدا ہوئی۔ اس آواز کے ساتھ ہی اچانک کھوہ میں شیر کی غضبناک دھاڑ گونجی۔ عنبر اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ تو کیا جنگلی نے اس کے ساتھ فریب کیا تھا؟

شیر کی دھاڑ ایک بار پھر سنائی دی شیر نے انسان کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا اور بھوکا ہونے کی وجہ سے عنبر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ غار میں سے نکل جانا چاہیے، وہ تیزی سے مڑا اور واپس بھاگنے لگا۔ شیر نے اپنے سامنے انسان کو بھاگتے دیکھا تو وہ بھی بھاگنے لگا۔ وہ اپنی تیزی سے آگے کو دوڑا کہ اس نے غار کے دروازے پر ہی عنبر کو دبوچ لیا عنبر شیر کے دھکے سے زمین پر گر پڑا۔

شیر نے عنبر کے اٹھتے اٹھتے ہی ایک بڑے زور کا تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا شیر کے خیال میں اس تھپڑ کے بعد کا ایک طرف کا پورے کا پورا جبڑا اڑ جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا بلکہ الٹا یہ ہوا کہ شیر کو یوں لگا جیسے اس نے کسی سخت پتھر پر زور سے ہاتھ مار دیا ہو۔

شیر نے جھنجھلا کر دوبارا عنبر پر حملہ کیا۔ عنبر اس وقت تک زمین سے اٹھ چکا تھا۔ اس دفعہ شیر نے ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے سر پر پنجہ مارتے ہی شیر تڑپ کر دور جا گرا کیونکہ اس کا پنجہ سخت زخمی ہو کر درد کرنے لگا تھا۔ شیر بڑا پریشان ہو گیا۔ اس قسم کے انسان سے اس کبھی پالا نہیں پڑا تھا

عنبر نے آگے بڑھ کر شیر کی گردن کو دبوچ لیا۔ وہ پوری طاقت سے شیر کی گردن کو دبوچ لیا۔ وہ پوری طاقت سے شیر کی گردن کو دبانے لگا۔

شیر نے بے تحاشا عنبر کے جسم پر پنجے مارنے شروع کر دیے۔ شیر کے لمبے لمبے تیز ناخن عنبر کے جسم پر سے پھسل رہے تھے۔ جیسے کسی سنگ مرمر کی سل پر سے پھسل رہے ہوں۔ عنبر کے جسم میں شیر کا کوئی بھی ناخن چبھ نہیں رہا تھا۔ شیر کو یوں لگا جیسے وہ کسی پہاڑ سے لپٹا ہوا ہے۔ دوسری طرف عنبر کے سخت پنجے شیر کی گردن میں چلے جا رہے تھے۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا شیر کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ عنبر نے شیر کو نیچے گرا لیا۔ شیر نیچے گر پڑا۔ عنبر بھی اس کے اوپر گر پڑا۔ اس نے شیر کی گردن سے اپنے سخت پنجے نہ ہٹائے۔ شیر کے گلے سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔ آخر وہ بے سدھا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ گر پڑے۔

اور شیر مر گیا۔

عنبر نے شیر کو مردہ چھوڑ دیا۔ واپس جنگل میں اس جگہ آ گیا جہاں اسے جنگلی ملا تھا۔ وہ اس جنگلی کی بھی اچھی طرح سے خبر لینا چاہتا تھا جس نے اسے دھوکے سے شیر سے ہلاک کروانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہاں جنگلی کہیں بھی نہیں تھا۔ عنبر نے اس کے خیال کو چھوڑ کر شگفتا کی تلاش شروع کر دی وہ اس طرف نکل گیا۔ جدھر ایک گدلے رنگ کے پانی والی چھوٹی سی ندی بہتی تھی۔ یہ ندی پہاڑوں کے اوپر سے آتی تھی اور جنگل میں سے ہو کر آگے دریا سے جا ملتی تھی۔ عنبر کچھ دور اس ندی کے کنارے کنارے چلتا چلا گیا۔ اسے خیال آیا کہ وہ تو بے مقصد گھوم رہا ہے۔ اسے ذرا سا بھی اشارہ معلوم نہیں کہ شگفتا کس طرف کو گئی ہے۔ اس طرح تو وہ چلتا چلتا خدا جانے کہاں پہنچ جائے گا اسے ان لوگوں کا خیال آیا جن کے پاس وہ دو دن مہمان رہے تھے اور جنہوں نے اسے گدھے دیے تھے۔

مگر ان لوگوں کا قبیلہ وہاں سے بہت دور تھا۔ وہ پیدل وہاں تک بہت دیر میں پہنچتا۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ عنبر ندی کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا

اور اپنی بہن ماریا اور ناگ کو یاد کرنے لگا۔

اگر وہ لوگ بھی اس وقت اس کے ساتھ ہوتے تو کم از کم اسے کچھ مشورہ ہی دیتے۔ عنبر ان سے کچھ صلاح مشورہ ہی کر لیتا۔ اگر ماریا اس کے ساتھ ہوتی تو شکنتلا کو کوئی شخص بھی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے کس طرف کو چل کر شکنتلا کو ڈھونڈا جائے۔

عنبر شکنتلا کو اکیلی چھوڑ کر وہاں سے جا بھی نہیں سکتا تھا۔

عنبر نے اسے قول دیا تھا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا کر ہی دم لے گا اور عنبر قول کا بڑا پکا تھا۔ وہ جس سے جو وعدہ کرتا اسے ہمیشہ پورا کرتا تھا

کچھ دیر ندی کنارے بیٹھنے کے بعد وہ آگے چل پڑا۔

ندی آگے چل کر جنگل کے گھن میں گھوم گئی تھی۔ یہاں اسے یوں اپنے پیچھے ایک طرف کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی جانور جھاڑیوں میں سے گزرتا آگے بڑھ رہا ہو۔ عنبر رک گیا۔ وہ پلٹ کر جنگل میں دیکھنے لگا اس کا خیال درست تھا۔ اچانک سامنے سے ایک بہت بڑا پہاڑ ایسا ہاتھی درختوں میں سے باہر نکلا وہ کان ہلاتا، سونڈ لہراتا، ندی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ شاید وہ پانی پینے چلا آ رہا تھا۔ عنبر خواہ مخواہ ایک اور جنگلی جانور سے لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ درختوں کی آڑ میں کھڑا تھا۔ ہاتھی جھومتا جھومتا ندی پر آیا اور اپنی سونڈ سے پانی پینے لگا۔ پانی پی کر وہ ندی میں اتر گیا اور سونڈ میں پانی بھر بھر کر اپنے اوپر ڈالنے لگا۔ وہ غسل کر رہا تھا۔ عنبر درخت کے پیچھے کھڑا چپ چاپ یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ ایک دم ہاتھی نے اپنی سونڈ اوپر اٹھائی اور چاروں طرف گھمانے لگا۔

ہاتھی کو قریب ہی کسی انسان کی بو محسوس ہوئی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ ہاتھی کو کسی انسان کی موجودگی کا احساس ہو گیا اس نے

دوڑنے کی بجائے اسی جگہ ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ دوڑنے سے ہاتھی یقیناً اس کا پیچھا کرتا اور بھاگنے میں کوئی بھی انسان ہاتھی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہاتھی ضرور اسے اپنی سونڈ پر اٹھا کر نیچے پھینک دیتا اور پھر پاؤں عنبر کے سینے پر رکھ کر اسے مسلنے کی کوشش کرتا۔ عنبر مرتا تو بالکل نہیں مگر خواہ مخواہ ہاتھی سے مقابلہ کرنے میں وقت ضرور ضائع ہوتا۔ جب کہ عنبر ہر گھڑی یہی سوچ رہا تھا کہ شکنتلا کو سراغ کیسے لگایا جائے۔

ہاتھی ایک پل بالکل بت بنا اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سونڈ سے عنبر کی بو لینے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر اسے پتہ چل گیا کہ انسان ان درختوں کے پیچھے کہیں ہے کیونکہ اس طرف سے انسان کی بڑی تیز بو آرہی تھی۔ عنبر نے لڑائی سے دور رہنے کے لیے درخت پر چڑھنا شروع کردیا۔ جوں ہی وہ درخت کے اوپر چڑھا، ہاتھی نے اسے پتوں میں دیکھ لیا۔

وہ بھاگ کے عنبر کے پیچھے لپکا۔ مگر عنبر اس عرصے میں درخت کے اوپر جا چکا تھا۔ ہاتھی زور سے چنگھاڑا۔ اس کی چنگھاڑ سے جنگل گونج اٹھا۔ عنبر درخت کے اوپر آرام سے جا کر بیٹھ گیا۔ ہاتھی بھاگ کے درخت کے نیچے آگیا اور زور زور سے جھولنا شروع کردیا۔ کسی وقت وہ اپنی لمبی سونڈ اوپر اٹھا کر جیسے سلام کرتا اور پھر چنگھاڑ مار کر مست ہاتھیوں کی طرح جھولنے لگتا۔ عنبر کی جان عجیب مصیبت میں آگئی تھی۔ وہ اب کسی جنگلی جانور سے لڑائی لڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر ہاتھی اسے بار بار چیلنج دے رہا تھا۔ ہاتھی درخت کے نیچے دھرنا مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کو اوپر دیکھ لیا تھا۔ عنبر کافی دیر تک بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر کافی دیر تک اوپر درخت کی شاخ پر بیٹھا رہا۔ ہاتھی بھی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر تنگ آگیا۔ وہ نیچے اتر کر ہاتھی سے مقابلہ کرنے کی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ ہاتھی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے زور سے چنگھا

ڑ ماری اور درخت کو ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ اس کی ٹکروں سے درخت پر گویا بھونچال سا آ گیا۔ درخت پر جتنے پرندے بیٹھے تھے شور مچاتے اڑ گئے۔ عنبر بھی ٹہنی پر بیٹھے بیٹھے کی ہر ٹکر کے ساتھ ہل رہا تھا اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہاتھی پر چھلانگ لگا دے اور پھر اس کا مقابلہ کرے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ ہاتھی بہت بڑا جانور تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ہاتھی اسے اٹھا کر سونڈ میں لپیٹتا اور پھر اپنے منہ میں ڈال لیتا۔ عنبر مرتا نہ مگر منہ کے اندر جا کر کیا کرتا۔ سوائے اس کے کہ ہاتھی کے گلے میں سے گزر کر اس پیٹ میں آ جاتا اور خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آتا۔ یہ سارا کام بڑا غلیظ کام تھا اور عنبر کے سارے کپڑے اور بدن خراب ہو جاتا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ درخت کے اوپر ہی بیٹھا رہے گا اور نیچے اتر کر ہاتھی کا مقابلہ نہیں کرے گا۔ وہ درخت کی ٹہنی پر بیٹھا رہا اور ہاتھی ٹکریں مارتا رہا۔

ہاتھی بڑا طاقت ور تھا۔ اس نے درخت کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کر دیا۔ درخت جڑ سے سچ مچ ہل گیا۔ وہ ایک طرف جھکنے لگا۔ عنبر نے شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن ہاتھی کی ٹکروں نے درخت کی طاقت کو ختم کر دیا تھا۔ وہ اب گرنے ہی والا تھا اور زمین کی طرف جھکتا چلا جا رہا تھا۔ آخر ہاتھی کی ایک زوردار ٹکر کھا کر درخت دھڑام سے زمین پر گر پڑا تھا۔ مکار ہاتھی کی آنکھ عنبر پر لگی ہوئی تھی۔ عنبر کے گرتے ہی وہ درخت کی شاخوں پر اپنے بھاری بھرکم پاؤں رکھتا انہیں توڑتا مروڑتا عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر جنگل میں جھاڑیاں اتنی گھنی اور اتنی زیادہ تھیں کہ عنبر بار بار گرنے لگا۔

آخر ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ تو جھاڑیوں پر پاؤں رکھتا بھاگ رہا تھا۔ عنبر کے عین اوپر پہنچ کر ہاتھی نے زور سے چیخ ماری اور عنبر کو زمین پر سے اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھا لیا۔ اور پھر دو تین بار گھما کر

ہاتھی نے پوری طاقت سے عنبر کو اپنے قدموں میں زمین پر پھینک دیا۔ وہ عنبر کی ہڈیاں توڑ کر اسے مارنا چاہتا تھا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے روئی کا گالا نیچے پھینک دیا ہو۔ ہاتھی نے عنبر کے جسم پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور پورا بوجھ ڈالا لیکن عنبر ہاتھی کے پاؤں کے نیچے بالکل محفوظ تھا۔ الٹا ہاتھی کو پاؤں میں لمبے لمبے کانٹے چبھے۔ وہ تڑپ کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔

موت کی شرط

ہاتھی نے دوبارہ عنبر پر حملہ کیا۔

اس دفعہ ہاتھی نے عنبر کو سونڈ میں ایک بار پھر لپیٹا اور اٹھا کر پورے زور زور سے ایک درخت کے تنے سے مارنا شروع کر دیا۔

ہاتھی کا خیال تھا کہ عنبر چکنا چور ہو جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ درخت اپنی جگہ سے ہل گیا اور ہاتھی کی سونڈ زخمی ہو گئی۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ اسی طرف جھٹک دیا۔ اب عنبر نے بھی جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کی کمر کے ساتھ ایک خنجر ہمیشہ لگا رہتا تھا۔ عنبر نے وہ خنجر نکال کر

47

ہاتھی پر حملہ کیا۔ وہ چھلانگ لگا کر ہاتھی کی گردن پر چڑھ گیا اور اس نے پوری طاقت کی ساتھ ہاتھی کی ایک آنکھ میں خنجر گھونپ دیا۔ ہاتھی درد سے چلا اٹھا۔ اس نے سونڈ اوپر لے جا کر عنبر کو پکڑنے کی کوشش کی۔ عنبر پیچھے کھسک گیا۔ ہاتھی نے زور سے اپنا بدن جھٹکا۔

عنبر نیچے گر پڑا۔

ہاتھی نے عنبر کے اوپر اپنا بھاری پاؤں رکھنا چاہا۔ عنبر تڑپ کر دوسری طرف ہٹ گیا۔ ہاتھی گھوم گیا۔ عنبر نے زور سے خنجر مار کر ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ خون کی آبشار بہنے لگی۔ اس بک بک سے عنبر بچنا چاہتا تھا مگر ہاتھی نے خود اپنی موت کو آواز دی تھی اور اب بھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگ رہا تھا۔ اب تو عنبر مجبور تھا کہ اس خونی ہاتھی کو ہلاک کر دے۔ کیوں کہ وہ کسی دوسرے انسان پر بھی حملہ کر کے اسے ختم کر سکتا تھا۔ عنبر نے کوشش کی کہ وہ دوبارہ ہاتھی کے اوپر چڑھ کر اس کی دوسری

آنکھ بھی پھوڑ ڈالے کیوں کہ اندھا ہو جانے کی صورت میں وہ ہاتھی کے جسم پر پے در پے وار کر سکتا تھا۔

عنبر نے ایک چھوٹے سے ٹیلے کے اوپر چڑھ کر ہاتھی کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ ہاتھی کی ایک آنکھ ابھی باقی تھی اور وہ پوری طرح دیکھ رہا تھا کہ عنبر کیا کرنے والا ہے۔ وہ زور زور سے اپنے بدن کو جھٹکے دینے لگا تا کہ عنبر کو ایک بار نیچے گرا دے۔ مگر عنبر ہاتھی کی کمر سے چمٹ گیا تھا۔ وہ کھسکتا کھسکتا ہاتھی کی گردن پر آ گیا۔ پھر اس نے ہاتھ لمبا کر کے خنجر ہاتھی کی دوسری آنکھ میں بھی گھونپ دیا۔ ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور تکلیف کی وجہ سے اسی جگہ چکر کھانے لگا۔ عنبر بار بار اس کی آنکھ میں خنجر چلا رہا تھا۔

ہاتھی کی دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ ہاتھی اندھا ہو چکا تھا اب عنبر نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ہاتھی کو اپنا دشمن کہیں بھی نظر نہیں

آ رہا تھا۔ اس کی سونڈ کٹ چکی تھی۔ دونوں آنکھیں پھوٹ گئی تھیں۔

اس کے بدن سے کافی خون بہہ چکا تھا۔ وہ کمزوری محسوس کرنے لگا اس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ پھر بھی ابھی ہاتھی میں بڑی طاقت تھی۔ وہ پاگل اندھے کی طرح گھوم رہا تھا کہ کہیں اسے دشمن ملے تو وہ اسے کچل دے۔

عنبر نے لپک کر ہاتھی کے پیٹ میں خنجر گھونپا اور پھر اسے پوری لگا کر ایک طرف کو گھما دیا۔ ہاتھی کا آدھا پیٹ کٹ گیا اور اس کی بھاری بھاری انتڑیاں باہر گر پڑیں۔ ہاتھی کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکل گئی وہ ایک طرف کو جھکنے لگا۔ عنبر نے موقع غنیمت جان کر ایک بار پھر اس کے پیٹ میں خنجر مارا اور باقی کا آدھا پیٹ بھی کاٹ کر رکھ دیا ہاتھی کے پیٹ کے اندر جو کچھ بھی تھا۔ وہ باہر زمین پر آن گرا۔ ہاتھی کا جسم خشک پتے کی طرح کانپنے لگا۔ اس نے ایک جھرجھری سی لی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

ہاتھی کے گرنے سے زمین ایک بار ہل گئی۔

عنبر پرے کھڑے ہو کر ہاتھی کے مرنے کا تماشہ کرتے لگا۔ ہاتھی کانپ رہا تھا۔ خون پرنالے بن کر بہہ رہا تھا۔ وہ ٹانگیں چلا رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے جسم پر سکون آتا گیا۔ ایک بار زور سے ہل کر ہاتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے حملہ کرنے میں پہل کی تھی۔ اس نے عنبر کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اسے ہلاک کرے۔

ورنہ عنبر نے لڑائی سے ہزار بار بچنے کی کوشش کی تھی۔ ہاتھی نے اپنی موت کو خود آواز دی تھی۔

عنبر نے ندی پر جا کر غسل کیا۔ اپنے خون سے بھرے ہوئے کپڑے دھوئے۔ اسے سوائے اس کے اور کچھ نقصان نہیں ہوا تھا کہ اس کا

وقت ضائع ہو گیا تھا۔ وہ اس عرصے میں شگفتا کو تلاش کر سکتا۔

وہ ابھی دوبارا گیلے کپڑے پہن کر کمر میں خنجر لگا رہا تھا کہ اسے جنگل میں کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں جنگلی لوگوں کی چیخوں سے ملتی جلتی تھیں۔ عنبر نے سوچا کہ شاید جنگلی لوگوں کا قافلہ آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے ایک درخت کے اوپر چڑھ کر پتوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ کسی پر ابھی اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جنگلی لوگ کون ہیں؟

جنگلی لوگوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ پھر جھاڑیاں زور زور سے ہلیں اور دس بارہ سیاہ رنگ کے ناٹے قد کے آدم خور جنگلی بدن پر صرف گھاس کی لنگوٹ باندھے ہاتھوں میں نیزے لیے وہاں آن موجود ہوئے۔ عنبر انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ یہ سارے کے سارے وحشی لوگ تھے۔ خدا جانے انہیں کہاں سے مرے ہوئے ہاتھی کی بو آ گئی تھی وہ اپنے سامنے زمین پر مرے ہوئے ہاتھی کو دیکھ کر بڑے خوش بھی ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ اسے اس اجاڑ بیابان جنگل میں کون آ کر ہلاک کر گیا۔

ایک وحشی نے نیزہ اٹھا کر زور سے چیخ ماری۔ اس کے ساتھ ہی باقی سارے وحشی مردہ ہاتھی پر ٹوٹ پڑے اور اس کو گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگے۔ ایک وحشی تو ہاتھی کے پیٹ کے اندر گھس گیا اور وہاں سے اس کا دل نوچ کر لے آیا۔ جب وہ ہاتھی کے پیٹ سے باہر نکلا تو وہ خون میں لال ہو رہا تھا۔ باہر آ کر اس نے ایک نعرہ لگایا اور کھڑے ہو کر ہاتھی کا دل چبا چبا کر کھانے لگا۔ عنبر نے بڑے بڑے جنگلی لوگ دیکھے تھے لیکن یہ بڑے عجیب قسم کے ڈراؤنے وحشی تھے۔ وہ ہاتھی کے گوشت کو انسان کا گوشت سمجھ کر کھا رہے تھے۔

دیکھتے دیکھتے انہوں نے ایک طرف سے ہاتھی کو گوشت ختم کر دیا ادھر

سے ہاتھی کی ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ گوشت خوب پیٹ بھر کر کھا کر وہ اسی جگہ جانوروں کی طرح سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور خدا جانے کیا غور کرنے لگے۔ پھر اٹھ کر وہ زمین پر پاؤں کے نشان دیکھنے لگے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ وحشی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہاتھی کے ساتھ کس نے مقابلہ کر کے اسے ہلاک کیا تھا؟

اچانک ایک وحشی نے چیخ ماری:

''انسان کے پیروں کے نشان ہیں۔''

یہ وہی زبان تھی جس میں عنبر کے ساتھ بکریوں والے جنگلی نے بات کی تھی۔ یہ بھی بڑی اچھی بات تھی کہ عنبر ان کی بولی سمجھ لیتا تھا۔

سارے کے سارے آدم خور وحشی زمین پر عنبر کے پیروں کے نشان جھک کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے یہ معلوم کرلیا تھا کہ یہاں کوئی انسان ابھی ابھی موجود تھا جس نے ہاتھی کے ساتھ جنگ لڑ کر ہاتھی کو ہلاک

کر دیا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ آدمی کہاں چلا گیا؟ یہ جنگلی لوگ آدمی یا جانور کے پیروں کے نشان سے پورا پورا کھوج لگایا کرتے تھے کہ انسان یا جانور کدھر کو گیا ہے۔ اگر ایک جگہ سینکڑوں جانوروں کے پاؤں کے نشان ہوں تو پھر بھی یہ جنگلی ان میں سے انسان کے پیروں کے نشان کو صاف پہچان لیتے تھے۔

اور یہی ہوا جنگلیوں نے عنبر کے پیروں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ نشان ایک گول دائرے کی صورت میں تھے وہ بھی گول دائرے کی صورت میں گھوم گئے۔ پھر نشان ایک درخت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وحشی بھی اسی درخت کی طرف گھوم گئے۔ نشان اس درخت کے پاس آ گئے جس پر عنبر پتوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ وحشی اس درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا:

''انسان اسی درخت کے اوپر ہوگا۔''

سب زور زور سے نعرے لگانے لگے۔ یہ نعرے عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے لیکن اتنا وہ سمجھ چکا تھا کہ اب وہ وحشیوں کی قید سے نہیں بچ نہیں سکتا۔ جنگلیوں نے سر اٹھا اٹھا کر درخت کی شاخوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک ساتھ چھ سات نیزے درخت کی شاخوں میں پھینکے۔ ایک نیزہ عنبر کے بازو کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ مگر اسے کچھ نہ ہوا۔ بازو کا گوشت دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آ گیا دوسری بار پھر نیزے پھینکے گئے۔ اس دفعہ ایک نیزہ عنبر کے پیٹ میں کھب گیا۔ عنبر نے نیزہ باہر کھینچ کر واپس زمین پر مارا تو وہ سیدھا ایک وحشی کی کھوپڑی توڑتا ہوا کھب گیا۔

وحشی چیخ مار کر زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

پھر تو وہاں ایک شور مچ گیا۔ وحشیوں نے دھڑا دھڑ درخت میں نیزے مارنے شروع کر دیے۔ عنبر کے ہاتھ میں جو نیزہ آ جاتا وہ واپس دوبارا کسی نہ کسی وحشی پر اچھال دیتا جو زخمی ہو کر بھاگ جاتا جنگلی لڑتے لڑتے تنگ آ گئے۔ انہوں نے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ عنبر اگر چاہتا تو وہ اوپر بیٹھے ہی بیٹھے ایک ایک کر کے سارے جنگلیوں کو قتل کر کے نیچے پھینک سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ سوچا کہ کیوں نہ اپنے آپ کو ان وحشیوں کے حوالے کر کے انکے قبیلے میں چلا جائے شاید اس طرح اسے شگفتا کا کوئی سراغ مل سکے۔

عنبر نے مقابلہ بند کر دیا اور درخت پر سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ سارے جنگلی ایک نوجوان انسان کو درخت کے اوپر سے گرتے دیکھ کر پرے پرے ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو رسی میں جکڑ لیا۔ ایک وحشی نے دوسرے وحشی سے کہا:

”سردار اس سفید نوجوان کا گوشت کھا کر بڑا خوش ہو گا۔ وہ ہمیں اس کے عوض اپنی خاص بکریوں کا دودھ پینے کو دے گا۔“

عنبر نے سب کچھ سنا اور خاموش رہا۔ وہ ان پر یہ ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی زبان جانتا ہے کیوں کہ پھر وہ اس کے سامنے راز کی کوئی بات نہ کرتے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوگا کہ عنبر ان کی باتیں سمجھتا تو وہ اس کے سامنے کھل کر بات کریں گے اور شکنتلا کا سراغ اسی طرح لگایا جا سکتا تھا۔ وحشیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے عنبر کی طرف نیزے تانے ہوئے تھے۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر عنبر کی کمر میں لٹکا ہوا خنجر کھینچ لیا۔ وہ خنجر اس نے غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ خنجر کسی شہر کا بنا ہوا ہے یہ شخص کسی دوسرے شہر سے آیا ہے۔ اسے پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے چلتے ہیں۔ وہ ہمیں انعام دے گا۔"

"چلو' پکڑ کر لے چلو اسے۔"

وحشیوں نے عنبر کو رسی میں جکڑا اور اسے اٹھا کر جنگل میں واپس گھس

گئے۔ چار وحشی اسے اپنے سروں پر اٹھائے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ وہ اس قدر تیز تیز جا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانور ہیں۔ کافی دیر تک جنگل میں چلنے اور کئی موڑ گھومنے کے بعد وہ ایک اور نیچے پہاڑ کے دامن میں آ گئے۔ یہاں بہت سی جھونپڑیاں ایک نیم دائرے کی شکل میں بنی ہوئی تھیں۔ وحشیوں نے عنبر کو اتار کر نیچے زمین پر بٹھا دیا۔

تمام وحشی ان وحشیوں کو دیکھ کر قریب آ گئے۔ وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے کہ یہ قیدی کہاں سے آیا ہے؟ ایک وحشی نے انہیں بتایا کہ جنگل میں ہاتھی مرا پڑا ہے۔ اس شخص نے ہاتھی کو ہلاک کیا ہے۔ سارے وحشی بڑے حیران ہوئے کہ ایک دبلے پتلے سے انسان نے خنجر کے ساتھ اتنا بڑا ہاتھی کیسے ہلاک کر لیا۔

یہ وحشی لوگ جنگل میں پڑی ہوئی ہاتھی کی لاش کا سن کر اس طرف

بھاگ اٹھے۔ وہ آج ہاتھی کے گوشت کی ضیافت اڑانا چاہتے تھے۔ جو لوگ عنبر کو پکڑ کر لائے تھے۔ وہ ایک اونچی سی جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ اس جھونپڑی میں کچھ دیر رہنے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ وہ سردار کی جھونپڑی تھی۔ مگر وہاں عنبر کو سوائے چند ایک بوڑھی عورتوں کے اور کوئی عورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ بوڑھی عورتیں ایک طرف بکریوں کا دودھ دوہ رہی تھیں۔ کوئی شکر قندی ابال رہی تھی۔ عنبر کا دل شکنتلا کو یاد کر کے اداس ہو گیا۔ اس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ شکنتلا تو اس جگہ بھی نہیں ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔ کیا وہ یہاں سے فرار ہو جائے تا کہ کسی اور جگہ چل کر شکنتلا کو تلاش کر لے۔ یہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ ہوگا بھلا؟

پھر عنبر نے سوچا کہ ابھی اسے تھوڑا انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کی کچھ باتیں جھونپڑوں کے اندر ہوں۔ اگر شکنتلا یہاں نہ بھی

ہوئی پھر بھی اسے ان لوگوں سے کچھ سراغ ضرور مل سکتا ہے۔ عنبر نے اسی جگہ ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ابھی کچھ دیر وہاں رہ کر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جھونپڑی میں سے سارے وحشی نکل کر باہر ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اب انہیں اندر سے شاید کسی سردار کے باہر نکلنے کا انتظار تھا۔ عنبر بھی اسی انتظار میں تھا کہ اندر سے کیا برآمد ہوتا ہے۔ اچانک اندر سے ایک بڑی خوب صورت سانولے رنگ کی عورت باہر نکلی۔ اس عورت نے سر پر موروں کے پروں کا تاج پہن رکھا تھا۔ اس کے گلے میں شیر کے ناخنوں کی مالا تھی۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے اور بدن پر ہرن کی کھال کا لباس تھا۔

اگرچہ یہ عورت بہت حسین تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں جنگلی چیتے ایسی چمک اور مکاری تھی۔ ہمارے پڑھنے والوں کو اب ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ قبیلہ ان جنگلیوں کا نہیں تھا۔ جہاں شکنتلا قید تھی بلکہ یہ اس

قبیلے سے دور پچھم کی طرف ندی کنارے والا ایک قبیلہ تھا جو جادوگرنی کا قبیلہ کے نام سے مشہور تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ عورت اس قبیلے کی سردارنی ہے۔ اس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا اور پھر اپنے وزیر سے کہا:

"اس نوجوان کو تم کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟"

ایک وحشی نے آگے بڑھ کر سر جھکایا اور کہا:

"سردانی یہ شخص ایک درخت کے اوپر چھپا ہوا تھا۔ اس کے پاس سے وہ خنجر نکلا ہے جس پر ہاتھی کے خون کے نشان ہیں۔"

سردارنی نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہاتھی کو اس نوجوان نے اپنے خنجر سے ہلاک کیا ہے؟"

وحشی بولا:

"جی ہاں سردارنی نے زمین پر پاؤں مار کر کہا: "اتنا دبلا پتلا نوجوان جنگل کے ایک سر پھرے ہاتھی کو ہرگز نہیں مار سکتا۔ تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

وحشی نے کہا:

"سردانی اس کے سوا جنگل میں اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ ہاتھی کا شکار اسی نے کیا ہے۔ آپ اس سے پوچھ لیں بے شک۔"

سردارنی نے کہا:

"مگر میں اس سے کس زبان میں بات کروں گی یہ تو ہماری زبان کو بالکل نہیں سمجھتا۔"

عنبر ان لوگوں کی ساری باتیں اب تک غور سے سن رہا تھا۔ اور سمجھ رہا تھا۔ اس مقام پر آ کر اس نے سردارنی سے کہا:

"سردارنی میں آپ کی زبان خوب جانتا ہوں۔ آپ بے شک اپنی

زبان میں مجھ سے بات کریں۔"

سردارنی نے یوں تڑپ کر عنبر کی طرف دیکھا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر پتھر مار دیا ہو۔ وہ کبھی خیال بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ایک اجنبی نوجوان جو خدا جانے کہاں سے ادھر آنکلا ہے۔ ان کے قبیلے کی مشکل زبان سمجھ لیتا ہوگا۔ اس نے عنبر کے قریب آکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:

"تم ہمارے قبیلے کی زبان کیسے جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں دنیا کے ہر قبیلے کی زبان جانتا ہوں سردارنی۔"

"کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"

"نہیں میں ایک عام انسان ہوں۔"

سردارنی نے پوچھا:

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو تم درخت پر کیوں چھپے بیٹھے تھے؟"

عنبر بولا:

"سردارنی میں ایک سیاح ہوں اور ملک ہندوستان کی سیر کرنے اپنی شگفتہ بہن کے ساتھ آیا تھا۔ وہ جنگل میں مجھ سے بچھڑ کر کہیں گم ہو گئی میں اس کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کہ آپ کے آدمی مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔"

"تم درخت پر کیوں چھپے بیٹھے تھے۔؟"

"آپ کے آدمیوں کے ڈر سے چھپا بیٹھا تھا۔"

"کیا یہ خنجر تمہارا ہے؟" سردارنی نے عنبر کا خون آلود خنجر نکال کر اسے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

عنبر نے خنجر کو غور سے دیکھ کر کہا:

"ہاں یہ میرا ہی خنجر ہے۔"

سردارنی نے پوچھا:

"اس خنجر پر خون کس جانور کا لگا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"ہاتھی کا۔ اے سردارنی۔"

"سردارنی نے حیرانی سے پوچھا:

"کیا جنگلی ہاتھی کو تم نے ہلاک کیا تھا۔"

"ہاں سردارنی، جنگلی ہاتھی کو میں نے ہلاک کیا تھا۔"

"محض اس چھوٹے سے خنجر سے؟"

"ہاں سردارنی صرف اس چھوٹے سے خنجر کے ساتھ۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔"

"میں ایک بار پھر ہاتھی کو ہلاک کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

"اگر تم ایسا نہ کر سکے تو جانتے ہو قبیلے کی سردارنی مذاق کرنے کی سزا کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"اگر تم ہاتھی کو ہلاک نہ کر سکے تو تمہیں زندہ ایک بوری میں بند کر کے کیڑے مکوڑوں کے گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔"

"مجھے منظور ہے میں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔"

"ہاتھی کی لڑائی کا بندوبست کیا جائے۔"

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"مگر ایک میری شرط ہے۔"

سردارنی نے پوچھا:

"وہ کون سی شرط ہے۔"

''عنبر نے کہا:

''اگر میں نے ہاتھی کو اس خنجر سے ہلاک کر دیا تو مجھے کیا انعام دیا جائے گا۔''

سردارنی نے کہا:

''میں تم سے شادی کرلوں گی اور تمہیں قبیلے کا سردار بنا دیا جائے گا۔''

عنبر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

''نہیں نہیں! مجھے یہ شرط منظور نہیں ہے۔''

''کیا کہا؟'' سردارنی غصے کے مارے کانپنے لگی۔ وہاں جتنے وحشی لوگ کھڑے تھے۔ وہ سارے کے سارے دہشت زدہ ہو گئے۔ سردارنی سے بیاہ کی خواہش پر انکار کرنا اس قبیلے میں سب سے بڑا گناہ اور برائی تھی۔ سردارنی کی اس سے زیادہ اور کوئی بے عزتی نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی شخص اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نے میری توہین کی ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ شادی نہ کی تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گی۔''

عنبر نے سوچا کہ اس عورت سے شادی کرنے میں کیا ہرج ہے اس طرح وہ اس قبیلے کا سردار بن جائے گا اور ان کی مدد سے شکنتا کو جلدی سے جلدی برآمد کر لے گا۔ پھر وہ جب چاہے یہاں سے بھاگ سکتا ہے اور اس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

اس نے جھٹ کہا:

''میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں۔''

سردارنی نے کہا:

''شاباش! مگر شرط یہ ہے کہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے تمہیں جنگل کے ایک ہاتھی کو خنجر سے ہلاک کرنا ہوگا۔''

''ایسا ہی ہوگا سردارنی۔''

سردارنی نے حکم دے دیا کہ دوسرے روز جنگل میں ہاتھی کی لڑائی ہوگی عنبر کو ایک جھونپڑے میں قید کر دیا گیا۔ سردارنی کا وزیر خود سردارنی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی جرات نہیں تھی کہ وہ سردارنی کے حکم کے آگے سر اٹھا سکے۔ جب سردارنی نے اعلان کیا کہ اگر عنبر نے ہاتھی کو مار ڈالا تو وہ اس کے شادی کرے گی تو وہ جل بھن کر رہ گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ دبلا پتلا نوجوان کہاں ایک ہاتھی کو ہلاک کر سکتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں عنبر کی آنے والی موت کا خیال کر کے افسوس کرنے لگا کہ اتنا بھولا بھالا خوب صورت لڑکا موت کی آغوش میں جا رہا ہے۔ وہ خود بھی اب یہی چاہتا تھا کہ عنبر ہاتھی کی لڑائی میں مارا جائے۔ راستے کا یہ پتھر ہٹ جائے اور وہ سردارنی سے شادی کر لے سب لوگ ہاتھی کی لڑائی کا انتظار کرنے لگے۔

جادوگرنی سے ملاقات

ہاتھی کی لڑائی دیکھنے کے لیے سارا قبیلہ امڈ پڑا۔

صبح ہی سے ہانکا کرنے والے جنگل میں نکل گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ جنگلی کہاں پر ہوگا اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ ہاتھی کو گھیر کر کیسے لایا جائے گا۔ قبیلے کے سارے وحشی بڑے بڑے درختوں پر چڑھ کر بیٹھے تھے۔ سردارنی کا تخت بھی ایک اونچے درخت کی شاخ پر لگا دیا گیا تھا۔ زمین پر سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں تھا۔ وزیر بھی سردارنی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ سارے وحشیوں کو یقین تھا کہ یہ

نوجوان لڑکا ہاتھی کی لڑائی میں ضرور مارا جائے گا۔ انہیں یہ افسوس تھا کہ وہ ہاتھی کو گوشت نہیں کھا سکیں گے۔ سب کے کان جنگل کی طرف لگے ہوئے تھے۔ جہاں ہانکا کرنے والوں کا شور آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔

وہ لوگ جنگلی ہاتھی کو گھیر کر ادھر لا رہے تھے اچانک اس شور میں ہاتھی کی چنگھاڑ گونجی۔ سب نے خوشی سے نعرے لگائے ہاتھی آ رہا تھا۔ لڑائی شروع ہونے والی تھی۔ سردارنی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔ اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ہاتھی مرتا ہے یا نوجوان عنبر ہلاک ہوتا ہے۔ وہ صرف ہاتھی اور انسان کی لڑائی کا تماشہ دیکھنا چاہتی تھی۔ خوشی وزیر کو ضرور ہو رہی تھی کہ جس نوجوان سے سردارنی نے شادی کا وعدہ کیا تھا وہ مارا جائے گا۔

عنبر درختوں کے نیچے ایک کھلے میدان میں خنجر ہاتھ میں لیے چپ چاپ کھڑا تھا اور جنگل کی طرف سے آنے والے ہاتھی کی چنگھاڑوں کو غور سے سن رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو وہاں سے بھاگ سکتا تھا۔ مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس قبیلے پر اپنی بہادری کا سکہ جما کر ان کا سردار بننا چاہتا تھا تاکہ شکنتالا کو ان لوگوں کی مدد سے تلاش کر سکے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ شکنتالا کو اسی جنگل کے کسی قبیلے والوں نے اغوا کیا ہے۔

درختوں پر تمام وحشی نیزے اور تیر کمان لیے تیار بیٹھے تھے کہ اگر ہاتھی پاگل ہو کر غصے میں درختوں کو ٹکریں مارنا شروع کر دے تو وہ اس پر نیزوں اور تیروں کی بارش کر کے ختم کر دیں۔ جس درخت پر ان لوگوں کی سردارنی تخت پر بیٹھی تھی وہاں کتنے ہی جانباز وحشی نیزے اور تیر کمان لیے تیار تھے کہ جوں ہی ہاتھی کا رخ اس طرف ہو وہ اس پر نیزوں کی بارش کر دیں۔

عنبر خنجر ہاتھ میں لیے خاموش کھڑا تھا۔

ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آوازیں اب قریب سے قریب ہو رہی تھیں۔ پھر ہانکا کرنے والوں کا شور نزدیک آ کر ختم ہو گیا۔ وہ ہاتھی کو گھیر کر درختوں والے کھلے میدان کے پاس لے آئے تھے۔ جنگل میں خاموشی چھا گئی۔ درختوں پر سے سارے پرندے شور سن کر اڑ چکے تھے۔ ایک دم ہانکا کرنے والوں کا شور بلند ہوا۔ اس کیساتھ ہی ہاتھی کی زوردار چنگھاڑ گونجی شور ختم ہو گیا۔ ہاتھی درختوں کے آس پاس گھوم رہا تھا۔

عنبر کی نگاہیں جھاڑیوں میں لگی تھیں۔ کڑ کڑ کی آوازیں آئیں۔ جیسے ہاتھی سوکھی ٹہنیوں کو لتاڑتا ہوا چلا آ رہا ہو۔ پھر اچانک ایک سیاہ چشم پورے قد کا لمبے لمبے سفید دانتوں اور بڑے بڑے کھمبوں ایسی ٹانگوں والا ہاتھی کان ہلاتا، گھبرایا ہوا۔ سونڈ گھماتا درختوں میں سے

نکل کر کھلے میدان کے ٹکڑے میں آ گیا۔ بانکا گھماتا درختوں میں سے نکل کر کھلے میدان کے ٹکڑے میں آ گیا۔ ہانکا کرنے والے جلدی جلدی درختوں پر چڑھ گئے۔ ہاتھی نے گھوم کر ایک چکر لگایا اور پھر اس کی چھوٹی چھوٹی مگر بڑی تیز آنکھوں نے عنبر کو ایک طرف کھڑے دیکھ لیا۔ وہ سمجھا کہ یہ سارا شور اسی ایک آدمی نے اٹھا رکھا تھا اور اسکی وجہ سے وہ بے چین کی گیا ہے۔

ہاتھی نے سونڈ اٹھا کر ایک بھیانک چیخ ماری اور سر جھکا کر عنبر پر حملہ کرنے کے لیے بھاگا۔ عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ سردارنی کا دل دھڑکنے لگا۔ سارے وحشی سانس روک کر تماشہ دیکھنے لگے کہ ابھی ہاتھی سونڈ میں عنبر کو لے کر زمین پر دے مارے گا اور پھر پاؤں رکھ کر اسے کچل دے گا۔

ہاتھی نے عنبر کے پاس آ کر زور سے سونڈ گھمائی۔ عنبر جھک کر بیٹھ گیا اور

پھر اچھل اس نے سونڈ پکڑ لی۔ ہاتھی نے جب دیکھا کہ اس کا دشمن سونڈ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے تو اس نے سونڈ کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا اور پھر زور سے عنبر کو درخت کے ایک تنے سے مارا۔

وحشیوں کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

وہ عنبر کو کچلا ہوا خون میں لت پت دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اتنی زبردست چوٹ کھانے کے باوجود عنبر زمین پر سے اٹھا اور اس نے اٹھتے ہی خنجر ہاتھی کی سونڈ میں گھونپ دیا۔ تو وہ چکر کھا گئے۔ کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

سردارنی نے سوچا کہ انہیں غلطی لگی ہے۔ عنبر درخت کے ساتھ نہیں ٹکرایا تھا بلکہ ہاتھی کی سونڈ ٹکرائی تھی۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہاتھی ایک آدمی کو درخت پر مارے اور وہ بچ جائے؟ عنبر کا خنجر ہاتھی کی سونڈ میں گھس گیا۔

ہاتھی کی سونڈ سے خون جاری ہو گیا۔ ہاتھی تلملا اٹھا۔ اس نے خون آلود سونڈ اٹھا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور غصے میں عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر اب پوری طرح ہاتھی کے مقابلے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ وہ قبیلے کے وحشیوں پر اپنی بہادری کا سکہ جمانا چاہتا تھا۔ وہ ان سے اپنا لوہا منوانا چاہتا تھا۔ جوں ہی ہاتھی عنبر کی طرف سونڈ اٹھا کر بڑھا' عنبر نے چھلانگ لگائی، وہ اچھل کر ہاتھی کی گردن پر سوار ہونا چاہتا تھا۔ مگر ایسا نہ کر سکا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

ہاتھی نے دشمن کو زمین پر گرتے دیکھا تو تیزی سے بڑے بڑے پاؤں اٹھاتا' کان لہراتا عنبر کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ عنبر زمین سے اٹھ سکے' ہاتھی نے اپنا اگلا پیر عنبر کے پیٹ پر رکھ کر اپنے پہاڑ ایسے جسم کا پورا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ اب تو سب کو یقین تھا کہ عنبر بچ نہیں سکتا۔

وہ بالکل کچلا جائے گا اور ہاتھی اس کی کچلی ہوئی لاش کو روند ڈالے گا۔ سردارنی نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ اتنی بھیانک لاش دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن سب کے سب حیران رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ہاتھی نے یوں تڑپ کر عنبر کے اوپر سے پاؤں اٹھا لیا جیسے اس نے اپنا پیر آگ میں ڈال دیا تھا۔ ہاتھی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ عنبر نے اٹھ کر ہاتھی کی سونڈ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور خنجر دانتوں میں دبائے ہاتھی کے اوپر چڑھ گیا اور ہاتھی بھی ایک بار گھبرا گیا۔ کہ اس کا دشمن اس کی گردن پر کیسے آ گیا؟

عنبر نے ہاتھی کی گردن پر سوار ہوتے ہی خنجر کا ایک وار کر کے اس کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ ہاتھی تکلیف سے اچھل پڑا۔ اس نے عنبر کو زور سے جھٹک دیا۔ عنبر نیچے گر پڑا۔ ہاتھی ایک آنکھ سے عنبر کو دیکھتا اس کی طرف بڑھا اور گردن نیچی کر کے اپنے دونوں تلواروں ایسے دانت عنبر کے سینے میں گھسیڑنے چاہے عنبر پرے ہٹ گیا۔ ہاتھی اتنی طاقت اور زور سے نیچے جھکا تھا کہ اس کے دونوں نوکیلے دانت زمین میں گڑ گئے۔ ہاتھی کا سر نیچے ہو گیا تھا۔ عنبر بڑی آسانی سے خنجر ہاتھ میں لیے ہاتھی کے سر پر پاؤں رکھ کر گردن پر چڑھ گیا اور اس نے خنجر کا وار کر کے ہاتھی کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ کر رکھ دی۔

ہاتھی نے درد سے تلملا کر زور لگا کر زمین میں سے دانت نکالنے چاہے تو اس کے دونوں دانت ٹوٹ گئے ہاتھی اٹھا ہی تھا کہ عنبر نے نیچے سے خنجر مار کر ہاتھی کا آدھا پیٹ چاک کر دیا۔ ہاتھی کا آدھا پیٹ پھٹ کر انتڑیاں باہر نکل آئیں وہ طیش اور درد سے چنگھاڑا اور اس نے اپنی سونڈ میں عنبر کو پوری طرح لپیٹ کر اس زور سے زمین پر مارا کہ اس کا دھماکہ دور تک سنائی دیا۔ زمین پر سے گرد اڑی۔ گرد دور ہوئی تو

سب نے دیکھا کہ عنبر زمین پر سے صحیح و سالم اٹھ رہا تھا۔

حیرت سے لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

سردارنی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے وزیر کی طرف اور وزیر نے تعجب کی آنکھوں سے سردارنی کی طرف دیکھا جو کچھ وہاں ہو رہا تھا وہ اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وزیر کو تو یہ فکر پڑ گئی کہ اگر عنبر نے ہاتھی کو ہلاک کر دیا تو وہ سردارنی سے شادی کر لے گا اور سردارنی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور حالات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ عنبر ہاتھی کو شکست دینے والا تھا اور ہاتھی گرنے والا تھا۔

سردارنی نے وزیر سے کہا۔

"یہ تو بہت بہادر نوجوان ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ اتنے بڑے ہاتھی کا اکیلا کیسے مقابلہ کر رہا ہے؟ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر لگتا ہے۔"

وزیر کو موقع مل گیا۔ اس نے کہا:

"سردارنی! یہ نوجوان بہادر نہیں ہے بلکہ جادوگر ہے۔ یہ صرف جادو کے زور سے ہاتھی پر قابو پا رہا ہے۔"

سردارنی نے مسکرا کر کہا:

"اگر یہ جادوگر بھی ہے تو اس سے بڑا جادوگر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس جادوگر کو اپنے قبیلے کا سردار بناؤں اور یہ کام میں اس سے شادی کیے بغیر نہیں کر سکتی۔"

وزیر تو اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

لیکن اس کے دل میں عنبر کے خلاف زبردست نفرت پیدا ہو گئی۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اگر عنبر ہاتھی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے سردارنی سے ہرگز شادی نہیں کرنے دے گا۔ وہ شادی سے پہلے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ اس سلسلے میں خواہ اسے کالے جادو کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔

ادھر وزیر یہ سوچ رہا تھا۔ اور ادھر عنبر نے خنجر مار مار کر ہاتھی کا بڑا حال کر دیا تھا۔ ہاتھی کا پیٹ چاک ہو گیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ عنبر نے خنجر مار کر ہاتھی کی سونڈ کاٹ کر اس کے جسم سے الگ کر دی۔ ہاتھی پر لرزہ طاری ہو گیا، وہ کانپا، لرزا، چلایا، لڑکھڑایا اور دھڑام سے ایک چٹان کی طرح زمین پر گر گیا۔

وحشیوں نے نعرے لگاتے ہوئے چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ عنبر کے سامنے ہاتھی پڑا آخری سانس لے رہا تھا۔ وحشیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ اور ماتھا چوم لیا۔

وحشی زخمی ہاتھی پر ٹوٹ پڑے اور خنجروں سے اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھانے لگے۔ سردارنی کا تخت بھی درخت پر سے نیچے اتار دیا گیا۔

سردارنی نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر زرد رنگ کا پھول توڑ کر رکھ دیا۔

”تو سچ مچ ایک بہادر نوجوان ہو تمہیں مبارک ہو کہ میں نے تمہیں اپنے قبیلے کا سردار چن لیا ہے۔ کل ہماری تمہاری شادی ہو جائے گی۔“

عنبر نے کچھ نہ کہا اور چپکے سے اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ وہاں سے سردارنی کے حکم سے عنبر ایک خوب صورت جھونپڑی میں پہنچا دیا گیا۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پھولوں کے ہار تیار ہونے لگے۔ زمین پر سیندور پیس کر بچھایا گیا۔ وزیر نے سوچا کہ آج رات کو عنبر کا کام تمام کر دینا چاہیے۔

اوپر موت' نیچے موت

ادھر عنبر کے بیاہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

اور دوسری طرف شگفتا کے بیاہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ قبیلے کے وحشی سردار نے اعلان کر دیا تھا کہ صبح کو شادی ہوگی اور رات کو قبیلے کے سارے لوگ ایک بہت بڑی دعوت میں ناچ گانا کریں گے۔ ہر کوئی وحشی آدم خور خوش تھا۔ صرف شگفتا ابھی جھونپڑی میں اداس بیٹھی تھی۔ صبح اس کی شادی ہونے والی تھی۔ وہ یہ گناہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی شادی پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے گی۔ چاہے وہ راستے میں ماری جائے۔ مگر وہاں وہ رہ کر گناہ کی زندگی بسر نہیں کرے گی۔ گناہ کی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی مر جائے؛ چنانچہ وہ موقع تلاش کرنے لگی اسے جس جھونپڑی میں بند کیا گیا تھا اس کے باہر ایک عورت پہرہ دے رہی تھی۔ اس عورت کے ہاتھ میں صرف ایک نیزہ پکڑا رہتا تھا چوں کہ وحشی سردار کو معلوم تھا کہ شگفتا بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اس لیے اس نے شگفتا پر زیادہ پہرہ نہیں لگایا تھا۔ شگفتا نے اس کو غنیمت جانا اور موقع سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر کے آدھی رات کو وہ اٹھ کر جھونپڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر میدان میں آگ روشن تھی اور اس کے گرد وحشی ناچ رہے تھے۔ گا رہے تھے۔ ان کے شور سے وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وحشی سردار بھی ان کے ساتھ ناچ

رہا تھا۔ پہریدار عورت باہر بیٹھی پہرہ بھی دے رہی تھی اور وحشیوں کا ناچ بھی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

وہ شگفتا سے بالکل غافل ہو چکی تھی شگفتا نے جھونپڑی کی پچھلی دیوار کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ گھاس پھونس کی بنی ہوئی تھی۔ اس نے زور سے اندر ہاتھ ڈال کر گھاس الگ کر دیا۔ گھاس کا مٹھا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے تھوڑی سی کوشش کے بعد وہاں اتنی جگہ بنا لی کہ جہاں سے وہ باہر نکل سکتی تھی۔ شگفتا بڑی ڈرپوک لڑکی تھی۔ مگر اس وقت اپنی عزت بچانے کے لیے وہ ایک نڈر اور بے خوف شیرنی بن گئی تھی اس نے دیورا کے سوراخ کو اور زیادہ چوڑا کر دیا اور پھر بڑی آسانی سے اس میں نکل کر باہر آ گئی۔

باہر جنگل ہی جنگل تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

ادھر ادھر کئی ایک جھونپڑیاں تھیں۔ مگر وہ سب کی سب خالی تھیں۔

ساری عورتیں اور مرد ناچ گانے میں شریک تھے۔ شگفتا نے ایک لمحے کے لیے بھی وقت ضائع نہ کیا اور جھونپڑے سے باہر نکلتے ہی ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کس طرف کو جا رہی ہے وہ بس بھاگی جا رہی تھی۔ راستے میں اس کے پاؤں جھاڑیوں میں الجھے۔ وہ ایک جگہ گر پڑی۔ پھر اٹھی اور بھاگنے لگی۔ جھاڑیاں گھنی تھیں گئی۔ جھاڑیاں اور گھاس اس کا راستہ روک رہی تھی مگر وہ بھاگتی چلی گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قبیلے کے سارے وحشی آدم خور اس کے پیچھے لگے ہیں۔ اس کا سانس پھول گیا۔ مگر وہ کسی جگہ بھی نہ رکی۔ وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

کافی دور بھاگنے کے بعد وہ ایک ٹیلے کو عبور کر کے دوسری طرف آ گئی ٹیلے کی ڈھلان پر سے اترتے ہوئے وہ گر پڑی۔ اس کے پاؤں میں کانٹے چبھ گئے تھے لیکن اسے درد بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ نجات کی

نہیں ہوگی۔ کوئی بھی شخص اس کی مدد کو نہیں آئے گا اور اس کی ساری زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی اس لیے اسے ہر حالت میں خود ہی ہمت کر کے اپنی زندگی کو گناہ کے جہنم سے بچانا ہے۔ وہ گر کر اٹھی اور اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا بھاگتے بھاگتے وہ تھک کر چور ہو گئی تو ایک جگہ بیٹھ گئی۔

جہاں وہ بیٹھی وہاں سے اسے پانی کے بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔ وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب اس کا سانس درست ہوا تو اس نے دیکھا۔

ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں ایک چھوٹی سی ندی سے پتھروں پر سے اچھلتی ہوئی بہہ رہی تھی۔ شگفتہ نے جھک کر ندی سے تھوڑا سا پانی پیا۔ منہ پر چھینٹے مارے اور اس ڈر سے کہ کہیں وحشی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں نہ پہنچ جائیں۔ اس نے اٹھ کر پھرنا بھاگنا شروع کر دیا مگر

اب اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ پانی پی لینے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں درد سا ہونے لگا۔

وہ تیز بھاگتی تو درد بھی تیز ہو جاتا۔ اس نے قدم بقدم دوڑنا شروع کر دیا۔ پھر بھی اسے دوڑنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ ندی آگے چل کر چوڑی ہو گئی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں اسے ندی میں ایک چھوٹی سی ڈونگا نما کشتی نظر آئی۔ وہ لپک کر کشتی میں سوار ہو گئی اور چپو چلانے لگی۔ ندی میں ایک بڑا سا پتھر آ گیا اور کشتی اس پتھر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ شگفتہ چھلانگ لگا کر باہر آ گئی اور ندی کے پار والے جنگل میں گم ہو گئی۔

شگفتہ جیسی ڈرپوک لڑکی۔ اپنی عزت کی خاطر کس قدر بہادری دکھائی وہ خود حیران تھی۔ پھر مشرق میں چاند نکل آیا۔

اس کی زرد زرد روشنی جنگل میں پھیلنے لگی۔ شگفتہ نے دیکھا کہ جنگل

میں درخت بے حد گھنے تھے، ۔ اس کے پاؤں سوکھے پتوں پر پڑ کر شور پیدا کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے کچھ پرندے درختوں پر سے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔ شکنتلا کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر کو جا رہی ہے۔ بس وہ وحشی سردار اور اسکے ساتھیوں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔

جنگل میں کافی دور آگے نکل کر شکنتلا کو چاند کی پھیکی پھیکی روشنی میں ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا جو ایک درخت کی شاخ پر سے لٹک کر جھول رہا تھا۔ شکنتلا ڈرنے کے بجائے وہاں رک گئی۔ اور پھر درخت کی دوسری طرف سے ہو کر آگے نکل گئی۔ یہاں کوئی بھی جنگلی پگڈنڈی نہیں تھی۔ بس سارا جنگل بڑی گھنی جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا

شکنتلا کے پاؤں درد کرنے لگے تھے۔ اس کے پاؤں میں کانٹے چبھنے سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن وہ ایک بہادر شیرنی کی طرح آگے ہی

آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اچانک اسے اپنے پیچھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ وہ رک گئی۔ اس نے کان لگا کر سنا کہ پیچھے یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں۔ اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس کے پیچھے قبیلے کے وحشی شور مچاتے چلے آ رہے تھے۔ اب وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ اگر اس نے حوصلے سے کام نہ لیا تو ساری زندگی کے لیے برباد ہو کر رہ جائے گی۔ اسے ہمت اور بہادری سے کام لینا ہوگا۔ وقت بہت کم تھا۔ وحشی شور مچاتے، بھاگتے، چیختے چلاتے چلے آ رہے تھے۔ جھونپڑے کی ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ کر وہ ٹھیک اس سمت کو آ رہے تھے۔ جس سمت کو شکنتلا بھاگی تھی۔

شکنتلا نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

اس کے سر پر ایک گھنا درخت اپنی شاخیں پھیلائے رات کی خاموشی میں چپ چاپ کھڑا تھا۔ شکنتلا نے آنکھیں بند کر کے خدا سے دعا کی

اور پھر اس نے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

خدا جانے اس میں اتنی طاقت' اتنا حوصلہ اور اتنی بہادری کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ ایک ماہر شکاری کی طرح دیکھتے دیکھتے درخت کے اوپر چڑھ گئی۔ اس نے کافی بلندی پر جا کر اپنے آپ کو گھنی شاخوں میں چھپا لیا۔ اب آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے پتوں میں سے نیچے جھانکنے لگی۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں ہر شے دیکھ رہی تھیں۔

اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔ چاندنی نے درختوں کے گھنے سائے میں بھی ہلکی ہلکی روشنی کر رکھی تھی۔

وحشیوں کا شور آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ شگفتہ کا ہاتھ ایک شاخ پر پڑ گیا۔ اس شاخ پر بیٹھا پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گیا۔ اگر یہ پرندہ اس وقت پھڑ پھڑا کر اڑتا جب وحشی درخت کے نیچے ہوتے تو شگفتہ کا بچنا محال تھا۔ وحشی ضرور اوپر دیکھتے۔ انہیں شک پڑ جاتا کہ شگفتہ درخت میں چھپی بیٹھی ہے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت شگفتہ کو وحشیوں کے پنجے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مگر خدا نے شگفتہ کو بچا لیا تھا۔ صرف اس لیے کہ اس نے ہمت اور بہادری سے کام لیا تھا۔

وحشی اس درخت کے پاس پہنچ گئے تھے۔ وہ درخت کے نیچے پہنچ کر رک گئے۔ قبیلے کا موٹا خونخوار سردار ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ شگفتہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وحشی سردار نے ادھر ادھر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا:

"اسے اسی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ زیادہ دور نہیں بھاگ سکتی۔ پھر اسے جنگل کا پتہ بھی نہیں ہے۔"

سردار نے اوپر سر اٹھا کر کہا۔

"ان درختوں پر چڑھ کر دیکھو۔ وہ ضرور ان درختوں میں ہی کسی جگہ بیٹھی ہوگی۔"

یہ سن کر شگفتہ کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کی آنکھوں سے خوف کے مارے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ جوڑ کر خدا سے دعا کی کہ اے مالک دو جہاں! اے شریف لڑکیوں کی عزت کے رکھوالے! ہماری بھی سن ------ میری مدد کر ------ میری عزت کو بچا لے۔ اب شگفتہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وحشی درختوں پر چڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ ایک وحشی شگفتہ کے درخت پر بھی چڑھ رہا تھا۔ شگفتہ کا سانس خشک ہو گیا تھا۔ اس کا بدن تھرتھر کانپ رہا تھا۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وحشی ابھی اوپر آنے گا۔ پتوں میں چھپی ہوئی شگفتہ کو دیکھ کر وہ خوشی سے ایک چیخ مارے گا اور پھر سارے وحشی اس درخت پر ٹوٹ پڑیں گے اور شگفتہ کو رسیوں میں جکڑ کر لے جائیں گے۔ وحشی اب شگفتہ کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ بس صرف ایک پتوں والی شاخ ہٹانے کی دیر تھی کہ شگفتہ اسے نظر آ جاتی۔

خدا نے شگفتہ کی فریاد سن لی تھی۔

شگفتہ کے سر کے اوپر سرسراہٹ سی ہوئی شگفتہ نے اوپر نظر اٹھائی۔ اب اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ ایک سرخ آنکھوں والا موٹا سانپ رینگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ شگفتہ کا سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ نیچے موت تھی اوپر موت تھی۔ نیچے وحشی اسے پکڑنے آ رہا تھا۔ اوپر سے سانپ اسے ڈسنے چلا آ رہا تھا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سانپ بڑی خاموشی سے شگفتہ کے قریب والی ٹہنی سے ہو کر نیچے کی طرف اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد شگفتہ نے اوپر نیچے چڑھتے ہوئے وحشی کی چیخ کی آواز سنی اور وہ دھڑام سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ سانپ نے وحشی کو ڈس لیا تھا۔

خدا جانے سانپ کہاں گم ہو گیا۔ وہ اوپر نہیں آیا۔ وحشی کے نیچے

گرتے ہی سارے اور سردار اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وحشی کے جسم میں سانپ کا زہر داخل ہو کر تیزی سے اپنا کام کر رہا تھا۔

سردار نے چیخ کر کہا:

''درخت سے پرے ہٹ جاؤ یہاں شیش ناگ ہے۔ اس کو شیش ناگ نے کاٹا ہے۔ اس کا سارا بدن پانی بن کر بہہ رہا ہے۔ یہاں سے بھاگو۔ شیش ناگ ہمیں بھی کاٹ لے گا۔''

سارے وحشی سردار کے پیچھے مڑتے ہوئے وحشی کو اسی جگہ چھوڑ کر بھاگ جہاں ایک پل پہلے خطرناک قسم کے آدم خور شکنتلا کی جان کے دشمن بنے جمع تھے۔ وہاں اب سناٹا چھایا ہوا تھا اور زمین پر ایک وحشی کی لاش پڑی تھی جو نیلی ہو کر پانی بن رہی تھی۔

شکنتلا اس انقلاب پر دنگ رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ باندھ کر اور آنکھیں بند کر کے خدا کا شکریہ ادا کیا۔

انسان بہت جلد گھبرا جاتا ہے۔ مگر جب وہ صبر کرتا ہے اور خدا سے سچے دل سے دعا کرتا ہے تو خدا اس کی غیب سے مدد کرتا ہے۔ وہ ایسا سبب بنا دیتا ہے کہ حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔ اسے امید بھی نہیں ہوتی مگر اس کی جان بچ جاتی ہے۔ اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

جس سانپ کو دیکھ کر شکنتلا سہم گئی تھی۔ اس نے شکنتلا کے دشمن کو آگے بڑھ کر ہلاک کر ڈالا تھا۔ اور خود نہ جانے کہاں جا کر گم ہو گیا تھا۔ دشمن بھی مر گیا تھا۔ اور سانپ بھی غائب ہو گیا تھا۔

نیچے میدان صاف تھا۔ وحشی واپس بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے جنگل میں کسی دوسری طرف کو شکنتلا کی تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر بھی وہ درخت اترتے ہوئے گھبراتی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں آس پاس کوئی جنگلی چھپا ہوا نہ ہو۔

چاند اب درختوں کے اوپر آ کر چمک رہا تھا اور اس کی روشنی کھلی

شاخوں میں سے چھن چھن کر نیچے آ رہی تھی۔ جنگل میں پچھلے پہر کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ اس ہوا میں دلدلوں اور تالاب میں ڈوبے ہوئے سرکنڈوں کی بو تھی۔ شگفتہ نے سوچا کہ اس وقت اس کی تلاش میں وہ دوبارہ یہاں آئیں گے۔ اور وہ پکڑی جائے گی۔ وہ درخت سے نیچے اتر آئی۔ سوکھے پتوں پر وحشی کی لاش بری حالت میں پڑی تھی شگفتہ اس پر ایک نظر ڈال کر وہاں سے بھاگ اٹھی۔

وہ اب جنوب کی طرف جا رہی تھی جدھر وحشی نہیں گئے تھے۔ چاندنی میں جنگل کے راستے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ شگفتہ کو اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے خدا اس کے ساتھ ہے۔ خدا نے اس کی دعا سن لی تھی اور اسے دشمن سے بچا لیا تھا۔ آگے ایک ندی آ گئی۔ شگفتہ ندی میں سے گزر کر جنگل کے دوسرے حصے میں آ گئی۔ یہاں املی اور سال سے گزر کر

جنگل کے دوسرے حصے میں آ گئی۔ یہاں املی کے گھنے درختوں پر شبنم ٹپک رہی تھی درخت اتنے گھنے تھے کہ چاندنی بڑی مشکل سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ شگفتہ کو ڈر سا لگا لیکن پیچھے موت اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

اس نے خدا کا نام لیا اور جنگل کے اندھیرے میں داخل ہو گئی۔ اتنی دیر جنگلوں میں رہتے رہتے اسے وہاں کی ہر قسم کی بو سے واقفیت ہو گئی تھی۔ اس گھنے جنگل میں آتے ہی اس نے شیر کی خاص قسم کی بو محسوس کی وہ ایک پل کے لیے رک گئی۔ بو ان درختوں کی طرف سے آ رہی تھی جن کا سلسلہ دور پچھلی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ رک کر سوچنے لگی کہ اسے باقی رات کسی درخت پر چڑھ کر گزارنی چاہیے تا کہ شیر کا خطرہ ٹل جائے۔ مگر اب رات بہت تھوڑی رہ گئی تھی پو پھٹنے والی تھی تھوڑی سی دیر کے لیے وہ کیا درخت پر چڑھنے اور پھر اترے۔

اب وہ کچھ کچھ بہادر ہو گئی تھی اور وہ آگے بڑھتی جائے گی۔

یہ فیصلہ کر کے شگفتا دوسری طرف سے ہو کر جنگل میں آگے بڑھنے لگی یہاں اسے قہوے کی گھنی جھاڑیاں ملیں جن کی اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا یہ جھاڑیاں چاروں طرف اپنی شاخیں گرا گرا کر اندر ایک چھوٹا سا غار بنا لیتی ہیں۔

جنگلی جانور عام طور پر اس قسم کی غار میں چھپے رہتے ہیں۔ شیر اکثر راتوں کو انہی جھاڑیوں میں چھپ کر شکار کرتا ہے۔ شگفتا ان جھاڑیوں سے بچ بچ کر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر یہ جھاڑیاں قدم قدم پر تھیں اور شگفتا کو یہ ڈر تھا کہ کسی جھاڑی میں سے کوئی جنگلی درندہ نکل کر اس پر حملہ نہ کر دے۔

شیر کی خاص بو اب نہیں آ رہی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا شگفتا کی مخالف سمت کو چل رہی تھی یعنی ہوا

جنگل میں شگفتا کے پیچھے سے آگے کو چل رہی تھی اور شیر شگفتا کے آگے ایک جگہ موجود تھا۔ شگفتا اس شیر کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ اگر اسے ہوا میں شیر کی بو آ جاتی تو وہ کبھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کرتی اور اس قدر قریب ہو پا کر ضرور کسی درخت پر چڑھ جاتی۔ مگر مخالف سمت کی ہوا نے اسے دھوکے میں رکھا۔

اس نے اب بھاگنا بند کر دیا تھا۔ وہ بھاگ نہیں رہی تھی بلکہ تیز تیز قدموں سے چل رہی تھی چلتے چلتے اسے اپنے راج کنور اور کمسن بچے کا خیال آ کہ وہ شاہی محل میں آرام سے سو رہا گا۔۔۔

اسے کیا خبر کہ اس کی بیوی' اس کی مہارانی اس وقت اسی کے ملک کے ایک جنگل میں در بدر بھٹک رہی ہے۔ اور دشمن اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

پھر اسے عنبر کا خیال آ گیا کہ وہ بے چارہ اس کے لیے کس قدر پریشان

ہو رہا ہوگا۔ خدا جانے وہ جنگل میں کس جگہ اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوگا خدا جانے وہ خود کہاں ہوگا؟ کس عالم میں ہوگا؟ ظاہر ہے وہ شگفتہ کے بغیر آگے نہیں گیا ہوگا۔ وہ اسے چشمے پر غائب پا کر بہت حیران اور پریشان ہوا ہوگا۔ پھر اس نے شگفتہ کی تلاش شروع کردی ہوگی اور نہ جانے اس وقت کہاں کہاں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔ شگفتہ اپنے عنبر بھائی کے کردار کی عظمت سے بہت متاثر تھی۔ اس نے شگفتہ کو بہن بنا کر پورے بھائی کا حق ادا کر دیا تھا۔ وہ اپنی بہن ماریا اور ناگ کو بھول کر شگفتہ کی مدد کر رہا تھا۔ اس نے شگفتہ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا کر دم لے گا اور وہ اس وعدے پر ایک مکمل بہادر اور شریف انسان کی طرح عمل کر رہا تھا۔

شگفتہ کے پاؤں من من کے بھاری ہوگئے۔ اس کا بدن ٹھنڈا برف ہو

گیا۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ہلکی ہلکی صبح کی روشنی چاندنی میں شامل ہوکر جنگل کے درختوں میں پھیل رہی تھی۔ شگفتہ نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر سامنے مہوے کی جھاڑیوں کے باہر زرد دھاریوں اور بہت بڑے سر والا ایک شیر بیٹھا اس کی طرف اپنی سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

خنجر مار دو

شگفتہ پتھر کا بت بنی شیر کو دیکھ رہی تھی۔

جب سے وہ وحشی جنگلیوں کی قید سے بھاگی تھی یہ پہلی بار تھی کہ وہ ڈر محسوس کر رہی تھی۔ شیر اپنی جگہ پر جم کر بیٹھا تھا۔ وہ شگفتہ کی طرف گھور رہا تھا اور ہولے ہولے غرا رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ تم اس طرف کیوں آ گئی ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا۔ کہ ادھر جنگل کا بادشاہ بیٹھا آرام کر رہا ہے۔ شگفتہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔

درختوں پر پرندے اڑ چکے تھے۔ درختوں کے پیچھے سے سورج کی روشنی پھیلنے لگی تھی شگفتہ نے صبح کی پہلی روشنی میں دیکھا کہ شیر بہت بڑا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ اور پیلی دھاریاں تھیں۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور غراتے ہوئے اس کے لمبے دانتوں والے جبڑے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

شگفتہ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

کمزوری اور خوف کے مارے اس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں اور وہ زمین پر بیہوش ہو کر گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی شیر گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ جنگل کے سارے جانور اور درندے انسان سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی طاقت دی ہے کہ اس کی شکل دیکھ کر ہی درندے کو دیکھ کر خود گھبرا جائے تو جانور کا دل بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ خود انسان پر حملہ کر دیتا ہے۔ مگر جنگل کا شیر جب تک آدم خور نہ بن جائے وہ کبھی کسی انسان پر حملہ نہیں کرتا۔ جنگل میں وہ انسان کو دیکھ کر خود ہی کترا کر نکل

جاتا ہے۔ اگر انسان شیر کے علاقے میں نکل آئے تو شیر غرا کر اسے کہتا ہے کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ عقل مند انسان شیر کی غراہٹ سن کر چپکے سے راستہ بدل کر دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ شیر نے جب شگفتہ کو دیکھا تھا تو وہ اس لیے غرایا تھا کہ شگفتہ ادھر کیوں آ گئی ہے۔ وہ وہاں سے چلی جائے۔ لیکن بے چاری شگفتہ کو اس کی کیا خبر تھی۔ وہ گھبرا گئی اور خوف کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

شیر بڑی شاہانہ چال سے چلتا ہوا بے ہوش شگفتہ کے پاس آیا۔ اس نے اپنا بھاری بھرکم سر جھکا کر غور سے شگفتہ کو دیکھا۔ شگفتہ بے ہوش تھی۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی تو شیر کا سر اپنی آنکھوں اور چہرے کے اس قدر قریب دیکھ کر ضرور مر جاتی۔ کیونکہ اس کا ڈر اور خوف بیدار ہو چکا تھا۔ خوف اس قدر بری چیز ہے کہ انسان خوف میں اپنا نقصان کر ڈالتا ہے۔ انسان کو مصیبت کے وقت کبھی خوف نہیں کھانا چاہیے۔

خوف کھانے سے انسان بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے اور پھر اس میں اتنی ہمت نہیں رہتی کہ وہ مصیبت کا مقابلہ کر سکے۔ بعض لوگ شیر یا ہاتھی کو سامنے دیکھ کر ہی خوف سے مر جاتے ہیں؛ حالاں کہ اگر وہ ایک بہادر آدمی کی طرح مقابلہ کرتے تو شیر یا ہاتھی کو بھگا دیتے۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ کبھی کسی چیز کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو۔ اس سے ڈرنے کی بجائے بہادری سے مقابلہ کرے۔ بہادر آدمی کے سامنے دنیا کی کوئی بھی مصیبت نہیں ٹھہر سکتی۔ انسان کی بہادری سے مقابلہ کرتے دیکھ کر بڑے بڑے شیر، ہاتھی اور جن بھوت بھاگ جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی طاقت اور عقل انسان کو دی ہے اتنی کسی جانور کو نہیں دی۔ شگفتہ اگر بہادری اور جی داری سے کام لیتے ہوئے وہاں سے دوسری طرف چلی جاتی تو شیر اسے کچھ بھی نہ کہتا۔ شیر اب بھی اسے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

شیر نے شگفتہ کے چہرے کو سونگھا اور منہ اوپر اٹھا کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور چپکے سے قدم قدم چلتا جنگل میں ایک طرف چلا گیا۔ دن نکل آیا تھا۔ دھوپ درختوں میں سے چھن کر آ رہی تھی۔

شگفتہ ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ شیر کے وہاں سے چلے جانے کے بعد پرندے بھی درختوں پر واپس آ گئے اور انہوں نے شاخوں میں چہچہانا شروع کر دیا۔

ان کے شور سے شگفتہ کو ہوش آ گیا۔

پہلی بار تو اسے خیال آیا کہ وہ مر چکی ہے۔ شیر نے اسے کھا لیا تھا اور وہ جنت کے باغ میں آ گئی ہے۔ جہاں خوبصورت پرندے درختوں پر گیت گا رہے ہیں۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ وہ اسی جنگل میں لیٹی ہے جہاں اس نے شیر کو دیکھا تھا تو وہ سمجھ گئی کہ ابھی وہ زندہ ہے۔

اب وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شیر وہاں بیٹھا ہے یا نہیں؟ اس نے چپکے چپکے سر اٹھا کر دیکھا۔ شیر وہاں سے جا چکا تھا۔

شگفتہ کی جان میں جان آئی۔

وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چاروں طرف جنگل میں کوئی شیر نہیں تھا۔ شگفتہ نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ وہ شیر کے حملے سے زندہ بچ گئی۔ شیر نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ حملہ کر دیتا تو اس وقت شگفتہ کی ہڈیاں وہاں پڑی ہوتیں۔

وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور جنگل میں ایک طرف کو چلنے لگی۔ وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں شیر دوبارہ وہاں سے نکل کر نہ آ جائے۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

دن کا اجالا پھیل جانے کی وجہ سے جنگل میں ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ یہاں شگفتہ نے تالاب دیکھے جن کی سطح پر کائی جمی ہوئی تھی اور

کناروں پر گلابی رنگ کے کنول کھلے ہوئے ایک سانپ شگفتا کے پاؤں کے قریب سے ہوکر تیزی سے گزر گیا۔ شگفتا تڑپ کر پرے ہٹ گئی۔ اگر وہ پھرتی نہ کرتی تو ہوسکتا تھا کہ سانپ اسے کاٹ کھاتا۔

اب ہم شگفتا کو اسی جنگل میں چھوڑتے ہیں اور ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حالت میں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ عنبر نے جنگل کے ہاتھی کو ہلاک کر دیا تھا اور قبیلے کی سردارنی نے اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور قبیلے کا سردار بن جائے اور پھر ان لوگوں کی مدد سے شگفتا کو جنگل میں تلاش کروائے اور اس کے بعد اسے ساتھ لے کر یہاں سے فرار ہو جائے۔ لیکن قبیلے کا وزیر کا دشمن بن گیا تھا۔ اس نے رات کو عنبر کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود سردارنی سے بیاہ رچانا چاہتا تھا۔ اس بے وقوف کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر نہیں مر سکتا۔

عنبر سردارنی کی طرف سے دی گئی ایک خاص جھونپڑی میں بڑے خوبصورت تخت پر لیٹا شگفتا، ماریا اور ناگ کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی زندگی بھی کیا زندگی ہے کہ ہر روز ایک نئی مصیبت، ایک نئی مشکل سامنے آن کھڑی ہوتی تھی اور وہ اس کا مقابلہ شروع کر دیتا ہے۔ ویسے عنبر کو مشکلات کا مقابلہ کرنے میں مزا آتا تھا لیکن شگفتا کے گم ہو جانے سے وہ بہت پریشان تھا۔ کم از کم اسے اتنی تو خبر ہوتی کہ شگفتا فلاں جگہ پر ہے۔ اسے تو شگفتا کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ پہلو بدل رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

جھونپڑی میں ایک ہرن کی چربی کا چراغ جل رہا تھا۔

ٹھیک اس وقت وزیر کا بھیجا ہوا ایک خاص آدمی خنجر ہاتھ میں لیے جھونپڑی کے باہر پہنچ کر اندر دیکھا۔ عنبر جاگ رہا تھا۔

وحشی اس کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔

عنبر اس گھناؤنی سازش سے بے خبر تھا کچھ دیر وہ شگفتاؔ اور ماریا وغیرہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے لیٹا رہا۔

باہر کھڑے ہوئے وحشی نے جب دیکھا عنبر سو گیا ہے تو وہ چپکے سے خنجر ہاتھ میں لیے جھونپڑی کے اندر آ گیا۔ جھونپڑی کے دروازے کے باہر جو پہرے دار تھا وہ بھی سو رہا تھا۔ وحشی جھونپڑی میں داخل ہو کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ عنبر جاگ تو نہیں رہا اصل میں عنبر کی اس وقت سچ مچ آنکھ لگ گئی تھی اور وہ سو گیا تھا۔ وحشی دبے پاؤں عنبر کے تخت کی طرف بڑھا۔

عنبر بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔

وحشی نے عنبر کے چہرے پر جھک کر دیکھا وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا

تھا۔ وحشی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں شکار اس کے جال میں آ گیا تھا۔ وزیر نے اس شخص کو بکریاں دینے کا لالچ دے کر عنبر کے قتل پر راضی کیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ عنبر کو مار کر وہ سات بکریاں حاصل کر سکے گا اور بڑے مزے سے روز اس کا دودھ پیا کرے گا۔ وحشی نے پوری طاقت سے خنجر والا ہاتھ اٹھایا اور پوری طاقت سے خنجر کے دل میں گھونپ دیا۔ عنبر کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا ہے کہ ایک وحشی اس پر جھکا مسکرا رہا ہے اور خنجر اس کے سینے میں گھسا ہوا ہے عنبر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وحشی جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کے سینے میں خنجر لگے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جائے؟ وحشی کے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی جسے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ عنبر کے جسم سے کوئی خون نہیں نکل رہا تھا۔ اس کے جسم پر کوئی زخم بھی نہیں آیا تھا۔ عنبر

نے اپنے سینے میں سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور وحشی کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

عنبر نے خنجر اس کے منہ پر لہرا کر کہا:

"بول تو یہاں کس کے حکم سے آیا ہے؟"

وحشی کو اچھی معلوم تھا کہ اگر اس نے وزیر کا نام لے لیا تو وہ اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہنے لگا۔

"ابھی بتاتا ہوں پہلے مجھے پانی پلاؤ۔"

عنبر پانی لینے کے لیے دوسری طرف ہٹا ہی تھا کہ وحشی نے ایک چھلانگ لگائی اور جھونپڑی سے نکل کر جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

عنبر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بہرحال وہ اس کی شکل پہچان سکتا تھا۔ اس

نے سوچا کہ صبح اٹھ کر وہ سردارنی سے بات کرے گا۔ اور وحشی کو پہچان کر سزا دلوائے گا۔ عنبر تخت پر دوبارہ لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

وحشی رات کے اندھیرے میں دوڑتا ہوا سیدھا وزیر کے جھونپڑے میں پہنچا۔ وزیر پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وحشی اندر داخل ہوا تو وزیر نے جھونپڑی کا دروازہ بند کر لیا اور اس سے پوچھا:

"کیا تو نے میرے دشمن کو قتل کر دیا؟"

وحشی نے سر ہلا کر کہا:

"نہیں میرے آقا۔"

وزیر نے گرج کر پوچھا:

"کیوں؟"

وحشی بولا:

"وہ انسان نہیں کوئی دیوتا ہے آقا۔"

"کیا مطلب؟" وزیر نے پوچھا۔

وحشی کہنے لگا:

"مطلب یہ میرے آقا کہ میں نے پوری طاقت سے خنجر اس کے سینے میں عین دل میں اتارا تھا۔ مگر وہ پھر بھی زندہ رہا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس کے جسم سے کوئی خون بہا اور نہ اس کے سینے پر کوئی زخم لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے خنجر اپنے سینے سے کھینچ لیا۔ اور پھر مجھے پکڑ لیا۔"

وزیر نے فکر ہو کر کہا:

"تم نے اسے کچھ بتایا تو نہیں؟"

وحشی بولا:

"میں وہاں موقع پا کر بھاگ آیا ہوں۔ مگر اس نے میری شکل اچھی طرح دیکھ لی ہے۔ اب وہ صبح سردارنی کو سب کچھ بتا دے گا آقا اور سردارنی مجھے شیر کے آگے ڈال دے گی۔ مجھے بچائیے۔ میری زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

تم ابھی اس وقت یہاں سے بھاگ جاؤ اور دریا پار دوسرے قبیلے میں پہنچ جاؤ۔ وہاں میرا بھائی رہتا ہے۔ تم اسے جانتے ہو۔ وہ تمہیں بھی جانتا ہے۔ اسے سب کچھ بتا دینا۔ میں اس کی مدد سے اس قبیلے پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے بھائی سے کہنا کہ ابھی وہ کچھ دیر انتظار کرے چلو' جلدی بھاگ جاؤ' ابھی رات باقی ہے۔ نہیں تو صبح ہو جائے گی اور پھر تمہارا بچانا میرے لیے مشکل ہو جائے گا۔"

وحشی اٹھ کر جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

وزیر دیر تک جھونپڑی میں ٹہلتا رہا اور وہ بچ جائے؟ کہیں یہ عنبر سچ مچ جادوگر تو نہیں ہے؟ ضرور وہ جادوگر ہے۔ ورنہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

اس نے جادو کے زور سے اپنی جان بچائی ہے۔ پھر اسے کس طرح ہلاک کیا جائے؟ کیا اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ سردارنی سے شادی کر لے؟ اب تو پانی سر سے گزر گیا ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

صبح ہو گئی۔ شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو چکی تھیں۔

دن نکلتے ہی عنبر نے سب سے پہلی بات سردارنی کو یہ بتائی کہ رات اس کے قبیلے کے ایک آدمی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ سردارنی غصے میں آ گئی!

"کون ہے وہ بد بخت جس نے تم پر حملہ کرنے کی جرات کی؟ کیا تم اسے پہچان لو گے؟"

"ہاں میں اسے پہچان لوں گا۔"

سردارنی نے قبیلے کے سارے آدمیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا۔ عنبر ایک ایک وحشی کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ ساری قطار کے آگے سے گزر گیا۔ لیکن جس آدمی نے اس پر حملہ کیا تھا وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

سردارنی نے پوچھا:

"کیا قاتل نہیں ملا؟"

عنبر نے کہا:

"سردارنی میرا قاتل ان لوگوں میں نہیں ہے۔ وہ ضرور یہاں سے فرار ہو چکا ہے۔"

سردارنی نے کہا:

"ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ کون آدمی غائب ہوا ہے۔"

سردارنی نے جب پتہ کرایا وحشیوں کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ ایک وحشی کم ہے۔ وہ قبیلے کو چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ سردارنی غصے سے پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ بڑی حیران تھی کہ عنبر پر حملہ اس شخص نے کس لیے کیا؟

اسے کیا ضرورت تھی کہ سردارنی کے ہونے والے دولہا کو وہ ہلاک کرے؟

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے اس کام کے لیے بھیجا تھا۔"

سردارنی نے تڑپ کر پوچھا:

"کون ہو سکتا ہے میرا دشمن؟ اس کا نام لو۔ میں ابھی اس کا خون پی جاؤں گی۔"

عنبر کو وزیر کو پہلے ہی شک تھا۔ لیکن اس نے اس کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا۔

اس نے سردارنی سے کہا:

"میں کسی کا بھی نام نہیں لے سکتا سردارنی۔"

سردارنی نے کہا:

"بہر حال میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

اس نے چند ایک وحشیوں کو حکم دیا کہ جنگل جنگل گھوم کر قاتل کو تلاش کیا جائے اور اس کا سر کاٹ کر اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

اس کام سے فارغ ہو کر سردارنی نے عنبر سے کہا:

"آج ہماری تمہاری شادی ہو جائے گی۔ تم اس قبیلے کے سردار بن جاؤ گے پھر تمہیں ہمارے قبیلے میں ہی رہنا اور مرنا ہوگا۔۔۔۔"

عنبر کو چونکہ شگفتہ کو تلاش کرنے کی غرض تھی اور وہ اسی لیے قبیلے کا سردار بننا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سردارنی سے کہا:

"یہ میری خوش قسمتی ہے سردارنی کہ تم مجھے قبیلے کا سردار چن رہی ہو۔ پھر بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ یہاں سے بھاگوں؟ ایسی اچھی زندگی مجھے اور کہاں ملے گی؟ اور پھر میرا اس دنیا میں کون ہے جس کے پاس بھاگ کر میں جاؤں گا۔"

سردارنی نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اچھا اب ایک بات بتاؤ گے؟"

"کیا"؟

سردارنی غور سے گھورتے ہوئے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس کالا جادو ہے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اسکا جواب میں وقت آنے پر دوں گا سردارنی۔"

سردارنی خاموش ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ وہ پھر کبھی اس سے یہ بات پوچھ لے گی۔ اب تو عنبر نے ساری زندگی اسی قبیلے میں بسر کرنی ہے پھر کسی وقت سہی۔۔۔ اسی روز عنبر کی سردارنی سے شادی ہوگئی اور وہ اس قبیلے کا سردار بن گیا۔

وزیر غصے سے تلملا ہی رہ گیا۔

شیر آیا تھا

اب ذرا شگنتلا کی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہے؟

ہم اسے جنگل میں چھوڑ آئے تھے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ درختوں کے اوپر دھوپ تھی۔ درختوں کے نیچے بہت کم دھوپ پہنچ رہی تھی۔ اس لیے کہ درختوں کی شاخیں بہت گھنی تھیں۔ شگنتلا بے چاری آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ نہ اسے راستے سے واقفیت تھی نہ اسے یہ خبر تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ بس وحشیوں ڈر سے چلی جا رہی تھی۔

یہ جنگل ہر قسم کے جنگلی درندوں سے بھرا ہوا تھا۔ ابھی وہ شیر کی مصیبت

سے بچی تھی کہ اب اسے جنگل میں سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی؟ دوسری بار ہاتھی چنگھاڑا تو بالکل قریب سے آواز آئی سوائے درخت پر چڑھ کر جان بچانے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے ایک درخت کو دیکھا جس کی ٹہنیاں بہت جھکی ہوئی تھیں لپک کر اس درخت پر چڑھ گئی۔ اور پتوں میں اپنے آپ کو چھپالیا۔ اب وہ ہاتھی کی راہ دیکھنے لگی کہ کم بخت وہاں سے گزر جائے تو وہ اتر کر آگے چلے۔ ہاتھی شاید کسی جگہ گھاس کھانے کے لیے رک گیا تھا۔ جنگل میں سوائے پرندوں کے چہچہانے کے اور کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا اور پھر وہ درختوں میں سے نکل کر سامنے آ گیا۔ شگفتہ نے اسے شاخوں میں سے دیکھا تو اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔

کم بخت بڑا اونچا لمبا ہاتھی تھا۔ دھپ دھپ زمین پر پاؤں مارتا چلا آ رہا تھا۔ اب جو شگفتہ نے دیکھا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس ہاتھی کے پیچھے ایک اور ہاتھی چلا آ رہا تھا۔ جو شاید ہتھنی تھی۔ دونوں اس درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے جس کے اوپر شگفتہ نے پناہ لے رکھی تھی ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر درختوں پر سے ٹہنیاں توڑ توڑ کر کھانی شروع کر دیں۔ شگفتہ ڈرنے لگی کہ اگر ہاتھی نے اس کے درخت کی شاخیں توڑنا شروع کر دیں تو وہ اسے نظر آ جائے گی اور ہاتھی تو پھر اسے کبھی نہیں چھوڑتے گا۔ وہ دل میں خدا سے دعا کرنے لگی کہ وہ اسے اس مصیبت سے بچائے۔

ہاتھی درختوں کے پتے توڑ رہا تھا۔ ہتھنی چپ چاپ کھڑی اپنی سونڈ ہلا رہی تھی اچانک اس نے سونڈ اوپر اٹھا کر فضا میں کچھ بو سونگھی اور پھر ایک خاص انداز میں چنگھاڑی ہاتھی بھی چوکنا ہو گیا۔ اس نے سونڈ میں جو ٹہنی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ نیچے پھینک دی اور رخ موڑ کر اس

طرف دیکھنے لگا جدھر اس کی ہتھنی دیکھ رہی تھی۔ شگفتہ بھی خبردار ہو گئی اس نے سوچا کہ ضرور کوئی عجیب و غریب بات ہونے والی ہے۔

اتنے میں جنگل میں ریچھ کی آواز سنائی دی اس آواز میں وحشی پن تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ریچھ پاگل ہو کر ادھر نکل آیا ہے۔ تھوڑی دیر وہاں گہری خاموشی رہی۔ دونوں ہاتھی اور ہتھنی چپ چاپ جدھر سے ریچھ کی آواز آئی تھی ادھر تکتے رہے۔ شگفتہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک بھورے رنگ کا ایک بڑا کٹا پلا ہوا ریچھ اپنی گردن مارتا جھاڑیوں میں سے نکلا اور ہاتھی اور ہتھنی کو سامنے دیکھ کر اسی جگہ ٹھٹھک گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہاتھی سے اتنی جلدی سامنا ہو جائے گا۔ پھر اسے یہ بھی امید نہیں تھی کہ ساتھ ہتھنی سے بھی مقابلہ کرنا ہو گا۔ لیکن ریچھ نے لڑنے مرنے کا کسی بات پر ڈٹ جائے تو پھر اس کی لاش ہی پیچھے ہٹائی جا سکتی ہے۔ ریچھ کو کوئی پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔

چنانچہ یہ ریچھ بھی دو ہاتھی دیکھنے کے باوجود ڈٹ گیا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ دیکھیں پہلے حملہ کون کرتا ہے۔ شگفتہ درخت کی شاخوں میں دبکی بیٹھی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ہتھنی پیچھے ہٹ گئی اور ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور ریچھ کی طرف بڑھا۔ ہاتھی یہ چاہتا تھا کہ ریچھ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر پاؤں اوپر رکھ کر چیر ڈالے اور ریچھ اس فکر میں تھا کہ موقع ملتے ہی اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے ہاتھی کا پیٹ ادھیڑ ڈالے یا اس کی سونڈ کو کاٹ کر رکھ دے۔

ہاتھی پہل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سونڈ کو گھما کر ہزاروں من طاقت کا مکا ریچھ کی کمر پر مارا۔ مگر چالاک ریچھ پھرتی سے ہاتھی کے نیچے آ گیا ہاتھی دوسری بار حملے کے لیے آگے بڑھا تو ریچھ چکر دے کر ہاتھی کے نیچے آ گیا۔ نیچے آتے ہی اس نے بڑی

پھرتی سے ہاتھی کے پیٹ میں اپنے لمبے لمبے ناخن مارنے شروع کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھی کا سارا پیٹ پھٹ گیا اور ساری انتڑیاں وغیرہ نکل کر باہر زمین پر ڈھیر ہو گئیں ہاتھی نے زور کی چیخ ماری ہتھنی کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ لیکن شاید ہتھنی اس کے مرنے کا انتظار کر رہی تھی۔

ہتھنی پیچھے ہٹ گئی۔ ہاتھی نے ریچھ کو اپنی سونڈ میں پکڑنا چاہا مگر خون بہہ جانے اور پیٹ پھٹ جانے سے وہ بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑایا۔ ریچھ نے پیچھے سے آ کر ہاتھی کی سونڈ پر اس زور سے پنجہ مارا کہ وہ کٹ کر دور جا گری۔ اب ہاتھی بے بس ہو چکا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ ریچھ نے حملہ کر کے ہاتھی کی دونوں آنکھیں اور منہ چیر ڈالا ہاتھی کی دردناک چیخ سے جنگل گونج اٹھا۔ اب ہتھنی سے نہ رہا گیا۔

اس نے سونڈ اوپر اٹھا کر ایک وحشیانہ چیخ ماری اور پہاڑ کی طرح

آگے بڑھ کر ریچھ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا۔ ریچھ کو بھی امید نہیں تھی کہ ہتھنی ایک دم سے اس پر حملہ کر دے گی۔ وہ بڑے مزے سے ہاتھی کا چہرہ نوچ رہا تھا کہ ہتھنی نے پیچھے سے آ کر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہتھنی نے ریچھ کو سونڈ میں لپیٹے لپیٹے اوپر اٹھا لیا۔ ریچھ نے اس کی سونڈ پر بھی ناخنوں کے بلیڈ چلانے شروع کر دیے۔ ہتھنی کی سونڈ سے خون کی دھاریں جاری ہو گئیں۔ ہتھنی نے ریچھ کو چھوڑ دیا۔ ریچھ نیچے گرتے ہی جنگل کی طرف بھاگا۔ مگر ہتھنی اس سے اپنے ہاتھی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔

ریچھ اس کے چنگل سے نکل کر اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتا تھا۔

ہتھنی نے لپک کر ریچھ کی پیٹھ پر زور سے سونڈ کا مکا مارا۔

ریچھ زمین پر لوٹنیاں کھانے لگا۔ ریچھ نیچے گرا ہی تھا کہ ہتھنی نے اس کے اوپر اپنا بھاری بھرکم پاؤں رکھ کر اسے پوری طاقت سے دبا دیا۔

ریچھ کی آخری چیخ نکلی اور وہ مر گیا۔ ہتھنی کا جوش ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا اس نے مرے ہوئے ریچھ کو اپنے پاؤں کے ساتھ دبا دیا۔ وہ زمین میں دب گیا۔ ہتھنی جنگل میں غائب ہو گئی شگفتہ درخت سے نیچے اتر گئی اور دریا کے ساتھ چلنے لگی۔ چلتے چلتے اس کو ایک کشتی نظر آئی۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اس پر سوار ہو گئی۔ دریا میں ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی۔ کہ ایک مگرمچھ شگفتہ کی کشتی کا پیچھا کرنے لگا۔ شگفتہ نے دیکھا کہ ایک سیاہ مگرمچھ کو اپنا بھیانک منہ کھولے کشتی کا پیچھا کرتے دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو کشتی کے اندر چھپا لیا۔

مگرمچھ نے دیکھا کہ اس کا شکار غائب ہو گیا۔ خون خوار درندے کو عقل نہیں تھی کہ وہ کشتی کے اندر بھی جھانک سکتا۔ کچھ دور تک کشتی کا پیچھا کرنے کے بعد وہ واپس مڑ گیا۔ شگفتہ نے کافی دور جا کر سر اٹھا کر دریا میں دیکھا۔ مگرمچھ کہیں نہیں تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بلا سے نجات ملی۔ کشتی دریا کی لہروں پر بہتی جا رہی تھی۔

خدا جانے ہی دریا کہاں جا کر نکلتا تھا کہاں جا کر سمندر میں گرتا تھا یا کسی دوسرے کے ساتھ شامل ہو جاتا تھا۔

شگفتہ کو اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہاں سے سمندر زیادہ دور نہیں ہے وہ سوچ کر کانپ گئی کہ اگر دریا کے ساتھ وہ بھی سمندر میں آن گری تو پھر کیا ہوگا؟ سمندر میں وہ اس چھوٹی سی کشتی پر بہت جلد تباہ ہو کر ڈوب جائے گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر وہ سخت جان ہو گئی تھی اور اب اس میں کافی ہمت پیدا ہو چکی تھی۔ اوپر تلے مصیبتیں اٹھانے سے اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ مصیبت میں بھی سوچ سکے اس نے اب کوشش شروع کی کہ کسی طرح وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائے۔ یہ کام سوائے چپو کے نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں چپو وہ کہاں لاتی۔ اس نے ہاتھوں سے چپوؤں کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ شگفتہ نے

اپنا ایک ہاتھ پانی میں ڈال کر اسے چپو کی طرح چلانا شروع کر دیا۔ شگفتہ کا ایک ہاتھ تھک گیا تو اس نے دوسرے ہاتھ چپو بنا لیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ اس کی کشتی دریا کے دوسرے کنارے کے پاس آ گئی۔ شگفتہ بے حد تھک چکی تھی اسکے دونوں ہاتھ شل ہو چکے تھے۔

اب شگفتہ کو یہ ڈر تھا کہ لہریں اسے دوبارہ بہا کر دریا کے بیچ میں نہ لے جائیں؛ چنانچہ اس نے جلدی سے کشتی میں سے دوسرے کنارے پر چھلانگ لگا دی۔ کشتی اسے کنارے پر پہنچا کر دریا میں بہتی ہوئی دور نکل گئی۔ کنارے پر آتے ہی شگفتہ زمین پر لیٹ گئی وہ اس قدر تھک گئی تھی کہ اس سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک لیٹ رہی پھر وہ اٹھ کر دریا کا تازہ میٹھا پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا اور گھاس پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب کدھر کو جائے؟

دریا کے اس کنارے سے آگے چھوٹے چھوٹے ٹیلے شروع ہو جاتے تھے جن پر جھاڑیاں اور درخت اگے ہوئے تھے۔ یہ ٹیلے جہاں تک نظر کام کرتی تھی بکھرے ہوئے تھے۔ شام سر پر آ رہی تھی۔ شگفتہ کو اب رات بسر کرنے کے لیے کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے جس جنگل میں وہ سفر کر رہی تھی۔ وہاں جھاڑیاں بہت کم تھیں۔ زمین پر گھاس بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ شام پڑ جانے کی وجہ سے گھاس کے اندر جھینگر اور درختوں پر پرندے بول رہے تھے۔ شگفتہ کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں کوئی سانپ گھاس میں سے نہ نکل آئے گرمی اور حبس بھی بڑھ گیا تھا۔ درختوں میں اندھیرا چھا گیا۔

پرندوں نے شاخوں میں بسیرا کر لیا اور خاموش ہونے لگے۔ آسمان کہیں کہیں درختوں میں سے نظر آتا تھا۔ جہاں اکا دکا تارے جھلملانے لگے تھے۔ شگفتہ کسی درخت پر ہی رات بسر کرنا چاہتی تھی۔

اس طرح وہ جنگلی درندوں سے بچ سکتی تھی۔ مگر یہاں درخت اونچے اونچے تھے۔ شگفتہ چلتے چلتے وہ تھک بھی گئی تھی اور رات کے وقت جنگل میں زیادہ چلنا ویسے بھی ٹھیک نہیں تھا۔

کیونکہ رات کو ہی جنگلی جانور اور درندے پانی اور خوراک کی تلاش میں نکلا کرتے ہیں۔

شگفتہ پریشان ہو گئی۔ اسے کوئی جگہ ایسی نہیں مل رہی تھی جہاں رات بسر کر سکے اس کی نظر ایک چٹان کی طرف گئی۔ یہاں ایک جگہ اسے غار سا نظر آیا۔ قریب جا کر اس نے دیکھا کہ یہ ایک چھوٹا سا کھوہ تھا۔ جس میں لیٹنے کی جگہ تھی۔ شگفتہ نے اس کھوہ میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا اس نے تھوڑی سی گھاس زمین پر بچھا دی اور کھوہ میں داخل ہو کر اس کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا۔

یہاں تھوڑی تھوڑی ٹھنڈک تھی اور مچھر بھی نہیں تھے۔ شگفتہ چپکے سے گھاس پر لیٹ گئی۔

رات گزرنے لگی۔ جنگل میں آہستہ آہستہ خاموشی چھا گئی۔ درختوں پر بیٹھے پرندے بھی سو گئے رات آدھی گزر گئی۔ شگفتہ کو نیند نہیں آ رہی تھی کیوں کھوہ کے اندر کچھ مچھر آ گئے تھے۔ جو شگفتہ کو سونے نہیں دے رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ساڑھی میں لپیٹ لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی وہ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگی۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

جنگل میں رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دور کبھی کبھی کسی الو کی بھیانک آواز گونج جاتی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ الو بولتے بولتے ایک دم رک گیا۔ ساتھ ہی جنگل میں کسی شیر نے ایک دھاڑ ماری۔ ایسا لگتا تھا کہ شیر بھوکا ہے اور شکار کی تلاش میں نکلا ہے۔ شگفتہ کھوہ کے اندر گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔

شیر کی دھاڑ سے ڈر کر ہرن جھاڑی میں سویا ہوا ہڑبڑا کر اٹھا اور ایک طرف اٹھ کر دوڑا۔

شیر ہرن کے پیچھے لپکا ہرن چوکڑیاں بھرتا جنگل میں بھاگنے لگا۔ مگر وہ بھاگنے کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہرن اس طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔ جدھر شگفتہ کھوہ کے اندر سوئی تھی۔ وہاں سے تھوڑی دور پیچھے شیر نے چھلانگ لگائی اور وہ ہرن کے اوپر جا گرا۔ گرتے ہی شیر نے ہرن کی گردن کو منہ میں لے کر زور سے جھٹکا دیا۔ ہرن کی گردن ٹوٹ گئی۔

شیر نے وہیں شکار کا خون پی کر تھوڑا گوشت کھا کر پیٹ بھرا اور ہرن کی ادھ کھائی لاش کو چھپانے کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں اسے منہ میں لے کر آگے چل پڑا۔

وہ کوئی ایسی محفوظ جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ جہاں ہرن کی لاش کو پتوں میں چھپا کر رکھ دے تاکہ اگلے روز پھر آ کر ہرن کے گوشت سے اپنا پیٹ بھرے۔

ہرن کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے شیر اس کھوہ کے پاس آ گیا۔ جس کے اندر شگفتہ سو رہی تھی۔ شیر نے کھوہ کے باہر جھاڑیوں میں لاش کو چھپایا اور خود واپس اپنی کچھار کی طرف چلا گیا۔ شگفتہ گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ رات ڈھلنے لگی پو پھٹ گئی۔ درختوں پر پرندے چہچہانے لگے۔ پھر سورج نکل آیا۔ سارے جنگل میں صبح کی روشنی پھیل گئی۔ پرندوں کی آوازوں سے شگفتہ کی آنکھ کھل گئی۔

وہ انگڑائی لے کر منہ ہاتھ دھونے کے لیے کھوہ سے باہر نکلی تو اچانک اس کی نظر ہرن کی ادھ کھائی لاش پر پڑی۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ لاش پر شیر کے پنجوں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔

تو کیا رات کو وہاں شیر آیا تھا؟ شگفتہ کا دل خوف دھڑکنے لگا۔

آگے کیا ہوا۔۔۔؟

عنبر سے شگفتا کی ملاقات کہاں ہوئی؟

شگفتا اس جنگل سے نکل کر کہاں جا پہنچی؟

ماریا اور ناگ چین سے چل کر کدھر گئے؟

اس کے لیے اس ناول کی اگلی قسط ۳۶ ویں قسط

"پراسرار پالکی" ملاحظہ فرمائیں

عنبر ناگ ماریا

قسط ۳۹

پراسرار پالکی

(اے حمید)

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تا کہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیں تا کہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

سیاہ بونوں کا سردار
جنگل میں سادھو
ڈاکوؤں کا سردار
ایک اور مصیبت
فرار اور سانپ
پراسرار پالکی
خونخواروں کا قبیلہ
آوارہ گرد شہزادہ
غداری

سنو پیارے بچو

عنبر وحشی سردارنی کے قبیلے کا سردار بن جاتا ہے۔ سردارنی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر عنبر وہاں سے بھاگ جاتا ہے وہ شگفتا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ ادھر شگفتا جنگل میں راستہ بھول گئی ہے۔ وہ ایک شیر کو دیکھتی ہے جو رات کے چھپائے ہوئے ہرن کے گوشت کو جھاڑیوں میں سے باہر نکال رہا ہے۔

ماریا اور ناگ عنبر کی تلاش میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جنگل میں بڑے پراسرار حالات میں بڑے پراسرار حالات میں عنبر کی شگفتا سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ اسے لے کر رجیہ محل کی طرف جاتا ہے۔

سیاہ بونوں کا سردار

ہرن کی لاش جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

شگفتا یہ سوچ کر کہ رات کو شیر وہاں آیا تھا ڈر گئی۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی سوچ رہی تھی کہ ایک دم سے بہت قریب شیر کی دھاڑ گونجی۔ درختوں پر سے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔ ایسے لگتا تھا کہ شیر کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کا شکار خطرے میں ہے۔ شگفتا کے لیے اب وہاں سے بھاگنا خطرناک تھا۔ وہ اس جگہ رہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شیر ایک بار پھر دھاڑا۔ اس بار اس کی آواز بالکل جھاڑیوں کے پاس ہی سے

آ ئی تھی۔ شگفتا جلدی سے کھوہ کے اندر چھپ گئی۔ اس نے جھاڑیوں کی شاخیں اپنے آگے کرلیں اور سہم کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ شیر اپنا شکار کھانے آ رہا تھا۔

شگفتا کو ڈر تھا کہ اگر شیر کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو اس کی خیر نہیں ہے۔ وہ ہرن کو چھوڑ کر اسے ہڑپ کر جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے شکار کے پاس ایک انسان کو دیکھ کر غصے میں بھڑک اٹھے۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ شیر سر پر آن پہنچا تھا۔ شگفتا نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کر دیا کہ کہیں اس کے سانس لینے کی آواز سن کر ہی شیر اس کی طرف نہ آ جائے۔ اب جھاڑیوں میں سے شیر باہر آ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی دہشت ناک چہرے والا شیر تھا۔ اس کے جبڑے پر ابھی تک ہرن کا خون لگا ہوا تھا۔

شگفتا نے خوف کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن آنکھیں بند کر لینے سے خطرہ ٹل نہیں جایا کرتا۔ خطرہ تو سر پر موجود رہتا ہے۔ اسی لیے عقلمند لوگوں کا کہنا ہے کہ جب خطرہ سر پر آ جائے تو آدمی کو اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے سے الٹا زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ شگفتا نے آنکھیں کھول کر جھاڑیوں میں سے دیکھا۔ شیر بڑے مزے سے ہرن کا بچا کھچا گوشت کھا رہا تھا۔ کبھی کبھی شیر اپنا بھاری سر اٹھا کر جھاڑیوں کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ اس وقت شگفتا سہم کر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوتا کہ ابھی اس کے سر پر شیر کا پنجہ پڑے گا اور وہ اس کا سر تن سے الگ کر دے گا۔

شیر بڑے مزے سے ہرن کی دعوت اڑاتا رہا۔

درختوں میں سے آتی دھوپ کی کرنیں اس کے زرد کھال والے بدن پر پڑ رہی تھیں۔ شگفتا کی ساری زندگی راجہ کے محل میں گزری

تھی۔ اس نے کبھی کسی شیر کو جنگل میں اپنا شکار کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک زندہ جنگلی شیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہرن کا گوشت اڑاتے دیکھ رہی تھی۔ شیر دانت مار کر ہرن کے بدن سے سیر بھر کا ٹکڑا کاٹتا اور پھر اسے بڑے مزے سے چبا کر نگل جاتا۔ شگفتا کو خیال آیا کہ اگر شیر کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے جھنجھلا کر اسے سخت زخمی کر دیا یا مار ڈالا تو پھر کیا ہوگا؟

اس کی لاش کھوہ میں پڑی پڑی مٹی بن جائے گی۔ عنبر کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوگی۔ پھر وہ اپنے معصوم بچے اور اپنے خاوند راج کنور سے کبھی نہ مل سکے گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل میں خدا سے دعا کرنے لگی کہ وہ اسے بچے کی خاطر بچا لے۔ خدا نے اس کی دعا قبول کر لی تھی۔ شیر تھوڑی دیر ہرن کو کھانے کے بعد گردن اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور زبان سے اپنے جبڑے چاٹنے لگا۔ وہ گھوم کر پیچھے ہٹا۔ شگفتا نے سوچا کہ شکر ہے شیر واپس جا رہا ہے۔ مگر شیر پھر واپس پلٹ کر ہرن کی لاش کے پاس آ گیا۔

شگفتا کی بدقسمتی سے اسے چھینک آ گئی۔ جوں ہی اس نے آچھو کیا۔ شیر تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔ اور حیرت ناک نظروں سے کھوہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ کس جانور کی آواز کھوہ میں سے آئی ہے۔ شیر زور سے غرایا۔ جیسے کہہ رہا ہے کون ہے کھوہ کے اندر؟ شگفتا کا تو سارا بدن زرد ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی خیر نہیں ہے۔ وہ زمین پر جھک گئی۔ اور شیر کے حملے کا انتظار کرنے لگی۔ ادھر شیر گھبرا گیا تھا کہ کھول میں سے کس قسم کی آواز آئی ہے؟ شیر نے اس سے پہلے کسی انسان کے چھینکنے کی آواز نہیں سنی تھی۔ اس نے کھوہ کے پاس آ کر جھاڑیوں کو غور سے دیکھا۔ سونگھا اور دو تین زور سے ہاتھ مارے۔

شگفتہ کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کا دم خشک ہو گیا۔ شیر کو کسی انسان کی بو آ رہی تھی۔ مگر چونکہ اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے شیر نے حملہ نہ کیا۔ صرف غرا کر اور دو ایک بار گرج کر اس نے شگفتہ کو بتا دیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے اور کبھی اس طرف نہ آئے۔ شیر تھوڑی دیر وہاں کھڑا رہنے اور غرانے کے بعد ہرن کی لاش کے پنجر کو چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ شگفتہ نے کافی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو شیر غائب تھا۔

وہ کھوہ سے ڈرتے ڈرتے باہر آ گئی۔

بھوک سے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ہرن کے ساتھ ابھی کافی گوشت لگا ہوا تھا۔ شگفتہ بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے ہرن پر جھک کر ہاتھوں سے گوشت کی بوٹیاں نوچیں اور انہیں کچا ہی چبا چبا کر نگل گئی۔ گوشت اگرچہ کچا تھا مگر بھوک بھی بڑی ظالم لگی ہوئی تھی۔ خوب اچھی طرح پیٹ بھرنے کے بعد شگفتہ کھوہ میں سے باہر نکل آئی۔ اب وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک ڈر تھا کہ کہیں راستے میں شیر سے ملاقات نہ ہو جائے۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ شیر نے پیٹ بھر لیا ہے اب وہ اسے کچھ نہیں کہے گا۔ وہ اونچے اونچے درختوں کے نیچے اگی ہوئی گھاس میں سے گزرتی ہوئی آگے کو روانہ ہو گئی۔

شگفتہ سورج کے حساب سے چل رہی تھی۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ اپنے ملک ہندوستان میں ہے۔ اس کی ریاست ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں تھی۔ ہمالیہ پہاڑ وہاں سے گھوڑے خچر پر ایک مہینے کے سفر پر تھا۔ اب تو وہ پیدل جا رہی تھی۔ اگر اسے اپنے پیچھے وحشی لوگوں کے تعاقب کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی خطرناک جنگل میں پیدل چلنے کا ارادہ نہ کرتی۔ مگر اب تو وہ پیدل چلنے پر مجبور تھی۔ اسے عنبر بھائی کا خیال بھی

تھا کہ خدا جانے وہ کہاں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔

ادھر اب ذرا عنبر کی طرف چلتے ہیں۔

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر وحشی قبیلے کا سردار بن گیا تھا۔ اس نے سردارنی سے کہا کہ اب جب کہ وہ قبیلے کا سردار بن گیا ہے۔ تو اسے اپنی ایک بہن کی تلاش ہے جو اس جنگل میں کھو گئی ہے۔ اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ اسی علاقے کے کسی وحشی قبیلے کے ہاتھ آ گئی ہے۔ اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کرسکتی ہو؟“

سردارنی نے کہا۔

”اس علاقے میں سیاہ کالے بونوں کا ایک ہی قبیلہ ہے۔ یہ لوگ کسی زمانے میں آدم خور تھے۔ لیکن اب وہ ایسا نہیں کرتے اور صرف ہماری طرح ہاتھی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر تمہاری بہن ان لوگوں کے پاس ہوئی تو ہم اسے اپنے ساتھ ہی لے آئیں گے۔ سیاہ بونوں کا سردار میری بہت عزت کرتا ہے“۔

عنبر نے پوچھا۔

”کیا یہ سیاہ بونوں کا سردار تمہارا کوئی عزیز ہے؟“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم لوگ دوستوں کی اپنے رشتے داروں سے بڑھ کر مدد کرتے ہیں۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ اگر تمہاری بہن ان کے پاس ہوئی تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اسے پھر سے حاصل نہ کریں“۔

عنبر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو میں سیاہ بونوں کے قبیلے میں جانے کو تیار ہوں۔ کیا ہم آج ہی وہاں نہیں جا سکتے؟“۔

سردارنی نے کہا۔

"کیوں نہیں، تم اگر چاہو تو ہم آج ہی بونوں کے سردار سے ملاقات کر سکتے ہیں"۔

"میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے آج ہی ملاقات ہو میں تیار ہوں"۔

سردارنی نے اسی وقت سواری کا انتظام کیا اور عنبر سردارنی کو ساتھ لے کر سیاہ بونوں کے قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ غلاموں نے ان کے تخت کو کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ ان کے آگے پیچھے غلام چل رہے تھے۔ بونوں کے سردار کا قبیلہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

شام ہونے سے پہلے پہلے یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

بونوں کے سردار کو جب علم ہوا کہ سردارنی اور سردار ان سے ملنے آ رہے ہیں تو وہ اپنے جھونپڑی کے محل سے باہر آ گیا اور غلاموں کے ساتھ ایک طرف استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ جب سردارنی اور سردار تخت پر بیٹھے وہاں آئے تو اس نے جھک کر سردارنی اور سردار کو سلام کیا۔

"آپ کا آنا ہمارے لیے مبارک ہو۔ میری قسمت جاگ اٹھی جو آپ میرے قبیلے میں آئے"۔

سردارنی اور سردار کے آگے کھانے چن دیے گئے۔ مشعلیں روشن ہو گئیں کھانے کے بعد بونوں کے سیاہ فام سردار نے سردارنی سے پوچھا کہ انہوں نے کس لیے اتنی زحمت کی کہ خود تخت پر بیٹھ کر وہاں آئے۔ عنبر نے سارا واقعہ بونوں کے سردار کو سنا دیا اور آخر میں کہا۔

"مجھے اپنی بہن شگفتہ کی تلاش ہے۔ کیا آپ نے اس حلیے کی عورت کو دیکھا ہے؟"

بونے سردار نے کہا۔

"اے سردار، تم میرے بھائی ہو۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے اس حلیے کی عورت آج تک نہیں دیکھی۔ اگر یہ عورت ہمارے قبیلے میں ہوتی تو میں ابھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکا"۔

سردارنی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ لیکن بہرحال جنگل میں سے گزرنے والے تمام راستوں پر نگاہ رکھنا۔ اگر کبھی اس حلیے کی عورت پر نظر پڑے تو اس کی مدد کرنا۔ اسے اپنے پاس عزت سے رکھنا اور مجھے اطلاع کر دینا"۔

بونے سردار نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا میری عظیم بہن، لیکن میں اپنے آدمیوں کو شکنتلا کی تلاش میں بھی روانہ کر دوں گا۔ جہاں کہیں بھی انہیں شکنتلا مل گئی وہ ہر حالت میں اسے لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے"۔

سردارنی بولی :

"میرے بھائی مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی"۔

رات کو انہوں نے اسی قبیلے میں آرام کیا۔

صبح ہوئی تو سردارنی عنبر سردار کو ساتھ لے کر واپس اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئی۔ واپس آ کر عنبر نے شکنتلا کی تلاش اپنے طور پر بھی شروع کروا دی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی جنگل میں روانہ کر دیا کہ وہ شکنتلا کو تلاش کریں۔ سردارنی بھی یہی چاہتی تھی کہ عنبر کی بہن مل جائے۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"تم تو بہت بڑے جادوگر ہو۔ پھر تم اپنے جادو کے زور سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے کہ تمہاری بہن کس جگہ پر ہے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”سردارنی۔ تم بھولی ہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میرا جادو صرف دشمن پر چل سکتا ہے۔ ان لوگوں پر نہیں چل سکتا۔ جن کو میں اچھا سمجھتا ہوں۔ اگر ایسی بات ہو سکتی تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں یوں مارا مارا پھرتا؟“۔

سردارنی نے پوچھا:

”اگر تمہارا جادو ایک ہاتھی کو ہلاک کر سکتا ہے، تمہیں بچا سکتا ہے تو وہ ایک عورت کے بارے میں یہ معلوم کیوں نہیں کر سکتا کہ وہ کس جگہ پر ہے؟“۔

عنبر نے کہا:

”سردارنی، میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ایسا ہونا مشکل ہے۔ جادوگر مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں مگر تقدیر کے پیچ نہیں کھول سکتے۔ میں مجبور ہوں کہ اپنی بہن کو جنگل جنگل خود بھی تلاش کروں اور اسے دوسروں سے بھی تلاش کرواؤں“۔

سردارنی نے ہنس کر کہا۔

”اچھا ایک بات بتاؤ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پر تیر تلوار اور نیزے کا وار اثر نہیں کرتا۔ تمہیں کوئی زخم نہیں آتا۔ تمہارے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہتا“۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس جنگلی عورت کو اب کیا بتائے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ یہ ایک جاہل عورت ہے۔ اسے بتانے سے کیا ہوگا۔ اس نے کہا۔

”سردارنی، یہ سب کچھ جادو کی وجہ سے ہوتا ہے۔ میرے جادو نے مجھے اپنی حفاظت میں لیا ہوتا ہے۔ اگر میرے جادو کا اثر ٹوٹ جائے تو میں بھی دوسروں کی طرح مر سکتا ہوں۔ مجھے بھی زخم لگ سکتا ہے اور میرے جسم سے بھی خون بہہ سکتا ہے۔ لیکن چوں کہ ایسا نہیں

ہوتا اس لیے میں زندہ ہوں اور جب تک چاہوں زندہ رہ سکتا ہوں"۔

سردارنی بولی۔

"کچھ یقین نہیں آ رہا۔ ایسے لگتا ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو"۔

عنبر سردارنی کو ایک جنگلی اور جاہل عورت سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی ذہانت پر حیران رہ گیا کہ کم بخت کو کیسے اس پر شک پڑ گیا ہے۔ مگر وہ بھی بڑا تجربہ کار تھا۔ اس نے بھی کئی زمانے اور کتنے ہی بادشاہوں کے دور دیکھے تھے۔ جھٹ بولا۔

"سردارنی، میری زندگی کا ایک ایک راز، میری زندگی کی ایک ایک بات تم پر واضح اور روشن ہو چکی ہے۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپا رہا۔ اس لیے کہ اب تم ہی میری زندگی ہو۔ اور موت تک تمہارا میرا ساتھ رہے گا۔

اپنی تعریف سن کر سردارنی بڑی خوش ہوئی۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"اب تم سردار ہو۔ میں سردارنی ہوں۔ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ اب تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو گے۔ تمہاری زندگی اور موت اب ہمارے قبیلے کے لیے ہے۔ اگر کبھی تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو ہمارا ناگ دیوتا تمہیں ایک آن میں ڈس کر ہلاک کر دے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ اس پر تمہارے جادو کا اثر ہو جائے گا۔ نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ناگ دیوتا پر کسی جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ اس کے زہر میں اتنی طاقت ہے کہ اگر کسی درخت پر اپنا زہر پھینک دے تو وہ کھڑے کا کھڑا ایک دم جل کر خاک ہو جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے یہاں سے جانے کی؟ میں تو یہاں بہت خوش ہوں۔ میں اب ساری زندگی اسی جگہ رہوں گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔"

لیکن دل میں عنبر نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر اسے شگفتہ کا کسی جگہ سے بھی کچھ پتہ نہ چل سکا تو وہ وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔

جنگل میں سادھو

عنبر سردار کو ہم سرداری کے قبیلے میں چھوڑتے ہیں۔

اب ذرا شگفتہ کی طرف جاتے ہیں کہ وہ جنگل میں سفر کرتے کرتے کس مقام پر آ گئی ہے؟ شگفتہ بے چاری پیدل ہی گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ وہ بے حد تھک گئی تھی۔ اس کے پاؤں بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اور اب اس سے چلا نہیں جاتا تھا۔ جنگل ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ وہ چل رہی تھی، چل رہی تھی۔ آخر خدا

کر کے اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ اور سامنے ایک میدان آ گیا۔ جہاں جگہ جگہ درختوں کے جھنڈ اُگے ہوئے تھے۔

شگفتا نے ایک جھنڈ میں سے دھواں اٹھتے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ سوچا یہاں ضرور انسان رہتے ہوں گے۔ ان سے چل کر مدد لینی چاہیے۔ پھر وہ ڈر گئی کہ کیا خبر یہ لوگ بھی کہیں آدم خور وحشی نہ ہوں اور وہ پھر کسی مصیبت میں پھنس جائے پھر بھی وہ درختوں میں اٹھتے ہوئے دھوئیں کی طرف چل پڑی۔ اس لیے کہ وہ بے حد نڈھال ہو رہی تھی۔ اب اس سے آگے چلا نہیں جاتا تھا۔ جھنڈ کے پاس پہنچ کر وہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر دیکھنے لگی کہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟

سامنے درختوں کے نیچے ایک جھونپڑی سی بنی ہوئی تھی۔ جس کے آگے آگ جل رہی تھی۔ شگفتا نے سوچا کہ یہاں ضرور کوئی جوگی رہتا ہے۔ اس قسم کے جوگی اس نے اپنی ریاست میں بھی دیکھے تھے جو جنگلوں میں رہ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جو بڑے نرم دل ہوتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ پھر بھی شگفتا کا دل خطرے کی وجہ سے دھڑک رہا تھا کہ کہیں یہاں کوئی آدم خور وحشی ہی نہ رہتا ہو۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ایک جٹا دھاری سادھو جھونپڑی میں سے باہر نکلا اور آگ کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ شگفتا کو حوصلہ ہوا۔

وہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر سادھو کے پاس آ گئی۔

اب جو سادھو نے ایک دبلی پتلی خوب صورت لڑکی کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ اس اجاڑ بیابان جنگل میں یہ لڑکی کہاں سے آ گئی۔ اس نے شگفتا کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس سے پوچھا۔

"بیٹی تم کون ہو؟ کہاں سے آئی؟"

شگفتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ سادھو کے قدموں میں جا کر گر پڑی۔ نرم دل سادھو نے شگفتا کو اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے پاؤں سے بہتا ہوا خون دیکھ کر بولا:

"ارے بیٹی، تمہارے پاؤں سے خون بہہ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم مصیبت کی ماری جنگل میں بھٹک رہی ہو۔ ٹھہرو پہلے میں تمہارے پیروں پر دوا لگاتا ہوں"۔

سادھو جھونپڑی کے اندر گیا۔ وہاں سے ایک مٹی کا پیالہ لے آیا جس میں نسواری رنگ کی کوئی مرہم سی تھی۔ اس نے شگفتا کو ہرن کی کھال کے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیر پانی سے صاف کیے اور پھر زخموں پر مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔ اس کے بعد اس نے کٹورے میں سے گرم گرم دودھ شگفتا کو پلایا۔

تازہ، میٹھا اور گرم دودھ پی کر شگفتا کی جان میں جان آ گئی۔ وہ سکون سے لیٹی رہی اور پھر اسے نیند آ گئی۔ سادھو قریب ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھا خدا کی عبادت کرتا رہا۔ شام ہو گئی۔ سورج غروب ہو گیا تو سادھو نے اٹھ کر جھونپڑی میں مشعل روشن کی۔ شگفتا کے لیے اندر بستر لگایا۔ اس عرصے میں شگفتا جاگ پڑی تھی۔

سادھو نے کہا:

"بیٹی تم اندر جا کر آرام کرو۔ صبح تم سے باتیں ہوں گی"۔

شگفتا ابھی تک تھکن محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر جھونپڑی میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سادھو نے اسے کچھ جنگلی پھل اور دودھ پلایا۔ دودھ پی کر شگفتا گہری نیند سو گئی۔ اسے اس قدر گہری نیند آئی کہ وہ ساری رات سوئی رہی۔ سادھو ساری رات باہر آگ کے پاس بیٹھا خدا کو یاد کرتا رہا۔ دن نکلا تو درختوں پر پرندے خدا کے گیت گانے لگے۔ قریب ہی ایک ندی بہتی تھی۔ سادھو اٹھ کر ندی پر گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر واپس جھونپڑی کے باہر آ گیا۔

یہاں ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔ سادھو نے بکری کا دودھ دوہا۔ کٹورہ بھر کر دودھ کو آگ پر گرم کرنے کے لیے رکھ دیا۔ اور خود عبادت کرنے لگا۔ جب وہ عبادت سے فارغ ہوا تو دودھ گرم ہو چکا تھا۔ شگفتا بھی اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ شگفتا اپنے آپ کو بے حد تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ سادھو نے شگفتا کے پاؤں میں سوکھے گھاس کا بنا ہوا جوتا پہنایا اور کہا۔

"بچی، ادھر قریب ہی ندی بہہ رہی ہے وہاں جا کر منہ ہاتھ دھو آؤ اور پھر آ کر دودھ پی لو۔"

شگفتا سادھو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ندی پر گئی۔ جی بھر کر غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر واپس آئی اور گرم گرم دودھ پی کر سادھو کے پاس ہی ہرن کی کھال پر بیٹھ گئی۔ سادھو نے کہا۔

"بچی، اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہی ہو؟"

شگفتا نے کہا۔

"اے عظیم انسان، میرا نام شگفتا ہے۔ میں بمبئی سمار ریاست کے راجہ کنور کی بیوی ہوں۔ ایک رات ڈاکوؤں نے ہمارے محل پر ڈاکہ ڈالا اور مجھے اٹھا کر لے گئے۔ ایک سمندر پار کے شہر میں وہ مجھے فروخت کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ ایک نیک دل بھائی عنبر سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے مجھے ڈاکوؤں سے بچا کر اپنے ساتھ کر لیا اور مجھے لے کر میرے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ ہم ایک بادبانی جہاز پر سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک قبیلے والوں نے ہمیں گدھے اور خوراک دے کر روانہ کیا۔ مگر راستے میں ایک جگہ مجھے دوسرے قبیلے کے وحشیوں نے اٹھا لیا۔ میرا بھائی اس وقت دریا پر نہانے گیا ہوا تھا۔ یہ وحشی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ

مجھے دیوتاؤں کے سامنے قربان کرنے کی سوچ رہے تھے کہ میں ایک رات وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ جب سے لے کر اب تک میں جنگلوں میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ خدا جانے عنبر کہاں ہے؟ اور میں کس علاقے میں آ گئی ہوں؟ اب تھکن سے نڈھال ہوکر گرنے ہی والی تھی کہ آپ کی جھونپڑی میں سے دھواں اٹھتے دیکھا اور یہاں آ گئی۔ آپ نے ایک نرم دل باپ بن کر میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے، میں اسے ساری زندگی نہیں بھول سکوں گی۔ بس یہ ہے میری کہانی۔۔۔"

سادھو بولا۔

"بیٹی تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے۔ میں حیران بھی ہوں اور خوش بھی ہوں کہ تم نے ایک کمزور عورت ہوتے ہوئے اتنی دلیری اور بہادری سے کام لیا اور جنگل میں اکیلی سفر کر رہی ہو۔ باقی میں نے جو

تمہاری خدمت کی ہے تو یہ میرا فرض تھا۔ ہم جوگی لوگ ہیں۔ ہم پیدا ہی دوسرے انسان کی خدمت کے لیے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے ہر بچی ہماری بیٹی ہے اور ہر لڑکا ہمارا بیٹا ہے"۔

شگفتہ نے کہا۔

"مہاراج، آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ یہ بتایئے کہ یہ جگہ کون سی ہے اور ہمالیہ پہاڑ یہاں سے کتنی دور ہے۔ کیونکہ میرا گھر ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ریاست نمی سار میں ہے"۔

سادھو بولا۔

"پیاری بیٹی، تم جس جنگل میں کھڑی ہو اس جگہ کا کوئی نام نہیں ہے۔ میں ایک عرصے سے یہاں رہ رہا ہوں۔ ہاں اتنا مجھے ضرور معلوم ہے کہ یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ایک دریا آتا ہے۔ دریا کے پاس ایک چھوٹا سا شہر ہے جس پر ایک راجہ تومان

حکومت کرتا ہے۔ اگر تم اس شہر میں پہنچ جاؤ تو وہ راجہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تمہارا خاوند بھی راجہ ہے۔ ایک راجہ دوسرے راجہ کی مدد کیا کرتے ہیں"۔

شگفتا بولی۔

"لیکن مہاراج، میں اب پیدل آگے سفر کس طرح کروں گی؟ میرے پیر پھر زخمی ہو جائیں گے"۔

سادھو بولا۔

"میری بچی، تم اگر چاہو تو میری بکری لے جا سکتی ہو۔ اس پر سوار ہو کر باقی سفر طے کر لینا۔ میں بغیر دودھ کے صرف پھلوں پر ہی گزارہ کر لوں گا"۔

شگفتا نے کہا۔

"نہیں مہاراج، میں یہ بے انصافی نہیں کر سکتی کہ ایک تو آپ نے میری اتنی خدمت کی اور میں آپ کی بکری بھی چھین کر لے جاؤں۔ میں پیدل ہی چلی جاؤں گی۔ آپ نے میرے پاؤں میں جو گھاس کی جوتی پہنا دی ہے۔ یہ میرے پاؤں کو زخمی ہونے سے بچا لے گی"۔

سادھو نے کہا۔

"بیٹی میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ بکری لے جاؤ"۔

"نہیں مہاراج، میں اس بکری پر سواری نہیں کر سکتی۔ میں یہاں سے پیدل ہی چلی جاؤں گی"۔

سادھو بولا۔

"تم کل صبح جانا۔ آج کی رات یہاں آرام کر لو۔ ایک رات اور آرام کرنے سے تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی"۔

"جیسے آپ کی مرضی مہاراج"۔

شگفتہ نے دوسری رات بھی سادھو مہاراج کی جھونپڑی میں آرام کیا۔ صبح صبح وہ سو کر اٹھی تو اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہی تھی۔ اس میں دودھ اور پھل کھانے اور جی بھر کر آرام کرنے سے نئی زندگی پیدا ہو گئی تھی۔ سادھو نے کہا۔

"بیٹی میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ جتنے دن چاہو یہاں آرام کرو۔ لیکن اگر تم اپنے گھر جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں مجبور کر کے روکنا نہیں چاہتا۔ تم جا سکتی ہو"۔

شگفتہ نے کہا۔

مہاراج، آپ کے قدموں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر مجھے میرا خاوند اور بچہ بہت یاد آ رہا ہے۔ میں اڑ کر ان کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں۔ میں جا رہی ہوں۔ ہاں ایک بات ضرور کہنا چاہتی ہوں۔ اگر قسمت میرے بھائی عنبر کو ادھر لے آئی تو اسے بتا دینا کہ میں دریا پار والے شہر میں راجہ جنومان کے دیس گئی ہوں اور وہاں سے اپنے شہر جانے کی کوشش کروں گا"۔

سادھو نے شگفتہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا بیٹی۔ میں اسے ضرور کہوں گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے بھائی عنبر کی پہچان کیا ہو گی؟ میں اسے کس طرح پہچانوں گی کہ یہی تمہارا بھائی ہے؟"

شگفتہ نے کہا:

"مہاراج، میرے بھائی عنبر کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اگر آپ اس کے جسم میں نیزہ چبھوئیں گے تو اس کے جسم سے خون نہیں نکلے گا"۔

سادھو نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بیٹی کہ ایک گوشت پوست کے زندہ انسان

کے بدن میں نیزہ چبھے اور خون نہ نکلے؟ کیا وہ انسان نہیں ہے؟"

شگفتا بولی۔

"مہاراج، میرا بھائی عنبر ایک انسان ہی ہے مگر اس کے اندر ایک دیوتا کی طاقت ہے۔ اسے کوئی زخم نہیں لگتا۔ اس کے بدن پر نہ تیر اثر کرتا ہے۔ نہ تلوار اثر کرتی ہے۔ اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا"۔

سادھو اور زیادہ حیران ہو گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی، مجھے یقین نہیں آ رہا"۔

شگفتا نے کہا۔

"آپ میری بات کا یقین کریں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک ہاتھی نے اٹھا کر اسے درخت پر مارا مگر اسے کچھ نہیں ہوا۔ دشمن نے اس کے دل میں خنجر اتار دیا اور وہ زندہ رہا۔ اس نے دل میں سے خنجر نکال کر باہر پھینک دیا اور پھر دشمن کو ہلاک کر دیا۔ وہ دیوتا ہے۔ اسے دعا ملی ہوئی ہے کہ وہ ہلاک نہیں ہو گا"۔

سادھو خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

"اگر یہ سچ ہے بیٹی تو وہ ایک عظیم انسان ہے۔ لیکن اتنی طاقت رکھتے ہوئے بھی وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کر سکا بیٹی؟"۔

شگفتا نے کہا:

"مہاراج، میں اس سے بچھڑ گئی ہوں۔ میری یہی بد قسمتی ہے۔ جب تک میں اس کے ساتھ تھی مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئی تھی۔ اب تو مجھے خود معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے"۔

شگفتا نے کہا۔

"ایسا نہ کہیں مہاراج، آپ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ نے انسان کی خدمت کر کے، دکھی دلوں کی ڈھارس بندھا کر جو مقام حاصل کیا ہے وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا مقام

دیوتاؤں سے بھی بلند ہے۔ کیوں کہ میں نے اپنے باپ کو ایک بار یہ کہتے سنا تھا کہ جو انسان دوسرے دکھی انسان کی خدمت کرتا ہے۔ اس کی ڈھارس بندھاتا ہے اور مصیبت میں اس کے کام آتا ہے۔ وہ دیوتاؤں سے بھی اونچا انسان ہے"۔

سادھو نے کہا۔

"تمہارے پتا جی ٹھیک کہتے تھے بیٹی۔ دوسرے انسان کی خدمت کرنے والے انسان کو خدا بھی پیار کرتا ہے۔ میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ خدا نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں کسی انسان کی مصیبت میں اس کے کام آ سکوں"۔

شگفتا بولی۔

"اچھا مہاراج، اب اجازت دیں۔ راستہ لمبا ہے۔ مجھے جلدی پہنچنا ہے"۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹی"۔

سادھو نے ایک کٹورے میں دودھ اور ایک ٹوکری میں پھل بھر کر ساتھ کر دیئے۔ شگفتا نے سادھو بابا سے اجازت لی اور خدا کا نام لے کر راجہ چتومان کے شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شگفتا بڑے آرام کے ساتھ سفر کرتی رہی۔ دوپہر کو وہ ایک ایسی وادی میں پہنچ گئی جہاں سیاہ چٹانیں زمین پر کھڑی تھیں۔ درخت کہیں کہیں تھے۔ شام تک شگفتا ان چٹانوں میں چلتی رہی۔ سادھو بابا کی دی ہوئی سوکھے گھاس کی جوتی اسے بڑا آرام دے رہی تھی۔ وہ قدم قدم چل رہی تھی کہ کہیں جوتی پھٹ نہ جائے۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ شگفتا نے ایک جگہ بیٹھ کر کٹورے میں سے دودھ پیا اور کچھ پھل کھائے۔

اب وہ سوچنے لگی کہ رات کس جگہ بسر کرے۔ وہاں ہر طرف سیاہ

چٹانیں ہی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ انہی چٹانوں میں کسی جگہ پڑ کر رات گزار دے۔ آسمان پر ستاروں کے فانوس روشن ہو گئے تھے۔ آخر ایک سوکھے درخت کے نیچے زمین صاف کر کے شگفتا نے ہرن کی کھال بچھائی اور لیٹ گئی۔ آسمان پر وہ ستاروں کو تکنے لگی۔ اسے عنبر کا خیال آ رہا تھا۔ پھر اپنے بچے اور خاوند کا خیال آنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے بچے کو یاد کر کے آنسو آ گئے۔

خدا جانے وہ مبارک گھڑی کب آئے گی جب وہ اپنے بچے کو گلے سے لگائے گی۔ یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔ دن بھر چل چل کر وہ تھک گئی تھی۔ اب جو اس کی آنکھ لگی تو گہری نیند میں کھو گئی۔

رات گزرتی رہی۔ ستارے چمک چمک کر آگے بڑھتے رہے۔ آدھی رات ہو گئی۔ پھر آدھی رات بھی گزر گئی اور آسمان کے مشرق میں پو پھٹنا شروع ہو گئی۔ ستاروں کا رنگ سفید پڑنے لگا۔ پھر مشرق میں سورج کی پہلی سنہری کرن جاگی اور سورج کے نکلتے ہی چٹانوں کی وادی میں ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔

شگفتا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پھل کھا کر دودھ پیا اور خدا کا نام لے کر پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ اب صرف ایک دن کا سفر باقی رہ گیا تھا۔ سادھو بابا نے جو کچھ بتایا تھا اس حساب سے شگفتا کو شام کے وقت دریا پار کر کے راجہ ہنومان کے شہر میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔

ڈاکوؤں کا سردار

شگفتا کا سفر شروع ہو گیا۔

دوپہر کے بعد جنگل ختم ہو گیا اور اس کی جگہ گھاس کے میدان میں آ گئے جہاں کہیں کہیں گندم کے کھیت بھی تھے یہ کھیت اس بات کی نشانی تھی کہ انسانوں کی بستی قریب ہے۔ وہ تھک گئی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ گندم کے کھیت کے کنارے بیٹھ گئی۔ ٹوکری میں سے اس نے باقی بچا ہوا پھل نکال کر کھایا۔ اس کے پاس دودھ اور پھل ختم ہو گئے تھے۔ خالی ٹوکری اس نے کھیت میں پھینک دی۔ تھوڑی دیر آرام

کرنے کے بعد وہ کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی پگ ڈنڈی پر سے ہوتے ہوئے آگے چل پڑی۔

ایک اونچی سی گندم کی ڈھیری کے پاس اسے ایک کچا مکان دکھائی دیا۔ جس کے باہر ایک دیہاتی عورت آٹا پیس رہی تھی۔ شگفتا اس کے پاس آ گئی۔ عورت آٹا پیستے پیستے رک گئی۔ اس نے شگفتا سے کہا۔

''تم مجھے اجنبی عورت معلوم ہوتی ہو بہن۔ تم کہاں سے آ رہی ہو؟''۔

شگفتا ایک کھاٹ پر بیٹھ گئی اور بولی:

''میں بہت دور سے آ رہی ہوں بہن، مجھے یہ بتاؤ کہ راجہ نومان کا شہر کتنی دور ہے؟''۔

دیہاتی عورت نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہاں سے تھوڑی دور جاؤ گی تو ایک دریا آئے گا۔ اس دریا کے پار راجہ ہنومان کا شہر آباد ہے۔ مگر تم وہاں کس کے پاس جا رہی ہو؟“۔

شگفتہ نے اس دیہاتی عورت کو اپنی پوری کہانی سنانا مناسب نہ سمجھا۔ بس اتنا ہی کہا۔

”وہاں میرا کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس شہر سے آگے جانا ہے۔ ہمالیہ کی گود میں ایک ریاست ہے۔ بھی سمار۔۔۔ وہاں میرا گھر ہے۔ میں شہر میں صرف دو ایک راتیں بسر کر کے آرام کروں گی اور کوشش کروں گی کہ وہاں کسی ایسے قافلے کے ساتھ شامل ہو جاؤں جو ہمالیہ پہاڑ کی طرف جا رہا ہو“۔

دیہاتی عورت نے کہا۔

”بہن، تم مجھے کوئی دکھی عورت معلوم ہوتی ہو۔ اگر تمہارا شہر میں جاننے والا کوئی نہیں تو تم راجہ کی سرائے میں ٹھہر جانا۔ وہاں راجہ کے آدمی مسافروں سے کوئی پیسہ وصول نہیں کرتے۔“

شگفتہ نے پوچھا۔

”یہ بتاؤ بہن، کیا ہنومان راجہ کے شہر سے مجھے ہمالیہ کی طرف جانے والا کوئی قافلہ مل جائے گا؟“

دیہاتی عورت نے کہا۔

”میں نے اپنے خاوند کی زبانی سنا ہے کہ شہر سے اکثر قافلے ہمالیہ کے مقدس مندروں اور زیارتوں کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ تمہیں کوئی نہ کوئی قافلہ ضرور مل جائے گا۔ لیکن وہ تو بڑے پیسے لیتے ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنے پیسے ہوں گے؟“

شگفتہ بولی۔

”نہیں تو! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے“۔

دیہاتی عورت نے کہا۔

"پھر تم کیسے سفر کر سکو گی؟ تم کیسے اپنے وطن پہنچ سکو گی؟ کیونکہ رقم لیے بغیر تو کوئی بھی تمہیں اپنے قافلے کے ساتھ شریک نہیں کرے گا"۔

شگنتالا بولی:

"میں کوشش کروں گی کہ شہر میں کسی امیر عورت سے مجھے کچھ رقم قرض مل جائے۔ یہ رقم میں گھر پہنچ کر اسے لوٹا دوں گی"۔

دیہاتی عورت بولی:

"مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں یہاں کوئی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میں ایک غریب عورت ہوں۔ نہیں تو تمہاری ضرور مدد کرتی۔ میں تمہاری خدمت میں کھانا پیش کر سکتی ہوں"۔

شگنتالا نے کہا۔

"شکریہ بہن۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ ابھی ابھی میں نے پھل کھائے ہیں۔ اچھا، تمہارا شکریہ۔ پھر ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ۔۔"

"خدا حافظ"

شگنتالا دیہاتی عورت سے اجازت لے کر دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ ایک میدان اور کھیت عبور کرنے کے بعد وہ دریا پر پہنچ گئی۔ دریا کے دوسرے کنارے اسے شہر ہنومان کی عمارتیں اور مکان صاف نظر آ رہے تھے۔ مندروں اور عبادت گاہوں کے کلس ڈوبتے سورج کی سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے۔ دریا کنارے ایک ماہی گیر پیسے لے کر مسافروں کو دریا پار اتارنے کا کام کر رہا تھا۔ سواریاں ایک ایک درہم اسے دیتیں اور کشتی میں سوار ہو جاتی۔ شگنتالا کی باری آئی تو چپ چاپ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کیوں کہ اس کے پاس دینے کو

کچھ بھی نہیں تھا۔ جب تمام سواریاں کشتی میں بیٹھ گئیں تو ملاح نے شگفتا سے پوچھا:

"کیوں بیٹی، کیا تم دریا پار نہیں جاؤں گی؟"

شگفتا نے کہا۔

"جاؤں گی بابا، مگر میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کرایہ نہیں ہے"۔

ملاح کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، تم بیٹھ جاؤ کشتی میں۔ میں تم سے کرایہ نہیں لوں گی"۔

شگفتا بڑی خوشی ہوئی کہ وہ دریا پار کر لے گی۔ وہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے پاس آ کر اتر گئی۔ شہر کچھ فاصلے پر شروع ہو جاتا تھا۔ وہ چل کر شہر کی چار دیواری کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی چار دیوار کے اور راجہ کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ کچے پکے مکانوں کی کھڑکیوں پر پردے لٹک رہے تھے۔ دکانوں پر لوگوں کی چہل پہل تھی۔ شگفتا راجہ کی سرائے میں جانا چاہتی تھی۔

اس نے ایک شہد بیچنے والے سے پوچھا۔

"بابا، یہاں راجہ کی سرائے کہاں ہو گی؟"

شہد بیچنے والے نے ایک چھوٹا سا لڑکا شگفتا کے ساتھ کر دیا۔ جو اسے راجہ کی سرائے کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ سرائے ایک پرانی طرز کی سرائے تھی جس کے دروازے کے باہر ایک چبوترے پر ایک آدمی بیٹھا لکڑی کی تختی پر لوگوں کے نام لکھ رہا تھا۔ شگفتا اس کے قریب جا کر بولی۔

"بھائی میں پردیسی عورت ہوں۔ اس شہر میں میرا کوئی جاننے والا نہیں۔ کیا مجھے سرائے میں رہنے کو جگہ مل جائے گی؟"۔

سرائے والے کی ایک آنکھ کانی تھی۔ اس نے دوسری آنکھ سے بڑے غور سے شگفتا کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے؟ شگفتا نے اسے بھی اصلی کہانی نہ سنائی۔ بلکہ یہی کہا کہ وہ دور دیس سے آ رہی ہے۔ اور اپنے بھائی سے بچھڑ گئی ہے جو اس کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سرائے والے نے پوچھا:

"تمہیں کہاں جانا ہے لڑکی؟"

شگفتا نے کہا:

"مجھے ریاست لمبی سار جانا ہے جہاں میرا گھر ہے اور میرا خاوند وہاں گندم اور کپاس کی تجارت کرتا ہے۔"

سرائے کا مالک بولا۔

"ریاست لمبی سار تو ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہے اور یہاں سے بہت دور ہے۔ تو وہاں اکیلی کیسے پہنچے گی؟"

شگفتا بولی۔

"میں کوشش کروں گی کہ وہاں جانے والے کسی قافلے کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ کیا تمہیں معلوم ہے بھائی کہ ہمالیہ پہاڑ کے مندروں کو یہاں سے قافلہ کب جا رہا ہے؟"

سرائے کے مالک نے کانی آنکھ پھڑ پھڑا کر کہا۔

"ایک قافلہ بہت جلد یہاں سے روانہ ہونے والا ہے۔ بہر حال تم سرائے میں رک جاؤ۔ جس روز قافلہ چلا میں تمہیں ساتھ کر دوں گا۔ اس قافلے کا سردار میرا دوست ہے اور اپنا آدمی ہے۔ وہ تمہارا راستے میں بڑا خیال رکھے گا۔"

شگفتا نے کہا۔

"مگر بھائی۔ میرے پاس اسے دینے کے لیے کرایہ نہیں ہوگا۔ میں اسے اپنے گھر جا کر جتنے وہ کہے گا پیسے دے دوں گی۔"

مکار سرائے والے نے گردن جھکا کر کہا۔

"یہ تو بڑی مشکل بات ہے کیوں کہ کوئی بھی قافلے والا کسی مسافر سے ادھار نہیں کیا کرتا، بہرحال میں تمہاری سفارش کر دوں گا بلکہ اگر ہو سکا تو تمہارا کرایہ خود ادا کر دوں گا۔ پھر تم اپنے شہر جا کر مجھے پیسے بھجوا دینا"۔

شگفتا سرائے والے کی اس ہمدردی سے بہت خوش ہوئی کہنے لگی۔

"بھائی تم کتنے اچھے انسان ہو۔ تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ اگر تم میرا کرایہ ادا کر دو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ قافلے کے سردار کو اپنے شہر جاتے ہی کرائے کی رقم واپس کر دوں گی"۔

سرائے کا مالک بولا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ابھی۔ ابھی تو تم میری سرائے میں آرام کرو۔ اگر چہ یہ راجہ کی سرائے ہے۔ لیکن ہم یہاں ہر مسافر سے کھانے پینے اور رات رہنے کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ مگر میں تم سے کچھ نہیں لوں گا کیونکہ مجھے تم ایک دکھی عورت لگتی ہو۔ مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے"۔

شگفتا نے کہا۔

"شکریہ بھائی، اس سے بڑھ کر میرا اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ مجھے اس اجنبی شہر میں تم جیسا بھائی مل گیا"۔

سرائے کا مالک چبوترے پر سے اٹھا اور شگفتا کو ساتھ لے کر سرائے کی ڈیوڑھی سے گزر کر اندر آ گیا۔ یہ سرائے پرانی تھی۔ ڈیوڑھی کی چھت سے مکڑیوں کے جالے لٹک رہے تھے۔ پہلی منزل میں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی کوٹھڑیاں تھیں۔

سرائے کا مالک شگفتاں کو ساتھ لے کر دوسری منزل کی ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں زمین پر پھٹا ہوا پرانا قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف منہ ہاتھ دھونے کا حمام پڑا تھا۔ کونے میں بکرے کی کھال کا بستر بچھا تھا۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"او بی بی، یہ رہا تمہارا کمرہ۔۔۔ تم یہاں جتنی مدت چاہو آرام سے رہو تم سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو۔ ویسے بھی تم ایک پردیسی عورت ہو اور بڑی دکھی ہو۔ یہ کوٹھڑی دوسری منزل کی سب سے اچھی کوٹھڑی ہے۔ جب بھی کسی امیر آدمی کی عورت اس شہر میں آتی ہے تو میں اسے اسی کوٹھڑی میں ٹھہراتا ہوں"۔

شگفتاں نے کہا۔

"میرے عزیز بھائی' میں یہاں زیادہ دیر رہ کر تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ جونہی کوئی قافلہ یہاں سے چلا، میں اس کے ساتھ چل دوں گی۔ تمہاری بڑی مہربانی ہے کہ تم میرے ساتھ ایک ہمدرد بھائی بن کر اچھا سلوک کیا ہے۔ کبھی موقع آیا تو میں تمہیں اس کا بدلہ ضرور دوں گی"۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"نہیں نہیں' اس کی کیا ضرورت ہے بھلا۔۔۔ لو اب تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں۔ تمہارے لیے کھانا بھی بھجوانا ہے"۔

سرائے کا مالک چلا گیا۔ شگفتاں نے حمام میں سے پانی لے کر منہ ہاتھ دھویا۔ سرائے کے مالک نے نوکرانی کے ہاتھ ایک جوڑا کپڑے کا بھجوا دیا۔ شگفتاں نے پرانے اتارے اور نئے کپڑے پہنے اس کے بعد کھانا آ گیا۔ کھانے میں ہرن کے گوشت کے کباب،

روغنی روٹی اور بھنے ہوئے بادام اور دودھ تھا۔ اس سے بھی اچھا کھانا کبھی شگفتہ اپنے محل میں کھایا کرتی تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک مدت بعد اسے بادام اور ہرن کا گوشت کھانے کو ملا ہے۔ وہ بڑے مزے سے کھانا کھانے لگی۔ فارغ ہو کر وہ قالین پر کھڑکی کے پاس لیٹ گئی۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کوٹھڑی کے طاق میں ایک دیا روشن تھا۔ کھڑکی میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ شگفتہ کو نیند آنے لگی۔ اس نے اٹھ کر کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند کیا اور قالین پر لیٹ کر سو گئی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ سرائے والا کانا آدمی بڑا خطرناک شخص تھا۔ یہ ایک بڑے بدنام ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا رازدار تھا۔ جس کا کام شہروں میں ڈاکے ڈالنا اور عورتوں کو اٹھا کر دوسرے شہروں میں کنیزیں بنا کر فروخت کرنا تھا۔ سرائے والے نے جب دیکھا کہ ایک بے یارو مددگار اکیلی خوش شکل عورت اس کی سرائے میں آ کر ٹھہری ہے تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اس عورت شگفتہ کو ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ فروخت کر کے پیسے کمائے؟ چنانچہ اس نے اپنا خاص آدمی بھیج کر سردار ہوبلیکا کو سرائے سے دور دریا کنارے بلوا بھیجا۔

رات کو سردار ہوبلیکا گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کنارے پہنچ گیا۔ ڈاکوؤں کا سردار ہوبلیکا ایک لال آنکھوں والا کالا آدمی تھا جو ریچھ کی طرح گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ سرائے کا مالک دریا کنارے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی سرائے کے مالک نے کہا:

"سردار، تمہارے لیے ایک ایسی چیز تلاش کی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ گے"۔

سردار ہوبلیکا گھوڑے سے اتر کر درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا کوئی راجکماری ڈھونڈ لی ہے تم نے؟"

سرائے کے مالک نے کہا:

"سردار بس یہی سمجھ لو کہ وہ ایک راج کماری ہی ہے۔ تم اسے دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے"۔

"کہاں ہے وہ؟"

"میری سرائے میں وہ آرام کر رہی ہے"۔

"تو پھر بولو اس کا کیا لو گے؟"

سرائے کے مالک نے کہا:

"اگر تم اسے ایک نظر دیکھ لو تو بات پکی ہو جائے گی"۔

سردار ہوبلیکا نے کہا:

"مجھے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری بات پر اعتبار کرتا ہوں۔ تم ہمارے پرانے آدمی ہو۔ بولو، اس کا کیا وصول کرو گے؟"۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"ایک سو سونے کی اشرفیاں لے لوں گا"۔

"سو اشرفیاں نہیں، میں تمہیں مال دیکھے بغیر اسی اشرفیاں دے دوں گا۔ اس سے زیادہ ایک پائی نہیں دوں گا"۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ مال کب وصول کرنے آؤ گے؟"۔

"کل رات ٹھیک رہے گا"۔

"ہاں، کل آدھی رات کو تم سرائے کے باہر اسی جگہ آ جانا تمہارا مال یہاں موجود ہوگا"۔

"بہت اچھا، اب میں جا رہا ہوں"۔

ڈاکوؤں کا سردار ہوبلیکا شگفتا کا سودا طے کرنے کے بعد

گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ سرائے کا مالک خوش خوش واپس سرائے میں آ گیا۔ بے چاری بدنصیب شگفتا اپنی کوٹھڑی میں گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ قسمت نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے اور کل رات اسے ڈاکو وہاں سے اغوا کر کے لے جائیں گے۔ وہ رات بھر سوئی رہی۔ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا کہ اس کی آنکھ کھلی۔

سرائے کا مکار مالک اس کے لیے خود گرم گرم دودھ لے کر آیا۔ وہ شگفتا کے ساتھ اب زیادہ ہمدردی کر رہا تھا کہ کہیں وہ وہاں سے چلی نہ جائے۔

وہ بڑا خوش تھا کہ بیٹھے بٹھائے اسے سونے کی اسی اشرفیاں مل جائیں گی۔

اس نے شگفتا کو گرم دودھ پلایا۔ شگفتا نے ہمالیہ پہاڑ کے مندروں کی طرف جانے والے قافلے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ اس نے کل ہی معلوم کیا تھا۔

خیال ہے کہ آج رات ایک قافلہ ہمالیہ کی ریاست بمبی سار کی طرف جانے والا ہے۔ شگفتا بڑی خوش ہوئی۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

"تم آج رات تیار رہنا۔ ہو سکتا ہے قافلہ آدھی رات کو یہاں سے روانہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔"

شگفتا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جانے وہاں اسے کتنی دیر رہنا پڑے اور قافلہ کب وہاں سے چلے۔ یہ سن کر کہ قافلہ آدھی رات کو جا رہا ہے وہ بہت خوش تھی۔ اب وہ بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔

ایک اور مصیبت

رات ہو گئی۔

سرائے کا مالک رات کا کھانا لے کر خود شگفتہ کی کوٹھڑی میں آیا۔ اس نے آتے ہی اسے خوشخبری سنائی کہ آدھی رات کو دریا کنارے سے روانہ ہو رہا ہے۔ شگفتہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس نے سرائے کے مالک کی ہمدردیوں کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ وہ اس کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔ وہ اس کے اچھے سلوک کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔

سرائے کا مالک بولا:

”بی بی' غریب دکھی عورتوں کی خدمت کرنا تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے کسی کام آ سکا۔ اب تم تیار رہنا۔ آدھی رات کو تمہیں میرے ساتھ دریا کنارے چلنا ہو گا جہاں سے قافلہ روانہ ہو گا“۔

شگفتہ نے پوچھا۔

”بھائی قافلے عام طور پر صبح صبح روانہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ قافلہ آدھی رات کو کیوں روانہ ہو رہا ہے؟“

سرائے کے مالک نے جھٹ کہا۔

”بی بی، اس ملک میں گرمیوں کے موسم میں قافلے آدھی رات کو ہی چلا کرتے ہیں تا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے موسم میں کافی سفر طے کر لیا جائے۔ دن میں دھوپ نکل آتی ہے اور سفر مشکل ہو جاتا“۔

شگفتالا کو یقین آ گیا۔ اس نے تیاریاں شروع کر دی۔ مگر اس کی تیاریاں بھی کیا ہو سکتی تھیں۔ بے چاری نے ایک تھیلے میں خشک پھل رکھ لیے۔ سرائے کے مالک نے اسے بکری کی کھال کا بستر بھی دے دیا اور کہا کہ راستے میں اس کے کام آئے گا۔ شگفتالا نے کہا کہ وہ اپنے شہر جا کر اسے سنبل کا ریشمی بستر واپس کرے گی اور وہ کر سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ تو ایک ریاست کے راجہ کنور کی بیٹی تھی۔ سرائے کے مالک کو کیا خبر تھی کہ وہ کتنی بڑی عورت کو ڈاکوؤں کے ہاتھ بیچ رہا ہے۔ وہ بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے بی بی، میں دوسرا بستر بنا لوں گا۔ اسے تم اپنے پاس ہی رکھنا"۔

دل میں سرائے کے مالک نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ بستر ڈاکو سے واپس لے لے گا۔

"اچھا اب تم تھوڑی دیر کے لیے آرام کرو۔ میں آدھی رات کو آؤں گا"۔

"بہت اچھا بھائی"۔

سرائے کا مالک چلا گیا۔ شگفتالا کو خوشی سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج سے اس کے دکھوں کا سفر ختم ہو رہا تھا۔ حالانکہ اصل میں اس کے ایک اور دکھ کا سفر شروع ہو رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ بہت جلد وہ اپنے خاوند، اپنے باپ اور اپنے بچے سے ملے گی۔ بچے کو سینے سے لگا کر پیار کرے گی۔ اسے اپنے نیک دل بھائی عنبر کا خیال آ رہا تھا کہ نہ جانے بے چارا اس کی تلاش میں کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔ کاش اس وقت وہ بھی اس کے ساتھ ہوتا اور قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہوا اس کے شاہی محل میں جاتا۔ کاش اسے پتہ چل سکتا کہ اس کی قسم پوری ہو رہی ہے اور شگفتالا اپنے گھر جا رہی ہے۔

اس قسم کے خیال سوچ سوچ کر شگفتا کوٹھڑی میں ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ اسے ایک پل کے لیے بھی نیند نہیں اسے ایک پل کے لیے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ آدھی رات کا گجر بجا تو سردار ہوبلیکا سیاہ گھوڑے پر سوار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دریا پار والے درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ساتھ بے ہوش کرنے والی دوا بھی لائے تھی۔ یہ دوا اس زمانے میں ایک جنگلی بوٹی کو پیس کر حاصل کی جاتی تھی۔ سردار ہوبلیکا پتھر پر بیٹھ گیا اور سرائے کے مالک کی راہ دیکھنے لگا۔ دریا میں آسمان پر چمکتے ستاروں کا عکس پڑ رہا تھا۔ درختوں میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ اس کی زرد سی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

"سردار، اتنا وقت گزر گیا سرائے کا مالک ابھی تک نہیں آیا۔ ضرور اس نے دھوکا کیا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"اسے ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس نے ہم سے سونے کی اسی اشرفیاں وصول نہیں کرنی ہیں؟ اور اگر اس نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہوگا تو ہم اسی درخت کے نیچے اس کا سر تن سے جدا کر دیں گے"۔

لیکن سرائے کا مالک بیدار تھا۔ آدھی رات کو وہ شگفتا کی کوٹھڑی میں پہنچا اور اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ شگفتا پہلے ہی جاگ رہی تھی۔ اس نے خوشی خوشی لپک کر دروازہ کھول دیا۔

"تم آ گئے بھائی؟ کیا قافلہ تیار ہے؟"

سرائے کا مالک بولا۔

"ہاں بی بی، قافلے والے بالکل تیار ہیں۔ صرف تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو؟"۔

شگفتا نے کہا:

"کیوں نہیں بھائی، میں تو صبح سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ میں بالکل چلنے کو تیار ہوں"۔

"تو پھر میرے ساتھ آؤ"۔

سرائے کا مکار مالک معصوم اور بھولی بھالی شگفتا کو لے کر سرائے سے باہر آ گیا۔ تمام مسافر سو رہے تھے۔ سرائے کی ڈیوڑھی کے باہر طاق میں ایک دیا جل رہا تھا۔ دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سرائے کے مالک نے ایک گھوڑے پر شگفتا کو سوار کرایا اور دوسرے پر خود بیٹھ گیا۔

"میرے ساتھ ساتھ چلی آؤ شگفتا"

"بہت اچھا بھائی"۔

سرائے کے مالک نے اپنا گھوڑا آگے ڈال دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے شگفتا روانہ ہو گئی۔ بدنصیب شگفتا بے خبر تھی کہ وہ تباہی کے منہ میں جا رہی ہے۔ آخر سرائے کا مالک اسے لے کر دریا کنارے اس جگہ پہنچ گیا جہاں ڈاکو درختوں کے پیچھے چھپے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ شگفتا نے دیکھا کہ وہاں قافلے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ نہ گھوڑے تھے، نہ بیل گاڑیاں تھیں اور نہ سفر کرنے والے مسافر تھے۔ وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی:

"بھائی، قافلہ کہاں سے روانہ ہو گا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے؟"

سرائے کے مالک نے بڑی مکاری سے کہا:

"قافلہ ابھی یہاں پہنچ جائے گا۔ اصل میں قافلہ دریا پر پانی بھرنے کے بعد روانہ ہونے والا تھا۔ تم یہاں ٹھہرو، میں درختوں کے پار جا کر دیکھتا ہوں۔ وہاں مسافر بیٹھے ہیں"۔

شگفتا وہاں گھوڑے سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور سرائے کا مالک درختوں میں گم ہو گیا۔ پہلی بار شگفتا کے دل میں خطرے کا احساس

پیدا ہوا۔ کہیں میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کیا جا رہا؟ اس نے سوچا پھر اسے خیال آیا کہ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی ہے۔ بھلا اسے کیا ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ دھوکا کرتا پھرے؟

ادھر سرائے کا مالک جوں ہی درختوں کے نیچے آیا۔ ڈاکو باہر آ گئے۔ سردار نے اس سے پوچھا۔

”مال کہاں ہے؟“

سرائے کے مالک نے کہا۔

”دریا کنارے گھوڑے کے پاس کھڑا ہے۔ میرے پیسے مجھے دو اور جا کر اپنے مال پر قبضہ کر لو“۔

ڈاکوؤں کے سردار نے تھیلی میں سے سونے کی دس اشرفیاں نکال کر سرائے کے مالک کے حوالے کر دیں۔ سرائے کا مالک اشرفیاں اپنی تھیلی میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دوسری طرف سے ہو کر اپنی سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈاکوؤں کا سردار اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ کی طرف بڑھا۔ جہاں شگفتا! قافلے کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے قدموں کی آہٹ سنی تو مڑ کر دیکھا۔

اندھیرے میں اسے کچھ آنکھیں چمکتی دکھائی دیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”کون ہے؟“

اسی لمحے ڈاکو اس پر ٹوٹ پڑے۔ شگفتا کے منہ سے ایک لمبی درد بھری چیخ نکلی۔ مگر اس کی درد بھری چیخ سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اسے دوائی سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔ پھر اسے گھوڑے پر ڈالا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑا دوڑاتے وہاں سے غائب ہو گیا۔

یہ ڈاکو گھوڑے دوڑاتے دریا کے ساتھ ساتھ کافی دور تک سفر

کرتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک جنگل میں گھوڑے ڈال دیے۔ یہ جنگل کافی گھنا تھا۔ یہاں چاند کی روشنی بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس جنگل میں ایک پہاڑی کے دامن میں غار تھا۔ اس غار میں یہ ڈاکو آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ غار کے منہ کے آگے ایک گھنا درخت اگا ہوا تھا جس نے اس پر اپنی گھنی ٹہنیوں کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ ویسے بھی اس زمانے میں پولیس اتنی ہوشیار نہیں ہوا کرتی تھی جیسی کہ اب ہے۔ ڈاکو بڑی آسانی سے ڈاکہ ڈال کر غاروں میں جا کر چھپ جایا کرتے تھے۔

سردار ہولیکا بے ہوش شکنتلا کو لے کر غار میں آ گیا۔ اس غار میں جگہ جگہ پتھروں کی چوڑی سلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک اونچی لمبی سل کے عقب میں ایک لکڑی کا تخت بچھا تھا۔ سردار اس تخت پر بیٹھ گیا۔ دوسرے ڈاکو اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شکنتلا ابھی تک بے ہوش تھی۔ انہوں نے شکنتلا کو اٹھایا اور غار کے اندر ایک کوٹھڑی میں ڈال کر کوٹھڑی کے باہر بانس کا دروازہ گرا دیا۔ اب شکنتلا وہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ دروازے میں بھی رسیاں ڈال کر اسے بند کر دیا گیا تھا اور شکنتلا کے ہاتھ پیر بھی رسیوں میں جکڑ دیے گئے تا کہ وہ وہاں سے فرار نہ ہو سکے۔

اس کام سے فارغ ہو کر سردار ہولیکا نے کہا۔

''اب تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے۔ دن کی روشنی میں ہم اس لڑکی کو کہیں نہیں لے جا سکتے۔ ہم رات ہونے تک اسی جگہ رہیں گے۔ جب چاروں طرف رات کا اندھیرا پھیل جائے گا تو اس عورت کو لے کر یہاں سے ہستنا پور کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ ہستنا پور میں جو بڑا بردہ فروش رامو ہے وہ اس عورت کی اچھی قیمت دے گا۔ کیوں کہ یہ عورت بڑی خوب صورت ہے۔ میں اس کی کم

سے کم قیمت ایک ہزار سونے کی اشرفیاں وصول کروں گا"۔

ڈاکو سارا دن غار میں چھپے رہے۔ دوپہر کے وقت شگفتا کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک غار میں پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پہ بندھے ہوئے تھے۔ اس کے چاروں طرف خونخوار چہروں والے ڈاکو بیٹھے تھے۔ وہ رونے لگی۔ سردار ہوبلیکا نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"سن اے کم بخت عورت، تیرے رونے دھونے کا یہاں کسی پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک نے تمہارے ایسی جانے کتنی عورتوں کو قتل کیا ہے۔ ہم بڑے پتھر دل ڈاکو ہیں۔ مگر ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تو ہمارے ہاتھوں مرنے سے بچ گئی"۔

شگفتا خاموش ہوگئی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں خشک ہوگئے۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ ظالم قسم کے ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنس گئی ہے۔ وہ شیر سے بچ گئی تھی۔ مگر اب ڈاکوؤں سے بچنا مشکل تھا۔ بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے اور موقع تلاش کرے کہ فرار ہو سکے۔ لیکن ڈاکوؤں نے وہاں سے بھاگنے کے سارے راستے بند کر رکھے تھے۔ ایک تو وہ سارے کے سارے اس کے ارد گرد بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ دوسرے انہوں نے شگفتا کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ دوپہر کو انہوں نے اسے پینے کے لیے گرم دودھ اور جو کی باسی روٹی دی جسے شگفتا نے زہر مار کر لیا۔ کیونکہ اسے سخت بھوک لگی تھی۔

شام ہوگئی۔ غار میں اندھیرا ہوگیا۔ پھر رات آگئی۔ ڈاکوؤں نے غار میں ایک دیا روشن کر دیا۔ سردار ہوبلیکا تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل گیا۔ آدھی رات کے وقت وہ واپس غار میں آیا اور بولا۔

"یہاں سے کوچ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ چلو اس عورت کا منہ بند کر دو۔ بے ہوش کرنا اب ٹھیک نہیں ہے"۔

ایک ڈاکو نے سردار کا اشارہ پا کر شگفتہ کے منہ پر رومال باندھ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈال کر اوپر بکرے کی کھال رکھ دی گئی۔ باقی گھوڑوں پر ڈاکو سوار ہو کر غار میں سے نکلے اور دریا کنارے آ کر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے شہر ہستنا پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ پو پھٹنے تک وہ دریا کنارے سفر کرتے رہے۔ پھر وہ بائیں طرف کو گھوم گئے۔ یہاں اونچے اونچے پہاڑوں کے درے شروع ہوتے تھے۔ ان دروں میں جگہ جگہ جنگلی جھاڑیوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے۔ ان جھنڈوں میں بڑے زہریلے سانپ اور بچھو رہتے تھے۔ ڈاکوؤں نے کئی ایک سانپ گھوڑوں تلے روند ڈالے۔

دوپہر کو انہوں نے ایک پہاڑ کے اوپر قیام کیا۔ یہاں کھانا کھایا گیا۔ شگفتہ کے ہاتھ اور منہ کھول دیا گیا۔ بے چاری بدنصیب لڑکی کچھ نہیں بول رہی تھی۔ اب تو وہ مصیبت میں رونا بھی بھول گئی تھی۔ مجبوراً اس نے بھی ڈاکوؤں کے ساتھ روٹی اور بھنا ہوا خشک گوشت زہر مار کیا۔ سردار ہوبلیکا نے شگفتہ سے پوچھا۔

''تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہی تھیں؟''

شگفتہ نے انہیں یہ نہ بتایا کہ وہ ملبی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی ریاست کی بدنامی ہو گی اور پھر نہ جانے ڈاکو اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے اسے کہاں کہاں لیے پھریں۔ اس نے جھوٹ موٹ کہا۔

''میں ملک مصر میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کی موت کے بعد میں اکیلی اپنے شہر واپس جا رہی تھی۔ کہ سرائے میں قیام کیا اور پھر تم لوگوں کے قبضے میں آ گئی''۔

سردار ہوبلیکا قہقہہ لگا کر ہنسا:

''تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے پیچھے کوئی تمہیں رونے والا

نہیں ہوگا۔ تم اکیلی جان ہو جہاں جی چاہا رہ سکتی ہو۔ ویسے جس شخص کے ہاتھوں ہم تمہیں فروخت کریں گے وہ بھی شاید تمہیں افریقہ کے کسی شہر میں لے جا کر بیچے گا۔ کیوں کہ اس ملک میں تمہاری ایسی خوش شکل عورتوں کی قیمت زیادہ پڑتی ہے"۔

شگفتہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کیا تم لوگ مجھ پر ترس نہیں کھاؤ گے۔ میرا ایک چھوٹا بچہ بھی ہے۔ وہ میرے بغیر مر جائے گا۔ اس ننھی سی جان پر ہی رحم کھاؤ اور مجھے واپس جانے دو"۔

سردار ہوبلیکا گرج کر بولا۔

"مکار عورت ابھی تو تو کہہ رہی تھی کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اب کہتی ہے کہ میرا ایک بچہ بھی ہے۔ سچ سچ بتا تو کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے؟"

شگفتہ نے روتے ہوئے کہا۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں سردار، میرا بچہ میرے شہر میں میری ساس کے پاس رہتا ہے۔ اس کا سوائے میرے اس دنیا میں اب کوئی نہیں رہا۔ مجھے جانے دو بھگوان کے لیے مجھے جانے دو"۔

سردار ہوبلیکا نے شگفتہ کو بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ شگفتہ کی چیخ نکل گئی۔

"رحم کرو مجھ پر ظالمو"۔

"بکواس بند کرو بدبخت عورت' نہیں تو ابھی خنجر مار کر تمہارا کام تمام کر دوں گا"۔

اس کے فوراً بعد سردار ہوبلیکا نے کوچ کا حکم دے دیا۔

"سفر جاری رکھا جائے"۔

ڈاکوؤں کا یہ چھوٹا سا قافلہ دوبارہ چل پڑا۔ پہاڑوں، درّوں سے

نکلے تو تیسرے پہر دور ایک شہر کے مکان دکھائی دیے۔ یہی شہر ہستنا پور تھا۔ اسی شہر میں مشہور عورتوں کی تجارت کرنے والا بردہ فروش رامو رہتا تھا۔ شہر سے باہر ہی ڈاکوؤں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ایک بار پھر شکنتلا کے منہ کو کپڑے سے بند کر کے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

''تم لوگ اسی جگہ کھنڈروں میں ٹھہرو۔ میں رامو کو بلا کر لاتا ہوں۔ اس خوش شکل عورت کا سودا اسی جگہ کر دیا جائے گا''۔

سردار چلا گیا۔ ڈاکو پیچھے شکنتلا کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھے پہرہ دیتے رہے۔ شام کا وقت ہو رہا تھا کہ سردار ہوبلیکا اپنے ساتھ کالے سیاہ، بڑی بڑی مونچھوں والے رامو کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ رامو کا پیٹ نکلا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی شکنتلا کو غور سے دیکھا اور مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا:

''ہاں تو اچھا ہے سردار، بتاؤ کیا دوں اس کا؟''

ایک ہزار اشرفیوں پر بات طے ہو گئی۔ رامو نے ایک ہزار اشرفیاں سردار ہوبلیکا کو ادا کر دیں۔ رامو شکنتلا کو بے ہوش کر کے گھوڑے پر ڈال کر وہاں سے بھاگ گیا۔ شکنتلا کو جب ہوش آیا تو وہ ایک تہہ خانے میں بستر پر لیٹی تھی جس کی چھت نیچی تھی اور کھڑکی پر سلاخیں لگی تھیں۔ شکنتلا نے اٹھ کر کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔

بہت نیچے ایک گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔

فرار اور سانپ

شگفتہ کو اب معلوم ہوا کہ وہ ایک مکان کی سب سے اوپر منزل پر قید ہے۔

وہ اسے تہہ خانہ سمجھ رہی تھی۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں اور شہر کے مکان دکھائی دے رہے تھے۔ مکانوں کے درمیان راجہ ہنومان کا محل نظر آ رہا تھا۔ جس کے گنبد پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ یہ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ کہیں کہیں مکانوں میں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ وہ ساری رات بے ہوش رہی تھی۔ اب اسے بھوک لگ رہی تھی۔ کمرے کی دیواریں پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اسے قید کر دیا گیا تھا۔ بڑی بڑی خوفناک مونچھوں والا رامو اسے کسی بڑے آدمی کے پاس فروخت کر کے زیادہ دولت کمانا چاہتا تھا۔ شگفتہ کو اپنی قسمت پر رونا آ گیا۔ بے چاری جب سے گھر سے نکلی ہے اسے ایک پل کے لیے چین نصیب نہیں ہوا۔ کبھی شہروں میں ماری ماری پھرتی ہے اور کبھی جنگلوں میں بھٹکتی ہے۔

کمرے کا دروازہ کسی نے باہر سے کھولا۔ اندر ایک ڈاکو ہاتھ میں روٹی کی چنگیر اور بھنے ہوئے مرغ کا سالن لے کر آیا۔ یہ لوگ شگفتہ کو اچھے سے اچھا کھلانا چاہتے تھے تا کہ وہ تندرست رہے اور اس کی زیادہ قیمت وصول کی جائے۔ شگفتہ نے سوچا کہ اس کے ساتھ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ اب اگر کھانا اچھا ملا ہے تو پھر اسے کیوں نہ کھائے۔ چنانچہ اس نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا اور بکروں کی کھال

کے بستر پر لیٹ گئی۔ اب وہ بڑی بے خوف ہو گئی تھی۔ مصیبتیں سہہ سہہ کر انسان سخت جان بن جاتا ہے۔ پہلے وہ بات بات پر ڈرا کرتی تھی۔ اب اس نے یونہی ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔

ویسے دل میں اس نے سوچ رکھا تھا کہ جیسے ہی اسے کوئی موقع ملا وہ فورا وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے وہ بڑی چوکس رہنے لگی۔ اس نے کھانا لانے والے ڈاکو سے یونہی ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے یہ پتہ کرنا چاہتی تھی کہ اسے ہنومان راجہ کے شہر سے کہاں لے جا کر فروخت کیا جائے گا۔ لیکن ڈاکو جو کھانا لے کر آیا تھا بڑا ہوشیار تھا۔ وہ زیادہ باتیں نہیں کر رہا تھا۔ شکنتلا بہت سی باتیں پوچھتی تو وہ صرف ایک بات کا جواب دیتا۔

شکنتلا نے پوچھا۔

”کیا تم اسی جگہ پیدا ہوئے تھے؟ تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔ تم تو چہرے سے مجھے کسی شریف خاندان کے آدمی لگتے ہو۔ پھر تم ان ڈاکوؤں میں کس طرح پھنس گئے؟“

یہ بڑی جذباتی باتیں تھیں۔ ڈاکو کے دل پر چوٹ پڑی کہ وہ واقعی برے دوستوں کی صحبت کی وجہ سے ان ڈاکوؤں میں پھنس گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں کے سامنے خوف ناک راموکی شکل آ گئی جس نے کہا تھا کہ خبردار اس عورت سے زیادہ بات مت کرنا اس نے صرف اتنا کہا۔

”میں ڈاکو ہوں۔ ڈاکو پیدا ہوا اور ڈاکو ہی مروں گا“۔

شکنتلا نے پھر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم ایک شریف ماں کے بچے ہو“۔

”خاموش“

ڈاکو نے چیخ کر شگفتہ کو چپ کرا دیا۔ اور چنگیر لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ باہر جا کر اس نے دروازہ بند کر کے تالہ ڈال دیا۔ شگفتہ پھر اکیلی رہ گئی۔ اس نے کھڑکی میں سے نیچے جھانکا۔ تیسری منزل کی کوٹھڑی میں تھی۔ یہاں سے وہ رسی کے ذریعے نیچے اتر تو سکتی تھی مگر ایسا کرنا بہت خطرناک تھا۔ اس لیے کہ نیچے کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پاؤں ٹکا کر وہ اتر سکے اور اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی رسی بھی تو نہیں تھی۔ اس نے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے کہ یہ ظالم شخص رامو اسے کسی امیر آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دے وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ وہاں سے کیسے فرار ہو؟

شگفتہ دن بھر اس بارے میں سوچتی رہی۔ شام ہو گئی۔ ایک اور ملازم اس کے لیے کھانا لے کر آیا۔ اس ملازم کی عمر پکی تھی۔ اور سر کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شگفتہ سمجھ گئی کہ یہ ڈاکو نہیں ہے بلکہ رامو کا باورچی یا گھریلو ملازم ہے۔ شگفتہ نے سوچا کہ اس شخص کی انسانی ہمدردی کو جلدی بیدار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا ہو گا اور کبھی ڈاکہ نہیں ڈالا ہو گا۔ چنانچہ اس نے کھانا کھانے سے پہلے ملازم سے کہا:

"بھائی، تم بڑے بھلے مانس ہو جو میرے لیے اتنا اچھا کھانا لائے۔ اپنے باورچی سے میرا سلام کہنا اور شکریہ ادا کرنا۔ تمہارا باورچی سچ مچ بہت عمدہ پکاتا ہے۔"

نوکر نے جھٹ کہا:

"میں ہی یہ کھانا پکاتا ہوں۔"

شگفتہ بولی۔

"تو کیا تم ڈاکو نہیں ہو؟ میں بھی سوچ رہی تھی کہ اتنا اچھا آدمی

ڈاکو نہیں ہو سکتا۔ تم شکل سے مجھے اپنے بڑے بھائی معلوم ہو رہے ہو۔ تمہاری شکل بالکل میرے بھائی سے ملتی ہے۔ کیا میں تمہیں بھائی کہہ سکتی ہوں"۔

شگفتا کی یہ چال بڑی کامیاب رہی۔ نوکر کے دل پر شگفتا کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ مگر اوپر سے وہ بالکل پتھر کا بت بنا شگفتا کے سامنے بیٹھا اسے کھانا کھاتے دیکھتا رہا۔ شگفتا باتیں کر رہی تھی اور صرف ہوں، ہاں کہہ کر جواب دیتا تھا۔

شگفتا نے کہا۔

"میرے بھائی، اگر تمہاری کوئی اپنی بہن ہوتی اور اسے یہ لوگ گھر سے اٹھا کر فروخت کرنے کے لیے اس جگہ لا کر قید کر دیتے تو تم کیا کرتے؟"

نوکر نے کہا۔

"میں ان لوگوں کو باری باری قتل کر کے خود سب سے بڑا ڈاکو بن جاتا، مگر کسی عورت کو اغوا کر کے فروخت نہ کرتا"۔

شگفتا بولی۔

"شاباش، بھائی مجھے تم سے اسی جواب کی امید تھی۔ تم ایک بے حد شریف اور خاندانی نوجوان ہو۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے اندر انسانی شرافت ابھی باقی ہے۔ کاش میرا بھی کوئی تمہاری طرح کا بھائی ہوتا۔ پھر وہ مجھے قید میں پڑا دیکھ کر میری مدد کرتا"۔

"کیا تم میرے بھائی کی جگہ نہیں لے سکتے؟"

نوکر نے سر جھکا دیا۔ جب سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر بڑی نرمی سی تھی۔ اس نے کہا۔

"سنو! تم نے باتیں کر کے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ میں تمہارے لیے صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں ایک رسی لا دوں تاکہ تم

رات کو کھڑکی میں سے باہر فرار ہو جاؤ"۔

شگفتہ بڑی خوش ہوئی کہ اس نے نوکر کے دل کو موم کر لیا تھا۔ اس نے جھٹ کہا:

"مگر اس کھڑکی کی سلاخیں میں نہیں توڑ سکتی میرے بھائی" نوکر نے کہا۔

"میں رات کو آ کر کھڑکی کی تین سلاخیں اکھاڑ دوں گا۔ تم رسی باندھ باندھ کر فرار ہو جانا۔ اس سے زیادہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے تم پر بڑا سخت پہرہ لگا رکھا ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے کہ اگر تم پکڑی گئیں تو میرا نام ہرگز نہ لینا نہیں تو یہ ظالم شخص رامو مجھے قتل کر دے گا۔

شگفتہ نے کہا:

"میں وعدہ کرتی ہوں مر جاؤں گی مگر زبان نہیں کھولوں گی"

"تو پھر آج رات آ کر تمہیں رسی دے جاؤں گا اور کھڑکی کی تین سلاخیں بھی اکھاڑ دوں گا"۔

اتنا کہہ کر نوکر برتن لے کر وہاں سے چلا گیا۔

شگفتہ نے خدا کے حضور سجدہ کیا کہ اس نے اس کی آخر سن لی۔ اب وہ بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ نوکر نے اتنا شگفتہ کو بتا دیا تھا کہ رامو اسے فروخت کرنے کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور کل واپس آ کر اسے ساتھ لے جائے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ شگفتہ کے پاس صرف ایک رات ہی باقی تھی۔ اس ایک رات میں اگر وہ بھاگ سکتی ہے تو بھاگ جائے۔ نہیں تو پھر ساری زندگی کسی امیر آدمی کی لونڈی بن کر زندہ رہنا پڑے گا۔

شگفتہ نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ وہ تیسری منزل سے گر کر مر جائے گی مگر وہاں سے بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ رات کا اندھیرا شہر

میں پھیل گیا۔ دور مکانوں میں کہیں کہیں روشنی ہو گئی۔ شگفتہ کے کان دروازے پر لگے تھے کہ کب نوکر آ کر اسے رسی دیتا ہے۔ آدھی رات کو نوکر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بکرے کی اون کی پکی رسی کا گچھا تھا۔ اور سلاخ اکھاڑنے والا اوزار تھا۔ اندر آ کر اس نے رسی شگفتہ کے پاس رکھ دی۔ دروازہ اندر سے بند کیا اور اوزار کی مدد سے کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی خاموشی اور جانفشانی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے کھڑکی کی تین سلاخیں اکھاڑ کر پرے پھینک دیں۔ پھر شگفتہ سے کہا۔

"میں رسی اس ستون کے ساتھ باندھ کر ایک سرا کھڑکی سے باہر پھینک دیتا ہوں۔ اب تم جانو تمہارا کام۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔"

یہ کہہ کر نوکر کوٹھڑی سے نکل گیا۔ باہر سے اس نے دروازے پر تالا ڈال دیا اور پھر نیچے اتر گیا۔ اس نے رسی ستون سے باندھ ڈالی تھی۔ شگفتہ نے رسی کا دوسرا سرا کھڑکی میں سے باہر پھینک دیا۔ یہ مکان کا پچھواڑہ تھا۔ سلاخیں اکھڑ جانے سے وہاں اتنی جگہ پیدا ہو گئی تھی کہ شگفتہ بڑی آسانی سے اس میں سے گزر سکتی تھی۔ باہر بڑا گھپ اندھیرا تھا۔ شگفتہ کے لیے ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے رسی کو مضبوطی سے پکڑا اور کھڑکی کی سلاخوں والی جگہ سے گزر کر باہر لٹک گئی۔ نیچے اس کے پاؤں کسی چیز سے بھی نہیں ٹکرا رہے تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ نیچے کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ ایک منزل اتر کر اس کے پاؤں دوسری منزل کی کھڑکی کے چھجے سے جا لگے۔ چھجے پر رک کر اس نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر خدا کا نام لے کر

نیچے اترنا شروع کر دیا۔ رسی بڑی مضبوط تھی۔ اس کا پورا بوجھ لے کر اسے نیچے اتار رہی تھی۔ وہ دوسری منزل سے بھی اتر گئی۔ اب تیسری منزل سے گزر رہی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس پر کسی کی بھی نظر نہیں پڑی۔

ویسے بھی آدھی رات کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور سارے ڈاکو اندر گہری نیند سو رہے تھے۔ شگفتا جلدی جلدی لٹکتی ہوئی تیسری منزل سے بھی نیچے اتر گئی۔ اس کے پیر زمین پر لگے تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے رسی کو اسی جگہ پھینکا اور ایک طرف کو بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ جس جگہ سے گزر رہی تھی یہ ایک کچا راستہ تھا جو گندے نالے کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ ایک طرف کچے مکانوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ شگفتا کو بھاگتے دیکھ کر ایک جھونپڑی کے باہر سویا ہوا کتا زور سے بھونکا۔ شگفتا رک گئی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ کتا پھر سو گیا۔

شگفتا نے دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا۔

بھاگتے بھاگتے وہ شہر سے باہر آ گئی۔ ستاروں کی روشنی میں اسے دور ایک جگہ سے دھواں اٹھتا نظر آیا۔ وہ کسی بھی گھر میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سارا شہر ہی ڈاکوؤں کا ہے۔ پھر بھی صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ کسی نہ کسی جگہ پناہ ضرور حاصل کرنا چاہتی تھی۔ تا کہ جب ڈاکو اس کی تلاش میں نکلیں تو وہ کسی جگہ پر چھپی ہوئی ہو۔ پہلے اس نے سوچا کہ وہ کسی مکان کے اندر جا کر پناہ حاصل کرے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر شگفتا نے دریا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ دریا کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔

وہ بہت جلد دریا کنارے پہنچ گئی۔ ستاروں کی ہلکی روشنی میں دریا

کنارے اگے ہوئے درختوں کے جھنڈ خاموش کھڑے تھے۔ دریا کا پانی بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ وہ شمال کی طرف دریا کنارے آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ شہر سے دور نکل آئی تھی۔ اب مشرق میں پو پھٹ چکی تھی۔ آسمان پر نیلے رنگ کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ شکنتلا تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس نے سانس لیا۔ دریا کا پانی پیا منہ ہاتھ دھویا۔ وہ تازہ دم ہو گئی۔ ہلکی ہلکی صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ اس روشنی میں شکنتلا کو ایک جگہ جھاڑیوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ وہ اس جھنڈ کی طرف آ گئی۔ یہ جھاڑیاں اونچی اور پھیلی ہوئی تھیں۔ جھاڑیوں کے اندر جگہ خالی تھی۔ زمین پر جھاڑیوں کے خشک پتے اور سوکھی شاخیں بکھری پڑی تھیں۔ اس سے اچھی جگہ چھپنے کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

شکنتلا نے سوچا کہ جب تک کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا اسی جگہ چھپ جانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے جھاڑیوں کے اندر جگہ صاف کی۔ جھاڑیوں کے اندر آنے والی جگہ پر شاخیں توڑ کر لگا دیں تا کہ باہر سے کسی کو شک نہ پڑ جائے کہ اندر کوئی ہے۔ وہ سوکھی شاخوں کے بستر پر لیٹ گئی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ وہ لیٹتے ہی سو گئی۔

اب ذرا ڈاکو رامو کی بھی خبر لیتے ہیں کہ اس نے جو صبح کو دیکھا کہ کھڑکی کی سلاخیں ٹوٹی ہوئی ہیں اور باہر رسی لٹک رہی ہے تو اس کا چہرہ غصے سے آگ بھبھوکا ہو گیا۔ وہ ابھی ابھی پانچ ہزار سونے کی اشرفیوں میں شکنتلا کا سودا کر کے آ رہا تھا۔ اتنا بڑا نقصان بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے سارے نوکروں کو قطار میں کھڑا کر دیا۔ چوکیدار کو تو اس نے الٹا لٹکا دیا جو نوکر کھانا لے کر جاتے تھے انہیں بھی چھت کے ساتھ الٹکا دیا۔ جس نوکر نے شکنتلا کو فرار ہونے میں مدد دی تھی وہ رامو کا بڑا پرانا نمک خوار تھا۔ اس پر رامو کو شک نہ ہوا۔ یہ بھی

اچھا ہوا، ورنہ کوئی پتہ نہیں تھا کہ بوڑھا نوکر سب کچھ بتا دیتا۔ رامو کا مارے غصے کے برا حال ہو رہا تھا۔

اس نے ہنٹر سے نوکروں کو مارنا شروع کر دیا۔

"کم بخت نمک حرامو، تمہاری مدد کے بغیر وہ یہاں سے کبھی نہیں بھاگ سکتی تھی۔ ضرور تم میں سے کسی نے اسے رسی لا کر دی ہے اور سلاخیں اکھاڑی ہیں"۔

رامو نے مار مار کر نوکروں کا کچومر نکال دیا۔ مگر اب چڑیا اڑ گئی تھی۔ نوکروں کو مارنے سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے خاص ڈاکو ساتھی کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شگفتہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ مکان کے باہر شگفتہ کے پاؤں کے نشان گندے نالے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ڈاکو پیروں کے نشانوں کو دیکھتے ہوئے آگے روانہ ہو گئے۔ یہ ایک بڑی خطرناک بات تھی۔ کیوں کہ پاؤں کے نشان شگفتہ کی جھاڑیوں تک لے جاتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ صبح ہی صبح دریا کنارے سے بھینسوں اور بکریوں کا ایک ریوڑ گزرا تھا جس نے شگفتہ کے پاؤں کے نشان مٹا دیئے۔

دریا کنارے پہنچ کر رامو اور ساتھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے شگفتہ کے پاؤں کے نشان بھینسوں اور بکریوں کے پاؤں کے نشانوں میں گم ہو گئے تھے۔ رامو وہیں بیٹھ گیا۔ اس کا پانچ ہزار اشرفیوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ اس نے نوکروں کو کوسنا شروع کر دیا پھر اپنے ساتھی سے کہا۔

"اگر وہ لڑکی دریا کنارے تک آئی ہے تو ضرور دریا کے ساتھ ساتھ گئی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی دریا کے ساتھ ساتھ اسے تلاش کرنا چاہیے"۔

ساتھی ڈاکو نے کہا۔

"اب دیر ہو گئی ہے۔ نہ جانے وہ اتنی دیر میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوگی۔ بہر حال ہمیں تلاش ضرور کرنی چاہیے"۔

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دریا کنارے چلنے لگے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد وہ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے رک گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریب ہی جھاڑیوں میں شگفتہ چھپی ہوئی تھی۔ دن چڑھ آنے پر شگفتہ کی آنکھ کھل گئی۔ جھاڑیوں کے باہر دھوپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جھاڑیوں کے اندر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ شگفتہ نے سوچا کہ باہر نکل کر دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھونا چاہیے۔ وہ یہ سوچ کر باہر نکلنے ہی والی تھی کہ اسے گھوڑے کے ہنہنانے اور آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جھاڑیوں کی شاخیں پرے ہٹا کر دیکھا۔

باہر دیکھتے ہی اس کا دل دھڑکنے لگا ذرا فاصلے پر دریا کنارے رامو اور اس کا ایک ڈاکو ساتھی گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔

شگفتہ نے ہاتھ جوڑ کر خدا سے دعا کی کہ وہ اسے ان ظالموں کے پنجے سے نجات دے۔ رامو اور اس کا ڈاکو ساتھی گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے۔ وہ دریا کنارے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے تھے۔ رامو نے دریا کنارے کی جھاڑیوں کو غور سے دیکھا اور ڈاکو ساتھی سے کہا۔

"کم بخت وہ کہیں ان جھاڑیوں میں تو نہیں چھپی ہوئی؟"

ساتھی ڈاکو نے کہا۔

"ان جھاڑیوں میں بڑے بڑے زہریلے سانپ اور بچھو رہتے ہیں۔ یہاں اگر وہ چھپی بھی ہو گی تو سانپ کے زہر سے اب تک مر چکی ہوگی"۔

رامو نے کہا:

"پھر بھی میں ان جھاڑیوں کو ضرور دیکھوں گا"۔

یہ کہہ کر وہ دریا کنارے پھیلی ہوئی جھاڑیوں کے چھوٹے بڑے جھنڈوں کی طرف بڑھا۔

شگفتہ نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے خدا سے مدد کے لیے دعا کی۔ پھر آنکھیں کھولیں تو رامو ایک جھاڑی میں جھانک رہا تھا۔ وہاں بہت ہی جھاڑیوں کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔

رامو ڈاکو نے جوں ہی دوسری جھاڑی میں منہ ڈالا تو ایک سیاہ کالا ناگ پھن پھیلا کر اس کی طرف لپکا۔ رامو واپس بھاگا سانپ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔

رامو نے چیخ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"بھاگو، سانپ! سانپ!"

وہ بھاگ رہا تھا۔ ڈاکو ساتھی بھی اٹھ بھاگا۔ افراتفری میں انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے کی بھی مہلت نہ ملی۔ رامو اتنا موٹا تھا کہ اس سے زیادہ وہ تیز بھاگا نہیں جاتا تھا۔ سانپ نے بھی انہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سانپ اپنا پھن پھیلائے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ رامو کا پیچھا کر رہا تھا۔

رامو ہانپتا کانپتا دریا کی پٹڑی پر ہی پہنچا تھا کہ سانپ اس کے سر پر جا پہنچا اور اس نے پھوں کی آواز کے ساتھ گردن جھکا کر بڑی جلدی سے رامو کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ سانپ کے ڈسنے کے بعد ایک طرف کھڑا پھن اٹھائے جھومتا رہا۔ جیسے اپنے شکار کے مرنے کا نظارہ کرنا چاہتا ہو۔ یہ نظارہ شگفتہ بھی دیکھ رہی تھی۔

رامو کی ٹانگ پر سانپ نے ڈسا تو وہ وہیں رک گیا۔ اس نے جھک کر اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ سانپ کے دانتوں کے نشان کی جگہ خون

کی دو بوندیں ابھر آئی تھیں۔ رامو سمجھ گیا کہ سانپ اپنا کام کر گیا ہے۔

اس نے سانپ کو مارنے کے لیے اپنی کمر سے خنجر نکالا۔ سانپ اس کی آنکھوں کے سامنے پھن اٹھائے لہرا رہا تھا اور اپنی سرخ آنکھوں سے رامو کو دیکھ رہا تھا۔ رامو نے خنجر ہاتھ میں پکڑا اور سانپ کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں زہر نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ رامو کے قدم لڑکھڑائے۔ اس کا ہاتھ جس میں خنجر تھا کانپنے لگا۔ رامو کے سارے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ وہ کپکپانے لگا۔ اس نے کھڑا رہنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

جھوم کر لڑکھڑایا۔ لڑکھڑا کر جھوما اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے اپنا گال زمین کے ساتھ لگا لیا۔

ایک ہچکی لی اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

شکنتلا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

پراسرار پالکی

رامو کے مرتے ہی سانپ دریا کی طرف چلا گیا۔

رامو کا ساتھی ڈاکو وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ ان کے دونوں گھوڑے دریا کنارے کھڑے تھے۔ شگفتہ بڑی حیران ہوئی کہ خدا کس طرح بے گناہ کی مدد کرتا ہے۔ اور گنہگار کو اس کے گناہوں کی سزا دیتا ہے۔ پہلے تو اسے خیال آیا کہ باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہو اور وہاں سے بھاگ جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے رامو کا ساتھی واپس وہاں آ جائے اور گھوڑا لے کر شگفتہ کا تعاقب شروع کر دے۔ وہ جھاڑیوں کے اندر ہی چھپی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ رامو کا ساتھی دور سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے وہاں دوبارہ آ گیا۔

اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا کہ کہیں سانپ تو چھپا نہیں ہوا۔ پھر وہ رامو کی لاش کے پاس آیا۔ اس نے لاش کو کندھے پر اٹھایا۔ اسے کناروں پر لایا اور پھر دریا میں پھینک دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دونوں گھوڑوں کو پیار کیا۔ ایک گھوڑے پر خود سوار ہوا۔ اور دوسرے گھوڑے کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شگفتہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک بہت بڑی بلا سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا۔ اب اسے خود جھاڑیوں سے خوف آنے لگا کہ کہیں وہاں کوئی سانپ نہ نکل آئے۔ وہ جھاڑیوں سے ڈرنے لگی تھی۔

چنانچہ وہ باہر نکل آئی۔ دریا کنارے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے شمال کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ راستے میں ایک درخت پر اس نے پکے ہوئے لال لال امرود لٹکتے دیکھے شگفتا نے پیٹ بھر کر امرود کھائے اور آگے چل پڑی۔ کافی دور چلنے کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شہر بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ دھوپ میں راجہ کے محل کا چاندی کا چھتر ابھی تک چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے دل میں راجہ کے محل کا چھتر دیکھ کر ایک عجیب خیال آیا۔ کیوں نہ وہ راجہ سے جا کر مدد طلب کرے۔ کیوں نہ وہ اسے جا کر بتا دے کہ وہ بھی سار کے راجہ کنور کی بیٹی ہے اور مصیبتوں میں پھنس گئی ہے۔ راجہ ہنومان ضرور اس کی مدد کرے گا۔

یہ خیال شگفتا کو پسند آیا۔ اس نے راجہ کے محل میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک دم واپس گھومی اور راجہ کے محل کی طرف چلنے لگی۔ وہ

شہر کے دروازے پر آ گئی۔ دروازے پر پہرے دار نے اسے روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ شگفتا نے اسے یونہی بتایا کہ وہ ایک کسان کی بیوی ہے۔ کسان گاؤں سے شہر سبزی فروخت کرنے آیا تھا۔ ابھی تک گھر واپس نہیں گیا۔ وہ اسے تلاش کرتی وہاں آئی ہے۔ پہرے دار نے شگفتا کو اندر جانے دیا۔ اس کا حلیہ بھی غریب کسان عورتوں جیسا بنا ہوا تھا۔ شہر کی چار دیواری میں آ کر شگفتا نے راجہ کے محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ راجہ کا محل شہر میں صاف اور سب سے الگ دکھائی دے رہا تھا۔

راجہ کے محل کے قریب آ کر وہ رک گئی۔ راجہ ہنومان کا محل اتنا شاندار محل تھا۔ جتنا کہ شگفتا کے راجہ کنور کا محل تھا۔ دو چار گنبد تھے اور پتھر کی چار دیوار میں بہت بڑا دروازہ لگا ہوا تھا۔ جس کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ شگفتا کھڑکی کے پاس آئی تو چوکیدار سپاہیوں نے اسے

روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے؟

شکنتلا نے کہا:

"میں ہمالیہ کی ریاست بھمی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہوں۔ مجھ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ میں راجہ ہنومان سے ملنا چاہتی ہوں"۔

سارے سپاہی شکنتلا کے پھٹے ہوئے کپڑے اور گندے بال دیکھ کر ہنس پڑے۔ انہوں نے شکنتلا کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

"تو پاگل ہو گئی ہے عورت، بھلا ایک راج کنور کی بیوی کی ایسی حالت ہوتی ہے جیسی کہ تمہاری ہے؟ چل بھاگ جا یہاں سے۔ ورنہ راجہ کو خبر ہو گئی تو وہ تمہیں پاگل خانے پہنچا دیں گے"۔

شکنتلا نے کہا:

بھائیو! یقین کرو میں راجہ بھمی سار کی بیوی ہوں۔ میں راج محل

میں رہتی تھی کہ ڈاکو مجھے اٹھا کر لے گئے۔ ان سے بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی ہوں۔ تم مجھے راجہ ہنومان جی سے ملا دو۔ میں انہیں اپنی بپتا سنانا چاہتی ہوں"۔

سپاہی اور زیادہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"بھاگ جا یہاں سے پاگل عورت، چل بھاگ یہاں سے ورنہ ابھی تم پر کتے چھوڑ دیے جائیں گے"۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اتنے میں وہاں سے رانی ہنومان کی سواری گزری۔ اس نے جو دروازے پر شور سنا تو ایک سپاہی کو بلا کر پوچھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ شور کیسا ہے؟"

سپاہی نے جھک کر آداب بجالاتے ہوئے کہا۔

"مہارانی جی، ایک پھٹے کپڑوں والی عورتوں کہیں سے آ گئی ہے۔ کہتی ہے کہ میں ہمالیہ کی ریاست بھمی سار کے راجہ کنور کی بیوی

ہوں اور راجہ جی سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں"۔

رانی کا دل بڑا نرم تھا۔ اس نے سپاہی سے کہا۔

"اس عورت کو ہمارے محل میں ابھی پیش کرو"۔

"جو حکم مہارانی جی"۔

رانی کی سواری محل میں چلی گئی اور سپاہی نے بھاگ کر پہریداروں سے کہا۔

"رک جاؤ، اس عورت کو مہارانی نے راج محل میں بلایا ہے"۔

سپاہی خاموش ہو گئے۔ شگفتا نے شکر ادا کیا کہ وہ راج محل میں رانی کے راج محل جانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ سپاہیوں نے اسی وقت شگفتا کو راج محل میں رانی کے پاس پہنچا دیا۔ جس وقت شگفتا رانی کے محل میں آئی۔ اس وقت وہاں رانی کے ساتھ راجہ ہنومان بھی موجود تھا۔ یہ ایک بڑا نرم دل اور مہربان راجہ تھا۔ اس نے شگفتا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کی تجربہ کار آنکھوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ کوئی شاہی خاندان کی عورت ہے۔ اگرچہ کپڑے پھٹے ہیں۔ بالوں میں گرد جمی ہے اور چہرے پر خراشیں ہیں مگر آنکھیں بتا رہی ہیں کہ کسی محل کی رانی ہے۔

رانی ہنومان نے شگفتا کو چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شگفتا چوکی پر بیٹھ گئی تو رانی نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آ رہی ہے۔ اور کدھر جانے کا ارادہ رکھتی ہے؟

شگفتا نے کہا:

"اے مہارانی، اس وقت جو عورت پھٹے ہوئے کپڑوں اور گرد سے بھرے ہوئے بالوں کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑی ہے وہ ہمالیہ کی ریاست بھی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے"۔

راجہ اور رانی خاموش ہو گئے۔ وہ بڑے غور سے شگفتا کو دیکھ رہے

تھے۔ انہوں نے پوچھا:

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم بھی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے؟ کیا تیرے بازو پر ہندوستان کی مہارانیوں کی چھاپ لگی ہے؟"

شگفتا بولی۔

"جی ہاں، آپ یہ چھاپ دیکھ سکتے ہیں"۔

اس زمانے میں ملک ہندوستان میں یہ دستور عام تھا کہ راجے مہاراجے شادی کے بعد اپنی مہارانی کے بازو پر خنجر کی نوک سے ستارے کا ایک نشان بنا دیا کرتے تھے۔ اسے وہ راجہ محل کی چھاپ کہا کرتے تھے۔ یہ چھاپ شگفتا کے بازو پر تھی۔ آج تک اس نے کسی کو یہ چھاپ اس لیے نہیں دکھائی تھی کہ اس کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ صرف ایک راجہ ہی اس چھاپ کو پہچان سکتا تھا۔ رانی نے آگے بڑھ کر شگفتا کے بازو کو ننگا کیا۔ سچ مچ مہارانیوں کی چھاپ وہاں موجود تھی۔ رانی اور راجہ کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت مہارانی ہے۔

راجہ نے پوچھا۔

"تمہاری ریاست ہمالیہ کے دامن میں کس جگہ پر ہے؟"

شگفتا نے کہا۔

اے راجہ، یہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ جگہ کون سی ہے۔ ہاں یہ مجھے ضرور معلوم ہے کہ اس ریاست کے شمال میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں پر سارا سال برف چمکتی رہتی ہے اور ہماری ریاست میں آم کے گھنے باغ ہیں اور ہمارے محل کے اوپر چاندی کے بے شمار چھتر ہیں۔ بالکل ایسے جیسے تمہارے محل کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد شگفتا نے اپنی ساری داستان الف سے یے تک راجہ ہنومان اور اس کی رانی کو سنا دی۔ دونوں شگفتا کی مصیبت بھری کہانی سن کر بے حد متاثر ہوئے۔

شگفتا نے کہا:

"اے مہاراج، اے مہارانی، میں صرف اس لیے تمہاری خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ میری مدد کرو۔ مجھے کسی طرح میرے راج کنور کے محل تک پہنچا دو تا کہ میں اپنے خاوند سے مل کر اپنے پیارے بچے کو سینے سے لگا سکوں"۔

رانی نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شگفتا مہارانی' تمہاری مصیبتوں کے دن اب ختم ہو گئے ہیں۔ ہم تمہیں بہت جلد تمہارے محل میں واپس پہنچا دیں گے۔ جب تک تم ہمارے محل میں ہماری شاہی مہمان بن کر رہو گی۔ تمہاری خاطر داری مہارانیوں کی طرح سے ہو گی"۔

شگفتا کو ایک عرصے کے بعد کسی نے مہارانی کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ اب وہ ہر طرح سے محفوظ تھی۔ اس نے راجہ سے کہا۔

"اے راجہ آپ ایک نیک اور رعایا سے محبت کرنے والے راجہ ہیں۔ پھر آپ کے شہر میں ایسے لوگ کیوں رہتے ہیں جو غریب عورتوں کو اٹھا کر انہیں لونڈی بنا کر فروخت کر دیتے ہیں؟"۔

راجہ نے کہا۔

"کون ہے وہ ظالم شخص؟"

شگفتا نے راجہ کو رامو کے گھر کا پتہ بتا دیا۔ راجہ نے اسی وقت سپاہیوں کو وہاں بھجوا کر چھاپہ مارا اور سارے ڈاکو گرفتار کر لیے گئے۔ ان سب کو شگفتا کے سامنے لایا گیا۔ شگفتا نے اس نوکر کو باہر نکال لیا جس نے اس کی مدد کی تھی۔ باقی ڈاکوؤں کو راجہ نے ہاتھیوں کے آگے ڈال کر ہلاک کروا دیا۔ شگفتا اب شاہی محل میں رہنے لگی۔

راجہ ہنومان بڑا شریف اور نیک راجہ تھا۔ مگر اس کا وزیر بڑا ہی

مکار اور ظالم شخص تھا۔ اس نے جب شگفتا کو دیکھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اس مہارانی کو راج کنور کے پاس روانہ کرنے کی بجائے اسے اپنی رانی بنا کر رکھنا چاہیے۔

اس نے اپنے غلام سے بات کی اور کہا:

''راکھشش، ہم اس عورت شگفتا کو اپنی مہارانی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل کر بھمی سار کے راج کنور کے پاس جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''۔

غلام نے جھک کر کہا۔

''حضور، آپ کا خیال بڑا اچھا ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ حکم کریں کہ اسے اٹھا کر کہاں لے جاؤں؟''۔

وزیر نے کہا:

''اسے اٹھا کر میں شہر سے دور پہاڑیوں والے خفیہ محل میں لے جا کر رکھوں گا۔ مگر ابھی میں اسے اٹھوانا نہیں چاہتا''۔

''وہ کیوں حضور؟''

''پہلے میں بندوبست کر لینا چاہتا ہوں''۔

وزیر نے بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ راجہ ہنومان نے وزیر کو ہی کہہ رکھا تھا کہ وہ معلوم کرتا رہے کہ ہمالیہ کی ریاست بھمی سار کی طرف کون سا قافلہ جا رہا ہے تا کہ شگفتا کو اس قافلے کے ساتھ روانہ کیا جا سکے۔ وزیر نے ایک روز یوں ہی جھوٹ موٹ آ کر خبر دی کہ ایک قافلہ جا رہا ہے۔ راجہ نے کہا:

''ٹھیک ہے، تم اپنا اطمینان کر لو۔ شگفتا کو پوری عزت کے ساتھ قافلے میں شریک کروں۔ اسے بہت سی دولت بھی ساتھ دو اور راجہ بھمی سار کو ہمارا سلام بھی پہنچاؤ۔

''جو حکم مہاراج''

وزیر نے اسی روز شگفتا سے آ کر کہا:

"مہارانی صاحبہ، بمبی سار کو جانے والا قافلہ یہاں سے کل صبح صبح روانہ ہوگا۔ آپ آج رات تیاری کر لیجیے گا"۔

شگفتا بے حد خوش ہوئی۔ بولی:

"میں تیار ہوں وزیر صاحب' کیا آپ یہاں سے آ کر مجھے لیں گے؟"

"ہاں مہارانی شگفتا، میں آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ راجہ ہنومان کا حکم ہے کہ میں آپ کے راج محل تک آپ کو چھوڑ کر آؤں گا۔ کیا آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟"

"جی نہیں، جی نہیں"۔

شگفتا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اصل میں وہ وزیر کی شکل کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اسے وزیر کو دیکھ کر ایک ظالم لومڑ کا خیال آجاتا تھا۔ مگر یہاں آ کر وہ مجبور ہو گئی تھی۔ راجہ ہنومان نے حکم دے دیا تھا کہ وزیر اسے بمبی سار تک چھوڑنے جائے گا۔ کچھ بھی ہو وہ تیار ہو گئی۔ اسے تیار ہونا ہی پڑا۔ وہ خوش بھی بہت تھا۔ آخر بھگوان نے اس کی سن لی تھی اور اس کی پریشانیوں کے دن ختم ہو گئے تھے۔

جاتے وقت راجہ اور رانی محل کے دروازے تک آئے۔ اسے بڑی محبت کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ وزیر شگفتا کو پالکی میں ہی بٹھا کر پالکی غلاموں کے کندھوں پر اٹھوا کر شہر سے باہر آ گیا اس کے اپنے خاص آدمی شہر کے باہر ساتھ ہو گئے۔ وزیر نے راجہ سے کہا تھا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ بمبی سار کی طرف جانے والا ہے وزیر تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آ گیا۔ اس نے راجہ سے آ کر کہا۔

"حضور شگفتا مہارانی کو پوری حفاظت کے ساتھ قافلے کیساتھ رخصت کر دیا گیا ہے"۔

راجہ اور رانی بڑے خوش ہوئے کہ ایک فرض ادا ہوا۔

شگفتہ پالکی میں سوار تھی۔ پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کافی دور جا کر اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ قافلہ کہیں بھی نہیں ہے۔ اور وہ اکیلی چار غلاموں اور دو سواروں کے ساتھ جا رہی ہے۔ اس نے ایک سوار کو بلا کر پوچھا۔

"سوار، قافلہ کہاں جا رہا ہے؟"

سوار نے کہا۔

"مہارانی، قافلہ یہاں سے قریب ہی پہاڑی سرائے میں پڑاؤ ڈالے ہے۔ وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ جب آپ کی سواری وہاں پہنچے گی تو وہ روانہ ہو جائے گا"۔

شگفتہ خاموش ہو گئی۔ مگر اسے دال میں کالا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ شہر سے دور اجاڑ جنگل میں وہ تھی۔ غلام پالکی لے کر پہاڑیوں کے درمیان ایک عمارت کے پاس آ کر رک گئے۔ سواروں نے شگفتہ کو بتایا کہ یہاں کچھ آرام کر لیں پھر سفر کریں گے۔ شگفتہ کو مجبوراً اس عمارت میں اترنا پڑا۔ یہ ایک منزلہ عمارت تھی۔ شگفتہ کو ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے سواروں نے تالا ڈال دیا اور غلاموں کو لے کر واپس چلے گئے۔ صرف ایک غلام وہاں پہرہ دیتا رہا۔ سواروں نے جا کر وزیر کو اطلاع کر دی کہ مہارانی کو قید کر دیا گیا ہے۔

وزیر بڑا خوش ہوا۔

خونخواروں کا قبیلہ

غلام تالا ڈال کر چلے گئے۔ شگفتا چوکنی ہو گئی۔

وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور وزیر نے اس کے ساتھ فریب کر کے قید میں ڈال دیا ہے۔ اسے راجہ اور رانی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ راجہ اور رانی نے تو اس کے ساتھ بھلائی کی تھی مگر وزیر کی نیت بدل گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا کوٹھڑی میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ صرف اوپر ایک روشن دان تھا۔ جس میں سے صبح کی روشنی اندر آ رہی تھی اس روشندان تک پہنچنا بڑا مشکل تھا۔ ویسے اگر وہ روشندان تک پہنچ بھی جاتی تو وہ کیا کر سکتی تھی؟ اس سے پہلے بڑی مشکل سے ایک ڈاکو کے چنگل سے فرار ہو کر بھاگی تھی کہ پھر نئی مصیبت میں پھنس گئی۔ وہ چپ چاپ تخت پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ وہاں سے کیسے نکلا جائے۔

ادھر وزیر گھوڑے پر سوار ہوا اور خفیہ طور پر شکار کا بہانہ بنا کر پہاڑیوں والے پرانے محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ شام کو وہ محل میں پہنچ گیا۔ غلام نے گھوڑے کو سنبھالا اور وزیر کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر شگفتا کے سامنے آ گیا۔ شگفتا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ اسے یہاں کیوں قید کر دیا گیا ہے جب کہ راجہ کا حکم تھا کہ مجھے میری ریاست میں پہنچایا جائے۔ وزیر نے نفرت سے ہنس کر کہا۔

’’سنو، میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ تمہارا راج کنور نے میرے ایک بھائی پر چوری کا الزام لگا کر اسے پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔

میں اپنے بھائی کے صدمے کو آج تک نہیں بھولا۔ میں نے دل میں قسم کھا رکھی ہے کہ ایک نہ ایک دن ریاست بھی سار کے راج کنور سے اپنے بھائی کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔ آج جب مجھے معلوم ہوا کہ تم راج کنور کی بیوی ہو تو میرے اندر بدلہ لینے کی آگ بھڑک اٹھی اور میں نے تمہیں دھوکے سے یہاں پہنچا دیا۔ اب تم میری قید میں ہو۔ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو جاؤ تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ نہیں تو تمہیں اسی کوٹھڑی میں قتل کر کے دفن کر دوں گا۔ اس کے لیے میں تمہیں اکیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ تم سوچ لو۔''

شگفتہ تو وزیر کے منہ سے اتنی ساری باتیں سن کر حیران رہ گئی یہ تو بڑا کمینہ قسم کا انسان تھا۔ اس نے کہا:

''اے وزیر، تم راج کنور کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہے ہو؟ اگر تم چاہو تو میں اپنی ریاست میں جا کر تمہیں تمہارے بھائی کی موت کے بدلے میں ہزاروں سونے کی اشرفیاں دلوا دوں گی۔ مگر تم مجھے تو انتقام کا نشانہ مت بناؤ۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

وزیر بولا۔

''تم میرے دشمن کی بیوی ہو۔ تم ساری دنیا کی دولت بھی اگر لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو جب بھی میرا بھائی واپس نہیں آ سکے گا''۔

شگفتہ نے اس پر کہا۔

''تو کیا مجھ پر ظلم کرنے سے تمہارا بھائی تمہیں واپس مل جائے گا؟''

وزیر نے کہا۔

''اس سے کم از کم میرے انتقام کی آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔ کم از کم مجھے یہ تو تسلی ہو گی کہ میں نے اپنے بھائی کا بدلہ لے لیا

ہے"۔

شگفتا نے کہا:

"بھگوان کا خوف کرو۔ میں ایک شریف اور ریاست کے سب سے بڑے آدمی راج کنور کی بیوی ہوں۔ میرا ایک بچہ ہے۔ تم مجھ سے شادی کر کے ایک ایسی گناہ کرو گے جو خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا"۔

وزیر نے نفرت سے کہا۔

"مجھے تمہارے بھگوان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے تم سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تم سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ اگر تم نے اکیس دن کے اندر اندر مجھ سے شادی نہ کی تو میں تمہیں غلام سے قتل کروا دوں گا۔ یہاں ان پہاڑیوں میں تمہاری آواز سننے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔ اور اگر تم نے مجھ سے شادی کر لی تو تم ساری زندگی اس محل میں رانی بن کر رہو گی"۔

شگفتا نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مجھ پر نہ سہی، میرے بچے پر ہی رحم کرو۔ وہ تو معصوم ہے اسے ماں کی ضرورت ہے"۔

وزیر نے غصے سے شگفتا کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

"خاموش میرے دشمن کی بیوی، میں تم پر یا تمہارے بچے پر بھی رحم نہیں کھاؤں گا۔ تم اب میرے قابو میں ہو اور میں تمہیں اپنے قبضے سے ہرگز ہرگز نہیں نکلنے دوں گا۔ یہ جگہ ایک ویران اور اجاڑ جنگل میں ہے۔ تم اگر چاہو بھی تو یہاں سے فرار نہیں ہو سکتیں۔ بس اس سے زیادہ میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا میں جا رہا ہوں۔ لیکن ہر روز شام کو آ کر تم سے تمہاری مرضی دریافت کر لیا کروں گا۔ اکیسویں روز بھی اگر تم اپنی ضد پر اڑی رہیں تو میں تمہیں قتل کرنے پر مجبور ہو جاؤں

گا"۔

اتنا کہہ کر وزیر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

کوٹھڑی کو بند کر کے باہر تالا ڈال دیا گیا۔ شگفتا بیچاری سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی کہ اچھی بھلی اپنے گھر کو جا رہی تھی کہ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو گئی۔ اس وقت شگفتا کو اپنا بہادر بھائی عنبر بہت یاد آیا۔ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو وزیر کی جرات نہیں تھی کہ شگفتا کا راستہ روک کر اسے قید میں ڈالتا۔

شگفتا کو ہم اسی جگہ قید میں چھوڑتے ہیں اور واپس چل کر یہ دیکھتے ہیں کہ شگفتا کا بھائی عنبر کس حال میں ہے؟

عنبر نے وحشی سردارنی کے قبیلے سے بھاگ جانے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک رات کو شاہی جھونپڑی سے اٹھا اور گدھے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ آسمان پر آدھی رات کا چاند چمک رہا تھا۔ جنگل کے درختوں میں سے چاندنی چھن کر آ رہی تھی۔ راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ عنبر گدھے پر سوار چلتا چلا گیا۔ وہ ساری رات چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس نے دریا کنارے کسی کشتی کی تلاش شروع کر دی۔ وہ دریا پار کرنا چاہتا تھا۔ آخر اسے ایک جگہ درخت ڈال کر بنایا ہوا پل دکھائی دیا۔

عنبر اس پل پر سے گزر کر دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا۔ یہاں سے اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ عنبر ان پہاڑیوں میں چلتا چلا گیا۔ دوپہر کو وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے گدھے کو گھاس چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود جنگلی درختوں پر سے لال لال میٹھے بیر اتار کر خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ وہ گھاس پر چھاؤں میں آرام کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ گدھا بھی گھاس کھا کر تازہ دم ہو گیا تھا۔

عنبر گدھے پر سوار ہوا اور دوبارہ سفر پر چل پڑا۔ وہ یوں ہی چلا جا رہا تھا۔ اسے صرف اتنی خبر تھی کہ وہ جنوب مشرق کی طرف کر رہا ہے۔ اور لوگوں نے اسے یہی بتایا تھا کہ اسی سمت کوہ ہمالیہ پہاڑ ہے۔ شگفتا کے بارے میں اس کے دل میں یہی ایک خیال تھا کہ اگر وہ کسی دشمن کی قید سے بھاگی ہوگی تو اسی سمت کو سفر کر رہی ہوگی۔ اس کے دل میں ایک ہلکی سی امید تھی کہ وہ بڑا حیران تھا کہ آخر شگفتا کہاں گم ہوگئی؟

شام تک وہ اونچی نیچی پہاڑیوں میں سفر کرتا رہا۔ شام ابھی پوری طرح نہیں چھائی تھی۔ عنبر درختوں کے قریب سے گزر رہا تھا۔ کہ اچانک اسے سیاہ فام جنگلیوں نے نیزے لہراتے ہوئے گھیر لیا۔ وہ پریشان تو نہ ہوا مگر رک کر کھڑا ہو گیا۔ جنگلی اسے لال لال آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور آپس میں اشارے بھی کر رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ ایک اچھا شکار ہاتھ لگا ہے۔ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے ایک پرانے آدم خور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے شگفتا ان لوگوں کے قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔ ورنہ وہ ان سے کبھی نہیں بچ سکتی تھی۔ یہ شگفتا کی خوش نصیبی تھی کہ وہ ان آدم خوروں سے بچ گئی اور یہ آدم خوروں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے عنبر کو پکڑ لیا تھا۔

ایک جنگلی نے جو کہ شکل صورت سے ان کا سردار لگتا تھا کہا۔

”وہ اس لذیذ گوشت کو لے جاؤ اور بھون کر رات کے کھانے پر ہمارے سامنے پیش کرو“۔

جنگلی عنبر کو لے کر اپنے قبیلے میں آ گئے۔ عنبر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کس نئی بک بک میں پھنس گیا۔ اس کے لیے یہ کوئی مصیبت نہیں تھی بلکہ ایک نئی بک بک تھی۔ جس سے اس کا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ اس کی راہ کھوٹی ہو رہی تھی۔ جنگلی آدم خوروں نے عنبر کو ایک جھونپڑے میں

لے جا کر قید کر دیا اور اسے بھون ڈالنے کے لیے باہر آگ روشن کر دی۔ یہ قبیلہ کوئی سو ڈیڑھ سو آدم خوروں کا تھا۔ سارے کے سارے آگ کے گرد جمع ہو کر ناچ کود کر رہے تھے۔ شاید ایک عرصے کے بعد انہیں انسان کا گوشت ملنے والا تھا۔ عنبر دل میں انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا کہ کم بختوں نے خواہ مخواہ اس کے سفر میں رکاوٹ ڈالی۔

عنبر ان آدم خوروں کی روز روز کی بک بک سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس دفعہ وہ ان آدم خوروں کو بڑا زبردست سبق سکھائے گا۔ ایسا سبق کہ پھر کبھی کسی انسان کو بھون کر نہ کھائیں گے۔

رات ابھی ابھی پڑی تھی۔ آگ خوب روشن ہو گئی تھی۔ آدم خور سردار نے حکم دیا کہ انسان کو لا کر اس کے کباب بنائے جائیں۔ فوراً ہی چھ سات آدم خور بھاگے اور عنبر کو جھونپڑی میں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر آگ کے پاس لے آئے۔

الاؤ کے پاس لا کر انہوں نے عنبر کا کرتہ اتار دیا۔ ایک آدم خور نے اپنے سردار کی طرف دیکھا۔ سردار نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ قیدی انسان کو ذبح کر دیا جائے۔ جنگلی نے چھرا زمین پر سے اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ منتر پڑھے اور چھرا اٹھا کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مار دیا۔

عنبر کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس کی گردن گاجر مولی کی طرح اڑ جاتی۔ مگر پہلے کی طرح اس بار بھی عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ بلکہ اس کی گردن سے چھرا ٹکرا کر جنگلی کے ہاتھ سے چھن کے ساتھ نیچے گر پڑا۔

سردار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ قاتل وحشی حیران رہ گیا۔ دوسرے آدم خور بھی عنبر کو غور سے دیکھنے لگے۔ عنبر نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ان لوگوں کو خوب سبق سکھائے گا۔ اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر جنگلی کو اٹھایا اور

اس زور سے اچھالا کہ وہ اوپر درخت کی شاخوں سے ٹکرا کر آگ کے الاؤ میں آن گرا۔ وہ چیخنے اور آگ میں تڑپنے لگا۔ سردار اور دوسرے وحشی عنبر کی طرف نیزے لے کر لپکے کہ اسے ایک ہی حملے میں قتل کر دیں۔

عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جنگلی وحشی آگ میں جل بھن کر بھسم ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اپنے سارے کے سارے نیزے عنبر کے جسم سے پار کر دیے۔ ان کو یقین تھا کہ عنبر ایک پل میں ختم ہو جائے گا۔ مگر اس کی بجائے ہوا یہ کہ عنبر اپنی جگہ پر چپ چاپ بڑے مزے سے کھڑا رہا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے ایک ایک کر کے اپنے بدن میں کھبے ہوئے نیزے نکالنے شروع کر دیے۔ اس تماشے کو دیکھ کر تو سارے کے سارے وحشی لوگ دنگ رہ گئے۔ عنبر جب سارے نیزے جسم میں سے نکال کر زمین پر پھینک چکا تو آدم خور تھر

تھر کانپ رہے تھے کہ یہ کس قسم کا انسان ہے کہ پورے ڈیڑھ سو نیزوں کا زخم بھی اسے ہلاک نہ کر سکا۔

عنبر کو ان لوگوں پر بڑا غصہ تھا۔ اس نے زمین پر سے ایک نیزہ اٹھایا اور اسے ایک جنگلی کے جسم میں پرو کر اوپر اٹھا لیا۔

خون کی دھار نیزے کے ساتھ بہہ نکلی۔ عنبر نے آدم خور کو آگ میں ڈال دیا۔ آگ میں شعلے بھڑکے اور آدم خور تڑپ تڑپ کر راکھ ہو گیا۔ عنبر نیزے میں وحشیوں کے سردار کو پرونے کے لیے آگے بڑھا تو اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ہمیں معاف کر دو اے دیوتا! ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم آسمان کے دیوتا ہو۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم کبھی تم پر ہاتھ نہ ڈالتے ہمیں معاف کر دو۔ ہم پر رحم کرو۔"

سارے کے سارے آدم خور عنبر کو سجدے کرنے لگے۔ عنبر نے

نیزہ زمین پر زور سے گاڑتے ہوئے کہا۔

"سنو اے جانور سردار، تم ایک جانور ہو، درندے ہو۔ تم بے بس انسانوں کا خون کر کے انہیں ہڑپ کرتے رہے ہو۔ تم درندے ہو۔ میں تم سے انسانوں جیسا سلوک نہیں کروں گا۔ میں نے تمہارے دو آدمیوں کو مار دیا ہے۔ ابھی تمہارے دس اور آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے انہیں نیزوں میں پروؤں گا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ تم بھی کچھ نہ کر سکو گے"۔

سردار نے اپنا سر عنبر کے قدموں پر رکھ دیا:

"اے دیوتا، ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم سے بھول ہوگئی۔ ہم سے بہت بڑا گناہ ہو گیا۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہمارے گناہ بخش دو۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ آج سے پھر کبھی کسی انسان کا شکار نہیں کریں گے"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"اگر تم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر وعدہ کرو کہ پھر کبھی اس طرح کا ظلم نہیں کرو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ ورنہ ابھی تم سب کو ایک ایک کر کے تمہارے سردار سمیت اس آگ میں بھسم کر دوں گا اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"۔

سب آدم خور ہاتھ باندھ کر بولے۔

"ہم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ پھر کبھی کسی انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ نہیں بنائیں گے۔ ہم آج سے کسی انسان کا شکار نہیں کریں گے بلکہ جنگلی درندوں کو مار کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائیں گے"۔

عنبر نے کہا

"جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو مجھ میں بڑی خفیہ طاقت ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنی قسم توڑی تو میں جہاں کہیں ہوں

گا مجھے معلوم ہو جائے گا اور میں اس جگہ سے تم پر اپنا عذاب نازل کروں گا"۔

سب وحشیوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

"ہرگز نہیں' اے دیوتا۔ اب ہرگز ایسا نہیں ہوگا"۔

عنبر نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ وہ سارے کے سارے عنبر کے گرد جمع ہو گئے اور اس کی پوجا کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میری پوجا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ہاں ایک رات رہ کر صبح صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم صرف اتنا کرو کہ میرے گدھے پر جنگلی پھلوں کا ایک جھولا بھر کر لا دو"۔

"جو حکم ہمارے دیوتا"۔

وحشیوں نے صبح اٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ گدھے پر ایک جھولا پھلوں سے بھر کر لادو دیا۔ عنبر گدھے پر سوار ہو گیا۔ سب جنگلیوں نے سجدے میں گر گر اسے سلام کیا اور عنبر جنگل میں ایک بار پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ رات تو اس نے کسی نہ کسی جگہ بسر کرنی ہی تھی۔ اچھا ہوا کہ اس نے اس جنگل کی ایک آرام دہ جھونپڑی میں رات بھی بسر کر لی اور خوراک بھی لے لی۔

آوارہ گرد شہزادہ

سارا دن عنبر جنگل میں سفر کرتا رہا۔

اس کے پاس کھانے پینے کو کافی سامان تھا۔ پانی کی جنگل میں کمی نہیں تھی۔ پھل اس کے ساتھ جھولے میں موجود تھا۔ وہ اب گھنے جنگلوں میں سے نکل کر اس وادی میں آ گیا۔ جہاں سادھو بابا کی جھونپڑی تھی۔ ایک رات اس نے پچھلے جنگل میں بسر کی تھی۔ اب سورج نکل آیا تھا۔ وادی میں دھوپ چمک رہی تھی۔ راستے میں عنبر کو کسی قسم کی کوئی آبادی نہیں ملی تھی۔ دوپہر ہو گئی۔ سورج آگ

برسانے لگا۔ فضا میں حبس ہو گیا تھا۔ عنبر کا گرمی کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ اس نے ذرا دور ایک جھنڈ دیکھا جہاں بڑے گھنے درخت اگے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا کہ ان درختوں میں چل کر کچھ دیر آرام کیا جائے۔

وہ درختوں کے جھنڈ میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھونپڑا بنا ہوا ہے۔ درخت کے ساتھ بکری بندھی ہے۔ کورے مٹی کے مٹکے میں پانی بھرا ہوا ہے۔ آدمی وہاں کوئی نہیں۔ جھونپڑی کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ عنبر نے جھونپڑی کے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہاں صرف ہرن کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ عنبر نے مٹکے میں سے ٹھنڈا پانی پیا اور درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گھاس پر لیٹ گیا۔ اتنے میں وہی سادھو بابا وہاں آیا۔ جس نے شگفتا کی خاطر مدارات کی تھی اور اسے رخصت کیا تھا۔

سادھو بابا نے جب دیکھا کہ ایک اجنبی گستاخ نوجوان اس کی

مقدس ہرن کی کھال پر بڑے مزے سے لیٹا ہوا ہے۔ تو اسے بے حد غصہ آ گیا۔ اس کھال پر بیٹھ کر وہ خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے آج تک کسی کو اجازت نہیں دی تھی کہ ہرن کی اس کھال پر پاؤں رکھ سکے۔ سادھو نے جھونپڑے میں داخل ہوتے ہی کڑک کر عنبر سے کہا۔

"اے گستاخ نوجوان، کون ہو تم؟ تجھے یہ جرات کیوں کر ہوئی کہ میری ہرن کی کھال پر پاؤں رکھو؟"

عنبر نے دیکھا کہ ایک لمبے لمبے بالوں والا سادھو اس کے سامنے کھڑا اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا ہے۔ عنبر کے دل پر اس سادھو بابا کی جلالی آنکھوں کا اثر نہ ہوا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ڈر کر ہرن کی کھال پر سے اٹھ کر پرے ہٹ جاتا۔ مگر عنبر کھال پر لیٹا رہا اور سادھو بابا کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اب تو سادھو کو اور بھی غصہ آیا۔ اس نے عنبر کو ٹھوکر مار کر کہا۔

"بدبخت نوجوان، کیا تیرے سر پر موت منڈلا رہی ہے کہ تو میری بات کا جواب نہیں دیتا۔ بلکہ الٹا مجھے مذاق سے دیکھ رہا ہے؟"

عنبر پھر بھی ہنستا رہا اور کھال پر لیٹا رہا۔ پھر بولا:

"بابا، ہم غریب مسافر ہیں۔ ہمیں تھوڑی دیر آرام کر لینے دو۔ ہم تمہارے ہرن کی کھال اٹھا کر نہیں لے جائیں گے۔ تھوڑی دیر یہاں آرام کیا ہے۔ اٹھ کر آگے چل دیں گے۔ اس میں بھلا تیرا کیا نقصان ہو گا۔ کہ تو ہم کو ٹھوکریں مار رہا ہے"۔

سادھو نے بلند آواز میں کہا۔

"بدنصیب نوجوان، تو نے میری پاک جگہ پر پاؤں رکھ کر بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ تجھے اس کی پوری پوری سزا ملے گی۔ تجھے سزا کے لیے تیار ہو جانا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"سادھو بابا، اگر ہم سے غلطی ہو گئی ہے تو ہم معافی مانگتے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا"۔

سادھو نے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ ہم تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ہم تمہیں آگ میں بھسم کر دیں گے۔ لو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عنبر کا خیال تھا کہ یہ کوئی پاگل سادھو ہے۔ اور یونہی پاگلوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔ مگر وہ تو بڑا کرنی والا سادھو تھا۔ جنگل میں بیس برس سے ریاضت کر رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عنبر پر زور سے پھونک ماری۔ سادھو کے منہ سے پھونک کے ساتھ آگ کا شعلہ نکلا۔ اس آگ کے شعلے نے عنبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عنبر آگ میں گم ہو گیا۔ سادھو نے زور سے قہقہہ لگایا۔ وہ اپنی طرف سے عنبر کو جلا کر راکھ کر چکا تھا۔

سادھو نے زور سے تالی بجائی۔ آگ کا شعلہ گم ہو گیا۔ سادھو عنبر کی بچی کھچی ہڈیاں اٹھانے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ نوجوان عنبر اس کے سامنے اسی طرح ہرن کی کھال پر لیٹا مسکرا رہا تھا۔ سادھو ایک دم جھک کر عنبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"کیا تم شگفتا کے بھائی ہو؟"

عنبر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم شگفتا کو جانتے ہو؟"

سادھو نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم شگفتا کے بھائی ہو؟ وہی شگفتا جو جنگل میں چشمے کے کنارے تم سے بچھڑ گئی تھی جو ہمالیہ کی ریاست بمی نگار کے

راج کنور کی بیوی ہے اور جسے لے کر تم اس کے خاوند کے پاس جا رہے تھے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں سادھو بابا، میں ہی وہ نوجوان ہوں"۔

سادھو نے پوچھا۔

"کیا تمہارا نام عنبر ہے؟"

عنبر جھٹ بولا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا۔ میرا نام عنبر ہے۔ یہ بتاؤ کہ شگفتا کہاں ہے؟ تم اسے کہاں ملے تھے؟ میں تو اس کی تلاش میں جنگل جنگل مارا مارا پھر رہا ہوں"۔

سادھو نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں بھوک تو نہیں لگی؟"

"نہیں بابا، میں نے پھل خوب کھا لیا ہے اور تمہارے مٹکے سے ٹھنڈا پانی بھی پی لیا تھا۔ مجھے نہ بھوک ہے نہ پیاس۔ صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شگفتا اس وقت کہاں ہے؟"

سادھو نے کہا۔

"عنبر بیٹا' آج سے دس روز پہلے شگفتا یہاں سے گزری تھی۔ وہ ایک رات۔۔۔ نہیں دو راتیں میرے اس جھونپڑے میں ٹھہری تھی۔ اس نے تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم پر آگ اور تلوار اثر نہیں کرتی۔ یہی تمہاری سب سے بڑی نشانی ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بابا' لیکن خدا کے لیے مجھے یہ بتاؤ کہ میری بہن شگفتا کہاں ہے؟ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں

اسے اس کے خاوند کے گھر نہیں پہنچاؤں گا۔ اپنی بہن ماریہ کی تلاش میں نہیں جاؤں گا"۔

سادھو کہنے لگا۔

"عنبر بیٹا، شگفتا نے تم سے بچھڑنے کے بعد بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر وہ آدم خوروں سے جان بچا کر میرے پاس پہنچی"۔

"اب وہ کہاں ہوگی۔ سادھو بابا؟"

"یہاں سے وہ یہ کہہ کر گئی تھی کہ راجہ ہنومان کے شہر میں جا رہی ہے"۔

"وہ شہر کہاں ہے؟"

"یہاں سے تھوڑی دور ایک دریا ہے۔ دریا کے پار راجہ ہنومان کا چھوٹا سا شہر ہے۔ شگفتا نے کہا تھا کہ وہ اس شہر میں راجہ کی سرائے میں جا کر ٹھہرے گی۔ اگر عنبر آئے تو اسے کہہ دینا کہ میں راجہ کی سرائے میں ٹھہری ہوئی ہوں"۔

عنبر ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس سادھو بابا، اب میں ایک پل کے لیے بھی آرام نہیں کر سکتا۔ شگفتا اکیلی ہے۔ اجنبی شہر میں جانے بے چاری کس حال میں ہوگی۔ مجھے اس کے پاس جلد سے جلد پہنچنا چاہیے"۔

عنبر اٹھ کر گدھے پر سوار ہونے لگا تو سادھو اس کے پاس آ کر بولا۔

"عنبر بیٹا، بھگوان کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے۔ میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں اور خدا سے تمہارے لیے دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن بیٹا جاتے ہوئے مجھے بھی ایک بات بتاتے جاؤ"۔

عنبر نے پوچھا۔

"پوچھو بابا کیا پوچھتے ہو؟ اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہیں جواب ضرور دوں گا"۔

سادھو نے پوچھا۔

"عنبر بیٹا یہ بتاؤ کہ تم پر موت اثر کیوں نہیں کرتی؟ تم پر آگ اور تلوار کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ یہ کیا راز ہے؟ کیا تم میرے لیے اس راز پر سے پردہ ہٹاؤ گے۔ میں تیس برس سے یہاں خدا کی عبادت کر رہا ہوں۔ مگر مجھے یہ کمال حاصل نہیں ہوا جو تمہیں نوجوانی میں ہی مل گیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"سادھو بابا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نوجوان نہیں ہوں۔ میں ظاہر میں تمہیں نوجوان نظر آ رہا ہوں مگر میری عمر دو ہزار پانچ سو برس ہے۔ میں بہت ہی بوڑھا ہوں"۔

سادھو حیرانی سے تکتے ہوئے بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں بابا۔ میں دو ہزار پانچ سو سال سے زندہ ہوں۔ آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے جب کہ میں ملک مصر میں فرعون بادشاہ کے محل سے بھاگ کر افریقہ کے ایک جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ تو ایک درویش نے مجھے دعا یا بد دعا دی تھی کہ میں اس وقت تک نہیں مر سکوں گا جب تک وہ درویش دوبارہ اس دنیا میں آ کر اپنی دعا یا بد دعا واپس نہیں لے لیتا"۔

سادھو پھٹی ہوئی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ تم اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں بابا' میں اڑھائی ہزار سال پہلے مصر کے ایک فرعون کے گھر

پیدا ہوا۔ پھر میری ماں نے مجھے دریائے نیل میں بہا دیا۔ ایک ماہی گیر حکم مجھے دریا سے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ وہاں میری پرورش ہوئی۔ پھر قسمت مجھے کہاں سے کہاں لے گئی۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک در بدر، ملک ملک جنگل جنگل، صحرا صحرا آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہوں"۔

سادھو بابا نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔

"عنبر بیٹا، تم ایک عظیم انسان ہو۔ اس اعتبار سے کہ تم اڑھائی ہزار سال سے موت کو شکست دے رہے ہو۔ موت تمہارا پیچھا کر رہی ہے اور تمہیں اپنی گرفت میں نہیں لے سکتی۔ تم نے وہ اڑھائی ہزار برس پہلے حاصل کر لیا ہے جو میں آج تک حاصل نہیں کر سکا۔ کیا تم مجھے اپنے خزانے میں سے کوئی چھوٹا سا موتی دے سکتے ہو؟"

عنبر نے ایک سرد آہ بھر کر کہا:

"کاش میں اپنا سارا راز تمہیں دے سکتا۔ کاش میں اپنا سارے کا سارا خزانہ تمہارے حوالے کر سکتا۔ اس لیے کہ تم نے میری دکھی بہن کو اپنے جھونپڑے میں پناہ دی۔ اس کی دل جوئی کی۔ اس کی مدد کی۔ اسے کھانا کھلایا۔ مگر میں تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے۔ وہ میں نے ریاضت سے نہیں کمایا ہے۔ تم اس کو کسی اپنے خزانے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دے سکتے ہو۔ مگر اس لائق نہیں ہوں کہ تمہیں کچھ دے سکوں۔ میں مجبور ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ ہاں اگر کبھی وقت آیا تو تمہارے ضرور کام آؤں گا"۔

سادھو خاموش ہو گیا۔ عنبر نے سادھو کو ادب سے سلام کیا۔ اور گدھے پر سوار ہو کر راجہ ہنومان کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام کے وقت سفر کرتے کرتے وہ ایک دریا کے کنارے پہنچا جس کے

دوسرے کنارے پر شہر ہنومان کے مکانوں کی دیواریں اور چھتیں غروب ہوتے ہوئے سورج کی سنہری دھوپ میں صاف نظر آ رہی تھیں۔

دریا میں کشتی بڑی تھی۔ کشتی میں مسافر سوار ہو رہے تھے۔ عنبر نے گدھے کو وہیں ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ جھولا بھی اسی غریب آدمی کو دے دیا۔ وہ غریب آدمی تعجب سے عنبر کو تکنے لگا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''بھائی، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اسے تم اپنے پاس رکھو۔ یہ میری طرف سے تمہیں تحفہ ہے''۔

عنبر نے کشتی والے کو دریا پار کرنے کا کرایہ ادا کیا اور کشتی میں بیٹھ گیا۔ کشتی میں اور لوگ بھی سوار تھے۔ کشتی دریا میں روانہ ہو گئی۔

دوسرے کنارے پہنچ کر عنبر نے شہر کا رخ کیا۔ وہ شہر کی چار دیواری میں داخل ہونے لگا تو پہریدار نے اسے روک کر پوچھا۔

''تم پردیسی لگتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا ہے؟''۔

عنبر نے کہا۔ بھائی۔

''بھائی' میں ملک افریقہ سے آ رہا ہوں۔ حکیم ہوں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہوں۔ اس شہر میں سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ کچھ روز ٹھہروں گا اور پھر آگے چلا جاؤں گا''۔

پہریدار نے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

''بھائی یہ بتاؤ کہ یہاں راجے کی سرائے کس جگہ پر ہے؟''۔

پہرےدار نے کہا۔

''راجے کی سرائے شہر کے دوسرے کنارے ایک گلی کی نکڑ پر ہے''۔

سرائے کا پورا پتہ لے کر عنبر پیدل ہی شہر میں سے ہوتا ہوا راجے کی سرائے میں آ گیا۔ سرائے کے باہر چبوترے پر وہی کانا سرائے کا مالک بیٹھا تھا جس نے شگفتا کو ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

''کیوں بھائی راجے کی سرائے یہی ہے؟''

کانا بولا۔

''ہاں میاں، یہی راجہ کی سرائے ہے۔ مگر یہاں مفت میں روٹی بستر کمرہ نہیں ملتا۔ وہ زمانے چلے گئے جب یہ سب کچھ مفت میں ملتا تھا۔ اب تو ہر چیز کے دام لگتے ہیں دام۔۔۔ اگر تم کرایہ ادا کر سکو تو یہاں رہ سکتے ہو۔ اگر اشرفیاں نہیں ہیں تو بھاگو یہاں سے اور چلتے پھرتے نظر آؤ''۔

عنبر نے کہا۔

''بھائی میرے پاس سب کچھ ہے''۔

''تو پھر اندر آ جاؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو؟''

اور سرائے کے کانے مالک نے بڑی خوشامد سے عنبر کو ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ عنبر نے اسے کچھ اشرفیاں دیں اور اشرفیوں کی تھیلی اپنے سرہانے رکھ کر سو گیا۔ صبح صبح ایک بوڑھے نوکر نے آ کر اسے جگایا اور بکری کے دودھ کا کٹورا دیا۔ عنبر نے سوچا کہ سرائے کے مالک سے بات کرنے کی جگہ اس نوکر سے بات کرنی چاہیے۔ اس نے نوکر سے پوچھا کہ اس سرائے میں کوئی شگفتا نام کی عورت بھی رہتی ہے؟ نوکر نے عنبر سے پوچھا کہ وہ اس کی کون ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہ میری بہن ہے۔ نوکر خاموش ہو گیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا:

''کاش تم کچھ روز پہلے آ گئے ہوتے؟''

"مگر اب کیا ہوا؟"

نوکر نے عنبر کو صاف بتا دیا کہ سرائے کے مالک نے اسے ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ عنبر دھک سے رہ گیا۔ اس نے پوچھا کہ سردار ہوبلیکا کہاں ہوگا؟

نوکر نے کہا۔

"یہ صرف سرائے کے مالک کو ہی خبر ہے"۔

رانی زندہ ہوگئی

عنبر کوٹھڑی سے نکل کر سیدھا سرائے کے مالک کے پاس آیا۔ اس نے کانے مالک کو یہ کہہ کر کہ اسے ایک ضروری بات کرنی ہے اپنی کوٹھڑی میں بلا لیا۔ عنبر نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا اور کانے مالک کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ شکنتلا نامی عورت کا بھائی ہے جسے اس نے سردار ہوبلیکا کے پاس فروخت کر دیا ہے۔

کانے سرائے کے مالک نے گردن اکڑا کر کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں اگر تم اس کے بھائی ہو؟ میں کسی شکنتلا کو

نہیں جانتا۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔ نہیں تو سردار ہوبلیکا سے کہہ کر میں تجھے مروا دوں گا۔ ڈاکو ہوبلیکا کے لیے ایک آدمی کو قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں"۔

سرائے کے مالک کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اب ڈرنے سے اور زیادہ کام خراب ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ عنبر پر اور دھونس جمائی جائے۔

عنبر نے پوچھا۔

"تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ سردار ہوبلیکا کہاں مل سکتا ہے۔ میں تمہارے گناہ کو معاف کرتا ہوں"۔

سرائے کا مالک طیش میں آ کر بولا۔

"میں تمہیں کیوں بتاؤں کہ ہوبلیکا کہاں ہے۔ تم خود جا کر معلوم کر لو۔ میں ڈاکوؤں کا ساتھی نہیں ہوں جو مجھے ان کے ٹھکانے کا علم ہو"۔

عنبر سمجھ گیا کہ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ اس نے خنجر نکال کر سرائے کے مالک پر حملہ کر دیا۔ وہ چیخ مارنے ہی والا تھا کہ عنبر نے خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔

"اگر تم نے مجھے ہوبلیکا ڈاکو کا ٹھکانہ نہ بتایا تو یہ خنجر تمہاری گردن کو الگ کر دے گا"۔

سرائے کا مالک کانپنے لگا۔

"بتاتا ہوں۔ ڈاکو ہوبلیکا یہاں سے پندرہ مکان چھوڑ کر ایک لال رنگ کی حویلی کے تہہ خانے میں موجود ہے۔ لیکن بھگوان کے لیے اسے یہ نہ بتانا کہ میں نے ٹھکانے کا پتہ دیا ہے"۔

عنبر نے خنجر کمر کے ساتھ لگا لیا اور سرائے میں سے تیزی کے ساتھ نکل کر ڈاکو ہوبلیکا کی طرف گیا۔ پندرہ مکان چھوڑ کر ایک لال

رنگ کی حویلی آ گئی۔ حویلی کے باہر ایک آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے اس کے پاس جا کر کہا:

"میں افریقہ سے آیا ہوں۔ میرے پاس رومال ہے۔ ڈاکو ہوبلیکا سے ملنا چاہتا ہوں"۔

پہرے دار عنبر کو لے کر سردار کے پاس آ گیا۔ سردار یہاں ایک سوداگر کے بھیس میں اترا ہوا تھا۔ عنبر نے سردار ہوبلیکا کو دیکھا تو کہا۔

"سردار میں افریقہ کے شہر سے آیا ہوں۔ میرے پاس عدن کی کچھ لونڈیاں ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری خدمت میں پیش کروں"۔

سردار ہوبلیکا نے گھور کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

"تم کب سے یہ کام کر رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میرا باپ بھی افریقہ میں یہی کام کرتا تھا"

سردار ہوبلیکا بولا۔

"ٹھیک ہے، تم جا کر کنیزوں کو لے آؤ۔ میں انہیں خرید لوں گا"۔

عنبر نے سردار ہوبلیکا سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر نے سردار ہوبلیکا سے کہا:

"پچھلے دنوں ہمیں شگفتا نامی ایک لونڈی کی وجہ سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا وہ ہمارے جواہرات اور قیمتی ہیرے لے کر بھاگ گئی۔ ہم نے اسے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ مل سکی"۔

سردار ہوبلیکا نے چونک کر پوچھا:

"کیا وہ ملک ہندوستان کی رہنے والی تھی؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں سردار، ہمالیہ کی ایک ریاست کی رہنے والی تھی۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟"

سردار نے کہا:

"کیوں نہیں! ابھی پچھلے دنوں میں نے اسے ڈاکو رامو کے ہاتھ فروخت کیا تھا"۔

"ڈاکو رامو؟"

"ہاں، وہ ڈاکو بھی ہے اور لونڈیوں کی تجارت بھی کرتا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ کہاں مل سکتا ہے؟"

سردار ہوبلیکا بولا۔

"وہ اسی شہر سے باہر ایک بستی میں رہتا ہے۔ تالاب کے پاس اس کی حویلی ہے۔ اسے وہاں رامو دادا کہتے ہیں۔ اس نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کپاس اور گندم کی خرید و فروخت کا دھندا شروع کر رکھا ہے"۔

عنبر کو جس معلومات کی تلاش تھی وہ اسے مل گئی تھی۔ وہ وہاں سے تیزی سے نکل کر شہر کے باہر والی بستی میں آ گیا۔ یہاں اس نے رامو دادا کا پوچھا تو ایک لڑکا بولا۔

"رامو دادا کو تو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ وہ تو مر گیا ہے"۔

"کب؟"

"کئی روز ہوئے"

"تم مجھے اس کے مکان پر لے چلو گے بیٹا؟"

"کیوں نہیں آیئے"

لڑکا عنبر کو رامو ڈاکو کے مکان پر لے آیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ رامو مر چکا ہے۔ اس کا ایک ساتھی وہاں موجود تھا۔ عنبر نے ساتھی سے مل

کر اسے بتایا کہ وہ افریقہ سے آیا ہوا ہے اور اس کے پاس کچھ افریقی کنیزیں تھیں۔ جنہیں وہ رامو کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ رامو کے ساتھی نے کہا:

"بڑی خوشی سے آپ انہیں میرے پاس فروخت کر دیں۔ رامو دادا کے بعد میں ہی ان کا کاروبار کرتا ہوں"۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

عنبر نے رامو کے ساتھی سے گھل مل کر باتیں شروع کر دیں۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے بھی رامو کے ساتھی سے شکنتلا کا ذکر چھیڑ دیا اور اسے بتایا کہ شکنتلا نام کی ایک لونڈی کی اسے تلاش ہے جو اس کے بڑے قیمتی ہیرے جواہرات لے کر بھاگ گئی ہے۔

رامو کے ساتھی نے جب حلیہ پوچھا تو عنبر بولا۔

"بھائی صاحب! اس حلیے کی ایک لڑکی پچھلے دنوں ہم نے سردار ہوبلیکا سے خریدی تھی۔ رامو دادا اسے ملک چین لے جا کر بیچنا چاہتے تھے۔ کہ وہ بھاگ گئی"۔

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ میں اور رامو دادا اس کی تلاش میں نکلے۔ ہم دریا کے ساتھ ساتھ اسے ڈھونڈ رہے تھے کہ رامو کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور وہ وہیں مر گیا۔ میں ڈر کر واپس بھاگ آیا"۔

عنبر نے کہا۔

"اور وہ لونڈی کہاں گئی؟"

رامو کے ساتھی تے کہا۔

"بھگوان جانے کہاں چلی گئی۔ میں نے تو پھر اسے تلاش کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔

عنبر کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہاں سے بھی واپس چلا گیا۔

عنبر نے شہر میں گھومنا شروع کر دیا۔ چھوٹا سا شہر تھا۔ اس نے دو چکر شہر کے لگا لیے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اسے کہیں شگفتا کی کوئی سن گن مل جائے۔ لیکن اسے شگفتا کہیں نظر نہ آئی۔ چلتے پھرتے وہ راجہ جنومان کے محل کے پاس آ گیا۔ یہاں لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ عنبر نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

"کیوں بھائی، یہ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

سپاہی نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ راجہ جنومان کی پیاری رانی مر گئی ہے۔ عنبر نے پوچھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا؟ سپاہی نے بتایا:

"کہتے ہیں، ایک دم سے بے ہوش ہو کر گری اور پھر ہوش میں نہیں آئی"۔

عنبر کو اچانک خیال آیا کہ کہیں رانی کو سکتہ نہ ہو گیا ہو۔ اس علاقے میں یہ مرض بڑا عام تھا۔ اس نے سپاہی سے کہا:

"بھائی کیا میں رانی کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟"۔

سپاہی نے حیران ہو کر پوچھا:

"تم کون ہو اور رانی کی لاش کو کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ملک افریقہ کا جادوگر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ رانی پر جادو کر دیا گیا ہے۔ میں اسے پھر زندہ کر دوں گا"۔

"اگر یہ بات ہے تو جلدی سے میرے ساتھ آؤ"۔

سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر راجہ کے پاس محل میں آ گیا۔ راجہ جنومان اداس ہو کر رانی کی میت کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ سپاہی نے جا کر راجہ کے آگے جھک کر سلام کیا اور کہا:

"مہاراج یہ نوجوان افریقہ کا جادوگر ہے۔ کہتا ہے کسی دشمن نے رانی پر جادو کر دیا ہے۔ یہ جادو دور کر دے گا۔"

راجہ نے حیران ہو کر عنبر کو دیکھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو نوجوان؟"

عنبر بولا۔

"مہاراج! میں افریقہ کا جادوگر ہوں۔ اگر رانی پر واقعی کسی نے جادو کر دیا ہے تو میں کوشش کروں گا کہ جادو اتار دوں۔ لیکن اگر جادو نہیں ہے اور رانی سچ مچ مر گئی ہے تو پھر میں مجبور ہوں گا"۔

راجہ نے کہا۔

"نوجوان۔ تم کوشش کرو۔ ادھر آؤ اور میرے پیاری رانی کی لاش کو دیکھ کر بتاؤ کہ اس پر جادو کیا گیا ہے؟"

عنبر نے یوں ہی حامی بھر لی تھی۔ حالانکہ اسے راجہ سے کوئی لالچ نہیں تھا۔ وہ رانی کی لاش کے پاس آ گیا۔ اس نے غور سے رانی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ رانی کا چہرہ ایک لاش کی طرح سفید تھا۔ پھر بھی عنبر نے محسوس کیا کہ اس کے گالوں کے کناروں پر ہلکی ہلکی خون کی سرخی تھی جو کبھی کسی مرے ہوئے انسان کے چہرے پر نہیں ہوتی۔ عنبر کو کچھ حوصلہ ہوا کہ شاید رانی پر سکتہ ہی ہوا ہے۔ اس نے راجہ سے کہا:

"مہاراج" ان سب عورتوں اور بچوں کو اس کمرے سے باہر نکال دیا جائے اور میرے لیے موت کا ایک پر لایا جائے"۔

راجہ کے حکم سے کمرہ فوراً خالی کر دیا گیا۔ اور مور کا ایک پر بھی آ گیا۔ عنبر مور کے پر کو رانی کے ناک کے بالکل قریب لے آیا۔ پھر وہ غور سے مور کے پنکھ کو دیکھتا رہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ رانی کو سکتہ ہوا ہے وہ مری نہیں۔ اس نے راجہ سے کہا:

"مہاراج محل میں اگر مشک اور کیسر ہے تو اسے پیالی میں گھول

کرادیا جائے"۔

مشک اور کیسر محل میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ فوراً لونڈی اسے لے کر حاضر ہوگئی۔ عنبر نے اپنے تھیلے میں سے ایک خاص قسم کی سفید دوا نکال کر مشک اور کیسر میں پانی ڈال کر ملائی اور چاندی کے چمچ سے اس کے چند قطرے رانی کا منہ کھول کر اس کے حلق میں ٹپکائے۔ رانی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ راجہ اور لونڈی بڑی بے تابی سے رانی کے مردہ چہرے کو تک رہے تھے۔

راجہ نے کہا:

"کیا کوئی امید بندھی؟"

"مہاراج، میں کوشش کر رہا ہوں"۔

عنبر کے لیے یہ ایک امتحان بن گیا تھا۔ رانی کو سکتہ تھا۔ یہ عنبر کو یقین تھا مگر اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے ہمت نہ ہاری اور بار بار رانی کے حلق میں زعفران اور مشک ٹپکاتا رہا۔ جب ساری دوائی رانی کے حلق میں انڈیل دی گئی تو اچانک رانی کے جسم میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی۔ رانی نے اپنا ہاتھ تھوڑا سا ہلایا۔ ہاتھ کو ہلتے دیکھ کر خوشی سے راجہ کی چیخ نکل گئی۔

"رانی زندہ ہے۔ میری رانی زندہ ہوگئی"۔

سارے محل میں یہ خوشی کی خبر پھیل گئی کہ رانی زندہ ہوگئی ہے۔ عنبر نے پیالی میں مشک اور کیسر اور منگوا کر اس میں دوائی ڈالی اور رانی کو پلانا شروع کر دیا۔ وہ بڑی محنت سے کام کر رہا تھا۔ شام کے وقت رانی نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ راجہ تو تڑپ کر رانی کے پاس آ گیا۔

"بھگوان نے تمہیں پھر سے زندہ کر دیا"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج" رانی کے پاس اونچی آواز میں نہ بولیں۔ جادو کا اثر ابھی پوری طرح سے نہیں گیا"۔

راجہ نے عنبر کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

"تو نے میری رانی کی زندگی کو بچا کر میری زندگی کو بچالیا ہے۔ تم نے زندگی بھر کے لیے مجھے اپنا غلام بنالیا ہے۔ میں تمہارا گھر سونے چاندی سے بھر دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج، صبر کریں اور خاموش رہیں"۔

عنبر رات گئے تک رانی کے پاس بیٹھا اس کا علاج کرتا رہا۔ آدھی رات کے بعد رانی کو پوری طرح ہوش آ چکا تھا۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کمزوری آواز میں پوچھا۔

"میں کہاں چلی گئی تھی؟"

راجہ نے کہا:

"اچھی رانی، تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اس نوجوان حکیم نے تمہاری زندگی کو بچالیا"۔

صبح کے وقت رانی پوری طرح ہوش میں تھی۔

سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رات کو چراغ روشن کیے گئے۔ راجہ تو عنبر کے بار بار ہاتھ چومتا اور کہتا۔

"بیٹے، تو نے میری ریاست کو میری زندگی کو بچالیا۔ اگر رانی مر جاتی تو میں بھی زندہ نہ رہتا۔"

دوسرے دن عنبر نے کہا۔

"مہاراج، اب مجھے اجازت دیں میں جانا چاہتا ہوں"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا، کیا تو ہمارا بیٹا بن کر ہمارے راج محل میں نہیں رہ جاتا۔"

یہاں ہم تمہاری زندگی بھر خدمت کریں گے"۔

رانی نے کہا۔

"ہاں بیٹا" اگر تو ہمارے پاس رہ جائے تو ہمیں بڑی خوشی ہو گی"۔

عنبر نے کہا۔

"شکریہ رانی صاحبہ مگر میرا جانا بہت ضروری ہے"۔

راجہ نے پوچھا۔

"مگر بیٹا۔ آخر تو کیوں جانا چاہتا ہے تمہیں ایسی کون سی جلدی ہے۔ اگر تو حکم کرے تو ہم دنیا کی ہر نعمت تمہارے قدموں پر لا کر رکھ دیں"۔

عنبر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"مہاراج" جس چیز کی میں تلاش میں ہوں وہ آپ کے بس میں نہیں ہے"۔

راجہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹے" تو زبان سے کہہ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ میں اسے ایک پل کے اندر اندر تمہارے پاس لا کر رکھ دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"راجہ صاحب' مجھے اپنی ایک بہن کی تلاش ہے"۔

رانی اور راجے بولے:

"بہن کی تلاش ہے۔ مگر وہ کہاں کھو گئی تھی؟"

عنبر نے کہا۔

"مہاراج، ہم دونوں افریقہ سے ایک ساتھ ہندوستان آ رہے تھے کہ ایک جنگل میں اسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے۔ بس اس کے بعد سے اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں"۔

راجہ نے پوچھا۔

"اس کی کوئی نشانی تمہیں یاد ہے؟"

عنبر نے آہ بھر کر کہا۔

"اس سے بڑی اس کی نشانی اور کیا ہوگی کہ وہ ہمالیہ کی ایک ریاست بھی سار کے راج کنور کی بیوی تھی"۔

راجہ اور رانی ایک دم چونک پڑے۔

"کیا اس کا نام شگفتا تھا؟"

عنبر نے پلٹ کر راجہ کو دیکھا۔

"ہاں مہاراج، اس کا نام شگفتا تھا۔ کیا آپ نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"۔

راجہ رانی نے مسکرا کر عنبر کو دیکھا۔ رانی نے کہا۔

"بیٹے شگفتا ہمارے پاس آئی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ بھی سار کے راجہ کی بیوی ہے اور اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے۔ ہم نے اسے اپنے محل میں عزت سے رکھا اور پھر سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ دے کر ریاست کی جانب روانہ کر دیا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"یہ کب کی بات ہے؟"

راجہ نے کہا۔

"آج سے چھ سات روز پہلے کی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ شگفتا اپنے گھر پہنچ بھی گئی ہوگی"۔

عنبر نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے راجہ سے کہا۔

"مہاراج، میں بے حد خوش ہوں کہ آپ نے میری منہ بولی بہن کی اتنی مدد کی۔ میں تو آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ بے چاری اگر کسی اور کے قبضے میں آ جاتی تو وہ اسے لونڈی بنا کر بیچ

دیتا"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا تو نے میری رانی کو اچھا کر کے مجھے ساری عمر کے لیے خرید لیا ہے۔ میں بھلا تو پر اب کیا احسان کر سکوں گا۔ کاش، زندگی میں کبھی تمہارے کام آ سکوں"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج، یہ بتائیے کہ ہمالیہ کی ریاست سمی سار یہاں کتنی دور ہے اور کس طرف ہے؟"

راجہ نے کہا:

"کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو بیٹا؟"

عنبر بولا۔

"ہاں مہاراج، میں وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری بہن اپنے گھر خیریت سے پہنچ گئی ہے۔ اس کے بعد ہی مجھے زندگی کا سکون نصیب ہوگا"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا، ہم تمہیں بڑا تیز بھاگنے والا گھوڑا دیں گے۔ اگر تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے چلو تو چھ روز کے بعد تم ہمالیہ کی ریاست سمی سار کے دروازے پر ہو گے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا یہاں سے سفر سیدھا ہے؟"

راجہ نے کہا۔

"ہندوستان کا ملک جنگلوں اور دریاؤں کا ملک ہے بیٹا، یہاں سے کوئی بھی راستہ ایسا نہیں جو جنگلوں اور دریاؤں سے نہ ہو کر گزرے۔

ہم تمہیں اسلحہ بھی دیں گے تاکہ تم راستے میں اپنی حفاظت کر سکو"۔

عنبر بولا۔

"شکریہ مہاراج"۔

دوسرے روز عنبر نے راجہ اور رانی سے اجازت طلب کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر راجہ کے بتائے ہوئے راستے پر ہمالیہ پہاڑی کی گود میں ریاست بھی سار کی جانب سفر شروع کر دیا۔ اسے جو گھوڑا راجہ نے دیا تھا بڑا تیز سفر کر رہا تھا۔

کھانے پینے کی بھی بہت سی چیزیں راجہ نے ساتھ کر دی تھیں۔

اگر چہ عنبر کو تیر کمان کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی راجہ نے یہ سامان بھی دے دیا تھا۔

غدار کی موت

عنبر جنگل میں چلتا چلا گیا۔

اس کے دل میں اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ شکنتلا راجہ کے سپاہیوں کی حفاظت میں اپنی ریاست کی طرف روانہ ہو گئی ہے۔ صرف ایک فکر اسے تھی کہ خدا کرے وہ گھر پہنچ گئی ہو۔ اس نے سوچا پہنچ ہی چکی ہو گی۔ دھوپ کافی نکل آئی تھی۔ عنبر گھوڑے پر چلا جا رہا تھا۔ ایک کچی سڑک شہر سے باہر ہو کر جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ گرمی سخت پڑنے لگی تھی۔ اصل میں حبس بہت زیادہ بڑھ رہا تھا۔

دوپہر کے وقت عنبر نے سوچا کہ کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کیا جائے۔ یہاں اونچی نیچی پہاڑیاں سی پھیلی ہوئی تھیں۔ عنبر نے دیکھا کہ ذرا دور درختوں کے پاس پہاڑی کی ڈھلان پر ایک چھوٹا سا مکان بنا ہے جس کے اوپر چھتر لگا ہے۔

یہی وہ مکان تھا جہاں مکار وزیر نے شگفتہ کو قید کر کے رکھا ہوا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ اس مکان پر جا کر معلوم کرے کہ وہ کون رہتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اسے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ کسی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھرے۔ وہ ایک درخت کے نیچے گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹوکری میں سے کچھ پھل اور گوشت نکال کر کھایا۔ گھوڑے کو گھاس اور پانی سے تازہ دم کیا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اس چھوٹے سے محل سے آگے نکل گیا۔ جہاں شگفتہ قید کی زندگی گزار رہی تھی۔

کاش، عنبر کو معلوم ہوتا کہ جس بہن کی تلاش میں وہ جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہے وہ اس کے قریب ہی ایک مکان میں قید پڑی ہے اور اسے یاد کر کے رو رہی ہے۔

شگفتہ کو وزیر نے بہت بری طرح سے قید کر رکھا تھا۔ پہریدار جو کھانا لے کر آتا اسے بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ دروازے کو کھول سکے۔ وہ دروازے کی ایک چھوٹی سی باری میں سے کھانے کا طشت اندر کر دیتا تھا۔ وزیر ہر دوسرے روز آ کر شگفتہ سے پوچھ لیتا کہ اس نے شادی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ شگفتہ اسے انکار کر دیتی اور وہ یہ کہہ کر واپس چلا جاتا۔

"کوئی بات نہیں۔ ایک روز گزر جانے دو۔ پھر تم میرے ہاتھ سے زندہ نہ بچ سکو گی۔"

شگفتہ کو ایک یہ بھی غم تھا کہ کہیں یہ سرپھرا وزیر سچ مچ اسے

ہلاک نہ کر دے۔ وہ اتنی مصیبتوں، شیروں، آدم خوروں، ہاتھیوں اور وحشی درندوں سے بچ کر یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اور اب کہیں اس پاگل وزیر کے ہاتھوں نہ ماری جائے۔ اس وقت شگفتا کو اپنے بھائی عنبر کا خیال آ رہا تھا۔ اگر وہ اس کے پاس موجود ہوتا تو اسے کسی بات کی فکر ہی نہیں تھی۔ جس وقت شگفتا نے بچھڑے ہوئے بھائی عنبر کے بارے میں سوچ رہی تھی ٹھیک اسی وقت عنبر اس کے محل کے قریب سے ہو کر گزر گیا تھا۔

شگفتا رات کو عنبر پر لیٹی سوچتی رہتی کہ یہاں سے کس طرح فرار ہوا جائے؟ وہ ہر حالت میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ لیکن بھاگنے کا وہاں کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوٹھڑی میں روشندان کوئی نہیں تھا۔ دروازے پر باہر کی طرف ہر وقت تالا لگا رہتا۔ نوکروں کو اتنی اجازت نہیں تھی کہ وہ دروازے کو کھول سکے۔ وہ چھوٹی سی

کھڑکی میں سے کھانا اور پانی اندر پکڑاتا تھا۔ پھر وہاں سے بھاگا جائے تو کس طرح سے بھاگا جائے؟ شگفتا سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اسے اس بات کا اور زیادہ صدمہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے اندر بے بس کر دی گئی تھی اور اس وقت جب کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس جا رہی تھی۔

شگفتا فرار ہونے کے بارے میں جس قدر سوچتی اس کا دماغ اتنا ہی پریشان ہو جاتا۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اپنی زندگی کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس قسم کے مصیبتوں اور پریشانیوں سے تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ایک بڑا خطرناک فیصلہ کیا تھا۔ وہ بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ کرتی چلی آئی تھی۔

ترکیب اس نے یہ سوچی کہ رات کو جب وزیر اس سے ملاقات کرنے آئے تو وہ اسے ہلاک کر دے۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔

اس میں شگفتہ کی جان کو خطرہ بھی تھا۔ مگر وہ تنگ آ چکی تھی۔ وہ ہر حالت میں وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ چاہے اس کے لیے اسے کتنی بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے مگر وہ وزیر کو کس طرح مارے یا بے ہوش کرے؟

شگفتہ نے کوٹھڑی میں ادھر ادھر دیکھا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ شگفتہ نے دروازے پر ٹھک ٹھک کر پہرے دار کو بلایا۔

پہرے دار نے کھڑکی میں سے جھانک کر پوچھا:

"کیا بات ہے؟ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟"

شگفتہ نے کہا۔

"مجھے سیب لا دو۔ میں سیب کھانا چاہتی ہوں"۔

وزیر نے پہرے دار کو حکم دے رکھا تھا کہ شگفتہ جس چیز کی خواہش کرے اسے فوراً لا کر دے دی جائے۔ پہرے دار نے منہ بنا کر کہا۔

"ابھی لاتا ہوں"۔

وہ کھڑکی بند کر کے سیب لانے چلا گیا۔ باورچی خانے میں سرخ رنگ کے بڑے بڑے سیب طشت میں سجے ہوئے تھے۔ پہرے دار ایک تھالی میں تین سیب رکھ کر لے آیا۔ کھڑکی کھول کر اس نے سیبوں کی تھالی شگفتہ کو پکڑا دی۔

شگفتہ نے کہا:

"تم سیب چھیلنے کے لیے چھری تو لائے ہی نہیں۔ میں سیب کیسے کھاؤں گی۔ میں نے کبھی سیب چھلکے سمیت نہیں کھائے"۔

پہرے دار کو دوبارہ نیچے باورچی خانے میں جا کر چھری لانا مصیبت نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"کیا تم چھلکے سمیت نہیں کھاؤ گی؟"۔

"نہیں میں چھلکے سمیت سیب نہیں کھا سکتی"۔

پہرے دار نے اپنی کمر میں سے خنجر نکال کر کھڑکی میں سے اندر پکڑاتے ہوئے کہا۔

"او میرے اس خنجر سے سیب چھیل لو"۔

شکنتلا کو اور کیا چاہیے تھا بھلا اس نے چھری کے لیے ہی تو سیب کھانے کا بہانہ کیا تھا۔ اب اسے تیز خنجر مل گیا۔ وہ بے حد خوش ہوئی۔ پہرے دار نے کھڑکی بند کر دی۔ شکنتلا نے دیکھا کہ خنجر کی دھار بڑی تیز تھی۔ اس کی نوک بھی لمبی اور نوکیلی تھی۔

اس نے سیب چھیل کر کھانے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد پہریدار نے خنجر مانگا تو شکنتلا نے کہا۔

"تمہیں اتنی جلدی کیا ہے ابھی میں سیب کھا رہی ہوں"۔

پہرے دار سر ہلا کر چلا گیا۔ انہی باتوں میں شام ہو گئی۔ پہریدار کھانا لے کر آ گیا۔ اس نے کھانا دے کر پھر خنجر واپس مانگا تو شکنتلا نے کہا۔

"میں کھانے کے بعد بھی ایک سیب کھاؤں گی۔ پھر تمہیں تمہاری امانت واپس کر دوں گی"۔

پہرے دار کھڑکی بند کر کے چلا گیا۔ یہ وزیر کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس روز رات کی بجائے شام کو ہی وہاں آ گیا۔ پہرے دار نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا۔

وزیر اندر آ کر بولا۔

"کہو، تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

شکنتلا نے خنجر پہلے ہی سے اپنے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق سر اٹھا کر کہا۔

"اے وزیر! میں ہار گئی۔ تو جیت گئے اس قید کی زندگی سے تو بہتر

ہے کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرکے زندگی بسر کروں''۔

وزیر تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔

''شاباش شگفتا، تم بڑی عقل مند ہو۔ تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے میں بہت خوش ہوں۔ میں آج ہی شادی کی تیاری شروع کرتا ہوں''۔

پہرے دار نے اندر سے آواز دی۔

''کون بدتمیز ہے باہر؟''

شگفتا بولی

''کم بخت، اب تو اس کمرے میں قید رہے گا''

پہرے دار نے پوچھا۔

''تم ہو شگفتا؟''

شگفتا نے جواب دیا:

''ہاں میں ہوں''۔

پہرے دار نے پوچھا:

''اور وزیر صاحب کہاں ہیں؟''

شگفتا نے کہا۔

''اس مکار کمینے کی لاش کھڈ میں پڑی ہے۔ میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے اور تجھ پر اس لیے رحم کیا ہے کہ تو نے مجھے خنجر لا کر دیا تھا''۔

پہرے دار نے کہا۔

''یہ تو نے کیا کر دیا؟''

شگفتا بولی۔

''خاموش، مکار وزیر کی خوشامدی نوکر''۔

یہ کہہ کر شگفتا اس کمرے میں آ گئی جہاں رات کو وزیر سوتا تھا۔

شگفتا نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور وزیر کے نرم نرم بستر پر

لیٹ گئی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ رات کو اس کمرے میں آرام کرے گی۔ اور صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے نکل جائے گی۔ وہ رات کو سفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں پہرے دار باورچی خانے کا دروازہ توڑ کر باہر نہ نکل جائے۔ اس نے سوچا کہ وہ وہاں سے نکل کر سیدھی راجہ کے پاس جائے گی اور وزیر کی کرتوت بیان کرنے کے بعد وہاں سے تازہ دم سپاہیوں کا دستہ ساتھ لے کر واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جائے گی۔

تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ شگفتا جلدی سے بستر پر سے اٹھی۔ باہر آ کر اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ محل کے باہر کھڑے وزیر کے گھوڑے پر سوار ہوئی اور راجہ ہنومان کے محل کی طرف چل پڑی۔

دوپہر کے وقت وہ راجہ ہنومان کے محل میں آ گئی۔ رانی اور راجہ شگفتا کو پریشان حال واپس آتے دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے۔

شگفتا نے راجہ کو وزیر کی غداری اور اس کی موت کی ساری کہانی سنا ڈالی۔

راجہ نے کہا۔

''تم نے ایسے کمینے شخص کو مار کر بڑا اچھا کام کیا ہے''۔

پھر راجہ نے شگفتا کو بتایا کہ اس کا بھائی عنبر آیا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے وہ ریاست بمنی سار کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر شگفتا کو بڑی خوشی ہوئی۔

راجہ نے سپاہیوں کا ایک دستہ شگفتا کے ساتھ کر دیا جو شاہی رتھ پر شگفتا کو لے کر ہمالیہ پہاڑ کی جانب چل دیا۔

آگے کیا ہوا۔۔۔۔۔؟

شنگریلا ہمالیہ کی گود میں کیسے پہنچی۔۔؟

عنبر اپنی منہ بولی بہن سے کیسے ملا۔۔؟

کیا ناگ اور ماریا چین سے اکیلے ہی روانہ ہوئے۔۔؟

عنبر اور ناگ کی ملاقات ہندوستان میں کہاں ہوئی۔۔؟

یہ سب آپ اگلی یعنی ۳۷ویں قسط میں پڑھیے۔

سمندری قزاق

قسط نمبر 37

اے حمید

سمندری قزاق

عنبر ناگ ماریا۔ قسط نمبر 37

اے حمید

w.pdfbooksfree. کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھئے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

سمندری قزاق

عنبر ناگ ماریا ۔ قسط نمبر 37

اے حمید

فہرست

مچھیرے کی موت
راجو ڈاکو
سمندری قزاق
محل اداس ہے
جنگل میں آگ
سمندر بلاتا ہے
خونی لٹیرا
ساتھی کی جدائی
انوکھا مسافر
بدبخت سرائے

سنو پیارے بچو

عنبر اپنے ساتھ شگفتا کو لے کر اس کے باپ راجہ کے دربار میں آتا ہے۔ راجہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ عنبر چلا جاتا ہے۔ نمک حرام وزیر راجہ کی بیٹی کو اغوا کر کے ایک سمندری ڈاکو کے حوالے کر دیتا ہے۔ جو اسے لے کر ملک جاپان کی طرف فروخت کرنے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔

عنبر بھی جاپان کی طرف جا رہا ہے۔ [illegible] کرنے کے لیے رکتا ہے۔ اس کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے۔ اسی سرائے میں ایک ڈاکو بھی آیا ہوا ہے۔ وہ عنبر کی اشرفیاں چرانے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام رہتا ہے۔ سمندری ڈاکو بھی شگفتا کو لے کر اسی شہر میں آ جاتا ہے۔

مچھیرے کی موت

عنبر گھوڑے پر سوار اکیلا جنگل میں سفر کر رہا تھا۔

سادھو بابا نے اسے یہی خبر دی تھی کہ شکنتلا اس سے مل کر آگے اپنے شہر کی طرف چلی گئی ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے شکنتلا چلی آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ راجہ ہنومان کے سپاہی ہیں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ قافلہ پرانے ہندوستان کے گھنے اور خطرناک جنگل سے گزر رہا ہے۔ عنبر سفر کرتے کرتے شام کے وقت ایک گاؤں میں پہنچا۔ جس کے کچے مکانوں کے باہر کچھ آدمی بیٹھے دھان کوٹ رہے تھے۔ عنبر نے قریب جا کر ان سے پوچھا کہ ہمالیہ پہاڑ کو راستہ کدھر سے جاتا ہے؟

ایک آدمی نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا اور کہا:

''میاں، ہمالیہ پہاڑ تو یہاں سے بہت دور ہے۔ راستے میں کئی دریا ہیں، خطرناک پہاڑ ہیں۔ درندوں سے بھرے ہوئے جنگل ہیں۔ تم اکیلے یہ راستہ کیسے طے کرو گے؟''۔

عنبر نے کہا:

''بھائی، تم یہ بتاؤ کہ میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں؟ باقی سفر میں خود طے کر لوں گا۔ اگر راستے میں خطرناک پہاڑ ہیں اور جنگل درندوں سے بھرے ہوئے ہیں تو کیا ہوا۔ مجھے تو یہ سفر طے کرنا ہی ہے''۔

اس آدمی نے عنبر کو بتایا کہ وہ ٹھیک سمت میں جا رہا ہے۔ عنبر نے اس سے گاؤں میں رات بسر کرنے کی اجازت مانگی۔ اس آدمی نے عنبر کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے اس کے مکان کے صحن میں بستر بچھا دیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد دیہاتی نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہ راجہ تنومان کے شہر سے آ رہا ہے اور ریاست بمبئی سار میں جڑی بوٹیوں کی تجارت کے لیے جا رہا ہے۔ وہ آدمی بولا:

"کیا تم جڑی بوٹیوں کا جادو جانتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"جڑی بوٹیوں کا جادو تو میں نہیں جانتا۔ ہاں میں جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا تھوڑا بہت علاج ضرور کر لیتا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ جڑی بوٹیوں کا جادو کیا ہوتا ہے؟"۔

دیہاتی بولا:

ہمالیہ کے جنگلوں کے اوپر ایسی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو اگر لوہے کی کسی شے سے چھو جائیں تو وہ سونے کی ہو جاتی ہیں"۔

عنبر مسکرایا:

"بھائی جس ملک سے میں آ رہا ہوں وہاں ویسے بھی سونا بہت پایا جاتا ہے۔ مجھے سونے کی خواہش نہیں ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادا سوداگر ہوں۔ جڑی بوٹیاں اکٹھی کر کے دوسرے ملک میں جا کر فروخت کر دیتا ہوں"۔

دیہاتی نے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن تمہاری باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم سوداگر نہیں بلکہ جادوگر ہو۔ تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش ہے"۔

عنبر پریشان ہو گیا کہ یہ دیہاتی کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ اس نے جمائی لے کر کہا:

"بھائی مجھے نیند آ رہی ہے۔ کل بات کریں گے"۔

عنبر بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ یہ دیہاتی لوگ کس قدر ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ اس نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ عنبر جادو جانتا ہے۔ اگرچہ وہ جادوگر نہیں تھا۔ پھر بھی اس پر جادو ضرور کیا گیا تھا اور اس طرح اس کا جادو سے بڑا تعلق تھا۔ بہر حال ان دیہاتی لوگوں سے عنبر کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے رات بھر سویا رہا۔ دن چڑھا تو وہ چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔

دیہاتیوں نے بڑی گرم جوشی سے اسے رخصت کیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے سلام کیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوپہر تک وہ بہت آگے نکل گیا۔ جنگل اب اتنا گھنا نہیں رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ بکھر گئے تھے۔ علاقہ پہاڑی تھا۔ زمین ہموار نہیں تھی بلکہ جگہ جگہ سے پتھریلی اور ابھری ہوئی تھی۔ ایسی زمین کو سطح مرتفع بھی کہتے ہیں۔

دوپہر کے بعد راستے میں ایک دریا آ گیا۔ یہ دریا کافی چوڑا تھا۔ عنبر رک گیا اور گھوڑے پر سے اتر کر دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس نے گھوڑے کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ خود کھانا کھا کر پانی پیا اور سوچنے لگا کہ دریا کو کس طریقے سے پار کیا جائے؟ وہاں کوئی پل بھی نہیں تھا۔

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ شمال کی طرف چلنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید کہیں سے کوئی کشتی مل جائے۔ کیونکہ اس زمانے میں اتنے بڑے دریا پر پل نہیں ہوا کرتا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک دریا کنارے ملاحوں کی چھوٹی سی بستی میں آ گیا۔ یہاں اسے کچھ مچھیرے اور ان کی کشتیاں دکھائی دیں۔ عنبر نے ایک بوڑھے

مچھیرے کے پاس جا کر کہا کہ وہ مسافر ہے اور دریا پار کرنا چاہتا ہے۔ بوڑھا مچھیرا جال مرمت کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور کہا:

’’دریا تو پار کرا دوں گا مگر سونے کی چار اشرفیاں لوں گا‘‘۔

اس زمانے میں سونے کی چار اشرفیوں کی بڑی قیمت ہوتی تھی۔ عنبر کے پاس سونے کی بہت اشرفیاں تھیں۔ اس نے مچھیرے کو جھٹ جیب میں سے دو اشرفیاں نکال کر دے دیں۔ وہ مچھیرا بہت لالچی تھا۔ اس کی نیت میں بدی آ گئی۔ اس نے سوچا کہ یہ تو ایک پردیسی مسافر ہے۔ کیوں نہ اس کی ساری اشرفیاں چھین لی جائیں۔ مچھیرے نے عنبر کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا۔

’’بیٹا، تم مجھے اچھے نوجوان لگتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت دریا پار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ دریا چڑھاؤ پر ہے اور اس میں بہت سے مگرمچھ بھی تیر رہے ہیں جو گھوڑے کی بو پا کر فوراً کشتی پر حملہ کر کے اسے توڑ کر ڈبو دیتے ہیں اور پھر گھوڑے اور انسانوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں‘‘۔

عنبر نے پوچھا:

"تو پھر میں دریا کس طرح سے پار کر سکتا ہوں؟"۔

مچھیرے نے کہا:

"بیٹا، دریا پار کرنے کا بہترین وقت صبح ہے۔ خاص طور پر جب انسان کے ساتھ گھوڑا بھی ہو اور دریا چڑھاؤ پر ہو، میرے رائے میں تم رات جھونپڑی میں ہمارے ساتھ بسر کرو۔ صبح صبح میں تمہیں دریا پار کرادوں گا کیونکہ اس وقت دریا کا پانی اترا ہوا ہوتا ہے"۔

عنبر نے سوچا کہ بوڑھا مچھیرا ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ پھر اسے کوئی

پریشانی بھی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ جلد سے جلد شگفتا کے شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ شگفتا کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ چکی ہوگی۔ اس نے مچھیرے کی جھونپڑی میں رات بسر کرنے کی حامی بھر لی۔ مچھیرے نے سب سے الگ دریا کنارے کی ایک جھونپڑی میں گھاس کا بستر بچھا دیا اور عنبر کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور چاول لاکر رکھ دیے۔

"لو بیٹا، اسے کھاؤ۔ ہم غریب ماہی گیر اس سے زیادہ تمہاری خدمت نہیں کرسکتے"۔

عنبر نے کہا:

"بابا! میں تمہارا بڑا شکرگزار ہوں جو تم ایک غریب مسافر کے ساتھ اتنی ہمدردی سے پیش آرہے ہو۔ میں تمہارے اس نیک سلوک کو ہمیشہ یاد رکھوں گا"۔

مچھیرا بولا:

''اس کی کیا ضرورت ہے بیٹا' ہم لوگ تو مسافروں کی بڑی خدمت کرتے ہیں اور ان سے پیار کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اب تم کھانا کھا کر آرام کرو۔ میں صبح تمہارے پاس آؤں گا اور تمہیں دریا پار کرا دوں گا''۔

''اچھا بابا''۔

عنبر کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ اس کا گھوڑا جھونپڑے کے باہر بندھا ہوا تھا۔ عنبر دن بھر کے سفر کا تھکا ہوا تھا۔ وہ سو گیا۔ مچھیرا وہاں سے بھاگ کر بستی کے پچھواڑے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں آ گیا۔ یہاں چٹانوں کے بیچ میں ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ مچھیرا جھونپڑی میں داخل ہوا۔ وہاں ایک ہٹا کٹا مچھیرا کمر کے ساتھ خنجر لگائے بیٹھا مچھلیوں کو نمک لگا رہا تھا۔ وہ بوڑھے مچھیرے کو دیکھ کر بولا:

''دادا کیا کوئی اچھی سی خبر لائے ہو؟''۔

مچھیرا خوشی سے بولا:

''ایسی اچھی خبر لایا ہوں کہ سنو گے تو خوشی سے قلابازیاں لگانی شروع کر دو گے''۔

جوان مچھیرے نے کام روک دیا اور بولا:

''کیا سچ کہہ رہے ہو دادا؟''

بوڑھا مچھیرا بولا:

''تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں؟ میاں تمہارے اور میرے دونوں کے دن پھر گئے ہیں۔ ایک بڑی موٹی اسامی پھنس گئی ہے۔ پھنس کیا گئی ہے یہ سمجھ لو کہ بھگوان نے بھیج دی ہے۔ اس کے پاس سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے''۔

ہٹا کٹا جوان مچھیرا اچھل پڑا:

"کہاں ہے وہ مسافر؟"۔

بوڑھا مچھیرا بولا:

"میری جھونپڑی میں سو رہا ہے"۔

جوان مچھیرے نے کہا:

"میں ابھی جا کر اسے قتل کر دیتا ہوں۔ تم نے کسی اور کو تو نہیں بتایا؟"۔

دادا کہنے لگا:

"ارے پاگل ہو گیا ہے کیا؟ بھلا یہ باتیں کسی غیر کو بتانے والی ہوتی ہیں۔ بستی والوں سے تو میں نے یہی کہا ہے کہ ایک غریب مسافر اس کی جھونپڑی میں مہمان بن کر اترا ہے اور وہ تو مصیبت کی مہمان نوازی میں پھنس گیا ہے۔ کیا مجال ہے کہ بستی میں کسی کو کانوں کان خبر بھی ہوئی ہو کہ اس سوداگر کا جھولا سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا

ہے"۔

جوان مچھیرے کی آنکھوں میں سونے کی چمک آ گئی۔

"شاباش دادا، تم سچ مچ بڑے کائیاں ہو۔ بڑے تجربہ کار ہو۔ بڑے مکار ہو۔ میں آج ہی رات اس بدنصیب سوداگر کا گلا گھونٹ کر اس کی لاش دریا میں بہا دوں گا اور پھر سونے کی اشرفیوں پر قبضہ کر لوں گا"۔

دادا بولا:

"لیکن یاد رہے۔ آدھا مال میرا ہو گا"۔

جوان مچھیرے نے کہا:

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ آدھا مال تمہیں ضرور ملے گا دادا"۔

بوڑھا مچھیرا خوش ہو کر کہنے لگا:

"ٹھیک ہے بیٹے، تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ تم آج

رات مسافر کا کام تمام کر سکتے ہو۔ مگر خبردار اس کی آواز تک نہ نکلنے پائے"۔

جوان مچھیرا ہنس پڑا:

"پاگل ہوگئے ہو دادا' بھلا میں کوئی پہلی بار کسی انسان کو قتل کر رہا ہوں۔ جال کی مضبوط رسی اس کے گلے میں ایسے ڈال کر دباؤں گا کہ ایک پل میں اس کا کام ختم ہو جائے گا"۔

بوڑھا مچھیرا بولا:

"اچھا اب میں جا رہا ہوں بستی میں کسی نے مجھے تمہاری جھونپڑی سے نکلتے دیکھ لیا تو اسے خواہ مخواہ شک پڑ جائے گا۔ تم آدھی رات کو اپنا کام کرو۔ اشرفیوں کا تھیلا چٹانوں کے نیچے چھپا دینا' اور سنو۔ مسافر کی لاش بہت آگے جا کر دریا میں پھینکنا"۔

"ایسا ہی ہوگا دادا"۔

بوڑھا مکار مچھیرا دبے دبے قدم اٹھاتا اپنی جھونپڑی میں آ کر چراغ بجھا کر سو گیا۔

عنبر بھی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ دوسری طرف جوان مچھیرا جال کی رسی جیب میں ڈال کر عنبر کا گلا دبانے کے لیے جھونپڑی سے باہر نکل آیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی موت اسے جھونپڑی سے نکال کر باہر لے آئی۔ اس ظالم مچھیرے نے کئی آدمیوں اور عورتوں کو قتل کیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اب وہ خود مرنے کے لیے عنبر کے پاس جا رہا ہے۔

وہ چٹانوں میں چھپتا چھپاتا۔ دبے دبے قدموں چلتا۔ جھکے جھکے

دریا کنارے کی ریت پر رات کے اندھیرے میں عنبر کی جھونپڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر کی جھونپڑی میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک روشندان سے ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی جس میں وہ گھاس پر لیٹا صاف نظر آ رہا تھا۔

اس کا اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اس کے سرہانے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اسے غریب مچھیروں کی بستی سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ بڑی بے فکری سے سو رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ لالچ کا مارا ایک انسان اسے مارنے کے لیے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مچھیرا عنبر کی جھونپڑی کے باہر آ کر رک گیا۔ باہر گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ مچھیرے نے سوچا کہ اگر وہ جھونپڑی کے دروازے میں سے اندر داخل ہوا تو گھوڑا ایک اجنبی کو دیکھ کر ضرور ہنہنائے گا اور سوداگر جاگ پڑے گا؛ چنانچہ اس نے جھونپڑی کے پیچھے سے اندر جانے کا

فیصلہ کیا۔ جھونپڑی کے پیچھے بھی ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یہاں سے سرکنڈے بڑی آسانی سے ہٹائے جا سکتے ہیں۔ مچھیرے نے سرکنڈے سے ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ سوداگر بڑے سکون کے ساتھ سو رہا تھا۔

مچھیرا چپکے سے جھونپڑی کے اندر آ گیا۔

وہ زمین پر رینگتا ہوا عنبر کے سرہانے کی جانب آ گیا۔ وہ سرہانے کی طرف سے رسی عنبر کے گلے میں ڈال کر ایک دم مروڑا دے کر اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے وہ ہر کام بڑی عقل مندی سے کر رہا تھا۔ لیکن قدرت اس کی مکاری پر ہنس رہی تھی۔ مچھیرے نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر ہولے ہولے خراٹے لے رہا تھا۔

مچھیرا اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں ہر شے اس کی طرف داری کر رہی تھی۔ شکار سویا ہوا تھا اور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اس کے سرہانے کے نیچے پڑا تھا۔ بس ذرا سا گردن کو ایک مروڑا دینے کی کسر تھی کہ مچھیرا سونے کی اشرفیوں کا مالک بن جاتا۔

اس نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ وہ بڈھے مچھیرے کو ایک اشرفی بھی نہیں دے گا۔ اگر اس نے شور مچانا چاہا تو وہ اسے بھی ختم کر دے گا۔ مچھیرا اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

اب حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

مچھیرے نے ایک ہاتھ میں جال کی باریک مگر بڑی ہی مضبوط رسی اوپر اٹھائی۔ اس کے دونوں سرے ایک ایک ہاتھ میں پکڑے اور عنبر کی گردن کے قریب سے لے آیا۔ پھر اس نے تیزی کے ساتھ رسی کا پھندا عنبر کے گلے میں ڈال کر اسے زور سے مروڑا دیا کہ اس کی جگہ

اگر ریچھ کی گردن ہوتی تو وہ بھی کٹ جاتی۔ لیکن یہاں دوسرا معاملہ ہو رہا تھا۔ جوں جوں مچھیرا رسی کو مروڑا دے رہا تھا اس کا اپنا ہاتھ چھلتا چلا جا رہا تھا۔ جیسے اس نے پتھر کے ستون کے گرد رسی کا پھندا ڈال دیا ہو۔ رسی اس کی ہتھیلیوں میں گھسنے لگی۔

مچھیرے نے مروڑا چڑھانا بند کر دیا۔

عنبر جاگ پڑا تھا۔ اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ کسی مچھیرے کی نیت خراب ہو گئی ہے اور وہ اسے ہلاک کر کے سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عنبر نے ہاتھ بڑھا کر مچھیرے کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر خنجر نکال لیا۔

”بول اے بد خصلت آدمی' میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“۔

مچھیرے نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح سے عنبر کے نیچے سے نکل آئے۔ مگر وہ تو عنبر کے بوجھ کے نیچے یوں دب گیا تھا جیسے کسی نے اس کے اوپر پتھر کی چٹان لا کر رکھی ہو۔ پھر بھی وہ بولا:

”مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو“۔

عنبر نے کہا:

”تم ایک قاتل ہو۔ جانے تم اب تک کتنے بے گناہوں کو قتل کر چکے ہو اور اگر میں نے تمہیں زندہ چھوڑا تو نہ جانے اس کے بعد کتنے اور بے گناہوں کو اپنی ہوس کے لیے قتل کرو گے۔ اس لیے میں تمہیں ہلاک کرتا ہوں۔ تم سے وہی سلوک کرتا ہوں جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے رہے ہو“۔

اور یہ کہہ کر عنبر نے خنجر سے ڈاکو اور قاتل مچھیرے کا کام تمام کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے جھونپڑی کے باہر آ کر شور مچا دیا کہ ایک ڈاکو اسے لوٹ کر قتل کرنے آیا تھا اور خود ہی مارا گیا۔ بوڑھے مچھیرے نے جب لاش دیکھی تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ سوداگر ایک بہادر نوجوان ہے اور اس کے آگے دم مارنا ایک مشکل بات ہے۔

دوسرے ماہی گیر نے عنبر کا ساتھ دیا۔ کیوں کہ قتل ہونے والا مچھیرا ایک قاتل اور بدمعاش آدمی تھا اور سارے بستی والے اس کے ہاتھوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔

انہوں نے عنبر کی بہادری کی تعریف کی اور مچھیرے کی لاش اٹھا کر دریا میں پھینک دی۔

یہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے اس کے لیے کنواں پہلے ہی سے تیار ہوتا ہے اور وہ سب سے پہلے خود اس میں گرتا ہے۔

عنبر نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور وہ پچھلی رات کو ہی گھوڑے پر سوار ہو کر کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کر گیا۔

راجو ڈاکو

عنبر دریا پار کر کے دوسری طرف نکل گیا۔

اب ہم شگفتا کی طرف واپس آتے ہیں۔ وہ عنبر کے پیچھے پیچھے پالکی میں سوار چلی آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ راجہ ہنومان کے سپاہی تھے۔ جو اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ ان سپاہیوں کے دستے کا سینا پتی ایک بدمعاش اور لالچی آدمی تھا۔ شگفتا کی پالکی کے ساتھ ساتھ

سفر کرتے کرتے وہ تنگ آ گیا۔ اس نے راجہ کے حکم کا بھی خیال نہ کیا۔ اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ کسی راستے کے شہر میں پہنچ کر شگفتا کو کسی بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دے اور واپس جا کر راجہ سے کہہ دیا کہ اس نے شگفتا کو اس کے گھر پہنچا دیا ہے اس کی شکایت کرنے والا بھلا کون ہو گا؟

سپاہی اس کے خلاف ایک لفظ نہیں بول سکتے تھے۔ ویسے سپاہی بھی سفر کرتے کرتے تھک گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سے شگفتا سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ سینا پتی نے ایک جگہ رات کا پڑاؤ کیا۔ آگ جلا دی گئی۔ شگفتا کی پالکی ایک طرف کھڑی کر کے اسے کھانا دیا گیا۔ شگفتا کھانا کھا کر اپنے گھر بار کا خیال دل میں لا کر سو گئی۔ اب تو وہ بڑی مطمئن تھی کہ بہت جلد بغیر کسی مصیبت کے اپنے گھر پہنچ جائے گی۔ لیکن ابھی اس کی مصیبتوں کے دن ختم نہیں ہوئے

تھے۔

ادھر شکنتلا اپنی پالکی میں سکون کے ساتھ سو رہی تھی اور ادھر آگ کے گرد سپاہی بیٹھے جاگ رہے تھے۔ سیناپتی انہیں بتا رہا تھا کہ اس نے شکنتلا کو ایک ڈاکو جیسی بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے سپاہی پہلے تو سیناپتی کے اس فیصلے پر ذرا چونکے۔ پھر بڑے خوش ہوئے کہ وہ بہت جلد واپس اپنے شہر چلے جائیں گے۔

ایک سپاہی نے کہا:

''سیناپتی جی، ہم بھی بے کار سفر کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ آخر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ ایک عورت کے لیے اتنی دور کا سفر کریں۔ ہمیں بھی اپنے بال بچے بہت یاد آ رہے ہیں''۔

سیناپتی بولا:

''میں نے آپ لوگوں کا بھی خیال کیا ہے۔ ہمارا راجہ تو بالکل مٹی کا مادھو ہے۔ بھلا ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم اتنی دور دیس کے راجہ کی بیوی کو اٹھائے لیے پھریں؟ کیا ہمیں اس کا الگ پیسہ ملے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس عورت کو ہم راستے میں ہی ایک جگہ بیچ کر واپس چلے چلیں گے اور راجہ سے جا کر کہہ دیں گے کہ ہم نے اسے اس کے گھر پہنچا دیا ہے۔ راجہ کہاں وہاں جا کر پوچھتا پھرے گا''۔

''مہاراج آپ نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے تو ہمارے دل کی بات کی ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ اس بلا سے جتنی جلدی ہو سکے نجات حاصل کی جائے''۔

ایک سپاہی نے کہا:

''مگر مہاراج، اس مصیبت کو آپ کہاں اور کس کے ہاتھ فروخت کریں گے؟''۔

سیناپتی بولا:

"یہ علاقہ میرا سارا دیکھا بھالا ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور چوگان نامی ایک گاؤں آئے گا۔ اس گاؤں میں ایک بڑا مشہور بردہ فروش راجو رہتا ہے۔ وہ میرا واقف ہے۔ میں اس عورت کو راجو کے پاس فروخت کردوں گا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوجائیں گے"۔

دوسرا سپاہی بولا:

"لیکن سیناپتی جی! راجہ یہ پوچھے گا کہ ہم اتنی جلدی واپس کیسے آگئے؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"ہم راجہ سے کہیں گے کہ شکنتلا کے خاوند سے راستے میں ہی ملاقات ہوگئی تھی۔ وہ جنگل میں شکار کے لیے آیا ہوا تھا کہ اس نے شکنتلا کو دیکھ کر وہیں اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا"۔

اس فیصلے کی شکنتلا کو بالکل خبر نہ تھی۔

وہ بے چاری قسمت کی ماری اپنی پالکی میں بے خبر سو رہی تھی اور خواب میں اپنے پیارے بچے کو پیار کر رہی تھی۔ سپاہی بھی سو گئے۔ سیناپتی کچھ دیر آگ کے پاس بیٹھا راجو بردہ فروش کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ اسے گاؤں میں مل جائے تو اچھا ہے۔ اگر وہ گاؤں سے باہر گیا ہوا ہو تو مشکل پیش آجائے گی مگر اسے یقین سا تھا کہ راجو گاؤں میں ہی ہوگا۔ اس کے بعد سیناپتی بھی سو گیا۔

صبح اٹھتے ہی سیناپتی نے شکنتلا کو ناشتہ کروایا اور اس کے پاس جا کر کہنے لگا:

"راجکماری جی! اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کریں۔ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔

شکنتلا سیناپتی سے بہت خوش ہوئی کہ بے چارا راستے میں اسکا

کس قدر خیال رکھ رہا ہے۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ یہ تو میٹھا زہر ہے۔ اس کی آستین میں چھپا ہوا سانپ ہے جو ابھی اسے ڈسنے ہی والا ہے۔ اس نے کہا:

”سیناپتی، ہم تمہاری خدمت گزاری سے بہت خوش ہیں ہم اپنے محل میں جا کر راجہ کنور سے تمہاری بہت تعریف کریں گے۔ اس وقت مجھے سوائے اس کے اور کسی شے کی ضرورت نہیں کہ میں جلدی سے جلدی اپنے بچے کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں“۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

”فکر کی کوئی بات نہیں راج کماری، ہم آپ کے شہر کی طرف ہی

سفر کر رہے ہیں۔ ہم بہت جلد آپ کے شہر پہنچ جائیں گے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"ابھی کتنے دنوں کا اور سفر باقی ہے؟"۔

سیناپتی بولا:

"بس دو ایک دن میں پہنچنے ہی والے ہیں راجکماری جی"۔

شگفتا خاموش ہوگئی۔ اسے یہ دو دن پہاڑ معلوم ہو رہے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے پر نکل آئیں اور وہ اڑ کر اپنے گھر پہنچ جائے۔ اپنے خاوند کے پاؤں چھوئے اور اپنے بچے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کرے۔ اسے ان سے بچھڑے سال بھر سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ خدا جانے وہ لوگ اس کے بغیر کتنے پریشان نہیں ہوں گے"۔

سیناپتی کے حکم سے سپاہیوں نے پالکی اٹھائی اور چل پڑے۔

اب وہ اس دریا پر پہنچ گئے جہاں عنبر پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ سپاہیوں نے دریا کنارے جا کر پالکی روک دی۔ سیناپتی نے مچھیروں کو بلا کر کہا:

"جلدی سے کشتیاں جوڑ کر ایک بیڑا بناؤ۔ شاہی سواری کو دریا پار اترنا ہے"۔

مچھیرے راجہ کے سپاہیوں اور سیناپتی کو دیکھ کر پہلے ہی ڈر گئے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر بولے:

"سرکار! ابھی دریا پار کرائے دیتے ہیں"۔

سب ماہی گیروں نے مل کر دیکھتے دیکھتے چھ سات کشتیوں کو جوڑ کر ایک بیڑا سا بنا دیا۔ سپاہی پالکی سمیت بیڑے میں سوار ہوگئے اور بیڑا دریا میں بہتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہوگیا۔ پالکی کے پاس بیٹھے ہوئے ایک سپاہی نے ایک مچھیرے سے پوچھا:

"کیوں بھائی، یہاں تو کبھی کبھی کوئی مسافر آتا ہوگا؟"

ماہی گیر منہ بنا کر بولا:

”سرکار' کبھی کبھی ہی کوئی مسافر آتا ہے۔ لیکن اس دفعہ جو مسافر آیا' اس نے تو ہمارے ایک ساتھی کو ہی مار ڈالا۔ بڑا بہادر تھا ویسے۔ کہتے ہیں اس پر خنجر کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا“۔

یہ سنتے ہی پالکی میں بیٹھی ہوئی شگفتا کے کان کھڑے ہو گئے اس نے پالکی کا پردہ اٹھا کر ماہی گیر سے کہا:

”بھائی' تم کیا کہہ رہے تھے؟ کیا تم نے اس مسافر کو دیکھا تھا؟“۔

ماہی گیر نے جھک کر کہا:

”ہاں راجکماری جی' میں نے ہی اسے اور اس کے گھوڑے کو کشتی میں سوار کرایا تھا“۔

شگفتا نے پوچھا۔

”اس کی شکل کیسی تھی؟“

جب ماہی گیر نے شگفتا کو حلیہ اور قد بتایا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ عنبر ہی تھا۔ ویسے بھی عنبر کی یہی نشانی کافی تھی کہ اس پر خنجر اثر نہیں کرتا تھا۔ شگفتا نے پوچھا:

”بھائی! مسافر یہاں سے کس طرف گیا تھا؟“۔

ماہی گیر نے کہا:

”راج کماری جی' ہمیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کس طرف گیا تھا۔ یہاں سے تو وہ دریا پار کر گیا تھا۔ آگے بھگوان جانے وہ کہاں گیا ہو گا؟ مگر روج کماری جی، آپ اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہی ہیں؟ وہ آپ کا کون تھا؟“۔

شگفتا نے کہا:

”وہ میرا بھائی تھا۔ کاش میں اس سے مل سکتی۔ لیکن اب گھر چل

کر ہی اس سے ملاقات ہو گی‘‘۔

سیناپتی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ شکنتلا کا بھائی آگے آگے سفر کر رہا ہے۔ وہ اس لیے بے فکر تھا کہ شکنتلا کے بھائی سے ملاقات ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ورنہ یہ بھائی سیناپتی کی سازش کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا۔ یہ لوگ دریا پار کر گئے۔ دریا کے پار جا کر سیناپتی نے مچھیروں کو انعام دے کر واپس کر دیا۔ دریا کے پار ایک کچا راستہ اوپر کو چلا گیا۔ قافلہ اس راستے پر چل پڑا۔

دوپہر کے بعد یہ راستہ ایک جنگل میں داخل ہونے والا تھا کہ جنگل کے کنارے ایک گاؤں نظر آیا۔ یہی چوگان نامی گاؤں تھا جہاں سیناپتی کا ڈاکو دوست راجو رہتا تھا۔ سیناپتی نے خوراک حاصل کرنے کا بہانہ بنا کر اس گاؤں کے باہر ایک گنجان درخت کے نیچے پڑاؤ ڈال دیا۔ شکنتلا نے سیناپتی سے کہا:

’’یہاں پڑاؤ کس لیے ڈال دیا ہے سیناپتی جی؟‘‘۔

مکار سیناپتی نے چاپلوسی سے کہا:

’’راج کماری جی، پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ یہاں کا پانی بڑا میٹھا ہوتا ہے۔ یہاں کا پانی سارے ملک میں مشہور ہے۔ سوچا یہاں سے پانی کے مٹکے بھر کر آگے روانہ ہوں گے‘‘۔

شکنتلا بھلا اس کے خلاف کیا بول سکتی تھی۔ خاموش ہو کر بیٹھ رہی۔ سیناپتی اسی وقت چپکے سے نکل کر گاؤں کی طرف آ گیا۔ وہ سیدھا راجو ڈاکو کے مکان پر گر گیا۔ اس نے راجو کو حویلی کی ڈیوڑھی میں تخت پر بیٹھے دیکھا تو بے حد خوش ہوا۔ اس کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ راجو نے سیناپتی کو آتے دیکھا تو اٹھ کر گلے ملا۔

’’بھائی تم یہاں کب آئے؟ کہو کیسے آنا ہوا؟ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟‘‘۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

"تم نے ایک ہی سانس میں تین چار سوال کر ڈالے ہیں۔ راجو بھائی ذرا ایک طرف آ جاؤ۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"۔

راجو ڈاکو نے پوچھا:

"خیریت تو ہے ناں؟ اگر کسی کی گردن اڑانی ہے تو ہمیں بتا دو۔ ابھی اپنے آدمی بھیج کر تمہارے دشمن کی گردن کٹوا دیتا ہوں"۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

"ایسی کوئی بات نہیں بھائی، تم ذرا ایک طرف تو آ جاؤ"۔

راجو ڈاکو سیناپتی کو لے کر ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کے قریب سے گزر کر اندر کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں دونوں ایک کھاٹ پر بیٹھ گئے۔ راجو ڈاکو نے کہا:

"اب بتاؤ بھائی سیناپتی' تم کس کام کے لیے اتنی دور کا سفر کر کے میرے گاؤں میں آئے ہو۔ میں تمہاری ہر خدمت کرنے کے لیے تیار ہوں"۔

سیناپتی نے کہا:

"لو سنو"۔

اور اس کے بعد سیناپتی نے راجو ڈاکو کے سامنے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ راجو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ارے بھائی، بس اتنی سی بات تھی جس کا تم نے بتنگڑ بنا دیا تھا؟ یہ کون سی مشکل بات ہے۔ یہ تو دور دیس کی ریاست کی راج کماری ہے۔ قسم ہے بھگوان کی اگر تم کہو تو راجو تمہاری مہارانی کو اٹھا کر لے آئے اور ایسی جگہ بیچ دے کہ راجہ زندگی بھر تلاش کرتا رہے تو اس کی پھر شکل نہ دیکھ سکے"۔

سیناپتی نے کہا:

"بس میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ شگفتا راج کماری کو کسی ایسی جگہ فروخت کرو کہ وہ پھر کبھی اس ملک کا رخ نہ کر سکے"۔

راجو ڈاکو بولا:

"قسم بھگوان کی تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم بڑے ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ابھی میرے پاس لونڈیوں کو بیچنے والا ایک گروہ آ کر ٹھہرا ہوا ہے۔ انہیں کسی ایسی خوبصورت لونڈی کی تلاش تھی جسے وہ سمندر پار جاپان کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ یہ لوگ جاپان کے بادشاہ کی ہمدردیاں حاصل کر کے وہاں آباد ہونا چاہتے ہیں تا کہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ خوب صورت کنیزیں اور لونڈیاں لے کر واپس ہندوستان سے فروخت کر سکیں۔ تم یہ بتاؤ کہ راج کماری کہاں ہے؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"یہاں سے قریب ہی گاؤں کے باہر درخت تلے پالکی میں بیٹھی ہے۔ میرے سپاہی بھی اس کے پاس ہی موجود ہیں"۔

راجو نے کہا:

"تم اپنے سپاہیوں کو لے کر وہاں سے کھسک جاؤ۔ باقی میں جانوں اور میرا کام۔۔۔ میں اس کے بعد راج کماری پر قبضہ کر لوں گا"۔

سیناپتی بولا:

"ٹھیک ہے۔۔۔"

راجو نے ایک تھیلی اشرفیوں کو بھر کر سیناپتی کو دیتے ہوئے کہا:

"یہ رہا تمہارا انعام دوست"۔

سیناپتی نے جھوٹ موٹ کہا:

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی بھلا؟"۔

راجو بولا:

"اسے لے لو دوست' یہ تمہارا حق ہے"۔

سینا پتی گاؤں میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے دور ہی سے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس آ جائیں۔ ایک ایک کر کے سارے کے سارے سپاہی گھوڑے لے کر شگفتا کو اکیلی چھوڑ کر سینا پتی کے پاس آ گئے۔

سینا پتی نے سپاہیوں سے کہا:

"مصیبت کا سفر ختم ہو گیا ہے۔ راج کماری کو میں نے راجو ڈاکو کے حوالے کر دیا ہے۔ اب واپس چلو اور خبردار راجہ کے سامنے جس کسی نے بھی زبان کھولی' میں اس کے بچوں کو کولہو میں پلوا دوں گا"۔

سپاہیوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"جناب' ہم اپنے بال بچوں کے دشمن نہیں ہیں جو آپ کے خلاف زبان کھولیں۔ ہم تو بھگوان کا اور آپ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس مصیبت سے نجات مل گئی"۔

سینا پتی اور سپاہی وہیں سے واپس بھاگ گئے۔ شگفتا کی پالکی گاؤں کنارے کے درخت تلے اکیلی رہ گئی۔ شگفتا پالکی کے اندر بیٹھی تھی اور پردے گرے ہوئے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ شگفتا نے محسوس کیا کہ کچھ دیر سے کسی سپاہی کی آواز نہیں آ رہی۔ اس نے جو پردہ اٹھا کر دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ سپاہی اسے چھوڑ کر جانے کہاں چلے گئے تھے۔ وہ پالکی سے باہر آ گئی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ راجو ڈاکو کا مکروہ قہقہہ گونجا۔

"اب تم میرے قبضے میں ہو راج کماری، میں نے تمہیں خرید لیا ہے۔ تم میری لونڈی ہو"۔

شگفتا یہ سنتے ہی چکر کھا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

سمندری قزاق

راجو ڈاکو کے آدمی شکنتلا کو اٹھا کر حویلی میں لے آئے۔

شکنتلا کو ایک کوٹھڑی میں ڈال کر بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کو اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک کوٹھڑی میں پایا طاق میں دیا جل رہا تھا۔ کوٹھڑی خالی تھی۔ صرف زمین پر سوکھی پرالی بچھی ہوئی تھی۔ شکنتلا کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ ایک بار پھر دھوکا ہوا ہے اور مکار سیناپتی اسے ایک ڈاکو کے حوالے کر کے واپس چلا گیا ہے۔ غدار سیناپتی راجہ ہنومان کو جا کر یہی کہے گا کہ اس نے راج کماری کو حفاظت سے اس کے محل میں پہنچا دیا ہے۔ ہائے ری قسمت۔۔۔ شکنتلا بیچاری اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اس دوران راجو ڈاکو نے جاپان جانے والے آدمیوں سے شکنتلا کا سودا کر دیا تھا۔ اس نے ڈاکوؤں کو بے ہوش شکنتلا دکھا بھی دی تھی۔ یہ لوگ اصل میں ٹھگ تھے اور اب لونڈیوں اور غلاموں کو فروخت کرنے کا کام کرتے تھے۔ ٹھگوں کے سردار شیواجی نے راجو ٹھگ سے شکنتلا کو سونے کی اشرفیوں کی دو تھیلیوں کے عوض خرید لیا اور کہا:

”راجو میں منہ اندھیرے اس راج کماری کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ تم ہمارے لیے ایک فالتو گھوڑے کا انتظام کر دو“۔

راجو نے کہا۔

"فکر نہ کرو، یہ بندوبست ہو جائے گا"۔

شگفتہ بے چاری ساری رات کوٹھڑی میں پڑی جاگتی رہی اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی۔ قسمت کا چکر اسے منزل کے قریب لا کر بے گھر کر رہا تھا۔ وہ اپنے گھر پہنچنے والی تھی کہ اسے ایک بار پھر اغوا کر کے فروخت کر دیا گیا۔ ابھی رات پوری طرح سے نہیں ڈھلی تھی۔ منہ اندھیرا ہی تھا کہ شیوا جی ٹھگ اپنے لال لال آنکھوں والے ٹھگوں کے ساتھ کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ شگفتہ ان ٹھگوں کی شکلیں دیکھ کر ڈر گئیں۔

شیوا جی نے کہا:

"راج کماری، تجھے اپنی قسمت پر جس قدر رونا ہے ایک بار ہی رو لے۔ کیوں کہ اس کے بعد ہم تمہیں رونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہم نے تمہیں بے شمار دولت دے کر خرید لیا ہے اور اب اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ اس سارے علاقے پر ہم ٹھگوں کی حکومت ہے۔ یہاں تمہارا رونا بے کار ہے۔ تمہاری فریاد کوئی نہیں سنے گا۔ اس لیے چپکے سے ہمارے ساتھ چل دے"۔

شگفتہ بے بس اور مجبور ہو چکی تھی۔ مصیبتیں سہتے سہتے اب اس میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ کسی کا مقابلہ کر سکے۔ وہ سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بس بے چاری روتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور ٹھگوں کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر آ گئی۔ باہر گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ شیوا جی نے شگفتہ کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھایا اور ٹھگوں کا یہ قافلہ آگے کی جانب روانہ ہو گیا۔

جس مقام پر راجو ڈاکو کا گاؤں تھا وہاں سے سمندر ایک دن اور ایک رات کے سفر پر تھا۔ یہ ہندوستان کا جنوب مشرقی کنارا تھا جہاں

آج کل مشرقی گھاٹ کی بندرگاہیں ہیں۔ ٹھگوں کا قافلہ سارا دن جنگلو میں سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ خود بھی کھانا کھایا اور راج کماری شکنتلا کو بھی دیا۔ شکنتلا نے انکار کیا تو شیوا جی خنجر لے کر سامنے آ گیا۔

"راج کماری' تمہاری زندگی اور موت اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم نے ضد کی تو میں یہ خنجر تمہارے سینے میں گھونپ دوں گا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جیسا ہم کہتے ہیں ویسے ہی کرو"۔

بے چاری شکنتلا بے بس ہو کر چپ ہو گئی۔ اس نے کھانا زہر مار کیا اور چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔ قافلہ کھانے کے بعد پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ شام کو یہ قافلہ جنگل سے نکل کر ایک وادی میں آ گیا جہاں کہیں کہیں چاول کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ رات کو ٹھگوں نے ایک کھیت میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں قریبی گاؤں سے کچھ ٹھگ شیوا

جی سے ملنے آئے۔

شیوا جی کی انہوں نے بڑی خدمت کی۔ کوئی اپنے ساتھ کھیر پکا کر لا رہا تھا۔ کسی نے ناریل کے دودھ کا مٹکا اٹھا رکھا تھا۔ کسی نے پھلوں کی ٹوکری اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ سارے ٹھگ شیوا جی کی ٹہل سیوا کر رہے تھے۔ انہوں نے کھیت میں بستر لگا دیے اور اوپر کپڑے کے تنبو تان دیے۔ رات کو کچھ ٹھگ سو گئے اور کچھ پہرہ دیتے رہے۔ رات بھر باری باری پہرہ بدلتے رہے۔ شکنتلا پہلے تو جاگتی رہی اور سوچتی رہی کہ یہاں سے کیسے بھاگے؟ بھاگ کر کہاں جائے؟ پھر اسے نیند آ گئی اور وہ بھی سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو ٹھگوں کا قافلہ وہاں سے کوچ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ قافلہ چل پڑا۔ اب وہ منزل پر پہنچنے ہی والے تھے۔ شکنتلا نے دیکھا کہ جنگل ختم ہو گئے تھے اور اب جگہ جگہ ناریلوں کے

درختوں کے جھنڈوں کے جھنڈ شروع ہو گئے تھے۔ زمین بھی ریتلی ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سمندر کا کنارا قریب آ رہا تھا۔ ہوا میں سمندر کی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔ شیوا جی نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا۔

سورج ان کے سروں کے اوپر آیا تو سامنے دور سمندر کے گہرے نیلے پانی کی چادر شیشے کی طرح چمکتی دکھائی دی۔ شکنتلا گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کا دل سمندر کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اگر وہ سمندر کے پار کسی ملک میں چلی گئی تو پھر شاید کبھی واپس اپنے وطن نہ آ سکے گی۔ اس خیال سے شکنتلا کا دماغ چکرانے لگا اور وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ پھر اس نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو حوصلہ دیا کہ اگر بھگوان نے

چاہا تو وہ ایک بار ضرور واپس اپنے گھر آئے گی اور اپنے بچے اور خاوند سے ملے گی۔

لیکن اس وقت وہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جا رہی تھی۔ یہ لوگ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کی ایک گمنام سے بندرگاہ پر پہنچ رہے تھے۔ جہاں عام طور پر ڈاکوؤں کے جہاز آ کر کنارے لگا کرتے تھے۔ یہ بحری ڈاکو یہاں سے خوراک وغیرہ حاصل کرتے اور آگے نکل جاتے۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کسی بڑی اور قانونی بندرگاہ پر لنگر ڈال کر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ کسی ایسی بندرگاہ سے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کر سکتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے بعض ملکوں اور جزیروں پر غیر قانونی بندرگاہیں بنا رکھی تھیں جہاں سمگلر اور ٹھگ قسم کے لوگ ان کو اناج، پھل، پانی اور گرم مسالے اور کپڑا اسپلائی کرتے تھے۔

یہ بندرگاہ بھی اسی قسم کی غیر قانونی بندرگاہ تھی۔ دور کنارے سے تھوڑے فاصلے پر سمندر میں ایک بادبانی جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ جہاز کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ عرشے پر کچھ لوگ نیچے کشتیوں میں سے بوریاں اوپر اٹھا کر رکھ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ جہاز سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ ٹھگوں کا قافلہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں کئی دوسرے ٹھگ اور سمگلر بھی موجود تھے۔ ان سبھوں نے شیوا جی ٹھگ کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ جو کوئی ٹھگ بھی آتا شیوا جی سے خوب ہاتھ ملا کر ملتا۔ پھر ایک کالی کالی مونچھوں اور کالی سیاہ گھنی داڑھی والا ریچھ قسم کا آدمی شیوا جی کے پاس آیا اور اس نے شیوا جی کو قہقہہ مار کر گلے لگا لیا۔

''ارے میرے یار شیوا جی' کہو کیا حال ہے؟ اس دفعہ کدھر کو جانے کا ارادہ ہے؟''۔

شیوا جی نے کہا:

''کپتان میں اس دفعہ جاپان جا رہا ہوں''۔

معلوم ہوا ہے کہ وہ ریچھ نما آدمی بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا ڈاکو کپتان تھا۔ اس نے آنکھ مار کر پوچھا:

''ساتھ کچھ مال بھی ہے کہ نہیں؟''۔

شیوا جی نے کہا:

''بہت مال ہے کپتان۔ فکر نہ کرو۔ اشرفیاں ہی اشرفیاں ہیں اور جاپان جا کر اور مال مل جائے گا''۔

کپتان نے کہا:

''شاباش میرے بناری ٹھگ''۔

شیوا جی ٹھگ نے پوچھا:

''جہاز کس وقت روانہ ہوگا؟''۔

کپتان نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

''بس ہوا چل پڑی ہے۔ یہ تھوڑا سا سامان لد جائے تو لنگر اٹھا دیں گے۔ تم ٹھیک وقت پر آئے ہو''۔

شیوا جی بولا:

''میرا خیال ہے ہم جہاز پر چل کر بیٹھتے ہیں''۔

کپتان نے کہا:

''کیوں نہیں، تمہارا اپنا ہی تو جہاز ہے''۔

شیوا جی نے پوچھا:

''اس دفعہ دیر بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ سناؤ کہاں کہاں ڈاکے مارتے رہے؟''

''کچھ نہیں بھائی، ہمارا کام تو پانی میں غوطے لگا کر خوراک حاصل کرنا ہے۔ کوئی تجارتی جہاز مل گیا تو کام بن گیا۔ نہیں تو سمندر میں

بے کار پھرتے رہو۔ پچھلے ماہ ایک جہاز لوٹا تھا۔ آدمیوں کو قتل کر دیا۔ کافی سامان مل گیا تھا۔ اب یہ مہینہ خالی جا رہا ہے اب تمہارے ساتھ جاپان کو چلتے ہیں۔ شاید راستے میں کوئی تجارتی جہاز مل جائے"۔

شیوا جی نے کہا:

"میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو تجارتی جہاز ضرور ملے گا"۔

کپتان بولا:

"ضرور ضرور، آؤ اب جہاز پر چلو۔ وہاں چل کر باتیں کریں گے"۔

شیوا جی نے شگفتا کو ساتھ لیا اور اپنے دوسرے ٹھگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا۔ یہ کشتی بھی بحری ڈاکو ہی چلا رہے تھے۔ کشتی سمندر میں کھڑے بادبانی جہاز کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ سارے ٹھگ کشتی میں بیٹھے رہے۔ شیوا جی کے ساتھ صرف تین ٹھگ جہاز پر سوار ہوئے۔ شگفتا کو انہوں نے پہلے ہی جہاز پر سوار کرا دیا تھا۔ گویا شیوا جی ٹھگ کے ساتھ صرف تین ٹھگ جا رہے تھے۔ باقی ٹھگ وہیں سے واپس چلے گئے۔

عرشے پر جا کر شیوا جی ٹھگ نے شگفتا کو ساتھ لیا اور بحری ڈاکوؤں کے کپتان کے ساتھ والے کیبن میں آ گیا۔ یہ کیبن چھوٹا سا تھا مگر بڑا آرام وہ تھا۔ آمنے سامنے دو بستر لگے ہوئے تھے۔ ایک تپائی پر مٹکے میں پانی اور ٹوکری میں پھل پڑے تھے۔

شیوا جی نے شگفتا سے کہا:

"اس کیبن میں صرف تم رہو گی۔ میں دوسرے ٹھگوں کے ساتھ ساتھ والے کیبن میں سوؤں گا۔ اب تم اپنے وطن کا خیال دل سے نکال دو۔ اب تمہارا وہی وطن ہو گا جہاں ہم تمہیں فروخت کریں گے"۔

اتنا کہہ کر شیوا جی باہر نکل گیا۔

شگفتہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے وطن سے کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایسی منزل کی طرف جہاں سے واپس لوٹنے کی اسے کوئی امید نہیں تھی۔ وہ جنگل میں بھاگ سکتی تھی۔ لیکن سمندر میں کچھ نہیں کر سکتی تھی اور پھر اس کے سر پر سارے کے سارے خونی اور قاتل تھے۔ سب کے دل پتھر کے تھے۔ کسی کے دل میں ذرا سا بھی رحم نہیں تھا۔ یہ بحری ڈاکو تھے جن کا کام ہی جہازوں کو لوٹنا۔ مسافروں کو قتل کرنا اور عورتوں کیساتھ ظلم کرنا تھا۔ ان سے ہمدردی کی امید رکھنا فضول تھا۔

اس وقت شگفتہ کو عنبر کا بہت خیال آیا۔ اگر وہ کہیں سے آ جائے تو اسے دکھوں سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ اسے ان قاتل اور خونی ڈاکوؤں سے بھی نکال کر لے جا سکتا ہے۔ لیکن خدا جانے عنبر کہاں تھا؟ کس حال میں تھا اور کہاں کہاں شگفتہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

اسے کیا خبر تھی کہ اس کی بہن شگفتہ قاتل ٹھگوں اور خونی بحری ڈاکوؤں کے قبضے میں آ چکی ہے اور سمندر میں کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہونے والی ہے۔

شام غروب ہوئی تو شمال کی طرف سے جنوب کی جانب ٹھنڈی اور تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ کپتان عرشے پر چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے حکم دیا۔

"بادبان کھول کر لنگر اٹھا دیا جائے"۔

بحری ڈاکوؤں نے اسی وقت جہاز کا لنگر اوپر کھینچ لیا۔ چھ ڈاکو جہاز کے مستول کے اوپر چڑھ گئے اور انہوں نے سارے بادبان کھول دیے۔ بادبانوں کے کھلتے ہی ان میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے جنوب مشرق کی طرف ہولے ہولے چلنا شروع کر دیا۔

بحری ڈاکوؤں نے عرشے پر کھڑے ہو کر زور زور سے نعرے لگائے کپتان کے حکم سے بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا کھوپڑی اور ہڈیوں والا سیاہ جھنڈا کھول دیا گیا۔

یہ جھنڈا بحری ڈاکوؤں کا خاص نشان تھا جسے دور ہی سے دیکھ کر بڑے سے بڑے بہادر کپتانوں کے حوصلے پست ہو جاتے تھے۔ اپنے جھنڈے کو پھڑ پھڑاتے دیکھ کر ڈاکوؤں نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

کپتان چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ کمپاس اس کے ہاتھ میں تھی۔ کبھی وہ کمپاس کو دیکھتا، کبھی آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتا اور پھر جہاز کو آگے بڑھنے کا حکم دیتا۔ وہ جہاز کو ٹھیک سمندری راستے پر ڈال

رہا تھا۔ جہاز ایک بار ٹھیک راستے پر چل پڑے تو پھر وہ چلتا چلا جاتا ہے۔

جہاز اپنی ٹھیک سمت پر روانہ ہو گیا۔

اب اس کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ سمندر کی لہریں جہاز کے پیندے سے ٹکرا کر بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگتی چلی جا رہی تھیں۔

شگفتا اپنے کیبن میں اداس بیٹھی تھی۔ یہ اس کا پہلا سمندری سفر تھا۔ اس نے دریاؤں میں بہت سفر کیے تھے مگر سمندر میں کبھی سفر نہیں کیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ایک سمندری جہاز میں سفر کر رہی تھی اور وہ بھی سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں۔ جہاز آہستہ آہستہ سمندری لہروں کے ساتھ ہل رہا تھا۔ شگفتا کو چکر سے آنے لگے۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

تینوں ٹھگ ٹھنڈی ہوا میں جہاز کے عرشے پر بیٹھے دوسرے سمندری ڈاکوؤں سے باتیں کرتے ہوئے اپنے اپنے کارنامے سنا رہے تھے۔ شیوا جی ٹھگ وہاں سے اٹھ کر جہاز کے کپتان کے کیبن میں آ گیا۔ وہ میز پر ایک چمڑے کا نقشہ پھیلائے اس پر جھک کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ شیوا جی ٹھگ کو اندر آتے دیکھ کر بولا:

”آؤ دوست، میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ“۔

شیوا جی اندر آ کر بیٹھ گیا۔

”تم کیا دیکھ رہے ہو کپتان؟“۔

کپتان نے کہا:

”ہم اسی رفتار سے سفر کرتے رہے تو تین دن کے بعد جاوا سماٹرا کے سمندر میں داخل ہو جائیں گے۔ اس سمندر میں ایک جزیرہ ایسا ہے جہاں بادشاہ کی فوج جمع ہے۔ میں اس جزیرے سے بچ کر نکلنا

چاہتا ہوں۔ بس اسی جزیرے کو دیکھ رہا تھا۔ ویسے فکر نہ کرو۔ کئی بار ادھر سے گزرا ہوں اور ہمیشہ شاہی فوج کی توپوں سے محفوظ رہا ہوں"۔

شیوا جی نے کہا:

"کپتان! یہ بتاؤ کہ ہم جاپان کب پہنچیں گے؟"۔

کپتان کہنے لگا:

"شیوا جی! جاپان ہم پندرہ سولہ دنوں کے اندر اندر پہنچ جائیں گے۔ اگر طوفان نہ آیا تو اس سے بھی جلدی سفر کٹ جائے گا"۔

شیوا جی بولا:

"اچھا بھائی! مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں تو سونے چلا"۔

اور شیوا جی ٹھگ اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس کے ساتھی ٹھگ ابھی تک باہر عرشے پر بیٹھے سمندری ڈاکوؤں سے باتیں کر رہے تھے

رات کافی گزر گئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ٹھگ باہر ہی عرشے کے تختے پر پڑ کر سو گئے۔ شیوا جی اپنے کیبن میں سو گیا۔ شکنتلا بے چاری کیبن کے بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسے نیند کیسے آتی؟ وہ اپنے بال بچوں اور گھر بار سے زبردستی جدا کر دی گئی تھی۔ ٹھگ اسے سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں کسی دوسری جگہ فروخت کرنے کے لیے جا رہا تھا۔

وہ تو کانٹوں کے بستر پر پہلو بدل رہی تھی۔

محل اداس ہے

شگفتا کو ہم بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم واپس عنبر کی طرف آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ عنبر شگفتا کی ریاست کی طرف جا رہا تھا۔ اسے یہ خبر ملی تھی کہ شگفتا راجہ ہنومان کی شاہی فوج کی حفاظت میں اپنے راج کنور کے محل کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔

عنبر کو یقین تھا کہ اگر شاہی فوج کا دستہ اس کے ساتھ ہے تو وہ اب تک راج کنور کے محل میں پہنچ چکی ہو گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس وقت شگفتا سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر ٹھگوں کی قیدی ہو کر ملک جاپان کی طرف سفر کر رہی تھی۔

عنبر گھوڑے پر سوار دن کو سفر کرتا اور رات کو کسی درخت یا کسی چٹان کے سائے میں پڑ کر سو رہتا۔ کئی دنوں کے بعد وہ ایک دریا کے پل پر آ گیا۔ یہ پل بھی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پل کو عبور کر کے جب وہ دریا کے دوسرے کنارے پر آیا تو اس نے دیکھا کچھ جھونپڑیوں کے آگے عورتیں اور مرد ڈھول کی تھاپ پر ناچ رہے ہیں۔ عنبر گھوڑے پر سوار ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ بستی والوں نے ایک اجنبی کو وہاں آتے دیکھ کر ناچنا بند کر دیا۔

ایک بوڑھا آگے بڑھا:

"بیٹا! تو کون ہے اور کدھر سے آ رہا ہے؟"

عنبر نے گھوڑے پر سے اتر کر کہا:

"میں مسافر ہوں اور راجہ ہنومان کے شہر سے آ رہا ہوں اور مجھے راج کنور کی ریاست بھی سار میں جانا ہے ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ریاست یہاں سے کتنی دور ہے؟"۔

بوڑھے نے کہا:

"بیٹا! ریاست بھی سار یہاں سے چار دن کے سفر پر ہے۔ ہمارے ہاں ایک شادی ہو رہی ہے۔ اگر تمہیں پسند آ جائے تو ہمارا کھانا کھا کر آگے سفر کرو"۔

عنبر وہاں رک گیا کھانا کھا کر وہ تازہ دم ہو گیا۔ اس کے گھوڑے نے بھی خوب گھاس وغیرہ چر لیا تھا۔ دوپہر کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ شام تک سفر کرتا رہا۔ یہ سن کر اسے بڑی خوشی ہو گئی اور جنگل کے راستوں پر اندھیرا چھا گیا تو عنبر گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جما لیا۔ رات بھر اس جگہ سویا رہا۔ صبح اٹھ کر پھر سفر پر چل پڑا۔ اس نے دور دیکھا تو ہمالیہ کے پہاڑ اسے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ منزل کے قریب آ گیا تھا۔ عنبر نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا دوپہر کو اس نے ایک جگہ آرام کیا۔ کھانا کھایا۔ گھوڑے کو بھی پانی وغیرہ پلایا اور پھر روانہ ہو گیا۔ عنبر یوں ہی سفر کرتا رہا۔ چوتھے روز وہ ایک وادی میں آ گیا۔ اس کے اردگرد چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ اونچے اونچے پہاڑ جن پر گھنے جنگل اگے ہوئے تھے۔ یہاں سردی ہو گئی تھی۔ عنبر نے جھولے میں سے گرم کپڑے نکال کر پہن لیے تھے۔

یہ وادی بڑی سرسبز تھی۔ وہ ایک پہاڑ کی ڈھلان پر سے اتر کر

وادی میں آ گیا۔ یہاں ہر طرف مکی اور سرسوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ایک دو جگہوں پر کسان ہل چلا رہے تھے۔ عنبر گھوڑا لے کر ایک کسان کے پاس آ گیا۔ اس نے کسان سے پوچھا کہ راج کنور کا شہر بھی سار کس جگہ پر ہے۔ کسان نے ہل روک کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"بھائی، تم اس وقت ریاست بھی سار میں ہی ہو"۔

عنبر نے کہا:

"راج کنو کا محل یہاں سے کتنی دور ہے؟"۔

کسان بولا:

"تم اس سامنے والی پہاڑی کے دوسری جانب جاؤ گے سامنے راج کنور کا راج محل نظر آئے گا۔ کیا تم کسی لمبے سفر سے آ رہے ہو؟"۔

"ہاں بھائی۔۔۔ شکریہ"۔

عنبر کسان کا شکریہ ادا کر کے اس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس کے دوسری طرف ریاست بھی سار تھی۔ پہاڑی پر سے جب وہ دوسری طرف آیا تو سامنے سنہری دھوپ میں راج محل کے مینار چمک رہے تھے۔

راج محل کے اردگرد لمبی سار کا چھوٹا سا شہر پھیلا ہوا تھا۔ اس شہر اور محل کو دیکھ کر عنبر کے چہرے پر خوشی کی لالی آ گئی۔ وہ آخر اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے شگفتا کھڑی مسکرا رہی ہے۔ اس کا دل اپنی بہن سے ملنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

''وہ جب مجھے اچانک محل میں دیکھے گی تو کس قدر حیران ہوگی؟ کس قدر خوش ہوگی؟''

عنبر دل ہی دل میں سوچ کر خوش ہونے لگا۔ اسے بھلا کیا خبر ہو سکتی تھی کہ راج محل کے اندر اداسیاں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا محل کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ جب سے وہ راجہ ہنومان کے محل سے چلا تھا پہلی بار گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ شاید گھوڑے کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کا سوار منزل پر پہنچنے والا ہے۔ اس لیے وہ بھی بڑی خوشی خوشی بھاگتا ہوا چلا جا رہا تھا یہاں سڑک اگرچہ کچی تھی مگر چوڑی اور سایہ دار تھی۔ عنبر گھوڑا دوڑاتا شہر کے دروازے پر آ گیا۔ شہر کا دروازہ اونچا تھا اور ڈیوڑھی میں راج کنور کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر ان کے قریب جا کر رک گیا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر سے پوچھا:

''تم کہاں سے آئے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

"میں راجہ ہنومان کے محل سے آیا ہوں اور تمہارے راج کنور کے لیے ایک بڑا ہی ضروری پیام ساتھ لایا ہوں۔ کیا مجھ سے پہلے راجہ کے سپاہی نہیں آئے؟"۔

سپاہی بولا:

"کون سے سپاہی؟"

"راجہ ہنومان کے۔۔۔۔ ساتھ ایک پالکی بھی تھی جس میں راجکماری بیٹھی ہوئی تھی۔ کیا تم نے راج کماری کی سواری کو یہاں سے نہیں گزارا؟"

سپاہی بولا:

"معلوم ہے تمہاری موت سر پر منڈلا رہی ہے جو ہمارے راج کنور کی مصیبت اور پریشانی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو"۔

"کیا مطلب؟" عنبر نے تعجب سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہاں سے کسی راجہ ہنومان کے سپاہی راج کماری کی سواری لے کر نہیں گزرے"۔

عنبر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے سر اٹھا کر پوچھا:

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو کہ یہاں سے راج کماری کی سواری نہیں گزری؟"۔

سپاہی نے کہا:

"بھائی، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اگر راجکماری شکنتلا راج محل میں واپس آ چکی ہوتی تو تمہیں محل پر چھائی ہوئی اداسی کہیں نظر نہ آتی۔ تمہیں ہر طرف شادیانوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ شہزادی کو راج محل سے جدا ہوئے آج چوتھا مہینہ جا رہا ہے۔ اس کا پیارا بچہ ماں کی یاد میں رو رو کر ہلکان ہو گیا ہے۔ بھگوان جانے ہماری راج کماری

بے چاری کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہوگی؟"۔

عنبر کے دل پر تو اوس پڑ گئی۔ اس کا چہرہ اداس ہو گیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر سپاہی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ سپاہی نے پوچھا:

"بھائی، تم کہاں سے آ رہے ہو اور یہ کیسا سندیسہ لے کر آئے ہو کہ راج کماری یہاں پہنچ گئی ہوگی"۔

عنبر نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا:

"میں یہ ساری باتیں راجہ کنور سے جا کر کرنا چاہتا ہوں۔ میں راجہ ہنومان کے شہر سے چل کر یہاں سے آ رہا ہوں۔ مجھے راج کنور سے مل کر انہیں ایک ضروری پیام دینا ہے"۔

سپاہی نے کہا:

"آپ شوق سے چلے جائیں۔ یہاں سے نکل کر آپ شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ شہر کے بیچ میں آپ کو راجہ کنور کا محل ملے گا۔ آپ وہاں دربان سے کہہ کر راجہ کنور سے مل سکتے ہیں"۔

"شکریہ دوست"۔

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں آ گیا۔

اس کا دل یہ سن کر ایک دم بجھ سا گیا تھا کہ شکنتلا ابھی تک محل میں نہیں پہنچی؛ حالانکہ وہ شاہی فوج کے ساتھ ہنومان راجہ کے شہر سے اس سے کئی روز پہلے چلی تھی۔ شاہی سواری بڑی تیز سفر کیا کرتی ہے۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے راستے میں کسی دریا کا پل ٹوٹ گیا ہو اور انہیں دریا پار کرنے میں دشواری آئی ہو اور دیر لگ گئی ہو۔ لیکن وہ جس دریا پر سے گزرا تھا ان کے سارے کے سارے پل سلامت تھے اور پھر یہ برسات کا موسم بھی نہیں تھا کہ بارشوں کی وجہ سے دریا سیلاب پر ہوں۔

عنبر ان ہی خیالوں میں غرق شہر میں سے گزر رہا تھا۔

راج محل کے دروازے پر دربان پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے۔ عنبر نے اسے بھی یہی بتایا کہ وہ راجہ ہنومان کے شہر سے آ رہا ہے۔ اور راج کنور کو ایک ضروری پیام دینا چاہتا ہے۔ دربان نے کہا:

"ہم تمہیں ایسے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہاں راج کنور سے پوچھ لیتے ہیں۔ اگر انہوں نے اجازت دی تو تمہیں اندر بھیج دیا جائے گا؛ ورنہ تمہیں اسی جگہ سے واپس ہونا ہوگا"۔

عنبر کے لیے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ راج کنور کو پیام بھجوائے؛ چنانچہ اس نے راج کنور کو ایک سپاہی کے ہاتھ کہلوا بھیجا کہ ایک آدمی راج کماری کے بارے میں خاص پیام لے کر محل کے دروازے پر آیا ہے اور راج کنور سے ملنا چاہتا ہے۔ سپاہی محل کے اندر چلا گیا۔

اس وقت راج کنور اپنے خاص کمرے میں وزیروں کے ساتھ بیٹھا کسی خاص بات پر گفتگو کر رہا تھا۔ سپاہی نے جا کر جھک کر سلام کیا اور کہا:

"مہاراج، راجہ ہنومان کے شہر سے ایک آدمی آیا ہے اور راج کماری کے بارے میں خاص پیغام لایا ہے"۔

یہ سنتا تھا کہ راج کنور ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں ہے آدمی؟ اسے فوراً اندر بھیج دو"۔

سپاہی جانے لگا تو راج کنور جلدی سے بولا:

"نہیں نہیں، ہم خود جا کر اس سے ملاقات کرتے ہیں"۔

راج کنور نے وزیروں کو برخاست کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا راج محل کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ سارے سپاہی راج کنور کو یوں آتا دیکھ کر جلدی سے جھک کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے دیکھا کہ ایک خوب صورت اور نازک سا شہزادہ اس کے پاس آ کر رک گیا ہے جس کے چہرے پر بڑی اداسی چھائی ہوئی تھی۔

عنبر نے جھک کر راج کنور کو آداب پیش کیا اور کہا:

"راج کنور جی، میں آپ کے محل میں جا کر آپ سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

راج کنور نے کہا:

"کیا تم ہماری راج کماری کے بارے میں کچھ خبر لائے ہو؟"۔

"ایسا ہی سمجھ لیں"۔

راج کنور عنبر کو اپنے ساتھ محل کے خاص کمرے میں لے آیا۔ عنبر ایک گدیلے پر بیٹھ گیا۔ راج کمار نے کمرے کو تمام لونڈیوں اور غلاموں سے خالی کرا دیا۔ پھر بڑے بے تابی سے کہا:

"بھگوان کے لیے مجھے جلدی سے بتاؤ کہ میری رانی کہاں ہے؟"۔

عنبر نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"راج کمار، میں یہی بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ راجکماری کہاں ہے؟ وہ اب تک راج محل میں کیوں نہیں پہنچی؟ اسے تو راجہ ہنومان کے محل سے چلے دو مہینے ہو گئے ہیں"۔

راج کنور بولا:

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے ساری بات کھول کر بیان کرو"۔

عنبر نے کہا:

"مہاراج، میری باتوں کو غور سے سنیں۔ میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک افریقہ کا حکیم ہوں۔ میں ایک سمندری سفر کر رہا تھا کہ ایک بندر گاہ میں ایک لڑکی کو ڈاکوؤں کے پنجے میں دیکھا۔ اس لڑکی کا نام شگفتا تھا"۔

راج کنور نے جلدی سے کہا:

"ہاں ہاں، شگفتا ہماری رانی کا نام ہے۔ پھر کیا ہوا؟ پھر وہ کہاں چلی گئی؟"۔

عنبر بولا:

"مہاراج، اس کے بعد میں نے شگفتا کو ڈاکوؤں کے پنجے سے رہائی دلائی۔ شگفتا نے مجھے بتایا کہ وہ آپ کی بیوی ہے اور ڈاکو اسے راج محل سے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ وہ آپ کو اور اپنے پیارے بچے کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ تم میری بہن ہو اور میں اس وقت تک ملک جاپان کی طرف نہیں جاؤں گا جب تک کہ تمہیں تمہارے راج کنور کے پاس نہیں پہنچا دیتا"۔

راج کنور نے پریشانی سے پوچھا:

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ۔۔۔"

اس کے بعد عنبر نے راج کنور کو ساری کہانی کھول کر بیان کرنی شروع کر دی کہ کس طرح وہ شکنتلا کو لے کر جنگل جنگل، سمندر سمندر پھرتا رہا پھر کس طرح وہ ملک ہندوستان کے ساحل پر آیا۔ کس طرح ویران جزیروں میں بھٹکتا پھرا۔ پھر کیسے شکنتلا کو آدم خوروں سے بچایا اور پھر کس طرح وہ ایک جگہ ہندوستان میں آ کر اس سے جدا ہو گئی۔

"اس کے بعد جب میں راجہ ہنومان کے شہر میں پہنچا تو وہاں سے مجھے معلوم ہوا کہ شکنتلا کو راجہ نے شاہی سواری کے ساتھ ریاست بھی ساری کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ میں خوش خوش ریاست کی طرف چل پڑا۔ اب آپ کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ راج کماری کی سواری ابھی تک نہیں پہنچی"۔

راج کنور سر پکڑ کر بیٹھ گیا:

"میرے بھائی عنبر! میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے راج کماری شکنتلا کو اپنی بہن سمجھ کر اس کی مدد کی۔ اسے ڈاکوؤں اور آدم خوروں سے بچایا اور پھر اسے لے کر مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر قسمت میں ابھی میری پریشانی اور راج کماری کا غم لکھا ہوا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"راج کنور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ راستے میں سواری کو کسی جگہ دیر لگ گئی ہو"۔

"ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے"۔

"ہمیں کچھ وقت انتظار کرنا چاہیے۔ شاید راجکماری کی سواری آ جائے"۔

"کاش میں اور میرا بچہ جو کہ ماں کے غم میں سوکھ گیا ہے

راجکماری کی دوبارہ شکل دیکھ کر نہال ہو سکیں''۔

عنبر راج محل میں ٹھہر گیا۔ اسے ایک امید سی تھی کہ شاید شگفتا کی سواری کو راستے میں کسی جگہ کوئی دقت پیش آ گئی ہو۔ شاید دو چار دنوں بعد وہ راج محل میں آ جائے۔ مگر جانے کیوں اس کا دل اسے بار بار کہہ رہا تھا کہ شگفتا ابھی واپس نہیں آ سکتی۔

جنگل میں آگ

ایک ہفتہ گزر گیا۔

عنبر راج کنور کے محل میں شگفتا کی سواری کی راہ دیکھ رہا تھا۔ راج کنور کے دل میں کبھی امید کا چراغ جلتا اور کبھی ٹمٹمانے لگتا۔ جیسے ابھی بجھ جائے گا۔ دو ہفتے گزر گئے۔ شگفتا راج محل میں داخل نہ ہوئی۔۔۔ اور پھر ایک مہینہ گزر گیا۔ شگفتا کو نہ آنا تھا اور نہ آئی۔ اب

امید کا دیا گل ہو چکا تھا۔

راج کنور کو یقین ہو چکا تھا کہ راج کماری نہیں آئے گی۔ اسے خیال آیا کہیں یہ شخص عنبر اس کے ساتھ جھوٹ ہی نہ بول رہا ہو۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ شگفتہ راستے میں کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شاہی فوج نے سفر سے تنگ آ کر اسے راستے میں ہی چھوڑ دیا ہو اور بے چاری شگفتہ جنگلوں میں در بدر پھر رہی ہو۔ عنبر نے سوچا کہ واپس چل کر جنگلوں میں شگفتہ کو تلاش کرنا چاہیے۔ محل میں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں؛ چنانچہ عنبر نے راج کمار سے کہا:

"راج کنور، میرا خیال ہے کہ راجکماری کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ میرا اب یہاں رہنا بے کار ہے۔ اسے کہیں بہتر ہے کہ میں واپس جا کر جنگلوں میں راج کماری کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

راج کمار نے کہا:

"عنبر بھائی، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم نے میرے زخم کو پھر سے ہرا کر دیا ہے۔ میں راج کماری کے غم کو سینے سے لگائے خاموش بیٹھا آنسو بہا رہا تھا کہ تم نے مجھے امید دلا کر پھر سے نا امید کر دیا ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ جنگلوں میں اپنی رانی کو تلاش کروں گا"۔

عنبر نے کہا:

"مہاراج، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو بڑا صدمہ ہوا ہے۔ لیکن آپ اپنے محل میں ہی رہ کر شگفتہ بہن کا انتظار کریں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ یہاں کسی وقت پہنچ جائے۔ ویسے بھی آپ جنگلوں کی مصیبتیں برداشت نہ کر سکیں گے اور پھر اگر شگفتہ بہن واپس آ گئی

اور اس نے یہاں آپ کو نہ دیکھا تو وہ زیادہ پریشان ہوگی"۔

راج کنور نے کہا:

"بھائی، یہ سوچ کر ٹھہر جاتا ہوں کہ کہیں سچ مچ بھگوان نے میری رانی کو راج محل میں بھیج دیا تو مجھے نہ پا کر اسے بہت صدمہ ہوگا۔ ویسے میرا دل تمہارا ساتھ ساتھ جنگل جنگل سفر کر رہا ہوگا۔ لیکن کیا تم کچھ روز کے لیے اور یہاں رک کر انتظار نہیں کر لیتے؟"۔

عنبر بولا:

"یہاں بیٹھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنا اچھی بات نہیں میں جنگل میں جا کر کیوں نہ اپنی بہن کو تلاش کروں۔ ہو سکتا ہے اس کی سواری آ رہی ہو اور راستے میں ہی اس سے ملاقات ہو جائے"۔

راج کنور نے کہا:

"بھائی، بھگوان کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اگر راج کماری کی سواری تمہیں راستے میں مل گئی تو تمہیں میری قسم ہے کہ اسی وقت بھاگ کر میرے پاس آنا اور مجھے آ کر خوش خبری سنانا کہ راج کماری راج محل کی طرف آ رہی ہے"۔

عنبر بولا:

"خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا"۔

راج کنور نے کہا:

"تم میرے محل کا سب سے طاقت ور اور تیز دوڑنے والا گھوڑا لے جا سکتے ہو۔ تمہیں کھانے پینے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو تمہارے ساتھ رکھوا دی جائے گی"۔

"شکریہ"۔

تھوڑی سی خوراک اور تیز رفتار گھوڑا لے کر عنبر ریاست بھی سار کے شہر سے نکل کر ایک بار پھر مغربی گھاٹ کے جنگلوں میں نکل کھڑا

ہوا۔ یہ وہی راستے تھے جہاں سے ہو کر وہ گزرا تھا۔ وہ صبح کو راج محل سے نکلا تھا اور اسے راستے میں ہی شام ہو گئی۔ وہ اب بہت کم راستے میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ انہیں راستوں پر چل رہا تھا جہاں سے وہ گزر کر آ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک ہلکی سی امید کی کرن روشن تھی کہ شاید راستے میں اسے شگفتا کی سواری مل جائے۔

شام غروب ہو گئی۔ پھر رات ہو گئی۔ ہر طرف رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ آسمان پر ستارے نکل آئے۔ عنبر بغیر رکے جنگل میں سفر کرتا رہا۔ اندھیرے میں راستہ بہت کم نظر آ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ عنبر کا گھوڑا قدم قدم چل رہا تھا۔ آخر کار اندھیرے اور سردی کی وجہ سے اسے رکنا پڑا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ ایک جگہ اس نے خشک جھاڑیاں جمع کر کے آگ روشن کی اور پاس بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔ آگ کی گرمائش نے اس پر غنودگی طاری کر دی۔

وہ اسی جگہ گرم کمبل اوڑھ کر سو گیا۔

اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج نکل آیا تھا اور درختوں کے اوپر دھوپ چمک رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر تھوڑا سا ناشتہ کیا۔ گھوڑا بھی گھاس وغیرہ کھا کر تازہ دم ہو چکا تھا۔ عنبر نے بستر لپیٹ کر گھوڑے پر رکھا اور پھر آگے چل پڑا۔

سارا دن سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو ایک پہاڑی چشمے پر آ کر اس نے خود کھانا کھایا اور گھوڑے کو پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر آگے روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے پھر رات ہو گئی۔ عنبر سفر کرتا رہا۔ جب وہ بہت تھک گیا اور اندھیرا بھی بڑھ گیا تو وہ گھوڑے پر سے اتر پڑا۔

ایک درخت کے نیچے اس نے آگ روشن کی۔ کھانا کھایا گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر اس کے آگے گھاس ڈال دیا اور خود سو گیا۔ ساری رات وہ سوتا رہا۔ صبح اٹھا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے اسے کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔ مگر شگفتا کی سواری اسے کہیں بھی نہ ملی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ کہیں شگفتا کو ڈاکو نہ پڑ گئے ہوں۔ کہیں سپاہی اسے چھوڑ کر نہ بھاگ گئے ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خونخوار آدم خور جنگلیوں نے ان سب کو پکڑ کر ہڑپ کر لیا ہو؟

اس قسم کے خیالوں سے عنبر پریشان ہو گیا۔ مگر وہ سفر کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے سفر جاری رکھا۔ وہ ایک بہادر نوجوان تھا اور اپنی دھن کا پکا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ چاہے اسے دنیا کے دوسرے کنارے پر جانا پڑے وہ شگفتا کو ڈھونڈ کر رہے گا۔ سفر پر سفر کرتے، منزلوں پر منزلیں اور دریا پر دریا عبور کرتے آخر اس

نے ایک دریا کو عبور کیا تو اسے سامنے ایک گاؤں کی آبادی نظر آئی۔ یہاں کچے مکان بنے ہوئے تھے۔

گاؤں کے ارد گرد جوار کے چند کھیت بھی تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ کچھ مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ عنبر کو کوئی علم نہیں تھا کہ وہ راستے سے بھٹک گیا ہے اور اس گاؤں کی طرف نکل آیا ہے جہاں راجو ٹھگ کی حویلی ہے۔ وہ گاؤں میں آ گیا اور ایک مکان کے باہر دیہاتی کو دیکھ کر گھوڑے پر سے اترا۔ اس نے اس دیہاتی سے پوچھا:

''کیوں بھائی؟ اس گاؤں کا کیا نام ہے؟''۔

یہ دیہاتی راجو ڈاکو کا آدمی تھا۔ اصل میں یہ سارا گاؤں ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا تھا۔ دیہاتی نے اوپر سے نیچے تک بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

''بھائی تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''میں ریاست بھی سار کے شہر سے آ رہا ہوں اور راجہ ہنومان کے شہر کی طرف جا رہا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا میں راستے سے بھٹک تو نہیں گیا۔ کیونکہ جو پہاڑ اور دریا میں نے آتے ہوئے دیکھے تھے وہ مجھے راستے میں کہیں دکھائی نہیں دے رہے''۔

دیہاتی نے کہا:

''بھائی تم ٹھیک راستے سے بھٹک گئے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں گاؤں کے مکھیا کی حویلی میں لیے چلتا ہوں۔۔۔ شاید وہ تمہارا کوئی انتظام کر دے۔ کیونکہ یہاں سے مہینے میں دو ایک بار قافلہ راجہ ہنومان کے شہر کو جایا کرتا ہے۔ لیکن وہاں پیسے لگتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس پیسے ہیں کیا؟''۔

دیہاتی اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نوجوان کے پاس

کتنی رقم ہے؟

عنبر بھولپنے سے بولا:

"بھائی میرے پاس بہت دولت ہے۔ سونے کی اشرفیوں کی چار تھیلیاں ہیں جو میں نے سفر کے لیے ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔ تم مجھے گاؤں کے مکھیا کے پاس لے چلو تاکہ وہاں یہ پتہ چل سکے کہ قافلہ کس روز یہاں سے روانہ ہونے والا ہے"۔

دیہاتی نے جب یہ سنا کہ نوجوان کے پاس کافی دولت ہے۔ تو اس کی تو باچھیں کھل گئیں۔ سونے کی اشرفیوں کی چار تھیلیاں بہت بڑی دولت تھی۔ اتنی دولت تو راجو ڈاکو بھی تین چار ڈاکے مار کر یا پورے قافلے کو ہلاک کر کے حاصل کیا کرتا تھا۔ دیہاتی نے سوچا کہ وہ راجو ڈاکو سے ضرور انعام حاصل کرے گا۔ کیوں کہ وہ ایک بہت دولت مند آسامی کو لے کر جا رہا ہے۔

دیہاتی عنبر کو راجو ڈاکو کی حویلی میں لے کر گیا۔ راجو ڈاکو اگلے روز ڈاکے پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔ اس نے ڈیوڑھی میں گھوڑے کی آواز سنی تو باہر آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دبلا پتلا نوجوان دیہاتی کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں آ رہا ہے۔ عنبر نے بھی دیکھا کہ ایک لمبی لمبی مونچھوں اور ڈراؤنی شکل والا آدمی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

راجو نے دیہاتی سے پوچھا:

"یہ کون ہے؟"۔

دیہاتی نے ہاتھ سے خاص اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ بہت بڑی آسامی ہے۔ زبان سے یہ کہا:

"سرکار! آپ اس گاؤں کے مکھیا ہیں۔ یہ ایک غریب مسافر ہے۔ راستہ بھول کر اس گاؤں میں آ گیا ہے۔ میں اسے آپ کی

خدمت میں لایا ہوں کہ اگر قافلہ راجہ ہنومان کے شہر کو جانے والا ہو تو اسے بھی ساتھ کر لیں۔ اس کے پاس کرائے کے پیسے موجود ہیں"۔

راجو ڈاکو کو معلوم ہوا کہ اسامی بہت دولت مند ہے تو بہت خوش ہوا۔ فوراً بولا:

عنبر بولا:

"ہاں جناب' ادھر ہی کو جا رہا تھا کہ راستہ بھٹک گیا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں۔ سنا ہے یہاں سے کبھی کبھار ایک قافلہ تیار ہو کر راجہ کے شہر کو جایا کرتا ہے۔ اگر آپ اس قافلے میں مجھے بھی شامل کر لیں تو میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں گا۔ میں کرایہ ادا کروں گا"۔

راجو ڈاکو مسکرایا:

"برخوردار، کرایہ تم نہ بھی ادا کرو تو ہم تمہیں راجہ ہنومان کے شہر میں پہنچا دیں گے۔ اس لیے کہ تم ہماری حویلی میں ہمارے مہمان بن کر اترے اور ہم اپنے مہمانوں سے کرایہ وصول نہیں کیا کرتے۔ کرایہ تو ہم مسافروں سے وصول کرتے ہیں اور تم مسافر نہیں ہو۔ ہمارے مہمان ہو"۔

عنبر نے کہا:

"شکریہ جناب' لیکن قافلہ کب روانہ ہو گا؟"۔

راجو ڈاکو بولا:

"قافلہ کل صبح کو روانہ ہونے والا ہے۔ میں اسی سلسلے میں تیاریاں کر رہا تھا۔ آج رات تم میری حویلی میں آرام کرو۔ کل صبح تمہیں قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا"۔

عنبر بولا:

"کرایہ میں ابھی ادا کر دیتا ہوں"۔

راجو ڈاکو نے مسکرا کر کہا:

"برخوردار' اس کی کیا ضرورت ہے۔ کل دیکھا جائے گا"۔

راجو ڈاکو کے نوکروں نے عنبر کو ایک کمرے میں پہنچا دیا جو دوسری منزل پر تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کے فرش پر گدیلا اور گدیلے کے اوپر بکروں کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ تکیے بھی لگے تھے۔

عنبر نے کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ کر شگفتہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر اس کا خیال گاؤں کے مکھیا یعنی راجو کی طرف مڑ گیا۔ بڑی خوفناک شکل تھی مکھیا کی۔ گاؤں کے مکھیا عام طور پر اس قسم کی شکلوں والے نہیں ہوا کرتے۔ شاید یہ کوئی انوکھا مکھیا ہو۔ شاید یہ کوئی خاص قسم کا آدمی ہو۔

عنبر اسی قسم کی باتیں سوچتا سو گیا۔

دوسری طرف راجو ڈاکو اپنے ٹھگوں کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ عنبر کو کس وقت ہلاک کیا جائے۔ ان کے لیے کسی آدمی کو ہلاک کرنا بڑی ہی معمولی سی بات تھی۔ بحث اس بات پر ہو رہی تھی کہ عنبر کو کون جا کر ہلاک کرے؟ کیونکہ جو ٹھگ کسی اسامی کو ہلاک کرتا تھا اسے راجو ڈاکو کی طرف سے انعام کے طور پر دس اشرفیاں ملتی تھیں۔ ایک ٹھگ نے کہا:

"راجو! میں ایک غریب ٹھگ ہوں۔ کتنے ہی دنوں سے کسی اسامی کو ہلاک نہیں کیا۔ بھگوان کے لیے مجھے اجازت دے کر میری غریبی پر رحم کھاؤ۔ میں دس اشرفیاں لے کر نیا بیل خریدوں گا۔ جس سے اپنی زمین پر ہل چلاؤں گا"۔

راجو نے کہا:

"کیوں بھئی ساتھیو! تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تازہ اسامی اس سے قتل کرواؤں؟"۔

ایک بوڑھا ٹھگ بولا:

"راجو! ترس تو تمہیں مجھ پر کھانا چاہیے۔ کیونکہ میں ایک بوڑھا ٹھگ ہوں۔ مجھے سہارے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ تو دس اشرفیوں سے بیل خریدے گا اور میں ایک مہینے کے دانے اپنے گھر میں ڈال لوں گا۔ تو تم ڈاکے پر بھی مجھے نہیں لے جاتے کیوں کہ میں بوڑھا ہو

گیا ہوں"۔

دوسرا آدمی بولا:

"بابا! تم بہت ضعیف ہو گئے ہو۔ اسامی کو ہلاک کرتے وقت تمہارے ہاتھ کانپنے لگیں گے اور آسامی کو قتل کرنے میں دیر لگے گی اسے زیادہ تکلیف ہو گی اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ ٹھگ کسی شخص کو تکلیف دے کر کبھی نہیں مارا کرتے۔ بس گلے میں رومال ڈال کر ایک جھٹکا دیا اور کام تمام ہو گیا"۔

اس پر بوڑھے ٹھگ نے طیش میں آ کر کہا:

"تم بے شک میرے ساتھ شرط لگا کر دیکھ لو۔ بھگوان کی قسم اگر تم سے پہلے نہ اسے مار دوں تو ساری عمر تمہاری خدمت کروں گا"۔

راجو نے کہا:

"بس بس! اب بک بک بند کرو اور میرا فیصلہ سنو۔ اس موٹی اسامی کو میں خود ہلاک کروں گا۔ لیکن انعام کے طور پر دس دس اشرفیاں تم سب کو دی جائیں گی"۔

اس فیصلے نے سب کو خوش کر دیا۔ سارے کے سارے ٹھگ راجو ڈاکو کو دعائیں دینے لگے کہ اسے ان کا کتنا خیال ہے۔ ایک ٹھگ نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"راجو! کل جو ڈاکے پر چلنا تھا اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟"۔

"ڈاکے پر ہم ضرور جائیں گے۔ میرے جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ جنگل میں سے کسی سوداگر کی سواری گزرنے والی ہے۔ ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے"۔

راجو ڈاکو نے تمام ٹھگوں کو حویلی کی ڈیوڑھی میں چھوڑا اور رومال ہاتھ میں لے کر اکیلا ہی عنبر کو ہلاک کرنے اس کی کوٹھڑی کی طرف

بڑھنے لگا۔ بدبخت اپنی موت کے پاس جا رہا تھا۔ وہ بڑی بے فکری سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ جیسے عنبر کو ہلاک کرنا کسی چڑیا کو مارنے کے برابر ہے۔

حالانکہ وہاں ایک ببر شیر بیٹھا تھا۔

سمندر بلاتا ہے

راجو ٹھگ اس سے پہلے کتنے ہی آدمیوں کو قتل کر چکا تھا۔

وہ بڑے آرام سے ٹہلتا ٹہلتا اوپر والی منزل میں آ گیا۔ سامنے اس کوٹھڑی کا دروازہ تھا جس کے اندر عنبر سو رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ راجو ٹھگ دروازے کی طرف جانے کی بجائے کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں اس نے ایک خفیہ دروازہ رکھا ہوا تھا۔

اس قسم کے خفیہ دروازے اور کھڑکیاں ہر کوٹھڑی میں موجود تھیں۔ خفیہ کھڑکی کے پاس آ کر راجو نے اسے کھول دیا۔ کوٹھڑی کے طاق میں دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں راجو نے دیکھا کہ عنبر بڑے مزے سے گدیلوں پر سو رہا تھا۔ راجو ہنس پڑا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیسا بے فکر ہو کر سو رہا ہے۔ کم بخت اسی طرح اب قیامت تک سوتا رہے گا۔

راجو کھڑکی میں سے گزر کر کوٹھڑی کے اندر آ گیا۔

وہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کوٹھڑی میں دبے پاؤں چلتا ہوا عنبر کے سرہانے آ گیا۔ رومال اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ اس نے رومال کو مروڑی دی اور پھر پلک جھپکنے میں اسے سوئے ہوئے شکار کی گردن میں ڈال کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ اس کے خیال میں عنبر کی گردن کا منکا ٹوٹ چکا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہوا صرف یہ تھا

کہ عنبر کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اس نے جو اپنی گردن میں رومال اور اپنے اوپر جھکے ہوئے لمبی لمبی مونچھوں والے ٹھگ کو دیکھا تو ایک دم سارے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ راجو ٹھگ نے جب دیکھا کہ اس کا شکار آنکھیں کھول کر اسے دیکھ رہا ہے تو وہ بڑا پریشان ہوا کہ یہ بات کیا ہے۔ اس قسم کے جھٹکے کے بعد تو کوئی سانڈ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس نے ایک بار پھر زور لگا کر رومال کو مروڑا اور زور سے جھٹکا مارا۔ اب تو اس کی گردن ہی ٹوٹ گئی ہو گی۔ راجو ٹھگ نے یہ سوچ کر عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر آنکھیں کھول کر راجو ٹھگ کو دیکھ رہا تھا۔

راجو دنگ رہ گیا۔ اس نے تیسری بار اس زور سے عنبر کی گردن کو جھٹکا دیا کہ خود اس کی کلائی میں درد ہونے لگا۔ لیکن عنبر اب بھی زندہ تھا

اور راجو ٹھگ کی طرف غور سے لیٹے ہی لیٹے دیکھ رہا تھا۔ پھر عنبر نے ہاتھ بڑھا کر رومال کو گلے میں سے نکالنے کی کوشش کی تو راجو ٹھگ نے کمر میں سے خنجر نکال کر عنبر کے سینے میں دل کے اوپر گھونپ دیا۔

"اب تو کہاں بچے گا پیارے"۔

راجو ٹھگ خنجر کھینچ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی عنبر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے سینے پر نہ کوئی زخم لگا تھا اور نہ کسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا؛ حالانکہ وہاں تو خون کے فوارے نکلنے چاہئیں تھے اور دل میں کھبے ہوئے خنجر کے بعد تو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ راجو ٹھگ غصے میں بھڑک اٹھا۔

اس نے عنبر پر خنجر کے وار پر وار کرنے شروع کر دیے۔ اپنی طرف سے اس نے عنبر کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ لیکن عنبر کے جسم پر ایک بھی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھا بڑے غور سے راجو ٹھگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

راجو ٹھگ اب ڈر سا گیا۔ آخر وہم پرست جاہل آدمی تھا اور عنبر نے جو کرامت دکھائی تھی اسے دیکھ کر تو پڑھا لکھا آدمی بھی ڈر جاتا ہے۔ عنبر نے ہاتھ آگے بڑھا کر راجو کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا اور کہا:

"جو آدمی مجھے تمہارے پاس لایا تھا اسے اوپر بلاؤ"۔

راجو نے کہا:

"تم کون ہو؟ کیا تم کوئی دیوتا ہوں؟ کوئی جادوگر ہو؟"۔

عنبر نے راجو ٹھگ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر وہی بات دہرائی۔

"جو آدمی مجھے تمہارے پاس لایا تھا اسے اوپر بلاؤ"۔

راجو سہم سا گیا۔ اس نے اسی وقت آواز دے کر اس دیہاتی کو اوپر بلا لیا جو عنبر کو دھوکا دے کر راجو کے پاس لے آیا تھا تاکہ اسے قتل

کر کے اس کا سارا مال ہضم کر لے۔ اس ٹھگ کے ساتھ دوسرے ٹھگ بھی اوپر آ گئے۔ انہوں نے جو شکار کو زندہ اور ہاتھ میں خنجر پکڑے دیکھا تو وہ غصے میں آ کر بولے:

''سردار! حکم کرو۔ ہم اس آسامی کے پرزے پرزے کر دیں''۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ عنبر نے کسی کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہ دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر پکڑا ہوا تھا۔ اس نے اس ٹھگ کو پہچان لیا جو اسے راجو کے پاس لایا تھا۔

عنبر نے کہا:

''میرے سامنے آؤ''۔

ٹھگ ڈرتا ہوا عنبر کے سامنے آ گیا۔ ایک بجلی سی چمکی۔ عنبر نے خنجر اس زور سے ٹھگ کی طرف پھینکا کہ وہ سیدھا اس کے دل میں جا کر کھب گیا۔ ٹھگ نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کا خون کمرے میں بکھر گیا۔ سب دم بخود کھڑے تھے۔ کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھ کر عنبر کو پکڑ سکے۔ خود راجو ٹھگ جس نے نہ جانے کتنے آدمیوں کو اب تک قتل کیا تھا چپ چاپ کھڑا تھا۔ آخر دوسرے ٹھگ غصے میں آ کر بھڑک اٹھے۔ انہوں نے ایک نعرہ لگایا اور عنبر پر خنجر نکال کر ٹوٹ پڑے۔

عنبر اپنی جگہ پر بت بنا بیٹھا رہا اور ٹھگ اس کے جسم پر، گردن، سر کندھوں اور پیٹھ پر خنجروں کے دھڑا دھڑ وار کرتے رہے۔ اس حالت میں تو انسان کی بوٹی بوٹی اڑ جاتی ہے۔ مگر عنبر کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ بلکہ الٹا خنجر کے وار کرنے والوں کے ہاتھ زخمی اور لہولہان ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھ جیسے پتھر سے ٹکرا رہے تھے۔

یہ بھیانک تماشہ دیکھ کر راجو ٹھگ کے ساتھ ساتھ دوسرے ٹھگوں کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر دیے اور چیخ کر کہا:

''رک جاؤ''۔

اور پھر عنبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مہاراج، معاف کر دیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہمیں معاف کر دیں۔'' عنبر آرام سے بستر پر لیٹ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے بولا:

''تم سب لوگ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ سب سے پہلے تو میں باری باری تم سب ٹھگوں کو قتل کرتا ہوں۔ اس کے بعد تمہارے سردار راجو ٹھگ کو ہلاک کروں گا۔ اب تم لوگ تیار ہو جاؤ''۔

اتنا سننا تھا کہ سارے کے سارے ٹھگ روتے چلاتے عنبر کے

پاؤں پر گر پڑے۔

”بھگوان کے لیے معاف کر دو۔ دیوتا جی' بھگوان کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ہم انسان کی جگہ کسی دیوتا کو گھیر کر لے آئے ہیں۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے غلطی ہو گئی“۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ جوڑ کر' سر جھکا کر کہا:

”اے دیوتا' ہم سب کو معاف کر دے۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم ساری عمر تمہاری خدمت کریں گے۔ تمہارے غلام بن کر رہیں گے“۔

عنبر نے راجو ٹھگ کی طرف دیکھ کر کہا:

”یہ تم کہہ رہے ہو؟ جس نے اب تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کے گلوں میں رومال ڈال کر ہلاک کر ڈالا ہے۔ مجھے تمہاری بات پر کوئی اعتبار نہیں“۔

راجو ٹھگ نے کہا:

”میں کالی دیوی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے بعد سے ہم کبھی کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگیں گے۔ کبھی کسی کو قتل نہیں کریں گے اور کبھی کسی کو نہیں لوٹیں گے“۔

کالی دیوی کی قسم ہندوستان کے ٹھگوں میں سب سے بڑی قسم ہوا کرتی تھی۔ ایک ٹھگ اپنے سردار کی حکم عدولی کر سکتا تھا مگر وہ کالی دیوی کے آگے قسم کھا کر اس سے کبھی نہیں پھر سکتا تھا۔ عنبر نے یہ قسم سننے کے بعد کہا:

”کیا تم سب لوگ قسم کھاتے ہو کہ آج کے بعد سے کبھی ٹھگی نہیں کرو گے۔ کبھی کسی مسافر کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگو گے؟“۔

سب ٹھگوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

”کبھی نہیں' اے عظیم دیوتا' کبھی نہیں“۔

عنبر نے کہا:

"اور تم راجو ٹھگ؟"۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج! میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اب کبھی ایسا کام نہیں کروں گا"۔

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اس ٹھگ کی لاش کو لے جا کر گاؤں کے کتوں کے آگے ڈال دو۔ یہ ایک قاتل تھا۔ سینکڑوں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قاتل"۔

ٹھگ اپنے ساتھی کی لاش لے کر نیچے اتر گئے۔ راجو ٹھگ نے بھی سر جھکا کر سلام کیا اور نیچے آ گیا۔ نیچے آتے ہی انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش کو باہر لے جا کر کتوں کے آگے ڈال دیا جو غضب ناک ہو کر بھونکتے ہوئے لاش کو چبانے لگے۔

یہ لوگ بے حد وہم پرست تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عنبر کوئی آسمانی دیوتا ہے اگر اس کا حکم نہ مانا تو ریاست پر خدا کا قہر نازل ہو گا۔ راجو ٹھگ بہت حیران ہوا۔ وہ بھی سو گیا۔

صبح صبح عنبر سو کر اٹھا تو سارے کے سارے ٹھگ نیچے سر جھکائے کھڑے تھے۔ انہوں نے مل کر عنبر کا منہ ہاتھ دھلایا اس کے پاؤں دھو کر صاف کپڑے سے پونچھے۔ اس کے آگے کھانا چن دیا۔ راجو ٹھگ نے اپنے ہاتھ سے عنبر کے جوتے ٹھیک کیے۔ عنبر نے سوچا کہ ان لوگوں سے اسی طرح خدمت کروانی چاہیے۔ یہ اسی قابل ہیں۔ اگر ان کو اپنے برابر بٹھا لیا تو یہ عزت نہیں کریں گے اور ڈریں گے بھی نہیں۔ عنبر کو اس بات کا بے حد تجربہ ہو چکا تھا کہ چھوٹے ذہن کے

چھوٹے آدمی کے ساتھ کبھی زیادہ دوستی نہیں ڈالنی چاہیے۔ وہ موقع ملنے پر ضرور ڈنگ مارتا ہے۔ وہ بڑے مزے سے ناشتہ کرتا رہا۔

ناشتے کے بعد راجو ٹھگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مہاراج، اگر کوئی اور حکم ہو تو فرمائیں۔ بندہ حاضر ہے"۔

عنبر نے کہا:

"یہ بتاؤ کہ تم نے ادھر سے کوئی شاہی سواری تو گزرتی نہیں دیکھی؟"۔

راجو نے پوچھا:

"کیسی سواری مہاراج؟"

عنبر نے کہا:

"ایک سواری نے یہاں سے گزرنا تھا جو راجہ ہنومان کے شہر کی طرف آ رہی تھی۔ مگر ادھر سے وہ کہاں گزر سکتی تھی؟ یہ تو راستے سے ہٹ کر ہے"۔

راجو ٹھگ نے کہا:

"مہاراج کیا اس سواری کے ساتھ سپاہی بھی تھے؟"۔

عنبر بولا:

"ہاں ہاں سپاہی بھی تھے"۔

راجو ٹھگ نے پوچھا:

"کیا اس میں ایک لڑکی بھی تھی؟"۔

"ہاں لڑکی بھی تھی"۔ عنبر اچھل کر بیٹھ گیا "کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"۔

راجو ٹھگ نے بولا:

"مہاراج، وہ لڑکی راجکماری تو نہیں تھی؟"۔

اب تو عنبر کو یقین ہو گیا کہ راجو نے اس سواری کو دیکھا ہے اس نے بے تابی سے کہا:

"جلدی سے بتاؤ کہ وہ لڑکی، وہ راج کماری کہاں ہے؟"۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج، اس گنہ گار کی خطا کو معاف کر دیں۔ راجہ ہنومان کا سینا پتی میرے پاس پالکی میں بیٹھی ہوئی ایک خوش شکل لڑکی کو بیچ کر اپنے سپاہی ساتھ لے کر واپس چلا گیا تھا۔ میں اس لڑکی کو زبردستی اٹھا کر اس حویلی میں لے آیا"۔

عنبر نے تیزی سے پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟ جلدی بولو"۔

راجو ٹھگ کہنے لگا:

''مہاراج' اس روز میری حویلی میں ایک بہت مشہور ٹھگ اور بردہ فروش شیواجی ٹھگ ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے اس راجکماری کو اس ٹھگ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔''

عنبر نے سر پکڑ لیا۔

''وہ ٹھگ شیواجی اب کہاں ہوگا؟''۔

راجو بولا:

''مہاراج' وہ لوگ سنا تھا کہ جاپان جا رہے تھے''۔

''جاپان؟'' عنبر نے چونک کر پوچھا۔

راجو ٹھگ نے کہا:

''ہاں مہاراج' ہمارے پاس بیٹھے وہ جاپان کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔ بلکہ شیواجی نے کہا بھی تھا کہ وہ اس راج کماری کو لے کر جاپان جائے گا اور وہاں کے ایک بادشاہ یا صوبے کے گورنر سے منہ مانگا انعام پائے گا''۔

عنبر کا چہرہ غم سے لٹک گیا۔ راجو ٹھگ نے حیرانی کے ساتھ پوچھا:

''مہاراج' کیا اتنے بڑے دیوتا ہو کر راج کماری کا بھی پتہ نہیں چلا سکتے؟''۔

عنبر نے صرف آہستہ سے اتنا کہا:

''کچھ باتیں ہمارے اختیار میں ہیں اور کچھ باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اگر شکنتلا کو حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم تمہاری قید میں کبھی نہ آتے''۔

راجو ٹھگ کہنے لگا:

''مہاراج' مجھے حکم دیں۔ میں آج ہی شیوا ٹھگ کی تلاش میں مشرقی گھاٹ کی طرف نکل جاتا ہوں''۔

عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا:

"نہیں نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود اس کی تلاش میں نکلوں گا۔ میں اسے تلاش کرلوں گا۔ وہ پہاڑوں، جنگلوں، سمندروں جہاں کہیں بھی ہوگا میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا اور اسے ایسی سزا دوں گا جسے وہ ساری عمر یاد رکھے گا"۔

وہ رات بھی عنبر نے گاؤں میں بسر کی۔

دوسرے روز وہ صبح صبح سفر پر چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔ سارے ٹھگ باہر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ راجو ٹھگ عنبر کے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔

عنبر قریب آ کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج، ہمارے گناہوں کو معاف کر دیں"۔

عنبر نے کہا۔

"سنو راجو ٹھگ، تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی جو میری بہن کو ایک بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا جو اسے لے کر سمندروں کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ لیکن چوں کہ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اس لیے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ تم سب لوگ یاد رکھو۔ تم نے کالی ماتا کی قسم کھائی ہے۔ اگر تم قسم سے پھر گئے تو کالی ماتا تم سے زبردست انتقام لے گی اور تمہارے کھیتوں کو آگ لگا دے گی۔ تمہارے بچوں کو قتل کر دے گی"۔

سب ٹھگوں نے ایک آواز ہو کر پھر کہا:

"ہرگز ایسا نہیں ہوگا مہاراج۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔

عنبر وہاں سے آگے چل دیا۔

اسے راستے کے بارے میں راجو ٹھگ نے سب کچھ بتا دیا تھا۔

اب وہ سمندر کی طرف سفر کر رہا تھا۔ یہ ہندوستان کے مشرقی گھاٹ کی جانب کا سفر تھا۔

عنبر ایک بار پھر سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

خونی لٹیرا

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ عنبر کو سمندر نظر آ گیا۔

سنہری دھوپ میں سمندر کا پانی دور تک چمک رہا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کی رفتار کو تیز کر دیا۔ یہاں جگہ جگہ ناریلوں کے جھنڈ تھے۔ سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ زمین پر ریت ہی ریت تھی یا چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بجری بچھی ہوئی تھی۔

عنبر نے دیکھا کہ کنارے پر چند ایک کشتیاں کھڑی ہیں۔ جہاز اسے کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی چھوٹی سی بندرگاہ ہے جہاں شاید تجارتی جہاز کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ وہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں ذرا پرے ہٹ کر ناریل کے درختوں تلے ماہی گیروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ کچے پکے جھونپڑے تھے۔ دو ایک جھونپڑے پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ جیسے وہ وہاں کے کچھ پیسے والے ملاح ہوں۔ عنبر نے سوچا کہ کسی ملاح سے بات چیت کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں سے تجارتی جہاز کب اور کس موسم میں گزرتے ہیں؟

وہ کشتیوں کے پاس آ کر گھوڑے سے اتر آیا۔ ایک ملاح اپنی کشتی کی مرمت کر رہا تھا۔ عنبر نے قریب جا کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ کون سی بندرگاہ ہے اور وہاں سے تجارتی جہاز کب گزرتے ہیں؟ ملاح نے چہرہ اوپر اٹھا کر بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

''تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟''۔

عنبر نے اسے بڑی خوش اخلاقی سے کہا کہ وہ ریاست بمبی سار سے آ رہا ہے اور جاپان جانا چاہتا ہے۔ ملاح جاپان کا نام سن کر ذرا سا چونکا۔ کہنے لگا:

''بھائی، ابھی دو تین روز ہوئے ایک جہاز یہاں سے جاپان کی طرف گیا تھا۔ مگر وہ جہاز تو سمندری ڈاکوؤں کا تھا''۔

عنبر نے حیرت سے کہا:

''سمندری ڈاکوؤں کا جہاز تھا؟''۔

ملاح بولا:

''ہاں بھائی، یہاں اس قسم کے جہاز آ کر ہی کھڑے ہوتے ہیں''۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا تجارتی اور مسافروں کے جہاز یہاں آ کر نہیں رکتے؟"۔

ملاح ہنس پڑا:

"بھائی تم یہاں مسافر ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کوئی تجارتی بندر گاہ نہیں ہے۔ تجارتی بندرگاہ یہاں سے بہت دور ہے۔ یہ تو سمگلروں اور سمندری ڈاکوؤں کی بندرگاہ ہے۔ سمگلر یہاں مال سمگل کرتے ہیں اور سمندری ڈاکو یہاں ٹھہر کر خوراک اور پانی کا ذخیرہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے ہیں"۔

عنبر خاموشی سے ملاح کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے جھولے میں سے پھل اور جوار کی روٹی نکال کر ملاح کو پیش کی۔

"لو بھائی تم بھی میرے ساتھ شریک ہو جاؤ"۔

ملاح نے عنبر کے ساتھ روٹی کھانی شروع کر دی۔ نہ اس نے کوئی

تکلف کیا نہ شکریہ ادا کیا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ بھوکا تھا۔ عنبر اس ملاح سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اتنی خبر اسے مل گئی تھی کہ یہ ایک غیر قانونی بندرگاہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ جو جہاز پہلے جا چکا ہے شگفتہ کو اسی میں اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہو۔ ملاح سیدھا سادا سچا آدمی تھا جس نے عنبر کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہاں سے سمندری ڈاکوؤں کا جہاز نکل کر گیا ہے۔

جب کہ سمگلروں کی بندرگاہوں سے اس قسم کی باتیں ملاح کسی کو نہیں بتایا کرتے۔ عنبر نے ملاح کی تعریف کر دی تا کہ وہ کچھ اور کھل جائے اور عنبر کو زیادہ سے زیادہ سچی معلومات دے۔

"تم مجھے ایک نیک دل اور ایماندار ملاح معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری سچائی سے بڑا خوش ہوا ہوں۔ میں نے زندگی میں اس قسم کے ملاح بہت کم دیکھے ہیں جو سچ بولتے ہوں۔ تم سچ بولتے ہو۔ اس سے

مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

ملاح سچ مچ اپنی تعریف سن کر پھول کر کپا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"بھائی صاحب، میں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پہلے جھوٹ بولا کرتا تھا۔ لیکن جب سے میری ماں فوت ہوئی ہے میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ میری ماں نے خواب میں آ کر مجھے بتایا تھا کہ بیٹا جھوٹ مت بولنا۔ موت کے بعد انسان کو جھوٹ سانپ بن کر چمٹ جاتا ہے اور کبھی نہیں چھوڑتا۔ بس اس کے بعد سے میں ہر بات سچ سچ کہہ دیتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"شاباش تمہیں بھائی، تم اس لائق ہو کہ تمہاری پرستش کی جائے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس سمندری جہاز میں کچھ مسافر یہاں سے بھی سوار ہوئے تھے؟"۔

ملاح بولا:

"کیوں نہیں، یہاں سے چار پانچ مسافر سوار ہوئے تھے۔ وہ سارے کے سارے ٹھگ اور ڈاکو تھے۔ میاں ڈاکوؤں کے جہاز میں ڈاکو اور ٹھگ ہی سوار ہو سکتے ہیں۔ شریف آدمی کا ایسے جہاز پر کیا کام ہو سکتا ہے بھلا؟"۔

عنبر نے پوچھا:

"بھائی کیا ان مسافروں میں کوئی عورت بھی تھی؟"۔

ملاح نے کہا:

"میں اپنی کشتی میں بیٹھا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ان مسافروں میں ایک تو شیواجی ٹھگ تھا۔ تین اس کے ساتھی تھے اور ایک دبلی پتلی سی بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ مجھے تو وہ کوئی راج کماری لگ رہی تھی۔ بے چاری کی آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرہ زرد تھے"۔

عنبر نے اپنا سر پکڑ لیا۔

شگفتا وہاں سے جا چکی تھی جس کی تلاش میں وہ بھاگا بھاگا جنگلوں کو عبور کرتا سمندر تک آیا تھا۔ اسے سمندری ڈاکو اپنے ساتھ لے وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا بھلا؟ سوائے اس کے کہ عنبر وہاں رہ کر اسی قسم کے ڈاکوؤں کے کسی اور جہاز کا انتظار کرے جو اسے جاپان لے جائے۔

ملاح نے عنبر کو غمگین دیکھا تو پوچھا:

"بھائی تم اداس کیوں ہو گئے؟ کیا اس جہاز میں تمہارا بھی کوئی آدمی تھا جسے ڈاکو یا ٹھگ اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟"

عنبر نے سرد آہ بھری اور کہا:

"میرے بھائی، میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا کیونکہ تم

نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ جس لڑکی کو ٹھگ شیوا جی اپنے ساتھ اغوا کر کے جاپان لے گیا ہے وہ میری بہن ہے اور راج کنور بھی سار کی بیوی ہے“۔

ملاح نے افسوس کرتے ہوئے کہا:

”یہ تو تم نے بڑے دکھ کی خبر سنا دی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ بے چاری راج کماری تھی تو میں ضرور اسے بچانے کی کوشش کرتا۔ مگر بھائی میں کوشش بھی کیا کر سکتا تھا بھلا؟ تم سمندری ڈاکوؤں اور ٹھگوں کو شاید نہیں جانتے۔ یہ لوگ تو آدمی کو کھڑے کھڑے زمین میں زندہ دفن کر دیتے ہیں؛ بہر حال مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے۔ کاش میں تمہاری مدد کر سکتا“۔

عنبر نے کہا:

”پیارے بھائی، تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اب یہاں سے جاپان کی طرف کون سا جہاز جائے گا اور کب جائے گا؟“۔

ملاح بولا:

”اول تو جہاز کا کچھ معلوم نہیں کہ وہ کب آتا ہے؟ سمندری ڈاکوؤں کے جہازوں کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں اور پھر اگر کوئی جہاز ادھر آ بھی جائے تو وہ کسی شریف آدمی کو جہاز پر سوار نہیں کرتے۔ وہ تو صرف لونڈیاں غلاموں یا ٹھگوں وغیرہ کو جہاز پر بٹھاتے ہیں“۔

عنبر نے کہا:

”میں غلام بن کر جہاز پر سوار ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد جاپان کی طرف روانہ ہو جاؤں تا کہ وہاں جا کر اپنی بہن کو ڈاکوؤں کے پھندے سے بچا سکوں“۔

ملاح نے سر ہلا کر کہا:

"میرے عزیز' شاید تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ یہ ٹھگ لوگ بڑی خفیہ جگہوں پر جا کر ٹھہرتے ہیں۔ ان کے ہر شہر میں خاموش اور پر اسرار تہہ خانے ہوتے ہیں جن کا کسی شریف آدمی کو علم نہیں ہوتا اور پھر یہ لوگ غلاموں اور اغوا کی ہوئی لونڈیوں کو فوراً کسی نہ کسی امیر آدمی کے ہاں فروخت کر دیتے ہیں۔ تم اگر کسی نہ کسی طرح جاپان پہنچ بھی گئے تو تمہارے لیے اپنی بہن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو جائے گا"۔

عنبر نے کہا:

"بھائی خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ میں ہر حال میں جاپان جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں ضرور اپنی بہن کا ٹھکانہ تلاش کر لوں گا۔ تم مجھے صرف یہ مشورہ دو کہ میں جاپان کیسے اور کیونکر پہنچ سکتا ہوں"۔

ملاح نے کہا:

"اگر تم نے اپنی بہن کی تلاش کا پکا ارادہ کر رکھا ہے تو پھر ایسا کرو کہ اس جگہ سے کسی سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر سوار ہونے کا خیال ترک کر دو"۔

عنبر نے پوچھا۔

"پھر کیا کروں؟"۔

ملاح بولا:

"تم ایسا کرو کہ یہاں سے دو دن اور دو راتوں کے سفر پر اسی گھاٹ پر سمندر کے کنارے ایک شہر آباد ہے۔ اس بندرگاہ سے مہینے میں دو بار جہاز جاپان کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں جا کر کوشش کرو کہ تمہیں کسی جہاز پر جگہ مل جائے"۔

عنبر نے کہا:

"کیا یہ راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے یا مجھے گھنے جنگل

میں سے ہو کر جانا پڑے گا؟"۔

ملاح کہنے لگا:

"تجارتی بندرگاہ کو راستہ اس جنگل میں سے ہو کر سمندر کے ساتھ ساتھ ہی جاتا ہے۔ یہاں سے اکثر قافلے آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سب سمگلروں اور ٹھگوں کے قافلے ہوتے ہیں۔ تم راستے میں کوشش کرنا کہ ان سے بچ کر نکل سکو۔ کیوں کہ یہ لوگ بڑے جابر اور ظالم ہوتے ہیں۔ اکیلے دکیلے مسافر کو لوٹ کر ہلاک کر دینا ان کے لیے معمولی کام ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ ان لوگوں سے بچ بچ کر سفر کروں۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر میں برابر سفر کرتا رہا تو دو دن اور دو راتوں کے بعد منزل پر پہنچ جاؤں گا؟"۔

"کیوں نہیں! اس راستے پر سے اکثر قافلے آتے رہتے ہیں۔ سنا ہے کہ کافی ٹھیک ٹھاک راستہ ہے۔ اگرچہ جنگل بڑا خطرناک ہے۔ اس جنگل میں شیر چیتے بھی ہیں اور ہاتھی بھی ہیں۔ لیکن اگر تم ایک بہادر آدمی ہو اور تمہارے پاس تلوار اور تیر کمان ہے تو تم ان درندوں پر قابو پا لو گے۔ ویسے عام طور پر یہ درندے راستے کے قریب قریب بہت ہی کم نظر آتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

''مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔ میں بہادر آدمی بھی ہوں اور میرے پاس اسلحہ بھی موجود ہے''۔

''پھر تمہیں بے خطر ہو کر سفر شروع کر دینا چاہیے''۔

''لیکن میں تھکا ہوا ہوں۔ ایک رات اس جگہ بسر کر کے کل صبح یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں''۔

ملاح نے کہا:

''تم بڑے شوق سے میری جھونپڑی میں رات بسر کر سکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اس گاؤں میں تقریباً سب کے سب بدمعاش اور جرائم پیشہ لوگ رہتے ہیں۔ اگر کسی سے ملاقات ہو جائے تو ہرگز ہرگز یہ نہ بتانا کہ تم ایک شریف آدمی ہو اور اپنی بہن کی تلاش میں جاپان جا رہے ہو۔ اس لیے کہ یہ لوگ پھر تمہیں لوٹ کر مار ڈالیں گے۔ یہ لوگ میرے بھی دشمن ہیں۔ مگر میرے خلاف اس لیے کچھ نہیں کرتے کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ مجھے مار کر ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا''۔

عنبر بولا:

''تم فکر نہ کرو بھائی۔ میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھوں گا۔ تم نے جو نصیحت کی ہے اس پر سختی سے عمل کروں گا''۔

ملاح عنبر کو اپنے جھونپڑے میں لے گیا۔

یہ جھونپڑا بڑا غریبانہ سا تھا۔ زمین پر گھاس بچھی ہوئی تھی۔ دو چار مٹی کے کٹورے اور ایک ہنڈیا رکھی تھی جس میں یہ ملاح کھانا پکاتا تھا۔ عنبر نے اس سے پوچھا کہ اس کی بیوی بچے کہاں ہیں؟

ملاح نے آہ بھر کر کہا:

"مدت ہوئی کہ میرے بیوی بچے ایک سمندری طوفان میں کشتی الٹ جانے سے مر گئے۔ اب تو میں اس جھونپڑی میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ ہاں! اگر تمہارے پاس کوئی اشرفیاں یا قیمتی جواہرات ہیں تو مجھے دے دو میں انہیں سنبھال کر رکھ لوں گا۔ صبح تم اپنی امانت واپس لے لینا"۔

عنبر کو اس ملاح پر بڑا اعتبار آ گیا۔ اس نے سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھیلے دیکھے تو بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا:

"تم تو بڑے امیر آدمی ہو؟"۔

عنبر بولا:

"میں اتنا زیادہ امیر نہیں ہوں بھائی۔ یہ دولت میں نے گھوڑوں کی تجارت کر کے کمائی تھی کہ بہن اغوا ہو گئی۔ اب ساری دولت لے کر گھر سے نکلا ہوں کہ خواہ ایک ایک پائی خرچ ہو جائے مگر اپنی بہن کو تلاش کر کے چھوڑوں گا"۔

ملاح نے کہا:

"میں تمہاری باتیں سن کر بڑا خوش ہوا ہوں۔ تم بڑے بہادر اور غیرت مند نوجوان ہو۔ بھگوان کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے"۔

جس وقت عنبر اور ملاح جھونپڑی کے اندر باتیں کر رہے تھے۔ اس وقت جھونپڑی کی دیوار کے ایک سوراخ سے کان لگائے ایک بدمعاش ملاح سب کچھ سن رہا تھا۔ جب اس نے اشرفیوں کی چار تھیلیاں ملاح کو ایک جگہ زمین میں دفن کر کے اوپر گھاس ڈالتے دیکھا

تو اس کی رال ٹپکنے لگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو ڈاکہ ڈال کر ملاح اور مسافر دونوں کو قتل کر کے اشرفیوں پر قبضہ جما لے گا۔ اتنی زیادہ دولت تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ وہ بے تابی سے رات کے اندھیرے کی راہ دیکھنے لگا۔

یہ ملاح گاؤں کا سب سے بڑا بدمعاش اور ٹھگ آدمی تھا۔ اس سے بچہ بچہ خوف کھاتا تھا۔ وہ آج تک نہ جانے کتنے لوگوں کو بے گناہ قتل کر چکا تھا۔ اس کا کام ہی یہ تھا کہ مسافروں کو جنگل میں لوٹ کر ہلاک کر دیا کرتا۔ کسی نے کبھی اس کا مقابلہ نہیں کیا تھا۔

ادھر ملاح اور عنبر اشرفیاں چھپانے کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ادھر بدمعاش ٹھگ رات کو ڈاکہ ڈالنے کی سازش تیار کر چکا تھا۔ اس نے اپنے جھونپڑے میں جا کر ایک بہت لمبا اور تیز خنجر صندوق میں سے نکال کر اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا۔

عنبر اور ملاح نے شام کا کھانا مل کر کھایا۔ وہ ٹہلتے اور باتیں کرتے ہوئے سمندر کے کنارے آ گئے۔ آسمان پر شام کے ستارے ٹمٹمانے لگے۔ بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر ملاح کو بتا رہا تھا کہ وہ کئی ملکوں میں گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں سفر کر چکا ہے۔ اس نے ملاح پر یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتا ہے۔

وہ سمندر کے کنارے ٹہلتے رہے اور رات ہو گئی۔

گاؤں میں آگ جل اٹھی اور گھروں، جھونپڑوں میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ ملاح نے عنبر سے کہا کہ اب چل کر آرام کرنا چاہیے۔ کیوں کہ صبح صبح اس نے سفر پر جانا ہے۔ عنبر ملاح کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گیا۔ یہاں گھاس کے بستر پر لیٹ کر دونوں باتیں کرتے رہے۔

ملاح اسے جنگل کے راستے کے بارے میں خاص معلومات دیتا

رہا۔ اس لیے کہ وہ اس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا تھا۔ پھر وہ اونگھنے لگا اور اونگھتے اونگھتے سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد عنبر کی بھی آنکھ لگ گئی۔

بدمعاش ٹھگ جھونپڑی کے باہر منڈلا رہا تھا۔

ساتھی کی جدائی

بدمعاش ٹھگ اسی انتظار میں تھا۔

جوں ہی اسے محسوس ہوا کہ ملاح اور عنبر گہری نیند میں سو گئے ہیں تو وہ چپکے سے سائے کی طرح دبے پاؤں جھونپڑی کی دیوار پھاڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ جھونپڑی کی دیوار پھاڑنے میں اسے کسی قسم کی دقت نہ ہوئی۔ کیوں کہ وہ گھاس پھونس کی دیوار تھی۔ جھونپڑی کے

اندر آ کر اس نے سوچا کہ پہلے کسے قتل کرے۔ پھر وہ ملاح کی طرف بڑھا تا کہ اسے پہلے ختم کرے تا کہ اگلے روز وہ گاؤں والوں کو کچھ نہ بتا سکے۔

خنجر اس نے اپنے کرتے میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اتفاق سے ایک مچھر ٹھیک اس وقت عنبر کے کان کے اوپر آ کر بھیں بھیں کرنے لگا۔ یہ سمندری مچھر تھا اور کافی بڑا تھا۔ اس کی آواز سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔

آنکھ کھلتے ہی عنبر نے دیکھا کہ ایک سایہ ملاح کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک دم چوکنا ہو گیا مگر بہانہ بنا کر لیٹا رہا۔ جیسے سویا ہوا ہے۔ وہ یہ پتا کرنا چاہتا تھا کہ چور کا ارادہ کیا ہے اچانک عنبر نے چور کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر دیکھ لیا۔ ارے یہ تو غریب ملاح کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ اگر اس نے ملاح کی مدد نہ کی تو چور اسے ہلاک کر دے گا: چنانچہ جوں ہی چور نے ملاح کو مارنے کے لیے خنجر والا ہاتھ بلند کیا۔

عنبر نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ اب دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ شور کی آواز سن کر ملاح کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اندھیرے میں ہی بدمعاش ٹھگ کو پہچان لیا۔ فوراً بولا:

“بھائی عنبر یہ گاؤں کا بہت بڑا قاتل ٹھگ ہے۔ یہ تمہاری دولت چوری کرنے آیا تھا”۔

عنبر نے اس وقت ٹھگ کو نیچے گرا لیا تھا۔ بدمعاش ٹھگ نے جب دیکھا کہ وہ بے بس ہو رہا ہے تو اچھل کر نیچے سے ہی خنجر عنبر کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ملاح کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے کہا:

“خنجر مجھے لگا ہے تم کیوں چیخ رہے ہو؟”

اس کے ساتھ ہی عنبر نے یہ کیا کہ اپنے پیٹ میں لگا ہوا خنجر باہر

کھینچ کر بلند کیا اور بدمعاش ٹھگ کے سینے میں اتار دیا۔ بدمعاش نے ایک سسکی بھری اور خون میں نہا کر تڑپنے لگا۔ عنبر خنجر پکڑ کر اس کے اوپر اٹھ گیا۔ بدمعاش تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ ملاح نے خوف زدہ آواز میں عنبر سے کہا:

”بھائی! بھگوان کے لیے لیٹ جاؤ۔ خنجر تمہیں بھی گہرا لگا ہے۔ تم بہت سخت زخمی ہو۔ میں تمہارے پیٹ پر پٹی باندھتا ہوں“۔

عنبر نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں دوست! مجھے خنجر نہیں لگا“۔

ملاح بولا:

”مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے تمہارے پیٹ میں خنجر اترتے دیکھا ہے اور پھر تم نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیٹ میں سے خنجر کھینچ کر نکالا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم زخمی نہ ہوئے ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”میں سچ کہہ رہا ہوں بھائی! میں زخمی نہیں ہوا۔ خنجر مجھے نہیں لگا۔ تم میرا پیٹ دیکھ سکتے ہو“۔

اور عنبر نے قمیض اٹھا کر ملاح کو پیٹ دکھایا۔ واقعی وہاں زخم کا ایک ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا۔ ملاح تو حیران رہ گیا۔ کبھی خنجر کو دیکھتا، کبھی عنبر کو دیکھتا اور کبھی اس کے پیٹ کو دیکھتا۔ پھر سر جھٹک کر بولا:

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں اور یا تم کوئی جادوگر ہو۔ بہت بڑے جادوگر“۔

عنبر نے کہا:

”ایسا نہیں ہے بھائی! نہ تم پاگل ہو اور نہ میں کوئی جادوگر ہوں۔ خنجر مجھے نہیں لگا تھا“۔

ملاح بولا:

"ہرگز نہیں، میں اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا"۔

عنبر کہنے لگا:

"بھائی ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ اب تم اس لاش کو سمندر میں پھینکنے کا جتن کرو، تا کہ تم پر صبح کوئی الزام نہ آ سکے"۔

ملاح نے کہا:

"سمندر میں پھینکی ہوئی لاش واپس کنارے پر آ جائے گی۔ میں اسے جھونپڑے کے اندر ہی گڑھا کھود کر دفن کر دیتا ہوں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری"۔

عنبر بولا:

تو پھر آؤ، ہم مل کر گڑھا کھودتے ہیں"۔

عنبر اور ملاح نے مل کر جھونپڑے کے اندر گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ زمین ریتلی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہاں کافی کھلا اور گہرا گڑھا کھود ڈالا گیا۔ دونوں نے مل کر بدمعاش ٹھگ کی لاش گڑھے کے اندر دبا کر اوپر مٹی اور ریت ڈال کر دوبارہ خشک گھاس بچھا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر ملاح نے عنبر سے کہا:

"مجھے تو نیند نہیں آ رہی بھائی"۔

عنبر جان گیا کہ ملاح کو یہی ایک بات پریشان کر رہی ہے کہ اسے خنجر کا زخم کیوں نہیں لگا تھا۔ اس نے کہا:

”مگر بھائی مجھے تو بڑی نیند آ رہی ہے۔ میں سو رہا ہوں۔ تم بے شک جاگتے رہو۔ مجھے تو صبح صبح سفر پر بھی جانا ہے“۔

ملاح بولا:

”بھائی، تم مجھے کوئی بہت بڑے ڈاکو یا بہت بڑے جادوگر معلوم ہو رہے ہو۔ تم قتل کر کے کس قدر آرام سے سونے کی تیاری کرنے لگے ہو اور پھر تم پر خنجر نے بھی کوئی اثر نہیں کیا۔ سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”بھائی، اتنی چھوٹی سی بات پر تم کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اگر میں جادوگر ہوتا تو اپنی بہن کی تلاش میں یوں مارا مارا نہ پھرتا بلکہ جادو کے زور سے فوراً اس کے پاس پہنچ جاتا یا اسے اپنے پاس بلا لیتا۔ میں تو ایک معمولی گھوڑوں کا سوداگر ہوں“۔

”مگر خنجر میں نے اپنی آنکھوں سے تمہارے پیٹ میں گھستے دیکھا تھا“۔

عنبر نے کہا:

”تمہاری آنکھوں کا دھوکا ہوا ہے بھائی۔ اندھیرے میں تمہیں

غلط فہمی ہوگئی ہے"۔

ملاح بولا:

"ہرگز نہیں، میں اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہوں۔ اندھیرا مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

عنبر اس ملاح کی ضد سے پریشان ہو کر بولا:

"اچھا بھائی، میں جادوگر ہوں۔ اب تو تمہاری تسلی ہوگئی؟ اب اجازت ہے کہ میں سوجاؤں؟"۔

ملاح اسے حیرانی سے تکنے لگا:

"بھائی، اگر تم جادوگر ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ میری بیوی اور بچے کو کس نے کشتی سے طوفان میں دھکا دیا تھا۔ کیوں کہ مجھے شک ہے کہ میرے ایک دشمن نے طوفان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے بچے اور بیوی کو سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو؟"۔

عنبر تنگ آ کر بولا:

"ہاں تمہارے دشمن نے ہی ایسا کیا ہے۔ مگر اب تم کیا کر سکتے ہو۔ تم اپنے دشمن سے بدلہ بھی نہیں لے سکتے اور تمہارے بیوی بچے بھی نہیں آ سکتے۔ اس لیے ان باتوں کو کریدنے سے کیا ہوگا۔ اب تم بھی چپ چاپ سو جاؤ"۔

ملاح ٹھنڈی آہ بھر کر بولا:

"نہیں، مجھے نیند نہیں آ رہی۔ مجھے اپنی بیوی بچے بہت یاد آ رہے ہیں۔ میں اپنے دشمن سے ضرور بدلہ لوں گا۔ وہ میرے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔ اگر تم نے یہ سچ کہا ہے تو میں اس سے ضرور بدلہ لوں گا"۔

مگر عنبر اس کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ وہ سو چکا تھا اور خراٹے لے

رہا تھا۔ ملاح بستر پر لیٹا بڑے غور سے عنبر کے خراٹے سن رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ سچ مچ عنبر کوئی بہت بڑا اور بہت ہی سنگدل قسم کا جادوگر ہے۔ کیوں کہ اس کے خیال کے مطابق صرف ایک پتھر دل جادوگر ہی ایک انسان کو ہلاک کرنے کے بعد آرام سے خراٹے لے کر سو سکتا ہے۔ وہ اس بات کو بھول گیا کہ جس شخص کو عنبر نے ہلاک کیا ہے وہ خود اسے بلکہ ان دونوں کو قتل کرنے آیا تھا اور اس سے پہلے وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ عنبر گہری نیند سویا رہا۔ ملاح اس کے خراٹے کچھ دیر تک سنتا رہا۔ پھر وہ بھی سو گیا۔

منہ اندھیرے ہی عنبر ملاح سے جدا ہو گیا۔

ملاح نے عنبر کی امانت، اشرفیوں کی تھیلیاں اسے دے کر کہا:

''بھائی، میں اگرچہ غریب ہوں مگر بڑا ایماندار ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی کی ایک پائی بھی چوری نہیں کی۔ اس لیے کہ میرے باپ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا چوری کبھی نہ کرنا۔ چوری بہت بڑا گناہ ہے جسے بھگوان کبھی معاف نہیں کرتا۔ اب تم اپنی امانت اچھی طرح دیکھ لو۔''

عنبر نے دیکھا تو چاروں تھیلیاں اشرفیوں سے بھری تھیں۔ اس نے کہا:

"بھائی، تم بڑے نیک دل انسان ہوں۔ میں جہاں بھی ہوں گا تمہاری ایمانداری اور سچائی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اب اجازت دو کہ میں اپنے سفر پر روانہ ہوسکوں"۔

ملاح بولا:

"اچھا بھائی، بھگوان کرے کہ تم اپنی بہن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوسکو۔ میں دعا کروں گا"۔

"خدا حافظ"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر ملاحوں کے گاؤں سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوگا۔

یہ جنگل ملاح کے کہنے کے مطابق سمندر کے ساتھ ساتھ چلا جارہا تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ جنگل میں اندھیرا تھا۔ درختوں پر پرندوں نے صبح کی آمد آمد کی خوشی چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ عنبر جنگل میں ایک کچے راستے پر آ گیا۔ یہ راستہ خودرو جنگلی جھاڑیوں میں گھرا ہوا تھا۔ ملاح نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ جنگلی راستہ دور تک جنگل کے اندر چلا گیا تھا۔

یہی وہ کچا راستہ تھا جس پر سے گزر کر ٹھگوں اور سمگلروں کے

قافلے آیا کرتے تھے۔ عنبر کو خیال تھا کہ شاید راستے میں کسی ٹھگوں کے گروہ سے آمنا سامنا ہو جائے۔ اسے اپنی زندگی کی فکر نہیں تھی۔ خطرہ تھا تو اس بات کا کہ خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع ہوگا اور اگر ٹھگ زیادہ ہوئے اور انہوں نے اسے رسیوں میں قابو کر کے باندھ لیا اور اشرفیاں لوٹ لیں تو مصیبت میں پڑ جائے گی۔ پھر بھی وہ مطمئن تھا۔ اس نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ کسی بھی ٹھگوں یا ڈاکوؤں کے گروہ کو اتنی اجازت نہیں دے گا کہ وہ اسے باندھ کر اپنے ساتھ لے جا سکیں۔

جنگل میں سفر کرتے کرتے دن نکل آیا۔

عنبر نے دیکھا کہ جنگل دوسرے جنگلوں کی نسبت زیادہ گھنا تھا۔ زیادہ تر درخت تاڑ اور آم کے تھے۔ عنبر نے ایک درخت پر سے آم توڑ کر کھائے۔ یہ بڑے میٹھے جنگلی آم تھے۔ عنبر کے پاس کھانے کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ ملاح سے اس نے کچھ بھنی ہوئی مچھلی لے کر ساتھ جا رہے تھے۔ اس لیے عنبر نے پھل توڑ کر ساتھ رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

وہ دوپہر تک جنگل میں سفر کرتا رہا۔ کچا راستہ جنگل میں ادھر ادھر سے گھومتا ہوا برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سفر کرتے کرتے اسے شام ہو گئی۔ اس نے اب رات بسر کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس جنگل میں وہ کسی جگہ بھی رات بسر کر سکتا تھا۔ آخر اس نے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جما لیا۔ گھوڑے کو اس نے چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود گھاس پر لیٹ گیا۔ جنگل میں ہوا بالکل بند تھی اور حبس بہت زیادہ تھا۔ مچھر بھی اسے بہت تنگ کر رہے تھے۔ عنبر نے اٹھ کر قریب ہی گھاس جمع کر کے آگ جلا دی۔ آگ کی وجہ سے وہاں دھواں ہونے لگا۔

دھوئیں نے مچھروں کو عنبر سے دور بھگا دیا مگر خود اس کا ناک میں دم آ گیا۔ وہ ذرا پرے ہٹ کر لیٹ گیا۔ اب جنگل میں چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی جنگل میں پھیل گئی۔ اچانک عنبر کو گھوڑے کی آواز سنائی دی۔ اس آواز میں خوف اور ڈر کی چیخ تھی۔ عنبر جلدی سے اٹھا اور اس طرف بھاگا جدھر سے گھوڑے کی آواز آئی تھی۔ درختوں کے پیچھے سے ہٹ کر وہ سامنے آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا وفادار ساتھی گھوڑا زمین پر لیٹا ہوا ہے اور ایک گیروے رنگ کا بڑا سانپ اس کے پاس ہی بیٹھا جھوم رہا ہے۔

سانپ نے اپنا خوفناک پھن پھیلا رکھا تھا۔ چاندنی میں وہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ عنبر نے جھک کر گھوڑے کو دیکھا۔ گھوڑے کے منہ سے نیلی جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اس کا مطلب صاف یہی تھا کہ سانپ نے گھوڑے کو ڈس لیا تھا۔

گھوڑے کا سارا جسم اکڑنا شروع ہو گیا۔ وہ کانپنے لگا اور دیکھتے دیکھتے مر گیا۔ عنبر کو اپنے وفادار ساتھی کی اس موت پر بے حد صدمہ ہوا۔ اسے سانپ پر بھی غصہ آیا کہ کم بخت نے اسے ایک ایسے ساتھی سے محروم کر دیا ہے جس پر سوار ہو کر اس نے ابھی سارا سفر طے کرنا تھا۔

عنبر سانپ کی طرف بڑھا۔

سانپ ابھی تک اپنا پھن پھیلائے چاندنی رات میں جھوم رہا تھا۔ اس نے جو ایک انسان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ اسے توقع ہی نہیں تھی کہ اسے اپنے سامنے پھن پھیلائے دیکھ کر کوئی انسان اتنی جرات بھی کر سکتا ہے کہ اس کی طرف بڑھے۔

مگر سانپ کو کیا خبر تھی کہ اس کی طرف ایک عام انسان نہیں بڑھ رہا بلکہ عنبر بڑھ رہا ہے۔ عنبر سانپ کے بالکل قریب آ گیا۔ سانپ بار

بار زبان باہر نکال رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ طیش میں آ گیا کہ ایک انسان اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سانپ نے لپک کر عنبر کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر سانپ کو گردن سے پکڑنا چاہا۔ سانپ لچک کر دوسری طرف ہو گیا اور اس نے دوسری بار بڑے غصے اور جوش کے ساتھ عنبر کے بازو پر ڈس دیا۔ یہ بڑا ہی زہریلا اور خوفناک قسم کا سانپ تھا جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا اور جو دوسری بار بھی انسان کو کاٹ سکتا تھا؛ حالانکہ عام طور پر سانپ ایک بار ڈسنے کے بعد کچھ دیر تک دوسری بار نہیں ڈستا۔ لیکن یہ سانپ ایک بار گھوڑے کو ڈس کر ہلاک کر چکا تھا اور دوبارہ عنبر کا کاٹ چکا تھا۔

لیکن عنبر پر سانپ کے زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا سانپ پر عنبر کے خون کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ عنبر نے سانپ کو گردن سے دبوچ لیا اور کہا۔

''ظالم سانپ! اس بے زبان گھوڑے نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا؛ اب میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا تاکہ تو اب کسی دوسرے جانور یا انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ نہ بنا سکے''۔

یہ کہہ کر عنبر نے خنجر نکال کر سانپ کی گردن اڑا دی۔ عنبر نے سانپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ پھر وہ گھوڑے کی لاش کے پاس بیٹھ کر افسوس کرنے لگا کہ اس کا ایک پیارا ساتھی اس سے جدا ہو گیا تھا۔ دوسرے اب اسے پیدل ہی سفر کرنا تھا۔ یہ ایک تکلیف دہ بات تھی اس لیے کہ وہ جلد سے جلد بندرگاہ پر پہنچنا چاہتا تھا اور پیدل چل کر وہ جلدی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

رات کے کسی لمحے عنبر کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

صبح صبح مچھیروں نے اسے جگا دیا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ عنبر خدا کا

نام لے کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اشرفیوں کی چار تھیلیوں کو ایک کپڑے میں باندھ کر اپنے کندھے پر ڈالا اور خوراک کا تھیلا وہیں پھینک کر آگے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اشرفیوں کی گٹھڑی کے بوجھ سے وہ تھک سا گیا۔ بڑا پریشان ہو کہ اب وہ کیا کرے۔ اشرفیوں کو وہ پھینک نہیں سکتا تھا۔ مجبوراً اٹھ کر پھر چلنے لگا۔ وہاں سے کوئی دوسری سواری بھی نہیں مل سکتی تھی۔ دل میں یہ امید لیے وہ چلتا رہا کہ شاید کسی جگہ سے کوئی جنگلی گدھا ہی اسے مل جائے۔

انوکھا مسافر

دوپہر کو عنبر تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

سونے کی اشرفیوں کا تھیلا اس کے لیے مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔ لیکن وہ ان اشرفیوں کو پھینک بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ انہیں پھینک دے تو جہاز کا کرایہ کہاں سے ادا کرے؟ وہ کتنی دیر تک درخت کے نیچے بیٹھا آرام کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے کچے راستے پر پیچھے سے کچھ

لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

عنبر چوکس ہو گیا۔ کچھ مسافر ادھر سے گزرنے والے تھے۔ ظاہر تھا کہ وہ ٹھگ ہی ہو سکتے تھے۔ عنبر نے اشرفیوں کا تھیلا ایک جھاڑی کے نیچے چھپا دیا اور خود اسی جگہ بیٹھ گیا۔ آدمیوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ عنبر درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اس نے یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے اونگھ رہا ہے۔

عنبر نے چوری آنکھوں سے دیکھا۔ سڑک پر تین آدمی گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ شکل و صورت سے وہ صاف ٹھگ معلوم ہو رہے تھے۔ ان ٹھگوں نے جو ایک آدمی کو درخت کے نیچے لیٹا دیکھا تو اس کے قریب آ کر رک گئے۔

ایک ٹھگ نے عنبر کے پاؤں پر ٹھوکر مار کر کہا:

"کون ہو تم؟"

عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"جناب میں مسافر ہوں جنگل میں سفر کر رہا ہوں"۔

ایک ٹھگ بولا:

"تم کیسے مسافر ہو؟ کیا تم ٹھگ ہو؟"

عنبر نے کہا:

"نہیں جناب میں ٹھگ نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب سنیاسی ہوں۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہوں"۔

اچانک ٹھگ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر عنبر سے کہا:

"کیا تم ہر بیماری کا علاج کر لیتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہاں جناب، کوشش ضرور کرتا ہوں"۔

ٹھگ بولے:

"تو پھر ہمارے ساتھ چلو۔ ہمارا ایک ساتھی بہت بیمار ہے۔ اگر تم نے اسے اچھا کر دیا تو ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے"۔

عنبر نے پوچھا:

"حضور اسے کیا تکلیف ہے؟"۔

ٹھگ نے گرج کر کہا:

"یہ تمہیں وہاں پہنچ کر معلوم ہو جائے گا"۔

ٹھگ عنبر کو لے کر واپس روانہ ہو گئے۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ بندرگاہ کی طرف کسی حکیم کی تلاش میں ہی جا رہے تھے۔ ٹھگ عنبر کو جنگل میں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں پہاڑیوں کے چھوٹے ٹیلوں کے درمیان میں ایک پتھروں کا دروازہ تھا اور اندر چھوٹی سی غار تھی۔

عنبر ان کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار بالکل ویسی ہی غار تھی جیسی کہ ڈاکوؤں اور ٹھگوں کی ہوا کرتی ہیں۔ عنبر کو ایک تہہ خانے میں لے جایا گیا جہاں ایک ادھیڑ عمر کا ٹھگ گھاس کے بستر پر لیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا۔ ٹھگ بولا:

"یہ ہمارا بڑا بھائی ہے۔ نہ جانے اسے کیا بیماری ہو گئی ہے کہ یہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں اور دل کے درد سے تڑپتا رہتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"میں ابھی دیکھتا ہوں حضور! اور کوشش کروں گا کہ ان کی بیماری کا علاج کر سکوں"۔

عنبر نے مریض کی نبض دیکھی۔ نبض تیز تیز چل رہی تھی۔ عنبر نے اس کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر دیکھا۔ آنکھوں کے ڈیلے سفید پڑ رہے تھے! گویا اس مریض کی آنکھوں کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ عنبر

نے دل پہ ہاتھ رکھا تو وہ بے قابو گھوڑے کی طرح دوڑ رہا تھا۔

ایک ٹھگ نے پوچھا:

”جلدی بتاؤ' کیا ہمارا بھائی بچ جائے گا؟“۔

عنبر نے کہا:

”بچ سکتا ہے۔ اگر آپ نے مجھے وہ جڑی بوٹی لا دی جس کی اس وقت سخت ضرورت ہے“۔

ٹھگ نے پوچھا:

”وہ کہاں سے ملے گی۔ تم بتاؤ۔ ہم ابھی جا کر لے آتے ہیں“۔

عنبر نے کہا:

”اس بوٹی کا نام بیر بہوٹی ہے۔ وہ جنگل میں ہوتی ہے“۔

ٹھگ خوش ہو کر بولے:

''وہ تو اس غار کے پیچھے بہت اگی ہوئی ہے۔ وہی نا جو لال لال ہوتی ہے؟''۔

عنبر بولا:

''ہاں وہی''۔

''پھر میں ابھی لایا''۔

دونوں ٹھگ غار سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈھیر ساری بیر بہوٹی کی جڑی بوٹی توڑ کر لے آئے۔ عنبر نے بوٹی کے ڈھیر کو دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ اس مر رہے مریض کی قسمت کتنا کام کر رہی تھی۔

عنبر نے کہا:

''اس بوٹی کو جلدی سے پانی کے تسلے میں ڈال کر ابال دو''۔

ٹھگوں نے اسی وقت آگ جلائی۔ تسلے میں پانی ڈالا اور بوٹی ڈال کر اسے ابالنے کے لیے آگ پر رکھ دیا۔ مریض بیچارہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ جب پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ تو عنبر نے پانی کا ایک کٹورہ بھر کر اسے ٹھنڈا کیا اور مریض کے حلق میں گرانا شروع کر دیا۔ پہلے دو گھونٹ پینے کے ساتھ ہی مریض کے دل کا درد رک گیا اور اسے چین سا آ گیا۔ کٹورا پورا خالی ہو گیا۔

عنبر نے بوٹی کے پانی میں اپنی جیب سے ایک سفوف نکال کر ملا دیا اور اس کے چند قطرے مریض کی دونوں آنکھوں میں ٹپکا دیے۔

وہ مریض کی آنکھوں کو ملنے لگا۔ کافی دیر تک ملتا رہا۔ مریض کی آنکھوں میں سے پانی جاری ہو گیا۔ پھر عنبر نے مریض کی آنکھیں خشک کر دیں اور کہا:

''اب دیکھیں کیا دکھائی دیتا ہے؟''۔

عنبر نے مریض کی آنکھیں کھول دیں۔ مریض کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ اپنے اردگرد سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر واپس آ گئی تھی۔ اس کا درد غائب ہو گیا تھا۔ اس کا دل زیادہ شدت سے دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ اس کا بخار نہ جانے کدھر غائب ہو گیا تھا۔

مریض نے عنبر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

''نوجوان' اتنی چھوٹی سی عمر میں تم نے اتنی زیادہ مہارت کیسے حاصل کر لی؟ تم کون ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''میں ایک مسافر ہوں''۔

''میرے پیارے بھائیو' میں تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کروں کہ تم اس قابل حکیم کو کہیں سے ڈھونڈ لائے جس نے اپنی دوائی سے میری صحت ٹھیک کر دی۔ مجھے موت کے منہ سے بچا لیا۔ میں تو اس

نوجوان کا بھی جتنا شکریہ ادا کروں کم ہو گا''۔

ایک ٹھگ بولا:

''بھائی' یہ ایک مسافر نوجوان ہے جو راستے میں ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہ مسافر ہے اور سنیاسی بھی ہے۔ جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتا ہے۔ ہم اسے یہ کہہ کر آپ کے پاس لے آئے کہ ہمارے بھائی صاحب کا علاج کرو۔ بھگوان کا شکر ہے کہ اس کے علاج سے آپ کو دوبارہ زندگی مل گئی''۔

مریض ٹھگ نے عنبر سے کہا:

''اے نوجوان' تو نے میری زندگی بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ تو نہیں دے سکتا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ تم جو منہ سے مانگو گے۔ میں وہ تمہاری خدمت میں پیش کر دوں

گا"۔

دوسرے ٹھگ نے کہا:

"ہاں میاں' تم جو چاہتے ہو وہ مانگو۔۔ہم تمہاری ہر خواہش کو پوری کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے"۔

عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

"مجھے صرف ایک گھوڑا چاہیے جس کے اوپر سوار ہو کر میں اپنا سفر طے کرسکوں"۔

مریض ٹھگ نے پوچھا:

"تم کہاں جارہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"پہلے بتایئے کہ کیا میر خواہش پوری کردیں گے؟"۔

مریض نے زور سے ہنس کر کہا:

"نوجوان' میں نے تم سے سمندر مانگنے کے لیے کہا تھا۔ تم نے صرف ایک پانی کا قطرہ مانگا ہے۔ اب بھی سوچ لو۔ وقت ہے۔ میں تمہیں ایک اور خواہش کرنے کی اجازت دیتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"جناب عالی' مجھے سوائے ایک گھوڑے کے اور کسی شے کی خواہش نہیں۔ برائے مہربانی مجھے گھوڑا عنایت کردیں تاکہ میں اس پر سوار ہو کر اپنا سفر شروع کرسکوں"۔

مریض ٹھگ نے اپنے بھائیوں سے کہا:

"میرے پیارے بھائیو، اس نوجوان سنیاسی کو فوراً ایک گھوڑا دے دو"۔

بھائیوں نے اسی وقت عنبر کے لیے گھوڑی لا کر دے دی۔

عنبر نے کہا:

"اب مجھے اجازت دیں۔ میرا سفر بڑا لمبا ہے اور وقت بڑا تھوڑا ہے"۔

مریض ٹھگ نے کہا:

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"جناب میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں ایک سنیاسی حکیم ہوں۔ ریاست بھی سار کے شہر سے آ رہا ہوں اور تجارتی بندرگاہ کے شہر کو جا رہا ہوں"۔

ٹھگ نے پوچھا۔

"تم وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کر کے دولت کمانے جا رہا ہوں۔ دل میں یہ خیال بھی ہے کہ شاید وہاں کے جنگل سے کوئی قیمتی جڑی بوٹی بھی مل جائے"۔

ٹھگ نے کہا:

"کیا تم آج کی رات ہمارے مہمان بن کر نہیں رہ سکتے؟"۔

عنبر نے کہا:

"اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میں ایک رات ٹھہر جاتا ہوں"۔

ٹھگ بولا۔

"ہمیں خوشی ہوگی"۔

عنبر غار میں رات بسر کرنے پر تیار ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹھگوں کے پاس رہنے سے شاید اسے شگفتا کے بارے میں کوئی اور معلومات حاصل ہو جائیں۔ اس کی اشرفیوں کا تھیلا ابھی تک جنگل میں جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ عنبر کو اشرفیوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ جس وقت چاہے وہاں جا کر اشرفیاں حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے سوا اور کسی کو خبر ہی نہیں تھی کہ وہاں اشرفیوں کا تھیلا پڑا ہے۔ رات کو ٹھگوں نے عنبر کی بڑی خاطر داری کی۔ اسے بھنی ہوئی مرغی اور بطخ کا گوشت کھلایا۔

عنبر نے کھانے پر ان سے پوچھا:

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"۔

ٹھگوں نے ایک دوسرے کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ اس احمق نے یہ کیا سوال کر دیا؟ ایک ٹھگ نے کہا:

"ہم بھی سوداگر ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ گھوڑوں کی تجارت کرتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"نہیں نہیں' بالکل نہیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا"۔

حالانکہ عنبر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ تینوں شخص ڈاکو ہیں۔ ٹھگ ہیں اور لوگوں کو قتل کرنا، لوٹنا اور ڈاکے ڈالنا ان کا پیشہ ہے۔ مگر اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ ان کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتا پھرتا۔

رات کو عنبر دوسرے ٹھگوں کے پاس سو گیا۔ تینوں ٹھگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے شروع کر دیے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ٹھگ اس کے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ ایک ٹھگ نے عنبر کے خراٹوں کی آواز سن کر کہا۔

"سو گیا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ یہ کوئی امیر آدمی ہے معلوم ہوتا ہے مجھے"۔

دوسرے ٹھگ نے کہا:

"ہو سکتا ہے کوئی امیر حکیم ہو۔ قابل بھی تو بہت ہے۔ مگر میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ کیوں کہ اس نے میری جان بچائی ہے"۔

تیسرے ٹھگ نے کہا:

"اگر اس کے قبضے سے ہمیں کافی مال و دولت مل جائے تو اسے قتل کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ مجھے تو اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا"۔

مریض ٹھگ نے ڈانٹ کر کہا:

"تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم لوگوں کو دولت اور سونے کی ہوس نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ تم اپنے احسان کرنے والے اور دشمن

کرنے والے میں تمیز کرنا بھی بھول گئے ہو۔ یہ شخص فقیر ہو یا بادشاہ ہو۔ اس نے میری جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ جاؤ باہر جا کر سو جاؤ"۔

تینوں ٹھگ چپکے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ عنبر دل میں سوچنے لگا کہ یہ کم بخت تو اس کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ سچ ہے کہ ٹھگ کبھی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ ڈاکو پھر بھی ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں مگر ٹھگ کسی کو معاف نہیں کرتے۔ ان کا دین مذہب ہی دولت ہے جس کے پاس دولت ہو وہ اس کے دشمن بن کر اسے ہلاک کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

لیکن مریض ٹھگ کوئی کردار کا آدمی لگتا تھا۔ اس نے عنبر کی حمیت کی تھی۔ ویسے اگر ٹھگ عنبر پر حملہ کر دیتے تو نقصان ان کا ہی ہوتا تھا۔

لیکن پھر بھی عنبر کو تینوں ٹھگوں کی نیت کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

وہ ساری رات آرام سے سویا رہا۔ دن چڑھا تو اس نے مریض ٹھگ سے کہا:

"اب میں جا رہا ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اپنی غار میں رات بھر آرام کرنے کی اجازت دی اور کھانا بھی کھلایا۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ضرور ملاقات ہوگی"۔

مریض ٹھگ نے کہا:

"بھائی اگر کبھی کبھار تمہارا اس طرف سے گزر ہو تو میرے پاس اس غار میں ضرور آنا۔ اب میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ ہم لوگ بڑے پتھر دل قسم کے ٹھگ اور ڈاکو ہیں۔ ہم کسی کو معاف نہیں کرتے۔ لیکن تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے کہ میں زندگی بھر کے لیے تمہارا دوست بن گیا ہوں۔ کبھی تمہیں کسی شے کی ضرورت

ہو۔ کبھی تمہیں کسی جگہ میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کرنا۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ میں جان کی بازی لگا کر تمہاری مدد کروں گا"۔

عنبر نے کہا:

"شکریہ میرے بھائی، اب اگر آپ نے مجھ پر اپنا آپ ظاہر کر دیا تو میں بھی آپ پر ایک راز کی بات ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ سارے مل کر بھی مجھ پر خنجروں سے حملہ کر دیتے جب بھی آپ مجھے ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا"۔

مریض ٹھگ نے حیرانی سے عنبر سے پوچھا:

"کیا مطلب؟"۔

عنبر بولا:

"مطلب یہ ہے کہ میں ابھی آپ کو ایک کرامت دکھاتا ہوں۔ ذرا اپنا خنجر ایک پل کے لیے مجھے دے دو"۔

مریض ٹھگ نے اپنا خنجر عنبر کو دے دیا۔ اس عرصے میں دوسرے ٹھگ بھی باہر سے اندر آ کر وہاں کھڑے ہو گئے اور حیرانی سے عنبر کو تکنے لگے۔ عنبر نے خنجر اوپر اٹھا کر اپنے بازو میں گھونپ لیا۔

بد بخت سرائے

عنبر نے بڑے آرام سے خنجر بازو میں سے کھینچ لیا۔

سارے کے سارے ٹھگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ عنبر کا بازو ویسے کا ویسا ہی تھا۔ نہ وہاں خنجر لگنے سے کوئی زخم لگا تھا اور نہ ایک قطرہ بھر خون گرا تھا۔ ان کے لیے یہ ایک بڑا جادو تھا۔ ان کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مریض ٹھگ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"یہ ایک راز ہے جو میں آپ لوگوں کو نہیں بتا سکتا۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں ضرور ملاقات ہو گی"۔

عنبر غار میں سے باہر نکل آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑا مریض ٹھگ نے خاص طور پر عنبر کو تحفے کے طور پر دیا تھا۔ تمام ٹھگ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ عنبر چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں سے گھوم گھام کر اسی راستے پر آ گیا جو جنگل میں سے ہو کر تجارتی بندرگاہ کی طرف چلا گیا تھا۔

اسے سفر کرتے ہوئے دو راتیں اور ایک دن ہو گیا تھا۔ حساب کے مطابق اسے آج شام تک منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اس

نے سڑک پر اپنی رفتار تیز کر دی۔ اب جنگل گھنا نہیں رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ بکھر گئے تھے۔ سمندر کا ساحل قریب آ گیا تھا۔ عنبر نے ہوا میں سمندر کی نمی محسوس کی۔ آسمان پر وہ پرندے بھی اڑ رہے تھے جو عام طور پر ساحلی بندرگاہوں پر بسیرا کرتے ہیں۔

تیسرے پہر عنبر ملاحوں کی بستیوں کے قریب سے ہو کر گزر رہا تھا۔ یہ نشانی تھی کہ تجارتی شہر کی بندرگاہ قریب آ گئی ہے۔ شام کی سرخی آسمان پر پھیل رہی تھی کہ عنبر نے دوسرے سمندر میں کھڑے بادبانی جہازوں کے مستول دیکھے۔ ساتھ ہی اسے شہر کے مکانوں کی منڈیریں اور عبادت گاہوں کے مینار نظر آئے۔

وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ رات کے پہلے حصے میں وہ بندرگاہ کے شہر میں داخل ہو گیا۔ جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا۔ عنبر نے ایک سرائے کا رخ کیا۔ راستے میں اس نے جھاڑیوں میں سے سونے کی اشرفیوں کے تھیلے اپنے ساتھ کر لیے تھے۔

سرائے کی مالکہ ایک بوڑھی عورت تھی جس کی ایک آنکھ باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ اس کے آدھے بال سفید اور آدھے کالے تھے۔ اس نے کانوں میں سونے کے چھلے ڈال رکھے تھے۔ اس نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا:

’’شکل و صورت سے تم مجھے ڈاکو لگتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو تم؟‘‘

عنبر نے گھوڑے پر سے اتر کر عورت کے قریب جا کر کہا:

’’چچی جان‘ میں ڈاکو نہیں ہوں بلکہ ایک سوداگر ہوں۔ حکیم ہوں۔۔۔ سیاح ہوں اور آوارہ گرد راجکمار ہوں جو ملک گھوم پھر کر جڑی بوٹیوں کو تلاش کر رہا ہے‘‘۔

عورت نے کہا:

"لیکن تمہاری آنکھوں میں مجھے ایک جادو کی چمک نظر آ رہی ہے"۔

عنبر بولا:

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ جس چمک کو تم جادو کی چمک کہہ رہی ہو یہ میری آنکھوں کی اپنی چمک ہے۔ اگر میں جادوگر ہوتا تو مجھے سرائے میں آ کر رات بسر کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ میں تو اپنے لیے جنگل میں ہی جادو کا محل تعمیر کرا سکتا تھا۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"۔

بوڑھی عورت مکاری کے ساتھ ہنسی۔

"تم بڑے باتونی انسان ہو۔ مجھے بھی ایک مدت ہو گئی ہے۔ لوگوں کے چہرے دیکھتے اور ان سے باتیں کرتے ہوئے۔ میں نے جو چمک تمہاری آنکھوں میں دیکھی ہے وہ پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"۔

عنبر سر کو جھٹک کر بولا:

"بی بی! میں نے تمہیں جو کہہ دیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور تمہاری سرائے میں رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کرائے کے پورے پیسے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ میں تمہارا کرایہ مار کر بھاگوں گا نہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں پیشگی رقم دے سکتا ہوں"۔

بوڑھی عورت کہنے لگی:

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ میں جانتی ہوں تمہاری شکل صورت کا آدمی ایسی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کر سکتا کہ کسی سرائے کا کرایہ مار کر بھاگ جائے"۔

عنبر نے کہا:

"پھر تم مجھے کوٹھری کیوں نہیں دکھاتیں؟"۔

عورت بولی:

"ضرور دیکھو۔۔۔ ضرور دیکھو۔۔۔ بلکہ جا کر اپنی کوٹھڑی میں آرام کرو۔ جاؤ، اوپر والی منزل کا آخری کمرہ ہے۔ یہ لو اس کی چابی لے لو"۔

بوڑھی عورت نے عنبر کو کوٹھڑی کی لکڑی کی چابی دے دی جسے دروازے کے درز میں گھمانے سے کھل جاتا تھا اور واپس کرنے سے تالا دوبارا لگ جاتا تھا۔ عنبر نے چابی لی اور گھوڑے کو اصطبل میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔

اصطبل کے سامنے سرائے کے بڑے دالان میں زمین پر قالین بچھے تھے اور ملک ملک کے مسافر وہاں بیٹھے اور آرام کر رہے

تھے۔ ایک مسافر نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے اسے نہ دیکھا۔

وہ گھوڑے پر سے اشرفیوں کا تھیلا اتار کر کندھے پر رکھ رہا تھا۔ وہ تھیلا لے کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس کی کوٹھڑی کی کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی جہاں سے بڑی تر و تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ وہاں گرمی بھی نہیں تھی اور ہوا کی وجہ سے مچھر بھی غائب تھے۔ عنبر نے کوٹھڑی میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اشرفیوں کے تھیلے کو اپنی لکڑی کی کھاٹ کے نیچے رکھ کر اوپر قالین ڈال دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ تازہ دم ہو کر دوسرے کپڑے تبدیل کیے اور دروازے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے عورت کے پاس آ کر کھانا طلب کیا۔ سرائے کی مالکہ نے اسے طوطوں کا بھنا ہوا گوشت کھلایا اور کہنے لگی۔

"کبھی زندگی میں تم نے ایسا گوشت کھایا ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"بی بی! میں نے ایسے ایسے جانوروں کے گوشت کھائے ہیں کہ اگر تم دوسری بار بھی جنم لے کر اس دنیا میں آ جاؤ تو ان جانوروں کے گوشت سے بنے ہوئے کھانوں کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ تم مجھے شاید کوئی بھکاری سمجھ رہی ہو اور میں ایک بادشاہ تھا۔۔۔ ہاں کبھی ایک بادشاہ تھا"۔

یہ بات سن کر بوڑھی عورت اس زور سے کھلکھلا کر ہنسی کہ کئی مسافر گردنیں گھما کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور پھر وہ بھی ہنس پڑے۔ وہ سمجھے کہ شاید سرائے کی مالکہ نے کوئی دلچسپ مذاق کیا ہے یا پھبتی کسی ہے۔ عنبر اپنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اس نے نہ ہاں کی اور نہ نہ کی۔

بوڑھی عورت کہنے لگی:

"بہر حال جو بھی ہے تم ایک اچھے نوجوان لگتے ہو۔ میں تمہیں اچھا سمجھتی ہوں۔ اس لیے ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔ میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں بلکہ میں تمہیں اب ڈاکو نہیں کہوں گی۔ جب تک تم نے نہا دھو کر کپڑے نہیں بدلے تھے۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ تم بھی کوئی ٹھگ یا ڈاکو ہی ہو۔ شکر ہے کہ میرا اندازہ غلط نکلا۔ جب میں کسی شخص کو ڈاکو کے روپ میں دیکھتی ہوں تو مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ عورت کا یہ مقام نہیں کہ وہ جگہ جگہ ڈاکے ڈالتی پھرے۔۔۔ مرد کو بھی ڈاکو کی زندگی زیب نہیں دیتی کچھ اور کھاؤ گے؟"۔

عنبر بولا:

"نہیں بڑی بی! میں سفر کا تھکا ہوا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ اوپر چل کر سوتا ہوں۔ صبح تم سے باتیں ہوں گی"۔

عنبر بوڑھی عورت کو شب بخیر کہہ کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ تالا کھول کر وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دروازے کو دوبارہ اندر سے تالا لگا دیا۔ سب سے پہلے اس نے اشرفیوں کی تھیلی کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر موجود تھی۔ پھر وہ قالین پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کسی وقت رات کو اسے نیند آ گئی۔

سویرے وہ کوٹھڑی کو تالا لگا کر ناشتہ کرنے سرائے کی مالکہ کے پاس آ گیا۔ بوڑھی عورت زیتون کے تیل میں مچھلی تل رہی تھی اور قہوہ بنا رہی تھی۔ عنبر نے اسے صبح کا سلام کیا اور مچھلی کھائی۔ پھر قہوہ پینے لگا۔

بڑی بی نے پوچھا:

’’تم یہاں سے کہیں باہر جاؤ گے یا اسی شہر میں کچھ دیر رہنے کے بعد واپس اپنے شہر چلے جاؤ گے؟‘‘

عنبر نے کہا:

’’بڑی بی! بات اصل یہ ہے کہ میں یہاں سے ملک جاپان جانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بتا سکتی ہو کہ یہاں سے جاپان کی طرف کوئی جہاز کب جائے گا؟‘‘۔

سرائے کی مالکہ نے غور سے عنبر کو دیکھا اور کہا:

’’تم جاپان کیا لینے جا رہے ہو؟ کیا وہاں تمہارا کوئی رشتے دار ہے یا تم یوں ہی سیر کرنے کے لیے وہاں جا رہے ہو؟‘‘۔

عنبر نے قہوے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا:

’’بڑی بی! میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ایک سوداگر ہوں اور جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ میں اپنی تجارت کے سلسلے میں جاپان کا چکر لگا رہا ہوں۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہاں سے جاپان کو جہاز کب جایا کرتے ہیں؟‘‘۔

سرائے کی مالکہ نے کہا:

"یہاں سے کوئی بھی جہاز تیار ہو کر جاپان نہیں جاتا۔۔۔ کالی کٹ کی بندرگاہ یہاں سے بہت دور ہے۔ اس بندرگاہ سے چل کر تجارتی جہاز یہاں آتے ہیں جو یہاں سے مسافروں کو لے کر جاپان کی طرف کوچ کر جاتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بس میں تم سے یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ کالی کٹ سے جاپان کو جانے والا جہاز کب اور کس وقت یہاں آئے گا؟"۔

بڑی بی اپنا کالا جبڑا کھول کر مسکرائی اور کہنے لگی:

"ایک جہاز مہینہ ہوا چلا گیا ہے۔ اب دوسرا جہاز اسی مہینے کسی وقت آ کر یہاں لگے گا۔ تم اس جہاز پر سوار ہو کر جاپان جا سکو گے۔ لیکن اس کے لیے تمہیں یہاں کے ایک بیوپاری سے مل کر اجازت نامہ پہلے ہی سے لے لینا ہوگا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ بیوپاری مجھے کہاں ملے گا؟"۔

سرائے کی مالکہ نے کہا:

"میں ابھی اسے بلوائے دیتی ہوں۔ تم یہاں آرام کرو"۔

بڑی بی نے اسی وقت ایک لڑکے کو بیوپاری کی طرف دوڑایا۔ عنبر قریب ہی زمین پر بچھے ہوئے قالین پر لیٹ کر آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے کے ساتھ ایک موٹا سا آدمی آ گیا۔ اس نے سراء

کی مالکہ کو سلام کیا اور پوچھا:

''بڑی بی! تم نے مجھے بلا بھیجا ہے۔ کیا بات ہے؟''۔

سرائے کی مالکہ نے عنبر سے بیوپاری کو ملایا۔ عنبر نے بیوپاری کو بتایا کہ وہ جاپان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

بیوپاری نے کہا:

''کیا تمہارے پاس ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ہیں؟ یہاں سے جاپان جانے کا کرایہ ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ہیں''۔

عنبر نے کہا:

''ہاں میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں موجود ہیں''۔

بیوپاری نے کہا:

''تو پھر تم جا سکتے ہو۔ تمہیں رقم ابھی جمع کرا دینی ہوگی۔ پھر میں تمہیں اجازت نامہ لکھ کر دے دوں گا۔ تم جہاز پر سفر کر سکو گے''۔

عنبر نے پوچھا:

''جہاز کب آئے گا اور یہاں سے چل کر اپنی منزل پر کب پہنچے گا''۔

بیوپاری بولا:

''جہاز کالی کاٹ سے ٹھیک سات دن بعد یہاں پہنچ رہا ہے۔ وہ دور دراز یہاں ٹھہر کر یہاں سے تجارتی سامان اپنے اوپر رکھے گا اور پھر جاپان کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ یہ جہاز موسم اچھا رہا تو ایک مہینے کے سمندری سفر کے بعد جاپان پہنچ جائے گا''۔

عنبر نے کہا:

''بہت خوب! آپ اسی جگہ بیٹھیں۔ میں ابھی اوپر سے اشرفیاں لا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں''۔

بیوپاری بولا:

"ٹھیک ہے، اگر تم رقم ادا کر دو گے تو میں ابھی تمہیں سفر کا اجازت نامہ لکھ کر دے دوں گا"۔

عنبر بیوپاری کو سرائے کی مالکہ کے پاس چھوڑ کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر گیا اور جس جگہ اس نے سونے کی اشرفیوں کا تھیلا رکھا تھا وہاں سے کپڑا اوپر سے ہٹایا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

کسی نے اس کا اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا چوری کر لیا تھا۔ عنبر دھک سے رہ گیا۔ یہ اس کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ جلدی سے نیچے آ گیا۔ اس نے سرائے کی مالکہ سے کہا کہ کسی نے اس کی اشرفیاں چوری کر لی ہیں۔ سرائے کی مالکہ نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ایک بھکاری ہو۔ مجھے پہلے ہی تم پر شک تھا۔ میری سرائے میں آج تک کبھی کسی کی چوری نہیں ہوئی۔ تم میری سرائے کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔۔۔ میں ابھی تمہیں سپاہیوں کے حوالے کرتی ہوں"۔

عنبر تو ہکا بکا رہ گیا کہ یہ سرائے کی مکار مالکہ الٹا اسے ڈانٹ رہی ہے۔ جہاز کا بیوپاری یہ سن کر کہ عنبر کے پاس رقم نہیں ہے ہنستا ہوا واپس چلا گیا۔

عنبر نے سرائے کی مالکہ سے کہا:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا کوٹھڑی میں ایک جگہ چھپا رکھا تھا۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں"۔

بڑی بی نے کہا:

"بکواس بند کرو۔ تم جھوٹے ہو۔ مکار ہو۔ فریب کر رہے ہو۔ تم نے ابھی میری سرائے کا کرایہ اور کھانے کے پیسے بھی دیئے ہیں۔

میں تمہیں یہاں سے بھاگنے نہیں دوں گی"۔

اس نے تالی بجائی۔ ایک ہٹا کٹا حبشی وہاں آیا اور اس نے عنبر کے سر پر زور سے مکا مارا اور سرائے کی مالکہ کے اشارے پر اسے گھسیٹتا ہوا ایک کوٹھڑی میں لے گیا اور اندر بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ عنبر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ بیٹھے بٹھائے اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ کاش وہ اس سرائے میں کبھی نہ آتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی کہ سرائے کی رقم ہی ادا کر سکتا۔

جاپان جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہ غم نہیں تھا کہ وہ قید ہے۔ قید سے تو وہ جس وقت چاہے نکل سکتا تھا مگر سوال یہ تھا کہ اب وہ جاپان کیسے جائے گا؟ اپنی بہن شگفتہ سے کیا گیا وعدہ کیسے پورا کرے گا؟

وہ سرائے سے نکلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سرائے سے نکل کر وہ کہاں جائے؟ ایک اجنبی شہر کی در بدری سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ سرائے کی کوٹھڑی میں پڑا رہے۔

بھوک پیاس کا اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سرائے کی مالکہ نے شام تک اسے کھانے کو کچھ بھی نہ بھیجا۔ رات آ گئی۔ عنبر وہیں زمین پر لیٹ کر سو گیا۔ آدھی رات کو دروازہ کھلا اور سرائے کی مالکہ اپنے حبشی غلام کے ساتھ اندر آئے اس نے عنبر کو جگا کر کہا:

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اپنے پیسے وصول نہ کروں تو مجھے تمہارے پاس جو جادو ہے وہ بتا دو"۔

☆ کیا عنبر نے سرائے کی مالکہ کو جادو بتایا؟

☆ عنبر جاپان میں کن حالات میں گیا؟

☆ شگفتا سے اس کی ملاقات کہاں ہوئی؟

☆ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز شگفتا کو لے کر کہاں پہنچا؟

☆ ان سب سوالوں کا جواب آپ اسی مسلسل ناول کی

38 ویں قسط ''زرد لاش'' میں پڑھئے گا۔

زرد لاش

عنبر ناگ ماریہ ۔ قسط نمبر 38

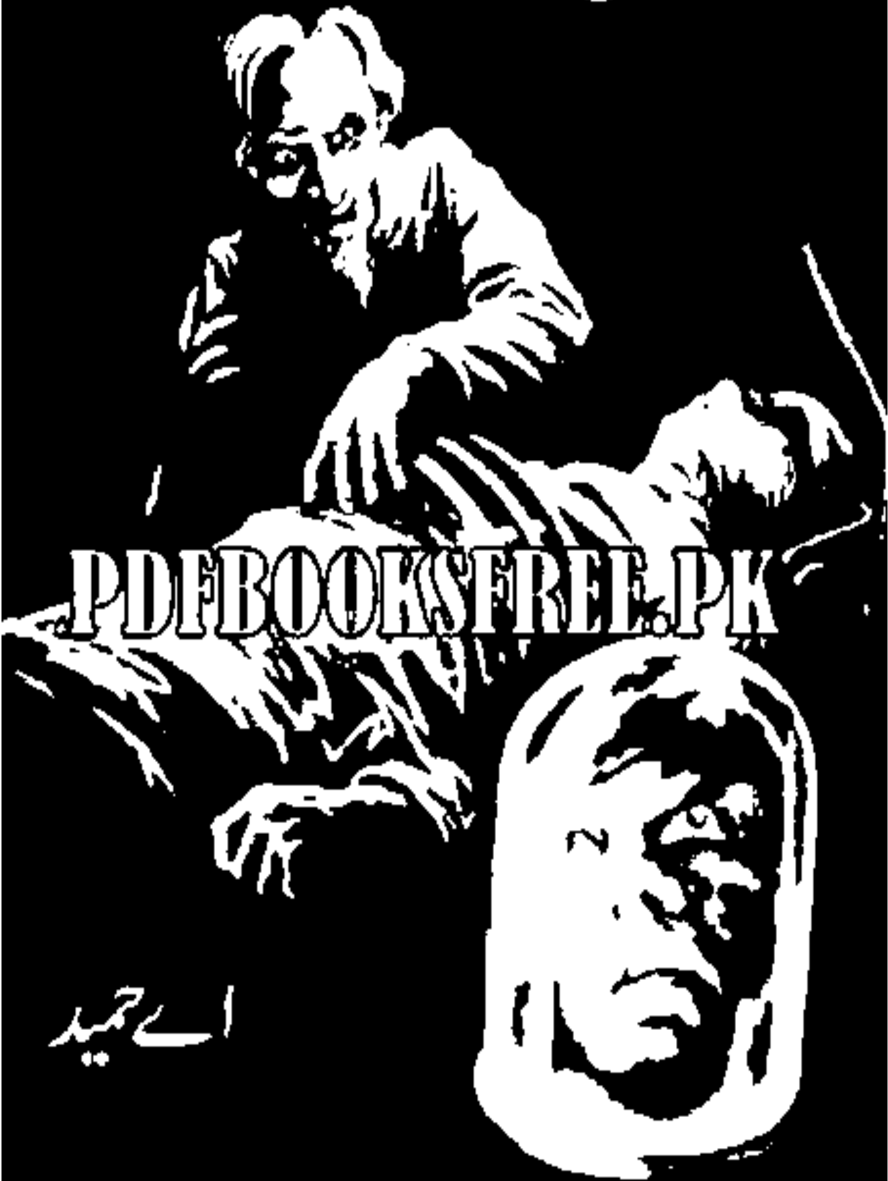

اے حمید

[redacted] .PDFBOOKSFREE [redacted] کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تا کہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تا کہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

کالا جادو

سمگلروں کا بادشاہ

سنہری عورت

زردلاش

خونی محل

قاتل محل سے فرار

سانپ کا انتقام

ڈاکو آ گئے

جزیرے کی تلاش

پراسرار جہاز

سنو پیارے بچو

عنبر کی اشرفیاں لوٹ لی جاتی ہیں۔ اسے رسیوں سے جکڑ کر سرائے کی قید میں کر دیا جاتا ہے۔

سرائے کی مالکہ عنبر سے ہمیشہ زندہ رہنے کا راز معلوم کرنا چاہتی ہے۔

عنبر اس کی قید سے نکل کر جاپان کی طرف بھاگتا ہے۔ وہ ایک شہر کی بندرگاہ میں چھپ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کر رہا ہے۔

ادھر بحری ڈاکو جزیرے کی تلاشی لیتے ہیں وہاں انہیں ہیرے جواہرات ملتے نہیں ملتے۔ سمندر میں پراسرار جہاز دکھائی دیتا ہے۔

کالا جادو

عنبر پریشان ہو گیا کہ اس مکار عورت کو کیا جواب دے۔

وہ بار بار عنبر سے پوچھ رہی تھی کہ بتاؤ تمہارے پاس کون سا جادو ہے۔ عنبر نے اسے بتایا کہ وہ جادوگر نہیں ہے بلکہ محض ایک سوداگر ہے۔ لیکن مکار سرائے کی مالکہ بھلا کب ماننے والی تھی۔ وہ بار بار یہی سوال کر رہی تھی کہ اگر عنبر نے کالے جادو کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو وہ اسے جان سے مار دے گی۔ خیر اس دھمکی سے تو عنبر ڈرنے والا نہیں تھا۔ اس نے بوڑھی عورت سے کہا:

"ایک تو تمہاری سرائے سے میری اشرفیاں چوری ہو گئی ہیں۔۔۔ دوسرے تم نے مجھے نوکروں

ڈال دیا ہے اور تیسرے تم مجھ سے جادو کے بارے میں پوچھ پوچھ کر میری جان کھا رہی ہو۔ جب میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا ہے کہ مجھے کوئی جادو نہیں آتا تو تم یقین کیوں نہیں کرتیں؟"

مکار عورت ایک ڈائن کی طرح قہقہہ مار کر ہنسی:

"جھوٹے دغا باز۔ میں خوب جانتی ہوں۔ تم کالا جادو جانتے ہو۔ مجھے کالے جادو کی ایک مدت سے تلاش ہے۔ اگر تم نے مجھے کالے جادو کا علم نہ بتایا تو میں حبشی سے تمہاری گردن اڑوا دوں گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ بولو کیا صلاح ہے؟"

عنبر بڑا پریشان ہو گیا کہ یہ کس بلا سے پالا پڑ گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو یونہی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو بڑی خاموشی سے جہاز میں سوار ہو کر جاپان کی طرف روانہ ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر مکار عورت اسے اکسا رہی تھی' اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنا آپ ظاہر کر دے۔ یا شاید اس چالاک عورت نے سچ مچ عنبر کی آنکھوں میں کوئی پراسرار شے دیکھ لی تھی۔ عنبر نے آخری بار اس عورت کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"بڑی بی' مجھے جانے دو۔ میں تم سے اپنی اشرفیوں کے بارے میں بھی کوئی شکایت نہیں کرتا۔ بس تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے یہاں سے چلے جانے دو تا کہ میں کہیں محنت مزدوری کر کے کچھ روپے پیدا کر دوں۔ جس سے تمہارا ابھی قرض چکاؤں اور بیوپاری سے جاپان جانے کا اجازت نامہ بھی حاصل کراوں"۔

لیکن مکار بڑھیا کے سر پر تو کالے جادو کا بھوت سوار تھا۔ بولی:

"بک بک بند کرو۔ میں اس وقت تک تمہیں ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں جانے دوں گی جب تک کہ تم مجھے کالے جادو کا راز نہیں بتا دیتے۔ یاد رکھو' تمہارے سر پر موت منڈلا رہی ہے۔ یہ حبشی جو خنجر

لیے کھڑا ہے صرف میرے ایک اشارے کا انتظار کر رہا ہے۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ موت یا زندگی"۔

اب عنبر کے صبر کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اس کے دونوں ہاتھ بڑی مضبوط رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے خیال ہی خیال میں سلامبو کی لاش کا تصور کیا۔ سلامبو کی لاش اس کی آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوگئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے دانتوں سے خون بہہ رہا تھا۔ یہ لاش صرف عنبر کو نظر آ رہی تھی۔ سرائے کی مالکہ اور حبشی غلام اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سلامبو نے عنبر سے پوچھا:

"تم یہاں کس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو عنبر؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"میں شگفتا کی تلاش میں یہاں پہنچا تھا کہ اس سرائے میں میری ساری کی ساری اشرفیاں چوری ہو گئیں۔ اب میں اس مکار عورت کی قید میں ہوں۔ یہ مجھے بے حد تنگ کر رہی ہے کہ میں اسے کالے جادو کے بارے میں کچھ نہیں جانتا"۔

سلامبو کی لاش نے خونخوار نظروں سے سرائے کی مالکہ کو دیکھا۔ سرائے کی مالکہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ شخص کس سے باتیں کر رہا ہے۔ حبشی بھی حیران تھا۔ اس نے عنبر سے پوچھا:

"تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ سلامبو بولی۔

"یہ جو سرائے کی مالکہ ہے بڑی مکار اور قاتل عورت ہے۔ اس نے جادو ٹونے کر کے کئی لوگوں کو مارا ہے۔ میں ابھی اس کی خبر لیتی ہوں"۔

سلامبو کی لاش نے مکار عورت کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر

دیا۔ مکار بڑھیا اور حبشی نے جس اپنے سامنے ایک کفن پوش زندہ لاش کو کھڑے دیکھا تو ان کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ ان کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ انہوں نے بھاگنا چاہا مگر بھاگ نہ سکے۔

چہروں پر سفیدی آ گئی۔ سارا بدن خوف اور دہشت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ سرائے کی مالکہ کا تو بہت برا حال تھا۔ آنکھیں دہشت کے مارے پھٹی جا رہی تھیں۔ عنبر نے اسے اونچی آواز میں کہا:

"بولو مکار عورت' اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم نے جادو تعویذ کر کے جن جن لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کیا میں ان سبھوں کا تم سے بدلہ لوں؟"۔

سرائے کی مالکہ کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔

سلامبو کی کفن پوش لاش کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی حالت بڑی خراب ہو گئی تھی۔

اس پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ خود ایک لاش بن گئی تھی۔ مگر اس نے عنبر کی بات اچھی طرح سن لی تھی۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ جوڑ دیے۔

سلامیو کی لاش نے عنبر سے کہا:

”مگر اب تم جاپان کیسے جاؤ گے؟ کیا میں تمہیں اٹھا کر جاپان چھوڑ آؤں؟“۔

عنبر نے کہا:

”نہیں سلامیو بہن، میں ایک دم سے جاپان نہیں پہنچ جانا چاہتا میں شگفتہ کو راستے میں بھی تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ کیا خبر وہ کہیں راستے میں ہی کسی جہاز پر سفر کرتی مل جائے۔ کیا خبر حالات کیسی شکل اختیار کر لیں۔ اس لیے میرا جہاز میں دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی سفر کرنا بہتر ہے“۔

سلامیو بولی:

”یہ تو ٹھیک ہے عنبر بھائی، لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارے پاس اشرفیاں کہاں سے آئیں گی؟ اچھا میں اس کا بھی بندوبست کیے دیتی ہوں“۔

سلامیو کی لاش نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا۔ پھر جب ہاتھ کو نیچے رکھا تو زمین پر چھن کے ساتھ اشرفیوں کا ایک تھیلا آن گرا۔

”یہ اشرفیاں تمہارے لیے کافی ہوں گی“۔

”سلامیو یہ تو بہت ہیں“۔

"سفر بھی بہت لمبا ہے عنبر، تم انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ راستے میں کام آئیں گی۔ اچھا اب میں جاتی ہوں"۔

یہ کہہ کر سلامبو کی لاش غائب ہو گئی۔ کافی دیر بعد سرائے کی مالکہ اور حبشی کو ہوش آیا تو وہ عنبر کے قدموں پر گر پڑے۔

"ہمیں معاف کر دو بیٹے، ہمیں معاف کر دو"۔

عنبر نے کہا:

"میں نے تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا جب سلامبو نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا تھا مگر تم بڑی مکار عورت ہو۔ یہ لو اپنی ایک رات کی اور کھانے کی اشرفیاں"۔

عنبر نے تھیلے میں سے دو اشرفیاں نکال کر بوڑھی عورت کے منہ پر ماریں اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ مکار عورت اور حبشی غلام اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ عنبر سرائے سے باہر آ کر سیدھا بیوپاری کے پاس گیا، اس وقت وہ گھر میں ہی تھا۔ بیوپاری کے گھر کا پتہ عنبر نے سرائے سے معلوم کر لیا۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید عنبر اس سے ادھار پیسے مانگنے آیا ہے۔ عنبر بیوپاری کے پاس آ کر بولا:

"سیٹھ! میں تم سے ادھار پیسے لینے نہیں آیا، بلکہ تم سے جاپان جانے کا اجازت نامہ لینے آیا ہوں"۔

بیوپاری نے جھڑک کر کہا:

"ابے جا بھکاری کہیں کے، تو کیا اجازت نامہ لے گا۔ بول دو ہزار اشرفیاں کہاں سے لائے گا؟"۔

عنبر نے جیب سے دو ہزار اشرفیوں کی تھیلی نکال کر بیوپاری کے آگے رکھ دی۔

"یہ لو دو ہزار اشرفیاں اور جلدی سے مجھے اجازت نامہ لکھ کر اپنی

مہر اس پر لگا دو"۔

بیوپاری نے بڑا تعجب کیا کہ اس کے پاس اتنی دولت ایک دم کہاں سے آ گئی؟ اس نے اشرفیوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ ٹھونک بجا کر پرکھا۔۔۔ بے حد خالص سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ایسا خالص سونا بہت کم دیکھا تھا۔ اس نے مسکرا کر عنبر کی طرف دیکھا اور بولا:

"میاں صاحبزادے، تمہاری اشرفیاں تو چوری ہو گئی تھیں۔ پھر اتنی جلدی یہ رقم کہاں سے آ گئی؟"۔

عنبر نے کہا:

"میری رقم مجھے واپس مل گئی ہے سیٹھ صاحب، جلدی سے اب مجھے اجازت نامہ لکھ دو"۔

"ابھی لو میاں، ابھی لو۔ تم نے رقم ادا کر دی ہے۔ اب تو تمہیں اجازت نامہ ضرور ملے گا۔۔۔ ضرور ملے گا"۔

بیوپاری نے اندر سے اپنے منشی کو آواز دی اور کہا:

"جلدی سے عنبر کے نام کا ایک جاپان کے لیے اجازت نامہ بنا کر لے آؤ"۔

"بہت اچھا جناب"۔

نوکر اندر چلا گیا۔ بیوپاری نے عنبر سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

"یہ بتاؤ لڑکے کہ تم جاپان۔۔۔ اتنی دور کیا لینے جا رہے ہو؟ کیا تمہارا وہاں کوئی رشتے دار رہتا ہے؟ کیا تمہارا وہاں کوئی کاروبار ہے؟"۔

عنبر بولا:

"وہاں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ وہاں میرا کوئی کاروبار بھی نہیں ہے"۔

"تو پھر وہاں کیا لینے جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"سیر کرنے۔۔۔"

بیوپاری تعجب سے اچھل پڑا۔

"ارے یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اتنی رقم خرچ کر کے تم اتنی دور محض سیر کرنے جا رہے ہو۔ نہیں نہیں، میں نہیں مان سکتا۔ ضرور تم وہاں کسی مار پر جا رہے ہو"۔

عنبر ہنس کر بولا:

"تو پھر اصل بات یہ ہے کہ میں جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتا ہوں۔ میں سمندر پار جڑی بوٹیوں کی تلاش اور تجارت کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ بولو اب تمہارا کیا خیال ہے؟"۔ بیوپاری بولا:

"اب بڑا اچھا خیال ہے۔ سوداگری تو ایک بڑا عزت والا پیشہ ہے۔ میں خود پہلے گرم کپڑے کی تجارت کیا کرتا تھا۔ مگر ایک بار مجھے اس قدر نقصان ہوا کہ سارا کاروبار تباہ ہو گیا۔ اب جہازوں کے اجازت نامے لکھتا ہوں۔ چار پیسے مل جاتے ہیں۔ اچھا گزارا ہو رہا ہے"۔

عنبر نے پوچھا:

"یہ بتاؤ کہ جہاز میں کل کتنے مسافر ہوتے ہیں؟"۔

بیوپاری نے کہا:

"یہ جہاز عام طور پر چھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں سو سوا سو سے زیادہ آدمی نہیں بٹھائے جاتے۔ مگر جس جہاز پر تم جاپان جاؤ گے اور جو کالی کٹ سے سیدھا یہاں آ رہا ہے۔ وہ ایک بڑا جہاز ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس سمندر میں چلنے والے تمام جہازوں سے بڑا جہاز ہے"۔

"خوب! اچھا یہ کب تک جاپان پہنچ جائے گا؟"۔

"یہی کوئی پندرہ بیس دن تو لگ ہی جائیں گے۔ اگر موسم خراب ہو گیا تو مہینہ بھی لگ جاتا ہے۔ مگر موسم خراب نہیں ہو گا۔ آج کل موسم بڑا خوشگوار رہتا ہے"۔

عنبر بولا:

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ اس علاقے میں سمندری ڈاکوؤں کے جہاز بھی چلتے ہیں؟"۔

بیوپاری ایک بار پھر خوف سے اچھل پڑا۔

"ارے بھائی بھگوان کا نام لو۔ سمندری ڈاکوؤں کا نام لے کر تو تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔ ارے بھائی۔ سمندری ڈاکو کہاں نہیں ہوتے وہ تو سارے سمندروں میں دندناتے پھرتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی ہندوستان کے ساحل پر بھی نکل آتے ہیں۔ لیکن قانونی بندرگاہوں پر وہ کبھی نہیں آتے بس آزاد اور گمنام ساحلوں پر ہی زیادہ ٹھہرتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"یہاں سے بہت پیچھے ایک بندرگاہ ہے۔ وہاں سمندری ڈاکوؤں کے جہاز آ کر ٹھہرا کرتے ہیں"۔

بیوپاری نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں کسی کی

حکومت نہیں۔ وہاں رہتے بھی سمگلر اور ڈاکو لوگ ہی ہیں۔ کیا تم وہاں گئے تھے؟“۔

عنبر نے کہا:

”میں ادھر ہی سے ہو کر آ رہا ہوں“۔

بیوپاری عنبر کا منہ تکنے لگا۔

”میاں تم آدمی ہو یا جن؟ جس جگہ کا نام لو وہاں سے تم پہلے ہی ہو کر آ رہے ہوتے ہو۔ بھائی تم وہاں کس لیے گئے تھے بھلا؟“۔

”سنا تھا کہ وہاں سے بھی جاپان کو جہاز جاتے ہیں“۔

”ارے بھائی، وہاں سے تو چور اچکے اور ڈاکو جاتے ہیں۔ کسی شریف آدمی کا وہاں کیا کام؟“۔

اتنے میں نوکر اجازت نامہ لے کر آ گیا۔ بیوپاری نے اجازت نامے پر اپنی انگوٹھی کی مہر لگائی اور عنبر کے حوالے کرتے ہوئے بولا:

”لو میاں، یہ رہا تمہارا اجازت نامہ۔ اب تم جہاز میں بڑی آسانی سے سوار ہو کر جاپان تک کا سفر کر سکتے ہو۔ لیکن بھائی، وہاں جا کر اگر ہو سکے تو میرے لیے سورج مکھی کے پھولوں کا تیل ضرور بھجوانا۔ سنا ہے وہاں یہ تیل بے حد خالص ملتا ہے“۔

”اچھا بھائی، میں کوشش کروں گا“۔

”ارے میاں، کوشش کیا کرنی ہے بس بھجوا دینا“۔

”کوشش کروں گا“۔

عنبر بیوپاری سے اٹھ کر جانے لگا تو بیوپاری نے پوچھا:

”بھائی، ابھی جہاز کے آنے میں چار روز باقی ہیں۔ یہ چار روز کیا سرائے میں رہو گے؟“۔

”نہیں“۔

”تو پھر کہاں رہو گے؟“۔

"سوچ کر بتاؤں گا"۔

بیوپاری نے عنبر کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا دیکھ لیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ عنبر اس کے پاس ہی رہے تا کہ وہ اس سے کچھ اشرفیاں بٹور سکے۔ مگر عنبر اس کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی غریب آدمی کے گھر جا کر ٹھہرے اور اس کی مدد بھی کرے۔

سمگلروں کا بادشاہ

عنبر شہر کے غریب علاقے میں آ گیا۔

یہاں امیر لوگوں کے اونچے اونچے عالی شان مکان نہیں تھے۔

بلکہ غریب لوگوں کے کچے گھر تھے جن کی چھتیں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ اور ایک بوڑھا آدمی صحن میں بیٹھا چکی پر آٹا پیس رہا ہے۔ عنبر نے دروازے میں کھڑے ہو کر بوڑھے کو سلام کیا۔ بوڑھے نے آٹا پیستے ہوئے سر

اٹھا کر عنبر کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"جیتے رہو بیٹا، بھگوان تمہاری عمر لمبی کرے"۔

عنبر نے کہا:

"بابا' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"۔

"آ جاؤ بیٹے' غریب کے گھر میں رکھا ہی کیا ہے"۔

عنبر بوڑھے کے اچھے اخلاق سے بڑا خوش ہوا۔ وہ صحن میں آ گیا۔ بوڑھے نے کہا:

"بیٹے' تم یہاں اجنبی لگ رہے ہو۔ کیا باہر سے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہاں بابا' میں ریاست' بکی سمار سے آ رہا ہوں اور آگے جاپان کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے جہاز میں آنے میں ابھی چار دن باقی ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو کیا میں تمہارے گھر دو چار روز کے لیے ٹھہر سکتا ہوں؟"۔

بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بیٹا' کسی کے گھر مہمان آئے تو یہ اس گھر والے کی خوش قسمتی ہے۔ میرے گھر کو تم اپنا ہی گھر جانو۔ بے شک جتنے دن رہنا چاہے ہو شوق سے رہو۔ جو روکھی سوکھی میں اور میری بچی کھاتے ہیں تم بھی کھا لینا۔ افسوس کہ میں غریب آدمی ہوں۔ تمہاری زیادہ خدمت نہ کر سکوں گا"۔

عنبر نے کہا:

"ایسی کیا بات ہے بابا میں خود غریب آدمی ہوں۔ مجھے تمہارے غریب گھر میں رہ کر بڑی خوشی ہوگی"۔

اتنے میں باہر سے بابا کی بچی بھی آ گئی۔ اس نے سر پر خشک لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا تھا۔ بابا کے پاس عنبر کو دیکھ کر اس نے سلام

کیا۔ بابا نے کہا:

"بیٹی شگفتا! یہ ہمارا مہمان ہے"۔

عنبر نے چونک کر کہا:

"تو کیا! اس لڑکی کا نام بھی شگفتا! ہے؟"۔

بابا نے پوچھا:

"ہاں بیٹا' مگر تمہیں تعجب کیوں ہوا؟ شگفتا! یہاں بڑا عام نام ہے"۔

عنبر نے کہا:

"وہ تو ٹھیک ہے بابا' لیکن شگفتا! میری ایک بہن کا نام بھی ہے"۔

"کہاں رہتی ہے تمہاری بہن؟"۔

"بے چاری کھو گئی ہے۔ اسی کی تلاش میں جاپان جا رہا ہوں۔ اس کی ہی تلاش میں در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں"۔

بابا نے کہا:

"بیٹے' مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بہن تم سے جدا ہو گئی ہے۔ کاش میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا۔ میری بیٹی شگفت کا خاوند بھی مر گیا ہے۔ یہ بے چاری بیوہ ہے۔ میری بڑی خدمت کرتی ہے۔ بڑی دکھی لڑکی ہے"۔

شگفتہ بہت نیک اور پاکیزہ لڑکی تھی۔ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی اور اب باپ کی خدمت کر کے زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔ عنبر کو دونوں باپ بیٹی پر بڑا ترس آیا۔ اس نے کہا:

''بابا، تم اپنی کشتی کیوں نہیں بنا لیتے۔ کشتی بنا کر تم اسے کرایے پر دے سکتے ہو اور تم اور تمہاری بیٹی اس مزدوری اور محنت سے بچ سکتے ہو''۔

بابا بولا:

''بیٹا، تم تو راجے مہاراجوں کی باتیں کرتے ہو۔ بھلا کشتی بنانا کوئی آسان کام ہے۔ کچھ نہیں تو تین ہزار اشرفیاں چاہئیں ایک کشتی کے لیے، اور میرے پاس تو پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ سمندر کے کنارے جا کر بچی کچھی مچھلیاں پکڑ لاتا ہوں۔ اسے ہی بھون کر ہم دونوں کھا لیتے ہیں''۔

عنبر نے کہا:

''بابا، مجھ سے تم باپ بیٹی کی اس قدر غریبی نہیں دیکھی جاتی۔ میں ابھی بازار جا کر تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کو خرید کر لاتا ہوں''۔

''نہیں بیٹا، اس کی کیا ضرورت ہو''۔

''بابا، تم چپکے بیٹھے رہو''۔

عنبر اٹھ کر شہر کے سب سے بڑے بازار میں آ گیا۔ یہاں کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔ یہ شہر کا سب سے بڑا کاروباری بازار تھا۔ عنبر نے یہاں

سے کھانے پینے کی بے شمار چیزیں خریدیں۔ گوشت، پھل، سبزیاں، گھی، مسالے، نمک، مرچ، گھر کے لیے تخت پوش، چادریں، قالین غرضیکہ ہر شے خرید کر وہ بابا کے گھر لے آیا۔ ان لوگوں نے یہ تمام چیزیں دیکھیں تو حیران رہ گئے۔

بابا نے کہا:

بیٹا' یہ تم نے کس لیے تکلیف کی؟''۔

عنبر بولا:

''نہیں بابا' یہ میری خوشی کی بات ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ میں تمہارے اور اپنی بہن شگفتہ کے لیے یہ چیزیں خرید کر لایا ہوں''۔

شگفتہ نے بھی عنبر سے کہا:

''بھائی، تم نے اتنی ڈھیر ساری چیزیں کیوں خرید لیں؟ ہم تو بہت تھوڑے میں گزارا کرنے والے لوگ ہیں''۔

عنبر بولا:

''شگفتہ بہن پھر ایسی بات نہ کہنا۔ تم مجھے اپنی بہن کی طرح پیاری ہو۔ بھائی جب اپنی بہن کو کوئی چیز لا کر دیتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔ یہی خوشی مجھے ہوئی ہے''۔

عنبر نے بابا کے گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ اس نے بابا کے گھر کا نیا دروازہ لگوایا۔ چھتوں اور دیواروں کی مرمت کروائی۔ سامان نیا لا کر سجایا۔ برتن نئے منگوائے۔ پھر دوسرے روز شام کو کھانے کے بعد بابا سے پوچھنے لگا:

''بابا' اگر تم ایک کشتی بنا کر کرائے پر دے دو تو تمہیں مہینے میں کتنی آمدنی ہو جائے گی؟''۔

بابا نے کہا:

''بیٹے ایک کشتی کا کرایہ اس وقت سو اشرفی مہینہ اور ایک من مچھلی

لگتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ ایک کشتی کے کرایے پر بڑی اچھی طرح سے گزارا کر سکتے ہو"۔

بابا نے کہا:

"ارے بیٹا، ہم تو آدھی کشتی کے کرایہ پر گزارا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے ایک سو اشرفی ماہوار اور ایک من مچھلی ماہوار بہت دولت ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اور اگر بابا تمہارے پاس دو کشتیاں ہوں تو پھر کیسا رہے؟"۔

بابا ہنس کر بولا:

"ارے بیٹا، کیوں ایک غریب بوڑھے سے مذاق کر رہے ہو۔ بھلا ہماری یہ قسمت ہے کہ ہم دو کشتیوں کے مالک بن سکیں۔ بس جیسے گزارا ہو رہا ہے خدا کا شکر ہے"۔

عنبر خاموش ہو گئے۔ اسی طرح چار روز گزر گئے عنبر بیوپاری کے ہاں یہ پوچھنے گیا کہ کالی کٹ سے بادبانی جہاز کب آ رہا ہے۔ اس کا گزر اتفاق سے بازار سے ہوا۔ جہاں سرائے کی کالی کلوٹی مالکہ چبوترے پر بیٹھی گاہکوں کے لیے مچھلی بنا رہی تھی۔ عنبر اس کے سامنے جا کھڑا ہوگا۔

"بڑی بی سلام"۔

سرائے کی مالکہ کے ہاتھ سے مچھلی نیچے گر پڑی۔ اس کا کالا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ بت بنی عنبر کو تکتی ہی رہ گئی۔ عنبر نے قریب جا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لے جا کر دو چار بار ہلایا اور پھر مسکرا کر کہا:

’’کیوں بڑی بی، یہ بیٹھے بیٹھے تم پتھر کیوں بن گئیں؟‘‘۔

سرائے کی مالکہ اٹھ کر ایک دم اندر بھاگ گئی۔

عنبر مسکراتا ہوا وہاں سے آگے چل دیا۔ بیوپاری گھر پر نہیں تھا۔ عنبر بارہ لکڑی کے تخت پر بیٹھ کر بیوپاری کا انتظار کرنے لگا۔ بیوپاری کا مکان بازار کے چوک میں تھا۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ ہر قسم کے لوگ آ جا رہے تھے۔ ان میں چینی بھی تھے۔ جاپانی بھی تھے۔ افریقی بھی تھے اور جاوا سماٹرا کے بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک امیر آدمی جس نے گلے میں سونے کا لاکٹ پہن رکھا ہے اور لباس ریشم کا ہے۔ دور سے ایک حبشی غلام کو

بری طرح مارتا چلا آ رہا ہے۔

غلام زنجیروں میں جکڑا ہوا بار بار ہاتھ جوڑ رہا تھا۔

لوگ اس امیر آدمی کو دیکھ کر پرے پرے ہٹ گئے۔ کچھ لوگ جھک گئے اور کچھ سجدوں میں گر پڑے۔ عنبر نے ایک آدمی سے پوچھا:

''یہ شخص کون ہے؟''۔

اس آدمی نے حیرانی سے عنبر کو دیکھا۔

''کیا تم اسے نہیں جانتے؟''۔

عنبر بولا:

''بھائی! میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے اور اس حبشی بے چارے کو کیوں مار رہا ہے؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''میاں! یہ شخص اس علاقے میں سمگلروں کا بادشاہ ہے۔ اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی جرات نہیں۔ اس کے اپنے جہاز چلتے ہیں۔ شہر سے باہر اس کا عالیشان محل ہے''۔

عنبر نے کہا:

''لیکن یہ بے چارے حبشی کو اس بری طرح سے کیوں پیٹ رہا ہے۔ کیا یہ اس کا غلام ہے؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''ہاں بھائی! یہ شخص سمگلروں کے بادشاہ کا غلام ہے۔ اس کی عادت بن گئی ہے کہ یہ ہر سال آج کے دن دیوی دیوتاؤں کے نام پر اپنا ایک خاص غلام قربان کر کے سمندر میں پھینکتا ہے۔ آج اس غلام کی باری تھی جسے وہ سمندر کنارے قریب کرنے کے کھینچے لیے جا رہا ہے''۔

عنبر کو غلام پر بڑا ترس آیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ہندوستان میں

ابھی تک انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ سنگلروں کا بادشاہ اب چوک میں آ گیا تھا۔ اس کے نوکر بے چارے مریل سے حبشی غلام کو کھینچتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ عنبر بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ یہ جلوس شہر سے باہر سمندر کے کنارے ایک جگہ جا کر رک گیا۔ یہاں ایک پتھر کا چبوترہ بنا تھا۔ سنگلروں کے بادشاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

"اے مقدس دیوی دیوتاؤ، تم میرے گواہ رہنا۔ میں آج اپنی دولت میں سے تمہارے نام پر ایک غلام قربان کر رہا ہوں۔ اس کے بدلے تم مجھے اور دولت دو۔ تاکہ میں زیادہ غلام قربان کر سکوں"۔

لوگوں نے سنگلروں کے بادشاہ کے حق میں نعرے لگائے۔ نوکروں نے حبشی غلام کو زبردستی چبوترے پر لٹا دیا۔ سنگلروں کا بادشاہ تلوار لے کر اس کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ بے چارے حبشی کی جان خشک ہو گئی۔ وہ رو رو کر فریاد کر رہا تھا کہ اس کی جان بخشی کی جائے۔ مگر وہاں اس کی سننے والا کون تھا۔ وہاں تو سب کے سب اس کے دشمن تھے۔ لیکن عنبر نے اس حبشی غلام کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سلامبو کو یاد کیا اور اسے آہستہ سے آواز دی:

اچانک سلامبو کی لاش اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے عنبر؟ تم نے مجھے کیوں یاد کیا؟"۔

عنبر نے کہا:

"سلامبو! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے تمہیں اپنی مدد کے لیے بہت کم یاد کیا ہے۔ اس وقت میں نہیں بلکہ ایک غریب مصیبت کا مارا غلام مشکل میں ہے۔ اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اسے قتل کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی جان بچا لو۔۔۔ وہ دیکھو بے چارے حبشی کو قتل کرنے کے لیے چبوترے پر لٹایا

جا چکا ہے"۔

سلامیو کی لاش نے دیکھا کہ چبوترے پر ایک حبشی غلام کو زبردستی لٹا دیا گیا تھا اور اس کے سر پر ایک آدمی تلوار لیے کھڑا منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہا تھا۔ بس وہ اسے قتل کرنے ہی والا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"سلامیو" جلدی سے اسے بچا لو۔ نہیں تو یہ ظالم اسے مار ڈالے گا"۔

سلامیو نے مسکرا کر کہا:

"عنبر تم ذرا تماشہ تو دیکھو کہ کیا ہوتا ہے"۔

منگلروں کے بادشاہ نے منتر پڑھنے کے بعد آنکھیں کھول دیں اور تلوار اوپر اٹھا کر حبشی کی گردن پر چلانے ہی لگا تھا کہ اچانک تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ حبشی اٹھ کر بیٹھ گیا اور منگلروں کا بادشاہ پتھر بن گیا۔ وہ جس حالت میں کھڑا تھا اسی حالت میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

لوگوں میں شور مچ گیا کہ منگلروں کا بادشاہ پتھر بن گیا ہے۔ حبشی حیرانی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

منگلروں کے بادشاہ کو لوگوں نے ہاتھ لگا کر، ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ بالکل پتھر کا بت بن چکا تھا۔ منگلروں کے بادشاہ کے ایک غلام نے غصے میں آ کر حبشی پر تلوار مارنی چاہی۔ اس کے ہاتھ سے بھی تلوار چھوٹ کر دور جا گری اور وہ بھی پتھر کا بت بن گیا۔ تیسرے غلام نے حملہ کیا تو وہ بھی پتھر کا بن گیا۔ اب تو وہاں کہرام مچ گیا۔ حبشی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

لوگوں کا دماغ ایک دم پلٹ گیا۔ انہوں نے حبشی کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیے۔ وہ یہ سمجھے کہ حبشی کوئی دیوتا ہے جو غلام

کے روپ میں وہاں آیا ہے۔ لوگوں نے حبشی کو پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا اور اسے ایک پالکی میں بٹھا کر مندر لے گئے۔ سلامبو کی لاش نے ہنس کر عنبر سے کہا:

"کہو کیسا رہا تماشہ؟ تم چاہتے تھے کہ حبشی کی جان بچ جائے۔ میں نے اسے آدمی سے دیوتا بنا دیا ہے۔ بس اب اگر اس نے کوئی غلطی نہ کی تو ساری زندگی عیش کرے گا۔ اچھی سے اچھی خوراک کھائے گا اور مزے سے سوتا رہے گا۔ اب میں جا رہی ہوں۔۔۔"

اتنا کہہ کر سلامبو غائب ہو گئی۔

عنبر کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس نے ایک بے گناہ انسان کو قتل ہونے سے بچا لیا ہے۔ وہاں سے وہ واپس چوک میں بیوپاری کے گھر آ گیا۔ موٹا بیوپاری واپس آ چکا تھا۔ عنبر نے اس سے جہاز کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا:

"میاں، تم جہاز کو رو رہے ہو یہاں انسان کے روپ میں دیوتا زمین پر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی ابھی جو کچھ ہوا تمہیں پتا چلا؟"۔

"کیا ہوا؟" عنبر نے انجان بن کر پوچھا۔

"میاں، سمگلروں کا بادشاہ اپنے ایک غلام کی قربانی کرنے والا تھا کہ حبشی دیوتا نکل آیا۔ وہ پتھر بن کر سمندر کے کنارے کھڑا ہے اور لوگ اسے دیکھنے چلے آ رہے ہیں"۔

عنبر بولا:

"ارے ہاں، میں نے بھی سنا ہے۔ بھئی دیوتا لوگ بھی تو زمین پر آ کر سیر کرنا چاہتے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جہاز کب آ رہا ہے؟"۔

"جہاں؟ ہاں۔۔۔ میاں جہاز آج رات کسی وقت یہاں پہنچ جائے گا۔ بس تم تیار رہو"۔

عنبر واپس بابا کے گھر آ گیا۔ رات اس نے بڑے سکون سے بسر

کی۔ صبح صبح وہ اٹھ کر سمندر کنارے گیا تو وہاں ایک تجارتی جہاز کھڑا تھا۔ وہ ایک کافی بڑا جہاز تھا اور اس کے مستول پر رنگ برنگے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ عنبر جہاز کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور واپس گھر کی طرف چل پڑا۔

سنہری عورت

گھر آ کر عنبر نے بابا سے کہا:

”بابا‘ میرا جہاز آ گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے میں تمہارا اور بہن شگفتا کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تم لوگوں نے میری جس طرح خدمت کی ہے میں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ پھر بھی میں یہ معمولی سی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں“۔

اور عنبر نے پانچ ہزار اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا بابا کے سامنے رکھ دیا:

"یہ پانچ ہزار اشرفیاں ہیں بابا۔ ان سے تم دو کشتیاں خرید کر کرائے پر چڑھا سکتے ہو اور اپنے لیے نیا مکان بھی بنوا سکتے ہو"۔

بابا اور شگفتہ تو خوشی سے حیران رہ گئے۔ بابا نے کہا:

"بیٹا، تم ہمارے لیے جو کر رہے ہو، ہم اس لائق تو نہیں۔ یہ تو۔۔۔۔ بہت بڑی رقم ہے بیٹا"۔

عنبر نے کہا:

"تمہاری مہمان نوازی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم بہت تھوڑی ہے بابا، اسے تم اپنے پاس رکھ لو"۔

شگفتہ بولی:

"بھائی، ہم اس قابل نہیں ہیں۔ ہم تمہارے اتنے بڑے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتے"۔

عنبر نے کہا:

"شگفتہ بہن، تم میری بہن ہو۔ ایک بھائی کو اجازت دو کہ وہ اپنی بہن کی خدمت کر سکے۔ تمہیں تمہارے خدا کی قسم ہے کہ اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لو"۔

انہیں مجبوراً وہ رقم اٹھانی پڑی۔

"اچھا خدا حافظ زندگی رہی تو پھر بھی کبھی ملنے ضرور آؤں گا۔ خدا سے دعا کرنا کہ میری بہن مجھے مل جائے"۔

شگفتہ اور بابا نے کہا:

"خدا کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے۔ ہماری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی"۔

عنبر بابا کے گھر سے رخصت ہو کر سمندر کے کنارے آ گیا۔

جہاز سمندر میں، کنارے سے ذرا ہٹ کر کھڑا تھا۔ اس کا لنگر پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں جہاز پر سامان لاد رہی تھیں۔ ایک جگہ سمندر کے کنارے کچھ لوگ بیٹھے کاغذات کی پڑتال کرنے کے بعد جہاز پر سفر کرنے والے مسافروں کو ایک کشتی رہے تھے۔

عنبر نے بھی جیب سے اجازت نامہ نکالا اور وہاں جا کر پیش کر دیا۔

اجازت نامہ دیکھنے کے بعد عنبر کو بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ کشتی میں سوار کروا دیا۔ جب دونوں کشتیاں مسافروں سے بھر گئیں تو وہ لوگ کپڑے سے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ خود بھی کشتیوں میں بیٹھ گئے اور کشتیاں جہاز کی طرف سمندر کی لہروں پر روانہ ہو گئیں۔ جب وہ جہاز کے نیچے پہنچیں تو اوپر سے رسیوں کی سیڑھیاں لٹکا دی گئیں۔ مسافر ایک ایک کر کے اوپر چڑھنا شروع ہو گئے۔

عنبر بھی جہاز پر سوار ہو گیا۔ عرشے کے تختے پر آ کر اس نے دیکھا کہ جہاز کافی کھلا کھلا تھا۔ کیبن بڑے اچھے تھے۔ بادبانوں کا کپڑا بھی عمدہ اور مضبوط تھا۔ چرخی پر پیتل کے بٹن لگے تھے۔ جہازی ادھر ادھر کام کرتے پھر رہے تھے۔

عنبر نے اپنے لیے ایک کیبن لے لیا تھا۔ اس کے واسطے اسے پانچ سو اشرفیاں زیادہ ادا کرنی پڑی تھیں۔ اب اس کے پاس چھ سات ہزار اشرفیاں باقی رہ گئی تھیں جو اس کے لیے کافی تھیں۔

جہاز اگلے روز صبح کے وقت روانہ ہونے والا تھا۔

عنبر کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور شگفتا کے بارے میں سوچنے لگا کہ جانے بے چاری اس وقت کہاں ہو گی۔ ڈاکو اور ٹھگ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کے سامنے ایک بڑی خوبصورت عورت سر پر سنہری بار لپیٹے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

’’آپ کا نام عنبر ہے ناں‘‘۔

عنبر نے کہا:

جی ہاں' فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟‘‘۔

سنہری عورت بولی:

’’میں نے شہر میں آپ کی بہت تعریف سنی تھی۔ معلوم ہوا آپ جہاز میں ہیں تو سوچا کیوں نہ آپ سے ملاقات کر لوں میں اندر آ سکتی ہوں؟‘‘۔

’’تشریف لائیے‘‘۔

سنہری عورت اندر آ کر بیٹھ گئی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ عورت کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی عیاری چمک رہی تھی؛ بہر حال اسے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اگر سنہری عورت کے دل میں کھوٹ تھی تو نقصان اسی کا ہونا تھا۔ عنبر کا وہ کیا بگاڑ سکتی تھی۔

سنہری عورت نے پوچھا:

’’آپ بھی جاپان جا رہے ہیں؟‘‘

عنبر بولا:

"جی ہاں۔۔۔ اور آپ؟"۔

سنہری عورت نے کہا:

"خوش قسمتی سے میں بھی جاپان جا رہی ہوں۔ آپ کا ساتھ رہے گا"۔

عنبر نے پوچھا:

"آپ اکیلی سفر کر رہی ہیں کیا؟"

سنہری عورت کہنے لگی:

"جی ہاں۔۔۔ جی نہیں۔۔۔"

عنبر بولا:

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔۔۔"

سنہری عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر بند دروازے میں سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر چپکے سے کرسی پر بیٹھ کر سر جھکا لیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"بات کیا ہے؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟ کیا آپ مجھے اپنی پریشانی بتائیں گی؟"۔

سنہری عورت نے ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا:

میری کہانی بڑی لمبی ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ میں ملک نیپال کے

ایک امیر ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ ایک بار میں اپنی نوکرانی کے ساتھ میلے پر جا رہی تھی کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر کے مجھے اغوا کر لیا۔ وہ مجھے اٹھا کر چین لے گئے۔ وہاں سے تبت اور کشمیر سے ہوتے ہوئے ہندوستان آ گئے۔ اب میں ان کے چنگل سے کسی طرح بھاگ کر اس جہاز میں سوار ہو گئی ہوں۔ لیکن وہ میرے پیچھے لگے ہیں اور اس جہاز پر ان کے دو ساتھی میرا تعاقب کر رہے ہیں۔

میں آپ کے پاس صرف اس لیے ہوں کہ آپ مجھے ان ظالموں سے بچائیں گے؟

عنبر پر سنہری عورت کی کہانی کا بڑا اثر ہوا۔ وہ سچ مچ اسے دکھی عورت معلوم ہونے لگی۔ اس نے یونہی اس کے بارے میں خیال کیا کہ وہ عیار ہو گی۔ عنبر نے کہا:

"بی بی! میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ مگر جاپان جا کر تم ان لوگوں سے کیوں کر بچ سکو گی۔ کیوں کہ وہاں تو میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا"۔

سنہری عورت بولی:

"جاپان کی بندرگاہ پر میرا ایک چچا ٹھیکیداری کرتا ہے۔ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ جاپان پہنچ کر مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہو گی"۔

عنبر نے کہا:

"بہت خوب! کیا تم مجھے ان دو ڈاکوؤں کی شکلیں دکھا سکتی ہو جو تمہارا پیچھا کر رہے ہیں؟"۔

سنہری عورت بولی:

"ہاں! وہ ابھی نیچے جا کر قہوہ پی رہے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا:

"آخر وہ تم سے اب چاہتے کیا ہیں؟"۔

سنہری عورت نے کہا:

"حقیقت میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ میرے پاس ان کا راز ہے۔ انہیں ڈر ہے کہ میں انہیں گرفتار کروادوں گی"۔

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، تم مجھے نیچے چل کر ان کی شکلیں دکھا دو"۔

سنہری عورت عنبر کو لے کر جہاز کے درمیانی حصے میں آ گئی۔ جہاں مسافر قہوے کی چھوٹی سی دکان کے باہر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔

سنہری عورت نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا:

"وہ جو دو سیاہ پگڑی والے آدمی بیٹھے قہوہ پی رہے ہیں وہی ڈاکو ہیں"۔

عنبر نے بڑے غور سے دونوں ڈاکوؤں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے بھی سنہری عورت اور عنبر کو بڑے غور سے گھور کر دیکھا۔ عنبر نے سنہری عورت سے کہا:

"تم میرے کیبن میں چلی جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

سنہری عورت واپس عنبر کے کیبن میں چلی گئی۔ عنبر وہیں بیٹھا تھا کہ دونوں ڈاکو اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ایک ڈاکو بولا:

"نوجوان، تم اس عورت کے معاملے میں نہ آؤ۔ ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔ بہتر ہے کہ تم خاموش رہو"۔

عنبر نے کہا:

"اک دکھی عورت نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔ میرا یہ اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ میں اس کی مدد کروں اور اسے تم ایسے ظالم لوگوں سے بچاؤں۔ اس لیے کان کھول کر سن لو کہ میں اس عورت کی ضرور مدد کروں گا۔ تم اگر ساری زندگی بھی اس کے پیچھے لگے رہو تو

اب اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے کیونکہ اب میں اس کے سامنے کھڑا ہوں”۔

دوسرے ڈاکو نے کہا:

“بھائی، تم کیوں خواہ مخواہ دوسرے کی مصیبت میں خود پھنس رہے ہو۔ تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ عورت کون ہے؟ بھگوان قسم بڑی مکار عورت ہے۔ تم جیسے ہزاروں مردوں کو ایک پل میں الو بنا کر رکھ دے”۔

عنبر نے کہا:

“جو کچھ بھی ہو۔ میں نے اسے بچانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے تو دو گیارہ ہو جاؤ۔ ابھی

اسی وقت جہاز پر سے اتر جاؤ"۔

پہلا ڈاکو بولا:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم اپنے سردار کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ہمیں اس نے حکم دیا ہے کہ اس عورت کو زندہ پکڑ کر لائیں اور یا اس کی لاش ساتھ لے کر چلیں۔ اب تم ہی کہو سردار نے جب ہمیں خالی ہاتھ آتے دیکھا تو وہ کس قدر قیامت بپا نہیں کرے گا۔ تم ہمارے سردار کے غصے سے واقف نہیں ہو"۔

عنبر نے ڈانٹ کر کہا:

"سنو میں نہ تمہاری پیروا کرتا ہوں اور نہ تمہارے سردار کی پروا کرتا ہوں۔ اگر تم اس جہاز سے اتر کر یہاں سے بھاگے نہیں تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا کر لاشیں سمندری مچھلیوں کے حوالے کر دوں گا"۔

دونوں ڈاکو کچھ ڈر سے گئے۔ عنبر کی آواز میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ آخر ایک ڈاکو نے عنبر سے کہا:

"بھائی، اگر تم بھی ہماری طرح ڈاکو ہو تو پھر ہمارے ساتھ مل کر ڈاکے ڈالو۔ اگر کوئی جاسوس ہو تو پھر تم پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ"۔

"بکواس بند کرو تم دونوں"۔ عنبر نے غصے میں آ کر کہا۔ "میں ایک بات تو دونوں کو آخری بار اور صاف صاف لفظوں میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج رات کے بعد میں نے تم دونوں کو اس جہاز پر دیکھا تو پرسوں تم اس دنیا میں نہیں رہو گے۔ تمہاری لاشیں سمندر میں پڑی ہوں گی"۔

یہ کہہ کر عنبر وہاں سے اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ مصری عورت اس کے انتظار میں ہو گی۔ لیکن جب وہ کیبن میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کیبن کی ایک ایک چیز اپنی جگہ سے

الٹی ہوئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے پورے کیبن کی تلاشی لی ہے۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے اس مرتبان کی طرف لپکا جس کے اندر اس نے اشرفیوں کی تھیلی چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشرفیوں کی تھیلی غائب تھی۔ عنبر جلدی سے عرشے پر آ گیا۔ وہاں سے قہوہ خانے میں گیا۔ دونوں ڈاکو بھی وہاں نہیں تھے۔ اس نے سارے جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا وہاں نہ سنہری عورت تھی اور نہ دونوں ڈاکوؤں کا کوئی نام و نشان تھا۔ اس نے عرشے پر آ کر سمندر کنارے دیکھا۔

دور گھوڑوں پر سوار دونوں ڈاکو اور سنہری عورت جنگل کی طرف بھاگے جا رہے تھے عنبر کو پہلے تو ہنسی آئی۔ پھر غصہ آ گیا کہ کم بخت اسے لوٹ کر جا رہے ہیں۔ اس کے پاس اب ایک پائی تک نہیں تھی کہ جس کے بدلے وہ پانی کا ایک گلاس ہی خرید کر پی سکے۔ جاپان کا سفر تھا۔ جگہ جگہ پردیس میں پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عنبر نے اسی وقت ان دونوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ عنبر نے اسی وقت آنکھیں بند کر کے سلامبو کو آواز دی اور کہا:

"سلامبو! جنگل میں ایک عورت اور دو ڈاکو تمہاری دی ہوئی سونے کی اشرفیاں چھین کر بھاگے جا رہے ہیں۔ ان اشرفیوں کے چھن جانے سے میرے پاس کچھ باقی نہیں بچا۔ مجھے سنہری عورت پر سخت غصہ ہے۔ اس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ فوراً انہیں راستے میں پکڑ لو اور ڈاکوؤں کو اسی جگہ قتل کر کے سنہری عورت کو میرے پاس لے آؤ۔"

سلامبو مسکرائی اور غائب ہو گئی۔

سنہری بالوں والی عورت اپنے دونوں ڈاکو ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار بڑے مزے سے جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ وہ

بڑی خوش تھی۔

تینوں بڑے خوش تھے کہ انہوں نے ایک سیدھے سادھے آدمی کو الو بنا کر اس سے ساری کی ساری اشرفیاں چھین لیں۔ اشرفیوں کا تھیلا سنہری عورت نے اپنے گھوڑے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ سب سے آگے آگے جا رہی تھی۔

یہ عورت اس گروہ کی سردارنی تھی۔ یہ ٹھگوں کا گروہ تھا جو اسی طرح بھولے بھالے لوگوں کو لوٹ لیا کرتا۔

عنبر کو ایک ڈاکو نے مکار عورت کی سرائے میں ہی دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ اس کے پاس کافی دولت ہے۔ دونوں ڈاکو اس کا پیچھا کرتے رہے۔ پھر وہ بوڑھے ماہی گیر کی جھونپڑی تک بھی ساتھ گئے۔

عنبر جب جہاز پر سوار ہوا تو ڈاکوؤں نے اپنی سردارنی کو خبر کر دی کہ شکار جہاز پر سوار ہو گیا ہے! چنانچہ سنہری عورت نے آ کر عنبر کے ساتھ چکنی چپڑی باتیں کر کے اس کی اشرفیوں پر ڈاکہ ڈال لیا۔

سنہری عورت نے قہقہہ لگا کر کہا:

"بڑا احمق تھا یہ نوجوان' میرے جال میں بڑی آسانی سے پھنس گیا۔ میرا خیال تھا۔ شاید مجھے بہت محنت کرنی پڑے گی۔ مگر وہ تو بڑا کاٹھ کا الو نکلا۔"

ڈاکو نے کہا:

"ویسے تمہاری بڑی طرف داری کر رہا تھا۔ گدھا کہیں کا۔۔۔ ہمیں دھمکی دے رہا تھا کہ اگر ہم نے جہاز نہ چھوڑا تو وہ ہمیں جان سے مار دے گا"۔

اس پر دونوں ڈاکو زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

ابھی ان کے قہقہے ختم نہیں ہوئے تھے کہ جنگل میں راستے پر انہیں سامنے درختوں کے نیچے ایک کفن پوش لاش کھڑی نظر

آئی۔۔۔ گھوڑے زور سے ہنہنائے اور وہیں رک گئے۔ یہ سلامبو کی لاش تھی۔

لاش ان کے قریب آ گئی۔ دونوں ڈاکو اور سنہری عورت کا رنگ فق ہو گیا۔ لاش ان کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔ تینوں کو لاش کا خون سے بھرا ہوا چہرہ دیکھ کر پسینے آ گئے۔

سلامیو کی لاش نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک ڈاکو کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"تم زمین پر گر کر مر جاؤ گے"۔

اور وہ ڈاکو زمین پر تڑپ کر گرا اور مر گیا۔

زرد لاش

سلامیو کی لاش نے دوسرے ڈاکو کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تم زمین پر گر کر مر جاؤ گے"۔

اس آواز کے ساتھ ہی دوسرا ڈاکو بھی تڑپ کر زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اب تو سنہری عورت تھر تھر کانپنے لگی۔ سلامیو کی لاش نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تم میرے ساتھ چلو گی"۔

اس آواز کے ساتھ ہی سنہری عورت بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ عنبر کے کیبن میں جہاز پر تھی۔ عنبر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بکی بکی رہ گئی۔ سلامب وکی لاش کیبن سے باہر کھڑی تھی۔ عنبر نے سنہری عورت کی طرف دیکھ کر طنزیہ قہقہہ لگایا اور کہا:

"اے ڈاکو عورت' تو ظالم ہے۔ تیرے ساتھی بھی ظالم تھے۔ جو اپنے انجام کو پہنچے۔ اب تو بھی اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا"۔

سنہری عورت ایک دم عنبر کے قدموں پر گر پڑی۔

"تجھے تیرے ماں باپ کا واسطہ ہے۔ مجھے معاف کر دے۔ میری جان بخش دے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی"۔

عنبر بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ توبہ کرے اس نے کہا:

"تو نے میرے مرحوم ماں باپ کا واسطہ دیا ہے۔ میں تجھے ایک شرط پر معاف کرتا ہوں کہ تو وعدہ کر کہ آئندہ کبھی کسی کو نہیں لوٹے گی اور باقی زندگی شریف عورت بن کر بسر کرے گی"۔

سنہری عورت نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"میں اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ سے کبھی ڈاکہ نہیں ڈالوں گی اور ہمیشہ ایک شریف عورت بن کر زندگی بسر کروں گی"۔

عنبر نے اپنی اشرفیوں کی تھیلی لے کر تخت پر رکھ لی۔ پھر تھیلی کھول کر اس میں سے کافی اشرفیاں ایک الگ تھیلی میں بھر کر سنہری عورت کو دیں اور کہا۔

"یہ رقم تمہارے شروع شروع کے خرچ کے لیے کافی ہو گی۔ جب تک یہ اشرفیاں خرچ ہوں تم کوئی محنت مزدوری کا کام تلاش کر لینا۔ اب تم جاؤ"۔

سنہری عورت نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا:

"تم انسان نہیں دیوتا ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ لیکن میں اس جہاز پر سے اتر کر کیسے جاؤں گی۔ جہاز تو چلنے کو تیار ہو رہا ہے۔ ساری کشتیاں جہاز کو چھوڑ کر جا چکی ہیں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"جو خاتون تمہیں یہاں لا کر چھوڑ گئی ہے وہی تمہیں یہاں سے لے بھی جائے گی۔ تم واپس جنگل میں جاؤ گی جہاں تمہارا گھوڑا اسی طرح درخت کے نیچے کھڑا ہے"۔

سنہری عورت بولی:

"شکریہ بھائی، بہت بہت شکریہ"۔

عنبر نے آواز دی:

"سلامبو بہن، اس عورت کو واپس اسی جنگل میں چھوڑ آؤ"۔

سلامبو نے اندر کیبن میں آ کر سنہری عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ دونوں غائب ہو گئیں۔ سلامبو ظاہر نہ ہوئی۔ مگر سنہری عورت نے اپنے آپ کو جنگل میں اسی جگہ پایا جہاں سے وہ غائب ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ساتھی ڈاکوؤں کی لاشیں جنگلی درندے اٹھا کر لے گئے تھے۔

سنہری عورت کا گھوڑا اسی جگہ درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور جنگل میں غائب ہو گئی۔ عنبر کے بادبانی جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔

کپتان کے حکم سے اس کے بادبان بھی کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں کھلتے ہی ہوا بھر گئی اور جہاز نے آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ سب مسافر عرشے پر آ کر کھڑے جہاز کے چلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

بندرگاہ کے درخت، شہر کی عمارتیں، مندروں کے مینار اور جنگل جنگلوں کے درخت۔۔۔ کبھی کچھ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہا تھا۔

بادبانوں میں ہوا بھرتی جاتی تھی اور جہاز کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

آخر کنارہ بہت دور رہ گیا۔

جہاز کھلے سمندر میں آ گیا۔ یہاں ہوا زیادہ کھل کر چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے جہاز کی رفتار بھی پہلے سے تیز ہو گئی۔ مسافر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ جہازی عرشے کو پانی سے دھونے لگے۔ کچھ مسافر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کچھ گپیں ہانکنے لگے اور کچھ کیبن میں چلے گئے۔ عنبر اکیلا عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا اپنی بہن شکنتلا، بھائی ناگ اور ماریا سے ملنے کی پوری امید تھی۔

وہ بڑا پرامید تھا کہ ناگ اور ماریا کیوشو کے بادشاہ کے محل میں ہی ہوں گے۔ ایک خیال اسے یہ بھی آتا کہ ہو سکتا ہے وہ جا چکے ہوں۔ مگر وہ اکیلے نہیں جا سکتے تھے۔ وہ بہرحال عنبر کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔

شگفتا کے بارے میں وہ زیادہ پریشان تھا۔ کیوں کہ اسے کوئی یقین نہیں تھا کہ شیواجی ٹھگ اسے لے کر جاپان کی کونسی بندرگاہ پر اترا ہوگا۔ ویسے اصولی طور پر اسے کیوشو میں ہی اترنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جاپان کی اس زمانے میں یہی ایک تجارتی بندرگاہ تھی جو مشہور بھی تھی اور جس کا رخ کھلے سمندر کی طرف تھا۔

باہر سے جو جہاز بھی آتا وہ اسی بندرگاہ پر لنگر ڈالتا۔ پھر عنبر کو خیال آیا کہ شگفتا تو سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ خدا جانے وہ کون سی غیر قانونی بندرگاہ پر جا کر ٹھہرے گا۔

جہاز بڑی پرسکون اور اچھی خاصی رفتار کے ساتھ کھلے سمندر میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہوا بڑی عمدہ چل رہی تھی۔ عرشے پر کھڑے کھڑے عنبر تھک گیا۔ وہ واپس مڑنے ہی والا تھا کہ اسے کیبن کے باہر جہاز کا کپتان نظر آیا۔ وہ ایک تجربہ کار ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی تھا جو زمانے کے بہت سے گرم سرد موسم دیکھ چکا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اس آدمی سے دوستانہ ڈال کر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سمندری ڈاکو عام طور پر کس راہ پر سے گزرا کرتے ہیں۔

عنبر چپکے سے جہاز کے کپتان کے قریب جا کر سلام کر کے بولا:

"کپتان صاحب۔ خدا نے چاہا تو سفر بڑا اچھا گزرے گا"۔

کپتان نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

"ہاں۔۔۔ موسم بہت اچھا ہے۔ اگر موسم صاف رہا تو سفر بہت

خوشگوار ہوگا۔ لیکن موسم خراب ہوگیا تو کافی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ کیوں کہ ان سمندروں میں بڑا خوفناک طوفان آیا کرتا ہے‘‘۔

عنبر نے پوچھا:

’’کیا طوفانوں کا موسم یہی ہے؟‘‘۔

’’موسم یہ نہیں ہے۔ مگر کبھی کبھی طوفان اس مہینے میں بھی آ جایا کرتے ہیں۔ بہر حال اب تو چل پڑے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا‘‘۔

کپتان جہاز کا رخ بدلنے والی چرخی گھما رہا تھا۔ اس نے سامنے سمندر کی لہروں کی طرف دیکھتے ہوئے عنبر سے پوچھا:

’’تم کہاں تک سفر کرو گے؟‘‘۔

’’جناب! میں آپ کے ساتھ جاپان تک جا رہا ہوں‘‘۔

’’بہت خوب! کیا یہ تمہارا پہلا سفر ہے نوجوان؟‘‘۔

’’جی نہیں! میں اس سے پہلے بھی جاپان کا سفر کر چکا ہوں۔ میری ایک بہن اور بھائی کیوشو میں شاہی مہمان ہیں‘‘۔

کپتان نے مسکرا کر کہا:

’’شاہی مہمان ہیں؟ بہت خوب۔ پھر تو تم بڑے درباری آدمی ہو۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟‘‘۔

عنبر نے جواب دیا:

’’نہیں جناب! میں درباری آدمی نہیں ہوں۔ میں اور میرا بھائی جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ میری ایک دوا سے بادشاہ کے بچے کو صحت مل گئی تھی۔ بس اسی وجہ سے میرے بھائی اور بہن شاہی محل میں رہنے لگے‘‘۔

’’پھر تم وہاں سے ہندوستان کیا لینے آئے میاں؟‘‘۔

’’میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا تھا۔ ہندوستان کے جنگل

قیمتی جڑی بوٹیوں سے بھرے ہوئے ہیں"۔

عنبر کچھ دیر تک کپتان کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس کی باتیں کپتان کو بڑی دلچسپ لگیں۔ اس نے عنبر سے کہا:

"برخوردار' تم میرے کیبن میں آ کر میرے ساتھ قہوہ پیو گے تو مجھے خوشی ہوگی"۔

"میرے لیے یہ عزت کا باعث ہوگا"۔

رات کے کھانے کے بعد عنبر کپتان کے کیبن میں قہوہ پینے آ گیا۔ کپتان نے میز پر نقشہ پھیلا رکھا تھا اور اس پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے سلام کیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ کپتان نے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا اور پھر نوکر سے کہا کہ وہ قہوہ لائے۔

"کہو میاں' سفر کیسا گزر رہا ہے۔ جہاز بڑا ہے جس کی وجہ سے زیادہ چکر نہیں کھا رہا۔ ویسے بھی سمندر پرسکون ہے"۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد عنبر نے پوچھا:

"جناب یہ فرمائیے کہ جاپان کے ملک کو جانے کے لیے یہی ایک سمندری راستہ ہے یا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے؟"۔

کپتان نے ہنس کر کہا:

"میاں' سمندر میں اگر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جہاز چلیں تو اس کے بے شمار راستے بن جائیں گے۔ تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ ہندوستان کی بندرگاہ سے جو جہاز چلتے ہیں کیا وہ کبھی جاپان کی ایک ہی بندرگاہ پر جا کر رکتے ہیں؟"۔

"نہیں' جاپان کی کئی بندرگاہیں ہیں۔ کیوشو کے علاوہ کیوٹو ہے' کیموتو ہے اور کئی ایک بندرگاہیں ہیں جہاں تجارتی اور مسافر جہاز آ کر ٹھہرتے ہیں"۔

عنبر نے صاف سوال کر دیا:

"کپتان صاحب، میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ سمندری میں جو سمندری ڈاکوؤں کے جہاز چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ وہ اگر جاپان کو روانہ ہوں تو کس جگہ پر جا کر ٹھہریں گے؟"۔

کپتان نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

"میاں صاحب زادے، تمہارا بحری ڈاکوؤں کے جہاز سے کیا تعلق ہے؟ تم ان کے بحری راستوں کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"جناب، اب میں آپ سے صاف صاف بیان کر دوں کہ میں اپنی ایک بہن کی تلاش میں جاپان کا سفر کر رہا ہوں جس کو بحری ڈاکو اغوا کر کے جہاز پر بٹھا کر لے گئے ہیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز جاپان کی طرف جا رہا ہے"۔

کپتان کچھ دیر عنبر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہاری بہن اغوا ہو گئی اور دوسری بات یہ کہ بحری ڈاکو بہت کم بندرگاہوں پر جاتے ہیں۔ عام طور پر وہ سمندروں میں ہی گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی خوراک وغیرہ حاصل کرنے کے لیے وہ کسی گمنام سے جزیرے یا کسی ملک کے بے آباد ساحل پر جا کر لنگر ڈال دیتے ہیں وہاں ان کے خاص آدمی خوراک وغیرہ کا ذخیرہ لیے تیار کھڑے ہوتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"لیکن جناب میں آپ کو پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس سمندری جہاز پر میری بہن سوار ہے وہ جہاز جاپان کی طرف جا رہا ہے"۔

"اگر یہ بات ہے تو وہ ضرور جاپان کے غیر آباد ساحل پر جا کر رکے گا۔ میرے خیال میں کیموتو سے دور ساحل ایسا ہی ہے۔ سنا ہے کہ اس جگہ کبھی کبھی کوئی بحری قزاقوں کا جہاز دیکھا جاتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"کپتان صاحب، کیا آپ نقشے میں مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ جگہ جاپان میں کس مقام پر ہے؟"۔

"کیوں نہیں آؤ میرے پاس"۔

کپتان نے میز پر رکھے ہوئے چمڑے کے نقشے پر جھک کر عنبر کو

بتایا کہ جاپانی ساحل پر وہ جگہ کہاں ہے۔ جہاں اس کے خیال کے مطابق سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو جا کر کنارے لگنا تھا۔ کپتان نے کہا:

"یہ جگہ اس لیے بھی محفوظ ہے کہ یہاں سمندر میں ساحل کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بے شمار چٹانیں نکلی ہوئی ہیں۔ ایک ماہر تجربے کار کپتان ہی یہاں سے اپنا جہاز گزار سکتا ہے اور سمندری قزاق بہت ماہر اور تجربہ کار کپتان ہوتے ہیں۔ ان کی ساری عمر ہی سمندروں میں گزر جاتی ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ سمندری قزاقوں کا جہاز اسی جگہ رکے گا"۔

عنبر نے کہا:

"مجھے اس جگہ کیسے پہنچنا ہوگا؟"۔

"اس کے لیے تم کیوشو سے کشتی میں سوار ہو کر کیمونو جاؤ گے اور پھر وہاں سے مغربی ساحل پر چٹانوں کے پاس جاؤ گے۔ مگر تمہارے وہاں جانے کا فائدہ کیا ہوگا۔ کیونکہ تمہیں تو اس وقت وہاں جانا چاہیے جب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز وہاں لنگر ڈال چکا ہو جب جہاز ہی وہاں نہیں ہوگا تو تم وہاں کیا لینے جاؤ گے؟"۔

عنبر بولا:

"میں کوشش کروں گا کہ جہاز کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچ سکوں"۔

کپتان ہنس پڑا:

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو یہاں سے روانہ ہوئے دس روز ہو گئے ہیں۔ وہ تو اب جاپان کے ساحل پر پہنچنے ہی والا ہوگا۔ تمہارے لیے اس جہاز کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا۔ بحری ڈاکوؤں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے کدھر نکل جاتے ہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ سمندری ڈاکوؤں کو کیا ضرورت تھی کہ تمہاری بہن

کو اغوا کرتے ۔ وہ تو عام طور پر دولت لوٹا کرتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے کہ میری بہن کو ایک ڈاکو نے اغوا کر کے ایک ٹھگ کے پاس بیچ دیا۔ یہ ٹھگ جاپان میں جا کر عورتوں کو لونڈیاں بنا کر شاہی محلات میں فروخت کرتا ہے اور وہاں سے لونڈیاں خرید کر ہندوستان میں آ کر فروخت کر دیتا ہے؛ چنانچہ جہاز پر یہ ٹھگ میری بہن کو لے کر جاپان جا رہا ہے"۔

کپتان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا:

"ایسا کہو ناں پھر۔۔۔ پھر وہ یقیناً کیوشو جائے گا۔ کیوں کہ اسی جگہ شاہی محل ہے"۔

"لیکن وہاں کا بادشاہ بہت شریف ہے۔ اس کے محل میں لونڈیاں نہ ہونے کے برابر ہیں"۔

"تو پھر وہ کیوٹو جائے گا۔ وہاں کا شاہی محل بہت بڑا محل ہے۔ تمہیں کیوشو پہنچ کر وہاں سے کیوٹو جانا ہوگا۔ کیوٹو کیوشو سے دو رات اور ایک دن کے سفر پر ہے"۔

عنبر بڑے غور سے کپتان کی باتیں سنتا رہا۔ اس کی باتیں بڑی فائدہ مند تھیں۔ ان میں عنبر کے لیے بے حد معلومات تھیں۔ اب اسے صرف اس بات کا انتظار تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد کیوشو پہنچے تاکہ وہاں سے وہ ناگ اور ماریا سے مل کر اپنی بہن شگفتہ کو تلاش کرنے کی مہم شروع کر سکے۔

خونی محل

اب ہم آپ کو واپس سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر لیے چلتے ہیں۔

عنبر کپتان کے تجارتی جہاز پر جاپان کی طرف جا رہا ہے۔ اس سے پہلے شگفتہ کو لے کر شیواجی ٹھگ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر جاپان کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ شگفتہ بے چاری مجبور اور بے بس ہو کر اپنے کیبن میں پڑی تھی۔ وہ ٹھگوں کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بڑے خونخوار قسم کے بحری ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنسی ہوئی تھی۔ بحری ڈاکوؤں کا بادبانی جہاز سمندر میں بھاگا جا رہا تھا۔ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز عام طور پر بڑے چھوٹے جہاز ہوتے ہیں تاکہ دوسرے جہازوں سے مقابلے کے وقت وہ تیزی سے دائیں بائیں گھوم کر حملہ کر سکیں۔ جہاز کے بانس پر سے ڈاکوؤں نے اپنا کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا اتار دیا تھا۔ یہ جھنڈا وہ اس وقت لہراتے جب کسی جزیرے میں اترنا ہوتا یا کوئی تجارتی جہاز سامنے آ جاتا۔

موسم خوشگوار تھا۔ دھوپ سمندر پر خوب چمک رہی تھی اور پانی کی لہریں بڑی روانی اور سکون کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ انہیں سمندر میں سفر کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس دوران جہاز کسی بھی بندرگاہ پر نہیں رکا تھا۔ آٹھویں روز اچانک جہاز پر ایک ڈاکو بیمار پڑ گیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر وہ مر گیا۔ شام کو دوسرا ڈاکو بھی بیمار ہو کر مر گیا۔ دو روز کے اندر اندر جہاز پر سات ڈاکو بیمار پڑ کر مر گئے۔ کپتان پریشان ہو گیا۔ اس نے شیوا جی کو بلا کر کہا:

’’معلوم ہوتا ہے جہاز پر کسی وبائی بیماری نے حملہ کر دیا ہے‘‘۔

شیوا جی نے پوچھا:

’’پھر کیا ہو گا؟ کیا جہاز پر کوئی حکیم نہیں ہے؟‘‘۔

کپتان نے کہا:

’’یہ کوئی تجارتی جہاز نہیں ہے۔ ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔ یہاں کوئی حکیم کہاں سے آئے گا‘‘۔

شیوا جی نے کہا:

’’مگر تم لوگوں کو کوئی نہ کوئی دوائی ضرور ساتھ رکھنی چاہیے‘‘۔

کپتان کہنے لگا:

’’اسے تم چھوڑو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے فوراً اس سمندری بیماری کا علاج نہ کیا تو جاپان تک پہنچتے پہنچتے جہاز کے سارے آدمی مر جائیں گے‘‘۔

شیوا جی نے ڈرتے ہوئے کہا:

’’یہ تو بڑی خوفناک بات ہو گی۔ اب کیا کیا جائے؟‘‘۔

کپتان نے کہا:

’’یہاں سے جنوب کی جانب مارشی نام کا ایک گمنام سا جزیرہ ہے۔ اس جزیرے پر ایک بہت بڑے سمگلر کی حکومت ہے۔ وہ میرا دوست ہے۔ اس کا نام موشے ہے۔ اگر جہاز کو موشے سمگلر کے جزیرے کی طرف لے جائیں تو اس کے خاص حکیم سے ہم اپنے بیمار ملاحوں کا علاج بھی کرا سکتے ہیں اور جہاز کی صفائی بھی کروا لیں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟‘‘۔

شیواجی بولا:

"بھائی خیال کیا پوچھتے ہو۔ اس کے سوا تو کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم نے جہاز کی صفائی نہ کرائی تو ہم سب کے سب کی جان سخت خطرے میں ہے۔ جہاز کو جزیرے کی طرف موڑ دو"۔

بحری قزاق نے اسی وقت حکم دیا کہ جہاز کا رخ جنوب کے جزیرے مارشی کی طرف موڑ دیا جائے۔ نائب کپتان نے جہاز کی چرخی گھما کر رخ جنوب کی طرف کر دیا۔ شکنتلا اپنے کیبن کی گول کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے جہاز کو داہنی جانب گھومتے محسوس کیا۔ وہ خود جہاز پر پھیلی ہوئی بیماری سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

ایک بوڑھا ڈاکو شکنتلا سے ڈرتے ڈرتے بڑی ہمدردی کرنے لگا تھا۔ اس کا کام جہاز میں دوسرے ڈاکوؤں کی خدمت کرنا تھا۔ چونکہ وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ ہر کوئی اس سے خدمت کراتا اور اسے جھڑکتا رہتا تھا۔ کپتان نے اس کی ڈیوٹی شکنتلا کو دونوں وقت کھانا دینے پر لگا رکھی تھی۔ دوپہر کو وہ کھانا لے کر آیا تو شکنتلا نے پوچھا:

"بابا، یہ جہاز کا رخ کیوں بدل دیا گیا ہے؟ کیا ہم لوگ واپس ہندوستان جا رہے ہیں"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"بیٹی، جہاز پر جو بیماری پھیل گئی ہے۔ اس سے کپتان اور شیوا جی بہت پریشان ہو گئے ہیں، چنانچہ جہاز کو ایک قریبی جزیرے کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ وہاں جہاز کی ساری صفائی ہو گی۔ اسے دھویا جائے گا۔ اس میں دوائیاں چھڑکی جائیں گے اور بیمار ملاحوں کا علاج کیا جائے گا"۔

شگفتا نے پوچھا:

"مگر بابا، کیا اس جزیرے پر قانونی حکومت نہیں ہے؟"۔

"نہیں بیٹی، جزیرے پر ایک قاتل اور بڑے بدنام سمگلر موشے کی حکومت ہے۔ یہ جزیرہ سمگلروں اور بحری ڈاکوؤں کی جنت ہے۔ ہمارے کپتان کا سمگلر موشے سے بہت دوستانہ ہے"۔

شگفتا بولی:

"یہ جہاز جزیرے پر کتنی دیر ٹھہرے گا؟"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"یہی کوئی ہفتہ بھر تو ضرور ٹھہرے گا۔ اس سے کم وقت میں جہاز کی صفائی وغیرہ نہیں ہو سکے گی"۔

شگفتا نے آہ بھر کر کہا:

"کاش بابا، تم میری کوئی مدد کر سکتے!"۔

بوڑھے ڈاکو نے اداس لہجے میں کہا:

بیٹی، میں ایک ایسا پرندہ ہوں جس کے پر کاٹ دیے گئے ہیں۔ مجھ پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا کوئی میری بات نہیں مانتا۔ میری کسی کے آگے پیش نہیں چلتی۔ پھر بھی میں جزیرے میں پہنچ کر کوشش کروں گا کہ تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔ مگر بیٹی، جزیرے پر اگر تم اتر بھی گئیں تو وہاں کیا کرو گی؟

یہ جزیرہ تو چاروں طرف سے وحشی لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں کے سارے جنگلی لوگ بھی سمگلر موشے کی طرح قاتل اور ڈاکو ہیں۔ میں وہاں رہ چکا ہوں۔ وہ لوگ تو معمولی سی بات پر قتل کر کے سمندر میں لاش پھینک دیتے ہیں۔

شگفتہ نے کہا:

"بابا، جزیرے پر جانے کا سن کر میرے دل میں امید کی ایک ننھی سی کرن جگمگا اٹھی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ جزیرہ میری مدد کرے گا۔ وہاں کے لوگ میری مدد کریں گے"۔

بوڑھے نے کہا:

"مجھے بہت کم امید نظر آتی ہے۔ فرض کر لیا کہ تم جہاز پر سے جزیرے پر بھاگ بھی جاتی ہو تو کہاں جاؤ گی؟ سارا جزیرہ چاروں طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ وہاں کے وحشی لوگ سمگلر موشے کے وفادار ہیں۔ اس کے اپنے آدمی ہیں۔ تمہیں کوئی بھی پناہ نہیں دے گا۔ بلکہ تمہیں پکڑ کر خود شیواجی کے حوالے کر دے گا"۔

شگفتہ نے کہا:

"باباجی، میں ناامید نہیں ہوں۔ جزیرے پر پہنچ کر دیکھا جائے گا۔ میری رہائی کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا ہو جائے گی۔ یہ میرا دل

کہہ رہا ہے"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہو سکے"۔

بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا جزیرے کی طرف رخ موڑے دوسرا دن تھا۔ اس عرصے میں دو اور ملاح مر گئے تھے۔ وبا واقعی سارے جہاز پر پھیل گئی تھی۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ سمندری ڈاکو بڑے گندے تھے۔ ان کے کپڑے میل سے بھرے تھے۔ وہ ساری زندگی سمندر میں گزار دیتے تھے مگر نہاتے سال سال بھر کے بعد تھے۔ خود کپتان کو نہائے ہوئے چھ مہینے گزر گئے تھے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دور سے جزیرہ دکھائی دیا۔

دوپہر کے بعد جہاز جزیرے پر جا کر لگ گیا۔ منگلر موشے نے اپنے شاندار مکان کی کھڑکی میں سے سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو جزیرے کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر خود سمندر کے کنارے آ گیا۔ جہاز پر ڈاکوؤں کا کھوپڑی اور ہڈی والا جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔

جہاز پر سے اترتے ہی کپتان آگے بڑھ کر موشے منگلر کے گلے ملا۔ موشے منگلر کے چہرے پر خونخواری تھی۔ زخم کا ایک لمبا نشان اس کی آنکھ سے لے کر نیچے ٹھوڑی تک چلا گیا تھا۔ موشے منگلر نے کپتان سے کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ کپتان تم ایک عرصے کے بعد اس جزیرے پر آئے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس طرف آنے کا خیال کیسے آ گیا؟"۔

کپتان نے کہا:

"تمہارے مکان میں چل کر بتاؤں گا"۔

"ضرور ضرور ضرور۔۔۔"

موشے سمگلر کپتان کو لے کر اپنے شاندار محل میں آ گیا۔ شیوا جی ٹھگ بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہاں موشے نے اپنے مہمانوں کی پر تکلف دعوت کی۔ انہیں بھنے ہوئے سمندری کیکڑے اور عمدہ ترین مچھلیوں کا گوشت کھلایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قہوہ پیتے ہوئے کپتان نے اسے کہا:

"موشے، ہمارے جہاز پر سمندری بخار نے حملہ کر دیا تھا۔ میرے کئی ایک ملاح اس سمندری بخار میں مبتلا ہو کر مر چکے ہیں۔ مجھے مجبوراً اس جزیرے پر آنا پڑا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تمہارا حکیم میرے آدمیوں کا علاج کرے اور یہاں میرے جہاز کی اچھی طرح صفائی بھی ہو جائے اور اس میں جراثیم مارنے والی دوائیوں کا چھڑکاؤ بھی ہو جائے"۔

موشے نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی ہو جاتا ہے"۔

اس نے فوراً اپنے حکیم کو حکم دیا کہ جا کر جہاز پر بیمار ملاحوں کا علاج کرے اور جہاز کی صفائی کا بندوبست کیا جائے۔

شیوا جی ٹھگ نے کپتان سے مشورہ کیا کہ شکنتلا کو کہاں لے جا کر رکھا جائے؟ کپتان نے کہا:

''موشے کے محل میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم اس تہہ خانے میں شکنتلا کو بند کر سکتے ہو۔ اس سے بہتر جگہ اس سارے جزیرے میں اور کہیں نہیں ہے''۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج ہی شکنتلا کو وہاں لے جاتا ہوں۔ لیکن تہہ خانے سے کہیں وہ کسی طرف بھاگ تو نہیں جائے گی؟''۔

کپتان نے مسکرا کر کہا:

''کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے موشے سمگلر کے تہہ خانے کیا دیکھ رکھا ہے؟ وہ تو ایک قلعہ ہے قلعہ۔۔۔ اور پھر وہاں سے بھاگ کر یہ عورت کہاں جائے گی؟ اس سارے جزیرے پر موشے سمگلر کی حکومت ہے۔ جزیرے کے سارے وحشی موشے کے غلام ہیں اور اسی کا دیا کھاتے ہیں۔ یہ عورت وہاں سے بھاگ کر جہاں بھی جائے گی واپس موشے کے محل میں پہنچا دی جائے گی''۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم موشے سمگلر سے بات کر لو''۔

''تم شکنتلا کو لے کر آؤ۔ میں اس سے بات کرتا ہوں''۔

کپتان موشے سمگلر کے محل کی طرف اور شیوا جی ٹھگ سمندر میں کھڑے جہاز کی طرف چل پڑا۔ اس وقت شکنتلا اپنے کیبن میں بند پڑی تھی۔ اتنے میں بوڑھا ڈاکو کھانا لے کر آ گیا۔ شکنتلا نے خاموشی

سے کھانا کھایا۔ پھر بوڑھے ڈاکو سے کہا:

"بابا! کیا میں اسی جہاز میں بند رکھی جاؤں گی؟ کہیں بخار مجھ پر بھی حملہ نہ کر دے؟"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"آج شام سے جہاز کی زبردست صفائی شروع ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے اس سے پہلے تمہیں کسی جگہ پر روانہ کر دیا جائے گا"۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور شیواجی ٹھگ دوسرے ٹھگوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے شگفتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا"۔

"کہاں؟" شگفتا نے پوچھا۔

"تم یہ پوچھنے والی کون ہوتی ہو۔ تم میری لونڈی ہو۔ میں جہاں جی چاہے تمہیں لے جا سکتا ہوں۔ چلو اٹھو"۔

پھر اس نے اپنے ساتھی تین ٹھگوں سے کہا:

"تم اس عورت کو لے کر موٹے منگلر کے مکان پر پہنچو اور اس کے حوالے کر دو۔ میں نے اس سے ساری بات کر دی ہے"۔

ٹھگوں نے سر جھکا کر کہا:

"ایسا ہی ہوگا سردار"۔

بوڑھا ڈاکو کھانے کے خالی برتن لے کر چلا گیا۔ تین ٹھگ شگفتا کے ہاتھ باندھ کر کیبن میں سے نکال کر باہر لے آئے۔ پھر انہوں نے اسے کشتی میں سوار کیا اور جزیرے پر آ گئے۔ شگفتا نے آٹھ دس روز کے بعد زمین پر قدم رکھا تھا۔ اس کے پیر ڈگمگا رہے تھے۔

جزیرہ بڑا سرسبز تھا۔

ہر طرف ناریل اور پام کے جھنڈ تھے۔ آسمان پر شام کی سنہری دھوپ پھیل رہی تھی۔ کنارے سے دور ملاحوں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی

تھیں۔

تینوں ٹھگ شکنتلا کو ایک گدھا گاڑی پر سوار کروا کر موشے سمگلر کے شاندار مکان پر لے آئے۔ یہ عالی شان محل دو منزلہ تھا۔ اس کے سامنے بڑا خوبصورت باغ تھا۔ پیچھے جنگل تھا۔ کھڑکیوں میں پھولوں کے گملے لٹک رہے تھے۔ ایک طرف موشے سمگلر کی دو گھوڑوں والی بگھی کھڑی تھی۔ جس میں بیٹھ کر وہ جزیرے کی سیر کیا کرتا تھا۔ پہلی منزل میں باغ میں ایک طرف چڑیا گھر بنا ہوا تھا جس میں پنجروں میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ شکنتلا کو موشے سمگلر کے روبرو پیش کیا گیا۔ موشے سمگلر نے شکنتلا کو دیکھ کر کپتان سے کہا:

”کپتان، یہ لونڈی شیوا جی ٹھگ نے کہاں سے لی ہے؟“۔

کپتان نے کہا:

”یہ کہتا تھا کہ اس نے اسے ہندوستان کی ایک ریاست سے خریدا تھا“۔

موشے سمگلر نے کہا:

”اسے بلاؤ۔ مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنی ہے“۔

اسی وقت شیوا جی ٹھگ کو بلایا گیا۔ شیوا جی ٹھگ نے آ کر موشے سمگلر کو جھک کر آداب کیا اور کہا:

”آپ نے مجھے یاد فرمایا موشے“۔

موشے سمگلر نے کہا:

”شیوا جی، یہ بتاؤ کہ تم اس لونڈی کو جاپان کیوں اور کس لیے لے جا رہے ہو؟“۔

شیوا جی بولا:

”جناب آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ میں اسے جاپان کیوں لے جا رہا ہوں۔ میں اسے شاہ جاپان کے محل میں فروخت کرنا چاہتا

ہوں''۔

موشے نے کہا:

''اور اگر اسے ہم خرید لیں اور تمہیں منہ مانگا انعام دیں تو کیا تم راضی ہو جاؤ گے۔''

شیوا جی نے کہا:

''جناب، میں ایک کاروباری ٹھگ ہوں۔ میرا کام ہی لونڈیاں خریدنا اور انہیں خرید کر فروخت کرنا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ ایک خوش شکل لونڈی ہے اور شاہ جاپان کے ہاں اس کی قیمت زیادہ پڑے گی۔''

لیکن اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں تو میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ مجھے اگر نقصان بھی ہوگا تو میں برداشت کر لوں گا۔ کیوں کہ میں آپ کے آگے انکار نہیں کر سکتا۔

موشے سمگلر نے زمین پر پیر مار کر کہا:

''ہم شاہ جاپان سے کم نہیں ہیں۔ ہم تمہیں نقصان نہیں ہونے دیں گے۔ تم جو مانگو گے ہم وہی تمہیں دیں گے۔ بولو تم اس عورت کے عوض کتنی اشرفیاں طلب کرتے ہو؟''۔

شیوا جی نے بڑی مکاری سے کہا:

''جناب عالی، شاہ جاپان کے ایک آدمی نے اس کی قیمت سترہ ہزار اشرفی ڈالی تھی۔ آگے آپ کی مرضی ہے جو مجھے دیں گے میں خوشی سے قبول کر لوں گا''۔

موشے سمگلر نے کہا:

''اگر شاہ جاپان نے اس لونڈی کی قیمت سترہ ہزار اشرفی ڈالی ہے تو ہم تمہیں بیس ہزار اشرفی دیں گے۔ ہم اس جزیرے کے بادشاہ ہیں۔

ہم شاہ جاپان سے بڑھ چڑھ کر آگے بڑھیں گے۔ آج سے یہ لونڈی ہمارے محل میں کنیز بن کر رہے گی!۔

پھر موشے منگلر نے تالی بجائی۔ ایک آدمی کمرے میں آ کر جھک گیا۔

''حکم سرکار؟''۔

موشے نے کہا:

''شیواجی کو خزانے میں لے جاؤ اور اسے بیس ہزار اشرفیوں کی تھیلی گن کر حوالے کر دو۔۔۔ کیا شیواجی اب تم خوش ہو؟''۔

شیواجی نے سلام کر کے کہا:

''جناب میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے شاہ جاپان سے کئی گنا زیادہ رقم دے کر نہال کر دیا ہے''۔

شیواجی اس آدمی کے ساتھ اشرفیوں کی تھیلی لینے باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں کپتان، شگفتا اور موشے رہ گئے۔ موشے نے شگفتا کی طرف دیکھ کر کہا:

مجھے معلوم ہے کہ تمہارا نام شگفتا ہے۔ آج سے تم میری بہترین اور پسندیدہ کنیز ہو۔

تم اس محل میں نئے کپڑے پہن کر رہو گی۔ تمہیں محل سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

پھر موشے نے ایک بوڑھی کنیز مشاطہ کو بلا کر کہا:

مشاطہ جاؤ اور شگفتا کو نہلا دھلا کر نیا جوڑا پہنا دو۔ آج سے یہ بھی دوسری کنیزوں کی طرح اس محل میں رہے گی۔

خبردار! اسے محل سے باہر قدم نہیں رکھنے دینا۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ موشے بڑے آرام سے عورتوں کی گردن مروڑ دیا کرتا ہے۔

مشاطہ بولی:

”جو حکم سرکار۔“

مشاطہ نے شگفتا کو ساتھ لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

قاتل محل سے فرار

مشاطہ شگفتا کو لے کر دوسری منزل کے کمرے میں آ گئی۔

یہاں شگفتا کو نہلا دھلا کر نیا جوڑا پہنایا گیا۔ شگفتا خاموشی سے ہر حکم کو مانتی گئی۔ وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ دل میں اس نے سوچ رکھا تھا کہ خواہ اس کی جان جاتی رہے گی مگر وہ اس جزیرے سے ضرور بھاگ جائے گی۔

بوڑھا زاکو جو اس کا ہمدرد تھا اس سے جدا کر دیا گیا تھا۔ اب اس

کے لیے ضروری تھا کہ اس محل میں سے کسی کو ساتھ ملایا جائے۔ مگر وہاں تو سارے کے سارے ہی شکنتلا کے لیے اجنبی اور دشمن تھے۔

ادھر بحری ڈاکوؤں کے جہاز کی سات روز تک صفائی ہوتی رہی۔ بیمار ملاح حکیم کی دواؤں سے تندرست ہو گئے۔ کپتان نے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آٹھویں روز شکنتلا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ وہی بوڑھا ڈاکو اس کے پاس ایک ٹوکری میں پھل لے کر آ گیا۔ آتے ہی اس نے کہا:

''بیٹی! میں جہاز کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔ یہ پھل تمہارے لیے لایا تھا۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی ملاقات نہ ہو''۔

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے پاس ایک اور کنیز بیٹھی تھی۔ اس نے شکنتلا کو روتے دیکھا تو نفرت سے منہ بنا کر وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ بوڑھا ڈاکو اس کے وہاں سے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کنیز کے جاتے ہی شکنتلا سے کہا:

''بیٹی! مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی تم سے الگ نہ ہوتا۔ مگر کپتان کے حکم کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتا۔ پھر بھی میں نے تمہارے لیے ایک ترکیب سوچی ہے''۔

شکنتلا نے پوچھا:

''بابا! وہ ترکیب کیا ہے؟''۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا:

''بیٹی! اس جزیرے کے جنوب میں ایک ماہی گیر رہتا ہے۔ وہ

اب صرف گھر میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے والے جال مرمت کرتا ہے۔ اس سے میری دوستی ہے۔ وہ ایک دردمند آدمی ہے۔ یہ میری انگوٹھی تم اپنے پاس رکھ لو۔ اگر کسی طرح تم یہاں سے فرار ہو جاؤ تو اس ماہی گیر کو جا کر میری یہ انگوٹھی دے دینا۔ وہ تمہاری ہر طرح سے مدد کرے گا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہیں اس جزیرے سے باہر نکال سکے گا۔ لیکن کم از کم وہ تمہیں اپنے ہاں چھپا ضرور لے گا اور کوشش کرے گا کہ تم یہاں سے فرار ہو سکو"۔

بوڑھے نے انگوٹھی اتار کر شکنتلا کو دے دی۔ شکنتلا نے پوچھا:

"اس ماہی گیر کا نام اور حلیہ کیا ہے بابا؟"۔

بوڑھا بولا:

اس ماہی گیر کا نام سارنگ ہے۔ حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا چلتا ہے۔ اس کی جھونپڑی جنوبی ساحل پر ایک نیلے رنگ کی چٹان کے سائے میں ہے۔ اگر تم کسی طرح یہاں سے فرار ہو جاؤ تو تم یہاں سے نکل کر اس مکان کے پچھواڑے والے جنگل میں سیدھی بھاگ جانا۔

آدھے راستے میں تمہیں ایک چشمہ ملے گا جس کے اوپر سرخ پھولوں والا ایک درخت ہے۔ اس چشمے سے تھوڑی دور سفر کرنے کے بعد ساحل آ جاتا ہے۔ قریب ہی نیلی چٹان ہے۔ جس کے سائے میں سارنگ ماہی گیر کی جھونپڑی ہے۔

اتنے میں مشاطہ کنیز اندر آ گئی۔ اس نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

بوڑھے نے کہا:

"میں موشے سے اجازت لے کر یہاں آیا ہوں۔ شکنتلا مجھے

اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔ اس سے آخری بار جدا ہو رہا تھا۔ اس لیے ملنے آ گیا"۔

مشاطہ نے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا:

"اچھا چلو اب بھاگ جاؤ یہاں سے"۔

بوڑھے ڈاکو نے اپنا کام پورا کر لیا تھا۔ اب اسے وہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی؛ چنانچہ وہ اٹھا۔ اس نے شگفتاں کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار کیا۔ شگفتاں رونے لگی۔ ایک مدت کے بعد اسے کسی انسان سے باپ کا پیار ملا تھا۔ مشاطہ اسے جھڑکنے لگی۔

"خبردار جو یہاں کبھی آنکھوں میں آنسو لائی۔ ورنہ مار مار کر میں تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گی۔ یہاں کبھی کسی کنیز نے آنسو نہیں

بہائے۔ اب خاموش ہو جا۔ پونچھ لے آنسو"۔

شگفتا آنسو پونچھ کر صبر کر کے بیٹھ گئی۔

دوسرے روز سمندری ڈاکوؤں کا جہاز جزیرہ مارشی سے کوچ کر گیا۔ بوڑھا نیک دل ڈاکو بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ شگفتا کا دل اس کے لیے کئی روز تک اداس رہا۔ شگفتا کو محل میں کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔

سوائے اس کے کہ اسے محل کے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ وہاں محل کے اندر قیدی بن کر رہ گئی تھی۔ اسے عنبر اور اپنا خاوند، اپنا گھر اور اپنا بچہ یاد آتے تھے۔ وہ دن کو تو مشاطہ کے ڈر کے مارے چپ چاپ سی ادھر ادھر کے کام کرتی رہتی۔ لیکن رات کو وہ بستر پر لیٹ کر دیر تک چپکے چپکے آنسو بہایا کرتی۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ شگفتا اب وہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ وہ دن رات موقع کی تلاش میں رہنے لگی۔ ایک رات اسے موقع مل گیا۔ وہ اپنے بستر پر سے اٹھ کر دوسری منزل کی گیلری پر آ گئی۔ اندھیری رات تھی۔ ستاروں کی روشنی میں باہر جنگل کے درخت ہوا میں جھوم رہے تھے۔ اتفاق سے باہر پہرہ دینے والی کنیز سو گئی تھی۔ شگفتا نے موقع غنیمت جانا اور دیوار کے ساتھ اوپر تک آتی ہوئی بیل کے سہارے گیلری پر سے نیچے اتر گئی۔ زمین پر اترتے ہی اس نے محل کے پچھواڑے والے جنگل میں بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ بھاگتی چلی گئی۔ جنگل اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس قسم کے کتنے ہی جنگلوں میں گزر چکی تھی۔

بھاگتے بھاگتے جب وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھنے ہی والی تھی کہ اسے وہ چشمہ نظر آ گیا جس کے بارے میں بوڑھے ڈاکو نے اسے بتایا تھا۔ چشمے کے اوپر سرخ پھولوں والا درخت تھا۔ ایک پل شگفتا نے

کے بعد وہ وہاں سے پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔

کافی دور بھاگنے کے بعد وہ تھک گئی۔ اس کا سانس پھول گیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ جب اس کا سانس درست ہوا تو وہ تیز تیز قدموں سے حاصل-سمندر کی طرف چلنے لگی۔ اسے-سمندر کی طرف سے چلنے والی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ پھر وہ جنگل سے باہر نکل آئی۔ سامنے-سمندر پھیلا ہوا تھا۔

قریب ہی ایک نیلے رنگ کی چٹان تھی جو ستاروں کی روشنی میں سیاہ معلوم ہو رہی تھی۔ شگفتا سمجھ گئی کہ یہی وہ چٹان ہے-جس کے بارے میں بوڑھے ڈاکو نے بتایا تھا۔

نیلی چٹان کے سائے میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ جھونپڑی کے باہر بانس کی کھونٹیوں پر جال لٹک رہے تھے۔ یہی اس بوڑھے سارنگ بابا کی جھونپڑی تھی جو بوڑھے ڈاکو کا دوست تھا۔ شگفتا جھونپڑی کے باہر آ کر رک گئی۔ جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔ شگفتا نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔ اندر سے کسی نے پوچھا:

"کون ہے باہر؟"۔

شگفتا نے کہا:

"سارنگ بابا سے ملنا ہے"۔

اندر سے آواز آئی:

"میں ہی سارنگ بابا ہوں۔ مگر تم کون ہو؟ آدھی رات کو میری جھونپڑی میں کیوں آئی ہو؟"۔

شگفتا نے کہا:

"بابا آپ دروازہ کھولیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی"۔

"اچھا بیٹی کھولتا ہوں دروازہ"۔

جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک چراغ جل رہا تھا۔ جس کی

روشنی میں شگفتہ نے دیکھا کہ ایک سفید ڈاڑھی والا بوڑھا اس کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ سارنگ بابا تھا۔ سارنگ نے بھی دیکھا کہ ایک خوش لباس، سیاہ بالوں والی عورت اس کی جھونپڑی کے دروازے میں کھڑی تھی۔

سارنگ بابا نے پوچھا۔

"بیٹی، تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟

شگفتہ جھونپڑی کے اندر آ گئی۔

"بابا، دروازہ بند کرلو۔ پھر میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں"۔

سارنگ نے دروازہ بند کر دیا۔ اندر کونے میں مچھلیاں پکڑنے کے جال پڑے تھے۔ زمین پر سوکھی گھاس بچھی تھی جس پر سارنگ سو رہا تھا۔ شگفتہ گھاس پر سارنگ بابا کے پاس بیٹھی تھی۔

سارنگ نے کہا:

"اب بتاؤ بیٹی، تم کہاں سے آ رہی ہو۔ تمہارا سانس بھی پھولا ہوا ہے اور تمہارے بالوں میں جنگل کے پتے اٹکے ہوئے ہیں۔ کیا تم جنگل میں سے بھاگ کر آئی ہو"۔

شگفتا نے کہا:

"ہاں بابا"۔

اور پھر اس نے رومال میں سے بوڑھے ڈاکو کی دی ہوئی انگوٹھی نکال کر سارنگ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ سارنگ نے انگوٹھی کو غور سے دیے کے پاس لے جا کر دیکھا اور مسکرا کر کہا:

"یہ تو میرے بڑے گہرے دوست کی انگوٹھی ہے۔ کیا وہ چلا گیا؟"۔

شگفتا نے کہا:

"ہاں بابا' وہ چلا گیا۔ ان کا جہاز یہاں سے کوچ کر گیا ہے"۔

سارنگ بولا:

"کیا تم شگفتا ہو؟"۔

شگفتا بولی:

"ہاں' مگر آپ کو میرے نام کا علم کیوں کر ہوا؟"۔

سارنگ نے کہا:

"میرا دوست مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم ایک شریف اور نیک خاندان کی لڑکی ہو۔ مگر قسمت کے چکر میں پھنس کر موشے کے محل میں لونڈی بنا دی گئی ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ایک نہ ایک دن اس ظالم کے محل سے بھاگ کر میرے پاس ضرور وگی؛ بہر حال میں خوش ہوں کہ تم یہاں پہنچ گئی

ہو"۔

شگفتا نے کہا:

"لیکن سارنگ بابا، میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ پر کوئی مصیبت آئے۔ کیوں کہ میرے فرار ہونے کے بعد موشے منگلر پاگل ہو جائے گا۔ صبح کو جب اسے پتہ چلے گا کہ میں غائب ہو گئی ہوں تو اس کے آدمی اس جزیرے کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ وہ ضرور اس جھونپڑی میں بھی آئیں گے۔ اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی قیامت ٹوٹ پڑے گی"۔

سارنگ بابا نے کہا:

"بیٹی، جب میں نے اپنے دوست سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا تو پھر مصیبتوں سے کیا ڈرنا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا"۔

شگفتا نے کہا:

"بابا، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کی جان خطرے میں پڑے۔ میں بھی پکڑی جاؤں اور آپ کو بھی موشے منگلر کے آدمی جان سے مار ڈالیں۔ ہمیں کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہیے کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے"۔

سارنگ بابا نے کہا:

"بیٹی، پھر اس کی ترکیب ایک ہی ہے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"وہ کیا بابا؟"۔

سارنگ نے کہا:

"میری جھونپڑی کے پیچھے جو نیلی چٹان ہے اس کے اندر ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے بارے میں کبھی کسی کو علم نہیں ہوا۔ کم از کم

میں نے کبھی کسی کو اندر جاتے نہیں دیکھا۔ اس غار کے منہ پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو دن کے وقت اس میں جا کر چھپ سکتی ہو۔ وہاں تمہیں کھانا پہنچا دیا کروں گا۔ ویسے میں پتھر لا کر غار کے منہ کے آگے بھی چن دوں گا تاکہ کسی کو شک ہی نہ پڑے کہ اس کے اندر کوئی انسان رہتا ہے"۔

شگفتا نے کہا:

"میں غار کے اندر رہنے پر تیار ہوں۔ مگر بابا آخر میں کب تک اس غار کے اندر پڑی رہوں گی۔ کیا یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب نہیں کی جا سکتی؟"۔

"تمہارا مطلب ہے اس جزیرے سے فرار ہونے کی ترکیب؟"۔

"ہاں بابا"۔

سارنگ بابا گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا:

"بیٹی، یہ کام بڑا مشکل ہے۔ میں تمہیں کسی نہ کسی طرح ایک کشتی پر سوار کروا کر یہاں سے بھگا سکتا ہوں۔ مگر تم اتنے بڑے سمندر میں کہاں جاؤ گی؟ سمندر بڑا خونخوار ہے۔ تم اکیلی نازک عورت ہو۔ سمندر میں شارک مچھلیاں بھی ہیں۔ طوفان بھی آتے ہیں۔ تم کیا کرو گی؟ اور پھر یہاں آس پاس کوئی جزیرہ بھی نہیں ہے۔ ہزاروں میل تک سمندر ہی سمندر ہے۔ تم ایک چھوٹی سی کشتی پر زیادہ دن تک بھوکی پیاسی زندہ نہ رہ سکو گی"۔

شگفتا نے مایوسی سے کہا:

"تو بابا کیا میں زندگی بھر اپنے خاوند اور معصوم بچے سے نہ مل سکوں گی؟"۔

سارنگ بابا کا دل دہل گیا۔ کہنے لگا:

"بیٹی گھبراؤ نہیں' خدا تمہارے لیے کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اس جزیرے پر بھی کبھی کوئی مسافر جہاز بھی خوراک پانی لینے نکل آتا ہے۔ ایسا جہاز جب بھی آیا۔ میں تمہیں اس میں سوار کرادوں گا"۔

شگفتہ نے سر جھکا دیا۔ اسے اپنا مستقبل پہلی بار تاریک نظر آنے لگا تھا۔ سارنگ بابا نے اسے سو جانے کے لیے اور خود بھی جھونپڑی کے ایک طرف ہو کر سو گیا۔ شگفتہ سوکھی گھاس پر لیٹ گئی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر دل سمندر کی چار دیواری میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

سانپ کا انتقام

شگفتہ کو ہم سارنگ بابا کی جھونپڑی میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم ذرا جاپان چلتے ہیں جہاں کیوشو کی بندرگاہ کے شہر میں ناگ اور ماریا شاہی محل میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دونوں اس محل میں عنبر کے انتظار میں تھے۔

انہیں وہاں رہتے ایک سال بیت گیا۔ عنبر واپس نہ آیا تو ایک روز ماریا نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی، میرا خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے واپس ہندوستان کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔ عنبر بھائی کا انتظار اب فضول ہے۔ وہ ضرور ہندوستان میں ہی ہمیں مل جائے گا"۔

ناگ نے کہا:

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اب یہاں رہتے رہتے بہت وقت گزر گیا ہے۔ عنبر اب یہاں نہیں آئے گا۔ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

ماریا تو کیوشو کے بادشاہ سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔ وہ ایک برس سے شاہی محل میں غائب حالت میں رہ رہی تھی۔ ناگ سب کو دکھائی دیتا تھا؛ چنانچہ اس نے بادشاہ سے جا کر اپنے دل کا حال بیان کر دیا کہ اب وہ وہاں سے واپس ہندوستان جانا چاہتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا:

"میرے بچے، یہ تمہارا اپنا محل ہے۔ تم چاہو تو ساری عمر یہاں رہ سکتے ہو۔ لیکن عنبر بیٹا خدا جانے کہاں ہے؟ اس کا مجھے بھی انتظار ہے۔ اگر تم نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں روکنے والا کون ہوں۔ تم تیاری کر لو۔ میں تمہارے لیے شاہی جہاز کا بندوبست کر دوں گا۔ تم اس جہاز میں بیٹھ کر واپس ہندوستان جا سکتے ہو۔ یہ میرا خاص جہاز ہو گا جو تمہیں ہندوستان چھوڑ کر واپس آ جائے گا"۔

ناگ نے کہا:

"میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں بادشاہ سلامت کہ آپ میرے لیے اتنی تکلیف اٹھا رہے ہیں"۔

بادشاہ نے کہا:

"کوئی تکلیف نہیں بیٹا، یہ تو میرا فرض ہے۔ تم لوگوں نے میرے بیٹے کی جان بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اس کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا"۔

ناگ نے ماریا کو جا کر یہ خوشخبری سنائی کہ بادشاہ نے ان کے سفر کے لیے ایک خاص بحری جہاز کا بندوبست کر دیا ہے۔

وقت مقررہ پر ناگ اور ماریا جہاز پر سوار ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا مگر بڑا مضبوط شاہی جہاز تھا جس کے مستولوں اور پیندے پر سنہری رنگ پھرا تھا۔ اس جہاز کو شاہی غلام چلا رہے تھے۔

بادشاہ اور شہزادہ خود سمندر کے کنارے انہیں چھوڑنے آئے۔

ماریا چونکہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے وہ تو پہلے ہی جہاز پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد ناگ بھی بادشاہ اور شہزادے سے مل کر جہاز پر سوار ہو گیا۔

جہاز کے بادبان کھل گئے اور وہ کھلے سمندر میں بڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف سفر کرنے لگا۔ دو تین دنوں کے سفر کے بعد وہ سمندر کے اسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پانی کے اندر بڑی بھیانک چٹانیں تھیں۔ مگر شاہی بجرے کے تجربہ کار ملاح اسے بڑی آسانی سے نکال کر لے گئے۔

اب ہمارے پڑھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ادھر یہ شاہی بجرا ناگ اور ماریا کو لے کر آگے بڑھ رہا تھا ادھر سمندری ڈاکوؤں کا جہاز شیوا جی ٹھگ کو لے کر جاپان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان کے پیچھے عنبر ایک تجارتی جہاز میں سوار جاپان کی طرف سفر کر رہا تھا۔

بحری ڈاکوؤں کا جہاز ایک چمکیلی صبح کو سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ شیوا جی ٹھگ اس کے تین اور دوسرے ڈاکو اور کپتان جہاز کے عرشے پر آرام سے بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ جہاز کے اونچے مستول پر

چڑھے ہوئے ایک بحری ڈاکو نے اوپر ہی سے آواز لگائی۔

"شکار شکار شکار"۔

اس لفظ کے ساتھ ہی سمندری ڈاکوؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شکار کا مطلب یہ تھا کہ کوئی تجارتی جہاز بحری ڈاکوؤں کے جہاز کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

کپتان نے اعلان کیا:

"جہاز آ رہا ہے۔ اس پر حملے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

سمندری ڈاکوؤں نے سروں پر لال پیلے نیلے رومال باندھ لیے اور تلواریں، خنجر اور نیزے سنبھال لیے اور عرشے پر آ کر جمع ہو گئے۔

ان کا حملہ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تجارتی جہاز پر رسوں کی مدد سے چھلانگ لگا دیتے تھے اور مسافروں کا قتل عام شروع کر دیتے تھے۔ پھر وہ جہاز کو اپنے قبضے میں کر لیتے اور سارا مال لوٹ کر اپنے جہاز پر آ جاتے اور تجارتی جہاز کو آگ لگا کر کھلے سمندر میں جلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔

کپتان نے شیوا جی سے کہا:

''میں بہت خوش ہوں کہ ایک جہاز مل گیا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ جاپان تک کا سفر یونہی بے کار جائے گا۔ مگر قدرت نے ایک گرما گرم شکار ہماری طرف روانہ کر دیا''۔

شیوا جی ٹھگ بھی خوش تھا۔ کہنے لگا:

''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ جیسے تجربہ کار کپتان کے ساتھ ایک جہاز کو لٹتے اور مسافروں کو قتل ہوتے دیکھوں گا''۔

کپتان نے ہوا میں تلوار کا وار کرتے ہوئے کہا:

''میں تو دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا''۔

اتنے میں ایک ڈاکو نے مستول پر سے آواز لگائی:

''کپتان، یہ جہاز کوئی شاہی جہاز معلوم ہوتا ہے''۔

کپتان بولا:

''تب شاہی جہاز؟ یہ تو ہماری بے حد خوش قسمتی ہے۔ اس پر تو شاہی خزانہ لدا ہوگا''۔

شیوا جی بولا:

''لیکن کپتان، اس میں فوج بھی تو ہو سکتی ہے''۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''ارے شاہی فوج تو موٹی ٹھٹیں ہوتی ہیں۔ وہ ہم بہادر ڈاکوؤں کا کیا مقابلہ کر سکتی ہیں بھلا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میرے

بہادر ڈاکو ان کا کیا حشر کرتے ہیں"۔

تھوڑی دیر میں جاپان کا شاہی بجرا ابھر کر سمندر کی لہروں پر آ گیا۔ اس بجرے پر ناگ اور ماریا سوار سفر کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی پچاس کے قریب غلام اور ایک کپتان تھا۔ شاہی بجرے کے کپتان نے بھی دور ایک جہاز کے سفید بادبانوں کو دیکھا اور ناگ سے کہا:

"کوئی تجارتی جہاز معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے چل کر کیوشو کی طرف سفر کر رہا ہے"۔

ناگ بھی غور سے جہاز کو دیکھنے لگا جو دم بدم ان کے قریب آ رہا تھا۔ پھر اچانک شاہی کپتان نے خوف زدہ ہو کر کہا:

"ہائیں، مارے گئے"۔

ناگ نے پوچھا:

"کیا ہوا کپتان صاحب؟"۔

شاہی کپتان نے کہا:

"یہ تو سمندری قزاقوں کا جہاز ہے"۔

ناگ نے جہاز کی طرف دیکھا۔ ماریا بھی غائب حالت میں اس کے پاس کھڑی جہاز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بحری ڈاکوؤں نے اس وقت تک جہاز پر اپنا خوفناک کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہم حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر تم اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کر لو۔ مگر شاہی جہاز کا کپتان بالکل گائے ثابت ہوا۔ سمندری ڈاکوؤں کے جھنڈے کو دیکھتے ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس پر مردنی چھا گئی اور عرشے پر بیٹھتے ہوئے بولا:

"بھائی صاحب، اب ہمیں کوئی طاقت سمندری ڈاکوؤں کے ہاتھوں موت سے نہیں بچا سکتی۔ اب ہم مارے گئے سمجھو۔ بس دو چار

زندگی کے سانس جو باقی رہ گئے ہیں ان کا مزہ لے لو“۔

ناگ نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا:

”کپتان صاحب، آپ کو تو بہت بہادر ہونا چاہیے۔ ڈرنا تو ہمیں چاہیے۔ مگر الٹا آپ پر لرزہ طاری ہو گیا ہے“۔

شاہی کپتان بولا:

”میاں، تمہیں کبھی بحری ڈاکوؤں سے پالا نہیں پڑا۔ ان جیسے ظالم لوگ اس دنیا میں کہیں نہیں ہیں۔ یہ تو مسافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکتے چلے جاتے ہیں“۔

ماریا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ کپتان نے جو ایک عورت کی ہنسی کی آواز سنی تو ڈرتے ہوئے بولا:

”یہ عورت کہاں سے آ گئی؟ یہ ہنسی کس کی تھی؟ یہاں تو کوئی بھی عورت نہیں ہے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ ضرور کوئی چڑیل ہے جو ہماری موت بن کر جہاز پر آ گئی ہے“۔

ناگ نے کہا:

"کپتان اگر تم نے ڈرنا ہی ہے تو نیچے جا کر بیٹھ جاؤ اور باقی غلاموں کے حوصلے پست نہ کرو"۔

اب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز بہت قریب آ گیا تھا۔ اتنا قریب کہ اس کے عرشے پر کھڑے بحری ڈاکوؤں کے خوفناک چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ناگ نے غلاموں سے کہا کہ وہ بہادری سے مقابلہ کریں۔ ڈاکو بزدل ہوتا ہے۔

"وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس کے سامنے دیوار بن کر ڈٹ جاؤ۔ وہ بھاگ جائے گا۔ ہم اسے بھگا دیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ گھبرانا ہرگز نہیں۔ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہو گی۔ آسمان سے غیبی مدد آئے گی"۔

مگر سب غلاموں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان کے رنگ زرد تھے۔ اب بحری ڈاکوؤں کا جہاز سامنے آ گیا تھا۔

بحری ڈاکوؤں نے رسوں کو تھام کر بھیانک چیخیں ماریں اور اچھل کر تلواریں ہاتھوں میں لیے شاہی بجرے میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہوں نے آتے ہی غلاموں کو کاٹ کاٹ کر مارنا شروع کر دیا۔ وہ تو بے چارے اپنے آپ تلواروں کے آگے گر رہے تھے۔

ناگ بھاگ کر بجرے کے اوپر چلا گیا۔

ماریا نے ایک تلوار ہاتھ میں لے لی اور غائب حالت میں ہی

ڈاکوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے دس بارہ ڈاکوؤں کی گردنیں بالکل صاف اڑا دیں۔ عرشے پر کھڑے اور شیوا جی بڑے حیران ہو رہے تھے کہ یہ ڈاکوؤں کی گردنیں اپنے آپ کیسے اڑتی جا رہی ہیں؟ ادھر ناگ نے جہاز کے اوپر چڑھ کر آنکھیں بند کیں اور ہاتھ اوپر اٹھا کر جو زور سے جھٹکا تو کتنے ہی سانپ اس کے ہاتھوں سے نکل کر بحری ڈاکوؤں کی طرف لپکے۔ ان میں کہرام مچ گیا۔ مگر سانپوں نے دیکھتے دیکھتے ان سبھوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔

سانپ اس قدر زہریلے تھے کہ ڈاکوؤں کو ڈستے ہی موت کی نیند سلا دیا۔ شیوا جی کے تینوں ٹھگ بھی مارے گئے۔ اب صرف شیوا جی اور ڈاکوؤں کا کپتان اور دو ڈاکو رہ گئے۔ جو اپنے جہاز پر کھڑے لڑائی دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے رسی کو پکڑا اور لٹک کر کپتان کے جہاز پر آ گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گئی۔ شیوا جی اور کپتان نے تلواریں نکال کر ناگ پر حملہ کر ہی دیا۔ کیونکہ انہیں صرف ناگ ہی نظر آ رہا تھا۔ ماریا تو انہیں دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ ویسے وہ ایک خالی رسی کو اچھل کر شاہی بجرے سے اپنے جہاز پر آتے دیکھ کر بے حد حیران ہوئے تھے۔ مگر وہ وقت حیرانی کا نہیں تھا۔ دشمن ان کے اپنے جہاز پر آ چکا تھا۔

ایک ایسا دشمن جس نے اپنی جادوگری کے زور پر ان کے سارے کے سارے ڈاکو موت کے گھاٹ اتار دیے تھے۔ کپتان ناگ کی طرف بڑھا۔ وہ ناگ کو ایک زبردست جادوگر سمجھ رہا تھا۔ جس کی جادوگری نے اس کے سارے کے سارے ساتھیوں کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اگرچہ ناگ کے شاہی بجرے کے بھی سارے آدمی مارے گئے تھے۔

جوں ہی کپتان تلوار لہرا کر ناگ کی طرف بڑھا۔ ناگ لپک کر لکڑی کی دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ شیواجی ٹھگ بھی اس کی طرف حملہ کرنے کے لیے لپکا۔ ناگ نے سانس کی پھنکار ماری اور غائب ہو کر سانپ بن گیا۔

سانپ کے روپ میں آ کر ناگ ایک جگہ چھپ گیا۔ اب جہاز پر ماریا کے ساتھ ساتھ ناگ بھی غائب ہو چکا تھا۔ کپتان ڈاکو اور شیواجی بڑے حیران ہوئے کہ ابھی ابھی تو ان کا دشمن وہاں موجود تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟

انہوں نے تلواریں لے کر جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ناگ انہیں کہیں بھی نہ ملا۔

کپتان نے شیواجی ٹھگ سے کہا:

"میں زندگی میں پہلی بار ایسی جادوگری دیکھ رہا ہوں کہ ایک جیتا جاگتا انسان غائب ہو گیا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا ہے"۔

شیوا ٹھگ بولا:

"میرا خیال ہے یہ کیوشو کے بادشاہ کا شاہی جادوگر تھا جو ہندوستان کی طرف سفر کر رہا تھا۔ ہم نے اس سے لڑائی مول لے کر سخت غلطی کی ہے۔ اب ہم اپنی غلطی کی سزا بھگت رہے ہیں"۔

کپتان غرا کر بولا:

"اس جادوگر نے میرے بہترین ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔ میں اس کے شاہی بجرے کو آگ لگا دوں گا"۔

چنانچہ کپتان نے بہت سے کپڑوں کو رال میں بھگو کر آگ لگائی اور ناگ کے شاہی بجرے میں پھینک دیا۔ شاہی بجرے میں تھاموں

اور ڈاکوؤں کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے بجرے میں آگ لگ گئی۔ شعلے آسمان کو چھونے لگے اور سارے کا سارا لکڑی کا جہاز جل کر سمندر میں غرق ہو گیا۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا:

''اب میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا مگر ابھی میرا اصل دشمن باقی ہے۔ ابھی اس سے بدلہ لینا باقی ہے اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

ٹھیک اس وقت ناگ کپتان کے قریب ہی لکڑی کے صندوقوں کے درمیان سانپ بن کر چھپا اس کی ساری باتیں سن رہا تھا اور ماریا کپتان کے بالکل پیچھے تلوار لیے کھڑی تھی۔ ناگ نے زور سے سیٹی بجائی۔ ماریا نے سانپ کو دیکھ لیا۔ سیٹی کی آواز سن کر کپتان اور شیوا جی نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

شیوا ٹھگ نے کہا:

''یہ تو سانپ کی آواز تھی''۔

کپتان بولا:

''ہاں' یہ سانپ کی آواز تھی''۔

کپتان نے گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا۔ مگر اس کے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈاکو آ گئے

لیکن اس کے پیچھے ماریا تلوار ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

ماریا نے سانپ کا اشارہ پاتے ہی تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور کپتان کا کندھا سینے تک کٹ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر جہاز کے عرشے پر گرا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ شیوا جی ٹھگ ڈر کر دور بھاگ گیا۔ کپتان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے آواز دے کر پکارا:

''شیوا جی! میری مدد کرو۔ جادوگر نے حملہ کر دیا ہے''۔

اس پر ماریا نے کہا:

''بدبخت ڈاکو! تجھے تیرے ظلموں کا بدلہ مل رہا ہے۔ تو نے آج تک سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ آج تو خود موت کی آغوش میں جا رہا ہے۔ یاد رکھ۔ ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ پہلے خود اس میں گرتا ہے''۔

کپتان چکر کھا گیا کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ رہی ہے اس کے سامنے کوئی عورت نہیں کھڑی تھی۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ کندھے پر تلوار کا زخم گہرا لگا ہوا تھا۔ اور خون برابر بہے چلا جا رہا تھا۔ اس نے کمزور آواز میں کہا:

''تم کون ہو؟ تم کہاں سے بول رہی ہو؟ کیا تم کوئی جن ہو۔ بھوت ہو؟''۔

ماریا نے کہا:

''میں نہ تو کوئی جن ہوں، نہ بھوت ہوں۔ میں صرف تمہاری موت ہوں جوان بے گناہوں کا بدلہ لینے کے لیے آئی ہوں جن کو تم نے اور تمہارے ڈاکوؤں نے لوٹ کر ہلاک کر دیا۔ اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جا''۔

کپتان نے کہا:

''کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟''۔

ماریا نے کہا:

''موت کسی کو معاف نہیں کیا کرتی۔ یہ اگر غریبوں کو آتی ہے تو ظالموں اور بادشاہوں کو بھی ایک دن اپنے پنجے میں دبوچ لیتی ہے۔''

اس کے ساتھ ہی ماریا نے تلوار کا ایک اور وار کیا اور کپتان کی گردن کٹ کر عرشے کے تختے پر گری اور لڑھکتی ہوئی سمندر میں گر گئی۔

ظالم کپتان ڈاکو کی لاش وہیں تھوڑی دیر تڑپی اور پھر ٹھنڈی ہو گئی۔ شیوا ٹھگ دور کھڑا یہ بھیانک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پہلے تو یہ دیکھا کہ کپتان کے کندھے پر خدا جانے کہاں سے تلوار لگی اور وہ نیچے تک کٹ گیا۔ پھر اس نے کپتان کو کسی کے ساتھ باتیں کرتے سنا۔

اس نے جواب میں کسی عورت کی آواز بھی سنی جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر شیوا جی نے دیکھا کہ کپتان کی گردن خود بخود اس کے جسم سے علیحدہ ہو کر لڑھکتی ہوئی سمندر میں جا پڑی۔ وہ تو دہشت سے زرد ہو گیا۔ تو کیا جہاز پر کسی آسیب نے قبضہ کر لیا تھا؟ شیوا جی ٹھگ اس گھڑی کو کوسنے لگا جب اس نے اس جہاز پر قدم رکھا تھا۔ کاش وہ اس

جہاز پر کبھی سفر نہ کرتا۔

کاش وہ اس سفر پر کبھی گھر سے نہ نکلتا۔ تو کیا اس نے شگنتالا کے ساتھ جو ظلم کیا تھا قدرت نے اس سے بدلہ لیا ہے؟ کاش وہ شگنتالا کو خرید کر کبھی فروخت نہ کرتا۔ آخر وہ کسی کی بہن تھی، کسی کی بیٹی تھی اور کسی بچے کی ماں تھی۔ شیوا ٹھگ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا اور ماریا ناگ سے کہہ رہی تھی:

"ناگ بھائی، وہ جو سامنے ایک ڈاکو بیٹھا ہے اس کا کیا کریں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ماریا بہن یہ بھی ڈاکوؤں کا ساتھی ہے اسے بھی ہلاک کر دینا چاہیے"۔

ماریا نے کہا:

"لیکن پہلے اس سے یہ پتہ کرنا چاہیے کہ یہ جہاز کہاں سے آ رہا ہے، کہاں جا رہا تھا؟ ہو سکتا ہے اس شخص سے ہمیں بھائی عنبر کا کچھ سراغ مل سکے۔"

"ہاں یہ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ چلو اس سے چل کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور جہاز کدھر سے آ رہا تھا؟ تم جا کر اس سے بات کرو۔ میں بعد میں آ جاؤں گا"۔

ماریا کے ہاتھ میں تلوار ابھی تک پکڑی ہوئی تھی۔ وہ جہاز کے عرشے پر قدم قدم چلتی شیوا ٹھگ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ جہاز کے بادبان لپیٹ دیے گئے تھے اور وہ سمندر میں ایک ہی جگہ کھڑا جھوم رہا تھا۔ شیوا جی ٹھگ نے عرشے پر کسی کے قدموں کی آواز سنی تو چوکنا ہو گیا۔ اس نے تلوار لہرا کر پوچھا:

"کون ہے؟ خبردار آگے مت آنا نہیں تو ہلاک کر دوں گا"۔

ماریا کو سخت غصہ آیا کہ یہ کس قدر ضدی اور کمینہ شخص ہے کہ اپنے ساتھی کو سامنے قتل ہوتے دیکھ چکا ہے اور پھر بھی اکڑ پن دکھا رہا ہے۔ ماریا نے اس کی تلوار پر زور سے تلوار ماری۔ شیوا ٹھگ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دور جا گری۔

وہ تلوار اٹھانے کو آگے بڑھا تو ماریا نے اس کی پیٹھ پر ایک زوردار لات ماری۔ وہ اوندھے منہ عرشے پر گر پڑا۔ ماریا نے پاؤں کی ٹھوکر سے تلوار کو سمندر میں گرا دیا۔ شیوا ٹھگ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سہمی ہوئی نظروں سے ارد گرد دیکھنے لگا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ آسیب قریب ہی ہے۔

ماریا نے گرج کر کہا:

”تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟“۔

شیوا جی ٹھگ نے کہا:

''میرا نام شیوا ٹھگ ہے۔ میں ملک ہندوستان سے آ رہا ہوں''۔

ماریا نے پوچھا:

''تم جاپان کیا کرنے جا رہے تھے؟''۔

شیوا ٹھگ بولا:

''میں لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت کا دھندا کرتا ہوں۔ میں لونڈی خرید کر جاپان جا رہا تھا کہ اس جہاز پر مصیبت نازل ہو گئی''۔

ماریا نے کہا:

''ناگ بھائی، سامنے آ جاؤ''۔

ناگ سانپ کے روپ میں سامنے آ کر اپنا پھن پھیلا کر شیوا ٹھگ کے سامنے جھومنے لگا۔ اس نے ڈرتے ہوئے کہا:

''یہ۔۔۔ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟''۔

ماریا نے کہا:

''یہ سانپ تمہاری موت بن کر آیا ہے۔ تم نے سینکڑوں گھروں کو تباہ و برباد کیا ہے۔ تم نے سینکڑوں عورتوں کو اغوا کر کے دوسرے ملکوں میں فروخت کر دیا ہے۔ کئی بچوں کو ان کی ماؤں سے اور کئی ماؤں کو ان کے بچوں سے محروم کیا ہے۔ تمہاری سزا بڑی سخت ہو گی۔ تمہیں پہلے یہ سانپ ڈسے گا۔ پھر میں اپنی تلوار سے تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر دوں گی''۔

شیوا جی کی مکار آنکھوں نے دیکھا کہ اس کے پاس ہی تختے پر ایک لکڑی کا ڈنڈا پڑا تھا۔ اس نے لپک کر وہ ڈنڈا اٹھایا اور سانپ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ تیزی سے دوسری طرف نہ ہٹ جاتا تو ڈنڈا اس کی کمر میں پڑ چکا تھا، ناگ کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ ناگ زور سے

پھنکارا۔ غصے سے اس کے منہ میں جھاگ آ گیا۔ ماریا کا رنگ بھی غصے سے لال ہو گیا۔ ماریا نے تلوار کی نوک شیوا ٹھگ کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

"مکار انسان! اب بتا تو ہم سے بچ کر کہاں جائے گا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ظلم کرنے والے آدمی پر مظلوم کی آہ کبھی نہیں پڑتی؟ کیا ظالم شخص عیش و عشرت میں ہی زندگی بسر کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ اس سے اس کے ایک ایک ظلم کا حساب لیا جاتا ہے۔ پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ کسی پر ظلم کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ مگر پھر پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وقت گزر چکا ہوتا ہے"۔

ناگ بھی پھنکار مار کر انسان کے روپ میں شیوا ٹھگ کے سامنے آ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں لی۔ شیوا جی ٹھگ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا کہ ایک سانپ

پھنکار مار کر انسان کے روپ میں بدل گیا ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے تو غش آتے رہ گیا تھا۔ وہ اگرچہ بڑا ظالم آدمی تھا مگر وہم پرست بھی تھا۔ وہ لوگوں کو قتل کر سکتے تھا مگر سانپ کو انسان بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے پوچھا:

"یہ کیسے ہو گیا؟ سانپ دیوتا انسان کے روپ میں آ گیا۔ کیا تم سانپ دیوتا ہو۔ کیا تم ناگ دیوتا ہو؟"۔

ناگ نے کہا:

"میں ناگ دیوتا ہوں اور تمہاری موت کا پیام لے کر یہاں آیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ایک ایسے نوجوان کو کہیں دیکھا ہے جو کبھی نہیں مرتا جس کا رنگ صاف ہے اور آنکھوں میں بے پناہ کشش ہے۔ جس کے جسم پر کوئی زخم نہیں لگتا۔ جس کے جسم سے کبھی خون نہیں بہتا"۔

شیوا ٹھگ، ناگ کا منہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کس آدمی کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا:

"نہیں، میں نے ہندوستان کے ملک میں ایسے کسی آدمی کو نہیں دیکھا۔ مگر وہ کون ہے؟ تمہارا کیا لگتا ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

"وہ میرا بھائی ہے۔ لیکن تم کون ہو مجھ سے پوچھنے والے۔ تم اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم کس طرح مرنا پسند کرو گے؟ کیا میں تلوار سے تمہاری گردن اڑاؤں یا سانپ بن کر تمہارے جسم میں زہر داخل کر دوں"۔

شیوا جی نے کہا:

"اگر تم مجھے معاف کر دو تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کرتے کرتے گزار دوں گا"۔

ناگ نے کہا:

"دشمن پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ دشمن قابو میں آ جائے تو پھر اسے کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اسے اسی وقت ختم کر دینا چاہیے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔

ماریا نے کہا:

"ناگ بھائی، اس نے عورتوں پر ظلم کیے ہیں۔ یہ میرا شکار ہے۔ اس سے عورتوں اور مظلوم بچوں کا میں بدلہ لوں گی"۔

ناگ نے کہا:

بہت اچھا ماریا، اس سے تم ہی بدلہ لو"۔

شیوا جی نے یہ باتیں سنیں تو عرشے پر سے اٹھ کر دوڑا اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ناگ اور ماریا اسے دیکھتے رہ گئے۔

ماریا بولی:

"کم بخت۔ سمندر میں بھلا کہاں بچے گا؟ اسے سمندر کی موت زیادہ پسند تھی"۔

ناگ نے کہا:

سے سینکڑوں بے گناہ عورتوں اور بچوں کا بدلہ لے لیا تھا۔

ناگ نے ڈاکو کپتان کی لاش بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دی۔ اب وہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر اکیلے رہ گئے تھے۔ وہ اس جہاز کے مالک تھے۔ جس کے مالک نے قریباً سینکڑوں جہازوں کو لوٹ کر ان کے مسافروں کو قتل کر دیا تھا اور جہازوں کو آگ لگا دی تھی۔

ماریا نے کہا:

"ناگ بھائی، سب سے پہلے تو ہمیں اس جہاز کے بادبان کھولنے چاہئیں۔ تا کہ یہ کسی طرف کو روانہ تو ہو۔ پھر اس کا رخ موڑ کر ہندوستان کی طرف کرنا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں ماریا بہن، تم ٹھیک کہتی ہو"۔

ناگ جہاز کے مستول پر چڑھ گیا اور اس نے اس کے سارے بادبانوں کی رسیاں کھینچ دیں۔ اور انہیں کھول دیا۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز ایک طرف کو چلنا شروع ہو گیا۔ ناگ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نیچے کیبن میں جا کر چمڑے کا وہ نقشہ دیکھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جہاز جا کس طرف رہا ہے۔ اس نے قطب نما پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ جہاز کا رخ جنوب مشرقی کی طرف ہے۔ یہ رخ دوبارہ جاپان کی طرف تھا۔ اس نے ماریا سے کہا:

"اگر جہاز اسی رخ پر چلتا رہا تو ہم ایک بار پھر جاپان پہنچ جائیں گے"۔

ماریا نے کہا:

"پھر کیا کیا جائے؟"۔

"جہاز کا رخ شمال کی طرف موڑنا ہوگا"۔

وہ قطب نما لے کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ اس نے چرخی کو

گھمانا شروع کر دیا۔ چرخی کے گھومتے ہی جہاز کا رخ بھی شمال مغرب کی طرف ہونا شروع ہو گیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد جہاز اب ٹھیک سمت پہ چل رہا تھا۔

اب ناگ اور ماریا نے نیچے جا کر جہاز کے تہہ خانے کا معائنہ کیا۔ یہاں کئی ایک صندوق تھے جو زر و جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ ساری دولت ڈاکوؤں نے مختلف تجارتی جہازوں سے لوٹ لوٹ کر جمع کی تھی۔ ایک طرف ریشمی کپڑوں کے ڈھیر لگے تھے۔ جہا کے باورچی خانے میں خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ پڑا تھا کہ وہ ان کے لیے ایک سال کے لیے کافی تھا۔ ناگ اور ماریا جہاز کے اوپر عرشے پر آ گئے۔ ماریا نے کہا:

"اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو کیا خیال ہے ناگ بھائی ہم کب تک ملک ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں گے؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرا اندازہ ہے کہ ایک مہینے کے اندر اندر ہمیں ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جانا چاہیے۔ ویسے طوفانوں اور بارشوں کا موسم شروع ہونے ہی والا ہے۔ اگر کسی طوفان نے راستے میں آن لیا تو بڑی مشکل آن پڑے گی"۔

"خدا نہ کرے کہ طوفان آ جائے"۔

اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ صورت حال کیا تھی۔

صورت حال یہ تھی کہ ناگ اور ماریا بحری ڈاکوؤں کے خالی جہاز پر اکیلے ہندوستان کی طرف سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ادھر عنبر ایک تجارتی جہاز میں ملک ہندوستان سے جاپان کی طرف سفر کر رہا تھا۔ دوسری طرف ٹمٹماتا مارشی جزیرے پہ سارنگ بابا کی جھونپڑی کے پاس نیلی چٹان کی غار میں پناہ لیے ہوئے تھی۔ وہ منگلوں کے بادشاہ

کے محل سے بھاگ کر وہاں آ گئی تھی۔ سارنگ بابا نے اسے پناہ دے رکھی تھی اور سمگلروں کے بادشاہ کے آدمی کتوں کی طرح اسے سارے جزیرے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

اب ہم عنبر کے جہاز پر آتے ہیں۔

عنبر جس تجارتی جہاز میں سفر کر رہا تھا وہ آدھا راستہ طے کر چکا تھا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ بڑی اچھی ہوا چل رہی تھی۔ جہاز بڑی عمدہ رفتار کے ساتھ سمندر میں منزل کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے اچھے موسم میں عنبر جہاز کے عرشے پر کپتان کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ کپتان سمندر میں دور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے پوچھا:

''کیا بات ہے کپتان صاحب؟''۔

کپتان نے کہا:

''ادھر دیکھو کوئی تجارتی جہاز جاپان سے چلا آ رہا ہے''۔

عنبر نے بھی اٹھ کر دیکھا۔ سمندر میں دو سفید پھولے ہوئے بادبانوں والا جہاز ان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا:

''کپتان، اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے۔ آپ اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہیں؟''۔

کپتان ابھی تک جہاز کے بادبانوں کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا:

''عنبر جو شے میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ مجھے اس جہاز پر بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا شبہ ہو رہا ہے''۔

''کیا کیا؟ بحری ڈاکوؤں کا جہاز؟''۔

''جی ہاں اس کے بادبان خاص سمندری ڈاکوؤں کے جہازوں کے بادبان ہیں۔ مجھے مستول پر بحری ڈاکوؤں کا خاص ہڈیوں اور

کھوپڑیوں کا جھنڈا بھی لہراتا دکھائی دے رہا ہے"۔

عنبر بھی غور سے دور جہاز کو تکنے لگا۔

جزیرے کی تلاش

اجنبی جہاز قریب آ گیا تھا۔

تجارتی جہاز کے کپتان نے جوں ہی بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر ہڈیوں اور کھوپڑی کا خوف ناک جھنڈا لہراتا دیکھا۔ اس نے اونچی آواز میں اعلان کر دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز آ گیا ہے۔

تجارتی جہاز پر ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ مسافر گھبرا کر ادھر ادھر

بھاگ بھاگ کر چھپنے لگے۔ ان سبھوں کو معلوم تھا کہ اب ان کی خیر نہیں ہے۔ کیونکہ سمندری ڈاکو کسی کو معاف نہیں کرتے۔ وہ سامان لوٹ لیتے ہیں۔

عورتیں اٹھا کر لے جاتے ہیں اور مردوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

کپتان نے اپنے ملاحوں کو حکم دے دیا کہ جہاز کو روک دیا جائے۔ اور بحری ڈاکوؤں سے صلاح کی کوشش کی جائے۔ عنبر بھی کپتان کے پاس ہی کھڑا تھا۔ کپتان اور دوسرے ملاحوں کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ انہیں اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

مگر ایک عجیب بات ہو رہی تھی۔ بحری ڈاکوؤں کا جہاز اب بہت قریب آ گیا تھا۔ لیکن اس کے اوپر ایک بھی بحری ڈاکو نظر نہیں آ رہا تھا! ورنہ عام طور پر سارے ڈاکو تجارتی جہاز کو دیکھ کر حملے کے وقت تلواریں اور خنجر لیے جہاز کے اوپر آ جایا کرتے ہیں۔ یہ کوئی بڑا ہی عجیب ڈاکوؤں کا جہاز تھا کہ اوپر صرف ایک آدمی کونے میں کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ کپتان نے کہا:

"عنبر یہ کوئی بڑا ہی خطرناک جہاز ہے۔ سارے ڈاکو کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ اچانک ہم پر حملہ کریں گے۔ اس جہاز سے بچ کر نکلنا مشکل نظر آ رہا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"گھبراؤ نہیں کپتان، میں خود جا کر ان سے صلح کی بات چیت کروں گا۔ اگر وہ سیدھی راہ پر نہ آئے تو انہیں ایسا مزہ چکھایا جائے گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھیں گے"۔

کپتان نے عنبر سے کہا:

"اے نوجوان، کیسی بیوقوفوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا تم ایک دبلے پتلے سے نوجوان خونخوار بحری ڈاکوؤں کا مقابلہ کیسے کر سکو

گئے''۔

عنبر نے کہا:

یہ وقت آنے پر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا''۔

بحری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آ گیا۔

دونوں جہازوں نے لنگر ڈال دیے۔ اصل میں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز وہی تھا جس میں ناگ اور ماریا اکیلے سفر کرتے چلے آ رہے تھے۔ ناگ جہاز کے عرشے پر ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا۔ ماریا اس کے پاس ہی تھی۔ ناگ نے کہا:

''کم بخت یہ تجارتی جہاز کیسا ہے کہ بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔ ہمیں ڈاکوؤں کا جھنڈا اتار کر پھینک دینا چاہیے تھا''۔

ماریا کہنے لگی:

''اگر ہم جھنڈا اتار کر پھینک دیتے تو پھر یہ جہاز بھی ہمارے پاس نہ آتا۔ یہ اب اپنے آپ کو ہمارے قید میں سمجھ رہا ہے''۔

تجارتی جہاز پر جن پھر گیا تھا۔ مسافر چھپے ہوئے تھے۔ عرشے پر ملاح کانپ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ابھی چیختے چلاتے نعرے لگاتے آدم خور ڈاکو تلواریں لیے ان کے جہاز پر کود پڑیں گے اور ان کا قتل عام کرنا شروع کر دیں گے۔

کپتان اور عنبر عرشے کے جنگلے کے پاس کھڑے پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

''جہاز پر کوئی بھی نہیں ہے۔ میں خود ڈاکوؤں کے جہاز پر جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہ ڈاکو لوگ کہاں چھپے ہوئے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی نیت کیا ہے''۔

کپتان نے کہا:

"برخوردار! تم نو جوان ہو۔ ابھی تمہیں زندگی کی ضرورت ہے۔ تم موت کے منہ میں نہ جاؤ۔ تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ ڈاکو خود ابھی ہمارے جہاز پر آ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا:

"نہیں کپتان، میں ڈاکوؤں کے جہاز پر ضرور جاؤں گا"۔

اور عنبر نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک رسے کو پکڑا اور جھولا سا جھولتا ہوا وہ تجارتی جہاز سے اچھل کر ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گیا۔ ناگ نے دور سے دیکھا کہ ایک نو جوان رسے کے ساتھ لٹکتا ہوا ان کے جہاز پر آ گیا ہے اور ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ ماریا نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی! مجھے تو یہ عنبر لگ رہا ہے"۔

ناگ نے چونک کر کہا:

"کیا کہہ رہی ہو ماریا بہن؟"۔

"ہاں ہاں ناگ بھائی' یہ عنبر ہے"۔

اور پھر ماریا نے زور سے آواز دی:

"عنبر بھائی"۔

ناگ بھی اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر لپکا۔

"عنبر۔ میرے بھائی عنبر"۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کی آواز پہچان لیں۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر ان کی آوازیں کہاں سے آ گئیں لیکن اب اس کی آنکھوں کے سامنے ناگ کھڑا تھا۔ عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی' یہ میں ہی ہوں ناگ' تمہارا بھائی"۔

اور دونوں بھائی آگے بڑھ کر ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

پاس ہی ماریا کھڑی تھی۔ اگرچہ وہ غائب تھی مگر عنبر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر پھیرا اور پیار سے اپنی بہن کا سر چوم لیا۔

"میری پیاری بہن' میرے پیارے بھائی' تم کہاں تھے۔ میں کہاں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ایک بار پھر مل گئے۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم اس بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر کیسے سفر کر رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا:

تم نے دیر کر دی تو ہم کیوشیو سے چل پڑے۔ ہمیں شاہ جاپان نے ایک شاہی بجرے میں روانہ کیا۔ راستے میں بحری ڈاکوؤں نے ہمارے جہاز پر حملہ کر دیا ہم نے ان کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے ہمارے سارے غلاموں کو ہلاک کر دیا۔

پھر میں نے اور ماریا نے مل کر ان کے کپتان اور اس کے ساتھیوں کو بھی ختم کر دیا۔ انہوں نے ہمارے جہاز کو آگ لگا دی تھی۔

ہم نے ان کے جہاز پر قبضہ کر لیا اور اس کا رخ تمہاری تلاش میں ہندوستان کی طرف موڑ دیا۔

ماریا نے کہا:

"یہ خدا کی قدرت ہے کہ ہماری آپس میں اس سمندر میں ملاقات ہوگئی۔ آج کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ ہم جاپان میں تمہاری یاد میں اکثر رویا کرتے تھے"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن' میری کہانی بڑی لمبی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ پہلے اپنے جہاز کے کپتان کو یہ خوش خبری سنا لوں کہ بحری ڈاکو اس جہاز پر نہیں ہیں' ورنہ جہاز کے مسافروں کا خوف کے مارے دل نکل جائے گا"۔

ادھر کپتان عرشے پر کھڑا بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ عنبر ایک بحری ڈاکو سے بڑا گھل مل کر باتیں کر رہا ہے اور اس کے گلے لگ کر بھی ملا ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ ڈاکو عنبر کا دوست نکلا ہے۔ عنبر نے کپتان کو آواز دی:

"کپتان' یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا نہیں۔ ادھر آ جاؤ"۔

تھوڑی دیر میں کپتان بھی ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گیا۔ عنبر نے اپنے بھائی ناگ سے جہاز کے کپتان کا تعارف کروایا اور کہا:

"کپتان' میرے اس بھائی کے جہاز پر بحری ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔ اس اکیلے نے سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کے اپنے جہاز میں آگ لگ گئی اور اس نے ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کر لیا"۔

کپتان نے ناگ کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

بھائی' تم سچ مچ بڑے بہادر نوجوان ہو۔ مجھے حیرانی ہے کہ تم نے

اکیلے ہو کر وحشی سمندری ڈاکوؤں پر کیسے فتح حاصل کی؟ بہر حال میرے سامنے تمہاری فتح اور ڈاکوؤں کی شکست کا ثبوت موجود ہے کہ تم ڈاکوؤں کے جہاز پر سفر کر رہے ہو۔ لیکن بھائی، کم از کم اپنے جہاز پر سے ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا تو اتار دیا ہوتا"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"اگر میں جھنڈا اتار دیتا تو آپ یہاں کبھی کھڑے نہ ہوتے اور میرے بھائی عنبر سے ہماری کبھی ملاقات نہ ہوتی۔ ہم ایک برس کے جدا ہوئے آج مل رہے ہیں"۔

تجارتی جہاز کے ملاحوں اور مسافروں کو معلوم ہوا کہ جس جہاز کو وہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز سمجھ رہے تھے وہ ڈاکوؤں کا جہاز نہیں ہے تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کپتان نے ناگ کے جہاز کو اپنے جہاز کے ساتھ باندھ لیا۔ اس کے بادبان لپیٹ دیئے گئے۔ ناگ، عنبر کپتان کے ساتھ تجارتی جہاز پر آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی آ گئی۔ جہاز پر آ کر مسافروں نے ناگ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

دونوں جہاز بیچ سمندر میں کھڑے تھے۔ رات کو ناگ اور عنبر کے ملنے کی خوشی میں جہاز پر ایک شاندار دعوت دی گئی۔ دعوت میں ماریا بھی شریک ہوئی۔ مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ناگ کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ عنبر بھی ساتھ ہی تھا۔ ناگ ماریا کو بھی سب کی نظروں سے چھپا چھپا کر گوشت اور مٹھائیاں کھلا رہا تھا۔ کپتان کو اور جہاز کے دوسرے کسی مسافر کو شک تک نہیں ہو رہا تھا کہ اس جگہ ایک ایسی عورت بیٹھی ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دے رہی۔

کھانے کے بعد کپتان، ناگ اور عنبر کیبن میں بیٹھ گئے۔ عنبر نے ماریا کو بھی چپکے سے اندر داخل کرا لیا تھا۔ کپتان نے پیالیوں میں قہوہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”ناگ بھائی‘ میں تمہاری ہوشیاری اور عقل مندی پر بڑا خوش ہوں کہ تم نے ایک جہاز کو کس طرح سنبھال لیا اور اسے سمندر میں چلاتے ہوئے یہاں تک لے آئے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ ہمت ہار دیتا“۔

عنبر نے کہا:

”کپتان صاحب، میرا بھائی بڑا بہادر ہے۔ ہم دونوں نے اکٹھے مل کر بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں اور بڑے بڑے کٹھن سفر کیے ہیں۔ کئی بار ہمارا جہاز طوفان میں غرق ہو گیا اور ہم ایک تختے پر بیٹھ کر سمندر میں تیرتے کسی جزیرے پر پہنچے“۔

ناگ بولا:

"انسان کو مصیبت کے وقت ہمیشہ صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ جو شخص ہمت ہار بیٹھتا ہے وہ جنگ اپنے ہی گھر میں ہار بیٹھتا ہے"۔

کپتان نے کہا:

"لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ تم نے اکیلے اتنے زیادہ اور اس قدر وحشی ڈاکوؤں کا مقابلہ کس طرح کیا۔ یہ ڈاکو لوگ تو پچاس ساٹھ آدمیوں سے بھی ہار نہیں مانتے۔ پھر تم نے اکیلے ان سب کا مقابلہ کر کے، انہیں ہلاک کرنے کے بعد ان کے جہاز پر کیسے قبضہ کر لیا؟"۔

اب ناگ اسے کیا بتاتا کہ وہ سانپ بن گیا تھا۔ اس نے سینکڑوں سانپ ڈاکوؤں پر چھوڑ دیے تھے۔۔۔ اور یہ کہ ماریا بھی غائب ہو کر اس کے ساتھ جنگ کر رہی تھی۔ وہ مسکرایا اور بولا:

"بس خدا نے میری مدد کی اور میں کامیاب ہو گیا"۔

اس دوران میں کپتان نے دیکھا کہ میز پر سے قہوے کا ایک سبز رنگ کا پیالہ غائب ہے۔ اس نے کہا:

"سبز رنگ کا ایک پیالہ کہاں گیا۔ ابھی تو وہ قہوے سے بھرا ہوا یہاں پڑا تھا"۔

اس پیالے میں ماریا قہوہ پی رہی تھی، اور جیسا کہ آپ پچھلے حصوں میں پڑھ چکے تھے۔ ماریا خود بھی غائب تھی اور وہ جس چیز کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتی تھی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے سبز پیالہ میز پر نہیں تھا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"۔

کپتان بولا:

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے خود ابھی ابھی سبز رنگ کا پیالہ میز پر پڑے دیکھا تھا۔ اس میں قہوے کی بھاپ اٹھ رہی تھی۔"

ناگ نے کہا:

"آپ کی نظروں کو دھوکا ہوا ہوگا کپتان صاحب"۔

ماریا قہوہ بھی پی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی کہ کپتان کیسا بے وقوف بن رہا ہے۔ وہ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اب ماریا نے قہوہ پی کر خالی پیالہ میز پر لا کر رکھا تھا۔ دیکھو میز پر پڑا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ کہاں سے آ گیا؟"۔

عنبر نے پیالے کو غور سے دیکھ کر کہا:

"کمال ہے' یہ تو کوئی جادو کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے"۔

ناگ بولا:

"بہر حال کپتان صاحب آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا پیالہ ضائع نہیں ہوا۔ وہ آپ کو واپس مل گیا ہے"۔

کپتان نے حیرت سے سر ہلا کر کہا:

"لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ کہاں چلا گیا تھا؟ اور۔۔۔ اور پھر اپنے آپ واپس کہاں سے آ گیا؟"۔

عنبر نے بات بدلتے ہوئے کہا:

"میرا خیال ہے' ہمیں اب اصل بات پر آ جانا چاہیے۔ اب قصہ یہ ہے کہ کپتان صاحب کہ میں آپ کے ساتھ جاپان نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ اپنے جس بھائی اور جس بہن کی۔۔۔"

عنبر ایک دم رک گیا۔ وہ بے خیالی میں ماریا کا ذکر کر گیا تھا۔

کپتان نے کہا:

"بہن کون؟"

عنبر نے جھٹ کہا:

"میرا مطلب تھا کہ بہن شگفتہ! لیکن اسے ابھی تلاش کرنا ہے۔ وہ اس ڈاکوؤں کے بحری جہاز پر نہیں تھی۔ ظاہر ہے اسے ڈاکو کسی دوسرے جگہ لے گئے ہیں۔ یا وہ یقیناً ہندوستان میں ہوگی"۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کو شگفتہ کے بارے میں ساری کہانی بیان کر دی۔

پھر کپتان سے کہا:

اب سوال یہ ہے کہ میں جاپان جا کر کیا کروں گا۔ کیوں کہ جس بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں شگفتہ جا رہی تھی اس پر ناگ نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق جہاز پر کوئی عورت سوار نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکو شگفتہ کو ضرور راستے میں کسی جزیرے میں فروخت کر

چکے ہیں۔

نقشہ دیکھ کر آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اس علاقے میں کوئی آس پاس ایسا جزیرہ بھی ہے جہاں کوئی امیر آدمی رہتا ہو اور جہاں لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہو؟"۔

کپتان نے نقشہ دیکھ کر بتایا:

میاں عنبر، اس وقت جہاں ہم کھڑے ہیں یہاں سے دو سو کلو میٹر جنوب مغرب کی طرف واحد جزیرہ ہے جس کا نام مرشی ہے۔ اس جزیرے پر ایک ایسے امیر آدمی کی حکومت ہے جسے ان سمندروں میں سمگلروں کے بادشاہ سے نام کیا جاتا ہے۔

بحری ڈاکوؤں نے شگفتا کو ضرور اس آدمی کے ہاتھ فروخت کیا ہو گا۔ کیوں کہ اس آدمی کو نئی نئی لونڈیاں اور غلام خریدنے کا بہت شوق ہے اور بحری ڈاکو یہاں سے گزرتے ہوئے عام طور پر اس جزیرے پر خوراک وغیرہ حاصل کرنے کے لیے رک جایا کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ بحری ڈاکوؤں اور شیوا جی ٹھگ نے شگفتا کو اسی جزیرے میں فروخت کر دیا ہو گا۔ کیونکہ ان کا جہاز اس وقت ہمارے قبضے میں ہے اور سارے ڈاکو ٹھگوں سمیت مارے جا چکے ہیں۔ شگفتا ضرور اسی جزیرے پر ہو گی"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر ہمیں اسی جزیرے کی طرف چلنا چاہیے"۔

عنبر بولا:

"ٹھیک ہے، کپتان صاحب، میں اور ناگ کل صبح صبح اپنا جہاز لے کر جزیرہ مارشی کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جہاز کو درست رخ پر رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"۔

کپتان کہنے لگا:

میں جہاز کا رخ جزیرے کی طرف ڈال دوں گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جہاز کو اسی رخ پر چلاتے جائیں۔ ذرا سمت بدلے تو اسے پھر اسی رخ پر ڈال دیں۔

اگر آپ لوگ کل صبح روانہ ہوں تو میرے حساب کے اگلے روز رات کو آپ جزیرہ مارشی پہنچ جائیں گے۔ آپ بادبانوں کا رخ موڑ کر کوشش کریں کہ جزیرے کے کسی بے آباد اور چھپے ہوئے ساحل پر اتریں یا آپ جہاز کو بیچ سمندر میں کھڑا کر کے کشتی کے ذریعے جزیرے میں داخل ہوں کیوں کہ منگلوں کا بادشاہ بڑا ظالم شخص ہے۔ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ اس کی لونڈی کے پیچھے آئے ہیں تو وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

عنبر بولا:

"یہ تو خیر وہاں جا کر ہی معلوم ہو گا کہ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑتا یا ہم اسے ہلاک کر کے جزیرے کے سب سے اونچے درخت پر اس کی لاش لٹکاتے ہیں؛ بہر حال کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔

کپتان نے کہا:

"ایک بات آپ بھول گئے ہیں۔ آپ کے جہاز پر ڈاکوؤں کا مال غنیمت لدا ہوا ہے۔ آپ کو اس کی بے حد حفاظت کرنی ہو گی۔ جزیرے پر کسی شخص کو ذرا سا بھی علم ہو گیا کہ آپ کے جہاز میں جواہرات سے بھرے صندوق ہیں تو پھر آپ کے جہاز کو آناً فاناً لوٹ کر آگ لگا دی جائے گی"۔

ناگ بولا:

"آپ فکر نہ کریں کپتان صاحب، ہم جواہرات کے بارے میں

کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیں گے اور اگر کسی نے ہمارے جہاز پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں ان سے نپٹ لوں گا۔"

میں اگر وحشی سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکتا ہوں تو جزیرے کے لوگ میرے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

کپتان نے کہا:

"آپ کو خبردار کرنا میرا فرض تھا اور میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب باقی حالات کو سنبھالنا آپ کا کام ہے"۔

وہ رات عنبر، ناگ اور ماریا نے مسافروں کے جہاز پر بسر کی۔ صبح صبح وہ جہاز پر سے نکل کر اپنے خالی جہاز میں آ گئے۔ یہاں کپتان ان کے ساتھ ساتھ آیا۔ کپتان نے کیبن میں جا کر نقشے پر نشان لگائے۔ قطب نما کے حساب سے جہاز کی چرخی کو ایک خاص زاویے کی طرف گھما کر وہاں اسے تالا لگا دیا۔ پھر لنگر اٹھوا کر بادبان کھلوا دیے۔ جہاز حرکت کرنے لگا تو کپتان اپنے جہاز پر آ گیا۔ ناگ کا جہاز کھلے سمندر میں جزیرہ مارشی کی طرف روانہ ہو گیا۔

پراسرار جہاز

سارا دن اور ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

موسم بڑا خوشگوار تھا۔ سمندر کی لہروں میں بڑا سکون تھا۔ جس کی وجہ سے جہاز ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ ٹھیک سمت کی طرف چلا گیا۔ عنبر اور ناگ دن میں کتنی ہی بار قطب نما اور چرخی پر لوہے کی سوئی کے زاویے کو دیکھتے کہ کہیں جہاز کا رخ تو نہیں بدل گیا؟

مگر جہاز صحیح سمت کی جانب روانہ تھا۔ کپتان نے اپنے بہترین تجربے اور حساب کے ساتھ جہاز کا رخ قائم کیا تھا۔ انہیں سمندر میں جزیرے کی طرف سفر کرتے دوسرا روز جا رہا تھا۔ اس حساب سے اس رات کو کسی وقت ان کا جہاز جزیرے پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ناگ، عنبر اور ماریا جزیرے کی طرف نگاہ لگائے ہوئے تھے۔

شام کے وقت انہیں دور جزیرے کی سیاہ لکیر نظر آئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کا جہاز ٹھیک راستے پر سفر کر رہا تھا۔۔۔ اب دوسری اہم بات یہ تھی کہ انہیں جہاز کے رخ کو جزیرے کے غیر آباد ساحل کی طرف موڑنا تھا۔ سورج غروب ہو گیا۔ سمندر پر رات کا ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا۔ اگر مشرق کی طرف سے زرد رنگ کا آدھا چاند نہ نکلتا تو اندھیرے میں ان کے لیے جزیرے کے بے آباد علاقے تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔

زرد چاند کی ہلکی دھیمی روشنی میں جزیرے کے سیاہ درخت اب

کافی قریب آ گئے تھے۔ ناگ اور عنبر نے مل کر بادبانوں کی رسیوں کو جزیرے کے پچھلے حصے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ جہاز جزیرے کے عقبی حصے کی سمت مڑنے لگا۔ انہوں نے جہاز کے آدھے بادبان لپیٹ دیے تاکہ زیادہ زور میں جہاز کہیں جزیرے کے ساحل سے نہ جا ٹکرائے۔

جہاز آہستہ آہستہ جزیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ یہاں جزیرے کا ساحل ویران اور اجاڑ تھا۔ سامنے کی جانب کہیں کہیں جھونپڑوں کے باہر انہیں آگ جلتی نظر آ رہی تھی۔ مگر ادھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کپتان نے انہیں بڑی نصیحت کی تھی۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

''میرا خیال ہے ہمیں اب جہاز کو کسی جگہ روک دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاز پورے جزیرے کا چکر لگا کر پھر سامنے والے رخ پر نہ آ جائے''۔

عنبر نے کہا۔

''تو پھر بادبان لپیٹ کر لنگر پھینک دیتے ہیں''۔

ماریا بولی:

پہلے یہ اندازہ لگا لینا چاہیے کہ یہ جگہ کہیں غیر محفوظ تو نہیں ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن چڑھے تو ہمیں پتہ چلے کہ ہم تو جزیرے کے سارے لوگوں کی نظروں میں ہیں''۔

ناگ نے کہا:

''اتنے بڑے جہاز کو جزیرے والوں کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک چھپانا بہت مشکل بات ہے۔ انہیں آج نہیں تو کل جہاز کے بارے میں ضرور علم ہو جائے گا''۔

عنبر بولا:

’’ہاں ماریا بہن' آخر جزیرے کے ماہی گیر سمندر میں کشتیاں لے کر مچھلیاں پکڑنے بھی تو نکلیں گے۔۔۔ یہ جہاز کسی کی نظروں سے زیادہ دیر تک نہ چھپ سکے گا‘‘۔

ناگ نے کہا:

’’ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاز کے نظروں میں آنے سے پہلے پہلے ہم شکنتلا کو تلاش کر کے یہاں سے روانہ ہو جائیں‘‘۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

’’ناگ بھائی، جس کام کو تم اتنا آسان سمجھ رہے ہو وہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ شکنتلا کس جگہ پر ہے؟ آیا وہ سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں ہے یا وہاں سے فرار ہو کر کسی دوسری جگہ چھپی ہوئی ہے‘‘۔

ماریا نے کہا:

’’وہ بے چاری سمگلروں کے محل سے کیسے فرار ہو سکے گی۔ وہ ضرور اسی جابر آدمی کے محل میں ہی ہو گی۔‘‘

عنبر نے کہا:

’’ماریا بہن' تم شکنتلا کو نہیں جانتیں۔ وہ بھی تمہاری طرح ہی دلیر اور بہادر ہے۔ اس نے میرے ساتھ ہندوستان کے اور افریقہ کے جنگلوں اور سمندروں میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور بڑی بہادری کے کام کیے ہیں۔ اس نے ضرور سمگلروں کے محل سے بھاگ جانے کی کوشش کی ہو گی‘‘۔

ماریا بولی:

’’یہ تو ٹھیک ہے مگر سب سے پہلے ہمیں سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں ہی اسے تلاش کرنا چاہیے۔ اگر وہ وہاں نہیں ہو گی تو ہو سکتا ہے کہ وہیں سے کہیں اس کا کوئی سراغ مل جائے‘‘۔

ناگ نے کہا:

"ٹھیک ہے! ہم اسی جگہ جہاز کا لنگر ڈالتے ہیں"۔

انہوں نے بادبان لپیٹ کر جہاز کا لنگر سمندر میں پھینک دیا۔

لنگر کے سمندر میں گرتے ہی جہاز رک گیا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ چاند اب ان کے سروں پر آ گیا تھا۔ جزیرے کے درختوں پر اس کی زرد روشنی بڑی اداس لگ رہی تھی۔ ناگ، عنبر اور ماریا نے آپس میں صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ کہ کون کون کس کس طرف جائے۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہ اور ناگ وہاں سے اتر کر جزیرے پر جائیں اور سنگلروں کے بادشاہ کے محل میں شگفتا کا کھوج لگائیں۔ وہ ماریا کو

جہاز ہی پر چھوڑنا چاہتے تھے۔ ماریا نے کہا کہ نہیں وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی۔ پردیس کا معاملہ ہے اگر وہ کسی مصیبت میں پھنس گئے تو وہ غائب ہونے کی وجہ سے ان کی بڑی مدد کر سکے گی۔

ناگ نے کہا:

''ماریا بہن، یہ تو درست ہے کہ تم ہماری مدد کر سکتی ہو۔ لیکن اس پر بھی تو غور کرو کہ تم بھی کسی مصیبت میں پھنس سکتی ہو۔ اگر تم کو کسی نے ایک بار پکڑ لیا تو پھر تم کچھ نہ کر سکو گی۔ تمہیں بہت بچ بچ کر ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا کہ کہیں تم کسی کو چھو نہ جاؤ۔ کوئی دوسرا آدمی تم سے ٹکرا نہ جائے۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم جہاز پر ہی آرام کرو''۔

عنبر بولا:

''ہاں ماریا بہن، ناگ کا خیال ٹھیک ہے۔ تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ ابھی صرف میں اور ناگ جزیرے پر جاتے ہیں۔ ہم دن میں کسی بھی وقت واپس آ کر تمہیں بتا جائیں گے کہ ہمیں شکنتا کو تلاش کرنے میں کہاں تک کامیابی یا ناکامی ہوئی ہے''۔

دونوں بھائیوں نے جب بہت مجبور کیا تو ماریا خاموش ہو گئی اور بولی:

''اچھا بھائیو، جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کرتی ہوں۔ میں اس جہاز پر تمہاری راہ دیکھوں گی۔ مگر خدا کے لیے زیادہ دیر نہ کرنا۔ مجھے یہاں کسی سے خوف نہیں آئے گا مگر تمہارے بارے میں فکر بہت رہے گا۔ اس لیے جلدی سے جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ کم از کم مجھے بھی پتہ لگنا چاہیے کہ تم کیا کر رہے ہو''۔

عنبر بولا:

''اچھی بہن ماریا، تم بالکل نہ گھبراؤ۔ ہم جہاں بھی ہوں گے

خیریت سے ہوں گے۔ ہمارا یہاں کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ویسے ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ تمہیں جلد سے جلد جہاز پر آ کر خبر کریں۔ لیکن اگر ہم شام تک بھی نہ آئے تو پریشان نہ ہونا۔ تم جہاز کے کیبن میں جا کر سو جانا۔۔۔ اور سنو! ایک بات کی تاکید ہے کہ جہاز کے باہر یا اوپر چراغ جلا کر روشنی مت کرنا۔ ہاں اپنے کیبن میں دیا روشن کر لینا"۔

ماریا نے کہا کہ وہ ان باتوں پر ضرور عمل کرے گی۔ اس کے بعد ناگ اور عنبر نے مل کر جہاز پر سے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر میں اتاری اور اس میں سوار ہو کر رات کی خاموشی اور ہلکی ہلکی زرد چاندنی میں جزیرے کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ جزیرے پر ساحل کے ساتھ آن لگے۔ سمندر کی لہریں یہاں بڑے سکون کے ساتھ آ کر ساحل سے ٹکراتیں اور پھر واپس چلی جاتیں۔ انہوں نے ساحل پر اترتے ہی کشتی کو کھینچ کر کنارے کی گھنی جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر ٹوٹی پھوٹی شاخیں اور پتے ڈال دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک طرف کو چلنا شروع کر دیا۔ وہ جزیرے کے سامنے والے حصے کی طرف چل رہے تھے، جدھر انہوں نے جھونپڑوں کے باہر آگ جلتی دیکھی تھی۔

ناگ نے کہا:

"عنبر بھائی، ہم کس حیثیت سے اس جزیرے میں داخل ہوں گے۔ کوئی ہم سے پوچھے گا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو ہم انہیں کیا کہیں گے؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہاں بھائی' یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے میں الگ

الگ سفر کرنا چاہیے۔ تم کسی دوسری طرف سے آؤ اور میں اس کے سامنے والے حصے سے جاتا ہوں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ جہاز ڈوب گیا تھا اور بڑی مشکل سے سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچا ہوں’’۔

ناگ ہنس کر بولا:

‘‘کمال ہے، مگر کپڑے تو تمہارے سوکھے ہیں۔ پھر تم سمندر میں تیر کر کیسے آئے ہو؟’’۔

عنبر نے کہا:

‘‘میں ابھی پانی میں ڈبکی لگا لیتا ہوں’’۔

ناگ بولا:

‘‘تو پھر ہمارے اکٹھے رہنے میں کیا حرج ہے؟ ہم دونوں ہی یہی کہیں گے کہ ہمارا جہاز سمندر میں آگ لگنے سے غرق ہو گیا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں’’۔

عنبر بولا:

‘‘تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم دونوں اکٹھے ہی رہتے ہیں’’۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے دونوں دوست، دونوں بھائی جزیرے کے اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں ادھر ادھر ملاحوں کی کئی ایک جھونپڑیاں تھیں جن کے باہر کہیں کہیں آگ جل رہی تھی آگ میں انہوں نے ملاحوں کو دیکھا کہ بیٹھے رسیاں بٹ رہے ہیں۔ عنبر اور ناگ نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ سمندر میں ڈبکی لگا کر اپنے کپڑے گیلے کیے۔ پھر ایک جھونپڑی کے پاس آ کر رک گئے۔ یہاں ایک بوڑھا ملاح رسی بٹ رہا تھا۔ اس نے حیرانی سے عنبر اور ناگ کو دیکھا اور پوچھا:

''تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''بابا جی، ہم دونوں بھائی ہیں مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھوک۔۔۔''

اور سوچی سمجھی سکیم کے مطابق دونوں غش کھا کر جھونپڑی کے باہر ریت پر گر پڑے۔ ملاح نے جلدی سے انہیں اٹھایا اور ان کے منہ میں ناریل کا دودھ ٹپکایا۔ عنبر اور ناگ نے آنکھیں کھول دیں وہ تو پہلے ہی ہوش میں تھے۔

بے ہوش ہونے کا تو انہوں نے بہانہ بنایا تھا۔ محض یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بہت بھوکے ہیں اور تھکے ہوئے ہیں۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے اشارے سے پانی اور کھانا مانگا۔

بوڑھے ملاح نے انہیں پانی اور مچھلی کھانے کو دی۔ کھا پی کر عنبر اور ناگ نے بوڑھے ملاح کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا:

''ہم کون سے جزیرے میں ہیں؟''۔

بوڑھے ملاح نے کہا۔

''تم مارشی جزیرے میں ہو۔ یہ مگروں کے بادشاہ کا جزیرہ ہے۔ مگر تم یہاں کہاں سے ٹپک پڑے ہو۔ یہ تو بتاؤ؟''۔

عنبر نے کہا:

''بابا' ہم دونوں بھائی مصیبت کے مارے ہیں۔ ہم ملک ہندوستان سے ملک جاپان کی طرف ایک مسافر جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک جہاز میں آگ لگ گئی۔ سارے جہاز میں قیامت مچ گئی لوگوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ جہاز جل رہا تھا ہم بھی سمندر میں کود پڑے۔ تقریباً سارے کے سارے مسافر سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ چونکہ ہم تیرنا خوب جانتے تھے اور ہمیں ایک لکڑی کا تختہ مل گیا تھا۔ اس لیے ہم اس جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں بابا کہ تم نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا''۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

''تم لوگ خوش قسمت ہو جو بچ گئے! ورنہ یہ سمندر تو بڑی خوفناک شارک مچھلیوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ تو کسی انسان کو زندہ نہیں چھوڑتیں۔ اچھا ہوا کہ تم بچ گئے۔ اب تم اس آگ کے پاس لیٹ جاؤ اور رات آرام سے گزارو۔ صبح اٹھ کر تم سے باتیں ہوں گی''۔

ناگ بولا:

''بابا' ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی جگہ ایسا کام مل جائے کہ ہم کچھ پیسے کما کر واپسی کا کرایہ بنا سکیں اور پھر کسی مسافر جہاز پر بیٹھ کر

ملک ہندوستان کی طرف واپس چلے جائیں۔ کیونکہ جہاز میں ہمارا سارا سامان بھی تباہ ہو گیا ہے۔ اب ہمارا جاپان جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں"۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

"میاں اب تم لوگ زیادہ باتیں نہ کرو اور سو جاؤ۔ یہ سب کچھ صبح اٹھو گے تو طے کر لیا جائے گا؛ بہر حال تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہاں کوئی مسافر جہاز سال سال بھر کے بعد ہی کبھی بھولے بھٹکے سے آتا ہے۔ اب باقی تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔۔۔ رات بھر سوچتے رہو۔ باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

عنبر اور ناگ کے لیے یہ کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کا جہاز تو جزیرے کے پچھلی جانب سمندر میں خاموش کھڑا تھا۔ پھر بھی انہوں نے بوڑھے ملاح کے آگے بڑی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا:

"ہائیں، یہ تم نے کیا کہہ دیا بابا؟ سال سال تک ادھر کوئی مسافر جہاز نہیں آتا؟ ہمارا تو سارا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔ ہم تو تباہ و برباد ہو جائیں گے"۔

ملاح نے کہا:

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں میاں۔ مسافر جہاز کے لیے تو تمہیں ہو سکتا ہے دو سال تک انتظار کرنا پڑے"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا بابا' اب کیا ہو سکتا ہے پھر۔ اب تو سونے کی کوشش کرتے ہیں صبح بات کریں گے"۔

ناگ اور عنبر آگ کے پاس ہی ریت پر لیٹ گئے۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا ملاح اٹھا اور جھونپڑی کے اندر جا کر گھاس پھونس کے بستر پر لیٹ

گیا۔ وہ ان سے ذرا فاصلے پر تھا۔

عنبر نے سرگوشی میں ناگ سے کہا:

"بھائی! صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کرنا ہے کہ بوڑھے ملاح سے سمگلروں کے بادشاہ کے محل کا راستہ پوچھنا ہے تاکہ ہم وہاں پہنچ کر کسی نہ کسی طرح محل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں"۔

ناگ بولا:

"بہت اچھا"۔

وہ دونوں سو گئے۔ رات گزر گئی۔

دن چڑھا تو جزیرے پر سورج کی چمکیلی روشنی پھیل گئی۔ بوڑھا ملاح ابھی تک جھونپڑے کے اندر سو رہا تھا۔ شاید یہ شخص رات کو کام کرتا تھا اور صبح کو سوتا تھا۔ عنبر اور ناگ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بوڑھے ملاح کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف ماریا بھی جہاز کے کیبن سے نکل کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ جزیرے کا گھنا جنگل سامنے پھیلا ہوا ہے اور ان کا جہاز جس جگہ کھڑا ہے وہاں ارد گرد پانی میں جگہ جگہ ریت کے ٹاپو ابھرے ہوئے ہیں۔ جہاں درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا جہاز لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☆ عنبر اور ناگ کی شکنتلا سے ملاقات کیسے ہوئی؟

☆ شکنتلا بوڑھے سارنگ کی غار سے کہاں نکل کر گئی؟

☆ ماریا اور عنبر جہاز پر کن حالات میں آ کر ملے؟

☆ یہ سب آپ اسی ناول کی اگلی یعنی 39 ویں قسط

"سنہری موت" میں پڑھیے گا۔

اے حمید

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فہرست

جاسوس راون
جہاز میں سانپ
سنہری موت
پراسرار تہہ خانہ
جنگل میں تلاش
ناگ کا حملہ
عجیب سپاہی
خزانے کی تلاش
دیوی بہن
شگفتا کہاں ہے!

سنو پیارے بچے

ڈاکوؤں کے سمندری جہاز پر قبضہ کرنے کے بعد عنبر اور ناگ جہاز کو لے کر جزیرے کی طرف آتے۔ ماریا بھی اسی جہاز میں ان کے ساتھ ہے۔ آدھی رات کو وہ جہاز چپکے سے جزیرے کے پچھلے علاقے میں روک دیتے ہیں۔ ماریا اکیلی جہاز میں رہ جاتی ہے۔ عنبر اور ناگ یہ معلوم کرنے جہاز سے اتر کر جزیرے پر آتے ہیں کہ یہاں کون لوگ آباد ہیں؟

شگفتا اسی جزیرے کے مشرقی حصے میں ایک بوڑھے ملاح کی جھونپڑی میں چھپی ہوئی ہے کیونکہ وہ سمندری ڈاکوؤں کی قید سے فرار ہو کر یہاں پہنچی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جاسوس راون

اکیلا جہاز جزیرے کے مغربی ساحل پر سمندر میں کھڑا تھا۔

صبح ہو گئی تو ماریا اٹھ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ اس نے دیکھا جزیرے پر سورج کی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر اور ناگ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ساحل ویران ویران تھا۔ جہاز کے آس پاس گھنے درخت تھے۔ یہ جہاز ایک کھاڑی میں کھڑا تھا۔ جو جزیرے کے ایک گھنے جنگل کے اندر چلی گئی تھی۔

کچھ دیر ماریا جہاز کے اوپر کھڑی رہی۔ پھر اس نے نیچے آ کر

ناشتہ کیا اور عرشے پر کھڑی ہو کر دوبارہ جزیرے کا نظارہ کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ اور عنبر جس کام پر گئے ہیں اس کام کے پورا ہونے میں ایک دن اور لگ جائے گا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی اسے ایک دن اور ایک رات اور جہاز پر اکیلا رہنا ہوگا۔ اسے جہاز پر اکیلا رہنے میں کوئی ڈر نہیں لگتا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود تو کسی کو نظر نہیں آتی تھی مگر وہ سب کو دیکھ سکتی تھی۔ جہاز خالی تھا۔ اس پر کوئی بھی دوسرا شخص سوار نہیں تھا۔

ماریا نے عرشے پر قالین بچھایا اور لیٹ گئی۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ جھونپڑی کے باہر جاگ چکے تھے۔ جھونپڑی کے اندر بوڑھا ملاح ابھی تک سو رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا کہ انہیں جھونپڑی میں چل کر بوڑھے ملاح کو جگانا چاہیے تا کہ شکنتلا کے بارے میں سراغ رسانی کا کام شروع کیا جا سکے۔ ناگ اٹھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر جھونپڑی کے پاس آ گیا اور اس نے ملاق کو آہستہ سے ہلا کر جگایا۔ ملاق نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"کون ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

"ہم ہیں بابا' کیا اٹھو گے نہیں؟ ہمیں بھوک لگی ہے؟"۔

بوڑھا ملاق اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا:

"دن چڑھ آیا؟ اچھا اچھا' میں تمہیں کھانے کو جنگلی پھل دیتا ہوں"۔

اور بوڑھے ملاق نے ایک ٹوکری میں سے کچھ ناریل نکالے اور انہیں لے کر باہر عنبر کے پاس آ گیا۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے ناریل توڑ کر ان کا پانی پیا اور گودا کھا کر ناشتہ کیا۔ عنبر نے ملاق سے کہا کہ وہ انہیں لے کر منگلوں کے بادشاہ موشے کے پاس کس وقت جائے گا؟

ملاق بولا:

"میری طرف سے کوئی دیر نہیں ہے۔ بے شک ابھی چلو"۔

اور ملاق اسی وقت عنبر اور ناگ کو لے کر منگلوں کے بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑا۔ عنبر اور ناگ جنگلی بلی بنے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ملاق نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ منگلوں کے بادشاہ کے پاس جا کر بڑے ادب سے بات کریں اور اسے یہی کہیں کہ وہ اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔

عنبر اور ناگ نے بوڑھے ملاق کو یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔

جزیرے کے جنگلی پتھریلے اور ریتلے راستوں پر سے ہوتے ہوئے وہ ملاق کے ساتھ پام اور ناریل کے درختوں میں گھرے ہوئے ایک خوبصورت اور چھوٹے محل کے سامنے آ گئے۔

ملاق نے انہیں بتایا کہ یہی منگلوں کے بادشاہ موشے کا محل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اتفاق سے سمگلروں کا بادشاہ اس وقت محل کے آگے سامنے والے باغ میں اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ غلام اس کی خدمت میں لگے تھے۔

ملاح نے عنبر سے کہا:

"سنو! موشے ایک خطرناک آدمی ہے۔ سارے جزیرے پر اس کی حکمرانی ہے۔ اس لیے کہ بحری ڈاکو اس بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ جزیرے کا جو شخص بھی اس کا حکم ماننے سے انکار کرتا ہے موشے کے بحری ڈاکو اس آدمی کو اٹھا کر اپنے جہاز پر لے جاتے ہیں اور پھر اسے بیچ سمندر میں دھکا دے کر مار ڈالتے ہیں"۔

ناگ بولا:

"پھر تو یہ بڑا ہی طاقت والا شخص ہے بابا، ہمیں بھلا کیا ضرورت پڑی ہے کہ اتنی بڑی طاقت والے جزیرے کے پادشاہ سے الجھتے

پھریں۔ ہم تو اس سے مدد لینے جا رہے ہیں۔ اس سے مقابلہ کرنے تو نہیں جا رہے"۔

ملاح نے کہا:

"شاباش! اس طرح سوچو گے تو سمگلروں کا بادشاہ خوش ہو کر تمہیں بہت سا انعام و اکرام بھی دے گا اور اپنے محل میں ملازم بھی رکھ لے گا"۔

عنبر کہنے لگا:

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے بابا، ہم بس یہی چاہتے ہیں کہ یہاں کام مل جائے تا کہ ہم فاقے کرنے سے بچ جائیں"۔

"کام تمہیں میں لے کر دوں گا۔ سمگلروں کا بادشاہ میری عزت کرتا ہے۔ کیوں کہ جب وہ اس جزیرے پر ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور لوگوں کو سمگل کر کے بحری ڈاکوؤں کے ہاتھ بیچتا تھا تو میں نے اس کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بڑی مدد کی تھی۔ وہ میرے احسانوں کو بھولا نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ وہ ہمیں غور سے دیکھ رہا ہے"۔

سمگلروں کا بادشاہ موشے بوڑھے ملاح کے ساتھ آنے والے عنبر اور ناگ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا کہ یہ اجنبی نوجوان اس جزیرے پر کہاں سے آئے ہیں۔ ملاح نے جا کر موشے کو سلام کیا۔ عنبر اور ناگ نے بھی سلام کیا۔ موشے نے ملاح کے سلام کا جواب بڑی خندہ پیشانی یعنی ہنس مکھی سے جواب دیا اور پوچھا:

"بابا، یہ دونوں کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے پہلے انہیں اس جزیرے پر کبھی نہیں دیکھا"۔

ملاح نے بتایا کہ دونوں نوجوان ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جہاز طوفان میں گھر کر ڈوب گیا اور ان دونوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی اور اب ایک لمبے تکلیف دہ سمندری سفر کے بعد ساحل پر پہنچے ہیں۔ سمگلروں کے بادشاہ موشے نے پوچھا:

"یہ نوجوان کیا چاہتے ہیں؟"۔

ملاح نے کہا:

"اس دنیا میں ان کا کوئی نہیں رہا۔ خاندان کے سارے لوگ سمندر میں ڈوب کر مر گئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری خدمت کر کے روکھی سوکھی کھا کر باقی زندگی اسی جزیرے پر گزار دیں۔ میری درخواست ہے کہ تم ان پر مہربانی کرو اور اپنے محل میں کسی کام پر لگا دو۔ تمہیں دعائیں دیں گے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے آنکھیں سکیڑ کر بڑی تیز نگاہوں سے عنبر اور ناگ کو دیکھا۔ ان دونوں کو موشے کی نگاہیں اپنے جسم میں چبھتی

محسوس ہوئی۔ موشے نے پوچھا:

"کیا تم اصطبل میں گھوڑوں اور شکاری کتوں کی دیکھ بھال کر لو گے؟"۔

عنبر نے کہا:

"کیوں نہیں جناب، ہم آپ کے گھوڑوں اور کتوں کی پوری پوری حفاظت کریں گے"۔

"بس پھر آج سے تم ملازمت شروع کر دو"۔

پھر اس نے ایک شخص سے کہا:

"ان نوجوانوں کو محل کے خاص اصطبل میں پہنچا دو"۔

وہ آدمی عنبر اور ناگ کو لے کر شاہی اصطبل میں آ گیا۔ یہاں پچاس ساٹھ گھوڑے بندھے تھے۔ دوسری طرف بے شمار کتے پنجروں میں قید غرا رہے تھے۔ ایک نوکر ان کے آگے گوشت کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لوتھڑے ڈال رہا تھا۔ عنبر اور ناگ کو کام پر لگا کر وہ آدمی واپس چلا گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا:

"اب کیا کیا جائے؟ منگلوں کے محل میں تو آ گئے ہیں۔ اب شکنتلا کو کہاں سے تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر بولا:

"بھائی شاہی محل میں کہاں آئے ہیں۔ ابھی تو ہم شاہی محل کے طویلے میں آئے ہیں۔ یہاں تو سوائے گھوڑوں اور کتوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ شاہی محل میں تو تھوڑی دیر کے بعد جائیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے شاہی محل میں میں اکیلا ہی جاتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"تم جا کر کیا کرو گے؟ تم نے تو شکنتلا کو دیکھا تک نہیں۔ پھر تم

اسے کس طرح پہچانو گے؟ اس کی تلاش میں میں جاؤں گا۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا"۔

ناگ نے عنبر کو بتایا کہ پہلے ہی روز اس طرح شاہی محل میں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔

عنبر نے کہا:

"یہ شخص ہمارا کیا بگاڑے گا۔ ہم یہاں دیر نہیں لگا سکتے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سمندر میں ہمارا اکیلا جہاز کھڑا ہے۔ جس میں ماریا سوار ہے۔ اگر ان لوگوں نے جہاز کو دشمن کا جہاز سمجھ کر آگ لگا دی تو ماریا کے لیے مصیبت بن جائے گی۔ وہ جہاز میں سے بھاگ کر جزیرے میں ہمیں کہاں تلاش کرتی پھرے گی۔ اس لیے ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنا کام تیزی سے کریں"۔

اسی روز دوپہر کے بعد عنبر طویلے میں سے نکل کر شاہی محل میں آ

گیا۔ اور اس نے ادھر ادھر یوں گھومنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ ضروری کام کے لیے وہاں آیا ہے۔ کسی نے اس پر شک نہ کیا۔ ہر کسی نے یہی سمجھا کہ محل کا ملازم ہے۔ پھرتے پھراتے وہ اسی جگہ پر آ گیا جہاں محل کی کچھ لونڈیاں سینے پرونے کا کام کر رہی تھی۔ عنبر ایک لونڈی کے پاس جا کر بولا:

"بہن میں نیا نیا اس محل میں نوکر ہوا ہوں۔ میں گھوڑوں کا دربان ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ ملک افریقہ کی کوئی نئی کنیز اس محل میں آئی ہے ۔ وہ کنیز میری رشتے دار ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں"۔

یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ عنبر جس لونڈی سے بات کر رہا تھا وہ سگھروں کے بادشاہ موشے کی خاص جاسوس لونڈی تھی اور موشے نے اسے محل میں صرف یہ کام دے رکھا تھا کہ وہ اسے محل کے سارے نوکروں اور لونڈیوں کی جاسوسی کر کے بتایا کرے کہ کون اس کا وفادار ہے اور کون اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔

عنبر نے جب اس لونڈی سے یہ بات کی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیوں کہ شگفتا نام کی خاص کنیز نئی نئی فرار ہوئی تھی۔ جس کے بارے میں سمگلروں کے بادشاہ نے لونڈی کو خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو بات کرتے سنے تو فوراً اسے آ کر اطلاع کرے۔ لونڈی نے انجان سا بن کر عنبر سے پوچھا:

"بھائی' تم کس لونڈی کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"وہ ملک ہندوستان کی رہنے والی تھی اور میں نے سنا ہے کہ وہ اس محل میں لائی گئی تھی"۔

لونڈی نے پوچھا:

"بھائی یہاں تو کتنی ہی لونڈیاں خدمت کر رہی ہیں۔ نہ جانے تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے اس کا نام بتاؤ گے تا کہ میں تمہیں ٹھیک بتا سکوں؟"۔

عنبر اس مکار لونڈی کے فریب میں آ گیا۔ کہنے لگا:

"اس لونڈی کا نام شگفتا ہے۔ وہ ایک خوش شکل عورت ہے اور اس کا رنگ سانولا ہے۔ آنکھیں کالی ہیں"۔

مکار لونڈی چوکنی ہو گئی۔ اس نے کہا:

"نہیں بھائی اس نام کی کوئی بھی لونڈی اس محل میں نہیں آئی"۔

عنبر ناامید ہو کر بولا:

"اچھا بہن' معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں خواہ مخواہ پریشان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا"۔

عنبر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مکار لونڈی فوراً سینے پرونے کا کام چھوڑ کر وہاں سے اٹھی اور سیدھی سنگلروں کے بادشاہ موشے کے پاس آ گئی۔ وہ اس وقت محل کے باغ میں بیٹھا دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے۔ مکار لونڈی نے جا کر سلام کیا اور خاص اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک خاص بات کرنے وہاں آئی ہے۔

سنگلروں کے بادشاہ نے اسی وقت سب لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا اور لونڈی کو بلا کر پوچھا:

"بتاؤ تم کیا خاص بات کرنے آئی ہو؟"۔

لونڈی نے کہا:

"سرکار آپ نے کوئی نیا دربان گھوڑوں کے اصطبل میں رکھا

ہے؟"۔

موشے نے کہا:

"ہاں ایک عنبر نام کا نوجوان اور اس کا ایک بھائی میں نے آج ہی اپنے گھوڑوں اور کتوں کی رکھوالی کے لیے رکھا ہے۔ کیوں کیا بات ہے۔ کھل کر بیان کرو"۔

لونڈی نے کہا:

"وہ ابھی ابھی میرے پاس آیا تھا اور آپ کی گم شدہ چہیتی کنیز شگفتہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا"۔

سنگلروں کا بادشاہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ شگفتہ کے بھاگ جانے سے اس کی سارے جزیرے میں بڑی بے عزتی ہوئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اسے یہ معلوم ہو جائے کہ شگفتہ کو بھگانے میں کس کا ہاتھ ہے تاکہ وہ اسے سزا دے کر اپنے

آپ کو تسکین دے سکے۔ لونڈی کی باتوں سے اس نے یہی سمجھا کہ عنبر دربان کا شگفتہ کے فرار میں ہاتھ ہے۔ اس نے کہا:

''میں ابھی اس بدبخت دربان کو بلا کر پوچھتا ہوں کہ شگفتہ کہاں ہے اور اس کا شگفتہ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟''۔

مکار لونڈی بولی:

سرکار! اس طرح آپ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیں گے۔ اس دربان سے اگر آپ نے بلا کر پوچھا تو وہ صاف انکار کر دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے کوئی بات نہ کریں اور اس کا پیچھا کرائیں۔ معلوم کریں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کس سے ملتا ہے۔

وہ شگفتہ کی تلاش میں ہے۔ وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ ضرور اس کے دوسرے ساتھی بھی اسی جزیرے میں ہوں گے۔ آپ اس کی سراغ رسانی کریں اور پتہ چلائیں کہ یہ لوگ کس جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ضرور شگفتہ ان لوگوں سے ملنے کی کوشش کرے گی۔

سمگلروں کے بادشاہ نے مسکرا کر کہا:

''تو میری بڑی وفادار کنیز ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے مجھے ایک بہترین راہ سمجھائی ہے۔ میں اپنے خاص جاسوس راون کو اس نوجوان عنبر کی جاسوسی پر لگا دیتا ہوں۔ اب دیکھتا ہوں کہ شگفتہ اس جزیرے سے بچ کر کہاں جاتی ہے''۔

مکار لونڈی چلی گئی۔ سمگلروں کے بادشاہ نے اسی وقت اپنے خاص جاسوس راون کو طلب کیا اور اسے عنبر کے بارے میں سب کچھ سمجھا کر کہا کہ وہ عنبر اور ناگ دونوں بھائیوں کا پیچھا کرے اور معلوم کرے کہ وہ کہاں کہاں جاتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ شگفتہ خود ان کی تلاش میں ہو اور انہیں ملنے کی کوشش کرے۔ راون نے جھک کر کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سرکاری، آپ فکر نہ کریں۔ میں سائے کی طرح عنبر اور ناگ کا پیچھا کروں گا۔ وہ میری نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اگر تم شکنتا کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔ اب تم جاؤ اور عنبر ناگ، دونوں بھائیوں کا پیچھا شروع کر دو۔ اور جلدی سے مجھے خوشخبری سناؤ کہ تم نے شکنتا کو ڈھونڈ نکالا ہے"۔

"ایسا ہی ہو گا سرکار"۔

یہ کہہ کر جاسوس راون سلام کر کے چلا گیا۔

راون اسی شام سے عنبر اور ناگ کے پیچھے سائے کی طرح لگ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی خطرناک قسم کا جاسوس تھا۔ وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا تھا۔ جس کے پیچھے لگ جاتا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی کہ

اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کی سراغرسانی کر رہا ہے۔ خدا جانے اس شخص میں کیا خاص بات تھی کہ چالاک سے چالاک جاسوس کو بھی شکست دے دیتا تھا۔ راون نے عنبر اور ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

یہ شخص سب سے پہلے گھوڑوں کے اصطبل میں پہنچا جہاں عنبر اور ناگ کام کر رہے تھے۔ اس نے پانی کی بڑی سی بالٹی لا کر طویلے میں رکھ دی اور عنبر سے کہا:

"یہ لو بھائی پانی کی بالٹی۔ کم بخت اس سمگلروں کے بادشاہ سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ ایسے ایسے مشکل کام مجھے دیتا ہے کہ میری ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔ اب مجھے یہ کام ہے کہ میں ہر روز تمہیں گھوڑوں اور کتوں کے لیے طویلے میں پانی لا کر دیا کروں"۔

عنبر اور ناگ گھوڑوں کی مالش کر رہے تھے۔ ناگ نے کہا:

"تمہارا نام کیا ہے بھائی؟"۔

راون نے کہا:

"مجھے یہاں لوگ الو کے نام سے پکارنے لگے ہیں۔ اس لیے کہ میں ہر کام کر لیتا ہوں اور کبھی کسی کام کے بارے میں اعتراض نہیں کرتا اور اس لیے بھی لوگ مجھے الو کہتے ہیں کہ میں رات کو جاگتا اور دن کو سوتا ہوں۔ یعنی مجھے رات کو بہت کم نیند آتی ہے۔ مگر اب جو یہ مزدوروں کی طرح پانی کی بالٹیاں اٹھاؤں گا تو رات کو ضرور نیند آ جایا کرے گی۔ بس اس نوکری مجھے یہی ایک فائدہ ہوگا"۔

عنبر ہنس کر بولا:

"میاں الو! تم ایک دلچسپ آدمی ہو۔ فکر نہ کرو۔ پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر تم اس طویلے میں راتوں کو بڑے آرام سے سوؤ گے۔ اگر مجھے یہاں زیادہ کام نہ ہوتا تو میں تمہارا بھی کام کر لیا کرتا۔ مگر میں مجبور ہوں"۔

راون بولا:

"شکریہ بھائی۔ آخر ایک غلام ہی دوسرے غلام کے دکھ درد کو سمجھ سکتا ہے۔ اب مجھ پر جو گزرے گی اسے کاٹوں گا"۔

یہ شخص راون اس قدر چالاک اور ہوشیار تھا کہ عنبر اور ناگ ایسے تجربہ کار نوجوان بھی اس سے مات کھا گئے۔ انہیں ایک پل کے لیے بھی شک نہ ہوا کہ یہ جاسوس ہے اور سمگلروں کے بادشاہ نے اسے ان دونوں کی جاسوسی کے لیے وہاں بھیجا ہے۔

دن بھر کے کام سے تھک ہار کر عنبر اور ناگ دونوں طویلے میں بے سدھ ہو کر سو گئے۔ اصطبل میں یہ ان کی پہلی رات تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ رات کو جاگیں گے اور آدھی رات کو جہاز پر جا کر ماریا کی خبر لیں گے۔ مگر دن بھر کے کام سے وہ اس قدر تھک گئے کہ انہیں کوئی خبر

نہ ہوئی۔

راون نے انہیں جھوٹ موٹ کہا تھا کہ وہ رات کو سوئے گا اور دن کو جاگے گا۔ اصطبل میں وہ رات کو بھی جاگ رہا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا دونوں بھائی گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں تو وہ بھی گہری نیند سو گیا۔

ادھر جب رات ہو گئی تو جہاز میں اکیلی ماریا پریشان سی ہوئی کہ نبر اور ناگ کہاں جا کر رہ گئے؟ انہیں کم از کم رات کو تو وہاں آ جانا چاہیے تھا۔ اسے خیال آنے لگا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ جس مصیبت میں بھی پھنس جائیں اس میں سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔

لیکن کم از کم ان میں سے کسی ایک کو تو ضرور اس کا حال معلوم کرنے کے لیے جہاز پر آنا چاہیے تھا۔ اتنے بڑے بادبانی جہاز پر وہ اکیلی عرشے پر آدھی رات کو کھڑیا جزیرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف گہری خاموشی تھی۔

تھوڑی دیر وہ عرشے کے جنگلے سے لگی جزیرے کے جنگلوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ تھک گئی اور اسے نیند آ گئی۔ وہ عرشے پر ہی قالین پر لیٹ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ ماریا سو گئی۔

ادھر عنبر اور ناگ بھی سوئے رہے۔ دن چڑھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ جاسوس راون ان سے پہلے اٹھ چکا تھا اور ٹھگوں کے بادشاہ کی طرف سے لگائی گئی ڈیوٹی کے مطابق پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر لا رہا تھا۔ عنبر نے اسے پانی لاتے دیکھا تو کہا۔

”الو میاں! کیا آج کی رات تم آرام سے نہیں سوئے؟“۔

راون نے کہا۔

"بھائی عنبر، زندگی میں یہ پہلی رات ہے کہ میں گھوڑے بیچ کر سویا ہوں"۔

حالاں کہ وہ آدھی رات تک جاگتا رہا تھا۔ ناگ گھوڑوں کو نہلا رہا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا:

"عنبر، ہمیں شگفتا کے بارے میں جلد سے جلد سراغ لگانا چاہیے۔ ہم نے ابھی تک ماریا اور جہاز کی بھی خبر نہیں لی۔ وہ اکیلی جہاز پر گھبرا رہی ہوگی"۔

عنبر نے کہا:

"وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ پھر اسے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر جہاز میں کوئی ابھی گیا تو وہ تو ماریا کو دیکھ ہی نہیں سکے گا۔ ماریا بڑے آرام سے اسے ہلاک کر سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ شگفتا یہاں کہاں ہے ہم اس کی تلاش کیسے کر سکتے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا:

لیکن یہی تو معلوم کرنا ہے کہ شگفتا اگر یہاں ہے تو کہاں ہے؟ تم مجھے اجازت دو یا نہ دو۔

لیکن میں آج رات جہاز پر جا کر ماریا بہن کی خیریت ضرور دریافت کروں گا۔ وہ اکیلی ہمارے بارے میں سوچ سوچ کر گھبرا رہی ہوگی۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیوں کہ وہ خود رات کو محل میں جا کر شگفتا کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو جہاز پر جا کر اپنی بہن ماریا کی خیریت ضرور دریافت کرے گا۔ اسے بتائے گا کہ فکر نہ کرو ہم اس جزیرے پر ہیں اور شگفتا کے بارے میں کھوج لگا رہے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جہاز میں سانپ

ناگ آدھی رات کو اٹھ بیٹھا۔

وہ جہاز پر جا کر ماریا کو سارے حالات کی خبر کرنا چاہتا تھا۔ عنبر گہری نیند سو رہا تھا۔ ناگ چپکے سے اٹھ کر جزیرے میں اس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں ان کا جہاز کھڑا تھا۔ ہر طرف رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

کبھی کبھی جزیرے کے جنگل کی طرف سے الو کی آواز آ جاتی تھی۔ ناگ بڑی خاموشی سے قدم اٹھاتا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ راون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ راون تو آیا ہی ان دونوں کی جاسوسی کرنے کے لیے تھا۔

سمگلروں کے بادشاہ نے راون کو اسی کام کے لیے مقرر کیا تھا کہ پتہ کرے کہ ان لوگوں کے پاس شکنتلا آتی ہے یا نہیں؟ اور پھر یہ کہ ان لوگوں کا شکنتلا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جس وقت ناگ اٹھ کر ساحل کی طرف چلا تھا اس وقت راون جاگ رہا تھا۔ اس نے کانی آنکھ سے ناگ کو جنگل کی طرف جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

ناگ جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں بھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ستاروں کی روشنی تھی۔ مگر یہ روشنی بڑی ہلکی ہلکی تھی۔ اس روشنی میں بس جنگل کے درخت ہی نظر آ رہے تھے۔ لیکن ناگ کو اندھیرے میں چلنے کی خوب عادت تھی۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی راستہ تلاش کر لیتی تھیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ادھر راون بھی اسی جزیرے کا رہنے والا تھا اور ان ہی جنگلوں میں کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ اس کے لیے بھی وہ جنگل اجنبی نہیں تھے۔ اگر ناگ بڑی آسانی سے جنگل میں راستہ تلاش کرتے چلا جا رہا تھا تو راون کو بھی اس کا پیچھا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔

راون کے دل میں سمگلروں کے بادشاہ سے انعام حاصل کرنے کی امید جاگ پڑی تھی۔ کیوں کہ اس کے خیال میں ناگ ضرور شگنتا سے ملنے جا رہا تھا۔ اگر ایسی بات نہیں تھی تو پھر وہ رات کو جنگل میں کیا کرنے جا رہا تھا؟

ناگ جنگل میں سے نکل کر سمندر کی طرف چل پڑا۔

راون بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جس طرف ناگ جا رہا تھا۔ اس طرف سمندر ایک کھاڑی کی شکل میں جنگل کے اندر چلا گیا تھا۔ یہ جگہ بڑی پراسرار تھی اور راون بچپن ہی سے سنتا چلا آیا تھا کہ اس جگہ جن بھوت رہتے ہیں۔ وہ کچھ کچھ ڈر بھی رہا تھا۔ کیوں کہ ناگ کھاڑی والے جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔

راون کو ہر حالت میں ناگ کا پیچھا کرنا تھا۔ کیونکہ نہ صرف یہ سمگلروں کے بادشاہ کا حکم تھا بلکہ اسے انعام و اکرام ملنے کی بھی امید تھی۔ حیران وہ اس بات پر ہو رہا تھا کہ یہ ناگ جا کس طرف رہا ہے۔ کیا سچ مچ وہ شگنتا سے ملنے جا رہا ہے؟

ناگ ایک جگہ پہنچ کر اندھیرے میں راون کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ راون بڑا حیران ہوا کہ یہ نوجوان کہاں گم ہو گیا ہے۔ راون جلدی سے ناگ کے پیچھے لپکا۔ وہ ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر آیا تو وہ دنگ رہ گیا۔ کھاڑی کے سمندر میں ایک پورے کا پورا بادبانی جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اس جہاز کو تکتا رہا۔ اب جو دیکھتا ہے تو ناگ ایک چھوٹے سے ڈونگے میں بیٹھا اسے ہاتھوں

سے چلاتا ہوا جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا تو گویا ان لوگوں نے شکنتلا کو اس جہاز میں چھپا رکھا ہے؟

راون کو یقین ہو گیا کہ اس نے شکنتلا کو پا لیا ہے۔ کیا وہ واپس جا کر منگلروں کو بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کرے یا ناگ کے پیچھے جہاز پر جائے؟ راون نے سوچا جہاز پر جانے سے ایک فائدہ ضرور تھا کہ راون کو کم از کم یہ ضرور علم ہو جاتا کہ شکنتلا اس جہاز میں ہے یا نہیں ہے۔

اس طرح سے وہ پورے فیصلے کے ساتھ منگلروں کے بادشاہ کو جا کر بتا سکتا ہے کہ حضور شکنتلا مل گئی ہے۔ وہ کھاڑی کے سمندر میں ایک جہاز میں ہے اور لائیے میرا انعام۔۔ راون کو انعام کا بہت لالچ تھا۔

اسی لیے اس نے جان کو خطرے میں ڈال کر ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت عمدہ تیراک تھا۔ اور تیر کر بھی جہاز تک جا سکتا تھا۔ اس کی کمر میں پٹکے کے ساتھ ایک دو دھار والا تیز خنجر لگا ہوا تھا۔ خطرے کے وقت وہ دشمن کا مقابلہ بڑی خوبی سے کر سکتا تھا۔

راون ویسے بھی بہادر اور دلیر آدمی تھا۔ بس صرف جن بھوتوں سے بہت ڈرتا تھا۔ اسے وہم بھی تھا کہ کہیں اس کھاڑی میں بھوت نہ بسیرا کر رہے ہوں۔ کیونکہ اس کھاڑی کے جنگل کے بارے میں جزیرے میں یہ بات عام مشہور تھی کہ یہاں بھوت رہتے ہیں اور چڑیلوں نے بسیرا کر رکھا ہے۔ اگرچہ آج تک کسی نے اپنی آنکھ سے نہ کوئی بھوت دیکھا تھا اور نہ کوئی چڑیل ہی دیکھی تھی۔

ناگ جہاز پر سوار ہو چکا تھا۔ اس کا ڈونگا پانی میں جہاز کی رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جس پر سوار ہو کر ناگ نے واپس جزیرے کے ساحل پر آنا تھا۔ راون نے اپنی قمیض اتار کر جھاڑیوں میں چھپائی اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چپکے سے سمندری کی کھاڑی کے پانی میں اتر گیا۔

سمندر کا پانی گرم تھا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ تیرا ہوا آہستہ آہستہ جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اتنی ہوشیاری سے تیر رہا تھا کہ پانی سے صرف اس کی گردن ہی باہر تھی۔ باقی جسم پانی کے اندر تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے جہاز کے قریب آ گیا۔

جہاز میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ تیرتے تیرتے جہاز کے پیچھے حصے کی طرف آ گیا۔ وہ اس طرف سے جہاز پر نہیں چڑھنا چاہتا تھا جس طرف سے نگ اوپر چڑھا تھا۔ جہاز کے پچھلے حصے میں لنگر کا موٹا لوہے کا سنگل سمندر میں گڑھا ہوا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راون موٹی زنجیر کے ساتھ چڑھتا ہوا جہاز کے اوپر عرشے کے جنگلے پر آ کر خاموشی سے بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ جہاز کا عرشہ بالکل ویران اور سنسان تھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ ستاروں کی پھیکی پھیکی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

راون چپکے سے جنگلے کے اوپر سے گزر کر جہاز کے عرشے پر آ گیا اور زمین پر بیٹھ کر وہ بے پاؤں بلی کی طرح اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے سیڑھی جہاز کے نیچے جاتی تھی۔ وہ سیڑھی کے پاس آ کر رک گیا اور کان لگا کر سننے لگا کہ کسی طرف سے کسی کی باتیں کرنے کی آواز تو نہیں آ رہی؟ اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے آ کر اس نے دیکھا کہ ایک جگہ کیبن بنا ہوا ہے جس کا آدھا دروازہ کھلا ہے اور اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

اس کیبن سے ناگ کی باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی

تھی۔ وہ کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی آواز بھی دھیمی تھی۔ راون سمجھ گیا کہ یہ شخص ضرور شکنتلا سے باتیں کر رہا ہے اور انہوں نے شکنتلا کو محل سے نکال کر یہاں چھپا رکھا ہے اور یہ لوگ جزیرے سے فرار ہونے کے لیے کسی اچھے سے موقع کی تلاش میں ہیں مگر سوال یہ تھا کہ پھر ان سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں آ کر نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ ایک عجیب قسم کا راز تھا جو راون کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر انہوں نے شکنتلا کو حاصل کر لیا تھا تو یہ لوگ بڑی آسانی سے کسی بھی رات کی تاریکی میں جزیرے سے بھاگ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ راون کان کھڑے کر کے ناگ اور عورت کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

اس وقت ناگ ماریا کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا

کہہ رہی تھی:

"میں اکیلی یہاں پریشان ہو گئی ہوں۔ آخر تم لوگ جزیرے میں کیا کر رہے ہو؟ عنبر کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"عنبر اور میں منگروں کے بادشاہ کے محل میں کام پر لگ گئے ہیں۔ ہمارا کام طویلے میں گھوڑوں کی رکھوالی کرنا ہے۔ ویسے عنبر رات کو ایک چکر شاہی محل میں لگا آیا تھا"۔

ماریا نے پوچھا:

"پھر شگفتا کا کچھ پتہ چلا؟"۔

"نہیں! ابھی تک شگفتا کا کچھ پتہ نہیں چلا؟"۔

یہ سن کر راون اور زیادہ حیران ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ عورت جس کے ساتھ ناگ کیبن کے اندر باتیں کر رہا ہے شگفتا نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری عورت ہے۔ راز اور زیادہ پراسرار ہو رہا تھا۔ راون اب اس راز کو حل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے آوازوں پر کان لگا دیے۔ ماریا نے کہا:

"ناگ بھائی، میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ میں تم لوگوں کی مدد کرتی ہوں۔ تم اکیلے پریشان ہو گے۔ میں اگر محل میں چلی جاؤں تو زیادہ آسانی سے شگفتا کا کھوج لگا سکوں گی"۔

ناگ نے کہا:

تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر میرا اور عنبر کا بھی یہی خیال ہے کہ تم محل میں جا کر اگر کسی خطرے میں گھر گئیں تو پھر تمہیں وہاں سے واپس لانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ایسا نہ ہو کہ ہم شگفتا کو لے کر جہاز پر آ جائیں اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔

تمہارا پتا کرنا تو بہت مشکل ہو جائے گا کیوں کہ تمہارے بارے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں تو ہمیں کوئی بھی نہیں بتا سکے گا کہ تم کہاں ہو اور کیا کر رہی ہو جب تک تم خود آ کر ہمیں نہ ملو۔

ماریا کہنے لگی:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی نہ جانے کتنے روز اور مجھے اس جہاز پر رہنا ہوگا"۔

"ہاں معلوم تو ایسا ہی ہو رہا ہے۔ کیونکہ ہم ابھی تک شکنتلا کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ہمیں امید ہے کہ آج نہیں تو کل ہمیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ شکنتلا کس جگہ ہے"۔

ماریا بولی:

"کیا خبر وہ محل میں موجود ہی نہ ہو؟"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ محل میں موجود ہوتی تو کہیں نہ کہیں

چلتی پھرتی ضرور دکھائی دے جاتی۔ آخر منگلوں کے بادشاہ کا محل کتنا بڑا ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

"محل اتنا بڑا نہیں ہے مگر لونڈیاں بہت ہیں۔ عنبر نے جس لونڈی سے بات چیت کی تھی اس نے تو شکنتلا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی خبر نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کی ہو۔ کیوں کہ ہمیں اتنا ضرور پتہ چل گیا ہے کہ منگلوں کا بادشاہ شکنتلا کو لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھتا ہے"۔

یہ دونوں باتیں کر رہے تھے اور راون زمین پر بلی کی طرح کھسکتا کھسکتا کیبن کے آدھے کھلے دروازے کے قریب آ گیا۔ وہ اندر جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا کہ ناگ جس عورت سے باتیں کر رہا ہے وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کون ہے؟ راون نے ادھ کھلے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر اندر دیکھا۔

کیبن میں ایک دیا جل رہا تھا۔ لکڑی کی دیوار کے ساتھ صندوق پڑے تھے۔ کونے میں ایک بڑی سی تپائی رکھی تھی جس پر چمڑے کا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا کیبن تھا۔ ایک مونڈھے پر ناگ بیٹھا صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے مونڈھا خالی پڑا تھا۔

تو ناگ کس سے باتیں کر رہا تھا؟

کیبن میں سوائے ناگ کے اور کوئی شخص نہیں تھا۔ ناگ جس عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ عورت کہاں تھی۔ راون کا دماغ چکر کھا گیا۔ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے آنکھیں جھپکا کر ایک بار پھر کیبن میں دیکھا۔

ناگ بڑے دھیان اور غور سے باتیں کر رہا تھا۔ اور بالکل اسی طرح کی باتیں کر رہا تھا کہ جیسے کوئی عورت اس کے سامنے موڑھے پر بیٹھی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا:

”میں تو خود اس جزیرے سے بہت جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ عنبر بھائی نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ شکنتلا کو حاصل کیے بغیر وہاں سے ہرگز ہرگز قدم باہر نہیں رکھے گا۔ اب تم تو جانتی ہو کہ اس کے بغیر ہم بھی یہاں سے نہیں جا سکتے“۔

ماریا بولی:

”ہمیں عنبر کے بغیر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہیے، مگر اتنا ضروری ہے کہ تم دونوں کو اپنا کام تیز کر دینا چاہیے۔ ہم جتنی دیر یہاں رہیں گے ہمارا نقصان ہی ہو گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ شکنتلا کا

کھوج جلد سے جلد لگا کر اسے یہاں سے نکال کر لے چلیں“۔

راون کو عورت کی باتیں کرنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ مگر عورت اندر بیٹھی ہوئی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ ضرور یہ شخص ناگ جزیرے کی کسی چڑیل سے باتیں کر رہا ہے؛ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عورت سامنے بیٹھی باتیں کر رہی ہو اس کی آواز سنائی دے رہی ہو اور وہ نظر نہ آئے۔

راون نے فیصلہ کیا کہ اسے وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگ کو اس کی موجودگی کا علم ہو جائے۔ ویسے بھی اب اس کا وہاں ٹھہرنا بے کار تھا۔ اسے کام کی ساری باتوں کا علم ہو گیا تھا۔ ناگ اور عنبر نے ایک جہاز کھاڑی میں کھڑا کر رکھا تھا جس پر ایک ایسی عورت سوار تھی جو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

یہ لوگ جزیرے سے شکنتلا کو بھگا کر لے جانے کے لیے آئے

تھے۔ اور انہیں ابھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ شکنتلا شاہی محل سے فرار ہو چکی ہے۔ یہی وہ معلومات تھیں جو راون کو حاصل ہو چکی تھیں۔

راون واپس جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ اتفاق سے اس کا ایک پاؤں سیڑھی کے پاس رکھے ہوئے لکڑی کے ڈرم سے ٹکرا گیا۔ کھڑاک کی آواز سن کر ناگ نے باتیں کرنا بند کر دیں اور باہر دیکھنے کے لیے اٹھا۔ وہ اٹھا ہی تھا کہ راون بجلی جیسی پھرتی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر عرشے پر آ گیا اور اس نے جنگلے پر سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

ناگ دوڑ کر عرشے پر آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بڑی تیزی سے پانی میں تیرتا ہوا واپس ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ اندھیرے میں صرف اس کی گردن ہی پانی سے باہر دکھائی دے رہی تھی۔ ماریا بھی جہاز کے اوپر آ گئی۔ وہ بولی:

"یہ کون تھا؟"۔

ناگ نے کہا:

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ بات ضرور معلوم ہو گئی ہے کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"جزیرے والوں کو تمہارا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

ناگ بولا:

"اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سمگلروں کے بادشاہ کو ہم پر شک ہو گیا ہے اور ہمارے پیچھے اس نے ایک آدمی لگا دیا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"اور اب تو ہمارا راز بھی کھل گیا ہے۔ اس شخص نے ہماری باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ اسے پتہ چل چکا ہے کہ جہاز کھاڑی میں ہے

اور ہم شگفتہ! کو یہاں سے بھگا کر لے جانے کے لیے آئے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے مجھے اس شخص کا پیچھا کرنا چاہیے۔ تم کیبن میں جا کر آرام کرو۔ اگر کوئی مصیبت آ گئی تو میں تمہاری مدد کے لیے آ جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا۔ وہ ایک دم سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔ سانپ بنتے ہی ناگ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راون اس وقت ساحل پر پہنچ چکا تھا اور جھاڑی میں سے کپڑے نکال کر پہن رہا تھا۔ ناگ تیزی سے سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جب وہ ساحل پر آیا تو راون وہاں سے جا چکا تھا۔ ناگ کنارے پر آ گیا۔ تو اس نے اپنا پھن اٹھا کر ہوا میں راون کی بو سونگھنے کی کوشش کی۔ راون کی بو بہت دور چلی گئی تھی۔

ناگ نا امید ہو گیا۔ اس نے سوچا اب واپس عنبر کے پاس جا کر اسے ساری بات بتا دینی چاہیے۔ یہ سوچ کر ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جنگل میں سے گزر کر واپس طویلے میں آ گیا۔ جہاں عنبر ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ ہاں وہاں سے راون غائب تھا۔

ناگ کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو جو شخص اس کا پیچھا کر رہا تھا وہ ضرور راون ہوگا۔ نہیں تو وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔

ناگ نے عنبر کو جگا کر ساری بات بیان کر دی۔ عنبر نے تعجب سے سر ہلا کر کہا:

"کمال ہے کہ یہ شخص ہم سے کتنی ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا اور اب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پتہ چلا کہ منگلروں کے بادشاہ نے اسے ہماری جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ خیر اس کا تو ہم بندوبست کر لیں گے۔ اس کی ہمیں زیادہ پرواہ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بری بات ہوئی کہ ان لوگوں کو یہ پتہ چل گیا کہ ہمارا جہاز سمندر کی کھاڑی میں لنگر ڈالے کھڑا ہے اور یہ کہ ہم شکنتلا کو یہاں سے بھاگ کر لے جانے کے لیے آئے ہیں"۔

ناگ بولا:

"اس نے میری اور ماریا کی ساری باتیں سن لی ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ اب منگلروں کے بادشاہ کو ساری کارروائی سنانے گیا ہے"۔

عنبر نے پوچھا:

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس شخص کو ختم کر دینا چاہیے"۔

عنبر بولا:

"اب اس کو ختم کر دینے سے کیا ہو گا بھائی! ہمارے بارے میں پوری معلومات تو اس نے منگلروں کے بادشاہ کو پہنچا دی ہوں گی۔ اسے تو اس وقت مار ڈالنا چاہیے تھا جب یہ جہاز پر سے سمندر میں کودا تھا"۔

"بس یہی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ پھر اب کیا کرنا چاہیے۔ منگلروں کا بادشاہ ہمارے جہاز پر بھی قبضے کر لے گا اور ہمیں بھی گرفتار کر کے کسی تہہ خانے میں پھینک دے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے فرار ہو کر سیدھا جہاز پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ وہاں مل کر منگلروں کی فوج کا مقابلہ کر سکیں"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

منگلروں کا بادشاہ اس قسم کا کوئی قدم نہ اٹھائے"۔

ناگ بولا:

"عنبر بھائی اس منگلر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے اور جہاز پر جا کر ماریا کو ساری بات کی خبر کر کے اس کو ساتھ لے کر جزیرے سے کافی دور نکلے سمندر میں پہنچ کر انتظار کرنا چاہیے کہ حالات ذرا ٹھیک ہوں تو جزیرے پر چپکے سے آ کر شکنتلا کو دوبارہ تلاش کیا جائے"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک دم سے جزیرے کی فوج کے سپاہی وہاں آئے اور انہوں نے عنبر اور ناگ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ سپاہی تیس چالیس تھے۔ ان سبھوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ راون ان کے ساتھ تھا۔

عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

"لو بھائی، تم تو یہاں سے فرار ہو لو۔ آ گئے ہیں سپاہی ہم دونوں کو گرفتار کرنے"۔

راون نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اب تم لوگ اور تمہارا بادبانی جہاز ہم لوگوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ ہمارے بادشاہ نے تمہیں گرفتار کر کے اندھیرے تہہ خانے میں ڈالنے کا حکم دیا۔ چلو ہمارے ساتھ۔۔۔ سپاہیو! ان دونوں غداروں کو لے چلو"۔

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر اور ناگ کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ کیا خیال ہے۔ مقابلہ شروع کر دیا جائے؟ عنبر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے جواب دیا کہ نہیں اس وقت ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ زیادہ آدمیوں کی وجہ سے ناگ کی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیوں کہ اگر وہ سانپ بن جاتا تو وہ زیادہ سے زیادہ دو تین سپاہیوں کو ڈس سکتا تھا۔

باقی سپاہی ضرور اسے کچل کر رکھ دیتے۔ دونوں گرفتار ہو کر زنجیروں میں جکڑے شاہی محل کے پراسرار اور خوف ناک تہہ خانے کی طرف چل پڑے۔ یہ تہہ خانہ بڑا بھیانک تھا اور اس میں گیا ہوا آدمی پھر کبھی زندہ باہر نہیں آیا تھا۔

سنہری موت

عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں لا کر ڈال دیا گیا۔

ان کے پاؤں اور ہاتھوں میں اسی طرح زنجیریں پڑی تھیں۔ تہہ خانے میں ٹھنڈک تھی۔ اوپر ایک طاق میں دیا روشن تھا۔ جس کی کمزور سی روشنی میں، عنبر اور ناگ نے دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے دو انسانی ہڈیوں کے پنجر دیکھے۔ عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی، یہ وہ لوگ ہیں بے چارے جو ہم سے پہلے اس تہہ خانے میں قید تھے۔ جہاں لا کر انہیں پھینک دیا گیا اور پھر کسی نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انہیں نہیں پوچھا کہ میاں تم زندہ ہو یا مر گئے ہو"۔

ناگ بولا:

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارا بھی ایسا ہی انجام ہو"۔

عنبر نے کہا:

"احمق ہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم کون لوگ ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں تو ہمارے قدموں پر آ کر گر جائیں"۔

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اپنی کرامت دکھا دینی چاہیے۔ اس بدبخت منگلروں کے بادشاہ سے شگنتا اسی طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔

عنبر بولا:

"خیال تو تمہارا ٹھیک ہے۔ اچھا رات گزر جانے دو۔ صبح ہوتے ہی پہلا کام یہی کام کریں گے کہ یہاں سے رہا ہو کر محل میں سیدھا

منگلروں کے بادشاہ کے پاس جا کر اسے اپنے قابو میں کر لیں گے۔ وہی ایک شخص ہے جسے قابو میں کرنے کے بعد ہم شگنتا کو برآمد کرا سکتے ہیں"۔

"مجھے یقین ہے کہ ان سپاہیوں نے جہاز کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا ہوگا"۔

"لیکن ماریا کو قابو کرنا بڑا مشکل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دے گی۔ انہیں خبر ہی نہیں ہوگی کہ وہاں ایک عورت غائب ہے اور ان کی کھوپڑیاں توڑ سکتی ہے"۔

ادھر عنبر اور ناگ تہ خانے میں زنجیروں میں جکڑے یہ باتیں کر رہے تھے۔ اور ادھر منگلروں کے بادشاہ نے اپنی شاہی فوج کے دس آدمیوں کے ایک دستے کو کھاڑی والے جہاز پر قبضہ کر کے اپنے ساتھ کھینچ لانے کا حکم دے کر روانہ کر دیا تھا۔ یہ سپاہی گھوڑوں پر سوار

ہو کر ساحل پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں کھاڑی کے اندر جہاز کھڑا تھا۔ ماریا کیبن میں آرام سے سو رہی تھی۔ وہ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی اور ناگ کے جاتے ہی سو گئی۔ اسے یقین تھا کہ ناگ نے بھاگتے جاسوس کو ضرور راستے میں ہلاک کر دیا ہوگا۔

سپاہی کشتی پر سوار ہو کر سمندر میں کھڑے جہاز کے قریب آ گئے۔ انہوں نے جہاز کے لنگر کو کاٹ ڈالا اور اس کے رسے کو پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ ماریا جہاز کے کیبن میں ایسی بے سدھ ہو کر سوئی ہوئی تھی کہ اسے کوئی خبر ہی نہ ہوئی کہ جہاز کا لنگر کاٹ دیا گیا ہے اور اب اسے کنارے کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔

صبح ہو گئی کہ سپاہیوں نے جہاز کو کنارے پر لا کھڑا کر دیا۔ اور اس کے رسے درختوں کے ساتھ باندھ دیے۔ ماریا ابھی تک کیبن میں بے خبر ہو کر سو رہی تھی۔ اب سپاہیوں نے جہاز پر سیڑھیاں لگائیں اور وہ اوپر چڑھ گئے۔ عرشے پر ان کے بھاری بھرکم قدموں کی تھپ تھپ سنائی دی تو ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اوپر یہ کون لوگ ہیں جو چل پھر رہے ہیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔

اوپر آ کر اس نے جو نقشہ دیکھا اس سے اسے یقین ہو گیا کہ ناگ جاسوس راون ہلاک کرنے میں ناکام ہو گیا ہے اور منگلوں کے بادشاہ نے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے عنبر اور ناگ کو بھی قید کر کے جیل میں ڈال دیا ہوگا۔ حیرانی ماریا کو اس بات پر تھی کہ وہ ایسے بے سدھ ہو کر سوئی کہ سپاہی جہاز کا لنگر کاٹ کر اسے کھینچ کر کنارے پر لے آئے اور اسے کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس نے سیڑھیوں کے دروازے میں کھڑی ہو کر دیکھا کہ سپاہی عرشے پر پڑے ہوئے لکڑی کے ڈرموں کو الٹا پلٹا کر دیکھ رہے تھے۔ آپس میں وہ ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یار! اس جہاز پر تو سوائے لکڑی کے خالی ڈرموں کے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔

دوسرا سپاہی بولا:

"میرا خیال ہے ہمیں نیچے چل کر معلوم کرنا چاہیے۔ نیچے ضرور کوئی نہ کوئی مال دولت مل جائے گی"۔

کچھ سپاہی اوپر عرشے پر ہی تلاشی لے رہے تھے۔ دو سپاہی نیچے تہہ خانے میں جانے کے لیے سیڑھی کے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے میں ماریا کھڑی تھی۔ اس نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پرے ہٹ گئی۔

دونوں سپاہی نیچے اترے۔ نیچے بحری ڈاکوؤں کا سارا خزانہ پڑا تھا۔ چھ سات صندوق ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ دو صندوق میں سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ایک صندوق میں چاندی کے

برتن تھے اور باقی صندوق ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے تھے۔ ماریا نہیں چاہتی تھی کہ یہ سارا خزانہ انگریزوں کے بادشاہ کے سپاہی لوٹ کر لے جائیں۔

وہ بھی دونوں سپاہیوں کے پیچھے پیچھے نیچے اتر گئی سپاہی بڑی تیزی سے نیچے اتر گئے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کم بخت نیچے اترتے ہی کہاں گم ہو گئے۔ جہاز کے دو کیبن تھے اور جس کیبن میں تہہ خانہ تھا وہ ایک کیبن کے بازو میں تھا۔ ماریا دوسرے کیبن کے اندر آ گئی۔ وہ خالی تھا۔ خزانے والے کیبن کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر دونوں سپاہی اتنی دولت، ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے۔ وہ ایک ایک صندوق میں سے جواہرات نکال نکال کر دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب ہی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ان کی باتیں سننا چاہتی تھی۔ سپاہی خوشی سے نہال ہو رہے تھے اور اپنے کپڑوں میں جواہرات اور اشرفیاں ٹھونس رہے تھے۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

"یار! اس طرح ہم ساری کی ساری دولت یہاں سے نہ لے جا سکیں گے۔ ابھی کوئی دم میں سارے لوگ یہاں آ جائیں گے اور خزانے پر قبضہ کر لیں گے"۔

دوسرے نے کہا:

"پھر کیا کیا جائے؟"

پہلا بولا:

"میرا خیال ہے کہ اس خزانے کو اسی جگہ چھپا دیتے ہیں اور پھر

آدھی رات کو چھپ کر آئیں گے اور خزانہ یہاں سے نکال کر جنگل میں لے جا کر دفن کر دیں گے۔ کیوں کیا خیال ہے؟"۔

دوسرا بولا:

"خیال تو بڑا اچھا ہے۔ مگر اس کو چھپائیں کیسے؟"۔

"میں ابھی چھپا کر بتاتا ہوں"۔

پہلے سپاہی نے ادھر ادھر سے خشک گھاس پھونس کے گٹھے لا کر خزانے کے صندوقوں کے اوپر رکھنے شروع کر دیے۔ یہ خشک گھاس جہاز میں آگ جلانے کے لیے رکھا گیا تھا۔ سپاہی بڑی تیزی سے خزانے کے صندوقوں پر گھاس کے گٹھے رکھ رہے تھے۔ ماریا انہیں ایسا کرتے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

اچانک اب کیا ہوا کہ پہلے سپاہی کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں دوسرے سپاہی کو مار کر خود ہی سارا خزانہ حاصل کر لوں۔ اس کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا سپاہی آگے بڑھ کر صندوقوں کے اوپر گھاس ڈال رہا تھا کہ پہلے سپاہی نے پیچھے سے اس کی پیٹھ میں اوپر تلے خنجر کے دو چار وار کر دیے۔

یہ اس نے اتنی تیزی سے کیا کہ ماریا دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ پہلے والا سپاہی کیا کر رہا ہے۔ اسے اس وقت پتہ چلا جب دوسرا سپاہی لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔ خنجر کے زخم اس کے دل پر آئے تھے۔ اس نے ایک لمبی ہائے کی اور گرتے ہی مر گیا۔ دوسرے سپاہی نے بڑے سکون کے ساتھ جلدی جلدی مرے ہوئے سپاہی کی لاش گھاس کے نیچے چھپا دی۔

ماریا کو اس لالچی سپاہی پر بے حد غصہ آیا۔ وہ اس سے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا دوسرے سپاہی نے جو دروازے کو اندر سے خود بخود بند ہوتے اور تالا لگتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھا تو خوف سے مارے زرد ہو گیا۔ ماریا نے گرجدار آواز میں کہا:

"بدبخت لالچی انسان! تو نے دولت کے لالچ میں اپنے پیارے دوست کو مار ڈالا ہے۔ میں تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو بھی یہ خزانہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جا"۔

سپاہی تو پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگا۔

"اے خزانے کی دیوی، مجھے معاف کر دے"۔

ماریا نے کہا:

"تو اس قابل نہیں کہ تجھے معاف کیا جائے"۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار اتار لی اور جب سپاہی اس کے قریب سے بھاگتا ہوا دوسری طرف گیا تو ماریا نے اس کی گردن اڑا دی۔ پھر اس نے گھاس کے گٹھے کے نیچے سے بھی لاش نکال کر باہر فرش پر پھینک دی تاکہ جب دوسرے سپاہی اندر آئیں تو وہ لاشیں اٹھا کر لے جائیں۔ اس کے بعد ماریا نے دروازہ کھول دیا۔

اوپر سے سپاہیوں کے نیچے اترنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ سپاہی نیچے آ رہے تھے۔ پھر وہ کیبن میں داخل ہو گئے وہاں سے انہوں نے بازو والے کیبن کا دروازہ کھولا دیکھا تو اندر آ گئے۔

اندر ماریا ایک طرف چپ چاپ کھڑی تھی۔ سپاہیوں نے فرش پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں پڑی دیکھیں تو حیرانی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

"ارے! یہ کیسے ہلاک ہو گئے۔ ان کو کس نے مار ڈالا۔ ایک کی پیٹھ میں خنجر لگے ہیں۔ دوسرے کی گردن اڑ گئی ہے"۔

"یار مجھے تو یہاں بھوتوں کا سایہ لگتا ہے۔ بھاگو یہاں سے"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

’’ان گھاس کے گٹھوں کو یہاں سے لے چلو۔ جزیرے میں آگ جلانے کے کام آئیں گے۔ بڑی عمدہ خشک گھاس ہے۔ ایسی گھاس ہمارے جزیرے میں نہیں ملتی اور ان لاشوں کو اٹھا کر باہر لے چلو‘‘۔

’’مگر ان کو کس نے مار ڈالا؟‘‘۔

’’میرا خیال ہے خود ہی ایک دوسرے سے لڑ پڑے ہوں گے۔ اور تو یہاں کوئی ہے ہی نہیں جو ان کو قتل کرتا۔۔۔ چلو اٹھاؤ گھاس کے گٹھے‘‘۔

اس کے حکم سے دوسرے سپاہیوں نے گھاس کے گٹھے اٹھا کر باہر لے جانے شروع کر دیے۔ ابھی انہوں نے چھ سات گٹھے اٹھائے تھے کہ نیچے صندوق نظر آئے۔ سپاہیوں کے کپتان نے کہا۔

’’ٹھہرو، یہ صندوق کیسے ہیں۔ انہیں کھول کر دیکھو‘‘۔

جب صندوق کھولے گئے تو وہ ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ سپاہیوں کی تو آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ کپتان نے کہا:

’’ارے یہ تو بے حد قیمتی خزانہ ہے‘‘۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”ہمیں بادشاہ کو خبردار کر دینا چاہیے“۔

سپاہیوں کے کپتان کی نیت بدل گئی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا:

”شی، خاموش رہو۔ ہم کل کتنے سپاہی ہیں؟“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”جی آپ ملا کر کل آٹھ ہیں“۔

کپتان بولا:

”کیوں نہ ہم اس خزانے کو آپس میں تقسیم کر لیں؟ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ یہ سارے کا سارا خزانہ اپنے بادشاہ کو دے دیں۔ آخر وہ ہمیں تنخواہ ہی کیا دیتا ہے؟ اور پھر ابھی تک اسے اس خزانے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہو کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟“۔

سارے سپاہی ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ کپتان نے کہا:

”سوچتے کیا ہو؟ جواب دو۔ اگر تم لوگ راضی ہو تو میں یہ خزانہ آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کر دوں گا۔ یاد رکھو اس خزانے کی دولت سے ہماری اور ہمارے بچوں کی زندگی بدل جائے گی“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”لیکن کپتان، اگر بادشاہ کو علم ہو گیا تو وہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا“۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کپتان نے کہا:

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ بادشاہ کو کس طرح علم ہوگا۔ اسے ہم میں سے کوئی جا کر بتائے گا تو اسے علم ہوگا۔ نہیں تو اسے قیامت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہم نے یہاں سے خزانہ لوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص بادشاہ کو جا کر بتا دے گا؟ بولو' جواب دو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے بچوں کا قاتل ہو؟ جو یہ چاہتا ہو کہ اس کے بچے امیر نہ ہوں"۔

سب نے کہا:

"نہیں کپتان کوئی بھی نہیں ہے"۔

کپتان نے کہا:

"تو بس پھر سب ٹھیک ہے۔ اس وقت ہم طے کرتے ہیں کہ اس خزانے کے ہم آٹھ سپاہی مالک ہیں۔ ہم اس دولت کو آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اور پھر اس دولت کو جنگل میں جا کر دفن کر دیں گے۔ ضرورت کے مطابق اسے نکال کر استعمال کرتے رہیں گے"۔

ایک سپاہی نے پوچھا:

"لیکن کپتان' ہم اتنی دولت کو اس جہاز سے کب اور کیسے لے جائیں گے۔ کیا جاسوس کو اس کی خبر نہ ہوگی"۔

کپتان نے کہا:

"کسی کو ہرگز ہرگز خبر نہ ہوگی۔ ہم ابھی اس خزانے کو اسی جگہ چھپا رہنے دیں گے۔ اس پر گھاس کے گٹھے ڈال دیں گے۔ پھر رات کے اندھیرے میں آ کر اس ساری دولت کو اٹھا کر جنگل میں لے جائیں گے۔ جہاں بیٹھ کر ہم اس کے آٹھ حصے کریں گے۔ پھر ہم میں سے ہر ایک سپاہی اپنے اپنے حصے کو اپنی مرضی کے مطابق کسی جگہ پر گڑھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھود کر دفن کر دے گا۔ اس جگہ کے بارے میں سوائے اس سپاہی کے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی“۔

”بالکل ٹھیک ہے کپتان، ہم سب تیار ہیں اور راضی ہیں کہ اس خزانے کو آپس میں بانٹ لیں“۔

کپتان نے کہا:

”مگر دوستو! اس خزانے کے بارے میں کسی دوسرے کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ہم میں سے کسی نے دوسرے شخص کو بتا دیا تو یاد رکھو ہم سب قتل کر دیے جائیں گے اور دولت پر بادشاہ قبضہ کر لے گا“۔

”ہم کبھی اس کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے“۔

”ہمیں قسم کھانی ہوگی“۔

”ہم قسم کھاتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی غیر کو اس خزانے کے بارے میں کچھ بتایا تو دیوتا لوگ ہمارے بچوں کو موت کی نیند سلا

دیں“۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔ اب مجھے تم لوگوں پر اعتبار آ گیا ہے۔ اب ہمیں اس خزانے پر گھاس ڈال کر اسے چھپا دینا چاہیے۔ آؤ پہلے یہ کام تو کر لیں“۔

انہوں نے خزانے کے صندوقوں کے اوپر گھاس ڈالنا شروع کر دی۔ ماریا یہ سارا تماشا ایک طرف چپ چاپ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی حیران تھی کہ یہ لوگ کس طرح آپس میں سارے کے سارے خزانے کو تقسیم بھی کر بیٹھے ہیں؟ بہر حال وہ اب اس تماشے کے انجام کو دیکھنا چاہتی تھی کہ کپتان یا کوئی دوسرا سپاہی باقی سپاہیوں کو کس طرح قتل کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ سارے کے سارے لالچی تھے۔ اور دولت نے ان کے دلوں میں فتور پیدا کر دیا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں نے گھاس کے خزانے کے صندوقوں کو اچھی طرح سے ڈھانپ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر کپتان نے کہا:

”چلو اب جہاز پر سے واپس چلتے ہیں“۔

ایک سپاہی نے خطرہ ظاہر کرتے ہوئے کہا:

”کپتان! اگر بادشاہ کے دوسرے سپاہیوں نے اس گھاس کو یہاں سے لے جانے کی کوشش کی تو پھر کیا ہوگا۔ ہمارے سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا“۔

کپتان نے کہا:

”میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں آج ہی بادشاہ سے مل کر اسے کہہ دوں گا کہ جہاز پر سوائے کھانے پینے کی چیزوں اور گھاس کے گٹھوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم کوشش کریں گے کہ آج ہی رات کو یہ خزانہ یہاں سے نکال کر جنگل میں لے جایا جائے۔“

اس کے لیے ہمیں چوری چوری ایک کشتی لا کر جہاز کے پچھلی طرف کھڑی کرنی ہوگی اور سارے صندوق اس میں اتار دینے ہوں گے۔

کپتان دوسرے سپاہیوں کیساتھ رات کے اندھیرے میں خزانے کو وہاں سے نکال کر جنگل میں لے جانے کی سازش کر کے سپاہیوں کے ساتھ جہاز پر سے باہر نکل گیا۔ ماریا دیر تک سنتی رہی کہ یہ لالچی سپاہی اپنی موت کو آواز دے رہے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پراسرار تہہ خانہ

ادھر عنبر ابھی تک تہہ خانے میں بند تھا۔

اسے کھانے کو نہ روٹی دی گئی تھی اور نہ پینے کو پانی ہی دیا گیا تھا۔

ایک رات اور ایک دن گزر گیا تھا۔ صبح کو سمگلروں کا بادشاہ خود عنبر سے پوچھ گچھ کرنے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکا ہوگا۔ مگر اس نے دیکھا کہ عنبر تہہ خانے کی بند اور ٹھنڈی فضا میں بھی تازہ دم نظر آ رہا تھا۔ سمگلروں کا بادشاہ موشے حیران سا ہوا کہ یہ نوجوان کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ اس نے آتے ہی عنبر سے پوچھا:

"تم کون ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں ایک نوجوان حکیم ہوں اور ملک افریقہ سے سیاحت کرتا ہوا تمہارے جزیرے پر جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں"۔

"تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم شکنتلا کی تلاش میں آئے ہو۔ بولو شکنتلا کہاں ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"اگر تم سچ ہی سننا چاہتے ہو تو سن لو۔ میں شکنتلا کی تلاش ہی میں یہاں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ شکنتلا کو تم نے خرید کر اپنے محل میں بند کر رکھا ہے۔ اس لیے میں تمہارے محل میں نوکر ہو گیا تا کہ موقع ملتے ہی تمہارے محل سے اپنی بہن شکنتلا کو لے کر یہاں سے بھاگ جاؤں"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سمگلروں کے بادشاہ نے کہا:

"کیا تم اس نیت سے جہاز بھی اپنے ساتھ لائے ہو؟"۔

اب عنبر کو محسوس ہوا کہ سمگلروں کے بادشاہ کو سارے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی ناگ کے ساتھ جہاز لے کر وہاں آیا ہے۔ اس موقع پر ناگ نے کہا:

"اے سمگلروں کے بادشاہ میری بات غور سے سن، ہمارا جہاز سمندر کی کھاڑی میں لنگر ڈالے ہوئے ہے۔ ہم اس جہاز میں سوار ہو کر اپنی بہن شگفتہ کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ جرم تم نے کیا ہے جو کسی کی بہن کو خرید کر اپنے گھر کی لونڈی بنا لیا ہے۔

موشے نے گرج کر کہا:

"خاموش، اگر تم نے پھر ایسی بات کی تو میں تمہاری زبان کھینچ

لوں گا"۔

ناگ کو سخت غصہ آ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال سرخ ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ سانپ بن کر اسے ہلاک کر دے کہ عنبر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا:

"ناگ، صبر سے کام لو۔ غصہ تھوک دو۔ ہم یہاں جنگ کرنے نہیں آئے۔ ہم یہاں اپنی بہن کی تلاش میں آئے ہیں۔ ہم کسی سے لڑائی کرنا نہیں چاہتے۔ ہم صلح سے کام لے کر اپنی بہن کو سلامتی کے ساتھ یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے اونچی آواز میں کہا:

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے لڑائی مول لینے والے۔ تم اور تمہاری حیثیت ہی کیا ہے بھلا۔ یہ تو تم اپنے خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔ ورنہ میں تمہیں ابھی ہلاک کروا سکتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوں"۔

ناگ نے کہا:

"موشے! اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ تم اگر دوسری بار پیدا ہو کر اس دنیا میں آ جاؤ تو بھی تم ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتے"۔

"بکواس بند کرو" منگروں کے بادشاہ نے چیخ کر کہا "سچ سچ بتا دو کہ شگفتا کہاں ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بول کر اسے چھپانے کی کوشش کی تو یاد رکھو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا میں تمہیں جلتی آگ میں ڈال کر تمہاری چربی تک پگھلا دوں گا"۔

اب عنبر اور ناگ پر یہ حقیقت بھی کھلی کہ شگفتا منگروں کے بادشاہ کے پاس بھی نہیں ہے۔ پہلے تو عنبر کو شبہ ہوا کہ شاید وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ موشے کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر شگفتا اس کے پاس ہوتی تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے کانت سے پوچھا:

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو کہ شگفتا تمہارے پاس نہیں ہے؟"۔

موشے نے ایک زوردار طمانچہ عنبر کے چہرے پر مارتے ہوئے کہا:

"بکواس کرتے ہو؟ ایک تو تم نے شگفتا کو اغوا کیا اور یہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور پھر اوپر سے بھولے بھالے بنتے ہو جیسے کچھ پتہ ہی نہ ہو"۔

عنبر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ یہی حال ناگ کا ہوا۔ وہ دونوں اس پر حملہ کرنے کو بالکل تیار تھے کہ عنبر نے ایک دم ٹھنڈا ہو کر ناگ سے کہا:

"ناگ! ہمیں حوصلے سے کام لینا ہے۔۔۔ یہ شخص ہو سکتا ہے تم

سے فریب کر رہا ہے۔ ہم سے جھوٹ بول کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہو۔ اس لیے جب تک ہمیں شکنتلا کا علم نہیں ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے ہم اس وقت تک خاموش رہیں گے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے ایک اور طمانچہ عنبر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا:

"میں تم دونوں کی کھال کھنچوا دوں گا۔ اگر کل تک تم نے یہ نہ بتایا کہ شکنتلا کہاں ہے، میں تمہیں زندہ آگ میں پھنکوا دوں گا"۔

اتنا کہہ کر سمگلروں کا بادشاہ باہر نکل گیا۔

تہہ خانے کا اکلوتا دروازہ بند کر دیا گیا۔ عنبر اور ناگ ایک بار اندر اکیلے رہ گئے۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ناگ بھائی، میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص موٹے جھوٹ نہیں بول رہا۔ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر شگنتا اس کے پاس ہوتی تو اسے ہم پر تشدد کر کے ہم سے راز اگلوانے کی کیا ضرورت پڑی تھی بھلا؟ یہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا کہ شگنتا کو یہاں سے بھگانے کے جرم میں ہمیں پھانسی پر چڑھا دیتا۔ پھر یہ ہم سے پوچھ گچھ کیوں کر رہا ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ شگنتا سچ مچ اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے"۔

ناگ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن شگنتا کہاں چلی گئی؟"۔

عنبر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ وہ اپنی عقل مندی سے اس شخص کے محل سے فرار ہو گئی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ جزیرے میں کس جگہ پر چھپی

ہوئی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ وہ اس شخص کے محل میں نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا:

"پھر وہ ضرور کسی جگہ جنگل میں چھپی ہوگی"۔

"تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ وہ ضرور جنگل میں کسی جگہ چھپی ہوگی۔ اسے جنگل کا بڑا تجربہ ہے۔ وہ اس قسم کے کئی جنگلوں میں سے گزر چکی ہے اور راتیں بسر کر چکی ہے"۔

ناگ نے کہا:

"اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ جنگل میں ضرور کسی کھوہ یا غار میں چھپی ہو گی۔ اس طرح وہ ہو سکتا ہے بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر دم توڑ دے گی"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"فکر کرنے کی یہ بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس جزیرے کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جنگل پھلدار درختوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں قدم قدم پر جنگل میں آم اور جنگلی بیروں کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور پہاڑی چشمے بھی بہتے ہیں۔ شکنتالا اپنا بچاؤ کر سکتی ہے وہ بھوکی اور پیاسی نہیں مر سکتی۔ سوال صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ ہم اسے کہاں سے تلاش کریں؟"۔

ناگ نے کہا:

"اور اب تو ایک اور مصیبت پڑ گئی ہے۔ سمگلروں کے بادشاہ نے ہمارے جہاز پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ ماریا بھی مصیبت میں گرفتار ہو گی"۔

عنبر نے کہا:

"ماریا اپنا بچاؤ کر سکتی ہے۔ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دے گی۔ اسے گرفتار کون کرے گا۔ بلکہ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے ایک ایک کر کے سپاہیوں کو مارنے کا سلسلہ نہ شروع کر دیا ہو۔ اصل سوال یہ ہے کہ شکنتالا اگر مل بھی گئی تو یہاں سے فرار کس پر ہوں گے۔ اپنا جہاز بھی اپنے پاس نہیں رہا"۔

ناگ نے کہا:

"پہلے شکنتالا مل جائے۔ اس کے بعد خدا کوئی نہ کوئی یہاں سے بھاگنے کا سبب بھی بنا دے گا"۔

عنبر خاموشی سے کچھ سوچنے لگا پھر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ اس تہہ خانے سے فرار ہو کر جنگل میں جا کر شکنتالا کو تلاش کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیوں کہ یہاں بیٹھے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ جنگل میں گھوم پھر کر شکنتالا کو ڈھونڈا جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

”بڑا اچھا خیال ہے۔ یہاں بیٹھے رہنا تو اب بالکل بے کار ہے۔ ہمیں یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے“۔

عنبر نے کہا:

”تو پھر ابھی سے کوشش شروع کر دینی چاہیے“۔

”ٹھیک ہے، میں کوشش شروع کرتا ہوں“۔

تہہ خانے کے باہر دروازے پر ہر وقت تالا لگا رہتا تھا۔ باہر کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا۔ ناگ نے دروازے پر ہاتھ مار کر سپاہی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ مگر وہاں کسی نے ان کی آواز نہ سنی۔ سپاہی وہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔

عنبر نے کہا:

”میرا خیال ہے ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے شام سے پہلے پہلے کوئی سپاہی ہمارے پاس آئے“۔

ناگ بولا:

”ہوں کیوں آئے گا بھلا؟ کھانا پانی تو یہ لوگ ہمیں دے نہیں رہے“۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہوسکتا ہے ٹھگوں کا بادشاہ ہم سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے ایک بار پھر آئے"۔

"چلو اچھا ہے۔ ہم انتظار کرتے ہیں"۔

ادھر ناگ اور عنبر کسی سپاہی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اور ادھر ماریا جہاز میں اکیلی بیٹھی تھی۔ جہاز کنارے کے ساتھ لگ چکا تھا۔ باہر کنارے پر جہاز کی رکھوالی وہی سپاہی کر رہے تھے۔ جنہوں نے کپتان کے ساتھ مل کر خزانے کو چرانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ کپتان نے جنگل میں جا کر ایک جگہ چن لی تھی جہاں رات کے اندھیرے میں

خزانے کو جہاز پر سے نکال کر دفن کیا جانا تھا۔ یہ جگہ جنگل میں ایک چٹان کی اوٹ میں زمین کھود کر بنائی گئی تھی۔

کپتان نے اپنے سپاہیوں کو جہاز پر بلایا اور کہا:

"سنو آج رات جب آدھی سے زیادہ گزر جائے اور سب لوگ سو جائیں تو میں کشتی لے کر جہاز کے پیچھے آؤں گا۔ تم لوگ جہاز میں سے سارے صندوق نکال کر اس کشتی میں رکھ دینا۔ پھر ہم اس کشتی کو جزیرے کے اس طرف لے جائیں گے جہاں جنگل میں ہم نے خزانہ دفن کرنے کے لیے زمین کھود رکھی ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"۔

سپاہیوں نے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے جناب، ہم پوری طرح رات کو تیار رہیں گے آپ بے فکر ہو کر کشتی لے آئیں"۔

ماریا سیڑھیوں کے دروازے میں کھڑی ان کی ساری باتیں سن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ان کی باتوں پر ہنس رہی تھی کہ یہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔

وہ خود اپنے بھائی عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شگفتہ اب اسے بھول گئی تی۔ اسے تو اپنے بھائیوں کی فکر پڑ گئی تھی۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ وہ لوگ زندہ ہوں گے۔ منگلوں کے بادشاہ کے سپاہی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مگر پھر بھی وہ ان کے لیے پریشان تھی اور ان سے مل کر اس جزیرے سے نکل جانا چاہتی تھی۔ جہاز پر وہ اکیلی بے بس تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دوسری طرف ناگ اور عنبر تہہ خانے میں بیٹھے کسی سپاہی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے مگر وہاں کوئی نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”بھائی یہ جو ہمارے جہاز پر ان لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اس کو

دوبارہ کیسے حاصل کیا جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جہاز کے اندر جو بحری ڈاکوؤں کا خزانہ ہے وہ ان بدمعاشوں کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ اس خزانے پر ان لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے“۔

ناگ بولا:

”خیال تو تمہارا ٹھیک ہے عنبر بھائی، لیکن جب انہوں نے جہاز پر قبضہ کیا ہے تو ظاہر ہے وہ خزانہ بھی جہاز میں سے نکال کر لے گئے ہوں گے“۔

عنبر نے کہا:

”میرا خیال ہے کہ ابھی ان لوگوں کو خزانے کا علم نہیں ہوا۔ کیونکہ خزانہ اگر ان کے ہاتھ لگ گیا ہوتا تو منگلوں کا بادشاہ اپنی گفتگو میں خزانے کا ذکر ضرور کرتا کہ تم نے یہ خزانہ کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اس نے تو صرف شگفتہ اور جہاز کا ذکر کیا تھا خزانے کی تو بات بھی نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی جس کا مطلب یہی ہے کہ اسے خزانہ نہیں ملا"۔

ناگ بولا:

"میرا خیال ہے کہ اگر ایسی بات ہے تو ماریا خزانے کی حفاظت کر رہی ہوگی۔ اس نے ان سپاہیوں کو ضرور ہلاک کر دیا ہوگا جو خزانے کے کیبن میں آنے کی کوشش کر رہے ہوں گے"۔

عنبر نے کہا:

"اگر ایسی بات ہوتی تو یہاں سپاہیوں میں شور مچ گیا ہوتا کہ جہاز پر کوئی غیبی روح ہے جو سپاہیوں کو جہاز پر ہلاک کر رہی ہے۔ پھر موشے بھی ہم سے ضرور پوچھتا کہ ہمارے جہاز پر کوئی جن بھوت تو نہیں ہرتا۔ اس نے ہم سے ایسی بات بھی کوئی نہیں کی"۔

ناگ نے کہا:

"بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو جہاز کا خزانہ ہاتھ نہیں لگا اور اگر خزانہ ہاتھ نہیں لگا تو ماریا ضرور اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح اس کیبن کا دروازہ بند کر دیا ہے جس میں خزانہ ہے اور یا خزانے کو کچھ اس طرح سے چھپا دیا ہے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا"۔

"میرا خیال ہے۔ ماریا نے ایسا ہی کیا ہوگا"۔

وہ ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ناگ نے خاموشی سے عنبر کی طرف دیکھا۔ دونوں سمجھ گئے کہ کوئی آ رہا ہے۔ دونوں خاموش ہو گئے اور آنے والے کی راہ دیکھنے لگے۔

آنے والا ایک سپاہی تھا۔ اس نے دروازہ کھولے بغیر ہی باہر سے آواز دی کہ اندر والے زندہ ہیں؟ ناگ نے آواز میں درد پیدا کر کے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میرا ساتھی مر چکا ہے اور میں مر رہا ہوں۔ خدا کے لیے تھوڑا سا پانی لا دو"۔

سپاہی نے باہر سے آواز دی:

"ہم تمہارے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب تم بھی مر جاؤ گے تو پھر آؤں گا"۔

یہ کہہ کر سپاہی چلا گیا۔ اب انہیں افسوس ہونے لگا کہ انہوں نے آواز کیوں دی۔ اگر ناگ چپ رہتا تو سپاہی یہ سمجھ کر کہ وہ دونوں مر گئے ہیں اندر آ جاتا۔ پھر اس پر قابو پا لیا جاتا اور وہ دونوں وہاں سے فرار ہو جاتے۔

جنگل میں تلاش

عنبر اور ناگ اب کسی دوسرے سپاہی کا انتظار کرنے لگے۔

رات گزرنے لگی۔ پھر آدھی رات ہو گئی اور وہاں کوئی سپاہی نہ آیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا کہ سلامبو کی لاش سے مدد لی جائے۔ عنبر نے کہا کہ سلامبو کی لاش کو وہ اب چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کے پاس خود اتنی طاقت ہے کہ وہ اس کی وجہ سے ہر مصیبت سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ اب سلامبو کی لاش کون

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں بلانا چاہتا۔ ہاں کوئی بہت بڑی آفت آ جائے۔ کوئی بہت بڑی فوج ان پر حملہ کر دے تو پھر وہ مدد کے لیے اسے پکار سکتا ہے۔ ناگ نے کہا:

"تو پھر سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے سپاہی کا انتظار کریں جو دروازہ کھول کر اندر آئے اور ہم اس پر قبضہ کر کے یہاں سے بھاگ جائیں"۔

عنبر نے کہا:

"ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ہمیں کیا نقصان ہوگا۔ ہمارا کیا بگڑ جائے گا۔ ہم نہ بھوک سے نڈھال ہو سکتے ہیں اور نہ پانی کے بغیر مر سکتے ہیں۔ ہم انتظار کر سکتے ہیں اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے"۔

اور وہ دونوں انتظار کرنے لگے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ جزیرے پر ہر طرف اندھیرا چھا

گیا۔ آسمان پر ستارے جگمگانے لگے۔ ان کی پھیکی پھیکی روشنی میں جہاز کے ارد گرد کی سمندر کی لہریں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ سپاہی جہاز کے باہر کنارے پر پہرہ دے رہے تھے۔

چھ سپاہی کنارے کے ایک طرف تھے اور چار سپاہی دوسری طرف پہرہ دے رہے تھے۔ اصل میں ان کی آنکھیں سمندر کے اس حصہ پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے کپتان خزانہ اڑانے کے لیے کشتی لے کر آتا تھا۔ اس وقت کپتان جزیرے کے ایک جنگل میں تھا اور اس گڑھے کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے خزانے کو دفن کرنا تھا۔

اس کپتان نے بھی سخت مکاری سے کام لیا تھا اور جس جگہ خزانہ دفن کرنا تھا۔ اس جگہ پر ایک اور بہت بڑا خفیہ گڑھا کھود رکھا تھا۔ اس کی سازش یہ تھی کہ جب خزانہ یہاں آ جائے تو وہ باقی کے سارے سپاہیوں کو باری باری ہلاک کر کے ان کی لاشوں کو اس گڑھے میں دفن

کر دے اور خود اکیلا ہی خزانے کا مالک بن بیٹھے۔ یہ شخص کچھ اور سوچ رہا تھا اور قدرت کچھ اور سوچ رہی تھی۔

کپتان نے دونوں گڑھوں کے اوپر جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں تا کہ وہ لوگوں کی نظر سے چھپ جائیں۔ ایک کشتی سمندر کے کنارے کھڑی پانی کی لہروں پر ڈول رہی تھی۔ وہ ایک پتھر کے ساتھ رسی سے بندھی ہوئی تھی۔ کپتان نے رسی کھول کر کشتی میں رکھی اور اس میں سوار ہو کر بڑے آرام سے چپو چلاتا جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔

جہاز پر صرف ماریا تھی جو عرشے کی ایک جانب لیٹی ہوئی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کشتی کنارے کے سامنے سے ہو کر گزری تو سپاہیوں نے اشارہ پاتے ہی سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور وہ سارے کے سارے ایک ایک کر کے بڑی خاموشی سے کشتی میں سوار ہو گئے۔

کپتان کشتی کو دھکیلتا ہوا جہاز کے پچھلے حصے کی طرف لے آیا۔ انہوں نے کشتی کو رسے کی مدد سے جہاز کے لنگر کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر وہ ایک ایک کر کے بڑی خاموشی کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گئے۔

کپتان نے انہیں خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ انہیں اتنی خاموشی سے دبے پاؤں جہاز پر جانا ہے کہ کسی کو ان کے قدموں کی آواز تک نہ آئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور ایسا ہی ہوا۔ سپاہی اتنے آرام سے دبے دبے پاؤں چلتے ہوئے عرشے پر سے جہاز کے نیچے خزانے والے کیبن میں اترے کہ عرشے پر سوئی ہوئی ماریا کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

وہ اسی طرح بے سدھ ہو کر سوئی رہی۔ سپاہی ایک ایک صندوق کو کیبن میں سے اٹھا کر لائے اور انہوں نے بڑے سکون کے ساتھ سارے کے سارے ہیرے جواہرات کے صندوق جہاز پر سے اتار کر کشتی میں رکھ لیے۔ پھر وہ سارے سپاہی لنگر کی مدد سے واپس کشتی میں سوار ہو گئے۔

یہ سارا کام اتنی آسانی سے خاموشی سے ہوا کہ ماریا عرشے پر آرام سے بے سدھ ہو کر سوئی رہی اور سارے کا سارا خزانہ جہاز پر سے نکل کر کشتی میں آ گیا۔ سپاہیوں نے چپو سنبھالے اور کپتان کی مدد سے ہولے ہولے کشتی کو کھے کر جزیرے کے جنگل والے کنارے کی

طرف آ گئے۔

اب ادھر یہ سپاہی کپتان کے ساتھ مل کر خزانے کو لے کر جنگل والے کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ اور ادھر عنبر اور ناگ تہہ خانے میں بیٹھے ایک سپاہی کے قدموں کی آواز سن رہے تھے جو تہہ خانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تہہ خانے کے دروازے کے قریب آ کر سپاہی کے قدم رک گئے۔ باہر سے سپاہی نے آواز دی:

"اندر کوئی ہے؟"۔

اس کا مطلب یہ معلوم کرنا تھا کہ اندر کوئی زندہ یا نہیں؟

ناگ اور عنبر خاموش رہے۔ انہوں نے جان بوجھ کر کوئی آواز نہ دی۔

سپاہی نے باہر سے ایک بار پھر پوچھا:

"اندر کوئی ہے؟"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنبر اور ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب سپاہی کو یقین ہو گیا کہ وہ دونوں بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر مر چکے ہیں۔ منگلوروں کے بادشاہ نے اسے یہی معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ اگر عنبر اور ناگ مر گئے ہوں تو ان کی لاشیں لا کر جلا دی جائیں۔ کیوں کہ منگلوروں کے بادشاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں نہیں جانتے شکنتا کہاں ہے۔ عنبر اور ناگ دم سادھے چپکے بیٹھے رہے۔

ناگ دروازے کی ایک جانب چھپ گیا اور عنبر دوسری جانب اوٹ میں ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی اس یقین کے بعد کہ دونوں مر گئے ہیں، دروازے کا تالا کھولنے لگا۔ تالا کھل گیا۔ سپاہی اندر آ گیا۔

وہ اندر عنبر اور ناگ کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی دیکھنا چاہتا تھا اور وہاں کسی کی لاش نہیں ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ شاید

اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔

وہ واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ ناگ نے لپک کر سپاہی کی گردن دبوچ لی۔ عنبر نے اس کے ساتھ مل کر سپاہی کو نیچے گرا لیا اور ایک پل کے اندر اندر اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی، تم اس کے کپڑے خود پہن لو۔ میں تو وقت آنے پر غائب ہو سکتا ہوں۔ تمہیں سپاہی کی وردی میں دیکھ کر بھی یہی خیال کریں گے کہ تم یہاں کے سپاہی ہو؟"۔

"ٹھیک خیال ہے"۔

عنبر نے اسی وقت مرے ہوئے سپاہی کی وردی پہن لی۔ وردی پہن کر انہوں نے سپاہی کی لاش کو کونے میں ایک طرف پھینکا اور تہہ خانے کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ عنبر نے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے ناگ کہ تم سانپ بن کر میرے ساتھ چلو۔ مجھے دیکھ کر تو کسی کو شک نہیں ہوگا مگر تم کو دیکھ کر ہر شخص ہمیں پکڑنے کی کوشش کرے گا اور سارے محل میں شور مچ جائے گا"۔

"اچھا بھائی' ایسا ہی کرتا ہوں"۔

اور ناگ اسی وقت ایک گہری پھنکار مار کر سانپ کے روپ میں آ گیا۔ سانپ بن کر وہ عنبر کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگ کر چلنے لگا۔ عنبر تہہ خانے کی راہداری سے نکل کر سیڑھیوں کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے اندھیرے میں دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر دیکھا کہ اوپر جانے والی سیڑھیوں کا دروازہ بند تھا اور سامنے ایک ہٹا کٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا:

"ناگ' اگر میں نے اس آدمی پر قابو پانے کی کوشش کی تو یہ شور مچا دے گا اور سارے محل کے سپاہی یہاں جمع ہو جائیں گے۔ وہ مجھے مار تو نہ سکیں گے لیکن مل کر مجھے گرفتار ضرور کر لیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم آگے بڑھو اور اس سپاہی کا اس طرح کام تمام کرو کہ اس کی چیخ نہ نکلنے پائے"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سانپ نے یہ سن کر سر ہلایا۔ کیوں کہ ناگ سانپ بن کر کسی آدمی سے باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی بولی اس وقت سوائے سانپ کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ناگ نے سر ہلایا اور اندھیرے میں دیوار پر رینگ کر وہاں پہنچ گیا۔ جہاں موٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ سپاہی کے پیچھے والی دیوار پر آ گیا۔ موٹا سپاہی چلتے چلتے ایک پل کے لیے رک کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

سانپ اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

سانپ نے اپنی گردن اٹھا کر پھن پورا پھیلا لیا اور بڑے سکون کے ساتھ دیوار پر سے چھلانگ لگا کر موٹے سپاہی کی گردن میں اس طرح بل ڈال دیے کہ وہ بول تک نہ سکا۔ سانپ نے اس کی گردن پر ڈس دیا۔

سپاہی کی رگیں زہر کے اثر سے خشک ہو گئیں۔ اس نے چیخ ماری مگر وہ اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکی۔ زہر نے اس کے جسم پر اثر کر دیا۔ سپاہی کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ گرتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

عنبر اسی کے انتظار میں تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ اس نے سپاہی کی کمر سے چابیاں کھول کر دروازے کا تالا کھولا اور ناگ کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔

یہاں سے محل کا ایک حصہ شروع ہوتا تھا۔ یہاں باہر برآمدہ تھا

جس کے ساتھ ساتھ سپاہیوں اور پہرے داروں کے کمرے چلے گئے تھے۔ عنبر نے سانپ کے قریب منہ لے جا کر کہا:

"ناگ میں کسی نہ کسی طرح باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ رہنا۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جاؤں۔ مگر تم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑنا۔ تم اندھیرے میں بھی دیکھ سکتے ہو۔ اس لیے میرے پیچھے پیچھے رہنا"۔

عنبر چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا۔ اس لیے اسے زیادہ پروا نہیں تھی۔ موٹے سپاہی کے پاس وہ اس لیے نہیں گیا تھا کہ اس سے چابیاں لینے کے لیے بات کرنی پڑتی اور وہ ضرور پہچان لیتا کہ یہ شخص جھوٹا سپاہی ہے۔ اصلی سپاہی نہیں ہے۔ وہ برآمدے میں دیواروں اور ستونوں کے ساتھ ساتھ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ محل سے باہر جانے کو کون سا راستہ جاتا ہے؟

وہ بس اندازے کے مطابق ہی چلا جا رہا تھا۔

اس سامنے سے ایک سپاہی آتا دکھائی دیا۔ عنبر رک گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ اس طرح رک جانے سے تو خواہ مخواہ اسے شک ہوگا۔ اسے تو چلتے چلے جانا چاہیے۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ سامنے والا سپاہی وہاں رات کی گشت پر تھا۔ عنبر کے قریب گزرتے ہوئے سپاہی نے مسکرا کر اس سے کہا:

"کیوں بھئی اس وقت کس مار میں پھر رہے ہو؟ تمہاری تو رات کو پہرہ دینے کی ڈیوٹی نہیں ہے"۔

عنبر نے جان بوجھ کر کوئی جواب نہ دیا۔ سپاہی نے پھر کہا:

"بھائی تم بولتے کیوں نہیں ہو؟"

عنبر نے کہا:

"بھائی میرے دانت میں سخت درد ہے"۔

اب سپاہی نے عنبر کو غور سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے تمہیں پہلے اس محل میں کبھی نہیں دیکھا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس محل میں تو کبھی کسی نئے سپاہی کو بھرتی نہیں کیا جاتا"۔

عنبر گھبرا گیا۔ بولا:

"بات یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ باہر رہا ہوں اور۔۔۔"

سپاہی نے جھٹ کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے کس سپاہی کی وردی پہن رکھی ہے؟"۔

اب معاملہ ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ بھید کھل گیا تھا۔ خطرہ تھا کہ سپاہی شور مچا کر عنبر کو گرفتار نہ کرا دے۔ اگر اس نے شور مچا دی تو سارا محل جاگ اٹھے گا۔ ہر طرف روشنی ہو جائے گی۔ سارے سپاہی گھیرا ڈال لیں گے اور پھر عنبر تو کیا بلکہ ناگ کا بھی وہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ لوگ اسے سانپ سمجھ کر کچل کر رکھ دیں گے اور اگر وہ آدمی بن گیا تو اسے زنجیروں میں جکڑ دیں گے۔

عنبر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لپک کر سپاہی کی گردن دبوچ لی تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ سپاہی نے بھی عنبر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ سپاہی کسی طرح اپنی گردن آزاد کرا کر شور مچانا چاہتا تھا۔

عنبر اس کی گردن نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ناگ نے جب دیکھا کہ پیچھے پیچھے عنبر نہیں ہے تو وہ واپس پلٹا۔ برآمدے میں آ کر کیا دیکھتا ہے کہ عنبر سپاہی سے گتھم گتھا ہو رہا ہے۔

ناگ نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور سپاہی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کی گردن پر ڈس دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سانپ کے ڈسنے سے سپاہی کے خون میں زہر پھیل گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی ہونا شروع ہو گئی۔ گردن کی رگیں بند ہو گئیں۔ عنبر نے بھی سانپ کو حملہ کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ سانپ اس پر حملہ کرے۔

سپاہی مردہ ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

"یہاں سے جلدی نکلنے کی کوشش کرو۔ یہاں رات کو قدم قدم پر سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔"

عنبر تیزی سے برآمدوں میں سے گزرنے لگا۔ سانپ اس کے ساتھ ساتھ زمین پر رینگ کر چل رہا تھا۔ اب وہ محل کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

سامنے ایک ڈیوڑھی میں سے گزر کر وہ بڑے دروازے پر آ گئے۔ یہاں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

دونوں جاگ رہے تھے اور نیزے تلواریں اٹھائے ہوئے تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنبر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سانپ بھی اس کے قریب آ گیا۔ عنبر نے زمین پر جھک کر سانپ سے کہا:

"ناگ! یہ کام ذرا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایک نہیں بلکہ دو سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ تم جا کر کوشش کرو کہ ایک سپاہی کو قابو کر لو۔ کیا تم میں اتنا زہر ہے کہ ان میں سے ایک کو کاٹ کر ہلاک کر سکو؟"

سانپ نے گردن اس طرح ہلائی جیسے کہہ رہا ہو:

"میں ان دونوں کا کام تمام کر سکتا ہوں"۔

سانپ پہرے داروں کی طرف بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

سانپ نے پہرے داروں کے پاس جا کر ایک پہرے دار سپاہی پر جا کر حملہ کر دیا اور اسے کاٹ کھایا۔

اس سپاہی نے گرتے گرتے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔

دوسرے سپاہی نے تلوار کھینچ کر سانپ پر حملہ کر دیا۔ عنبر لپک کر سپاہی کی طرف گیا۔ کیوں کہ ناگ کی زندگی خطرے میں تھی۔

سپاہی تلوار چلا رہا تھا۔ سانپ بھاگ کر چھپ گیا تھا۔ اب جو سپاہی نے ایک اور سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو رک گیا اور بولا:

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"بادشاہ کے حکم سے باہر جا رہا ہوں۔ جہاز پر کام ہے"۔

سپاہی نے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"حکم نامہ دکھاؤ"۔

عنبر نے کہا:

"ابھی دکھاتا ہوں"۔

عنبر جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اس اثنا میں سپاہی زمین پر گرے ہوئے پہرے دار پر جھک کر اس کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ مگر سانپ کے زہر نے اس سپاہی کا کام تمام کر دیا تھا۔

وہ زہر کے اثر سے مر کر اکڑ گیا تھا۔ ابھی دوسرا سپاہی اٹھنے ہی لگا تھا کہ اوپر سے قیصر نے تلوار مار کر اسے بھی ہلاک کر دیا۔ اب میدان صاف تھا۔ عنبر نے سانپ کو آواز دی۔

"ناگ باہر نکل آؤ"۔

سانپ ایک ستون کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

عنبر نے دروازہ کھولا اور محل سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی سانپ

نے بھی زور سے پھنکار مار کر دوبارہ آدمی کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے کہا:

"بڑی مشکل سے باہر نکلے ہیں۔ کم بخت جگہ جگہ پہرہ لگا ہوا تھا۔ نہ جانے شگفتا یہاں سے کس طرف بھاگی ہو گی۔ چلو اب یہاں سے بھاگ چلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کر پھر کوئی مصیبت آ جائے"۔

عنبر اور ناگ نے محل میں سے نکل کر اس طرف بھاگنا شروع کر دیا جس طرف جنگل شروع ہوتا تھا۔ راستے میں انہوں نے دور سمندر کے کنارے کھڑا اپنا بادبانی جہاز بھی دیکھا۔

ناگ نے کہا:

"عنبر بھائی! کیوں نہ جہاز پر چل کر ماریا کو بھی ساتھ لے لیں؟"۔

عنبر بولا:

ایسا کرنا خطرناک ہو گا۔ جہاز پر بڑا پہرہ ہو گا۔ ماریا تو اپنا بچاؤ کر سکتے ہے۔ مگر ہم ضرور پکڑ لیے جائیں گے۔ سب سے پہلے جنگل میں چل کر شگفتا کو تلاش کرتے ہیں۔

ماریا تو اس جہاز پر محفوظ رہ رہی ہو گی۔ وہاں کھانے پینے کی کمی نہیں ہے اور پھر وہ کسی کو دکھائی بھی نہیں دیتی۔ پہلے شگفتا کو ڈھونڈ لیں۔ پھر جہاز پر آ کر ماریا کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ بلکہ شگفتا کو بھی ساتھ لے کر اسی جہاز پر آ جائیں گے اور یہاں سے آگے نکل چلیں گے۔

ناگ نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی"۔

اور وہ جنگل کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے وہ جنگل کے کنارے پر آ گئے اور پھر گھنے جنگل

میں داخل ہو گئے۔

رات اندھیری تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ شگفتا کو آواز نہیں دے سکتے تھے۔ آواز دینا ویسے بھی بے کار تھی۔ کیونکہ ظاہر ہے شگفتا کسی جگہ باہر نہیں بیٹھی ہو گی۔ وہ ضرور کسی غار یا کھوہ کے اندر چھپی ہو گی۔

اسے تو دن چڑھنے کے بعد ہی تلاش کیا جا سکتا تھا۔ عنبر اور ناگ جنگل میں بھاگتے بھاگتے کافی دور نکل گئے۔ آخر انہیں ایک جگہ تھک کر رکنا پڑا۔ وہاں ایک ندی بہہ رہی تھی۔ انہوں نے پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھوئے اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر ذرا آرام کرنے لگے۔

ناگ کا حملہ

ادھر عنبر اور ناگ جنگل میں ندی کنارے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔

ادھر کپتان کشتی میں خزانے کے صندوق لادے انہیں ساحل کی طرف لا رہا تھا۔ جہاز پہ ماریا گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اچانک ایک پرندہ اس کے اوپر سے تیزی سے گزر گیا۔

اس کے پروں کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھیں ملتی

ہوئی اٹھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج رات سپاہیوں نے خزانہ چرانا ہے۔ وہ بھاگی بھاگی نیچے کیبن میں گئی۔ وہاں نہ خزانہ تھا نہ خزانے کے صندوق تھے۔ سپاہی خزانہ اٹھا کر لے جا چکے تھے۔

ماریا پریشان ہو کر اوپر عرشے پر بھاگی۔ اس نے جنگلے پر کھڑے ہو کر سمندر کی طرف دیکھا۔ دور کنارے پر سپاہیوں کی کشتی کھڑی اور اور سپاہی سروں پر خزانے کے صندوق اٹھائے لیے جا رہے تھے۔

ماریا کو سخت غصہ آیا اپنے آپ پر بھی اور سپاہیوں پر بھی اور اپنی نیند پر بھی۔

مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ کوئی کشتی بھی نہیں تھی کہ جس پر سوار ہو کر وہ سپاہیوں کا پیچھا کر سکے اور اسے تیرنا بھی نہیں آتا تھا کہ سمندر میں چھلانگ لگا کر ہی کنارے پر پہنچ جائے۔

اپنے اندر ہی پیچ و تاب کھاتی وہ جہاز کے جنگلے سے لگی کھڑی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہی۔ اس نے سوچا کہ کوئی بات نہیں۔ آخر یہ لوگ جنگل میں جا کر ہی کسی جگہ خزانہ دفن کریں گے۔ جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے تو وہ کسی ایک کو قابو کر کے اس سے پوچھے گی کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے۔

کپتان کے خزانے کے پانچوں صندوق سپاہیوں کے سروں پر اٹھوا رکھے تھے اور انہیں اپنی نگرانی میں لے کر جنگل میں داخل ہو گیا۔ اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ خزانہ کس جگہ دفن کرنا ہے؛ چنانچہ اس نے سوچی سمجھی سازش کے مطابق سپاہیوں سے کہا:

’’بھائیو، جس جگہ خزانہ دفن کرنا ہے وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ یہاں آرام کریں اور کچھ سپاہی خزانہ لے کر یہاں سے آگے چلے جائیں‘‘۔

’’آخر ایسا کیوں کپتان، ہم میں سے کوئی بھی تھکا ہوا نہیں ہے۔ ہم بڑے آرام سے سفر کر سکتے ہیں‘‘۔

کپتان لاجواب ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں رہا۔ اس نے کہا:

’’بہت اچھا بھائیو، اگر تم تھکے ہوئے نہیں ہو تو بے شک چلتے رہو میں تو صرف تمہاری خاطر کہہ رہا تھا‘‘۔

سپاہیوں نے یک زبان ہو کر کہا:

’’نہیں کپتان صاحب، ہم تازہ دم ہیں۔ ہم خزانہ لے کر کسی دوسرے جزیرے پر بھی جا سکتے ہیں‘‘۔

’’ٹھیک ہے پھر..... چلے آؤ میرے پیچھے پیچھے‘‘۔

کپتان جان بوجھ کر سپاہیوں کو چکر لگوا کر اس جگہ لے آیا جہاں جھاڑیوں کی اوٹ میں دو گڑھے کھدے ہوئے تھے۔ ایک خزانے کے صندوق دفن کرنے کے لیے اور ایک بڑا گڑھا سپاہیوں کی لاشیں دبانے کے لیے کھدوا گیا تھا۔ کپتان نے سپاہیوں کو بالکل نہ بتایا کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہی وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے خزانے کو دفن کرنا ہے، بلکہ بولا:

"میرا خیال ہے ہمیں اس جگہ تھوڑا آرام کر لینا چاہیے۔ ذرا دم لے کر آگے چلیں گے۔ کیوں کہ وہ جگہ کافی دور ہے"۔

ایک سپاہی نے کہا:

"کپتان، ہم تھکے بالکل نہیں ہیں۔ ہم چل سکتے ہیں"۔

کپتان ذرا ڈانٹ کر بولا:

"یہ میرا حکم ہے کہ تم لوگوں کو یہاں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہیے میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے لوگوں نے یہاں تھوڑا آرام نہ کیا تو تم آگے کا سفر نہیں کر سکو گے۔ صندوق اتار کر ایک طرف رکھ دو"۔

سب سپاہیوں نے صندوق اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔

کپتان نے اپنے جھولے میں سے مچھلی کا بھنا ہوا گوشت نکال کر لکڑی کی ایک تھالی میں رکھا اور بولا:

"یہ لو۔۔۔ تھوڑا گوشت کھاؤ تا کہ تمہارے اندر آگے بڑھنے کی طاقت آجائے"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سپاہی بڑے خوش ہوئے۔ انہیں مچھلی کا بھنا ہوا گوشت بھلا کہاں ملتا تھا۔ سپاہیوں کو تو صرف جنگلی سانڈوں کا گوشت ہی کھانے کو دیا جاتا تھا۔ جزیرے میں جس قدر اعلیٰ قسم کی مچھلی پکڑی جاتی تھی۔ ان پر ستمگروں کے بادشاہ کا قبضہ تھا۔

لیکن سپاہیوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ مکار کپتان نے مچھلی میں زہر ملا رکھا ہے۔ کپتان نے جو مچھلی خود کھائی اسے اپنی جیب میں سے نکال کر منہ میں ڈال لیا اور تھالی آگے بڑھا کر سپاہیوں سے کہا:

"بڑی مزیدار مچھلی ہے۔ یہ میں نے صبح خاص طور پر تمہارے لیے پکوائی تھی۔ ذرا چکھ کر دیکھو۔ اس کی طاقت سے تم لوگوں کی ساری تھکان اتر جائے گی"۔

سپاہی تھک گئے تھے۔ خاص طور پر وہ سپاہی تو بہت تھک گئے تھے۔ جنہوں نے سروں پر صندوق اٹھائے رکھے تھے۔ وہ تو محض اس لیے جلدی کر رہے تھے کہ کسی طرح ہیرے جواہرات ان کی آنکھوں کے سامنے زمین میں ایک بار دفن کر دیے جائیں تا کہ ان کی دولت محفوظ ہو جائے۔

کپتان نے جوں ہی زہریلی مچھلی ان کے آگے کی سارے کے سارے مچھلی پر ٹوٹ پڑے۔ مچھلی میں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی اور مسالوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے وہ سارے مچھلی چٹ کر گئے۔ صرف ایک سپاہی مچھلی کھانے سے بچ گیا۔ ہوا یہ کہ جب اس

نے تھالی میں سے اپنے حصے کی مچھلی کا ٹکڑا اٹھایا تو وہ اسے لے کر ذرا پرے درخت کے نیچے بیٹھ گیا تا کہ آرام سے کھا سکے۔

کپتان نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان سپاہیوں کی طرف لگا تھا جنہوں نے تھالی کے گرد جھرمٹ ڈال رکھا تھا اور بڑے مزے سے مچھلی کھا رہے تھے۔

خوش قسمت سپاہی نے مچھلی کا ٹکڑا کھانا چاہا ہی تھا کہ اوپر سے ایک آدم درخت پر سے ٹوٹ کر ٹھیک سپاہی کے اس ہاتھ پر گرا جس میں اس نے مچھلی پکڑ رکھی تھی۔ مچھلی کا ٹکڑا جھٹکے سے نیچے گر پڑا۔ نیچے چٹان کی ڈھلان تھی۔

مچھلی کا ٹکڑا اندھیرے میں نیچے دور تک لڑھک گیا۔ سپاہی کو بڑا افسوس ہوا کہ اس نے تو سوچا تھا کہ سکون سے ایک طرف بیٹھ کر بھنی ہوئی مچھلی اڑائے گا اور یہاں مچھلی کے ٹکڑے سے ہی ہاتھ دھونے پڑے۔

اس نے سوچا کہ چٹان کی ڈھلان پر سے نیچے اتر کر مچھلی کو تلاش کرنا چاہیے۔ ابھی وہ یہی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے کیا دیکھا کہ ایک سپاہی نے چیخ ماری اور زمین پر گر پڑا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔

کپتان گرتے سپاہی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دوسرا سپاہی بھی گر پڑا اور پھر دیکھتے دیکھتے سارے کے سارے سپاہی زمین پر گرے اور گرتے ہی خطرناک زہر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

یہ سپاہی جو درخت کی اوٹ میں بیٹھا تھا یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ کپتان نے زہریلی مچھلی کھلا دی ہے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔ مگر ابھی اس کی جان خطرے میں تھی۔ کپتان نے ہاتھ جھاڑ کر سپاہیوں کی لاشیں گننا شروع کر دیں۔

سپاہی ایک دن چونکا۔ کپتان کو جب معلوم ہوا کہ مرے ہوئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نو ہیں تو وہ دسویں سپاہی کی تلاش شروع کر دے گا۔ یہ سوچ کر زندہ بچے ہوئے سپاہی نے چپکے سے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور نیچے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ کپتان نے لاشوں کو گنا تو وہ نو تھیں۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"دسویں لاش کہاں گئی؟"۔

کپتان نے جھک کر ایک بار پھر لاشیں گنیں اور سپاہیوں کے چہروں کو غور سے دیکھا وہاں صرف نو عدد سپاہیوں کی لاشیں تھیں۔

دسواں سپاہی غائب تھا۔ کپتان پریشان ہو گیا۔

دسواں سپاہی کہاں بھاگ گیا تھا؟ اس نے مچھلی کیوں نہیں کھائی؟ اسے کس طرح شک پڑ گیا کہ مچھلی میں زہر ملا دیا گیا ہے؟ کپتان نے سپاہی کو ادھر ادھر تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ دسواں سپاہی تو اوپر درخت کی شاخوں میں چپ چاپ چھپا بیٹھا تھا۔

کپتان نے ساری جھاڑیوں میں سپاہی کو ڈھونڈ مارا مگر وہ کہیں بھی اسے تلاش نہ کر سکا۔ پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، نو سپاہی ہی ہوں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ دسواں سپاہی غائب ہو جائے۔ میرا خیال ہے نو سپاہی ہی تھے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔"

کپتان کو جب یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ دس نہیں بلکہ نو سپاہی تھے تو وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھا۔ اس نے ایک بڑے گڑھے کے اوپر سے شاخوں کو پرے ہٹا دیا۔

دسواں سپاہی اوپر درخت پر بیٹھا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کانپ گیا کہ کپتان نے ان کی لاشوں کو دبانے کے لیے پہلے سے ہی گڑھا کھود رکھا تھا۔ اس نے بڑی مکاری سے انہیں اسی جگہ آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور پھر زہریلی مچھلی کھلا کر ہلاک کر دیا۔

کپتان نے ایک ایک سپاہی کی لاش کو پکڑ کر گڑھے کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کافی محنت کے بارے کپتان نے سارے نو کے نو سپاہیوں کی لاشوں کو گڑھے کے اندر پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی۔ پھر اس کے اوپر جھاڑیوں کی شاخیں ڈال کر اس جگہ کو چھپا دیا۔ دسواں سپاہی درخت پر بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ درخت نے اسے عین وقت پر اوپر سے آم گرا کر بچا لیا۔

اگر ٹھیک اس وقت جب کہ وہ مچھلی کھانے والا تھا آم اس کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ یہ نہ کرتا تو اس وقت اس کی اپنی لاش بھی سامنے والے گڑھے میں دفن ہوتی دسواں سپاہی خوف سے کانپ گیا۔

کپتان نے اب دوسرے گڑھے کے اوپر سے خشک جھاڑیاں پرے ہٹائیں اور اس کے اندر خزانے کے صندوق رکھنے شروع کر دیے۔ لاشوں کو اس نے پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ لیکن جواہرات کے صندوق کو وہ بڑے آرام سے اٹھا اٹھا کر گڑھے کے اندر رکھ رہا تھا۔

پانچوں کے پانچوں صندوق گڑھے کے اندر رکھ کر کپتان نے اطمینان کا سانس لیا اور اس جگہ بیٹھ کر جیب سے تولیہ نکال کر چہرے اور بازوؤں کا پسینہ پونچھنے لگا۔

دسواں سپاہی اوپر بیٹھا بیٹھا تنگ آ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کپتان اب وہاں سے چلا جائے تا کہ وہ نیچے اترے۔ لیکن کپتان نے دیر کر دی تھی۔ وہ کچھ دیر آرام سے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا۔ جس جگہ خزانہ دفن تھا اس جگہ جھاڑیوں پر ہاتھ پھیرا اور وہاں سے چلا گیا۔ کچھ دور تک سپاہی کو اس کے قدموں کی کھڑ کھڑ کی آواز آتی رہی۔ پھر جنگل میں خموشی چھا گئی۔

مگر سپاہی ابھی تک خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کپتان قریب ہی نہ چھپا ہوا ہو۔ اس نے کوئی چال نہ چلی ہو۔ کافی دیر گزر جانے پر جب کپتان اندھیرے سے باہر نہ نکلا تو سپاہی کو یقین آ گیا کہ وہ چلا گیا ہے۔ اب وہ بڑے آرام سے درخت پر سے اترا اور نیچے آ گیا۔

سب سے پہلے وہ جھکا جھکا اس گڑھے پر آیا جہاں اس کے ساتھیوں کی لاشیں دبی ہوئی تھیں۔ سپاہی جذباتی سا ہو گیا۔ اپنے سپاہیوں کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے فیصلہ کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا کپتان سے بدلہ ضرور لے گا۔ پھر اس نے اس گڑھے کی جھاڑیوں کو دیکھا جہاں خزانہ دفن تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"اس سارے خزانے کا اب میں اکیلا مالک ہوں۔ میں کپتان کو اسی طرح ہلاک کر دوں گا جس طرح اس نے میرے ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس کا اسی جگہ انتظار کروں گا۔ وہ ضرور آئے گا۔ اس کا خزانہ اس جگہ دفن ہے جس کا وہ اب اکیلا مالک بن بیٹھا ہے۔ میں کپتان کو اس کے ظلم اور لالچ کی پوری سزا دوں گا"۔

سپاہی ایک طرف ہو کر سو گیا۔

دن نکلا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ جزیرے اور جہاز کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ کیوں کہ اگر وہ اس طرف جاتا تو کپتان اسے ضرور پہچان لیتا

اور اسی وقت اسے ہلاک کر ڈالتا۔ اس نے اٹھ کر درخت پر سے پھل توڑ کر کھائے۔

ندی کا پانی پیا اور پھر درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ کپتان جلدی سے جلدی خزانے کو ایک نظر دیکھنے کے لیے وہاں ضرور آئے گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ صبح ابھی ہوئی ہی تھی کہ سپاہی کو جنگل میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ سپاہی درخت کی شاخوں میں چھپا بڑے غور سے نیچے دیکھنے لگا۔ اسے سورج کی روشنی میں دور سے کپتان آتا دکھائی دیا۔

وہ بڑی ہوشیاری سے ادھر ادھر دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ جیسے کسی پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو کہ وہ جنگل میں آیا ہوا ہے۔ سپاہی اس کے انتظار میں درخت کے اوپر ہی بیٹھا رہا کپتان اس جگہ آ گیا جہاں اس نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خزانہ دفن کر رکھا تھا۔ پہلے تو وہ بڑے خوشی بھرے چہرے کے ساتھ اس جگہ کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بیٹھ گیا۔ چاروں طرف ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ وہاں اکیلا ہی ہے تو اس نے جھاڑیاں پرے ہٹا کر مٹی ادھر ادھر کرنی شروع کر دی۔

تھوڑا سا گڑھا کھودنے کے بعد ہی نیچے صندوق دکھائی دیا۔

کپتان نے صدنوق کو باہر نکال کر اس کا ڈھکنا کھول دیا۔ دن کی روشنی میں صندوق میں بھرے ہوئے ہیرے جواہرات ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔ درخت کے اوپر چھپے ہوئے سپاہی کی بھی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ کپتان کا تو خوشی کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔۔۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جواہرات کے ہاروں کو اپنے گلے میں پہنتا۔ ہیروں کو اپنے کانوں اور ماتھے سے لگاتا۔

کچھ ہیرے اس نے اپنی جیب میں ڈال لیے۔ پھر دوسرے صندوق میں سے سونے کا ایک گلدان نکال کر اسے بار بار چومنے لگا۔ جب اسے چومتا چومتا تھک گیا تو گلدان کو دوبارہ صندوق میں رکھ کر اس کا ڈھکنا بند کر دیا۔

کپتان نے دونوں صندوق گڑھے میں واپس رکھ دیے۔ وہ مٹی بھرنے لگا۔ سپاہی نے سوچا کہ اس کپتان کو کس طرح ہلاک کیا جائے؟ اس کے پاس تلوار تھی۔ سپاہی کے پاس صرف خنجر تھا۔ کپتان ہٹا کٹا اور تجربے کار تلوار باز تھا۔ سپاہی اگر نیچے جا کر اس پر حملہ کر بھی دے تو کپتان ضرور مقابلہ کرتا اور سپاہی کو ضرور ہلاک کر دیتا۔ پھر اس سے اپنے ساتھیوں کی موت کا کس طرح بدلہ لیا جائے؟ یہ شخص تو اگر اب چلا گیا تو ہو سکتا ہے کچھ روز بعد آئے اور خزانہ یہاں سے لے کر چلا جائے؟

ہو سکتا ہے کہ وہ اب رات کو واپس آئے۔ سپاہی اس طرح اتنے دن تو جنگل میں نہیں پڑا رہ سکتا تھا۔ پھر کیا کیا جائے؟ کیا وہ نیچے اتر کر کپتان پر حملہ کر دے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے۔ ایک سیاہ رنگ کا لمبا موٹا سانپ درخت کی اوپر ٹہنی سے نیچے اتر رہا ہے۔ سپاہی کا تو جسم خوف کے مارے سن ہو گیا۔ اگر وہ شور مچاتا تو نیچے کپتان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو سانپ اسے کاٹ لے گا۔ اس کی جان دوہری مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

سپاہی کو اپنی موت بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔ نیچے بھی موت تھی اور اوپر بھی موت تھی۔ وہ دونوں موتوں کے بیچ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں آ گیا تھا۔ سانپ اوپر والی شاخ سے نیچے اتر کر اب اس ٹہنی پر آ گیا تھا جس پر سپاہی نے پناہ لے رکھی تھی۔ سپاہی نے موت کے انتظار میں آنکھیں بند کر لیں۔ دوسری بار جو اس نے آنکھیں کھولیں تو سانپ اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ بالکل قریب سے۔ اسے سانپ کے چلنے کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ بھی سنائی دی۔ اس نے آنکھیں کھولی ہی تھیں کہ جیسے سانپ کو بھی علم ہو گیا۔ سانپ چلتے چلتے رک گیا۔ سانپ نے اپنی گردن پیچھے گھما کر سپاہی کو اپنی دہکتی ہوئی انگارہ آنکھوں سے دیکھا۔

سپاہی زرد پڑ گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ سانپ نے گردن موڑ لی اور آگے رینگنا شروع کر دیا۔ اس کا مطلب صاف یہ تھا کہ جب اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھی تو سانپ اس کے چہرے کے سامنے سے ہو کر گزرا تھا۔

سپاہی کے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ سانپ کی دم اب اس کے پاؤں کو چھو کر آگے نکل گئی۔ سانپ درخت پر سے نیچے اتر رہا تھا۔ نیچے کپتان ابھی تک گڑھے میں خزانہ دفن کرنے کے بعد مٹی ڈال رہا تھا۔ سانپ نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر وہ اونچی جگہ پر رکا۔ بڑے غور سے اس آدمی کو تکنے لگا جو زمین میں مٹی ڈال رہا تھا۔ کپتان سانپ سے بے خبر تھا۔ پھر اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ وہ کپتان کے بالکل قریب پیچھے جا کر ٹھہر گیا۔

سپاہی درخت پر بیٹھا بڑی دلچسپی سے یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ سانپ نے اسے کاٹنا تھا مگر اس نے نہیں کاٹا اور قریب سے ہو کر اسے گھور کر دیکھ کر نیچے چلا گیا اور اب کپتان کے پیچھے جا کر رک گیا۔ آخر سانپ کیا کرنا چاہتا تھا؟ سانپ نے جو کچھ کرنا تھا وہ سامنے آ گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سانپ نے زمین پر سے پھن پھیلا کر اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ وہ زمین سے پانچ فٹ اوپر آ گیا اور اپنے پھن کو جھلانے لگا۔ کپتان کو احساس ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے۔ جوں ہی اس نے پلٹ کر دیکھا اس کی نظر سانپ کے پھن پر پڑی جو اس کی طرف منہ کر کے جھوم رہا تھا۔

کپتان کا ہاتھ تلوار کی طرف گیا۔ لیکن اس دوران میں سانپ اسے ڈس کر وہاں سے جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ سپاہی بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔

عجیب سپاہی

سانپ کے ڈسنے سے کپتان چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

یہ کوئی بہت ہی خطرناک زہری سانپ تھا۔ کیوں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کپتان کا سارا جسم نیلا پڑ گیا اور اس کی آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔ پھر اس کے جسم نے پھولنا شروع کر دیا۔ پھر لاش پھٹ کر پانی بن کر زمین میں جذب ہو گئی تھی۔ زہر کے اثر سے کپتان کی ہڈیاں بھی پانی بن کر زمین میں گم ہو چکی تھیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سپاہی لرز گیا۔ جہاں ایک پل پہلے کپتان بیٹھا ہیرے جواہرات کے ہار اور سونے کا گلدان دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ وہاں اب اس کی لاش بھی نہیں تھی۔ خدا جانے سانپ اپنا کام کرنے کے بعد کہاں گم ہو گیا تھا۔

سپاہی نے دیکھا کہ جہاں خزانہ دفن تھا وہاں سے ایک جگہ سے مٹی ہٹی ہوئی تھی۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر دیکھا تو کانپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس جگہ وہی زہری سانپ کنڈل مارے مٹی کے اندر خزانے کے اوپر بیٹھا سپاہی کو لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ خبردار آگے آئے تو یہی حشر تمہارا بھی ہوگا۔

سپاہی ڈر کر وہاں سے اٹھ دوڑا۔

وہ دوڑتا گیا، دوڑتا گیا اور ساحل سمندر پر جا کر اس نے دم لیا۔ وہاں سے وہ سیدھا جزیرے کی طرف مڑ گیا۔ اب سارے جزیرے میں صرف وہی ایک سپاہی تھا جسے معلوم تھا کہ بحری ڈاکوؤں کا کروڑوں اشرفیوں کا خزانہ جنگل میں کس جگہ دفن ہے۔ اس سپاہی کی دوستی ایک اور سپاہی سے تھی جو محل کا بڑا کوتوال تھا۔ سپاہی نے جاتے ہی کوتوال کے گھر پناہ لی۔ چونکہ کوتوال اس کا گہرا دوست تھا۔ اس لیے سپاہی نے کوتوال کو ساری بات کھول کر بیان کر دی۔

کوتوال کی آنکھوں میں بھی لالچ آ گیا۔ اوپر سے اس نے کہا:

”شاباش، تم بڑے اچھے انسان ہو جو وہاں سے بھاگ آئے۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ دولت ایک لعنت ہوتی ہے۔ کپتان نے لالچ کیا، دولت سے محبت کی اور اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ اب تم میرے گھر پر کچھ دن آرام کرو۔ ابھی یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کپتان کے ساتھی تمہیں دیکھ کر پوچھ گچھ شروع کر دیں۔“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سیدھا سادا سپاہی کوتوال کی چال میں آ گیا۔ اس نے کوتوال کے گھر ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جب کہ کوتوال نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سپاہی کو ہلاک کر کے سارے خزانے پر جا کر خود قبضہ کر لے گا۔ آخر کروڑوں کا خزانہ تھا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اتنی بڑی دولت کو کوتوال نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی سپاہی کا کام بھی تمام کر دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ یہی ایک سپاہی تھا جسے علم تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے؟

کوتوال نے باتوں ہی باتوں میں سپاہی سے وہ جگہ معلوم کر لی تھی جہاں صندوق زمین کے اندر دبا دیے گئے تھے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد کوتوال اور سپاہی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سپاہی بے چارا بڑا سیدھا آدمی تھا کہنے لگا:

"بھائی یہ انسان دولت کے لالچ میں آ کر دوسرے انسان کو قتل کیوں کر دیتے ہیں۔ انسان تو بہت بڑی دولت ہے۔ کیا ان لوگوں کے دل سے خدا کا خوف اٹھ گیا ہے؟"۔

کوتوال بولا:

"بھائی، آج کل کے زمانے کے لوگ دولت کے پیچھے دیوانے ہو کر پھرتے ہیں۔ ہم تم جیسے لوگ اب دنیا میں مشکل سے ملتے ہیں جنہیں دولت کی جگہ انسانوں سے پیار ہے۔ اچھا اب تم سو جاؤ۔ میں ذرا باہر ایک کام سے جا رہا ہوں"۔

"بہت اچھا بھائی"۔

کوتوال اٹھ کر باہر چلا گیا۔

سپاہی نے کمبل اپنے اوپر کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کوتوال نے سازش یہ بنا رکھی تھی کہ تھوڑی دیر بعد جب سپاہی گہری نیند سو جائے گا تو وہاں آئے گا اور چپکے سے کمرے میں داخل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو کر سپاہی کو ہلاک کر دے گا اور پھر خزانے کا اکیلا مالک بن بیٹھے گا۔

سپاہی بے چارے کو اس سازش کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ بڑے آرام سے پلنگ پر کمبل اوڑھے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار سانپ کی شکل آ جاتی جس نے کپتان کو ڈس کر ہلاک کر دیا تھا۔

آخر وہ گھبرا کر اٹھا اور یہ سوچ کر کمرے سے باہر نکل کر سمندر کے کنارے آ گیا کہ شاید تھوڑی دیر سمندر کے کنارے ٹہلنے سے اس کا دل بہل جائے۔ آتی دفعہ اس نے کمبل اپنے پلنگ پر ہی ڈال دیا تھا اور دیا گل کر دیا تھا تاکہ بے چارے کوتوال کو زحمت نہ ہو۔ جب کہ کوتوال ایک جگہ بیٹھا اس انتظار میں تھا کہ سپاہی سو جائے تو وہ جا کر اس کا کام تمام کر دے۔

کوتوال کچھ سوچ رہا تھا۔ قدرت اس کے ظلم سے پہلے ہی سپاہی

کو بچا چکی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے ٹہلتا ہوا بہت دور نکل گیا تھا۔ پھر وہ واپس اپنے مکان کی طرف آ گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جس وقت وہ کوتوال کے مکان کے اندر آیا تو اس وقت کوتوال اس کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے پلنگ پر کمبل اس طرح سے اوپر اٹھا ہوا پڑا تھا کہ کھڑکی میں سے آتی ہوئی ستاروں کی پھیکی روشنی میں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی سو رہا ہے۔

سپاہی ابھی کمرے سے باہر ہی تھا کہ اسے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے رک گیا کہ کہیں اندر کوئی چور تو نہیں آ گیا۔ پھر اس نے کھڑکی میں سے تھوڑا سا جھانک کر اندر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کوتوال اس کے پلنگ کے پاس کھڑا وحشیوں کی طرح کمبل پر تلوار کے وار کر رہا تھا۔ وہ اپنی طرف سے سپاہی کو ہلاک کر رہا تھا۔ کوتوال نے تلوار مار مار کر کمبل کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ کمبل کے نیچے تو کوئی انسان نہیں ہے۔ کوتوال نے تیزی سے پھٹا ہوا کمبل ایک طرف پھینکا۔ نیچے پلنگ خالی تھا۔

کوتوال نے غصیلی نظروں سے آس پاس دیکھا۔ سپاہی جلدی سے کھڑکی میں سے پرے ہٹ کر بھاگ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ کوتوال اس کی تلاش میں ضرور آئے گا۔ وہ سمندر کے کنارے تک بھاگتا چلا گیا۔ خوف کے مارے نہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہ کسی جگہ وہ رکا۔

بس بھاگتا ہی چلا گیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ بھاگتا ہی چلا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جا رہا تھا۔ سمندر سامنے آ گیا۔ اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اس کا اس دنیا سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اس کا بہترین دوست دولت کی وجہ سے اس کی جان کا دشمن ہو گیا تھا۔ اب وہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر کوتوال تو سپاہی کو کبھی زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیوں کہ صرف وہی ایک اس دنیا میں خزانے کی جگہ کا گواہ باقی تھا اور وہ اسے ہر حالت میں ختم کرنا چاہتا تھا۔ سپاہی بے چارا سمندر میں تیرتا چلا گیا۔

وہ آخر تیر کر کہاں جا سکتا تھا؟ اس نے دیکھا کہ ایک طرف بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ کنارے کی طرف جہاز پر پہرہ تھا لیکن جہاز کے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ پیچھے سے خالی جہاز کے اوپر چڑھ کر آرام کرے پھر دیکھا جائے گا۔ سوچنے لگا کہ اب کہاں جائے؟

یہ سوچ کر سپاہی نے سمندر میں بڑی خاموشی سے بادبانی جہاز کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تیرتے تیرتے وہ رات کے اندھیرے میں جہاز کے قریب آ گیا۔ جہاز کی پچھلی طرف لنگر کے ساتھ ایک رستہ لٹک رہا تھا۔ سپاہی نے رسے کو تھام کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جہاز کے اوپر چڑھ کر عرشے پر لیٹ گیا۔ وہ بے حد تھک گیا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی تھی۔

کچھ دیر لیٹے رہنے کے بعد اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو اس نے سوچا کہ جہاز کے نیچے جا کر باورچی خانے میں پانی تلاش کرنا چاہیے اور پھر اسی جگہ کسی تختے کے نیچے پڑ کر سو جانا چاہیے۔ پھر دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس نے دل میں اس بات کا بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ یہ جزیرہ چھوڑ دے گا جہاں ہر شخص انسان کا دشمن ہے اور دولت کا پجاری ہے۔

ایسے جزیرے پر وہ کبھی نہیں رہے گا جہاں ہر شخص اسے محض اس لیے قتل کرنا چاہتا تھا کہ اسے ایک خزانے کا علم ہے۔ سپاہی کے لیے اب خزانے میں کوئی دل کشی نہیں رہی تھی۔ وہ اب آٹھویں حصے سے بھی الگ ہو گیا تھا۔ اسے دولت اور زر و جواہرات سے نفرت ہو گئی تھی۔

اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ جس کے دل میں دولت کی محبت ہو گی وہ کبھی اس دنیا میں خوشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ دولت کے لالچ میں اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے کتنے ہی لوگوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا خاص دوست اس کی جان کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ کوتوال۔۔۔ جو کہ اتنا پرانا اس کا دوست تھا وہ بھی اسے دولت کے لالچ میں آ کر قتل کر سکتا ہے۔

پیاس کے مارے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر نیچے آ گیا۔ جہاز کے نیچے اس نے دیکھا کہ کیبن کے دروازے باہر سے بند تھے۔ ایک کیبن کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے چھینک آ گئی۔ اسی کیبن میں ماریا سو رہی تھی۔

چھینک کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کیبن میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک سپاہی قسم کا نوجوان راہداری میں سے گزر کر باورچی خانے کی طرف جا رہا ہے، اس نے سوچا کہ پتہ کرنا چاہیے یہ شخص کون ہے اور جہاز میں آدھی رات کو کیا کرنے آیا ہے؟

ماریا کیبن میں سے نکل کر باہر آ گئی اور سپاہی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سپاہی تو اسے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ تو غائب تھی۔ نظروں سے اوجھل تھی جب کہ ماریا اسے برابر دیکھ رہی تھی۔ سپاہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے آخر باورچی خانے کو تلاش کر لیا۔

باورچی خانے میں آ کر اس نے مرتبان میں سے پانی نکال کر پیا اور پھر اسی جگہ فرش پر اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔

''میاں' خدا کا شکر ادا کرو کہ تم کو خدا نے بچا لیا؛ ورنہ اس وقت یہ ٹھنڈا پانی نصیب نہ ہوتا۔ اس وقت تمہاری لاش بھی دوسرے سپاہیوں کی لاشوں کے ساتھ زمین کے اندر دبی ہوتی''۔

پھر سپاہی نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف کیے اور بولا:

اے سب کے رب' میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ تو نے میری جان تین بار بچائی۔ پہلی بار کپتان کی زہریلی مچھلی سے بچا۔ دوسری بار سانپ سے تو نے مجھے محفوظ کیا اور تیسری بار کوتوال کی تلوار سے بچایا۔ میں ایک گنہ گار انسان ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ تیرا غلام ہوں اور دولت کے لالچ اور ہوس سے دل پاک ہے۔

میری طرف سے خزانے کے صندوق جنگل میں پڑے پڑے گل سڑ جائیں یا کوتوال اسے لے جائے یا کوتوال سانپ کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔ میں کبھی ان کی طرف دھیان بھی نہیں دوں گا۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اس جزیرے سے کسی اور جگہ بھاگ جاؤں۔ یہاں تو سب کے سب دولت کے پجاری اور انسانوں کے قاتل بستے ہیں۔ اے رب! مجھے اس جزیرے سے نکال کر کہیں دور لے جا۔

پھر سپاہی نے سر جھکا لیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماریا باورچی خانے میں ایک طرف کھڑی اس شخص کی ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیسا اچھا اور نیک نوجوان ہے۔ سمجھ گئی کہ اسے خزانے کا پورا پتہ معلوم ہے اور اسی کی وجہ سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس نوجوان کی مدد کرنی چاہیے اور اس سے مدد بھی لینی چاہیے۔ کم از کم وہ یہ ضرور بتا سکتا ہے کہ خزانہ جنگل میں کہاں ہے۔

لیکن سوال یہ تھا کہ ماریا اس سے کس طرح کلام کرے۔ وہ خود اسے دکھائی نہیں دے گی۔ اور وہ اس کی آواز سن کر ڈر جائے گا۔ لیکن سوائے اس سے بولنے کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ آخر ماریا نے کہا:

''اے نوجوان بھائی تم کون ہو؟''۔

سپاہی نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کون۔۔۔ کون؟"

وہ ڈر گیا تھا، سہم گیا تھا۔ اسے ابھی ابھی کسی عورت کی آواز سنائی دی تھی مگر وہاں اسے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر ماریا نے کہا:

"سنو میرے بھائی، میری آواز سن کر گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی جن، بھوت یا چڑیل نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں جادو کے زور سے غائب ہو چکی ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ مجھے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں تم سے اس لیے بول پڑی ہوں کہ میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔ تم مجھ سے ہرگز نہ گھبراؤ۔ میں تمہاری پوری مدد کروں گی۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا خوف دور ہوا یا نہیں؟"۔

سپاہی نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"کچھ کچھ خوف دور ہوا ہے"۔

ماریا بولی:

"شاباش، تم نیک ہی نہیں ایک بہادر انسان بھی ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو؟"۔

سپاہی نے کہا:

"میرا نام فرائی ہے۔ میں اس جزیرے میں ایک سپاہی ہوں۔ بلکہ سپاہی تھا۔ میرے ساتھ نو سپاہی اور اس جہاز کے اندر جو خزانہ تھا اس پر پہرہ دے رہے تھے۔ ہمارے کپتان کی نیت بدل گئی۔ اس نے خزانے کو اٹھوا کر جنگل میں دفن کرا دیا اور اس خیال سے سارے کے سارے سپاہیوں کو زہریلی مچھلی کھلا کر مار ڈالا کہ وہ اکیلا خزانے کا مالک بن جائے گا۔

اتفاق سے میں وہ مچھلی نہ کھا سکا۔ میں درخت پر چڑھ گیا اور اپنی جان بچائی۔ کپتان نے مجھے تلاش کیا۔ جب میں اس کے ہاتھ نہ آیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو وہ چلا گیا۔ دوسرے روز پھر آیا اور اس روز ایک سانپ نے میرے قریب سے نکل کر پیچھے جا کر کپتان کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ میں وہاں سے بھاگا اور اپنے ایک کوتوال دوست کو جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس کی نیت بھی خزانے کا سن کر بدل گئی۔ اس نے بھی مجھے قتل کر کے خود خزانے پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

مگر خدا نے مجھے اس کے ظلم سے بھی بچا لیا۔ اب میں بھاگ کر یہاں آیا تھا کہ یہاں سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے پر چلا جاؤں گا۔ میرا دل اب اس جزیرے سے اچاٹ ہو گیا ہے۔

ماریا نے پوچھا:

”کیا تم نے اس سانپ کو دیکھا تھا۔ جس نے کپتان کو ڈسا تھا؟“۔

سپاہی نے کہا:

”ہاں دیکھا تھا بلکہ وہ سانپ اب بھی اسی جگہ خزانے کی حفاظت کر رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ جو بھی وہاں جائے گا اسے وہ ضرور ہلاک کر دے گا“۔

ماریا نے پوچھا:

”اس سانپ کا رنگ کیسا تھا؟“

”اس کا رنگ سبز۔۔۔ نہیں سیاہ تھا۔ وہ کافی لمبا چوڑا سانپ ہے۔ اب بھی اسی جگہ پر ہوگا“۔

ماریا کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے وہ ناگ ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خزانے پر جا کر سانپ سے ضرور ملاقات کرے گی۔ پھر اس نے سپاہی سے کہا:

”بھائی فرائی، اب تم کیا چاہتے ہو؟“۔

فرائی نے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ میری اچھی بہن! کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا:

"میں تمہاری ضرور مدد کروں گی۔ لیکن پہلے تمہیں میرے ساتھ جنگل میں چل کر وہ جگہ دکھانی ہو گی جہاں خزانہ دفن کر دیا گیا ہے"۔

سپاہی نے کہا۔

"بہن! کیا تمہیں بھی دولت کی ہوس ہے؟"۔

ماریا بولی:

"مجھے دولت کی ہوس نہیں ہے۔ میں اس لیے وہاں جانا چاہتی ہوں کہ وہ خزانہ میرا ہے۔ اس جہاز کا ہے اور یہ جہاز میرا ہے"۔

سپاہی نے پوچھا:

"تمہارا یہ جہاز"۔

"ہاں"

"تم اکیلی یہاں کیسے آ گئیں؟"۔

ماریا نے کہا:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گی۔ اب تم آرام کرو۔ کل میرے ساتھ جنگل میں چل کر وہ جگہ دکھانا جہاں خزانہ ہے"

"بہت اچھا بہن"۔

ماریا نے سپاہی کو ایک الگ کیبن میں بستر پر سلا دیا اور خود اپنے کیبن میں آ کر سوچنے لگی کہ کہیں وہ سانپ ناگ ہی نہ ہو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خزانے کی تلاش

ادھر جہاز میں رات کو ماریا نے سپاہی کو سلا دیا۔

ادھر رات کو کوتوال جنگل میں خزانے کو سمیٹنے کے لیے جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے سپاہی سے وہ جگہ معلوم کر لی تھی جہاں وہ خزانہ دبا ہوا تھا۔

رات کو وہ چپکے سے اپنے مکان سے نکلا اور جنگل میں آ گیا۔

جنگل میں گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کوتوال اندازے سے چلتا ہوا

اس درخت کے نیچے آ گیا جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ خزانے کے سارے صندوق دفن ہیں۔ وہ ادھر ادھر خزانے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ اب جنوب کی طرف آسمان پر چاند نکل آیا جس کی وجہ سے جنگل میں روشنی پھیل گئی۔

کوتوال کو دولت کے لالچ نے اندھا کر دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح خزانے کو تلاش کر رہا تھا۔ آخر خزانہ اسے مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ زمین کچھ کھدی ہوئی اور ابھری ابھری سی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی۔

کوتوال نے دیوانوں کی طرح زمین کھودنی شروع کر دی۔ چاندنی میں اسے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اسی روشنی میں اس نے پہلے صندوق کو دیکھا۔ ابھی وہ صندوق کی طرف گڑھے میں ہاتھ بڑھانے والا تھا کہ اسے اپنے پیچھے ایک پھنکار سنائی دی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کوتوال نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اس کی جان خشک ہوگئی۔

اس کے پیچھے وہی سیاہ لمبا سانپ اپنا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا اور کوتوال کی طرف سرخ خونی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کوتوال نے سوچا کہ کمر سے خنجر نکال کر سانپ کا کام تمام کردے۔ مگر سانپ کو پہلے ہی سے اس کے ارادے کا علم ہوگیا تھا۔ اس نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر کوتوال کی ٹانگ پر ڈس دیا۔

کوتوال کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ عنبر نے بھی سنی تھی۔ عنبر یہاں سے قریب ہی ناگ کے ساتھ جنگل میں ایک درخت کے پیچھے پناہ لیے ہوئے تھے۔ وہ دو راتوں سے شگفتہ کو جنگل میں تلاش کر رہے تھے۔ مگر اسے اس کا کہیں سراغ نہیں ملا تھا۔۔۔ رات کو تھک ہار کر وہ ایک گھنے درخت کے نیچے پڑے تھے کہ جنگل میں کوتوال کی چیخ کی آواز سنی۔ عنبر نے ناگ سے کہا:

"تم نے چیخ کی آواز سنی ہے؟"۔

ناگ بولا:

"ہاں یہ کسی انسان کی آواز تھی۔ چل کر دیکھنا چاہیے کوئی شخص تکلیف میں پھنسا ہوا ہے"۔

عنبر اور ناگ لپک کر اس طرف گئے جدھر سے انہیں چیخ کی آواز آئی تھی۔ جھاڑیوں کو الانگتے پھلانگتے جب وہ ایک کھلی جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ اپنا پھن پھیلائے مستی میں آ کر جھوم رہا ہے اور نیچے کوتوال کی لاش پڑی ہے۔ عنبر اور ناگ حیرانی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ عنبر نے کہا:

"سانپ نے اس بے چارے آدمی کو ہلاک کر دیا ہے"۔

ناگ بولا:

"ہاں اس نے سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی ہے۔ شاید وہ ہماری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تلاش میں ادھر آیا تھا۔ میں سانپ سے پوچھتا ہوں"۔

جیسا کہ آپ پہلے حصوں میں پڑھ چکے ہیں کہ ناگ خود ایک سانپ تھا جس نے انسان کی شکل اختیار کر رکھی تھی۔ وہ سانپ کی زبان جانتا تھا اور ان کی باتیں سمجھ بھی لیتا تھا اور خود بھی ان سے باتیں کر لیتا تھا۔

ناگ جوں ہی آگے بڑھا، سانپ نے اپنا پھن گھما کر زور سے پھنکار ماری۔ پھر اچانک سانپ پر جیسے لرزہ سا طاری ہو گیا۔ اس کا پھن جھک گیا۔ اس نے اپنی گردن جھکا لی اور پھن سمیٹ کر ناگ کے آگے گردن زمین پر رکھ دی۔ اس نے ناگ سے کہا:

"اے ناگ دیوتا، میں آپ کی خدمت میں ادب سے سلام عرض کرتا ہوں"۔

ناگ نے کہا:

"یہ آدمی کون تھا؟ تم نے اسے کیوں ہلاک کیا؟"۔

سانپ نے کہا:

"ناگ دیوتا، یہ شخص لالچی ہے۔ اس نے کوئی لوگوں کو قتل کیا ہے۔ یہ خزانے کی تلاش میں یہاں آیا تھا جو کسی کی امانت معلوم ہوتا ہے۔ میں اس خزانے پر پہرہ دے رہا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا:

"خزانہ؟ کون سا خزانہ؟"۔

سانپ بولا:

"حضور، اس جگہ زمین کے اندر خزانہ دفن ہے"۔

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور انہوں نے دیکھا کہ گڑھے کے اندر وہی صندوق پڑے تھے جو ان کے اپنے صندوق تھے۔

عنبر نے کہا:

”ارے یہ تو ہمارا ہی خزانہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ماریا کو پکڑ لیا ہو گا۔ جب ہی خزانے پر قبضہ کر کے یہاں دفن کر دیا گیا“۔

ناگ نے سانپ سے پوچھا:

”تم نے یہاں کسی عورت کو بھی دیکھا تھا؟ میرا مطلب ہے تمہیں یہاں کبھی کسی عورت کی بو محسوس ہوئی تھی؟“۔

سانپ نے کہا:

ناگ دیوتا' یہاں میں نے کسی عورت کو محسوس نہیں کیا۔ ہاں ایک کپتان اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ اس خزانے کے صندوق لے کر یہاں آیا تھا۔ اس نے خزانہ یہاں دبا دیا اور اپنے نو سپاہیوں کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زہریلی مچھلی کے کباب کھلا کر مار ڈالا۔ ایک سپاہی بچ کر درخت پر چڑھ گیا۔

میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ اس سپاہی سے دشمنی کی بو نہیں آتی تھی۔ کپتان نے اپنے سارے سپاہیوں کو گڑھے میں دبا دیا اور خود خزانہ لے جانے کی فکر میں تھا کہ میں نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا۔ اب یہ شخص خزانہ چرانے آیا تھا کہ میں نے اسے بھی مار ڈالا۔

عنبر کہنے لگا:

"ناگ بھائی، یقیناً ماریا کی عدم موجودگی میں یہ لوگ یہاں خزانہ اٹھوا کر لے آئے ہیں۔ ماریا تو سو رہی ہوگی اور یہ اسے پکڑ کر لے گئے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"مگر ماریا کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں

دیتی۔ پھر اسے کوئی کیسے گرفتار کر سکتا ہے؟ باقی رہی یہ بات کہ وہ کسی سے ٹکرا گئی ہوگی تو ایسی صورت میں بھی یہ لوگ اس سے ڈر کر بھاگ گئے ہوں گے۔ کیوں کہ یہاں سارے کے سارے لوگ وہمی ہیں اور جن بھوتوں سے ڈرتے ہیں"۔

"تم پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ ماریا کہاں ہوگی؟"۔

"ایک بات تو ظاہر ہے کہ وہ جہاز پر نہیں ہے۔ اگر وہ جہاز پر ہوتی تو کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ خزانے کو ہاتھ لگا سکتا۔ وہ ایک ایک کر کے سب کا کام تمام کر سکتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ جہاز سے کہیں چلی گئی ہے اور شاید اسی جنگل میں ہمیں تلاش کرتی پھر رہی ہو گی"۔

"تو کیا ہمیں اب شکنتلا کیساتھ اسے بھی تلاش کرنا ہوگا؟"۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں ایک بار جہاز پر جا کر اپنا اطمینان کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لینا چاہیے"۔

ناگ بولا:

"میں اس لیے نہیں جا سکتا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو کچل دیا جاؤں گا۔ مقابلہ بھی کیا تو سپاہیوں کے سامنے کیا کروں گا۔ اگر تم کہتے ہو تو میں ابھی جانے کو تیار ہوں"۔

اس موقع پر سانپ نے کہا:

"میں جا کر پتہ کر آتا ہوں حضور آپ مجھے حکم دیں"۔

ناگ نے کہا:

"نہیں بھائی، تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

پھر عنبر اور ناگ نے مل کر خزانے کے گڑھے کو مٹی اور پتوں سے بھر دیا اور سانپ کو سلام کر کے اور اسے تاکید کر کے خزانے کی ان کے آنے تک حفاظت کرے واپس جنگل میں اسی جگہ چلے گئے جہاں وہ آرام کر رہے تھے۔

باقی رات وہ آپس میں ماریا اور شکنتلا بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ سو گئے۔

دن چڑھا تو انہوں نے جنگل کے مشرقی حصے میں شکنتلا کی تلاش شروع کر دی۔

شکنتلا کے بارے میں ہم آپ کو اتنا بتا دیں کہ وہ ابھی تک نیلی چٹان کے غار میں سارنگ کی پناہ میں ہی تھی۔ اس لیے کہ سارے جزیرے میں سمگلروں کے بادشاہ کے جاسوس اس کی تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ سارنگ بابا نے شکنتلا کو کہہ رکھا تھا۔

"بیٹا، میں ایک غریب ملاح ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تمہاری اتنی مدد ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس جگہ چھپائے رکھوں۔ مگر تمہیں لے کر اس جزیرے سے فرار نہیں ہو سکتا۔ ہاں کوشش جاری رکھوں

سپاہی نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"اے دیوی! اگر میں آپ کے ساتھ یہاں سے باہر گیا تو بادشاہ اور کوتوال کے سپاہی مجھے اسی وقت پکڑ کر میری کھال کھینچ ڈالیں گے۔ مجھ پر رحم کریں اور مجھے دن کے وقت اپنے ساتھ نہ لے جائیں"۔

ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"تم فکر نہ کرو۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں گی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی"۔

سپاہی نے کہا:

"اے دیوی! تم تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ تمہیں تو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر میں غریب مارا جاؤں گا۔ مجھے یہ جزیرے کے سپاہی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

گا۔ جونہی موقع ملا تمہیں یہاں سے بھگا دوں گا"۔

چنانچہ شگفتا صبر شکر کر کے نیلی چٹان کے غار میں ہی دن کاٹ رہی تھی۔ دن کے وقت وہ غار میں چھپی رہتی۔ رات کو باہر نکل کر قریب جنگل میں تھوڑی بہت سیر کر لیتی۔ سارنگ بابا اسے ہر روز جنگلی پھل اور مچھلی لا کر کھلاتا تھا اور اس کی بڑی خدمت کر رہا تھا۔

ادھر عنبر اور ناگ جنگل میں اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ رات کو عنبر اور ناگ خود بھی چھپے رہتے تھے اور دن کے وقت وہ غار کے اندر چھپی رہتی تھی۔

دن چڑھ آیا تھا۔ ماریا جاگ پڑی۔ اس نے سپاہی کو بھی جگایا اور اسے کھانا پکا کر کھلایا۔ خود بھی کھایا۔ پھر اس سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اب میرے ساتھ چل کر جنگل میں وہ جگہ دکھانی چاہیے جہاں خزانہ دفن ہے"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماریا سمجھ گئی کہ بے چارا سپاہی بہت خوفزدہ ہے اور وہ اس کے ساتھ کسی صورت بھی دن کے وقت جہاز سے باہر نہیں نکلے گا:

چنانچہ اس نے مسکرا کر کہا:

''اچھا بھائی' شام کو جب اندھیرا پھیل جائے گا تو پھر میرے ساتھ چلو گے؟''۔

''ہاں دیوی بہن' شام کو میں ضرور تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ شام کو میں ضرور چلوں گا۔۔۔ ضرور چلوں گا''۔

''چلو ٹھیک ہے۔ میں شام کا انتظار کر لوں گی''۔

ادھر ماریا شام کا انتظار کر رہی تھی۔ ادھر شکنتا! نیلی چٹان کے اندر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غار میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف عنبر اور ناگ بھی جنگل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اب شگفتا کو کس جگہ پر تلاش کیا جائے۔ ایک خیال انہیں یہ بھی آتا کہ کہیں وہ اس جزیرے سے ہی نہ نکل چکی ہو۔

"مگر وہ اکیلی اس جزیرے سے کہاں نکل سکتی ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"بھائی' وہ بڑی دلیر عورت ہے۔ شروع شروع میں وہ بڑی ڈرپوک تھی۔ بزدل تھی۔ مگر مصیبتوں کا مقابلہ کرتے کرتے وہ بڑی بہادر ہو گئی ہے۔ وہ اب کوئی بھی بہادری کا کام بڑی آسانی سے کر سکتی ہے"۔

ناگ کہنے لگا:

"اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر وہ کہاں سے اور کس کی مدد سے

کشتی پر سوار ہوئی ہو گی؟ کس طرف کو گئی ہو گی۔ اسے تو راستے کا علم نہیں ہے۔ سمندر میں وہ اکیلی کہاں بھٹکتی پھر رہی ہو گی۔ نہیں نہیں' مجھے یقین ہے کہ وہ اسی جزیرے میں کسی جگہ پناہ لیے بیٹھی ہے اور مناسب موقع کا انتظار کر رہی ہے"۔

ناگ کا یہ خیال بہت درست تھا۔ عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، پھر ہم اسے اس وقت تک تلاش کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ ہمیں مل نہیں جاتی۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ ماریا کو کہاں ڈھونڈا جائے؟ میں تو کہتا ہوں۔ ہم دونوں مل کر جہاز پر جاتے ہیں اور ماریا کو تلاش کرتے ہیں"۔

ناگ بولا:

"پھر تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود آج رات کو جہاز پر جاؤں گا"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا:

"کیا تم یہ خطرہ مول لے لو گے؟"

ناگ بولا:

"اپنی بہن کے لیے میں ہر طرح کی قربانی کر سکتا ہوں"۔

ادھر رات کو ناگ جہاز پر جا کر ماریا کو تلاش کرنے کی سکیم بنا رہا تھا اور دوسری طرف ماریا سپاہی کو لے کر جہاز پر سے جنگل میں آنے کا منصوبہ تیار کر رہی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

جب جزیرے پر اندھیرا چھا گیا تو ایک طرف سے ماریا نکلی اور دوسری طرف سے ناگ نکلا۔ سپاہی اندھیرے میں جا کر ایک چھوٹی سی کشتی چرا لایا۔ اس کشتی میں سوار ہو کر ماریا اور سپاہی چپکے سے سمندر میں تیرتے ہوئے جزیرے کے جنوبی ساحل کے ساتھ جا کر لگ گئے۔ سپاہی نے کشتی کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا اور ماریا کو ساتھ لے کر جنگل میں خزانے والی جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف ناگ نے عنبر سے اجازت لی اور درخت پر سے اتر کر جنگل میں سے نکل کر جہاز کی طرف روانہ ہو گیا اس نے سمندر کے قریب جا کر اپنی جون تبدیل کر لی۔ وہ انسان سے سانپ بن گیا اور سمندر میں اتر کر تیرتا ہوا جہاز کی طرف چلا گیا۔ جہاز سمندر کے کنارے کھڑا تھا اور باہر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ جہاز پر دوسری طرف سے گیا۔ اس نے لنگر کے پاس جا کر زنجیر کی مدد سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

جہاز کے عرشے پر آ کر وہ لکڑی کے تختوں پر رینگتا ہوا سیڑھیوں میں آ گیا۔ جہاز پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ کسی جگہ بھی کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ جہاز پر کوئی سپاہی نہیں ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے پھنکار مار کر پھر سے انسان کی شکل اختیار کر لی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا اس نے دیکھا کہ ایک کیبن میں چھوٹا سا دیا روشن تھا۔ اس کی روشنی میں کمرے کی ہر شے ویسے ہی پڑی تھی۔ مگر وہاں ماریا نہیں تھی۔

ناگ نے سارے جہاز میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ایک ایک کیبن میں جا کر ماریا کو آواز دی۔ باورچی خانے میں آ کر اسے تلاش کیا۔ مگر ماریا کسی جگہ پر بھی نہ ملی۔

ناگ کو یقین ہو گیا کہ ماریا جہاز سے چلی گئی ہے۔ وہ اگر جہاز پر ہوتی تو اسے ضرور مل جاتی۔ وہ جہاز پر نہیں ہے۔ ناگ ناامید ہو کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں اس نے ایک بار پھر سانپ کی شکل بدلی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

سمندر میں پانی کی لہروں پر تیرتا ہوا وہ کنارے پر آ گیا۔ پھر

کنارے کی ریت پر رینگتا ہوا جنگل کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک پہرہ دیتے ہوئے ایک سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کی آواز لگائی اور ناگ کی طرف لپکا۔ کم بخت کو چاہیے تھا کہ سانپ کو جانے دیتا۔ مگر کم بخت سانپ کے پیچھے پڑ گیا اور اسے مارنے کی کوشش کرنے لگا۔

ناگ آگے آگے دوڑ پڑا۔ پہریدار اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ناگ نے سمجھ لیا کہ اب اگر اس نے پہرے دار پر حملہ نہ کیا تو وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا۔

کیونکہ سانپ اتنا تیز نہیں دوڑ رہا تھا۔ جتنا تیز پہرے دار دوڑ رہا تھا۔ آخر وہی ہوا۔ پہرے دار ناگ کے سر پر پہنچ گیا اور وہ حملہ کرنے ہی والا تھا کہ سانپ نے پلٹ کر زور سے پھنکار ماری اور سانپ سے ایک دم انسان بن گیا۔ پہرے دار سانپ کو انسان بنتے دیکھ کر غش کھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر گر پڑا۔ ناگ کو ہنسی آ گئی۔

اب اس نے واپس سانپ بننا پسند کیا اور جنگل میں گھس گیا تا کہ عنبر کو جا کر بتائے کہ جہاز پر ماریا کہیں نہیں ہے۔ وہ درختوں میں سے ہوتا ہوا عنبر کے پاس پہنچ گیا۔ اور اسے ساری کہانی جا کر سنا ڈالی۔ انہیں اب اور یقین ہو گیا کہ ماریا کو کسی شخص نے پکڑ لیا ہو اور یا پھر وہ خود ہی جہاز پر سے کسی دوسری جگہ چلی گئی ہو۔

سوال یہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟

دیوی بہن

سپاہی ماریا کو لے کر جنگل میں پہنچ گیا تھا۔

چاند نکل آیا تھا اور جنگل میں ہلکی ہلکی چاندنی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ جنگل میں بڑے گھنے درخت پھیلے ہوئے تھے۔

درختوں کی شاخیں اس قدر گھنی تھیں کہ وہ نیچے زمین تک لٹک رہی تھیں۔ سپاہی ماریا کو لے کر آگے آگے جا رہا تھا۔ آخر وہ اس جگہ

پرآ گیا جہاں خزانہ دفن تھا۔ اس نے ماریا سے کہا:

"دیوی بہن! یہ وہ جگہ ہے جہاں خزانے کے صندوق دفن ہیں۔ لیکن یہاں ایک بہت ہی زہریلا سانپ اس خزانے کی حفاظت کر رہا ہے۔ خدا کے لیے اس سے بچ کر رہنا۔ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کپتان کو اس سانپ کے زہر سے پانی کی طرح پگھلتے دیکھا ہے"۔

ماریا ذرا سی مسکرائی اور بولی:

"فکر نہ کرو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں سانپ کچھ نہیں کہے گا"۔

"لیکن دیوی بہن! وہ بڑا ہی زہری سانپ ہے۔ بڑا خطرناک سانپ ہے جو شخص خزانے کی طرف آتا ہے وہ اسے اسی وقت ڈس دیتا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"اچھا بھائی! اب تم زیادہ باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ کیا اسی جگہ تم نے اس سانپ کو دیکھا تھا؟"۔

"ہاں دیوی بہن! اس جگہ خزانہ دفن ہے اور اسی جگہ وہ سانپ اس خزانے کی حفاظت کر رہا ہے"۔

ماریا نے آگے بڑھ کر زمین پر سے جھاڑیوں کو ہٹانا شروع کر دیا۔ سپاہی سہم کر پرے ہو گیا۔ وہ بڑا ڈر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر سانپ نکل آیا تو اس کی خیر نہیں۔ دیوی بہن تو کسی کو نظر ہی نہیں آ رہی۔ سانپ اسے تو کچھ نہیں کہے گا۔ مگر سپاہی کو ضرور کر ہلاک کر دے گا۔

ماریا جھاڑیوں کو ہٹا رہی تھی کہ اچانک سامنے وہی سیاہ کالا ناگ نکل کر اپنا پھن پھیلائے کھڑا ہو گیا۔ وہ چاندنی رات میں بڑا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خوفناک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے تھے۔ سپاہی تو اسے دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ ماریا سانپ کو دیکھ کر بالکل نہ گھبرائی۔ سانپ نے اسے دیکھا تو نہیں تھا مگر اس کی بو کو ضرور محسوس کرلیا تھا۔ ماریا نے کہا:

"اے سانپ، کیا تو ناگ ہے؟"۔

سانپ کے کانوں کے ساتھ ناگ کے لفظ ٹکرائے تو وہ کچھ حیران سے ہوئے، اس کے علاوہ سانپ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ناگ دیوتا کہیں قریب ہی موجود ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اسے ماریا کے جسم سے اس کے بھائی ناگ کی ہلکی ہلکی بو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کچھ ڈر سا گیا۔ اس نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور گردن جھکالی۔ وہ ماریا سے کچھ کہہ رہا تھا مگر ماریا اس کی زبان نہیں سمجھ رہی تھی۔

اس کے علاوہ سانپ ایک عجیب بات یہ دیکھ رہا تھا کہ عورت اس سے باتیں کر رہی ہے مگر خود نظر نہیں آ رہی۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔ سانپ کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی آسمانی ہستی کے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ایک بار پھر کہا:

"اے آسمانی دیوی' میں ناگ دیوتا نہیں ہوں۔ مگر ان کا غلام ضرور ہوں۔ وہ اسی جنگل میں ایک جگہ موجود ہے۔ اگر تم تھوڑی دیر انتظار کرو تو میں انہیں ابھی جا کر بلا لاتا ہوں۔ مجھے اس جنگل میں ان کی بو برابر محسوس ہو رہی ہے۔ میں اس بو کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا ان تک پہنچ جاؤں گا"۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ ماریا سانپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔ اگر وہ اس کی زبان سمجھ جاتی تو اس وقت ملاقات عنبر اور ناگ سے ہو جاتی۔ ماریا نے سپاہی سے کہا:

"دیکھا تم نے۔۔۔ سانپ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ میں نہ کہتی تھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ اب زمین کو کھود دو اور مجھے دکھاؤ کہ خزانہ کہاں ہے؟"۔

سپاہی نے کہا:

"مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔

ماریہ بولی:

"اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بے فکر ہو کر مٹی کھود دو۔ میں تمہارے پاس کھڑی ہوں اور سانپ نے بھی اپنا پھن سمیٹ لیا ہے"۔

سپاہی نے ڈرتے ڈرتے زمین کھودنی شروع کر دی۔ سانپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک طرف ہٹ کر خاموشی سے زمین پر بیٹھا تھا۔ وہ سپاہی کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ مگر کیا مجال کہ ذرا آگے آ کر کچھ کہے۔ تھوڑی سی زمین کھودنے کے بعد نیچے سے خزانے کے صندوق نکل آئے ماریا نے اپنے جہاز کے خزانے کو فوراً پہچان لیا۔ اس نے سپاہی سے کہا:

"بس ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی۔ یہی وہ خزانہ ہے۔ اب تم اسے دوبارہ مٹی ڈال کر بند کر دو اور اوپر جھاڑیاں ڈال دو"۔

"دیوی بہن، جو آپ کا حکم"۔

سپاہی خوش ہوا کہ اس بک بک سے جان چھوٹی۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ خزانے پر مٹی ڈال کر وہاں سے نکل جائے۔ زمین ہموار کر کے اوپر جھاڑیاں ڈال کر سپاہی نے کہا:

"دیوی بہن، اب کیا حکم ہے۔ کیا یہاں سے چلیں اب؟"۔

ماریا بولی:

"ہاں اب چلو۔۔۔ جس بات کی تلاش میں، میں یہاں آئی تھی وہ یہاں کہیں نظر نہیں آئی"۔

سپاہی ماریا کو لے کر واپس روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے ماریہ سے پوچھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں وہاں آئی تھی۔ کیا اسے خزانے کی تلاش نہیں تھی۔ ماریا نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"نہیں بھائی، اگر خزانے کی تلاش ہوتی تو میں جہاز پر ہی بیٹھی رہتی۔ یہ خزانہ تو میرے جہاز پر سے ہی اٹھا کر یہاں لایا گیا ہے"۔

سپاہی نے حیرت سے پوچھا:

"دیوی بہن، پھر آپ کو کس چیز کی تلاش اس گھنے جنگل میں آدھی رات کو کھینچ لائی؟"۔

ماریا نے کہا:

"یہ تمہیں پھر کبھی بتاؤں گی"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سپاہی ماریا کو لے کر جنگل سے باہر نکل آیا۔ سامنے چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ جس کی روشنی میں سمندر کی سطح شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ دور ماریا کو اپنا جہاز سمندر میں کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ جنگل سے باہر نکل کر اب جزیرے کے ساحل کی گیلی ریت پر چلے جا رہے تھے۔ ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ سپاہی چاندنی میں چلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

ابھی وہ جہاز سے دور ہی تھے کہ اچانک سامنے سے دو پہریدار سپاہی گھوڑا دوڑاتے آئے اور انہوں نے اسے پہچان کر گھیر لیا۔ ایک نے گرج کر کہا:

”فرائی، اب تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمیں کئی روز سے تمہاری تلاش تھی۔ تم نے کوتوال کو ہلاک کیا اور تم نے ہی کپتان اور باقی پہرے دار سپاہیوں کو مارا ہے۔ بادشاہ نے حکم دے رکھا ہے

کہ تمہیں گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ خود اپنے ہاتھ سے تمہیں قتل کرے۔ اب سیدھی طرح ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔۔۔ مگر ٹھہرو میں تمہیں رسی سے باندھ لوں۔ کیونکہ بادشاہ کا یہی حکم ہے“۔

سپاہی کا خون خشک ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ پہرے دار نے گھوڑے سے اتر کر سپاہی کو رسی سے باندھنا شروع کر دیا۔ سپاہی نے گڑگڑاتے ہوئے کہا:

”بھائی، مجھے معاف کر دو“۔

پہرے دار نے سپاہی کو طمانچہ مار کر کہا:

”بکواس بند کرو۔ تم قاتل ہو“۔

سپاہی نے اسی طرف دیکھا جدھر اس کے خیال کے مطابق ماریہ کو کھڑے ہونا چاہیے تھا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ ماریا اس کی مدد کیوں

نہیں کر رہی؟ اس نے آواز دے کر کہا:

”دیوی بہن' میری مدد کرو۔ یہ لوگ اب مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے“۔

پہرے دار بڑے حیران ہوئے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے جو ہوا میں کسی دیوی کو آوازیں دے رہا ہے۔ ایک پہرے دار نے قہقہہ لگا کر کہا:

”بدبخت' تو ہوا میں کس کو مدد کے لیے پکار رہا ہے؟ اب کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا“۔

دوسرا پہرے دار بولا:

”یار' اس بے چارے کا موت کی خبر سن کر دماغ چل گیا ہے“۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر دونوں قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ سپاہی نے پھر ماریا کو آواز دی:

"دیوی بہن، تم کہاں ہو؟ میری مدد کرو"۔

اس پر دونوں پہرے داروں نے باری باری سپاہی کو ایک ایک لات ماری۔ وہ بے چارا پہلے ہی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ منہ کے بل ریت پر گرا۔ اب ماریا سے نہ رہا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک پہرے دار کی بغل سے نیزہ زور سے کھینچ لیا۔ نیزہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ماریا کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں جو شے آتی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی۔

پہرے دار تو حیران رہ گیا اس کا نیزہ پیچھے سے کس نے کھینچ لیا۔ اس نے سپاہی کی طرف دیکھا کہ کہیں اس نے تو یہ حرکت نہیں کی؟ مگر سپاہی کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ دوسرے پہرے دار نے کہا:

"تمہارا نیزہ کون لے گیا؟"۔

پہلے نے گھبرا کر کہا:

"معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے۔ اس بد بخت نے کسی بھوت کو ہی آواز دی تھی۔ یہاں سے بھاگ چلو۔ مگر پہلے اسے ہلاک کر دو۔ نہیں تو ہماری جان کو خطرہ ہے"۔

سپاہی خوف سے کانپنے لگا۔ کیوں کہ وہ بڑی آسانی سے دوسرے نیزے سے اسے ہلاک کر سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے پہرے دار نے اپنے نیزے کو اوپر اٹھایا اور پوری طاقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اسے سپاہی کے سینے پر گھونپ دیا۔ ماریا کے نیزہ اس کے ساتھ ہی بلند ہوا اور اس نے پہریدار کے سینے میں پرو دیا۔

دونوں چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ ایک چیخ پہرے دار کی تھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور دوسری سپاہی کی چیخ تھی۔ ماریا نے نیزہ باہر کھینچ لیا۔ دوسرا پہرے دار وہاں سے بھاگنے لگا تو ماریا نے اسے کھینچ کر پیچھے گرا دیا۔ وہ گر پڑا۔ ماریا نے نیزہ اس کے سینے میں گھونپ دیا دونوں زمین پر تڑپنے لگے۔ سپاہی بھی تڑپ رہا تھا۔ ماریا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور بولی:

”مجھ سے دیر ہو گئی بھائی۔ مجھے معاف کر دینا“۔

سپاہی نے کہا:

”دیوی بہن‘ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میری موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی۔ اگر تم کوشش بھی کرتیں تو مجھے بچا نہیں سکتی تھیں۔ قسمت کو یہی منظور تھا۔ اچھا خدا حافظ۔۔۔ میرا کہا سنا بخش دینا“۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی دم توڑ گیا۔ دونوں پہرے دار ابھی زندہ تھے۔ وہ بڑے حیران تھے کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ رہی ہے اور سپاہی کس سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک پہرے دار نے روتے روتے دوسرے سے کہا۔

”یہاں کوئی چڑیل ہے۔ یہاں کوئی چڑیل ہے“۔

ماریا نے کہا:

”تمہارے لیے میں چڑیل ہی ہوں۔ تم مجھ سے بچ کر اب نہیں جا سکتے۔ میں سپاہی کا بدلہ تم سے ضرور لوں گی“۔

اور ماریا نے ان دونوں کو اسی وقت ختم کر دیا۔

اس کا دل سپاہی کی موت پر بڑا اداس ہو گیا۔ وہ بوجھل قدموں جہاز کی طرف چل پڑی۔ سمندر میں کشتی اسی طرح جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ ماریا نے کشتی باہر نکالی اور اس میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ چپو چلاتی جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جہاز کے لنگر کے پاس اس نے کشتی کھڑی کر دی اور رسی سیڑھی لگا کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے محسوس کیا کہ نیچے سیڑھیوں میں سے روشنی اوپر آ رہی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ کوئی اندر ہے۔

وہ جلدی سے سیڑھی کے دروازے کے پاس آ گئی۔ اس نے دیکھا' نیچے سے روشنی آ رہی تھی اور اب آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ماریا چپکے سے نیچے آ گئی۔ آخری سیڑھی پر اس نے آ کر دیکھا کہ تین آدمی اس کے کیبن کے اندر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

وہ سبھوں نے سپاہیوں کی وردی پہن رکھی تھی۔ ایک کی وردی ان سب سے زیادہ قیمتی تھی۔ دونوں سپاہی کھڑے تھے اور لال وردی والا بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"بادشاہ کے حکم سے اس جہاز کی ساری چیزیں یہاں سے لے کر جزیرے پہ لے چلو۔ باورچی خانے میں کھانے پینے کی چیزیں کیبن میں گھاس وغیرہ کچھ بھی یہاں نہ چھوڑا جائے۔ بادشاہ نے کہا ہے کہ اس جہاز پر بھوتوں کا بسیرا ہے اور اسے آگ لگا دی جائے گی"۔

یہ سن کر ماریا تو پریشان ہو گئی۔ اس کے لیے یہی ایک رہنے کی جگہ تھی۔ کم بخت یہ لوگ اس سے یہ جہاز بھی چھین رہے تھے۔ اگر اس جہاز کو بھی جلا دیا گیا تو پھر وہ کہاں جائے گی؟ اور پھر اب تک تو یہ امید تھی کہ کبھی عنبر اور ناگ جہاز پر واپس آ سکتے ہیں۔ اگر جہاز ہی باقی نہ رہا تو پھر وہ کہاں مل سکے گی۔ پھر تو ملنے کی ایک آخری امید بھی ختم ہو جائے گی۔

ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر اس جہاز کو آگ نہیں لگنے دے گی۔ تینوں سپاہی کیبن میں آرام سے باتیں کر رہے تھے۔ ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے افسر نے دونوں سپاہیوں سے کہا:

”جو قیمتی قیمتی چیزیں اس وقت اٹھا کر لے جا سکتے ہو لے چلو۔ باقی دن چڑھنے پر لے جائیں گے“۔

اور سپاہیوں نے چیزوں کو اٹھا کر ایک طرف جمع کرنا شروع کر دیا۔ ماریا کو بڑا سخت غصہ آیا۔ اس نے زمین پر پڑی ہوئی لکڑی کی ایک چوکی اٹھائی اور زور سے کیبن کے اندر پھینک دی۔ چوکی کا دھڑام سے اندر گرنا تھا کہ دونوں سپاہیوں کی چیخ نکل گئی۔

”بھوت آ گئے بھاگو“۔

افسر نے ڈانٹ کر کہا:

”کم بختو، ہمت سے کام لو۔ ہم بھوتوں کو بھگا دیں گے“۔

ماریا نے زمین پر سے ایک اور چوکی اٹھا کر زور سے افسر کے سر پر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ دونوں سپاہی بھاگ کر باہر چلے گئے۔

افسر بھی سیڑھیاں چڑھ کر ان کے پیچھے ہی اوپر بھاگ گیا۔ عرشے پر جاتے ہی سپاہیوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

افسر کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ ایک اور چوکی سیڑھیوں میں سے اس کی طرف آئی اور دھم سے زمین پر گر پڑی۔ افسر نے دوسری چوکی کے آنے سے پہلے ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شکنتلا کہاں ہے؟

کالا سانپ آدھی رات کو ناگ دیوتا کی طرف چل پڑا۔

اس جنگل میں ناگ دیوات کی برابر بو آ رہی تھی۔ چاندنی رات میں اسے جنگل کی ایک جھاڑی اور ایک ایک پتا صاف نظر آ رہا تھا۔ ماریا اور سپاہی ابھی ابھی سانپ کو اکیلا چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ ناگ دیوتا کو جا کر بتانا چاہتا تھا کہ جس لڑکی کی تلاش میں وہ جنگل میں پھر رہے ہیں۔ وہ جہاز پر واپس چلی گئی ہے۔ سانپ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے ناگ دیوتا کی بو زیادہ تیز محسوس ہو رہی تھی۔

سانپ نے اس جگہ اپنا پھن اٹھا لیا اور جھومنے اور سیٹی کی آواز نکالنے لگا۔ یہ ایک سلام تھا جو سانپ ناگ دیوتا کے حضور میں جا کر کیا کرتے ہیں۔ ناگ اس وقت عنبر کے قریب ہی جھاڑیوں میں لیٹا ہوا تھا۔ سیٹی کی آواز سن کر وہ ہوشیار ہو گیا۔ اس نے چونک کر عنبر سے کہا:

"بھائی عنبر، وہی سانپ پھر آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی پیغام لے کر آیا ہے"۔

عنبر بولا:

"اس سے چل کر ملتے ہیں"۔

دونوں اٹھ کر جھاڑیوں میں سے باہر آ گئے۔ سامنے سانپ موجود تھا۔ ناگ نے اسے دیکھ کر پوچھا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم آدھی رات کو کیسے آ گئے؟"۔

سانپ نے ناگ کو جھک کر سلام کیا اور کہا:

"اے ناگ دیوتا! ایک عورت ابھی ابھی ایک شخص کے ساتھ میرے خزانے پر آئی تھی۔ وہ وہاں موجود تھی۔ اس کی بو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی بو میں سے مجھے آپ کی بو آ رہی تھی۔ مگر وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی"۔

سانپ کے اتنا کہنے پر ناگ اور عنبر چونک پڑے۔

"کہاں ہے وہ عورت؟ وہ ماریا ہے۔ ہماری بہن ماریا۔ کہاں چلی گئی؟ تمہیں معلوم ہے؟"۔

سانپ نے کہا:

"حضور! وہ عورت سمندر میں کھڑے کسی جہاز پر واپس جانے کے لیے کہہ رہی تھی"۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی، میں نہ کہتا تھا کہ ماریا ضرور جہاز پر موجود ہو گی چلو جلدی چلو۔ اس سے جا کر ملتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ سمندر کی طرف چلنے لگے۔ ناگ نے سانپ سے کہا:

"تم خزانے پر جا کر بیٹھ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ دیکھنا کوئی بھی شخص خزانے کو وہاں سے نہ لے جائے"۔

سانپ نے جھک کر کہا:

"فکر نہ کریں حضور، کسی کی جرأت نہیں ہے کہ آپ کے خزانے کو ہاتھ لگا سکے۔ میں اپنی جان کی بازی لگا کر آپ کی امانت کی حفاظت کروں گا"۔

ناگ بولا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

‘‘شاباش، اب تم واپس جاؤ۔ ہم سمندر میں کھڑے جہاز کی طرف جا رہے ہیں’’۔

سانپ وہاں سے واپس خزانے والی جگہ کی طرف آ گیا۔ اور عنبر اور ناگ جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ بڑی تیزی سے جنگل میں سے نکل کر سمندر کے کنارے پر آ گئے۔ چاندنی خوب چٹکی ہوئی تھی، چاند آسمان کے بیچ میں آ کر چمک رہا تھا۔

انہوں نے دیکھا۔ دور ساحل کے ساتھ ان کا جہاز کھڑا تھا۔ وہ جہاز کی طرف چلے تو راستے میں انہیں تین لاشیں دکھائی دیں۔ ان میں سے دو لاشیں تو پہریداروں کی تھیں اور ایک سپاہی کی تھی۔

ناگ نے کہا:

"نہ جانے انہیں کون قتل کر کے یہاں پھینک گیا ہے"۔

عنبر بولا:

"معلوم ہوتا ہے واپسی پر ان سپاہیوں نے ماریا کو گھیر لیا ہو گا۔ اس نے مقابلہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا ہے"۔

ناگ بولا:

"مگر ماریا تو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر اسے کیسے گھیر لیا انہوں نے؟"۔

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے ان میں سے ایک سپاہی ضرور ماریا کے ساتھ ہو گا۔ اسے گرفتار کرنے دو سپاہی آئے ہوں گے۔ ماریا نے حملہ کر کے ان کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی مقابلے میں مارا گیا ہو گا"۔

اسی طرح وہ باتیں کرتے جہاز کے قریب آ گئے۔ یہاں سے انہوں نے رک کر دیکھا جہاز کے آگے ساحل پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

ان لوگوں سے بچ کر جہاز پر پہنچنے کا ایک طریقہ ہے کہ کہیں سے کوئی کشتی مل جائے تو میں سوار ہو کر پیچھے سے جہاز پر پہنچا جائے"۔

ناگ بولا:

"کشتی کہاں سے ملے گی؟ اچھا میں آگے جا کر کشتی لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم عنبر بھائی اسی جگہ ٹھہرنا۔ میں ابھی کشتی لے کر آت ہوں"۔

یہ کہہ کر ناگ نے اپنا روپ سانپ کی شکل میں تبدیل کیا اور عنبر کو اسی جگہ چھوڑ کر اس طرف روانہ ہو گیا جہاں کشتیاں کھڑی تھیں۔ یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کشتیاں چھوٹی تھیں اور عام طور پر ساحل کے ساتھ ساتھ مچھلیاں پکڑنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

سانپ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے قریب جا کر دیکھا کہ ایک کشتی سب سے الگ سمندر میں کھڑی تھی۔ وہ رسی کے ساتھ ایک چٹان کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

ناگ نے آگے بڑھ کر دانتوں سے رسی کو کاٹ دیا اور پھر اچھل کر اس میں سوار ہو گیا۔ کشتی آہستہ آہستہ سمندر کی لہروں پر روانہ ہو گئی۔ کسی نے خیال نہ کیا کہ کشتی آگے نکل گئی ہے۔

سانپ کشتی میں بیٹھا کنارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب کشتی کنارے سے آگے نکل گئی تو ناگ نے پھر سے اپنی جون بدل لی۔ وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور کشتی کو چپوؤں سے کھیلتا ہوا اس طرف لے آیا جہاں عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

کشتی کو رات کی تاریکی میں اس نے چپکے سے کنارے پر لا کر کھڑا کر دیا۔ یہاں چاندنی چھٹکی چھٹکی تھی۔ پھر اس نے سیٹی بجا کر عنبر کو اپنی طرف بلا لیا۔ عنبر جلدی سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو گیا اور بولا:

"جلدی سے کشتی کو جہاز کی طرف لے چلو"۔

انہوں نے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چپو پانی میں چلتے ہوئے رات کی خاموشی میں آواز پیدا کر رہے تھے۔ ناگ نے عنبر کے کہنے پر چپو اٹھا کر کشتی میں رکھ لیے اور ہاتھوں کی مدد سے کشتی کو جہاز کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کی کشتی جہاز کی پچھلی طرف آ گئی۔ کشتی کو چپکے سے جہاز کے پیچھے لٹکتے ہوئے رسے سے باندھ کر عنبر اور ناگ لنگر کی مدد سے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔

جہاز کے عرشے پر پہنچ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور بڑے غور سے اندھیرے میں آس پاس دیکھا۔ عرشہ ویران پڑا تھا۔

ناگ نے کہا:

"نیچے چلتے ہیں"۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے۔ یہاں ایک کیبن میں روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ نے آواز دی:

"ماریا بہن؟"۔

اچانک ماریا نے آواز دی:

"ناگ بھائی؟"۔

ناگ اور عنبر لپک کر اندر چلے گئے۔ ماریا نے جب دیکھا کہ عنبر بھی ساتھ ہے تو اس کی خوشی دگنی ہو گئی۔ عنبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار کیا۔ ناگ نے بھی ماریا بہن کے ماتھے کو چوم کر پیار کیا۔

ماریا نے کہا:

"آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو اکیلی جہاز پر بیٹھے بیٹھے سخت پریشان ہو گئی۔ ان لوگوں نے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ پھر سپاہی خزانہ یہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ سخت مشکل میں پڑ گئی تھی میں تو۔۔۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس جگہ ہوں؟"۔

ناگ نے کہا:

جس سانپ نے تمہارے پاس آ کر تمہیں سلامی دی تھی اور جسے تم نے میرا نام لے کر پکارا تھا اس نے تمہارے آنے جانے کے بعد میرے پاس آ کر اطلاع دی کہ تم ابھی ابھی خزانے کے پاس سے ہو کر کسی آدمی کے ساتھ واپس جہاز پر گئی ہو۔

تم سانپ کی باتیں نہیں سمجھ سکیں۔ مگر سانپ نے تمہاری ساری باتیں سن لی تھیں اور پھر مجھے ایک ایک لفظ واپس آ کر سنا دیا۔ اس وقت میں اور عنبر وہاں سے تمہاری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ بتاؤ کہ وہ آدمی کہاں ہے جو تمہارے ساتھ تھا؟"۔

ماریا نے سپاہی کی ساری کہانی سنا ڈالی۔

عنبر نے کہا:

"اب حالات یہ ہیں کہ سارا خزانہ جنگل میں دبا ہوا ہے۔ اس خزانے اس جہاز پر لا کر رکھنا ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ شگفتہ کو تلاش کر کے واپس لانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم یہاں سے کوچ کر سکیں گے"۔

ماریا نے پوچھا:

"کیا شگفتہ کا کوئی سراغ ملا؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنبر بولا:

"سراغ صرف اس قدر مل سکا ہے کہ شگفتا! سمگلروں کے بادشاہ کے محل سے بھی بھاگ چکی ہے۔ وہ شاہی محل میں نہیں ہے۔ وہ تمہارے پاس جہاز میں بھی نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ جنگل میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ ہم دو دن سے جنگل میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ ہم خود سمگلروں کے بادشاہ کی قید سے نکل کر بھاگے ہیں"۔

ماریا بولی:

"اب شگفتا! کو کہاں سے تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"شگفتا! کو ہم تلاش کر لیں گے۔ وہ ضرور مل جائے گی۔ سب سے پہلے ہمیں جنگل میں سے خزانے کو کسی طرح لا کر اس جہاز پر لادنا ہے۔ تاکہ جب شگفتا! اچانک مل جائے تو ہم اسی وقت اس جزیرے سے کوچ کر جائیں"۔

ماریا نے کہا:

"بات بڑی معقول ہے لیکن شگفتا! کو کس جگہ تلاش کیا جائے؟ جنگل میں اگر وہ نہیں ہے تو پھر کس جگہ پر ہوگی؟"۔

عنبر نے کہا:

میرا اپنا خیال ہے کہ اسے ضرور کسی شخص نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔

اس قسم کا آدمی کوئی بوڑھا ملاح ہی ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اس جزیرے میں میں نے کسی جوان ملاح کو رحم دل نہیں دیکھا۔ یہاں رحم دل صرف کوئی بوڑھا ملاح ہی ہو سکتا ہے۔

یہ جزیرے والے ابھی بوڑھوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چنانچہ خیال یہی ہے کہ شگنتلا نے کسی بوڑھے کو اپنی دردناک کہانی سنائی ہوگی۔ اس کے دل میں رحم آ گیا ہوگا اور شگنتلا کو اس نے پناہ دے دی ہوگی۔

ناگ نے کہا:

"میں تمہارے خیال کی تائید کرتا ہوں۔ ہمیں جنگل کے ساتھ ساتھ سمندری ساحل پر ایسے ملاحوں کو دیکھنا چاہیے جو بوڑھے ہوں اور جھونپڑیوں میں جال مرمت کرنے پر ہی زندگی بسر کر رہے ہوں"۔

ماریا بولی:

"یہ کام تو میں خود بڑی آسانی سے کر سکتی ہوں۔ مجھے تو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میں سمندر کے کنارے کنارے کی ایک ایک جھونپڑی میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جھانک کر دیکھ لوں گی کہ شگفتہ کہاں ہے؟ عنبر بھائی، تم صرف مجھے اس کا حلیہ بتا دو کہ کیسا ہے۔ پھر میں اسے ضرور کسی نہ کسی جگہ ڈھونڈ لوں گی"۔

عنبر نے کہا:

"وہ سیاہ آنکھوں والی ایک لمبے قد کی بڑی خوش شکل عورت ہے۔ جس کے چہرے سے وقار اور حیا ٹپکتی ہے۔ تم اسے ایک ہی نظر میں پہچان لو گی۔ اگر پورا یقین کرنا چاہو تو اسے کہنا کہ تم عنبر کی بہن ہو اور تمہیں عنبر نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ وہ خود ہی تمہیں بتا دے گی کہ میں شگفتہ ہوں اور مجھے خدا کے لیے میرے بھائی کے پاس لے چلو۔۔۔ ٹھیک ہے ناں؟"۔

ماریا نے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم لوگ اسی جہاز پر ٹھہرو۔ میں صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گی اور میرے خدا نے چاہا تو ایک ہی دن کے اندر اندر شگفتہ بہن کو تلاش کر کے اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں گی"۔

ناگ نے کہا:

"ماریا بہن! اگر تم یہ کام کر سکو تو ہم دونوں تمہارے بڑے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن اپنی حفاظت بھی ساتھ ساتھ ہی کرنا۔ کیوں کہ ان سپاہیوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ یوں ہی وقت بے وقت کوئی تلوار چلا دیں اور اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبیں"۔

ماریا نے کہا:

"گھبراؤ نہیں ناگ بھائی، تم لوگوں کی طرح میں بھی اپنا بچاؤ کرنا خوب جانتی ہوں۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤں گی اور شگفتہ کا پتہ چلا کر ہی یہاں آؤں گی"۔

باقی رات انہوں نے باتیں کرتے میں ہی نکال دی۔ صبح ہونے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والی تھی کہ ماریا کشتی میں سوار ہو کر کنارے کی طرف چلی گئی۔ کنارے پر جا کر اس نے کشتی کو ساحل پر ایک جھاڑی میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور خود کنارے کنارے سمندر سے دور نکل گئی۔

عنبر اور ناگ جہاز کے عرشے پر کھڑے اسے دور جاتی دیکھتے رہے۔ جب وہ ساحل کے درختوں میں گم ہو گئی تو وہ واپس کیبن میں آ کر لیٹ گئے۔ انہوں نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

عنبر نے کہا۔

"یار ناگ' ماریا تو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر ہم تو سب کو نظر آ جاتے ہیں۔ اگر کوئی سپاہی یہاں آیا تو مجبوراً اس سے مقابلہ کر کے اسے قتل کر دینا پڑے گا۔ اس لیے ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے"۔

ناگ نے کہا:

''عنبر بھائی، جب کوئی سپاہی یہاں آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ویسے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آیا ہوا سپاہی ماریا کے ہاتھ سے بچ کر نکل جاتا تھا، مگر میرے ہاتھ سے کبھی بچ کر نہیں جائے گا۔ یہ سپاہی بڑے ظالم ہیں۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو موت کی نیند سلایا ہے۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام کرنا چاہیے"۔

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد دونوں سو گئے۔

صبح ہو گئی تھی۔ سورج نکل آیا تھا۔ دن کی روشنی چاروں طرف جزیرے پر پھیل چکی تھی۔ ماریا ساحل کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی۔ راستے میں چھ سات جھونپڑیاں آئیں اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اسے وہاں کوئی سیاہ آنکھوں اور باوقار چہرے والی عورت نظر نہ آئی۔

کوئی بوڑھا بھی دکھائی نہ دیا۔ ماریا آگے ہی آگے چلتی چلی گئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک جگہ اس نے جھونپڑی کے باہر ایک بوڑھے کو دیکھا کہ بیٹھا اپنی پھٹی ہوئی صدری سی رہا ہے۔ ماریا اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی اور بولی:

"بابا، کیا یہاں تم نے کسی شکنتلا کو بھی چھپا رکھا ہے؟"۔

بوڑھے نے چونک کر دیکھا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ ماریا نے اپنا سوال پھر دہرایا تو بوڑھا چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ اتنا بزدل اور ڈرپوک بوڑھا شکنتلا جیسی دلیر عورت کو چھپانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ وہ اس جھونپڑی کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گئی۔

اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ تقریباً ہر جھونپڑی کے اندر جھانک کر دیکھ لیا۔ اسے شکنتلا کے حلیے کی ایک بھی عورت دکھائی نہ دی۔ وہ شام تک وہاں در بدر ماری ماری پھرتی رہی۔ اسے شکنتلا نہ مل سکی۔

کشتی پر سوار ہو کر وہ جہاز پر پہنچی۔ عنبر اور ناگ کو جا کر اس نے بتایا کہ شکنتلا کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ کل صبح وہ جزیرے کے جنوب مشرقی ساحل کی طرف جائے گی۔ شکنتلا اس طرف ضرور چلی گئی ہوگی۔ یہ کل معلوم ہو جائے گا۔

رات کو تھکی ہاری تھی جلد ہی سو گئی۔ اگلے روز عنبر اور ناگ کو اسی جگہ چھوڑ کر وہ اکیلی جنگل میں شکنتلا کو تلاش کرتے نکل آئی۔

جنگل سے وہ جلدی سے باہر نکلنا چاہتی تھی؛ چنانچہ وہ ایک طرف سے باہر سمندر کے کنارے پر آ گئی۔ یہاں کوئی بھی انسان نہیں تھا۔ سمندر کا یہ ساحل بالکل ویران تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

☆ ماریا نے شگفتہ کو تلاش کر لیا؟

☆ کیا بادبانی جہاز کو بادشاہ نے آگ لگوا دی؟

☆ عنبر، ناگ، ماریا اور شگفتہ جہاز پر کیسے پہنچے؟

☆ ان کا ہندوستان کا سفر کیسا رہا؟

☆ یہ سب کچھ اسی ناول کی اگلی یعنی 40 ویں قسط

"خونی بلا" میں پڑھیے

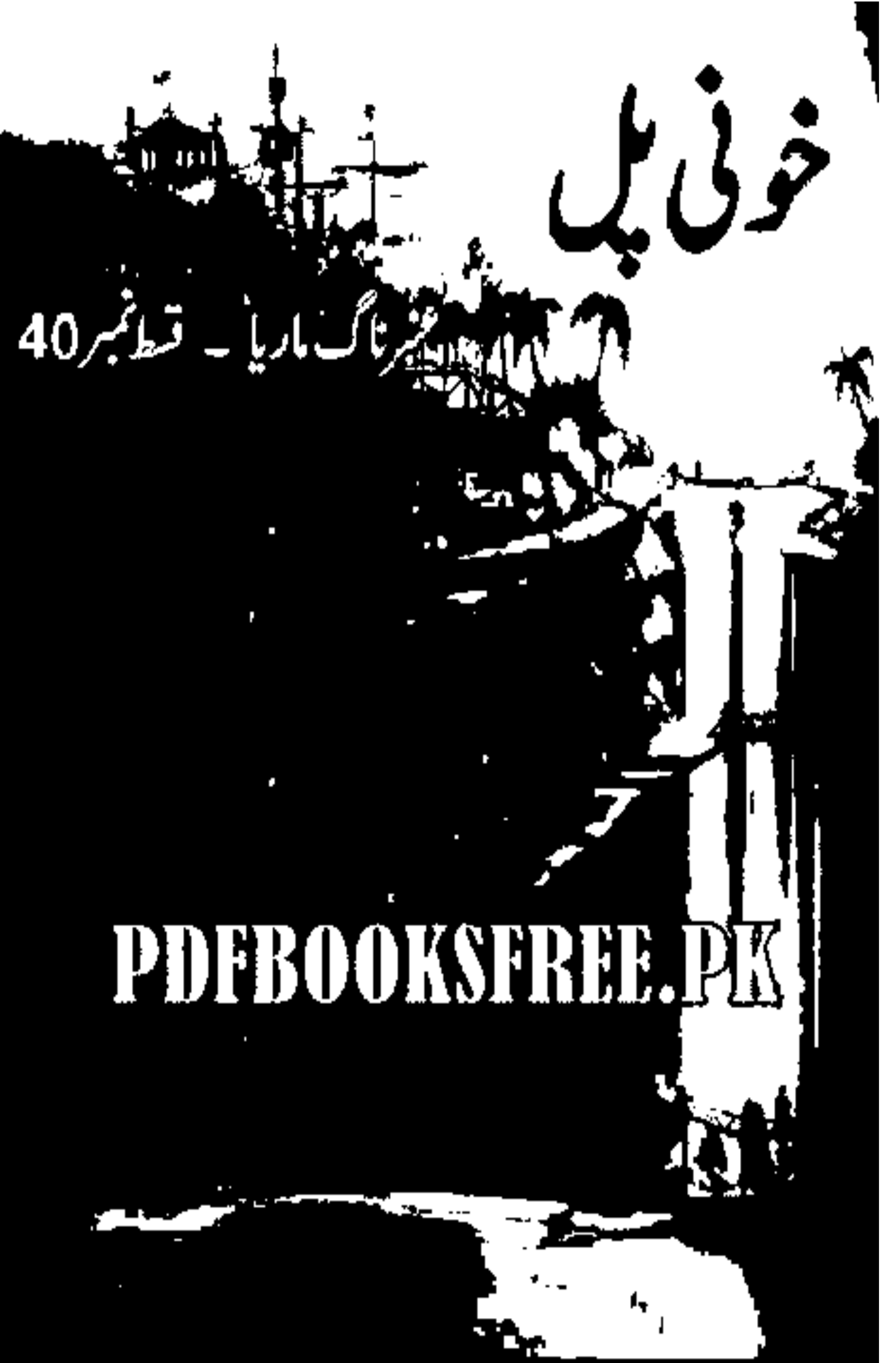

خونی پل

عنبر ناگ ماریا۔ قسط نمبر 40

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

فہرست

بے رحم سمندر
جاسوس لکڑ ہارا
بدنصیب قیدی
انوکھا سپاہی
خونی پل
نقلی راج کمار
کال کوٹھڑی
ماں کا لال
تخت کی واپسی
لال رومال اور ڈاکو

پیارے بچو!

آپ نے یہاں تک کہانی پڑھی ہے کہ شگفتا جزیرے کے کنارے مشرق کی جانب ایک چٹان کی کھوہ میں سارنگ کی پناہ میں ہے۔ عنبر اور ناگ اس کی تلاش میں جزیرے میں آ گئے ہیں۔ ان کا جہاز سمندر میں کھڑا ہے۔

ماریا اس جہاز کی حفاظت کر رہی ہے۔ ادھر سمگلروں کا بادشاہ بھی شگفتا کی تلاش میں ہے۔ آخر اسے دور سے جہاز نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو حکم دیتا ہے کہ جہاز کو لوٹ کر آگ لگا دی جائے۔ ڈاکو جہاز کو لوٹنے آتے ہیں۔

ماریہ وہاں موجود ہے مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ایک ڈاکو کی تلوار چھین کر اس کی گردن اڑا دیتی ہے۔ دوسرے ڈاکو حیران ہیں کہ یہ اپنے آپ تلوار کیسے ہوا میں بلند ہوئی۔

ماریہ دوسرے ڈاکو کو بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ باقی ڈاکو ڈر کر بھاگتے ہیں۔ ماریہ ان کا پیچھا کر کے انہیں چن چن کر قتل کر دیتی ہے۔

دوسری طرف سارنگ اپنے ساتھ عنبر اور ناگ کو لے کر منگلوروں کے محل کی طرف جاتا ہے۔

ماریہ جہاز پر بیٹھے بیٹھے گھبرا جاتی ہے اور جہاز سے اتر کر کشتی میں سوار ہوتی ہے اور جزیرے پر آ جاتی ہے۔ وہ شکنتلا کو تلاش کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اب آپ خود پڑھیں۔

بے رحم سمندر

ماریہ جہاز چھوڑ کر جنگل میں نکل گئی۔

وہ جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف چل پھر رہی تھی۔ اسے شکنتلا کی تلاش تھی جو کہ جزیرے کے جنوبی ساحل پر سارنگ بابا کی پناہ میں تھی اور نیلی چٹان کی کھوہ میں چھپی ہوئی تھی۔ سارنگ بابا اس تلاش میں تھا کہ کہیں سے کوئی ایسا سبب بن جائے کہ اسے ایک پختہ سی کشتی مل جائے جس میں وہ شکنتلا کو سوار کروا کر جزیرے سے ہندوستان کی طرف روانہ کر دے۔

نہ تو اسے اب تک کوئی ایسی کشتی ملی تھی اور نہ وہ کسی معمولی سی کشتی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

یہ شگفتہ کو بے یارو مددگار اتنے بڑے سمندر کے حوالے کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شگفتہ ایک عرصے سے سارنگ بابا کی کھوہ میں ہی رہ رہی تھی۔

شگفتہ نے کئی بار سارنگ بابا سے کہا کہ وہ اکیلی ہی کشتی میں سوار ہو کر چلی جائے گی۔ مگر بابا نے شگفتہ کو سمندر کی بے رحم لہروں کے حوالے کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ہمیشہ اسے یہی کہتا۔

”شگفتہ بیٹی، مجھے جس وقت موقع مل گیا، میں اسی وقت تمہیں ہندوستان کی طرف روانہ کر دوں گا۔ کم بخت کوئی تجارتی جہاز بھی تو ادھر نہیں آیا“۔

شگفتہ اپنے بچوں کے لیے بڑی اداس تھی۔ ایک مدت سے وہ اپنے بچوں اور بچوں کے باپ سے جدا تھی۔ اسے اپنا گھر یاد آتا تھا۔ اپنا خاوند یاد آتا۔ اپنا بچہ یاد آتا۔ عنبر یاد آتا۔ کاش عنبر بھائی ہی اس کے پاس ہوتا۔

پھر وہ اتنی مشکل میں نہ پھنستی۔ عنبر بھائی ضرور اسے جزیرے سے نکال دیتا۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ عنبر تو اسی جزیرے کے ساحل پر اپنے بادبانی جہاز پر ناگ کے ساتھ موجود ہے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا وہ بے حد غمگین رہنے لگی تھی۔ ایک روز اس نے بابا سے کہا:

”بابا، میں اب یہاں رہتے رہتے تنگ آ گئی ہوں۔ اگر تم میرے لیے کوئی بندوبست کر نہیں کر سکتے تو میں خود یہاں سے کسی کشتی میں سوار ہو کر نکل جاتی ہوں۔ خدا کہیں نہ کہیں مجھے ضرور پہنچا دے گا“۔

بابا کہنے لگا:

”بیٹی یہ سمندر بڑا خطرناک ہے۔ یہاں طوفان آتے رہتے ہیں اور اب موسم بھی طوفان کا شروع ہونے والا ہے۔ تم اکیلی لڑکی ایک

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

معمولی سی کشتی میں کہاں تک سفر کر سکو گی؟ سمندر کی ظالم موجیں تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گی"۔

شگفتہ نے کہا:

"لیکن بابا' آخر میں کب تک یہاں پڑی رہوں گی؟"۔

بابا نے کہا۔

بیٹی' یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ کاش میں کوئی دولت مند شخص ہوتا تو تمہارے لیے ایک شاندار جہاز خرید کر خود تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر آتا مگر میں ایک غریب ماہی گیر ہوں۔

میں تمہاری اتنی ہی مدد کر سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں اپنی پناہ میں رکھوں اور تمہاری حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان بھی قربان کر دوں۔

شگفتہ نے کہا:

"بابا' تم جو کہتے ہو کہ ایک پر اسرار جہاز کئی روز سے جزیرے کے ساحل پر کھڑا ہے، یہ کس کا جہاز ہے۔ کیا اس جہاز میں مجھے جگہ نہیں مل سکتی؟"۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

"بیٹی' یہ جہاز سمگلروں کے بادشاہ نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کسی بہت بڑے ڈاکو کا ویران جہاز ہے' جس پر بھوتوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ابھی تک جو سپاہی بھی جہاز پر گیا ہے' واپس نہیں آ سکا"۔

شگفتہ نے کہا:

"کیا تم مجھے اس جہاز پر لے جا سکتے ہو؟"۔

"بیٹی' تمہارے ہوش تو ٹھکانے ہیں؟ تم جن بھوتوں کے جہاز پر جا کیا کرو گی؟ وہ تو ایک آسیب والا جہاز ہے۔ وہاں تو کوئی نہیں جاتا

اور پھر سنا ہے کہ آج یا کل بادشاہ کے حکم سے اس جہاز کو آگ لگا دی جائے گی"۔

شگفتا خاموش ہوگئی۔

اس نے اپنے دل میں دھار لی کہ وہ جہاز پر ضرور جائے گی۔ نہ جانے کیوں اسے وہم سا ہوگیا تھا کہ جہاز پہ جانے سے اسے اپنے بھائی عنبر کا سراغ مل جائے گا؛ چنانچہ جس روز ماریا صبح کے وقت جنگل میں شگفتا کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

اسی روز شگفتا چپکے سے اپنی کھوہ میں سے نکل کر جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔

ادھر ناگ اور عنبر نے جب دیکھا کہ ماریا جزیرے پر اتر گئی ہے۔ تو وہ کچھ پریشان سے ہوئے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ ماریا بڑی عقل مند عورت ہے۔ وہ جہاز پر ضرور واپس آ جائے گی۔

وہ جہاز کے عرشے پر آ کر جنگلے کے پیچھے چھپ کر لیٹ گئے۔ اور ساحل کی طرف دیکھنے لگے۔ ساحل پر منگلوں کے بادشاہ کے سپاہی نمودار ہوئے۔ یہ سپاہی جہاز پر سے سارا مال اسباب نکال کر جہاز کو آگ لگانے کے لیے آئے تھے۔

عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی، میرا خیال ہے، یہ لوگ جہاز لوٹنے آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جہاز کا سارا خزانہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتے

ہیں جس پر ان کا کوئی حق نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا:

"فکر نہ کرو عنبر بھائی، ان کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ انہیں اپنی نانی یاد آ جائے گی"۔

عنبر نے کہا:

"مگر بھائی تم زیادہ سے زیادہ دو یا تین سپاہیوں کو کاٹ کر مار سکو گے۔ باقی سپاہیوں کو کون روکے گا؟ اور پھر اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی سپاہی تلوار مار کر تمہارے ہی دو ٹکڑے نہ کر دے"۔

ناگ ہنسا:

"عنبر بھائی، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔ سنو میں اس دفعہ خود نہیں ڈسوں گا بلکہ اپنے نوکروں کو بلاؤں گا"۔

عنبر نے پوچھا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"نوکر؟ کیا مطلب؟ تمہارے نوکر کون لوگ ہیں؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرے نوکر وہ چھوٹے زہریلے سانپ ہیں جو ان سپاہیوں کو ہلاک کرنے کا کام کریں گے۔ تم اپنی آنکھوں سے ان ڈاکوؤں کا انجام دیکھ لینا"۔

اتنے میں سپاہی جہاز کے قریب آ گئے۔ وہ سیڑھی لگا کر جہاز پر چڑھنے لگے۔ عنبر اور ناگ لپٹے ہوئے بادبانوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ سپاہی اب عرشے کے تختے پر قطار بنا کر کھڑے ہو گئے ان کے سردار نے آگے بڑھ کر کہا:

سپاہیو! اس جہاز کے تہہ خانے میں ایک بڑا قیمتی خزانہ پڑا ہے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اس خزانے کو یہاں سے نکال کر شاہی محل میں پہنچا دیا جائے۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

"جو حکم سرکار، ہم ابھی سارا خزانہ اور سارا سامان اس جہاز پر سے اٹھا کر شاہی محل میں پہنچا دیتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ ایک جگہ چھپے بیٹھے سپاہیوں کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔ عنبر نے سرگوشی سے کہا:

"ناگ، یہ لوگ خزانہ لینے اب نیچے جا رہے ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے جلدی سے کر لو۔ نہیں تو وقت گزر جائے گا اور پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے"۔

ناگ بولا:

"تم بے فکر رہو بھائی عنبر، ذرا ان کو سیڑھیوں پاس آ جانے دو"۔

سپاہی اب سیڑھیوں کے پاس آ گئے تھے۔

اب ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی تم سامنے نکل کر ان لوگوں کو جا کر جہاز کو لوٹنے سے منع کرو۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ انہیں پہلے خبردار کر دیں تاکہ بعد میں ہم پر کوئی الزام نہ آئے"۔

عنبر سپاہیوں کے سامنے آ گیا۔ سپاہی اچانک ایک نوجوان کو بادبانوں کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتے دیکھ کر ٹھٹھک سے گئے۔ سپاہیوں کے کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کو بڑی حقارت سے دیکھا اور اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"کپتان، میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ میں یہاں تمہیں اور تمہارے سپاہیوں کو خبردار کرنے آیا ہوں کہ اس جہاز کو لوٹنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کپتان اور سارے سپاہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"ارے تم ایک معمولی سے لڑکی ہو کر اتنی بڑی بات کر رہے ہو؟ تم کون ہو ہمیں اپنے فرض کو پورا کرنے سے روکنے والے!؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ کپتان ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اپنا ارادہ نہ بدلا تو تم سب لوگوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ بلکہ میں صاف صاف کہوں گا کہ تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا"۔

اتنا سننا تھا کہ سپاہیوں نے عنبر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کپتان کو بھی سخت غصہ آ گیا کہ اتنا سا لونڈا اور جزیرے کے بادشاہ کی فوج کو دھمکی دے رہا ہے۔ دو ایک سپاہی تو عنبر کو مارنے کے لیے تلواریں کھینچ کر آگے بڑھے مگر کپتان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے اے بدنصیب نوجوان' کیوں کہ اب تم ہماری تلواروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ کیوں کہ اس جہاز پہ بادشاہ کا قبضہ ہے اور جو کوئی بادشاہ کے علاوہ اس کا مالک بنے گا اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عنبر مسکرا کر بولا:

"میرا نام عنبر دیو ہے۔ میں بھوت ہوں۔ اس جہاز کا بھوت ہوں اور تم میں سے ایک سپاہی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

اب تو کپتان کا غصہ ہنسی میں بدل گیا کہ یہ ایک معمولی سا لڑکا کیسی باتیں کر رہا ہے۔ وہ خوب دل کھول کر ہنسا۔

"پاگل نوجوان! ہم اس جہاز سے سارا مال و دولت نیچے اتار کر اسے آگ لگانے آئے ہیں۔ ہماری خواہش تھی کہ کاش اس جہاز پر کوئی قیدی بھی ہوتا جیسے ہم آگ میں زندہ جلا کر اس کا تماشہ دیکھتے۔ دیوتاؤں کا شکریہ کہ انہوں نے ہماری خواہش پوری کی اور تمہیں یہاں بھیج دیا۔۔۔ اب اس جہاز کے ساتھ تم بھی شعلوں کے حوالے کر دیے جاؤ گے"۔

پھر کپتان نے سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"سپاہیو! آگے بڑھ کر اپنا کام شروع کر دو"۔

دو سپاہی آگے بڑھے:

"جو حکم سرکار"۔

ان کے ساتھ ہی چار اور سپاہی آگے بڑھے اور خزانے کو اٹھا کر نیچے لے جانے کے لیے نیچے سیڑھیوں میں آ گئے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے خزانے والے کیبن میں جانا چاہتے تھے۔ عنبر گرج کر کہا:

"بدبختو! معلوم ہو گیا کہ تمہاری موت آ چکی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم زندہ رہتے اور یہاں سے چلے جاتے مگر تم خود اپنی موت کو

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

آوازیں دے دے کر بلا رہے ہو کہ اے موت آ جا اور ہمیں اپنے ساتھ لے جا“۔

کپتان نے غصے میں آ کر بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا نیزہ اوپر اٹھایا اور زور سے عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ عنبر نیزہ لگنے کے دھچکے سے ذرا سا جھک گیا۔ سپاہی خوشی سے چیخ اٹھے۔

”وہ مارا ایک دشمن“۔

کپتان نے بڑی شان سے عنبر کے سینے میں سے ایک ہی جھٹکے سے نیزہ باہر کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر عنبر کو تڑپ کر زمین پر گرنا اور گرتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔ کیوں کہ آدھا نیزہ اس کے دل کو دو ٹکڑے کرتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکل گیا تھا۔

مگر ایسا نہ ہوا۔ سپاہی اور کپتان حیرانی سے تکنے لگے۔ کپتان نے دوسری بار غصے میں آ کر پوری طاقت سے عنبر کے سینے میں نیزہ مارا۔ یہ نیزہ بھی عنبر کے سینے سے آر پار ہو گیا۔ کپتان نے نیزہ زور سے کھینچ لیا، لیکن عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ پھر اس نے کپتان کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر اسے توڑ کر عرشے پر پھینک دیا اور بولا:

”اب بھی وقت ہے‘ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ نہیں تو تم سب کی لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی“۔

کپتان خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا، لیکن ایک سپاہی کی جو کم بختی آئی وہ تلوار لے کر للکارتا ہوا آگے بڑھا اور اس زور سے عنبر کے سر پر تلوار ماری کہ عنبر کے سر سے ٹکرا کر تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ سارے سپاہی دہشت زدہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ عنبر کے سر کے دو ٹکڑے ہونے چاہئیں تھے مگر تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

اب عنبر کو بھی طیش آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس سپاہی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا اور اپنے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

گھٹنے پر مار کر لکڑی کے ڈنڈے کی طرح دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ دیکھ کر کپتان اور باقی سپاہی چیخیں مار کر وہاں سے بھاگ گئے۔

انہوں نے عرشے کے اوپر ہی سے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ عنبر نے سپاہی کی لاش کو بھی سمندر میں پھینک دیا۔ وہ ناگ کے پاس آیا تو ناگ نے مسکرا کر کہا:

"بھائی، تم نے خود ہی ان کو بھگا دیا۔ میری باری ہی نہیں آنے دی؟"۔

عنبر بولا:

"میں نے سوچا تمہیں اور تمہارے نوکر سانپوں کو کیوں تکلیف دوں۔ جو کام میں خود کر سکتا ہوں، وہ میں خود ہی کر لوں تو اچھا ہے"۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اب یہ لوگ یہاں نہیں آئیں گے"۔

عنبر بولا:

"ہاں، اب کوئی بھی اس جہاز کے قریب نہیں آئے گا۔ لیکن ماریا کہاں ہے؟ اسے اکیلی جہاز سے نہیں جانا چاہیے تھا۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے"۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں اس کی تلاش میں نکلنا چاہیے"۔

عنبر بولا:

"چلو، چل کر اسے جزیرے میں تلاش کرتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ جہاز پر سے اتر کر نیچے آ گئے اور انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف ماریا گئی تھی۔

اب ذرا ماریا کی بھی خبر لیں۔ وہ جنگل میں چلی جا رہی تھی کہ ایک جگہ اسے ایک آدمی لکڑیاں کاٹتا نظر آیا۔ اس نے قریب جا کر اس لکڑ

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بارے سے پوچھا:

"کیوں بھائی، تم نے یہاں کسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کی شکل ہندوستان میں رہنے والی لڑکیوں کی سی ہے؟"۔

ککڑ بارے نے جب دیکھا کہ اسے آواز تو آ رہی ہے مگر عورت کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تو وہ ڈر کر بھوت بھوت کہتا جنگل میں بھاگ کر گم ہو گیا۔ اب ماریا کو خیال آیا کہ وہ تو غائب ہے اس ککڑ بارے سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ جنگل سے واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستے میں اسے ناگ اور عنبر اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔

ماریا نے قریب پہنچ کر کہا:

"میرے بھائیو، تم کس کی تلاش میں پھر رہے ہو؟"۔

ناگ اور عنبر نے ماریا کی آواز سنی تو بولے:

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہمیں مل گئیں۔ واپس چلو بہن۔ اس جنگل میں اس طرح پھرنا مناسب نہیں"۔

ماریا بولی۔

"مگر میں تو شکنتلا کو تلاش کر رہی تھی"۔

عنبر نے کہا:

"وہ اس طرح کہاں ملے گی؟ آؤ واپس جہاز پر چلتے ہیں"۔

ماریا، عنبر اور ناگ جہاز کی سمت چل پڑے۔ جہاتر پر آ کر وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ انہیں کب تک شکنتلا کی راہ دیکھنی چاہیے اور اسے کہاں جا کر آخر بار تلاش کرنا چاہیے؟

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

جاسوس لکڑ ہارا

شگفتا! سارنگ سے چھپ کر جہاز کی طرف آ رہی تھی۔

اس نے بہت بڑی بے وقوفی کی تھی۔ اُسے اس طرح غار سے نکل کر اکیلی جنگل میں نہیں آنا چاہیے تھا مگر اُسے کیا خبر تھی کہ منگلوروں کے بادشاہ کو جب سے معلوم ہوا تھا کہ شگفتا! جزیرے میں ہی کسی جگہ چھپی ہوئی ہے، اس نے اپنے خاص جاسوس چپے چپے پر چھوڑ رکھے تھے۔ وہ لکڑ ہارا بھی ایک جاسوس ہی تھا جس سے ماریا نے پوچھا تھا کہ شگفتا! کو تو اس نے نہیں دیکھا؟ وہ لکڑ ہارا بھاگا بھاگا بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اس نے جا کر بادشاہ کو ساری کہانی سنائی تو وہ حیران ہو کر بولا:

"کم بخت، تمہارے کان بج رہے ہوں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو ایک عورت کی آواز سنے اور وہ عورت نظر نہ آ رہی ہو"۔

لکڑ ہارے نے کہا:

"حضور! ضرور یہ کسی چڑیل یا جن بھوت کی کارستانی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے ایک عورت کی آواز سنی تھی جو شگفتا! کے بارے میں پوچھ رہی تھی"۔

"بکواس بند کرو اور بھاگ جا یہاں سے۔ پھر اس قسم کی فضول خبر لے کر آیا تو تمہیں چٹان پر سے سمندر میں گروا دوں گا"۔ جنگل میں ہی واپس جا اور جاسوسی کر"۔

لکڑ ہارا بھاگ کر پھر جنگل میں آ گیا اور لکڑیاں کاٹنے لگا۔ اب اسے شگفتا! کی بدقسمتی کہیے کہ جس راستے میں لکڑ ہارا لکڑیاں کاٹ رہا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

تھا، شگفتا! اسی راستے پر چھپتی چھپاتی جنگل میں چلی آ رہی تھی۔ اس نے جو راہ میں ایک بوڑھے لکڑ ہارے کو دیکھا تو اس کے پاس آ کر بولی:

"بابا! میں جنگل میں راستہ بھول گئی ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ سمندر کے ساحل کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟"۔

لکڑ ہارے نے شگفتا! کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب اس کا کام صرف یہ تھا کہ کسی طرح شگفتا! کو ورغلا کر اپنے ساتھ پہاڑی کے دامن والے مورچے میں پہرہ دیتے شاہی سپاہیوں کے پاس لے جا کر گرفتار کروا دے۔

مکار جاسوس لکڑ ہارے نے بڑی نرمی سے کہا:

"اچھی بیٹی! تم تو راستہ بھول کر جنگل میں بڑی دور نکل آئی ہو۔ جس طرف تم جا رہی ہو ادھر تم سمندر بہت دور ہے"۔

شگفتا! نے پوچھا:

"بابا! مجھے اس راستے پر ڈال دو جو سمندر کی طرف جاتا ہے۔ میں تمہاری نیکی ہمیشہ یاد رکھوں گی"۔

مکار جاسوس نے میٹھی آواز بنا کر شگفتا! کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح پیاری ہو۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی بیٹی یاد آ گئی ہے۔ اب میرا فرض ہو گیا ہے کہ ایک باپ بن کر تمہیں اپنے ساتھ سمندر کے کنارے تک لے جاؤں، کیوں کہ جنگل کا آگے کا راستہ جنگلی درندوں اور بھیانک دلدلوں سے بھرا پڑا ہے۔ اگر تم اکیلی گئیں تو ضرور کسی شیر یا چیتے کا نوالہ بن جاؤ گی جو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا"۔ شگفتا! سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اس لکڑ ہارے کے ساتھ جائے یا نہ جائے۔ اس کا ارادہ جہاز تک اکیلی جانے کا تھا۔ پھر اس

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

نے سوچا کہ یہ تو بے چارا ایک نیک دل بوڑھا لکڑ ہارا ہے۔ اس کے ساتھ جانے میں کیا حرج ہے؟ اور پھر آگے کا راستہ بھی تو خطرناک ہے ہو سکتا ہے وہ کسی دلدل میں گر پڑے یا کسی جنگلی درندے کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے۔ اسے سوچ میں دیکھ کر مکار جاسوس بولا:

"میری پیاری بچی کس سوچ میں پڑ گئی ہے؟ میرے بچے میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔ تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں بڑی حفاظت سے سمندر تک پہنچا دوں گا۔ میں اس جنگل کے سارے بھیدوں سے واقف ہوں۔ تم اکیلی کبھی راستہ نہ ڈھونڈ سکو گی۔ آؤ میری بچی، آؤ میرے ساتھ"۔

شکنتلا کی بدبختی آ گئی تھی۔ وہ جاسوس لکڑ ہارے کے ساتھ چل پڑی۔ اس بات سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہمیں کبھی کسی اجنبی پر اعتبار یا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ میٹھی باتیں کیوں نہ کرے۔

مکار لکڑ ہارا شکنتلا کو ساتھ لے کر جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ اس کے خوشی سے پیر زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ وہ ایک ایسی دولت کو اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا۔ جسے پا کر بادشاہ کو بے حد خوش ہونا تھا اور لکڑ ہارے جاسوس کو بہت بھاری انعام دینا تھا۔ شکنتلا کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ مصیبت کے منہ میں جا رہی ہے۔

لکڑ ہارا ساتھ ساتھ شکنتلا کی توجہ ہٹانے کے لیے اس سے چکنی چپڑی باتیں بھی کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی شکنتلا سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور کہاں جا رہی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ہے؟

جب سپاہیوں کا مورچہ قریب آ گیا تو لکڑ ہارے نے شگفتہ سے کہا:

"میری بچی! آگے مجھے شک ہے کہ دلدل ہے۔ تم ایک پل کے لیے اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اکیلا آگے جا کر راستے کے بارے میں پوری تسلی کر کے آتا ہوں۔ دیکھنا یہاں سے ہلنا بالکل نہیں۔ یہ سارا علاقہ جنگلی درندوں سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں ویسا نہ ہو کہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کوئی مشکل پڑ جائے"۔

شگفتہ نے کہا:

"نہیں بابا، میں یہاں سے نہیں ہلوں گی"۔

لکڑ ہارا درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

وہ بھاگتا ہوا مورچے کے اندر آیا اور اس نے سپاہیوں کو سب کچھ بتا دیا۔ شگفتہ اسی جگہ پر بیٹھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچ سوچ کر اداس ہو رہی تھی۔ کہ اچانک اس کے گرد بادشاہ کے سپاہیوں نے گھیرا ڈال لیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سپاہیوں کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"ہائے میں نے ایک اجنبی مکار پر بھروسہ کیا"۔

لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اگر شگفتہ نے پہلے سوچ لیا ہوتا تو یہ برا وقت دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ وہ لکڑ ہارا بادشاہ کا چھوڑا ہوا جاسوس تھا اور وہ اس وقت بادشاہ کے سپاہیوں کی قید میں آ چکی ہے۔ سپاہیوں سے الجھنا بے کار تھا۔

وہ بہر حال ایک کمزور عورت تھی۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر شگفتہ کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیے اور اسے گھوڑے پر

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بٹھا کر گرفتار کر کے لے گئے۔

شگفتا کو جب ٹمگروں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ خوشی سے کھل کھلا کر ہنس پڑا اور بولا:

"اب دیکھ لیا مزا یہاں سے بھاگنے کا؟ میں نہ کہتا تھا کہ تم اس جزیرے سے کبھی فرار نہ ہو سکو گی؟ اب میں تجھے یہاں سے بھاگنے کی سزا دوں گا۔ تو ایک مہینہ تک قید میں رہے گی اور تجھے کھانے کو سوائے روکھی روٹی اور پانی کے اور کچھ نہ ملے گا۔۔۔۔ لے جاؤ اسے اور قید میں ڈال دو اسے"۔

سپاہیوں نے شگفتا کو لے جا کر نیچے تہہ خانے میں ڈال دیا۔

سارنگ بابا جب دوپہر کا کھانا لے کر نیلی چٹان کی کھوہ میں گیا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ شگفتا وہاں موجود نہیں تھی۔ کھانا وہیں رکھ کر وہ کھوہ سے باہر نکل آیا اور اس نے شگفتا کی تلاش شروع کر دی۔

کتنی ہی دیر تک وہ اسے جنگل میں تلاش کرتا رہا مگر شگفتا کو نہ ملنا تھا اور نہ ملی۔ بوڑھا ملاح سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ بے وقوف عورت کہیں سیر کو باہر نکلی ہے اور بادشاہ کے سپاہیوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ واپس جھونپڑی میں آ کر صبر شکر کر کے بیٹھ گیا کہ اگر اس کی قسمت اچھی ہو گی تو واپس آ کر اسے مل جائے گی مگر اب اسے امید نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کے محل سے فرار ہو سکے گی، کیوں کہ اب تو ٹمگروں کا بادشاہ اس پر سخت پہرہ بٹھا دے گا۔

شگفتا بادشاہ کی قید میں ہے۔

بوڑھا ملاح صبر شکر کر کے بیٹھ گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا واپس جہاز پر جا چکے ہیں۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے واپس جا کر بڑے افسر کو خبر دی کہ جہاز پر کوئی بھوت رہتا ہے جس نے انسان کے روپ میں سامنے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

آ کر ان کے کپتان اور سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے تو بڑا افسر تلملا کر بولا:

"الو کی دم، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو سپاہی ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہو؟ کون ہے وہ قاتل جس نے میری فوج کے کپتان اور سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ۔۔۔ میں ابھی چل کر اس کا سر تن سے جدا کرتا ہوں اور جہاز کو آگ لگاتا ہوں"۔

بڑے افسر نے چار سپاہی ساتھ لیے اور جہاز کی طرف چل دیا۔ بادبانی جہاز پر اس وقت عنبر اور ناگ نیچے کیبن میں بیٹھے اس بات پر آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ شگفتہ کا کتنی دیر تک انتظار کیا جائے۔

ناگ نے دبی زبان میں مشورہ دیا کہ اس کے خیال میں بہت دیر ہو گئی ہے اس جزیرے میں پڑے پڑے۔۔۔ اب وہاں سے چل دینا چاہیے۔ عنبر نے ناگ کو ذرا ڈانٹ کر کہا کہ خبردار! اگر اس نے پھر ایسی بات کی۔ وہ شگفتہ کو ان وحشیوں کے پاس اکیلا چھوڑ کر کبھی واپس نہیں جائے گا۔

"اور پھر میں نے شگفتہ بہن کو ایک بھائی کی طرح قول دے رکھا ہے کہ جب تک اسے اس کے گھر نہیں پہنچاؤں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا"۔

ناگ نے اس کے بعد کوئی اعتراض نہ کیا اور شگفتہ کو تلاش کرنے کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ ماریا اکیلی بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہ جہاز کے عرشے پر اوپر آ گئی۔ آسمان پر سورج نکلا ہوا تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔

ماریا عرشے پر جنگلے کے ساتھ ساتھ ٹہل رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کچھ سپاہی نیزے اور تیر کمان لیے جہاز کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ آگے آگے ان کا سردار ہے۔

ماریا سمجھ گئی کہ جہاز پر سے خزانہ اتارنے اور جہاز کو آگ لگانے آئے ہیں، کیوں کہ پہلے سپاہیوں کے حشر سے ماریا خوب واقف تھی۔ پہلے تو ماریا نیچے جا کر عنبر اور ناگ کو اطلاع کرنے لگی۔ پھر اس نے ارادہ بدل لیا اور وہیں ایک طرف ہو کر کھڑی ہوگئی۔

سپاہی اپنے بڑے سردار کے ساتھ رسوں کی سیڑھی پر سے چڑھ کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئے۔

بڑے سردار نے بڑے رعب سے پوچھا:

”کہاں ہے وہ بھوت جس نے انسان کی شکل لے لی ہے؟ بولو

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بتاؤ؟ کم بخت اگر سامنے آ جائے تو ایک ایسا وار کروں کہ بد بخت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے"۔

ماریا جان گئی کہ اشارہ عنبر کی طرف ہے سپاہی نے جھک کر کہا:

"سرکار' وہ بھوت اسے جگہ کھڑا تھا"۔

بڑے سردار نے کڑک کر کہا:

"مگر اب وہ کہاں ہے الو کے پٹھے؟"۔

سپاہی نے خوشامد کرتے ہوئے کہا:

"سرکار' آپ کو دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ گیا ہے"۔

یہ جواب سن کر بڑا سردار بہت خوش ہوا اور بولا:

"سپاہیو' نیچے جا کر سارا خزانہ اٹھا کر اوپر لے آؤ۔ ہم اس خزانے کو سمیٹ کر شاہی محل لے جائیں گے اور جہاز کو بادشاہ کے حکم کے مطابق آگ لگا دیں گے"۔

یہ حکم پا کر چاروں سپاہی سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ سیڑھیوں کے دروازے پر ماریا کھڑی تھی۔ جوں ہی ایک سپاہی آگے بڑھنے لگا۔ ماریا نے آگے ٹانگ اڑا دی۔

سپاہی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ پھر اٹھا۔ ماریا نے اسے پھر گرا دیا۔ اس دفعہ ماریا نے اس کی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ واپس بھاگا۔

"مجھے بچاؤ' بچاؤ' بھوت ہے۔ بھوت ہے"۔

بڑے افسر نے گھرکی دے کر کہا:

"بکواس بند کرو' کہاں ہے بھوت؟ میں بھی تو دیکھوں؟"۔

پھر اس نے دوسرے سپاہیوں سے کہا:

"چلو' تم میرے ساتھ نیچے۔ اگر میں نیچے سے خزانہ نہ لایا تو باپ کا بیٹا نہیں ہوں"۔

بڑا سردار آگے بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے اسے بھی ٹانگ اڑا کر عرشے پر گرا دیا۔ بڑا سردار دھڑام سے عرشے پر گرا۔

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا اور ڈانٹ کر بولا:

”یہ کس نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا تھا؟“۔

”حضور، ہم آپ کو دھکا دینے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں بھلا؟“۔

”بکواس بند کرو اور آگے بڑھو“۔

سپاہیوں نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ماریا نے ایک سپاہی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ وہ لہولہان ہو کر چکر کھا کر گر پڑا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

نیچے عنبر اور ناگ نے اوپر گڑبڑ کی آوازیں سنیں تو وہ لپک کر اوپر عرشے پر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سپاہیوں کی مرمت ہو رہی ہے۔ سمجھ گئے کہ یہ کام سوائے ماریا کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔

بڑے افسر نے جو عنبر اور ناگ کو سامنے دیکھا تو غصے میں دھاڑا:

”گرفتار کر لو ان دونوں کو۔۔۔ یہی دونوں ڈاکو ہیں جو جھوٹ موٹ بھوت بن کر جہاز کا خزانہ لوٹنا چاہتے ہیں“۔

عنبر نے سپاہیوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو سردار سے کہا:

”سردار میری بات غور سے سن۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ ہم شریف لوگ ہیں اور جس خزانے پر تم اور تمہارا بادشاہ قبضہ کرنا چاہتا ہے، وہ ہمارا خزانہ ہے۔ یہ جہاز بھی ہمارا ہے“۔

سردار اور سپاہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے کہا:

”ابھی تمہارے کسی آدمی نے ہمارے ایک سپاہی کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ ہم اس کا بھی تم سے بدلہ لیں گے۔ تم ڈاکو ہو۔ ہم تمہیں پکڑ کر

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بادشاہ کے پاس پیش کریں گے‘‘۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

’’کیوں ناگ کیا خیال ہے؟ گرفتار ہو جائیں؟‘‘۔

ناگ نے کہا:

’’ہاں، میرا خیال ہے کہ گرفتار ہو جانا چاہیے‘‘۔

عنبر نے سردار سے کہا:

’’او بھائی ہمیں گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دو‘‘۔

اس کے ساتھ ہی سپاہیوں نے دونوں کو زنجیروں میں جکڑ لیا۔

ماریا نے عنبر کے قریب جا کر کہا:

’’عنبر بھائی، یہ آپ نے کیا کر دیا۔ میں ان سپاہیوں کو ہلاک کر کے آپ کو چھڑانے لگی ہوں‘‘۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا:

’’میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے ماریا۔ اس طرح شاید ہمیں محل میں جا کر شگفتہ کا کچھ اتا پتا مل سکے‘‘۔

سپاہی عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے جہاز سے اتر گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی گئی۔ سپاہی دونوں کو لے کر منگروں کے بادشاہ کے پاس آ گئے۔ منگروں کے بادشاہ نے عنبر کو پہچان کر کہا:

’’تم پھر آ گئے؟ گویا یہ ساری کارستانی تمہاری تھی۔ بہت خوب! اب میں تمہیں ایک ایسے قید خانے میں ڈالوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہیں نکل سکو گے‘‘۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بدنصیب قیدی

عنبر نے کہا:

''اے شخص میری بات کو غور سے سن' میں تمہارے پاس اپنے آپ گرفتار ہو کر آیا ہوں' ورنہ تمہارے کسی سپاہی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ بھی لگا سکے۔ تمہارے پاس آنے کا میرا ایک خاص مقصد ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھے ملوم ہوا ہے' میری بہن شگفتا تمہارے پاس ہے۔ میں اسے واپس لینے آیا ہوں''۔

بادشاہ نے گردن اونچی کر کے غرور سے کہا:

''اے بدنصیب قیدی، اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھ پر رحم کرو اور تجھے بھوکے کتوں کے آگے نہ ڈالوں تو میرے پاؤں پڑو اور مجھ سے رحم کی بھیک مانگو۔ اگر اس کے بعد تم نے شگفتا کے بارے میں کچھ پوچھا تو میں تمہاری زبان کاٹ کر رکھ دوں گا''۔

اب ناگ نے کہا:

''تو نادان ہے بادشاہ، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ تو کن کے آگے کفڑایات کر رہا ہے تو اسی وقت ہمارے پاؤں پر گر کر ہم سے رحم کی بھیک مانگے''۔

بادشاہ نے کڑک کر کہا:

''بکواس بند کرو''۔

پھر اس نے جلاد کو حکم دیا کہ عنبر اور ناگ کو شاہی محل کے اوپر دلی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

چھت پر لے جا کر ابھی اور اسی وقت قتل کر دیا جائے اور ان کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور پیش کیے جائیں۔

جلاد نے سر جھکایا اور سپاہی عنبر اور ناگ کو لے کر محل کی چھت پر آ گئے۔ ماریا بھی پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ محل کی چھت پر سپاہیوں نے عنبر اور ناگ کو لکڑی کے ایک شکنجے میں کس دیا تاکہ گردن پر تلوار مار کر اسے الگ کر کے بادشاہ کے حضور پیش کی جائے۔

ماریا بڑی حیران تھی کہ عنبر اور ناگ کچھ نہیں کہہ رہے۔ جلاد تلوار لے کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کپتان کے اشارے کا انتظار کرنے لگا۔

کپتان نے رومال سے اشارہ ابھی کیا ہی تھا کہ ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور سیاہ کالا سانپ بن کر سامنے آ گیا۔ اس نے سانپ کا روپ بدلتے ہی جلاد کو ڈس دیا۔ جلاد لڑکھڑا کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر عنبر کی رسیاں کھول دیں۔ وہ آزاد ہو گیا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

دربار میں چھ سات سپاہی آگے بڑھے ہی تھے کہ ناگ نے سانپ کا روپ بدل لیا اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے دو سپاہیوں کو ڈس کر گرا دیا۔ ماریا نے نیزے مار کر دو سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا:

"اے غافل بادشاہ، میں تمہیں آخری بار خبردار کر رہا ہوں۔ اگر اب تو نے ہم میں سے کسی پر حملے کرنے یا کرانے کی کوشش کی تو اب کے ہلاک ہونے کی باری تمہاری ہوگی"۔

بادشاہ اسی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس نے اشارے سے سپاہیوں کو رکنے کے لیے کہا اور عنبر سے پوچھا:

"تم جادوگر ہو۔ تم کیا چاہتے ہو؟ شگفتا میرے پاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ مانگنا چاہتے ہو تو مانگو"۔

عنبر نے کہا:

"ہم صرف شگفتا اور اپنے جہاز کو لینے آئے ہیں۔ ہمیں شگفتا واپس کر دو تاکہ ہم اپنے جہاز میں بیٹھ کر واپس چلے جائیں"۔

بادشاہ مکاری سے بولا:

"میں اپنی ہار مان لیتا ہوں۔ میں ہار گیا۔ تم جیت گئے۔ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شگفتا میرے پاس نہیں ہے۔ تم اپنا جہاز اور خزانہ جس وقت چاہو واپس لے جا سکتے ہو"۔

عنبر اور ناگ کو یقین ہونے لگا کہ شگفتا واقعی وہاں محل میں نہیں ہے۔ ناگ نے ماریا سے سرگوشی کی تو اس نے بھی یہی کہا کہ اگر شگفتا محل میں ہوتی تو ضرور کہیں نہ کہیں دکھائی دیتی۔ اس لیے یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ عنبر نے بادشاہ سے کہا:

"ہم تمہاری بات پر اعتبار کرتے ہیں۔ ہم کل یہاں سے کوچ کر جائیں گے"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

بادشاہ کے محل سے نکل کر تینوں بہن بھائی اپنے جہاز پر آ گئے۔

یہاں آ کر عنبر نے ناگ سے مشورہ کرنے کے بعد ماریا سے کہا:

"ماریا بہن، اب جب کہ ہم صبح یہاں سے جا رہے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ تم محل میں جا کر سارے کمروں کا ایک چکر لگا کر دیکھو کہ شگفتہ وہاں موجود ہے یا نہیں! کیوں کہ ہو سکتا ہے، بادشاہ ہم سے جھوٹ بول رہا ہو"۔

ناگ نے کہا:

"ہاں، ایک بار تلاشی لینے میں کیا حرج ہے۔ کم از کم بعد میں ہمیں افسوس تو نہیں رہے گا کہ کاش ایک بار پورے محل کی تلاشی لے لیتے"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ماریا بولی:

"ٹھیک ہے، اگر آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو میں ابھی جا کر محل کا کونہ کونہ چھان مارتی ہوں۔ اگر وہ کہیں ہوئی تو ضرور پتا چل جائے گا"۔

ناگ اور عنبر جہاز پر ہی بیٹھے رہے اور ماریا جہاز پر سے نکل کر محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ محل کی ڈیوڑھی پر بڑا سخت پہرہ تھا، لیکن ماریا چونکہ غائب تھی اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے وہ بڑی آسانی کے ساتھ ان سب کے سامنے سے گزر گئی۔ اب وہ محل کی پہلی منزل پر تھی۔

یہاں اس نے ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کسی جگہ شگفتا اسے نظر نہ آئی۔ پھر وہ دوسری منزل میں آ گئی۔ یہاں بھی کس نے کونہ کونہ چھان مارا۔ شگفتا کہیں نہیں تھی۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ کسی لونڈی یا غلام سے پوچھا جائے۔ یہ سوچ کر وہ بڑے کمرے کی طرف مڑی۔ یہاں اسے ایک موٹا سا سپاہی نظر آیا جو ایک پتھر کی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ماریا چپکے سے اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

موٹا اونگھ رہا تھا۔ ماریا نے موٹے سپاہی کی گردن پر ہاتھ مارا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سمجھا کہ شاید خواب دیکھ رہا تھا۔ پھر اونگھنے لگا ماریا نے ایک اور تھپڑ مارا۔ اب تو موٹا اچھل پڑا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا نے سرگوشی میں کہا:

"میں تمہاری موت تمہارے پاس کھڑی ہوں۔ میں تمہاری جان نکالنے یہاں آئی ہوں، لیکن اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ شگفتا کہاں ہے تو میں تمہاری جان نہیں نکالوں گی، بولو، کیا کہتے ہو؟"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

موٹا سپاہی پہلے تو ہکا بکا رہ گیا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے، ادھر ادھر تکنے لگا۔ ماریا نے اس کی موٹی گردن میں رسی ڈال کر کہا:

"اگر تم نے جواب نہ دیا تو میں ابھی تمہاری گردن دبا کر تمہارا کام تمام کر دوں گی"۔

موٹا سپاہی تھر تھر کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا:

"اے موت کی دیوی! میری جان بخش دے۔ شگفتا نام کی لڑکی اس محل کے سب سے نچلے تہہ خانے میں قید ہے"۔

ماریا نے کہا:

"تہہ خانے کا راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"۔

"سامنے والے دروازے سے گزر کر ایک ڈیوڑھی آئے گی۔ اس کے بازو میں سیڑھیاں نیچے اترتی ہیں۔ بس نیچے ہی تہہ خانہ ہے۔ اب میری جان بخش دو"۔

ماریا کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ اس نے موٹے کی گردن چھوڑ دی اور سامنے والی ڈیوڑھی میں آ گئی۔ وہ بڑی خوش تھی کہ اتفاق سے اسے شگفتا کا سراغ مل گیا۔ اس ڈیوڑھی کے بازو میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

ماریا نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے ایک راہداری آ گئی۔ جہاں روشنی بڑی کم تھی۔ وہ آگے چل پڑی۔ ذرا فاصلے پر ایک مشعل روشن تھی۔

ماریا نے قریب جا کر دیکھا کہ تین سپاہی ایک دروازے کے باہر پہرہ دے رہے ہیں۔ دروازے پر بڑا سا تالا پڑا ہے۔ تینوں سپاہی آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ ماریا کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ تہہ خانہ ہے جہاں شگفتا قید ہے۔

آگے بڑھ کر اس نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارنا شروع

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کر دیا۔۔۔ سپاہیوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ انہیں ماریا تو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ یہ سمجھے کہ شگفتہ اندر سے دستک دے رہی ہے۔ ایک بولا:

”اس کم بخت کو کیا ضرورت پڑ گئی جو دروازہ پیٹ رہی ہے؟“۔

دوسرے نے کہا:

”یار دروازہ کھول کر پوچھ لیتے ہیں۔ کیا معلوم اسے پانی کی ضرورت ہو“۔

تیسرا کہنے لگا:

”نہ بھائی ایسا نہ کرنا۔ بادشاہ کا سخت حکم ہے کہ سوائے روٹی پانی کے وقت کے اور کسی وقت بھی دروازہ نہ کھولا جائے۔ اس لیے چپکے بیٹھے رہو“۔

ماریا دروازے پر ہاتھ مارتی رہی مگر سپاہیوں کے کانوں پر کوئی اثر

نہ ہوا۔ اندر جب شگفتہ نے آواز سنی تو بڑی حیران ہوئی کہ یہ دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے۔ مگر وہ چپکی ہو کر بیٹھی رہی۔ ماریا کا ہاتھ تھک گیا۔ اس نے سوچا کوئی دوسری ترکیب لڑانی چاہیے۔ اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا اور ایک سپاہی کے سر پر پورے زور سے دے مارا۔ سپاہی چکرا کر بے ہوش ہو گیا۔

دونوں سپاہیوں نے اپنے ساتھی کے ماتھے سے خون نکلتے اور اسے چکرا کر زمین پر گرتے دیکھا تو تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھ کر بولے: ”یہ۔۔۔ یہ تم نے پتھر مارا؟“۔

”میں نے کہاں مارا ہے؟ میں تو تمہارا سامنے بیٹھا ہوں“

”پھر یہ پتھر اس کے سر پر کہاں سے آن لگا“۔

ماریا نے دوسرا پتھر دوسرے سپاہی کے سر پر دے مارا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے تلوار کھینچ لی:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"ضرور یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے۔ مگر میں ڈروں گا نہیں۔ میں بھوت کا مقابلہ کروں گا"۔

دوسرے سپاہی نے بھی تلوار نکالی اور بلند آواز میں کہا:

"اے بھوت! میں بھی تجھ سے نہیں ڈرتا۔ تو اگر مرد ہے تو سامنے آ جا"۔

ماریا ہنس پڑی۔ اگر وہ مرد ہوتی تو ضرور ان کے سامنے آ جاتی۔ لیکن سامنے آنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سپاہی تلواریں کھینچے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے اور مشعل کی روشنی میں آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

ان کو ڈر بھی لگ رہا تھا۔ وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ ماریا نے ایک طرف سے آ کر ایک سپاہی کی کلائی پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دور جا گری۔

سپاہی جلدی سے تلوار کی طرف بڑھا لیکن اس سے پہلے ماریا نے لپک کر تلوار زمین پر سے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ تلوار ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔ سپاہیوں نے تلوار کو گم ہوتے دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ کیوں کہ تلوار اب بھوت کے ہاتھ میں چلی گئی تھی اور کوئی معلوم نہیں تھا کہ کب ان کے سروں پر چل جائے۔ ایک سپاہی نے کہا:

"میرے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔ بھوت اب ہم پر ضرور حملہ کرے گا۔ جوں ہی پیروں کی آہٹ آئے فوراً ہوا میں تلوار کا وار کر

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

دو“۔

دوسرے سپاہی نے ایسا ہی کیا۔ ماریہ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ موقع تلاش کر رہی تھی۔ موقع بالکل صاف تھا۔ ماریہ نے پہلو سے ہو کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ ایک سپاہی کی گردن لٹک گئی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

دوسرے سپاہی نے حوصلہ ہار دیا اور وہ چیخ مار کر وہاں سے ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ماریہ نے گرے ہوئے سپاہی کی کمر سے چابی نکال کر دروازے کا تالا کھول دیا۔ اندر اندھیرا تھا۔

ماریہ نے دروازہ پورا کھولا تو اندر روشنی پھیل گئی۔

اس روشنی نے ماریہ نے دیکھا کہ ایک دبلی سی سانولے رنگ کی تیکھے ناک والی لڑکی دیوار کے ساتھ رکھے ایک پتھر پر اداس بیٹھی تھی۔

وہ کھلے دروازے کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھل گیا تھا

مگر اندر کوئی نہیں آ رہا تھا۔ شگفتہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے باہر آ کر دونوں سپاہیوں کی لاشوں کو دیکھا تو وہ زیادہ حیران ہو گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بھید کیا ہے۔ دونوں سپاہی مرے پڑے ہیں۔ دروازہ اپنے آپ کھل گیا ہے؟ وہ سوچنے لگی کہ ان کو کس نے ہلاک کیا؟ دروازہ کس نے کھولا؟ وہ غور کر رہی تھی کہ ماریہ نے آہستہ سے کہا:

”گھبراؤ نہیں میری بہن یہ سب کچھ میں نے کیا ہے“۔

آواز سن کر شگفتہ نے چونک کر ادھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پریشان سی ہو گئی۔ اس نے آواز دے کر پوچھا:

”تم کون ہو؟“

ماریہ نے کہا:

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا تم شگفتا ہو؟"۔

شگفتا نے کہا:

"ہاں' میرا ہی نام شگفتا ہے"۔

"کیا تم عنبر کو جانتی ہو؟"۔

"وہ میرا بھائی ہے۔ کہاں ہے میرا بھائی؟"۔

ماریا نے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ تمہارا بھائی تمہاری راہ دیکھ رہا ہے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"مگر تم کون ہو؟ تم دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟"۔

"کیا تم کوئی بھوت ہو؟ کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"۔

ماریا نے کہا:

"ان سب سوالوں کے جواب تمہیں جہاز پر چل کر مل جائیں گے"۔

شگفتا نے حیرت سے کہا:

"جہاز؟ کون سا جہاز؟"

ماریا بولی:

"شگفتا! بہن' آخر تم ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کیوں کر رہی ہو؟ تم میرے ساتھ چلو۔ تمہارے سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"مجھے صرف اتنا بتا دو کہ عنبر کہاں ہے؟"

"کہہ تو دیا کہ وہ جہاز پر ہے۔ اگر تم اس سے ملنا چاہتی ہو تو میرے ساتھ آؤ"۔

شگفتا نے کہا:

”مگر یہاں تو راستے میں سارے محل پر پہرہ لگا ہے۔ ہم کیسے باہر نکلیں گے؟“۔

ماریا نے کہا:

”تم میرے ساتھ ساتھ چلتی چلو۔ میں تمہیں آسانی کے ساتھ یہاں سے باہر نکال کر لے جاؤں گی“۔

شگفتہ کوٹھری سے نکل کر ماریا کے ساتھ ساتھ راہداری میں سے گزرنے لگی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر منزل کی ڈیوڑھی میں آ گئے۔ ڈیوڑھی میں اب ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ باہر جانے والے دروازے کے بیچ میں کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ شگفتہ رک گئی۔ ماریا نے اس کے کان میں کہا:

”تم ذرا پرے ہو کر چھپ جاؤ۔ میں ابھی راستہ صاف کرتی ہوں“۔

شگفتہ ایک طرف ہو کر اندھیرے میں آ گئی۔ ماریا دبے پاؤں سپاہی کی طرف بڑھی۔ وہ سپاہی جو پہرہ دے رہا تھا، اس کی پشت ڈیوڑھی کی طرف تھی اور منہ چھت کی جانب تھا۔ ماریا دبے پاؤں اس کے پیچھے آ گئی۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

انوکھا سپاہی

پہرے دار تلوار کندھے پر رکھے کھڑا تھا۔

ماریا نہیں چاہتی تھی کہ وہاں شور مچے۔ شور مچ جانے سے وہاں سارا محل جمع ہو جاتا اور شگفتہ کا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔ ماریا چاہتی تھی کہ کسی طریقے سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اس نے اپنی کمر کے گرد بندھی ہوئی ریشمی ڈوری کھول کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لی۔ وہ ہاتھ آگے بڑھانے ہی والی تھی کہ اس کا پاؤں

دہلیز سے الجھ گیا اور تپائی الٹ گئی۔ پہرے دار نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"کون ہے؟"

ماریا سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ پہرے دار نے تلوار ہاتھ میں تھام لی اور راہداری میں دیکھنے لگا۔ مشعل کی روشنی میں وہ آگے بڑھا تو سامنے شگفتہ دیوار کے ساتھ چھپ کر کھڑی تھی۔ پہریدار نے تلوار شگفتہ کے سینے پر رکھ دی۔

"خبردار! اگر بھاگنے کی کوشش کی تو یہ تلوار تمہارے جگر کے پار ہو گی۔ تو بھاگ جاتی تو بادشاہ مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ چل واپس کال کوٹھڑی میں چل۔ حیران ہوں کہ تو وہاں سے بھاگ کر کیسے آ گئی؟"۔

شگفتہ خاموشی سے پہرے دار کے آگے آگے چل پڑی۔ ماریا

پہرے دار کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جوں ہی راہداری میں ذرا اندھیرا آیا۔ ماریا نے پیچھے سے لپک کر پہرے دار کی گردن میں ریشمی رسی ڈال کر ایک دم سے چھ سات مروڑے دے دیے۔۔۔

پہرے دار کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے گلے کی کستی ہوئی رسی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ریشمی ڈوری اس کی گردن میں کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کا دم گھوٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر نکل آئیں۔ پھر اس نے مرنے سے پہلے دونوں ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا کر ماریا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اسے کون ہلاک کرنے کی کوشش میں ہے۔

لیکن ریشمی ڈوری اس کی گردن میں دور تک جا چکی تھی۔ پہریدار کی گردن ایک طرف کو ڈھلکنے لگی۔ ماریا نے ایک بار زور سے جھٹکا دے کر پہرے دار کو چھوڑ دیا۔ وہ بے ہوش ہو کر دھم سے فرش پر گر پڑا۔ ماریا نے شگفتا سے کہا:

”جلدی کرو۔ یہاں سے باہر نکل چلو“۔

دونوں ایک دوسری کے پیچھے بھاگ کر ڈیوڑھی سے باہر آ گئیں۔

اب وہ محل کے دالان میں تھیں۔ سامنے محل کا بڑا دروازہ تھا۔ یہاں رونق تھی۔ لونڈیاں اور غلام کام کر رہے تھے۔ سپاہی بھی چل پھر رہے تھے۔ ڈیوڑھی میں تو خاص طور پر سخت پہرہ تھا۔ ماریا نے شگفتا کو ایک دیوار کی اوٹ میں لے جا کر کہا:

”شگفتا! میں تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی مگر تمہیں ہر کوئی دیکھ کر پہچان لے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس طرح یہاں سے نکالوں کہ میری طرح تمہیں بھی کوئی نہ دیکھ سکے“

شگفتا بولی:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم مجھے بھی جادو سے غائب کر سکتی ہو؟"

ماریہ نے کہا:

کاش میں ایسا کر سکتی۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ لیکن میں ایک بات کر سکتی ہوں"۔

"وہ کیا؟" شگفتا نے پوچھا:

ماریہ بولی:

میں تمہیں تھوڑی دیر کے لیے غائب کر سکتی ہوں، لیکن اس کے لیے مجھے ایک گھوڑے کی سخت ضرورت ہو گی۔ اگر تم میرے ساتھ ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ جاؤ تو میری طرح سے تم بھی غائب ہو جاؤ گی۔

پھر کوئی بھی شخص تمہیں، مجھے اور گھوڑے کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

شگفتا نے کہا: "کیا یہاں سے گھوڑا نہیں مل سکتا؟"

"میں کوشش کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ چھپی رہو۔ خبردار، باہر بالکل نہ نکلنا۔ بس اسی دیوار کی اوٹ میں ہو کر بیٹھی رہو۔ میں جلدی سے جلدی گھوڑا لے کر یہاں آ جاؤں گی۔ گھبرانا بالکل نہیں"۔

یہ کہہ کر ماریہ چلی گئی۔

ماریہ ڈیوڑھی میں پہرے داروں کے سامنے سے گزر کر باہر گئی۔ باہر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چھ سات بڑے صحت مند گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ماریہ گھوڑوں کے پاس جا کر سوچنے لگی کہ وہ گھوڑا لے کر اندر جائے یا شگفتا کو کسی طرح سے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

یہاں لے آئے۔

گھوڑے کو اندر لے جانا بڑا مشکل تھا۔ کیونکہ ڈیوڑھی کا صرف نچلا پٹ کھلا تھا جس میں سے آدمیوں کو سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اندر کیسے جا سکتی تھی؟۔

لیکن سوال یہ تھا کہ شگفتا کو کس صورت سے باہر لایا جائے۔ اس کے سوائے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ماریا دوبارہ ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر آ گئی۔ شگفتا اسی جگہ چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جہاں وہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ ماریا نے اس کے پاس جا کر کہا:

شگفتا بہن، گھوڑے باہر بڑا میں کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک گھوڑے کا بھی محل کے اندر آنا بہت مشکل ہے۔ میں تمہیں اپنے کندھے پر اٹھا کر بھی نہیں لے جا سکتی۔ کیوں کہ ڈیوڑھی کا دروازہ پورا کھلا ہوا نہیں ہے۔

وہاں سے گزرنے کے لیے تمہیں کندھے سے اترنا پڑے گا اور جوں ہی تم میرے کندھے سے اتریں، تمہیں سب دیکھ لیں گے“۔

شگفتا نے ناامید ہو کر پوچھا:

”تو پھر اب کیا کیا جائے؟“۔

ماریا سوچ کر بولی:

”اس وقت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں مردانہ لباس پہن کر یہاں سے نکل جانا ہوگا“۔

”مردانہ لباس؟“۔ شگفتا نے تعجب سے پوچھا ”مگر میں یہاں سے مردانہ لباس کہاں سے لوں گی؟“۔

ماریا بولی:

”اس کا انتظام میں کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ چھپ کر بیٹھی رہو“۔

ماریا شگفتا کو اسی جگہ دیوار کی اوٹ میں چھوڑ کر محل کے اندر اس

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

جگہ آ گئی جہاں دیواروں کے ساتھ سپاہیوں کی وردیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ یہاں ایک چوکی دار پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر پر ایک وردی اتار لی۔ چوکیدار نے دیکھا کہ ایک وردی دیوار سے اپنے آپ دیوار سے اتری اور غائب ہو گئی ہے۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ مگر وردی اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ وہ حیرت کے مارے دیوار کو تکنے لگی۔

ماریا اسے پریشان چھوڑ کر بھاگتی ہوئی **شگفتا** کے پاس آ گئی۔ وردی اسے دے کر اس نے کہا کہ فوراً وردی پہن کر سپاہی بن جاؤ اور کوشش کرو کہ جلدی سے جلدی ڈیوڑھی میں سے گزر جاؤ۔

''ایک بات کا خیال رکھنا۔ سر کو جھکائے رکھنا۔ تمہارا چہرہ کوئی پوری طرح نہ دیکھنے پائے''۔

شگفتا نے وردی پہنی اور ڈیوڑھی کی طرف چل دی۔ وہ سپاہی کی طرح اکڑ کر مگر سر کو چھپائے چل رہی تھی۔ ماریا اس کے پیچھے تھی۔ ماریا نے اس خیال سے نیزہ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو وہ **شگفتا** کی حفاظت کر سکے۔ **شگفتا** ڈیوڑھی میں آ گئی۔ یہاں چار پانچ سپاہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ **شگفتا** ان کے قریب سے ہو کر گزرنے لگی تو ایک سپاہی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''یار تم کیوں سر جھکا کر چل رہے ہو؟ سپاہی بنو اور گردن اٹھا کر چلو''۔

شگفتا نے کوئی جواب نہ دیا اور سپاہی کا ہاتھ جھٹک کر آگے چل دی۔ سپاہی کو شک سا ہوا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر **شگفتا** کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اٹھا دیا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"یار تم کون ہو؟ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے"۔

چہرہ اوپر اٹھتا تھا کہ سپاہی یہ دیکھ کر چونکا کہ سپاہی کا چہرہ عورت کا تھا۔ اس وقت شگفتا ڈیوڑھی کے دروازے کے قریب آ گئی تھی۔ سپاہی نے شور مچا دیا۔

"یہ کوئی عورت جا رہی ہے"۔

ماریا نے پیچھے سے سپاہی کے نیزہ مار دیا۔ سپاہی نیچے گرا۔ شگفتا بھاگ اٹھی۔ سامنے گھوڑے کھڑے تھے۔ ماریا نے کہا:

"شگفتا، جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں بھی آ رہی ہوں"۔

ماریا بھی شگفتا کے پیچھے بھاگی۔ وہاں شور مچ گیا۔ سپاہی شگفتا کے پیچھے لپکے۔ شگفتا گھوڑے کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ اچھل کر گھوڑے پر چڑھ گئی۔ ایک سپاہی نے دور سے نیزہ اس کی طرف

پھینکا۔ نیزہ گھوڑے کے پاس گرا۔ گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ ماریا قریب آ گئی۔ سپاہیوں نے شگفتا کی طرف خنجر پھینکے جو سن کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گئے۔ ماریا اچھل کر گھوڑے پر شگفتا کے ساتھ ہی سوار ہو گئی۔

ماریا کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔ شگفتا بھی غائب ہو گئی۔ سپاہی جہاں کھڑے تھے، وہاں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

ان کے منہ کھلے تھے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک دوسرے سے یہی پوچھ رہا تھا کہ یہ ایک دم گھوڑا سوار سمیت کہاں اور کیسے غائب ہو گیا۔ لیکن گھوڑا سوار سمیت غائب ہو چکا تھا اور ماریا شگفتا کو لے کر گھوڑا دوڑاتی باغ سے نکل گئی تھی۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

باغ سے باہر آ کر ماریا نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا:

"بڑی مشکل سے جان بچی۔ اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو تم پکڑی جاتیں اور اس دفعہ بادشاہ کے حکم سے تمہیں ضرور مار دیا جاتا"۔

شگفتا نے کہا:

"ماریا بہن، میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اگر آج تم میری مدد نہ کرتیں تو میری جان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سخت خطرے میں پڑ گئی تھی"۔

"چلو اچھا ہوا۔ جان بچی سو لاکھوں پائے"۔

ماریا گھوڑا دوڑاتی شگفتا کو لے کر سمندر کے کنارے اس مقام پر آ گئی جہاں بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ اس نے کنارے پر پہنچ کر گھوڑا چھوڑ دیا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

شکنتلا جوں ہی گھوڑے سے اتری وہ نظر آنے لگی۔ ماریا اسے لے کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ وہاں جب عنبر نے شکنتلا کو دیکھا تو بے حد خوش ہوا۔ دونوں بہن بھائی ایک مدت کے بعد ملے تھے۔ خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دیر تک وہ ایک دوسرے کو اپنی مصیبتیں سناتے رہے۔ عنبر نے شکنتلا کا تعارف ناگ سے کروایا اور کہا:

"یہ بھی تمہارا ایک بھائی ہے شکنتلا بہن"۔

شکنتلا نے کہا:

"ناگ بھائی اور ماریا سے مل کر مجھے بھی خوشی ہوئی ہے"۔

عنبر اور ناگ نے ماریا کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اگر وہ محل کی تلاشی لینے نہ جاتی تو شکنتلا کا ملنا بڑا محال تھا۔ ناگ نے کہا:

"اب ہمیں جلد سے جلد اس جزیرے کو چھوڑ دینا چاہیے۔۔۔

کیوں کہ شکنتلا کے فرار کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے گی اور اس کے سپاہی جہاز پر حملہ کرنے آ رہے ہوں گے، اور یہ کچھ نہیں تو کم از کم وہ جہاز کو آگ ضرور لگا سکتے ہیں۔ ہم آگ کا مقابلہ کر سکیں گے"۔

عنبر نے کہا:

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم اسی وقت یہاں سے نکل چلتے ہیں۔ ہوا بھی مناسب چل رہی ہے"۔

ناگ تیزی سے مستول کے اوپر چڑھ گیا اور اس نے سارے بادبان کھول دیے۔ عنبر اور ماریا مل کر جہاز کا لنگر کھینچ رہے تھے کہ سامنے سے بادشاہ اپنے خونخوار وفادار سپاہیوں کی فوج سمیت آتا دکھائی دیا۔

سپاہی آگے آ رہے تھے۔ انہوں نے جہاز پر تیروں کی بارش کر دی۔ لنگر اٹھا دیا گیا تھا۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز جزیرے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کے ساحل کو چھوڑ کر کھلے سمندر کی طرف کھسکنا شروع ہو گیا۔ سپاہی کنارے پر آ گئے۔ بادشاہ نے چلا کر کہا:

"کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز پر حملہ کر دو۔ جہاز کو آگ لگا دو"۔

سپاہی کشتیوں میں سوار ہو کر جہاز کی طرف لپکے۔ انہوں نے جلتے ہوئے تیر پھینکنے شروع کر دیے۔ عنبر اور ناگ تیروں کی آگ بجھانے لگے جہاز اب سمندر کی طرف چل پڑا تھا۔

جہاز کنارے سے دور نکل چکا تھا۔ مگر سپاہی بھی اپنی کشتیوں پر جہاز کے آس پاس منڈلانے لگے تھے۔ کشتیوں میں سے جہاز پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ عنبر نے ناگ سے کہا:

"کیا خیال ہے ناگ؟"

ناگ بولا:

"اگر آپ حکم کریں تو میں اپنے نوکروں کو تکلیف دوں۔ یعنی

چھوٹے سانپوں کو بلا کر سپاہیوں پر حملہ کرا دوں؟"

شگفتا نے کہا:

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ لوگ ہمارے جہاز پر تو چڑھ نہیں سکتے۔ بس پیچھا ہی کریں گے اور یا تیر چلائیں گے۔ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ لوگ کچھ دور تک سمندر میں تعاقب کرنے کے بعد خود بخود واپس چلے جائیں گے"۔

ماریا نے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے ناگ بھائی۔ یہ لوگ اب ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہم ان کی زد سے کافی دور نکل آئے ہیں"۔

عنبر کہنے لگا:

"ان کو مزا چکھانے کے لیے ہم ان کی کشتیوں پر جوابی حملہ کرتے ہوئے جلتے تیر ضرور برسا سکتے ہیں۔ مجھے اس قسم کے تیروں کا پورا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ذخیرہ جمع ہے۔ میں ابھی جا کر لے آتا ہوں"۔

عنبر نیچے سے تیروں کا گٹھا اٹھا کر لے آیا۔ انہوں نے تیروں کو آگ لگا کر سپاہیوں کی کشتیوں پر برسانا شروع کر دیا۔ دشمن اس جوابی حملے سے بوکھلا گیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور اس میں دشمن کو مار بھگانے کے لیے ہر قسم کا ہتھیار موجود ہے۔ جلتے تیروں نے نہ صرف کئی سپاہیوں کو زخمی کر دیا بلکہ دو ایک کشتیوں میں آگ بھی لگا دی۔

سپاہیوں میں افراتفری مچ گئی۔ وہ کشتیاں واپس موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف تھا۔ دشمن اپنے زخموں کو سہلاتا شکست کھا کر جزیرے کی طرف بھاگ رہا تھا اور جزیرہ دور ہو رہا تھا۔

عنبر، ناگ، ماریا اور شگفتا جہاز کے عرشے پر کھڑے یہ تماشا بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"دشمن کس طرح دم دبا کر بھاگ رہا ہے"۔

دشمن بھاگ گیا۔ جزیرہ بہت دور رہ گیا۔ جہاز سمندر کے بیچ میں آ گیا۔

عنبر نے کہا:

"اب ہمیں نقشے کے مطابق جہاز کے رخ کو خاص سمت میں ڈالنا ہے تا کہ ہم ہندوستان کے ساحل پر پہنچ سکیں۔ مجھے بحری کپتان نے بتایا تھا کہ ہم اس جزیرے سے جہاز لے کر دو راتیں اور دو دن سمندر میں قطبی ستارے کے جنوب کی طرف سفر کرتے رہیں تو ہندوستان کے ساحل پر جا لگیں گے"۔

یہ لوگ نیچے کیبن میں گئے۔ وہاں انہوں نے نقشہ دیکھا اور اس کے مطابق اوپر آ کر جہاز کی چرخی کو ایک خاص سمت میں گھما دیا۔

بادبانوں کا رخ بھی قطبی ستارے کے جنوب کی طرف کر دیا۔ ہوا خوب چل رہی تھی اور جہاز ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چاروں بہن بھائی جہاز کے عرشے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر کہہ رہا تھا۔

''شگفتا بہن نے بھی بہت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ یہ آج ایک لمبی مدت کے بعد اپنے گھر بار کو واپس جا رہی ہے۔ ہم اسے مبارکباد دیتے ہیں''۔

شگفتا نے کہا:

''عنبر بھائی' میں آپ کا سب سے زیادہ شکریہ ادا کرتی ہوں، کیونکہ یہ آپ کی مدد ہی تھی جس نے میرا حوصلہ بلند رکھا اور میں نے ہر مصیبت پر فتح حاصل کی۔ نہیں تو میں اکیلی کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی''۔

جہاز اسی طرح دن رات سفر کرتا رہا۔ یہ ان سب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بڑی درست سمت میں سفر کر رہا تھے؛ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری دو راتیں اور دو دن سفر کرنے کے بعد انہیں دور سے ہندوستان کا ساحل دکھائی دینے لگا۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ شگفتا کا چہرہ سب سے زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنے گھر جا رہی تھی۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

خونی پل

آسمان بڑا روشن تھا۔

نیلے آسمان پر سورج اور سیاہ کالے سمندر کے پانی پر دھوپ چمک رہی تھی۔ عنبر، ناگ، ماریا اور شگفتا جہاز کے عرشے پر کھڑے بڑے شوق سے ہندوستان کے ساحل کو قریب آتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ ساحل ہندوستان کے کس حصے کا ہے۔ یہ تو وہ جانتے تھے کہ یہ ہندوستان کا جنوب مشرقی ساحل ہے اور شگفتا کا شہر بھی اسی خطے میں تھا۔

جہاز آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کنارے پر دور تک ناریل اور پام کے درختوں کے جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔ شاداب ہرے بھرے درخت سفید دھوپ میں چمک رہے تھے۔ آسمان پر مرغابیاں پرواز کر رہی تھی۔ ناگ نے شگفتا سے پوچھا۔

"کیا تم اس ساحل کو دیکھ کر کچھ اندازہ کر سکتی ہو کہ ہم کس علاقے میں ہیں؟"۔

شگفتا نے کہا:

"میں کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکتی، کیوں کہ میں کبھی شاہی محل سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ویسے یہ ملک میرا ہی ہے۔ یعنی ہندوستان ہی ہے اور اس کا جنوب مشرقی حصہ ہے"۔

عنبر کہنے لگا:

"یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ خیر کنارے پر جا کر اصل حالات کا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

علم ہوگا۔ میرا خیال ہے، ہمیں جہاز کنارے سے دور ہی کھڑا کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ کنارے پر پانی گہرا نہ ہو"۔

ماریا نے کہا:

"ہمیں چاہیے تھا کہ ہم اوپر کی طرف جا کر کہیں کنارے پر لگتے، کیوں کہ شکنتلا کے باپ کی ریاست ہندوستان کے شمال مشرق میں ہے۔ کیوں شکنتلا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں کیا؟"۔

شکنتلا نے کہا:

"بالکل شمال مشرق میں نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہ جنوب مشرق کے اوپر والے حصے میں ہے"۔

عنبر نے کہا:

"بہر حال کنارے پر اتر کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔

عنبر نے ناگ کے ساتھ مل کر جہاز کے بادبان لپیٹ دیے۔ اب جہاز بڑی سست رفتار کے ساتھ کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کنارے سے کچھ ہی دور جہاز رک گیا اور سمندر کی لہروں پر ڈولنے لگا۔

عنبر نے اعلان کیا:

"لنگر پھینک دیا جائے"۔

جہاز کا لنگر پھینک دیا گیا۔ لنگر سمندر کی تہہ میں جا کر پتھروں میں گڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز نے ڈولنا بند کر دیا۔ کشتی سمندر میں اتار دی گئی۔ اس کشتی میں شکنتلا، عنبر اور ماریا بیٹھ گئے۔ ناگ کو انہوں نے جہاز پر ہی چھوڑ دیا۔ اس نے اترنے کے لیے بہت زور لگایا مگر

عنبر نے کہا:

"ناگ! پہلی بار ماریا جہاز پر اکیلی رہی تھی۔ اب تمہاری باری ہے۔ فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تم انکار بھی نہیں کر سکتے۔

بس اب اس وقت تو تم ہی جہاز کی پہرے داری کرو گے۔ جب تک ہم یہ معلوم کر کے واپس نہیں آ جاتے کہ ہم کس جگہ پر آ گئے ہیں؟"۔

ناگ اب کیا کر سکتا ہے۔ وہ عنبر کی عزت اپنے بڑے بھائی سے بھی بڑھ کر کرتا تھا۔ مجبورا وہ جہاز پر پہرے داری کے لیے رک گیا۔ شگفتا، عنبر اور ماریا کشتی میں سوار ہو کر کنارے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنارہ وہاں سے بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہو گا۔ کشتی سمندر کے سیاہ پانیوں میں بڑے سکون کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں قریب آ کر واپس بھاگ جاتیں۔

کشتی کنارے کے ساتھ لگ گئی۔ عنبر نے کشتی کو ریت پر کھینچ کر جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ جزیرے کا یہ ساحل بے آباد تھا۔ انہوں نے اس سے پہلے اس قسم کے جانے کتنے ساحل دیکھے تھے بس یہ ساحل بھی ایسا ہی تھا۔ سب سے پہلی بات وہ یہ پتا کرنا چاہتے تھے کہ وہ اگر ملک ہندوستان میں ہیں تو اس ملک کے کس علاقے میں ہیں؟ اتنا انہیں جاپان میں ہی پتا چل گیا تھا کہ ہندوستان میں چندر گپت کی حکومت ہے اور پاٹلی پتر اس کا دارالحکومت ہے جہاں ملک ملک کے سفیر موجود ہیں۔ یہ بھی مشہور تھا کہ چندر گپت ایک انصاف پسند راجہ ہے اور اسکے ملک میں رعایا بڑی خوش حال ہے۔

ساحل کی ریت پر چلتے ہوئے وہ درختوں کی طرف بڑھے۔

دلچسپ بات کہ ریت پر شگفتا اور عنبر کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ ماریا کے پاؤں کے نشان بھی پڑ رہے تھے اور وہ نظر نہیں رہی تھی۔ گیلی ریت پر اپنے آپ پاؤں کے نشانوں کی لکیر پڑتی چلی جا رہی تھی۔

عنبر نے مسکرا کر شگفتا سے کہا:

"شگفتا بہن، اگر کوئی یہ تماشہ دیکھے کہ انسان نظر نہیں آ رہا اور اس

کے پاؤں کے نشان پڑتے جا رہے ہیں تو چیخ مار کر بھاگ جائے"۔

شگفتہ نے کہا:

"ہاں یہ تو بڑا عجیب تماشا ہے"۔

ماریا بولی:

میں خود بھی اپنے پاؤں کے نشانوں کو دیکھتی ہوں تو حیران ہو جاتی ہوں۔ مگر کیا کروں۔ اس مصیبت سے خدا جانے کب چھٹکارا ملے گا۔ میں تو غائب رہ رہ کر تنگ آ گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے میں بھی ظاہر ہو کر چلوں پھروں۔

مجھے بھی تم لوگ دیکھو اور مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرو۔ اب ہوتا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

یہ ہے کہ تم لوگ کسی دوسری طرف منہ کر کے مجھ سے باتیں کر رہے ہوتے ہو اور مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔

عنبر نے کہا:

"ایسی کوئی بات نہیں ماریا بہن، ہم تم سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں جتنا پیار کہ ایک بھائی اپنی بہن سے کر سکتا ہے اور پھر غائب ہو کر زندگی بسر کرنا تو ایک بڑا ہی دلچسپ کام ہے۔ اگر میں تمہاری طرح غائب ہو سکتا تو کبھی واپس ظاہر ہونے کی خواہش نہ کرتا"۔

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"بس اسی طرح دل بہلا لیتی ہوں۔ ویسے خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ تم غائب نہیں ہو، بلکہ لوگوں کی نظروں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہو"۔

وہ باتیں کرتے کرتے درختوں کے جھنڈوں کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں زمین پر لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا:

"شاید یہ علاقہ بے آباد ہے۔ ہمیں ذرا آگے جا کر جہاز کا لنگر ڈالنا چاہیے تھا"۔

ماریا بولی:

"ادھر تو آبادی کا کوئی نشان دکھائی نہیں دے رہا"۔

شگفتہ بولی:

"میرا خیال ہے، ہمیں اب بھی آگے چلے چلنا چاہیے، کیونکہ ادھر تو نہ کوئی انسان دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی ایسا راستہ نظر آتا ہے جس پر چل آدمی کسی جھونپڑے تک پہنچ جائے"۔

وہ واپس جہاز پر جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ انہیں ایک جانب سے درختوں میں دھواں اٹھتا نظر آیا۔ عنبر نے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہاں ضرور کوئی چھوٹی بستی ہے۔ چلو وہاں چل کر معلوم کرتے ہیں"۔

تینوں اس طرف چل دیے جدھر سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اب انہیں باتوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ وہ ذرا رک گئے اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگے۔

دھواں جھاڑیوں کے ایک گھنے جھنڈ کے پیچھے سے اٹھ رہا تھا۔ انہوں نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ وہاں دو آدمی آگ کے پاس بیٹھے چھال کی رسیاں بٹ رہے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ عنبر نے کان لگا کر سنا۔ وہ اپنی غریبی کا رونا رو رہے تھے کہ صبح سے انہیں کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ عنبر نے شگفتا اور ماریا کو اسی جگہ کھڑا کیا اور خود ان آدمیوں کے سامنے آ گیا۔

دونوں آدمی عنبر کو دیکھ کر کچھ ڈر سے گئے۔ عنبر نے کہا:

"آپ مجھ سے ڈریں نہیں۔ میں آپ کا بھائی ہوں اور بڑی دور سے سمندر میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں۔ پہلے مجھے یہ بتائیں کہ یہاں سے ریاست بمبی سار کتنی دور ہے؟"۔

ایک آدمی نے سر اٹھا کر کہا:

"بھائی! بمبی سار کی ریاست یہاں سے دو جنگل اور ایک دریا عبور کرنے کے بعد شروع ہوتی ہے، لیکن تم کہاں سے آئے ہو۔ بمبی سار میں تمہیں کیا کام ہے؟"۔

عنبر نے اب شگفتا اور ماریا کو بھی وہیں بلوا لیا۔ اس نے ان آدمیوں سے شگفتا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

"یہ ریاست بمبی سار کے راج کمار کی بیوی ہے۔ اس کا نام شگفتا ہے۔ ہم اسے اس کے راجکمار کے پاس چھوڑنے جا رہے ہیں"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

دونوں آدمیوں نے اٹھ کر شگفتا کے آگے جھک کر سلام کیا اور کہا:

"راج کماری جی! ہمارے بڑے بھاگ ہیں کہ آپ کے درشن ہو گئے۔ لیکن آپ کی ریاست میں تو سیناپتی نے بغاوت کر کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ آپ کے راج کمار کے بارے میں سنا ہے کہ اسے قید کر دیا گیا ہے"۔

شگفتا کا رنگ فق ہو گیا۔

"اور میرا بچہ؟"۔

دوسرے آدمی نے کہا:

"شاید وہ بھی راج کمار کے ساتھ ہی ہے۔ بھگوان ان کی حفاظت کرے۔ سیناپتی نے ریاست میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر آپ وہاں گئیں تو وہ آپ کو بھی گرفتار کر کے قید میں ڈال دے گا"۔

عنبر نے کہا:

"فکر کی کوئی بات نہیں شگفتا! ہم تمہیں لے کر تمہارے شاہی محل ضرور جائیں گے۔"

سیناچی کو اس کے ظلم کی ضرور سزا ملے گی۔ بھگوان سے دعا کرو کہ تمہارا راج کمار اور بچہ زندہ ہو۔ پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

عنبر نے آدمیوں کا شکریہ ادا کیا اور واپس جہاز پر ناگ کے پاس آ گئے۔ اس نے ناگ کو سارا قصہ کھول کر سنا دیا۔ انہوں نے سوچا کہ بجائے اس کے کہ وہ جہاز کو اسی جگہ کھڑا کر کے پیدل جنگل جنگل سفر کریں، یہ بہتر ہو گا کہ وہ جہاز پر ہی رہ کر اس دریا کی طرف سفر کریں جو راستے میں پڑتا ہے اور جسے عبور کرنے کے بعد ریاست بھی سار کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

سب نے اس تجویز کو پسند کیا؛ چنانچہ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے اور جہاز نے ہلکی رفتار کے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ شروع کر دیا۔

وہ رات گئے تک ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔

دوسرے روز صبح ہوئی تو انہوں نے ایک دریا کو دیکھا جو سمندر میں گر رہا تھا۔ عنبر نے کہا:

"یہی وہ دریا ہے جس کے پار ریاست بھی سار کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں دریا میں جہاز کو ڈالنے کے بجائے اسے اسی جگہ کہیں کھڑا کر دینا چاہیے"۔

ناگ بولا:

"یہی مناسب رہے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے، دریا کم گہرا ہو اور جہاز اس کی دلدل میں پھنس جائے"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے شگفتا سے پوچھا:

"شگفتا! کیا تمہیں یاد ہے کہ تمہاری ریاست کے باہر کوئی دریا بھی بہتا تھا؟"۔

شگفتا نے کہا:

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ یہ وہی دریا ہے جس کی کہانیاں میری بوڑھی ماں سنایا کرتی تھی۔ ضرور یہی وہ دریا ہے۔ ہم اپنی ریاست میں پہنچنے ہی والے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ جہاز کو اسی جگہ لنگر ڈال کر کھڑا کر دیتے ہیں"۔

جہاز کے بادبان لپیٹ کر اسے آہستہ آہستہ ساحل سے قریب لایا گیا۔ دریا کے سمندر میں گرنے کی وجہ سے یہاں پانی گہرا تھا۔ جہاز بڑی آسانی سے کنارے کے پاس آ کر رک گیا۔ فوراً اس کا لنگر ڈال دیا گیا۔ لنگر ڈالتے ہی انہوں نے رسے کی کشتی باہر پھینک دی۔

عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی! اب تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے، کیوں کہ ریاست میں سیناپتی نے بغاوت کر کے قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں تمہاری ضرورت پڑے گی"۔

ماریا نے کہا:

"کیا ہم اس جہاز کو اکیلا ہی چھوڑ دیں گے؟"۔

عنبر نے کہا:

"نہیں! اسے ہم اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں بھلا؟ اس میں تو لاکھوں اشرفیوں کا خزانہ ہے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"پھر اس جہاز کی چوکی داری کون کرے گا؟"۔

عنبر نے کہا:

"اس خزانے کی چوکی داری ناگ کے سانپ کریں گے۔ کیوں ناگ بھائی کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا تمہارے سانپ اس خزانے پر پہرہ دے سکیں گے"۔

ناگ بولا:

"کیوں نہیں عنبر بھائی' آخر وہ میرے نوکر ہیں۔ میرے غلام ہیں۔ میں ان کا شیش ناگ ہوں۔ وہ میرا ہر حکم ماننا اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔

"تو پھر انہیں بلا کر یہاں پہرے پر بٹھا دو"۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں انہیں"۔

ناگ جہاز کے عرشے پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دونوں ہاتھ اوپر ہوا میں اٹھا کر زور سے عرشے پر جھٹک دیے۔ اس کے ساتھ ہی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عرشے کے تختے پر اس کے سامنے ایک بہت بڑا اژدھا آ کر بیٹھ گیا۔ اس اژدہا کا رنگ سبز اور سیاہ تھا۔ سرخ آنکھوں میں شعلے چمک رہے تھے۔ اس نے اپنا زبردست پھن اٹھا رکھا تھا۔ ناگ نے کہا:

"سنو ناگ پھنی' اس جہاز کے نیچے ایک خزانہ ہے جس کے مالک ہم ہیں۔ تمہیں اس لیے یہاں بلایا ہے کہ ہم کچھ عرصے کے لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔ تم اس خزانے کی حفاظت کرنا اور خبردار کسی کو اوپر آ کر خزانہ چرانے کی اجازت نہ دینا۔ جس چور نے بھی ایسا کرنے کی کوشش کی، اسے اسی وقت ہلاک کر دینا' سمجھے؟"۔

ناگ پھنی اژدھا نے پھن جھکا دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو:

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔

اس نے ناگ سے کچھ کہا جسے صرف ناگ ہی سمجھ سکا۔ ناگ نے اٹھ کر عنبر سے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"یہ خزانے پر پہرہ دے گا۔ ہمیں بے فکر ہو جانا چاہیے۔ اب کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ خزانے کی ایک اشرفی بھی چرا سکے"۔

ناگ نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ اژدھا چپکے سے رینگتا ہوا نیچے خزانے کی طرف چلا گیا۔ نیچے جا کر وہ خزانے کے صندوقوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور پہرہ دینے لگا۔ اوپر عنبر، ناگ، شگنتا اور ماریا چاروں کے چاروں سیڑھیوں پر سے اتر کر کنارے پر آ گئے۔ ان کے سامنے اب دریا تھے۔ وہ دریا کو کشتی کے ذریعے عبور اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ خشکی پر سے اتنی دور کشتی لے جانا مشکل تھا۔ ناگ نے کہا:

"دریا پر کسی نہ کسی جگہ ضرور کوئی پل موجود ہو گا۔ یہ ریاست کی سرحد کا دریا ہے۔ اس قسم کے دریاؤں پر ضرور پل بنے ہوتے ہیں۔ ہمیں آگے چل کر معلوم کرنا چاہیے"۔

چاروں دریا کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چلنے لگے۔ ایک جگہ بیٹھ کر انہوں نے کچھ کھانا وغیرہ کھایا اور دریا کا پانی پیا۔ پھر آگے چل دیے۔ کافی دور چلنے کے بعد انہیں ایک پل نظر آیا جو بانس کے لٹھوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

وہ پل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پل کے دوسری جانب دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے یہ مینا چی کے سپاہی ہوں۔ اس لیے احتیاط سے آگے بڑھنا چاہیے۔

بات ٹھیک تھی۔ مگر پل عبور کرنا بہت ضروری تھا۔ عنبر نے کہا:

"شگفتا اور ماریا کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر خود جا کر معلوم کرتے ہیں کہ یہ سپاہی یہاں کیا کر رہے ہیں اور کیوں کھڑے ہیں؟"۔

عنبر اور ناگ پل پر آگے بڑھے۔

جب وہ سپاہیوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے نیزے تان کر

دونوں کو روک لیا۔

"کون ہو تم اور کہا جانا چاہتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہم مسافر ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ریاست بمسی سار میں جڑی بوٹیاں لینے آئے ہیں۔ کیا ہمیں پل عبور کرنے کی اجازت مل جائے گی؟"۔

ایک سپاہی نے کہا:

"کیا تم اکیلے ہو؟"۔

ناگ بولا:

"نہیں ہماری دو بہنیں بھی ہمارے ساتھ ہیں"۔

سپاہی ہنس کر بولے:

"پھر ان کو بھی ساتھ لاؤ۔ اکٹھے ہی پل عبور کرو۔ ہم تمہیں

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

اجازت دیتے ہیں۔ تم پل کے پار جا سکتے ہو"۔

ناگ اور عنبر نے سپاہیوں کا شکریہ ادا کیا اور ماریا اور شگفتا کو بھی ساتھ لے آئے۔ سپاہیوں نے پوچھا:

"تم تو دو بہنیں کہہ رہے تھے اور یہ ایک ہی بہن ہے تمہاری' دوسری کہاں ہے؟"۔

اصل میں عنبر سے یہ غلطی ہو گئی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ دوسری بہن ماریا تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اب اس نے بہانہ بنا کر کہا:

"مجھ سے بھول ہو گئی جناب' اصل میں ہماری یہی ایک بہن ہے۔ دوسری بہن تو بہت دور گھر پر رہتی ہے"۔

سپاہی نے شگفتا کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا اور بولا:

"جاؤ پہلے دوسری بہن گھر سے جا لاؤ۔ پھر اسے بھی لے جانا۔ اس عورت سے تو میں شادی کروں گا۔ میں کنوارا ہوں۔ ایک مدت سے ایسی خوب صورت عورت کی تلاش میں تھا"۔

ناگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ماریا ان کے قریب ہی کھڑی تھی۔ ایک سپاہی نے عنبر اور ناگ کی طرف نیزہ تان کر کہا:

"بھاگو یہاں سے۔ ایک دوسرے کا منہ کیا دیکھتے ہو۔ چلو بھاگ جاؤ واپس اور دوسری بہن کو بھی لاؤ۔ اس سے میں شادی کروں گا۔ ہم دونوں کنوارے ہیں"۔

وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ شگفتا کو سپاہیوں نے ایک طرف بٹھا دیا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی تھی، کیوں کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ سپاہی اپنی موت کو آوازیں دے رہے تھے۔ بھلا انہیں کیا ضرورت تھی، ایسی غنڈہ گردی کرنے کی لیکن برا آدمی برائی سے باز نہیں آتا اور جب تک اسے سزا نہ دی جائے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ عنبر نے پھر بھی نرمی سے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"بھائیو، ہماری بہن کو ہمارے ساتھ جانے دو۔ یہ ظلم نہ کرو۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ پھر ہمیں کیوں تنگ کرتے ہو۔ تمہارا بھلا ہو گا۔ ہمیں یہاں سے گزر جانے کی اجازت دے دو"۔

سپاہی زور سے ہنسے اور ایک سپاہی نے نیزہ عنبر کی ٹانگ میں مار کر کہا:

"اگر زیادہ بک بک کی تو تمہیں ابھی نیزہ مار کر ہلاک کر دوں گا اور تمہاری لاش کو دریا کی مچھلیاں کھائیں گی۔ تمہیں معلوم نہیں، ہم سینا پتی کے خاص سپاہی ہیں۔ ہمیں اجازت ہے کہ جو چاہے کریں۔ بغاوت میں ہم سینکڑوں آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ اس لیے تمہاری خیر اسی میں ہے کہ دونوں چپ چاپ واپس چلے جاؤ"۔

ناگ نے کہا:

"لیکن ہم اپنی بہن کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ہماری بہن ہمیں واپس کر دو۔ ہم بڑے آرام سے واپس چلے جائیں گے"۔

سپاہی نے ناگ کے سر پر زور سے نیزہ مارنا چاہا۔ ناگ پرے ہٹ گیا۔

"بد بخت، بھاگ جا یہاں سے۔ نہیں تو ابھی تمہارا خون کر دوں گا"۔

عنبر نے آخری بار پوچھا:

"کیا تم لوگ ہماری بہن کو آزاد نہیں کرو گے؟"۔

سپاہی نے نفرت سے تھوک کر کہا:

"کہہ جو دیا کہ نہیں آزاد کریں گے۔ بھاگو یہاں سے بندر کے بچو چلو بھاگو بھاگو"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں نے ناگ اور عنبر کو نیزے کے کچوکے لگانے شروع کر دیے۔ اب پانی سر سے گزر گیا تھا۔ دونوں کا صبر اب پورا ہو گیا تھا۔ ماریا یہ سب خاموشی سے ایک طرف کھڑی دیکھ رہی تھی۔ عنبر ماریا کی طرف اندازے کے مطابق دیکھ رہا تھا:

"ماریا آگے بڑھو اور ان لوگوں کو برائی کی سزا دو"۔

دونوں سپاہی قہقہہ مار کر ہنسے:

"بد بخت، اب کس کو بلا رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ابھی تمہیں پتا چل جائے گا۔ میں تمہاری موت کو بلا رہا ہوں"۔

"بکواس بند کرو"۔

اور سپاہی نیزہ اٹھا کر عنبر کو ہلاک کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا

کہ ماریا نے پیچھے سے آ کر سپاہی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ چیخ مار کر دریا میں دھڑام سے جا گرا۔

دریا کی لہروں نے اسے اپنے اندر چھپا لیا۔ دوسرا سپاہی گھبرا کر آگے بڑھا اور نیزہ ہوا میں بلند کر کے عنبر پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اسے بھی زور سے دھکا دے کر دریا میں گرا دیا۔ دونوں سپاہی دریا میں گر کر ڈوب گئے۔ وہ کچھ دور تک تیرتے رہے، لیکن چوں کہ سمندر کے قریب دریا کا پانی بے حد تیز تھا۔ اس لیے وہ لہروں میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔

ناگ نے کہا:

"شاباش ماریا! تم نے سینکڑوں لوگوں کے قاتلوں کو اس کی ٹھیک سزا دی۔ اٹھو شکنتلا بہن، اب آگے بڑھتے ہیں"۔

نقلی راجکمار

چاروں نے دریا کا پل عبور کرلیا۔

دریا کے دوسری جانب جنگل تھوڑی دور چلنے کے بعد ختم ہو گیا اور چھوٹے چھوٹے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں آبادی کے نشان بھی تھے۔ چاروں چلتے چلے گئے۔ کھیتوں میں سے گزر کر انہوں نے دیکھا کہ دور ریاست بھی سار کے شہر کی دیوار شروع ہو رہی ہے۔ شکنتلا نے کہا:

"یہی ہماری ریاست کی دیوار ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا

ہے۔ ہمیں احتیاط سے چلنا ہو گا۔ وہاں زبردست پہرہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے مینا چی کے سپاہی میری تلاش میں ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائیں گے۔ ناگ، میرا خیال ہے، ہم شکنتلا کو یہاں کسی محفوظ جگہ چھوڑ کر خود آگے بڑھتے ہیں اور ریاست کے اندر داخل ہو کر راج کمار سے جیل میں ملتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں راج کمار کو پھر سے تخت پر بٹھانا ہو گا۔ اس کی کھوئی ہوئی سلطنت اسے واپس دلانی ہو گی۔ پھر ہم شکنتلا کو یہاں سے لے جا سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر شکنتلا کو ہم یہاں کہاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا:

"یہاں کسی اچھی سی جگہ تم شگفتالا کے ساتھ آرام کرو۔ میں اور ماریا آگے جاتے ہیں۔ اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوئی تو اسی جگہ آ کر تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔ کیا خیال ہے؟"۔

ماریا بولی:

"میرا تو خیال ہے کہ یہ اچھا خیال ہے۔ ہمیں ویسا ہی کرنا چاہیے۔ یہ جو سامنے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ وہاں جھاڑیوں میں چھپ کر شگفتالا اور ناگ کچھ وقت گزار سکتے ہیں"۔

"کیوں ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

"جو آپ کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔ میں تیار ہوں۔ ان درختوں میں کسی جگہ ہم چھپ رہیں گے۔ بہر حال آپ لوگوں کا ہمیں انتظار رہے گا"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم پہلی فرصت میں تمہارے پاس آئیں گے۔ ماریا کو میں اس لیے ساتھ لیے جا رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے میرا راستہ آسان ہو جائے گا۔ جو کام میں نہیں کر سکوں گا وہ یہ کرے گی، کیونکہ یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی اور مجھے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ خدا کا نام لے کر چلیں"۔

پھر عنبر نے شگفتالا کو تسلی دی:

شگفتالا بہن، میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں تمہیں تمہارے خاوند اور بچے تک پہنچا کر دم لوں گا۔ فکر بالکل نہ کرو۔ تمہارا راج کمار جیل میں اپنے بچے کے ساتھ زندہ ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو سپاہیوں سے اس کی خبر مل جاتی۔

ہم سیدھے جا کر تمہارے راجکمار کو تمہاری زندگی اور اس کی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا:

"یہاں کسی اچھی سی جگہ تم شگفتا کے ساتھ آرام کرو۔ میں اور ماریا آگے جاتے ہیں۔ اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوئی تو اسی جگہ آ کر تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔ کیا خیال ہے؟"۔

ماریا بولی:

"میرا تو خیال ہے کہ یہ اچھا خیال ہے۔ ہمیں ویسا ہی کرنا چاہیے۔ یہ جو سامنے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ وہاں جھاڑیوں میں چھپ کر شگفتا اور ناگ کچھ وقت گزار سکتے ہیں"۔

"کیوں ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

"جو آپ کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔ میں تیار ہوں۔ ان درختوں میں کسی جگہ ہم چھپ رہیں گے۔ بہر حال آپ لوگوں کا ہمیں انتظار رہے گا"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم پہلی فرصت میں تمہارے پاس آئیں گے۔ ماریا کو میں اس لیے ساتھ لیے جا رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے میرا راستہ آسان ہو جائے گا۔ جو کام میں نہیں کر سکوں گا وہ یہ کرے گی، کیونکہ یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی اور مجھے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ خدا کا نام لے کر چلیں"۔

پھر عنبر نے شگفتا کو تسلی دی:

"شگفتا بہن! میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں تمہیں تمہارے خاوند اور بچے تک پہنچا کر دم لوں گا۔ فکر بالکل نہ کرو۔ تمہارا راج کمار جنگل میں اپنے بچے کے ساتھ زندہ ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو سپاہیوں سے اس کی خبر مل جاتی۔

ہم سیدھے جا کر تمہارے راجکمار کو تمہاری زندگی اور اس کی

آزادی اور سلطنت کی واپسی کی خوش خبری دیں گے۔ تمہاری سلطنت تمہیں ضرور واپس ملے گی۔

شکنتلا نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں رخصت کیا۔ ان کے جانے کے بعد ناگ نے ایک جگہ جھاڑیاں صاف کر کے زمین پر بچھا دیں اور شکنتلا سے کہا:

”بہن تم یہاں پر آرام کرو۔ میں پہرہ دیتا ہوں اور جنگل میں سے تمہارے لیے پھل وغیرہ توڑ کر لاتا ہوں“۔

شکنتلا گھاس پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ ناگ نے قریب ہی درختوں پر سے جنگلی پھل توڑے، پتوں کا پیالہ بنا کر اس میں پانی بھرا اور اسے لے کر شکنتلا کے پاس آ گیا۔ شکنتلا نے جی بھر کر پھل کھائے، پانی پیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

دوسری طرف عنبر اور ماریا دونوں چلتے چلتے سرحد کی دیوار کے

ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ شہر کے دروازے پر آ گئے۔ یہاں سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور شہر میں آنے جانے والوں سے پوچھ گچھ بھی کر رہے تھے۔

ماریا عنبر سے پہلے ہی ڈیوڑھی میں آ گئی اور ایک طرف کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی کہ عنبر کو اجازت ملے تو اس کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔

عنبر سے سپاہیوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ اور شہر میں کیوں جا رہا ہے۔ عنبر نے وہی اپنا پرانا جواب دہرایا کہ وہ ایک سنیاسی حکیم ہے۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہے اور جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی کرتا ہے۔

”مگر تم ریاست سی سار میں کیوں آئے ہو؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

سرکار! میں ایک سنیاسی حکیم ہوں۔ فقیر ہوں۔ ہمارے لیے سب شہر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ہمارا کام لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ بیماروں اور دکھی لوگوں کو سکھ پہنچانا ہے۔ ہم ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی شہر راستے میں آتا ہے وہاں ضرور جاتے ہیں کہ اگر شہر میں کوئی بیمار ہو تو اس کا علاج کریں۔

کوئی دکھی ہو تو اس کی خدمت کریں اور اسے سکھ پہنچائیں۔ اگر آپ کا کوئی عزیز بیمار ہو تو مجھے بتائیں۔ میں آپ کے بیمار کا علاج کر کے فوراً اسے ٹھیک کر دوں گا۔

سپاہی عنبر کی باتوں سے کافی متاثر ہوئے۔ انہوں نے عنبر کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر ماریہ کو ساتھ لے کر شہر میں آ گیا۔ شہر میں آتے ہی اس نے پہلی بات یہ دیکھی کہ لوگوں پر ایک

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

خوف، ایک دہشت سی چھائی ہوئی تھی۔

جگہ جگہ سیناپتی کے سپاہی تلواریں اور تیر کمان لیے پھر رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سیناپتی سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ سب لوگ راج کمار سے پیار کرتے ہیں اور انہیں راجکمار کے تختہ اُلٹنے کا صدمہ ہے۔

یہ بات عنبر کو اچھی لگی۔ اگر عوام ساتھ ہوں تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا! ہمیں سب سے پہلے کسی سرائے میں جا کر اترنا ہوگا۔ وہاں سے پھر ہمیں راج محل میں داخل ہونے کی کوشش کرنی ہوگی"۔

"ٹھیک ہے عنبر بھائی"۔

لوگوں سے پوچھتے پوچھتے عنبر اور ماریا ایک سرائے میں آ گئے۔ یہ سرائے زیادہ بڑی نہیں تھی۔ مگر انہیں رہنے کے لیے ایک اچھا سا کمرہ

مل گیا۔ عنبر کی جیب میں کافی اشرفیاں تھیں۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ میں یہاں سے کچھ تحفے خریدتا ہوں اور پھر سیناپتی کے دربار میں جا کر انہیں پیش کرتا ہوں۔ اس طرح مجھے اندر جانے کی اجازت مل جائے گی اور ہم دونوں محل کے اندر جا کر اپنا کام آسانی سے کر سکیں گے"۔

"اچھا خیال ہے"۔

عنبر نے اسی روز ایک شاندار گھوڑا خریدا۔ ساتھ ہی ہزاروں روپے کے بڑے قیمتی تحفے تحائف خریدے اور ماریا کو ساتھ لے کر راج محل کے دروازے پر عنبر اس شان سے آیا کہ وہ شاندار شاہی لباس پہنے سفید گھوڑے پر سوار تھا اور چار غلاموں نے سروں پر تحفوں کے تھال اٹھا رکھے تھے۔

شاہی محل کے پہریداروں نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"جناب کی تعریف اور جناب کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا:

"سیناپتی جی سے جا کر کہو کہ جنوبی ہند کی ایک ریاست کالانی کا راج کمار آپ سے ملنے کی آرزو لے کر آیا ہے"۔

سیناپتی کو اطلاع ملی کہ ریاست کالانی کا راج کمار آیا ہے تو وہ خود باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوش شکل نوجوان سفید گھوڑے پر سوار بڑی شان سے بیٹھا ہے۔

عنبر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ سیناپتی نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگایا۔ اس نے نیا نیا تخت الٹا تھا۔ اسے ضرورت تھی کہ ہندوستان کی باقی ریاستوں کے شہزادے اسے تسلیم کر لیں۔ یہی وجہ تھی کہ عنبر کی خوب آؤ بھگت کر رہا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"راج کمار جی، اندر تشریف لے چلیں۔ یہ محل بھی آپ ہی کا ہے"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے تحفے پیش کیے اور کہا:

سیناپتی جی، ہم ایک مہینے سے شکار پر نکلے ہوئے ہیں۔ آپ کی ریاست سے کافی دور ہمارا کیمپ لگا ہے۔ ہم نے سوچا کہ قریب آئے ہیں تو کیوں نہ آپ سے ملاقات کر لی جائے۔ ہمیں یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے ظالم راج کمار کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔

بھگوان کا شکر ہے کہ اب ریاست میں انصاف کا دور دورہ ہو گیا ہے۔ لوگوں کے چہروں پر خوشی اور مسرت کی چمک ہے۔

سیناپتی یہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ ریاست کالاونی کے راج کمار نے بھی اس کی سلطنت کو مان لیا ہے اور وہ اس سے مطمئن ہے اس نے کہا:

"راج کمار جی، آپ کی مہربانی ہے۔ میں تو ہر دم عوام کی سیوا یعنی خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے ریاست کے لوگوں کو ایک ظالم راج کمار سے نجات دلائی اور خود تخت پر بیٹھ گیا تا کہ غریبوں کے ساتھ انصاف ہو سکے"۔

عنبر نے کہا:

"آپ کو ہزار بار مبارک ہو۔ آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ساری دنیا آپ کی تعریف کر رہی ہے اور ریاست کے لوگ تو صبح اٹھتے ہی پہلے آپ کا نام لیتے ہیں۔ اور پھر روٹی کھاتے ہیں"۔

"بھگوان کی مہربانی ہے۔۔۔ آپ اندر محل میں تشریف لے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

چلیں ناں"۔

سیناپتی عنبر کو ساتھ لے کر شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔ ماریا بھی عنبر کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ جس محل میں داخل ہونے کے لیے عنبر اور ماریا کو خدا جانے کیا کیا جتن کرنے پڑتے اس کے اندر وہ ہوشیاری سے کام لے کر بڑی آسانی سے داخل ہو گئے تھے۔ سیناپتی نے عنبر کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا۔ شام کو کھانے پر وہ عنبر کو راج کمار سمجھ کر دیر تک باتیں کرتا رہا۔

عنبر سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ریاست کے راج کنور اور اس کے بچے کا کیا حال ہے؟ وہ کس عالم میں ہیں؟ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ عنبر نے سیناپتی سے پوچھا۔

"راج کنور اور اس کے بچے کو آپ نے ابھی تک قتل کیوں نہیں کیا؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے کہ ریاست میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راج کنور سے بہت لگاؤ رکھتے ہیں۔ بس صرف ان کے خیال سے میں نے ابھی راج کنور کو قتل نہیں کروایا کہ کہیں ملک میں بغاوت نہ ہو جائے۔ یہ لوگ ختم ہو جائیں گے تو راج کنور اور اس کے بچے کو بھی ختم کرا دوں گا"۔

عنبر نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ راج کنور اور بچہ ابھی زندہ ہیں، ورنہ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہوتی تو شگفتا کو کیا منہ دکھاتا؟ اس نے سیناپتی سے کہا:

"یہ بھی آپ کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن راج کنور کو ایسی جگہ قید کرنا چاہیے کہ جہاں سے وہ ہرگز فرار نہ ہو سکے"۔

سیناپتی ہنس کر بولا:

"اس کی آپ فکر نہ کریں راج کمار جی۔ راج کنور اور اس کے بچے کو ہم نے اس قلعے کی سب سے نچلی کالی دیواروں والی کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے۔ اس کوٹھڑی میں جانے کے لیے قلعے کی سرنگوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر میرے جانباز سپاہی پہرہ دے رہے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بہت خوب، بہت خوب، بس میں یہی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ ظالم کو ایسی جگہ بند کریں جہاں سے وہ پھر کبھی باہر نہ نکل سکے"۔

سیناپتی بولا:

"بھگوان نے چاہا تو اب وہ وہاں سے کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ بس کچھ دنوں کے بعد میں ان دونوں کو ہلاک کر دوں گا۔ میں ان کے زندہ رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کوئی دن کی بات ہے ذرا لوگوں کا جوش کم ہوا تو میں اسی وقت کنور کر مروا دوں گا"۔

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی"۔

کھانے کے بعد عنبر اپنے شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔ یہاں ماریا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ماریا کو عنبر نے سب کچھ بتا دیا کہ راج کنور اپنے بچے کے ساتھ اس قلعے کی سب سے نچلی میں کالی دیواروں والی کوٹھڑی میں قید ہے اور وہاں تک راستہ سرنگوں کے ذریعے جاتا ہے۔ ماریا نے کہا:

"یہ باتیں تو میں بعد میں بھی سن لوں گی۔ پہلے مجھے کھانے کو کچھ دو۔ بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اوہو! تمہارے لیے کھانا لانا تو میں بھول ہی گیا۔ اچھا ابھی جا کر لاتا ہوں"۔

ماریا نے کہا:

"نہیں نہیں، اب اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود شاہی باورچی خانے میں جا کر کھا لوں گی۔ تم آرام کرو۔ میں ابھی کھانا کھا کر آتی ہوں۔ میں نے شاہی باورچی خانہ دیکھ لیا ہے اور پھر تمہارا وہاں جا کر کھانا طلب کرنا اچھی بات نہیں"۔

ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی شاہی باورچی خانے میں آ گئی۔

یہاں قسم قسم کے لذیذ اور سینکڑوں طرز کے کھانے اور مٹھائیاں تیار ہو رہی تھیں ایک کالا موٹا آدمی بیٹھا گرم گرم پوریاں تل رہا تھا۔ حلوہ پلیٹ میں پاس پڑا تھا۔ ماریا اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ پوریاں تھالی میں رکھتا جاتا تھا اور ماریا اسے اٹھا اٹھا کر کھاتی جاتی تھی۔

موٹے نے جب دیکھا تو تھالی میں سے پوری غائب ہو رہی ہیں تو بڑا اسٹ پٹایا۔ تعجب سے ادھر ادھر دیکھا مگر پوریاں پہلے کی طرح پھر بھی غائب ہو رہی تھیں۔ اس نے غور سے دیکھا تو حلوے کی پلیٹ بھی خالی تھی۔

"ابے کم بختو، میری پوریاں اور حلوہ کون اٹھا کر لے گیا؟"۔

ماریا ہنستی ہوئی واپس آ گئی۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کال کوٹھڑی

خوب اچھی طرح کھا پی کر ماریا واپس آ گئی۔

عنبر نے اسے سب کچھ سمجھا دیا کہ راج کنور کس جگہ پر قید ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ اب یہ معلوم کرنا اس کا کام ہے کہ سرنگوں کو راستہ کہاں جاتا ہے۔ ماریا نے عنبر کو تسلی دی کہ وہ آج ہی رات کو یہ معلوم کرے گی۔ اور راج کنور سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گی۔

عنبر خود یہ کام نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اسے ہر کوئی دیکھ سکتا تھا، جب کہ ماریا کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ غائب حالت میں تھی اور اس کے لیے یہ کام بہت آسان تھا۔ عنبر سے الگ ہو کر ماریا محل میں آ گئی۔

یہاں آ کر اسے اب یہ پتا کرنا تھا کہ سرنگوں کو راستہ کہاں سے جاتا ہے؟ وہ ظاہر ہے کسی سے پوچھ تو سکتی نہیں تھی۔ اندازے کے مطابق وہ محل میں ایک راستہ نیچے جاتا دیکھ کر سیڑھیاں اتر کر محل کی نچلی منزل میں آ گئی۔

یہاں اسے کچھ سپاہی پہرہ دیتے نظر آئے۔ وہ ان کے قریب سے ہو کر آگے گزرنے لگی تو اس نے سنا وہ آپس میں راج کنور کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ بڑی دبی زبان میں افسوس کا اظہار کر رہے تھے کہ سیناپتی نے راج کنور کو ننھے بچے کے ساتھ جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔ ماریا کھڑی ہو کر ان کی باتیں سننے

گئی۔ ایک سپاہی بولا:

”سیتا جی نے راج کنور کے بچے کو بھی قید کر دیا۔ وہ تو معصوم تھا۔ بھلا اس کا کیا قصور تھا۔ اسے قید نہیں کرنا چاہیے تھا“۔

دوسرا بولا:

”بھائی! ہم اس معاملے میں دخل دینے والے کون ہیں۔ جو ہوا اچھا ہوا۔ ہمیں تو اپنی نوکری کرنی ہے۔ یہ تو راجاؤں کی باتیں ہیں۔ راجہ جانے یا بھگوان جانے“۔

تیسرا سپاہی بولا:

”سنا ہے چندر گپت بھی بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کے خلاف بھی پاٹلی پتر کے راج محل میں سازشیں ہو رہی ہیں۔ نیک دل راجہ ہے۔ اسے بھی کسی نے مار ڈالا تو ہندوستان پر قیامت آ جائے گی“۔

پہلے سپاہی نے کہا:

”ارے کم بختو، یہ کہو کہ راج کنور کے بچے کو دودھ پلایا ہے یا نہیں؟ چوری چھپے اگر یہی کام ڈھنگ سے کر دیا کرو تو بھگوان تم پر راضی ہو جائے گا“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”ارے میں تو بھول ہی گیا۔ ابھی جا کر ننھے راجکمار کو دودھ پلاتا ہوں“۔

وہ سپاہی اٹھا اور دودھ کا کٹورا لے کر ایک طرف کو چل دیا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سپاہی سرنگوں میں سے ہوتا، دوسرے سپاہیوں کو سلام کرتا، کٹورے کو دھوتی کے اندر چھپائے ایک کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچا جس کے باہر دو سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ پہریدار نے پوچھا:

”کیوں بھئی! اب کیا لینے آئے ہو؟“۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نے کہا:

"بھائی بھگوان سے ڈرتا ہے۔ ایک تولہ بھر دودھ راج کنور کے بچے کو دینے آیا ہوں۔ اگر اجازت دو تو اندر جا کر دودھ دے آؤں"۔

پہرے دار نے کٹورا اس کے ہاتھ سے چھین کر کہا:

"بھاگ جاؤ یہاں سے باغی، اگر پھر کبھی ایسی جرات کی تو سیناپتی سے شکایت کر کے تمہاری گردن اڑا دوں گا"۔

سپاہی ڈر کر واپس چلا گیا۔ پہرے داروں نے کٹورے کا دودھ آپس میں پی کٹورہ دور پھینک دیا۔ ماریا جس بات کی تلاش میں تھی اس کا سراغ اسے مل گیا تھا۔ راج کنور اپنے بچے کے ساتھ اسی کوٹھڑی میں بند تھا۔ اچانک اندر سے کسی ننھے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ یہ راج کنور اور شکنتلا کا بچہ تھا جو شاید بھوک کی وجہ سے رو رہا تھا۔ پہرے داروں کے دل پر بچے کے رونے کا ذرا اثر نہ ہوا۔ وہ آپس میں اسی طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ ماریا کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگی جس سے وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو سکے۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کوٹھڑی کے اندر سے راج کنور نے دروازہ کھٹکھٹا کر کہا:

"بچے کو بھوک لگی ہے۔ اس کے لیے دودھ چاہیے"۔

پہرے دار نے زور سے کہا:

"اس کو دن میں ایک وقت دودھ پلانے کا حکم ہے۔ وہ ہم نے پلا دیا ہے۔ اب اسے دودھ نہیں ملے گا"۔

راج کنور خاموش ہو گیا۔ بچہ روتا رہا۔ ماریا وہاں سے واپس آ گئی۔ باورچی خانے میں آ کر اس نے تازہ دودھ کا ایک کٹورہ لیا اور دوبارا سرنگ میں کال کوٹھڑی کے باہر آ گئی۔ اب معاملہ یہ تھا کہ

کوٹھڑی کے اندر کیسے جایا جائے؟ کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا وہ دیر تک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔

پہریدار وہاں سے ادھر ادھر نہیں ہو رہے تھے۔ کافی دیر گزر جانے پر' ایک آدمی دودھ اور کھجوریں لے کر آیا۔ شاید صبح ہو گئی تھی اور یہ راج کنور اور اس کے بچے کا روز کا ناشتا آیا تھا۔

اس آدمی کو آتے دیکھ کر پہرے دار نے آگے بڑھ کر دودھ اور کھجوریں لے لیں۔ وہ آدمی چلا گیا تو پہرے داروں نے دودھ خود پی لیا اور کھجوریں رومال میں باندھ کر دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔

ماریا اتنی دیر سے بس اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی دروازہ کھلا' پہرے دار کے ساتھ ماریا بھی کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی۔

کوٹھڑی میں ایک طرف مٹی کا ننھا سا دیا جل رہا تھا۔ گھاس پر ایک بچہ پڑا بھوک سے بلک بلک کر سو گیا تھا۔ پاس ہی گھاس پر ایک دبلے پتلے جسم والا لیکن خوبصورت نوجوان بیٹھا تھا۔ یہ راج کنور تھا۔ اور شکنتلا کا خاوند تھا۔ اسی کی تلاش میں وہ لوگ یہاں تک آئے تھے۔ کسی نے ماریا کو نہ دیکھا۔

ماریا چپکے سے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔ پہریدار نے کھجوروں کی پوٹلی راج کنور کے آگے پھینکی اور باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے باہر تالا ڈال دیا۔ دیے کی ہلکی ہلکی روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ راج کنور نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور کمزور آواز میں کہا:

”اے میرے رب! تو ہی سب کا مالک اور ان داتا ہے۔ مجھے موت دے دے مگر اس معصوم بچے کو بھوک سے بچا لے!“۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے یہی موقع اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا سمجھ کر کہا:

”راج کنور! تمہارے رب نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے۔ میں ایک زندہ عورت ہوں، مگر جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے راج کنور کو دیکھ رہی ہوں۔ مگر تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ سب سے پہلے تو یہ دودھ لو۔ خود بھی پیو اور بچے کو بھی پلاؤ۔ پھر تم سے باتیں ہوں گی“۔

راج کنور حیرانی سے جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا:

”اے عورت، تو جو کچھ کہہ رہی ہے کیا سچ ہے؟ کیا سچ مچ تم کوئی روح نہیں ہو بلکہ ایک عام عورت ہو اور تمہیں جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا ہے؟“۔

ماریا نے کہا:

”اس کا ثبوت تمہیں ابھی مل جائے گا راج کنور۔ لیکن سب سے پہلے تم بچے کو دودھ پلاؤ۔ میں یہ دودھ تمہارے محل کے شاہی باورچی خانے سے لائی ہوں“۔

ماریا نے کٹورا راج کنور کے آگے رکھ دیا۔ کٹورا زمین پر رکھتے ہی ظاہر ہو گیا؛ ورنہ ابھی تک وہ ماریا کے ہاتھ میں تھا اور غائب تھا۔ راج کنور نے کٹورا اٹھا کر بچے کو جی بھر کر دودھ پلایا۔ بھوکے بچے نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور سو گیا۔ راج کنور نے کھجوروں کے ساتھ خود بھی تھوڑا سا دودھ پیا اور بولا:

”اے نیک دل عورت، اب مجھے بتا کہ تو کون ہے اور یہاں کیا کرنے آئی ہے؟“۔

ماریا نے کہا:

”راج کمار! میری باتوں کو غور سے سننا۔ میں جو کچھ کہوں گی۔ سچ

کہوں گی۔ میرا نام ماریا ہے۔ میں جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہوں۔ یہ کام ایک زبردست جادوگر نے کیا تھا؛ بہر حال میرے ساتھ میرے دو بھائی عنبر اور ناگ بھی ہیں۔ یہ دونوں بڑے نیک اور اپنی طاقت کے آدمی ہیں۔

عنبر اس وقت شاہی محل میں ہے۔ وہ مر نہیں سکتا۔ اس میں یہ طاقت ہے۔ ناگ جس روپ میں چاہے آ سکتا ہے اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ تمہاری بیوی شگفتہ بھی ہمارے ساتھ ہے“۔

یہ سننا تھا کہ راج کنور تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

”کیا تم سچ کہہ رہی ہو ماریا بہن؟ کیا میری پیاری بیوی شگفتہ زندہ ہے؟ کیا میرے بچے کی ماں، شگفتہ زندہ ہے؟ اس دنیا میں ہے؟“۔

ماریا نے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

راج کنور! میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں جو کہوں گی' سچ کہوں گی۔ تم یقین کرو کہ تمہاری بیوی شگفتا اس وقت تمہاری ریاست کی سرحد سے باہر ایک جگہ ہمارے بھائی ناگ کے ساتھ محفوظ ہے۔

اس نے تم تک پہنچنے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ میرے بھائی عنبر نے اسے ایک جزیرے میں ڈاکوؤں سے چھڑایا تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک شگفتا کو اس کے گھر نہیں پہنچائے گا۔ اپنے گھر نہیں جائے گا۔ اس وقت عنبر ایک نقلی راج کمار کے روپ میں مینا چی کے محل میں اترا ہوا ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔ چونکہ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا، اس لیے چپکے سے تمہاری تلاش میں آ گئی۔

سرحد میں آ کر ہمیں پتا چلا کہ مینا چی نے تختہ الٹ کر تمہیں قید کر

دیا ہے۔ شگفتا بے چاری تمہاری اور بچے کی خیریت کے بارے میں بے حد پریشان ہے۔ اب میں سب سے پہلے اسے جا کر اطلاع کروں گی کہ تم خیریت سے ہو۔ اس کے بعد تمہارا تخت تمہیں واپس دلایا جائے گا۔

راج کنور بولا:

"ماریا بہن! اتنا بڑا کام تم لوگ کیسے کر سکو گے؟" مینا چی نے سب کو ساتھ ملا رکھا ہے"۔

"کچھ بھی ہو، رعایا اور سپاہیوں کی بڑی تعداد تمہارے ساتھ ہے"۔

"بھگوان کے لئے تم میری بیوی کو جا کر اطلاع کرو کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بچہ بھی خیریت سے ہے۔ کیا تم کسی طرح مجھے اس کے پاس نہیں لے جا سکتیں۔ کاش میں اپنی بیوی سے جلدی مل سکتا۔ میرا

بچہ اپنی ماں کی گود میں آرام کرتا"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا:

"ہم یہی کوشش کر رہے ہیں۔ میں سب سے پہلے تمہیں یہاں سے نکالوں گی۔ تمہیں شکنتلا کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں تمہارا تخت واپس دلایا جائے گا"۔

راج کنور بولا:

"بھگوان تمہاری مدد کرے۔ تم لوگ ایک بہت ہی نیک کام کر رہے ہو۔ مجھے راج تخت کی پرواہ نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بچے اور شکنتلا کو لے کر یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں اور وہاں جا

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کر محنت مزدوری کر کے گزارہ کروں"۔

ماریا نے کہا:

"نہیں راج کنور، یہ راج تخت تمہارا ہے۔ سیناپتی ظالم ہے۔ اس سے رعایا تنگ ہے۔ ہم نے شہر میں کسی آدمی کے چہرے پر خوشی نہیں دیکھی۔ ہر کوئی تمہیں یاد کرتا ہے اور سیناپتی سے نفرت کرتا ہے۔ ہم تمہیں تمہارا تخت ضرور واپس دلائیں گے۔ اب میں جاتی ہوں۔ پھر میں آؤں گی۔ تم تیار رہنا۔ شاید کل رات کو ہی تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا"۔

راج کنور نے کہا:

"مگر تم جاؤ گی کیسے؟ باہر سے پہرے داروں نے تالا ڈال رکھا ہے"۔

"ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔

اتنا کہہ کر ماریا نے دروازے کے قریب منہ کر کے باہر کو آواز دی:

"پیارے دروازہ کھولو۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں تم سے شادی کرنے آئی ہوں"۔

باہر کھڑے پہریدار نے جو یہ آواز سنی تو جلدی سے یہ سوچ کر دروازہ کھول دیا کہ کہیں سچ مچ اس کی بیوی تو اندر قید نہیں کر دی گئی۔ اس وقت وہ بالکل آواز سن کر پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے جوں ہی دروازہ کھولا۔

ماریا چپکے سے باہر کھسک گئی۔ پہریدار نے اندر جھانک کر اچھی طرح دیکھا اور راج کنور سے ڈانٹ کر پوچھا:

"کیوں بے کون عورت یہاں بول رہی تھی؟"۔

راج کنور نے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تو کسی عورت کی آواز نہیں سنی۔ مجھے کیا معلوم اندر کون بول رہی تھی۔ یہاں تو سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے"۔

پہرے دار نے ادھر ادھر جھانک کر دوبارہ دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ حیران سا ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا۔

راج کنور کے دل میں خوشی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کی بیوی شگفتا زندہ ہے اور شہر کے باہر کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ پہلے اسے یقین نہ آیا پھر اس نے سوچا کہ آخر ایک غائب عورت کو اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ ضرور سچ بول رہی ہے۔ وہ اسے یہاں سے نکلوانے اپنے بھائی کے ساتھ ضرور واپس آئے گی۔

ماریا نے شاہی مہمان خانے میں عنبر کو جاتے ہی سارا قصہ سنا دیا کہ راج کنور قید میں پڑا ہے اور اسے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ عنبر نے کہا:

"شاباش! مجھے خوشی ہوئی کہ ہم اپنے کام کے پہلے حصے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم نے پہلی منزل کو مکمل کر لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ راج کنور اور اس کے بچے کو کیسے نکالا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کو یہاں سے نکال کر شہر سے باہر ناگ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ پھر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے جہاز میں بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد ہم سیناپتی سے نمٹ لیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟"۔

ماریا نے کہا:

"میرا خیال بھی یہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آج رات راج کنور اور اس کے بچے کو قید سے باہر جنگل میں پہنچا دیا جائے"۔

"مگر یہ سب کچھ کیسے ہو گا۔ نیچے بھی پہرہ لگا ہے۔ شہر کے دروازوں پر بھی سپاہیوں کا زبردست پہرہ ہے۔ آخر ان لوگوں کو

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے کیسے نکالا جائے گا؟"۔

ماریا بولی:

"اس کے لیے ہم سلامبو کی لاش سے مدد لے سکتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"میں سلامبو کی لاش سے اتنا چھوٹا کام نہیں لینا چاہتا۔ میں راج کنور کا تخت واپس لینے میں سلامبو سے مدد لوں گا۔ راج کنور کو یہاں سے باہر میں خود نکالنا چاہتا ہوں"۔

"تو پھر ہم ناگ کی مدد لے سکتے ہیں۔ وہ سانپ بن کر راج کنور کی حفاظت کر سکتا ہے اور میرے ساتھ دشمنوں کو ہلاک کرتا اسے یہاں سے نکال سکتا ہے"۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ناگ کو بلایا جائے اور شگنتلا کو وہاں سے جہاز پر خزانے والے اژدہا کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اس کام کے لیے

ماریا روانہ ہو گئی۔ شہر سے باہر جا کر اس نے شگنتلا کو راج کنور کی خیریت کی اطلاع دی اور ان دونوں کو لے کر جہاز کی طرف چل دی۔

ماں کا لال

ناگ اور ماریا شگفتا کو جہاز پر اژدہا کے حوالے کرتے ہوئے ناگ نے کہا:

"اے اژدہا، تمہارا فرض ہے کہ تم نے خزانے کے ساتھ ساتھ میری بہن شگفتا کی بھی حفاظت کرو۔ ہم ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ اس جہاز پر تمہیں خزانے کے ساتھ شگفتا کی بھی رکھوالی کرنی ہوگی"۔

اژدہا نے سر ہلا کر ناگ سے کہا:

"اے شیش ناگ، میں آپ کا خادم ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ جب آپ واپس آئیں گے تو شگفتا اور خزانہ۔۔۔ آپ کی دونوں امانتیں ویسی کی ویسی ہوں گی"۔

ناگ نے شگفتا سے بھی یہی کہا کہ وہ گھبرائے نہیں اور اطمینان سے وہاں بیٹھی رہے اسے کسی قسم کی تکالیف نہیں پہنچے گی۔ اژدہا اس کی ہر طرح سے حفاظت کر سکتا ہے۔

وہ راج کنور کو لے کر جلد واپس آ جائیں گے۔ شگفتا کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کہہ رہی تھی:

"خدا کرے کہ آپ لوگ کامیاب ہوں اور میں جلد اپنے خاوند اور پیارے بچے کی شکل دیکھ سکوں"۔

ماریا اور ناگ جہاز میں سے نکل کر شہر کی طرف آ گئے۔ شہر کے دروازے کے باہر جھاڑیوں کے جھنڈ میں پہنچ کر ماریا نے ناگ سے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کہا کہ وہ اپنا روپ بدل لے، کیوں کہ شہر کے دروازے پر پہرہ ہے اور اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

ناگ نے کہا کہ اس نے اگر سانپ کا روپ اختیار کیا تو ڈیوڑھی میں سے گزرتے ہوئے سپاہیوں کی نظر اس پر پڑ سکتی ہے۔ اس لیے وہ سانپ کی بجائے ایک فاختہ کی شکل اختیار کرے گا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا۔ اور وہ دوسرے لمحے انسان کی بجائے ایک بادامی رنگ کی فاختہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ماریا اور وہ شہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔ ماریا دروازے میں سے آسانی سے گزر گئی۔

ناگ بھی فاختہ کی شکل میں اوپر اڑتا ہوا شہر کے اندر آ گیا۔ اب وہ شاہی راج محل کی طرف جا رہے تھے۔ فاختہ نے ماریا کے قدموں کے نشانوں پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ فاختہ ماریا کے اوپر ساتھ ساتھ اڑتی

چلی جاری تھی۔

ماریا راج محل میں داخل ہو گئی۔ فاختہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ ماریا سیدھی شاہی مہمان خانے میں عنبر کے پاس آ گئی۔ عنبر دوپہر کے کھانے کے بعد ابھی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ ماریا نے آ کر کہا:

"میں ناگ کو لے آئی ہوں عنبر بھائی"۔

عنبر نے کہا:

"بہت اچھا کیا۔ کہاں ہے وہ؟"۔

اتنے میں ایک فاختہ پھڑ پھڑ کرتی کمرے میں آ کر میز پر بیٹھ گئی۔ عنبر نے مسکرا کر کہا:

"ناگ بھائی! اب اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ تا کہ تم سے کچھ مشورہ کیا جا سکے"۔

فاختہ پلنگ پر آئی اور آتے ہی وہ پھر سے ناگ بن گیا۔ ناگ

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

نے عنبر سے کہا:

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم راج کنور کو تہہ خانے کی کوٹھڑی سے کس وقت باہر نکالیں گے اور کس طرح سے باہر نکالیں گے؟''۔

عنبر بولا:

''یہی تو غور کرنے والی بات ہے۔ ماریا' تمہارا کیا خیال ہے؟''۔

ماریا نے کہا:

''میرے خیال میں ہمیں آدھی رات کو کال کوٹھڑی پر حملہ کرنا ہو گا۔ میں اور ناگ نیچے سرنگ میں جا کر پہرے داروں کو قابو میں کریں گے۔ پھر راج کنور اور اس کے بچے کو لے کر اوپر آ جائیں گے۔ اس وقت محل کے باہر تین گھوڑے بالکل تیار ہونے چاہئیں تا کہ ہم آتے ہی ان پر سوار ہو کر راج کنور اور اس کے بچے کو جہاز پر پہنچا دیں''۔

عنبر نے کہا:

''گھوڑوں کو تیار رکھنے کا کام میں کر لوں گا۔ تم خدا کا نام لے کر آج رات ہی کال کوٹھڑی پر ہلہ بول دو۔ مگر تمہیں یہ کام بڑی ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔ کیونکہ راج کنور کے باہر بڑا سخت پہرہ لگا ہوتا ہے۔ بیناچی اسے کسی صورت ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا''۔

ناگ نے کہا:

''عنبر بھائی تم فکر نہ کرو۔ سب کام خدا کی مہربانی سے اس طرح سے ہو گا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ صرف تمہیں شہر سے باہر گھوڑوں پر تیار رہنا ہو گا''۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو، میں گھوڑے لے کر باغ میں بالکل تیار کھڑا ہوں گا۔

لیکن شہر کے دروازے سے تم لوگ کس طرح نکلو گے؟"۔

ماریا بولی:

"میرا خیال ہے کہ اس کے لیے بھی ہمارا ساتھ دینا ہوگا"۔

عنبر کہنے لگا:

"ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔ میرے خیال میں ناگ اگر اس دفعہ سانپ کی بجائے شیر کی شکل میں سامنے آ جائے تو سپاہیوں میں بھگدڑ مچ جائے گی اور ہمیں بھاگنے کا موقع مل جائے گا"۔

عنبر کے اس خیال پر ماریا نے کہا:

"لیکن عنبر بھائی اس طرف سے ہر طرف شور مچ جائے گا اور

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سپاہی ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے۔ اگر میں انہیں نظر نہیں آؤں گا تو راج کنور اور ناگ گھوڑوں پر سوار تو سپاہیوں کو ضرور دکھائی دیں گے۔ وہ ضرور ہمارا پیچھا کریں گے اور جہاز پر حملہ کر دیں گے۔ پھر ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہم راج کنور کو لے کر اس طرح سے یہاں سے نکلیں کہ اس وقت کسی کو خبر نہ ہو۔ بعد میں چاہے شور مچ جائے''۔

عنبر نے کہا:

''تمہارا خیال بھی اچھا ہے، تو پھر میں شہر کے دروازے پر تمہارا انتظار کروں گا۔ اگر سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی تو ہم بڑی تیزی اور خاموشی سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور راج کنور کو لے کر فرار ہو جائیں گے''۔

ناگ بولا:

''اب ہمیں اسی پر عمل کرنا ہوگا''۔

شاہی مہمان خانے میں یہ لوگ آرام سے بیٹھ گئے اور آدھی رات کا انتظار کرنے لگے۔ عنبر نے کھانا بھی ان کے ساتھ مل کر کھایا۔۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ باتیں کرتے کرتے رات آدھی بیت گئی۔ اب ماریا اور ناگ اٹھے اور عنبر سے بولے:

''ہم جا رہے ہیں عنبر بھائی'' آپ باغ میں گھوڑوں کے پاس جا کر کھڑے ہو جائیں اور ہمارا انتظار کریں''۔

عنبر بولا:

''بہت اچھا، میں شہر کے دروازے کے باہر ہی ہوں گا۔ اگر ڈیوڑھی میں گڑبڑ ہوئی تو مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا''۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے، خدا ہمارا نگہبان ہو''۔

یہ کہہ کر ماریا اور ناگ سرنگ کی طرف نکل گئے اور عنبر شاہی مہمان خانے سے باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے دروازے پر آ کر دیکھا کہ وہاں صرف چھ سپاہی رات کے پہرے پر تھے جن میں سے دو سو رہے تھے۔ صرف چار سپاہی جاگ رہے تھے۔ عنبر گھوڑے پر باہر جانے لگا تو سپاہیوں نے پوچھا:

''حکیم صاحب' آدھی رات کو کہاں کا ارادہ ہے؟''۔

سپاہیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ عنبر ایک حکیم ہے اور مینا پتی نے اسے خاص طور پر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ عنبر نے کہا:

''کچھ بوٹیاں ایسی ہیں جو صرف رات کو نکلتی ہیں۔ انہیں اکٹھی کرنے جنگل میں جا رہا ہوں''۔

عنبر گھوڑے پر سوار شہر کے دروازے سے نکل کر باغ میں آ گیا۔ یہاں اس نے درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے نیچے چار تیز رفتار گھوڑے پہلے ہی کھڑے کر رکھے تھے۔ گھوڑے پر سے اتر کر اس نے اپنا گھوڑا بھی وہاں درخت کے ساتھ باندھا اور چپکے سے واپس شہر کے دروازے کے عین سامنے ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ماریا ناگ کی راہ دیکھنے لگا۔

ادھر ماریا اور ناگ محل کی سیڑھیوں میں سے نکل کر نیچے سرنگ میں آ گئے تھے۔ ماریا غائب تھی۔ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی اور ناگ سانپ کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ سرنگ کا ایک موڑ گھومنے لگے تو سامنے دو پہرے دار تلواریں سنبھالے آرام سے بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا وہیں رک گئی۔ سانپ بھی اس کے ساتھ ہی دیوار پر رینگتے رینگتے رک گیا۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"سامنے دو چوکیدار سپاہی تلواریں لگائے پہرہ دے رہے ہیں۔ تم جا کر ان کی خبر لو ناگ، میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"۔

"بہت اچھا"۔

سانپ اتنا کہہ کر دیوار پر سے ہو کر چوکیدار کے سپاہیوں کے سر کے اوپر آ گیا۔ ایک سپاہی اس کے بالکل نیچے کھڑا تھا اور دوسرا سامنے دیوار کے ساتھ لگا اونگھ رہا تھا۔ ماریا اونگھنے والے سپاہی کے پاس پہنچ چکی تھی۔

سانپ نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ سانپ نے ہلکی سی سیٹی بجا کر ماریا کو خبردار کیا کہ وہ حملہ کرنے ہی والا ہے۔ ماریا ہوشیار ہو گئی۔ دیوار والا سپاہی کچھ چونکا سا ہوا کہ یہ سیٹی کی آواز کہاں سے آئی ہے۔ اس نے آنکھ اوپر اٹھا کر دیکھا ہی تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر حملہ کر دیا۔

سپاہی کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ دوسرا سپاہی بیدار ہو گیا۔ لیکن اس وقت ماریا نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے زور سے ایک پتھر سپاہی کے سر پر دے مارا۔ سپاہی چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ ناگ والا سپاہی بھی زہر کے اثر سے بے ہوش ہو کر دھڑام سے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ ماریا نے ناگ کو ساتھ لیا اور آگے کال کوٹھڑی کی طرف چل پڑی۔

سرنگ کے کچھ موڑ گھومنے کے بعد اب سامنے وہ کوٹھڑی تھی جس کے دروازے کے باہر دو سپاہی بڑے چوکس ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا نے ناگ کے قریب ہو کر کہا:

"یہی وہ کوٹھڑی ہے ناگ بھائی جس کے اندر راج کنور اور اس کا بچہ قید ہے۔ اس بار بھی تم دائیں طرف کے سپاہی کو سنبھالو اور میں سامنے والے سپاہی کی خبر لیتی ہوں"۔

ماریا اور ناگ آگے بڑھے۔ دونوں سپاہی کسی قسم کے خطرے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سے بے نیاز بڑے سکون سے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

دیوار میں جو تیل کا چراغ جل رہا تھا اس کی روشنی میں سپاہی کو دیوار کے اوپر رینگتا سانپ دکھائی نہ دیا۔

اوپر دیوار کی طرف سے سانپ آگے بڑھ رہا تھا اور نیچے فرش پر ماریا دبے پاؤں آگے سرک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پہلے والے سپاہی سے چھینی ہوئی تلوار تھی۔ اچانک ایک سپاہی کی نظر سانپ پر پڑ گئی۔

''سانپ۔۔۔سانپ۔۔۔''

وہ چلاتا ہوا بھاگنے ہی لگا تھا کہ ماریا کی تلوار کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا سپاہی ششدر ہو کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا کہ اس کے ساتھی کو کون سی غیبی طاقت نے تلوار مار کر ہلاک کر دیا، کیونکہ وہاں کوئی بھی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے دوسری تلوار مار کر دوسرے سپاہی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

دونوں بڑی خاموشی سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

ناگ نے کہا:

"تم نے مجھے موقع ہی نہیں دیا ماریا"۔

ماریا بولی:

"ابھی بہت مواقع آئیں گے۔ اب جلدی سے اندر چلو"۔

ماریا نے کوٹھڑی کا دروازہ دھڑاک سے کھول دیا۔ بچہ گھاس پر گہری نیند سو رہا تھا۔ راج کنور جاگ رہا تھا۔ اس نے جو دروازے کو ایک دم چوپٹ کھلتے دیکھا تو حیرانی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا۔

میں ہو راج کنور۔ ماریا۔۔۔ میرے ساتھ میرا بھائی ناگ بھی سانپ کے روپ میں ہے۔ شکنتلا آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ ہم نے تمہارے یہاں سے بھاگنے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ شہر سے باہر باغ میں تیز رفتار گھوڑے کھڑے ہیں جن پر سوار ہو کر ہم شکنتلا کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اب آپ جلدی سے ہمارے ساتھ باہر نکل چلیں۔ بچے کو میں اٹھا لوں گی۔ کیوں کہ میرے اٹھا لینے سے بچہ کسی کو نظر نہیں آئے گا"۔

راج کنور نے کہا:

"آپ لوگ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ اگر سیناپتی کے کسی سپاہی کو خبر ہو گئی تو وہ آپ کو اور ساتھ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں

گئے"۔

ماریا نے کہا:

"راج کنور، آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔ سپاہی نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ آپ کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایسے انتظامات کیے ہیں کہ آپ بڑی آسانی سے یہاں سے نکل چلیں گے، اب باتوں میں وقت ضائع نہ کریں اور جلدی سے جلدی یہاں سے نکل چلیں۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ ابھی ہمیں شہر کے دروازے میں سے بھی گزرنا ہے"۔

راج کنور نے پوچھا:

"شہر کے دروازے میں سے کس طرح گزریں گے؟ وہاں تو سپاہیوں کا زبردست پہرہ ہوگا اور سپاہی مجھے فوراً پہچان لیں گے"۔

ماریا بولی:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"اس کا بندوبست بھی ہم نے کر لیا ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اب جلدی سے یہاں سے نکل چلیں"۔

ماریا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ بچہ گود میں اٹھاتے ہی غائب ہو گیا۔ راج کنور ماریا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ماریا نے اسے کہا تھا کہ وہ سانپ کی طرف نگاہ رکھے۔ کیونکہ ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ لوگ سرنگ میں سے نکل کر سیڑھیوں پر آ گئے۔

یہاں کے پہریدار بھی پہلے ہی سے ہلاک کر دیے گئے تھے۔ اب وہ محل کے صحن میں تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ صرف راج کنور ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ناگ، ماریا اور بچہ تینوں غائب تھے۔ مگر ماریا راج کنور کے بالکل ساتھ ساتھ ہو کر چل رہی تھی اور اسے کہتی جاتی تھی کہ اس طرف چلو، اب اس طرف ہو جاؤ۔

راج کنور کو محل کے سارے راستوں کا علم تھا۔ وہ محل میں سے نکل

کر پچھلی طرف سے ہو کر شہر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

ماریا اور ناگ اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

ماریا کو یہ ڈر تھا کہ کہیں بچہ رونا نہ شروع کر دے۔ ایسی صورت میں مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن خدا کی مہربانی رہی۔ وہ شہر سے باہر نکلنے والے دروازے پر آ گئے اور بچہ سویا رہا۔ وہ ماریا کی گود میں تھا۔

دروازے کی ڈیوڑھی میں مشعل جل رہی تھی۔ ماریا کا خیال تھا کہ ان پہرے داروں کو تلواروں سے ہلاک کر دیا جائے، لیکن راج کنور نے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا:

"مجھے ان سے بات کر لینے دو۔ وہ ضرور میرے وفادار ہوں گے۔ میں انہیں مارنا نہیں چاہتا"۔

ماریا نے کہا:

"راج کنور، کہیں ایسا نہ کہ لینے کے دینے پڑ جائیں"۔

راج کنور بولا:

"نہیں، یہ لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ میں ان سے بات کروں گا"۔

اور راج کنور اچانک ان سپاہیوں کے سامنے آ گیا۔ سپاہیوں نے راج کنور کو اپنے سامنے دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

راج کمار نے کہا:

"میرے بھائیو، حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جیل سے نکل آیا ہوں۔ اب میں آزاد ہوں۔ میں سیناپتی سے انتقام لوں گا اور اپنا تخت واپس لوں گا۔ میں چندر گپت راجہ سے مدد لینے جا رہا ہوں۔ بہت جلد فوج لے کر آؤں گا اور اپنی حکومت واپس لے کر سیناپتی کو اس کے کیے کی سزا دوں گا"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں پر اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ راج کنور سے محبت کرتے ہیں۔ سیناپتی کی اپنی فوج اس کے ساتھ تھی۔ باقی محل کے سپاہی اور پہرے دار راج کنور کو پسند کرتے تھے۔ عنبر جو کہ چھپ کر سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اب وہ بھی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ اس نے بھی سپاہیوں کے سامنے اس قسم کی تقریر کی کہ سیناپتی نے ظلم کیا ہے۔ اصل راجہ کنور ہے اور تخت راج کنور کو ہی ملے گا۔

سپاہی ادب سے جھک گئے اور راج کنور، ماریا، ناگ اور عنبر کے ساتھ شہر کے دروازے میں سے نکل کر باہر باغ میں آ گیا۔ ہلکی ہلکی چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ درختوں کے نیچے گھوڑے تیار کھڑے تھے۔

یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگائی۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ جہاز پر پہنچ گئے۔ راج کنور نے شکنتلا کو اور شکنتلا نے راج کنور کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئے۔

شکنتلا اپنے بچے کو سینے سے لگا کر دیر تک پیار کرتی رہی۔ یہ ماں بیٹے کے ملاپ کی بڑی مقدس گھڑی تھی۔ بچہ ماں کے سینے سے لگ کر ایک دم سکون میں آ گیا تھا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

تخت کی واپسی

جہاز پر ان لوگوں نے مل کر غور کرنا شروع کر دیا کہ راج کنور کا تخت کیوں کر واپس لیا جائے؟ یہ ایک مشکل کام بھی تھا اور آسان بھی تھا۔ ریاست کے لوگ راج کنور کے ساتھ تھے۔ صرف فوج سیناپتی کے ساتھ تھی اور فوج کا بڑا اثر تھا۔ فوج بڑی طاقتور تھی اس کے پاس بڑا خوفناک اسلحہ تھا۔ عنبر نے سلامبو سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ادھر دن چڑھا تو سارے محل میں شور مچ گیا کہ راج کنور اور اس کا بچہ جیل سے بھاگ گئے ہیں۔ سیناپتی آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے عنبر کو بلوا بھیجا معلوم ہوا کہ عنبر بھی غائب ہو گیا ہے۔ سیناپتی تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اعلان کر دیا۔

"شام ہونے سے پہلے پہلے راج کنور کو محل میں نہ لایا گیا تو وہ ساری رعایا کا قتل عام کر دے گا"۔

سیناپتی نے شہر کے دروازے پر پہرے داروں کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ ساری ریاست میں جاسوس دوڑا دیے گئے۔ کسی نے آ کر سیناپتی کو خبر دی کہ دریا میں ایک بادبانی جہاز کھڑا ہے۔ سیناپتی نے فوجی جرنیلوں کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر خود دریا کے کنارے پہنچ گیا۔

سامنے جہاز دریا میں کھڑا تھا۔ سیناپتی نے فوجیوں کو حکم دیا کہ جہاز پر قبضہ کر لیا جائے دور معلوم کیا جائے کہ کہیں راج کنور اس میں تم نہیں چھپا ہے؟ فوجی آگے بڑھے۔ انہوں نے جہاز پر رسیوں کی

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سیڑھیاں پھینکی ہی تھیں کہ عنبر اور ناگ نے سامنے آ کر سیڑھیاں کاٹ دیں۔ سیناپتی نے عنبر کو پہچان لیا اس نے کہا:

"اے عنبر! اگر تو نے میرے دشمن کو پناہ دے رکھی ہے تو میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ اسے میرے حوالے کر دے۔ نہیں تو میں اس جہاز کو آگ لگا دوں گا اور تم سب اس میں جل کر راکھ ہو جاؤ گے"۔

عنبر نے کہا:

"سن اے نمک حرام سیناپتی! راج کنور میرے پاس اسی جہاز میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ اور بیوی شگفتہ بھی ہے۔ میں اس کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ بلکہ اسے تم سے چھین کر حکومت واپس دلاؤں گا۔ کیونکہ وہی اس ملک کا راجہ ہے۔ تم غدار ہو۔ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر راج کنور کی اطاعت قبول کر لو۔ نہیں تو موت کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

یہ سن کر سیناپتی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چیخ کر بولا:

اے غدار عنبر! تو نے مجھ سے غداری کی ہے اور اب بغاوت بھی کر رہا ہے۔

یاد رکھو! اگر تم نے دوپہر تک راج کنور کو میرے حوالے نہ کیا تو میں جہاز کو آگ لگا دوں گا اور ان سب کی موت کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔

عنبر نے کہا:

سیناپتی، میں خود دوپہر کو تمہارے شہر پر حملہ کرنے آ رہا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے شہر کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ ابھی وقت ہے۔

نہیں تو تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی اور تمہارے غداروں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

سیناپتی نے زور سے تیر چلایا۔ تیر سیدھا عنبر کے سینے میں آ کر

لگا۔ سیناپتی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"غداری کی یہی سزا ہے۔ اب بتاؤ کیا کہتے ہو؟"۔

سیناپتی اور اس کے پاس کھڑے جرنیلوں کا خیال تھا کہ عنبر تیر کھانے کے بعد اوندھے منہ دریا میں گر پڑے گا۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سینے میں سے تیر نکال کر اسے دریا میں پھینکتے ہوئے بولا:

"مکار سیناپتی، تیری موت لکھی جا چکی ہے۔ میں تجھ سے راج کنور کی سلطنت واپس لینے بہت جلد آ رہا ہوں"۔

سیناپتی جرنیلوں کے ساتھ وہاں سے نکل آیا اور محل میں آ کر اس نے وزیروں اور فوجیوں سے مشورہ کیا۔ ان سب کا خیال تھا کہ یہ عنبر کوئی جادوگر ہے۔ سیناپتی نے کہا:

"میرے پاس اس سے بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں۔ میں اس کے جہاز کو برباد کر کے راج کنور کی لاش شہر کے سب سے اونچے دروازے میں لٹکا دوں گا"۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

ایک جرنیل نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ فوج کو حکم دیا جائے کہ وہ جہاز پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرے اور پھر راج کنور کو گرفتار کر کے جہاز کو عنبر سمیت آگ لگا دے"۔

اسی وقت جنگ کا اعلان کروا دیا گیا۔ فوج نے تیر کمانوں اور تلواروں اور آگ لگانے والے تیروں کے ساتھ گھوڑوں اور رتھوں پر سوار ہو کر دریا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دن خوب روشن تھا۔ راج کنور نے جہاز کے عرشے پر سے دور فوج کو بڑھتے دیکھا تو نیچے جا کر عنبر سے کہا:

"عنبر، سیناپتی کی فوج بڑی زبردست طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہے۔ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو یہی وقت ہے۔ نہیں تو میں ان کے سامنے جا کر بہادری سے لڑتے ہوئے مر جاؤں گا، مگر اپنے جیتے جی شگفتا اور بچے پر کوئی آنچ نہیں دوں گا"۔

عنبر، ماریا، ناگ اور شگفتا نے اوپر جا کر سیناپتی کی فوج کو دیکھا۔ سچ مچ بہت بڑی فوج آگے بڑھ رہی تھی؛ گویا وہ کسی قلعے پر حملہ کرنے آ رہی تھی۔ شگفتا ابھی گھبرا گئی۔ عنبر نے کہا:

"تم لوگ کوئی فکر مت کرو۔ میں بھی ان کی ایسی خبر لوں گا کہ یہ سب حیران پریشان ہو کر رہ جائیں گے"۔

عنبر نے شگفتا، ماریا، ناگ اور راج کنور کو نیچے کیبن میں بھجوا دیا۔ یہ لوگ کیبن کے گول سوراخوں سے لگ کر سیناپتی کی فوج کو جہاز کے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

سامنے مشکیں باندھتے دیکھنے لگے۔ عنبر عرشے پر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور سلامبو کو یاد کر کے کہا:

''سلامبو، سلامبو، اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میری مدد کو آؤ۔ میں تمہاری مدد کا انتظار کر رہا ہوں''۔

اچانک ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سلامبو کی لاش عنبر کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے دانتوں سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے پر بھیانک موت کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پوچھا:

''عنبر، تم نے بڑے دنوں بعد مجھے یاد کیا؟ کیا بات ہے؟ تم کس مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ یہ باہر فوج کس کی کھڑی ہے؟''۔

عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سلامبو کو کھول کر بیان کر دی اور کہا کہ وہ راج کنور کو اس کا حق واپس دلانا چاہتا ہے جب کہ سیناپتی راج کنور، اس کی بیوی اور بچے کو قتل کرنے آیا ہے۔ سلامبو کی لاش ہنس پڑی۔

''اس غدار نمک حرام کی یہ جرات، کوئی بات نہیں۔ ابھی دیکھو اسے غداری اور نمک حرامی کی کیسی سزا دیتی ہوں''۔

یہ کہہ کر سلامبو کی لاش غائب ہو گئی۔ عنبر عرشے کے ساتھ ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور نیچے دیکھ کر بولا:

''اے سیناپتی، میں آخری بار تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اب بھی وقت ہے اپنے ظلم کی معافی مانگ اور راج کنور کو اس کا تخت اس کے حوالے کر دے''۔

سیناپتی نے گرج کر کہا:

''بکواس بند کر اے معمولی انسان، تیری اتنی جرات کیسے ہوئی کہ تو ایک ریاست کے راجہ سے یوں بات کرے۔ تو ایک شعبدہ باز ہے۔ ایک فریبی ہے۔ مگر یاد رکھو تیرا جادو اور شعبدہ بازی میرے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

جادوگروں کے آگے نہ چل سکے گی"۔

اس کے بعد سیناپتی نے جادوگروں کو حکم دیا کہ جادو کا وار کرو۔

چار جادوگر آگے بڑھے۔ انہوں نے زمین پر سے مٹھی بھر راکھ اٹھائی۔ اس پر کچھ پڑھا اور زور سے جہاز کی طرف پھینک دی۔ راکھ نے جہاز کے اوپر آ کر بادل سے تان لیا۔ پھر بادل میں سے آگ کے شعلے جہاز پر برسنے لگے۔ سلامبو کی لاش ہوا میں موجود تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اس نے اشارہ کیا۔

آگ برسانے والا بادل ایک دم پھٹ گیا۔ آگ غائب ہو گئی اور بادل ہوا بن کر اڑ گیا۔ راجہ کے جادوگروں نے دوسرا وار کیا۔ انہوں نے اس بار جو زمین پر سے مٹی اٹھا کر جہاز کی طرف پھینکی تو سارے جہاز پر ننھے ننھے ہزاروں سانپ رینگنے لگے۔

سلامبو کی لاش نے ہاتھ اشارہ کیا۔ ایک بہت بڑا اژدہا فضا میں

نمودار ہوا جس نے سانس اندر کو کھینچ کر سارے کے سارے چھوٹے سانپوں کو نگل لیا اور غائب ہو گیا۔

جادوگروں نے اس دفعہ تیسری بار حملہ کیا تو خود بھی جہاز کے پاس آ گئے۔

انہوں نے دریا میں سے چلو بھر پانی لیا اور جہاز کی طرف پھینکا۔ ایک زبردست طوفان دریا میں پیدا ہو گیا۔ جہاز غرق ہونے والا تھا کہ سلامبو کی لاش نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر جہاز کو تھام لیا۔ جہاز اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

سلامبو نے ہاتھ آگے بڑھا کر چاروں جادوگروں کو ہوا میں اوپر اٹھا لیا اور پھر پھونک ماری۔ چاروں جادوگروں کو آگ لگ گئی اور وہ دیکھتے دیکھتے ہوا اس کی چیخیں مارتے جل کر راکھ ہو کر بکھر گئے۔

سیناپتی اپنے جرنیلوں کے ساتھ یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب

اس نے دیکھا کہ اس کے جادو گر مات کھا گئے ہیں تو اس نے فوج کو حملے کا حکم دیا۔

فوج نے جہاز پر آگ برسانے والے تیروں کی بارش کر دی۔ مگر اب ہوا یہ کہ جو تیر جہاز کی طرف جاتا وہ جلتا ہوا جہاز سے ٹکرا کر واپس فوج میں آ کر سپاہیوں پر آن گرتا۔

سپاہیوں کے رتھوں میں اپنے ہی تیروں سے آگ بھڑک اٹھی۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیناپتی نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا:

”بہادر سپاہیو! یہ محض جادو ہے۔ تم بہادر سورما ہو۔ آگے بڑھ کر حملہ کرو۔ جادو گر تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا“۔

سپاہیوں کا کچھ حوصلہ بڑھا اور پھر حملہ کرنے لگے مگر سلامیو کی لاش پوری طرح میدان میں آ چکی تھی۔ اس نے پھونک ماری۔ ساری فوج کے اوپر سیاہ رنگ کا ایک بادل چھا گیا۔ پھر بادلوں میں گرج پیدا ہوئی اور کھولتے ہوئے گرم پانی کی بارش شروع ہوگئی۔

اب تو ساری فوج میں قیامت مچ گئی۔ سپاہی گرم کھولتے ہوئے پانی کی بوندوں پر تڑپنے اور چیخنے لگے۔ انہوں نے ہتھیار پھینک کر بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر وہ جدھر جاتے گرم بارش ان کے ساتھ ساتھ جاتی۔ آخر وہ ایک ایک کر کے دریا میں چھلانگیں لگانے لگے۔ ساری کی ساری فوج نے گرم بارش سے بچنے کے لیے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور دیکھتے دیکھتے دریا میں غرق ہوگئی۔

سیناپتی اور جرنیل سائبان کے نیچے تھے۔

ان کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے تھے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر سلامیو کی لاش بھلا انہیں کب جانے دیتی تھی۔ وہ تو ان کے خون کی پیاسی تھی۔ اس نے ہوا میں چھلانگ لگا کر اوپر سے سیناپتی اور جرنیلوں پر حملہ کر دیا وہ زمین پر گر پڑے۔

انہوں نے زمین پر پڑے پڑے ایک لمبے سرخ دانتوں والی بلا کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ ان کی چیخیں نکل گئیں۔ مگر سلامیو نے اپنے دانت ان کی گردنوں میں پیوست کر دیے تھے اور ان کا خون پینا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سیناپتی کی لاش جرنیلوں کی لاش کے پاس ہی زمین پر پڑی تھی۔ فوج دریا میں غرق ہو چکی تھی۔

سلامیو کی لاش عنبر کے پاس عرشے پر آ کر بولی:

"عنبر بھائی، اب مجھے اجازت ہے کہ چلی جاؤں۔ میں نے تمہاری جتنی مدد کرنی تھی کر دی ہے۔ اب پھر جب کبھی بلاؤ گے تو پھر مدد کرنے آ جاؤں گی۔"

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا:

"سلامیو بہن! میں تمہارے بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتی ہو"۔

سلامیو کی لاش غائب ہوگئی۔

اس کے غائب ہوتے ہی راج کنور، ماریا، ناگ وغیرہ بھی اوپر عرشے پر آ گئے۔ راج کنور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ساری کی ساری باغی فوج کو اکیلے شخص نے ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے حیرانی سے کہا:

"عنبر بھائی، آج اگر تم ہماری مدد نہ کرتے تو ہماری زندگی کے چراغ گل ہو چکے تھے"۔

عنبر نے کہا:

"یہ تو میرا فرض تھا راج کنور جی! شگفتا بہن سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اسے اس کے ملک میں پہنچا کر دم لوں گا۔ اب میں اس کے سامنے سرخرو ہوں۔ دشمن کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ آپ کا ملک آپ کو واپس مل گیا ہے۔ چلیے ایک نیک دل فاتح راجہ کے روپ میں اپنے شہر میں داخل ہوں"۔

عنبر نے شگفتا، ماریا، ناگ اور راج کنور کو ساتھ لیا اور ایک رتھ پر سوار ہو کر شہر کی طرف آ گئے۔ شہر میں یہ خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی کہ راج کنور نے غدار سیناپتی کی فوج کو شکست دے دی ہے اور اب ایک راجہ کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ عورتیں ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے چھتوں پر کھڑی تھیں۔

شہر کے دروازے پر بڑے بڑے امیر اور وزیر پھولوں کے ہار لیے کھڑے تھے۔ جوں ہی راج کنور اور شگفتا کی سواری شہر کے دروازے پر پہنچی۔ انہوں نے زندہ باد کے نعرے لگا کر ان کا خیر مقدم

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ راج کنور راج محل میں آ گیا۔ محل میں آ کر راج کنور نے دربار لگایا اور عنبر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا:

میرے درباریو، میرے وزیرو، اور مخلص ساتھیو، ایک بات تم سب کے سامنے کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ آج کی اس فتح کا سہرا میرے دوست عنبر کے سر ہے۔ اگر یہ اور اس کا ساتھی ناگ میری مدد نہ کرتے تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ میں آپ لوگوں کو کھول کر بیان نہیں کر سکتا کہ انہوں نے میری کس طرح سے مدد کی ہے۔

بس آپ یہ سمجھ لی کہ یہ دیوتا بن کر ہماری مدد کو آئے تھے۔ انہوں نے ہی راج کماری شگفتا کو تلاش کیا۔ انہوں نے مینا پتی کی جیل سے مجھے اور راج کمار کو آزاد کرایا اور انہوں نے ہی اپنی بہادری اور ہوشیاری سے مینا پتی کی غدار فوج کو شکست دی۔

سارا دربار عنبر، ناگ زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔

راج کنور نے عنبر سے درخواست کی کہ وہ راج دربار کا بڑا وزیر بن کر ان کے پاس ہی رہ جائے۔

عنبر نے کہا:

”راج کنور، تمہیں ابھی ایک بات کا علم نہیں ہے کہ میں کسی ایک جگہ بیٹھنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ میری ساری زندگی شروع ہی سے سفر میں گزری ہے اور میں قیامت تک شاید سفر ہی کرتا رہوں گا۔ ماریا اور ناگ بھی میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ شاید ہمارا انجام بھی کسی جگہ سفر میں ہی ہوگا۔ اگر میں ٹھہر سکتا تو ضرور ٹھہر جاتا۔ لیکن میں مجبور ہوں“۔

شگفتا نے بھی عنبر، ناگ اور ماریا کو بہت مجبور کیا کہ وہ باقی زندگی ان کے شہر میں ہی بسر کریں۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

اس پر ناگ نے کہا:

"شگفتا! بہن، کسی کو خبر نہیں ہے کہ ہماری باقی زندگی کتنی ہے اور کس جگہ اچانک ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے"۔

آخر ایک روز عنبر، ناگ اور ماریا اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔ راج کنور شگفتا اور وزیر انہیں رخصت کرنے جہاز تک آئے۔ عنبر نے جہاز کا آدھا خزانہ اپنی منہ بولی بہن شگفتا کو تحفے کے طور پر دے دیا۔ پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ عنبر نے اپنے جہاز کے بادبان کھول دیے۔ لنگر اٹھوا دیا گیا اور جہاز نے دریا میں سے نکل کر سیاہ پانیوں کے سمندر میں سفر کرنا شروع کر دیا۔

وہ ہندوستان کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف سفر کر رہے تھے۔ عنبر کا ارادہ تھا کہ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف جا کر اتریں۔ اس ساحل کی بھی سیر کریں اور اگر ہو سکے تو چندر گپت سے ملاقات کریں جو اس وقت ہندوستان کا راجہ تھا اور اس کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

لال رومال اور ڈاکو

بادبانی جہاز تین دن تک سفر کرتا رہا۔

چوتھے روز ان کا جہاز سری لنکا کے جزیرے کے قریب ہو کر گزرا۔ اس زمانے میں لنکا میں ایک ایسے راجہ کی حکومت تھی جو بڑا نیک اور رحم دل تھا۔ رعایا بڑی خوش حال تھی۔ عنبر نے جہاز کو ساحل کے ساتھ لگا دیا۔

راجہ کے آدمی عنبر کو راجہ کے پاس لے گئے۔ عنبر اور ناگ نے تھال میں ہیرے جواہرات کے تحفے رکھ کر راجہ کو پیش کیے۔ ماریا جہاز پر ہی رہی۔ راجہ نے عنبر اور ناگ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عنبر نے راجہ کو بتایا کہ وہ ہیرے جواہرات کے بیوپاری ہیں اور ملک ملک اپنے جہاز میں گھوم پھر کر تجارت کر رہے ہیں۔

راجہ نے ان کی زبردست دعوت کی۔ ایک ہفتہ عنبر اور ناگ راجہ کے مہمان رہے۔ ساتویں روز وہ جانے لگے تو راجہ انہیں خود چھوڑنے ساحل تک آیا۔ عنبر اور ناگ راجہ سے گلے مل کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور جہاز کا سفر شروع ہو گیا۔

اب یہ لوگ جس سمندر میں سفر کر رہے تھے اس کے پانی کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ سیاہ پانی وہ بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ نیلے سمندر میں وہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ساحل ان کی نظروں سے دور تھا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر انہیں ساحل نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر قطب نما اور نقشہ انہیں بتا رہا تھا کہ وہ ساحل سے دور نہیں ہیں۔ سری لنکا کے راجہ نے انہیں خبر دار کیا تھا کہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کے ساتھ ساتھ اکثر سمندری ڈاکو پھرتے رہتے ہیں جو اکثر مسافر جہازوں کو لوٹ لیا کرتے ہیں، لیکن عنبر نے کوئی توجہ نہ دی اور کہا تھا کہ دیکھا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ کسی جگہ رک نہیں سکتے تھے۔ دوسرے اگر سمندر میں ڈاکو پھرتے رہتے ہیں تو وہ ان سے ڈر کر سری لنکا کے جزیرے میں آخر کب تک پڑے رہتے؟ ایک نہ ایک دن تو انہیں وہاں سے کوچ کرنا ہی تھا۔

یہ وہی سمندر تھا جہاں سے تجارتی جہاز مشرق میں شمالی اور جنوبی افریقہ کی طرف جایا کرتے ہیں۔ عنبر کو اپنا وطن یاد آ گیا۔ لیکن اتنی دیر تک دوسرے ملکوں میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد وہ اپنے وطن کو بھول گیا تھا اور پھر اسے وطن سے نکلے کم از کم اڑھائی ہزار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

ان کا جہاز بحیرہ عرب کے نیلے پانیوں میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لنکا سے چلے ہوئے انہیں پندرہ روز گزر گئے تھے۔ ایک رات وہ سو کر اٹھے تو انہیں دور سمندر میں کسی جہاز کے گہرے رنگ کے بادبان دکھائی دیے۔

عنبر عرشے پر کھڑا تھا۔ ناگ اور ماریا باورچی خانے میں قہوہ تیار کر رہے تھے۔ عنبر نے مغرب کی طرف سے آتے ہوئے جہاز کو دیکھا تو ناگ کو آواز دے کر اوپر بلا لیا۔ ماریا بھی اوپر آ گئی۔ عنبر نے انہیں دور جہاز کے بادبان دکھائے۔ یہ بادبان گہرے رنگ کے تھے۔ جب کہ تجارتی جہازوں کے بادبان اس رنگ کے نہیں ہوا کرتے۔

ناگ نے کہا:

"کیا خیال ہے؟ یہ جہاز تو مجھے کوئی سمندری ڈاکوؤں کا جہاز لگتا ہے"۔

عنبر نے غور سے جہاز کو دیکھا جو اب قریب سے قریب ہو رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔ تمہارا خیال درست ہو"۔

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"خدا جانے یہ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز ہمارا کب پیچھا چھوڑیں گے؟ میں تو ان سے لڑائی کرتے کرتے تنگ آ گئی ہوں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"ان لوگوں کا سمندری خزانہ بھی تو ہم نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے"۔

وہ عرشے پر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ ناگ قہوہ اوپر ہی لے آیا۔ وہ تخت پر بیٹھ کر قہوہ پیتے رہے۔ باتیں کرتے رہے اور جہاز کو غور سے دیکھتے رہے جو اب قریب آ گیا تھا۔ دور سے ہی عنبر اور ناگ نے اس جہاز پر لہراتا ہوا بحری ڈاکوؤں کا جھنڈا دیکھ لیا۔

"عنبر یہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ہے"۔

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ ان لوگوں کو آنے دو۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی مسافر جہاز سے پالا پڑا تھا"۔

ماریا نے کہا:

"ہمیں اپنا بندوبست پہلے سے ہی کر لینا چاہیے۔ کیبن والے خزانے کو اچھی طرح سے چھپا دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ ہمارے جہاز کو آگ لگانے کی کوشش کریں"۔

عنبر بولا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"ناگ میاں! اس بار تم ایک کام کرو۔ جہاز جب قریب آ جائے تو انہیں ذرا اپنی کرامت تو دکھاؤ۔ میں اور ماریا اس جنگ میں آرام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جنگ صرف تمہاری جنگ ہوگی"۔

ناگ نے ہنس کر کہا:

"بہت بہتر بھائی جان! اگر آپ کی رائے یہی ہے تو میں حاضر ہوں۔ انہیں ایسی کرامت دکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد کریں گے"۔

وہ عرشے پر بیٹھے بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو قریب آتا دیکھتے رہے۔ جہاز اب اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے پر کھڑے بحری ڈاکو صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ لوگ بھی بڑے تعجب سے عنبر کے جہاز کو دیکھ رہے تھے۔ جس پر صرف دو آدمی یعنی عنبر اور ناگ ہی کھڑے تھے۔ ماریا تو انہیں نظر آ ہی نہیں سکتی تھی۔ عنبر نے کہا:

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

"یہ لال رومالوں والے-سمندری ڈاکو ہیں۔ یہ-سمندری ڈاکوؤں کی سب سے خوفناک قسم ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لوگ بے حد بے رحم ہوتے ہیں اور ایک پل میں قتل کر دیتے ہیں"۔

ماریا نے کہا:

"یہ تو اب ناگ بھائی ہی ان سے نمٹیں گے۔ ہم تو آرام کر رہے ہیں"۔

جہاز قریب آ کر رک گیا۔ بحری ڈاکوؤں نے عنبر اور ناگ کو دیکھ کر دور سے آواز لگائی۔

تم ہمارے غلام ہو۔ ہم نے تمہارے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اگر تم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو تمہارے جہاز کو آگ لگا کر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہتھیار پھینک دو۔ جہاز کے سارے عملے سے کہو کہ اوپر آ کر ایک قطار میں کھڑا ہو جائے۔

عنبر نے بلند آواز میں کہا:

"جہاز پر سوائے ہم دو بھائیوں کے اور کوئی نہیں ہے"۔

بحری ڈاکو چلایا:

"بک بک بند کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے جہاز کو صرف دو آدمی چلا رہے ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"تم خود آ کر دیکھ لو"۔

ساتھ ہی عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جائے۔ بحری ڈاکو رسوں کی مدد سے جھول جھول کر جہاز کے اوپر چھلانگیں لگا کر آ گئے۔ انہوں نے تلواریں سونت کر ناگ اور عنبر کو ایک طرف کر

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

لیا۔ جہاز کے کپتان نے اپنی خونخوار آنکھوں سے جہاز کو بڑے غور سے دیکھا اور عنبر سے کہا:

"یہ جہاز تو کسی بحری ڈاکو کا جہاز ہے۔ تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔:

"ہم نے ایک بحری ڈاکو اور اس کے سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کرنے کے بعد اس کے جہاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھی یہی انجام نہ ہو تو خاموشی سے یہاں سے واپس چلے جاؤ"۔

بحری ڈاکو کپتان نے زور سے تلوار عرشے کے جنگلے پر مار کر کہا:

"بکواس بند کرو۔ تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے۔ بتاؤ یہ کس بحری ڈاکو کا جہاز ہے۔ اور اس کا خزانہ کہاں ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"تمہیں ہم بتا چکے ہیں کہ اس جہاز کے ڈاکو کو ہم نے مقابلہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب ہم اس جہاز کے مالک ہیں"۔

ڈاکو کپتان نے چیخ کر پوچھا:

"تمہارا خزانہ کہاں ہے؟ اگر جواب نہ دیا تو گردن مار دوں گا"۔

عنبر نے کہا:

"خزانہ اسی جہاز میں ہے۔ مگر تمہیں اس خزانے تک جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔ یہ خزانہ کسی کی امانت ہے"۔

بحری ڈاکو نے گرج کر کہا:

"دیکھوں گا تجھے کون روکتا ہے۔۔۔؟ ساتھیو جہاز کی اینٹ سے اینٹ بجا دو"۔

سارے ڈاکو جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے عنبر پر بھی تلواروں سے حملہ کر دیا۔ عنبر نے تلوار کھینچ لی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ عنبر نے

ناگ نے کہا:

"ناگ اپنا کام شروع کر دو۔ ماریا سے کہو کہ وہ کہیں چھپ جائے"۔

ماریا نے کہا:

"میں چھپ نہیں سکتی۔ میں بھی اپنا کام کروں گی"۔

ایک عورت کی آواز سن کر ڈاکوؤں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ ماریا نے دیکھتے دیکھتے دو تین ڈاکوؤں کے سروں پر پیچھے سے تلوار مار کر زخمی کر کے پھینک دیا۔

ناگ لپک کر بادبانوں کے مستول کے پیچھے ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے انہیں ڈاکوؤں پر چھڑک دیا۔ اس کے ہاتھوں کے جھٹکتے ہی بے شمار زہریلے سانپوں کے گچھے بحری ڈاکوؤں پر ٹوٹ پڑے۔ وہاں ایک کہرام مچ گیا۔ زہریلے سانپوں نے بحری ڈاکوؤں کو ڈسنا شروع کر دیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے جہاز میں چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ کچھ سمندر میں کود پڑے جو باقی رہ گئے، انہوں نے سانپوں کو کچلنا شروع کر دیا۔

اتنے میں ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور جب باہر پھینکا تو اس جگہ مستول کے پاس ایک خوف ناک چہرے والا شیر کھڑا دھاڑ رہا تھا۔ شیر کی گرج سن کر ڈاکوؤں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ دہشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ کہ آخر اس سمندری جہاز پر شیر کہاں سے آ گیا؟

ڈاکوؤں کے کپتان نے کہا:

"اس شیر کو کاٹ کر رکھ دو"۔

ڈاکو آگے بڑھے مگر شیر نے پنجے مار کر دو ڈاکوؤں کی گردنیں اڑا دیں۔ اس کے بعد ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور وہ باقی بن

گیا۔ ہاتھی بھی ایک پاگل ہاتھی' جس نے دیکھتے ہی دیکھتے تین چار ڈاکوؤں کو سونڈ پر اٹھا کر چیر کر رکھ دیا۔

ڈاکوؤں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے یہ کیسے ہو گیا کہ ابھی شیر تھا اور ابھی وہاں ایک ہاتھی آ گیا۔ عنبر نے اس دوران میں کتنے ہی ڈاکو ہلاک کر دیے تھے۔ اس پر کئی بار تلواروں کا حملہ ہوا تھا مگر اسے کچھ نہ ہوا۔

سمندری کپتان چکر میں آ گیا۔ اس نے ہتھیار پھینک دیے۔ اس کے آدھے سے زیادہ ڈاکو ہلاک ہو گئے تھے۔ صرف چند ایک ڈاکو باقی رہ گئے تھے جو زخموں سے چور چور تھے۔ دوسری طرف عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اسی طرح زندہ سلامت لڑ رہا تھا۔ ناگ نے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

پھنکار ماری اور دوبارہ انسانی شکل میں سامنے آ گیا۔

بحری ڈاکوؤں کا کپتان اسے پھٹی ہوئی آنکھوں سے تکنے لگا۔

''یہ۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تمہیں یقین نہیں آئے گا مگر تمہیں یقین کرنا ہی پڑے گا۔ اس لیے کہ تم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ حقیقت میں بالکل سچ تھا۔ وہ کوئی خواب نہیں تھا۔

میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ اگر جان کی امان چاہتے ہو اور اپنے ساتھیوں کی جان تمہیں عزیز ہے تو یہاں سے واپس چلے جاؤ مگر تم نہیں مانے۔ آخر تم نے اپنا انجام دیکھ لیا۔ اب بولو کیا چاہتے ہو؟

''تمہیں خزانہ چاہیے یا اپنی زندگی اور جہاز کی سلامتی؟''۔

ڈاکو کپتان نے سر جھکا کر کہا:

''تم جیتے میں ہار گیا۔ میں ایک بہادر کپتان کی طرح اپنی ہار کو تسلیم کر لیا۔ میری ساری زندگی سمندروں میں ڈاکے ڈالتے گزر گئی ہے، مگر میں نے آج تک یہ تماشہ نہیں دیکھا جو تم لوگوں نے مجھے دکھایا ہے۔ کیا یہ جادو تھا؟''۔

ناگ نے کہا:

''چاہے تم اسے جو کچھ سمجھ لو۔ لیکن تم نے جو کچھ دیکھا وہ ایک بار پھر دکھایا جا سکتا ہے''۔

نہیں نہیں، میں پہلے ہی اپنے بے شمار ساتھیوں سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ میں اپنی ہار کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہارا جہاز اور خزانہ تمہارے حوالے کر کے یہاں سے جاتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے ضرور یہ جہاز ڈاکوؤں کو شکست دے کر حاصل کیا ہوگا۔ اس حساب سے تو تم میرے جہاز پر بھی قبضہ

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

کر سکتے ہو۔

میں ایک بہادر ڈاکو ہوں اور بہادر ڈاکو اپنی کمزوری کو فوراً مان جاتے ہیں۔ تم لوگ کہو تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ میں وہ فوراً حاضر کر دوں گا۔

عنبر نے کہا:

"ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہمیں چاہیے، وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ بلکہ ہمارے پاس وہ بھی ہے جس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر تمہارے پاس ہندوستان ملک کے کوئی قیدی ہیں تو وہ ہمارے حوالے کر دو۔ کیوں کہ ہم اسی ملک میں جا رہے ہیں"۔

کپتان نے کہا۔

"میرے پاس ہندوستان کے کوئی قیدی نہیں۔ ہم لال رومال والے سمندری ڈاکو ہیں۔ ہم کسی کو قیدی نہیں بناتے۔ ہم اسے قتل کر دیا کرتے ہیں۔ کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم اب یہاں سے روانہ ہو جائیں؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہاں، تمہیں اجازت ہے"۔

کپتان بولا:

"تم لوگوں نے میرا بہت زیادہ نقصان کیا ہے۔ میرے بہترین اور دلیر ترین ساتھی موت کے گھاٹ اتار دیے ہیں۔ لیکن میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دکھ اسی بات کا ہے کہ میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن خیر، ان ساتھیوں کی موت کا بدلہ میں کسی دوسرے دشمن سے لے لوں گا"۔

یہ کہہ کر کپتان نے اپنے بچے کھچے ڈاکو ساتھیوں کو ساتھ لیا اور اپنے جہاز پر چلا گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر کھڑے اسے

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے رہے۔ ڈاکو زخمی تھے اور اپنے جہاز کے عرشے پر لیٹے کراہ رہے تھے۔ کپتان نے حکم دیا۔

”لنگر کھول دیا جائے“۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور وہ آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گیا۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کے دور ہوتے ہی عنبر اور ناگ نے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر عرشے کے فرش پر ڈالیں اور اسے دھونا شروع کر دیا۔

شام تک سارا جہاز صاف ستھرا ہو گیا۔ وہ تینوں عرشے پر بیٹھ گئے۔ شام کا کھانا انہوں نے عرشے پر ہی کھایا۔ وہ بحری ڈاکوؤں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا۔

شام ہو گئی۔ پھر رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔

انہوں نے جہاز میں تیل کے چراغ روشن کر دیے۔ وہ اپنے

اپنے کیبن میں جا کر سو گئے۔ جب وہ سو کر اٹھے تو کافی دن چڑھ آیا تھا۔ وہ جہاز کے عرشے پر آئے تو انہوں نے آسمان پر مرغابیوں کی قطار کو اڑتے دیکھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ زمین آ گئی ہے۔

انہوں نے مشرق کی طرف دیکھا تو وہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کے قریب پہنچ رہے تھے۔

ساحل پر درختوں کے جھنڈ سورج کی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ قطب نما اور چرخی کے زاویے کے مطابق وہ مالابار کے ساحل پر تھے۔ انہوں نے جہاز کو ساحل کی طرف لانا شروع کر دیا۔ دوپہر تک وہ جہاز کو کنارے کے ساتھ لگا چکے تھے۔

اب ان کے سامنے ایک بہت وسیع ملک تھا۔ یہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ نہیں تھا کہ جہاں سے گھوم پھر کر وہ ایک بار پھر اپنے جہاز پر واپس آ جاتے۔ یہ ایک اتنا بڑا ملک تھا کہ اس کے ایک جانب بحیرہ

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

روم تھا تو شمال میں ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

عنبر، ناگ اور ماریا آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

ماریا نے کہا:

"اگر ہم نے سارے ملک ہندوستان کی سیاحت کرنی ہے تو ضروری ہوگا کہ اس جہاز میں سے خزانہ نکال کر کسی جگہ زمین میں دفن کر دیا جائے اور جہاز کے اندر کسی اژدہا کو رکھوالی کے لیے مقرر کر دیا جائے"۔

ناگ بولا:

"یہ کام تو بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے، کیونکہ جہاز کو ہم اپنے ساتھ لیے لیے نہیں پھر سکتے۔ یہاں سے ہمیں پاٹلی پتر میں چندر گپت کی راجدھانی میں جانا ہے"۔

انہوں نے جہاز کو ایک کھاڑی کے اندر دھکیل کر درختوں اور اونچی اونچی گھنی جھاڑیوں میں لا کر چھپا دیا۔ پھر زمین میں ایک گہرا گڑھا کھودا۔ پھر خزانے کے دونوں صندوق اٹھا کر زمین کے اندر دفن کر کے اوپر مٹی ڈال دی اور مٹی کے اوپر گھاس بکھیر دی۔

اس کے بعد عنبر نے چمڑے پر خزانے کا ایک نقشہ تیار کیا تا کہ اگر وہ دیر بعد واپس آئیں تو خزانے کی جگہ بھول نہ جائیں۔ خزانے کا نقشہ عنبر نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیا۔

کچھ اشرفیاں اور قیمتی جواہرات ایک پوٹلی میں باندھ کر انہوں نے اپنے ساتھ رکھ لیے۔ اور خدا کا نام لے کر جنگل میں چندر گپت کی راجدھانی پاٹلی پتر کی طرف سفر شروع کر دیا۔

Visit for more books www.pdfbooksfree.pk

☆ ناگ، عنبر اور ماریا کن حالات میں پاٹلی پتر پہنچے؟

☆ راستے میں انہیں کن کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا؟

☆ کیا چندر گپت کو وہ سازشوں سے بچا سکے؟

☆ ان سب کا جواب اس ناول کی اگلی۔ یعنی 41 ویں قسط
"خونی آنکھیں" میں ملاحظہ فرمائیں۔

خونی آنکھیں

امبر ناگ

(قسط نمبر 41)

اے حمید

خونی آنکھیں

(قسط نمبر 41)

اے حمید

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تا کہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تا کہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

زوناش جادوگر
ڈراؤنا غار
موت کا طوطا
شکار بھاگ گیا
آسمانی دیوی
خونیں آنکھیں
راموڑا کو
پراسرار قلعہ
ڈاکو کی توبہ
سرخ اژدہا

عنبر ناگ اور ماریا دجلہ کے کنارے ریت میں خزانہ چھپا کر بغداد سے باہر ایک غیر آباد خانقاہ میں آ گئے ہیں یہاں خلیفہ بغداد کے حامی نوجوان جمع ہو کر اٹیلا کی ظالمانہ حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں دونوں کو باغی نوجوان پکڑ لیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اٹیلا کے دشمن ہیں۔ دونوں باغیوں کے ساتھ مل کر اٹیلا کے محل میں داخل ہوتے ہیں۔ اٹیلا کو زہر

دے دیا جاتا ہے۔ عنبر اور ناگ شاہی خاندان کو لے کر راتوں رات بغداد سے فرار ہوتے ہیں۔ ماریا جہاز پر اکیلی پہرہ دے رہی ہے کہ سپاہی حملہ کر دیتے ہیں۔

زوناش جادوگر

تینوں بہن بھائی گھنے جنگلوں میں سے گزر رہے تھے۔ اس قسم کے خطرناک اور جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں وہ اس سے پہلے بھی سفر کر چکے تھے۔ آج سے دو ہزار سال پہلے کے ہندوستان کے جنگل بہت گنجان تھے۔ ان میں بڑے بڑے آدم خور قسم کے شیر اور ہاتھی رہتے تھے۔

شہر بہت کم تھے اور بڑی دور دور آباد تھے۔ شہروں کو جانے

والے راستے ان جنگلوں میں سے ہو کر گذرتے تھے۔ یہ راستے کچے تھے۔ یہاں کئی کئی دنوں تک سفر کرتے چلے جائیں تو آپ کو کوئی شہر راستے میں نہیں ملے گا۔

ان راستوں پر لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے۔ راستے میں کہیں کہیں پڑاؤ ڈال کر آرام کرتے اور پھر سفر پر چل پڑتے۔ سفر میں کوئی سرائے محل آ جاتی تو وہاں کھانے پینے کو کچھ مل جاتا۔

مسافر کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ آج کے زمانے میں تو سفر کرنا بڑا آسان ہے لیکن آج سے دو ہزار سال پہلے سفر کرنا بڑا مشکل تھا۔ اکیلا آدمی تو سفر کر ہی نہیں سکتا تھا۔

عنبر ماریا اور ناگ اکیلے ہی سفر کر رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کے اندر پراسرار غیبی طاقتیں تھیں کہ وہ بڑے سے بڑے شیر، ہاتھی اور ڈاکو کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ قافلہ کہاں سے گزرتا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ کسی قافلے کے ساتھ شامل ہو جاتے۔

اتنی انہیں ضرور خبر تھی کہ چندر گپت کی راجدھانی پاٹلی پتر تک کا سفر ایک لمبا سفر ہے اور یہ کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ سفر کرتے کرتے انہیں دس بارہ دن گزر گئے تھے۔ انہوں نے کئی دریا پار کیے۔ کئی جنگلوں میں سے گزرے۔ راستے میں کہیں کہیں کوئی جنگلی لوگوں کی آبادی بھی ملی جہاں

سے انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کیں اور پھر سفر شروع کر دیا۔

پندرہ دنوں کے سفر کے بعد وہ ایک ایسے دریا پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے بیچ میں سے ہو کر بہہ رہا تھا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے۔ انہوں نے اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے گھوڑے انہوں نے درختوں کے درمیان باندھ دیئے اور آگ جلا کر دریا کے کنارے بیٹھ گئے۔

یہ گھوڑے انہوں نے اشرفیاں دے کر ایک آبادی کے لوگوں سے حاصل کیے تھے۔ ان جنگلوں میں گھوڑوں کے بغیر سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر ماریا تو بالکل ہی پیدل سفر نہیں کر سکتی تھی۔

انہوں نے اس جگہ جھولے میں سے ہرن کا گوشت نکال کر بھونا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ ماریا کو نیند آ رہی تھی۔ وہ ٹھنڈی چھاؤں میں سو گئی۔

موسم گرمی کا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ چھاؤں میں ٹھنڈک تھی اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی! ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرتے، زندگی بسر کرتے ایک لمبا عرصہ گزر گیا ہے۔ وقت کا اثر مجھ پر بھی نہیں ہوا اور تم پر بھی نہیں ہو سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ ماریا پر ضرور ہو گا، لیکن چونکہ وہ غائب رہتی ہے، اس لیے ہمیں اندازہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہو گی"۔

عنبر نے کہا: "ناگ! اگر ماریا بوڑھی ہو چکی ہوتی تو دس کی

آواز بھی بوڑھی ہو گئی ہوتی اور پھر وہ اس طرح ہمارے ساتھ سفر بھی نہ کر سکتی۔ وہ ضرور تھک ہار کر کب کا ہمارا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی''۔

ناگ نے پوچھا۔ ''تو پھر تمہارا خیال کیا ہے؟ ماریا پر عمر کا اثر نہیں ہو رہا؟''۔

عنبر نے کہا:۔ ''ماریا ایک عام عورت ہے۔ اس پر عمر کا اثر ضرور ہو رہا ہو گا، لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک وہ غائب ہے، وہ بوڑھی نہیں ہو سکتی لیکن جونہی اس پر سے جادو کا اثر ٹوٹا، وہ ہمیں اتنی بوڑھی دکھائی دے گی کہ ہم اسے پہچان بھی نہیں سکیں گے''۔

ناگ بولا:۔ ''یہ تو بڑی دردناک بات ہو گی کہ ایک روز ہم

اپنی بہن ماریا کو اتنا بوڑھا دیکھیں کہ ہم اسے پہچان بھی نہ سکیں''۔

عنبر نے کہا۔ ''یہ تو ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گا۔ ناگ بھائی۔ ماریا ایک عام عورت ہے۔ ہم اسے بوڑھا ہونے سے نہیں روک سکتے۔ ابھی تو خود ماریا کو بھی یہ احساس نہیں ہے کہ جس روز اس پر سے افراسیاب کے جادو کا اثر ٹوٹا وہ اچانک اتنی بوڑھی ہو جائے گی کہ شاید تھوڑی دیر زندہ رہنے کے بعد مر جائے''۔

ناگ اداس ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

یہ تو ہر دنیادار انسان کے ساتھ ایک نہ ایک دن ہو گا، جس روز مجھ پر دعا کا اثر ختم ہوا میں بھی ایک دم بوڑھا ہو کر مر جاؤں

گا۔ ہاں تمہارے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ تم انسان نہیں بلکہ ایک سانپ ہو اور سانپ بھی وہ ہو جو ایک ہزار برس تک زندہ رہ چکا ہے۔

میرا خیال ہے تم ابھی اور دو ہزار سال تک اسی طرح زندہ رہ سکتے ہو۔ لیکن ماریا کو اس قسم کی کوئی بات نہ بتانا، نہیں تو وہ پریشان ہو جائے گی۔

ناگ نے کہا۔ ”میں ایسی بات اسے ہرگز نہیں بتا سکتا۔ تم بے فکر رہو“۔

تھوڑی دیر وہ اس قسم کی باتیں کرتے رہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر کو بھی نیند آ گئی۔ کچھ دیر بعد ناگ بھی اونگھنے لگ۔ اب وہ تینوں سوئے ہوئے تھے۔ آگ بجھ گئی تھی۔

اچانک ماریا کی آنکھ کھل گئی۔

اسے پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ عنبر اور ناگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ وہ اٹھ کر دریا کے کنارے پانی پینے چلی گئی۔ دریا کا پانی بڑا میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر نہانے لگی۔

نہانے کے بعد اس نے کپڑے پہنے اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ماریا نے تلملا کر پیچھے دیکھا۔ ایک بھاری بھرکم، موٹا سا جنگلی آدمی کھڑا اسے دبوچ رہا تھا۔ پہلے تو وہ سوچ کر حیران ہوئی کہ اس شخص نے اسے دیکھ کیسے لیا، کیونکہ وہ تو غائب تھی

اور کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

یہ آدمی اس علاقے کا ایک بہت بڑا جادوگر زوناش تھا جس نے جادو کے زور سے غائب ماریا کو دریا کے کنارے بال سکھاتے دیکھ لیا تھا۔ ماریا نے چیخ مار کر عنبر اور ناگ کو جگانے کی کوشش کی مگر زوناش جادوگر کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کا منہ ذرا سا بھی نہ کھل سکا۔

یہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ماریا میں صرف اتنی ہی طاقت تھی کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اگر کوئی شخص اسے قابو کر لیتا تو پھر وہ سوائے ایک کمزور عورت کے اور کچھ بھی نہیں تھی۔ یہی حال اب اس کا ہوا۔

زوناش جادوگر نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کا

منہ بند کر دیا اور کندھے پر اٹھا کر جنگل میں لے گیا۔ ماریا نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ اپنے آپ کو زوناش جادوگر کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

جنگل میں زوناش جادوگر کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس نے ماریا کو گھوڑے پر ڈال کر اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیئے اور اسے لے کر گھوڑا دوڑاتے دریا کنارے کے گھنے درختوں میں غائب ہو گیا۔

عنبر اور ناگ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ ماریا اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ ناگ نے پوچھا۔

"ماریا کہاں چلی گئی عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال دریا پر گئی ہوگی"۔

دونوں اٹھ کر دریا کنارے آ گئے۔ ماریا یہاں بھی نہیں تھی۔ انہوں نے ماریا کو آوازیں دینا شروع کر دیں، لیکن وہاں ماریا ہوتی تو انہیں جواب دیتی۔ ماریا تو وہاں تھی ہی نہیں۔

اسے تو جادوگر جنگل میں گھوڑے پر اغوا کیے بھگائے لیے جا رہا تھا۔ عنبر اور ناگ پریشان ہو گئے کہ ان کی بہن کہاں چلی گئی؟ اگر وہ دریا میں بھی گرتی تو چیخ کر انہیں آواز دے سکتی تھی۔

انہوں نے ماریا کی کسی چیخ کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ کوئی شخص اسے اغوا بھی نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ کوئی جنگلی درندہ بھی اس پر حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ جنگلی درندے کو بھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"اگر اس پر کوئی شیر یا ہاتھی حملہ کرتا تو شیر کی دھاڑ سے ان کی آنکھ کھل سکتی تھی۔ یا کم از کم ماریا ہی شور مچا کر ہمیں جگا سکتی تھی۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ ہم نے نہ تو کسی شیر کے دھاڑنے کی آواز سنی اور نہ ماریا کے شور کی آواز۔ آخر وہ گئی تو کہاں گئی؟"۔

دونوں بھائی پریشان ہو کر جنگل میں ادھر ادھر ماریا کو تلاش کرنے لگے۔ وہ ماریا کو بار بار آوازیں دے رہے تھے۔ ان کی آوازوں کے شور سے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ کر

بھاگ گئے۔

وہ دریا کنارے آ گئے۔ ایک جگہ انہوں نے گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھے۔ وہ ان نشانوں کو غور سے تکنے لگے۔ وہ اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے گھوڑے کے سموں کے نشانوں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

نشان جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔ کافی دور جا کر گھوڑوں کے پاؤں کے نشان ایک طرف مڑ گئے۔ عنبر اور ناگ بھی اسی طرف کو گھوم گئے۔ اب سامنے دریا آ گیا۔ نشان اسی طرف جا رہے تھے۔ کنارے پر جا کر نشان میں اتر گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے، کسی نے ماریا کو اغوا کر کے گھوڑے پر

بٹھایا ہے۔ اور وہ اسے لے کر دریا پار کر گیا ہے"۔

ناگ بولا۔ "مگر عنبر بھائی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک عام آدمی ماریا کو کس طرح دیکھ سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔ "یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ماریا کو اغوا کرنے والا کوئی عام انسان نہیں ہے۔ وہ ضرور کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ ایک جادوگر ہی ماریا کو غائب حالت میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ عام آدمی اسے کبھی نہیں دیکھ سکتا اور نہ اسے اغوا کر سکتا ہے"۔

"مگر یہاں جادوگر کہاں سے آ گیا؟" ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "ناگ بھائی! یہ ہندوستان ہے اور یہاں بہت بڑے بڑے جادوگر رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، کوئی زبردست

جادوگر ادھر سے گزر رہا ہو اور اس کی نظر ماریا پر پڑ گئی۔ اس نے ماریا کا منہ بند کر کے اسے اٹھایا اور گھوڑے پر ڈال کر لے گیا"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں گھوڑے کے نشانوں کے ساتھ ساتھ دریا پار کرنا ہوگا، لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس گھوڑے کے قدموں کے نشانوں کا ہم پیچھا کر رہے ہیں، اس گھوڑے پر ماریا کو اغوا کیا گیا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر ہم یہ فرض نہیں کریں گے تو ماریا کو کبھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں اس گھوڑے کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنا

ہوگا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ماریا کو اس راستے سے لے جایا گیا ہے"۔

"تو پھر چلو۔ دریا پار کرتے ہیں"۔

دونوں بھائیوں نے خدا کا نام لے کر دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دریا کا بہاؤ تیز تھا۔ دریا گہرا بھی تھا۔ بیچ میں بڑے بڑے پتھر پڑے تھے جو چٹانوں جتنے تھے۔

گھوڑوں نے دریا میں اترتے ہی تیرنا شروع کر دیا۔ گھوڑے عنبر اور ناگ کو دریا میں سے نکال کر پار لے گئے۔ دریا پار جا کر انہوں نے زمین دیکھی تو وہاں گھوڑے کے قدموں کے نشان غائب تھے۔

”اب کیا کریں؟ کدھر جائیں؟ گھوڑے کے قدموں کے نشان تو یہاں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے عنبر بھائی!“۔

عنبر نے زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ جگہ پتھریلی ہے۔ یہاں گھوڑے کے قدموں کے نشان نہیں پڑ سکتے۔ بہرحال ہمیں فرض کرنا ہی ہوگا کہ ماریا کو اسی راستے سے لے جایا گیا ہے۔ آؤ ہم آگے بڑھتے ہیں“۔

عنبر اور ناگ آگے چل پڑے۔

ان دونوں بھائیوں کو اس جگہ چھوڑ کر ہم ماریا کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ زوناش جادوگر ماریا کو گھوڑے پر بھگا کر لیے جا رہا تھا۔ وہ بڑا ہوشیار جادوگر تھا۔

اسے خیال تھا کہ ماریا کا پیچھا کرنے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ چنانچہ اس نے دریا پار کرتے ہی گھوڑے کا رخ پانی میں کنارے کنارے جنوب کی طرف کر دیا اور کافی آگے جا کر پتھریلی زمین پر باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور کنارے پر رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو گیا۔

کشتی دریا میں چلتے چلتے کافی فاصلے پر ایک چٹان کے پیچھے گھوم کر دوسرے کنارے پر جا لگی۔ زوناش جادوگر نے کشتی کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا اور کنارے پر آ کر پہاڑی کے ساتھ ساتھ ماریا کو کندھے پر اٹھائے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔

پہاڑی راستہ ایک جگہ ٹیلے کے اندر گھوم گیا۔ یہاں ایک

چھوٹا سا درہ ٹیلے کے اندر کی جانب مڑتا تھا۔ زوناش جادوگر ادھر کو مڑ گیا۔ ذرا آگے جا کر ٹیلے کی بڑے بڑے پتھروں کے درمیان ایک جگہ گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ جادوگر ان جھاڑیوں میں داخل ہو گیا۔

ان جھاڑیوں کے اندر ایک پتھریلا تنگ سا راستہ غار کی طرح ٹیلے کے اندر چلا گیا تھا۔ جادوگر غار کے اندر آ گیا۔ ماریا کا منہ کپڑے سے بند تھا مگر اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ سارے راستے کو غور سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

زوناش جادوگر نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ ماریا کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دے تا کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ اسے اپنی طاقت پر بڑا بھروسہ تھا، اسے یقین تھا کہ اس کے قبضے میں آیا ہوا شکار کبھی کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔

غار آگے جا کر دائیں جانب کو گھوم گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں کچھ دیر چلنے کے بعد جادوگر نے ایک دیوار پر زور سے ہاتھ مارا۔ پتھر کی دیوار اپنی جگہ سے شق ہو گئی۔ جادوگر اندر چلا گیا۔

ماریا نے دیکھا کہ وہاں دیوار کے ساتھ ایک مشعل جل رہی تھی۔ جادوگر نے ہاتھ مارا تو پتھر کی دیوار پھر اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔

جادوگر نے ماریا کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اسے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ قریب ہی گھاس پھوس کا بستر بچھا ہوا تھا۔ جادوگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اے غیبی عورت! اب تو اپنی باقی ساری عمر اسی جگہ بسر کرے گی۔ یہاں سے نکل کر تو اب کہیں نہیں جا سکے گی"۔

جادوگر زوناش نے ماریا کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔ ماریا نے گہرا سانس لیا اور ہاتھوں سے اپنے جبڑے سہلانے لگی۔

زوناش جادوگر نے ایک پیالے بکری کا گرم گرم دودھ کیتلی میں سے نکال کر ماریا کو پیش کیا اور کہا۔

"اسے پی جاؤ۔ یہ تمہیں طاقت دے گا اور خبردار مجھ سے یہ مت کہنا کہ میں تمہیں آزاد کر دوں۔ کیونکہ سالہا سال کی محنت اور ریاضت کے بعد تو مجھے ملی ہے۔ تم نے کبھی بھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو میں جادو کے زور سے تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے گرم گرم دودھ کا پیالہ لے کر چپ چاپ پینا شروع کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ جادوگر اسے دیکھ رہا ہے۔

اس زوناش جادوگر کے لیے وہ غائب نہیں تھی۔ اسے کوئی درندہ، انسان اور پرندہ نہیں دیکھ سکتا تھا مگر زوناش جادوگر نے اسے دیکھ لیا تھا وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس قسم کا جادوگر ماریا کو زندگی میں پہلی مرتبہ ملا تھا۔

عنبر اور ناگ کا خیال کر کے وہ پریشان اور اداس ضرور ہو گئی تھی مگر وہ بے بس تھی۔ کچھ بھی نہیں کر سکتی تی۔ راستے میں وہ کوئی نشان بھی نہیں پھینک کر آئی تھی کہ عنبر اور ناگ اسے تلاش کرتے کرتے اس تک پہنچ جاتے۔

اس نے دودھ پیتے پیتے اردگرد دیکھا، یہ غار کی ایک کھلی کوٹھڑی سی تھی۔ چھت اونچی تھی اور چھت کے پتھروں میں چمگادڑیں الٹی لٹک رہی تھیں۔ قریب ہی چولہے میں آگ جل رہی تھی۔

دیواروں کے ساتھ انسانوں کی بے شمار کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں۔ آگ کے پاس شیر کا ایک سر رکھا تھا جس میں لکڑی کی میخ ٹھکی ہوئی تھی۔ ماریا نے جادوگر سے کہا۔

"یہ میں جان چکی ہوں کہ تم کوئی جادوگر ہو، مگر یہ بتاؤ کہ تم مجھے کس لیے اٹھا کر یہاں لے آئے ہو"۔

ڈراؤنا غار

زوناش جادوگر نے ماریا کی طرف دیکھ کر مکروہ قہقہہ لگایا۔

"یہ پوچھ کر تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ جو کام میں نے کرنا ہے، وہ میں ضرور کروں گا۔ اس کے لیے ہی میں تمہیں اٹھا کر یہاں لایا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میرا کام اتنی جلدی بن جائے گا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ غار سے نکلتے ہی مجھے تم مل گئیں۔ تم تو میرے لیے سونے کی چڑیا سے بھی زیادہ قیمتی

ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ میں تمہارے سامنے بے بس ہوں۔ میں اس وقت تمہاری قید میں ہوں۔ چاہوں بھی تو تمہاری قید سے نکل کر آزاد نہیں ہو سکتی، لیکن کم از کم مجھے اتنا تو بتا دو کہ تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟"۔

زوناش جادوگر نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر کہا۔

"تم یہ پوچھنے والی کون ہو؟ کیا میں نے تم سے یہ پوچھا ہے کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ کہاں جا رہی تھیں؟ اور تم پر یہ جادو کس نے کر دیا کہ کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی ہو؟ میں نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تمہارے ساتھ جو لوگ سفر کر رہے تھے، وہ کون ہیں۔ پھر تم مجھ سے کرید کرید کر سوال کیوں پوچھ رہی ہو؟۔

ایک بات میں نے بالکل صاف صاف تمہیں کہہ دی ہے کہ جو کچھ میں تمہارے ساتھ کرنے والا ہوں اسے تم روک نہیں سکو گی۔ کیونکہ تم بے بس ہو اور میرے جادو کے چنگل سے بچ کر یہاں سے نہ جا سکو گی۔

اس غار پر میری حکومت ہے، اس غار میں صرف میرا حکم چلتا ہے۔ بس تم آرام سے یہاں پڑی رہو۔ تمہیں کھانے کو دنیا کی ہر نعمت یہاں ملے گی۔ تم جو مانگو گی، تمہیں پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن خبردار۔ ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ یہاں

سے بھاگ نکلنے کا خیال کبھی اپنے دل میں نہ لانا، کیونکہ تم دنیا کا ہر کام کرسکتی ہو مگر یہاں سے بھاگ نہیں سکتیں"۔

ماریا نے دودھ پی کر پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ زوناش جادوگر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب میں ایک ضروری کام کے لیے جنگل میں جا رہا ہوں۔ تم آرام کرو میں اپنا کام چار روز کے بعد شروع کروں گا۔ جبکہ چاند آسمان کے بیچ میں آ کر چمک رہا ہوگا"۔

اتنا کہہ کر جادوگر زوناش نے آگے بڑھ کر دیوار پر زور سے ہاتھ مارا۔ دیوار شق ہوئی۔ جادوگر باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی اس نے دیوار پھر سے اپنی جگہ پار لا کر بند کر دی۔ اب ماریا اس پراسرار جادو کے کمرے میں اکیلی رہ گئی۔

اس نے اب ادھر ادھر دیکھ کر ایک ایک شے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ عنبر اور ناگ سے تو وہ جدا ہو چکی تھی۔ اب قسمت ہی انہیں ایک دوسرے سے ملا سکتی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس پر اس قسم کی مصیبتیں آتی رہی تھیں۔

وہ ان مصیبتوں اور پریشانیوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنبر اور ناگ اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔ وہ کچھ روز اسے تلاش کریں گے اور پھر یہ سوچ کر پائلی پتر کے شہر کی طرف روانہ ہو جائیں گے کہ ماریا جہاں کہیں بھی ہوگی وہاں سے نکل کر ایک نہ ایک روز پائلی پتر پہنچ جائے گی۔

عنبر اور ناگ اپنی طرف سے اس لیے مطمئن ہو جاتے تھے کہ ماریا کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ہر

مصیبت کا اکیلی مقابلہ کرسکتی ہے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس بار وہ ایک ایسے ظالم جادوگر کے قبضے میں آ چکی ہے جس نے اسے دیکھ لیا ہے۔

ایسے جادوگر سے بچ کر نکلنا بہت مشکل کام تھا لیکن وہ نا امید نہیں تھی۔ نا امید ہونا اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ زندگی میں اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہے تھے۔ اور وہ ان مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ان کو شکست دیتی آئی تھی۔

ماریا کے پاس پر اسرار طاقت بھی تھی اور وہ یہی طاقت تھی کہ وہ کسی بھی شخص کو سوائے جادوگر کے نظر نہیں آ سکتی تھی، لیکن جس شخص نے اسے دیکھ لیا تھا وہ خود ایک زبردست پر اسرار طاقت کا انسان تھا۔ یعنی بہت خوفناک قسم کا جادوگر تھا۔

اس سے بچ نکلنا مشکل کام تھا۔ پھر بھی ماریا کا حوصلہ بلند تھا۔ اس کا دماغ ٹھیک کام کر رہا تھا اور اس نے وہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

جادوگر کا کمرہ الم غلم چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ مشعل کی روشنی میں دیواروں کے ساتھ لٹکی ہوئی کھوپڑیوں کے سائے بڑے بھیانک لگ رہے تھے۔ کمرے میں پڑے پڑے ماریا کو کافی دیر ہو گئی۔

یہاں وقت کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ کیونکہ اندر باہر کی روشنی نہیں آ رہی تھی۔ صرف مشعل کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا پیچھے ہٹ کر ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی رہی۔ پھر وہ اونگھنے لگی۔ اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ جب اس

کی آنکھ کھلی تو اسے بھوک محسوس ہوئی۔ پہلے تو جادوگر وہاں موجود تھا اور اس نے ماریا کو گرم دودھ کا پیالہ دے دیا تھا۔ اب وہ بھی وہاں پر نہیں تھا۔

ماریا کو بھوک نے بھی تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب کون اسے دودھ وغیرہ پلا سکتا تھا۔ وہ خود اٹھ کر کہیں سے دودھ وغیرہ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

ابھی وہ غور ہی کر رہی تھی کہ پیچھے کی جانب سے غار کا ایک پتھر اپنی جگہ سے ہٹا اور ایک بوڑھی عورت اندر داخل ہوئی۔ اس عورت کے سارے بال سفید تھے مگر چہرہ اور جسم اتنا بوڑھا نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھالی تھی۔ اس عورت نے آواز دے کر پوچھا۔

"غیبی عورت تم کہاں ہو؟ آواز دو تاکہ میں اس آواز سے تمہارے پاس کھانا لے کر آ سکوں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں ستون کے ساتھ بستر پر پڑی ہوں۔ تم یہاں آ سکتی ہو"۔

بوڑھی عورت نے ستون کے پاس آ کر کھانے کی تھالی گھاس کے بستر پر رکھ دی۔ وہ واپس جانے لگی تو ماریا نے کہا۔

"سنو ماں جی!"۔

بوڑھی عورت نے پلٹ کر ماریا کی طرف دیکھا۔

"آج ایک مدت کے بعد کسی لڑکی نے مجھے ماں کہہ کر پکارا ہے، مجھے اپنی بیٹی پاربتی یاد آ گئی ہے"۔

بوڑھی عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا نے سوچا کہ اس عورت کی ہمدردی حاصل کر کے اس سے کام لینا چاہیے۔ اس نے فوراً کہا۔

’’ماں جی! مجھے بھی تم اپنی بیٹی ہی سمجھو۔ میں بھی تمہاری بیٹی پاربتی ہوں‘‘۔

بوڑھی عورت نے سر ہلا کر اداس لہجے میں کہا۔

’’نہیں۔ تم میری بیٹی نہیں ہو۔ میری بیٹی تو میری آنکھوں کے سامنے مر گئی تھی۔ مر گئی تھی۔ اسے مار دیا گیا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ اس کا خون پی لیا گیا تھا‘‘۔

اور پھر بوڑھی عورت روتے ہوئے جدھر سے آئی تھی ادھر ہی کو بھاگ گئی۔ اس کے جاتے ہی ماریا سوچنے لگی کہ اس عورت کے ساتھ کس نے یہ ظلم کیا ہے کہ اس کی بیٹی کو ہلاک کر کے اس کا خون پی گیا۔

ظاہر ہے۔ جادوگر زوناش کے سوا یہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ بوڑھی عورت جادوگر سے ڈرتی تھی وہ اس کا نام نہیں لے سکتی تھی۔

ماریا کھانا کھانے لگی۔ کھانے میں گندم کی روٹی اور خرگوش کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ ماریا نے بڑے مزے سے سارا کھانا کھایا۔ اس نے ہر قسم کا غم فکر دل سے نکال دیا تھا اور اب بڑے سکون کے ساتھ وہاں سے بھاگنے کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا، کیونکہ وہ خوب اچھی طرح سے جانتی تھی کہ

انسان پریشان ہو کر کچھ نہیں سوچ سکتا۔

انسان کے لیے یہی بہتر ہے کہ اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ بڑے ٹھنڈے دل کے ساتھ اس مصیبت میں سے نکلنے کی ترکیب پر غور کرنا شروع کر دے۔ کھانا کھانے کے بعد ماریا بستر پر لیٹی غور کرتی رہی۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

یہ رات کا وقت تھا۔

جنگل میں بھی رات پڑ گئی تھی۔ جادوگر زوناش خدا جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ عنبر اور ناگ ماریا کو تلاش کرتے کرتے پاگل ہو کر جنگل میں ایک جگہ تھک ہار کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ جادوگر زوناش کی غار تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ وہ بڑی پر اسرار اور خفیہ جگہ پر تھی۔

سارا دن وہ ماریا کو تلاش کرتے پھرے تھے۔ گھوڑے کے قدموں کے نشان بھی غائب ہو گئے تھے۔ رات کو وہ جنگل میں ایک جگہ درختوں تلے آگ جلا کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"خدا جانے ماریا کے ساتھ کیا گزری ہے، بے چاری اس وقت کہاں ہو گی۔ کم از کم اس جنگل میں تو وہ کسی جگہ پر بھی نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

عنبر بھائی! ماریا آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آ سکتی۔ اگر کسی نے جادو کے زور سے اس پر قابو پایا ہے، تو ماریا اس کے قابو سے ایک نہ ایک دن نکل کر ضرور ہمارے پاس واپس آ جائے گی۔

پہلے بھی وہ بڑی بڑی مصیبتوں سے نکل کر ہمارے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ اب بھی پہنچ جائے گی، کیونکہ اب ہم اسے جنگل میں ساری زندگی تلاش نہیں کر سکتے۔ جہاں جہاں اسے ڈھونڈا جا سکتا تھا، ہم نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ماریا کی تلاش چھوڑ کر آگے پائلی پتر کے شہر کی طرف سفر شروع کر دینا چاہیے۔ ماریا کو معلوم ہے کہ ہم پائلی پتر کی طرف ہی جا رہے ہیں، وہ ایک نہ ایک دن وہاں پہنچ جائے گی۔

”عنبر بھائی! تم مجھ سے زیادہ عقل مند ہو۔ مجھ سے زیادہ بہتر سوچ سکتے ہو۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے تو ٹھیک ہے۔ اب تو ہم پائلی پتر کے سوا اور کہیں نہیں جا سکتے۔ اس لیے کہ ماریا جہاں کہیں بھی ہوگی، وہاں سے فرار ہو کر سیدھی پائلی پتر پہنچنے کی کوشش کرے گی“۔

دونوں بھائیوں نے یہی فیصلہ کیا کہ انہیں ماریا کو اس کے حال پر چھوڑ کر پائلی پتر کی سمت روانہ ہو جانا چاہیے۔ وہ اس کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے پاس یہی ایک راستہ تھا۔

وہ رات انہوں نے جنگل میں کچھ جاگ کر اور کچھ سو کر گزار دی۔ صبح اٹھ کر انہوں نے اپنا مختصر سا سامان باندھا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پائلی پتر کی طرف چل پڑے۔

دوسری طرف ماریا نے بھی ژوتاش جادوگر کے اندھیرے غار میں رات گزار دی۔ صبح وہ سو کر اٹھی تو اس نے دیکھا کہ غار

کی چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ جس میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس روشنی میں ماریا نے ایک بار پھر بڑے غور سے کوٹھڑی میں ادھر ادھر دیکھا۔ دیواروں پر انسانوں کی کھوپڑیاں اسی طرح لٹک رہی تھیں۔ وہی عورت اس کے لیے قہوہ اور دودھ لے کر اندر آئی۔

ماریا نے اس سے باتیں کرنے کی کوشش کی مگر وہ عورت ڈری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہے اور ماریا کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے ہوئے گھبرا رہی ہے۔ ماریا نے اسے جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ماتا جی! کیا آپ مجھ سے بات نہیں کریں گی؟ کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گی کہ آپ کی بیٹی پاربتی کو کس نے مار ڈالا؟"۔

بوڑھی عورت نے پلٹ کر ماریا کو دیکھا اور کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسی بات پھر زبان پر نہ لانا۔ کبھی نہ زبان پر لانا۔ میری پاربتی بھگوان کے پاس چلی گئی ہے۔ وہ واپس نہیں آئے گی۔ اب تم بھی بھگوان کے پاس جا رہی ہو۔ تم بھی جا رہی ہو"۔

یہ کہہ کر بوڑھی عورت ڈرتی ہوئی کوٹھڑی کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ ماریا بڑی پریشان ہوئی۔ اس قید میں یہی ایک سہارا جس کے ساتھ مل کر ماریا وہاں سے باہر نکل سکتی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی شخص ماریا کے کام نہیں آ سکتا تھا۔

وہ چپ چاپ گھاس کے بستر پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے کے بعد وہ غور کرنے لگی کہ اگر یہ بوڑھی عورت اس کی مدد کرنے پر راضی نہ ہوئی تو پھر وہ وہاں سے کیسے بھاگ سکے گی؟ بوڑھی عورت کی اس بات نے اسے اور زیادہ پریشان کر دیا تھا اب وہ بھی جگوان کے پاس جا رہی ہے؟ تو کیا جادوگر زوناش اسے قتل کرنے کے لیے وہاں لایا تھا؟۔

ماریا کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ جادوگر نے اسے ایک خاص مطلب کے لیے اغوا کیا ہے، وہ اس سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے۔ وہ کام کیا ہے؟ یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ بات بھی بوڑھی عورت سے پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن بوڑھی عورت ماریا سے بات کرتے ہوئے سخت گھبرا رہی تھی۔

ایسے لگتا تھا کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ ماریا بستر پر لیٹ گئی اور عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کے دونوں بھائی اگر اس کے پاس ہوتے تو وہ کب کی جادوگر کی قید سے آزاد ہو چکی ہوتی۔ وہ لوگ سو کر اٹھے ہوں گے تو ماریا کو غائب پا کر بے حد پریشان ہوئے ہوں گے۔

شام کو جادوگر زوناش اچانک اندر آ گیا۔

اس نے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار ڈال رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں کسی جانور کے بازو کی ہڈی تھی۔ وہ بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ اس نے ماریا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قہقہہ لگایا اور کہا۔

"ماریا! آج کی رات تمہاری آخری رات ہے۔ تجھے جس

قدر سوچنا اور دعائیں مانگی ہیں، مانگ لے۔ آج کے بعد تم اس دنیا میں زندہ نہ ہوگی"۔

ماریا نے بھڑک کر پوچھا۔

"آخر تو مجھے کیوں ہلاک کر رہا ہے؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟"۔

جادوگر نے ہڈی ماریا کے سر کے اوپر گھماتے ہوئے کہا۔

"تو نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ تو میرا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتی مگر تو میرا سنوار بہت کچھ سکتی ہے جو کام دنیا کی کوئی عورت، کوئی مرد نہیں کر سکتی وہ تم کر سکتی ہو اور کرو گی۔ تم اگر نہ بھی چاہو تو میں وہ کام تم سے لے کر رہوں گا"۔

ماریا نے کہا۔

"تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟"۔

جادوگر زوناش نے مرے ہوئے بلوں کی راکھ نسوار کی طرح سونگھ کر کہا۔

سنو! میں ایک ایسی زندگی کی تلاش میں ہوں جس کو کبھی موت نہیں ہے۔ میں جادوگر ہوں، مگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں اس زندگی کو لمبا کر سکوں۔ میں اپنی مرضی کے مطابق زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں موت کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جادوگری کی پرانی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی جادوگر دو برس تک دریا میں آدھی رات کو ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر منتر پڑھے اور پھر دو برس گزر جانے کے بعد اگر وہ کسی ایسے انسان کی جی بھر کر خون

پیے جو نظر نہ آ رہا ہو تو پھر اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ جتنی دیر تک چاہے جوان اور زندہ رہ سکے۔

میں نے دو برس تک دریا میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر راتوں کو وظیفہ کیا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تم اتنی جلدی نظر آ گئیں۔ اب میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گا اور پھر ہمیشہ کے لیے جوان اور زندہ ہو جاؤں گا حساب کے مطابق کل کی رات اس کام کے لیے بڑی اچھی ہے، کیونکہ کل چاند گرہن میں ہو گا۔ کل رات میں تیری گردن کاٹ کر تیرے بدن کا سارا خون پی جاؤں گا۔ ہاہاہا۔

جادوگر زوناش قہقہے مارتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

ایک بار تو ماریا کے بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ کم بخت یہ

خبیث جادوگر تو سچ مچ اسے ہلاک کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اب کیا کیا جائے؟ ماریا غائب ضرور ہو سکتی تھی لیکن اگر کوئی اس کی گردن کاٹے تو وہ بچ نہیں سکتی تھی۔

عنبر کی طرح اس کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ موت اس پر اثر نہ کر سکے۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اسے ہر حالت میں آج رات یا کل صبح منہ اندھیرے یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔

اس کے لیے بوڑھی عورت ہی اس کی مدد کر سکتی تھی، مگر وہ تو بات کرتے گھبرا رہی تھی۔ کوئی بات نہیں۔ میں اس کا دل جیت کر رہوں گی۔ ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا۔

وہ بوڑھی عورت کا انتظار کرنے لگی۔

موت کا طوطا

بوڑھی عورت رات کا کھانا لے کر آ گئی۔

ماریا نے سوچ رکھا تھا کہ آج رات وہ بوڑھی عورت کی ہمدردی حاصل کر کے رہے گی۔ بوڑھی عورت نے کھانا ماریا کے قریب ہی اندازے سے رکھ دیا۔

کھانا ذرا دور تھا، کیونکہ بوڑھی عورت کو ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے اسے کہا کہ اس نے کھانا بہت دور رکھ دیا

ہے۔ اسے قریب کر کے رکھے۔ عورت کھانے کا تھال لے کر اس کے قریب آ گئی۔ جونہی وہ اس کے قریب آئی، ماریا نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور بڑی محبت سے کہا۔

”میں تمہاری پاربتی کی روح ہوں ماتا جی۔ مجھے پہچانو میں دوسرے جنم میں اس دنیا میں آئی ہوں۔ میں کوئی غیر عورت نہیں ہوں۔ میں تمہاری لڑکی ہوں۔ کیا تم اپنی بیٹی پاربتی کی مدد نہیں کرو گی؟“۔

بوڑھی عورت ایک دم زرد رنگ کی ہو گئی۔ ماریا نے کہا۔

میں جنت کے ایک باغ میں بڑے آرام سے سو رہی تھی کہ تمہاری بیٹی پاربتی کی روح نے میرے پاس آ کر کہا کہ وہ میرے جسم میں داخل ہو کر دنیا میں جا کر اپنی ماں سے ملنا چاہتی

ہے۔

اس نے یہ بات اتنے دردناک انداز میں کی کہ میں تیار ہو گئی۔ پھر تمہاری بیٹی کی بے قرار روح میرے جسم کے اندر داخل ہوگئی۔ میں نے اپنی روح کو جنت کے باغ میں ہی چھوڑ دیا اور پاربتی کی روح بن کر اس جنگل میں تمہاری تلاش میں پھر رہی تھی کہ اچانک یہ خبیث جادوگر مجھے اغوا کر کے لے آیا۔

ماتا جی! اپنی بیٹی پاربتی کو اس ظالم شخص کے ظلم سے بچائیں۔ اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو یہ ظالم شخص آپ کی پاربتی کو ایک بار پھر ہلاک کر دے گا۔ اس نے پہلے بھی مجھے ہلاک کیا تھا۔ اس نے میری گردن کاٹی تھی اور خون پیا تھا۔

میں آزاد ہو کر اس ظالم سے اپنی پہلی موت کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ میری مدد کریں۔ بھگوان کے لیے میری مدد کریں۔

اس تقریر کا بوڑھی عورت پر بڑا اثر ہوا۔ وہ ایک جاہل بوڑھی عورت تھی۔ اس نے ایک پل کے لیے بڑی محبت سے ماریا کی طرف دیکھا اور اس کے سر کے بالوں کو پیار کر کہا۔

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ شاید تم ہی میری بیٹی کی روح ہو۔ تمہاری شکل تو کچھ کچھ میری بیٹی سے ملتی جلتی ہے۔ جب سے تم نے خود کو میری بیٹی بتایا ہے، میرے اندر جادوگر سے بدلہ لینے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے“۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

”پھر تم اس سے میری موت کا بدلہ کیوں نہیں لیتیں ماتا

جی؟"۔ وہ تو مجھے ایک بار پھر قتل کر کے میرا خون پینے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ کیا تم اپنی بیٹی کی مدد نہیں کرو گی"۔

بوڑھی عورت نے خوف زدہ سا ہو کر کہا۔

"پارتی بیٹی! جادوگر زوناش سے بدلہ لینا کوئی آسان کام نہیں ہے"۔

"کیوں ماتا جی؟"

"اس لیے بیٹی کہ جادوگر زوناش کی جان اس کے اپنے جسم میں نہیں ہے اس کی جان ایک ایسے طوطے میں ہے جو اس پہاڑ کے سب سے نچلے غار کے ایک کنوئیں میں پنجرے میں بند لٹک رہا ہے اور جو کوئی بھی اس کے پاس جاتا ہے وہ اس کی شکل دیکھ کر زور زور سے چلاتا ہے جس کی آواز سن کر کنوئیں کا اژدھا پھنکارتا ہوا باہر نکل آتا ہے اور اس شخص کو ڈس کر مار ڈالتا ہے۔ پھر بھلا ہم اس ظالم شخص سے کس طرح بدلا لے سکتے ہیں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ماتا! شاید تم بھول گئی ہو کہ میں طوطے کو نظر نہیں آؤں گی۔ اس طرح میں اسے بڑی آسانی سے گردن مروڑ کر ہلاک کر سکتی ہوں"۔

بوڑھی عورت نے چونک کر ماریا کی طرف دیکھا۔

"ارے ہاں پارتی بیٹی! میں نے اس پر تو دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ تم تو کسی کو نظر نہیں آتیں۔ تم تو غائب ہو۔ اگر تم طوطے کے پاس جاؤ گی تو وہ تمہیں دیکھ کر شور نہیں مچائے گا۔ تم بڑی

آسانی سے طوطے کی گردن مروڑ سکتی ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں ماتا جی! اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ میری مدد کرنے کو تیار ہیں؟ کیا آپ اپنی بیٹی کی جان نہیں بچائیں گی؟"۔

"ضرور تمہاری جان بچاؤں گی۔ ضرور تمہاری جان بچاؤں گی۔ اس ظالم جادوگر نے میری بچی کو قتل کیا ہے۔ میں دوسری بار اپنی بچی کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہاری ضرور مدد کروں گی"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ماتا جی! تم سب سے پہلا کام یہ کرو کہ میرے پاؤں میں بندھی ہوئی زنجیر کو توڑنے میں میری مدد کرو۔ پھر مجھے یہ بتاؤ کہ وہ تہہ خانہ، وہ غار کہاں ہے جس کے اندر لٹکتے ہوئے طوطے کا پنجرہ ہے"۔

میں ابھی تمہارے پاؤں کی زنجیر توڑے دیتی ہوں"۔

ماریا نے پوچھا۔

"جادوگر آج رات کہاں پر ہوگا؟"۔

"بوڑھی عورت نے کہا"۔

"وہ اس غار سے دور دریا کی چٹان پر ساری رات دیوتاؤں کی پوجا پاٹھ کرے گا۔ فکر نہ کرو۔ وہ آج رات یہاں نہیں آئے گا"۔

"تو پھر جلدی سے کوئی چیز لا کر میرے پاؤں کی زنجیر کاٹ

دو"۔

"ابھی لاتی ہوں"۔

بوڑھی عورت کوئی کلہاڑی لانے چلی گئی۔ ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بوڑھی عورت پر اس نے اثر ڈال کر اپنی مدد کے لیے راضی کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھی عورت واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں بڑی تیز قسم کی کلہاری پکڑی ہوئی تھی۔

"یہ لو بیٹی! اس کے سوا یہاں اور کوئی شے نہیں ہے۔ جس سے یہ زنجیر کٹ سکے۔"

"یہ ٹھیک رہے گی ماتا جی! اسے میرے ہاتھ میں دے دو"۔

بوڑھی عورت نے کلہاری ماریا کو پکڑا دی۔ ماریا نے اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ کلہاڑی دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوری طاقت سے زنجیر پر ماری۔

کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی۔ کتنی ہی بار کلہاڑی چلانے سے پاؤں کی زنجیر کٹ کر دور جا گری۔ ماریا اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اب وہ آزاد تھی۔ اس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماتا جی! اب مجھے یہ بتاؤ کہ نیچے غار کو کونسا راستہ جاتا ہے؟ اور کیا یہاں کوئی دوسرا پہرے دار تو نہیں ہے؟"۔

"بوڑھی عورت نے کہا۔

"ایک حبشی غلام پہرے دار ہے۔ مگر شاید وہ سو رہا ہے۔ آؤ میں تمہیں نیچے کنوئیں والے غار میں لیے چلتی ہوں۔ آؤ بیٹی۔ میرے ساتھ آؤ!"۔

بوڑھی عورت آگے آگے چل پڑی اور ماریا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ابھی انہوں نے ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ اچانک کوٹھڑی میں حبشی نمودار ہوا۔ اس نے جو ستون کے ساتھ زنجیر کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو گرج کر بولا۔

''او بوڑھی کھوسٹ عورت! میرے آقا کا قیدی کہاں ہے؟ کیا تو نے اسے بھگا دیا؟''

بوڑھی عورت لرز گئی۔

''نہیں۔ نہیں۔ میں نے اسے بھگایا نہیں؟''۔

حبشی غلام نے آگے بڑھ کر بوڑھی عورت کی گردن پکڑ کر کہا۔

''مکار عورت! یہ سب تیری کارستانی ہے۔ وہ عورت یہاں سے فرار ہو گئی ہے۔ اس کی زنجیر ٹوٹی ہوئی ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں گردن سے باندھ کر اس جگہ قید کروں گا اور جب کل میرا آقا آئے گا تو وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ کل رات میرے آقا نے اس قیدی عورت کا خون پیا تھا؟''۔

بوڑھی عورت کا خون خشک ہو گیا۔ وہ کانپنے لگی۔ ماریا الگ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بوڑھی عورت نے چیخ مار کر کہا۔

''بیٹی پاربتی! میری مدد کرو''۔

حبشی نے چونک کر کہا۔

''اب تو اپنی بیٹی کی روح کو بلا رہی ہے! یاد رکھ تمہاری بیٹی پاربتی کی روح تمہاری مدد کو کبھی نہیں آئے گی۔ اب تیری

موت کا وقت آ گیا ہے۔ دیوتا مجھ پر مہربان تھے کہ میں نے تمہیں پکڑ لیا۔ نہیں تو جادوگر آقا مجھ پر شک کرتا اور مجھے جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔‘‘

ماریا نے بوڑھی عورت کی جان ہر حالت میں بچانی تھی۔ اس کی زندگی کے ساتھ ہی ماریا کی بھی زندگی تھی۔ اس کی مدد کے بغیر ماریا اس غار کی بھول بھلیاں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

ماریا نے قریب پڑا ہوا کلہاڑا چپکے سے اٹھا لیا۔ کلہاڑا ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ حبشی کو بالکل پتا نہ چل سکا کہ ماریا اسی کوٹھڑی میں کلہاڑا لیے اس کے پیچھے کھڑی ہے۔

حبشی عورت کو گھسیٹتا ہوا ستون کے پاس لے گیا تا کہ وہاں

اسے زنجیر کے ساتھ باندھ کر قید کر لے۔ جونہی وہ ستون کے پاس جا کر زنجیر اٹھانے کے لیے زمین پر جھکا، ماریا نے پوری طاقت سے کلہاڑا اس کے سر پر دے مارا۔ حبشی بڑا طاقتور تھا۔ وہ چکرایا۔ مگر کھڑا ہو گیا اور تلوار نکال کر ہوا میں چلانے لگا۔ ماریا پیچھے ہٹ گئی۔ حبشی نے بوڑھی عورت پر وار کیا۔ وہ عورت کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اگر وہ عورت زمین پر نہ بیٹھ جاتی تو تلوار سے اس کا سر قلم ہو گیا ہوتا۔ ماریا نے اب وقت ضائع کرنا گوارا نہ کیا۔ اس نے کلہاڑی والا ہاتھ تیزی سے اٹھایا اور حبشی کے سر پر دوسرا کر دیا۔

دوسرا وار بڑا کاری لگا۔ حبشی کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے

ہو گئے۔ وہ چکر کھا کر زمین پر دھڑام سے گر پڑا۔ خون کا فوارہ بہنے لگا۔ ماریا نے کہا۔

"ماتا جی! یہاں سے جلدی سے چلو۔ ہمیں ابھی نیچے غار میں جا کر جادوگر کے طوطے کو بھی ہلاک کرنا ہے"۔

بوڑھی عورت آگے آگے چل پڑی۔

ماریا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اسے ایک تنگ سی کوٹھڑی میں سے لے کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

یہ سیڑھیاں بھی اندھیری تھیں بوڑھی عورت نے ماریا کا ہاتھ تھام لیا۔ سیڑھیوں کی چھت سے پانی ٹپک رہا تھا۔

ماریا نے پوچھا۔

"ابھی ہمیں کہاں جانا ہوگا؟"۔

"بس ایک سیڑھی اور اترنی ہوگی"۔

دوسری سیڑھی پہلی سیڑھی سے زیادہ تنگ اور زیادہ اندھیری تھی۔ ماریا دیوار کا سہارا لے کر نیچے اتری۔ آخری سیڑھی کے بعد ایک دالان آ گیا جس کی چھت نیچی تھی۔ پتھروں کے قدرتی ستون بنے ہوئے تھے۔ اس دالان میں آ کر بوڑھی عورت نے ماریا کا ہاتھ تھام لیا اور کان کے قریب آ کر سرگوشی میں کہا۔

"بیٹی! اب اس کے آگے میں نہیں جا سکتی۔ آگے وہ کنواں ہے جس کے اندر پنجرے میں وہ طوطا لٹک رہا ہے جس کے اندر جادوگر زوناش کی جان ہے۔ اگر میں آگے گئی تو طوطا مجھے دیکھ کر شور مچا دے گا۔ اور اژدہا نکل کر ہم دونوں کو ڈس کر

ہلاک کر دے گا“۔

ماریا نے سرگوشی میں پوچھا۔

”کیا کنوئیں کے اندر اترنے کی کوئی سیڑھی ہے؟“۔

بوڑھی عورت نے کہا۔

ہاں۔ اس کے اندر ایک سیڑھی جاتی ہے۔ اس سیڑھی پر سے اتر کر جادوگر اس طوطے کو کبھی کبھی بادام کھلایا کرتا ہے“۔ تم بائیں جانب سے کنوئیں کے منڈیر پر جانا۔

وہاں سے تمہیں ایک سیڑھی نیچے اترتی ملے گی۔ نیچے وہ پنجرہ ہو گا۔ بس۔ اب میں زیادہ باتیں نہیں کروں گی۔ اگر طوطے نے ہماری آواز سن لی تو قیامت آ جائے گی۔ اب تم جاؤ۔

ماریا نے بوڑھی عورت کو اسی جگہ سیڑھی میں چھوڑا اور خود کنوئیں کی طرف دبے دبے قدم اٹھاتی ہوئی بڑھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس سے ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

پھر وہ تو جادوگر سے بھی اپنا آپ نہیں چھپا سکے گی۔ وہ تو اسے ضرور جان سے مار دے گا۔ یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ وہ موت کے سفر پر جا رہی تھی۔ اگر ذرا سا پاؤں پھسلا تو وہ دھڑام سے موت کے کنوئیں میں گر پڑے گی۔

ماریا چلتے چلتے کنوئیں کے پاس آ گئی۔ اس نے نیچے دیکھا۔ ایک سیڑھی کنوئیں کے اندر جا رہی تھی۔ ماریا کنوئیں

کہ سامنے زنجیر کے ساتھ پنجرے میں ایک بڑا سا طوطا لٹک رہا ہے۔ وہ خوشی سے گردن ہلا رہا تھا۔ یہی وہ طوطا تھا جس میں زوناش کی جان تھی۔

طوطے نے ماریا کو نہیں دیکھا تھا، کیونکہ ماریا اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے غور سے دیکھا کہ پنجرے کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ماریا نے ہاتھ پنجرے کی طرف بڑھایا۔ وہ ڈر کر وہیں رک گئی۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر کہیں اس کا ہاتھ غلط پڑ گیا۔ اور طوطے کو شبہ ہو گیا کہ کوئی اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ ایکدم شور مچا دے گا اور اژدہا یہیں کہیں سے نکل کر آئے اور بوڑھی عورت کو ہلاک کر دے گا۔ وہ سوچ سمجھ کر ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

ماریا نے چپکے سے اپنا ہاتھ پنجرے کے اندر ڈال دیا۔ وہ ایکدم سے طوطے کی گردن دبوچ لینا چاہتی تھی تا کہ وہ پیدا نہ کر سکے۔

طوطا بڑے مزے سے بادام کھاتے ہوئے اپنی گردن گھما رہا تھا۔ ماریا نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کو یاد کیا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کو یاد کیا پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ طوطے نے چیخ مارنی چاہی مگر ماریا نے اسے پنجرے میں سے کھینچ کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبا لی۔

ادھر جادوگر زوناش دریا میں چٹان پر بیٹھا جادو کے منتر پڑھ رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن بڑے زور سے دبوچ لی اور اسے دبانا شروع کر دیا۔ وہ تڑپ کر چٹان سے گر

پڑا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ گردن پر کر لیے۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی دشمن طوطے کے پاس پہنچ کر اس کی گردن دبا رہا ہے۔ اگر جادوگر کی تھوڑی سی بھی آواز نکل سکتی تو وہ کوئی نہ کوئی جادو کا منتر پڑھ کر پھونکتا اور آزاد ہو جاتا۔ وہ جادو کا منتر پڑھ کر پھونکتا اور آزاد ہو جاتا۔

وہ جادو کر سکتا تھا، لیکن اس وقت تو اس کی گردن کے گرد کسی نے اپنے ہاتھوں کا شکنجہ ڈال رکھا تھا۔ اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ جادوگر تڑپنے لگا۔ اس کی ایک چیخ تک نہیں نکل رہی تھی۔

ماریا نے پوری طاقت سے طوطے کی گردن مڑور ڈالی۔ طوطے کی گردن کٹ کر ماریا کے ہاتھ میں آ گئی۔ ادھر دریا کی چٹان پر جادوگر کی گردن بھی ٹوٹ کر الگ ہو گئی اور دریا میں جا گری۔

جادوگر کے مرتے ہی اور طوطے کی گردن الگ ہوتے ہی ڈائن والے کنوئیں میں چیخوں کی آواز بلند ہوئی۔ ایک اژدہا اپنے غار میں سے تڑپتا ہوا باہر نکلا اور کنوئیں کے پاس آ کر تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بوڑھی عورت سمجھ گئی کہ طوطے کی گردن مروڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے آگے کر ماریا کو آواز دی۔

”بیٹی پاربتی! تو نے آج میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ تو نے میری بیٹی کا بدلہ لے لیا۔ شاباش! باہر آ جاؤ۔ میدان صاف ہے۔ جادوگر مر چکا ہے۔ اس کا جادو ختم ہو چکا ہے۔“

شکار بھاگ گیا

ماریا کنوئیں میں سے نکل کر باہر آ گئی۔

بوڑھی عورت نے اسے گلے لگا لیا۔ ماریا بہت خوش تھی کہ اس کی ہمت نے ایک بدکردار اور ظالم جادوگر کو موت کی نیند سلا دیا۔ اگر وہ بہادری سے کام نہ لیتی تو نہ صرف اس کی جان جاتی، بلکہ کوئی پتا نہیں کہ ظالم جادوگر کتنے اور انسانوں کی جان لیتا، کیونکہ پھر تو اس کو خدا جانے کتنی دیر تک زندہ رہنا تھا۔ ماریا نے بوڑھی عورت کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی دلیری اور مدد کرنے سے سارا کام ٹھیک ہو گیا۔

بوڑھی عورت بولی۔

”بیٹی پارتی! اب تو ہمیشہ کے لیے میرے پاس رہ جانا۔ میں تمہاری بڑی خدمت کروں گی“۔

ماریا نے کہا۔

”کاش میں ساری عمر تمہارے پاس گزار سکتی ماتا جی۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی“۔ میرے دو بھائی مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ میں ان کی تلاش میں ہوں۔ مجھے ابھی ان کو جا کر ڈھونڈنا ہے۔ خدا جانے وہ بے چارے کس حال میں ہوں گے“۔

بوڑھی عورت ماریا کو لے کر واپس اوپر کی غار والی کوٹھڑی میں آ گئی۔ کوٹھڑی میں واپس آ کر ماریا نے گرم دودھ کا ایک پیالہ پیا اور دیوار کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اس دیوار میں وہ راستہ کدھر ہے جو ہاتھ مارنے سے کھل جاتا ہے!"

بوڑھی عورت نے کہا۔

"بیٹی! اب یہاں کوئی دروازہ نہیں کھلے گا"۔

ماریا نے تشویش کے ساتھ کہا۔

"تو کیا میں اس غار کے اندر ہی قید ہو جاؤں گی؟"۔

بوڑھی عورت نے ہنس کر کہا۔

"نہیں بیٹی! بلکہ اب اس دیوار کے آگے جا کر غار کا اصلی

دروازہ کھل چکا ہے جسے جادوگر نے بند کر دیا تھا۔ تم اگر چاہو تو اس دروازے سے باہر جا سکتی ہو"۔

ماریا کو تسلی ہو گئی۔ پھر اس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماتا جی! تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہو گی۔ میں چاہتی ہوں کہ اب یہاں سے چلی جاؤں۔ کیا تم میرے لیے کہیں سے گھوڑے کا بندوبست کر سکتی ہو؟"۔

بوڑھی عورت بولی۔ "بیٹی! میں تمہارے لیے گھوڑے کا بندوبست کہیں سے بھی نہیں کر سکتی۔ اگر یہ میرے اختیار میں ہوتا تو ایسا ضرور کر لیتی"۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ میں کچھ نہ کچھ انتظام کر لوں گی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ یہاں سے پاکلی چتر کے شہر کو راستہ کدھر اور کہاں سے

جاتا ہے؟"۔

بوڑھی عورت نے کہا۔

"بیٹی! پاٹلی پتر کا شہر یہاں سے کافی دور ہے۔ وہاں چندر گپت کے بیٹے، سمراٹ کی حکومت ہے۔ یہاں سے دریا پار کر کے ساتھ ساتھ اوپر کو سفر کرنا ہوگا۔ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد تم کو ایک پہاڑی درہ ملے گا۔ اس درے میں سے گذر کر تم ایک جنگل میں داخل ہو جاؤ گی۔ وہاں سے نکل کر تمہیں میدان ملیں گے۔ ان میدان کے پار ایک اور دریا آئے گا۔ پاٹلی پتر کا شہر اسی دریا کے دوسرے کنارے پر آباد ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"بہت اچھا ماتا جی! اب مجھے اجازت دیں۔ میں جا رہی ہوں"۔ "مگر بیٹی ذرا ٹھہرو میں تمہیں کچھ پھل اور خشک مچھلی ساتھ کر دیتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں راستے میں کھانے کو پھل اور مچھلی نہ مل سکے"۔

"شکریہ ماتا جی"۔

بوڑھی عورت اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی۔

"ماتا جی! کیا تم اس جگہ باقی زندگی بسر کرو گی۔ یا تم بھی کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔ اگر تم بھی یہاں سے جانا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گی"۔

بوڑھی عورت نے آہ بھر کر کہا۔

’’بیٹی! اب میری باقی زندگی اسی غار میں بسر ہوگی۔ میری بیٹی کا اسی غار میں خون ہوا ہے۔ اس کی روح اسی جگہ مجھ سے ملنے آیا کرے گی۔ تم جا رہی ہو۔ کاش تم پاربتی بن کر میرے پاس رہ جاتیں، لیکن تم ایسا نہیں کر سکتی۔ تم جا رہی ہو۔ اگر میں بھی چلی گئی تو پاربتی کی روح یہاں آئے گی اور مجھے نہ پا کر نا امید ہوگی۔ اس لیے میرا یہاں رہنا بہت ضروری ہے۔ اب میری باقی زندگی اسی جگہ بسر ہوگی‘‘۔

ماریا نے بوڑھی عورت کو گلے لگایا اور اس کا ہاتھ چوم کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔ غار میں سے باہر نکل کر ماریا نے دیکھا کہ وہ دریا کنارے آ گئی ہے۔ بوڑھی عورت نے اسے

بتایا تھا کہ اسے دریا کنارے ہی سفر کرنا ہوگا۔

دریا کے کنارے کنارے ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد ایک درہ اسے ملے گا۔ اس درے میں سے گزر کر اسے ایک جنگل میں داخل ہونا تھا۔ اس جنگل کے بعد میدانوں کا سلسلہ شروع ہو کر ایک دریا پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ اس دریا کے دوسرے کنارے پر پاٹلی پتر کا شہر آباد تھا۔

ماریا نے دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

دریا کے کنارے پر بے شمار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ماریا کو پیدل چلنے میں کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ اگر اس کے پاس گھوڑا ہوتا تو سفر کرنے میں اسے بڑی آسانی ہوتی۔ مگر گھوڑا اس کے

پاس نہیں تھا۔

اسے پیدل ہی چلنا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ کہیں سے وہ گھوڑا حاصل نہیں کر لیتی۔ وہ چلتی چلی گئی۔ دوپہر تک وہ سفر کرتی رہی۔ دریا پیچھے کو بہہ رہا تھا اور ماریا آگے کو جا رہی تھی۔ دریا کا پانی بڑے سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

اسے چلتے چلتے تھکاوٹ سے بھوک محسوس ہونے لگی۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس نے گلے میں سے پوٹلی کھول کر اس میں سے خشک پھل اور مچھلی نکالی اور کھانے لگی۔

کھانا کھا کر اس نے پانی پیا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی۔ صبح سے چلتے چلتے وہ بہت تھک گئی تھی۔ اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ ابھی اسے سوتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ

آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ تین چار گھوڑ سوار اس کے قریب سے گذر رہے ہیں۔

ماریا اٹھ کر درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بڑے غور سے ان لوگوں کو تکنے لگی۔ ان کی شکلیں اور لباس ایک ہی طرح کے تھے۔ سروں پر پگڑیاں رکھیں تھیں۔ کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں۔

ان کے رنگ سیاہ اور مونچھیں لمبی لمبی تھیں۔ شکلوں سے وہ کوئی خوفناک ڈاکو لگ رہے تھے۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار وہاں سے آگے نکل جائیں گے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ وہ رک گئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو روک دیا۔ وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں کو ایک جگہ درختوں کے

جھنڈ میں باندھ دیا۔ پھر انہوں نے آگ جلائی اور بیٹھ کر جھولوں میں سے گوشت نکال کر اسے بھون کر کھانے لگے۔

وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔ ایک ڈاکو بولا۔

"ابھی تک وہ لوگ پہنچے نہیں۔ انہیں اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا"۔

دوسرا کہنے لگا۔

"بس آتے ہی ہوں گے۔ وقت تو ہو چکا ہے"۔

ماریا نے سوچا کہ شاید یہ لوگ اور ڈاکوؤں کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ آگے جانا چاہتی تھی لیکن گھوڑوں کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ وہ وہاں سے ایک گھوڑا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ آگے کا سفر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کرے۔

آخر یہ بھی تو ڈاکو تھے اور ڈاکوؤں کا گھوڑا لے لینا کوئی بری بات نہیں تھی ماریا سوچ ہی رہی تھی کہ گھوڑا کھول کر اس پر سوار ہو کر گھوڑے کو اپنے ساتھ غائب کر کے وہاں سے نکل جائے تو اچانک اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ڈاکو ادر دیکھنے لگے جدھر سے گھوڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ درختوں کے پیچھے سے چار گھوڑ سوار باہر نکلے۔ انہوں نے دو گٹھڑیاں سی آگے ڈالی ہوئی تھیں۔ چاروں گھوڑ سوار ڈاکوؤں کے پاس آ کر رک گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ ہاتھ ملائے۔ آنے والا ڈاکو بولا۔

"بڑی مشکل سے ان ماں بیٹی کو اٹھا کر لائے ہیں۔ کم بخت گھر کے باہر نکلوا دیں لیے لوگ پہرہ دے رہے تھے"۔

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی"۔ ان دونوں کو گٹھڑیوں میں سے نکال کر یہاں لے آؤ۔ کہیں کم بخت دم گھٹنے سے ہی نہ مر جائیں۔ ابھی تو ان کے جا کر پورے پورے دام وصول کرنے ہیں"۔

ڈاکوؤں نے گھوڑوں کے اوپر لدی ہوئی دونوں گٹھڑیاں اتار کر زمین پر ڈال دیں اور انہیں کھول دیا۔ ان میں سے دو عورتیں برآمد ہوئیں۔ ایک لڑکی تھی اور دوسری عورت تھی۔ ایک بیٹی تھی، دوسری ماں تھی۔ دونوں بے چاری سہمی ہوئی تھیں۔ ان کے رنگ فق تھے۔ زرد تھے۔ خوف سے ان کی جان نکل رہی تھی۔

ماریا کے لیے اب ایک نیا سوال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ گھوڑا

لے کر وہاں سے بھاگ جائے یا اسی جگہ بیٹھ کر ان ماں بیٹی کی مدد کرے۔ اتنے میں عورت نے ایک ڈاکو کے پاؤں پر گرتے ہوئے رو رو کر کہا۔

"بھگوان کے لیے میری بیٹی پر رحم کرو مجھے لے جا کر بازار میں فروخت کر دو مگر میری بیٹی کو جانے دو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ وہ ابھی چھوٹی سی معصوم بچی ہے۔ اس کی زندگی برباد نہ کرو"۔

ڈاکو نے زور سے عورت کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا۔

"بک بک بند کر کمینی عورت! ہم ڈاکو ہیں۔ ہمارا کام ہی یہی ہے۔ اگر ہم تمہیں اور تمہاری بیٹی کو فروخت نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟"۔

پھر اس ڈاکو نے کہا۔

"ان دونوں عورتوں کے ہاتھ باندھ دو"۔

ڈاکوؤں نے فوراً ان کے ہاتھ باندھ ڈالے۔ وہ سارے خوشی خوشی ہنسنے لگے، کھانے پینے اور قہقہے لگانے لگے۔ دونوں ماں بیٹی سہمی ہوئی ایک طرف بیٹھی تھیں۔ ماریا کو ان پر بڑا ترس آیا۔

اس نے اسی وقت دل میں فیصلہ کرلیا کہ وہ چاہے کچھ ہو جائے، ان عورتوں کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑا کر دم لے گی۔

اب وہ سوچنے لگی کہ دونوں ماں بیٹی کو کس طرح وہاں سے بچا کر بھگایا جائے؟ یہ کام مشکل بھی تھا اور آسان بھی تھا۔ آسان اس لیے تھا کہ ڈاکو زیادہ تھے۔ اس کام کے لیے عقل مندی کی بھی ضرورت تھی۔

دوسری طرف یہ بھی خیال تھا کہ ڈاکو وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے اور وہ کھانا کھا کر وہاں سے چل دیں گے۔ ماریا ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"یہ جگہ بڑی اچھی ہے۔ شاید آگے اس قسم کی آرام دہ جگہ نہ ملے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ رات اسی جگہ گذاری جائے گی"۔

"بہت خوب۔ بہت خوب سردار"۔

ڈاکو سردار کے اس فیصلے سے خوش ہو گئے۔ انہوں نے گھوڑوں پر سے بستر اتار کر دریا کے کنارے گھاس پر بچھا دیے اور بڑے آرام سے لیٹ کر گپیں ہانکنے لگے۔ سردار نے

ایک ڈاکو سے کہا۔

"ان عورتوں کو بھی اس درخت کے نیچے بستر لگا دو لیکن ہاں۔ ان دونوں کے پاؤں ایک دوسری کے پاؤں کے ساتھ باندھ ڈالو۔

ایسا ہی کیا گیا۔ ماں بیٹی کا بستر درخت کے نیچے ذرا پرے ہٹا کر لگا دیا گیا۔ ان کے ایک ایک پاؤں میں رسی ڈال کر دوسری کے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ یہی چاہتی تھی کہ یہ لوگ اسی مقام پر رات بسر کریں تاکہ اسے ماں بیٹی کو وہاں سے بھگانے کا موقع مل جائے۔ ماریا بھی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ شام ہو گئی۔ اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا۔ ڈاکوؤں نے آگ کا الاؤ روشن کر دیا اس کی روشنی میں ماریا دور درخت کے نیچے لیٹی ہوئی ماں بیٹی کو صاف دیکھ رہی تھی۔

ماریا نے پوٹلی میں سے کچھ بھنی ہوئی مچھلی اور پھل نکال کر کھایا۔ دریا کنارے جا کر دریا کا پانی پیا اور درخت کے نیچے آ کر لیٹ گئی۔ وہ رات گہری ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ڈاکو سو جائیں تو وہ ان دونوں عورتوں کے پاس جا کر انہیں وہاں سے بھگا کر لے جائے۔

ڈاکو کچھ دیر کھانا کھانے کے بعد گانے وغیرہ گاتے اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے۔ پھر ایک ایک کر کے وہ نیند کی آغوش میں جانے لگے۔

جب سارے ڈاکو سو گئے تو ماریا اپنی جگہ سے اٹھی اور دبے پاؤں چلتی اس درخت کے نیچے آ گئی، جہاں دونوں ماں بیٹی لیٹی سونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی ڈاکو گہری نیند سو رہے تھے۔

ماریا کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جونہی اس نے عورتوں کے ساتھ بات کرنی تھی انہوں نے ڈر جانا تھا، کیونکہ ماریا کی آواز آتی تھی اس کی شکل انہیں نظر نہیں آتی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو ماریا نے ان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ماریا چپکے سے لڑکی کی ماں کے قریب جھک کر آہستہ سے بولی۔

”سنو! میں دیوی ہوں آسمان سے دیوتاؤں نے مجھے تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ آواز مت نکالنا۔ جو میں کہوں اس پر عمل کرنا“۔

اس عورت نے جو اپنے کانوں میں کسی دوسری عورت کی آواز سنی تو پہلے تو وہ دنگ رہ گئی۔ پتھر کی مورت بنی رہی، مگر ماریا نے اسے پریشان ہونے کا زیادہ موقع نہ دیا اور ساتھ ہی کہا۔

”میں تمہیں ان ڈاکوؤں کی قید سے آزاد کرا دوں گی۔ تم اسی طرح خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹی رہو، جب میں کہوں تو یہاں سے اٹھنا۔ نہیں تو اسی جگہ لیٹے رہنا“۔

ماں بیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز کس کی ہے اور ان کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کوئی مذاق تو نہیں کر رہا؟ مگر

غائب ہو کر کوئی کیسے مذاق کر سکتا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ضرور دیوتا کی طرف سے بھیجی گئی دیوی ہے جو ان کی مدد کو آئی ہے۔ وہ دونوں مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔

ماریا نے آگے بڑھ کر آہستہ آہستہ ان دونوں کے پاؤں سے رسی کھول دی۔ رسی کھولنے کے بعد ماریا نے عورت کے کان میں کہا۔

"یہاں سے دس قدم کے فاصلے پر پیچھے درختوں میں میں نے تمہارے لیے گھوڑا تیار رکھا ہے۔ تم دونوں کو میرے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے بھاگنا ہوگا۔ اس طرح تم کسی کو دکھائی نہیں دو گی۔ اب یہاں سے چوری چوری کسی طرح چھپ کر ڈاکوؤں کی آنکھیں بچا کر اس گھوڑے پہنچنا تمہارا کام ہے۔ یہ کام میں خود نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے تم میری بات کو اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی؟"

عورت نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ سب کچھ سمجھ گئی ہے۔ ماریا نے جاتے ہوئے کہا۔

"میں جا رہی ہوں اور یہاں سے پیچھے درختوں میں تمہارا انتظار کروں گی۔ گھوڑا میرے پاس ہوگا"۔

ماریا وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی پیچھے آ گئی۔ پیچھے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ماریا نے ایک گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار سے تھپتھپایا تاکہ وہ شور نہ مچائے اور کہیں بدک نہ جائے۔

پھر اس نے آہستہ سے اس کی رسی کھول دی اور باگ ہاتھ

میں تھام کر گھوڑے کو قدم قدم چلاتی درختوں میں اس جگہ آ گئی جہاں اس نے دونوں ماں بیٹی کو بلا رکھا تھا۔

ادھر دونوں میں بیٹی لیٹی سوچ رہی تھیں کہ اب وہاں سے کب کھسکا جائے۔ سارے ڈاکو گہری نیند سو رہے تھے۔ قریب ہی جو ڈاکو پہرہ دے رہا تھا، وہ بھی خراٹے لے رہا تھا۔

ماں نے بیٹی کے کان میں کہا۔

"چلو بھاگ چلیں۔ اب وقت ہے"۔

"اور اس کے ساتھ ہی دونوں ماں بیٹی چپکے سے دبے پاؤں وہاں سے اٹھیں اور کھسک کر گھٹنوں کے بل جنگل کی طرف چلنے لگیں۔ سامنے وہ درختوں کا جھنڈ تھا جہاں آسمانی دیوی گھوڑا لیے اس کا انتظار کر رہی تھی، لیکن ماں کی بدقسمتی کہ

ٹھیک اسی وقت بیٹی کو چھینک آ گئی۔ چھینک کی آواز پر پہرے دار ڈاکو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جو دیکھا کہ عورتیں غائب ہیں تو شور مچا دیا۔

"شکار بھاگ گیا۔ جاگو!"۔

آسمانی دیوی

شور کی آواز سنتے ہی سارے ڈاکو جاگ پڑے۔

وہ تلواریں تان کر اس طرف بھاگے جدھر پہرے دار نے اشارہ کیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی جنگل میں اس جھنڈ کے پاس پہنچ چکی تھیں جہاں ماریا گھوڑا لیے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ ماریا نے جب دیکھا کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے تو وہ بھی مقابلے کے لیے چوکس ہو گئی۔

اس نے سوچا کہ کسی طرح اگر دونوں عورتیں اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جائیں تو وہ غائب ہو جائیں گی اور ڈاکو ساری زندگی اگر انہیں تلاش کرتے رہیں تو تلاش نہ کر سکیں گے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ گھوڑے سے فاصلے پر ہی تھیں کہ ڈاکو ان کے سر پر پہنچ گئے۔ سردار نے انہیں للکارا۔

”خبردار رک جاؤ۔ ایک قدم بھی اٹھایا تو نیزہ مار کر کام تمام کر دوں گا“۔

عورتوں کو چاہیے تھا کہ وہ بھاگتی رہیں اور آگے بڑھ کر گھوڑے پر سوار ہو جائیں مگر انہوں نے یہ غلطی کی کہ سردار کی آواز پر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ سردار نے آگے بڑھ کر دونوں عورتوں کو گرفتار کر لیا۔

وہ دونوں کو رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتا ہوا اسی درخت کے نیچے لے آیا جہاں سے وہ رسی کھول کر بھاگی تھیں۔ سردار نے ماں بیٹی کو دھکا دے کر زمین پر گرا دیا اور ایک ایک لات مار کر بولا۔

”بدبختو! تم نے رسی کیسے کھول لی؟ اب اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں اپنی تلوار سے تم دونوں کی گردنیں تن سے جدا کر دوں گا“۔

عورتیں سہم کر درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ سردار نے پہرے دار سے کہا۔

”تم اگر جاگ رہے ہوتے تو یہ عورتیں کبھی یہاں سے فرار نہ ہوتیں، اس میں تمہاری غلطی بھی تھی۔ اس بار میں تمہیں معاف کرتا ہوں، کیونکہ تم ایک پرانے اور تجربہ کار ڈاکو ہو لیکن اگر پھر کبھی تم سے ایسی حرکت ہوئی تو میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا“۔

پہرے دار نے سر جھکا کر کہا۔

”سردار! آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا“۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ سردار جاگ رہا تھا اور آگ کے پاس بیٹھا قہوہ پیتے ہوئے اپنے ساتھی ڈاکو سے باتیں کر رہا تھا۔ باقی کچھ ڈاکو سو گئے تھے اور کچھ دوبارہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پہریدار جاگ کر دونوں ماں بیٹی کی چوکیداری کر رہا تھا۔ دونوں عورتیں خوف زدہ اور ناامید ہو کر بیٹھی تھیں۔ ماریا گھوڑے کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

اب سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ حملہ کر کے ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگایا جائے اور عورتوں کو ان کے ظلم سے نجات دلائی جائے، لیکن اس میں ماریا کی اپنی جان کو خطرہ بھی تھا، مگر ماریا نے ماں بیٹی سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ان کی ضرور مدد کرے گی۔

پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ ماں بیٹی ماریا کو آسمانی دیوی سمجھ رہی ہیں۔ وہ کیا کہیں گی کہ آسمانی دیوی میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ ان کو ڈاکوؤں کی مصیبت سے نجات دلا سکے؟

ماریا اپنی جگہ سے آگے بڑھی۔ اس نے سوئے ہوئے ڈاکوؤں کے پاس آ کر ایک ڈاکو کی تلوار نیام سے نکال لی۔ تلوار نکلتے ہی ماریا کے ہاتھ میں غائب ہوگئی۔ وہ دبے پاؤں چلتی ڈاکوؤں کے سردار کے قریب آ گئی۔ ماریا سب سے پہلے سردار کو ختم کرنا چاہتی تھی، کیونکہ وہی فساد کی جڑ تھا۔ سردار اس وقت پیالہ منہ سے لگائے قہوہ پی رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ موت کا سایہ اس کے سر پر پہنچ چکا ہے۔

ماریا قریب آ کھڑی ہونے ہی لگی تھی کہ اس کا پاؤں ایک پتھر پر سے پھسل گیا۔ وہ گری نہیں، مگر پتھر لڑھک گیا۔ سردار نے چونک کر دیکھا۔

"کون ہے؟"۔ اس نے پکارا۔

"کوئی بھی نہیں"۔ اس کے ساتھی نے کہا۔

"تو پھر یہ پتھر اپنے آپ کیسے پھسل گیا؟" سردار نے

حیرانی سے کہا۔

اس کا ساتھی بولا۔

"معلوم نہیں۔ ایسا کیوں ہوا، مگر پتھر اپنی جگہ سے پھسلتے میں نے بھی دیکھا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"ضرور یہاں کوئی موجود ہے"۔

ساتھی نے ہنس کر کہا۔

"یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی یہاں موجود ہو اور ہمیں دکھائی نہ دے رہا ہو یہ تمہارا وہم ہے۔ پتھر اپنے آپ پھسل گیا ہوگا۔ ایسا کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے"۔

سردار خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔

بہرحال وہ دوبارہ چپکے سے قہوہ پینے اور باتیں کرنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں عورتوں کو مرہٹہ سردار کے ہاتھ فروخت کریں، وہ ہمیں کافی دولت دے گا۔ بیٹی کی قسمت تو بہت زیادہ وصول کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

"میرا خیال ہے مرہٹہ سردار کی بجائے اگر ہم ریاست کے راجہ کے پاس ان دونوں کو لے جائیں تو وہاں سے ہمیں بہت انعام و اکرام مل سکتا ہے"۔

سردار بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ کم بخت عورتیں واویلا مچا کر ہمیں الٹا گرفتار بھی کرا سکتی ہیں۔ بس یہ ایک خطرہ اس میں ہے۔ ورنہ

مجھے ریاست کے راجہ کے پاس جانے میں کوئی اعتراض نہیں"۔

اس کے ساتھی نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ مرہٹہ سردار ہی سہی۔ بہر حال کل شام تک ہمیں ان کی ماں بیٹی کو کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے تاکہ ہم دوسری جگہ ڈاکا ڈالنے کے قابل ہوسکیں۔ ان کی نگرانی کرتے ہوئے ہم آرام سے ڈاکا نہیں ڈال سکتے"۔

سردار نے ہنس کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ کل شام ہونے سے پہلے پہلے ان کا سودا ہو چکا ہوگا"۔

اچانک تلوار کا ایک بھرپور وار سردار کی گردن پر لگا اور اس

کی گردن آدھی کٹ کر بائیں جانب کندھے پر لٹک گئی۔ سردار کے منہ سے ایک دردبھری آواز نکلی اور وہ خون میں لت پت لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کا ساتھی ہڑبڑا کر اٹھا اور شور مچانے ہی والا تھا کہ تلوار کے دوسرے وار نے اس کی گردن تن سے جدا کر کے رکھ دی۔

ماریا کی تلوار نے یہ سارا کام اتنی جلدی اور خاموشی سے کر دیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ اسے خود یقین نہیں تھا کہ وہ سردار اور اس کے ساتھی کو اتنی خاموشی سے اور اتنی جلدی سے ختم کر کے رکھ دے گی۔ باقی ڈاکو سوئے رہے۔ دونوں مر گئے۔ ماریا اس کام سے فارغ ہو کر درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتی ہوئی وہاں آ گئی جہاں ایک

پہرے دار ڈاکو بڑی ہوشیاری سے پہرہ دے رہا تھا۔ اسے اپنے سردار اور سردار کے دوست ڈاکو کی موت کی بالکل خبر نہیں تھی۔

وہ اپنی موت سے بھی بے خبر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر تلوار کا وار کرنا چاہا تو اس کا پاؤں ایک جھاڑی میں الجھ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ پہرے دار نے کسی کے جھاڑیوں میں گرنے کی آواز سنی تو وہ لپک کر تلوار کھینچ کر اس طرف بڑھا۔

”کون ہے؟“ خبردار جو قدم آگے بڑھایا۔

اس کی آواز سن کر دوسرے ڈاکو بھی جاگ پڑے۔

”کیا ہوا؟ کون ہے یہاں؟“۔

پہرے دار نے کہا۔

”کوئی نہیں۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگائی ہے۔ مگر میرا وہم تھا۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔

اچانک ایک ڈاکو کی چیخ بلند ہوئی۔

”ارے! کسی نے سردار اور ساتھی کو قتل کر دیا“۔

اس چیخ کا بلند ہونا تھا کہ ہر طرف ایک شور مچ گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آدھی رات کو جنگل میں آ کر کس نے ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ سارے ڈاکو تلواریں نکال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بولا۔

”قاتل وہی جنگل میں ہوگا۔ اسے تلاش کر کے قتل کر دیا جائے“۔

دوسرا بولا۔

"یہ کوئی ہمارا دشمن ہے جس نے چھپ کر وار کیا اور بھاگ گیا ہے۔ اس کی یہ جرات کہ ہمارے سردار کو ہلاک کر دے! ساتھیو! اس جنگل میں آگ لگا دو لیکن اپنے سردار کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑنا ہوگا"۔

وہ قیدی عورتوں کے قریب آ کر رک گئے۔

"کیا یہ کوئی تمہارا آدمی تھا جس نے ہمارے سردار کو قتل کر دیا؟"۔

عورت نے کہا۔

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم لوگ ہمیں اٹھا کر جنگل میں لے آئے ہو۔ یہاں ہماری مدد کو کون آ سکتا ہے۔ ہم تو تمہاری

قید میں ہیں۔ ہم تو کسی کو بلا بھی نہیں سکتیں"۔

ڈاکو سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں کون دشمن ہو سکتا ہے۔ ماریا نے اب عام حملہ کر دیا۔ وہ جھاڑیوں سے باہر نکل کر ڈاکوؤں کے پیچھے آئی اور اس نے دیکھتے دیکھتے چار ڈاکوؤں کو شدید زخمی کر دیا۔

وہ گر پڑے اور کراہنے لگے۔ دوسرے ڈاکو حیرانی سے ادھر ادھر تکنے لگے کہ یہ ان کا کون خفیہ دشمن ہے جو حملہ کرتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا۔ ماریا بھاگ بھاگ کر، لپک لپک کر حملے کر رہی تھی۔ ڈاکو زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بوکھلا گئے تھے۔ ان کے چہروں پر وحشت تھی۔

ماریا نے آدھے ڈاکوؤں کو ڈھیر کر دیا تو باقی ڈاکو گھوڑوں

پر بیٹھ کر فرار ہونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میدان صاف تھا۔

ماریا عورتوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

’’میدان صاف ہو گیا۔ اب تم دونوں آزاد ہو۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا‘‘۔

اور ماریا نے جھک کر دونوں عورتوں کے پاؤں سے رسیاں کھول دیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ٹھیک اس وقت ایک زخمی ڈاکو نے جب عورتوں کی رسیاں کھلتے، انہیں اٹھتے اور کسی غیبی عورت سے باتیں کرتے سنا تو اس نے زمین پر لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر تلوار کا وار کیا۔

تلوار عورت کے پہلو میں ایک پتھر پر لگی۔ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ماریا نے ڈاکو کو بھی ختم کر دیا۔ پھر اس نے کہا۔

’’ڈاکو بھاگ چکے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ کچھ گھوڑے یہاں چھوڑ گئے۔ آؤ میرے ساتھ‘‘۔

ماریا دونوں عورتوں کو ساتھ لے جا کر گھوڑوں کے پاس لے گئی اور کہنے لگی۔

’’کیا تم لوگ اس جنگل سے نکل کر اکیلی اپنے گھر کو چلی جاؤ گی؟‘‘۔

عورت نے کہا۔

’’اے آسمانی دیوی! ہمارے لیے اکیلے اس جنگل میں سے گزر کر اپنے گھر جانا بڑا خطرناک ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہم دونوں کو دریا پار ہماری بستی کے باہر تک چھوڑ آؤ؟‘‘۔

’’کیوں نہیں؟ میں ایسا کر سکتی ہوں‘‘۔

اور ماریا نے ان دونوں کو الگ الگ گھوڑوں پر بٹھایا۔ پھر خود بھی گھوڑے پر جا بیٹھی اور انہیں ایڑ لگا کر جنگل سے باہر آ کر دریا کنارے بہاؤ کی طرف چلنے لگی۔ جنگل میں اندھیرا کم ہو رہا تھا۔

آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی سفید روشنی پھیلنے لگی تھی۔ پرندے درختوں میں چہچہانے لگے تھے۔ دریا کا پانی بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ ماریا نے پوچھا۔

”تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟ تم کیا کرتی تھیں؟“

ماں بولی۔

”اے آسمانی دیوی! تمہیں ہم کیا بتا سکتی ہیں بھلا۔ تمہیں تو خود سب کچھ معلوم ہے۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ تھوڑی سی زمین

ہے۔ اس پر گزر بسر کرتی ہوں۔ یہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اگر تم ہماری مدد نہ کرتیں تو یہ ڈاکو ہماری زندگی کا سودا کر چکے تھے۔ ہم تمہارا بے حد شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تم نے ہماری جان ڈاکوؤں کے شکنجے سے آزاد کروائی“۔

ماریا نے کہا۔

”بہن! میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری جان ان ڈاکوؤں سے ضرور بچاؤں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ اب تمہیں چاہیے کہ تم آرام سے اپنے گھر میں جا کر رہو۔ اپنی بیٹی کی حفاظت کرو۔ بغیر اجازت اور اکیلی اسے اپنے گھر سے باہر نہ نکلنے دو۔ جہاں جاؤ اسے ساتھ لے کر جاؤ“۔

عورت نے کہا۔

"شکریہ بہن! میں تمہاری ہر نصیحت پر عمل کروں گی۔ اگر آج سے پہلے بھی اس نصیحت پر عمل کرتی تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا کہ گھر سے دور جنگل میں پڑی ہوں، تم ہمیں نہ ملتیں تو ہماری زندگی برباد ہو گئی تھی"۔

ماریا انہیں ساتھ لے کر دریا کے ایک ایسے پل پر آ گئی جو بانسوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اس پل پر سے گزرتے ہوئے ماریا نے محسوس کیا کہ پل ہل رہا ہے۔ اس نے عورت سے کہا۔

"یہ پل ہل کیوں رہا ہے؟"۔

عورت نے کہا۔

"یہ پل ہوا میں ہمیشہ ہلتا رہتا ہے"۔

لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ صرف ہوا نہیں تھی بلکہ زلزلہ تھا۔ زلزلہ آ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ تو زلزلہ معلوم ہوتا ہے"۔

دونوں عورتیں پل سے چمٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ پل دائیں سے بائیں جھول رہا تھا۔ عورتیں کی چیخیں نکل گئیں۔ ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"خبردار رونا نہیں۔ ہمت سے کام لو۔ بھونچال آیا ہی کرتے ہیں۔ زمین اور پہاڑ اپنی شکل بدل رہے ہیں۔ پل کی رسیوں کے ساتھ چمٹے رہو"۔

تھوڑی دیر بعد زلزلہ ختم ہو گیا۔

دونوں عورتوں کی جان میں جان آئی۔ یہ لوگ دریا پار کر

گئے۔ دریا کے پار دوپہر کے وقت وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے، جہاں بڑی رونق تھی۔ عورت نے کہا۔

”اے آسانی دیوی! یہی وہ بستی ہے، جہاں ہم دونوں ماں بیٹی ایک مکان میں رہ رہی ہیں“۔

ماریا نے کہا۔

”کیا اب تم آرام سے اپنے گھر چلی جاؤ گی؟“

”ہاں۔ چلی جائیں گی۔ مگر کیا تم ہمارے گھر تشریف نہیں لاؤ گی؟“۔

”نہیں بہن! میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ میں نے تم دونوں کو موت کے منہ سے نکال کر یہاں پہنچا دیا۔ میں نے تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب مجھے اجازت دو۔ میں نے

ابھی اپنے دونوں بھائیوں کو بھی تلاش کرنا ہے“۔

ماریا ان دونوں عورتوں سے اجازت لے کر جانے لگی تو اس نے پوچھا۔

”میں یہاں سے پاکلی پتر کی طرف جاؤں گی۔ کیا یہ دریا پاکلی پتر کی طرف سے آ رہا ہے“۔

عورت نے کہا۔

”اے آسانی دیوی! یہ دریا پاکلی پتر سے نہیں آ رہا۔ اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے بائیں طرف آپ کو ایک درہ ملے گا۔ پہاڑوں کے درمیان میں سے گزر کر آپ ایک وادی میں جائیں گی۔ وہاں آپ کو ایک دریا ملے گا۔ بس اسی دریا کی دوسری جانب پاکلی پتر کا شہر آباد ہے“۔

"خدا حافظ"۔

ماریا گھوڑے پر سوار دریا کے ساتھ پاٹلی پتر کی طرف روانہ ہوگئی۔ بہت آگے جا کر اس نے دریا کو ایک پل پر سے عبور کیا اور ایک جنگل میں داخل ہوگئی جو پہاڑوں کے گہرے درے پر ختم ہوتا تھا۔ جنگل زیادہ گھنا تھا اور دن میں بھی اس کے درختوں کی چھاؤں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

خونی آنکھیں

ماریا کو ہم جنگل میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم ذرا ناگ اور عنبر کی طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ وہ ماریا کو اس کے حال پر چھوڑ کر پاٹلی پتر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور دریا پار کر کے ایک پہاڑی درے میں سے گزر کر جنگل میں داخل ہوگئے تھے۔ آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کا یہ جنگل خونخوار وحشی درندوں

سے بھرا ہوا تھا۔

لیکن وہ ایک ایسے کچے راستے پر سفر کر رہے تھے، جہاں سے اکثر قافلے گزرا کرتے تھے۔ یہ چھوٹا سا پگڈنڈی قسم کا راستہ تھا جو درختوں کے بیچوں بیچ جا رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور اوپر درختوں کے گھنے سائے تھے۔

ان درختوں میں گھپ اندھیرا تھا۔ دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ دونوں بھائیوں کو راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں ماریا کے بارے میں باتیں کرتے گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ وہ ماریا کی طرف سے اس لیے بے فکر تھے کہ ماریا کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اپنا بچاؤ کر سکتی تھی۔ ہاں

وہ کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ پھر بھی ناگ نے کہا۔

”ماریا ہر قسم کی مصیبت سے نکل آنے کی جرات رکھتی ہے۔ وہ پاٹلی پتر ضرور پہنچ جائے گی“۔

عنبر کہنے لگا۔

”مگر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ وہ چلی کہاں گئی؟ آخر اس کو کس نے پکڑ کر قابو کر لیا؟ وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔ ظاہر ہے، اسے کسی ایسے شخص نے قابو کیا ہو گا جو اسے دیکھ سکتا ہو گا اور یہ کوئی بڑا جادوگر ہی ہو سکتا ہے“۔

”کچھ بھی ہو ماریا اس جادوگر کو بھی ناکوں چنے چبوا دے گی۔ وہ ضرور اس کے چنگل سے نکل کر ہمارے پاس پاٹلی پتر پہنچ جائے گی۔ مجھے یقین ہے“۔

عنبر بولا۔

”دل میرا بھی یہی گواہی دیتا ہے۔ وہ بڑی بڑی مصیبتوں کا اکیلی مقابلہ کر کے ہمارے پاس پہنچ گئی تھی۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں“۔ ناگ نے کہا۔

”دوپہر بڑی گرم ہے۔ مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہیں اسی جگہ بیٹھ کر کھانا کھا لیا جائے۔ شاید گھوڑوں کو بھی پیاس لگی ہے“۔

”پانی کہیں مل جائے تو وہاں ٹھہر جاتے ہیں“۔

جنگل میں گرمی کی وجہ سے حبس ہو رہا ہے۔ ارد گرد پانی کہیں نہیں تھا۔ آخر وہ درختوں کے جھنڈ میں سے نکل کر باہر آئے تو سامنے ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی بڑا شفاف اور صاف ستھرا تھا۔ عنبر نے کہا۔

”اسی جگہ رک جاتے ہیں۔ اتنا اچھا پانی شاید آگے نہ ملے“۔

دونوں بھائی گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے۔ انہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کو جی بھر کر پانی پلایا۔ پھر انہیں گھاس میں چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑے بڑے آرام سے گردنیں لمبی کر کے گھاس چرنے لگے۔

عنبر نے تھیلے میں سے خشک مچھلی کا گوشت اور جوار کی روٹیاں نکال کر سامنے رکھ دیں۔ کھانا کھانے کے بعد انہوں نے چشمے کا ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

ناگ نے کہا۔

’’بھائی سنا ہے کہ یہاں جادو بہت ہوتا ہے؟‘‘۔

عنبر بولا۔

’’ہاں ناگ بھائی۔ ہندوستان اور افریقہ۔ یہ دونوں ملک جادوگری کے لیے بہت مشہور ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ آج سے چار ہزار برس پہلے ہمارے ملک مصر میں جو جادو ہوتا تھا، وہ اس ملک میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ پرانے مصر میں جادوگر جادو کے زور سے کھڑے کھڑے درخت کو ہوا میں اچھال دیتے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک جادوگر نے ایسا جادو کیا کہ دریائے نیل کا پانی آگ کے شعلوں سے سرخ ہوگیا۔‘‘

ناگ حیرانی سے بولا ’’کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟‘‘۔

’’تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ مجھے جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھا ہے۔ میں بہت بڑی مثال تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اب مجھ پر بھی تو کسی مصری کاہن نے جادو ہی کیا ہے جو میں مر نہیں سکتا۔ جس روز جادو کا اثر ختم ہو جائے گا، میں مر جاؤں گا‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’ماریا پر کس نے جادو کیا ہے عنبر بھائی جو وہ غائب ہوگئی ہے‘‘۔

عنبر نے کہا۔

"اس پر بھی کسی مصری جادوگر نے جادو کیا تھا۔ یہ جادو مس کی نے اور کسی ملک میں نہیں دیکھا۔ چین اور جاپان میں بھی اتنے زبردست جادوگر نہیں ہیں"۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں پاؤں کی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی پتوں پر چل رہا ہو۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"شی! کوئی آ رہا ہے"۔

وہ دونوں چوکنے ہو کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔ ان کے گھوڑے ذرا دور کھڑے گھاس چر رہے تھے۔ پاؤں کی آہٹ رک گئی۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"کون ہو سکتا ہے یہ؟"۔

"ضرور یا تو کوئی مسافر ہوگا اور یا پھر جنگلی درندہ ہوگا"۔

"اور ڈاکو بھی ہو سکتا ہے"۔

"نہیں۔ ڈاکو ان جنگلوں میں کبھی اکیلے سفر نہیں کیا کرتے۔ شی آواز پھر آ رہی ہے"۔

دونوں خاموش ہو گئے اور غور سے پاؤں کی آواز کو سننے لگے۔ آواز اب قریب آ رہی تھی۔ جنگل میں بڑی گہری خاموشی تھی۔ صرف کبھی کبھی کسی درخت پر کوئی جانور چہچہا کر اڑ جاتا تھا۔

گرمی اور حبس بہت کم ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی جھاڑیوں میں سے نکل کر آ گئے۔ انہوں نے ابھی تک عنبر اور ناگ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھوڑوں کو گھاس پر

چرتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک نے کہا۔

"یار! یہ تو بھگوان نے ہماری دعا سن لی اور ہمارے لیے اس اجاڑ جنگل میں تازہ پلے پلائے دو گھوڑے بھیج دیئے"۔

دوسرا بولا۔

"ہاں یار! یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن ہمیں بڑا ہوشیار رہنا ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے، ان گھوڑوں کے مالک یہیں کہیں پھر رہے ہوں"۔

"چھوڑو یار! تم بڑے کمزور دل ہو۔ بھگوان کی قسم اگر ان گھوڑوں کے مالک آ بھی جائیں تو میں ان کو ایسا مزا چکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد کریں گے۔ بس ان دونوں کو بھی گھوڑا بنا دوں گا اور پھر ان کی گردنوں میں رسی ڈال کر جانوروں کی طرح ساتھ ساتھ رکھوں گا"۔

عنبر اور ناگ کو بڑا غصہ آیا مگر وہ خاموش رہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ دونوں اب کیا کرتے ہیں۔ یہ بات صاف ظاہر ہوگئی تھی کہ وہ دونوں ڈاکو ہیں اور لوٹ مار کر گذر بسر کرتے ہیں اور اس وقت انھیں گھوڑوں کی سخت ضرورت تھی۔

عنبر نے ناگ کے کان میں کہا۔

"خبردار رہنا۔ کہیں یہ گھوڑے لے کر رفو چکر نہ ہو جائیں"۔

ناگ بولا۔

"جو حکم کرو گے اسی پر عمل کروں گا"۔

"ابھی انتظار کرو"۔

وہ دونوں ڈاکو اب گھوڑوں کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ گھوڑوں نے اپنے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو ذرا ہنہنائے۔ ڈاکوؤں نے ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیئے۔ گھوڑے خاموش ہو گئے۔ ناگ نے عنبر کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"بھائی! اب تو وہ گھوڑوں کو چرا کر لے جانے والے ہیں۔ اب کیا حکم ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"چلو۔ نکل کر سامنے آ جاتے ہیں"۔

دونوں بھائی جھاڑیوں میں سے نکل کر ڈاکوؤں کے سامنے آ گئے۔ ڈاکوؤں نے جو اپنے سامنے دو دبلے پتلے سے نوجوان کو دیکھا تو ایکدم تلواریں کھینچ لیں۔ ایک ڈاکو نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"کون ہو تم دونوں؟"۔

عنبر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"سرکار! ہم مسافر ہیں۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جا رہے ہیں۔ ذرا دیر کو یہاں آرام کرنے رکے تھے۔ اگر اجازت ہو تو اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چلے جائیں؟"۔

دوسرے ڈاکو نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کم بختو! ہم تمہیں کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم یہ گھوڑے اپنے ساتھ لے جاؤ؟ ہمیں ان گھوڑوں ہی کی تلاش تھی۔ ہمیں گھوڑے مل گئے ہیں۔ اب یہ گھوڑے ہمارے

ہیں۔ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ''۔

ناگ نے منت کرتے ہوئے کہا۔

''سرکار! ہم لوگ بڑے غریب ہیں۔ ہماری زندگی بھر کا سرمایہ یہ گھوڑے ہیں۔ اگر یہ گھوڑے ہم سے چھین لیے گئے تو ہم بے بس ہو جائیں گے۔ ہم آگے کوئی سفر نہ کر سکیں گے۔ اور اگر ہم نے سفر نہ جاری رکھا تو ہم بے بس ہو جائیں گے''۔

پہلے ڈاکو نے گرج کر کہا۔

''بکواس بن کرو۔ ہمیں تمہاری بے بسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ سنو! ہم اس علاقے کے بہت بڑے ڈاکو راموکے ساتھی ہیں۔ ہمارے گھوڑے دریا میں ڈوب کر مر گئے ہیں۔ ہم کو گھوڑوں کی تلاش تھی۔ تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ چپ

چاپ یہاں سے دوڑ جاؤ اور گھوڑے ہمارے حوالے کر دو''۔

عنبر نے پوچھا۔ ''اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر؟''۔

دوسرا ڈاکو زمین پر لات مار کر بولا۔

''تم میں یہ جرات سکے تم ہمارا حکم نہ مانو؟ ایسا تم خواب میں بھی کبھی نہ سوچنا۔ اگر تم نے انکار کیا تو پل کے اندر اندر تم دونوں کی لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی''۔

پھر عنبر نے ڈاکوؤں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اگر تم لوگوں کو اپنی جان پیاری ہے تو ہمیں پریشان نہ کرو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکل جانے دو، کیونکہ تم ہمیں کچھ نہ کہہ سکو گے اور ہم تم دونوں کو ابھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے''۔

عنبر کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ ایک ڈاکو نے تلوار کا طاقتور ہاتھ عنبر کے بازو پر مارا۔ کسی ہاتھی کی ٹانگ پر اگر یہ طاقتور تلوار کا ہاتھ پڑتا تو وہ بھی کٹ کر گر پڑتی مگر عنبر کے بازو کو کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اس کے جسم کے ساتھ لگا رہا۔ ڈاکو حیرت میں ڈوب گیا۔

اس نے سوچا کہ عنبر نے ضرور اپنے بازوؤں پر لوہے کا چمڑا چڑھا رکھا ہے۔ اس نے دوسرا وار ٹانگوں پر کیا تو پھر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

ڈاکو بڑا پریشان ہوا۔ اس اثناء میں عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ بھائی! لوان لوگوں پر اب تم حملہ کرو“۔

ناگ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور ایک خوفناک قسم کا

شیر بن کر گرجتا، دھاڑتا ہوا جھاڑیوں سے باہر آ گیا۔ شیر کی دھاڑ سن کر درختوں کے سارے پرندے شور مچاتے اڑ گئے۔ ڈاکوؤں نے جو شیر کو سامنے دیکھا تو ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ چہروں پر ہوائیاں اڑنا شروع ہو گئی۔

رنگ زرد ہو گیا۔ شیر نے آگے بڑھ کر ایک ڈاکو پر زور سے پنجہ مارا۔ وہ ڈاکو شیر کا طاقتور پنجہ کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کا ایک طرف کا جبڑا اوپرے کا پورا اڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی ایک آنکھ اور آدھی کھوپڑی بھی اڑ گئی تھی۔

دوسرے ڈاکو نے زمین پر گر کر سجدہ کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”اس پر رحم کرو ناگ! اس کو چھوڑ دو“۔

شیر جھاڑیوں میں واپس چلا گیا۔ یہاں ناگ پھر سے انسان کی شکل اختیار کر کے واپس آ گیا۔ ڈاکو کے اب ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"کیوں بھئی! اب بھی ہمارا گھوڑا چرا کر لے جاؤ گے!"

ڈاکو نے گڑگڑا کر کہا۔

"حضور آپ مائی باپ ہیں۔ ہم غلام ہیں آپ کے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی"۔

ناگ نے پوچھا۔

"یہ رامو ڈاکو کہاں ہوتا ہے؟"۔

ڈاکو بولا۔

"سرکار وہ اس جنگل کے پار ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں رہتا ہے۔ وہ ہمارا سردار ہے۔"

"کیا وہ اچھا آدمی ہے؟"

ڈاکو بولا۔

"حضور کیا عرض کروں۔ رامو ڈاکو بڑا ظالم شخص ہے۔ کسی پر رحم نہیں کرتا۔ اگر ہم ذرا اس کا حکم نہ مانیں تو کھڑے کھڑے کی کھال نوچ لیتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا اب تم اٹھو اور اپنا راستہ لو۔ ہاں یہ بتاؤ کہ پاٹلی پتر کو یہی راستہ جاتا ہے ناں؟"۔

"ہاں سرکار! یہی کچا راستہ اس جنگل سے ہو کر پاٹلی پتر کو

جاتا ہے مگر سرکار! پاگلی پتر تو یہاں سے بہت دور ہے"۔

"ٹھیک ہے ہم چلے جائیں گے۔ اب تم یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

ڈاکو نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ناگ اور عنبر بھی وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چل پڑے۔ شام تک وہ سفر کرتے رہے۔ جب اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا مشکل ہو گیا تو عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رات بھر کے لیے رک جانا چاہیے۔ اب اندھیرا زیادہ گہرا ہو گیا ہے"۔

ناگ بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی بھائی!"

انہوں نے گھوڑوں کو درخت کے ساتھ باندھا اور کمبل زمین پر بچھا دیئے۔ پھر انہوں نے جنگلی درختوں سے بچنے کے لیے آگ روشن کر لی۔

آگ کی وجہ سے درخت پر بیٹھے ہوئے سارے پرندے وہاں سے پھڑ پھڑ کرتے اڑ گئے۔ آدھی رات تک وہ باتیں کرتے رہے۔ پھر انہیں نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔

ناگ گہری نیند سو گیا تھا مگر عنبر ابھی جاگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماریا خدا جانے کہاں ہو گی۔ کس حال میں ہو گی۔ اس کو یوں چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے۔ انہیں اس کی تلاش کرنی چاہیے۔ نہ جانے بیچاری کسی بہت بڑی مصیبت میں ہی

گرفتار نہ ہوگئی ہو۔

لیکن پھر اس نے سوچا۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ تو دو روز تک جنگل میں اسے تلاش کرتے رہے تھے۔ انہوں نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ اگر ماریا وہاں ہوتی تو انہیں ضرور مل جاتی۔ وہ ضرور کہیں دور نکل گئی ہے اور پائلی پترا اپنے آپ پہنچ جائے گی۔ پھر عنبر کو بھی سوچتے سوچتے نیند آ گئی۔

رات جنگل کی پراسرار اندھیری رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ درختوں پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی وقت دور جھنڈوں سے کسی الو کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

اس گہری ڈراؤنی خاموش رات میں اچانک جھاڑیوں میں سے ایک ریچھ نکل کر باہر آ گیا۔ یہ کالا اور بہت اونچا لمبا ریچھ تھا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ ریچھ نے قریب آ کر عنبر اور ناگ کو تھوتھنی سے سونگھنا شروع کر دیا۔

وہ دونوں بڑی گہری نیند سو رہے تھے اور ہلکے ہلکے خراٹے بھی لے رہے تھے۔

ریچھ نے ان کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پھر وہ عنبر کے پاس آ کر رک گیا۔ تھوتھنی جھکا کر عنبر کے سر کو سونگھا اور بڑے زور سے غصے میں آ کر عنبر کے سر پر اپنا مار دیا۔ عنبر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندھیرے میں ریچھ کی خونی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں۔

راموڈاکو

عنبر مسکرا دیا۔

وہ سمجھ گیا کہ ریچھ نے اس پر حملہ کیا ہے۔ ریچھ نے دوسری بار حملہ کر کے اپنے پنجوں کے تیز ناخنوں سے عنبر کا پیٹ چاک کرنے کی کوشش کی مگر عنبر کے جسم پر ریچھ کے ناخنوں کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

جیسے اس کا جسم پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ریچھ زور سے گرجا۔ ناگ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ ناگ خوف سے پرے ہٹ گیا۔ عنبر نے کہا۔

”ناگ بھائی! اس سے بچنا۔ یہ تمہیں زخمی کر سکتا ہے۔ میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا“۔

ناگ نے عنبر کی طرف اپنا خنجر پھینک دیا۔ اب عنبر اور ریچھ گتھم گتھا ہو گئے۔ ریچھ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا لیکن اس کے کسی حملے کا اثر نہیں ہو رہا تھا' دوسری طرف عنبر نے ریچھ پر خنجر چلانے شروع کر دیئے تھے۔ اور ریچھ کے جسم سے تیزی سے خون بہنے لگا تھا۔

ریچھ سخت زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے غرا غرا کر سارے جنگل سر پر اٹھا لیا تھا۔ اسے اس بات پر بھی طیش آ رہا تھا کہ اس کا ہر

تم کو ضرور شدید زخمی کر دیتا’’۔

ناگ نے کہا۔

‘‘کم بخت آدھی رات کو حملے کرنے جانے کہاں سے آ گیا تھا’’۔

‘‘بھائی یہ جانور آدھی رات کو ہی جنگل میں اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ تو کوئی آدم خور ریچھ معلوم ہوتا ہے، ورنہ ریچھ عام طور پر کبھی سوئے ہوئے انسان پر حملہ نہیں کرتا’’۔

پھر عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ درختوں کی گھنی شاخوں میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

تم کو ضرور شدید زخمی کر دیتا’’۔

ناگ نے کہا۔

‘‘کم بخت آدھی رات کو حملے کرنے جانے کہاں سے آ گیا تھا’’۔

‘‘بھائی یہ جانور آدھی رات کو ہی جنگل میں اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ تو کوئی آدم خور ریچھ معلوم ہوتا ہے، ورنہ ریچھ عام طور پر کبھی سوئے ہوئے انسان پر حملہ نہیں کرتا’’۔

پھر عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ درختوں کی گھنی شاخوں میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ کوئی دم میں صبح ہونے ہی والی ہے"۔

انہوں نے اٹھ کر بستر باندھ کر گھوڑوں پر رکھے اور ان پر سوار ہوکر اپنے سفر پر چل پڑے۔ اب ہم ان دونوں بھائیوں کو اسی جگہ سفر میں چھوڑتے ہیں اور واپس ماریا کی طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟

جیسا کہ پہلے ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں کہ ماریا بھی گھوڑے پر سوار جنگل میں اکیلی پاکی چتر کی طرف سفر کر رہی تھی۔ وہ سفر کرتی کرتی ایک دریا پر پہنچی۔ دریا کو پار کرنے کے بعد وہ دوسرے کنارے کے جنگل میں داخل ہوگئی۔

اب اس ڈاکو کا حال بھی سنو جس کے ساتھی کو عنبر نے ہلاک کر دیا تھا۔ وہ جنگل میں جان بچا کر بھاگتا ہوا دریا پار کے پرانے قلعے میں آ گیا۔ یہ جگہ ظالم راموڈاکو کا خفیہ ٹھکانہ ہے۔ جس ڈاکو کو عنبر اور ناگ نے قتل کیا تھا وہ راموڈاکو کا بھائی تھا۔ یہ بات عنبر اور ناگ کو معلوم نہیں تھی۔

ڈاکو نے بھی ان کو نہیں بتایا تھا۔ وہ سیدھا راموڈاکو کی غار میں جا پہنچا۔ راموڈاکو اس وقت اپنے ساتھیوں کے پاس زمین پر بیٹھا ایک چھوٹی سی ریاست میں ڈاکا ڈالنے کی سازش کر رہا تھا۔

ڈاکو نے اندر جاتے ہی زمین پر گر کر سجدہ کیا اور دہائی دی۔

"سرکار! جنگل میں دو آدمیوں نے آپ کے بھائی کو قتل کر دیا ہے"۔

راموبیہ سن کر غصے میں آگ بگولا ہو گیا۔

''کون ہے وہ شخص جس کو اتنی جرات ہوئی کہ میرے بھائی کو قتل کر دے؟''۔

ڈاکو نے کہا۔

''حضور! وہ دو آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے بھی درخت کے ساتھ باندھ ڈالا تھا۔ وہ مجھے بھی قتل کرنے والے تھے کہ میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر نہ بھاگ سکا۔ وہ ان ظالموں کے ہتھے چڑھ گیا''۔

راموڈاکو نے گرجدار آواز میں کہا۔

چلو میرے ساتھ میں اپنے بھائی کا انتقام لوں گا''۔

راموڈاکو نے اس ڈاکو کو بھی دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ لیا

اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل میں عنبر اور ناگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اس وقت عنبر اور ناگ دریا پار کر کے ایک چٹانوں کی وادی میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں بڑی بڑی سیاہ چٹانیں زمین سے سر نکالے کھڑی تھیں۔ ان کے آس پاس خشک جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

راموڈاکو اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار مارو مار کرتا عنبر اور ناگ کا پیچھا کر رہا تھا۔ اسے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ دونوں مسافر پائلی پتر شہر کو جانے والی سڑک پر سفر کر رہے ہیں۔ پھر وہ ڈاکو بھی ساتھ تھا جو راموکے بھائی کے قاتلوں یعنی عنبر اور ناگ کو پہچان سکتا تھا۔ راستے میں رات ہو

گئی۔ راموڈاکو نے کہا۔

"ہم اس جگہ رات قیام کریں گے اور صبح قاتلوں کی تلاش میں نکلیں گے"

سارے ڈاکو اسی جگہ رک گئے۔

دوسری طرف سے ماریا بھی اسی سڑک یعنی پاگلی چتر کو جانے والے راستے پر سفر کرتی چلی آ رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد پاگلی چتر پہنچنا چاہتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ راتوں کو بھی سفر کر رہی تھی۔

دن میں کسی وقت وہ کسی جگہ ذرا سا آرام کر لیتی اور گھوڑے کو دانہ پانی کھلانے کے بعد پھر اپنے سفر پر چل پڑتی۔ وہ جنگل میں آدھی رات کو چلی آ رہی تھی کہ اس نے دور سے

درختوں کے نیچے سے آگ روشن دیکھی۔

"اس جگہ جنگل میں آگ کس نے روشن کر رکھی ہے"۔

وہ سوچنے لگی۔ شاید کوئی قافلہ اترا ہوا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ آگ کے الاؤ کی طرف آ گئی۔ قریب آ کر اس نے دیکھا کہ آگ درختوں کے نیچے جل رہی ہے آگ کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ہیں ہیں جن کی شکلیں ڈاکوؤں جیسی ہیں۔

ہر ایک ڈاکو کی کمر کے ساتھ تلوار لٹک رہی ہے۔ دو چار ڈاکو گھاس پر سو رہے ہیں۔ ایک ڈاکو کی شکل بڑی خوفناک ہے۔

ماریا نے سوچا کہ یہ ضرور ان کا سردار ہوگا۔ یہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ ماریا قریب جا کر ان کی باتیں غور سے سننے لگی۔

سردار یعنی راموڈاکو کو کہہ رہا تھا۔

"میں اپنے بھائی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا میں اس کی موت کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اگر مجھے میرے بھائی کے قاتل نہ ملے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

وہ ڈاکو بولا۔

"سرکار! میں بے قصور ہوں"۔

رامو ڈاکو چلایا۔

"تم نے ان لوگوں کا مقابلہ کیوں نہیں کیا؟"۔

ڈاکو بولا۔

"سرکار! وہ دونوں کوئی بہت بڑی طاقت والے نظر آ رہے تھے۔ وہ تو کوئی دیوتا لوگ معلوم ہو رہے تھے۔ ہمارے وار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا"۔

اس بات پر ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ ڈاکو لوگ تو عنبر اور ناگ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، کیونکہ وہی دونوں ایسے شخص تھے جن پر کسی کے وار کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور جو دیوتا معلوم ہوتے تھے، کیونکہ ان میں پراسرار طاقتیں تھیں۔ ایسی طاقتیں جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔ ماریا بڑی دلچسپی اور غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

رامو کہہ رہا تھا۔

"جب اس شخص نے میرے بھائی پر حملہ کیا تو تم نے اس کی گردن کیوں نہیں اڑائی تھی؟"۔

ڈاکو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حضور! وہ تو کوئی دیوتا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم سے

آگ کے شعلے نکل رہے تھے''۔

راموڈاکو نے گرج کر کہا۔

''بکواس بند کرو۔ میں دیکھ لوں گا، وہ کہاں کا دیوتا ہے اور کہاں کا طاقتور ہے۔ ایک ہی جھٹکے میں اسے موت کی نیند نہ سلا دیا تو راموڈاکو نام نہیں ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ تم راموڈاکو کے آدمی ہو جس کے نام سے اس ریاست کا بچہ بچہ ڈرتا ہے؟''۔

ڈاکو نے کہا۔

''سرکار! میں نے اسے کہا تھا۔ مگر وہ کہنے لگا کہ میں نہیں جانتا راموڈاکو کون ہے''۔

راموبھڑک اٹھا۔

''اس کی یہ مجال! اس کی یہ ہمت؟ کوئی بات نہیں۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی راموڈاکو کے نام کو نہ بھلا سکیں گی۔''

ماریا نے فیصلہ کرلیا کہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ چلنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگ عنبر اور ناگ کی تلاش میں جارہے تھے۔ عنبر اور ناگ سے ان کا ایک آدمی ہلاک ہو گیا تھا اور یہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

ڈاکو بھی سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ماریا نے بھی دور جا کر گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور زمین پر کمبل بچھا کر سوگئی۔

ساری رات ماریا کو کوئی ہوش نہ رہا۔ وہ بے حد تھکی ہوئی

تھی۔ ایک پوری رات اس نے سفر میں بالکل آرام نہیں کیا تھا جونہی اس کی آنکھ لگی تو جا کر اس وقت کھلی جب سورج آسمان کے درمیان میں آ چکا تھا۔

یعنی آدھا دن گزر چکا تھا۔ ماریا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے جلدی سے اس طرف دیکھا جدھر ڈاکو سو رہے تھے مگر وہاں تو اب سوائے بجھی ہوئی آگ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈاکو صبح صبح ہی عنبر اور ناگ کی تلاش میں وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ محض اس کی سستی کی وجہ سے وہ ڈاکوؤں سے پیچھے رہ گئی۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور وہ اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور اسے لے کر پاٹلی پتر جانے والی سڑک پر ڈاکوؤں کے پیچھے چل پڑی۔

ناگ اور عنبر آگے آگے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے راموڈاکو ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ ان کے پیچھے ماریا گھوڑے پر سوار چلی آ رہی تھی۔

ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا مگر سڑک دونوں کی ایک ہی تھی۔ صرف ڈاکو تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ ان کے اور عنبر ناگ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ رات پھر سر پر آ گئی تھی۔ عنبر اور ناگ چلتے چلتے ایک اور دریا کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ دریا جنگل کے پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔ یہ زیادہ چوڑا دریا نہیں تھا مگر اس میں پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس کے کنارے پتھریلے تھے اور اونچے نیچے تھے۔ ناگ نے پیچھے

جھانک کر کہا۔

”اس دریا کا پانی سیاہ معلوم ہوتا ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”بھائی شام کے وقت سارے دریاؤں کے پانی ایسے ہی لگتے ہیں، ویسے یہ دریا خوفناک ضرور ہے، اگر اس میں آدمی گر جائے تو ایک پل میں پانی اسے بہا کر سمندر کی طرف لے جائے“۔

ناگ بولا۔

”یہ تو بالکل ٹھیک ہے مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں دریا کے کنارے، اسی جگہ رات بسر کرنی چاہیے۔ اس سے اچھی جگہ میرے خیال میں ہمیں آگے نہیں ملے گی“۔

”تو پھر اترو گھوڑوں سے اور بچھاؤ اپنے بستر“۔

دونوں گھوڑوں پر سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے آگ جلا کر زمین پر کمبل بچھا دیئے۔ عنبر نے تھیلے میں سے خشک مچھلی نکال کر اسے گرم کیا اور نمک لگا کر خود بھی کھائی اور ناگ کو بھی پیش کیا۔ ناگ مچھلی کھاتے کھاتے ہنس پڑا۔ بولا۔

”عنبر بھائی! آج مچھلی کھاتے کھاتے مجھے بارہ روز ہو گئے ہیں۔ کم بخت کہیں سے مرغ یا بطخ کا گوشت کھانا نصیب نہیں ہوا“۔

عنبر نے کہا۔

”بھائی اس میں کونسی مشکل بات تھی۔ تم پہلے کہتے۔ ہم جنگل میں ذرا اندر جا کر جنگلی ہرن کا شکار کر لاتے“۔

"چلو کل سہی۔ کل ضرور ہرن کا شکار کھائیں گے"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ فضا میں ایک قہقہہ گونجا۔

"ہاہاہاہا۔ بدنصیب انسانو! اب تم ہرن کا شکار کبھی نہ کر سکو گے۔ ہرن سے پہلے تو میرے شکار ہو چکے ہو۔ میں تمہیں اسی جگہ، اسی وقت ہرن کی طرح ذبح کر دوں گا"۔

عنبر اور ناگ نے چونک کر دیکھا۔ سامنے راموڈاکو اپنے خونخوار ساتھیوں کے ہمراہ کھڑا ان دونوں کو خونی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"ہم سے تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ پھر تم ایسی باتیں ہمارے ساتھ کیوں کر رہے ہو؟"۔

راموڈاکو نے چیخ کر کہا۔

"تم کہتے ہو کہ میرے ساتھ تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے؟ تم۔ جو میرے بھائی کالو کے قاتل ہو جس نے جنگل میں میرے بھائی کو شیر سے ہلاک کروا دیا۔ خبردار! یہاں سے ایک قدم چلنے کی کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو میں وقت سے پہلے تمہارا کام تمام کر دوں گا"۔

راموڈاکو نے اسی ڈاکو کو سامنے کر کے کہا۔

"پہچانو! کیا یہ وہی قاتل نہیں ہیں؟"

ڈاکو نے کہا۔

"وہی ہیں حضور! انہوں نے اپنے پالتو شیر کو حکم دے کر بے چارے کالو کو مروا دیا تھا"۔

اب عنبر سمجھ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ پھر بھی وہ لڑائی نہیں کرنا

چاہتا تھا۔ اس نے راموکی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم میری بات کو غور سے سنو۔ تمہارا بھائی اور یہ آدمی رات کو ہمارے گھوڑے چرانے آئے تھے، کہ جھاڑیوں میں سے شیر نکل آیا اور تمہاری بھائی کو ہڑپ کر گیا۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم سے تمہاری دشمنی بیکار ہے"۔

راموڈاکو چلایا۔

"میں سب جانتا ہوں۔ وہ شیر تمہارا ہی یہ ساتھی تھا۔ جس نے شیر کی کھال پہن کر میرے بھائی پر حملہ کر دیا تھا۔ تم لوگ اب میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکو گے۔ میں تم سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لوں گا"۔

پھر راموڈاکو نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ان دونوں کو زنجیروں میں جکڑ دو"۔

اس سے پہلے کہ عنبر اور ناگ اپنا بچاؤ کر سکتے، سارے کے سارے ڈاکو ان پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے عنبر اور ناگ کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑ کر رکھ دیئے۔ ناگ حملہ کرنے کا خیال کر ہی رہا تھا کہ عنبر نے اشارے سے اسے منع کر دیا، کیونکہ ڈاکوؤں کی تعداد زیادہ تھی۔

اسے معلوم تھا کہ اگر ناگ نے سانپ یا شیر کا روپ بدلا تو ایک دو ڈاکو تو ضرور مر جائیں گے لیکن پھر ناگ کو بھی وہ سارے کے سارے مل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ عنبر تو موت سے اپنا دامن بچا سکتا تھا لیکن ناگ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ زیادہ لوگوں میں اس کی جان ہمیشہ خطرے میں پڑ سکتی

تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک بار زیادہ لوگوں میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا اور بے چارہ عنبر ایک برس تک ان ٹکڑوں کو لکڑی کے بکس میں ڈال کر پھرتا رہا تھا۔

ناگ نے عنبر کا اشارہ پا کر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ عنبر بھی مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسی صورت میں پھر وہی بات تھی کہ ناگ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

اس نے سوچا کہ وقت کا انتظار کرنا چاہیے ڈاکوؤں کے ساتھ گرفتار ہو کر چلے چلنا چاہیے۔ ہاں اگر انہوں نے اسی جگہ اس وقت ان دونوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو پھر عنبر ان پر حملہ کر دے گا۔ یہ بات عنبر نے دل میں طے کر رکھی تھی۔

مگر رامو ڈاکو نے ایسا نہ کیا۔ اس نے اپنے بھائی کے

قاتلوں کو اپنے ڈیرے پر لے جا کر اذیتیں دے دے کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا اور دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑوں پر ڈال دیا۔

پھر وہ انہیں لے کر واپس اپنے پرانے قلعے کی خفیہ کمین گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ جس سڑک پر یہ ڈاکو لوگ عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے لے جا رہے تھے اسی سڑک پر ماریا ان کی تلاش میں چلی آ رہی تھی لیکن ڈاکوؤں کے گھوڑے زیادہ تیز رفتار تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے قلعے کی طرف جنگل میں گھوم گئے۔ جب ماریا وہاں سے گزرنے لگی تو ڈاکو وہاں سے موڑ گھوم چکے تھے۔

پراسرار قلعہ

ماریا جنگل میں آگے نکل آئی۔

اچانک ایک جگہ رک کر اس نے دیکھا کہ کچے راستے پر ڈاکوؤں کے گھوڑوں کے نشان نہیں ہیں۔ اسے محسوس ہوا کہ یا تو وہ راستہ بھول گئی ہے اور یا ڈاکو اسے جل دے کر کسی دوسری طرف کو نکل گئے ہیں۔ اس لیے اس نے گھوڑے کو واپس موڑ دیا۔

وہ اس جگہ پر آ گئی جہاں سے ڈاکوؤں کے گھوڑوں کے نشان بائیں جانب ایک گھاٹی کی طرف مڑ گئے تھے۔ ماریا بھی ان نشانوں کے ساتھ ساتھ گھاٹی کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ گھاٹی ایک تنگ درے کی شکل میں دائیں بائیں گھومتی چلی گئی تھی۔ ماریا گھوڑے کو قدم قدم چلاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ گھوڑوں کے نشان برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ ماریا کا حوصلہ بڑھ گیا، وہ ٹھیک راستے پر جا رہی تھی۔ یہاں سیاہ چٹانیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ زمین پتھریلی شروع ہو گئی تھی اور کانٹے دار جھاڑیوں نے آگے بڑھ کر راستے کو مشکل بنا دیا تھا۔

ماریا کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اب شام ہونے لگی

تھی۔ دن ڈوب رہا تھا۔ سیاہ چٹانوں پر سورج کی روشنی مدہم ہونے لگی تھی۔ درختوں کے سایوں میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ماریا کے لیے اب گھوڑوں کے قدموں کے نشان تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا، کیونکہ ایک تو زمین پتھریلی تھی جس پر گھوڑوں کے سموں کے نشان نہیں پڑتے تھے۔ دوسرے اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

ماریا گھوڑے سے اتر پڑی۔ اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ گھوڑوں کے نشان کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ وہ سیاہ چٹانوں اور چھتری نما گھنے درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ سوچنے لگی کہ اب کیا کرے؟ آگے بڑھے تو کس طرف کو بڑھے؟ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کیا وہ اسی جنگل میں رات بسر کرے؟ رات بسر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکو بہت آگے نکل جائیں گے، جبکہ ماریا چاہتی تھی کہ وہ جلدی سے جلدی ان کا پیچھا کر کے عنبر اور ناگ کے پاس پہنچ جائے۔ اس لیے کہ یہ ڈاکو عنبر اور ناگ کی طرف ہی جا رہے تھے۔

آخر اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے ڈاکو اسی جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ وہ کہیں اور نہیں جا سکتے تھے۔ ماریا نے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں تھامی اور قدم قدم چلنے لگی۔ زمین پر گھوڑوں کے نشان کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اب اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ ماریا چٹانوں کے پاس آ کر ٹھہر گئی۔ اس کے لیے راستہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ضرور

آگے بڑھتی اگر اسے ڈاکوؤں کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا۔

اس نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور پتھروں پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب کیا کرے۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں رات بسر کرنے کے بعد صبح کو ڈاکوؤں کی تلاش کی جائے"۔

چنانچہ ماریا نے زمین پر کمبل بچھایا اور لیٹ گئی۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے ان دونوں بھائیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے پر ڈال رکھا تھا۔ اور اسے اپنی قلعے والی غار کی طرف لیے جا رہے تھے۔ شام ہونے سے پہلے وہ جنگل میں چھتری نما درختوں اور سیاہ چٹانوں میں گھرے ہوئے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں پہنچ گئے۔

اس کھنڈر میں ایک غار تھا۔ اس غار کے اندر ڈاکوؤں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ جہاں وہ لوٹ مار کے بعد آ کر چھپ جاتے تھے۔ غار کے اندر آ کر ڈاکوؤں نے عنبر اور ناگ کو گھوڑوں پر سے اتار کر ایک پتھر کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

"یہاں سے تم کبھی فرار نہ ہو سکو گے۔ سنا تم نے!" اس کی کوشش بھی نہ کرنا۔ تمہاری قسمت میں اب سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموش رہے۔ وہ قریب قریب ایک ہی ستون کے ساتھ لوہے کی

زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ غار میں اندھیرا تھا۔ ڈاکوؤں نے مشعل جلا دی۔ مشعل کی روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں عنبر اور ناگ نے دیکھا کہ غار میں اندر کی طرف بھی راستہ جاتا تھا۔ ڈاکو اس طرف چلے گئے تھے۔ صرف ایک ڈاکو تلوار لیے پرے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

سردار بھی اندر چلا گیا تھا جہاں لوٹ کا مال جمع کر رکھا تھا۔ رات کو عنبر اور ناگ کو کھانا دیا گیا تو سردار خود وہاں آیا۔ اس نے دونوں بھائیوں سے کہا۔

''یقین کرو، یہ تم لوگوں کا آخری کھانا ہوگا۔ صبح منہ اندھیرے سورج نکلنے سے پہلے تم دونوں کی کھال کھینچ دی جائے گی۔ تم دونوں نے مل کر میرے پیارے بھائی کا خون کیا ہے۔ میں تم سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لوں گا''۔

عنبر نے کہا۔

''تمہارے بھائی نے بھی کئی لوگوں کا خون کیا ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہم نے تمہارے بھائی سے اپنے بے گناہ بھائیوں کے خون کا بدلہ لیا ہے''۔

سردار نے قہقہہ مار کر کہا۔

''تم بھولتے ہو کہ ہم ڈاکو ہیں۔ ہمارا کام ہی لوگوں کو لوٹنا اور قتل کرنا ہے۔ ہم دوسروں سے اپنے خون کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ دوسرا ہم سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ یہ تو ہمارا کاروبار ہے''۔

ناگ بولا۔

“تمہارا کاروبار خونی ہے۔ خدا کے سامنے تم بھی خونی ہو۔ تم سے بھی تمہارے مظالم کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔”

سردار نے ناگ کے سر پر زور سے طمانچہ مار کر کہا۔

“اگر تم نے زیادہ بکواس کی تو میں ابھی تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ میں نے تمہیں اس لیے گرفتار نہیں کیا کہ تم سے بحث کروں بلکہ اس لیے گرفتار کیا ہے کہ اپنے بھائی کے خون کا انتقام لوں”۔

عنبر اور ناگ نے تھوڑا سا دودھ پیا۔ سردار نے نوکر ڈاکو سے کہا۔

“ان لوگوں کے دونوں ہاتھ دوبارہ زنجیروں میں جکڑ دو”۔ نوکر نے عنبر اور ناگ کے دونوں ہاتھ جکڑ دیے۔ سردار

نے پوچھا۔

“اب وہ تمہارا شیر کہاں ہے جس کو تم نے بلایا تھا؟ آواز دو اس کو کہ یہاں آ کر تمہاری مدد کرے”۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

“سردار! ایسا نہ کہو۔ اگر شیر آ گیا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچ سکے گا”۔

سردار نے بھڑک کر کہا۔

“دیکھ لوں گا تمہیں اور تمہارے شیر کو۔ کل صبح تمہاری لاشیں غار کے باہر پڑی ہوں گی اور تمہاری کھال میں بھس بھر گیا ہو گا۔ تمہیں دنیا کی کوئی طاقت میرے انتقام سے نہیں بچا سکتی۔ موت تمہارا مقدر بن چکی ہے”۔

عنبر نے کہا۔

سردار! میں ایک بار پھر تم سے درخواست کروں گا کہ ہمیں چھوڑ دیا جائے، کیونکہ ہم بے گناہ ہیں۔ اگر تمہارے بھائی ہمارے گھوڑے چرانے کے لئے آگے نہ بڑھتا تو ہم اسے کوئی نقصان نہ پہنچاتے، لیکن اس نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ وہ ہمیں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اگر ہم اسے قتل نہ کرتے تو وہ ہمیں قتل کر دیتا۔ پھر شیر پر ہمارا اختیار نہیں تھا۔ شیر تو جنگل میں سے نکل کر ادھر آ گیا تھا۔

سردار بولا۔

”ٹھیک ہے۔ اب تم بھی مان گئے ہو کہ قتل تم نے کیا ہے اور شیر کی کھال میں تمہارا ساتھی تھا جس نے شیر کی کھال اوڑھ

کر میرے بھائی کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اب میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے خنجر اور چھری لے کر آؤں گا اور سب لوگوں کے سامنے تمہارے جسم کی ساری کھال اتار کر تمہاری لاشیں گدھوں کے لیے باہر پھینک دوں گا“۔

یہ کہہ کر سردار چلا گیا۔

عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر دیوار کے ساتھ لگے وہ ڈاکو ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! یہ سردار مانتا ہی نہیں۔ سیدھی انگلی سے گھی نہیں

نکلے گا۔ اسے کچھ نہ کچھ دکھانا ہی پڑے گا۔ اس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی پڑے گا"۔

ناگ نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ اتنے سارے ڈاکوؤں کا ہم کس طرح مقابلہ کریں گے۔ کہیں یہ لوگ مجھ پر قابو حاصل نہ کر لیں اور مجھے قتل نہ کر دیں۔ دوسری بار اگر میرے ٹکڑے کیے گئے تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔

میرے لیے دوبارہ زندگی حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ جیسا کہ تم جانتے ہو اس سے پہلے میں مر کر زندہ ہو چکا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں بڑی ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا ہوگا۔ نہیں تو کل صبح یہ کم از کم تمہیں ضرور ہلاک کر دیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر میں کوئی دوسرا روپ بدل کر یہاں سے نکل بھی جاؤں تو یہ لوگ میرا تعاقب کریں گے۔ کیونکہ تعداد میں یہ لوگ بہت ہیں۔ ان سے بچ کر نکلنے کے لیے بڑی عقلمندی کی ضرورت ہے"۔

عنبر بولا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے، سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم آدھی رات کے بعد، پچھلے پہر جب سارے ڈاکو گہری نیند سو رہے ہوں گے، ہم یہاں سے بھاگ

جائیں۔ ان دو پہرے داروں کو تم سنبھال لو گے"۔

ناگ نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ یہ دونوں تو میرے قابو میں آ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہمیں رات گہری ہونے اور ڈاکوؤں کے سو جانے کا انتظار کرنا چاہیے"۔

غار میں عنبر اور ناگ ڈاکوؤں کے سو جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ادھر ماریا جنگل میں پتھروں پر لیٹی بے چین ہو رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس طرح سونے سے کچھ نہیں ہوگا۔

بہتر یہی ہے کہ چل کر ڈاکوؤں کی کمین گاہ یعنی غار کو تلاش کیا جائے وہ لوگ ضرور یہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔ ماریا نے کمبل لپیٹ کر گھوڑے پر ڈالا اور چل پڑی۔

اس رات چاند آسمان پر نکل آیا۔

چاند نکلتے ہی چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی سی پھیلی اور ہر شے نظر آنے لگی۔ اب ماریا کو چلنے اور راستہ تلاش کرنے میں آسانی ہو رہی تھی۔ وہ چٹانوں میں سے نکل کر ایک ندی کے کنارے آ گئی۔

یہاں اس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ خود بھی پانی پیا اور ندی میں سے گزر کر آگے آئی تو اچانک اس کی نظر درختوں میں سے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر پر پڑی۔ یہی وہ کھنڈر تھا جہاں

عنبر اور ناگ قید تھے۔ ماریا اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے، ڈاکو اسی جگہ چھپے ہوں کیونکہ اس زمانے میں ڈاکو ایسی ہی غیر آباد جگہوں کو اپنا ٹھکانہ بنایا کرتے تھے۔ وہ درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتی پرانے قلعے کے کھنڈر پر پڑی۔ یہی وہ کھنڈر تھا جہاں عنبر اور ناگ قید تھے۔ ماریا اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے، ڈاکو اسی جگہ چھپے ہوں کیونکہ اس زمانے میں ڈاکو ایسی ہی غیر آباد جگہوں کو اپنا ٹھکانہ بنایا کرتے تھے۔ وہ درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتی پرانے قلعے کے ٹوٹے پھوٹے گرے ہوئے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ گھوڑے پر سوار تھی اور اس وجہ سے کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اچانک دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز سنی۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ آواز اس کے قریب آئی تو دو ڈاکو درختوں سے باہر نکلے۔

یہ دونوں ڈاکو غار کے دروازے پر رات کا پہرہ دے رہے تھے۔ وہ ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔ ماریا کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ڈاکو نے دوسرے سے کہا۔

"یار! سردار بھی بڑا ضدی ہے۔ ان لوگوں کا قتل نہیں کرنا چاہیے۔ کالو نے بتایا تھا کہ ان دونوں کے پاس بڑی طاقت ہے اور یہ لوگ شیر بن جاتے ہیں"۔

دوسرا ڈاکو ہنس کر کہنے لگا۔

"یار! کالو کے ساتھ معلوم ہوتا ہے تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ارے عقل کے اندھے بھلا کوئی انسان شیر بن سکتا ہے؟ یہ تو کالو کے دماغ کا فتور تھا۔ جس شیر نے سردار کے بھائی کو ہڑپ کیا وہ جنگل کا اصلی شیر تھا۔ اس جنگل میں تو اکثر شیر آدمیوں کو ہڑپ کرتے ہی رہتے ہیں"۔

پہلا ڈاکو کہنے لگا۔

"یار! مجھے یقین نہیں آتا"۔

"کیا یقین نہیں آتا؟"۔

"یہی کہ وہ شیر اصلی تھا۔ میں تو کہتا ہوں کہ سردار کو چاہیے کہ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ ان لوگوں سے لے۔ انہوں نے اس کے بھائی کو نہیں مارا۔ اگر اصلی شیر نے اسے ہڑپ کیا ہے تو پھر ان سے بدلہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ میں سچ کہتا ہوں، تم دیکھ لینا؟ ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آ جائے گی"۔

دوسرے ڈاکو نے کہا۔

"تم بزدل ہو جو ایسی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں راموڈاکو کی طرح بہادر بننا چاہیے۔ آج صبح تم دیکھ لینا۔ ان دونوں کی کھال کھینچ دی جائے گی اور کچھ بھی نہیں ہو گا"۔

دونوں ڈاکو باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ سمجھ گئی۔ عنبر اور ناگ اسی غار میں کسی جگہ قید ہیں اور راموڈاکو ان دونوں کو آج صبح قتل کرنے والا ہے مگر وہ بڑی حیران تھی کہ عنبر اور ناگ نے ڈاکوؤں کی قید سے فرار ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں و

کو انہوں نے زنجیروں میں کچھ اس طرح سے جکڑ رکھا ہو گا کہ وہ بے بس ہو گئے ہوں گے۔ کم از کم ناگ ضرور بے بس ہو گا اور ناگ کی وجہ سے عنبر بھی کچھ نہیں کر رہا ہو گا۔

بہرحال مجھے ان کی مدد کرنی ہو گی۔

یہ سوچ کر ماریا نے اپنا کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر کر درخت کے پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

دونوں پہرے دار ڈاکو، پہرہ دیتے ہوئے جب آگے سے گھوم کر واپس آئے تو درخت کے پاس کھڑے گھوڑے پر ان کی نظر پڑی۔

وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ گھوڑا کہاں سے آ گیا۔ وہ جلدی سے گھوڑے کے پاس کہاں سے آ گیا۔ وہ جلدی سے

گھوڑے کے پاس آ کر اسے تعجب سے تکنے لگے۔

”یہ گھوڑا کہاں سے آ گیا؟ ابھی ابھی جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو یہاں گھوڑا کہیں نہیں تھا۔ پھر یہ اچانک کہاں سے آ گیا؟“۔

دوسرے نے کہا۔

”میرا خیال ہے ضرور کسی دوسرے ڈاکو کا کوئی آدمی خبر لے کر سردار کے پاس آیا ہے، مگر آج تک جو آدمی بھی کوئی خبر لے آیا ہے اس نے کبھی یہاں پر گھوڑے کو کھڑا نہیں کیا“۔

پہلا بولا۔

”وہ ہمیشہ یہاں آ کر آواز دیتا ہے۔ ہم اس کی آواز کا جواب دیتے ہیں اور پھر وہ ہم سے اجازت لے کر اندر جاتا

ہے مگر یہ کون سوار ہے کہ گھوڑا یہاں کھڑا کر کے ہم سے اجازت لیے بغیر اندر چلا گیا ہے؟''۔

دوسرے نے کہا۔

''تم یہاں کھڑے رہو۔ میں اندر چل کر خبر کرتا ہوں''۔

''ٹھیک ہے۔ میں یہاں انتظار کروں گا۔ جلدی سے جاؤ اور اندر والے پہرے داروں سے یہ معلوم کرو کہ کوئی آدمی اندر گیا ہے؟''۔

پہلا ڈاکو باہر گھوڑے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ دوسرا ڈاکو اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی پہلے ڈاکو نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیوں بھئی گھوڑے! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم پر کون سوار ہو کر یہاں آیا ہے؟''۔

ماریا اس کی ساری گفتگو سن رہی تھی۔ ڈاکو گھوڑے سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا کے لیے وقت ضائع کرنا بڑا نقصان دہ تھا۔ اس نے گھوڑے کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ ڈاکو نے کہا۔

''ارے ڈرتے کیوں ہو! بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہارا سوار کون ہے اور تم اسے کہاں سے لے کر آئے ہو؟''۔

ماریا اب ڈاکو کے بالکل پیچھے آ گئی تھی۔ اس نے بڑے آرام سے ڈاکو کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میں آ گئی ہوں اس گھوڑے پر سوار ہو کر۔ میں اس جنگل کی چڑیل ہوں''۔

ڈاکو کا رنگ فق ہو گیا۔ کندھے پر اس نے ہاتھوں کو محسوس کیا۔ اور آواز بھی سنی۔ اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ ماریا نے اس کے کان میں آواز بدل کر کہا۔

"میں تم سب ڈاکوؤں کو کچا چبانے کے لیے آئی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ جن دو قیدیوں کو سردار پکڑ کر لایا ہے۔ وہ کہاں ہیں؟"۔

ڈاکو کی زبان خوف سے بند ہو گئی تھی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔ ماریا نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"بولو! کہاں ہیں وہ لوگ؟"۔

ڈاکو پر زیادہ خوف طاری ہو گیا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ ایک دم سے بے ہوش ہو کر کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گر پڑا۔ ماریا نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اسے گھسیٹ کر پیچھے لے جا کر گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ اب وہ دوسرے ڈاکو کے غار سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی تا کہ دوسرے ڈاکو کو گھوڑا دکھائی نہ دے۔ وہ اسی جگہ پر کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا ڈاکو باہر آ گیا۔ وہ اکیلا تھا۔ شاید وہ یہ معلوم کر کے آ رہا تھا کہ اندر کوئی غیر آدمی یا مہمان نہیں گیا۔

ڈاکو اس جگہ آ گیا جہاں وہ اپنے ساتھی پہرے دار کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اس جگہ آ کر ڈاکو نے بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھا اور اپنے ساتھی کو تلاش کیا مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔

اس نے اسے آوازیں بھی دیں مگر وہ وہاں ہوتا تو اسے ملتا۔ وہ تو بے ہوش ہو کر جھاڑیوں کے اندر پڑا تھا۔

اس نے اپنے ساتھی کی تلاش شروع کر دی۔ اب ماریا گھوڑے سے نیچے اتر آئی اس نے گھوڑے کو جھاڑیوں کی اوٹ میں کر لیا اور ڈاکو کے پیچھے آ کر اس نے ایک پتھر اٹھا کر آہستہ سے ڈاکو کے آگے پھینکا۔

ڈاکو نے تڑپ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔

"یار! کیوں تنگ کر رہے ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟ میں معلوم کر آیا ہوں۔ اندر کوئی نہیں آیا۔ پھر یہ گھوڑا کس کا تھا؟ ارے اب تو وہ گھوڑا بھی کہیں نہیں ہے۔ یار! اب سامنے آ جاؤ۔ بس بہت ہو گئی ہے"۔

ماریا اس کے بہت قریب آ گئی ہے۔ قریب آ کر اس نے کہا۔

"سنو! میں اس جنگل کی بد روح ہوں۔ چڑیل ہوں۔ تم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے"۔

ابھی ماریا باتیں ہی کر رہی تھی کہ ڈاکو جہاں کھڑا تھا۔ وہیں کھڑا رہا۔ وہ خوف سے سفید ہو گیا۔ ماریا نے پوچھا۔

"مجھے بتاؤ وہ دو قیدی کہاں ہیں جنہیں تمہارا سردار پکڑ کر اپنے ساتھ لایا ہے؟"

ڈاکو کے دانت خوف سے بجنے لگے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ارے چڑیل! دونوں قیدی اندر ہیں"۔

ماریا نے آواز بگاڑ کر کہا۔

"سردار انہیں قتل کرنا چاہتا ہے؟"۔

"ہاں چڑیل! وہ صبح انہیں ہلاک کر دے گا"۔

ماریا نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر زور سے ڈاکو کے سر پر مارا۔ وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونسا اور اسے گھسیٹ کر جھاڑی میں چھپا دیا۔

اب وہ غار کے دروازے میں اندر داخل ہو سکتی تھی، لیکن گھوڑے کو ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی اس نے گھوڑے کو ایک جگہ چھپا کر درخت سے باندھا اور خود غار کے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ غار کا دروازہ جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔

صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ کسی پرانے بادشاہ کا قلعہ ہے۔ جو اب وقت کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کھنڈر بن چکا ہے

ماریا پرانے قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

ڈاکو کی توبہ

قلعے کے دروازے میں پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

ماریا اندھیرے میں اس خیال سے آگے بڑھتی گئی کہ شاید کہیں سے روشنی کی کوئی کرن نظر آ جائے اور اسے ڈاکوؤں کے غار کے اندر جانے کا راستہ مل جائے۔ وہ آگے بڑھی تو اس نے دیکھا ایک جگہ غار کا دروازہ سا بنا ہوا ہے۔ بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ ٹیک لگا کر، دروازے کے منہ پر دو ڈاکو بیٹھے

پہرہ دے رہے ہیں۔ ماریا قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ پہرے داروں نے جب پتھروں پر کسی کے قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی تو چوکنے ہو گئے۔

"تم نے آواز سنی؟"۔

"ہاں سنی! مگر یہاں تو کوئی نہیں ہے؟"۔

پہرے دار نے دیوار میں سے جلتی ہوئی مشعل نکال کر آس پاس اچھی طرح دیکھا مگر سچ مچ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ماریا پاس ہی چپ چاپ کھڑی تھی لیکن پہریدار اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

ماریا اندر جانے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ ان پہرہ داروں کو جل دے کر کس طرح سے اندر جائے؟

پہرے داروں میں سے ایک نے کہا۔

”میں نے سردار اور دوسرے ساتھیوں کی آنکھ بچا کر زیتون کے تیل کا ایک مرتبان چھپا کر رکھا ہوا ہے، اگر تم مجھے دو اشرفیاں دو تو میں تمہیں آدھا مرتبان دے دوں گا“۔

دوسرا بولا۔

”وہ اشرفیاں تو میرے پاس نہیں ہیں۔ کم بخت سردار ڈاکا مارنے جاتا ہے تو ہمیں یہاں پہرے پر بٹھا جاتا ہے۔ کہیں سے مال نہیں ملتا۔ تم اگر پسند کرو تو میں تمہیں ہرن کی ایک کھال دے سکتا ہوں“۔

پہلے پہرے دار نے کہا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمہارے پاس کھال نہیں ہے“۔

”تم اگر کہو تو میں ابھی تمہیں لا کر دکھائے دیتا ہوں“۔

”ہاں جاؤ ہرن کی کھال لا کر دکھا دو۔ میں آدھا تیل ابھی تمہیں دے دوں گا“۔

دوسرا پہرے دار وہاں سے اٹھ کر غار کے اندر ہرن کی کھال لینے چلا گیا۔ آدھا میدان صاف ہو گیا تھا۔ ماریا کے لیے وقت بڑا کم تھا۔ رات گزر رہی تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا ابھی ابھی کر لینا چاہیے تھا۔ وہ آگے بڑھی اور گھوڑے پر سے نیچے اتر آئی۔

اس کے گھوڑے پر سے نیچے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا۔

پہرے دار نے جو اچانک اپنے سامنے گھوڑے کو دیکھا تو بار بار آنکھیں جھپکانے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامنے

گھوڑا کھڑا ہے، کیونکہ ایک پل پہلے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

پہرے دار اٹھ کر گھوڑے کے پاس آیا تو ماریا نے زور سے اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا جلدی سے گھوڑے کو واپس اسی جگہ لے گئی جہاں اس نے اسے باندھ رکھا تھا۔

گھوڑے کو دوبارہ باندھ کر ماریا تیزی سے غار کے دروازے پر آئی اور اندر داخل ہو گئی۔ اندر گہرا اندھیرا تھا۔ دوسرا پہرے دار ہرن کی کھال لے کر ابھی نہیں آیا تھا۔ ماریا چپکے سے دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ ایک موڑ گھومنے کے بعد اسے دور سے روشنی نظر آئی۔ یہ ایک مشعل کی روشنی تھی جو ایک دیوار کی طاق میں لگی جل رہی تھی۔

اسے سامنے سے پہرے دار ہرن کی کھال پکڑے آتا دکھائی دیا۔ ماریا نے اسے کچھ نہ کہا۔ وہ اسکے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ ماریا آگے نکل گئی۔

باہر جا کر پہرے دار نے جب اپنے ساتھی کو بے ہوش دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ جلدی سے اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔ اسے ہوش آیا تو پوچھنے لگا۔

”تم بے ہوش کیسے ہو گئے؟“

دوسرا پہرے دار بولا۔

”وہ۔ وہ گھوڑا۔ وہ گھوڑا کہاں ہے؟“۔

”کونسا گھوڑا؟“۔

”ابھی ابھی یہاں ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ گھوڑا کھڑا نہیں تھا

مگر اچانک ایک گھوڑا آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کسی نے میرے سر پر کچھ مارا اور۔ اور میں بے ہوش ہو گیا''۔

''کیسی پاگلوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا یہاں گھوڑا کہاں سے آ گیا اور پھر اگر آیا تو چلا کہاں گیا! ضرور تم نے کوئی جاتے میں خواب دیکھا ہے''۔

''نہیں نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے خواب نہیں دیکھا۔ گھوڑا ابھی ابھی یہاں تھا''۔

''چلو یار اٹھو! آؤ چل کر پہرہ دیتے ہیں یہ دیکھو میں تمہارے لیے ہرن کی کھال لے کر آیا ہوں''۔

دونوں پہرے دار دروازے پر آ کر پہرہ دینے لگے۔ دوسرے پہرے دار کے ابھی ہوش ٹھکانے نہیں ہوئے تھے۔

وہ ہکا بکا سا تھا۔

ماریا اندر غار میں ایک کوٹھڑی کے باہر کھڑی تھی۔ اندر سے اسے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہے۔ یہ کوٹھڑی ڈاکوؤں کے سردار کی کوٹھڑی تھی۔ ڈاکوؤں کا سردار رامو اپنے ساتھی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ ماریا ان کی باتیں سننے لگی۔

سردار کہہ رہا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر میں چل کر ان دونوں قاتلوں کو قتل کر دیا جائے گا اور پھر ہم ریاست میں ڈاکا ڈالنے جائیں گے۔ دن جنگل میں بسر ہو گا۔ ڈاکا رات کو ڈالیں گے''۔

ساتھی سردار نے کہا۔

''سردار! میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے''۔

سردار نے طیش میں کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو؟ کیا تمہیں میرے بھائی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ان دونوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے؟"۔

ساتھی نے کہا۔

"سردار! میں تمہارے بھائی سے ہمدردی رکھتا ہوں مگر میں بڑے ادب سے کہوں گا کہ تمہارے بھائی کو شیر نے ہلاک کیا ہے۔ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے"۔

"یہ بکواس ہے۔ انہوں نے شیر کی کھال پہن کر میرے بھائی کو خنجر سے ہلاک کیا ہے"۔

"تم سردار ہو۔ تم جو حکم دو گے ہم اس پر عمل کریں گے لیکن میرا دل کہتا ہے اگر ہم نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا تو ہم پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی"۔

سردار نے اونچی آواز میں کہا۔

"تم ایک بہادر ڈاکو ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہیں تو چاہیے کہ تم خود ان دونوں کو قتل کرو۔ بہر حال میں ان کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا"۔

دروازہ کھلا اور سردار باہر نکل کر دوسری کوٹھڑی میں چلا گیا۔ ماریا ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کے جاتے ہیں ماریا سردار کی کوٹھڑی کے اندر چلی گئی۔ کوٹھڑی میں ایک آدمی جس کا رنگ سیاہ اور آنکھیں سانپ کی طرح سرخ تھیں ایک پتھر کے پاس بیٹھا چھرا تیز کر رہا تھا۔ سردار اسے کہہ رہا تھا۔

”چھری کو اس طرح تیز کرنا کہ میرے بھائی کے قاتلوں کی کھال تیزی سے اترنا شروع ہو جائے“۔

جلاد نے کہا۔

سردار!“ فکر نہ کرو۔ تمہارے حکم سے اب تک کتنے ہی لوگوں کی کھال کھینچ چکا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ میں ان کمینوں کی کھال کس صفائی سے کھینچتا ہوں“۔

”بس یہی میں چاہتا ہوں۔ شاباش! میں تمہیں انعام سے مالا مال کر دوں گا۔ تم چھری تیز کرو۔ میں چل کر قاتلوں کو تیار کرتا ہوں“۔

سردار کوٹھڑی سے نکل کر باہر گیا تو ماریا جلاد کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کمر میں سے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ

لیا اور کہا

”تم آج تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کو قتل کر چکے ہو۔ کیا تمہیں اپنی موت یاد نہیں ہے؟“۔

جلاد نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ جلاد چھری پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کوٹھڑی کے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مگر وہاں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ کانپتے ہونٹوں سے بولا۔

”کون۔ کون ہے۔ کون ہے؟“

ماریا نے آواز بدل کر کہا۔

”میں ہوں۔ تمہاری موت“۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے اندر

سے کنڈی چڑھا دی۔ جلاد باہر کو بھاگا۔ ابھی وہ دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ ماریا نے خنجر اس کی پشت میں گھونپ دیا۔ جلاد تڑپ کر پیچھے گھوما۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ اس نے دوسرا وار جلاد کے سینے پر کیا اور خنجر کھینچ لیا۔

جلاد کے سینے سے خون کا فوارہ نکل پڑا۔ وہ چکرا کر گرا۔ اس نے ایک زبردست چیخ ماری اور دم توڑ گیا۔

ماریا نے جلدی سے کنڈی کھول دی۔ وہ باہر نکلی ہی تھی کہ اس کی چیخ کی آواز سن کر ڈاکوؤں کا سردار لپک کر اس کی کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ ماریا وہاں سے اس طرف آ گئی جہاں ایک ستون کے ساتھ اس نے عنبر اور ناگ کو دیکھا کہ زنجیروں میں جکڑے پڑے ہیں وہ ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں ماریا نے پاس جا کر کہا۔

’’عنبر بھائی!‘‘

’’ارے ماریا۔ بہن تم!‘‘

’’ہاں بھائی! خدا کا شکر ہے کہ تم اور ناگ بھائی سے ملاقات ہوگئی‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’ہم ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں مگر فکر نہ کرو۔ اب ہم نے حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے‘‘۔

ماریا بولی۔

’’مجھے سب کچھ معلوم ہوگیا ہے۔ میں نے جلاد کو قتل کر دیا ہے۔ ڈاکوؤں کا سردار اس کی کوٹھڑی میں گیا ہے‘‘۔

"شاباش! یہ تم نے اچھا کیا۔ جلاد بڑا ظالم شخص تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو قتل کیا تھا۔ اب تم ایک طرف دیوار کے پاس لگ کر بیٹھ جاؤ۔ تم آرام کرو اور اب ہمارا کام دیکھو کہ ہم ان لوگوں کو کیسا تگنی کا ناچ نچواتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتی۔ میں بھی تمہارے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کروں گی"۔

"خیر یہ تمہاری مرضی ہے۔ مگر تم کہاں پھنس گئی تھیں"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ میں ایک بڑے خطرناک قسم کے جادوگر کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ خدا کا

شکر ہے کہ اس کی قید سے فرار ہو کر بھاگی۔ تم دونوں کا ایک جگہ سے سراغ ملا اور تلاش کرتی کرتی اس جگہ پہنچ گئی"۔

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ غار میں شور مچ گیا کہ جلاد کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ سارے ڈاکو جمع ہو گئے۔ سردار عنبر اور ناگ کے پاس آ کر بولا۔

"کسی سازشی نے میرے سب سے بہترین دوست جلاد کو ہلاک کر دیا ہے۔ مگر میں تمہارے لیے ایک اور جلاد لے کر آیا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ چلو۔ تیار ہو جاؤ موت کے لیے"۔

سردار نے دوسرے جلاد کو آواز دی۔ ایک اور سیاہ بدن موٹا سا جلاد ہاتھ میں تلوار لیے سامنے آ گیا۔ سردار نے کہا۔

"ان لوگوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے، آگے بڑھ کر ان سے میرے بھائی کے خون کا بدلہ لو اور میرے سینے میں ٹھنڈک کرو"۔

جلاد نے سر جھکایا اور تلوار لے کر عنبر اور ناگ کی طرف بڑھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! اب تم اپنی جان بچاؤ۔ پیچھے جا کر ماریا کے پاس کھڑے ہو جانا اور اگر کسی طرح ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو باہر جنگل کی ندی پر میرا انتظار کرنا"۔

سردار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم یہاں سے کیسے بچ کر جا سکو گے؟"۔

"جلاد! حملہ کرو"۔

جلاد حملے کے لیے آگے بڑھا۔ ناگ نے سانس زور سے اوپر کھینچا اور وہ ایکدم غائب ہو کر سانپ بن گیا۔ سانپ بنتے ہی اس نے جلاد کی پنڈلی پر ڈسا اور پلک جھپکتے ہی پیچھے اس کی طرف چلا گیا جہاں ماریا کھڑی تھی۔

ماریا نے سانپ کو آتے دیکھا تو لپک کر اسے گود میں اٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔ ماریا کے گلے میں آتے ہی سانپ بھی اس کے ساتھ غائب ہو گیا۔

جلاد کے جسم پر زہر نے داخل ہو کر طوفان مچا دیا وہ لرزنے لگا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ گلا بند ہونے لگا۔ رگیں خشک ہو گئیں۔ ناک اور کان سے خون جاری ہو گیا۔ سردار نے

اسے سنبھالا مگر وہ گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ ڈاکو آگے بڑھے۔

”سردار! یہاں سانپ تھا۔ وہ آدمی غائب ہو گیا۔ قاتل غائب ہو گیا۔ قیدی غائب ہو گیا“۔

”وہ غائب ہو کر سانپ بن گیا۔ سانپ بن گیا“۔

ڈاکوؤں میں شور مچ گیا۔ سردار نے چیخ کر کہا۔

”بزدلو! خبردار اگر کسی نے آواز نکالی۔ میں خود اس قاتل کو ہلاک کروں گا۔ دیکھتا ہوں میرا کوئی کیا بگاڑتا ہے“۔

سردار نے جلاد کے ہاتھ سے تلوار لے کر عنبر کے سر پر ماری۔ تلوار عنبر کے سر سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی۔ سردار بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اس نے دوبارہ حملہ کیا۔ دوسری بار بھی تلوار عنبر کے سر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ اب ناگ نے ماریا کے گلے سے اتر کر رینگنا شروع کر دیا۔ پھر زمین پر سے چھلانگ لگا کر اس کی گردن کو جکڑ کر اپنا پھن سردار کے منہ کے آگے کر کے جھومنا شروع کر دیا۔

سردار کی تو جان ہی نکل گئی۔ دوسرے ڈاکو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ ایک سردار کا ساتھی آگے بڑھا سانپ کو مارے کہ سانپ نے اپنا منہ سردار کے ہونٹوں کے بالکل قریب کر دیا۔ سردار کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے کہا۔

”اگر کسی سانپ کو ہاتھ لگایا تو سانپ سردار کو ڈس کر مار ڈالے گا“۔

”وہیں رکے رہو۔ کوئی آگے نہ بڑھے“۔

ڈاکو وہیں اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ عنبر نے زنجیریں توڑ ڈالیں اور آزاد ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کہو! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"۔

سردار نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے۔ مجھے معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ میں پھر کبھی ایسا نہیں کروں گا"۔

ماریا بھی قریب آ گئی۔ اس نے کہا۔

"عنبر! یہ پھر ڈاکے مارے گا اور لوگوں کو قتل کرتا پھرے گا۔ اس کا اعتبار نہ کرنا۔ اسے قتل کر دو۔ سانپ اسے مار ڈالو"۔

سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں کالی ماتا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے اپنی بری

زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔ اب میں کبھی برے کام نہیں کروں گا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں اب کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ کسی کا گھر نہیں لوٹوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اسے معاف کر دیتے ہیں عنبر! شاید اب یہ انسانوں کے لیے بھلائی کا کام کرے"۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

"اگر تم قسم کھاتے ہو کہ آج سے پھر کبھی لوگوں پر ظلم نہیں کرو گے۔ بلکہ ان کی بھلائی کے لیے کام کرو گے تو میں تمہاری

جان بخشی کر دوں گا"۔

سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

بھائی!" میں نے کالی ماتا کی قسم کھائی ہے۔ ہم لوگ جب کالی ماتا کی قسم کھاتے ہیں تو پھر اس کو ہمیشہ پورا کرتے ہیں"۔

"میں اب نیک بن جاؤں گا۔ میں ساری دولت غریبوں میں لٹا دوں گا۔ جن کا مال لوٹا ہوا ہے، ان کو واپس کر دوں گا۔ آئندہ سے کبھی ڈاکے نہیں ڈالوں گا۔ کبھی کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگوں گے۔ مجھے معاف کر دو"۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! اسے ایک موقع نیک بننے کا دے دینا چاہیے۔ اگر اس نے پھر اپنی ظالمانہ زندگی شروع کر دی تو پھر ہم اسے خود آ کر قتل کریں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

عنبر نے اشارہ کیا۔ سانپ سردار کی گردن سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اس نے سانس زور سے کھینچا اور پھر سے انسان کی شکل میں واپس آ گیا۔

یہ شرارت دیکھ کر سارے کے سارے ڈاکو سجدے میں پڑ گئے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں اس قسم کی جادوگری نہیں دیکھی تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ لوگ آسمان کے دیوتا ہیں۔ انسان نہیں ہیں۔

سرخ اژدہا

راموڈاکو نے عنبر ناگ کی زبردست دعوت کی۔

وہ اب سیدھی راہ پر آ گیا تھا۔ وہ عنبر اور ناگ کی پوجا کرنے لگا تھا۔ سارے ہی ڈاکو ان کے پجاری بن گئے تھے۔

راموڈاکو کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کونسی عورت ہے جو غائب ہے اور جس کے ساتھ عنبر اور ناگ چوری چھپے باتیں کرتے رہتے ہیں۔

راموڈاکو کی پہلے تو جرات نہ ہوئی مگر پھر اس نے دعوت میں پوچھ ہی لیا کہ وہ عورت کون ہے جس کی وہ آواز تو سنتے ہیں مگر شکل دکھائی نہیں دیتی؟

عنبر نے کہا۔

”رامو! اب تم نے یہ سوال کر دیا ہے آئندہ اس قسم کی بات زبان پر کبھی نہ لانا۔ یہ آسمان کی ایک دیوی ہے۔ یہ ایک بھید ہے۔ اس بھید کو تم نہیں سمجھ سکتے۔ اس بھید کو سوائے ہمارے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا“۔

راموڈاکو نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”سرکار! میری توبہ جو آئندہ کبھی یہ لفظ بھی زبان پر لاؤں۔ آپ سب آسمان کے دیوتا ہیں اور دیوتاؤں کی باتیں

دیوتا ہی جان سکتے ہیں۔ ہم آدمی نہیں جان سکتے"۔

عنبر ناگ اور ماریا چار روز تک راموڈاکو کے مہمان رہے۔

پانچویں روز وہ اس سے اجازت لے کر پاٹلی پتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پاٹلی پتر کا سفر اب بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ راموڈاکو کی زبانی عنبر کو معلوم ہوا کہ چندر گپت کا بیٹا سمراٹ اب پاٹلی پتر کے تخت پر بیٹھا ہے۔

سمراٹ نے اپنے مکار اور ظالم وزیر چانکیہ کی ہدایت پر بدھ مذہب کے ماننے والوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیے ہیں۔ چانکیہ خود بھی برہمن ہے اور بدھ مت برہمنوں کے خلاف ہے۔ سمراٹ کا باپ چندر گپت ایک نیک دل راجہ تھا۔ اس نے بدھ مت کے ماننے والوں کے ساتھ بڑا نیکی کا سلوک کیا تھا مگر چانکیہ نے چندر گپت کے بعد اس کے بیٹے سمراٹ کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! شاید تمہیں یاد ہوگا، ہم ایک بار جنگل میں بدھ مت کے ایک بہت نیک دل درویش سے ملے تھے۔ جس نے ہمیں تبت تک پہنچایا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! مجھے یاد ہے۔ یہ آج سے بہت برس پہلے کی بات ہے"۔

ماریا بولی۔

"ہاں۔ بدھ مت کے ماننے والے بڑے نرم دل اور محبت

کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ تو کسی کیڑے مکوڑے کو بھی تکالیف دینا اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پھر چانکیہ برہمن ان کے خلاف کیوں ہو گیا ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”اس لیے کہ بدھ مت میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ شودر اور برہمن میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ برہمنوں کی حکومت اس طرح خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ برہمن تو شودروں سے نفرت کرتے ہیں۔ اگر کوئی شودر ان کے قریب سے گزر جائے تو وہ جا کر نہاتے ہیں“۔

ناگ نے کہا۔

”یہ تو انسانیت کے خلاف بات ہے“۔

”ہاں! اسی لیے میں چونکہ برہمن کے خلاف ہوں اور چاہتا ہوں کہ پاٹلی پتر جا کر بدھ لوگوں کو چانکیہ کے ظلم و ستم سے نجات دلاؤں“۔

”ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیے“۔ ماریا نے کہا۔ ”مجھے بھی یاد ہے تبت میں بدھ مت کے درویشوں نے ہماری دل کھول کر مدد کی تھی۔ وہ تو سوائے محبت کے اور کچھ نہیں جانتے۔ ان کے بھکشو لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کی خدمت کرتے ہیں اور جو روکھی سوکھی مل جائے اُسے لے کر واپس آ جاتے ہیں۔ کوئی انہیں کھانا دے تو شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کوئی انہیں برا بھلا کہے تو کچھ نہیں کہتے۔ پھر ایسے اچھے لوگوں سے دشمنی کرنا کہاں کا

انصاف ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہی تو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں ماریا کہ جو یہ برہمن لوگ ہیں، انہوں نے اس ملک میں لوگوں کو یقین دلا رکھا ہے کہ وہ سب سے اونچی نسل کے لوگ ہیں اور باقی سب لوگ ان سے نیچے ہیں اور انہیں بھگوان نے صرف ان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے"۔

"یہ تو غلط بات ہے"۔ ناگ نے کہا۔

اسی طرح باتیں کرتے عنبر ناگ اور ماریا اپنے گھوڑوں پر سوار پاٹلی پتر کو جانے والی سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی کچی سڑک تھی جو جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ شام کو

یہ لوگ جنگل سے باہر نکل آئے۔

اب ان کے سامنے ایک وادی تھی۔ وادی دو پہاڑوں کے درمیان میں پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑ کافی فاصلے پر تھے۔ موسم گرم تھا۔ فضا میں گرمی تھی۔ صرف درختوں کی چھاؤں میں ٹھنڈک تھی۔ عنبر نے کہا۔

"یہ وادی ہمارے سفر کی آخری وادی ہے، اس وادی کے آخر میں ایک دریا ہے۔ اس دریا کے پار ہمیں پاٹلی پتر کے شہر کی دیوار نظر آئے گی"۔

"خدا کرے کہ ویسا ہی ہو"۔ ماریا بولی۔ "ہم پہلے ہی بہت سفر کر چکے ہیں۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اس شہر میں اگر حالات اچھے ہوئے تو ایک آدھ سال رہ کر آرام کیا جائے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں ماریا بہن! حالات یہاں بھی اچھے نہیں ہوں گے“۔

”وہ تو سن رہی ہوں“۔

ماریا نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہم نے ایک غلطی کی عنبر بھائی جو سمندر کنارے خزانے کے صندوق زمین میں دفن کر کے وہاں کوئی پہرے دار مقرر نہیں کیا“۔

عنبر بولا۔

”پہرے دار کہاں سے بٹھاتے؟“۔

ماریا نے کہا۔

”ہم ناگ سے کہہ کر سانپ یا اژدہا کی خدمت حاصل کر سکتے تھے“۔

”ہاں، ایسا ہم ضرور کر سکتے تھے۔ کیوں ناگ بھائی؟“۔

”کیوں نہیں۔ آپ لوگ اگر وہاں مجھے کہتے تو میں کسی بھی زہریلے اژدہا کو وہاں پہرے پر بٹھا سکتا تھا“۔

ماریا نے پوچھا۔

”کیا اب ایسا نہیں ہو سکتا؟ میرا مطلب ہے کیا اب تم ایسا نہیں کر سکتے کہ یہاں سے کسی سانپ کو حکم دو کہ وہاں جا کر خزانے پر پہرہ دے، کیونکہ یہ ملک تو ٹھگوں، ڈاکوؤں سے بھرا پڑا ہے۔ جو زمین کا سینہ چیر کر دولت باہر نکال لیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہمارا خزانہ بھی چرا کر لے جائے“۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! اگر کوئی خزانہ لے جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔ بے شک لے جائے۔ ہمیں دولت کی ضرورت نہیں ہے"۔

ماریا بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہمارا خزانہ ہمیں بڑی تکلیفیں اٹھانے کے بعد حاصل ہوا ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ خزانہ ڈاکو اور ٹھگ لوگ اڑا کر لے جائیں۔ اگر ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو ہم اسے یہاں غریبوں میں بانٹ سکتے ہیں"۔

ناگ بولا۔

"ماریا ٹھیک کہتی ہے عنبر! ہمیں اپنے خزانے کی حفاظت

کرنی چاہیے۔ ہم نے بڑی جان جوکھوں کے بعد یہ خزانہ تلاش کیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تم ہی اس کی حفاظت کا کچھ بندوبست کرو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس جگہ دبا ہوا خزانہ محفوظ ہی رہے گا۔ نقشہ تو ہمارے پاس ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی"۔

ماریا نے کہا۔

"نہیں نہیں ناگ بھائی۔ اگر تم کسی اژدہا کو وہاں پہرے کے لیے بھیج سکتے ہو تو ابھی بھیج دو"۔

"بہت اچھا۔ میں کوشش کر کے بلاتا ہوں کسی کو"۔

عنبر نے ناگ کو اجازت دے دی۔ ناگ گھوڑے پر سے

اتر کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ عنبر اور ماریا بھی اس کے قریب ہی گھوڑوں سے اتر کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے آگ جلا لی۔ جب آگ خوب جل اٹھی تو اس نے جیب سے ایک سفوف نکال کر آگ میں ڈال دیا۔

دھواں سا اٹھا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ کچھ دیر وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کر کے کہا۔

"اے ناگ پھن! اے ناگ پھن! تو جہاں بھی ہے، میری آواز سن اور میرے پاس جلدی سے پہنچ جا! اے ناگ پھن! اے ناگ پھن!"۔

ناگ خاموش ہو گیا۔ اچانک جنگل میں ایک سسکاری

سنائی دی۔ آگ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ ندی کنارے جھاڑیوں میں سے نکل کر ایک سرخ رنگ کا اژدہا اپنا بڑا سا پھن پھیلائے ان کی طرف چلا آ رہا ہے۔ ناگ کے قریب آ کر ناگ پھن اژدہا نے اپنا سر جھکا دیا اور دو چار بار سیٹی بجائی۔ زبان نکال کر سسکاریں بھریں۔ وہ اپنی زبان میں ناگ سے پوچھ رہا تھا۔

"اے ناگ دیوتا۔ اے شیش ناگ! اے سانپوں کے بادشاہ! کیا حکم ہے؟ اس غلام کو کس خدمت کے لیے یاد کیا ہے؟ آپ حکم کریں۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"سرخ ناگ پھن! یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر اس

ملک ہندوستان کے مغربی ساحل پر ہمارا ایک باریابی جہاز کھاڑی میں درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑا ہے، اس سے ذرا فاصلے پر ہمارا ایک قیمتی خزانہ دفن ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس جگہ پہنچ کر ہمارے خزانے کی اس وقت تک حفاظت کرو جب کہ ہم واپس نہیں آ جائے۔ کیا تم سمجھ گئے ہو؟"۔

سرخ ناگ ۔ ۔ ۔ نے سر جھکا کر کہا۔

"سمجھ گیا ہوں ناگ دیوتا"۔

ناگ نے کہا۔

"خزانے کا نقشہ ہم نے خزانے کی ڈھیری پر بیٹھ کر بنایا تھا۔ تم اسے سونگھ لو۔ یہ مٹی کی بو تمہیں خزانے تک پہنچا دے

گی"۔

سرخ ناگ بولا۔ "بہت بہتر اے شیش ناگ!"

اژدہا کو نقشے کا چمڑا سونگھا دیا گیا۔ نقشے کو سونگھتے ہی اژدہا اپنے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ناگ نے ماریا اور عنبر سے کہا کہ اب وہ مطمئن رہیں کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے گا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں اب وہ بالکل مطمئن ہیں۔ ماریا نے اندیشہ ظاہر کیا کہ شاید سانپ کہیں ۔ ۔ ۔ رستہ نہ بھول جائے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "ہم راستہ بھٹک سکتے ہیں مگر سانپ کبھی راستہ نہیں بھول سکتے۔ وہ مٹی کی بو سونگھتے اپنی منزل پر ٹھیک پہنچ جاتے ہیں۔" وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور صبح پائلی پتر کو روانہ ہو گئے۔

☆ کیا سانپ اپنی منزل پر پہنچ گیا؟

☆ کیا ماریا اور عنبر کا خزانہ محفوظ رہا؟

☆ یہ سب کچھ جاننے کے لیے آپ اس ناول کی اگلی قسط نمبر 42 ”سازش کا جال“ میں پڑھیے۔

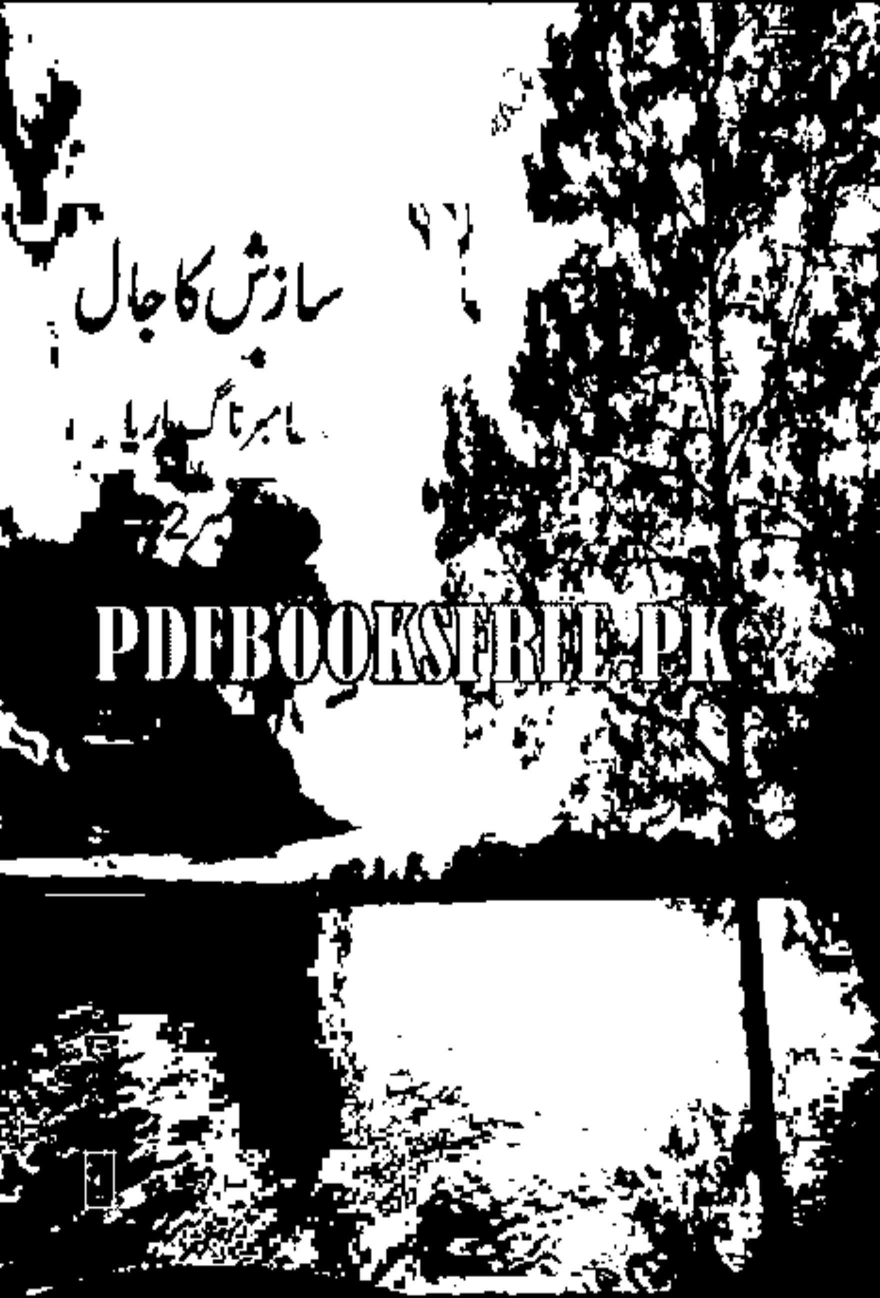

سازش کا جال

فہرست

پاٹلی پتر
خطرناک پھیرے
چور دروازہ
غار میں چیخ
پجاری کا خون
بلا ٹل گئی
پجاری سے مقابلہ
سفید سانپ
پراسرار نجومی
سازش کا جال

عنبر اور ناگ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ یہاں ایک ڈرامائی انداز میں ماریا پہنچ جاتی ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ عنبر اور ناگ کو ڈاکوؤں سے بچاتی ہے۔ تینوں پاٹلی پتر پہنچتے ہیں۔ یہاں وہ سانپ کے مندر میں ٹھہرتے ہیں۔ پجاری سے مقابلہ ہوتا ہے۔ ناگ کے آگے مندر کا سب سے بڑا سانپ سر جھکا دیتا ہے۔ کیونکہ ناگ خود ایک سانپ ہے جو سو سال زندہ رہنے کے بعد آدمی کی شکل میں آ گیا ہے۔

پاٹلی پتر

سرخ اژدہا خزانے کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔

سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ عنبر، ناگ اور ماریا اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دریا پار کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دریا وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ دریا پار دور راجہ سمرات کے شہر پاٹلی پتر کی دیوار دھندلی نظر آ رہی تھی۔

گھوڑے دانہ دنکا کھا کر اور پانی پی کر تیار ہو گئے تھے۔ تینوں بہن بھائی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں جنگل ختم ہو چکے تھے اور دریا کنارے کی زرخیز زمینوں پر کھیتیاں شروع ہو گئی تھیں۔

ان کھیتوں میں دھان اور گندم اگی ہوئی تھی۔ چلتے چلتے دن چڑھ آیا۔ دھوپ خوب پھیل گئی اور گرمی ہولے ہولے بڑھنی شروع ہو گئی۔ وہ درختوں کی گھنی چھاؤں میں سے ہو کر گزر رہے تھے۔

دریا کنارے پہنچ کر انہیں دور ایک پل دکھائی دیا جس پر سے لوگ دریا پار کر رہے تھے۔ وہ پل کی طرف ہو گئے۔ یہ پل

بھی ملک ہندوستان کے دوسرے پلوں کی طرح لکڑی کا تھا۔ یہاں سے لوگ گدھوں پر سوار، پیدل اور بیل گاڑیوں پر سوار ہو کر گذر رہے تھے۔

ان کے سر منڈے ہوئے تھے۔ سپاہی انہیں زنجیروں میں جکڑے کھینچے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ ناگ نے ایک آدمی سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ فقیر لوگ مہاتما بدھ کے ماننے والے ہیں اور راجہ سمراٹ کے حکم سے انہیں قید خانے میں ڈالنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"جو سنا تھا یہاں وہی ہو رہا ہے۔ راجہ سمراٹ اپنے ظالم وزیر چانکیہ کے اثر میں آ کر ان بے چارے بدھ فقیروں پر ظلم ڈھا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔ "یہ بہت بڑی بے انصافی ہے لیکن ہمیں ان کے معاملے میں زیادہ دخل نہیں دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم یہاں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں"۔

ماریا بولی۔ "مگر عنبر بھائی! ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ظالم کے پنجے سے مظلوموں کو بچایا جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم بھی ظالم کے ساتھی کہلائیں گے۔ سمراٹ راجہ کی آنکھوں پر مکار وزیر چانکیہ نے پٹی باندھ رکھی ہے۔ وہ بدھ کے فقیروں پر ظلم توڑ رہا ہے۔ یہ لوگ کسی کو دکھ نہیں دیتے۔ ان کو بچانا ہمارا فرض ہے"۔

عنبر نے کہا۔ "میں تمہاری بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں

ماریا بہن! وقت آنے پر ہم ان لوگوں کی ضرور مدد کریں گے۔ پہلے ہم شہر میں داخل ہو کر ذرا حالات کو اچھی طرح جانچ تو لیں"۔

پل کے پار جا کر تینوں بہن بھائی ایک پکی پتھروں سے بنی ہوئی سڑک پر ہو لیے جو گھنے درختوں کی چھاؤں میں شہر پاٹلی پتر کے بڑے دروازے کی طرف چلی گئی تھی۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ تختوں پر بیٹھے خربوزے اور آم بیچ رہے ہیں۔

کچے مکانوں کے صحن میں عورتیں چکی پیس رہی ہیں۔ بچے گندے تالابوں میں نہا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں۔ ایک مندر میں عورتیں اور مرد پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ برہمن پجاری

اچھوت لوگوں سے بچ بچ کر گزر کر رہے تھے۔ ان مندروں میں کسی نیچ ذات کے اچھوت یا چمار کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

چلتے چلتے وہ شہر کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ شہر کے اندر جانے پر بڑی سختی تھی۔ اس لیے کہ راجہ سمراٹ اور وزیر چانکیہ کو ڈر تھا کہ کہیں مہاتما بدھ کے ماننے والے فقیر ان کے خلاف کوئی سازش نہ کریں۔

شہر میں داخل ہونے والوں کی خوب اچھی طرح سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی کہ کہیں وہ برہمن کے بھیس میں بدھ کے ماننے والے فقیر تو نہیں ہیں؟ سمراٹ کے سپاہی بڑے بدمزاج اور سنگدل تھے۔

وہ بڑے کرخت لہجے میں بات کرتے تھے اور مسافروں کے ساتھ ان کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ خاص طور پر نئے نئے مسافروں کے ساتھ تو وہ بڑی بدتمیزی سے پیش آتے تھے۔ عنبر اور ناگ نے دیکھا کہ ملک افریقہ کچھ لوگوں کو سپاہیوں نے ایک طرف بٹھا رکھا تھا۔

عنبر نے کہا۔ "یہاں تو مسافروں کے ساتھ بڑی سختی ہو رہی ہے"۔

انہوں نے آپس کے صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ گھوڑوں کو باہر ہی کسی کے پاس بیچ ڈالیں اور سانپ پکڑنے والے سپیروں کے بھیس میں شہر کے اندر داخل ہوں کیونکہ اس ملک میں سانپ کی پوجا بھی ہوتی تھی اور سپیروں کو عزت کی

نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ماریا نے بھی اس خیال کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ تینوں گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ماریا تو کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ بڑی آسانی سے ان کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہو سکتی تھی۔ شہر کی فصیل یعنی دیوار کے باہر ایک جگہ گھوڑوں اور بیلوں کی خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ عنبر اور ناگ نے وہاں جا کر اپنے تینوں گھوڑے بیچ دیئے اور سپیروں کا بھیس بدل کر ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! اب ہم سپیرے بن گئے ہیں۔ ہم شہر کے دروازے میں سے گذرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا"۔

عنبر اور ناگ شہر کے دروازے پر آ گئے۔ انہیں سپیروں کے بھیس میں دیکھ کر سپاہیوں نے انہیں بھی روک دیا۔ کوتوال نے دونوں بھائیوں کو قریب آ کر گھور کر دیکھا اور کہا ”تم لوگ کون؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ ”حضور! کیا ہمارے لباس سے پتہ نہیں چل رہا کہ ہم کون ہیں؟“۔

”لباس سے تو تم سانپ پکڑنے والے سپیرے لگتے ہو“۔

عنبر بولا۔ ”سرکار نے بالکل ٹھیک پہچانا۔ ہم دونوں سپیرے ہیں۔ ہم سانپ پکڑتے بھی ہیں اور سانپ کے کاٹے کا علاج بھی کرتے ہیں۔ یہ شخص ناگ ہے۔ میں اس کا شاگرد ہوں۔ یہ میرا استاد ہے“۔

کوتوال نے کہا۔ ”کیا اس کا نام بھی ناگ ہے“۔

”جی ہاں سرکار! اس کا نام ناگ ہے“۔

سپاہی ہنس پڑے۔ کوتوال نے بھی ہنس کر کہا۔

”بہت خوب۔ یعنی تمہارے استاد نے اپنا نام بھی سانپ ہی رکھا ہوا ہے۔ پھر تو تم ضرور سپیرے ہو۔ لیکن یہ بتاؤ تم کہاں سے آ رہے ہو؟“۔

ناگ بولا۔ ”سرکار! ہم تو جنگل جنگل، شہر شہر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ کہیں سانپوں کی تلاش میں اور کہیں سانپ کے زہر کا علاج کرنے کے لیے۔ ہمیں بھی سانپ کی طرح ایک جگہ چین نہیں ہے“۔

کوتوال نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”تم پاٹلی پتر کے شہر

میں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔ "سرکار! میرے استاد نے آپ کو ابھی ابھی بتایا ہے کہ ہم سانپوں کی تلاش میں شہر شہر پھرتے ہیں، پاٹلی پتر میں بھی ہم سانپ پکڑنے اور سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے آئے ہیں"۔

کوتوال نے کہا۔ "لیکن اس کے لیے تمہیں ایک امتحان دینا ہوگا"۔

ناگ ذرا سا گھبرا گیا۔ بولا۔

"کیسا امتحان سرکار؟"۔

کوتوال نے کہا۔ ہمارے پاس سچے اور جھوٹے سپیروں کو پرکھنے کے لیے ایک بے حد زہریلا سانپ موجود ہے۔ یہ

سانپ ایک مرتبان میں بند ہے۔ اور انسان کا جانی دشمن ہے۔ وہ اس سے پہلے کئی انسانوں کو اپنے زہر سے ہلاک کر چکا ہے۔

ہمیں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم سچے سپیرے ہو اس مرتبان کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکالنا ہوگا۔ اگر تم نے سانپ کو باہر نکال لیا اور سانپ نے تمہیں نہ ڈسا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ تم ہی اصلی سپیرے ہو۔ پھر تم دونوں کو شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

ناگ اس امتحان کا سن کر بڑا خوش ہوا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ یہ سرپھرا بد مزاج کوتوال اس کو کسی قسم کے امتحان میں ڈال دے گا۔ لیکن سانپ کو پکڑنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

بلکہ اگر وہ چاہے تو سانپ مرتبان میں سے اپنے آپ نکل کر باہر آ سکتا ہے۔ اس نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ فکر نہ کرو بھائی۔ ماریا بھی قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے ناگ کے کان میں کہا۔

”مبارک ہو بھائی۔ سستے چھوٹ گئے۔ اب مزا اسی میں ہے کہ سانپ اپنے آپ مرتبان میں سے نکل کر تمہارے قدموں میں آ کر لپٹ جائے۔ تمہارے پاؤں پر آ کر اپنا سر رکھ دے۔“

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔ ”ایسا ہی ہوگا بہن!“ پھر اس نے کوتوال سے کہا۔

”سرکار! مجھے یہ شرط منظور ہے۔ آپ سانپ کے مرتبان کو لائیں“۔

ایک سپاہی نے کہا۔ ”برخوردار! کیوں اپنی جوانی کے گرد لٹھ لیکر پھر رہے ہو۔ ابھی تم نوجوان ہو۔ تمہیں دنیا میں بہت کچھ دیکھنا اور کھانا پینا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ اس خیال سے باز آؤ اور اپنے شاگرد کو لے کر واپس چلے جاؤ۔“

ناگ بولا۔ ”جناب! آپ مرتبان لائیں۔ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں آپ پر ثابت کر دوں گا کہ میں اصلی سپیرا ہوں نقلی دھوکے باز نہیں ہوں“۔

کوتوال نے کہا۔ ”مجھے تم پر ترس آتا ہے نوجوان! تم ابھی تجربہ کار سپیرے نہیں ہو۔ یہ سانپ بے حد زہریلا ہے اور اس سے پہلے چار اناڑی سپیروں کو مار چکا ہے۔ تمہاری بھلائی اسی

میں ہے کہ شہر کے اندر جانے کا خیال ترک کر کے یہاں سے واپس کسی اور شہر میں چلے جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔ "جناب عالی آپ سانپ کو لائیں۔ اگر وہ میرا حکم سنتے ہی مرتبان سے اپنے آپ باہر نہ جائے تو ناگ نام نہیں"۔

کوتوال بولا۔ "تمہیں مرتبان کے اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکالنا ہوگا۔ ہماری شرط یہی ہے"۔

ناگ بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ ہمیں آپ کی یہی شرط منظور ہے۔ مرتبان لا یئے۔ میں اسکے اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکال لوں گا"۔

"سانپ لایا جائے"۔ کوتوال نے اعلان کر دیا۔

عنبر اور ناگ ایک طرف ہو کر تخت پوش پر بیٹھ گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کوتوال کے حکم پر سپاہی اندر کوٹھڑی میں سے سبز رنگ کا ایک مرتبان اٹھا لائے، جس کے تنگ منہ پر کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ انہوں نے مرتبان ناگ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ کوتوال نے کہا۔

"اگر تم سچے سپیرے ہو اور شہر پاٹلی پتر میں داخل ہونا چاہتے ہو تو اس مرتبان میں اپنا دایاں ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکال کر دکھاؤ"۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ابھی لیں سرکار! ہم سپیروں کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہمارے باپ دادا یہی کام کرتے چلے آئے

ہیں"۔

ناگ نے مرتبان کا منہ کھولنا شروع کر دیا۔ سارے پہرے کے سپاہی بڑی دلچسپی کے ساتھ عنبر اور ناگ اور کوتوال کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

ان میں سے بہت سوں کو یقین تھا کہ یہ نوجوان قسم کا اناڑی سپیرا مرتبان میں ہاتھ ڈالتے ہی زہریلے سانپ کے زہر سے مارا جائے گا۔ یہی یقین کوتوال کو بھی تھا۔ اگر کسی کو ناگ کی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا تو وہ عنبر اور ماریا ہی تھے۔ عنبر اپنے بھائی ناگ کے قریب ہی بیٹھا بڑے شوق سے ناگ کی حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے مرتبان کے منہ پر سے رسی کھولنی شروع کر دی ا۔

رسی کے کھولنے کے بعد اس نے مرتبان کے منہ پر سے کپڑا تھوڑا سا ہٹایا اور جلدی سے اس کے اندر اپنا بایاں ہاتھ ڈال دیا۔

سارے سپاہی چپ سے ہو گئے۔ ان کے خیال میں سانپ نے ناگ کے ہاتھ کو ڈس لیا تھا اور اب وہ سانپ کے زہر کے اثر سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے والا تھا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ اس کے الٹ ہوا۔

ناگ نے زہریلے سانپ کو اپنی انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور زمین پر رکھ دیا۔ سانپ اس طرح سمٹ کر اکٹھا ہو گیا تھا جیسے اس کے اندر جان ہی نہ رہی ہو۔ وہ زمین پر نیم مردہ ہو کر پڑا تھا۔

سانپ کو اصل میں پتہ چل گیا تھا کہ سانپوں کا دیوتا، ناگ دیوتا ایک انسان کے بھیس میں اس کے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ اس پر ناگ کی دہشت چھا گئی تھی۔ سب کے دیکھتے دیکھتے سانپ زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھا اور ناگ کے پاؤں پر اس نے اپنا سر رکھ دیا۔ سر کا رکھنا تھا کہ سارے سپاہی تالیاں بجانے لگے۔ کوتوال نے کہا۔

"سپیرے! بس بس ہمیں یقین ہو گیا کہ تم سچ مچ کے سپیرے ہو۔ تم سچے ہو۔ اب تم اپنے شاگرد کے ساتھ شہر کے اندر جا سکتے ہو۔"

ناگ کہنے لگا۔

"جناب عالی! اگر آپ کسی بڑے سے بڑے اژدہا کو بھی میرے سامنے لے آئیں تو وہ بھی مجھ سے ڈر کر اپنا سر میرے پاؤں پر رکھ دے۔"

کوتوال بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ہاں ایک اور بات بتاؤ۔ کیا تمہارا تعلق گوتم بدھ کے ماننے والے فقیروں سے تو نہیں ہے؟"۔

ناگ نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہرگز نہیں حضور ہرگز نہیں۔ ہم تو سپیرے لوگ ہیں اور ناگ دیوتا کی پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دیوتا ناگ ہے۔ ہم کسی دوسرے کی پوجا نہیں کرتے"۔

کوتوال نے کہا۔

”اور تمہارا یہ شاگرد؟“۔

ناگ نے کہا۔

”میرا شاگرد بھی سپیرا ہے اور ناگ دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔“ کوتوال نے عنبر کو غور سے دیکھا اور بولا۔

”مگر مجھے تو اس کی آنکھوں میں ایک بڑی عجیب قسم کی پراسرار چمک سی نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ضرور بدھ مت کے ماننے والوں میں سے ہے۔ اس قسم کی چمک گوتم بدھ کے فقریوں کی آنکھوں میں ہی ہوتی ہے“۔

عنبر نے جھٹ سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ناگ کی طرح کہا۔

”ہرگز نہیں حضور ہرگز نہیں۔ توبہ کیجئے جو میں نے کبھی بدھ مت کا نام بھی لیا ہو۔ سرکار! میں بھی اپنے استاد کی طرح ناگ دیوتا کی پوجا کرتا ہوں“۔

اس پر ماریا جو پاس ہی کھڑی تھی ہنس پڑی۔ اتفاق سے اس کی ہنسی کی آواز کوتوال نے سن لی۔ وہ حیرانی سے چونک کر بولا۔

”یہ عورت کی ہنسی کی آواز کہاں سے آ گئی؟“۔

ناگ نے جھوٹ موٹ حیرانی سے کہا۔

”سرکار! یہاں عورت تو کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر ہنسی کی آواز بھلا کہاں سے آ سکتی ہے؟“۔

کوتوال کے ساتھ سپاہی بھی کچھ حیران سے رہ گئے۔ کیونکہ ماریا کے ہنسنے کی آواز انہوں نے بھی سنی تھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہاں انہیں کوئی بھی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

مجبور ہو کر انہیں ناگ کی بات ماننی پڑی کہ انہیں دھوکہ ہوا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ وہاں کوئی بھی عورت نہیں تھی۔ کوتوال نے سوچا کہ یہ اس کے کانوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"چلو اٹھو۔ تم شہر میں جا سکتے ہو"۔

ناگ اور عنبر اور ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر وہ امتحان میں کامیاب ہو گئے اور آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ کیونکہ وہاں پر مسافروں پر بڑی سختی ہو رہی تھی۔ ان کے سامنے کتنے ہی مسافروں کو کوتوال نے واپس کر دیا تھا۔ اور انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ناگ اور عنبر نے جھک کر بڑے ادب سے کوتوال کو سلام کیا اور دروازے کی ڈیوڑھی میں سے گذر کر پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ ماریا بھی ان دونوں کے ساتھ ساتھ تھی۔ ماریا نے عنبر کے کان میں کہا کہ خدا کا شکر ہے مصیبت کٹ گئی۔ اس پر ناگ نے کہا۔

"تم نے ہنس کر ہمیں پھنسا دیا تھا"۔

ماریا اس بات پر بھی ہنس دی۔ لیکن خدا کا شکر تھا کہ اس وقت وہاں ماریا کی ہنسی کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔

خطرناک سپیرے

تینوں بہن بھائی پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

وہ شہر کی سڑکوں پر پھر رہے تھے۔ یہ شہر خوبصورت تھا۔ اس کی سڑکیں پکی اینٹوں کی تھیں۔ سڑکوں پر سایہ دار درختوں کے جھنڈ جگہ جگہ پر تھے۔

دکانوں پر کھانے پینے اور دوسری چیزوں کے انبار لگے تھے۔ لوگ چیزیں خرید رہے تھے۔ شہر کے لوگ خوشحال معلوم

ہوتے تھے۔ شہر میں انہیں کوئی فقیر بھیک مانگتا نظر نہ آیا۔ گوتم بدھ کے ماننے والے فقیر بھی کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ان کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ یہ بیچارے تو سارے کے سارے مار دیئے گئے ہیں اور یا قید کی کال کوٹھڑیوں میں پڑے ہیں۔

شہر پر راجہ سمراٹ کی حکومت تھی۔ راجہ سمراٹ پر اس کے مکار وزیر چانکیہ کا اثر تھا۔ حکومت اصل میں چانکیہ ہی چلا رہا تھا۔ سمراٹ کے باپ چندر گپت کے زمانے میں گوتم بدھ کے فقیروں کو بڑی آزادی حاصل تھی۔

اس زمانے میں اچھوت بھی برہمنوں کے مندروں میں جا سکتے تھے۔ وہ اپنے بھگوان بدھ کی کھلے بندوں عبادت کر سکتے

تھے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد چانکیہ نے اس کے بیٹے سمراٹ کو اپنے قبضے میں کر لیا اور بدھ کے فقیروں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیا۔ ان کے شہر میں بنے ہوئے سارے مندر توڑ دیئے۔ گوتم بدھ کے بتوں کو گرا دیا۔

ایک چوک میں سے گذرتے ہوئے عنبر اور ناگ نے گوتم بدھ کے ٹوٹے ہوئے مندر کو دیکھا۔ یہ مندر توڑ چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسے بڑا افسوس ہوا۔ پھر انہوں نے نیچی ذات یعنی اچھوت لوگوں کو دیکھا کہ سڑک کے کنارے نالیاں صاف کر رہے ہیں۔

ان کی بستی شہر سے باہر تھی۔ انہیں اتنی اجازت نہیں تھی کہ وہ اونچی ذات کے برہمنوں کے گلی محلوں میں داخل ہو سکیں۔ وہ

ان کے مندروں کے قریب سے بھی نہیں گذر سکتے تھے۔ ماریا نے کہا۔

’’اب ہم کب تک اس شہر کی گلیوں اور بازاروں کی سیر کرتے رہیں گے؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ہمیں کسی سرائے میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہیے تاکہ کہیں سر چھپانے کو جگہ مل سکے‘‘۔

عنبر بولا۔

’’میں خود کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہوں جہاں ہم لوگ رہ سکیں۔ میرا خیال ہے یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرائے ضرور ہونی چاہیے‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’سرائے شاید ہمیں بازار میں مل جائے۔ کیونکہ یہ شہر کا

سب سے بڑا بازار ہے"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی سے پوچھنا چاہیے کہ سرائے کہاں پر ہے؟"۔

"مگر ہم سپیروں کے بھیس میں ہیں"۔

"تو کیا سپیرے سرائے میں نہیں رہ سکتے؟"۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ان کے قریب سے گذرا۔ ناگ نے اسے کہا۔

"کیوں جناب! ہمیں یہ بتایئے یہاں کوئی سرائے مل جائے گی؟ ہم پردیسی ہیں اور رات گذارنے کے لیے کوئی جگہ ڈھونڈ رہے ہیں"۔

اس آدمی نے کہا۔

"بھائی تم تو سپیرے ہو۔ تم تو رات ان درختوں کے نیچے سو کر بھی بسر کر سکتے ہو۔ تمہیں سرائے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے جناب لیکن ہم باہر سڑک پر رات بسر کرنا نہیں چاہتے۔ اصل میں ہمیں رات کو چھت کے نیچے منتر پڑھنے ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم کسی سرائے میں جا کر اتریں"۔

وہ آدمی ذرا سا ہنسا اور کہنے لگا۔

"واہ بھئی واہ! پاٹلی پتر میں تمہارے جیسے سپیرے ہم نے کبھی نہیں دیکھے۔ میاں تم اگر سپیرے ہو تو تمہیں کسی سرائے

تھا۔ ایک سادھو نے انہیں بتایا کہ شہر سے باہر فصیل کی دیوار کے ساتھ ٹیلے پر دریا کنارے ناگ کا سب سے بڑا مندر ہے۔ تینوں اس بڑے مندر کے باہر آ گئے۔ مندر سچ مچ بہت اونچا اور شاندار تھا۔ ڈیوڑھی میں سادھو لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر اور ناگ ڈیوڑھی میں آ گئے۔ یہاں ایک پجاری نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم استاد اور شاگرد ہیں۔ ہم ملک افریقہ سے آئے ہیں۔ اور ناگ مندر میں کچھ روز ٹھہر کر اس شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں"۔

تھا۔ ایک سادھو نے انہیں بتایا کہ شہر سے باہر فصیل کی دیوار کے ساتھ ٹیلے پر دریا کنارے ناگ کا سب سے بڑا مندر ہے۔ تینوں اس بڑے مندر کے باہر آ گئے۔ مندر سچ مچ بہت اونچا اور شاندار تھا۔ ڈیوڑھی میں سادھو لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر اور ناگ ڈیوڑھی میں آ گئے۔ یہاں ایک پجاری نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم استاد اور شاگرد ہیں۔ ہم ملک افریقہ سے آئے ہیں۔ اور ناگ مندر میں کچھ روز ٹھہر کر اس شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں"۔

پجاری نے کہا۔

”جب تک بڑا پجاری اجازت نہیں دیتا تم لوگ مندر میں نہیں رہ سکتے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو میں بڑے پجاری سے پوچھ کر آتا ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

”ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ ہم خود بڑے پجاری سے بات کریں گے“۔

پجاری بولا۔

”نہیں۔ اس کی نہیں اجازت نہیں مل سکتی۔ بڑے پجاری سے ایک عام اور معمولی سپیرے کا ملنا بہت مشکل ہے۔ تم دونوں کو اسی جگہ ٹھہرنا ہوگا“۔

اور وہ عنبر اور ناگ کو اسی جگہ چھوڑ کر اندر بڑے پجاری کے پاس چلا گیا۔ بڑا پجاری ناگ دیوتا کے بت کے سامنے بیٹھا پوجا کرنے والوں سے روپے پیسے اور تحفے مٹھائیاں وغیرہ لے رہا تھا۔

اس کے پاس ہی پیسوں اور مٹھائیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ بڑے پجاری کی توند نکلی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ چھوٹے پجاری نے قریب جا کر کہا۔

”سرکار! دو سپیرے ملک افریقہ سے آئے ہیں اور یہاں کچھ روز ٹھہرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو انہیں اجازت دے دی جائے“۔

بڑے پجاری نے غصے میں کہا۔

"یہ مندر ہر آوارہ گرد غریب سپیرے کے لیے نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ ناگ دیوتا کے حضور روپیہ پیسہ آ کر چڑھائیں تو انہیں اجازت مل سکتی ہے"۔

"بہت بہتر حضور! میں ابھی انہیں جا کر بتاتا ہوں"۔

چھوٹا پجاری واپس عنبر اور ناگ کے پاس آ گیا۔ اس نے ساری بات انہیں بیان کر دی۔

ناگ بولا۔

"ہمارے پاس پچاس سونے کی اشرفیاں ہیں۔ ہم یہ اشرفیاں ناگ دیوتا کے حضور پیش کر سکتے ہیں"۔

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔ تمہیں یہاں رہنے کی اجازت مل جائے گی"۔

چھوٹا پجاری عنبر اور ناگ کو لے کر بڑے پجاری کے پاس ناگ دیوتا کے سامنے آ گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک موٹا پجاری آلتی پالتی مارے روپے پیسے کے ڈھیر کے پاس آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے۔ ساتھ ہی سانپ کا ایک بہت بڑا پتھر کا بت ہے۔ اس سانپ کی کتنی ہی گردنیں اور چہرے تھے۔ یہ ناگ دیوتا کا سب سے بڑا بت تھا۔ ناگ نے بت کو غور سے دیکھا۔ پجاری نے آنکھیں کھول دیں۔ ناگ بولا۔

"سرکار! ہم ناگ دیوتا کے حضور پچاس سونے کی اشرفیوں کا نذرانہ پیش کرنے آئے ہیں۔ ہم بڑے غریب سپیرے ہیں۔ ہماری ساری زندگی کی یہی کمائی ہے"۔

پجاری بولا۔

"مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر کہ تمہارے پاس سونے کی اشرفیاں ہیں۔ ضرور ناگ دیوتا کو بھی بے حد خوشی ہوئی ہوگی۔ لاؤ۔ کہاں ہیں اشرفیاں"۔

عنبر نے تھیلے میں سے سونے کی پچاس اشرفیاں نکال کر پجاری کے آگے رکھ دیں۔ سونے کی اشرفیاں دیکھ کر پجاری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ بڑا لالچی اور کنجوس پجاری تھا۔ جتنا روپیہ چڑھایا جاتا اس میں سے آدھا خود ہی ہڑپ کر جاتا تھا۔ اس نے خوش ہو کر اشرفیاں اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ لیں اور کہا۔

"ناگ دیوتا تمہاری فریادیں پوری کرے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب پجاری صاحب! اس وقت تو ہماری ایک ہی مراد ہے کہ ہمیں اس مندر کے کسی کونے میں رہنے کے لیے جگہ مل جائے۔"

بڑۓ مہربانی ہماری یہ مراد تو پوری کر دیجئے۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں"۔ موٹے پجاری نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

"دیکھو! مندر کی سب سے پچھلی کوٹھڑی ان لوگوں کو رہنے کے لیے دے دو"۔ چھوٹے پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"جو حکم مہاراج! مگر وہاں تو گودام ہے سرکار"۔

"گودام کو ایک طرف کر دو"۔

"جو حکم مہاراج!"۔

چھوٹا پجاری عنبر اور ناگ کو لے کر پچھلی کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں آٹے کے چاول کے بورے پڑے تھے۔ چھوٹے پجاری نے سارے بورے ایک طرف کونے میں رکھوا دیے۔ عنبر اور ناگ نے زمین پر دریاں اور صفیں بچھوا لیں اور بیٹھ گئے۔ ماریا بھی ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔

"مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے"۔

ناگ نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

"کیوں بھائی؟ کیا اس وقت یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا؟"۔

چھوٹے پجاری نے کہا۔

"اگر آپ مجھے ایک اشرفی دے دیں تو میں آپ کو ابلے ہوئے چاول اور سرسوں کا ساگ لا کر دے سکتا ہوں"۔

عنبر نے ایک اشرفی دے کر کہا۔

"یہ لو ایک اشرفی بھائی اور جلدی سے کھانے کو لے کر جاؤ۔ ہمیں بہت بھوک لگ رہی ہے"۔

"ابھی لایا جناب"۔

چھوٹا پجاری اشرفی لے کر خوشی خوشی کوٹھڑی سے باہر چلا گیا۔ ایک اشرفی سے چاولوں کی پوری ایک بوری خریدی جا سکتی تھی۔ لیکن چھوٹا پجاری ایک تھالی چاول لے کر واپس آ گیا۔ عنبر نے کہا۔

"شکریہ بھائی!"

چھوٹے پجاری نے کہا۔

"یہاں چاول بہت مہنگے ہیں۔ بہر حال اگر کم ہوئے تو میں اور بھی لا کر دے سکتا ہوں۔ تم لوگ یہ پہلے کھالو۔"

چھوٹا پجاری چلا گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا نے مل کر چاول ساگ کھایا اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس شہر کے بدھ لوگوں کو وزیر چانکیہ کے ظلم و ستم سے کیوں کر نجات دلائی جائے۔

ادھر یہ صلاح مشورے ہو رہے تھے اور دوسری طرف چھوٹے پجاری کو شام کے وقت پوجا سے فارغ ہو کر بڑے موٹے پجاری نے طلب کیا۔ اس نے اپنی کوٹھڑی میں بلا کر

چھوٹے پجاری سے پوچھا۔

"وشال! یہ دونوں سپیرے لوگ کون ہیں؟ تمہارا کیا اندازہ ہے؟ کیا ان کے پاس بہت دولت ہے؟ ضرور ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگی۔ کیونکہ ایک معمولی سپیرے کے پاس اتنی قیمتی اشرفیاں نہیں نکل سکتیں۔ تمہارے ان سپیروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وشال بولا۔

مہاراج!" مجھے تو یہ لوگ کوئی بڑے خطرناک جاسوس لگتے ہیں۔ ان کی حرکتیں بڑی پراسرار ہیں آج شام ہی وہ کھانا کھانے لگے تو انہوں نے ترو دے کر مجھے باہر نکال دیا تھا۔ پھر وہ کبھی کبھی کسی تیسرے آدمی سے بھی بات کرتے ہیں

حالانکہ وہاں تیسرا آدمی کوئی نہیں ہوتا"۔

موٹا پجاری سوچ میں پڑ گیا۔

"ہوں۔ یہ بات ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ لوگ پیپروں کے بھیس میں ضرور کوئی خطرناک قاتل اور ڈاکو ہیں۔ یہ پاٹلی پتر میں ضرور کسی مار پر آئے ہیں"۔

"آپ کا خیال سچ ہے حضور! ضرور یہ ڈاکو ہیں۔ اگر ڈاکو نہیں تو جادو یا خطرناک جاسوس ضرور ہیں"۔

موٹا پجاری کہنے لگے۔

"ضرور ان کے پاس سونے کی بہت سی اشرفیاں ہوں گی۔ تم نے ان کا تھیلا دیکھا تھا؟"۔

وشال نے کہا۔

"مہاراج! ایک تھیلا ان کے پاس ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھگوان جھوٹ نہ بلوائے اس تھیلے میں سوائے اشرفیوں کے اور کچھ نہیں"۔

موٹے پجاری نے مسکرا دیا۔

"وشال! وہ تھیلا آج رات ان کے پاس سے نکل کر میرے پاس آنا چاہیے"۔

"مگر مہاراج"۔

"اگر مگر بند کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں بڑا پجاری بنانے میں تمہاری مدد کروں تو پھر تمہیں بھی میرے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔ تم ان لوگوں کی کوٹھڑی میں جا کر اشرفیوں کا تھیلا چرا اؤ اور لا کر مجھے دے دو۔ پھر میں راجہ اور وزیر چانکیہ سے سفارش

کروں گا کہ تمہیں اس مندر کا بڑا پجاری بنا دیا جائے۔ یعنی میرے بعد تمہیں بڑا پجاری بنایا جائے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اس بارے میں وہ لوگ میری بات مانتے ہیں۔ بولو کیا تم تیار ہو؟"۔

وشال نے کہا۔

"مہاراج! آپ کا کہا بہت ہوگا۔ اگر آپ نے چانکیہ سے میرے بارے میں کہہ دیا تو میری زندگی سنور جائے گی۔ اس لیے میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔ آپ جو کہیں گے میں اس پر اسی وقت عمل شروع کردوں گا۔ آپ حکم کریں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"تمہیں آج ہی رات سپیروں کی کوٹھڑی میں جا کر ان کی

ساری اشرفیاں چرا کر میرے پاس لانی ہوں گی"۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر سرکار! میں آج رات یہ کام ضرور کروں گا"۔

"شاباش! اب تم جا سکتے ہو"۔

وشال چلا گیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

موٹا پجاری بڑا خوش تھا کہ اس نے وشال کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ سپیروں کی ساری اشرفیاں چرا کر اسے لا دے گا۔ سپیرے ضرور کوئی ڈاکو تھے جو ریاست میں کسی جگہ ڈاکہ مار کر مال و دولت لوٹ کر یہاں آئے تھے اور یہاں بھی کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کی نیت سے آئے تھے۔

پجاری بہت جلد پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنی کوٹھڑی کی

طرف چل پڑا۔ راستے میں وشال سے اس کی ملاقات ہوگئی۔

پجاری نے وشال سے کہا۔

"میں آج رات تمہارا اور سونے کی اشرفیوں کے تھیلے کا انتظار کروں گا۔ بھولنا نہیں۔ سمجھے؟"۔

وشال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کبھی نہیں بھول سکتا مہاراج! چاہے میری جان چلی جائے"۔

"شاباش! جیتے رہو"۔

پجاری اپنے کمرے میں آ کر تخت پر لیٹ گیا اور اپنے گلے میں پڑے ہوئے موتیوں کے ہار سے کھیلنے لگا۔ دوسری رات گزر رہی تھی اور عنبر، ناگ، ماریا، کھانا کھانے کے بعد

زمین پر بچھی ہوئی دری پر لیٹے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں بس یہی فیصلہ کیا تھا کہ عنبر جا کر چانکیہ سے بات کرے اور اسے بتائے کہ بدھ کے فقیروں کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دے۔ ناگ نے کہا کہ اس طرح اس پر اثر نہیں ہوگا۔

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ عنبر بھائی کو بدھ فقیر بن کر چانکیہ کے سامنے جا کر سچ کا اعلان کر دینا چاہیے۔ پھر جب وہ عنبر کو قتل کروائے تو یہ اپنی کرامت سے اسے پر اثر ڈالے اور یوں سارے بدھ فقیروں کو نجات دلا دے"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تم لوگوں کا یہی خیال ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ میں شہر میں بدھ مت کا کھلم کھلا پرچار کروں گا۔ سپاہی مجھے پکڑ کر لے جائیں گے تو میں چانکیہ کے خلاف اعلان جنگ کروں گا۔ پھر جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا"۔

ماریا بولی۔

"یہ ترکیب بہت اچھی ہے۔ اور مجھے بھی پسند ہے"۔

اس طرح باتیں کرتے ہوئے وہ لوگ سو گئے۔

چور دروازہ

عنبر ناگ اور ماریا گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

وشال پجاری اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ دبے پاؤں اپنی کوٹھری سے نکلا اور سب سے پچھلی کوٹھری کی طرف چل پڑا۔ وہ عنبر اور ناگ کی کوٹھری میں چوری کرنے کی نیت سے جا رہا تھا۔

ان لوگوں کے پاس تھیلے میں ڈھیر ساری سونے کی

اشرفیاں اور کچھ ہیرے موتی موجود تھے۔ انہوں نے تھیلہ ماریا کے پاس رکھا ہوا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہ دے۔ کیونکہ ماریا جس شے کو اپنے ہاتھ میں لیتی تھی وہ نظروں سے غائب ہو جاتی تھی۔

ماریا نے اس تھیلے کو اپنے پاس ہی سرہانے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اب حالت یہ تھی کہ اگر تو ماریا کا سر سرہانے کے اوپر ہے تو سرہانہ بھی غائب ہے اور اس کے ساتھ تھیلہ بھی غائب ہے۔ لیکن اگر اس کا سر سرہانے سے کھسک گیا ہے تو سرہانہ بھی دکھائی دینے لگا ہے اور سرہانے کے ساتھ تھیلہ بھی نظر آ سکتا تھا۔

یہ لوگ بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔ کونے میں طاق میں

ایک مٹی کا ننھا سا چراغ جل رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا مگر اس مندر میں ہر کوٹھڑی کے اندر ایک چھپا ہوا دروازہ بھی رکھا گیا تھا جس کا علم صرف پجاریوں کو تھا اور کسی شخص کو اس کا علم نہیں تھا۔

وشال اس چور دروازے سے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ چور دروازہ آٹے دال کی بوریوں کے پیچھے سے نکلتا تھا۔ کوٹھڑی میں آ کر وشال نے چاروں طرف بڑے غور سے دیکھا۔ عنبر اور ناگ دونوں دری پر گہری نیند سو رہے تھے۔ کوٹھڑی میں ان کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز گونج رہی تھی۔ اب اس نے اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھیلے کی تلاش شروع کر دی۔

وہ دبے پاؤں چلتا عنبر اور ناگ کے قریب آ گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ تھیلہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ پریشان سا ہو گیا۔ آخر تھیلہ کہاں گیا؟ کوٹھڑی میں کوئی زیادہ سامان نہیں تھا۔ یہ دونوں دری پر الگ الگ لیٹے ہوئے تھے۔

کونے میں بوریاں رکھی تھیں۔ پھر تھیلہ کہاں چلا گیا؟

وشال نے کمرے میں جھک کر تھیلے کی تلاش شروع کر دی۔

اب وہ کمرے میں جس طرف جا رہا تھا وہاں ماریا دری پر دیوار کے ساتھ ہوئی تھی۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جس دری کو وہ خالی سمجھ رہا ہے وہاں ایک عورت ماریا لیٹی ہوئی ہے۔

وہ بڑے آرام سے پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہ اچانک اس کا پاؤں سوئی ماریا سے ٹکرا گیا۔ ماریا بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور وشال بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا کہ اس کا پیر کس چیز سے ٹکرا دیا ہے وہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کو ماریا نہیں دکھائی دے رہی تھی مگر ماریا نے دیئے کی ہلکی روشنی میں اسے صاف دیکھ لیا تھا۔

ساتھ ہی وشال نے ماریا کا سرہانہ بھی دیکھ لیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ابھی تو یہاں کوئی سرہانہ نہیں تھا۔ پھر یہ اچانک سرہانہ کہاں سے آ گیا؟ وہ سرہانے کی طرف آگے بڑھا۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ شخص چوری کی نیت سے وہاں آیا ہے لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔

ماریا چکر کھا گئی کہ یہ شخص اندر کیسے آ گیا؟ وشال سرہانے کی طرف بڑھا۔ اس نے سرہانے کو الٹ دیا۔ نیچے اشرفیوں

سے بھرا ہوا تھیلا پڑا تھا۔ وشال نے لپک کر تھیلے کو کھولا تو اندر اشرفیاں اور ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ماریا دیوار کے ساتھ لگی وشال کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی کہ کم بخت کس طرح سے خوش ہو رہا ہے۔ وشال نے جلدی سے تھیلا بغل میں دبایا اور بوریوں کے پیچھے آ گیا۔ ماریا نے اسے اس لیے کچھ نہ کہا کہ وہ جائے گا کہاں؟ دروازہ تو دوسری طرف تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ بوریوں کے پیچھے بھی ایک چور دروازہ ہے۔

جب وشال کو بوریوں کے پیچھے دیر ہو گئی تو وہ اٹھ کر وہاں گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہاں وشال کوئی نہیں ہے۔ اس کی جگہ

ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ چور دروازہ کس لیے رکھا گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کے دروازے ان مندروں میں ضرور رکھے جاتے ہیں"۔

انہوں نے اٹھ کر دروازے کو اچھی طرح سے دیکھا۔ چور دروازہ چھوٹا سا تھا جس میں سے سر جھکا کر ہی آدمی دوسری طرف جا سکتا تھا۔ یہ دروازہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے زور لگایا۔ دروازے کا پٹ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔

عنبر نے کہا۔

ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ چور دروازہ کس لیے رکھا گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کے دروازے ان مندروں میں ضرور رکھے جاتے ہیں"۔

انہوں نے اٹھ کر دروازے کو اچھی طرح سے دیکھا۔ چور دروازہ چھوٹا سا تھا جس میں سے سر جھکا کر ہی آدمی دوسری طرف جا سکتا تھا۔ یہ دروازہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے زور لگایا۔ دروازے کا پٹ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔

عنبر نے کہا۔

"صبح اٹھ کر اشرفیوں کا تھیلا واپس لیا جائے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"دشمال مکر جائے گا۔ وہ کبھی ہمیں تھیلا واپس نہیں کرے گا"۔

ماریا ہنس کر بولی۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔ تم لوگ بے فکر نہ ہو۔ بس ذرا صبح ہو جانے دو"۔

عنبر نے کہا۔

"اسے یہ دیکھ کر حیرانی تو بہت ہوئی ہوگی کہ یہ کون سویا ہوا ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"مگر اس نے تو مجھے دیکھا بھی نہیں۔ بس میرا سرہانہ دیکھ کر ہی حیران ہوا۔ پھر جب نیچے سے اشرفیوں کا تھیلا نکل آیا تو اس نے اسے اٹھا کر بھاگنے کی کی۔ اب صبح جا کر ذرا اس کی خبر لیتی ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"وشال اپنے طور پر کبھی اتنی جرات نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے اس نے ضرور کسی کے کہنے پر چوری کی ہے"۔ عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں ایسا کر سکتا وہ؟ ہو سکتا ہے اس نے خود ہی چوری کی ہو۔ آخر اسے یہ تو پتہ چل ہی گیا تھا کہ ہمارے پاس اشرفیاں ہیں۔ انسان کی نیت بدلتے دیر لگا کرتی"۔

ناگ بولا۔

"بہر حال دن چڑھ جائے تو تھیلا واپس لیا جائے"۔

وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

آخر دن نکل آیا۔ مندر میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ عنبر اور ناگ کوٹھڑی میں ہی رہے۔ ماریا وشال کی تلاش میں کوٹھڑی سے باہر آ گئی۔ اس نے دونوں سے یہی کہا تھا کہ جب تک وہ وشال سے تھیلا لے کر واپس نہ آئے۔ وہ کوٹھڑی میں ہی رہیں، دور کہیں نہ جائیں۔

اشرفیاں نہ ہونے کی صورت میں وہ کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ روپے پیسے کے بغیر تو ان کے لیے اس شہر میں رہنا بڑا مشکل تھا۔ ماریا دونوں بھائیوں کو کوٹھڑی میں چھوڑ کر باہر آ گئی۔

مندر کے صحن میں پجاریوں کی بڑی رونق تھی۔ لوگ پوجا کرنے چلے آ رہے تھے۔ ناگ دیوتا کے بت کے آگے سنکھ بج رہے تھے۔ پجاری منتر پڑھ رہے تھے۔ خوشبوئیں اڑ رہی تھیں۔

عورتیں بھی تھالیوں میں مٹھائیاں اور دودھ کے کٹورے رکھے پوجا کرنے مندر میں چلی آ رہی تھیں۔ ماریا وشال کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وشال کی کوٹھڑی کسی جگہ پر ہے۔ ادھر ادھر سے گھوم گھام کر ماریا ناگ دیوتا والے ہال کمرے میں آ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وشال اگر کہیں بھی نہیں ہوا تو بڑے پجاری کے پاس ضرور ہو گا۔ لیکن وہ یہاں بھی نہیں تھا۔ ماریا ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور ہر پجاری کو بڑے غور سے دیکھنے لگی۔

آخر اسے وشال نظر آ ہی گیا۔ وہ ناگ دیوتا کے بت والے دروازے کی طرف سے اندر آیا اور بڑے پجاری کے پاس آ کر جھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ کا کٹورا تھا۔ بڑے پجاری نے کٹورے میں سے تھوڑا سا دودھ پیا اور واپس کر دیا۔

وشال دودھ کا کٹورا تھالی میں رکھ کر جدھر سے آیا تھا ادھر کو ہی چل دیا۔ ماریا بڑی تیزی سے آگے بڑھی مگر مصیبت یہ تھی کہ وہاں کافی پجاری تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا جسم کسی دوسرے جسم سے ٹکرا جائے کیونکہ اس طرح سے وہاں

گھبراہٹ پیدا ہو سکتی تھی اور پجاری اسے پکڑ بھی سکتے تھے کہ یہ کون سی عورت ہے جو نظر نہیں آتی مگر ان کے بیچ میں سے گذر رہی ہے۔ وہ بڑی احتیاط سے چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

چلتے چلتے وہ بڑے موٹے پجاری کے پاس آ گئی۔

ناگ دیوتا والا دروازہ اس کے پہلو میں ہی تھا۔ اسی دروازے میں سے وشال گذر کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ موٹے پجاری کے پاس اس وقت ایک عورت جھکی کھڑی اس کے قدموں پر مٹھائیاں رکھ رہی تھی۔ اچانک ماریا اس سے ٹکرا گئی۔ عورت آگے کو پجاری کے اوپر گر پڑی۔ پجاری نے چیخ کر کہا۔

”بدتمیز عورت! تجھے پوجا کرنے کی بھی تمیز نہیں؟“۔

عورت گھبرا گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اسے پیچھے سے کس نے دھکا دیا ہے مگر وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے پجاری سے کہا۔

”مہاراج! معاف کر دیں۔ مجھے پیچھے سے کسی نے دھکا دیا تھا“۔

”کم بخت عورت! تمہارے پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر تمہیں دھکا کس نے دے دیا؟“۔

عورت پریشان سی ہو کر وہاں سے چلی گئی۔

موٹا پجاری آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے لگا۔ ماریا کو شرارت سوجھی جاتے جاتے اس نے فرش پر سے ایک مٹی کا خالی کٹورا اٹھایا اور قریب جا کر موٹے پجاری کے سر پر زور

ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سرنگ میں سے گذر رہی ہے۔ آگے جا کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ آ گیا جس کے اندر سے وشال کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کان دروازے کے ساتھ لگا کر سننے لگی۔ وشال کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔

"اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو میں بڑے پجاری سے کہہ کر تمہیں راجہ کے قید خانے میں ڈلوا دوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہ نکل سکو گی اور کبھی اپنے بال بچوں کی شکل نہ دیکھ سکو گی"۔

عورت روتی ہوئی کہنے لگی۔

"بھگوان کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ میں ایک غریب بیوہ عورت ہوں۔ مجھے کسی سوداگر کے ہاتھ

ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سرنگ میں سے گذر رہی ہے۔ آگے جا کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ آ گیا جس کے اندر سے وشال کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کان دروازے کے ساتھ لگا کر سننے لگی۔ وشال کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔

"اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو میں بڑے پجاری سے کہہ کر تمہیں راجہ کے قید خانے میں ڈلوا دوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہ نکل سکو گی اور کبھی اپنے بال بچوں کی شکل نہ دیکھ سکو گی"۔

عورت روتی ہوئی کہنے لگی۔

"بھگوان کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ میں ایک غریب بیوہ عورت ہوں۔ مجھے کسی سوداگر کے ہاتھ

فروخت کر کے تمہیں کیا مل جائے گا؟"۔

وشال نے کہا۔

"مجھے ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ملیں گی۔ اور کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ کوئی چھوٹی رقم ہے؟ بس تم چپ چاپ ہاں کہہ دو اور اپنی مرضی سے سوداگر کے پاس چلی جاؤ۔ اسے کہہ دو کہ تم اپنی مرضی سے فروخت ہو کر آئی ہو۔ اس طرح سے مجھے زیادہ رقم مل جائے گی"۔

"کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کہوں گی"۔

ایک زوردار طمانچے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی عورت کی چیخ سنائی دی۔ وشال نے اس عورت کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ پھر دروازہ کھلا اور وشال باہر نکل آیا۔

ماریا نے اسے تو جانے دیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو دوبارہ تلاش کر لے گی۔ وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ باہر سے جو تالا وشال لگا کر گیا تھا ماریا کے لیے اسے کھولنا مشکل کام نہیں تھا۔

کوٹھڑی میں جا کر ماریا نے دیکھا کہ ایک دیا طاق میں جل رہا تھا اور دیوار کے ساتھ لکڑی کے پرانے سے تخت پر ایک بہت ہی خوبصورت عورت بال کھولے بیٹھی رو رہی تھی۔

ماریا نے عرصے بعد ایک خوبصورت عورت کو دیکھا تھا۔ وہ تو اسے کھڑی دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر عورت کے سر پر ہاتھ رکھا۔ عورت بھڑک کر پرے ہٹ گئی۔

"کون ہے؟ کون ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"بہن گھبراؤ نہیں۔ میں آسمانوں سے تمہاری فریاد سن کر تمہاری مدد کرنے نیچے آئی ہوں۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں ایک آسمانی دیوی ہوں۔ میں صرف تمہاری فریاد سن کر آئی ہوں اور تمہاری ہمدرد ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عورت نے کہا۔

"لیکن تم۔۔۔ تم مجھے نظر نہیں آ رہی؟"۔

ماریا بولی۔

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن میں تمہارے بالکل قریب کھڑی ہوں۔ تم اگر چاہو تو میرا ہاتھ محسوس کر سکتی ہو"۔

یہ کہہ کر ماریا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر عورت کا ہاتھ تھام

لیا۔

اس سے اس مظلوم عورت کو بہت تسلی ہوئی کہ ایک آسمانی عورت اس کی مدد کرنے آ گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کھڑی ہے۔ ماریا نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہ بدبخت وشال اسے کہاں سے پکڑ کر لایا ہے۔ عورت نے کہا۔

میرا نام شانتی ہے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ دریا کنارے گاؤں میں رہتی تھی۔ میری بدقسمتی کہ میں ایک روز یہاں ناگ دیوتا کی پوجا کرنے آئی تو اس پجاری نے مجھے پکڑ کر قید کر لیا۔

بڑا پجاری بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ دونوں مجھے ایک سوداگر کی لونڈی بنا کر فروخت کر دینا چاہتے ہیں۔

میرے بچے گھر پر میری نوکرانی کے پاس مجھے یاد کر کے روتے ہوں گے۔ کاش میں ان ظالموں کے چنگل سے بچ کر اپنے گھر جا سکتی"۔

ماریا نے کہا۔

"شانتی بہن! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ میں تمہیں اسی وقت یہاں سے نکال کر لے جاتی۔ لیکن ابھی باہر بڑا پجاری اور دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ میں آج رات کو آؤں گی اور تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے گھر پہنچا دوں گی"۔

شانتی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ اے آسمانی دیوی! میں

تمہاری راہ دیکھوں گی"۔

"فکر نہ کرو۔ میں ضرور آؤں گی"۔

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے باہر چلی گئی۔ باہر آ کر اس نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ سرنگ کے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔ باہر وشال ابھی تک موٹے پجاری کے پاس جھک کر اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا اس کی باتیں سننے لگی۔

وشال کہہ رہا تھا۔

"شانتی تیار نہیں ہو رہی لیکن ہمیں اس کی ہاں یا ناں کی پرواہ کیے بغیر اسے سوداگر کے ہاتھ بیچ کر اپنی رقم کھری کرنی چاہیے۔ آخر ہم کب تک اس کی ہاں یا ناں کا انتظار کرتے رہیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ آج رات سوداگر کے پاس اسے لے جاؤ۔ اسے کوٹھڑی سے نکالو اور سوداگر کے ہاتھ بیچ کر رقم لے کر میرے پاس آ جاؤ“۔

”بہت بہتر مہاراج“۔

وشال وہاں سے چل دیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس نے شانتی کو رات کے پہلے پہر اندھیرا ہوتے ہی نکال لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وشال مندر کے صحن میں سے گزر کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کم بخت نے اندر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا اور اندر سے کنڈی لگا لی۔ ماریا نے دروازے پر دستک دی۔ وشال نے دروازہ کھولا اور باہر جھانک کر دیکھا۔

”کون ہے؟“۔

ماریا ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ وشال کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ماریا اس کی کوٹھڑی میں آ چکی ہے۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے تخت پر بیٹھ گیا اور مرتبان میں سے خشک میوے نکال کر تھالی میں ڈالنے لگا۔

غار میں چیخ

ماریا خاموش کھڑی وشال کو دیکھتی رہی۔

وہ خشک میوے بڑے مزے سے کھا رہا تھا۔ ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس نے چرائی ہوئی دولت کہاں چھپا رکھی ہے۔ وہ کوٹھڑی میں گھوم پھر کر تلاشی لینے لگی۔ ایک مرتبان میں جھانکتے ہوئے لکڑی کی ڈوئی نیچے گر پڑی۔

وشال نے چونک کر مرتبان کی طرف دیکھا۔ اسے وہاں

کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ڈوئی فرش پر گری پڑی تھی وہ اٹھ کر مرتبان کے پاس آیا۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ اس نے ڈوئی کو اٹھا کر بڑے غور سے دیکھا اور پھر مرتبان پر رکھ دیا۔ ماریا نے ایک تخت پوش کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اشرفیوں کا تھیلا وہاں بھی نہیں تھا۔

اتنے میں وشال خود ہی اٹھ کر کونے میں رکھی ہوئی لکڑیوں کے ڈنڈوں کے پاس آیا۔ ایک ایک کر کے اس نے لکڑیاں پرے ہٹائیں اور نیچے سے ایک تھیلا نکال لیا۔ اسی تھیلے میں اشرفیاں تھیں۔ ماریا غور سے دیکھنے لگی۔ وشال نے تھیلے میں سے اشرفیاں دری پر پھیلائیں اور انہیں بڑے شوق سے تکنے۔ وہ ایک ایک سونے کی اشرفی کو اٹھا کر چومتا اور خوش

ہوتا۔ اس وقت وہ ایک ایسا کنجوس آدمی لگ رہا تھا جس نے دولت کبھی نہ دیکھی ہو۔

ماریا اب اس انتظار میں تھی کہ وشال دوبارہ اشرفیاں تھیلے میں بھر کر واپس لکڑیوں میں رکھے اور وہاں سے اٹھا لے۔

وشال کچھ دیر اشرفیوں سے کھیلتا رہا۔ پھر اس نے ساری اشرفیاں تھیلے میں بند کیں اور تھیلے کو لکڑیوں کے پیچھے رکھ دیا۔ تھیلا چھپا کر وہ دروازے کے پاس آیا۔ اسے کھولا اور باہر نکل گیا۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کم بخت جاتے ہوئے باہر سے کنڈی چڑھاتا گیا۔ بہرحال ماریا نے اشرفیوں کا تھیلا اٹھایا اور دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ باہر کیسے نکلا جائے۔

اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اندر سے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹائے۔ باہر سے آواز سن کر کوئی دروازہ کھولے اور وہ باہر نکل جائے۔

ماریا نے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ وشال اس وقت وہاں سے نکل گیا تھا۔ ماریا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی۔ کچھ دیر بعد کچھ پجاری دروازے کے قریب سے گذرے تو انہوں نے اندر سے دروازے پر دستکیں دینے کی آواز سنی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ دروازہ باہر سے بند ہے پھر اندر سے دستک کون دے رہا ہے۔ ایک پجاری نے کہا کہ ہو سکتا ہے۔ وشال اندر رہ گیا ہو اور کسی نے غلطی سے باہر سے کنڈی چڑھا دی

ہو۔ اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

دروازے کے کھلتے ہی ماریا لپک کر باہر نکل آئی۔

پجاری اندر جھانک کر تکنے لگے مگر اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ کوٹھڑی بالکل خالی تھی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ اگر اندر کوئی نہیں تھا تو پھر دستک کون دے رہا تھا۔ بہر حال وہ تعجب کرتے رہے اور ماریا اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی لے کر عنبر اور ناگ کے پاس کوٹھڑی میں آ گئی۔

"یہ لو بھائی عنبر اپنی اشرفیاں"۔

ناگ بولا۔

"بھئی واہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ کہاں سے ملیں؟"۔

"بس وشال کی کوٹھڑی سے۔ اس نے اندر تھیلا چھپا رکھا

تھا"۔

"شاباش! تم بہت بہادر لڑکی ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"اب ایک اور لڑکی کو مصیبت سے نجات دلانی ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ کون لڑکی ہے ماریا بہن؟"۔

ماریا بولی۔

"شانتی اس لڑکی کا نام ہے۔ کمینہ موٹا پجاری وشال کے ساتھ مل کر اس لڑکی کو کسی سوداگر کے ہاتھ آج رات سے پہلے پھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں نے شانتی کو ایک قریبی گاؤں سے اغوا کیا ہے"۔

عنبر بولا۔

"یہ تو بڑی بری بات تم نے سنائی۔ شانتی کی تو ہمیں ضرور مدد کرنی چاہیے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"نہیں عنبر بھائی! میرا خیال ہے تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میں اکیلی بھی کر سکتی ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ناگ بھائی میرے ساتھ چلے تو میرا کا ذرا آسان ہو جائے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں تیار ہوں ماریا بہن۔ بولو کس وقت چلنا ہے؟"۔

"شام ہونے کے بعد"۔

"اس وقت تو مندر میں کافی لوگ جمع ہوں گے"۔ عنبر نے کہا۔

ماریا بولی۔

"فکر نہ کرو عنبر بھائی! ہم کسی نہ کسی طرح شانتی کو قید کوٹھڑی سے نکال کر یہاں لے آئیں گے"۔

ناگ بولا۔

"اگر ہم شانتی کو یہاں لے آئے تو ہو سکتا ہے۔ بھانڈا پھوٹ جائے۔ کیونکہ پجاری وشال سارے مندر کی تلاشی ضرور لے گا۔ اگر شانتی انہیں ہماری کوٹھڑی سے مل گئی تو ایک تو وہ شانتی کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ دوسرے ہمیں بھی مندر سے نکال دیا جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

”تو پھر ہم شانتی کو اور کہاں چھپا سکتے ہیں؟ ہمارے لیے تو یہی ایک جگہ ہے۔ میرا خیال ہے تم لوگ کسی طرح اسے یہاں لے آؤ۔ ہم اسے چھپا لیں گے“۔

ماریا نے کہا۔

”اس کے چھپانے کا بندوبست میں خود کر لوں گی۔ میں زمین پر بیٹھ کر اسے اپنی گود میں بٹھا لوں گی۔ پھر اسے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ جب تک وہ میری گود میں بیٹھی رہے گی غائب رہے گی“۔

ناگ نے اچھل کر کہا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بس ہم ابھی جا کر اسے قید کوٹھڑی سے نکال کر لے آتے ہیں“۔

ماریا نے کہا۔

”آؤ ناگ بھائی میرے ساتھ“۔

ماریا ناگ کو ساتھ لے کر ناگ دیوتا کے بڑے بت کی طرف چل پڑی۔

ادھر وشال جب واپس اپنی کوٹھڑی میں آیا تو تھیلے کو غائب پا کر پریشان ہو گیا۔

اس نے کمرے کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر اشرفیوں کا تھیلا اسے کہیں بھی نہیں ملا۔ وہ بڑے غصے میں آ گیا۔ اس نے پجاریوں کو بلا کر پوچھا کہ اس کی کوٹھڑی میں کون داخل ہوا تھا؟

ایک پجاری نے کہا۔

مہاراج! ہم آپ کی کوٹھڑی کے قریب سے گذر رہے تھے کہ ہمیں اندر سے کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ ہم پہلے تو بڑے حیران ہوئے کہ اندر کون ہوسکتا ہے۔ پھر ہم نے آواز دے کر بھی پوچھا کہ اندر کون ہے۔ مگر اندر سے کسی نے جواب نہیں دیا۔

ہم نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن اندر سے کوئی بھی نہ نکلا۔ ہم بڑے حیران ہوئے اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ اس کے علاوہ ہمیں کوئی خبر نہیں کہ آپ کا تھیلا کہاں رکھا تھا۔

پجاری وشال نے کڑک کر کہا۔

"تم سب الو کے پٹھے ہو۔ گدھے ہو۔ احمق ہو۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اندر کوئی دستک دے اور پھر غائب ہو جائے؟"۔

"کیا وہ کوئی بھوت ہے؟"۔

ایک پجاری نے کہا۔

"مہاراج! یقین کریں وہ ضرور کوئی بھوت ہوگا۔ جس نے آپ کی اشرفیاں چوری کی ہیں۔ ہم کبھی ایسا کام کرنے کی جرات نہیں کر سکتے"۔

وشال نے طیش میں آ کر کہا۔

"دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔ نہیں تو میں سب کو سولی پر لٹکا دوں گا"۔

سارے پجاری دم دبا کر بھاگ گئے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وشال موٹے پجاری کے بہت منہ لگا ہوا ہے اور بڑے

موٹے پجاری کو وزیر چانکیہ کی حمایت حاصل ہے۔ اگر وہ ایک ایک پجاری کو بیچ بیچ پھانسی پر چڑھا دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

وشال وہاں سے سیدھا بڑے موٹے پجاری کے پاس آ گیا۔ اس نے اسے ساری کہانی سنائی۔ موٹے پجاری نے گرم ہو کر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے کہ ہم لوگوں کی کوٹھڑی سے اشرفیاں چوری کرے؟"۔

وشال نے کہا۔

"مگر ایسا ہوا ہے۔ اشرفیاں میری کوٹھڑی سے چوری ہو گئیں ہیں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"یہ کام کسی اپنے آدمی کا ہے۔ غیر آدمی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ ہماری کوٹھڑی میں داخل ہو"۔

وشال بولا۔

"مگر سنا ہے کہ کوئی بھوت مندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کام اسی کا ہو"۔

"تم بھی بھوتوں پر اعتبار کرنے لگے؟ ارے میاں یہ کام کسی بھوت کا نہیں بلکہ کسی آدمی کا ہے۔ جو ہمارا تمہارا دشمن ہے اور جسے روپے پیسے کا لالچ ہے۔ اب ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ چور کون ہے؟"۔

وشال نے کہا۔

"اچھا یہ کام تو ہم بعد میں بھی کر لیں گے۔ پہلے شانتی کو یہاں سے نکال کر سوداگر کے پاس پہنچانے کا تو انتظام کریں"۔

موٹا پجاری بولا۔

"یہ کام رات کو بھی ہو سکتا ہے"۔

"نہیں بھائی! یہ کام ہمیں شام ہونے کے فوراً بعد کر لینا ہو گا۔ تا کہ رات ہونے تک ہم شانتی کی رقم کھری کر والیں"۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم جا کر شانتی کو یہاں لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں تیار ہو کر یہاں موجود ہوں گا اور پھر ہم دونوں اسے لے کر شہر میں جادوگر کے پاس چلے جائیں گے"۔

"بہت اچھا۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تہہ خانے میں جا کر

شانتی کو لے آتا ہوں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"مگر اسے بے ہوش کر کے آنا"۔

"بے ہوش کر کے ہی لاؤں گا بھائی۔ ہوش میں تو وہ یہاں شور مچا دے گی۔ میں یہ خطرہ کیسے مول لے سکتا ہوں۔ بے ہوش کرنے والی دوائی میری جیب میں موجود ہے۔" اچھا خدا حافظ!"۔

"خدا حافظ!"

موٹا پجاری دوبارہ پوجا کرنے لگا اور روشال وہاں سے اٹھ کر سیدھا ناگ دیوتا کے بڑے بت والے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ٹھیک اس وقت ماریا اور ناگ دروازے میں سے

گذر کر تہہ خانے کی سرنگ میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وشال سرنگ کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

’’وہ آ رہا ہے۔ ناگ! تم اپنی جون بدل لو‘‘۔

’’ٹھیک ہے‘‘۔

ناگ نے ایک طرف ہٹ کر زور سے سانس اندر کو کھینچا۔ جب سانس اس نے باہر کو چھوڑا تو وہ سانپ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ سرنگ میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ دیوار میں جلتی ہوئی مشعل کی روشنی بہت ہلکی تھی۔ سانپ رینگتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ ماریا نے سرگوشی سے کہا۔

’’تم سانپ بن کر مجھے دیکھ سکتے ہو۔ اس لیے تم میرے پیچھے پیچھے، میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ وہ سامنے دروازہ ہے۔ تم بھی میرے ساتھ ہی اندر آ جانا۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ وشال چلا آ رہا ہے‘‘۔

ناگ بولا۔

’’ماریا ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ تم اندر چلو‘‘۔

ماریا تیزی سے کوٹھڑی کے دروازے پر آ گئی۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ شانتی دستک کی آواز سے سمجھ گئی کہ آسمانی دیوی آئی ہے۔ اس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ ماریا اور سانپ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر آتے ہی شانتی نے دروازہ بند کر دیا۔

ماریا نے کہا۔

’’شانتی! وشال آ رہا ہے۔ وہ تمہیں یہاں سے سودا کر کے

پاس لے جانے آ رہا ہے"۔

اچانک شانتی نے چیخ ماری۔

"کیا ہوا؟"۔ ماریا نے پوچھا۔

"سانپ! سانپ!"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ سانپ میرا بھائی ناگ ہے۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا بلکہ یہ تمہاری مدد کرنے میرے ساتھ آیا ہے۔ اب تم جلدی سے ہمارے ساتھ باہر نکل چلو"۔

شانتی نے کہا۔

"لیکن آسمانی دیوی! میں اگر تمہارے ساتھ باہر آ گئی تو لوگ مجھے دیکھ لیں گے۔ وشال مجھے دیکھ لے گا"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ دروازے پر وشال نے دستک دی۔

"وہ کم بخت آ گیا"۔ شانتی ایک طرف ہو کر سہم گئی۔

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شانتی! ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"دروازہ کھولو نہیں تو میں توڑ دوں گا"۔

باہر سے وشال نے آواز لگائی۔

"اب کیا کریں آسمانی دیوی؟ یہ تو سچ مچ دروازہ توڑ دے گا"۔

"دروازہ کھول دو شانتی! اس بد بخت بیچاری کو اندر آنے دو۔ میں دیکھوں گی کہ وہ تمہیں کس طرح ظلم کر کے یہاں سے

اغوا کرتا ہے۔ کھول دو دروازہ"۔

شانتی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وشال نے اندر آتے ہی دروازے پر کنڈی چڑھا دی اور پوچھا۔

"یہ تم اندر کس کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں؟"۔

شانتی نے کہا۔

"میں بدنصیب یہاں کس کے ساتھ باتیں کر سکتی ہوں۔ یہاں سوائے میرے کوئی بھی نہیں ہے۔ تم خود دیکھ سکتے ہو۔ تم باہر سے دروازہ بند کر کے جاتے ہو"۔

وشال نے کہا۔

"کمینی عورت! باہر سے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی نے باہر سے دروازہ کھولا اور وہ

اندر آیا"۔

شانتی نے کہا۔

"اگر کوئی اندر ہوتا تو تمہیں نظر نہ آتا۔ تم خود دیکھ رہے ہو کہ کوٹھڑی بالکل خالی ہے۔ پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہاں کوئی غیر شخص موجود ہے"۔

وشال نے کوٹھڑی میں چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت ماریا اس کے بالکل سامنے دیوار کے پاس کھڑی تھی اور ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔

وشال نے بڑے غور سے کوٹھڑی میں سارے دیکھا۔ واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ حیران ہوا کہ دروازہ باہر سے کس نے کھولا تھا؟ پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے۔ کسی نے چلتے چلتے

یونہی کنڈی کھول دی ہو۔ بہر حال وہ ایسی باتیں سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ تو شانتی کو وہاں سے نکالنے کے لیے آیا تھا۔ اب تو شانتی کو ہمیشہ کے لیے وہاں سے چلے جانا تھا۔

وشال نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”چلو اٹھو! میں تمہیں لینے آیا ہوں“۔

”میں نہیں جاؤں گی“۔

”بک بک بند کرو۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ یاد رکھ اگر تو میرے ساتھ نہ گئی تو تمہیں اس کوٹھری میں قتل کر کے دفن کر دیا جائے گا۔“

شانتی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پجاری کا خون

وشال نے شانتی کی چیخ سن کر کہا۔

”چاہے جتنا چیخو چلاؤ۔ یہاں تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں ہے“۔

شانتی نے کہا۔

”میرا خدا میری آواز سن رہا ہے۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔ اور مجھے تم جیسے وحشی ظالم سے بچائے گا“۔

وشال نے غصے میں آ کر شانتی کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ وہ بے چاری لڑکھڑا کر گر پڑی۔ وشال نے اسے لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔ شانتی کی چیخیں نکل رہی تھیں اور وشال وحشیوں کی طرح اسے پیٹ رہا تھا۔ شانتی نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

"آسمانی دیوی! میری مدد کر"۔

ماریا سے اب شانتی کی حالت برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے سانپ کو اشارہ کیا۔ سانپ دیوار پر سے رینگ کر نیچے اتر آیا۔ وشال نے قہقہہ مار کر کہا۔

"کون ہے تمہاری آسمانی دیوی؟ اسے بھی کہو کہ یہاں آئے اور تمہاری مدد کر کے دیکھ لے"۔

سانپ اس وقت وشال کے قریب پہنچ گیا۔ سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور اپنا پھن پھیلا کر وشال کی آنکھوں کے آگے کھڑا ہو کر زور زور سے جھومنے اور اپنی لال زبان باہر نکالنے لگا۔ وشال ایک دم ٹھٹھک گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سانپ بھی اس کوٹھڑی میں آ سکتا ہے۔ ماریا نے قریب جا کر کہا۔

"اے بدبخت ظالم پجاری! میں آسمانی دیوی ہوں اور سانپ کے روپ میں تجھے تمہارے ظلم کا مزا چکھانے آئی ہوں۔ تم نے اس بے بس اور مجبور عورت پر بہت ظلم کیا ہے اور اب تم اسے یہاں سے فروخت کرنے کے لیے لے جا رہے ہو۔ مگر یاد رکھو تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ تمہارا آخری وقت آن

پہنچا ہے"۔

وشال گھبرا گیا لیکن سانپ اس نے مندر میں بڑے دیکھے تھے۔ اس نے لپک کر ناگ کی گردن پکڑ لی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ناگ بھی کسی کے قابو آیا تھا۔ ناگ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وشال کی گرفت سے وہ نہ نکل سکا۔

ناگ کا سانس گھٹنے لگا۔ ماریا نے یہ حالت دیکھی تو جلدی سے اس نے کونے میں پڑا ہوا مٹی کا پیالہ اٹھایا اور وشال کے سر پر دے مارا۔

وشال لڑکھڑا کر گرا اور ناگ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ناگ! اس کو زندہ مت چھوڑنا۔ یہ تمہاری جان کا دشمن ہے۔ اسے ختم کردو"۔

ناگ سخت غصے میں تھا۔ اس نے اچھل کر وشال کی گردن میں کان کے پاس ڈس دیا۔ وشال نے سانپ کو ایک بار پھر پکڑنے کی کوشش کی مگر سانپ کا زہر اپنا کام کر چکا تھا۔

وشال کی آنکھیں زہر کے اثر سے پتھرانا شروع ہو گئیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"ظلم کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ وشال؟ اب بول کیا تو اپنے کیے پر پچھتا نہیں رہا؟"۔

وشال نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کا ہاتھ ذرا سا اٹھا اور پھر گر پڑا۔ وہ مر چکا تھا۔ ماریا نے شناتی سے کہا۔

"شانتی بہن! موذی دشمن ہلاک ہو چکا ہے۔ اب تم ہمارے ساتھ یہاں سے نکل چل"۔

شانتی نے کہا۔

"آسمانی دیوی! اگر میں آپ کے ساتھ باہر گئی تو لوگ مجھے دیکھ لیں گے۔ پجاری سارے موٹے پجاری کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ وہ اسی وقت مجھے پکڑ لیں گے اور مجھے وشال کے قتل کے جرم میں پھانسی پر چڑھا دیں گے"۔

ناگ اب انسان کی شکل میں آ گیا تھا۔ شانتی نے ایک نوجوان کو سانپ سے انسان بنتے دیکھا تو ڈر کر پرے ہٹ گئی۔ ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شانتی! یہ میرا بھائی ناگ ہے۔ اس میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ یہ جس شکل میں چاہے ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہ تمہارا بھی بھائی ہے اور میرے ساتھ تمہاری مدد کے لیے آیا تھا"۔

شانتی نے ہاتھ جوڑ کر ناگ کو سلام کیا اور کہا۔

"ناگ بھائی! میں آسمانی دیوی کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں۔ لیکن وشال کی موت کا الزام ظاہر ہے مجھ پر ہی لگایا جائے گا۔ اگر میں پکڑی گئی تو موٹا پجاری مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے تم ہی بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ بھائی! تمہاری کیا رائے ہے؟ ہمیں شانتی کو لے کر

یہاں سے کیسے نکلنا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بڑی آسان ترکیب ہے۔ اگر تم اس پر عمل کر سکو"۔

"وہ کونسی ترکیب ہے ناگ بھائی؟ مجھے بھی تو بتاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ہم شانتی بہن کو وشال پجاری کا لباس پہنا کر یہاں سے باہر لے جائیں گے۔ یہ کپڑے سے پجاریوں کی طرح سر ڈھانپ لے گی۔ کسی کو شک نہیں پڑے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"ترکیب بڑی اچھی ہے۔ شانتی! جلدی سے وشال کے کپڑے پہن لو۔ جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ کم بخت ایسا نہ ہو کہ بڑا پجاری ادھر آ جائے"۔

شانتی نے اسی وقت پجاری وشال کے کپڑے پہن لیے۔ سر پر اس نے کپڑا ڈال دیا۔ سیاہ رنگ کے لمبے چغے میں وہ بالکل پجاری لگ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"ناگ بھائی! تم سانپ کا روپ بدل لو اور یہاں سے نکل چلو۔ شانتی بہن! تم گھبرانا بالکل نہیں۔ ہم تمہیں نظر نہیں آئیں گے مگر فکر مت کرنا۔ ہم تمہارے ساتھ ساتھ چل رہے ہوں گے"۔

"بہت اچھا آسمانی دیوی!"

شانتی وشال پجاری کے لباس میں کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے ساتھ رینگنے لگا۔ ماریا

شانتی کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ سرنگ میں سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے ہی والے تھے کہ اوپر سے اچانک موٹا پجاری نمودار ہوا۔

ماریا بھی گھبرا گئی۔ شانتی رک گئی۔ ماریا بھی رک گئی۔ سانپ بھی ٹھہر گیا۔ موٹے پجاری نے دیکھا کہ وشال چلا آ رہا ہے۔ وہاں روشنی کم تھی وہ پہچان نہ سکا۔ کہ وشال کے لباس میں وہ شانتی ہے۔ اس نے کہا۔

"کیا ہوا وشال؟ تم اکیلے کیوں آ رہے ہو؟ شانتی کہاں ہے؟ وشال نے کوئی جواب نہ دیا۔ موٹا پجاری نیچے اتر آیا۔ وہ شانتی کے قریب آ کر بولا۔

"تم چپ کیوں ہو وشال؟"۔

پھر اس نے شانتی کا چہرہ اوپر اٹھایا تو اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"تم"۔

ابھی یہ لفظ اس کے منہ میں ہی تھا کہ ماریا نے اس کی موٹی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ماریا نے کہا۔

"شانتی جلدی سے باہر نکل چلو"۔

شانتی لپک کر دروازے سے باہر آ گئی۔ ساتھ ہی ماریا اور ناگ بھی باہر نکل آئے۔

موٹے پجاری نے شور مچا دیا۔

"چور۔ چور۔ چور۔ پکڑو انہیں۔ پکڑو انہیں"۔

مگر وہ تینوں سیڑھیوں والے سرنگ کے دروازے سے باہر آ چکے تھے۔ باہر آتے ہی شانتی نے زور سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

”شانتی! بھاگو یہاں سے سامنے والے دروازے کی طرف“۔

ماریا اور شانتی سامنے والے دروازے کی طرف بھاگے۔ سانپ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔ دروازے میں سے گذر کر وہ برآمدے میں گئے۔

ماریا نے کہا۔

”یہاں سے آخری کوٹھڑی کی طرف چلو۔ آخری کوٹھڑی میں ہی ہم رہتے ہیں۔ ہمیں وہیں جانا ہے۔ ہمارا بھائی عنبر

تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ بھاگو۔ جلدی کرو۔ کچھ لوگ بھاگے آ رہے ہیں“۔

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ دور ایک مشعل جل رہی تھی۔ شانتی آخری کوٹھڑی کی طرف بھاگی۔ ماریا اور سانپ بھی اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ وہ عنبر کی کوٹھڑی کے باہر رک گئے۔

ماریا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ عنبر نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ماریا، شانتی اور ناگ اندر داخل ہو گئے۔ عنبر نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا لی۔

”اُفوہ! خدا کا شکر ہے کہ شانتی بچ کر آ گئی“۔

ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"۔

"کم بخت موٹا پجاری عین وقت پر سامنے آ گیا۔ اگر میں اس کی گردن پر مکا مار کر نہ گراتی تو شانتی کو وہ دوبارہ پکڑ لیتا۔"

ناگ دوبارہ انسانی شکل میں آ چکا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر وہ شانتی کو پکڑتا تو میں اسے بھی وشال کی طرح ڈس کر ہلاک کر دیتا"۔

"تو کیا وشال کو ہلاک کر دیا؟" عنبر نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! اس نے ناگ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ کم بخت نے ناگ بھائی کو گردن سے دبوچ لیا تھا۔ اگر میں اس کے سر پر پتھر نہ مارتی تو اس وقت ناگ مر چکا

ہوتا"۔

ناگ گردن سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں بھائی! میری گردن ابھی تک درد کر رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ وشال ایک ظالم شخص تھا۔ اس کی گردن پر نہ جانے کتنے بے گناہ عورتوں کا خون تھا۔ اچھا ہوا جو اس دنیا سے ایک بڑا اور ظالم آدمی اٹھ گیا۔ یہ بتاؤ کہ موٹے پجاری کو پتہ چل گیا تھا کہ شانتی وشال کے بھیس میں بھاگ گئی ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"وہی تو ہمیں راستے میں ملا تھا۔ اسے تو ضرور پتہ چل گیا

ہے اور اب تک تو اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا ساتھی وشال مر چکا ہے۔ کیونکہ کوٹھڑی میں جا کر اس نے وشال کی لاش دیکھ لی ہو گی''۔

ناگ نے کہا۔

''شانتی بہن! تم جلدی سے دوسرے کپڑے پہن لو۔ وشال کے کپڑے اتار کر پھینک دو''۔

''بہت اچھا بھائی''۔

شانتی نے پجاری کا سیاہ چغہ اتار کر تخت پوش کے نیچے چھپا دیا اور ماریا کے کپڑے تھیلے میں سے نکال کر پہن لیے۔ عنبر نے کہا۔

اس مندر میں ایک ہی وقت میں تین وارداتیں ہوئی ہیں۔ پہلی واردات یہ ہوئی ہے کہ وشال کی کوٹھڑی سے اشرفیوں کی تھیلی چرا لی گئی ہے۔ دوسری واردات یہ ہوئی ہے کہ وشال کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور تیسری واردات یہ ہوئی ہے کہ شانتی بھاگ گئی ہے۔

ظاہر ہے بڑا پجاری اب سارے مندر کی تلاشی لے گا۔ وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے شانتی کو وشال کے لباس میں بھاگتے دیکھا ہے۔ وہ اب تک مندر کے سارے دروازے بند کر کے وہاں پہرہ بٹھا چکا ہو گا تاکہ اندر سے کوئی بھی شخص نکل کر باہر نہ جا سکے''۔

ناگ نے کہا۔

''تمہارا خیال بالکل صحیح ہے عنبر بھائی! بڑے پجاری نے

یقیناً ایسا ہی کیا ہوگا۔ بلکہ وہ اب سارے مندر کی اور مندر کی ساری کوٹھڑیوں کی ایک ایک کر کے تلاشی لے گا۔ اسے وزیراعظم پاٹلی پتر کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ وہ بے دھڑلے ہو کر مندر کی تلاشی لے گا۔ کوئی اسے کچھ نہ کہہ سکے گا"۔

ماریا بولی۔

اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ ہمیں شانتی کو کسی ایسی جگہ چھپانا ہوگا جہاں سے کوئی اس کی ایک جھلک نہ دیکھ سکے۔ اور اس کے لیے یہی ایک بہترین طریقہ ہے کہ جب کوئی اس کوٹھڑی کی تلاشی لینے آئے تو میں شانتی کو گودی میں لے کر بیٹھ جاؤں۔

اس طرح سے شانتی میرے ساتھ ہی غائب ہو جائے گی۔ کیونکہ جو شے میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے یا میری گود میں آ جاتی ہے وہ بھی میرے ساتھ ہی غائب ہو جاتی ہے۔

عنبر نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے ماریا بہن! لیکن تم چھوٹی سی کوٹھڑی میں اگر شانتی کو گود میں لے کر بیٹھ گئیں تو ہو سکتا ہے تلاشی لینے والوں میں سے کوئی تمہارے ساتھ ٹکرا جائے۔

اگر ایسا ہو گیا تو پھر بڑی مصیبت آ جائے گی۔ شانتی پکڑی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ ہمیں بھی گرفتار کر لیں گے۔

"اگرچہ وہ مجھے مار نہیں سکیں گے مگر ہمارے لیے ایک

پریشانی ضرور کھڑی کر دیں گے"۔

ماریا نے پوچھا۔

"تو پھر اس کے سوا ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ماریا کی ترکیب بہت اچھی ہے۔ اگر کوئی تلاشی لینے والا اس سے ٹکرا بھی گیا تو ہم اس کو سنبھال لیں گے دیکھا جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تم لوگوں کی یہی رائے ہے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب ہمیں آرام سے کوٹھڑی میں بیٹھ کر تلاشی لینے والوں کا انتظار کرنا چاہیئے"۔

ماریا بولی۔

"مگر مجھے تو بھوک لگی ہے۔ شانتی کو بھی ضرور بھوک لگ رہی ہو گی۔ کیوں شانتی بہن؟"۔

شانتی نے کہا۔

"اے آسمانی دیوی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایک آسمانی دیوی ہو کر بھی آپ کو عام انسانوں کی طرح بھوک پیاس کیوں لگتی ہے؟ کیا آپ مجھے سچ سچ نہیں بتائیں گی کہ یہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آپ کون ہیں اور کس طرح سے غائب ہو گئی ہیں؟"۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"بہن۔ یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں ہے۔ یہ باتیں

پھر کبھی فرصت کے وقت ہوں گی۔ اس وقت میں تمہیں صرف اتنا ہی بتاؤں گی کہ میں کوئی آسمانی دیوی نہیں ہوں۔ تمہاری طرح سے ایک عام عورت ہوں اور مجھے بھی عام انسانوں کی طرح سے بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ عنبر بھائی کچھ کھانے پینے کو مل جائے گا؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں نہیں ماریا بہن!"۔

اور پھر اس نے تھیلے میں سے خشک مچھلی کا بھنا ہوا گوشت اور کچھ بادام نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ ماریا اور شانتی نے مل کر کھانا شروع کر دیا۔ شانتی نے کہا۔

"عنبر اور ناگ بھائی! تم بھی تو ہمارے ساتھ کھاؤ۔ کیا تم کو

بھوک نہیں ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بہن! ہم اگر چاہیں تو ہمیں بھوک لگ سکتی ہے۔ اگر ہم نہ چاہیں تو ہمیں بھوک پیاس نہیں لگ سکتی"۔

شانتی حیرت سے ان دونوں کا منہ تکتی رہ گئی۔ پھر اس نے ماریا کے ساتھ مل کر کھایا۔ پانی پیا اور ایک طرف بیٹھ کر آپس میں باتیں شروع کر دیں۔

انہیں یقین تھا کہ ابھی مندر کے پجاری دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور تلاشی لینے کے کوٹھڑی کے اندر آ جائیں گے۔

شانتی کا دل دھڑک رہا تھا۔

بلا ٹل گئی

اب ہم واپس بڑے پجاری کے پاس آتے ہیں۔

ماریا کے مکے سے گرنے کے بعد موٹا پجاری اپنا چغہ سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا؟ اس کا شور سن کر کچھ پجاری بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ بڑے پجاری نے کہا۔

’’اسے پکڑو۔ مندر کی ایک لونڈی وشال کے لباس میں

بھاگ گئی ہے‘‘۔

پجاری باہر کی طرف بھاگے۔ موٹے پجاری نے چلا کر کہا۔

’’مندر کے سارے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ پہرہ بٹھا دو۔ کوئی بھی نکل کر باہر نہ جانے پائے‘‘۔

اسی وقت مندر کے چاروں دروازے بند کر دیئے گئے۔ دروازوں پر تلواریں اور نیزے لے کر سپاہی بیٹھ گئے۔ بڑا پجاری سرنگ میں بھاگتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شانتی کی کوٹھڑی میں پہنچا۔

وہاں وشال کی لاش پڑی تھی۔ اپنے ساتھی کی لاش دیکھ کر بڑا پجاری سکتے میں آ گیا۔ پھر اس نے روتے ہوئے کہا۔

میرے بھائی!" تجھے جس شخص نے قتل کیا ہے۔ دیوتاؤں کی قسم میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آہ! لونڈی شانتی اسے مار کر اس کا لباس پہن کر فرار ہو گئی۔ اس نے میری گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ میں چکرا کر گر پڑا تھا۔ میں اب اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو گی۔ میرے آدمی اسے پکڑ کر زندہ میرے سامنے لے آئیں گے"۔

پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"شانتی ابھی تک مندر میں ہی ہو گی۔ وہ یہاں سے بھاگ کر کہیں باہر نہیں جا سکے گی۔ مندر کے کونے کونے کی تلاشی لی جائے۔ ساری کوٹھڑی کی تلاشی لی جائے۔ شانتی جہاں کہیں بھی ہو اسے تلاش کر کے میرے سامنے پیش کرو۔

میں اسے خود قتل کروں گا"۔

"جو حکم مہاراج!"۔

مندر کی تلاشی شروع ہو گئی۔

رات ہو گئی تھی۔ بڑے پجاری کے حکم سے سارے مندر کی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ تا کہ روشنی میں اگر شانتی کہیں بھاگنے کی کوشش کر رہی ہو تو نظر آ جائے۔ بڑے پجاری نے اپنے خاص آدمیوں کو ساتھ لیا اور مندر کی کوٹھڑیوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک پجاری نے کہا۔

"مہاراج! آپ نے ایک بات پر غور کیا۔ وشال جی کو سانپ نے کاٹا تھا"۔

پجاری چیخ کر بولا۔

ہاں مجھے معلوم ہے۔ یہ سانپ شانتی کو کسی نے بھیجا ہوگا۔ سانپ ان کوٹھڑیوں میں نہیں جاتے۔ ضرور شانتی کے ساتھ کوئی اور ملا ہوا ہے۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔

شانتی پرندہ بن کر یہاں اڑ نہیں سکتی۔ وہ مندر سے باہر بھی نہیں گئی۔ ابھی تک مندر میں ہی ہوگی۔ میرے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ میرے انتقام کی آگ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔

کوٹھڑیوں کی تلاشی شروع ہوگئی۔

بڑا پجاری خود اپنی نگرانی میں تلاشی لے رہا تھا۔ وہ ہر کوٹھڑی میں خود سب سے پہلے داخل ہوتا۔ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ

کر دیکھتا۔ تخت پوشوں کے نیچے جھانکتا۔

الماریوں کو کھلواتا۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں جھک کر گھورتا۔ دوسری طرف مندر کی آخری کوٹھڑی میں عنبر ناگ اور ماریا اور شانتی خاموش بیٹھے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"میں ذرا باہر جا کر پتہ چلاتی ہوں کہ تلاشی کس طریقے سے کی جا رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں۔ ضرور معلوم کرو"۔

ماریا چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

بڑا پجاری اس وقت چوتھی کوٹھڑی کی تلاشی لے رہا تھا۔ ماریا بھی اس کوٹھڑی میں جا کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی

ہو گئی۔ بڑا پجاری خود ایک ایک چیز کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اس نے مندر کے بڑے لائق پجاری کو قتل کیا ہے۔ اس کو قتل کے جرم میں پھانسی دے دی جائے گی"۔

ساتھی نے کہا۔

"مہاراج! اگر شانتی مندر سے بھاگ گئی تو بڑا ظلم ہو گا"۔

پجاری نے غرا کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔ وہ پاٹلی پتر کے جس کونے میں بھی ہو گی میں اسے وہیں سے تلاش کر کے چھوڑوں گا۔ میں نے شری چانکیہ کو ایک آدمی کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا ہے کہ ہمارے مندر

کے ایک اہم پجاری کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور ہم قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔ اس لیے پاٹلی پتر کے شہر کے دروازوں پر کڑا پہرہ بٹھا دیا جائے گا وہ اس شہر سے بھاگ نہ سکے گی"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"مہاراج! آپ کے ہوتے ہوئے شانتی یہاں سے فرار نہیں ہو سکتی۔ وہ اسی مندر میں کہیں چھپی بیٹھی ہو گی"۔

پجاری بولا۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہو گی۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا"۔

ماریا یہ سن کر چپکے سے باہر نکل آئی۔ اپنی کوٹھری میں آ کر اس نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور عنبر سے بولی۔

"تلاشی خود موٹا پجاری لے رہا ہے۔ ظالم نے مندر کے

سارے دروازے بند کروا دیئے ہیں۔ اس نے وزیر چانکیہ کو بھی پیغام بھجوا دیا کہ شانتی مندر کے بڑے پجاری کو ہلاک کر کے بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔ شہر کے دروازوں پر بھی پہرہ سخت کر دیا گیا ہے۔"

شانتی گھبرا کر بولی۔

"ہائے بھگوان اب کیا ہوگا؟"

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"شانتی بہن! خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ تم بے گناہ ہو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ جب تک ہم زندہ ہیں تمہاری طرف کوئی ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ تمہارا کوئی بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ تم بے فکر ہو کر یہاں بیٹھی رہو۔"

شانتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔

"مجھے اپنے بچے یاد آ رہے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو یہ مجھے تکلیفیں دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔ پھر میرے بچوں کا کیا بنے گا؟"۔

ماریا نے شانتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شانتی! تم اداس کیوں ہوتی ہو۔ تمہیں ایک بار کہہ دیا گیا ہے کہ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ تم میری گود میں غائب ہو کر بیٹھی ہوگی۔ پھر تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟"۔

شانتی نے کہا۔

"لیکن۔۔۔ لیکن ماریا بہن اگر کسی کا پاؤں یا ہاتھ تم سے

ٹکرا گیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ وہ تمہیں تو کچھ نہ کہہ سکیں گے لیکن مجھے ضرور پکڑ کر لے جائیں گے"۔

ناگ بولا۔

شانتی بہن!" "تم بہت گھبرا رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں اپنے خدا پر ذرا بھروسہ نہیں۔ تمہیں ایک بار کہہ جو دیا ہے کہ تم پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ پھر تم کیوں گھبرا رہی ہو؟" شانتی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں مر گئی تو میرے بچے خاک میں مل جائیں گے۔ انہیں کوئی نہ پوچھے گا۔ مجھے ان کا خیال آ رہا ہے"۔

اس پر عنبر نے کہا۔

"شانتی بہن! میں تمہیں وعدہ دیتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں

ہوگا۔ اگر کسی نے تم پر ہاتھ اٹھایا تو ہم اس کا سر قلم کر دیں گے۔ تمہارے لیے اگر ہمیں مندر کے سارے پجاریوں کو بھی قتل کرنا پڑا تو ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ بس اب تم مطمئن ہو کر بیٹھو"۔

شانتی کو اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ اسے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ عنبر کے پاس کتنی بڑی طاقت ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ عنبر کو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی۔ وہ تو اسے ایک عام انسان سمجھے ہوئے تھے۔ اسے کیا خبر کہ وہ کن لوگوں سے باتیں کر رہی ہے!۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! ذرا باہر جا کر خبر تو لاؤ کہ تلاشی کونسی کوٹھڑی تک پہنچی

ہے۔ تا کہ ہم ہوشیار ہو جائیں"۔

"بہت اچھا بھائی"۔

یہ کہہ کر ماریا کوٹھری سے باہر نکل گئی۔ تلاشی لینے والے اس کی کوٹھری کے قریب پہنچنے ہی والے تھے۔ ماریا جلدی سے واپس آ گئی۔

"بھائی عنبر! وہ لوگ یہاں سے تیسری کوٹھری کی تلاشی لے رہے ہیں"۔

شانتی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں انہیں آنے دو۔ ماریا! تم ایسا کرنا کہ اشرفیوں کی تھیلی بھی شانتی کے ساتھ ہی گود میں لے کر بیٹھنا تا کہ وہ بھی غائب ہو جائے کیونکہ اگر وہ باہر رہی تو بڑا

پجاری سمجھ جائے گا کہ ہو سکتا ہے یہ شرارت ہماری ہی ہو"۔

"ایسا ہی کروں گی عنبر بھائی"۔

ناگ نے تنگ آ کر کہا۔

"عنبر بھائی اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ان لوگوں کے اندر آتے ہی انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دوں"۔

عنبر بولا۔

نہیں نہیں ناگ بھائی! ایسا نہیں کرنا۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا۔ ہم کسی بیگناہ کو مارنا نہیں چاہتے۔ ہم صبر اور عقل سے کام لیں گے اور شانتی کو سکون کے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں گے۔

اگر وشال تمہاری گردن دبانے وار تمہیں ہلاک کرنے کی

کوشش نہ کرتا تو ہم اس کا بھی خون نہ بہاتے۔ ہمیں صبر اور دانشمندی سے کام لینا ہوگا۔ جیسے میں کہتا ہوں تم لوگوں کو ویسے ہی کرنا ہوگا۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ کوٹھڑی کے باہر پجاریوں کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دیں۔ عنبر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"وہ آ گئے ہیں۔ ماریا۔ جلدی سے اپنا کام کرو"۔

ماریا جلدی سے کوٹھڑی کے ایک خالی کونے میں دری پر جا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس نے اشرفیوں کی تھیلی گود میں رکھ لی اور شانتی کو آواز دے کر کہا۔

"شانتی بہن جلدی سے آ جاؤ"۔

شانتی لپک کر ماریا کی گود میں جا کر بیٹھ گئی۔ ماریا کی گود

میں بیٹھتے ہی وہ ماریا کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ اب کونا ظاہری طور پر دیکھنے میں بالکل خالی تھا لیکن اگر کوئی وہاں جا کر ہاتھوں سے ٹٹولتا تو وہاں ماریا، گود میں اشرفیوں کی تھیلی اور زندہ شانتی کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی۔ ساتھ ہی بڑے پجاری کی آواز آئی۔

"دروازہ کھولو! ہم تلاشی لینے آئے ہیں"۔

عنبر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ بڑا پجاری غصے کی حالت میں کھڑا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے وشال کے ہلاک ہونے اور شانتی کے فرار ہونے کا گہرا صدمہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چھ سات پجاری بھی تھے۔ عنبر کے ساتھ ناگ بھی دروازے کے پاس آ گیا۔ عنبر نے انجان بن کر پوچھا۔

"مہاراج! خیریت تو ہے۔ آپ کس لیے تلاشی لے رہے ہیں؟"۔

بڑا پجاری بولا۔

"ایک لونڈی شانتی نے ہمارے پجاری وشال کا خون کر دیا ہے۔ وہ مندر میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ ہم سب کوٹھڑیوں کی تلاشی لے رہے ہیں"۔

ناگ ہاتھ باندھ کر بولا۔

"مہاراج! آپ مالک ہیں۔ ضرور تلاشی لے لیں۔ ہماری کوٹھڑی حاضر ہے"۔

بڑا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر گیا۔ انہوں نے تلاشی لینی شروع کر دی۔ اب عنبر اور ناگ کو سب سے زیادہ یہی فکر تھا کہ کہیں یہ لوگ تلاشی لیتے لیتے کونے میں نہ چلے جائیں۔ کیونکہ اگر وہ کونے میں جاتے تو ضرور زمین پر بیٹھی ہوئی ماریا اور شانتی سے ٹکرا جاتے۔ اور پھر سارا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ عنبر اور ناگ بڑے پجاری کے ساتھ ساتھ چل پھر کر ایک ایک شے کی تلاشی لے رہے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"مہاراج! ہماری اشرفیوں کی تھیلی بھی کوئی چور یہاں سے چرا کر لے گیا ہے ہم نے اس کی بھی آپ سے شکایت نہیں کی"۔

بڑا پجاری بولا۔

"یہ کام بھی اسی لونڈی شانتی کا ہوگا۔ فکر نہ کرو۔ وہ ہمیں مل گئی تو تمہاری چوری بھی برآمد کرالی جائے گی"۔

بڑا پجاری اور اس کے ساتھی الماریوں کو کھول کھول کر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کونے میں رکھے ہوئے سارے کے سارے مرتبانوں کا منہ کھول کر اس کے اندر جھانک کر اور ڈنڈا پھیر کر دیکھا۔

مرتبان سارے کے سارے خالی تھے۔ پھر وہ تخت پوشوں کے نیچے جھانکنے لگے۔ اب وہ لوگ اس جگہ کے بہت قریب آ گئے تھے جہاں ماریا، شانتی کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔

"بھائی! خدا سے دعا کرو"۔

"جی۔۔۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ بڑا پجاری کونے میں ماریا کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور دوسرے پجاریوں کو تلاشی لیتے دیکھنے لگا۔۔ عنبر نے کہا۔۔۔ "اب تو اس کوٹھڑی میں کوئی بھی ایسی شے نہیں رہی جس کو آپ نے کھول کر اور ٹھونک بجا کر نہ دیکھ لیا ہو"۔

"خاموش" بڑا پجاری گرجا۔ تم کون ہوتے ہو ہمیں یہ بتانے والے۔ یہ مندر ہے۔ یہ ہماری کوٹھڑیاں ہیں۔ ہم جب تک اور جتنی دیر تک چاہیں ان کی تلاشی لے سکتے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا سب سے پیارا پجاری ہلاک کر دیا گیا ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قاتل ایک عورت لونڈی شانتی ہے جو اس مندر میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے؟ جب تک ہماری تسلی

نہیں ہوتی ہم تلاشی جاری رکھیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ مالک ہیں مہاراج"۔

ادھر ماریا بھی شانتی کو گود میں لیے پریشان بیٹھی تھی۔ شانتی کا بہت برا حال تھا۔ ظالم پجاری۔۔۔ اس کی جان کا دشمن بڑا پجاری اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ شانتی کو اس کے سانس کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ شانتی کا سہما ہوا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ آخر مصیبت ٹلنے کا وقت آ گیا۔ جب بڑے پجاری کو تسلی ہو گئی کہ اب کوٹھڑی میں کوئی ایسی شے باقی نہیں رہی جس کی تلاشی نہ لی جا چکی ہو تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"واپس چلو۔ اب ہم مندر کے بڑے دروازے پر چلیں گے ہو سکتا ہے پہرے داروں نے وہاں فرار ہوتی ہوئی شانتی کو وہاں پکڑ لیا ہو"۔

سارے پجاری بڑے پجاری کے ساتھ وہاں سے باہر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہیں عنبر اور ناگ نے سکھ کا سانس لیا۔ ماریا تھک گئی تھی۔ اس نے جلدی سے شانتی کو گود میں سے اتار دیا۔ ماریا نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے بلا ٹل گئی"۔

پجاری سے مقابلہ

ایک بلا ٹل گئی تھی۔ لیکن ایک بلا ابھی باقی تھی۔

ابھی شانتی کو مندر میں سے نکال کر اس کے بچوں کے پاس گھر پہنچانا باقی تھا۔ یہ مشکل کام بھی تھا اور آسان کام بھی تھا۔ مشکل اس لیے تھا کہ مندر کے دروازے بند تھے اور وہاں بڑا سخت پہرہ لگا ہوا تھا۔

آسان یوں تھا کہ اگر دروازے کھل جائیں تو کسی نہ کسی

طرح عنبر اور ماریا مل کر شانتی کو اس کے گھر پہنچا سکتے تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ اگر یہ لوگ شانتی کو گھر بھی پہنچا دیں تو پجاری اسے دوبارہ اغوا کروا سکتا تھا۔

اس کی بہت چلتی تھی۔ کیونکہ وزیر چانکیہ اس کا اپنا آدمی تھا۔ اور راجہ سمراٹ وزیر چانکیہ کے زیر اثر تھا۔

اس کی ایک ہی صورت تھی کہ کسی طرح پجاری کو عنبر اور ناگ کی طاقت کا احساس دلایا جائے۔ اس کے بعد پجاری شانتی کو دوسری بار اغوا کرانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ کا خیال تھا کہ اپنی طاقت سے پجاری کو شکست دیے بغیر شانتی کو اس کے گھر پہنچانا فضول ہے۔

پجاری کو جونہی معلوم ہو گا کہ شانتی اپنے گھر پہنچ گئی ہے وہ

اسے پھر پکڑ کر مندر میں لے آئے گا اور کوئی اسے کچھ نہ کہہ سکے گا۔ ماریا نے پجاری کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی! شانتی کو آج ہی آدھی رات کے بعد کسی وقت اس کے گھر پہنچا دینا چاہیے"۔

ناگ بولا۔

"اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ جونہی پجاری کو پتہ چلے گا کہ شانتی گھر پہنچ گئی ہے۔ وہ اسے دوبارہ اغوا کروا کر لے آئے گا"۔

شانتی نے کہا۔

"ہاں بھائی! وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ وہ مجھے ضرور پکڑ کر لے جائے گا۔ مجھے تو یہاں میرے بچا لو۔ میں ساری عمر تم لوگوں کے پاس ہی بسر کروں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا بہن۔ ہم سیلانی لوگ ہیں۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں ہیں۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تمہیں اپنے گھر ہی جانا چاہیے"۔

شانتی سہم کر بولی۔

"وہ مجھے پھر پکڑ کر لے جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پجاری پر اپنی طاقت ظاہر کر دی جائے۔ ایسی صورت میں وہ ہمارا مطیع ہو جائے گا۔ یا کم از کم اتنی جرات نہیں کرے گا کہ شانتی کو اغوا کرا سکے"۔

شانتی نے پوچھا۔

"بھائی تمہاری طاقت سے بھی کچھ نہیں بنے گا۔ یہ سنگدل پجاری مجھے نہیں چھوڑے گا"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"شانتی! تمہیں معلوم ہی نہیں کہ عنبر میں کونسی طاقت ہے۔ اگر تم اس طاقت کی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تو پھر تم بھی آرام اور سکون سے اپنے گھر واپس چلی جاؤ"۔

"اگر ایسی بات ہے بھائی تو پھر اپنی طاقت سے پجاری کو ہار دے دو۔ میں اپنے بچوں کے واپس جانا چاہتی ہوں"۔

شانتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"ٹھیک ہے ہم اپنی طاقت پجاری پر ظاہر کر دیں گے۔ مگر اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا ہو گا"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! وقت کا انتظار ہم آخر کب تک کرتے رہیں گے۔ ہمیں بات کھول کر پجاری سے بیان کر دینی چاہیے۔ ہمیں کھل کر اس کے مقابلے پر آ جانا چاہیے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ کیسے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"وہ ایسے کہ تم جا کر پجاری سے کہہ دو کہ شانتی تمہارے پاس ہے اور تم اسے اس کے حوالے نہیں کرو گے۔ وہ تمہیں

گرفتار کر لے گا۔ وہ تمہیں مارنے کی کوشش کرے گا۔ تم مر نہیں سکو گے۔ اپنی اس طاقت کو ظاہر کرنے سے تم پجاری پر قابو حاصل کر لو گے اور پھر اس سے من مانی منوا سکو گے"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ اس طرح اس سے بات لمبی ہو جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ پجاری عنبر کو قید میں ڈال دے اور قتل کی نوبت ہی آ جائے"۔

ناگ نے کہا۔

"دوسری ترکیب کونسی ہو سکتی ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ماریا میرے ساتھ

پجاری کے پاس جائے گی۔ بس اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ آؤ ماریا"۔

عنبر ماریا کو لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ کوٹھڑی میں ناگ اور شانتی رہ گئے۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ پجاری بڑے دروازے پر گیا ہوگا۔ اس وقت ہمیں اس سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیے کہ پجاری اپنی کوٹھڑی میں واپس آ جائے"۔

عنبر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کے واپس آنے کا انتظار کریں گے"۔ دونوں واپس کوٹھڑی میں آ گئے۔

ادھر پجاری مندر کے بڑے دروازے پر پہرہ داروں سے بات چیت کر رہا تھا کہ انہوں نے شانتی کو کسی مرد کے بھیس میں مندر سے باہر نکلتے تو نہیں دیکھا؟ انہوں نے بتایا کہ جب سے دروازہ بند کیا ہے کوئی شخص بھی مندر سے باہر نہیں گئی۔ پجاری نے کہا۔

"دروازے میرے دوسرے حکم تک بند رکھیں جائیں۔ جب تک میں نہ کہوں دروازے بالکل نہ کھولے جائیں"۔

"جو حکم مہاراج"۔

پجاری یہ کہہ کر واپس اپنی کوٹھڑی کی طرف مڑا۔ کوٹھڑی میں آ کر اس نے دوسرے تمام لوگوں کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ مندر کے کونے کونے پر پہرہ بٹھا دیا جائے۔ کیونکہ شانتی

ابھی تک مندر سے باہر نہیں گئی۔ دوسرے پجاری چلے گئے۔ کوٹھڑی میں پجاری اکیلا رہ گیا۔

اب عنبر اور ناگ نے یہ ترکیب سوچی کہ اس کام پر ناگ کو روانہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ ناگ دیوتا ہے اور پجاری ناگ دیوتا سے بہت ڈرتا ہے۔ عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ سانپوں کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے تم اس مندر میں کیا کچھ کر سکتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں یہ کر سکتا ہوں کہ اس مندر میں جتنے بھی سانپ ہیں۔ ان کو اپنے پاس بلا کر ان سے جو چاہوں کام لے سکتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"بس پھر ہمیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟"۔

ماریا بولی۔

"اس طرح سے ہم پجاری پر اس کے مذہب کا اثر ڈالیں گے۔ مذہب کے اثر میں آ کر وہ ساری زندگی پھر شانتی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا"۔

ناگ بولا۔

"اگر تم لوگوں کا یہی ارادہ ہے کہ میں مندر کے سارے سانپوں کو ایک جگہ جمع کر لوں تو وہ تو میں ابھی کر سکتا ہوں۔ میں ابھی سانپ بن کر اپنے جسم سے ایک ایسی بو چھوڑوں گا جس سے مندر کے سارے سانپوں کا پتہ چل جائے گا کہ سانپوں کا

بادشاہ کہاں پر ہے وہ بھاگ بھاگ کر میرے پاس آ جائیں گے اور پھر میں انہیں جو کہوں گا وہ وہی کریں گے"۔

عنبر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ صبح ہوتے ہی تمہیں اپنے کام پر نکل جانا ہو گا"۔

ناگ نے پوچھا۔

"مگر میرا کام کیا ہو گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ میں تمہیں صبح بتاؤں گا"۔

اس کے بعد وہ لوگ سو گئے۔

عنبر کی صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔ اس نے ماریا اور ناگ کو

ناگ دیوتا کے بت کو بڑے غور سے دیکھا۔ یہ سات منہ والا بڑا سانپ تھا جس کی سات گردنوں میں ہیرے جواہرات کی مالائیں پڑی تھیں۔ موٹا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی توجہ سے پوجا کرنے میں مگن تھا۔ ناگ آگے کھسکتا ہوا ناگ دیوتا کے قریب آ گیا۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اس نے سانپ بن کر بو چھوڑی تو موٹے پجاری کو پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ سانپ یہاں پر کیوں جمع ہوئے ہیں کیونکہ سانپ بن کر وہ پجاری سے کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ہی ناگ کی بو اڑائے اور پھر پجاری سے سودا کر سکے۔ اس باتک اول میں

ناگ دیوتا کے بت کو بڑے غور سے دیکھا۔ یہ سات منہ والا بڑا سانپ تھا جس کی سات گردنوں میں ہیرے جواہرات کی مالائیں پڑی تھیں۔ موٹا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی توجہ سے پوجا کرنے میں مگن تھا۔ ناگ آگے کھسکتا ہوا ناگ دیوتا کے قریب آ گیا۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اس نے سانپ بن کر بو چھوڑی تو موٹے پجاری کو پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ سانپ یہاں پر کیوں جمع ہوئے ہیں کیونکہ سانپ بن کر وہ پجاری سے کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ہی ناگ کی بو اڑائے اور پھر پجاری سے سودا کر سکے۔ اس باتک اول میں

پکا فیصلہ کرنے کے بعد ناگ ستون کی آڑ سے نکل کر پجاری کے قریب بلکہ ذرا سامنے آ گیا۔

موٹا پجاری پیتل کی تھالی ناگ دیوتا کے بت کے آگے گھما رہا تھا۔ گھڑیالوں اور ڈھول ڈھمکوں سے وہاں ایک شور مچا ہوا تھا۔ ناگ شور ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پوجا پاٹھ ختم ہو گئی۔ ڈھول بجنا بند ہو گئے۔

گھڑیالوں کا شور رک گیا۔ پجاری اب اپنے استھان پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور لوگوں میں پرشاد تقسیم کرنے لگا۔ لوگ اس کے قریب آ کر سونے کی اشرفی دیتے اور پرشاد کی مٹھائی لے کر وہاں سے آگے نکل جاتے۔

ایک ایک کر کے سارے لوگ وہاں سے چلے گئے۔ اب

وہاں صرف ناگ اور چھ سات پجاری رہ گئے۔ موٹے پجاری نے دیکھا کہ ایک نوجوان ستون کے پاس ابھی تک کھڑا ہے۔ اس نے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا اور اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

ناگ موٹے پجاری کے قریب آ گیا۔ پجاری نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

"نوجوان لڑکے! تم کس لیے یہاں کھڑے ہو! پرشاد لے کر واپس کیوں نہیں جاتے؟ کیا تمہارے پاس نذر چڑھانے کو ایک بھی اشرفی نہیں ہے؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"پجاری جی! اشرفیاں تو میرے پاس بہت ہیں"۔

پجاری نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

”تو پھر تم اشرفی دے کر پرشاد کیوں نہیں لیتے؟“

”تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”پجاری جی! میں اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ یہ سارے پجاری جائیں تو میں آپ سے ساری اشرفیاں لے کر اپنی پوجا کرواؤں“۔

”کیا کیا؟“۔

پجاری اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے پجاری بھی حیران رہ گئے ناگ نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جو بہت بڑی گستاخی تھی جس کا کوئی شخص تصور نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کہنا کہ پجاری

میری پوجا کرے اس زمانے کے مطابق ایک بہت بڑا گناہ تھا۔ پجاری نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور کہا۔

”بدتمیز! گستاخ! تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی“۔

دوسرے پجاری بھی آگے بڑھے اور انہوں نے ناگ کو مارنے کی کوشش کی تو پجاری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”نہیں! ٹھہرو۔ ابھی اسے کچھ نہ کہو۔ شاید یہ نوجوان پاگل ہو گیا ہے۔ ہمیں پاگل لوگوں سے ہمدردی ہے“۔

”کیوں نوجوان! کیا تو پاگل ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”نہیں پجاری جی! میں پاگل نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک

اس کے ساتھ ہی پجاری نے ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ ناگ تلملا کر رہ گیا۔ وہ اسی وقت اسے ڈس کر ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے بڑی ہمت اور صبر سے کام لیا۔ موٹا پجاری ناگ کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم ضرور کوئی پاگل ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ایک پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ جاؤ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے دھرم میں پاگل کو معاف کر دیا جاتا ہے"۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"پجاری جی! میں صرف دیوتا ہی نہیں ہوں بلکہ اس مندر کا مالک ہوں اور آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ شانتی میرے پاس

اس کے ساتھ ہی پجاری نے ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ ناگ تلملا کر رہ گیا۔ وہ اسی وقت اسے ڈس کر ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے بڑی ہمت اور صبر سے کام لیا۔ موٹا پجاری ناگ کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم ضرور کوئی پاگل ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ایک پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ جاؤ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے دھرم میں پاگل کو معاف کر دیا جاتا ہے"۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"پجاری جی! میں صرف دیوتا ہی نہیں ہوں بلکہ اس مندر کا مالک ہوں اور آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ شانتی میرے پاس

ہے"۔

پجاری پر جیسے بجلی گری۔

"کیا کہا؟ شانتی تمہارے پاس ہے؟"۔

"ہاں پجاری جی! شانتی میرے پاس ہے۔ میں ہی اسے یہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔ میں نے ہی آپ کے چھوٹے پجاری وشال کو ڈس کر ہلاک کیا تھا"۔

"کیا بک رہے ہو تم؟"

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں جناب! جب وشال کوٹھڑی میں شانتی کو لینے آیا تھا تو میں پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ میں نے اس کو ڈس دیا۔ وہ مر گیا۔ پھر میں نے شانتی کو وشال کے کپڑے پہنائے اور اسے ساتھ لے کر سرنگ میں سے

گذرنے لگا تو مجھے آپ مل گئے۔ پھر میں نے آپ کی گردن پر مکا مار کر آپ کو گرا دیا۔ اب بھی آپ کو مجھ پر یقین نہیں آ رہا؟"۔

پجاری نے گرجدار آواز میں کہا۔

"تم کیسے کسی دوسرے انسان کو ڈس سکتے ہو تم تو انسان ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"میں سانپ ہوں۔ انسان نہیں ہوں۔ میں ناگ دیوتا ہوں۔ آپ کو میری پوجا کرنی چاہیے"۔

"بک بک بند کرو گستاخ نہیں تو ابھی تمہاری گردن قلم کروا دوں گا"۔

ناگ ہنس کر بولا۔

"پجاری جی! تھوڑی دیر بعد آپ خود ہی مجھے سجدہ کریں گے اور میری آرتی اتاریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے ہی مجھے ناگ دیوتا مان لیں۔ اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے"۔

پجاری بولا۔

"کم بخت تو واقعی کوئی پاگل ہے۔ سچ بتا شانتی کہاں ہے۔ تو نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے؟"۔

"اسی مندر میں"۔

"کیا کہا اسی مندر میں؟" پجاری چیخ کر بولا۔

سفید سانپ

"ہاں گورو جی اسی مندر میں"۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا اور پھر ایک ہاتھ اوپر ناگ دیوتا کے بت کی طرف لے جا کر بولا۔

"اگر آپ کہیں تو میں یہ جو موتیوں کی مالائیں ناگ دیوتا کی گردنوں میں جھول رہی ہیں ان میں سے ایک شانتی کے لیے لے لوں"۔

پجاری لرز گیا۔

"بدبخت! تیری موت تیرے سر پر آ گئی ہے"۔

دوسری پجاری آگے بڑھ کر بولے۔

"مہاراج! آپ حکم کریں۔ ہم ابھی اس گستاخ کی گردن اڑا کر اس کا خون ناگ دیوتا کے آگے نذر کرتے ہیں"۔

پجاری بولا۔

"نہیں! ذرا ٹھہرو۔ ہم اس گستاخ نوجوان کا امتحان لیں گے۔ کیوں نوجوان! تو امتحان دینے کے لیے تیار ہے؟"۔

ناگ بولا۔ "ہاں! میں تیار ہوں"۔

پجاری نے کہا۔

"تو پھر اوپر جا کر ناگ دیوتا کی گردن سے موتیوں کی مالا اتار کر دکھاؤ"۔

پجاری کو یقین تھا کہ جونہی ناگ اوپر چڑھنے کی کوشش کرے گا۔ وہاں پتھروں میں چھپے زہریلے سانپ اسے ڈس کر ہلاک کر دیں گے۔ اس لیے وہ بہت مطمئن تھا۔ ناگ نے کہا۔

"یہ کام اگر میں خود کرنے کی بجائے کسی سانپ سے کروا دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"۔

"سانپ سے؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"۔

"میرا مطلب ہے کہ میں آپ کے مندر کے ہی ایک سانپ کو حکم دوں گا کہ ناگ دیوتا کی گردن سے مجھے موتیوں کی ساری مالائیں اتار کر لا دے اور وہ لا دے گا"۔

"بکواس کر رہے ہو کفر بک رہے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔

"اگر میں ایسا کر دوں تو؟"۔

"تم پاگل ہو گئے ہو"۔

"آپ امتحان لے کر دیکھ لیں"۔

"تو پھر یہ کام کر کے دکھاؤ۔ اور سنو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو میں تمہیں زندہ آگ میں ڈال کر بھسم کر دوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"اور اگر میں نے یہ کام کر دیا تو پھر آپ کے ساتھ جو چاہے سلوک کروں گا۔ کیا آپ کو منظور ہے؟"۔

پجاری نے کہہ دیا۔

"ہاں منظور ہے"۔

موٹے پجاری کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ناگ ایسا کر سکے گا۔ وہ تو اسے پاگل نوجوان سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی شرط جھٹ منظور کر لی تھی۔

پجاری کی اجازت پا کر ناگ نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کر کے وہ منتر پڑھنے لگا۔ پجاریوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ پجاریوں نے ناگ کی سرخ آنکھیں دیکھیں تو ذرا حیران سے

ہوئے مگر پھر انہوں نے زیادہ خیال نہ کیا۔

اب ناگ کے جسم سے سانپ کی خاص بو نکل رہی تھی۔

اس بو نے مندر میں پھیلتے ہی سارے سانپوں میں ایک ہل چل سی مچا دی سارے سانپ اپنی اپنی جگہوں پر گھبرا گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ ناگ دیوتا مندر میں آ گیا ہے وہ جہاں جہاں بھی چھپے بیٹھے تھے وہاں سے نکل کر ناگ کی طرف بڑھنے لگے۔ ناگ دیوتا کے بت کے اندر بھی جتنے سانپ تھے۔ سارے کے سارے پتھروں کے پیچھے سے نکل کر ناگ کی طرف چل پڑے۔

پہلے تو پجاری مذاق ہی خیال کرتا رہا۔ مگر پھر کیا دیکھتا ہے کہ مندر کے سارے سانپ فرش اور دیواروں پر سے رینگتے

ہوئے اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ سارے پجاری دن رہ گئے۔ وہ پیچھے ہٹ کر چبوترے پر چڑھ گئے۔ کیونکہ ان سانپوں میں ایسے ایسے خطرناک زہریلے سانپ بھی تھے جن کے پاس پجاری کبھی نہیں گئے تھے۔

ناگ آنکھیں بند کیے چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے ارد گرد سانپوں نے آ کر چکر لگانے شروع کر دیئے۔ سات آٹھ چکر لگانے کے بعد سارے سانپ ناگ کے پاؤں کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

پھر ایک ایک سانپ آگے بڑھتا اور ناگ کے پاؤں کو چوم کر پاس ہی گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔ باری باری سارے سانپوں نے ناگ کے پاؤں چومے۔ تھوڑی دیر بعد سارے

سانپ گردنیں جھکائے ناگ کے پاؤں کے قریب بیٹھے تھے۔

یہ سارا منظر دیکھ کر موسے پجاری اور دوسرے پجاریوں کی جان ہی نکل گئی تھی۔ وہ دم بخود تھے۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سانپوں کو سر جھکائے بیٹھے اور کبھی ناگ کو آنکھیں بند کیے دیکھ رہے تھے۔

اب ناگ نے آنکھیں کھولیں اور سانپوں کو ایک طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

”مہاناگ کہاں ہے؟ سامنے آئے“۔

سانپوں میں سے ایک سفید سر والا سانپ نکل کر ناگ کے سامنے آ گیا۔ ناگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”مہاناگ! اس بت کے اوپر جاؤ اور اس کی گردن میں جو موتیوں کی مالائیں پڑی ہیں ان میں سب سے خوبصورت اور قیمتی مالا اتار کر لے آؤ“۔

سفید سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور پھر بت کے اوپر رینگتا ہوا چڑھ گیا۔ سارے پجاری پھٹی ہوئی آنکھوں سے سانپ کو بت پر چڑھتا دیکھ رہے تھے۔ اوپر جا کر سفید سانپ نے بڑے بت کی گردن میں سے ایک نیلے رنگ کے موتیوں کی مالا منہ میں تھامی اور اسے لے کر واپس اترنے لگا۔ یہ منظر ایسا تھا کہ جس نے سارے پجاریوں کے رنگ زرد کر دیئے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

سفید سانپ نے نیچے آ کر نیلے موتیوں کی مالا ناگ کے

ہاتھوں میں دے دی۔ ناگ نے مالا اپنے گلے میں ڈال لی اور پھر موٹے پجاری کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیوں پجاری! کیا اب تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں ناگ دیوتا ہوں؟"۔

موٹے پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج! میں یقین کرتا ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"اور دوسرے پجاریوں کا کیا خیال ہے؟"۔

سارے پجاری ایک زبان ہو کر بولے۔

"آپ دیوتا ہیں۔ ہم آپ کے غلام ہیں"۔

ناگ نے موٹے پجاری کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"پجاری! تھالی لے کر ہماری آرتی اتارو"۔

"جو حکم سرکار"۔

یہ کہہ کر پجاری کانپتا ہوا چبوترے پر سے اترا اور تھالی ہاتھ میں لے کر ناگ کے چہرے کے گرد گھمانے لگا۔ آرتی اتارنے کے بعد وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے کہا۔

"کیا اب تم شرط کے مطابق اس سزا کے لیے تیار ہو جو میں تمہارے لیے مقرر کروں؟"۔

پجاری زمین پر گر پڑا اور ناگ کے پاؤں پکڑ کر بولا۔

"معاف کر دیں مہاراج! مجھے معاف کر دیں"۔

ناگ بولا۔

"مگر تم تو ہمیں پاگل کہہ رہے تھے۔ اب ہم مہاراج کیسے

بن گئے''۔

پجاری گڑگڑایا۔

''مہاراج! میری آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی تھی۔ میں اندھا تھا۔ مجھ سے بھول ہوگئی''۔

ناگ نے کہا۔

''اگر تم کہو تو ہم تمہارے اسی بت کو بھی حکم دیں کہ وہ ہمیں آ کر سجدہ کرے؟ مجھے قسم ہے کہ میرے حکم پر یہ بت بھی جھک کر مجھے سجدہ کرے گا''۔

پجاری بولا۔

''آپ مالک ہیں مہاراج! آپ جو حکم کریں گے ایسا ہی ہوگا۔ آپ اصل ناگ دیوتا ہوں۔ بھول ہم سے ہوئی ہے۔

ہمیں معاف کردیں''۔

ناگ نے کہا۔

''اور کیا اب بھی تم شانتی کو ہم سے حاصل کرنے کی کوشش کروگے''۔

''ہرگز نہیں حضور! ہرگز نہیں! شانتی میری بیٹی ہے۔ آج سے شانتی میری بہن ہے۔ میں شانتی دیوی کی پوجا کروں گا۔ میں اس کی پوجا کروں گا''۔

ناگ بولا۔

''لیکن تم نے ہمارے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ ہم تم سے اس کا بدلہ ضرور لیں گے''۔

پجاری رونے لگا۔

"معاف کر دیں۔ معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ سرکار! میں آپ کا غلام ہوں۔ مجھ سے بدلہ نہ لیں۔ میں اس قابل نہیں ہوں"۔

"مگر تم تو ہماری گردن اڑانے کی سوچ رہے تھے تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمیں آگ میں جلا کر بھسم کر دو گے۔ کیا بات ہے۔ اب تم ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر کیوں گڑگڑانے لگے؟"۔

پجاری بولا۔

"مہاراج! مجھ سے بہت بھاری غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں ساری زندگی آپ کا غلام بن کر رہوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تم نے میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ اس کا بدلہ میں نہیں لوں گا۔ یہ سانپ تم سے بدلہ لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے تم کو میرے منہ پر تھپڑ مارتے دیکھ لیا ہے۔ یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی پجاری ان کے دیوتا کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اس کی بے عزتی کرے۔ یہ تم سے بدلہ ضرور لیں گے۔ میں انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

اب تو پجاری کی جان نکل گئی۔ اس نے ہاتھ باندھ لیے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے ناگ کے قدموں پر گر پڑا۔ باقی پجاری بھی ہاتھ باندھ کر ناگ کے سامنے گھٹنوں پر جھک گئے اور منتر پڑھنے لگے۔ بڑے پجاری نے ناگ کے

قدم چوم کر کہا۔

”میری جان بخشی کر دیں حضور! مجھ پر رحم کریں۔ مجھ پر ترس کھائیں۔ میں آپ کا داس ہوں۔ میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ میں آپ کا نوکر ہوں۔ نوکروں سے بھول ہو ہی جایا کرتی ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔ میری جان بخش دیں“۔

ناگ نے کہا۔

”میں نے تمہاری جان بخشی کر دی ہے۔ لیکن میرے غلام، یہ میرے سانپ تمہیں معاف نہیں کر سکتے۔ یہ تم سے اپنے دیوتا کا بدلہ ضرور لیں گے“۔

پجاری نے چیخ مار کر کہا۔

”لیکن سرکار! یہ مجھے ہلاک کریں گے۔ یہ بڑے خطرناک سانپ ہیں۔ یہ بڑے زہریلے سانپ ہیں“۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

”بدبخت پجاری! تمہیں یاد ہے۔ تم نے کتنے بے گناہ انسانوں کو ان خطرناک سانپوں سے ہی ڈسوا کر ہلاک کروا دیا ہے؟ اب تو کیوں گھبرا رہا ہے؟ ظلم کرنے والے کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ اس کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے ایک دن وہ خود اس کنوئیں میں گر پڑتا ہے۔ ہاں! میں تم سے اتنا ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں جان سے نہیں ماروں گا“۔

ناگ کے قدموں سے پجاری لپٹ کر بولا۔

”جان بخش دیں۔ معاف کردیں۔ معاف کردیں“۔

آخر ناگ کے دل میں رحم آگیا۔ اس نے کہا۔

”ظالم انسان! اٹھو! میں سفید سانپ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اگر اس نے تمہیں معاف کردیا تو میں بھی معاف کردوں گا میں اس سے تمہارے سامنے پوچھتا ہوں“۔

ناگ نے سفید سانپ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اے سفید سانپ! اے مہا ناگ! اس بد بخت پجاری نے تمہارے ناگ دیوتا کی توہین کی ہے مگر یہ شخص اب اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے۔ میں اسے جان سے مارنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے رو رو کر اپنے گناہ کی معافی مانگی ہے۔ میرا دل پسیج گیا ہے۔ کیا تو بھی اسے معاف کرتا ہے؟“۔

سفید سانپ نے منہ پھیر کر پجاری کی طرف دیکھا۔ اس کی لال لال آنکھیں اور بار بار نکلتی ہوئی سرخ زبان دیکھ کر پجاری کا خون خشک ہو گیا۔ اس نے خوف کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ سفید سانپ رینگتا ہوا ناگ کے پاس آیا اور سسکار کی آواز میں کچھ کہا۔ ناگ نے جواب دیا۔

”میں نے تو اس بد بخت کو معاف کردیا ہے“۔

اس کے بعد سفید سانپ نے ہلکی سی سسکار بھری اور واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ اور گردن جھکا دی۔ ناگ نے آنکھیں پجاری کی طرف کر کے کہا۔

”تم خوش نصیب ہو موٹے پجاری! مہا ناگ نے تمہاری گستاخی کو معاف کردیا ہے۔ صرف اس لیے کہ میں نے تمہیں

معاف کر دیا ہے"۔

موٹا پجاری اچھل کر ناگ کے پاؤں چوم کر بولا۔

"جے ہو مہاراج! جے ہو مہاراج!"

ناگ نے کہا۔

"لیکن اس کے عوض تم پر ایک جرمانہ لگایا جائے گا۔ وہ جرمانہ تمہیں ہر حالت میں پورا کرنا ہو گا"۔

پجاری گڑگڑایا۔

"میں ہر جرمانہ ادا کرنے کو تیار ہوں حضور! میں تیار ہوں"۔

"حضور! آپ حکم کریں"۔

ناگ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہیں گناہوں سے توبہ کرنی ہو گی۔ تمہیں عہد کرنا ہو گا کہ آئندہ سے تم کسی انسان پر ظلم نہیں کرو گے۔ تم کسی عورت کو لونڈی بنا کر نہیں فروخت کرو گے"۔

"مہاراج! میں دل و جان سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔ کبھی کسی عورت کو لونڈی بنا کر فروخت نہیں کروں گا"۔

"اگر تم نے ایسا کیا تو اس مندر کے یہ سارے سانپ باری باری آ کر تجھے ڈسیں گے اور تم ہلاک کر دیے جاؤ گے"۔

"مہاراج! آپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ سے ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ کبھی نہیں ہو گا"۔

ناگ نے کہا۔

"اور ایک اور جرمانہ تمہیں ادا کرنا ہوگا"۔

"حکم مہاراج"۔

"تمہیں اپنی ساری دولت۔ جمع کی ہوئی ساری سونے کی اشرفیاں شانتی کو دے دینی ہوں گی تا کہ وہ بیوہ عورت اپنی ساری زندگی خوشحالی سے بسر کر سکے"۔

پجاری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"مگر مہاراج! میں۔۔۔ میں۔۔۔"

"تو پھر سانپ سے ڈسوانے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

پجاری نے کانپ کر کہا۔

"منظور ہے مہاراج! منظور ہے۔ مجھے یہ جرمانہ منظور ہے۔ میں اپنی ساری دولت ابھی اسی وقت شانتی دیوی کے

قدموں پر لا کر ڈھیر کر دوں گا"۔

"تو پھر چلو میرے ساتھ"۔

"کہاں حضور؟"۔

"اپنی کوٹھڑی میں۔۔۔ جہاں سے تم اپنی ساری سونے کی اشرفیاں سمیٹ کر اپنے تھیلے میں ڈالو۔ پھر اپنے سر پر وہ تھیلا اٹھا کر میرے ساتھ اس کوٹھڑی میں چلو جہاں شانتی دیوی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تمہاری دولت کا انتظار کر رہی ہے"۔

"میں۔ میں۔ میں تیار ہوں سرکار۔ مگر سرکار!"

اس طرح سے میری بڑی بے عزتی ہوگی۔

"خاموش! تم نے بھی لوگوں کی بڑی بے عزتی کی ہے۔ اب تم سے کوئی رعایت نہیں برتی جا سکتی۔ اگر سیدھی طرح سے

میرے ساتھ نہیں چلتے تو ابھی سفید سانپ کو حکم دیتا ہوں کہ وہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دے"۔

"چلتا ہوں! حضور! چلتا ہوں! چلیے"۔

"چلو"۔

ناگ نے سانپوں کو حکم دیا۔

"تم سب اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے جاؤ اور یاد رکھو۔ اگر اس پجاری نے اپنے بھلا کر لوگوں پر ظلم کرنے شروع کر دیے تو تمہارا فرض ہے کہ باری باری آ کر اسے ڈسنا اور اسے ہلاک کر دینا۔ اب تم لوگ جاؤ"۔

سارے سانپوں نے گردنیں اٹھا کر دوبارہ جھکائیں جیسے کہہ رہے ہوں ہم آپ کو حکم کو یاد رکھیں گے اور اگر پجاری نے اپنا وعدہ بھلا دیا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔

اس کے بعد سارے سانپ ایک ایک کر کے واپس اپنے بلوں میں چلے گئے۔ ناگ نے دوسرے پجاریوں کو بھی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں جانے کا حکم دیا اور موٹے پجاری کو لے کر اس کی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔

تاکہ سونے کی اشرفیاں لے کر شانتی کو دی جائیں۔

پراسرار نجومی

عنبر، شانتی اور ماریا کوٹھڑی میں اکیلے تھے۔

وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی عنبر نے کہا۔

’’میرا خیال ہے ناگ آ گیا ہے‘‘۔

عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے پجاری۔۔۔ سنگدل موٹا پجاری سر پر اشرفیوں سے بھرا

ہوا تھیلا رکھے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ ناگ تھا۔ وہ کوٹھڑی کے اندر آ گئے۔ عنبر نے دروازہ بند کر دیا۔ ناگ نے کہا۔

’’عنبر! پجاری نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔ یہ ساری دولت شانتی کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لیے لایا ہے‘‘۔

عنبر بولا۔ ’’بہت خوب! تو گویا پجاری کی عقل اب ٹھکانے آ گئی ہے‘‘۔

’’ہاں۔ اس نے توبہ کر لی ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ اب یہ کسی انسان پر ظلم نہیں کرے گا۔ کسی کو دکھ نہیں دے گا‘‘۔

پھر ناگ پجاری سے کہا۔

’’شانتی سے اپنی زیادتیوں اور ظلم کی معافی مانگو‘‘۔

موٹے پجاری نے اشرفیوں کا تھیلا سر پر سے اتار کر شانتی کے قدموں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شانتی دیوی! مجھے معاف کر دو۔ میں شرمندہ ہوں۔ اور تم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ یہ اشرفیاں قبول کرو۔ میں انہیں تمہارے قدموں میں نذر کرنے کے لیے لایا ہوں"۔

شانتی بے حد حیران تھی کہ یہ ایک دم سے کیسی کایا پلٹ ہو گئی۔ کہاں تو یہ پتھر دل ظالم پجاری اسے زنجیروں میں مارا کرتا تھا اور کہاں یہ کہ اب اس کے پاؤں پر پڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں مہاراج"۔

ناگ نے جھٹ کہا۔

"شانتی بہن! یہ مہاراج نہیں ہے۔ یہ اب ہمارا اور تمہارا نوکر ہے۔ اس کو اگر معاف کرنا چاہتی ہو تو معاف کر دو۔ نہیں تو مجھے حکم دو کہ میں اس کو زہریلے سانپوں کے حوالے کر دوں"۔

اس پر پجاری نے تڑپ کر کہا۔

"شانتی دیوی ایسا نہ کرنا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ تم آج سے میری بیٹی ہو۔ میری بیٹی ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں شانتی بہن! اسے معاف کر دو۔ اپنے گناہ کی اسے بہت سزا مل چکی ہے"۔

شانتی نے کہا۔

"اچھا! میں تمہیں معاف کرتی ہوں"۔

پجاری نے کہا۔

"یہ اشرفیاں قبول کرو دیوی جی"۔

"میں یہ اشرفیاں قبول کرتی ہوں"۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ ناگ نے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو"۔

پجاری کے لیے اشرفیاں دینا اس کی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ اسے اپنی بے عزتی کا اتنا رنج نہیں تھا جتنا صدمہ اس بات کا تھا کہ اسے اس کی ساری دولت، ساری جمع پونجی سے محروم کر دیا گیا تھا۔

اس کے دل میں اب یہ بات پیدا ہو رہی تھی کہ وہ معلوم کرے کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں جو سپیروں کے بھیس میں مندر آئے اور ان میں سے ایک ناگ دیوتا بن بیٹھا۔

اس نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! آپ لوگ اگر چاہیں تو اسی مندر میں ساری زندگی گذار سکتے ہیں۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ اگر ناگ دیوتا تھے تو آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ آپ سپیروں کے بھیس میں یہاں آئیں؟"۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

"اس لیے کہ ہم اس شکل میں تمہارے مندر میں آ کر تمہاری کارگذاری دیکھنا چاہتے تھے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے

تھے کہ تم لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آ رہے ہو یا ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

عنبر پجاری کے دل کی گہرائی میں پہنچ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے اور کیوں پوچھنا چاہتا ہے۔ اسے پجاری کے سوال میں ایک مکاری اور سازش کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جواب پر پجاری بولا۔

"مہاراج! آپ اس مندر کے مالک ہیں۔ مجھ سے جو بھول ہوتی رہی ہے اس پر شرمندہ ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ اب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر بھی یہ

مندر آپ کا ہے۔ آپ جب تک اور جس وقت تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔ مجھے اور میرے دوسرے پجاریوں کو آپ کے یہاں رہنے سے خوشی ہوگی"۔

ناگ نے کہا:

"تمہیں جتنی خوشی ہوگی وہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے"۔

"ہاں اب تم جا سکتے ہو"۔

"جو حکم مہاراج!"

پجاری سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس دوران ماریا کچھ نہیں بولی تھی۔ اس لیے کہ کہیں پجاری اس کے راز سے بھی واقف نہ ہو جائے۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے کہا۔

"مجھے یہ شخص بڑا خطرناک معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے انداز

میں بڑی خطرناک سازش تھی۔ یہ شخص ضرور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں اس سے خبردار رہنا ہوگا"۔

شانتی بولی۔

"ہوسکتا ہے یہ مجھ سے بدلہ لینے کی کوشش کرے"۔

ناگ نے پھر ساری بات ان لوگوں کو سمجھا دی کہ کس طرح مندرے سارے سانپوں کے سامنے اس نے قسم کھائی تھی کہ اگر پجاری نے شانتی سے بدلہ لینے یا اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سانپ اسے باری باری ڈس کر ہلاک کر دیں گے۔ اس نے شانتی سے کہا۔

"شانتی تم بالکل مت گھبراؤ۔ پجاری تمہیں اب کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہم سے بدلہ لینے کی کوشش کرے۔ ہمارے خلاف کوئی سازش کھڑی کرے۔ مگر وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ تم بے فکر رہو"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں شانتی کو جلدی سے جلدی اس کے گھر پہنچا دینا چاہیے"۔

"ہاں شانتی بہن! تم اپنے گھر جا کر اپنے بچوں سے ملو اور ان اشرفیوں سے نئی زمین خرید کر اپنا الگ مکان بناؤ اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کرو"۔

شانتی نے کہا۔

"مجھے پھر بھی ڈر لگتا ہے۔ مجھے اس شہر میں رہتے ہوئے ہمیشہ پجاری سے ڈر رہے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر تمہارے ڈر کا کیا علاج ہو سکتا ہے شانتی؟"۔

شانتی نے کہا۔

"یہاں سے چھت رات اور چھ دن کے فاصلے پر میری ایک ماسی کا گھر ہے وہ دوسرے شہر میں رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ اشرفیاں اور بچوں کو لے کر اس شہر میں اس کے پاس چلی جاؤں اور وہیں زمین خرید کر اپنا مکان بناؤں۔ اور باقی ساری زندگی اسی شہر میں بسر کرو۔ وہاں میں بڑی آزادی کے ساتھ خوش خوش زندگی گذار سکوں گی"۔

ماریا نے کہا۔

"اگر تم اسی طرح خوش ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہم تمہیں اسی شہر میں چھوڑ آئیں گے"۔

شانتی بولی۔

"آپ لوگوں کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے بہن؟ یہاں سے ہر چار پانچ روز کے بعد ایک قافلہ اس شہر کو جاتا ہے۔ اس قافلے میں عورتیں بچے اور بوڑھے بھی سفر کرتے ہیں۔ میں اس قافلے کے ساتھ سفر کر کے اپنے گھر پہنچ جاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ تم محفوظ رہو گی اور راستے میں قافلے کے

لٹنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وگر کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو ہم بڑی خوشی سے تمہیں تمہاری ماسی کے شہر چھوڑ آئیں گے۔ ہم میں سے کوئی ایک تمہارے ساتھ جا سکتا ہے"۔

شانتی نے کہا۔

نہیں عنبر بھائی! اس کی ضرورت نہیں ہے یہاں سے جو قافلے جاتے ہیں وہ بڑی حفاظت سے منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ میں اس سے پہلے کئی بار اس قافلے میں سفر کر چکی ہوں۔

یہ بہت بڑا قافلہ ہوتا ہے۔

اس پر کبھی ڈاکہ نہیں پڑا۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو قافلے کے ساتھ تلواریں اور تیر کمان والے سپاہیوں کا ایک دستہ سفر کر رہا ہوتا ہے۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ چلو اب تمہیں شہر سے باہر والے گھر تمہارے بچوں کے پاس چھوڑ آتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ! تم ہی شانتی کو ساتھ لے کر اسے اس کے گھر چھوڑ آؤ کیونکہ اب تم اس مندر کے ناگ دیوتا ہو۔ یہاں کے سارے لوگ تمہاری شکل سے ڈرتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ آؤ شانتی دیوی"۔

ناگ نے شانتی کو ساتھ لیا اور مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گیا۔ دروازے پر موجود پجاریوں نے ناگ کو دیکھتے ہی سر جھکا دیئے اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ خود ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دوسرے گھوڑے پر شانتی کو بٹھا کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد عنبر اور ماریا نے کوٹھڑی میں چادر بچھا کر کھانا لگا دیا۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔

''عنبر بھائی! میں تو بھنی ہوئی مچھلی کھا کھا کر تنگ آ گئی ہوں۔ آج تو ہرن کا گوشت کھانے کو دل چاہتا ہے''۔

عنبر نے کہا۔

''ابھی ہرن کا گوشت کھلائے دیتا ہوں''۔

عنبر نے اسی وقت بڑے پجاری کو حاضر کروایا اور اسے کہا کہ جہاں کہیں سے بھی ہو سکے ہرن کا بھنا ہوا گوشت لایا جائے۔ پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''سرکار! ابھی پیش کیے دیتا ہوں''۔

پجاری بھاگ کر پجاریوں کے پاس آیا اور ایک ایک سے پوچھا کہ کیا کسی کے ہاں ہرن کا گوشت پک رہا ہے؟ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ایک پجاری نے اس روز ہرن کا گوشت پکوایا تھا۔ اس نے کہا۔

''مہاراج میرے گھر میں ہرن کا گوشت پک رہا ہے''۔

''تو پھر جلدی سے پیش کرو۔ دیکھتے کیا ہو''۔

ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کا تھال لے کر بڑا پجاری عنبر کی کوٹھڑی میں آ گیا اور بڑے ادب سے تھال پیش کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کی پسند کا گوشت حاضر ہے حضور!''

"شاباش پجاری۔ ہمیں تم سے یہی امید تھی۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

پجاری سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

عنبر اور ماریا بڑے مزے سے ہرن کا بھنا ہوا گوشت کھانے لگے اور پجاری نے اپنے خاص چیلے کو اپنی کوٹھڑی میں بلا کر اس سے صلاح مشورہ شروع کر دیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان میں سے کس طرح اشرفیوں کے ڈاکے اور بے عزتی کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔

موٹے پجاری نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ناگ اور عنبر سے اپنی اشرفیاں بھی واپس لے گا۔ اور انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑے گا لیکن وہ ڈرتا بھی تھا کہ کہیں ناگ دیوتا اسے ہلاک نہ کر دے۔

چیلے نے اسے مشورہ دیا کہ مندر کے بڑے نجومی سے مشورہ کیا جائے پجاری کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اس نے اسی وقت مندر کے بوڑھے نجومی کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ نجوم کی مدد سے یہ بتاؤ کہ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

سازش کا جال

بوڑھے نجومی نے اسی وقت ستاروں کا نقشہ بنایا۔

وہ دیر تک ستاروں کے نقشے کو غور سے گھورتا رہا۔ پھر وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ پجاری نے اس سے پوچھا کہ نجوم کا نقشہ کیا کہتا ہے؟ بوڑھے نجومی نے آنکھیں اٹھا کر کہا۔

"مہاراج میرا حساب مجھے بتاتا ہے کہ یہ شخص ناگ سچ مچ ایک سانپ ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ایک ہزار برس تک سانپ رہنے کے بعد اب میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ جس شکل میں چاہے ظاہر ہو جائے"۔

پجاری نے پوچھا۔

"کیا وہ ناگ دیوتا بھی ہے؟"۔

"ہاں مہاراج وہ ناگ دیوتا بن چکا ہے۔ سارے سانپ اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس کا حکم مانتے ہیں۔ وہ انہیں جو کہے اسے مانتے ہیں"۔

پجاری نے کہا۔

"کیا وہ مر نہیں سکتا؟"۔

نجومی بولا۔

’’کیوں نہیں مہاراج! وہ مر سکتا ہے لیکن اگر اس کی لاش چھ ماہ تک ایک ہی جگہ پڑی رہے تو پھر سے زندہ ہو جائے گا“۔

پجاری نے کہا۔

’’اور اگر اسے آگ میں ڈال دیا جائے تو پھر؟“۔

’’پھر وہ جل کر مر جائے گا۔ آگ اسے جلا کر راکھ کر دے گی۔ آگ میں جلنے کے بعد وہ پھر زندہ نہیں ہو سکتا“۔

پجاری نے خوش ہو کر کہا۔

’’اس کے ساتھی عنبر کے بارے میں تمہارا ستاروں کا حساب کیا کہتا ہے نجومی! کچھ اس کے بارے میں بھی بتاؤ“۔

نجومی دیر تک نقشے کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

’’مہاراج! اس شخص عنبر کے بارے میں ستاروں کا نقشہ ایک انوکھی بات بتا رہا ہے کہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔

’’کیا مطلب؟“۔

’’مطلب یہ ہے کہ ستارے کہتے ہیں کہ یہ شخص عنبر ایک بہت پراسرار آدمی ہے یہ شخص اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ یہ آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک فرعون کے محل میں پیدا ہوا تھا۔ جب سے لے کر آج تک یہ زندہ ہے۔ اس پر موت حرام ہو چکی ہے۔ یہ مر نہیں سکتا“۔

پجاری نے حیران ہو کر کہا۔

’’تم کیا کہہ رہے ہو نجومی؟“۔

’’میں وہی کہہ رہا ہوں مہاراج جو ستاروں کا حساب کہہ رہا

ہے۔ یہ شخص جس کا نام عنبر ہے بڑا طاقت ور آدمی ہے۔ یہ مر نہیں سکتا"۔

"اگر اس کو آگ میں ڈال دیں تو پھر بھی نہیں مرے گا؟"۔

نجومی نے کہا۔

"نہیں مہاراج! اس پر آگ بھی اثر نہیں کرے گی"۔

"یہ تو بڑی پریشان کرنے والی بات تم نے سنا دی۔ کیا اس شخص کو کسی طرح سے بھی شکست نہیں دی جا سکتی؟"۔

"بالکل نہیں۔ اس کے ستارے اتنے طاقتور ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو شکست نہیں دے سکتی۔ میرا حساب بھی جھوٹ نہیں کہتا۔ اس شخص پر دیوتاؤں کا سایہ ہے"۔

پھر بوڑھا نجومی سر کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں ان دونوں کے ارد گرد ایک عجیب سائے کو حرکت کرتا دیکھ رہا ہوں"۔

پجاری نے پوچھا۔

"کیسا سایہ؟"۔

"یہ ایک سایہ ہے جو مجھے نظر نہیں آ رہا لیکن یہ کسی زندہ انسان کا سایہ ہے۔ یہ زندہ انسان کسی کو بھی دکھائی نہیں دے سکتا۔ اس کا سایہ صرف مجھے دکھائی دے رہا ہے"۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی ہے کہ انسان کا سایہ تمہیں نظر آ رہا ہے اور انسان دکھائی نہیں دیتا"۔

”ہاں مہاراج! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہاں صرف ایک سایہ ہے۔ انسان کہیں نہیں ہے مگر انسان ان دونوں کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ ستارے بتا رہے ہیں کہ یہ انسان بھی کئی سو سالوں سے عنبر اور ناگ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے“۔

پجاری نے کہا۔

”کیا اس انسان پر بھی قابو حاصل نہیں کیا جا سکتا“۔

نجومی بولا۔

”جو انسان کسی کو دکھائی ہی نہیں دے اسے پر کوئی کیسے قابو حاصل کر سکتا ہے“۔

پجاری اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے نجومی کو کچھ اشرفیاں دے کر کہا۔

”تم جا سکتے ہو“۔

نجومی چلا گیا۔ پجاری نے اسی وقت اپنے چیلے کو بلایا اور اسے ساری بات سنا دی۔ پھر وہ آپس میں صلاح مشورے کرنے لگے۔ پجاری نے کہا کہ وہ آج ہی وزیر چاتکیہ سے جا کر ملے گا اور اسے بتائے کہ اس طرح سے دو عجیب و غریب نوجوان اس کے مندر میں آئے ہوئے ہیں۔ چیلے نے کہا۔

”مہاراج! آپ اگر حکم دیں تو ہم ناگ اور عنبر کی کوٹھڑی میں آگ لگا کر انہیں زندہ بھسم کر دیتے ہیں“۔

پجاری نے کہا۔

”ابھی نہیں۔ پہلے مجھے چاتکیہ سے مشورہ کر لینے دو“۔

”جیسے آپ کی مرضی“۔

اسی شام پجاری شاہی محل کے باہر والی جھونپڑی میں وزیر چانکیہ سے ملنے گیا۔ چانکیہ اگرچہ وزیر تھا مگر وہ شاہی محل میں نہیں رہتا تھا۔ اس نے رہنے کے لیے محل سے باہر ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی۔

پجاری نے ایک غلام کے ہاتھ جھونپڑی میں پیغام بھجوایا۔ چانکیہ نے پجاری کو اندر بلا لیا۔ اندر جا کر پجاری نے جھک کر سلام کیا۔ چانکیہ کا سر منڈا ہوا تھا۔ اور سر کے بیچ میں بالوں کی ایک بودی تھی۔ اس نے لکڑی کی کھڑائیں پہن رکھی تھیں۔ اس کے چہرے پہ بڑی چالاکی اور مکاری تھی۔

چانکیہ نے تمام لوگوں کو باہر بھجوا دیا اور پجاری سے کہا۔

"کہو پجاری! تم شام کو کیسے آ گئے؟"۔

پجاری نے کہا۔

"حضور! ہمارے شہر میں دو ایسے تو جوان ہیں جو بڑے پر اسرار ہیں۔ ایک ناگ ہے۔ دوسرا عنبر ہے۔ ناگ جو ہے وہ سانپوں کا دیوتا ہے۔ عنبر جو ہے وہ ڈھائی ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے"۔

چانکیہ نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو پجاری؟"۔

پجاری بولا۔

"مہاراج! میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔ ناگ کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے اشارے سے مندر کے سارے سانپ بلوں میں سے نکل کر اس کی خدمت میں آ گئے

اور پھر ایک سانپ نے ناگ دیوتا کی گردن سے موتیوں کی مالا لا کر اسے دے دی"۔

چانکیہ اور زیادہ حیران ہوا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"۔

"بالکل سچ ہے سرکار! انہوں نے مجھے میری ساری سونے کی اشرفیوں سے محروم کر دیا ہے۔ وہ میری ساری اشرفیاں اڑا کر لے گئے ہیں اور انہوں نے اس لڑکی شانتی کو بھی آزاد کرا دیا ہے جس کو میں نے آپ کے حکم سے قید کیا تھا اور سوداگر کے پاس فروخت کرتا تھا"۔

چانکیہ غصہ میں آ کر بولا۔

"بس بس! ان لوگوں کی یہ ہمت کہ میرے مقابلے پر آ گئیں! میں ان سے انتقام لوں گا۔ میں اس ملک کا وزیر چانکیہ ہوں کیا انہیں میرے انتقام کی خبر نہیں ہے؟"۔

پجاری نے کہا۔

"مہاراج! ایک نوجوان عنبر کے بارے میں نجومی نے بتایا ہے کہ وہ مر نہیں سکتا۔ وہ اڑھائی ہزار برس سے زندہ آ رہا ہے۔ اور ان دونوں کے ارد گرد کوئی پر اسرار سا سایہ منڈلاتا رہتا ہے۔ یہ بھی کوئی انسان ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتا"۔

چانکیہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پجاری نے نجومی کی ساری باتیں کھول کر بیان کر دیں۔

چانکیہ نے پوچھا۔

"کیا یہ دونوں نوجوان اس وقت مندر میں رہ رہے

ہیں؟"۔

"ہاں مہاراج! دونوں مندر میں رہ رہے ہیں"۔

"تم ان لوگوں کو ابھی مندر سے جانے نہیں دو۔ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم کسی طرح انہیں میرے پاس لا سکتے ہو؟"۔

"کیوں نہیں مہاراج؟"۔

"تو پھر تم انہیں لے کر میری جھونپڑی میں آؤ۔ میں اس سے بڑے کام لینا چاہتا ہوں"۔

"لیکن حضور ناگ نے مندر کے ناگ دیوتا کے گلے سے موتیوں کا ہار اتارا ہے۔ اس نے ہمارے دیوتا کی بے عزتی کی ہے"۔

چانکیہ نے غضب ناک ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔ جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ عنبر اور ناگ کو میرے پاس لاؤ"۔

"جو حکم مہاراج"۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور باہر نکل آیا۔

مندر میں آ کر اس نے اپنے چیلے سے بات کی اور کہا کہ چانکیہ عنبر اور ناگ کو بلا کر ان سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ چیلے نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ناگ سے اپنی بے عزتی اور اشرفیوں کے نقصان کا بدلہ نہیں لے سکتے؟ اس شخص نے آپ کو سارے پجاریوں کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ آپ کو مجبور کیا

ہے کہ آپ اس کے پاؤں پڑ کر اس کے پاؤں چومیں اور اس سے اپنی زندگی کی بھیک مانگیں۔ آپ نے اگر بدلہ نہ لیا تو سارا مندر آپ کے خلاف ہو جائے گا''۔

پجاری کو بھی غصہ تھا۔ اس نے کہا۔

''میں ناگ سے اپنی بے عزتی اور ذلت و رسوائی کا بدلہ ضرور لوں گا''۔

چیلہ بولا۔

''لیکن انہیں تو شری چانکیہ نے بلا بھیجا ہے''۔

''میں اس سے پہلے ہی ناگ کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ بعد میں کہہ دوں گا کہ ناگ کی کوٹھڑی میں آگ لگ گئی تھی جس میں جل کر وہ ہلاک ہو گیا''۔

چیلے نے کہا۔

''ٹھیک ہے مہاراج! آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آپ کو بدلہ ضرور لینا چاہیے۔ اس نے آپ کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑا''۔

پجاری مندر میں آ گیا۔ رات گئے تک وہ عبادت میں مصروف رہا۔ پھر وہ سو گیا۔ دوسری طرف عنبر اور ناگ شانتی کو اس کے گھر میں چھوڑ کر واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے ایک قافلے والے سے مل کر یہ بھی انتظام کر دیا تھا کہ شانتی اور اس کے بچوں اور ساری دولت کو قافلے کا سردار اپنی ذمہ داری میں اس کی ماں کے گھر پہنچا دے گا۔ اب وہ پوری طرح سے اطمینان سے تھے۔ رات کو وہ سو گئے۔

صبح پجاری نے چیلے سے مل کر عنبر اور ناگ کی کوٹھڑی میں آگ لگوا دی۔ اس کا خیال تھا کہ ناگ اس آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔ لیکن ناگ اس وقت اپنی کوٹھڑی میں نہیں تھا۔ بلکہ باہر کھیتوں میں کام کر رہا تھا۔

یہ ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔ اگرچہ پجاری کو اس ناکامی کا بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن وہ صبر کر کے رہ گیا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ دوسری بار وہ ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اب اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو چانکیہ سے ملا دینا چاہیے۔ چنانچہ پجاری عنبر اور ناگ کوٹھڑی میں آیا اور سلام کر کے بڑی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

"حضور! آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ مہاراج سمراٹ

کے خاص وزیر مہاراج شری چانکیہ نے آپ کی شہرت سن کر آپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے"۔

عنبر اور ناگ بھی چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ چانکیہ سے مل کر اس پر اپنا اثر ڈال سکیں اور یوں مہاتما بدھ کے ماننے والوں پر جو ظلم ہو رہا ہے اس روک سکیں۔ جب پجاری نے خود ہی کہا کہ چانکیہ ان سے ملنا چاہتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے کہا۔

"ہم چانکیہ سے ضرور ملیں گے۔ یہ ہماری ذرہ نوازی ہے کہ انہوں نے خود ہم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے"۔

پجاری نے کہا۔

"تو پھر آج شام کو ہی چل کر شری چانکیہ سے ملاقات کر

لیں تو اچھا ہو گا۔ کیونکہ اچھے کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

''ہم تیار ہیں''۔

پجاری نے کہا۔

''بہت خوب! میں شام کے کھانے کے بعد یہاں آ جاؤں گا۔ پھر آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا حافظ''۔

یہ کہہ کر پجاری چلا گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

''خدا کا شکر ہے کہ جس بات کے لیے ہم بہانے تلاش کر رہے تھے وہ اپنے آپ ہی حل ہو گئی۔ ہم آج شام کے بعد چانکیہ سے ملیں گے''۔

ماریا نے کہا۔

''سنا ہے وہ بڑا چالاک اور عیار وزیر اعظم ہے''۔

عنبر نے کہا۔

''میں تمہارے سامنے ایسے ملوں گا جس طرح کہ ایک شاگرد اپنے استاد کو ملتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھے بن کر ہی ہم اپنا کام نکال سکتے ہیں۔ ہمیں مہاتما بدھ کے سارے چیلوں کو اس شاہی محل کی جیلوں سے رہا کروانا ہو گا۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''پجاری نے ضرور چانکیہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ وہ بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ ضرور ہمیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہو گا''۔

لیں تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ اچھے کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہم تیار ہیں۔"

پجاری نے کہا۔

"بہت خوب! میں شام کے کھانے کے بعد یہاں آ جاؤں گا۔ پھر آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر پجاری چلا گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ جس بات کے لیے ہم یہاں تلاش کر رہے تھے وہ اپنے آپ ہی حل ہو گئی۔ ہم آج شام کے بعد چانکیہ سے ملیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"سنا ہے وہ بڑا چالاک اور عیار وزیر اعظم ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے سامنے ایسے ملوں گا جس طرح کہ ایک شاگرد اپنے استاد کو ملتا ہے۔ اس کے ساتھ چیلے بن کر ہی ہم اپنا کام نکال سکتے ہیں۔ ہمیں مہاتما بدھ کے سارے چیلوں کو اس شاہی محل کی جیلوں سے رہا کروانا ہوگا۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"پجاری نے ضرور چانکیہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ وہ بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ ضرور ہمیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہوگا۔"

عنبر بولا۔

"اگر پجاری نے سب کچھ بتا دیا ہوگا تو پھر کیا ہوا۔ ہم چانکیہ سے بھی ہوشیار ہیں۔ اس نے تو صرف ساٹھ برس کی زندگی دیکھی ہے لیکن ہم نے ڈھائی ہزار برس کا زمانہ دیکھا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ پجاری ہم سے بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ آگ بھی اسی نے لگوائی تھی۔ یہ کم از کم مجھے ضرور ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے کسی جادوگر یا کسی نجومی سے یہ معلوم کروا لیا ہے کہ ناگ صرف آگ میں جل کر ہی ختم ہو سکتا ہے۔ ویسے کبھی نہیں مر سکتا۔ اگر مرے گا تو پھر سے زندہ ہو جائے گا"۔

عنبر بولا۔

"تم گھبراؤ نہیں ناگ بھائی! ہم ایک نیک مقصد لے کر اس شہر میں آئے ہیں۔ اگر کسی نے ہم سے چالاکی اور مکاری سے کام لیا تو ہم اس کے ساتھ دوگنی چالاکی اور مکاری سے کام لیں گے"۔

شام کو پجاری آ گیا۔

عنبر اور ناگ اس کے ساتھ چانکیہ سے ملنے چل پڑے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی گئی۔ چانکیہ اپنی جھونپڑی کے باہر باغ میں ہرن کی کھال بچھا کر بیٹھا۔ عنبر اور ناگ کی راہ دیکھ رہا تھا۔

پاس ہی درختوں پر شمعیں روشن تھیں جن کی روشنی میں باغ کی ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

چانکیہ نے بڑی گہری نظروں سے عنبر اور ناگ کو دیکھا۔ یہ نظریں دل میں اتر جانے والی تھیں۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

”آدمی بڑا چالاک لگتا ہے“۔

”شی! وہ ہم سے باتیں کرنے والا ہے“۔

چانکیہ نے پجاری کو رخصت کر دیا اور ناگ اور عنبر کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولا۔

مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم میری جھونپڑی میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔

پجاری نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ تم سے ملاقات کر لی جائے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ چانکیہ کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔

☆کیا چانکیہ نے ناگ اور عنبر سے کام لیا؟

☆کیا پجاری ناگ کو ہلاک کر سکا؟

☆شیش ناگ خزانے تک پہنچ سکا؟

☆اس کا جواب آپ کو اس ناول کی اگلی یعنی

43ویں قسط میں ملے گا

جہاز کا اغوا

(قسط نمبر 43)

اے حمید

جہاز کا اغوا

(قسط نمبر 43)

اے حمید

www.pdfbooksfree.pk کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

بھید حل کیا
جاسوس قاتل
خطرناک زہر
سمرات کے محل میں
سمندر کو واپسی
حولکر ڈاکو
خزانے پر قبضہ
جہاز کا اغوا
سمندر میں موت
جنگل کی دیوی

پیارے بچو!

پہلے حصے میں آپ نے پڑھا کہ کس طرح عنبر، ناگ اور نظر نہ آنے والی ماریا نے خطرناک جادوگر زوتاش کو شکست دی۔ لیکن وہ ماریا کو اٹھا کر لے گیا آخر ماریا اسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس نے طوطے کی گردن مروڑ دی جس میں جادوگر کی جان تھی۔ ناگ کی ملاقات سرخ پھنی اژدہا سے ہوئی جس نے ناگ کو انسان کے روپ میں بھی پہچان لیا کہ یہ شہزادہ

سانپ ہے اور اس کے آگے گردن جھکا دی۔

ناگ نے اژدہا کو حکم دیا کہ وہ صحرا میں ان کے خزانے کی حفاظت کرے اور خود وہ تینوں جہاز لے کر ایک دریا میں داخل ہوتے ہیں جس کے دوسرے کنارے پر پاٹلی پتر کا شہر آباد ہے۔ عنبر ناگ اور ماریا اس پر اسرار شہر کے ایک مندر میں اترتے ہیں۔

وزیر چانکیہ نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ پجاری ان کے خلاف سازش کرتا ہے۔ مگر پجاری مارا جاتا ہے۔ عنبر راجہ کی بیٹی کی جان بچاتا ہے۔ دوسری طرف سے ہولکر ڈاکو کے ساتھی اژدہا کو ہلاک کر کے خزانے کو قبضہ میں کر لیتے ہیں اور جہاز کو اغوا کر کے واپس گوا کی سمندری کھاڑی میں چلے آتے ہیں۔ عنبر ناگ اور ماریا ایک کشتی میں سوار ہو کر اپنے جہاز اور

خزانے کی تلاش میں ڈاکو ہولکر کی کمین گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک گھنے جنگل میں ان کی ملاقات ایک پر اسرار طاقت ور دیوی سے ہوتی ہے۔ اب آپ خود پڑھیں۔

بھید کھل گیا

چانکیہ بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔

اس نے عنبر اور ناگ سے بہت سی باتیں کیں۔ ماریا جھونپڑی میں قریب ہی کھڑی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔ چانکیہ نے رات کو ان کی کھانے کی دعوت بھی کر دی۔ کھانا بڑا دلچسپ قسم کا تھا۔ ہر قسم کے پرندے کا گوشت اور مٹھائیاں دسترخوان پر موجود تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر چانکیہ نے ناگ سے کہا۔

”ناگ کل تم اکیلے آنا۔ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے“۔

ناگ نے کہا۔ ”بہت بہتر مہاراج! میں ضرور آؤں گا“۔

آدھی رات تک کوٹھڑی میں عنبر اور ناگ یہ سوچتے رہے کہ چانکیہ اس سے اکیلے میں کیا بات کرنی چاہتا ہے۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ کوئی خطرناک سازش کا جال پھیلا رہا ہے۔ ناگ کو اس جال میں نہیں آنا چاہیے۔ عنبر کا خیال تھا کہ چانکیہ ناگ کی طاقت کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ناگ نے کہا۔

”کل سب کو معلوم ہو جائے گا“۔

دوسرے روز ناگ اکیلا ہی چانکیہ کی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

چانکیہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اسے میٹھا اور ٹھنڈا دودھ پلایا۔ پھر باغ میں ٹہلتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا۔ اچانک اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں نے سنا ہے کہ تم انسان نہیں سانپ ہو۔ کیا یہ سچ ہے بیٹا؟“۔

ناگ کو خوب معلوم تھا کہ پجاری نے چانکیہ کو اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب اس راز کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے کہا:

”ہاں مہاراج! میں ایک سانپ ہوں۔ جیسا کہ آپ کو پجاری نے بتایا ہوگا۔ میں سانپ ہوں۔ میں ایک ہزار برس تک زندہ رہنے کے بعد اب جس شکل میں چاہوں بدل سکتا ہوں“۔

چانکیہ بڑے غور سے ناگ کو دیکھنے لگا۔

”تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ناگ بیٹا! میری زندگی کی سب سے بڑی حسرت تھی کہ میں زندگی میں کبھی ایسے سانپ سے ملوں جو ایک ہزار برس تک زندہ رہا ہو۔ بھگوان کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئے۔ میں اپنے آپ کو آج خوش نصیب سمجھ رہا ہوں“۔

ناگ خاموش رہا۔ چانکیہ بولا:

”یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میرے ساتھ سانپوں کا بادشاہ چلا جا رہا ہے۔ پجاری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مندر کے سارے سانپ تیرے ایک اشارے پر اپنے اپنے بلوں سے نکل کر تمہارے سامنے آ گئے“۔

ناگ نے کہا:

”اس لیے مہاراج کہ میں ان کا بادشاہ ہوں۔ یہ رتبہ ان میں سے صرف مجھے ہی حاصل ہے کہ میں ایک ہزار برس مسلسل زندہ رہا ہوں“۔

چانکیہ بولا۔۔۔ ”ناگ بیٹا! تم ایک بڑے انسان ہو۔ تم ایک دیوتا ہو۔ تم پر بھگوان نے بڑا اکرم کیا ہے۔ تمھیں ایک ایسی طاقت دی ہے جو کسی کو نہیں ملی۔ تمھیں اس طاقت کی حفاظت کرنی چاہیے“۔

ناگ بولا۔۔۔ ”آپ سچ کہہ رہے ہیں مہاراج“۔

”پجاری نے تمھاری بڑی تعریف کی تھی۔ اس لیے میں نے تمھیں سب سے الگ اکیلے میں بلوایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اتنی قابلیت کے ساتھ دربدر مارے مارے نہ پھرو۔ تمھیں کسی ملک کے تخت پر بیٹھنا چاہیے تم اسی لائق ہو کہ تم کسی ملک کے شہزادے ہوتے۔ کیا خیال ہے تمھارا؟“۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”مہاراج! میں ناگ دیوتا ضرور ہوں۔ مگر اس قابل نہیں ہوں کہ میں کسی راج گدی پر بیٹھوں“۔

چانکیہ بولا۔۔۔ ”یہ تمھارا وہم ہے۔ تم بہت قابل ہو۔ تمھیں ضرور کسی راج گدی پر بیٹھنا چاہیے۔ سنو! پاٹلی پتر کی راج گدی سمراٹ کے بعد خالی ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس گدی پر کوئی دیوتا انسان بیٹھے اور تم ہی ایک ایسے انسان ہو جو دیوتا بھی ہو“۔

”نہیں مہاراج! میں راج گدی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا کام ملک ملک کی سیر کرنا اور انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کرنا

ہے۔ میں تخت پر نہیں بیٹھ سکتا"۔

چانکیہ نے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تمہیں انکار نہیں کرنا ہوگا۔ میں نے کبھی انکار کا لفظ کسی سے نہیں سنا۔ میں نے آج تک جس کام کا فیصلہ کیا، اسے کر کے ہی رہا ہوں۔ تمہیں سمراٹ کے بعد راج گدی کو سنبھالنا ہوگا"۔

"نہیں مہاراج یہ کام میرے بس کا نہیں ہے"۔

"تم ابھی بچے ہو۔ جب بڑے ہو گے تو میرے کہے کی قدر معلوم ہوگی۔ میں تمہیں شاہی دربار میں خاص وزیر لگا دوں گا۔ سمراٹ سے میں نے بات کر لی ہے۔ وہ بھی تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ ناگ کو دربار کا خاص وزیر مقرر کر دیا جائے۔ اب تمہیں انکار نہیں کرنا چاہیے"۔

اس پر ناگ نے کہا:

"مہاراج اگر آپ بہت زور دیتے ہیں تو پھر میری ایک شرط ہے"۔

"کونسی شرط؟ بولو! ہم تمہاری ہر شرط مان لیں گے"۔

چانکیہ کے کہنے پر ناگ بولا۔

"میری صرف ایک ہی شرط ہے کہ پاٹلی پتر کی قید کوٹھڑیوں میں بدھ مت کے ماننے والوں کو رہا کر دیا جائے اور شہر میں بدھ مت کے فقیروں کو مذہبی عبادت کی آزادی دے دی جائے"۔

"خاموش!"

چانکیہ ایکدم طیش میں آ کر بولا۔

”تم جانتے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہماری بادشاہی کی بنیاد اکھاڑنا چاہتے ہو۔ بدھ مت ہمارا دشمن مذہب ہے۔ بدھ مت کے ماننے والے ہمارے دشمن ہیں۔ وہ ہمارے اور ہم ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم انہیں کبھی زندہ نہیں دیکھنا چاہتے“۔

ناگ بولا: ”مہاراج! بدھ مت کو ماننے والے آپ کے خون کے پیاسے نہیں ہیں بلکہ آپ ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ تو بے ضرر انسان ہیں۔ وہ تو سب سے محبت کرتے ہیں۔ آپ ان سے ڈرتے ہیں اور اس لیے ڈرتے ہیں کہ بدھ مت آپ کے غیر انسانی برہمنی اصولوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے“۔

اے گستاخ نوجوان! اگر تیری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو میں

ابھی اس کی گردن قلم کروا دیتا۔ تم میرے مہمان ہی نہیں بلکہ ہم نے خود تمہیں اپنے ہاں کھانے پر بلوایا ہے۔ اس لیے تمہیں کچھ نہیں کہتا۔

لیکن آئندہ اگر تم نے ایسی بات منہ سے نکالی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ یہ مت بھولو کہ تم اگر ناگ دیوتا ہو تو میں بھی چانکیہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے تمہیں کس طرح ہلاک کیا جا سکتا ہے اور تم میرے شہر میں ہو۔ میں جب اور جس وقت چاہوں تمہیں مروا سکتا ہوں۔

ناگ نے کہا۔ ”اگر آپ میری اس شرط کو نہیں مانتے تو پھر میں بھی آپ کی بات نہیں مان سکتا۔ میں جا رہا ہوں“۔

ناگ جھونپڑی سے نکل کر چلا گیا۔

چانکیہ دانت پیستا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اب ناگ کو اپنا

اور پاٹلی پتر کی بادشاہی کا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ ناگ نے چانکیہ کی بات ماننے سے انکار کر کے چانکیہ کی دشمنی مول لے لی تھی جو بڑی خطرناک تھی۔

ناگ واپس عنبر اور ماریا کے پاس آ گیا۔ اس نے دونوں کو ساری بات بیان کر دی۔ عنبر نے کہا:

"چانکیہ ایک خطرناک سازشی آدمی ہے۔ اسے اگر ناگ کی طاقت کا پتہ چل گیا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ناگ کو جلتی آگ میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں اب بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا۔ ہماری بدھ مت کے فقیروں سے دوستی چانکیہ کے آگے کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ چانکیہ ہمیں ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا"۔

ماریا نے کہا" وہ عنبر کو اور مجھے کیسے ختم کر سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔۔۔" میرا خیال ہے کہ چانکیہ مجھے زنجیروں میں جکڑنے اور ناگ کو آگ میں جلانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح سے وہ ہم دونوں کو قید رکھ سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اس کے خلاف اکیلا جنگ کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔۔۔" سب سے زیادہ خطرہ مجھے اور ماریا کو ہے"۔

ماریا نے کہا۔۔۔" مجھے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتے"۔

ناگ بولا۔۔۔" ٹھیک ہے۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے پجاری کو کسی نے ضرور بتا دیا ہو گا کہ ہمارے ساتھ ایک غیبی انسان بھی ہے۔ چانکیہ کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ماریا کے وجود سے غافل نہیں ہے"۔

عنبر بولا۔۔۔"اس قسم کے حالات ہمیں پہلے کبھی پیش نہیں آئے۔ یہ پہلے دشمن ملے ہیں جو ہماری طاقت کو جان گئے ہیں اور ہمارے خلاف سازش بھی کر رہے ہیں۔ بہر حال ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔

سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہے کہ ہماری جھونپڑی کو دوبارہ آگ لگانے کی کوشش کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ آگ زیادہ بھڑکے۔

ناگ بولا۔۔۔"تو پھر ہمیں اس مندر کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔۔۔"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ ہم کسی گھناؤنی سازش کا شکار ہو جائیں ہمیں یہاں سے بوریا بستر لپیٹ کر کسی گمنام سرائے میں جا کر ڈیرے جما لینے چاہئیں۔"

عنبر نے کہا۔۔۔"ماریا کا یہ خیال مجھے پسند آیا۔ ہمیں یہاں سے نکل چلنا ہوگا"۔

ناگ بولا۔۔۔"مگر ہم جہاں بھی جائیں گے چانکیہ کے جاسوس ہمارا پیچھا کریں گے وہ ہم سے غافل نہیں رہیں گے۔ وہ بڑے مکار و ہوشیار شخص ہیں"۔

ماریا بولی۔۔۔"ہم اگر شانتی کے گھر میں جا کر ٹک جائیں تو کیا خیال ہے؟ وہ کل صبح قافلے کے ساتھ روانہ ہو رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔۔۔"بالکل ٹھیک بات ہے۔ ہم شانتی کے خالی گھر کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ وہاں کوئی نہیں آئے گا"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"تو پھر ہمیں آج پچھلے پہر ہی مندر

سے نکل جانا چاہیے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ رات کے پچھلے پہر ناگ، عنبر اور ماریا کوٹھڑی سے نکل کر مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گئے۔ بڑے دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ چانکیہ کے کہنے پر مندر پر پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ مگر ناگ کی شکل دیکھ کر سارے پہرے دار ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر انہوں نے راستہ نہ دیا تو ناگ دیوتا ان پر زہریلے سانپ چھوڑ دے گا۔

مندر سے باہر آ کر انہوں نے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ وہ شانتی کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ شانتی کا گھر وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ابھی دن کا اجالا نہیں پھیلا تھا کہ وہ شانتی کے گھر پہنچ گئے۔

شانتی اس وقت اپنے چچا کے ساتھ مل کر وہاں سے قافلے کے ساتھ سفر کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ عنبر اور ناگ کو دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

"عنبر بھائی آپ کیسے آ گئے؟"۔

عنبر نے شانتی کو کچھ نہ بتایا۔ صرف اتنا کہا:

"شانتی دیوی! مندر میں رہ رہ کر ہم تنگ آ گئے ہیں۔ تم قافلے کے ساتھ گھر چھوڑ کر جا رہی ہو۔ ہم تمہارے خالی مکان کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے"۔

شانتی کے چچا نے کہا۔

"بچو! یہ گھر تمہارا اپنا گھر ہے۔ تم ساری زندگی اس گھر میں رہ سکتے ہو۔ تم لوگوں کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ہمارا سارا خاندان اگر مل کر ساری زندگی تم لوگوں کی خدمت

کرے تو پھر بھی احسانوں کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا"۔

عنبر نے کہا۔۔۔"ایسی کوئی بات نہیں ہے چچا۔ بس ہم کچھ دیر اس مکان میں رہیں گے۔ پھر کسی دوسرے ملک کو کوچ کر جائیں گے"۔

شانتی نے کہا۔۔۔"یہ میری خوش قسمتی ہوگی"۔

عنبر اور ناگ نے شانتی کا سامان باندھنے میں اس کی مدد کی۔ صبح ہونے سے پہلے قافلہ چلنے والا تھا۔ ناگ شانتی کو خود کاررواں سرائے چھوڑ کر آیا۔ جب قافلہ روانہ ہوگیا تو واپس گھر آ گیا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو بتایا کہ شانتی قافلے کے ساتھ روانہ ہوگئی ہے۔

ماریا نے کہا۔۔۔"خدا کا شکر ہے کہ شانتی اب اپنے اصلی گھر پہنچ جائے گی اور ہم اس کے گھر ڈیرا جمائیں گے"۔

ناگ بولا۔۔۔"ویسے یہاں ہمیں بڑا چوکس ہو کر رہنا ہوگا۔ کیونکہ آج کسی وقت چانکیہ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم شانتی کے گھر میں آ کر رہنے لگے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔۔۔"اس کی ہمیں پرواہ نہیں۔ ہمیں اس شہر کے مظلوم لوگوں کی بھلائی کے لیے ایک علیحدہ اور پرسکون جگہ چاہیے سو وہ ہمیں مل گئی ہے۔ اگر چانکیہ نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے"۔

شانتی کا گھر چھوٹا سا تھا۔ دو کچے کمرے تھے۔ سامنے ایک آنگن تھا۔ جس میں ناریل اور آم کے درخت اگے ہوئے تھے۔ ایک کمرہ ماریا کو دے دیا گیا۔

دوسرے کمرے میں عنبر اور ناگ نے بستر لگا دیا۔ دن

چڑھ گیا تھا۔ عنبر بازار سے جا کر کچھ کھانے پینے کو لے آیا۔ انہوں نے مل کر ناشتہ کیا اور رات بھر کے جاگے ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

دن نکلتے ہی پجاری کو اطلاع ملی کہ ناگ اور عنبر کوٹھڑی چھوڑ کر کسی نامعلوم مقام کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ بھاگا بھاگا کوٹھڑی میں آیا۔ وہ خالی تھی۔ اس نے فوراً مندر کے دروازے پر جا کر پہرے داروں سے پوچھا کہ انہوں نے عنبر اور ناگ کو کیوں جانے دیا۔ پہرے داروں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مہاراج! وہ ناگ دیوتا ہے۔ ہم اسے کیونکر روک سکتے تھے؟"۔

پجاری نے ڈانٹ کر کہا:

"خاموش بدتمیزو! تم کون ہو اس سانپ کے بچے کو ناگ دیوتا کہنے والے! میں جانوں اور ناگ دیوتا جانے۔ جب تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے اور کسی کو باہر نہ جانے دیا جائے تو پھر تمہیں کیسے جرات ہوئی کہ تم دو آدمیوں کو میری مرضی اور اجازت کے بغیر مندر سے باہر جانے دو"۔

پہرے دار ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

"مہاراج غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیں"۔

اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ پجاری اپنے چیلے کو لے کر واپس آ گیا۔ اس نے اسی وقت گھوڑا منگوایا اور اس پر سوار ہو کر سیدھا چاچا تکیہ کے پاس پہنچا۔

جا کر سلام کی اور عرض کیا کہ عنبر اور ناگ مندر سے بھاگ گئے ہیں۔

چانکیہ نے غصے میں پوچھا۔

”کہاں بھاگ گئے ہیں؟ تمہیں وہاں کس لیے بٹھا رکھا ہے؟ تم نے انہیں کیوں جانے دیا؟“۔

”مہاراج! وہ آدھی رات کے بعد بھاگ گئے۔ پہرے داروں نے انہیں ناگ دیوتا سمجھ کر انہیں جانے دیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ مہاراج؟“۔

”ہوں۔ بڑی غلطی ہو گئی ہم سے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ ہم سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اپنے سارے جاسوسوں کو خبردار کر دو۔ انہیں عنبر اور ناگ کے پیچھے لگا دو۔ حکم دو انہیں کہ ہمارے قیدی جہاں کہیں بھی ہوں انہیں پکڑ کر

لایا جائے یا ہمیں آ کر اطلاع کی جائے کہ وہ کس جگہ پر ہیں“۔

”جو حکم مہاراج!“

پجاری چانکیہ کو سلام کر کے واپس مندر میں آ گیا۔

جاسوس قاتل

مندر میں آ کر پجاری نے اپنے چیلے سے مشورہ کیا۔

آخر وہ پاٹلی پتر شہر میں کہاں جا سکتے ہیں؟ وہ اس شہر میں اجنبی ہیں۔ وہ کسی بھی شخص کے گھر میں نہیں جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ کسی سرائے میں ہی جا کر ٹھہر سکتے ہیں۔

”گرو جی! عنبر اور ناگ جہاں تک میرا خیال ہے کسی سرائے میں نہیں اتریں گے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ سرائے میں انہیں تلاش کر لیا جائے گا“۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر وہ کہاں گئے ہوں گے؟“۔

”وہ ضرور کسی ویران جگہ پر چھپ گئے ہوں گے۔ ناگ دیوتا سانپوں سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ کیونکہ سانپوں کو ایسی غاروں کا علم ہوتا ہے جہاں خزانے دفن ہوتے ہیں“۔

پجاری نے کہا:

”تم بیکار باتیں نہ کیا کرو۔ پاٹلی پتر شہر میں کسی جگہ خزانہ دفن نہیں ہے۔ جہاں جہاں خزانے دفن تھے ہم نکال چکے ہیں۔ وہ ضرور کسی سرائے میں اتریں ہوں گے۔ فوراً جاسوسوں کو کہیں کہ ساری سراؤں کو کھنگال ڈالیں“۔

پھر اچانک کچھ سوچ کر بولا۔۔۔ ”کہیں وہ شانتی کے گھر میں نہ جا کر چھپ گئے ہوں؟“۔

چیلے نے خوش ہو کر کہا۔

"مہارذج! آپ کی عقل پر میں نچھاور ہو جاؤں۔ کیسا خیال سوجھا ہے آپ کو۔ شانتی اس شہر کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ وہ ضرور اس کے خالی مکان میں ہوں گے"۔

پجاری نے دانت پیستے ہوئے کہا:

وہ بد بخت میری ساری اشرفیاں لے کر یہاں سے بھاگ گئی ہے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکا۔ خیر کوئی بات نہیں میں اس کا بدلہ عنبر اور ناگ سے لوں گا۔ میں ان دونوں کو جلتی آگ میں پھینک دوں گا۔ مندر میں جو میلہ ہوگا اس میں آگ کا کنواں جلے گا۔

میں اس کنوئیں میں ناگ کو دھکا دے دوں گا۔ دیکھتا ہوں اسے پھر کون بچاتا ہے۔

چیلہ بولا۔۔۔"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔

مہاراج! مندر کی آگ سے ناگ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ ہم اسے اتنی مہلت ہی نہیں دیں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بلا سکے"۔

پجاری نے کہا۔۔۔"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اب سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تم شانتی کے گھر جاؤ اور جا کر دیکھو کہ عنبر اور ناگ اسی جگہ چھپے ہوئے ہیں"۔

چیلے نے سر جھکا کر کہا۔۔۔"بہت بہتر حضور۔ میں ابھی فقیر کے بھیس میں وہاں جاتا ہوں"۔

پجاری بولا۔۔۔"سنو! اگر تم اس کمرے کو آگ لگا سکو جس میں ناگ رہ رہا ہے تو فوراً آگ لگا دینا۔ خبردار سستی مت کرنا۔ دشمن کا جہاں موقع ملے سر کچل دینا چاہیے"۔

"ایسا ہی ہوگا مہاراج!"

چیلے نے اسی وقت اپنی کوٹھڑی میں جا کر فقیر بابا کا بھیس بدلا۔ ہاتھ میں بھیک مانگنے والا پیالہ پکڑا اور منہ سر لپیٹ کر مندر سے باہر نکل گیا۔

شانتی کے گھر کے راستے کو وہ خوب جانتا تھا۔ وہ گلیوں اور بازاروں میں سے نکل کر اس بڑی سڑک پر آ گیا جو شہر سے دور کچی بستی کو جاتی تھی۔ اس کچی بستی کے کنارے پر سب سے الگ شانتی کا مکان تھا۔

چیلہ اپنے گورو کے ساتھ اسی مکان میں سے شانتی کو ایک رات اغوا کر کے لے آیا تھا۔ چیلے نے بستی میں داخل ہوتے ہی ہر ایک کے گھر کے آگے جا کر بھیک مانگنی شروع کر دی۔ بھیک مانگتے مانگتے وہ شانتی کے مکان پر بھی آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ شانتی کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ دشمن اسی جگہ پر ہے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ دھوپ کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ عنبر اور ناگ بازار کچھ کھانے پینے کا سامان خریدنے گئے ہوئے تھے۔

چیلے نے شانتی کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"رب کے نام پر بھیک مل جائے بابا"۔

اندر سے کسی نے آواز نہ دی۔ کچھ دیر آوازیں لگانے کے بعد چیلے نے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ اندر صرف ماریا اپنے کمرے میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔

اس نے فقیر کی آواز سن لی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے آپ چھ سات بار آواز لگا کر چلا جائے گا۔ مگر اس نے تو اب

دروازے کو زور زور سے بجانا شروع کر دیا۔ اندر ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کم بخت کس قدر ضدی بھکاری ہے۔ اب وہ اس کے سامنے آ کر اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ بابا معاف کرو۔

چیلا بار بار دروازے کو کھٹکھٹائے جا رہا تھا۔ وہ بھی سچا تھا۔ وہ ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اندر کون رہتا ہے۔ یہ معلوم کیے بغیر وہ بھی وہاں سے نہیں ٹل سکتا تھا۔ ماریا چڑ گئی۔ وہ اٹھی اور کوٹھڑی میں سے نکل کر صحن عبور کر کے دروازے کے پاس آ کر بولی۔

”کون دروازہ توڑ رہا ہے؟“۔

چیلے نے بھکاری کی آواز بنا کر کہا۔

”بہن جی بھکاری ہوں۔ کل سے بھوکا ہوں۔ کچھ

کھانے کو دے دو۔ تمہیں دعائیں دوں گا۔ بڑی بھوک لگی ہے“۔

ماریا کے دل میں رحم آ گیا۔ دوپہر کا کچھ پنیر اور باسی روٹی بچی ہوئی پڑی تھی۔ اس نے سوچا کہ بھکاری کو دے دوں۔ بے چارے کا پیٹ بھر جائے گا۔ کہنے لگی۔

”ٹھہرو بابا۔ ابھی تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں“۔

”رب بھلا کرے بہن“۔

چیلے نے دروازے کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا اسے وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کوئی عورت وہاں نہیں کھڑی تھی۔ بڑا حیران ہوا۔ ماریا اندر چلی گئی۔ وہاں سے ایک پرچے میں پنیر اور روٹی لپیٹ کر لائی اور بولی!

"بابا۔ یہ لو روٹی اور پنیر"۔

"لاؤ بہن"۔

ماریا نے روٹی تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر کر دی۔ چیلے نے دیکھا کہ جس ہاتھ نے روٹی پکڑ رکھی تھی، وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ماریا نے جلدی سے روٹی فقیر کی جھولی میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ چیلا اپنی جگہ پر بت بنا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا کہ جس میں روٹی پکڑی ہوئی ہو وہ نظر نہ آ رہا ہو۔

پھر اس نے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ ماریا کو شک ہوا کہ یہ کیسا بھکاری ہے کہ کھانا لینے کے بعد تاک جھانک بھی کر رہا ہے۔ اس نے ایک چال چلی اور دروازے

کی کنڈی کھول دی۔

کنڈی کھول کر وہ خود الگ ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

چیلے نے کچھ دیر وہاں رک کر دوبارہ اندر جھانک کر دیکھا۔ صحن خالی تھا۔ پھر اس نے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ چیلا اندر آ گیا۔ وہ صحن کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس کوٹھڑی کے پاس آ گیا جہاں ماریا رہتی تھی۔

یہ مکان چیلے نے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ اس کا جائزہ لے رہی تھی کہ یہ بھکاری کر کیا رہا ہے۔ وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی پجاری کا جاسوس ہے۔ اس نے سوچا کہ اس جاسوس کو مزہ چکھانا چاہیے۔

چیلا چپکے سے ماریا کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ اسے

خیال میں وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کوٹھڑی خالی ہے اور جس عورت نے اسے روٹی دی تھی وہ دوسری کوٹھڑی میں چلی گئی ہے۔

ماریا کی کوٹھڑی میں آ کر اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور تلاشی لینی شروع کر دی۔

اس کا خیال تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ جبکہ ماریا اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

وہاں زیادہ سامان تھا ہی نہیں۔ پرانی لکڑی کے خالی صندوق اور مٹی کے بڑے بڑے دو مٹکے تھے جو اناج سے خالی تھے۔

ماریا چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر چیلے نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا اپنے آپ کھل کر بند ہو گیا۔ چیلا اس کی طرف لپکا۔ ماریا نے باہر سے دروازے کو تالا لگا دیا۔ چیلا بولا:

”کون ہے؟ باہر کون ہے؟“۔

ماریا نے کہا۔

”وہی جس نے تمہیں کھانے کو روٹی دی تھی“۔

”مگر تم کہاں ہو؟ تم نظر نہیں آ رہیں؟“۔

”یہ تمہیں پھر کبھی معلوم ہو گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیا لینے آئے تھے؟“۔

”میں بھکاری ہوں“۔

”بھکاری تھے تو چوروں کی طرح گھر میں کیوں داخل ہوئے؟“۔

”غلطی ہو گئی بی بی! معاف کر دو“۔

”تم جاسوس ہو۔ پجاری کے جاسوس ہو۔ سچ نہیں بتاؤ گے تو تمہیں اس کوٹھڑی میں ختم کر دیا جائے گا“۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بی بی! میں ایک بھکاری ہوں"۔

"بکواس کرتے ہو۔ جھوٹ بولتے ہو۔ اچھا تم اندر بند رہو میرے بھائی آ جائیں۔ پھر تم سے بات ہوگی"۔

یہ کہہ کر ماریا دوسری کوٹھڑی میں چلی گئی۔ چیلا واقعی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ اور وہ کیا کر سکتا تھا۔ باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ دروازہ بڑی مضبوط لکڑی کا تھا۔

اس نے دھکے مار کر دروازے کو توڑنے کی کوشش کی مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اتنی دیر میں عنبر اور ناگ بازار سے کھانا لے کر واپس آ گئے۔ ماریا نے آتے ہی انہیں بتایا کہ ایک جاسوس کو اس نے قید کر رکھا ہے۔

"کونسا جاسوس؟"۔ ناگ نے پوچھا۔

"سوائے پجاری ڈور چانکیہ کے جاسوس کے اور کون ہو سکتا ہے"۔

عنبر بولا "کہاں ہے جاسوس؟"۔

"میری کوٹھڑی میں"۔

"وہ تینوں ماریا کی کوٹھڑی کی طرف آ گئے۔ انہوں نے تالا کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اندر سے دوبارہ تالا لگا دیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو سامنے ایک بھکاری دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا ہے۔

"کون ہو تم؟"۔

"حضور میں ایک بھکاری ہوں۔ بھوک لگی تھی۔ یہاں آ گیا۔ بی بی نے مجھے اندر قید کر دیا۔ میں چور نہیں ہوں سرکار۔ میں جاسوس بھی نہیں ہوں"۔

عنبر اور ناگ کو آواز جانی پہچانی لگی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر چیلے کی بناوٹی داڑھی نوچ لی۔ اب ان کے سامنے موٹے پجاری کا چیلا کھڑا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"تو تم پجاری کے چیلے ہو اور چانکیہ کی جاسوسی کرنے آئے ہو۔ بولو اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"۔

چیلا ڈر گیا۔ ناگ دیوتا کا اسے بھی خوف تھا۔ ہاتھ باندھ کر بولا:

"سرکار مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دیں"۔

ناگ بولا۔۔۔"اگر ہم تمہیں معاف کر کے چھوڑ دیں تو تم جا کر پجاری کو بتا دو گے کہ عنبر اور ناگ شانتی کے گھر میں چھپے ہیں"۔

چیلے نے قسم کھا کر کہا "حضور! مجھ سے چاہے جس کی قسم

لے لیں میں ہرگز ہرگز پجاری کو نہیں بتاؤں گا کہ تم لوگ اس گھر میں رہتے ہو"۔

عنبر بولا۔۔۔"تمہارا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تم ضرور بتا دو گے"۔

"نہیں حضور! میں کبھی نہیں بتاؤں گا"۔

"اس کا ثبوت کیا ہے؟"۔

"چاہے جو قسم مجھ سے لے لیں سرکار"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"سنو! اگر تم نے پجاری کو جا کر بتایا کہ ہم اس مکان میں چھپے ہوئے ہیں تو یاد رکھو سمندر کے سارے سانپ باری باری آ کر تمہیں ڈس دیں گے"۔

چیلا چیخ کر بولا۔۔۔"سرکار! میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔ کبھی نہیں بتاؤں گا"۔

ناگ نے عنبر سے پوچھا۔۔۔ ”عنبر بھائی! تمہارا کیا خیال ہے اس احمق جاسوس کو رہا کر دیا جائے“۔

عنبر بولا۔۔۔ ”ناگ بھائی! اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ جا کر نہیں بتائے گا تو اسے رہا کر دو۔ نہیں تو اسے اسی مکان میں قید رکھو“۔

ماریا نے ناگ کے کان میں کہا۔۔۔ ”ناگ اس پر بھروسہ نہ کرو۔ یہ دشمن ہے۔ یہ ضرور جا کر بتا دے گا۔ اسے اسی جگہ قید کر دو“۔

ناگ نے سوچا کہ اس بد بخت کو وہ کہاں قید رکھے گا۔ شاستری کے گھر میں صرف دو کوٹھڑیاں تھیں۔ اس نے چیلے سے کہا:

”سنو! میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم نے پجاری

کے پاس جا کر زبان کھولی تو مندر کے سانپوں کو میں حکم دوں گا کہ وہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دیں۔ جاؤ۔ اب بھاگ جاؤ“۔

چیلے نے ہاتھ جوڑ کر ناگ کو سلام کیا اور کوٹھڑی سے نکل کر صحن میں بھاگتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے ناگ سے کہا۔

”بھائی اس شخص کو چھوڑنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ ہمارا دشمن تھا۔ یہ ضرور پجاری کے پاس جا کر ہماری مخبری کرے گا“۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”ماریا! فکر نہ کرو۔ یہ شخص جانتا ہے کہ میں ناگ دیوتا ہوں اور مندر کے سارے سانپ میرا حکم مانتے ہیں۔ یہ بڑے کمزور عقیدے کا آدمی ہے۔ یہ کبھی جرأت نہیں کرے گا کہ میرے خلاف پجاری کے آگے ایک

لفظ بھی نکالے"۔

عنبر بولا۔۔۔"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ آؤ اب کھانا کھائیں۔ ماریا کو بھوک لگ رہی ہوگی"۔

تینوں بہن بھائی کھانا کھانے بیٹھ گئے۔

چیلا وہاں سے بھاگ کر سیدھا مندر میں پہنچا۔ پجاری اس کا انتظار کر رہا تھا۔ چیلے کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"بولو۔ کیا خبر لائے؟ شانتی کے گھر میں کون ہے؟"۔

چیلے نے سہمے ہوئے کہا۔۔۔"مہاراج! وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شانتی کا مکان خالی تھا"۔

مکار پجاری سمجھ گیا کہ چیلا اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ پجاری نے چیلے کو مارنا شروع کر دیا۔ چیلے نے چلانا شروع کر دیا۔ پجاری نے کہا!

"وگر تم نے سچ نہ بتایا تو میں تمہیں مار مار کر ختم کر دوں گا"۔

چیلے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔۔۔"مہاراج! اگر میں نے آپ کو سچ بتا دیا تو مندر کے سارے سانپ باری باری ڈس کر مجھے ہلاک کر دیں گے"۔

"اب تمہیں کچھ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ شانتی کے گھر میں ناگ نے ڈیرہ جمایا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

پجاری کو معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ اور عنبر شانتی کے گھر میں ہیں۔ وہ وہاں سے سیدھا چانکیہ کی جھونپڑی میں پہنچا اور جا کر اسے بتایا کہ جاسوس نے خبر دی ہے ناگ اور عنبر شانتی دیوی کے خالی گھر میں اترے ہوئے ہیں۔ چانکیہ کے

چہرے پر شیطانی مسکراہٹ آئے۔

اس نے پجاری سے کہا۔

"اب تم جاؤ۔ باقی سارا کام میں خود کر لوں گا"۔

پجاری جھک کر سلام کر کے چلا گیا۔ چانکیہ نے اپنے دو خاص جاسوس بلائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ آدھی رات کو شانتی کے گھر میں جائیں۔

کوٹھڑیوں کے دروازوں کو باہر سے بند کر کے دروازوں پر رال چھڑک کر آگ لگا دیں۔

"یاد رکھو۔ دروازے اس طرح بند کرنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ آگ بڑی تیزی سے لگانا۔ کوٹھڑی کی نالی بھی اینٹوں سے بند کر دینا"۔

جاسوس قاتل سر جھکا کر باہر نکل گئے۔

خطرناک زہر

جاسوسوں نے شانتی کے مکان کے گرد ڈیرا ڈال دیا۔

وہ مکان سے ذرا دور ایک گھنے درخت کے پاس پرانے کھنڈر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اور آگ لگانے کے لیے کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ کیونکہ مکار وزیر نہ صرف یہ کہ لوگوں پر بے پناہ ظلم کر رہا تھا بلکہ چندر گپت سمراٹ کی اولاد کو بھی ان کی راج گدی سے محروم کرنے کی سازش کر رہا تھا۔

وہ ناگ کو اسی لیے گدی پر بٹھانا چاہتا تھا تا کہ حکومت اس کے ہاتھ میں رہے۔ یہ بہت بڑی ناانصافی تھی جسے ناگ کبھی قبول نہیں کرسکتا تھا۔ جو شے اس کی نہیں تھی اسے وہ بھلا کیسے لے سکتا تھا؟ عنبر نے کہا:

''اس وزیر سے سمراٹ کو ضرور چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ نہیں تو یہ سمراٹ خاندان کی حکومت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردے گا''۔

ناگ نے کہا۔۔۔''میرا خیال ہے کہ ہمیں مہاراج سمارٹ سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ سمارٹ کو سب کچھ کھول کر بیان کر دیں۔ کیونکہ صرف یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ ہم پاٹلی پتر کے بدھ فقیروں کو ظلم سے نجات دلا سکیں''۔

عنبر بولا۔۔۔''سمراٹ سے ملنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایک تو وہ راج محل سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ اور پھر راج محل پر بڑا زبردست پہرہ ہے''۔

''خیر عنبر بھائی، پہرہ داروں کی تو نظر بچا کر اندر جایا جاسکتا ہے''۔

تو پھر چلو۔ میں تیار ہوں۔ لیکن تمہیں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ سمراٹ بدھ فقیروں کے خلاف ہے۔ اسے ہمیں اپنا ہم خیال بنانا ہوگا اور ہم خیال بنانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنی طاقت کا احساس دلایا جائے۔

اس پر یہ ثابت کیا جائے کہ ہم بہت طاقتور ہیں اور اگر چاہیں تو اس کی سلطنت پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں اس لیے وہ چانکیہ کے کہنے پر لوگوں پر ظلم کرنا چھوڑ دے۔ بس پھر اس

کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمارا ہم خیال بن جائے گا۔

عنبر ہنسنے لگا۔۔۔ بھائی ناگ تم نے باتیں تو سولہ آنے کی کھری کی ہیں۔ چلو جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح کر لیتے ہیں۔ لیکن ایک اور بات ہے کہ پجاری کے جاسوس نے جا کر ضرور اطلاع کر دی ہو گی۔

وہ بڑا خبیث آدمی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم بھی اپنے سانپوں کو کہہ کر اسے نہیں مرواؤ گے۔ مگر ہمیں اس گھر کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ یہ شانتی کی ماں باپ کا پرانا گھر ہے۔ پھر ماریا یہاں رہتی ہے۔ اگر کسی نے باہر سے دروازہ بند کر کے آگ لگا دی تو ماریا میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ باہر نکل سکے۔ وہ غائب ضرور ہو سکتی ہے مگر دروازہ نہیں توڑ سکتی۔

ناگ نے پوچھا۔۔۔ ’’تو پھر کیا کیا جائے؟ پجاری کا

چیلا تو جا چکا ہے۔ اس نے تو پجاری کو جا کر ہمارے گھر کے بارے میں اطلاع کر دی ہو گی۔ ٹھیک ہے۔ ہم بندوبست کر لیں گے‘‘۔

عنبر نے کہا۔۔۔ ’’میرا خیال ہے ہمیں ماریا کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا ہو گا۔ یا پھر اسے کہہ دیں گے کہ اپنا خیال رکھا کرے۔ کوئی شخص بھی اگر باہر سے اندر آئے تو اسے اندر آنے دے کیونکہ آگ لگانے جو بھی آئے گا وہ صحن کی دیوار پھاند کر ہی اندر آئے گا‘‘۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور ماریا اندر آ گئی۔ عنبر نے ہنس کر کہا۔

’’ماریا بہن! ہم تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے‘‘۔

ماریا بولی۔۔۔ ’’میں نے یہ باتیں سن لی ہیں۔ ساتھ والی

کوٹھڑی میں تمہاری ساری آوازیں آ رہی تھیں۔ میں مانتی ہوں کہ تم لوگوں کو میری بہت فکر ہے۔ مگر بھائیوں میں اکیلی یہاں قید نہیں رہ سکتی۔ اور پھر اکیلی یہاں قید ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اور پھر مجھ کو کیا پتہ چل سکتا ہے کہ دشمن کدھر سے حملہ کرنے والا ہے"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"اچھا! میں ایک ترکیب کر سکتا ہوں۔ میں سمندر سے ایک ایسا خطرناک سانپ منگوا کر یہاں پہرے پر بٹھا دیتا ہوں۔ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ کیا اس پر تم راضی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔۔۔"کہیں وہ کم بخت مجھے ہی نہ کاٹ دے"۔

ہاہاہا۔۔۔ایسا کبھی نہیں ہو سکتا بہن ماریا۔ ایسا کبھی نہیں

ہو سکتا۔ وہ سانپ تمہیں کبھی کچھ نہیں کہے گا۔ وہ جس طرح میرا غلام ہوگا اسی طرح تمہارا بھی غلام ہوگا۔

عنبر نے کہا۔۔۔"یہ ترکیب بڑی اچھی ہے۔ تم آج ہی سمندر سے ایسا خطرناک پہرے دار منگوا کر اسے پہرے پر بٹھا دو۔ پھر ہمیں کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ مگر سانپ کو بھی تو مارا جا سکتا ہے"۔

ناگ بولا۔۔۔"ہاں اسے مارا ضرور جا سکتا ہے۔ مگر اسے سمجھا دیا جائے گا کہ اپنا بھی خیال رکھے۔ اگرچہ سمندر کے سانپ اتنے ہوشیار نہیں ہوتے مگر پھر بھی میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گا"۔

اسی وقت ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ کچھ دیر منتر پڑھنے کے بعد اس نے سمندر کی طرف

منتر کے زور سے پھونک ماری اور آگے ہاتھ بڑھا کر یوں ہلایا جیسے کسی کو اپنی طرف بلا رہا ہو۔

ادھر مندر میں ناگ دیوتا کے بت کے ایک بل میں دبک کر بیٹھے ہوئے ایک خطرناک سانپ نے جھرجھری سی لی اور بل میں سے نکل کر باہر رینگنا شروع کر دیا۔ سانپ پچھلی طرف سے ہو کر مندر سے باہر نکل آیا۔ وہ ویران علاقے سے ہو کر شانتی کے گھر کی طرف چل پڑا۔

ناگ ابھی تک منتر پڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک صحن کی دیوار سے ہو کر مندر کا سیاہ کالا خطرناک زہریلا سانپ، ناگ کی کوٹھڑی میں آ کر کنڈلی مار کر سامنے بیٹھ گیا۔

ناگ نے اسے خاص آواز میں ماریا کی حفاظت اور مکان کے پہرے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ناگ نے

سر جھکا دیا۔ گویا وہ سب کچھ سمجھ گیا ہے اور مکان و ماریا کے دل و جان سے حفاظت کرے گا۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”تمہیں مکان کے اندر چکر لگا کر پہرہ دینا ہو گا۔ کیونکہ دشمن ہمارے گھر کے ارد گرد منڈلا رہا ہے“۔

سانپ نے اپنی آواز میں کہا۔ ”ایسا ہی ہو گا مالک! میں اپنی جان قربان کر دوں گا مگر اس گھر پر اور ماریا پر آنچ نہیں آنے دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب تم جا کر صحن میں پہرہ دو“۔

سانپ سر جھکانے کے بعد باہر نکل گیا۔ ناگ نے کہا۔

”عنبر بھائی! ہمیں اب راج محل میں پہنچ کر راجہ سمرات سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے“۔

عنبر بولا۔۔۔ "میرے خیال میں راجہ سے ملنا فضول ہے"۔

"پھر کیا کیا جائے؟ کچھ تجویز بتاؤ"۔

"میرا تو خیال ہے کہ میں گوتم بدھ کے ایک فقیر کا بھیس بدل کر سامنے آتا ہوں۔ چانکیہ کے سپاہی مجھے پکڑ کر لے جائیں گے۔ وہاں میں اپنی کرامت دکھاؤں گا اور اس طرح سے سارے فقیروں کو آزاد کروا دوں گا"۔

ماریا نے کہا "یہ ترکیب سب سے اچھی ہے۔ ناگ بھائی! کیونکہ راجہ سمراٹ کو آپ اس وقت تک اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتے جب تک کہ اسے اپنی طاقت کا کوئی ثبوت نہیں دیں گے"۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔۔۔ "کیوں بھائی! تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔ "اگر تم لوگوں کا بھی یہی خیال ہے تو پھر میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ٹھیک ہے تم بدھ فقیر کا بھیس بدل کر بازار میں آ کر بدھ مت کا پرچار شروع کر دو۔ یہ لوگ تمہیں پکڑ کر چانکیہ کے سامنے لے جائیں گے۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں اور ماریا بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ وہاں ہم سے جو کچھ تمہاری مدد ہو سکے گی ضرور کریں گے"۔

"چلو ایک بات کا فیصلہ ہو گیا۔ اب میں بدھ فقیر کا بھیس بدلتا ہوں"۔

عنبر نے دوسری کوٹھڑی میں جا کر بدھ مت کے ماننے والے فقیر کا بھیس بدلنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے آپ کو زرد رنگ کی چادر میں لپیٹا۔ سر کے بال مونڈ ڈالے اور گلے

میں سیاہ رنگ کا کشکول لٹکا کر پاؤں میں لکڑی کی کھڑائیں پہن لیں۔ جب وہ باہر نکلا تو ناگ اور ماریا حیران ہو کر بولے۔

"عنبر بھائی! ہم نے تو تمہیں بالکل ہی نہیں پہچانا۔ تم تو سچ مچ کے بدھی بھکشو لگ رہے ہو"۔

عنبر نے بدھ فقیروں کی طرح سر جھکا کر کہا۔

"شکریہ! شکریہ!"

ناگ بولا۔۔۔ "اب ایسا ہو گا کہ عنبر بھائی یہاں سے نکل کر بدھ مت کا پرچار کرتا شہر کے سب سے بڑے چوک میں جا کر تقریر کرنی شروع کر دے گا۔ ہم یعنی میں اور ماریا۔۔۔ یہاں سے سیدھے شہر کے بڑے چوک میں پہنچ جائیں گے اور عنبر کا انتظار کریں گے۔ مگر میں بھی اپنا حلیہ ذرا بدل لوں گا تا کہ کوئی مندر کا آدمی مجھے پہچان نہ سکے۔ اس کے لیے میں سر پر پگڑی باندھ کر اپنا آدھا چہرہ بنارس کے لوگوں کی طرح چھپا لوں گا"۔

ماریا بولی۔۔۔ "ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی"۔

عنبر نے کہا۔۔۔ "لیکن تمہیں لوگوں کے ہجوم سے بچ کر رہنا ایسا نہ ہو کہ تم ہی پکڑی جاؤ اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں"۔

ماریا نے کہا۔۔۔ "نہیں بھائی! میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ سب کچھ معلوم ہے۔ میں اور ناگ بھائی کسی ایسی جگہ کھڑے ہوں جہاں زیادہ لوگ نہیں ہوں گے"۔

عنبر بولا۔۔۔ "بس پھر ٹھیک ہے۔ اب میرا خیال ہے تم

لوگوں کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ مگر ایک بات ہے"۔

"وہ کیا؟" ماریا نے پوچھا۔ ناگ بھی عنبر کی طرف تکنے لگا۔

عنبر نے کہا۔۔۔ "ہمیں اب یہ بات کسی وقت بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارے مکان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ جاسوس ہر وقت مکان کے باہر موجود ہیں اور ہماری چھوٹی سے چھوٹی حرکت کو بھی غور سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں بڑے دروازوں میں سے نہیں گزرنا چاہیے"۔

"پھر ہم کہاں جائیں؟"۔

"ہمیں صحن کی پچھلی دیوار باری باری پھاند کر یہاں سے نکلنا چاہیے۔ تاکہ چانکیہ کے جاسوس ہمارا پیچھا نہ کر سکیں"۔

ماریا بولی۔۔۔ "ٹھیک ہے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے"۔

تینوں بہن بھائی کوٹھڑی سے باہر آ گئے۔ انہوں نے کوٹھڑی پر تالا ڈالا۔ پھر آنگن کی پچھلی طرف سے۔ یہاں سے باری باری دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف میدان میں چھلانگیں لگائیں اور درختوں میں بھاگ کر گم ہو گئے۔

چانکیہ کے جاسوس مکان کے سامنے کی طرف چھپ کر بیٹھے تھے انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ جن لوگوں کی رکھوالی پر وہ بیٹھے ہیں وہ دوسری طرف سے صحن کی دیوار کود کر بھاگ گئے ہیں۔ دونوں جاسوس ایک پرانے کھنڈر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس بیٹھے سوراخ میں سے شانتی کے گھر کے دروازے کو تک رہے تھے جو بند تھا۔ دوپہر ہو گئی تو ایک جاسوس نے کہا۔

"یار ہم اس طرح کب تک بیٹھے رہیں گے؟ ہمیں باہر

نکل کر اپنا کام کرنا چاہیے۔ دشمن مکان کے اندر ہی ہے۔ ہمیں کوٹھڑیوں کو بند کر کے آگ لگا دینی چاہیے۔ سامان تو ہمارے پاس موجود ہی ہے۔ بس دیوار پھاند کر کسی طرح چھپ کر اندر جانے کی ضرورت ہے۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔ "ہاں یار! یہاں بیٹھ بیٹھ کر میں بھی تنگ آ گیا ہوں"۔

"تو پھر چلو دیوار پھاند کر مکان کے اندر جاتے ہیں"۔

یہ طے کر کے دونوں جاسوسوں نے مٹی کے تیل والی کپی، روئی اور آگ لگانے والے پتھر جیب میں رکھے دور بائیں طرف سے رینگتے ہوئے کھنڈر سے باہر نکل آئے۔

اب وہ شانتی کے گھر کی پچھلی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے عنبر اور ناگ وغیرہ تھوڑی دیر ہوئی

بھاگے تھے۔ دونوں جاسوس میدان کی جھاڑیوں میں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔

مکان کی دیوار کے پاس آ کر وہ رک گئے انہوں نے گردنیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ بے فکر ہو کر اٹھے اور دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

اب انہیں سب سے زیادہ احتیاط اندر کے رہنے والوں سے کرنی تھی کہ کہیں ان کو معلوم نہ ہو جائے کہ چور اندر گھس آئے ہیں۔ جاسوس، عنبر ناگ وغیرہ کی بے خبری میں انہیں آگ میں بھسم کر دینا چاہتے تھے۔

ان بے وقوفوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اندر سوائے ایک خطرناک پہرے دار سانپ کے اور کوئی نہیں ہے۔ دور

سانپ ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اور دشمن مکان پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔

دونوں جاسوس صحن کی دیواریں آہستہ سے کود کر مکان کی چار دیواری کے اندر آ گئے۔ اب وہ جھک جھک کر دبے پاؤں کوٹھڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے کوٹھڑیوں کی باہر نکلنے والی نالیوں کو بند کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے دروازوں پر راول کا تیل چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک پہریدار سانپ خبردار ہو گیا تھا۔

وہ صحن کی عقبی دیوار کی طرف سے رینگتا ہوا کوٹھڑیوں کے دروازوں کی طرف آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ دو جاسوس دروازوں کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی وہ دشمن تھے جس کے لیے ناگ دیوتا نے اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ سانپ کی آنکھوں میں یہ دیکھ کر خون اتر آیا کہ دشمن اس کے دیوتا کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔

وہ آگے بڑھا۔ دونوں جاسوس زمین پر جھکے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ پیدا کرنے کی کوشش میں تھے۔ اچانک سانپ ان کے پیچھے نمودار ہو گیا۔ پھر ایک جاسوس نے بیٹھے بیٹھے ایک ہلکی سی چیخ ماری اور پیچھے گھوم گیا۔ زہر اس قدر خطرناک تھا جاسوس پیچھے گھومتے ہی گرا اور دم توڑ گیا۔

دوسرا جاسوس سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ وہ اٹھ کر

بھاگنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اس کے پاؤں پر بھی ڈس لیا
زہر ایک تیر کی طرح جاسوس کے سارے جسم میں پھیل گیا۔
وہ پتھر سا بن گیا۔ اس کی آنکھیں سانپ کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی
رہ گئیں اور وہ دھڑام سے زمین پر گرا اور دم توڑ گیا۔ دونوں
جاسوس اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔

سمراٹ کے محل میں

دونوں جاسوسوں کو ہلاک کرنے کے بعد سانپ واپس
اپنی جگہ پر آ گیا۔

عنبر، ناگ اور ماریا کھلے میدان کی جھاڑیوں میں آ گئے۔
یہاں پہنچ کر عنبر نے ناگ سے کہا:

"تم اگر اپنی شکل میں میرے ساتھ گئے تو مندر کے
پجاری تمہیں پہچان لیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بھی اپنی
شکل بدل لو۔"

ناگ نے کہا۔ ”میں کونسی شکل اختیار کروں؟“۔

ماریا بولی۔ ”ظاہر ہے تم سانپ کی شکل میں ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ لوگ تمہیں سانپ سمجھ کر مارنے کو دوڑیں گے“۔

ناگ نے پوچھا۔ ”پھر میں کونسا روپ بدلوں؟ یہ بھی تو بتاؤ“۔

عنبر نے کہا ”میرا خیال ہے تم کسی پرندے کا روپ بدل لو۔ اس طرح تم ہمارے ساتھ ساتھ بھی رہو گے۔ اور کوئی تمہیں پہچان بھی نہیں سکے گا“۔

ناگ نے کہا۔ ”اچھا تو میں طوطے کی شکل میں آ جاتا ہوں۔ طوطا رہنا میرے لیے آسان ہے۔ اور اس شہر میں طوطے کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مجھے پکڑنے کے لیے بھی

نہیں آئے گا“۔

ناگ نے جھاڑیوں کی اوٹ میں جا کر ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ طوطے کی شکل میں اڑتا ہوا عنبر کے کندھے پر آ کر بیٹھ گیا۔

”کیوں بھائی عنبر! میں طوطا کیسا لگ رہا ہوں؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ ”بہت خوبصورت!“

ماریا نے شرارت سے کہا۔ ”میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں پنجرے میں بند کر کے رکھ لوں۔ کیونکہ اتنی اچھی اور صاف باتیں کرنے والا طوطا ہمیں بھلا کہاں ملے گا“۔

طوطے نے کہا ”تم بے شک مجھے پنجرے میں قید کر لو ماریا بہن۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا“۔

عنبر اور ماریا زور سے ہنس پڑے۔ طوطا بھی ہنس دیا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں اپنا ناٹک شروع کر دینا چاہیے۔ ناگ! میں تمہیں طوطے کی شکل میں اپنے کندھوں پر ہی رکھوں گا۔ کیا خیال ہے؟"۔

عنبر کی اس تجویز پر ناگ نے کہا!

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے کندھوں پر ہی رہوں گا۔ کیونکہ میرا خیال ہے اس میں کوئی خاص خطرے کی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں فوراً اڑ جاؤں گا"۔

ماریا نے کہا "ناگ بھائی! تم طوطا تو بن گئے ہو مگر تمہاری باتیں صرف ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر تمہاری مردانہ آواز دوسرے لوگ بھی سمجھ سکتے تو بڑا مزا آتا۔ لوگ بہت متاثر ہوتے یہ دیکھ کر کہ ایک طوطا مردانہ آواز میں باتیں کر رہا ہے"۔

ناگ بولا "ہاں بہن! یہی مجبوری ہے"۔

عنبر نے کہا "اب ہمیں خدا کا نام لے کر شہر کی طرف بڑھنا چاہیے"۔

"درست ہے"۔

تینوں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنبر بدھ فقیر کے بھیس میں ناگ اس کے کندھے پر طوطا بن کر بیٹھے ہوئے اور ماریا غائب ہو کر ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میدان سے نکل کر وہ شہر کے پہلے محلے میں آ گئے۔

یہاں بڑی چہل پہل تھی اور مکانوں کے باہر عورتیں چرخے کات رہی تھیں۔ مرد دکانوں پر خرید و فروخت کر رہے تھے۔ عنبر کا سر منڈا ہوا تھا۔ جسم کے گرد بدھ فقیروں کا زرد کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ کندھے پر طوطا بیٹھا تھا اور ہاتھ میں کشکول تھا۔

وہ بدھ فقیروں کی طرح ہر گھر کے آگے کشکول پھیلا کر کھڑا ہو جاتا اور بھیک مانگتا نہیں تھا۔ بس ایک پل کھڑا رہتا۔ کوئی کچھ دے دیتا تو ٹھیک ہے نہیں تو وہ آگے چل پڑتا۔ اچانک لوگوں نے ایک بدھ فقیر کو بازار میں دیکھا تو ایک ہلچل سی مچ گئی۔ کیونکہ بدھ فقیر کے روپ میں نکلنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔

جو لوگ بدھ کو مانتے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے کہ یہ فقیر اتنی بہادری اور دلیری کے ساتھ نکل کھڑا ہوا ہے۔

ہر طرف ایک شور مچ گیا کہ ایک بدھ فقیر بازار میں کھلے بندوں نکل کر بدھ مت کا پرچار کر رہا ہے۔ عنبر نے چوک میں کھڑے ہو کر کہنا شروع کر دیا۔

"لوگو! میں گوتم بدھ کا ماننے والا ہوں۔ ہمیشہ سچ بولو۔ چوری مت کرو۔ کسی کو برا مت کہو۔ جھوٹ نہ بولو۔ کسی کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ اچھی باتیں دل میں رکھو۔ بری باتوں کو نکال دو۔ اچھی باتیں سکھ دیتی ہیں۔ بری باتیں دکھ دیتی ہیں"۔

بدھ مت کے ماننے والوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ مگر اندر سے وہ بے حد ڈر رہے تھے۔ کیونکہ اس شہر میں بدھ مت کا نام لینے والے کی گردن اڑا دی جاتی تھی۔ راجہ کے سپاہیوں کو بھی پتہ چل گیا۔

وہ بھاگے بھاگے چوک میں آئے۔ عنبر زرد چادر میں لپٹا، کاندھے پر طوطا بٹھائے، ایک ہاتھ اٹھا کر وعظ کر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر کو گھونسہ مارنا چاہا۔ ماریہ نے

اپنا پاؤں اس کے آگے کر دیا۔ سپاہی منہ کے بل گرا اور کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کس بدبخت نے مجھے گرایا؟"۔

مگر وہاں کون تھا جو اسے جواب دیتا۔ لوگ ڈر کے مارے دور دور بھاگ گئے تھے۔ سپاہیوں نے عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔ کپتان نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ گوتم بدھ کے خیالات کا پرچار کرنے والے کو اس ملک میں قتل کرادیا جاتا ہے"۔

عنبر نے کہا "اچھے بھائی! ہم فقیر لوگ ہیں۔ ہمارے لیے زندگی اور موت ایک برابر ہے۔ ہمیں کیوں ڈراتے ہو؟ کسی اور کو جا کر ڈراؤ ہم تو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر ڈال کر نکلے ہیں"۔

کپتان نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گے۔ تمہیں گھسیٹ کر ہی راجہ کے محل میں لے جانا ہو گا"۔

اس کے ساتھ ہی کپتان نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے کے پیچھے باندھ کر محل تک گھسیٹتے ہوئے لے جایا جائے۔ ماریا پرے کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

ناگ بھی طوطا بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ کپتان خود اس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑے کو ایڑھ لگادی۔

گھوڑا چل پڑا۔ وہ تیز چل رہا تھا۔ گھوڑے کی دُلکی چال

چلتے ہی عنبر زمین پر گر پڑا اور سڑک پر گھوڑے کے پیچھے پیچھے گھسٹنے لگا۔

یہ بڑا دل پر اثر کرنے والا منظر تھا۔ ماریا اور ناگ سے عنبر کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ عنبر کو نہ تو کوئی چوٹ لگ رہی ہوگی اور نہ ہی اسے تکلیف ہو رہی ہو گی۔ طوطا عنبر کے کندھے سے اڑ گیا تھا اور اب اس کے سر کے اوپر منڈلاتا ہوا ساتھ ساتھ اڑتا جا رہا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے تاکہ یہ سنگدل لوگ کم از کم اس بری طرح تو عنبر کو گھسیٹتے ہوئے نہ لے جائیں۔

عنبر سے ہمدردی کرنے والے لوگ بھی وہاں سے بھاگ گئے تھے اور دور کھڑے آنسو بہا رہے تھے کہ بے

چارے نوجوان بدھ فقیر کے ساتھ بے حد ظلم ہو رہا ہے۔ لیکن وہ اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی ٹانگ کھینچ کر اسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ وہ گھوڑا حاصل کرنا چاہتی تھی کیونکہ سارے سپاہی گھوڑوں پر تھے اور وہ پیدل ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی تھی۔

اس کے ٹانگ کھینچتے ہی سپاہی زمین پر گرا۔ گھوڑے پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی ابھی زمین پر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے اس کا گھوڑا کھڑے کھڑے غائب ہو گیا ہے۔ وہ بار بار آنکھیں ملنے لگا۔

ماریا اس کے گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ اور اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا بھی اس کے ساتھ غائب ہو گیا تھا۔ سپاہی

وہیں اِدھر اُدھر گھوڑے کو دیکھنے لگے۔ اس نے سمجھا کہ شاید گھوڑا کہیں بھاگ گیا ہے۔

لیکن گھوڑا بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا۔ بہر حال وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ گھوڑا کہاں گیا ہے۔ وہ زمین پر سے اٹھا۔ اس نے ایک دوسرے سپاہی کو آواز دے کر پکارا اور اس کے گھوڑے پر بیٹھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

ماریا اب گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ وہ گھوڑے کو بھگا کر کپتان کے گھوڑے کے پاس لے آئی۔ کپتان بڑے مزے سے زرہ بکتر پہنے گھوڑے پر سوار بڑے غرور کے ساتھ سینہ پھلائے جا رہا تھا۔ بے چارہ عنبر سڑک پر گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ ماریا کو کپتان پر سخت غصہ آیا کہ اس نے اس کے بھائی کی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ وہ گھوڑے کو بڑھا کر کپتان کے گھوڑے کے برابر آ گئی۔

کپتان کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ ماریا اس کے برابر گھوڑے پر چل رہی ہے۔ کیونکہ اس کے آگے پیچھے دوسرے سپاہی بھی گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ ماریا نے قریب آ کر کپتان کا نیزہ جھپٹا مار کر کھینچا اور پھر نیزے سے اسے جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑا۔ سپاہی لپک کر اس کی طرف بھاگے۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ سپاہیوں نے کپتان کو اٹھایا۔ کپتان گرج کر بولا۔

”یہ مجھے دھکا کس نے دیا؟ میرا نیزہ کہاں ہے؟“۔

عنبر ہنس رہا تھا۔ اوپر اڑتا ہوا طوطا بھی ہنس رہا تھا۔ ماریا بھی مسکرا رہی تھی۔ سپاہی بڑے حیران تھے کہ کپتان کا نیزہ کھینچ کر اسے کس نے دھکا دیا۔ سپاہیوں نے کہا کہ انہیں کوئی

خبر نہیں وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا۔

"حضور! میرا گھوڑا بھی غائب ہے۔ کسی نے مجھے بھی دھکا دے کر گھوڑے سے گرا دیا تھا"۔

کپتان بولا۔

"میرا نیزہ کہاں ہے؟"۔

نیزہ ماریا کے پاس تھا جو اس کے ساتھ ہی غائب ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ نیزہ کہیں بھی نہیں تھا۔ کپتان دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عنبر کو غصے میں زیادہ زور سے گھسیٹتے ہوئے چلنے لگا۔

اب دوسرے سپاہی بھی کپتان کے ساتھ ساتھ گھوڑے جوڑے چل رہے تھے۔ عنبر پیچھے گھسیٹتا چلا آ رہا تھا۔ اوپر طوطا اڑتا چلا جا رہا تھا۔ طوطے نے سوچا کہ اسے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔

صرف ایک خیال اسے تھا کہ کہیں کوئی سپاہی اس کی طرف تیر نہ مار دے۔ تیر لگنے کی صورت میں وہ ہلاک ہو سکتا تھا۔ ماریا ذرا پرے گھوڑے پر سوار چل رہی تھی۔ اب وہ مختلف بازاروں میں سے گزر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر لوگ بھاگ کر راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ راستے میں ایک اجڑا ہوا بدھ مندر آیا۔

ماریا بھاگ کر اس مندر کے باہر کھڑی ہو گئی۔ اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا لیا۔ جب کپتان اس کے قریب سے گزرا تو ماریا نے زور سے پتھر اس پر دے مارا۔ پتھر کپتان کے سینے پر لگا۔ وہ رک گیا۔

"سپاہیو! یہ پتھر جس نے بھی مارا ہے اسے پکڑ کر سامنے لاؤ"۔

سپاہیوں نے اجڑے ہوئے مندر کی تلاشی لینی شروع کر دی مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ سپاہی تلاشی لے رہے تھے اور مایا ایک بار پھر گھوڑے کو قدم قدم چلاتی کپتان کے پاس آ گئی۔

قریب آ کر اس نے نیزہ تان کر کپتان کو ایک ایسا زور دار جھٹکا دیا کہ وہ الٹ کر دوسری طرف جا گرا۔ وہ ہڑبڑا کر سخت غصے میں سپاہیوں کو برا بھلا کہتا اٹھا۔

"یہ کون گستاخ ہے؟ کس کی موت اسے بلا رہی ہے؟"۔ سپاہیوں نے کہا۔

"حضور! ہم تو بہت دور کھڑے ہیں آپ سے"۔

کپتان گرجا" پھر یہ حرکت کس بدتمیز کی ہے؟ میں تم سب کی گردنیں اڑا دوں گا"۔

اب عنبر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"سن اے کپتان! بدھ میری مدد کر رہا ہے۔ تم نے دور تمہارے وزیر چانکیہ نے مل کر ہم فقیروں پر بہت ظلم ڈھایا ہے۔ اب ظلم کی حد ہو چکی ہے۔ اگر تم نے مجھے نہ چھوڑا تو تمہیں اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا"۔

کپتان کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر زور مکا مارا۔ عنبر زمین پر گر پڑا۔

"بدبخت بدھی فقیر! تیری یہ جرات کہ مجھ سے ایسی باتیں کرے؟ مجھ کو قتل کی دھمکی دے؟ تمہیں ابھی قلعے میں لے جا کر میں خود جلتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے تیل میں

ڈالوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"اے بدنصیب کپتان! تیری زندگی کا وقت پورا ہو گیا ہے۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تو نے مجھے آزاد نہ کیا تو تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ تجھ پر پہلے ہی بہت سے بے گناہوں کا خون ہے۔ تو نے بدھ فقیروں کو بے دردی سے قتل کیا ہے"۔

کپتان کا پارہ ایکدم چڑھ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس بدلگام کو اسی جگہ قتل کر دو"۔

کپتان کا حکم پاتے ہی دو سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے دونوں نیزے عنبر کے سینے سے پار کر دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ عنبر تڑپ کر گرے گا۔ خون کی ندیاں بہیں گی اور پھر وہ مر جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ پہلے بھی حیران تھے کہ اتنی دور تک سڑک پر گھسیٹے آنے کے باوجود عنبر کے جسم پر خراش تک بھی نہ آئی تھی اور نہ کہیں سے خون کا ایک قطرہ بہا تھا۔ اب جب دو نیزے عنبر کے سینے سے پار ہو گئے تو پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ اس کے جسم سے خون کا کوئی قطرہ نکال اور نہ وہ تڑپ کر زمین پر گرا۔

عنبر اسی طرح سڑک پر زنجیروں میں جکڑا کھڑا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے جسم میں گڑے ہوئے نیزے نکال کر باہر پھینک دیئے اور کپتان سے کہا۔

"اے اندھے کپتان! اب بھی وقت ہے۔ باز آ جا اور بدھ فقیروں پر ظلم کرنا چھوڑ کر توبہ کر لے۔ نہیں تو پھر تجھے موت کے پھندے سے کوئی نہ بچا سکے گا"۔

کپتان نے اپنی تلوار نکالی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ تلوار عنبر کے جسم پر آندھی کی طرح چلانے لگا۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ اب ماریا سے نہ دیکھا گیا۔ وہ گھوڑا دوڑاتی آگے بڑھی۔

اس نے نیزہ آگے کیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے کپتان کے قریب سے گزر کر نیزہ کپتان کے سینے میں پرو دیا۔ کپتان کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

اس کے جسم سے خون کے فوارے نکل رہے تھے۔ وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سپاہی پریشان ہو گیا کہ اسے کس نے ہلاک کیا تھا؟ وہاں سوائے عنبر کے اور کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ اب عنبر نے بھی ہاتھ میں تلوار پکڑ

لی اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے لگا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیے۔ لوگ اس کی بہادری سے خوش ہو کر نعرے لگانے لگی۔ باقی سپاہی وہاں سے بھاگ گئے۔

ماریا گھوڑے پر سوار عنبر کے پاس آ گئی۔ ناگ بھی طوطے کی شکل میں عنبر کے کندھے پر آن بیٹھا۔ عنبر نے کہا:

"اب پھر ہمیں راج محل کی طرف جانا ہوگا۔ اصل میں ہم سے غلطی ہو گئی۔ یہ سب کچھ ہمیں راج محل میں جا کر کرنا چاہیے تھا"۔

ماریا نے کہا۔ "مجھ سے تمہاری حالت نہیں دیکھی گئی بھائی۔ بس مجھے غصہ آ گیا"۔

ناگ نے کہا۔ "مجھے خود بڑا غصہ آ رہا تھا۔ میرا بس نہیں

چل رہا تھا۔"

عنبر نے کہا: "خیر کوئی بات نہیں۔ اب ہم خود راج محل کی طرف چلیں گے۔ ویسے اس واقعے کی خبر تو سپاہی محل میں جا کر ہی دیں گے"۔

لوگوں نے جو بدھ کو دل میں پیار کرتے تھے عنبر سے عقیدت کا اظہار شروع کر دیا۔ عنبر نے انہیں کہا کہ وہ صبر سے کام لیں۔ فتح آخر نیکی کی ہوتی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب محبت اور نیکی کی فتح ہوگی اور نفرت اور ظلم شکست کھا کر منہ کے بل گر پڑے گا۔ عنبر نے طوطا کندھے پر بٹھائے شاہی محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ بار بار یہی نعرہ لگا رہا تھا۔

"بدھ مت کے فقیروں کو رہا کرو۔ ظلم بند کرو۔ فقیروں کا قتل بند کرو"۔

کتنے ہی بدھ فقیر بھی گھروں سے نکل کر اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔

یہ جلوس شاہی محل کے باہر جا کر رک گیا۔ سپاہیوں نے راجہ اور چالکیہ کو جا کر خبر کر دی تھی کہ بدھ کا ایک ایسا فقیر آ گیا ہے جو بہت بڑا جادوگر ہے۔

جو بہت بڑا جادوگر ہے۔ جو کرامتیں دکھاتا ہے۔ جس کے بدن سے خون نہیں بہتا اور جسم پر تیر، تلوار، نیزہ اثر نہیں کرتا۔ راجہ یہ سن کر محل کی بالکونی میں آ گیا۔ نیچے لوگوں کا ہجوم تھا اور عنبر ان کے آگے کھڑا تھا۔ راجہ نے عنبر کو محل میں بلا لیا۔

سمندر کو واپسی

راجہ نے چانکیہ کو بھی بلوا بھیجا تھا۔

عنبر راجہ سمراٹ کے سامنے پیش ہوا تو راجہ کے پاس چانکیہ بھی موجود تھا۔ چانکیہ نے پہلی ہی نظر میں عنبر کو پہچان لیا۔ اس نے عنبر سے کہا کہ وہ بدھ کا فقیر کب سے ہو گیا ہے؟ عنبر نے کہا کہ جب سے اس نے بدھ کے فقیروں پر ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ وہ بھی فقیر بن گیا ہے۔ راجہ نے پوچھا:

"تم کون ہو نوجوان؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں بدھ کا فقیر ہوں راجہ۔ میں ان کو تمہارے وزیر کے ظلم و ستم سے نجات دلانے آیا ہوں"۔

راجہ نے کہا۔

"لیکن بدھ کے ماننے والے ہمارے دشمن ہیں۔ ہم اونچی ذات کے لوگ ہیں اور بدھ مت والے کہتے ہیں کہ ہم میں اور اچھوت میں کوئی فرق نہیں۔ پھر ہم اپنے دشمنوں کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اے راجہ! اونچ نیچ کوئی شے نہیں۔ اس دنیا میں ہر انسان برابر ہے۔ تمہیں اور تمہارے وزیر چانکیہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ بدھ مت کے ماننے والوں کو قتل کرتے پھرو"۔

چانکیہ نے کہا۔

"اے راجہ یہ شخص پاگل ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ یہ کبھی سپاہی بن جاتا ہے۔ کبھی اچھوت بن جاتا ہے۔ اب یہ فقیر بن کر سامنے آ گیا ہے۔ سپاہیو! اسے قلعے میں لے چلو"۔

سپاہی عنبر کو کھینچتے ہوئے قلعے میں لے گئے۔ ماریا اور ناگ بھی اس کے ساتھ ہی گئے۔ سپاہیوں نے عنبر کو ایک تہہ خانے میں بند کر دیا۔ جب وہ اکیلے رہ گئے تو ماریا نے کہا۔

"اب کیا کریں؟"۔

عنبر نے کہا:

"اب ہمیں اپنی اپنی طاقت دکھانی ہوگی۔ ہم راجہ کے محل میں آ گئے ہیں۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ اب ہم اپنی کرامت دکھائیں گے۔ اور راجہ پر ثابت کر دیں گے کہ ظلم کرنے والا کا انجام اچھا نہیں ہوتا"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ چانکیہ تمہیں پہچان گیا ہے اور وہ تمہیں کسی نہ کسی طریقے سے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کرے گا"۔

عنبر بولا۔۔۔" چانکیہ نے اگر ایسی کوشش کی تو وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس شہر میں بے گناہ لوگوں کا بڑا خون بہا ہے۔ اب میں اس کی اجازت نہیں دوں گا"۔

ادھر راجہ سمراٹ نے جب چانکیہ سے کہا کہ عنبر اسے ایک نیک نوجوان لگتا ہے تو چانکیہ نے جھٹ اس کی برائی شروع

کر دی۔

"مہاراج! آپ بڑے بھولے ہیں۔ یہ عنبر تو جوان بڑا مکار اور عیار جادوگر ہے۔ پورا بہروپیہ ہے۔ کبھی کوئی بھیس بدل لیتا ہے اور کبھی کوئی بھیس بدل لیتا ہے۔ اب یہ بدھ مت کے فقیروں کا بھیس بدل کر سامنے آیا ہے"۔

راجہ نے کہا۔ "مگر سپاہی کہہ رہے تھے کہ اس پر تلوار کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کے بدن سے خون بھی نہیں نکلتا۔ ضرور یہ کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اپنے شہر سے دیس نکالا دے دینا چاہیے"۔

چانکیہ جھٹ بولا۔

"مگر مہاراج! وہ اس شہر سے جانے پر تیار نہیں ہے۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ سارے کے سارے بدھ فقیروں کو آزادی دلائے گا۔ ان کے مندروں میں آزادی سے عبادت کرے گا۔ اور شہر میں رہ کر بدھ مت کا پرچار کرے گا۔ مہاراج! آپ خود ہی سوچیں اگر اس نے بدھ مت کا پرچار شروع کر دیا تو ہماری حکومت ڈول جائے گی۔ پھر برہمن اور اچھوت ایک برابر ہو جائیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیا آپ اسے گوارا کر لیں گے؟"۔

"نہیں۔ کبھی نہیں"۔ راجہ نے کہا۔ "پھر اس شخص کا کیا علاج کیا جائے۔ اس کا منہ بھی بند ہو جائے اور ہم پر کوئی آفت بھی نہ آئے"۔

چانکیہ نے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

"آپ بے فکر رہیں مہاراج! میں سارا بندوبست کر لوں گا سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی"۔

راجہ خاموش ہو گیا۔ اسے اپنے ہوشیار وزیر پر بڑا بھروسہ تھا۔ مگر دل میں وہ کچھ پریشان تھا۔ عنبر کی باتوں نے اس پر اثر کیا تھا۔

وہ پہلے ہی بدھ مت کے فقیروں پر ظلم کرتے کرتے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے اس ظلم کو کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ مگر وہ وزیر چانکیہ کے ہاتھوں پر مجبور تھا۔ اسی سوچ میں گم وہ اپنے محل میں آ گیا۔

محل میں آ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کی اکلوتی بچی راج کماری اچانک بیمار ہو گئی۔ راجہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی وقت شاہی حکیم کو بلوایا۔

حکیم نے راجکماری کا علاج شروع کر دیا۔ راج کماری کا بدن بخار میں پھنک رہا تھا۔ سارے محل کے حکیم اکٹھے

ہو گئے۔

ادھر چانکیہ سیدھا قلعے کے تہہ خانے میں پہنچا اور اس نے عنبر کی کوٹھڑی میں جا کر اسے کہا۔

"سنو عنبر! میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں۔ میری بات اب بھی مان جاؤ اور میرے ساتھ مل کر اس ملک پر حکومت کرو۔ اگر تم نے انکار کیا تو پھر تمہارا انجام بڑا بھیانک ہو گا"۔

عنبر نے کہا۔

"مکار وزیر! تو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھ پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ میں تیری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ میں ہی ظلم کے خلاف بغاوت بلند کر رہا ہوں۔ میں ظلم کی حمایت میں سودا نہیں کروں گا"۔

"ٹھیک ہے۔ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

چانکیہ چلا گیا۔ اس نے جاتے ہی جلادوں کو حکم دیا۔

"عنبر کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں ڈال دیا جائے"۔

جلاد اسی وقت عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر لے آئے۔ تہہ خانے میں ایک طرف جلتی ہوئی آگ پر بڑا سا کڑاؤ رکھا تھا جس میں تیل کھول رہا تھا۔

چانکیہ ایک طرف اپنے چیلوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ موٹا پجاری بھی اس جگہ موجود تھا۔ چانکیہ نے عنبر سے آخری بار کہا کہ وہ اس کی بات مان جائے۔ عنبر نے صاف انکار کر دیا۔ ماریا اور ناگ نے عنبر کے کان کے پاس آ کر کہا۔

"اگر تم کہو تو ہم یہی کھولتا ہوا تیل ان لوگوں پر الٹ دیں؟"۔ عنبر نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سارا کام اپنے آپ ہو جائے گا۔ ہم کسی کا یونہی خون نہیں بہائیں گے"۔

چانکیہ نے کہا "اے بدبخت نوجوان! تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔ "جس کو تم نہیں دیکھ سکتے"۔

پجاری نے کہا "مہاراج! انتظار کس بات کا ہے۔ اس گستاخ کو کھولتے تیل میں ڈال دیں تاکہ اس کی زبان بند ہو"۔

چانکیہ نے جلادوں سے کہا "اس کو ابلتے تیل کے کڑاؤ میں ڈال دو"۔

جلادوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو اپنے ہاتھ پر اٹھا لیا۔ پھر

اسے زنجیر کے ساتھ لٹکا کر اوپر سے نیچے کھولتے تیل کے کڑاؤ میں اتارنا شروع کر دیا۔ وہاں کھڑے سب لوگوں کو یقین تھا کہ جونہی عنبر تیل کے کڑاؤ میں اترے گا وہ پکوڑے کی طرح تل جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ عنبر کو ابلتے تیل میں ڈال دیا گیا۔

جلادوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

وہ ایک انسان کو تیل میں تڑ تڑ کرتے تلا جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ موٹے پجاری نے بھی منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ چانکیہ اسے دیکھتا رہا۔ چانکیہ نے دیکھا کہ عنبر ابلتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں یوں مزے سے بیٹھا ہے جیسے آدمی نہانے کے لیے ٹب میں بیٹھ جاتا ہے۔ وہ دہشت زدہ سا ہو گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ یہ شخص دیوتا نہیں بلکہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس کے جادو کو توڑنا چاہیے۔ اس نے جلادوں سے کہا۔

"اس جادوگر پر تیروں کی بارش کر دو"۔

جلادوں نے عنبر پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ سارے کے سارے تیر عنبر سے ٹکرا کر واپس گر جاتے۔ جلادوں کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ان کے سارے تیر ختم ہو گئے۔ عنبر نے کہا۔

"تم لوگ مجھے شکست نہ دے سکو گے۔ اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عنبر نے دونوں ہاتھوں سے کھولتے ہوئے تیل کا چلو بھر کر جلادوں پر پھینک دیا۔ وہ جل بھن کر چیختے چلاتے زمین پر گرے اور گر کر تڑپنے لگے۔ پجاری اور چانکیہ وہاں سے بھاگ گئے۔

عنبر کڑاؤ میں سے باہر نکل آیا۔ ماریا اور ناگ اس کے

ساتھ ساتھ تھے۔ اس نے بھاگتے ہوئے چانکیہ اور پجاری کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ پجاری ہاتھ جوڑ کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ چانکیہ نے مسکرا کر کہا

"نوجوان تم جیت گئے میں ہار گیا"۔

"اب سارے مظلوم فقیروں کو آزاد کرو گے یا نہیں؟"۔

"ہاں! اگر راجہ نے حکم دیا"۔

اس وقت ایک سپاہی نے آ کر خبر دی کہ راجہ کی اکلوتی راج کماری مر گئی ہے۔ وہاں ایک کہرام سا مچ گیا۔ سب راج محل کی طرف بھاگے۔ عنبر بھی ماریا اور ناگ کے ساتھ شاہی محل میں آ گیا۔

شاہی محل میں مردنی چھائی ہوئی تھی۔ راج کماری کی لاش مسہری پر رکھی تھی۔ راجہ رو رہا تھا۔ حکیم اور درباری بھی رو رہے تھے۔ عنبر نے جاتے ہی راج کماری پر جھک کر غور سے دیکھا اور راجہ سے کہا۔

"اے راجہ! تمہاری راج کماری ابھی زندہ ہے"۔

راجہ نے خوش ہو کر حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا۔

"تم۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو بھائی! دربار کے سارے حکیم کہہ چکے ہیں کہ راج کماری مر چکی ہے۔ پھر تم کیسے کہتے ہو کہ وہ زندہ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"انہوں نے اپنے حساب سے اسے مارا ہے۔ میں اپنے حساب سے اسے زندہ کروں گا۔ آپ ایسا کریں کہ کہیں سے بیر بہوٹی کے سرخ پھل اور کڑوے نیم کی تازہ جڑیں لا دیں"۔

راجہ کے حکم سے یہ دونوں چیزیں وہاں لا کر رکھ دی گئیں۔ عنبر نے اب راج کماری کا علاج شروع کر دیا۔ یہاں بھی وہی معاملہ تھا کہ راج کماری پر سکتے کی حالت تھی جسے ان پڑھ اور نیم حکیموں نے یہ کہہ دیا کہ راج کماری مر چکی ہے۔

کوئی آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد راج کماری نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں کا کھلنا تھا کہ راجہ خوشی سے پاگل ہو کر اپنی بچی سے لپٹ گیا۔ سارے محل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عنبر رات گئے تک راج کماری کا علاج کرتا رہا۔ صبح ہونے تک وہ بالکل بھلی چنگی ہو چکی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر اپنے راجہ باپ سے باتیں کر رہی تھی۔ راجہ نے کہا:

"بیٹی! یہ تمہارا بھائی ہے جس نے تمہیں علاج کر کے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ نہیں تو ہمیں تو یقین ہو چکا تھا کہ تم اب کبھی ہمارے درمیان آ کر باتیں نہیں کرو گی"۔

راج کماری نے عنبر سے کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے"۔

عنبر نے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے راج کماری جی! آپ اچھی ہو گئیں آپ کے والد خوش ہو گئے۔ سارا دربار خوش ہو گیا بس یہی بہت ہے"۔

راجہ نے کہا "نہیں عنبر! ہم تمہاری خواہش کو پورا کریں گے۔ ہم سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے کس مقصد کے لیے فقیروں کا بھیس بدلا تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تمہیں کوئی مار نہیں سکتا۔ ہمارے وزیر کا ہر حملہ تم نے پسپا کر دیا ہے

اس لیے ہم تمہیں، تمہارے ساتھ بدھ مت کے تمام فقیروں کو آزاد کرتے ہیں۔ ہم انہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ شہر کے اپنے مندر میں اپنے مذہب کا بے شک پرچار کریں۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا”۔

عنبر نے کہا۔ ”آپ کا شکریہ راجہ صاحب۔ آپ نے یہ حکم دے کر اپنے سارے گناہوں کا بدلہ چکا دیا ہے۔ مگر آپ کا وزیر چانکیہ آپ کے اس فیصلے کو کبھی پسند نہیں کرے گا”۔

راجہ سمراٹ نے کہا۔ ”ہمیں اب چانکیہ کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ بھگوان نے ہماری بچی کو اچھا کر دیا ہے۔ ہم بھگوان کی خاطر ہر طرح کی قربانی کریں گے۔ ہم نے بہت ظلم کیے ہیں۔

یہ سب ظلم ہم نے وزیر کے کہنے پر کیے ہیں۔ ہم اپنے ظلم کی توبہ کرتے ہیں۔ ہم توبہ کرتے ہیں اور مظلوموں سے معافی مانگتے ہیں۔ ہمیں وزیر کی پرواہ نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔ ”مہاراج! آج آپ نے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ لوگ آپ کو دعائیں دیں گے”۔

راجہ کے حکم سے شہر کی ساری بدھ عبادت گاہوں میں عبادت کھول دی گئی۔ قلعے میں قید سارے بدھ فقیروں کو آزاد کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے بے حد خوشی منائی اور عنبر کو ایک پالکی میں بٹھا کر سارے شہر میں اس کا جلوس نکالا گیا۔

انہوں نے عنبر کو بدھ مت کا اوتار یعنی دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ عنبر کو زرق برق لباس پہنا کر بہت بڑی عبادت گاہ میں بٹھا دیا گیا۔ لوگ اس کے پاس آ کر منتیں مانگتے۔

عنبر نے انہیں بہت روکا مگر بھلا وہ کب ماننے والے تھے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کھولتے ہوئے تیل نے اسے جلانے سے انکار کر دیا تھا۔

پھر اس نے بدھ مت کو آزاد کرایا تھا بدھ فقیروں کی جان بخشی کرائی تھی۔ وہ عنبر کو دیوتا نہ سمجھتے تو اور کیا سمجھتے؟ دوسری طرف چانکیہ وزیر کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ راجہ سمراٹ نے چانکیہ سے مشورہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ سومنا پجاری بھی عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر دوزانو ہو کر بیٹھتا تھا۔

عنبر، ناگ اور ماریا۔۔۔ شانتی کے گھر سے بدھ مندر میں آ گئے تھے۔ وہاں سے سانپ کو بھی واپس ناگ مندر میں بھیج دیا گیا تھا۔ جاسوسوں کی لاشوں کو دریا میں بہا دیا گیا تھا۔

عنبر جس کام کا ارادہ کر کے پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہوا تھا، وہ اس نے پورا کر دیا تھا۔ اب اس کی طبیعت وہاں اداس اداس سی رہنے لگی۔ اس نے ماریا اور ناگ سے مشورہ کیا کہ انہیں اب وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکل جانا چاہیے۔

عنبر نے راجہ سے بات کی کہ وہ کسی صورت عنبر کو الگ کرنے پر تیار نہ تھا۔ عنبر کے پرستار بھی اسے وہاں سے چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔ لیکن عنبر اب وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔

اب وہ کسی دوسرے شہر، کسی دوسرے ملک کی سیاحت کرنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر وہ عرب علاقوں کی سیاحت کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ یہ علاقے مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔ اور بڑی ترقی کر رہے تھے۔ غیر مسلمانوں سے جا کر ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں جنہوں نے آدھی سے زیادہ دنیا پر اپنا اثر ڈال رکھا ہے۔ اور حکومت کر رہے ہیں۔

آخر ایک رات جنہر ناگ اور ماریا چھپ کر پاٹلی پتر کے شہر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی ایک راستہ رہ گیا تھا جس پر چل کر وہ بدھ مندر اور راج محل سے نکل سکتے تھے۔ نہیں تو کوئی بھی انہیں وہاں سے جانے نہیں دے رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ شہر کے دروازے سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے واپس ملک ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف چل پڑے جہاں انہوں نے خزانہ اور اپنا بحری جہاز چھپا رکھا تھا۔

ہولکر ڈاکو

تین بہن بھائیوں کو ہم اسی جگہ سفر میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں عنبر اور ناگ نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر اپنا بحری جہاز اور زمین کے اندر خزانہ چھپا رکھا تھا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ناگ نے ایک سانپ شیش ناگ کو خزانے کی حفاظت کے لیے روانہ کیا تھا۔ وہ سانپ اپنے ناگ دیوتا کے حکم کے مطابق چل تو پڑا مگر اسے یہ معلوم نہیں

تھا کہ راستہ کتنا دشوار گزار ہے۔ راستے میں دریا بھی آتے تھے اور دلدلی میدان بھی۔

شیش ناگ ایک بڑا سانپ تھا۔ اسے لوگوں کی نظروں سے بھی چھپنا تھا۔ اور دریاؤں کو بھی پار کرنا تھا۔ وہ دن اور دو راتیں وہ وادی اور پہاڑوں میں سفر کرتا رہا۔ تیسرے روز وہ ایک دریا پر پہنچا۔

دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے اسے ایک جگہ لکڑی کا پل مل گیا۔ سانپ اس پلی پر سے دریا عبور کر گیا۔ آگے پھر گھنا جنگل تھا۔ سانپ نے جنگل میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہ جنگل بڑا گہرا تھا۔

یہاں راستے میں دلدلی میدان بھی آتے تھے۔ انسان دلدلی میدان میں دھوکہ کھا سکتا ہے مگر سانپ دھوکہ نہیں کھا

سکتے۔ کیونکہ ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کر دیتی ہے کہ سامنے کوئی دلدل ہے۔ سانپ دلدلی میدانوں سے بچ کر نکل گیا تھا۔

مگر چھ روز کے سفر کے بعد سامنے پھر ایک دریا آ گیا۔ یہ دریا جنگل کے عین بیچ میں سے گذر رہا تھا اور یہاں علاقہ پتھریلا تھا۔ یہاں کوئی پل نہیں تھا۔ سانپ بڑا پریشان ہو گیا۔

اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ شاید آگے چل کر کوئی پل مل جائے مگر پل کہیں بھی نہیں تھا۔ سانپ کافی دور تک نکل گیا تھا۔

ایک جگہ دریا کنارے اس نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دھواں اٹھتے دیکھا۔ وہ رک گیا کیونکہ اس طرف سے اسے گوشت کے بھنے جانے کی بو آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں کوئی جنگلی قبیلہ آباد ہے جو جانوروں کا گوشت بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ قبیلہ جانوروں کے علاوہ سانپوں کا گوشت بھی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

سانپ نے سوچا کہ واپس چلنا چاہیے۔ اس خیال سے وہ واپس مڑا ہی تھا کہ اچانک سامنے سے چھ سات آدمیوں نے اسے گھیر لیا۔ سانپ ایک دم ہوشیار ہو گیا۔

جنگلی تیر کمان اور نیزے تانے سانپ کے ارد گرد کھڑے تھے۔ وہ سانپ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر زور زور سے شوکریں مارنی شروع کر دیں۔ اس خیال سے کہ شاید یہ جنگلی لوگ اس کی شوکروں سے ڈر کر بھاگ جائیں۔

لیکن وہ لوگ بھی جنگلی تھے۔ خوف کا وہ نام ونشان بھی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے سانپ کے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سانپ گھبرا گیا۔ اس نے ایک جنگلی کے آگے بڑھ کر ڈس دیا۔

جنگلی نے فوراً خنجر مار کر اس جگہ زخم لگایا اور زہر باہر نکال کر رسی باندھ دی۔ دوسرے جنگلی نے تیر چلایا۔ تیر سانپ کے قریب سے نکل کر زمین میں گڑ گیا۔ سانپ جلدی سے پرے ہٹ گیا۔

جنگلیوں نے سانپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر سانپ کے سر پر لگا اور وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ اب کتنے ہی تیر سانپ کے جسم میں کھب گئے۔ سانپ آخری سانس لینے لگا۔ اسے ناگ اور اس کے خزانے کا ہلکا سا خیال ہے۔

اور پھر سانپ مر گیا۔

جنگلی اس سانپ کو اٹھا کر لے گئے اور انہوں نے اسے بھون کر بڑے مزے سے اس کی دعوت اڑائی۔ یہ اس سانپ کا انجام ہوا تھا جس کو ناگ نے اپنے خزانے کا پہرے دار بنا کر بھیجا تھا۔

شاید اس نے یہ سب سے بڑی غلطی کی تھی کہ سانپ کو سانپ کی شکل میں ہی روانہ کیا تھا۔ نہیں تو ناگ یہ بھی کر سکتا تھا کہ شیش ناگ کو کسی پرندے کے روپ میں بھیجتا جو خزانے کے پاس جا کر پھر سے سانپ بن جاتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب تیر کمان سے نکل کا تھا اور سانپ دم توڑ گیا تھا۔

عنبر اور ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ سانپ ہلاک ہو گیا ہے اور جنگلی لوگ اسے مزے سے کھا پی چکے تھے۔ وہ بے

ہمارے پائلٹ چتر میں اپنی پریشانیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔

اب ہم یہاں سے سمندر کے مغربی ساحل پر اس جگہ جاتے ہیں جہاں عنبر اور ناگ ایک کھاڑی میں اپنے بحری بادبانی جہاز کو چھوڑ کر قریب ہی زمین میں خزانہ دفن کر گئے تھے۔

اس خزانے کا ایک نقشہ چمڑے کے ٹکڑے پر بنا کر وہ لوگ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ بادبانی جہاز کو کھاڑی کے اندر لا کر درختوں اور گھنی بیلوں کی شاخوں میں چھپایا گیا تھا۔ جہاز بالکل خالی تھا۔ اس کا لنگر سمندر کے اندر پتھروں میں گڑا ہوا تھا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک رات ادھر سے کچھ ڈاکوؤں کا گزر ہوا۔ وہ کسی جگہ ڈاکہ مار کر واپس آ رہے تھے۔ راستے میں انہیں رات ہو گئی۔ انہوں نے آرام کرنے کے لیے جنگل میں ڈیرے ڈال لیے۔

یہ ڈاکوؤں کا ایک بڑا ہی خطرناک گروہ تھا جو بڑی آسانی اور بے دردی کے ساتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ اس گروہ کا سردار ایک مرہٹہ سردار ہولکر تھا۔

ہولکر بڑا وحشی اور سنگدل ڈاکو تھا۔ وہ کئی انسانوں کا خون کر چکا تھا اس نے کئی ریاستوں کے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا تھا۔

سردار ہولکر اپنے دس بارہ ڈاکو جو تھکے ہوئے تھے کھانا کھانے کے بعد سو گئے اور کچھ سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سردار ہولکر اپنے شاگرد کے پاس بیٹھا کسی اگلے ڈاکے کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ رات آدھی گذر رہی تھی۔

اچانک سردار ہولکر کو ہرن کی موہوی ہوئی آواز سنائی دی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے شاگرد سے کہا۔

ہرن کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہرن رات کو راستے سے بھٹک کر ادھر آ گیا ہے۔ کیوں نہ اسے شکار کیا جائے۔

شاگرد بولا۔ "ضرور ضرور۔ صبح ہرن کا گوشت اڑائیں گے"۔

دونوں تیر کمان لے کر جدھر سے ہرن کی آواز آئی تھی ادھر کو جنگل میں چل پڑے۔ چاندنی رات تھی۔ جنگل میں ہر طرف ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں جھاڑیوں میں

چھپ چھپ کر آگے بڑھنے لگے۔ ایک جگہ انہیں ہرن کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس طرف کو بھاگے۔

اتفاق سے وہ ہرن کا پیچھا کرتے اس طرف آ گئے جہاں سے سمندر ایک کھاڑی کی شکل میں جنگل میں آ گیا تھا۔ یہاں بڑے گھنے، اونچے لمبے درختوں کے جھنڈ تھے۔ اسی جگہ درختوں کے عقب میں عنبر اور ناگ کا بادبانی جہاز کھڑا تھا۔

دونوں ڈاکو ہرن کو تلاش کرتے جھاڑیوں میں سے نکل کر کھاڑی کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے بادبانی جہاز کھڑا ہے۔

وہ تو جہاز کو دیکھتے دیکھتے رہ گئے۔ انہیں کبھی بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ اس جگہ بھی کوئی جہاز کھڑا ہو گا۔ کیونکہ وہ

کوئی بندرگاہ نہیں تھی۔ وہاں کبھی کوئی جہاز نہیں آیا تھا۔

یہ راستہ سارا اُن کا جانا پہچانا تھا۔ سردار ہولکر نے اپنے شاگرد کی طرف اور شاگرد نے استاد کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا؟ یہاں جہاز کہاں سے آ گیا؟"۔ شاگرد نے پوچھا۔

سردار بولا۔ "یہی میں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں"۔

شاگرد بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کسی نے اس طرف جہاز کو لا کر چھپا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جہاز کے بادبان بھی لپیٹے ہوئے ہیں"۔

سردار بولا۔ "چل کر پتہ کرنا چاہیے کہ یہ قصہ کیا ہے"۔

دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے ہو کر کھاڑی کے کنارے چلتے اس جگہ آ گئے جہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز پر اوپر جانے

کے لیے جو سیڑھی تھی وہ جہاز کے عرشے پر پھینک دی گئی تھی۔

سردار ہولکر بولا۔

"ہمیں کسی نہ کسی طرح اس جہاز پر چڑھ کر معلوم کرنا ہوگا کہ یہ جہاز کس کا ہے؟ ہو سکتا ہے اس میں دولت چھپی ہوئی ہو"۔

انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ تیرتے تیرتے وہ اس جگہ آ گئے جہاں پانی میں لنگر پھینکا ہوا تھا۔ وہ لنگر کے سنگل یعنی زنجیر کے ساتھ لٹک کر جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔

چاندنی میں جہاز کا عرشہ بالکل خالی تھا۔

ڈاکو عرشے پر آ گئے۔ انہوں نے چال پھر کر بڑی احتیاط سے دیکھا کہ عرشے پر کوئی انسان نہیں تھا۔ نیچے کو جانے والا راستہ بند تھا۔ دروازے پر لکڑی کی کھپچیاں لگا کر اسے بند کر

دیا گیا تھا۔

سردار ہولکر اور اس کے شاگرد نے مل کر دروازے کی لکڑیاں اکھاڑ کر پھینک دیں۔ دروازہ کھل گیا۔ نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ سردار نے کہا۔

”خاموشی سے نیچے چلنا۔ ہو سکتا ہے کوئی نیچے چھپ کر بیٹھا ہو“۔

وہ سیڑھیاں اترتے گئے۔ نیچے جہاز کے کیبن میں آ گئے۔ یہ دو کیبن تھے۔ جن میں سے ایک کیبن میں سمندری راستوں کا چمڑے کا نقشہ میز پر پھیلا ہوا تھا اور دوسرے کیبن میں تخت پر سونے کے لیے بستر بچھا ہوا تھا۔

صاف لگ رہا تھا کہ اس بستر پر عرصے سے کوئی نہیں سویا۔ نقشے پر بھی گرد پڑی ہوئی تھی۔ اب وہ جہاز پر باورچی

خانے میں آ گئے۔ باورچی خانے میں کھانے پینے کا سارا سامان پڑا تھا۔ وہ بڑے حیران ہو رہے تھے کہ اس جہاز کے جہازی کہاں چلے گئے؟ شاگرد نے کہا۔

”سردار لپٹے ہوئے بادبانوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود جہاز کو یہاں کھڑا کر کے کسی کام سے چلے گئے ہیں“۔

سردار بولا۔ ”وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، کہاں گئے ہیں؟“۔

شاگرد نے کہا۔ ”ہمیں اس کی پوری تلاشی لینی چاہیے۔ شاید کچھ سراغ مل سکے“۔

وہ جہاز کی تلاشی لینے لگے۔ ایک جگہ انہیں جہاز کا وہ

کیبن نظر آیا جس کے اندر کبھی ہیرے جواہرات والا صندوق پڑا ہوا تھا۔

جہاں سے عنبر اور ناگ نے خزانہ اٹھا کر باہر جنگل میں ایک جگہ دفن کر دیا تھا۔ ڈاکو اس کیبن میں آ کر ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگے۔ اچانک شاگرد کو زمین پر گرا ہوا قیمتی موتیوں کا ہار نظر آیا۔

"استاد! یہ دیکھو۔ بڑا قیمتی ہار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور یہ لوگ یہاں سے خزانہ اٹھا کر جنگل میں کسی جگہ دفن کرنے لے گئے ہیں"۔

سردار ہولکر نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس جہاز پہ نشان بھی بحری ڈاکوؤں کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہمارا مقابلہ بڑے خونی ڈاکوؤں سے ہوگا۔ لیکن تم

مقابلہ کریں گے۔ ذرا یہ ہار تو دکھانا"۔

شاگرد کے ہاتھوں سے ہار لے کر سردار نے غور سے دیکھا اور کہا۔

"یہ ہار کسی ملک کی شاہزادی کا معلوم ہوتا ہے۔ ضرور یہ ڈاکوؤں کا جہاز ہے"۔

شاگرد نے کہا۔ "استاد میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے"۔

"وہ کیا ترکیب ہے؟" سردار نے پوچھا۔

"ترکیب یہ ہے کہ ہمیں ابھی تمام ڈاکوؤں کے ساتھ اس جہاز پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ مورچے سنبھال لینے چاہئیں۔ جب ڈاکو آئیں تو ہم انہیں بڑی آسانی سے تیروں کی بارش کر کے بھگا سکتے ہیں۔ جہاز سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ

ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے"۔

سردار نے کہا۔"ترکیب تو بڑی اچھی ہے لیکن ہم اس جہاز کو یہاں سے لے کر بھاگ کیوں نہ جائیں۔ میں بحری ڈاکوؤں میں زندگی بسر کر چکا ہوں۔ مجھے جہاز چلانا آتا ہے"۔

شاگرد نے کہا۔"لیکن اس طرح ہم اس خزانے سے محروم ہو جائیں گے۔ جو بحری ڈاکو یہاں سے لے گئے ہیں"۔

مگر ڈاکو آ بھی گئے تو ہم خزانہ کہاں سے حاصل کر سکیں گے۔ اس طرح کم از کم ہم جہاز کے مالک ضرور بن جائیں گے۔ ہم پھر سمندروں میں بحری ڈاکو بن کر ڈاکے ڈالا کریں گے۔ یا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کسی بندرگاہ پر جا کر اس جہاز کو لاکھوں اشرفیاں لے کر فروخت کر دیں گے۔

"بات یہ بھی معقول ہے۔ تو پھر استاد! ہمیں ابھی چل کر سارے ساتھیوں کو اس جہاز پر لے آنا چاہیے"۔

"ہاں چلو میرے ساتھ۔ ہم انہیں لے کر آتے ہیں"۔

دونوں ڈاکو جہاز پر سے اتر کر واپس جنگل میں اس جگہ آ گئے جہاں ان کے ساتھی ڈیرا ڈالے ہوئے تھے۔ سردار ہولکر نے سارے ڈاکوؤں کو جگا کر کہا کہ کھاڑی میں ایک جہاز پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔

"سب ڈاکو میرے ساتھ پہنچو"۔

سارے ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ سردار نے بحری جہاز پر کیسے قبضہ کر لیا۔ سردار نے

کہا۔

”آج ہم سے زمین پر ہی نہیں بلکہ سمندروں میں بھی ڈاکہ ڈالا کریں گے اور خوب دولت کمائیں گے، کالی ماتا نے ہمیں یہ جہاز اپنی خاص مہربانی سے دیا ہے۔ سب لوگ میرے ساتھ چلو“۔

سارے کے سارے ڈاکو اٹھ کر سردار کے ساتھ چل پڑے۔ سردار انہیں لے کر جہاز کے پاس آ گیا۔ ڈاکوؤں نے کھاڑی میں ایک بادبانی جہاز کو کھڑے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ دبانے لگے۔

سردار کے حکم پر سارے کے سارے ڈاکو ایک ایک کر کے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔ سردار نے حکم دیا۔

”جہاز کے بادبان کھول دیے جائیں“۔

شاگرد بولا۔

نہیں نہیں استا! ابھی ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو خزانہ لے کر واپس جہاز پر آ رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ خزانہ دفن کرنے کی بجائے خزانہ کسی جگہ سے اکھاڑ کر واپس لا رہے ہوں۔ اس لیے ہمیں یہاں رہ کر ان کا انتظار کرنا چاہیے۔

ہم ایک قلعے میں بند ہوں گے۔ ڈاکو ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ ہم بڑی جلدی سے ان پر قابو پا لیں گے۔ اور پھر خزانہ ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔

سردار کی عقل میں شاگرد کی یہ بات آ گئی۔ اس نے کہا۔

”بہت خوب! تمہاری بات ہمیں پسند آئی۔ ہم کچھ عرصہ یہاں جہاز پر رہ کر ڈاکوؤں کی واپسی کا انتظار کریں گے۔

لیکن ہم اپنے جاسوس چھوڑ دیں گے جو جنگل میں جا کر ہمیں خبر لا کر دیں گے کہ بحری ڈاکو کہاں ہیں"۔

"وہ ضرور اسی جنگل میں کہیں ہوں گے۔ یہ کام ہمارے جاسوس بڑے آسانی سے کر دیں گے"۔

سردار ہولکر ڈاکو نے اپنے گروہ کے ڈاکوؤں کے ساتھ عنبر کے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے عرشے پر سونے کے لیے بستر لگا دیے اور باقی رات جہاز کے عرشے پر ہی بسر کی۔ صبح ہوتے ہی سردار ہولکر نے اپنے ایک خاص جاسوس کو یہ تاکید کر کے جنگل میں روانہ کر دیا کہ وہ جا کر معلوم کرے کہ اس جہاز کے ڈاکو کس جگہ خزانہ دفن کر رہے ہیں یا اکھاڑ رہے ہیں۔

خزانے پر قبضہ

جاسوس جنگل میں نکل کھڑا ہوا۔

اس نے دوپہر تک ارد گرد کے جنگل کا سارا علاقہ چھان مارا مگر اسے بحری ڈاکوؤں کا کہیں سراغ نہ ملا۔ جہاں ذرا سی آہٹ سنائی دیتی، وہ جھٹ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر کان لگا دیتا۔ مگر وہ یا تو کوئی لکڑ بگڑ ہوتا اور یا جنگلی نیل گائے بھاگ رہی ہوتی۔ جاسوس تھک گیا اور واپس چل پڑا۔

وہ جہاز کے قریب آیا تو اس قدر تھک گیا کہ ایک جگہ

درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا اسی درخت کے نیچے عنبر اور ناگ نے خزانہ دفن کر رکھا تھا۔

جاسوس درخت کی چھاؤں میں لیٹا آرام کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر جھاڑیوں کے نیچے پڑی۔ یہاں ایک جگہ سے گھاس کھدی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے گھاس اکھیڑ کر پھر سے اوپر مٹی اور جھاڑیوں کی ٹہنیاں ڈال دی ہیں۔

کیونکہ اوپر ڈالی ہوئی جھاڑیاں سوکھ گئی تھیں جبکہ ارد گرد کی جھاڑیاں ہری بھری تھیں۔ جاسوس بھی ڈاکو تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ یہاں کسی نے کوئی لاش تو دفن نہیں کر رکھی؟ یا یہاں کوئی ڈاکوؤں کی خفیہ سرنگ تو نہیں ہے؟۔

جاسوس نے ہاتھوں سے جھاڑیاں ادھر ادھر ہٹائیں تو نیچے پتھر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے ہوئے تھے۔ جاسوس کا شوق اور بڑھ گیا۔ اس نے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا۔

پتھر ہٹے تو نیچے زمین نرم تھی۔ اس نے مٹی اکھاڑنی شروع کر دی۔ اب نیچے ایک گڑھا سا پیدا ہو گیا۔ جاسوس نے پوری تندہی سے گڑھے کو کھودنا شروع کر دیا۔ اب نیچے ایک صندوق تھا۔ جاسوس دھک سے ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ صندوق کی شکل ان صندوق جیسی تھی جن میں خزانے دفن ہوتے ہیں۔ جاسوس نے کانپتے ہاتھوں سے صندوق کھول دیا۔

سامنے اشرفیاں اور ہیرے جواہرات کا چھوٹا سا ڈھیر لگا تھا۔ جاسوس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اس نے زندگی میں

کبھی اتنی دولت نہیں دیکھی تھی۔ وہ اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کو ہاتھوں میں لے لے کر دیکھنے اور مسکرانے لگا۔

کیا وہ سارا خزانہ سردار کے حوالے کر دے گا۔ جاسوس نے سوچا کہ اگر اس نے یہ خزانہ سردار کے حوالے کر دیا تو اسے اس میں سے ایک اشرفی بھی نہیں ملے گی۔ اتنی دولت وہ ساری زندگی بھی ڈاکے مارتا رہے تو اتنی دولت پیدا نہیں کر سکتا۔

"تو کیا وہ دولت لے کر بھاگ جائے؟"۔

یہ خیال بجلی کی طرح جاسوس کے دماغ میں چمکا۔ ہاں اسے یہ دولت سردار ہولکر سے چھپانی چاہیے۔ سرار ہولکر کو کانوں کان خبر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ خود اس خزانے کا مالک ہے۔

اس نے اپنی عقل سے اس دولت کا سراغ لگایا ہے۔ سردار ہولکر کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی تلاش کی ہوئی دولت پر قبضہ جما لے۔ کالی ماتا نے اس پر خاص مہربانی کر کے اسے یہ خزانہ دیا ہے۔ اس خزانے پر صرف اسی کا حق ہے۔

جاسوس نے دل ہی دل میں پکا فیصلہ کر لیا کہ وہ خزانے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی اور پتھر ڈال کر خزانے کو پھر سے چھپا دیا اور اوپر دوبارہ جھاڑیاں اور گھاس ڈال دی۔

اب وہ سوچنے لگا کہ یہ خزانہ یہاں کس نے دبایا ہوا ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ خزانہ ان بحری ڈاکوؤں کا ہے جن کا جہاز ہے۔ یہ سمندری ڈاکوؤں

خزانے کو اس جگہ دفن کر کے کہیں چلے گئے ہیں۔

وہ ضرور واپس آئیں گے۔ اور یہاں سے خزانہ نکال کر واپس جہاز میں سوار ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

لیکن سردار ہولکر کے آدمی انہیں تیروں کی بارش کر کے ہلاک کر دیں گے۔ اگر خزانہ ڈاکوؤں کے پاس ہوا تو سردار ہولکر خزانے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر جاسوس نے یہاں سے خزانہ نکالا تو دو ایک روز میں سمندری ڈاکو وہاں آ کر خزانہ نکال کر لے جائیں گے۔

پھر وہ بھی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے خزانے کو نکال کر کسی ایسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں سوائے جاسوس کے اور کسی کو خبر نہ ہو۔

جاسوس خزانے کو اکھاڑ کر نکالنے کے لیے آگے بڑھا ہی

تھا کہ اسے سامنے سے سردار ہولکر آتا دکھائی دیا۔ جاسوس ایکدم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سردار نے قریب آ کر پوچھا۔

"کیوں بھئی سمندری ڈاکوؤں کا کوئی سراغ ملا؟"۔

جاسوس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں سردار! یہاں اردگرد کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ صرف ہرن، لگڑ بگڑ اور نیل گائے ہیں"۔

سردار بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ سمندری ڈاکو یہاں سے کہیں دور نکل گئے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم ان کا انتظار کریں گے"۔

"ہاں سردار! ہمیں ان کا انتظار کرنا ہی چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اپنے ساتھ بہت سی مال و دولت لا رہے

ہوں"۔

سردار ہولکر نے زمین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں سے زمین کس نے کھودی ہے؟ تازہ مٹی ان جھاڑیوں پر پڑی ہوئی ہے"۔

جاسوس گھبرا گیا۔ پھر جھٹ سنبھل کر بولا۔

"یہ۔۔۔یہ۔۔۔کوئی نہیں سردار۔۔۔ یہ میں نے یہاں سے مٹی اکھاڑی تھی۔ ویسے لگا تھا جیسے یہاں زمین کے اندر کھمبیاں اگی ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ مجھے کھمبیوں کا شوربہ بہت پسند ہے"۔

سردار بولا۔ "اوہ تو پھر کھمبیاں ملیں ہیں کہ نہیں؟"۔

"تو پھر چلو واپس جہاز پر۔۔۔ یہاں بیٹھے وقت کیوں ضائع کر رہے ہو"۔

"چلو سردار"۔

جاسوس سردار کے ساتھ واپس جہاز پر آ گیا۔ شام کو جاسوس عرشے پر ایک طرف ہٹ کر اپنے خنجر کو تیز کرنے کے بہانے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے؟ کیا وہ اکیلا اتنا بڑا خزانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر دفن کر سکے گا؟ کیا اسے کسی ساتھی کو شامل کر لینا چاہیے۔ اگر کوئی ساتھی اس کے راز میں شریک ہو جائے تو اسے بڑی آسانی ہو گی، وہ بڑے آرام سے خزانے کو کسی خفیہ جگہ نکال کر چھپا سکے گا۔

لیکن اس صورت میں ساتھی ڈاکو کو خزانے کا آدھا حصہ بھی دینا پڑے گا۔ نہیں نہیں۔ وہ کسی کو اپنے راز میں شریک نہیں کرے گا۔ اسے اکیلے کو خزانہ ملا ہے اور وہ اکیلا ہی

خزانے کا مالک ہوگا۔

اب سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ خزانے کو کب اور کہاں دفن کیا جائے۔ جاسوس کو یہ پریشانی بھی لگی ہوئی تھی۔ کہ کہیں بحری ڈاکو اگر جلد واپس آ گئے تو وہ زمین میں سے خزانہ نکال لیں گے اور پھر خدا جانے سردار ہولکر سے شکست کھانے کے بعد خزانہ لے کر کس طرف کو بھاگ جائیں۔ اور اگر انہوں نے سردار ہولکر کو شکست دے کر جہاز پر دوبارہ قبضہ بھی کر لیا تو پھر بھی خزانہ اسے نہ مل سکے گا۔

طے یہ ہوا کہ خزانے کو جلد از جلد وہاں سے نکال دینا چاہیے۔ جاسوس نے اس کام کے لیے رات کا وقت چنا۔ آدھی رات وہ دبے پاؤں جہاز میں سے نکل کر جنگل میں جائے گا اور خزانے کو زمین میں سے نکال کر اسی جنگل میں کسی دوسری جگہ دفن کرے گا۔

وہ یہ کام جلد سے جلد کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سمندری ڈاکو کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ کب اچانک نمودار ہو جائیں اور اپنے خزانے پر قبضہ کر ڈالیں۔

جاسوس نے فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ آدھی رات کو یہ کام کر دے گا۔ چنانچہ رات جب آدھی سے زیادہ گزر گئی تو جاسوس عرشے پر لیٹے لیٹے چپکے سے اٹھا۔ سارے ڈاکو ادھر ادھر بے سدھ ہو کر سو رہے تھے۔ جاسوس دبے پاؤں چلتا اس جگہ آ گیا جہاں سے لنگر کی زنجیر نیچے سمندر میں چلی گئی تھی۔

اس نے ایک خنجر اپنے ساتھ شام ہی سے رکھ چھوڑا تھا۔

اس نے ایک بار پھر جہاز کے عرشے پر چاروں طرف نظر

دوڑائی۔ ہر کوئی مزے سے سو رہا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور جہاز کی صفائی کے بعد کسی کو ہوش نہیں تھی۔ جاسوس دوسری طرف زنجیر کے ساتھ لٹک گیا اور اس نے آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کر دیا۔

وہ پانی میں ایکدم چھلانگ نہیں لگانا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح آواز پیدا ہونے اور عرشے پر لیٹے ڈاکوؤں کے جاگ پڑنے کا خطرہ تھا۔

نیچے آ کر وہ بڑے آرام سے سمندر کے پانی میں اتر گیا۔ کھاڑی کا پانی رات کے اندھیرے میں بڑا پرسکون تھا۔ آدھی رات کے بعد چاند کو طلوع ہونا تھا۔ وہ تیرتے تیرتے کنارے پر آ گیا۔

کنارے پر نکلتے ہی وہ جھک جھک کر جھاڑیوں میں چلتا، چھپتا چھپاتا خزانے کے درخت کے پاس آ گیا۔ اس نے جلدی جلدی خزانے کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد خزانے کا صندوق وہ باہر نکال لایا۔

اس نے صندوق کو کندھے پر اٹھایا اور ایک طرف کو چل پڑا۔ کچھ دور جا کر اس نے درختوں کے جھنڈ کے نیچے ایک چھوٹی سی چٹان دیکھی جو زمین میں سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔

جاسوس نے اس چٹان کے نیچے سے مٹی کھودنی شروع کر دی۔ یہاں ایک گڑھا سا بن گیا۔ جاسوس نے اس گڑھے میں خزانے کے صندوق کو رکھا اور جلدی جلدی اس کے اوپر مٹی ڈالنے لگا۔ ابھی گڑھا آدھا ہی بھرا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر جاسوس کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ دی اور کہا۔

”یہ کیا کر رہے ہو؟“۔

جاسوس نے پلٹ دیکھا۔ اس کا ایک ساتھی ڈاکو نارنگ اس کے پیچھے کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں۔ میں۔ ذرا۔ میں یہاں کھمبیاں تلاش کر رہا تھا“۔ نارنگ نے ہنس کر کہا۔

تم میری آنکھوں میں مٹی نہیں ڈال سکتے۔ میں پیچھے سے تمہارے ساتھ ساتھ آ رہا ہوں۔ تم نے اس گڑھے میں ایک ایسا صندوق دفن کیا ہے جس میں زر و جواہرات ہیں اور جسے تم نے پیچھے ایک جگہ سے اکھاڑا ہے۔

بولو اب تم کیا چاہتے ہو میرے ہاتھ میں خنجر ہے جس کی نوک تمہاری گردن پر ہے۔ اگر میں چاہوں تو بڑی آسانی سے تمہیں قتل کر کے اس خزانے پر قبضہ جما سکتا ہوں۔

مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ آج سے ہم دونوں اس خزانے میں برابر کے حصے دار ہوں گے۔ ہم مل کر اسے استعمال کریں گے۔

جاسوس نے جھٹ کہا۔

”مجھے منظور ہے نارنگ! مجھے منظور ہے۔ ہم دونوں اس خزانے کو برابر بانٹ لیں گے“۔

نارنگ نے خنجر کمر میں لگا لیا۔ کہنے لگا۔

”اس جگہ ہمیں کوئی خاص نشان لگانا ہوگا اور ایک خاص مدت کے اندر اندر خزانے کو یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرنا ہوگا“۔

”وہ کیوں؟“۔ جاسوس نے پوچھا۔

”وہ اس لیے کہ اگر کچھ دیر تک زمین کے اندر دفن کیے

ہوئے خزانے کی خبر نہ لی جائے تو وہ زمین کے اندر چلنا شروع کر دیتا ہے پھر جس جگہ تم نے دولت دفن کی ہوگی۔ وہاں وہ تمہیں نہیں ملے گی“۔

جاسوس بولا۔ ”یار یہ تو تم نے مجھے ایک نئی بات بتا دی۔ اچھا اب ہم اس خزانے کی خبر رکھیں گے“۔

نارنگ نے کہا۔ یہ بہت زیادہ دولت ہے۔ یہ ضرور بحری ڈاکوؤں کا لوٹا ہوا خزانہ ہے۔ تم نے اچھا کیا جو اسے پہلی جگہ سے اکھاڑ کر یہاں لا کر دفن کر دیا۔ کیونکہ سمندری ڈاکو اسے لینے ضرور آئیں گے۔

اب وہ اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔ لیکن ہمیں اپنے سردار ہولکر سے بھی اس خزانے کو بچانا ہوگا۔

جاسوس بولا۔ ”کیوں نہیں اسی لیے تو میں نے خزانہ

یہاں لا کر دبا دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ سردار ہولکر اور دوسرے ڈاکوؤں کو اس خزانے کا ذرا سا بھی علم ہو۔ کیونکہ اگر سردار کو پتہ چل گیا تو ہمارے ہاتھ ایک اشرفی بھی نہیں آئے گی۔ سردار بڑا لالچی ہے وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا اور سارے کا سارا خزانہ خود ڈکار لے گا“۔

نارنگ بولا۔ ”میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ کسی کو خزانے کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن اگر سردار ہولکر نے کل یا پرسوں یہاں سے کوچ کر دیا تو پھر ہم کیا کریں گے؟ اس کے بارے میں بھی ہمیں غور کرنا ہوگا“۔

جاسوس نے کہا۔ ”ظاہر ہے سردار ہولکر یہاں سے بادبانی جہاز پر سمندر کے راستے گوا جائے گا۔ گوا کی پرانی بندرگاہ یہاں سے دو دن کے سفر پر ہے۔ اگر ہم وہاں ساتھ چلے

بھی گئے تو وہاں سے واپس آ کر بھی اس خزانے کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں"۔

ٹارنگ نے ہنس کر کہا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شاید۔ پاگل آدمی۔ گوا کی بندرگاہ سے تمہارا باپ تمہیں مہینے میں تین چار بار جہاز میں بٹھا کر یہاں لایا کرے گا۔ گوا کی بندرگاہ کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔ یونہی ایک ساحل سا بن گیا ہے جہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی تجارتی جہاز تھوڑی دیر رک کر آگے نکل جاتا ہے۔ وہاں سے ہم کیسے یہاں آیا کریں گے؟"۔

جاسوس نے کہا۔ "تو پھر ہمیں ایسا کرنا ہوگا کہ کسی روز کشتی میں بیٹھ کر آئیں گے اور یہاں سے خزانہ لاد کر واپس چلے جائیں گے۔ اور پھر کسی خاص جگہ پر اسے دفن کر دیں

گے۔ جہاں یہ ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گا"۔

ٹارنگ کچھ سوچ کر بولا۔

ہاں ایسا البتہ ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سردار زیادہ دن ڈاکوؤں کا انتظار نہیں کرے گا۔ اسے ڈاکوؤں کے خزانے کا لالچ ضرور ہے لیکن وہ سمندری ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے گھبراتا بھی ہے۔ اسے خیال ہے کہ وہ دو ایک دن میں جہاز لے کر یہاں سے گوا کی طرف کوچ کر جائے گا۔

جاسوس نے کہا۔ یہ بھی اچھا ہے ہم اس کے ساتھ ہی یہاں سے چلے چلیں گے۔ اور پھر دو دن بعد کسی بہانے ایک کشتی میں سوار ہو کر یہاں آئیں گے اور خزانہ ڈال کر واپس گوا لے جائیں گے۔

وہاں ہم اس خزانے کو سادھو کی پہاڑی میں دفن کر دیں گے۔ یہ جگہ گوا کے ساحل کے قریب بھی ہے اور گمنام بھی ہے۔ وہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ سردار ہولکر کا ٹھکانا بھی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

نارنگ بولا۔ ایک بات کا ہمیں خاص طور پر خیال رکھنا ہو گا کہ اگر کسی طرح سے سردار کو ہمارے خزانے کا پتہ چل گیا تو وہ نہ صرف خزانے پر قبضہ کر لے گا بلکہ ہم دونوں کو قتل بھی کر دے گا۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم خزانے کو لے کر کسی ایسے شہر کی طرف نکل جائیں جو گوا سے بہت دور ہے۔ وہاں جا کر ہم دولت کو آدھا آدھا بانٹ لیں اور کوئی سوداگری کا کام شروع کر دیں اور اپنا محل بنوا کر باقی زندگی سکھ چین سے بسر

کریں۔ ڈاکے ڈال ڈال کر میں بھی تنگ آ گیا ہوں۔

"ویسا ہی ہو گا نارنگ بھائی! میں خود اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اب واپس چلتے ہیں دن چڑھنے والا ہے، کہیں سردار کو شک نہ ہو جائے"۔

دونوں ڈاکو خزانے کو اچھی طرح زمین میں دبا کر اوپر ایک جھاڑی کی نشانی لگا کر واپس جہاز کی طرف چل پڑے۔ کھاڑی کے پانی میں اتر کر وہ آہستہ آہستہ تیرتے ہوئے لنگر تک پہنچے پھر زنجیر کے سہارے لٹک کر اوپر جہاز پر چڑھ گئے۔ عرشے پر ابھی تک ڈاکو سو رہے تھے۔

جہاز کا اغوا

آخر وہی ہوا جو نارنگ نے جاسوس سے کہا تھا۔

تیسرے دن سردار ہولکر نے جہاز کے بادبان کھلوا لیے۔

لنگر اٹھایا اور جہاز کو کھاڑی میں سے نکال کر سمندر میں لے آیا۔ جہاز نے ہندوستان کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی بندرگاہ گوا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

سردار ہولکر کے خاص شاگرد نے اس کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اگر سمندری ڈاکو زیادہ میں نکل آئے تو وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ڈاکو باہر سے آگ والے تیر برسا کر جہاز کو آگ لگا دیں اور یہ جہاز بھی ان کے ساتھ سے جاتا رہے۔ بہتر یہی ہے کہ خزانے کا خیال چھوڑ کر اس جہاز کو لے کر ہی یہاں سے چل دیا جائے۔

”اور پھر یہ بھی کوئی پتہ نہیں کہ سمندری ڈاکو خزانہ لینے گئے ہیں یا اسی کسی جگہ زمین میں دفن کرنے گئے ہیں“۔

سردار ہولکر کے دل میں یہ بات لگی اور اس نے اگلے ہی روز کوچ کا حکم دے دیا۔ جاسوس اور نارنگ بڑے خوش ہوئے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے چلے جائیں تا کہ پھر واپس آ کر خزانے کو وہاں سے نکال کر کسی جگہ ٹھکانے لگا سکیں۔

ایک طرف عنبر ناگ اور ماریا واپس اپنے خزانے اور جہاز کی طرف جنگل میں سفر کرتے چلے آ رہے تھے اور دوسری طرف ان کا جہاز ڈاکو لوٹ کر لے جا رہے تھے۔

عنبر اور ناگ، ماریا کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ساٹ راجہ کی راجدھانی پاٹلی پتر سے نکل کر جنگل جنگل چلتے، دریاؤں اور دلدلی میدانوں اور پہاڑی وادیوں کو عبور کرتے کافی آگے نکل آئے تھے۔

وہ ایک ایسی وادی میں سے گزر رہے تھے جہاں چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ پھیلے ہوئے تھے۔ رات انہوں نے ایک پہاڑی کے دامن میں گزاری۔

یہاں سردی بالکل نہیں تھی۔ دن میں بڑی گرمی پڑتی تھی۔ صرف رات کو تھوڑی سی خنکی ہو جاتی جو بڑی اچھی لگتی

تھی۔ رات کو مچھر بڑے تنگ کرتے تھے۔ راستے میں انہیں پانی اور کھانے کو جنگلی پھل کافی مل جاتے تھے۔ پاٹلی پتر سے وہ خشک گوشت بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔

سفر کرتے انہیں بارہ پندرہ دن ہو گئے۔ کبھی وہ اس کچی سڑک پر ہو جاتے جہاں سے سفر کرنے والے قافلے گزرا کرتے تھے اور کبھی اس سڑک سے ہٹ کر جنگل کے اندر ہو کر سفر شروع کر دیتے۔

آخر وہ ایک بہت بڑے دریا پر پہنچے۔ اس دریا پر کوئی پل نہیں تھا۔ انہوں نے ایک درخت کاٹ کر اس کی شاخوں کو رسی سے آپس میں باندھا اور ایک پشتہ سا بنا کر اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس پشتے پر انہوں نے گھوڑوں کو بھی سوار کیا اور خود بھی سوار ہو گئے۔

پشت دریا کی لہروں پہ دوسرے کنارے کی طرف بہنے لگا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر سے ایک خطرناک جنگل شروع ہو رہا تھا یہ سفر کا آخری جنگل تھا۔ اس جنگل کے بعد سمندر کا کنارہ آ جاتا تھا۔ یہ ہندوستان کا مغربی کنارا تھا۔ یہی عنبر اور ناگ کی منزل تھی۔ دوسرے کنارے پر آ کر عنبر نے کہا۔

”اس جنگل میں بے شمار زہریلے سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔ دلدلیں بھی ہیں اور جنگلی درندے بھی۔ یہ ہمارے سفر کا سب سے زیادہ خطرناک جنگل ہے۔ جنگلی درندوں اور دلدلوں سے تو ہم اپنے گھوڑوں کو بچا لیں گے۔ لیکن سانپ انہیں چلتے چلتے خاموشی سے ڈس کر ہلاک کر سکتے ہیں۔ ناگ! کیا تم کوئی ایسا طریقہ کر سکتے ہو کہ یہ

گھوڑے سانپوں سے بچے رہیں۔ کیونکہ ہمیں ابھی ان گھوڑوں کی ضرورت ہے“۔

ناگ نے کہا۔ ”کیوں نہیں۔ میں اپنے جسم سے ایک ایسی بو خارج کرنا شروع کر دوں گا جو ہر قسم کے سانپ اور اژدہا کو ہم سے دور بھگا کر لے جائے گی۔ پھر ہم اور ہمارے گھوڑے بڑے آرام اور سکون کے ساتھ سفر کر سکیں گے“۔

اور ناگ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے جسم سے ایک خاص قسم کی بو چھوڑنی شروع کر دی۔ جس نے ان کے جنگل میں داخل ہوتے ہی سانپوں اور اژدہوں میں کھلبلی مچا دی۔ جنگل کے سارے سانپ اور اژدہے ایک طرف کو بھاگنے شروع ہو گئے۔

اس بو کو جنگلی درندوں نے بھی محسوس کیا۔ مگر وہ سمجھ نہ سکے کہ یہ بو کس جانور کی ہے۔ صرف اتنا ہوا کہ درندے عام راستے سے ہٹ کر دور چلے گئے۔

جنگل کا راستہ صاف تھا۔ ماریا، عنبر اور ناگ گھوڑوں پر سوار اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اس جنگل میں ان کا سفر دو دن اور دو راتوں کا تھا۔

پہلی رات انہوں نے ایک جھیل کے کنارے بسر کی۔ اس جھیل کی سطح پر سفید رنگ کے کنول کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کنارے کنارے پیپل اور املی کے درختوں کی قطاریں جھکی کھڑی تھیں۔ انہوں نے آگ کا الاؤ جلا لیا اور اس کے اردگرد بیٹھ کر شام کا کھانا کھانے لگے۔

کھانے سے فارغ ہو کر ماریا نے قہوہ بنا کر سب کچھ

دیا۔ وہ قہوہ پیتے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! اگر ہمارا جہاز کھاڑی میں نہیں کھڑا ہوگا تو ہم کیا کریں گے؟"۔

عنبر ہنس کر بولا۔ "یار ناگ! تم ہمیشہ نا امیدی کی باتیں کیوں سوچتے ہو؟ انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اچھی اچھی اور کامیابی کی باتیں سوچے"۔

ماریا بولی۔ "جہاز کو وہاں سے چرا کر کون لے جا سکتا ہے۔ وہ ضرور اپنی جگہ پر ہی ہوگا اور خزانے کو ہم نے ایسی جگہ دفن کر رکھا ہے کہ وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتا"۔

ناگ نے کہا۔ "نقشے کے مطابق ہم یہاں سے سمندر میں سفر کرتے شمال مغرب کی طرف چلیں گے تو خلیج فارس میں

سے گذر کر ہم بصرے کی بندرگاہ پر جا رکیں گے۔ یہ بندرگاہ بڑی مشہور تجارتی بندرگاہ ہے۔ اور یہاں سے مسلمانوں کے تجارتی جہاز سارے مشرق بعید کو آتے جاتے ہیں"۔

ماریا بولی۔ "ہم بصرے کی بندرگاہ پر ہی جا اتریں گے۔ وہاں ہمیں جہاز سے چھٹکارا حاصل کر لینا ہوگا۔ آخر ہم کب تک اس جہاز کو ساتھ لیے پھریں گے"۔

عنبر کہنے لگا۔ "ماریا اس جہاز کی قدر و قیمت تمہیں سمندر میں جا کر پتہ چلے گی۔ اگر یہ جہاز نہ ہوتا تو ہم لوگ کبھی ہندوستان کے ساحل پر اتنی جلدی نہ پہنچ سکتے۔ اور یہاں سے بصرے تک جانا بھی بغیر جہاز کے کوئی آسان بات نہیں ہے"۔

ناگ بولا۔ "ہاں بھئی! یہ تو میں بھی کہوں گا کہ جہاز نے

ہمیں بڑا کام دیا ہے۔ اگر جہاز نہ ہوتا تو ہم اس خطرناک جزیرے سے بھی نہ نکل سکتے۔ خدا جانے پھر کیا حالات ہوتے۔ سمندر میں سفر تو صرف جہاز کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ پیدل تو ہم لوگ سمندر میں سفر نہیں کر سکتے"۔

ماریا نے شرارت سے کہا۔ "دعا کرو کہ ہمارا جہاز ہمارا انتظار کر رہا ہو"۔

عنبر نے کہا۔ "جہاز کہیں نہیں جائے گا۔ فکر مت کرو"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ آدھی رات کے وقت سو گئے۔ جنگل میں بڑا اندھیرا تھا۔ چاند کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ تینوں بہن بھائی آگ کے بجھتے ہوئے الاؤ کے گرد بستر بچھا کر گہری نیند سو رہے تھے۔

رات خنک یعنی ٹھنڈی تھی۔ الاؤ کے دھوئیں کی وجہ سے

پھر وہاں سے بھاگ چکے تھے۔ اتنے آرام میں دن بھر کے تھکے ہوئے مسافر بے خبر ہو کر بے سدھ ہو رہے تھے۔

ان کے پاس ہی تھالی میں بچا ہوا ہرن کے گوشت کا ایک ٹکڑا رکھا تھا۔ اس ٹکڑے کی خوشبو اڑ کر جنگل میں پھیلی تو اپنی کھوہ میں بیٹھے ہوئے ایک چیتے نے تھوتنی سکڑ کر اس خوشبو کو سونگھا۔

اس کی طبیعت ایکدم خوش ہو گئی۔ ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ دن بھر اسے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ جانور اس کی شکل دیکھ کر بھاگ اور اڑ جاتے تھے۔

اب جو اسے ہرن کی خوشبو سنگھائی دی تو وہ لپک کر کھوہ میں سے باہر آ گیا۔ اور گوشت کی خوشبو کے ساتھ ساتھ دبے پاؤں چلنے لگا۔

ظاہر ہے اس خوشبو نے چیتے کو الاؤ کے پاس ہی لانا تھا۔

الاؤ کے پاس عنبر، ماریا اور ناگ بڑے سکون سے سو رہے تھے۔ کالا مکار چیتا گوشت کی بو پاتا ان لوگوں کے پاس آ گیا۔ اس نے جو دو آدمیوں کو سوئے ہوئے دیکھا تو اس کی بھوک اور زیادہ چمک اٹھی۔

وہ تو ہرن کے گوشت کی آڑ لے کر آیا تھا اور وہاں دو زندہ انسان پڑے تھے۔ چیتا آدم خور تھا اور انسانوں کو بڑے شوق سے ہڑپ کرتا تھا۔ وہ پنجے سکیڑے، تھوتھنی زمین کے ساتھ لگائے عنبر اور ناگ کی طرف بڑھنے لگا۔

الاؤ میں آگ بجھ چکی تھی۔ ورنہ جلتی آگ میں چیتا کبھی آگ کے پاس آنے کی جرات نہ کرتا۔ خوش قسمتی سے

چیتا پہلے عنبر کے قریب گیا۔ اگر وہ پہلے ناگ کے پاس جاتا تو ناگ کے لیے چیتے کے حملے کو روکنا مشکل ہو جاتا۔

بلکہ عین ممکن تھا کہ چیتا پہلے ہی حملے میں ناگ کا کام تمام کر دیتا۔ کیونکہ عنبر کی طرح ناگ اور ماریا میں موت کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ موت کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح کہ سارے لوگ ہوا کرتے ہیں۔

ماریا چونکہ غائب تھی اس لیے وہ چیتے کو نظر نہ آئی اور چیتا اس کی طرف نہ گیا۔ وہ بائیں پہلو سے آگے بڑھا اور ادھر سے پہلے اسے عنبر ہی ملا۔ عنبر بڑی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ زمین پر پڑا تھا اور دوسرا ہاتھ اس نے اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

چیتا سب سے پہلے اس کے کھلے ہاتھ کی طرف آیا اور تھوتھنی قریب لے جا کر اسے سونگھنے لگا۔

پھر وہ سونگھتا سونگھتا اوپر کی طرف بڑھا۔ اب وہ اپنے خوفناک جبڑوں والا جبڑا عنبر کے منہ کے پاس لے آیا اور اس نے ایکدم غرا کر زور سے منہ مارا اور عنبر کی آدھی گردن اپنے جبڑوں میں پکڑنے کی کوشش کی۔

مگر گردن میں چیتے کے دانت نہ کھب سکے۔ عنبر، ناگ اور ماریا کی آنکھیں کھل گئیں ناگ پرے ہٹ گیا۔ عنبر چیتے سے لپٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبانے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا نے کہا۔

”ناگ! چیتے پر تلوار کا وار کرو“۔

عنبر بولا ”میں اس کا گلا دبا کر ہلاک کر دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔ ”یہ کوئی آدم خور ہے میں آ رہا ہوں۔

بھائی"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے تلوار کا بھرپور وار چیتے کی کمر پر کیا۔ وار اس قدر طاقتور تھا کہ تلوار چیتے کی کمر کے دو ٹکڑے کر کے پیٹ میں جا اتری۔ چیتے کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی اور وہ تڑپ کر اٹھا اور ناگ پر حملہ آور ہوا مگر اس کی کمر دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔

اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو سکے۔ وہ اسی جگہ زمین پر گر گیا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

"بھئی یہ آدم خور کم بخت کدھر سے آ گیا؟"۔

ناگ بولا۔" معلوم ہوتا ہے اس جنگل میں آدم خور شیروں کے علاوہ چیتے بھی ہیں۔ چیتا بہت کم آدم خور ہوتا ہے"۔

ماریا نے کہا۔"یہ تو سارے کا سارا جنگل اس قسم کے آدم خور درندوں سے بھرا ہوا ہے بھائی۔ میں تو کہتی ہوں ہمیں آرام کرنے کی بجائے اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کوئی پل کے بعد دن بھی نکلنے ہی والا ہے"۔

عنبر نے کہا۔" اچھا خیال ہے اس پرخطر جنگل میں سے جتنی جلدی نکل سکیں اتنا ہی اچھا ہے"۔

رات ڈھل گئی تھی۔ مشرق میں صبح کو اجالا پھیلنے ہی والا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر بوریا بستر باندھ کر گھوڑوں پر رکھا۔ گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا اور ان پر سوار ہو کر چل پڑے۔ سارا دن وہ جنگل میں سے گذرتے رہے۔ پھر شام آ گئی۔ اب ایک رات پھر اسی جنگل میں بسر کرنی تھی۔ ناگ بولا۔

"یہ رات ہماری اس جنگل میں آخری رات ہوگی۔ کل کسی وقت ہم ساحل سمندر پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔ میں ہوا میں سمندری پانی کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ہم کل دوپہر تک سمندر کے کنارے پہنچ جائیں گے۔ یہ وہی راستہ ہے جہاں سے ہم ایک بار گزر کر پاگلی پتر کی طرف گئے تھے۔

ماریا بولی۔ "اگر ہم ساری رات سفر کرتے رہیں تو صبح اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ مگر میں بہت تھک گئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں رات اسی جگہ بسر کرنی چاہیے"۔

"ہاں ماریا۔ ہمیں آخر اتنی جلدی کیا ہے۔ ہمارے علاوہ گھوڑے بھی دن بھر کے سفر کے بعد تھکے ہوئے ہیں، انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے یہ جگہ اتنی بری نہیں۔ ہمیں یہیں

ڈیرے ڈال لینے چاہئیں"۔

اور وہ اسی جگہ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ابھی وہ گھوڑوں سے اتر ہی رہے تھے۔ کہ ایک گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ عنبر نے چونک کر ادھر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے ایک بہت بڑا اژدہا منہ کھولے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"ناگ! یہ کہاں سے آ گیا؟ کیا تمہارے جسم سے نکلتی ہوئی بو نے اسے خبردار نہیں کیا؟"۔

ناگ نے اژدہا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"معلوم ہوتا ہے اس اژدہا کی کھال موٹی ہے۔ اس نے میری بو محسوس نہیں کی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ابھی اس کی طبیعت صاف کیے دیتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ اژدہا کی طرف بڑھا۔ اژدہا کے منہ سے بار بار سرخ زبان باہر نکل رہی تھی۔ اور اس کی سرخ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ وہ حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ناگ اس کے سامنے جا کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے زور سے سانس کو اندر کو کھینچ کر اژدہا کی طرف چھوڑا۔

ناگ کا سانس جونہی اژدہا سے ٹکرایا وہ اسی وقت سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے محسوس ہو گیا کہ اس کے سامنے کوئی غیر معمولی انسان کھڑا تھا۔ ناگ نے دوسری بار اپنا سانس اژدہا کے اوپر چھوڑا تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ناگ نے گرج کر کہا۔

"گستاخ اژدہا! کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ ادھر میں اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں؟ تو کون ہے اور ادھر کیوں آیا ہے؟"۔

اژدہا نے اپنی زبان میں کہا۔

"اے ناگ دیوتا! میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ اس طرف سے گزر رہے ہیں۔ میری خطا کو معاف کر دیں"۔

ناگ بولا۔ "جا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ نہیں تو تمہاری گستاخی کی سزا یہ تھی کہ میں تجھے پھونک مار کر ابھی اسی جگہ بھسم کر دیتا ہوں"۔

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا"۔

اچانک عنبر کا خیال آیا کہ ناگ نے ایک شیش ناگ کو خزانے کی پہرے داری کرنے کے لیے کئی روز پہلے روانہ

کیا تھا۔ کیوں نہ اس اژدہا سے شیش ناگ کے بارے میں پوچھے۔ ناگ نے اژدہا سے کہا۔

”کیا تم نے ادھر سے کسی شیش ناگ کو خزانے کی پہرے داری کے لیے جاتے دیکھا ہے؟ اسے میں نے ایک مہینے پہلے۔۔۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ایک خاص کام پر روانہ کیا تھا۔ اسے اسی جنگل میں سے ہو کر گذرنا تھا۔ کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟“۔

اژدہا نے کہا۔ ”اے ناگ دیوتا! میں کوئی سالوں سے اس جنگل میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اگر اس جنگل میں کوئی شیش ناگ داخل ہو تو مجھے فوراً پتہ چل جائے۔ میں نے آج تک کسی شیش ناگ کو اس جنگل میں نہیں دیکھا۔“

ناگ نے کہا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے خود اسے

بھیجا تھا۔ وہ میرے حکم کو کبھی نہیں ٹال سکتا۔ وہ ضرور اس جنگل میں سے گذرا ہو گا۔ یہی جنگل اس کا راستہ تھا“۔

اژدہا نے کہا۔ ”اے ناگ دیوتا! اس میں کیا شک ہے کہ آپ کا حکم کوئی سانپ کبھی نہیں ٹال سکتا۔ لیکن مجھے آپ کی ہی قسم ہے کہ میں نے کسی شیش ناگ کو ادھر سے گذرتے نہیں دیکھا۔“

ناگ حیرانی سے بولا۔ ”پھر وہ کہاں چلا گیا؟“۔

اژدہا بولا۔ ”اے ناگ دیوتا! اس جنگل سے پہلے ایک جنگل آتا ہے۔ جس میں ایک وحشی قبیلہ رہتا ہے۔ اس قبیلے کے لوگ سانپ کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ان سے ہماری پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ شیش ناگ ان وحشی سانپ خور قبیلے والوں کے ہتھے چلے گیا

ہو"۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اژدہا سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں خود شیش ناگ کو ڈھونڈ لوں گا"۔

اژدہا سر جھکا کر چلا گیا۔ اب عنبر اور ماریا کو بھی فکر پڑ گئی کہ شیش ناگ کہاں چلا گیا؟ اگر وہ خزانے پر نہیں پہنچا ہو گا تو ضرور کسی نہ کسی ڈاکو نے خزانے پر ہاتھ صاف کر لیا ہو گا۔ عنبر نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟ شیش ناگ کہاں گیا ہو گا؟"۔

ناگ نے کہا۔ "عنبر بھائی! ہو نہ ہو شیش ناگ ضرور سانپ کھانے والے قبیلے کے لوگوں کے قابو آ گیا

ہو گا۔ کیونکہ اس جنگل میں سے کہیں سے بھی اگر وہ گذرتا تو اس اژدہا کو ضرور خبر ہو جاتی۔ اگر اسے خبر نہیں تو شیش ناگ ہلاک ہو چکا ہے۔ بلکہ وحشی قبیلے والوں نے ان کو بھون کر کھا لیا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اگر قسمت میں خزانہ ہوا تو مل جائے گا۔ نہیں تو صبر شکر کرنا ہو گا"۔

عنبر بولا۔

"بھئی خزانے کو تم چھوڑو۔ افسوس تو یہ ہے کہ بے چارا شیش ناگ ہماری خاطر مر گیا۔ اچھا اب کیا ہو سکتا ہے"۔

وہ رات انہوں نے اسی جنگل میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب انہیں سمندر کی خوشبو صاف

محسوس ہو رہی تھی۔ یعنی وہ سمندر کے کنارے پہنچنے ہی والے تھے۔

سمندر میں موت

اب ہم پھر ڈاکوؤں کے پاس چلتے ہیں

سردار ہولکر نے گوا پہنچ کر جہاز کو ایک طرف چٹانوں کے پیچھے سمندر میں کھڑا کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑی گھاٹ پر اپنے غار میں آ گیا۔ لوٹ کا مال انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

سب سے بڑا حصہ سردار ہولکر اور اس کے شاگرد کو ملا۔ جاسوس اور بٹرنگ کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملا۔ رات کو بٹرنگ نے

جاسوس ڈاکو سے کہا۔

"دیکھا تم نے۔ ہمیں ہر لوٹ مار اور ڈاکے میں سے بہت کم حصہ ملتا ہے۔ اس زندگی سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنا خزانہ لے کر اس ملک سے بھاگ جائیں اور کسی دوسرے شہر میں جا کر ٹھاٹھ سے محل بنا کر زندگی بسر کریں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم سردار ہولکر کی غلامی کریں۔ ہمارے پاس اب اتنا بڑا خزانہ ہے کہ سردار ساری زندگی حاصل نہیں کر سکتا"۔

جاسوس بولا۔ "تمہارا خیال میرے دل کو لگا ہے۔ ہمیں یہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنی چاہئیں۔ موقع ملتے ہی ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

چنانچہ ایک دن صبح جاسوس اور نارنگ کسی نہ کسی طرح

سے وہاں سے نکل کر سمندر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے وہاں سے سمندر دور نہیں تھا۔ دوپہر کو وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔

اب سوال یہ تھا کہ کہیں سے کوئی مضبوط سی کشتی چرائی جائے جس میں سوار ہو کر وہ سمندر میں کنارے کے ساتھ ساتھ ایک رات اور ایک دن کا سفر کر کے خزانے تک پہنچ سکیں۔

سمندر کے کنارے ماہی گیروں کی کتنی ہی کشتیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ دونوں ڈاکو کنارے کی ریت پر دور تک ٹہلتے چلے گئے۔ یہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک کشتی کو دیکھا۔ یہ ایک بڑی کشتی تھی۔

اس کے اندر سونے کی جگہ بھی تھی۔ پانی کے ایک مٹکے

کے علاوہ کھانے کا سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ نارنگ نے جاسوس ڈاکو سے کہا۔

"یہ کشتی سفر کے لیے بڑی مناسب رہے گی۔ یہاں اس وقت ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ہم اسے لے کر اوپر ہی اوپر سے کھلے سمندر میں نکل چلیں گے۔ کسی کو ہم پر شک نہیں ہوگا۔ مچھیرے یہی سمجھیں گے کہ ان کے ساتھی سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں"۔

"تو پھر چلو۔ دیر کس بات کی ہے؟"۔

دونوں ڈاکو لپک کر کشتی میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے رسا کھینچ کر اندر ڈالا اور چپو چلا کر کشتی کو کھلے سمندر کی طرف کر دیا۔ اس کشتی میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے بانس پر بادبان بھی لگا تھا۔ ہوا بڑی اچھی چل رہی تھی۔ چپو چلانے

وہ کشتی کھلے سمندر میں لے آئے۔

یہاں پہنچ کر انہوں نے کشتی کا بادبان کھول دیا۔ بادبان میں ہوا کے بھرتے ہی کشتی کی رفتار تیز ہوگئی۔

"اب ہم کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کریں گے"۔

انہوں نے کشتی کو کنارے سے دو میل کے فاصلے پر رکھا اور کشتی ہوا کے دوش پر سمندر کی پرسکون لہروں پر تیزی سے منزل کی طرف بڑھنے لگی۔ شام تک کشتی بڑے آرام سے سفر کرتی رہی۔ انہوں نے رات کا کھانا مل کر کھایا۔ جاسوس ڈاکو کشتی کے تختے پر سو گیا۔

نارنگ نے دل میں ایک بڑی مکارانہ سازش کر رکھی تھی۔ اس نے خزانے پر اکیلے ہی قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے جاسوس ڈاکو کو اپنے راستے

سے ہٹا دے اور پھر اکیلے کا اکیلا ہی مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ رات کو جب اس نے دیکھا کہ جاسوس ڈاکو کشتی کے تختے کے کنارے کی طرف ہو کر سویا ہوا ہے تو وہ آگے بڑھا۔

سوئے ہوئے ڈاکو کے قریب آ کر نارنگ جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ جاسوس گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دونوں ہاتھ ڈال کر جاسوس ڈاکو کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دھڑام سے سمندر میں گر پڑا۔ سمندر میں گرتے ہی اسے ہوش آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"نارنگ! مجھے بچاؤ۔ میں سمندر میں گر پڑا ہوں"۔

جاسوس ڈاکو کا خیال تھا کہ شاید سوتے میں پہلو بدلنے سے وہ سمندر میں گر پڑا ہے۔ اس کی چیخ و پکار پر نارنگ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"دوست! جہاں رہو خوش رہو۔ میں تمہاری روح کے لیے دعا ضرور مانگتا رہوں گا"۔

جاسوس ڈاکو نے یہ سنا تو دھک سے رہ گیا۔ فوراً سمجھ گیا کہ نارنگ نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور اس کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ وہ چونکہ ایک ڈاکو تھا اس لیے اسے تیرنا بھی خوب آتا تھا۔ وہ کشتی کی طرف پورا زور لگا کر تیر رہا تھا۔ کشتی ہوا کے دوش پر آگے بڑھ رہی تھی۔ جاسوس بھی پیچھے پیچھے تیرتا چلا آ رہا تھا۔

نارنگ نے دیکھا کہ وہ تیر کی کشتی کے قریب پہنچ چکا ہے۔ نارنگ چپو لانے کے لیے کشتی کی دوسری طرف گیا۔ واپس آیا تو جاسوس ڈاکو نے ایک ہاتھ سے کشتی کو تھام رکھا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے زور لگا کر کشتی کے اوپر چڑھنے

کی کوشش کر رہا تھا۔ نارنگ نے چپو جاسوس کے ہاتھوں پر مارنے شروع کر دیئے۔ جاسوس نے چیخ کر کہا۔

"نارنگ! میرے دوست! میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔ مجھے کشتی پر آ جانے دو۔ تم سارا خزانہ لے لینا۔ لیکن میری جان بچا لو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سارے کا سارا خزانہ تمہارا ہو گا۔ میں اس میں سے ایک پائی بھی تم سے وصول نہیں کروں گا"۔

مگر نارنگ اس ڈاکو کو ہلاک کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"مستو! اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے کہ تم زندہ رہ کر میرے لیے ایک برابر خطرے کا باعث ہو گے میں تمہیں موت کے حوالے کرتا ہوں"۔

جاسوس ڈاکو نے گڑگڑا کر کہا۔

"میری جان بچا لو دوست! مجھ پر رحم کرو"۔

نارنگ ڈاکو بولا۔

"تم نے کبھی کسی پر آج تک رحم کھایا ہے جو میں تم پر رحم کروں؟ تم نے میری آنکھوں کے سامنے معصوم بچوں کے گلے کاٹے ہیں۔ پھر تم مجھے کیوں سزا دے رہے ہو؟ کیا تمہیں سزا نہیں ملنی چاہیے؟"۔

نارنگ ہنس پڑا۔ "دیکھا جائے گا۔ ابھی میری باری نہیں آئی۔ قدرت اس وقت تم سے بدلہ لے رہی ہے۔ تم کفارہ ادا کرو۔ جب میری باری آئے گی۔ جب قدرت مجھ سے بدلہ لے گی تو پھر اس وقت دیکھا جائے گا"۔

اتنا کہہ کر نارنگ ڈاکو نے پوری قوت سے چپو اٹھا کر

جاسوس ڈاکو کے سر پر دے مارا۔ جاسوس ڈاکو کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور خون بہنے لگا۔

کمزوری اور تکلیف سے جاسوس کے ہاتھ کشتی سے چھوٹ گئے اور وہ غڑاپ سے سمندر میں جا گرا۔ کچھ دور تک وہ سمندر میں کمزوری کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا اور سمندر کی لہریں اسے بہا کر دور لے گئیں۔

جاسوس ڈاکو کو ٹھکانے لگانے کے بعد نارنگ بڑا خوش ہوا۔ کشتی میں کھڑا ہو کر دیر تک اپنی کامیابی پر قہقہے لگاتا رہا۔ کچھ دور تک اسے جاسوس ڈاکو کی لاش سمندر پر تیرتی نظر آ رہی۔ پھر لہروں میں گم ہو گئی۔

نارنگ ڈاکو اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ اب وہ سارے

بے بہا خزانے کا اکیلا مالک تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کسی دوسرے ملک میں چلا جائے گا اور ایک عالی شان محل خرید کر ساری زندگی عیش کرے گا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ قدرت اس پر مسکرا رہی تھی۔

کشتی رات بھر سمندر میں سفر کرتی رہی۔ دن نکل آیا۔ سمندر پر سورج کی تیز دھوپ پھیل گئی۔ ابھی اس کی منزل نہیں آئی تھی۔ زمین کا کنارہ کافی دور تھا ابھی اسے وہ چٹانیں اور پہاڑ نظر نہیں آ رہے تھے۔ جس کے اندر کھاڑی چلی گئی تھی۔ اور جہاں خزانہ دفن تھا۔ یہ جگہ شام کے وقت آنی تھی۔ وہ سمندر میں سفر کرتا رہا۔

ٹھیک اس وقت عنبر، ناگ اور ماریا سمندر کے کنارے کھاڑی میں پہنچ چکے تھے۔ کھاڑی میں آ کر انہوں نے جہاز

کو غائب پایا تو حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

''ہائیں! جہاز کہاں چلا گیا؟''۔ ماریا نے حیرت سے پوچھا۔

عنبر بھی تعجب سے خالی کھاڑی کے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ ناگ بھی پریشان تھا۔ کہ جہاز کو کون لے گیا۔ عنبر نے کہا۔

''حیران ہونا اور سوچنا بے کار ہے۔ ظاہر ہے ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ادھر آیا ہوگا۔ اس نے خالی جہاز کو دیکھا اور اسے لے کر یہاں سے تو دو گیارہ ہو گیا۔ اب تو ہمیں چل کر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارا خزانہ وہاں موجود ہے یا کہ وہ بھی ڈاکوؤں کی بھینٹ چڑھ گیا''

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اس چٹان کی طرف لپکے جہاں ایک درخت کے نیچے انہوں نے اپنے خزانے کے صندوق کو دفن کیا تھا۔

درخت کے نیچے آتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ جھاڑیاں اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہیں۔ مٹی بھی کھدی ہوئی ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی جھاڑیاں ہٹا کر زمین کھودی تو اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ خزانہ چرا لیا گیا تھا۔

''لو بھائی! دولت سے پیار کر لو۔ خزانہ جس کے ہاتھ لگا وہ لے گیا۔ سانپ نکل گیا ہے۔ اب لکیر پیٹنے سے کچھ نہیں ہو گا''۔

ماریا کو سب سے زیادہ افسوس تھا کہنے لگی۔

''کس کم بخت کی اتنی جرات ہوئی کہ ہمارے خزانے کو چرا کر لے جائے''۔

عنبر بولا۔ "بھئی جس کا داؤ لگا وہ لے گیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اگر شیش ناگ بے چارہ پہنچ جاتا تو خزانے کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا"۔

ناگ نے کہا۔ "کم بخت شیش ناگ کو بھی راستے میں ہی ہلاک ہونا تھا"۔

عنبر نے کہا۔ "یار مجھے تو خزانے سے زیادہ اس بے چارے شیش ناگ کا دکھ ہے کہ خواہ مخواہ بیکار، ہیرے جواہرات کے لیے مارا گیا۔ دولت کا کیا ہے وہ تو ہاتھ کا میل ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہے"۔

ناگ گہری سوچ میں تھا۔ کہنے لگا۔

"تمہارے خیال میں یہ ڈاکو کون ہو سکتے ہیں عنبر؟"۔

عنبر ہنس کر کہنے لگا۔

"بھئی ڈاکو کون ہو سکتے ہیں؟ بس جیسے ڈاکو ہوتے ہیں، ویسے ہی ہوں گے"۔

ناگ نے کہا۔ "میرے خیال میں تو یہ کوئی سمندری ڈاکو ہیں۔ سمندری ڈاکو ہی جہاز کو چلا کر لے جا سکتے ہیں۔ عام ڈاکو ایسا نہیں کر سکتے"۔

ہاں، یہ خیال تمہارا ہے۔ ضرور یہ کام سمندری ڈاکوؤں کا ہی ہے۔ وہ اپنے ہی جہاز پر آئے ہوں گے اور ہمارے جہاز کو ساتھ باندھ کر لے گئے۔ انہوں نے جہاز کو فوراً پہچان لیا ہوگا کہ یہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انہیں خزانے کا پتہ کیسے چلا؟۔

عنبر کے اس سوال پر ماریا بولی۔

"ہم نے تو خزانے کو بڑی اچھی طرح سے چھپا کر رکھا

ہوا تھا۔ کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہاں زمین کے اندر خزانہ دفن ہے۔ پھر یہ لوگ کیسے زمین کے اندر سے ہیرے جواہرات کا صندوق نکال کر لے گئے؟"۔

ناگ نے کہا۔ یہ کسی بڑے ہی خطرناک اور عقل مند ڈاکو کا کام ہے۔ مگر اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ خزانہ بھی ہمارا اپنا نہیں تھا۔ ہم نے بھی اس خزانے کو اسی طرح ڈاکہ مار کر ہی حاصل کیا تھا۔

بہتر یہ ہے کہ ہم اسے بھول جائیں۔ ہاں اصل نقصان یہ ہوا ہے کہ ہمارا جہاز چوری ہو گیا ہے۔ اگر جہاز موجود ہوتا تو کم از کم ہم اس پر سفر کر کے ملک عرب بڑی آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔

عنبر نے کہا۔ "یہ ہمارا بہت بڑا نقصان ہے۔ اب ہمیں اس جگہ پڑے رہ کر کسی کشتی یا بھولے بھٹکے جہاز کی راہ دیکھنی ہوگی۔ جو قسمت سے ادھر کو آ نکلے"۔

ماریا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہوئی۔ ہم اس جگہ کب تک پڑے رہیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر ہم سمندر کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف جنگل میں سفر کریں تو شاید کسی بندرگاہ پر پہنچ جائیں"۔

عنبر بولا۔ "میں اس سارے علاقے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہاں سے نیچے جنوب کی طرف پیدل چار دن کے سفر کے بعد ہم گوا پہنچ سکتے ہیں جہاں سے بھی ہمیں شاید ہی کوئی تجارتی جہاز مل سکے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اسی جگہ بیٹھ کر جہاز کا انتظار کریں۔ کیونکہ گوا کی بندرگاہ پر

سوداگروں کے تجارتی اور مسافر جہاز اتنے نہیں آتے جتنے سمگلروں اور ڈاکوؤں کے آتے جاتے ہیں۔ ہم سمگلروں اور ڈاکوؤں کے جہاز پر بھی سوار ہو سکتے ہیں''۔

ناگ نے کہا۔ ''میری رائے میں ہمیں دو ایک روز اس جگہ رک کر کسی سمگلر جہاز کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں دو تین دنوں کے اندر اندر جہاز نہ مل سکا۔ تو پھر گوا کی طرف چل پڑیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے عنبر بھائی؟''۔

''میرا خیال ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم اس جگہ دو روز تک قیام کریں گے۔ اس کے بعد یہاں سے کوچ کر جائیں گے''۔

ایک جگہ ڈیرا جما لیا۔ گھنے درختوں کی چھاؤں میں ٹہنیاں کاٹ کر ایک دیوار سی بنا دی گئی۔ دیوار کی دوسری جانب بستر

لگا دیئے۔ آگ جلا کر ماریا نے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ رات کو کھانا کھا کر انہوں نے آگ دیر تک جلائے رکھی۔ اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔

انہیں یہی خطرہ تھا کہ اگر یہاں سے سمگلروں کا کوئی جہاز نہ مل سکا تو پھر انہیں بڑا لمبا چکر کاٹ کر گوا پہنچنا ہوگا۔

رات کو وہ سو گئے۔ دن کو اٹھے تو جنگل سے پھل توڑ کر انہوں نے ناشتہ کیا۔ گوشت ان کے پاس ختم ہو چکا تھا۔ عنبر اور ناگ تیر کمان لے کر جنگل میں ہرن کے شکار کو چل دیئے اور ماریا اسی جگہ بیٹھی کپڑے دھونے لگی۔

کپڑے دھو کر اس نے ذرا پرے جا کر دھوپ میں لٹکا دیئے اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ ملک عرب کیسا ہوگا؟ وہاں کے مسلمان لوگ کیسے ہوں گے؟ اس نے مسلمانوں کی

بہت تعریف سن رکھی تھی کہ ان کے ملک میں کوئی جرم نہیں ہوتا۔ لوگ ایماندار ہیں اور نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

جنگل کی دیوی

دھوپ ڈھل رہی تھی کہ نارنگ ڈاکو کی کشتی ساحل سے آ لگی۔

نارنگ نے کشتی کو کنارے پر ایک جگہ درخت کے ساتھ رسے سے باندھا۔ پھاوڑا لیا اور خزانہ کھود کر لانے کے لیے چٹان والے درختوں کی طرف چل پڑا۔

اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ عنبر اور ماریا وغیرہ اسی جنگل میں کھاڑی کے پاس ہی ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ عنبر اور ناگ

شکار پر گئے ہوئے تھے۔ تا کہ اگلے روز کے لیے جنگل سے ہرن وغیرہ مار کر لائیں۔

ماریا اکیلی بیٹھی آرام کر رہی تھی۔ اس کا گھوڑا پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ نارنگ ڈاکو اپنے آپ کو جنگل میں اکیلا سمجھ کر بڑی بے پروائی سے سیٹی بجاتا چلا آ رہا تھا۔ ماریا نے سیٹی کی آواز سنی تو وہ چوکنی ہو گئی۔

''یہاں کون سیٹی بجاتا آ گیا؟''۔ اس نے سوچا۔

نارنگ ڈاکو کھاڑی کے کنارے سے ہو کر آگے کو جانے لگا تو ماریا کی اس پر نظر پڑ گئی۔ ڈاکو نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے مزے سے سیٹی بجاتا چلا جا رہا تھا۔ جاسوس کو سمندر میں مار گرانے کے بعد وہ خزانے کا اکیلا مالک تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو ایک بے تاج بادشاہ سمجھ رہا تھا۔ جو

ہیرے جواہرات کی بہت بڑی دولت کا مالک تھا۔ جب وہ آگے نکل گیا تو ماریا نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جھاڑے سے ماریا اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی شے کھودنے جا رہا ہے۔ نارنگ بڑے آرام سے نیلی چٹان والے درختوں میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں خزانہ دبا ہوا تھا۔ وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔

گرمی کے مارے اسے پسینہ آ گیا تھا۔ اس نے رومال سے پسینہ پونچھا۔ ٹھنڈی ہوا میں وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ پھر وہ تازہ دم ہو کر اٹھا اور جھاڑیاں ایک طرف ہٹا کر اس نے زمین کھودنی شروع کر دی۔

ماریا ایک درخت کے پاس کھڑی یہ سب کچھ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ شخص کون ہے اور یہاں

کس لیے زمین کھود رہا ہے۔ یہ بات تو کبھی اس کے دماغ میں نہیں آ سکتی تھی کہ یہاں ان کا اپنا ہی خزانہ دفن ہے اور یہ شخص ڈاکو ہے اور خزانہ لینے آیا ہے۔

نارنگ ڈاکو اب بڑی تیزی سے زمین کھود رہا تھا۔ پھر وہ گڑھے پر جھک گیا۔ نیچے سے اسے صندوق صاف نظر آنے لگا تھا۔ اس نے رسہ ڈال کر صندوق اس کے ساتھ باندھا اور پھر اسے باہر نکال لیا۔

اب جو ماریا نے دیکھا کہ یہ تو ان کے اپنے خزانہ کا صندوق ہے۔ خوشی اور حیرت سے وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اچھا تو یہی وہ ڈاکو ہے جس نے ان کا خزانہ چرایا تھا بہت خوب۔ اب تو وہ خزانہ لے کر کہیں نہیں جا سکتا۔ بھلا ماریا اسے کب جانے دیتی تھی۔

ماریا نے سوچ کر اگر اس شخص نے خزانہ چرایا ہے تو ضرور اس کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کا جہاز کون لے اڑا ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیے کہ جہاز کہاں ہے۔

ماریا ذرا آگے بڑھ کر اس کے قریب ہو گئی۔ اس کو خیال آیا کہ یہ شخص اکیلا نہیں ہوگا اس کے ساتھ ضرور کوئی ڈاکوؤں کا گروہ ہوگا۔ یہ خزانہ لے کر ان ڈاکوؤں کے پاس جا رہا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے ڈاکوؤں سے چھپ کر یہ سارا کام کیا ہو۔ بہر حال اس شخص کو زندہ گرفتار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

کاش وہاں عنبر اور ناگ بھی موجود ہوتے۔ ماریا کے لیے اس ڈاکو پر اکیلے قابو پانا ذرا مشکل تھا۔ وہ اسے ہلاک تو پتھر مار کر بھی کر سکتی تھی۔ مگر اسے گرفتار کیسے کرے؟ وہ ڈر کر

بھاگ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں خزانہ تو اسے مل جاتا مگر جہاز کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

ماریا کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ دوسری طرف نارنگ نے خزانے کو باہر نکال کر اپنے سر پر رکھا اور واپس روانہ ہو گیا۔

ماریا بھی یہ سوچتی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی کہ اس ڈاکو پر کیسے قابو پائے؟ وہ ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ نارنگ ڈاکو مزے سے چلا جا رہا تھا۔ کھاڑی کے کنارے سے نکل کر وہ سمندر کی طرف چل پڑا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ درختوں سے نکل کر سمندر کا کنارا آیا تو ماریا نے دیکھا کہ سامنے ریت پر

ایک بادبانی کشتی کھڑی تھی۔ اب اسے فکر لگی کہ یہ شخص تو خزانہ لے کر فرار ہو جائے گا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔

ماریا کو صرف ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا کہ آگے بڑھ کر کشتی کا رسہ کاٹ دے تاکہ کشتی سمندر میں بہہ جائے اور یہ شخص واپس نہ جا سکے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس طرح سے وہ کشتی سے محروم ہو جائے گی۔

کشتی ان کے بڑے کام آ سکتی ہے۔ وہ کم از کم اس پر سوار ہو کر گوا کی طرف سفر تو کر سکیں گے۔ پھر کیا کیا جائے؟ وہ سوچتی رہی اور نارنگ ڈاکو کشتی کے قریب پہنچ گیا۔ ماریا اس ہٹے کٹے شخص کو رسیوں میں نہیں جکڑ سکتی تھی۔

اس طرح وہ مقابلہ کرتا اور ماریا پر غالب آ جاتا۔ وہ ماریا کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ کیا ہوا جو وہ اسے

نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار وہ اس کے ہاتھ آ گئی تو پھر وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔

آخر یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ اچانک ماریہ کے دماغ میں ایک خیال آیا۔ وہ صندوق کو غائب کر سکتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے تلوار کھینچ لی اور آگے بڑھی۔

ٹارنگ خزانے کے صندوق کو سر پر رکھے کشتی کے پاس آ گیا تھا۔ وہ کشتی میں چڑھنے ہی والا تھا کہ ماریہ نے پیچھے سے جا کر اس کی گردن پر تلوار رکھ کر زوردار آواز میں کہا۔

”صندوق نیچے رکھ دو“۔

”کون؟“۔

ٹارنگ نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریہ نے کہا۔

”میں اس جنگل کی دیوی ہوں۔ خزانے کا صندوق تم نے زمین پر نہ رکھا تو یہ تلوار ابھی تمہاری گردن اڑا دے گی۔ فوراً صندوق زمین پر رکھ دو“۔

ٹارنگ اگرچہ ڈاکو تھا۔ سینکڑوں لوگوں کا قتل کر چکا تھا لیکن تلوار اس کی گردن پر لگی تھی اور قاتل اسے نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں سچ مچ اس کی گردن دھڑ سے جدا نہ کر دی جائے۔ اس نے صندوق زمین پر رکھ دیا۔

”اب دو قدم پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ خبر دار بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ میرے پاس تیر کمان بھی ہے۔ میرا تیر تمہارے سینے کے پار ہو جائے گا“۔

ماریہ جلدی سے صندوق کے اوپر کھڑی ہو گئی۔ اس کے

صندوق کے اوپر کھڑے ہوتے ہی صندوق غائب ہو گیا۔

نارنگ ڈاکو آنکھیں مل مل کر حیرت سے تکنے لگا کہ اس کے خزانے کا صندوق کہاں چلا گیا؟ ماریا نے کہا۔

"اسی جگہ ریت پر بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے ہلنے جلنے کی کوشش کی تو میں تمہیں ایک پل میں قتل کر دوں گی۔ خزانہ میں نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو جیسا میں کہتی ہوں اس پر عمل کرو"۔

نارنگ ڈاکو دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ وہ اسی جگہ ریت پر بیٹھ گیا۔ ماریا تلوار لیے صندوق پر کھڑی تھی۔ نارنگ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"اے جنگل کی دیوی! تو نے مجھ سے خزانہ لے لیا ہے اب مجھے جانے دے۔ اب تو میری جان کیوں لینا چاہتی

ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں تمہاری جان نہیں لینا چاہتی۔ میں تم سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھے بتا کہ اس سمندری کھاڑی میں جو ایک بادبانی جہاز کھڑا تھا وہ کون لے گیا ہے؟"۔

"مجھے اس جہاز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں"۔

"بکواس کرتے ہو؟"۔

اور ماریا نے تلوار کا ایک چوکا دیا۔ نارنگ تڑپ کر زمین پر لیٹ گیا۔ ماریا نے اس کے سینے میں تلوار کی نوک رکھ کر کہا۔

"بول۔ جہاز کون لے گیا ہے؟"۔

"ابھی بتاتا ہوں"۔

نارنگ ڈاکو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماریا نے تلوار ہٹالی۔ نارنگ نے کانی آنکھ سے اپنی کشتی کی طرف دیکھا۔ اس نے سوچا کہ اسے بھاگ کر رسی کھول کر وہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔ وہ ایکدم سے اٹھا اور بھاگ کر رسی کھولنے لگا۔ ماریا نے ہلکا سا ہاتھ مارا۔ نارنگ کا بازو زخمی ہو گیا۔ وہ گرا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”بتاتا ہوں دیوی جی! ابھی بتاتا ہوں“۔

ماریا خزانے کے صندوق سے اتر کر نارنگ ڈاکو کے قریب آ گئی۔ نارنگ ڈاکو نے دیکھا کہ خزانے کا صندوق پھر سے نمودار ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

”دیوی جی! کیا اس خزانے میں سے تھوڑی سی دولت بھی مجھے نہیں مل سکتی؟“۔

”جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ جہاز کون لے گیا ہے۔ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اگر تم نے سچ سچ بتا دیا تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں کچھ دولت بخش دی جائے۔“

نارنگ ڈاکو نے کہا۔

”دیوی جی جہاز کو سردار ہولکر نامی ڈاکو نے اغوا کیا ہے۔ وہ ڈاکوؤں کے ایک بہت بڑے گروہ کا ڈاکو ہے۔ میں بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم یہاں ایک روز آئے تھے کہ جہاز کو کھڑا دیکھا۔ ہم نے جہاز پر قبضہ کر لیا“۔

ماریا نے پوچھا۔ ”تمہیں زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے کا کیسے علم ہوا؟“۔

”دیوی جی! میرا ایک ساتھی یہاں آیا۔ اس نے کسی طرح معلوم کر لیا کہ زمین کے اندر خزانہ دفن ہے۔ وہ اسے

نکال کر دوسری جگہ دبا رہا تھا کہ میں اوپر سے پہنچ گیا"۔

"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے؟"۔

"دیوی جی! میں آپ کے آگے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں نے خزانہ اکیلے ہی ہڑپ کرنے کی نیت سے اپنے ساتھی کو ہلاک کر کے سمندر میں گرا دیا ہے"۔

"تم تو قاتل بھی ہو۔ تم نے اپنے ساتھی کو بھی قتل کیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ سردار ہولکر ڈاکو جہاز کو لے کر کہاں گیا ہے؟"۔

"دیوی جی سردار ہولکر اس وقت جہاز سمیت گوا کے ساحل پر موجود ہے۔ وہ خود ہلدی گھاٹ کے غار میں دوسرے ڈاکو کی سازش تیار کر رہا ہے اور جہاز گوا کے ساحل پر ہے"۔

"سمجھ گئی"۔

ماریا غور کرنے لگی کہ اب اس ڈاکو کو کس طرح رسیوں میں جکڑا جائے۔ وہ غور کر رہی تھی کہ ڈاکو نے بڑی تیزی سے لپک کر خزانے کا صندوق اٹھایا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

ماریا نے بھی اس کے ساتھ ہی چھلانگ لگا دی۔ ڈاکو سنبھل نہ سکا۔ صندوق پانی میں کنارے کی ریت پر ہی گر پڑا۔ ماریا نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جو ڈاکو کی گردن پر پڑا۔ اس کی گردن لٹک گئی اور پانی اس کے خون سے سرخ ہو گیا۔ وہ سمندر میں ڈوبنے لگا۔

"قاتل کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ تم ڈاکو بھی ہو اور قاتل بھی ہو۔ تمہارے ہاتھ کتنے بے گناہوں کے خون سے رنگے

ہوئے ہیں"۔

نارنگ ڈاکو کے جسم سے کتنا ہی خون نکل گیا تھا۔ وہ سمندر کی لہروں پر ایک بے جان لکڑی کی طرح تیرنے لگا، ڈولنے لگا۔ پھر سمندری کی ایک موج آئی اور نارنگ ڈاکو کی ادھموئی لاش کو لے کر واپس سمندر کی طرف چلی گئی۔

ٹھیک اسی وقت ماریا کو اپنے پیچھے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو عنبر اور ناگ گھوڑے دوڑاتے جنگل میں سے اس کی طرف آ رہے تھے۔ کشتی کے قریب آ کر انہوں نے ماریا کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ دکھائی تو دے نہیں رہی تھی۔

ماریا صندوق پر سے اتر آئی اور بولی۔

"بھائیو! میں یہاں ہوں۔ اپنے خزانے کے صندوق

کے پاس ہے۔ یہ دیکھو"۔

عنبر اور ناگ خزانے کے صندوق کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

"یہ کہاں سے آ گیا ہے ماریا بہن؟ اور یہ کشتی کس کی ہے؟ اصل بات کیا ہے۔ ہمیں جلدی سے بتاؤ بہن!"

"واپس ڈیرے پر چل کر بتاتی ہوں بھائی"۔

تینوں واپس کھاڑی کے کنارے اس جگہ آ گئے جہاں وہ رات بسر کر چکے تھے۔ یہاں آ کر ماریا نے شروع سے لے کر آخر تک نارنگ ڈاکو کی ساری کہانی بیان کر دی۔ جہاز کے بارے میں سن کر ناگ بولا۔

"میرا پہلے بھی خیال یہی تھا کہ یہ کام ڈاکوؤں کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا"۔

عنبر بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ ہمیں کشتی بھی مل گئی اور خزانہ

بھی مل گیا۔ اب ہم گوا پہنچ کر اپنا کھویا ہوا جہاز واپس حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے خزانہ حاصل کرنا اتنا ضروری نہیں تھا جتنا ضروری جہاز کا واپس ملنا تھا۔ اس لیے کہ خزانے کے بغیر بھی ہم بصرے پہنچ سکتے ہیں مگر جہاز کے بغیر ہم سفر نہیں کر سکتے"۔

دوسرے ہی دن انہوں نے بوریا بستر باندھ کر کشتی میں رکھا۔ خزانے کا صندوق بھی ساتھ لیا۔ اور کشتی کے بادبان کھول کر سمندر کے ایک کنارے کنارے گوا کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ سفر ایک رات اور ایک دن کا تھا۔ گوا پہنچ کر وہ اپنا سمندری جہاز واپس لینا چاہتے تھے۔ جس میں سوار ہو کر ان کا ارادہ ملک عرب کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔

تینوں بہن بھائی دن کے وقت کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں نکلے تھے۔ ہوا کچھ زیادہ تیز چل رہی تھی۔ کیونکہ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا اور سمندر میں بڑی تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پانی کی لہریں اٹھ اٹھ کر کشتی سے ٹکرا رہی تھیں لیکن یہ کشتی اس طریقے سے بنائی گئی تھی کہ اس قسم کی لہریں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ چنانچہ کشتی گوا کی سمت چلتی چلی گئی۔ تیز ہوا کی وجہ سے اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ اگلے روز منہ اندھیرے ہی گوا کے ساحل پر پہنچ گئے۔ انہیں گوا کے ساحل کی ایک چٹان پر جلتی آگ دور سے نظر آنے لگی۔ سورج نکلنے سے پہلے وہ گوا کے ساحل کے ساتھ لگ گئے۔

☆ کیا بہن بھائی اپنا سمندری جہاز واپس لے سکے؟

☆ خزانے کے ساتھ وہ عرب دنیا کی طرف چلے تھے۔ کیا وہ بصرہ پہنچے؟

☆ انہوں نے خلیج فارس کے طوفانی سمندر کو کیسے عبور کیا۔

☆ یہ سب کچھ آپ اس ناول کی اگلی یعنی 44ویں قسط ”لاش کے ٹکڑے“ میں پڑھیے۔

لاش کے ٹکڑے

(قسط نمبر 44)

اے حمید

فہرست

مگرمچھ کا حملہ
طوفانی رات
باورچی خانے میں بھوت
کھلے سمندر میں
طوطے کا بھوت
رومی جنگی جہاز
تیروں کی بارش
لاش کے ٹکڑے
بصرے کی طرف
ویران بادبانی جہاز

پیارے بچو

گوا پہنچ کر عنبر، ثاقب اور ماریا۔۔۔ ڈاکوؤں کے سردار ہولکر کی کمین گاہ میں جا کر اس سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ڈاکو ہولکر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بادبانی جہاز کو عنبر نے واپس لے لیا ہے تو وہ مقابلے پر آ جاتا ہے۔ ماریا ویران جہاز میں بھوت بن کر کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ تینوں بہن بھائی یہاں سے بغداد کی طرف سفر شروع کرتے ہیں۔ سمندر میں ان کی مڈبھیڑ ایک رومن جنگی جہاز سے ہو جاتی ہے۔ اس جہاز پر سے ان پر تیروں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اب آگے پڑھیے۔۔

مگرمچھ کا حملہ

دور چٹان پر آگ جل رہی تھی۔

یہ آگ دور جنگل کی پہاڑی ڈھلان پر کسی وحشی قبیلے کے لوگوں نے جلا رکھی تھی۔ عنبر، ناگ اور ماریا کشتی پر سے اتر کر کنارے پر آ گئے کشتی کو انہوں نے ایک جگہ ساحل کی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔

انہیں سب سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ ان

کا بادبانی جہاز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سمندر کا کنارہ دور تک ویران تھا۔ جہاز کوئی ایسی چھوٹی سی چیز نہیں تھی کہ اسے جھاڑیوں میں چھپا دیا جائے۔ جس طرح کہ انہوں نے کشتی کو چھپایا تھا۔

ایک جگہ سے سمندر کنارہ کاٹ کر اندر چلا گیا تھا۔ یہ ایک کھاڑی سی بن گئی تھی۔ اس کھاڑی میں بھی جہاز کہیں نہیں تھا۔ آگے جا کر کھاڑی کا پانی بائیں طرف کو گھوم گیا تھا۔

انہوں نے آگے جا کر بھی دیکھا۔

مگر جہاز کسی بھی جگہ نہیں تھا۔

تینوں بہن بھائی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اور سوچنے لگے کہ ڈاکو ہولکر نے جہاز کو کہاں چھپا دیا ہے؟ ماریا نے کہا کہ کہیں ڈاکو نارنگ نے یوں ہی جھوٹ ہی نہ کہہ دیا ہو کہ جہاز کو ہولکر

اغوا کر کے لے گیا ہے۔ عنبر نے کہا کہ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہہ سکتا کہ مجھے جہاز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ناگ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو نے ان سے بدلہ لینے کی کوشش کی ہو ہم لوگ جہاز کی تلاش میں سردار ہولکر کے ٹھکانے پر پہنچیں گے اور ڈاکو ہمیں ہلاک کرے گا۔

عنبر نے کہا۔

”ہاں، ایسا ہو سکتا ہے کہ نارنگ نے ہمیں ڈاکو ہولکر کے چنگل میں پھنسانے کی کوشش کی ہو“۔

ناگ بولا۔

”مگر ایسی بات ہے تو پھر وہاں سے جہاز کون لے گیا۔ اگر سردار ہولکر نے جہاز نہیں چرایا تو پھر دوسرا کون وہاں آ کر

اتنے بڑے جہاز کو اٹھا کر لے جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے یہ کام ڈاکوؤں کے کسی گروہ کا ہے۔ اکیلا ڈاکو اتنا بڑا جہاز اغوا نہیں کر سکتا۔ اگر یہ کسی گروہ کا کام ہے تو پھر یہ گروہ ڈاکو ہولکر کا بھی ہو سکتا ہے“۔

ماریا نے کہا۔

”تو پھر ڈاکو ہولکر جہاز لے کر کہاں چلا گیا؟ اگر وہ جہاز کو چرا کر لایا ہے تو پھر وہ اسی سمندر میں جہاز کو کھڑا کرتا۔ یہاں تو سمندر میں جہاز کہیں نہیں ہے۔ کھاڑی کا سمندر بھی ویران ہے“۔

”یہی تو سوچنے کی بات ہے“۔ عنبر نے کہا۔

”ہم جہاز کی تلاش جاری رکھیں گے۔ فکر نہ کرو۔ ہمارا جہاز ہمیں ضرور واپس مل جائے گا۔ کیونکہ ویسا بھی ہو سکتا ہے

کہ ڈاکو ہولکر جہاز کو کھاڑی میں بہت آگے اپنے کسی ٹھکانے کے پاس لے گیا ہو"۔

جو کچھ بھی تھا۔ جہاز کی گمشدگی ان تینوں بہن بھائیوں کے لیے ایک گورکھ دھندا بن گئی تھی۔ وہ کھاڑی کے کنارے ایک ٹیلے کے سائے میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ یہاں بڑا حبس تھا۔ گرمی بھی تھی۔ ہوا میں نمی اور جنگلی جڑی بوٹیوں اور دلدل کی بو تھی۔

کھاڑی کے کنارے کنارے دلدلی ریت پھیلی ہوئی تھی۔ جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہ جگہ خشک تھی، اور وہاں سے کھاڑی کا پانی دور تک نظر آتا تھا۔ آگے جا کر کھاڑی دائیں طرف پہاڑی کے ساتھ گھوم گئی تھی۔

اب انہوں نے یہ سوچا کہ کسی طرح اس پہاڑی کی

دوسری جانب گھوم کر دیکھا جائے۔ کہ کہیں جہاز وہاں تو نہیں کھڑا۔ اس کے لیے انہیں کھاڑی عبور کرنی تھی۔ ناگ نے کہا کہ انہیں کشتی کھینچ کر ادھر لے آنی چاہیے۔

ماریا بولی "میں تو بھوک سے نڈھال ہو رہی ہوں۔ پہلے کھانا کھاتے ہیں۔ بعد میں کشتی کو بھی یہاں لے آئیں گے۔ چنانچہ وہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے میں خشک پھل، خشک مچھلی کا گوشت اور باجرے کی روٹی تھی۔ پانی انہیں ایک پہاڑی چشمے سے مل گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر لیٹ کر آرام کرتے رہے۔ پھر عنبر نے کہا۔

"میں جا کر کشتی سمندر میں لے آتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی بھائی، میں ذرا سیر

کرنا چاہتی ہوں۔ کھانا کھا کر میری طبیعت بوجھل ہوگئی ہے"۔

ناگ بولا۔

"تم دونوں کشتی لینے جاؤ۔ میں یہاں لیٹ کر اتنی دیر آرام کرتا ہوں سمندر کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی، ہم جلدی کشتی لے کر آ جائیں گے، تم بے شک یہاں آرام کرو، مگر کسی دوسری جگہ یہاں سے اٹھ کر نہ چلے جانا"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں نہیں، مجھے یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو تمہیں اسی جگہ آرام کرتا ملوں گا، بس اب جلدی

سے کشتی لے آؤ تاکہ اس میں سوار ہو کر اپنے جہاز کو تلاش کریں"۔

"بس جا رہے ہیں"۔

عنبر اور ماریا کشتی لینے ساحل سمندر کی طرف چل پڑے۔ وہ سمندر سے کوئی دو ایک میل دور تھے۔ رستہ جنگل کی جھاڑیوں اور گھنے درختوں میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ عنبر اور ماریا چلے جا رہے تھے۔ گرمی بہت زیادہ تھی اور درختوں کی چھاؤں میں موٹے موٹے مچھر گردش کر رہے تھے۔ ٹہنیوں میں رنگ برنگ کے پرندے بیٹھے اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ایک درخت پر انہیں سبز رنگ کا اژدہا نظر آیا جو لٹک رہا تھا عنبر اور ماریا اژدہا سے بچ کر آگے نکل گئے۔

پیچھے ناگ گھاس پر لیٹا بڑے مزے سے آرام کر رہا تھا۔

بڑی دیر بعد اسے جنگل میں کسی درخت کے نیچے اکیلے لیٹ کر آرام کرنے کا موقع ملا تھا۔ کھاڑی کے سمندر کی طرف سے اب ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی۔ ناگ کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لگے تو اسے نیند سی آنے لگی۔ اس پر غنودگی چھا گئی اور وہ سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔

ناگ کو سوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی ایک طرف سے سرخ رنگ کا ایک بڑا ہی ظالم قسم کا موٹا تازہ سانپ جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ شاید اسے انسانی خراٹوں کی آواز کھینچ کر باہر لے آئی تھی۔

یہ سانپ بڑا زبردست، خطرناک اور زہریلا تھا۔ یہ انسان کا جانی دشمن تھا۔ اس سانپ نے اب تک جنگل میں

نہ جانے کتنے مسافروں کو ڈس کر مار دیا تھا۔

لال سانپ نے دیکھا کہ دور درخت کی چھاؤں میں ایک آدمی سو رہا ہے اور اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز گونج رہی ہے۔ سانپ کے دل میں انسان دشمنی جاگ پڑی۔ وہ اندر ہی اندر کھولنے لگا کہ ابھی جا کر اس انسان کو ڈسے اور ہلاک کر دے۔ اس سانپ کا زہر کا ایک خاص اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کے ڈستے ہی انسان کا جسم پھٹ جاتا تھا اور وہ دیکھتے دیکھتے پتھر ہو کر مر جاتا تھا۔

سانپ نے ناگ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا گھاس پر رینگتا ہوا ناگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ سانپ کو ناگ کی بو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

شاید اسی لیے بھی کہ سوتے میں ناگ کے جسم سے سانپ کی خاص بو نہیں نکلا کرتی تھی۔ ناگ بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔ سرخ سانپ ناگ کے سرہانے کی طرف آ گیا۔ اس نے اپنا پھن کھڑا کر لیا۔

اس موذی سانپ کا پھن سیاہ رنگ کا تھا باقی سارا جسم لال سرخ تھا اور اس کے پھن کے اوپر کالے رنگ کے بال نکلے ہوئے تھے۔

سانپ نے عنبر کے سر پر جھک کر اپنی سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور پھر اس کے ارد گرد مستی میں آ کر چکر لگانے لگا۔ عام حالات میں ناگ کو سانپوں کی خبر ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ کچھ ایسا گھوڑے بیچ کر سویا تھا کہ اسے کچھ ہوش ہی نہ رہا تھا۔ لال سانپ نے سوئے ہوئے ناگ کے

ارد گرد چھ سات چکر کاٹنے اور مستی سے جھوم جھوم کر اپنے پھن کو لہراتا ناگ کے پاؤں کے پاس آ کر رک گیا۔

اس نے اپنا پھن اور پھیلا کر اونچا کر لیا۔ اب وہ زمین پر ایک ستون کی طرح کھڑا اپنی سرخ آنکھوں سے ناگ کے ننگے پاؤں کو دیکھ رہا تھا۔ یہی جگہ اس نے ڈسنے کے لیے چن لی تھی۔

لال سانپ کی یہ عادت تھی کہ وہ جس آدمی کو ڈسنے لگتا تھا اس کے گرد دو چار چکر ضرور لگاتا۔ پھر وہ اس کے پاؤں کی طرف آ کر جھوم جھوم کر اپنے پھن کو ہلاتا اور پھر اس آدمی کے پاؤں یا پنڈلی پر ڈس کر اسے موت کی نیند سلا دیتا۔

ایک انسان کو اپنے سامنے سویا ہوا دیکھ کر سانپ پاگل سا ہو گیا۔ اس نے ایک بار اپنا پھن پیچھے کیا اور پھر لپک کر ناگ

کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ ناگ کی اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ لال سانپ نے ناگ کو ڈستے ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، کیونکہ بجائے اس کے کہ انسان پر اس کے زہر کا اثر ہوتا۔

خود سانپ پر کسی بڑے ہی خطرناک زہر کا اثر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ناگ نے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے ایک سرخ سانپ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں غصے سے چمک اٹھیں۔

"لال ناگ، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تمہارے سامنے ایک عام آدمی نہیں ہے بلکہ ناگ دیوتا لیٹا ہوا ہے"۔

اب لال سانپ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ نہ صرف دیوتا نے اس کے سامنے اپنا آپ ظاہر کر دیا تھا بلکہ اس پر ناگ کے زہر کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کا جسم ڈھیلا ہو کر اکڑنے لگا تھا۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"ناگ دیوتا، میں معافی مانگتا ہوں۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ میری جان بچا لو"۔

ناگ بولا۔

"اب یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تم مجھے ڈسنے کی غلطی کر کے میرے خون کے زہر کو چکھ چکے ہو۔ میرے خون کا زہر تمہاری رگ رگ میں پہنچ گیا ہے۔ اب تمہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ لال سانپ کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کا بدن جگہ جگہ سے پھٹ گیا۔ اور آخر وہ مر گیا۔ ناگ نے اس کی لاش کو اٹھا کر دور دلدل میں پھینک دیا۔ اس نے سمندر کی طرف دیکھا۔ عنبر اور ماریا ابھی

تک کشتی لے کر نہیں آئے تھے۔ ناگ نے سر درخت کے ساتھ لگایا اور آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اب ایسا ہوا کہ کھاڑی میں جس جگہ ناگ سویا ہوا تھا۔ اس جگہ پر ایک بڑا ہی آدم خور قسم کا مگرمچھ رہتا تھا۔ وہ آج تک کتنے ہی مسافروں کو ہڑپ کر چکا تھا۔ اس مگرمچھ کی عادت تھی کہ انسان کی بو پاتے ہی اپنے ریت کے کھوہ میں سے باہر نکل آتا اور دلدل میں ایک جگہ چھپ کر تاک لگا کر بیٹھ جاتا۔ پھر موقع پا کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ انسان پر حملہ کر کے اسے گھسیٹ کر پانی میں لے جاتا۔

مگرمچھ بڑا خونی تھا۔ وہ اپنے کھوہ میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک اس کے نتھنوں میں کسی انسان کی بو محسوس ہوئی۔ اس

کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ کوئی روز سے بھوکا تھا۔ انسان کی بو پا کر وہ چوکنا ہو گیا۔

اس کی بھوک تیز ہو گئی۔ وہ چپکے سے رینگ کر اپنے کھوہ سے باہر آ گیا۔ جس کی طرف سے انسان کی بو آ رہی تھی۔ وہ اس طرف کو رینگنے لگا۔ دلدلوں میں سے نکل کر اس نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دیکھا کہ انسان پاؤں گھاس پر پھیلائے درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ مگرمچھ کی تو عید ہو گئی۔

سویا ہوا انسان تو اس کے لیے بڑا آسان شکار تھا۔

ایسے انسان کو تو وہ بڑی آسانی سے ہڑپ کر سکتا تھا۔

مگرمچھ کی ایک عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شکار کو کبھی دریا یا کھاڑی کے ساحل پر نہیں کھاتا۔ اس کا شکار خواہ انسان ہو چاہے جانور یا گائے بھینس ہو۔ وہ موقع پاتے ہی اپنے

شکار کی ٹانگ یا گردن اپنے نوکیلے دانتوں والے جبڑے میں دبا لیتا ہے اور فوراً گھسیٹ کر پانی کے اندر لے جاتا ہے۔ پانی کے اندر لے جا کر وہ شکار کو نیچے تہہ میں لے جا کر پھر اوپر لاتا ہے اور پھر نیچے لے جاتا ہے۔

اس الٹ بازیوں سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شکار مر جائے۔ جب شکار پانی ناک میں گھس جانے کے بعد مر جاتا ہے تو مگرمچھ اسے دریا کے نیچے اپنی ایک خاص کھوہ میں لے جا کر رکھ دیتا ہے۔

اگر اسے بھوک زیادہ لگی ہو تو اسی وقت چٹ کر جاتا ہے۔ اگر بھوک نہ لگی ہو تو اسے دو روز کے بعد شکار کا گوشت گل سڑ جاتا ہے تو کھاتا ہے۔

ناگ بے فکر ہو کر آرام کر رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان

میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی مگرمچھ قسم کی چیز بھی ہو سکتی ہے۔ مگرمچھ اس وقت بڑی ہوشیاری سے رینگتا ہوا ناگ کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ مگرمچھ کی تھوتھنی ناگ کے پاؤں کے ساتھ ہی تھی۔

مگرمچھ پوری طرح چوکس ہو گیا۔ وہ حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا، اور پھر اس نے حملہ کر دیا۔ مگرمچھ نے ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر اپنے بھیانک دانتوں والا جبڑا کھولا اور ناگ کے پاؤں کو اپنے دانتوں کے مضبوط جبڑے میں جکڑ لیا۔

ناگ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کھینچ لیا ہو اور وہ ہڑبڑا کر جاگ پڑا۔ اتنی دیر میں مگرمچھ ناگ کو بجلی جیسی تیزی کے ساتھ گھسیٹتا ہوا کھاڑی کے پانی کے

اندر سے جا چکا تھا۔

ناگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو وہ گھاس پر درخت کی چھاؤں میں آرام سے سو رہا تھا اور اب پانی کے اندر آ گیا ہے۔

مگرمچھ ناگ کو پانی میں غوطے دے رہا تھا۔ وہ کبھی اسے اوپر لے جاتا اور کبھی نیچے آتا۔ ناگ سمجھ گیا تھا کہ وہ مگرمچھ کے قابو میں آ گیا ہے۔ وہ تو سچ مچ گھبرا گیا۔

موت اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ وہ مر بھی سکتا تھا۔ عنبر کی طرح اس کے اندر موت کو شکست دینے کی طاقت نہیں تھی۔ بلکہ ایک بار تو وہ موت کا مزا چکھ چکا تھا۔ اگر عنبر اس کی لاش کے ٹکڑے اٹھا کر جھیل تندن سر کے پانی میں اسے نہ نہلاتا تو آج وہ زندہ نہ ہوتا۔

لیکن موت اب بھی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ بلکہ اس پر آنے ہی والی تھی۔ مگرمچھ نے اس کی ٹانگ کو اپنے جبڑے میں اس بری طرح سے جکڑ رکھا تھا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود اسے چھڑا نہ سکا۔ اب اس کے نتھنوں میں پانی داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ وہ کیا کرے؟ اس خونی مگرمچھ کا مقابلہ کس طرح سے کرے؟ اچانک اسے سوجھا کہ اگر وہ سانپ بن جائے تو کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ اس کی جان بچ جائے گی۔ کیوں کہ سانپ پانی میں ڈوبتا نہیں ہے۔

ناگ نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور زور سے پھنکاری ماری۔ پانی کے اندر اس کی پھنکار سے بلبلے سے نکلے اور مگر

مچھ نے محسوس کیا کہ شکار کی ٹانگ اس کے جبڑے سے چھوٹ گئی ہے۔

مگرمچھ نے پانی میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کہیں بھی انسان نہیں تھا۔ اس کا شکار نہیں تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کا شکار انسان اب سانپ بن کر اس کے جبڑے کے اندر دانتوں سے لپٹا ہوا تھا۔

ناگ سانپ کی شکل میں آ گیا تھا اور مگرمچھ کے لمبے لمبے دانتوں کے درمیان چھپا مگرمچھ پر حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔

ناگ نے بڑی تیزی سے مگرمچھ کے تالو میں ڈس دیا۔

مگرمچھ کو پہلے تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ مگر جب وہ اپنے شکار کو دیکھنے کے لیے پانی کی سطح پر آنے کی کوشش کر رہا تھا تو اسے اپنا بدن گرتا گرتا محسوس ہوا۔ پھر جیسے ایک دھماکا سا ہوا اور مگرمچھ کا جسم پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

پانی اس کے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ناگ مگرمچھ کے جبڑے سے نکل کر باہر جا چکا تھا۔ سانپ تیرتا ہوا کنارے پر آ گیا۔ وہ کنارے کی دلدل میں رینگتا ہوا واپس درخت کی چھاؤں میں آ گیا۔

درخت کے نیچے آتے ہی اس نے پھنکار ماری اور واپس انسان کی صورت میں آ گیا۔ وہ الٹا لیٹ گیا اور اس کے منہ سے پانی بہہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی طبیعت بحل گئی اور وہ اٹھ کر گھاس پر ٹہلنے لگا۔

یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ کسی مگرمچھ نے اسے ہڑپ کر لیا ہو اور وہ خود اس کے چنگل سے صحیح سالم جان بچا کر نکل آیا ہو۔

تھوڑی دیر میں عنبر اور ماریا بھی کشتی لے کر وہاں آ گئے۔ ناگ نے ان دونوں کو مگرمچھ کے حملے اور اس کی موت کا واقعہ سنایا تو وہ دنگ رہ گئے۔ عنبر نے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ ناگ کی جان بچ گئی۔

اگر ناگ آخری وقت عقل سے کام نہ لیتا تو آج وہ اس دنیا میں زندہ نہ ہوتا۔ ماریا نے بھی ناگ کی تعریف کی کہ پریشانی میں بھی اس نے اپنے ہوش کو قائم رکھا اور ہمت نہ ہاری۔

عنبر نے کہا۔

"میں تمہاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں ناگ بھائی"۔

ناگ نے اپنی ٹانگ سہلاتے ہوئے کہا۔

"عنبر یار، اگر وقت پر مجھے جون بدلنے کا خیال نہ آتا تو یہ کم بخت خونی مگرمچھ میرا کام تمام کر گیا تھا۔ چلو اب کشتی میں بیٹھ کر اپنے جہاز کی تلاش کو نکلتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اب شام ہو رہی ہے اور اندھیرا پھیل رہا ہے۔ بادل بھی چھانا شروع ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہمیں جہاز دور سے نظر نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے، رات اس کشتی میں بسر کرتے ہیں اور صبح تلاش کا کام شروع کر دیں گے۔ کیا خیال ہے ماریا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے عنبر بھائی، بادل تو کالے کالے گھر گھر کر آ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بڑی بارش ہونے

والی ہے۔ رات ہمیں آرام کرنا چاہیے"۔

چنانچہ وہ کشتی میں اتر آئے۔ انہوں نے کشتی میں چھت کے نیچے اپنے بستر لگائے اور بیٹھ گئے۔ جنگل میں اندھیرا بڑھتا گیا۔ سورج بادلوں کے پیچھے ڈوب گیا تھا۔ اور تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ بادل بھی زور زور سے گرجنے لگے اور بجلی بار بار چمک اٹھتی۔ تھوڑی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

طوفانی رات

ساری رات بڑے زور کی بارش ہوتی رہی۔

ان تینوں بہن بھائیوں کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر ذرا سردار ہولکر ڈاکو اور اس کے گروہ کی طرف جاتے ہیں اور جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

سردار ہولکر ڈاکو نے اس دفعہ سمندر میں جا کر کسی تجارتی جہاز پر ڈاکا ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ایک سمندری جہاز اس

کے قابو میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنے شاگرد سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اس دفعہ سمندر میں چل کر کسی بحری جہاز کو لوٹا جائے۔

"اس طرح سے ہمیں بہت زیادہ مال اسباب اور دولت ہاتھ آئے گی۔ تجارتی جہازوں پر بے شمار قیمتی سامان لدا ہوتا ہے"۔

شاگرد بولا۔

"استاد قربان جاؤں تیرے دماغ کے۔ بھگوان کی قسم۔ اگر کوئی تجارتی جہاز ہاتھ لگ گیا تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اتنی زیادہ دولت ہاتھ آئے گی کہ پھر ہمیں ایک سال تک کسی جگہ ڈاکا ڈالنے کی ضرورت نہیں رہے گی"۔

ہولکر ڈاکو نے طے کر لیا کہ ڈاکا کھلے سمندر میں جا کر

تجارتی جہاز پر ڈالا جائے گا۔ ہولکر ڈاکو کو جہاز چلانا اچھی طرح سے آتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس سمندر میں اکثر تجارتی جہاز گزرتے رہتے ہیں۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

سارے ڈاکو بڑے خوش ہوئے کہ وہ اس بار سمندر میں جا کر ڈاکا ماریں گے۔ ڈاکو ہولکر چرائے ہوئے جہاز کو کھاڑی کے بہت اندر، پہاڑی کے پہلو میں لے گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عنبر اور ناگ کو جہاز کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔

رات ہونے سے پہلے پہلے ہولکر ڈاکو نے اپنے سارے ساتھی ڈاکوؤں کو جہاز پر سوار کر دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ رات کو ہی کھاڑی سے نکل کر کھلے سمندر میں چلا جائے گا، لیکن آسمان پر بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے لگی۔ پھر بڑے زور کی

بارش شروع ہوگئی۔ ایسی حالت میں جہاز کو سمندر میں لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ طوفان کا اندیشہ تھا۔

سردار کے شاگرد نے کہا۔

"استاد! اس وقت سمندر میں جانا ٹھیک نہیں۔ ایسے موسم میں طوفان کا ڈر ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے، ہم صبح یہاں سے چلیں گے"۔

ہولکر نے کہا۔

"ہاں، میرا خیال ہے، ہمیں طوفان کے گزر جانے کا اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کرنا چاہیے"۔

اب ایک طرف بادبانی جہاز میں ڈاکو اپنے سردار کے ساتھ بارش کے طوفان میں پناہ لیے ہوئے تھے اور دوسری طرف کھاڑی میں عنبر، ناگ اور ماریا کشتی کی چھت کے نیچے بارش میں دبکے بیٹھے تھے۔

بارش تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بادل زور زور سے گرج رہے تھے۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ جنگل میں درخت بارش کے طوفان میں شائیں شائیں کر رہے تھے۔ گرمی کا زور کم ہو گیا تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی ہو گئی تھی۔ کشتی کی چھت بارش کی وجہ سے ٹپکنے لگی۔ عنبر نے باہ نکل کر چھت کے اوپر ایک ترپال ہو رڈال دی۔

رات گزر گئی۔ بادلوں میں دن کی روشنی پھیل گئی۔ بارش ابھی تک ہو رہی تھی۔ اس کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں۔ سردار ہولکر ڈاکو نے اپنے شاگرد سے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اب کھاڑی میں سے نکل کر کھلے

سمندر میں نکل جانا چاہیے، کیونکہ ہوسکتا ہے سمندر میں پچاس میل دور ہمیں کوئی تجارتی جہاز مل جائے"۔

شاگرد بولا۔

"سردار آپ کا خیال بڑا مناسب ہے، کیونکہ ہم کب تک اس کھاڑی میں موسم کے کھلنے کا انتظار کرتے رہیں گے؟"۔

ہولکر ڈاکو نے کہا۔

"نارنگ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ ہمارا جاسوس بھی نہیں ہے۔ یہ دونوں کہاں جا کر مر گئے ہیں؟"۔

شاگرد بولا۔

"وہ دو روز سے غائب ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جنگل میں کسی شیر نے انہیں ہڑپ کر لیا ہے"۔

ہولکر نے کہا۔

"انہیں میری اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیے تھا، بہر حال ہم اسی وقت سمندر کی طرف کوچ کریں گے"۔

سردار نے اعلان کر دیا کہ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے جائیں۔ اسی وقت جہاز کا لنگر اٹھا بادبان کھول دیے گئے۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔

بادبانوں کے کھلتے ہی ان میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے کھاڑی میں سے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جہاز پہاڑی کا چکر کاٹ کر کھاڑی میں سامنے آ گیا۔ اس وقت اگر عنبر اور ناگ کشتی میں سے نکل کر باہر دیکھتے تو انہیں جہاز ضرور نظر آ جاتا۔

مگر یہ لوگ کشتی میں چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

ناگ کسی کام کے لیے کشتی میں اوپر آیا تو اچانک کھاڑی میں اپنے جہاز کو آتے دیکھ کر چلا اٹھا۔

"جہاز آ گیا"۔

آواز سنتے ہی عنبر اور ماریا بھی اوپر آ گئے۔ سامنے کھاڑی میں ان کا بادبانی جہاز چلا آ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر اپنے جہاز کو دیکھتے ہی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عنبر نے کہا۔

"جہاز ضرور ڈاکوؤں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ سارے ڈاکو جہاز پر سوار ہوں گے"۔

ناگ بولا۔

"یہ ضرور سمندری ڈاکوؤں کے روپ میں کسی تجارتی جہاز کو لوٹنے جا رہے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اپنے جہاز کو کس طرح سے واپس لیا جائے؟ اتنے سارے ڈاکوؤں کا مقابلہ ہم اکیلے نہیں کر سکتے۔ ہمیں بڑی عقل مندی سے کام لینا ہوگا"۔

عنبر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ناگ بھائی، ماریا ٹھیک کہتی ہے۔ ہم ڈاکوؤں کے ایک پورے گروہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میرا مطلب ہے، مقابلہ تو کر سکتے ہیں، لیکن اس میں تم دونوں کی جان کو خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے کیونکہ تم زیادہ سے زیادہ دو چار ڈاکوؤں کو اپنے زہر سے مار سکو گے۔ ماریا اتنے ہجوم میں اگر پھنس گئی تو اسے پکڑا جا سکتا ہے اور یہ کسی کی تلوار کے لگنے سے زخمی بھی ہو سکتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر میرے خیال میں ہمیں چالاکی سے کام لینا ہو گا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ چالاکی کیا ہونی چاہیے کہ جس سے کام بھی نکل جائے اور خون خرابہ بھی نہ ہو"۔

ناگ نے انہیں ایک ترکیب بتائی، جسے سن کر پہلے تو وہ ہنسے اور پھر مان گئے کہ اسی ترکیب پر عمل کر کے جہاز پر قبضہ کیا جا سکتا ہے مگر مصیبت یہ تھی کہ ان کے پاس خزانہ بھی تھا خزانے کو ساتھ لے کر وہ ڈاکوؤں کے جہاز پر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"خزانے کو ہمیں اسی جگہ کہیں زمین کے اندر دبا دینا چاہیے۔ اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ملے گی۔ ہم واپس آ کر اسی جگہ سے خزانہ نکال بھی سکتے ہیں"۔

"تو پھر جلدی کرو"۔

وہ بڑی تیزی سے کشتی کو لے کر پیچھے نکل گئے۔

پیچھے دور جنگل میں ایک جگہ انہوں نے کشتی کو جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ اور خزانے کا صندوق اٹھا کر کشتی سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے ایک نیلی چٹان کے دامن میں خزانے کو زمین کے اندر دبا دیا اور اوپر ایک پتھر کی نشانی رکھ دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ کشتی میں سوار ہوئے اور اسے لے کر کھاڑی میں اس جگہ آ گئے جہاں سے ڈاکوؤں کے جہاز کو گزرنا تھا۔

ڈاکو ہولکر جہاز کے اوپر جنگلے کے ساتھ اپنے شاگرد کے ہمراہ کھڑا تھا۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل ابھی تک چھائے ہوئے تھے۔ اچانک ڈاکو ہولکر نے کھاڑی میں ایک کشتی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ ہولکر نے اپنے شاگرد سے کہا۔

"یہ کشتی کن کی ہو سکتی ہے؟"۔

شاگرد بولا۔

"استاد، یہ تو کوئی ماہی گیر معلوم ہوتے ہیں"۔

ہولکر بولا۔

مگر وہ تو کشتی کے اوپر کھڑے ہیں۔ ان کے پاس مچھلیاں پکڑنے والا جال بھی نہیں ہے۔

اتنے میں جہاز کشتی کے قریب آ گیا۔ جب جہاز کشتی کے قریب سے گزرنے لگا تو ٹاگ نے کشتی کے اوپر کھڑے

ہو کر آواز لگائی۔

"سردار ہولکر زندہ باد، سردار ہولکر زندہ باد، غریبوں کی مدد کرنے والا اور امیروں کا دشمن سردار ہولکر زندہ باد"۔

اپنی تعریف سن کر ہولکر بڑا خوش ہوا۔ اس نے ٹاگ سے کہا۔

"تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"۔

کشتی بھی اب جہاز کے ساتھ چل رہی تھی۔ ٹاگ نے کہا۔

"اے عظیم سردار ہولکر، ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم آپ کی تعریف سن کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ راجہ نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اس نے ہمارے گھر بار لوٹ کر ہماری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ہمارے بچوں کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کے گروہ میں

شامل ہو کر امیروں سے اپنی تباہی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں“۔

عنبر بولا۔

”ہاں سردار، ہم آپ کے گروہ میں شامل ہونے آئے ہیں۔ آپ غریبوں کی ہمیشہ مدد کرتے ہیں۔ ہماری بھی مدد کریں، ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں“۔

ہولکر ڈاکو نے بڑی شان اور غرور سے مسکرا کر اپنے شاگرد کی طرف دیکھا۔

”دیکھا اس ملک کے عوام مجھ سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔ میں نہ کہتا تھا کہ میں اس ملک کا بے تاج بادشاہ ہوں“۔

شاگرد نے کہا۔

”اس میں کیا شک ہے سردار کہ آپ سے غریب لوگ بے حد پیار کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے، پھر بھی ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہمارے دشمن بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں“۔

سردار نے گردن اکڑا کر کہا۔

”میرا دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پھر ان دونوں بھائیوں سے مجھے خلوص کی بو آ رہی ہے۔ میں انہیں ضرور اپنے گروہ میں شامل کر لوں گا۔ یہ امیر لوگوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں“۔

شاگرد نے کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی سردار، آپ مالک ہیں، ہم آپ کے حکم کے غلام ہیں“۔

سردار ہولکر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”تم دونوں بھائی ہمارے گروہ میں شامل ہو سکتے ہو“۔

اس کے ساتھ ہی سردار ہولکر نے حکم دیا کہ کشتی میں رسی کی سیڑھی پھینکی جائے۔ اسی وقت رسی کی سیڑھی لٹکا دی گئی۔ عنبر اور ناگ سیڑھی پر چڑھ کر ڈاکوؤں کے جہاز کے عرشے پر آ گئے۔

ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے آئی۔ اوپر آ کر انہیں محسوس ہوا جیسے وہ ایک بار پھر اپنے جہاز پر آ گئے ہیں، مگر ابھی تک جہاز ان کا نہیں تھا۔ ابھی جہاز ڈاکوؤں کے قبضے میں تھا۔ جہاز کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑانا تھا۔ وہ اسی مقصد کے لیے وہاں آئے تھے۔

جہاز سمندر میں داخل ہوا تو سردار ہولکر نے عنبر اور ناگ کو اپنے کیبن میں بلا لیا۔ اس کیبن میں عنبر اور ناگ رہا کرتے تھے۔ میز پر ان کا نقشہ اسی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ماریا ان کے

ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ وہ جہاز کے اوپر عرشے پر ہی ایک طرف جنگلے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ دوسے ڈاکو ٹولیوں میں بیٹھے ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ ایک ڈاکو کہہ رہا تھا۔

"یہ دو نوجوان، جو آئے ہیں، مجھے تو کوئی جاسوس لگتے ہیں"۔

دوسرا بولا۔

"ہماری جاسوسی کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے بھلا؟"۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟"۔ تیسرے نے کہا۔ "کیا ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ کیا ہم نے لوگوں کا جینا حرام نہیں کر رکھا؟ کیا ہم لوگوں کو لوٹتے اور قتل نہیں کرتے پھرتے؟ بھائی کوئی

بھی شریف آدمی ہماری جاسوسی کر کے ہمیں رجبہ کے سپاہیوں سے گرفتار کروا سکتا ہے"۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر ڈاکو ہولکر عنبر اور ناگ سے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم دونوں بھائی ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

ہاں سردار، ہم دونوں بھائی ہیں، ریاست پاٹلی پتر میں ہماری زمینیں تھیں۔ ہم کاشت کرتے تھے اور گزر بسر کرتے تھے۔ اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ مگر ظالم جاگیردار نے ہماری زمین پر قبضہ کر لیا اس نے ہمارے گھروں کو لوٹ کر ہمارے بچوں کو ہلاک کر دیا۔

ہم اس ظلم کا بدلہ لیں گے اور میرے خدا نے چاہا تو بہت

جلد بدلہ لوں گا۔ اگر آپ کی مدد ہمارے ساتھ رہی تو ہم جاگیرداروں کا خاتمہ کر دیں گے۔

سردار ہولکر بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"تمہارے نام کیا ہیں اور تم کیا کر سکتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"سردار، میرا نام عنبر ہے اور میرے بھائی کا نام ناگ ہے۔ میں حکیم ہوں۔ بیماریوں کا علاج کرتا ہوں اور ناگ سانپ کے کاٹے کا منتر جانتا ہے"۔

سردار خوش ہو کر بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہمیں تم جیسے نوجوانوں کی تو بہت سخت ضرورت تھی۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تم خود ہی ہمارے جہاز پر آ گئے۔

ہمارے کتنے ہی ساتھی سانپ کے ڈسنے سے مر جاتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں تو ان کا علاج کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، کیونکہ ہم شہروں میں جا کر کلے بندوں علاج نہیں کروا سکتے۔

عنبر بولا۔

”سردار، ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اب آپ کے جہاز پر کوئی شخص بیمار نہیں پڑے گا۔ اگر بیمار پڑ بھی گیا تو میں اسے علاج کر کے اچھا کر دوں گا“۔

شاگردو کو ابھی تک عنبر اور ناگ پر شک تھا۔ اس نے کہا۔

”میرے دانت میں کل سے درد ہو رہا ہے۔ اگر تم میرے درد کا علاج کرو۔ تو میں ابھی تمہیں مان جاؤں گا“۔

عنبر نے کہا۔

”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ ابھی علاج کر کے درد کو دور کیے دیتا ہوں“۔

عنبر نے شاگردو کے دانت کو غور سے دیکھا اور بولا۔

”کیا اس جہاز پر سے مجھے لہسن مل جائے گا؟“۔

شاگردو نے کہا۔

”ابھی منگوائے دیتا ہوں“۔

اس نے ایک ڈاکو کو حکم دیا کہ باورچی خانے میں سے لہسن لایا جائے۔ اسی وقت ایک تھالی میں رکھ کر لہسن لایا گیا۔ عنبر نے لہسن کا چھلکا اتار کر، اور پھر اسے کچل کر شاگردو کے دانت کے اوپر لگا دیا۔

تھوڑی دیر بعد دانت کا درد غائب ہو گیا۔ اصل میں عنبر نے یہ ہوشیاری کی تھی کہ تھوم کی پٹھیں رکھتے ہوئے اس نے

زور سے دانت کے پھولے ہوئے مسوڑھے کو دبا کر گندہ مواد خارج کر دیا تھا۔ شاگرد ڈاکو کے دانت کا درد تھوڑی دیر بعد دور ہو گیا۔ سردار ہولکر نے خوش ہو کر کہا۔

"کیوں، اب تو ہمارے شاہی حکیم کو تم مان گئے ہو ناں؟"۔

"ہاں سردار، میں مان گیا ہوں، میرا دانت اب بالکل درد نہیں کرتا، صرف دوائی رکھتے ہوئے بڑا سخت درد ہو رہا تھا"۔

سردار ہولکر نے عنبر سے کہا۔

"آج سے تم ہمارے گروہ کے شاہی حکیم ہو۔ تم دونوں نیچے باورچی خانے کے ساتھ والے کیبن میں اپنا ڈیرہ لگا سکتے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ڈاکا نہیں ڈالنا ہوگا۔ نہ تم کسی کو

ہلاک کرو گے۔ ہم ڈاکا ڈالیں گے۔ ہم لوگوں کو ہلاک کریں گے۔ تمہارا کام صرف دوائیاں تیار کرتے رہنا اور بیماروں کا علاج کرنا ہوگا۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

عنبر اور ناگ سلام کر کے خوش خوش نیچے آ گئے۔

ماریا ابھی تک اوپر عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ خود سب کو دیکھ رہی تھی۔ کیبن میں آ کر عنبر اور ناگ نے ماریا کو آوازیں دیں۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو عنبر ناگ کو کیبن میں چھوڑ کر ماریا کی تلاش میں اوپر عرشے پر آ گیا۔

باورچی خانے میں بھوت

ماریا نے عنبر کو اوپر آتے دیکھا تو وہ خود اس کے پاس آ گئی۔

ماریا نے پوچھا۔

"کیا ہوا پھر؟"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"نیچے باورچی خانے کے ساتھ والے کیبن میں آ

جاؤ"۔

دونوں سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔ کیبن میں آتے ہی عنبر نے ماریا کو بتایا کہ ان کا بہروپ بڑا کامیاب رہا ہے اور ہولکر ڈاکو نے ان دونوں کو ڈاکوؤں کا شاہی حکیم بنا دیا ہے اور یہ کیبن بھی رہنے کے لیے دے دیا ہے۔ ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کی شان ہے، ہمارا کیبن ہمیں ہی دے رہا ہے یہ کم بخت"۔ ناگ بولا۔

"کبھی کبھی زندگی میں ایسا بھی ہو جاتا ہے ماریا۔ اب تم دیکھنا کہ یہ جہاز اس کیبن سمیت بہت جلد پھر ہمارا ہو جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

”لیکن اس کے لیے ہمیں بڑی محنت کرنی ہوگی۔ کم بخت ایک ایک کر کے ان سارے ڈاکوؤں سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔ کتنے سارے تو ہیں کہاں ان سے چھٹکارا حاصل کریں گے۔“

عنبر بولا۔

”تم پریشان بہت جلد ہو جاتی ہو ماریا، بس یہی ایک تم میں کمزوری ہے۔ نہیں تو تم ہماری بڑی بہادر بہن ہو“۔

ماریا نے کہا۔

”میں پریشان خواہ مخواہ نہیں ہو رہی۔ بات ہی ایسی ہے۔ کب ان ڈاکوؤں سے پیچھا چھوٹے گا اور کب ہم یہاں سے اپنا جہاز لے کر بغداد اور بصرے کی طرف چلیں گے۔ پھر کب وہاں پہنچیں گے۔ ایک طرح سے تو یہاں اب ہمارا

وقت ہی ضائع ہو رہا ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ماریا بہن، بہر حال اب ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ جہاز پر قبضہ کن کن صورتوں میں کیا جا سکتا ہے؟“۔

عنبر بولا۔

”ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا جائے یہ سارے کے سارے قاتل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کم از کم دس دس بارہ بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہوگا۔ اس لیے انہیں قتل کرتے ہوئے ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن یہ ترکیب ذرا مشکل ہے۔ ہو تو سکتا ہے مگر زیادہ وقت لگے گا“۔

ناگ نے کہا۔

"دوسری ترکیب کون سی ہے بھائی عنبر؟"۔

عنبر بولا۔

"دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں سردار ہولکر پر اپنا اثر ڈال کر اسے یہ لالچ دے کر بصرے بغداد کی طرف لے چلوں کہ ادھر تجارتی جہاز زیادہ ملتے ہیں اور وہاں ہمیں زیادہ دولت ملے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"اور اگر سردار ہولکر کسی وجہ سے راضی نہ ہوا تو پھر ہم کیا کریں گے؟"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا"۔

ماریا نے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں فرض کرتے ہیں کہ وہ راضی نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ کیا ہم ساری زندگی پھر اسی جہاز پر ڈاکے ڈالتے گزار دیں گے؟"۔

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ پھر ہم انتظار کریں گے۔ ہم موقع کی تلاش میں رہیں گے کہ اگر کبھی یہ ڈاکو لوگ کسی جگہ سارے کے سارے جزیرے یا کسی خشکی پر اتر گئے تو ہم جہاز کو لے کر بھاگ جائیں گے۔

"کیا خیال ہے۔ ہم ایسا کر سکیں گے ناں؟"

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہم کر تو سکتے ہیں، لیکن ہمیں بڑی پھرتی سے کام لینا

ہوگا، کیوں کہ یہ ڈاکو لوگ بڑے زبردست تیراک ہوتے ہیں اور بادبانی جہاز ساحل کے پاس زیادہ رفتار سے نہیں چلا کرتا۔ یہ لوگ سمندروں میں چھلانگیں لگا کر بھی جہاز پر سوار ہوسکتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"ایک بار ہم جہاز کو لے اڑے تو پھر دیکھا جائے گا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یقین کرو، پھر ہم ان کے قابو میں نہیں آئیں گے"۔

ماریا کہنے لگی۔

"پھر ٹھیک ہے۔ ہم موقع کی تلاش میں رہیں گے، لیکن اس وقت مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا یہاں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، کھانا دوپہر کو یہاں بانٹا جاتا ہے۔ ابھی دوپہر نہیں ہوئی۔ تمہیں انتظار کرنا ہوگا"۔

ماریا سر ہلا کر بولی۔

"بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کرسکتی۔ ہاں ٹھیک ہے۔ تم لوگ کیبن میں ہی ٹھہرو میں باورچی خانے میں جا کر کھانے کا انتظام کرلیتی ہوں۔ بلکہ اگر تم لوگوں کو بھوک لگی ہو تو تمہارے لیے بھی کچھ نہ کچھ لیتی آؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں ماریا، ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اب ہم اس کے گروہ کے ساتھ ہیں۔ ہمیں دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ

ہی کھانا کھانا چاہیے۔ ہاں تم جا کر کھانا کھا سکتی ہو، کیوں کہ تم تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتیں"۔

ماریا جاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، میں جا رہی ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"جاتو تم رہی ہو مگر ذرا خبردار رہنا۔ یہ ڈاکو لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا راز کھل جائے"۔

ماریا بولی۔

"فکر نہ کرو ناگ بھائی میں ان لوگوں سے زیادہ خطرناک ہوں"۔

عنبر اور ناگ ہنس پڑے۔

ماریا چپکے سے کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس جہاز سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ آخر یہ ان کا اپنا جہاز رہ چکا تھا۔ وہ کیبن میں سے نکل کر سیدھی باورچی خانے میں پہنچی۔ یہاں ڈاکوؤں کے لیے دوپہر اور رات کا کھانا تیار ہو رہا تھا۔ بڑی خوشبوئیں اڑ رہی تھیں۔

آگ کی انگیٹھیوں پر گوشت بھونا جا رہا تھا۔ باورچی روٹیاں اور چاول پکا رہے تھے۔ ایک موٹا پھولے ہوئے گالوں والا گول گپا باروچی کھانا بھی پکا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ گا بھی رہا تھا۔

دوسرے باروچی اس کی طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

ایک نے کہا۔

"رامو، اتنا زیادہ مت گاؤ۔ کہیں پری اس طرف آ گئی تو

مصیبت آ جائے گی“۔

دامو نے کھی کھی کر کے ہنستے ہوئے کہا۔

”دوستو! کاش سچ مچ کوئی پری یہاں آ جائے۔ بھگوان قسم اسے ایسے ایسے لذیذ کھانے کھلاؤں گا کہ بس وہ تو میرے گھر کا پانی بھرے گی ساری عمر“۔

ماریا ایک طرف کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی اور اس سوچ میں تھی کہ کیا کھائے؟ لکڑی کی لمبی سی میز پر ایک تھالی میں کچے چاول پڑے تھے۔

موٹے باورچی نے دیگچی اتار کر میز پر رکھی اور اس میں سے گوشت کے کباب نکال نکال کر تھالی میں رکھنے لگا۔

کبابوں کی خوشبو نے ماریا کی بھوک اور تیز کر دی۔ وہ میز کے قریب آ گئی۔

موٹا باورچی ساتھ ساتھ گا بھی رہا تھا۔ اور تھالی میں کباب بھی ڈال رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے کہا۔

”کم بخت، یہ کباب کس کے لیے ڈال رہا ہے؟“۔

موٹا بولا۔

”اپنے لیے اور کس کے لیے؟ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے بناتے ہوئے کباب چکھ لوں؟ بھائیو، میں تم لوگوں سے موٹا ہوں۔ مجھے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ میں تو یہ سارے کباب پہلے خود چٹ کروں گا“۔

موٹا باورچی چولہے کی طرف گھوما ہی تھا کہ ماریا نے کبابوں کی تھالی اٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔

تھالی اس کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی کسی کو خبر نہ ہوئی تھی کہ تھالی میز پر سے غائب ہو چکی ہے۔ موٹے

باورچی نے دیگچی واپس چولہے پر رکھی اور بڑے شوق سے تھالی میں سے کباب چٹ کرنے کے لیے میز کی طرف گھوما۔ اس کے پیٹ میں بھی چوہے دوڑ رہے تھے۔ جوں ہی اس کی میز پر نظر پڑی۔ وہاں کبابوں والی تھالی کہیں بھی نہیں تھی۔ اس نے گھوم کر دوسرے باورچیوں کی طرف دیکھا اور بولا۔

”دوستو! میرے ساتھ چاہے جتنا مذاق کر لیا کرو مگر بھگوان کے لیے کھانے پینے میں مذاق نہ کیا کرو۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں موٹا آدمی ہوں۔ مجھے بہت زیادہ بھوک لگتی ہے۔ کھانا میری کمزوری ہے۔ مہربانی کر کے میرے کبابوں کی تھالی واپس کر دو“۔

تینوں باورچی موٹے رامو کو طرف حیرانی سے دیکھتے

ہوئے بولے۔

”ہمیں کالی ماتا کی قسم ہے کہ ہم نے تمہاری تھالی کو ہاتھ تک نہیں لگایا“۔

موٹا باورچی رامو بولا۔

”تو پھر یہاں سے تھالی اٹھا کر کون لے گیا۔ ابھی تو میں نے خود اسے یہاں رکھا تھا؟“۔

ماریا ایک طرف کونے میں لگی بڑے مزے سے کباب کھا رہی تھی۔ باورچی تھالی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ موٹا باورچی سر کھجانے لگا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ غلطی پر ہو۔ ایک نے کہا۔

”یار رامو، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے کباب تھالی میں نہیں رکھے تھے“۔

رامو پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"شاید تم لوگ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں تھالی میں کباب ڈال کر میز پر رکھوں اور وہ غائب ہو جائیں۔ کبھی زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ اچھا میں اور کباب ڈالتا ہوں"۔

موٹے باورچی نے دیگچی میں سے چار کباب نکالے اور میز پر رکھی تھالی میں ڈال دیے۔ اس نے ایک کباب منہ میں رکھا اور سر ہلا کر بولا۔

واہ واہ، میں بھی کتنا عمدہ باورچی ہوں۔ بھگوان قسم، ایسے کباب بناتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ اسے چکھ لے تو مجھے اپنا آدھا ملک انعام میں دے دے۔

ارے کم بختو، میں تو شاہی باورچی بننے کے لائق تھا کہ تم

ڈاکوؤں میں آن شامل ہوا۔ میری قدر کرو۔ مجھ سے سیکھ لو کباب بنانے۔ ایسے کباب تم لوگوں نے زندگی میں بھی نہیں کھائے ہوں گے"۔

دوسرا کباب منہ میں رکھ کر موٹا باورچی چولہے کی طرف گھوم گیا اور چپاتیاں پکانی شروع کر دیں۔ اتنے میں ماریا کی تھالی کے کباب ختم ہو گئے تھے۔ اس کی بھوک نہیں مٹی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باورچی کی تھالی میں رکھے باقی دونوں کباب اٹھا کر اپنی تھالی میں رکھ لیے۔

اب جو باورچی کباب کھانے کے لیے میز کی طرف آیا تو وہاں تھالی خالی تھی۔

وہ بڑا وست پٹایا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ یہ سب ان کی شرارت ہے۔

”کم بخت، تم مجھے پیٹ بھر کر کھاتے نہیں دیکھ سکتے۔ تم تو میری جان کے دشمن ہو۔ میرے کباب بھی تم لوگوں نے ہی ہڑپ کیے تھے۔ اب بھی تم ہی میرے باقی کباب کھا گئے ہو“۔

سب باورچیوں کے کانوں پر ہاتھ لے جا کر کہا۔

”ہمیں کالی ماتا کی قسم ہے کہ ہم نے تمہارے کبابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہم اس سے بڑی قسم بھی نہیں کھا سکتے“۔

راسو بولا۔

”تو پھر۔۔۔ تو پھر کباب کون لے گیا؟“۔

وہ سارے کے سارے ادھر ادھر تلاش کرنے لگے، لیکن کباب بھلا اڑ کر کہاں جا سکتے تھے۔ موٹا باورچی صبر کر کے بیٹھ گیا۔ اب دوسرے باورچی نے پکے ہوئے چاول ایک

تھالی میں ڈالے اور اوپر شوربہ ڈال کر دیگچہ چولہے پر رکھنے لگا تو واپس پلٹ کر کیا دیکھتا ہے کہ چاولوں کی تھالی بھی غائب ہے۔

اب تو وہ لوگ گھبرا گئے۔ ماریا کونے میں کھڑی بڑے مزے سے چاول کھا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھا ہوا پانی کا ایک کٹورہ اٹھا لیا اور پانی پینے لگی۔

موٹے باورچی نے میز پر سے کٹورہ اپنے آپ اوپر اٹھتے اور پھر غائب ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چیخ کر کہا۔

”کٹورہ غائب ہو گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا“۔

دوسرے باورچیوں نے پوچھا۔

"کہاں؟ کہاں غائب ہو گیا؟"۔

"ابھی ابھی میری آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا ہے بھائیو، میں قسم کھاتا ہوں۔ میں نے ایک پانی سے بھرے ہوئے کٹورے کو یہاں سے اپنے آپ اٹھتے اور غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

ایک باورچی بولا۔

"مگر۔۔۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے رامو؟"۔

رامو بولا۔

"ہوا ہے، کالی ماتا کی قسم غائب ہوا ہے"۔

اتنے میں ماریا نے پانی پی کر کٹورہ واپس میز پر رکھ دیا۔ میز پر آتے ہی کٹورہ پھر سے ظاہر ہو گیا۔ کٹورے کو دوبارہ میز پر دیکھ کر موٹا باورچی چیخ پڑا۔

"ارے کٹورہ پھر سے واپس آ گیا۔ وہ دیکھو، یہ جادو ہے، یہ جادو ہے۔ یہاں ضرور کوئی روح پھر رہی ہے"۔

موٹا باورچی ڈر کر باہر بھاگنے لگا تو ماریا کو شرارت سوجھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باورچی کے آگے ٹانگ کر دی۔ وہ اچھل کر منہ کے بل گرا۔

"بھوت، بھوت، بھوت!"

وہ چیختا ہوا باہر نکل گیا۔ دوسرے باورچی بھی ڈر کر ایک طرف کو دبک گئے۔ ماریا نے بڑے مزے سے کھانا کھا کر پانی پیا اور باورچیوں کو حیران پریشان چھوڑ کر باہر چلی گئی۔ موٹا باورچی اوپر عرشے پر بھوت بھوت کا شور مچاتا اچھل کود کر رہا تھا۔

شور سن کر سردار ہولکر باہر آ گیا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"ابے کم بخت، کیوں شور مچا رہا ہے؟"۔

موٹا رامو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حضور مائی باپ، رسوئی میں بھوت گھس آیا ہے سرکار۔ میں نے خود دیکھا ہے"۔

سردار نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟ تم نے اپنی آنکھوں سے بھوت دیکھا ہے؟"۔

رامو بولا۔

"بھوت نہیں دیکھا حضور، پر بھوت کو میز پر سے کبابوں کی تھالی اور چاولوں کی تھالی اٹھاتے ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ سرکار باورچی خانے میں بھوت گھس آیا ہے حضور"۔

سردار ہولکر نے آگے بڑھ کر رامو موٹے کے سر پر زور سے دھپ ماری۔

"بزدل تمہیں تو چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھنا چاہیے تھا۔ خدا جانے تمہیں کون یہاں لے آیا تھا۔ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ اگر پھر تم نے بھوت کا نام لیا تو اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں گا۔ چل بھاگ جا یہاں سے"۔

موٹا باورچی بھاگ گیا۔ شور سن کر عنبر اور ناگ بھی اوپر آ گئے۔ انہیں تو خوب معلوم تھا کہ یہ سارا کام شرارتی ماریا کا ہے۔ سردار ہولکر ڈاکو نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اے ہمارے شاہی حکیم، ان لوگوں کا کوئی علاج کرو۔ بد بخت کہتے ہیں کہ باورچی خانے میں بھوت گھس آیا ہے۔ ذرا جا کر دیکھو تو سہی کہ بھوت اس وقت کیا کر رہا ہے؟"۔

"بہت بہتر سرکار"۔

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور جھوٹ موٹ باورچی خانے میں جا کر تلاشی لینی شروع کر دی ماریا وہاں سے جا چکا تھی۔ ماریا نے باورچی خانے میں آ کر عنبر اور ناگ کے کان میں کہا۔

"یہ شرارت میری تھی"۔

"ہمیں معلوم ہے"۔ دونوں نے سرگوشی میں کہا۔

"تم کیبن میں جا کر آرام کرو۔ ہم ابھی آتے ہیں"۔

ماریا ابھی باہر ہی تھی کہ موٹے باورچی نے عنبر اور ناگ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"گورو دیو، میری بات پر اعتبار کریں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کبابوں کی تھالی اور پانی کا کٹورہ غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم تمہاری بات پر اعتبار کرتے ہیں دراموہ، تم فکر نہ کرو۔ بھوت جہاں کہیں بھی ہوگا۔ ہم اسے وہاں سے نکال کر ہی دم لیں گے"۔

"مائی باپ آپ سلامت رہیں۔ بس میرے باورچی خانے سے بھوت نکال دیں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"ہم بھوت نکال دیں گے۔ تم یوں سمجھ لو کہ بھوت یہاں سے نکل گیا ہے۔ اب تم آرام سے کھانا تیار کرو۔ بھوت تمہیں پھر آ کر تنگ نہیں کرے گا"۔

عنبر اور ناگ واپس کیبن میں آ گئے۔

ماریا وہاں بیٹھی ہنس رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

”ماریا بہن، تم نے تو اس موٹے پر ایسی دہشت طاری کر دی ہے کہ وہ تو باورچی خانے میں جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ وہ تو ہم نے اسے تسلی دی اور وہ اندر جا کر کام کرنے لگا“۔

”بڑا کمزور دل ہے عنبر بھائی وہ باورچی“۔

تھوڑی دیر بعد وہاں کھانا آ گیا۔ نوکر نے کہا۔

”سردار نے کہا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد آپ اس کے پاس جائیں“۔

”کیا ہم دونوں کو بلایا ہے سردار نے؟“ عنبر نے پوچھا

”ہاں سرکار“۔

کھلے سمندر میں

کھانا کھا چکنے کے بعد عنبر اور ناگ سردار ہولکر کے پاس آ گئے۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ جہاز کھاڑی میں سے نکل کر کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ ڈاکو ہولکر کو بحری سفر کا بڑا تجربہ تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

وہ سات آٹھ سال تک سمندری ڈاکوؤں کے ساتھ رہ

چکا تھا۔ عنبر نے جا کر دیکھا کہ وہ نقشے کے مطابق جہاز کو بالکل ٹھیک چلا رہا تھا۔ وہ کیبن میں اپنے شاگرد خاص کے ساتھ میز پر جھکا نقشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر اور ناگ اس کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد سردار نے عنبر سے کہا۔

"عنبر، مجھے تم سے ایک مشورہ لینا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کبھی تم نے پہلے بھی ان سمندروں میں سفر کیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ایک بار میں افریقہ جاتے ہوئے ادھر سے گزرا تھا سردار"۔

سردار نے کہا۔

"تمہارے خیال میں اس موسم میں ادھر سے سوداگروں

کے جہاز گزرا کرتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

جہاں تک میرا تجربہ کہتا ہے سردار، ادھر سے بارشوں کے موسم میں سوداگروں کے تجارتی جہاز نہیں گزرا کرتے۔ ہاں، کبھی کبھی کوئی مسافر جہاز ضرور دکھائی دے جاتا ہے"۔

سردار نے شاگرد سے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بے فائدہ ادھر آن نکلے ہیں"۔

شاگرد بولا۔

"ایسا نہیں سردار، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس موسم میں بھی اس سمندر میں تجارتی جہاز سامان لے کر افریقہ سے ہندوستان آیا کرتے ہیں جو موتیوں کی تجارت کرتے ہیں"۔

شاگرد ٹھیک کہہ رہا تھا۔ عنبر نے جان بوجھ کر سردار سے غلط کہا تھا کہ ادھر تجاریت جہاز اس موسم میں نہیں آتے۔ اصل میں وہ سردار کو بصرے کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جھٹ کہا۔

"سردار، خلیج فارس کی طرف اس موسم میں بھی تجارتی جہاز چکر لگایا کرتے ہیں۔ یہ جہاز بڑے دولت مند سوداگروں کے ہوتے ہیں جو موتیوں کی تجارت کرتے ہیں"۔

دولت اور موتیوں کا ذکر سن کر ڈاکو ہولکر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا تم سچ کہتے ہو کہ ان جہازوں پر قیمتی موتے ہیں؟"۔

"ہاں سردار، میں نے ایسے ایک جہاز پر سفر بھی کیا ہے"۔

"پھر ہمیں خلیج فارس کے سمندر کی طرف رخ موڑنا چاہیے"۔

اس پر شاگرد بولا۔

"سردار، ابھی ہمیں فارس کے سمندر کی طرف نہیں جانا چاہیے وہ یہاں سے کافی دور ہے اور پھر وہ سمندر بڑا طوفانی ہے۔ وہاں اکثر اس موسم میں طوفان آتے رہتے ہیں"۔

سردار نے شاگرد سے پوچھا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

شاگرد نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس سمندر میں کل تک ضرور

کوئی نہ کوئی شکار مل جائے گا۔ ہمیں کل تک انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے بعد سوچ لیں گے کہ کہاں جائیں؟“۔

”ہاں، میرا خیال ہے، یہ بات درست معلوم ہوتی ہے ہم دو ایک دن ان ہی سمندروں میں گھومیں گے۔ اگر قسمت اچھی ہوئی تو ضرور کوئی نہ کوئی شکار مل جائے گا“۔

شاگرد باہر چلا گیا۔ اب سردار نے عنبر اور ناگ سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ باورچی خانے کے بھوت کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

”تم نے دیکھا وہاں جا کر عنبر؟ کیا وہاں کوئی بھوت تھا کہ وہ موٹا یوں ہی شور مچا رہا تھا؟“۔

عنبر نے کہا۔

نہیں سردار، وہاں کوئی بھوت نہیں تھا۔ موٹے کو وہم ہو گیا تھا۔

میں نے اس کا وہم نکال دیا ہے۔ بھلا اس جہاز پر کوئی بھوت کیسے آ سکتا ہے۔

سردار نے کہا۔

”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔ ہم سے زیادہ اور کون بھوت ہوگا؟“۔

دنیا کے کسی بھوت میں وہ طاقت نہیں ہے کہ میرا مقابلہ کر سکے۔ میں تو بھوت کی بھی گردن اڑا دوں۔

ناگ نے کہا۔

”کیوں نہیں سردار، آپ بہت بہادر ہیں“۔

ناگ نے بھی سردار کی تعریف کرنی شروع کر دی۔ عنبر اور ناگ یہی چاہتے تھے کہ سردار کی تعریف کر کے اسے خوش

رکھیں اور پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکیں۔ انہیں پوری پوری امید تھی کہ وہ سردار کو جہاز کا رخ خلیج فارس کی طرف موڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ شاگرد بیچ میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ ناگ نے کہا۔

”اگر اس شخص نے زیادہ مخالفت کی تو اسے ختم کرنا ہی پڑے گا“۔

عنبر نے کہا۔

”اگر تم اسے سانپ بن کر ڈس بھی دو تو پھر علاج بھی تمہیں ہی کرنا ہوگا۔ اگر تم کامیاب علاج نہ کر سکے تو سردار کا اعتماد جاتا رہے گا“۔

ناگ نے کہا۔

”شاگرد کو میں ختم نہیں کروں گا بلکہ ماریا سے کام لیں گے“۔

”ٹھیک ہے، مگر پہلے ہمیں سردار کو راضی کرنے کی ایک اور کوشش کرنی چاہیے۔ میں خواہ مخواہ کسی انسان کا خون نہیں بہانا چاہتا“۔

”جیسے تمہاری مرضی عنبر بھائی، میں خود خون خرابے سے نفرت کرتا ہوں، لیکن سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے جہاز پر قبضہ کرنے سے بہتر ہے کہ ایک شاگرد کا کام تمام کر کے جہاز کا رخ اپنی مرضی کے مطابق موڑ کر اس پر قبضہ کر لیا جائے“۔

”اچھا دیکھتے ہیں حالات کون سا رخ اختیار کرتے ہیں“۔

رات کا کھانا بھی انہوں نے کیبن میں ہی بیٹھ کر کھایا۔

عنبر جا کر ماریا کے لیے ایک تھالی چاولوں کی باورچی خانے سے اٹھا لایا تھا۔ ماریا خود جانا چاہتی تھی، لیکن عنبر نے اسے روک دیا کہ خواہ مخواہ جہاز پر بھوت کا چرچا نہ ہونے لگے۔

ابھی اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ماریا کھانا کھا کر کونے میں لیٹ گئی۔ عنبر اور ناگ باتیں کرنے لگے۔ پھر ناگ بھی سو گیا۔ عنبر کو ابھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

وہ کیبن میں سے نکل کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ عرشے پر ڈاکو ادھر ادھر لیٹے آرام کر رہے تھے۔ عنبر کونے میں عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ سمندر پر دور تک اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر اکیلا ہی غور کرنے لگا کہ اگر سردار کسی بھی جزیرے یا ملک کے ساحل پر نہ گیا تو وہ کب تک سمندر میں آوارہ گردی کرتے رہیں گے؟۔

پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ جہاز کے سارے ڈاکوؤں کو بغاوت پر آمادہ کیا جائے؟ مگر ایسا ہونا مشکل تھا، کیونکہ ڈاکو اپنے سردار کے بڑے وفادار تھے۔ وہ اس کا ہر حکم ماننا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

سردار ہولکر کا شاگرد راستے میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ وہ ہولکر کو خلیج فارس کے سمندر کی طرف جانے سے روک رہا تھا مگر عنبر اسے بھی ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے اس کا جہاز واپس مڑ جائے۔ اور وہ ملک عرب کی مسلمان سلطنت میں جا کر وہاں کے مسلمانوں سے ملے اور ان سے باتیں کرے۔

کیونکہ اس نے مسلمانوں کی بے حد تعریف سن رکھی تھی۔ سوچ سوچ کر عنبر کا سر چکرانے لگا۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون اس راستہ اختیار کرے۔

زندگی میں وہ کبھی اتنے چکر میں نہیں پھنسا تھا کہ اس کا دماغ بھی پریشان ہو جائے۔ اس کا سر بوجھل ہو گیا۔ وہ سونے کے لیے واپس پلٹا ہی تھا کہ سامنے والی سیڑھیوں کے دروازے میں اسے سردار ہولکر نظر آیا۔ اس نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا، وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

”کیا بات ہے حکیم عنبر؟ تمہیں نیند نہیں آ رہی؟ تمہارا ساتھی تو میرا خیال ہے سو گیا ہے“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں سردار، میرا بھائی سو گیا ہے۔ مجھے شاید اس لیے نیند نہیں آ رہی کہ صبح کو میں کچھ دیر کے لیے سو گیا تھا“۔

سردار ہولکر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ عنبر کے قریب آ کر جنگلے پر جھک کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھنے لگا جس پر ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی۔

سمندر کی بڑی بڑی لہریں اٹھ کر جہاز سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ ہوا خوب تیز تھی اور جہاز بڑی اچھی رفتار سے جا رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”سردار، ابھی تک تو کوئی جہاز نظر نہیں آیا“۔

سردار بولا۔

”میرا خیال ہے، کل ضرور ہمیں کوئی نہ کوئی شکار مل جائے

گا۔ میرا شاگرد غلط نہیں کہتا۔ وہ دس پندرہ برس تک ان سمندروں میں جہاز رانی کرتا رہا ہے“۔

پھر اچانک عنبر کی طرف پلٹ کر بولا۔

”حکیم عنبر، یہ بتاؤ کہ کیا تم بھوت پریت پر اعتبار کرتے ہو؟“۔

عنبر کے لیے یہ سوال بڑا اچانک تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ سردار ہولکر نے یہ اچانک سوال کیسے کر دیا ہے؟ اس نے کہا۔

”کچھ ہے، کچھ نہیں بھی ہے۔۔۔ لیکن سردار آپ کو یہ بات کیسے سوجھی؟ کیا آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں؟“۔

سردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”پاگل آدمی، میں خود ایک بھوت ہوں۔ جنگل کا بھوت سمندر کا بھوت میرے نام سے لوگ تھر تھر کانپتے ہیں۔ میں ہندوستان کا سب سے بڑا ڈاکو، سب سے بڑا بھوت ہوں۔ مجھ سے بڑا بھوت اس سارے ملک میں کوئی نہیں ہے۔ بھلا میں کیسے کسی بھوت پر یقین کر سکتا ہوں“۔

ٹھیک اس وقت ماریا اوپر عرشے پر آ گئی۔ اس کی گرمی کی وجہ سے آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ٹھنڈی ہوا لینے جہاز کے عرشے پر آ گئی تھی۔

ماریا نے عنبر کو سردار کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو وہ خاموشی سے عنبر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آہستہ سے عنبر کے کان میں کہا۔

”گرمی بہت ہے نیچے، میری آنکھ کھل گئی“۔

عنبر نے ماریا کو کوئی جواب نہ دیا۔ سردار ہولکر اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

زندگی میں ایک بار میں نے ایک بھوت کے بارے میں سنا تھا کہ وہ درخت پر رہتا ہے۔ میں اس درخت کے پاس گیا۔ میں نے بھوت کو زور زور سے للکارا کہ نیچے آؤ اور مجھ سے مقابلہ کرو۔

مگر بھوت ڈر گیا۔ اس نے مجھ سے مقابلہ نہ کیا۔ میں نے اس کا درخت ہی کٹوا کر دریا میں بہا دیا۔ اس کے بعد سے لے کر آج تک کسی بھوت میں اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ میرے ساتھ مقابلہ کرنے کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

عنبر نے شرارت سے کہا۔

”یہ موٹا باورچی تو کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے پانی کا کٹورہ میز پر سے غائب ہوتے دیکھا ہے“۔

سردار نے ایک اور زوردار قہقہہ لگایا۔

”وہ تو الو کا پٹھہ ہے۔ وہ انسان نہیں جانور ہے۔ صرف جانور ہی بھوت سے ڈرتے ہیں۔ اگر اس جہاز پر کوئی بھوت ہے تو پھر وہ میرے سامنے آئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے بڑا بھوت ہے کہ میں اس سے بڑا بھوت ہوں“۔

ماریا کو سردار کی بکواس اور ڈینگیں مارنے پر سخت غصہ آیا۔ وہ تو ماریا کی بے عزتی کر رہا تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر سردار ہولکر کے کندھے پر زور سے ایک مکا مارا اور پیچھے ہٹ گئی۔ سردار ہولکر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

”کون تھا یہ بدتمیز؟“۔

عنبر نے آہستہ سے پوچھا۔

”کیا ہوا سردار؟“

”کسی نے میرے کندھے پر مکا مارا ہے“۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ شرارت ماریا کی ہے۔ اس نے کہا۔

"سردار، میرا خیال ہے کہ ہم بھوتوں کی باتیں کر رہے تھے۔ ضرور کوئی بھوت ہماری باتیں سن کر یہاں آ گیا ہے۔ ہمیں نیچے کیبن میں چلے جانا چاہیے"۔

سردار ہولکر نفرت سے تھوک کر بولا۔

"ڈرے بہت دیکھے ہیں، میں نے ایسے بھوت۔۔۔ اب اگر اس نے کچھ کیا تو میں اس کی جان ہی نکال دوں گا"۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہا تھا کہ ماریا نے بڑے زور سے جوتا اتار کر ڈاکو ہولکر کے سر پر دے مارا۔ جوتا سر پر لگنے کی آواز عنبر نے بھی سنی۔ ڈاکو ہولکر تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔

"میں قتل کر دوں گا تمہیں اے بھوت، کم بخت میرے

سامنے تو تم چھپ چھپ کر حملہ کیوں کر رہا ہے۔ ذرا سامنے تو آ۔۔۔ اگر مرد ہے تو سامنے آ"۔

ماریا کو اب ایک اور شرارت سوجھی۔ اس نے ذرا پرے بیٹھے ہوئے ایک ڈاکو کے کان میں زور سے کر کیا۔ ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھا اور چیختا ہوا نیچے بھاگ گیا۔

سردار ہولکر نے چلا کر کہا۔

"خبردار، کوئی بھی بھوت سے نہ ڈرے"۔

اب ماریا نے سردار کے کان کے پاس آ کر پورا زور لگا کر کر کا نعرہ لگایا۔

ایک بار تو ڈاکوؤں کا سردار بھی اچھل کر گر پڑا۔ ماریا ہنستی ہوئی نیچے چلی گئی۔ اس کی ہنسی کی آواز دوسرے ڈاکوؤں کے علاوہ سردار ہولکر نے بھی سنی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

عنبر کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو کوئی عورت بھوت ہے"۔

"ہاں سردار' قہقہے کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔ میرا خیال ہے ہمیں نیچے چلے جانا چاہیے"۔

سردار ہولکر بھی کچھ کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا عنبر کے ساتھ سیڑھیاں اترتا نیچے اپنے کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

ماریا اپنے کیبن میں جا کر سو گئی تھی۔ ڈاکو ہولکر حیران تھا کہ یہ عورت کے ہنسنے کی آواز اسے کدھر سے سنائی دی تھی؟

طوطے کا بھوت

صبح اٹھ کر عنبر نے ماریا سے رات کی بات کی تو وہ ہنس پڑی۔

عنبر نے ناگ کو بھی بتایا کہ رات ڈاکو ہولکر بھوتوں سے نہ ڈرنے کی بڑی ڈینگیں مار رہا تھا۔ مگر ماریا کی ہنسی کی آواز سن کر وہ بھی گھبرا گیا۔ اس پر ناگ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"اس بات سے میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کون سا خیال آیا ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ہم ماریا سے بڑا کام لے سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"مثلاً کون سا کام؟"۔

ناگ کہنے لگا۔

"مثلاً یہ کہ تمہارے بھوت کی مدد سے ہم یہ سارا جہاز خالی کرا سکتے ہیں۔ آج کی بات سے ثابت ہو گیا ہے کہ اوپر اوپر سے تو سردار ہولنگر بھوتوں کے خلاف بولتا ہے مگر دل میں وہ بھوتوں سے ڈرتا ہے"۔

"پھر کیا کریں؟"۔ عنبر نے پوچھا۔

ناگ سر کھجا کر کہنے لگا۔

ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ماریا میدان میں نکل آئے اور جگہ جگہ اپنی شرارتیں شروع کر دیں۔ سارے ڈاکوؤں میں ایک خوف پھیل جائے گا۔

یوں ایک روز ماریا ڈاکو ہولنگر کے کیبن میں جا کر اسے بھی ڈرا سکتی ہے۔ اس طرح سے ہمارا کام جلدی ختم ہو سکتا ہے اور ہم وقت سے پہلے جہاز خالی کروا کر اس پر قبضہ جما سکتے ہیں۔

عنبر نے سوچ کر کہا۔

ترکیب تو بڑی اچھی ہے ناگ، مگر اس میں دو باتوں کی مصیبت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ماریا کو بڑی زیادہ جھک جھک کرنی پڑے گی اور اس میں اس کی جان کو

خطرہ بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ان ڈاکوؤں کو اتنا نرم دل نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک بھوت کی وجہ سے سارا جہاز خالی کر کے بھاگ جائیں گے۔

آخر یہ لوگ ساری زندگی وحشت ناک جنگلوں اور آسیبی کھنڈروں میں رہتے آئے ہیں۔ یہ اتنی جلدی شکست نہیں کھا سکتے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ الٹا ماریا کو ہی کسی نہ کسی طرح قابو میں کر لیں۔ پھر ہم کیا کریں گے؟۔

بات بڑی معقول تھی۔ ناگ نے اپنی ترکیب واپس لے لی۔

دوسری طرف ڈاکو ہولکر بھی بیدار ہو گیا تھا اور اپنے کیبن میں شاگرد سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے شاگرد کو رات

بھوت کی ہنسی کی بات سنائی تو وہ کچھ فکرمند سا ہو کر کہنے لگا۔

”سردار، مجھے دال میں کچھ کالا کالا دکھائی دیتا ہے“۔

ڈاکو ہولکر نے پوچھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“۔

شاگرد بولا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جو دو نئے نوجوان عنبر اور ناگ ہماری ٹولی میں آ کر شامل ہوئے ہیں۔ مجھے ان پر شک ہے“۔

ہولکر نے کہا۔

”کس قسم کا شک ہے تمہیں ان پر۔ یہ دونوں حکیم قسم کے لوگ ہیں۔ عنبر نے تو ہمارے ایک ساتھی کے دانت کا درد بھی غائب کر دیا تھا۔ ناگ سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے۔

مجھے تو ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا"۔

شاگرد نے کہا۔

"سردار، آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں ہاتھ کی لکیروں کا علم بھی جانتا ہوں۔ کل جب عنبر آپ سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے اس میں نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں تو حیران رہ گیا"

سردار نے کہا۔

"کیوں، اس کے ہاتھ کی لکیروں میں حیران ہونے والی کون سی بات تھی؟"۔

شاگرد بولا۔

"اس کے ہاتھ پر زندگی کی لکیر اتنی تھی کہ میں نے آج تک کسی آدمی کی ایسی لکیر نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ اس آدمی

کے ہاتھ کی لکیر بھی اتنی لمبی نہیں جو سو برس تک زندہ رہتا ہے"۔

سردار نے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"۔

"میرا خیال ہے، سردار کہ یہ لوگ کوئی پر اسرار لوگ ہیں۔ ان کا تعلق کسی بھوتوں کی دنیا سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل رات تمہیں ایک عورت کی ہنسی کی آواز آئی تھی، حالاں کہ عورت وہاں کوئی بھی نہیں تھی"۔

سردار ہولکر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"کہتے تم کسی حد تک ٹھیک ہو، لیکن اب یہ کس طرح ثابت ہو کہ یہ لوگ سچ مچ بھوت ہیں"۔

شاگرد بولا۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ دونوں حکیم بھوت ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان کا بھوتوں سے ضرور تعلق ہے۔ اس لیے ہمیں ان کو اپنے جہاز سے اتار دینا چاہیے۔ نہیں تو ہمیں سخت نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

اب سردار ہولنگر بھی چپ ہو گیا۔ اسے کچھ یقین سا ہونے لگا۔ عنبر اور ناگ سچ مچ کوئی پراسرار لوگ ہیں اور بھوتوں سے ان کی گہری دوستی ہے۔ اس اعتبار یہ دونوں انہیں نقصان پہنچا سکتے تھے۔

اس نے شاگرد سے کہا۔

"اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ لوگ بھوت ہیں اور ہمارے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو میں انہیں ابھی جہاز پر سے اتار دیتا ہوں"۔

شاگرد نے کہا۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے۔ ہمیں جلد سے جلد ان دونوں کو جہاز سے اتار دینا چاہیے۔ جہاز پر ایک فالتو کشتی موجود ہے۔ ہمیں ان دونوں کو اس کشتی میں سوار کروا کر سمندر میں چھوڑ دینا چاہیے"۔

سردار نے کہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ ایسا کرنے سے جہاز پر آنے والی آفت دور ہو جائے گی؟"۔

شاگرد بولا۔

سردار، میرا دل بار بار کہہ رہا ہے کہ ہمیں شکار بھی اسی لیے نہیں مل رہا کہ یہ دونوں ہمارے جہاز پر سوار ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔ جوں ہی ہم نے ان دونوں کو جہاز پر سے اتارا،

ہمیں شکار مل جائے گا"۔

سردار بولا۔

اگر تمہیں یقین ہے کہ ایسا کرنے سے ہمیں شکار مل جائے گا تو میں ابھی ان دونوں کو جہاز پر سے نیچے پھینک دیتا ہوں۔

شاگرد نے کہا۔

"نہیں، ہمیں ایسا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں انہیں کشتی میں بٹھا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دینا چاہیے"۔

سردار نے کہا۔

"مگر ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہمارے پاس ایک ہی کشتی ہے۔ اگر کہیں ایسا وقت آ گیا کہ ہمیں جہاز چھوڑنا پڑا تو ہم کونسی کشتی پر سوار ہوں گے"۔

شاگرد نے کہا۔

"تو پھر ہم انہیں ایک تختے پر بٹھا کر سمندر میں اتار دیتے ہیں۔ ایسے چھ سات تختے جہاز کے عرشے پر پڑے ہوئے ہیں"۔

سردار نے ہاں کر دی۔ وہ شاگرد کی باتوں میں آ گیا۔ شاگرد کو اصل میں عنبر اور ناگ سے اس لیے خار تھی کہ جب سے وہ دونوں جہاز پر آئے تھے۔ انہوں نے سردار کی نظروں میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ سردار اب شاگرد کی طرف کم توجہ دینے لگا تھا۔ یہ بات شاگرد کو ہرگز قبول نہیں تھی۔

چنانچہ اس نے یہی ترکیب سوچی کہ ان دونوں پر بھوتوں کے دوست ہونے کا الزام لگا کر جہاز سے چلتا کیا

جائے۔ خوش قسمتی سے سردار نے ماریا کے قہقہے کی آواز بھی سن لی۔

شاگرد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور سردار کے کان اس طرح سے بھرے کہ وہ عنبر اور ناگ کو سمندر میں اتارنے پر راضی ہو گیا۔

سردار کے لیے کسی آدمی کو سمندر میں پھینک دینا یا قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس نے اسی وقت عنبر اور ناگ کو جہاز کے عرشے پر بلایا اور کہا۔

مجھے وہم ہو گیا ہے کہ تم لوگوں کا تعلق بھوتوں سے ہے اور صرف تمہاری وجہ سے ہمیں سمندر میں کوئی ایسا جہاز نہیں مل رہا جس کو لوٹ کر ہم مال و دولت حاصل کر سکیں۔

اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تم دونوں کو جہاز سے اتار

دیا جائے۔ میں تمہارے ساتھ صرف اتنی رعایت کروں گا کہ تمہیں سمندر میں پھینکنے کی بجائے ایک تختے پر سوار کرا کر لہروں کے حوالے کر دوں۔

نہیں تو میں تمہیں ابھی اسی وقت سمندر میں دھکا بھی دے سکتا تھا۔

ڈاکو ہولکر کی یہ بات سن کر عنبر اور ناگ حیران رہ گئے۔

ویسے وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ ساری کارستانی شاگرد کی ہے، کیونکہ وہ ان دونوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ پھر بھی عنبر نے سردار سے کہا۔

"سردار، تمہیں ہمارے بارے میں کسی نے غلط بتایا ہے۔ نہ ہم بھوت ہیں اور نہ ہمارا تعلق بھوتوں سے ہے۔ ہم سیدھے سادے انسان ہیں اور بیماروں کا علاج کرتے

ہیں"۔

سردار نے کہا۔

"اگر تم عام انسان ہو تو تمہارے ہاتھ پر عمر کی لکیر اتنی لمبی کیوں ہے۔ تم یقیناً بھوتوں کی دنیا سے آئے ہو اور میرے جہاز کے لیے بہت منحوس ہو"۔

ناگ کہنے لگا۔

سردار، اگر ہمارا تعلق بھوتوں سے ہوتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ تمہارے جہاز پر آتے۔ پھر تو ہم جہاں چاہے جا سکتے تھے۔

سردار غصے میں بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ تمہیں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی"۔

اس کے ساتھ ہی سردار نے حکم دیا کہ ان دونوں کو تختے پر بٹھا کر سمندر میں اتار دیا جائے۔ ڈاکوؤں نے دونوں کو پکڑ کر تختے پر بٹھایا اور تختہ رسے کی مدد سے سمندر میں اتار دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ عنبر اور ناگ کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

ماریا کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اس وقت اگر عنبر اور ناگ چاہتے تو سارے جہاز کو آگ لگا سکتے تھے۔

مگر چونکہ ماریا جہاز پر ہی تھی۔ اس لیے وہ ایسا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تختے پر بیٹھے سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھا رہے تھے اور جہاز ان سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، یہ کیا ہو گیا ایک دم سے، خدا کی قسم ہمارے ساتھ آج تک کسی نے ایسا زبردستی سلوک نہیں کیا۔ نہ جانے تم کیوں خاموش رہے۔ میں تو اب بھی سانپ بن کر سردار کو ہلاک کر سکتا ہوں"۔

عنبر بولا۔

"ایسا کرنا تمہارے لیے خطرناک ہوگا۔ اگر تم سانپ بن کر جہاز پر چلے گئے تو ڈاکو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن ماریا کو ہم کس طرح بتائیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا ہے؟ ہم تو بے یارو مددگار کر کے سمندر میں اکیلے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اگر شارکوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو کم از کم میں تو زندہ نہیں بچ سکوں گا"۔

عنبر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ ماریا کو خبر کرنی بھی بہت ضروری تھی۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچ کر ناگ سے کہا۔

"ناگ، تم ایسا کرو کہ کسی پرندے کا روپ دھار کر جہاز پر واپس جاؤ اور جا کر اسے ہمارے بارے میں خبر کر دو"۔

ناگ نے کہا۔

"میں ابھی جا کر ماریا کو اطلاع کر دیتا ہوں مگر اس سے کیا ہوگا۔ ہم ماریا کو یہاں نہیں لا سکتے اور خود بھی واپس ماریا کے پاس نہیں جا سکتے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ ساری باتیں ہم بعد میں سوچ لیں گے۔ اس وقت تو تم جا کر ماریا کو اطلاع کر دو۔ نہیں تو وہ بے حد پریشان ہو

گی"۔

ناگ نے اسی وقت ایک طوطے کا روپ بدلا اور اڑتا ہوا جہاز پر پہنچ گیا۔ وہ مستول کے بانس پر جا کر بیٹھ گیا۔ ڈاکوؤں نے طوطے کو دیکھا تو بڑے حیران ہوئے، کیونکہ بھرے سمندر میں اتنی دور طوطا کبھی نہیں آیا کرتا۔

طوطے جہاز کے ساتھ ساتھ سمندر میں کبھی سفر نہیں کیا کرتے۔ انھوں نے طوطے پر تیر چلائے۔ طوطا اڑ کر جہاز کی دوسری طرف چلا گیا۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ ڈاکو اسے ہلاک کرنے کی فکر میں ہیں۔ طوطا پچھلی طرف سے آ کر عرشے پر رکھی ہوئی بوریوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

ڈاکو یہ سمجھ کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے کہ طوطا ان میں سے کسی کا تیر کھا کر سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا ہے۔

ناگ طوطے کی شکل میں بوریوں کے پیچھے چھپا انتظار کرنے لگا کہ ماریا کسی کام سے اوپر آئے تو وہ اسے خبر کرے کہ ان کے ساتھ کیا گزر گئی ہے۔

ماریا اپنے کیبن میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔ اس کا خیال کہ عنبر اور ناگ اوپر عرشے پر ہوں گے۔ اتنے میں کسی نے باہر سے کیبن کا دروازہ کھولا۔ وہ اٹھ کر کونے میں سمٹ کر کھڑی ہو گئی۔

سردار ہونگر کا شاگرد اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ کیبن میں داخل ہوا۔ دونوں مسکرا رہے تھے اور کیبن میں بچھے ہوئے بستر کو نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ شاگرد نے ساتھی سے کہا۔

"کالی ماتا نے مجھے فتح دی ہے۔ اب وہ دونوں بدبخت بھائی عنبر اور ناگ اس بستر پر کبھی نہیں سوئیں گے"۔

ماریا کا دل اچھل کر اس کے حلق کے قریب آ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ ان لوگوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ وہ اب یہ جاننے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ اس سے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔

شاگرد کا ساتھی بولا۔

"لیکن سرکار، آپ نے بھی کمال کر دکھایا۔ سردار کے کان عنبر اور ناگ کے بارے میں ایسے ابھرے کہ اس نے آپ کی مرضی کے مطابق دونوں کو تختے پر بٹھا کر سمندر میں اتار دیا"۔

ہائیں، تو کیا عنبر اور ناگ کو سمندر میں اتار دیا گیا ہے۔ وہ کہاں ہوں گے؟ کس حال میں ہوں گے۔

شاگرد نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میں اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن میں نے ان دونوں بھائیوں پر رحم کیا ہے۔ نہیں تو میرے کہنے پر سردار انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں سمندر میں بھی پھینک سکتا تھا"۔

ماریا کو شاگرد ڈاکو پر بے حد غصہ آیا۔ وہ کیبن سے نکل کر جلدی سے عرشے پر آ گئی۔ وہ سمندر پر عنبر اور ناگ کو دیکھنا چاہتی تھی۔

عرشے کے جنگلے پر کھڑی ہو کر اس نے پیچھے نگاہ دوڑائی تو اسے ایک تختہ نظر آیا جس پر ایک آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ یہ عنبر تھا۔

ماریا نے سوچا۔ ناگ کہاں ہے؟ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک ایک طوطا اس کے قریب آ کر جنگلے پر بیٹھ گیا۔

"تم... تم کون ہو؟ کیا تم ناگ بھائی ہو؟"۔

طوطے نے اپنی گردن ہلائی۔ ماریا نے طوطے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ طوطا اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ ایک ڈاکو طوطے کو جنگلے کی رسی پر بیٹھے دیکھ رہا تھا۔

اب جو اس نے دیکھا کہ رسی پر بیٹھا بیٹھا طوطا ایک دم غائب ہو گیا ہے تو وہ چکر کھا گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں زور زور سے ملیں اور سر کو جھٹکا دے کر پھر رسی کی طرف دیکھا۔ وہاں طوطا نہیں تھا۔

وہ ڈاکو سر کو پکڑ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

ماریا طوطے کو لے کر نیچے کیبن میں آ گئی۔ شاگرد اور اس کا ساتھی کیبن کو باہر سے کنڈی لگا کر جا چکے تھے۔ ماریا نے کنڈی کھولی اور طوطے کو اندر لے کر کیبن میں آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔

طوطا ایک دم سے پھر سے ناگ کی شکل میں آ گیا۔ اس نے سارا قصہ ماریا سے بیان کر دیا۔ ماریا نے پوچھا۔

"کیا تم دونوں اب تختے پر سمندر میں سفر کر رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہم دونوں اکیلے سمندر میں تختے پر بیٹھے چلے جا رہے ہیں۔ میں تمہیں اس لیے خبر دینے آ گیا کہ تم پریشان نہ ہو جاؤ"۔

ماریا نے کہا۔

"اب کیا ہو گا؟ تم لوگ واپس جہاز پر کیسے آؤ گے؟"۔

ناگ بولا۔

"وقت آنے پر ہم جہاز پر بھی آ جائیں گے۔ اس وقت تو ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے

تعلق رکھیں۔ تمہیں معلوم ہوتا رہے کہ ہم سفر کر رہے ہیں اور ہمیں یہ خبر رہے کہ تم کس حال میں ہو؟“۔

ماریا نے کہا۔

”اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ ہم جہاز کو آگ لگا دیتے“۔

ناگ نے کہا۔

نہیں ماریا، ہم اپنا اتنا بڑا نقصان نہیں کر سکتے۔ ہمیں جہاز کی بہت ضرورت ہے۔

ہاں، اب ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان ڈاکوؤں کو جہاز پر سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر سلامبو کی لاش سے کیوں مدد نہیں طلب کرتا؟“۔

ناگ نے کہا۔

”عنبر سلامبو کی لاش سے مدد نہیں لینا چاہتا۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے اسے اتنی طاقت دی ہے کہ وہ خود ہی ڈاکوؤں سے نمٹ سکے۔ وہ سلامبو کی لاش کا احسان نہیں اٹھانا چاہتا۔“

ماریا نے کہا۔

”تو پھر اب کیا ہوگا؟“۔

”بس اب یہی ہوگا کہ ابھی تم اسی جہاز پر سفر کرو اور خبردار رہو۔ ہم تختے پر سفر کرتے رہیں گے۔ میں تمہیں آ کر اطلاع کرتا رہوں گا کہ ہم کہاں ہیں۔ اتفاق سے ہمارا تختہ تمہارے جہاز کے پیچھے پیچھے تمہاری طرف کو ہی سفر کر رہا ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ عنبر اکیلا ہوگا“۔

ناگ باہر جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ کھول دیا۔

رومن جنگی جہاز

ایک ڈاکو اندر آ گیا۔

یہ ڈاکو اس کیبن میں سے کچھ چیزیں اٹھانے کے لیے آیا تھا، کیوں کہ اسے تو معلوم تھا کہ کیبن خالی ہے۔ اس نے جو ناگ کو دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ابھی دو گھنٹے پہلے اس کی آنکھوں کے سامنے ناگ عنبر کے ساتھ تختے پر بیٹھ کر سمندر میں اتر گیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ سمندر میں سے نکل کر واپس کیبن میں آ جائے۔ ابھی اس کی حیرانی دور نہیں ہوئی تھی کہ ناگ نے زور سے سانس کھینچا اور پھر سے طوطا بن کر ڈاکو کے سر کے اوپر سے پھڑ پھڑاتا ہوا باہر کو اڑ گیا۔

ڈاکو چیخ مار کر باہر کو بھاگ گیا۔

اس نے سردار ہولکر کو جا کر سارا قصہ سنایا تو وہ خود کیبن میں آیا اس نے چاروں طرف ایک ایک شے دیکھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا اس وقت عرشے پر کھڑی ناگ کو طوطے کی شکل میں اڑتے دیکھ رہی تھی۔ سردار ہولکر کے ساتھ اس کا مکار شاگرد بھی تھا۔ اس نے ڈاکو سے کہا۔

"کیا تم نے خود ناگ کو یہاں دیکھا تھا؟"۔

ڈاکو بولا۔

"مجھے کالی ماتا کی قسم ہے سردار، میں نے اپنی آنکھوں سے ناگ کو اس جگہ کھڑے دیکھا ہے جہاں اس وقت آپ کھڑے ہیں"۔

شاگرد بولا۔

"دیکھا سردار، میں نہ کہتا تھا کہ یہ لوگ بھوتے ہیں اور بھوتوں سے ان کی گہری دوستی ہے۔ اب آپ نے خود دیکھ لیا کہ کس طرح ناگ طوطا بن کر یہاں آیا اور پھر اڑ کر واپس چلا گیا"۔

سردار نے کہا۔

"مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ طوطا اتنی دور سمندر میں کہاں سے آ سکتا ہے"۔

پھر سردار گہری سوچ میں پڑ گیا اور سر اٹھا کر بولا۔

"اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اگر بھوت ہیں تو ہمارے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے ہیں"۔

اس بات پر شاگرد نے بھی غور نہیں کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر ناگ اور عنبر کی ان کے خیال کے مطابق بھوتوں سے دوستی تھی تو وہ ڈاکوؤں کے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

شاگرد پریشان سا ہو گیا۔ سردار پر ناگ کے طوطا بن کر اڑ جانے کا اثر ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"کہیں یہ لوگ میرے جہاز پر تباہی نہ پھیلا دیں۔ میں نے ان لوگوں کو جہاز سے اتار کر اچھا کام نہیں کیا"۔

شاگرد نے جھٹ کہا۔

”سردار اگر آپ انہیں جہاز پر سے نہ اتارتے تو وہ ہمیں یہاں رہ کر زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اب تو وہ چلے گئے ہیں۔ اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے“۔

سردار بولا۔

”مگر وہ چلے گئے ہیں تو پھر ناگ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟ ضرور وہ ہمارے خلاف کوئی گہری سازش کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کے لیے تیار رہنا ہوگا“۔

یہ کہہ کر سردار شاگرد کو لے کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ یہاں ایک طرف ماریا بھی کھڑی تھی۔ ماریا کو ناگ نے کہا تھا کہ ابھی انہیں سردار اور اس کے جہاز کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا، کیونکہ ہو سکتا ہے ڈاکو جہاز چھوڑتے

وقت اسے آگ لگا دیں۔

ہم جہاز کو آگ تو آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ لیکن اسے آسانی سے بجھا نہیں سکتے۔ ماریا نے سردار کے خلاف کچھ نہ کیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ وہ نیچے باروچی خانے میں آ گئی۔

یہاں چاروں باورچی کھانا پکانے لگے ہوئے تھے۔ موٹا باورچی مرغابیوں کو پکانے کے بعد تھال میں رکھ رہا تھا۔ اندر گرم مسالحوں اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

ماریا کو سخت بھوک لگی تھی۔ اس نے انتظار بھی نہ کیا اور آگے بڑھ کر ایک بھنی ہوئی مرغابی تھال میں سے اٹھا لی اور کھانے لگی۔

موٹے باورچی نے تھال میں سے اچانک ایک مرغابی کو

گم ہوتے دیکھا تو پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دوسرے باورچی نے پوچھا۔

"رامو، کیا تلاش کر رہے ہو؟"۔

رامو بولا۔

"یار، ابھی میں نے تھال میں چار مرغابیاں رکھی تھیں، اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ حیران ہوں ایک مرغابی کہاں چلی گئی؟"

دوسرے باورچی نے ہنس کر کہا۔

"اڑ گئی ہو گی"۔

ماریا نے آگے بڑھ کر اس باورچی کی تھالی میں سے بھی ایک مرغابی اٹھا لی۔ اب وہ باورچی بھی پریشان ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ رامو نے پوچھا۔

"اب بتاؤ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"۔

جب رامو کو معلوم ہوا کہ ایک مرغابی اس کی تھالی میں سے بھی غائب ہو گئی ہے۔ تو وہ گھبرا گئی۔ ایک دم سے بھاگنے لگا تو ماریا نے تھال اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔

اب تو مونے باورچی کی چیخ نکل گئی۔ ماریا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ باورچی خانے میں ایک عورت کی ہنسی کی چمکدار آواز سن کر چاروں باورچیوں کے طوطے اڑ گئے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چیخیں مارتے، بھوت بھوت کرتے اوپر کو بھاگ گئے۔ ماریا کو ان لوگوں پر سخت غصہ تھا کہ ان کے سردار نے عنبر اور ناگ پر مصیبت نازل کی ہے۔

ماریا نے جی بھر کر کھانے کے بعد چولہوں پر رکھی ساری

دیگچیوں کو زمین پر الٹ دیا اور اوپر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد سردار ہولکر اور دوسرے ڈاکو بھاگتے ہوئے نیچے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا کھانا زمین پر گرا پڑا ہے۔ وہ دنگ رہ گئے۔ سردار نے شاگرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ کیا ہوا ہے؟“۔

شاگرد نے کہا۔

”بھوت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں سارے جہاز پر لوبان کی دھونی کرنی ہوگی“۔

اسی وقت سارے جہاز پر لوبان سلگا دیئے گئے۔ چاروں طرف ہی دھواں بھر گیا۔ ماریا گھبرا کر اپنے کیبن سے نکل کر اوپر عرشے پر ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی۔

دوسرے ڈاکو بھی اسی جگہ کھڑے تھے۔ ماریا اب کسی قسم کی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

اتنے میں ایک ڈاکو چلایا۔

”جہاز آ رہا ہے“۔

اب جو سردار نے دیکھا۔ دور ایک جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ سردار نے فوراً حکم دے دیا کہ جہاز کا رخ آنے والے جہاز کی طرف موڑ دیا جائے۔

اس کے شاگرد نے خوش ہو کر کہا۔

”دیکھا سردار، ان دونوں کے جاتے ہی ہماری قسمت کھل گئی اور شکار نظر آ گیا۔ یہ ضرور تجارتی جہاز ہو گا۔ اس میں مال و دولت ملے گی“۔

سردار کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ جہاز پر سے نحوست دور ہو

گئی ہے۔ اب اس کی ساری توجہ آنے والے جہاز پر ہو گئی۔

فوراً ڈاکو تلواریں اور نیزے لے کر تیار ہو گئے۔

ڈاکو چھپ کر بیٹھ گئے۔ جہاز پر سمندری ڈاکوؤں کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ اس جھنڈے کو پہلے لہرا دینے سے یہ ہوتا تھا کہ تجارتی جہاز کے مسافروں کے رہے سہے ہوش بھی جواب دے جاتے اور وہ ڈر جاتے تھے۔

ادھر ناگ طوطا بن کر اڑتا ہوا عنبر کے پاس تختے پر پہنچ گیا۔ ان دونوں نے بھی سامنے ایک جہاز کو آتے دیکھ لیا تھا۔ عنبر نے کہا۔

”ناگ۔ یہ ضرور کوئی تجارتی جہاز ہے۔ اس جہاز پر مسافر بھی ہوں گے۔ یہ ڈاکو حملہ کر کے ان تمام مسافروں کو قتل کر دیں گے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر جہاز کو آگ لگا دیں گے۔

ناگ بولا۔

”یہ تو وہ ضرور کریں گے“۔

عنبر نے کہا۔

”بس یہی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں ان مسافروں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کی جانیں بچانا چاہتا ہوں۔ میں بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ نہیں ہونے دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔

”پھر ہم کیا کر سکتے ہیں عنبر بھائی؟“۔

عنبر بولا۔

”میں چاہتا ہوں کہ جہاز پر جا کر ڈاکوؤں کو ختم کر دیں تاکہ وہ حملہ نہ کر سکیں یا پھر مسافروں کے جہاز پر جا کر ان کی

مدد کریں"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اس میں کم از کم میری جان کو زبردست خطرہ ہوگا۔ کوئی اور ترکیب سوچو"۔

عنبر بولا۔

"تو کم از کم تم اتنا ہی کرو کہ تجارتی جہاز پر جا کر انہیں خبردار کر دو کہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ان پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھا ہے"۔

ناگ بولا۔

"ہاں، یہ میں کر سکتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ ایک بار پھر پرندہ بن کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ سمندر کی لہروں کے اوپر سے اڑتا اڑتا وہ دور پیچھے

تجارتی جہاز کے مستول پر جا کر بیٹھ گیا۔

اس نے پرواز کی اور نیچے اتر کر چمڑے کے کپوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور وہیں وہ اپنی جون بدل کر انسان کے روپ میں آ گیا۔

اب اس نے کپوں کے پیچھے سے نکل کر دیکھا کہ جس جہاز کو وہ تجارتی جہاز سمجھے ہوئے تھے، وہ تو ایک جنگی جہاز ہے اور کسی ملک کے بادشاہ کی فوج اس پر سفر کر رہی ہے۔

ناگ گھبرا گیا۔

وہ واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے کمانڈر کے سامنے لا کھڑا کیا۔ کمانڈر نے حیرانی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تم کون ہو؟ اور کہاں سے اس جنگی جہاز پر سوار ہوئے

تھے؟"۔

ناگ نے صاف الفاظ میں کہا۔

"اے سپہ سالار، میری بات کو غور سے سن، میں اس دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں ایک پرندہ بن کر تمہارے جہاز پر آیا ہوں۔ صرف یہ بتانے کے لیے کہ سامنے سے جو جہاز آ رہا ہے، وہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ہے جو حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے"۔

سپہ سالار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"سمندری ڈاکوؤں کو ہم بڑی آسانی سے سنبھال لیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ تم انسان کیوں نہیں ہو؟ شکل تو تمہاری انسانوں والی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"سپہ سالار، میری بات پر یقین کرو، میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ اگر تمہیں اعتبار نہیں آ رہا تو میری طرف غور سے دیکھتے رہنا۔ میں جا رہا ہوں"۔

سپہ سالار اور دوسرے سپاہی غور سے ناگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ اچانک وہ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ سے ایک کبوتر اڑ کر اوپر چھت کے کنگرے پر جا بیٹھا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا سپہ سالار؟"۔

مگر کبوتر کی آواز کا مطلب سپہ سالار نہ سمجھ سکا۔ وہ دنگ ضرور رہ گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

"اس کبوتر کو کچھ نہ کہنا۔ یہ ہمارا دوست ہے۔ یہ ہمیں آنے والے دشمن سے خبردار کرنے آیا تھا"۔

پھر سپہ سالار نے کبوتر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے دوست، اگر تم واپس انسان کی شکل میں میرے پاس آ جاؤ تو میں تمہیں اپنا دوست بنا لوں گا اور کچھ نہیں کہوں گا"۔

ناگ ایک دم سے دوبارہ انسان کی شکل میں سامنے آ گیا۔ سپہ سالار اور سپاہی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے تکنے لگے۔ سپہ سالار نے کہا۔

"دوست، یہ کمال تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟ اب تم میرے دوست ہو"۔

ناگ بولا۔

"سپہ سالار، یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلا کام تم یہ کرو کہ میرا ایک بھائی تختے پر سمندر میں تیرتا لا آ رہا ہے۔ اسے اٹھا کر جہاز میں سوار کراؤ۔ پھر ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے

فتح حاصل کرو"۔

سپہ سالار نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو کشتی میں اتار کر عنبر کے تختے کی طرف روانہ کر دیا۔ ناگ جہاز پر ہی بیٹھا رہا۔

سپاہیوں نے عنبر کے پاس جا کر کہا کہ اس کے بھائی کی خواہش اور سپہ سالار کے حکم پر وہ اسے جہاز میں سوار کرانے کے لیے لینے آئے ہیں۔

عنبر سمجھ گیا کہ ناگ نے ضرور کوئی کرامت دکھائی ہے جو یہ لوگ اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ عنبر کشتی میں سوار ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تم لوگ جنگی جہاز میں سوار ہو؟"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"ہاں، ہم رومن جنگی جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ ہم رومن سپاہی ہیں"۔

جہاز پر پہنچ کر عنبر کا بڑی اچھی طرح سے سپہ سالار نے خیر مقدم کیا۔ ناگ عنبر کو لے کر ایک طرف ہٹ گیا، کیونکہ اب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آ رہا تھا۔

سپہ سالار نے جان بوجھ کر اپنے جہاز پر جنگی جہاز کا خاص نشان والا جھنڈا نہیں لہرایا تھا۔ اگر وہ یہ جھنڈا لہرا دیتا تو ہو سکتا تھا کہ سمندری ڈاکو اپنے سامنے رومن جنگی جہاز کو دیکھ کر بھاگ جاتے۔ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز نزدیک آ گیا۔

سردار ہولکر نے دیکھا کہ جہاز پر کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی جھنڈا بھی نہیں تھا۔ اس نے شاگرد سے کہا۔

اس جہاز کی شکل و صورت رومن جہازوں کی طرح ہے"۔

شاگرد بولا۔

"ہاں، شاید یہ تجارتی جہاز روم سے مال لے کر آ رہا ہے۔ ہمیں حملہ کر دینا چاہیے۔"

سردار نے کہا۔

"جانے کیوں اس جہاز پر حملہ کرنے کے لیے میرا دل مجھے اجازت نہیں دیتا"۔

شاگرد بولا۔

"سردار، کالی ماتا کی قسم یہ جہاز قیمتی سامان سے بھرا ہوا ہے، اس پر حملہ کریں اور سارا مال دولت لوٹ کر اس جہاز کو آگ لگا دیں"۔

سردار نے کہا۔

"مگر جہاز پر کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔ کہیں یہ کوئی میرے خلاف سازش تو نہیں ہو رہی"۔

شاگرد نے کہا۔

"کس مائی کے لال میں اتنی جرات ہے کہ وہ آپ کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ آپ اس سارے علاقے کے سب سے بڑے قزاق ہیں"۔

سردار شاگرد کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"جہاز پر حملہ کر دو"۔

سردار کا اشارہ پاتے ہی سارے کے سارے ڈاکو جنگی جہاز پر کود گئے۔ سپاہی اور سپہ سالار ایک دم کمین گاہوں سے تلواریں اور نیزے لہراتے ہوئے باہر نکل آئے۔

انہوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ جو ڈاکو رسے کی مدد سے کود کر جنگی جہاز پر جاتا۔ سپاہی اسے کاٹ کر رکھ دیتے۔ سردار کو اب محسوس ہوا کہ اس سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی ہے جس جہاز کو وہ تجارتی جہاز سمجھ رہا تھا۔ وہ روم کا ایک جنگی جہاز نکلا تھا۔

ڈاکو ایک ایک کر کے قتل ہوتے گئے۔ ماریا بھی اپنے جہاز پر نکل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے عنبر اور ناگ کو بھی جنگی جہاز پر ایک طرف کھڑے دیکھا۔ سردار ہولکر اور شاگرد کی عنبر، ناگ پر نظر پڑی تو وہ کانپ کر رہ گئے۔

عنبر نے تلوار ہاتھ میں لی اور شاگرد اور سردار پر حملہ کر دیا۔ دونوں عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عنبر کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔

لڑتے لڑتے وہ عنبر کو لے کر جہاز کی پچھلی طرف آ گئے۔

یہاں ناگ بھی آ گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

''عنبر بھائی، اس کو ختم کر دو''۔

عنبر مسکرایا اور شاگرد کی طرف دیکھ کر بولا۔

''پہلے اسے ماروں گا''۔

عنبر نے تلوار شاگرد کے سینے میں گھونپ دی۔ اس کے ساتھ ہی سردار ہونگر نے بھی تلوار عنبر کے سینے میں گھونپ دی۔

عنبر ہنس دیا اور تلوار اپنے سینے سے کھینچ کر بولا۔

''سردار، میں بھوت ہوں۔ تم بھوت کو ہلاک نہیں کر سکتے۔ دیکھ لو میرے زخم بھی نہیں لگا اور خون بھی نہیں لگا۔ اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

سردار بھاگنے لگا تو پیچھے سے ناگ نے پھنکار ماری اور سانپ بن کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

''یہ ناگ ہے، میرا بھائی۔ تمہیں تمہارے ظلم و ستم کی سزا دینے آیا ہے''۔

تیروں کی بارش

سانپ نے لپک کر سردار ہولکر کو ڈس لیا۔

سردار ہولکر سانپ کے ڈستے ہی عرشے پر گر پڑا۔ ناگ جلدی سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ شاگرد ڈاکو مر چکا تھا۔ سردار ہولکر کے مرتے ہی باقی ڈاکوؤں نے بھی ہتھیار پھینک دیے۔

رومی سپہ سالار نے باقی بچے ہوئے ڈاکوؤں کو گرفتار کر

لیا۔ جہاز پر قبضہ کر لیا گیا۔ رات کو فتح کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ سپہ سالار، عنبر اور ناگ کو لے کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

رومی سپہ سالار نے عنبر اور ناگ سے باتیں شروع کر دیں اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

ناگ میں نے تم سے بڑا جادوگر آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے مصر اور روم میں بڑے بڑے ماہر جادوگر دیکھے ہیں مگر جو کام تم نے کیا وہ کوئی بھی نہیں کر سکا۔ یہ بتاؤ کہ تم کو اتنی طاقت کہاں سے حاصل ہوگئی کہ تم انسان سے پرندہ اور پرندے سے پھر انسان بن جاؤ ناگ عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور بولا۔

"اے رومی سپہ سالار میں نے یہ جادو مصر کے ایک

بڑے پرانے کاہن سے سیکھا تھا۔ وہ آج اس دنیا میں نہیں ہے۔ میں نے اس کی بڑی خدمت کی تھی۔ تب کہیں جا کر اس نے یہ جادو مجھے سکھایا۔

سپہ سالار بولا۔

”کیا تم یہ جادو مجھے سکھا دو گے؟ اس جادو سے میں آدھی دنیا پر قبضہ کر سکتا ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

”نہیں سپہ سالار۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تم سے پہلے میں پوری دنیا پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ میں اگر پرندہ بن جاتا تو مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ میں کسی دشمن کو ہلاک کر سکوں۔

بلکہ اگر دشمن چاہے تو مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ اس میں

کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ میں پرندہ بن کر زیادہ کمزور ہو جاتا ہوں۔ انسان کی حیثیت سے تو میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہوں، لیکن پرندہ بن کر مجھے دشمن پتھر پھینک کر بھی مار سکتا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

”تمہاری یہ دوست عنبر بھی کوئی جانتا ہے؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”اے سپہ سالار، ہم دونوں بھائی ہیں۔ جادو صرف میرا یہ بھائی ناگ ہی جانتا ہے۔ مجھے کوئی جادو نہیں آتا“۔

سپہ سالار نے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں جا رہے تھے؟“۔

عنبر نے ایک لمبا قصہ گھڑ کر سپہ سالار کو سنا دیا کہ وہ سوداگر

ہیں یہ جہاز ان کا اپنا ہے۔ سمندری ڈاکوؤں نے جہاز کو لوٹ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور انہیں ایک تختے پر بٹھا کر کھلے سمندر میں چھوڑ دیا۔

سپہ سالار کو عنبر کی کہانی پر یقین آ گیا۔ اس نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"ہم ملک عرب اور بغداد جا کر وہاں کی مسلمان حکومتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں ہم نے سنا ہے کہ مسلمان لوگ بڑے ایماندار او بہادر ہیں اور ان کے ملک میں امن اور خوشحالی ہے۔ کیا تم وہاں کبھی گئے ہو؟"۔

رومی سپہ سالار بولا۔

تم نے جو سنا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مسلمان ایک بہادر

اور دیانتدار قوم ہے۔ ان کے بادشاہ بڑے سادہ اور ایماندار ہیں اور غریبوں سے مل کر خوش ہوتے ہیں اور غریبوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

عنبر بولا۔

"مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہو گی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے جہاز میں سوار ہو کر ملک ہندوستان جائیں۔ جہاں ایک شہر میں کاہن سے سیکھا تھا۔ وہ آج اس دنیا میں نہیں ہے۔ میں نے اس کی بڑی خدمت کی تھی۔ تب کہیں جا کر اس نے یہ جادو مجھے سکھایا"۔

سپہ سالار بولا۔

"کیا تم یہ جادو مجھے سکھا دو گے؟ اس جادو سے میں آدھی دنیا پر قبضہ کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

نہیں سپہ سالار، ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تم سے پہلے میں پوری دنیا پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ میں اگر پرندہ بن جاتا تو مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ میں کسی دشمن کو ہلاک کر سکوں۔ بلکہ اگر دشمن چاہے تو مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔

میں پرندہ بن کر زیادہ کمزور ہو جاتا ہوں۔ انسان کی حیثیت سے تو میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہوں، لیکن پرندہ بن کر مجھے دشمن پتھر پھینک کر بھی مار سکتا تھا۔

سپہ سالار نے کہا۔

”تمہارا یہ دوست عنبر بھی کوئی جادو جانتا ہے؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”اے سپہ سالار، ہم دونوں بھائی ہیں۔ جادو صرف میرا یہ بھائی ناگ ہی جانتا ہے۔ مجھے کوئی جادو نہیں آتا“۔

سپہ سالار نے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں جا رہے تھے؟“۔

عنبر نے ایک لمبا قصہ گھڑ کر سپہ سالار کو سنا دیا کہ وہ سوداگر ہیں یہ جہاز ان کا اپنا جہاز تھا۔ سمندری ڈاکوؤں نے جہاز کو لوٹ کر اس پر قبضہ کر لیا اور انہیں ایک تختے پر بٹھا کر کھلے سمندر میں چھوڑ دیا۔ سپہ سالار کو عنبر کی کہانی پر یقین آ گیا۔

اس نے کہا۔

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“۔

عنبر بولا۔

”ہم ملک عرب اور بغداد جا کر وہاں کی مسلمان حکومتوں

کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ مسلمان لوگ بڑے ایماندار اور بہادر ہیں اور ان کے ملک میں امن اور خوشحالی ہے۔ کیا تم وہاں کبھی گئے ہو؟"۔

رومی سپہ سالار بولا۔

"تم نے جو سنا، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مسلمان ایک بہادر اور ایماندار قوم ہے۔ اس قوم نے دیکھتے دیکھتے سارے مشرق پر اپنا اثر جمالیا ہے۔ ان کے بادشاہ بڑے سادہ اور ایماندار ہوتے ہیں اور غریبوں سے مل کر خوش ہوتے ہیں اور غریبوں کی زندگی بسر کرتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوگی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے جہاز میں سوار ہو کر ملک ہندوستان میں جائیں۔ جہاں ایک شہر میں ہم نے کچھ دولت جمع کر رکھی ہے۔ وہاں سے ہم وہ دولت لے کر ملک عرب کی طرف چل پڑیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ اگر ہم شمال مغرب میں سفر کرتے رہیں تو کتنے دنوں میں ملک عرب پہنچ جائیں گے؟"۔

سپہ سالار بولا۔

"یہاں سے اگر تم لوگ سفر کرو تو دس روز کے بعد تم ملک عرب کی بندرگاہ بصرہ پہنچ جاؤ گے"۔

"شکریہ، آپ سے ہمیں بڑی معلومات حاصل ہوئی ہیں"۔

وہ رات عنبر، ناگ اور ماریا نے سپہ سالار کے رومی جہاز پر بسر کی۔ اگلے روز تینوں بہن بھائی اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔

رومی سپہ سالار اپنے سفر پر روانہ ہو گیا اور عنبر اور ناگ اپنے سفر پر ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ وہ وہاں سے اپنا خزانہ واپس جہاز پر لاد کر بصرے کا رخ کرنا چاہتے تھے۔

اپنے جہاز پر آ کر تینوں بہن بھائی بڑے خوش ہوئے۔ ماریا تو کیبن میں جاتے ہی بڑے مزے سے قالین پر لیٹ گئی اور بولی۔

"ایک مدت کے بعد اپنے گھر کا بستر نصیب ہوا ہے۔ اب تو میں سو جاؤں گی اور کل اٹھوں گی"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے مجھے بھی اپنے کیبن میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔ کبھی کبوتر اور کبھی طوطا بن کر اڑتے اڑتے میرے بازو درد کرنے لگے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ میں جہاز چلاتا رہوں گا۔ جاؤ خدا حافظ"۔

ناگ اور ماریا اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر سو گئے۔

جہاز کے عرشے پر عنبر اکیلا رہ گیا۔ اس نے سب سے پہلے کیبن میں جا کر میز پر پھیلے ہوئے نقشے میں سے یہ دیکھا کہ وہ درست راستے پر جا رہا ہے؟

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ ٹھیک سمت کو جہاز لیے جا رہا ہے تو پھر وہ بھی اوپر عرشے پر آ کر سائبان کے نیچے تخت پر

لپٹ گیا۔

تھکاوٹ اسے بھی بہت ہو گئی تھی۔ سمندر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں اسے بھی نیند آ گئی۔ اس کے سوتے میں ہی جہاز اپنی منزل کی طرف چلتا رہا۔

دوپہر کے وقت عنبر کی آنکھ کھلی تو اس نے گھبرا کر سب سے پہلے بادبانوں کی طرف دیکھا۔ تیز ہوا میں جہاز کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے اپنی منزل کی طرف جہاز کو لیے جا رہے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ جہاز ٹھیک سمت پر چلا جا رہا تھا۔ اتنے میں ناگ اور ماریا بھی جاگ پڑے۔ انہوں نے عرشے پر بیٹھ کر ہی کھانا کھایا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب کسی ڈاکو نے ہمارے خزانے کو نہیں لوٹا ہو گا۔ وہ اسی جگہ زمین میں دفن ہو گا جہاں ہم اسے دبا کر آئے تھے"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر وہ اس بار بھی اسے ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہوں گے تو ہم کیا کریں گے؟"۔

ماریا بولی۔

"ہم خزانے پر لعنت بھیجیں گے۔ کم بخت اس دولت کی وجہ سے ہم پہلے ہی کافی تکلیف اٹھا چکے ہیں"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"ماریا بہن ٹھیک کہتی ہے۔ ہم اس دفعہ خزانے پر لعنت بھیجیں گے اور خالی جہاز لے کر ملک عرب کی طرف روانہ ہو

جائیں گے۔ ہمیں خزانے کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی جائیں گے۔ دولت پیدا کر لیں گے"۔ ناگ نے کہا۔

"جس ملک میں ہم جا رہے ہیں۔ وہاں دولت کی اتنی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمیں وہاں سادگی کے ساتھ داخل ہونے کی کوشش کرنی ہوگی"۔

"ایسا ہی ہوگا"۔ عنبر بولا۔

"لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بار خزانے کی جگہ کو کھود کر دیکھنا ضرور ہوگا کہ خزانہ وہاں موجود ہے یا نہیں"۔

"کیوں نہیں۔ اسی لیے تو ہم جا رہے ہیں"۔

ہندوستان کے مغربی ساحل سے وہ ڈاکوؤں کے ساتھ کافی آگے نکل چکے تھے، چنانچہ ایک دن اور ایک پوری رات

جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

دوسرے دن سہ پہر کو انہیں ہندوستان کا ساحل دکھائی دیا۔ جہاز کو وہ کھاڑی میں لے آئے اور ایک جگہ پہاڑی کے دامن میں انہوں نے جہاز کو کھڑا کر کے لنگر پانی میں پھینک دیا۔

جہاز کے رکتے ہی عنبر اور ناگ جہاز پر سے کشتی میں سوار ہو کر نیچے اترے اور کھاڑی کے پانی پر تیرتے کنارے آ گئے۔

ماریا جہاز پر ہی رہی، کیونکہ جہاز کو وہ اب خالی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے عنبر اور ناگ تیزی سے ساحل پر اتر کر اس نیلی چٹان کی طرف دوڑے جہاں انہوں نے اپنے خزانے کا صندوق دفن کر رکھا تھا۔

نیلی چٹان کے پاس آ کر انہوں نے زمین کھودنا شروع کردی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ خزانہ اپنی جگہ جوں کا توں موجود تھا۔ انہوں نے صندوق اٹھا کر کشتی میں لادا اور کشتی کو لے کر جہاز پر آ گئے۔

ماریا نے خزانے کے صندوق کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ خزانہ ضرور کسی نہ کسی ڈاکو نے چرا لیا ہوگا۔ خزانے کے صندوق کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہوگئی۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، خزانہ واپس مل تو گیا ہے مگر خدا کی قسم اس دولت کا بھروسہ کوئی نہیں ہے۔ آج تمہارے پاس ہے تو کل اس کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں ہوگی اور کس حال میں ہوگی؟"۔

عنبر جھٹ بولا۔

ماریا بہن، اب تو یہ کم از کم ملک عرب جانے تک ہمارے پاس ہی رہے گی۔ ہاں اس کے بعد کی کوئی خبر نہیں کہ پھر کیا ہو گا ہمیں بھی کوئی دولت کا لالچ نہیں ہے۔

اگر دولت کا لالچ ہوتا تو میں بڑی آسانی سے کسی ملک میں جاگیر لے کر آرام سے گزر بسر کر سکتا تھا۔

ناگ نے بات بدل کر کہا۔

"اب ہمیں جلدی سے واپسی کا سفر شروع کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ابھی سمندر میں دس روز کا سفر موجود ہے اور جہاز کی رفتار بہت ہلکی ہے"۔

عنبر بولا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم آج کی رات کھاڑی میں آرام کرنے

کے بعد کل صبح منہ اندھیرے تازہ ہوا میں یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے"۔

خزانہ لا کر انہوں نے جہاز کے تہہ خانے میں رکھ دیا اور اس کے اوپر گھاس پھونس ڈال دیا۔ پھر وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر عرشے پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ یہاں سمندر میں بڑے مچھر تھے اور حبس بھی بہت تھا۔

آدھی رات کو ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہو گئی اور یہ سب سو گئے۔ بادبانی جہاز کھاڑی میں کھڑا رات کی ہوا میں ہولے ہولے ڈولتا رہا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر مشرق کی طرف پیلا پیلا زرد اداس چاند طلوع ہوا ہی تھا کہ جنگل میں دلدلوں کی طرف سے کسی کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد کسی الو کی آواز سنائی دی۔ جنگل میں پھر سناٹا چھا گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر بے سدھ ہو کر سو رہے تھے۔

ان میں سے کسی نے بھی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ ایک بار پھر الو کی آواز جنگل میں گونجی۔ اس آواز پر ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ یہ آواز کس کی تھی۔ جنگل میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

ناگ نے سوچا کہ یہ اس کا وہم تھا۔ جنگل میں آواز کسی کی بھی نہیں تھی۔ وہ پھر کان لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اچانک الو کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ایسے معلوم ہوا جیسے کوئی سوکھی گھاس پر آہستہ آہستہ قدم رکھتا آگے بڑھ رہا۔ ناگ عرشے کے تختے

پرے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ جنگل کے پاس آ کر جھک کر کھاڑی میں دیکھنے لگا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ مشرق میں پھیکا سا چاند نکل آیا تھا جس کی پھیکی روشنی میں جنگل میں زردی دھند پھیل گئی تھی۔

ناگ واپس جا کر سونے کی سوچ رہا تھا کہ شائیں سے ایک تیر جنگل کی طرف سے آیا اور اس کی ران میں آ کر کھب گیا۔ ناگ عرشے پر گر پڑا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"عنبر۔۔۔ عنبر۔۔۔ جاگو۔۔۔"

اس کی آواز پر عنبر اور ماریا جاگ پڑے۔

"ماریا اوپر مت اٹھنا۔ جنگل سے تیر آ رہے ہیں"۔

ناگ کو معلوم تھا کہ عنبر کو تو تیر کچھ نہیں کہیں گے، لیکن اگر ماریا کے تیر لگ گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔ عنبر ناگ کے قریب آ کر اس کی ران میں سے تیر نکالنے لگا۔

"یہ تیر کہاں سے آیا؟"۔

"جنگل کی طرف سے۔ معلوم ہوتا ہے، جنگل کے وحشی ہمارے جہاز پر حملہ کرنے بڑھ رہے ہیں"۔

عنبر نے ناگ کی ران میں سے تیر نکال کر پھینک دیا اور اسے اٹھا کر نیچے کیبن میں لے گیا۔ زخم پر جلدی سے پٹی باندھی اور تیر کمان لے کر اوپر آ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"میں بھی اوپر آ کر مقابلہ کروں گی"۔

عنبر بولا۔

"تم یہیں رہو۔ میں دشمن کو سنبھال لوں گا"۔

یہ کہہ کر عنبر تیر کمان لے کر اوپر آ گیا۔ وہ عرشے پر لیٹ گیا اور جنگلے کی رسیوں میں سے آنکھیں پھاڑ کر جنگل میں دیکھنے لگا۔

وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دیر تک جنگلے کے ساتھ لگا عرشے پر لیٹا رہا۔ پھر اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی شخص لنگر کی زنجیر پر چڑھ رہا ہو۔

وہ جلدی سے لنگر کی طرف گیا۔ ایک وحشی خنجر دانتوں میں دبائے اوپر چڑھ رہا تھا۔ عنبر نے تاک کر تیر چلایا۔ تیر وحشی کی گردن میں لگا اور وہ چیخ مار کر سمندر میں گر پڑا۔

وحشی کی چیخ کے ساتھ ہی جنگل میں کتنے ہی وحشیوں کی چیخیں گونج اٹھیں اور جہاز پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی دس بارہ وحشی لنگر کی زنجیر سے لٹک کر جہاز پر چڑھنا شروع ہو گئے۔

عنبر تیر برسانے لگا۔ دو چار مر گئے باقی جہاز کے عرشے پر چڑھ آئے۔ ایک وحشی نے کلہاڑا پورے زور سے عنبر کے کندھے پر دے مارا۔

کندھا کٹنے کی بجائے کلہاڑا ٹوٹ کر دور جا گرا۔ عنبر نے خنجر سے وحشی کو اسی وقت ہلاک کر دیا۔ اب سارے وحشی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ زنجیر پر سے ہو کر دس بارہ اور وحشی اوپر جہاز پر چڑھ دوڑے۔

عرشے پر زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ اب نیچے سے ماریا بھی اوپر آ گئی۔ عنبر اکیلا وحشیوں سے مقابلہ کر رہا تھا مگر وحشی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انہوں نے عنبر کو پکڑ کر رسیوں سے جکڑ کر عرشے پر پھینک دیا۔

عنبر کو جکڑ کر وحشی نیچے کیبن کی طرف بڑھے۔ ماریا انہیں نیچے آتا دیکھ کر راستے سے ہٹ کر پیچھے چلی گئی۔ اسے سب سے زیادہ فکر ناگ کی تھی۔

ناگ کی ٹانگ زخمی ہو گئی تھیں اور وحشی اسے ہلاک کر سکتے تھے۔ وہ بھاگی بھاگی ناگ کے کیبن میں گئی اور اسے بتایا کہ وحشیوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ لیا اور اب وہ نیچے آ رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

”تم ان پر غلبہ پانے کی کوشش کرو۔ میں سانپ بن سکتا ہوں، مگر زخمی ہونے کی وجہ سے انہیں ڈس نہیں سکتا۔“

”جلدی کرو“۔

کیبن کی چھت پر چڑھ گیا۔ ماریا باہر نکل کر خزانے والے کیبن کے دروازے پر جا کھڑی ہو گئی۔ اس دوران میں وحشی کیبن کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اور خزانے کے صندوق کو کھولے ہیرے جواہرات اور سونے کی اشرفیوں کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور اپنی جنگلی زبان میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے انہوں نے خزانے کا صندوق سر پر اٹھایا اور عرشے پر آ گئے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر نیزے سے ایک وحشی کو ڈھیر کر دیا۔ دوسرے وحشیوں تے چاروں طرف تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اگر ماریا جلدی سے عرشے پر جھک کر لیٹ نہ جاتی تو اس کا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا ہوتا۔ وہ مر جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی۔

وہ گھبرا گئی۔ وحشی خزانے کے صندوق اور رسی میں جکڑے ہوئے عنبر کو لے کر جہاز سے نیچے اتر گئے۔ ماریا لنگر کی زنجیر سے نیچے نہیں اتر سکتی تھی۔ وہ کشتی کو اتارنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ وحشی خزانے کے صندوق اور عنبر کو اٹھائے جنگل کی تاریکی میں غائب ہوگا۔

یہ سارا کچھ اتنی جلدی اور اتنی تیزی سے ہو گیا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ماریا بھاگی بھاگی نیچے کیبن میں آ گئی۔ ناگ ابھی تک چھت سے چمٹا ہوا تھا۔ ماریا نے اسے نیچے آنے کو کہا۔

سانپ پھر سے ناگ کی شکل میں آ گیا۔ ماریا نے اسے بتایا کہ وحشی خزانے کے صندوق اور عنبر کو اٹھا کر جنگل میں چلے گئے ہیں۔ ناگ پریشان ہو گیا۔

"اب کیا ہوگا ماریا؟"۔

"تم یہیں بیٹھو ناگ بھائی، میں جنگل میں جا کر عنبر کو تلاش کروں گی"۔

"تمہارا اکیلی کا جانا خطرناک ہے ماریا۔ تم ٹھہرو میں جنگل میں جاؤں گا"۔

"نہیں ناگ بھائی، تم زخمی ہو۔ میں اپنے بھائی کو تلاش کروں گی"۔

ماریا نے باہر سے کیبن بند کر دیا اور بڑی احتیاط سے رسی

لاش کے ٹکڑے

ناگ جہاز کے عرشے پر دھوپ میں لیٹا رہا۔

ماریا جنگل کے درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتی عنبر کی تلاش میں چلی جا رہی تھی۔ دوسری طرف وحشی عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر جنگل میں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں چاروں طرف اونچے پہاڑ اور چٹانیں تھیں۔

ان کے درمیان کھاڑی سے دور ایک وادی میں وحشیوں

کے کچے مکان بنے تھے۔ انہوں نے عنبر کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور خزانہ اپنے سردار کے آگے جا کر رکھ دیا۔ وحشی سردار نے خزانے کی اشرفیاں اور جواہرات دیکھے تو دنگ رہ گیا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ خزانہ اس کوٹھڑی میں چھپا دیا جائے۔

خزانے کا صندوق سردار کی جھونپڑی میں لے جا کر چھپا دیا گیا۔

اب سردار نے فیصلہ کیا کہ جس قیدی کو پکڑ کر لایا گیا ہے اسے دیوتاؤں کے آگے قربان کرنے کی تیاری کی جائے۔ عنبر کو دیوتاؤں کے آگے ذبح کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس وقت دن کا سماں تھا۔ قربانی اگلے دن صبح دی جا

رہی تھی۔ یہ بات عنبر نے ان وحشیوں کی زبانی سنی جو اس کی جھونپڑی کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اس قیدی کو صبح سورج نکلنے سے پہلے قربان کر دیا جائے گا۔

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ ان گدھوں نے اس کے لیے خوامخواہ کی ایک مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ کم بختوں کو جب معلوم ہوگا کہ وہ عنبر کو قربان نہیں کر سکتے تو نانی یاد آ جائے گی۔

اس نے سوچا کہ ناگ اور ماریا کو ضرور معلوم ہو گیا ہوگا اور وہ اس کی تلاش میں آ رہے ہوں گے۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ ماریا وغیرہ کے آنے سے پہلے ہی اس جگہ سے نکل بھاگے تو اچھا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ماریا کسی مصیبت میں پھنس جائے۔

اسے معلوم تھا کہ ناگ زخمی ہو گیا ہے۔ اب وہ کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگا جس پر عمل کر کے وہ اس جگہ سے فرار ہو جائے۔

دوسری طرف ماریا بیرامیر جنگل میں آگے بڑھ رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ چٹانوں کی وادی میں آ گئی۔ یہاں اس نے ایک ندی کو دیکھا جو بل کھاتی ہوئی وادی میں سے گزر رہی تھی۔

اب شام کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جنگل میں رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ ماریا پریشان ہو گئی۔ پیچھے جہاز میں ناگ زخمی بھی تھا اور اکیلا بھی تھا۔

وہ جنگل میں تنہا تھا۔ عنبر وحشیوں کی قید میں تھا۔ وہ رات ہونے سے پہلے پہلے عنبر تک پہنچ جانا چاہتی تھی مگر ایسا نہ ہو

سکا۔

وہ ایک درخت کے نیچے پتھروں پر بیٹھ گئی۔ اسے نہ تو تھکان تھی اور نہ ہی نیند آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنا سفر اور اپنی تلاش جاری رکھنی چاہیے؛ چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

ندی عبور کر کے وہ گھنے جنگل میں سے گزرنے لگی۔ اب وہ ایک پہاڑی کی ڈھلان چڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر چاند نکل آیا۔ جس کی روشنی میں جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دینے لگی۔

ماریا پہاڑی پر سے دوسری طرف اتری تو اس نے چاندنی میں دیکھا کہ وادی میں ایک طرف چٹانوں کے سایوں میں چھوٹی چھوٹی کچی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اس کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو جنبرا اس جگہ وحشیوں کی قید میں ہے۔ وہ وادی میں آ گئی۔ ماریا کسی کو دکھائی تو نہیں دے رہی تھی۔ لیکن اس کے وجود کو کتوں نے محسوس کر لیا تھا۔ کتے بھونکنے لگے۔

ماریا چلتی چلی گئی۔ وہ کچی جھونپڑیوں کے قریب آ کر ایک درخت کے پاس رک گئی۔ کتوں کو بھونکتے سن کر دو چار وحشی جھونپڑوں سے باہر آ گئے۔ وحشیوں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ کتے کس پر بھونک رہے ہیں۔

کتے رات کو کبھی نہیں بھونکتے تھے۔ جب تک کہ ان کو کوئی آدمی آتا دکھائی نہ دے۔ مگر انہیں وہاں کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر انہوں نے کتوں کو پکڑا اور لے جا کر دوسری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

ماریا ایک کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گئی۔ اس کوٹھڑی کے اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس نے کھڑکی کی درز میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔

کیا دیکھتی ہے کہ اندر ایک موٹا آدمی جس کے سر پر پروں کا تاج تھا اور جو اس آدم خور قبیلے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ ہیرے جواہرات کا صندوق کھولے بیٹھا ہے۔ اس کے پاس دو چار وحشی بھی زمین پر بیٹھے ہیں۔ سردار انہیں کہہ رہا ہے:

"یہ بڑا قیمتی خزانہ ہے۔ میں نے ایسے خوبصورت قیمتی ہیرے کبھی نہیں دیکھے"۔

وحشی بولا۔

"سردار، دیوتا ہم پر بڑے خوش ہیں"۔

سردار نے ہنس کر کہا۔

"جب ہم اس قیدی کو دیوتاؤں پر قربان کریں گے تو وہ اور زیادہ خوش ہوں گے"۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ لوگ وہی غلطی کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کئی آدم خور کر چکے ہیں، یعنی وہ عنبر کو قربان کر رہے ہیں۔ اب ماریا کے سامنے دو سوال تھے۔ پہلا کہ کسی طرح سے عنبر کو یہاں سے نکالا جائے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اپنے ساتھ خزانہ بھی یہاں سے لے کر جہاز پر لایا جائے۔ سب سے پہلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ عنبر کون سی کوٹھڑی میں قید ہے۔ اس نے کوٹھڑیوں کے چکر لگانے شروع کر دیے۔

چلتے چلتے وہ ایک ایسی کوٹھڑی کے آگے آ کر رک گئی

جہاں دو وحشی نیزے ہاتھوں میں پکڑے بڑے چاق و چوبند ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ عذرا اسی کوٹھڑی میں قید ہے۔

وہ اس کوٹھڑی کے اندر جانا چاہتی تھی۔ ماریا قریب آ گئی۔ پھر اس نے ایک وحشی کے سر پر روڑا مارا۔ وہ پلٹ کر دوسرے وحشی کی طرف گھوما۔

"کیا تم نے مجھے مارا؟"۔

دوسرا وحشی بولا۔

"نہیں تو، میں تو تمہارے سامنے کھڑا ہوں"۔

پہلا بولا۔

"مگر میرے سر پر کسی نے روڑا مارا ہے"۔

"تمہارا وہم ہے۔ اگر میں تمہیں نہیں مار سکتا تو پھر یہاں

اور کوئی نہیں ہے۔ تمہیں خواب آیا ہوگا"۔

دوسرا وحشی سر کو جھٹک کر پھر سے پہرہ دینے لگا۔ ماریا نے پہلے والے وحشی کے بالکل قریب آ کر زور سے چیخ ماری۔ دونوں وحشی اچھل کر گر پڑے۔ اٹھ کر انہوں نے نیزے تان لیے اور ہوا میں نیزے چلانا شروع کر دیے۔

ماریا جلدی سے پرے ہٹ گئی۔ اسے جان کا خطرہ تھا، کیونکہ وحشی ڈرنے کی بجائے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قبیلے میں جن بھوتوں سے کوئی بھی نہیں ڈرتا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔ قبیلے کے بڑے جادوگر نے انہیں یہی کہہ رکھا تھا کہ وہ جن بھوتوں پر حکومت کرتا ہے۔

ماریا بڑی پریشان ہو گئی کہ اب کوٹھڑی کے اندر کیسے جائے؟ رات گزر رہی تھی۔ چاند مغرب کی طرف چلا گیا تھا۔ اتنے میں عنبر نے اندر سے آواز دی جو صرف وحشیوں نے سنی تھی۔ ایک وحشی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"سو جاؤ۔ صبح تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اب آرام کر لو"۔

پھر دونوں وحشی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ماریا کو ان دونوں پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ کم بخت راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اس کوٹھڑی میں بند ہے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک وحشی کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ وحشی نے جو نیزہ غائب ہوتے دیکھا تو چکرا گیا۔ اب وہ ڈر گیا تھا۔ کیونکہ نیزہ کبھی کسی نے اس کے ہاتھ سے چھین کر غائب نہیں کیا تھا۔ اس نے دوسرے وحشی سے کہا۔

"یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے"۔

پہلا وحشی بولا۔

"ہم اس بھوت کا مقابلہ کریں گے۔ ہمارے جادوگر نے کہا ہے کہ سارے بھوت ہمارے غلام ہیں"۔

یہ کہہ کر وحشی نے نیزہ چلانا شروع کر دیا۔

"بھوت جہاں کہیں ہو گا مجھ سے قتل ہو جائے گا"۔

ماریا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اس وحشی پر خاص طور پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ کہ بدبخت مقابلے پر اتر آیا ہے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر نیزے کی نوک وحشی کی گردن میں چبھوئی۔ وحشی اچھل کر پرے ہٹ گیا۔

"بھوت مجھے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم خبردار رہنا"۔

دوسرا وحشی ڈر گیا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی کی گردن میں سے خون بہنے لگا ہے تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"یہاں سے بھاگ چلو۔ نہیں تو یہ بھوت ہمیں مار ڈالے گا"۔

پہلا وحشی بولا۔

"ہرگز نہیں۔۔ میں اس بھوت کو ماروں گا اور یا خود اسی جگہ مر جاؤں گا"۔

بہادر وحشی ہوا میں نیزہ لہرا رہا تھا۔ ماریا بھی گھبرا گئی کہ یہ ضدی راستے سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ اتنے میں اس کا نیزہ ماریا کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نیزے سے ٹکرا گیا۔ وحشی چیخ مار کر بولا۔

"میں نے بھوت کے نیزے سے اپنا نیزہ ٹکرا دیا۔ اب میں بھوت کو ہلاک کر دوں گا"۔

اب اس نے زیادہ جوش کے ساتھ حملے شروع کر دیے۔ ماریا پریشان ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ شاید اس وحشی نے ماریا کے قدموں کی چاپ سن لی تھی۔

وہ ٹھیک اسی طرف آگے بڑھ رہا تھا جدھر ماریا پیچھے ہٹ رہی تھی۔ وہ بڑھتے بڑھتے بالکل ماریا کے اوپر آ گیا۔ ماریا کے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے وحشی کو ہلاک کر دے۔ چنانچہ اس نے نیزہ اٹھایا اور اسے زور سے پھینک کر اس کے سینے میں اتار

دیا۔

ایک چیخ کے ساتھ وحشی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اسے گر کر تڑپتا دیکھ کر دوسرا وحشی وہاں سے شور مچاتا بھاگ گیا۔ ماریا نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا وہ جلدی سے کوٹھڑی کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ اندر جاتے ہی اس نے دیکھا کہ دیے کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر رسیوں کے ساتھ جکڑا زمین پر پڑا ہے۔

"عنبر بھائی، میں آگئی ہوں"۔ ماریا نے کہا۔

عنبر نے پوچھا۔

"ناگ کا کیا حال ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"وہ آرام کر رہا ہے۔ اب میرے ساتھ یہاں سے نکل

چلو"۔

عنبر بولا۔

"ماریا بہن، میری رسیاں کھول دو مگر سوال یہ ہے کہ ہم خزانے کا صندوق لیے بغیر یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"خزانے کا صندوق سردار کی کوٹھڑی میں ہے اور اس وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے لالچی نظروں سے دیکھ رہا ہے"۔

عنبر بولا:

"تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے سردار کی کوٹھڑی میں چل کر خزانے پر قبضہ کرنا ہوگا"۔

ماریا نے کہا

یہ مشکل کام ہے۔ اسے تم نہیں کر سکتے، کیونکہ تمہیں سارے دیکھ کر پکڑ لیں گے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ صبح یہ لوگ تمہیں پھانسی پر چڑھا کر تمہاری لاش دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دریا میں پھینک رہے ہیں۔

عنبر بولا۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ مگر کیا تم اکیلی خزانے کو یہاں سے نکال سکتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں خزانے کو سر پر اٹھا کر جہاز تک تو نہیں لے جا سکتی، لیکن کم از کم اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ خزانے کو غائب کر دوں۔ کوئی بھی سوائے میرے اسے نہ دیکھ سکے۔ یہ وحشی لوگ تمہیں دیکھ کر خزانے کو بھی دیکھ لیں گے اور پھر ہمارے لیے خزانے کو جہاز تک لے جانا مشکل ہو جائے گا"۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ پھر تم جس طرح چاہو کرو"۔

ماریا نے کہا۔

"تم وہی کوٹھڑی میں ٹھہرو۔ میں خزانہ سردار کی کوٹھڑی سے اٹھا کر باہر لاتی ہوں۔ باہر لا کر میں اسے غائب کر دوں گی۔ پھر آ کر تمہیں اطلاع کر دوں گی"۔

ماریا عنبر کی کوٹھڑی سے نکل کر سردار کی کوٹھڑی کی طرف چلی تو سامنے سے وحشی لوگوں کا ایک گروہ عنبر کی طرف آ رہا تھا، کیونکہ بھاگے ہوئے وحشی نے وہاں جا کر شور مچا دیا کہ کسی بھوت نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس گروہ

میں قبیلے کا جادوگر سب سے آگے آگے تھا۔ اس میں سردار بھی تھا۔

وحشی کی لاش کو جادوگر نے غور سے دیکھا۔ عنبر اندر ہی تھا۔ سردار نے وہاں نیا پہرہ لگوا دیا۔ پھر اس نے جادوگر سے کہا۔

"اپنے جادو سے پتا لگاؤ کہ یہ بھوت کون ہے۔ یہ کیوں یہاں آ گیا ہے؟ اس کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ میرے آدمی کو ہلاک کر دے۔ تم ان پر کیسی حکومت کرتے ہو؟"۔

جادوگر نے ایک دائرہ بنا کر زمین پر ہڈیاں پھینکیں اور منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ دوسری طرف ماریا نے میدان صاف دیکھا تو سردار کی کوٹھڑی کی طرف بڑھی۔ اس کا خیال تھا کہ کوٹھڑی خالی ہو گئی مگر وہاں دو وحشی پہرہ دے رہے تھے۔

دونوں کے ہاتھوں میں نیزے اور تلواریں تھی۔ ماریا کے لیے وقت بہت کم تھا۔ سردار کے آنے سے پہلے پہلے اسے خزانے کو کوٹھڑی میں سے نکال کر باہر لے جانا تھا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک وحشی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ ابھی وہ پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی تلوار کون چھین کر لے گیا کہ ماریا نے تلوار مار کر اس کی گردن اڑا دی۔

دوسرا وحشی چیخ مار کر بھاگ گیا۔ ماریا فوراً سردار کی کوٹھڑی میں داخل ہو گئی۔ ادھر ادھر تلاش کر کے آخر اس نے دیکھ لیا کہ خزانہ کہاں ہے۔

خزانے کا صندوق بھاری تھا مگر اس صندوق کو باہر لے جانا بہت ضروری تھا۔ ماریا اسے گھسیٹتی ہوئی کوٹھڑی سے باہر

لے آئی۔

باہر آ کر اس نے صندوق کو کسی نہ کسی طرح جھک کر اپنے سر پر اٹھا لیا۔ صندوق کو اپنے سر پر اٹھاتا تھا کہ وہ غائب ہو گیا۔ صندوق کے غائب ہوتے ہی ماریا نے جنگل کی طرف واپس پلٹنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دور جنگل میں جا کر وہ تھک گئی۔ اسے پسینہ آ گیا اور ٹانگیں ڈگمگانے لگیں۔ اس نے خزانے کے صندوق کو ندی کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر مٹی اور پتھر ڈال دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر واپس گھومی۔

ادھر قبیلے کے وحشی جادوگر نے منتر پڑھنے کے بعد اپنا سر کھجایا اور دوسری بار پھر ہڈیاں پھینک کر زور زور سے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ پھر وہ حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔

سردار نے گرج کر کہا۔

”تم چپ کیوں ہو جادوگر؟ کیا بات ہے؟“۔

جادوگر نے کہا۔

”سردار، کوئی عجیب و غریب قسم کی شے یہاں آ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے میرا جادو نہیں چل رہا“۔

سردار نے غصے میں آ کر کہا۔

”کیا مطلب؟“۔

جادوگر بولا۔

”غصے میں نہ آؤ سردار، کام خراب ہوتا معلوم ہو رہا ہے۔ یہاں کوئی ایسی روح پھر رہی ہے جو بڑی طاقت رکھتی ہے“۔

سردار نے طیش میں آ کر کہا۔

”میں اس بدروح کے ٹکڑے اڑا دوں گا“۔

جادوگر کہنے لگا۔

"اگر تم ایسا کر سکتے ہو سردار تو ضرور کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ میں اس زبردست طاقت والی روح کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے جادو نے بتایا ہے کہ اس کوٹھڑی میں بھی کوئی بہت بھاری طاقت والا آدمی انجام بنا بیٹھا ہے"۔

سردار نے جادوگر کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

"بھاگ جاؤ بد بخت یہاں سے۔ آج سے تم بھی میرے دشمن ہو"۔

جادوگر اپنی ہڈیوں کی پوٹلی اٹھا کر وہاں سے بھاگ گیا۔

سردار نے کہا۔

"صبح ہونے والی ہے۔ اس قیدی کو قربان کر دیا جائے۔ شاید دیوتا ہم سے ناراض ہیں۔ اس طرح سے وہ خوش ہو جائیں گے"۔

وحشی عنبر کو کوٹھڑی میں سے پکڑ کر باہر لے آئے۔ وہ رسیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ وحشی اسے اس جگہ لے آئے جہاں تلوار سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے دیوتا کے آگے پھینکا جاتا تھا۔

بصرے کی طرف

وحشیوں کا سردار قیدی کو جلد سے جلد قربان کر دینا چاہتا تھا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ دیوتا ناراض ہو گئے ہیں اور جب تک وہ قیدی کی قربانی نہیں دے گا، دیوتا اس پر خوش نہیں ہوں گے۔

اس نے جلاد کو حکم دیا کہ قیدی کی گردن اڑا دی جائے۔

جلاد تلوار لے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک وحشی چیختا ہوا آیا۔

"سردار، خزانہ غائب ہے؟"۔

سردار غصے سے پاگل ہو گیا۔

"کیا کہا؟ خزانہ غائب ہے؟ کون لے گیا خزانے کو؟ ابھی تو میں اسے کوٹھڑی میں چھوڑ کر آیا ہوں"۔

وحشی نے کہا۔

"سردار، ایک پہرے دار کی وہاں لاش پڑی ہے۔ دوسرا غائب ہے"۔

سردار چلایا۔

"اس قیدی کی گردن اڑا دو۔ یہ ساری اس کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ جلاد، تلوار چلاؤ"۔

جلاد نے تلوار اپنے سر کے اوپر سے گھما کر پوری طاقت

سے عنبر کی گردن پر ماری۔ تلوار عنبر کی گردن سے لگتے ہی دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔

جلاد بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ زمین پر قیدی عنبر کی گردن گرے گی مگر اس کی جگہ تلوار اس کے اپنے ہاتھ سے چھوٹ کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی تھی۔ وہ سردار کی طرف دیکھنے لگا۔ سردار نے جلدی سے دوسری تلوار اس کی طرف پھینک کر کہا۔

''اس دوسری تلوار سے اس کی گردن اڑا دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے''۔

جلاد نے سردار کی تلوار تھام کر عنبر پر دوسرا حملہ کیا مگر اس بار بھی تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔ اب ماریا بھی وہاں پہنچ گئی تھی اور دل چسپی سے یہ سارا کھیل دیکھ رہی تھی۔

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

''سردار، تمہارے قبیلے کی ساری تلواریں ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گی مگر میرے جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلے گا''۔

سردار خود اپنی تلوار لے کر آگے بڑھا جو اسے جادوگر نے خاص طور پر دی تھی۔ اس تلوار پر ایسا جادو کیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی بڑے سے بڑے جادوگر کی گردن اڑا سکتی تھی۔ سردار نے عنبر کے قریب آ کر کہا۔

''دیکھتا ہوں، اب تم کس طرح بچتے ہو''۔

یہ کہہ کر سردار نے عنبر پر بھرپور ہاتھ مارا مگر تلوار اس دفعہ بھی یوں ٹوٹ کر گر پڑی جیسے وہ کسی لوہے سے جا ٹکرائی ہو۔ سردار طیش میں آ گیا۔ اس نے حکم دیا۔

”اس قیدی پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ دیوتاؤں کی امانت ہے۔ اسے ضرور قربان کرنا ہوگا“۔

وحشیوں نے عنبر پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ عنبر کے جسم سے تیر ٹکرا کر زمین پر گر رہے تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

ماریا نے ایک وحشی کے کندھے پر سے تیروں کا ترکش کمان چھین لیا۔

اس نے تیر کمان میں جوڑ جوڑ کر ان وحشیوں پر چلانے شروع کر دیے جو عنبر پر تیر برسا رہے تھے۔ وحشی ماریا کے تیر لگنے سے مرنا شروع ہو گئے۔

ادھر عنبر کو ایک بھی تیر نہیں لگ رہا تھا۔ سردار گھبرا گیا۔ عنبر بھی تنگ آ گیا۔ اس نے زور لگا کر اپنی رسی تڑا لی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے ایک وحشی کو اٹھا کر اوپر اچھال دیا۔ دوسرے کو اٹھا کر درخت پر پھینک دیا۔ تیسرے کی گردن پر مکا مارا اور گردن توڑ دی۔

اب عنبر نے سردار کی گردن پر نیزہ رکھ دیا۔

”اے مغرور انسان، بول اب میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟ تیری زندگی اور موت میرے سامنے کھڑی ہے“۔

سردار نے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ پہلے ہی عنبر سے ڈر گیا تھا۔

”اے عظیم انسان، مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی“۔

عنبر نے اسے چھوڑ دیا اور ماریا کو آواز دی۔

”اے آسمانی روح، میرے پاس واپس آ جا“۔

ماریا عنبر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں معاف نہ کرتا تو تم سارے کے سارے ایک ایک کر کے موت کے منہ میں چلے جاتے۔ اس وقت میرے پاس ایک آسمان کی روح کھڑی ہے۔

یہی وہ روح ہے جس نے تمہارے وحشیوں پر تیر چلائے ہیں۔ میں اگر اسے حکم دوں تو یہ ابھی تم سب کو ہلاک کر سکتی ہے۔

سردار نے جھک کر کہا۔

"ہماری جان بخشی کروا دے آسمانی روح کے مالک، ہم سے بڑی بھول ہو گئی۔ ہم اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں۔ تم جس طرح سے حکم دو گے۔ ہم اسی طرح کریں گے"۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"اے آسمانی روح، ان لوگوں سے بات کرو"۔

ماریا نے کہا۔

تم لوگوں کو کیا ضرورت تھی کہ ہمارے جہاز پر رات کو حملہ کرتے؟ تم نے ہمارے ایک بھائی کو زخمی کر دیا ہے، ہمارے جہاز پر سے خزانہ اٹھا کر لے گئے۔

میرے بھائی کو تم نے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی۔ کیوں؟ آخر ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ خیر اب تمہیں تمہارے کرتوت کی سزا مل گئی ہے۔ لیکن سزا تھوڑی ملی ہے۔ تم لوگوں کو زیادہ سزا ملنی چاہیے تھی۔ لیکن اب تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اے آسمانی روح! خزانے کا صندوق کہاں ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"اسی جنگل میں ندی کنارے پڑا ہے"۔

عنبر بولا۔

"سردار، تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس خزانے کو سر پر اٹھا کر ہمارے ساتھ چلو اور اسے ہمارے جہاز پر لاد کر واپس آ ؤ"۔

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

"مجھے منظور ہے سرکار، میں آپ کا خادم ہوں"۔

عنبر اور ماریا وحشی سردار کو ساتھ لے کر ندی کنارے آ گئے۔ ماریا نے ایک جگہ سے جھاڑیاں اور پتھر ہٹانے کے لیے۔

وحشی سردار غلاموں کی طرح جلدی جلدی پتھر اور جھاڑیاں ہٹانے لگا۔ نیچے سے خزانے کا صندوق نکل آیا۔

عنبر نے کہا۔

"اس صندوق کو سر پر اٹھاؤ اور ہمارے جہاز پر چلو"۔

"جو حکم سرکار"۔

سردار نے خزانے کا صندوق اپنے سر پر اٹھایا اور عنبر اور ماریا کے ساتھ چل پڑا۔ دن نکل آیا تھا۔ سورج کی روشنی جنگل میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ جنگل میں سے نکل کر کھاڑی کے کنارے آ گئے۔ سامنے ان کا جہاز کھڑا تھا۔ عنبر نے ناگ کو آواز دی۔ ناگ نے اوپر سے سیڑھی پھینک دی۔

عنبر، سردار اور ماریا سیڑھی چڑھ کر جہاز پر آ گئے۔

خزانے کو کیبن میں رکھ دیا گیا۔ سردار نے ناگ کی ٹانگ

کا زخم دیکھا تو بولا۔

"تیر میں زہر لگا ہوا تھا۔ مگر میں حیران ہوں کہ زخم پر زہر نے بالکل اثر نہیں کیا۔ زخم اچھا ہو رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"۔

عنبر ہنس کر بولا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ شخص بھی ایک آسمانی روح ہے۔ اس پر زہر اثر نہیں کرتا"۔

سردار نے کہا۔

"تم لوگ آسمانی روحیں ہو۔ ہم سے بڑی بھول ہو گئی کہ تم سے مقابلہ کر بیٹھے۔ اب ہمیں اجازت دو کہ واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں"۔

عنبر بولا۔

"ہاں، تمہیں اجازت ہے"۔

سردار اور اس کے ساتھیوں نے جھک کر عنبر اور ناگ کو سلام کیا اور جہاز پر سے اتر کر جنگل میں غائب ہو گئے۔ عنبر نے ناگ کے زخم کو تازہ گرم پانی سے دھو کر ایک ایسی دوا لگا دی جس نے اس کا زخم دوسرے دن ہی اچھا کر دیا۔ اب وہ جہاز کے عرشے پر گھومنے پھرنے لگا۔ شام کو کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں"۔

ماریا بولی۔

"ہمیں رات اسی جگہ آرام کرنا چاہیے۔ کل صبح چلیں

گے۔ آج ہوا بھی نہیں ہے"۔

وہ رات انہوں نے کھاڑی میں ہی آرام کیا۔

اگلے روز صبح بڑی خوشگوار اور کچھ تیز ہوا چل رہی تھی۔ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں کے کھلتے ہی جہاز چل پڑا۔

دوپہر تک وہ کھاڑی میں سے نکل کر کھلے سمندر میں پہنچ چکے تھے۔ موسم بڑا صاف تھا۔ آسمان پر بادلوں کا ایک بھی ٹکڑا نہیں تھا۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔ جہاز بڑی تیز رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ان کی منزل عرب کا ملک تھا۔

سمندر میں وہ ایک ہفتے تک سفر کرتے رہے۔ اس عرصے میں انہیں راستے میں کوئی بھی تجارتی یا مسافر بردار

جہاز نہ ملا۔ آٹھویں روز انہیں ایک بادبانی جہاز نظر آیا جو ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک پل کے لیے رک گیا۔

عنبر اور ناگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ جہاز رک کیوں گیا ہے۔ وہ عرشے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ رکے ہوئے جہاز کے عرشے پر اس کا کپتان نمودار ہوا۔ اس نے پوچھا۔

"یہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم بصرے کی طرف جا رہے ہیں"۔

جہاز کے کپتان نے کہا۔

"وہاں بڑا قتل عام ہو رہا ہے۔ وہاں جانے کا خیال ترک کر دو۔ میں نے جہاز کو اس لیے روک لیا تھا کہ تمہیں خبردار کر لوں کیوں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ تم لوگ بصرے کی

طرف جارہے ہو"۔

ناگ نے پوچھا۔

"بصرے میں کسی کا قتل عام کون کر رہا ہے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ چنگیز خان کے ساتھی ظالم اٹیلا نے اپنے لشکر کے ساتھ بغداد اور شام کے ملکوں پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے ہر جگہ قتل کا بازار گرم کر رکھا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اٹیلا کس جگہ رہتا ہے؟"۔

کپتان بولا۔

"اٹیلا اس وقت بغداد شہر میں ہے۔ وہ وہاں کا حکمران بن بیٹھا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"بصرے میں قتل عام کون کر رہا ہے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"بصرے میں اس کا ایک گورنر دار چیلا ہے۔ جو وہاں چن چن کر لوگوں کی گردنیں اڑا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا شکریہ کپتان، تم نے عین وقت پر ہمیں باخبر کر دیا۔ اب ہم بصرے نہیں جائیں گے، بلکہ یہاں ہی سے اپنا رخ افریقہ کی طرف موڑ لیں گے"۔

کپتان بولا۔

"ہاں، اسی میں خیریت ہے، کیوں کہ بصرے کی بندرگاہ پر جہازوں کو لوٹ کر اس کے مسافروں کو قتل کیا جا رہا ہے"۔

کپتان اپنے جہاز کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، کیا سچ مچ تم نے بصرے جانے کا ارادہ بدل لیا ہے؟"۔

عنبر زور سے ہنس پڑا۔

"ہرگز نہیں، ہم بصرے ہی جائیں گے"۔

ماریا بولی۔

"مگر تم کپتان سے تو کہہ رہے تھے کہ تم بصرے کی بجائے افریقہ جاؤ گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اسے میں یہ نہ کہتا تو وہ ہم دونوں کو پاگل سمجھتا کہ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ اسے کیا خبر کہ ہم کون ہیں اور موت کے منہ میں اس لیے جا رہے ہیں کہ موت ہمیں ایک کھیل معلوم ہوتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے بھائی، لیکن اٹیلا کوئی بڑا ہی سنگدل ظالم سردار معلوم ہوتا ہے۔ جس نے لوگوں کے دلوں سے چنگیز خان کی یاد بھلا دی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

ہاں ناگ، یہ قوم ہن کے وحشی قبیلے کے لوگ ہیں، انہیں اپنی زمینوں پر کھانے کو نہیں ملتا۔ اسی لیے یہاں شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ بغداد اور شام میں مسلمانوں کی خوش حال تہذیب کی بڑی شہرت تھی۔

شاید یہ بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ کر کمزور ہو گئے ہیں جو

اٹیلا کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ مسلمان تو ایک بہادر قوم ہے اور رومی تک اس سے ڈرتے ہیں"۔

ماریا بولی۔

"ایسا ہی ہوگا، لیکن ہمیں وہاں جانے کی اب کیا ضرورت ہے؟ میرا مطلب ہے جس شہر میں حالات خراب ہوں وہاں جانا عقلمندی نہیں ہے"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"ماریا بہن، میں حیران ہوں کہ تم ڈر رہی ہو؟ مجھے تو تم سے بڑی بہادری کی توقع تھی"۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی، میں بہادر عورت ہوں۔ میں ڈرتی نہیں ہوں۔ لیکن کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ آخر ہم خطروں کے پیچھے کیوں بھاگتے پھرتے ہیں؟"۔

عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ماریا بہن، خطروں کا مقابلہ کرنا ہی زندگی ہے۔ میں تو پیدا ہی خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوا ہوں۔ میں تو ساری زندگی اسی طرح خطروں کا مقابلہ کرتا رہا ہوں۔ ہاں اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ دنیا میں خطرے کم ہو گئے تو میں پھر اس دنیا سے چلا جاؤں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی کا خیال ٹھیک ہے ماریا بہن، جس زندگی میں خطروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہو بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟ کمزور انسان کی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ انسان کو اس دنیا میں طاقت ور بن کر رہنا چاہیے"۔

ماریا بھی ہنس کر بولی۔

"تم لوگ تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ میں نے تو یونہی مذاق میں ایک بات کہی تھی۔ بھلا میں نے کبھی خطروں سے منہ موڑا ہے۔ میری اتنی لمبی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ ہمیشہ ہر مشکل اور ہر خطرے میں تمہارے ساتھ رہی ہوں اور ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں بھئی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ایک بہادر عورت ہو۔ ہم تمہاری بہادری اور دلیری کے قائل ہیں۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں بھی جہاز کو آگے بڑھانا چاہیے"۔

ناگ بولا۔

"ضرور، ضرور"۔

عنبر نے لنگر اٹھا دیا اور جہاز آگے روانہ ہو گیا۔

دو روز تک اور وہ سمندر میں سفر کرتے رہے۔ دسویں روز شام کو انہوں نے آسمان پر بگلوں کو اڑتے دیکھا۔ یہ وہ پرندے ہیں جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ملا کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ملاحوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ ساحل قریب ہے۔ عنبر نے بگلوں کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

"ہم بصرے کی بندرگاہ پر پہنچنے ہی والے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر، ہم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ڈاٹیلا کے سپاہی ہمارے خزانے پر ضرور قبضہ کر سکتے ہیں۔ اس خزانے کو تم کہاں چھپاتے پھریں گے؟"۔

"تم ذرا دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں

میرے دل میں موجود ہیں۔ تم فکر مت کرو"۔

گیارھویں روز صبح کو انہیں دور بصرے کے ساحل پر اگے ہوئے کھجوروں کے درختوں کے جھنڈوں کے جھنڈ نظر آئے۔ خلیج فارس کے پانیوں میں سے گزرتے ہوئے وہ بصرہ کی بندرگاہ پر پہنچنے ہی والے تھے۔

ویران بادبانی جہاز

ایک پہر دن چڑھے جہاز بصرے پہنچ گیا۔

بصرے کی بندرگاہ ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی۔ یہاں ادھر ادھر چند ایک پرانی قسم کے جہاز کھڑے تھے۔ عنبر اور ناگ اپنے جہاز کو بندرگاہ کے اندر لے گئے اور ایک طرف کنارے کے قریب لنگر پھینک دیا۔

بادبان لپیٹ دیے گئے۔ انہوں نے سیڑھی نیچے پھینکی اور

اترنے کی تیاری کرنے لگے۔ ماریا کو انہوں نے جہاز میں ہی رہنے دیا۔ وہ شہر میں اتر کر وہاں کے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ خزانے کو جہاز میں ہی تہہ خانے میں اچھی طرح سے چھپا کر وہاں ماریا کا پہرہ لگا دیا۔

ماریا نے کہا۔

”بھائیو، تم لوگ شہر میں زیادہ دیر مت لگانا۔ نہیں تو مجھے تمہاری فکر لگنی شروع ہو جائے گی“۔

عنبر نے کہا۔

”ماریا ہم تمہیں جہاز میں اکیلی چھوڑ کر شہر میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتے۔ ہم جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے“۔

عنبر اور ناگ جہاز پر سے نیچے اتر گئے۔ ماریا نے سیڑھی

اوپر کھینچ لی۔ اور عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگی عنبر اور ناگ کو بندرگاہ پر جاتے دیکھتی رہی۔

بندرگاہ پر کچھ عرب مزدور کام میں لگے ہوئے تھے۔ ویسے وہاں پر ایک طرح کی دہشت سی پھیلی ہوئی تھی۔ جتنے لوگوں کو بندرگاہ پر ہونا چاہیے تھا، اتنے لوگ وہاں نہیں تھے جو عرب تھے وہ بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ عنبر نے ایک بن قوم کے سپاہی کو دیکھا جو ایک ملازم سے ہنٹر مار کر کام لے رہا تھا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”یہی ڈیلا کی بن قوم کے سپاہی ہیں۔ انہوں نے ہی ان شہروں پر حملہ کر کے یہاں تباہی پھیلا رکھی ہے۔ ہمیں احتیاط سے شہر میں جانا ہوگا“۔

ناگ نے کہا۔

"شہر میں جا کر ہمیں اصل حالات معلوم ہوں گے"۔

کھجوروں کے باغ جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ عنبر اور ناگ ان باغوں میں سے گزر کر شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر کی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی دیوار کے اندر ایک جگہ، حبشی سپاہی کھڑے آنے جانے والوں کی پڑتال کر رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"یہاں پوچھ گچھ ہو رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں، فکر نہ کرو۔ تم خاموش رہنا۔ میں بات کروں گا۔ اس قوم سے میں ایک بار پہلے بھی مقابلہ کر چکا ہوں"۔

یہ کہہ کر عنبر ناگ کے ساتھ آگے بڑھا۔ چوکی پر آ کر دیکھا کہ چھ سات حبشی سپاہی نے اپنے خونخوار چہرے لیے

کھڑے تھے۔ عنبر اور ناگ کو دیکھ کر ایک سپاہی نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب، ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم حکیم ہیں۔ بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں شہر شہر، جنگل جنگل پھرتے ہیں"۔

سپاہی نے پوچھا۔

"تم سمندر کے راستے سے آئے ہو کہ خشکی کے راستے سے؟"۔

یہاں عنبر سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ وہ سمندر کے راستے سے آئے ہیں؛ حالانکہ اسے یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ خشکی کے راستے سے آئے ہیں۔

اس پر سپاہیوں کے کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کو خونی نگاہوں سے گھورا اور کہا۔

”تمہارا جہاز کہاں ہے؟“۔

اب عنبر کو احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس نے پھر بھی اپنے ہوش و حواس ٹھیک رکھتے ہوئے کہا۔

”ہمارا جہاز سمندر میں بندرگاہ پر کھڑا ہے۔“

کپتان نے کہا۔

”دوسرے مسافر کہاں ہیں؟“۔

عنبر بولا۔

”وہ۔۔۔وہ چلے گئے ہیں“۔

ایک غلطی اس سے ہو گئی تھی۔ اب اس سے غلطی پر غلطی ہو رہی تھی۔ کپتان نے حیرانی سے پوچھا۔

”کدھر چلے گئے؟ میں نے تو کسی مسافر کو بندرگاہ سے شہر کی طرف آتے نہیں دیکھا۔ پھر تمہارے جہاز کے مسافر کہاں ہیں؟ تم مسلمانوں کے جاسوس ہو“۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

”نہیں جناب ایسا نہیں ہے۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو چل کر ہمارا جہاز دیکھ لو“۔

کپتان بولا۔

”چلو دکھاؤ“۔

عنبر اور ناگ جس مصیبت سے بچنا چاہتے تھے وہ ان کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ انہیں چل کر جہاز دکھایا جائے۔ جہاز دکھانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ چل کر سارے جہاز کی تلاشی لیتے۔

عنبر انہیں روک بھی نہیں سکتا تھا۔ مجبور ہو کر وہ آگے آگے چل پڑا۔ کپتان نے تلوار کھینچ لی اور دوسرے سپاہیوں کو ہمراہ لے کر بندرگاہ کی طرف چلا۔ ساحل پر آ کر عنبر نے اپنے جہاز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ ہے ہمارا جہاز جناب، ہم اسی جہاز پر آئے ہیں"۔

کپتان نے کہا۔

"مگر اس جہاز پر تو کوئی مسافر، کوئی کپتان نظر نہیں آ رہا۔ یہ جہاز تو بھوتوں کا جہاز معلوم ہوتا ہے"۔

عنبر بولا۔

"جناب، مسافر چلے گئے ہیں۔ ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ ہم اس جہاز پر آئے ہیں اور یہ ایک مسافروں کا جہاز ہے"۔

کپتان بولا۔

"چلو۔۔۔ ہم جہاز پر چل کر اسی کی تلاشی لیں گے۔ یہ کون سا جہاز ہے کہ جو چپکے سے مسافروں کو لے کر ہماری بندرگاہ کے پانی میں آن کھڑا ہوا ہمیں کانوں کان تک خبر نہ ہوئی"۔

اب تو عنبر اور ناگ کو فکر پڑ گئی کہ یہ کم بخت حبشی سپاہی جہاز کی بری طرح سے تلاشی لیں گے اور ہو سکتا ہے کہ خزانے پر بھی قبضہ کر لیں۔

انہیں مجبوراً جہاز پر ساتھ جانا پڑا۔ یہ سب لوگ اسی وقت نیچے سے سیڑھی پھینک کر جہاز پر چڑھے۔ جہاز کے عرشے پر جا کر کپتان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سارے جہاز کی تلاشی لی جائے اور جہاز کے کپتان کو حاضر کیا جائے۔ سپاہی

جہاز میں چلے گئے۔

کپتان عنبر اور ناگ کے پاس عرشے پر بیٹھ گیا۔ وہ پوچھنے لگا۔

”تم لوگ کس شہر سے اس جہاز پر سوار ہوئے تھے؟ اس جہاز کے کپتان کا نام کیا تھا؟“۔

کپتان بولا۔

”خوب، کیا اس نے تم لوگوں کو بتایا نہیں تھا کہ بصرے شہر میں بن قوم کے سردار ڈنیلا کی فوجوں کا قبضہ ہے اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں؟“۔

اب ناگ بولا۔

”نہیں جناب، ہمیں کچھ بھی نہیں بتایا۔ ہاں ایک بار اس نے کہا تھا کہ سنا ہے اس شہر میں کچھ گڑ بڑ ہے، لیکن ہمیں جانا

ہی پڑے گا“۔

کپتان تلوار لہرا کر بولا۔

”اس کم بخت کی یہ جرات کہ ہمارے حملے کو معمولی گڑ بڑ کے نام سے پکارے۔ ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔ ابھی اس کی گردن اڑا کر سمندر میں پھینکتا ہوں“۔

اتنے میں پانچوں سپاہی کیبن کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور بولے۔

”کپتان، نیچے کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ نہ مسافر، نہ کپتان اور نہ کوئی ملاح ہے“۔

کپتان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنا بڑا جہاز افریقہ سے سفر کرتا ہوا آئے اور اس پر نہ تو کوئی کپتان ہو

اور نہ کوئی ملاح ہو؟''۔

سپاہی نے کہا۔

''جناب عالی، ہم نے نیچے جہاز کا کونا کونا چھان مارا ہے۔ نیچے کوئی ملاح، کوئی مسافر، کوئی انسان کہیں بھی نہیں ہے''۔

کپتان نے غصے میں کہا۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔ تم لوگ میرے ساتھ آؤ''۔

کپتان نے سپاہیوں کو اوپر عرشے پر ہی چھوڑا اور ناگ اور عنبر کو ساتھ لے کر جہاز میں نیچے اتر گیا۔ تنگ سیڑھیوں میں سے اترنے کے بعد وہ اس کیبن میں آ گیا جس کی میز پر نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ کپتان نے جھک کر چمڑے کے نقشے کو دیکھا۔

''ہر شے یہاں موجود ہے۔ نقشہ بھی ہے۔ قطب نما بھی ہے۔ پھر اس جہاز کا کپتان کہاں ہے؟''۔

وہ عنبر کے ساتھ دوسرے کیبن میں آ گیا۔ اس کیبن میں پانی کے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک مٹکے کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ پھر ناگ سے پوچھا۔

''کیا تم نے اس جگہ کسی شخص کو دیکھا تھا؟''۔

ناگ نے کہا۔

''ہاں جناب، میں نے یہاں سے کئی بار سرخ ڈاڑھی والے کپتان کو آتے جاتے دیکھا تھا''۔

کپتان دونوں کو لے کر جہاز کے باورچی خانے میں آ گیا۔ یہاں چولہا ٹھنڈا تھا۔ صرف ایک تھالی میں تھوڑی سی

پکی ہوئی سبزی پڑی تھی۔ کپتان نے حیرانی سے کہا۔

"کسی مسافر جہاز پر اتنی تھوڑی سی سبزی نہیں پک سکتی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاز پر صرف ایک ہی آدمی سفر کر رہا تھا"۔

عنبر بولا۔

"نہیں جناب، اس جہاز پر بہت سے مسافر تھے۔ ملاح بھی تھے۔ باورچی خانے میں باورچی بھی تھے۔ یہاں تو بڑی رونق لگی رہتی تھی جناب"۔

ہن کپتان نے گرج کر کہا۔

"تو پھر وہ سب لوگ کہاں مر گئے؟"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"کیا عرض کر سکتا ہوں سرکار"۔

کپتان بولا۔

"ہونہہ، دیکھا جائے گا"۔

ہن کپتان عنبر اور ناگ کو لے کر جہاز پر سے اتر آیا۔ نیچے آ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس پراسرار جہاز کو اپنی نگرانی میں لے لیا جائے۔

سپاہی ایک دم کنارے کنارے پھیل کر کھڑے ہو گئے۔ اور تلواریں لیے چل پھر کر جہاز پر پہرہ دینے لے۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

دونوں پریشان ہو گئے کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔ اب وہ ماریا سے ملنے اپنے جہاز پر واپس کس طرح جائیں گے؟۔

وہ یہی سوچ رہے تھے کہ ہن قوم نے کہا۔

"تم دونوں بھائیوں کو شہر میں جانے کی اجازت ہے، لیکن خبردار، کبھی بندرگاہ کی طرف واپس مت آنا۔۔۔ چلو۔۔۔ بھاگو یہاں سے"۔

"شکریہ شکریہ جناب"۔

عنبر اور ناگ وہاں سے نکل کر شہر میں آ گئے۔ وہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے پتھر کے ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ وہ بڑے پریشان ہو گئے تھے۔

ناگ نے پوچھا۔

"عنبر بھائی، اب کیا ہو گا؟ واپس ماریا کے پاس کیسے جائیں گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ سوچ کر بتاؤں گا۔ ابھی میرے ساتھ آؤ"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کہاں؟"۔

عنبر بولا۔

"کہیں بھی۔۔۔ یہاں ہمارا اس طرح بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں۔ ہن قوم کے جاسوس چپے چپے پر پھر رہے ہوں گے۔ میں اس قوم سے خوب واقف ہوں۔ جاسوسی میں ان کا جواب نہیں ہے"۔

دونوں وہاں سے اٹھ کر شہر کے ایک بازار میں آ گئے۔ بازار میں کوئی زیادہ رونق نہیں تھی۔ کچھ عرب دکانوں پر خاموش بیٹھے تھے۔

بازار میں زیادہ تر ہن قوم کے سپاہی گھوم رہے تھے۔ عنبر اور ناگ چلتے چلتے ایک خالی دکان کے پاس آ کر کھڑے

ہو گئے۔ دکان دار نے غور سے دونوں کو دیکھا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"بھائی، کیا شہر میں کوئی ایسی کارروان سرائے مل سکتی ہے جہاں ہم لوگ رات بسر کر سکیں؟"۔

دکاندار نے پوچھا۔

"تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ پہلے میں نے تمہیں کبھی بصرے میں نہیں دیکھا"

عنبر نے کہا۔

"ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی کرتے ہیں اور بیماروں کا علاج بھی کرتے ہیں۔ ہم ملک افریقہ سے یہاں آئے ہیں اور بصرے میں کچھ روز ٹھہر کر یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش کرنا چاہتے ہیں"۔

عرب دکاندار تعجب سے بولا۔

"کمال ہے تم لوگوں کی عقل پر۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس شہر کی حالت کیا ہے؟ بہر حال تم جانو تمہارے کام جانے۔ ہاں یہاں سے آگے جا کر ایک گلی آتی ہے۔ اس گلی کے آخر میں ایک سرائے ہے"۔

"شکریہ"۔

عنبر اور ناگ آگے چل پڑے۔ بازار میں کچھ دور جانے کے بعد بائیں ہاتھ کو ایک گلی جاتی تھی۔ دونوں اس گلی میں گھوم گئے۔

یہ گلی جہاں جا کر ختم ہوتی تھی وہاں سرائے کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس کے باہر ایک حبشی غلام سبز رنگ کی پگڑی باندھے بیٹھا تھا۔ عنبر نے جا کر کہا۔

"ہم مسافر ہیں۔ کیا ٹھہرنے کو جگہ مل جائے گی؟"۔

حبشی غلام نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں نہیں۔ آپ اندر تشریف لے جائیں"۔

بصرے میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلی مسکراہٹ انہیں نظر آئی تھی۔ انہیں کچھ تسلی ہوئی اور وہ سرائے کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر دالان کے تالاب کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

یہاں دائیں طرف قالین پر سرائے بوڑھا مالک بیٹھا تھا۔ عنبر اور ناگ نے جا کر اسے ادب سے سلام کیا اور کہا کہ وہ مسافر ہیں۔

بصرے میں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں۔ انہیں کچھ روز وہاں قیام کرنا ہے۔ اور کوٹھڑی کی ضرورت ہے۔

سرائے کا مالک کہنے لگا۔

"ہمارے پاس صرف ایک کوٹھڑی مغرب کی طرف ہے۔ مگر اس کا کرایہ دگنا ہوگا۔ اس لیے کہ لوگوں نے سراؤں میں رہنا چھوڑ دیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے"۔

عنبر نے جیب میں سے سونے کی چار اشرفیاں نکال کر سرائے کے مالک کی ہتھیلی پر رکھ دیں اور کہا۔

"ہمیں ہماری کوٹھڑی میں پہنچا دیا جائے"۔

ایک غلام نے عنبر اور ناگ کو سرائے کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا۔ دروازہ بند کر کے وہ چوکی پر بیٹھ گئے۔

ناگ نے کہا۔

"اب کیا ہوگا بھائی۔ ماریا کے پاس ہم کیسے جائیں

گے۔ وہاں تو زبردست پہرہ لگ گیا ہے۔ ہم تو بڑی مصیبت میں گھر گئے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"مجھے سوچنے دو۔ غور کرنے دو۔ کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔ خزانہ بچ گیا ہے۔ مجھے اس کی زیادہ خوشی ہوئی ہے"۔

وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کوئی ایسی ترکیب پر غور کرتے رہے کہ جس سے وہ واپس اپنے جہاز پر جا سکیں۔ انہوں نے سوچا کہ بہتر تھا، وہ ماریا کو بھی ساتھ ہی لے آتے۔

لیکن پھر خزانے کی رکھوالی کون کرتا؟ جو ہوا ٹھیک ہوا تھا۔ صرف عنبر کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ وہ سمندر کے راستے

آئے ہیں۔ اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ وہ خشکی کے راستے آئے ہیں تو ہن کپتان ان پر کبھی شک نہ کرتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ پانی سر سے گزر چکا تھا۔

☆عنبر اور ناگ کی ماریا سے کیسے ملاقات ہوئی؟

☆دونوں بادبانی جہاز پر کیسے پہنچے؟

☆ظالم ڈیلا سے وہ کیوں ملے؟

☆ان سب سوالوں کے جوابات کے لیے اسی ناول کی
اگلی یعنی 45 ویں قسط خونی کھیل کا مطالعہ کیجیے۔

خونی کھیل

(قسط نمبر 45)

اے حمید

Pakistan Virtual Library کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

سانپ کی جاسوسی
جہاز پر قتل
جہاز کو آگ لگا دو
کالا جادو
دجلہ کی وادی
تالاب کی وادی
اٹیلا کی قید میں
خونی کھیل
حویلی کا بھوت
غیر آباد خانقاہ

پیارے بچو!

اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ کس طرح مصیبتوں کے پہاڑ کاٹ کر عنبر، ناگ اور ماریا ایک زبردست مقابلے کے بعد نارگن ڈاکو کو ہلاک کر کے شہر گوا کی بندرگاہ میں پہنچتے ہیں۔ وہاں ڈاکو ہولکر ان کے جہاز کو اغوا کر کے ایک کھاڑی میں چھپا دیتا ہے۔

یہاں بھی ایک زبردست جنگ ہوتی ہے۔ ڈاکو ہولکر مارا جاتا ہے۔ عنبر، ناگ اور ماریا اپنا جہاز لے کر بصرے پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں سے وہ بغداد پہنچتے ہیں جہاں چنگیز خان کے ساتھی ظالم اٹیلا نے قتل عام شروع کر رکھا ہے۔

ماریا چونکہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لیے عنبر اور ناگ اکیلے ہی بندرگاہ پر اترتے ہیں۔ جہاز میں ماریا اور خزانہ چھپا دیا گیا ہے۔ جہاز کی تلاشی لی جاتی ہے لیکن کچھ نہیں ملتا۔

عنبر اور ناگ بصرے کی ایک سرائے میں پہنچتے ہیں۔ ارچنک جادوگر ان پر کالا اسم پھونکتا ہے۔ ناگ سانپ بن کر ارچنک کو ہلاک کرتا ہے۔

عنبر کو اٹیلا کے سپاہی قید کر لیتے ہیں۔ آخر بڑی مصیبتوں سے عنبر اور ناگ قید سے بھاگ کر واپس جہاز پر جاتے ہیں۔ خزانے کو جہاز میں سے نکال کر صحرا میں ایک جگہ چھپا کر نشان رکھ دیتے ہیں اور ماریا کو ساتھ لے کر بغداد کا رخ کرتے ہیں۔

وہاں شاہی خاندان کے قلعے قید خانے میں ہیں گلی کوچوں میں غریبوں کا خون بہہ رہا ہوتا ہے۔ یہاں ان تینوں پر کیا گزرتی ہے؟ آگے خود پڑھیں۔

سانپ کی جاسوسی

عنبر اور ناگ سرائے کی کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھے تھے۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ انہوں نے ابھی ابھی تھوڑا بہت کھانا کھایا تھا۔ ماریا کے کھانے کی انہیں فکر نہیں تھی کیونکہ جہاز میں کھانے کو بہت کچھ تھا۔

اب انہیں ایک ہی بات پریشان کر رہی تھی کہ وہ جہاز پر کیسے جائیں۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے والے ناول "ویران

بادبانی جہاز'' کی قسط میں لکھ چکے ہیں۔

بصرے کے گورنر اور اشیلا کے خاص گورنر ارچنگ نے عنبر اور ناگ کے سمندری جہاز کے باہر پہرہ لگا دیا تھا۔ جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر ایک طرف سمندر میں کھڑا تھا۔

اس میں خزانے کا صندوق بھی تھا اور ماریا بھی وہیں چھپی ہوئی تھی۔ ماریا چونکہ غائب حالت میں تھی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی ایک طرح سے وہ وہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

ارچنگ نے اپنے سپاہیوں سمیت سارے جہاز کی تلاشی لی تھی۔ ماریا کو تو وہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خدا کا شکر یہ تھا کہ انہیں خزانہ بھی دکھائی نہ دیا۔

نہیں تو وہ خزانے پر قبضہ کر کے عنبر اور ناگ کو بھی گرفتار کر لیتے۔ اب ایک طرح سے ارچنگ کے سپاہیوں نے جہاز پر قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے سپاہیوں کے جانے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ کر دیکھا کہ کنارے پر جہاز کے آگے سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ بھی پریشان ہو گئی۔

وہ خود تو وہاں سے نکل کر جا سکتی تھی، کیونکہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن عنبر اور ناگ جہاز پر اب نہیں آ سکتے تھے۔ ارچنگ نے حکم دے دیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی جہاز پر قدم نہ رکھے۔

ماریا اس لیے جہاز پر سے نیچے نہیں اترتی تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ شہر میں عنبر اور ناگ کون سی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ وہاں بیٹھ کر

ان کے آنے کا انتظار کرے۔

ادھر سرائے کی کوٹھڑی میں عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھے غور کر رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں۔ ایک طرح سے جہاز اور خزانے نے ان کو مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ جہاز کا انہیں آرام بہت تھا۔

وہ ایک ملک سے سفر کرتے ہوئے دوسرے ملک میں بڑے آرام سے پہنچ جاتے تھے۔ خزانے کی بھی انہیں ضرورت تھی۔ وہ ہر جگہ خزانے کی اشرفیاں ہی خرچ کر رہے تھے، لیکن ان دونوں کی یعنی جہاز اور خزانے کے صندوق کی دیکھ بھال کرنا بھی اپنی جگہ پر بڑا مشکل اور بڑا ضروری کام تھا۔ یہ دونوں چیزیں وہ کسی کے حوالے بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جہاز کو اب بصرے کی بندرگاہ پر چھوڑ کر بغداد کی طرف نہیں جا سکتے، کیونکہ اگر ہم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ بغداد کو روانہ ہو گئے تو ارچنگ کے سپاہی جہاز کی دوسری بار تلاشی لے کر خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔ وہ جہاز بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔ ہمیں کچھ نہیں دیں گے"۔

عنبر نے کہا۔ "پھر تمہاری رائے کیا رائے ہے؟"۔

ناگ بولا۔ میری رائے کیا ہو سکتی ہے عنبر بھائی! بہر حال ہم بصرے پہنچ گئے ہیں۔ یہاں مسلمانوں پر ایک مصیبت آئی ہوئی ہے۔

چنگیز خان کے شاگرد اٹیلا کے وحشی لشکر نے ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا رکھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

کسی طرح سے مسلمانوں کے بڑے شہر بغداد پہنچا جائے۔

عنبر نے کہا۔ "بغداد جانے کا راستہ صرف خشکی کے ذریعے ہی ہے۔ میں ادھر سے پہلے بھی گزر چکا ہوں۔ دجلہ اور فرات کی وادی میرا وطن ہے۔ ایک بات ہو سکتی ہے"۔

"وہ کیا؟"۔ ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "دریائے دجلہ بغداد شہر میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اگر ہم اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جائیں تو ہم خلیج فارس میں سے نکل کر دریائے دجلہ میں داخل ہو جائیں اور پھر ہم بغداد پہنچ سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔ "میرا خیال یہ ترکیب اچھی ہے۔ کیونکہ یہاں رہنا اب بیکار ہے۔ اگر ہم یہاں رہ گئے تو ارچنک ہمارے جہاز کے علاوہ خزانے پر بھی قبضہ کر لے گا، بلکہ ایک طرح سے اس وقت ہمارا جہاز اور خزانہ اس کے سپاہیوں کے قبضے میں ہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر ہمیں اسی ترکیب پہ عمل کرنا ہوگا"۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"اندر آ جاؤ"۔ ناگ نے کہا۔

سرائے کا بوڑھا مالک قہوہ کی کیتلی لیے اندر آیا۔

"آپ قہوے سے شوق کریں گے؟"۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں"۔

بوڑھا پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگا۔ یہ مسلمان بوڑھا تھا۔

عنبر نے اسے بھی قہوہ پینے کی دعوت دی۔ عنبر نے پوچھا۔

"بابا آپ مسلمان ہیں؟"۔

بوڑھا بولا۔

"الحمد اللہ! میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ بن عزیز ہے۔ ہمارے خلیفہ کی خلافت پر زوال آ گیا، اور وحشیوں نے شہروں کو برباد کر دیا۔ لیکن خدا ہماری مدد کرے گا۔ ہم نا امید نہیں ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! ہم نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ مسلمان بڑی بہادر، جفاکش اور ایماندار قوم ہے۔ اسی لیے ہم ملک ہندوستان سے یہاں آئے، مگر یہاں حالات بڑے خراب ہیں"۔

ہاں بیٹا! ہم پر مشکل وقت آ گیا ہے۔ ہر قوم پر مشکل وقت آیا کرتا ہے، ہم اس مشکل سے نکل جائیں گے۔ بغداد

میں لوگوں نے خدا کے حکم کے خلاف عیش و عشرت میں زندگی گزارنی شروع کر دی تھی اور جو قوم عیش و عشرت میں پڑ جاتی ہے پھر اس پر تباہی آ جاتی ہے۔

خدا ہمیں اب بھی معاف کرے۔ تم لوگ یہاں سے کہاں جاؤ گے؟۔

عنبر نے کہا۔" بابا! ہم بغداد جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنا جہاز بھی ہے۔ جو سمندر میں کھڑا ہے۔ لیکن اس پر چنگیزی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمیں مشورہ دو کہ ہم کیا کریں؟"۔

عبداللہ بن عزیز نے کہا۔

"میرے بچو! چنگیزی سپاہی تمہارے جہاز کو کبھی واپس نہیں کریں گے۔ کیا اس میں تمہارا مال و اسباب بھی تھا کہ

جہاز خالی ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔ ”نہیں بابا! جہاز میں کچھ نہیں ہے۔ بس معمولی سامان ہے“۔

بابا نے کہا۔

”تو میرے بچو! جہاز کو بھول جاؤ۔ تمہاری جان بچ گئی۔ یہی بہت غنیمت ہے۔ ہاں تم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ شامل ہو کر بغداد پہنچ سکتے ہو، مگر وہاں بھی بڑی افراتفری کا وقت ہے۔ وہاں جا کر تم کیا کرو گے؟“۔

عنبر نے کہا۔ ہم اس قسم کے انقلاب کے عادی ہیں۔ بابا! ہمیں مشکلات کچھ نہیں کہتیں، لیکن ہمارے دماغ میں ایک اور ترکیب بھی ہے۔

ہم نے سوچا ہے کہ جہاز کو کسی طرح یہاں سے نکال کر

سمندر میں واپس بھاگ جائیں اور خلیج فارس میں دریائے دجلہ میں داخل ہو کر بغداد پہنچ جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

بوڑھا حیرانی سے عنبر اور ناگ کا منہ تکنے لگا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بچو! تم چنگیزی فوج کے پہرے میں سے اپنے جہاز کو کیسے نکال کر لے جاؤ گے؟ یہ ناممکن بات ہے میرے بیٹو!“

ناگ نے کہا۔

”بابا! تم یہ نہ پوچھو کہ ہم جہاز کو کیسے نکال کر لے جائیں گے، تم صرف یہ بتاؤ کہ اگر ہم جہاز کو یہاں سے نکال کر لے جائیں اور دریائے دجلہ میں سے ہو کر بغداد پہنچیں تو سفر کیسا رہے گا؟“۔

بابا نے کہا۔

"یہ سفر خشکی کے سفر سے ہزار درجے بہتر ہے، لیکن اس میں جان کا خطرہ ہے۔ چنگیزی فوج کے سپاہی تمہیں جان سے مار دیں گے۔ کسی آدمی کو قتل کرنا ان کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کسی مکھی کو مار دینا"۔

عنبر اور ناگ مسکرائے۔

ناگ نے کہا۔

"ہم جہاز کو نکال کر لے جائیں گے بابا! تم فکر نہ کرو"۔

قہوہ پینے کے بعد برتن لے کر بوڑھا عبداللہ چلا گیا۔ عنبر اور ناگ اپنی نئی سکیم کے بارے میں غور کرنے لگے۔ سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت تھی کہ کسی طرح سے جہاز پر واپس جا کر ماریا کو سارے حالات اور نئی ترکیب سے باخبر کیا

جائے اور خزانے کو اچھی طرح سے چھپا دیا جائے۔

یہ کام تم ہی کر سکتے ہو ناگ! تم جس طرح سے بھی ہو سکے ابھی جہاز پر جاؤ اور ماریا سے کہو کہ وہ فکر نہ کرے۔ ہم یہاں سے بہت جلد فرار ہونے والے ہیں۔ دوسرے خزانے کو کسی ایسی جگہ چھپا دو جہاں اب چنگیزی فوج کے سپاہیوں کی نظر نہ پڑ سکے۔

ناگ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں"۔

عنبر بولا۔

تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ یہ چنگیزی وحشی بڑے خطرناک ہیں بہت ہوشیار ہیں۔ میں ان کی فطرت سے واقف ہوں۔

پتا بھی کھڑک جائے تو یہ چوکس ہو جاتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"بے فکر رہو۔ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ جاؤں گا۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔ بس میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا"۔

"اچھا جاؤ۔ خدا حافظ"۔

ناگ کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ شہر کے گلی کوچوں سے باہر نکل کر وہ پچھلی طرف سے سمندر کے کنارے آ گیا۔ اب اسے جہاز تھوڑا دور نظر آ رہا تھا۔

سپاہی جہاز کے باہر برابر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ جھاڑیوں کے پیچھے چلتا ہوا سپاہیوں کے قریب آ گیا۔ اب وہ ان کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ انسان کی

شکل میں اب آگے جانا خطرناک بات تھی۔ ناگ نے جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اندر کو زور سے سانس کھینچا اور ایکدم سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔

وہ سانپ بن کر گھاس پر رینگتا ہوا جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کافی قریب جا کر سمندر میں اترنا چاہتا تھا۔

وہ جہاز کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔ سارے سپاہی تلواریں لے کر سانپ کی طرف بڑھے۔

ناگ گھبرا گیا۔ اس نے زیادہ آگے آ کر غلطی کی تھی۔ وہ سمندر کی طرف بھاگا۔ سپاہی اس کے پیچھے بھاگے۔ اک سپاہی نے زور سے تیر پھینکا۔

دوسرے نے تیر کمان میں جوڑ کر چھوڑ دیا جو سانپ کے

بالکل پاس زمین میں آ کر گڑھ گیا۔ ناگ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

سپاہیوں نے سمندر میں تیروں کی بوچھاڑ ماری مگر ناگ اب ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا تھا۔

سپاہی ہنستے قہقہے لگاتے واپس اپنی جگہ پر جا کر پہرہ دینے لگے۔ انہوں نے اپنے خیال میں سانپ کو سمندر میں ڈبو دیا تھا۔ لیکن سانپ سمندر کی لہروں پر تیرتا جہاز کے پیچھے پہنچ گیا۔

یہاں لنگر کی زنجیر سمندر کے اندر سے نکل کر اوپر جہاز کے جنگلے تک چلی گئی تھی۔ سانپ زنجیر پر چڑھ گیا اور رینگتا ہوا جہاز کے اوپر آ گیا۔

اوپر آ کر وہ جنگلے میں سے نکل کر عرشے پر آ گیا اور بڑے مزے سے رینگتا ہوا کیبن کی سیڑھیوں میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے زور سے پھنکار ماری اور پھر سے انسان کی شکل بدل لی۔

ماریا اس وقت اپنے کیبن میں اکیلی بیٹھی سوچ رہی تھی۔ کہ عنبر اور ناگ کہاں ہوں گے؟

دروازے پر دستک ہوئی۔ ماریا چونک اٹھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ باہر سے ناگ نے کہا۔

”ماریا بہن! دروازہ کھولو! میں ہوں ناگ“۔

ماریا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ناگ اندر آ گیا۔

اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور ماریا سے کہا۔

”تم نے کھانا کھایا تھا ماریا؟“۔

"ہاں بھائی! تھوڑا بہت کھایا تھا۔ لیکن تم لوگ کہاں تھے؟"۔

"جہاز کے گرد پہرہ کیوں بٹھا دیا گیا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بھی ایک طرح سے ہم پر مصیبت آ گئی ہے۔ ارجن کے سپاہیوں نے باہر پہرہ لگا کر جہاز پر قبضہ کرلیا ہے۔ بتاؤ کہ خزانہ تو ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"۔

"ہاں بھائی خزانہ بالکل ٹھیک ٹھیک ہے مگر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟ ہمیں آگے کب چلنا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جہاز کو کسی طرح سے راتوں رات یہاں سے لے کر فرار ہو جائیں۔

دریائے دجلہ میں سے گزر کر بغداد پہنچنے کی کوشش کریں کیونکہ اگر ہم یہاں رہے تو ہمارا جہاز ہمیں کبھی واپس نہیں ملے گا۔ اور خزانہ بھی ہم سے چھین لیا جائے گا۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں سے کیسے بھاگ سکتے ہیں بھائی! یہاں تو چاروں طرف پہرہ لگا رہتا ہے"۔

ناگ بولا۔

اس پر ہم غور کر رہے ہیں۔ خدا نے چاہا تو آجکل میں یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، کیونکہ خشکی کے راستے سفر کرنا بڑا خطرناک ہے راستے میں ڈاکے پڑتے ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔

اگر ہم اکیلے ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن ہمارے

ساتھ خزانے کا صندوق بھی ہے۔

آؤ ہم جہاز کو چنگیزی فوج کے حوالے بھی نہیں کر سکتے۔

آؤ پہلے خزانے کو کسی جگہ پر چھپا دیں۔

دوسرے کیبن میں جا کر انہوں نے خزانے کے صندوق کو نکالا۔ اسے اٹھا کر ناگ باورچی خانے میں لے گیا۔ اور پیاز کی بوریوں کے نیچے جا کر چھپا دیا۔

یہ ایسی جگہ تھی جہاں کسی کی نگاہ نہیں جا سکتی تھی۔ ویسے بھی پیاز کی بوریوں کو کوئی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے کہا۔

ماریا بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے، ہم دو ایک دن تمہارے پاس نہ آئیں اور تم اکیلی ہی جہاز پر رہو مگر گھبرانا نہیں۔

ہم جلدی سے جلدی آنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ عنبر کا خیال ہے کہ ہمیں دو ایک دن میں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

"ٹھیک ہے بھائی ناگ! میں یہاں اکیلی رہ کر تم لوگوں کا انتظار کروں گی"۔

ناگ دوبارہ سانپ کی جون بدل کر جہاز پر سے اتر کر سمندر میں آ گیا اور تیرتے ہوئے سمندر کے کنارے پر آ نکلا۔

یہاں سے سپاہی دور کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ پھر بھی ناگ سانپ کی جون میں رینگتا ہوا کافی دور نکل گیا۔ دور جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے انسانی شکل اختیار کی اور بھاگتا ہوا سمندر سے دور نکل گیا۔ اور پھر شہر میں داخل ہو کر

واپس سرائے کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔

عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ خزانے کو انہوں نے باورچی خانے میں پیاز کی بوریوں کے نیچے چھپا دیا ہے اور ماریا کو بھی سب کچھ سمجھا دیا ہے وہ ہماری راہ دیکھ رہی ہے۔ وہ بصرے سے فرار ہونے کو بے تاب ہے۔

عنبر نے کہا۔

بس اب ہمیں دو ایک راتوں میں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کی ہر شے جہاز کے اندر موجود ہے۔

پانی کے مٹکے ابھی چار ماہ تک ہمیں کام دے سکتے ہیں۔ خوراک بھی بہت ہے۔ اب ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا کہ ہماری ترکیب کیا ہوگی؟

ہم کس طریقے سے یہاں سے جہاز لے کر بھاگیں گے۔

ناگ بولا۔

عنبر بھائی اب یہاں سے فرار ہونے کی تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدھی رات کو اندھیرے میں جا کر سپاہیوں کو ہلاک کر دیا جائے۔

جہاز کا لنگر اٹھا کر کوچ بول دیا جائے اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی اگر کوئی ہو سکتی ہے تو بتا دو۔

عنبر نے سر جھکا کر کہا۔

ناگ نے کہا۔

نہیں پہلے ہمیں رات کو جا کر یہ پتا کرنا چاہیے کہ جہاز پر کتنے سپاہی پہرہ دیتے ہیں؟

وہ کس کس جگہ پر عام طور پر کھڑے رہتے ہیں۔ وہ سوتے کب اور کہاں ہیں؟ کیا ایک چار پانچ سپاہی پہرہ دیتے ہیں یا دوسرے سپاہی بھی وہاں موجود ہیں۔

”ٹھیک ہے میں آج رات جا کر یہ جاسوسی کرتا ہوں“۔ ناگ نے کہا۔

”نہیں عنبر بھائی! یہ کام تم نہیں کر سکتے ہو۔ یہ جاسوسی میں بڑی اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ تمہارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ میرے پکڑے جانے کا ڈر نہیں ہے“۔

”جیسے تمہاری مرضی! پھر تم آج رات اندھیرا ہوتے ہیں جہاز کی طرف نکل جاؤ اور خبردار سپاہیوں کے قریب جانے کی کوشش نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج دن کی طرح سپاہی تمہیں دیکھ کر تم پر حملہ کر دیں“۔

”فکر نہ کرو عنبر بھائی، میں چوکس رہوں گا“۔

رات کو اندھیرا ہوتے ہی ناگ جاسوسی کرنے کے لیے سرائے سے باہر نکل گیا۔ وہ گلی کوچوں کے اندھیروں میں سے گزرتا سمندر کے کنارے آ گیا۔ وہ چھپتا چھپاتا ان جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا۔

جس کی دوسری جانب جہاز کے سامنے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے سانس بھر کر سانپ کی شکل بدل ڈالی۔ سانپ کی شکل بدل کر ناگ رینگتا ہوا آگے نکل گیا۔

اب اس نے کھجوروں کے درختوں پر سفر کرنا شروع دیا۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر ہوتے آخر وہ اس درخت کے اوپر آ گیا جس کے نیچے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سانپ درخت سے نیچے دیکھنے لگا۔

کل چھ سپاہی تھے۔ تین سپاہی جہاز کے آگے کھڑے تھے اور تین سپاہی ایک طرف ہو کر چکر لگا رہے تھے۔ وہ آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے اور قہقہے لگا رہے تھے۔

کافی دیر درخت پر بیٹھے رہنے کے بعد ناگ نے پوری جاسوسی کر کے دیکھ لیا کہ وہ صرف چھ سپاہی ہی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی سپاہی وہاں نہیں ہوتا۔

ہو سکتا ہے صبح کو وہ بدل جاتے ہوں اور چھ نئے سپاہی وہاں آ جاتے ہوں۔ سانپ درختوں درختوں رینگتا واپس چل پڑا۔

جہاز پر قتل

واپس آ کر ناگ نے عنبر کو ساری خبر دی۔

اس نے بتایا کہ جہاز کے باہر صرف چھ سپاہی پہرہ دیتے ہیں۔ اگر کسی طرح سے ان سپاہیوں پر قابو پا لیا جائے تو پھر ہمارا راستہ صاف ہو جائے گا۔ عنبر نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو جہاز پر حملہ کر دیں گے۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ عنبر اور

ناگ سو گئے۔ دوسرے دن رات کو انہیں۔۔ جہاز پر حملہ کر کے ڈبے لے کر وہاں سے فرار ہونا تھا۔

دوسری طرف سپاہی جہاز پر پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے کپتان کو نیند آنا شروع ہوگئی۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

یارنگ!" مجھے نیند آ رہی ہے، کیا تمہارے پاس قہوے کی پتی ہوگی"۔

یارنگ نے کہا۔

"سرکار! پتی تو ختم ہوگئی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو جہاز کے باورچی خانے سے جا کر قہوے کا مسالہ لے آؤں کیونکہ میں نے دیکھا تھا وہاں بہت کھانے پینے کا سامان پڑا ہے"۔

کپتان نے کہا۔

ٹھیک ہے، جہاز پر جا کر قہوے کا مسالہ بھی آؤ اور اگر وہاں خشک میوے ہوں تو وہ بھی چنگیر بھر کر لے آنا۔

باقی سپاہی بھی خوش ہو کر بولے کہ ہمیں بھی نیند آ رہی ہے، ہم بھی خشک میوہ کھائیں گے اور قہوہ پئیں گے۔ کپتان نے انہیں ڈانٹ کر کہا۔

"کم بختو! پہلے یارنگ بے چارے کو جہاز پر جا کر چیزیں تو لے آنے دو"۔

"اس کے ساتھ جانے پر کوئی تیار نہیں ہو رہا۔ کھانے کو سب راضی ہیں"۔

یارنگ نے ہنس کر کہا۔

"حضور! میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں۔ جہاز سارے کا سارا خالی ہے۔ میں ابھی جا کر قہوہ وغیرہ لے

کر آ جاتا ہوں"۔

یارنگ بڑا ظالم اور بہادر سپاہی تھا۔ اس نے صرف شہر میں کوئی چھ سات سو مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔ وہ بات بعد میں کرتا تھا اور تلوار پہلے چلا دیتا تھا۔

وہ اگر ڈرتا تھا تو صرف اپنے کپتان سے ڈرتا تھا۔ کپتان کا حکم پا کر اس نے جہاز کو جانے والی چھوٹی سی کشتی میں قدم رکھا اور اسے لے کر جہاز کے پاس اس جگہ آ گیا جہاں اوپر جانے والی سیڑھی لٹک رہی تھی۔

باقی سپاہی اسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ابھی وہ مزے دار خشک میوے اور قہوہ لے کر واپس آ ئے گا۔ وہ مزے سے قہوہ پئیں گے اور میوے کھائیں گے۔

یارنگ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ وہ تلاشی

لینے والوں کے ساتھ تھا۔

اس لیے اسے جہاز کے چپے چپے کا علم تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے سیدھا باورچی خانے میں آ گیا۔ باورچی خانے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔

وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران سا ہوا کہ باورچی خانے میں چولہے پر ایک کیتلی دھری تھی جس میں گرم گرم قہوہ تھا۔ آگ اگرچہ بجھی ہوئی تھی مگر قہوے کی دیگچی گرم تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہاں قہوہ کس نے گرم کیا ہے کیونکہ دو روز سے جہاز کے اندر کوئی نہیں گیا تھا۔

یارنگ نے مرتبانوں کو الٹ پلٹ کر خشک میوے اور قہوے کا مسالہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ماریا اس وقت اپنے کیبن میں سو رہی تھی۔

یارنگ کے ہاتھ سے ایک مرتبان گر کر چھن کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ مرتبان ٹوٹنے کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ دوسری طرف یارنگ کو قہوے کا مسالہ تو مل گیا تھا مگر خشک میوے نہیں مل رہے تھے۔

اس نے بوریوں کو ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔ پیاز کی ایک بوری گری تو ساری بوریاں ایک طرف کو الٹ گئیں۔

یارنگ نے دیکھا کہ بوریوں کے نیچے ایک صندوق پڑا ہوا ہے۔

وہ سوچنے لگا یہ صندوق بوریوں کے نیچے کس نے چھپا رکھا ہوا ہے؟ ضرور اس میں کوئی خاص چیز ہوگی۔ یارنگ نے آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکنا الٹ دیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع ایک طرف رکھی اور غور

سے ان اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کو دیکھنے لگا جن کی چمک سے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ وہ تو دنگ رہ گیا کہ اتنا بڑا خزانہ اس ویران جہاز میں کہاں سے آ گیا۔

ایک دم سے اس کی نیت بدل گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ خزانہ یہاں سے کسی وقت چرا کے لے جائے گا اور پھر سے بھاگ کر واپس اپنے وطن قازقستان چلا جائے گا۔ وہاں جا کر ایک عالی شان محل خریدے گا۔ غلام اور لونڈیاں خریدے اور مزے سے باقی زندگی بسر کرے گا۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی اسے اور خزانے کو دیکھ رہی ہے۔ ماریا یارنگ کو اٹھتا دیکھ کر پیچھے ہٹی تو ایک کٹورا اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا کہ کٹورا کس نے

زمین پر گرا دیا ہے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی کہ خزانے پر وہ قبضہ جمانے کی فکر میں ہے۔ یارنگ نے کچھ اشرفیاں اور جواہرات نکال کر جیب میں ٹھونس لیں اور خزانے کا ڈھکنا بند کر کے اوپر پیار کی بوری رکھ دی۔

ماریا کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ خزانے کا راز فاش ہو چکا تھا۔ اگر یارنگ واپس جاتا ہے تو خزانے کا راز کھل جانے کا خطرہ تھا۔

ماریا کو کیا خبر تھی کہ یارنگ نے اکیلے ہی خزانے پر قبضہ کرنے کا سوچ رکھا ہے۔ بہرحال یارنگ کا وہاں سے واپس جانا خطرناک تھا۔

ماریا جلدی سے پیچھے ہٹی اور باورچی خانے کے دروازے پر ایک بھرا ہوا مرتبان لے کر کھڑی ہو گئی۔ یارنگ نے خزانے کے صندوق پر بوری رکھ کر اپنی جیبوں میں ٹھونسی ہوئی دولت سے کو غور سے دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا۔

تلوار نیام میں ڈالی۔ قہوے کا مسالہ لیا اور واپس مڑا۔

ماریا دروازے میں اس کی آؤ بھگت کرنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

جونہی باورچی خانے کے دروازے سے نکلنے لگا، ماریا نے اوپر سے مرتبان اس کے سر پر دے مارا۔ یارنگ چکرا کر زمین پر گرا اور پھر کھڑا ہوا۔

اس نے تلوار نکال لی اور ہوا میں چلانے لگا۔

”کون ہے؟ کون ہے یہاں۔ سامنے آؤ۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پرے ہٹ کر کھڑی

ہوگئی۔

یارنگ ہوا میں تلوار چلاتا اس کے قریب آ گیا اس کی ماریا کے پاس ہی تپائی پر پڑی۔

تپائی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یارنگ کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا۔ اب وہ واپس جانے کے لیے بے تاب تھا۔

وہ باورچی خانے میں تلوار چلانے کے بعد وہ واپس بھاگا۔

وہ اپنے ساتھ خزانے کا راز لے جا رہا تھا۔ ماریا اسے کبھی زندہ واپس نہیں بھیج سکتی تھی۔ وہ اوپر سیڑھیوں میں آ کر کھڑی ہوگئی۔

اب اس کے ہاتھ میں وہ تیز چھری تھی جسے وہ باورچی خانے سے اٹھا کر لائی تھی۔ جونہی یارنگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔

ماریا نے چھری اس کے سینے میں گھونپ دی۔ چھری گھونپ کر وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ چھری اچانک سینے میں لگی تھی۔

یارنگ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس چیخ کی آواز جہاز کے باہر بھی گئی۔ کپتان اور دوسرے سپاہیوں نے یارنگ کی چیخ کی آواز سنی تو وہ کشتی میں بیٹھ کر جہاز کی طرف لپکے۔

یارنگ زمین پر لہولہان گرا تڑپ رہا تھا۔ ماریا نے اس کی جیبوں سے جواہرات وغیرہ نکال لیے۔

یارنگ نے محسوس کیا کہ کسی کا ہاتھ اس کی جیبوں میں سے جواہرات نکال رہا ہے۔ اس نے زخمی حالت میں ہی ماریا کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

مگر ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہو گئی۔ یارنگ کا سانس اکھڑنے لگا۔ ماریا نے سارے جواہرات سمیٹے اور انہیں لے کر واپس باورچی خانے میں جانے ہی والی تھی کہ اسے جہاز کے عرشے پر سپاہیوں کی بھاری اور تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دیں۔

سپاہی یارنگ کی چیخ سن کر اس کی مدد کو آ رہے تھے۔ ماریا جلدی سے اپنے کیبن میں آ گئی۔ اس نے اندر سے دروازہ کھلا ہی رکھا تا کہ کسی کو شک نہ پڑے کہ اندر کوئی ہے۔ سپاہی اگر اندر بھی آگئے تو اسے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکیں گے۔ پھر کنڈی لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

کپتان دوسرے سپاہیوں کے ساتھ دھڑام دھڑام سیڑھیاں اتر کر سامنے سیڑھیوں کے پاس یارنگ خون میں

لت پت پڑا تھا۔

اس میں تھوڑی جان باقی تھی۔ کپتان نے جلدی سے اس کا سر گود میں رکھ کر کہا۔

"کس نے حملہ کیا تم پر؟ جہاز تو خالی ہے"۔

یارنگ کے زرد چہرے پر موت کا سایہ تھا۔ اس نے ہاتھ سے باورچی خانے کی طرف اشارہ کیا اور بڑی کوشش سے صرف اتنا کہا۔

"وہ۔۔۔ اندر۔۔۔ اندر۔۔۔"

"ہاں ہاں اندر کون ہے؟"۔

کپتان نے زور سے کہا۔

یارنگ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ایک آخری ہچکی لینے کے بعد یارنگ مر گیا۔ چھری اس

کے دل کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

کپتان نے گرج کر کہا۔

"باورچی خانے کی تلاشی لو، دشمن یہیں کہیں چھپا ہوگا"۔

سپاہیوں نے باورچی خانے کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر انہوں نے سارے جہاز کی ایک بار تلاشی لے لی۔ مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا نے اس بات کے لیے خدا کا شکر ادا کیا کہ مرنے والے سپاہی نے خود ہی خزانے کے صندوق کو پیاز کی بوریوں سے چھپا دیا تھا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ماریا کے پاس خزانہ چھپانے کا وقت نہیں تھا اور یہ لوگ ضرور خزانے پر قبضہ کر لیتے۔

کپتان نے کہا۔

"یارنگ نے مرتے ہوئے کہا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ ضرور اسے باورچی خانے میں ہی کسی نے قتل کیا ہے۔ نہیں تو اسے اندر کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی"۔

سپاہیوں نے کہا۔

"سرکار! باورچی خانے کا تو چپہ چپہ ہم نے چھان مارا ہے، وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو کہاں جا سکتا تھا؟"۔

کپتان نے سوچا بات ٹھیک ہی ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو وہ کہاں جا سکتا تھا؟۔

بہر حال اس نے ایک بار پھر جہاز کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

سارے کیبن دیکھے۔ یہ لوگ ماریا کے کیبن میں بھی

آئے۔ ماریا جواہرات کو ہاتھ میں لیے کونے میں کھڑی ہو گئی۔ کپتان نے اس کے کیبن کی ایک ایک شے کو اٹھا کر دیکھا۔ بستر کو دیکھ کر بولا۔

"بستر گرم کیوں ہے؟ ضرور یہاں کوئی رات کو سوتا رہا ہے"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"حضور! باورچی خانے میں بھی ایک کیتلی میں گرم گرم قہوہ پڑا تھا، ضرور یہاں کوئی شخص رہتا ہے۔ ہمیں جہاز کی ایک ایک شے کو اچھی طرح دیکھنا ہوگا"۔

ماریا کونے میں کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ جس شخص کی وہ تلاش میں ہیں وہ ان کے سامنے کھڑی ہے۔ لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔

اسے پکڑ نہیں سکتے۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سوراخوں میں سے کیبن کے اندر روشنی آ رہی تھی۔ کپتان اور سپاہیوں نے ہر شے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

بستر گرم تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہاں سے ابھی ابھی کوئی سو کر اٹھا ہے۔ باورچی خانے میں گرم قہوے کی کیتلی بھی تھی۔ مگر انسان کوئی وہاں نہیں تھا۔

یہ ایک ایسا معمہ تھا جو ان سے کسی طرح حل نہ ہو رہا تھا۔

کپتان نے کہا۔

جہاز پر بھی رات کو پہرہ رہے گا۔ اگر یہاں کوئی ہے تو وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔

کپتان نے دو سپاہیوں کو جہاز پر پہرہ دینے کا حکم دیا اور باقیوں کو لے کر وہ جہاز سے نیچے اتر گیا۔ یارنگ کی لاش بھی

وہ ساتھ لے گئے۔

ان کے جاتے ہی ماریا نے سکون کا سانس لیا۔

مگر اب ایک اور مصیبت اس کے سر پر سوار ہو گئی تھی۔ دو سپاہی جہاز کے اوپر پہرہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ ان سپاہیوں سے اسے خود کو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن عنبر اور ناگ کے لیے یہ پہرے دار مصیبت کا باعث ہو سکتے تھے۔

ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔

اس نے خشک گوشت کے ٹکڑے لیے اور انہیں زیتون کے تیل میں ڈال کر گرم کرنے لگی۔ کرنا خدا کا کیا ہوا پہرے داروں کو بھی بھوک لگی۔

ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

"یار بھوک لگ رہی ہے۔ یہ تو ہماری قسمت اچھی ہے کہ ہماری ڈیوٹی جہاز پر لگ گئی ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا سامان ہے۔ چلو نیچے باورچی خانے میں چل کر کچھ کھاتے پیتے ہیں"۔

دوسرا بولا۔

"ہم دونوں کا نیچے جانا ٹھیک نہیں۔ ایسا کرو۔ تم نیچے جا کر کچھ کھانے کی چیزیں لے کر اوپر آ جاؤ۔ پھر دونوں مل کر یہاں مزے سے کھائیں گے"۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔

چنانچہ ایک سپاہی نیچے آ گیا۔ سیڑھیوں پر سے اتر کر وہ باورچی خانے میں آیا تو یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ چولہے میں آگ جل رہی تھی۔ اور گوشت تلا جا رہا تھا۔

وہ تو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ وہیں سے پلٹ کر اوپر بھاگا اور دوسرے ساتھی سے بولا۔

"غضب ہو گیا۔ باورچی خانے میں گوشت بھنا جا رہا ہے۔"

دوسرا سپاہی حیرانی سے بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ نیچے کون ہے جو گوشت بھوننے لگا؟ تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

دونوں سپاہی نیچے باورچی خانے میں آ گئے۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ چولہے کی آگ بجھی ہوئی تھی۔ اصل میں ماریا سب کچھ وہاں سے اٹھا کر واپس اپنے کیبن میں لے گئی تھی۔ صرف چولہا گرم تھا۔

دوسرے سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔ دیکھو یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

پہلا سپاہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس چولہے میں آگ جلتی اور اس کے اوپر تھالی میں گوشت تلا جاتا دیکھا ہے۔"

"چلو چپ بکواس بند کرو اور کھانے کی فکر کرو۔ زیادہ دیر نیچے رہے تو اوپر ان کو پتا چل جائے گا کہ پہرے دار عرشے پر سے غائب ہیں۔"

پہلا سپاہی بولا۔

"دیکھو۔ یہ دیکھو چولہا گرم ہے۔ آگ ابھی ابھی کسی نے پانی ڈال کر بجھائی ہے"۔

دوسرے سپاہی نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ چولہا واقعی گرم تھا۔ آگ پر کسی نے پانی ڈال دیا تھا۔ وہ بھی پریشان سا ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"چلو اب اوپر چلو"۔

انہوں نے وہاں سے کچھ کھانے کی چیزیں چنگیر میں ڈالیں اور انہیں لے کر جہاز کے اوپر آ گئے۔ عرشے پر بیٹھ کر دھوپ میں انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔

پہلا سپاہی بولا۔

یار مجھے تو اس جہاز سے ڈر آنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی بھوت رہتا ہے۔

سچ میں نے خود اپنی آنکھوں سے چولہے پر گوشت کو تلتے دیکھا ہے۔

دوسرا سپاہی بولا۔

اگر بھوت نہ ہوتا تو یارنگ کو کون قتل کر سکتا تھا؟ یہ ضرور اسی بھوت کا کارنامہ ہے۔

مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کپتان کا حکم ہے کہ جہاز پر پہرہ دیا جائے۔ ہم مجبور ہیں۔ ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے۔ لیکن اگر ہم یہاں سے بھاگے تو ہمیں قتل کر دیا جائے گا۔

پہلا سپاہی بولا۔

میرا تو خیال ہے، باورچی خانے میں ضرور کوئی دولت چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ میں نے یارنگ کی آنکھوں کی طرف دیکھا تھا وہ صاف باورچی خانے کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ

سے ایسے نشان بنا رہا تھا جیسے اندر ہیرے جواہرات کے ہار ہوں۔

دوسرا سپاہی قہقہہ مار کر ہنسا۔

تم پر بھوت نے اثر کر دیا ہے اگر تمہیں وہم ہے کہ باورچی خانے میں دولت ہے۔ ہیرے جواہرات ہیں تو جا کر باورچی خانے میں تلاش کرو۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنی جان پیاری ہے۔

پہلا سپاہی بولا۔

یار مل کر چلتے ہیں۔ اگر دولت مل گئی تو اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

دوسرا سپاہی کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں شام کے وقت جا کر تلاشی لینی چاہیے۔ جب باہر اندھیرا چھا جائے گا۔ اب نیچے گئے تو کپتان کو شک پڑ جائے گا"۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

دونوں سپاہی شام کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف ماریا کھانے سے فارغ ہو کر سو رہی تھی۔

ادھر عنبر اور ناگ نے آدھی رات کو جہاز پر حملہ کر کے فرار ہونے کا پورا پروگرام بنا لیا تھا۔

وہ بالکل تیار تھے۔ ان کی ترکیب یہ تھی کہ سارے کے سارے پہرے داروں پر ایک دم حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔

اس کے بعد جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے جائیں اور جہاز کو کھلے سمندر میں لے جایا جائے۔ شام ہو گئی۔ ہر

طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل گیا۔

ماریا اوپر عرشے پر آ کر ہوا کھانے لگی۔ ذرا دور دونوں سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ کنارے پر بھی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ دونوں سپاہی آپس میں اشارہ کر کے سیڑھیاں اتر گئے۔ ماریا نے سوچا۔ یہ نیچے کیا کرنے گئے ہیں؟

ماریا بھی ان کے ساتھ ہی نیچے اتر گئی۔

جہاز کو آگ لگا دو

دونوں سپاہیوں کی موت انہیں نیچے لے گئی تھی۔

سپاہی سیدھے جہاز کے باورچی خانے میں گئے۔ اندر جاتے ہی انہوں نے شمع جلائی اور اس کی روشنی میں چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے اور تلاشی لینے لگے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کہاں خزانے کے صندوق تک پہنچیں گے۔ لیکن خدا جانے سپاہیوں نے کہاں سے جاسوسی

کر رکھی تھی کہ مرتبانوں اور تیل کے کپوں کو چھوڑ کر انہوں نے ایکدم سے پیاز کی بوریوں کو الٹنا شروع کر دیا۔

تیسری یا چوتھی بوری کے نیچے خزانہ تھا چنانچہ جب انہوں نے چوتھی بوری اٹھا کر پرے پھینکی تو ایک سپاہی نے خوشی سے چلا کر کہا۔

"مل گیا خزانہ"۔

دوسرا سپاہی اس کی طرف لپکا۔

"کہاں ہے خزانہ؟"۔

"یہ دیکھو صندوق"۔

انہوں نے فوراً صندوق نکال کر باہر فرش پر رکھ دیا۔ اسے جلدی سے کھولا تو اندر ہیرے جواہرات اور سونے کی اشرفیاں چمک رہی تھی۔ سپاہی تو خوشی اور حیرانی کے ایک

دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"یہ تو سچ مچ کا خزانہ ہے"۔

"ہاں۔ اتنی دولت میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ یہ تو کسی بادشاہ کے محل کا خزانہ معلوم ہوتا ہے"۔

اسے یہاں سے نکال کر لے چلو۔ یہاں رہا تو یہ ضرور کپتان کے ہتھے چڑھ جائے گا۔

مجھے معلوم ہے کپتان کل اس جہاز کی مکمل تلاشی لے رہا ہے۔ اس نے آج صبح ہی اپنے خاص آدمی سے کہا تھا کہ جہاز میں ضرور کوئی خفیہ خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اس لیے ساری چیزیں باہر نکال کر جہاز کو خالی کر دیا جائے۔

"یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی"۔

"میرا خیال تھا شاید یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ابھی اس صندوق کو کسی جگہ ٹھکانے لگانا ہوگا"۔

"ہاں۔ مگر اسے ہم کہاں لے جائیں؟ باہر تو کنارے پر سپاہی اور کپتان موجود ہیں۔ ان کے سامنے اسے باہر نکالا تو وہ اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے حصے میں ایک پائی بھی نہیں آئے گی۔"

"پھر کیا کریں؟"۔

"میرا خیال ہے، ہم اسے بوری بند کر کے رسے کی مدد سے سمندر میں لٹکا دیتے ہیں۔ آدھی رات کو کسی بہانے تم جہاز میں سے نکل کر باہر جانا اور سمندر میں اتر کر خزانے کے صندوق کو ساتھ لے کر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا کر اسے جھاڑیوں میں چھپا دینا۔ کل رات رات ہم اسے وہاں سے نکال کر اپنے گھر لے جائیں گے۔

"کیا تم اسے اپنے گھر رکھو گے؟"۔

"تم اپنے گھر رکھ لینا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بہر حال ہم اسے آدھوں آدھ بانٹ لیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ چلو اسے بوری میں بند کرتے ہیں"۔

دونوں سپاہی خزانے کے صندوق کو ایک خالی بوری میں بند کرنے لگے۔ ماریا ان کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ آپس میں کسی فیصلے پر پہنچیں تو وہ حرکت میں آئے۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی دوسرے کو ضرور ہلاک کر دے گا۔

دولت شے ہی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کا دل پھر جاتا ہے۔

اور ایسا ہی ہوا۔

ایک سپاہی صندوق کو بوری میں بند کر کے اسے ٹانکے لگا رہا تھا۔

دوسرا سپاہی پاس ہی کھڑا تھا۔ ماریا کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سپاہی آہستہ آہستہ پیچھے لگا۔ ماریا مسکرائی۔ فیصلہ ہونے والا تھا۔

پہلے سپاہی کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ دوسرا سپاہی اس کے پیچھے چلا گیا ہے اور اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر ہے۔

دوسرے سپاہی نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ میان میں سے تلوار نکالی اور پہلے سپاہی کی گردن پر وار کر دیا۔

خزانے کو بوری میں بند کرتے کرتے اچانک پہلے سپاہی کی گردن ایک طرف کو لٹک گئی۔ اور وہ گر پڑا۔

دوسرے سپاہی نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کو کر دیا۔

مرنے والے سپاہی کی آنکھوں میں تھوڑی جان باقی تھی۔

وہ حسرت بھری نظروں سے دوسرے سپاہی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جیسے اس نے پورا زور لگا کر کہنے کی کوشش کی لیکن آواز نہ نکل سکی اور اس کی جان نکل گئی۔

دوسرے سپاہی نے خزانے کی بوری کندھے پر اٹھائی اور سیڑھیاں کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

وہ خزانے کے صندوق کو رسی سے باندھ کر سمندر میں لٹکانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب ماریا کے لیے زیادہ دیر انتظار

کرنا خطرناک بات تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کو ایک دھکا دیا۔ سپاہی لڑکھڑا کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور تلوار اٹھا کر چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا کہ اسے دھکا کس نے دیا ہے؟۔

اس کے ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ دھکا اسے کس نے دیا ہے؟ وہ پریشان سا ہو کر اٹھا اور خزانے کی بوری کے ساتھ رسی باندھنے لگا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک زوردار لات سپاہی کی کمر پر دے ماری۔ وہ جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ سپاہی ایک بار پھر منہ کے بل گر پڑا۔

اب وہ پاگل سا ہو کر اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب ماریا نے اسے کہا۔

میں اس جہاز کا بھوت ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ اس خزانے پر قبضہ ہے۔ جو کوئی بھی اسے چرانے کی کوشش کرے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

اس لیے اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اسے اپنے سر پر اٹھاؤ اور جہاں سے اٹھا کر لائے ہو، وہیں جا کر رکھ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، میرا حکم نہ مانا تو جو حشر تم نے اپنے ساتھی کا کیا ہے۔ وہی حشر میں تمہارا کروں گی۔

سپاہی نے غیبی آواز سنی اور تھر تھر کانپنے لگا۔ اسے آواز آ رہی تھی مگر شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے سوچا کہ خزانے کو سمندر میں لڑھکا دے اور پھر اس کے ساتھ خود بھی سمندر میں چھلانگ لگا دے۔ خزانہ

سمندر میں ڈوب جائے گا۔

یہاں سمندر زیادہ گہرا نہیں ہے۔ خزانہ وہ بعد میں بھی نکال لے گا۔ کپتان سے وہ یہی کہے گا کہ اس پر بھوت نے حملہ کر کے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔

یہ سوچ کر سپاہی نے بڑی مکاری سے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ خزانے کی بوری عرشے کے جنگلے کے بالکل پاس رکھی تھی۔ ماریا کو سپاہی کی نیت بدلی ہوئی نظر آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

”اگر تم نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں کھڑے کھڑے ہلاک کر دوں گی۔ میرے ہاتھوں میں نیزے اور خنجر ہیں۔ خبردار اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز مت ہلنا جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔ اٹھاؤ خزانے کو اور مجھے

باورچی خانے میں لے چلو“۔

سپاہی ڈر گیا کہ بھوت تو سچ مچ بڑا سخت ہے۔ اس نے مجبور ہو کر خزانے کی بوری سر پر اٹھائی اور اسے لے کر سیڑھیاں اترنی شروع کر دیں۔

باورچی خانے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، شاید بھوت چلا گیا ہے۔ وہ ایک پل کھڑا رہا۔ پھر پیچھے کو کھسکنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی نیام میں سے ہاتھ مار کر تلوار کھینچ لی اور تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

اندر چلی۔ خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی۔

اب تو سپاہی کی جان ہی نکل گئی۔ وہ باورچی خانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے خزانے کی بوری زمین پر رکھ دی۔ ماریا نے کہا۔

"اُسے بوری میں سے نکال کر اسی جگہ رکھو۔ جہاں پہلے موجود تھا"۔

سپاہی نے خزانے کو بوری میں سے نکال کر بوری پرے پھینک دی۔ اور خزانے کے صندوق کو دوسری بوریوں کے نیچے چھپا کر اوپر دوسری بوریاں رکھ دیں۔

اب خزانہ ایک بار پھر چھپ گیا تھا۔ قریب ہی دوسرے سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ ماریا نے سپاہی سے کہا۔

"بولو! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"میں بے گناہ ہوں"۔

ماریا بولی۔

"تم نے ابھی ابھی ایک انسان کا خون کیا ہے۔ تم اپنے

آپ کو کس طرح بے گناہ کہتے ہو؟

تمہاری قتل کی ہوئی لاش یہ سامنے فرش پر پڑی ہے۔ کیوں نہ تمہیں بھی اس جرم کی سزا میں قتل کر کے تمہاری لاش اس کے ساتھ ہی سلا دی جائے؟۔

سپاہی اگرچہ بھوت سے ڈر گیا تھا مگر وہ ایک وحشی قوم کا نڈر قسم کا سپاہی تھا۔ وہ ماریا سے باتیں بھی کر رہا تھا اور باہر بھاگنے کی راہ بھی تلاش کر رہا تھا۔

ماریا کو بھی اس بات کی خبر تھی کہ اگر یہ شخص باہر بھاگ گیا تو خزانے کا راز ضرور جا کر فاش کر دے گا۔ یہ ضرور کپتان کو جا کر بتا دے گا کہ جہاز میں بھی خزانہ بھی ہے۔ اور بھوت بھی ہے۔

بھوت نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ وہ

خزانہ نکال کر کپتان کے لیے لا رہے تھے۔ چنانچہ ماریا ہوشیار تھی کہ سپاہی بھاگنے نہ پائے۔

سپاہی کو اپنی جگہ سے کھسکتے دیکھ کر ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

”خبردار! اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم ختم کر دیے جاؤ گے“۔

اب جس طرح سے میں کہتی ہوں اسی طرح کرو۔ اس ستون کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔

سپاہی چپکے سے ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ سپاہی کو رسی کے ساتھ ستون پر باندھ دے گی۔ جب عنبر اور ناگ آئیں گے تو انہیں ساری بات بتا دے گی۔

پھر جو وہ فیصلہ کریں گے، وہی ہو گا۔ بہر حال وہ اس

سپاہی کو جہاز سے بھاگتا ہوا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ رسی لے کر سپاہی کی طرف بڑھی۔ جونہی اس نے رسی اٹھا کر سپاہی کے گرد لپیٹنی، سپاہی نے ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کی طرف بھاگا۔

یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ خزانے کا راز جہاز سے باہر جا رہا تھا۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تلوار گھما کر پوری طاقت سے سپاہی کی طرف پھینک دی۔

اس کی قسمت اچھی تھی اور سپاہی کی قسمت بری تھی کہ تلوار پیچھے سے سپاہی کی کمر میں جا کر کھب گئی۔ ایک چیخ مار کر سپاہی دروازے میں ہی گر گیا۔

وہ گرتے ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا پاس کھڑی ہو گئی۔

”تم نے وہی کیا جس سے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب تم کو اپنے جرم کی سزا مل گئی ہے۔ تم نے اپنے ساتھی کو دولت کے لیے قتل کر دیا تھا۔ اب دولت کے لیے تم خود ہلاک ہو رہے ہو۔ تم اب یہاں سے اٹھ نہیں سکتے۔ یہ جگہ تمہاری قبر بنے گی“۔

سپاہی ایک بار اٹھا اور دروازے میں سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سپاہی زیادہ دور تک زندہ حالت میں نہ جا سکے۔ کیونکہ اس کے جسم سے بہت زیادہ خون نکل چکا تھا۔

پھر بھی سپاہی نے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی۔ وہ چھ سات سیڑھیاں چڑھ گیا۔ پھر الٹ کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔

ماریا اس کی لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ سمندر پر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ رات گزر رہی تھی۔ کنارے پر آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔

اس کے گرد سپاہی اور اس کا کپتان بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ماریا کو اتنا معلوم تھا کہ عزیر اور ناگ رات کو کسی وقت آئیں گے، جہاز کو زیادہ دنوں تک کھڑا کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگلے روز جیسا کہ سپاہی نے کہا تھا کہ کپتان سارے جہاز کی پوری تلاشی لے رہا تھا۔ اگر آج رات انہوں نے وہاں سے کوچ نہ کیا تو دوسرے روز خزانہ اور جہاز ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ایک سپاہی نے کپتان سے کہا۔

پہرہ دینے والے کتنی دیر سے دکھائی نہیں دے رہے۔ جہاز کے عرشے پر مشعل بھی نہیں جل رہی کیا بات ہے؟

کپتان بھی حیران ہوا۔ وہ جہاز کے عرشے کی طرف دیکھنے لگا۔

جہاں گہری خاموشی طاری تھی اس نے ایک دو آوازیں دے کر سپاہیوں کو بلایا بھی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ کپتان نے کہا۔

"دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔ چلو چل کر پتہ کریں کہ یہ لوگ کہاں جا کر مر گئے ہیں؟"۔

کپتان نے دو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

انہوں نے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھام رکھی تھیں۔ جہاز کے عرشے پر ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کپتان نے دو سپاہیوں کے نام لے کر آوازیں دیں۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

کپتان نے کہا۔

"نیچے چل کر معلوم کرتے ہیں"۔

جونہی وہ نیچے سیڑھیوں میں آئے۔ مشعل کی روشنی میں انہیں ایک سپاہی کی لاش سیڑھیوں میں پڑی دکھائی دی۔ تلوار اس کی پشت میں ابھی تک کھبی ہوئی تھی۔

"ہائیں۔ اسے کس نے قتل کیا ہے؟"۔

وہ جلدی سے باورچی خانے میں گئے تو دوسرے سپاہی

کی لاش بھی وہاں پڑی تھی۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے۔

کپتان نے کہا۔

"لاشوں کو اٹھا کر اوپر لے آؤ"۔

اسی وقت سپاہیوں کی لاشوں کو اٹھا کر عرشے پر لٹا دیا گیا۔

کپتان نے کہا۔

"آخر یہاں کون قاتل چھپا ہوا ہے۔ جس نے دو دنوں میں ہمارے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے؟"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

سرکار! میرا تو خیال ہے کہ اس جہاز پر بھوتوں کا قبضہ ہے۔ یہاں ضرور بھوت رہتے ہیں۔

انہوں نے ہی ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔

دوسرا بولا۔

"ہاں سرکار! بھوتوں کے سوا اور کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس جہاز کو آگ لگا دینی چاہیے"۔

ماریا قریب ہی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ اس نے جو جہاز کو آگ لگانے کے بارے میں سنا تو وہ کانپ اٹھی۔ اگر ان لوگوں نے جہاز کو آگ لگا دی تو خزانے کے ساتھ ساتھ جہاز بھی خاک سیاہ ہو کر سمندر میں غرق ہو جائے گا۔

وہ تو کسی طرح سے بھاگ کر جان بچا لے گی مگر جہاز اور خزانے کو کسی طرح سے بھی بچایا نہ جا سکے گا۔

کپتان نے کہا۔

میں گورنر سے اجازت حاصل بغیر جہاز کو آگ نہیں لگا سکتا۔

ماریا کی جان میں جان آئی۔

سپاہی نے کہا۔

"مگر حضور! ہمارے چار سپاہیوں کو یہ خونی جہاز ہڑپ کر گیا ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم اس سے اپنے بہادر سپاہیوں کا بدلہ لیں"۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا بس چلے تو میں ابھی کھڑے کھڑے اس خونی جہاز کو آگ لگا دوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔

گورنر کے حکم سے یہ جہاز یہاں لنگر بند ہے۔ ہاں میں گورنر سے بات کر کے اس جہاز کو آگ لگانے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم لوگ ساتھیوں کی لاشیں لے کر نیچے آ جاؤ۔

سپاہیوں نے لاشوں کو کندھوں پر رکھا اور جہاز سے اتر کر کنارے پر آ گئے۔

لاشوں کو انہوں نے اسی جگہ گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔

کپتان نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم لوگ ہوشیاری سے پہرہ دو۔ میں ذرا دیر کو آنکھ جھپک لوں"۔

"ٹھیک ہے سرکار! آپ آرام سے سوئیں۔ ہم پہرہ دیں گے"۔

کپتان سو گیا اور باقی سپاہی پہرہ دیتے رہے۔ انہیں سوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سپاہیوں کو پیچھے جھاڑیوں

میں آہٹ سی سنائی دی۔

سپاہیوں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے کوئی خرگوش ہوگا"۔

سپاہی بڑے آرام سے پھر پہرہ دینے لگے۔ ٹھیک اس وقت عنبر اور ناگ جہاز پر قبضہ جمانے وہاں پہنچ چکے تھے۔

کالا جادو

عنبر اور ناگ، آدھی رات کو سرائے سے نکل کھڑے ہوئے۔

انہوں نے سرائے کے مالک عبداللہ بن عزیز کو سب بتا دیا تھا کہ وہ جہاز کو لے کر بصرے سے بغداد کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

عبداللہ نے انہیں دعا دی تھی اور کہا تھا کہ خدا انہیں

کافروں کے ظلم سے بچائے۔ عنبر اور ناگ بڑی خاموشی کے ساتھ تلواریں نیام میں لگائے شہر کی سنسان گلیوں میں سے گزرتے سمندر کے کنارے آ گئے۔

انہوں نے پرے کنارے کی طرف جھاڑیوں میں سے آگے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

جہاز پر روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ انہیں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں جہاز سمندر میں کھڑا دور سے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں کنارے پر آگ کا الاؤ بھی دکھائی دیا۔

الاؤ کے گرد سپاہی بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ دونوں بھائی جھاڑیوں میں سے ہو کر آگے بڑھتے گئے۔ جب وہ بہت قریب پہنچ گئے تو عنبر نے ناگ سے سرگوشی میں کہا۔

"ناگ! اب تم سانپ کی جون بدل کر وہاں جاؤ میں تمہارے بعد وہاں آ جاؤں گا"۔

ناگ نے سر کے اشارے سے اچھا کہا اور جھاڑیوں میں سے ہو کر آگے نکل گیا۔

آگے جا کر اس نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور پھر سانپ کی شکل میں بدل گیا۔ سانپ بنتے ہی اس نے رینگنا شروع کر دیا۔

وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سپاہی آگ کے گرد بیٹھے تھے۔

دو چار سپاہی چل پھر کر جہاز کے آگے پہرہ دے رہے تھے۔

ان سپاہیوں کا کپتان سو رہا تھا۔

سانپ کے سرسرانے سے پتوں میں کھڑکھڑ سی ہوئی تو سپاہیوں نے جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔ سانپ چھپ گیا۔ دو

تین سپاہی جھاڑیوں کے پاس آئے انہیں سانپ دکھائی نہ دیا۔

سانپ نے سوچا کہ ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اگر وہ واپس چلے گئے تو سب کے بیچ میں جا کر انہیں ہلاک کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

جونہی دونوں سپاہی واپس مڑنے لگے سانپ نے لپک کر ایک سپاہی کو ڈس دیا۔

وہ چیخ مار کر گرا۔

سانپ کا زہر بہت تیز اور تکلیف دینے والا تھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر دوسرا سپاہی ادھر کو آیا۔ اسے بھی سانپ نے ٹانگ پر ڈس دیا۔ وہ بھی چیخ کر گرا۔

سانپ نے دوسری جھاڑی میں سے ہو کر آگے کو نکل گیا۔ دوسرے سپاہی اور کپتان ہوشیار ہو کر جھاڑیوں کی طرف آئے۔ وہاں دونوں سپاہی مر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ایک کالے ناگ نے ڈس لیا ہے۔

کپتان اور سپاہیوں نے سانپ کی تلاش شروع کر دی۔

دو سپاہیوں نے مرنے والے سپاہیوں کی پنڈلیوں پر کس کے پٹی باندھ دی کہ زہر اوپر نہ چڑھنے پائے۔

لیکن ناگ کا زہر بڑا خطرناک تھا۔

ایک پل کے اندر اندر زہر نے دونوں سپاہیوں پر اثر کر دیا۔ دونوں کے جسم نیلے ہو کر پھول گئے۔ اور پھٹنے لگے۔

دونوں مر گئے۔

کپتان نے حکم دیا۔

"سانپ یہیں کہیں ہوگا۔ اسے تلاش کر کے ٹکڑے

ٹکڑے کر دو"۔

سپاہیوں نے اردگرد کی جھاڑیوں پر تلواریں اور نیزے برسانے شروع کر دیے۔ ذرا فاصلے پر ایک جھاڑی میں عنبر بھی چھپا ہوا تھا۔

سپاہی اس کے قریب بھی آ گئے۔ عنبر نہ تو غائب ہو سکتا تھا اور نہ ناگ کی طرح سانپ بن سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب سوائے مقابلہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ عنبر کو اپنے سامنے دیکھ کر کپتان اور سپاہیوں کو طیش آ گیا۔

"تم کون ہو؟"۔

عنبر اب کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے کہا۔

"سنو! میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ میں اس جہاز کو یہاں سے لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم نے میرے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو میں تم سب کو قتل کر کے نکل جاؤں گا"۔

کپتان نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا۔

"سپاہیو! اس گستاخ کی زبان کاٹ ڈالو"۔

سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اس کا منہ کھول زبان کاٹنے کے لیے خنجر چلایا ہی تھا کہ خنجر کا پھل ٹوٹ کر ان کے ہاتھوں میں آ گیا۔

عنبر سپاہیوں کو گرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم لوگ مجھے ہلاک نہیں کر سکو گے۔ اب بھی میں تمہیں کہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دو۔ مجھے جہاز لے کر یہاں سے نکل جانے دو، نہیں تو تم سب کی لاشیں اس ریت پر تڑپ رہی ہوں گی"۔

کپتان نے عنبر کے سر پر زور سے تلوار والا ہاتھ مار کر کہا۔

"میں ابھی تمہیں موت کی نیند سلائے دیتا ہوں"۔

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کیونکہ تلوار کپتان کے ہاتھ سے بھی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔

اب عنبر نے بھی تلوار نکال لی اور باقاعدہ مقابلہ شروع ہو گیا۔ مگر عنبر کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس پر چاروں طرف سے وار ہو رہے تھے۔

ساتوں کے ساتوں سپاہی تلواریں اس پر چلا رہے تھے۔ وہ اپنی طرف سے اس کا قیمہ قیمہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ نہ تو عنبر کے جسم پر ان تلوار سے کوئی زخم لگ رہا تھا اور نہ اسے کسی جگہ سے خون نکل رہا ہے۔ اس کے الٹ عنبر کی تلوار کاٹ رہی تھی۔

اس نے دیکھتے دیکھتے دو سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ تیسرے پر حملے کر رہا تھا۔ عنبر نے تیسرے سپاہی کو بھی ہلاک کر دیا، کیونکہ اس پر تو کسی وار کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اسے پیچھے سے وار بچانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ ایک سپاہی کو چن لیتا اور پھر اسے ختم کر کے دوسرے کی طرف گھوم جاتا۔

تھوڑے ہی وقت میں اس نے پانچ سپاہی قتل کر کے پھینک دیئے۔ چھٹا بھاگ گیا۔ اب اس کے سامنے صرف کپتان رہ گیا تھا۔ عنبر تلوار لے کر اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں، کیونکہ میں کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ تم تلوار پھینک کر

یہاں سے بھاگ سکتے ہو"۔

کپتان نے کہا۔

"میں ایک بہادر قوم کا سپاہی ہوں۔ میرے سپاہی بھی بہادر ہیں اور میں بھی بہادر ہوں۔ میں میدان چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔ میں تمہارا مقابلہ کروں گا"۔

عنبر نے کہا۔

تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری تلوار کا مجھ پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا۔ اگر میں تمہاری طرح ایک عام آدمی ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ تم مجھے قتل کر دیتے اور میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکتا۔

لیکن میں تمہاری طرح کا ایک عام آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک بھوت ہوں۔ تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک بھوت ہوں۔ تم میرے مقابلے پر آؤ گے تو مارے جاؤ گے۔ اب بھی وقت ہے، تم اگر چاہو تو یہاں سے جان بچا کر بھاگ سکتے ہو۔

کپتان نے کہا۔

نہیں! میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنی قوم کو بدنام نہیں کروں گا۔ بہادر لوگ مر جایا کرتے ہیں۔ مگر اپنی عزت پر بٹہ نہیں لگایا کرتے۔

تم آدمی ہو یا بھوت۔ تم جو کچھ بھی ہو میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔ اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو میں لڑتے لڑتے مروں گا۔

یہ کہہ کر کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر نے جوابی حملہ کرنے کی بجائے کپتان کے حملوں کو روکنا شروع کر دیا۔

مگر آخر وہ کب تک حملے کو روکے جاتا۔ وقت گزر رہا تھا۔ انہیں جہاز لے کر آگے بھی جانا تھا۔ چنانچہ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ جہاں کہیں بھی ہو اوپر جہاز پر جا کر ماریا سے کہو کہ تیاری کرے۔ میں اس احمق اور بہادر کپتان کو ٹھکانے لگا کر ابھی آ رہا ہوں"۔

ناگ نے آواز دی۔

"بہت اچھا بھائی"! میں جہاز پر جا رہا ہوں۔

کپتان بڑا اسٹ پٹایا کہ یہ کون بھوت لوگ ہیں۔ اس نے چیخ مار کر عنبر کی گردن پر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر کی گردن کٹ کر دور جا گرے گی مگر گردن تو اپنی جگہ قائم رہی۔

ہاں کپتان کی تلوار ضرور ٹوٹ کر ریت پر گر پڑی۔ عنبر آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے کپتان کا کام تمام کر دیا۔ اب وہ تیزی سے جہاز کی طرف بڑھا۔

اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ڈ سے خطرہ اس سپاہی سے تھا جو بھاگ گیا تھا، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ وہ شہر سے دوسری فوج لے کر آجائے اور سپاہی آگ برسانے والے تیر چلا کر جہاز کو آگ لگا دیں، کیونکہ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کو آگے سے نہیں بچا سکتے تھے۔

ناگ پہلے ہی جہاز پر پہنچ چکا تھا۔ عنبر بھی پہنچ گیا۔ ماریا عرشے پر کھڑی یہ ساری لڑائی مار کٹائی دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے جاتے ہی کہا۔

"ڈنگر ڈھا کر یادبان کھول دو"۔

ناگ نے لنگر کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ماریا اور عنبر نے مل کر بادبانوں کو کھول دیا۔ بادبانوں میں ہوا بھری اور جہاز نے کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"جہاز کی سمت خلیج کے اندر کی طرف کر دو"۔

ناگ نے قطب نما پر جا کر چرخی گھمائی اور جہاز کی سمت کو ٹھیک راستے پر لگا دیا۔ جہاز آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا زیادہ تیز نہیں تھی۔

دوسری طرف بھاگے ہوئے سپاہی نے چوکی پر جا کر شور مچا دیا کہ جہاز پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے۔ سارے سپاہی قتل ہو گئے ہیں۔

صرف کپتان ابھی تک اکیلا لڑ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ

چوکی پر سے کوئی ساٹھ ستر کے قریب سپاہی آگ برسانے والے تیر اور نیزے لے کر اٹھ دوڑے۔

جس وقت سپاہیوں کا یہ دستہ سمندر کے کنارے پہنچا عنبر کا جہاز آہستہ آہستہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ سپاہی کشتیوں میں بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

جہاز کی رفتار ذرا کم تھی جبکہ کشتیاں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ عنبر اور ناگ اور ماریا نے بھی فوج کے ایک دستے کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"یہ لوگ ضرور آگ لگانے کی کوشش کریں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم اس کا جواب دیں گے"۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سپاہیوں نے جہاز پر آگ کے تیر برسانے شروع کر دیے۔

آگ کے تیر جہاز کے بادبانوں کی طرف اڑ اڑ کر آ رہے تھے۔ ابھی تک ایک بھی تیر بادبان کو نہیں لگا تھا۔

ناگ نے کہا۔

عنبر! اگر ایک بھی تیر بادبان کو لگ گیا تو سارے بادبان جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

ہمارا جہاز سمندر میں رک جائے گا اور یہ لوگ ہمارے جہاز اور خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔

ماریا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنے سپاہیوں کا بدلہ لینے کے لیے

ہمارے سارے کے سارے جہاز کو آگ کے حوالے کر دیں۔ پھر ہمارے لیے جان بچانا مشکل ہو جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ کیا تم ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتے ہو؟"۔

ناگ بولا۔

عنبر بھائی۔ میں زیادہ سے زیادہ سانپ بن کر حملہ کر سکتا ہوں مگر اتنی ساری فوج کو کہاں مار سکوں گا۔ پھر پرندہ کر بھی اگر ان کے سر پر اڑوں تو ان کے اتنی تیسر میرا بھی خاتمہ کر دیں گے۔ اس کے علاوہ میں بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی! خدا کے لیے کچھ جلدی سے کرو۔ دیکھو آگ والے تیر بادبانوں کے قریب سے ہو کر گزر رہے

ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ ابھی تک ان بادبانوں کو آگ کیوں نہیں لگی"۔

عنبر پر اب ساری بات آن پڑی تھی۔ اب جو کچھ کرنا تھا۔ اسی کو کرنا تھا۔ نہیں تو سارے جہاز کو آگ لگنے والی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں ہی کوشش کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر عنبر جہاز کے عرشے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا لیے۔

خدا جانے آنکھیں بند کر کے اس نے کس کو آواز دی؟ کونسا منتر پڑھا؟ کس کی مدد لی کہ جونہی اس نے ہوا میں اپنے ہاتھوں کو اوپر کر کے لہرایا، آسمان پر جانے والے آگی تیر سارے کے سارے ایک ساتھ سمندر میں گرنا شروع ہو گئے۔

کشتیوں میں سے جتنے تیر چلائے جاتے، سارے کے سارے سمندر میں گر پڑتے۔

سپاہیوں نے عنبر کو جہاز کے جنگلے پر کھڑا دیکھ کر اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ آگ میں لہراتے ہوئے تیر عنبر کے قریب آئے۔

عنبر نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

آگ میں جلتے تیر ایک ایک کر کے واپس گئے اور انہوں نے سپاہیوں میں گر کر نہ صرف انہیں زخمی کر دیا بلکہ ایک دو کشتیوں میں آگ بھی لگا دی۔

اس کے ساتھ ہی کشتیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہیوں نے تیر برسانے بند کر دیئے مگر تینوں کشتیوں میں شعلے بھڑک

اٹھے تھے۔ اور بیس پچیس سپاہی تیر لگنے سے مر چکے تھے۔ کتنے ہی زخمی ہو گئے تھے۔

ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

"واپس بھاگو! یہ بھوتوں کا جہاز ہے۔ وہ دیکھو جہاز پر ایک بھوت دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے"۔

سپاہی سارے کے سارے خوف زدہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے کشتیوں کو موڑ لیا اور بڑی تیزی سے چپو چلاتے بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا تھا۔ ناگن نے کہا۔

"میدان مار لیا ہم نے عنبر بھائی"۔

عنبر ان کی طرف مڑا تو انہوں نے دیکھا کہ عنبر کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے سبز رنگ کا پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا عنبر بھائی؟" "پہلے تو کبھی کچھ نہیں ہوا تھا؟"۔

عنبر نے تکلیف سے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو جادو کیا ہے، یہ اس کا اثر مجھ پر پڑ گیا ہے۔ میں اسی لیے جادو کبھی نہیں کیا کرتا مگر یہاں مجبور ہو گیا۔ اب یہ تکلیف سہنی ہی پڑے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"میرے بھائی، تم نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

ماریا بہن! اگر میں یہ تکلیف نہ اٹھاتا تو اس وقت جہاز پر آگ لگ چکی ہوتی مگر تم فکر نہ کرو، یہ تکلیف صرف دو تین دن رہے گی۔

جادو کا اثر کم ہوتے ہی تکلیف دور ہو جائے گی۔ یہ سب سے خطرناک جادو تھا۔ میں نے بھوتوں کے بادشاہ کی مدد لی تھی۔ اس نے مجھ سے قیمت وصول کر لی، اب مجھے یہ قیمت ادا کرنی ہو گی۔

ناگ اور ماریا عنبر کو لے کر نیچے کیبن میں آ گیا۔ عنبر کو ایک صاف ستھرے قالین کے بستر پر لٹا دیا گیا۔ عنبر نے اسے کہا کہ صرف پیاز کا عرق بار بار پلایا جائے۔

جہاز پر پیاز بہت موجود تھا۔ ماریا نے اسی وقت دیگچے میں پیاز کا عرق نکال کر گرم کیا اور عنبر کو تھوڑی دیر کے بعد پلانا شروع کر دیا۔

جہاز اب ساحل سے نکل کر کھلے سمندر میں آ گیا تھا۔ آہستہ آہستہ ہوا بھی تیز چلنا شروع ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے

کہ دن چڑھتے ہی آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے۔ بادلوں کی وجہ سے ہوا چلنے لگی تھی۔

عنبر کو سخت تکلیف تھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار تکلیف ہو رہی تھی۔ سارا دن وہ تکلیف سے ہائے ہائے کرتا رہا اور اس پر غشی سی طاری رہی۔

رات کو بھی وہ دورے سے تڑپتا رہا۔ اگلے روز اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ ماریا اور ناگ اس کے پاس بیٹھے اس کی خدمت کرتے رہے۔ عنبر نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"تم لوگوں نے میری بڑی تیمارداری کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کالے جادو کا اثر اب دفع ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ جا کر آرام کرو"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہیں بھائی عنبر! میں تمہارے پاس ہی بیٹھوں گی۔ ایک بہن کو اپنے بھائی کی خدمت کر کے خوشی ملتی ہے"۔

وہ دن بھی گزر گیا۔ رات کو عنبر کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔

اس کے چہرے کی سیاہی بھی دور ہو گئی۔ ہاتھوں کے چھالے بھی مٹ گئے۔

وہ بھلا چنگا ہو کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ ماریا سو گئی تھی۔

ناگ عرشے پر کھڑا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"شاید طوفان آنے والا ہے۔ مگر ہم لوگ صبح ہونے سے

پہلے دریائے درجانا ہو جائیں گے"۔

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

مرجلہ کی وادی

ساری رات بارش ہوتی رہی اور بجلی چمکتی رہی۔

دن چڑھا تو سمندر میں بڑی بڑی اٹھ رہی تھیں۔

دریائے دجلہ کا پانی بھی بڑی تیزی کے ساتھ سمندر میں گر رہا تھا، چونکہ ہوا بہت زور سے چل رہی تھی، اس لیے ان کا بادبانی جہاز دریا میں داخل ہو گیا اور الٹے بہاؤ پر چڑھ کر بھی آگے کو روانہ ہو گیا۔

دریا میں طوفان نہیں تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے طوفان کا زور کم ہوتا گیا۔ جب وہ دریا کے بیچ میں پہنچے تو بارش تھم گئی اور ہوا کا زور بھی ختم ہو گیا۔

اب وہ دریا میں بڑے سکون کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے مگر نہ تو بارش ہو رہی تھی اور نہ زوردار آندھی کا طوفان چل رہا تھا۔

بادلوں میں کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی اور ہلکی ہلکی گرج کسی وقت سنائی دے جاتی تھی۔

دریا زیادہ چوڑا نہیں تھا وہ ذرا فاصلے پر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کناروں پر ریت کے ٹیلے دور دور تک پھیلے تھے۔

کہیں کہیں کھجوروں کے بڑے بڑے جھنڈ تھے۔ عنبر نے

ناگ اور ماریا سے کہا۔

اس موسم میں کبھی کبھی یہاں بہت سخت بارشیں ہوتی ہیں۔ ہواؤں کے طوفان آتے ہیں لیکن عام طور پر اس کے بعد موسم خشک ہی رہتا ہے۔

تینوں جہاز کے عرشے پر کھڑے دریا کے کنارے کا نظارہ کر رہے تھے۔ بارش کے طوفان کی وجہ سے جہاز کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا۔

صرف بارش کا پانی سیڑھیوں میں سے ہو کر تہہ خانے میں چلا گیا تھا۔ جسے عنبر اور ناگ نے مل کر بالٹیوں سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ بارش کے تھمتے ہی تیز ہوا نے بادبانوں کو خشک کر دیا تھا۔

ان میں ہوا پھولی ہوئی تھی اور وہ جہاز کو لے کر بڑے سکون کے ساتھ بغداد شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناگ نے دور ٹیلوں کو دیکھ کر کہا۔

"ان ٹیلوں پر کسی قسم کی کوئی آبادی دکھائی نہیں دے رہی معلوم ہوتا ہے صدیوں سے یہاں پر کوئی آباد نہیں رہا"۔

عنبر بولا۔

یہاں کئی آبادیاں بس کر تباہ ہو چکی ہیں۔ جہاں تمہیں آج ریت کے ٹیلے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہاں کبھی شاہی محل ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ برباد ہو گئے۔

یہ وادی بڑی بڑی تہذیبوں کو ابھرتے اور فنا ہوتے دیکھ چکی ہے۔

ماریا نے کہا۔

حموربی اور مخنی پل نے اسی وادی میں حکومت کی تھی۔

عنبر بولا۔

"ہاں۔ میں نے ان کا دور دیکھا ہے۔ ان کے وقتوں میں اسی دریا میں بادبانی جہازوں کی ہر وقت رونق رہا کرتی تھی۔ تجارتی سامان سے لدے ہوئے جہاز یہاں سے ہر وقت گذرا کرتے تھے"۔

ناگ نے کہا۔

"کیا خیال ہے، ناگ بھائی ہم کس وقت تک بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

میرا اندازہ ہے کہ ہمیں صرف آج کا دن اور آج کی رات ہی اس جہاز پر بسر کرنی ہوگی۔ کل کسی وقت ہمارا جہاز بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے گا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہونی بھی چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ بغداد میں ارچنگ گورز سے بڑھ کر ظالم اور سنگدل اٹیلا نے تباہی پھیلا رکھی ہے۔ لیکن وحشی قوم نے بندرگاہ پر بھی قبضہ جما رکھا ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

"پھر تو ہو سکتا ہے کہ بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ کر چنگیزی وحشی قوم کے سپاہی ہمارے جہاز پر بھی قبضہ کر لیں۔ ساتھ ہی ساتھ خزانہ بھی ان لٹیروں کے قبضے میں چلا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک بلا سے بچ کر نکلے تھے کہ دوسری بلا کے منہ میں جا کر پھنس جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے سوچ کر کہا۔

"یہ درست ہے کہ ہمیں جہاز کو ساتھ لے کر بندرگاہ میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے، کیونکہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہمارے جہاز پر اٹیلا کے وحشی سپاہی اسی وقت قبضہ کر لیں گے، بلکہ ہمیں قتل کرنے کی کوشش بھی کریں گے"۔

ماریا بولی۔

"ان حالات میں تو میرا خیال ہے کہ ہمیں یہیں کسی جگہ جہاز کو دریا میں لنگر ڈال کر کھڑا کر دینا چاہیے۔ بندرگاہ سے ہم جس قدر دور رہوں گے ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہو گا"۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بھائی! اس معاملے میں ہم صرف تمہاری رائے پر ہی عمل کریں گے، کیونکہ تم اس علاقے سے زیادہ واقف ہو اور تم اس قوم کو بھی اچھی طرح جانتے ہو جس سے ہمارا واسطہ پڑ رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر ہمیں آج آدھی رات کو اپنا جہاز دریا میں لنگر ڈال کر کسی جگہ کھڑا کر دینا چاہیے، کیونکہ ہمیں بندرگاہ سے زیادہ فاصلے پر بھی کھڑا نہیں ہونا چاہیے"۔

"بہتر ہے"۔

ان کا جہاز دریا میں سارا دن چلتا رہا۔ شام ہونے تک بادل چھپ گئے اور مغرب میں سورج غروب ہونے لگا تو ہر

طرف اس کی سرخ روشنی پھیل گئی۔

صحرا کی ریت اور دریا کی لہریں سرخ ہو گئیں ماریا دور ناگ نے اس قدر خوبصورت نظارہ پہلے کہاں دیکھا تھا۔ وہ خوش ہو کر جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو گئے اور عنبر سے ان درختوں اور ٹیلوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جن کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

ان ٹیلوں کے پیچھے میرا خیال ہے، کچھ نہ کچھ آبادی شروع ہو جائے گی۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے وقت میں بادشاہ اور حکومتیں تو بڑی بڑی گزری ہیں اور گزر رہی ہیں مگر آبادیاں بہت کم ہیں۔ لوگ کہیں کہیں گاؤں بنا کر رہ رہے ہیں۔ بہر حال

بغداد میں تمہیں زیادہ لوگ نظر آئیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"وہاں تو اٹیلا نے تباہی مچا رکھی ہے۔ وہاں اب لوگ کہاں ہوں گے"۔

عنبر بولا۔

"ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس تباہی نے آبادی پر برا اثر ڈالا ہوگا۔ تو لوگ شاید کہو کہ ہم کوئی اچھے وقت پر اس شہر میں داخل نہیں ہو رہے مگر میں کہوں گا کہ اگر کسی ملک یا کسی تہذیب کو سچی حالت میں دیکھنا ہو تو اسے اس وقت دیکھو جب وہ تباہی میں سے گزر رہی ہو"۔

ماریا ہنس پڑی۔

عنبر بھائی! تمہاری ہر بات عجیب ہوتی ہے، ناگ اور عنبر

بھی مسکرانے لگے۔

رات چھا گئی۔ انہوں نے عرشے پر چراغ جلا کر کھانا کھایا۔ پھر وہ سو گئے۔ آدھی رات کے قریب عنبر کی آنکھ اپنے آپ کھل گئی۔

اس نے ناگ اور ماریا کو بھی جگا دیا۔ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ یہی وقت جہاز کو کسی اچھی سی جگہ پر کھڑا کرنے کا ہے۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ستارے چمک رہے تھے۔ ان کی روشنی میں صحرائی ٹیلے اور کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ صاف نظر آ رہے تھے۔ اب ٹیلے ان کے قریب سے ہو کر گذر رہے تھے۔ دریا کا پاٹ بھی پہلے سے زیادہ چھوٹا ہو گیا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”ہمیں ایک طرف کر کے جہاز کو کھڑا کرنا ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے۔ بیچ میں کھڑا کرنے سے کسی دوسرے جہاز سے اس کی ٹکر ہو جائے“۔

ماریا نے کہا۔

”مگر مجھے تو یہاں کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا؟“۔

عنبر بولا۔

”اس لیے کہ مسلمانوں کے سارے جہازوں پر اٹیلا نے قبضہ کر رکھا ہوگا۔ یہ شخص صحرا کا وحشی ڈاکو اور لٹیرا ہے۔ اسے کیا خبر کہ بادبانی جہاز کیا ہوتا ہے اور اس سے کس طرح سمندر میں تجارت کی جاتی ہے“۔

ناگ بولا۔

”تو پھر ہمیں کسی جگہ پر روک دیتے ہیں“۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں! ایسے نہیں! ذرا دم لو۔ مجھے غور کر لینے دو"۔

جہاز دریا کے ساتھ ہی دائیں جانب کو ایک موڑ گھوم گیا۔ آگے جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف سے دریا کا پانی کنارے کو توڑ کر بائیں جانب نکل گیا تھا۔

وہاں ایک جھیل سی بن گئی تھی۔ اس جھیل میں بڑی اونچی اونچی گھاس اور دریائی جھاڑیاں اگی تھیں۔ اس جھیل کو دیکھ کر عنبر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"خدا نے ہماری مدد کی ہے۔ یہ جھیل بڑی اچھی ہے۔ ہم یہاں پر اپنے جہاز کو جب تک چاہیں کھڑا کر سکتے ہیں"۔

ناگ بولا

"لیکن عنبر اس جھیل میں دریائی گھاس بے شمار اگی ہوئی

ہے۔ کہیں ہمارا جہاز اس میں پھنس نہ جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ یہ زسل کی گھاس نہیں ہے جو بیل کی طرح سے جہاز کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ یہ معمولی دریائی گھاس ہے۔ یہ جہاز کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہم بڑی آسانی اور اطمینان کے ساتھ جہاز کو یہاں کھڑا کر سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"میرے خیال میں عنبر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس سے اچھی جگہ ہمیں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ یوں لگتا ہے قدرت نے یہ جھیل ہمارے جہاز کے لیے بنائی ہے"۔

کیوں نہیں۔ اب ہمیں بڑی ہوشیاری سے جہاز کو جھیل

میں داخل کرنا ہوگا۔

ناگ تم بادبانوں کی رسی پکڑ کر ان کا رخ ذرا بائیں کو کر دو۔ میں جہاز کی چرخی پر کھڑا ہوتا ہوں۔

ناگ نے رسی کھول کر اسے کھینچ کھینچ کر بادبانوں کا رخ بائیں طرف کر دیا۔

ہوا نے بائیں طرف کو ہو کر بادبانوں پر بوجھ ڈالا تو جہاز بائیں کنارے کی طرف گھومنے لگا۔ عنبر نے چرخی کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ پانی کا دباؤ بھی بائیں طرف کو ہو گیا۔

اس تمام کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاز بڑے آرام سے بائیں کنارے کی طرف ہو کر جھیل کے ساکن پانی میں داخل ہو گیا۔ دریائی گھاس جہاز کے نیچے دبنے لگی۔ جہاز گھاس کو

چیرتا ہوا جھیل میں بڑھنے لگا۔

عنبر نے حکم دیا کہ بادبانوں کو لپیٹ دیا جائے۔ کیونکہ جہاز اپنے بوجھ سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر بادبان بھی کھلے رہتے تو جہاز کو اگلے کنارے کے ساتھ ٹکرا جانے کا خطرہ تھا۔ ناگ نے اسی وقت بادبانوں کی رسیاں کھول دیں۔ رسیوں کے کھلتے ہی جہاز کی رفتار بے حد سست ہو گئی۔ ناگ نے بادبانوں کو لپیٹنا شروع کر دیا۔

عنبر نے لنگر کھول کر جھیل میں پھینک دیا۔

لنگر جھیل کے اندر جا کر تہہ کی گھاس اور دلدل میں ایک دم کھب گیا اور جہاز وہیں رک گیا۔ انہوں نے جلدی جلدی جہاز کے عرشے پر سے بستر اور دوسری چیزیں اٹھا کر تہہ خانے میں جا کر بند کر دیں۔ اب سب سے بڑا مسئلہ خزانے

کے صندوق کا تھا۔

ٹاگ نے کہا۔

"اس جہاز میں خزانے کو چھوڑ کر جانا اسے خود لٹیروں کے ہاتھ میں دے دینے کے مترادف ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اسے نکال کر کسی ٹیلے کے پاس دبا دینا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"خیال تو ٹھیک ہے مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحرا میں جب شمال کی تیز ہوا چلتی ہے تو ریت کے ٹیلے بھی اڑ جاتے ہیں۔ اس جگہ کا ٹیلا اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔"

"پھر خزانے کو کس جگہ رکھیں؟"۔

ماریا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

ایک بات تو طے ہے کہ خزانے کو ہم جہاز میں نہیں رکھیں گے۔ اگر لٹیرے جہاز کو لے جاتے ہیں تو بے شک لے جائیں، کیونکہ جہاز کو ہم خشکی میں اپنے ساتھ لے کر نہیں پھر سکتے۔

کیونکہ اگر ہم نے خزانے کو جہاز میں چھوڑا تو یہ بچ نہ سکے گا۔ آج کل اس علاقے میں چنگیزی لٹیروں کا دور دورہ ہے اور یہ وہ قوم ہے کہ ایک ایک کوڑی کی خاطر لوگوں کو قتل کرتی پھرتی ہے۔

انھوں نے نہ تو خوش حالی دیکھی ہے اور نہ اتنی دولت کبھی دیکھی تھی جیسی کہ ان مسلمانوں کے علاقوں میں ہے۔

بہر حال خزانے کو یہاں سے نکال کر ساتھ لے چلتے ہیں۔ پھر کسی نہ کسی جگہ اسے چھپا کر رکھ لیں گے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں خزانہ لاد کر بیٹھ گئے اور کشتی جھیل میں دریائی گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان سے تیرتی کنارے پر پہنچ گئی۔

کنارے پر آ کر انہوں نے کشتی کو جھاڑیوں اور گھاس میں ایک جگہ اچھی طرح سے چھپا دیا۔ عنبر نے خزانے کے صندوق کو سر پر اٹھایا اور وہ ستاروں کی روشنی میں بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

صحرا میں ریت بڑی خوشگوار تھی۔ بارش نے ریت کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ پچھلے پہر کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اب سب سے بڑی پریشانی خزانے کے صندوق کو کسی محفوظ جگہ پر چھپانے کی تھی۔ ریت کے ٹیلوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ناگ نے کہا۔

اگر وہ کسی جگہ ریت میں خزانے کو دفن کر کے اوپر کسی پتھر کا نشان رکھ دیں تو بہتر ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں پتھر کہیں نہیں ملے گا۔ ریت میں دبا ہوا خزانہ کھو جائے گا جب ہم دوبارہ اسے تلاش کرتے آئیں گے تو وہ ہمیں بھی نہیں ملے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اسے کسی جگہ دبائیں۔ یہ خزانہ تو ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے"۔

ناگ بولا۔

"لاؤ بھائی اب میں صندوق کو اٹھا لیتا ہوں"۔

عنبر کہنے لگا۔

نہیں! اسے میرے پاس ہی رہنے دو اصل بات یہ یہ کہ اسے کس جگہ دفن کریں۔ سر پر اٹھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ چاہے تو اٹھاؤ۔ چاہے میں اٹھالوں۔

عنبر کے سر سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے ناگ نے کہا۔

”کچھ بھی ہو، میں چھوٹا بھائی ہوں۔ میں آپ کو زحمت نہیں دے سکتا“۔

وہ صحرا کی ٹھنڈی ریت پر کافی دور نکل گئے۔ ایک ٹیلے کا چکر کاٹ کر وہ سامنے آئے تو اچانک انہیں ایک پرانے محل کا کھنڈر سا نظر آیا۔

عنبر نے کہا۔

”بس کام بن گیا“۔

”کیا مطلب؟“۔ ماریا نے پوچھا۔

میرا مطلب ہے کہ خزانہ چھپانے کی جگہ مل گئی ہے۔

عنبر نے کہا۔

ناگ نے پوچھا۔

”وہ کہاں ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

یہ سامنے والے کھنڈر دیکھ رہے ہو؟ ہم خزانے کو اس کھنڈر میں دفن کریں گے۔

یہ کھنڈر آج سے تین چار ہزار سال پہلے کے کھنڈر ہیں۔ ان کے پتھر بڑے سخت ہیں۔ انہیں آندھیاں اور طوفان بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ آؤ میرے ساتھ۔

عنبر، ناگ اور ماریا کو لے کر کھنڈروں میں آ گیا۔ یہ کسی پرانے شاہی محل کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر تھے۔ دیواریں گر چکی تھیں۔

ستون بھی گرے ہوئے تھے۔ ہر طرف اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ خزانے کے صندوق کو انہوں نے پتھروں کے پاس رکھ دیا۔

عنبر نے اٹھ کر ارد گرد ہر شے کو بڑی جانچ پڑتال کر کے دیکھا۔ آخر اسے ایک جگہ پسند آ گئی۔ یہاں سرخ پتھروں کی سلیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایک ڈھیری کے پاس جا کر رک گیا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

''ہم خزانے کو اس جگہ دفن کریں گے''۔

انہوں نے سرخ پتھر کی سلوں کو اکھاڑنا اور ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد وہاں ایک گہرا گڑھا بن گیا۔ عنبر نے ناگ کے ساتھ مل کر خزانے کے صندوق کو اس گڑھے میں رکھا۔

ڈھکن کھول کر کچھ سونے کی اشرفیاں تھیلے میں ڈالیں، ڈھکنا بند کیا اور صندوق کے اوپر پتھر چن دیے پھر انہوں نے اوپر ریت ڈال کر دوبارہ اوپر پتھروں کی سلیں رکھ دیں۔

اب دیکھنے سے وہ ایک کھنڈر کی ڈھیری لگ رہی تھی۔ کسی کو ذرا سا بھی وہم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں خزانہ دفن ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر چلنے ہی والے تھے کہ اچانک ہرے رنگ کا خوفناک سانپ پھنکار مار کر اپنا پھن

پھیلائے عنبر کے سامنے آ گیا، یہ ایک بڑا ہی زہریلا صحرائی سانپ تھا۔

ناگ کچھ آگے آگے چل رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ سانپ نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر مسکرایا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سانپ پھنکاروں پر پھنکاریں مار رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی لال زبان نکال رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

عنبر نے ناگ کو بالکل آواز نہ دی۔

وہ سانپ کے حملے سے یونہی جھوٹ موٹ بچ گیا۔

سانپ نے دوبارہ عنبر پر حملہ کر دیا اس بار سانپ نے عنبر کے بازو پر ڈس دیا۔

عنبر نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ اب جو ناگ دور

ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عنبر کے ہاتھ میں سانپ تھا۔ ناگ بھاگ کر عنبر کے پاس آن آیا۔

"عنبر بھائی! یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟"۔

عنبر بولا۔

"یہیں کہیں سے نکل کر آ گیا ہے۔ اس نے میرے بازو پر ڈس بھی دیا ہے"۔

"اس کی یہ ہمت ۔ یہ جرأت؟"۔ ناگ نے غصے سے کہا۔

عنبر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے یہ ہم سے بے خبر ہے"۔

ناگ نے کہا۔ "لایئے اسے مجھے دے دیں"۔

اب سانپ کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے ناگ دیوتا کے حضور میں کھڑا ہے۔ اس نے اپنی گردن جھکا

دی تھی۔

ناگ نے سانپ کی گردن پر زور سے تھپڑ مار کر کہا۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں بھی اس جنگل میں چل رہا ہوں“۔

سانپ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اے سانپوں کے دیوتا! میری جان بخشی کر دیں۔ میں نے کسی ایسے انسان کو ڈس دیا ہے کہ جس کے خون کا زہر خود مجھے ہلاک کر رہا ہے۔

”میری حالت پر رحم کریں اور مجھے بچا لیں“۔

ناگ بولا۔

میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم جیسے سانپوں کو بچانا اپنے ساتھ خود زیادتی کرنے کے برابر ہے۔

جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور جنگل کے کسی کونے میں لیٹ کر ایک انوکھے انسان کے زہر سے مر جاؤ۔

عنبر نے سانپ کو پھینک دیا۔

تالاب والا گاؤں

سانپ زمین پر گرتے ہی تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

تینوں بہن بھائیوں نے اب وادی دجلہ میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ ان کی منزل شہر بغداد تھی۔

بغداد جہاں ہن قوم کے وحشی سرداروں نے ہر طرف تباہی پھیلا رکھی تھی۔ شہر کی کیا حالت ہے؟ انہیں بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ اب تو انہیں وہاں جا کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ وہاں

کیا ہو رہا ہے۔

وہ سارا دن ریت پر چلتے رہے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ اگر دھوپ ہوتی تو صحرا کی گرمی میں وہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتے تھے۔ شام کے وقت وہ ایک جگہ ریت کے ٹیلوں کے پاس کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اسی جگہ رات بسر کر لینی چاہیے کیونکہ یہاں سے بغداد شہر ابھی دو روز کے سفر پر ہے"۔

عنبر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔ ہم پیدل دو روز کا سفر اس صحرا میں نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، کل موسم کھل جائے اور دھوپ نکل آئے۔ پھر صحرا کی گرمی ہم سے برداشت نہیں ہو

سکے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا تو تھکن کے بارے اب بھی برا حال ہو رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں آس پاس کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔ جہاں سے ہم اونٹ خرید سکیں۔ بہر حال رات یہاں بسر کرتے ہیں۔ کل صبح دیکھیں گے کہ کیا ہو سکتا ہے"۔

وہ رات انہوں نے کھجوروں کے جھنڈ میں بسر کر دی۔

دوسرے دن دھوپ نکل آئی اور ریت ایک دم گرم ہو گئی۔ اس کی وجہ سے گرمی بڑھ گئی۔

انہیں تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی پسینے آ گئے۔ ماریا کا تو گرمی کے مارے برا حال ہو گیا۔ عنبر بھی پریشان ہو گیا۔ مگر صحرا میں وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم کو کچھ دور سفر کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے، آگے کوئی گاؤں مل جائے، کیونکہ اب مجھے امید ہے کہ کوئی نہ کوئی گاؤں ضرور آ جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"کم بخت ادھر سے کوئی قافلہ بھی نہیں گزر رہا۔ کوئی ایسا صحرائی راستہ بھی نہیں ہے۔ جہاں سے قافلے گزرتے ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں"۔

ٹاگ کہنے لگا۔

کیوں عنبر بھائی، کہیں سچ مچ ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، ایسی فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم راستہ نہیں بھولے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم کسی ایسے راستے پر سفر نہیں کر رہے جہاں سے قافلے گذرتے ہوں مگر ہم غلط راستے پر بھی نہیں جا رہے"۔

ماریا بولی۔

"میں تو گرمی کے مارے پریشان ہو گئی ہوں۔ میرا سانس پھول رہا ہے۔ مجھ سے اب آگے نہیں چلا جا رہا"۔

عنبر نے کہا۔

"وہ سامنے والا جو ٹیلا ہے، میرا خیال ہے اس کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی گاؤں ہوگا۔ کسی طرح سے اس ٹیلے تک چلی چلو"۔

ماریا مجبوراً چلتی رہی۔ ایسا ہی ہوا جیسا کہ عنبر کا خیال تھا

ایک گھنے جنگل میں ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔ ماریا کی جان میں آئی۔

عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گاؤں کی صورت نظر آئی"۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے خدا سے دعا مانگی تھی۔ خدا نے میری دعا سن لی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اب تم جو کچھ کہو۔ بہرحال یہ تو گاؤں میں چل کر پتا چلے گا کہ اس گاؤں میں غریب عرب مسلمان رہتے ہیں یا اس گاؤں پر بھی چنگیزی وحشیوں کا قبضہ ہو چکا ہے"۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"خدا نہ کرے کہ اس گاؤں پر وحشیوں کا قبضہ ہو"۔

ناگ کہنے لگا۔

"اس کا فیصلہ تو گاؤں میں جا کر ہی ہوگا"۔

تینوں مسافر جلدی جلدی ریت پر چلتے ہوئے گاؤں کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ گاؤں ایک چشمے کے کنارے تھا۔ چشمے کا پانی تالاب کی شکل میں جمع تھا جس کے چاروں طرف کھجور کے سرسبز و شاداب درخت کھڑے صحرائی ہوا میں جھوم رہے تھے۔

گاؤں کے مکان کچے تھے۔ کہیں کہیں کچھ پرانے قسم کے پھٹے پرانے خیمے بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ تالاب پر بکریاں پانی پی رہی تھیں سامنے درختوں میں کچھ عرب بدو بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ گاؤں آباد معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کوئی بن وحشی سپاہی دکھائی نہیں دے رہا۔ معلوم ہے یہاں امن و امان ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"پھر بھی ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میرا خیال ہے تم لوگ اسی جگہ ٹھہرو میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ گاؤں کن لوگوں کا ہے اور آگے کیا صورت حال ہے؟"۔

عنبر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ ماریہ تو ہمارے ساتھ

ہونے کے برابر ہے۔ اس کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا"۔

تالاب کے کنارے پہنچ کر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا۔

تازہ دم ہو کر وہ ان پرانے خیموں کے پاس آ گئے جہاں تین بوڑھے بوڑھے عرب بدو درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

انہوں نے ناگ اور عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی خاموشی سے تکنے لگے۔ قریب جا کر عنبر اور ناگ نے جھک کر سلام کیا تو ایک بوڑھے بدو نے کہا۔

کیا تم بت پرست ہو جو جھک کر سلام کرتے ہو؟ ہمارے اسلام میں کسی کے آگے جھک کر سلام نہیں کیا جاتا۔

عنبر نے کہا۔

"ہم بت پرست نہیں ہیں۔ بابا! ہم خدا پرست ہیں"۔

عرب بولا۔

"اگر تم خدا کی پرستش کرتے ہو تو پھر کسی انسان کے آگے جھکنا چھوڑ دو۔ صرف خدا کے آگے جھکو"۔

عنبر بولا۔

"بہت اچھا بابا! ہم آئندہ سوائے خدا کے اور کسی کے آگے نہیں جھکیں گے"۔

دوسرے عرب بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش میرے بچو! تم بڑے نیک نوجوان ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم ملک ہندوستان سے آئے ہیں اور بغداد جانا

چاہتے ہیں"۔

تیسرا عرب بدو چونک کر بولا۔

"بغداد؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بغداد میں تو ہر طرف رعایا کا قتل عام ہو رہا ہے؟ وہاں سے تو لوگ بھاگ کر چلے گئے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! ہم نے مسلمانوں کی ایمانداری اور نیکی کی بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم بغداد میں مسلمانوں سے ملنے کا شوق لے کر جا رہے ہیں"۔

پہلا عرب بدو کہنے لگا۔

"میرے بچو! آؤ پہلے کچھ کھا پی لو، پھر باتیں ہوں گی"۔

عرب بدوؤں نے مسلمانوں کی مشہور مہمانداری سے کام لیتے ہوئے وہاں غریبانہ سہی مگر دستر خوان لگا دیا۔ کھانے پر خشک روٹی کھجوروں کا دلیہ۔ کھجوروں کا مربہ اور اونٹ کے کباب تھے۔

ناگ اور عنبر نے خوش ہو کر کھائے اور عربوں کی مہمانداری کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ اس عرصے میں ناگ نے کچھ کباب چوری چوری ماریا کو بھی دے دیئے جو اس کے پیچھے ہی بیٹھی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر عرب بدو نے کہا۔

میرے بچو! بغداد اس وقت جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کاش تم نے ایک برس پہلے بغداد میں آ کر دیکھا ہوتا کہ وہ کتنی ترقی پر تھا۔

اب تو چنگیز خان کے بیٹے کی وحشی فوجوں نے وہاں تباہی

مچا دی ہے۔ اب تم لوگ وہاں کیا کرنے جا رہے ہو۔ میری مانو تو یا واپس چلے جاؤ اور یا ہمارے گاؤں رہ کر حالات کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرو۔

ناگ بولا۔

"مگر بابا جی! ہم گھر سے پکا ارادہ کر کے نکلے ہیں کہ چاہے جان چلی جائے، بغداد شہر کی سیر ضرور کریں گے"۔

دوسرا اعرب کہنے لگا۔

نوجوان! میں تمہارے ارادے کی قدر کرتا ہوں، لیکن وہاں تم کس سے جا کر ملو گے۔ بغداد کا مسلمان خلیفہ ظالم اشیلا کی قید میں ہے۔

ان کے بچے بھی قید میں ہیں۔ شہر سے کافی لوگ بھاگ گئے ہیں۔ سپاہیوں نے وہاں بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

کیا تم وہاں تباہی دیکھنے جا رہے ہو؟۔

تیسرا اعرب بدو بولا۔

"اور اگر تم وہاں پہنچ بھی گئے تو بن وحشی تمہیں بھی پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ وہ کسی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑتے، کیا تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا جی!" چاہے آپ ہمیں کتنا ہی منع کیوں نہ کریں، ہم بغداد ضرور جائیں گے۔ اس لیے کہ ہم نے پکا فیصلہ کر رکھا ہے۔

بدو نے کہا۔

"اگر تم لوگوں نے دل میں ٹھان رکھی ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ تم ضرور جاؤ۔ ہم تمہاری زندگی کے لیے خدا

کے لیے خدا سے دعا کریں گے"۔

عنبر نے کہا۔

ہم تین تیز رفتار اونٹ خریدنا چاہتے ہیں۔ کیا ہمیں یہاں اونٹ مل جائیں گے؟۔

"کیوں نہیں۔ ہمارے پاس ایسے کئی اونٹ ہیں، صحرا میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور جنہیں ہم بیچنا بھی چاہتے ہیں"۔

اسی وقت اونٹ ان کے سامنے لائے گئے۔ عنبر نے تین اونٹ چن لیے۔

عرب بدوؤں نے تینوں اونٹوں کے عوض میں سونے کی اشرفیاں مانگیں جو عنبر نے اسی وقت ادا کر دیں۔ عنبر انہیں زیادہ دینا چاہتا تھا مگر عرب بدوؤں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اپنے حق سے زیادہ ایک پائی بھی وصول نہیں کریں گے۔

عنبر نے پوچھا۔

"بابا! یہ بتائیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں؟"۔

بدو کہنے لگا۔

تم لوگ اگرچہ کارواں کے راستے سے دور ہو لیکن غلط راستے پر بھی نہیں ہو۔

یہاں سے ایک دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد تم اس صحرائی راستے پر پہنچ جاؤ گے جہاں سے قافلے گزرا کرتے ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

"وہاں سے بغداد کتنی دور ہوگا بابا؟"۔

"بس وہاں سے بغداد صرف ایک پہر سفر پر رہ جاتا ہے

اگر تم رات وہاں بسر کر کے صبح وہاں سے چلو تو دوپہر کو بغداد کے شہر کے دروازے پر پہنچ سکو گے"۔

عنبر نے کہا۔

"بہت اچھا بابا! اب ہمیں اجازت دو، ہم جلد سے جلد بغداد پہنچنا چاہتے ہیں"۔

ایک عرب نے پوچھا۔

"برخوردار! تم دو انسان ہو۔ پھر تم نے تیسرا اونٹ کس لیے خریدا ہے جبکہ تمہارے پاس کوئی سامان بھی نہیں ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"کچھ نہیں بابا! بس یہ سوچ کر خرید لیا ہے کہ اگر خدا نہ کرے ایک اونٹ بیمار پڑ گیا تو دوسرے پر سفر کیا جا سکے گا"۔

"اچھا خدا حافظ"۔

عنبر اور ناگ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ ماریا ابھی تک اونٹ پر سوار نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے کہ کہیں اونٹ اس کو اپنے اوپر سوار ہوتا محسوس کر کے گھبرا نہ جائے کہ یہ کس قسم کا سوار ہے۔ کہ نظر نہیں آتا لیکن اس کے اوپر سوار ہے۔

ناگ اور عنبر اونٹوں پر اور ماریا اپنے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتی گئی۔ دور جب وہ ایک ریت کے ٹیلے کا موڑ گھوم گئے تو ماریا نے کہا۔

"خدا کے لیے اب تک رک جاؤ۔ میں تو چلتے چلتے پریشان ہو گئی"۔

عنبر اور ناگ ہنسنے لگے۔

"ہاں بھئی! اب تم بھی سوار ہو جاؤ۔ بھئی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانے میں اگر کچھ آسانیاں اور فائدے ہیں تو کچھ تکلیفیں بھی ہوں گی۔ لو اب اونٹ پر سوار ہو جاؤ"۔

ماریا نے تکیل کو کھینچ کر اونٹ کو زمین پر بٹھایا۔ پھر اس کے اوپر رکھے کجاوے پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی اونٹ کچھ گھبرایا۔

مگر پھر چپکے سے اٹھا اور دوسرے دو اونٹوں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ دوپہر تک وہ صحرا میں سفر کرتے رہے۔

پھر گرمی سے تنگ آ کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ شام تک وہ وہاں آرام کرتے رہے۔ جب سائے ڈھل گئے اور صحرا میں

گرمی کم ہو گئی تو انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھا کر پھر سے سفر شروع کر دیا۔

صحرا میں دن کے مقابلے میں راتوں کا سفر کرنا بڑا اچھا ہوتا ہے۔ دن کو تو اس قدر دھوپ اور گرمی ہوتی ہے اور نہ گرم ہوا چلتی ہے۔

رات کو صحرا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ اور سفر کرنے والے بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں۔

عنبر اور ناگ نے ایسا ہی کیا۔ وہ ساری رات صحرا میں سفر کرتے رہے۔ صبح کا سورج نکلا تو وہ ابھی تک سفر کر رہے تھے۔

اونٹ چلتے چلے جا رہے تھے۔ ماریا اور ناگ بیچ میں کجاوے پر بیٹھے بیٹھے سو بھی گئے تھے۔ صرف عنبر جاگتا رہا۔

وہ نہیں سویا تھا۔

اس خیال سے کہ اگر وہ سو گیا تو کہیں وہ راستہ نہ بھول جائیں کیونکہ اگر کوئی مسافر ایک بار صحرا میں راستہ بھول جائے تو پھر اس کا دوبارہ راستہ تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

عنبر ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھ کر چل رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کسی جگہ آرام کر لینا چاہیے، ہم ساری رات سفر کرتے رہیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہمیں یہاں آرام کرنا چاہیے۔ اونٹ پر رات بھر سفر کرنے کے بعد میری بڑی پسلی درد کرنے لگی ہے"۔

عنبر بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن کوئی دو چار درختوں کی چھاؤں تو نظر آ جائے۔ اس سخت دھوپ میں ہم کہاں آرام کریں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"کچھ دیر چلتے ہیں۔ ضرور درختوں کی چھاؤں مل جائے گی"۔ اور انہوں نے پھر سے سفر شروع کر دیا۔

کچھ دیر سفر کرنے کے بعد انہیں ایک جگہ کچھ درخت نظر آئے۔ وہ بے اختیار ہو کر ان درختوں کی طرف بڑھے۔ اس جگہ پانی کا کوئی چشمہ نہیں تھا۔ لیکن درخت اگے ہوئے تھے۔

درختوں میں لال لال کھجوریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آ کر ماریا تو زمین پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ تنگ نے بھی چادر بچھا دی اور اس کے اوپر لیٹ کر بولا۔

عنبر بھائی! سب کچھ بھول بھلا کر تم بھی چادر بچھا کر لیٹ جاؤ۔ اس قدر سخت گرمی میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ اس گرمی نے تو میرا برا حال کر دیا ہے۔

عنبر ہنس کر بولا۔

بھائی ہم تو اسی گرمی میں کھیل کود کر پلے ہیں۔ ہمیں تو کوئی خاص گرمی محسوس نہیں ہو رہی۔

بہر حال تم لوگ کہتے ہو تو میں بھی تھوڑی دیر آرام کر لیتا ہوں۔

عنبر بھی ایک طرف چادر بچھا کر لیٹ گیا۔ سچ مچ وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد تینوں سو رہے تھے۔ ان کے قریب ہی اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔

اشیلا کی قید میں

شام کے وقت وہ سو کر اٹھے تو تازہ دم تھے۔

انہوں نے سامان باندھ کر اونٹوں پر رکھا اور سفر شروع کر دیا۔

عنبر نے انہیں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ساری رات صحرا میں سفر کرتے رہیں تو صبح کے وقت اس صحرائی راستے پر پہنچ جائیں گے جہاں سے قافلے گزرتے ہیں اور جہاں سے

بغداد شہر ایک پہر سفر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے۔

رات خنک تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ تھی۔ آسمان پر بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ جن کی روشنی صحرا میں ایک سفید دھند کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

اونٹ بڑے مزے سے جگالی کرتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے پاس پانی بھی تھا اور خوراک بھی تھی۔ ساری رات وہ سفر کرتے رہے۔

صبح کی روشنی ہونے لگی تو انہیں ایک طرف کھجور کے درخت نظر آئے جو قطار میں چلے گئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہی وہ صحرائی راستہ ہے، جو بغداد شہر کو جاتا ہے۔ اس راستے کے کنارے پر کھجور کے درخت اگے ہوئے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"تمہاری وجہ سے ہم بھٹکنے سے بچ گئے۔ عنبر بھائی۔ نہیں تو ہم صحرا میں ضرور راستہ بھول جاتے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

شکریے کی کوئی بات نہیں ماریا بہن! میں ان صحراؤں کے لیے کوئی اجنبی آدمی نہیں ہوں۔ نہ یہ صحرا میرے لیے اجنبی ہے۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر میں ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھتا رہتا تھا جو کہ اس علاقے کے رہنے والے لوگ کیا کرتے ہیں۔

ناگ بولا۔

"خدا کا شکریہ ہے کہ ہم منزل کے قریب آ گئے"۔

مشرق میں سورج نکل آیا۔ اس کی روشنی چاروں طرف صحرا میں پھیل گئی۔ ہر طرف اجالا ہو گیا۔

دھوپ آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ صحرا کی ریت جو رات کو ٹھنڈی ہو گئی تھی اب پھر سے گرم ہونی شروع ہو گئی۔ مگر اب وہ اس راستے پر پہنچ چکے تھے۔ جس کے دونوں جانب فاصلے پر کھجوروں کے درخت اگے تھے۔

یہ راستہ بڑا پرانا تھا۔ لوگوں نے اس راستے کے کنارے پر اسی لیے درخت اگا دیے تھے کہ مسافروں کو سفر کرتے ہوئے تکلیف نہ ہو اور وہ جب گرمی سے پریشان ہو جائیں تو سائے میں بیٹھ کر آرام کر لیں۔

مگر یہ درخت دور دور تھے۔ کہیں چند ایک درختوں کے جھنڈ آ جاتے تھے۔ جوں جوں بغداد شہر قریب آتا جا رہا تھا، درخت زیادہ دکھائی دینے لگے تھے۔

عرب بدو کے کہنے کے مطابق جب ایک پہر دن ختم ہوا تو دور سے انہیں بغداد شہر کی دیوار اور دیوار کے اوپر بنے ہوئے برج دکھائی دینے لگے۔

عنبر نے کہا۔

”وہ دیکھو بغداد شہر کی دیوار“۔

ناگ نے کہا۔

”بغداد شہر قریب آ گیا ہے مگر ہمیں راستے میں کوئی رونق دکھائی نہیں دے رہی“۔

انہیں ایک گاؤں نظر آیا، جس کے باہر دو اونٹ بیٹھے

تھے۔ ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ باقی گاؤں سارے کے سارا خالی ہے۔ وہاں اور کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ چنگیزی فوج کے وحشیوں نے گاؤں کے گاؤں برباد کر دیئے ہیں۔ شاید یہاں کے جوان مردوں کو انہوں نے قتل کر دیا ہے“۔

”ہاں، کچھ ایسا ہی لگتا ہے“۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے چنگیزی فوج کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار آیا اور تیزی سے ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔

سپاہی تلواریں لہراتے، شور مچاتے چلے جا رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"خدا خیر کرے۔ یہ وحشی لوگ تو بڑے ظالم لگتے ہیں۔ انہوں نے تو ہر طرف تباہی پھیلا رکھی ہوگی"۔

ماریا بولی۔

"وگر میں اونٹ پر ایک طرف نہ ہو جاتی تو ایک سپاہی کی تلوار میرا بازو اڑا کر ساتھ ہی لے گئی ہوتی"۔

عنبر نے کہا۔

یہ وحشی لوگ ہیں۔ ان کا کوئی دین مذہب نہیں ہے۔ پتھروں اور لکڑی کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انسانوں کا بے دریغ خون بہاتے ہیں۔

انہوں نے صحرائے گوبی سے لے کر بغداد تک نہ جانے کیا کیا ظلم ڈھائے ہوں گے۔

ماریا نے کہا۔

"بھائی! میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اب بھی یہاں سے واپس چلے جانا چاہیے"۔

عنبر ہنس کر بولا۔

"بھئی واہ! ماریا بہن! میں نے تمہیں کبھی اتنا گھبرایا ہوا نہیں دیکھا۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"بھائی عنبر! ایسے لوگوں سے بھی ہمارا کبھی پالا نہیں پڑا"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم نے تو آدم خور وحشیوں کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ یہ لوگ آدمی کو قتل کر کے پھینک دیتے ہیں۔ انہیں بھون کر

کھاتے تو نہیں"۔

ناگ ہنس کر بولا۔

"فکر نہ کرو ماریا بہن! میں تمہاری حفاظت کروں گا"۔

ماریا بولی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آدم خور وحشیوں کا مقابلہ میں نے بھی کیا ہے۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ بغداد شہر کی سیر تو میں بھی کروں گی۔ اگر چنگیزی سپاہی وحشی ہیں تو میں بھی انہیں ہلاک کرنا چاہتی ہوں"۔

اب وہ بغداد شہر کی دیوار کے قریب آ گئے تھے۔ یہاں شہر کا ایک دروازہ تھا جس کے آگے گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔ ان درختوں کی چھاؤں میں چنگیزی فوج نے ایک خیمہ ڈال رکھا تھا۔

شہر کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں وحشی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر رک گئے۔ وہ اونٹوں پر سے اتر پڑے۔

ماریا بھی اونٹ سے اتر آئی۔ انہوں نے اونٹ درخت کے نیچے باندھ دیے۔ اب وہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ شہر میں کس طرح اور کیا بہانہ بنا کر داخل ہوں۔

ناگ نے کہا کہ چنگیز سپاہی ہم سے بہت پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔ بس دو چار سوال پوچھیں گے۔ عنبر نے کہا۔

"اور اگر ہم ان کے دو چار سوالوں کا جواب نہ دیں تو وہ اسی وقت ہمیں قتل کر کے دیوار کی کھائی میں پھینک دیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

”تو پھر ہمیں کس حیثیت میں شہر میں داخل ہونا چاہیے“۔

”بھئی، تم اپنی فکر نہ کرو۔ تم تو بڑی آسانی سے شہر میں داخل ہو جاؤ گی۔ فکر تو ہمیں کرنی چاہیے“۔

”بھائی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی ہوں“۔

عنبر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں وہی پرانی بانسری بجانی چاہیے یعنی ہمیں یہی ظاہر کرنا چاہیے کہ ہم حکیم ہیں۔ اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ادھر آئے ہیں“۔

ناگ نے اعتراض کیا۔

”مگر انہوں نے ہمارا اعتبار نہ کیا تو پھر کیا کریں گے؟“۔

”تو پھر ہم انہیں بیمار کا علاج کر کے دکھا دیں گے۔ یہ

کام تو ہم کر ہی سکتے ہیں“۔

”ہاں یہ تو ہے“۔

ماریا نے کہا۔

ناگ بولا۔

”تو پھر خدا کا نام لے کر آگے بڑھو بھائی“۔

عنبر نے کہا۔

ماریا بہن! تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو تم شہر میں داخل ہو جانا۔ ہم تمہارے بعد بھی پہنچ جائیں گے۔

تم شہر کے اندر جا کر دیوار کے ساتھ رک کر ہمارا انتظار کرنا، ہم بہت جلد آ جائیں گے۔

”بہت اچھا بھائی“۔

عنبر اور ناگ شہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔

دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان سپاہیوں کا ایک کمانڈر ایک طرف لکڑی کے تخت پر تلوار رکھے ٹانگیں پسارے بیٹھا بھنے ہوئے مرغ کی ٹانگ چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ عنبر اور ناگ اندر داخل ہونے لگے تو کمانڈر نے انہیں اشارے سے اپنی طرف بلا کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم حکیم لوگ ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں"۔

کمانڈر بولا۔

"بغداد میں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"تجارت کرنے"۔

اس جواب پر سارے کے سارے سپاہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

کمانڈر نے مرغ کی ٹانگ کی ہڈی ناگ کے سر پر پھینک کر کہا۔

"بدبخت آوارہ گردو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس شہر پر چنگیز خان کی فوج کا قبضہ ہے اور یہاں صرف انسان کے کٹے ہوئے سروں کی تجارت ہوتی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب عالی! ہمیں معلوم ہے، لیکن ہم یہ سوچ کر ادھر آ گئے ہیں کہ ہم بیماروں کی خدمت کریں گے"۔

"ہاہاہا" کمانڈر نے قہقہہ لگایا اور پھر عنبر کو گھور کر بولا"۔

"تم دونوں مجھے۔۔۔ مسلمانوں کے جاسوس لگتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ کیا کرنے آئے ہو۔"

اگر تم نے سچ سچ جواب نہ دیا تو میں تم دونوں کو اس درخت کے نیچے پھانسی پر چڑھا دوں گا۔

ماریا گھبرا گئی۔ ناگ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔ مگر عنبر نے حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے جھک کر بڑے ادب سے کہا۔

جناب! ہم نہ تو چور ہیں اور نہ کسی شہر کے جاسوس ہیں۔ ہم تو جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں۔

بیمار لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کا علاج کرتے ہیں اور ان کی تیمارداری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

کمانڈر بڑا وحشی اور بدتمیز انسان تھا۔ اس نے عنبر کو نیزے سے دھکا دیا۔ عنبر زمین پر گر پڑا۔

کمانڈر نے حکم دیا۔

"ان دونوں کو حوالات میں بند کر دو۔ میں خود انہیں اشیلا کے سامنے پیش کروں گا اور جاسوس پکڑنے کے صلے میں انعام حاصل کروں گا"۔

عنبر ابھی زمین سے اٹھا ہی تھا کہ سپاہیوں نے دونوں کو پکڑ لیا اور انہیں لے کر شہر کے اندر چلے گئے۔ شہر کی دیوار کے اندر قریب ہی ایک ڈیوڑھی میں سے سیڑھیاں نیچے ایک جیسی حوالات میں چلی گئی تھیں جو تہہ خانے میں بنی ہوئی تھی۔

عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں ڈال کر دروازے پر تالا لگا کر سپاہی اوپر چلے گئے۔ باہر پہرے دار کلہاڑا کندھے پر

رکھے پہرہ دینے لگے۔

یہ سب کچھ ماریا کی آنکھوں کے سامنے ہوا مگر وہ کچھ نہ کر سکی۔ وہ باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ ان کے ساتھ ہی شہر کے دروازے میں سے گزر کر اندر آ چکی تھی۔

جب عنبر اور ناگ کو نیچے حوالات میں بند کر کے دروازے پر تالا لگا دیا گیا تو وہ ڈیوڑھی میں کھڑی یہ سب تماشا دیکھتی رہی۔

نیچے جانے والا سیڑھیوں کا دروازہ بھی بند تھا۔ وہ دروازہ لوہے کا تھا اور ماریا اگرچہ غائب تھی مگر اس کے اندر سے نہیں گزر سکتی تھی۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ عنبر نے سپاہیوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا؟

مگر اس بے چاری کو کیا خبر کہ عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں بند کر کے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ عنبر صرف کالے علم کے جادو کے ذریعے ہی زنجیروں کو توڑ سکتا تھا۔

ایسا کرنے سے اس کا چہرہ جھلس جاتا اور سارے بدن پر چھالے پڑ جاتے۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تلوار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

وہ تلوار سے بہت سے دشمنوں کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن کالا جادو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ ہی اتنی سی بات کے لیے سلامبو کی لاش کی مدد طلب کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس کا احسان لینا بڑی بات تھی اور وہ کسی برے اور بڑے وقت کے لیے سلامبو کی مدد لینا چاہتا تھا۔

ماریا کچھ دیر ڈیوڑھی میں کھڑی رہی۔ وہ موقع کی تاک

میں تھی کہ ذرا پہرے دار ادھر ہو تو وہ اندر چلی جائے مگر دروازے پر تالا لگا رکھا تھا۔

پہرے دار اگر پرے ہٹ بھی جاتا تو وہ دروازہ کھول کر اندر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر وہ کیا کرے کچھ دیر وہ کھڑی سوچتی رہی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر شہر کی طرف آ گئی۔

بغداد شہر بڑا عالی شان مکانوں اور محلات والا شہر تھا۔ مگر وہاں ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

بہت کم لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے تھے۔

بہت کم دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ زیادہ لوگ فوجی سپاہی تھے جو اٹیلی کی فوج کے وحشی سپاہی تھے۔

یہ سپاہی تلواریں لیے بڑی آزادی سے ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ وہ جس دکان پر جاتے سامان اٹھا کر لے

جاتے۔ کوئی دکاندار اعتراض کرتا تو اسے قتل کر کے پھینک دیتے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر شہر میں گھوم کر وہاں کے حالات معلوم کرے گی۔ اور پھر واپس شہر کے دروازے والی حوالات کی ڈیوڑھی میں آ کر یہ دیکھے گی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ کیا گذر رہی ہے؟

اس نے کمانڈر کی زبان سے یہ سن لیا تھا کہ وہ انہیں خود اٹیلا کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ رات عنبر اور ناگ حوالات میں ہی رہیں گے۔ کمانڈر دوسرے روز انہیں ظالم اٹیلا کے حضور پیش کرے گا۔

ماریا نے بغداد شہر کے ویران شہروں میں گھومنا پھرنا

شروع کر دیا۔ اسے بھوک تنگ رہی تھی۔ کھانے پینے کا تھیلا باہر اونٹوں پر ہی بندھا ہوا تھا۔

ان کا ارادہ یہ تھا کہ جب انہیں شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی تو وہ واپس آ کر اپنے اونٹ اور کھانے پینے کا سامان بھی شہر کے اندر لے جائیں گے۔

مگر کمانڈر نے عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے سارے کا سارا کام ہی تہس نہس کر دیا تھا۔

ایک بار تو ماریا کے جی میں آئی کہ وہ واپس جا کر شہر کی چوکی پر ایک ایک کر کے سارے سپاہیوں، کمانڈر اور پہرہ داروں کو ہلاک کر دے۔

پھر اس نے سوچا کہ اس میں اس کے پانے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر کسی کا ہاتھ بھی اسے چھو گیا تو وہ ان بے رحم وحشی سپاہیوں کے قابو میں آ جائے گی۔

ایک بار ان وحشیوں نے انہیں پکڑ لیا تو وہ پھر اسے وہیں ختم کر دیں گے۔

ماریا کو بھوک ستانے لگی تھی۔ اس نے ایک تنور پر نانبائی کو گرم گرم روٹیاں لگاتے دیکھا۔ وہ نانبائی کی دکان پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

جونہی نانبائی نے ایک گرم گرم روٹی تنور میں سے نکال کر باہر رکھی، ماریا نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا اور کھانی شروع کر دی۔

ایک دم روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالنے سے اس کا منہ جل گیا اور وہ کھانسنے لگی۔ نانبائی نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ اس کی روٹی بھی تختے سے گم ہو گئی تھی اور قریب ہی کسی عورت

کے کھانسنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سر کو جھٹک کر آنکھیں زور سے جھپکائیں اور دوبارہ تنور میں روٹیاں لگانے لگا۔

روٹی کھا کر ماریا آگے چل پڑی۔

خونی کھیل

ماریا دریائے دجلہ کے کنارے آ گئی۔

یہ دریا بغداد شہر کے ساتھ لگ کر گذرتا تھا۔ کبھی یہاں بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ مگر اب ہر طرف ویرانی کا عالم تھا۔

دریا کے کنارے کی ساری دکانیں بند تھیں۔

کچھ ٹوٹی پڑی تھیں، جو کھلی تھیں وہاں بہت کم عرب لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ ماریا ایک دکان کے پاس جا کر کھڑی

ہو گئی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہاں کے لوگ کس قسم کی باتیں کرتے ہیں؟ اس دکان کے باہر لکڑی کے بنچ پر کچھ عرب بیٹھے تھے۔ ایک نے قہوہ کی چسکی لگا کر کہا۔

”اٹیلا نے ہمارے خلیفہ کو اور اس کے بال بچوں کو قید کر کے اچھا نہیں کیا“۔

”ہم اس سے بہت جلد بدلہ لیں گے“۔

”سنا ہے اٹیلا خلیفہ اور اس کے شہزادوں کو قتل کرنے والا ہے“۔

”سنا ہے میں نے بھی“۔

”یہ تو بڑا ظلم ہوگا“۔

ظلم ہم نے بھی اپنے اوپر بہت کیا ہے۔ ہم اپنے عیش و عشرت میں خدا کو بھول گئے تھے۔ ہم نے خدا کا خوف دلوں سے نکال دیا تھا۔

بس اس لیے خدا نے ہم پر عذاب نازل کیا۔ مگر اب بھی ہم سنبھل جائیں تو مسلمانوں کو پھر سے وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

”کاش! ہم سچائی کے راستے سے ہٹ کر برائی کی راہ پر نہ لگتے!“

”مصر و بغداد میں بڑا قتل عام ہوا ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کی یاد پھر تازہ ہو گئی ہے“۔

”سنا ہے چین کے مسلمان بادشاہ ہماری مدد کو آ رہے ہیں“۔

”وہ بے چارے اتنی دور سے کہاں آئیں گے“۔

”وہ تو خود آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ہیں!“۔

"ان باتوں کو چھوڑو۔ بھول جاؤ ان باتوں کو۔ اٹیلا سے بدلہ لینے کی بات کرو"۔

"ہم اٹیلا سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے گھر بار اجڑ گئے۔ دکانیں لوٹ لی گئیں۔ ہم مجبور ہیں"۔

"شی، خاموش رہو! اٹیلا کے جاسوس شہر کے چپے چپے پر پھرتے ہیں۔ کسی نے خبر دی تو میرے بال بچوں کو کولھو میں ڈال کر پلوا دیا جائے گا"۔

"لیکن بھائیو! ہمارا خلیفہ کس جگہ قید ہے؟"۔

"قلعے میں اور کہاں"۔

"شی! اگر تمہیں ایسی بات کرنی ہے تو پھر میری دکان سے اٹھ کر چلے جاؤ"۔

عرب لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ سر جھکا کر قہوہ پینے لگے۔

ماریا وہاں سے آگے چل دی۔

اس نے سوچا کہ یہ لوگ بے بس ہو گئے ہیں۔ اسے یہ ضرور پتا چل گیا تھا کہ بغداد کا خلیفہ قلعے کے اندر کسی جگہ قید ہے۔ وہ شہر کے تنگ بازاروں میں آ گئی۔

یہاں بھی جگہ جگہ اٹیلا کے سپاہی تلواریں لٹکائے گھوم پھر رہے تھے۔ ماریا کو کندھا ایک سپاہی سے ٹکرا گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ابھی میرا کندھا تمہارے کندھے سے ٹکرایا ہے؟"۔

"نہیں تو"۔ دوسرے نے کہا۔

پہلا حیرانی سے سر جھٹک کر آگے چل پڑا۔

ماریا مسکرائی اور ایک طرف گلی میں گھوم گئی۔

اس گلی میں ایک بہت بڑی حویلی کا دروازہ تھا جس کا ایک پٹ کھلا تھا۔ اندر سے ایک وحشی سوار گھوڑے پر آیا اور ماریا کے قریب سے ہو کر گذر گیا۔

پھر ایک اور سوار باہر نکل کر گھوڑا دوڑاتے چلا گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس حویلی میں ضرور اتیلا کے سپاہی رہتے ہیں۔ ذرا چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ماریا حویلی کے اندر چلی گئی۔

اندر صحن میں جگہ جگہ سپاہی ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے کھا پی اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ان کے گھوڑے پاس ہی بندھے تھے۔

ایک راستہ اوپر دوسری منزل کو جا رہا تھا۔ ماریا سنگ مرمر

کی سفید سیڑھیوں سے گزر کر اوپر دوسری منزل میں آ گئی۔ یہ کسی بڑے امیر عرب کی حویلی تھی جس پر وحشی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے دوسری منزل پر آ کر دیکھا کہ سنگ مرمر کے فرش پر جگہ جگہ ریشمی قالین بچھے ہیں۔ چھتوں اور ستونوں کے ساتھ چاندی کے فانوس لٹک رہے ہیں جن میں سے کچھ مار دھاڑ میں ٹوٹ گئے تھے۔

ایک عرب نوکرانی سہمی ہوئی اس کے پاس سے ہو کر گزر گئی۔

پھر ماریا کو کسی کمرے سے عورت کے رونے کی آواز اور ہچکیاں سنائی دیں۔ ماریا کا دل درد سے بھر گیا۔ اسے بے چاری عورت پر رحم آنے لگا۔

وہ ادھر کو مڑی جدھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز ایک بند کمرے سے آ رہی تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سنا۔

کوئی اپنے بچوں کو واسطے دے کر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میرے بچوں کو چھوڑ دو۔ یہ یتیم بچے ہیں۔ میں ان کے باپ کی موت کے بعد اکیلی اس حویلی میں بیٹھ کر انہیں پال رہی ہوں۔ تمہیں یہاں سے جتنی دولت لے جانی ہے لے جاؤ، مگر مجھے اور میرے بچوں کو چھوڑ دو۔“

کسی نے جنگلی آدمیوں جیسا قہقہہ لگا کر کہا۔

”کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے پاس جو ہیرے

جواہرات ہیں وہ لاؤ۔ وہ کہاں چھپا رکھے ہیں! جب تک وہ نہیں ملیں گے، ہم تمہیں اور تمہارے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔“

ماریا نے دروازے کو تھوڑا سا آگے کو دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا پھر کان لگا کر سننے لگی۔ اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی دروازے کے پاس آ رہا ہے۔

ماریا جلدی سے دروازے سے پرے ہٹ گئی۔ دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سپاہی باہر نکل گیا۔ پہرے دار دروازے کا پٹ دوبارہ اندر کرنے ہی لگا تھا کہ ماریا جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔

اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک بڑے پاکیزہ صورت والی نیک عرب خاتون قالین پر بال کھولے بیٹھی ہچکیاں لے رہی

ہے۔

ایک سپاہیوں کا سالار، جس کے سر پر بالوں کا گھنا جنگل تھا اور چہرے پر تلواروں کے زخموں کے نشان ہیں اس عورت کے سامنے چاندی کی تپائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ہنٹر تھا۔ کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں ہنٹر کو لہرا رہا تھا اور عورت سے پوچھ رہا تھا۔

"سچ سچ بتا دے حویلی کا پرانا خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون نے سسکی لے کر کہا۔

"اے سپہ سالار! میں ایک خاندانی عرب خاتون ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ میں نے کبھی زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے تمہیں سچ کہہ دیا ہے کہ مجھے حویلی کے خزانے کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔۔۔"

سپہ سالار نے زور سے ہنٹر عورت کو مارا۔ عرب خاتون بلبلا کر رہ گئی۔ اس کے کندھے پر ہنٹر لگنے سے قمیض پھٹ گئی۔ وہ بالوں میں منہ چھپا کر ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

سالار نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور کہا۔

"میں تمہارے بچوں کو آج رات ہی دجلہ میں پھنکوا دوں گا نہیں تو بتا خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون سپہ سالار کے پاؤں پر گر پڑی۔

"مجھے اللہ کی قسم ہے۔ میں نہیں جانتی خزانہ کہاں ہے۔ میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ ان یتیم بچوں پر رحم کرو"۔

"بکواس بند کر"۔

سپہ سالار نے عورت کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر پرے گرا دیا۔ عرب خاتون الٹے منہ گر پڑی۔ اردگرد کھڑے سپاہی کھل کھلا

کر ہنس پڑے۔ پھر سپہ سالار نے کہا۔

"اس عورت کو اس کمرے میں بند رہنے دو۔ اگر شام تک اس خزانے کے بارے میں نہ بتایا تو اس کے بچوں کو قتل کرنے کے بعد اسے بھی قتل کر دیا جائے"۔

"جو حکم حضور"۔

سپہ سالار دوسرے سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔

دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا۔

کمرے میں اب صرف وہی عرب عورت اور ماریا اکیلی رہ گئیں۔ عورت کو کوئی خبر نہ تھی کہ کمرے میں اس کے ساتھ ایک اور عورت بھی موجود ہے۔

عرب خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دور وہ سجدے میں گر کر اپنے خدا سے دعا مانگ رہی تھی۔

ماریا نے چپکے سے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بہن! خدا نے تمہاری دعا سن لی ہے"۔

عرب عورت نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اس کے کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کا دباؤ تھا مگر شکل کسی عورت کی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ گھبرا کر سجدے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی کہ یہ کس عورت کی آواز تھی۔ کمرے میں اسے اپنے سوا دوسرا کوئی نہیں آ رہا تھا، لیکن آواز بھی اس نے ایک عورت کی سنی تھی اور کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کو محسوس بھی کیا تھا۔

ماریا نے عرب خاتون کو پریشان دیکھ کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں بہن! میں تمہارے پاس اس کمرے میں موجود ہوں“۔

عرب خاتون نے پوچھا۔

”تم کون ہو بہن؟ کیا تم کوئی آسمانی روح ہو؟“۔

ماریا نے کہا۔

”میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی بہن! کیونکہ تم ایک مسلمان عورت ہو۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ میں اور میرے دونوں بھائی تم مسلمانوں کی تعریفیں سن کر ہی تم سے ملنے تمہیں دیکھنے بغداد آئے ہیں“۔

عرب خاتون بولی۔

”لیکن۔۔۔تم۔۔۔تم دکھائی کیوں نہیں دیتیں بہن؟“۔

ماریا نے کہا۔

”یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے بہن! تم صرف اتنا سمجھ لو کہ مجھے مصر کے سب سے بڑے جادوگر سامری نے اپنے کالے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے۔ اب میں تو سب کو دیکھ سکتی ہوں۔ مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا“۔

عرب نے کہا۔

تم میری کیا مدد کرو گی بہن! یہ سپہ سالار تو بڑا ظالم ہے، اس نے میرے خاندان کے سب لوگوں کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیا ہے۔

اب صرف میں اور میرے دو بچے ہی باقی رہے ہیں۔ یہ انہیں بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ جس خزانے کا وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ اس خزانے کے بارے میں مجھے خود بھی معلوم نہیں کی

کہ وہ کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟ پھر میں اسے کیا بتا سکتی ہوں۔

اب یہ کہہ گیا ہے کہ اگر شام تک میں نے خزانے کا راز نہ بتایا تو میرے دونوں بچوں کو ہلاک کر دے گا۔

عرب خاتون رونے لگی۔ ماریا نے اسے حوصلہ دے کر کہا۔

"اپنے خدا پر بھروسہ رکھو بہن! خدا تمہارے ساتھ ہے۔ یہ شخص اپنی ساری فوج بھی لے آئے تم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے دونوں بچے کہاں ہیں؟"۔

عرب خاتون بولی۔

"مجھے یہ بھی تو معلوم نہیں کہ میرے بچے کہاں ہیں؟"۔

ماریا سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"اچھا بہن! تم ایک کام کرو۔ سپہ سالار کو یہاں بلواؤ اسے کہو کہ اگر وہ اس کے بچوں کو کمرے میں لے آئے تو تم اسے خزانے کا راز بتا دو گی"۔

عرب خاتون بولی۔

"لیکن میری بہن میں سپہ سالار کو خزانے کا راز کہاں سے بتاؤں گی"۔

"مجھے تو خود نہیں معلوم کہ خزانہ کہاں ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"بہن! میں تمہیں جیسے کہتی ہوں۔ تم ویسے ہی کرو بچوں کو کسی طرح یہاں سے بلواؤ۔ پھر میں جانوں میرا کام جانے"۔

عرب خاتون نے کہا۔

"بہن یہ بے وحشی لوگ ہیں۔ کیا تم اکیلی ان کا مقابلہ کر سکو گی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تم دیکھتی جاؤ، خدا کیا کرتا ہے۔ اب سپاہی کو آواز دو"۔

عرب خاتون نے اٹھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ پہرے دار سپاہی نے پوچھا۔

"کیوں دروازے پر ہاتھ مار رہی ہو؟ کیا بات ہے؟"۔

عرب خاتون نے کہا۔

"اپنے سپہ سالار سے کہو میرے بچے لے آئے۔ میں خزانے کا راز بتانے کو تیار ہوں"۔

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اب آئی ہے تو سیدھی راہ پر۔ ٹھہرو میں ابھی بلاتا ہوں۔ سپہ سالار صاحب کو"۔

یہ کہہ کر سپاہی سالار کو بلانے چلا گیا۔ ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

"جب سالار آئے تو تم اسے یہی کہنا کہ پہلے میرے بچے لاؤ، پھر تمہیں بتاؤں گی کہ خزانہ حویلی میں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے بہن! میں ایسا ہی کروں گی مگر خدا کے لیے یہ دیکھنا کہیں میرے بچوں کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے"۔

ماریا بولی۔

"بہن! خدا پر بھروسہ رکھو۔ تمہارے بچوں کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا"۔

یہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ دروازہ کھلا اور سالار تین سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے بچے میرے پاس لے آؤ، میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی"۔

سپہ سالار نے کہا۔

"پہلے خزانے کا راز بتاؤ پھر تمہیں بچے ملیں گے"۔

عرب خاتون نے کہا۔

"مجھے کیا معلوم کہ تم نے میرے بچوں کو ہلاک کر ڈالا ہو۔ جب میں اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھوں گی، جب مجھے اچھی طرح سے تسلی ہو جائے گی کہ میرے بچے زندہ سلامت ہیں تو میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی"۔

سپہ سالار نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ عورت تم بہت ہوشیار ہو۔ تمہارے بچے ابھی تمہارے سامنے آ جاتے ہیں"۔

یہ کہہ کر سالار نے تالی بجائی۔

دو سپاہی عرب خاتون کے پیارے پیارے بچوں کو لے کر کمرے میں آ گئے۔

"ماں کو دیکھ کر بچے زور سے بولے"۔

"پیاری امی جان"۔

میرے بچو! میرے پیارے بچو!

عرب عورت نے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ سپہ سالار گرج

کر بولا۔

"اب بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون خاموش ہوگئی۔ کیونکہ اس کے بعد اسے کیا کرنا ہے، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد تو ماریا کو اپنا کام شروع کرنا تھا۔

عرب خاتون گھبرا گئی کہ خدا جانے غیبی عورت کہاں ہے؟ وہ اپنا کام شروع کیوں نہیں کرتی؟ اور خدا جانے وہ کیا کرے گی؟۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر ایک بچے کو کھینچ کر کہا۔

"بتاتی کیوں نہیں خزانہ کہاں ہے؟"۔

ٹھیک اسی وقت تلوار کا زبردست وار سالار کے بازو پر پڑا اور اس کا بازو کٹ کر اس کے کندھے سے جدا ہوگیا۔ بچے

چیخ مار کر ماں سے لپٹ گئے۔

سالار کی بھی چیخ نکل گئی۔ سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے۔

سالار نے دوسرے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی۔ سپاہی اس کی طرف بڑھے کہ کٹے ہوئے بازو کے خون کو بند کریں۔ سالار نے چلا کر کہا۔

"دشمن کو قتل کر دو"۔

سپاہی سمجھے عرب خاتون دشمن ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ماریہ نے تلوار مار کر ایک سپاہی کی گردن اڑا دی۔

دوسرے سپاہی کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور تیسرے سپاہی کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔

یہ کام ماریا نے اتنی جلدی اور اتنی بہادری سے کیا کہ وہ خو

اپنے آپ پر حیران رہ گئی۔ دیکھتے دیکھتے تین سپاہی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

سپہ سالار نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور اپنے اکیلے ہاتھ سے تلوار لے کر عرب خاتون پر چلانے کے لیے آگے بڑھا۔

ماریا نے ایک اور وار کر کے سپہ سالار کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کا ہاتھ تلوار سمیت زمین پر گرا۔ اب وہ بے بس تھا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ماریا نے تلوار کا ایک اور وار اس کی گردن پر کیا۔

سالار کی گردن کندھے پر کٹ کر ڈھلک گئی اور تڑپ کر زمین پر گر پڑا۔

کمرے میں ہر طرف لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

پہرے دار یہ خونی تماشا دیکھ کر باہر ہی سے شور مچاتا بھاگ گیا۔

بچے سہم کر ماں سے لگ گئے۔

حویلی کا بھوت

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں سے بچوں کو لے کر نکل جاؤ۔ میں تمہارے آگے آگے راستہ صاف کرتی جاؤں گی۔ تم ڈیوڑھی میں پہنچو۔ پھر وہاں سے باہر نکل جانا"۔

عرب خاتون نے بچوں کو ساتھ لیا اور کمرے سے بھاگی۔ ماریا اس کے آگے آگے تھی۔

پہرے دار شور مچاتا سپاہیوں کو لینے گیا تھا۔ ماریا اور عرب خاتون سیڑھیاں اتر کر نچلی منزل میں آئیں تو سامنے سے دو سپاہی بھاگتے آ رہے تھے۔

انہوں نے عرب خاتون کو دیکھا تو تلواریں نکال لیں۔ وہ عرب خاتون کی طرف بڑھے مگر ماریا اس سے پہلے ان کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

اس نے تلوار چلا کر ایک سپاہی کی ٹانگ پر وار کیا۔ وہ گر پڑا دوسرے نے عرب خاتون پر حملہ کرنا چاہا۔ ماریا نے دوسرا وار کیا۔ سپاہی کا بازو کٹ کر گر پڑا۔

وہ چیخ مار کر گرا۔ جب وہ اٹھا تو عرب خاتون بچوں کو لے کر ڈیوڑھی میں آ گئی تھی۔ ڈیوڑھی کے پہرے داروں نے یہ خونی تماشا دیکھ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔

ماریا ان کے سر پر بھی پہنچ گئی۔ اس نے ایک ہی وار سے ایک سپاہی کو ڈھیر کر دیا۔ دوسرے نے ہوا میں تلوار چلائی۔ ماریا نے تلوار کا ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ وہ سخت زخمی ہو کر گر پڑا۔

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

”یہاں سے نکل چلو“۔

عرب خاتون دونوں بچوں کو لے کر حویلی سے باہر آ گئی۔ ماریا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر گلیوں میں سے بھاگتی ہوئی ایک پرانے مکان کی دیوار کے پاس کھڑی ہو گئی۔

اس نے خاتون سے کہا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔

عرب عورت نے کہا کہ اس شہر سے باہر ایک جگہ مقبرے میں ان کے کچھ نوکر رہتے ہیں۔ اگر وہ وہاں چلی جائے تو نوکروں کی مدد سے وہ وہاں سے فرار ہو جائے گی۔

”ٹھیک ہے، میرے ساتھ آؤ“۔

ماریا عرب عورت کو لے کر گلیوں اور بازاروں سے گزرتی شہر کی دیوار کے پاس آ گئی۔ اس نے عرب عورت کو ایک طرف کر لیا اور رک گئی۔

”یہاں سے تمہارا اکیلی بچوں کے ساتھ نکل جانا بڑا مشکل ہے۔ یہ لوگ تمہیں پکڑ لیں گے“۔

”پھر میں کیا کروں؟“۔

عرب عورت نے کہا۔

ماریا کہنے لگی۔

تم ان ہی جھاڑیوں کے پاس ٹھہرو میں کہیں سے گھوڑا

لاتی ہوں اگر تم میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ تو تمہیں بھی میرے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

تم بھی میری طرح سے غائب ہو جاؤ گی۔ میں ابھی گھوڑا لے آتی ہوں۔

خبردار! ان جھاڑیوں میں ہی اپنے بچوں کے ساتھ چھپے رہنا۔ کہیں مت جانا۔ میں بڑی جلدی گھوڑا لے کر آتی ہوں۔

"بہت اچھا بہن! میں اسی جگہ بیٹھی رہوں گی"۔

ماریا وہاں سے ہٹ کر شہر کے دروازے کی طرف آ گئی، کیونکہ اس طرف ماریا کو کچھ گھوڑے دکھائی دے رہے تھے۔ دروازے پر وحشی سپاہی کھڑے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

اتنے میں شہر کی حویلی کی جانب سے ایک گھوڑا سوار بھاگتا ہوا آیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر بولا۔

سنو! سپہ سالار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ عرب عورت بھاگ گئی ہے، وہ شہر سے باہر نہ جانے پائے، اسے پکڑ لیا جائے یہ کہہ کر گھوڑا سوار وہاں سے دوسری طرف نکل آیا۔

ماریا نے سوچا کہ یہ بہت برا ہوا جو یہاں سالار کے قتل کی خبر پہنچ گئی۔ اس خبر نے ہر طرف ایک افراتفری سی مچا دی۔ وحشی سپاہی بڑے چوکس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پہ پہرہ زیادہ سخت کر دیا گیا۔

ماریا خاموشی سے چلتی ایک درخت کے پاس آ گئی جہاں کچھ سپاہی اور دو یہودی سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دو سپہ سالار کے قتل پر ہی باتیں کر رہے تھے۔

ایک یہودی جو بڑا کپا سا تھا، گھوڑے پر سے اتر کر سپاہیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اگر ہمارے سپہ سالار کا قاتل مل جائے تو میں اپنی ساری دولت انعام میں دے دوں گا"۔

یہودی چنگیزی سپاہیوں کے ساتھ مل گئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف دشمنی کر رہے تھے۔ ماریا کو یہودی بڑا زہر لگا۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اسی سازشی مکار کا گھوڑا اڑا دے گی۔ وہ بڑی خاموشی سے یہودی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

یہودی کا گھوڑا بڑا ہٹا کٹا تھا۔ ابھی تک یہودی نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ ماریا چاہتی تھی

کہ وہ باگ ہاتھ سے چھوڑے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ جائے۔

مگر یہودی کم بخت باگ کو ہاتھ سے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ ادھر عرب عورت بے کسی کی حالت میں بے کسی کی حالت میں بیٹھی تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر یہودی کے ہاتھ سے لگام جھٹک دی۔ اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ یہودی نے غصے سے گھوڑے کو دیکھا۔

"کمینے! پھر منہ زوری کر رہے ہو"۔

اس کا خیال تھا کہ گھوڑے نے لگام اس کے ہاتھ سے کھینچی ہے۔ یہودی نے آگے بڑھ کر لگام پھر سے ہاتھ میں پکڑ لی اور سپاہیوں سے باتیں کرنے لگا۔

وقت گزر رہا تھا۔ ماریا کو جلدی سے جلدی عرب عورت اور اس کے بچوں کے پاس پہنچنا تھا۔ اب اس سے زیادہ انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ گھوڑے کو بھگا کر لے جائے۔

یہ سوچ کر اس نے زور سے باگ کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ باگ یہودی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

وہ گھوڑے کی طرف ہنٹر لے کر مڑا ہی تھا کہ ماریا نے اسے زور سے دھکا دے کر پرے گرا دیا اور خود چھلانگ لگا کر گھوڑے پر چڑھ گئی۔

سپاہیوں کے دیکھتے دیکھتے گھوڑا غائب ہو گیا۔ یہودی آنکھیں کھول کھول کر ادھر ادھر تکنے لگا کہ گھوڑا کہاں چلا گیا۔ اسے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز بھی سنائی دی، کیونکہ گھوڑا

نئے سوار کو محسوس کر کے گھبرا گیا تھا۔

ماریا نے اس کی گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے قدم قدم چلاتی آگے بڑھی۔ یہودی چلایا۔

”مجھے گھوڑے کی قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ لوگو پکڑو! میرا گھوڑا جا رہا ہے“۔

سپاہی بولا!

”کمینے موٹے! کہاں نظر آ رہا ہے تمہارا گھوڑا۔ بکواس کرتے ہو؟“۔

اور سپاہی نے ایک دھول موٹے یہودی کے سر پر دے ماری۔ یہودی سر پیٹ کر رہ گیا۔ ماریا گھوڑے پر سوار اسے دوڑاتی اسی جگہ آ گئی جہاں عرب خاتون اپنے بچوں کو لیے جھاڑیوں میں چھپی بیٹھی تھی۔

مگر اچانک وہاں آ کر کیا دیکھتی ہے کہ عرب خاتون وہاں کہیں بھی نہیں ہے۔ ماریا تو پریشان ہو گئی۔ گھوڑے پر سوار اسے لے کر شہر کے دروازے پر آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ عرب خاتون اور اس کے بچوں کو وحشی سپاہیوں نے پکڑ رکھا ہے۔ وہ بے چاری ڈیوڑھی کی چوکی کے فرش پر بیٹھی رو رہی ہے۔

ماریا سمجھ گئی کہ اس کے جانے کے بعد چنگیزی سپاہی اسے گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ سوچنے لگی کہ اب اسے یہاں سے کس طرح بچایا جائے؟ دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔

عنبر اور ناگ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ حوالات کے تہہ خانے میں بند پڑے ہیں مگر وہ ان کی طرف

سے مطمئن تھی کہ وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔

ماریا واپس اسی جگہ آ گئی جہاں اس نے عرب عورت کو چھپایا تھا۔ ماریا گھوڑے سے نیچے اتر پڑی۔ اس نے گھوڑے کو اونچی جھاڑیوں کے پیچھے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود پیدل ہی ڈیوڑھی کی طرف آ گئی۔

وہ ڈیوڑھی کی چوکی میں داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ لگا ہوا نیزہ گر پڑا۔ داروغے نے چیخ کر کہا۔

"حرامی لوگو! تم کیا کر رہے ہو۔ تم سے آرام کے ساتھ کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا؟"۔

سپاہی وہاں کھڑے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ کسی کے بھی ہاتھ یا بازو لگنے سے نیزہ نہیں گرا تھا۔

ہاتھ تو ماریا کا لگا تھا۔

مگر ماریا کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا چپکے سے چلتی ہوئی عرب خاتون کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی"۔

عرب خاتون نے تعجب سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ نیک دل غائب لڑکی اس کی مدد کو پہنچ گئی۔ ماریا اس کے پاس ہی زمین پر بیٹھی تھی۔

اس کے سامنے تخت پر داروغہ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک غلام سے کہا۔

"اس عورت کو یہاں سے لے جاؤ۔ اسے رسیوں میں

جکڑ کر بند کر دو۔ میں ابھی اسے لے کر سپہ سالار کے گھر جا کر اسے خود اٹیلا کے حضور پیش کروں گا"۔

ایک غلام آگے بڑھا۔ اس نے عرب خاتون کو ایک زور دار تھپڑ مارا۔ بے چاری شریف عورت درد سے چیخ اٹھی۔ ماریا نے غلام کو آگے بڑھ کر اس زور سے جوابی تھپڑ مارا کہ وہ بھی چیخ اٹھا۔

داروغہ گرجا۔

"یہ لڑائی بند کرو بدبختو! لے جاؤ اس عرب عورت اور اس کے بچوں کو۔ لے جا کر اسے بند کر دو"۔

دو غلام آگے بڑھے۔ انہوں نے عرب خاتون اور اس کے بچوں کو اٹھایا اور ڈیوڑھی کے پچھلے حصے میں ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ماریا وقت ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ اسے ابھی عنبر اور ناگ کی بھی جا کر خبر لینی تھی۔ وہ تو اس عورت کی صرف مدد کرنا چاہتی تھی۔

اس نے وعدہ کر لیا تھا، اب وہ اسے ان وحشی درندوں کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

دروازے پر ایک حبشی غلام پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ واپس جا کر گھوڑے کو جھاڑیوں کے پاس سے کر لیا۔ اس پر جلدی سے سوار ہوئی اور اسے قدم قدم چلاتی ڈیوڑھی میں آ گئی۔

جب وہ ڈیوڑھی میں سے گذر رہی تھی تو داروغہ نے کان لگا کر کہا۔

"ارے بدبختو! یہ گھوڑے کی آواز کہاں سے آ رہی

ہے؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"حضور! یہاں تو کوئی بھی گھوڑا نہیں گزر رہا؟"۔

داروغہ بولا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ گھوڑا کوئی گذر نہیں رہا"۔

پھر بھی گھوڑے کے قدموں کی آواز آ رہی ہے۔ حبشی غلام ڈر گئے۔ کیونکہ وہ کالے جادو پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔

ایک حبشی نے کہا۔

"یہ کوئی بھوت ہے"۔

دوسرا بولا۔

"کالا بھوت ہے"۔

تیسرے نے کہا۔

"شہر میں بھوت آ گئے ہیں"۔

"خاموش بدبختو!"

دراوغہ گرجا۔

"جاؤ اپنا اپنا کام کرو خبردار جو کسی نے پھر بھوت کا لفظ زبان سے نکالا"۔

حبشی ادھر ادھر چلے گئے۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر گئی۔ اس نے دروازے سے باہر جا کر پرے درختوں کے ایک جھنڈ میں جا کر اپنے اونٹ دیکھے۔

وہاں کوئی بھی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی ان کے اونٹ دور تھوڑا بہت سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ گھوڑے پر سے اتر پڑی۔

اس نے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھا اور بڑی تیزی

سے چل کر واپس ڈیوڑھی میں اس جگہ آ گئی۔ جہاں عرب خاتون کو بچوں کے ساتھ کوٹھڑی میں بند کیا گیا تھا۔

کوٹھڑی کے باہر حبشی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اس کے پاس ہی جا کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے میں وہاں ایک اور حبشی آ گیا۔ یہ آنے والا حبشی بھوتوں کی باتیں سن کر سخت ڈرا ہوا تھا۔

اس نے آتے ہی پہرے دار حبشی سے کہا۔

"بوانا! شہر میں بھوت آ گیا ہے"۔

پہرے دار اچھل کر بولا۔

"کیا کہا؟ بھوت؟ کہاں ہے بھوت؟"۔

حبشی بولا۔

"میں نے خود بھوت کی آواز سنی ہے۔ وہ گھوڑا بن کر

غائب ہو کر ڈیوڑھی میں سے گذر رہا تھا"۔

"سچ کہہ رہے ہو؟"۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ ایک نہیں۔ تین چار بھوت یہاں آ گئے ہیں۔ ہمیں اب یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ یہ شہر بھوتوں کا شہر بن گیا ہے"۔

"دیوتا مجھے معاف کریں۔ اب کیا ہو گا؟"۔

"بس ہونا کیا ہے؟ یہاں سے موقع ملتے ہی بھاگ جائیں گے۔ نہیں تو بھوت ہمیں کھا جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم بھاگ جائیں گے"۔

پہلا حبشی، دوسرے حبشی کو ڈرا کر چلا گیا۔ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ جب پہرے دار اکیلا رہ گیا تو ماریا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ حبشی نے چکر کھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تلوار نکال لی۔

"کون ہے۔ کون ہے؟"۔

ماریا نے آواز بنا کر کہا۔

"بھوت۔۔۔ بھ۔۔۔ بھوت!"

اب تو حبشی کو پسینہ آ گیا۔ وہ جہاں کھڑا تھا، وہاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

ماریا نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ایک زبردست لات ماری اور ساتھ ہی منہ سے ایک خوفناک چیخ نکالی۔ حبشی خود چیخ مار کر اچھلا اور وہاں سے شور مچاتا اٹھ بھاگا۔

ماریا نے جلدی سے کوٹھڑی کا تالا تلوار کا دستہ مار کر توڑ دیا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر گئی اور عرب خاتون سے کہا۔

"اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے باہر چلو"۔

ماریا نے عرب خاتون اور بچوں کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے نکل کر ڈیوڑھی میں سے باہر نکل گئی۔ وہ عرب خاتون کو دوڑاتی ہوئی ساتھ لیے جا رہی تھی۔

وہ جلدی درختوں میں پہنچ گئے۔ اس وقت تک ڈیوڑھی میں شور مچ گیا تھا کہ عرب عورت بھاگ گئی ہے۔ دراوغہ چلایا۔

"پکڑو پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑو پکڑو اسے"۔

سارے کے سارے سپاہی ڈیوڑھی سے باہر بھاگے۔

انہوں نے عرب عورت کو بچوں کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگتے دیکھا۔ وہ نعرے لگاتے تلواریں لہراتے عرب خاتون کے پیچھے بھاگے۔

"جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

ماریا نے عرب عورت سے کہا۔

ان بچوں کو پہلے سوار کرا دو۔ خدا کے لیے دیر نہ کرو۔ وہ لوگ آ رہے ہیں"۔

عرب عورت نے دونوں بچوں کو گھوڑے بٹھایا۔ پھر خود بھی سوار ہو گئی۔ سپاہیوں نے اسے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ تیروں کی ایک بوچھاڑ ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئی۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ماریا بھی لپک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔

ماریا نے گھوڑے کو بجلی جیسی تیزی کے ساتھ دوسری طرف موڑ لیا، تا کہ وہ تیروں کی بارش سے بچے رہیں۔ سپاہی

اور غلام چکر کھا گئے کہ گھوڑا کہاں غائب ہو گیا؟ ایک سپاہی بولا۔

”ابھی ابھی تو گھوڑا موجود تھا۔ میں نے خود اس پر عرب عورت کو سوار ہوتے دیکھا تھا“۔

”تو پھر کہاں چلا گیا؟“۔

ایک حبشی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”کہیں یہ بھوت نہ ہو“۔

اتنا سننا تھا کہ سارے حبشی چیخیں مارتے، بھوت بھوت کرتے وہاں سے بھاگ گئے۔ سپاہی انہیں آوازیں دیتے ہی رہ گئے۔

مگر وہ بھلا کہاں رکنے والا تھا۔ اب سپاہی بھی واپس ڈیوڑھی میں چلے گئے، کیونکہ ان کے لاکھ تلاش کرنے کے

باوجود عرب خاتون اور اس کا گھوڑا کہیں نہیں ملا تھا۔

ماریا گھوڑے کو دوڑاتی۔ عرب خاتون کے اشارے پر شہر سے جنوب کی طرف آ گئی۔ یہاں ریت کے ٹیلوں کے دامن میں ایک پرانا مقبرہ تھا۔

یہاں پہنچ کر ماریا گھوڑے سے اتر گئی۔ عرب خاتون بھی بچوں کو لے کر نیچے اتر آئی۔ اندر سے نوکر باہر آ گئے۔ انہوں نے مالکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماریا نے کہا۔

”اے خاتون! اب میں جاتی ہوں، کیونکہ میرا خیال ہے کہ اب تم آرام سے واپس کسی دوسرے شہر پہنچ جاؤ گی“۔

”ہاں بہن! میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گی، تم نے میری اور میرے بچوں کی جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے“۔

"یہ میرا فرض تھا بہن! خدا حافظ"۔

ماریا گھوڑے پر سوار اسے سرپٹ دوڑاتی واپس شہر کے دروازے پر آ گئی۔ اب شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ابھی اسے عنبر اور ناگ کو بچانا تھا۔

غیر آباد خانقاہ

حوالات والی ڈیوڑھی میں شمع جل رہی تھی۔

ماریا ڈیوڑھی میں ایک طرف خالی بنچ پر بیٹھ گئی۔ اسے اب پھر بھوک ستانے لگی تھی۔

وہاں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کھانا لے کر عنبر اور ناگ کے پاس جانے کی کوشش کرے گی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسے سامنے سے کمانڈر آتا دکھائی دیا۔

اس کے ساتھ ایک حبشی غلام بھی تھا جس نے سر کے اوپر کھانے کی چنگیر اٹھا رکھی تھی۔

اس میں ظاہر ہے دو چار سوکھی روٹیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ماریا بھی تیزی سے اٹھی اور ان کے ساتھ اندر ہی چلی گئی۔

اندر سیڑھیاں تھیں۔ جو نیچے تہہ خانے کی حوالات میں اتر گئی تھیں۔ حوالات میں عنبر اور ناگ زمین پر رسیوں میں بندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ ناگ کہہ رہا تھا۔

میں سانپ بن کر ساری کوٹھڑی کا چکر لگا چکا ہوں۔ کم بخت کسی جگہ کوئی معمولی سا سوراخ بھی نہیں ہے۔ جہاں سے میں باہر کی ہوا کھا سکوں۔

عنبر نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ ابھی کوئی نہ کوئی آ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے، یہ رات یہاں آخری رات ہوگی۔ کماندر ہمیں صبح ضرور یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ مجھے تو فکر ماریا کی ہے۔ بے چاری خدا جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہوگی“۔

”شی! کوئی آ رہا ہے“۔

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ برآمدے میں قدموں کی آواز آنے لگی تھی۔

اتنے میں کماندر اور حبشی غلام دروازہ کھول کر اندر کوٹھڑی میں آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ ماریا نے سب سے پہلے ناگ اور عنبر کے قریب جا کر سرگوشی میں کہا۔

”میں آ گئی ہوں“۔

”خدا کا شکر ہے“۔ عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

کمانڈر نے غصے سے کہا۔

”تم اس اندھیری کوٹھڑی میں بھی اپنے خدا کا نام لینے سے باز نہیں آ رہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ہم خدا کو ہمیشہ اور ہر حالت میں یاد کرتے ہیں“۔

”ہم اپنے خدا سے کبھی غافل نہیں رہے“۔

کمانڈر نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ اور ایک دن اپنے خدا کو یاد کر لو۔ کل اس وقت تمہاری لاشوں کے ٹکڑے دریائے دجلہ میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی“۔

کمانڈر نے حبشی سے کہا۔

”انہیں روٹیاں دے دو“۔

حبشی غلام نے تین چار خشک روٹیاں چنگیر میں سے نکال کر عنبر اور ناگ کے سامنے پھینک دیں۔

کمانڈر نے کہا۔

”اگر تم اب بھی مجھے بتا دو کہ تم کس کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے آئے ہو تو میں تمہاری جان بخشی کروا سکتا ہوں“۔

عنبر نے کہا۔

ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم کسی کی جاسوسی کرنے نہیں آئے۔

کمانڈر نے غصے میں آ کر کہا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم دونوں جاسوس ہو۔ تم میرے سامنے انکار کر رہے ہو۔ مگر اشیلا خان کے سامنے جا کر تم خود

ہی سچ بولنا شروع کر دو گے"۔

ٹاگ نے کہا۔

"جناب! ہم اب بھی سچ بول رہے ہیں اور ہم آپ کے اٹیلا کے آگے بھی جا کر سچ بولیں گے۔ ہمیں کسی نے بغداد میں جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا۔ ہم اس شہر کی سیر کرنے آئے تھے کہ تم لوگوں نے پکڑ لیا"۔

کمانڈر نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی افراتفری کی حالت میں کوئی یہاں سیر کرنے کے لیے آئے؟"۔

ہر شخص کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ صرف جاسوس ہی ایسا خطرہ مول لے سکتا ہے، کیونکہ اسے جاسوسی کے لیے بہت بھاری انعام دیا جاتا ہے، کیا اب بھی تم انکار کرتے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"ہاں ہم انکار کرتے ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ آپ لوگوں نے ہمیں خوامخواہ پکڑ کر قید میں ڈال دیا ہے"۔

کمانڈر نے کہا۔

"اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں، اگر کل شام تک تم نے اپنے جرم کا اقبال نہ کیا تو تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی"۔

ٹاگ نے کہا۔

"اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے صبح ہونے تک ہمیں آزاد نہ کیا تو تمہاری لاش اس حوالات کی ڈیوڑھی میں پڑی ہو گی"۔

کمانڈر کو ایسی گستاخی کی بات آج تک کبھی کسی نے نہیں

کہی تھی۔

اسے ناگ کی بات پر سخت غصہ آ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑے زور سے ناگ کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ ناگ گر پڑا۔ ماریا غصے میں کانپنے لگی۔

ناگ کو غصے کی حالت میں نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے نیلا جھاگ ٹپکا اور وہ پلک جھپکنے میں ایک سبز رنگ کا ایک بہت بڑا اژدہا بن کر سامنے آ گیا۔

حبشی غلام نے ایک انسان کو اژدہا بنتے دیکھا تو وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

کمانڈر خوف کے مارے سہم کر پرے ہٹ گیا۔ پھر اس نے تلوار نکال کر ناگ پر وار کرنا چاہا۔ پیچھے ماریا نے اسے زور سے دھکا دے دیا۔

وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اژدہا نے کمانڈر کی گردن پر ڈس دیا۔ یہ زہر اس قدر خوفناک اور قاتل قسم کا زہر تھا کہ کمانڈر کے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کا خون ایک دم جم گیا اور سارا جسم پھٹ پڑا۔

ناگ اسی وقت پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

”ناگ بھائی! یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا تھا؟“۔

ناگ بولا۔

”اس کم بخت نے میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا تھا کہ میں غصے میں پاگل ہو گیا۔ میں اسے اب زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا، چاہے میری اپنی جان چلی جاتی“۔

ماریا نے کہا۔

"چلو اچھا ہے کہ تم نے اپنا بدلہ بھی لے لیا اور ہم سب کا راستہ بھی صاف کر دیا"۔

ناگ نے کہا۔

"تمہارا بھی شکریہ ماریا بہن، اگر تم اس موذی کو پیچھے سے دھکا نہ دیتیں تو ہو سکتا تھا کہ اس کی تلوار کا وار مجھے سخت زخمی کر دیتا۔ یہ بتاؤ تم کہاں رہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ وقت کہانیاں سنانے کا نہیں ہے ناگ! ماریا سے اس کی کہانی پھر سن لیں گے۔ ابھی تو یہاں سے بھاگو۔ ہمیں اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں"۔

تینوں بہن بھائی حوالات سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتے اوپر ڈیوڑھی میں آ گئے۔

وہاں سپاہی دروازہ بند کیے پہرہ دے رہے تھا۔ عنبر نے اندر سے دروازے پر دستک دی باہر سے پہرے دار سپاہی نے یہ سمجھا کہ ان کا کمانڈر واپس آ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

عنبر ناگ اور ماریا باہر نکلے تو سپاہی نے ان پر حملہ کر دیا۔ ماریا نے تلوار چھین کر سپاہی کے سینے میں گھونپ دی۔ وہ چیخ مار کر گرا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر سامنے سے سپاہی دوڑے۔ عنبر اور ناگ وہاں سے بھاگ اٹھے۔ ماریا نے دور سے آتے ہی سپاہیوں کی خوب گت بنائی۔ اس کے بعد ماریا بھی عنبر اور ناگ کے ساتھ آن ملی۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ بغداد شہر کے گلی کوچوں اور مکانوں میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ بچتے بچاتے اندھیرے میں چھپتے چھپاتے شہر کی دوسری جانب نکل آئے۔

یہاں زیادہ تر غریب ماہی گیروں کی آبادی تھی۔ ایک پرانی خانقاہ بھی تھی جس کے اونچے گنبد پر شمع جل رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں اس خانقاہ میں رات بسر کرنی چاہیے کیونکہ اس وقت سرائے میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ چلو خانقاہ میں چلتے ہیں“۔

ماریا کہنے لگی۔

پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس خانقاہ میں کون رہتا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں چنگیزی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا ہو“۔

عنبر نے کہا۔

”یہ کام تو پھر تم ہی کر سکتی ہو۔ جاؤ اندر جا کر پتا کرو کہ خانقاہ خالی ہے یا کوئی اس میں رہتا ہے“۔

ماریا بولی۔

”میں جا کر پتا کرتی ہوں“۔

ماریا نے دیکھا کہ خانقاہ کے اندر ڈیوڑھی میں ایک ننھا سا دیا جل رہا تھا۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر کر بڑے کمرے

میں آ گئی۔

یہاں دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک قبر تھی۔ جس پر عربی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

ایک طرف دیوار میں دروازہ تھا جو بند تھا۔ ماریا کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس خانقاہ کا دروازہ کیوں کھلا تھا؟ اگر دروازہ کھلا تھا تو اس کے اندر رہنے والے کہاں چلے گئے ہیں؟ ماریا نے درو دیوار والے دروازے کے پاس جا کر اسے ذرا سا دھکیلا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر کوئی باتیں تو نہیں کر رہا؟ اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ماریا خانقاہ سے باہر آ گئی۔ باہر اس نے عنبر اور ناگ کو بتایا کہ خانقاہ ویران ہے۔ کسی نے وہاں چراغ جلا دیا ہے۔ بس اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اندر صرف ایک قبر ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں بھی تو صرف رات ہی بسر کرنی ہے۔ رات کی رات یہاں رہ کر منہ اندھیرے کسی سرائے میں اٹھ جائیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اندر چلیں"۔

تینوں خانقاہ کے اندر آ گئے اور قبر کے پاس بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

زمین پر خشک گھاس بچھی ہوئی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اسی جگہ پڑ کر سو رہتے ہیں"۔

عنبر مسکرا کر بولا

’’تو اور کون سے یہاں کم خواب کے ریشمی بستر لگے ہیں ہمارے لیے بھائی؟ اسی خشک گھاس پر سونا ہے‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’خدا کی قسم! اس خشک گھاس پر جتنے مزے کی نیند آتی ہے، اتنی کسی بادشاہ کو کمخواب کے بستر پر کہاں آتی ہوگی‘‘۔

ماریا نے پوچھا۔

’’عنبر بھائی! اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے؟‘‘۔

عنبر بولا۔

’’ہمیں اس شہر کے خلیفہ اور اس کے بچوں کو وحشی چنگیزی سپاہیوں سے بچا کر نکال لے جانا ہے‘‘۔

ماریا نے کہا۔

’’ہم انہیں نکال کر کہاں لے جائیں گے بھائی؟‘‘۔

عنبر بولا۔

’’یہ خلیفہ ہمیں خود بتا دے گا کہ وہ کہاں جا کر پناہ حاصل کرسکتا ہے۔ پہلے تو اسے یہاں سے بھگانا ہوگا‘‘۔

ماریا نے کہا۔

’’خدا کرے کہ صحرا میں دجلہ کے کنارے ہمارے خزانے کا صندوق بچا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈاکو اس کا بھی صفایا کردیں۔ ہمارا جہاز بھی تو ابھی دریا میں کھڑا ہے‘‘۔

عنبر بولا۔

ماریا بہن! خزانہ ہم نے دریا کنارے ایسے پرانے مقبرے کے کھنڈر میں دفن کیا ہے۔ کہ وہاں وہ ہزار سال تک دبا پڑا رہ سکتا ہے۔

باقی بادبانی جہاز دریا کی کھاڑی میں نظروں سے چھپ کر

لمبی لمبی دلدلی گھاس میں کھڑا ہے۔ ہاں اگر کسی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ تو وہ اسے اغوا کر کے لے جا سکتا ہے۔ مگر فکر نہ کرو۔ خزانہ ہمارا بالکل محفوظ رہے گا۔

وہ باتیں کرتے کرتے سونے لگے۔ عنبر اور ناگ نے تو ہلکے ہلکے خراٹے بھی لینے شروع کر دیئے۔

صرف ماریا جاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے بھی نیند آنے لگی۔ اس نے اونگھنا شروع کر دیا۔ وہ اونگھ رہی تھی کہ اچانک اسے خانقاہ کے دروازے کے زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی پھر لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائیں دیں۔

کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ ماریا نے جلدی سے عنبر اور ناگ کو جگا دیا۔

"جاگو بھائی! کچھ لوگ اندر آ رہے ہیں"۔

عنبر اور ناگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ جلدی سے ستونوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔

ڈیوڑھی والا دروازہ کھلا اور چار عرب اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے عربی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک ان میں سے پکی عمر کا تھا جس کو وہ سارے درویش کے نام سے یاد کر رہے تھے۔ باقی تینوں نوجوان سے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے ڈیوڑھی والے دروازے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے دروازے پر تین بار دستک ہوئی۔ اندر سے دروازہ کھل گیا۔

چاروں عرب اندر چلے گئے۔ دروازہ اپنے آپ پھر بند ہو گیا۔ عنبر اور ناگ نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ اندر وہ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے جیسے وہ بغداد کے خلیفہ کے اپنے

آدمی ہوں۔ اور اسے بچانے کی فکر میں ہوں۔

عنبر نے کہا۔

”یہ لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔ یہ خلیفہ کے اپنے خاص آدمی ہیں جو اسے اٹیلا کی ظالمانہ قید سے رہائی دلانا چاہتے ہیں۔“

ناگ بولا۔

”معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان کے چہروں سے شاہی رعب ٹپکتا ہے۔ تو کیا پھر ان لوگوں سے بات کی جائے؟“

عنبر بولا۔

”نہیں ہمیں اتنی تیزی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ذرا کچھ سوچ سمجھ سے بھی کام لینا ہوگا۔“

ماریا نے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب دروازہ کھلے تو میں اندر جا کر معلوم کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہو سکتا ہے، دروازہ ساری رات نہ کھلے“۔

”تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں“۔

”میرا خیال ہے، تم دروازے پر دستک دو۔ وہ باہر آئیں گے تو تم جلدی سے اندر داخل ہو جانا“۔

”یہ ٹھیک ہے“۔

عنبر اور ناگ ستونوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ماریا دیوار والے دروازے پر گئی۔

اس نے جاتے ہی دروازے پر تین بار دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک عرب نوجوان نے آنکھیں

پھاڑ کر باہر دیکھا۔

''کون ہے باہر؟''۔

باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازے کے بالکل درمیان میں کھڑا تھا۔ اور ماریا کو موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ اندر چلی جاتی۔

اب اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ ماریا واپس عنبر اور ناگ کے پاس آ گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

کون سی ترکیب کی جائے کہ اندر والے عرب لوگوں سے بات چیت ہو سکے؟ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک عرب نوجوان باہر آ گیا۔

اس کے باہر آتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ عرب

نوجوان نے ایک ستون کے قریب جا کر پتھر ہٹایا اور ایک صندوقچی سی لے کر واپس کوٹھڑی میں چلا گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ مگر اس دوران میں ماریا اندر کوٹھڑی میں جا چکی تھی۔

☆ یہ عرب نوجوان کون تھے؟

☆ خانقاہ میں کون سا راز چھپا تھا؟

☆ بغداد میں اٹیلا کے ساتھ مقابلہ کیسے ہوا؟

☆ یہ سب کچھ آپ کو اس ناول کی اگلی یعنی
46 ویں قسط پڑھ کر معلوم ہوگا۔

بوڑھا جادوگر

[illegible]

Pakistan Virtual Library کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

خانقاہ میں جنگ
سانپ اور فاختہ
آدھی رات کو حملہ
سانپ اور بادشاہ
جادو کے کھیل
زہر کا شعلہ
قتل کی سازش
بغداد سے فرار
طوفان کے بعد

سنو پیارے بچو!

کتاب کے پہلے حصے میں آپ پڑھ چکے ہیں شہر بغداد میں ظالم اٹیلا نے قتل عام کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ عنبر اور ناگ بغداد کے شہر کے ایک پراسرار محلے میں ایک پرانی خانقاہ میں چھپ جاتے ہیں۔

بغداد کا شہنشاہ ہلاکو کی قید میں ہے۔ ماریا پرانی خانقاہ میں چھپے ہوئے باغیوں کی گفتگو پاس جا کر سنتی ہے۔ کیونکہ اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

عنبر ناگ اور ماریا ان باغیوں سے مل جاتے ہیں اور کسی طرح شاہی محل میں جا کر اٹیلا کو زہر دے کر ہلاک کر دیتے ہیں اور بادشاہ اور اس کے شاہی خاندان کو ساتھ لے کر ایران کی طرف نکل جاتے ہیں۔

وہاں سے عنبر اکیلا واپس آتا ہے۔ بادبانی جہاز سمندر کے ایک گمنام ساحل پر کھڑا ہے۔ ماریا اور ناگ جہاز پر پہرہ دے رہے ہیں۔

خانقاہ میں جنگ

کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔

ماریا اندر چلی گئی تھی۔ باہر قبر کے پاس ستونوں کے پیچھے عنبر اور ناگ چھپے ہوئے تھے۔

کوٹھڑی کا دروازہ بند ہوا تو ناگ نے کہا۔

"مجھے تو اندر والے عرب خلیفہ بغداد عبداللہ بن عبدالعزیز کے حامی معلوم ہوتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ بات تو پورے اطمینان سے ہمیں ماریا ہی باہر آ کر بتا سکے گی ویسے خیال میرا بھی یہی ہے"۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ عنبر اور ناگ کی گردنوں میں پھندے ڈال کر دونوں کے ہاتھوں کو رسیوں سے باندھ دیا۔

یہ چار عرب تھے اور تمام کے تمام نوجوان تھے۔ وہ عربی میں باتیں کر رہے تھے۔ عنبر ان کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ انہوں نے عنبر سے پوچھا۔

"کیا تم عربی زبان سمجھتے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"ہاں، مگر تم لوگوں نے ہمیں کس لیے جکڑا ہے۔ ہم

تمہارے دشمن نہیں ہیں"۔

ایک عرب نے کہا۔

"اس کا فیصلہ اندر شیخ کے پاس جا کر ہوگا۔ چلو اندر"۔

یہ سارے عرب عنبر اور ناگ کو گھسیٹتے ہوئے کوٹھڑی کے اندر لے گئے۔ اندر بیٹھے عرب آپس میں کوئی خفیہ جلسہ کر رہے تھے۔

تپائی پر شمع رکھی تھی۔ درویش بھی بیٹھا تھا۔ انہوں نے عنبر اور ناگ کو غور سے دیکھا۔

شیخ درویش بولا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟"۔

"یہ ہمارے دشمن ہیں۔ چھپ کر خانقاہ میں بیٹھے تھے"۔

درویش نے عنبر کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔

"کیا تم چنگیزی فوج کے جاسوس ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"نہیں اے درویش! ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم تمہارے ہمدرد ہیں اور چنگیزی فوج کے خلاف جنگ کرنے آئے ہیں۔ اس پر درویش اور دوسرے عرب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ درویش نے آگے بڑھ کر عنبر کے منہ پر زور سے تھپڑ مار کر کہا"

"بکواس کرتے ہو، ابھی تم خود اقرار کرو گے کہ تم دشمن کے جاسوس ہو اور ہمیں ہلاک کرنے یہاں آئے تھے"۔

ناگ نے کہا۔

"درویش! میرے بھائی کو اذیت پہنچا کر تم اچھا کام نہیں کر رہے جب تمہیں ہماری طاقت کا پتا چلا تو تم بہت پچھتاؤ

گے اور ہم سے معافی مانگو گے"۔

خاموش گستاخ! تمہاری طاقت کیا ہے؟ ہمیں سب معلوم ہے۔ ہم نے دشمن کی طاقت کو کچل کر رکھ دینے کا ارادہ کر رکھا ہے۔

تم نے اور تمہارے سردار اشیلا نے ہمارے خلیفہ کے خاندان کو قید کر رکھا ہے۔ یاد رکھو ہم انہیں بہت جلد چھڑا لیں گے۔

عنبر نے سوچا کہ ماریا اندر کیا کر رہی ہے؟ وہ کہاں ہے؟ وہ کیا سوچ رہی ہے؟۔

اس نے درویش سے کہا۔

سنو درویش! ہم دونوں بھائی ملک ہند سے تمہاری مدد کرنے یہاں آئے ہیں۔ ہم نے سن رکھا تھا کہ چنگیزی

سپاہیوں کے لشکر نے بغداد شہر میں مسلمانوں پر بڑا ظلم شروع کر رکھا ہے۔

ہم نے مسلمانوں کی بہت تعریف سنی تھی پس ہم تم لوگوں سے ملنے اور تمہاری مدد کرنے چلے آئے۔ اب تم ہم دونوں کو قتل کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

یاد رکھو! اول تو تم ایسا نہ کر سکو گے۔ اگر تم نے ایسا کر بھی دیا تو تم اپنے دو بہترین مددگاروں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اب بھی وقت ہے۔ سوچ سمجھ کر کوئی اگلا قدم اٹھانا۔

درویش نے غصے میں ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔

"اس شخص کی زبان کاٹ دی جائے"۔

دو عرب آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو زمین پر لٹا دیا۔

اس کا منہ زبردستی کھول دیا گیا۔ اور لکڑی کے شکنجے میں زبان

ڈال کر جکڑ دی گئی۔ دوسرے عرب نے خنجر نکالا اور زبان کاٹنے کے لیے آگے بڑھا۔

اب ماریا سے نہ رہا گیا۔ وہ اس وقت سے اندر کونے میں کھڑی ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر عرب پر حملہ کرنے ہی والی تھی کہ اسے خیال آیا کہ عنبر کی زبان تو کٹ ہی نہیں سکتی۔ پھر اس کی مدد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔

عرب نے خنجر لے کر اسے پتھر پر رگڑ کر تیز کیا اور عنبر کی زبان پر رکھ کر زور سے جھٹکا دیا۔ سب کو یقین تھا کہ عنبر کی زبان کٹ کر الگ جا گرے گی۔ اور خون کا فوارہ اچھل پڑے گا مگر وہاں کچھ نہ ہوا۔

الٹا یہ ہوا کہ جس عرب نے خنجر چلایا تھا۔ اس کے ہاتھ

سے خنجر گر پڑا۔ زبان کے ساتھ خنجر ایسے ٹکرایا، جیسے وہ پتھر کی زبان ہو۔ اس نے خنجر کو اٹھا کر دوبارہ عنبر کی زبان پر چلانا شروع کر دیا۔

اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ خنجر زبان پر چل رہا تھا اور ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کسی چاقو کے پتھر کی سل پر گھسنے سے آیا کرتی ہے۔ درویش نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"مجھے دو خنجر! یہ تم کیا کر رہے ہو؟"۔

عرب نے کہا۔

"زبان پتھر کی لگتی ہے۔ اس پر خنجر نہیں چل رہا"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ زبان کبھی نہیں کٹ سکے گی درویش!"۔

درویش نے آگ بگولا ہو کر کہا۔

"پھر اس کے ساتھی کی زبان کاٹ ڈالو"۔

انہوں نے ناگ کو پکڑ لیا۔ اب ماریا گھبرا گئی، کیونکہ ناگ کی زبان کٹ سکتی تھی۔

وہ عنبر کی طرح اپنی زبان کو پتھر کی طرح سخت نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ بھی گھبرا سا گیا۔ اس نے ماریا سے اونچی آواز میں کہا۔

"ماریا! کیا تم میری مدد کرو گی یا میں اپنا بچاؤ خود کروں"۔

ماریا نے ناگ کے کان میں آ کر کہا۔

"میں تمہاری مدد کروں گی"۔

عربوں نے ناگ کو پکڑ کر اس کا منہ کھولنا شروع کر دیا۔

ناگ نے منہ کھول دیا۔ ایک عرب نے خنجر والا ہاتھ اٹھایا کہ وہ ناگ کی زبان کاٹ ڈالے کہ اچانک پیچھے سے کسی نے اس کی گردن پر اتنے زور سے مکا مارا کہ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔

وہ تڑپ کر پیچھے مڑا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف اس کے اپنے ساتھی تھے۔ جو اس سے فاصلے پر کھڑے تھے۔ اس نے بڑبڑا کر کہا۔

"یہ مکا میری گردن پر کس نے مارا تھا؟"۔

درویش بولا۔

"کسی نے بھی نہیں"۔

"مگر مکا میری گردن پر پڑا ہے۔ میرے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر گرا ہے"۔

ناگ مسکرایا۔

عنبر نے کہا۔

اب بھی تم لوگوں کو سمجھ جانا چاہیے کہ ہم لوگ تم سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔

بہتر یہی ہے کہ ہمیں پہچانو اور دوست بنالو۔ ہم تمہارے سچے خیر خواہ ہیں۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔

مگر درویش بڑا ضدی عرب تھا۔ وہ بھی سچا تھا۔ اس کے خلیفہ اور سارے شاہی خاندان کو قید کر لیا گیا تھا۔ ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ دوست ہے یا دشمن۔ اور پھر عنبر اور ناگ تو ان کے خفیہ ٹھکانے خانقاہ میں چھپے ہوئے تھے۔

درویش نے کہا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ تم۔ میں خود ان دونوں کی گردنیں اڑاتا ہوں"۔

سارے عرب پرے ہٹ گئے۔ درویش نے تلوار کھینچی اور عنبر کی گردن پر وار کیا۔ اس دفعہ بھی وہی ہوا۔ یعنی تلوار عنبر کی گردن پر پڑی تو ایسی آواز آئی۔

جیسے تلوار کسی پتھر پر گری ہو۔ چھن سے ہوا اور تلوار ٹیڑھی ہو گئی۔ اب درویش نے ناگ کی گردن پر وار کیا۔ ماریا نے پیچھے سے درویش کو ایسا دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل سامنے ناگ کے قدموں میں آن گرا۔

"انہیں کچل کر رکھ دو"۔

اب عرب ناگ اور عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بڑی گھمسان کی جنگ والی بات تھی۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی کسی طرح اپنا بچاؤ کرے۔ میں تمہیں دستے ڈھیر سارے آدمیوں سے نہیں بچا سکتی"۔

ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا۔ جب باہر چھوڑا تو وہ ایک فاختہ بن کر اڑا اور چھت کی شہتیر پہ جا کر بیٹھ گیا۔ عرب حیران ہو کر اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔

ادھر عنبر پر وہ تلواروں سے اس طرح وار کر رہے تھے کہ اس کا قیمہ قیمہ کر رہے ہوں مگر ایک بھی وار عنبر کو زخمی نہیں کر سکا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں اگر چاہوں تو تلوار لے کر تم سب کو باری باری قتل کر سکتا ہوں، کیونکہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ مجھ پر تمہارے حملوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا، جبکہ میرا ایک ہی وار تمہیں سخت نقصان پہنچ سکتا ہے مگر میں ایسا نہیں کروں گا میں تمہاری دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں"۔

درویش نے تلوار اٹھا کر ایک بھرپور وار کرنا چاہا۔ عنبر نے سوچا کہ یہ لوگ تو پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔ انہیں تھوڑا سا سبق ضرور سکھانا چاہیے۔

عنبر نے ایک عرب کے ہاتھ سے تلوار چھین کر حملہ کر دیا۔ ایک ہی وار میں اس نے درویش کو نیچے گرا کر اس کی گردن پر تلوار کی نوک رکھ دی۔

"اب کہو! کیا میں تمہاری جان بخشی کروں یا اسی جگہ تمہیں ہلاک کر دوں؟"۔

باقی عرب اس پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ درویش نے ہاتھ اوپر اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"نہیں نہیں۔ اس شخص پر حملہ نہ کرنا۔ یہ ہمارا دوست

ہے''۔

عنبر نے تلوار کی نوک پیچھے کھینچ لی۔

درویش زمین پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے عنبر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

''تم ہمارے دوست ہو۔ مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ خدا نے تمہیں ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ کیونکہ تمہارے اندر بہت بڑی طاقت ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ''۔

عنبر کو ساتھ لے کر درویش میز کے گرد بیٹھ گیا۔

اس نے کہا۔

''یہ بتاؤ کہ تمہارا بھائی کس طرح فاختہ بن کر اوپر چھت کی کڑی پر جا بیٹھا ہے؟''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''میرا یہ بھی جس کا نام ناگ ہے، ایک جادوگر ہے مگر اسے صرف اتنا ہی جادو آتا ہے کہ یہ جب چاہے پرندہ بن کر اڑ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ یہ کوئی جادو نہیں جانتا''۔

سارے عرب اوپر ناگ کو فاختہ بنے دیکھتے رہے۔ پھر درویش نے کہا۔

''اب تم ہمارے دوست بن گئے ہو۔ اپنے اس بھائی سے کہو کہ وہ نیچے آ جائے۔ ہمارے پاس بیٹھے اور ہماری باتوں میں حصہ لے''۔

عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا۔

''ناگ بھائی نیچے آ جاؤ۔ ہماری ان سے صلح ہو گئی ہے''۔

فاختہ اوپر سے اڑتی ہوئی نیچے میز پر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر فاختہ ایک دم سے واپس ناگ کی شکل میں آ گئی۔ عرب

تو آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔

"خدا کی قسم یہ تو زبردست جادوگر ہے"۔

درویش نے ناگ سے کہا۔

ناگ بولا۔

"ہاں۔ میرے بھائی عنبر نے آپ کو ٹھیک کہا تھا۔ میں جادوگر ضرور ہوں مگر مجھے سوائے اس جادو کے اور کوئی جادو نہیں آتا"۔

درویش بولا۔

"یہ سب سے بڑا جادو ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد جادو ختم ہو جاتا ہے۔ کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ انسان سے کسی پرندے کی شکل میں آ جائے"۔

پھر درویش نے عنبر سے کہا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ تم ہماری مدد کرنے یہاں آئے ہو؟ یہ بات پھر سے دہراؤ۔ تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

ہم تمہاری بھی مدد کر سکتے ہیں کہ خلیفہ اور اس کے بال بچوں کو ظالم دشمن اٹیلا کی قید سے رہائی دلائی جائے۔

درویش نے کہا۔

"لیکن یہ کام تو بہت مشکل ہے۔ خلیفہ اور اس کے بال بچوں کو اٹیلا کی قید سے چھڑانا اتنا آسان کام نہیں ہے، جتنا تم سمجھ رہے ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ میں بھی مانتا ہوں کہ یہ کام آسان نہیں ہے، لیکن ہمیں کوشش تو کرنی ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تم نے مل کر

کوشش کی تو ہم اپنے ارادے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ خلیفہ کس جگہ قید ہے؟"۔

ایک عرب بولا۔

"ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ خلیفہ اور اس کے بال بچوں کو بغداد کے شاہی محل کے کسی تہہ خانے میں الگ الگ بند رکھا ہے اور ان سب کو بہت جلد قتل کر دیا جائے گا۔ اگر ہم نے دو ایک دنوں کے اندر اندر خلیفہ کی مدد نہ کی، تو پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم ضرور خلیفہ کی مدد کو پہنچیں گے مگر پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ خلیفہ کس جگہ پر اپنے بال بچوں کے ساتھ قید ہے۔ یہ کام کون کرے گا؟ میرے خیال میں یہ کام ہمارا دوست ناگ بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ یہ پرندہ بن کر نیچے جا سکتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن میں پرندہ بن کر وہاں پکڑا بھی جا سکتا ہوں۔ اگر سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے بڑی آسانی سے بھون کر کھا جائیں گے، بلکہ چنگیزی فوج کے سپاہی تو پرندوں کو کچا ہی چبا کر کھا جاتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اس کے لیے ناگ بھائی تمہیں کوئی دوسری شکل بدل کر وہاں جانا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے میں وہاں جا کر پتا لگا لوں گا"۔

عنبر نے ان عربوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ماریا بھی ان کے ساتھ وہاں موجود ہے جس کو وہ آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ ناگ کے سانپ بن جانے کے بارے میں بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

ان باتوں کے بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ عرب درویش نے عنبر اور ناگ سے کہا کہ وہ اسی خانقاہ میں ٹھہر سکتے ہیں؟ چنانچہ انہیں اسی وقت خانقاہ کے اندر ایک کوٹھڑی دے دی گئی۔

وہ اپنی کوٹھڑی میں آ کر بستروں پر لیٹ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس نے کہا۔

"تم لوگوں کو تو کوٹھڑی مل گئی ہے۔ اب میں کس جگہ سوؤں گی؟"۔

"تم اس جگہ کونے میں سو جانا بہن"۔

"چلو ٹھیک ہے"۔

سانپ اور فاختہ

ناگ شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

عنبر، ماریا اور درویش دوسرے ساتھیوں کے ساتھ خانقاہ میں ہی رہے، کیونکہ جب تک انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خلیفہ کس مقام پر قید ہے، وہ اسے بچا نہیں سکتے تھے، کیونکہ شاہی محل کے چپے چپے پر زبردست پہرہ تھا اور چنگیزی سپاہی وحشیوں کی طرح تلواریں لیے شاہی محل کے اندر باہر گھوم پھر رہے تھے۔

ہلاکو دربار میں تلوار ہاتھ میں لے کر بیٹھتا تھا اور ہر روز جانے کتنے لوگوں کو پھانسی چڑھانے کا حکم سناتا تھا۔ ناگ خانقاہ سے فاختہ بن کر نکلا۔ وہ اڑتا اڑتا بغداد کے شاہی محل کے مینار پر جا کر بیٹھ گیا۔

اس نے گردن جھکا کر نیچے دیکھا۔ شاہی محل کی چھت پر کوئی نہیں تھا۔ وہ اڑ کر نیچے آ گیا اور چھت پر بیٹھ گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔

وہاں کوئی سپاہی نہیں تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ کسی سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی تو وہ اسے پکڑ کر مار سکتا تھا۔ اس کے بغیر چارہ بھی کوئی نہیں تھا؟

چنانچہ وہ خدا کا نام لے کر سیڑھیوں میں آ گیا۔ یہاں

اندھیرا سا تھا۔ وہ فاختہ کی شکل میں پھدکتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔

اب وہ شاہی محل کی دوسری منزل کے دالان میں تھا۔ یہاں اسے سپاہی دکھائی دیے جو ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔

سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سالار نکل کر باہر چلا گیا۔ باقی سپاہیوں نے اسے جھک کر سلام کیا۔

ناگ فاختہ کی شکل میں ایک جگہ سے اڑ کر ستون کے اوپر جالی میں جا کر بیٹھ گیا۔ ایک سپاہی نے دیکھا کہ ایک فاختہ اڑ کر جالی پر جا بیٹھی ہے۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ ہاں وہ کچھ ضرور حیران سا ضرور ہوا کہ ادھر فاختہ کہاں سے اڑ کر آ

گئی۔ ناگ اب سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔

وہ وہاں سے اڑ کر دوسری راہداری میں جالیوں پر جا کر بیٹھ گیا۔

یہاں ایک سپاہی تلوار لیے پہرہ دے رہا تھا۔ ایک اور سپاہی اس کے قریب سے گزرا تو پہرے دار نے ہنس کر کہا۔

”یار! خلیفہ کو کب پھانسی دے رہے ہو؟ ہم تو رات کو تہہ خانے میں پہرہ دے دے کر تنگ آ گئے ہیں“۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”اٹیلا کوئی فیصلہ کرے گا تو اسے پھانسی ہو گی۔ میرا خیال ہے شاید پرسوں اسے پھانسی مل جائے گی“۔

سپاہی آگے نکل گیا۔ ناگ نے سوچا کہ خلیفہ ضرور اسی جگہ کہیں قید ہے۔

ضرور وہی دروازے سے نیچے کے تہہ خانے کو راستہ جاتا ہوگا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ پہرے دار کی آنکھ بچا کر یہاں سے گزرنے کی کوشش کرے گا۔

وہ اوپر منڈیر پر بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد دوسرا پہرے دار آ گیا۔ اس نے پہلے پہرے دار سے کہا۔

"لو بھائی! اب تم جاؤ چھٹی کرو"۔

پہلا بولا۔

"یار چھٹی کہاں۔ رات کو پھر یہاں آ کر پہرہ دینا پڑے گا۔ بس تھوڑی دیر جا کر آرام کروں گا۔ ہاں خلیفہ کو روٹی پہنچا دی گئی ہے"۔

"بہت اچھا بھائی۔ اب تم جاؤ"۔

پہلا پہرے دار چلا گیا اور دوسرا پہرے دار اس کی جگہ پہرہ دینے لگا۔

یہ پہرے دار موٹا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت زیادہ کھانا کھا کر آیا ہے، کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی وہ پہرہ دیتے دیتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔

پھر اس کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے۔ ناگ کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔

وہ اڑ کر نیچے آنے کی بجائے اوپر بیٹھے بیٹھے پھنکار مار کر سانپ کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔

سانپ بنتے ہی وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا نیچے فرش پر آیا اور دروازے کی درز میں سے اندر کمرے میں داخل ہوگیا۔

اندر جا کر اس نے دیکھا کہ جس کو کمرہ سمجھ رہا تھا، وہ کمرہ نہیں تھا بلکہ ایک اونچی چھت والی ڈیوڑھی تھی۔

جس میں ایک طرف دیوار کے ساتھ شمع جل رہی تھی۔ یہ ڈیوڑھی کافی دور تک چلی گئی تھی۔

وہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ ساری ڈیوڑھی خالی تھی۔ ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ بائیں طرف کو ڈیوڑھی گھوم گئی۔

اب سامنے پھر ایک دروازہ آ گیا۔ یہاں سیڑھیاں نیچے کو اتر رہی تھیں۔ سانپ سمجھ گیا کہ یہاں سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کو جاتی ہوں گی۔ وہ سیڑھیوں پر سے رینگ کر نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں میں بھی ایک طرف دیوار کے ساتھ لگی شمع جل رہی تھی۔

اس کی روشنی میں سانپ نیچے اترتا چلا گیا۔ سیڑھیاں ختم

ہوئیں تو ایک راہداری بائیں طرف کو گھوم گئی۔ سانپ بھی اسی طرف کو گھوم گیا۔

اسے اب آدمیوں کی باتیں کرنے آواز سنائی دی۔

"یہ کون باتیں کر رہا ہے؟"۔ سانپ نے سوچا۔

وہ آگے رینگتا چلا گیا۔ اب اس کے سامنے ایک دروازہ آ گیا۔

دروازے کے باہر دو سپاہی تلوار لٹکائے پتھر کے بنچ پر نیم دراز تھے اور ناشپاتیاں کھاتے ہوئے بڑے مزے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

یہ چنگیزی سپاہی تھے۔ ان کی شکلوں سے سنگدلی اور ظلم ٹپک رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر صاف پتا چل رہا تھا کہ اس ایک ایک سپاہی نے کم از کم سو سو بے گناہ انسانوں کو ہلاک کیا

ہے۔

سانپ رینگتا ہوا ان کے پہلو میں آ کر دیوار کے پتھروں میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ ان کی باتیں سننے لگا۔

پہلا سپاہی بولا۔

”یار! میں نے شاہی محل کی لوٹ مار میں ایک ایسا ہیرا لوٹا ہے جس کی قیمت ایک گھوڑے کے بوجھ کے برابر سونا ہے“۔

دوسرے کہنے لگا۔

”پھر تو تم بڑے امیر بن جاؤ گے واپس جا کر“۔

پہلا بولا۔

”ارے بھائی! جب واپس وطن جانا ملے گا تو امیر بنوں گا۔ ابھی تو اس کال کوٹھڑی میں پڑا تمہارے ساتھ پہرہ دے رہا ہوں“۔

دوسرے نے کہا

”ہاں یار! اس کم بخت خلیفہ نے تو ہمارا بھی اب ناک میں دم کر دیا ہے۔ پھر سنا ہے کہ اسے دو ایک دن میں پھانسی چڑھا دیا جائے گا“۔

پہلے نے کہا۔

”اس کم بخت کو پھانسی ملے تو ہماری جان بھی چھوٹے“۔

سانپ کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ خلیفہ اس کے دروازے کے اندر قید تھا۔

اس کے بچے اور شاہی خاندان کے دوسرے لوگ کہاں تھے؟ یہ سانپ کو ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ یہ سب کچھ اسے خلیفہ سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا۔

اب وہ کسی طرح سے اندر جا کر خلیفہ سے ملاقات کرتا

چاہتا تھا۔ سانپ نے دیکھا کہ اوپر دیوار میں چھت کے پاس ایک گول سوراخ ہے۔ جس کے منہ پر لوہے کا جنگلہ چڑھا ہوا ہے۔

یہ سوراخ شاید اندر ہوا کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اندر جانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہ تھا۔

ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا اس دیوار والے سوراخ میں سے گزر کر دوسری جانب کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ ایک گم سم اندھیری، کالی دیواروں والی کوٹھڑی تھی جس کے فرش پر گھاس بچھی ہوئی تھی۔

ایک طرف پتھر کی چوکی رکھی تھی۔ سانپ نے دیکھا کہ اس چوکی پر ایک مٹی کا دیا روشن تھا۔

اس دیے کی کمزور سی روشنی میں قریب ہی گھاس پھوس پر ایک سفید بالوں اور چوڑے چہرے والا انسان پرانے سے کپڑوں میں لپٹا لیٹا ہوا تھا۔

ضرور یہی خلیفہ بغداد تھا جس کو اٹیلا نے قید کر رکھا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا نیچے آ گیا۔ وقت بڑا قیمتی تھا۔ خلیفہ اس وقت بالکل اکیلا تھا۔

ناگ نے فرش پر گھاس پھوس میں اترتے ہی ایک زور سے پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں آ گیا۔ خلیفہ نے اپنے پیچھے پھنکار کی آواز سنی تو اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

پیچھے ناگ گھاس پر بیٹھا تھا۔ خلیفہ حیران رہ گیا کہ یہ نوجوان وہاں کہاں سے آ گیا؟ مگر خلیفہ آخر بادشاہ تھا۔ وہ ذرا نہ گھبرایا۔

سمجھ گیا کہ شاید کسی پرانے بادشاہ کی روح اس سے ملنے

آ ئی ہے۔ اور یا پھر ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی بھوت پریت ہو۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آ گئے ہو۔ کیا تم کوئی بھوت ہو؟ یا پھر تم کسی کی روح ہو؟ تم جو کچھ بھی ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ اٹیلا کے سپاہی تمہیں بھی میرے ساتھ زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

ٹاگ اٹھ کر خلیفہ کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا۔

اے بادشاہ! نہ تو میں کسی کی روح ہوں اور نہ میں کوئی بھوت پریت ہوں، ہاں مجھ میں اتنی طاقت ضرور خدا نے دی ہوئی ہے کہ میں جو شکل چاہوں بدل سکتا ہوں۔ لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔

میں اس وقت تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان بچانے والوں کی طرف سے آیا ہوں۔

خلیفہ نے پوچھا۔

"تو لوگ میری اور میرے خاندان کی جانیں کیسے بچا سکو گے؟ یہاں تو قدم قدم پر سخت پہرہ ہے۔ سپاہی ننگی تلواریں لیے پھر رہے ہیں"۔

ٹاگ بولا۔

یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ آپ کے خاندان کو کہاں قید رکھا ہوا ہے۔ اور سارے لوگ کتنے ہیں؟"۔

خلیفہ نے کہا۔

"میری بیگم اور بچے اور شہزادیاں۔ سب ملا کر بیس انسان ہیں۔ جو اٹیلا کی قید میں ہیں۔ لیکن مجھے صرف اتنا ہی

معلوم ہے کہ اس تہہ خانے میں کسی جگہ ان لوگوں کو قید کر رکھا گیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں ابھی پتا کر کے آتا ہوں"۔

یہ کہہ کر ناگ نے دوبارہ سانپ کا روپ بدل لیا اور دیوار کے سوراخ میں سے باہر راہداری میں آ گیا۔

سپاہی بیٹھے آپس میں اسی طرح ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

سانپ وہاں سے ہو کر آگے چلا گیا۔ یہ راہداری آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گئی تھی۔

سانپ بھی دیوار پر رینگتا ہوا ادھر کو گھوم گیا۔ وہ پھر ایک دروازہ پر آ گیا۔ اس دروازے کے باہر بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ دیوار کے ساتھ چمٹا ان کی باتیں سننے لگا۔ وہ لوٹ مار کے مال کی باتیں کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں نے بہت سا مال اسباب لوٹا ہوا ہے۔

ان کی باتوں سے سانپ کو یہ پتا نہ چل سکا کہ شاہی خاندان کے باقی لوگ کہاں پر قید ہیں۔

سانپ نے دیکھا کہ اس دروازے کے اوپر بھی ایک گول سوراخ تھا۔ جس کے منہ پر لوہے کا جنگلہ چڑھا ہوا تھا۔

وہ رینگتا ہوا گول سوراخ میں سے دوسری طرف آ گیا۔

یہ کمرہ کافی کھلا تھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ شاہی خاندان کی عورتیں اور بچے بے بسی کی حالت میں ایک طرف پڑے تھے۔

شہزادیوں کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے

اداس تھے۔ ملکہ بھی اسی کمرے میں تھیں۔ بچے زمین لیٹے سسکیاں بھر رہے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر سانپ کا دل بھر آیا۔

نیچے اتر کر ان لوگوں سے بات کرنا بیکار تھا، کیونکہ عورتیں ایک سانپ کو باتیں کرتا دیکھ کر، سانپ کو انسان کے روپ میں بدلتا دیکھ کر ضرور خوف کے مارے چیخ پڑتیں۔

اس لیے سانپ اوپر ہی اوپر سے سوراخ میں سے باہر نکل کر راہداری میں آ گیا۔ یہاں سے رینگتا ہوا وہ واپس خلیفہ بغداد کی کوٹھڑی میں آتے ہی پھر سے انسان کی شکل میں بدل گیا۔

اس نے بادشاہ سے کہا۔

”میں آپ کے خاندان والوں کو دیکھ آیا ہوں۔ وہ یہاں

سے آگے ایک کوٹھڑی میں قید ہیں“۔

بادشاہ نے پوچھا۔

”تمہارے ساتھ اور کون کون سے لوگ ہیں؟“۔

ناگ نے بادشاہ کو درویش اور دوسرے عرب ساتھیوں کے بارے میں بتایا جو اپنی جانوں پر کھیل کر بادشاہ اور اس کے گھر بار کو بچانے کا عزم کیے ہوئے تھے۔

بادشاہ کے چہرے پر سن کر خوشی کی لہر آ گئی۔ پھر یہ لہر مرجھا گئی اور اداس ہو کر بولا۔

”میرے بچے! یہاں سے ہم سب لوگوں کو نکل جانا بڑی مشکل بات ہو گی۔ اٹیلا کے سپاہی بڑے ہوشیار ہیں۔ یہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ پھر تم لوگ ہم سب کو یہاں سے کیسے نکال کر باہر لے جا سکو گے؟“۔

ناگ نے کہا۔

"اے بادشاہ! یہ ہم واپس خانقاہ میں جا کر سوچیں گے کہ آپ لوگوں کو یہاں سے کیسے نکالا جائے۔ یہ کام ہمیں کل رات کے وقت کرنا ہوگا، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اٹیلا آپ لوگوں کو دو ایک دن میں پھانسی دینے کے بارے میں فیصلہ کر چکا ہے"۔

بادشاہ نے سانس بھر کر کہا۔

"اٹیلا نے میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ اب وہ شاہی خاندان کے لوگوں کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے، لیکن میرا خدا میری ضرور مدد کرے گا۔ وہ ہر شے سے بڑا اور طاقت والا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! اب میں جا رہا ہوں۔ آپ کل رات

یہاں بالکل تیار رہیں اور اگر ہو سکے تو کسی کے ہاتھ شاہی خاندان والوں کو بھی یہ پیغام پہنچا دیں"۔

بادشاہ بولا۔

"میرے بچے! میں کسی کے ہاتھ بھی پیغام نہیں بھجوا سکتا۔ اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو وہاں جا کر انہیں خبردار کر دو"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر میں ان کے پاس گیا تو وہ ڈر جائیں گے"۔

بادشاہ نے کہا۔

"تم اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں۔ انہیں اسی وقت خبر کریں گے۔ جب انہیں یہاں سے فرار ہونا ہوگا"۔

ناگ نے بادشاہ سے اجازت لی اور سانپ کی شکل اختیار کر کے دیوار کے سوراخ میں سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔

سپاہیوں کے قریب سے رینگ کر وہ راہداری کی دیوار سے ہوتا سیڑھیوں میں آ گیا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ دروازے میں سے نکل کر وہ اوپر چھت پر آ گیا۔

چھت پر اتفاق سے ایک سپاہی کہیں سے آ کر پہرہ دینے لگا تھا۔ اس نے جو ایک سیاہ رنگ کے سانپ کو دیکھا تو تلوار لے کر اس کی طرف بڑھا۔

سانپ تیزی سے چھت پر بھاگتا ہوا مینار کی طرف گیا۔ سپاہی اس کے سر پر پہنچ گیا اور تلوار لہرا کر وار کر دیا۔ اگر سانپ دوسری طرف نہ پلٹ جاتا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔

سانپ نے سوچا کہ شاید سپاہی اس کا پیچھا چھوڑ دے گا

مگر وہ کوئی بڑا ہی ضدی سپاہی تھا۔ دوبارہ تلوار لے کر سانپ کی طرف بڑھا اور اس پر پھر سے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔

سانپ گھبرا گیا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ وہ کبھی ادھر جاتا کبھی ادھر بھاگ جاتا۔ سپاہی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور تلوار چلا رہا تھا۔

ایک بار تو تلوار بالکل سانپ کے دم کے اوپر پڑتے پڑتے رہ گئی۔ ناگ نے سوچا کہ یہ بدبخت اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

چھت پر چکر لگاتے لگاتے اور سپاہی کے آگے آگے بھاگتے وہ تھک گیا تھا۔ اس نے اب کیا کیا کہ آگے بڑھ کر ایک دم سے پلٹا اور پھنکار مار کر سپاعی کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

سپاہی بڑا بہادر اور دلیر تھا اس نے اپنی پنڈلی پر تلوار مار زخم کر دیا تاکہ زہر والا خون باہر نکل جائے۔

سانپ اتنی دیر میں بھاگ کر چھت کی ایک برجی پر چڑھ گیا تھا۔

اوپر چڑھ کر اس نے ایک دم سے دوبارہ فاختہ کی شکل اختیار کر لی اور جھک کر نیچے دیکھا۔

سپاہی زخم پر پٹی باندھ رہا تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ جس سانپ نے اسے کاٹا ہے، وہ کوئی معمولی سانپ نہیں ہے بلکہ ایک شیش ناگ ہے۔

جس کا زہر بڑا ہی خطرناک ہے۔ سانپ کے زہر نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

سپاہی کا سارا بدن کانپنے لگا تھا۔ اس کا چہرہ نیلا ہونے

لگا۔

ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ وہ بیٹھے بیٹھے چھت پر گر پڑا اور مر گیا۔

ناگ فاختہ کی شکل میں اڑتا ہوا واپس پرانی خانقاہ میں پہنچ گیا۔

یہاں اتر کر اس نے پھر سے انسان کی شکل بدلی اور خانقاہ کے اندر آ گیا۔ عنبر ماریا اور دوسرے عرب اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس نے آتے ہی انہیں بتا دیا کہ خلیفہ بغداد اور اس کے شاہی خاندان کے لوگ تہہ خانے میں قید ہیں۔ اس نے انہیں بادشاہ سے ملاقات کا حال بھی سنا دیا۔

اس کے بعد وہاں کھانا تقسیم کیا گیا اور ماریا کے لیے

عنبر نے ڈونگ کھانا رکھ کر اسے کوٹھڑی میں پہنچا دیا۔

اگلے روز انہوں نے بادشاہ کو چھڑانے کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔

آدھی رات کو حملہ

انہوں نے آدھی رات کو حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔

حملے میں عنبر سب سے آگے تھا۔ عنبر نے اپنے ساتھ ماریا کو بھی رکھنے کا فیصلہ کیا لیکن اس نے اپنا فیصلہ درویش اور عرب ساتھیوں کو نہ بتایا۔

کیونکہ انہیں ماریا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور عنبر چاہتا بھی نہیں تھا کہ انہیں ماریا کے متعلق کچھ بتایا جائے۔

درویش نے کہا۔

''عنبر! کیا تم اکیلے ہمارے بادشاہ اور اس کے خاندان والوں کو محل سے بچا کر لا سکو گے؟''۔

عنبر بولا۔

محل میں، میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ محل میں تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے مگر تم محل کے دروازے پر کھڑے رہو گے۔ بالکل تیار۔ گھوڑوں کو بالکل تیار رکھنا ہوگا۔

میرا کام اندر جا کر بادشاہ اور اس کے بچوں کو وہاں سے نکالنا ہوگا۔

عرب بولا۔

''میرا خیال ہے تم اکیلے نہ جاؤ۔ اپنے ساتھ ناگ کو بھی لیتے جاؤ''۔

جب ناگ نے بھی عنبر کو مجبور کیا تو وہ ناگ کو ساتھ لے جانے پر تیار ہو گیا۔

ماریا کو اس نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ اب وہ پرانی خانقاہ میں بیٹھے آدھی رات کا انتظار کرنے لگے۔

درویش نے اپنے عرب ساتھیوں کے لیے گھوڑے منگوا لیے تھے۔ جب رات آدھی ہو گئی تو یہ لوگ پرانی خانقاہ سے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

انہوں نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے تاکہ اندھیرے میں کوئی انہیں آسانی سے نہ دیکھ سکے۔ وہ محل کے پچھواڑے والے باغ میں پہنچ کر کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے رک گئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو درختوں سے باندھ لیا۔

درویش نے کہا۔

"عنبر بھائی، میں ایک بار پھر تمہیں کہوں گا کہ اپنے ساتھ ہم میں سے دو چار آدمیوں کو ضرور لیتے جاؤ، کیونکہ تم اکیلے شاید وہ اتنا بڑا کام نہ کر سکو"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں بھائی! تم میرے بارے میں فکر نہ کرو۔ میں اکیلا ہی یہ کام کر لوں گا اور پھر ناگ بھی تو میرے ساتھ ہے"۔

جانے سے پہلے عنبر نے کہا۔

"تم ہر طرح سے ہوشیار رہنا۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ محل کی پچھلی دیوار کے پیچھے چھپ کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم رسوں کی مدد سے اوپر والی دیوار سے نیچے اتریں گے"۔

درویش بولا۔

"ہم تیار رہیں گے۔ فکر نہ کرو"۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کو ساتھ لیا اور شاہی محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک اونچے سے ریت کے ٹیلے پر آ گئے۔

یہاں سے محل کی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی۔ اوپر دیوار کے کنگرے بنے ہوئے تھے۔

عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا۔

ناگ نے سانس اوپر کو کھینچا اور سانپ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ سانپ کی شکل میں تبدیل ہوتے ہی ناگ نے رسی کا سرا منہ میں پکڑا اور اسے لے کر محل کی دیوار پر چڑھنی شروع کر دی۔

دیوار کے اوپر جا کر اس نے رسی کو دیوار کے کنگرے کے گرد تین چار بار گھوم کر لپیٹ لیا۔

نیچے سے عنبر نے رسی کو کھینچا تو وہ اوپر مضبوطی سے بندھ گئی تھی۔ عنبر نے سیٹی مار کر ناگ کو اشارہ دیا کہ ہم اوپر آ رہے ہیں۔

سب سے پہلے اس نے ماریا کو اوپر چڑھنے کے لیے کہا۔ ماریا نے رسی کو پکڑا اور آہستہ سے اوپر چڑھنے لگی۔ ماریا اوپر پہنچ گئی تو عنبر بھی رسی کے سہارے لٹکتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔

ناگ اور عنبر نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ ماریا کے لیے سیاہ لباس کی ضرورت نہیں تھی۔

کیونکہ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اب وہ تینوں شاہی محل کی چھت پر تھے۔ سانپ آگے آگے رینگتا ہوا عنبر اور ماریا کو تہہ خانے کا راستہ دکھانے لگا۔

سانپ چھت پر رینگتا اوپر ایک دروازے میں سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہ سیڑھیاں نیچے شاہی محل کی دوسری منزل کے دالان میں چلی جاتی تھیں۔

جب وہ سیڑھیوں کے نچلے دروازے پر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے عنبر کے کندھے کو آہستہ سے دبا کر خبردار کیا۔

عنبر نے سانپ کے کان میں کہا۔

”اس سپاہی کو ٹھکانے لگانا ہوگا ناگ بھائی“۔

سانپ یہ سن کر سپاہی کی طرف بڑھا۔ رات کا اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔

پہرہ دینے والے سپاہی کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا کہ ایک سیاہ سانپ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ بڑے آرام سے کھڑا تلوار اٹھائے پہرہ دیتا رہا۔

سانپ اس کے پاؤں کے قریب آ گیا۔ پھر وہ دیوار پر رینگتا ہوا اس جگہ آ گیا جہاں سے وہ پہریدار کی گردن کے پاس پہنچ گیا تھا۔

سانپ سپاہی کو ڈسنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ ایسا کرنے سے خطرہ تھا کہ وہ چیخ نہ مار دے۔ سانپ چپکے سے آگے بڑھا اور اس نے سپاہی کی گردن پر چھلانگ لگا کر اس کی گردن کے گرد کنڈلی مار دی۔

سانپ نے اپنے کنڈل سپاہی کے گرد اس زور سے کس دیے کہ سپاہی کا دم گھٹنے لگا۔

اس کی آواز تک نہ نکلی اور وہ اپنی گردن کو دونوں ہاتھوں سے تھامے زمین پر گرتے ہی دم توڑ گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ محل کی دوسری منزل کے دالان میں آ گئے۔

اب سامنے والی سیڑھیوں تک میدان صاف تھا۔ پھر بھی رات کو پہرہ دینے والے سپاہی کبھی کبھی سامنے سے باتیں کرتے گزر جاتے تھے۔

عنبر اور ماریہ نے مل کر سپاہی کی لاش کو سیڑھیوں میں اندر کی طرف کھینچ لیا تاکہ پہرے پر گشت کرنے والے سپاہیوں کو شک نہ پڑ جائے اور سارے کیے پر پانی نہ پھر جائے۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”تم ایسا کرو کہ یہاں سے نکل کر کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچو اور اسے جا کر خبردار کرو کہ وہ ہوشیار ہو جائے۔ ہم اس کی مدد کو پہنچ رہے ہیں“۔

عنبر کا اشارہ پا کر سانپ دالان کے فرش پر رینگتا ہوا سامنے والے دروازے کی طرف چل دیا۔

جہاں سیڑھیوں پر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سانپ ان کے اوپر دیوار پر سے ہو کر بڑی آسانی سے گزر گیا۔ وہ سیڑھیوں پر سے ہوتا نیچے تہہ خانے والی راہداری میں آ گیا۔ یہاں سے وہ سارے راستے کو جانتا تھا۔ وہ اس تہہ خانے کے پاس آ گیا۔

جہاں بادشاہ بغداد قید تھا۔ یہاں بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سانپ دیوار پر رینگتا ہوا قید خانے کی دیوار والے سوراخ میں سے اندر رلا گیا۔

کوٹھڑی میں آ کر اس نے زمین پر اترتے ہی دوبارہ انسان کی شکل تبدیل کر لی۔

خلیفہ بغداد نے اسے دیکھا تو تعجب سے کہا۔

"ناگ! تم پھر آ گئے میرے برخوردار! کیا تمہیں اپنی

جان پیاری نہیں ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بادشاہ سلامت یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ ہم لوگ آپ کو بچانے کے لیے آئے ہیں"۔

"ہم لوگ کون؟"۔ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"میں اور میرے عرب ساتھی اور درویش"۔

"کہاں ہے یہ سب؟"۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں آپ کو صرف یہ خبر دینے آیا ہوں کہ آپ ہوشیار رہیں۔ اور جس وقت ہم آپ کے پاس پہنچیں، آپ فوراً ہی ہمارے ساتھ چل پڑیں"۔

"کیا اپنے بال بچوں کے بغیر ہی؟"

ناگ نے کہا۔

"ان کو ہم خود اپنے ساتھ لائیں گے۔ آپ کا کام فوراً ہمارے ساتھ یہاں سے بھاگ نکلنا ہے۔ اب میں جا رہا ہوں۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں پھر واپس آئیں گے"۔

یہ کہہ کر ناگ نے دوبارہ سانپ کی شکل بدلی اور دیوار کے سوراخ میں سے گزر کر باہر نکل گیا۔

اندھیری راہداری میں سے ہوتا وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اب وہ دالان کے فرش پر سے گزرتا عنبر اور ماریا کے پاس آ گیا۔

اس نے عنبر اور ماریا کو بتایا کہ وہ بادشاہ کو ہوشیار کر آیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"شاباش! اب ہمیں ان کے سامنے والے دونوں پہریداروں کو بھی ٹھکانے لگانا ہے، یہ بھی ہمارے راستے کے پتھر ہیں"۔

سانپ نے کہا۔

"میں ابھی جا کر انہیں بھی ٹھکانے لگاتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی"۔

ماریا کے ہاتھ میں رسی تھی۔ سانپ اور ماریا دالان میں سے گزر کر پہرے دار سپاہیوں کے پاس آ گئے۔ دونوں سپاہی بڑے آرام سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے تھے۔ کسی وقت وہ آپس میں ایک آدھ بات کر لیتے تھے۔ ماریا ایک سپاہی کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

سانپ دوسرے سپاہی کے پاس ہی دیوار پر رینگتا ہوا آ گیا۔

ماریا نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ یہ اشارہ تھا حملہ کرنے کا۔

سپاہی نے اوپر دیکھا کہ یہ سیٹی کی آواز کہاں سے آئی ؟

اس نے اپنے ساتھی سے بھی پوچھا۔

"تم نے ابھی ابھی سیٹی کی آواز نہیں سنی؟"۔

"نہیں تو۔ میں نے تو نہیں سنی"۔

اتنے میں سانپ اور ماریا نے ایک ساتھ دونوں سپاہیوں پر حملہ بول دیا۔

ماریا نے ایک سپاہی کی گردن میں رسی ڈال کر اتنے زور سے بل دیئے کہ وہ گردن کو پکڑے، بغیر آواز نکالے زمین پر گر پڑا۔

دوسری طرف سانپ نے بھی چھلانگ لگا کر دوسرے سپاہی کی گردن کے گرد کنڈلی ڈال کر اسے گلے سے دبانا شروع کر دیا۔

دوسرا سپاہی بھی بغیر آواز نکالے زمین پر گر پڑا۔

دونوں سپاہیوں کو گرتے دیکھ کر عنبر لپک کر وہاں آ گیا۔

ماریا نے کہا۔

"یہ دونوں سپاہی بے ہوش ہیں۔ یہ مرے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ہوش میں آ جائیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں اور منہ باندھ دیئے جائیں"۔

"ٹھیک ہے"۔

عنبر اور ماریا نے مل کر دونوں سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ وہ آواز

نہ نکال سکیں۔

پھر انہوں نے بے ہوش سپاہیوں کو اٹھا کر دروازے کے پیچھے گرا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اب ہمیں کس طرف چلنا ہوگا ناگ بھائی؟"۔

سانپ نے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ سانپ آگے آگے سیڑھیاں اترنے لگا۔

عنبر اور ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ایک غلام گردش میں آ گئے، جہاں ایک طرف شمع جل رہی تھی۔

سانپ آگے آگے رینگ رہا تھا۔ غلام گردش دور تک روشن تھی۔ سانپ آگے آگے رینگ رہا تھا۔ عنبر دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ کیونکہ سانپ

نے اسے کہہ دیا تھا کہ آگے بڑا سخت پہرہ ہے۔

"اب ہم منزل کے قریب ہیں۔ ہوشیار رہنا۔ تہہ خانے کی کوٹھڑی کا دروازہ موڑ مڑتے ہی آ جائے گا۔ اس کوٹھڑی میں بادشاہ قید ہے"۔

"سمجھ گیا"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

غلام گردش کا موڑ مڑتے ہی سامنے قید کا دروازہ نظر آیا۔ اس دروازے کے باہر بھی دو ہٹے کٹے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

یہاں عنبر ایک طرف ہو کر چھپ گیا۔ اس نے سرگوشی میں ماریا سے کہا۔

ماریا! سانپ کو لے کر آگے بڑھو۔ اب پھر تم دونوں کا

کام شروع ہوتا ہے۔ جلدی کرو دیر نہ لگاؤ۔ رات گزر رہی ہے۔

اشارہ پاتے ہی ماریا اور سانپ کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والے سپاہیوں کی طرف چل پڑے۔ یہ سپاہی بڑے ہٹے اور پہلوان قسم کے سپاہی تھے۔

سانپ نے سرگوشی میں ماریا سے کہا۔

"ماریا! ہو سکتا ہے یہ موٹے سپاہی گلا دبانے سے مرنے یا بے ہوش ہونے کی بجائے شور مچا دیں"۔

ناگ نے کہا۔

میرا تو خیال ہے کہ ان میں سے ایک کو میں ڈس دیتا ہوں اور دوسرے کو تم ہلاک کر دو۔

اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے، کیونکہ اگر ہم

نے ایسا نہ کیا تو ہو سکتا ہے، یہ لوگ شور مچا دیں اور دوسری طرف جو سپاہی شاہی خاندان پر پہرہ دے رہے ہیں وہ بھاگ کر یہاں آ جائیں اور ہمارا بھانڈا پھوٹ جائے۔

ماریا نے کہا۔

"ایسا ہی کرتے ہیں۔ چلو آگے چلو۔ یہ سپاہی بڑے ظالم ہیں۔ انہوں نے نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں"۔

ماریا اور سانپ آگے بڑھے۔

دونوں سپاہی چاندی کے سکوں سے کھیل رہے تھے۔

ماریا اور سانپ ان کے قریب جا کر رک گئے۔ سپاہیوں کو کوئی خبر نہیں تھی۔ کہ ان کی موت ان کے پاس کھڑی ہے۔ وہ آپس میں ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے اور سکوں سے کھیل بھی

رہے تھے۔

سانپ دیوار پر چپکے سے رینگتا ہوا اس جگہ آ گیا۔ جہاں سے وہ بڑی آسانی کے ساتھ ایک سپاہی کی گردن پر اپنے زہریلے دانت چبھو سکتا تھا۔

دوسری طرف ماریا نے بھی فرش پر سے ایک بھاری پتھر اٹھا لیا تھا۔ ماریا نے سانپ کے سر پر ہاتھ لگا کر اسے ایک ساتھ حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔

دونوں حرکت میں آ گئے۔ ادھر سانپ نے لپک کر موٹے سپاہی کی پھولی ہوئی گردن پر زور سے ڈس دیا۔ دوسری طرف ماریا نے دوسرے سپاہی کی گردن پر اس زور سے پتھر مارا کہ وہ بغیر آواز نکالے چکرا کر فرش پر گر پڑا۔

سانپ کے زہر نے سپاہی کی گردن کو پھندے کی طرح

جکڑ لیا تھا۔ اس کا جسم اکڑنا شروع ہو گیا۔ گلا خشک ہو گیا۔ اور وہ فرش پر دھڑام سے گر پڑا۔ دوسرے سپاہی کا بھی یہی حشر ہوا۔

دونوں مر چکے تھے۔ سانپ نے ماریا کو اشارہ کیا۔ ماریا نے ایک سپاہی کی کمر کے ساتھ لٹکی ہوئی چابیوں کو نکالا اور قید خانے کا تالا کھول دیا۔ اتنی دیر میں عنبر بھی بھاگ کر وہاں آ گیا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ان مرے ہوئے سپاہیوں کو دیوار کے ساتھ اس طرح کھڑے کر دو کہ یہی معلوم ہو کہ یہ مرے نہیں ہیں، بلکہ پہرہ دے رہے ہیں"۔

اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دونوں مردہ سپاہیوں کو دیوار

کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا۔

دور سے دیکھنے پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہیں اور پہرہ دے رہے ہیں جبکہ وہ مر چکے تھے۔

سانپ اور بادشاہ

سانپ پھنکار مار کر ناگ کے روپ میں آ گیا۔

ناگ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ماریا اور عنبر بھی ناگ کے ساتھ ہی قید خانے کی کوٹھڑی میں داخل ہو گئے۔

بادشاہ پتھر کے تخت پر اداس بیٹھا تھا۔

ناگ نے جاتے ہی عنبر کا تعارف کروا کر کہا۔

”یہ ہمارا ساتھی ہے عنبر۔ بادشاہ سلامت! ہم آپ کو

یہاں سے آزاد کروا کر لے جانے کے لیے آ گئے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں"۔

کہاں؟"۔

ناگ نے کہا

"شاہی خاندان کی کوٹھڑی میں۔ وہ یہاں سے قریب ہی قید میں ہیں۔ میں انہیں دیکھ آیا ہوں"۔

بادشاہ کچھ ہچکچایا اور کہنے لگا۔

"تم لوگ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو میرے بچو!"۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! یہ وقت ایسی باتیں سوچنے کا نہیں ہے۔ ہم نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ آپ دیر نہ کریں۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ اگر زیادہ دیر ہو گئی تو ہم ہار جائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"اٹھیے بادشاہ سلامت! جلدی کریں"۔

بادشاہ اٹھ کر عنبر اور ناگ کے ساتھ چل پڑا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! تم ناگ کے ساتھ دوسرے قید خانے کے دروازے پر جا کر پہرے داروں کی خبر لو۔ ہم تمہارے ساتھ ہی آ رہے ہیں"۔

بادشاہ نے حیران ہو کر عنبر سے کہا۔

"تم کس سے بات کر رہے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"یہ سب کچھ آپ کو بعد میں بتا دیا جائے گا۔ خدا کے لیے ابھی ہم سے کچھ نہ پوچھیں۔ کوئی سوال نہ کریں۔ بس چپ چاپ ہمارے ساتھ چلتے چلے جائیں"۔

ناگ نے اسی وقت سانپ کی جون بدلی اور ماریا کو ساتھ لے کر راہداری میں سے گزرتا دوسرے قید خانے کے دروازے پر آ گیا۔

عنبر نے بھی تلوار کھینچ لی اور ان کے ساتھ ساتھ چل پڑا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر پہرے دار سپاہیوں نے شور مچایا تو یہاں ان کی آواز کوئی نہ سن سکے گا۔ سارے کے سارے سپاہی یا بے ہوش تھے اور یا مر چکے تھے۔

جہاں شاہی خاندان قید تھا۔ اس کے دروازے پر چار

سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر بادشاہ کو لے کر پیچھے رک گیا۔

دونوں ایک طرف ہو گئے۔ سانپ اور ماریا آگے نکل کر سپاہیوں کے سر پر جا پہنچے۔ سپاہی ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے۔ سانپ نے جاتے ہی ایک سپاہی کو کاٹ کھایا۔ اس سپاہی نے چیخ مار کر کہا۔

"سانپ! سانپ!"

تینوں سپاہی اس کی طرف لپکے۔ سانپ نے دوسرے سپاہی کو بھی ڈس دیا۔ بس اس کے بعد ناگ نہیں ڈس سکتا تھا۔ اس کا زہر ختم ہو گیا تھا۔

دونوں سپاہی سانپ کے خطرناک زہر کے اثر سے گر پڑے۔ باقی دو سپاہی سانپ کی طرف تلواریں نکال کر لپکے۔

سانپ تیزی سے دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔ ماریا نے تلوار لے کر ایک سپاہی کی گردن پر وار کیا۔

سپاہی کی گردن بہت سخت زخمی ہو گئی۔ ادھر سے عنبر بھی تلوار لے کر باہر نکل آیا۔ چوتھے سپاہی کا عنبر سے مقابلہ شروع ہو گیا۔

مگر وہ عنبر سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عنبر پر اس کے کسی بھی وار کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ دوسرے ماریا بھی تلوار لیے عنبر کی مدد کے لیے تیار کھڑی تھی۔ چنانچہ بہت جلد چوتھے سپاہی کی لاش بھی زمین پر خون میں لت پت ہو کر گر پڑی۔

دو سپاہی سانپ کے زہر سے ہلاک ہو گئے۔ ایک سپاہی ماریا کی تلوار کے وار سے شدید زخمی ہو کر دم توڑ گیا۔ اور

چوتھے سپاہی کا عنبر کی تلوار نے کام تمام کر دیا۔

عنبر نے کہا۔

”جلدی سے دروازہ توڑ دو“۔

انہوں نے تلواروں کے دستے مار مار کر دروازے کا تالا توڑ دیا۔

سانپ نے ناگ کی انسانی شکل تبدیل کر لی تھی۔ تاکہ شاہی خاندان کی عورتیں اور بچے اسے سانپ کی شکل میں دیکھ کر ڈر نہ جائیں۔

عنبر نے بادشاہ سلامت کو ساتھ لیا اور دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گئے۔

شاہی خاندان کے لوگ اندر بری حالت میں تھے۔ ان میں شہزادیاں بھی تھیں۔ بادشاہ کی ملکہ بھی تھی اور بچے بھی

تھے۔

انہوں نے جب بادشاہ کو دیکھا تو خوشی سے لپٹ گئے۔

ملکہ نے کہا۔

"آپ یہاں کیسے آ گئے؟"۔

بادشاہ نے کہا۔

"ملکہ! یہ لوگ ہمارے وفادار ہیں۔ یہ ہمیں یہاں سے بچا کر لے جانے آئیں ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ملکہ سلامت! باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ ابھی، اسی وقت ہمارے ساتھ یہاں سے نکل چلیں"۔

عنبر و ناگ نے شاہی خاندان کو ساتھ لیا اور بڑی تیزی سے یہ انیس میں شاہی افراد کی ٹولی غلام گردش میں سپاہیوں کی لاشوں کو چھوڑ کر بھاگتی ہوئی اوپر دوسری منزل کے دالان میں آ گئی۔

یہاں پر بھی سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ عنبر شاہی خاندان کو لے کر محل کی چھت پر آ گیا۔ چھت پر دو سپاہی گشت کر رہے تھے۔

بدقسمتی سے جونہی بادشاہ سلامت، ملکہ اور شاہی خاندان کے شہزادے، شہزادیاں چھت پر آئیں، سامنے سے گشت کرتے سپاہی بھی آ گئے۔

انہوں نے جو بادشاہ اور ملکہ اور سارے شاہی خاندان کو بھاگتے دیکھا تو شور مچا دیا اور تلواریں کھینچ کر ان کی طرف لپکے۔

خدا کا شکر ہوا کہ سپاہیوں کے شور مچانے کی آوازیں کسی

تے نہ سنیں، کیونکہ ایک تو وہ محل کی چھت پر تھے۔ دوسرے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

عنبر اور ماریا تلواریں سونت کر دشمن سپاہیوں کی طرف بڑھے، سخت مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں سپاہی بوکھلا گئے کہ مقابلہ وہ ایک شخص عنبر سے کر رہے ہیں۔

لیکن حملے ان پر دو طرف سے ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف سے ماریا حملے کر رہی تھی جس کو سپاہی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عنبر بڑھ چڑھ کر تلوار چلا رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے دونوں سپاہی ڈھیر ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

"جلدی کرو۔ رسی نیچے لٹک رہی ہے۔ ایک ایک کر کے نیچے اترتے چلو۔ دیر نہ کرو۔ وقت بڑا نازک ہے۔"

سب سے پہلے انہوں نے بادشاہ کو نیچے اتارا۔ پھر ملکہ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ سارے شہزادوں اور چھوٹی شہزادیوں کو نیچے اتار دیا گیا۔

آخر میں ناگ ماریا اور عنبر بھی نیچے آ گئے۔ نیچے آتے ہیں سارے ٹولے نے عنبر کے پیچھے پیچھے بڑی تیزی کے ساتھ شاہی محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگنا شروع کر دیا۔

عنبر نے زور سے سیٹی بجائی۔

کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھے عرب مجاہد خبردار ہو گئے۔ وہ ایکدم سے گھوڑے کھول کر بادشاہ کی مدد کو لپکے۔ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ، ملکہ اور شاہی خاندان کے لوگ اندھیرے میں ان کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ درویش نے آگے بڑھ کر انہیں گھوڑے پیش کیے۔

"بادشاہ سلامت! آپ لوگ جلدی سے ان گھوڑوں پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ یہاں سے بھاگ چلیں"۔

سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑے سرپٹ بھاگتے ہوئے رات کے اندھیرے میں گم ہو گئے۔ ریت کے ٹیلوں میں سے نکل کر انہوں نے ریت کا ایک کافی میدان عبور کیا اور پرانی خانقاہ میں داخل ہو گئے۔

شاہی خاندان کے سارے لوگوں کو خانقاہ کی خفیہ کمین گاہ میں لے جا کر چھپا دیا گیا۔

درویش نے ساتھیوں سے کہا۔

"آپ لوگ جلدی سے یہاں سے نکل کر مغرب کی طرف دریائے دجلہ کے کنارے جا کر بستی میں چھپ جائیں۔ مناسب وقت پر ہم آپ کے ساتھ آن ملیں گے"۔

تمام مجاہد گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چلے گئے۔

ساری رات تیز ہوا چلتی رہی جس نے ریت پر سے گھوڑوں کے پاؤں کے نشان بالکل مٹا دیئے۔ عنبر اور ناگ اور ماریا اپنی کوٹھڑی میں جا کر سو گئے۔

وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ درویش بھی اپنی کوٹھڑی میں جا کر پڑ گیا۔ بادشاہ اور ملکہ اپنے بال بچوں کے ساتھ خانقاہ کی سب سے خفیہ کوٹھڑی میں بیٹھے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ جس نے غیبی مدد بھیج کر ان کے شاہی خاندان کی عزت آبرو اور جان بچا لی۔

درویش نے بادشاہ سلامت سے کہا تھا کہ صبح کو بات چیت شروع ہو گی۔ درویش عنبر اور ناگ کے مشورے کے ساتھ بادشاہ اور شاہی خاندان کو دریائے دجلہ پار کروا کر

وہاں سے افریقہ کے کسی ملک میں پہنچا دینا چاہتا تھا۔

رات گزر گئی۔ دن نکل آیا۔

صبح کی روشنی نکلتے ہی محل میں شور مچ گیا کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے سارے لوگ سپاہیوں اور پہرے داروں کو قتل کر کے شاہی محل سے فرار ہو گئے ہیں۔

یہ خبر اٹیلا تک پہنچی تو وہ غصے سے کانپنے لگا۔ اس نے تلوار کھینچی اور بھاگتا ہوا تہہ خانے میں آیا۔

وہاں دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ پہرے دار یا تو بے ہوش تھے اور یا ان کی لاشیں پڑی تھیں۔

جو سپاہی بے ہوش تھے انہیں اٹیلا نے غصے میں تلوار کا وار کر کے ایک ایک کو موت کی نیند سلا دیا۔

اس کے وزیر نے کہا۔

”حضور! اس سے تو یہ پوچھ لیا جاتا کہ انہیں کس نے بے ہوش کیا تھا؟“۔

اٹیلا نے پاؤں زمین پر مار کر کہا۔

”یہ میں خود معلوم کر لوں گا وزیر! اگر تم نے پھر ایسی بات کی تو میں تمہیں بھی ابھی موت کی نیند سلا دوں گا“۔

”جو حضور کی مرضی سرکار“۔

وزیر نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی۔ اٹیلا واپس اپنے محل میں آ گیا۔

اسے یہ اپنی بڑی زبردست شکست معلوم ہو رہی تھی کہ اس کے کڑے پہرے کے باوجود بادشاہ اور شاہی خاندان کے سارے کے سارے لوگ شاہی محل میں سے بھاگ جائیں۔

اس نے غصے میں کہا۔

"ایک دو نہیں۔ سارے کے سارے بھاگ گئے؟"۔

آخر یہ کیسے ہوا؟ یہ کوئی میرے خلاف بڑی زبردست سازش ہوئی ہے۔ وزیر!"

"جی سرکار!"

اس شہر کے مکانوں کا کونہ کونہ چھان مارو۔ اگر کل تک بادشاہ اور شاہی خاندان کے بھاگے ہوئے لوگ نہ ملے تو اس شہر کی رہی سہی آبادی کو بھی قتل کر دیا جائے۔

یہ میرا حکم ہے۔ شہر میں منادی کرادو، کہ جس کے گھر میں بادشاہ اور ملکہ چھپی ہوئی ہو، وہ ان کو باہر نکال دے۔ نہیں تو پرسوں اس شہر کے بچے بچے کو ذبح کر دیا جائے گا۔

"جو حکم سرکار!"

یہ ایک بڑا ہی ظالمانہ حکم تھا۔ منادی والے نے شہر کے چوک میں جا کر نوبت بجا بجا کر اعلان شروع کر دیا کہ اگر بادشاہ اور ملکہ کو لوگوں نے باہر نہ نکالا تو شہر بغداد کی رہی سہی آبادی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

یہ خبر! یہ اعلان شہر والوں پر بجلی بن کر گری۔ ہر کوئی پریشان ہو گیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اٹیلا کا حکم اٹل ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ شہر میں لاکھوں لوگوں کا بے دریغ خون بہا چکا تھا۔

یہ خبر جب خانقاہ میں بادشاہ تک پہنچی تو وہ پریشان ہو کر بولا۔

"میرے بچو! میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ میری

وجہ سے غریب اور بے گناہ شہریوں کا اور خون بہے"۔

درویش نے کہا۔

ایسا نہیں ہو سکتا بادشاہ سلامت! ہم اپنی جان پر کھیل کر آپ کو موت کے منہ سے بچا کر لائے ہیں۔

ہم ایک بار پھر آپ کو اور آپ کے شاہی خاندان کو خونخوار وحشی اٹیلا کے حوالے نہیں کر سکتے۔

بادشاہ نے کہا۔

اگر تم یہ گوارا نہیں کر سکتے تو میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ صرف میری وجہ سے بغداد کے سینکڑوں شہری ایک بار پھر قتل کر دیے جائیں۔

میں اپنے خاندان کو ذبح کروا دوں گا مگر بے گناہ شہریوں کے خون کے چھینٹے اڑتے نہیں دیکھ سکتا۔

اس پر عنبر اور ناگ بھی پریشان ہو گئے۔ بادشاہ کا کہنا بالکل درست تھا۔

وہ ایک نیک دل بادشاہ تھا۔ وہ ایک رحم دل اور خدا سے محبت کرنے والا، خدا سے ڈرنے والا بادشاہ تھا۔ وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ صرف اس کی وجہ سے سارے شہر والوں کو موت کی نیند سلایا جائے مگر دوسری طرف عنبر اور ناگ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کو ظالم اٹیلا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

آخر وہ بادشاہ اور شاہی خاندان کو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اتنی محنت سے بچا کر لائے تھے۔

عنبر نے ایک فیصلہ کر لیا۔

اس نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! نہ آپ واپس اٹیلا کی قید میں جائیں گے اور نہ بغداد کے ایک بھی شہری کا خون بہے گا"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے عنبر میاں؟"۔

درویش نے تعجب سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور ایسا ہو کر رہے گا"۔

جادو کے کھیل

رات کو عنبر نے ماریا اور ٹاگ سے مشورہ کیا۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہ اکیلا اٹیلا کے دربار میں جائے اور اس سے جا کر بادشاہ کی رہائی اور بغداد شہر کے لوگوں کی جان بخشی کے بارے میں بات کرے۔

ٹاگ نے کہا کہ اس کا اکیلا جانا ٹھیک نہیں، کیونکہ اٹیلا ایک وحشی اور جابر بادشاہ ہے۔ وہ اس کی بات پر دھیان نہیں

دے گا۔

عنبر نے کہا۔

"اگر وہ میری بات نہیں مانے گا تو کیا ہو جائے گا؟ وہ مجھے قتل تو نہیں کرا سکے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"وہ آپ کو قتل تو نہیں کرائے گا، مگر آپ کو قید تو کر دے گا، اور پھر بغداد کے شہریوں کے قتل عام کو بھی کوئی نہیں روک سکے گا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ یا میں تمہارے ساتھ جاؤں اور یا

ماریا کو تم ساتھ لے جاؤ۔ تمہارا اکیلا جانا بے فائدہ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ماریا کو ساتھ لیے چلتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"مگر تمہیں جلدی وہاں پہنچنا ہو گا، کیونکہ صرف آج کا دن ہی مہلت کا باقی ہے۔ کل شہر کا قتل عام شروع ہو جائے گا"۔

"تم فکر نہ کرو ناگ بھائی! میرے خدا نے چاہا تو اس شہر سے اٹیلا کی بلا بہت جلد دور ہو جائے گی"۔

عنبر نے درویش اور دوسرے عرب ساتھیوں سے بھی یہی بات کی کہ وہ خود اٹیلا سے ملاقات کرنے جا رہا ہے۔ سب لوگ حیرانی سے اسے تکنے لگے۔

درویش نے کہا۔

"کیا کہا؟ تم اٹیلا کے دربار میں جا رہے ہو؟"۔

"ہاں بھائی! میرا جانا بہت ضروری ہے"۔

"لیکن وہ تو ایک خونخوار وحشی آدمی ہے۔ وہ تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی! اٹیلا مجھے قتل نہ کروا سکے گا۔ میں کامیاب ہو کر واپس آؤں گا۔ میرے خدا نے چاہا تو بغداد شہر کے ایک بچے پر بھی آنچ نہیں آئے گی"۔

یہ کہہ کر عنبر نے ماریا کو ساتھ لیا اور خانقاہ سے باہر نکل گیا۔

ناگ نے درویش سے کہا۔

"اب ہمیں بڑے آرام سے عنبر کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا ہمیں بادشاہ کی پوری طرح حفاظت کرنی ہوگی، کیونکہ بغداد شہر کو اٹیلا کے ظلم سے بچانے کے بعد ہم بادشاہ سلامت اور شاہی خاندان کے لوگوں کو یہاں سے نکال کر سمندر پار کی ریاست میں پہنچا دیں گے"۔

درویش نے فکر مند ہو کر کہا۔

"کاش ہمیں کہیں سے بڑی کشتی مل جاتی"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کی بھی آپ لوگ فکر نہ کریں۔ ہم پورے جہاز کا انتظام کر لیں گے"۔

درویش نے تعجب سے کہا۔

"بھائی تم لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔

آخر اس صحرا میں تم کہاں سے بادبانی جہاز کا بندوبست کرو گے؟ یہاں تو مجھے ایک چھوٹی سی کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی"۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ایسا ہو کر رہے گا درویش بھائی! بس تم یوں سمجھ لو کہ ایک جہاز ہمارے انتظار میں دریائے دجلہ میں یہاں سے دور تیار کھڑا ہے"۔

درویش سر ہلا کر بولا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا"۔

پرانی خانقاہ سے نکل کر عنبر اور ماریا گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔

انہوں نے شاہی محل کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ ماریا

غائب تھی۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا گھوڑا بھی کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دونوں شہر کی پرانی سڑک پر سے ہو کر شاہی محل کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں آ کر ماریا نے کہا۔

"اب کیا کرنا ہے عنبر بھائی؟ محل میں کسی طرح سے داخل ہونا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اٹیلا پر میں اپنی چھپی ہوئی طاقت کا راز کھول دوں اور پھر اسے ڈرا کر اس بات پر آمادہ کر دوں کہ وہ شہر کے لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا خیال دل سے نکال دے"۔

"کیا تم شاہی خاندان کی جان بخشی کی درخواست بھی کرو گے؟"۔

نہیں ماریا! شاہی خاندان کی جان بخشی اٹیلا کبھی بھی نہیں کرے گا۔ ہم اسے یہ ہرگز نہیں بتائیں گے کہ بادشاہ ہماری حفاظت میں ہے۔

"ہم اسے صرف یہ کہیں گے کہ اگر بادشاہ اور شاہی خاندان کے لوگ قید سے بھاگ گئے ہیں تو اس کی سزا بغداد کے شہریوں کو نہیں ملنی چاہیے۔ بس"۔

ماریا نے کہا۔

"بھائی اگر آپ اسے مناسب سمجھتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ ہاں کوئی اور ترکیب بھی اگر آپ کے دماغ میں ہے تو اس پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اور کونسی ترکیب ہو سکتی ہے ماریا بہن؟"۔

ماریا بولی۔

"فرض کر لو کہ اٹیلا ہماری بات نہیں مانتا۔ وہ تمہاری خفیہ طاقت کے بھی رعب میں نہیں آتا۔ پھر کیا کرو گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اٹیلا مان جائے گا۔ اس کو میری طاقت کے آگے شکست ماننی ہی پڑے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"اگر تم یہی سمجھتے ہو تو پھر چلو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

عنبر بولا۔

"ہاں بس تم نے اتنا خیال رکھنا کہ میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ مجھ سے ہرگز الگ نہ ہونا"۔

ماریا گھوڑے سے اتر گئی۔

"ان گھوڑوں کو ہم وہ سامنے والے درختوں کی چھاؤں میں باندھ دیتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ ادھر آ جاؤ"۔

عنبر بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ اب ماریا کا گھوڑا دکھائی دینے لگا تھا۔

ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ عنبر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کھجوروں کے درختوں میں جا کر دونوں گھوڑوں کو ایک جگہ باندھ دیا۔

پھر وہ بڑی خاموشی سے شاہی محل کی طرف آ گئے۔ شاہی

محل کے دروازے پر بڑا سخت پہرہ تھا۔ بادشاہ کو فرار کرانے کے شک میں سپاہی کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے مارتے پیٹتے محل کے اندر لیے جا رہے تھے۔

عنبر کو ان پر بڑا ترس آیا۔

ماریا نے کہا۔

"یہ بڑا ظلم ہے کہ ان بے گناہ لوگوں کو مارا پیٹا جائے، جب کہ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے اور بادشاہ کا شاہی خاندان ہمارے پاس ہے"۔

عنبر بولا۔

ایسا ہوتا ہی رہتا ہے ماریا بہن! اس مار پیٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری تو یہ کوشش ہے کہ ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے۔

یہ بڑی دردناک بات ہوگی کہ اٹیلا کے سپاہی شہر کے ہر بچے بوڑھے جوان عورت مرد کو ایک ایک کر کے ہلاک کرنا شروع کر دیں۔

”ایسا نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہوگا“۔ عنبر نے جوش کے ساتھ کہا۔

میں بادشاہ اور شاہی خاندان والوں سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ ان کی رعایا پر اب کوئی آفت نہیں آئے گی۔ شہریوں کی جان و مال محفوظ رہے گی۔ چلو محل کے دروازے میں چلتے ہیں۔

دونوں بہن بھائی شاہی محل کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ چنگیزی سپاہی نیزے، تلواریں اور تیر کمان کے لیے فوجی وردیاں پہنے وہاں بڑی سختی سے پہرہ دے رہے تھے۔

سپاہی بڑے ہٹے کٹے اور صحت مند تھے۔

عنبر کے ساتھ ساتھ ماریا بھی پیدل چل رہی تھی۔ مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جبکہ وہ سب کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

دروازے پر آ کر عنبر نے سپاہیوں کو جھک کر بڑے ادب سے سلام کیا۔ اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑے امن اور محبت کے ساتھ کام کرنا چاہتا تھا۔

جاتے ہی وہ کسی کے سر پر لٹھ نہیں مارنا چاہتا تھا۔ ایک سپاہی نے عنبر کو دیکھا اور غصے سے کہا۔

”کون ہو تم؟ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

"جناب عالی! میں ملک افریقہ سے پیدل اور قافلوں کے ساتھ سفر کرتا اس شہر میں پہنچا ہوں۔ میں نے آپ کے بادشاہ اٹیلا کی بہت تعریف سنی تھی۔ اس لیے اٹیلا اعظم سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے"۔

ماریا بڑی حیران ہو رہی تھی کہ عنبر کتنی خوبی سے اور اچھی طرح اپنا پارٹ ادا کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی مسکرا مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

دربان نے سختی سے کہا۔

"چلو چلو بھاگ جاؤ یہاں سے۔ تم اٹیلا اعظم سے کبھی ملاقات نہیں کر سکتے"۔

عنبر نے جھک کر ادب سے کہا۔

"جناب عالی! میں بڑی دور سے ایک تمنا، ایک خواہش لے کر آپ کے محل تک پہنچا ہوں۔ برائے مہربانی میری خواہش اپنے بادشاہ تک پہنچا دو"۔

سارے سپاہی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

ایک نے کہا۔

"کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے"۔

دوسرا بولا۔

"اسے پکڑ کر قید میں ڈال دو"۔

تیسرے نے کہا۔

"میرا خیال ہے، اس کی گردن کاٹ کر ڈیوڑھی میں لٹکا دینی چاہیے"۔

چوتھے نے کہا۔

"نہیں یار! اس کو تو بھون کر کھا جانا چاہیے؟"۔

پھر سب قہقہے لگانے لگے۔ بڑے دربان نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

‘‘تم تو مجھے کوئی چور اچکے لگ رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم کام کیا کرتے ہو؟’’۔

عنبر نے کہا۔

‘‘میں بیماریوں کا علاج کرتا ہوں۔ سانپ کے کاٹے کا علاج کرتا ہوں۔ اور جادو بھی جانتا ہوں۔ اگر تم کوئی شے میرے سامنے رکھ دو تو میں اسے غائب کر کے دکھا دوں گا’’۔

اس پر سارے خاموش ہو گئے۔ دربان نے دلچسپی سے کہا۔

‘‘کیا تم جادوگر ہو؟’’۔

‘‘ہاں جناب! میں جادوگر بھی ہوں’’۔

‘‘کیا تم چیزوں کو آنکھوں کے سامنے غائب کر سکتے ہو؟’’۔

‘‘کیوں نہیں جناب! آپ آزما کر دیکھ لیں’’۔

‘‘آؤ ڈیوڑھی میں میرے ساتھ’’۔

عنبر دربان کے ساتھ ڈیوڑھی میں آ گیا۔ یہاں کوئی دوسرے سپاہی بھی بیٹھے آرام کر رہے تھے یا قہوہ پی رہے تھے۔

زمین پر قالین اور تخت بچھے ہوئے تھے۔ دربان نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

‘‘اگر تم اپنے جادو کے کھیل میں ناکام رہے تو یاد رکھو، تمہیں میں اپنے ہاتھ سے اسی جگہ قتل کر کے تمہاری کھال میں گھاس بھر دوں گا۔ کیا یہ شرط تمہیں منظور ہے؟’’۔

عنبر بولا۔

"ہاں جناب! منظور ہے۔ آپ بے شک میرے جادو کو آزما کر دیکھ لیں۔ لیکن ایک شرط میری بھی ہے"۔

"وہ کیا؟"۔

دربان نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"وہ یہ کہ اگر میں جادو کے کرتب میں کامیاب ہو گیا تو آپ مجھے اٹیلا اعظم سے ملا دیں گے۔ کیا آپ کو منظور ہے؟"۔

دربان بولا۔

"مجھ پر شرط کی کوئی پابندی نہیں لگا سکتے تم، لیکن اتنا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے اپنے جادو کے کھیل سے مجھے خوش

کر دیا تو میں تمہاری ملاقات اٹیلا سے تو نہیں کروا سکتا، لیکن اس کے وزیر ارسلان سے ضرور کرا دوں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے"۔

"عنبر بولا۔ ہاں! مجھے منظور ہے"۔

"تو پھر اپنا جادو کا کھیل دکھاؤ"۔

دربان اور سپاہی عنبر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے درمیان میں تپائی پر کئی ایک چیزیں رکھ دیں۔

عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ جس چیز کو کہیں میں اسے غائب کر کے پھر سے ظاہر کر دوں گا"۔

اس عرصے میں عنبر نے ماریا سے سرگوشی میں کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے اور دربان یا سپاہی جس چیز کا نام لیں وہ

اسے اٹھا کر غائب کرتی جائے۔

ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ سپاہی عنبر کے اوپر چڑھے ہوئے تھے۔ ماریا کے کھڑے ہونے کو جگہ نہیں مل رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"مگر آپ لوگ اس طرح میرے ارد گرد جمگھٹا بنا لیں گے تو میں اپنے کرتب نہیں دکھا سکوں گا۔ برائے مہربانی مجھ سے ذرا پرے پرے ہو کر کھڑے ہوں"۔

دربان نے حکم دیا کہ جادوگر سے ہٹ کر کھڑے ہوں۔

سارے سپاہی عنبر سے تھوڑا سا الگ ہٹ گئے۔ عنبر کو اتنی جگہ آسانی سے مل گئی کہ اس کے پاس ماریا کھڑی ہو سکے۔

ماریا عنبر کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ عنبر نے تپائی پر رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کہا۔

"اب آپ بتائیں کہ ان میں سے کونسی چیز کو گم کروں؟"۔

دربان نے ایک گلاس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اسے گم کر کے دکھاؤ"۔

عنبر نے ماریا کو اشارہ کیا۔

عنبر نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ماریا نے بھی ہاتھ آگے بڑھا کر گلاس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

گلاس ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ سب حیران رہ گئے۔ دربان نے آگے بڑھ کر عنبر کے سارے کپڑوں کی تلاشی لی۔ مگر گلاس کہیں بھی نہیں تھا۔

دربان نے کہا۔

اب صراحی کو گم کر کے دکھائیے۔ عنبر نے صراحی کی طرف

ہاتھ بڑھایا ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر صراحی کو بھی پکڑ لیا۔ صراحی اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔ اس طرح عنبر نے چھ سات چیزیں گم کر دیں۔ تو دربان اور سارے سپاہی ہکا بکا ہو کر اسے تکنے لگے۔

زہر کا شعلہ

دربان نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر عنبر کی تلاشی لی۔

اس کے پاس کچھ ہوتا تو نکلتا۔ ساری کی ساری چیزیں تو ماریا نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں، اور ماریا کسی کو بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

دربان نے کہا۔

''اگر تم میری تلوار گم کر کے دکھا دو تو میں تمہیں مان لوں

گا"۔

"ابھی گم کیے دیتا ہوں جناب"۔

یہ کہہ کر عنبر نے دربان کی تلوار نیام سے کھینچ لی۔ ماریا نے تلوار عنبر کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ماریا کے ہاتھ میں تلوار جاتے ہیں گم ہوگئی۔ دربان نے شور مچا دیا۔

"خبردار! اگر تم نے میری تلوار واپس نہ کی تو میں تمہیں قید میں ڈالوں دوں گا"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"جناب! آپ کی ہر شے میرے پاس امانت ہے۔ میں ایک تلوار کیا، ساری چیزیں ایک ایک کر کے آپ کو واپس کر دوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ماریا کے ہاتھ سے ایک ایک چیز پکڑ کر واپس تپائی پر رکھنی شروع کر دی، جو جو چیزیں وہ ماریا کے ہاتھ سے پکڑ رہا تھا وہ ظاہر ہوتی جا رہی تھیں۔

سپاہیوں کو یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ ہواؤں سے چیزوں کو پکڑ اکٹھا کر رہا ہے۔ یہ کرتب اتنا عمدہ تھا کہ دربان اور سارے سپاہی عش عش کر اٹھے۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

"کیوں جناب! کیا اب آپ اپنی شرط کے مطابق مجھے اٹیلا اعظم کے وزیر سے ملا دیں گے"۔

دربان نے کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم سانپ کے کاٹے کا بھی علاج کر لیتے ہو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟"۔

"ہاں جناب! میں ایسا کر سکتا ہوں"۔

دربان نے کہا۔

"میرے پاس ایک عرب قیدی ہے۔ میں اسے سانپ سے ڈسواتا ہوں۔ اگر تم نے اسے اچھا کر دیا تو میں تمہیں اسی وقت وزیر کے پاس لے چلوں گا۔ آؤ میرے ساتھ"۔

اب عنبر گھبرا گیا۔ اس نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا مگر ناگ اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اس کا خیال تھا کہ دربان کہاں اس کا امتحان لیتا پھرے گا مگر یہ کوئی بہت ہی پاگل قسم کا انسان تھا۔

اس نے آخری شرط سانپ ڈسوانے کی ہی رکھ دی تھی۔

دربان اسی وقت عنبر کو لے کر ڈیوڑھی کی حوالات میں آ گیا۔

یہاں ایک عرب قیدی زمین پر لیٹا تھا۔

دربان نے سپاہیوں سے کہا۔

"سانپ لایا جائے"۔

عنبر قیدی کو اور قیدی عنبر کو دیکھنے لگا۔ جب قیدی نے سنا کہ اسے سانپ سے ڈسوایا جا رہا ہے تو وہ بے چارہ پریشان ہو گیا۔

دربان نے عنبر سے کہا۔

یاد رکھو! یہ سانپ جو یہاں لایا جا رہا ہے۔ صحرا کے سانپ ہے۔ یہ اس قدر زہری ہے کہ اس کے زہر سے ہاتھی جیسا جانور ایک سانس کے اندر اندر ہلاک ہو جاتا ہے۔

اگر تم نے اس قیدی کو اچھا نہ کیا تو میں سمجھوں گا کہ تم جھوٹے ہو اور پھر میں اسی سانپ سے تمہیں بھی ڈسوا دوں گا۔

عنبر گھبرا گیا۔ اس کو اب افسوس ہونے لگا کہ وہ ناگ کو

ساتھ کیوں نہ لے آیا، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ سپاہی سانپ کی ٹوکری لے کر آ گیا۔

دربان نے کہا۔

"قیدی کو سانپ سے کٹوایا جائے"۔

فوراً ایک سپاہی نے لپک کر قیدی کا ہاتھ پکڑا اور ٹوکری کے اندر ڈال دیا۔ سانپ ٹوکری کے اندر پتوں پر آرام سے سو رہا تھا۔

اس نے جو ایک ہاتھ کو اپنے سر پر گرتے دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھا اور ڈس دیا۔ قیدی نے ہاتھ باہر کھینچ لیا۔ اس کی کلائی پر سانپ کے دانتوں کے نشان تھے اور وہاں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

سانپ کے زہر نے خون میں پھیلنا شروع کر دیا تھا۔

قیدی کا رنگ زرد ہونے لگا۔

عنبر نے اسی وقت آنکھیں بند کیں اور ناگ کو اپنے خیال میں لا کھڑا کیا۔ پھر اس نے منہ ہی منہ میں ناگ سے کہا۔

"ناگ! میری مدد کرو۔ ایک سانپ نے قیدی کو ڈس لیا ہے۔ اگر تم نے میری مدد کر کے اس عرب بے گناہ کی جان نہ بچائی تو ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا اور یہ معصوم عرب خواہ مخواہ مارا جائے گا"۔

ناگ نے خیال ہی خیال میں عنبر کے کان میں کہا۔

"عنبر بھائی! جس جگہ سانپ نے کاٹا وہاں پر میرا نام انگلی سے لکھ دو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"۔

عنبر نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ قیدی کا برا حال ہو رہا تھا۔ زہر اس کے سارے جسم میں پھیل چکا تھا۔ اس کا

بدن زرد ہو کر پھر نیلا پڑ گیا تھا۔

اور وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔ وہ مرنے کے قریب تھا۔ دربان اور سپاہی مسکرا کر عنبر کو دیکھ رہے تھے۔

دربان نے کہا۔

"جادوگر! اس کے بعد تمہاری باری ہے۔ یہ عرب قیدی تو مر رہا ہے۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ اب تمہیں اسی سانپ سے کٹوایا جائے گا"۔

عنبر نے مرتے ہوئے قیدی کی کلائی اپنے ہاتھ میں پکڑی۔

دوسرے ہاتھ کی انگلی سے اس نے سانپ کے کاٹے کی جگہ پر ناگ کا نام لکھ دیا۔ ناگ کے نام کا لکھنا تھا کہ ایک عجیب قسم کا اثر وہاں ہوا۔

جس ٹوکری میں سانپ بند تھا۔ اس میں سانپ نے زور سے پھنکار ماری۔ یوں لگتا تھا جیسے سانپ سخت تکلیف میں ہے۔

ٹوکری کا ڈھکنا الٹ کر دور جا گرا اور سانپ اچھل کر ٹوکری سے باہر آ گیا۔

وہ بھاگ کر قیدی کے پاس پہنچا اور جہاں اس نے کاٹا تھا وہاں اپنا منہ رکھ کر زہر کو واپس چوسنا شروع کر دیا۔ سب لوگ آنکھیں پھاڑے یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔

سب نے اپنا منہ قیدی کی کلائی پر لگا رکھا تھا۔ زہر قیدی کے جسم سے نکل نکل کر واپس سانپ کے منہ کی تھیلی میں واپس جا رہا تھا۔

کہاں تو قیدی دم توڑ رہا تھا اور اس کا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔

کہاں اب اسے ہوش آنا شروع ہوگیا تھا۔ اس کے جسم کا نیلا پن بھی دور ہونے لگا۔

تھوڑی دیر بعد قیدی نے آنکھیں کھول دیں۔ سانپ اس کے جسم سے سارا خون چوس لینے کے بعد اٹھا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔

قیدی اٹھ کر پرے ہٹ گیا۔ وہ زندہ ہوگیا تھا۔ سانپ نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پھر اس کے اردگرد چکر لگانے لگا۔

ہر چکر پر وہ آگے بڑھ کر عنبر کے سامنے سر جھکا دیتا۔ سات چکر پورے کرنے کے بعد سانپ عنبر کے پاؤں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

عنبر سمجھ گیا کہ سانپ ناگ کی پوجا کر رہا ہے۔ وہ اپنی جگہ

خاموش کھڑا رہا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر سانپ کو چھیڑ دیا۔ سانپ ایک دم غضبناک ہوکر مڑا اور اس نے جھپٹ کر سپاہی کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

خدا جانے اس وقت سانپ کس عالم میں تھا کہ اس کے منہ سے ایک شعلہ نکلا جس نے سپاہی کے جسم میں آگ لگا دی۔

اس سے پہلے کہ عنبر اور دربان اسے بچا سکیں سپاہی جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔ عنبر حیران رہ گیا کہ یہ کس قدر خطرناک سانپ ہے۔ جو اس کے پاؤں پر سر رکھے بیٹھا ہے۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

”اے سانپ، اب واپس اپنی ٹوکری میں چلا جا۔ تم نے جو کرنا تھا وہ کرلیا ہے“۔

سانپ نے اپنی زبان میں کہا۔

اے شیش ناگ کے بھائی! اس احمق آدمی نے میری پوجا میں خلل ڈالا تھا۔ میں اسے جلاتا نہ تو اور کیا کرتا۔ خدا کی قسم اس وقت اگر پہاڑ بھی مجھے چھیڑتا تو میں اسے بھی بھسم کر ڈالتا۔

اب میں جا رہا ہوں۔ شیش ناگ کو میرا سلام کہنا۔ میں اس کا پجاری ہوں۔ اس کا غلام ہوں۔ ہم اس کے پاؤں چومتے ہیں اور جو اس کا بھائی ہو اس کے بھی پاؤں چومتے ہیں۔

یہ سارا کھیل اس قدر خوفناک تھا کہ سارے سپاہی خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ دربان بھی عنبر سے ڈر گیا۔ عنبر نے سانپ سے کہا۔

"اے سانپ! واپس اپنی ٹوکری میں جا کر آرام کر"۔

سانپ زمین پر رینگتا ہوا اپنی ٹوکری میں چلا گیا۔ عنبر نے ڈھکنا اٹھا کر ٹوکری کے منہ پر رکھ دیا۔ اور دربان سے کہا۔

"کیوں جناب! اب تو آپ مجھے وزیر سے ملا دیں گے؟"۔

دربان نے اپنی ہار مان لی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہاں میرے بھائی! میں اپنی شرط کے مطابق تمہیں ابھی لے کر وزیر کے پاس چلتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ"۔

دربان نے عنبر کو ساتھ لیا اور اسے لے کر شاہی محل میں وزیر کی بارہ دری کی طرف چل پڑا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

وزیر کی بارہ دری شاہی محل میں بادشاہ کی خواب گاہ کے

ساتھ ہی تھی۔ دربان عنبر کو بارہ دری کے باہر کھڑا کر کے بولا۔

میں تمہیں اٹیلا اعظم کے وزیر خاص سے تو ملا رہا ہوں، مگر میری دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔ پہلی بات یہ ہے کہ وزیر کے پاس جا کر میری تعریف کرنا۔

کہنا میں بہت ذمہ دار دربان ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کبھی مجھے تمہارے جادو کی ضرورت پڑی تو میری مدد کرنا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو۔

مجھ سے برا دشمن کوئی نہیں ہوگا۔ اور میرے آگے تمہارا جادو بھی نہیں چل سکے گا۔

عنبر نے سوچا کہ اس شخص سے دشمنی مول لے کر اسے کیا کرنا ہے اور پھر وہ کیا کر سکتا تھا۔ یہ عنبر کو خوب معلوم تھا۔ اس نے کہا۔

”ہاں بھائی! میں یہ دونوں باتیں یاد رکھوں گا اور جس طرح تم نے مجھے ہدایت کی ہے اسی طرح سے ہر کام ہوگا“۔

اس کے بعد دربان عنبر کو لے کر وزیر کے پاس آ گیا۔

وزیر سنہری لباس پہنے ایک بڑے شاندار بستر پر نیم دراز تھا۔

دربان نے جا کر سر جھکا دیا اور بولا۔

”حضور انور! آپ نے ایک بار حکم دیا تھا کہ اگر کہیں سے کوئی اچھا اور لائق حکیم ملے تو ضرور میرے پاس لانا۔ پس میں ایک ایسے حکیم کو آپ کے پاس لایا ہوں کہ جو اگرچہ نوجوان ہے مگر بے شمار خوبیوں کا مالک ہے“۔

وزیر نے آنکھیں جھپکا کر عنبر کو غور سے دیکھا اور کہا۔

”دربان! یہ تو نوجوان سا لڑکا ہے۔ یہ کیا بیماریوں کا علاج کرے گا“۔

دربان نے سر جھکا کر عرض کی۔

"حضور انور! میں نے عرض کی تھی کہ اگرچہ یہ نوجوان ہے مگر اس کی قابلیت بہت ہے۔ یہ جادوگر بھی ہے اور سانپ کے کاٹے کا علاج بھی جانتا ہے۔ اسے بھی حضور سے ملنے کا بے حد شوق تھا"۔

وزیر نے دربان کو انعام دے کر رخصت کر دیا اور عنبر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عنبر قالین پر بیٹھ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

وزیر نے کہا۔

"اے نوجوان! تجھے مجھ سے ملنے کا شوق کیوں تھا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس لیے حضور! کہ میں نے آپ کی بڑی تعریف سنی تھی کہ آپ بہت علم دوست ہیں یعنی علم سے پیار کرتے ہیں۔ عالم لوگوں سے پیار کرتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔ اس لیے میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں آپ سے ملوں"۔

وزیر نے پوچھا۔

"تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"حضور میں ملک حبشہ کا رہنے والا ہوں۔ میرا رنگ کالا اس لیے نہیں ہے کہ میں بچپن ہی سے اپنے گھر وطن سے باہر چلا گیا تھا اور زیادہ دیر شمالی ہندوستان کے پہاڑوں میں جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں پھرتا پھراتا رہا"۔

وزیر نے کہا۔

"کیا تم سانپ کے کاٹے کا علاج بھی کر لیتے ہو؟"۔

"ہاں جناب!"

"کیا تم جادو بھی جانتے ہو؟"۔

"جانتا ہوں حضور!"۔

"کیا تمہیں کالا جادو بھی آتا ہے؟"۔

"ہاں جناب! تھوڑا بہت کالا جادو بھی جانتا ہوں"۔

یہ سن کر وزیر ایک دم سے بستر سے اٹھ بیٹھا اور عنبر کو اپنے قریب بلا کر بولا۔

"شاباش! مجھے تم جیسے نوجوان کی تلاش تھی۔ اگر تم کالا جادو جانتے ہو تو پھر تم میری بڑی مدد کر سکتے ہو۔ سنو! اگر تم میری مدد کرو گے۔ تو میں تمہیں اپنے دربار کا شاہی حکیم بنا دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے آپ کی کیا مدد کرنی ہوگی جناب عالی؟"۔

وزیر نے ہنس کر کہا۔

میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ پہلی ہی ملاقات میں تمہیں اپنے دل کا راز بتا دوں۔ پہلے تمہیں امتحان دے کر یہ بات ثابت کرنی ہوگی کہ تم کالا جادو جانتے ہو۔

جب تم امتحان میں کامیاب ہو جاؤ گے تو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں تم سے کیا مدد لینی چاہتا ہوں۔ کیا تم امتحان دینے کو تیار ہو؟۔

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ کہ خواہ مخواہ جادو کی مصیبت کھڑی کر لی۔

اس کے پاس اس قسم کی فضول باتوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ اگلے روز بغداد شہر میں اٹیلا کے حکم سے لوگوں کا قتل عام شروع ہونے والا تھا، جس کو رکوانے کے لیے وہ شاہی محل میں داخل ہوا تھا اور وہ ابھی تک کوئی ٹھوس کام کرنے کی بجائے صرف جادو کے کھیل ہی دکھا رہا تھا۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

''جناب عالی! آپ نے جو بھی امتحان لینا ہے جلدی سے لے لیں۔ اس کے بعد میں بھی آپ سے کچھ عرض کروں گا''۔

وزیر قہقہہ لگا کر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہارا امتحان ابھی سے شروع ہوگا''۔

اس کے بعد وزیر نے تالی بجا کر ایک نوکر کو بلایا اور اسے

کہا کہ وہ ایک سونے کے پیالے میں دودھ بھر کر لائے۔ نوکر اسی وقت سونے کے پیالے میں دودھ بھر کر لے آیا۔

وزیر نے عنبر سے کہا۔

''کیا تم اس دودھ میں کوئی ایسا زہر ڈال سکتے ہو جو اس دودھ میں آگ لگا دے؟''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''یہ کونسی مشکل بات ہے۔ ابھی کیے دیتا ہوں''۔

یہ کہہ کر عنبر نے جیب میں سے ایک سفوف کی پڑیا نکالی۔ پڑیا میں ایک ایسا زہر تھا۔ جو پانی میں آگ لگا سکتا تھا۔ عنبر یہ زہر اپنے ساتھ لے کر چلا تھا۔

عنبر نے پڑیا میں سے زہر لے کر سونے کے کٹورے والے دودھ میں ڈال دیا زہر دودھ میں گرتے ہی دودھ

آگ کا شعلہ بن کر اڑ گیا۔ وزیر ہکا بکا رہ گیا۔

"شاباش! تم کامیاب ہو۔ تم کامیاب ہو۔ میں تمہیں آج رات کو بتاؤں گا کہ مجھے تم سے کس کی مدد لینی ہے۔ اب تم اپنے خاص کمرے میں جا کر آرام کرو"۔

عنبر سلام کر کے نوکروں کے ساتھ اپنے خاص کمرے میں آ گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ آئی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سوچنے لگے کہ انہیں کل تک کسی طرح شہریوں کو اشیلا کے قتل عام سے بچانا ہوگا۔

خدا جانے یہ وزیر کس قسم کی مدد طلب کرنا چاہتا تھا؟

قتل کی سازش

رات کے پہلے پہر وزیر نے عنبر کو بلایا۔

عنبر غلام کے ساتھ وزیر کے کمرے میں پہنچا تو وہ اپنے پلنگ سے اٹھ کر بے چینی سے فرش پر ٹہل رہا تھا۔

عنبر کو آتے دیکھ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے غلام کو جانے لایا تھا۔ وزیر نے عنبر کو اپنے قریب ہی ایک تخت پر بیٹھنے کو کہا۔

عنبر تخت پر بیٹھ گیا تو وزیر بولا۔

"سنو عنبر! میں آج سے تمہیں اپنا خاص حکیم اور شاہی جادوگر کا خطاب دیتا ہوں۔ تمہیں بغداد شہر کا ایک علاقہ جاگیر میں دے دیا جائے گا۔ مگر اس کے عوض تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا"۔

"وہ کیا حضور؟" عنبر نے پوچھا۔

وزیر نے آہستہ سے کہا۔

اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہیں بغداد کا گورنر بھی بنا دوں گا اور اگر تم نے اس راز کو کھول دیا تو تمہیں زندہ مگرمچھوں کے آگے ڈال دیا جائے گا۔

کیا تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ ہزاروں سال سے

عنبر وزیروں کی اس قسم کی خونی سازشوں کو دیکھتا آیا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وزیر نے کسی کے خلاف کوئی زبردست سازش تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ عنبر سے کام لے کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔

اس نے بڑے بھولپنے سے کہا۔

"جناب عالی! میں سمجھ گیا ہوں۔ لیکن آپ کام بتائیے کہ مجھے آپ کی کیا خدمت کرنی ہوگی؟"

وزیر نے کہا۔

"سنو! میں اٹیلا کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں"۔

عنبر وزیر کا منہ تکنے لگا۔ یہ شخص اٹیلا سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اٹیلا کو قتل کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ایک تو وہ

خود جنگجو سپاہی تھا، دوسرے وہ ہر وقت تلوار اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پھر اس کے ارد گرد اس پر جان نچھاور کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"جناب عالی! اٹیلا کو قتل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس راہ میں کیا کیا مشکلیں ہیں؟"۔

وزیر نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"میں سب جانتا ہوں۔ اسی لیے میں تیری مدد لے رہا ہوں۔ تم اسے اپنے کالے جادو کے ذریعے سے قتل کرو گے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کے جان نثاروں کو بھی قتل کرو گے، اس کے بدلے میں میں تمہیں نہ صرف جاگیر دوں گا بلکہ انعام کے طور پر تمہیں بغداد شہر کا گورنر بھی بنا دوں گا"۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ وزیر نے کہا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے ہو عنبر؟ کیا سوچ رہے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"جناب عالی! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں بڑا خون خرابہ ہو سکتا ہے"۔

وزیر کڑک کر بولا۔

"میں خون خرابے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اٹیلا کو قتل کرنے میں اگر ہزاروں آدمیوں کا خون بہتا ہے۔ تو بے شک بہے۔ مجھے پرواہ نہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب عالی! اس میں دوسرے انسانوں کا ہی نہیں بلکہ آپ کے خون بہنے کا بھی خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے میرا وار اوچھا

پڑے اور آپ کے ساتھ ہم سب کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے"۔

وزیر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔

"مگر تمہارا وار اوچھا کیوں پڑے گا؟ کیا تمہیں جادو پر مہارت نہیں ہے؟ کیا تمہارا جادو ٹھیک نہیں؟ میں نے تو خود دیکھا ہے کہ تم جادو کے زور سے بہت کچھ کر سکتے ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اور انعام بھی دے سکتا ہوں"۔

عنبر آہستہ آہستہ جان بوجھ کر وزیر کو اس طرف لا رہا تھا جہاں وہ اس سے اپنی ایک شرط منوانا چاہتا تھا، جب عنبر نے دیکھا کہ وزیر اٹیلا کو قتل کر کے ملک پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے بڑی سے بڑی شرط ماننے پر تیار ہے تو اس نے کہا۔

"میں اٹیلا کو اپنے جادو کے ذریعے قتل کر دوں گا لیکن

اس کے بدلے آپ کو صرف ایک کام کرنا ہوگا"۔

"وہ کیا؟"۔

وزیر نے جلدی سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"وہ یہ کہ اٹیلا سے کہہ کر آپ کل بغداد میں ہونے والے قتل عام کو رکوا دیں، کیونکہ شہر میں ہر جگہ لوگوں کا خون بہہ رہا ہو تو میرا جادو نہیں چل سکتا۔ کیا آپ ایسا کروا سکیں گے؟"۔

وزیر بولا۔

"اگرچہ ایسا ہونا مشکل ہے۔ اٹیلا کو بادشاہ اور شاہی خاندان کے فرار ہو جانے کا سخت غصہ ہے۔ اس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ کل سے بغداد شہر کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دے گا۔ پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ قتل عام نہ ہو"۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

''جناب یہ آپ کا کام ہے۔ اگر آپ قتل عام رکوانے میں کامیاب ہو گئے تو اٹیلا کو دنیا کی کوئی طاقت میرے کالے جادو کے شکنجے سے نہیں بچا سکے گی اور اگر آپ کامیاب نہ ہوئے اور کل شہر میں قتل عام شروع ہو گیا تو میں اٹیلا کو اپنے جادو کے زور سے قتل نہ کر سکوں گا۔ میرا جادو بیکار ہو جائے گا''۔

وزیر بولا۔

''لیکن کالا جادو تو خون خرابے میں بڑا اچھا چلتا ہے''۔

عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے مگر میرا جادو قتل عام میں نہیں چلتا۔ میں نے یہ کئی بار آزما کر دیکھا ہے۔

آپ کوشش کر کے کل کے خون خرابے کو رکوا دیں۔ میں اٹیلا کا سر کاٹ کر آپ کے پاس لے آؤں گا۔

''اور اس کے جانثاروں کا کیا ہو گا، میں ان سب کو بھی ٹھکانے لگانا چاہتا ہوں''۔

عنبر نے کہا۔

''ان کے کٹے ہوئے سر بھی اپنے آپ آپ کے قدموں میں آ جائیں گے''۔

وزیر نے کہا۔

''تو پھر میں کل بغداد میں رعایا کا قتل نہیں ہونے دوں گا''۔

عنبر بولا۔

''یہ قتل عام کم از کم چار دنوں تک رک جانا چاہیے، کیونکہ

میرا جادو چار روز کے بعد اثر کرے گا۔ میں اپنا عمل چار روز تک جاری رکھوں گا"۔

وزیر نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔ چار روز تک میں شہر میں لوگوں کا قتل رکوا دوں گا"۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی سے اپنا عمل شروع کر رہا ہوں۔ مجھے جس چیز کی ضرورت ہوگی آپ سے کہہ دوں گا"۔

اس سمجھوتے کے طے پا جانے کے بعد عنبر سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

یہاں ماریا اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے ساری باتیں ماریا کو سنا دیں۔ ماریا نے حیرانی سے پوچھا۔

عنبر بھائی! کیا آپ جادو کر کے اشیلا کو قتل کریں گے؟

کیا آپ اس وزیر کے ہاتھ مضبوط کریں گے جو اشیلا سے کم ظالم نہیں ہے؟۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! تم بھی بڑی بھولی ہو۔ ہم جس کام کے لیے یہاں آئے تھے، وہ ہم نے پورا کر دیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ شہر میں رعایا کا قتل عام ہو پس وہ ہم نے رکوا لیا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر جب تک ہم کل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، یہاں سے نہیں ہلیں گے"۔

"ایسا ہی ہوگا"۔

دوسری طرف وزیر اپنی خواب گاہ سے نکل کر سیدھا اشیلا کے محل میں گیا۔

اٹیلا اس وقت کھانا کھانے کے بعد اپنے شاندار پلنگ پر لیٹا تلوار سے کھیل رہا تھا۔ وزیر کو آتے دیکھ کر اس نے نعرہ لگا کر کہا۔

"ہم بغداد کے لوگوں سے بادشاہ کے فرار کا بدلہ لیں گے۔ کل اس شہر کے بچے بچے کو قتل کر دیا جائے گا"۔

وزیر نے آگے بڑھ کر اٹیلا کے پاؤں چومے اور کہا۔

"حضور! عالی جاہ! اگر اس غلام کو اجازت ہو تو ایک بات عرض کرے"۔

اٹیلا نے کہا۔

"تمہیں اجازت ہے"۔

وزیر مکاری سے منہ بنا کر بولا۔

"عالی جاہ! اگر آپ صرف چار روز کے لیے شہروں کے

قتل عام کو روک دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے سارے افراد کو آپ کے قدموں میں لا کر حاضر کر دوں گا"۔

اٹیلا اپنے پلنگ سے ایک دم اٹھ بیٹھا۔

"وزیر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"۔

وزیر نے کہا۔

"عالی جاہ! میں سچ عرض کر رہا ہوں"۔

اٹیلا نے پوچھا۔

مگر تم بھاگے ہوئے بادشاہ اور شاہی خاندان کو کہاں سے پیدا کرو گے؟۔

کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟۔

اگر تمہیں معلوم ہے تو ہم ابھی چل کر انہیں وہاں سے پکڑ

لیں گے۔ بولو! یہ کیا راز ہے؟

وزیر بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے سر جھکا کر اٹیلا کا گھٹنا چوما اور کہا۔

عالی جاہ! میرے پاس ایک بڑا زبردست بوڑھا جادوگر ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنے جادو کے زور سے بادشاہ اور شاہی خاندان کو حاضر کر سکتا ہے۔

شرط یہ ہے کہ چار روز تک شہر والوں کو معاف کر دیا جائے۔

عالی جاہ! اگر ہم نے شہر والوں کا قتل عام شروع کر دیا تو پھر بھی یہ یقین نہیں ہے کہ بادشاہ اور شاہی خاندان گرفتار ہو سکے گا، کیوں نہ ہم اس جادوگر کی بات کو آزمائیں۔

اٹیلا نے کہا۔

"کیا تم کو اس بوڑھے جادوگر پر بھروسہ ہے؟"۔

وزیر بولا۔

"جی ہاں سرکار! وہ بڑا زبردست جادوگر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا جادو چل جائے گا اور بادشاہ جہاں کہیں بھی ہو گا اپنے شاہی خاندان کے ساتھ اٹیلا اعظم کے قدموں میں حاضر ہو جائے گا"۔

اٹیلا نے کہا۔

"بہت اچھا وزیر! ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں۔ لیکن ہم اس بوڑھے جادوگر سے مل کر خود اپنی تسلی کر لینی چاہتے ہیں۔ کیا تم اس جادوگر کو ہمارے سامنے حاضر کر سکتے ہو؟"۔

وزیر جھٹ بولا۔

"کیوں نہیں حضور! میں صبح اسے آپ کی خدمت میں

حاضر کردوں گا"۔

"بہت خوب! ہم صبح تمہارا اور جادوگر کا انتظار کریں گے"۔

وزیر اشیلا کی خواب گاہ سے نکل کر سیدھا عنبر کے کمرے میں آیا۔

یہ اسے ایک نئی مصیبت پڑ گئی تھی، لیکن اسے یقین تھا کہ وہ اس مصیبت سے بڑی خوبی سے نکل جائے گا۔ اس نے آتے ہی سارے بات عنبر کو کہہ ڈالی۔

عنبر نے کہا۔

"وزیر صاحب! آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ میں خود اشیلا اعظم کے پاس جا کر اسے سمجھا دوں گا۔ وہ میری بات پر اعتبار کرے گا"۔

وزیر نے کہا۔

"دیکھنا! کہیں وہاں کوئی ایسی ویسی بات نہ کر دینا۔ اگر تم نے وہاں میری سازش کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو تمہیں اسی وقت ہلاک کر دیا جائے گا۔ میرے سپاہی خنجر لے کر اسی جگہ بھیس بدل کر کھڑے ہوں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا سرکار! مجھے اپنی جان پیاری نہیں ہے کیا؟ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں آپ کے خلاف وہاں کوئی بات کروں؟"۔

"تو پھر میں صبح تمہیں لینے آؤں گا۔ تم تیار رہنا"۔

"میں بالکل تیار رہوں گا"۔

وزیر چلا گیا۔ عنبر نے ماریا سے کہا۔

"یہ شخص اپنی ہی مصیبت میں پھنس گیا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"بھائی! کیا تم اٹیلا کو اس کی خونی سازش کے بارے میں بتا دو گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

اگر میں چاہوں تو اٹیلا کو خبردار کر سکتا ہوں کہ یہ وزیر تمہیں قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مگر میں ایسا کیوں کروں؟۔

اس ظالم اٹیلا کی جان کیوں بچاؤں؟ ہمیں صرف اتنی غرض ہے کہ شہر میں لوگوں کا قتل عام نہ ہو۔ ہمیں دو چار دن مل جائیں تاکہ ہم بادشاہ اور شاہی خاندان کے لوگوں کو شہر سے بھگا کر اپنے بادبانی جہاز تک پہنچ جائیں۔

ماریا نے کہا۔

"اور اگر اس کے بعد پھر اٹیلا نے شہریوں کا قتل کرنا شروع کر دیا تو پھر انہیں کون بچائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"اس کے بعد کی ہم ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ میرا خیال ہے کہ اٹیلا پھر شہریوں پر ظلم نہیں کرے گا، کیوں کہ کسی نہ کسی طرح اسے بتا دیں گے کہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے لوگ بغداد سے بھاگ چکے ہیں۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ بادشاہ شہر میں نہیں ہے تو پھر وہ شہر والوں کا قتل عام نہیں کرے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس ظالم اٹیلا سے لوگوں کو

نجات دلا دینی چاہیے۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری"۔

عنبر بولا۔

تو خدا کے لیے پھر ایسا کر دو۔ اس شہر کے لوگوں پر یہ ظلم حکمران بعد میں بڑا ظلم ڈھائے گا۔ وہ کسی ایک کو بھی معاف نہیں کرے گا۔

وہ بچے بچے کو قتل کر دے گا۔ کچھ ایسا کرو کہ ہمارے جانے کے بعد یہ اٹیلا بھی زندہ نہ رہے۔

"اور اگر میں آج ہی اٹیلا کو جا کر ہلاک کر دوں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر سارے شہر میں شور مچ جائے گا۔ اٹیلا کے سپاہی شہر کے کسی مرد عورت اور بچے کو معاف نہیں کریں گے۔ وہ

رعایا سے اٹیلا کے خون کا بدلہ لیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

ہاں! تمہارا یہ خیال بڑا درست ہے۔ میں صرف اٹیلا کو ہلاک کروں گا۔

اس طرح ہلاک کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں سے چلے جانے کے بعد آہستہ آہستہ بیمار ہو کر مر جائے گا۔

میں اسے ایک زہر کھلا دوں گا۔

جو اس کے خون میں شامل ہو کر اسے ایک مہینے میں ہلاک کر دے گا۔

"بس میں بھی چاہتی ہوں۔ جب ہی لوگوں کو اس ظالم بادشاہ سے نجات مل سکے گی"۔

اس فیصلے کے بعد وہ لوگ سو گئے۔

صبح صبح ہی وزیر آ گیا۔ اس نے عنبر کو نقلی داڑھی لگوا کر بوڑھا جادوگر بنایا اور ساتھ لے کر اٹیلا کے محل کو چل پڑا۔ اس وقت ماریا بھی عنبر کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

بوڑھا جادوگر

اٹیلا اعظم نے بڑی گہری نظر سے عنبر کو دیکھا۔

وزیر نے جھک کر عنبر کا تعارف کروایا اور کہا کہ یہی وہ عظیم جادوگر ہے جس نے اپنے جادو کے عمل سے بادشاہ اور شاہی خاندان کو آپ کے قدموں پر لا ڈالنے کا وعدہ کیا ہے۔

اٹیلا نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے گھورا۔

عنبر بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا تھا۔ ایسے کئی بادشاہ اس

نے دیکھے تھے۔ وہ مصر کے فرعون کے زمانے میں رہا تھا۔

اٹیلا نے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے جادوگر؟"۔

عنبر نے کہا۔

"عالی جاہ! مجھے عنبر کہتے ہیں۔ میں ملک حبشہ میں پیدا ہوا۔ پھر جادو کے شوق میں ملک ملک شہر شہر گھومتا پھرا"۔

اٹیلا نے پوچھا۔

"تم نے کالا جادو کہاں سے سیکھا؟"۔

عنبر بولا۔

عالی جاہ! میں نے کالے جادو کا علم ایک ایسے حبشی بوڑھے جادوگر سے سیکھا ہے جو سینکڑوں برس سے جنگل میں ریاضت کر رہا تھا۔ جس کے سر پر چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ اپنے جادو کے زور سے اس نے موت پر فتح حاصل کر لی تھی۔ وہ میرا استاد تھا۔

اٹیلا نے پوچھا۔

"کیا وہ جادوگر ابھی تک زندہ ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

نہیں حضور! وہ جادوگر اپنا سارا علم مجھے دے کر اس دنیا سے غائب ہو گیا۔

ایک روز میرے سامنے وہ درخت کے نیچے سے اٹھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور غائب ہو گیا۔

اٹیلا بڑے غور سے عنبر کو تکنے لگا۔ اس نے اس قسم کی جادو کی باتیں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ پھر اس نے بڑے شوق

سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ عنبر بابا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ بغداد اور اس کے شاہی خاندان کے لوگ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اے بادشاہ! مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں، لیکن میں اپنا جادو کا عمل کروں تو وہ جہاں کہیں ہوں گے۔ باہر نکل کر اپنے آپ شاہی محل میں اسی جگہ آ جائیں گے جہاں میں جادو کر رہا ہوں گا"۔

اٹیلا بولا۔

"کمال کی بات ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا جادو کتنے دن چلے گا؟"۔

"سرکار! میں صرف چار روز عمل کروں گا"۔

"کیا تم شاہی محل میں بیٹھ کر عمل کرو گے؟"۔

نہیں حضور! میں شہر سے باہر کسی ویران جگہ پر بیٹھ کر جادو کے منتر پڑھوں گا۔ اس عرصے میں میرے پاس کسی کو نہیں آنا ہوگا۔

چوتھے روز بھاگا ہوا بادشاہ اور شاہی خاندان کے لوگ اپنے آپ میرے پاس آ جائیں گے۔ بس چوتھے روز آپ فوج لے کر میرے پاس آ جائیں اور اپنے قیدیوں کو پھر سے گرفتار کر کے لے جائیں۔

وزیر بولا۔

"عالی جاہ! یہ بڑا زبردست جادوگر ہے۔ جو کہتا ہے وہ کر کے دکھا دیتا ہے"۔

اٹیلا نے کہا۔

ہم اس جادوگر کی آزمائش کریں گے۔ اگر یہ آزمائش میں پورا اترا تو اسے اجازت ہو گی کہ یہ چار روز تک اپنا جادو کا عمل کرے۔

ہم چار روز تک شہریوں کا قتل عام نہیں کریں گے۔ اگر یہ آزمائش میں پورا نہ اترا تو سب سے پہلے اسی جگہ، ابھی میں خود اسے قتل کر دوں گا اور پھر شہر میں قتل عام کا حکم جاری کر دوں گا۔

عنبر نے کہا۔

"عالی جاہ! آپ بے شک میری آزمائش کر کے دیکھ لیں"۔

کہنے کو تو عنبر نے کہہ دیا تھا مگر دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اٹیلا اسے کسی ایسے سخت امتحان میں نہ ڈال دے جس پر وہ پورا نہ اتر سکے۔

ماریا اس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ عنبر نے ماریا کا آہستہ سے ہاتھ دبا کر اسے خبر کر دیا تھا۔

وزیر نے کہا۔

"عالی جاہ! آپ بے شک امتحان لیں۔ یہ جادوگر ہر امتحان میں پورا اترے گا۔ میں اس کی آزمائش کر چکا ہوں"۔

اٹیلا نے تالی بجائی۔ ایک حبشی غلام تلوار لیے اندر آ گیا۔

اٹیلا نے کہا۔

سنو! اے عنبر بابا جادوگر! ہم اس غلام کو حکم دیں گے کہ یہ اپنی تلوار تمہارے سر پر چلائے۔ اگر تم جادو کے زور سے زندہ رہے اور تمہاری کھوپڑی پر زخم نہ آیا تو ہم سمجھیں گے کہ تم سچے

جادوگر ہو۔

اگر تمہاری کھوپڑی پر زخم آ گیا تو ہم سمجھیں گے تم جھوٹے جادوگر ہو اور ہم سے دھوکا کر رہے ہو۔ ہم تمہارے ساتھ وزیر کو بھی اس وقت موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

یہ امتحان ہم اس لیے لے رہے ہیں کہ تم نے کہا تھا کہ تمہارا استاد مرا نہیں تھا۔ اس کے اندر جادو کی اتنی طاقت تھی کہ وہ زندہ رہا اور غائب ہو گیا۔ کیا تم اس امتحان کے لیے تیار ہو؟۔

وزیر تو تھر تھر کانپنے لگا کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اس امتحان پر پورا نہیں اتر سکے گا اور وہ دونوں اٹیلا کے ہاتھوں ماریں جائیں گے۔

وہ پچھتانے لگا کہ خواہ مخواہ کیوں اس کم بخت کو اٹیلا کے سامنے لے آیا۔ دوسری طرف عنبر کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ اسے اپنے سارے کام بنتے اور سارے منصوبے کامیاب ہوتے نظر آ رہے تھے۔

وہ اس قسم کا امتحان چاہتا تھا۔ یہ تو اس کے لیے بڑا آسان امتحان تھا۔ اگر اٹیلا اسے کسی اور امتحان میں ڈال دیتا تو اس کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

”ہاں عالی جاہ! میں امتحان کے لیے تیار ہوں۔ آپ اس غلام کو حکم دیں کہ وہ میرے سر پر تلوار چلائے، بلکہ اس میں جس قدر طاقت ہے، اتنے زور سے میرے سر پر تلوار مارے“۔

اٹیلا نے غور سے عنبر کو دیکھا اور کہا۔

"کیا تم خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہو؟ کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ اس پہلوان حبشی کی تلوار کا وار برداشت کر سکو گے؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں جناب عالی! آپ اسے حکم دیں۔ یہ جتنی زور سے تلوار کا وار کرے گا۔ تلوار کے اتنے ہی ٹکڑے ہو جائیں گے"۔

اٹیلا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"بابا! تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو۔ ٹھیک ہے میں اسے حکم دیتا ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ"۔

"میں تیار ہوں"۔

اٹیلا نے حبشی غلام کو اشارہ کیا۔ وزیر نے خوف کے

مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عنبر مسکراتا رہا۔ حبشی پہلوان نے پوری طاقت سے تلوار ہوا میں لہرا کر عنبر کے سر پر دے ماری۔

ایک چھناکے کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار حبشی کے ہاتھ سے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دور جا گری۔ اٹیلا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وزیر نے بھی آنکھیں کھول دیں اور زمین پر گرے ہوئے تلوار کے ٹکڑوں کو حیرانی سے تکنے لگا۔

اٹیلا نے قریب آ کر عنبر کے سر کو دیکھا۔ وہاں اس کا ایک بال بھی نہیں کٹا تھا۔ اٹیلا کا دماغ چکرا گیا۔ اس نے اس طرح کا تماشا اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے عنبر کا ہاتھ تھام لیا۔

"عنبر جادوگر! تم سچ مچ بہت بڑے جادوگر ہو۔ اب مجھے یقین ہے کہ تم بغداد کے بھاگے ہوئے بادشاہ کو ضرور ڈھونڈ نکالو گے۔ بولو! میں تمہیں کیا انعام دوں؟"۔

اب عنبر کی باری تھی کہ وہ اپنا کام دکھائے۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"بادشاہ! میں آپ کی تعریف سن کر اس شہر میں داخل ہوا تھا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ اپنا جام صحت نوش کریں"۔

اٹیلا کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"بس! اس میں بھلا کونسی انوکھی بات ہے۔ میں بڑی خوشی سے تمہارے ساتھ جام صحت نوش کروں گا"۔

اس وقت سونے کی صراحی میں سنگتروں کا رس ڈال کر لایا گیا۔ سونے کا ایک گلاس عنبر کو دیا گیا۔ ایک گلاس اٹیلا نے تھام لیا۔

ٹھیک اس وقت عنبر نے باتوں ہی باتوں میں اٹیلا کے گلاس میں وہ زہر ڈال دیا جس نے اٹیلا کے خون میں داخل ہو کر اسے ایک مہینے کے اندر اندر آہستہ آہستہ ہلاک کر دینا تھا۔ اٹیلا کو کوئی خبر نہ ہوئی۔

وہ سنگتروں کا رس پی گیا اور خوش ہو کر بولا۔

"عنبر! ہمیں تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ کیا تم ہمیں بھی یہ جادو بتا سکتے ہو کہ تلوار کا اثر ہمارے سر پر بھی نہ ہو؟ اگر تم نے ہمیں یہ جادو بتا دیا تو ہم تمہیں اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیں گے"۔

وزیر گھبرا گیا کہ کہیں عنبر لالچ میں آ کر یہ عہدہ قبول نہ

کرے، کیونکہ اگر وہ سپہ سالار بن گیا تو مکار وزیر اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔

لیکن عنبر کو سپہ سالار بننے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ اس نے کئی بار تخت اور تاج تک چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو ایک مسافر تھا جو ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

وہ صرف شہروں، ملکوں، جنگلوں، دریاؤں اور سمندروں میں گھوم پھر کر دنیا کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"اے بادشاہ! مجھے سپہ سالار بننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ میں ایک جادوگر ہوں اور اپنی جادو کی دنیا میں خوش رہتا ہوں۔ ہاں اگر آپ مجھ سے یہ جادو سیکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو سکھا سکتا ہوں"۔

اٹیلا نے کہا۔

"تو پھر ابھی ہمیں سکھا دو۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ تلوار کا ہم پر بھی کوئی اثر نہ ہو۔ ہم پر دشمن اپنا وار نہ کر سکے"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن اس کی ایک شرط ہے جناب عالی"۔

"وہ کیا؟ ہم کو بتاؤ۔ ہم اس کے لیے تمہاری ہر شرط مان لیں گے۔ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں"۔

عنبر بولا۔

"شرط صرف یہ ہے کہ میں چار روز کے بعد آپ کو جادو سکھا سکوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میں آپ کے بھاگے ہوئے قیدیوں کا کھوج لگا لوں، کیونکہ میں نے اس پر کام شروع کر دیا ہے"۔

اٹیلا نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے۔ تم ہمیں سب سے پہلے ہمارے قیدی واپس لا دو۔ پھر ہم تم سے یہ جادو بھی سیکھ لیں گے"۔

عنبر بولا۔

"لیکن آپ پر فرض ہے کہ چار روز تک اس شہر میں کسی بھی شہری کے خون کو نہ بہایا جائے گا"۔

"ہرگز نہیں۔ شہر میں امن امان ہوگا۔ تم اپنا کام کرو"۔

"بہت بہتر! اب اجازت دیں، تاکہ میں شہر سے باہر ایک ویران کھنڈر میں جا کر اپنا جادو کا عمل شروع کر دوں"۔

"تمہیں اجازت ہے۔ چوتھے روز ہم خود اپنے سپاہی لے کر بھاگے ہوئے بادشاہ اور شاہی خاندان کے لوگوں کو تم سے لینے وہاں پہنچ جائیں گے"۔

"جی ہاں، میں آپ کا انتظار کروں گا، لیکن چار روز سے پہلے کسی سپاہی کو اجازت نہیں ہوگی کہ شہر سے باہر کھنڈروں کی طرف جائے"۔

"بالکل اجازت نہیں ہوگی۔ تم بے فکر ہو کر اپنا کام کرو"۔

عنبر وزیر کے ساتھ اٹیلا کے محل سے واپس آ گیا۔

وزیر نے اس کے کمرے میں آتے ہی کہا۔

"کیا اب تم اٹیلا کو قتل کرنے پر تیار ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

کیوں نہیں؟ میں نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

میں جنگل کے کھنڈر میں بیٹھ کر جادو کا وظیفہ کروں۔ دو روز وظیفہ کرنے کے بعد میں تمہیں ایک خنجر دوں گا۔ اس خنجر کو

تم اپنے ہاتھ سے ہوا میں پھینک دو گے۔

اس خنجر کو تم اپنے ہاتھ سے ہوا میں پھینک دو گے۔ یہ خنجر جادو کا خنجر ہوگا۔ یہ ہوا میں اڑتا ہوا اٹیلا کے محل میں پہنچے گا اور سب سے پہلے اٹیلا کے سینے میں اترنے کے بعد اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی باری باری ہلاک کر دے گا۔ بس پھر تم اس ملک کے بادشاہ اور میں گورنر بن جاؤں گا۔

وزیر نے کہا۔

"کیا تم اپنے وعدے سے پھر تو نہیں جاؤ گے؟"۔

عنبر بولا۔

"ہم جادوگر جب کسی سے کوئی وعدہ کر لیتے ہیں تو پھر کبھی اس وعدے سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ ہم وعدے کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ تم بے فکر ہو کر بیٹھو۔ ہاں۔ یہ تمہیں

میری طرف سے تاکید ہے کہ تین روز تک تم بھی کھنڈر کی طرف مت آنا، کیونکہ اس طرح میرے جادو کا اثر ختم ہو جائے گا"۔

وزیر جلدی سے بولا۔

"نہیں نہیں! میں ہرگز ادھر نہیں آؤں گا۔ تم آرام کے ساتھ کھنڈر میں بیٹھ کر اپنا جادو کا وظیفہ کرو"۔

پھر وزیر آہستہ سے جھک کر بولا۔

"کیوں بھئی تم یہ جادو ہمیں نہیں سکھا سکتے؟"۔

"کیوں نہیں! ذرا یہ وظیفہ پورا کر کے اٹیلا اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار لینے دو۔ پھر میں تمہیں سارے جادو ایک ایک کر کے سکھا دوں گا"۔

وزیر بڑا خوش ہوا اور وہاں سے چلا گیا۔

اس روز دوپہر سے پہلے عنبر بھی ماریا کو ساتھ لے کر واپس پرانی خانقاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں درویش، بادشاہ اور دوسرے عرب ساتھی ان کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔

جب وہ خانقاہ میں داخل ہوا تو وہ اسے نیچے تہہ خانے میں لے گئے۔ تہہ خانے میں جا کر عنبر نے ان سب کو ساری کی ساری کہانی سنا ڈالی۔

وہ بڑے خوش ہوئے کہ عنبر نے دانشمندی اور اپنی ہوشیاری سے کام لے کر نہ صرف شہریوں کا بے گناہ قتل عام رکوا دیا تھا بلکہ اتنی اجازت بھی لے لی تھی کہ اس طرف کوئی سپاہی نہ آئے۔

بادشاہ بغداد نے کہا۔

”بیٹا! تم بڑے انمول رتن ہو۔ ہم تم پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”اب ہمیں یہاں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہی رات ہمیں اس خانقاہ سے نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے کنارے اس طرف سفر شروع کر دینا چاہیے۔ جہاں میرا جہاز کھڑا ہے“۔

”ویسا ہی ہوگا“۔ درویش نے کہا۔

انہوں نے مل کر کھانا کھایا اور بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے وہاں سے فرار ہونا تھا۔

بغداد سے فرار

شاہی خاندان کے فرار کا انتظام پہلے سے کر لیا گیا تھا۔

چار اونٹ اور بارہ گھوڑے خانقاہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک خفیہ جگہ پر چھپا کر باندھ دیئے گئے تھے۔

رات آدھی گذر گئی تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہی خاندان کے شہزادوں اور شہزادیوں کو ملکہ کے ساتھ چار اونٹوں کے کجاووں پر بٹھا دیا گیا۔

عنبر، ناگ اور درویش تین گھوڑوں پر سوار ہو کر سب سے آگے تھے۔ ماریہ بھی خاموشی سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ باقی گھوڑوں پر دوسرے عرب مجاہد سوار ہو گئے ان سب نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے تاکہ رات کے اندھیرے میں وہ دور سے کسی سپاہی کو دکھائی نہ دیں۔

آدھی رات کو یہ شاہی قافلہ پرانی خانقاہ سے نکل کر دریائے دجلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات بڑی خاموش تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

دن کی ہلکی ہلکی روشنی میں صحرا دور تک نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ بڑی تیز رفتار سے روانہ ہوئے تھے۔ اس خیال تھا کہ جلدی سے جلدی بغداد کے علاقے سے نکل جائیں۔

ساری رات قافلہ بڑی خاموشی سے صحرا میں چلتا رہا۔ صبح

کی نیلی روشنی نمودار ہوئی تو دور سے انہیں کھجوروں کے جھنڈ نظر آئے۔

عنبر ان راستوں سے پوری طرح خبردار تھا۔ وہ ناگ بادشاہ اور درویش کے ساتھ آگے آگے چل رہا تھا۔ باقی مجاہد شاہی خاندان کے اونٹوں کی حفاظت کرتے ان کے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ عنبر نے درختوں کو دیکھ کر کہا۔

''ہم تھوڑی ہی دیر میں دریائے دجلہ پر پہنچنے والے ہیں''۔

بادشاہ نے کہا۔

''ہاں یہ درخت دریا کے کنارے اگے ہوئے ہیں''۔

قافلہ چلتا رہا سورج مشرق سے اپنی سنہری کرنیں لے کر نکلا تو یہ لوگ دریا پر پہنچ گئے۔ عنبر اور ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اگر وہ صحرا میں راستہ بھول کر بھٹک جاتے تو پھر وہ ساری زندگی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

''ہمیں دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہوگا''۔

درویش بولا۔

''دریا میں کس جگہ تمہارا جہاز کھڑا ہے عنبر؟''۔

عنبر نے کہا۔

''ہمارا جہاز دریا کی ایک کھاڑی میں چھپا ہوا ہے۔ مگر یہ کھاڑی یہاں سے کافی دور ہے۔ ہم نے چنگیزی فوج کے سپاہیوں کے ڈر کے مارے جہاز کو اتنی دور کھڑا کیا تھا۔ ہم ابھی ایک دن اور ایک رات کا سفر کریں گے پھر وہاں پہنچیں گے''۔

بادشاہ نے کہا۔

"کیا ہمیں دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہوگا؟"۔

عنبر بولا۔

"نہیں بادشاہ سلامت! آج کسی وقت ہم دریا سے الگ ہو جائیں گے اور پھر کل کسی وقت دریا سے دوبارہ آن ملیں گے۔ اس کے بعد وہ کھاڑی آ جائے گی"۔

درویش نے کہا۔

"اگر ہمیں دوبارہ دریا کے ساتھ آ کر مل جانا ہے تو پھر دریا کے ساتھ ساتھ ہی کیوں نہ سفر کرتے رہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں سے ہم دریا کو چھوڑ دیں گے، وہاں سے دریا کے کنارے دلدلی ہے۔ اس میں اونٹوں اور گھوڑوں کے دھنس جانے کا خطرہ ہے۔ ہمیں بہر حال وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جس راستے سے ہم آئے ہیں۔ صرف اس صورت میں ہم اپنی منزل تک پہنچ سکیں گے۔ نہیں تو خطرہ ہے کہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

بادشاہ نے کہا۔

"ہاں درویش! عنبر اور ناگ کا خیال ٹھیک ہے۔ ہمیں اس پرانے راستے پر سفر کرنا چاہیے"۔

چنانچہ قافلہ سفر کرتا رہا۔ کچھ دور درختوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ دوپہر کے بعد دریا کے کنارے سے الگ ہو گئے۔

اب دریا کے ساتھ ساتھ دلدلی زمین شروع ہو گئی تھی۔ دریا سے دور ہو کر وہ ایک صحرا میں آ گئے۔ جہاں کہیں بھی کسی

درخت کا سایہ نہیں تھا۔

ایک جگہ قافلے نے پڑاؤ کر کے کھانا کھایا تھوڑا سا آرام کیا اور پھر سفر شروع کر دیا۔ رات کو وہ ایک جگہ رک گئے۔ یہاں اردگرد ریت کے بے شمار اونچے نیچے ٹیلے تھے۔ آدھی رات تک کھانا کھانے کے بعد قافلے والے مسافر آرام کرتے رہے۔

اس کے بعد پھر سفر پر چل پڑے۔ ساری رات وہ صحرا میں ستاروں کی روشنی میں سفر کرتے رہے۔ صبح کے وقت وہ پھر دریا کے ساتھ آن ملے۔ اب وہ اپنی منزل کے قریب تھے۔ عنبر نے بادشاہ اور درویش سے کہا۔

''ہم منزل سے دور نہیں ہے۔ کچھ فاصلے پر ایک پہر دن گزرنے کے بعد ہمیں دریا کی کھاڑی میں اپنا جہاز نظر آجائے گا''۔

وہ چلتے رہے۔ ناگ نے عنبر کو الگ لے جا کر کہا۔

''عنبر! اس خزانے کا کیا کرنا ہے جو ہم نے صحرا میں ایک پرانے کھنڈر میں دبا رکھا ہے؟''۔

ماریا نے بھی عنبر سے یہی سوال کیا۔

''عنبر بھائی! ہم خزانے کو اس صحرا میں بھی نہیں چھوڑ سکتے اور ساتھ بھی نہیں لے جا سکتے''۔

عنبر نے کہا۔

''ساتھ کیوں نہیں لے جا سکتے؟''۔

ماریا بولی۔

''اس لیے کہ ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ہمارے خزانے کو لوٹ لیں''۔

عنبر ہنسا کہنے لگا۔

"یہ لوگ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی ایمانداری ساری دنیا میں مشہور ہے۔ ہم خزانہ نکال کر ساتھ لے جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! کہنے کو تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر ہم خواہ مخواہ خطرہ کیوں مول لیں اور کسی کی دیانتداری کو کیوں آزمائیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم چھپ کر خزانہ جہاز میں ساتھ رکھ لیں گے"۔

"وہ کیسے؟"۔

"اس سلسلے میں ماریا کا گھوڑا ہماری مدد کرے گا۔ اگر ہم کسی طرح سے خزانہ ماریا کے گھوڑے پر رکھ دیں تو وہ خزانہ کسی کو نظر نہیں آئے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر خزانہ کھنڈروں سے جا کر اپنے ساتھ لائے گا کون؟"۔

ماریا بولی۔

"یہ کام میں خود کرلوں گا۔ آپ لوگ کھاڑی کی طرف جائیں۔ میں صحرا میں جا کر خزانہ اٹھا کر لے آؤں گی"۔

ناگ نے پوچھا۔

"ماریا بہن! تمہیں معلوم ہے، خزانہ کس جگہ دفن ہے؟"۔

"کیوں نہیں۔ میں اس مقام کو جانتی ہوں آپ لوگ کھاڑی کی طرف جائیں۔ میں خزانہ لے کر آجاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہم جہاز پر زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکیں گے۔ بہتر ہوگا کہ تم آج شام تک خزانہ لے کر جہاز پر آ جاؤ"۔

ماریا نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ اس میں ایسی مشکل بات کونسی ہے۔ یہاں سے کھنڈر بہت قریب ہے۔ میں شام ہونے تک آ جاؤں گی"۔

"بہت اچھا۔ تم خدا کا نام لے کر جاؤ"۔

ماریا ایک مقام پر ان لوگوں سے الگ ہو گئی۔ اس نے گھوڑے کو راستے پر ڈال دیا جو صحرا میں اس کھنڈر کی طرف چلا گیا تھا جہاں خزانہ دفن تھا۔

چلتے چلتے تھوڑی دیر بعد ہی اسے دور سے کھنڈر نظر آنے لگے۔ ماریا نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

ادھر قافلہ بھی کھاڑی کے پاس پہنچ گیا۔ دور سے انہیں جہاز کے مستول نظر آئے تو قافلے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

بادشاہ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بیٹا! تم نے شاہی خاندان کی مدد کر کے ہمارے دل جیت لیے ہیں۔ اگر خدا اس وقت تمہیں ہماری مدد کو نہ بھیجتا تو میرے سارے خاندان کو قتل کر دیا جاتا"۔

عنبر نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! آپ ایک نیک دل مسلمان بادشاہ ہیں۔ آپ کی مدد کرنا میرا فرض تھا۔ میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں آپ کی مدد کروں اور آپ کے کسی کام آ سکوں"۔

کھاڑی کے کنارے پہنچ کر قافلہ رک گیا۔ عنبر اور ناگ

نے مل کر جھاڑیوں میں چھپائی ہوئی کشتی کو باہر نکالا۔ سب سے پہلے اس میں شہزادوں اور ننھی شہزادیوں کو سوار کروایا۔ ناگ کو ان کے ساتھ کیا اور یہ کشتی جہاز کی طرف بہنے لگی۔

جہاز اسی طرح کھڑا تھا۔

اس کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ ناگ نے رسی کی سیڑھیوں کی مدد سے سارے شاہی خاندان کو ملکہ اور بادشاہ سمیت جہاز کے عرشے پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی جہاز کے اوپر آ گیا۔

اس نے نیچے جا کر سب کو دونوں کیبنوں میں آرام کرنے کے لیے کہا۔

باورچی خانہ کھول دیا گیا۔ اس نے شہزادیوں سے کہا۔

”میرے بچو! یہاں کھانے پینے کی ہر شے موجود ہے۔

آرام سے جو دل کرے کھاؤ پیو اور خدا کا شکر ادا کرو۔“

اس کے بعد ناگ کشتی میں سوار ہو کر واپس کنارے پر آ گیا۔ تاکہ وہاں سے دوسرے لوگوں کو بھی لا کر جہاز پر سوار کرایا جائے۔

تھوڑی دیر بعد سارے کے سارے مسافر جہاز پر آ چکے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کو صحرا میں آزاد کر دیا گیا، کیونکہ جہاز پر ان کا سوار ہونا بیکار تھا اور صحرا میں سفر کر کے وہ واپس جا سکتے تھے، کیونکہ صحرا میں گھوڑے اور اونٹ عام طور پر اپنا راستہ تلاش کر کے منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔

اب ناگ اور عنبر کو ماریا کا انتظار تھا۔ ابھی شام نہیں ہوئی تھی۔ سب لوگ جہاز کے ڈیک پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

بادشاہ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں اگر یہاں سے خلیج فارس کے پانیوں میں سفر کر کے عمارا کی بندرگاہ پر پہنچ جاؤں تو وہاں مجھے اپنے بھانجے کے ہاں پناہ مل سکتی ہے۔ وہاں سے ہم فوج کی کمک لے کر بغداد پر حملہ کر کے اپنا کھویا ہوا تخت حاصل کر سکتے ہیں“۔

درویش نے کہا۔

”بادشاہ سلامت! آپ کا خیال بڑا اچھا ہے۔ عمارا کی فوج اور بھانجا آپ پر جان چھڑکتے ہیں“۔

بادشاہ نے کہا۔

”اس کے لیے ہمیں اب جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ ہمیں اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“

عنبر نے کہا۔

”مشکل یہ ہے کہ ابھی ہوا تیز نہیں ہے۔ اتنی ہوا نہیں ہے کہ بادبانی جہاز کو آگے دھکیل سکے“۔

”تو پھر ہمیں کب تک یہاں رہنا ہو گا؟“۔

درویش نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

”زیادہ دیر نہیں مجھے امید ہے کہ رات کے وقت ہوا چلنے لگے گی۔ ہم آدھی رات کو کوچ کر جائیں گے“۔

اصل میں عنبر اور ناگ صرف ماریا کے لیے وہاں رکے ہوئے تھے۔ نہیں تو اتنی ہوا ضرور تھی کہ وہ دریا میں سفر کر سکیں۔

اب ذرا ماریا کی بھی خبر لیتے ہیں۔ ماریا گھوڑے دوڑاتی اس کھنڈر میں پہنچ گئی۔ جہاں انہوں نے مل کر خزانے کو کھنڈر کے اندر ایک جگہ زمین پر سے سل اکھاڑ کر دفن کیا تھا۔

وہ ابھی گھوڑے پر سوار ہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے، کھنڈر میں سے ایک آدمی نکل کر باہر آیا۔

پھر دوسرا باہر آ گیا۔ دونوں بڑے غور سے صحرا میں دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔

”تمہارا وہم ہے۔ یہاں ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہے“۔

پہلے نے کہا۔

”میں نے اپنے کانوں سے کسی گھوڑے کے ہنہنانے اور اس کے قدموں کی آواز سنی ہے“۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ماریا کا گھوڑا ایک بار ہنہنایا بھی تھا اور کھنڈروں کے پتھروں پر سے اس کے قدموں کی آواز بھی گونجی تھی۔

بہر حال دونوں نے جب دیکھا کہ صحرا خالی ہے تو واپس کھنڈر میں چلے گئے۔ ماریا سوچنے لگی کہ یہ کم بخت کہاں سے آ گئے؟

اور پھر کوئی پتا نہیں تھا کہ وہ دو ہیں یا زیادہ ہیں۔ اس کے لیے کھنڈر کے اندر جا کر دیکھنا بہت ضروری تھا۔

ماریا گھوڑے کو دور لے گئی۔

یہاں ببول کی جھاڑیاں سی اگی ہوئی تھیں۔ ماریا نے ان جھاڑیوں کے پیچھے گھوڑے کو چھپا کر باندھ دیا۔ اور خود گھوڑے پر سے اتر کر کھنڈر کی طرف چلنے لگی۔

مصیبت یہ تھی کہ وہ خود تو نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر ریت پر

اس کے قدموں کے نشان برابر پڑ رہے تھے۔ خدا کا شکر تھا کہ وہاں کوئی ان نشانوں کو دیکھنے والا نہیں تھا۔ نہیں تو ان نشانوں کی مدد سے ماریا کو گرفتار کر کے اپنے قابو میں کیا جا سکتا تھا۔

ماریا جلدی سے کھنڈروں میں آ گئی۔ یہاں پتھر ہی پتھر زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ پتھروں پر ماریا کے پاؤں کے نشان نہیں پڑ رہے تھے۔

ماریا ایک ٹوٹی پھوٹی دیوار کے پیچھے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اندر سے صرف دو آدمیوں کے بات کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر اس نے سنا کہ جیسے کوئی شخص پتھروں کو زمین میں سے اکھاڑ رہا ہے۔ ماریا جلدی سے اندر آ گئی۔

کھنڈروں میں وہی دو ڈاکو بیٹھے تھے۔ قریب ہی ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ دونوں ڈاکو کدالیں ہاتھوں میں لیے ٹھیک اسی جگہ سے پتھروں کی سل اکھاڑ رہے تھے۔ جہاں انہوں نے خزانے کو دفن کیا تھا۔

ماریا پہلے تو پریشان ہو گئی کہ یہ کم بخت ان کے خزانے کو چرانے والے کہاں سے آ گئے؟ اسے اس بات کی بھی حیرانی تھی کہ ان لوگوں کو یہ پتا کیسے چل گیا کہ یہاں خزانہ دفن ہے؟

بہر حال یہ وقت اس قسم کی باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا، کیونکہ وہ لوگ خزانہ نکال کر لے جا رہے تھے۔ ڈاکوؤں نے کدالوں سے سل اکھاڑ کر پرے پھینک دی۔

سل کے نیچے سے خزانے کا صندوق نکل آیا۔ دونوں ڈاکوؤں کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

"مل گیا خزانہ"۔

خزانہ انہیں سچ مچ مل گیا تھا۔ ماریا چوکس ہوگئی۔ انہوں نے صندوق کو باہر نکال کر رکھ لیا۔

ڈھکن کھول کر دیکھا تو سونے کی اشرفیوں اور ہیرے کے جواہرات کے ڈھیر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ وہ خوشی سے ناچنے لگے۔ ایک نے کہا۔

"چلو اسے جلدی سے یہاں اٹھا کر گھوڑے پر رکھتے ہیں۔ اب ہم بہت امیر ہیں۔ ہم کو یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

انہوں نے خزانے کے صندوق کو گھوڑے پر لادنے کے لیے کام کتا شروع کر دیا۔ ایک ڈاکو نے خزانہ دوسرے ڈاکو کے کندھے پر رکھ دیا۔

اب ماریا کے لیے خاموش رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس نے زور سے گرجدار آواز میں کہا۔

"خبردار! اسی جگہ رکھ دو جہاں سے اٹھایا ہے"۔

دونوں ڈاکو چونک کر ادھر ادھر تکنے لگے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ انہوں نے پھر سے خزانے کو گھوڑے پر رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک ڈاکو کی نیام سے تلوار کھینچ لی اور گرجدار آواز میں کہا۔

"اگر تم لوگ خزانے کو یہاں پھینک کر نہ بھاگے تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔ میں اس خزانے کا بھوت ہوں"۔

ڈاکو ڈر گئے تھے مگر خزانہ بھی نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ اتنی دولت انہیں ساری زندگی کہیں سے نہیں مل سکتی تھی۔ ایک ڈاکو

نے خزانے کو گھوڑے پر رکھا اور اس پر سوار ہو کر بھاگ اٹھا۔ ماریا بھی فوراً گھوڑے پر سوار ہوئی اور ڈاکو کے پیچھے دوڑی۔ وہ کھنڈر سے باہر نکل کر صحرا میں دوڑنے لگی۔

ماریا نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ ایک جگہ ماریا کا گھوڑا ڈاکو کے گھوڑے کے بالکل قریب ہو گیا۔ ماریا نے پیچھے سے ڈاکو پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار اس کی گردن پر لگی۔ اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔

ماریا نے خزانہ گھوڑے پر ہی رہنے دیا۔ گھوڑے کی باگ تھامی اور اسے لے کر ان جھاڑیوں میں آ گئی جہاں اس کا اپنا گھوڑا کھڑا تھا۔

اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دوسرا گھوڑا آزاد کر دیا اور خزانے والے گھوڑے کی باگ تھام کر واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔

جس وقت وہ دریا کے کنارے پہنچی سورج غروب ہونے شروع ہو گیا تھا اور ناگ اور عنبر اس کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

طوفان کے بعد

عنبر جہاز سے اتر کر دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا۔

رات گہری ہونے لگی تھی۔ صحرا کے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ جہاز پر شاہی خاندان کے بچے آرام کر رہے تھے۔

بادشاہ بلی اپنے کیبن میں تھا۔ عرب مجاہد درویش اور ناگ عرشے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگ نے بھی محسوس کیا کہ اتنی دیر ہوگئی ہے اور ماریا ابھی تک نہیں آئی۔ ضرور کوئی گڑبڑ کی بات ہے۔ چل کر دیکھنا چاہیے۔

اس نے درویش سے کہا۔

"میرا خیال ہے آج رات ہوا نہیں چلے گی۔ شاید ہمیں صبح یہاں سے لنگر اٹھانا پڑے۔ اس لیے آپ سب لوگ جا کر آرام کریں"

درویش نے کہا۔

"معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے"۔

اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نیچے کیبن میں جا کر لیٹ گیا۔

جہاز کا عرشہ خالی ہو گیا تو ناگ جہاز پر سے اتر کر دریا کے کنارے عنبر کے پاس گیا۔ عنبر بھی ماریا کے انتظار میں بے

چینی سے ٹہل رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"عنبر بھائی! ماریا کا جلدی پتا کرنا چاہیے۔ خدا خیر کرے وہ ابھی تک نہیں آئی۔ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں۔ میں خود اس کے لیے پریشان ہوں۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں"۔

ابھی وہ جانے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ انہیں گھوڑے کے چلنے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک خالی گھوڑا چلا آ رہا ہے۔

جس پر خزانے کا صندوق لدا ہوا ہے۔ وہ لپک کر اس کی طرف گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ گھوڑا تھا۔ جس پر ماریا سوار

تھی۔ ماریا اور اس کا گھوڑا غائب تھے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ماریا! تم آ گئیں؟"۔

"ہاں عنبر بھائی"۔

ناگ بولا۔

"خدا کا شکر ہے۔ ہم تو بڑے پریشان ہو رہے تھے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہوئی؟ تم نے اتنی دیر کیوں کر دی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"بس وہی پرانی بات۔ دو ڈاکو کہیں سے آ کر خزانے کو چرا کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے"۔

عنبر سر جھٹک کر بولا۔

"ان کم بخت ڈاکوؤں سے نہ جانے کب ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔ ہر جگہ آ کر مصیبت ڈال دیتے ہیں۔ آؤ اب جلدی سے جہاز پر چلو"۔

انہوں نے خزانے کے صندوق کو گھوڑے پر سے اتار کر کندھے پر رکھا اور اسے لے کر چھپتے چھپاتے جہاز کے عرشے پر آ گئے۔

ناگ نے بڑی عقل مندی کا کام کیا تھا۔ جو جہاز پر سب لوگوں کو عرشے سے نیچے بھجوا دیا تھا۔ عرشہ بالکل خالی تھا۔ وہ خزانے کے صندوق کو سیڑھیوں پر سے اتار کر چپکے سے اپنے خاص تہہ خانے والے کیبن میں لے گئے۔

وہاں لے جا کر انہوں نے خزانے کو ایک جگہ کونے میں خالی بوروں کے نیچے چھپا کر رکھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

عنبر نے کہا۔

"اب جب کہ ہم خزانے کو جہاز پر لے آنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں اب جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے نکل جانا چاہیے، کیونکہ ہو سکتا ہے، اٹیلا کے سپاہی ہماری تلاش میں نکل پڑے ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

ہاں! اٹیلا کے جاسوس بڑے خطرناک ہیں اور وہ ضرور ہر جگہ پھیلے ہوں گے۔

اس قوم کی جاسوسی بڑی سخت ہوتی ہے۔ ہم ان کے جاسوسوں سے تبت میں پہلے بھگت چکے ہیں۔

ماریا نے کہا۔

"ہوا ابھی خوب چلنے لگی ہے۔ ہمیں لنگر اٹھا کر یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

عنبر نے جا کر بادشاہ اور درویش کو اطلاع کر دی کہ ہوا چل پڑی ہے اور وہ لوگ جہاز کو لے کر چل رہے ہیں۔ سب لوگ بڑے خوش ہوئے۔

سارے عرب مجاہد عنبر اور ناگ کی مدد کرنے کے لیے اوپر آ گئے۔ انہوں نے لنگر اٹھانے اور بادبانوں کو کھولنے میں مدد دی۔

جہاز دریا میں سمندر کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا۔

ساری رات جہاز دریا کی لہروں پر سمندر کی طرف سفر کرتا رہا۔ دن نکلا تو جہاز ابھی دریا میں ہی تھا۔

تیسرے پہر جہاز سمندر میں داخل ہو گیا۔

شام تک جہاز سمندر کے بیچ میں آ گیا تھا۔ اب آسمان پر اچانک گہرے گہرے بادل چھانا شروع ہو گئے۔ تیز ہوا چلنے لگی اور بارش کی جھڑی لگ گئی۔

جہاز تیز ہواؤں میں ڈولنے لگا۔ آدھی رات تک سمندر میں طوفان رہا۔ بارش اور ہواؤں کا زور رہا۔ رات کے پچھلے پہر ہوا اور بارش کا زور ٹوٹ گیا۔

صبح ہوئی تو آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے مگر طوفان ختم ہو چکا تھا۔ بارش بھی تھم گئی تھی۔

سارا دن جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

عنبر بڑی مہارت سے جہاز کو ٹھیک راستے پر چلا رہا تھا۔

بادشاہ اور درویش نے اسے بتایا کہ عمارا کی بندرگاہ خلیج فارس

کے جنوب مغرب میں ہے اور اس کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کے کنارے پر سیاہ رنگ کی بڑی بڑی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

شام تک یہ چٹانیں کہیں نظر نہ آئیں۔ اگلا دن شروع ہوا تو دور سے انہوں نے سیاہ چٹانوں کے سلسلے کو دیکھا۔

بادشاہ نے کہا۔

"میرے بچو! یہی عمارا کا ساحل ہے"۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"جہاز کے بادبانوں کا رخ ساحل کی طرف موڑ دو"۔

ناگ نے مستولوں کے اوپر چڑھ کر بادبانوں کا رخ کنارے کی طرف کر دیا۔

جہاز اب آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کنارے پر کھڑے تھے۔ عنبر اور ناگ نے شاہی خاندان کو جہاز سے اتارا۔ جہاز کو ساحل پر ہی لنگر ڈال کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

عمارہ کی بندرگاہ معمولی سی بندرگاہ تھی۔

یہاں پر کوئی بھی جہاز نہیں تھا۔ ماہی گیروں کی دو چار کشتیاں دور سمندر میں جال ڈالے مچھلیاں پکڑ رہی تھیں۔

عنبر نے درویش سے کہا۔

"یہاں سے عمارہ کا شہر کتنی دور ہوگا؟"۔

بادشاہ نے کہا۔

"میرے بچے! میرے بھانجے کا شہر عمارہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر ہوگا، لیکن اب تم تکلیف نہ اٹھاؤ، ہم خود ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔

تم نے پہلے ہی ہمارے لیے بے حد تکالیف اٹھائی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں نہیں بادشاہ سلامت! ہم آپ کو عمارہ شہر تک چھوڑ کر آئیں گے۔ یہ ہمارا فرض ہے"۔

درویش نے کہا۔

"عنبر بھائی! بادشاہ سلامت کا خیال صحیح ہے۔ تم لوگ خواہ مخواہ کیوں پریشان ہوتے پھرو گے۔ ہم لوگ خود ہی پہنچ جائیں گے"۔

عنبر بولا۔

"نہیں بھائی ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ہم بڑی خوشی سے آپ لوگوں کے ساتھ عمارہ شہر تک جائیں گے۔ اور آپ کو اپنی منزل پر پہنچا کر واپس آ جائیں گے"۔

بادشاہ نے کہا۔

"تم اس جہاز کو اکیلے کیسے چھوڑ کر جاؤ گے؟"۔

عنبر بولا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا اور ناگ اس جہاز کی رکھوالی کرے گا"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ عنبر خود شاہی خاندان کے ساتھ صحرا میں عمارہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا اور جہاز پر ناگ اور ماریا اس کی پہرے داری کے لیے رہ گئے۔

شاہی خاندان پیدل ہی سفر کر رہا تھا۔ ایک پہر کا سفر طے کرنے کے بعد انہوں نے ایک گاؤں میں پہنچ کر وہاں سے کچھ گھوڑے اور اونٹ خریدے اور اس پر سوار ہو کر اپنا سفر شروع کر دیا۔

ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد یہ شاہی قافلہ عمارہ شہر کے روازے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر پہرے دار سپاہیوں نے بغداد کے بادشاہ سلامت اور دوسرے شاہی خاندان کے لوگوں کو مصیبت کی حالت میں آتے دیکھا تو انہوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور جھک کر سلام کیا۔

بادشاہ کا بھانجہ خوارزم اپنے ماموں کا خیر مقدم کرنے شاہی محل کے دروازے پر آ گیا۔

اپنے شاہی خاندان کے لوگوں کی حالت بری دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے ماموں سے لپٹ گیا۔

بادشاہ نے پیار سے تھپتھپا کر کہا۔

’’اچھے بھانجے! دنیا کی تاریخ میں ایسے انقلاب آتے ہی رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ عزت و آبرو لے کر تمہارے پاس پہنچ گیا ہوں‘‘۔

شاہی محل میں آ کر بادشاہ نے خوارزم سے عنبر کا تعارف کروایا اور کہا۔

’’بھانجے! اگر یہ نوجوان ہماری مدد نہ کرتا تو آج ہم لوگ زندہ حالت میں تمہارے سامنے کھڑے نہ ہوتے یہ اس ایک بہادر نوجوان کا کارنامہ ہے کہ اس نے ہمیں بغداد شہر کے آگ اور خون کے دریا سے باہر نکال دیا۔‘‘

خوارزم نے عنبر سے گلے لگ کر کہا۔

’’میرے بھائی! میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں تم نے میرے ماموں کی جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے شہر کا گورنر ہو سکتا ہوں‘‘۔

عنبر بولا۔

''نیک دل بادشاہ! آپ کو یہ شہر مبارک ہو۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ میرا بھائی پیچھے میری راہ دیکھ رہا ہے۔ مجھے اس کے پاس واپس پہنچنا ہے۔ اگر زندگی رہی تو پھر کبھی نہ کبھی ضرور ملاقات ہوگی''۔

وہ رات عمارہ کے شاہی محل میں ٹھہرنے کے بعد عنبر دوسرے روز صبح صبح بادشاہ ، درویش، عرب مجاہدوں اور خوارزم سے مل کر گھوڑے پر سوار ہوکر واپس اپنے جہاز کی طرف روانہ ہو گیا جو سمندر میں کھڑا تھا اور جہاں ناگ اور ماریا اس کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ جہاز پر ایک دن ایک رات تو آرام سے گذر گئی۔

دوسرے روز جب عنبر شہر عمارہ سے واپس چلا تو ادھر جہاز

پر ناگ عرشے کے جنگلے سے لگا سمندر کی لہروں کا تماشا کر رہا تھا کہ اسے دور سے ایک کشتی آتی دکھائی دی۔

ناگ نے نیچے سے ماریا کو بھی اوپر بلا لیا اس نے ماریا کو کشتی دکھا کر کہا کہ اسے یہ کشتی عجیب سی لگ رہی ہے۔ کیونکہ وہ ماہی گیری کی کشتی سے زیادہ بڑی ہے اور اس میں آدمی بھی زیادہ سوار ہیں۔

ماریا نے کہا۔

''آدمیوں کے سروں پر چمکیلے خود ہیں۔ یہ تو کسی ملک کے سپاہی معلوم ہوتے ہیں''۔

ناگ بولا۔

''انہوں نے معلوم ہوتا ہے جہاز کو دیکھ لیا ہے اور وہ اسی جہاز کی طرف بڑھ رہا ہیں۔ ہمیں ہر طرح سے ہوشیار ہو جانا

چاہیے"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ پھنکار مار کر سانپ بن گیا۔ اور مستول کے اوپر بادبانوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ماریا نے نیچے جا کر جلدی سے اس تہہ خانے کے دروازے پر تالا ڈال دیا جس کے اندر خزانہ چھپا ہوا تھا۔ وہ خود جہاز کے عرشے پر آ کر ایک طرف جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

کشتی والوں نے بھی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ جہاز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب کشتی قریب آ گئی تو ماریا نے دیکھا کہ اس میں دس گیارہ سپاہی بیٹھے تھے ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے اور کمر کے گرد خمدار تلواریں اور خنجر لٹک رہے تھے۔

کچھ سپاہیوں کے کندھوں پر کمانیں اور ترکش میں تیر

تھے۔ مستول کے ساتھ لپٹا سانپ بھی ان سپاہیوں کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا کہ یہ کون سپاہی ہیں اور جہاز پر کیا کرنے آ رہے ہیں۔

ماریا کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا کہ یہ ضرور اشبیلا کے سپاہی ہیں جو بغداد کے مفرور شاہی خاندان اور بادشاہ کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ وہ خاموشی سے دیکھنے لگی کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

کشتی جہاز کے قریب آ کر رک گئی۔ پھر کشتی نے جہاز کے ارد گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔ تین چار چکر لگانے کے بعد کشتی جہاز کے پیندے کے ساتھ لگ کر رک گئی۔

سپاہی کشتی میں سے نکل کر لنگر کے سنگل یعنی زنجیر کے ساتھ لٹک لٹک کر جہاز کے عرشے پر آ گئے۔ عرشے پر آتے

ہی انہوں نے تلواریں نکال کر ہاتھوں میں تھام لیں۔ کمانوں پر تیر چڑھا لیے گئے۔ گویا وہ مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

ایک آدمی جو ان کا سپہ سالار لگتا تھا آگے بڑھ کر بولا۔

”کچھ سپاہی یہاں پہرہ دیں۔ کچھ سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں۔ میں نیچے جاتا ہوں۔ جہاز خالی معلوم ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے دشمن نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہو“۔

سالار اپنے ساتھ سپاہیوں کو لے کر ننگی تلواریں اور نیزے ہاتھوں میں لیے جہاز کی سیڑھیوں پر سے نیچے اتر گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس کا ان سپاہیوں کے ساتھ نیچے جانا ضروری ہے تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ خزانہ تو ان کے ہاتھ نہیں لگ گیا۔

ماریا جلدی سے، بڑی خاموشی سے سیڑھیوں پر پاؤں رکھتی نیچے اتر گئی۔ اس وقت سپاہی باورچی خانے میں گھسے ہوئے تھے اور ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

سالار نے چولہے کو ہاتھ لگا کر کہا۔

”چولہا ٹھنڈا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جہاز خالی نہیں۔ یہاں لوگ موجود تھے جو شاید ہمیں دیکھ کر اس جہاز پر یا کسی دوسری جگہ جا کر چھپ گئے ہیں۔ ہم انہیں تلاش کر کے چھوڑیں گے“۔

باورچی خانے سے نکل کر یہ لوگ ساتھ والے کیبن میں آ گئے۔ یہاں تپائی پر سمندری راستوں کا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔

سالار نے نقشے کو جھک کر بڑے غور سے دیکھا اور کہنے لگا۔

”اس جہاز پر بڑا لمبا سفر کیا گیا ہے۔ یہاں جس جس

جگہوں پر نشان لگے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہاز ساری دنیا کے چکر لگا چکا ہے"۔

یہاں سے نکل کر یہ لوگ اس کیبن میں آ گئے جہاں ماریا سوتی تھی۔ یہاں ماریا کا بستر دیکھ کر بھی انہوں نے آپس میں باتیں کیں اور پھر تہہ خانے کے دروازے پر آ گئے جس پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

سالار نے حکم دیا کہ تالا توڑ دیا جائے۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر تالا توڑ دیا۔ یہ لوگ تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔

یہ وقت بڑا نازک تھا۔ ماریا اس وقت تک حملہ نہیں کرنا چاہتی تھی جب تک کہ سپاہی خزانے پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ سپاہی نے تہہ خانے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ انہوں نے

ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔

بدقسمتی سے ایک سپاہی نے خالی بوروں کو ہٹایا تو نیچے خزانے کا صندوق نظر آ گیا۔ انہوں نے ڈھکنا کھولا تو زر و جواہرات دیکھ کر سالار کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ خزانے کو نکال کر اوپر لے جایا جائے اب ماریا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ماریا نے تلوار نکال لی اور وہ تہہ خانے کے دروازے کے باہر کھڑی ہو گئی۔ جونہی ایک سپاہی باہر نکلا ماریا نے ایک ہی وار سے اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔

☆ یہ سپاہی کون تھے کہاں سے آئے تھے؟

☆ کیا ماریا خزانے کو ان لوگوں سے بچا سکی؟

☆ کیا عنبر واپس جہاز پر پہنچ گیا؟

☆ ان سوالوں کے جواب کے لیے اسی ناول کی اگلی
یعنی 47ویں قسط پڑھیے۔

مکار نجومی

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 47)

اے حمید

مکار نجومی

عنبر ناگ ماریا

(قسط نمبر 47)

اے حمید

فہرست

مکار نجومی
غیبی انسان کہاں؟
اندھیرے میں جادو
چوروں کی ٹولی
خزانہ چوری ہو گیا
خزانے کی تلاش
پراسرار مسافر
خفیہ غار
صحرا میں قتل
سمندر کا دھارا

مکار نجومی

سپاہی کی گردن اڑتی دیکھ کر اندر والے سپاہی گھبرا گئے۔

سالار تلوار لہراتا باہر آ گیا۔ اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

جبکہ ماریا اس کے قریب ہی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ لیکن وہ غائب تھی۔

وہ سب کو دیکھ سکتی تھی اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

سالار کے ساتھ دوسرے سپاہی بھی تہہ خانے سے باہر آ

گئے۔ سپاہی کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔

سالار نے کہا۔

"یہاں ضرور کوئی دشمن چھپا ہوا ہے۔ خزانے کو اٹھا کر باہر لے آؤ اور سارے جہاز کی تلاشی لو"۔

چار سپاہی خزانے کا صندوق لے کر باہر آ گئے۔ اب وقت بڑا نازک تھا۔ ماریا آگے بڑھ کر سیڑھیوں میں کھڑی ہو گئی۔

اس نے آگے والے سپاہی کی ٹانگوں پر تلوار کا وار کیا اس کی ٹانگیں کٹ گئیں اور وہ زخمی ہو کر گرا۔ دوسرے سپاہیوں نے اسے سنبھالا۔

ماریا نے دوسرے ایک سپاہی کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ چوتھا سپاہی بھوت کا شور

مچاتا خزانہ وہیں چھوڑ کر اوپر بھاگا۔

سالار نے چیخ کر کہا۔

”کم بخت! بھاگ کیوں گیا؟ ٹھہرو“۔

مگر سپاہی اس قدر ڈر گیا تھا کہ اس نے ڈپتے سالار کی آواز پر پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا۔ سالار خزانے کو کندھے پر اٹھانے کے لیے جھکا۔

وہ اتنا بڑا خزانہ ویران جہاز میں چھوڑ کر خالی ہاتھ نہیں واپس جانا چاہتا تھا۔ اب مارنے کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ سالار پر بھی حملہ کر دے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ تلوار کا ایک زوردار وار سالار کے بازو پر کیا۔ اس کا بازو کٹ گیا۔ وہ چیخ مار کر خزانہ وہیں چھوڑ کر اوپر بھاگا۔ وہ ڈر گیا تھا کیونکہ اس کا حشر بھی وہی

ہونے والا تھا جو دوسرے سپاہیوں کا ہوا تھا۔

وہ بھاگتا ہوا اوپر آیا۔

اوپر بھی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ناگ نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ وہ سانپ بن کر مستول کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ وہاں سے چپکے سے اتر کر اس نے ایک سپاہی کو ڈس کر ہلاک کر دیا تھا۔

نیچے سے سالار کو بھاگتا اور زخمی حالت میں آتا دیکھ کر اوپر والے سپاہی گھبرا گئے۔ پھر بھی سالار نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔

”نیچے سے خزانہ لا کر کشتی میں ڈالو اور یہاں سے بھاگ چلو“۔

ایک سپاہی حکم ملتے ہی نیچے تہہ خانے کی سیڑھیوں کی

طرف لپکا۔ سیڑھیاں اتر کر اس نے دیکھا کہ خزانے کا صندوق فرش پر سیڑھیوں کے پاس ہی پڑا تھا۔

وہ جلدی سے جھک کر خزانے کو اٹھانے لگا۔ خزانہ اٹھا کر اس نے کندھے پر رکھا اور بڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر عرشے پر آ گیا۔

سالار نے جب دیکھا کہ خزانہ اوپر آ گیا ہے تو بڑا خوش ہوا۔

اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میرا ایک بازو کٹ گیا ہے تو کیا ہوا خزانہ تو میں ضرور ساتھ لے جاؤں گا۔ اسے کشتی میں ڈال دو اور جہاز کو چھوڑ دو"۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا تلوار ہاتھ میں لیے، ان کی

موت بن کر اوپر آ چکی تھی۔ دوسری طرف سے سانپ بھی مستول سے اتر کر ایک سپاہی کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔

جونہی خزانے والا سپاہی خزانے کو نیچے لے جانے لگا سانپ نے پیچھے سے اسے ڈس دیا۔ زہر اتنا سخت تھا کہ اس کے اثر سے سپاہی کا سارا جسم پتھر سا بن کر گر پڑا۔

خزانہ عرشے پر رہ گیا۔ دوسرے سپاہی نے خزانے کو اٹھانا چاہا تو ماریا نے تلوار کا وار کر کے اس کی بھی گردن اڑا دی۔

سالار گھبرا گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"کشتی میں چھلانگ لگا دو۔ جہاز پر بھوتوں کا قبضہ ہے"۔

سارے سپاہیوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

سالار کی بدقسمتی کہ اس کے دل میں پھر لالچ آ گیا۔ اس نے

سوچا کہ کیوں نہ جاتے جاتے خزانے کو بھی سمندر میں پھینک دے۔

یہ سوچ کر اس نے صندوق کو اٹھا کر سمندر میں پھینکنا چاہا۔ ابھی وہ جھکا ہی تھا کہ ماریا نے اس کی پیٹھ پر اس زور سے لات ماری کہ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا دوسرے سپاہیوں کے ساتھ ہی سمندر میں گر پڑا۔

ماریا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

جہاز پر ایک عورت کے قہقہے کی آواز سن کر سارے سپاہی اور سالار ڈر گئے۔ وہ سمندر میں تیرتے ہوئے اپنی کشتی تک گئی اور چپو چلاتے سمندر میں بھاگ گئے۔ سانپ بھی اوپر سے اتر کر پھر ناگ کی شکل میں آ گیا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم نے بڑی بہادری دکھائی۔ اگر آج تم جرات سے کام نہ لیتیں تو یہ لوگ خزانہ لے گئے تھے۔ میں اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا"۔

ماریا نے کہا۔

"اب جلدی سے نیچے چلو اور سپاہیوں کی لاشیں ٹھکانے لگائیں"۔

دونوں نیچے تہ خانے میں آ گئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے سیڑھیوں اور راہداری میں پڑی ہوئی سپاہیوں کی لاشوں کو سیڑھیوں پر سے گھسیٹ کر اوپر پہنچایا۔
پھر عرشے کی لاشوں کے ساتھ ہی ایک ایک کر کے ان سبھوں کو سمندر میں پھینک دیا۔ پانی سے عرشے کو بالکل صاف کیا۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر بھائی کو اس وقت تک آ جانا چاہیے تھا“۔

ناگ بولا۔

”بس وہ آ رہی رہا ہوگا“۔

شام تک انہوں نے عنبر کی راہ دیکھی۔ مگر عنبر نہیں آیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو“۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر اگر مصیبت میں پھنس بھی گیا تو وہاں نکل کر واپس آ جائے گا“۔

ناگ بولا۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم پریشان ہیں۔ ہم اس کا انتظار کر

رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

”خدا نے چاہا تو وہ آج رات تک ضرور آ جائے گا“۔

ادھر چل کر ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

سمارو شہر سے بادشاہ اور شاہی خاندان کو اس کے بھانجے کے حوالے کر کے عنبر گھوڑے پر سوار نکل کھڑا ہوا تھا۔ صحرا میں اکیلا سفر کرتا وہ اپنے بادبانی بحری جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہ صحرا بڑا خطرناک صحرا تھا۔

عنبر اگرچہ ان علاقوں کا رہنے والا تھا پھر بھی اسے اس قسم کے صحرا کا پہلے سے تجربہ نہیں تھا۔ دن نکلتے ہی اس قدر گرمی پڑنے لگی کہ عنبر کا سر چکرا گیا۔

وہ مجبوراً ایک جگہ سائے میں رک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی بھی قافلے کا راستہ نہیں ہے اور کہیں، کسی جگہ پر بھی کوئی قافلہ سفر نہیں کر رہا۔

اسے کوئی مسافر بھی نہیں ملا۔ اس نے سوچا کہ اس صحرا میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ مسافر ضرور دن کی بجائے راتوں کو سفر کرتے ہیں۔

یہ بات ٹھیک بھی تھی گرمی کی زیادتی کی وجہ سے اس صحرا میں لوگ رات کو سفر کرتے تھے۔

مگر بہت کم مسافر ادھر سفر کرتے تھے۔ ہاں کبھی کبھی کوئی قافلہ رات کو ضرور سمارا کی ویران سی بندرگاہ کی طرف دکھائی دے جاتا تھا۔

عنبر سارا دن گرمی سے بچ کر ببول کی جھاڑیوں کے

معمولی سے سائے میں بیٹھا آرام کرتا رہا۔ جب شام کو دھوپ ڈھل گئی تو اس نے ایک جگہ سے گھوڑے کو پانی پلایا اور سفر شروع کر دیا۔ سمارا سے اس کے بادبانی جہاز تک دو روز کا سفر تھا۔ وہ راتوں کو سفر کر رہا تھا۔ اس اعتبار سے وہ دو راتوں کا سفر تھا۔

وہ ساری رات سفر کرتا رہا پچھلے پہر وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا تھا۔ گھوڑا بڑے مزے سے قدم قدم صحرا میں چل رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی کہ اچانک اسے ایک پھنکاری سنائی دی۔

دوسرے لمحے گھوڑے نے زور سے دولتی جھاڑی اور پھر نیچے گرنے لگا۔ عنبر چھلانگ لگا کر گھوڑے سے کود گیا۔ گھوڑا ریت پر گر چکا تھا۔

اس نے دیکھا گھوڑے کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ ایک سبز سانپ ریت میں گم ہو گیا۔ گھوڑے کو سانپ نے کاٹ کھایا تھا۔

عنبر کو اس وقت ناگ بہت یاد آیا۔ اگر ناگ اس کے پاس ہوتا تو اس کے گھوڑے کو بچایا جا سکتا تھا۔

گھوڑے کی عنبر کو سخت ضرورت تھی۔ مگر ناگ بہت دور بیٹھا تھا۔ گھوڑا دم توڑ رہا تھا۔ عنبر خود کو تو بچا سکتا تھا لیکن گھوڑے کو بچانا اس کے بس میں نہیں تھا چنانچہ اس کے دیکھتے دیکھتے گھوڑا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر صحرا میں مر گیا۔

عنبر نے گھوڑے کے اوپر ریت ڈالی اور ہاتھ جھاڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ اب وہ دل میں کچھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ راستہ نہیں جانتا تھا۔

گھوڑا اپنے آپ ٹھیک راستے پر چلا جا رہا تھا گھوڑے کو راستہ کا پتہ تھا۔ عنبر کو اب یہ ڈر کھانے لگا کہ اگر وہ صحرا میں راستہ بھول گیا تو کیا ہوگا۔ وہ بھوک اور پیاس سے مر تو نہیں سکتا تھا لیکن راستہ بھول کر وہ ناگ اور ماریا سے ہزاروں میل دور ضرور جا پڑتا۔

پر اب کیا ہو سکتا تھا۔ گھوڑے کی لاش صحرا میں پڑی تھی۔ سامنے صحرا ایک ریت کے سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ عنبر خیال کے مطابق چلتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور صحرا میں گرمی پڑنے لگی۔ ریت دھوپ میں سورج نکلتے ہی ایک دم سے گرم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ صحرا کی ریت ٹھنڈی بھی بہت جلد ہوتی ہے اور گرم بھی بہت جلد ہو جاتی ہے۔

گرمی نے قیامت مچانی شروع کر دی۔ عنبر پھر بھی چلتا چلا گیا۔ اسے نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ نہ تھکن ہی تھی۔ ہاں مگر گرمی اس کو ضرور پریشان کرنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ کسی جگہ رک جانا چاہیے۔

اچانک عنبر نے دور سے ایک جگہ کھجور کے درختوں کو دیکھا۔ درختوں کے جھنڈ کو دیکھ کر عنبر کی جان میں جان آ گئی۔ یہاں ضرور کوئی چھوٹا سا گاؤں ہو گا۔

وہ یہاں قیام کرے گا اور پھر رات کو اپنا سفر شروع کرے گا۔ وہ درختوں کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں گھوڑے اور اونٹ بندھے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ کوئی قافلہ ہے جو صحرا میں سفر کر رہا ہے اور جس نے گرمی کی وجہ سے وہاں پڑاؤ ڈال لیا ہے۔ عنبر قافلے کے پاس آ گیا۔

ایک عرب بوڑھے نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”تم کون ہو نوجوان؟“۔

عنبر نے کہا۔

”میرے محترم! میں ایک مسافر ہوں۔ میرا گھوڑا راستے میں سانپ کے کاٹنے سے مر گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے قافلے کے ساتھ سفر کر لوں“۔

عرب بوڑھے نے کہا۔

”میں تمہیں اپنے سردار سے ملاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ“۔

بوڑھا عنبر کو لے کر سردار کے پاس اس کے خیمے میں آ گیا۔ سردار خیمے کے اندر بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔ اس نے عنبر کو

سلام کا جواب دے کر قہوہ پیش کیا۔

"آؤ نوجوان بیٹھو! تم کہاں سے آئے ہو؟"۔

عرب بوڑھے نے سردار سے عنبر کا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ سمارا سے ساحل کی طرف سفر کر رہا ہے اور اس کا گھوڑا سانپ کے کاٹنے سے راستے میں مر گیا ہے۔

سردار نے کہا۔

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں تم ہمارے ساتھ سمندر کے ساحل تک سفر کر سکتے ہو۔ ہمارا قافلہ بھی ادھر ہی جا رہا ہے۔ تم کام کیا کرتے ہو؟"۔

عنبر نے وہی پرانا جواب دیا۔

"میں بیماریوں کا جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہوں"۔

سردار نے خوش ہو کر کہا۔

"میرے بچے! بیماروں کا علاج کر کے انہیں شفا دینا تو انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ میں خوش ہوں کہ ہمارے قافلے میں سفر کرو گے۔ اگر قافلے میں کوئی بیمار پڑ گیا تو تمہارے علاج سے وہ اچھا ہو جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں جناب"۔

سردار نے کہا۔

"تم سمندر کے ساحل پر کیا کرنے جا رہے ہو؟ سمارا کی بندرگاہ پر تو کبھی کوئی جہاز آ کر نہیں لگتا"۔

عنبر بولا۔

"ہمارے پاس ایک چھوٹا سا بحری جہاز ہے، جو سمارا کی بندرگاہ پر سمندر میں کھڑا ہے۔ وہاں میرا ایک بھائی ناگ

میری راہ دیکھ رہا ہے۔ میں اپنے بھائی کے پاس جا رہا ہوں"۔

سردار نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا کہا؟ تمہارا ایک اپنا بحری جہاز ہے؟"۔

"ہاں سردار!"

"پھر تو تم بہت امیر اور دولت مند ہو"۔

"نہیں سردار! ہم دونوں بھائی دولت مند امیر نہیں ہیں۔ یہ جہاز ہم کو ایک دولت مند دوست نے تحفے میں دیا تھا"۔

"وہ کیوں؟ اتنا بڑا جہاز کون تحفے میں دیتا ہے"۔

"میں نے اس کے بچے کا علاج کر کے اسے اچھا کر دیا تھا۔ وہ ایک دولت مند سوداگر تھا۔ اس نے خوش ہو کر مجھے ایک جہاز دے دیا۔ تا کہ میں دور دور کے ملکوں میں جا کر بھی

لوگوں کا علاج کر سکوں"۔

سردار نے کہا۔

"بڑی اچھی بات ہے یہ۔ تم نے کھانا کھایا؟"۔

اگرچہ عنبر کو بھوک نہیں لگی تھی۔ پھر بھی اس نے سردار سے کہا۔

"جی نہیں"۔

"تو پھر پہلے جا کر کھانا کھاؤ۔ پھر آرام کرو۔ سورج ڈھلتے ہی ہمارا قافلہ یہاں سے روانہ ہو جائے گا"۔

عنبر کو سردار کا ایک غلام اپنے ساتھ دوسرے خیمے میں لے گیا۔ جہاں بڑے بڑے طشت کھانے سے بھرے رکھے تھے۔

دوسرے مسافر بھی کھانا کھا رہے تھے۔ عنبر ایک طرف

بیٹھ کر مزے سے کھانا کھایا۔

ایک جانب سے ایک مکار آنکھوں والا یہودی اٹھ کر عنبر کے پاس آ گیا اور کہنے لگا۔

"تم عنبر ہو اور تم ایک بادبانی جہاز پر جا رہے ہو کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟"۔

عنبر نے تعجب سے یہودی کی طرف دیکھا کہ اسے ان باتوں کا کیونکر علم ہو گیا۔

غیبی انسان کہاں؟

مکار یہودی نے کہا:

"میں ملک مصر کا سب سے بڑا نجومی ہوں۔ اگر تم مجھے اپنے ہاتھ دکھاؤ تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تمہاری قسمت میں کیا ہے؟"۔

عنبر مسکرا دیا۔

"نجومی میاں! میری قسمت میں جو ہے وہ مجھے معلوم

ہے“۔

مکار یہودی مسکرا کر بولا۔

”ذرا ہاتھ تو دکھاؤ“۔

عنبر نے اپنا ہاتھ نجومی کے سامنے کیا تو وہ چکرا گیا۔ یہ نجومی بہت اچھا تھا۔ اس نے ایسا ہاتھ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے علم نے اسے بتا دیا کہ اس کے سامنے جو شخص بیٹھا تھا وہ ایک بہت بڑی دولت کا مالک ہے۔ لیکن نجومی حیران تھا کہ اگر یہ شخص دولت والا ہے تو پھر یہ اس طرح خانہ بدوشوں کی طرف سفر کیوں کر رہا ہے؟۔

یہودی نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بھائی! کیا تم مجھے ایک بات سچ سچ بتاؤ گے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ہاں۔ اگر بتانے والی بات ہوئی تو بتا دوں گا“۔

یہودی نے کہا۔

”تمہارا ہاتھ بتا رہا ہے کہ تم بہت دولت مند شخص ہو۔ یہ ہاتھ کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جس کے پاس جواہرات اور سونے چاندی کا خزانہ ہو۔ کیا یہ سچ ہے کہ تم کسی خزانے کے مالک ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھائی! میرے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔ میں ایک غریب اور محنتی حکیم ہوں۔ ملک ملک اور شہر شہر جا کر جڑی بوٹیاں اکٹھی کرتا ہوں اور بیماروں کا علاج کرتا ہوں“۔

یہودی مکاری سے ہنسا اور کہنے لگا۔

اگر تم مجھ سے اپنی دولت چھپانا چاہتے ہو تو میں تمہیں سوچ بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

مگر تمہیں اتنا ضرور بتا دیتا ہوں کہ تمہارا خزانہ سخت خطرے میں ہے۔ میرے حساب کے مطابق اس پر کئی بار چرانے کے لیے حملہ ہو چکا ہے۔ کیا میں سچ کہہ رہا ہوں؟۔

عنبر نے کہا۔

"میں اس بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ میرے پاس خزانہ ہے یا نہیں۔ میں یہ نہیں بتاؤں گا"۔

عنبر کھانا کھا کر اٹھ کر چلا گیا۔ مکار یہودی اسے دیکھتا رہا۔

یہ یہودی ایک بہت بڑا نجومی اور ایک کامیاب بہروپیا تھا۔ وہ بڑی کامیابی سے جو بھیس چاہے بدل لیتا تھا۔

عورت بنتا تو ایسی عورت کہ کوئی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ بوڑھا بنتا تو ایسا بوڑھا بنتا کہ کوئی بھی اسے جوان نہیں کہہ سکتا تھا۔

یہودی کے حساب نے کبھی اسے دھوکہ نہیں دیا تھا اس کے حساب نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو حکیم کہتا ہے کسی بہت بڑے خزانے کا مالک ہے۔ وہ جان بوجھ کر اپنا خزانہ اس سے چھپا رہا ہے۔

یہودی بڑا لالچی تھا۔ اس کا دل للچا گیا۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے۔ وہ اس شخص عنبر کے خزانے کا ضرور پتا لگا کر رہے گا۔

یہودی وہاں سے نکل کر سیدھا اپنے خیمے میں آ گیا۔ وہ سمارو شہر سے مصر کی طرف سفر کر رہا تھا۔ وہ قافلے کے ساتھ

مصر تک جانا چاہتا تھا۔

یہودی نے خیمے کے اندر جاتے ہی بھیس بدلنا شروع کر دیا۔ کافی دیر تک اندر رہنے کے بعد جب وہ خیمے سے باہر نکلا تو ایک عورت کے بھیس میں تھا۔

اس کے سیاہ بال لامبے لامبے اس کے شانوں پر پڑے تھے۔ سر پر چادر تھی اور کانوں میں جھوٹے سونے کے زیور تھے۔

اسے دیکھ کر کوئی اندازہ تک نہیں کر سکتا تھا کہ یہ شخص ایک مکار یہودی بہروپیا ہے اور عورت نہیں ہے۔ قافلے نے چلنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

یہودی عورت کے روپ میں عنبر کے خیمے کی طرف آ گیا وہ عنبر کے خیمے پر جا کر اندر جھانکنے لگا۔ اندر عنبر ایک قالین پر آرام کر رہا تھا۔ یہودی نے اندر جاتے ہی عنبر کے پاؤں پر ہاتھ لگا کر کہا۔

"میرے بھائی میری مدد کرو۔ تمہارے چہرے پر مجھے انسانوں سے محبت کا جذبہ نظر آ رہا ہے۔ خدا کے لیے میری مدد کرو"۔

عنبر نے حیرانی سے یہودی عورت کو دیکھا اور پھر بولا۔

"بہن! تم کون ہو اور مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتی ہو؟"۔

یہودی عورت بولی۔

بھائی! میں اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ابھی ابھی ایک شخص نے آ کر اطلاع دی ہے کہ مصر میں میرے ماں باپ اور بال بچوں کو ڈاکوؤں نے ہلاک کر دیا ہے۔

اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ میں ایک اکیلی عورت ہوں اور قافلے کے ساتھ کب تک سفر کرتی رہوں گی۔ اگر تم میری مدد کرو اور مجھے اپنی حفاظت میں لے لو تو میں ساری زندگی تمہارا احسان نہ بھلاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"بہن! اگر تم بے یارو مددگار ہو تو میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ لیکن میں تو راستے میں ہی رہ جاؤں گا آگے تم کیسے سفر کرو گی؟"۔

یہودی بولا۔

"میں آگے کا بندوبست بھی کرلوں گی میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ کیا میں اس خیمے میں تمہارے ساتھ بیٹھ سکتی ہوں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ تم یہاں آرام کر سکتی ہو۔ میرا خیال ہے کچھ ہی دیر بعد قافلہ روانہ ہونے والا ہے"۔

"ہاں میرے بھائی!"

شام ہونے لگی تھی۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ یہودی عورت عنبر کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ قافلہ ساری رات سفر کرتا رہا۔

صبح ہوئی تو قافلہ ایک ایسے صحرا میں داخل ہوا جس میں سمندر کے پانی کی ہلکی ہلکی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

عنبر نے یہودی عورت سے کہا۔

"میری بہن! ہمارا کی بندرگاہ آنے والی ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں جب یہاں سے جدا ہو جاؤں گا تو تم کیا کرو گی؟"۔

یہودی عورت بڑی چالاکی اور مکاری سے آنکھوں میں

آنسو لا کر بولی۔

میرے پیارے بھائی! مجھ پر تم نے جہاں اتنا رحم کیا ہے وہاں ایک اور رحم بھی کر دو۔

میں اب اس دنیا میں اکیلی رہ گئی ہوں مجھے اپنی نوکرانی بنا کر ساتھ رکھ لو۔ میں تمہاری خدمت کیا کروں گی۔ اور ساری زندگی تم سے سوائے تھوڑے بہت کھانے کے اور کچھ طلب نہیں کروں گی۔

عنبر نے کہا۔

''بہن میں بڑی خوشی سے تمہیں اپنے ساتھ رکھ لوں۔ مگر کیا مصر میں تمہارے کوئی رشتے دار نہیں ہے؟''۔

یہودی عورت نے کہا۔

اگر اس دنیا میں کوئی ہوتا تو میں تمہارے آگے اپنی جھولی

کیوں پھیلاتی۔

میرا اب کوئی نہیں رہا اگر میں مصر گئی تو وہاں ڈاکو اور میرے دشمن مجھے بھی مار ڈالیں گے۔ میں ان ظالموں کے کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی۔ مجھے ان ظالموں سے بچا لو میرے بھائی۔

''لیکن میری بہن تم کب تک میرے ساتھ رہو گی؟''۔

''جب تک میرے دم میں دم ہے بھائی! میں تمہاری خدمت کروں گی۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے بھائی۔ میری زندگی اور عزت بچا لو''۔

عنبر اب مجبور ہو گیا کہ اس عورت کو اپنے ساتھ رکھ لے۔ کیونکہ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ اگر اس نے اسے

پناہ نہ دی تو اس کی زندگی برباد ہو جائے گی اور عنبر کسی بے کس عورت کی زندگی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بھولا تھا۔ یہودی کی مکاری کی تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ قافلہ سفر پر تھا۔

قافلہ سارا پہنچ گیا۔

ساحل سمندر پر عنبر یہودی عورت کو لے کر قافلے سے الگ ہو گیا۔ اب وہ سمندر کے کنارے کنارے ایک طرف چل پڑے۔ عنبر جہاز کی طرف جا رہا تھا۔

یہودی عورت نے پوچھا۔

”میرے بھائی تم کہاں جا رہے ہو؟“۔

عنبر نے سوچا کہ اس عورت کو نہ بتائے کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ پھر اس نے سوچا کہ اسے بتانے میں کیا حرج ہے کہ وہ

جہاز پر جا رہا ہے۔ آخر اسے جہاز پر جا کر پتہ چل ہی جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

”بہن! یہاں سے تھوڑی دور میرا ایک جہاز سمندر میں کھڑا ہے۔ وہاں میرا ایک بھائی میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں“۔

یہودی نے جب یہ سنا کہ عنبر اپنے بحری جہاز پر جا رہا ہے تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس کے حساب کا ایک ایک لفظ سچ ثابت ہو رہا تھا۔

اس کے حساب نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ ایک دولت مند شخص ہے اور اس کے پاس پانی والا ایک بحری جہاز بھی ہو گا اور وہی ہوا۔

عنبر نے یہودی عورت کو ماریا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ بتانے کی اسے ضرورت بھی نہیں تھا۔ اب یہودی نے دیکھا کے سامنے سمندر میں ایک طرف جہاز کھڑا ہے۔

وہ بڑا خوش ہوا۔

اسے پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اس جہاز میں خزانہ ضرور ہے۔

ناگ اور ماریا جہاز کے اوپر کھڑے تھے۔

ناگ نے دور سے عنبر کو دیکھ کر کہا۔

"وہ دیکھو! عنبر بھائی آ رہا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"مگر اس کے ساتھ تو ایک عورت بھی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ عورت کہاں سے آ گئی ہے؟"۔

"عنبر آئے گا تو اس سے پوچھیں گے"۔

تھوڑی دیر بعد عنبر یہودی عورت کو ساتھ لیے اوپر جہاز کے عرشے پر ناگ اور ماریا کے ساتھ کھڑا تھا۔ ماریا نے کوئی آواز نہ نکالی کہ کہیں یہودی عورت کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہاں ایک ایسی عورت بھی ہے جو غائب ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھائی! یہ عورت ایک بے یارو مددگار یہودی عورت ہے۔ اس کے ماں باپ اور بچوں کو ڈاکوؤں نے قتل کر کے اس کے مکان کو آگ لگا دی ہے۔ یہ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ رہے گی"۔

ناگ نے عنبر کو دوسری طرف لے جا کر کہا۔

عنبر بھائی! یہ آپ نے کیا کیا؟ اس عورت کو ساتھ کیوں لے آئے؟

یہ تو ہمارے لیے بڑی مشکل پیدا کر دے گی۔ ہم اس کے سامنے کھل کر بات نہیں کر سکیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر کیا کروں۔ اس کی بری حالت اور مصیبت کو دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ ابھی تو اسے لے آیا ہوں۔ پھر سوچ لیں گے کہ اس کا کیا کرنا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اسے ابھی یہاں سے واپس روانہ کر دیتے ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عورت ہمارے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہمیں کسی غیر عورت یا غیر مرد کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے"۔

عنبر بھی سوچنے لگا کہ اس سے غلطی ہو گئی۔ کہنے لگا۔

"ماریا بہن! اب میں اسے لے آیا ہوں۔ واپس بھیجا تو یہ غریب عورت کہاں جائے گی؟ قافلہ جا چکا ہے یہ تو صحرا میں بھٹک بھٹک کر مر جائے گی"۔

"پھر اس کا کیا کریں؟"۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ روز تک اسے ساتھ رکھنا چاہیے۔ یہاں سے آگے جو کوئی پہلی بندرگاہ اور شہر آیا اس کو وہاں چھوڑ دیں گے۔ یہ جانے اور اس کا کام"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا بھائی پہلے کوئی بندر گاہ آ جائے پھر سوچ لیں گے"۔

"سوچنا کیا ہے بھائی! اس مصیبت سے تو نجات حاصل کرنی ہی ہوگی"۔

دوپہر کو ناگ، عنبر اور یہودی عورت نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

ماریا بھی ساتھ ہی تھی مگر وہ یہودی عورت سے اپنا راز چھپانے کی غرض سے خاموش رہی اور اس نے ناگ اور عنبر سے کوئی بات نہ کی۔ کھانے کے بعد ہوا چلنے لگی۔

عنبر نے کہا۔

"جہاز کا لنگر اٹھالو اور بادبان کھول دو"۔

لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے۔ جہاز نے سمندر میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ وہ سب سے پہلے خلیج فارس کے سمندر سے نکل جانا چاہتے تھے۔

کیونکہ ان سمندروں میں طوفانوں کا موسم شروع ہو گا تھا۔ سارا دن ساری رات ان کا جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ آدھی رات کو عنبر اور ناگ ایک کیبن میں جا کر سو گئے۔ دوسرے کیبن میں ماریا سو گئی۔

جان بوجھ کر ناگ نے اسی کیبن میں یہودی عورت کو سلا دیا۔ تاکہ ماریا یہ معلوم کر سکے کہ یہ عورت کوئی جھوٹی اور دشمن تو نہیں ہے؟۔

یہودی عورت کا بھیس بدلے خاموشی سے اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ اس کے خیال کے مطابق کوٹھڑی خالی تھی۔ مگر

وہاں ماریا موجود تھی جو اس سے ذرا فاصلے پر دیوار کے ساتھ قالین پر لیٹی سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

اسے یہودی عورت پر کوئی شک نہیں تھا۔ وہ اسے صرف اپنے جہاز سے الگ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس طرح وہ خزانے کے راز میں شریک ہو جاتے۔

ماریا اونگھنے لگی۔ وس نے آنکھیں اٹھا کر یہودی عورت کی طرف دیکھا۔ وہ بستر پر سیدھی لیٹی جہاز کی چھت کو تک رہی تھی۔

ماریا تھکی ہوئی تھی۔ وہ سو گئی۔ دوسری طرف یہودی عورت کو بالکل نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ جہاز میں چھپے ہوئے خزانے کا راز معلوم کرنے کے لیے بے چین تھی۔

یہودی نے سوچا کہ کیوں نہ حساب لگا کر یہ پتہ کرے کہ

خزانہ کس جگہ چھپا ہوا ہے۔ وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا اور اس نے تانبے کی طشتری پر ستاروں کا حساب لگایا تو سب سے پہلی چیز جو اسے معلوم ہوئی وہ اس سے خوفزدہ ہو گیا۔

اس کے حساب نے بتایا کہ اس کوٹھڑی میں، اس جہاز کے کیبن میں ایک اور انسان بھی موجود ہے۔

یہودی تو ششدر ہو کر رہ گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ ساری کوٹھڑی خالی تھی۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔

وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس کا حساب کبھی جھوٹا نہیں ہوا تھا۔ وہ بڑے غور سے حساب لگایا کرتا تھا اور اس کے حساب نے وس کے آگے ہمیشہ سچ بولا تھا۔

اس نے سوچا کہ اٹھ کر پتہ کرنا چاہیے کہ وہاں اور کون

ہے؟

یہودی عورت کے بھیس میں بستر سے اٹھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چل کر اس نے ادھر ادھر ہاتھ پھیلانے شروع کر دیئے کہ اگر وہاں کوئی ہوگا تو اس کا ہاتھ اس سے ضرور ٹکرا جائے گا۔

اندھیرے میں جادو

ماریا بے سدھ ہو کر سو رہی تھی۔

یہودی عورت کے بھیس میں دونوں ہاتھوں کو پھیلائے فضا میں ٹٹولتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کیبن کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسے اچانک کسی انسان کے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔

یہودی ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ سامنے

جگہ خالی تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں سو رہا تھا۔ مگر خراٹوں کی آواز برابر آ رہی تھی۔ خراٹوں کی آواز ہلکی ہلکی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی نوجوان عورت سو رہی ہے۔

یہودی نے ہاتھ نیچے کر کے ٹٹولنا شروع کر دیئے۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اچانک ماریا کے چہرے سے ٹکرا گیا۔

یہ مکار یہودی کی خوش قسمتی تھی کہ ماریا کی آنکھ نہ کھلی وہ اصل میں تھکی ہوئی تھی اور گہری نیند سو رہی تھی۔ یہودی عورت نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

ویسے ایک بات تو اس کا دماغ چکر کھا گیا کہ یہ کیا راز ہے کہ ایک انسان، ایک نوجوان عورت سوئی ہوئی ہے اور وہ غائب ہے۔

کسی کو نظر نہیں آ رہی۔ یہودی عورت نے اس سے آگے راز معلوم کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ وہ واپس اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ وہ صبح تک سوچتا رہا کہ یہ معمہ کیا ہے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ دن چڑھ گیا۔ ماریا کو اس کے لیے یہودی عورت کے کیبن میں سلایا تھا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اصل میں یہودی عورت کون ہے۔

ماریا تو بے خبر ہو کر سوئی رہی اور الٹا یہودی عورت نے ماریا کے راز کو معلوم کر لیا۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ ماریا کی بہت بڑی شکست تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ یہودی عورت اب اس ٹوہ میں تھی کہ یہ غیبی عورت کون ہے؟۔

اس جہاز کا خزانہ کس جگہ پر ہے۔ دن بھر وہ عرشے پر

خاموشی سے بیٹھی رہی۔ کھانا کھا کر اس نے ناگ اور عنبر کے ساتھ باتیں کیں اور پھر عرشے پر آ کر آرام کرنے لگی۔ عنبر نے ماریا سے پوچھا۔

"کچھ پتہ چلا یہ عورت کون ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"صرف ایک عورت ہے۔ ساری رات آرام سے سوئی رہی تھی۔ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کوئی جاسوس ہے یا ہماری دشمنی کے لیے اسے کسی نے ہمارے جہاز پر بھیجا ہے"۔

ماریا کے جواب پر ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے یہ ایک سچ مچ بھولی بھالی مصیبت زدہ عورت ہے۔ اسے کچھ تھوڑی بہت دولت دے کر ہمیں اسے

کسی بندرگاہ پر اتار دینا چاہیے۔

کم از کم دولت اس کے پاس ہو گی تو یہ کچھ کام دھندا کر سکے گی۔

عنبر بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس مصیبت زدہ عورت کی ہمیں ضرور مدد کرنی چاہیے"۔

یہودی عورت نے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں اور وہ خوش ہو رہی تھی کہ اس نے بھیس بدل کر ان لوگوں کو کیسا بے وقوف بنایا ہے۔

جس عورت کو وہ مصیبت زدہ سمجھ رہے تھے۔ اصل میں وہ ایک ہوشیار جاسوس یہودی تھا جو ان کے خزانے کو چرا کر لے جانے کے لیے وہاں عورت کے بھیس میں آیا تھا۔

اس رات ماریا عنبر اور ناگ کے کیبن کے ساتھ والے اکیلے کیبن میں سوئی۔ وہ اکیلی سونے کی عادی تھی اور یہودی عورت کے بارے میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ دشمن نہیں ہے۔

رات کا کھانا ناگ، عنبر اور یہودی عورت نے مل کر کھایا۔ ماریا کا کھانا اس کے کیبن میں پہنچایا گیا۔ عنبر نے کھانے کے وقت کہا۔

”بی بی! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ ہم تو نہ جانے کس لمبے سفر پر نکلے ہوئے ہیں اور کہاں کہاں در بدری کرتے پھریں گے۔ تم اب کہاں جانا چاہتی ہو؟“۔

یہودی بولا۔

”میں تو ساری زندگی آپ کے ساتھ، آپ لوگوں کی

خدمت کرتے ہوئے بسر کرنا چاہتی ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

”مگر بی بی! ہم تمہیں کب تک اپنے پاس رکھیں گے؟ ایک نہ ایک دن تو تمہیں ہم سے الگ ہونا ہی ہوگا“۔

یہودی کہنے لگا۔

”کاش! میں ساری زندگی آپ لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے بسر کر سکتی“۔

عنبر نے کہا۔

ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ہمارا کوئی پتہ نہیں کہ ہم کس منزل پر کب پہنچیں گے اور وہاں سے کب واپسی ہوگی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم کو ہم کسی پہلی بندرگاہ پر اتار دیتے ہیں۔ تمہیں ہم ساتھ میں اتنی دولت کر دیں گے کہ تم ساری

زندگی اکیلی رہ کر بڑے آرام سے بسر کر سکو گی۔

یہودی عورت نے کہا۔

"میرے بھائیو! تم لوگ مجھے کیا دو گے؟ تمہارے پاس تو مجھے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی؟"۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"ہم شیخی خورے نہیں ہیں۔ لیکن تمہیں کچھ سونے کی اشرفیاں ضرور دے سکتے ہیں۔ ان اشرفیوں سے تم کسی بھی شہر میں اپنا ایک مکان خرید سکتی ہو۔ اس مکان میں تم ساری زندگی اچھی طرح زندگی بسر کر سکو گی"۔

اشرفیوں کا حال سن کر یہودی کو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو خزانہ اس جہاز میں ضرور چھپا ہوا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج رات خزانے کا ضرور پتا چلائے گا۔

وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کیبن میں چلا گیا۔ بستر پر لیٹ کر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ غیبی انسان کیبن میں موجود ہے کہ نہیں ہے؟

اس نے اپنے کان کوٹھڑی میں ہونے والی ہر چیز پر لگا دیئے۔ کمرے کے اندر اور باہر سے ہلکی سے ہلکی آواز اس کے کان تک آ رہی تھی۔

مگر کمرے کے اندر کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

یہودی عورت نے اٹھ کر کمرے کے فرش اور دیواروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے تانبے کا طشت نکال کر اس پر ستاروں کے حساب سے زائچہ بنا کر معلوم کیا کہ اندر کوئی ہے یا نہیں؟۔

اس کے حساب نے اسے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ کوٹھڑی میں اور کوئی غیبی انسان نہیں ہے۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

اب وہ خزانے کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔

رات آدھی ہو گئی تھی۔ یہودی عورت نے سیاہ لباس پہنا اور چپکے سے کیبن سے باہر نکل گئی۔ جہاز رات کے اندھیرے میں سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ یہودی عورت راہداری میں سے نکل کر ایک کیبن کے اندر آ گئے۔ یہاں کچھ نہیں تھا۔

وہ دوسرے کیبن میں داخل ہو گئی۔

اس کیبن کے اندر ایک دروازہ تھا جو تہہ خانے میں کھلتا تھا اسی تہہ خانے میں خزانے کو چھپا کر رکھا گیا تھا۔ یہودی چونکہ نجومی تھا۔

اس لیے اس نے کیبن میں جاتے ہی اپنے حساب سے معلوم کر لیا کہ اندر کا دروازہ کہاں ہے؟ وہ ایک دیوار کی طرف بڑھا اور اس نے لکڑی کے ڈرموں کو پیچھے ہٹا کر خفیہ دروازے کھول دیا۔

اب وہ تہ خانے کے اندر آ گیا تھا۔ تہ خانے کے اندر کی فضا میں نمی رچی ہوئی تھی۔ اس نے تلاشی لینی شروع کر دی۔

تلاش کرتے کرتے آخر وہ اس جگہ آ گیا۔ جہاں خالی ٹوکروں اور بوریوں کے نیچے خزانے کا صندوق چھپا ہوا تھا۔

اس نے بوریوں کو پرے ہٹایا تو نیچے سے خزانے کا صندوق نکل آیا۔

یہودی نے جلدی سے اس کا ڈھکنا اٹھایا اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ صندوق ہیرے جواہرات اور سونے کی اشرفیوں

سے بھرا ہوا تھا۔

"میرے خدا یہ تو خزانہ ہے"۔

یہودی کے منہ سے نکل گیا۔ اس نے جلدی سے خزانے کو اسی طرح ڈھک کر بوریوں سے چھپایا۔ اور تہہ خانے سے نکل کر دروازہ کو اسی طرح بند کرتا ہوا واپس اپنے کیبن میں آ کر سوچنے لگا کہ اس خزانے کو وہاں سے اڑا کر لے جانے کی کونسی ترکیب ہو سکتی ہے؟۔

وہاں سے خزانے کو لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ پھر بھی یہودی بڑا چالاک اور مکار شخص تھا۔ اس نے صبح صبح منہ اندھیرے اٹھ کر اپنا علم نجوم کا حساب لگایا کہ اسے اس کام میں کامیابی ہو گی یا نہیں؟۔

اس کے حساب نے اسے بتایا کہ اگر وہ بڑی ہی ہوشیاری اور مکاری سے کام لے گا تو کامیابی ہو گی نہیں تو اس کی جان چلی جانے کا خطرہ ہے۔

یہودی نے حساب بند کر دیا اور سوچنے لگا کہ ایسا کیا معاملہ ہے۔ کہ یہاں سے خزانے کو نکال کر لے جانے میں اس کی جان کا خطرہ ہے؟۔

اس نے ایک بار پھر تانبے کے طشت پر حساب لگایا۔ اب حساب نے اسے بتایا کہ اس جہاز میں کوئی زبردست پراسرار طاقت ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

اس کا یہودی کو پہلے روز ہی پتہ چل گیا تھا کہ وہ غیر معمولی لوگوں کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اس نے ایک بار پھر خزانے کو چرانے کے خیال کو بھی ترک کر دیا لیکن اب خزانے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس کی نیت میں فتور آ

گیا تھا۔

اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ چاہے کچھ ہو وہ خزانہ چرا کر ہی رہے گا۔

ناشتہ ان لوگوں نے مل کر کیا۔

عنبر ناگ بھی موجود تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے باتیں سمندری کے سفر اور موسم کے بارے میں تھیں۔

عنبر نے کہا۔

”ہمیں دو ایک روز میں کسی نہ کسی بندرگاہ پر ضرور پہنچ جانا چاہیے۔ کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ طوفانوں اور برساتوں کا موسم شروع ہونے ہی والا ہے۔

کسی بھی دن بادل گھر کر آ سکتے ہیں اور طوفان ہمارے جہاز کو گھیر سکتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

”مگر بندرگاہ کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ کہیں زمین دکھائی نہیں دے رہی۔ حالانکہ اپنے حساب سے ہم بالکل ٹھیک جا رہے ہیں“۔

عنبر نے کہا۔

”بالکل ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق کل دوپہر کے بعد ہمیں زمین ضرور نظر آ جانی چاہیے“۔

ناگ نے کہا۔

”یہ کس ملک کا ساحل ہوگا؟“۔

عنبر بولا۔

”یہ عمان کا ساحل ہوگا۔ سنا ہے وہاں برمکہ کی حکومت

ہے۔ ہر ملک بڑا اعلیٰ خاندان ہے اور وہاں ہر طرف انصاف کا دور دورہ ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”اگر طوفان آ گیا تو ہم راستہ بھی بھول سکتے ہیں۔ جہاز طوفان میں بھٹک گیا تو خدا جانے ہم کہاں کے کہاں جا کر نکل جائیں“۔

عنبر بولا۔

”بھائی! ابھی سے تو طوفان کی بات نہ کرو۔ کیا خبر طوفان آئے ہی نہ“۔

”ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن ہمیں طوفان سے مقابلہ کرنے کی ساری تیاریاں مکمل کر کے رکھنی چاہئیں“۔

”ضرور ضرور“

یہودی نے کہا۔

”بھائی! میں اس علاقے سے بے خبر ہوں مگر میں نے اپنی بوڑھی ماں سے سن رکھا ہے کہ بحیرہ روم کے سمندروں میں بڑے بڑے غیر آباد اور سنگلاخ جزیرے ہیں جہاں اگر ایک بار انسان پہنچ جائے تو پھر کبھی واپس نہیں آ سکتا“۔

عنبر نے کہا۔

”بہن! تم فکر نہ کرو۔ اگر خدانخواستہ ہمارا جہاز راستہ بھٹک کر ایسے جزیرے میں پہنچ بھی گیا تو ہم واپس آ جائیں گے۔ ہم اس سے پہلے کئی طوفانوں کا مقابلہ کر چکے ہیں“۔

یہودی عورت بولی۔

”خدا کرے کہ ہم صحیح سلامت اپنی منزل پر پہنچ جائیں“۔

ناگ نے کہا۔

"بہن! کل اسی وقت ہم ایک ایسی بندرگاہ پر پہنچیں گے۔ جس کا نام عمان ہوگا۔ ہم تمہیں کچھ اشرفیاں دے کر اس بندرگاہ پر اتار دیں گے۔ کیا تم وہاں جا کر ایک اچھی اور پرسکون زندگی بسر کر سکو گی"۔

یہودی عورت نے کہا۔

"میرے بھائیو! میں ہرگز نہیں چاہتی کہ تم لوگوں سے الگ ہوں۔ لیکن اگر تم لوگ مجھے کسی نہ کسی جگہ جہاز سے اتارنا ہی چاہتے ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ تم میرے بارے میں جو بھی فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہے"۔

دل میں مکاری یہودی نے سوچ لیا تھا کہ وہ جس بندرگاہ پر اترے گا۔ اسی جگہ خزانہ بھی اپنے ساتھ لے جائے گا۔

ساری رات جہاز میں سفر کرتا رہا۔ دوسرا دن نکل آیا۔ دوسرے پہر سمندر میں زمین کی کالی کالی لکیر دکھائی دینے لگی۔

عنبر نے خوش ہو کر ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! عمان کا ساحل نظر آنے لگا ہے"۔

"ہاں بھائی! زمین مبارک ہو"۔

ماریا بھی ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ یہودی عورت ذرا پرے جنگلے کے پاس بیٹھی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"ہمیں اس بندرگاہ پر اس یہودی عورت سے نجات حاصل کر لینی چاہئی۔۔۔ مجھے یہ کوئی بڑی زبردست مکار عورت دکھائی دیتی ہے"۔

ناگ ہنسا۔

"بہن ماریا! تم خواہ مخواہ اس پر شک کرنے لگی ہو۔ یہ کوئی خطرناک عورت نہیں ہے"۔

عنبر بولا۔

"بہر حال تم فکر نہ کرو۔ ہم اسے پہلی بندرگاہ پر جہاز سے اتار دیں گے"۔

اتنے میں یہودی عورت بھی ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بھی زمین کی لکیر کو ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دور سے دیکھا۔

وہ بھی خوش تھی۔ اس نے ارادہ یہ کر رکھا تھا کہ یہ لوگ بندرگاہ عمان پر کچھ روز تو ضرور ٹھہریں گے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اسی روز اسے جہاز سے اتار کر واپس روانہ ہو جائیں۔

چنانچہ وہ رات کو جہاز پر چوری چوری آئے گی اور خزانے کو اڑا کر لے جائے گی۔ یہ ایک خطرناک سازش تھی۔

اب زمین قریب آنے لگی تھی۔ دور سے کھجوروں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ جہاز ساحل کی کھاڑی میں داخل ہو گیا۔

یہاں پانی نیلا اور گدلا تھا۔ کنارے پر ہر طرف ریت کی اونچی اونچی ڈھیریاں پھیلی ہوئی تھی۔ کنارے سے تھوڑی دور ماہی گیروں کے جھونپڑے تھے۔

ذرا پرے بستی کے کچے پکے مکان نظر آ رہے تھے۔ یہاں خاصی رونق تھی۔ کئی مکانوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا پکایا جا رہا تھا۔

جہاز کا لنگر پھینک دیا گیا۔ جہاز رک گیا۔ اس کے

بادبان لپیٹ دیے گئے۔

عنبر اور ناگ عرشے پر آ گئے۔

"سیڑھی نیچے لٹکا کر کشتی اتار دو"۔

کشتی اتار دی گئی۔ ماری اوپر عرشے پر کھڑی تھی۔ عنبر اور ناگ نے یہودی عورت کو سونے کی کچھ اشرفیاں دیں اسے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کرایا اور کشتی چلاتے ہوئے سمندر کے کنارے پر آ گئے۔

عنبر نے یہودی عورت سے کہا۔

"لو بہن! اب تم جانو تمہارا کام۔ ہم نے تمہیں اتنی دولت دے دی ہے کہ تم اس شہر میں جہاں چاہو جا کر ایک نئی زندگی شروع کر سکتی ہو"۔

یہودی عورت نے عنبر اور ناگ کا شکریہ ادا کیا اور کنارے

پر اتر کر بستی کی طرف روانہ ہو گئی۔

عنبر اور ناگ بھی بستی کے بازاروں میں نکل گئے تا کہ یہاں سے کھانے پینے کا بہت سا سامان خرید کر جہاز میں بھر لیں۔ کیونکہ کھانے پینے کا سامان ختم ہونے والا تھا۔

چوروں کی ٹولی

عمان کی بستی میں اچھی خاصی رونق تھی۔

عنبر اور ناگ دیر تک چیزیں خریدتے رہے۔ انہوں نے خشک سبزیاں، خشک مچھلی اور کپڑے دھونے کا صابن، نیا لباس، جوتے، کوٹ اور دوسری ضروری چیزیں خریدیں۔

سارا سامان خرید کر وہ واپس جہاز میں آ گئے۔ ماریا جہاز میں سفر کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ شام کو انہوں نے جہاز

میں پینے کا پانی بھی بھروا لیا۔ پھر عنبر ناگ ماریا کو لے کر بستی میں سیر کو نکل آئے۔

وہ ایک قہوہ خانے میں جا کر بیٹھ گئے اور قہوے سے دل بہلانے لگے۔

ادھر یہودی عورت نے جاتے ہی بستی کی ایک سرائے میں کمرہ لے لیا یہاں اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا عورت کا بھیس اتار دیا۔

اب وہ ایک بوڑھے یہودی کے بھیس میں بستی میں نکل آیا۔ اتفاق سے جس قہوہ خانے میں عنبر اور ناگ قہوہ پی رہے تھے۔ یہ بوڑھا یہودی بھی اسی قہوہ خانے میں آ گیا۔

اس نے آتے ہی عنبر اور ناگ کو وہاں دیکھ لیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ ماریا کو نہ دیکھ سکا۔ ویسے وہ ابھی تک

اس بات پر حیران تھا کہ جہاز کے کیبن میں وہ غیبی انسان کون تھا جو ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ اور جس کے پاؤں کو اس نے چھوا تھا؟۔

عنبر اور ناگ نے بوڑھے یہودی کو بالکل نہ پہچانا۔

یہودی بہت جلد اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ بندرگاہ پر زیادہ سے زیادہ ایک رات اور بسر کریں گے۔

اس کے بعد وہ خزانہ ساتھ لے کر وہاں سے نکل جائیں گے۔ اور پھر کبھی یہودی خزانے کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکے گی۔

مکار یہودی کو خیال آیا تھا کہ ایک بار وہ اس بندرگاہ پر پر اپنے ایک شاگرد سے ملا تھا جو بہت زبردست چور تھا اور کئی ڈاکے ڈال چکا تھا۔

یہودی نے قہوہ خانے کے مالک کے پاس آ کر پوچھا۔

”کیوں میاں! تم کافکا کو جانتے ہو؟“۔

قہوہ کے مالک نے بڑے غور سے یہودی کو دیکھا اور کہا۔

”تم اس کے کیا لگتے ہو؟“۔

بوڑھے یہودی نے کہا۔

”بھائی! میں اس کا چچا ہوں۔ بڑی دور سے اس سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ اگر تم بتا دو تو میں تمہیں ایک اشرفی انعام میں دوں گا“۔

یہودی کے پاس ابھی ایک سو اشرفی پڑی تھی۔ ایک سونے کی اشرفی کے انعام کا سن کر سرائے کے مالک نے

جھٹ کہا۔

سنو! کانکا یہاں کا بہت بدنام تام ہے اس نے چوریاں اور ڈاکے شروع کر رکھے ہیں۔ اگر تم اس سے ملنا چاہتے ہو تو اس سامنے والی کوٹھڑی میں چلے جاؤ۔ وہ ابھی ابھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر قہوہ پینے گیا ہے"۔

یہودی نے انعام کی ایک اشرفی سرائے کے مالک کو دی اور چپکے سے سامنے والی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر اس نے دیکھا کہ کانکا اپنی ٹولی کے چھ سات جوانوں کے ساتھ بیٹھا بڑے مزے سے قہوہ بھی پی رہا ہے اور باتیں بھی کر رہا ہے۔

کانکا نے یہودی استاد کو دیکھا تو یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور

بولا۔

"استاد! تم کہاں ہو؟"۔

پھر وہ استاد یہودی کے گلے سے لپٹ گیا۔

یہودی نے جلدی سے کہا۔

"سنو کانکا! بڑا اچھا ہوا کہ تم مل گئے۔ میں نے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ میں اسی کام کے لیے اس شہر میں آیا ہوں"۔

مکار یہودی کانکا کو ایک طرف لے گیا اور اس نے اسے ساری بات سنا دی۔

کانکا نے ایک بہت بڑے خزانے کا سنا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ یہودی نے کہا۔

"کانکا! میں نے خزانے کو دیکھا ہے۔ وہ اتنا قیمتی خزانہ

ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

اگر ہم اس خزانے کو جہاز پر سے چرا کر لے آئیں تو ہمیں کیا ہماری سو پشتوں کو بھی چوری کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

کافکا بولا۔

"استاد! میں حاضر ہوں"۔

یہودی نے کہا۔

"ہم وہ خزانہ آدھوں آدھ بانٹ لیں گے۔ آدھا خزانہ تم لے لینا اور آدھا میں لے کر یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"۔

کافکا بولا۔

"کیوں نہیں استاد؟ مجھے منظور ہے"۔

یہودی بولا۔

"جہاز پر صرف دو مسافر سوار ہیں۔ ایک کا نام عنبر ہے اور دوسرے کا نام ناگ ہے۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو بھائی کہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کی شکلیں بھی دکھا سکتا ہوں۔ اس وقت وہ قہوہ خانے میں بیٹھے قہوہ پی رہے ہیں"۔

"میں ان کی شکلیں دیکھنا پسند کروں گا"۔

مکار یہودی شاگرد ڈاکو اور چور کافکا کو ساتھ لے کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

باہر آ کر اس نے کافکا کو عنبر اور ناگ دکھائے اس وقت ماریا بھی ان دونوں کے پاس بیٹھی تھی مگر وہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ دونوں واپس کوٹھڑی میں آ گئے۔

یہودی نے کہا۔

''ان کا بحری جہاز سمندر میں کنارے پر کھڑا ہے۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ خزانے کو وہاں سے کیسے اڑایا جائے گا''۔

کاٹکا نے مسکرا کر کہا۔

استاد! یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ بھلا یہ کونسی مشکل بات ہے۔ آخر وہ دو ہی تو آدمی ہیں۔ میں تو ایسے کئی آدمیوں کو قتل کر کے انہیں لوٹ چکا ہوں۔

میرے لیے یہ کوئی انوکھا کام تو نہیں ہے۔ میں آج ہی رات کو اپنے ساتھیوں کو لے کر حملہ کروں گا۔ ان دونوں کو جہاز ہی میں قتل کر دوں گا۔ بس اتنی سی تو بات ہے۔

یہودی بولا۔

''لیکن بیٹا اس جہاز میں ایک غیبی انسان بھی ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے''۔

کاٹکا نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا کہا غیبی انسان؟''۔

''ہاں کاٹکا! غیبی انسان''۔

''استاد! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تمہارا دماغ تو ٹھکانے ہے؟ بھلا غیبی انسان کہاں سے آ گیا؟ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟''۔

یہودی نے کہا۔

''اگر وہ دکھائی دے جاتا تو پھر غیبی انسان کہاں سے ہوتا؟''۔

میں نے اس کے خراٹوں کی آواز سنی ہے۔ وہ میرے اپنے کیبن میں دیوار کے پاس سو رہا تھا۔ اور ہلکے ہلکے خراٹے

لے رہا تھا۔ پھر میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں چھو کر دیکھے ہیں۔

کاؤکا احمقوں کی طرح استاد کا منہ دیکھ رہا تھا کہ وہ اسے کیا جادو کا قصہ سنا رہا ہے۔ اسے اپنے استاد کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کہا۔

”استادو! تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا“۔

بوڑھا یہودی کہنے لگا۔

نہیں کاؤکا! میں دھوکا نہیں کھا سکتا یہ خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت تھی۔

میں جاگ رہا تھا۔ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے ایک ایسے انسان کے پاؤں چھوئے ہیں جو ہلکے ہلکے خراٹے لے

رہے تھا اور سو رہا تھا۔ مگر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کاؤکا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”استادو! اب تم بوڑھے ہو گئے ہو۔ تم ڈاکو اور چوریاں چھوڑ دو۔ اب یہ کام میں، یعنی تمہارا شاگرد کرے گا۔ تم میرے پاس آرام سے باقی زندگی بسر کرو“۔

یہودی خاموش ہو گیا۔ اس نے پھر اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی بلکہ اسے کہنے لگا۔

”ان باتوں کو چھوڑو۔ تم خزانے کو چرانے کی تیاریاں کرو۔ تم آدھی رات کو کس وقت یہاں سے نکلو گے اور میں کس جگہ تمہیں ملوں گا“۔

کاؤکا نے پوچھا۔

”استاد پہلے یہ بتاؤ کہ خزانہ جہاز میں کس جگہ پر

ہے؟"۔

یہودی نے کہا۔

میرا خیال ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ویسے تمہیں بتا بھی دیتا ہوں کہ خزانہ سیڑھیاں نیچے اتر کر دائیں طرف والے دوسرے کیبن کے اندر ہے۔

کیبن کے اندر ایک سامنے والی دیوار میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ اس کو کھولو گے تو اندر ایک تہہ خانہ آئے گا۔ اس تہہ خانے میں پرانے کھوکھوں اور بوریوں کے نیچے انمول خزانے کا صندوق پڑا ہے۔

بس تمہارا کام یہ ہے کہ وہ صندوق جہاز پر سے نکال کر یہاں لے آؤ۔

کافکا نے کہا۔

"استاد! میرا خیال ہے کہ تم میرے ساتھ ہی چلو"۔

یہودی نے خوش ہو کر کہا۔

"یہی تو میں چاہتا تھا۔ تمہیں معلوم نہ ہو سکے گا"۔

اصل میں استاد کو بھی اپنے شاگرد پر بھروسہ نہیں تھا۔ اس کے دل میں بھی چور تھا کہ کہیں شاگرد پورے کا پورا خزانہ لے کر ہی نکل جائے۔

دوسری طرف شاگرد چور نے بھی دل میں یہ ٹھان رکھی تھی کہ خزانہ حاصل کرنے کے بعد وہ استاد چور کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دے گا اور خود سارے خزانے پر قبضہ کر لے گا۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ آدھی رات کو اس جگہ سے باہر نکلیں گے اور رات کے اندھیرے میں جہاز پر چپکے

سے حملہ کر دیں گے۔

ادھر قہوہ پینے کے بعد عنبر اور ناگ ماریا کو ساتھ لے کر قہوہ خانے سے باہر نکل گئے۔

وہ سیدھا اپنے جہاز پر آ گئے۔ جہاز پر آ کر انہوں نے بادبانوں کی مرمت اور جہاز کی صفائی کا کام شروع کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مل کر کھانا کھایا اور اپنے اپنے کیبن میں جا کر لیٹ گئے۔

ماریا اپنے کیبن میں جا کر سو گئی۔ تھوڑی دیر بعد عنبر اور ناگ بھی سو گئے۔ جہاز پر خاموشی چھا گئی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ صرف جہاز کے اوپر ایک شمع جل رہی تھی۔

رات آدھی گزر گئی تو پرانے قہوہ خانے کی سرائے کے

پچھلے دروازے سے چور کانوکا اپنے استاد یہودی اور دوسرے آٹھ چوروں کے ساتھ باہر نکلا۔

وہ جہاز پر خزانہ چرانے اور عنبر اور ناگ کو قتل کرنے جا رہے تھے۔ انہیں کوئی خبر ہی نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے بہت بڑے پہاڑ سے ٹکر لینے جا رہے ہیں۔ جس سے ٹکرا کر وہ خود پاش پاش ہو سکتے تھے۔

شہر سے باہر نکل کر وہ سمندر کے کنارے آ گئے۔ یہاں گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سمندر کی طرف سے خوشگوار ہوا آ رہی تھی۔

وہ جہاز کے قریب آ گئے۔ یہ چوروں کی ٹولی ایسی ٹولی تھی کہ جس نے سینکڑوں ڈاکے مارے تھے۔ جو سپاہیوں کی موجودگی میں مال و دولت اور خزانہ اٹھا کر لے جاتے تھے۔

اس وقت وہ بڑے خوش اور بے دھڑک تھے۔

کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جہاز میں صرف دو آدمی ہیں۔ جن سے ان کا مقابلہ ہوگا۔

وہ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اندھیرے کے ساتھ وہ سائے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف سے انہوں نے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر میں ڈال دی اور اسے کھیتے ہوئے جہاز کے پچھلے حصے میں آ گئے۔

یہاں انہوں نے بڑے آرام سے کشتی کو لنگر کے ساتھ باندھ دیا۔ اور اس کی زنجیر کے ساتھ لٹکتے ہوئے ایک ایک کر کے خاموشی سے جہاز کے عرشے پر پہنچ کر لیٹ گئے۔

اس خیال سے کہ اگر کوئی وہاں پر پہرہ دے رہا ہو تو وہ انہیں دیکھنے نہ پائے۔ کافکا اور یہودی آگے آگے تھے۔ پیچھے آٹھوں چور تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں تلواریں تھام رکھی تھیں۔

کمر کے ساتھ خنجر لگے تھے۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ تیار تھے کہ کوئی ان کے راستے میں آئے اور وہ اسے ایک پل میں قتل کر ڈالیں۔ جہاز کا عرشہ ویران تھا۔

ویران اس لیے تھا کہ عنبر اور ناگ نے کبھی بھی وہاں پہرہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ چور ڈاکوؤں سے وہ خود نپٹ لیتے تھے۔ چور جھکے جھکے آگے بڑھنے لگے۔ یہودی نے کافکا کے کان میں کہا۔

"وہ سامنے والی سیڑھیاں نیچے خزانے کو جاتی ہیں"۔

"استاد! تم آگے آگے لو"۔

یہودی آگے آگے رینگنے لگا۔ سیڑھی پر پہنچ کر اس نے

بڑے آرام اور احتیاط کے ساتھ نیچے اترنا شروع کر دیا۔ کافکا بھی اس کے پیچھے پیچھے رینگتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

اس نے اپنے ساتھ دو چور لیے تھے۔ باقی چوروں کو اس نے اوپر عرشے پر ہی رکھا تھا۔ کافکا نے استاد سے کہا۔

”استاد! خزانہ اٹھانے سے پہلے میں عنبر اور ناگ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ شور نہ مچائیں اور ہم بڑے آرام سے خزانہ یہاں سے اڑا کر لے جائیں میں یہ کام پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ نہ رہے گا بانس اور نہ رہے گی بانسری“۔

یہودی نے کہا۔

”کیا تم اسے ضروری سمجھتے ہو؟“۔

”ہاں استاد! مجھے ان کے کیبن میں لے چلو“۔

”تو پھر میرے پیچھے پیچھے آؤ“۔

مکار یہودی نے بھی سوچا کہ ٹھیک ہے۔ یہ پہلے عنبر اور ناگ کو ختم کر دے تو اچھا ہے۔

وہ کافکا کو لے کر سب سے پہلے عنبر کے کیبن کی طرف بڑھا۔ وہ اس قدر خاموشی سے وہاں رینگ رینگ کر چل رہے تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔

عنبر، ناگ اور ماریا اپنے اپنے کیبنوں میں بے سدھ ہو کر سوئے رہے۔ کسی کو ذرا سی بھی آہٹ نہ ہوئی۔

سامنے عنبر کا کیبن آ گیا۔ یہودی نے اشارہ کر کے سرگوشی میں کہا۔

”کافکا! یہ ہے عنبر کا کیبن۔ وہ اس کے اندر سو رہا ہے۔ جاؤ اور اس کا کام تمام کرو۔ اس کے بعد ہم اس کے بھائی کو ختم کر دیں گے“۔

کافکا مسکرایا۔

کسی آدمی کو اور خاص طور پر سوتے ہوئے آدمی کو قتل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس نے اپنے استاد کو وہیں راہداری کے اندھیرے میں چھوڑا اور تلوار لے کر عنبر کے کیبن کو ذرا سا دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ عنبر ایک تخت پر چادر اوڑھے بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔ کافکا ہنسا۔ وہ تلوار لے کر آگے بڑھا اور عنبر کی گردن پر تلوار کا وار کرنے کے لیے اس کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا۔

خزانہ چوری ہو گیا

عنبر اپنے پلنگ پر چادر اوڑھے سو رہا تھا۔

چور اور قاتل کافکا نے تلوار والا ہاتھ اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر وار کر دیا۔

عنبر کی ایک دم سے آنکھ کھل گئی۔ کیونکہ کافکا کی تلوار اس کی گردن سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گئی تھی۔ ایک ٹکڑا فرش پر گر پڑا تھا اور دوسرا ٹکڑا قاتل کافکا کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا

تھا۔

کافکا کے دماغ میں ایکدم خیال آیا کہ وار اوچھا کیپڑا ہے۔ تلوار عنبر کی گردن پر پڑنے کی بجائے پلنگ کی لکڑی کی پٹی پر پڑی ہے بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ کافکا جیسا جوان آدمی پوری طاقت سے کسی سوئے ہوئے آدمی کی گردن پر وار کرے اور تلوار ٹوٹ جائے۔

اس سے پہلے کہ عنبر اپنے بستر سے اٹھ سکے۔ کافکا نے جلدی سے دوسرا وار کر دیا۔ اس دفعہ اس نے ٹوٹی ہوئی تلوار پھینک کر کمر سے خنجر نکال کر عنبر کے سینے میں دل کے بالکل اوراوپر گھونپ دیا۔

اس کا سارا خنجر عنبر کے سینے میں اتر گیا۔ لیکن نہ عنبر کے جسم سے خون نکلا۔ نہ عنبر نے کوئی چیخ ماری۔ نہ وہ تڑپا۔ وہ

کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ الٹا اس نے کافکا کی کلائی پکڑ کر اسے اس زور سے پٹخنی دی کہ وہ اچھل کر دور جا گرا۔ عنبر پلنگ پر سے اٹھ بیٹھا۔

اس نے تلوار کھینچ کر کافکا کے سینے میں رکھ دی اور کہا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"۔

کافکا کی آنکھوں میں چمک آگئی تھی۔ اس وجہ سے کہ وہ عنبر کے پیچھے اپنے چار وفادار سپاہیوں کو آگے بڑھتا دیکھ رہا تھا۔

کافکا نے عنبر کو باتوں میں لگاتے ہوئے کہا۔

"میں چور ہوں۔ چوری کی نیت سے آیا تھا۔ سوچا مالک کو قتل کردوں گا تو سب کچھ چرا کر لے جاسکوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تم بکواس کرتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ کون کون ہے؟ تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟"۔

کافکا اس کا جواب دے ہی رہا تھا کہ اس کے وفادار چوروں نے پیچھے سے عنبر کے گلے میں رسی ڈال کر اسے جکڑ لیا۔

عنبر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ چار چوروں کے آگے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ عنبر نے ماریا اور ناگ کو جگانے کے خیال سے زور سے چیخ ماری۔

چیخ کی آواز سن کر ناگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

وہ بڑی تیزی سے کیبن میں سے نکل کر باہر کو بھاگا مگر باہر مکار یہودی اپنے چور ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے ناگ کے سر پر زور سے ایک ڈنڈا مارا۔ ناگ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ ناگ بے ہوش ہو گیا تھا۔

ادھر سے کافکا بھی عنبر کو رسیوں میں جکڑے باہر آ گیا۔

"استادو! جلدی سے خزانے کے پاس چلو"۔

یہودی نے کہا۔

"میں نے ناگ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ اب سارے جہاز پر ہمارا قبضہ ہے۔ ہماری حکومت ہے میرے ساتھ نیچے تہہ خانے میں چلو۔ انمول خزانہ ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

کافکا، دوسرے چور اور مکار یہودی نیچے تہہ خانے والے کیبن میں آ گئے۔ یہ ایک عجیب اتفاق کی بات ہوئی تھی کہ ماریا کی ابھی تک نیند نہیں کھلی تھی۔

وہ اس قدر بے خبر اور غافل ہو کر سو رہی تھی کہ اس کی ایک پل کے لیے آنکھ نہیں کھلی تھی۔ اور ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی

تھی۔

کچھ اس کا کیبن اس قسم کا تھا کہ اگر اس کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر دیا جائے تو باہر کی آواز اندر کچھ مشکل ہی سے جاتی ہے۔

کانکا اور یہودی اس بات سے بے خبر تھے کہ جہاز میں ایک اور انسان بھی موجود ہے جو ماریا ہے اور جو ایک کیبن کے اندر گہری نیند سو رہی ہے وہ تہ خانے میں آ گئے۔

بوریاں پرے ہٹا کر انہوں نے دیکھا کہ خزانے کا صندوق پڑا تھا۔ انہوں نے خزانے کو اٹھایا اور جہاز پر سے نکال کر نیچے کشتی میں آ کر بیٹھ گئے۔

عنبر کو انہوں نے منہ پر رومال باندھ کر جنگلے کی زنجیر کے ساتھ جکڑ دیا تھا۔ ناگ سیڑھیوں کے پاس بے ہوش پڑا ہوا

تھا۔

ماریا اپنے کیبن میں سو رہی تھی۔

چوروں نے خزانے کو کشتی میں ڈالا اور اسے لے کر سمندر کے ساحل پر آ گئے۔ رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی ساحل پر آ کر یہ لوگ کھجوروں کے جھنڈوں میں سے گزرتے، اندھیری گلیوں اور بازاروں میں ہو کر پچھلے دروازے سے سرائے والے کمرے میں آ گئے۔

سرائے میں سب مسافر سو رہے تھے۔ کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ کانکا اپنے چوروں کے ساتھ ایک بہت قیمتی اور انمول خزانے کو لوٹ کر آ گیا ہے۔

کوٹھڑی میں آ کر کانکا نے تمام چوروں کو باہر بھیج دیا کہ

باہر درختوں تلے جا کر سو جائیں۔ اب اندر کافکا اور اس کا استاد یہودی رہ گئے۔

استاد یعنی مکار یہودی کے دل میں یہی ایک خیال بار بار پیدا ہو رہا تھا کہ وہ کون سا ایسا طریقہ ہو گا جس سے کافکا کو قتل کر کے سارے خزانے پر قبضہ کر لیا جائے۔

دوسری طرف کافکا بھی یہی سوچ رہا تھا کہ استاد کو ہلاک کر کے سارا خزانہ اپنے پاس ہی رکھ لے۔ وہ بھی مکار یہودی کو ہلاک کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

خزانہ پلنگ کے نیچے چھپا دیا گیا تھا۔ یہودی نے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔

"میرے عزیز کافکا! میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی سے خزانے کی دولت کو آدھا آدھا کر لینا چاہیے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کافکا بولا۔

"کیوں نہیں استاد! آپ میرے استاد ہیں۔ میں آپ کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے دو وقت کی روٹی نہ بھی دیں تو میں آپ کا اسی طرح وفادار ہوں گا۔ خزانہ کیا ہے میں تو آپ کو اپنی جان بھی دینے کے لیے تیار ہوں"۔

مکار یہودی بڑا خوش ہوا کہ اس کا شاگرد کافکا اس کی بہت عزت کرتا ہے۔ اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا ہے۔

اب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کوٹھڑی میں کافکا کی کھوپڑی پر لوہے کی چھڑی سے وار کر کے وہ اسے ختم کر دے گا۔ دوسری طرف یہی بات کافکا بھی دل میں سوچ رہا تھا۔

اس نے استاد سے کہا۔

”میں ابھی خزانہ آدھوں آدھ کر لیتا ہوں استاد“۔

اس کے ساتھ ہی کافکا نے پلنگ کے نیچے سے خزانے کا صندوق کھینچ کر باہر نکال لیا۔ صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا گیا۔ یہودی کی آنکھیں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی چمک دمک دیکھ کر چکا چوند ہو گئیں۔

اس نے بچوں کی طرح تالی بجا کر کہا۔

”میرے بیٹے! ہم دونوں کو ساری زندگی کچھ کمانے کی فکر نہیں رہے گی۔ یہ اتنی زیادہ دولت ہمارے ہاتھ آئی ہے کہ ہماری نسل سات پشتوں تک بیٹھ کر کھا سکتی ہے۔ وہ بادشاہ کی طرح زندگی بسر کر سکتی ہے“۔

”کیوں نہیں۔ اس خزانے کا پتہ اگرچہ تم نے دیا تھا لیکن میں نے اپنی جرات اور بہادری سے یہ خزانہ کیبن سے اڑایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے جلدی سے میا حصہ مل جانا چاہیے“۔

”تمہیں میری طرف سے اجازت ہے کہ اس خزانے کو دو حصوں میں تقسیم کر دو“۔

یہودی کی اس بات پر کافکا نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

”چمڑے کا تھیلا تو باہر صحن میں ہی رہ گیا استاد! کیا تم باہر جا کر چمڑے والا تھیلا اٹھا لاؤ گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس تھیلے میں تمہاری دولت کا حصہ بند کر کے دوں“۔

یہودی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں! کیوں نہیں! میں ابھی جا کر باہر سے تھیلا لاتا ہوں۔ کہاں رکھا ہے تم نے؟“۔

کافکا بولا۔

"صحن میں لکڑی کے پائیدان کے اوپر رکھا ہے"۔

یہودی کی موت اسے باہر لے گئی۔

اس نے باہر جا کر دیکھا تو تھیلا بیچ لکڑی کے ایک پائیدان کے اوپر پڑا تھا۔ یہودی نے تھیلے کو اٹھایا اور کوٹھڑی کے دروازے پر آ گیا۔

جونہی اس نے کوٹھڑی میں قدم رکھا اس کی آنکھوں کے آگے بجلی سی کوند گئی۔ اس کی آنکھوں میں زبردست قسم کی روشنی ہوئی۔ اور وہ گر پڑا۔

قاتل کافکا پہلے ہی سے دروازے کے پیچھے، دیوار کے ساتھ لگ کر چھپا کھڑا تھا۔ جونہی یہودی اندر آیا اس نے ایک ہی وار سے یہودی کی گردن کاٹ کر نیچے پھینک دی۔

یہودی کو گردن کٹتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے آگے بجلی چمک گئی ہے۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور وہ مر چکا تھا۔

کافکا نے جلدی سے یہودی کی لاش کو ایک چمڑے کی بوری میں بند کر کے کونے میں رکھ دیا۔ فرش پر سے خون کو صاف کیا۔ پھر اپنے دو چور ساتھیوں کو بلا کر کہا۔

"اس یہودی کی لاش کو ابھی جا کر سمندر میں پھینک آؤ۔ یاد رکھنا اس کے ساتھ پتھر باندھنا نہ بھولنا"۔

"جو حکم سردار"۔

چور یہودی کی لاش کے بورے میں بند گڑے لے کر سمندر کے کنارے آ گئے۔ یہاں آ کر انہوں نے بوری کے ساتھ پتھر باندھے اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔

یہودی کی لاش نیچے پانی میں آ کر تہہ سے لگ گئی۔

مچھلیوں نے خون کی بو سونگھی تو یہودی کی لاش پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے چمڑے کی بوری کو پھاڑ ڈالا اور یہودی کی لاش کو نوچ نوچ کر کھانے لگیں۔

کافکا نے خزانے کے صندوق کو ایک اور چمڑے کی بوری میں رکھا پھر اپنے ساتھی کو بلا کر کہا۔

"میں نے یہودی استاد کو ختم کر دیا ہے۔ اس نے مجھ سے خزانے میں حصہ مانگا تھا۔ میرا خیال ہے ہمیں راتوں رات اس شہر سے نکل جانا چاہیے"۔

ساتھی چور بولا۔

"ہاں کافکا! اتنی بڑی دولت لوٹنے کے بعد ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ میرے خیال میں ہمیں سب سے

پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ اپنے ٹھکانے پر جا کر خزانے کو کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیں۔ اس کے بعد کچھ اور سوچیں"۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی یہاں سے نکل چلو"۔

کافکا نے چوروں کو حکم دیا کہ بڑی خاموشی سے کوچ کرنے کی تیاری شروع کر دی جائے۔ چوروں نے اپنے اپنے گھوڑوں پر زین کسی اور ایک گھوڑے کے اوپر خزانے کے صندوق والی بوری لاد کر رکھ دی اور پچھلے پہر کے اندھیرے میں یہ لوگ سرائے میں سے نکل کر شہر کے سنسان اور ویران بازاروں میں آ گئے۔ بازار خالی پڑے تھے۔

شہر سے باہر وہ پہاڑی ٹیلوں کی طرف گھوڑے دوڑاتے بھاگنے لگے۔

ان ٹیلوں کے اوپر ستارے چمک رہے تھے۔ ان پہاڑی

غاروں میں ایک جگہ غار میں کافکا چور نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ یہ غار پہاڑوں میں ایک ایسی جگہ چھپا ہوا تھا جہاں کسی کو شک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

غار کا دروازہ ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں سے نکلتا تھا۔ چور کافکا کے ساتھ راتوں رات پرانے کھنڈر والے قلعے میں آ گئے۔ یہاں پہنچ کر وہ غار میں خفیہ راستے سے گھوڑوں سمیت چلے گئے۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی خبر بھی لیتے ہیں۔

کافکا چور نے عنبر کے منہ پر رومال لپیٹ کر اسے رسیوں سے جکڑ کر جنگلے کیساتھ باندھ دیا تھا۔

ماریا اپنے کیبن میں سو رہی تھی اور ناگ کے سر پر اس قدر چوٹ ماری گئی تھی کہ وہ اپنے کیبن کے باہر راہداری میں

بے ہوش پڑا تھا۔

عنبر بڑا حیران تھا کہ ناگ اور ماریا کہاں ہیں؟

ان کے خزانے کو لوٹ لے جانے کی خبر کیوں نہیں ہوئی؟

آخر وہ اتنے غافل ہو کر کیوں سو رہے ہیں؟

پھر اسے خیال آیا کہ کہیں ناگ کو چوروں نے قتل تو نہیں کر دیا۔

اگر ناگ کو قتل کر دیا گیا تھا تو ماریا کہاں تھی؟

ماریا تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی اسے تو کوئی قتل نہیں کر سکتا تھا۔

عنبر چیخ کر انہیں آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔

کیونکہ اس کے منہ پر بڑے زور سے رومال باندھ دیا گیا تھا۔

رات گذر رہی تھی۔ مشرق کی طرف آسمان پر صبح کی نیلی نیلی روشنی نمودار ہونی شروع ہو گئی تھی۔ وہ جہاز کے عرشے پر بندھا ہوا تھا۔

سمندر اب صبح کے ہلکے ہلکے اجالے میں نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔

ماریا کی نیند پوری ہوئی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ آنکھیں ملتی ہوئی بستر پر سے اٹھی اور کیبن کا دروازہ کھول کر باہر راہداری میں نکل آئی۔

وہ سیدھی باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک اس نے راہداری کے فرش پر ناگ کو اوندھے منہ پڑے دیکھا وہ بھاگ کر اس کے پاس پہنچی اور اسے آوازیں دے کر، سر دبا کر، منہ پر چھینٹے مار کر ہوش میں لے آئی۔

"ناگ بھائی! کیا ہوا؟"۔

ناگ نے اٹھ کر اپنا سر دبانا شروع کر دیا۔

خدا کے لیے عنبر کو جا کر دیکھو۔ میں عنبر کی چیخ کی آواز سن کر باہر کو بھاگا تھا کہ کسی نے میرے سر پر زور سے کوئی چیز ماری اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ماریا لپک کر عنبر کے کیبن میں گئی۔ کیبن میں عنبر کا بستر خالی تھا۔ وہاں زمین پر ٹوٹی ہوئی تلوار کے ٹکڑے پڑے تھے۔

ماریا نے باہر آ کر ناگ کو بتایا کہ عنبر وہاں نہیں ہے۔

ناگ اب ہوش میں آ چکا تھا۔ اگرچہ اس کا سر سخت درد کر رہا تھا۔ وہ اور ماریا جلدی سے عرشے پر آ گئے۔

صبح ہو چکی تھی۔ ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اوپر عرشے پر آ کر انہوں نے دیکھا کہ عنبر رسیوں میں جکڑا عرشے کے جنگلے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اور اس کے منہ پر رومال باندھا ہوا ہے۔

انہوں نے جلدی سے جا کر منہ سے رومال ہٹایا۔ عنبر نے منہ کھلتے ہی کہا۔

"چور خزانہ لے کر فرار ہو گئے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"انہوں نے میرے سر پر ڈنڈا مار کر مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ تو اپنی طرف سے مجھے ہلاک کر کے گئے تھے۔ قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا"۔

خزانے کی تلاش

عنبر کی رسیاں کھول دی گئیں۔

نیچے کیبن میں آ کر انہوں نے تہہ خانے میں جا کر دیکھا خزانہ چوری ہو چکا تھا۔

ناگ کے سر میں سخت درد ہو رہا تھا۔ عنبر نے اسے بستر پر لٹا دیا اور اس کے سر پر تیل کی مالش کر کے پٹی باندھ دی۔

اب وہ غور کرنے لگے کہ یہ لوگ، جو خزانہ لے گئے تھے؟

اور کہاں سے آئے تھے؟۔

عنبر نے کہا۔

"میں حیران ہو کہ ماریا کی بھی آنکھ نہ کھلی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔ کبھی اس طرح غافل ہو کر نہیں سوئی تھی۔ خدا جانے مجھے کیا ہو گیا کہ بے سدھ پڑی رہی"۔

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

"اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں جو ہونا تھا ہو گیا"۔

عنبر بولا۔

"آخر اس اجنبی شہر میں کس کو خبر ہو سکتی ہے کہ ہمارے جہاز میں ایک خزانہ بھی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

میرے خیال میں تو یہ ساری کارستانی اس مکار عورت کی ہے جس کو ہم نے جہاز پر سوار کرا لیا تھا اور ہم نے شہر میں لا کر چھوڑ دیا۔

وہ ضرور ہمارے خزانے کا راز اپنے ساتھ لے گئی ہو گی اور اس نے جا کر اپنے چور ساتھیوں کو بتا دیا ہوگا۔

عنبر بولا۔

"یقین نہیں آتا کہ ایک مصیبت زدہ عورت بھی ایسا کر سکتی ہے"۔

مایا نے کہا۔

عنبر بھائی! وہ ضرور کوئی جاسوس عورت تھی۔ اسے ہمارے خزانے کی خبر ہو گئی ہو گی۔

اس نے ہمارے ساتھ بے کس مصیبت زدہ عورت بن کر

سفر کیا اور یہاں ضرور اس کے ساتھی ہوں گے۔ ان کو اس نے جا کر خزانے کی خبر کی اور انہوں نے رات کو جہاز پر حملہ کر دیا۔

عنبر نے کہا۔

میں اس شخص کی صورت پہچان سکتا ہوں۔ ہٹا کٹا آدمی تھا۔ تلوار لے کر مجھے قتل کرنے کے لیے آیا تھا۔

اس نے مجھ پر دو بار تلوار چلائی۔ پہلی بار تلوار ٹوٹ گئی۔

پھر اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ کیا۔ اگر اس کے ساتھی ایک دم مجھ پر ٹوٹ نہ پڑتے تو میں انہیں قابو کر لیتا۔ مگر انہوں نے ایکدم مجھے رسیوں میں جکڑ دیا۔

ماریا نے کہا۔

""ہمیں اپنے خزانے کو ہر قیمت پر واپس لینا ہو گا۔ ہم

اس وقت تک یہاں سے آگے نہیں بڑھیں گے جب تک کہ ہمیں خزانہ واپس نہیں مل جاتا۔''

میں اس شہر میں جا کر اس مصیبت زدہ مکار عورت کو تلاش کروں گی جس نے ہمارے خزانے کو چرایا ہے میں گھر گھر جا کر اسے ڈھونڈوں گی اور پھر اسے پکڑ کر یہاں لے آؤں گی۔

ناگ بولا۔

شاید وہ عورت اب ہمارے ہاتھ نہ آئے۔ چور بھی بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ انہوں نے عورت کو غائب کر دیا ہوگا۔ تلاش اگر کرنی ہے تو اس آدمی کی تلاش کرنی چاہیے جس نے عنبر پر حملہ کیا تھا۔

اس کی تلاش صرف عنبر ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ عنبر بھائی

نے اس کی شکل دیکھ لی ہے۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ ٹھیک کہتا ہے۔ میں اس شخص کو پہچان سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے تم لوگ یہاں بیٹھو میں شہر میں جا کر اس شخص کو تلاش کرتا ہوں"۔

ماریا بولی۔

"عنبر بھائی! اس چور کو بھی معلوم ہے کہ وہ پہچان لیا گیا ہے اور تم اسے دور ہی سے پہچان سکتے ہو۔ وہ ضرور یہاں سے چلا گیا ہوگا۔ یا اگر اس شہر میں وہ گا تو بھیس بدل چکا ہوگا۔ اس کو ڈھونڈنا بے کار ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں خزانے کو بھول جانا چاہیے"۔

ماریا نے کہا۔

ہرگز نہیں۔ ہم اتنا قیمتی خزانہ چوروں کے حوالے نہیں کر سکتے اور پھر ہمیں ناگ پر حملے کا بدلہ بھی لینا ہے۔ کسی چور کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمارے بھائی پر حملہ کرے اور ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے خزانے کو چار لے جائے۔

آپ لوگ یہاں بیٹھیں۔ آج کے دن مجھے شہر جا کر چوروں کی تلاش کر لینے دیں۔ اگر میں ناکام ہوگئی تو پھر سوچ لیں گے کہ آگے کیا کریں؟۔

ناگ اور عنبر نے ماریا کو روکنا چاہا۔ مگر وہ نہ رکی۔ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ آخر اسے اجازت دینی ہی پڑی۔

عنبر تو ناگ کے پاس جہاز میں ہی رہا۔

ماریا نے خود بھی کھانا کھایا۔ عنبر اور ناگ کو بھی کھلایا اور پھر خدا کا نام لے کر کافکا چور کی تلاش میں جہاز سے نکل کر کنارے پر آ گئی۔

اس نے کنارے پر آ کر شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

شہر اتنا بڑا نہیں تھا۔ ایک بستی تھی۔ جس میں دو چار بازار تھے۔ کچھ محلے تھے جہاں زیادہ آبادی ماہی گیروں اور سیپ کی تجارت کرنے والوں کی تھی۔

چلتے چلتے وہ شہر کی بستی میں داخل ہو گئی۔ وہ گھوڑے پر سوار نہیں تھی۔ پیدل چل رہی تھی۔ اس نے ایک چکر ساری بستی کا لگا لیا۔

لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ بچے مکانوں کے باہر کھیل رہے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں۔ لوگ سودا

خرید رہے تھے۔ عورتیں گھروں میں کھانا پکا رہی تھیں۔

ماریا نے سوچا کہ گھروں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ وہ مصیبت زدہ عورت کہاں ہے۔ اس نے ہر اس گھر میں داخل ہونا شروع کر دیا جس کا دروازہ اسے کھلا دکھائی دیا۔

گھروں میں عورتیں اپنے اپنے کام کاج میں مصروف تھیں۔ کوئی کپڑے دھو رہی تھی۔ کوئی بچوں کو نہلا رہی تھی۔ کوئی کھانا پکا رہی تھی۔

کوئی کپڑے سی رہی تھی۔ کوئی صندوق کھول کر اس میں سے کپڑے نکال رہی تھی۔ کوئی گھر کی صفائی میں لگی تھی۔

ماریا نے کتنے ہی گھروں میں جھانک کر دیکھا۔ اسے وہ عورت کہیں بھی نظر نہ آئی جو مصیبت زدہ عورت بن کر

ان کے ساتھ جہاز میں سفر کر چکی تھی۔

ماریا کچھ ناامید سی ہو گئی۔ ایک مکان میں وہ داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہے کہ صحن میں ایک طرف کوٹھڑی کا دروازہ بند ہے۔ اور اندر سے کسی عورت اور مرد کے بولنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔

ماریا نے دروازے کے پاس کان لگا کر سنا۔ مرد عورت سے کہہ رہا تھا۔

”اگر تم نے شور مچایا تو میں اسی جگہ تمہارا کام تمام کر دوں گا۔ چپکے سے اپنا زیور اور نقدی میرے حوالے کر دو“۔

عورت سسکیاں بھر کر کہہ رہی تھی۔

”مجھ پر رحم کرو۔ میرا خاوند پردیس محنت کرنے گیا ہے۔ اس نے اپنا پیٹ کاٹ کر مجھے کچھ رقم بھیجی ہے جو ہم نے اپنی

بیٹی کی شادی کے لیے رکھی ہوئی ہے۔ اگر تم یہ رقم لے گئے تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو“۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ کوئی چور ہے جس نے عورت کو کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے اور اب اس کے زیورات اور نقدی مانگ رہا ہے۔

ماریا نے دروازے کے سوراخ میں سے اندر دیکھا۔ ایک کمزور سی عورت بے چاری ہاتھ جوڑے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ایک ہٹا کٹا خوفناک چہرے والا چور کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ یہ کوئی بڑا ہی قاتل قسم کا چور تھا جو دن دہاڑے اس گھر میں ڈاکہ ڈالنے آ گیا تھا۔

عورت نے کہا۔

”مجھ پر رحم کرو۔ میری بچی پر رحم کرو“۔

چور نے ڈانٹ کر کہا۔

”خبردار ایک لفظ بھی زبان سے نکالا۔ جلدی سے سارے زیور اور نقدی میرے حوالے کرو۔ نہیں تو ابھی تمہیں خنجر مار کر قتل کر دوں گا“۔

عورت رونے لگی۔ چور نے اس کے بالوں کو کھینچ کر اسے زمین پر گرا دیا اور خنجروں کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

عورت کی چیخ نکل گئی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرو۔ میں تمہیں سارا زیور اور نقدی لا کر دیے دیتی ہوں“۔

عورت اٹھی اور اس نے ایک صندوق میں سے زیور اور نقدی کی پوٹلی نکال کر کانپتے ہاتھوں سے چور کے حوالے کر

دی۔

”تم کو میری بچی پر ذرا رحم نہیں آتا کیا؟ اگر تم یہ زیور اور رقم لے گئے تو میرا گھر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ میرا خاوند ساری زندگی پھر یہ رقم نہ کما سکے گا۔ ہم ساری زندگی اپنی بچی کی شادی نہ کر سکیں گے۔ ہم تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے“۔

”بکواس بند کر اور بوڑھی کھوسٹ عورت! نہ مجھے تمہاری بچی سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ تمہاری زندگی کی بربادی سے کوئی واسطہ ہے“۔

یہ کہہ کر چور نے نقدی اور زیورات کی پوٹلی کو مظلوم عورت کے ہاتھوں سے چھین لیا۔

پھر اسے دھکا دے کر پرے زمین پر گرا دیا۔ عورت وہیں پڑے پڑے سسکیاں لینے لگی۔ چور نے دروازے کی کنڈی

اندر سے کھولی اور باہر صحن میں نکل آیا۔

باہر آتے ہی سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ کوٹھڑی کو باہر سے بند کر کے کنڈی لگا دی۔

وہ ماریا کے بالکل قریب سے ہو کر آگے نکل گیا۔ ماریا نے سوچا کہ پہلا کام تو یہ کرنا چاہیے کہ اس غریب مظلوم عورت کا زیور اور نقدی چور سے چھین کر واپس دلانی چاہیے۔

اس کے بعد چور کا پیچھا کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ کہاں جاتا ہے؟ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق ان چوروں سے بھی ہو جنہوں نے خزانہ چرایا ہے۔

ماریا چور کو اسی جگہ مار کر گرا سکتی تھی۔ مگر اس طرح سے دو نقصان ہوتے۔

پہلا نقصان یہ ہوتا کہ چور کی لاش اس گھر میں رہ جاتی۔

دوسرا نقصان یہ ہوتا کہ ماریا چور کا تعاقب کر کے یہ معلوم نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا تعلق کس ٹولی سے ہے اور کس گروہ سے ہے۔

ماریا چور کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ مکان سے نکل کر چور گلی میں سے بھاگ کر نکل گیا۔ ماریا بھی بھاگ کر اس کا پیچھا کرنے لگی۔

چور دن دیہاڑے ایک گھر کی ساری پونجی کو لوٹ کر بستی سے باہر نکل آیا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ چور تیز تیز چل رہا تھا۔

ماریا کو اتنی تیز چلنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ بے چاری تھک گئی۔ لیکن اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ چور ایک حویلی کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا۔

یہاں کچھ گھوڑے درختوں کی چھاؤں میں بندھے چارہ وغیرہ کھا رہے تھے۔ چور نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک گھوڑے کو کھولا۔

اس پر چھلانگ لگا کر بھاگ گیا۔ ماریا نے بھی یہی کیا۔ آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کو کھولا۔ اس پر چھلانگ لگائی اور چور کے پیچھے لگا دیا۔

حویلی کے اندر سے ایک موٹا آدمی بھاگتا ہوا باہر آیا۔

اس نے شور مچا دیا۔

"پکڑو۔ پکڑو۔ چور گھوڑا لے گیا"۔

مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو چور کا پیچھا کرتا۔

چور گھوڑے کو بڑی تیزی سے بھگاتا ہوا بستی سے دور پہاڑوں میں آ گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے گھوڑا دوڑاتی چلی آ رہی تھی۔

پہاڑوں میں آ کر زمین سخت ہو گئی تھی۔ چور نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے محسوس کیا کہ اسے پیچھے ایک اور گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

اس نے بھاگتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

پیچھے میدان دور تک خالی تھا۔ کوئی گھوڑ سوار اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ لیکن گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز برابر آ رہی تھی۔

وہ رک گیا۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بھی رک گئی۔ وہ آگے چلا۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز پھر سنائی دینے لگی۔

اگر وہاں ریت ہوتی تو آواز نہ آتی۔

پتھریلی زمین پر ماریا کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز گونج

رہی تھی۔

ماریا نے محسوس کرلیا تھا کہ چور کو اس کے گھوڑے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ چور نے گھوڑے کو روکا تو اس نے بھی گھوڑے کو روک لیا۔

چور نے گھوڑے کو چلایا تو ماریا نے بھی گھوڑے کو چلا دیا۔

کافی دور چلنے کے بعد چور ایک جگہ درختوں میں رک گیا۔

یہاں ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔

چور گھوڑے پر سے اتر کر چشمے پر آ کر پانی پینے لگا۔ اس نے دولت کی پوٹلی اپنے کپڑوں کے اندر چھپا رکھی تھی۔

وہ کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا برابر پیچھا کر رہا ہے۔

کون پیچھا کر رہا ہے؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا۔ پانی پی کر وہ چشمے پر بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔ ماریا بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر رک گئی تھی۔

وہ گھوڑے پر سے اترنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ گھوڑے پر سے اتری گھوڑا ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس گھوڑے کو دیکھ کر چور اٹھ کر بھاگے گا۔ وہ گھوڑے پر ہی سوار بیٹھی رہی اور چور کو تکتی رہی کہ یہ شخص اب کیا کرتا ہے۔

چور آرام کرنے کے بعد اٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر آگے کو روانہ ہو گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

دوپہر ہو گئی تھی۔

چور اب پہاڑی غاروں میں سفر کر رہا تھا۔ ماریا اس کا پیچھا کرتے کرتے تنگ آ گئی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو جا رہا ہے جو وہاں سے

کافی فاصلے پر ہے۔

کیونکہ اس زمانے میں کوئی بھی شہر قریب نہیں ہوا کرتا تھا۔

ماریا نے پیچھا کر کے چور سے پوچھ گچھ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ اب وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ چور سے غریب بے کس عورت کا مال چھین کر واپس لے جائے اور عورت کو جا کر واپس کر دے۔

اس خیال سے ماریا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چور کے قریب آ گئی۔

چور نے اپنے پیچھے گھوڑے کے ٹاپوں کی قریب آتی آواز سنی تو وہ باگیں کھینچ کر ایکدم سے رک گیا۔

”کون ہے؟“۔

اس نے زور سے پکارا۔

ماریا رک گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چور نے ادھر ادھر بڑے غور سے دیکھا مگر اسے ماریا کبھی دکھائی دے ہی نہیں سکتی تھی۔

کچھ دیر وہ ہوا میں کچھ سونگھنے، کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ وہ گھوڑے پر سے اتر پڑا۔

اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور پیدل پہاڑوں میں سے ہو کر آگے چلنا شروع کر دیا ماریا بھی گھوڑے سے اتر پڑی۔

اب جو چور نے ایکدم سے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو وہاں ایک اور گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ تو حیرانی سے پاگل سا ہو گیا۔ کہ یہ

دوسرا گھوڑا کہاں سے آ گیا؟

اس کا سوار کہاں ہے؟۔

چور رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ماریا بھی رک گئی۔

پراسرار مسافر

چور آہستہ آہستہ گھوڑے کے پاس آ گیا۔

وہ گھوڑے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے لیے یہ گھوڑا کوئی جادو کا گھوڑا تھا جو پہلے غائب تھا اور اب ایکدم سے ظاہر ہو کر سامنے آ گیا تھا۔ ماریا بھی چور کے پاس ہی کھڑی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ ایک خاص ترکیب پر عمل کیا

جائے۔ اس نے گھوڑے کی باگ تھام لی۔ چور نے دیکھا کہ گھوڑے کی باگ غائب ہو گئی ہے۔ وہ بھاگنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اسے گرجدار آواز میں کہا۔

ٹھہر جاؤ۔ اگر تم نے ایک قدم اٹھایا تو میں تمہیں اسی جگہ پتھر کر دوں گی۔

میں اس جادو کے گھوڑے کی روح بول رہی ہوں۔

خبردار اپنی جگہ سے مت ہلنا۔

چور نے یہ آواز سنی تو خوف کے مارے جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس کا بدن ڈر کے مارے ٹھنڈا پڑ گیا۔

ماریا نے ایک بار پھر کہا۔

"واپس پلٹ کر میری طرف دیکھو"۔

چور واپس اپنی قدموں پر مڑا اور گھوڑے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے ایک عورت کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ کسی بدروح کے آگے پھنس گیا ہے۔ اس کے پاؤں میں اب اتنی طاقت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ آگے چل سکیں۔ وہ تو اسی جگہ پتھر سا بن کر رہ گیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

غور سے میری بات کو سنو! میں جادو کے گھوڑے کی روح ہوں۔ میں اگر چاہوں تو ابھی شیر بن کر تمہیں چیر پھاڑ کر ہڑپ کر سکتی ہوں۔

لیکن اگر تم نے میری بات مان لی تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔

"بولو! کیا تم میری بات مانو گے؟"۔

چور نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

"ہاں میں تمہاری ہر بات مانوں گا! اے گھوڑے کی روح تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ جس عورت کے زیور اور نقدی تم نے چوری کی ہے وہ میرے حوالے کر دو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے بتاؤ کہ تم کسی ایسے ڈاکو کو جانتے ہو جس نے ابھی ایک دن ہوا ایک سمندری جہاز سے ہیرے جواہرات کا خزانہ چوری کیا ہے؟"۔

چور بولا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں اے روح! کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ سمندری جہاز سے ہیرے جواہرات کا خزانہ کس نے

چوری کیا ہے"۔

ماریا نے پوچھا۔

"تم جھوٹ تو نہیں بول رہے؟ یاد رکھو اگر تم نے میرے سامنے جھوٹ بولا تو میں تم پر ایسی بجلی گرا دوں گی کہ تم اسی جگہ جل بھن کر کوئلہ ہو جاؤ گے"۔

چور نے گڑگڑا کر کہا۔

"نہیں نہیں ایسا نہ کرنا روح! میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی ایسے چور کا علم نہیں جس نے جہاز میں سے کوئی خزانہ چرایا ہے۔ میں تو ایک معمولی چور ہوں اور اکیلا ہی چوریاں کرتا ہوں۔

ماریا نے کہا۔

تم اس طرف چوری کر کے کہاں جا رہے تھے؟۔ کیا تمہارا کوئی خفیہ ٹھکانہ ہے؟۔

”نہیں۔ میرا اس طرف کوئی خفیہ ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر جا رہا تھا“۔

ماریا نے پوچھا۔

”اچھا یہ بتاؤ کیا تم کسی ایسے چوروں کے گروہ کو جانتے ہو جو بڑی بڑی چوریاں کرتا پھرتا ہو؟“۔

چور نے سوچ کر کہا۔

ایک گروہ کسی زمانے میں یہاں ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔ میں نے ان کے ایک آدمی کو اسی بستی عمان کی ایک سرائے میں دیکھا تھا۔

اس آدمی نے مجھے بھی اپنے گروہ کے ساتھ شامل ہونے

کے لیے کہا تھا۔ لیکن میں نے کہا کہ میں کسی گروہ کے ساتھ نہیں ملوں گا بلکہ الگ چوریاں کروں گا۔

ماریا نے کہا۔

”وہ سرائے کہاں ہے؟“۔

چور بولا۔

”وہ سرائے سمندر کے کنارے بستی کے شمال میں ہے۔ وہاں لوگ قہوہ پینے بھی جاتے ہیں“۔

ماریا بولی۔

”ٹھیک ہے میں وہاں جا کر معلوم کر لوں گی۔ اب تم خاموشی سے عورت کا مال میرے حوالے کر دو“۔

چور کی نیت اب بدل گئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے چوری کی تھی اور اسے بڑا قیمتی زیور اور نقدی وغیرہ ہاتھ لگی

تھی۔

وہ اس مال کو روح کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ماریا نے جب دوسری بار حکم دیا کہ مال اس کے حوالے کیا جائے تو چور ایکدم اٹھ دوڑا۔

اس نے گھوڑے پر چھلانگ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔ ماریا بھی اسی وقت چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور گھوڑا چور کے گھوڑے کے پیچھے ڈال دیا۔

ماریا کا گھوڑا اب غائب ہو چکا تھا۔

گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

پہاڑی ٹیلوں کے بیچ میں ان کی دوڑ شروع ہو گئی۔

گھوڑے دونوں کے بڑے تیز طرار تھے۔ دوڑتے

دوڑتے وہ پہاڑیوں میں سے نکل کر ایک بار پھر صحرا میں آ گئے۔ اب چور کا گھوڑا آہستہ ہو گیا۔

ماریا اپنے گھوڑے کو آگے سے چکر کاٹ کر چور کے سامنے کی طرف لے آئی۔ چور کے لیے ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ ماریا کے گھوڑے کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ کچھ دور جا کر اس نے محسوس کیا کہ وہ آگے نکل آیا ہے۔ اور گھوڑے کی روح نے اس کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا ہے۔

بس یہی گھڑی اس کی موت کی گھڑی تھی۔

چور ایک جگہ رک گیا۔ وہ راستہ بھول گیا تھا۔

اس نے واپس جانے کے لیے اپنے گھوڑے کو موڑا ہی تھا کہ اسے کسی دوسرے گھوڑے کی زور سے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔

چور کانپ کر رہ گیا۔ جادو کے گھوڑے کی روح اس کا برابر پیچھا کر رہی تھی۔ وہ سیدھا ہو کر بھاگنے ہی والا تھا کہ ماریا نے تلوار مار کر چور کا ایک پاؤں کاٹ دیا۔

چور ایک چیخ مار کر گھوڑے پر سے گر پڑا۔

ماریا نے کہا۔

اگر تم نے میری بات مان لی ہوتی اور مجھے غریب عورت کا زیور واپس کر دیا ہوتا تو میں تمہیں معاف کر دیتی۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔

اب تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا مل کر رہے گی۔

چور ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی کٹی ہوئی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اے گھوڑے کی روح! مجھے معاف کر دے۔ میں سارا زیور تمہارے حوالے کرتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"اب میں تم سے زیور واپس لے رہی ہوں۔ تم زیور میرے حوالے نہیں کر رہے"۔

ماریا نے گھوڑے پر سے نیچے اتر کر زیور اور نقدی کی پوٹلی چور سے چھین کر اپنے پاس رکھ لی اور چور سے کہا۔

"اب میں تمہیں ایک ایسی سزا دوں گی جو چور کی سزا ہو سکتی ہے"۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے تلوار مار کر چور کا دوسرا پیر بھی کاٹ دیا۔ چور چیخ مار کر تڑپنے لگا۔

ماریا نے کہا

"تم ایک چور ہی نہیں بلکہ پتھر دل ظالم قاتل بھی ہو۔ خدا جانے تم نے زیوروں اور روپے پیسے کے لالچ میں کتنے بے گناہ لوگوں کا خون کیا ہے۔

تمہاری یہی سزا ہے کہ تمہارے دونوں پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ تاکہ دوبارہ کسی کے گھر چوری نہ کر سکو۔

یہ کہہ کر ماریا گھوڑے پر سوار ہوئی اور واپس چل پڑی۔

چور ریت پر تڑپتا رہ گیا تھا۔ اس ظالم چور کی یہی سزا تھی جس نے ایک بے گناہ عورت کو اس کے مال سے بھی محروم کیا تھا اور اس کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر گھسیٹا تھا۔ اور اسے مارا بھی تھا۔

ماریا گھوڑا دوڑاتی واپس شہر کے پاس آ گئی۔ اس نے اپنے گھوڑے کو اسی حویلی کے باغ میں واپس باندھ دیا۔

جہاں سے اس نے گھوڑے کو لیا تھا۔ یہاں سے وہ پیدل ہی مظلوم عورت کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا۔

ماریا اس مصیبت زدہ عورت کے گھر میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا بے بے چاری عورت لٹنے کے بعد ایک جگہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

چور اس کی ساری پونجی لوٹ کر لے گیا تھا۔ اب اس بے چاری کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ ماریا قدم قدم چلتی اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

پھر اس نے بڑی خاموشی سے کچھ کہے سنے بغیر سونے کے زیور کی پوٹلی عورت کے آگے پھینک دی۔ مصیبت زدہ عورت نے اپنے زیوروں کو دیکھا تو دنگ رہ گئی۔

"اے خدا! میرا زیور واپس مل گیا۔ میں تمہارا کس منہ سے شکر ادا کروں؟"۔

ماریا کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس نے عورت سے کچھ نہ کہا اور وہاں سے بڑی خاموشی کے ساتھ واپس نکل آئی۔

اس کے دل کو بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے عورت کی خوشیاں اسے واپس دلا کر ایک بڑا ہی نیک کام کیا ہے۔ سچی بات بھی یہی ہے کہ دنیا میں وہی انسان ایک اچھا انسان ہوتا ہے جو کسی دوسرے مصیبت زدہ انسان کے کام آتا ہے۔ پریشانی اور مصیبت میں کسی انسان کی مدد کر کے جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

انسان دنیا کی ساری دولت دے کر بھی وہ خوشی نہیں خرید سکتا۔ مگر نیک کام کرنے والے انسان کو خدا ایسی خوشیاں مفت دے دیتا ہے۔

ابھی کافی دن باقی تھا۔ دوپہر خوب لگی ہوئی تھی۔ دھوپ پڑ رہی تھی اور گرمی بہت تھی۔

ماریا نے سوچا کہ واپس جہاز پر جانے کی بجائے سمندر کنارے شہر کے باہر والی سرائے میں چل کر چوروں کے گروہ کا سراغ لگانا چاہیے۔

وہ شہر کی گلیوں اور تنگ بازاروں میں سے ہوتی شہر کے مغربی کنارے پر آ گئی۔ چور کے کہنے کے مطابق یہاں دور ہی سے اسے ایک سرائے نظر آئی۔

ماریا نے سوچا ہو نہ ہو یہی وہ سرائے ہو گی جہاں چور نے کہا تھا کہ اسے ہیرے چور گروہ کا سراغ مل سکتا ہے۔ سرائے

کے باہر چبوترے پر ایک موٹا یہودی بیٹھا لوگوں میں پیسے لے کر کھانا تقسیم کر رہا تھا۔ اب ماریا کو بھی بھوک لگ رہی تھی۔

ماریا چبوترے کے پاس آ گئی۔ موٹا یہودی مالک مٹی کی رکابیوں میں بکرے کا بھنا گھوشت ڈال کر گاہکوں کو دے رہا تھا۔ جب تک گاہک پیسے نہ دیتے۔ وہ گوشت کی رکابی اپنے ہاتھ میں ہی رکھتا تھا۔

بھوک سے ماریا کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر موٹے یہودی کے ہاتھ سے گوشت کی رکابی چھین لی۔

موٹا تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے شور مچا دیا۔

''ارے پکڑو میرے ہاتھ سے رکابی کون لے گیا؟''۔

موٹے یہودی نے ایک مسافر کی گردن دبالی۔

''تم نے ہی میرے ہاتھ سے گوشت کی رکابی چھینی ہے۔ لاؤ اس کے پیسے دو''۔

مسافر نے بہتیرا کہا کہ بھائی میں نے تمہارے ہاتھ سے گوشت کی رکابی نہیں چھینی مگر موٹا مالک بھلا کہاں ماننے والا تھا۔

اس نے غریب دبلے پتلے مسافر کو مارنا شروع کر دیا۔ اب تو ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کم بخت خواہ مخواہ ایک شریف آدمی کو مار رہا ہے۔ ماریا نے موٹے مالک کی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ بوکھلا کر پیچھے مڑا۔

''ارے ظالم! یہ مکا کس نے مارا؟ ارے پکڑو۔ ارے مار ڈالا''۔

جس مسافر کو اس نے پکڑ رکھا تھا وہ بھاگ گیا۔ ماریا نے

پیچھے سے کچھ روٹیاں بھی اٹھالیں۔ اور بڑے مزے سے ایک تخت پوش پر بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔

گوشت بڑے مزے سے بھنا ہوا تھا۔ خوب کھا پی کر ماریا اٹھی اور سرائے کے اندر جا کر ایک بنچ پر کونے میں بیٹھ گئی اور بڑے غور سے مسافروں کو تکنے لگی جو ادھر ادھر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔

یہ وہی سرائے تھی جہاں کا ڈاکا اپنے چوروں کے ساتھ اکثر قہوہ پینے آیا کرتا تھا۔ اس رائے میں اس نے ایک کوٹھڑی بھی لے رکھی تھی۔

اب وہ یہاں نہیں تھا کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا۔ کیونکہ جہاز میں سے خزانے کا صندوق چوری کرنے کے بعد کا ڈاکا پہاڑوں میں اپنی کمین گاہ پر چلا گیا تھا۔ ماریا ایک ایک مسافر

کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

اچانک باہر سے ایک آدمی سرائے میں داخل ہوا۔

اسے اندر آتے دیکھ کر سرائے کا موٹا مالک بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا۔ اس آدمی نے موٹے کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

موٹا یہودی بیٹھ گیا تو وہ اجنبی آدمی منہ آگے کر کے اس سے باتیں کرنے لگا۔ ماریا نے سوچا کہ ان لوگوں کی باتیں سننی چاہئیں۔

وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں کے پاس آ گئی۔

موٹا یہودی کہہ رہا تھا۔

"جناب! میرا حصہ ابھی تک مجھ کو نہیں ملا۔ سردار سے کہنا کہ میں تو ان کا پرانا غلام ہوں۔ پھر اس بار مجھے کیوں بھلا

دیا؟"۔

اجنبی نے کہا۔

"موٹے فکر نہ کرو۔ سردار تمہیں تمہارا حصہ ضرور دے گا۔ اگر کہو تو میں تمہارا حصہ ابھی تمہیں دے دوں؟"۔

اور اجنبی نے خنجر نکال کر موٹے کی گردن پر رکھ دیا۔ موٹا یہودی کچھ گھبرا گیا۔

پھر مسکرا کر بولا۔

"جناب آپ ہمارے آقا ہیں آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے"۔

اجنبی نے کہا۔

"چلو ابھی کھانا لاؤ۔ تمہاری جان بعد میں نکالوں گا"۔

"جو حکم میرے آقا"۔

یہ کہہ کر موٹا یہودی سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں کھانا لگا دیا گیا۔ اجنبی کھانا کھا کر باہر نکل گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس آدمی کا پیچھا کرنا چاہیے۔ کہ یہ کہاں جاتا ہے؟ اور اس کا سردار کون ہے؟۔

اجنبی باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور سمندر کے کنارے سے ہٹ کر شہر کے مکانوں کے پیچھے سے میدان کی طرف چلنے لگا۔

ماریا کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سرائے کے باہر ابھی ایک سپاہی نے گھوڑا لا کر کھڑا کیا ہی تھا۔

ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر گھوڑے پر سوار ہو گئی اور اسے لے کر اجنبی مسافر کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

گھوڑے کو غائب ہوتے دیکھ کر مالک نے شور مچا دیا مگر وہاں کہیں اس کا گھوڑا تھا ہی نہیں۔ ماریا اجنبی مسافر کا پیچھا کرتے کرتے شہر سے باہر نکل گئی۔

شہر سے باہر آ کر اجنبی مسافر ایک حویلی کے آگے کھڑا ہو گیا۔ خدا معلوم وہ اس حویلی میں کیا کرنا چاہتا تھا۔

ماریا بھی اس کے قریب ہی کھڑی ہو گئی۔

اجنبی مسافر نے حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ ایک عورت نے آ کر دروازہ کھول دیا۔ اجنبی مسافر نے گھوڑے کو ایک طرف کھڑا کیا اور حویلی کے دروازے میں سے ہو کر اندر چلا گیا۔

ماریا نے بھی گھوڑے سے اتر کر اسے ایک طرف درخت کے ساتھ باندھا اور حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ اسی

خادمہ نے دروازہ کھول کر ادھر ادھر جھانکا۔

”کون ہے؟“۔

پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی حویلی کا دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔ اس دوران میں ماریا حویلی کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

خفیہ غار

حویلی کے اندر ایک لمبی ڈیوڑھی تھی۔

سامنے ایک دالان تھا۔ ماریا ڈیوڑھی سے گزر کر دالان میں آئی۔ یہاں ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اندر سے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

ماریا چپکے سے دروازے میں سے ہو کر اندر آ گئی۔

دروازہ ذرا سا کھلا تو اندر کسی نے کہا۔

"یہ دروازہ کس نے کھولا؟"۔

"ہوا کا جھونکا ہوگا سردار"۔

کمرے میں چوروں کا سردار کافکا اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا کھانے سے فارغ ہو کر قہوہ پی رہا تھا۔ ماریا اسے پہچان نہ سکی۔

اس نے کافکا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان میں وہ اجنبی مسافر بھی تھا جو ابھی سرائے سے نکل کر آیا تھا۔ اس اجنبی مسافر نے سردار سے کہا۔

"کافکا! سرائے کا موٹا آدمی دبی زبان میں آج اپنا حصہ مانگ رہا تھا"۔

ماریا کو معلوم ہوا کہ سردار کا نام کافکا ہے۔

کافکا نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے جو مجھ سے اپنا حصہ مانگ رہا ہے"۔

اجنبی بولا۔

"اگر حکم ہو تو ابھی جا کر اس کی گردن اتار کر لے آؤں؟"۔

سردار کاقکا نے کہا۔

"نہیں اس بے چارے کو کیا مارنا۔ وہ تو پہلے ہی آدھ مرا ہو چکا ہے۔ ہاں ایسا کرو کہ اسے خزانے کی اشرفیوں میں سے تھوڑی سی اشرفیاں انعام کے طور پر دے دو۔ آخر یہ ساری سازش اسی قہوہ خانے میں ہوئی تھی"۔

اجنبی مسافر نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی سردار"۔

دوسرا چور بولا۔

"لیکن سردار! اس طرح اگر ہم نے دوسروں کو اشرفیاں بانٹنا شروع کر دیں تو ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ سارے کا سارا خزانہ ختم ہو جائے گا"۔

سردار کاقکا نے مکا لہرا کر کہا۔

کون ختم کر سکتا ہے میرے خزانے کو؟ میں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس خزانے کو جہاز پر سے لوٹا ہے۔ میرے بہترین دوست اس مہم میں ہلاک ہوئے ہیں۔

یہ خزانہ صرف میرے پاس رہے گا۔ اس کے ہیرے جواہرات اور سونا چاندی سب میرا ہے۔ اگر پھر کسی نے زبان کھولنے کی جرات کی تو میں اس کی زبان کاٹ کر رکھ دوں گا۔

تینوں چور خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد کافکا نے کہا۔

"میں موٹے یہودی سے ایک بات کر کے ابھی آتا ہوں۔ تم لوگوں میں سے کوئی یہاں سے نہ ہلے۔ شاید اسی وقت ہمیں کسی نئی جگہ ڈاکے کے لیے جانا ہو گا"۔

سردار باہر نکل کر چلا گیا۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے خزانے کا سراغ مل گیا تھا۔ تو گویا وہ سردار کافکا تھا۔ جس نے جہاز پر رات کو حملہ کر کے خزانہ اڑایا تھا؟

ماریا دل میں بڑی خوش ہوئی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ ابھی جا کر وہ عنبر اور ناگ کو سارے حالات بتا دے تو اچھا ہے۔

لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ خزانہ کس جگہ رکھا گیا ہے؟

وہ یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ چور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اجنبی مسافر جو ہٹا کٹا چور تھا بہت غصے میں لگتا تھا۔ اس نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا۔

کافکا کی یہ بات مجھے ہرگز پسند نہیں ہے کہ وہ خزانے کی ساری دولت اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ آخر ہمارے ساتھیوں نے اپنی جانیں کس لیے قربان کی تھیں؟

میں بھی اس چوری میں سردار کے ساتھ تھا۔ جہاز کا بھوت مجھے بھی قتل کر سکتا تھا۔

دوسرا چور بولا۔

"میں مرتے مرتے بچا تھا۔ اگر میں جہاز پر سے چھلانگ نہ لگا دیتا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا"۔

تیسرے چور نے کہا۔

"سردار کافکا لالچی اور ہٹ دھرم ہے۔ خزانے کی دولت پر ہمارا بھی اسی طرح سے حق ہے جس طرح سے دوسرے ساتھیوں کا ہے"۔

اجنبی بولا۔

مگر دوستو! میری ایک بات یاد رکھو۔ سردار کافکا ہم لوگوں کو خزانے میں سے ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں دے گا۔ اگر اسے ضرورت محسوس ہوئی تو ہم سب کا خون کر دے گا۔ لیکن ہمارا حصہ ہمیں نہیں دے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ اس نے یہودی کے ساتھ کیا کیا؟ حالانکہ وہ شخص سردار کا پرانا دوست تھا اور اس نے ہمیشہ سردار کو فائدہ پہنچایا تھا۔ مگر سردار نے لالچ میں اندھا ہو کر اسے بھی ہلاک کر دیا

تاکہ وہ اس خزانے میں حصے دار نہ بن سکے۔ اب وہ ہم لوگوں کو کیا سمجھتا ہے۔ وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا۔

ایک چور نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو ہم سردار کافکا سے اس کا بدلہ بھی لے سکتے ہیں"۔

دوسرا بولا۔

"ہم سردار کافکا کو قتل کر دیں گے۔ ہم نے سینکڑوں لوگوں کو قتل کیا ہے۔ ہمارے لیے سردار کو قتل کرنا کوئی انوکھی یا مشکل بات نہیں ہے"۔

اجنبی چور ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔

"ٹھہرو۔ تم نے بڑی عمدہ بات کہہ دی ہے یہ بات میرے دل میں لگی ہے۔ اگر ہم آپس میں مل کر سردار کو ہلاک

کر دیں تو نہ صرف ہم خزانے پر قبضہ کر سکتے ہیں بلکہ باقی ساتھیوں پر بھی غلبہ حاصل کر سکتے ہیں"۔

پہلے چور نے کہا۔

"میں سردار کو قتل کرنے پر تیار ہوں۔ اس شخص نے ایک بار میرے بڑے بھائی کو محض اس لیے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ اس کے آگے کھڑا تھا"۔

دوسرے چور نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن ایک بات کا ہمیں یقین دلانا ہو گا کہ خزانے میں سے ہمیں برابر برابر حصہ ملے گا"۔

اجنبی مسافر نے کہا۔

اس بات کی میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔ سردار کو قتل

کرنے کے بعد ہم سیدھا پہاڑوں والی اپنی خفیہ غار میں جائیں گے اور فوراً خزانے پر قبضہ کر کے اعلان کریں گے کہ سردار ہم ہیں۔

کافکا کا کٹا ہوا سر ہم غار کے اندر لٹکا دیں گے۔ ہم تینوں گروہ کے سردار بن جائیں گے۔

پہلا چور بولا۔

"اگر دوسرے ساتھیوں نے حصہ مانگا تو کیا جواب دیں گے؟"۔

اجنبی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم خزانے میں سے تھوڑا بہت سونا ساتھیوں میں بانٹ دیں تو یہ بات ہمارے حق میں بڑی اچھی ہو گی۔ ہم سردار کافکا کے عبرتناک انجام سے بچ جائیں

گے“۔

”مجھے منظور ہے“۔

”مجھے بھی منظور ہے“۔

اجنبی بولا۔

”تو پھر خاموش ہو جاؤ اور سردار کاڈکا کا انتظار کرو۔ وہ آ رہا ہوگا۔ مگر ہم اسے کس جگہ اور کیسے قتل کریں گے؟“۔

پہلا چور بولا۔

میرا تو خیال ہے کہ اس کا قصہ ابھی، اسی وقت ختم کر دینا چاہیے۔

ہمیں سردار کاڈکا کو اسی کمرے میں قتل کر کے اس کا سر اپنے ساتھ لے جا کر غار میں لٹکا دینا چاہیے۔

دوسرے چور نے کہا۔

”یہ مناسب خیال ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں“۔

اجنبی مسافر نے کہا۔

”سردار کاڈکا کی گردن کون اڑائے گا“۔

پہلا چور بولا۔

”یہ کام میں کروں گا۔ کیونکہ اس ظالم شخص نے میرے بھائی کا خون کیا ہے۔ میں اس سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں“۔

اجنبی مسافر بولا۔

”شاباش! تم ایک غیرت مند بہادر چور ہو۔ تمہیں ضرور اپنے بھائی کا بدلہ لینا چاہیے۔ نہیں تو تمہارے بھائی کی روح آسمانوں میں پریشان رہے گی“۔

”میں تیار ہوں“۔

اجنبی مسافر نے کہا۔

"یہ لو تلوار۔۔۔ یہ تلوار زیادہ تیز اور زیادہ لمبی ہے۔ اپنی تلوار تم مجھے دے دو۔ اب تم تیار ہو جاؤ سردار آتا ہی ہوگا"۔

اتنے میں نوکرانی نے آ کر کہا۔

"سردار کا فکا آ رہا ہے"۔

یہ کہہ کر نوکرانی باہر نکل گئی۔ اجنبی اور دوسرے دونوں چور خبردار ہو گئے۔ پہلے چور نے اپنی تلوار کو اچھی طرح سے دیکھا اور خاموش ہو کر ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں سردار کا فکا بہت خوش خوش اندر داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

موٹے یہودی نے ایک ایسے قافلے کے بارے میں بتایا ہے جو پرسوں سرائے میں پہنچ رہا ہے۔ اس میں بڑے بڑے امیر تاجر سفر کر رہے ہیں۔

بہت زیادہ مال و متاع ان کے پاس ہوگا۔ ہمیں اس قافلے کو راستے میں ہی جا کر لوٹ لینا ہوگا۔

اجنبی مسافر نے کہا۔

"ہم تیار ہیں سردار"۔

سردار نے کہا۔

ہمیں غار میں چل کر دوسرے ساتھیوں کو بھی خبردار کرنا ہوگا۔ قافلہ پرسوں صبح صحرا میں قریب ہوگا۔

میرا خیال ہے کہ ہم پرسوں پہلے پہر راستے میں حملہ کر دیں اور قافلے کو لوٹ لیں۔

اجنبی بولا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے سردار!"۔

"تو پھر چلو غار میں چل کر تیاری شروع کرتے ہیں"۔

"ہاں سردار چلیں"۔

اس دوران میں باقی دونوں چور خاموش بیٹھے تھے۔

سردار نے دیکھتے ہوئے ایک چور سے کہا۔

"تم کیوں خاموش ہو؟"۔

اس سے پہلے کہ چور جواب دیتا، اجنبی مسافر نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ پہلے چور نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ تلوار لہرائی اور سردار ٹھہرنے بھی نہ پایا تھا کہ تلوار کا وار اس کی گردن پر پڑا اور سر کٹ کر نیچے گر پڑا۔

اجنبی مسافر اور دوسرے چوروں نے جلدی جلدی سردار کی تڑپتی ہوئی لاش کو ایک خالی لکڑی کے صندوق میں ڈال کر بند کر دیا اس کا سر اٹھا کر بوری میں ڈالا اور کہا۔

"اب جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ ہمیں غار میں جا کر اس سر کو لٹکانا ہے"۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی جلدی ہو گیا کہ ماریا ان کے منہ ہی تکتی رہ گئی۔ ان لوگوں نے سردار کی گردن اڑانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔

وہ تینوں سردار کا سر بوری میں بند کر کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی۔ وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ان چوروں کا غار کہاں ہے؟

کیوں کہ خزانہ غار کے اندر ہی تھا۔ تینوں چور باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکل گئے۔

ماریا کا گھوڑا ابھی ایک طرف بندھا ہوا تھا۔ وہ بھی

گھوڑے پر سوار ہوئی اور چوروں کا پیچھا کرنے لگی۔

تینوں چور بستی سے نکل کر میدان میں آ گئے۔ میدان کو عبور کر کے وہ کھیتوں میں سے گذرتے اونچی نیچی پہاڑیوں کی طرف نکل گئے۔

ماریا برابر ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ اب وہ ایک وادی میں آ گئے یہاں ریت ہی ریت تھی۔ کہیں کہیں کھجوروں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ آس پاس پہاڑیاں تھیں۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

سامنے ایک پرانا سا کھنڈر آ گیا۔ تینوں چور اس کھنڈر کے پاس آ کر رک گئے۔ انہوں نے ایک جگہ سے پتھروں کی بڑی بڑی سلوں کو ہٹایا۔ نیچے سے ایک دروازہ نکل آیا۔

چوروں نے گھوڑوں کو ایک طرف باندھا اور غار کے اندر داخل ہو گئے۔ ماریا اس وقت تک اپنے گھوڑے کو ایک طرف چھپا چکی تھی وہ بھی چوروں کے پیچھے پیچھے غار میں داخل ہو گئی۔

اندر دوسرے چور بیٹھے مختلف کام کر رہے تھے۔ کوئی تلوار تیز کر رہا تھا تو کوئی تیر کمان بنا رہا تھا۔

اجنبی مسافر نے جاتے ہی سردار کا ڈکا کا سر بوری میں سے نکال کر نیزے میں لٹکا کر اوپر کر دیا۔

سنو! میرے ساتھیو! ہم نے اس ظالم سردار کو قتل کر دیا ہے جو ہمارے چرائے ہوئے مال کو اکیلا ہی ہضم کرنا چاہتا تھا۔

اب اس مال میں تم سب کا حصہ ہے۔ آج سے میں تمہارا سردار ہوں اور تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ

تمہیں جہاز میں سے لوٹے ہوئے خزانے کا حصہ ملے گا بلکہ ہر چرائے ہوئے مال کو تم سب میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

پہلے تو چور بڑے حیران ہوئے اور سردار کے سر کو خوفزدہ ہو کر تکنے لگے۔ پھر جب نئے سردار نے اعلان کیا کہ ان میں چوری کا مال اور خزانے کا سونا برابر برابر بانٹا جائے گا تو وہ خوش ہو گئے۔

انہوں نے خوشی سے نئے سردار کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیے۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تم ہمارے سردار ہو۔ کاتکا ہمیشہ سے ہم پر ظلم کرتا رہا ہے۔ اچھا کیا اسے قتل کر دیا گیا"۔

اجنبی سردار نے کہا۔

شاباش! میرے غیرت مند ساتھیو۔۔۔ مجھے تم سے یہی

امید تھی۔ آج سے میں تمہارا سردار ہوں۔ بلکہ میں تمہارا خادم ہوں۔

میں تمہاری خدمت کروں گا اور تمہیں تمہارا حق دلواؤں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہ سارا مال تم سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

پرسوں ہمیں ایک قافلے پر ڈاکا ڈالنا ہے۔ تم لوگوں کو تیار رہنا ہو گا۔ اس ڈاکے کے مال کو بھی تم سب میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

چوروں نے "نیا سردار زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

سردار کاتکا کا سر غار کے اندر چھت سے لٹکا دیا گیا۔ ماریا ایک طرف۔۔۔ کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ اجنبی

مسافر لیتی نے سردار کی چالاکی پر بڑی حیران تھی کہ کم بخت نے کس طرح آن کی آن میں سرار کا سر کٹوا دیا اور پھر خود سردار بن بیٹھا۔

ماریا غار کو دیکھ کر بڑی حیران ہوئی کیونکہ یہاں بہت سا مال و دولت جمع تھا ہر طرف بوریوں میں ریشمی کے تھانے اور چاندی کے زیورات تھے۔ ۔ یہ سارے کا سارا لوٹا ہوا مال تھا۔

وہ اپنا خزانہ دیکھنا چاہتی تھی۔ خزانے کا صندوق اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس وقت تو وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد وہاں سے نکل کر عنبر اور ناگ کے پاس جائے اور انہیں بتائے کہ خزانے کا پتہ چل گیا ہے۔

اب اس نے باہر کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے پیچھے ہٹتے ہوئے اس کا پیر ایک کانسی کے گلدان سے ٹکرا گیا، جو زمین پر پڑا تھا۔

گلدان لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔ تمام چوروں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں سوائے الٹے ہوئے گلدان کے اور کچھ نہیں تھا۔

ماریا غار میں سے باہر نکل گئی تھی۔

صحرا میں قتل

غار سے نکلتے ہی ماریا نے گھوڑے کو سمندر کی طرف ڈال دیا۔

شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ عنبر اور ناگ جہاز کے عرشے پر کھڑے تھے۔

ناگ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اس کا حال پہلے سے اچھا تھا۔ سر کا درد غائب ہو چکا تھا۔ وہ ماریا کے بارے میں

پریشان تھے کہ اتنی دیر ہو گئی ہے وہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔

ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے ہم نے غلطی کی جو اسے اکیلی کو بھیج دیا۔ ہم میں سے کسی ایک کو اس کے ساتھ جانا چاہیے تھا“۔

عنبر نے کہا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔ ماریا بڑی سمجھدار اور عقل مند لڑکی ہے۔ وہ ہر مصیبت کا اکیلی مقابلہ کر سکتی ہے میرا خیال ہے وہ آ ہی رہی ہو گی“۔

اتنے میں انہیں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔

عنبر نے آواز دی۔

”ماریا! کیا یہ تم ہو؟“۔

مایا نے دور سے جواب دیا۔

"عنبر بھائی! میں آ گئی ہوں"۔

"خدا کا شکر ہے"۔

عنبر اور ناگ بڑے خوش ہوئے کہ ماریا واپس آ گئی تھی۔

ماریا گھوڑے سے اتری تو گھوڑا غائب ہو گیا۔

عنبر نے کشتی سمندر میں اتار دی۔ وہ خود ماریا کو کشتی میں بٹھا کر جہاز میں لے گیا۔ ناگ عنبر اور ماریا نیچے کیبن میں چلے گئے۔

عنبر نے پوچھا۔

"کہو ماریا! خزانے کا کچھ پتہ چلا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"کچھ کیا۔ بلکہ خزانے کا سارا پتہ چل گیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"سچ کہہ رہ ہو ماریا"۔

"تو اور کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ یہاں سے خزانہ سردار کانکا چرا کر لے گیا تھا۔ سردار کانکا ہلاک ہو چکا ہے۔ خزانہ یہاں سے دور پہاڑیوں کے ایک کھنڈر کے غار میں موجود ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم ابھی چل کر خزانہ وہاں سے لے کر آتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"ابھی جانا ٹھیک نہیں۔ وہاں ابھی چور موجود ہیں"۔

"پھر کیا ہوا۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے"۔

عنبر جوش میں تھا۔

ماریا بولی۔

"عنبر بھائی! پرسوں صبح سارے چور ایک قافلے کو لوٹنے کے لیے جا رہے ہیں۔ اس وقت غار میں سوائے دو ایک پہرے داروں کے اور کوئی نہیں ہوگا۔ ہم اس وقت بڑی آسانی سے خزانہ اٹھا کر لے آئیں گے"۔

پھر ماریا نے عنبر اور ناگ کو ساری کہانی سنائی کہ اس نے خزانے کا سراغ کس طرح سے لگایا۔

دونوں بھائی ماریا کی ذہانت پر بڑے خوش ہوئے۔ اب وہ پرسوں کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف نئے سردار نے جا کر سرائے کے مالک موٹے یہودی سے ملاقات کی اور اس کے آنے والے قافلے کے بارے میں پوچھا۔

یہودی کو جب معلوم ہوا کہ کاٹو کا قتل کر دیا گیا ہے تو وہ خاموش سے بولا۔

"نئے سردار! میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ تم ہی سردار بننے کے قابل تھے۔ کاٹو ایک ظالم شخص تھا۔ اس نے کبھی کسی ساتھی کو اس کا حق نہیں دیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں کی جان اس کے عذاب سے چھوٹی۔

نئے سردار نے کہا۔

"یہ فضول بکواس بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ نیا قافلہ کہاں سے آ رہا ہے اور اس میں کس کس ملک کے تاجروں کا مال ہے؟"۔

موٹا یہودی بولا۔

میرے مخبروں نے مجھے آ کر خبر دی ہے کہ یہ قافلہ ملک شام سے آ رہا ہے۔

اس میں مصر اور بابل کے بڑے بڑے امیر تاجروں کا مال ہے۔ اگر ہم اسے لوٹنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔

نئے سردار نے کہا۔

"کیا قافلے کے ساتھ حفاظتی سپاہی بھی آ رہے ہیں؟"۔

یہودی بولا۔

"میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے۔ قافلے کے ساتھ جو سپاہی آ رہے ہیں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہم بڑی آسانی سے ان پر قابو پا سکتے ہیں"۔

نئے سردار نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہم پرسوں قافلے کو راستے میں ہی جا پکڑیں گے۔ یہ دولت ہم سے بچ کر نہیں جا سکتی"۔

موٹے یہودی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"سرکار! میرے آقا! ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ کو قافلوں کی خبر کر کے روٹی کماتے ہیں۔ اس دفعہ مجھے زیادہ انعام ملنا چاہیے"۔

نئے سردار نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس دفعہ تمہیں پہلے سے زیادہ مال ملے گا"۔

"شکریہ! شکریہ! میں آپ کا غلام ہوں۔ میں آپ کو دعائیں دوں گا"۔

ننھے سردار نے قہوہ خانے سے نکل کر غار میں جاتے ہی سب چوروں کو خبردار کر دیا۔ اس نے تیاری شروع کر دی۔ دوسرے روز آدھی رات کو وہ لوگ غار میں سے نکل گئے۔

گھوڑوں پر سوار انہوں نے اس شاہراہ کا راستہ لیا۔ جدھر سے قافلے گذر کر آیا کرتے تھے۔ وہ قافلے کو راستے ہی میں لوٹنا چاہتے تھے۔

ادھر چور غار میں سے نکلے اور دوسری طرف عنبر ناگ اور ماریا۔ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر غار کی طرف خزانہ واپس لینے چل کھڑے ہوئے۔

چور قافلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور عنبر ناگ چوروں کے غار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دور سے چوروں نے صحرا میں گرد اڑتی دیکھی ننھے سردار

نے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ قافلہ چلا آ رہا ہے"۔

چور ہوشیار ہو گئے۔ وہ دو ٹولیوں کی بٹ گئے اور انہوں نے پہلو سے ہو کر قافلے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں یہ خبر نہیں ملی تھی کہ قافلے کے ساتھ فوج کی بھاری تعداد سفر کر رہی تھی۔

یہ فوج ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہی تھی۔ ننھے سردار کو کچھ معلوم نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ قافلے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس حفاظتی سپاہی ہوں گے۔ جیسا کہ عام طور پر قافلوں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔

قافلے کے قریب آ کر ننھے سردار نے چیخ کر کہا۔

"قافلے پر حملہ کر کے لوٹ لو۔ عورتوں کو اٹھا لو اور بچوں کو

قتل کر دو"۔

چوروں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ قافلے والوں نے جب دیکھا کہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ان پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے تو فوج خبردار ہو گئی۔

فوج کے سپاہیوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر تلواریں کھینچ لیں اور قافلے سے باہر نکل کر چوروں کو گھیرے میں لے لیا۔

اب نئے سردار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ مگر اب وقت گزر گیا تھا۔ اب وہ واپس بھی نہیں بھاگ سکتا تھا۔

کیونکہ فوج نے ان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ مجبور ہو کر چوروں نے مقابلہ شروع کر دیا۔ جنگ چھڑ گئی۔

تلواریں، نیزے اور تیر کمان برسنے لگے۔ مگر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ گنہ کرنے والا بزدل ہو جاتا ہے۔

چور فوج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ بھاگنے لگے۔ مگر وہاں سے بھاگ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے تھے۔ چاروں طرف سے فوج نے ان کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کٹ کٹ کر مرنے لگے۔ فوج کے سپاہی بڑے بہادر اور تجربہ کار سپاہی تھے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے سارے کے سارے چوروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

نیا سردار اپنی جان بچا کر بھاگا تو سپاہی اس کا تعاقب کرنے لگے۔ نئے سردار کے سارے ساتھی مارے جا چکے

تھے۔

اسے اس کا بھی بڑا صدمہ تھا۔ وہ اپنی جان بچا کر بھاگ رہا تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار بگٹٹ بھاگا جا رہا تھا کہ کھٹ سے ایک تیر آ کر اس کی گردن میں لگا۔ اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ چھوٹ گئی اور وہ اوندھے منہ گھوڑے پر سے اچھل کر زمین پر گر پڑا۔

فوج چوروں کے سردار کے سر پر پہنچ گئی۔ ایک سپاہی نے چوروں کے سردار کو نیزے میں پرو لیا۔ نیزہ اس کے سینے میں گھونپ دیا گیا۔ نیا سردار ریت پر تڑپنے لگا۔

فوج کے سپاہی واپس قافلے میں آ گئے۔ میدان ڈاکوؤں سے صاف ہو گیا تھا چوروں کی لاشیں میدان میں جگہ جگہ بکھری پڑی تھیں۔ قافلہ پھر سے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اب ماریا عنبر اور ناگ کی طرف آتے ہیں۔

وہ تینوں بہن بھائی گھوڑوں پر سوار غار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ماریا انہیں پہاڑیوں کے کھنڈروں میں لے آئی۔

عنبر نے پوچھا۔

"ماریا! کیا یہی وہ کھنڈر ہے۔ جہاں ڈاکوؤں کا غار ہے"۔

"ہاں بھائی عنبر! اسی جگہ وہ غار ہے جہاں ہمارا خزانہ چھپا کر رکھا گیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

”یہاں ضرور اردگرد ڈاکوؤں نے پہرہ لگا رکھا ہو گا۔ ہمیں بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھنا ہوگا“۔

عنبر بولا۔

”میرا خیال ہے ہم یہاں ایک طرف چھپ جاتے ہیں۔ ماریا تم آگے جا کر معلوم کرو کہ پہرہ کہاں کہاں لگا ہوا ہے۔ کیونکہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا“۔

ماریا گھوڑے پر سے اتر کر غار کی طرف چلی۔ ناگ کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ غار کا جہاں دروازہ تھا اس کے اوپر آمنے سامنے بیٹھے دو ڈاکو تیر کمان لیے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ تو ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر ماریا ان دونوں کو پتھروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھے اور آپس میں باتیں کرتے سن رہی تھی۔

ایک کہہ رہا تھا۔

”سردار قافلے پر حملہ کرنے گیا ہوا ہے۔ اس بار ہمیں امید ہے کہ زیادہ مال ملے گا۔ کاؤکا تو ہمیں کچھ بھی نہیں دیا کرتا تھا“۔

دوسرے پہرے دار نے کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ابھی تک یہ لوگ واپس کیوں نہیں آئے۔ پہلے تو اتنی دیر میں واپس آ جایا کرتے تھے“۔

پہلے نے کہا۔

”مال اسباب زیادہ ہاتھ لگا ہوگا انہیں گھوڑوں پر لاد رہے ہوں گے“۔

”ہاں یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے“۔

ماریا چپکے سے واپس چلی گئی۔ اس نے عنبر اور ناگ کو بتایا کہ غار کے دروازے پر آمنے سامنے دو پہرے دار پہرہ دے رہے ہیں۔

عنبر اور ماریا نے ناگ کو اسی جگہ کھڑا رہنے دیا اور خود پہرے داروں کی خبر لینے چل پڑے۔ وہ پہاڑی کے پیچھے سے اوپر آئے۔

ماریا ایک پہرے دار کے پیچھے سے نکلی اور عنبر دوسرے پہرے دار کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پہرے دار بڑے مزے سے باتیں کر رہے تھے۔

ماریا نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر پہرے دار کے سر پر مارا۔ وہ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ دوسرے پہرے دار نے جب دیکھا کہ اس کا ساتھی گر کر بے ہوش ہو گیا ہے تو وہ

حیران ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کیونکہ وہاں کوئی بھی آدمی نہیں تھا۔ ابھی وہ پوری طرح کھڑا نہیں ہوا تھا کہ عنبر نے پیچھے سے پتھر مار کر اسے بھی بے ہوش کر دیا۔

عنبر اور ماریا نے مل کر ان کے منہ کپڑے سے باندھ کر ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ دیے۔

عنبر نے سیٹی بجا کر ناگ کو خبردار کیا۔

ناگ نے سیٹی کی آواز سنی تو وہ گھوڑوں کو ایک طرف باندھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس وقت ماریا اور عنبر بھی دروازے کے سامنے آ چکے تھے۔

عنبر نے ناگ کو بتایا کہ دونوں پہرے داروں کو منہ بند کر کے رسیوں میں جکڑ دیا گیا ہے۔

ناگ نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! غار کا دروازہ کس جگہ پر ہے؟ یہاں تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ میرا مطلب ہے دروازہ کہیں نظر نہیں آ رہا"۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک جگہ سے پتھر ہٹا دیا اور کہا۔

"اس کے نیچے جو سل رکھی ہے۔ یہی غار کا دروازہ ہے"۔

عنبر اور ناگ نے مل کر سل کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اب غار کا دروازہ نمودار ہو گیا۔

ماریا نے عنبر کو خبردار کیا کہ ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔ کیونکہ سردار قافلہ کو لوٹ کر اپنے ڈاکو ساتھیوں کو لیے واپس آتا ہی ہوگا۔

عنبر نے آہستہ سے پوچھا۔

"کتنے سپاہی ہوں گے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اندر کوئی بھی نہیں ہوگا"۔

ناگ بولا۔

"ہمیں اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ اندر کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اندر بھی ڈاکو موجود ہوں۔ اتنا بڑا خزانہ اور مال و دولت یہ لوگ خالی نہیں چھوڑ سکتے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں پہلے جا کر پتہ کرتی ہوں کہ اندر کتنے سپاہی موجود ہیں"۔

ماریا غار میں آگے بڑھنے لگی۔ بڑے دالان میں جا کر اس نے دیکھا کہ ادھر ادھر چھ سات سپاہی خزانے اور چاندی

سونے کے صندوقوں پر پہرہ دے رہے تھے۔

وہ آپس میں ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔ ماریا نے واپس آ کر عنبر اور ناگ کو بتایا کہ چھ سات ڈاکو اندر پہرہ دے رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! ان لوگوں سے میں اور ماریا نپٹ لیں گے۔ آپ اسی جگہ کھڑے رہیں"۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

"میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گا۔ میں یہاں رہ کر کیا کروں گا"۔

ماریا نے کہا "تو پھر عنبر بھائی! تم ہمارے پیچھے پیچھے آنا۔ ہم وہاں پہلے چلیں گے"۔

ناگ نے اسی وقت پھنکار کی سانپ کی شکل اختیار کر لی۔ وہ غار کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اور رینگ رینگ کر آگے بڑھنے لگا۔

ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ عنبر بہت پیچھے تھا۔ سپاہی بڑے مزے سے ادھر ادھر پہرہ دیتے ہوئے چل رہے تھے۔ اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ماریا ان کے بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔

اوپر سے سانپ بھی قریب آ گیا تھا۔ سانپ دیوار پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اس نے ایک بیٹھے ہوئے پہریدار کو چن لیا۔

وہ جلدی سے اس کے پاس آیا اور اس کی گردن پر ڈس دیا۔ ڈاکو نے سانپ کو دیکھ کر چیخ ماری۔

”سانپ۔۔۔ سانپ نے ڈس لیا مجھے“۔

وہاں ایک شور مچ گیا۔ ڈاکو سانپ کی طرف لپکے۔ مگر سانپ غائب ہو چکا تھا۔ ڈاکو کے خون میں ناگ کا خطرناک زہر داخل ہو گیا تھا۔

وہ بے ہوش ہونے لگا اور پھر زمین پر گر پڑا۔ ادھر ماریا نے ایک ڈاکو کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ ڈاکو نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس نے ساتھی سے کہا۔

”میری تلوار کس نے چھین لی ہے؟“۔

”مجھے کیا معلوم۔ میرے پاس تو اپنی تلوار ہے“۔

”پھر میری تلوار کون لے گیا؟“۔

اتنے میں ماریا نے تلوار کا وار کر کے ڈاکو کی گردن اڑا

دی۔ ناگ نے اس عرصے میں دوسرے ڈاکو کو بھی کاٹ دیا۔ وہ بھی زہر کے اثر سے چیخ مار کر نیچے گر پڑا۔ اور تڑپنے لگا۔

ماریا نے ایک اور ڈاکو کے سینے میں تلوار گھونپ دی۔ یہ قتل عام دیکھ کر باقی کے ڈاکو بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟۔

ڈاکو قتل ہو رہے تھے اور قاتل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں عنبر تلوار ہاتھ میں لیے نمودار ہو گیا۔

ڈاکوؤں نے ایک غیر مرد کو دیکھا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔

عنبر چار ڈاکوؤں کے ساتھ اکیلا مقابلہ کرنے لگا۔ مگر وہ اکیلا ہی ان چاروں پر بھاری تھا۔

اس پر ڈاکو بار بار وار کر رہے تھے۔

عنبر پر تلوار کے کسی وار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

الٹا عنبر نے دیکھتے دیکھتے تین ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔

سمندر کا دھارا

ایک ڈاکو رہ گیا تھا۔

ماریا نے اسے بھی ختم کر دیا۔ اب میدان صاف تھا۔ غار میں انہوں نے اپنے خزانے کی تلاش شروع کر دی۔

ڈاکوؤں کے غار میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ صرف عنبر، ماریا اور ناگ خزانے کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر ایک جگہ انہیں اپنے خزانے کا صندوق مل گیا۔

ناگ اور عنبر نے صندوق کو کندھوں پر اٹھایا اور اسے لے کر باہر آ گئے۔ غار کے دروازے پر انہوں نے صندوق رکھ دیا۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا گھوڑے وہی جگہ لے آؤ"۔

ماریا گھوڑے لینے چلی گئی۔ ناگ نے عنبر سے پوچھا۔

"اس غار میں جو بے شمار مال و دولت پڑا ہے۔ وہ کس کے کام آئے گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

ڈاکو آ کر اسے سنبھال لیں گے۔ ہمیں اتنی دولت لے کر کیا کرنا ہے۔ کم بخت یہ ہمارا خزانہ پہلے ہی ہمارے لیے مصیبت بن رہا ہے۔

اگر یہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم اس وقت چین کی بندرگاہ پر پہنچ گئے ہوتے۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! یہ سارا مال لوٹا ہوا ہے ڈاکوؤں کا اپنا نہیں ہے۔ آخر انہیں بھی تو سبق سکھانا چاہیے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس غار کو آگ لگا کر سارے مال کو جلا دیتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"خواہ مخواہ آگ لگانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ شاید ہماری طرح سے کوئی دوسرا آدمی یہاں آئے اور ڈاکوؤں کو شکست دے کر یہ سارا مال اپنے قبضے میں کر لے"۔

اب ماریا گھوڑے لے کر آ گئی۔ اس نے دونوں کی باتیں سن کر کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ یہاں سے سارے زیورات اور دولت نکال کر اس بستی کے لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔"

عنبر ہنس کر بولا۔

پھر اس بستی کے ہر گھر میں ڈاکو چوریاں کر کے اپنا مال واپس لے لیں گے۔

بڑا قتل عام ہوگا۔ دولت کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی۔ یہ بھائی بھائی میں خون خرابہ کرا دیتی ہے۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اس غار کو آگ لگا دیتے ہیں۔ ناگ ٹھیک کہہ رہا ہے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

ماریا بہن۔ عنبر نے کہا۔

"آگ لگانے سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ دھواں نکلتا دیکھ کر لوگ ادھر دوڑیں گے۔ دولت کو حاصل کرنے کے لیے ان کی آپس میں لڑائی شروع ہو جائے گی۔ ہمیں کیا ضرورت ہے فساد ڈالنے کی۔ ہمیں اپنا صندوق مل گیا ہے۔

ڈاکو جائیں اور ان کا مال و دولت جائے۔ آؤ اب یہاں سے چلتے ہیں۔ جہاز سمندر میں اکیلا ہے۔

انہوں نے صندوق گھوڑے پر رکھا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس سمندر کی طرف چلنے لگے۔

صبح کا اجالا پھیل گیا تھا۔ جاتے ہوئے انہوں نے غار کے دروازے پر سل رکھ کر اسے بند کر دیا۔ چلتے چلتے جب وہ سمندر کے کنارے آئے تو یہ دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ ان کا جہاز وہاں نہیں تھا۔

"ارے! ہمارا جہاز کدھر چلا گیا؟"۔

"ہم اسی جگہ چھوڑ کر گئے تھے"۔

"اسے کون لے گیا؟"۔

"وہ اپنے آپ نہیں جا سکتا تھا"۔

وہ حیران اور پریشان ہو کر سمندر کے کنارے اس جگہ کھڑے تھے جہاں تھوڑی دیر پہلے ان کا جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"کمال ہو گیا ہے یہ بھی۔ آخر جہاز کدھر چلا گیا؟ اسے کون لے گیا؟ یہاں تو کوئی بھی ایسا نشان نہیں ملتا کہ جہاز کو کسی نے اغوا کیا ہے"۔

اب جو انہوں نے غور سے دیکھا تو ریت پر بہت سے

آدمیوں کے قدموں کے نشان تھے۔

صاف پتا چلتا تھا کہ کسی ڈاکوؤں کے گروہ نے ان کے جہاز کو وہاں سے اغوا کر لیا ہے۔ وہ ریت پر اداس ہو کر بیٹھ گئے۔

خزانہ نہیں تھا تو جہاز ان کے پاس تھا۔ اب خزانہ قبضے میں آیا تو جہاز غائب ہو گیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جن لوگوں نے ہمارے جہاز کو اغوا کیا ہے وہ ابھی سمندر میں زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ اگر ہم ان کا پیچھا کریں تو سمندر میں جا کر انہیں پکڑ سکتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کشتی کہاں سے حاصل کریں گے"۔

"ادھر کچھ کشتیاں نظر آ رہی ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

"میں وہاں جا کر کشتی حاصل کرتا ہوں تم لوگ اسی جگہ کھڑے رہو"۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کو خزانے کے پاس چھوڑا وہ تینوں گھوڑے اور بہت سی سونے کی اشرفیاں لے کر تیزی سے اس جگہ پہنچا جہاں چند ایک ماہی گیروں کی بادبانی کشتیاں کھڑی تھیں۔

کچھ ماہی گیر دھوپ میں بیٹھے جال مرمت کر رہے ہیں۔

عنبر نے جا کر انہیں سلام کیا اور پوچھا۔

"آپ نے یہاں سے ایک بادبانی جہاز کو تو گذرتے نہیں دیکھا؟"۔

ماہی گیر نے کہا۔

ہاں وہ ابھی ابھی یہاں سے لنگر اٹھا کر روانہ ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس میں بن قوم کے سپاہی سوار تھے۔ وہ بن بادشاہ کا جہاز لگتا تھا۔

عنبر سمجھ گیا کہ چنگیزی فوج اس کا پیچھا کرتی وہاں تک آ گئی ہوگی اور وہی اس کے جہاز کو اغوا کر کے لے گئی ہے۔ عنبر نے ماہی گیر سے ایک بادبانی کا سودا کرنا چاہا تو ماہی گیر نے اس کے عوض ایک سو سونے کی اشرفیاں طلب کیں۔

عنبر نے ماہی گیر کے آگے ایک سو سونے کی اشرفیوں کی

تھیلی رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں یہ تین گھوڑے بھی انعام میں دیتا ہوں"۔

ماہی گیر تو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کشتی حاضر ہے جناب! آپ اس کشتی کے مالک ہیں"۔

"شکریہ"۔

عنبر کشتی میں سوار ہو گیا۔ یہ کشتی کافی بڑی تھی اور اس کے دو بادبان تھے۔ جو کافی مضبوط تھے۔ سمندر میں اس قسم کی کشتی سفر کر سکتی ہے۔

عنبر نے بادبان کھول دیئے اور اسے لے کر ناگ اور ماریا کے پاس آ گیا۔

"جلدی سے کشتی میں سوار ہو جاؤ"۔

ماریا اور ناگ نے خزانے کا صندوق کشتی میں رکھا اور خود بھی اس میں سوار ہو گئے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ ان کے جہاز کو بن قوم کے فوجی اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

"ضرور وہ بادشاہ اور شاہی خاندان کی تلاش میں یہاں آئے ہوں گے۔ انہوں نے ہمارے جہاز کو پہچان لیا ہو گا۔ اور بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی کہہ کر ہمارے جہاز ہی کو لے کر چل پڑے ہوں گے"۔

عنبر بولا۔

ہاں بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ اب ہمیں سمندر میں تیزی سے سفر کر کے اپنے جہاز تک پہنچنا ہے۔ اور اسے دوبارہ واپس لینا ہے۔

یہ ہماری بہت بڑی توہین ہے کہ ہم اس بن قوم کے

سپاہی ہمارا جہاز چھین کر لے جائیں۔

ماریا نے کہا۔

"کیا ہم دو بادبانوں والی کشتی میں سفر کرتے ہوئے چھ بڑے بادبانوں والے جہاز کو پکڑ سکیں گے؟"۔

عنبر بولا۔

"کیوں نہیں؟ چھوٹی کشتی کو اگر سمندر کے بیچ میں لئے والی تیز لہر کے اوپر ڈال کر بادبان کھول دیے جائیں تو اس کی رفتار بڑے جہاز سے بھی بڑھ کر زیادہ ہو جاتی ہے"۔

اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ عنبر ایک ماہر ملاح تھا۔ اسے سمندر میں جہاز چلانے کا بہت تجربہ تھا۔ اس نے کشتی کے دونوں بادبانوں کو کھول کر بڑے چپو کی مدد سے کشتی کو کھلے سمندر کی طرف لانا شروع کر دیا۔

قطب نما اور ایک جیبی نقشہ اس کے پاس موجود تھا۔ ویسے بھی وہ ستاروں کی مدد سے سمندر میں راستہ تلاش کر سکتا تھا۔

کھلے سمندر میں آ کر اس نے معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ سمندر کی تیز رفتار لہر کہاں ہے۔ اور اس کا رخ کس طرف کو ہے؟

کافی دیر کی کوشش اور آوارہ گردی کے بعد آخر وہ سمندر کی تیز رفتار لہر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ڈانڈ سنبھال کر کشتی کو سمندر کی بڑی لہر کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔

ناگ ہوشیاری سے کام لینا۔ جونہی ہماری کشتی سمندر کی تیز رفتار لہر پر آئے گی۔ کشتی کو ایک زبردست دھکا لگے گا۔

تمہارا یہ کام ہوگا کہ بادبانوں کی رسیوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہوگا۔

اگر بادبان کی رسیاں ہاتھ سے نکل گئیں تو کشتی قابو سے باہر ہو جائے گی۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو عنبر بھائی! میں پوری طرح تیار ہوں"۔

عنبر دھیرے دھیرے کشتی کو دھکیلتا سمندر کی بڑی لہر کے قریب لے آیا۔ سمندر میں، عام طور پر گرم سمندروں کے بیچ میں ایک بڑی ہی تیز رفتار لہر چلا کرتی ہے۔

جس سے بڑے بڑے جہاز بھی گھبروتے ہیں۔ چھوٹی کشتی کو یہ تیز کر دیتی ہے۔ مگر بڑے جہاز کو چکر دے کر گھمانا شروع کر دیتی ہے۔

اس لیے جہاز کے کپتان عام طور پر اس لہر سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عنبر ایک تجربہ کار ملاح تھا۔

اس نے بڑی ہوشیاری اور تجربہ سے کام لیتے ہوئے آہستہ سے کشتی کو سمندر کے تیز دھارے پر چڑھا دیا۔ ادھر ناگ نے بادبانوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا تھا۔

جونہی کشتی سمندر کے تیز دھارے پر آئی کشتی کو ایک زبردست دھچکا لگا ایسے محسوس ہوا جیسے کسی نے ایکدم سے کشتی کو دھکا دے کر اس کی رفتار تیز کر دی ہو۔

ایک بار تو بادبانوں کی رسیاں ناگ کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گئیں۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ! مضبوطی سے پکڑے رکھنا"۔

"فکر نہ کرو عنبر بھائی"۔

ماریا ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ کشتی برابر ہچکولے کھا رہی تھی۔ اس کی رفتار بہت بڑھ گئی تھی۔

عنبر اپنی مہارت سے کشتی کو سمندر کے دھارے کے بالکل بیچ میں لے آیا۔ درمیان میں آنے سے کشتی نے ہچکولے کھانے بند کر دیے۔

اب وہ ڈگمگانے کی بجائے بڑی تیزی سے مغرب کی طرف بڑھ رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"ایک بادبان لپیٹ دو ناگ! رفتار اور زیادہ بڑھ جانے سے کشتی کے الٹ جانے کا خطرہ ہے"۔

ناگ نے رسیاں چھوڑ دیں۔ بادبان اپنے آپ پھڑ پھڑاتا ہوا مستول سے نیچے آن گرا۔ اس کی رفتار اب بھی تیز تھی۔ عنبر نے ڈانڈ چھوڑ دیا۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! تم نے کمال کر دکھایا۔ اس وقت ہماری کشتی جس رفتار سے چلی جا رہی ہے یہ تو ہمارے جہاز کی رفتار سے دوگنی رفتار ہے"۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"عنبر بھائی! تم ایک بڑے تجربکار ملاح ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر میں اس گر سے واقف نہ ہوتا تو ہم اس دو بادبانوں والی کشتی میں اپنے جہاز تک ساری زندگی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اب ہمارا جہاز اگر اسی سمت کو گیا ہے تو ہم ایک روز کے اندر

اندر اس کے قریب جا پہنچیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"اگر وہ اس سمت نہ گیا ہوگا تو پھر ہم کیا کریں گے؟"۔

"ہمارا انجام اس تیز دھارے پر کیا ہوگا؟"۔

ناگ بولا۔

"جہاز کا کسی دوسری سمت کو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

عنبر نے کہا۔

ماہی گیروں نے مجھے اسی رخ بتایا ہے۔ وہ لوگ جہاز کے کھلے بادبانوں کو دیکھ کر ہی سمجھ جاتے ہیں کہ جہاز کس طرف کو سفر کر رہا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"اس حساب سے تو ہمیں کل صبح تک اپنے جہاز کی دور سے جھلک نظر آ جائے گی"۔

"ضرور نظر آ جاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

ماریا بولی۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اپنے جہاز پر کیسے سوار ہوں گے؟"۔

جہاز پر سوار ہن سپاہی تو دور ہی سے ہمیں دیکھ لیں گے۔ وہ ہمیں پہچان بھی لیں گے تو وہ یقیناً ہماری کشتی کو آگ لگا کر ہمارے خزانے پر بھی قبضہ کر لیں گے اور ہمیں بھی گرفتار کر لیں گے۔

ہم تو بڑے خطرناک سفر پر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا

میں سچ نہیں کہہ رہی؟۔

عنبر نے کہا۔

ماریا بہن! ان ساری باتوں کو سوچ سمجھ کر ہی ہم اپنے جہاز کی طرف جا رہے ہیں۔

تم فکر نہ کرو۔ جس طرح سے تم سوچ رہی ہو ایسا نہیں ہوگا۔ جہاز کی پہلی جھلک دیکھ کر ہی میں تمہیں ایک ترکیب بتاؤں گا۔

اس ترکیب پر عمل کرنے سے ہم جہاز پر پہنچ جائیں گے اور ہمارا خزانہ بھی بچ جائے گا۔

ماریا اور ناگ چپ ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ عنبر نے کیا ترکیب سوچ رکھی ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھنا بھی مناسب خیال نہ کیا۔

اب تو وہ سمندر میں نکل پڑے تھے۔ بادبانی کشتی سمندر کے تیز دھارے پر بڑی تیزی سے شمال مغرب کی طرف چلتی رہی۔

شام کو انہوں نے کچھ کھایا پیا اور پھر باری باری سونے لگے۔ عنبر ساری رات کشتی کے سفر پر بیٹھا ستاروں کو تکتا رہا۔ ستاروں کے حساب سے وہ درست سمت کو جا رہا تھا۔

☆ کیا بادبانی کشتی جہاز کو پکڑ سکی؟

☆ جواہرات کا خزانہ کس کے ہاتھ آیا؟

☆ ہسپانیہ میں عنبر اور ناگ نے کیا دیکھا؟

☆ ان سوالوں کے جواب آپ کو اسی ناول
کی اگلی 48 ویں قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔

اٹھارہ لاشیں

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 48)

اے حمید

اٹھارہ لاشیں

عنبر ناگ ماریا

(قسط نمبر 48)

اے حمید

فہرست

بھیانک طوفان

موت کا دریا

خونی مگرمچھ

اٹھارہ لاشیں

اڑن طشتری کا راز

خونی انڈا

مقدس چمگادڑ

مصیبت سے نجات

شیطان جہاز میں

شیطان کی موت

اٹھارہ لاشیں

بن قوم کے سپاہی عمان کی بندرگاہ سے عنبر کا بادبانی جہاز اڑا کر سمندر میں نکل گئے ہیں۔

عنبر، ناگ اور ماریا ایک چھوٹی سی کشتی میں اپنے کھڑے ہوئے جہاز کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ایک خوفناک طوفان کے وہ ایک ایسے جزیرے پر پہنچ جاتے ہیں۔

جہاں پر ستاروں سے آئی ہوئی ایک عجیب مخلوق نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ان کے غاروں میں اڑن طشتریاں اڑتی ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے انسانوں کا سارا خون اکٹھا کر کے اپنے ستارے پر لے جانے کے لیے آتے ہیں۔

عنبر اور ناگ ان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ شیطان چگاڈر ان پر حملہ کرتا ہے۔ مگر آدھی رات کو مارا جاتا ہے۔ ماریا پیچھے جہاز پر موجود ہے۔ عنبر اور ناگ خزانے کی تلاش میں جنگل جاتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے۔۔۔

بھیانک طوفان

سمندر میں کشتی ٹھیک سمت میں جارہی تھی۔

کشتی کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے۔ اور وہ سمندر کے تیز دھارے پر بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ ماریا اور ناگ سو رہے تھے۔ عنبر کشتی میں بیٹھا آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔

قطبی ستارہ آسمان کے شمال میں چمک رہا تھا۔ عنبر اسی ستارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عنبر کا خیال تھا کہ اگر وہ اسی رفتار کے ساتھ کشتی کو آگے بڑھاتا رہا تو کل تک بادبانی جہاز ضرور نظر آجائے گا۔

آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ہن قوم کے سپاہی عنبر کا بادبانی بحری جہاز عمان کی بندرگاہ سے بھگا کر لے گئے تھے۔

وہ شمال مغرب کی طرف سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ عنبر نے سمندر کنارے کے ماہی گیروں سے ایک جھونپڑا خریدا اور بادبانی جہاز کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

اس جہاز میں عنبر کا قیمتی خزانہ بھی تھا۔ عنبر ماریا اور ناگ کو نہ صرف جہاز کا دکھ تھا بلکہ خزانے کا افسوس بھی تھا جسے سپاہی

اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔

بادبانی کشتی ساری رات سمندر کے تیز دھارے پر بہتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔ صبح کا اجالا سمندر پر پھیل گیا۔

ماریا اور ناگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب کی نگاہیں شمال مغرب میں سمندر کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے اغوا کیے ہوئے جہاز کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے۔ مگر سمندر کا سینہ دور تک خالی تھا۔ ابھی تک انہیں اپنا جہاز دکھائی نہیں دیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"کہیں ہم راستہ تو نہیں بھول گئے عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا ماریا بہن! میں رات بھر ستاروں کی چال دیکھتا رہا ہوں۔ ستاروں کے حساب سے ہماری کشتی ٹھیک سمت کو جا رہی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر ہمیں ابھی تک اپنا جہاز کیوں نہیں دکھائی دیا؟ میرا خیال ہے، ہماری رفتار جہاز کی رفتار کے مقابلے میں سست ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ تم نے جہاز کو کھو دیا ہے۔ اب ہمیں جہاز اور اپنے خزانے کو بھول جانا چاہیے"۔

عنبر مسکرا دیا۔

بھائی ناگ! مجھے نہ پہلے جہاز اور خزانے کی خواہش تھی

اور نہ اب ہے۔ میں نے بڑے بڑے جہاز دیکھے ہیں اور بڑے بڑے خزانوں کو ٹھکرایا ہے۔ لیکن یہ سوال عزت کا تھا۔ اس لیے کہ دشمن نے ہمارے جہاز پر قبضہ کر کے ہمارے خزانے کو لوٹ لیا ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی عزت کی خاطر دشمن سے مقابلہ کریں اور اس سے اپنی چیزیں واپس لیں۔

ماریا نے کہا۔

"اگر دشمن ہمیں دکھائی ہی نہ دیا تو ہم اپنی چیزیں کہاں سے حاصل کریں گے؟ کس سے واپس لیں گے؟ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں واپس چلے جانا چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"ایسی بات نہیں ہے ماریا بہن! ہمیں دشمن کا پورا پورا

پیچھا کرنا ہوگا۔ ہم دشمن کو جا پکڑیں گے۔ تم لوگ اتنی جلدی مت گھبراؤ۔ ذرا صبر سے کام لو۔ ہم کامیاب ہو جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"صبر تو ہمیں ہر حالت میں کرنا ہوگا، کیوں کہ صبر کرنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے"۔

انہوں نے کشتی ہی میں تھوڑا بہت کھانا کھایا۔ ماریا لیٹ گئی۔ ناگ عنبر کے پاس بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ آسمان پر کالے کالے بادل جمع ہونے شروع ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

"طوفان کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کو کشتی کے نچلے حصے میں چھپا دینا چاہیے"۔

ہوا ایک دم تیز چلنے لگی۔ بادلوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی اور پھر بادل گرج اٹھا۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے کہا۔

"ماریا بہن! نیچے آ جاؤ"۔

انہوں نے کھانے پینے کے مرتبان وغیرہ اور پانی کا مشکیزہ اٹھایا اور چھوٹی سی سیڑھی پر سے اتر کر کشتی کے نچلے حصے میں آ گئے۔

کشتی کا یہ حصہ، کشتی کے اندر ایک چھوٹے سے کمرے کی شکل کا بنا ہوا تھا۔ یہ کمرا ایک صندوق کی طرح تھا۔ جہاں زمین پر چٹائی بچھی تھی۔

کمرے کے اندر چھت سے سیڑھی اترتی تھی اور اس کی چھت کو صندوق کے ڈھکن سے بند بھی کیا جا سکتا تھا تاکہ اندر بارش کا پانی وغیرہ نہ آ سکے۔

ماریا چٹائی پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"تم میرے ساتھ اوپر آ جاؤ۔ ہمیں اب کشتی کو سمندر کے تیز دھارے سے اتار لینا چاہیے کیونکہ اگر آندھی کا طوفان آ گیا تو ہماری کشتی کی رفتار چار گنا زیادہ ہو جائے گی اور یہ ضرور الٹ کر سمندر میں ڈوب جائے گی"۔

ناگ عنبر کے ساتھ اوپر آ گیا۔ اوپر اب آسمان بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ تیز ہوا کے ساتھ ساتھ اب بادل بھی گرج رہے تھے۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔

ایک دم سے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ناگ اور عمبر کشتی کو سمندر کے تیز دھارے سے اتارنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک بادبان کو کھول دیا جاتا۔

عمبر نے ایک بادبان کھول دیا۔ بادبان کھل کر تیز سمندری ہوا میں بری طرح پھڑ پھڑانے لگا۔

عمبر نے ناگ سے کہا۔

"ڈانڈ کو دائیں طرف گھمانے کی کوشش کرو"۔

ناگ نے ڈانڈ کو پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے زور لگایا۔ بادبان کی رسی کو مستول کے ساتھ باندھ کر عمبر بھی اس کے ساتھ مل کر زور لگانے لگا۔

سمندری لہر کا بہاؤ اس قدر تیز ہو گیا تھا۔ کہ وہ کشتی کو اپنے

ساتھ اڑائے لیے جا رہی تھی۔ کشتی کسی طرح قابو میں نہ آ ئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

عمبر نے دوسرے بادبان کو بھی کھول دیا۔ بادبان کھلتے ہی اس قدر زور سے پھڑ پھڑایا کہ ہوا میں پٹاخوں کے دھماکے سنائی دیے۔

اس کے ساتھ ہی بادبان پھٹ گیا اور اس کا کپڑا پرزے پرزے ہو کر ہوا میں اڑ گیا۔

"بادبان پھٹ کر اڑ گیا ہے۔ ڈانڈ کو ہاتھ سے مت چھوڑنا ناگ"۔

یہ کہہ کر عمبر نے رسی سے دوسرے بادبان کو اور زور سے لپیٹ دیا۔

پھر وہ ناگ کے پاس آ گیا اور ڈانڈ کا رخ موڑنے کی جدو جہد کرنے لگے۔ ایک بادبان کے پھٹ جانے اور دوسرے کے باندھے جانے سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ کشتی کی رفتار کم ہو گئی تھی، کیونکہ بادبانوں میں ہوا نہیں بھری جا رہی تھی۔

یہ ہوا ہی کشتی کو زیادہ رفتار سے چلاتی تھی۔ کشتی کی رفتار کم ہوئی تو عنبر اور ناگ نے مل کر کشتی کو بڑی آسانی سے سمندر کے دھارے سے اتار لیا۔

کشتی سمندر کے تیز دھارے سے اتری تو اس میں کچھ سکون آ گیا۔ ناگ نے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ اس مصیبت سے تو جان چھوٹی“۔

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔

”اس مصیبت سے تو جان چھوٹ گئی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی زبردست طوفان آنے والا ہے۔ بادل زیادہ گہرے ہو گئے ہیں“۔

بادلوں میں اب بجلی زیادہ زور شور اور کڑکے سے چمک رہی تھی۔ ہوا آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ اچانک بادل بڑے زور سے ایک دھماکے کے ساتھ گرجا اور ایک دم سے بارش شروع ہو گئی۔

نیچے ماریا لیٹی لیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ ڈر گئی تھی۔ اس نے اوپر آ کر پوچھا۔

”یہ آواز کیسی تھی؟“۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سمندر میں کسی جگہ کوئی جوالا مکھی

پہاڑ پھٹ پڑا ہو۔

عنبر نے کہا۔

"بادل گرجا تھا ماریا۔ تم اوپر مت آؤ۔ نیچے ہی آرام سے لیٹی رہو۔ ہم کشتی کو سنبھال لیں گے"۔

ماریا پھر نیچے چلی گئی۔ بارش بڑی زور سے ہو رہی تھی۔

عنبر نے ماریا کے کمرے کی چھت والا ڈھکن بند کر دیا تا کہ نیچے بارش کا پانی نہ جائے۔

اب ہوا نے آندھی کی شکل اختیار کر لی تھی اور سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھ کر کشتی سے ٹکرا رہی تھیں سمندر کی لہریں کشتی سے ٹکرا کر اسے اوپر لے جاتیں اور پھر اپنے ساتھ ہی تہ تک لے جاتیں۔

ایسی حالت میں کشتی کا رخ سیدھا رکھنے کے لیے عنبر بادبان بھی نہیں کھول سکتا تھا۔ کیونکہ بادبان کھل جانے سے آندھی کشتی کو اڑا کر لے جاتی اور ہو سکتا تھا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔

اب یہ حالت تھی کہ ان کی کشتی لہروں کے رحم و کرم پر تھی۔ جو لہر جدھر سے آتی ادھر ہی کو کشتی کو لے کر چلی جاتی۔

ناگ نے کہا۔

"اس طرح تو ہم خدا جانے کدھر کے کدھر جا نکلیں گے؟"۔

عنبر بولا۔

"ایسا ہو سکتا ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ طوفان بڑھتا ہی جا رہا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"کہیں ہم کھلے سمندروں میں نہ نکل جائیں؟ پھر تو ہمارا کسی کنارے پر لگنا بڑا مشکل ہو جائے گا"۔

عنبر بولا۔

ہمیں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور طوفان سے بچ نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم نے سخت غلطی کی کہ تمہیں پرندہ بنا کر نہ اڑایا۔

ورنہ تم آگے جا کر دیکھ سکتے تھے کہ بادبانی جہاز کس طرف کو ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ ہمیں پتا چل جاتا کہ ہم ٹھیک رخ پر سفر کر رہے ہیں۔

اب ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم شمال کی طرف جا رہے ہیں یا جنوب کی طرف جا رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"ہمارا قطب نما بھی تو جہاز ہی میں تھا اور پھر اتنے سخت طوفان میں ہم کیا اندازہ لگا سکتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"آسمان پر سورج بھی نہیں۔ اگر سورج نکلا ہوتا تو ہمیں بہت کچھ اندازہ ہو سکتا تھا"۔

طوفان تیز سے تیز ہونے لگا۔ ہوا نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ بارش تیز ہو گئی۔

سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنے لگیں۔ ماریا بیچی گھبرا گئی، کیونکہ کشتی اب بھی طرح سے ڈول رہی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ طوفان میں ایک معمولی سے تنکے کی طرح بہے جا رہی تھی۔

ایک لہر آتی اور اوپر سے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتی۔

دوسری لہر آتی اور اسے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتی۔

ماریا نیچے سے گھبرا کر اوپر آ گئی۔

عنبر نے چھت کا ڈھکنا کھلا دیکھ کر ماریا سے کہا۔

"ماریا! اوپر مت آؤ۔ تم سمندر میں گر پڑو گی"۔

ماریا نے کہا۔

"نیچے میں گھبرا رہی ہوں"۔

"واپس جاؤ"۔

ناگ نے چیخ کر کہا۔

"اگر تم سمندر میں گر پڑیں تو ہم تمہیں واپس نہ نکال سکیں گے۔ خدا کے لیے واپس نیچے چلی جاؤ۔ طوفان ابھی دور ہو جائے گا"۔

مگر طوفان تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ

آج یا طوفان رہے گا یا کشتی رہے گی۔ انہیں بادبانی جہاز تو بھول گیا۔ اب اپنی کشتی کی فکر پڑ گئی تھی۔

ماریا پھر نیچے جا کر چٹائی پر بیٹھ گئی۔ کشتی بری طرح ڈگ مگ کر رہی تھی۔ ماریا نے گھبرا کر ایک ستون کو پکڑ لیا۔

اوپر عنبر اور ناگ کی طوفان میں بری حالت ہو رہی تھی۔ وہ کشتی کو بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے تھے۔ مگر کشتی ان کے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔

اچانک ایک اونچی لہر نے اٹھ کر کشتی کو اوپر اچھالا۔ اس کے ساتھ ہی ناگ غڑاپ سے سمندر میں جا گرا۔ عنبر نے اسے آواز دی۔ ناگ نے سمندر میں گرتے ہی ایک پھنکار ماری اور وہ ایک دم انسان سے سانپ بن گیا۔

عنبر کو یقین تھا کہ ناگ مرے گا نہیں۔ لیکن اسے یہ خطرہ

ضرور تھا کہ اگر وہ سانپ بن گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ اوپر سمندر میں نہ رہ سکے۔

سانپ بن کر ناگ نے لہروں پر تیرنا شروع کر دیا، مگر لہریں اس قدر زبردست تھیں کہ ناگ کو انہوں نے اچھالنا اور ادھر ادھر پٹخنا شروع کر دیا۔

ناگ کی جان پر بن گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ مر جائے گا، اس نے سانپ کی حالت میں ہی پھنکار ماری اور طوطا بن کر اڑنے لگا۔

ہوا اس قدر تیز تھی کہ اس کے لیے ہوا میں اڑنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کے جھونکے اسے سوکھے پتے کی طرح اڑانے لگے۔ ایک بار وہ کشتی کے اوپر آیا تو اس نے اپنے آپ کو کشتی میں گرا دیا۔

کشتی میں گرتے ہی وہ دوبارہ انسان کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے چیخ کر کہا۔

”ناگ! رسی سے اپنے آپ کو باندھ لو“۔

ناگ نے رسی سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور عنبر کے ساتھ مل کر کشتی کو سنبھالنے کی جدوجہد میں لگ گیا۔

طوفان بپھر رہا تھا۔ سارا دن طوفان کی وہی حالت رہی رات ہو گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ بجلی چمکتی تو ہر طرف روشنی پھیل جاتی۔

بارش رک گئی تھی مگر آندھی اسی طرح چل رہی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ سمندر کی بڑی بڑی لہریں اسی طرح اٹھ رہی تھیں۔ کشتی ڈگمگا رہی تھی۔ لہریں اسے اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھیں۔

اچانک اندھیرے میں عنبر نے دیکھا کہ اس کے سامنے بڑی بڑی چٹانیں سی کھڑی ہیں۔

عنبر نے چیخ کر کہا۔

"کشتی چٹانوں سے ٹکرانے والی ہے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ ایک لہر نے کشتی کو اٹھا کر چٹان کے ساتھ ٹکرا دیا۔ کشتی اچھل کر چٹان سے ٹکرائی اور پھسل کر سمندر میں الٹ گئی۔

ماریا تیزی سے باہر نکل آئی۔ عنبر نے ایک رسی سے ماریا اور ناگ کو اپنی طرف کھینچا اور انہیں لے کر ساحل کی ریت پر آن گرا۔

تینوں بہن بھائی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ ایک اتفاق سے ان کی کشتی ایک جزیرے کے ساحل پر پہنچ گئی تھی۔ عنبر اور ناگ نے اٹھ کر ماریا کو ساتھ لیا اور جزیرے کے کنارے کے درختوں میں آ کر لیٹ گئے۔ آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔

موت کا دریا

رات گھٹا ٹوپ اندھیری تھی۔

طوفان نے انہیں بے حد تھکا دیا تھا۔ ساحل کی ریت پر گرتے ہی وہ زمین پر لمبے لیٹ گئے۔ طوفان اب تھم گیا تھا۔

آندھی رک گئی تھی۔ بارش بند ہوگئی تھی۔ سمندر کی طوفانی لہروں کا شور تھم گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا میں نرمی آ گئی تھی۔ آسمان

پر گھرے بادل تھے اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم بحیرہ عرب کے کسی دور دراز جزیرے میں آ گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری کشتی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی لیکن ہم بچ گئے"۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی کا تو خیر کچھ نہ بگڑتا لیکن ہم ضرور ہلاک ہو جاتے"۔

عنبر نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ جزیرہ کونسا ہے"۔

ناگ بولا۔

"اب تو صبح ہی کو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم کس جزیرے میں

آن اترے ہیں"۔

باتیں کرتے کرتے انہیں تھکاوٹ کی وجہ سے نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔ جزیرے کی اندھیری رات کی ٹھنڈی ہوا میں وہ صبح دیر تک سوئے رہے۔

جب ان کی نیند کھلی تو صبح کی روشنی جزیرے کے ساحل پر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

آسمان پر بادل تھے مگر بارش کا طوفان غائب ہو گیا تھا۔ ساحل کی ریت پر رات بھر کے طوفان کے لائے ہوئے بے شمار گھونگھے اور مردہ مچھلیاں بکھری ہوئی تھیں۔

یہ جزیرہ ایسا تھا کہ اس کے ساحل پر دور تک بھورے رنگ کی سیاہی مائل چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔

چٹانوں کے پیچھے ناریل کے درختوں کے جھنڈ سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا میں جھوم رہے تھے۔

اچانک ناگ نے چیخ کر کہا۔

"ادھر دیکھو عمبر بھائی"

عمبر اور ماریا نے جزیرے کے شمال مغربی ساحل کی طرف دیکھا تو سامنے دور، درختوں کے جھنڈ میں ساحل پر سمندر کے اندر کی جانب ان کا بادبانی جہاز ٹیڑھا ہو کر کھڑا تھا۔

عمبر بولا۔

"یہ تو ہمارا جہاز ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے سپاہی طوفان میں

راستے سے بھٹک کر اسی جزیرے پر آ گئے ہیں"۔

ناگ بولا۔

"جہاز ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ شاید طوفانی لہروں نے اسے پانی سے نکال کر ساحل کی ریت پر چڑھا دیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

اب ہمیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ دشمن اسی جزیرے میں موجود ہے۔

ماریا! ہم یہاں سامنے والے درختوں میں چھپ جاتے ہیں۔ تم کو چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا اس لیے تم جا کر معلوم کرو کہ جہاز کی حالت کیسی ہے؟ اور دشمن کی کل تعداد کتنی ہے؟۔

ماریا نے کہا۔

"ابھی جا کر پتا کرتی ہوں"۔

عنبر اور ناگ چٹانوں میں سے بھاگ کر سامنے ناریل کے درختوں کے گھنے جھنڈ میں جا کر چھپ گئے۔ ماریا سمندر کے ساحل پر چلتی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔

عنبر اور ناگ جس جگہ چھپے تھے، وہاں سے گھنا جنگل شروع ہوجاتا تھا، یہ جنگل جزیرے کے جنگلوں سے ذرا مختلف تھا۔

اس میں درخت بڑے بڑے اونچے اور اتنے گھنے تھے کہ دن کی روشنی ان کے نیچے بڑی مشکل سے پہنچتی تھی۔ زمین پر لمبی اونچی گھاس لگی ہوئی تھی۔

چٹانیں صرف ساحل کے ساتھ ساتھ ریت پر تھیں۔ جنگل میں کوئی چٹان انہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے اس جنگل کی بو بتا رہی ہے کہ یہاں دلدل ضرور ہے ہمیں بڑی احتیاط سے یہاں ادھر ادھر پھرنا ہوگا"۔

عنبر نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ یہ جزیرہ کہاں پر واقع ہے؟ ہم کس سمندر میں آ گئے ہیں۔ اگر یہ بحیرہ عرب کا کوئی جزیرہ ہے تو یہاں پر کھجوروں کے درخت ضرور ہونے چاہئیں۔

ناگ بولا۔

میرا خیال ہے، ہم بحیرہ عرب سے نکل کر شمالی افریقہ کے سمندر میں آ گئے ہیں۔

اس جزیرے میں پپیتے اور تاڑ کے درخت بھی ہیں۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ہم افریقہ کے سمندر میں کسی بے آباد جزیرے پر ہیں۔

عنبر بولا۔

"اگر یہ افریقہ کا جزیرہ ہے تو یہ بے آباد نہیں ہو سکتا، یہاں کوئی نہ کوئی آبادی ہوگی۔ خواہ وہ جنگلی اور آدم خور وحشیوں ہی کی کیوں نہ ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"جب تک ماریا واپس نہیں آ جاتی ہم یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں جا سکتے۔ بہرحال ہمیں اس کا انتظار کرنا ہی ہوگا"۔

عنبر نے کہا۔

ہمارا جہاز کنارے کی ریت پر چڑھ گیا ہے۔ اسے سمندر میں ڈالتے ہوئے بڑی مشکل ہوگی۔ کیا خبر اس کو نقصان بھی

پہنچا ہو۔

خدا نہ کرے کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ چکا ہو۔ بہر حال ماریا ابھی آ کر انہیں ساری خبر دے گی۔

عنبر اور ناگ ناریل کے جھنڈوں میں چھپے ہوئے ماریا کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ اس لیے ساتھ نہیں گئے تھے کہ انہیں دیکھ کر دشمن قوم کے سپاہی چھپ کر ان پر وار نہ کریں۔

وہ خود چھپ کر دشمن کا راز معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ کہیں وہ خزانے کو نکال کر چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟

ماریا ساحل کی ریت پر چلتی ہوئی جہاز کے پاس پہنچ گئی۔ جہاز کا اگلا تھوڑا سا حصہ خشکی پر چڑھ آیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ تھوڑا سا آگے کو جھک گیا تھا۔

باقی جہاز بالکل درست حالت میں تھا۔ ماریا جہاز کے قریب آ گئی۔ جہاز پر کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے جہاز کے سامنے کی طرف سے رسی کی سیڑھی لٹکتی دیکھی۔

قریب جا کر اس نے ریت پر بہت سے لوگوں کے قدموں کے نشان دیکھے۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ دشمن کے سپاہی یہاں سے جا چکے ہیں۔ وہ ضرور جزیرے میں کسی جگہ یا خزانے کو چھپا رہے ہوں گے اور یا خوراک اور پانی کی تلاش میں ہوں گے۔

ماریا نے سوچا کہ جہاز کے اوپر چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ خزانہ موجود ہے یا نہیں؟ یہ سوچ کر ماریا سیڑھی چڑھ کر

جہاز کے اوپر آ گئی۔

جہاز کے رستے پر بھی کوئی نہیں تھا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ جہاز کے اوپر والے حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ عرشے کے فرش پر درختوں کی جھاڑیاں اور پتے جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔

ماریا آہستہ آہستہ چلتی سیڑھیوں والے دروازے کے پاس آ گئی۔ اب وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے راہداری میں آ گئی۔ سب سے پہلے وہ کیبن والے تہہ خانے میں جا کر خزانے کا پتا معلوم کرنا چاہتی تھی۔

تہہ خانے میں آ کر اس نے دیکھا کہ خالی بوریاں اور لکڑی کے ڈرم ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اور خزانے کا صندوق کہیں بھی نہیں تھا۔

خزانہ جہاز میں نہیں تھا۔

تو کیا وہ خزانے کو جہاز میں سے نکال کر لے گئے تھے؟

ماریا نے جہاز کے تینوں کیبن چل پھر کر دیکھ لیے۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ میزوں پر چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ رات کے طوفان کی وجہ سے کچھ چیزیں ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

ماریا وہاں سے نکل کر باورچی خانے میں آ گئی۔ یہاں چولہا گرم تھا مگر آگ بجھی ہوئی تھی۔ تپائی پر گوشت کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ دشمن سپاہی ناشتا کر کے ابھی وہاں سے نکلے تھے۔ ماریا جہاز پر سے اتر کر ساحل پر آ گئی۔

اس نے غور سے آدمیوں کے پاؤں کے نشانوں کو دیکھا۔ یہ نشان جنگل میں چلے گئے تھے۔ ان نشانوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ سپاہیوں کی تعداد بارہ تیرہ سے بھی زیادہ ہے۔

ماریا نے آگے جانے کی بجائے یہی سوچا کہ وہ واپس جا کر عنبر اور ناگ کو ساری خبر کرے۔ وہ واپس آ گئی۔ عنبر اور ناگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ماریا کو قریب آتے عنبر اور ناگ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ غائب تھی اور کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔

انہوں نے ریت پر ماریا کے پاؤں کے نشان پڑتے دیکھے تو سمجھ گئے کہ وہ آ گئی ہے۔ عنبر نے ماریا کو آواز دی تو اس نے کہا۔

"میں آ گئی ہوں عنبر بھائی"۔

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

"دشمن کہاں ہے؟"۔

ماریا نے بتایا کہ جہاز بالکل خالی ہے اور دشمن کے سپاہی خزانے کو لے کر جنگل میں چلے گئے۔

عنبر نے کہا۔

"وہ خزانے کو لے کر جنگل میں کیا کرنے گئے ہیں؟"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ خزانے کو کسی جگہ زمین میں دفن کر کے اسے محفوظ کرنا چاہتے ہوں گے"۔

"مگر وہ کس لیے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ان کو کیا ضرورت ہے خزانے کو یہاں چھپانے کی۔ وہ جہاز میں ہی اسے پڑے رہنے دیتے"۔

ماریا بولی۔

"یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہو سکتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سپاہی ضرور بحری ڈاکو ہیں جو خزانے کو لوٹ کر اس جزیرے میں دبا کر چلے جائیں گے اور پھر کبھی آ کر دے اٹھا کر لے جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"میری تو رائے ہے کہ ہمیں خود چل کر دیکھنا چاہیے کہ اصل بات کیا ہے"۔

عنبر ناگ اور ماریا۔ بحری جہاز کی طرف چل پڑے۔

جہاز پر چڑھ کر تینوں بہن بھائیوں نے ایک بار پھر جہاز کی تلاشی لی۔ انہیں خزانے کا صندوق کسی جگہ بھی دکھائی نہ

دیا۔

ناگ نے کہا کہ ضرور وہ لوگ خزانے کو ساتھ ہی لے گئے ہیں۔ ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔ عنبر نے کہا۔

"اور اگر ایسا ہو گیا کہ ہم ان کا پیچھا کرتے رہے اور وہ کسی دوسری طرف سے آ کر جہاز میں سوار ہو گئے اور اسے لے کر یہاں سے چل دیے تو پھر تو ہم ساری زندگی یہ معلوم نہ کر سکیں گے کہ خزانہ کہاں ہے؟"۔

ناگ بولا۔

"نہیں عنبر بھائی! اتنی جلدی وہ یہاں سے نہیں نکل سکتے اور پھر جہاز بھی تو خشکی پر چڑھا ہوا ہے، اسے بھی نیچے سمندر میں اتارنا ہو گا"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں دشمن کے سپاہیوں کا تعاقب ضرور کرنا ہوگا۔ سپاہیوں کے پاؤں کے نشان جنگل میں جاتے ہیں۔ ہمیں جنگل میں جا کر سپاہیوں کی تلاش کرنی چاہیے"۔

"چلو۔ پیچھا شروع کرتے ہیں"۔

تینوں بہن بھائی دشمن سپاہیوں کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے چل دیئے۔ ساحل کی ریت پر سے ہوتے ہوئے وہ بھی قدموں کے نشانوں کے ساتھ جنگل میں داخل ہوگئے۔

جیسا کہ ہم پہلے آپ کو بتا چکے ہیں اس جزیرے میں جنگل بڑے گہرے اور گھنے تھے۔ زمین پر بے شمار جھاڑیاں اور خودرو لمبی لمبی گھاس اگی تھی۔

چلتے چلتے انہیں راستے میں ایک جگہ دلدل بھی ملی۔ اگر ناگ انہیں خبردار نہ کرتا تو وہ ضرور دلدل میں پھنس جاتے۔

قدموں کے نشان اب بھی ان کے آگے آگے جا رہے تھے۔

خدا جانے دشمن اس جنگل میں کس جگہ جا رہا تھا؟

کیا وہ اس جزیرے سے باخبر تھے؟

کیا وہ اس جزیرے میں پہلے بھی آ چکے تھے؟

یہ وہ سوال تھے جو رہ رہ کر عنبر کے دماغ میں آ رہے تھے۔ وہ جنگل کی ایک تنگ ڈنڈی پر سے گزر رہے تھے۔ جس کی دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں اور اوپر درختوں کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں۔

اچانک ماریا نے کہا۔

"سانپ!"

عنبر نے دیکھا کہ ایک سبز رنگ کا موٹا سانپ درخت کی ٹہنی سے نیچے تک لٹک رہا تھا۔ ناگ عنبر کے آگے آ گیا۔ ناگ کی بو درخت کے لٹکتے ہوئے سانپ تک پہنچی تو وہ ایک دم چونکا اور سمٹ کر اوپر اٹھ گیا اور پھر درخت میں کہیں گم ہو گیا۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"اسے پتا چل گیا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ ضرور اسے ڈس کر ہلاک کر دیتا"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھائی! کم از کم کسی سانپ سے ہی پوچھ لو کہ یہ جزیرہ کون سا ہے؟ اور دشمن کے سپاہی کس جگہ ہمارے خزانے کو دفن کر رہے ہیں؟"۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی! ہر سانپ میری بات کا درست جواب نہیں دے سکتا۔ صرف اژدہا ہی ایک ایسا سانپ ہے جو میری بات کو سن کر، سمجھ کر مجھے سچی خبر دے سکتا ہے، باقی کسی سانپ میں اتنی عقل اور اتنی طاقت نہیں ہے کہ میری بات کو سن کر سمجھے اور پھر جواب دے سکے"۔

عنبر ناامید ہو کر بولا۔

"بھائی اب ہم اژدہا کہاں سے لائیں۔ بس چپکے سے چلے چلتے ہیں۔ قسمت میں ہوا تو خزانہ مل جائے گا، نہیں تو صبر شکر کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آخر ہم نے کونسا اس خزانے کو حلال کی روزی سے کمایا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہم اپنا خزانہ ضرور حاصل کر کے رہیں گے عنبر بھائی"۔

ماریا کے اس جملے پر عنبر ہنس دیا۔

اب وہ جنگل کے وسط میں سے گزر رہے تھے۔ ان کی نگاہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دشمن کے قدموں کے نشان پر پڑ جاتی تھی۔

سپاہیوں کے قدموں کے نشان برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ نشان بھاری بھاری تھے۔ ضرور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کندھے پر خزانہ اٹھا رکھا تھا۔ انہیں دور سے دریا کے بہنے کی آواز سنائی دی۔

عنبر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، ہم کسی دریا کے کنارے پہنچنے والے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں! دریا کے پانی کی آواز مجھے بھی سنائی دے رہی ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا جانے یہ دریا کون سا ہے؟ کہیں ہم پھر کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں؟"۔

عنبر بولا۔

اب ہمیں مصیبت سے نہیں ڈرنا چاہیے اگر تو ہمیں اپنا خزانہ واپس لینا ہے تو ہمیں ہر قسم کی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

اگر ہم مقابلہ نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں خزانے کے خیال کو دل سے نکال کر اسی جگہ سے واپس چلے جانا چاہیے۔

ماریا بولی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ہم خزانے کا خیال دل سے نہیں نکال سکتے۔ ہم خزانہ واپس لیں گے۔ وہ ہمارا ہے۔ دشمن کے سپاہیوں نے اسے ہم سے لوٹا ہے"۔

"پھر خاموشی سے آگے بڑھتی چلو"۔

آگے بڑھے تو انہیں درختوں کے تنوں کے پیچھے سے دریا بہتا دکھائی دیا۔ قریب جا کر انہوں نے دیکھا کہ دریا کا پاٹ چوڑا تھا۔

پانی کا رنگ سیاہ تھا اور رفتار بڑی تیز تھی۔ اس کے علاوہ جو سب سے خطرناک بات تھی وہ یہ تھی کہ اس دریا میں جگہ جگہ لمبے لمبے والے سیاہ رنگ کے مگرمچھ تیر رہے تھے۔

اس دریا کو اگر ہم موت کا دریا کہیں تو غلط بات نہ ہوگی۔

کیونکہ کوئی بھی شخص اس دریا میں اتر جانے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ تینوں دریا کے کنارے جا کر کھڑے ہو گئے۔

سیاہ مگرمچھ بڑی بے فکری سے تیر رہے تھے۔

خونی مگرمچھ

عنبر ناگ اور ماریا ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

وہ سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں؟

موت کا یہ خونی دریا کیسے پار کریں؟

مگرمچھ تیز نوکیلے دانت نکالے دریا میں تیر بھی رہے تھے اور کنارے کی دلدل میں بھی بیٹھے آرام کر رہے تھے۔

ماریا سہم کر کہنے لگی۔

"اس دریا کو کیسے پار کریں گے بھائی؟"۔

ناگ بولا۔

"دشمن کے پاؤں کے نشان دریا کی طرف جاتے ہیں سوال یہ ہے کہ انہوں نے دریا کو کس طرح سے پار کیا ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی کشتی تھی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر کشتی ہوتی تو وہ سامنے والے کنارے پر ضرور بندھی ہوتی لیکن دریا کا دوسرا کنارہ صاف نظر آ رہا ہے اور وہاں پر کوئی کشتی نہیں ہے"۔

"پھر وہ لوگ دریا میں کیسے نکل گئے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کشتی کو دریا پار کرنے کے بعد پھر سے اٹھا کر لے گئے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے، انہیں معلوم ہو کہ ایک دریا آگے بھی ہو“۔

عنبر نے کہا۔

”ماریا کی یہ بات غور کرنے کے قابل ہے۔ ہوسکتا ہے دشمن کے سپاہی اس جزیرے میں پہلے بھی آ چکے ہوں۔ ہوسکتا ہے، انہیں معلوم ہو کہ ایک دریا آگے بھی انہیں پار کرنا ہوگا اور وہ کشتی کو کندھوں پر اٹھا کر دریا پار کر کے آگے لے گئے ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

”اس کا فیصلہ تو دریا پار کرنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ اس وقت تو یہ مسئلہ سامنے ہے کہ یہ دریا کیوں کر پار کیا

جائے؟“۔

عنبر بولا۔

”ہمیں درختوں کی شاخیں توڑ کر ایک کشتی سی تیار کرنی چاہیے اور پھر اس پر بیٹھ کر۔۔۔“

ماریا نے بات کاٹ کر کہا۔

”ہاں ہاں اس پر بیٹھ کر دریا پار کریں اور میں اور ناگ مگر مچھوں کا شکار ہو جائیں۔ عنبر بھائی! تمہیں تو کوئی مگر مچھ کچھ نہیں کہے گا لیکن وہ ہم دونوں میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے“۔

عنبر نے کہا۔

”پھر کیا کیا جائے؟ کونسی ایسی ترکیب ہو کہ دریا پار کیا جائے؟“۔

ناگ بولا۔

"میرے دماغ میں تو یہی ایک ترکیب آئی ہے کہ میں پرندہ بن کر دریا کے دوسرے کنارے پر جاؤں اور وہاں جا کر یہ معلوم کروں کہ دوسرا دریا وہاں سے کتنی دور ہے۔ پھر یہ معلوم کروں کہ دشمن نے کشتی کو لے کر کہاں چھپایا ہے اور پھر واپس وہاں آ کر تمہیں بتاؤں کہ کشتی۔۔۔"

عنبر ہنس پڑا۔

یار! یہ تو گورکھ دھندے میں پھنسا دیا تم نے ہم کو۔ تم جاؤ۔ جا کر پتا کرو کہ کشتی کہاں ہے۔ پھر واپس آ کر ہمیں بتاؤ کہ کشتی دوسرے دریا کے کنارے پر ہے۔

پھر ہم کیا کر لیں گے؟۔

ہم اس کشتی کا کیا بگاڑ لیں گے؟۔

مقصد تو یہ ہے کہ کہیں سے اس جگہ ہمیں کوئی ایسی شے مل جائے جس میں سوار ہو کر مگرمچھوں سے بچتے ہوئے دریا پار کر جائیں۔

ماریا بولی۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں دریا میں تیرتے ہوئے مگرمچھ کچھ بے چین سے ہو کر ایک جگہ جمع ہونے لگے۔

دریا کنارے ایک طرف آ کر سارے کے سارے کالے مگرمچھ ریت پر چڑھ کر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنے منہ بند کر کے اپنے سر ریت پر اس طرح ڈال دیئے جیسے کسی کے آگے سر جھکا رہے ہوں۔

عنبر نے کہا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟"۔

ان مگرمچھوں کو کیا ہو گیا ہے؟۔

ماریا نے کہا۔

"میں خود حیران ہوں"۔

عنبر بولا۔

"ضرور کوئی پر اسرار بات ہونے والی ہے۔ ہمیں ان درختوں کے پیچھے چھپ کر دیکھنا چاہیے کہ کیا ہونے والا ہے"۔

تینوں درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گئے اور باہر دریا کی طرف دیکھنے لگے۔

مگرمچھ سارے کے سارے دریا کنارے کچھ فاصلے پر ریت پر لیٹے ہوئے تھے۔

انہوں نے اپنے سر بڑے ادب سے ریت پر ڈال رکھے تھے۔ دریا میں اب کوئی بھی مگرمچھ نہیں تیر رہا تھا۔ دریا کا پانی مگرمچھوں سے خالی ہو کر بڑی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔

آسمان پر کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے اور دریا پر دھوپ چمک رہی تھی۔ جزیرے میں بھی خاموشی تھی۔ اس خاموشی میں کسی وقت کسی پرندے کی آواز گونج جاتی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"ایسے لگتا ہے جیسے طوفان آنے والا ہے۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ یہ تو مجھے کوئی بڑا پر اسرار جزیرہ لگتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"شی! خاموشی سے دیکھتی رہو"۔

اچانک ناگ نے محسوس کیا کہ جزیرے کے جنگل میں سے سارے سانپ درختوں اور اپنے بلوں سے نکل کر دریا کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ ماریا تو ڈر گئی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"سانپ آ گئے"۔

عنبر نے کہا۔

یہ جزیرے کے سارے سانپ دریا کی طرف آ رہے ہیں؟

یہ ادھر کیوں آ رہے ہیں؟

کیا تم کچھ معلوم کر سکتے ہو؟۔

ناگ خاموش تھا۔ وہ خاموشی سے قسم قسم کے چھوٹے بڑے جنگلی سانپوں کو زمین پر رینگ کر دریا کی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر کھجا کر کہا۔

"بھائی! خود مجھے بھی نہیں معلوم یہ سانپ دریا پر کیا کرنے آ رہے ہیں؟"۔

عنبر نے مذاق میں کہا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ دریا پر کپڑے دھونے آ رہے ہیں"۔

ناگ ہنس دیا۔

ماریا نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"ہائے بھائی عنبر! تمہیں تو اس وقت بھی مذاق ہی سوجھ رہا ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے"۔

ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ماریا بہن! فکر نہ کرو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی سانپ بھی تمہاری طرف آنے کی جرات نہیں کرے گا۔

تم کو کوئی بھی سانپ ڈس نہیں سکتا۔ بے فکر رہو میں یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ یہ اصل معاملہ کیا ہے؟۔

پھر ایک دم سے ناگ چونکا۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا بات ہے ناگ! تم چونک کیوں گئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے فضا میں ایک بہت بڑے اژدہا کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ ایک ایسا اژدہا جس کے سر پر سنہری تاج ہے اور جو اس

جزیرے کے تمام جنگلی درندوں اور یہاں پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کا شہنشاہ ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ تمہیں تو کچھ نہیں کہے گا ناں؟"۔

"وہ مجھے سجدہ کرے گا عنبر بھائی۔ وہ مجھ سے ہر اعتبار سے چھوٹا ہے۔ اگر وہ اس طرف سے سچ مچ گزرا تو اس کا پہلا کام یہ ہوگا کہ میرے سامنے آ کر سلامی دے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ اژدہا کہاں سے آ رہا ہے"۔

ان کی باتیں کرتے کرتے جنگل میں جتنے سانپ تھے انہوں نے جنگل میں سے نکل کر دریا کے کنارے ایک قطار لگا کر وہاں ریت پر لیٹ گئے۔

انہوں نے بھی اپنے سر زمین کے ساتھ لگائے جیسے کسی

کو سجدہ کر رہے ہوں۔

ناگ نے کہا۔

”فضا میں اژدہا کی بو تیز ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آ رہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ دریا پر کہاں سے آ رہا ہے؟“۔

اس دوران میں ناگ کے نتھنوں میں اژدہا کی تیز بو گھسنے لگی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اژدہا آ گیا۔ عنبر اور ماریا کی نظریں دریا پر لگی ہوئی تھیں۔

اچانک جدھر سے دریا چلا آ رہا تھا انہیں ایک بہت بڑا اژدہا دکھائی دیا۔ اس اژدہا کا رنگ سرخ تھا۔ جسم پر سبز اور سیاہ رنگ کی کوڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اس کا پھن پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دریا پر کنڈل مار رکھا

تھا۔ اور ایک بہت بڑے درخت کی طرح دریا پر چلا آ رہا تھا۔ ناگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

عنبر نے کہا۔

”یہ اژدہا کہاں سے آ رہا ہے ناگ بھائی؟“۔

ناگ نے کہا۔

عنبر! یہ اژدہا اس سارے علاقے کا بادشاہ ہے۔ اس کی بہت بڑی طاقت ہے، لیکن یہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ یہ میرا غلام ہے اور میں اس کا دیوتا ہوں۔

ماریا نے پوچھا۔

”اگر یہ بات ہے تو اسے تمہارا احساس کیوں نہیں ہو رہا؟“۔

ناگ نے کہا۔

"اسے ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں یہاں کھڑا ہوں"۔

دوسری طرف اژدہا کو دیکھتے ہی سانپ اور مگرمچھ سجدے میں گر پڑے تھے۔ اور لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔ درختوں پر بولتی چڑیاں اور پرندے خاموش ہو گئے تھے۔ سارے جزیرے پر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"ابھی تم لوگوں کو تماشا دکھاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر ناگ نے اژدہا کی طرف منہ کر کے زور سے پھنکار ماری۔ پھنکار مارنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک دم سے اژدہا کا پھن سمٹنے لگا۔

وہ دریا میں تیرتے تیرتے رک گیا اور اپنے سمٹے ہوئے پھن کو اس طرف گھما دیا جس طرف عنبر، ماریا اور ناگ بیٹھے

تھے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ فضا میں ایک خاص قسم کی بو پھیلنے لگی ہے۔

اب ناگ درختوں میں سے باہر نکل آیا۔ اب نہ اسے سانپوں کا ڈر تھا اور نہ مگرمچھوں کی فکر تھی۔ سانپوں سے تو وہ پہلے بھی نہیں ڈرتا تھا۔

دریا کنارے آ کر وہ اژدہا کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اژدہا نے بھی دریا کے کنارے کی طرف آنا شروع کر دیا۔ اسے کنارے کی طرف آتا دیکھ کر سارے کے سارے سانپ اور مگرمچھ پرے پرے دوڑ گئے۔

اژدہا کنارے پر اس جگہ آ گیا جہاں ناگ کھڑا تھا۔

اژدہا نے آتے ہی اپنا پھن ناگ کے سامنے کر کے سمیٹ لیا

اور ادب سے جھک کر کہا۔

"اے شیش ناگ دیوتا! آپ اس جزیرے پر کیسے تشریف لائے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اژدہا! تم اس بات کو چھوڑو کہ میں یہاں کیسے آیا؟ اور کیونکر آیا۔ اس وقت تم ہمارا ایک کام کرو۔ کیا تم تیار ہو؟"۔

اژدہا نے کہا۔

"شیش ناگ دیوتا! تمہاری خاطر اگر مجھے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے گی تو کر دوں گا۔ تم مجھے حکم کرو۔ میں ایک خدمت گار غلام کی طرح آپ کا ہر حکم بجا لاؤں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں یہ دریا پار کرنا ہے۔ میں تو دریا پار کر سکتا تھا مگر

میرے ساتھی اس دریا کو عبور نہیں کر سکتے تھے"۔

اژدہا بولا۔

"میں حاضر ہوں جناب! آپ لوگ میرے اوپر سوار ہو جائیں۔ میں آپ کو لے کر دریا کے پار اتر جاؤں گا"۔

اگر آپ حکم کریں تو میں ان سارے مگرمچھوں کو حکم دوں کہ وہ ساتھ ساتھ لگ کر ایک کشتی بنا دیں اور آپ ان کے اوپر سوار ہو کر دریا پار کر جائیں۔

ماریا نے کہا۔

"اور اگر کسی مگرمچھ نے ہم پر حملہ کر دیا؟"۔

اژدہا نے ناگ سے کہا۔

"اے شیش ناگ! کیا اس عورت کو معلوم نہیں کہ کوئی بھی جانور ہمارے حکم کے بغیر یہاں سانس تک نہیں لے

سکتا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اس عورت کو معلوم نہیں ہے۔ بہر حال مگرمچھوں کو حکم دو کہ ہمیں دریا پار کرائیں"۔

اژدہا نے اسی وقت اپنی زبان سے ایک خاص قسم کی سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز پر دس بارہ مگرمچھوں نے ایک دم سے دریا میں چھلانگ لگا دی اور وہ تیرتے ہوئے اژدہا کے آگے آ گئے۔

اژدہا نے اپنی زبان میں انہیں کچھ حکم دیا۔

حکم سن کر سارے مگرمچھ ایک ساتھ ہو کر دریا میں تیرتے ہوئے اس جگہ آ گئے۔ جہاں عمبر ناگ اور ماریا کھڑی تھی۔

اژدہا نے کہا۔

"اے دیوتا! اب یہ آپ کے سامنے ایک کشتی کی طرح کھڑے ہیں۔ ان پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہیں کے بے فکر ہو کر ان پر سوار ہو جائیں"۔

ناگ نے عمبر سے کہا۔

"عمبر بھائی! مگرمچھوں پر میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ماریا تم بھی میرے ساتھ آ جاؤ۔ ڈرو نہیں۔ ان میں اتنی جرات نہیں کہ ماریا بال بھی بیکا کر سکیں"۔

ماریا ڈرتے ڈرتے مگرمچھ کے اوپر چڑھ گئی۔

مگرمچھ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ عمبر اور ناگ بھی ان کے اوپر چڑھ گئے۔ مگرمچھ کچھ ایسی مضبوط سے ایک دوسرے کے ساتھ لگے تھے کہ وہ ذرا بھی نہیں ہل رہے تھے۔

اژدہا نے انہیں حکم دیا۔

"ششیش ناگ اور اس کے ساتھیوں کو دریا کی دوسری طرف لے چلو"۔

مگرمچھوں نے دریا کے دوسرے کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ اژدہا بھی ان کے پیچھے پیچھے تیرتا چلا آ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر عنبر، ماریا اور ناگ کنارے پر اتر گئے۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ اس اژدہا سے دشمن کے سپاہیوں کے بارے میں پوچھو اور یہ بھی پوچھو کہ آگے کوئی اور دریا بھی ہے؟"۔

ناگ نے اژدہا سے یہی سوال کیے تو اس نے کہا۔

ششیش ناگ! اس دریا سے آگے بھی ایک دریا ہے مگر اس میں ایک بھی مگرمچھ نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ آسانی سے

پار کر لیں گے۔

کیونکہ وہاں جگہ جگہ دریا میں بڑے بڑے پتھروں نے راستہ بنا دیا ہے۔ باقی اس جزیرے کے بارے میں یہ عرض ہے کہ میں آپ کے حکم سے یہاں صرف درندوں اور پرندوں اور کیڑے مکوڑوں پر حکومت کرتا ہوں۔

انسان کے آگے میں بے بس ہوں میں نے کسی انسان کو سوائے آپ لوگوں کے یہاں نہیں دیکھا۔ میں خود یہاں سے کوئی میل دور ایک جنگلی پہاڑی پر گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

ہاں میں نے سنا ہے کہ اس جزیرے کے جنوب میں کوئی پراسرار قبیلہ رہتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"وہ پراسرار قبیلہ آدم خور جنگلیوں کا ہے کیا؟"۔

اژدہا نے کہا۔

"شیش ناگ! مجھے یہ معلوم نہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔ دریا پار کرانے کا بہت بہت شکریہ"۔

اژدہا بولا۔

"آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے حضور! آپ بادشاہ ہیں، دیوتا ہیں اور ہم آپ کے غلام ہیں"۔

اتنا کہہ کر اژدہا مگرمچھوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔

ناگ، عنبر اور ماریا اب دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔

انہیں اژدہا سے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ وہ واپس بھی جائیں گے۔ مگر اب اژدہا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"سب سے پہلے ہمیں دشمن کے پاؤں کے نشان دیکھنے ہوں گے"۔

انہوں نے کنارے پر قدموں کی تلاش شروع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد انہیں نشان مل گئے۔ یہ نشان ایک بار پھر کنارے کے جنگل میں چلے گئے تھے۔ ماریا، عنبر اور ناگ بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔

کافی دور تک جنگل میں چلنے کے بعد انہیں ایک دوسرا دریا نظر آیا۔ اس دریا میں جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر پڑے تھے جنہوں نے ایک پل سا بنا دیا تھا۔

وہ پتھروں پر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھتے دریا میں سے نکل گئے۔ اس دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی کشتی پتھروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

یہ کشتی دشمن کے جہاز کی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ سپاہی اس کشتی پر دونوں دریا پار کر کے یہاں پہنچے ہیں اور وہ اس جگہ کہیں موجود ہیں۔

اٹھارہ لاشیں

دریا کنارے پہنچ کر عنبر نے کہا۔

"اب ہمیں زیادہ چوکس ہو کر رہنا ہوگا۔ ہمارا دشمن کہیں کسی جگہ موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دشمن ہمارے خزانے کو لے کر کہاں چھپا ہوا ہے"۔

تینوں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے آگے بڑھنے لگے۔

وہ دشمن کے قدموں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے

چل رہے تھے۔ یہاں جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا۔ پتھروں کی چٹانیں جگہ جگہ بکھری ہوئی تھیں۔

یوں لگتا تھا۔ جیسے یہ کسی سلطنت کے بہت بڑے کھنڈر ہیں۔ قدموں کے نشان ان کھنڈروں میں جا کر ایک جگہ مڑ گئے۔ عنبر ناگ اور ماریا چٹانوں میں نشانوں کے ساتھ ہی گھومے تو آگے ایک خوفناک منظر تھا۔

ماریا کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا۔

سامنے پتھروں کے بیچ میں جگہ جگہ دشمن کے سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ عنبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور بڑی حیرانی سے ان لاشوں کو دیکھنے لگے۔

ناگ نے کہا۔

”یہ لاشیں کہاں سے آ گئیں؟“۔

عنبر بولا۔

”مجھے تو ہمارے دشمن سپاہیوں کی لاشیں لگتی ہیں۔ آگے چل کر دیکھتے ہیں“۔

ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے آگے بڑھی۔ قریب جا کر انہوں نے دیکھا کہ وہ بن قوم کے سپاہیوں کی لاشیں تھیں۔ عنبر ان کی وردیوں کو پہچانتا تھا۔

سوال یہ تھا کہ انہیں کس نے ہلاک کر دیا؟

پھر وہ سارے کے سارے مارے گئے؟

انہوں نے ایک ایک سپاہی کی لاش کو غور سے دیکھا۔ وہ کل اٹھارہ لاشیں تھیں۔ ہر لاش کی گردن پر زخم تھا۔ یہ زخم ایسا تھا جیسے کسی نے منہ میں لے کر دے چبا دیا ہو۔

گردنیں آدھی کٹی ہوئی تھیں اور ان پر دانتوں کے نشان تھے۔

ماریا نے سہم کر کہا۔

”معلوم ہوتا ہے، ان پر کسی بلا نے حملہ کر دیا تھا“۔

ناگ نے کہا۔

”ہر گردن پر دانتوں کے نشان ہیں، یہ بڑے لمبے لمبے نشان ہیں۔ یا تو یہ دانت مگرمچھ کے ہیں اور یا شیر کے“۔

عنبر بولا۔

”مگر مگرمچھ اور شیر شکار کو مار کر اس طرح نہیں چھوڑ جاتے۔ شیر اپنے شکار کی لاش کو دریا میں لے جاتا ہے“۔

ماریا نے کہا۔

”پھر یہ بلا کیا تھی؟“۔

عنبر بولا۔

یہی تو دیکھنا ہے کہ یہ کونسی بلا تھی جس نے ان پر حملہ کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

”عنبر بھائی! ہمیں یہ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کو کس بلا نے ہلاک کیا ہے۔ ہمیں تو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ہمارا خزانہ کہاں ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ارے ہاں! خزانے کو تو میں بھول ہی گیا۔ یہ تو ہمارے دشمنوں کی لاشیں ہیں۔ اگر انہیں جزیرے کی بلا نہ مارتی تو یہ ہمارے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے مارے جاتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے خزانہ کہاں چھپایا ہے!“۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے وہ لوگ خزانہ بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہوں۔ مجھے تو یہ کام اسی قبیلے کے لوگوں کا لگتا ہے جس کے بارے میں اژدہا نے کہا تھا کہ وہ جزیرے کے جنوب میں رہتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"ایک بات تو ان کے بارے میں پھر ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ آدم خور نہیں ہیں، کیونکہ اگر آدم خور ہوتے تو یہ لاشیں ہمیں اس جگہ پڑی ہوئی دکھائی نہ دیتیں"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ تو درست ہے۔ اگر کسی بلا نے بھی ان پر حملہ کیا ہے تو وہ بلا بھی آدم خور نہیں ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ یہ کام جزیرے کے قبیلے والوں کا ہے۔ خزانے کے لالچ میں آ کر انہوں نے ان لوگوں کو مار ڈالا ہے"۔

ماریا نے جھٹ کہا۔

"اور اب وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں کہ ہم وہاں جائیں اور ہمیں بھی موت کی نیند سلا دیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! تم گھبرا مت جایا کرو۔ وہ تمہیں اور ناگ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر انہوں نے ہم پر حملہ بھی کیا تو ہم اپنا بچاؤ کرنا خوب جانتے ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"تو عنبر بھائی اب تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے"۔

عنبر بولا۔

"میرے خیال میں تو اب ہمیں ان قبیلے والوں کے پاؤں کے نشانوں کو تلاش کرنا چاہیے جو انہیں ہلاک کرنے کے بعد ہمارا خزانہ لے کر چلے گئے ہیں"۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد انہیں جنگلی قبیلے والوں کے پاؤں کے نشان مل گئے۔

یہ نشان بہت سے آدمیوں کے تھے اور سب کے سب ننگے پاؤں تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ لوگ ننگے پیر ہیں۔ اژدہا نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ لوگ

جزیرے کے جنوبی حصے میں رہنے والے جنگلی قبیلے کے لوگ ہیں"۔

ماریا بولی۔

"تو کیا اب ہمیں ان کے علاقے میں جانا ہوگا؟"۔

"ظاہر ہے ماریا بہن! اگر ہمیں اپنے خزانے کو واپس لینا ہے تو پھر ان لوگوں کا پیچھا کرنا ہی پڑے گا۔ اگر تم کہتی ہو کہ خزانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے تو میں اس جگہ سے واپس جانے کو تیار ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں ماریا بہن! ایک بار تم اس بات کا فیصلہ کرو۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بار بار گھبرا رہی ہو۔ اگر تم آگے نہیں جانا چاہتیں تو ہم خزانے کو چھوڑ کر اسی جگہ سے واپس چلے

جاتے ہیں"۔

ماریا نے تنک کر کہا۔

"ہرگز نہیں! میں خزانے کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں ان جنگلی وحشیوں سے خزانہ واپس لے کر ہی چلوں گی"۔

عنبر مسکرا کر بولا۔

"تو پھر خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتی چلو۔ چلو عنبر آگے چلتے ہیں"۔

دشمن کی اٹھارہ لاشوں کو اسی جگہ چھوڑ کر انہوں نے چٹانوں، پتھروں اور کھنڈروں میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

اب دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔

آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ہوا ابھی تیز نہیں چل رہی تھی۔

یہ جزیرہ کافی بڑا تھا، کیونکہ اس میں دو دریا بہتے تھے اور پھر سمندر وہاں سے کافی دور تھا۔

چلتے چلتے وہ ایک گھاس میں اتر گئے۔ ان کی دونوں جانب اونچے نیچے ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں پر بڑے عجیب و غریب بدصورت قسم کے درخت اگے ہوئے تھے۔

ان کے پتے کانٹے دار چوڑے تھے۔ اور وہ چھوٹے قد کے بھرے بھرے درخت تھے۔ ان کو آتا دیکھ کر ایک بڑا سا چمگادڑ ایک درخت پر سے اڑ کر بھاگ گیا۔

عنبر نے غور سے اسے دیکھا اور کہا۔

"اتنا بڑا چمگادڑ میں نے پہلے صرف پرانے مصر کے قبرستان میں دیکھا تھا۔ مگر یہ یہاں کیسے آ گیا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے ہم کسی بڑی ہی خطرناک اور پراسرار

وادی میں آ گئے ہیں۔ شاید تم نے غور سے نہیں دیکھا کہ ان درختوں کی شکلیں بھی چمگادڑوں کی طرح ہیں"۔

اب جو انہوں نے دیکھا تو بیچ بیچ ارد گرد دونوں جانب ٹیلوں پر جو بھدے سے درخت اگے ہوئے تھے، وہ سارے کے سارے چمگادڑوں سے ملتے جلتے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ چمگادڑ ٹیلوں پر بیٹھے آرام کر رہے ہیں۔

ماریا نے کہا۔

"کیا یہ چمگادڑوں کی وادی ہے؟"۔

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

پھر عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"ناگ! کیا تم یہاں کسی سانپ کو بلا کر پوچھ سکتے ہو کہ

ہم کس وادی میں ہیں؟ اور یہ چمگادڑ یہاں کہاں سے آ گئے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

عنبر بھائی! اس جزیرے کے اژدہا کو اگر معمولی سی خبر تھی تو دوسرے کسی سانپ کو بھلا کیا علم ہو سکتا ہے۔

اس بے خبر اژدہا کو تو معلوم نہیں تھا کہ اس وادی میں چمگادڑ بھی رہتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم آگے بڑھ کر خود ہی معلوم کر لیں گے کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟ لوگ رہتے ہیں کہ جانور یا کوئی بلا رہتی ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"بھائی! اگر آپ کہیں تو میں آگے بڑھ کر جا کر معلوم کرتی ہوں۔ تم لوگ اس جگہ آرام کرو"۔

ناگ بولا۔

"نہیں بہن ماریا! ہم تمہیں اتنی تکلیف نہیں دینا چاہتے، آخر ہم مرد ہیں۔ ہم خود چل کر اس وادی کا چپہ چپہ چھانیں گے اور خزانے کا پتا کر کے رہیں گے"۔

وہ گھاٹی میں سے نکل کر ایک اور گھاٹی میں آ گئے۔ یہ گھاٹی بڑی تنگ تھی۔ اور تینوں ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے ہو کر چل رہے تھے۔

ماریا نے کہا۔

"اتنی تنگ گھاٹی یہاں کہاں سے آ گئی؟"۔

"ابھی اس میں سے باہر نکل جاتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

عنبر کے منہ سے اتنی بات ہی نکلی تھی کہ اچانک چمگادڑ ان کے سروں کے اوپر سے چیخ مارتا ہوا پھڑپھڑاتا گزر گیا۔

عنبر ناگ اور ماریا نے اوپر کو دیکھا۔

"بڑا خوفناک چمگادڑ تھا۔ کم بخت یہاں کہاں سے آ گیا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے تو یہاں سب کے سب چمگادڑ ہی نظر آتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کسی بڑی خطرناک جگہ پر آ گئے ہیں، مگر یقین کرو کہ خزانہ بھی یہیں کہیں موجود ہے۔ ہم اپنے خزانے کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں"۔

اچانک ایک دھماکا ہوا۔ ہر طرف گرد و غبار سا پھیل گیا۔ نہ ناگ کو عنبر کا پتا چلا اور نہ ماریا کو ان کا ہوش رہا۔ تینوں کے تینوں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

دھماکے کے ساتھ ہی ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی تھی اور وہ ایک غار میں جا گرے تھے۔

ناگ، عنبر اور ماریا زمین پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ اتفاق سے ماریا ایک پتھر سے ٹکرا کر دور جا گری تھی۔ عنبر اور ناگ قریب بے ہوش پڑے تھے۔

یہ ایک عجیب و غریب قسم کا غار تھا۔ اچانک ایک دیوار میں شگاف ہوا اور دو آدمی جنہوں ان سے سر سے لے کر پاؤں تک سرخ کپڑا لپیٹ رکھا تھا، اندر آ گئے۔ انہوں نے اندر آتے ہی عنبر اور ناگ کو بے ہوشی کی حالت میں ہی زنجیروں میں جکڑا اور انہیں اٹھا کر لے گئے۔

دوسری طرف جا کر انہوں نے ایک گول تھالی پر انہیں سوار کرایا۔ پھر خود بھی اسی تھالی پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی تھالی نے آگے کھسکنا شروع کر دیا۔

یہ تھالی زمین سے تھوڑی سی بلند ہو کر غار میں آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ جونہی یہ تھالی کسی دیوار کے سامنے آتی دیوار میں اپنے آپ شگاف پیدا ہو جاتا اور تھالی اندر داخل ہو جاتی۔

یوں دو تین غاروں میں سے گزر کر تھالی ایک جگہ رک گئی۔ یہاں ایک بند کوٹھڑی میں سرخ کپڑوں والے آدمیوں نے عنبر کو ڈال دیا۔

پھر آگے بڑھ کر دوسری کوٹھڑی میں ناگ کو بند کر دیا اور

وہاں سے چلے گئے۔ وہ سیدھے وہاں سے ایک دروازے میں سے گزر کر ایک ایسے کمرے میں پہنچے جس کی چھت کے ساتھ بہت سی نیلی پیلی بڑی بڑی تھالیاں لٹک رہی تھیں۔

نیچے ایک پتھر کا گول تھڑا تھا۔ تھڑے کے اوپر دیوار میں ایک گول سوراخ تھا۔ اس سوراخ میں سے لال رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔

تینوں آدمی اس تھڑے پر لال روشنی والے سوراخ کے آگے آ کر جھک گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اور کیا حکم ہے اے جیوپیٹر!"۔

گول سوراخ میں سے آواز آئی۔

"جاؤ۔ میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو"۔

تینوں سرخ کپڑوں والے آئے اور دوسری طرف نکل گئے، پھر دو آدمی زرد رنگ کی تھالی پر سوار ہو کر ایک دروازے میں سے نکلے اور لال سوراخ والے غار میں داخل ہو گئے۔

ماریا کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ غار کے فرش پر ایک طرف پڑی ہے۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ زمین کیسے پھٹ گئی اور وہ نیچے کہاں آ سے گئی؟

عنبر اور ناگ کہاں ہیں؟

یہ کونسی جگہ ہے؟

یہ ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ نہیں تو وہ سرخ کپڑوں والے اسے بھی زنجیروں میں جکڑ کر عنبر اور ناگ کے ساتھ ہی لے جاتے۔

ان لوگوں کو عنبر اور ناگ تو نظر آ گئے مگر ماریا کو وہ نہ دیکھ سکے۔

ماریا فرش پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ حیرانی سے غار کی دیواروں اور چھت کو دیکھنے لگی۔

دیواروں میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اوپر چھت پر بھی کوئی ایسا سوراخ دے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس میں سے وہ گرے تھے۔

ماریا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنا اور جانچنا شروع کر دیا۔ دیواریں پتھروں کی تھیں اور سخت تھیں۔

کسی جگہ بھی کسی دروازے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ماریا ابھی ٹٹول ہی رہی تھی کہ اسے گھوں گھوں کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ایک جگہ سے دیوار شق ہوئی اور وہی

زرد رنگ کی تھالی زمین سے اوپر اوپر اڑتی ہوئی سامنے والی دیوار کی طرف گئی اور وہاں سے آگے نکل گئی۔

اس پر لال کپڑوں والے آدمی سوار تھے۔ ماریا حیران رہ گئی۔

اڑن طشتری کا راز

جس دروازے میں سے اڑن طشتری نکلی تھی، وہ بند ہو گیا تھا۔

ماریا چل کر دیوار پر وہ جگہ دیکھنے لگی۔ جہاں سے ابھی ابھی ایک دروازہ نمودار ہو کر بند ہو گیا تھا۔ ماریا نے ارد گرد دیوار کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی کل پرزہ کوئی بٹن یا پتھر

ایسا نہیں تھا جس کو دبانے سے دروازہ کھل جاتا۔ ماریا عنبر اور ناگ کے لیے بھی پریشان تھی کہ خدا جانے وہ کہاں مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اسے یقین تھا کہ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر گرے تھے۔ پھر ضرور ان دونوں کو اٹھا کر یہ لال کپڑوں والے لوگ لے گئے ہوں گے۔

ماریا کو اس لیے نہ اٹھا سکے کیونکہ وہ ماریا کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور عنبر ناگ کو یہ لوگ اس لیے اٹھا کر لے گئے کہ وہ ضرور بے ہوش ہو گئے ہوں گے۔

اس خیال کے ساتھ ہی ماریا نے اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کی۔ یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ عنبر ناگ کو بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر اس غار میں کسی جگہ پر

قید کر دیا گیا ہے۔

مگر یہ اڑتی ہوئی طشتری کیا چیز تھی۔ ماریا نے آج تک کبھی ایسی چیز نہ دیکھی تھی۔ یہ لوگ کیا کوئی بہت بڑے جادوگر ہیں جو جادو کے زور سے تھالی کو زمین کے اوپر اڑا کر چلاتے ہیں؟

کیا یہ لوگ اسی دنیا کے ہیں یا کسی دوسری دنیا سے یہاں آئے ہیں؟

مگر دوسری دنیا کہاں سے ہو سکتی ہے؟

ضرور یہ جادوگر ہیں۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو گئی ہے۔

وہ سوچنے لگی کہ اس دروازے کے اندر جانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ جب کوئی اڑن طشتری آئے اور اس کے لیے دروازہ کھلے تو وہ بھی جلدی سے اندر داخل ہو جائے

ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور کسی اڑن طشتری کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

اسے یوں کھڑے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے گھوں گھوں کی آواز سنائی دی۔ ماریا ہوشیار ہو گئی۔ کوئی اڑن طشتری آ رہی تھی۔ اتنے میں دیوار اپنے آپ شق ہو گئی۔

دروازہ کھل گیا اور ایک اڑن طشتری گھوں کی آواز کے ساتھ باہر نکل گئی۔ ماریا جلدی سے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ اپنے آپ پھر سے بند ہو گیا۔ اب وہ ایک غار میں تھی جس کی چھت نیچی تھی۔ دیواریں پتھروں کی تھیں۔

اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ ماریا کی سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگ۔ ایک موڑ گھومنے کے بعد اس نے دیکھا کہ بائیں جانب ایک دروازہ بنا تھا۔ جس کے اوپر ایک بڑے چمگادڑ کا بت بنا تھا۔

ماریا اس دروازے کے اندر چلی گئی۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ جگہ جگہ گول گول سرخ پتھروں کے میز بنے تھے۔ ان میزوں پر سیاہ رنگ کے مرتبان رکھے تھے۔

کونے میں دیوار کے ساتھ ایک لمبی میز تھی۔ اس میز پر ایک بڑا سا چمگادڑ لیٹا ہوا تھا۔ پہلے تو ماریا ڈر گئی۔ قریب جا کر اس نے دیکھا کہ یہ چمگادڑ زندہ نہیں تھا۔

بلکہ پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ماریا یہاں سے بھی آگے نکل گئی۔

اب وہ دوسرے کمرے میں تھی۔ اس کمرے کے دروازے پر

لال کپڑوں والے دو آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ لیکن وہ ماریا کو گزرتے نہ دیکھ سکے۔

یہ کمرہ گول تھا۔ اس کی چھت اونچی تھی۔ اس کے درمیان میں ایک گول پنجرہ سا بنا ہوا تھا۔ پنجرہ خالی تھا۔ اس میں لال رنگ کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

یہاں بھی چھت کے ساتھ اڑن طشتریاں لٹک رہی تھیں۔ ماریا حیرانی سے یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔ خدا جانے یہ کونسی مخلوق تھی اور کہاں سے آئی تھی۔

ماریا نے گول پنجرے کے قریب جا کر دیکھا۔ پنجرے کا فرش شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ ابھی وہ کھڑی ہی تھی کہ اچانک پنجرے میں روشنی بھڑکی۔

ماریا جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

روشنی کا رنگ نیلا تھا۔ پیلے نیلے رنگ کی روشنی کا شعلہ بھڑکا۔ پھر یہ سرخ ہو گئی۔ اس کے بعد سفید روشنی لپکی اور پھر اچانک وہاں اپنے آپ کہیں سے ایک اڑن طشتری نمودار ہو گئی۔

اس اڑن طشتری میں ایک ایسا خوفناک چہرے والا آدمی بیٹھا تھا جس کے سر پر دو سینگ تھے۔ اور چہرہ چمگادڑ سے ملتا جلتا تھا۔ اس نے بھی لال کپڑے پہن رکھے تھے۔

کمرے کے دو دروازے کھل گئے۔ بہت سے لال کپڑوں والے آدمی گول پنجرے کی طرف بڑھے۔ پنجرے کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ وہ آدمی باہر آ گیا۔ سب غلام سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

”مقدس جیوپیٹر! آپ کا واپس آنا مبارک ہو“۔

سینگ والے جیوپیٹر نے اپنی لال لال آنکھیں ادھر ادھر گھما کر کہا۔

”اس کمرے میں کوئی غیر انسان موجود ہے۔ مجھے اس کی بو آ رہی ہے“۔

سب نے گردنیں گھما کر دیکھا۔ ماریا ان کے قریب ہی کھڑی تھی مگر کسی میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ماریا کو دیکھ سکتا پہلے تو ماریا ڈر گئی کہ یہ جادوگر لوگ ہیں۔

کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر انہوں نے ماریا کو دیکھ لیا تو وہ اس کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ مگر خدا کا شکر رہا۔ چمگادڑ جیوپیٹر کو ماریا کے خون کی بو ضرور آ گئی لیکن وہ اسے دیکھ نہ سکا۔

وزیر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"مقدس جیو پیٹر! اس غار میں کسی چڑیا میں بھی اتنی طاقت نہیں ہے کہ اندر آ کر پر مار سکے۔ پھر ایک غیر انسان یہاں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟"۔

جیو پیٹر نے اپنے دانت کٹکٹا کر کہا۔

"مجھے اس دنیا کے انسان کے خون کی بو آ رہی ہے۔ کوئی غیر یہاں موجود ہے۔ غور سے تلاشی لو اس کمرے کی"۔

اب وہاں تلاشی کا کام شروع ہو گیا۔ سارے لال کپڑوں والے کمرے میں گھوم پھر کر دیکھنے لگے کہ کہیں کوئی انسان چھپا ہوا تو نہیں ہے۔

لیکن وہ ماریا تک نہ پہنچ سکے۔ ماریا ایک گول پتھریلی میز کے نیچے جا کر چھپ گئی تھی۔ جب سب لوگ تلاشی لے چکے

تھے تو وزیر نے کہا۔

"مقدس جیو پیٹر! ہم نے کمرے کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ یہاں سوائے ہمارے اور کوئی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ آپ باہر انسانوں کی دنیا سے آئے ہیں اس لیے آپ کو ابھی تک انسانی خون کی بو آ رہی ہے"۔

چمگادڑ جیو پیٹر نے آنکھیں شیطان کی آنکھوں کی طرح مکاری سے گھما کر کہا۔

"خاموش! تم مجھے نہیں جھٹلا سکتے۔ یہاں بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو!"

سب لال کپڑوں والے فرش پر بیٹھ گئے۔ وزیر چمگادڑ جیو پیٹر کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ چمگادڑ جیو پیٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سنو! میں نے ایسا بندوبست کرلیا ہے کہ اس دنیا میں جتنے لوگ بھی رہتے ہیں۔ ان کو تباہ کر دیا جائے اور ان کے جسموں کا سارا خون لے کر ہم اوپر اپنے ستارے کی دنیا میں پہنچ جائیں کیونکہ ہمارے ستارے کے لوگوں کو انسانی خون کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے۔

تم لوگ جانتے ہو کہ اگر دو مہینے کے اندر اندر ہم نے اپنے لوگوں کو اوپر خون نہ پہنچایا تو وہ سب لوگ مر جائیں گے اور ہمارا ستارہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

وزیر نے کہا۔

مقدس جیوپیٹ! آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور بڑے منتری ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہمارے لوگوں کی زندگی اور

ہماری دنیا کو تباہی سے بچانے کا سارا کام مکمل کرلیا ہے۔ کیا میں پوچھنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ ہم اس دنیا کے انسانوں کا سارا خون کس طرح نکال کر اوپر اپنی دنیا میں لے جائیں گے؟۔

چمگادڑ جیوپیٹر کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا۔

میں اپنے ساتھ ایک انڈا لایا ہوں۔ اس انڈے کو ہم چاندنی رات میں باہر دنیا کی زمین پر لا کر دریا کے پانی میں ڈال دیں گے۔

پانی میں گرتے ہی انڈے میں سے ایسی شعاعیں نکلنا شروع ہو جائیں گی جو دنیا کی ہوا میں پھیل جائیں گی۔ پھر ان شعاؤں کے اثر سے دنیا کے سارے انسان بے ہوش ہو

جائیں گے۔

یہ شعائیں ہر انسان کے جسم سے ٹکرائیں گی اور اس کا سارا خون نکال کر اس غار میں واپس آ جائیں گی۔ پھر ہم ان شعاروں کا رخ اپنے اوپر والے ستارے کی طرف کر دیں گے۔

یہ شعائیں اس دنیا کے انسانوں کا سارا خون لے کر ہماری دنیا میں پہنچ جائیں گی، جہاں اس خون کو ہمارے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور وہ پھر سے ہزاروں برس زندہ رہنے کے قابل ہو جائیں گے۔

کمرے میں سب لوگ تالیاں بجانے لگے۔

وزیر نے کہا۔

مقدس چیوچیٹر زندہ باد! آپ سچے بادشاہ اور منتری ہیں۔

اگر آپ نہ ہوتے تو ہمارا ستارہ تباہ ہو جاتا اور ہماری مخلوق مر جاتی۔

اب سیارہ کی مہربانی ہے کہ آپ ہمارے درمیان آ گئے اور ہمارا ستارہ اور ہمارے لوگ تباہی سے بچ گئے لیکن ہمیں چاندنی رات کا کس لیے انتظار ہوگا؟

کیوں نہ ہم آج سے انڈے کو باہر جا کر دریا میں ڈال دیں؟۔

چمگادڑ چیوچیٹر نے کہا۔

چاند جب پورا ہوگا تو اس میں سے ایسی شعائیں نکلیں گی جو اس انڈے کی شعاؤں کی انسانی خون نکالنے میں مدد کریں گی۔

اگر ہم نے پورے چاند سے پہلے انڈا دریا میں پھینک دیا

تو یہ بے اثر ہو جائے گا اور پورا کام تہ کر سکے گا۔

ہمیں پورے چاند کی رات کا انتظار کرنا ہوگا۔

وزیر نے سر جھکا کر کہا۔

"مقدس جیوپیٹر! چاند رات میں ابھی پورے سات دن پڑے ہیں"۔

"پھر کیا ہوا؟ ہم سات روز تک انتظار کریں گے"۔

چمگادڑ جیوپیٹر اس کے بعد وہاں سے نکل کو سامنے والے کمرے کی طرف بڑھا۔

اس کے پیچھے پیچھے سارے لوگ چل پڑے۔ سامنے والی دیوار کے دروازے میں سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

ان لوگوں کے جاتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ اب

ماریا کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ گول میز کے نیچے سے باہر نکل آئی۔ اس نے چمگادڑ کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

وہ تو ہکی بکی ہو کر رہ گئی تھی۔ کہ یہ لوگ کس ستارے سے آئے ہیں اور کم بخت ساری دنیا کے انسانوں کا خون اکٹھا کر کے واپس اپنے ستارے میں لے جاتا چاہتے ہیں۔

یہ تو بڑے خطرناک لوگ ہیں اور اس دنیا کو تباہ و برباد کرنے آئے ہیں۔ ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ان شیطانوں کو اپنے خطرناک اور تباہ کن مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ عنبر اور ناگ کو تلاش کیا جائے۔

چمگادڑ جیوپیٹر تباہ کرنے والا انڈا اپنے ساتھ ہی دوسرے

کمرے میں لے گیا تھا۔ ماریا ایک بار پھر کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ سب دروازے باہر سے بند ہو گئے تھے۔ ایک بار پھر دروازہ اپنے آپ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

ابھی دروازہ کھلا ہی تھا۔ ماریا باہر جانے لگی تو ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

"آج ان دونوں کا خون نکالا جائے گا۔ میرا بس چلے تو ایک آدمی کا سارا خون میں پی جاؤں۔ مجھ میں بھی خون کی کمی ہے"۔

دوسرے نے کہا۔

"ہم مقدس جیو پیٹر کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو وہ ہمیں آگ میں بھسم کر دے گا"۔

دونوں باہر نکل گئے۔

ماریا جلدی سے دروازے سے ان کے ساتھ باہر نکل گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ جن دو انسانوں کا یہ شیطان لوگ آج رات خون نکال رہے تھے وہ سوائے عنبر اور ناگ کے اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔

عنبر کا تو یہ لوگ خون کبھی نہیں نکال سکتے تھے کیونکہ اس کے جسم میں خون تھا ہی نہیں۔ ہاں ناگ کے جسم کا خون ضرور نکالا جا سکتا تھا۔

پھر بھی ماریا کو ان دونوں کے علاوہ ساری دنیا کے انسانوں کی فکر تھی۔ کیونکہ یہ لوگ تو ساری دنیا کے انسانوں کا خون نکالنے کی فکر میں تھے۔

یہ تباہ کرنے والی خطرناک بات تھی۔

ماریا ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گئی جہاں دیوار کے

شگاف میں پھل اور مچھلیوں کا گوشت تھالیوں میں رکھا تھا۔ ماریا کو بڑی بھوک لگ رہی تھی۔

اس نے کھڑے کھڑے وہاں ڈٹ کر کھانا کھایا۔ کچھ گوشت اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اب وہ جلدی سے جلدی عنبر اور ناگ سے ملنا چاہتی تھی۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں؟ الگ الگ عنبر اور ناگ کو ہوش آیا تو انہوں نے اپنے آپ کو ایک اندھیری کوٹھڑی میں قید پایا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ دونوں زنجیروں میں جکڑے ایک پتھر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

عنبر سوچنے لگا کہ یہ لوگ کون ہیں جنہوں نے اسے قید کر دیا ہے۔ ضرور ناگ بھی زنجیروں میں بندھا کسی دوسری کوٹھڑی میں قید ہوگا۔

اس نے بڑے غور سے کوٹھڑی کی چھت اور دیواروں کو دیکھا۔ دیواروں میں کسی جگہ کوئی روشندان تک نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہ جب گھاٹی میں زمین پھٹی تھی تو وہ ماریا اور ناگ کے ساتھ ہی گرا تھا اور بے ہوش ہو گیا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر اس کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا ہے۔

ضرور ماریا بھی کسی کوٹھڑی میں قید ہوگی۔ لیکن ماریا کو تو کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ یا تو اسی جگہ بے ہوش پڑی ہوگی یا ہوش میں آنے کے بعد ان لوگوں کو آزاد کرانے کی کوشش میں لگی ہوگی۔

یہ ساری باتیں عنبر سوچ رہا تھا دو کوٹھڑیاں چھوڑ کر ناگ

بھی ہوش میں آ چکا تھا اور وہ بھی زنجیروں میں جکڑا اسی قسم کی باتیں سوچ رہا تھا۔

ناگ نے بڑے غور سے کوٹھڑی کی چھت اور دیواروں کو دیکھا۔ کہیں کسی جگہ بھی کوئی سوراخ نہیں تھا۔ جہاں سے وہ سانپ بن کر یا پرندہ بن کر باہر اڑ سکے۔

وہ بھی زنجیروں میں جکڑا ایک پتھر کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اسے بھی رہ رہ کر ماریا اور عنبر کا خیال آ رہا تھا۔ کہ خدا جانے دونوں کس حال میں ہوں گے۔

ناگ نے بھی دماغ پر زور دیا تو اسے بھی یہی خیال آیا کہ وہ عنبر اور ماریا کے ساتھ ایک تنگ گھاٹی میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک دھماکا سا ہوا اور وہ ان کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا۔

اس کا سر ابھی تک درد کر رہا تھا۔ اتنے میں دیوار میں شگاف ہوا۔ ایک تھالی اندر آئی اور شگاف بند ہو گیا۔ اس تھالی میں کچھ پھل، پانی اور گوشت رکھا تھا۔

تھالی اپنے آپ ناگ کے پاس آ کر رک گئی۔ ایسا ہی عنبر والی کوٹھڑی میں بھی ہوا۔ دیوار میں شگاف ہوا۔ ایک تھالی اندر آئی اور شگاف دوبارہ بند ہو گیا۔

تھالی میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ ناگ نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب سوچنے لگا۔

خونی انڈا

ناگ کو عنبر اور ماریا کا بار بار خیال آ رہا تھا۔

خدا جانے وہ دونوں کہاں ہوں گے اور کس حال میں ہوں گے۔ ناگ کے دل میں ان کی مدد کرنے کا خیال جوش کھانے لگا۔

مصیبت میں اپنے بہن بھائی کی مدد کرنا ہمارا فرض ہوتا ہے۔ ناگ نے سوچا کہ اسے وہاں سے بھاگنے کی کوشش

ضرور کرنی چاہیے۔

اس نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور باہر کو پھنکار ماری۔ اس کے ساتھ ہی وہ سانپ کی شکل میں بدل گیا۔

سانپ کی شکل میں بدلتے ہی ناگ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دیوار پر رینگتے ہوئے کسی ایسے سوراخ کی تلاش شروع کر دی جہاں سے وہ باہر جا سکے۔

مگر خدا جانے ان لوگوں نے ان کوٹھڑیوں کو کس کے لیے بنوایا تھا کہ وہاں کسی جگہ کوئی معمولی سا سوراخ بھی نہیں تھا۔

ناگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے سانس لینے کے لیے تازہ ہوا کہاں سے آ رہی تھی؟

سانپ کوٹھڑی کی چھت پر رینگ رہا تھا کہ کوٹھڑی کی

دیوار ایک بار پھر شق ہوئی ایک چھوٹا سا گول دروازہ بن گیا جس میں سے ایک لال کپڑوں والا آدمی اندر آیا۔

اندر آتے ہی وہ پریشانی سے ادھر ادھر تکنے لگا۔ پھر اس نے ایک چیخ ماری اور باہر کو بھاگ گیا ناگ سمجھ گیا کہ وہ اس کے غائب ہونے سے پریشان ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دیوار میں پھر دروازہ بنا اور اس دفعہ وہی چمگادڑ کے سر والا جیوپیٹر بھی اس آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ انہوں نے کوٹھڑی میں ہر جگہ گھور گھور کر دیکھا۔

لیکن ناگ کہیں بھی نہیں تھا۔

جیوپیٹر نے چیخ کر کہا۔

"وہ کہاں چلا گیا؟"۔

"مقدس جیوپیٹر! میں اسے اسی کوٹھڑی میں چھوڑ کر گیا

تھا۔ دیوار میں کوئی سوراخ تک نہیں ہے"۔

پھر وہ کہاں بھاگ گیا۔ زنجیر اسی طرح بند پڑی ہے۔ صاف لگتی ہے کہ اس نے زنجیر توڑی نہیں۔ اس میں سے نکل گیا ہے۔

کیا وہ چھلاوا تھا؟ وہ ہمیں دھوکا دے کر کہیں نہیں جا سکتا۔ جاؤ اسے جا کر سارے غار میں تلاش کرو۔ دوسرا آدمی کوٹھڑی میں موجود ہے کیا۔ جا کر دیکھ بدبخت!۔

"جو حکم سرکار"۔

دیوار میں اپنے آپ شگاف ہوا اور دونوں باہر نکل گئے۔ سانپ ان کے ساتھ ہی باہر کو کھسکنے لگا تھا کہ شگاف بڑی تیزی سے بند ہو گیا۔ سانپ کوٹھڑی میں ہی رہ گیا۔

اب اس نے سوچا کہ وہ سوراخ تلاش کرنا چاہیے جہاں

سے ہلکی ہلکی سانس لینے کے لیے ہوا اندر آ رہی ہے۔ سانپ نے رینگنا شروع کر دیا۔

اس نے چھت کو دیکھا۔ ساری چھت پتھر کی تھی۔ وہ پتھر کی ایک ہی سل معلوم ہوتی تھی۔ دیواروں میں بھی کسی جگہ کوئی سوراخ نہیں تھا سانپ اب فرش پر رینگنے لگا۔

خوش قسمتی سے فرش پر رینگتے رینگتے اسے ایک جگہ ایک پتھر ٹوٹا ہوا دکھائی دیا۔ سانپ نے منہ آگے کر کے پتھر کو پیچھے ہٹایا تو سامنے ایک سوراخ تھا۔

اس میں سے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ ضرور یہی وہ سوراخ تھا جو باہر کو جاتا تھا۔ ناگ اس سوراخ میں سے گذر گیا وہ دوسری طرف ایک تنگ سے راستے میں آ گیا جس کے اوپر چھت پڑی تھی اور پتھر کی دیواریں اونچی اونچی تھیں۔

ناگ نے سوچا کہ اسے آگے جا کر پتا لگانا چاہیے کہ یہ جگہ کون سی ہے اور عنبر اور ماریا کس جگہ پر قید ہیں۔ سانپ دیوار پر رینگتا ہوا ایک طرف کو چل پڑا۔

وہ رینگتے ہوئے ایک گول سوراخ کے پاس آ گیا۔ یہاں سے گذرا تو وہ اسی گول کمرے میں تھا جس کی چھت کے ساتھ اڑن طشتری لگی ہوئی تھی۔ وہ بڑی حیرانی سے انہیں تکنے لگا۔

سانپ سوچنے لگا۔ اس کمرے سے نکل کر وہ ایک دوسرے کمرے میں آیا تو یہاں سے ایک تنگ راستہ آگے کو جا رہا تھا۔ ناگ نے یہاں ماریا کی خاص خوشبو کو محسوس کیا۔

وہ چونکا تو ماریا بھی اسی جگہ کہیں قید ہے؟

وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ماریا کی خوشبو تیز ہو رہی تھی۔

اصل میں ماریا اس کے قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھی غور کر رہی تھی کہ وہ عنبر اور ناگ کو کہاں جا کر تلاش کرے؟۔

ماریا نے بھی ناگ کی بو کو محسوس کیا۔

ناگ نے سوچا کہ اسے اپنی انسانی شکل میں تھوڑی دیر کے لیے واپس آ جانا چاہیے تاکہ اگر ماریا کہیں قریب ہی ہو تو وہ اسے دیکھ سکے۔

چنانچہ سانپ پھنکار مار کر پرے ناگ بن گیا۔ اس کے ناگ بنتے ہی ماریا نے اسے دیکھ لیا وہ اس کی طرف لپکی اور آہستہ سے بولی۔

”ناگ بھائی!“۔

”ماریا بہن!“

”تم ٹھیک ہو ناں؟ خدا کا شکر ہے“۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے صحیح سلامت مل گئے۔ تم یہاں کیسے نکل آئے؟ کیا تمہیں قید نہیں کیا گیا تھا؟“۔

”قید ہی کیا گیا تھا ماریا بہن! مگر میں سانپ بن کر ایک سوراخ میں سے نکل آیا۔ مجھے یہاں تمہاری خوشبو محسوس ہوئی تھی جس کی وجہ سے میں پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا“۔

”عنبر کا کچھ پتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”نہیں ماریا بہن! عنبر کی کوئی خبر نہیں ہے مگر وہ ضرور یہیں کہیں کوٹھڑی میں قید ہوگا“۔

ماریا نے کہا۔

”ہم بے ہوش ہو گئے تھے۔ اور یہ لوگ ہمیں پکڑ کر لے آئے۔ انہوں نے ہمیں قید کر دیا مگر ہم عنبر کی کھوج لگا لیں

گے۔ ہم یہاں سے نکل چلیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ کوئی بڑے پراسرار لوگ لگتے ہیں۔ خدا جانے کہاں سے آئے ہیں۔ ان کی اڑن طشتریاں غاروں کے اندر اپنے آپ چلتی ہیں۔ دیواریں اپنے آپ شق ہو کر بند ہو جاتی ہیں"۔

ماریا بولی۔

"میں نے ان لوگوں کی باتیں سنی ہیں۔ چمگادڑ کے سر والا ایک شیطان جیو پیٹران کا بادشاہ ہے۔ یہ لوگ کسی دوسری دنیا سے یہاں انسانوں کا خون لینے آئے ہیں"۔

"کیا کہا؟ انسانوں کا خون لینے دوسری دنیا سے آئے ہیں؟"۔

ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

ہاں ناگ بھائی! میں نے ان کو باتیں کرتے سنا ہے جس ستارے میں، جس دنیا میں یہ لوگ رہتے ہیں وہاں انسانوں کے جسموں سے خون ختم ہونے والا ہے۔

انہیں اگر کہیں سے تازہ خون نہ ملا تو وہ مر جائیں گے۔ یہ لوگ ہماری دنیا کو تباہ کرنے اور یہاں کے سارے انسانوں کا خون جمع کرنے آئے ہیں۔

ان کے پاس ایک ایسا انڈا ہے جس کو یہ دریا میں ڈالیں گے اس انڈے میں سے شعاعیں نکلیں گی جو ساری زمین پر پھیل جائیں گی اور پھر سارے انسانوں کے جسم سے خون نکال کر اوپر ان کے ستارے میں پہنچا دیں گی۔

ناگ حیرانی سے بولا۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو ماریا؟"۔

"ہاں ناگ بھائی! میں نے خود جیو پیٹر کی باتیں سنی ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"وہ انڈا کہاں ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

وہ انڈا ایک خاص کمرے میں رکھا ہے۔ میں اس کمرے سے ہوکر آئی ہو۔ میں جانتی ہوں وہ کمرہ کہاں ہے۔ لیکن اس وقت ہمیں عنبر بھائی کو تلاش کرنا ہے۔ وہ ضرور یہیں کہیں قید ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"آؤ اسے تلاش کرتے ہیں، لیکن میرا انسان کے روپ

میں تمہارے ساتھ چلنا ٹھیک نہیں۔ میں پھر سے سانپ کی شکل میں آجاتا ہوں"۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ پھر سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔

انہوں نے غار میں آگے چلنا شروع کر دیا۔ ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہی تھی۔ سانپ اس کے اوپر دیوار پر رینگ رینگ کر چل رہا تھا۔

دوسری طرف سارے غار میں شور مچ گیا تھا کہ قیدی ناگ زنجیروں سے نکل کر بھاگ گیا ہے۔ جیو پیٹر نے حکم دے دیا تھا کہ اسے فوراً تلاش کیا جائے۔

خاص اڑن طشتریوں کے ذریعے غار میں اس کی تلاش

شروع ہو گئی۔ غار کے سارے باہر جانے والے دروازے بند کر دیے گئے۔ غار کے اندر چپے چپے پر ناگ کی تلاش ہونے لگی۔

لال کپڑوں والے پہرے دار اور سپاہی ادھر ادھر پھرنے لگے۔

کبھی کسی دیوار کا دروازہ کھلتا اور آدمی دوسری طرف کو بھاگتے۔ کبھی کسی دیوار کا دروازہ کھلتا اور آدمی باہر کو نکلتے۔ اس افراتفری میں ناگ اور ماریا بڑے آرام سے آگے بڑھ رہے تھے۔

وہ اس کوٹھڑی کی ٹوہ میں تھے جہاں عنبر قید تھا۔ مگر انہیں وہ کوٹھڑی نہیں مل رہی تھی۔ گھومتے پھرتے وہ ایک جگہ مڑنے لگے تو ایک سپاہی نے ناگ کو دیکھ لیا۔ اس نے سانپ سانپ کا شور مچایا۔

دو پہرے دار نیزے لے کر سانپ کی طرف دوڑے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے نیزہ چھین کر اس کے سینے میں گھونپ دیا۔

پہرے دار ہائے کہہ کر گر پڑا۔ ماریا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے جسم سے نیلے رنگ کا خون باہر نکل رہا تھا۔ دوسرا پہرے دار سانپ کو کچلنے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔

دونوں لاشوں کو وہاں چھوڑ کر سانپ اور ماریا وہاں سے آگے دوڑے۔ ایک دیوار کا دروازہ کھلا۔ ماریا اور ناگ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک گول سا کمرہ تھا جس کی ایک جانب آگ جل

شروع ہو گئی۔ غار کے سارے باہر جانے والے دروازے بند کر دیئے گئے۔ غار کے اندر چپے چپے پر ناگ کی تلاش ہونے لگی۔

لال کپڑوں والے پہرے دار اور سپاہی ادھر ادھر پھرنے لگے۔

کبھی کسی دیوار کا دروازہ کھلتا اور آدمی دوسری طرف کو بھاگتے۔ کبھی کسی دیوار کا دروازہ کھلتا اور آدمی باہر کو نکلتے۔ اس افراتفری میں ناگ اور ماریا بڑے آرام سے آگے بڑھ رہے تھے۔

وہ اس کوٹھڑی کی ٹوہ میں تھے جہاں عنبر قید تھا۔ مگر انہیں وہ کوٹھڑی نہیں مل رہی تھی۔ گھومتے پھرتے وہ ایک جگہ مڑنے لگے تو ایک سپاہی نے ناگ کو دیکھ لیا۔ اس نے سانپ سانپ

کا شور مچایا۔

دو پہرے دار نیزے لے کر سانپ کی طرف دوڑے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے نیزہ چھین کر اس کے پیٹ میں گھو

دونوں لاشوں کو وہاں چھوڑ کر سانپ اور ماریا وہاں سے آگے دوڑے۔ ایک دیوار کا دروازہ کھلا۔ ماریا اور ناگ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک گول سا کمرہ تھا جس کی ایک جانب آگ جل

رہی تھی۔ آگ نیلے رنگ کی تھی۔ ایک بوڑھا آدمی وہاں بیٹھا ایک مرتبان سے کوئی نیلے رنگ کی دوائی نکال کر تھوڑی دیر کے بعد آگ میں ڈالے جاتا تھا۔

دوائی ڈالنے سے آگ میں نیلے رنگ کا شعلہ اٹھتا اور پھر بجھ جاتا۔ ماریا اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ سانپ بھی پاس ہی آ گیا۔

پھر وہ بوڑھا اٹھا اور کسی کام کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ماریا نے مرتبان کو غور سے دیکھا۔

اتنے میں ایک لال کپڑوں والا آدمی اندر آیا۔ اس نے بوڑھے کو آواز دے کر کہا۔

”جماگوش! میں قیدی کے لیے شربت لے جا رہا

ہوں“۔

بوڑھے نے اندر سے آواز دی۔

”لے جاؤ“۔

لال سپاہی نے ایک پیالے میں مرتبان میں سے نیلے رنگ کی دوائی ڈالی اور چل دیا۔ ماریا نے سانپ کو اس کا پیچھا کرنے کا اشارہ کیا۔

اسے یقین تھا کہ یہ سپاہی جس شخص کے لیے شربت لے کر جا رہا ہے، وہ عنبر ہی ہو سکتا ہے۔ کئی دیواروں کے گول دروازوں میں سے گزر کر آخر وہ لال سپاہی ایک کوٹھڑی کے باہر کھڑا ہو گیا۔

اس نے دیوار پر ایک جگہ زور سے ہاتھ مارا۔

دیوار میں ایک گول دروازہ سا بن گیا۔ لال سپاہی کے

ساتھ ہی ماریا اور ناگ بھی داخل ہو گئے۔ ان کو یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ اندر عنبر زنجیروں میں جکڑا ایک پتھر کے ساتھ اندر بیٹھا تھا۔

لال سپاہی نے شربت کا پیالہ دے کر کہا۔

”اسے پی جاؤ۔ یہ تمہیں طاقت دے گا“۔

عنبر نے کہا۔

”یہاں رکھ دو۔ میں پی لوں گا“۔

لال سپاہی شربت کا پیالہ زمین پر رکھ کر واپس چلا گیا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی سانپ اور ماریا نے اپنا آپ ظاہر کر دیا۔

عنبر نے جب اپنے قریب ناگ اور ماریا کو دیکھا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم لوگ مجھ سے آن ملے۔ ورنہ میں تو تمہاری امید اتار بیٹھا تھا“۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر بھائی! ہم ایک بڑی ہی خطرناک جگہ آ گئے ہیں۔ میں نے زندگی میں ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس دنیا کے انسانوں کا سارا خون نچوڑنے آئے ہیں“۔

عنبر نے کہا۔

”کیا مطلب؟“۔

ماریا بولی۔

”مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس دنیا کے آدمی نہیں ہیں بلکہ کسی دوسری دنیا سے آئے ہیں۔ ان کی دنیا میں جو انسان بستے ہیں ان کا خون ختم ہو رہا ہے۔ خدا جانے کیسے ختم ہو رہا

ہے۔ یہ لوگ اس دنیا کے لوگوں کے جسم سے خون نچوڑنے آئے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو ماریا؟"۔

ناگ بولا۔

"ماریا ٹھیک کہہ رہی ہے عنبر بھائی"۔

اور پھر ناگ اور ماریا نے شروع سے لے کر ساری کہانی عنبر کو سنا ڈالی۔

عنبر تو اس کا منہ تک کر گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچ سوچ کر کہا۔

"مصر کے پرانے جادوگر کہا کرتے تھے کہ ہماری دنیا کے علاوہ بھی ستاروں میں ایک ایسی دنیا موجود ہے جہاں ہم جیسے لوگ بستے ہیں اور وہ ہم سے بہت ترقی کر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں"۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی! اب ہمیں صرف اپنی زندگی ہی نہیں بلکہ ان شیطانوں سے ساری دنیا کے انسانوں کو بچانا ہے اور ہمیں جو کچھ کرنا ہے جلد کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ چاند کی پندرھویں رات کو تباہی کا اڈہ دریا میں پھینک دیں گے"۔

عنبر بولا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم اس سے پہلے اڈے کو تباہ کر دیں گے"۔

سب سے پہلے تو ہمیں اس قید سے باہر نکلنا ہوگا۔ ان زنجیروں نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ میری یہ زنجیریں کھول

دو۔

ناگ اور ماریا نے مل کر عنبر کے جسم سے ساری زنجیریں کھول دیں۔ وہ آزاد ہو گیا۔ چونکہ ایک قیدی پہلے ہی فرار ہو چکا تھا اس لیے عنبر کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔

ناگ بولا۔

"باہر بڑا سخت پہرہ ہے۔ یہاں سے اب کیسے نکلیں گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم ضرور آزاد ہو جائیں گے"۔

اتنے میں دیوار میں پتھر سے گول دروازہ نمودار ہوا اور دو لال سپاہی اندر داخل ہوئے۔ دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔

جونہی ان کی نظر عنبر پہ پڑی تو وہ چونکے۔ کیونکہ عنبر زنجیروں سے آزاد ہو کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔ نہ انہوں نے سانپ کو دیکھا اور نہ ماریا کو۔

وہ شور مچانے ہی والے تھے کہ عنبر نے لپک کر ایک سپاہی کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ دوسرے سپاہی کو ناگ نے ڈس دیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں سپاہی مر چکے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ! ہمیں جلدی سے ان لوگوں کا لباس پہن لینا چاہیے تاکہ ہم بھی لال سپاہی نظر آئیں۔ اس طرح ہم آسانی سے اپنا کام کر سکیں گے"۔

ناگ اور عنبر نے فوراً لال سپاہیوں کا لباس پہن لیا ماریا ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اب وہ باہر نکلنا چاہتے تھے مگر

انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ دیوار میں دروازہ کس طرح کھلتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

”پہرے دار نے باہر کی طرف دیوار پر ہاتھ مار کر دروازہ کھولا تھا۔ میرا خیال ہے ہم بھی وہی کرتے ہیں“۔

انہوں نے دیوار پر کئی بار جگہ جگہ ہاتھ مارا مگر دروازہ نمودار نہ ہوا۔ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ اب وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ کوئی لال سپاہی یا پہرے دار اندر آئے تو وہ کھلے دروازے میں سے باہر کو بھاگیں۔ انہیں زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑی۔

باہر سے گھوں گھوں کی آواز آئی اور اچانک دیوار میں گول دروازہ نمودار ہو گیا۔ دو لال سپاہی اڑن طشتری پر اندر آئے

ان کے اندر آتے ہی ناگ اور عمبر باہر کو بھاگے۔

ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔ طشتری والے سپاہیوں نے اندر دو آدمیوں کی لاشیں دیکھیں تو طشتری سے اتر کر ان کے پاس آئے۔ بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے اپنے آدمی قتل ہو گئے اور قیدی سپاہیوں کے لباس میں غار میں موجود ہیں۔

وہ تیزی سے واپس بھاگے اور مقدس چمگادڑ کو جا کر اطلاع کی۔

وہ غصے سے کھولنے لگا۔

”بدبختو! تم لوگوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ دوسرے قیدی کی حفاظت کر سکو۔ وہ بھاگ گیا ہے؟ اب کیا ہو سکتا ہے۔ مگر وہ لال وردی میں غار میں موجود ہیں۔ سارے سپاہیوں کی

تلاشی لو اور ان کی پڑتال کرو، قیدی پکڑے جائیں تو ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دو۔ یہ میرا حکم ہے"۔

"جو حکم سردار"۔

لال سپاہیوں نے اس حکم کے آگے سر جھکا دیئے۔ اب تو سارے غار میں بہت زیادہ شور مچ گیا کہ دوسرا قیدی بھی بھاگ گیا ہے، فوراً سارے لال کپڑوں والے سپاہیوں کو مقدس جیوپیٹر کے کمرے میں قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔

ان میں عنبر اور ناگ نہیں تھے۔ وہ ایک دوسرے کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔ ماریا نے کہا کہ وہ کب تک چھپ سکیں گے، انہیں پکڑ لیا جائے۔

ناگ تو اسی وقت سانپ کے روپ میں آ کر ماریا کے گلے میں لٹک گیا۔ ماریا کے گلے میں لٹکنے سے وہ غائب ہو گیا۔ اب صرف عنبر باقی رہ گیا تھا۔ وہ لال کپڑوں میں تھا۔

اتنے میں ایک سپاہی اندر آیا۔

اس نے عنبر سے کہا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ مقدس جیوپیٹر نے تمام سپاہیوں کو اپنے خاص کمرے میں بلایا ہے؟ چلو میرے ساتھ"۔

عنبر نے کہا۔

"دوست! تم چلو۔ میں ابھی دوائی پی کر آتا ہوں۔ اصل میں میرا سر درد کر رہا ہے"۔

سپاہی بولا۔

"خبردار دیر نہ کرنا۔ نہیں تو جان سے مار دیئے جاؤ گے"۔

پھر وہ سپاہی جاتے جاتے پلٹ کر بولا۔

"مگر تم کون سے سپاہی ہو؟"

تمہارا نمبر کیا ہے؟

میں نے تمہاری آواز یہاں پہلے کبھی نہیں سنی۔ ذرا اپنے چہرے سے کپڑا اٹھاؤ۔

ماریا گھبرا گئی۔ کیونکہ اب بھانڈا پھوٹ رہا تھا۔

عنبر نے مسکرا کر ماریا سے کہا۔

"ماریا! اپنا کام شروع کر دو"۔

سپاہی نے کہا۔

"میرا نام ماریا نہیں ہے۔ تم کس سے بات کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہاری موت سے باتیں کر رہا تھا بھائی"۔

"بکواس بند کرو"۔

سپاہی نے اتنا ہی کہا تھا کہ ماریا نے بڑے زور سے اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ سپاہی اچانک پتھر کھا کر گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

"اب کیا کرنا چاہیے۔ میں قطار میں کھڑا ہوا تو صاف پہچان لیا جاؤں گا۔ میرا خیال ہے، ہمیں اس کمرے میں جانے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تباہی کا انتظام رکھا ہوا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ میں اس کمرے سے واقف ہوں"۔

ماریا، عنبر اور ناگ کو لے کر اس کمرے کی طرف بڑھی

جہاں ایک شیشے کے مرتبان میں وہ خطرناک انڈا رکھا تھا۔

جس نے دریا کی لہروں میں گم ہو کر ساری دنیا کے انسانوں کو ہلاک کر دینا تھا۔

مقدس چمگادڑ

تینوں بہن بھائی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گئے تھے۔

ابھی وہ راہداری میں ہی تھے کہ ایک دم سے سارے غار میں زور سے گھنٹی بج اٹھی۔

اس گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہی ہر طرف ایک طوفان مچ گیا۔ غار میں ایک آواز گونجی۔

"سب سپاہی ہوشیار ہو جائیں! دونوں قیدی اپنی اپنی

کوٹھڑیوں سے بھاگ گئے ہیں۔ انہیں جہاں وہ دکھائی دیں، پکڑ کر مار ڈالو۔ ان کے پاس ہمارے غار کا راز ہے۔ اگر وہ یہاں سے باہر نکل گئے تو ہم برباد ہو جائیں گے"۔

عنبر چوکس ہو کر بولا۔

"ماریا! ہمیں جلدی جلدی انڈے والے کمرے میں پہنچ کر اسے تباہ کرنا ہوگا۔ اگر ان لوگوں نے مجھے کسی چال میں پکڑ لیا تو ہو سکتا ہے یہ دنیا تباہ ہو جائے اور ہم مت دیکھتے رہ جائیں"۔

"میرے ساتھ ساتھ آؤ"۔

ماریا اب عنبر کو ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں اس نے ایک شیشے کے مرتبان میں وہ تباہی کا انڈا دیکھا تھا۔

مگر اب جگہ جگہ سپاہی مل رہے تھے۔ اگر عنبر نے سپاہیوں کی لال وردی نہ پہنی ہوتی تو اسے کب کا پکڑ لیا جاتا۔ پھر بھی خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔

انہیں قدم قدم پر مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ناگ سانپ کی شکل میں ماریا کی گردن میں لٹکا ہوا تھا اور ماریا کے ساتھ وہ بھی غائب تھا۔

ماریا عنبر کو لے کر ایک دیوار کے دروازے میں سے گزری تو سامنے وہ کمرہ تھا جہاں ایک گول میز کے اوپر چبوترے پر وہ مرتبان تھا جس میں انڈا موجود تھا۔

عنبر کو ماریا نے انڈا دکھاتے ہوئے کہا۔

"عنبر بھائی! یہ وہ تباہی کا نشان ہے۔ یہ وہ بربادی کا انڈا ہے جس میں دنیا کی تباہی چھپی ہوئی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

''ہمیں اسے فوراً اپنے قبضے میں کر لینا چاہیے''۔

عنبر تیزی سے مرتبان کی طرف لپکا۔ مرتبان بند تھا۔ عنبر نے مرتبان کے منہ پر پورے زور سے مکا مارا۔ مرتبان کا منہ ٹوٹ گیا۔

عنبر نے مرتبان کے اندر ہاتھ ڈال کر انڈا باہر نکال لیا اور اسے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھنے لگا۔

ماریا نے کہا۔

''عنبر بھائی! اب یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے نہیں تو کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں''۔

ابھی وہ بھاگنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ دیواروں کے چاروں گول دروازے ایک دم سے کھل گئے۔ اور لال سپاہی

اور چمگادڑ ایک گرج دار غصیلی آواز کے ساتھ شور مچاتا اندر آ گیا۔

''خبردار! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ اگر ذرا سا قدم بھی اٹھایا تو اسی جگہ بھسم کر دوں گا''۔

عنبر نے سرگوشی میں ماریا سے کہا۔

''ماریا! یہ انڈا لے کر فوراً یہاں سے باہر نکل جاؤ۔ اگر باہر نہ نکل سکو تو اس انڈے کو ضائع کر کے کسی جگہ پر بھی میرا انتظار کرنا''۔

چمگادڑ جیوپیٹر نے چیخ کر کہا۔

''خبردار! انڈا مرتبان میں واپس رکھ دو۔ نہیں تو تمہاری بوٹی بوٹی کر کے کوؤں کو کھلا دی جائے گی''۔

مگر عنبر نے بڑی جلدی سے انڈا ماریا کے ہاتھ میں دے

دیا۔ ماریا خود بھی کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ انڈا اس کے ہاتھ میں گیا تو انڈا بھی غائب ہو گیا۔

سپاہیوں نے عنبر کو جکڑ لیا۔ چگادڑ جیوپیٹر نے آگے بڑھ کر عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غصے میں کہا۔

"کہاں ہے انڈا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"انڈا میرے پاس نہیں ہے۔ انڈا میرے پاس کہاں ہو سکتا ہے؟ تم کس انڈے کی بات کر رہے ہو؟"۔

چگادڑ جیوپیٹر نے عنبر کے سر پر پوری طاقت سے مارا جیوپیٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی چٹان پر مکا مار دیا ہو۔ وہ اپنا ہاتھ ملنے لگا۔ اس نے زیادہ خیال نہ کیا۔ وہ چیخا۔

"ابھی انڈا تمہارے ہاتھ میں تھا۔ میں نے خود تمہارے ہاتھ میں انڈا دیکھا ہے۔ بولو! کہاں ہے وہ؟ نہیں تو میں ابھی تمہیں قتل کر دوں گا؟"۔

عنبر مسکرا دیا۔

"تم یہ بتاؤ کہ اس غار میں کیا کر رہے ہو؟ تم کس دنیا سے، کس ستارے سے یہاں آئے ہو؟"۔

"تم یہ پوچھنے والے کون ہو؟"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"سنو! اے مکروہ صورت چگادڑ۔ تم ایک خبیث روح ہو۔ تم کسی دوسری دنیا کے شیطان ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم ایک ستارے سے یہاں انسانوں کا خون چوسنے آئے ہو۔

تم ہماری دنیا کو تباہ کرنے آئے ہو مگر میں ایسا نہیں

ہونے دوں گا۔

تم سمجھتے ہو کہ تم بہت بڑے جادوگر ہو؟ تم غلطی پر ہو۔ میں تم سے زیادہ بڑا جادوگر ہوں۔ تم نے میری جادوگری ابھی دیکھ لی ہے۔ ابھی تمہارا خطرناک انڈا میرے ہاتھ میں تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔

چنگاڈر کے تو ہوش اڑ گئے۔ مارے غصے کے اس کے ہونٹوں سے جھاگ بہنے لگا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس گستاخ شخص کی زبان کاٹ دی جائے اسی وقت ایک جلاد چمکتا ہوا تیز خنجر لے کر عنبر کے سامنے آ گیا۔

دو آدمیوں نے عنبر کو جکڑ لیا۔ تیسرے آدمی نے اس کا جبڑا زبردستی کھولا۔ عنبر نے اپنی زبان باہر نکال دی۔

جلاد نے پوری طاقت سے اس کی زبان پر خنجر چلا دیا،

لیکن وہی ہوا جو اکثر ہوتا تھا، خنجر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ چگاڈر پیچھے ہٹ کر غور سے زمین پر گرے خنجر تک ٹکڑوں کو تکنے لگا۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

اے شیطان! میں تمہیں اب معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہارے اور تمام شیطانی چیلوں کو اسی غار کے اندر ایک ایک کر کے ہلاک کر دوں گا۔

تم واپس اپنے ستارے پر ہم انسانوں کا خون لے کر نہ جا سکو گے بلکہ اس زمین پر تمہارے شیطانوں کا خون بہے گا۔

چگاڈر جیوپیٹر نے تلوار کھینچ کر نکالی اور عنبر کے سر پر چھ سات وار کر دیئے۔ ہر وار پر تلوار کی آواز آتی۔ جیسے پتھر پر پڑ رہی ہو اور عنبر کے سر میں سے چنگاریاں سی نکل پڑتیں۔

سارے لوگ حیران ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ ماریا ان کے پیچھے انڈا جیب میں لیے کھڑی تھی۔ اس نے انڈے کو اپنی جیب کے تھیلے میں رکھا اور ایک سپاہی کا نیزہ لے کر دو سپاہیوں کے سینوں میں باری باری گھونپ دیا۔

دونوں سپاہی زخمی ہو کر گرے اور تڑپنے لگے۔ دوسرے سپاہی دہشت کے مارے پرے ہٹ گئے۔ عنبر نے اونچی آواز میں کہا۔

"اے شیطان کے چیلو! یاد رکھو! تم اب اس زمین پر کوئی دم کے مہمان ہو۔ تم ہماری دنیا کو تباہ کرنے آئے تھے۔ لیکن ہم لوگوں کو یہاں قید کر کے تم خود اپنے ہی جال میں پھنس گئے۔ ہم اپنی زمین کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتے"۔

سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ پیچھے سے ماریا نے بھی حملہ کر

دیا۔ وہ باری باری بڑے آرام سے ایک ایک لال سپاہی کو ہلاک کرتے چلی جا رہی تھی کیونکہ اسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

دوسری طرف ناگ نے بھی ماریا کے گلے میں لٹکے لٹکے دو سپاہیوں کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ عنبر نے اب تلوار سنبھال لی تھی۔ اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا تھا۔

دیکھتے دیکھتے آدھے سے زیادہ سپاہی ڈھیر ہو گئے۔ کچھ سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیوپیٹر چگادڑ بھی اٹھ دوڑا۔

مصیبت سے نجات

چمگاڈر جیوپیٹر کے دوڑتے ہی ماریا نے آواز دی۔

"عنبر! اسے پکڑو۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی اور شرارت کرے"۔

عنبر چمگاڈر کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اس کے تعاقب میں ماریا بھی بھاگی۔ چمگاڈر بھاگتا ہوا ایک طشتری پر سوار ہو گیا۔ وہ اڑن طشتری ایک گول دروازے میں سے نکل کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔

عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ ابھی اڑن طشتری میں سوار ہو جائے دونوں فوراً ایک زرد رنگ کی اڑن طشتری پر سوار ہو گئے۔ یہ اڑن طشتری بھی چمگاڈر کی اڑن طشتری کے پیچھے روانہ ہو گئی۔

عنبر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اڑن طشتری اپنے اگلی اڑن طشتری کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ غار میں کئی کمروں میں گھومنے کے بعد چمگاڈر جیوپیٹر نے جب دیکھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ جلدی سے اس کمرے میں آ گیا جہاں چبوترے پر گول پنجرہ بنا تھا۔

چمگاڈر جیوپیٹر اس پنجرے میں داخل ہو کر وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔

ماریا نے عنبر سے کہا۔

”عنبر! اگر یہ چگاڈر اس پنجرے میں داخل ہو گئے تو یہ غائب ہو جائے گا“۔

عنبر کی اڑن طشتری چبوترے کے پاس آ کر رک گئی۔ عنبر چھلانگ لگا کر اڑن طشتری میں سے کودا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! اس شیطان کو دبوچ لو۔ یہ یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔“

ناگ پہلے ہی سانپ کی شکل میں ماریا کے گلے میں لٹک رہا تھا۔ عنبر کا اشارہ پاتے ہی وہ ماریا کے گلے میں سے اچھل کر پنجرے کی طرف آیا۔

چگاڈر اس وقت پنجرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے

پنجرے کے لوہے کے جنگلے کو بند کر دیا تھا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا۔

آخر میں تم سے بچ کر نکل گیا۔ تم مجھے پکڑ نہیں سکتے تھے۔

تم اب اپنی دنیا کو بھی تباہی سے نہیں بچا سکو گے، کیا ہوا اگر تم نے خطرناک انڈے کو حاصل کر لیا ہے۔

میرے پاس ایک ایسا زہر ہے جس کو میں ابھی اس غار سے باہر جا کر دریا میں ملا دوں گا۔ اس کے اثر سے سمندر کا سارا پانی زہریلا ہو جائے گا۔

پھر سمندر کا پانی لے کر جو بادل بارش برسائیں گے اس بارش کے اثر سے لوگ، حیوان اور پرندے مر جائیں گے اور کھیت بنجر ہو جائیں گے۔

”ایک مہینے کے اندر اندر اس زمین پر کوئی انسان زندہ

باقی نہیں رہے گا اور پھر میں اوپر اپنی دنیا میں چلا جاؤں گا۔ اگر میں اس دنیا کے لوگوں کا خون اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا تو تم لوگ بھی زندہ نہیں رہ سکو گے۔ ہاہاہا"۔

چمگادڑ رجیو پیٹر پنجرے میں سے ایک بٹن کو دبانے ہی والا تھا کہ اسے ایک خوفناک پھنکار سنائی دی۔

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اس کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کا سرخ آنکھوں والا سانپ اپنا ڈراؤنا پھن پھیلا اس کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

چمگادڑ رجیو پیٹر بٹن کو دبانے لگا تو سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور لپک کر اس کے ماتھے پر ڈس دیا۔ ناگ نے اپنا سارا زہر ایک ہی وار میں چمگادڑ کے جسم میں داخل کر دیا۔ اس زہر نے چمگادڑ کے سارے جسم کو ایک دم سے سن کر دیا۔

اس کا ہاتھ بٹن کے اوپر ہی دھرا رہ گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پنجرے کے اندر ہی گر پڑا۔

اس کے منہ اور ناک سے نیلے رنگ کا خون بہنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے تڑپ کر ایک ہچکی لی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اب ناگ نے انسان کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ماریا ناگ اور عنبر پنجرے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور اس شیطان چمگادڑ کی لاش کو غور سے تکنے لگے۔ اس کا سارا جسم نیلا ہو گیا تھا۔ اس کے بال جھڑ گئے تھے اور آنکھیں ابل کر باہر آ گئی تھیں۔

ماریا نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے جلد سے جلد باہر نکل جانا چاہیے۔

کوئی پتا نہیں کہ یہ غار ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ جائے یا یہاں کوئی زبردست زلزلہ آ جائے"۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی ماریا ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تباہی کا انڈا تو ہمارے قبضے میں آ چکا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہم اس انڈے کو لے کر باہر نہیں لے جا سکتے اس کا باہر لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ہم اسے باہر تباہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اسے اسی غار میں ضائع کرنا ہوگا"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے اسے زمین کھود کر اندر دبا دینا چاہیے پھر اس کی شعائیں کبھی باہر نہیں نکل سکیں گی"۔

عنبر بولا۔

"ماریا نے ٹھیک سوچا ہے۔ آؤ گڑھا کھود کر اسے زمین کے اندر دفن کر دیں"۔

انہوں نے اسی وقت زمین کو ایک جگہ سے پتھر اکھاڑ کر کھودنا شروع کر دیا۔ پتھروں کے نیچے زمین کافی نرم تھی۔

جب کافی گہرا گڑھا کھودا جا چکا تو ماریا نے تھیلے میں سے انڈا نکال کر اس کے اندر رکھ دیا۔ عنبر اور ناگ نے بیلچے سے گڑھا پر کر دیا۔

پھر اس کے اوپر پتھر جوڑ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے پنجرے میں دیکھا۔

پنجرے میں چمگادڑ کی لاش گل سڑ کر ایک دم سے ہڈیوں

"جلدی چلو یہاں سے"۔

ناگ نے کہا۔

"مگر ہمیں باہر جانے کا راستہ معلوم نہیں۔ ہم کدھر سے باہر جائیں گے"۔

ماریا کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح چمکا۔

اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اڑن طشتری پر سوار ہو جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ طشتری ہمیں یہاں سے باہر لے جائے"۔

"چلو۔ جلدی کرو"۔

ناگ نے کہا۔

تینوں ایک اڑن طشتری میں سوار ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا

کا ڈھانچہ بن چکی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے، اس غار کے اندر تباہی کی شعاعوں کا کوئی پر اسرار عمل ہو رہا ہے۔ ہمیں یہاں سے جس قدر جلدی ہو، نکل جانا چاہیے"۔

چمگادڑ کے مرتے ہی سچ مچ ایک پر اسرار تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی۔ غار کی روشنی مدہم ہونے لگی تھی۔ چھت کے ساتھ لٹکی ہوئی اڑن طشتریوں نے ہلنا شروع کر دیا تھا۔

چبوترے کے پنجرے پر بھی ہلکا ہلکا لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد زمین بھی ہل جاتی تھی۔ جیسے زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا آتا ہو۔

ماریا نے کہا۔

جیسے اڑن طشتری بھی ان کے سوار ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ ان کے سوار ہوتے ہی طشتری نے زمین سے تھوڑا سا اونچا ہو کر ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

طشتری جدھر کو جاتی اس کے آگے دیوار میں گول دروازے نمودار ہو کر کھلتے چلے جاتے۔ انہوں نے ہر کمرے میں سے گزرتے ہوئے لال کپڑوں والے سپاہیوں کی لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی دیکھیں۔

یہ لاشیں گل سڑ کر ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں مرے کئی سو سال گزر گئے ہوں۔ ہر کمرے میں روشنی دھیمی ہو رہی تھی۔ اور غار کی چھت سے کبھی کبھی زلزلے کی وجہ سے کوئی پتھر گر پڑتا تھا۔

اچانک غار میں انہیں ایک چیخ سنائی دی اور ایک کمرے

کے دروازے میں سے ایک لال کپڑوں والا سپاہی دونوں ہاتھ پھیلائے ان کی طشتری کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابلی ہوئی تھیں اور سارے جسم سے نیلے رنگ کا خون بہہ رہا تھا۔

وہ طشتری پر چڑھنے کے لیے آگے بڑھا۔ ناگ نے لات مار کر اسے گرا دیا۔ اس نے جیب سے ایک خنجر نکال کر ناگ کی طرف پھینکا۔ اگر ناگ نیچے نہ بیٹھ جاتا تو خنجر ضرور اس کی گردن میں کھب جاتا۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا نیچے بیٹھ جاؤ۔ یہ شیطان شاید پھر حملہ کرے"۔

ماریا بھی طشتری پر نیچے ہو کر بیٹھ گئی۔ لال سپاہی طشتری کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

طشتری غار کے جس کمرے میں جاتی، وہ بھی اس کے پیچھے آتا مگر اس کی رفتار طشتری کے مقابلے میں کم تھی۔ آخر وہ تھک گیا۔

اب اس کے جسم کی کھال لٹکنے لگی۔ عنبر، ماریا اور ناگ نے دیکھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے لال سپاہی کی گردن ڈھلک گئی تھی۔

اس کی کھال جسم سے علیحدہ ہو کر لٹکنے لگی۔ پھر اس کا گوشت ڈھل گیا اور اس کے بدن کی ساری ہڈیاں نظر آنے لگیں اور پھر وہ ایک بھیانک چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

”خدایا تیرا شکر ہے۔ دشمن مر گیا ہے“۔

ایک دشمن مر گیا تھا، مگر دوسرا دشمن ان کے سامنے تھا۔

اڑن طشتری غار میں، زمین سے اونچی ہو کر آگے ہی آگے اڑی چلی جا رہی تھی۔ غار کی دیواروں میں ایک کے بعد ایک دروازہ کھلتا جا رہا تھا۔

ایک دروازہ کھلا۔ طشتری دوسری طرف گئی تو انہیں ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ ماریا ڈر گئی۔ ان کے سامنے ایک بہت بڑا مکروہ شکل چمگادڑ اپنے پنجے اور پر کھولے کھڑا تھا۔

اس بھیانک چمگادڑ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔

”نہیں نہیں ناگ! تم مت جانا۔ یہ بلا تمہیں ہلاک کر دے گی۔ ٹھہرو! میں اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ یہ مجھے کچھ نہ کہے گا“۔

ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ چمگادڑ کے سامنے جا کر طشتری بھی رک گئی۔ جیسے وہ بھی چمگادڑ کی بھیانک چیخ سے ڈر گئی ہو۔

عنبر تلوار کھینچ کر طشتری سے اچھل کر میدان میں چمگادڑ کے پاس آ گیا۔ چمگادڑ نے زور سے چیخ ماری اور عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر پہلے سے ہی تیار تھا۔ چمگادڑ نے عنبر کو اپنے خونی پنجوں میں جکڑ لیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ عنبر کو ایک پل میں ہلاک کر دے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

چمگادڑ کے چھریوں جیسے تیز پنجے عنبر کے جسم میں کھب گئے۔ لیکن عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ الٹا عنبر نے تلوار سے چمگادڑ پر وار کرنے شروع کر دیے۔

عنبر کی تلوار کے ایک کاری وار نے چمگادڑ کا ایک پر کاٹ کر رکھ دیا۔

درد کی شدت سے چمگادڑ زور سے چلا اٹھا۔ اس کے منہ سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے عنبر کو اپنے پنجوں میں دبوچ کر اپنے منہ کے تیز دانتوں میں جکڑنا چاہا۔

عنبر جب چمگادڑ کے منہ کے پاس پہنچا تو اس نے تلوار کے زوردار وار سے چمگادڑ کی ایک آنکھ پھوڑ دی۔ چمگادڑ وحشیوں کی طرح اچھلنے لگا۔ عنبر پر وار کرتا چلا گیا۔

چمگادڑ کے جسم سے نیلے رنگ کا خون جاری ہو گیا۔

چمگادڑ نے جھنجھلا کر عنبر کے سر پر زور سے پنجہ مارا۔ ٹھیک اسی وقت عنبر نے تلوار کا وار کیا اور چمگادڑ کا دوسرا پنجہ بھی کٹ کر فرش پر گر پڑا۔

ایک دردناک چیخ بلند ہوئی۔ چمگادڑ نے اپنا سر غار کی دیواروں سے ٹکرایا۔

ناگ نے چیخ کر کہا۔

"عنبر! اسے ہلاک کر دو"۔

غار میں زلزلہ سا آنے لگا تھا۔ روشنی کم سے کم تر ہو گئی تھی۔ ان کے پاؤں کے نیچے زمین تھرتھرانے لگی تھی۔ عنبر نے تلوار کا ایک بھر پور ہاتھ مارا اور چمگادڑ کی گردن پر اتنا گہرا شگاف پڑ گیا کہ اس کی گردن ایک طرف کو لٹک گئی۔

چمگادڑ ایک طرف کو لڑکھڑایا۔ عنبر نے اس کے لڑکھڑاتے ہی اس کی کمر پر ایک اور وار کر دیا۔ اب چمگادڑ نہ اٹھ سکا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

عنبر نے تلوار سے اس پر زور دار وار کرنے شروع کر

دیے۔ چمگادڑ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر واپس آ کر اڑن طشتری پر سوار ہو گیا۔

اڑن طشتری بھی جیسے مر گئی تھی۔ اس میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

"اس طشتری کو چھوڑ دو۔ یہ ختم ہو گئی ہے"۔

ماریا نے کہا اور ناگ عنبر اڑن طشتری سے اتر گئے۔

انہوں نے پیدل ہی آگے چلنا شروع کر دیا۔

چمگادڑ کے مرتے ہی اس کے پیچھے دیوار میں ایک شگاف پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اس شگاف میں سے آگے نکل گئے۔ یہاں اندھیرا تھا اور دور غار کی چھت میں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"یہ سورج کی روشنی ہے ناگ"۔

وہ پہلی بار غار میں سورج کی روشنی دیکھ رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب آزادی کے قریب تھے۔ انہوں نے روشنی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

سامنے پتھریلی سیڑھیاں آ گئیں جو اوپر کو جا رہی تھیں۔

سیڑھیاں بائیں طرف کو گھوم گئیں۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو سامنے ایک چبوترہ سا آ گیا۔

اس چبوترے پر دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ روشنی بھی چھت کے کسی سوراخ میں سے آ رہی تھی۔

دیوار کے ساتھ دونوں طرف چمگادڑ کے بڑے بڑے بت بنے ہوئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"باہر جانے کا راستہ ضرور یہیں کہیں ہوگا"۔

ماریا نے کہا۔

"ان دو چمگادڑوں کے درمیان کہیں دروازہ ہو سکتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں"۔

ناگ نے آگے بڑھ کر دیوار کے پتھروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ ایک پتھر اسے اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہلتا ہوا محسوس ہوا۔

ناگ نے پتھر کو کھینچ کر باہر نکال لیا۔ پتھر کے باہر کھنچتے ہی ایک گڑگڑاہٹ سی سنائی دی۔ اور دیوار میں چھوٹا سا شگاف پیدا ہو گیا۔

یہ شگاف اتنا سا تھا کہ اس میں سے صرف ایک آدمی باہر جا سکتا تھا۔ اس شگاف میں سے باہر کی روشنی کا سیلاب سا اندر آ رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"یہی راستہ باہر جانے کا ہے۔ جلدی سے اس میں سے گزر چلو۔"

زمین بڑے زور سے ہل رہی تھی۔ غار کی چھت سے پتھروں نے گرنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے سیڑھیوں میں سے جھانک کر دیکھا۔

نیچے گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔ انہیں ایسی آوازیں نیچے غاروں سے سنائی دینے لگی تھیں جیسے ساری کی ساری اڑن طشتریاں ایک دوسری سے چکر کھا کھا کر ٹکرا رہی ہوں۔

عنبر، ناگ اور ماریا، باری باری شگاف میں سے رینگ کر باہر نکل گئے۔

باہر جزیرے میں صبح کی روشنی اور چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر کوئی بادل نہیں تھا۔ اس کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ اور ناریل کے درخت دھوپ میں چمک رہے تھے۔

غار کی شیطانی مخلوق سے آزادی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ کمال کی بات تھی کہ ان کے باہر نکلتے ہی غار کی دیوار کا شگاف ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔

شیطان جہاز میں

غار کے اندر سے خوفناک آوازیں آنے لگی تھیں۔

عنبر نے کہا کہ یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے بھاگ چلو۔

وہ تیزی سے پہاڑی پر سے بھاگنے لگے۔

جب وہ نیچے زمین پر آئے تو ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔

وہ سمندر کی طرف دوڑنے لگے، کیونکہ غار کے اندر سے اب دھماکے شروع ہو گئے تھے۔

جب وہ پہاڑی سے دو ناریلوں کے جھنڈوں میں پہنچے تو ایک زبردست دھماکا ہوا اور پہاڑی پھٹ گئی۔ اندر سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

جزیرے کے جنگل کے سارے جانور اپنی اپنی ٹہنیوں سے اڑ گئے۔ بڑے بڑے پتھر اڑ اڑ کر جنگل اور سمندر میں گرنا شروع ہو گئے۔

تینوں بہن بھائی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ سارے جزیرے کی زمین ہل رہی تھی۔

ماریا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے سارا جزیرہ سمندر میں ڈوب رہا ہے"۔

ناگ بولا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔ غار تباہ ہو رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، پہاڑی کے اندر سے جوالا مکھی پھٹ پڑا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ٹھیک وقت پر باہر آ گئے، اگر اس وقت ہم اندر ہوتے تو ہم زندہ نہیں بچ سکتے تھے"۔

پہاڑی میں سے اونچے اونچے نیلے رنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ اندر بہت زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔

پھر ایک اور دھماکا ہوا اور ساری کی ساری پہاڑی زمین کے ساتھ لگ گئی۔ جیسے غارے اندر کوئی بہت بھیانک سوراخ ہو گیا ہو جس نے ساری پہاڑی کو نگل لیا ہو۔

ماریا بولی۔

"کس قدر خوفناک منظر ہے یہ! پہاڑی زمین سے

غائب ہو گئی ہے"۔

جہاں پہلے پہاڑی تھی وہاں اب ایک گڑھا سا پڑ گیا تھا جس میں سفید رنگ کا دھواں اٹھ رہا تھا اور گڑ گڑ کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے اندر پانی ابل رہا ہو۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں سے اب بھاگ نکلنا چاہیے"۔

وہ چٹان کی اوٹ سے نکل کر سمندر کی طرف دوڑنے لگے۔ ناریلوں کے درختوں سے بھرے ہوئے جنگل میں ہر طرف پہاڑی کے ٹوٹے پھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

یہ پتھر بڑے گرم تھے اور ان کی گرمی کی وجہ سے جنگل میں کئی جگہوں پر آگ لگ رہی تھی۔ وہ بھاگتے بھاگتے جنگل سے باہر نکل آئے۔

ان کا بادبانی جہاز تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

ناگ بولا۔

"ہمیں جتنی جلدی ہو سکے جہاز پر سوار ہو جانا چاہیے"۔

وہ تھک گئے تھے مگر برابر بھاگ رہے تھے۔ آخر وہ جہاز کے پاس آ گئے۔ جہاز کے سامنے والے جنگلے کے ساتھ رسی کی سیڑھی لٹک رہی تھی۔

وہ بڑی جلدی سے سیڑھی پر چڑھ کر جہاز کے جنگلے پر آ گئے۔ جہاز کے عرشے پر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب جو انہوں نے دیکھا تو جنگل میں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور کہیں کہیں آگ بھی لگ رہی تھی۔

سمندر کی لہریں بڑے زور سے ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ ان کا جہاز اگرچہ آدھا ریت پر چڑھا ہوا تھا پھر بھی وہ

ہچکولے کھانے لگا تھا۔ ایک لہر بڑے زور سے آ کر جہاز سے ٹکرائی اور جب وہ واپس جانے لگی تو اپنے ساتھ جہاز کو بھی ریت سے اکھاڑ کر واپس لے گئی۔

عنبر نے زور سے کہا۔

"ناگ! لنگر سمندر میں ڈال دو۔ جہاز ریت سے نکل گیا ہے۔ اگر لنگر نہ پھینکا تو یہ ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا"۔

ناگ نے فوراً لنگر پانی میں ڈال دیا۔

لنگر سمندر میں جا کر ریت میں گڑ گیا۔ لنگر کے گرتے ہی جہاز اپنی جگہ پر مضبوطی سے جم گیا۔ لہروں کا شور ابھی کم نہیں ہوا تھا۔

پہاڑی کے گرنے اور آگ لگنے سے ہوا نے سمندر کی

طرف سے جزیرے کی طرف بڑے زور شور سے چلنا شروع کر دیا تھا اور یہ لہروں کا طوفان اس طوفانی ہوا کی وجہ سے تھا۔

وہ جہاز کے عرشے پر بیٹھ گئے۔

ماریا تھک گئی تھی۔ وہ لیٹ کر آرام کرنے لگی۔

ناگ نے کہا۔

"کیا ہمیں اس جزیرے پر سے اب نکل جانا چاہیے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"جب تک ہمیں خزانہ واپس نہیں مل جاتا، ہم یہاں سے ہرگز ہرگز نہیں واپس نہیں جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

تمہیں معلوم ہے کہ تم مگرمچھوں سے بھرے ہوئے دریاؤں کو عبور کر کے واپس آئے ہیں۔ اگر خزانہ جزیرے پر تھا تو وہ ضرور اسی غار میں ہوگا اور غار اب پوری طرح تباہ ہو گئی ہے۔

ظاہر ہے خزانہ بھی اس کے ساتھ ہی تباہ ہو گیا ہوگا۔ اب اس کی امید رکھنا فضول ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اب واپس چلے جانا چاہیے۔

ماریا نے کہا۔

"میں تم دونوں بھائیوں سے صرف ایک دن کی مہلت مانگتی ہوں۔ مجھے صرف کل کا دن دے دو"۔

عنبر نے پوچھا۔

"ماریا بہن! تم ایک دن میں کیا کر لوگی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں کل کے دن جزیرے پر جا کر اپنے خزانے کو تلاش کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ خزانہ کہیں نہ کہیں ضرور دفن ہے۔ میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی"۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے ماریا پھر کسی مصیبت کو آواز دے رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

ماریا بولی۔

"مگر میرا ایسا خیال نہیں ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں خزانہ حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔ خزانہ غار میں نہیں تھا۔ خزانہ یہیں کہیں کسی جگہ دفن ہے"۔

عنبر بولا۔

"لیکن دشمن کے سپاہی تو اسے کندھوں پر اٹھا کر دریا کے پار لے گئے تھے۔ ان کی لاشیں دریا کے پار بکھری تھیں"۔

ناگ بولا۔

"تو پھر خزانہ کہاں چلا گیا تھا؟ دشمن سپاہیوں کی لاشیں دریا پار بکھری ہوئی تھیں تو خزانے کو بھی وہیں کہیں ہونا چاہیے تھا"۔

عنبر بولا۔

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خزانے کو وہ ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ خزانہ انہوں نے دریا کے پاس ہی کسی جگہ دفن کر دیا ہوگا"۔

ناگ نے پوچھا۔

اگر یہ بات مان لیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو خزانہ کسی دوسری جگہ دفن کر کے آگے جانے کی کیا ضرورت تھی؟۔

کیا وہ غار کی چمگادڑ مخلوق سے ملنے جا رہے تھے؟ وہ تو ان کے دشمن تھے۔ انہوں نے تو سپاہیوں کو راستے میں ہی ہلاک کر کے ان کا سارا خون نکال لیا تھا۔

عنبر نے کہا۔

یہ سارا معاملہ گورکھ دھندا بن گیا ہے۔ اسی لیے میرا خیال تھا کہ ہم خزانے کو بھول کر یہیں سے واپس چلے جاتے مگر ماریا نہیں مانتی۔ یہ کہتی ہے کہ میں خزانہ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر بھائی، خزانہ یہیں موجود ہے۔ سپاہیوں نے خزانے کو دریا پار کسی چٹان کے نیچے دبایا تھا اور وہ واپس آنے والے تھے کہ غار کی مخلوق نے ان پر حملہ کر دیا۔ انہیں ہلاک کر دیا۔ خزانہ وہ بھی نہ حاصل کر سکتے“۔

ناگ نے کہا۔

”غار کی مخلوق کو خزانے کی نہیں بلکہ سپاہیوں کے خون کی ضرورت تھی، وہ انہوں نے لاشوں میں سے نکال لیا تھا“۔

عنبر بولا۔

”بھئی اگر ماریا کا خیال ہے کہ خزانہ دریا پار کر چٹان کے نیچے دفن ہے اور وہ اسے ضرور واپس کر لے گی تو ہمیں اس کی خوشی کی خاطر وہاں جا کر خزانے کو تلاش کرنا ہوگا“۔

ماریا بڑی خوشی ہوئی۔

”اچھے بھائی ایسے ہوتے ہیں۔ میں بڑی خوش ہوں کہ تم نے ایک بہن کا خیال کیا۔ ہم کل صبح خزانے کی تلاش میں یہاں سے نکلیں گے“۔

ناگ ہنس کر بولا۔

”اور اگر خزانہ نہ ملا تو پھر کیا ہوگا؟ کیا ہم اس جزیرے میں ہی ساری زندگی بسر کر دیں گے؟“۔

ماریا نے جھنجھلا کر کہا۔

”ناگ بھائی! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ خزانہ ضرور ملے گا۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ خزانہ ضرور ملے گا اور ضرور ملے گا“۔

”اچھا بھئی کل دیکھ لیں گے چل کر“۔

دوپہر کا کھانا انہوں نے جہاز کے باورچی خانے

میں بیٹھ کر کھایا۔

سب سے پہلے تو انہوں نے جہاز کے عرشے کی صفائی کی۔ کھانے کے بعد جو ضروری مرمت تھی، جہاز کی وہ کی۔ عرشے کے ساتھ نئی لکڑی لگائی۔

ٹوٹے ہوئے جنگلے کو پھر سے جوڑا۔ خدا کا شکر تھا کہ ریت پر چڑھنے سے جہاز کے اگلے حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

دشمن کے سپاہیوں نے کیبن اور باورچی خانے میں ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھیر رکھا تھا۔ ناگ ماریا اور عنبر نے مل کر سارا کوڑا کرکٹ صاف کر کے سمندر میں پھینک دیا۔

شام کو ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔

طوفانی لہریں اب ختم ہو گئی تھی۔ جنگل میں لگی ہوئی آگ

بھی بجھ گئی تھی۔ تباہ شدہ پہاڑی کی طرف بھی اب گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اڑ کر چلے گئے ہوئے پرندے بھی واپس آ گئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

”ناگ! تم نے دیکھا ہو گا کہ پہاڑی میں دھماکے کے بعد جنگل کے سارے پرندے اڑ کر ایک قطار کی شکل میں جنوب کی طرف اڑ گئے تھے“۔

”ہاں میں نے دیکھا تھا اور اب پھر واپس بھی آ گئے ہیں“۔

”بالکل ٹھیک۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنوب میں ضرور کوئی ایسا بڑا جزیرہ یا ساحلی شہر موجود ہے جہاں جنگل ہیں کیونکہ اگر اس جزیرے کے ارد گرد ہزاروں میل تک

سمندر ہی سمندر ہوتا تو یہ پرندے اڑ کر کبھی سفر پر روانہ نہ ہوتے۔ وہ اس جزیرے کے اوپر منڈلاتے رہتے اور پھر واپس درختوں پر آ کر بیٹھ جاتے“۔

ماریا نے کہا۔

”عنبر کا خیال بڑا اچھوتا ہے۔ اس نے بڑی عقل مندی کی بات کی ہے۔ پرندوں کا اڑ کر جنوب کو جانا اور پھر واپس آ جانا ظاہر کرتا ہے کہ ادھر کوئی بہت بڑا جزیرہ یا کوئی ساحلی شہر ضرور موجود ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”پس ہمیں منزل کا نشان مل گیا ہے۔ ہم یہاں سے جنوب کی طرف سفر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ شمالی افریقہ کا کوئی جزیرہ ہے تو جنوب کی طرف ملک ہسپانیہ ہو گا

جہاں آج کل مسلمانوں کی حکومت ہے اور وہاں بڑی ترقی ہو رہی ہے"۔

ناگ بولا۔

"اگر یہ ہن قوم کے بدبخت سپاہی ہمارے جہاز کو اغوا کر کے نہ لے جاتے تو ہم اس وقت ہسپانیہ میں ہوتے"۔

عنبر نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اس میں بھی خدا نے کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور رکھی ہو گی۔ خدا کا کوئی بھی کام بھلائی کے بغیر نہیں ہوتا"۔

ماریا نے کہا۔

"بھلا اس میں کیا بھلائی ہے کہ ہمارا خزانہ گم ہو گیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! اس میں بھی ضرور کوئی بھلائی ہو گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا پتہ نہ ہو کہ بھلائی کیا ہے۔ تمہیں اگر خزانہ مل گیا تو شاید پتا چل جائے کہ بھلائی کیا تھی"۔

جزیرے پر شام کے سائے پھیلنے لگے۔ جنگل میں چڑیوں اور پرندوں نے شور مچا دیا تھا۔ ٹھنڈا ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ ماریا نے باورچی خانے میں جا کے قہوہ بنایا۔

وہ عرشے پر بیٹھ گئے اور قہوے سے دل بہلانے لگے۔ قہوہ پی کر وہ اپنے اپنے کیبن میں کھانا کھانے کے بعد جا کر لیٹ گئے۔

جزیرے پر بہت جلد رات چھا گئی تھی۔ ویسے بھی وہ دن بھر کے سخت تھکے ہوئے تھے۔ انہیں بستروں پر لیٹتے ہی نیند آ

گئی۔

جزیرے کی رات بڑی خاموشی سے گزرنے لگی۔

پہاڑی کی زبردست تباہی اور بھیانک زلزلے کے بعد جزیرے پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی طوفان نہیں آیا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ جنگل میں پرندوں نے بھی بولنا بند کر دیا تھا اور اپنے گھونسلوں میں سو گئے تھے۔ چمگادڑ مخلوق کی غار پوری طرح زمین کے اندر غرق ہو گئی تھی۔ ان شیطانوں میں سے کوئی بھی پرندہ نہیں بچا تھا۔ صرف ایک چمگادڑ زندہ رہا تھا جو اس وقت غار سے باہر جنگل میں تھا۔

یہ چمگادڑ شیطان جب جنگل سے واپس آیا تو اس نے غار کو تباہ و برباد ہوتے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔ اسے

بڑا صدمہ ہوا۔

پھر اس نے عنبر اور ناگ کو جنگل میں سمندر کی طرف بھاگتے دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی دونوں اس تباہی کے ذمے دار ہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان دونوں سے اپنے قبیلے کی بربادی کا ضرور بدلہ لے گا۔

یہ شیطان جنگل میں سے عنبر اور ناگ کا پیچھا کر رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ یہ دونوں جہاز میں سوار ہو گئے۔ شیطان سارا دن جنگل میں درختوں کے پیچھے چھپا رہا۔

وہ عنبر کے جہاز پر حملہ کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ آدھی رات کو جب جزیرے پر گہری خاموشی چھا گئی۔ اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تو یہ شیطان درختوں میں سے نکلا اور دبے پاؤں اس نے سمندر میں کھڑے جہاز

کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

سمندر کے کنارے آ کر شیطان پانی بڑی خاموشی سے اتر گیا۔ لہروں میں تیرتا ہوا وہ جہاز کے پیچھے آ گیا۔ لہروں میں تیرتا ہوا وہ جہاز کے پیچھے آ گیا، یہاں اس نے لنگر کی زنجیر کا سہارا لے کر جہاز کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

شیطان کو ایک بہت بڑی غلط فہمی ہوئی تھی۔ اسکا خیال تھا کہ جہاز پر صرف دو آدمی یعنی ڈورناگ ہی سوار ہیں۔ جب کہ جہاز میں ماریا بھی موجود تھی۔ لیکن ماریا غائب تھی اور شیطان چمگاڈر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

وہ جہاز کے عرشے پر آ کر چپ چاپ جنگلے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اور سننے لگا کہ کہیں نیچے سے کوئی آواز تو نہیں آ

رہی۔

نیچے جہاز میں گہری خاموشی تھی۔ سب اپنے اپنے کیبن میں سو رہے تھے۔ شیطان چمگاڈر نے اٹھ کر بہت ہی آہستہ آہستہ اور دبے دبے قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دیا۔ وہ نیچے اترنے والی سیڑھیوں کے قریب آ گیا۔

شیطان کی موت

سیڑھیوں میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

شیطان چمگادڑ بالکل ایک جانور کی طرح نیچے اترنے لگا۔ وہ دبے پاؤں بڑھتا اس کیبن کے پاس آ کر رک گیا جو ماریا کا کیبن تھا اتفاق سے اس کیبن کا دروازہ اندر سے کھلا رہ گیا تھا۔

شیطان چمگادڑ دروازے کو آہستہ سے کھول کر اندر داخل

ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ کیبن میں ایک دیا جل رہا ہے۔ کمر خالی ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ شیطان نے ادھر ادھر دیکھا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف کونے میں ایک بستر لگا تھا۔ شیطان بستر کے قریب آ گیا۔ اس بستر پر ماریا سو رہی تھی۔ مگر وہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

شیطان ایک بات دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ سرہانہ خالی تھا مگر درمیان سے وہ اس طرح دبا ہوا تھا جیسے کسی نے اس پر اپنا سر رکھا ہوا ہو۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر سرہانے کو چھوا تو اس کا ہاتھ ماریا کے سر سے ٹکرا گیا۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص سرہانے پر سر رکھے سو رہا ہو اور اسے

دکھائی بھی نہ دے رہا ہو۔

سر پر ہاتھ لگتے ہی ماریا کی آنکھ کھل گئی۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک چگادڑ کی شکل کا آدمی اس پر جھکا ہوا ہے۔ وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر پرے ہٹ گئی۔ شیطان چگادڑ نے دیکھا کہ سرہانے پر سے سر کا دباؤ ختم ہو گیا اور سرہانہ اپنی حالت میں آ گیا۔

وہ وہاں کھڑا بڑے تعجب سے سرہانے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سرہانے پر ہاتھ پھیرا تو وہاں کسی کا سر نہیں تھا۔ شیطان نے اب سارے بستر کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ بستر بالکل خالی تھا۔ اس لیے کہ ماریا بستر سے اٹھ کر پرے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی اور حیرانی سے شیطان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ یہ جانور جیسا آدمی کہاں سے آ گیا۔

اس کا مطلب ہے کہ یہ ضرور اپنے قبیلے کے لوگوں کی تباہی کا بدلہ لینے وہاں آیا ہے، کیونکہ اس کی شکل ان لوگوں سے ملتی جلتی تھی جو غار میں تباہ ہو گئے تھے۔

ماریا خاموشی سے دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا کرتا ہے۔ شیطان چگادڑ نے بستر کو اچھی طرح سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ دبے دبے پیر اٹھاتا بڑی خاموشی سے کیبن سے باہر نکل گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی ماریا بھی ساتھ ہی باہر آ گئی۔

چگادڑ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا دوسرے کیبن کے پاس آ گیا۔ اس کیبن کے اندر سو رہا تھا۔ چگادڑ نے کیبن کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔

عنبر اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ چمگاڈر نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کا ناخن بڑھا کر دروازے کے سوراخ میں سے اندر داخل کیا اور لوہے کے تالے کو کاٹ کر رکھ دیا۔

وہ دروازہ کھول کر چپکے سے اندر داخل ہو گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ اگر یہ شخص ناگ کے کیبن میں داخل ہوتا تو ماریا اسے اسی جگہ اسی وقت ختم کر دیتی، لیکن اب وہ عنبر کے کمرے میں آ گیا تھا اور عنبر کا وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا، کیونکہ عنبر کو موت نہیں تھی۔ ورنہ عنبر کو ہلاک کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے جسم کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

ماریا کیبن میں ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اور تماشا دیکھنے لگی کہ دیکھنے لگی کہ دیکھتے ہیں یہ چمگاڈر کیا کرتا ہے۔ عنبر کی طرف سے اسے تسلی تھی کہ اس کو یہ شخص کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اپنی طرف سے چمگاڈر شیطان بڑا خوش ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے دشمن کو پا لیا ہے اور اب وہ اس سے بدلہ لے کر رہے گا۔ وہ عنبر کے بستر کے قریب آ گیا۔

اس نے جھک کر دیکھا کہ عنبر سو رہا ہے یا نہیں، یہ اطمینان کر لینے کے بعد اس کا دشمن گہری نیند میں ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا ہے۔ اس نے اپنا ناخن اپنے منہ میں ڈال کر منہ کے اندر سے ایک باریک سوئی باہر نکالی۔

یہ سوئی ایک لمبی نلکی کی طرح تھی۔ جو اس کے منہ سے اندر تک چلی گئی تھی۔

اس سوئی جیسی تیز نلکی کو اس نے عنبر کی گردن میں اس

صفائی سے پیوست کر دیا کہ عنبر کو کانوں کان خبر نہ ہوئی وہ اسی طرح گہری نیند سو رہا تھا۔

ماریا حیران ہوئی کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے؟ اس نے آگے بڑھ کر جھک کر دیکھا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ یہ چمگادڑ شیطان اپنی طرف سے عنبر کے جسم کا سارا خون نکال کر پی رہا تھا۔ لیکن عنبر کے جسم میں خون تھا ہی نہیں۔

شیطان چمگادڑ کو بڑی حیرت ہوئی کہ عنبر کے جسم سے خون بالکل نہیں نکل رہا تھا۔ وہ پریشان سا ہو گیا۔ اس نے نلکی واپس اپنے منہ میں ڈالی اور دوسرے کیبن میں جانے کے لیے باہر نکلا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔ شیطان چمگادڑ اب ناگ کے کیبن میں داخل ہو گیا۔ اس نے دروازے کے

تالے کو اندر اپنا تیز ناخن ڈال کر کاٹ دیا تھا۔

ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گئی۔

اچانک ماریا کو خیال آیا کہ ناگ تو انسان نہیں بلکہ سانپ ہے۔ اس کے بدن میں خون کی جگہ زہر چل پھر رہا ہے اور اگر اس شیطان نے اس کا خون پینے کی کوشش کی تو یہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑی ہو کر تماشہ دیکھنے لگی۔

شیطان چمگادڑ نے اندر جا کر ناگ کو بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تو بڑی خوشی خوشی اور تیزی کیساتھ دبے دبے اس کے پاس آ گیا۔

ماریا اس کے بالکل قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس خیال سے کہ اگر شیطان نے خون پینے کی بجائے ناگ کو ناخن سے

ہلاک کرنے کی کوشش کی تو وہ اسی وقت خنجر مار کر شیطان چگاڈر کو قتل کر ڈالے گی۔

لیکن شیطان چگاڈر نے یہاں بھی وہی کام کیا جو اس نے عنبر کے ساتھ کرنا چاہا تھا مگر وہ ناکام ہو گیا۔ ناخن منہ کے اندر ڈال کر شیطان نے منہ سے لمبی سوئی جیسی نلکی نکالی اور بڑی خاموشی اور پھرتی سے ناگ کے جسم میں چبھو دی۔

کمال کی بات ہے کہ ناگ کو بھی ذرا سا احساس نہ ہو سکا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی دن بھر کا بے حد تھکا ماندہ تھا اور اب عنبر کے ساتھ ہی گھوڑے بیچ کر گہری نیند سو رہا تھا۔

شیطان چگاڈر کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

پہلے تو وہ بڑا خوش ہوا، کیونکہ ناگ کے جسم سے خون نلکی میں سے ہو کر اس کے حلق میں آنا شروع ہو گیا تھا۔ چگاڈر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

ماریا بھی ہنس پڑی، کیونکہ اب شیطان کا انجام قریب تھا۔

ناگ کے خون میں ایسا زہر تھا کہ جو بڑے سے بڑے ہاتھی کو بھی نیچے گرا سکتا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ناگ کے زہر بھرے خون کے دو تین گھونٹ ہی شیطان چگاڈر کے اندر گئے تھے کہ اس کا سر چکر کھانے لگا۔

اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے جلدی سے نلکی ناگ کے بدن سے نکال لی۔ مگر اب زہر بھرے خون نے اپنا کام کر دیا تھا۔

ماریا ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر شیطان کی موت کا

تماشہ دیکھنے لگی۔ شیطان چمگادڑ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

اسے اپنے سر کے اندر گولے پھٹتے اور دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چکر کھانے لگا۔ ماریا نے ناگ اٹھا دیا۔

ناگ ہڑبڑا کر اٹھا اور اپنے کیبن میں ایک چمگادڑ کی شکل والے آدمی کو پاگلوں کی طرح چکر لگاتے دیکھ کر حیرانی سے بولا۔

"یہ کون ہے ماریا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ شیطان چمگادڑ ہے اور اپنے قبیلے کے لوگوں کا بدلہ لینے یہاں آیا تھا۔ اس نے تمہارے جسم کا خون چکھ لیا ہے اور

اب تمہارے خون کے زہر سے خود ہی اپنی موت کے بھنور میں پھنس گیا ہے"۔

شیطان چمگادڑ کو نہ تو ماریا کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ناگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسے اب ناگ کی شکل بھی دکھائی دینا بند ہو گئی تھی۔

زہر نے اس کی آنکھوں کو بھی اندھا کر دیا تھا اور اس کے کان بھی بہرے کر دیئے تھے۔ اب نہ تو وہ سن سکتا تھا۔ اور نہ ہی دیکھ سکتا تھا۔

ماریا جلدی سے جا کر عنبر کو بھی اٹھا لائی۔ اس نے عنبر کو بھی ساری کہانی سنا ڈالی۔ عنبر بھی بڑا حیران ہوا کہ یہ چمگادڑ بدلہ لینے کے لیے کیسے زندہ رہ گیا۔

چمگادڑ پاگلوں کی طرح چکر کھا رہا تھا۔ اس کے بدن سے

اب جگہ جگہ سے نیلے رنگ کا خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے ایک چیخ ماری اور دھڑام سے نیچے فرش پر گر پڑا۔

عنبر نے اس کے قریب جا کر کہا۔

"تم کہاں سے آئے تھے؟"۔

چمگادڑ نے بولنے کی کوشش کی مگر ناگ کے زہر نے اس کی زبان کو بھی پتھر کر دیا تھا۔ وہ صرف ہاتھ اٹھا کر غوں غاں کر کے ہی رہ گیا۔ ناگ نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"تم کون ہو؟ کیا تمہیں خزانے کے صندوق کا کچھ پتا ہے؟"۔

اس کے جواب میں شیطان چمگادڑ نے ہاتھ اوپر اٹھا کر

دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ایک بھیانک آواز نکالی۔ زمین پر سے دو فٹ اوپر اچھلا اور دھڑام سے گرا اور گرتے ہی ایک ہچکی کیساتھ اس کی جان نکل گئی۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اس نے خزانے کے نام پر دروازے کی طرف کیوں اشارہ کیا تھا؟ کیا خزانہ اسی جہاز میں تو نہیں ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"جہاز کا تو ہم نے کونہ کونہ کئی بار چھان مارا ہے۔ خزانہ اگر جہاز میں ہوتا تو ہمیں اب تک مل گیا ہوتا۔ وہ یہاں نہیں ہے۔

اس چمگادڑ نے جزیرے کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا مطلب تھا کہ خزانہ اسی جزیرے میں کسی جگہ دفن ہے"۔

ماریا بولی۔

"ہاں! ناگ بھائی کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ خزانہ جزیرے میں ہی کسی جگہ دفن ہے"۔

عنبر بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس غار والی شیطانی مخلوق میں سے یہ شخص باقی تھا تو اور بھی لوگ جزیرے میں زندہ ہوں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"اب وہ اگر زندہ بھی ہوئے تو کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ دنیا کے انسانوں کو سوائے اس کے اور کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ سوتے میں ان کا خون پینے کی کوشش کریں گے اور جو آدمی جاگ پڑے گا وہ ضرور انہیں ہلاک کر دے گا۔ ہاں اگر

وہ انڈا کہیں دریا میں پھٹ جاتا تو پھر اس زمین پر کوئی بھی انسان زندہ باقی نہ بچتا"۔

ماریا بولی۔

"یہ شخص جنگل ہی سے ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ یہ ضرور غار سے باہر ہوگا۔ اگر میری آنکھ نہ کھل جاتی تو یہ ہمیں بہت نقصان پہنچا سکتا تھا"۔

"بے چارہ ہمیں کیا نقصان پہنچاتا۔ یہ خود ہی مارا جاتا۔ جیسے اب مارا گیا ہے"۔

"میرا خیال ہے، اب چل کر آرام کرنا چاہیے۔ رات ابھی کافی باقی ہے"۔

وہ دوبارہ اپنے کیبنوں میں جا کر سو گئے۔ اب انہوں نے کیبن کے دروازے بند نہ کیے۔ وہ بند کر بھی نہیں سکتے

تھے کیونکہ دروازوں کے کنڈے چمگادڑ نے اپنے تیز ناخن سے کاٹ ڈالے تھے۔

باقی رات انہوں نے آرام سے سو کر گزار دی۔ صبح وہ اٹھے تو باہر سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا نے باورچی خانے میں جا کر ناشتا تیار کیا۔

وہ ناشتا لے کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ ناشتا کرنے کے بعد عنبر نے کہا۔

اب یہ طے کرتے ہے کہ خزانے کی تلاش میں کون کون جزیرے میں جائے گا؟

کیا اس جہاز پر کسی کی رکھوالی ضروری ہے؟

اگر ضروری نہیں تو کیا ہم تینوں خزانے کی تلاش میں چلیں؟۔

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہم تینوں کو ساتھ ہی چلنا چاہیے۔ جہاز کی رکھوالی کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے"۔

ناگ نے جھٹ کہا۔

ارے بھئی رکھوالی کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ ہو سکتا ہے شیطان قبیلے کے لوگ اور بھی یہاں پر ہوں۔ کیا خبر وہ جہاز پر آ کر اسے آگ لگا کر چلے جائیں؟

اگر اس جہاز کو آگ لگ گئی تو ہمارے لیے یہاں سے جانا بے حد مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے جہاز کی رکھوالی کرنی بہت ضروری ہے۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا ٹھیک خیال ہے ناگ بھائی! میرا خیال ہے کہ تم

دونوں خزانے کی تلاش میں جاؤ۔ میں جہاز کی رکھوالی کروں گا"۔

ناگ بولا۔

"میری تو رائے ہے کہ ماریا کو جہاز کی رکھوالی کرنی چاہیے اور ہم دونوں خزانے کی تلاش میں جاتے ہیں کیونکہ ماریا کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اس لیے وہ زیادہ بہت طریقے سے اچھی طرح پہرہ دے سکتی ہے"۔

عنبر نے ماریا سے پوچھا۔

"کیوں ماریا؟ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"میرے عزیز بھائیو! جو تمہارا خیال ہے، وہی میرا خیال ہے۔ اگر تم لوگوں کی یہی رائے ہے کہ میں یہاں رہ کر پیچھے

جہاز پر پہرہ دوں تو میں تیار ہوں۔ لیکن تم خزانے کی تلاش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھو گے"۔

عنبر ہنس دیا۔

"ارے پگلی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے بھلا؟ کیا ہمیں خزانے کی ضرورت نہیں ہے؟ فکر نہ کرو۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ خزانے کا سراغ لگا لیں"۔

انہوں نے جزیرے کے جنگل میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک جزیرے کے جنگلوں میں گھومنا پھرنا چاہتے تھے۔

اس کے لیے انہوں نے اپنے ساتھ خنجر وغیرہ بھی لے لیے۔ اگرچہ اس جزیرے میں انہوں نے سوائے کومڑ کے اور کوئی جنگلی درندہ نہیں دیکھا تھا۔

پھر بھی انہیں خطرہ تھا کہ ہو سکتا ہے، چنگاڈر قبیلے کے کچھ لوگ ابھی باقی زندہ ہوں۔ جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تمہیں بڑی ہوشیاری اور چوکسی سے یہاں پہرے داری کرنی ہو گی، کیونکہ اب ہمیں اس جزیرے کو دشمنوں سے خالی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہاں ہو سکتا ہے، ہمارے بہت دشمن ہوں۔ اس لیے بہت ہوشیار رہنا۔ ہم شام تک واپس آ جائیں"۔

ماریا نے کہا کہ وہ پوری ہوشیاری اور چوکسی سے پہرے داری کرے گی۔

عنبر اور ناگ جہاز پر سے اتر کر خزانے کی تلاش میں جنگل میں داخل ہو گئے۔ ماریا نے ان کے جاتے ہی رسی کی سیڑھی

اوپر کھینچ لی۔

وہ جہاز کے جنگلے کے ساتھ لگ کر اس وقت تک کھڑی رہی جب تک کہ عنبر اور ناگ اسے جاتے دکھائی دیتے رہے۔ جب وہ جنگل میں گم ہو گئے تو ماریا جنگلے سے ہٹ کر نیچے اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گئی۔

☆ کیا چمگادڑ شیطان نے جہاز پر حملہ کیا؟

☆ کیا عنبر اور ناگ خزانہ حاصل کر سکے؟

☆ سپین میں مسلمانوں پر کیا گزری؟

☆ عنبر اور ناگ کن حالات میں سپین پہنچے؟

☆ اس کے لیے پڑھیے اس ناول کی اگلی

49 ویں قسط پڑھیے

جادو کا پہاڑ

(عمرو عیار سیریز)

اے حمید

جادو کا پہاڑ

عنبر ناگ ماریا

(قسط نمبر 49)

اے حمید

فہرست

تیروں کی بارش
عنبر کا اغوا
آدمی کھانے والے
سردار ہار گیا
کالا سمندر
پراسرار دھماکا
جنگل میں چیخ
گمنام شہر کی طرف
سمارو کا گھر
جادو کا پہاڑ

پیارے بچو!

پچھلی کتاب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر کا جہاز ایک جزیرے میں پہنچ جاتا ہے جہاں ستاروں کی مخلوق آباد ہے۔ یہاں غاروں کے اندر انھوں نے اڑن طشتریوں کے اڈے بنا رکھے ہیں۔

یہ لوگ آسمان سے اس مقصد کے لیے زمین پر آئے ہیں کہ یہاں کے انسانوں کا سارا خون نکال کر اوپر لے جائیں۔ عنبر اور ناگ ان لوگوں کو تباہ کر کے اپنے خزانے کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

ماریا اکیلی جہاز پر پہرہ دے رہی ہے۔ آدھی رات کو سیاہ دھوئیں کا ایک مرغولہ آتا ہے اور ایک زبردست دھماکہ سنائی دیتا ہے عنبر اور ناگ جو کہ خزانہ لے کر واپس جہاز پر جا چکے تھے۔ اس دھوئیں میں غائب ہو جاتے ہیں۔

ماریا خزانہ ساحل پر ایک جگہ دفن کر کے عنبر اور ناگ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی ہے۔ اچانک ایک پہاڑ کے قریب سے ایک بھیانک آواز سنائی دیتی ہے۔

اب آگے پڑھئے۔

تیروں کی بارش

عنبر اور ناگ دونوں اکیلے جنگل میں جا رہے تھے۔

ماریا جزیرے کے ساحل پر بادبانی جہاز میں اکیلی کیبن میں لیٹی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ہم اس ناول کی پچھلی قسط میں لکھ چکے ہیں۔

جزیرے کی شیطانی چمگادڑ مخلوق غار کے ساتھ ہی تباہ ہو چکی تھی۔ عنبر اور ناگ نے اپنے جہاز پر واپس آ کر دیکھا کہ خزانہ وہاں نہیں تھا۔ ایک دشمن چمگادڑ نے مرتے ہوئے جنگل کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خزانہ جنگل میں کسی جگہ زمین میں دبا ہوا ہے۔

عنبر اور ناگ نے ماریا کو جہاز پر ہی چھوڑا اور خود خزانے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

ماریا اپنے جہاز کے کیبن میں لیٹی تھی۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، ماریا غائب عورت ہے۔ وہ خود تو سب کو دیکھتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

وہ جہاز کی رکھوالی کر رہی تھی۔ ماریا کو اسی لیے پیچھے چھوڑا گیا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس

لیے وہ بڑی اچھی طرح سے پہرہ دے سکتی تھی۔

ماریا کیبن میں آنکھیں بند کر کے لیٹی تھی۔ اگر کوئی کیبن کے اندر جا کر دیکھتا تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آ سکتا تھا۔

عنبر اور ناگ دونوں دوست دونوں بھائی بڑی خاموشی سے جنگل میں اس دریا کی طرف جا رہے تھے۔ جس کو انہوں نے پار کرنا تھا اور جس میں ہزاروں مگرمچھ تیرتے پھرتے تھے۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا کہ دریا کو کس طریقے سے پار کیا جائے گا۔ ناگ نے کہا کہ وہ اژدہا سے مدد لیں گے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے جو انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے۔

وہ شیش ناگ یعنی سانپوں کا دیوتا سمجھا جاتا ہے اور دنیا کے سارے سانپ اس کی غلامی کرتے تھے۔

عنبر نے کہا۔

”اگر اژدہا سے ملاقات نہ ہو سکی تو پھر دریا کو کس طرح سے پار کریں گے“۔

ناگ نے کہا۔

”بھائی! تم تو مگرمچھ کے اوپر بیٹھ کر بھی دریا پار کر لو گے، کیونکہ تم مر نہیں سکتے۔ تمہیں موت نہیں ہے۔ مصیبت تو میری ہے، کیونکہ میں اگرچہ سانپ ہوں مگر میں مر سکتا ہوں“۔

عنبر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اژدہا اسی جگہ پر ہو گا۔ وہ اور کہیں نہیں جا سکتا“۔

ناگ نے کہا۔

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں پہاڑی کے تباہ ہونے اور آگ پتھروں کی بارش میں وہ بھی ہلاک نہ ہو گیا ہو“۔

عنبر نے کہا۔

”خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ بہرحال ہمیں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہو گا“۔

وہ جنگل میں چلتے چلے گئے۔ راستے میں انہوں نے لومڑوں کے ایک گروہ کو دیکھا جو انہیں دیکھ کر زور زور سے چلانے لگے۔

ناگ نے کہا۔

”لومڑوں کا چلانا کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ خدا خیر کرے“۔

عنبر بولا۔

”ناگ بھائی! میں اس قسم کے وہم پر یقین نہیں رکھتا جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا“۔

وہ جنگل کے اس حصے میں آ گئے، جہاں دلدلیں شروع ہوتی تھیں۔ اس جزیرے کی دلدلیں بڑی خطرناک تھیں۔ اوپر سے گھاس کا تختہ معلوم ہوتیں مگر نیچے کیچڑ ابل رہا ہوتا۔ جو کوئی اس میں گرتا، اسے دیکھتے دیکھتے نگل جاتیں۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ہمیں دلدل سے ہوشیار رہنا ہو گا۔ یہاں بڑا

خطرہ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو بھائی! میں دلدل کو دور ہی سے پہچان لیتا ہوں"۔

مگر ایسا نہیں تھا۔ ایک جگہ سے عنبر کا پاؤں پھسلا وہ دوسری طرف گھاس پر گرا۔

افسوس کہ یہ گھاس دلدل کے اوپر اگا ہوا تھا۔

دلدل نے عنبر کو جکڑ لیا اور اسے نیچے نگلنا شروع کر دیا۔

عنبر نے زور سے کہا۔

"ناگ، مجھے بچاؤ، دلدل مجھے نیچے کھینچ رہی ہے"۔

ناگ پہلے تو گھبرا گیا۔ پھر ہوش سنبھال کر اس نے

لپک کر درخت کی ایک شاخ توڑی اور اسے عنبر کی طرف بڑھایا۔

"عنبر اس شاخ کو مضبوطی سے پکڑ لو"۔

عنبر نے شاخ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ ناگ نے عنبر کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ بڑا کمزور سہارا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی شاخ ٹوٹ گئی اور عنبر پھر دلدل میں دھنسنا شروع ہو گیا۔

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ناگ! اس درخت کی شاخ کو اوپر جا کر نیچے جھکاؤ"۔

ناگ جلدی سے درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے عنبر کے سر کے اوپر پھیلی ہوئی شاخ کو نیچے جھکانا شروع کر

دیا۔ شاخ عنبر کے سر کے قریب آئی تو عنبر نے ہاتھ اوپر اٹھا کر شاخ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اس طریقے پر عمل کرنے سے عنبر بچ گیا۔ دلدل اسے نیچے کھینچ رہی تھی مگر درخت کی ٹہنی اسے اوپر کھینچ رہی تھی۔ عنبر نے پورا زور لگا کر درخت کی ٹہنی کو اپنی طرف کھینچا۔ اپنی طرف کھینچنے سے عنبر دلدل سے باہر نکل آیا۔

اس نے چھلانگ لگائی اور دلدل میں سے نکل کر درخت کی ٹہنی پر چڑھ گیا۔ درخت پر سے اتر کر وہ گھاس پر اتر آیا اور اپنے کپڑوں پر لگے کیچڑ کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"ناگ بھائی! اگر آج تم میری مدد نہ کرتے تو

میں اس وقت دلدل کے نیچے ایک زندہ مردہ بن کر پھنسا ہوتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس دلدل کے اوپر درخت تھا۔ میں اگرچہ مر نہیں سکتا تھا مگر یہ میری زندگی موت سے بھی بدتر ہوتی۔ ذرا غور کرو کہ میں دلدل کے نیچے دبا ہوا ہوں اور مر بھی نہیں سکتا"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اس عذاب سے بچا لیا۔ اب میرا خیال ہے، تمہیں ندی پر چل کر اپنے کپڑے صاف کر لینے چاہئیں"۔

راستے میں انہیں ایک چھوٹی سی ندی بہتی ملی۔ عنبر نے کپڑوں سمیت ندی میں چھلانگ لگا دی اور خوب مل مل کر اپنے کپڑوں کو دھو کر صاف کیا۔ پھر اس نے

منہ بھی صاف کیا اور اسی طرح گیلے کپڑے پہنے باہر نکل آیا۔ دن خوب گرم تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی۔

پھر دریا کی طرف چل پڑے۔ دریا کے کنارے پہنچتے پہنچتے عنبر کے گیلے کپڑے بالکل خشک ہو گئے۔ دریا کے کنارے آ کر انہوں نے دیکھا کہ وہاں اسی طرح مگرمچھ اپنے خونخوار دانت نکالے تیرتے پھر رہے تھے۔

یہ ایک بڑا ہی خوفناک نظارہ تھا۔

عنبر نے کہا۔

”ناگ بھائی! اب کیا کرنا ہے؟ کس طرح دریا پار کرنا ہوگا؟ میرا خیال ہے اژدہا کو بلا کر دیکھو۔ وہ یہاں ہے بھی کہ نہیں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ابھی دیکھتا ہوں“۔

ناگ نے زور سے اوپر منہ کر کے فضا میں پھونک ماری۔

اس کے پھونک کی بو اسی وقت ہوا میں مل گئی۔ اس کی بو پر ایک پھنیئر سانپ اپنا پھن پھیلائے عنبر اور ناگ کے سامنے آ گیا۔

سانپ نے سر جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور کہا۔

”اے شیش ناگ! اس غلام کو کس لیے یاد کیا ہے؟“۔

”اے کوبرا! یہ بتاؤ کہ اژدہا۔۔۔ تمہارا اس جزیرے کا بادشاہ کہاں ہے؟“۔

سانپ نے کہا۔

اے ناگ دیوتا! اژدہا یہاں سے جا چکا ہے۔ جس روز غار والی پہاڑی تباہ ہوئی، وہ اسی وقت اپنے ساتھ سارے سانپوں کو لے کر سمندر میں اتر گیا تھا۔ میں اس لیے یہاں رہ گیا ہوں کہ جزیرے پر ایک سانپ کے جوڑے کا رہنا ضروری ہے۔

ناگ نے کہا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اژدہا کہاں گیا ہے؟“۔

سانپ بولا۔

”اے ناگ دیوتا! اژدہا نے کسی کو نہیں بتایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سمندر میں کسی چٹان پر جا کر اپنا بسیرا بنائیں گے، کیونکہ اس سے پہلے وہ سمندر میں کئی بار جا

کر ڈیرہ لگا چکے ہیں“۔

ناگ نے کہا۔

”پھر تو بڑی مشکل ہو گئی ہے“۔

سانپ نے کہا۔

”اے ناگ دیوتا! مجھے حکم کریں۔ کیا میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا؟ کیا میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا؟“۔

ناگ نے کہا۔

”بات یہ ہے کہ ہمیں اس دریا کو پار کرنا ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس دریا کو پار کیا تھا تو اژدہا نے ہماری مدد کی تھی۔ اس نے ہمیں اپنی گود میں بٹھا کر دریا پار کرا دیا تھا۔ کیا تم کسی طرح ہمیں دریا کے پار پہنچا

سکتے ہو؟"۔

سانپ نے کہا۔

"اے شیش ناگ! میں اکیلا آپ کی صرف اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں کہ کسی ایک مگر مچھ کو ڈس کر اسے ہلاک کر دوں۔ پھر آپ اس مگر مچھ کی لاش پر بیٹھ جائیں اور دریا پار کر لیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا دوسرے مگر مچھ ہم پر حملہ نہیں کریں گے؟"۔

سانپ بولا۔

ناگ دیوتا! مردہ مگر مچھ کی ایک خاص بو ہوتی ہے۔ اس بو کی وجہ سے کوئی مگر مچھ اس کے قریب نہیں آتا۔ بلکہ وہ اس سے دور دور بھاگتے ہیں۔

جب آپ مردہ مگر مچھ پر سوار ہوں گے تو کوئی مگر مچھ آپ کے قریب نہیں آئے گا۔ سب آپ سے دور بھاگیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے ناگ بھائی! سانپ سے کہو کہ وہ کسی مگر مچھ کو جا کر ڈسے اور اسے ہلاک کر دے۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

"اے سانپ! ہم تمہاری تجویز پر ہی عمل کریں گے۔ جاؤ اور جا کر کسی مگر مچھ کو ہلاک کر دو مگر کسی ایسے مگر مچھ کو ہلاک کرنا، جو دریا کے کنارے پاس ہی ہو"۔

"جو حکم سرکار"۔

یہ کہہ کر سانپ وہاں سے چل کر دریا کے کنارے پر آ گیا۔ دریا کے کنارے پر چار پانچ مگر مچھ ریت پر لیٹے بڑے مزے سے دھوپ تاپ رہے تھے۔

سانپ بڑی خاموشی سے ایک بے مگر مچھ کے پاس گیا اور اس نے بڑی تیزی اور چالاکی کے ساتھ اس مگر مچھ کے کھلے منہ میں ڈس دیا۔

مگر مچھ کو پہلے تو کچھ محسوس نہ ہوا وہ اسی طرح ریت پر لیٹا رہا۔

لیکن بہت جلد زہر نے اس کے خون کو پھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ گھبرا کر اچھلا اور واپس دریا کی طرف بھاگا۔ لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ہی وہ پتھر بن کر ریت پر رہ گیا۔ اس کا سر ڈھلک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔

سانپ نے ناگ کے پاس جا کر کہا۔

"اے مقدس شیش ناگ! میں نے اپنا کام کر دیا ہے۔ اب آپ بڑے شوق سے مگر مچھ کے اوپر سوار ہو کر دریا پار کر جائیں۔ آپ کے پاس ایک بھی مگر مچھ آنے کی جرات نہیں کرے گا"۔

عنبر اور ناگ نے مل کر مگر مچھ کی لاش کو دریا کی لہروں کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

کنارے سے مگر مچھ کی لاش دریا میں آئی تو عنبر اور ناگ اس پر سوار ہو گئے۔ انہوں نے ہاتھوں سے چپو چلاتے دریا کے دوسرے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

عنبر کو ایک ذرا سا وہم تھا کہ شاید مگر مچھ اپنے مردہ ساتھی کی لاش کا کوئی احترام نہ کریں اور ان دونوں پر حملہ کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ناگ کی تکا بوٹی بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ سانپ نے سچ کہا تھا۔ مگر مچھ اپنے مردہ ساتھی کی لاش کی بو پا کر پرے پرے ہٹتے چلتے گئے۔ جدھر سے ان کی مگر مچھ کی مردہ کشتی جاتی تھی مگر مچھ بھاگ جاتے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"سانپ کی بات سچی نکلی اگر یہ ہماری مدد نہ کرتا تو ہمارے لیے دریا پار کرنا بڑا مشکل تھا"۔

ناگ بولا۔

"ہاں بھائی! یہ تو بہت اچھا ہوا کہ سانپ سے ملاقات ہو گئی"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ دریا پار کر گئے۔

دریا کے دوسرے کنارے آ کر انہوں نے مردہ مگر مچھ کی لاش کو کنارے پر کھینچ لیا۔

عنبر نے کہا۔

"بھائی ہمیں اس مگر مچھ کی لاش کو بڑی حفاظت سے کسی جگہ جھاڑیوں میں چھپا کر رکھنا ہوگا، کیونکہ واپسی پر بھی دریا پار کرتے ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی"۔

"ہم اسے یہیں کنارے کی جھاڑیوں میں کسی جگہ چھپا دیں گے ویسے لومڑ مگر مچھ کو نہیں کھا سکتے، کیونکہ اس جانور کی کھال بہت سخت ہوتی ہے"۔

عنبر اور ناگ نے مل کر مگر مچھ کی لاش کو اوپر کھینچا اور ایک جگہ کنارے کی جھاڑیوں میں لے جا کر چھپا دیا۔ اس کے اوپر بھی جھاڑیاں توڑ کر ڈال دیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر اور ناگ نے دوسرے کنارے کے جنگل میں چلنا شروع کر دیا اب وہ اس مقام پر آ گئے جہاں سے کھنڈر شروع ہوتے تھے۔

غار والی پہاڑی کی تباہی کی وجہ سے یہاں جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ کئی جگہوں پر جھاڑیاں جل کر راکھ ہو گئی تھیں۔ کئی درخت بھی جل چکے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! اب ہمیں سوچ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ خزانہ یہاں پر کس جگہ دفن کیا جا سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بھائی ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ خزانہ کس نے کس جگہ پر دفن کر رکھا ہے۔ ہم تو محض اس خیال سے آگے چل رہے ہیں کہ شاید یہاں سے کوئی ایسا نشان ہمیں مل جائے۔ جسے دیکھ کر ہمیں خزانے کے بارے میں کچھ پتا چل سکے"۔

ناگ نے کہا۔

"مگر ایسا نشان ہمیں کہاں ملے گا بھائی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں بھلا؟ بہر حال ہمیں خدا پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ اس نے چاہا تو ہمیں خزانے کا ضرور پتا چل جائے گا۔ ویسے بھی جزیرے کا یہ جنگل آگے جا کر ختم ہو جاتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"بھائی میں تو تھک گیا ہوں۔ میرا خیال ہے اس چٹان کے نیچے سائے میں بیٹھ کر کچھ دیر آرام کرتے ہیں۔ اس کے بعد آگے چل کر خزانے کی تلاش جاری رکھیں گے"۔

"اور کیا ہو سکتا ہے بھائی! یہاں آرام ہی کرتے ہیں۔ میں بھی چلتے چلتے تھک گیا ہوں"۔

انہوں نے چٹان کے سائے میں ایک جگہ گھاس

پر ڈیرا جما لیا۔ موسم گرم ہو رہا تھا۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ جزیرے میں حبس ہو گیا تھا۔

سمندر کی طرف بڑی ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔

ناگ کو پیاس محسوس ہوئی۔

اس نے کہا۔

"عنبر بھائی! پیاس کے مارے میرا تو دم نکلا جا رہا ہے۔ میں یہاں کسی جگہ پانی تلاش کرتا ہوں۔ تم اسی جگہ بیٹھے رہنا"۔

عنبر بولا۔

"دیکھنا بھائی زیادہ دور مت جانا۔ ابھی ابھی ایک مصیبت سے نکلے ہیں۔ کہیں دوسری مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں"۔

"نہیں بھائی! میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔ میں ابھی پانی لے کر اور پانی پی کر اسی جگہ واپس آتا ہوں"۔

ناگ عنبر کو چٹان کے پاس چھوڑ کر پانی کی تلاش میں جنگل میں آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جنگل میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ندی یا چشمہ ضرور بہہ رہا ہو گا۔

اس کے کندھے سے ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ وہ خود پانی پی کر اس مشکیزے میں عنبر کے لیے پانی بھر کر لانا چاہتا تھا۔

وہ جنگل میں دور تک نکل گیا۔ کم بخت کہیں بھی کوئی چشمہ یا ندی اسے دکھائی نہ دی۔ وہ واپس آ رہا

تھا کہ اسے قریب ہی کسی آدمی کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

"وہ چوکنا ہو گیا"۔

دو آدمی آپس میں ہولے ہولے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

ناگ جلدی سے درختوں میں چھپ گیا۔ وہ اس طرف بڑھنے لگا۔

جدھر سے سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی۔ ابھی وہ ایک قدم چلا ہی تھا کہ سامنے سے ایک تیر اس کے پاس سے گزر کر درخت میں کھب گیا۔

دوسرے لمحے بے شمار تیروں کی بارش ہو گئی اور ناگ زمین پر لیٹ گیا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ اچانک چھ سات جنگلی تیر کمان لیے اس کے سر پر آن کھڑے ہوئے۔

انہوں نے بڑی تیزی سے ناگ کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ لیا اور کندھے پر اٹھا کر ایک طرف کو چل دیے۔

ناگ کی ہڈیاں دکھ رہی تھیں۔ وہ اگر سانپ بھی بن جاتا تو اس رسی سے آزاد نہ ہو سکتا تھا۔

عنبر کا اغوا

عنبر بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا۔

خدا جانے ناگ کہاں چلا گیا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ یہ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ناگ کی تلاش میں جنگل میں آ گیا۔

وہ جنگل میں کافی دیر تک ناگ کو تلاش کرتا رہا مگر

اسے ناگ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ آخر دوپہر ڈھلنے لگی۔ سورج غروب ہونا شروع ہو گیا۔

عنبر نے جنگل میں ناگ کو آوازیں بھی دیں مگر کسی طرف سے اسے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ شام ہو گئی۔ عنبر نے سوچا کہ اسے واپس جہاز پر جا کر ماریا کو سارا حال بتانا چاہیے اور پھر اس کے مشورے سے ناگ کی تلاش شروع کرنی چاہیے۔

یہ سوچ کر وہ واپس مڑا۔ دریا پر آ کر اس نے مردہ مگر مچھ کی لاش کو جھاڑیوں میں سے کھینچ کر دریا میں ڈالا اس کے اوپر سوار ہوا اور دریا میں سے گزرتا دوسرے کنارے پر آ گیا۔

یہاں سے وہ جنگل میں داخل ہو گیا اب شام

گہری ہو گئی تھی۔ جنگل میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔ عنبر جلدی جلدی گزرتا سمندر کے کنارے آ گیا۔

ماریا جہاز کے جنگلے پر مشعل کی روشنی کیے اکیلی کھڑی تھی۔ عنبر روشنی کی مدد سے جہاز کے اوپر آ گیا جہاز پر آ کر اس نے ماریا کو بتایا کہ ناگ جنگل میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ ماریا بڑی پریشان ہوئی۔

"ناگ کہاں گم ہو گیا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"پانی کی تلاش میں گیا تھا۔ پھر واپس نہ آیا۔ میں نے اسے جنگل میں جگہ جگہ تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں بھی نہ مل سکا میں نے اسے آوازیں بھی دیں"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا خیر کرے ناگ کوئی بچہ نہیں ہے، اسے گم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیا اس جزیرے میں کوئی اور لوگ بھی رہتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے، اژدہا نے کہا تھا کہ جزیرے کے جنوب میں یہاں ایک وحشی قوم آباد ہے جو آدم خوری بھی کرتی ہے، ہوسکتا ہے ناگ اس وحشی قوم کے قبضے میں آ گیا ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"پھر تو ہمیں فوراً اس کی مدد کو پہنچنا چاہیے کہیں وہ ظالم خونخوار وحشی اس کی تکا بوٹی نہ کر دیں، وہ تو مر بھی سکتا ہے"۔

عنبر بولا۔

"ایسی فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ناگ اپنی جون بدل سکتا ہے۔ اگر اسے رسیوں میں جکڑ کر بھی لے گئے ہوں گے۔ پھر بھی وہ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ اب تو صبح ہی ڈھونڈنے نکلیں گے۔

کیبن میں بیٹھ کر ماریا اور عنبر نے کھانا کھایا اور پھر دیر تک آپس میں ناگ کے بارے میں صلاح مشورے کرتے رہے کہ صبح اسے جنگل میں کہاں کہاں جا کر تلاش کرنا ہوگا۔

ماریا کا خیال تھا کہ انہیں جزیرے کے جنوبی کنارے کی طرف نکل جانا چاہیے۔

"ناگ ضرور جنوبی ساحل پر وحشی قوم کے قبضے

میں ہوگا۔ اگر انہوں نے اسے کھایا نہیں ہے تو پھر وہ اب تک ضرور آزاد ہو چکا ہوتا"۔

عنبر نے کہا۔

"اب صبح ہی نکلیں گے۔ جنوبی ساحل کی طرف ہم ابھی تک نہیں گئے۔ ناگ ہمیں ضرور وہاں مل جائے گا۔ کاش ہم جزیرے کے کسی سانپ سے ہی اس کا پتا پوچھ سکتے مگر ہمیں تو سانپ کی زبان نہیں آتی"۔

ماریا نے کہا۔

"بہر حال خدا نے چاہا تو ہم ناگ کو ڈھونڈ لیں گے"۔

اس کے بعد ماریا اور عنبر اپنے اپنے کیبن میں جا کر سو گئے۔ جزیرے پر رات کا اندھیرا اور گہری

خاموشی چھا گئی۔ آدھی رات کے بعد زرد زرد چاند نکل آیا۔

چاند کی پیلی پیلی روشنی سارے جزیرے پر پھیل گئی۔ جزیرہ اس دھندلی روشنی میں بڑا پراسرار دکھائی دینے لگا۔ عنبر اور ماریا اپنے اپنے کیبن میں گہری نیند سو رہے تھے۔

اچانک جزیرے میں ساحل کے قریب جنگل میں سیٹی کی ہلکی سی آواز گونجی۔

پھر دوسری طرف سے بھی سیٹی کی آواز آئی۔ اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد دو زرد آنکھیں جھاڑیوں میں چمکیں، قریب ہی اور دو آنکھیں چمکیں پھر دو وحشی آدمی تیر کمان کندھوں پر

لٹکائے جھاڑیوں سے نکل کر باہر سمندر کے کنارے نکل آئے۔

انہوں نے اشاروں ہی اشاروں میں آپس میں کوئی بات کی اور پھر سمندر میں کھڑے بادبانی جہاز کو بڑے غور اور تعجب سے دیکھا۔

ایک وحشی نے دوسرے سے کہا۔

"یہ کوئی بہت بڑی کشتی ہے۔ اس میں سے آدمی کی بو آ رہی ہے۔ تم پرلی طرف سے اوپر چڑھو۔ میں اس طرف سے اوپر آتا ہوں"۔

دونوں جنگلیوں نے مگرمچھ کی طرح سمندر میں بڑی آہستہ سے چھلانگیں لگا دیں اور خاموشی سے پانی کے اندر ہی اندر تیرتے ہوئے جہاز کے پاس پہنچ

گئے۔ ایک جنگلی شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف جہاز کے پاس نکل آیا۔

ایک وحشی نے لنگر کی زنجیر کو تھاما اور چھپکلی کی طرح جہاز کے اوپر چڑھ کر جنگلے پر آ گیا۔

دوسرا جنگلی بھی جہاز کے جنگلے پر آ گیا۔ چاندنی رات میں وہ دونوں وہاں کھڑے بھوت لگ رہے تھے۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کئے اور عرشے کے فرش پر سانپ کی طرح رینگتے ہوئے اس لکڑی کے چھوٹے سے دروازے کے پاس آ گئے۔ جہاں سے نیچے سیڑھی جاتی تھی۔

اتفاق سے دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ ناگ کی پریشانی کی وجہ سے ماریا اور عنبر دونوں میں سے کسی کو بھی

دروازہ بند کرنا یاد نہیں رہا تھا۔

جنگلی آدم خوروں نے نتھنے پھلا کر انسان کی بو سونگھی اور پھر سانپ کی طرح رینگتے ہوئے سیڑھیوں میں سے نیچے اتر گئے۔

نیچے راہداری میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف عنبر کے کیبن میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ دونوں آدم خور بلی مکاری سے دبے دبے چلتے عنبر کے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

عنبر بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ وحشی اس کے سرہانے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ایک وحشی نے تیروں کی تھیلی میں سے کسی جانور کی ہڈی باہر نکالی اور اسے عنبر کی ناک کے سامنے کر دیا۔

عنبر نے دو تین گہرے گہرے سانس لیے، ذرا سا گھبرایا، ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں، ہاتھ بڑھا کر تلوار پکڑنا چاہی مگر اس کا ہاتھ نیچے بستر پر گر پڑا۔

وہ ہڈی کسی ایسے جانور کی تھی جسے سونگھ کر آدمی فوراً بے ہوش ہو جاتا تھا عنبر بھی بے ہوش ہو چکا تھا۔

آدم خوروں نے عنبر کو اسی وقت رسیوں میں جکڑ کر کندھے پر اٹھایا۔ اور بڑے سکون کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آ گئے، یہاں سے انہوں نے لنگر کی زنجیر کو پکڑ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی سمندر میں تیرتے ہوئے وہ کنارے پر آئے اور جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گئے۔

یہ سب کچھ بڑی خاموشی اور تیزی سے ہو گیا۔

ماریا کے کیبن میں روشنی نہیں تھی اس کے کیبن کا دیا بجھ گیا تھا۔ اگر وہاں روشنی ہوتی تو جنگلی ضرور اس کے کیبن میں بھی جاتے اور پھر شاید عنبر بھی اغوا ہونے سے بچ جاتا مگر ماریا بے خبر سوئی رہی اور عنبر اغوا ہو گیا۔

دن نکل آیا۔ جزیرے میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ ماریا کی آنکھ کھل گئی وہ انگڑائی لے کر اٹھی اور سیدھی باورچی خانے میں قہوہ تیار کرنے آ گئی۔

وہ قہوہ تیار کر کے عنبر کو جگانا چاہتی تھی۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ عنبر کو آدم خور اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

وہ بڑے آرام سے قہوہ تیار کرتی رہی۔

قہوہ بنا کر اس نے لکڑی کے دو پیالوں میں بھرا، ایک طشت میں دونوں پیالے رکھے اور عنبر کے کیبن کی طرف چل دی۔

کیبن کا دروازہ کھلا دیکھ کر اس نے سوچا کہ عنبر عرشے پر صبح کی تازہ ہوا کھانے گیا ہوگا۔ کیبن خالی تھا عنبر بستر پر بھی نہیں تھا لیکن کمرے میں ایک عجیب قسم کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بو ماریا کو بڑی ناگوار لگی۔

وہ قہوے کے پیالے لے کر اوپر عرشے پر آ گئی۔

''عنبر بھائی! تمہارے کمرے میں بو کس قسم کی ہے؟''۔

ماریا نے سیڑھیوں میں سے اوپر آتے ہوئے پوچھا۔

اس کا خیال تھا کہ عنبر اوپر جنگلے کے پاس ہی کھڑا ہوگا اور اس کے سوال کا جواب دے گا مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ جہاز کا عرشہ بالکل خالی اور ویران تھا اب تو ماریا فکرمند ہونے لگی۔

اس نے عنبر کو آوازیں دیں کوئی جواب نہ آیا، وہ جلدی سے نیچے آ گئی۔ طشت تپائی پر رکھ کر اس نے سارے جہاز پر عنبر کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

ماریا پریشان ہو گئی، کہاں چلا گیا عنبر؟ وہ لپک کر اس کے کیبن میں آ گئی۔ اس نے بڑے غور سے جھک کر عنبر کے بستر اور فرش کو دیکھا۔

فرش پر کیچڑ بھرے قدموں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے ماریا ان نشانوں کے ساتھ ساتھ اوپر عرشے پر آ گئی۔ جنگلے کے پاس آ کر نشان ختم ہو گئے تھے۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ رات کو دو آدمی وہاں آئے ہیں اور عنبر کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ عرشے پر دو آدمیوں کے کیچڑ بھرے ننگے پاؤں کے نشان تھے۔

ماریا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

پھر وہ بھاگ کر عنبر کے کیبن میں آ گئی اور اس نے زور زور سے دو ایک سانس کھینچ کر محسوس کیا کہ اس پر بے ہوشی سی طاری ہو رہی ہے، وہ لپک کر باہر آ گئی۔

اب وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ عنبر کو جنگل کے وحشی لوگ اغوا کر کے لے گئے ہیں اور اغوا کرنے سے پہلے اسے بے ہوش کیا گیا ہے ان جنگلیوں کے پاس ایسی دوائیں ہوتی ہیں جن سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے۔

ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

ابھی وہ ناگ کے گم ہونے کا افسوس کر رہی تھی کہ عنبر بھی گم ہو گیا۔ وہ جہاز پر اکیلی رہ گئی تھی۔ ماریا اپنے آپ پر افسوس کرنے لگی کہ اس نے خزانے کے لالچ میں آ کر جزیرے پر ٹھہرنے کا کیوں فیصلہ کیا۔

اگر وہ خزانے کا لالچ نہ کرتی تو اس وقت وہ جزیرے سے نکل کر کھلے سمندروں میں سفر کر رہے ہوتے، نہ ناگ گم ہوتا اور نہ عنبر کو وحشی اغوا کر کے لے جاتے۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

ماریا جہاز پر اکیلی تھی، اس سارے خطرناک جزیرے پر اکیلی تھی۔ اس کے دونوں بھائی اس سے

جدا ہو گئے تھے۔ اگرچہ وہ بڑی بہادر لڑکی تھی پھر بھی دونوں بھائیوں کے گم ہو جانے سے وہ پریشان ہو گئی۔

اس نے سوچا کہ جزیرے میں اتر کر عنبر اور ناگ کو تلاش کیا جائے۔ وہ صرف جنگلی لوگوں کے قدموں کے نشان پر ہی اپنی تلاش کی مہم شروع کر سکتی تھی۔

اس نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی وقت جہاز پر سے اتر کر ساحل پر آ گئی۔ ساحل کی ریت پر دونوں وحشیوں کے قدموں کے نشان صاف صاف نظر آ رہے تھے۔

ماریا نے ان قدموں کے نشان کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ ساحل کی گیلی ریت پر تو قدموں

کے نشان بڑے صاف دکھائی دے رہے تھے لیکن آگے جنگل میں جا کر نشان غائب ہو گئے یہاں گھاس اور جھاڑیاں شروع ہو گئی تھیں۔ یہاں پر کسی کے قدموں کے نشانوں کا سراغ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا۔

پھر بھی ماریا نے ہمت نہ ہاری اور چلتی چلی گئی۔ جنگل گھنا ہو گیا تھا۔ اسے کئی جگہوں پر دلدل نظر آئی۔ وہ دلدل سے بچ کر سفر کر رہی تھی کئی درختوں پر اس نے چھوٹے چھوٹے سانپ لٹکتے دیکھے۔

ایک جگہ لومڑ اس کی بو پا کر ایک طرف کو چلاتا ہوا بھاگ گیا۔ ماریا آگے بڑھتی جا رہی تھی، دوپہر ہو گئی ماریا اپنے ساتھ مچھلی کا خشک بھنا ہوا گوشت لائی تھی۔

وہ تھک گئی تھی۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی وہ ایک جگہ چشمہ بہتا دیکھ کر گھاس پر بیٹھ گئی۔

اس نے تھوڑا سا گوشت کھایا پانی پیا کچھ دیر آرام کیا اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔

اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھیک سمت پر جا رہی ہے یا غلط راستے پر چلی جا رہی ہے۔ بس اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ جس راستے کو جا رہی ہے ٹھیک جا رہی ہے۔ اب اس کے سامنے وہی دریا آ گیا جس میں خونخوار قسم کے مگرمچھ گھوم رہے تھے۔

ماریا انہیں دیکھ کر ڈر گئی اس کے پاس دریا پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا دریا کنارے بیٹھ کر وہ غور کرنے لگی کہ دریا کس طرح سے پار کرے اس کی سمجھ

میں کچھ نہیں آ رہا تھا اگر چہ وہ غائب حالت میں تھی اور کوئی مگر مچھ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن مگر مچھ اس کو محسوس ضرور کر سکتے تھے۔

مگر مچھ کی نظر پہلے ہی بہت کمزور ہوتی ہے۔ مگر اس کی حس اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ ڈیک میل سے انسان کی بو پا کر اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔

دریا میں اترنے کا مطلب یہ تھا کہ مگر مچھ اس کی بو پا کر اس کی طرف بڑھیں اور اس کی تکا بوٹی کر دیں۔ ماریا یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی عنبر اور ناگ کے بارے میں اسے کم از کم ایک تسلی ضرور تھی کہ وہ مر نہیں سکتے۔

ناگ کا اسے خطرہ تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ ناگ

معمولی سا موقع ملتے ہی اپنے دشمن کے جال سے نہ صرف باہر نکل آئے گا بلکہ اسے ڈس کر ہلاک بھی کر سکتا ہے۔

دریا کنارے وہ کافی دیر بیٹھی غور کرتی رہی آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے واپس جہاز پر جا کر عنبر اور ناگ کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھاگ کر اس جگہ واپس آئیں اور یہ سچ بھی تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی عنبر اور ناگ کئی بار گم ہو کر واپس جہاز پر آ گئے تھے

ماریا وہاں سے اٹھی اور اس نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

جنگل میں سے واپس گزرتے گزرتے دوپہر

ڈھل گئی۔ سورج غروب ہونا شروع ہو گیا۔ سائے درختوں کے لمبے ہوتے گئے، اس وقت ماریا جنگل میں سے نکل کر واپس سمندر کے ساحل پر آئی تو سورج ڈھل چکا تھا اور سمندر میں سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

جاتے ہوئے اس نے سیڑھی اس طرح باہر ہی لٹکا دی تھی۔ اس سیڑھی پر چڑھ کر وہ جہاز کے عرشے پر آ گئی عرشے پر آتے ہی اس نے دیکھا کہ لکڑی کے فرش پر کسی آدمی کے تازہ تازہ گیلے پاؤں کے نشان موجود تھے۔

وہ ایک پل میں بھاگ کر مستول کے پیچھے چھپ گئی۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ تو غائب ہے اور اسے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔

یہ سوچ کر وہ اپنے دل میں ہنس دی اور پھر بڑی ہوشیاری سے قدم قدم چلتی نیچے جانے والی سیڑھی کے دروازے پر آ گئی۔ یہ سوچ کر وہ اپنے دل میں ہنس دی اور پھر بڑی ہوشیاری سے قدم قدم چلتی نیچے جانے والی سیڑھی کے دروازے پر آ گئی۔

ٹھیک اس وقت کوئی آدمی اوپر چڑھ رہا تھا ماریا پیچھے ہٹ گئی اب دروازے میں ایک آدم خور وحشی نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر پتوں کا لباس تھا کندھے پر تیر کمان لٹکا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں نیزہ تھا۔

چہرے پر اس نے سرخ رنگ ملا ہوا تھا جس سے اس کا منہ خون کی طرح لال ہو رہا تھا۔

سیڑھیوں کے دروازے پر آ کر اس وحشی نے

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا اور پھر بھاگ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی ماریا تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح وحشی کو زخمی کر کے قابو کرے گی اور اس سے عنبر اور ناگ کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گی اور کچھ نہیں تو وہ کم از کم اس سے یہی معلوم کرے گی کہ ان کے قبیلے کے لوگ کہاں رہتے ہیں؟ مگر اس وحشی نے اسے اتنی مہلت ہی نہ دی۔

وہ آندھی کی طرح بھاگ کر سمندر میں کود گیا۔

ماریا جلدی سے جنگلے کے اوپر جھک کر سمندر میں دیکھنے لگی۔ آدم خور وحشی مگرمچھ کی طرح تیرتا ہوا سمندر

کے کنارے پر پہنچ چکا تھا کنارے پر آ کر اس نے ایک بار پھر پلٹ کر ماریا کے جہاز کو دیکھا اور بھاگتا ہوا جنگل میں گم ہو گیا۔

ماریا جنگلے پر کھڑی اسے جنگل کے اندھیرے میں گم ہوتا دیکھتی رہی۔

اسے خیال آیا کہ چل کر جہاز کے کیبن دیکھے، کہیں یہ وحشی جہاز کو کوئی نقصان نہ پہنچا گیا ہو۔ وہ نیچے کیبن میں آ گئی۔

اس نے سارے کیبن اور باورچی خانہ دیکھا۔ وحشی نے یہاں کسی بھی چیز کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ وہ ضرور کسی آدمی کی تلاش میں جہاز پر آیا ہوگا۔

جب کوئی آدمی نہ ملا تو وہ واپس چلا گیا۔ ماریا کے لیے اب بڑی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ ایک طرف عنبر اور ناگ اس سے بچھڑ گئے تھے۔

دوسری طرف وحشی لوگوں نے جہاز پر حملے شروع کر دیے تھے اب اسے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔

آدمی کھانے والے

ماریا جہاز میں بالکل اکیلی تھی۔

رات آ گئی۔ جزیرے میں اندھیرا پھیل گیا۔

ماریا نے سوچا کہ وہ جہاز پر روشنی نہ کرے کیونکہ وہ سکتا ہے روشنی دیکھ کر آدمی رات کو وحشی آدم خور حملہ کر دیں۔

پھر اس کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے رات کو عنبر یا ناگ

بھاگ کر جہاز پر پناہ لینے آ گئیں اور جہاز پر روشنی نہ دیکھ کر اسے دقت ہو اور وہ بھٹک جائے۔ ماریا نے مشعل روشن کر کے جہاز کے اوپر جنگلے کے پاس لٹکا دی اور خود کیبن میں آ گئی۔

پھر اسے بھوک لگی۔ اس نے اوپر سیڑھیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ باورچی خانے میں جا کر اس نے تھوڑا بہت گوشت گرم کر کے کھایا قہوہ پیا اور اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گئی۔

اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ کیبن سے نکل کر عرشے پر آئی۔ جنگلے کے ساتھ لگ کر دیر تک جنگل کی طرف دیکھتی رہی کہ شاید کہیں سے اسے ناگ یا عنبر آتا دکھائی دے مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا جب وہ کھڑے کھڑے تھک گئی تو نیچے آ گئی۔

سیڑھیوں کا دروازہ اندر سے بند کیا۔ اپنے کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کہاں پر ہیں اور ان کے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔ سب سے پہلے ہم ناگ کی طرف جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ناگ کو جنگل میں آدم خوروں نے اغوا کر لیا تھا۔

وہ اسے رسیوں میں جکڑ کر جزیرے کے جنوبی ساحل پر لے گئے۔ یہاں ان آدم خوروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ جہاں وہ رہتے تھے۔ اگر ناگ کو رسیوں میں کس کر نہ جکڑا گیا ہوتا تو وہ ضرور آزاد ہو جاتا مگر اسے بری طرح رسیوں میں جکڑ دیا گیا تھا۔

آدم خوروں نے اسے لا کر ایک جھونپڑی میں پھینک دیا۔

یہ آدم خور جزیرے کے جنوبی علاقے میں رہتے تھے اور بڑے وحشی اور سنگدل قسم کے آدم خور تھے۔ ان کے دلوں میں کسی کے لیے رحم نہ تھا۔

وہ جس کو دیکھتے، پکڑ کر لے آتے اور پھر اسے بھون کر کھا جاتے اور اپنے قبیلے کے بیماروں اور بوڑھوں کو بھی کھا جاتے تھے۔ ناگ کو انہوں نے اگلے روز بھون کر کھانے کے لیے جھونپڑی میں ڈال دیا تھا۔

شام کو ایک آدم خور اندر آیا اور اس نے ناگ کو پانی پلایا۔ ناگ نے اشارے سے کہا کہ رسی کی وجہ سے اس کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہیں انہیں ڈھیلا کر دے۔

آدم خور ہنسا اور ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار کر باہر چلا گیا۔ رات کو اسے کھانے کے لیے کچھ نہ دیا گیا۔ ناگ خاموش گٹھڑی بنا کر جھونپڑی کے فرش پر پڑا رہا۔

آدھی رات کو اس نے کوشش کی کہ رسیاں تھوڑی سی ڈھیلی ہو جائیں۔ اس نے بہت زور لگایا مگر ظالم وحشیوں نے کچھ اس طرح سے گرہیں لگائی تھیں کہ رسی اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلتی تھی۔

دوسرے روز صبح صبح دو آدم خور اندر آئے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں چھرا پکڑ رکھا تھا۔ اسے جھونپڑے سے باہر نکالا گیا ناگ دل میں خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے خدا یہ لوگ مجھے رسیوں میں جکڑے جکڑے ہی کہیں ہلاک نہ کر دیں کیونکہ اس طرح سے ناگ بے بس تھا۔

آدم خوروں نے اسے لا کر ایک درخت کے نیچے ڈال دیا۔ یہاں پاس ہی آگ جل رہی تھی اور آدم خور اس کے گرد دائرہ بنائے بیٹھے تھے۔

وہ سب لوگ ناگ کو کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ان لوگوں کی آنکھیں بھوک سے چمک رہی تھیں۔ ناگ پریشان ہو گیا کیونکہ ابھی تک کوئی بھی

اس کے پاس رسی کھولنے نہیں آیا تھا۔

ناگ نے دل میں سوچا کہ اگر وہ انتظار کرتا رہا تو ہو سکتا ہے بازی ہار جائے۔ ہو سکتا ہے کوئی بھی اس کی رسی نہ کھولے اور اسے اسی طرح چھرا مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ انہوں نے اگر ایسا کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

ناگ پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی وقت قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے زور سے پھنکار ماری اور سانپ بن گیا، سانپ بن کر اس نے دیکھا کہ وہ رسیوں میں الجھا ہوا ہے اس نے بڑی تیزی سے باہر نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے۔

آدم خوروں نے جب دیکھا کہ ان کا شکار ابھی ابھی انسان تھا اور ابھی اس کی جگہ رسیوں میں ایک سانپ تڑپ تڑپ کر باہر آنے کی کوشش کر رہا ہے تو حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

آدم خوروں کا سردار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے تلوار دور سے ناگ پر پھینکی تلوار رسیوں میں الجھ کر رہ گئی اگر سانپ ایک طرف کو نہ سمٹتا تو تلوار اس کا کام تمام کر گئی تھی۔

سانپ کو پسینہ آ گیا، اس نے اب رسیوں سے باہر نکلنے کی جدوجہد تیز کر دی۔ کم بخت رسیوں کا ایک جال سا اس کے اردگرد بکھر گیا تھا۔

عرصے میں سارے کے سارے آدم خور تلواریں

لے کر اس کی طرف بڑھے۔ عین اس وقت جب آدم خور اس پر تلواروں کے وار کر کے اس کا قیمہ بنانے والے تھے، سانپ کو رسیوں میں سے باہر نکلنے کی جگہ مل گئی۔

وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ رسیوں کے جال سے نکل کر باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے سامنے آنے والے ایک آدم خور کو ڈس دیا۔

آدم خور چیخ مار کر گرا۔ زہر اس قدر خطرناک تھا کہ وحشی کی ٹانگیں پتھر کی بن گئیں۔ دوسرا سانپ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے دوسرے وحشی کو بھی ڈس دیا وہ بھی چیخ مار کر گرا۔

اب سردار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں اس سانپ کو ماروں گا، یہ سانپ نہیں سانپ شیطان ہے۔ یہ بدروح ہے اسے فوراً مار ڈالنا چاہیے نہیں تو ہمارے قبیلے پر تباہی آ جائے گی"۔

* * *

سردار لمبی تلوار لے کر سانپ پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن اس عرصے میں سانپ ایک درخت پر چڑھ چکا تھا۔

آدم خوروں نے درختوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کر دیں۔

سانپ نے اپنے آپ کو ایک موٹی شاخ کے اوپر کر کے چھپا لیا۔ تیر سن سن کرتے اس کے چاروں طرف سے گزر رہے تھے مگر وہ ان کی ہلاکت سے بچا ہوا تھا۔

سردار نے چیخ کر کہا۔

"درخت کو آگ لگا دو"۔

اسی وقت وحشی آگ کی مشعلیں لے کر درخت کی طرف لپکے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے اچھے بھلے درخت کو آگ کا شعلہ بنا دیا۔ آگ اس قدر خوفناک تھی کہ سارے درخت پر پھیل گئی۔

ناگ کو دھوئیں نے پریشان کر دیا۔ آگ کے شعلے ابھی اس تک نہیں پہنچے تھے مگر دھوئیں نے اس کے ناک میں دم کر دیا تھا۔ آگ کا سینک بھی اسے تنگ کر رہا تھا۔

سانپ کا سر چکرانے لگا۔ اس نے زور سے پھنکار ماری اور ایک چڑیا بن کر درخت سے اڑ کر

دوسرے درخت پر بیٹھ گیا۔

چڑیا کو اڑتے کسی نے نہ دیکھا جس نے دیکھا بھی اس نے یہی سوچا کہ آگ لگنے کی وجہ سے ایک چڑیا اڑ کر دوسرے درخت پر جا بیٹھی ہے۔ کسی کو کیا پتا کہ وہ سانپ ہی تھا جو چڑیا کے روپ میں اڑ رہی تھی۔

سارے کا سارا درخت جل کر خاک ہو گیا۔

درخت زمین کے ساتھ لگ گیا اور کوئلہ بن کر جل گیا۔

آدم خوروں نے بڑی خوشی منائی کہ بدروح کو انہوں نے جلا کر خاک کر دیا ہے۔ سردار نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بلند آواز میں کہا۔

"اے آسمانوں کے دیوتاؤں، خوش ہو جاؤ کہ ہم

نے ایک بدروح کو جلا کر ختم کر دیا ہے اس جزیرے پر یہ بدروح شیطان نے بھیجی تھی، ہم نے اس ہلاک کر دیا۔ ہماری مبارک قبول کرو اے آسمان کے دیوتاؤ!"۔

* * *

آسمان کے دیوتاؤں نے کیا خوش ہونا تھا، ہاں ناگ چڑیا کے روپ میں درخت کی ٹہنی پر بیٹھا بڑا خوش ہو رہا تھا۔ اس کی جان بچ گئی تھی نہیں تو آج اس کی موت اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے سوچا کہ اب اسے اڑ کر اپنے جہاز پر واپس جانا چاہیے۔ ان وحشی آدم خوروں سے کیا بدلہ لینا۔ جان بچی سو لاکھوں پائے۔

وہ ٹہنی پر سے اڑ گیا ابھی اس نے اڑاری ماری ہی

تھی کہ کیا دیکھتا ہے کہ کچھ وحشی عنبر کو اٹھائے لئے چلے آ رہے ہیں ناگ اڑتے اڑتے رک گیا اور واپسی ٹہنی پر آ کر بیٹھ گیا۔ عنبر بے ہوش تھا اسے بھی رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

سردار نے ایک اور انسان کو آتے دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

”اے آسمان کے دیوتاؤ! میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ایک بدروح کے بدلے تو نے ہمیں ایک اور آدمی بھیج کر انعام دیا، ہم تمہارا جشن منائیں گے اس نئے شکار کو بھون کر خود کھائیں گے اور اس کا خون تمہیں پہنچائیں گے“۔

پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

”اس شکار کو لے جا کر جھونپڑی میں بند کر دو اور اس کے باہر زبردست پہرہ لگا دو۔ آج رات اس شکار کا جشن منایا جائے گا“۔

سارے وحشیوں نے خوشی سے نعرے لگائے وہ بے ہوش عنبر کو اٹھا کر ایک جھونپڑی میں لے گئے۔ اسے جھونپڑی میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ باہر دو وحشی نیزے لے کر پہرہ دینے لگے۔

ناگ چڑیا کے روپ میں اس جھونپڑی کی تکونی چھت پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ عنبر کی کس طرح مدد کرے۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ یہ وحشی اسے ہلاک نہیں کر سکیں گے۔ پھر بھی وہ اسے آزاد کرانے کے لیے بے چین تھا۔

پھر اسے خیال آیا کہ ابھی رات نہیں ہوئی کیوں نہ وہ ماریا کو جا کر سارے حالات بتا دے اور واپس آ کر عنبر کو بچائے؟

وہ چھت پر سے اڑا اور لمبی لمبی اڈاریاں مار کر جنگل کے درختوں کے اوپر سے ہوتا جہاز کی طرف اڑنے لگا۔

جہاز دور ہی سے اسے نظر آ گیا۔ جنگل جنگل چل کر وہ دیر بعد جہاز پر پہنچا تھا لیکن درختوں کے اوپر اوپر اڑنے سے وہ بہت جلدی سے اپنے جہاز پر پہنچ گیا۔ جہاز کا عرشہ بالکل خالی تھا۔

ویسے بھی اگر ماریا اوپر ہوتی تو وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

ناگ چڑیا کے روپ میں جہاز پر آ گیا۔

عرشے پر آتے ہی اس نے زور سے پھنکار ماری اور واپس انسان کے روپ میں آ گیا۔ اب وہ پہلے جیسا انسان ناگ تھا۔

وہ سیڑھی کے دروازے کی طرف آیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

اس نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع ک دیا۔ نیچے سے ماریا نے اوپر آ کر پوچھا۔

”کون ہے باہر؟“۔

اسے کچھ یقین تھا کہ شاید عنبر یا ناگ میں سے کوئی آیا ہے کسی دوسرے شخص کو بھلا دروازے پر دستکیں دینے کی کیا ضرورت تھی ناگ نے زور سے کہا۔

’’میں ہوں ماریا بہن ناگ!‘‘

’’ناگ بھائی! تم آ گئے؟‘‘۔

ماریا نے بڑی بے تابی سے دروازہ کھول دیا۔

ناگ نے ماریا کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا۔

’’خدا کا شکر ہے کہ میں پھر سے اپنی بہن کے پاس آ گیا‘‘۔

ماریا نے کہا۔

’’تم کہاں جا کر گم ہو گئے تھے بھائی؟‘‘۔

ناگ بولا۔

’’ماریا بہن! یہ ایک لمبی کہانی ہے، میں تمہیں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ جہاں میں پہلے قید تھا، اب وہاں عنبر بھی قید ہے، میں تو آزاد ہو کر آ گیا اب واپس

جا کر عنبر کو بھی ان آدم خور وحشیوں سے چھٹکارا دلانا ہے‘‘۔

ماریا نے پوچھا۔

’’کون آدم خور ناگ بھائی؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

ماریا! اوڑ وہا نے ٹھیک کہا تھا، یہاں سے جنوب کی طرف جزیرے کے ساحل پر ایک بڑی ہی کمینی قسم کی آدم خور قوم آباد ہے

ان لوگوں نے مجھے رسیوں میں ایکدم سے جکڑ لیا اور قید کر کے لے گئے میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں اور جب چڑیا بن کر اڑنے لگا تو دیکھا کہ دو وحشی آدم خور عنبر کو اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ عنبر بھی

رسیوں میں جکڑا ہوا ہے اور بے ہوش ہے۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

’’دیکھا میرا اندازہ صحیح تھا میں پہلے ہی کہتی تھی کہ عنبر بھائی کو بے ہوش کر کے کیبن سے اغوا کیا ہے اس کے کیبن میں بڑی تیز بو پھیلی ہوئی تھی‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’جو کچھ بھی ہوا۔ بہر حال میں صرف تمہیں یہ خبر کرنے آیا ہوں کہ میں واپس جا رہا ہوں اور عنبر کو بچا کر اپنے ساتھ لے کر واپس آؤں گا تم بے فکر ہو کر یہاں بیٹھو۔ اچھا میں اب جا رہا ہوں‘‘۔

اتنا کہہ کر ناگ پھر سے چڑیا بن کر وہاں سے اڑ گیا۔ ماریا اسے آسمان پر اڑتے دیکھتی رہی۔

ناگ چڑیا بن کر اڑتے اڑتے جنگل کے اوپر غائب ہو گیا ماریا نے سیڑھی کا دروازہ بند کیا اور اپنے کیبن میں آ کر چپ چاپ لیٹ گئی اور اپنے بھائیوں کے لیے خدا سے دعا کرنے لگی۔

سردار ہار گیا

ناگ دوبارہ آدم خوروں کی بستی میں پہنچ گیا۔

وہ چڑیا کے روپ میں تھا۔ اڑتا اڑتا وہ آیا اور اس جھونپڑی کی نکولی چھت پر آ کر بیٹھ گیا۔ جس کے اندر آدم خور جنگلیوں نے عنبر کو قید کر رکھا تھا۔

جھونپڑی کے باہر دو آدم خور پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ اب جھونپڑی کے اندر جانے کو بے تاب

کر دیا۔

وہ پھر سے انسان کی شکل میں عنبر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ عنبر اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

"ناگ! تم کہاں؟ میں تو تمہارے لیے پریشان ہو رہا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"اور میں تمہارے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ یہ لوگ مجھے بھی جنگل سے پکڑ کر یہاں لے آئے تھے میں چڑیا بن کر واپس جہاز پر اڑا جا رہا تھا کہ اچانک تمہیں آتے دیکھا تم بے ہوش تھے فوراً میں نے جا کر ماریا کو خبر کی اور واپس یہاں آیا ہوں"۔

کر دیا۔

وہ پھر سے انسان کی شکل میں عنبر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ عنبر اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

"ناگ! تم کہاں؟ میں تو تمہارے لیے پریشان ہو رہا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"اور میں تمہارے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ یہ لوگ مجھے بھی جنگل سے پکڑ کر یہاں لے آئے تھے میں چڑیا بن کر واپس جہاز پر اڑا جا رہا تھا کہ اچانک تمہیں آتے دیکھا تم بے ہوش تھے فوراً میں نے جا کر ماریا کو خبر کی اور واپس یہاں آیا ہوں"۔

عنبر بولا۔

"یہ تم نے بڑا اچھا کیا جو ماریا کو خبر کر دی۔ وہ بے چاری بہت پریشان ہو رہی ہو گی۔ اب کم از کم اسے یہ تو معلوم ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ یہ لوگ کون ہیں ناگ! مجھے تو یہ آدم خور معلوم ہوتے ہیں"۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"معلوم کیا ہوتے ہیں عنبر بھائی! یہ بڑے ظالم قسم کے آدم خور ہیں۔ یہ تو زندہ آدمی کو کاٹ کاٹ کر کھا جاتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"تو اب ہمارے بارے میں ان کا کیا ارادہ ہے؟"۔

ناگ بولا۔

"پہلے مجھے آگ پر بھون کر کھانا چاہتے تھے اب تمہیں آج رات بھون کر کھا رہے ہیں، میں تو خدا خدا کر کے بچ گیا اور تمہارے مرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟"۔

عنبر نے کہا۔

خیر! وہ تو میں بچ ہی جاؤں گا، بلکہ الٹا یہ میرے غلام بن جائیں گے اب سوال یہ ہے کہ خزانے کا کہاں سے پتا کیا جائے؟ کیونکہ یہاں سے نکل کر خالی ہاتھ واپس جہاز پر جانا تو بے کار ہے۔

خزانے کی تلاش کے لیے ہمیں ایک بار پھر یہاں واپس آنا پڑے گا کیوں نہ ان لوگوں سے خزانے کے

بارے میں پوچھا جائے میرا خیال ہے کہ یہ ضرور خزانے کے بارے میں جانتے ہوں گے۔

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"۔

"بہر حال ان سے معلومات حاصل کر لینے میں کیا حرج ہے، ہوسکتا ہے کچھ سراغ ہی مل جائے"۔

"تو پھر ان سے کب پوچھو گے؟"۔

"آج رات ہی۔ جب یہ مجھے بھون کر کھانا چاہیں گے۔ اور میں مروں گا نہیں اور یہ میرے غلام بن جائیں گے اور مجھے اپنا دیوتا سمجھنے لگیں گے"۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے کسی کے دروازہ کھول کر اندر آنے کی آواز آئی۔

ناگ جلدی سے پھنکار مار کر پھر سے چڑیا بن

گیا۔ ایک وحشی آدم خور اندر آ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

دوسرا وحشی بھی اندر آ گیا اس نے عنبر سے پوچھا۔

"تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اپنے آپ سے"۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم کس سے باتیں کر رہے تھے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں ایک ایسے بھوت سے باتیں کر رہا تھا۔ جس کو تم اور تمہارا سردار۔ کوئی بھی سوائے میرے نہیں دیکھ سکتے"۔

دونوں وحشی قہقہہ لگا کر ہنسے اور پھر عنبر کو ٹھوکر مار کر باہر چلے گئے۔

ناگ پھر سے آدمی کی شکل میں آ گیا۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"میں باہر جا کر اس درخت پر بیٹھتا ہوں جس کے نیچے تمہیں یہ لوگ بھون کر کھانے کا بندوبست کر رہے ہیں"۔

"بہت اچھا۔ رات کو ملاقات ہوگی"۔

ناگ چڑیا بن کر سوراخ میں سے پھر سے اڑ گیا۔

شام ہو رہی تھی کہ عنبر کو باہر لایا گیا۔ باہر آگ کا الاؤ روشن تھا اس کے چاروں طرف وحشی اور آدم خور بیٹھے ہوئے گیت گا رہے تھے۔

سرداران سب سے الگ ایک چبوترے پر بیٹھا تھا اس نے گلے میں ہڈیوں کا ہار پہن رکھا تھا۔ اور چہرہ کسی رنگ سے لال سرخ تھا۔

عنبر کو باہر لایا گیا تو سب وحشی زور زور سے نعرے لگانے لگے۔

سردار نے اشارے سے عنبر کو اپنی طرف بلایا اور کہا۔

”یہ تمہارا آخری وقت ہے، تم اب آگ پر زندہ بھونے جاؤ گے اور ہم تمہاری بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں گے اگر تمہاری کوئی آخری خواہش ہو تو ہمیں بتا دو۔ ہم اسے پورا کریں گے“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”سردار! میں تمہیں آخری خواہش اس لیے نہیں بتاؤں گا کہ میں مر نہیں سکتا۔ تم مجھے مار نہیں سکتے۔ اگر میں چاہوں تو ابھی تم سب لوگوں کو قتل کر سکتا ہوں مگر مجھے تم پر رحم آتا ہے، میں تمہیں صرف اتنا کہوں گا کہ آج سے انسانوں کو بھون کر کھانا چھوڑ دو یہ ظلم ہے اور انسانیت کے خلاف ہے“۔

سردار نے گرجدار آواز میں چیخ مار کر کہا۔

”بد بخت ہو تم جو میرے آگے گستاخی کر رہے ہو مگر میں تمہیں اس سے بڑی سزا کیا دے سکتا ہوں کہ تمہیں زندہ آگ پر بھونا جائے۔ اسے آگ پر ڈال دو“۔

دو وحشیوں نے عنبر کو اٹھانے کی کوشش کی اور گر پڑے، اب عنبر بے ہوش نہیں تھا کہ وہ اسے آسانی سے اٹھا سکتے، وہ جاگ رہا تھا۔ اور جاگتے زندہ عنبر کو اٹھانا بڑا مشکل تھا۔

عنبر نے کہا۔

میں اگر چاہوں تو تم دونوں کو آگ میں پھینک سکتا ہوں مگر میں کسی پر بے وجہ ظلم نہیں کروں گا۔

سردار! میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں کہ اس برے کام کو چھوڑ کر خدا کے آگے توبہ کرو۔

سردار چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔

”ٹھہرو! اس گستاخ کو میں خود اپنے ہاتھوں سے آگ میں ڈالوں گا۔ اس کا بھنا ہوا گوشت سب سے پہلے میں کھاؤں گا۔ سب لوگ پرے ہٹ جاؤ“۔

سردار چبوترے پر سے اتر کر عنبر کے پاس آیا۔

اوپر والے درخت پر ناگ چڑیا کی شکل میں بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

اب اس کا کام کرنے کا بھی وقت آ گیا تھا۔ اس نے ایک سیٹی بجا کر عنبر کو اشارہ کیا کہ وہ بالکل تیار رہے، عنبر خاموش کھڑا سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہا ہے۔

سردار نے اپنا نیزہ اٹھایا اور پوری طاقت سے ایک وحشی چیخ مار کر عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔

عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ نیزہ عنبر کے سینے سے آر پار ہو گیا۔ سارے وحشی حیرانی سے عنبر کو تکنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے جسم سے خون کی

دھاریں پھوٹ نکلیں گی اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا مگر ایسا نہ ہوا تھا۔

اس کی بجائے عنبر نے خاموشی سے ہاتھوں کا زور لگا کر نیزہ اپنے سینے سے کھینچ کر باہر نکالا اور وحشی کے سینے میں گھونپ کر کہا۔

سردار! اب اس وحشی کو کہو کہ اپنے سینے سے نیزہ باہر نکالے اور پھر اس کے بدن سے خون بھی نہ بہے اور یہ زندہ بھی رہے۔

وحشی زمین پر گرا اور گرتے ہی تڑپنے لگا۔ وہ خون میں لت پت ہو گیا اور پھر دم توڑ گیا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا اس نے غصے میں آ کر ایک وحشی شیر کی طرح عنبر کے سر پر خنجر مارا۔

خنجر اس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑا۔ سردار نے حیرت سے خنجر کے ٹکڑوں کو دیکھا۔ اس کا پارہ ایکدم چڑھ گیا۔ اس نے طیش میں آ کر کہا۔

"اس بدروح کو آگ میں ڈال دو۔ یہ بدروح ہے۔ یہ ہمارے دیوتاؤں کو شکست دینے ہمارے جزیرے پر آئی ہے"۔

سردار کا حکم سن کر وحشی چیختے ہوئے عنبر کی طرف دوڑے انہوں نے عنبر کو ہاتھوں پر اٹھایا اور آگ میں ڈال دیا۔ عنبر آگ میں بڑی خاموشی سے لیٹا رہا شعلے اس کے ارد گرد رقص کرتے رہے وہ دہکتے ہوئے سرخ کوئلوں پر یوں تھا جیسے اپنے گھر کے بستر پر لیٹا ہو۔

ناگ یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا، اس کے عمل کرنے

کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے زور سے پھنکار ماری اور ایک شیر کی شکل میں گرج مار کر سردار کے پاس آیا اور جھپٹا مار کر اس نے سردار کو اپنے پنجے میں دبوچ لیا۔

سردار تھر تھر کانپنے لگا۔ سارے وحشی ادھر ادھر دوڑ کر درختوں میں چھپ گئے۔

اب عنبر بھی آگ کے شعلوں میں سے زندہ سالم باہر نکل آیا۔ یہ سارا حیرت کا کھیل وحشی دیکھ رہے تھے اور حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

سردار بھی کانپ رہا تھا۔ عنبر نے باہر آ کر شیر سے کہا۔

"ناگ! سردار کو چھوڑ دو۔ ہمیں ابھی اس سے ایک کام لینا ہے"۔

شیر نے سردار کو چھوڑ دیا۔ ناگ پھنکار مار کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ وہ پھر سے انسان بن گیا تھا۔ سردار دوزانو ہو گیا اس نے جھک کر عنبر کے پاؤں چوم لئے۔

سردار کے جھکنے سے سارے وحشی درختوں کے پیچھے سے نکل آئے اور انہوں نے بھی عنبر اور ناگ کے آگے سجدے کر دیئے عنبر نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"سنو! دنیا میں سوائے خدا کے کوئی اس قابل نہیں کہ اسے سجدہ کیا جائے۔ سجدہ صرف ایک خدا کو کرو۔ انسان کو سجدہ کرنا گناہ ہے۔ اگر تم آج سے توبہ کرو اور اب انسانوں کا شکار کرنے سے باز آ جاؤ تو اس جنگل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں گی"۔

سردار نے اعلان کیا۔

"اے مقدس دیوتا! ہم قسم کھاتے ہیں کہ آج کے بعد کسی انسان کا شکار نہیں کریں گے، ہم آدم خوری آج سے چھوڑتے ہیں اب خدا سے کہو کہ ہم پر اپنی رحمتیں نازل کرتے"۔

عنبر نے کہا۔

"خدا سن رہا ہے خدا دیکھ رہا ہے، اگر تم نیکی اور انصاف کے راستے پر چلتے رہے تو خدا کی رحمتیں تم پر نازل ہوتی رہیں گی"۔

سردار نے عنبر اور ناگ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ وہ اسے لے کر اپنے خاص جھونپڑے میں آ گیا اس رات قبیلے کی بستی میں ایک زبردست جشن منایا گیا۔

کھانے کے بعد عنبر نے سردار سے خزانے کے بارے میں بات کی۔ سردار نے ساری کہانی سننے کے بعد کہا۔

مقدس دیوتا! آپ کا خزانہ ضرور ان سپاہیوں نے کسی چٹان کے نیچے دبایا ہوگا جو جہاز میں یہاں آئے تھے اور جنہیں ہمارے آدمیوں نے تباہ ہونے والی پہاڑی کے پاس قتل کر دیا تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تمہارے آدمیوں نے سپاہیوں کے پاس خزانے کا صندوق نہیں دیکھا تھا؟"۔

سردار بولا۔

"نہیں ان کے پاس کچھ نہیں تھا، میرا خیال ہے

کہ وہ خزانے کو زمین میں دفن کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے کہ ہمارے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر تم لوگوں نے انہیں کھایا کیوں نہیں؟ ان کی لاشوں کو اسی جگہ پر کیوں چھوڑ دیا"۔

سردار نے کہا۔

"اس لیے کہ نہ معلوم کیا بات تھی کہ ان لوگوں کے خون سخت کڑوے تھے ہمارے آدمیوں نے باری باری ان سب کا خون چکھا وہ اس قدر کڑوا تھا کہ سب کی حالت خراب ہو گئی، شاید ان کے خون میں زہر ملا ہوا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"بہت خوب! اچھا سردار! تمہارے خیال میں ہمیں اس خزانے کو تلاش کرنا چاہیے"۔

سردار بولا۔

"ہاں بھائی ناگ! اسی جگہ خزانہ تلاش کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس جگہ کہیں زمین میں دفن ہوگا"۔

طے یہ پایا کہ اگلے روز سردار بھی ان کے ساتھ جائے گا اور خزانہ تلاش کرنے میں ان کی مدد کرے گا۔ وہ رات کو جھونپڑیوں کے باہر سو گئے۔

صبح اٹھتے ہی سردار نے عنبر اور ناگ کو ساتھ لیے اور دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ دریا کنارے پہنچ کر عنبر نے کہا۔

”سردار! ہم دریا کو کس طرح پار کریں گے؟ یہ تو مگرمچھوں سے بھرا ہوا ہے؟“۔

سردار نے مسکرا کر کہا۔

”ادھر آؤ۔ ہم نے ایک جگہ کشتی چھپا رکھی ہوئی ہے“۔

سردار ایک طرف جھاڑیوں میں عنبر اور ناگ کو لے گیا۔

یہاں سبز رنگ کی ایک چھوٹی سی کشتی رکھی تھی۔ وہ کشتی کو لے کر دریا کنارے آ گئے۔

سردار نے کمر کے ساتھ بندھا ہوا ہرن کا سینگ نکالا۔ اس میں سے کوئی سفوف نکال کر زور سے دریا پر پھونکا سفوف میں سے ایک پھوار سی نکل کر دریا پر پھیل

گئی اس کی بو سے سارے مگرمچھ پاگلوں کی طرح ایک طرف کو بھاگے، سردار نے کشتی دریا میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”یہ ایک ایسی دوا ہے کہ اس کے اثر سے مگرمچھ دور دور بھاگ جاتے ہیں۔ اب ہم کشتی میں بیٹھ کر بڑے آرام سے دریا پار کر جائیں گے“۔

اور ایسا ہی ہوا، وہ کشتی میں سوار ہو کر بڑے سکون اور اطمینان سے دریا پار کر گئے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر آتے ہی انہوں نے ان چٹانوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جہاں انہوں نے کچھ روز پہلے سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی دیکھی تھیں۔

سپاہیوں کی لاشیں اب بھی گھاس پر اسی طرح

بکھری ہوئی پڑی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ گل سڑ گئی تھیں اور لاشوں کی جگہ ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے تھے۔

سردار نے کہا۔

”کیا یہی وہ جگہ تھی جہاں تم نے سپاہیوں کو پہلی بار ان سپاہیوں کی لاشوں کو دیکھا تھا“۔

سردار بولا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ پیچھے کسی جگہ خزانے کو دفن کر کے دریا کو آگے سے پار کرنے جا رہے تھے“۔

عنبر نے پوچھا۔

”مگر سردار! جہاز تو ان کا پیچھے سمندر میں کھڑا تھا۔

خزانہ بھی انہوں نے چھپا لیا تھا پھر یہ اس طرف دریا پار کرنے کیوں جا رہے تھے؟“۔

سرفار نے کہا۔

عنبر بھائی! اس جزیرے میں ایک پہاڑی تھی جو اب تباہ ہو گئی ہے۔ اس پہاڑی میں سنا ہے کہ ایک عجیب قسم کی مخلوق رہتی تھی۔

کبھی کبھی رات کو اس پہاڑی میں سے روشنی کے ستارے سے اٹھ کر آسمان کی طرف جایا کرتے تھے۔ ہم اس پہاڑی کی دور ہی دور پوجا کیا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے، یہ لوگ اس پہاڑی مخلوق سے ملنے جا رہے ہوں۔

عنبر نے سوچا کہ سردار کا خیال غلط نہیں ہو سکتا۔

ایسا ممکن تھا کہ تین سپاہیوں کا اس چمگادڑ مخلوق سے کوئی گہرا تعلق ہو۔ ورنہ انہیں اس طرف جانے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟

اس نے سردار سے کہا۔

”سردار! تم ٹھیک کہتے ہو اب ہمیں خزانے کی تلاش کرنی چاہیے“۔

ناگ بولا۔

”مگر ہم زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے کی ٹوہ کیسے لگا سکیں گے؟“۔

سردار نے کہا۔

”اس کا ایک طریقہ میرے پاس ہے“۔

پھر سردار نے ایک درخت کی شاخ کاٹ کر اس کی غلیل بنائی اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر زمین پر جھک کر چلنا شروع کر دیا۔

وہ شاخ کی غلیل کو زمین کے ساتھ ساتھ لگا کر چل رہا تھا۔ کافی دور تک وہ چلتے چلے گئے جنگل میں آ کر سردار تھک گیا اس نے ایک جگہ بیٹھ کر کہا۔

”میں تھک گیا ہوں، تھوڑی دیر آرام کر لیں پھر تلاش کریں گے“۔

عنبر اور ناگ بھی بیٹھ گئے۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ بھائی! تم جا کر ماریا کو یہ اطلاع دے دو کہ ہم دونوں خیریت سے ہیں اور خزانے کی ٹوہ لگا کر ابھی واپس جہاز پر آ جائیں گے“۔

”بہت اچھا“۔

ناگ نے زور سے پھنکار ماری، وہ پھر سے چڑیا بن کر پھرر سے اڑ گیا۔ سردار پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے انسان سے چڑیا بن کر ہوا میں اڑتا دیکھتا رہا۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سردار نے عنبر سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اے عظیم انسان! یہ تو بتاؤ کہ اس نوجوان میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ یہ انسان سے جانور اور جانور سے پھر انسان بن جاتا ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”یہ ایک بڑا گہرا راز ہے، تم اسے جان کر کیا کرو گے؟ تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی چاہیے، ہاں میں تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی جادو نہیں ہے“۔

سردار بولا۔

”اگر جادو نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”یہ ایک راز ہے، تم اسے نہیں جان سکتے۔ کیوں کہ تم ایک دفعہ ہمارے دشمن رہ چکے ہو۔ تم نے ہم دونوں پر حملہ کیا تھا اور ہمیں بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے اگر ہم تمہیں اپنی طاقت نہ دکھاتے تو تم نے ہمیں فنا کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی“۔

سردار بولا۔

”اے مقدس انسان! کیا تم نے اب بھی مجھے معاف نہیں کیا؟ مجھ سے نادانی میں یہ سب کچھ ہوا تھا

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو تو میں کبھی ایسی گستاخی نہ کرتا۔ اچھا اب بتا دو کہ اس طاقت کا راز کیا ہے؟"۔

اب عنبر کو بھی غصہ آ گیا کہ کم بخت حد سے آگے بڑھ رہا ہے، چپ ہی نہیں ہوتا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"سردار! اگر تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو میں تمہیں اپنی طاقت کے زور سے بھسم کر دینے پر مجبور ہو جاؤں گا"۔

سردار یکدم عنبر کے پاؤں پر گرا۔ عنبر نے اسے معاف کر دیا۔ سردار نے پھر سے خزانے کی تلاش شروع کر دی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔

سردار دوبارہ جنگل میں تھک کر آرام کر چکا تھا کہ ایک جگہ لکڑی کی شاخ آگے لے جاتے ہوئے وہ رک گیا اس کے ہاتھ میں شاخ کی غلیل کانپ رہی تھی۔ سردار نے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"خزانہ اس چٹان کے آس پاس ہے"۔

www.urdu

کالا سمندر

اب ناگ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

اس نے ماریا کو جا کر ایک ایک بات کی خبر سنا دی تھی۔ ماریا بڑی خوش ہوئی کہ دونوں بھائی خیریت سے ہیں اور اب وحشی سردار کی مدد سے جزیرے کے جنگل میں خزانے کی تلاش کر رہے ہیں۔

ناگ چڑیا سے پھر سے انسان بن گیا۔ اسے عنبر نے خوش خبری سنائی کہ خزانے کا سراغ مل گیا ہے۔ سردار غلیل لے کر ایک خاص جگہ پر رک گیا اور پھر خوشی سے چلایا۔

"خزانہ اس جگہ دفن ہے"۔

عنبر اور ناگ خوش ہو گئے۔

عنبر اور ناگ بھاگ کر سردار کے پاس گئے۔

سردار کے ہاتھ میں درخت کی ٹہنی کی غلیل کانپ رہی تھی۔ پھر وہ زمین پر گر پڑی۔

سردار نے کہا۔

"اس جگہ کو کھودو خزانہ مل جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تم بھی ہمارا ساتھ دو"۔

انہوں نے مل کر زمین کھودنی شروع کر دی۔

وہاں زمین کھودنی اس لیے بھی آسان تھی کہ وہاں زیادہ تر زمین میں بڑے بڑے پتھر تھے۔ ایک پتھر نکالنے سے دوسرا پتھر اپنے آپ ہل جاتا تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد وہاں گڑھا بن گیا اب جو عنبر اور سردار نے ایک پتھر کو اٹھا کر باہر نکالا تو نیچے خزانے کا صندوق صاف نظر آ رہا تھا عنبر اور ناگ نے خوشی سے چلا کر کہا۔

”خزانہ واپس مل گیا“۔

پھر انہوں نے مل کر صندوق گڑھے میں سے باہر نکال لیا۔

سردار نے کہا۔

”اے مقدس انسان! اب میرا فرض ہے کہ میں

یہ خزانہ اپنے سر پر اٹھا کر تمہارے جہاز تک لے چلوں“۔

عنبر نے کہا۔

”میں تمہیں یہ تکلیف نہیں دینا چاہتا سردار“۔

سردار بولا۔

”نہیں یہ میری خوشی ہے، اس سے میرے گناہ دھل جائیں گے، مجھے اس حق سے محروم نہ کرو“۔

عنبر نے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی! اگر تمہاری خوشی اس میں ہے تو میں انکار نہیں کرتا“۔

سردار نے خزانے کا صندوق اپنے سر پر اٹھا لیا اور انہوں نے جنگل میں سے واپس سمندر کی طرف چلنا

شروع کر دیا۔ دن آدھا ڈھل گیا تھا۔

سورج آسمان کے وسط میں چمک رہا تھا۔ خزانہ اگرچہ بوجھل تھا مگر سردار بھی بہت مضبوط اور ہٹے کٹے بدن کا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے صندوق سر پر اٹھائے عنبر اور ناگ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

اب جنگل ختم ہو گیا اور سمندر کی ہوا آنے لگی، تھوڑی دیر بعد وہ ساحل سمندر پر آ گئے۔ انہیں سامنے اپنا جہاز کھڑا دکھائی دیا۔

ماریا جنگلے کے ساتھ لگی کھڑی تھی مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی، وہ دیکھ رہی تھی کہ سردار نے اپنے سر پر خزانہ لاد رکھا ہے اور عنبر اور ناگ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اس نے جلدی سے سیڑھی نیچے پھینک

دی۔

سردار نے رسی کی سیڑھی کو اپنے آپ جہاز سے نیچے گرتے دیکھا تو بڑا حیران ہوا، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ حیرانی کے تماشے پہلے دیکھ چکا تھا بس چپ چاپ سیڑھی پر سے چڑھ کر جہاز کے اوپر آ گیا۔

ماریا نے خوشی سے کہا۔

”عنبر بھائی! تم آ گئے؟“۔

سردار اب پھر پریشان ہوا کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ گئی جب کہ وہاں کوئی بھی عورت نہیں کھڑی تھی اس نے عنبر کی طرف حیرانی سے دیکھا۔

عنبر نے سردار سے مسکرا کر کہا۔

”سردار! یہ ایک ہماری بہن ماریا ہے، تم اسے

نہیں دیکھ سکتے، اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا صرف ہم اس کی آواز سن سکتے ہیں وہ ہم سب کو دیکھ سکتی ہے"۔

سردار نے صندوق عرشے پر رکھ کر جھک کر کہا۔

"ماریا بیٹی! سردار کو سلام قبول کرو"۔

ماریا نے کہا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بابا"۔

سردار نے کہا۔

"میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مدت کے بعد کسی نے مجھے باپ کہہ کر یاد کیا ہے۔ کاش! میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہ سکتا"۔

عنبر نے کہا۔

"سردار! اگر تم پسند کرو تو ہمارے ساتھ ہی باقی زندگی بسر کر سکتے ہو۔ ہمیں تمہارے ساتھ سفر کر کے بڑی خوشی ہوگی"۔

سردار نے آہ بھر کر کہا۔

"کاش میں ویسا کر سکتا مگر میرے پیچھے کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ میں واپس اپنے قبیلے کے لوگوں میں جانے پر مجبور ہوں اگر خدا نے چاہا تو زندگی میں پھر کبھی نہ کبھی ضرور ملاقات ہوگی"۔

ماریا نے کہا۔

"بابا! میں جہاں بھی ہوں گی تمہیں ضرور یاد رکھوں گی، میں نے بھی اپنی زندگی میں پہلی بار کسی کو باپ کہہ کر پکارا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"بیٹی! میں تمہیں کبھی نہیں بھلاؤں گی خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ اچھا! اب اجازت دو"۔

اس کے بعد سردار نے باری باری سب کو جھک کر سلام کیا اور سیڑھی پر سے اتر کر ساحل پر آ گیا۔ ساحل پر آ کر اس نے ایک بار پھر سلام کیا اور ریت پر سے گزر کر سامنے جنگل میں غائب ہو گیا۔

عنبر، ناگ اور ماریا اوپر عرشے پر کھڑے دیر تک اس خالی خالی، سنسان جنگل کو تکتے رہے جہاں سردار غائب ہو گیا تھا۔

"بھئی ماریا! اب چھوڑو ان باتوں کو اور اپنا خزانہ سنبھالو۔ کم بخت اس نے ہمیں بڑے چکر دیئے ہیں۔ آؤ ناگ اسے نیچے لے جائیں"۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی! اب اسے کسی ایسی جگہ پر لے جا کر رکھنا چاہیے جہاں سے کوئی بھی اسے نہ چرا سکے۔

ناگ نے کہا۔

"ایسی کوئی جگہ جہاز میں نہیں ہے ماریا بہن!"۔

"میرا خیال ہے کہ اسے اس بار باورچی خانے میں کسی جگہ جا کر چھپا دیتے ہیں۔ چولہوں کے نیچے کیسا رہے گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"گرمی سے جواہرات خراب ہو جائیں گے"۔

"تو پھر اسے میرے کیبن میں کسی جگہ رکھ دو۔ میں اس کی ہر وقت رکھوالی کروں گا"۔

خزانے کے صندوق کو ناگ کے کیبن میں لے جا کر اس کے پلنگ کے نیچے فرش اکھاڑ کر چھپا دیا گیا اور پر تختے جڑ دیے گئے۔

اس کے بعد انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور فیصلہ کیا کہ شام ہونے سے پہلے پہلے انہیں جزیرے سے کوچ کر جانا چاہیے، چنانچہ لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے۔

بڑی مناسب ہوا چل رہی تھی۔ بادبان ہوا میں پھول گئے اور جہاز نے سمندر میں کھسکنا شروع کر دیا۔

سورج غروب ہوا تو جہاز بیچ سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ جزیرہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ماریا سردار کو یاد کر

کے اداس ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اپنے باپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی ہے۔

www.urdurasal

پراسرار دھماکا

سمندر گہرے نیلے رنگ کا تھا۔

ایسا گہرا نیلا سمندر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عنبر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ بحیرۂ روم کے سمندروں کا ہے۔

اس سے پہلے عنبر اس سمندر میں کئی بار سفر کر چکا تھا۔ ناگ اور ماریا کے لیے یہ سمندر بالکل اجنبی تھا۔ عنبر کا خیال تھا کہ اگر وہ اسی طرح سفر کرتے رہے تو

ضرور کسی بہت بڑے شہر کے کنارے پہنچ جائیں گے۔

سارا دن اور ساری رات وہ سمندر میں سفر کرتے رہے۔ ہوا بڑی مناسب تھی ان کا جہاز بڑی روانی سے سمندر میں بہتا چلا گیا۔

جزیرے پر آئے ہوئے طوفان کی یاد ابھی تک ان کے سینے میں تھی۔ جزیرے پر گزارے ہوئے مصیبت کے دن انہیں اب بھی یاد آتے تھے۔

دوسرے روز وہ ناشتے کے بعد جہاز کے عرشے پر بیٹھے تھے۔ آسمان چمکیلا نیلا تھا دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ فضا میں گرمی کی جگہ اب سردی نے لے لی تھی۔ ہوا میں خنکی ہو رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"یہاں موسم ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ عنبر بھائی! ہم کس طرح کو جا رہے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم ملک اسپین کی طرف جا رہے ہیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہ ملک مسلمانوں کی حکومت میں بے حد ترقی کر رہا ہے"۔

ماریا بولی۔

"ہم جہاں بھی گئے ہیں، ہم نے مسلمان بادشاہوں اور دانا لوگوں کی بڑی تعریف سنی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمانوں کو ایک ملک میں حکومت کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہی خوشی مجھے ہو رہی ہے۔ میرا قطب نما بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم دو چار دن کے سفر کے بعد ہسپانیہ پہنچ جائیں گے"۔

ناگ اور ماریا کو بھی ہسپانیہ پہنچنے کی خوشی ہو رہی تھی۔ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ ان کی قسمت میں آگے کیا لکھا ہے۔

ان کے پاس بڑی طاقتیں تھیں۔ پر اسرار طاقتیں تھیں۔ کوئی غائب ہو گیا تھا۔ کسی کو موت نہیں تھی۔ اور کوئی جو شکل چاہے اختیار کر سکتا تھا مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی قسمت میں آگے کیا لکھا ہے؟۔

عنبر نے ایک روز عرشے پر بیٹھے بیٹھے ناگ اور ماریا کو بتایا کہ جس سمندر سے وہ گذر رہے ہیں، وہاں بڑے بڑے جادوگر ہو کر گزرے ہیں۔

ایک زمانے میں یہاں جادوگروں کا بڑا زور تھا۔ یہاں اسے ایسے زبردست جادوگر ملے تھے جنہوں نے اپنا ایک بناوٹی چاند بھی بنا لیا تھا۔

یہ چاند ایک کنوئیں سے نکل کر آسمان پر اپنا سفر پورا کرتا تھا اور پھر دوسرے کنوئیں میں غروب ہو جاتا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"کیا یہ سچ ہے بھائی عنبر؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زمین پر بھی ایک چاند نکل آئے؟"۔

"ماریا بہن! میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ میں نے اس چاند کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میری آنکھوں کو تم نہیں جھٹلا سکتیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"کیا آج بھی اس علاقے میں ایسے ایسے جادوگر رہتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ضرور رہتے ہوں گے۔ ویسے میں نے کسی کو دیکھا نہیں اور نہ کبھی ان سے میری ملاقات ہوئی ہے"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے دوپہر ہو گئی۔ پھر دوپہر بھی ڈھل گئی سورج مغرب میں سمندر میں

غروب ہونا شروع ہو گیا۔ رات کا کھانا انہوں نے جہاز کے باورچی خانے میں بیٹھ کر کھایا کیونکہ اب باہر ٹھنڈی ہوا میں سرد ہو گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے قہوہ پیا اور پھر اپنے اپنے کیبن میں سونے کے لیے چلے گئے۔

ماریا کیبن میں جا کر لیٹ گئی اور ہسپانیہ کے خیال سے خوش ہونے لگی۔

ناگ بھی اپنے کیبن میں سو گیا۔

عنبر کچھ دیر قطب نما اور نقشے پر جھکا غور کرتا رہا۔ پھر اس نے انگڑائی لی اور بستر پر گرتے ہی سو گیا۔ جہاز بڑی ہموار رفتار کے ساتھ سمندر کے نیلے پانیوں میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا کچھ دیر بعد ماریا کو بھی نیند

آ گئی۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔ آسمان پر ستارے کھلے ہوئے تھے چاند کہیں بھی نہیں تھا۔ پھر بھی سمندر پر ستاروں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ہوا میں خنکی تھی۔

جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو اچانک آسمان پر ایک روشنی سی ہوئی اور جیسے کوئی شے دھوئیں کی ایک لکیر کی طرح جہاز کے عرشے پر اتر آئی۔

یہ دھوئیں کا ایک مرغولہ سا تھا جو بل کھا رہا تھا اور اس سے ہلکی ہلکی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ یہ مرغولہ کچھ دیر جہاز کے عرشے پر گردش کرتا ادھر ادھر پھرتا رہا پھر وہ

کیبن کو جانے والے دروازے پر آ کر رک گیا۔

تھوڑی دیر اسی جگہ پر چکر کھانے کے بعد دھوئیں کا یہ مرغولہ بڑے سکون سے بند دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔ ماریا کے کیبن میں روشنی گل ہو چکی تھی۔ یہ ماریا کی شروع ہی سے عادت تھی کہ وہ بتی گل کر کے اندھیرے میں سوتی تھی۔

عنبر اور ناگ کے کیبنوں میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

دھوئیں کا مرغولہ سب سے پہلے عنبر کے کیبن میں گھس گیا۔ وہاں سے نکل کر وہ ناگ کے کیبن میں چلا گیا اس کے کیبن سے نکل کر دھوئیں کا بھوت راہداری میں گردش کرتا رہا پھر سیڑھیاں چڑھ کر دروازے میں

سے ہو کر اوپر عرشے پر آ گیا۔

عرشے پر سناٹا چھایا ہوا تھا دھوئیں کا بھوت اوپر کو اٹھا، ایک دھماکا ہوا جہاز ہل گیا اور بھوت غائب ہو گیا۔

دھماکے کی آواز پر ماریا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

یہ کیا ہوا؟ کہیں جہاز میں آگ تو نہیں لگ گئی؟ وہ آنکھیں ملتی ہوئی راہداری سے اٹھی۔ اس نے مشعل جلائی اور دروازہ کھول کر راہداری میں آ گئی۔

دھماکے کے بعد جہاز بڑے سکون سے چلا جا رہا تھا۔ وہ بھاگی بھاگی عنبر کے کیبن میں گئی اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اس نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا عنبر

کو آوازیں دیں مگر کیبن کے اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ماریا کے دل میں پریشانی پیدا ہوئی۔

اس نے ایک کلہاڑے سے دروازے کا ایک پٹ توڑ کر الگ کر دیا۔ وہ لپک کر اندر گئی۔ اندر عنبر کا بستر خالی تھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے عنبر کو آوازیں دیں کیبن میں تلاش کیا مگر وہ وہاں ہوتا تو جواب دیتا۔ ماریا وہاں سے بھاگ کر ناگ کے کیبن میں آئی۔

اس کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا یہاں بھی پہلے اس نے دروازے پر دستک دی۔ پھر زور زور سے کھٹکھٹایا۔ اندر سے ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ

پریشان ہو گئی۔ اس نے دروازہ توڑ دیا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔

اندر ناگ بھی غائب تھا۔

اس کا بستر خالی تھا۔ وہ ناگ کو بھی آوازیں دینے اور تلاش کرنے لگی۔ اس نے مشعل لے کر سارے جہاز کو اوپر سے نیچے تک چھان مارا مگر وہاں نہ کہیں عنبر تھا اور نہ ناگ تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر رونے لگی۔ زندگی میں شاید دوسری بار اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

کچھ دیر آنسو بہانے کے بعد اس کا جی ہلکا ہوا تو وہ سوچنے لگی کہ عنبر اور ناگ کہاں جا سکتے ہیں؟ وہ دھاکا

کیسا ہوا تھا؟ یہ کیا راز ہے؟۔

وہ اٹھ کر دوسری بار عنبر اور ناگ کے کیبنوں میں باری باری گئی۔ اس نے ایک ایک کیبن کی تمام چیزوں کو بڑے غور سے دیکھا الٹ پلٹ کر اس پر غور کیا۔

بستر پر ایک بھی شکن نہیں پڑی تھی۔ عنبر اور ناگ کے البتہ جوتے فرش پر پڑے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ جلدی میں کہیں چلے گئے ہیں۔

یہ اس کے ذہن میں کبھی نہیں آ سکتا تھا کہ ایک دھوئیں کے بھوت نے ان دونوں کو غائب کر کے اغوا کر لیا ہے۔ بے چاری ماریا ایک طرف سٹول پر بیٹھ کر اپنی قسمت کو کوسنے لگی۔

”میں ہی بری ہوں۔ اگر بری نہ ہوتی تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا“۔

وہ اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ ماریا کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔

اس کا خیال رہ رہ کر عنبر اور ناگ کی طرف جاتا تھا کہ خدا جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اڑ کر ان کے پاس چلی جائے۔ اچانک اسے خزانے کا خیال آیا۔

کہیں خزانہ بھی تو غائب نہیں ہو گیا؟

خزانے کے بارے میں اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ وہ بھاگ کر ناگ کے کمرے میں گئی خزانے کو ناگ کے بستر کے نیچے لکڑی کے تختے اکھاڑ کر نیچے

دیکھا۔

انتہائی قیمتی ہار و جواہرات سے بھرا ہوا صندوق پھر سے اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ صندوق موجود تھا خزانہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔

اگر خزانہ بھی غائب ہو جاتا تو وہ کیا کر سکتی تھی۔

باقی رات ساری ماریا نے بستر پر پہلو بدل بدل کر کاٹ دی۔ صبح ہوئی تو وہ اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ آسمان پر دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے سمندر کی طرف دیکھا۔ سمندر کے نیلے پانی میں دریا کا ریتلا پانی بھی شامل ہونے لگا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ وہ کسی دریا میں جا رہی ہے۔

ضرور وہ ہسپانیہ کے ساحل پر پہنچنے والی ہے۔ وہ

اداس ہو کر جہاز کے جنگلے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل اداس ہو گیا۔

عنبر اور ناگ بھائی اسے بہت یاد آنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں دونوں بھائیوں کو یاد کر کے آنسو آ گئے وہ اکیلی جہاز کو بھی نہیں چلا سکتی تھی۔

اسے دیکھ دیکھ کر تھوڑا بہت نقشہ دیکھنا آ گیا تھا۔ قطب نما کو بھی وہ پہچان لیتی تھی۔ اس کے آگے وہ بالکل کوری تھی۔ سارا دن جہاز دریا کا پانی ملے سمندر میں بہتا چلا گیا۔

ہوائیں اسے اپنے آپ آگے لیے جا رہی تھیں۔

ایک دو بار ماریا نے گھبرا کر قطب نما کو بھی دیکھا۔ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔

ساری رات جہاز چلتا رہا۔

اگلے روز صبح کو آسمان پر گہرے گہرے بادل چھانا شروع ہو گئے۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ سردی بے حد بڑھ گئی تھی۔ ماریا نے لومڑی کی کھال کا کوٹ نکال کر پہن لیا۔

سر پر سمور کی ٹوپی رکھ لی اور قہوہ پینے کے بعد واپس باورچی خانے میں چوکی پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اس کا جہاز کدھر کو جا رہا ہے؟

کہاں جا رہا ہے؟

یہ کہاں جا کر ساحل سے لگے گا۔

بارش کا زور بڑھ گیا تھا۔ سمندر کی لہریں جہاز کو ادھر سے ادھر اچھال رہی تھیں۔ ماریا پریشان ہو گئی کہ

کہیں ان کا جہاز کسی چٹان سے نہ ٹکرا جائے۔

وہ باہر عرشے پر آ کر سامنے دیکھنے لگی۔ سامنے دور اسے درختوں کی قطار نظر آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ زمین آ گئی تھی۔

کیا وہ ہسپانیہ کے ساحل پر آ گئی ہے؟

ماریا دروازے میں کھڑی ہو کر باہر تکنے لگی بارش اب تھم گئی تھی۔ ہوائیں بھی ہلکی ہو گئی تھیں مگر آسمان پر بادل اسی طرح سے چھائے ہوئے تھے۔

وہ عرشے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب جہاز آہستہ آہستہ ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سب سے نازک کام جہاز کو ساحل سے ٹکرانے سے بچانے کا تھا۔

اگر اس نے عقل مندی اور ہوشیاری سے کام لے

کر جہاز کو نہ بچایا تو وہ ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ ماریا نے جلدی سے جا کر گول چکر کو رسی سے باندھ دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے کنارے کی طرف دیکھا کنارا اب زیادہ دور نہیں تھا۔

درختوں کی قطاریں اب صاف نظر آنا شروع ہو گئی تھیں۔ یہ درخت عجیب و غریب قسم کے تھے۔ نہ ناریل کے لگتے تھے اور نہ کھجور کے، عنبر نے ماریا سے ایک بار کہا تھا کہ ہسپانیہ کے ساحل پر کھجور کے درخت نظر آئیں گے مگر یہ درخت کھجور کے نہیں تھے اس کا مطلب یہی تھا کہ جہاز ہسپانیہ کے ساحل پر نہیں لگا تھا۔

جہاز بڑی تیزی سے ساحل کی طرف بہے جا رہا تھا۔

ماریا نے مستول چڑھ کر دونوں بادبانوں کو کھول کر رسیوں سے باندھ دیا۔ بادبانوں کے بند ہونے سے جہاز کی رفتار میں بہت فرق آ گیا۔

وہ آہستہ ہو گیا اور ایک طرف کو جھکے جھکے ساحل کے ساتھ جا کر بڑے آرام سے لگ گیا۔ جہاز کے رکتے ہی ماریا نے لنگر کو سمندر میں ڈال کر زنجیر چھوڑ دی۔ لنگر دریا میں جا کر جم گیا۔

اس کے ساتھ ہی جہاز بھی دریا میں پوری طرح سے رک گیا۔ ماریا نے عرشے پر آ کر دیکھا۔ اس علاقے کا ساحل دور دور تک ویران تھا۔ نہ کوئی آدم نہ

آدم زاد، وہ کہاں نکل آئی ہے؟۔

یہ کس ملک کا ساحل ہے؟

وہ جہاز کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جائے؟

یہی باتیں سوچ سوچ کر ماریا پریشان ہو گئی۔ وہ جہاز کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے ساحل کے ساتھ لگی جہاز پر بیٹھی رہی اس نے ناشتا کیا اور پھر جہاز کے عرشے پر آ کر نیچے ساحل کو تکنے لگی۔

وہ غائب تھی اور کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ان کا خیال تھا کہ اگر اس علاقے میں کوئی آبادی ہوئی تو لوگ جہاز کو ساحل کے ساتھ لگے ہوئے دیکھ کر ضرور آئیں گے۔

اگر وہ ڈاکو چور لٹیرے بھی ہوئے تو بھی ضرور

آئیں گے، لیکن وہاں تو نہ کوئی ڈاکو تھا نہ شریف آدمی، وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا سارا دن اپنے جہاز پر اکیلی بیٹھی ساحل کی طرف تکتی رہی، شام ہو گئی پھر رات ہو گئی۔

اس نے رات کا کھانا کھایا اور جہاز پر روشنی نہ کی۔ اس خیال سے کہ کہیں رات کو کوئی اس کے سوتے میں ہی جہاز پر حملہ نہ کر دے۔ سب سے زیادہ فکر اسے عنبر اور ناگ کی تھی کہ وہ کہاں چلے گئے؟

کدھر چلے گئے؟

کس نے ان دونوں کو غائب کر دیا۔ اسے عنبر کا جملہ یاد آ گیا، اس نے کہا تھا۔

” اس علاقے میں ابھی تک بڑے بڑے

زبردست جادوگر رہتے ہیں“

تو کیا ان دونوں کو کسی نے جادو کے ذریعے غائب کر دیا تھا؟

مگر اسے وہ کیوں چھوڑ گیا؟

ماریا کیوں نہ ساتھ ہی غائب ہو گئی؟

اس پر جادوگر کا جادو کیوں نہ چلا؟

ماریا کیوں نہ ساتھ ہی غائب ہو گئی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک وہ غائب ہے، اس پر کسی جادوگر کا جادو نہیں چل سکتا اس قسم کے خیالوں میں الجھی الجھی وہ سو گئی۔

آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے جہاز کے عرشے پر کوئی چل پھر رہا ہے۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھ کر سیڑھیوں والے دروازے میں آ کر درز میں سے باہر تکنے لگی۔

دروازہ اندر سے بند تھا عرشے پر تاروں کی دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی جس کی کالی لمبی ڈاڑھی ہے، اور گردن تک کالے کالے بال جھول رہے ہیں، لمبا چغہ پہنے عرشے پر ادھر سے ادھر چل پھر رہا ہے۔

پھر وہ شخص سیڑھیوں والے دروازے کے پاس آیا۔ اور درز میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ وہ آدمی کچھ دیر جھانکنے کے بعد واپس عرشے پر جا کر ٹہلنے لگا۔

پھر وہ جہاز کے جنگلے پر چڑھ کر لنگر کی زنجیر کی مدد سے نیچے اترنے لگا۔ ماریا جلدی سے دروازہ کھول کر عرشے پر آئی اور دبے پاؤں جنگلے کے پاس جا کر نیچے دیکھنے لگی۔

وہ شخص نیچے اتر کر سمندر میں تیرتا ہوا ساحل پر گیا اور رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ ماریا دیر تک کھڑی سوچتی رہی کہ یہ کون شخص تھا؟۔

جنگل میں چیخ

دن چڑھ گیا۔ ہر طرف روشنی پھیل گئی۔

ماریا ناشتے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ ساحل پر زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ماریا بڑی حیران تھی کہ یہ کس ملک کا ساحل ہے کہ یہاں کوئی آبادی ہی نہیں ہے اگر ماریا کو خزانے کا خیال نہ ہوتا تو وہ ضرور جہاز سے اتر کر ساحل پر جا کر معلوم کرتی کہ

یہاں کون لوگ آباد ہیں وہ رات کو اس پر اسرار لمبے بالوں والے آدمی کا پیچھا بھی کرتی مگر اسے خزانے کے لٹ جانے کا ڈر تھا، نہیں تو وہ ضرور جہاز سے نکل جاتی۔

وہ سوچنے لگی کہ یہ پر اسرار آدمی کون تھا جو آدھی رات کو جہاز پر آیا تھا۔ ہوسکتا ہے کوئی چور ہو اور لوٹ مار کرنے آدھی رات کو جہاز پر آیا ہو۔

ضرور وہ چور ہی ہوگا لیکن اب ماریا نے جہاز سے اتر کر نیچے ساحل پر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خزانے کو کہاں رکھے؟ اس نے سوچا کہ خزانے کو باہر کسی جگہ زمین میں دفن کر دینا چاہیے اس طرح سے خزانہ محفوظ ہو جائے گا۔ کسی کو کیا معلوم کہ خزانہ کہاں دفن ہے؟۔

ماریا نے اس خیال کے ساتھ ہی رسی ساحل کی طرف لٹکا دی۔ وہ رسی کی مدد سے ساحل پر اتر آئی۔ اس نے ریت پر ادھر ادھر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی شروع کر دی جہاں وہ خزانے کو دبا سکے۔

ساحل پر یہاں وہاں پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ ذرا پرے گھنے درخت اگے ہوئے تھے۔ ان درختوں کے نیچے گہرے سائے تھے۔

ماریا ان درختوں کے پاس گئی۔ یہ جگہ خزانہ دفن کرنے کے لیے بڑی اچھی تھی وہ جلدی سے واپس جہاز پر گئی۔

باورچی خانے سے وہ ایک پھاوڑا سا اٹھا لائی۔ اس نے ایک درخت کے نیچے زمین کھودنی شروع کر

دی۔ زمین ریتلی اور نرم تھی بہت جلد اس نے ایک گڑھا کھود لیا۔

اب وہ واپس جہاز پر آ گئی سب سے مشکل کام خزانے کے صندوق کو جہاز سے اتارنا تھا۔ اس نے ناگ کے کمرے میں جا کر خزانے کے صندوق کو فرش اکھاڑ کر نکالا۔ اسے کندھے پر اٹھایا اور بڑی مشکل سے لے کر اوپر عرشے کے جنگلے پر آ گئی۔

اس نے خزانے کو رسی سے باندھا اور نیچے ساحل پر لٹکا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چاروں طرف دیکھ بھی لیتی کہ کہیں کوئی اسے خزانہ اتارتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا؟

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ساحل پر سناٹا چھایا ہوا

تھا۔ خزانہ نیچے ساحل پر اتار کر وہ خود بھی سیڑھی سے اتر کر نیچے آ گئی۔ اب اس نے ایک بار پھر خزانے کو کندھے پر اٹھایا اور گڑھے کی طرف چل پڑی۔

خزانہ اگرچہ بھاری تھا مگر اسے ہلکا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ اس میں دنیا جہان کی دولت بھری ہوئی تھی۔ وہ خزانے کو لے کر درخت کے نیچے گڑھے کے پاس آ گئی۔ خزانے کو اس نے جلدی سے گڑھے میں رکھ دیا اور اوپر پتھر اور ریت ڈالنا شروع کر دی۔

تھوڑی دیر میں خزانہ زمین کے اندر دبا کر اس نے اوپر سے زمین برابر کر دی۔ اب کسی کو شک نہیں ہوسکتا تھا کہ اس جگہ پر ایک بڑا ہی انمول اور قیمتی خزانہ دفن

ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا جہاز پر واپس گئی۔

اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ نئے کپڑے پہنے۔ موسم سرد تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

اگرچہ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس نے کیبن کے دروازوں کو بند کیا، باہر سیڑھیوں والے روازے پر تالہ لگایا اور سیڑھی سے اتر کر نیچے ساحل پر آ گئی۔ اس نے سیڑھی کو اچھال کر واپس اوپر جہاز پر پھینک دیا۔

وہ خدا کا نام لے کر ایک طرف کو چل پڑی۔

ریت کے ساحل پر سے نکل کر وہ ایک ایسے کچے راستے پر آ گئی جس کے دونوں جانب گھنے درخت لگے ہوئے تھے۔ ان کی چھاؤں میں ٹھنڈک تھی۔

ماریا بڑی خاموشی سے آگے چلتی گئی۔ اسے آبادی کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ذرا دور اسے پتھروں کے بنے ہوئے کچھ چورس مکان دکھائی دیے۔ اس نے ان مکانوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ سارے کے سارے مکان ویران اور خالی پڑے ہیں۔ مکانوں میں کوئی آدمی نہ تھا، کوئی سامان نہ تھا، بس کھنڈر بنے ہوئے تھے۔ کچھ دیر ماریا ان مکانوں میں گھومتی پھرتی رہی۔

پھر اچانک وہ رک گئی اسے دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ باتیں ایک دیوار

کے پیچھے ہو رہی تھیں۔ ماریا دیوار کے سامنے آ گئی کیا دیکھتی ہے کہ وہی لمبے بالوں اور لمبی کالی داڑھی والا آدمی اپنے ساتھی کے پاس پتھروں پر بیٹھا قہوہ پی رہا ہے اور باتیں کر رہا ہے۔

اس کے ساتھی کی ایک آنکھ کانی تھی اور سر سے گنجا تھا۔ کپڑے دونوں کے پرانے اور میلے تھے۔ دونوں نے تلواریں کمر کے ساتھ لٹکا رکھی تھیں۔ لمبے بالوں والے نے کہا۔

"میں نے سارے جہاز کو اوپر سے دیکھ لیا ہے۔ صرف ایک دروازہ ہے جو نیچے جاتا ہے مگر رات کو وہ بند تھا۔ معلوم ہوتا ہے اندر لوگ رہتے ہیں"۔

کانے نے کہا۔

"تم نے غلطی کی۔ تمہیں اسی وقت دروازہ توڑ کر اندر چلے جانا چاہیے تھا۔ ضرور ہمیں کچھ نہ کچھ مل جاتا۔ آخر جس آدمی کا اتنا بڑا جہاز ہے، اس کے پاس سونے کی بہت سی اشرفیاں تو ضرور ہوں گی"۔

لمبے بالوں والا بولا۔

"اب کیا ہو گیا ہے، چلو اب جا کر جہاز پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ اب جانے میں کیا حرج ہے؟"۔

"چلو! میں تیار ہوں۔ میری تلوار بھی کئی روز سے انسان کے خون کی پیاسی ہے"۔

دونوں ڈاکو اٹھے اور جہاز کی طرف چل پڑے۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ دونوں ڈاکو ہیں۔ اور ڈاکو بھی معمول سے ہیں، جو محض سونے کی چند اشرفیوں کے لیے

انسان کا خون بہا دیتے ہیں۔

خواہ مخواہ انہوں نے ماریا کے سفر کو کھوٹا کر دیا تھا۔ وہ واپس جہاز پر نہیں جانا چاہتی تھی مگر اب واپس جانے پر مجبور تھی۔

اسے ڈر تھا کہ جب ڈاکوؤں کو وہاں سے کوئی اشرفی نہیں ملے گی تو وہ ہو سکتا ہے، جہاز میں توڑ پھوڑ کریں۔

ہو سکتا ہے یہ بد بخت جہاز کو آگ لگا دیں۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ جہاز کے قریب جا کر دونوں ڈاکو رک گئے۔

ایک نے کہا۔

”میں اندر جاتا ہوں، جا کر دیکھتا ہوں کہ اندر

کون کون ہے، تم اسی جگہ کھڑے رہو“۔

”بہت خوب مگر جلدی آنا اور سنو۔ کسی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو اس کی گردن کاٹ کر میری طرف پھینک دینا۔ ہا۔ ہا۔ ہاہا۔“

کانا ڈاکو جانوروں کی ہنسا۔ کالے بالوں والا زنجیر کی مدد سے جہاز کے اوپر چڑھ گیا۔ کانا ڈاکو وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی سوچنے لگی کہ وہ کیا کرے؟۔

کیا کالے بالوں والے ڈاکو کے باہر آنے کا انتظار کرے یا اس کانے ڈاکو کو یہاں سے نو دو گیارہ کر دے؟

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اوپر سے کالے بالوں

والے ڈاکو نے آواز دی۔

”اندر کوئی نہیں ہے، کم بخت سارے کے سارے لوگ کہیں چلے گئے ہیں۔ مال بھی نہیں ہے۔ برتن بھانڈے پڑے ہیں“۔

نیچے سے کانے ڈاکو نے کہا۔

”آگ لگا دو اس جہاز کو جہاں سے ہمیں کچھ نہیں ملا“۔

”بہت اچھا“۔

اب ماریا گھبرا گئی۔ یہ الو کے پٹھے تو جہاز کو آگ لگا رہے تھے۔ وہ لپک کر لنگر کی زنجیر کی طرف گئی زنجیر کی مدد سے عرشے پر چڑھی اور بھاگ کر نیچے گئی۔

عرشے پر کسی کے قدموں کے بھاگنے کی آواز سن

کر کالے ڈاکو نے چونک کر سیڑھیوں میں دیکھا اور آواز دی۔

”کون ہے اوپر؟“۔

ماریا اوپر عرشے پر ہی رک گئی۔ کالا ڈاکو اوپر آ گیا۔ پھر وہ عرشے کے جنگلے کے پاس جھک کر ساحل پر بیٹھے اپنے ساتھی سے بولا۔

”اوپر تم آئے تھے؟“۔

”نہیں۔ میں کہاں آیا تھا، میں تو یہیں بیٹھا ہوں“۔

”مجھے عرشے پر کسی کے قدموں کے دوڑنے کی آواز آئی تھی“۔

”تمہارا دل خراب ہو گیا ہے، جلدی سے آگ لگا

کر واپس آ جاؤ۔ کوئی اچھی شے ہو تو اٹھا کر لے آؤ"۔

"ابھی آتا ہوں فکر نہ کرو"۔

کالے بالوں والے ڈاکو نے عرشے پر سے اپنے ساتھی کو آواز دی اور پتھروں کو رگڑ کر بادبانوں میں آگ لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

ماریا اب صبر نہ کر سکتی تھی۔ انتظار کرنا موت کو دعوت دینا تھا کیونکہ پتھروں کی رگڑ سے شرارے چمکنے لگے تھے۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر کالے ڈاکو کے ہاتھ پر اس زور سے لات ماری کہ پتھر دور جا گرے۔

ڈاکو تو چونک کر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟ کون ہو تم؟ کہاں ہو تم؟"۔

ماریا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بد بخت! میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں میں اس جہاز کی چڑیل ہوں"۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی، میں تیری موت بن کر یہاں آئی ہوں"۔

ڈاکو تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ ماریا نے لپک کر اس کی کمر سے تلوار چھین کر باہر نکال لی اور پھر اس کی نوک ڈاکو کے سینے میں چبھو کر کہا۔

"یہاں سے چھلانگ لگا کر بھاگ جا اور اپنے ساتھی کو بھگا کر لے جا، میں نے تمہاری جان بخشی کر دی ہے۔ نہیں تو میں اس وقت تمہاری گردن بھی اڑا سکتی تھی۔ اور سنو!

خبردار اگر پھر کبھی اس جہاز کا رخ کیا۔

ڈاکو تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔

"کبھی نہیں آؤں گا۔ کبھی نہیں آؤں گا"۔

یہ کہہ کر کالے ڈاکو نے چھلانگ لگا دی اور سمندر میں کود گیا دوسرا ڈاکو اسے سمندر میں چھلانگ لگاتے دیکھ کر اس کے پاس آیا اور بولا۔

"ارے بد بخت! تجھے کیا ہو گیا؟ سمندر میں چھلانگ کیوں لگا دی تم نے؟"۔

اس ڈاکو نے جانے اس کے کان میں کیا کہا کہ دونوں وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ انہوں نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا نے تلوار وہیں جہاز کے عرشے پر پھینکی اور

نیچے سمندر کے کنارے پر اتر آئی۔ ان لوگوں نے خواہ مخواہ اسے پریشان کیا تھا۔ وہ اچھی بھلی جا رہی تھی۔

ماریا نے دوبارہ آگے چلنا شروع کر دیا۔

پتھروں کے کھنڈروں سے نکل کر وہ ایک اور کچے راستے پر ہو گئی۔ اس راستے پر بھی درختوں کے سائے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ راستہ اور سایہ دار درخت مسافروں کے لیے لگائے گئے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ قریب ہی ضرور کوئی شہر آباد تھا۔ چلتے چلتے ماریا تھک گئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے پتھر پر بیٹھ گئی۔

اتنے میں اسے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ایک گھوڑ سواروں کا دستہ اس کے قریب سے گذر گیا۔

ان لوگوں کی شکلوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ملک کے سپاہی نہیں ہیں بلکہ ڈاکو ہیں۔

ماریا نے سوچا۔ کیا اس سارے علاقے میں ڈاکو ہی آباد ہیں۔ اس نے پھر آگے چلنا شروع کر دیا۔

اب ایک ڈاکو گھوڑے پر سوار وہاں آیا اور ماریا سے دس بارہ قدم آگے جا کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر وہ ایک طرف درختوں میں چلا گیا۔

ماریا نے سوچا کہ اس شخص کے گھوڑے کو کھول کر لے چلے وہ شخص بھی چہرے سے ڈاکو ہی لگتا تھا۔ ماریا آگے بڑھی گھوڑے کے پاس آ کر وہ اسے کھول ہی رہی تھی، کہ درختوں میں سے کسی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔

ماریا چونکی اس نے درختوں کی طرف دیکھا۔ ایک بار پھر لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ اس نے گھوڑے کو تو وہیں چھوڑا اور جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی ادھر کو دوڑ پڑی۔

آگے جا کر کیا دیکھتی ہے کہ درختوں میں جنگلی جھاڑیوں کے پاس ایک پتھر کا چھوٹا سا جھونپڑا بنا ہے۔ چیخ کی آواز اس جھونپڑے میں سے آ رہی ہے۔ ماریا بھاگ کر وہاں آ گئی۔

مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا ایک لڑکی کی چیخ کی آواز برابر اندر سے آ رہی تھی۔ ماریا نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔

اندر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ ماریا نے پھر زور سے دروازے پر دستک دی۔ ڈاکو نے آ کر دروازہ کھولا، اپنی لال لال آنکھوں سے جھانک کر باہر دیکھا اور کرخت آواز میں کہا۔

"کون الو کا پٹھا ہے باہر؟"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اس نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی مگر ڈاکو سارے دروازے کو گھیر کر بیچ میں کھڑا تھا۔ ڈاکو نے دروازہ بند کر دیا اور اندر چلا گیا۔

ماریا نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے اندر سے لڑکی کی چیخ پھر بلند ہوئی۔ ماریا نے زور زور سے دروازے پر لاتیں مارنی شروع کر دیں۔ اب ڈاکو غصے میں منہ سے جھاگ پھینکتا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور تلوار کھینچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کون ہو الو کی دم؟ کون ہو تم؟"۔

اب ماریا کو دروازے میں سے اندر جانے کا موقع مل گیا وہ تیزی سے دروازے سے اندر داخل ہو گئی اندر ایک کمرے میں جا کر دیکھا کہ ایک سنہرے بالوں والی بڑی ہی خوبصورت لڑکی رسیوں سے بندھی ہے۔

اس کے بدن پر ہنٹروں کے نشان ہیں اور وہ رو رہی ہے۔ یہ ڈاکو ضرور اس پر ظلم کر رہا ہو گا۔ اتنے میں ڈاکو زور سے دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔

"جانے کون گدھا تھا۔ اب بولو! میرے ساتھ

چلو گی یا میں تمہارے ابھی اس جگہ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں“۔

سنہری لڑکی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”مجھے معاف کر دو، میں تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔ تم نے میرے ماں باپ کو قتل کر دیا۔ اب مجھ پر رحم کرو“۔

ڈاکو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”کبھی نہیں معاف کروں گا۔ اگر تمہیں حاصل کرنے کے لیے مجھے تمہارے سارے خاندان کو قتل کر دینا پڑے تو قتل کر دوں گا، کاش مجھے تمہارا خاوند کہیں سے مل جاتا۔ میں اس کو بھی ایک پل میں ہلاک کر دیتا، سیدھی طرح سے میرے ساتھ چلو، نہیں تو

تمہارا قیمہ کر دوں گا“۔

سنہری لڑکی نے رو رو کر کہا۔

”میں بے گناہ ہوں، ایک یتیم کے دل کی آہیں مت لو۔ میں یتیم ہو گئی ہوں، اب اس زندگی میں میرا خاوند ہی میرا ایک سہارا ہے، تم مجھ سے میرا سہارا مت چھینو مجھے اپنے خاوند کے پاس چلے جانے دو۔ وہ میرے رو رہا ہو گا۔“

ڈاکو نے ایک اور قہقہہ لگا کر کہا۔

کبھی نہیں! کبھی نہیں! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر دوں گا، لیکن تمہیں واپس تمہارے خاوند کے پاس نہیں بھیجوں گا۔

لو اب آخری بار تم سے کہتا ہوں یا تو میرا کہا مان یا

مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ بول کیا مرضی ہے تیری؟۔

سنہری بالوں والی لڑکی نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

”اگر تم باز نہیں آتے تو پھر میری آخری بات سن لو۔ میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی، میں مر جاؤں گی مگر اپنے خاوند سے بے وفائی نہیں کروں گی تم بے شک میری گردن اڑا دو۔ مجھے ہلاک کر دو میری بوٹی بوٹی الگ کر دو۔ میں حاضر ہوں“۔

ڈاکو نے چیخ کر کہا۔

احمق لڑکی! کیوں اپنی جوانی پر ظلم کرتی ہے؟ کیوں اس عمر میں موت کو آوازیں دے رہی ہے؟ میری بات مان لے۔ اپنے اوپر ظلم نہ کر۔

تمہاری عمر ابھی کھانے پینے کی عمر ہے۔ تمہیں مرنا نہیں چاہیے، زندہ رہنا چاہیے۔ ایک بار پھر سوچ لے۔ میں تمہیں مہلت دیتا ہوں۔

لڑکی نے کہا۔

”میں ایک مسلمان کی بیٹی اور مسلمان کی بیوی ہوں۔ میں اپنی جان قربان کر دوں گی مگر اپنی عزت پر دھبہ نہیں لگنے دوں گی“۔

ڈاکو نے چیخ کر کہا۔

”وے مسلمان کی بچی! پھر مرنے کے لیے تیار ہو جا“۔

لڑکی نے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کلمہ شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ ماریا نے دیکھا کہ ڈاکو

نے تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھایا ابھی اس کا ہاتھ اوپر ہی تھا کہ ماریا نے اس زور سے اس کی کمر پر لات ماری کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔

ڈاکو گھبرا کر اٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے دھکا کس نے دیا؟

سنہری لڑکی بھی آنکھیں کھول کر تکنے لگی کہ یہ ڈاکو کیسے گر پڑا اور زخمی ہو گیا۔

اس نے کہا۔

"اے ظالم! اپنے انجام سے خوف کھا کہ میرا اللہ مجھ بے نوا کی مدد کر رہا ہے۔ اگر اب بھی تو باز نہ آیا تو تیرا انجام سوائے موت کے اور کچھ نہ ہو گا"۔

ڈاکو نے آستین سے منہ کا خون صاف کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لوں گا تیرا اللہ کیا کرتا ہے، میرا پاؤں لڑکھڑا گیا تھا اس لیے گر پڑا۔ میں تجھے ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

یہ کہہ کر تلوار سونت کر ایک بار پھر آگے بڑھا۔

اب کی دفعہ پھر ماریا نے آگے بڑھ کر اس زور سے ڈاکو کو دھکا دیا کہ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اس کے ساتھ ہی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی۔

ماریا اسی لمحے کے انتظار میں تھی اس نے لپک کر تلوار اٹھا لی۔

ڈاکو تلوار ڈھونڈنے لگا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابھی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری تھی پھر کہاں چلی گئی؟

اسے دوسری بار دھکا کس نے دیا تھا؟ وہ کچھ سٹپٹا سا گیا۔ اس نے سنہری بالوں والی لڑکی پر اپنا غصہ نکالنا شروع کر دیا۔

وہ اسے دونوں ہاتھوں سے مارنے لگا۔ اب ماریا سے صبر نہ ہو سکا اس نے پیچھے سے تلوار مار کر آدھی گردن کاٹ دی۔

ڈاکو کی گردن لٹک گئی اس کی آنکھوں کے آگے بجلی سی چمکی اور وہ پیچھے گر پڑا۔ خون اس کی گردن سے نکل نکل کر بہنے لگا۔

سنہری لڑکی خوف کھا کر پرے ہٹ گئی۔ ماریا نے دوسرا وار کر کے ڈاکو کو ختم کر دیا۔ سنہری لڑکی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوا کہ ایک بار تلوار سے اپنے آپ ڈاکو کی گردن لٹک گئی اور پھر کٹ کر دور جا گری۔

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کانپنے لگی۔ اس پر خوف سے لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ خدا نے اس کی عزت بچالی ہے مگر وہ ڈر گئی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ تلوار وہیں پھینک کر وہ واپس چلی جائے اور اس لڑکی سے کوئی بات نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اور زیادہ ڈر جائے۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ بے چاری رسیوں میں بندھی ہے، ہو سکتا ہے یہاں اس

ڈاکو کا کوئی دوسرا ساتھی آ جائے اور وہ اپنے ساتھی کے قتل کا بدلہ اس غریب لڑکی سے لے۔

یہ سوچ کر ماریا نے فیصلہ کیا کہ وہ لڑکی کو آزاد کرا کر اس کے گھر پہنچائے گی۔ اس نے بڑی نرمی اور محبت بھری آواز میں لڑکی سے کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے بہن؟“۔

کمرے میں ایک اجنبی عورت کی آواز سن کر سنہری لڑکی کے منہ سے ایک خوف کے مارے چیخ نکل گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر تکنے لگی اسے جس عورت کی آواز سنائی دی تھی وہ عورت اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

ماریا نے پھر اس سے پوچھا۔

”تمہارا نام کیا ہے بہن؟“۔

لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے جدھر سے آواز آئی تھی، ادھر دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

پیاری بہن! گھبراؤ نہیں میں بھی تمہاری طرح ایک عورت ہوں، مجھ میں اور تجھ میں صرف اتنا فرق ہے کہ تم دکھائی دیتی ہو اور میں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھ پر ایک جادوگر نے ایسا جادو کر دیا ہے کہ میں غائب ہو گئی ہوں اور کسی کو نظر نہیں آتی۔ اب تو مجھ سے نہیں گھبراؤ گی ناں؟ بولو! تمہارا نام کیا ہے؟۔

ماریا کی گفتگو سے لڑکی کی کچھ تھوڑی بہت ڈھارس بندھی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

”میرا۔۔۔ میرا نام سمارا ہے۔۔۔“

ماریا نے کہا۔

”سمارا! کتنا پیارا نام ہے۔ کیا تم مسلمان ہو؟“۔

سمارو نے کہا۔

”الحمدللہ! میں مسلمان ہوں“۔

ماریا نے پوچھا۔

”تمہارا گھر کہاں ہے؟ آؤ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتی ہوں، فکر نہ کرو۔ اب یہ ڈاکو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا میں نے اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیا ہے“۔

سمارو نے کہا۔

”میں یہاں سے ایک دن کے فاصلے پر اپنے شہر کی ایک حویلی میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہوں۔ میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے میری عزت بچائی“۔

”یہ میرا فرض تھا سمارا۔۔۔“

ماریا نے سمارا کی رسی کھول کر اسے آزاد کر دیا ڈاکو کی لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر وہ دونوں پتھروں کے مکان سے باہر آ گئیں، باہر درخت کے ساتھ ڈاکو کا گھوڑا بندھا تھا۔ ماریا سمارا کو لے کر گھوڑے کے پاس آ گئی۔

گمنام شہر کی طرف

گھوڑے کے پاس آ کر ماریا نے سارا سے کہا۔

"سارا بہن! اب تمہیں میرے ساتھ اس گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر جانا ہوگا۔ جب تم میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوگی تو یہ گھوڑا غائب ہو جائے گا گھبرانا نہیں"۔

ویسے وہ دل میں بڑی گھبرا رہی تھی۔ یہ زندگی میں

پہلی بار دیا ہو رہا تھا کہ وہ کسی غائب عورت سے باتیں کر رہی تھی۔ ماریا نے سب سے پہلے سارا کو گھوڑے پر سوار کرایا۔ ابھی تک سارا کو گھوڑا نظر آ رہا تھا جب ماریا اس پر سوار ہوئی تو گھوڑا غائب ہو گیا اور سارا بھی غائب ہو گئی۔

اب انہوں نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ ابھی دن شروع ہی ہوا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"سارا! تم راستے سے واقف ہو؟ کیا تم اس گھوڑے کو اپنے شہر کی طرف لے جاؤ گی؟"۔

سارا نے کہا۔

"ہاں بہن! میں راستے کو جانتی ہوں میں تمہیں

یہاں سے سیدھا اپنے گھر لے جاؤں گی"۔

گھوڑا قدم بقدم چلتا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

سارا نے کہا۔

"اگر ہم تیز تیز نہ چلے تو شاید رات کو بھی ہم اپنے گھر نہ پہنچ سکیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں گھوڑے کی رفتار تیز کر دیتی ہوں۔ تم سنبھل کر بیٹھی رہنا"۔

ماریا نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ گھوڑا تیزی سے دوڑنے لگا۔ راستہ بڑا صاف تھا۔ راستے کی دونوں جانب درخت اگے تھے۔

معلوم ہوتا تھا کہ اس راستے پر قافلے سفر کرتے

رہتے ہیں۔ شام تک سفر کرنے کے بعد وہ تھک گئے۔ انہوں نے ایک جگہ گھوڑا روک لیا۔ گھوڑے سے اترتے ہی سارا اور گھوڑا ظاہر ہو گئے۔

ماریا نے کہا۔

"میں اپنے ساتھ کھانے کے لیے کچھ نہیں لا سکی سارا بہن! کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟"۔

سارا نے مسکرا کر کہا۔

"بھوک تو ضرور لگی ہے بہن! مگر یہاں سے ہمیں کھانے کو کچھ نہیں مل سکتا"۔

ماریا نے ایک طرف دیکھا۔ وہاں ایک جگہ درختوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

''اس طرف سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ میں ادھر جا کر دیکھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کچھ کھانے کو مل جائے۔ تم اسی جگہ بیٹھی رہنا''۔

سمارو نے کہا۔

''جلدی آ جانا ماریا بہن! مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔

ماریا بولی۔

''فکر نہ کرو۔ میں جلدی واپس آ جاؤں گی''۔

یہ کہہ کر ماریا گھوڑے پر سوار ہو کر ادھر کو چل دی جدھر سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ سمارو درختوں کے پاس پتھروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔

وہ بے چاری گھبراتی ہوئی تھی کہ کہیں ڈاکو کے ساتھی اس کی تلاش میں وہاں نہ پہنچ جائیں۔

ادھر ماریا گھوڑے پر سوار ان درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گئی۔ جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ جا کر دیکھا کہ وہاں تین شکاری بیٹھے آگ پر گوشت بھون رہے ہیں۔ وہ مرغابیوں کو بھون بھون کر ایک ٹوکری میں مصالحہ لگا کر رکھتے جا رہے تھے۔

وہاں مرغابیوں کی خوشبو پھیلی تھی۔ ماریا نے گھوڑے کو ذرا پرے باندھا اور چپکے سے شکاریوں کے پاس آ گئی۔

شکاری بڑے مزے سے گوشت بھی کھا رہے تھے اور ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔

ایک شکاری نے کہا۔

''ماریا! اس دفعہ شکار پر چلیں گے تو کسی طرح سے ہرن کا شکار کر کے لائیں گے۔ کم بخت اس طرف ہرن دور دور تک نہیں ملتا''۔

دوسرا شکاری بولا۔

''میرا تو خیال ہے کہ ہرن کی بجائے اگر ہم سور کا شکار کریں تو زیادہ آسان کام ہو گا''۔

تیسرے نے کہا۔

''یار! سور کی جگہ اگر تمہارا شکار کر لیں تو ایک ہی بات ہو گی، کیا خیال ہے''۔

چوتھا بولا۔

''بات تو تم نے ٹھیک کی ہے مگر کبھی اپنی صورت بھی دیکھی ہے؟ قسم لے لو سور سے بالکل ملتی جلتی

ہے''۔

پہلے شکاری نے کہا۔

''جب سے اس علاقے میں مسلمان آ کر آباد ہوئے ہیں، سور کو انہوں نے حرام کر دیا ہے، نہیں تو پہلے بڑے سور مل جاتے تھے''۔

دوسرا بولا۔

''چلو یار یہ بھی غنیمت ہے کہ مرغابیاں تو یہاں مل جاتی ہیں۔ کھاؤ۔ مزے سے کھاؤ''۔

ماریا اس ٹوکری کے پاس آ گئی تھی جس میں گرم گرم بھنی ہوئی مرغابیاں رکھی تھیں اس نے ہاتھ بڑھا کر بڑے آرام سے دو مرغابیاں اٹھا لیں۔ وہ چلنے لگی تو ایک شکاری نے کہا۔

”ارے یار! یہ ٹوکری میں سے دو مرغابیاں کہاں غائب ہو گئیں؟ میں نے ابھی ابھی یہاں تین مرغابیاں بھون کر رکھی تھیں اب ایک ہی رہ گئی ہے۔ یار یہ مذاق اچھا نہیں۔ جس نے بھی مرغابی لی ہے واپس رکھ دے“۔

دوسرے نے کہا۔

”بھئی ہم نے تو تمہاری ٹوکری کو ہاتھ تک نہیں لگایا“۔

”مجھے کیا معلوم؟“۔

”ارے میں تمہارے باپ سے بھی اپنی مرغابیاں وصول کرلوں گا۔ تم نے ہی مرغابیاں چرائی ہیں۔ نکال کر رکھ دے یاہر نہیں تو گردن توڑ دوں

گا“۔

”مجھے ہاتھ تو لگا کر دیکھ۔ ابھی ساری کرکری نکال کر رکھ دوں گا“۔

وہ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ ماریا مرغابیاں لے کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور گھوڑا دوڑاتی سمارو کے پاس آ گئی۔

سمارو بے چاری سہمی ہوئی بیٹھی ماریا کی راہ دیکھ رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

”میں نے زیادہ دیر تو نہیں لگائی سمارا؟“۔

”نہیں ماریا بہن! ارے یہ بھنی ہوئی مرغابیاں کہاں سے مل گئیں؟“۔

”بس بہن! خدا نے سبب بنا دیا ہماری بھوک مٹانے کا“۔

انہوں نے بڑے مزے سے مل کر بھنی ہوئی مرغابیاں کھائیں۔ گھوڑے کو بھی دانہ دنکا کھلایا اور اس پر سوار ہو کر تیزی سے اپنے سفر پر دوبارہ روانہ ہو گئیں۔

سمارو اسے برابر راستہ دکھائے جا رہی تھی۔ رات ہو گئی تھی۔ آسمان پر چاند نکلا تو دور شہر کی دیوار دکھائی دینے لگی۔

سمارا کا گھر

آدھی رات کو ماریا شہر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ شہر کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اندر پہرہ لگا تھا۔ ماریا نے سمارو سے پوچھا کہ اس شہر میں وہ کیسے اندر داخل ہو گی؟

سمارو نے کہا۔

”میرا خاوند اس شہر کا بہت بڑا تاجر ہے۔ میں ان

سے کہوں گی تو پہرے دار مجھے نہیں روکیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"پھر تم ایسا کرو کہ اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ میں پیدل بھی دروازے کے اندر داخل ہو سکتی ہوں۔ بلکہ اس طرح سے مجھے آسانی ہوگی"۔

سمارو نے دروازے کے باہر کی زنجیر ہلائی۔ اندر گھنٹی بجی، پہرے دار سپاہی نے دروازے کی کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔

"کون ہے؟"۔

سمارو نے کہا۔

"میں ابن خلیل کی بیوی ہوں"۔

"تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟"۔

سمارو نے کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بولا کرتی، مجھے ایک ڈاکو اغوا کر کے لے گیا تھا، اس سے بچ کر واپس آ رہی ہوں"۔

پہرے دار نے اسی وقت دروازہ کھول دیا ماریا بھی سمارا کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی۔

پہرے دار نے کہا۔

"بہن! کیا ڈاکو تمہارا پیچھا تو نہیں کر رہا؟ ہمیں بتاؤ، وہ کہاں ہے، ہم ابھی جا کر اس کا کام تمام کرتے ہیں"۔

سمارو نے کہا۔

"شکریہ بھائی! میں نے ڈاکو کا کام تمام کر دیا ہے"۔

"شاباش! ہمیں ایک عزت والی عورت سے ایسی ہی امید رکھنی چاہیے"۔

سمارو نے سلام کیا اور ماریا کو ساتھ لے کر شہر کے دروازے سے داخل ہو کر ایک سڑک پر چلنے لگی۔ پھر ماریا بھی گھوڑے پر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔ اب پکی سڑک پر گھوڑے کے قدموں کی آواز تو آ رہی تھی مگر گھوڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ تو شکر ہے کہ رات کا وقت تھا۔ نہیں تو دن کو وہاں لوگ جمع ہو جاتے۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہاں سے تمہارا گھر کتنی دور ہے"۔

سمارو نے کہا۔

"بس دو ایک بازار چھوڑ کر ایک جگہ ہے"۔

"تمہارا خاوند تمہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوگا"۔

"کیوں نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں"۔ اب گھوڑا ایک گلی میں سے گزر رہا تھا۔ مکان کے باہر کہیں کہیں لیمپ روشن تھے۔

مکان پکی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس شہر کے لوگ خوشحال ہیں۔ سامنے سے ایک چوکیدار لٹھ کندھے پر رکھے آ رہا تھا۔ اس نے جو گھوڑے کے قدموں کے کلپ کلپ کی آواز سنی تو دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ گھوڑے کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر گھوڑا گلی میں کہیں نہیں تھا۔ حالانکہ اس کی آواز اسی طرف سے

آ رہی تھی۔ وہ چکر کھا گیا، کبھی ادھر کو گھومتا۔ کبھی ادھر کو گھومتا۔ ماریا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

عورت کی ہنسی کی آواز سن کر چوکیدار نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ماریا ایک بار پھر ہنس پڑی۔

چوکیدار سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

سماریا نے کہا۔

"ماریا بہن! تم تو بڑے بڑے تماشے کر سکتی ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں سمارو بہن! مگر مجھے تماشے کرنے کی فرصت ہی نہیں ہے"۔

سمارو نے پوچھا۔

"بہن! میں تو تم سے یہ پوچھنا بھول ہی گئی کہ تم کون ہو اور اس شہر میں کہاں سے آئی ہو؟"۔

ماریا خاموش ہو گئی۔ وہ سمارو کو بتا کر کیا کرے۔ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں لیکن پھر سمارا کی ہمدردی اور محبت دیکھ کر اس نے کہا۔

"سمارا! وقت آئے گا تو سب سے پہلے تمہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں اور کب سے یہاں ماری ماری پھر رہی ہوں"۔

سمارو نے کہا۔

"کیا اب نہیں بتاؤ گی بہن ماریا؟"۔

ماریا نے کہا۔

اری پگلی! ابھی تو ہم تمہارے گھر تمہارے خاوند کے پاس جا رہے ہیں۔ پہلے تو تمہارا خاوند میری باتیں سن کر چکر کھا جائے گا۔

میرا خیال ہے سمارو کہ میں اس پر اپنا ظاہر نہیں کرتی تم خود ہی گھر چلے جاؤ۔ میں یہیں سے واپس ہو جاتی ہوں۔

سمارو چلا کر بولی۔

"نہیں نہیں میں ایسا نہیں چاہتی بہن! تم بات کرو گی تو میرے خاوند کو یقین آ جائے گا۔ تم تو جانتی ہو کہ یہ مرد لوگ بڑے شکی ہوتے ہیں"۔

ماریا بولی۔

"مگر وہ حیران جو ہو گا"۔

سمارو نے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا۔ ہم اس کی حیرانی دور کر دیں گے جس طرح سے تم نے مجھ سے باتیں کی تھیں اسی طرح سے کہہ دینا، وہ مطمئن ہو جائے گا"۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

ان کے سامنے ایک حویلی آ گئی جس کی پیشانی پر ایک فانوس روشن تھا۔ حویلی کا دروازہ بند تھا اوپر شہ نشین میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔

سمارو نے کہا۔

"میرا خاوند جاگ رہا ہے بے چارا۔ ضرور اسے میرا انتظار ہو گا۔ مجھے دیکھے گا تو کس قدر خوش ہو گا"۔

سمارو نے دروازے کی زنجیر کھینچنی چاہی تو یہ دیکھ کر

حیران سی ہوئی کہ زنجیر کسی نے اندر سے کھینچ رکھی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ زنجیر آج تک کسی نے اندر نہیں کھینچی۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے"۔

ماریا نے ایک دم کہا

"سمارا! تم ایک طرف ہو کر چھپ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ کیا اس حویلی میں داخل ہونے کا کوئی اور راستہ بھی ہے"۔

سمارو نے کہا۔

"ہاں! ایک راستہ پیچھے سے جاتا ہے"۔

"آؤ مجھے دکھاؤ۔ تم بھی میرے ساتھ ہی اندر چلو"۔

سمارو ماریا کو ساتھ لے کر حویلی کے پچھواڑے آ

گئی۔ یہاں زیتون کے ایک درخت کے پاس ہی ایک چھوٹا سا پرانا دروازہ بنا ہوا تھا۔

سمارو نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوراخ میں سے کنجی نکالی اور اسے تالے میں گھما کر تالا کھول دیا۔ دروازہ آرام سے کھل گیا۔

سمارو نے کہا۔

"ماریا بہن! میرے پیچھے پیچھے آؤ"۔

ماریا چپکے سے سمارو کے پیچھے پیچھے چل دی۔ وہ تنگ اور اندھیری سیڑھیوں میں اتر گئے پھر دائیں طرف کو گھوم کر اوپر سیڑھیاں چلنے لگے۔

سمارو نے سرگوشی میں کہا۔

"اب ہم خواب گاہ میں پہنچ جائیں گے۔ میرا

خاوند وہیں ہوگا"۔

سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ایک دروازہ آیا۔ اندر سے دو آدمیوں کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ سمارا نے ایک جگہ سے تھوڑی سی تختی ایک طرف کھسکا دی۔ اب اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

سمارو کی تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دو ڈاکو تلواریں لیے اس کے خاوند کے سر پر کھڑے تھے۔ انہوں نے اس کے خاوند کی مشکیں کس دی تھیں۔

ماریا نے یہ تماشا دیکھا تو سرگوشی میں سمارا کے کان میں کہا۔

یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت میں تمہارے

ساتھ ہوں۔ اب تم گھبراؤ نہیں تمہارے خاوند کا یہ لوگ بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ یہ ضرور اس ڈاکو کے ساتھی ہیں جس نے تمہیں اغوا کیا تھا میں ابھی ان کی خبر لیتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہ دروازہ کھل سکتا ہے؟۔

سمارو نے سرگوشی میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ یہ ذرا سا دھکا دینے سے کھل جائے گا"۔

"ٹھیک ہے تم اسی جگہ کھڑے رہنا اور ہرگز ہرگز میرے ساتھ اندر مت آنا، اسی جگہ چھپی رہنا۔ میں خود اندر جاؤں گی۔ اور ڈاکوؤں کی خبر لوں گی"۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"ابن خلیل! ہم نے تمہاری ساری دولت سمیت

کر اس گٹھڑی میں باندھ لی ہے، اب تم غریب بھکاری ہو۔ ہمیں یہ بتاؤ کہ تمہاری بیوی سمارا کہاں ہے؟ وہ ہمارے ایک ساتھی کو قتل کر کے بھاگ گئی ہے"۔

ابن خلیل نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری بیوی کہاں ہے؟ صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرے پیچھے اسے کسی نے اغوا کر لیا ہے، میں تو صبر شکر کر کے بیٹھ رہا ہوں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے تو میں جا کر اسے لے نہ آتا"۔

دوسرے ڈاکو نے کہا۔

بکواس بند کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ تمہاری بیوی اور

ہمارے دوست کی قاتلہ کہاں ہے؟

وہ ضرور ہمارے ساتھی کو قتل کرنے کے بعد تمہارے پاس آئی ہے، تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہے ہماری قاتلہ ہمارے حوالے کر دو، نہیں تو ہم اپنے ساتھی کا بدلہ تمہیں قتل کر کے لیں گے۔ بولو! کیا چاہتے ہو؟۔

ابن خلیل بولا۔

"اپنی عزت کے مقابلے میں مجھے اپنی زندگی پیاری نہیں ہے مگر میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری بیوی کہاں ہے"۔

اس پر طیش میں آ کر ایک ڈاکو نے بڑے زور

سے ابن خلیل کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ اس کی بیوی سمارا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر دونوں ڈاکوؤں نے تہہ خانے والے بند دروازے کو دیکھا جس کے پیچھے وہ دونوں کھڑی تھیں۔

"ہا ہا ہا! مل گئی ہمیں ہماری قاتلہ"۔

دونوں ڈاکو لپک کر تہہ خانے والے دروازے کی طرف آئے۔ ماریا نے سمارا کا پیچھا کرنا چاہا۔ مگر اس عرصے میں ڈاکوؤں نے دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔

ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے، سمارا سامنے کھڑی

تھی۔ اس کا خاوند بھی سمارا کو دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔

"سمارا! تم آ گئیں؟"۔

"میں آ گئی میرے سرتاج!"۔

ابن خلیل کے دونوں ہاتھ پاؤں کس کر پلنگ کے ساتھ باندھے ہوئے تھے۔ ڈاکوؤں نے سمارا کی گردن دبوچ کر قالین پر گرا لیا۔

"بول! تو نے ہمارے ساتھی کو کس لیے ہلاک کیا تھا؟"۔

"اس نے میری بے عزتی کی تھی کہ میں آپے سے باہر ہو گئی۔ میں اگر اسے نہ مارتی تو وہ مجھے مار ڈالتا"۔

ڈاکو نے زور سے سمارو کے گال پر تھپڑ مارا اس کا خاوند تڑپ کر رہ گیا۔ وہ اپنے بستر سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ سمارا کی چیخ نکل گئی۔

اب ماریا سے نہ رہا گیا۔ وہ تہہ خانے والے دروازے سے نکل کر سامنے آ گئی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ڈاکو نے کہا۔

"دونوں میاں بیوی کو قتل کر دو، ہم اپنے ساتھی کے خون کا پورا پورا بدلہ لیں گے"۔

ایک ڈاکو نے تلوار کھینچ لی۔ دوسرا اس کے بالکل پاس ہی کھڑا تھا اس کی پیٹھ ماریا کی طرف تھی۔ تلوار کا دستہ اس کی کمر کے ساتھ لگا تھا ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر تلوار اس کے نیام سے کھینچ لی۔

تلوار کھینچتے ہی ڈاکو نے پلٹ کر پیچھے دیکھا پیچھے کوئی نہیں تھا مگر اس کی تلوار غائب تھی۔

"میری تلوار کہاں گئی؟"۔

دوسرا ڈاکو جواب دینے کے لیے پیچھے ہٹا۔

پہلے نے کہا۔

"ابھی کسی نے اسے میرے نیام میں سے کھینچ لیا ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا"۔

"یار! تم اس آدمی اور عورت کا تو کام تمام کرو۔ بعد میں تمہاری تلوار کو بھی تلاش کر لیں گے"۔

ڈاکو تلوار لے کر ابن خلیل کی طرف بڑھا۔ ماریا بھی تلوار لے کر ڈاکو کے ساتھ ساتھ آگے بڑھی۔ جونہی ڈاکو کا ہاتھ اوپر اٹھا ماریا کی تلوار بھی اوپر اٹھی ڈاکو کا ہاتھ نیچے وار کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے زور سے ایک ہاتھ مارا اور ڈاکو کا بازو کٹ کر تلوار کے ساتھ ہی فرش پر گر پڑا۔ دوسرا ڈاکو تلوار لے کر آگے بڑھا۔

ماریا نے اس کا بھی تلوار والا بازو کاٹ کر رکھ دیا۔ وہاں افراتفری سی مچ گئی۔ دونوں بازو کٹے ڈاکو نیچے بھاگنے لگے ماریا نے ایک ایک ہاتھ مار کر باری باری دونوں ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔

سمارو نے کہا۔

"بہن ماریا! تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ شاباش"۔

اس کے خاوند نے کہا۔

"سمارا! تم کس کے ساتھ باتیں کر رہی ہو؟"۔

سمارو نے کہا۔

"میرے سرتاج! یہاں میری ایک محسن بہن کھڑی ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ مگر وہ ہم کو دکھائی نہیں دے سکتی۔ اس عورت نے یہاں سے دور جنگل میں ایک ڈاکو سے میری عزت بچائی تھی اور مجھے اپنے ساتھ گھر تک چھوڑنے آئی تھی کہ ہم نے یہاں یہ تماشا دیکھا اگر یہ میری بہن میرے ساتھ نہ ہوتی، ہماری مدد نہ کرتی تو اس وقت ہماری لاشیں اس فرش پر پڑی تڑپ رہی ہوتیں"۔

"سمارا! کاش میں اپنی بہن کو دیکھ سکتا مگر یہ ہماری

پیاری بہن غائب کیوں ہے؟''۔

ماریا نے کہا۔

خلیل بھائی! سمارا نے جو کچھ کہا ہے، حرف بہ حرف سچ ہے۔ جنگل میں اس کی چیخ مجھے اس کے پاس لے گئی۔ اور یہ لے کر مجھے تمہارے پاس آ گئی ہے، میں خوش ہوں کہ میں نے ظالم ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے دو بچھڑے ہوئے میاں بیوی کو آپس میں ملا دیا۔

اب باقی رہی یہ بات کہ میں نظر کیوں نہیں آتی؟ یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے، جس سے تم لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔

''بس تم اتنا ہی سمجھ لو کہ مجھے کسی بہت بڑے جادو گر نے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے اور اس

کے سوا کچھ نہیں''۔

سمارو نے ماریا کو ساتھ لیا اور باورچی خانے میں جا کر نوکرانی کو جگایا اس نے گرم گرم دودھ لا کر خود بھی پیا اپنے خاوند اور بہن ماریا کو بھی پلایا۔

پھر انہوں نے لاشوں سے کمرہ صاف کیا۔ لاشوں کو تہہ خانے میں پھنکوا دیا۔ رات ابھی آدھی باقی تھی۔ ابن خلیل گھوڑے پر سوار ہو کر ڈاکے کی خبر دینے شہر کے کوتوال کے ہاں چلا گیا اور ماریا اور سمارا باتیں کرنے لگیں۔

سمارو کا گھر بڑا خوبصورت تھا جگہ جگہ چاندی کے فانوس لگے تھے۔ فرش پر ریشمی قالین بچھے تھے۔ ماریا کو نیند آنے لگی۔ وہ قالین پر ہی لیٹ کر سو گئی۔

جادو کا پہاڑ

صبح ماریا اٹھی تو کافی دن نکل آیا تھا۔

وہ اب وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔ اس نے سمارو کو اس کے گھر پہنچا دیا تھا۔ اب اس کا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ ناشتے پر اس نے ابن خلیل سے پوچھا۔

''یہ شہر کونسا ہے اور یہاں کس کی حکومت ہے؟''۔

ابن خلیل نے بتایا۔

''ماریا بہن! اس شہر کا نام اراگوس ہے اور اس پر رومن قوم کی حکومت ہے مگر یہاں مسلمان بھی رہتے ہیں''۔

پھر سمارا نے پوچھا۔

''ماریا بہن! تم نے میرے گھر پر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ کہ جی چاہتا ہے ساری زندگی تمہیں اپنے پاس ہی رکھوں''۔

ماریا نے کہا۔

''کاش میں ایسا کر سکتی۔ مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں''۔

پھر اس نے سمارا کے خاوند سے پوچھا۔

"خلیل بھائی! یہ بتاؤ کیا یہاں پر جادوگر بھی کوئی رہتا ہے؟"۔

خلیل نے کہا۔

"جادوگر کا تو مجھے پتا نہیں بہن لیکن اس شہر سے شمال کی طرف دو دن اور دو رات کے سفر پر ایک پہاڑ ہے، کہتے ہیں کہ اس پہاڑ میں جادو وغیرہ ہوتا ہے، جو کوئی ادھر جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا"۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"۔

"ہم شروع ہی سے سنتے ہیں بہن کہ ان پہاڑوں میں کسی پرانے جادوگر کو قتل کر دیا گیا ہے، اب اس جادوگر کی روح بھوت بن کر وہاں رہتی ہے۔ اور جو

کوئی ادھر جاتا ہے، اسے ہڑپ کر جاتی ہے، بس مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"یونہی پوچھ رہی تھی"۔

دوپہر کے کھانے کے بعد ماریا نے کہا۔

"اچھا خلیل بھائی! اب مجھے اجازت دو میں جاؤں گی"۔

سارہ اور خلیل نے بڑی محبت سے ماریا کو رخصت کیا۔ اس نے ایک تھیلے میں خشک گوشت اور مشکیزے میں پینے کا پانی بھر لیا۔

انہوں نے ایک کالے رنگ کا خوبصورت گھوڑا بھی ماریا کو دیا۔ ماریا ان سے جدا ہو کر حویلی سے باہر

نکل آئی اور گلیوں میں سے گزرتی شہر کے باہر چل دی۔

اسے یقین تھا کہ عنبر اور ناگ کو جادو کے زور سے ضرور جادوگر کی روح اپنے پاس لے گئی ہے۔

شہر میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی۔ یہ بڑے خوشحال لوگوں کا شہر تھا۔

رومن قوم کے سپاہی اور امیر لوگ بازاروں میں چل پھر رہے تھے۔ ماریا گھوڑے پر سوار چلی جا رہی تھی، وہ شہر سے باہر نکلنے لگی تو دروازے پر پھر وہی پہرہ لگا تھا۔

ہر باہر جانے والے اور اندر آنے والے سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ وہ یہاں سے

کیسے باہر نکلے۔ دروازے کا آدھا پٹ کھلا تھا۔ اس میں سے گھوڑا باہر نہیں جا سکتا تھا۔

ماریا گھوڑے کو بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ کیونکہ آگے سفر بڑا لمبا تھا۔

وہ غور کرنے لگی کہ کیسے باہر نکلے۔

اس کے دماغ میں سوائے اس کے اور کوئی خیال نہ آیا کہ وہ کسی طرح سے ڈیوڑھی میں آگ لگا دے، وہاں ایک افراتفری مچ جائے گی اور اسے باہر نکلنے کا موقع مل جائے گا۔

ڈیوڑھی میں آمنے سامنے دکانیں تھیں۔ ایک دکان میں آگ کے کڑاہے پر گوشت بھونا جا رہا تھا۔ لکڑیاں دھڑا دھڑ جل رہی تھیں۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور اس کوٹھڑی کے آگے پھینک دی۔ جہاں کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایکدم سے کپڑوں کو آگ لگ گئی۔

ماریا نے جلتے کپڑوں کو اٹھا کر دوسری طرف پھینکنا شروع کر دیا۔ اب ہر طرف آگ کا کھیل شروع ہو گیا۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آگ کون لگا رہا ہے۔

پہرے دار آگ بجھانے کو بھاگے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔ ماریا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی کے ساتھ کھلے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔

ڈیوڑھی میں لوگ آگ بجھا رہے تھے۔ اور ماریا وہاں سے نکل کر شہر سے باہر والی سڑک پر آ گئی تھی۔

اب اس کی منزل شمال کے آسیبی پہاڑ تھے۔

جس سڑک پر ماریا جا رہی تھی۔ اس کے دونوں جانب درخت لگے تھے۔ سڑک کچی تھی مگر ہموار بڑی تھی کافی دور چلنے کے بعد ابن خلیل کی ہدایت کے مطابق وہ بائیں طرف ایک خشک نالے کے ساتھ گھوم گئی۔ یہ نالہ آگے چلا گیا تھا۔ وہ نالے کے ساتھ ساتھ کافی آگے آ گئی۔

یہاں سے اس نے دائیں جانب کسی قلعے کے پرانے کھنڈروں میں سے ہو کر شمال کے پہاڑوں کی طرف سفر شروع کر دیا۔

بہت دور سے اسے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ وہ شام تک چلتی گئی۔ شام کو وہ ایک جگہ رک گئی۔ یہاں راستہ

زیادہ تر بنجر تھا۔ جنگلی جھاڑیاں جگہ جگہ اگی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایک جگہ پتھروں کے پاس بیٹھ گئی۔ گھوڑے کو اس نے باندھا اور تھیلے میں سے خشک گوشت اور روٹی نکال کر تھوڑی سی کھائی۔

مشکیزے میں سے پانی پیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے چل دی۔

گھوڑے کو بھی پیاس لگی تھی۔

مگر راستے میں کہیں پانی نہیں تھا۔ ماریا نے دور بگلوں کی قطار اڑتی دیکھی، وہ سمجھ گئی کہ ادھر ضرور کوئی تالاب ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ادھر آ گئی۔ یہاں جنگلی رستوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا تالاب بنا ہوا تھا۔

ماریا نے گھوڑے کو یہاں کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑے نے جی بھر کر جنگلی گھاس کھایا، پانی پیا گھوڑا ابھی تازہ دم ہو گیا۔

رات کو ماریا سفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اسی جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تالاب کے پاس درختوں کے ایک جھنڈ میں آ گئی۔

گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھا۔ اس کے اوپر قالین اتار کر زمین پر بچھایا اور اس پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔

میدان میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس علاقے میں گرمی بالکل نہیں تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا بلکہ رات کو ماریا کو سردی لگنے لگی۔

اس نے گھوڑے پر ڈالا ہوا سمور اٹھایا اور اسے اوڑھ کر سوگئی۔ وہ جانے کتنی دیر تک سوتی رہی ہوگی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

آسمان پر دور چاند نکل آیا تھا۔ اس کی روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ ایک ہٹا کٹا ڈاکو قسم کا رومن سپاہی گھوڑے کی باگ پکڑے ماریا کے گھوڑے کے پاس جا کر رک گیا اور اسے بڑے غور سے تکنے لگا۔

پھر پیچھے سے ایک اور رومن سپاہی گھوڑے پر سوار وہاں آ گیا۔ پہلے نے کہا۔

”دیکھو! کتنا خوبصورت سیاہ گھوڑا ہے، معلوم نہیں کس کا ہے، یہاں اس کا مالک کہیں نظر نہیں آ رہا“۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”ارے مالک کا ہوگا بھی تو ہمارا کیا کرے گا۔ ہم رومن فوج کے بہادر سپاہی ہیں، ہم ایک منٹ میں اس کی گردن اڑا کر رکھ دیں گے“۔

”میرا خیال ہے، اس گھوڑے کو ہمیں یہاں سے ساتھ لے چلنا چاہیے“۔

”ارے خیال کیا ہے لے چلو اسے ساتھ۔ اب یہ گھوڑا ہمارا ہے۔ اگر کہیں اس کا مالک آ گیا تو اسے بھی غلام بنا کر ساتھ لے چلیں گے مگر نہیں اسے مار ڈولیں گے کون اسے کھلاتا پلاتا پھرے گا“۔

ماریا کو اگر گھوڑے کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ خوا مخواہ رومن سپاہیوں سے کبھی نہ الجھتی مگر گھوڑے کی اسے سخت ضرورت تھی۔

ابھی پوری ایک دن کا جنگل میں سفر باقی تھا۔ وہ گھوڑے کو اپنے سے کسی طرح بھی الگ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ ان بدتمیز لٹیروں کو ڈرا دھمکا کر بھگا دینا چاہیے۔ انہوں نے گھوڑے کو پکڑ کر کھولنا چاہا تو اس نے دولتی جھاڑی۔

سپاہی پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے نے کہا۔

”ارے! مضبوطی سے پکڑو گدھے! کیا کر رہے ہو؟ کبھی گھوڑے کو قابو میں نہیں کیا پہلے؟“۔

سپاہی نے گھوڑے کو دوبارہ پکڑنا چاہا تو اس نے پھر زور سے ہنہنا کر دولتی جھاڑی۔ اب دوسرا سپاہی گھوڑے سے اتر کر ماریا کے گھوڑے کے پاس آیا۔

”پرے ہٹ جاؤ تم، تم اس قابل نہیں ہو کہ گھوڑے کی سواری کرو۔ کم بخت تم گدھے پر سوار ہوا کرو“۔

دوسرے سپاہی کو بھی گھوڑے نے زور سے دولتی مارنے کی کوشش کی۔

اس نے کہا۔

یہ بڑا منہ زور گھوڑا ہے۔ مگر ہم اسے لے کر ہی ٹلیں گے۔ اس کی بڑی قیمت پڑے گی۔

شاہی اصطبل کے داروغے کو دے کر ہزاروں اشرفیاں کمائیں گے۔

اس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو کھول کر قابو کر لیا۔

اب ماریا نے بستر پر سے اٹھ کر تلوار کھینچ لی۔ وہ

گھوڑے کو اپنے سے کسی بھی صورت بھی جدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور پھر وہ دونوں لٹیرے چور قسم کے رومن سپاہی تھے۔

اس نے تلوار لے کر آگے کو جا کر ایک ہاتھ مارا اور ایک رومن سپاہی کا ہاتھ کٹ گیا۔

دوسرا بولا۔

”ارے یہ کیا ہوا؟ یہاں دشمن کہاں چھپا ہوا ہے“۔

پہلے سپاہی نے چیخ مار کر اپنے ہاتھ کو بغل میں چھپا لیا۔

”میں مارا گیا۔ ارے مارا گیا۔ خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو۔ کوئی بھوت آ گیا ہے“۔

”ارے بہت دیکھے ہیں میں نے بھوت! دیکھتا ہوں کون دشمن یہاں ہے“۔

ماریا نے اس سپاہی کی ٹانگ پر بھی تلوار ماری اس کی ٹانگ زخمی ہو گئی، لیکن اس نے اندھوں کی طرح تلوار گھمانی شروع کر دی۔

ماریا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ تلوار گھماتے گھماتے سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

”تم کالا گھوڑا لے کر بھاگ جاؤ۔ اب میں کسی قیمت پر یہ گھوڑا یہاں نہیں چھوڑ سکتا“۔

اس سپاہی نے ماریا کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اس پر سوار ہونا چاہا ہی تھا کہ ماریا نے پیچھے سے آ کر تلوار اس کی پشت میں گھونپ دی وہ چیخ مار کر نیچے گرا۔

ماریا پرے ہٹ گئی دوسرا سپاہی اس کی طرف آیا۔

”میں دشمن بھوت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس سے تمہارا بدلہ لوں گا“۔

اور پھر اس نے وحشیوں کی طرح تلوار ہوا میں چلانی شروع کر دی۔ پہلا سپاہی گہرا زخم کھا کر زمین پر گرا تڑپ رہا تھا۔

اس کے خون سے زمین لالہ زار بن گئی تھی۔ ماریا کے لیے یہ دوسرا سپاہی ایک مصیبت بن گیا تھا۔ اس نے دو تین بار اس پر حملہ کرنا چاہا مگر وہ تو پاگلوں کی طرح گول دائرے کی شکل میں تلوار گھما رہا تھا بلکہ اب تو ماریا کو بھی ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اسے بھی تلوار نہ لگ جائے۔

سپاہی تلوار چلاتا چلاتا گھوڑے کی طرف بڑھا اب وہ یہ چاہتا تھا کہ اس حالت میں کالے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے اپنے گھوڑے کے ساتھ بھگا کر لے جائے۔

ماریا نے دو تین بار اس پر تلوار مارنی چاہی مگر وہ ناکام رہی۔ اچانک ماریا کی نظر تڑپ تڑپ کر مر چکے سپاہی کی طرف گئی۔

اس کا تیر کمان زمین پر پڑا تھا ماریا نے تلوار پھینک اس کا تیر کمان اٹھا لیا۔ اس نے کمان میں تیر چڑھایا اور نشانہ باندھ کر تیر چھوڑ دیا۔

تیر کمان سے بجلی کی طرح نکل کر تلوار چلاتے سپاہی کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وہ وہیں کا وہیں

کھڑا رہ گیا۔ پھر دھم سے نیچے زمین پر گر پڑا۔

ماریا نے ان دونوں کو اسی جگہ تڑپتے چھوڑا اور اپنے گھوڑے پر بستر اور قالین باندھ وہاں سے آگے چل پڑی۔

ابھی کافی رات باقی تھی مگر ماریا ان لوگوں سے پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اتنے چور اور لٹیرے کہیں نہیں دیکھے تھے۔

جتنے اس نے اس روی شہر میں آ کر دیکھے تھے۔

وہ چاندنی رات میں سفر کرتی رہی۔ وہ اب میدان سے نکل کر اونچے نیچے پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گئی۔

یہاں زمین ہموار نہیں تھی۔ جنگلی جھاڑیاں یہاں بھی بے شمار اگی ہوئی تھیں۔ صبح تک ماریا سفر کرتی

رہی۔ صبح کے وقت سورج نکلا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک وادی میں داخل ہو چکی ہے۔

شمال کے جادو بھرے آسیبی پہاڑ اس کے سامنے اب تھوڑے فاصلے پر ہی تھے۔ اسے نیند سی آنے لگی۔ آدھی رات کو وہ بے آرام ہوئی تھی۔

اس نے سوچا کہ یہاں کسی جگہ تھوڑی دیر رک کر اسے آرام کر لینا چاہیے۔ اس نے ایک درخت کے نیچے گھوڑے کو کھڑا کیا۔ وہیں قالین بچھایا اور تھوڑا بہت گوشت روٹی کھا کر سو گئی۔

جب وہ سو کر اٹھی تو سورج کافی نکل آیا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی تھی۔ وہ گھوڑے کو لے کر آگے پیدل ہی چل پڑی۔ ذرا فاصلے پر اس نے ایک چھوٹی سی

بڑی خوبصورت پہاڑی ندی کو بہتے دیکھا۔

اس ندی پر آ کر اس نے گھوڑے کو ہرا بھرا گھاس کھلایا۔ پانی پلایا خود بھی منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئی اور سامنے پہاڑوں کی طرف دیکھا۔

پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شمال کے آسیبی پہاڑ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ یہی وہ پہاڑ تھے جہاں جادوگر کی خوفناک خونی روح رہتی تھی اور جہاں اس کے خیال کے مطابق عنبر اور ناگ کو اغوا کر کے رکھا گیا تھا۔ اس نے خدا کا نام لیا اور پہاڑوں کی طرف چلنا شروع کر دیا جب وہ سب سے بڑے پہاڑ کے قدموں میں پہنچی تو اسے پہاڑوں کی طرف سے ایک گونج سنائی دی۔

اس قسم کی گونج اسے دھوئیں کے مرغولے کے ساتھ جہاز پر بھی سنائی دی تھی۔ ماریا رک گئی اور پر اسرار آواز کو بڑے غور سے سننے لگی۔

www.urdurasala

ختم

☆یہ پراسرار آواز کس کی تھی؟۔
☆آسیبی پہاڑوں میں کون رہتا تھا؟۔
☆کیا جادوگر کی روح ماریا کو ملی؟۔
☆عنبر اور ناگ کہاں تھے؟۔
☆یہ سب کچھ پڑھنے کے لیے اس
سیریز کی 50ویں قسط پڑھیے۔

آنکھیں نکال دو

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر50)

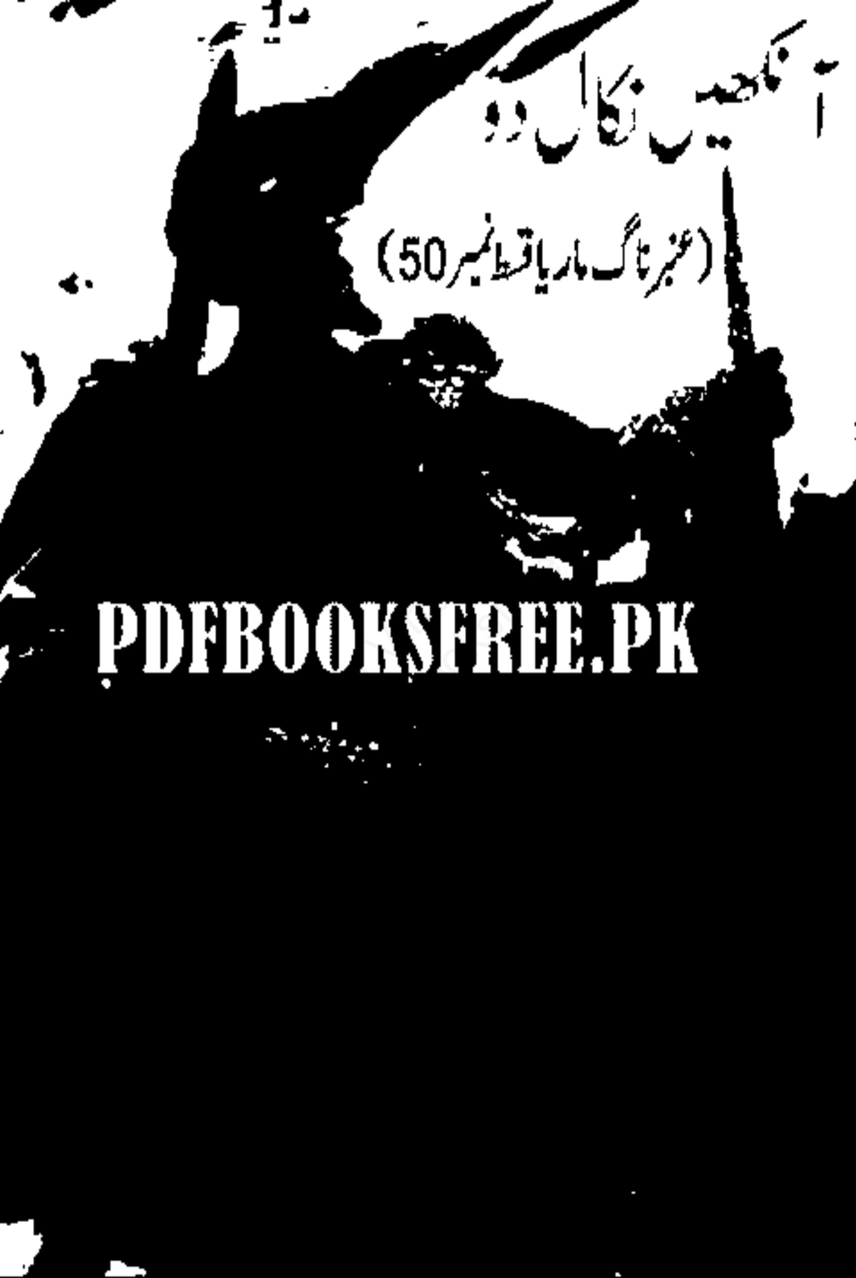

[redacted] کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

جادوگر کی قید میں
آنکھیں نکال دو
ماریا پھنس گئی
نیلی آنکھیں
پراسرار سایہ
کھولتا ہوا لاوا
جوالا مکھی پھٹ گیا
لاش غائب ہو گئی
خفیہ خنجر
مردہ زندہ ہے

دیباچہ

ماریا پہاڑ کی خوفناک پراسرار آواز کو غور سے سنتی ہے۔ یہ ایک جادو کا پہاڑ ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا جادوگر رہتا ہے۔ جادوگر نے عنبر اور ناگ کو گم کر کے اسی پہاڑ میں قید کر رکھا ہے۔

ماریا پہاڑ کے غار میں داخل ہو جاتی ہے۔ جادوگر کو اپنے جادو کے زور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی انسان غار میں داخل ہوا ہے مگر وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔

ماریا جادوگر کے جال میں پھنس جاتی ہے۔ یہاں ایک لڑکی کی لاش غار میں پڑی ہے۔ ماریا بڑے رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کے بعد عنبر اور ناگ کو بچاتی ہے۔ پہاڑ لاوے کے طوفان میں غرق ہو جاتا ہے۔

جادوگر کی قید میں

ماریا آسیبی پہاڑ کے قدموں میں کھڑی تھی۔

گھوں گھوں کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ ماریا نے اسی قسم کی آواز اپنے جہاز پر آدھی رات کو سنی تھی۔ جب عنبر اور ناگ غائب ہو گئے تھے۔ ماریا کچھ دیر پتھروں کے پاس کھڑی رہی دن کا وقت تھا۔

ماریا یہ سوچ کر پہاڑ کی طرف آ گئی تھی۔ کہ شاید

اسے عنبر اور ناگ کا کچھ سراغ مل جائے کیونکہ سمارا اور ابن خلیل نے اسے بتایا تھا کہ شمال کے آسیبی پہاڑوں میں پرانے جادوگر کی ایک ایسی روح رہتی ہے جو لوگوں کو تنگ کرتی ہے۔ اور انہیں راہ چلتے غائب کر دیتی ہے۔

ماریا گھوڑے سے اتر آئی۔ اس نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ اب آسمان پر ایک طرف سے گہرے سیاہ رنگ کے بادل آنا شروع ہو گئے۔

ہوا بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں آسمان پر بادل چھا گئے اور بجلی چمکنے لگی۔ بجلی کی چمک کے ساتھ ساتھ بادلوں میں گرج سنائی دینے لگی۔

ماریا نے سوچا کہ یہ بارش کا موسم نہیں ہے۔ پھر بادل کہاں سے آ گئے؟۔

وہ چلتی چلتی ایک پہاڑی درے میں آ گئی۔ یہ درہ تنگ سا تھا اور اس کی دونوں جانب پہاڑ کھڑے تھے۔ وہ پہاڑوں کو دیکھتی اور ہر شے پر کان لگائے آگے آگے چلی آ رہی تھی۔

گھوڑا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ماریا نے سامنے سے ایک مسافر کو آتے دیکھا۔ مسافر ادھیڑ عمر کا تھا۔

ماریا ایک طرف رک گئی۔

مسافر نے دیکھا کہ ایک گھوڑا اکیلا چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی سوار نہیں ہے۔ سوار تھا مگر مسافر ماریا کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجا۔ گھوڑا ہنہنایا۔

ماریا نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ مسافر گھوڑے کے پاس آ کر اسے غور سے تکنے لگا۔ پھر مسافر نے گھوڑے کی باگ تھامنے کی کوشش کی۔ ماریا نے زور سے باگ اپنی طرف کھینچ لی۔

مسافر ٹھٹھک گیا۔ اس نے دوسری بار گھوڑے پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ ماریا نے زور سے مسافر کو دھکا دیا۔ وہ گر پڑا اور حیرانی سے گھوڑے کو دیکھنے لگا۔

ماریا نے دیکھا کہ مسافر پھر اٹھ کر گھوڑے کی طرف آ رہا ہے۔

مسافر کا خیال تھا کہ یہ گھوڑا منہ زور ہے۔

ماریا نے سوچا کہ یہ کیا مصیبت اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ اس سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہیے۔ اس نے زور سے ایک چیخ ماری۔ چیخ کی آواز سن کر مسافر کے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے پہلے ہی سن رکھا تھا کہ ان پہاڑوں میں مرے ہوئے جادوگروں کی روحیں رہتی ہیں۔

وہ پتھر سا بن کر وہیں کھڑا رہا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر مسافر کی گردن پر زور سے ایک مکا مارا۔

مسافر گر پڑا۔ ماریا نے کہا۔

”تم یہاں سے دفع کیوں نہیں ہو جاتے؟“۔

مسافر زمین پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور کپڑے جھاڑ کر بولا۔

”کیا تم کسی جادوگر کی بدروح ہو؟“۔

ماریا نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا۔

”میں جادوگر کی روح ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو“۔

مسافر نے کہا۔

”اے روح! مجھے روحوں سے ملاقات کرنے کا بہت شوق ہے۔ میں روحوں کی تلاش میں ہی اس جادو کے پہاڑ پر آیا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی“۔

ماریا نے سوچا کہ یہ تو خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ رہا ہے۔ پھر اس نے روحوں سے ڈرنے کی بجائے روحوں سے محبت اور ان سے ملنے کے شوق کے جذبے کو ظاہر کیا تھا۔

ماریا نے غصے سے کہا۔

''بہتر یہی ہے تمہارے لیے کہ یہاں سے تو دو گیارہ ہو جاؤ نہیں تو تمہارا روحوں سے ملاقات کرنے کا شوق تمہیں لے ڈوبے گا''۔

مسافر بولا۔

''اے روح! اگر میں تمہاری تلاش میں مر بھی جاؤں تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔ تمہیں سامری کی قسم ہے۔ مجھے اپنی صورت دکھا دو۔ پھر میں ساری عمر تم کو کوئی کام نہیں کہوں گا''۔

ماریا نے خیال کیا کہ وہ ایسا تو کر ہی نہیں سکتی، کیونکہ وہ غائب ہے اور کسی کو اپنی اصلی شکل دکھانا اس کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔

اس نے کہا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتی مسافر۔ روح تم نہ دیکھ سکو گے اس لیے ضد نہ کرو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کسی جادوگر کی روح نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہیں اسی جگہ بھسم کر دیں گے''۔

مسافر نے کہا۔

''اچھا پھر مجھ پر ایک مہربانی کرو''۔

''بولو! کیا چاہتے ہو؟''۔

مسافر بولا۔

''پھر تم ایسا کرو کہ مجھے یہاں سے اٹھا کر میرے وطن اراگوس پہنچا دو۔ مگر اس طرح کہ میں ہوا میں تیرتا ہوا اپنے گھر کی چھت پر اتروں''۔

ماریا یہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کہا۔

''سنو! اگر تم نے پھر بھی زبان سے ایسی باتیں نکالیں تو میں تمہیں زندہ درگور کر دوں گی۔ ہاں تمہارے لیے ایک کام کر سکتی ہوں کیونکہ تم میرے شہر کے رہنے والے ہو اور تم نے مجھ سے خوف نہیں

کھایا''۔

''جلدی بتاؤ اے روح!''

ماریا بولی۔

''میں تمہیں یہ گھوڑا دے سکتی ہوں۔ اس گھوڑے پر بیٹھ کر تم یہاں سے دفع ہو جاؤ''۔

مسافر نے کہا۔

''تمہارا شکریہ اے روح!''

ماریا نے اسے گھوڑا دے دیا۔ وہ گھوڑا لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اب ماریا پھر پہاڑوں کے بیچ والے درے میں اکیلی رہ گئی۔ اس نے قدم قدم آگے چلنا شروع کر

دیا۔ آسمان پر بادل اسی طرح گرج رہے تھے۔ ماریا کے لیے بارش کی صورت میں سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی۔

ماریا تھوڑی دور گئی تھی کہ اس نے ایک نوجوان گڈریے کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو لیے شاید بارش سے بچنے کے لیے اپنے گھر کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

ماریا کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس گڈریے سے اس درے اور پہاڑوں کے بارے میں پوچھے۔

اس نے گڈریے کے قریب آ کر کہا۔

"اے نوجوان چرواہے! کیا تم بتاؤ گے کہ یہ آگے پہاڑ کہاں جا کر ختم ہوتے ہیں؟"۔

گڈریا پہلے تو ڈرا۔ ماریا نے جھٹ کہا۔

"سنو چرواہے! میں ایک بڑی ہی بے ضرر اور شریف روح ہوں۔ میں بڑی دور سے یہاں اپنے ایک بھائی ناگ کی تلاش میں آئی ہوں۔ وہ میرے جہاز پر سے غائب ہو گیا ہے"۔

چرواہے نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

اے نیک روح! میں تم سے اس لیے بات کرتے زیادہ گھبرایا نہیں کیونکہ اس پہاڑ کے دامن میں اکثر ایسی آوازیں آیا کرتی ہیں۔ سنو! نیک روح! یہ پہاڑ آگے جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف ایک گہری کھائی ہے۔ اس پہاڑ پر

جن بھوت رہتے ہیں۔ اگر تم نیک روح ہو تو خدا کے لیے یہاں سے چلی جاؤ کیونکہ یہاں ایک ایسے جادوگر کی روح رہتی ہے جو زندہ انسانوں کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔

اس وادی میں ہر سال چھ سات نوجوان گم ہو جاتے ہیں اور اگلی صبح کو ان کی ہڈیاں یہاں پتھروں میں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔

ماریا نے کہا۔

’’چرواہے! میں اس جادوگر سے نہیں ڈرتی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ناگ بھائی کو یہاں کہیں دیکھا ہے؟ وہ نوجوان ہے اور اس کا رنگ سانولا، ناک تیکھا ہے‘‘۔

چرواہے نے کہا۔

’’نیک روح! میں نے اس شکل کے کسی نوجوان کو نہیں دیکھا۔ مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ کیونکہ میں نے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ پہاڑ کے جادوگر کی روح نیک دل اور معصوم روح کو بھی اپنے جال میں جکڑ کر قید کر لیتی ہے اور پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہے‘‘۔

ماریا بولی۔

’’بھائی تم گھبراؤ نہیں۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اچھا۔ اب میں جاتی ہوں۔ بادل گرج رہے ہیں

شاید بارش ہو۔ یہ بتاؤ یہاں بارش سے بچنے کے لیے کوئی جگہ ہے؟''۔

چرواہے نے کہا۔

''ان پہاڑیوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے مگر تم تو روح ہو، تمہیں بارش سے بچنے کی کیا ضرورت ہے؟''۔

ماریا باتوں ہی باتوں میں بھول گئی تھی کہ وہ روح نہیں ہے۔ آخر وہ انسان تھی۔ کب تک جھوٹ بول کر روح بنی رہتی۔ کہنے لگی۔

''معاف کرنا بھائی! میں جب زندہ تھی وہ ڈر اب تک میری روح کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے۔ اچھا خدا

حافظ''۔

''خدا حافظ''۔

چرواہا بکریوں کو ہانک کر آگے نکل گیا۔ ماریا اسی جگہ کھڑی سوچنے لگی کہ اب اگر بارش شروع ہو گئی تو کہاں جائے گی۔ اس نے ایک طرف کو چلنا شروع کر دیا۔

دور سے درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بارش میں ان درختوں کے نیچے پناہ لے سکے گی۔

اب وہاں ایسا ہوا کہ جادوگر کی روح اتفاق سے ادھر سے گزر رہی تھی۔ اس نے جو دیکھا کہ وادی کا

چرواہا کسی عورت سے باتیں کر رہا ہے اور عورت اسے دکھائی نہیں دیتی۔

تو وہ چکر کھا گیا۔ اس نے چرواہے کے قریب آ کر ان دونوں کی باتیں سننی شروع کر دیں۔ ان کی باتوں سے جادوگر نے اندازہ لگا لیا کہ ماریا کسی کی روح نہیں ہے۔

بلکہ کسی نے زبردستی جادو کے اثر سے اسے غائب کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ روح ہوتی تو سب سے پہلے اس کا جسم غائب ہو گیا ہوتا۔

لیکن اس کا جسم غائب تھا اور وہ روح نہیں تھی۔

جادوگر کی باچھیں کھل گئیں۔ اسے اسی طرح کی ایک

عورت چاہیے تھی۔ جو غائب ہو۔

کسی کو دکھائی نہ دیتی ہو اور انسان بھی ہو وہ ایسی عورت سے بہت سے کام لینا چاہتا تھا۔ جب ماریا اکیلی رہ گئی تو جادوگر تے اس شخص کا خیال دماغ میں اتارا جس کا نام ناگ تھا اور جس کی تلاش میں ماریا گھوم رہی تھی۔

اس نے جلدی سے ناگ کا جھوٹا روپ بھرا اور ماریا کے سامنے آ گیا۔ ماریا نے جو ناگ کو دیکھا تو خوشی سے چیخ کر بولی۔

"ناگ بھائی! تم کہاں؟"۔

جادوگر جو کہ ناگ کی شکل میں تھا ہاتھ پھیلا کر

بولا۔

"ماریا بہن! میں خود تمہاری تلاش میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں"۔

ماریا نے پوچھا۔

"عنبر بھائی کہاں ہے؟"۔

جادوگر نے سوچا کہ ضرور یہ عنبر بھی اس عورت ماریا کا کوئی بھائی ہوگا اور گم ہو گیا ہوگا۔

اس نے کہا۔

"وہ اس پہاڑ کے اندر ایک جگہ پر آرام کر رہا ہے۔ ماریا بہن! آؤ اس کے پاس چلتے ہیں"۔

ماریا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس کا بھائی

ناگ اس کے سامنے تھا۔ وہ بڑی خوشی سے ناگ کے ساتھ چل پڑی۔

جادوگر ناگ کی شکل میں ماریا کو ساتھ لے کر پہاڑ کے درے سے نکل کر ایک بہت بڑی چٹان کے سامنے آ گیا۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہ چٹان کیسی ہے بھائی ناگ؟"۔

جادوگر نے کہا۔

"ماریا بہن! ہم بڑی مشکل سے ایک جادوگر کے چنگل سے بچ کر نکلے ہیں۔ میں عنبر کو غار کے اندر چھوڑ کر تمہیں لینے یہاں سے نکلا تھا۔ آؤ اندر چل کر عنبر

سے ملتے ہیں“۔

جادوگر نے چٹان کے پہلو میں ایک پتھر کو دبایا۔

چٹان آہستہ آہستہ پرے ہٹنا شروع ہوگئی۔ جب وہ پوری طرح کھسک گئی تو جادوگر ناگ بنا، ماریا کو ساتھ لے کر غار کے اندر آگیا۔ اب وہ ایک لمبی سی سرنگ میں سے گزر رہے تھے۔

ماریا نے کہا۔

ناگ بھائی! آخر تم لوگ یہاں کیسے آگئے؟

تمہیں کس نے غائب کردیا؟

میں نے ایک بڑی خوف ناک آواز سنی تھی۔ اس کے بعد دھما کا سا ہوا اور میں نے اوپر جا کر دیکھا۔ تم

دونوں غائب تھے۔

جادوگر بولا۔

”بس ماریا بہن! ہماری قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے۔ نہیں تو اس پہاڑ کے جادوگر کالار نے تو ہمیں ختم ہی کر کے رکھ دیا تھا“۔

ماریا نے پوچھا۔

”کیا اس پہاڑ کے جادوگر کا نام کالار ہے؟“۔

جادوگر بولا۔

ہاں! کالار جادوگر اس کا نام ہے۔ وہ بہت طاقتور جادوگر ہے۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں بھی شاید دیکھ سکتا ہے۔ مگر خیر اب تو ہم نے اسے یہاں سے بھگا دیا

ہے۔

"بھگا دیا ہے؟"۔ ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

"جادوگر نے کہا۔

"ہاں ماریا بہن! ہم نے جادوگر کالار کو یہاں سے بھگا دیا ہے۔ اب وہ کسی مسافر کی روح قبض نہیں کر سکے گا۔ اور کسی زندہ انسان کو غائب کر کے ہڑپ نہیں کرے گا"۔

ماریا بولی۔

"شاباش میرے بھائیو! تم نے انسانوں کی بھلائی کے لیے یہ ایک ایسا کام کیا ہے کہ میرا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے"۔

جادوگر ہنس کر بولا۔

"یہ تو ہمارا فرض ہے ماریا بہن! ہم انسان کی بھلائی کا جذبہ لے کر ہی گھر سے نکلے تھے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم نے ایک بار سمندر میں ہزاروں لوگوں کو ڈوبنے سے بچایا تھا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"وہ کب ناگ بھائی؟"۔

جادوگر گھبرا گیا۔ کیونکہ ناگ کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس نے جھٹ کہا۔

"ارے بھئی معاف کر دینا ماریا بہن! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ دراصل تم لوگوں کے پاس آتے سے

پہلے میں نے ایک بار ایک کشتی کے مسافروں کو سمندر میں ڈوبنے سے بچایا تھا"۔

ماریا ہنس پڑی۔

"تم کتنے نرم دل ہو میرے بھائی!"

غار کے آگے جا کر ایک چشمے پر آ گئی۔ جہاں ایک دروازے میں سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

ماریا نیچے جاتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو یہاں سے ڈر لگتا ہے بھائی! کیا عنبر اس کے نیچے تہہ خانے میں بیٹھا ہے؟"۔

جادوگر نے کہا۔

"خوب پہچانا تم نے ماریا بہن! ہاں عنبر ان

سیڑھیوں کے نیچے ایک تہہ خانے میں لیٹا آرام کر رہا ہے۔ کیا تم اس کے پاس نہیں چلو گی؟"۔

"کیوں نہیں ناگ! میں اپنے بھائی عنبر سے ضرور ملوں گی"۔

"تو پھر میرے ساتھ ساتھ نیچے آؤ"۔

ماریا۔ جادوگر کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آ گئی۔ ماریا کو کسی وقت خیال سا آتا کہ ناگ کی آواز کچھ کچھ بدلی سی ہے۔

چہرے پر بھی وہ ناگ کے چہرے پر ایسی شگفتگی اور تازہ پن نہیں تھا۔ لیکن پھر وہ اس خیال کو دل سے نکال دیتی۔ اس نے سیڑھیاں اترتے ہوئے پوچھا۔

"ناگ بھائی! تم آج اداس اداس کیوں ہو! تمہارے چہرے پر وہ پہلے جیسی تازگی نہیں ہے"۔

جادوگر نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں! اصل میں میں اور عنبر دو راتوں سے نہیں سوئے۔ اس لیے میں پریشان اور تھکا ہوا ہوں"۔

ماریا خاموش ہوگئی۔ اب وہ نیچے تہ خانے کے سرد اندھیرے میں کھڑی تھی سامنے لوہے کا ایک دروازہ تھا۔ اس کی دوسری طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

ماریا نے پوچھا۔

"عنبر کہاں ہے ناگ بھائی؟"۔

جادوگر نے کہا۔

"اس دروازے کی پرلی جانب سو رہا ہے۔ آؤ اندر چل کر اس سے ملاقات کرتے ہیں"۔

"چلو"۔

جادوگر نے لوہے کے جنگلے کا تالا کھولا اور بولا۔

"آؤ ماریا بہن!"

ماریا اس کے ساتھ ہی لوہے کے دروازے میں سے گزر کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہوگئی۔ دوسری طرف ایک ایسی کوٹھڑی تھی جس کی چھت بہت ہی نیچی تھی۔

زمین پر گھاس بچھی تھی اور دیواروں سے ٹھنڈک

اور سل ٹپک رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ بھائی! عمبر کہاں ہے؟ ذرا آواز دینا"۔

ماریا کے پیچھے سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے حیران ہو کر پلٹ کر دیکھا، مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا بڑی حیران ہوئی کہ ناگ کہاں چلا گیا۔ ابھی تو وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

اس نے زور سے آواز دی۔

"ناگ بھائی۔ ناگ بھائی؟"۔

کھٹاک سے ماریہ کے پیچھے لوہے کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا اور پھر جادوگر کا قہقہہ سنائی دیا۔

"ہاہاہا۔ ماریا میں ناگ نہیں ہوں بلکہ اس پہاڑ میں رہنے والے جادوگر کی بد روح ہوں۔ اب تم میری قید میں ہو اور میرے حکم کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتیں"۔

یہ سن کر ماریا پر تو سکتہ طاری ہو گیا۔

اس کے ساتھ زبردست دھوکا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر لوہے کے جنگلے کو پکڑ کر ہلایا مگر جنگلا اس قدر مضبوط تھا کہ ماریا اسے ذرا سا بھی نہ ہلا سکی۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

"بد بخت جادوگر کی روح! غور سے میری بات سن لے۔ اگر تو نے مجھے آزاد نہ کیا تو عمبر اور ناگ آ

کر تجھے برباد کر دیں گے"۔

جادوگر کی آواز آئی۔

"اب عنبر اور ناگ کو بھول جا۔ وہ پہلے ہی میری قید میں ہیں۔ وہ ایک ایسے سرد خانے میں بند ہیں جہاں سے اگر وہ ساری زندگی بھی کوشش کرتے رہیں تو باہر نہیں نکل سکتے"۔

ماریا نے کہا۔

"آخر تو نے مجھے کس لیے قید کیا ہے؟ میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا"۔

جادوگر نے کہا۔

مجھے تم سے ایک ایسا کام لینا ہے جو صرف تم ہی کر

سکتی ہو۔ میں ایک مدت سے ایسی عورت کی تلاش میں تھا جس پر سامری کا جادو چلا ہو اور جو غائب ہو۔ اب میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ماریا نے کہا۔

اچھا اگر تم نے مجھے قید کر لیا ہے تو بے شک قید کر لو۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم نے عنبر اور ناگ کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟۔

انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟

ان سے تمہیں کون سا کام لینا ہے؟۔

جادوگر نے کہا۔

عنبر کے پاس ایک ایسی طاقت ہے کہ مر نہیں

سکتا۔ موت کا وار اس پر اثر نہیں کر سکتا۔ ناگ ایک سانپ ہے جو پانچ سو برس تک زندہ رہا ہے۔ میں ان دونوں کے خون سے ایک ایسی دوائی بنا کر پیئوں گا جو مجھے پھر سے زندہ کر دے گی اور میں کبھی نہیں مر سکوں گا۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن عمبر کے جسم میں تو خون بالکل نہیں ہے؟ اس کا خون تم کہاں سے حاصل کرو گے؟"۔

جادوگر کی آواز آئی۔

"میں عمبر کا خون نہیں لوں گا۔ بلکہ اسے بے ہوش کر کے اس کی کھوپڑی میں سے مغز نکال کر کھا جاؤں

گا۔ اس کے بعد کھوپڑی پھر سے سی دوں گا۔ اس کے بعد عمبر زندہ تو رہے گا مگر نہ تو وہ کسی کو پہچان سکے گا او نہ ہی کسی سے بات چیت کر سکے گا۔ وہ گونگا بہرہ اور نیم پاگل ہو جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ ظلم ہے۔ اس ظلم کا تم سے بدلہ لیا جائے گا"۔

"ہا ہا ہا! ابھی تک مجھ سے بدلہ لینے والا اس دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا"۔

ماریا نے کہا۔

"جادوگر کالا! اب بھی اپنے ناپاک ارادوں سے باز آ جا، ابھی وقت ہے۔ پھر بعد میں تمہیں

پچھتانا پڑے گا"۔

جادوگر نے زور سے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کا ماریا کو اس طرح سے علم ہوا کہ اس نے دو تین بار جادوگر کو آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہ آیا۔

اب وہ تہہ خانے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ تہہ خانے میں اندھیرا اور سردی تھی۔ وہ سوکھی گھاس پر بیٹھ گئی۔

قریب ہی بھیڑ کی دو کھالیں پڑی تھیں۔ اس نے ایک کھال اوپر لے لی اور دوسری نیچے بچھا لی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ یہاں سے کیسے چھٹکارا ملے گا۔

اسے عنبر اور ناگ کا خیال بھی آ رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ مطمئن بھی تھی کہ عنبر اور ناگ کا اسے پتا چل گیا ہے اور وہ بھی اس پہاڑ کے غار میں قید ہیں مگر وہ بے چین تھی کہ کسی طرح اڑ کر ان کے پاس چلی جائے۔ یا کم از کم انہیں یہی معلوم ہو جائے کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہی غار کے ایک تہہ خانے میں قید کر دی گئی ہے۔

آنکھیں نکال دو

اب ذرا عنبر اور ناگ کا حال بھی معلوم کریں۔

جہاز پر عنبر اور ناگ بڑے سکون سے سو رہے تھے۔ کہ جادوگر کی روح کالار نے ان کو جادو کے زور سے غائب کر دیا۔

جب ان کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے اپنے آپ کو آسیبی پہاڑ کے غار کے نیچے ایک تہہ خانے

میں پایا۔ عنبر ایک الگ تہہ خانے میں تھا اور ناگ الگ دوسرے تہہ خانے میں تھا۔

عنبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کے چاروں طرف سلاخ دار پنجرے کی دیواریں تھیں اور اوپر چھت پتھر کی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے غائب کر کے یہاں قید کر لیا ہے۔

دوسری طرف ناگ نے بھی جب آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک کسی غار کے تہہ خانے میں ایک ویسے لوہے کے پنجرے میں قید ہے جس کی چھت پتھر کی ہے۔

اس نے اٹھ کر سلاخوں کو ہاتھوں سے ہلایا۔ سلاخیں اس قدر مضبوطی سے پتھروں میں گڑھی ہوئی تھیں کہ ان کے ہلانے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے عنبر کو آواز دی۔

''عنبر بھائی! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟''۔

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ عنبر تک اس کی آواز نہیں پہنچی تھی، کیونکہ عنبر وہاں سے ایک منزل نیچے پنجرے میں بند تھا۔

دوسری جانب عنبر نے بھی ناگ کو آواز دے کر معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں قید ہے مگر ناگ تک اس کی

آواز بھی نہ پہنچی۔

وہ بھی عنبر کی طرح صبر شکر کر کے بیٹھ گیا۔ ماریا بھی اوپر والی منزل کے ایک پنجرے میں بلبل کی طرح بند پڑی تھی۔

جادوگر کالا ار کی روح ساری غار میں چل پھر کر ان کا تماشہ کر رہی تھی۔ اس نے اسی وقت کالی دوا تیار کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

اس کے لیے اسے ناگ کا خون اور عنبر کا دماغ چاہیے تھا لیکن سب سے پہلے اسے اراگوس کے بادشاہ کے اکلوتے بچے شاہزادے کی آنکھیں چاہیے تھیں۔ ان آنکھوں کو دوائی میں ڈالنے کے بعد وہ عرق تیار کر

سکتا تھا۔

اس کام کے لیے اس نے ماریا کو اغوا کیا تھا۔

کیونکہ شہزادہ ایک ایسے کاہن کے قبضے میں تھا کہ جس نے اپنے کالے علم کے زور سے اس کے اردگرد ایک ہوا کی دیوار سی بنا رکھی تھی۔

اس دیوار کو کوئی جادوگر یا جادوگر کی روح پار نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کام صرف ایک ایسی عورت ہی کر سکتی تھی جو انسان بھی ہو عورت بھی ہو اور غائب بھی ہو۔

یہ تینوں باتیں ماریا میں موجود تھیں۔

جادوگر نے اسی لیے ماریا کو بھی اغوا کر لیا تھا۔

اب سب سے مشکل کام یہ تھا کہ ماریا کو کس طرح سے

اس مہم پر روانہ کیا جائے؟

کیونکہ ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے۔

جادوگر کالار کی بدروح اس کی کڑی نگرانی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کام کو پوری مکاری سے انجام تک پہنچانے کے لیے جادوگر نے ایک سازش سوچی۔

وہ سیدھا پچھلی غار میں ماریا کے پاس گیا اور بولا۔

"ماریا! اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں تم سے سامری کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں چھوڑ دوں گا اور تمہارے دونوں بھائیوں کو بھی چھوڑ دوں گا"۔

ماریا نے پوچھا۔

"وہ کون سا کام ہے؟ مجھے بتاؤ"۔

جادوگر نے کہا۔

"کام یہ ہے کہ تمہیں بادشاہ دارا گواس کے محل میں جا کر سب سے چھوٹے شہزادے کی آنکھیں نکال کر لانی ہیں"

ماریا تڑپ اٹھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں یہ ظلم ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی۔ میں انسان ہوں۔ کوئی حیوان نہیں ہوں میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا"۔

جادوگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ تم کو اپنی سرد خانوں میں

سسک سسک مر جانا ہوگا۔ اگر عنبر نہ مرتا تو نہ مرے مگر تم اور ناگ ایک نہ ایک روز ضرور مر جاؤ گے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہم یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور ضرور بھاگ جائیں گے"۔

جادوگر ہنس کر بولا۔

بدنصیب عورت! اس خیال کو دل سے نکال دو۔ یہاں سے تم کبھی نہیں نکل سکتے۔ اس آسیبی پہاڑ کے چاروں طرف جنوں اور بھوتوں کا پہرہ ہے۔ اس سے باہر نکلنے کا سوائے ایک چٹان کے اور کوئی راستہ نہیں اور تمہارے اندر آنے کے بعد میں نے اس دروازے

کو بھی بند کر دیا ہے۔

ایک بار پھر سوچ لو۔ اگر تم نے میرا یہ کام کر دیا تو میں نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے دونوں بھائیوں کو بھی آزاد کر دوں گا۔

ماریا نے سوچا کہ اس کے آگے ہاں کر دینے میں کیا حرج ہے۔ میں یہاں سے ایک بار نکل تو جاؤں گی۔

اس کے بعد عنبر اور ناگ کو بھی اپنی کوشش سے آزاد کروا لوں گی۔ اس نے جھٹ جادوگر سے کہا۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے۔ میں شہزادے کی آنکھیں نکال لانے پر تیار ہوں"۔

جادوگر خوش ہو کر بولا۔

"شاباش! تم بہت عقل مند عورت ہو۔ تم نے بڑا درست فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہیں تمہارے اس فیصلے پر مبارکباد دیتا ہوں۔۔۔ بولو! تم یہاں سے کب نکلنے پر تیار ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"میں ابھی اسی وقت جانے کو تیار ہوں"۔

جادوگر کی روح بولی۔

نہیں! ابھی تم یہاں سے نہ جاؤ۔ صبح ہو جانے دو۔ میں صبح صبح اندھیرے میں تمہیں یہاں سے لے کر بادشاہ کے محل میں لے چلوں گا۔

میں محل کے باہر کھڑا ہوں گا تم اندر جا کر سوئے ہوئے شہزادے کے پاس جا کر چاقو سے اس کی آنکھیں نکال کر لے آنا۔

ماریا نے کہا۔

''ایسا ہی کروں گی''۔

جادوگر نے کہا۔

''لیکن ایک بات یاد رکھو۔ اگر تم نے میرے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تو میں آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ تمہارے بھائی ناگ کو قتل کر دوں گا''۔

دھمکی بڑی خوفناک تھی۔ لیکن ماریا دل میں فیصلہ

کر چکی تھی کہ وہ یہاں سے باہر بھی چلی جائے گی اور جادوگر کو شہزادے کی آنکھیں بھی لا کر نہیں دے گی اور اسے ہلاک کر کے غار میں سے عنبر اور ناگ کو آزاد کرانے کی پوری پوری کوشش بھی کرے گی۔

اس سازش کا عنبر اور ناگ کو کچھ علم نہیں تھا۔

وہ دونوں اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں حیران و ششدر سے بیٹھے تھے یہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا۔ دوسری جانب جادوگر نے ماریا کو ساتھ لیا اور غار سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے ماریا کو بھی ایک گھوڑے پر سوار کیا ایک گھوڑے پر خود سوار ہوا۔

ماریا نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں پکڑی

اور شہر میں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوگئی۔ ابھی رات کافی باقی تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سفر ایک رات اور ایک دن کا تھا۔ جادوگر اس حساب سے چلا تھا کہ وہ جب بادشاہ کے محل کے باہر پہنچے تو اس وقت رات آدھی گزر رہی ہو۔

ماریا پھنس گئی

ماریا اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت میں نہیں پھنسی تھی۔

وہ کالا جادوگر کی روح کے ساتھ گھوڑے پر سوار اراگوس شہر کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ جادوگر کی بدروح بڑی اذیت میں پھنسی تھی۔

وہ اپنے کالے جادو کے زور سے بڑی طاقت ور

بن گئی تھی اور ماریا کو ہر طرح سے اپنے قبضے میں کیے ہوئے تھی۔ ماریا اگر اس سے الگ ہو بھی جاتی تو اسے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اس لیے کہ عنبر اور ناگ اس خبیث جادوگر کی قید میں تھے اور یہ بدروح واپس جا کر بڑی آسانی سے ناگ کو قتل کر سکتا تھا۔ اور عنبر کو یہ نقصان پہنچا سکتا تھا کہ اس کی کھوپڑی میں سے دماغ نکال لے اور اسے پاگل بنا دے۔

ماریا بڑی کشمکش میں الجھ گئی تھی۔ وہ بھاگنا بھی چاہتی تھی مگر بھاگ نہیں سکتی تھی۔ بس جادوگر کی روح کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

جادوگر نے اپنے کالے جادو کے زور سے ایک انسان کی شکل اختیار کی ہوئی تھی۔ جب کہ ماریا اپنے گھوڑے پر غائب تھی۔

ساری رات وہ صحراؤں اور میدانوں میں سفر کرتے رہے۔ صبح کے وقت انہوں نے ایک جگہ آرام کیا۔ ناشتا کیا اور پھر شاہی محل کی جانب چل پڑے۔

دوپہر تک انہوں نے سفر کیا۔ دوپہر کو تھوڑا سا آرام کیا۔ تیسرے پہر وہ پھر چل پڑے۔ شام ہو گئی۔ پھر رات سر پر آ گئی۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے۔ رات کے پہلے پہر کے گزرنے کے بعد انہیں شہر

اراگوس کی فصیل پر جلتی ہوئی روشنیاں دور سے نظر پڑیں۔

گھوڑوں پر سفر کرتے ہوئے وہ شہر کی فصیل کے پاس آ گئے۔

جادوگر نے ماریا سے کہا۔

اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ یاد رکھو اگر تم نے مجھے ذرا سا بھی دھوکا دینے کی کوشش کی تو میں تم کو بھی معاف نہیں کروں گا۔

میں عنبر اور ناگ کو جاتے ہی ختم کر دوں گا۔ اس لیے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح کرتی چلی جاؤ۔

ماریا نے کہا۔

"جیسا تم کہو گے ویسا ہی میں کروں گی۔ میں تمہارے قابو میں پھنس گئی ہوں۔ میں تم سے دھوکہ کر کے اپنے دونوں بھائیوں کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتی۔ اس لیے تم بے فکر رہو"۔

دل میں ماریا یہ بھی سوچ رہی تھی کہ وہ شہزادے کی آنکھیں کبھی نہیں نکالے گی، لیکن جادوگر کو بھی آنکھیں دکھانی ضروری تھیں۔

اس نے خدا سے دعا کی کہ وہ اسے آزمائش میں سے کامیابی سے نکال دے۔ وہ شہر کی فصیل کے بڑے پھاٹک کے سامنے آ کر رک گئی۔

ماریا نے کہا۔

''اب شہر میں تم کیسے داخل ہو گے؟ میں تو اس لیے داخل ہو جاؤں گی کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکے گا''۔

جادوگر ہنسا اور کہنے لگا۔

''تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟ کیا میں دودھ پیتا بچہ ہوں؟ میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں اس دروازے میں سے گزریں گے۔ اور وس شان سے گزریں گے کہ سب پہرے دار اور سپاہی مجھے سلام کریں گے''۔

ماریا خاموشی سے جادوگر کے پیچھے پیچھے گھوڑے پر چل پڑی۔ اب جادوگر نے کوئی جادو کیا اور اپنے اوپر پھونک ماری تو اس کا لباس شہزادوں جیسا ہو گیا،

وہ آگے آگے چل پڑا اور پیچھے پیچھے ماریا آنے لگی۔

ماریا اپنے گھوڑے پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا گھوڑا خالی تھا۔

پہرے داروں نے جب ایک شہزادے کو بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ آتے دیکھا تو انہوں نے آگے بڑھ کر فوراً دروازہ کھول دیا اور ادب سے جھک کر کوتوال نے کہا۔

''حضور انور! کس ملک سے تشریف لا رہے ہیں؟''۔

جادوگر نے گردن اٹھا کر کہا۔

''ہم کالا جار کے ملک کے شہزادے ہیں اور آپ

کے بادشاہ سلامت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں''۔

''تشریف لے چلیں حضور انور!''

جادوگر بڑی شان سے گردن اٹھائے، ماریا کے گھوڑے کی باگ تھامے دروازے میں سے نکل گیا۔

پہرے داروں اور سپاہیوں نے اس بات کو بہت محسوس کیا کہ یہ کیسا شہزادہ ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ ایک خالی گھوڑے کو بھی لیے پھر رہا ہے۔

اور پھر اس کے ساتھ کوئی حفاظت کرنے والا دستہ بھی نہیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ شاید یہ شہزادہ جنگل میں اکیلا شکار کر رہا ہو اور کسی خاص کام سے بادشاہ سے ملاقات کرنے آ گیا ہو۔

فصیل کے اندر آ کر جادوگر نے ماریا کی طرف دیکھ کر کہا۔

اب ہم محل کی طرف جا رہے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہی شاہی محل میں جاؤں گا اور اپنے آپ کو کالا جادو کا شہزادہ کہہ کر رہوں گا۔

''تمہارا کام یہ ہے کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح ملک کے سونے کے کمرے میں پہنچ کر شہزادے کی آنکھیں نکالنی ہوں گی۔ کیا تم سمجھ گئی ہو ناں؟''۔

ماریا نے کہا۔

''ہاں خوب سمجھ گئی ہوں''۔

ماریا اس جادوگر کی مکاری پر بڑی حیران ہو رہی تھی۔ تاکہ کم بخت نے کس ہوشیاری سے اسے اپنے قابو میں کرلیا ہے اور اس سے ایک بھیانک کام لینے والا ہے۔

اگرچہ ماریا نے اس بھیانک کام کو نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پھر بھی وہ بہت پریشان تھی۔ محل اب سامنے تھا۔ محل کے اندر کہیں کہیں شمع دانوں کی روشنیاں ہو رہی تھیں۔

جادوگر شاہی محل کے خاص دروازے کی طرف آ گیا۔ دروازے پر بڑا زبردست پہرہ تھا۔

حبشی سپاہی ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے

تھے۔

جادوگر نے ماریا سے کہا۔

”خبردار! زبان سے ایک لفظ مت نکالنا۔ بس جو میں کروں اسے دیکھتے جانا۔ جو کچھ میں کہوں اسے سنتی جانا سمجھیں“۔

”سمجھ گئی ہوں“۔ ماریا نے اداس ہو کر کہا۔

شاہی محل کے دروازے پر گھوڑے سے اترتے ہوئے جادوگر شہزادے کے لباس میں بڑی شان سے چلتا ہوا پہرے داروں کے پاس آ گیا۔

پہرے داروں نے جب ایک شہزادے کو شاہی لباس میں وہاں آتے دیکھا تو وہ ادب سے اٹھ کر

کھڑے ہو گئے اور حیران بھی ہوئے کہ آدھی رات کو یہ کون شہزادہ کہاں سے آ گیا؟۔

ان کے قریب جا کر جادوگر نے بڑی رعب دار آواز میں کہا۔

سنو! میں کالا جار ملک کا ولی عہد شہزادہ ہوں۔ میں اس شہر کے قریب شکار کھیل رہا تھا کہ راستہ بھول گیا۔ بادشاہ اراگوش میرا دوست ہے۔ اس کا محل قریب دیکھ کر آ گیا ہوں۔ شاہی محل میں خبر کرو کہ شہزادہ کالا جار آ رہا ہے۔

”جو حکم جناب عالی! آپ شاہی مہمان خانے میں تشریف رکھیں“۔

کوتوال جادوگر کو لے کر شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔ ماریا بھی خالی گھوڑے پر بیٹھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

شاہی مہمان خانے میں آ کر کوتوال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”شہزادہ صاحب! آپ تھوڑی دیر یہاں آرام کریں میں ابھی بادشاہ سلامت کو بتا کر خبر کرتا ہوں“۔

جادوگر بولا۔

”لیکن ٹھہرو! ہم نہیں چاہتے کہ بادشاہ سلامت کو اس وقت جا کر پریشان کیا جائے۔ ہم باقی رات

آرام کرتے ہیں۔ بادشاہ سلامت کو بھی آرام کرنے دو۔ ہم صبح ان سے ملیں گے“۔

”حکم سرکار“۔

کوتوال نے جھک کر کہا۔

”آپ اس شاہی مہمان خانے میں آرام کریں۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کو ہر طرح کا آرام ملے گا۔ میں صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا“۔

کوتوال جھک کر سلام کر کے چلا گیا۔

جادوگر نے شاہی لباس اتارا اور شاہی بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے ماریا سے کہا۔

”تم بھی یہیں کسی جگہ پڑ کر سو رہو۔ صبح تم سے بات ہوگی“۔

ماریا نے کہا۔

”بہت اچھا“۔

ماریا بھی ایک کونے میں ریشمی نرم قالین پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جادوگر خراٹے لینے لگا۔ ماریا کے دل میں خیال آیا کہ وہ سوتے میں جادوگر کو ہلاک کر دے۔

مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جادوگر کو جاگتے میں بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ لیکن ایسا کرنے سے الٹا اسے نقصان ہونے کا ڈر تھا۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ جادوگر کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ وہ روح تھا۔ بدروح تھا۔ انسان نہیں تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہوسکتا ہے جادوگر کی روح کے مر جانے سے آسیبی پہاڑ کے سارے غار بھک سے اڑ جائیں یا انہیں آگ لگ جائے۔

بہتر یہی ہے کہ وہ جادوگر کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس کے کہنے پر سوائے شہزادے کی آنکھیں نکالنے کے، ہر بات پر عمل کرے اور وقت کا انتظار کرے چنانچہ وہ بھی اس قسم کے خیالات سوچتی سوچتی سوگئی۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ وہ سارے سفر کی بے حد تھکی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے بیچ کر سوگئی۔ جب اسے

ہوش آیا تو دن نکل آیا تھا۔

شاہی مہمان کی چاندی سونے کی کھڑکیوں میں سے سنہری سنہری سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ جادوگر پہلے ہی سے اٹھ چکا تھا۔ شاہی ملازم ناشتہ لے کر آ گئے۔

کوتوال نے جھک کر کورنش کی اور کہا۔

"شہزادہ سلامت! بادشاہ سلامت کو آپ کی تشریف لانے کی خبر کر دی گئی ہے۔ بادشاہ سلامت! آپ سے ملاقات کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں"۔

جادوگر نے کہا۔

"ہم ابھی حاضر ہوتے ہیں"۔

کوتوال واپس چلا گیا۔ اس کے جادوگر نے کہا۔

"سنو ماریا! بادشاہ سے ملاقات کرنے میں مجھے سوائے اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ میں بجائے جنگل میں چھپ کر تمہارا انتظار کرنے کے شاہی محل میں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔

میں بادشاہ سے ملنے جا رہا ہوں۔ تمہارا یہ کام ہے کہ تم ابھی شاہی محل میں جا کر یہ معلوم کرو کہ ملکہ شہزادے کو لے کر کہاں سوتی ہے۔ تم واپس اس کمرے میں آ جانا۔

ماریا نے کہا۔

"بہت اچھا"۔

ماریا جادوگر کے ہر حکم پر بہت اچھا کہنے پر مجبور تھی۔ جادوگر شاہی لباس پہن کر بادشاہ سے ملاقات کرنے چلا گیا۔

بادشاہ نے جادوگر کو کالا جار کا سچ مچ شہزادہ سمجھا اور اس سے مل کر بڑا خوش ہوا۔

اس نے کہا۔

"شہزادہ صاحب! آپ نے کوئی پہلے سے آنے کی اطلاع ہی نہیں کی۔ آپ اگر ہمیں پہلے سے اطلاع کرتے تو ہم آپ کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے۔ ہم اپنی فوج لے کر شہر کے دروازے پر آپ کو لینے جاتے"۔

جادوگر نے کہا۔

بس حضور ایسا ہوا کہ ہم اکیلے ہی اپنے شوق کے مارے شکار کے لیے شاہی محل سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم دو ایک روز میں شکار کھیل کر واپس چلے جائیں گے مگر ہم راستہ بھول گئے اور پورا دن جنگل میں بھٹکتے رہے۔

وہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں آپ کے محل کی روشنیاں نظر آ گئیں۔ نہیں تو نہ جانے ابھی ہمیں کتنی پریشانی اٹھانی پڑتی۔

بادشاہ نے کہا۔

”یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے محل کی

روشنیاں دیکھ کر ہمارے محل کی طرف تشریف لے آئے نہیں تو ہم آپ کی مہمان نوازی سے محروم رہ جاتے“۔

جادوگر نے بڑی مکاری سے کہا۔

”ہمارے ابا جان نے آپ کو شہزادے صاحب کی پیدائش پر مبارک بادی کے تحائف روانہ کیے تھے جو آپ نے بڑی محبت سے قبول کر لیے تھے۔ ہمیں بھی شہزادے صاحب کی پیدائش پر بڑی خوشی ہوئی تھی“۔

بادشاہ نے کہا۔

”آپ کے ابا جان بڑے محبت کرنے والے

نیک دل بادشاہ ہیں۔ ہمیں ان کی مبارکباد اور تحائف وصول کر کے بڑی خوشی ہوئی تھی"۔

جادوگر نے کہا۔

"خیر سے ولی عہد کی عمر اب سات آٹھ ماہ کی ہو گئی ہو گی؟"۔

بادشاہ نے کہا۔

"نہیں شہزادہ صاحب! ولی عہد تو اب چشم بد دور ایک برس کا ہو گیا ہے"۔

"اوہ! دیوتا اس کی نگہبانی کریں۔ بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر۔ ویسے آپ اس کی بڑی رکھوالی کیا کریں۔ اسے دشمنوں کی بری نظر سے بچائیں رکھیں"۔

بادشاہ نے کہا۔

"دیوتا ہماری نگہبانی کریں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم نے ولی عہد کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر رکھا ہے"۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ اسے بڑی خاص جگہ پر سلایا کریں جہاں دشمن چڑیا بھی پر نہ مار سکے"۔

بادشاہ نے کہا۔

وہ ولی عہد خیر سے محل کی دوسری منزل کے آخری کمرے میں اپنی ماں کے پاس سوتا ہے۔ اور اسے ایک پل کے لیے بھی وہاں سے باہر نہیں نکالا جاتا اور نہ اس کمرے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت ہے"۔

جادوگر بولا۔

"یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے ولی عہد کی حفاظت اور اسے دشمن کی نظر سے بچانے کا پورا پورا انتظام کر رکھا ہے"۔

"ولی عہد ہماری جان ہے۔ شہزادہ صاحب! اتنے عرصے کے بعد ہمارے محل میں امید کی کرن پھوٹی ہے۔ ہم تو اس کی حفاظت میں اپنی جان بھی لڑا دیں گے"۔

بادشاہ کے اس خیال پر جادوگر نے خوش ہو کر کہا۔

ولی عہد کے ساتھ ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں بھی ہیں۔ ہم اس کی زندگی اور لمبی عمر کے لیے دعا گو ہیں۔ دیوتا اسے اپنی پناہ میں رکھیں۔

جادوگر کی ان چکنی چپڑی باتوں سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے جادوگر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ جادوگر کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔

پھر بادشاہ سے اجازت لے کر واپس اپنے شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔ اس نے شہزادے کے بارے میں جو معلومات حاصل کرنی تھیں وہ کر لی تھیں۔

اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادہ شاہی محل کی دوسری منزل میں ملکہ کے ساتھ خاص کمرے میں سوتا ہے۔

جادوگر نے شاہی مہمان خانے میں آ کر ماریا کو آواز دی۔

"ماریا! کیا تم کمرے میں ہو کہ یہاں سے جا چکی ہو؟"۔

ماریا اسے نظر آتی نہیں تھی۔ وہ آواز دے کر ہی اس سے بات کر سکتا تھا۔ ماریا وہاں موجود نہیں تھی۔

جادوگر سمجھ گیا کہ ماریا اپنے خاص کام پر گئی ہوئی ہے۔

وہ بستر پر لیٹ کر شہزادے کی آنکھیں نکال کر واپس لے جانے اور جادو کا عرق تیار کرنے کے خیال سے بڑا خوش ہو رہا تھا۔

نیلی آنکھیں

ماریا شاہی مہمان خانے سے نکل کر محل میں چلنے پھرنے لگی۔

یہ محل بھی اسی قسم کا محل تھا جس قسم کے محل اس نے اس سے پہلے دیکھے تھے۔ وہ محل کی پہلی منزل میں ادھر ادھر گھومنے لگی۔

اس نے شاہی دربار بھی دیکھا اور امیروں

وزیروں کو ستونوں کے پاس اور فوارے کے قریب باتیں کرتے بھی دیکھا۔ کمروں میں غلام اور کنیزیں صفائی وغیرہ میں لگی تھیں۔

ماریا کو اس کمرے کی تلاش تھی جہاں ملکہ اپنے ولی عہد شہزادے کو لے کر سوتی تھی۔

محل کی پہلی منزل میں اسے کوئی ایسا کمرہ دکھائی نہ دیا۔ جہاں ملکہ ولی عہد کے ساتھ لیٹی یا بیٹھی ہو۔ وہ ایک شاندار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر دوسری منزل میں آ گئی۔

ان سیڑھیوں پر ریشمی قالین بچھے تھے۔ دوسری منزل بھی پہلی منزل کی طرح بڑی شاندار اور

خوبصورت تھی۔ ماریا کئی کمروں میں چپکے چپکے خاموشی سے گھومی لیکن اسے ملکہ اور شہزادہ کہیں نہیں ملا۔

آخر اس نے ایک کنیز کو دیکھا کہ سونے کے طشت میں کچھ پھل رکھ کر لے جا رہی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ یہ کنیز ضرور ملکہ کے کمرے میں جا رہی ہوگی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ کنیز ایک غلام گردش میں سے گزر کر ایک کمرے کا عالی شان سرخ مخملیں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔

یہاں آگے چاندی کے ایک بند دروازے کے باہر دو ہٹی کٹی حبشی عورتیں ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہی تھیں۔

کنیز کو دیکھ کر حبشی عورتوں نے دروازہ آدھا کھول دیا۔ کنیز اندر داخل ہوئی تو ماریا بھی جلدی سے اس کے ساتھ ہی داخل ہو گئی۔

اتفاق سے ماریا کی اندر داخل ہوتے وقت کہنی ایک حبشی عورت سے چھو گئی اس عورت نے چونک کر کنیز کی طرف دیکھا ماریا کی کہنی اس وقت چھوئی تھی جب کہ وہ دو قدم آگے نکل گئی تھی۔

حبشی عورت کو وہاں سوائے کنیز کے اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ چکر میں آ گئی اور خاموش رہی۔

ماریا نے اندر جا کر دیکھا کہ دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہیں۔ چھت سے ایک چاندی کا فانوس

لٹک رہا ہے۔ درمیان میں سونے کے پاؤں والا ایک عالی شان پلنگ بچھا ہے۔ جس پر ملکہ اپنے خوبصورت ولی عہد شہزادے کو ساتھ لے کر لیٹی ہوئی ہے۔

ماریا نے قریب جا کر دیکھا۔ شہزادے کی آنکھیں نیلی تھیں اور وہ بڑا خوبصورت لگ رہا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ ضرور اس کی آنکھیں نکال کر لے جاتا اور یہ کس قدر ظلم کی بات ہوتی۔

اسے شہزادے پر بڑا ترس بھی آیا اور اس پر پیار بھی آیا۔ وہ پہلے بھی شہزادے کے ساتھ ظلم کرنے اور اس کی آنکھیں نکالنے پر تیار نہیں تھی۔

شہزادے کی بھولی بھالی صورت اور نیلی آنکھیں دیکھ کر تو اس نے اور بھی فیصلہ کر لیا کہ جادوگر کو شکست دے کر رہے گی تا کہ وہ پھر بھی کسی دوسرے شخص سے شہزادے سے ظلم نہ کروا سکے۔

اب ماریا کے دماغ میں ایک ترکیب تھی۔ اس نے دل میں یہ ٹھان لی تھی کہ وہ کسی طرح سے کسی بکری کے بچے کی نیلی آنکھیں حاصل کر کے جادوگر کو جا کر دیدے گی اور یہی کہے گی کہ وہ شہزادے کی آنکھیں ہیں۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جادوگر عنبر اور ناگ کو پھر بھی قید رکھنا چاہتا ہے۔

ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی باورچی خانے

میں آئی۔

وہ کسی ایسے بکرے کے بچے کی تلاش میں تھی جس کی آنکھیں نیلی ہوں۔ شاہی باورچی خانے کے لیے بکرے بکریاں کہاں ہوتی ہیں۔

ایک غلام کو اس نے باتیں کرتے سنا۔ وہ شاہی باورچی کہہ رہا تھا۔

”جناب عالی! اگر قورمے کے لیے گوشت کم ہو تو اور بکرا لے آؤں؟“۔

شاہی باورچی بولا۔

”ہاں۔ ایک بکرا حلال کر کے لے آؤ“۔

”جو حکم جناب عالی“۔

غلام یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ماریا یہی چاہتی تھی۔ وہ جلدی سے غلام کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔ غلام وہاں سے نکل کر دو تین سیڑھیاں اتر کر ایک باڑے میں آ گیا۔ جہاں کتنی ہی بکریاں اور بکرے بندھے ہوئے تھے۔

ماریا نے ایک ایک کر کے بکرے بکریوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کسی ایسی بکری یا بکرے کی تلاش میں تھی جس کی آنکھیں نیلی ہوں۔

اس نے آدھی سے زیادہ بکریاں دیکھ لیں۔ کسی کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ غلام ایک بکری کے بچے کو اٹھا کر پیار کر رہا ہے۔ ماریا جھٹ

اس کے پاس گئی۔

غلام شاہی رکھوالے سے کہہ رہا تھا۔

"آج ملکہ عالم کے لیے اس بکری کے بچے کے کباب تیار ہوں گے۔ میں اُسے بھی لیے جا رہا ہوں"۔

شاہی رکھوالے نے کہا۔

"ضرور لے جائیں جناب! ضرور لے جائیں"۔

ماریا نے دیکھا کہ بکری کے بچے کی آنکھیں بالکل شہزادے کی طرح نیلی اور بڑی خوبصورت تھیں۔ ماریا خوش ہوگئی۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

اور ولی عہد شہزادے کی زندگی بچ گئی تھی۔ وہ غلام کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اب وہ چاہتی تھی کہ جہاں جا کر غلام کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

اب وہ چاہتی تھی کہ جہاں جا کر غلام عباس اس بکری کے بچے کو حلال کرے گا وہ اس کی آنکھیں نکال لے گی۔ ماریا کو اس کام سے بھی نفرت تھی کہ وہ کسی مردہ بکری کے بچے کی آنکھیں نکالے۔

مگر یہ مجبوری تھی۔

غلام بکری کے بچے کو لے کر اس کمرے میں آ گیا جہاں بکریوں وغیرہ کو حلال کیا جاتا تھا۔ یہاں ہر طرف بکریوں اور غلاموں کا شور سا مچا ہوا تھا۔

ماریا ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔ غلام بکری کے بچے کو ایک شاہی قصاب کے پاس لے گیا اس نے جا کر کہا۔

”آج ملکہ عالم کے لیے اس بکری کے بچے کے کباب بنیں گے اس سب سے پہلے حلال کر دو۔“

”لاؤ بھائی! یہ کام تو میں سب سے پہلے کروں گا۔“

غلام نے بکری کا بچہ شاہی قصاب کے حوالے کیا۔ شاہی قصاب نے بکری کے بچے کو حلال کر دیا۔ اس کی گردن کٹ کر پرے جا گری۔

ماریا نے جیب سے پہلے ہی خنجر نکال رکھا تھا۔ جو

ہی گردن کٹ کر پرے گری۔ ماریا لپک کر اس طرف گئی۔ اس نے گردن اٹھا کر پاس رکھی۔

اسے غور سے دیکھا اور پھر خنجر نکال کر بکری کے مردہ بچے کی آنکھیں کھرچ کر جیب میں ڈال لیں۔

آنکھیں نکال کر ماریا جلدی سے وہاں سے اٹھی۔ اس نے گردن پرے پھینکی۔ شاہی قصاب نے دیکھا کہ بکری کے بچے کی سری اس کے پاس آ کر گری ہے اور اس کی دونوں آنکھیں نہیں ہیں۔

شاہی قصاب نے چیخ مار کر کہا۔

"اس کی آنکھیں کون کھرچ کر لے گیا؟"۔

وہاں ایک شور مچ گیا، کیونکہ بکری کی آنکھوں پر جادو کیا جاتا تھا۔ مگر ماریا وہاں سے جا چکی تھی۔ وہ سیدھی شاہی مہمان خانے میں آ گئی۔ ابھی تک جادو گر بادشاہ سے ملاقات کر کے واپس نہیں آیا تھا۔

ماریا نے آنکھوں کو گیلے کپڑے میں لپیٹ کر تھیلے میں رکھا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ ابھی جادوگر کو آنکھیں نہیں دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس طرح جادو گر کو یقین نہیں آ سکتا تھا کہ ماریا نے اتنی جلدی سے شہزادے کی آنکھیں حاصل کر لی ہیں۔ وہ کچھ وقت ٹالنا چاہتی تھی۔

ادھر ادھر سے گھوم پھر کر جب ماریا کمرے میں آئی تو جادوگر وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ کھٹکے کی

آواز سن کر جادوگر نے پوچھا۔

"کیا تم ماریا ہو؟"۔

"ہاں! میں ہی ماریا ہوں۔ میں آ گئی ہوں"۔

جادوگر نے پوچھا۔

"کیا تم دیکھ آئی ہو کہ ولی عہد شہزادہ اس محل کی کون سی منزل اور کس کمرے میں اپنی والدہ کے ساتھ سوتا ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں! میں یہ سب کچھ معلوم کر آئی ہوں۔ ولی عہد شہزادہ اس محل کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں ملکہ کے ساتھ سوتا ہے۔ اس کمرے کے باہر دو

حبشی عورتیں ننگی تلواریں لئے ہر وقت پہرہ دیتی ہیں"۔

جادوگر کی معلومات کے مطابق ماریا بالکل سچ بول رہی تھی۔ جو کچھ بادشاہ سے معلوم ہوا تھا ماریہ وہی کچھ کہہ رہی تھی۔ اس نے خوش ہو کر ماریا سے کہا۔

"بس اب تمہارا کام یہ ہے کہ آج یا کل رات کو کسی طرح سے ملکہ کے کمرے میں جا کر شہزادے کی آنکھیں نکال کر لے آؤ"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ کام تو میں ضرور کر لوں گی مگر اس طرح تو شہزادہ بہت شور مچائے گا۔ کوئی ایسی ترکیب نہیں

ہو سکتی کہ شہزادہ رو نہ سکے۔ وہ پہلے بے ہوش کر دیا جائے"۔

جادوگر بولا۔

"اور تم کیا مجھے احمق سمجھتی ہو؟ میں نے تو اس کا بھی پورا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ میرے پاس ایک ایسا تیل ہے کہ جب تم اسے ولی عہد شہزادے اور اس کی ملکہ کے نتھنوں پر جا کر رکھ دو گی تو وہ ایک پل کے اندر اندر بے ہوش ہو جائے گا۔ اس طرح وہ آنکھوں کے نکلنے کی تکلیف سے بھی بچ جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"شکریہ! بس مجھے کسی ایسی ہی دوائی یا تیل کی

ضرورت تھی۔ اب میں آج ہی رات کو جا کر ولی عہد کی آنکھیں نکال کر لانے کی کوشش کروں گی"۔

جادوگر بولا۔

"اگر تم آسانی سے آج رات یہ کام کر سکتی ہو تو کرنا نہیں تو مجھے بادشاہ کے محل میں شاہی مہمان کی حیثیت مل چکی ہے۔ میں اگر چاہوں تو اس شاہی محل میں ابھی چھ سات روز تک بھی رہ سکتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ تو میں آج آدھی رات کے بعد ہی تمہیں بتا سکوں گی کہ کیا صورت ہے۔ اگر میں شہزادے کو بے ہوش کر کے اس کی آنکھیں نکالنے میں کامیاب ہو گئی

توپھر تمہیں زیادہ دیر رہنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

جادوگر ہنس کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم یہ کام آج ہی کر لوگی۔ کیونکہ تم جتنی دیر لگاؤ گی تمہارے بھائیوں کو میرے قید خانے میں اتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی"۔

ماریا بکری کی آنکھیں تو پہلے ہی نکال کر لا چکی تھی۔ یہ تو وہ محض اس لیے کر رہی تھی کہ جادوگر کو یقین آ جائے کہ وہ شہزادے کی آنکھیں نکالنے کے لیے بڑی محنت اور دردسری سے کام لے رہی ہے۔

اس نے کہا۔

"کالا جادو! میں اپنی تکلیف برداشت کر سکتی ہوں

مگر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ میرے بھائیوں کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے میں آج ہی رات کو پوری پوری کوشش کروں گی۔ بلکہ میں اپنی جان لڑا دوں گا اور شہزادے کی آنکھیں آج رات ہی نکال کر تمہارے پاس لے آؤں گی"۔

جادوگر نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی"۔

ماریا کچھ دیر جادوگر سے باتیں کرتی رہی اور پھر اس کو یہ کہہ کر وہ اوپر ملکہ کے محل میں جا کر صورت حال کا مطالعہ کرنا چاہتی ہے۔ وہاں سے باہر نکل گئی۔ وہ شاہی محل کے باغ میں پھولوں کے پاس آ کر ایک

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تخت پر بیٹھ گئی۔

ہر طرف پھولوں کی خوشبو پھیلی تھی۔ ماریا نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہاں سے نکل کر وہ سیدھی جادوگر کے ساتھ پہاڑ کے تہہ خانے میں جائے گی اور اگر جادوگر نے عنبر اور ناگ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تو پھر وہ کیا کرے گی؟۔

شاید عنبر کچھ ہمت کرے اور کسی بہت بڑے جادوگر کی مدد لینے کی کوشش کرے۔ اسے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی۔

بکری کے بچے کی نیلی آنکھیں اس نے پہلے ہی سے جیب میں رکھ لی تھیں۔

جب رات ہونے لگی تو اسے بھوک محسوس ہوئی۔

وہ شاہی باغ میں سے نکل کر سیدھی باورچی خانے میں آ گئی۔

پراسرار سایہ

باورچی خانے میں شاہی کھانوں کے طشت لگائے جا رہے تھے۔

ماریا نے ایک طشت میں سے مور کی بھنی ہوئی گردنوں کو دیکھا۔ اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک پلیٹ اٹھائی اور اس میں مور کی چھ سات گردنیں ڈال کر اسے کھانے لگی۔

کسی کو خبر نہ ہوئی کہ ماریا نے طشت میں سے چھ سات گردنیں اٹھالی ہیں۔ پھر اس نے چاندی کا ایک گلاس اٹھایا اور پانی پینے لگی۔

اتفاق سے ایک غلام نے چاندی کے گلاس کو میز پر سے غائب ہوتے دیکھ لیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"بھوت! گلاس غائب ہوگیا ہے"۔

دوسرے غلام نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اپنے دماغ کا علاج کردو"۔

اس وقت ماریہ پانی پی رہی تھی۔ پانی پی کر اس نے

تپائی پر گلاس واپس رکھا تو غلام نے چیخ کر کہا۔

"وہ دیکھو! گلاس پھر واپس آ گیا"۔

دوسرے غلام نے گلاس کو دیکھا تو کہا۔ "مگر یہ تو پہلے بھی اسی جگہ پڑا تھا"۔

پہلے غلام نے کہا۔

"پڑا تھا۔ لیکن ایک بار غائب ہو گیا اور اب پھر ظاہر ہو گیا ہے"۔

"تم بکواس کرتے ہو۔ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے کیا! ہٹو یہاں سے۔ تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو"۔

ماریا نے سوچا کہ یہ جو دوسرا غلام ہے، اس کو تھوڑا سا مزہ چکھانا چاہیے، کیونکہ یہ ماریا کی کرامت کو نہیں مانتا۔ ماریا آگے بڑھ کر دوسرے غلام کے قریب آ گئی۔

وہ سونے کے پیالوں میں باداموں کی یخنی بھر رہا تھا۔ اس کے آگے تین سونے کے پیالے رکھے تھے۔

ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر یخنی کا ایک پیالہ اٹھا لیا۔

غلام نے پیالے کو غائب ہوتے دیکھا تو بغلیں جھانکنے لگا۔

"یہاں! ابھی ابھی پیالہ پڑا تھا؟ کون لے گیا؟ ارے تم لے گئے ہو"۔

پہلے غلام نے کہا۔

"قسم لے لو جو میں نے تمہارے پیالے کو ہاتھ

بھی لگایا ہو۔ میں نہ کہتا تھا کہ اس کمرے میں بھوت آ گیا ہے۔ پہلے میرا گلاس گم ہوا تھا اب تمہارا پیالہ گم ہو گیا"۔

دوسرا غلام اب بھی نہیں مان رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ میرا وہم ہے۔ اس تپائی پر پہلے ہی دو پیلے پڑے تھے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تین پیالے رکھے ہوں اور ایک گم ہو جائے۔ میں نہیں مان سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں کبھی تسلیم نہیں کروں گا"۔

اور پھر وہ اپنی حماقت پر خود ہی ہنسنے لگا۔ ماریا کو اس پر غصہ آیا کہ کم بخت کا ایک پیالہ اس کی آنکھوں

کے سامنے گم ہوا ہے اور یہ ماننے کو تیار نہیں ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیالے میں سے بادام کی یخنی پی لی اور پیالہ پھر سے میز پر رکھنے کی بجائے دوسرا پیالہ بھی اٹھا لیا۔

غلام نے جب دوسرے پیالے کو گم ہوتے دیکھا تو چونکا۔ ماریا نے تیسرا پیالہ بھی اٹھا لیا۔ اب تپائی پر کوئی پیالہ نہیں تھا جبکہ اس سے پہلے تین پیالے رکھے تھے۔

دوسرے غلام نے تھرتھر کانپتے ہوئے کہا۔

"اب بتاؤ۔ میں نے کہا تھا کہ اس کمرے میں بھوت آ گیا ہے؟"۔

پہلا غلام بڑا ضدی تھا۔ بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ میری نظروں کا دھوکا ہے۔ تینوں پیالے گم نہیں ہوئے۔ ضرور مجھ سے کہیں ادھر ادھر رکھے گئے ہیں"۔

اب تو ماریا کو بڑا طیش آ گیا۔ اس کم بخت غلام کو تو پورا مزہ چکھانا پڑے گا۔ ماریا نے دوسرے میز پر سے پانی سے بھرا ہوا جگ اٹھایا اور پورے کا پورا پانی غلام کے سر پر انڈیل دیا۔ اور پھر زور سے جگ زمین پر دے مارا۔

اب دوسرے غلام کی بھی چیخ نکل گئی۔

"بھوت۔ بھوت"۔

دونوں غلام وہاں سے سر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

ماریا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ وہ اپنی بھوک مٹا چکی تھی۔ وہ باہر نکل گئی۔ اس نے محل کی دوسری منزل کے صحن میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

جب رات آدھی گزر گئی تو ماریا وہاں سے اٹھ کر یونہی ملکہ کی خواب گاہ کی طرف آ گئی۔ ملکہ کی خواب گاہ کے باہر اسی طرح حبشی عورتیں تلواریں لیے پہرہ دے رہی تھیں۔

ماریا نے سوچا کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسری غائب عورت ہوتی تو وہ ان دونوں حبشی عورتوں کو قتل کر کے

اندر چلی جاتی اور شہزادے کی آنکھیں نکال لاتی۔

اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اب شہزادے کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔

وہ چپکے سے واپس اپنے مہمان خانے کی طرف آ گئی۔ اس نے راستے میں باورچی خانے کا رخ کیا۔ یہاں ایک بنچ پر ایک تازہ کٹی ہوئی بھیڑ تھی۔ اس کی گردن سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔

ماریا نے جیب سے بکری کی نیلی آنکھیں باہر نکالیں بکری کی گردن پر سے خون لے کر ان آنکھوں پر لگایا۔

پھر اس خون میں اپنا خنجر بھگویا اور آنکھوں کو گیلی

پٹی میں لپیٹ کر چل پڑی۔

شاہی مہمان خانے میں آ کر اس نے بناوٹی گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ جیسے وہ سچ مچ بڑی مشکل سے شہزادے کی آنکھیں نکال کر لائی ہو۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی آواز دی۔

”کالا جار! میں اپنا کام کر آئی ہوں۔ اب جتنی جلدی سے ہو سکے اس محل سے نکل چلو۔ نہیں تو بھانڈا پھوٹ جائے گا“۔

کالا جار جاگ رہا تھا۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

اس نے ماریا کی آواز سنی تو خوش ہو کر بولا۔

''کہاں ہیں شہزادے کی آنکھیں؟''۔

ماریا نے خون میں لپٹی ہوئی آنکھیں جیب سے نکال کر جادوگر کے سامنے رکھ دیں۔

جادوگر نے شمع کی روشنی میں لے جا کر شہزادے کی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ وہ نیلی نیلی تھیں۔

جادوگر بڑا خوش ہوا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

''شاباش! تم نے بہت بڑا کام کیا ہے''۔

ماریا نے کہا۔

''شہزادہ بے ہوش پڑا ہے۔ اس کی ماں ملکہ بھی بے ہوش ہے۔ وہ جاگ پڑی تھی۔ اس لیے مجھے اسے

بھی بے ہوش کرنا پڑا۔ شہزادے کا چہرہ خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ میں نے پہرے دار عورتوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ اب یہاں سے نکل چلو۔ نہیں تو مصیبت آ جائے گی''۔

''میں تیار ہوں۔ چلو بھاگ چلتے ہیں''۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جادوگر نے بکری کے بچے کی نیلی آنکھوں کو شہزادے کی نیلی آنکھیں مان لیا تھا۔ جادوگر ماریا کو لے کر تیزی سے شاہی مہمان خانے سے باہر آ گیا۔

وہ شاہی محل کے پچھلے دروازے کی طرف آ گیا۔

یہاں ایک چور دروازہ سا تھا۔ جادوگر نے ماریا سے کہا

کہ وہ اس دروازے میں سے باہر نکلیں گے۔ وہاں بھی ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ جادوگر باہر نکلنے لگا تو پہرے دار نے اسے روک لیا۔

جادوگر نے تلوار نکال کر اس کے سینے میں گھونپ دی۔

ایک چیخ کے ساتھ پہرے دار زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔

"ماریا! جلدی سے باہر نکل چلو"۔

دونوں بھاگ کر چور دروازے سے باہر آ گئے۔

انہوں نے شاہی اصطبل کے باہر جا کر دو گھوڑے چرائے اور ان پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلنا تھا۔ جادوگر اب بھی شاہی شہزادے کے لباس میں تھا۔

پہرے داروں نے ڈیوڑھی میں اسے روکا تو اس نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے آدھی رات کو شہر سے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ بادشاہ سلامت کو بھی بڑا افسوس تھا مگر مجھے ضروری اپنے ملک جانا ہے"۔

پہرے داروں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اور ماریا جادوگر کے ساتھ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے آسیبی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گئی۔

رات بھر وہ میدانوں میں سفر کرتے رہے۔ سارا

راستہ ماریا یہی سوچتی رہی کہ اگر مکار جادوگر نے غار میں پہنچ کر عنبر اور ناگ کو رہا کرنے سے انکار کر دیا تو وہ کیا کرے گی۔

وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اگر جادوگر مکر گیا اور اس نے عنبر اور ناگ پر اپنا تجربہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اسے بڑی چالاکی اور مکاری سے کام لینا ہوگا۔

مکاری اس نے ساری زندگی نہیں کی تھی، لیکن اپنے بھائیوں کی زندگی کے لیے اسے یہ بھی کرنا پڑ رہا تھا۔

سوال یہ تھا کہ وہ کسی قسم کی مکاری کرے؟

یہی ہو سکتا تھا کہ وہ جادوگر کو کسی طرح سے اپنے اعتماد میں لے لے۔ اس پر یہ ظاہر کرے کہ وہ عنبر اور ناگ کی دشمن ہے اور جادوگر کی حمایت میں ہے۔ وہ اس کی شاگرد بن جائے اور اس کی بہت تعریف کرے۔

دوسری طرف جادوگر کالا ربھی سوچ رہا تھا کہ شہزادے کی آنکھیں تو اس نے اپنی ہوشیاری سے ماریا کو استعمال میں لا کر حاصل کر لی ہیں۔

اب وہ جاتے ہی ناگ کو ہلاک کر کے اس کا خون حاصل کرے گا اور عنبر کا دماغ باہر نکال کر اس میں بکرے کا دماغ بھر دے گا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے چلتے چلتے ماریا سے کہا۔

"شاباش ماریا! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے میرے لیے وہ کام کیا ہے جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کر سکتا"۔

ماریا نے کہا۔

"اب تمہیں بھی چاہیے کہ ہم تینوں بھائی بہن کو آزاد کر دو"۔

جادوگر بولا۔

"ضرور ضرور۔ یہ کام تو میں جاتے ہی کر دوں گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اور تمہارے دونوں بھائیوں کو جاتے ہی چھوڑ دوں گا"۔

لیکن ماریا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے اچھی طرح

معلوم تھا کہ جادوگر جھوٹ بول رہا ہے۔ رات بھر سفر کرتے رہنے کے بعد صبح ہو گئی۔

وہ اب ورانگو اس کے شاہی محل سے کافی دور نکل آئے تھے۔ جادوگر کو معلوم تھا کہ اس وقت تک محل میں کہرام مچ گیا ہوگا۔ کیونکہ ولی عہد شہزادے کی آنکھیں چھری سے نکال کر لے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

مگر وہ شاہی فوجوں کی زد سے باہر نکل چکا تھا۔ ویسے بھی وہ ایک بدروح تھا۔ اسے شاہی فوج نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔

اب ذرا عمبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں۔

دیکھتے ہیں وہ کس حال میں ہیں؟

عنبر اور ناگ دو الگ الگ تہہ خانوں میں قید تھے۔ ناگ جس کوٹھڑی میں قید تھا اس کے اندر کوئی بھی روشندان یا کھڑکی نہیں تھی۔

لوہے کے جنگلے کی سلاخیں اتنی قریب قریب تھیں کہ اس میں سے وہ سانپ بن کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔ اسے اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر بھی اس کے قریب ہی ایک کوٹھڑی میں قید ہے۔

عنبر کی کوٹھڑی بھی چاروں طرف سے بند تھی۔ اس کے اندر بھی دیوار میں کوئی روشندان اور کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ جہاں سے وہ فرار ہو سکتا۔

وہ بھی ناگ اور ماریا کے بارے میں پریشان تھا۔ وہ اپنے دماغ پر زور دے کر سوچنے لگا کہ اس قید خانے سے کیوں کر نجات حاصل کی جائے اور ماریا اور ناگ کو کیسے تلاش کیا جائے۔

اس کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ صرف ایک ہی آخری طریقہ اس کے پاس باقی رہ گیا تھا کہ وہ سلامبو کی لاش کو وہاں بلائے اور اس سے مدد حاصل کرے اس نے سلامبو کی لاش کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کوٹھڑی کے فرش پر دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں آنکھیں بند کر لیں اور پر اسرار منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ کوئی دس منٹ منتر پڑھتے رہنے کے

بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک ہاتھ ہوا میں اٹھا کر کہا۔

"اے سلامیو دیوی! میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ تو جہاں کہیں بھی ہے۔ میرے پاس آ اور میری مدد کر مجھے اس جہنم کی کوٹھڑی سے نکال کر باہر لے جا"۔

اس کے ساتھ ہی ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سلامیو کی بجائے کوٹھڑی کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک سایہ سا آ کر کھڑا ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

"سلامیو! کیا تم آ گئی ہو؟"۔

سائے میں حرکت ہوئی اور پھر ایک آواز آئی۔

"میں سلامیو نہیں ہوں۔ میں ایک روح ہوں جو ہزاروں سال سے بھٹک رہی ہوں۔ مجھے سلامیو نے ہی تمہارے پاس بھیجا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"سلامیو کہاں ہے بھائی؟"۔

سائے نے کہا۔

"سلامیو اس وقت اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ یہاں سے کروڑوں سالوں کے فاصلے پر ایک ایسے ستارے پر بیٹھی ہے جہاں سے وہ اگر کوشش بھی کرے تو ایک سو برس سے پہلے پہلے تجھے اس دنیا میں نہیں ا

سکتی"۔

عنبر نے کہا۔

"مگر کیوں؟ آخر اسے اتنی دور ستارے میں جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"۔

سایہ بولا۔

"یہ خدا کے بھید ہیں۔ انہیں کوئی نہیں جان سکتا۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہماری طرح سے تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ کچھ نہ پوچھو۔ کوئی سوال نہ کرو"۔

عنبر نے کہا۔

"مگر میں اس وقت ایک بھاری مصیبت میں پھنس گیا ہوں، مجھے سلامبو کی مدد کی ضرورت تھی"۔

سایہ بولا۔

"کاش میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔ مگر میں خواہش کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا"۔

عنبر بولا۔

"مگر روحیں تو بڑے بڑے کام کیا کرتی ہیں"۔

سائے نے کہا۔

"ضرور کرتی ہوں گی۔ لیکن میں ان روحوں میں سے نہیں ہوں، میں خود عذاب میں ہوں۔ میں کیا کسی کے کام آؤں گا۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ یہاں سے فوراً نکل جاؤ"۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ میں یہاں سے کیسے فرار ہو جاؤں؟"۔

سائے نے کہا۔

"اگر تم یہ دیوار توڑ سکتے ہو تو توڑ کر نکل جاؤ اس بارے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تم میرے کسی کام نہیں آ سکتے۔ تو پھر تمہارے آنے اور میرے پاس ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جاؤ اور جا کر آسمانوں میں سیر کرو میں اپنا برا بھلا خود دیکھ لوں گا"۔

"بہت بہتر۔ میں جا رہا ہوں"۔

روح واپس جانے لگی تھی کہ عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم میرا ایک چھوٹا سا کام کرسکو گے؟"۔

"وہ کیا"۔ روح نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ اس غار میں میرا بھائی ناگ موجود ہے؟

دوسرے یہ معلوم کرو کہ ماریا کہاں ہے؟۔

سائے نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارے بھائی کی موجودگی کے بارے میں مجھے علم ہے کہ وہ تمہارے قریب ہی کوٹھڑی میں قید ہے"۔

"اور ماریا؟"۔

"ماریا کو میں نے یہاں ابھی تک نہیں دیکھا"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تم ناگ کو جا کر کہہ سکتے ہو کہ میں بھی اسی غار میں اس کے پاس ہوں؟"۔

"کیوں نہیں۔ میں ابھی جا کر ناگ کو اطلاع کرتا ہوں"۔

سایہ دیوار پر سے غائب ہو گیا۔

ایک قریبی کوٹھڑی میں ناگ بیٹھا فرار ہونے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ اچانک سامنے دیوار پر ایک سایہ نمودار ہوا۔

ناگ نے سائے کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔

"تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

سائے نے کہا۔

"کیا تمہارا نام ناگ ہے؟"۔

"ہاں! مگر تم کون ہو؟"

سایہ بولا۔

"میں عنبر کا پیغام لے کر آیا ہوں"۔

"کہاں ہے عنبر بھائی؟"۔

ناگ نے بے تابی سے پوچھا۔ سائے نے کہا۔

"میں تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ عنبر تم سے چار کوٹھڑیاں چھوڑ کر قید ہے اور تم سے غافل نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ عنبر میرے ساتھ ہی اس آسیبی محل میں قید ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہاں سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟"۔

سائے نے ناگ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور غائب ہو گیا۔ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اب سایہ عنبر کی کوٹھڑی میں آ گیا۔

اس نے کہا۔

"اے عنبر! میں نے ناگ کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہے کہ تم بھی اسی جگہ قید ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ تم ماریا کی کوئی خبر لا سکتے ہو؟ تم جب غائب ہوئے تو وہ دریا کنارے جہاز میں سو رہی تھی"۔

سائے نے کہا۔

"میں ابھی جہاز پر جا کر معلوم کر کے آتا ہوں"۔

سایہ غائب ہو گیا۔ سایہ ایک پل کے اندر اندر میدانوں پہاڑوں، صحراؤں اور وادیوں میں سے ہوتا ہوا دریا کنارے بادبانی جہاز میں پہنچ گیا۔

وہاں جا کر اس نے سارے جہاز کا کونا کونا دیکھ لیا۔ ماریا وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ جہاز پر سے واپس آسیبی پہاڑ کی طرف چل پڑا۔

اچانک ایک جگہ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک ایسی لڑکی جو غائب ہے، ایک جادوگر کی بدروح کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلی آ رہی ہے۔

چونکہ سایہ خود ایک روح تھی اور وہ کسی کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے ماریا کو غائب حالت میں بھی دیکھ لیا۔ وہ نیچے آ گیا۔ اس نے ماریا کے قریب جا کر اس کے کان میں کہا۔

"کیا تمہارا نام ماریا ہے؟"۔

ماریا چونک پڑی۔

"کون ہو تم؟ کس کی روح ہو؟"۔

سایہ بولا۔

"میں اپنی ہی روح ہوں۔ سنو! میں تمہیں ایک خبر دینے آیا ہوں۔ عنبر اور ناگ آسیبی پہاڑ کی کوٹھڑیوں میں بند ہیں۔ انہوں نے مجھے تمہارا پتا کرنے جہاز پر بھیجا تھا۔ میں جہاز پر سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں تم مل گئیں"۔

ماریا نے کہا۔

"کیا تم ہماری مدد نہیں کر سکتے؟"۔

سایہ بولا۔

کاش میں ایسا کر سکتا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں صرف تم لوگوں کا پیغام ایک دوسرے تک پہنچا سکتا ہوں۔

لیکن تمہیں اس مکار جادوگر کی قید سے نہیں چھڑا سکتا۔ میرے اندر اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس کے لیے تمہیں خود محنت کرنی پڑے گی۔

”تو پھر تم واپس جاؤ اور عنبر سے جا کر کہہ دو کہ مجھے بھی جادوگر نے قید کر رکھا ہے، لیکن میں کوشش کروں گی کہ انہیں آزاد کرا لوں۔ اور سنو! عنبر اور ناگ سے یہ بھی کہنا کہ جادوگر عنبر کی کھوپڑی میں سے اس کا دماغ نکالنا چاہتا ہے اور ناگ کا خون چوسنا چاہتا ہے“۔

سایہ بولا۔

”بہت اچھا۔ میں ابھی جا کر اسے اطلاع کرتا ہوں“۔

یہ کہہ کر سایہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ جادوگر کالازار ماریا کو لے کر اپنے غار کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ماریا اور سائے کی سرگوشیاں بالکل نہیں سنی تھیں۔ سایہ ان سے پہلے آسیبی پہاڑ پر پہنچ گیا۔

کھولتا ہوا لاوا

پراسرار سایہ عنبر کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔

اس نے آتے ہی عنبر کو بتا دیا کہ ماریا بھی جادوگر کالار کے قبضے میں آچکی ہے اور اس وقت وہ جادوگر کے ساتھ آسیبی پہاڑ کی طرف چلی آ رہی ہے۔

نہیں معلوم وہ کہاں گئی تھی اور کیا لے کر واپس آ رہی ہے۔ عنبر ایک طرح سے خوش بھی ہوا کہ ماریا کا پتا

چل گیا اور دوسری طرف اسے فکر بھی لگ گئی کہ کہیں کالار جادوگر اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے کیونکہ ماریا کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

وہ اپنا بچاؤ ایک بار دیکھے جانے کے بعد نہیں کر سکتی تھی۔ اسی طرح سائے نے ناگ کو بھی جا کر ماریا کے بارے میں خبر دی۔

ناگ بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے سائے سے کہا۔

”اگر تم یہی کام کر سکتے ہو تو پھر عنبر کو جا کر کہو کہ اپنی کوٹھڑی میں ہی رہے، میں آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔“

سائے نے کہا۔

"بہت بہتر"۔

سایہ چلا گیا۔ اس نے عنبر کو جا کر پیغام پہنچا دیا۔

اب ناگ سوچنے لگا کہ وہ کس طرح سے وہاں سے فرار ہو۔ جادوگر ایک بدروح تھا۔ اس کو وہ سانپ بن کر ڈس بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک بدروح کو ہلاک کرنے کے لیے ایک ایسی جہنمی آگ کی ضرورت تھی جس میں اس روح کو ڈال دیا جائے مگر وہ جہنمی آگ ناگ کہاں سے لا سکتا تھا؟ اس غار میں اور کوئی پہرے دار بھی کہیں نظر نہیں آتا تھا۔

ماریا جادوگر کالار کے ساتھ واپس آ گئی۔

جادوگر نے اسے ایک بار پھر اس کی تہہ خانے والی کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا۔ ماریا نے جادوگر سے کہا بھی کہ اسے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اب اسے آزاد کر دینا چاہیے۔ اس پر جادوگر نے ایک مکروہ قہقہہ لگا کر کہا۔

کیا تم مجھے احمق سمجھتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟ ہرگز نہیں۔ میں تمہیں ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تمہارے بھائی ناگ کا خون نکالنا ہے اور تمہارے دوسرے بھائی عنبر کی کھوپڑی میں سے سارا دماغ نکالنا ہے۔

پھر ان کو ایک دوائی میں ملا کر مجھے وہ عرق تیار کرنا ہے جس کو پی کر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر فانی بن جاؤں گا۔

اور جادوگر کی بدروح قہقہے لگاتی وہاں سے چلی گئی۔

ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اس سے پہلے بھی ایسی مصیبت اور پریشانی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنے آپ کو پوری طرح بے بس سمجھ رہی تھی۔ وہ تینوں بہن بھائی اتنی پراسرار طاقتوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی مجبور اور بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔

ادھر جادوگر نے اپنے خاص غار میں جا کر غیر

قانونی عرق تیار کرنے کے سلسلے میں تیاریاں شروع کر دیں۔

اس نے تھیلے میں ولی عہد شہزادے کی آنکھیں نکال کر مرتبان میں ڈال دیں اور الو کی کھوپڑی کو ایک کھرل میں ڈال کر پیسنے لگا۔

ناگ اپنی کوٹھڑی میں خاموش بیٹھا تھا کہ اسے سامنے سے ایک غلام حبشی کھانے کا کٹورہ لیے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

ضرور یہ غلام ناگ کے لیے کھانا وغیرہ لے کر آرہا تھا۔ ناگ چپکے سے لیٹ گیا جیسے سو رہا ہو۔ غلام نے باہر سے دروازے کو ذرا سا کھولا اور اندر آ کر پھر سے

دروازہ بند کردیا۔

وہ ناگ کے پاس آ کر اسے جگانے لگا۔ ناگ اسی گھڑی کا انتظار کررہا تھا۔

اس نے زور سے پھنکار ماری اور سانپ کی جون بدل لی۔ سانپ کی شکل میں آتے ہی اس نے حبشی غلام کے گلے میں اپنے کنڈل کا پھندا ڈال کر کس دیا۔

غلام ایک آواز بھی نہ نکال سکا اور اس کا سانس ایک دم سے گھٹ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے بہتیرا سانپ کو ہٹانے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

سانپ نے بل اور کسنے شروع کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلام بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ سانپ نے اپنے کنڈل غلام کی گردن سے اتار لیے اور چپکے سے کھلے دروازے میں سے باہر نکل آیا۔

اب اس نے رینگ رینگ کر غار میں چلنا شروع کیا۔ وہ سیدھا عنبر کی کوٹھڑی میں جانا چاہتا تھا۔ دو تین کوٹھڑیاں چھوڑ کر اس نے ایک کوٹھڑی دیکھی جس کی سلاخیں بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔

ناگ نے سوچا کہ عنبر ضرور اسی کوٹھڑی کے اندر ہو گا۔ وہ سلاخوں میں سے نکل کر اندر چلا گیا۔

سچ مچ عنبر اس کے سامنے ایک پتھر پر دیوار کے

ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

عنبر نے ناگ کو سانپ کے روپ میں دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ سانپ نے فوراً پھنکار مار کر دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی۔

دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے لگ کر ملے۔

عنبر نے کہا۔

"تمہیں سائے نے میرا پیغام دے دیا تھا؟"۔

ناگ بولا۔

"ہاں دے دیا تھا مگر یہ سایہ کون تھا؟"۔

"اصل میں، میں نے سلامبو کی لاش کو اپنی مدد کے

لیے بلایا تھا۔ وہ تو نہ آئی اور یہ سایہ آ گیا"۔

"وہ کیوں نہیں آئی؟"۔

"سلامبو بے چاری خود پریشانی میں پھنسی ہوئی ہے۔ وہ اس دنیا میں رہنے کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یہاں سے کروڑوں سال کے فاصلے پر ایک ستارے پر خدا سے عبادت کر کے اپنے گناہ بخشوا رہی ہے"۔

"پھر اب کیا ہوگا؟"۔

"سائے نے ماریا کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بھی جادوگر کے ساتھ اسی غار کی طرف آ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جادوگر نے ماریا کو بھی قید کر لیا

ہے"۔

"میں بھی جا کر پتا کرتا ہوں کہ ماریا کہاں ہے؟ وہ ضروری اسی غار میں کسی جگہ قید ہے چلو خدا کا شکر ہے کہ ہم تینوں ایک جگہ اکٹھے تو ہو گئے۔ اب خدا نے چاہا تو یہاں سے نکل بھی جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

سائے نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ جادوگر کالارکا آتشی پہاڑ ہے۔ وہ ایک بدروح ہے۔ وہ ایک عرق تیار کر رہا ہے۔ جس کو پی کر وہ انسان کی شکل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آ جائے گا۔

اور اس کے لیے اسے تمہارے خون اور میرے

دماغ کی ضرورت ہے۔

ناگ ہنسا۔

یہ ایک پاگل جادوگر ہے۔ میں آزاد ہو گیا ہوں۔۔۔۔ اب وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ تم بھی ہوش میں آ گئے ہو۔ تمہارا کام یہ ہونا چاہیے کہ تم کسی صورت میں بھی بے ہوش مت ہونا۔ کیونکہ وہ صرف تمہاری بے ہوشی کی حالت میں ہی تمہاری کھوپڑی کھول کر دماغ نکال سکتا ہے۔

عنبر بولا۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اگر میں بے ہوش نہیں ہوں تو اس جادوگر کے باپ کی بھی اتنی جرات نہیں کہ

میرے سر کو زخم تک لگا سکے، لیکن بے ہوشی کی حالت میں مجھ میں اور ایک پتھر میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ جس کو توڑا جا سکتا ہے۔

میں تو مر نہیں سکتا نہ یہ جادوگر مجھے مار سکتا ہے مگر بے ہوشی کی حالت میں یہ میرے جسم کے ٹکڑے ضرور کر سکتا ہے۔

"اس لیے میں کہہ رہا تھا کہ تم کبھی بے ہوش نہ ہونا۔ خواہ یہ جادوگر ایڑی چوٹی کا زور لگائے"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں کبھی بے ہوش نہیں ہوں گا۔ اگر کہیں اس وقت سلامبو آ جاتی تو ہم اس سارے غار کو تہہ و بالا کر سکتے تھے۔ مگر خیر خدا مالک ہے۔ ہم حق پر ہیں۔ اس جادوگر کو ضرور ختم کر کے رہیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ ایک بدروح ہے۔ یہ صرف جہنم کی آگ میں گرنے سے ہی جل کر راکھ ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس بدروح کے لیے جہنم کی آگ کا جلانا بہت ضروری ہے"۔

عنبر بولا۔

"اگر ہم اس سارے غار کو کسی طرح سے آگ لگا دیں تو یقین کرو یہ جہنم کی آگ ہی ہو گی"۔

ناگ نے کہا۔

میں سانپ ہوں اور ہمیشہ سے زمین کے اندر رہنے والا کیڑا ہوں۔ مجھے زمین کے اندر سے بڑی واقفیت ہے۔ میں کئی روز سے اس غار میں ایک ایسی بو سونگھ رہا ہوں جو ایک ایسے پہاڑ سے اٹھا کرتی ہے جس کے اندر لاوا اچھلنے والا ہو۔

مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ یہ پہاڑ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اور اس کے اندر کھولتا ہوا لاوا کسی وقت بھی پھوٹ کر باہر آ سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تمہارا اندازہ درست ہے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں صرف لاوے کی

کھولتی اور پگھلتی ہوئی آگ ہی ایک ایسی شے ہے جس میں جل کر اس جادوگر کی بد روح بھسم ہو سکتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ماریا سے جا کر ملنا چاہیے۔ تا کہ ہم کوئی ترکیب سوچ کر جتنی جلدی ہو سکے اس آتش فشاں پہاڑ کے جہنمی پیٹ سے باہر نکل سکیں"۔

"ہاں ہاں تم جاؤ۔ میں اسی کوٹھڑی میں تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن اس حبشی غلام کا کیا ہو گا؟ اسے تو ہوش آئے گا تو وہ شور مچا دے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"بے شک شور مچا دے۔ اس کے شور مچانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اب میں آزاد ہو چکا ہوں اور یہ جادوگر مجھے دوبارہ قید نہیں کر سکتا"۔

عنبر نے کہا۔

"بہت اچھا۔ اب تم جاؤ اور ماریا کو جا کر اطلاع کرو کہ ہم یہاں سے نکل بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔

"بہت اچھا"۔

یہ کہہ کر ناگ دوبارہ سانپ کی شکل میں آ کر وہاں سے نکل گیا۔

وہ غار کے اندر چکر لگانے لگا۔ اسے کوئی ایسا راستہ نہیں مل رہا تھا جو اس کوٹھڑی کی طرف جاتا ہو جہاں ماریا قید تھی۔

وہ دیوار کے اوپر سے ہو کر رینگتا تو کبھی چھت پر رینگنے لگتا۔

دوسری طرف جادوگر کے دل میں خیال آیا کہ سب سے پہلے چل کر ناگ کو دیکھنا چاہیے کہ خون اس کے اندر کتنا ہے۔

کیوں کہ جادوگر نے سب سے پہلے ناگ ہی کا خون نکالنا تھا۔ جادوگر کالا راپنے جادو کے غار سے نکل کر سیدھا ناگ کی کوٹھڑی میں آ گیا۔

یہاں آ کر اس کی آنکھیں دہشت سے کھل

گئیں۔ اس نے دیکھا فرش پر حبشی غلام مردہ پڑا ہے۔ اس کے گلے پر ایسا نشان ہے جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دیا ہو۔

جادوگر نے غلام کو زور سے ایک ٹھوکر ماری اور باہر نکل گیا۔ اس نے سارے غار میں شور مچا دیا۔ اس کے سارے کے سارے غلام اور کنیزیں اپنی اپنی کوٹھڑیوں سے باہر نکل آئیں۔

انہوں نے مل کر ناگ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر ناگ انسان کی شکل میں وہاں ہوتا تو انہیں ملتا۔ وہ تو سانپ کی شکل میں غار کی چھت کے ساتھ ساتھ رینگ رہا تھا۔

ناگ کا گم ہو جانا جادوگر کے لیے بہت بڑا نقصان تھا، کیونکہ اب اسے ایسا آدمی کہیں قسمت سے ہی مل سکتا تھا جو آدمی نہ ہو بلکہ ایک سانپ ہو اور انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہو۔

لیکن جادوگر نے سوچا کہ آخر اس غار سے نکل کر ناگ کہاں جائے گا؟

اسے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ناگ کرنا چاہے تو وہی پلٹ کر انسان سے سانپ بھی بن سکتا ہے۔

جوالا مکھی پھٹ گیا

جادوگر نے ماریا اور عنبر کی کوٹھڑیوں کے باہر پہرہ سخت کر دیا۔

سانپ پھر بھی کسی کو نہیں ملا تھا۔ اب وہ ماریا کی کوٹھڑی کے قریب قریب آ گیا تھا۔

ماریا کو اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ اگر ہے تو وہ ضرور اس کوٹھڑی میں آئے گا۔ ناگ کا قید سے فرار ہو جانا ایک اچھا شگون تھا۔

ماریا ناگ کا انتظار کر رہی تھی۔ مصیبت یہ تھی کہ کوٹھڑی کے باہر حبشی غلام پہرہ دے رہے تھے۔ یہ غلام بار بار کوٹھڑی کو دیکھتے اور پھر جب اسے اندر کچھ بھی نظر نہ آتا تو بڑے حیران ہوتے۔ ایک غلام نے دوسرے سے کہا۔

”کیوں یار! ہم کس کے لیے پہرہ دے رہے ہیں؟ اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کوٹھڑی خالی پڑی ہے“۔

دوسرے غلام نے کہا۔

”خاموش رہو! جادوگر آقا نے کہا ہے، اندر ایک

"ایسی عورت قید ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی"۔

پہلے غلام نے پوچھا۔

"یار! اگر وہ باہر نکل گئی تو ہمیں کیسے دکھائی دے گی؟"۔

دوسرے نے کہا۔

"بند دروازے سے وہ نہیں نکل سکتی۔ وہ غائب ہے تو کیا ہوا۔ ہاں اگر ہم نے سلاخوں والا دروازہ کھول دیا تو وہ ایک دم سے نکل جائے گا اور ہم اسے دیکھ بھی نہ سکیں گے"۔

یہ سن کر پہلا غلام اور زیادہ ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا مگر صاف لگتا تھا کہ وہ

اندر سے ڈر رہا ہے کہ جانے کوٹھڑی میں کون جن بھوت بند ہے۔

ادھر سانپ اس کوٹھڑی کے آس پاس آ گیا تھا۔ وہ چھت پر خاموشی سے رینگتا ہوا کوٹھڑی کے سامنے آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی خالی ہے مگر باہر پہرہ لگا ہے اور دو حبشی غلام نیزے ہاتھوں میں لیے پہرہ دے رہے ہیں۔

سانپ سمجھ گیا کہ ماریا اسی کوٹھڑی میں بند ہے۔ وہ رینگتا رینگتا دونوں حبشی غلاموں کے سروں کے اوپر آ گیا۔ اب اس نے سوچا کہ ان حبشیوں کو کس طرح سے حملہ کرے کہ ایکدم سے دونوں قابو میں آ جائیں۔

کیونکہ یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر سانپ ایک غلام پر حملہ کرے تو دوسرا نیزہ مار کر سانپ کو ہلاک کر دے۔

سانپ چپکے سے چھت کے ساتھ کونے میں لگا رہا۔

ایک دم سے سانپ کے دماغ میں ایک بات آئی، وہ تو سانپ کے علاوہ شیر اور ہاتھی کے روپ میں بھی آ سکتا ہے۔

تو پھر کیوں نہ وہ شیر بن کر ان دونوں غلاموں پر حملہ کر دے۔ اگر وہ شیر بن گیا تو اس میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ وہ ایک وقت میں دونوں غلام کو یا ہلاک کر دے یا انہیں اتنا خوف زدہ کر دے کہ وہ ڈر کر وہاں سے بھاگ جائیں۔

سانپ خاموشی سے دیوار پر سے ہو کر نیچے اتر آیا۔ وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

فرش پر آتے ہی سانپ نے اپنا پھن اوپر اٹھایا اور زور سے پھنکار ماری اور شیر کا خیال دل میں کیا۔ پھنکار کی آواز سن کر دونوں غلام چونکے۔

شیر نے دھاڑ ماری اور ایک غلام پر حملہ کر دیا۔ وہ گر پڑا۔ شیر دوسرے کی طرف آیا دونوں غلام چیختے چلاتے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

اب میدان صاف تھا۔ شیر نے زور سے پنجہ مار کر کوٹھڑی کا تالا توڑ دیا۔ شیر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور پھر سے انسان کے روپ میں آ کر ماریا سے بولا۔

"ماریا۔ تم کہاں ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ بھائی! میں تمہارے پاس کھڑی ہوں"۔

ناگ بولا۔

"جلدی سے یہاں سے باہر نکل چلو۔ میں ایک بار پھر سانپ کی جون میں آ رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ اب تمہیں جادوگر تلاش نہیں کر سکے گا"۔

ماریا کو لے کر سانپ باہر آ گیا۔ ناگ ایک بار پھر سانپ کی شکل میں سامنے آ گیا تھا۔ وہ ماریا کو لے کر وہاں سے واپس بھاگا اور عنبر کی کوٹھڑی کے باہر آ گیا۔

یہاں بھی دو غلام پہرہ دے رہے تھے۔ شیر کی دھاڑ سن کر ان کے بھی ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ ابھی سنبھل ہی رہے تھے کہ سانپ نے ایک کو ڈس دیا۔ وہ گرا تو دوسرے غلام کا نیزہ چھین کر ماریا نے اس کے سینے میں گھونپ دیا۔

وہ گر کر تڑپنے لگا۔ ماریا نے وہی نیزہ تالے میں پھنسا کر زور لگایا تو تالا ٹوٹ گیا۔

سانپ اور ماریا! عنبر کی کوٹھڑی میں آ گئے۔

"عنبر بھائی! جلدی سے باہر نکل آؤ"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو ماریا بہن! اب میں آزاد ہوں۔ اب

جادوگر کی بد روح کا باپ بھی اگر آ جائے تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

تینوں بہن بھائی وہاں سے نکل کر ایک طرف کو بھاگے۔

تینوں بہن بھائی وہاں سے نکل کر ایک طرف کو بھاگے۔

مشکل یہ تھی کہ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ باہر کو راستہ کون سا جاتا ہے۔ وہ یونہی غار میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے کہ سامنے سے جادوگر کالا راپے بہت سے غلام کے ساتھ ان کے سامنے آ گیا۔

"خبردار! اگر ایک قدم آگے بڑھانے کی کوشش

کی نہیں تو تم دونوں کو اسی جگہ جلا کر بھسم کر دوں گا"۔

جادوگر نے ماریا اور عنبر کو تو دیکھ لیا تھا مگر سانپ کو نہیں دیکھا تھا۔ سانپ جلدی سے دیوار پر سے ہو کر اوپر چھت پر چڑھ گیا تھا۔

کیونکہ وہ جادوگر کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا، اس نے یہی بہتر سمجھا کہ چپکے سے چھت کے ساتھ لگ جائے۔

عنبر نے ہنس کر جادوگر سے کہا۔

"اے بدبخت جادوگر! میری بات کو غور سے سن! جب تک میں بے ہوش اور قید تھا تو مجھے بہت نقصان پہنچا سکتا تھا۔ مگر اب نہ تو میں بے ہوش ہوں اور نہ میں

قید میں ہوں اب تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور تو ماریا کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

جادوگر نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"میں تمہیں زندہ زمین کے اندر دفن کر دوں گا جہاں تم نہ مرو گے اور نہ باہر آ سکو گے"۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا نیزہ اٹھا کر زور سے زمین پر مارا۔ جس جگہ اس نے نیزہ مارا وہاں ایک گہرا کھڈ بن گیا تھا۔

پھر جادوگر نے نیزے کا اشارہ عنبر کی طرف کیا۔ نیزے میں سے شعائیں نکل نکل کر عنبر پر پڑنے لگیں۔

ان شعاؤں میں یہ تاثیر تھی کہ انسان کو کھینچ کر گڑھے میں گرا دیں مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ ان شعاؤں نے عنبر پر بھی کوئی اثر نہ کیا، وہ اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔

اب عنبر نے کہا۔

"ہوشیار ہو جا جادوگر کالار! اب میں تم پر وار کرنے والا ہوں، تم میں اگر طاقت ہے تو میرے وار کا مقابلہ کر"۔

یہ کہہ کر عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر جادوگر کی طرف پھینکا۔ جادوگر جلدی سے نیچے ہو گیا۔ پتھر دو غلاموں سے ٹکرایا ان سے ٹکراتے ہی پتھر میں

آگ لگ گئی اور دیکھتے دیکھتے دونوں غلام شعلوں کی لپیٹ میں آ کر بری طرح جلنے لگے۔

انہوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

باقی غلاموں نے ان پر پانی پھینکا۔ پانی پھینکنے سے آگ اور بھڑک اٹھی۔ جادوگر نے غلاموں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے جیب میں سے ایک مٹھی بھر ماش کی دال نکالی اور عنبر پر پھینک دی۔

ماش کی دال کے دانے گولیوں کی طرح آئے اور عنبر کے سینے سے پار ہو کر نکل گئے۔ عنبر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ سینے میں سوراخ ہو جانے سے اسی وقت مر جاتا مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔

اب عنبر نے بھی تھیلے میں سے ایک سیب باہر نکالا اور اس پر کچھ پڑھ کر غلاموں پر پھینک دیا۔

سیب ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ اور سب غلام جلنے لگے۔ غار میں ایک کہرام مچ گیا۔ غلام چیخیں مار مار کر جلتے بجھتے ایک طرف کو بھاگ اٹھے۔ اب غار میں آمنے سامنے صرف عنبر اور جادوگر رہ گئے تھے۔

عنبر کی ایک طرف ماریا کھڑی تھی۔ جادوگر نے جب اپنے لشکر کا یہ حشر دیکھا تو وہ گھبرا گیا۔ وہ چونکہ ایک بدروح تھا، اس لیے اس نے تمام زمین پر موجود بدروحوں سے مدد چاہی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر

بلند آواز میں کہا۔

"اے زمین کی بد روحو! میری مدد کو آؤ۔ میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں"۔

اسی وقت غار میں اتنی زور سے چیخیں بلند ہوئیں کہ ماریا ڈر کر عنبر کے ساتھ لگ گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ غار میں چاروں طرف سے بدروحوں نے حملہ کر دیا ہے۔

ان میں ہر بد روح کے سر پر سینگ تھے اور منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ ساری کی ساری بدروحیں دوزخ کے بھڑکتے شعلوں سے نکل کر آ رہی ہیں۔

ناگ بھی چھت کے ساتھ لگا ایک بار تو گھبرایا۔

مگر عنبر بالکل نہیں گھبرایا تھا۔ وہ غار میں بدروحوں کے بیچ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جادوگر نے بدروحوں سے کہا۔

"یہ شخص جو غار میں کھڑا ہے ہمارا دشمن ہے۔ یہ ہمیں زمین سے مٹانا چاہتا ہے۔ اسے ختم کرو"۔

بدروحوں نے چیخیں ماریں اور عنبر پر حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ہاتھوں کو اوپر کیا اور عنبر پر تیر، تلوار اور نیزے، برچھیاں اور کلہاڑیاں عنبر کو آ کر لگتے رہے اور اپنے آپ اس کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گرتے رہے۔

عنبر نے ماریا سے کہہ یا تھا کہ وہ اس کے پیچھے ہو کر کھڑی ہو جائے۔ کیونکہ اس کو تیر لگ سکتا تھا۔ ماریا بے چاری سچ مچ گھبرا گئی تھی۔

وہ عنبر کے پیچھے لگ کر کھڑی تھی اور خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ اس لیے کہ اس نے ایسی خوفناک لڑائی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ عنبر نے اب بدروحوں پر جوابی حملہ کیا۔

اس نے زمین پر سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اسے سر کے اوپر سے لا کر روحوں کے طرف اچھال دیا۔

مٹی ایک بادل بن کر روحوں کے سروں پر چھا گئی۔

پھر اس بال میں سے سیاہ رنگ کا دھواں نکال جس نے روحوں کے ارد گرد ایک دیوار کھڑی کر دی۔ روحوں نے اس دیوار کے اندر بند ہونے پر چیخنا شروع کر دیا۔

ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ ان کا دم گھٹ گیا ہے۔ وہ جادوگر کو برا بھلا کہنے لگیں کہ اس نے ان کو بلا کر مروا دیا۔ جادوگر نے اپنے گلے میں سے پٹکا نکال کر عنبر کی طرف پھینکا۔

پٹکے نے دیوار کے ساتھ ٹکرا کر دیوار کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر وہ پٹکا ایک شیر بن کر گرجا۔

لیکن عنبر اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔ شیر نے اسے آ کر ایک پنجہ مارا۔ عنبر نے شیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اچھالا۔

شیر نیچے گرا تو عنبر نے اس کے سینے پر ایک ٹانگ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ شیر کی غضب ناک دھاڑ گونجی اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر نے وہ شیر اٹھا کر جادوگر کی طرف پھینکا۔ شیر کی کھال ہوا میں ہی الگ ہو گئی اور وہ پتھر کی چٹان بن کر جادوگر سے ٹکرائی۔ مگر جادوگر ہٹ کر پرے ہو گیا۔

ناگ نے سانپ کی شکل میں چھت کے ساتھ لگے لگے ہی محسوس کیا کہ زمین کے اندر ہلکی ہلکی لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ اس نے وہیں سے سیٹی بجا کر عنبر کو اشارہ کیا کہ غار میں خطرہ بڑھ گیا ہے۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! میرے ساتھ ساتھ چلنا۔ میں باہر نکل رہا ہوں۔ ناگ بھی باہر آ رہا ہے"۔

اب عنبر نے جادوگر اور بدروحوں کے ساتھ مقابلہ کرتے کرتے غار کی ایک دیوار کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔

یہ دیوار ایک طرف گھوم گئی تھی۔ عنبر جب موڑ مڑنے لگا تو بدروحوں اور جادوگر نے چیخ مار کر اس کا پیچھا کیا۔

عنبر نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر ان کی طرف پھینکا۔ وہ پتھر راستے میں دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ بد روحیں اور جادوگر اس پتھر سے ٹکراتے رہے مگر وہ اس دیوار کو نہ گرا سکے۔

عنبر نے ماریا اور سانپ سے کہا۔

"یہاں سے بھاگ چلو۔"

ناگ نے کہا۔

"اس غار میں کوئی بہت بڑا زلزلہ آنے والا ہے۔ یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے باہر نکل چلو۔"

ناگ، عنبر اور ماریا۔۔۔ غار میں سے باہر کو بھاگے انہیں ایک جگہ ہلکی ہلکی روشنی نظر آئی۔ وہ اس

روشنی کی طرف لپکے۔

یہ ایک سوراخ تھا جو پہاڑ کے دامن میں وادی کی جانب جا نکلتا تھا۔ وادی میں آ کر انہوں نے نہر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

نہر پر آ کر انہوں نے پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ نہر کے پار جا کر وہ چٹانوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور غار والے آسیبی پہاڑ کو دیکھنے لگے۔

پہاڑ کی طرف سے گھوں گھوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ پہاڑ آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔

پھر ایک ایسا خوفناک دھماکا ہوا کہ ان کے نیچے

سے زمین ہل گئی۔ اب جو انہوں نے دیکھا تو سامنے آسیبی پہاڑ پھٹ گیا تھا اور لاوا پگھل کر غار میں جا رہا تھا۔

ساری غار کھولتے ہوئے گرم گرم لاوے سے بھر گئی۔ انہوں نے بدروحوں کی آخری چیخیں سنی۔ اس کے بعد وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ صرف کسی وقت کھولتے ہوئے لاوے کی بڑ بڑ سنائی دے جاتی تھی۔

جادو سمیت تمام بدروحیں فنا ہو چکی تھیں۔

لاش غائب

ساری تباہی ایک پل کے اندر اندر ہو چکی تھی۔

نہر سے نکل کر عنبر، ماریا اور ناگ نے سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں ایک بہت بڑی مصیبت سے نکال دیا۔

اب وہ وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم تو جہاز میں سوتے میں ہی غائب کر کے یہاں پہنچا دیئے گئے تھے۔ تم وہاں جہاز پر تھیں تم بھی ہماری تلاش میں وہاں سے نکل آئیں۔ یہ بتاؤ کہ پیچھے جہاز والا خزانہ کہاں ہے؟"۔

ماریا نے کہا

"خزانے کو میں جہاز میں چھوڑ کر نہیں آ سکتی تھی۔ میں نے اس دریا کے کنارے ایک بہت بڑے گنجان درخت کے نیچے دفن کر کے اوپر ایک خفیہ نشانی رکھ دی ہے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"تمہیں کسی نے وہاں خزانہ دباتے ہوئے دیکھا

تو نہیں تھا"۔

ماریا بولی۔

"وہاں اس وقت نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔ چاروں طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ کوئی آدمی دور دور تک نہیں تھا"۔

"پھر تو ٹھیک ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر بھی ہمیں جتنی جلدی ہو سکے واپس پہنچ کر اپنے خزانے اور جہاز پر قبضہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ بھی خطرہ ہے کہ ڈاکٹر ہمارے جہاز ہی کو واڑا کر تہ لے جائیں"۔

ناگ نے کہا۔

"جہاز جہاں کھڑا ہے، وہ دریا یہاں سے تین دن اور تین راتوں کے سفر پر ہے۔ ہم پیدل تو وہاں تک نہیں جا سکتے۔ اس وقت ہمارے پاس گھوڑے بھی نہیں ہیں۔ سب سے قریبی شہر اراگوس میں جا کر ہم گھوڑے حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"اراگواس میں ہم سمارا کے گھر جا کر اس کے خاوند ابن خلیل سے گھوڑے لے سکتے ہیں۔ وہ امیر تاجر ہے اور اس کی ڈیوڑھی میں گھوڑے بندھے رہتے

ہیں"۔

عنبر بولا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ سمارا کے گھر تک کیسے پہنچیں گے"۔

میرا خیال ہے کہ وہ بھی یہاں سے دور کچھ نہیں تو ایک رات اور ایک دن کے سفر پر ہوگا"۔

ماریا نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد ہی یہاں پہنچی تھی"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر اب ہم کس طرح سے سمارا کے گھر تک

پہنچیں گے؟"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں یہاں کسی گاؤں میں چل کر گھوڑوں کا بندوبست کرنا چاہیے۔ کیوں عنبر کیا خیال ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہاں قریب کوئی گاؤں ہو۔ مجھے تو یہاں دور دور تک کچھ بھی نظر نہیں آتا"۔

ماریا بولی۔

"بھائیو! کچھ بھی ہو۔ ہمیں کم از کم اس وقت تو

یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کوئی خبر نہیں کہ کوئی اور مصیبت ہمیں نہ گھیر لے"۔

"ہاں یہ تو ٹھیک خیال ہے"۔

تینوں بہن بھائی آسیبی پہاڑ کو تباہی اور بربادی کی حالت میں چھوڑ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت شام وادی میں چھانا شروع ہو گئی۔

سفر ایک رات اور ایک پورے دن کا تھا۔ اور وہ پیدل تھے۔ راستہ دشوار گزار تھا۔ زمین پر جگہ جگہ پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ماریا بے چاری کے پاؤں درد کرنے لگے۔ ایک مدت سے اسے

پیدل چلنے کی مشق نہیں رہی تھی۔

اس نے کہا۔

"بھائی عنبر! میں تو تھک گئی ہوں۔ میرے تو پاؤں درد کرنے لگے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"ماریا بہن! کسی طرح سے تکلیف کر کے تھوڑی دور تک اور چلی چلو۔ ہوسکتا ہے اس پہاڑی کے دوسری طرف کوئی گاؤں مل جائے اور ہمیں وہاں رات بسر کرنے کی سہولت میسر آ جائے"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن بھائی! ہم رات بسر کر کے کیا کریں

گے۔ ہمیں رات نہیں بسر کرنی بلکہ کہیں سے سواری کے لیے کوئی چھکڑا یا گھوڑے حاصل کرنے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"میاں جی! یہاں جادو کے زور سے تو میں آپ لوگوں کے لیے گھوڑے پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر آپ کچھ دور پیدل چلیں تو ہو سکتا ہے کوئی گاؤں مل جائے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں نے تو یہاں کوئی گاؤں نہیں دیکھا"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کوئی نہ کوئی، کہیں نہ کہیں

گاؤں ضرور مل جائے گا"۔

"ہاں کوشش ضرور کرنی چاہیے"۔

اور وہ آگے چل پڑے۔ شام غروب ہو گئی۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف وادی میں پھیل گیا۔ سیاہ پہاڑ بھوتوں کی طرح دکھائی دینے لگے۔

انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر کچے راستے پر سفر پر روانہ ہو گئے۔

راستہ دشوار قسم کا تھا۔

وہاں درخت بہت کم تھے۔ بڑے بڑے پتھر جگہ جگہ راستے میں پڑے تھے۔ اور اندھیرے میں چلنے میں بڑی مشکل ہو رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس جگہ آرام کر لیا جائے۔ رات گزر جائے تو صبح دن کی روشنی میں یہاں سے چلیں گے۔ اندھیرے میں راستہ دکھائی نہیں دے رہا"۔

عنبر نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی ہے۔ ویسے ہمارے پاس اگر گھوڑے بھی ہوتے تو ہمیں راستہ تلاش کرنے اور چلنے میں یہی دشواری ہوتی اس لیے میری تو رائے ہے کہ ہم چلتے چلے جاتے ہیں"۔

ناگ بولا۔

"اگر ماریا آگے نہیں چل سکتی تو ہمیں اس کے آرام کی خاطر اسی جگہ کہیں رک جانا چاہیے"۔

انہیں قریب ہی سے کسی چشمے کے بہنے کی آواز سنائی دی۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں۔ آواز تو صاف سنائی دے رہی ہے"۔

"میرا خیال ہے اگر چشمہ قریب ہی بہہ رہا ہے تو پھر یہاں کوئی نہ کوئی گاؤں ضرور ہوگا۔ چل کر دیکھتے ہیں"۔

وہ تینوں جس طرف سے پانی کے بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس طرف چل پڑے۔ یہ آواز پہاڑی کی پرلی جانب نیچے سے آرہی تھی۔

رات کے اندھیرے میں وہ آگے بڑھتے پھونک پھونک کر قدم رکھتے پہاڑی کی دوسری جانب آ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک کچا مکان دیکھا جس کی کھڑکی میں سے دیئے کی ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔

اس مکان کے پاس ہی پتھروں میں چشمہ بہہ رہا تھا۔ جس کا پانی بڑے زور سے پتھروں سے ٹکرا کر نیچے وادی کی طرف بھاگ رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"یہ مکان کس کا ہو سکتا ہے"۔

"میرا خیال ہے، سوائے کسان کے اور کس کا

مکان ہو سکتا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"اس کے اندر روشنی بھی ہو رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں اس مکان کے مالک سے اجازت لے کر رات وہیں بسر کرنی چاہیے"۔

"بڑا اچھا خیال ہے"۔

وہ چشمے کے بڑے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھتے مکان کے باہر آ گئے۔

اس مکان کا دروازہ پتھروں کا تھا جس میں ایک پٹ لکڑی کا لگا ہوا تھا۔ کھڑکی اوپر کر کے بنی تھی جس

میں سے دھیمی دھیمی روشنی باہر آ رہی تھی۔

انہوں نے کھڑکی میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر وہ زمین سے کافی اونچی تھی۔ وہ بالکل روشندان معلوم ہو رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ میں چاہتا ہوں کہ دروازے پر دستک دینے سے پہلے تم اوپر جا کر کھڑکی میں سے جھانک کر اندر دیکھو کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ اور یہاں کون رہتا ہے"۔

"ٹھیک ہے عنبر بھائی۔ ابھی معلوم کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر ناگ نے سانپ کی شکل اختیار کی اور

دیوار پر رینگتا ہوا اوپر کھڑکی پر پہنچ گیا۔ وہ کھڑکی میں سے اندر کی جانب آ گیا اور اندر جھانک کر واپس زمین پر آ گیا اور دوبارہ انسانی شکل میں آ کر بولا۔

"عنبر بھائی! اندر تو زمین پر ایک لڑکی کی لاش پڑی ہے۔ جس کے سرہانے موم بتی جل رہی ہے"۔

"لاش؟"۔

"ہاں لاش"۔

"لڑکی کی لاش ہے"۔ ماریا نے تعجب سے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں ماریا بہن ایک لڑکی کی لاش ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر تو بڑا ضروری ہو گیا ہے کہ اندر چل کر معلوم کیا جائے کہ یہ کس کی لاش ہے اور کس نے اس لاش کو یہاں رکھا ہوا ہے؟"۔

عنبر نے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

عنبر نے کہا۔

"دروازہ اندر سے بند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اندر ضرور کوئی موجود ہے"۔

"شی" ناگ نے کہا۔

"کوئی دروازہ کھول رہا ہے"۔

وہ تینوں ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام ڈاکوؤں جیسی شکل والے ہٹے کٹے حبشی نے دروازہ کھولا اور باہر جھانک کر بولا۔

”کون ہے؟“

عنبر ایک دم سامنے آ گیا اور کہنے لگا۔

”بھائی صاحب! ہم دو بھائی ہیں جنگل میں سفر کرتے کرتے ہمیں رات ہو گئی ہے۔ ہم راستہ بھی بھول گئے ہیں۔ کیا ہمیں رات بسر کرنے کو یہاں جگہ مل جائے گی؟“۔

حبشی نے اپنی لال لال آنکھوں سے گھور کر عنبر

اور ناگ کو دیکھا۔ ماریا اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے بھاری آواز میں رعب سے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جاؤ گے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ ہم سمارا سے آئے تھے۔ اور اب شہر اراگوس کی طرف جا رہے ہیں“۔

حبشی نے کہا۔

”ٹھیک ہے اندر آ جاؤ“۔

عمبر اور ناگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ شخص لاش کے ہوتے ہوئے بھی ان کو اندر بلا رہا ہے۔ اسے اتنا بھی خیال نہیں ہے کہ ہم لاش کو دیکھ کر کیا سوچیں گے؟۔

بہرحال اب ان کے سامنے سوائے اندر جانے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

حبشی نے کہا۔

"بھئی تم لوگ جھجک کیوں رہے ہو؟ اندر کیوں نہیں آتے؟ کیا تمہیں رات بسر نہیں کرنی؟"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ اور عمبر ناگ کے ساتھ اندر کوٹھڑی میں آ

گیا۔

ماریا بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ اب اندر جا کر انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی لاش نہیں تھی۔ زمین پر دری بچھی تھی۔ جس پر کھانے کی ایک تھالی رکھی تھی۔ تھالی میں بھنے ہوئے ہرن کا گوشت پڑا تھا معلوم ہوتا تھا کہ حبشی کھانا کھا رہا تھا۔

عمبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ جیسے اس سے پوچھ رہا ہو کہ وہ لاش کہاں ہے جو تم نے کھڑکی میں سے دیکھی تھی اور جس کے سرہانے موم بتی جل رہی تھی؟

ناگ بھی بڑا حیران ہوا، کیونکہ اس نے خود اپنی

آنکھوں سے کوٹھڑی کے فرش پر ایک خوبصورت لڑکی کی لاش دیکھی تھی جس کے سرہانے موم بتی جل رہی تھی۔

اس وقت کوٹھڑی بھی خالی تھی اور حبشی کہیں نہیں تھا۔ وہ حیران تھا کہ لاش کہاں چلی گئی اور یہ حبشی آدمی کہاں سے اندر آگیا؟۔

حبشی نے کہا۔

"تم لوگ میرے ساتھ کھانا کھا سکتے ہو"۔

عنبر بولا۔

"شکریہ! ہمارے پاس تھوڑا بہت کھانا تھا جو ہم نے راستے میں بیٹھ کر کھا لیا ہے۔ ہاں اگر پانی مل

جائے تو ہم شکر گزار ہوں گے بڑی پیاس لگی ہے"۔

حبشی بولا۔

"تم لوگ یہاں بیٹھو۔ میں باہر چشمے سے ابھی پانی لے کر آتا ہوں"۔

حبشی مٹی کا کٹورا پکڑ کر چشمے پر پانی لینے چلا گیا۔ اس کے جانے پر عنبر نے کہا۔

"ناگ! تم تو کہتے تھے کہ اندر کسی لڑکی کی لاش رکھی ہے۔ جس کے سرہانے موم بتی جل رہی ہے۔ مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے؟ کہاں ہے وہ لاش؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں

سے لاش دیکھی ہے۔ لاش ایک بڑی ہی نازک اور حسین لڑکی کی تھی۔ جس کے سیاہ بال اس کے جسم پر پڑے تھے اور اس کے سرہانے کی جانب موم بتی جل رہی تھی"۔

ماریا نے کہا۔

"مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ زمین پر صرف ایک دری بچھی ہے اور یہ درمیان میں گوشت کی تھالی پڑی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھائی! ضرور تمہاری آنکھوں کو دھوکا ہوا ہے"۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی! میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں مجھے بھی میری آنکھوں نے دھوکا نہیں دیا۔ میں سچ کہتا ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے فرش پر لیٹی لڑکی کی لاش دیکھی ہے"۔

عنبر بولا۔

"سوال یہ ہے، وہ کہاں چلی گئی؟"۔

"یہ راز میں نہیں جانتا۔ ضرور یہ شخص کوئی جادوگر ہے۔ جس نے ہمارے آتے ہی لاش غائب کر دی ہے"۔

"کمال ہے بھائی یہ بھی۔ میں اب یہی کہوں گی

کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے"۔

"کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں اسے ہرگز نہیں مانوں گا۔ تم دیکھ لینا۔ لاش ظاہر ہو کر رہے گی"۔

"مگر بھائی کہاں سے ظاہر ہو کر رہے گی۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ حبشی پانی لینے باہر گیا ہے اور کوٹھڑی بالکل خالی ہے۔ یہاں سوائے ہمارے اور کوئی بھی نہیں ہے"۔

ناگ حیرانی سے بولا۔

"زندگی میں پہلی بار میں بھی حیران ہو کر رہ گیا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لاش ابھی ابھی فرش پر

لیٹی ہو۔ اس کے سرہانے موم بتی جل رہی ہو۔ اور پھر ایک دم سے وہ لاش غائب ہو جائے"۔

"اسی بات پر تو ہم حیران ہیں"۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس حبشی نے ضرور لاش کو کسی جگہ چھپا دیا ہے۔ ہمیں ساری کوٹھڑی کی تلاشی لینی چاہیے۔

"مگر بھائی کوٹھڑی کی تلاشی کیا لو گے؟ یہاں تو سوائے یہ سامنے والے تخت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تخت کے نیچے بھی فرش خالی صاف نظر آ رہا ہے۔

اتنے میں حبشی پانی لے کر اندر آ گیا۔

"یہ لو پانی پیو۔ اور تم دونوں بھائی اس کونے میں

سو سکتے ہو۔ تم میں سے اگر کوئی چاہے تو تخت پر بھی سو سکتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں نہیں جناب! تخت پر آپ سوئیں۔ ہم زمین پر ہی رات بسر کر لیں گے"۔

حبشی بولا۔

"نہیں بھائی! تم لوگ سوؤ۔ میں نہیں سوؤں گا۔ میں رات کو جاگ کر دیوتاؤں کی عبادت کیا کرتا ہوں"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا آپ کاہن ہیں بھائی صاحب؟"۔

"کاہن نہیں ہوں میاں۔ میں ایک معمولی کسان ہوں۔ یہاں زمین پر کاشت کرتا ہوں۔ اور اس کوٹھڑی میں رہتا ہوں۔ کبھی کبھی جنگل سے ہرن شکار کر کے لے آتا ہوں اور اس کا گوشت بھون کر کھا جاتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ کب سے یہاں رہ رہے ہیں؟"۔

حبشی نے کہا۔

"کئی سالوں سے رہ رہا ہوں۔ مگر تم لوگ اس قسم کے سوال مجھ سے کیوں کرتے ہو! تم رات بسر کرنے آئے ہو۔ آرام سے رات بسر کرو اور چلے جاؤ۔ اب

سو جاؤ اور مجھ سے زیادہ باتیں کرنے کی کوشش نہ کرو"۔

"معافی چاہتے ہیں"۔

"کوئی بات نہیں۔ تم لوگ یہاں سوؤ میں باہر چٹان کے پاس جا کر دیوتاؤں کی عبادت کروں گا"۔

حبشی اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر چلا گیا۔ عنبر اور ناگ پھر لاش کے بارے میں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ انہیں دال میں کچھ کالا نظر آ رہا تھا۔

لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ تا تھا کہ لاش غائب کہاں ہو گئی۔ اتنا انہیں پتا چل گیا تھا کہ یہ حبشی کوئی جادوگر ہے اور لاش کے سر پر بیٹھ کر کوئی چلہ کر رہا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس نے ان لوگوں کو کوٹھڑی میں آنے کی اجازت دیدی۔

شاید وہ ان کو اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ بہرحال وہ صورتحال سے پریشان تھے۔

خفیہ خنجر

عمبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم تخت پر جا کر سو جاؤ۔ ہم خود ہی معلوم کرلیں گے کہ لاش کا راز کیا ہے۔ اور یہ شخص کون ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی

بیٹھوں گی"۔

عمبر بولا۔

"نہیں ماریا! تم تھکی ہوئی ہو۔ جا کر آرام کرو۔ ہم تمہارے پاس ہی ہیں۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہیں جگا دیں گے"۔

"دل تو نہیں چاہتا۔ لیکن تم کہتے ہو تو سو جاتی ہوں"۔

ماریا تخت پر جا کر آرام کرنے لگی۔ عمبر نے سرگوشی میں ناگ سے کہا۔

"ناگ! تم سانپ کی شکل میں باہر جا کر دیکھو کہ حبشی باہر چٹان کے پاس کیا کر رہا ہے"۔

"بہت اچھا۔ ابھی جا کر پتا کرتا ہوں"۔

ناگ نے اسی وقت سانپ کا روپ بدلا اور کھڑکی میں سے رینگ کر باہر چلا گیا۔

اندر عنبر نے کوٹھڑی کا کونہ کونہ دیکھ لیا۔ اسے لڑکی کی لاش کہیں دکھائی نہ دی۔ وہ خاموشی سے دری پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ناگ جلدی سے رینگتا ہوا اندر آیا اور آتے ہی انسان کی شکل بدل کر بولا۔

"عنبر! بھائی حبشی کہیں نہیں ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابھی ابھی تو وہ یہ کہہ کر گیا ہے کہ وہ چٹان کے پاس بیٹھ کر دیوتاؤں کی عبادت کرے گا"۔

"لیکن چٹان کے پاس کوئی نہیں ہے"۔

"ہو سکتا ہے، وہ نیچے چشمے کے کنارے بیٹھا ہو۔ جا کر وہاں دیکھو"۔

ناگ سانپ بن کر ایک بار پھر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

وہ چٹان کے قریب سے گھاس پر رینگتا ہوا دوسری طرف چشمے کے کنارے آ گیا۔ سفید پانی رات کی خاموشی میں آواز پیدا کر کے اچھل اچھل کر بہہ رہا تھا۔

سانپ نے ادھر ادھر، یہاں وہاں، چاروں طرف گھوم پھر کر حبشی کو تلاش کیا، لیکن وہ کہیں بھی نہیں

تھا۔

اس کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی۔ ناگ واپس چلنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک طرف پتھر کی دیوار سی ہے جس میں ایک سوراخ ہے۔

سانپ دیوار کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھی ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی ہے۔ اس کوٹھڑی کی دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہے جس میں سے ہلکی سی روشنی باہر آ رہی ہے۔

سانپ دیوار پر چڑھ کر اس سوراخ کے پاس آیا۔ اندر وہی لڑکی کی لاش زمین پر پڑی تھی۔ سرہانے ایک موم بتی جل رہی تھی اور حبشی لاش کے پاؤں کی

طرف بیٹھا آنکھیں بند کیے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

سانپ وہاں سے بھاگتا ہوا واپس عنبر کے پاس آیا اور اسے سب کچھ بتا دیا۔

عنبر نے کہا۔

”میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں“۔

عنبر کوٹھڑی میں سے لپک کر باہر نکلا اور بھاگتا ہوا چشمے کی دوسری جانب چھوٹی کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا۔

پھر اس نے پتھروں کو جوڑ کر اس پر پاؤں رکھے اور سوراخ میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔

اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عنبر نے نیچے اتر کر کہا۔

"ناگی! اندر تو سوائے اندھیرے کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یا تمہاری عقل ماری گئی ہے"۔

سانپ چکر کھا گیا۔ کہنے لگا۔

"عنبر بھائی! مجھ سے میرے ماں باپ کی قسم لے لو، میں نے اپنی آنکھوں سے اس لڑکی کی لاش کو اندر زمین پر لیٹے اور حبشی کو اس کے پاؤں کی طرف بیٹھ کر منتر پڑھتے دیکھا ہے۔ اس کے سرہانے وہی موم بتی جل رہی تھی"۔

"مگر اندر تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جا کر اپنی آنکھوں سے ایک بار پھر دیکھ لو"۔

سانپ جلدی سے دیوار پر چڑھ کر سوراخ میں جھانکنے لگا۔ اس وقت اندر واقعی کچھ نہیں تھا۔ کوٹھڑی میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

نہ لاش تھی نہ موم بتی جل رہی تھی اور نہ حبشی بیٹھا منتر پڑھ رہا تھا۔ ناگ نیچے آ گیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"اب بتاؤ۔ تم نے کیا دیکھا اندر؟"۔

سانپ نے کہا۔

"سچ سچ اب اندر کچھ بھی نہیں ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر اندر کچھ بھی ہے تو پھر یہ حبشی کہاں چلا گیا؟ واپس کوٹھڑی میں چلو۔ کہیں ماریا کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ حبشی مجھے کوئی بڑا خطرناک جادوگر لگتا ہے"۔

عنبر اور ناگ بھاگ کر واپس اپنی کوٹھڑی میں آئے۔ عنبر اور ناگ ماریا کو تخت پر سوتے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

انہوں نے تخت پر جا کر سرہانے کی طرف سے ماریا کے جسم کو چھونے کی کوشش کی۔ عنبر کا ہاتھ ماریا کے سر پر اور ناگ کا ہاتھ ماریا کی گردن سے ٹکرایا۔

ماریا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کون بدتمیز ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم ہیں ماریا بہن! کوئی بات نہیں۔ سو رہو"۔

ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں اب میں نہیں سوؤں گی۔ مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ حبشی کہاں چلا گیا ہے؟"۔

عنبر اور ناگ نے حبشی کے بارے میں لاش کی تازہ صورتحال اسے بتائی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی"۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو ناگ بھائی۔

"ہاں بہن ماریا! مجھے سچ کہنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ

ہمارے قبیلے میں اگر کوئی جھوٹ بولے تو دیوتا اس سے بدلہ اس طرح سے لیتے ہیں کہ اسے زندہ آگ میں ڈال دیا جاتا ہے"۔

ناگ کے اتنا کہنے پر ماریا اور زیادہ حیران ہوئی۔ اس نے کہا۔

"میں بھی چل کر دیکھتی ہوں"۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں ماریا۔ ہمیں اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پھر کسی خطرناک جال میں پھنس جائیں۔

"ہمیں بڑی احتیاط اور سمجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔ تم آرام کرو۔ ناگ تم بھی سو جاؤ۔ صبح اٹھ کر پتا کریں گے کہ یہ کون سا راز ہے؟"۔

ماریا اور ناگ سو گئے۔ عنبر بھی دری پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں اسے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

اس نے بھی جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ سو رہا ہے۔

ناگ سچ مچ سو گیا تھا۔ ماریا بھی سو گئی تھی۔ ان دونوں کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز کوٹھڑی میں گونج رہی تھی۔

عنبر نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا۔ حبشی دبے

پاؤں چلتا کوٹھڑی میں داخل ہوا۔

اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر تھے۔ عنبر کو حیران ہوا کہ یہ شخص چھپ چھپ کر اندر کیوں آ رہا ہے؟ حبشی ایک پل کے لیے کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا رہا۔ اور سونے والوں کو تک رہا تھا۔

پھر وہ دبے دبے عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کانی آنکھ سے دیکھا کہ حبشی ناگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ناگ کے قریب جا کر حبشی نے جھک کر ناگ کے سینے پر سر رکھا اور ایک دم پلٹ کر عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر نے آنکھیں آدھی کھول رکھی تھیں اور وہ بے سدھ

ہو کر سونے کا بہانہ کر رہا تھا۔

حبشی قدم قدم چل کر عنبر کے قریب آیا۔ اس نے یہاں بھی سر جھکا کر عنبر کے سینے پر ایک کان آگے کر کے کچھ سنا اور پھر عنبر کے پاؤں کی طرف چلا گیا۔ عنبر کانی آنکھ سے اسے دیکھ رہا تھا اور حیران تھا کہ یہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے؟۔

حبشی اب دوبارہ عنبر کے سرہانے کی طرف آ گیا۔ اس نے جھک کر اپنے کان ایک بار پھر عنبر کے سینے سے لگایا۔

جیسے اس کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے اچانک پوری طاقت سے اپنے ہاتھ

میں چھپا ہوا خنجر نکال کر عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے عنبر کا منہ بند کر دیا۔ اس خیال سے کہ چیخ کی آواز دوسرے آدمی کو سنائی دے۔

عنبر تو حیران رہ گیا کہ یہ اس کم بخت نے کیا کیا۔ ادھر حبشی بھی حیران رہ گیا، کیونکہ خنجر عنبر کے سینے میں گھس گیا تھا۔ مگر نہ تو خون نکلا تھا اور نہ عنبر ایک پل کے لیے تڑپا تھا۔

اس کی آنکھ بھی نہیں کھلی تھی۔ حبشی نے ایک بار پھر عنبر کے سینے میں خنجر مارا۔ پھر بھی نہ خون نکلا اور نہ عنبر کی آنکھ کھلی۔ اب حبشی نے بار بار چلانا شروع کر

دیا۔

عنبر نے اچک کر حبشی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حبشی نے ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر عنبر کے ہاتھ نے حبشی کے ہاتھ کو یوں پکڑ رکھا تھا۔ جیسے وہ کسی شکنجے میں آ کر پھنس گیا ہو۔

حبشی کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہاتھ کسی بہت بڑی چٹان کے نیچے آ گیا ہے۔

حبشی نے زور سے عنبر کے سر میں ٹکر ماری۔ عنبر نے ناگ کو آواز دی۔

"ناگ! خبردار ہو جاؤ"۔

ناگ نے اٹھ کر دیکھا کہ حبشی اور عنبر آپس میں

لڑتے ہوئے گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ اس نے پھنکار مار کر اسی وقت سانپ کی جون بدلی اور حبشی کو ڈسنے کے لیے آگے بڑھا۔

عنبر نے زور سے کہا۔

"ناگ! یہ کام نہ کرنا۔ ڈسنا نہیں۔ اس سے بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ اسے زندہ رہنے دو"۔

سانپ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے حبشی کو قابو میں کرنا چاہا مگر وہ تو کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

بڑا ہٹا کٹا اور موٹا تازہ تھا۔ وہ عنبر اور ناگ کی گرفت سے نکل نکل کر بھاگ رہا تھا۔ اس افراتفری اور شور میں ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ساری صورتحال کو سمجھ گئی۔

اس نے فرش پر پڑے ہوئے خنجر کو اٹھایا اور چپکے سے پیچھے سے آ کر حبشی کی گردن پر وار کرنے ہی والی تھی کہ عنبر نے ماریا کا کندھا اپنے کندھے سے لگتا محسوس کر کے کہا۔

"ماریا! اسے مارنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس سے بہت کچھ راز معلوم کرنے ہیں"۔

"مگر بھائی عنبر! یہ تمہیں مار رہا ہے"۔

"یہ مجھے مار نہیں سکتا۔ ابھی اس کا مزاج درست ہو جائے گا"۔

حبشی کوٹھڑی میں ایک ایسی عورت کی آواز سن کر دنگ سا ہو کر رہ گیا جو اسے کوٹھڑی میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر خنجر حبشی کی گردن پر رکھ کر کہا۔

"خبردار! اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں اسی وقت تمہیں ہلاک کر دوں گی۔ میں اس جنگل کا بھوت ہوں اور ان دو بھائیوں کی مدد کو آیا ہوں"۔

حبشی نے ہنس کر کہا۔

"میں تم کو ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گے"۔

"اگر تم بھوت ہو تو میں بھی بھوتوں کی ماں

ہوں"۔

حبشی نے زور سے پھونک ماری۔ اس کے منہ سے ایک زبردست شعلہ نکلا اور اگر ماریا جلدی سے پیچھے نہ بیٹھ جاتی تو وہ ضرور آگ میں بھسم ہو کر رہ جاتی۔

عنبر اور ناگ بھی پرے ہٹ گئے۔ حبشی نے یہ موقع غنیمت جانا اور چھلانگ لگا کر کوٹھڑی کے دروازے میں سے باہر کودا اور جنگل کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

مردہ زندہ

عنبر اور ناگ حبشی کے پیچھے باہر کو بھاگے۔

وادی میں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حبشی جادوگر نہ جانے کہاں جا کر غائب ہو گیا تھا۔ دونوں اسے تلاش کرتے کرتے تھک گئے تو ناگ نے کہا۔

"ہمیں تلاش ترک کر دینی چاہیے۔ ماریا جھونپڑی میں اکیلی ہے۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں

پھنس جائے"۔

وہ واپس کوٹھڑی میں آ گئے۔ ماریا وہاں بیٹھی تھی۔

رات اب ڈھلنی شروع ہو گئی۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے آگے چلنا چاہیے خواہ مخواہ کی مصیبتوں میں پھنسنا کوئی اچھی بات نہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم گھوڑے اب بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیوں ماریا؟ تم پیدل سفر کر سکو گی؟"۔

ماریا بولی۔

"اب میں تازہ دم ہوں۔ میں پیدل چل سکوں گی"۔

کوٹھڑی سے نکل کر انہوں نے جنگل میں سفر شروع کر دیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ انہوں نے کسی لڑکی کے کراہنے کی آواز سنی۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اب نمودار ہونا شروع ہو گئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"یہ کون عورت کراہ رہی ہے؟ معلوم ہوتا ہے جیسے بڑی تکلیف میں ہے"۔

ماریا بولی۔

"چل کر دیکھنا چاہیے آواز ان درختوں کے پیچھے سے آ رہی ہے"۔

ناگ بولا۔

"شی! آہستہ بات کرو۔ تم لوگ اس جگہ بیٹھ کر چھپ جاؤ۔ میں پہلے جا کر معلوم کرتا ہوں کہ قصہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں بھی کوئی خطرناک چال بچھا ہو"۔

ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور گھاس میں سے رینگتا ہوا ان درختوں کی دوسری طرف آ گیا جہاں سے عورت کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

سانپ نے درختوں کے پیچھے سے سر نکالا ہی تھا

کہ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے وہی لڑکی کی لاش گھاس پر پڑی ہے۔ اس کے سرہانے رکھی ہوئی موم بتی بجھ گئی ہے اور وہ آہستہ آہستہ کراہ رہی ہے۔

سانپ بھاگ کر عنبر کے پاس آیا اور انسان کی شکل میں آ کر بولا۔

”جلدی چلو عنبر! وہی لڑکی لیٹی ہے“۔

”لڑکی یا اس کی لاش“۔

دونوں ہی ہیں۔ ”جلدی چلو“۔

عنبر، ناگ اور ماریا بھاگتے ہوئے درختوں کے پار گئے۔ وہاں ایک لمبے کالے بالوں اور بھولے بھالے چہرے والی لڑکی گھاس پر لیٹی کراہ رہی تھی اس کے سرہانے کی موم بتی بجھ چکی تھی۔ عنبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر غور سے دیکھا۔ لڑکی کی آنکھیں بند تھیں۔

عنبر نے انگلیوں سے اس کی آنکھیں کھولیں۔ وہ بالکل سفید ہو رہی تھی۔

لڑکی کا جسم لاش کی طرح ٹھنڈا تھا۔ مگر وہ زندہ تھی۔ عنبر نے اسے آواز دے کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں اسے کون ڈال گیا ہے؟

لڑکی نے اپنے جسم کی پوری طاقت لگا کر کہا۔

”وہ۔۔۔وہ۔۔۔جادو۔۔۔جن۔۔۔بھوت“۔

لڑکی بے ہوش ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

''اس لڑکی پر اس مکار حبشی جادوگر نے جادو کر رکھا تھا۔ اب وہ اس کے اثر سے نکل گئی ہے۔ میرا خیال ہے حبشی جادوگر کا جادو ٹوٹ گیا ہے''۔

ماریا نے کہا۔

''خدا کے لیے اس لڑکی کو بچالو میرے بھائی!''

''ایسا ہی کر رہا ہوں ماریا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ جا کر جلدی سے سرخ گھاس کے پتے توڑ لاؤ''۔

ماریا جلدی سے جنگل میں گئی اور ایک جگہ سے سرخ گھاس کا گچھا توڑ کر لے آئی۔

عنبر نے اس گھاس کو پتھروں سے کچل کر بے ہوش

لڑکی کے ماتھے پر رکھ دیا۔

کچلی ہوئی گھاس کے دو تین قطرے پھسل کر لڑکی کے ہونٹوں پر آ گئے۔ لڑکی نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

''میں کہاں ہوں؟''۔

عنبر نے کہا۔

''تم اپنے بھائیوں کے پاس ہو۔ گھبراؤ نہیں''۔

لڑکی نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ عنبر اور ناگ نے لڑکی کے پاؤں پر مالش شروع کر دی۔ دوپہر کی گرم دھوپ میں لڑکی کی طبیعت بحال ہو گئی۔ عنبر نے اسے جنگلی پھلوں کا رس پلایا۔

لڑکی تندرست ہو کر بیٹھ گئی۔

عنبر نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے بہن اور تم اس جادوگر کے قبضے میں کیسے آگئیں؟"۔

لڑکی نے کہا۔

میرا نام ہیلنا ہے۔ میں ایک رومن تاجر کی بیٹی ہوں جو اداگوس میں رہتا ہے۔ یہ جادوگر ایک عورت کا بھیس بدل کر مجھے میرے گھر سے ورغلا کر یہاں لے آیا۔

اس نے مجھے دس روز بے ہوش رکھا۔ وہ ساری ساری رات میرے سرہانے اور پائنتی کھڑے ہو کر

منتر پڑھتا رہتا۔ وہ مجھ پر کوئی خاص چلہ کر رہا تھا اور چلے کے آخری روز اسے میری گردن کاٹ کر میرا سارا خون پی جانا تھا۔

یہ ایک روز اس نے میرے سرہانے کھڑے ہو کر کہا تھا جسے میں نے بے ہوشی میں بھی سن لیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ آگئے اور میری جان بچ گئی۔

عنبر نے کہا۔

"مگر ہم نے تمہاری جان نہیں بچائی۔ تم تو کوٹھڑی سے غائب ہو گئی تھیں"۔

ہیلنا بولی۔

شاید آپ کو معلوم نہیں کہ جب آپ پر جادوگر

نے جادو کیا تو میں اسی کوٹھڑی میں تھی۔ مگر آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

جادوگر کا جادو ٹوٹ گیا جب اس کا وار آپ پر اثر نہ کر سکا۔ اسی وقت وہ آگ میں جلتا ہوا جنگل میں بھاگا۔ اس نے جادو کے زور سے مجھے بھی یہاں بلا لیا۔ مگر وہ میری آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہو گیا اور اس کے جسم کی راکھ ہوا میں اڑ گئی۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ہیلنا بہن! اگر تم اپنے ماں باپ کے ہاں جانا چاہتی ہو تو ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"ہاں بہن! اتفاق سے ہم بھی اراگوس شہر کی طرف جا رہے ہیں۔"

وہ دن اور شام انہوں نے جنگل میں آرام کیا۔

عنبر نے کہا۔

"اب ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ کہیں سے کسی بیل گاڑی یا گھوڑوں کا انتظام کیا جائے کیونکہ یہ بیمار لڑکی ابھی پیدل سفر نہیں کر سکتی۔"

ناگ بولا۔

"مگر یہاں سواری کہاں سے آئے گی؟"۔

ہیلنا نے کہا۔

"بھائی! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک غار میں جادوگر نے اپنی ایک گاڑی رکھی ہوئی ہے۔ جسے چار گھوڑے چلاتے ہیں۔ ہم وہ گاڑی جا کر لے سکتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا وہ گاڑی ابھی تک کھوہ میں موجود ہو گی؟"۔

"کیوں نہیں؟"۔

"کیا جادوگر کے مر جانے سے وہ جادو کی گاڑی غائب نہیں ہو گئی ہو گی"۔

"میرا خیال ہے وہ جادو کی گاڑی نہیں تھی۔ وہ

ضرور کھوہ میں اسی طرح پڑی ہو گی"۔

"ابھی چل کر دیکھ لیتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

وہ لوگ اس پہاڑ کی طرف چلے جس کے کھوہ میں جادوگر کی گھوڑا گاڑی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر یہ غار سامنے آ گیا۔

کھوہ کے دروازے پر گھاس کاٹ کر ڈال دی گئی تھی۔ جیلنا ناگ اور عنبر کو لے کر غار کی کھوہ میں آ گئی۔

ماریا سے اس کا تعارف نہیں کرایا گیا تھا۔

عنبر نے ماریا سے کہہ دیا تھا کہ جتنی دیر جیلنا ساتھ [illegible] نہ بولے۔

انہیں ڈر تھا کہ جیلنا ڈر جائے گی۔ غار میں داخل ہو کر وہ بائیں طرف کو گھومے تو انہیں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔

عنبر اور ناگ کے چہروں پر رونق آ گئی۔

لڑکی نے کہا۔

''دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ گھوڑا گاڑی غار میں ضرور موجود ہو گی''۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف چار گھوڑے بڑے مزے سے گھاس کھا رہے تھے۔ پاس ہی گاڑی کھڑی تھی۔

عنبر اور ناگ مل کر گھوڑے اور گاڑی کو باہر لے

آئے۔ جنگل میں آ کر انہوں نے گھوڑوں کو گاڑی کے آگے جوتا۔ گاڑی پر سب کو سوار کرایا اور وہ بڑی تیزی سے گاڑی کو لئے ارا گوس شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دن بھر وہ میدانوں اور جنگلوں میں سفر کرتے رہے ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ وہ ارا گوس شہر میں داخل ہو گئے۔

جیلنا انہیں اپنے ساتھ لے کر اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی۔ یہ مکان ایک بڑی سی حویلی میں تھا جس کی ڈیوڑھی پر نوکر پہرے دے رہے تھے۔

جیلنا کی ماں اور باپ نے اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو

دیکھا تو خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہیلنا نے کہا کہ اگر عنبر اور ناگ نہ ہوتے تو وہ جادوگر کے پنجے سے کبھی نہیں چھوٹ سکتی تھی۔

ہیلنا کے باپ اور ماں نے عنبر اور ناگ کا ماتھا چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

وہ رات انہوں نے ہیلنا کے مکان کی چھت پر بڑے مزے سے سو کر گزاری۔ صبح کو انہیں پھر سفر پر چلنا تھا۔

ان کا بادبانی جہاز بہت دور دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ اور خزانہ قریب ہی ایک درخت کی چھاؤں میں دفن ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔

انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ان کا خزانہ اور بادبانی جہاز ڈاکو نہ لوٹ کر لے جائیں، کیونکہ اس سے پہلے ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔

اراگوس شہر سے نکل کر عنبر، ناگ اور ماریا نے بادبانی جہاز والے دریا کی طرف سفر شروع کر دیا۔

☆ کیا عنبر اور ناگ کو خزانہ مل سکا؟ ۔

☆ کیا انہیں جہاز واپس ملا؟ ۔

☆ ہسپانیہ کی پہلی اذان انہوں نے کہاں سنی؟ ۔

☆ یہ سب کچھ ناول کی اگلی یعنی 51 ویں

قسط میں پڑھیے

سرخ روشنی کا راز

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 51)

اے حمید

فہرست

پھانسی کی کوٹھڑی

موت کا تعاقب

پراسرار محل میں

چار لاشیں

جادوگر محل سے فرار

اڑن طشتری

پیارے بچو!

ہم نے آپ کے پسندیدہ سلسلہ وار پر اسرار ناول "موت کا تعاقب" کی پچاسویں قسط کے آخر میں لکھا تھا کہ اگر آپ نے اس سلسلے کو پسند کیا تو یہ کہانی آپ کو آگے بھی سنائی جائے گی۔

ہمیں بڑی خوشی ہے اور ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ پیارے بچوں نے ہماری اس دلچسپ تاریخی اور

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

پراسرار کہانی کو بے حد پسند کیا ہے۔ چنانچہ ہم مہماتی طلسماتی تحیر تاریخی کہانی کا سلسلہ آگے بھی شروع کر رہے ہیں۔

اب کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ جونہی عمبر، ناگ اور ماریا دریا کنارے اپنے جہاز کے پاس پہنچتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاز پر ڈاکوؤں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

عمبر بھیس بدل کر جہاز پر نوکری حاصل کر لیتا ہے۔ مگر وعدے کے مطابق ناگ اور ماریا جہاز پر نہیں پہنچتے اور جہاز روانہ نہیں ہوتا۔

آگے آپ خود پڑھیں۔

پھانسی کی کوٹھڑی

ماریا، ناگ اور عنبر منزلوں پر منزلیں طے کرتے سفر کرتے رہے۔

ان کی منزل وہ دریا تھا جس میں ان کا بادبانی جہاز کھڑا تھا اور جس کے کنارے کھجور کے ایک درخت تلے ماریا نے خزانہ دفن کر رکھا تھا۔

اپنے سفر کے ساتویں روز وہ ایک ایسی جگہ پہنچے

جہاں ریتلے خشک میدانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب سامنے ہری بھری کھیتیاں تھیں جن میں کہیں کہیں کسان ہل چلاتے نظر آتے تھے۔

عنبر نے کہا، معلوم ہوتا ہے، اس ٹیلے کے پیچھے کوئی شہر آباد ہے۔ وہ کھیتوں کھیت چلتے ٹیلے کا چکر کاٹ کر دوسری جانب آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک شہر کی فصیل ہے جس کے اندر مکانوں کی چھتیں اور ممٹیاں نظر آ رہی ہیں۔

تینوں ایک لمبے سفر کی تکان سے چور تھے اور شہر کی کسی سرائے میں آرام کر کے پھر سے تازہ دم ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ وہ شہر کی فصیل کی طرف بڑھے۔ دروازے پہ پہرہ لگا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسافر ظاہر کیا اور تھے بھی وہ مسافر ہی۔

انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ یہ کافی لمبا چوڑا آباد شہر تھا۔ لوگوں کا لباس صاف ستھرا تھا۔ اور ان کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ خوش حال ہیں۔

مکان پختہ ہے۔ امیر آدمیوں کی حویلیوں کے باہر پہریدار کھڑے تھے۔ تاجر لوگ گھوڑوں پر سوار گھوم پھر کر شہر کی منڈی سے مال وغیرہ خرید رہے تھے۔

عورتیں چادروں میں لپٹی آ جا رہی تھیں۔ ایک امیر کی سواری چلی آ رہی تھی۔ حبشی غلاموں نے تخت کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

تخت کے اوپر چاندی کی کرسی تھی جس پر امیر بیٹھا تھا۔ کنیزیں اور غلام آگے آگے ہاتھ باندھے چل رہے تھے۔ ایک جگہ غلام بڑے بڑے پتھر ریڑھوں پر لادے لیے جا رہے تھے۔

سپاہی ان پر چابکیں برسا رہے تھے۔ غلام درد سے تڑپ کر رہ جاتے مگر زبان سے اف تک نہ کرتے۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

”اس شہر کا حاکم کوئی ظالم بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ غلاموں کی زندگی یہاں جانوروں سے بھی بدتر ہے۔“

عنبر نے کہا۔

”میرے خیال میں ہمیں یہاں کے حاکم کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ بس ایک رات گزارنے آئے ہیں۔ ایک رات گزار کر آگے نکل چلیں گے۔“

ماریا ان کے ساتھ ساتھ گھوڑے پر سوار چل رہی تھی۔ لیکن چونکہ وہ غائب تھی اس لیے دیکھنے والے کو اس کا گھوڑا خالی دکھائی دیتا تھا۔

وہ بولی۔

”شام سر پر آ گئی ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کوئی سرائے تلاش کرو عنبر بھائی“۔

ایک جگہ انہیں کچھ اونٹ ایک حویلی کے دروازے کے باہر بیٹھے جگالی کرتے ملے۔ قریب ہی سامان کے بورے پڑے تھے۔

معلوم ہوا کارواں سرائے ہے۔ یہاں عنبر اور ناگ کو ایک کوٹھڑی مل گئی۔ ایک کونے میں ماریا کا بھی بستر لگا دیا گیا۔

انہوں نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ کھانا کھایا اور عنبر ماریا اور ناگ کو کارواں سرائے میں چھوڑ کر خود شہر کی سیر و سیاحت کرنے نکل کھڑا ہوا۔

رات ہو گئی تھی۔ شہر کے مکانوں میں، بازاروں میں اور فصیل کے برجوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں اور شہر کے بیچ میں ایک ٹیلے پر شہر کے بادشاہ کا محل تھا جہاں چاروں میناروں پر مشعلوں کے فانوس جگمگا رہے تھے۔

عنبر سیر کرتے کرتے ایک گلی میں آ گیا۔ یہ ایک تنگ سی گلی تھی۔ مکانوں کی دیواروں پر جنگلی گلاب کی بیلیں چڑھی تھیں۔ ایک مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔

عنبر چلتے چلتے اپنے آپ رک گیا۔ یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے؟

اس نے سوچا۔ گھر کا دروازہ بند تھا۔ ایک کھڑکی میں چھوٹی سی درز تھی جس میں ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔

عنبر نے اس درز میں سے دیکھا کہ اندر کوٹھڑی میں ایک بوڑھی عورت ٹوٹی ہوئی چارپائی پر سر جھکائے بیٹھی سسکیاں بھر کر رو رہی ہے۔ طاق میں دیا جل رہا ہے۔

عنبر کا دل اس بوڑھی عورت کی ہمدردی سے بھر گیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ معلوم کرنا چاہیے، اس عورت کو کیا دکھ ہے۔

عنبر نے دروازے پر دستک دی۔ عورت نے دروازہ کھول کر پوچھا کون ہے؟

عنبر نے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

ماں جی! میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔ اس گلی میں سے گزر رہا تھا کہ آپ کے رونے کی آواز آئی۔ قدم وہیں رک گئے۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کس کے غم میں رو رہی ہیں؟ شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔

بوڑھی عورت کو کوٹھڑی میں لے گئی اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! خدا تمہاری حفاظت کرے لیکن تم میرے غم کو دور نہیں کر سکتے۔ میرا دل جس صدمے سے پاش

پاش ہوا جا رہا ہے، وہ مجھ بوڑھی ماں کو دو کیلیے ہی اٹھانا پڑے گا۔ اب اگر دیوتا بھی چاہیں تو میری مدد نہیں کر سکتا۔"

عنبر نے کہا۔

"ماں جی! نا امید نہ ہوں۔ آپ مجھے بتائیں تو سہی کہ آپ پر کیا مصیبت آن پڑی ہے۔ شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں"۔

بوڑھی عورت نے میلے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھ کر کہا۔

بیٹا! اگر تم مجبور کرتے ہو تو سن لو۔ میرا ایک ہی جوان بیٹا تھا جو میرے بڑھاپے کا سہارا تھا۔ اس شہر

کے ظالم حاکم کی سواری ایک بار بازار میں سے گزر رہی تھی۔ میرے بیٹے نے اپنا سر اس کے آگے نہ جھکایا۔

حاکم نے طیش میں آ کر اسے گرفتار کرا دیا اور حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ آج رات پچھلے پہر میرے آنکھ کے تارے، میرے جگر کے ٹکڑے خماش کی گردن اڑا دی جائے گی اور میں کچھ نہ کر سکوں گی۔

اتنا کہہ کر بوڑھی عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کی دردبھری کہانی سن کر عنبر کا دل بھر آیا۔ اس

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

نے اسی وقت اس کے بیٹے کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ماں جی! یہ بتائیں کہ آپ کا بیٹا کس جگہ قید ہے؟"۔

بوڑھی عورت نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا کہ شاہی محل کے قید خانے میں کسی جگہ ہے۔

عنبر نے کہا۔

"ماں جی! فکر نہ کریں۔ آپ کا بیٹا صبح آپ کے قدموں میں زندہ لے آؤں گا"۔

ایک بار تو غم زدہ ماں نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا لیکن پھر سر جھکا کر رونے لگی۔

"میرے دل کو جھوٹی تسلیاں نہ دو بیٹا! اب میں

نے اپنے بیٹے کی موت کو قبول کر لیا ہے۔ میری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کا کٹا ہوا سر دیکھوں"۔

بوڑھی عورت کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ عنبر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ماں! جیسا میں کہتا ہوں، ویسے ہی کرو۔ تم اسی وقت شہر سے نکل کر ٹیلے کے پیچھے آخری کھیت میں چٹان کے پاس میرا اور اپنے بیٹے حماش کا انتظار کرو۔ میں اسے لے کر تمہارے پاس آدھی رات کے بعد کسی بھی وقت پہنچ جاؤں گا۔

اٹھو! جلدی کرو۔ میری باتوں پر یقین کرو۔ میں

جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ میں خدا کے حکم سے تمہارے بچے کو موت کے منہ سے نکال کر تمہارے پاس لے آؤں گا۔ پھر تم راتوں رات اس علاقے سے دور نکل جانا۔

عنبر جو کچھ کہہ رہا تھا، بوڑھی عورت کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ پھر بھی اس پر عنبر کی باتوں کا اثر ہو گیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

عنبر نے اسے اپنا گھوڑا دیا۔

بوڑھی گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں شہر کے دروازے کی جانب چل دی۔ عنبر وہاں سے سیدھا کارروان سرائے میں آ گیا۔

ناگ اور ماریا کو بوڑھی عورت کی دکھ بھری کہانی سنا کر میں اس عورت کی مدد کرنے شاہی محل جا رہا ہوں۔ آدھی رات کے بعد لوٹوں گا۔

ناگ نے کہا۔

تم اکیلے وہاں جا کر کیا کرو گے۔ ایسا کرتے ہیں۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں اور ماریا جا کر اس مظلوم کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ماریا غائب ہو گی اور میں سانپ کا روپ بدل لوں گا۔

پھر ہمیں کوئی دیکھ نہ سکے گا اور ہم بڑی آسانی سے اس نوجوان کو چھڑا لائیں گے۔

یہ بات عنبر کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے ماریا اور ناگ کو شاہی محل کی طرف بھجواتے ہوئے کہا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

"ثماش کو شہر سے باہر ٹیلے کے عقبی کھیت میں
چٹان کے پاس اس کی بوڑھی ماں کے حوالے کر کے
آنا۔ اور انہیں تاکید کرنا کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں
سے فرار ہو جائیں"۔

"فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہو گا۔ تم کارواں سرائے
میں ہی ہمارا انتظار کرنا"۔

ناگ اور ماریا اتنا کہہ کر کارواں سرائے سے نکل
کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں گھوڑوں
پر سوار نہ ہوئے بلکہ اپنے گھوڑے کارواں سرائے
میں ہی چھوڑ گئے۔

گھوڑے ان کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتے

تھے۔ شہر کے حاکم کا محل وہاں سے تھوڑی ہی دور تھا۔
اب رات خاصی بھیگ چکی تھی۔

سارے شہر میں ہو کا عالم تھا۔ گلیاں بازار
اندھیرے میں ڈوبے تھے۔ کہیں کہیں چوراہوں میں
لیمپ جل رہے تھے اور چوکیدار لٹھ اٹھائے جاگتے رہو
کی آواز لگاتے پھر رہے تھے۔

ماریا غائب تھی وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔
ناگ ایک انسان کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ چل
رہا تھا۔ ایک جگہ چوکیدار نے اسے روک کر پوچھا کہ
وہ یہاں کہاں جا رہا ہے؟

ناگ نے کہا۔

"ہم اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ پردیس سے سفر کر کے اب آئے ہیں اور اپنے گھر جا رہے ہیں"۔

چوکیدار نے تعجب سے کہا۔

"تم تو اکیلے ہو پھر تم ہم کیوں کہہ رہے ہو؟ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"۔

اب ناگ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ ماریا کا بھی ساتھ ذکر کر دیا۔

جلدی سے بولا کہ اصل میں اس کا چچا زاد بھائی بھی ساتھ تھا۔ جس کو وہ اپنے گھر چھوڑ کر آ رہا ہے۔

چوکیدار نے اسے کچھ شک کی نظر سے دیکھا لیکن آگے جانے کی اجازت دے دی۔

اگر وہ ناگ سے یہ پوچھ بیٹھتا کہ اس کا گھر کس محلے میں ہے؟

تو وہ اس کا کبھی جواب نہ دے سکتا۔ بہر حال اسی طرح شہر کے بازاروں میں سے گزرتے وہ رات کی خاموشی میں بادشاہ کے محل کے قریب پہنچ گئے۔

اب انہیں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی، کیونکہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوتا اور پھر قید خانے تک جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ سانپ بن کر اس کے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس طرح سے وہ بھی غائب ہو جائے گا اور دونوں بڑی آسانی سے شاہی

محل میں داخل ہو جائیں گے۔

ماریا نے کہا کہ انہیں یہ اطلاع کہاں سے ملے گی کہ بد نصیب خماش جس کی آج پچھلے پہر گردن اڑائی جانے والی ہے، کس مقام پر قید ہے؟

اس اطلاع کو حاصل کرنے کے لیے اسے انسان کی شکل میں آ کر محل کے کسی شخص سے بات کرنا ضروری ہے۔

''تم فکر نہ کرو۔ ایسا کرتے ہیں کہ محل میں داخل ہو کر میں کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو جاؤں گا اور پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کروں گا''۔

یہ کہہ کر ناگ سانپ کی شکل میں بدل گیا اور ماریا

کے کندھے پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ غائب ہو گیا۔ اب ان دونوں کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ماریا محل کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ بڑا دروازہ بند تھا۔ اس کے دونوں جانب سونے کی دو بڑے فانوس روشن تھے۔ چار سپاہی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔

سوال یہ تھا کہ اس دروازے کے اندر کیسے داخل ہوا جائے؟ ماریا نے سرگوشی میں کندھے پر بیٹھے ہوئے ناگ سے مشورہ کیا۔

ناگ نے کہا۔

''ایسا کرو کہ مجھے محل کے قریب اتار دو۔ میں کسی

طرح سے اندر جا کر دروازہ کھلوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب دروازہ کھلے تو تم فوراً اندر داخل ہو جانا۔ کیونکہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

ماریا نے ناگ کو کندھے سے اتار دیا۔ ناگ ماریا کے کندھے پر بیٹھا تھا تو ماریا کی وجہ سے دکھائی تہ دیتا تھا۔

اب زمین پر آیا تو ظاہر ہو گیا۔ لیکن رات کے اندھیرے نے جلد ہی اسے اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیا۔ ناگ زمین پر رینگتا ہوا شاہی محل کی طرف چل پڑا۔

ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ماریا محل

کے دروازے کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ سانپ ایک جگہ اندھیرا دیکھ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اور رینگتا ہوا محل کی دوسری جانب آ گیا۔

یہاں محل میں کہیں کہیں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ چاق و چوبند پہرے دار گشت کر رہے تھے۔ سانپ دیوار کے ساتھ لگ کر رینگتا ہوا دروازے کی پشت پر آ گیا۔ یہاں ایک ڈیوڑھی تھی جس میں سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

اب سانپ نے چالاکی سے کام لیا دروازہ کے بالکل قریب جا کر اس نے اپنی شکل بدل لی اور ایک نہایت حسین عورت کی صورت میں ظاہر ہو کر زور زور

سے چیخنا شروع کر دیا۔

پکڑو! پکڑو! دروازہ کھولو! دروازہ کھولو!”

ساتھ ہی اس نے زور زور سے دروازے پر ہاتھ مارنے شروع کیے۔ پہرے داروں نے ایک خوبصورت عورت کو چیختے چلاتے دیکھا تو اس کی طرف لپکے۔

ناگ عورت کی شکل میں چلائے جا رہا تھا۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور ڈیوڑھی میں لے آئے۔ اس کی چیخ و پکار کا یہ اثر ہوا کہ دروازے کی دوسری جانب سپاہیوں نے گھبرا کر کہ اندر کون چیخ و پکار کر رہا ہے، دروازے کی چھوٹی کھڑکی کھول دی کہ اندر جا کر

دیکھیں معاملہ کیا ہے۔

ماریا تو باہر اسی انتظار میں کھڑی تھی۔ جونہی کھڑکی کھلی، ماریا جھٹ سے محل کے اندر ہو گئی۔ اندر آ کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک حسین و جمیل عورت سپاہیوں کی قید میں ہے۔

ماریا تو باہر اسی انتظار میں کھڑی تھی۔ جونہی کھڑکی کھلی، ماریا جھٹ سے محل کے اندر ہو گئی۔ اندر آ کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک حسین و جمیل عورت سپاہیوں کی قید میں ہے۔ اور سپاہی اس سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ کون ہے اور محل میں کیسے آ گئی اور کیوں شور مچا رہی تھی؟۔

ماریا نے پہلے تو ناگ کو بالکل نہ پہچانا۔ پھر جب

اس نے اس عورت کی آنکھوں کو دیکھا تو سمجھ گئی کہ یہ تو ناگ ہے جو عورت کے روپ میں ہے۔ وہ اس کے قریب آ کر سرگوشی میں بولی۔

"ناگ جلدی کرو۔ وقت کم ہے"۔

اس کی سرگوشی کی آواز ایک سپاہی نے سن لی۔ اس نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو عورت؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ مجھے پیاس لگی ہے۔ ذرا پانی پلا دو"۔

سپاہی پانی لینے گیا۔ دوسرا سپاہی دیوار کے ساتھ

لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ناگ ایک دم سے اٹھ کر محل کو جانے والی روش پر بھاگا۔

سپاہی شور مچاتے اس کو پکڑنے لپکے۔ جھاڑیوں میں جا کر ناگ عورت کا روپ بدل کر پھر سے سانپ بن کر ماریا کے کندھے پر بیٹھ گیا۔

سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے کہ ابھی عورت وہیں تھی، کہاں چلی گئی۔

وہ جھاڑیوں میں تلاش کرتے رہ گئے۔ اور ماریا ناگ کو لے کر محل کے اندر آ گئی۔ اب مشکل اس قید خانے کو تلاش کرنے کی تھی جہاں بد قسمت بوڑھی عورت کا بیٹا ثمانش قید تھا۔

ماریا نے ناگ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ وقت بہت کم ہے۔ میرے خیال میں ہمیں کوئی ایسا دروازہ تلاش کرنا چاہیے جس کی سیڑھیاں نیچے جاتی ہوں۔ ضرور ادھر ہی کہیں تہہ خانہ بھی ہوگا۔

آخر انہیں ایک دروازہ مل گیا۔ اس کا ایک کواڑ کھلا تھا اور سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو اندھیرے میں تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک اور دروازہ ملا۔

یہ بند تھا۔ ماریا نے اسے دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اندر کونے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ یہ ایک راستہ تھا جو گھوم کر دوسری طرف ایک تہہ خانے کو نکل گیا تھا۔

آخر ماریا اس کوٹھڑی کے پاس پہنچ گئی جہاں ایک نوجوان دیئے کی مدھم روشنی میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں پوری کر رہا تھا۔

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

”میرا خیال ہے، یہی وہ نوجوان خماش ہے جس کو آج قتل کر دیا جائے گا“۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ تاریک غلام گردش میں مشعل کی روشنی ہوئی اور سامنے سے سپاہیوں کا ایک دستہ جیل کے داروغے کے ساتھ وہاں نمودار ہوا۔

انہوں نے کوٹھڑی کھول کر نوجوان کو زنجیر میں

جھگڑا اور ساتھ لے چلے۔ ماریا اور ناگ کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ نوجوان ہے۔

اب اسے ان ظالموں سے بچا کر لے جانا تھا اور لے جانا بھی اس طرح تھا کہ وس کا کوئی پیچھا نہ کرے۔

تاکہ وہ اپنی ماں کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ سکے۔ ماریا اور ناگ بھی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ اس مقام پر آ گئے جہاں ایک جلاد بڑا سا کلہاڑا لیے گردن کاٹنے کو تیار کھڑا تھا۔

ماریا بولی۔

"کچھ کرو ناگ! یہ لوگ تو اس کی گردن کاٹ ڈالیں گے"۔

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ابھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا"۔

وہاں کل چھ سپاہی ایک داروغہ اور ایک جلاد تھا۔ سپاہیوں نے کندھوں پر تلواریں رکھی تھیں۔ کمر پر تیر کمان لگے تھے۔

وہ پہرہ دے رہے تھے۔ داروغے نے بادشاہ کا حکم پڑھ کر سنایا۔ نوجوان خماش کا رنگ زرد تھا۔ جلاد نے آگے بڑھ کر خماش کی گردن پر ہاتھ رکھا تاکہ اسے جھکائے۔

اب وقت بالکل نہیں تھا۔ ناگ نے ایک زوردار

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

پھنکار ماری اور اچانک وہ ایک بہت بڑے اژدہا کی شکل میں وہاں نمودار ہو گیا۔ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

قتل گاہ میں ایکا ایکی اژدہا کو دیکھ کر سپاہیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ داروغہ پیچھے کو ہٹا۔ جلاد کا کلہاڑا وہاں کا وہیں رک گیا۔

ناگ ان لوگوں کو کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے آگ کا شعلہ پچکاری کی طرح منہ سے نکالا اور سب سے پہلے جلاد پر پھینکا۔

جلاد شعلوں میں جل اٹھا۔ اس کے بعد ناگ نے سپاہیوں پر شعلوں کی پچکاری ماری۔ ان سبھوں کو

آگ لگ گئی۔

داروغہ باہر بھاگنے لگا تو ماریا نے اس کی پیٹھ پر لات ماردی۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ناگ نے اسے بھی آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا۔

شعلے اس قدر بھیانک تھے کہ وہ لوگ ایک پل میں جل بھن کر راکھ ہو گئے۔ نوجوان حیرت زدہ یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اب ناگ ایک دم سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے نوجوان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

ہمارے ساتھ جلدی سے بھاگ چلو۔ شہر کے باہر

تمہاری بوڑھی ماں تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں اور تمہاری مدد کو آئے ہیں۔ جلدی کرو اور میرے ساتھ آؤ۔

ناگ اور ماریا اس نوجوان کو لے کر تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ اب مرحلہ شاہی محل سے باہر نکلنے کا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”ماریا! ہم اس نوجوان کو لے کر محل کے دروازے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ میرا خیال ہے میں ایک طرف سے دیوار کو گرا دیتا ہوں“۔

ماریا نے کہا۔

”اس طرح شور ہوگا۔ سپاہی آ جائیں گے“۔

”پھر کیا کریں؟“۔

ناگ نے ایک پل سوچا۔

پھر کہنے لگا۔

”میں نے ایک درخت کو دیکھا ہے جو ایک جگہ دیوار پر جھکا ہوا ہے۔ خماش کو اس درخت پر سے کود کر دوسری طرف جاتا ہوگا“۔

نوجوان خماش کو حیرانی پر حیرانی ہو رہی تھی۔ پہلی حیرانی یہ کہ ایک اژدہا اس کی قتل گاہ میں آ گیا جس نے نہ صرف اس کی جان بچائی بلکہ دیکھتے دیکھتے چھ سات آدمیوں کو بھون کر رکھ دیا۔

اب یہ حیرانی تھی کہ یہ شخص ناگ باتیں کس سے کر رہا تھا؟

کیونکہ ثماش کو ماریا بالکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ناگ نے خماش کی حیرت اس کے چہرے سے پڑھ لی اور بولا۔

’’حیران بعد میں ہوتے رہنا۔ اس وقت بھاگو میرے پیچھے‘‘۔

ناگ نوجوان کو لے کر محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی دور جا کر ایک سنگ مرمر کی بارہ دری کے

پاس گھنا درخت اگا ہوا تھا جس کی شاخیں دیوار پر جھکی ہوئی تھی۔

ناگ نے ثماش سے کہا کہ وہ اس درخت پر چڑھ کر دوسری طرف کود جائے۔ نوجوان ثماش درخت پر چڑھنے لگا۔

ماریا اور ناگ بھی اس کے پیچھے چڑھنے لگے۔

درخت کی ٹہنیاں کافی نیچے تک جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بڑے آرام سے محل کی دوسری جانب چلے گئے۔

ایک جگہ انہیں اصطبل دکھائی دیا جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

ناگ نے اندر جا کر چار گھوڑے کھولے۔ ان پر

زین کسے اور لے کر باہر آ گیا۔

ادھر خماش کی سوگوار ماں اپنے بیٹے کے انتظار میں شہر سے دور کھیتوں کے پاس چٹان کی اوٹ میں بیٹھی گھڑیاں گن رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں اس نے دیکھا کہ اس کا لخت جگر ایک نوجوان کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ بیٹا ماں کے قدموں میں گر پڑا۔

ناگ نے عورت کو بتایا کہ اسے عنبر نے بھجوایا ہے اور اب انہیں چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے بادشاہ کی حکومت سے باہر نکل جائیں۔

عورت نے بچے کو سینے سے لگا لیا اور ناگ کو دعا دی۔ پھر دونوں ماں بیٹا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

ناگ اور ماریا واپس کارروان سرائے کی طرف چل پڑے۔

موت کا تعاقب

عمبر کو یہ خوش خبری سنا دی گئی کہ بوڑھی عورت کو اس کے بیٹے خماش کے ساتھ شہر سے بھگا دیا گیا ہے۔

عمبر بڑا خوش ہوا۔

دوسرا دن انھوں نے سرائے میں سو کر گذار دیا۔

شام کو انھوں نے نئے گھوڑے خریدے۔ ان پر راستے کے لیے خوراک وغیرہ کا ذخیرہ رکھا اور اس شہر سے

روانہ ہو گئے۔

ان کے سامنے ایک جنگل تھا جو درختوں سے بھرا پڑا تھا۔ ناگ جنگل کے راستوں سے واقف تھا۔

چنانچہ آدھی رات تک وہ جنگل میں چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ لیٹ کر سو گئے۔ صبح اٹھے اور پھر سفر جاری کر دیا۔

غرض کہ اس طرح سفر کرتے کرتے وہ ایک روز اس دریا کے پاس پہنچ گئے جس میں ان کا جہاز لنگر انداز تھا۔ وہ دریا کے کنارے کناے اوپر کی اوپر سمت چلنے لگی۔

شام تک چلتے گئے لیکن ان کے جہاز کی صورت

نظر نہیں آئی تھی۔ تھک گئے تو وہیں دریا کے کنارے ڈیرہ جما لیا اور کچھ تھوڑا بہت کھا پی کر سو گئے۔

صبح اٹھے تو دھوپ ان کے سروں پر چمک رہی تھی۔ اور گرمی بڑھ گئی تھی۔ ناگ، ماریا اور عنبر۔۔ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پھر سفر شروع کر دیا۔

دوپہر کے بعد انہیں دور سے اپنے جہاز کے مستول نظر آ گئے۔ عنبر خوشی سے ناگ سے لپٹ گیا۔ ماریا کے بھی پاؤں خوشی سے زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے برسوں کی دربدری کے بعد وہ اپنے وطن پہنچ گئے ہوں۔

ابھی ان کے چہروں پر مسرتوں کے چراغ جل

رہے تھے کہ عنبر نے جہاز کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناگ! غور سے دیکھ رہے ہو جہاز کو۔ تم کو کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی؟"۔

"مثلاً کونسی تبدیلی؟"۔

ماریا نے پوچھا۔

اب جو انہوں نے جہاز کی جانب آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھا تو انہیں محسوس ہوا کہ جہاز کے مستول پر انہوں نے جو سفید جھنڈا چڑھا رکھا تھا اس کی بجائے وہاں ایک سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔

ماریا نے کہا۔

’’میرا خیال ہے ڈاکوؤں نے ہمارے جہاز پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ سیاہ جھنڈا سمندری ڈاکوؤں کی نشانی سمجھا جاتا ہے‘‘۔

عنبر بولا۔

’’اب یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہوگا‘‘۔

’’لیکن کیا ہمارا مل کر ایک ساتھ وہاں جانا ٹھیک ہوگا؟‘‘۔

ناگ کے اس خدشے پر ماریا نے کہا۔

’’جہاز کے قریب تو پہنچیں۔ پھر میں وہاں جا کر ساری خبر لے آؤں گی۔ مجھے تو کوئی دیکھ نہ سکے گا‘‘۔

کچھ دیر بعد وہ جہاز کے قریب پہنچ گئے۔ جہاز کے عرشے پر کچھ اس قسم کے لوگ چل پھر رہے تھے۔ جو شکل سے جرائم پیشہ لگتے ہیں۔

سروں پر رومال بندھے ہیں۔ کانوں میں لوہے کی بالیاں ہیں۔ ماریا نے کہا کہ یہ تو سمندری قزاق ہیں۔

جنہوں نے ہمارے جہاز پر قبضہ کرلیا ہے جہاز کے نچلے حصے کے سوراخوں میں انہیں کچھ ایسی شکلیں باہر دیکھتی نظر آئیں جن پر پریشانی اور مصیبت کے آثار نظر آرہے تھے۔

صاف لگتا تھا کہ یہ لوگ مصیبت زدہ غلام ہیں اور

انہیں گرفتار کر کے کسی دوسری جگہ لے جایا جا رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"معاملہ کچھ مشکوک ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"بہر حال ہمیں جہاز پر پہنچ کر پتا کرنا ہو گا کہ اصل بات کیا ہے۔ اس کے بعد سوچیں گے کہ جہاز کو ان لوگوں سے کیونکر بچایا جائے"۔

عنبر بولا۔

تم دونوں تو بغیر کسی دقت کے جہاز پر سوار ہو سکتے ہو۔ رہ گیا میرا معاملہ تو میں جہاز پر نوکری حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

یوں ہم تینوں جہاز پر سوار ہو جائیں گے۔ اب سوال رہ جاتا ہے کہ جو خزانہ ہم نے کنارے کے جھنڈ میں دفن کیا ہے، اس کا کیا کریں؟۔

ماریا کہنے لگی۔

"ظاہر ہے، وہ ہم ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ جب جہاز کو ان ڈاکوؤں سے پاک کر لیں گے تو واپس اسی جگہ آ کر خزانہ نکال کر چلتے بنیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بہر حال عنبر بھائی! تم جہاز پر نوکری حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہم تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ ہم اوپر جہاز کے

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

ڈیک کے شمالی کونے میں تمہارا انتظار کریں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"اور اگر انہوں نے مجھے نوکر رکھنے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ پھر سوچیں گے کہ اب کیا کریں۔ فی الحال تو تم جہاز کی طرف چلو"۔

عنبر اپنے ساتھیوں سے رخصت ہو کر سیدھا اپنے جہاز کے پاس گیا۔ جہاز کو سیڑھی لگی تھی اور اس پر مزدور بڑے بڑے مٹکے اٹھائے لاد رہے تھے۔

بادبان مستولوں کے ساتھ لپٹے تھے۔ عرشے پر

ایک سیاہ رو حبشی کھڑا مٹکوں کا حساب لکھ رہا تھا۔ کنارے پر ایک کانا موٹا تازہ ہسپانوی ہاتھ میں ہنٹر پکڑے موٹی گردن میں جواہرات کے منکوں کی مالا ڈالے بیٹھا غلاموں کو گالیاں بک رہا تھا۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہی جہاز کا کپتان ہے۔ کیونکہ سارے جہازی اس کے آگے جھک کر اور اسے سلام کر کے اوپر گذر رہے تھے۔

عنبر نے بھی جھک کر سلام کیا اور کہا وہ تیونس کے عرب سوداگر کا بیٹا ہے۔ باپ مر گیا ہے۔ نوکری چاہیے۔

کانے کپتان نے ہنٹر ہوا میں لہرا کر پوچھا۔

"قرض صاف کرلیا کرو گے۔ سوداگر بچے؟"۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

"ضرور صاف کرلوں گا حضور!"

کالے کپتان نے قہقہہ مار کر ہنٹر اس کے پاؤں میں شڑاپ سے مارا اور کہا۔

"تو پھر میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ چلو جہاز کے اوپر مجھے تم جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب میں اپنی بڑی پھوپھی کو جا کر کہہ آؤں کہ مجھے نوکری مل گئی ہے میں جا رہا ہوں۔ کیا اجازت ہے؟"۔

کالے کپتان نے ہنٹر ایک بار پھر زور سے زمین پر مارا۔

"کم بخت! تمہاری پھوپھی کو چور لے جائیں گے؟ جاؤ اپنی پھوپھی کے پاس رہو۔ نوکری کی تمہیں کیا ضرورت ہے"۔

عنبر نے جھٹ لجاجت سے کہا۔

"معاف کرنا جناب! پھر کبھی پھوپھی کا نام نہیں لوں گا"۔

اتنا کہہ کر عنبر جہاز کے اوپر چڑھ گیا۔ اس نے سوچا کہ ذرا ٹھہر کر موقع ملا تو کوئی بہانہ بنا کر جہاز سے اترے گا۔ پیچھے جائے گا اور جھاڑیوں کے پاس ماریا

اور ناگ سے مل لے گا۔

سب سے زیادہ فکر اسے اپنے خزانے کی تھی۔ شام کے وقت فرش صاف کرتے کرتے وہ کسی بہانے نیچے اترا اور چھپتا چھپاتا جہازیوں کے پاس چلا گیا۔

یہاں اس نے ماریا اور ناگ کو آوازیں دیں مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ! یہ لوگ کہاں چلے گئے۔

ابھی تو وہ انہیں یہاں چھوڑ کے گیا تھا اور پھر وہ دونوں بڑی آسانی سے عنبر کو مل سکتے تھے۔ ماریا ویسے ہی غائب رہتی ہے اور ناگ کوئی بھی پرندہ بن کر اس

کے پاس جہاز پر آ سکتا تھا۔

عنبر نے ان دونوں کو کافی تلاش کیا۔ آوازیں دیں۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ناامید ہو کر وہ واپس اپنے جہاز پر آ گیا۔

اب کرنا خدا کا کیا ہوا کہ جس کھجوروں کے جھنڈ میں عنبر، ناگ اور ماریا نے خزانہ دبا رکھا تھا، ٹھیک اسی جگہ پر جہاز والوں نے زمین کھود کو مٹی نکالنی شروع کر دی۔

جہاز میں کانے کپتان کا ایک یار غار تھا جو نجومی تھا۔ اس نے نجوم کا حساب لگا کر کپتان سے کہا کہ کھجوروں کے اس جھنڈ کے نیچے خزانہ دفن ہے۔

بس پھر کیا تھا۔ ٹھیک آدھی رات کو کپتان اپنے چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اور مشعلوں کی روشنی میں انہوں نے زمین کھودنی شروع کر دی۔

عنبر اس وقت جہاز کے عرشے پر لیٹا جاگ رہا تھا۔ اس نے عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر دیکھا کہ کپتان کے آدمی مشعلوں کی روشنی میں زمین کھود رہے تھے۔

بوڑھا نجومی اس کے قریب کھڑا تھا۔ عنبر کا دل دھڑکنے لگا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ خزانہ وہاں سے ابھی نکل آئے گا۔

خزانہ تو انہوں نے وہاں دبا ہی رکھا تھا۔ کاش!

اس وقت ماریا اور ناگ ہوتے تو خزانے کو بچا لیتے۔ وہ خود کیا کرے۔ اس جہاز کو بچائے کہ خزانے کو؟ اور پھر اکیلا وہ کس کس کا مقابلہ کرتا۔

جہاز پر کم از کم ڈیڑھ سو کے قریب طاقتور غنڈے جہازی تھے۔ اس کے پاس کوئی ایسا ہتھیار بھی نہیں تھا کہ جس کی مدد سے وہ ان کو ہلاک کر سکتا۔

آخر کار دل میں یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گیا کہ چلو خزانہ اس جہاز پر ہی آ جائے گا۔ جس وقت وہ جہاز پر قبضہ کرے گا تو خزانہ بھی اپنے آپ اس کے قبضے میں آ جائے گا۔

اس وقت اسے سب سے زیادہ جو خیال پریشان

کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ ناگ اور ماریا کہاں غائب ہو گئے؟۔

جہازی زمین کھود رہے تھے۔ ابھی انہوں نے تھوڑی سی زمین ہی کھودی تھی کہ نیچے سے خزانہ نکل آیا۔ کالے کپتان نے خوشی کا نعرہ لگایا اور آگے بڑھ کر نجومی کا متھا چوم لیا۔

''اس خزانے میں سے تمہیں بھی حصہ ملے گا میرے دوست''۔

خزانے کا صندوق جہاز کے نچلے تہہ خانے میں رکھ دیا گیا۔ عمبر نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ خزانہ کس مقام پر رکھا ہے۔

جہاز کو ابھی وہاں دو چار روز مزید رکنا تھا۔ کیونکہ کچھ اور غلام افریقہ سے آ رہے تھے۔ عمبر ہر روز دریا کے کنارے کی جھاڑیوں میں جا کر ناگ اور ماریا کو آوازیں دیتا لیکن وہ تو جیسے وہاں کبھی بھی نہیں تھے۔ ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر پر سینگ۔

خدا جانے انہیں کون اٹھا کر لے گیا تھا؟ کہ وہ بالکل ہی بے بس ہو گئے۔ ناگ بھی اپنے دشمن پر حملہ نہ کر سکا اور ماریا بھی جو کہ غائب تھی اور کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔

اس کے قابو میں آ گئی عمبر رات کو بھی ڈیک یعنی عرشے پر نکل کر یونہی ادھر ادھر ٹہلنے لگتا۔ اس خیال

سے کہ شاید کہیں ناگ اور ماریا آ گئے ہوں۔ اور اسے آواز دیں! لیکن ان کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔

آخر کار جہاز کی رخصتی کا وقت آ گیا۔ افریقہ سے مزید غلاموں کا ایک گروہ جہاز پر پہنچ گیا۔ اب عنبر کو ان غلاموں کی حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔

یہ جہاز کانے کپتان کا تھا جو غلاموں کی تجارت کرتا تھا اور وقت آنے پر بحری ڈاکو بھی بن جاتا تھا اور سمندر میں اکیلے اکیلے جہاز کے مسافروں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا کرتا تھا۔

یہ ایک بدکردار بدمعاش آدمی تھا جس کے لیے کسی انسان کی گردن اڑا دینا ایسے ہی تھا جیسے گاجر یا

مولی کی گردن قلم کر دی جائے۔ جہاز پر نوکری کے دوسرے ہی دن کانے کپتان کی درندگی کا ثبوت عنبر کو مل گیا۔

ہوا یہ کہ ایک غلام کسی نہ کسی طرح نیچے سے اوپر عرشے پر تازہ ہوا لینے آ گیا۔ اتفاق سے کانا کپتان اس وقت وہیں کھڑا تھا۔

غلاموں کا تہہ خانے سے نکل کر اوپر عرشے پر آنا ایک سنگین جرم تھا۔ اس نے کالے غلام کو اپنے قریب بلایا۔

پھر جہازیوں سے کہا کہ اسے جہاز کے مستول کے ساتھ باندھ دو اور غلام کو باندھ دیا گیا۔ کپتان

نے جیب سے خنجر نکالا اور اس کی نوک غلام کی آنکھوں کے سامنے لا کر کہا۔

''میں تمہاری ایک دکھا رہا ہوں۔ ذرا غور سے دیکھتے رہنا''۔

غلام کو معلوم تھا کہ اس کی موت آ گئی۔ اس نے شدت خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ کپتان نے جلدی سے خنجر کی نوک غلام کی آنکھ میں گھونپ دی۔ ایک فلک شگاف چیخ بلند ہوئی اور غلام کی ایک آنکھ نکل کر فرش پر گر پڑی۔

کانے کپتان نے زور سے قہقہہ لگایا اور جہازیوں سے کہا۔

''ابھی اس کے لیے اتنی سزا ہی کافی ہے۔ لے جاؤ اسے نیچے''۔

بے ہوش غلام کو جہاز اٹھا کر نیچے لے گئے۔ عنبر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ لیکن اس نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وقت آنے پر وہ کانے کپتان سے ایسا ہی بدلہ لے گا۔

چار روز کے بعد جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھل گئے اور جہاز نے دریا میں سیدھے رخ سمندر کی طرف سفر شروع کر دیا۔

عنبر کو اس جہاز کے ایک ایک کمرے، ایک ایک تہہ خانے کا علم تھا، کیونکہ یہ تو اس کا اپنا جہاز تھا اور اس

نے ناگ اور ماریا کے ساتھ مل کر اس جہاز پر کئی سمندروں کا سفر کیا تھا۔

دو روز جہاز دریا میں چلتا رہا۔ تیسرے روز وہ دریا کے ساتھ ہی سمندر میں داخل ہو گیا۔ یہ نیلا سمندر تھا اور عنبر کو اس سمندر کے متعلق پوری معلومات تھیں وہ دن بھر جہاز کے عرشے پر کام کرتا اور رات کو وہیں پڑ کر سو رہتا۔

اس نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جہاز قرطاجنہ جا رہا ہے جہاں ایک دولت مند یہودی تاجر کے ہاتھ یہ سارے غلام اونے پونے بیچ دیے جائیں گے۔

وہ سنگدل یہودی تاجر ان غلاموں سے جانوروں

کی طرح اپنے کھیتوں میں کام لے گا۔ دن میں ایک بار انہیں روکھی سوکھی کھانے کو دے گا اور دن بھر بیلوں کی طرح کام پر لگائے رکھے گا۔

عنبر نے دل میں اس بات کا بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ جہاز پر قبضہ کرتے ہی ان غلاموں کو بھی آزاد کر دے گا۔ جہاز کو نیلے پانیوں والے کھلے سمندر میں سفر کرتے چار روز ہو گئے تھے۔

ماریا اور ناگ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اور اب تو وہ سمندر میں چل کر مل بھی نہیں سکتے تھے۔ اکیلے عنبر کے لیے ڈیڑھ سو ہٹے کٹے جہازیوں کا مقابلہ کر کے جہاز پر قبضہ کرنا کچھ ٹیڑھی کھیر تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عنبر پر موت حرام ہو چکی تھی۔ یعنی اسے سوائے خدا کی ذات کے دنیا کا کوئی انسان نہیں مار سکتا تھا لیکن وہ اکیلا ڈیڑھ سو آدمیوں کے خلاف کب تک تلوار یا نیزہ چلا سکتا تھا اور پھر جہاز میں اس کے پاس ایسا اسلحہ بھی نہیں تھا۔ کہ وہ چھپ کر بیٹھ جائے اور جہازیوں پر تیر چلاتا جائے۔ اور جہازی بھی ایک قطار میں تو اس کے سامنے آنے سے رہے۔

بس ان ہی خیالات میں گم عنبر رات کو جہاز کے عرشے پر لیٹا آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتا رہا۔

جہاز کو ابھی پورا ایک مہینہ سمندر میں سفر کرنا تھا۔

اچانک اسے خیال آیا کہ وہ سلامبو کی روح سے مدد مانگے۔ لیکن سلامبو تو خود اپنے اعمال کا کفارا ادا کرنے کے لیے کسی دور دراز ستارے پر جا چکی تھی۔ پھر کیا کرے؟۔

کیا سلامبو کی تابع روح کو بلائے؟

ایک بار سلامبو کی تابع روح نے آ کر اس کی مشکل میں مدد کی تھی مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے بار بار تنگ نہ کیا جائے۔

آخر عنبر نے سلامبو کی تابع روح کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک رات جب کہ بارش ہو رہی تھی اور آسمان پر

بادل چھائے تھے۔ سارے جہازی جہاز کے نچلے ڈیک میں آرام کر رہے تھے۔

اوپر والا عرشہ بالکل خالی تھا۔ عنبر نے سلامیو کی تابع روح کو بلانے کی کوشش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سلامیو کی تابع روح سامنے آ گئی۔

''تم نے پھر مجھے پریشان کیا ہے۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ مجھے ہرگز ہرگز نہ بلایا جائے۔ لیکن تم باز نہیں آئے''۔

عنبر نے بڑے ادب سے کہا۔

''اے نیک دل روح! میں اپنی اس گستاخی کی تم

سے معافی مانگتا ہوں۔ لیکن میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ میرے خزانے اور جہاز پر ان ڈاکوؤں نے قبضہ کر لیا ہے۔ میں اکیلا ان کے آگے بے بس ہوں۔ میری مدد۔۔۔''

روح نے بات کاٹ کر کہا۔

''صاف صاف بتاؤ کیا چاہتے ہو؟''۔

عنبر نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں اس جہاز اور اپنے خزانے پر پھر سے قبضہ کر لوں''۔

تابع روح نے کہا۔

سنو! جب میں یہاں سے جاؤں گی تو جس جگہ

میں کھڑی ہوں اس جگہ تمہیں ڈیک سفید شتر مرغ کا انڈا ملے گا۔

تم اس انڈے کو لے کر رکھ لینا اور پھر جب تمہیں ضرورت ہو اسے لوگوں کے درمیان پھینک دینا۔ جو کوئی جہاں ہو گا وہیں بے ہوش ہو جائے گا۔

اتنا کہہ کر روح غائب ہو گئی۔ عنبر نے دیکھا کہ جہاں وہ کھڑی تھی، وہاں جہاز کے عرشے پر ایک سفید رنگ کا انڈا پڑا تھا۔

عنبر نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھا اور نیچے آ گیا۔ اب وہ اس انتظار میں رہنے لگا کہ کب سارے جہازی اوپر ڈیک پر ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔

یہ بات مشکل تھی۔ آخر عنبر کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے چپکے سے ڈیک ایک جہازی کے پاس جا کر کہا کپتان ان سب کو اوپر ڈیک پر بلا رہا ہے۔

جہازی اوپر آنا شروع ہو گئے۔ کانا کپتان اس وقت اپنے کیبن میں سو رہا تھا۔ جب عنبر نے دیکھا کہ تقریباً سارے جہازی عرشے پر جمع ہو گئے ہیں تو اس نے جیب سے انڈا نکال کر ان کے درمیان پھینک دیا۔

انڈے میں سے دھواں نکلا جس کی وجہ سے بھی جہازی غش کھا کر گر پڑے۔ عنبر نے ایک ایک جہازی

اٹھا کر سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ وہ آخری اٹھا جہازی سمندر میں پھینک رہا تھا کہ کانے کپتان کے ایک وفادار جہازی نے اسے دیکھ لیا۔ یہ شخص اوپر آنے سے بچ گیا تھا۔

اس نے بھاگ کر کپتان کو جگایا اور اس بھیانک حادثے کی خبر دی۔

کانا کپتان غصے سے پھنکارتا ہوا اوپر آیا۔ اس وقت عنبر آخری جہازی کو سمندر میں پھینک کر ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

کانے کپتان نے تلوار نکال لی اور گرج کر کہا۔

”او بدبخت! تو نے میرے سارے جہازیوں کو

ہلاک کر دیا۔ میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا ایک ایک ملاح کے نام پر تمہارے ایک ایک ہزار ٹکڑے کروں گا“۔

عنبر نے بھی کمر کے ساتھ بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔

کانے کپتان کا وفادار ملاح تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا کہ عنبر کے دو ٹکڑے کر دے۔

عنبر ایک طرف ہٹ گیا۔ ملاح نے پینترا بدل کر حملہ کیا اور تلوار عنبر کے پیٹ میں اتار دی تلوار کی نوک پیٹ سے دوسری جانب نکل گئی۔

عنبر وہیں کھڑا رہا۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ بلکہ پلٹ کر عنبر نے خنجر ملاح کے دل میں گھونپ دیا۔

ملاح چیخ مار کر گرا اور مر گیا۔ عنبر نے خنجر پھینک کر اس کی تلوار ہاتھ میں لے لی۔ کانا کپتان اس کرامت کو حیرانی سے تکتا رہ گیا۔

مگر اپنے جہازیوں کے قتل عام سے اس کے سر پر خون سوار تھا۔ اس نے لپک کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر ایک ماہر شمشیر باز تھا۔ اس نے سوچا کہ کانے کپتان کو ذرا شمشیر زنی کے ہاتھ دکھانے چاہئیں۔

بڑی گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی۔ ایک بار تو کانے کپتان کو بھی نانی یاد آ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کا مقابلہ کسی معمولی آدمی سے نہیں ہے۔

اس کو کیا خبر تھی کہ عنبر کوئی معمولی آدمی ہے بھی نہیں بلکہ ایک فرعون مصر کا شہزادہ بیٹا ہے جس سے اس کا تخت و تاج چھین لیا گیا ہے اور جو پانچ ہزار برس سے زندگی کے صحراؤں میں بھٹک رہا ہے۔

جسے ایک فقیر نے دعا یا بددعا دی تھی کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور جب تک خدا کی مرضی نہیں ہوگی، وہ مر نہیں سکے گا۔

لیکن کانا کپتان بھی بڑا ماہر تلوار زن تھا۔ قسم قسم کے تلوار چلانے والوں سے اس کا پالا پڑ چکا تھا۔ اس نے بھی خوب خوب اپنے کمال دکھائے۔ ایک ایسا وار کیا جو عنبر کے کندھے پر پڑا۔

اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو تلوار کندھے کو چیرتی ہوئی رات تک نکل جاتی۔ اتنا بھرپور وار لیکن وہاں ایسا ہوا کہ تلوار کندھے سے اچٹ کر واپس آ گئی اس نے چیخ کر کہا۔

"تم کون ہو؟"۔

عنبر نے تلوار کانے کپتان کی گردن میں. داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہارا والد صاحب ہوں"۔

تلوار دستے تک کپتان کی گردن میں چلی گئی اور ساری کی ساری دوسری طرف سے نکل آئی۔ عنبر نے زور سے تلوار کھینچ لی۔

خون کا ایک فوارہ اچھل کر نکل آیا۔ لیکن کانا گرا نہیں بلکہ تلوار چلاتا رہا۔ عنبر نے دوسرا وار اس کے سینے پر کیا۔

کانا کپتان پھر بھی ڈٹا رہا آخر عنبر کا ایک اور وار کھا کر گرا اور لڑکھڑاتا ہوا سمندر میں پھسل گیا۔ عنبر نے اس کے وفادار ملاح کی بھی لاش گھسیٹ کر سمندر میں پھینک دی۔

اب وہ جہاز کے عرشے پر تنہا تھا اور ایک طرح سے جہاز کا مالک بن چکا تھا مگر ابھی کانے کپتان کا ساتھی بوڑھا نجومی اور ایک اور ملاح باقی تھا۔

یہ ملاح نیچے قید غلاموں کے پنجرے کے باہر پہرہ

دے رہا تھا۔ بوڑھا نجومی اپنے کیبن میں زائچہ بنا کر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اب وہ کونسی چال چلے کہ عنبر سے اپنی جان بخشی کرائے۔

اس نے سارا ڈرامہ ایک سوراخ میں سے دیکھ لیا تھا۔ عنبر ملاحوں اور کپتان کا کام تمام کر کے نیچے کپتان کے کیبن میں آ گیا۔

اس نے جہاز کے نقشوں پر قبضہ کر لیا۔ ستاروں کا راستہ دکھانے والی رہنما کو جیب میں رکھا۔ کپتان کی ٹوپی سر پر رکھی اور تلوار ہاتھ میں لے کر نجومی کے کمرے میں آ گیا۔

نجومی زائچہ سامنے رکھے کسی گہری سوچ میں گم

تھا۔ عنبر نے اندر آتے ہی زور سے دروازہ بند کیا اور کہا۔

اے ستارہ شناس! تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے تمہارے دوست کپتان کو اس سارے ملاحوں سمیت ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا اور جہاز پر قبضہ کر لیا ہے جو در اصل میرا جہاز ہے۔

اب مجھے یہ بتاؤ کہ کپتان نے وہ خزانہ کہاں رکھا ہے جس پر سوائے میرے اور کسی کا حق نہیں، کیونکہ وہ میرا ہی ہے۔

ستارہ شناس نجومی زائچے کے ذریعے یہ بھی معلوم کر چکا تھا کہ وہ خزانہ اس شخص عنبر کی ملکیت ہے جو

پانچ ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے اور جو فرعون مصر کا بیٹا ہے۔

نجومی عنبر کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور سر جھکا کر ادب سے بولا۔

”شہزادے عنبر! میں آپ کی تعظیم بجالاتا ہوں۔ بے شک آپ مصر کے فرعون کے شہزادے ہیں۔ مجھے میرے زائچے نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ زائچہ ایک آئینہ ہے جس میں ماضی اور آنے والے زمانے کے سارے واقعات کا عکس دکھائی دیتا ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”اچھا اے نجومی! اب جب کہ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں فرعون مصر کا بیٹا ہوں اور پانچ ہزار برس سے زندہ ہوں اور موت کا تعاقب کر رہے ہوں، لیکن موت مجھ سے بھاگ رہی ہے، مجھے بتاؤ کہ خزانہ کہاں ہے؟“۔

نجومی نے کہا۔

”شہزادے! تمہاری امانت خزانہ اسی جہاز کے سب سے نچلے تہہ خانے میں بند ہے، مگر اس کی چابیاں کپتان کے ساتھ ہی سمندر میں چلی گئی ہیں“۔

عنبر بولا۔

”کوئی بات نہیں۔ میں دروازہ توڑ سکتا ہوں“۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

پراسرار محل میں

عنبر نجومی کو ساتھ لے کر جہاز کے تہہ خانے میں آ گیا۔

تہہ خانے کا دروازہ بند تھا اور باہر بڑا مضبوط تالا پڑا تھا۔ عنبر کے سامنے بڑے سے بڑا تالا کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔

اس کے ایک ہی جھٹکے سے تالا ٹوٹ کر نیچے گر

پڑا۔ وہ تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہاں بڑا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ پھٹے ہوئے بادبانوں کے ڈھیر پرانے رسے اور کنڈے وغیرہ ان کے نیچے آخر وہ صندوق عنبر کو نظر آ گیا جس میں خزانہ بند تھا۔

عنبر نے کھول کر دیکھا۔ ہیرے جواہرات جوں کے توں پڑے تھے۔ اس نے صندوق بند کر کے اپنا تالہ لگا دیا۔

تہہ خانے کے دروازے پر بھی اس نے اپنا قفل ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اوپر جہاز کے کپتان کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔

نجومی نے قہوہ بنا کر عنبر کو پیش کیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"یہ جہاز اس وقت کس سمت کو جا رہا ہے؟"۔

نجومی نے کہا۔

"ہم چار ڈگری عرض بلد پر جنوب مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری رفتار اگر یہی رہی اور کوئی طوفان راستے میں نہ آیا تو ہم پچیس روز کے بعد قرطاجنہ کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

تمہیں معلوم ہے کہ میں نے سارے بدمعاش اور قاتل ملاحوں کو کچھ نہیں کہا جو جہاز چلا رہے تھے اور کھانا تیار کرتے ہیں۔

انہیں جا کر سمجھا دو کہ اپنا فرض ہوشیاری سے ادا کرتے جائیں ورنہ ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان کے دوسرے بھائیوں کا ہوا۔

نجومی نے سر جھکا کر کہا۔

"میں ابھی جا کر انہیں خبردار کرتا ہوں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ وہ میرے ساتھ آپ کے غلام ہیں"۔

عنبر بولا۔

"ہاں! ایک بات اور میں صاف بتا دینا چاہتا ہوں۔ میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ قرطاجنہ پہنچتے ہی سارے قیدی غلاموں کو آزاد کر دوں گا۔ کیا تمہیں اس

پر کوئی اعتراض ہے؟"۔

نجومی بولا۔

"شہزادہ سلامت! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہاں ذاتی بات ضرور عرض کروں گا کہ اگر آپ انہیں یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیں تو آپ کو کافی رقم مل جائیگی"۔

عنبر نے ڈانٹ کر کہا۔

"مجھے کسی رقم کی ضرورت نہیں ہے اور پھر ان مظلوم غلاموں کو فروخت کر کے میں گناہ نہیں کمانا چاہتا۔ میرے پاس خزانہ ہی کافی ہے اور یہ بھی میں اس لیے ساتھ رکھ رہا ہوں کہ مجھے کسی نے تحفہ میں دیا

تھا۔ اگر کوئی ایسا وقت آیا تو میں اسے تقسیم کر دوں گا"۔

نجومی خاموش ہو گیا۔ عنبر اسے کیبن میں ہی چھوڑ کر نیچے تہہ خانے میں اس مقام پر آیا۔ جہاں غلام قید تھے۔ قید خانے کے باہر ایک موٹا تازہ ملاح ننگی تلوار کندھے پر رکھے پہرہ دے رہا تھا۔ اندر غلام بھیڑ بکریوں کی طرح بند تھے۔

عنبر نے پہریدار سے کہا۔

"دروازہ کھول دو۔ میں جہاز کا کپتان ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں"۔

موٹے پہرے دار نے تلوار لہرا کر کہا۔

"اے بے جا۔ گھاس کھا گئی ہے؟ بڑا آیا کپتان بن کر ابھی تیری خبر لیتا ہوں"۔

پہرے دار ملاح تلوار چلاتا آگے بڑھا۔ عنبر نے اسے منع کیا کہ آگے مت بڑھو۔ آگے تمہاری موت کھڑی ہے۔ مگر ملاح تو موت کے انتظار میں تھا۔ اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

تلوار سیدھی اس کے پہلو میں ماری۔ عنبر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پہلو کٹ گیا تھا لیکن وہاں تلوار جیسے پتھر سے ٹکرائی اور ملاح کے ہاتھ میں جھنجھنا کر رہ گئی۔

عنبر نے کہا۔

"الو کی دم! تم خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہے

ہو"۔

اتنا کہہ کر اس نے تلوا کے ایک ہی وار سے پہرے دار کا کام تمام کر دیا۔ پھر اس کی کمر سے چابیوں کا گچھا نکال کر دروازہ کھولا اور غلاموں سے کہا۔

میرے بھائیو! میں عنبر ہوں۔ میں نے ظالم کپتان اور جہاز کے سارے سنگدل بدمعاش ملاحوں کو سمندر میں پھینک کر جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔

دراصل یہ میرا ہی جہاز تھا۔ بہر حال آج سے تم لوگ آزاد ہو۔ تم جہاز پر جہاں چاہے آزادی سے چل پھر سکتے ہو اور قرطاجنہ پہنچتے ہی تمہیں آزاد کر دیا

جائے گا۔

یہ سن کر غلاموں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے خوشی سے نعرے لگا کر عنبر کا خیر مقدم کیا۔ سارے غلام جیل کی تنگ کوٹھڑی سے نکل کر اوپر عرشے کی ٹھنڈی ہوا میں آ کر لیٹ گئے۔

انہیں کھانا دیں دیا گیا۔ جہاز میں اتنا راشن پانی تھا کہ وہ بڑی آسانی سے چھ ماہ تک گذر بسر کر سکتے تھے۔ نجومی نے جہاز چلانے والوں کو بھی جا کر یہ خبر کر دیا کہ عنبر نامی ایک شخص نے کپتان اور سارے ملاحوں کو ہلاک کر کے جہاز پر قبضہ کر لیا۔

ملاح ششدر ہو کر رہ گئے۔ نجومی بھی دل میں بڑا

پریشان تھا اور اس کی نیت صاف نہیں تھی۔ وہ عنبر کا دشمن بن چکا تھا، کیونکہ اس نے نجومی کے بہترین دوست اور ساتھی کو مار ڈالا تھا۔

مگر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ عنبر پر کوئی وار اثر نہ کرتا تھا۔ اس نے چاروں ملاحوں سے کہا کہ وہ رات کو آئے گا۔

یہ کہہ کر نجومی چلا گیا۔ عنبر اپنے کیبن میں نقشے پر جھکا اسے غور سے دیکھ رہا تھا نجومی نے اسے بتایا کہ چاروں ملاح اس کے وفادار بن گئے ہیں۔

انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ عنبر شہزادے کے غلام بن کر زندہ رہیں گے۔ اب کیا ہوا کہ آدھی رات

کو نجومی ان چاروں ملاحوں کے پاس پہنچ گیا۔

ان کی خفیہ میٹنگ ہوئی جس میں طے پایا کہ اگر عنبر کو کسی طرح سے سمندر میں اٹھا کر پھینک دیا جائے تو وہ کچھ نہ کر سکے گا۔

نجومی نے کہا۔

”صرف یہی ایک راستہ رہ گیا ہے جس پر چل کر ہم اس جہاز پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ پھر ہم خزانے کے چار حصے کر کے اسے آپس میں بانٹ لیں گے“۔

ایک ملاح نے کہا۔

”لیکن یہ غلام تو سارے کے سارے عنبر کے وفادار ہیں اور اس کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان

کر دیں گے۔ اگر عنبر نے سمندر میں گرتے ہوئے شور مچا دیا تو یہ حبشی غلام ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے“۔

نجومی نے کہا۔

”گھبراتے کیوں ہو؟ اس کا بھی بندوبست کر دیا جائے گا۔ یہاں سے ایک روز کے سفر پر بائیں جانب ایک جزیرہ پڑتا ہے جو آباد ہے میں عنبر کو کسی نہ کسی طرح مجبور کر دوں گا کہ وہ اس جزیرے پر ان غلاموں کو آزاد کر دے۔ پھر جب جزیرے سے جہاز آگے چلے گا تو ہم عنبر کو سمندر میں پھینکنے کے لیے آزاد ہوں گے“۔

ملاح بوڑھے نجومی کی عقل مندی پر عش عش کر

اٹھے۔

"کیا بات ہے! لاجواب ترکیب ہے۔ میں جہاز کی بڑی چرخی میں کوئی جھوٹ موٹ کا نقص پیدا کر دیتا ہوں اور کہہ دوں گا کہ اگر یہ نقص کسی قریبی بندرگاہ پر جا کر درست نہ کیا تو جہاز قرطاجنہ نہ پہنچ سکے گا"۔

نجومی نے ملاح کا سر چوم لیا۔

"کیا ترکیب تمہارے گدھے جیسے دماغ میں آئی ہے۔ ایسا ہی کریں گے"۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دوسرے روز جہاز چلانے والے ملاح نے جہاز کی رفتار کم کر دی۔

عنبر وجہ معلوم کرنے ملاح کے پاس آیا تو دیکھا کہ

وہ چرخی کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔

"کیا بات ہے؟ جہاز کی رفتار کیوں کم کر دی گئی ہے؟"۔

نجومی بھی اس کے ساتھ تھا۔ ملاح نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"کپتان! چرخی میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے جہاز کا رخ بار بار مشرق کی سمت مڑ جاتا ہے۔ اگر یہ نقص دور نہ کیا گیا تو ہمارا جہاز قرطاجنہ کی بجائے ملک چین پہنچ جائے گا"۔

نجومی نے کہا۔

"یہ نقص کیسے دور ہو گا؟ تم اسے ٹھیک نہیں کر

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

سکتے ؟"۔

ملاح بولا۔

"حضور! یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہاں سے تھوڑی دور مغرب کی جانب ایک جزیرے کی بندرگاہ ہے۔

وہاں جہاز ساز موجود ہیں اگر ہم ایک روز کے لیے اس جزیرے میں چلے چلیں تو یہ نقص بہت جلد دور کر دیا جائے گا۔

نجومی نے کہا۔

"شہزادے! ملاح ٹھیک کہتا ہے۔ یہاں سے

ایک روز کے سفر پر ایک بڑا آباد اور بارونق جزیرہ ہے۔ وہاں جہاز سازی کا ایک کارخانہ بھی ہے۔ ہم وہاں بڑی آسانی سے اپنے جہاز کی چرخی کی مرمت بھی کرا سکتے ہیں اور ضرورت کی اشیاء بھی خرید سکتے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کتنی دیر تک یہ کام ہو جائے گا؟"۔

ملاح بولا۔

"حضور! صرف ایک دن کافی ہو گا۔ میں چرخی لے کر کارخانے میں جاؤں گا اور اس میں نیا دھرا ڈھلوا کر واپس آ جاؤں گا۔ پھر ہم بڑی آسانی سے اپنی

منزل تک سفر کر سکیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جہاز کا رخ جزیرے کی بندرگاہ کی طرف موڑ دو"۔

نجومی اور ملاح یہی چاہتے تھے۔ جہاز کا رخ جزیرے کی جانب موڑ دیا گیا۔ شام کے کھانے کے بعد نجومی عنبر کے پاس بیٹھا قہوہ پی رہا تھا کہ اس نے غلاموں کی بات چھیڑ دی اور کہا۔

شہزادے! اب جب کہ ہم بندرگاہ کی طرف جا رہے ہیں تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان حبشی غلاموں کو اسی بندرگاہ پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔

یہاں سے یہ لوگ با آسانی واپس اپنے اپنے ملکوں کو جہازوں پر سوار ہو کر سفر کر سکیں گے۔ اس طرح سے ہماری ذمہ داری بھی ادا ہو جائیگی اور ان کے خواہ مخواہ کے ایک مہینے کے اخراجات سے بھی بچ جائیں گے۔

عنبر نے سوچا کہ نجومی بوڑھے نے بڑی اچھی صلاح دی ہے۔ جب ان غلاموں کو چھوڑنا ہی ہے تو کیوں نہ کسی قریبی بندرگاہ پر چھوڑا جائے۔

بجائے اس کے کہ انہیں دو قرطاجنہ کی بندرگاہ پر جا کر آزاد کیا جائے۔

اس نے کہا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

"تمہارا خیال ٹھیک ہے! غلاموں کو جا کر خوش خبری سنا دو کہ انہیں ایک روز بعد آزاد کر دیا جائے گا"۔

نجومی نے غلاموں کو جا کر جھٹ یہ خوشخبری سنا دی کہ جہاز ایک روز بعد ایک قریبی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گا جہاں انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

اس بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر وہ اپنے وطن کو واپس جا سکیں گے۔ اس خبر نے غلاموں کے گروہ میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔

انہوں نے فلک شگاف نعرے لگائے اور نجومی کی تعریف کے گیت گاتے اور خوشی سے رقص کرنے

لگے۔

بڈھے نجومی کی چال کامیاب رہی تھی۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ اب ذرا ناگ اور ماریا کا بھی حال سنیئے کہ ان کے ساتھ کیا گزری۔

جس وقت انہوں نے عنبر کو جہاز پر ملازم ہونے کے لیے بھیجا، انہیں دور آسمان پر ایک روشنی سی نظر آئی جس کا انہوں نے کوئی خیال نہ کیا۔

عنبر کو گئے کچھ دیر ہو گئی تھی اور انہوں نے عنبر کو جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اسے کپتان نے جہاز پر نوکر رکھ لیا ہے۔

اس کے بعد وہ دونوں جھاڑیوں کے پاس بیٹھ کر

باتیں کرنے اور وقت گزارنے لگے۔ خیال تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہاں سے اڑ کر جہاز پر پہنچ جائیں گے اور پھر اتنی دیر میں عنبر بھی واپس آ جائے گا۔

باتیں کرتے کرتے ان کی نظر مشرق کی جانب گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ روشنی دھوئیں کے ایک گولے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

وہ تعجب خیز نظروں سے اس گولے کو دیکھنے لگے کہ یہ کیا چیز ہے۔ دھوئیں کا گولہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور آسمان سے آہستہ آہستہ نیچے اترتا چلا آ رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”یہ کیا شے ہو سکتی ہے ماریا بہن؟“۔

ماریا بھی حیرانی سے مشرق کی جانب دھوئیں کے مرغولے کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا کہہ سکتی ہوں ناگ! میں نے تو اس سے پہلے کبھی اس قسم کا گولہ نہیں دیکھا“۔

دیکھتے دیکھتے گولہ ان کے سر پر آ گیا اور پھر اس نے ناگ اور ماریا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ان کا دم گھٹنے لگا۔ وہ کھانسنے اور بار بار آنکھیں ملنے لگے۔ اس کے بعد جیسے ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ انہیں ہوش آیا تو دیکھتے ہیں کہ ایک قلعہ نما اونچی اونچی چھت والی عمارت کے فرش پر پڑے ہیں۔

ناگ نے آنکھیں مل کر ادھر ادھر دیکھا۔ لمبے

لمبے خوبصورت ستون چھت تک چلے گئے تھے۔ اس نے آہستہ سے ماریا کو آواز دی۔

”ماریا! میرے ساتھ ہو نا؟“۔

”ہاں ناگ! مگر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ ہم کہاں سے کہاں آ گئے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”جو کچھ بھی ہوا ہے کسی پراسرار ہستی کے ہاتھوں ہوا ہے۔ بہر حال ہمیں ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے“۔

اتنے میں انہیں سخت پیاس لگی۔ وہ دونوں اٹھ کر قلعے کے بڑے ہال کمرے میں آ گئے۔ یہاں انہوں

نے ایک سنگ مرمر کا میز دیکھا جس پر ٹھنڈے اناروں کا سرخ شربت شیشے کے مرتبانوں میں پڑا تھا انہوں نے لپک کر اپنی پیاس بجھائی۔

اس طرح جب انہیں بھوک لگی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کمرے میں کھانے کا سارا سامان لگا ہے۔ رات کو نیند آنے لگی تو ایک شاہی خواب گاہ میں عالیشان بستروں کو بچھے ہوئے پایا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ دونوں بہن بھائی اپنے اپنے پلنگ پر سنہری لحافوں میں لیٹے باتیں کر رہے تھے کہ جانے عنبر کس حال میں ہوگا اور وہ جہاز پر ان کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔

اتنے میں انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شخص بھاری قدموں کے ساتھ ان کی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ماریا اپنے پلنگ پر لیٹی نظر نہیں آتی تھی۔ ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا اور آہستہ سے بولا۔

”تم بالکل خاموش رہنا۔ ہو سکتا ہے، یہاں جو بھی کوئی جادوگر یا کوئی پر اسرار ہستی ہے، اسے تمہارے بارے میں کوئی علم نہ ہو۔ اس طرح تم یہاں سے نکلنے میں بڑی مدد دے سکتی ہو۔“

ماریا ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ اس نے پلنگ پر

لحاف اس طرح اوپر کھینچ لیا جیسے وہ بچھونے کی طرح بچھا ہوا ہے اور پلنگ پر کوئی بھی نہیں لیٹا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد خواب گاہ کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور ماریا اور ناگ کو یہ دیکھ کر حیران سے ہو گئے کہ ان کے سامنے ایک قوی ہیکل دیو قامت انسان کھڑا تھا جس کے سر سے میں ایک سینگ نکل کر اوپر چھت کو چھو رہا تھا۔

اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مجھے خوشی ہے کہ تم میرے محل میں آرام کر رہے ہو، تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔

"آخر مجھے یہاں کس لیے لایا گیا ہے؟"۔

دیو قامت ہنس پڑا۔

"یہ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت تم آرام کرو"۔

یہ کہہ کر دیو قامت باہر نکل گیا۔ ایک بات کا ثبوت صاف صاف مل گیا تھا کہ اس دیو قامت انسان کو ماریا کی موجودگی کا علم نہیں ہے۔

یہ بڑی اچھی بات تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ یہ ہی امید کی ایک کرن تھی۔

ماریا کی مدد سے اپنا بچاؤ کیا جا سکتا تھا اور وہاں سے فرار ہوا جا سکتا تھا۔ دیو قامت انسان چلا گیا تو

ناگ نے سرگوشی میں ماریا سے کہا کہ یہ کیسا جن ہے یا دیو ہے کہ جس کی آنکھ تمہیں نہیں دیکھ سکی؟

ماریا نے کہا۔

"ناگ! جس طاقت کے حکم سے میں غائب ہوئی ہوں اس نے مجھے کہہ دیا تھا کہ تمہیں جن بھوت اور چڑیلیں بھی نہ دیکھ سکیں گی"۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے ماریا! اب خاموش ہی رہنا۔ خدا جانے یہ دیو قامت مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"۔

ماریا کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے، تمہارا ناگ ہو کر پانچ سو سال

زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہی تمہارے آگے آ رہا ہے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"۔

ماریا بولی۔

"مطلب یہ کہ اس کو بھی کسی ہمیشہ کی زندگی یا کسی اور کام کے لیے کسی ایسے سانپ کی ضرورت ہوگی جو انسان کی شکل اختیار کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور وہ تم ہو۔ دیکھ لینا یہی بات ہوگی"۔

ناگ کچھ دیر غور کرنے کے بعد بولا۔

"ماریا! تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے اس دیو

قامت کو بھی اپنے کسی تجربے کی تکمیل کے لیے میری ضرورت پڑ گئی ہے۔ بہر حال دیکھتے ہیں کل کیا ہوتا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"مجھے تو عنبر کی فکر لگی ہے۔ خدا جانے وہ اکیلا کیا سوچتا ہوگا؟ خزانہ وہ اکیلا کیونکر نکال کر جہاز پر لے جائے گا؟"۔

ناگ بولا، مگر اب ہم اس کی تو کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اس وقت تو ہمیں اپنی فکر پڑی ہے۔ اگر ہم اس دیو قامت انسان کے چنگل سے بچ کر نکل گئے تو پھر عنبر کو بھی تلاش کر لیں گے۔

ماریا نے کہا۔

''کیا خیال ہے؟ یہ جن یا دیو قامت انسان جو کچھ بھی ہے، یہ جادوگر بھی تو ضرور ہوگا۔ یعنی جہاں چاہے آگ لگا دے۔ جہاں چاہے سمندر کا پانی لے آئے اس کا ہم کیا علاج کریں گے؟''۔

ناگ نے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ اس کا بھی کوئی نہ کوئی علاج ڈھونڈ نکالیں گے۔ ذرا کل اس سے بات تو ہو جائے''۔

دوسرے روز دو خادمائیں ان کا ناشتہ لے کر آئیں ان میں سے ایک بالکل نوجوان تھی اور دوسری ذرا پکی عمر کی تھی۔

دونوں کے چہروں پر اداسی اور گہری خاموشی تھی جیسے وہ کسی بہت بڑے راز کو اپنے سینے میں دفن کیے ہوئے ہیں۔

اس خادمہ کا نام شورانگا تھا اور اس کا تعلق شمالی سوڈان سے تھا۔ جب وہ ناشتہ رکھ کر جانے لگی تو ناگ نے کہا۔

''بہن شورانگا! تم یہاں کب سے ہو؟''۔

شورانگا نے دوسری نوجوان خادمہ کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ ماریا اور ناگ اس موضوع پر بات کرتے رہے کہ اگر کسی طرح اس خادمہ شورانگا سے کچھ معلومات حاصل ہو جائیں گی تو بڑی اچھی بات

ہوگی۔

شوردگا کو ضرور کسی بات کا علم ہے جسے وہ چھوٹی خادمہ کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ انتظار کرنے لگے کہ شوردگا برتن لینے اکیلی آئی تو اس سے مزید بات کی جائے گی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ شوراگا بالکل اکیلی کمرے میں داخل ہوئی اور چاندی کے تھال میں خالی برتن رکھنے لگی۔

ناگ نے کہا۔

"شوراگا بہن! کیا تم اپنے بھائی کو یہ نہیں بتاؤ گی کہ یہ محل کس کا ہے اور یہ دیو قامت انسان کون ہے"۔

شوردگا نے گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھا۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ یہاں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے"۔

حالانکہ ماریا اس کے بالکل قریب پلنگ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ شوراگا اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ تو یہی سمجھتی تھی، کہ اس کمرے میں یا وہ ہے اور یا پھر ناگ ہے۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

تم نے مجھے بہن کہا ہے جس کی وجہ سے میرے دل میں تمہارے واسطے بھائیوں والا پیار جاگ پڑا ہے ایک مدت ہوئی کہ میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ

گئی ہوں۔

مجھے کبھی کسی نے بھائی نہیں کہا تھا۔ اب تم نے مجھے بھائی کہا ہے تو سنو! یہ دیو قامت انسان ایک بہت بڑا جادوگر ہے۔ ایک عمل الٹ جانے کی وجہ سے اس کے سر پر سینگ نکل آیا اور اس کی شکل کالی سیاہ اور مکروہ ہو گئی۔

اب دنیا کی کوئی طاقت اسے پھر سے اصلی شکل پر نہیں لا سکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی ایسا انسان اسے ملے جو پانچ سو برس تک سانپ رہنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر گیا ہو۔

اس انسان پر یہ کوئی عمل کرے تو پھر جا کر اسے

اپنی اصلی شکل مل سکتی ہے۔

ناگ نے کہا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ عمل کیا ہے؟“۔

شوروگا بولی۔

یہ میں نہیں جانتی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس جادوگر پر دنیا کا کوئی جادو اپنا اثر نہیں کر سکتا۔ تم اگر حقیقت میں ناگ ہو تو اس جادوگر کے شکنجے سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

خواہ تم سانپ بن جاؤ اور خواہ کسی جانور کا روپ بدل لو۔ اگر تم شیر بھی بن گئے تو یہ جادوگر تمہیں بڑی آسانی سے قابو کر کے تہہ خانے میں بند کر دے گا۔

ناگ نے پوچھا۔

"عزیز بہن! آخر اس جادوگر کی بھی تو کوئی کمزوری ہوگی"۔

شوردگا بولی۔

میں نہیں جانتی۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس نے ہسپانیہ کے بادشاہ کی بیٹی ساسونا کو اغوا کر کے اپنے تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے۔

"اس شہزادی ساسونا کے لیے وہ اپنی مکروہ صورت سے نجات حاصل کر کے پھر سے انسانی شکل اختیار کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اس سے شادی۔۔۔"

شوردگا ایک دم سے رک گئی۔ باہر پاؤں کی آواز آ رہی تھی۔ شوردگا نے جلدی سے برتن طشت میں رکھے اور دوسرے کمرے سے باہر نکل گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ دروازہ کھلا اور دیو قامت انسان اندر آ کر کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔

اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے تھے اور سر کا سینگ چھت کو چھو رہا تھا۔ وہ بولا۔

سنو ناگ! میں ایک چلہ کرنے والا ہوں اس کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہیں صرف سوا مہینہ اس محل کے ایک کمرے میں بند رہنا ہوگا۔

تمہارے ارد گرد صبح شام عنبر ولوبان سلگائے

جائیں گے اور میں کچھ منتر پڑھا کروں گا۔ بس! سوا مہینہ گزرنے کے بعد تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ اور جہاں سے تمہیں لایا گیا تھا یا جہاں تم کہو گے، وہیں پر چھوڑ دیا جائے گا۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن آخر مجھے اس عمل کے لیے کیوں چنا گیا؟"۔

دیو قامت انسان ہنس کر بولا۔

اس لیے کہ صرف تم ہی ایک ایسے انسان ہو جو میرے کام آسکتے ہو۔ صرف تم ہی وہ ناگ ہو جو پانچسو برس زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل میں زندہ ہو۔

اگر تم نے میرا کام پورا کر دیا تو میں تمہیں دنیا کی ساری دولت سے مالا مال کر دوں گا۔

اور اگر تم نے میری اس پیش کش کو قبول نہ کیا تو تمہیں ایک ایسے سرد تہہ خانے میں ڈال دیا جائے گا جہاں تم گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے۔ بولو! کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے؟۔

ناگ ذرا موقع شناسی سے کام لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس دیو قامت کو اپنا عمل کرنے والے اور اس دوران بڑے اطمینان کے ساتھ ہسپانیہ کی شہزادی سامونا کو بھی یہاں سے نکال کر فرار ہونے کی تدبیر پر غور کر سکے۔

اسے نہ تو دیو قامت نے ہی بتایا تھا اور نہ شورداگا کو ہی علم تھا کہ دیو قامت جادوگر کا عمل کس قدر سنگین اور خونی شکل اختیار کرے گا۔

حقیقت یہ تھی کہ دیو قامت جادوگر کو پورا سوا مہینہ ناگ کو اس کی مرضی کے مطابق ایک تہہ خانے میں اگر بتی اور عنبر کے دھوئیں میں بند رکھنے کے بعد اسے قتل کر کے اس کے خون سے غسل کرنا تھا۔

یہ آخری بھیانک بات اس نے ناگ کو نہیں بتائی تھی کیونکہ پھر وہ سوا مہینے کے عمل کے لیے بھی اپنی مرضی سے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

چونکہ ناگ ان حقائق سے بے خبر تھا اس لیے وہ تیار ہو گیا۔

اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے اے جادوگر انسان! مجھے تمہاری پیش کش قبول ہے لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم سوا مہینے کے بعد مجھے جہاں میں کہوں گا، وہاں پہنچا دو گے"۔

دیو قامت جادوگر کو اور کیا چاہیے تھا۔ بھلا۔ جھٹ سے حامی بھر لی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"سامری کی قسم کھاؤ"۔

دیو قامت نے کہا۔

"میں سامری کی قسم کھاتا ہوں"۔

جادوگر نے سامری کی قسم جھٹ سے اس لیے کھا لی کہ وہ سامری کا پیروکار نہیں تھا بلکہ افریقہ کا قدیم جادوگر اروشی اس کا گرو تھا۔

اگر ناگ اسے اروشی کی قسم کھانے کو کہتا تو وہ کبھی قسم کھانے پر تیار نہ ہوتا۔ ناگ کو یقین ہو گیا کہ جادوگر اپنے وعدے سے نہیں پھرے گا۔

اس نے کہا کہ وہ نیچے تہہ خانے میں جانے اور اپنے اوپر عمل شروع کروانے پر تیار ہے۔ جادوگر سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ یہ عمل کس لیے کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ اس میں اس کی زندگی اور موت کا معاملہ

درپیش ہے۔

ویسے بھی ناگ کو یقین تھا کہ وہ اسے یونہی نہیں جانے دے گا۔ بہتر یہی تھا، اس کی بات مان لی جائے اور موقع ملتے ہی شہزادی ساموتا کو وہاں سے نکال کر ساتھ لے لیا جائے۔

اسی روز شام کو ناگ کو تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ ماریا بھی چپکے سے اس کے ساتھ ہی نیچے آ گئی۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات تھی کہ اتنا بڑا جادوگر ہونے کے باوجود اس نے ماریا کو نہیں دیکھا تھا۔

چار لاشیں

بحری جہاز عنبر اور غلاموں کو لے کر جزیرے میں پہنچ گیا۔

عنبر نے سارے غلاموں کو وعدے کے مطابق وہاں آزاد کر دیا۔ ملاح چرخی کا ایک پرزہ لے کر جھوٹ موٹ اس کی مرمت کروانے بندرگاہ کے کارخانے میں چلا گیا۔

دوسرے روز پرزہ مرمت ہو کر واپس مل گیا۔ اب جہاز پر سوائے نجومی اور چار ملاحوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ جہاز کے جزیرے پر تین روز قیام کیا گیا۔

کچھ کھانے پینے کی چیزیں حاصل کر کے جہاز میں رکھیں اور چوتھے روز تیسرے پہر بندرگاہ کو خیر باد کہا۔

نجومی اور ملاح بڑے خوش تھے کہ انہوں نے عنبر کو اپنی حکمت عملی کے مطابق جہاز پر بے یار و مددگار کر دیا تھا۔

اب وہ بڑی آسانی سے اسے کسی مناسب موقع پر سمندر میں پھینک کر جہاز اور خزانے پر قبضہ جما سکتے

تھے۔ چنانچہ جہاز جب کھلے سمندر میں نکل آیا تو چاروں ملاح خوشی سے گانے لگے اور رقص کرنے لگے۔

عنبر نے نجومی سے پوچھا۔

"یہ کس بات کی خوشی منا رہے ہیں؟"۔

مکار نجومی کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں سمندر میں پھینک کر تمہارے خزانے پر قبضہ جمانے کی خوشی منا رہے ہیں مگر وہ ایسا کہہ نہیں سکتا تھا۔

داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"صرف اس بات کی خوشی منا رہے ہیں کہ وقتی مدت بعد ایک ظالم بحری ڈاکو سے نجات ملی ہے اور

اپنے اپنے گھر جا رہے ہیں"۔

عنبر نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بہت سے زمانے دیکھے تھے۔ تاریخ کا ہر دور اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرا تھا۔

بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے جہازوں میں وہ شریک ہوا تھا۔ اپنے آپ کو سب سے عظیم شہنشاہ کہلانے والے اس کی آنکھوں کے سامنے مر گئے، وہ زندہ رہا۔

بڑے مکار سازشیوں کو اس نے حکومتوں کے تختے الٹتے دیکھا اور آخر وہ بھی ملک عدم کو سدھارے۔

مکار نجومی کے سامنے کوئی عجیب و غریب انسان نہ تھا اس کی باتوں اور ملاحوں کے بے موقع رقص کرنے کے انداز سے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ وہ اس بات کی تہہ تک جانا چاہتا تھا۔ اس نے ہوشیار رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

کیونکہ غافل رہ کر انسان ویسے بھی بے حد نقصان اٹھاتا ہے۔ انسان کو ہر عالم، ہر حالت میں ہوشیار رہنا چاہیے اور غفلت کو ایک پل کے لیے بھی قریب نہیں پھٹکنے دینا چاہیے۔

جہاز سمندر میں اپنی منزل قرطاجنہ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ابھی سفر بہت باقی تھا۔

ہوا موافق تھی۔ بادبان پھولے ہوئے تھے اور جہاز بڑی یکساں رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔ شام ہو گئی۔ سورج سمندر میں ڈوب گیا رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔

موسم خوشگوار ہو گیا۔ رات کو ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ جہاز میں مشعلیں اور چراغ روشن کر دیے گئے۔ جہاز سائیں سائیں کر رہا تھا۔

اس میں کل چھ آدمی سفر کر رہے تھے۔ یعنی ایک عنبر دوسرا بوڑھا نجومی اور باقی چار ملاح۔ جہاز پر ایک عجیب سناٹا طاری تھا۔

عرشے پر کوئی نہیں تھا۔ عنبر کو بھوک محسوس ہوئی۔

اس نے سوچا کہ باورچی خانے میں چل کر کچھ ابلا ہوا گوشت کھایا جانا چاہیے یہ سوچ کر وہ عرشے کی سیڑھیوں سے اتر کر ایک تنگ راہداری میں آ گیا۔

یہ راستہ ایک نصف دائرے کا چکر کھا کر سیدھا باورچی خانے کو جاتا تھا۔ جب وہ نجومی کے کیبن کے قریب سے گزرا تو اس نے اندر سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آواز سنی۔

اس کے قدم وہیں رک گئے۔ کواڑ اندر سے بند تھے۔ ایک درز میں سے چراغ کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس نے درز میں سے جھانک کر دیکھا۔

بوڑھا نجومی زائچہ کھول کر بیٹھا تھا۔ چاروں ملاح اس پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں نہیں! آج کی رات نہیں۔ کل کی رات بالکل ٹھیک رہے گی۔ آج کا دن ہمیں صبر کرنا ہوگا"۔

عنبر کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ کوٹھڑی کے آگے سے گزر گیا۔ باورچی خانے میں جا کر اس نے ایک تسلے میں سے کچھ ابلا ہوا گوشت اور روٹی لے کر تھالی میں رکھی اور اپنے کیبن میں آ کر آرام سے کھانے اور سوچنے لگا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کسی قسم کی سازش کر رہے ہیں؟۔

ظاہر ہے یہ لوگ اسے ہلاک کرنا چاہتے تھے اور

چونکہ نجومی کو علم تھا کہ عنبر مر نہیں سکتا۔ چنانچہ اگر وہ اسے سمندر میں پھینک دیں تو اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا تھا۔

یہی ایک طریقہ تھا جس پر عمل کر کے وہ عنبر سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ اس کا شک درست ثابت ہوا تھا۔

عنبر ہوشیار ہو گیا وہ ان لوگوں کو ہرگز ہرگز یہ موقع نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اٹھا کر یا دھکا دے کر سمندر میں پھینک دیں۔

کیونکہ ٹھیک ہے، وہ مر نہیں سکتا تھا لیکن اپنے جہاز اور خزانے سے ضرور محروم ہو سکتا تھا۔ اسے اپنے

جہاز اور خزانے کی ضرورت تھی۔

ابھی اس نے ناگ اور ماریا کو بھی تلاش کرنا تھا۔

اگر سمندر میں گرا دیا جاتا تو پھر اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور خدا جانے پھر ناگ اور ماریا سے ساری زندگی ملاقات نہ ہو سکے۔

عنبر نے سوچا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ اس موقع سے انتظار کرے کہ جب ملاح اسے سمندر میں پھینکنے لگیں تو وہ ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دے؟۔

نہیں یہ خطرہ اسے کبھی مول نہیں لینا چاہیے۔ بہتر یہی ہے کہ سر اٹھانے سے پہلے ہی سانپ کا سر کچل کر

رکھ دیا جائے۔ یعنی ان چاروں ملاحوں کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے اگلی دنیا پہنچا دیا جائے۔

اس فیصلے کے بعد عنبر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اب صرف یہی سوچنا باقی رہ گیا تھا کہ ان چاروں ملاحوں کو کیسے ہلاک کیا جائے؟

عنبر ان قاتلوں اور بدمعاشوں سے جتنی جلدی ہو سکے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بوڑھے نجومی سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ اسے نیند کی حالت میں بھی اٹھا کر سمندر میں نہیں پھینک سکتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ نجومی کو اگلی دنیا میں پہنچانے پر تیار تھا۔ ابھی وہ اس کی ضرورت

محسوس نہیں کرتا تھا۔

رات گزر گئی۔ دوسرا دن چڑھ آیا۔ آج ان ملاحوں کے تیور کچھ بدلے بدلے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشاروں سے باتیں کر رہے تھے۔

ان کے خیال اور پروگرام کے مطابق آج عنبر کا جہاز پر آخری دن تھا اور رات کو اسے اٹھا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دینا تھا۔

بوڑھا نجومی بھی عنبر سے کچھ کترایا کترایا سا پھر رہا تھا۔ عنبر نے بھی آج ہی ان بدمعاشوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

رات کا کھانا کھا کر چاروں ملاح جھوٹ موٹ آرام کرنے کے بہانے اپنے اپنے کیبن میں چلے گئے۔

حالانکہ انہوں نے نجومی سے مل کر آج رات کو نصف شب گزرنے کے بعد عنبر کو سمندر میں پھینکنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

عنبر بھی اس موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ چپکے سے اپنے کیبن سے نکل کر بوڑھے نجومی کے کیبن کے پاس آیا۔ کواڑ اندر سے بند تھے۔ ایک لمحے کے لیے وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

پھر آگے چل پڑا۔ اب وہ پہلے ملاح کے کیبن

کے پاس آ کر رک گیا۔ اندر چراغ جل رہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا زور لگا کر کواڑ اندر کو دھکیلا۔ کواڑ کا کنڈا ٹوٹ کر گر پڑا۔

عنبر جلدی سے اندر آ گیا۔؟ اس نے دروازہ بند کر لیا اور جیب سے خنجر نکال کر ملاح سے کہا۔

''ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہارا آخری وقت آ گیا ہے''۔

ملاح جاگ رہا تھا اور سکیم کے مطابق اپنے ساتھیوں کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے جو اپنے سامنے عنبر کو خنجر نکالے کھڑے دیکھا تو ایک دفعہ تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

پھر اس نے بھی سنبھلتے ہوئے دیوار سے تلوار

اتاری اور عمبر کے مقابلے پر آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ عمبر اس کی تلوار کا مقابلہ ایک چھوٹے سے خنجر سے کہاں کر سکے گا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ اس خنجر سے اس کا کام تمام کیا جائے گا اور اس کی لمبی تلوار عمبر کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گی۔

ملاح نے تلوار سونت کر عمبر پر حملہ کر دیا۔ عمبر بڑی خاموشی سے خنجر لے کر آگے بڑھا۔

"تمہاری زندگی کے صرف دو یا زیادہ سے زیادہ تین سیکنڈ باقی رہ گئے ہیں بد بخت! تم مجھے ہلاک کرنے والے تھے۔ اب تمہاری لاش کو مچھلیاں

کھائیں گی"۔

ملاح تو تلوار سے عمبر پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ اور عمبر خنجر لیے بڑے سکون اور خاموشی کے ساتھ ملاح کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے بالکل سامنے سے آ کر بڑے آرام سے ملاح کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر اوپر عرشے پر لایا اور سمندر میں پھینک دیا۔

اب وہ دوسرے ملاح کے کیبن میں آ گیا۔

یہاں دو ملاح آمنے سامنے بیٹھے آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔

عمبر کو دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ آدھی

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

رات کو کہاں سے آ گیا۔ انہیں کچھ شک سا ہوا۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے اٹھ ہی رہے تھے کہ عنبر نے ان پر حملہ کر دیا۔

دونوں کے سر پکڑ کر ایک دوسرے سے اس زور سے ٹکرائے کہ دونوں بے ہوش ہو گئے۔ عنبر نے انہیں کندھوں پر ڈالا اور عرشے پر لا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اب صرف ایک ملاح باقی رہ گیا تھا جو اوپر عرشے کی ایک جانب چرخی پر کھڑا تھا۔

عنبر اس کے پاس گیا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس سے پوچھا کہ نجومی کہاں ہے؟

ملاح کچھ گھبرا سا گیا۔ کہنے لگا۔

"نیچے اپنے کیبن میں ہو گا"۔

عنبر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کیا تم لوگوں نے مجھے سمندر میں پھینکنے کی سازش کر رکھی تھی؟"۔

ملاح ایک دم بول پڑا۔

"یہ سازش میری نہیں نجومی کی تھی۔ سمندر کے دیوتاؤں کی قسم میں بے گناہ ہوں"۔

عنبر اسے کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، کیونکہ سانپ کا بچہ ہمیشہ وقت آنے پر دھوکا دے جاتا ہے اور حملہ کرنے سے باز نہیں رہتا۔

عنبر ملاح پر جھپٹ پڑا اور اس کی گردن دبوچ لی۔ اس وقت عنبر میں اتنی طاقت آ جاتی تھی کہ سات آدمی مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

ملاح کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے چیخ مار کر اپنے ساتھیوں کو بلانے کی کوشش کی مگر اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

عنبر نے اسے اٹھا کر پوری طاقت سے سمندر کی طرف اچھال دیا۔ ملاح جہاز سے کتنی ہی دور سمندر میں جا کر گر پڑا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے جہاز کی چرخی کا رخ منزل کی جانب متعین کر کے زنجیر چڑھا دی اور

نیچے اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گیا۔

اب وہ نجومی کا انتظار کرنے لگا آدھی رات کے بعد جب وہ گھڑی آ گئی جب عنبر کو سمندر میں پھینکنا تھا تو نجومی نے کیبن کا چراغ گل کیا اور پہلے ملاح کے کیبن کے باہر دستک دی۔

لیکن اندر کوئی ہوتا تو جواب بھی دیتا۔ نجومی آہستہ آہستہ آوازیں دینے لگا۔ لیکن جواب میں گہری خاموشی تھی۔

مکار نجومی بڑا حیران ہوا کہ یہ کم بخت کہاں جا کر مر گیا ہے؟ کواڑ کو دھکا دیا تو وہ کھلا تھا۔ اندر گیا تو وہاں کوئی ملاح نہیں تھا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

چراغ جل رہا تھا۔ تخت پر خون کا نشان تھا۔ نجومی کا ماتھا ٹھنکا۔ تیزی سے دوسرے اور پھر تیسرے ملاح کے کیبن میں گیا۔

وہاں خون کے دھبے تو نہیں تھے لیکن ملاحوں کا بھی نام و نشان نہیں تھا۔ نجومی ایک پل وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے؟۔

ضرور عنبر کو سازش کا علم ہو گیا ہے اور اس نے ان تینوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ چوتھا ملاح اوپر جہاز کی چرخی پر ہوتا تھا۔

نجومی دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ چرخی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ چرخی زنجیر کے

ساتھ بندھی ہوئی ہے اور ملاح وہاں سے بھی غائب ہے۔

اب تو اسے سو فیصد یقین ہو گیا کہ عنبر نے ان چاروں کا کام تمام کر دیا ہے۔ پہلے تو گھبرایا۔ پھر حواس پر قابو پا لیا اور خاموشی سے اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گیا۔

اسے خطرہ پڑ گیا تھا کہ عنبر اب اسے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ رات کا باقی سارا حصہ اس نے کروٹیں بدل بدل کر گزارا اور وہ ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکا۔

دن چڑھا۔ ابھی وہ کیبن ہی میں تھا کہ اچانک

دروازہ کھلا اور عنبر اندر داخل ہوا۔ اس نے گہری نظروں سے مکار نجومی کو دیکھا اور پھر اس کے پاس آ کر بولا۔

"اے بد خصلت نجومی! تمہاری سازش مجھ پر بے نقاب ہو چکی ہے اور تمہارے چاروں ساتھی اس وقت سمندر کی لہروں میں مچھلیوں کی خوراک بن رہے ہوں گے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مچھلیاں ان کا ناشتہ کر رہی ہوں گی"۔

نجومی تھر تھر کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مجھے معاف کر دو عنبر! اس سازش میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ یہ سارا کیا دھرا ان ملاحوں کا تھا"۔

عنبر نے گرج کر کہا۔

خاموش مکار انسان! میں تمہاری ایک ایک رگ سے واقف ہوں۔ اگر میں چاہوں تو ابھی اسی وقت تمہیں ہلاک کر سکتا ہوں مگر تم بوڑھے ہو میں تم پر رحم کرتا ہوں اور تمہیں قرطاجنہ کی بندرگاہ پر آزاد کر دوں گا۔

لیکن سفر کے دوران تمہیں اپنے کیبن میں بند رہنا ہو گا۔ تمہیں عرشے پر آنے کی بالکل اجازت نہیں ہو گی کھانے پینے کی ہر شے تمہیں اسی جگہ مل جایا کرے گی۔

جان بچی سو لاکھوں پائے۔ نجومی نے سر جھکا دیا

اور کہا۔

"میں تہہ دل سے تمہارے وس سلوک کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

عنبر نے وسی وقت مکار نجومی کو کیبن میں لا کر بند کر دیا اور باہر تالا لگا دیا۔

عنبر اب جہاز کا واحد مالک تھا اور جہاز قرطاجنہ کی طرف جا رہا تھا۔ حقیقت میں اب اسے قرطاجنہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ یہ منزل تو کانے کپتان کی تھی جس نے وہاں جا کر غلاموں کو یہودی آقا کے ہاں فروخت کرنا تھا مگر عنبر قرطاجنہ جانے پر مجبور تھا۔

اس لیے کہ ابھی اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ سمندری راستے وہاں سے کون کون سی بندرگاہوں کو جاتے ہیں۔ اس کی خبر اسے قرطاجنہ پہنچ کر ہی مل سکتی تھی۔

دن گزرنے لگے۔ عنبر تین وقت نجومی کے کیبن میں جا کر اسے کھانا دیتا۔ اس سے کوئی بات نہ کرتا اور واپس آ جاتا۔

تہہ خانے میں خزانے کا صندوق اسی طرح محفوظ پڑا تھا۔ عنبر کو بس ایک ہی فکر کھائے جا رہا تھا کہ ناگ اور ماریا کہاں ہیں۔

کس حال میں ہیں۔ ان پر کیا گزر گئی؟ وہ کہاں غائب ہو گئے کہ پھر انہوں نے پلٹ کر خبر بھی نہ لی۔

طرح طرح کے وہم، طرح طرح کے وسوسے عنبر کے دل میں آتے۔ سوچتا وہ کسی جن بھوت کے قابو میں نہ آ گئے ہوں۔

ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تو ہرگز نہ گئے ہوں گے، کیونکہ انہیں تو عنبر کا انتظار کرنا تھا۔ اگر اسے کوئی زبردستی اٹھا کر لے گیا تو وہ یقیناً ناگ سے زیادہ چالاک اور طاقت ور ہوگا۔

مگر وہ کون تھا اور ناگ ماریا اس وقت کس حال میں ہوں گے؟ اس کی خبر عنبر کو کہیں سے بھی نہیں مل سکتی تھی۔

آخر اسے خیال آیا کہ کیوں نہ نجومی سے پوچھا جائے کہ وہ زائچہ بنا کر بتائے کہ ناگ اور ماریا کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں؟۔

عنبر دوپہر کا کھانا لے کر نجومی کے پاس آ گیا تو اس سے زائچہ بنانے اور ناگ اور ماریا کے بارے میں بتانے کی فرمائش کی۔

نجومی نے جھٹ زائچہ بنایا۔ کچھ دیر وہ زائچے پر جھکا غور کرتا رہا اور اپنے سفید بالوں میں بار بار انگلیاں چلاتا رہا۔

جب وہ کافی دیر اپنے خیالوں میں غرق رہا تو عنبر نے کہا۔

"نجومی! آخر اس میں اتنی غور کرنے والی کونسی

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

بات ہے؟ تم بتاتے کیوں نہیں کہ ناگ اور ماریا اس وقت کہاں ہوں گے؟"۔

نجومی نے کہا۔

"میرے عزیز! زائچہ مجھے یہ بتا رہا ہے کہ اس وقت دونوں ایک بہت بڑے سامری کی گرفت میں ہیں۔ وہ نکلنے کی لاکھ کوشش کر رہے ہیں مگر انہیں کوئی نجات اور فرار کا راستہ دکھائی نہیں دے رہا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"یہ سامری کون ہے اور کس شہر اور کس ملک میں ہے، کیا تم اتنا بتا سکتے ہو؟"۔

نجومی نے ایک بار پھر زائچے کو غور سے دیکھتے

ہوئے کہا۔

ناگ اور ماریا اس وقت جس نجومی کے پنجہ میں ہیں وہ جس ملک میں رہتا ہے، وہ یہاں سے جنوب مغرب کو ہے۔

اگر شام کو یہاں سے چلیں تو سات بار چاند بڑا ہو کر چھوٹا ہوگا۔ تو ہم وہاں پہنچیں گے۔

"کیا اس ملک کا نام تم مجھے نہیں بتا سکتے؟"۔

"نہیں میرے عزیز! نام ہمارے زائچوں میں نہیں ہوتے، یہاں تو صرف حساب کتاب، وقت، فاصلہ اور زاویوں کا فرق ہوتا ہے"۔

عنبر خاموش رہا۔ اس نے نجومی سے کچھ نہ کہا اور

اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب نجومی کے دل میں ایک بار پھر عنبر کے خزانے پر قبضہ جمانے کا خطرناک خیال آیا۔

اس نے سوچا کہ اب بھی موقع ہے کہ وہ اگر چالاکی سے کام لے تو جہاز کے خزانے پر قبضہ حاصل کر کے عنبر سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔

وہ ان سمندروں کا پرانا پاپی تھا۔ اسے سب معلوم تھا کہ ان سمندروں میں کہاں کہاں کون سا جزیرہ ہے اور کس مقام پر ہے اور وہاں کوئی آبادی بھی ہے یا نہیں؟

کچھ سوچ کر دوسرے روز نجومی زائچہ لے کر پھر

عنبر کے پاس آیا اور بولا۔

حضور! میں ساری رات اس زائچے پر غور کرتا اور حساب لگاتا رہا ہوں۔ صبح کے وقت انتھک محنت کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس ملک میں ناگ اور ماریا ایک خوفناک جادوگر سامری کے غار میں قید ہیں، وہ یہاں سے پچاس درجے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ کھیتالیہ میں واقع ہے۔

عنبر اس خوشخبری پر اچھل پڑا۔

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“۔

نجومی نے کہا۔

”حضور مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

جو میرا حساب کتاب کہتا ہے، وہ میں نے پیش کر دیا ہے۔ اپنے پلے سے تو میں نے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا"۔

عنبر اس بات پر بڑا خوش ہوا کہ اسے اس مقام کا علم ہو گیا ہے جہاں ناگ اور ماریا ایک سامری کی قید میں ہیں۔

اسے اتنا معلوم تھا کہ اگر یہ شخص نجومی حساب کتاب کرے تو اس کا حساب بڑا صحیح ہوتا ہے۔

اس نے کہا۔

"تو وہ جزیرہ جہاں ناگ اور ماریا ہیں، یہاں سے کتنی دور ہے؟"۔

نجومی زائچے کو گھور گھور کر تکنے لگا۔

پھر بولا۔

"حضور! وہ جزیرہ میرے حساب کے مطابق یہاں سے تین راتوں کے سفر پر واقع ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ جہاز کا رخ میں پچاس زاویے جنوب مغرب کی طرف موڑتا ہوں لیکن اگر وہ لوگ اس جزیرے میں نہ ہوئے تو تمہاری خیر نہیں"۔

آپ بالکل فکر نہ کریں حضور! ناگ اور ماریا اسی جزیرے میں ہوں گے۔ جہاز کا رخ جزیرہ کھیتالہ کی طرف موڑ دیا گیا۔

جادوگر محل سے فرار

جہاز نے جزیرہ کھیتالہ کی طرف سفر شروع کر دیا۔

جہاز کو ہم جزیرے کے سفر پر چھوڑتے ہیں اور خود ذرا ناگ اور ماریا کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔

ہم انہیں اس حال میں چھوڑ آئے تھے کہ جادوگر کے کہنے پر ناگ اپنے اوپر کروائے جانے والے جادو

کے عمل کے لیے رضامند ہو گیا تھا۔

اگرچہ اسے معلوم نہ تھا کہ جادوگر کے ذہن میں اسے ہلاک کرنے کی سازش ہے۔ ماریا اس کے ساتھ تھی اور جادوگر دیو قامت اسے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

دیو قامت جادوگر کی خادمہ شورانگا کی ساری ہمدردیاں ناگ کے ساتھ تھیں، لیکن اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ دیو قامت جادوگر کے سوا مہینے کے عمل کے بعد ناگ کو قتل کر کے اس کے خون سے غسل کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ ناگ کے

ساتھ اس کی بہن ماریا بھی موجود ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔

اگلے روز ناگ کو محل کے ایک تہہ خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی اور ماریا بھی چپکے سے اٹھ کر اس کے ساتھ ہی تہہ خانے میں آ گئی۔

اس تہہ خانے میں ایک سنگ مرمر کا چبوترا تھا جس پر ناگ کے لیے چاندی کے پایوں والا پلنگ بچھا تھا۔ یہ اس کے آرام کے لیے تھا۔ اس کے اردگرد لوبان سلگانے کے لیے خوشبو دان بنے تھے۔

دیو قامت جب چلا گیا تو عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا! فکر نہ کرو۔ رات کو تم میرے بستر پر سو جایا کرنا۔ میں کونے میں کمبل لے کر پڑا رہوں گا"۔

ماریا نے کہا۔

"جادوگر کو پتہ لگ گیا تو اسے شک پڑ جائے گا"۔

"اری جہنم میں جائے یہ کمینہ جادوگر! تم رات کو آرام تو کر لیا کرو گی۔ ہمارا کیا ہے۔ ہم تو ان مشکلوں کے عادی ہیں اور پھر میں ناگ بن کر بھی رات بڑے مزے سے جہاں چاہوں لیٹ کر گزارا کر سکتا ہوں"۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور دیو قامت ہاتھ میں لوبان اور طرح طرح کے بخورات لے کر آ گیا۔

ماریا پرے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے عنبر کے چاروں طرف لوبان وغیرہ سلگا دیئے۔ اس کے دھوئیں سے سارا کمرہ بھر گیا۔

یہ دھواں بڑا ہلکا تھا اور خوشبو اس قدر تیز تھی کہ برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس عرصے میں جادوگر دو زانو ہو کر زمین پر بیٹھا ناگ کی طرف منہ کیے منتر پڑھتا اور بار بار ناگ کی طرف پھونکیں مارتا رہا۔

کافی دیر تک عمل کرنے کے بعد دیو قامت جادوگر اٹھ کر جانے لگا تو ناگ نے کہا۔

"کیا مجھے ہر روز اس دھوئیں کو برداشت کرنا ہوگا؟"۔

جادوگر نے کہا۔

"ہاں ناگ! سوا مہینے یہ تکلیف تمہیں برداشت کرنی ہوگی۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گے اور اپنے دوست عنبر سے مل سکو گے"۔

بس عنبر سے ملنے کا خیال تھا جس نے ناگ کو ہر دکھ درد برداشت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جادوگر چلا گیا تو ماریا کھانسنے لگی۔

کھانستے ہوئے بولی۔

"بڑی مشکل سے میں نے اپنی کھانسی روکی ہوئی تھی۔ کم بخت کے دھوئیں اور خوشبوؤں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

اچھا ہوا کہ جادوگر کے ہوتے ہوئے تم نے کھانسنا نہیں شروع کر دیا۔ ورنہ ہمارا راز فاش ہو جاتا۔ خدا جانے پھر جادوگر کا سلوک ہمارے ساتھ کیسا ہوتا۔ تم کوشش کرو کہ جب تک عمل جاری رہے، تمہیں کھانسی نہ آئے۔

اگر اسے پتہ چل گیا کہ ایک عورت بھی یہاں موجود ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تو جادوگر تمہیں پکڑنے کی کوشش کرے گا۔

ماریا بولی۔

لیکن میں دھوئیں سے بچ کر کہاں جا سکتی ہوں۔

ناگ نے کہا۔

''میرا خیال ہے، تم اس وقت کسی طرح کمرے سے باہر نکل جایا کرو''۔

آخر میں طے پایا کہ ماریا اس وقت کمرے سے باہر نکل جایا کرے گی جب جادوگر ناگ پر لوبان سلگا کر اپنا عمل کر رہا ہوگا۔

یونہی دن گزرتے چلے گئے۔ سوا مہینہ پوا ہونے میں کوئی تین چار روز باقی تھے کہ ایک عجیب واقعہ ہوا۔

جادوگر ناگ پر اپنا عمل کر رہا تھا۔

ماریا کمرے سے باہر ایک ستون کے پاس چبوترے پر اکیلی بیٹھی جادوگر کے باہر نکلنے کا انتظار کر

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی کہ وہاں سے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔

ان میں سے ایک بوڑھا تھا اور دوسرا نوجوان جب وہ ماریا کے قریب سے گزرنے لگے تو نوجوان نے کہا، صرف چار روز باقی رہ گئے ہیں اور ابھی تک بڑے بت کے چبوترے پر سرخ کیسر نہیں ڈالا گیا۔

میں کہتا ہوں، پھر قربانی کیسے دی جائے گی۔

بوڑھے نے کہا۔

''میرا خیال ہے، آج رات بت کے چبوترے پر کیسر بکھیر دیا جائے گا، لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہمارا گرو جادوگر قسمت کا دھنی ہے جو اسے اتنی جلدی ایک ناگ مل گیا جو انسان کی شکل میں زندہ ہے۔ ایسا

آدمی تو ہزاروں برس کے بعد کہیں جا کر ملتا ہے''۔

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے کچھ شبہ ہوا کہ معاملہ خراب ہے اور دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

وہ ان دونوں کی باتیں سن کر چونکی ہوگئی۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آگے جا کر دونوں تہہ خانے سے باہر نکل گئے۔

انہوں نے اور کوئی بات نہ کی۔ ماریا کچھ پریشان سی ہو کر واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔ اتنی دیر میں جادوگر اپنا عمل پورا کر چکا تھا۔

وہ باہر نکلا تو ماریا کمرے میں چلی گئی۔ اس نے جو باتیں سنی تھیں وہ ساری ناگ کو بتا دیں۔ ناگ بھی

سوچ میں پڑ گیا۔

آخر بولا۔

"معاملہ الجھ گیا ہے۔ جادوگر کی نیت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے، شوراگا بہن سے مل کر کہنا چاہیے کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کرے"۔

ماریا نے کہا۔

"تم شوراگا سے کہو اور میں اپنے طور پر چل کر پتہ کرتی ہوں کہ ہسپانوی شہزادی سامونا اس محل میں کس جگہ پر قید ہے۔ ضرور اسے بھی کچھ نہ کچھ معلوم ہو گا"۔

ناگ بولا۔

"میرے خیال میں تم شہزادی کو تلاش کرنے کا خطرہ مول نہ لو یہ سارے کا سارا محل جادوگر ہے۔ بلکہ بھوت گھر ہے۔

یہاں کوئی بھی شے کسی وقت بھی ہو سکتی ہے بہتر یہی ہے کہ تم اس خیال کو ترک کر دو۔ شوراگا ہمیں سب کچھ پتہ کر کے بتا دے گی"۔

ماریا نے ناگ کی بات مان لی۔ لیکن دل میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بات کی تہہ تک پہنچنے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔

رات کو شوراگا ناگ کا کھانا لے کر آئی تو اس نے ساری بات اس کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

شوردگا نے حیرانی سے پوچھا۔

"مگر ناگ بھائی! تم تو اندر چبوترے پر تھے۔ پھر
تم نے باہر سے گزرتے ملازموں کی گفتگو کیسے سن
لی؟"۔

اب تو ناگ گھبرا گیا۔ اسے خیال ہی نہیں تھا کہ
ماریا کو تو اس نے سب سے چھپایا ہوا ہے۔ آئیں
بائیں شائیں کرنے لگا۔

آخر بولا۔

"شوراگا بہن! اب تم سے کیا چیز چھپا سکتا ہوں۔
بات یہ ہے کہ میں چونکہ بنیادی طور پر سانپ ہوں۔
اس لیے مجھ میں پانچ سو برس زندہ رہنے کے بعد اتنی

طاقت ہو گئی ہے کہ میں پانچ سو گز کے دائرے میں
ہونے والی گفتگو بالکل ٹھیک ٹھاک سن لیتا ہوں"۔

شوردگا بھلا اس پر کیا اعتراض کر سکتی تھی۔ اسے
یقین آ گیا۔

ناگ نے کہا۔

"بہن! اگر تم مجھے اپنا بہن سمجھتی ہو تو معلوم کرو
اصل راز کیا ہے اور جادوگر کے دل میں کیا ہے؟"۔

شوردگا بولی۔

"میں نے تمہیں بھائی کہا ہے اور اب ساری
زندگی تمہیں اپنا بھائی ہی سمجھتی رہوں گی۔ میں ابھی جا
کر معلوم کرتی ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

والا ہے، تم فکر نہ کرو"۔

اتنا کہہ کر شوراگا چلی گئی۔ کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر ماریا اور ناگ باتیں کرتے رہے پھر بھی وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ماریا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

یہ شوراگا تھی۔ اس نے اپنے سارے جسم کو سیاہ چادر میں ڈھانپ رکھا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا اور ناگ کی طرف سے حیرانی سے

دیکھ کر بولی۔

"تم کس عورت سے باتیں کر رہے تھے؟"۔

ناگ ذرا گھبرا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

"عورت؟ بھلا یہاں تمہارے سوا اور کون عورت ہو سکتی ہے؟"۔

شوراگا بولی۔

"نہیں۔ میرے سوا بھی معلوم ہوتا ہے، یہاں کوئی ہے اور میں نے اس عورت کی آواز سنی ہے۔ وہ تم سے کچھ کہہ رہی تھی۔"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"یہ تمہارا وہم ہے شوراگا! میں اس کمرے میں

بالکل اکیلا ہوں اور کسی عورت سے بات کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تم اتنی رات گئے کیا خبر لائی ہوئی ہو؟"۔

اگرچہ شوراگا۔ کا شک دور نہیں ہوا تھا لیکن دوسری طرف معاملہ چونکہ بڑا سنگین تھا اور وہ بڑی خوفناک خبر لائی تھی، اس لیے موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

زندگی سخت خطرے میں ہے۔ ناگ بھائی! آج سے ٹھیک چار روز بعد رات کو تمہیں بڑے بت کے چبوترے پر ڈال کر ہلاک کر دیا جائے گا۔

پھر تمہارے خون کو جادوگر ڈپنے سارے بدن پر ملے گا اور یوں اسے پھر سے انسان کی شکل مل جائے

گی اور وہ شہزادی سامونا سے بیاہ کر سکے گی۔

اتنا سننا تھا کہ ناگ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ماریا بھی اپنی جگہ پر حیرت زدہ ہو کر رہ گئی مگر وہ کچھ بول نہ سکتی تھی۔ شوراگا کو پہلے ہی اس کی موجودگی پر شک تھا۔

ناگ نے کہا۔

"کیا یہ اطلاع بالکل صحیح ہے؟"۔

شوردگا نے کہا۔

"سو فیصد صحیح ہے ناگ! میں ادھر دیکھ رہی ہوں۔ بڑے بت کے آگے کیسر ڈالا جا رہا ہے اور جس چھرے سے تمہیں ہلاک کیا جائے گا اور تمہارا پیٹ

چاک کیا جائے گا اس کو ابھی سے تیز کرنا شروع کر دیا گیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تم تو کہتی ہو کہ میرا کسی بھی شکل میں بدل جانا یہاں بے کار ہوگا تو پھر میں یہاں سے کیسے اپنی جان بچا سکوں گا؟"۔

شوراگا نے کہا۔

"فکر نہ کرو ناگ بھائی! میں سارا انتظام کر دوں گی، لیکن تمہیں ایک بات ضرور مجھے بتانی ہوگی؟ کیا اس کمرے میں تمہارے ساتھ کوئی دوسری عورت بھی موجود ہے؟"۔

ناگ ہنس پڑا۔

"بہن شوراگا! تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کمرے میں کوئی دوسری عورت بھی موجود ہو اور تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو؟"۔

شوراگا نے کہا۔

تم چاہے لاکھ کہو لیکن مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی دوسری عورت موجود ہے۔ بہر حال یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ سب سے پہلے تو میں تمہارے یہاں سے فرار کا بندوبست کرتی ہوں۔

ناگ بولا۔

شوراگا! میں چاہتا ہوں کہ ہسپانوی شہزادی

سا سونا کو بھی یہاں سے نکال کر لے جاؤں اور اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کر دوں۔ یہ ایک نیک کام ہے۔ میرا خیال ہے، تم ضرور اس سلسلے میں بھی ہماری مدد کرو گی۔

''کیوں نہیں''۔

شوروگا نے کہا۔

''میں اس سلسلے میں ضرور تمہاری مدد کروں گی مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس تہہ خانے میں بند ہے، اس کی چابی ہر وقت جادوگر کے پاس رہتی ہے''۔

ناگ نے پوچھا کہ کیا وہ چابی اپنی کسی خاص جیب میں رکھتا ہے؟۔

یہ بات وہ اس لیے بھی پوچھنا چاہتا تھا کہ ماریا کو چابی نکالنے میں آسانی ہو، کیونکہ سوائے ماریا کے دوسرا کوئی شخص بھی جادوگر کی جیب سے چابی نہیں نکال سکتا تھا۔

اس بات کو شوراگا نے محسوس نہ کیا کہ ناگ جادوگر کی جیبوں کے بارے میں اتنا کیوں کرید کر پوچھ رہا ہے۔

اس نے جواب میں کہا کہ جادوگر کے گلے میں ایک لاکٹ ہے۔ سا سونا شہزادی کے کمرے کی چابی اس لاکٹ میں بند رہتی ہے۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب میری جان کیسے بچے گی؟ تمہیں اس سلسلہ میں بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا"۔

شوروگا کہنے لگی۔

میں جادوگر کے خلاف کوئی ٹونا اور تعویذ گنڈا تو کر نہیں سکتی۔ ہاں اتنا ضرور میرے اختیار میں ہے کہ اس تہہ خانے کا دروازہ رات کو باہر سے کھول دوں اور تم یہاں سے فرار ہو جاؤ۔

جس رات یا صبح کو تمہیں فرار ہونا ہوگا، اس روز تمہیں گھوڑے تیار ملیں گے۔ لیکن تم جادوگر کے اثر سے بچ نہ سکو گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم اس بت کی آنکھ میں لگا ہوا ہیرا نکال کر اپنے قابو میں

کرو۔ جس وقت یہ ہیرا تمہارے قابو میں آ جائے گا، تم پر جادو کا اثر نہیں ہوگا، لیکن وہ تم پر تلوار سے وار کر کے تمہیں ہلاک ضرور کر سکے گا۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں آج ہی اس ہیرے کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور صبح صبح منہ اندھیرے ساموناشہزادی کو لے کر میں اس محل سے نکل جاؤں گا۔ کیا تم ہمارے لیے تین گھوڑوں کا بندوبست کر سکتی ہو؟"۔

"کیوں نہیں۔ تمہیں تینوں گھوڑے محل کے پچھلے دروازے پر صبح کے وقت تیار ملیں گے"۔

شوڈ گا کے جانے کے بعد ناگ نے ماریا سے کہا۔

"عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے ماریا۔ اب ہم ایک منٹ بھی ضائع نہیں کر سکتے۔ یہاں سے نکل کر بڑے بت کی آنکھ سے ہیرا چرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم ایسا کروں کہ ابھی جاؤ اور جادوگر کے لاکٹ سے تہہ خانے کی چابی نکال لاؤ۔ جلدی کرو"۔

ماریا اسی وقت کمرے سے نکل گئی۔ ناگ نے فوراً سانپ کا روپ دھارا اور کمرے سے نکل کر مختلف برآمدوں اور راہداریوں میں رینگتا ہوا اس ہال کمرے میں آ گیا جس کے بڑے سے چبوترے پر

بت کھڑا تھا اس کی ایک آنکھ میں ہیرا چمک رہا تھا۔

ناگ رینگتا ہوا بت کے اوپر چڑھ گیا اس کی آنکھ کے پاس جا کر اس نے آنکھ کے ہیرے کو اپنا منہ کھول کر اپنے جبڑوں میں لیا اور نوچ کر واپس چل پڑا۔ یہ کام اتنی جلدی ہو جائے گا، اسے یقین نہیں تھا۔ کمرے میں آ کر وہ پھر سے انسان بن گیا اور ہیرا اس نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔

ادھر ماریا بھی محل کے مختلف برآمدوں میں سے گزرتی، آخر تلاش کرتی کرتی جادوگر کے کمرے میں پہنچ گئی۔

جادوگر گہری نیند سو رہا تھا۔ لاکٹ اس کے گلے

میں پڑا تھا۔ ماریا دبے پاؤں جادوگر کے پاس آ کر رک گئی۔ ایک پل کے لیے اس نے اپنا سانس درست کیا اور پھر ہاتھ بڑھا کر لاکٹ کو تھام لیا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی، یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں وہ جاگ تو نہیں پڑے گا۔ جادوگر گہری نیند سو رہا تھا ماریا نے بڑے سکون سے لاکٹ کھول کر اس میں سے چابی نکال کر اپنی جیب میں رکھی۔ اور جدھر سے آئی تھی، ادھر سے ہوتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

ناگ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ چابی اس نے ناگ کے حوالے کی۔ دونوں بڑی تیزی سے باہر نکلے اور

شہزادی سامونا کے تہہ خانے کی طرف چل پڑے۔ شوردگا کے بتائے ہوئے اشاروں کے مطابق وہ سامونا کے تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ گئے۔

ناگ نے چابی نکال کر تالے میں گھمائی۔ تالا کھل گیا۔ وہ اندر آ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی نازک خوبصورت اور معصوم شہزادی ایک گھاس پھوس کے بستر پر لیٹی سو رہی ہے۔

ناگ نے قریب جا کر اسے جگایا۔ سامونا نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے ناگ کو دیکھا۔

”کون ہو تم؟“۔

ناگ نے مختصر لفظوں میں جلدی جلدی اسے بتایا

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ اسے بچانے آیا ہے۔ لہذا اسے چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے، اس کے ساتھ چل دے۔

سامونا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر اسے وہاں سے نجات دلانے والا پہنچ گیا۔

شہزادی کو لے کر ناگ اور ماریا تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ رات کا پچھلا پہر بڑی تیزی سے گذر رہا تھا۔ شوراگا نے جس دروازہ کا ذکر کیا تھا۔ یہ لوگ اسی طرف کو آ گئے۔

یہ دروازہ شوراگا نے پہلے ہی سے کھول رکھا تھا۔ اس دروازے سے نکل کر وہ ایک غار میں سے ہوتے ہوئے محل کے باہر آ گئے۔

ہیرا ناگ کے پاس تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب جادوگر کا کوئی جادو اس پر اثر نہیں کر سکے گا۔ ایک جگہ شوراگا نے تین گھوڑے کھڑے کر رکھے تھے۔ وہ خود وہاں نہیں تھی۔

ناگ نے دل ہی دل میں شوراگا بہن کا شکریہ ادا کیا اور شہزادی سامونا کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانے لگا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ سامونا شہزادی ماریا سے بے خبر تھی۔ اسے صرف اسی قدر معلوم تھا کہ ایک خالی گھوڑا اس کے ساتھ چلا جا رہا ہے۔

اس سے پہلے ماریا جس گھوڑے پر سوار ہوتی، وہ

بھی اس کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصے سے ماریا اپنے میں یہ تبدیلی دیکھ رہی تھی کہ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہوئی تو گھوڑا غائب نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ محل سے کافی دور نکل آئے تھے۔ اب دن نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

ادھر جادوگر کو جب علم ہوا کہ ناگ کے ساتھ ساموتا شہزادی بھی غائب ہے تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس نے جادو کے زور سے سارے علاقے میں آسمانی بجلیوں سے حملہ کر دیا۔ جگہ جگہ ویرانے اور جنگل میں بجلی گرنے لگی لیکن بت کے ہیرے کی وجہ

سے ناگ اور ماریا اور ساموتا جادو کی بجلیوں سے بچے رہے۔

سارا دن یہ گھوڑوں پر سوار چلتے گئے۔ رات کو انہوں نے جنگل عبور کر لیا۔ وہ جنگل سے نکل کر دریا کے کنارے آ گئے۔

دریا کافی چوڑا تھا۔ دور ایک کشتی کنارے کے ساتھ بندھی تھی۔ یہ لوگ گھوڑوں سمیت کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی نے دریا پار کر لیا۔

دوسری جانب خشک پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات کو انہوں نے ایک جگہ آرام کیا۔ اگلے روز وہ پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ کوئی چار روز کے

مسلسل سفر کے بعد آخر یہ لوگ ایک بندرگاہ پر پہنچے۔ ناگ ساموتا اور ماریا ایک جہاز پر سوار ہوئے۔ سمندر میں ایک مہینہ سفر کرنے کے بعد یہ جہاز ہسپانیہ کی بندرگاہ سے جا لگا۔

وہاں کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ کی بیٹی جو کہ گم ہو گئی تھی، واپس اپنے شہر میں آ گئی ہے تو انہوں نے خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔

بادشاہ کو خبر ملی تو وہ محل سے نکل کر اپنی بیٹی کے استقبال کے لیے بندرگاہ پر آ گیا۔ ساموتا کو سینے سے لگا لیا۔ ناگ کا شکریہ ادا کیا۔ ناگ کو محل میں شاہی مہمان کے طور پر ٹھہرایا۔

چھ سات روز شاہی محل کی ضیافتیں کھانے اور آرام کرنے کے بعد ماریا اور ناگ نے بادشاہ سے اجازت لی اور عنبر کی تلاش میں ایک چھوٹے جہاز پر سوار ہو کر قرطاجنہ کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا جہاز غلاموں کو لے کر قرطاجنہ ہی جا رہا تھا۔

اڑن طشتری

دور سے جزیرے کے درخت نظر آئے۔

عنبر جہاز کی چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے بادبانوں کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ نجومی نے خوش ہو کر کہا کہ یہی جزیرہ کھیتالہ ہے اور اسی جگہ ناگ اور ماریا جادوگر سامری کی قید میں ہیں۔

دوپہر کے بعد جہاز جزیرے کے ساحل کے

ساتھ جا لگا۔ لنگر پھینک دیا گیا۔ مکار نجومی نے عنبر کو ساتھ لیا اور جزیرے میں آ گیا۔

اس کی سازش یہ تھی کہ کسی طرح عنبر کو جزیرے کی پرلی طرف والی گھاٹیوں میں لے جائے۔ یہاں بڑے گہرے غار اور بڑے بڑے کھڈ تھے۔

ان کے بارے میں مکار نجومی کو پورا پورا علم تھا۔

عنبر اس جزیرے میں پہلی بار داخل ہو رہا تھا۔ اسے صرف اس بات کی خوشی تھی کہ وہ یہاں ناگ اور ماریا سے مل سکے گا۔

نجومی کے ساحل کی ریت پر بیٹھ کر ایک بار پھر زائچہ بنایا۔ کچھ دیر داڑھی کے بالوں میں انگلیاں پھیر

پھیر کر جھوٹ موٹ غور کرتا رہا اور پھر بولا۔

”میرا زائچہ بتا رہا ہے کہ اس وقت تمہارے دونوں بہن بھائی جزیرے کے جنوب میں کسی غار میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور تمہیں یاد کر رہے ہیں“۔

عنبر ماریا اور ناگ سے ملنے کی خوشی میں سب کچھ بھول گیا۔ اس نے ذرا غور نہ کیا کہ کہیں یہ مکار نجومی اسے کسی جال میں تو نہیں پھانس رہا۔

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

”تو جلدی چلو۔ میں ابھی انہیں جا کر رہا کرواتا ہوں“۔

”ہاں ضرور چلو“۔

مکار نجومی کا ہر تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھ رہا تھا۔ اس نے عنبر کے دل میں شدید اشتیاق پیدا کر دیا تھا۔ اور اب اسے اپنے اشاروں پر چلا رہا تھا۔

وہ اسے لے کر جزیرے کے جنوب میں آ گیا۔

یہاں چھوٹے چھوٹے چٹانی پہاڑ تھے۔ اور جگہ جگہ غار بنے ہوئے تھے۔

کئی غاروں میں سمندر کا پانی داخل ہو چکا تھا۔

نجومی ان غاروں کے ساتھ آگے چلا جا رہا تھا۔ آگے ایک چھپی ہوئی گہری کھڈ تھی۔

نجومی عنبر کو اسی کھڈ کے کنارے لا کر کھڑا کرنا چاہتا

تھا۔ عمبر پیچھے آ رہا تھا۔ نجومی اس کھڈ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہاں اس قدر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں کہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں نیچے گہری کھڈ ہے۔

نجومی نے کہا۔

”جلدی آؤ میرے حضور! بس یہاں سے جادوگر سامری کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ یہاں سے آگے صرف آپ ہی جا سکتے ہیں۔ میری مجال نہیں کہ ایک قدم بھی اٹھا سکوں“۔

عمبر نے قریب آ کر پوچھا۔

”کیا سامری جادوگر نے یہیں کہیں ناگ اور ماریا کو قید کر رکھا ہے؟“۔

نجومی نے کہا۔

وہ سامنے جو غار تم دیکھ رہے ہو، بس اسی غار میں تمہارے دونوں بہن بھائی سامری کی قید میں ہیں۔ تمہیں یہاں سے چل کر اس غار میں جانا ہوگا۔ تم پر سامری کے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس نے آگے آگ کا دائرہ لگا رکھا ہے، لیکن تم اس دائرے کو عبور کر جاؤ گے، کیونکہ تم پر دیوتاؤں کا اثر ہے۔ اب دیوتا کا نام لے کر آگے بڑھو اور اپنے بھائی اور بہن کو ظالم جادوگر کی قید سے آزاد کروا لاؤ۔ میں اسی جگہ بیٹھا تمہارا انتظار کروں گا۔

عمبر نجومی کی باتوں میں پوری طرح پھنس چکا تھا

اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ اس نے نجومی کی طرف ایک بار دیکھا اور کہا۔

”میں ابھی ناگ اور ماریا کو ساتھ لے کر اور جادوگر کو ہلاک کر کے آتے ہوں۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا“۔

یہ کہہ کر عنبر نے قدم آگے بڑھایا۔ جونہی وہ آگے بڑھا اس کا پاؤں ایک ڈیلی جھاڑی پر پڑا جس کے نیچے گہرا کھڈ تھا۔

عنبر دھڑام سے کھڈ کے اندر جا گرا۔ اب اسے عقل آئی کہ مکار نجومی نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور وہ اس کے خزانے پر قبضہ جمانے کے لیے اسے

دھوکے سے اس بے آباد جزیرے پر لے آیا ہے اور اس کھڈ میں گرا دیا ہے۔

اسے نجومی کے قہقہے کی آواز سنائی دی نجومی کو یقین تھا کہ عنبر اتنے گہرے کھڈ سے باہر نہیں نکل سکے گا اور یہ تھی بھی سچی بات۔

عنبر مر نہیں سکتا تھا لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اتنے گہرے کھڈ سے باہر نکل آئے جو بالکل کنوئیں کی مانند تھا۔

مکار نجومی اب ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے واپس جہاز کی طرف بھاگا۔ جزیرے کے درختوں میں سے نکل کر وہ سیدھا ساحل

سمندر پر آ گیا۔

بادبانی جہاز کنارے پر کھڑا تھا۔ اس نے جہاز پر سوار ہو کر اس کا لنگر اٹھایا۔ بادبان کھولے اور چرخی پر کھڑے ہو کر جہاز کا رخ جزیرے کی جانب سے واپس سمندر کی طرف موڑ دیا۔

ہوا خوب چل رہی تھی۔ جہاز نے بڑے سکون اور ہموار رفتار کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ شام تک جہاز کھلے سمندر میں تھا اور اب جزیرہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

مکار نجومی ونچی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ اگر ملاحوں کو ساتھ ملاتا تو اسے خزانے کے چار حصے کرنے

پڑتے۔

اب وہ اکیلا ہی خزانے کا مالک تھا۔ عرشے کی سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے خفیہ تہہ خانے کا تالہ توڑ ڈالا۔ اندر گیا۔ صندوق ترپالوں کے نیچے ہی رکھا تھا۔

صندوق کا بھی تالہ توڑ دیا گیا۔ ڈھکنا اٹھا کر اس نے سونے چاندی کے زیورات اور بڑے قیمتی ہیرے جواہرات کو اندھیرے میں ستاروں کی طرح چمکتے دیکھا تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

یہ سوچ کر کہ وہ اکیلا اتنے بڑے خزانے کا مالک ہے، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ جواہرات

کو کبھی وہ آنکھوں سے لگاتا، موتیوں کو بار بار چومتا، زیورات اپنے گلے میں ڈال ڈال کر دیکھتا۔

جب اس کا جی اتنی عظیم دولت دیکھ کر بھر گیا تو اس نے صندوق بند کر کے کاس پر نیا تالا ڈالا۔ اور اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

نجومی نے اس جانب دیکھا جدھر جزیرہ تھا اور جس کی ایک کھڈ میں عنبر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا تھا۔ اِدھر سوائے سمندر کی لہروں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ عنبر کا تعلق اس جہاز اور خزانے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا

تھا۔ اس سے بڑھ کر نجومی کا حسین ترین دن تھا۔ وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تھا۔

اس کے خاندان والوں نے آج تک اتنی دولت کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس نے جہاز کا رخ قرطاجنہ کی بجائے ہسپانیہ کی ایک گمنام سی بندرگاہ کی طرف موڑ دیا۔

یہاں اس کی ایک بھانجی رہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس بندرگاہ پر اتر کر وہ یہ جہاز فروخت کر دے گا۔ کچھ روز اپنی بھانجی کے ہاں قیام کرے گا اور پھر کسی قافلے کے ساتھ شریک ہو کر شمالی افریقہ کے شہر مکا سا میں جا کر ایک شاندار محل تعمیر کرائے گا۔ اور باقی عمر

عیش و آرام سے بسر کر دے گا۔

جہاز بڑے سکون کے ساتھ اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا۔

عنبر نے جب محسوس کیا کہ وہ کھڈ میں بری طرح پھنس گیا ہے۔ اور اب کسی صورت بھی وہ اس کنوئیں جیسی کھڈ سے نہیں نکل سکتا تو ایک لمحے کے لیے تو صبر شکر کر کے بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا۔

اس نے ایک بار پھر کھڈ کے چاروں طرف دیکھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور اس کی سنہری کرنیں ایک جانب سے ترچھی ہو کر کھڈی دیوار پر پڑ رہی تھیں۔

اس نے دیکھا کہ ایک جھاڑی اندر کی طرف لگی ہوئی ہے۔ یہ کافی اونچائی پر تھی۔ اگر کسی طرح وہ ادھر ادھر سے پتھر جمع کر کے نیچے چبوترہ سا بنا لے تو اچھل کر اس جھاڑی کو پکڑ سکتا تھا۔

عنبر نے ہمت سے کام لیا اور اٹھ کر اسے کھڈ میں جہاں کہیں بھی کوئی پتھر ملا اسے ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا۔

کھڈ میں پتھر زیادہ نہیں تھے۔ بہت جلد سارے پتھر ختم ہو گئے۔ لیکن ابھی جھاڑی بہت دور تھی۔ عنبر نے زمین کی مٹی کھود کر پتھر نکالنے شروع کر دیے۔

رات بھر وہ پتھر نکالتا رہا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے

کے بعد وہ پھر کام میں لگ گیا۔ جزیرے پر صبح ہو گئی۔ اسے درختوں پر گاتے بولتے پرندوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

یہ ایک طرح سے آزادی کا پیام تھا۔ اس کے دل میں ایک نیا جذبہ ابھر آیا۔ عنبر نے سارے پتھروں کو دیوار کے ساتھ جوڑنا شروع کر دیا۔

سورج سر کے اوپر آ گیا تو وہ ایک چبوترا تیار کر چکا تھا اب جو اس نے چبوترے پر کھڑے ہو کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ جھاڑی کا فاصلہ بمشکل ایک ہاتھ بلند ہو گیا تھا۔

عنبر نے دل ہی دل میں خدا کو یاد کیا اور اچھل کر

جھاڑی کو پکڑ لیا۔ جھاڑی کی جڑ بڑی مضبوط تھی۔ وہ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور وہ لٹکنے لگا۔ اس نے جست لگا کر اپنے پاؤں کھڈ کی دیوار کے ساتھ جما لیے۔

اب وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ جھاڑی کھڈ کے کنارے تک چلی گئی تھی ایک ایک انچ کھسکتا وہ اوپر چڑھتا چلا گیا۔

انسان ہمت کرے تو خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کھڈ سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر ساحل کی طرف چل پڑا۔

اسے معلوم تھا کہ مکار نجومی اس کا جہاز لے کر جا چکا ہوگا۔ جہاز اور جہاز کے اندر رکھا ہوا خزانہ حاصل کرنے کے لیے ہی تو اس نے عنبر کو کھڈ میں گرا دیا تھا۔ وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس نے جہاز کھڑا کیا تھا۔

آخر وہی ہوا جس کا یقین تھا۔ وہاں دور دور تک جہاز کا نام ونشان نہ عنبر کو بھوک محسوس ہوئی اور پیاس بھی تنگ کرنے لگی۔

اس نے جزیرے میں گھوم پھر کر دیکھا کہ جزیرہ بہت چھوٹا سا تھا اور درخت بڑے گھنے اگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب مل گیا۔

پانی میٹھا تھا۔

اس نے پیاس بجھائی اور ایک درخت کے پھل بھی کھائے۔ اب سمندر کے کنارے آ گیا اور ایک جگہ پتھروں کے ساتھ ٹیک لگا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا اس جزیرے سے کیسے باہر نکلے؟۔

سلامیو کی روح کو بلانے یا اس کی تابع روح کو بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ دوسری روح دوبارہ آنے کے بارے میں انکار کر چکی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک اس جزیرے کی طرف کوئی جہاز نہیں آتا، وہ اس جزیرے سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ دوپہر تک عنبر وہیں بیٹھا غور و فکر

کرتا رہا۔

اصل میں جزیرے کو عنبر بے آباد سمجھ رہا تھا، وہ بے آباد نہیں تھا بلکہ اس کے غار میں ایک ہاتھی جتنا اونچا، لمبا اور خونخوار جانور رہتا تھا۔

اس کی شکل ایک بہت بڑی چھپکلی سے ملتی جلتی تھی۔ یہ جزیرے کے درخت کھا کر غار میں لیٹ جاتا۔ ہفتے کے بعد غار سے نکلتا اور سمندر کنارے آ کر پانی پیتا اور واپس اپنے غار میں چلا جاتا تھا۔

بدقسمتی سے جس وجہ عنبر ساحل سمندر پر بیٹھا تھا، اسی روز خونخوار جانور کو پانی پینے آنا تھا۔ عنبر نے بیٹھے بیٹھے ایسی آواز سی جیسے کوئی شے جھاڑیوں کو توڑتی

مروڑتی آگے بڑھ رہی ہے۔

وہ چونک کر ہوشیار ہو گیا۔ ادھر خونخوار جانور نے بھی فضا میں کسی انسان کی بو سونگھ لی تھی اور اپنی ہاتھی جیسی سونڈ ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک کیا دیکھتا ہے کہ سامنے درختوں میں سے ایک بے حد، بدصورت، اونچا، لمبا، بدوضع اور بھیانک سرخ آنکھوں والا جانور رینگتا ہوا باہر نکلا اور عنبر کے قریب ریت پر آ کر زور زور سے اپنی دم اور سونڈ ہلانے لگا۔

اس کے منہ سے پھنکاریں نکل رہی تھیں اور آنکھیں آگ کے شعلے برسا رہی تھیں۔ عنبر نے اپنی

ہزاروں سالہ زندگی میں اس قسم کا بھیانک اور خونخوار جانور آج تک نہ دیکھا تھا۔ پہلے تو وہ اس قسم کی شکل دیکھ کر ڈر گیا۔

پھر اس نے سوچا کہ اگر وہ ڈر گیا تو یہ جانور اس پر حملہ کر دے گا۔ اگر چہ وہ اسے ہلاک نہیں کر سکے گا۔ لیکن اسے ہڑپ کر گیا تو وہ اس کے پیٹ میں جا کر بڑی مشکل میں پھنس جائے گا۔

جانور بھی شاید عنبر کے خیالات سے واقف ہو گیا تھا۔ اس نے ایک زوردار پھنکار ماری اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر اچھل کر پتھروں کے اوپر چڑھ گیا۔

خونخوار جانور نے اپنی سونڈ زور سے پتھروں پر

ماری عنبر دوسری جانب ریت پر گر پڑا۔ جہاں جانور نے اپنی سونڈ ماری تھی وہاں سے پتھروں کے ٹکڑے اڑ کر دور جا گرے۔

اس کی سونڈ میں بلا کی طاقت تھی۔ عنبر کے پاس کوئی ایسا ہتھیار نہیں تھا جس کی مدد سے وہ اس خوفناک بلا کو ہلاک کر سکے۔

آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے جانور کے آگے کھسکنا شروع کر دیا۔ جانور اس پر لپک کر حملہ کرتا تو عنبر اچھل کر دس گز پیچھے ہو جاتا۔ یوں وہ اسے اپنے پیچھے پیچھے لگائے اس مقام پر لے آیا جہاں گہرا کھڈ تھا۔

عنبر کھڈ کے دوسرے پر پتھروں سے لگا زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ پھنکار رہا تھا اور اپنی خون آشام سرخ سرخ آنکھوں سے شعلے برسا رہا تھا۔

عنبر نے ایک پتھر اٹھا کر اسے دے مارا۔ جانور غصے سے بھڑکا اور اچھل کر عنبر پر حملہ آور ہوا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آگے گہرا کھڈ بلکہ کنواں ہے۔

دیکھتے دیکھتے وہ دھڑاک سے کنوئیں میں جا گرا اور ایسی ایسی ہیبت ناک آوازیں نکالنے لگا کہ سارا جزیرہ کانپ اٹھا۔

عنبر نے اوپر سے جھک کر دیکھا۔ خونخوار جانور کھڈ میں پھنس چکا تھا اور جانکنی کے عالم میں اپنی سونڈ اوپر

اسے جگا دیا۔

سب سے پہلے اس نے جا کر کنوئیں میں دیکھا۔ خونخوار جانور بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس نے اوپر سے پتھر پھینکے۔

جانور نے کوئی حرکت نہ کی۔ معلوم ہوا کہ وہ مر چکا ہے۔ عنبر خوش ہوا کہ جزیرے کی بلا سے تو نجات مل گئی۔ اس نے جنگل کے درختوں سے پھل توڑ کر کھائے۔

تالاب سے پانی پی کر پیاس بجھائی اور سمندر کے کنارے سیر کرنے اور غور کرنے لگا کہ جزیرے سے وہ کیونکہ فرار ہو سکتا ہے اور ناگ ماریا

سے اب کب اور کس طرح سے ملاقات ہو سکے گی۔ یونہی سوچتے سوچتے، چلتے چلتے ہو جزیرے کی دوسری طرف نکل گیا۔

یہاں چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں اور سمندر کے ساتھ ساتھ ریت کا ساحل نیم دائرے کی شکل میں چلا گیا تھا۔

ذرا آگے جا کر عنبر کو ایک عجیب و غریب شے دکھائی دی۔ وہ ایک پل کے لیے تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

یہ سنگ مرمر کا ایک دائرہ نما چبوترہ تھا جس کے چاروں طرف چاندی ایسے گولے سلاخوں کے ساتھ

لگے ہوئے تھے۔

عنبر ان کو غور سے دیکھنے لگا۔ ہاتھ لگایا تو وہ فولاد کی طرح سخت تھے۔ سنگ مرمر کا چبوترہ نہایت ہموار تھا۔ وہاں کسی انسان کے قدموں کے نشان بھی نہیں تھے۔ اگر یہاں کوئی انسان بھی نہیں آیا تو پھر یہ چبوترہ کس نے بنایا؟۔

سلاخوں کے ساتھ چاندی کے یہ مضبوط گولے کس نے لگا دیئے؟ یہ کام تو انسانوں کا معلوم ہوتا تھا۔ عنبر کے دل میں پر اسرار خیالات پیدا ہونے لگے۔ کیا یہاں کوئی جناتی مخلوق رہتی ہے؟

کیا یہ لوگ کوئی جادوگر ہیں جو یہاں آباد ہیں اور

کسی وقت باہر سے آ کر یہاں بسیرا کرتے ہیں۔ عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ سنگ مرمر کا چبوترہ ایک معمہ بن کر سامنے آ گیا تھا۔

عنبر واپس اپنے جھونپڑے میں آ کر لیٹ گیا اور کبھی ناگ اور ماریا اور کبھی اس سنگ مرمر کے چبوترے کے بارے میں سوچنے لگا۔

شام ہو گئی۔ سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ عنبر دن بھر کے چلنے پھرنے سے تھک گیا تھا۔ اسے جلد ہی نیند نے آ لیا اور وہ سو گیا۔

رات آدھی سے کچھ زیادہ ہی گزری ہو گی۔ کہ اچانک ایک شور کی آواز سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ یہ

شور کیا تھا جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے بڑے زور سے بھاپ خارج ہو رہی ہو۔

عنبر جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ اس نے شور پر کان لگا دیے۔ اب کیا دیکھتا ہے کہ جزیرے کے جنوب کی جانب روشنی کی نیلی نیلی کرنیں بھی اوپر کو اٹھ کر آسمان کی طرف جا رہی ہیں۔

عنبر نے سوچا کہ ضرور ادھر کہیں سے زمین پھٹ گئی ہے اور اس میں سے گرم بھاپ خارج ہونے لگی ہے، لیکن سوال یہ تھا کہ یہ نیلی روشنی کہاں سے آ رہی تھی؟۔

عنبر چکر کھا گیا۔ کچھ خوفزدہ بھی ہوا۔ بے آباد

جزیرہ۔ آدھی رات کا سناٹا۔ نیلی روشنی اور تیز شور۔ تھوڑی دیر بعد شور ختم ہو گیا اور پھر نیلی روشنی بھی جیسے ماند پڑ گئی۔

اب اس کی جگہ ہلکی ہلکی سرخ روشنی پھیل گئی تھی۔ ایسی روشنی عنبر نے ساری زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے دل میں تشویش پیدا ہوئی کہ چل کر دیکھا جائے، یہ اسرار کیا ہے۔

وہ چھپتا چھپاتا ایک طرف سے ہو کر درختوں کے پیچھے سرخ روشنی والے مقام کی جانب چل پڑا۔ جوں جوں وہ درختوں میں آگے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ سرخ روشنی زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔

ایک جگہ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ درختوں کی آڑ میں ہو کر جھاڑیوں کو پرے ہٹا کر اس نے دیکھا کہ جہاں سنگِ مرمر کا چبوترہ تھا، اس کے اوپر پورے کی پوری ایک گول ایک منزلہ عمارت کھڑی ہے۔

جس کی چھت گنبد کی طرز کی بنی ہے اور اوپر سرخ رنگ کی تیز روشنی چمک رہا ہے۔ ساری گول گنبد نما عمارت ایسے لگتی تھی جیسے چاندی کی بنی ہوئی ہے۔

عنبر نے ساری زندگی اس قسم کی عمارت نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا کہ یا خدا! یہ کس کا مکان ہے؟

کل تک تو یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر یہ مکان

زمین سے نکل آیا کہ آسمان سے ٹپک پڑا؟۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے دل میں خوف بھی تھا اور اشتیاق بھی تھا کہ معلوم کرنا چاہیے یہ کیا معمہ ہے؟۔

اتنے میں ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور عنبر نے دیکھا کہ چاندی کی تھالی نما عمارت میں اپنے آپ ایک دروازہ پیدا ہو گیا۔

پھر اندر سے چاندی کی بنی ہوئی نازک سی سیڑھی خود بخود باہر آ کر زمین کے ساتھ لگ گئی۔ عنبر جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

اب جو کچھ اس نے دیکھا، وہ کسی انسان کو بے

ہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔

لیکن عنبر مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور وہ اپنی ہزاروں سالہ زندگی میں بڑے بڑے بھیانک واقعات میں سے گزرا تھا۔

اس لیے اپنے ہوش و حواس میں رہا۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ وہ جیسے پتھر کا بت بن گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، کیونکہ اندر سے ایک عجیب و غریب قسم کی مخلوق باہر نکل رہی تھی۔

یہ کل چار آدمی تھے۔ آدمی کیا تھے دو لمبے بازوؤں اور دو ٹانگوں اور انار جیسے سر والی حیرت انگیز مخلوق تھی۔ ہم اسے انسان ہی کہیں گے، کیونکہ ہم ان

کے اصلی نام سے واقف نہیں ہیں۔ ہر انسان نے سلور رنگ کا چاندی جیسا لباس پہن رکھا تھا جو سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ اور ان کی ٹانگوں اور جسموں کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

سر کے بیچ میں ایک سرخ رنگ کی آنکھ تھی جس میں سے روشنی کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ گردن شانوں کے بالکل ساتھ لگی تھی۔ چہرے پر سوائے آنکھ اور ایک گول گول چھوٹے سے ہونٹ کے اور کچھ نہیں تھا۔ نہ ناک اور نہ کان تھے۔

ہاتھوں پر بھی چاندی جیسے کپڑے کے دستانے چڑھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب قسم کا

ہتھیار تھا جو بڑے پستول سے ملتا جلتا تھا۔

عنبر یہ سب کچھ حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ یہ چاروں انسان چاندی کی تھالی جیسی عمارت باہر نکل آئے تو سیڑھی اوپر چلی گئی۔

دروازہ بند ہو گیا اور اوپر والی نیلی روشنی بجھ گئی۔ اب گنبد کے اوپر سے صرف سرخ روشنی باہر نکل رہی تھی۔ ان عجیب وغریب انسانوں نے ایک دوسرے کی جانب گردنیں گھما کر دیکھا اور پھر ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہو کر جنگل میں چلنا شروع کر دیا۔

عنبر نے محسوس کی کہ وہ تھوڑی دیر میں اس کے قریب سے ہو کر گزریں گے۔ چنانچہ وہ جلدی سے

درخت پر چڑھ گیا اور اپنے آپ کو اس نے جھاڑیوں میں چھپا لیا۔

پتوں میں سے وہ نیچے جھانکتا رہا۔ اسے جھاڑیوں میں بھاری بھرکم قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ عجیب وغریب چاروں انسان ایک قطار میں چلے آ رہے تھے۔

عنبر ایک وحشت کے احساس کے ساتھ انہیں دیکھنے لگا۔ وہ بوجھل سے قدم اٹھاتے اس کے درخت کے نیچے سے گزرتے گئے۔

کچھ دور جا کر جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو عنبر درخت پر سے نیچے اترا۔ اس کا خیال تھا کہ چاندی

کی تھالی والی عمارت اب خالی ہو گئی۔ وہاں چل کر پتہ کرنا چاہیے کہ اندر کیا ہے؟

لیکن اس کا دروازہ بند تھا اور سیڑھی بھی اٹھائی جا چکی تھی۔ عنبر قریب آ کر غور سے عمارت کو تکنے لگا۔ اس کے اوپر سے سرخ روشنی ایکدم تیز ہو کر بار بار جلنے بجھنے لگی۔

گویا یہ ایک طرح سے سگنل دے رہی تھی کہ باہر خطرہ ہے۔ کھٹاک سے دروازہ کھل گیا اور ایک اسی قسم کا چاندی جیسے کپڑوں والا انسان نمودار ہو گیا۔ عنبر اسے دیکھ کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

عجیب انسان نے پلک جھپکتے ہی میں اپنی گن اٹھا

کر سیدھی کی اور اس کا بٹن دبا دیا۔

گن میں سے سفید رنگ کی تیز شعاع نکل کر عنبر کے سینے پر پڑی۔ عنبر کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے جسم کے ساتھ گرم گرم سوئی لگا دی ہے۔

مگر اسے ہوا کچھ بھی نہ۔ عجیب انسان نے دوسری بار بٹن دبا کر عنبر پر شعاع پھینکی۔ اس بار بھی عنبر کو کچھ نہ ہوا۔

اب عجیب انسان بھی حیران سا ہوا کہ یہ شعاع اس پر اثر انداز کیوں نہیں ہو رہی؟ جب کہ اس شعاع سے پتھر ریزہ ریزہ ہو جایا کرتے ہیں۔

اب سیڑھی نیچے آنا شروع ہو گئی۔ عنبر وہاں سے سر

پاؤں رکھ کر بھاگا۔ وہ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا۔

بھاگتے بھاگتے وہ جزیرے کی چٹانوں کی جانب نکل گیا اور رات کے اندھیرے میں ایک بلند چٹان کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا یہاں سے اسے وہ چاندی جیسی عمارت نیچے دکھائی دے رہی تھی۔

وہ عجیب انسان جس نے عنبر پر اپنی گن میں سے شعاع پھینکی تھی، وہاں نہیں تھا۔ سیڑھی نیچے لٹک رہی تھی۔ ظاہر ہے وہ عنبر کی تلاش میں ہو گیا ہو گا۔ اتنے میں باقی چار عجیب لوگ بھی واپس آ گئے۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر عمارت کے اندر چلے گئے

تھے۔ تھوڑی دیر بعد پانچواں عجیب انسان بھی واپس آ گیا۔

ان نے آتے ہی اشاروں اشاروں میں انہیں شاید میرے بارے میں کچھ کہا۔ جس پر وہ ایک دم چونک سے پڑے اور انہوں نے اپنی اپنی گن جنگل کی طرف کر کے بیک وقت شعائیں اگلنا شروع کر دیں۔

ان شعاعوں سے درختوں میں آگ لگ گئی۔ درخت ایکدم جل کر بالکل راکھ ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جزیرے میں وہ کونسا انسان تھا کہ جس پر ان کی مہلک شعاعوں کا کوئی اثر

نہیں ہوا؟۔

انہوں نے مل کر جزیرے میں عنبر کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن عنبر ان کی دسترس سے بہت دور ایک چٹان کے اوپر پتھروں کی اوٹ میں آرام سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اب جزیرے پر سے رات کی سیاہی دور ہو رہی تھی۔ اور صبح کی آمد آمد تھی۔ مشرق کی طرف آسمان پر ہلکی ہلکی نیلی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ عنبر جہاں بیٹھا تھا وہاں کوئی بھی نہ آیا تھا۔

پھر اس نے دیکھا کہ پانچوں عجیب انسان اپنی چاندی کی گول عمارت کے سامنے آ کر رک گئے۔ اپنا

اتاروں جیسا گول سر گھما کر اکیلی آنکھ سے جیسے چاروں طرف دیکھا اور ویک ڈیک کر کے عمارت کے اندر سو گئے۔

ان کے اندر جاتے ہی سیڑھی اوپر اٹھ گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی وہی شور پھر پیدا ہو گیا جو سب سے پہلے عنبر نے سنا تھا۔ اس شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ عنبر چٹان کے پیچھے سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اور پھر دیکھتے دیکھتے یہ چاندی جیسی گول عمارت فضا میں بلند ہوتے ہوتے درختوں سے بھی اوپر ہو گئی۔

اس کے نیچے سے نیلے رنگ کی تیز روشنی نکل رہی تھی اور پھر وہ جزیرے کے اوپر آ گئی۔ اس نے جزیرے کے اوپر ایک چکر لگایا اور آسمان پر اڑتی اڑتی ستاروں میں غائب ہو گئی۔

عنبر چٹان کی اوٹ سے نکل کر باہر آ گیا اور تعجب سے آسمان کو دیکھنے لگا جہاں بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ وہ اڑن طشتری خدا جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔

سرخ روشنی کا راز

اب ذرا عنبر ماریا اور ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔

شہزادی ساموٹا کو اس کے ماں باپ کے گھر چھوڑنے کے بعد وہ ایک چھوٹے بحری جہاز پر سوار ہو کر ہسپانیہ کے ساحل سے بطرف قرطاجنہ چل پڑے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ وہاں ان کی ملاقات عنبر سے ہو سکتی تھی۔ وہ سمندر میں چلے جا رہے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ لیکن دو روز بعد آسمان پر اچانک کالے کالے بادل چھا گئے اور تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو گیا۔

تیز ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ جہاز چھوٹا تھا، ڈولنے لگا۔ ناگ نے فوراً بادبان باندھ ڈالے۔

اس سے جہاز کے ڈولنے کی شدت میں کمی آ گئی۔ رات بھر طوفان جاری رہا۔ دوسرے روز طوفان ختم گیا۔

بادل چھٹ گئے اور نیلے آسمان پر دھوپ چمکنے لگی۔ ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر آ کر بیٹھ گئے۔ نیلے سمندر پر دور تک ہلکی ہلکی سفید لہروں کی جھالریں سی پڑ رہی تھیں۔

ناگ بولا۔

”ماریا! فرض کرتے ہیں کہ قرطاجنہ میں بھی عنبر سے ملاقات نہیں ہوتی“۔

ماریا نے کہا۔

”تم ہی تو کہتے تھے کہ غلاموں کا جہاز قرطاجنہ جانے والا ہے“۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

جہاز کسی دوسری بندرگاہ کو نکل گیا ہو۔ میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اگر عنبر سے وہاں بھی ملاقات نہ ہوئی تو پھر اسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے؟"۔

ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہماری طویل زندگی میں یہ پہلا موقع نہیں کہ عنبر ہم سے یا ہم عنبر سے بچھڑ گئے ہوں۔ ہم ایک دوسرے سے بچھڑ بھی جاتے ہیں اور پھر آپس میں کچھ دیر کی جدائی کے بعد مل بھی جاتے ہیں"۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہوں"۔ ناگ نے سانس بھر کر کہا۔

اچانک ماریا کی نظر سمندر میں دور تک گئی تو اسے کسی جہاز کے بادبان دکھائی دیئے۔

اس نے ناگ سے کہا۔

"شاید کوئی تجارتی جہاز چلا آ رہا ہے"۔

ناگ بھی دور سے نظر آنے والے بادبانی جہاز کو دیکھنے لگا جہاز جوں جوں قریب آ رہا تھا ان کے چہروں پر کچھ حیرت سی بڑھتی جا رہی تھی اور پھر اچانک ماریا چیخ اٹھی۔

"ناگ! یہ تو ہمارا جہاز ہے"۔

ناگ نے بھی غور سے دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑا۔

"بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ یہ تو ہمارا جہاز ہے۔ وہی جسے ڈاکوؤں نے اغوا کر لیا تھا اور عنبر اس میں نوکری کے لیے گیا تھا"۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہو گی۔ جہاز پر ڈاکوؤں کا قبضہ ہے۔ خدا جانے عنبر وہاں کس حال میں ہے"۔

ناگ بولا۔

"جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ جہاز کو قریب تو آنے دو"۔

جہاز قریب آ رہا تھا۔ ناگ اور ماریا کا تھا لیکن

اس پر عنبر سوار نہیں تھا۔ بلکہ مکار نجومی عرشے پر کھڑا دور ناگ کے چھوٹے بادبانی جہاز کو حیرانی سے تک رہا تھا کہ یہ جہاز سمندر میں کدھر جا رہا ہے۔

ناگ بھی اپنے جہاز کے عرشے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوداگروں جیسا لباس پہن لیا تھا۔ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی لیکن غائب تھی۔

مکار نجومی کا جہاز قریب سے گزرنے لگا تو ناگ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ بالکل اکیلا تھا۔ سوائے ایک بوڑھے شخص کے وہاں اور کوئی نہ تھا۔

ناگ نے اسے دونوں ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور کہا۔

"میرے محترم! اگر آپ جہاز کو روک لیں تو ہم آپ سے پینے کا پانی حاصل کر لیں۔ ہمارا پانی ختم ہو گیا ہے"۔

دونوں جہازوں نے لنگر سمندر میں ڈال دیئے۔

وہ کھڑے ہو گئے۔

نجومی نے پوچھا۔

"یہ تم جہاز لے کر اکیلے کہاں جا رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"محترم! میرے ساتھی قریبی بندرگاہ پر میری راہ دیکھ رہے ہیں۔ میں ان کے لیے خالی جہاز لے کر جا رہا ہوں تاکہ وہاں سے کپاس اور تیل لاد کر

واپس لا سکوں اور آپ بھی تو جہاز پر اکیلے ہی سفر کر رہے ہیں۔ اتنے بڑے جہاز کو آپ اکیلے کیسے سنبھالے ہوئے ہیں؟"۔

مکار نجومی مسکرا کر بولا۔

"تم نوجوان میری طاقت سے واقف نہیں ہو۔ میں اگر چاہوں تو اس سے بڑے جہاز کو اکیلا سنبھال سکتا ہوں"۔

ناگ کو یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ جہاز ان کا اپنا جہاز ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کو کسی طرح سے بھی جانے نہ دے۔ چنانچہ بڑی التجا کے ساتھ کہنے لگا۔

حضور! اگر آپ مجھ پر ترس کھا کر مجھے بھی اپنے

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

بڑے جہاز پر سوار کرا لیں تو میں حضور کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔

یہ میرا جہاز بہت چھوٹا ہے اور مجھے اس پر ڈر محسوس ہو رہا ہے کہ اگر طوفان آ گیا تو یہ مجھے بھی ساتھ ہی لے ڈوبے گا۔

نجومی اس وقت خزانے کو حاصل کرنے کی خوشی میں مست تھا اور یہ بات سچ ہے کہ جب انسان پر دولت کا غرور سوار ہوتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے ناگ کو اپنے جہاز پر آنے کی اجازت دی۔

"لیکن اس چھوٹے جہاز کا کیا کرو گے؟"۔

ناگ بولا۔

"حضور! اگر اجازت دیں تو اس میں جو تھوڑا بہت مال و دولت جمع کر کے میں نے رکھ چھوڑا ہے، اسے بھی آپ کے جہاز پر لاد لوں اور اسے آپ کے جہاز کے ساتھ باندھ دوں"۔

نجومی نے سوچا کہ چلو لگے ہاتھوں اس احمق نوجوان کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ قدرت اپنے آپ مہربان ہو رہی ہے تو پھر موقع ہاتھ سے نہیں گنوانا چاہیے۔

چنانچہ نجومی نے ناگ کو اپنے جہاز پر چڑھا لیا۔

مکار نجومی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی

جہاز پر چڑھ آئی تھی۔

ناگ نے اپنا چھوٹا جہاز رسوں کی مدد سے بڑے جہاز کے ساتھ باندھ دیا۔ اب انہوں نے ایک بار پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔

ناگ نے ایک صندوق لا کر نجومی کے جہاز میں رکھا تھا جس پر تالا لگا تھا۔ اور ناگ نے کہا تھا کہ اس میں اس کے باپ دادا کی عمر بھر کی کمائی ہیرے جواہرات بند ہیں۔

مکار نجومی کی اسی وقت رال ٹپکنے لگی تھی۔ صندوق اس نے خاص طور پر اپنے کیبن کے کونے میں رکھوا لیا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

نجومی عرشے پر بیٹھ کر ناگ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے تو کوئی شک نہیں رہا تھا کہ اس مکار نجومی نے عنبر کے جہاز پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اب کسی طرح اس سے یہ راز اگلوانا تھا کہ جہاز کے اصلی مالک عنبر کے ساتھ کیا بیتی؟۔

پہلی بات تو ناگ نے یہ کی کہ ماریا کو سرگوشی میں کہا کہ وہ نیچے جا کر یہ معلوم کرے کہ خزانہ موجود ہے یا نہیں؟۔

"ماریا اسی وقت نیچے چلی گئی۔ ناگ نے نجومی سے گفتگو شروع کر دی۔ اس سے یونہی پوچھنے لگا کہ اتنا خوبصورت جہاز اس نے کس شہر، کس بندرگاہ سے

بنوایا تھا اور کیا وہ اکیلا ہی سمندروں میں سفر کیا کرتا ہے؟"

نجومی نے کہا۔

"برخوردار! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا سفر آرام سے کٹے تو کان کھول کر سن لو کہ میرے جہاز اور میری زندگی کے بارے میں پھر کوئی بات زبان سے نہ نکالنا"۔

ناگ سمجھ گیا کہ نجومی نے عنبر کے ساتھ کوئی زبردست دھوکا کر کے جہاز پر قبضہ کیا ہے۔ ظاہر ہے، وہ اس نجومی کے ہاتھوں مر تو نہیں سکتا تھا لیکن اس نے عنبر کو کسی نہ کسی جگہ پھینک دیا ہے۔

مکار نجومی نے اپنے آپ کو پرانا تاجر ظاہر کیا جو محض تفریح کے لیے کبھی کبھی سمندروں میں اکیلا سفر کیا کرتا ہے۔ ناگ باتیں کر رہا تھا۔ کہ اسے اپنے بالکل قریب کان کے پاس ماریا کی سرگوشی سنائی دی۔

"خزانہ نیچے تہہ خانے میں موجود ہے"۔

ناگ کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"خاموش رہو"۔

مکار نجومی نے چونک کر ناگ کو دیکھا۔

"میاں! تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟"۔

ناگ سنبھل گیا۔

"کسی سے۔ میرا مطلب ہے کسی سے نہیں حضور! میں تو اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ میاں خاموش رہو"۔

نجومی نے حیرانی سے کہا۔

"لیکن یہ اپنے آپ کو خاموش رہو کہنے کی تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی؟"۔

ناگ نے سوچا کہ یہ کھوسٹ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا۔

ہنس کر بولا۔

"بچپن میں میں دیوانہ ہو گیا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اب اچھا ہو گیا ہوں لیکن کبھی

کبھی دورہ پڑ جاتا ہے"۔

"بہت خوب!" نجومی نے عنبر کو گھور کر دیکھا۔

"نوجوان! تم بڑے ذہین نظر آتے ہو۔ میرے پاس رہو گے تو تمہارا علاج کر کے تمہیں صحت مند کر دوں گا"۔

پھر وہ انگڑائی لے کر بولا۔

"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں نیچے سونے چلا"۔

ناگ جانتا تھا کہ اس نے اپنے کیبن میں جو ناگ کا صندوق رکھوایا ہے، وہ اسے جا کر کھول کر دیکھنا چاہتا ہے کہ اس میں کتنی دولت ہے۔

ناگ پر یہ حقیقت تو کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ یہ

بڈھا کوئی دھوکے باز مکار آدمی ہے۔ اس نے خدا جانے کس طرح جہاز کے عملے کو ٹھکانے لگایا۔ پھر دبا ہوا خزانہ نکال کر اس پر قبضہ کیا اور عنبر کو کسی مقام پر پھینک کر جہاز اغوا کر لیا۔

اب وس کے صندوق کے اندر بھرے ہوئے "جواہرات" پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ ناگ اسے یہ موقع دینا چاہتا تھا۔

مکار نجومی نیچے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا جو ناگ کے قریب عرشے پر بیٹھی تھی، بولی۔

"ناگ بھائی اس لالچی بڈھے نے عنبر کو کہیں سمندر میں پھینک دیا ہے۔ خزانہ بھی تہہ خانے میں تالا

لگا کر رکھا ہوا ہے"۔

ناگ بولا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی سارا بھید کھل جاتا ہے۔ تم میرے ساتھ نیچے آؤ۔ میں سانپ بن کر تمہارے ساتھ جاؤں گا"۔

انتظار کی اب بھلا کسے فرصت تھی۔ ناگ نے اسی وقت منہ اوپر کر کے ہلکی سی پھنکار ماری اور سبز رنگ کا سانپ بن گیا۔

ماریا نے اسے اپنے کندھے پر ڈالا اور جہاز کی سیڑھیاں اتر کر نیچے نجومی کے کیبن کے پاس آ کر رک گئی۔

اس نے درز میں سے جھانک کر دیکھا کہ نجومی ناگ کے صندوق کا تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ماریا نے ناگ سے کہا۔

''تمہارے صندوق کا تالا ٹوٹ رہا ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ اندر سے سوائے مرے ہوئے مینڈکوں کے اور کچھ نہ نکلے گا''۔

نجومی نے تالا توڑ کر جب صندوق کا ڈھکنا کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اندر مردہ مینڈکوں کی لاشیں پڑی ہیں۔

اس نے غصے سے تالا بند کر دیا اور کیبن کا دروازہ

کھول کر باہر نکل گیا۔ ماریا ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

''ماریا! ذرا تہہ خانے میں چل کر اپنے خزانے کے صندوق کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں''۔

ناگ کو معلوم تھا کہ تہہ خانہ کہاں پر ہے۔ وہ بڑی آسانی سے وہاں پہنچ گئے لیکن دروازے پر تالا پڑا تھا۔

ماریا نے ہاتھ بڑھا کر تالا کھول دیا۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ کاٹھ کباڑ میں ایک طرف ان کے خزانے کا صندوق جوں کا توں رکھا تھا۔

ناگ نے ماریا سے کہا کہ اس کا بھی تالا کھول دو۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے اپنا غیبی ہاتھ لگایا تو تالا کھل گیا۔ خزانے کے سارے جواہرات ویسے ہی پڑے تھے۔

اسے تالا لگا دیا گیا۔ وہ باہر نکل رہے تھے کہ انہوں نے نجومی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ نجومی کو نہ ماریا نظر آ رہی تھی اور نہ ناگ! کیونکہ ناگ تو سانپ کے روپ میں ماریا کے کندھے پر بیٹھا تھا۔

نجومی نے جب دیکھا کہ اس کے اصلی خزانے کا دروازہ کھلا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لپک کر دروازے میں آیا۔

ادھر ادھر دیکھا۔ بھاگ کر اندر گیا۔ بے تابی سے تالا کھول کر صندوق کا ڈھکنا اٹھایا اور جواہرات و

ہیرے موتیوں اور سونے کی اشرفیوں کو جوں کا توں دیکھ کر اطمینان کا ٹھنڈا سانس بھرا اور فرط مسرت سے اشرفیاں اور جواہرات اپنے منہ پر ملنے لگا۔

یہ اس کی دیوانوں جیسی حرکت تھی لیکن شاید دولت کا پیار انسان کو دیوانہ بنا دیا کرتا ہے۔ ناگ نے ماریا کے کان میں آہستہ سے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب اس کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینا چاہیے مجھے اجازت دو کہ میں تمہارے کندھے سے اتر کر اس دولت کے پجاری قاتل انسان کو جا کر ڈس دوں تاکہ یہ اگلے جہان پہنچے“۔

ماریا نے کہا۔

’’نہیں! یہ میرا شکار ہے ناگ‘‘۔

اتفاق سے یہ الفاظ ماریا کی زبان سے ذرا بلند ہو کر نکلے اور اسے مکار نجومی نے سن لیا۔ وہ چونکا کہ یہ آواز کس کی تھی؟۔

چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن وہاں تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آ سکتا تھا۔ حیرانی سے گردن کو جنبش دے کر جلدی جلدی جواہرات صندوق میں ڈالے اور اوپر سے تالا لگا دیا۔

ابھی وہ تالا لگا کر باہر نکلنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ماریا نے اونچی آواز میں کہا۔

’’مکار نجومی! یہ خزانہ کس کا ہے؟‘‘۔

نجومی پر جیسے بجلی گر پڑی تھی۔ وہیں کا وہیں جم کر رہ گیا کہ یہ آواز کہاں سے آ گئی۔ جب کہ تہہ خانے میں وہاں سوائے اس کے دوسرا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

ماریا نے پھر کہا۔

بول اے لالچی قاتل! یہ خزانہ کس کا ہے؟۔

اس کا مالک کہاں ہے؟۔

تو نے اسے کس سمندر میں پھینک کر جہاز پر قبضہ کیا؟۔

’’اس کا نام عنبر تھا وہ میرا بھائی تھا‘‘۔

اب تو نجومی کی سٹی گم ہو گئی۔ فوراً سمجھ گیا کہ عنبر

جس ناگ اور ماریا کی تلاش میں تھا، وہ یہی لڑکی ہے، مگر یہ غائب کیوں ہے؟۔ سامنے کیوں نہیں آتی؟۔ ضرور دروازے کے پیچھے یا کسی کونے میں چھپی ہوئی ہے۔

نجومی نے کہا۔

"تم اگر ماریا ہو تو کونے سے نکل کر سامنے آ جاؤ"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہیں میرے نام کا علم کیوں کر ہوا؟"۔

نجومی نے کہا۔

"عنبر تمہارا ذکر کیا تھا۔ آہ! یہ جہاز اس کی امانت ہے۔ یہ خزانہ بھی اسی کی امانت ہے۔ وہ اسی جہاز پر سفر کر کے تمہیں تلاش کر رہا تھا کہ ایک جگہ سمندر میں گر گیا اور ہلاک ہو گیا"۔

ماریا نے قہقہہ لگایا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ عنبر کبھی نہیں مر سکتا۔ تم نے یہ ساری کہانی اپنی جان بچانے کے لیے گھڑی ہے۔ تم نے خود عنبر کو سمندر میں دھکا دیا ہوگا۔ بولو! وہ سمندر میں کس جگہ گرایا گیا تھا؟"۔

نجومی نے کہا۔

"دیوتا خوش ہوں۔ تم سامنے تو آؤ۔ تاکہ میں

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

تمہیں آنکھوں سے دیکھ سکوں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بالکل تمہاری آنکھوں کے سامنے کھڑی ہوں۔ لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، لو میں تمہیں ثبوت دیتی ہوں"۔

ماریا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر نجومی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ تم۔ تم تو غائب ہو؟ مگر۔ مگر تم غائب کس طرح سے ہو گئیں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"اس بک بک کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نے عنبر کو

کہاں سمندر میں دھکا دیا تھا؟ اگر تم نے صاف صاف نہ بتایا تو میں اسی جگہ تمہیں ہلاک کرنے کی طاقت رکھتی ہوں"۔

نجومی نے کہا۔

"نہ نہ ایسا نہ کرنا بیٹی! میں ابھی بتاتا ہوں۔ میں نے عنبر کو سمندر میں نہیں پھینکا تھا۔ بلکہ یہاں سے سات روز کے فاصلے پر ایک جزیرہ ہے، اس جزیرے میں چھوڑ دیا تھا اور اس کے جہاز پر اور خزانے پر قبضہ کر لیا تھا"۔

ماریا بولی۔

"جہاز کا رخ اس جزیرے کی طرف موڑ دو اور پھر

چلو۔ جلدی چلو۔ نہیں تو ابھی مزہ چکھاتی ہوں"۔

نجومی چپکے سے عرشے پر آ گیا۔ اور اس نے جہاز کا رخ کھیتالہ جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ ماریا نے اسے تاکید کر دی کہ وہ کوئی ایسی ویسی تخریبی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ وہ اسے دیکھ رہی ہو گی۔

نجومی نے کہا۔

"ماریا بیٹی! تم تو خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہو رہی ہو۔ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے تم سے مقابلہ کرنے کی اور میں اس عمر میں تمہارا مقابلہ کر بھی تو نہیں سکتا۔ تم غائب ہو۔ مجھے نظر نہیں آتیں۔ میں بھلا کیا شرارت

کر سکتا ہوں"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اور ناگ کو لے کر نیچے کیبن میں آ گئی۔ شام کو نجومی نے سوچا کہ اس لڑکی کو کسی بھی جزیرے پر پہنچا کر کسی طرح وہاں سے جہاز کو اغوا کر کے بھاگ جانا چاہیے۔

اس کے خیال میں یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

نجومی ان سمندروں کے سبھی جزیروں سے واقف تھا۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

چوتھے روز وہ جہاز کو ایک ویران سے جزیرے پر لے گیا اور بولا کہ یہی وہ جزیرہ ہے جہاں اس نے عنبر کو اتارا تھا۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا۔

"میرے ساتھ جزیرے پر اترو اور عنبر کو تلاش کرو"۔

اب نجومی پھر مصیبت میں پھنس گیا۔ چارو ناچار جہاز سے ماریا کے ساتھ اتر پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اسے نظر نہیں آتی تھی۔

ماریا بول کر ظاہر کرتی جاتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چل رہی ہے۔ نجومی کی نیت بھانپنے کے لیے وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئی کہ ذرا جنگل میں جا رہی ہوں تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔

میں خود ہی عنبر کو تلاش کرتی ہوں وہ تو چلی گئی لیکن

ناگ کو اسی جگہ چھوڑ گئی۔ ناگ سانپ کے روپ میں ایک جھاڑی میں چھپ گیا۔

نجومی کو جب یقین ہو گیا کہ اب ماریا وہاں نہیں ہے تو وہ جہاز کی طرف بھاگا۔ جلدی سے سیڑھی پر چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آیا۔ سیڑھی اوپر کھینچی۔

لنگر اٹھایا۔ بادبان کھولے اور جہاز کو چلا دیا۔ ابھی جہاز اپنی جگہ سے ہلا ہی تھا کہ اسے سانپ کی پھنکار کی آواز سنائی دی۔

وہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے ایک سیاہ کالا ناگ پھن اٹھائے اسے اپنی سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

نجومی نے قریب پڑا ایک لکڑی کا لٹھ اٹھا کر پوری

طاقت سے ناگ پر مارا۔

اگر ناگ پرے نہ ہٹ جاتا تو کچلا جاتا۔ ناگ کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے اپنا پھن اٹھا کر تیزی سے نجومی کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ نجومی گر پڑا۔

اس کے گرتے ہی سانپ نے ایک اور پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں اس کے سامنے آ گیا۔

"بد بخت لالچی انسان! تم نے پھر دھوکہ دینے اور خزانے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ آخر تو اپنے انجام کو پہنچا"۔

نجومی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تم۔۔۔ تم سانپ۔۔۔ تم انسان۔۔۔"

"ہاں! میں ناگ ہوں۔ سانپوں کا دیوتا! جو کسی بھی شکل میں سامنے آ سکتا ہے"۔

زہر نے اپنا کام بڑی تیزی سے پورا کر لیا تھا۔ نجومی کے منہ سے جھاگ جاری ہو گیا اور وہ اکڑ کر مر گیا۔

ناگ نے بادبان لپیٹ کر لنگر سمندر میں پھینکا اور سیڑھی ڈال کر ماریا کو جہاز پر چڑھا لیا۔ نجومی کی زبانی انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سات روز کی مسافت پر جو جزیرہ ہے، وہاں عنبر موجود ہے۔

اس جزیرے پر وہ انہیں دھوکے سے لے آیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کھیتالہ جزیرے کی طرف سفر شروع

کر دیا۔ ہوائیں خوب تیز چل رہی تھیں۔ تیسرے روز انہیں دور سے ایک جزیرے کے پہاڑ دکھائی دیے۔ جہاز جزیرے کے قریب پہنچ رہا تھا کہ ادھر عنبر نے بھی چٹان پر کھڑے اسے دیکھ لیا۔

اس نے اپنے جہاز کو فوراً پہچان لیا۔ اسے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے وہی مکار نجومی دوبارہ آ گیا ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کنارے آن لگا۔ عنبر بھاگتا ہوا کنارے پر پہنچا تو ناگ نے اسے آواز دی۔ ناگ کی آواز سن کر عنبر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ ماریا بھی جہاز پر اس کے ساتھ ہے تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔

ایک مدت کے بعد تینوں بہن بھائی ملے تھے خوب باتیں ہوئیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ عنبر نے نجومی کا قصہ سنایا تو ناگ نے کہا اس کی لاش سمندر میں پڑی ہے۔ وہ رات انہوں نے جزیرے پر گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

کھانے کے بعد جہاز کے عرشے پر بیٹھ کر جب عنبر نے سرخ اور نیلی روشنی والی اڑن طشتری کا واقعہ سنایا تو کسی کو اعتبار نہ آیا۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کو ساتھ لیا اور خود جا کر

سنگ مرمر کا گول چبوترہ اور چاندی جیسے گولے دکھائے۔ ناگ اور ماریا انہیں دیکھ کر حیران ہوئے۔ مگر آسمان سے اترنے اور پھر آسمان کی جانب پرواز کرنے والی اڑن طشتری کی کہانی پر انہیں پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

ماریا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''عنبر بھیا! تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا''۔

ناگ بولا۔

عنبر! شاید اس جزیرے پر اکیلے رہتے رہتے تمہارے دماغ نے تمہیں نئے نئے منظر دکھانے شروع کر دیے۔

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

اب تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم واپس دمشق جا کر تمہارا باقاعدہ حکیم سے علاج کرائیں گے۔

ناگ اور ماریا قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ مگر عنبر خاموش تھا۔ سنجیدہ تھا۔ اور یہی کہہ رہا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ خواب نہیں تھا۔

ہرگز خواب نہیں تھا۔ ستاروں کی مخلوق کے ہتھیاروں سے جو شعاع نکل کر اس کے جسم سے ٹکرائی تھی۔ اس کی چبھن ابھی تک وہ اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا۔

لیکن ناگ اور ماریا رات ہونے تک اس کا مذاق

اڑاتے رہے۔ پھر وہ کھانا کھا کر عرشے پر اسی جگہ لیٹ کر سو گئے۔

آدھی رات گذری ہوگی کہ عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہی چاندی کی ایک منزلہ گول اڑن طشتری اپنے گنبد سے سرخ روشنی اور نیچے سے نیلی روشنی چھوڑتی ہوئی جزیرے پر ہلکے ہلکے شور کے ساتھ اتر رہی تھی۔

پھر ایکدم سے شور بڑھ گیا۔ اب ماریا اور ناگ بھی اٹھ کر بیٹھ گئے اور عنبر سے پوچھنے لگے کہ یہ شور کیسا ہے؟۔

عنبر نے جزیرے پر اترتی اڑن طشتری کی طرف

اشارہ کیا وہ اسے دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے۔ طشتری میں سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ جزیرے میں اتر گئی اور درختوں کے پیچھے غائب ہو گئی۔

سارا جزیرہ روشن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد شور ختم گیا اور روشنی بھی بجھ گئی۔ صرف طشتری کے گنبد پر سے سرخ روشنی کی کرنیں پھوٹ کر آسمان کی طرف جا رہی تھیں۔

ماریا نے کہا۔

"میرے خدا! یہ کیا چیز تھی؟"۔

ناگ بھی حیرت میں گم تھا۔

"کیا یہی وہ اڑن طشتری تھی عنبر؟"

Pakistan Virtual Library www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

''ہاں! مگر ہم شدید خطرے میں گھر گئے ہیں۔ طشتری کے سفر کرنے والوں نے ہمارا جہاز ضرور دیکھ لیا ہوگا۔ وہ اب یہاں آئیں گے۔ ان کے ہتھیار کی مہلک شعاعیں جہاں پڑتی ہیں، اس جگہ آگ لگ جاتی ہے۔ اس جہاز سے فوراً باہر نکل کر باہر جزیرے پر آ کر کسی جگہ چھپ جاؤ۔ جلدی کرو''۔

جہاز پر سیڑھی لگا دی گئی۔ ماریا، ناگ اور عنبر جلدی جلدی جہاز سے اتر کر جزیرے پر آ گئے۔ عنبر انہیں لے کر ساحل سے دور چٹانوں میں آ گیا۔

یہاں ایک غار تھا۔ جہاں عنبر رات کو سویا کرتا تھا۔

اس غار میں آ کر وہ بیٹھ گئے۔ اور غور کرنے لگے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے؟۔

اس خیال کے ساتھ ہی انہیں خزانے کی فکر ہوئی۔ عنبر اور ناگ دوبارہ جہاز کی طرف بھاگے۔ بڑی مشکل سے وہ خزانے کا صندوق نکال کر غار میں لے آئے اور اسے پتھروں سے چھپا دیا گیا۔

جنگل کی جانب سے شور کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔۔ اب صرف سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

☆ اڑن طشتری والے لوگ کون تھے؟۔

☆ ماریا، ناگ اور عنبر کے ساتھ انہوں
نے کیا سلوک کیا؟۔

☆ ان کے جہاز پر کیا گزری؟۔

☆ یہ معلوم کرنے کے لیے اسی ناول کی
52 ویں قسط پڑھیے

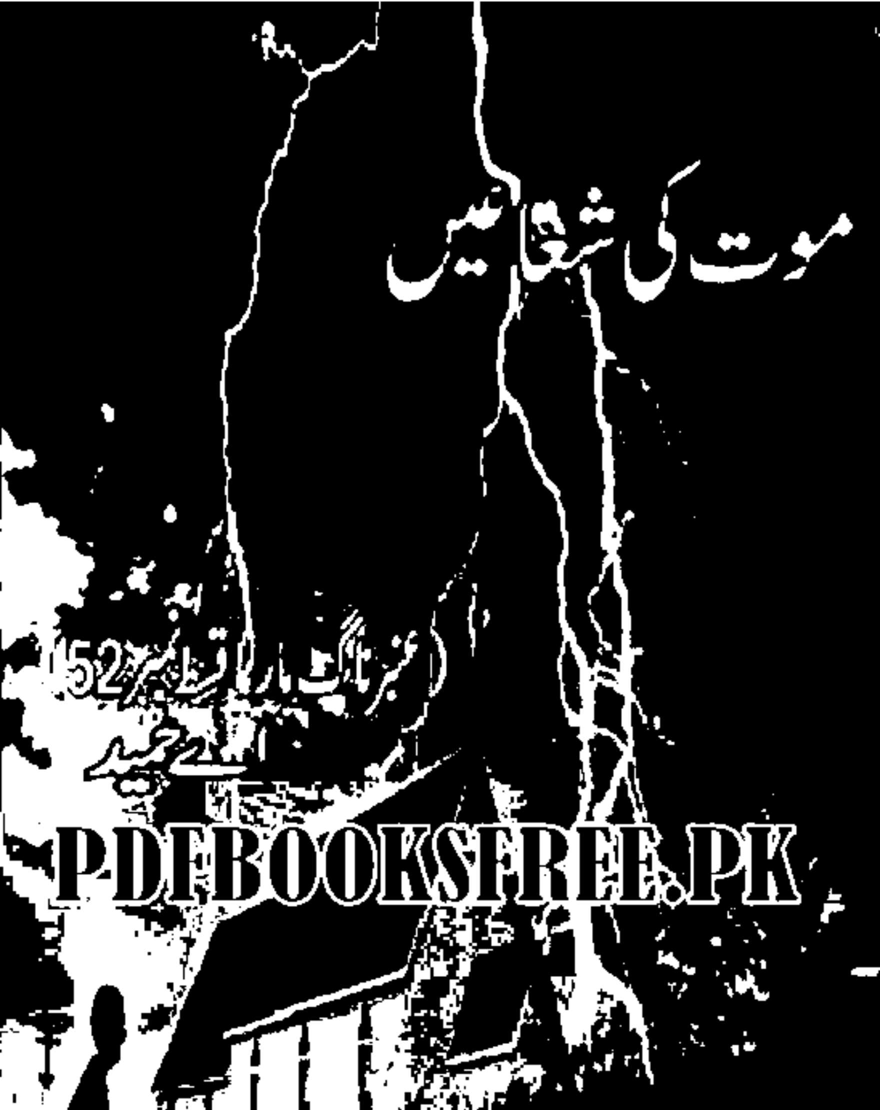

موت کی شعاعیں

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 52)

اے حمید

فہرست

آسمانی مخلوق کی قید
موت کی شعاعیں
داستان مصیبت
ڈاکو اور خزانہ
اندھیرے غار والے
جہنم کے شعلے
خلا سے زمین کی طرف

پیارے بچو

ہمارے مسلسل ناول موت کا تعاقب کی پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح ماریا کو آسمانی مخلوق اغوا کر کے خلائی جہاز کے ذریعے اوپر اپنے ستارے میں لے گئی۔

اس کے بعد کس طرح ناگ اس کی تلاش میں نکلا اور وہ بھی آسمانی مخلوق کے چنگل میں پھنس گیا اس قسط میں آپ پڑھیں گے کہ عنبر ماریا اور ناگ کی تلاش میں

ۂ کام ہو جاتا ہے تو جزیرے پر بحری ڈاکو اپنا خزانہ دفن کرنے آتے ہیں۔

وہ چاندنی رات میں جزیرے میں اڑن طشتری دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

وہ اڑن طشتری پر پتھر مارتے ہیں۔

خلائی مخلوق بحری ڈاکو پر حملہ کر دیتی ہے۔ ان کے جہاز کو آگ لگا کر ڈاکوؤں کو بھسم کر دیتی ہے۔ ایک ڈاکو بچ جاتا ہے۔ وہ عنبر سے ملتا ہے۔

وہ ایک کشتی تیار کرتے ہیں اور دونوں خزانے اس میں ڈال کر ہسپانیہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں ڈاکو کی نیت بدل جاتی ہے وہ عنبر کو سمندر میں

پھینک دیتا ہے۔ اور اکیلا کشتی میں خزانہ لے کر ہسپانیہ کی جانب بڑھتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔

یہ آپ خود پڑھیں۔

آسمانی مخلوق کی قید

جنگل پر ایک پراسراری خاموشی چھا گئی۔

ایسے لگتا تھا جیسے پورے کے پورے جزیرے نے ایک دم سے اپنا سانس روک لیا ہو۔ اس سے پہلے آدھی رات کے بعد بھی درختوں پر کہیں کہیں پرندے بولا کرتے تھے، لیکن آج تو انہیں بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں سہمے بیٹھے تھے۔

درختوں کے جھنڈوں کے پیچھے جنوبی علاقے میں جہاں وہ آسمانی شے اتری تھی، ابھی تک وہاں سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین سے بھاپ نکلنے کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔

عنبر، ناگ اور ماریا چٹان کے اندر غار میں دبکے بیٹھے تھے۔ خزانے کا صندوق بھی اسی غار میں ایک جگہ چھپا دیا گیا تھا۔

ان کا بادبانی جہاز سمندر کے کنارے رات کے اندھیرے میں خاموش کھڑا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں سمندر کی لہریں دور سے آ کر ساحل سمندر سے ٹکرا کر

واپس جا رہی تھیں۔

ماریا، ناگ اور عنبر غار میں پتھروں کی دیوار سے لگے خاموش بیٹھے باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہے تھے۔

جب کسی قسم کا کوئی واقعہ نہ ہوا تو ماریا نے کہا۔

”اسی طرح وہ کب تک غار میں پڑے رہیں گے؟ اگر اڑن طشتری والوں نے حملہ کرنا ہوتا تو اب تک جہاز کو آگ لگ چکی ہوتی“۔

ناگ کا بھی یہی خیال تھا کہ ان لوگوں نے ابھی تک ان کے بادبانی جہاز کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن عنبر خاموش تھا اور کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

اپنی پانچ ہزار سالہ پرانی تجربہ کار اور ہنگاموں، خطروں سے بھری ہوئی زندگی میں اس نے پہلی بار اپنے دل میں ایک خطرہ اور خوف سا محسوس کیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آج تک اس کا مقابلہ دنیا میں رہنے والے ظالم بادشاہوں، سنگدل ڈاکوؤں اور آدم خور درندوں سے رہا تھا۔

یہ پہلی بار تھی کہ اس کا مقابلہ ایک ایسی مخلوق سے تھا جو آسمانی تھی اور جس کا تعلق اس دنیا سے بالکل نہیں تھا۔

جب اس نے ناگ اور ماریا کو بتایا کہ آسمانی مخلوق کی کھوپڑی میں ایک سینگ ہے، ماتھے پر صرف

ایک آنکھ ابھری ہوئی ہے اور ٹانگیں، ہاتھ، پاؤں پتلے اور سفید ہیں اور سر انار کی طرح لگتا ہے تو انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”چلو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اب تو وہ لوگ اسی جزیرے پر ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا“۔

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ جزیرے پر خاموشی اور زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

ماریا نے کہا۔

”آخر ہم لوگ کب تک یوں قیدیوں کی طرح غار میں پڑے رہیں گے؟“۔

عنبر بولا۔

”نہیں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“۔

ماریا بولی۔

”میرا مطلب ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ جا کر معلوم کروں کہ یہ کون لوگ ہیں اور وہاں کیا کر رہے ہیں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”کم از کم میں تو تمہیں اس مہم پر نکلنے کی بالکل اجازت نہیں دے سکتا“۔

عنبر کہنے لگا۔

"کوئی بھی شریف آدمی اجازت نہیں دے سکتا"۔

ماریا کہنے لگی۔

"مگر وہ لوگ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں خطرے سے محفوظ رہوں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"خواہ کچھ بھی ہو۔ تمہیں اس جگہ بیٹھ کر انتظار کرنا ہوگا۔ کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں جہاز پر سوار ہو کر جزیرے سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جانے کی کوشش

کرنی چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

انہوں نے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا ہوگا۔ ہمارے جہاز نے بادبان کھولے تو وہ ان لوگوں کی نظروں سے نہیں بچ سکے گا۔

اس میں خطرہ ہے۔ ہاں جب یہ لوگ اپنی اڑن طشتری لے کر چلے جائیں گے تو ہم اس جزیرے کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن ابھی نہیں۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں غار کے باہر کچھ روشنی ہوتی نظر آئی۔

عنبر نے کہا۔

"شاید وہ لوگ اپنی اڑن طشتری لے کر واپس جا رہے ہیں"۔

لیکن یہ روشنی سرخ نہیں تھی، نہ ہی نیلی تھی، بلکہ سفید سفید سی تھی۔ اتنے میں ایک دھماکا سا ہوا اور روشنی تیز ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے، انہوں نے ہمارے جہاز کو تباہ کر دیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں باہر جا کر دیکھتا ہوں"۔

عنبر جلدی سے بولا۔

"نہیں تمہارا جانا ٹھیک نہیں۔ ماریا تم ذرا باہر جا کر معلوم کرو۔ روشنی ساحل کی طرف سے آ رہی ہے۔ ضرور ہمارا جہاز جل رہا ہو گا"۔

ماریا تو اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی جلدی سے غار سے باہر نکل گئی۔ ایک ٹیکری پر کھڑی ہو کر کیا دیکھتی ہے کہ ان کے جہاز میں خوفناک آگ لگی ہے اور وہ دھڑا دھڑ جل رہا ہے۔

اس نے جلدی سے واپس آ کر ناگ اور عنبر کو صورتحال سے باخبر کیا۔ تینوں کو اپنے جہاز کے جل جانے کا بے حد صدمہ ہوا۔ اس بادبانی جہاز نے ان کا بڑی مصیبتوں اور مہموں میں ساتھ دیا تھا۔

عنبر آہ بھر کر بولا۔

"کاش، ہم اپنے جہاز کو بچا سکتے۔ لیکن دشمن بہت طاقت ور ہے۔ کم از کم اگر وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے تو تم دونوں ان کے شعاعوں والے مہلک ہتھیار سے زندہ نہیں بچ سکتے"۔

ماریا کو بڑا غصہ آ رہا تھا۔

کہنے لگی۔

"اب ہم کیا کریں گے؟ کیا باقی ساری عمر اس ویران جزیرے پر گزار دیں گے؟ کم بختوں نے ہمارے جہاز کو نذرِ آتش کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا خزانہ بچ گیا"۔

عنبر بولا۔

"ہمیں خاموشی سے بیٹھ کر حالات کا انتظار کرنا چاہیے یہ لوگ ضرور کسی آسمانی ستارے سے اتر کر آئے ہیں۔ میں نے قدیم مصر میں نجومیوں کی زبانی سنا تھا کہ آسمان پر جو ستارے چمکتے ہیں ان میں کئی سورج ہیں اور کئی ہماری زمین کی طرح ہیں جن پر ہو سکتا ہے لوگ بھی آباد ہوں اور وہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں۔ آج یہ بات سچ معلوم ہو رہی ہے"۔

یونہی باتیں کرتے اور اپنے جہاز کے جل جانے پر افسوس کرتے صبح ہو گئی۔ دن نکل آیا۔ یہ تینوں ابھی تنگ غار میں بیٹھے مستقبل کے بارے میں غور کر رہے

تھے۔

عنبر کی وجہ سے ناگ اور ماریا بھی باہر نکلنے کی جرات نہیں کر رہے تھے۔ عنبر کوئی بھی قدم سوچے سمجھے بغیر نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

کیونکہ مقابلہ ایک عجیب و غریب اور بہت انوکھی طاقت رکھنے والے کے ساتھ پڑ گیا تھا۔ جزیرے پر غار کے باہر سورج کی روشنی پھیل گئی تھی۔

پھر اچانک شور کی آواز آنے لگی۔ یہ شور وہی زمین سے بھاپ کے خارج ہونے والا شور تھا۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"وہ لوگ جا رہے ہیں"۔

ماریا کو انہوں نے غار کے باہر بھیج کر آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے کو کہا۔

اس نے غار کے دروازے پر کھڑے ہو کر جنوب کی جانب نظریں اٹھائیں اور کہا۔

"یہ ایک سفید چاندی جیسی بہت بڑی طشتری سرخ اور نیلی روشنی خارج کرتی درختوں سے اوپر کو اٹھ رہی تھی"۔

عنبر نے آواز دی۔

"ماریا! زمین پر بیٹھ جاؤ۔ جھاڑیوں میں چھپ جاؤ۔ ہو سکتا ہے، ان کے پاس کوئی ایسا آلہ ہو جس کی مدد سے تمہیں دیکھ لیں"۔

ماریا جلدی سے جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئی۔ اڑن طشتری کا شور آسمان کی طرف بلند ہوتا گیا۔ اور پھر انہوں نے بھی غار سے باہر نکل کر دیکھا کہ اڑن طشتری بڑی تیزی سے نیلے آسمان میں اوپر کی جانب چلی جا رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفید گنبد نظر آنے لگی اور پھر نظروں سے غائب ہو گئی۔

میدان صاف پاتے ہی وہ بھاگ کر اپنے جہاز کی طرف آئے مگر وہاں سوائے جلے ہوئے تختوں کے اور کچھ نہیں تھا جنہیں سمندر کی موجوں نے اٹھا کر ساحل کی ریت پر پھینک دیا تھا۔

کم بختوں نے اپنی تیز شعاعوں سے ایسی آگ لگائی تھی کہ جہاز چند لمحوں میں جل کر غرق ہو گیا تھا۔ سوائے ان جلے بجھے تختوں کے ان کا کچھ باقی نہ بچا تھا۔

کھانے پینے کی تمام چیزیں اور کچھ پہننے کے جو کپڑے تھے وہ بھی جہاز کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

انہیں جہاز کے جل جانے کا بڑا افسوس ہوا۔ لیکن اب افسوس کرنے سے کچھ بھی حاصل نہ تھا۔ کیونکہ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔

عنبر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ ناگ اور ماریہ کو

جہاز سے بھگا کر غار میں لے آیا تھا، نہیں تو وہ ضرور جہاز کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہو جاتے۔

یہ آگ اس قدر اچانک لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جہاز کو تباہ کر دیا تھا کہ اس میں سے کسی کا بچ کر نکلنا بڑا مشکل تھا۔

ماریا بولی۔

"ہم ان لوگوں سے اپنے جہاز کی بربادی کا بدلہ ضرور لیں گے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"میں ان اڑن طشتری والوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا"۔

عنبر خاموش تھا، کیونکہ اس نے ان لوگوں کو اپنی شعاعوں والی بندوق سے حملہ کرتے دیکھا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی شکلوں کو بھی اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ معاملہ بڑے خوفناک دشمن سے ہے اور وہ آسانی سے قابو آنے والے نہیں ہیں۔ اگر ناگ سانپ بن کر ان کو کاٹ بھی لے گا تو ہو سکتا ہے، وہ نہ مریں۔

عنبر کے ذہن میں قدیم مصر کے کاہنوں اور سائنسدانوں کا علم بھی موجود تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس دنیا کے انسان کے خون پر زہر کا اس لیے اثر ہوتا ہے کہ اس کے خون میں سرخ ذرات ہوتے ہیں جن کو

زہر تباہ کر دیتا ہے۔ لیکن اڑن طشتری والے اس زمین سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

ہمارا خون اس لیے سرخ ہے کہ ہمارے اندر لوہے کا عنصر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اڑن طشتری والے جس ستارے کی زمین سے آئے ہوں، وہاں لوہا بالکل ہی نہ ہو اور ان کے خون میں کسی اور دھات کا عنصر ہو۔

یہی وجہ تھی کہ ان کے جسم سرخ نہیں بلکہ سفید تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے جسم کے لیے ہمارے سانپ کا زہر بے اثر ہو۔ ابھی انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ان پر کون سی شے اچھا اثر ڈالتی ہے اور کون سی شے

برا اثر ڈالتی ہے۔

اتنا وہ ضرور جانتا تھا کہ آکسیجن انہیں نقصان نہیں دیتی کیوں کہ انہوں نے اپنے چہروں پر کوئی گیس ماسک بھی نہیں پہن رکھا تھا۔

چنانچہ عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اس قسم کی باتیں سوچنے کی بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ یہاں سے فرار ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے"۔

ماریا نے غصے سے کہا۔

"ہم ان لوگوں کو مزہ چکھائے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم ان سے اس زیادتی کا بدلہ ضرور لیں گے۔ ماریا ٹھیک کہتی ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے لیے یہی مناسب بات ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس جزیرے سے نکل جائیں"۔

ماریا تنک کر بولی۔

"عنبر بھائی! آپ اس قدر ڈرتے کیوں ہیں ان سے؟ آخر وہ ہمیں کھا تو نہیں جائیں گے؟ وہ ہم سے زیادہ طاقتور تو نہیں ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا! میں ڈرتا نہیں ہوں لیکن یقین کرو کہ مجھے صورتحال کی سنگینی کا احساس ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم لوگوں نے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں تو شاید ہمیں زیادہ نقصان پہنچے"۔

اسی قسم کی باتیں کرتے وہ جزیرے کے اندر چلے گئے۔ عنبر انہیں سنگ مرمر کا وہ گول چبوترہ دکھانے لے گیا، جہاں آ کر اڑن طشتری اتری تھی۔

ماریا اور ناگ چاندی کے گولوں کو بڑے غور سے دیکھنے لگے، جو چاندی کی سلاخوں پر لگے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ یہاں زیادہ دیر رکنا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے"۔

جانے کیوں جیسے عنبر نے کوئی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ ماریا اور ناگ ضد کر رہے تھے کہ وہ وہاں رک کر تحقیق کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے وہاں اپنا کوئی خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔

عنبر واپس چلنے پر اصرار کر رہا تھا۔ آخر وہ انہیں لے کر غار میں گیا تھا۔ ان کا خزانہ پتھروں کے نیچے ویسے کا ویسا پڑا تھا۔

عنبر اب صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ جزیرے سے نکلا کیسے جائے؟ ان کے پاس کوئی جہاز

یا کشتی نہیں تھی۔

ظاہر ہے، انہیں ایک کشتی تیار کرنی تھی۔ یہ کام درخت کاٹ کر ہو سکتا تھا، اور ان کے پاس درخت کاٹنے کے لیے کوئی اوزار نہ تھا۔ اور سمندر کے کنارے جلے ہوئے تختے ان کے کام نہیں آ سکتے تھے۔

دوپہر کو انہوں نے درختوں سے توڑ کر کچھ پھل کھائے تالاب کا پانی پیا اور ایک بار پھر اسی مسئلے پر غور کرنے لگے کہ وہاں سے فرار کس طرح سے ہوا جائے۔

شام کو عنبر جنگل میں گیا اور کچھ پھل توڑ کر لے

آیا۔ ہلکی ہلکی خنکی ہو گئی تھی۔ وہ غار میں دبک کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

عنبر کو معلوم تھا کہ ماریا ذرا تیز طبیعت کی لڑکی ہے۔ ہو سکتا ہے، یہ کوئی غیر ذمہ داری کی حرکت کر بیٹھے، اس لیے وہ اسے سمجھانے لگا کہ ان کا جزیرے سے نکل جانا ہی مناسب رہے گا۔

ماریا ہوں ہاں سے جواب دیتی رہی یوں باتیں کرتے کرتے عنبر کو نیند آ گئی، اور وہ سو گیا۔

کچھ دیر تک ناگ اور ماریا باتیں کرتے اور اڑن طشتری والوں کے بارے میں غور کرتے۔ پھر ناگ بھی سو گیا۔

ماریا کو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ جو شے اسے اڑن طشتری والوں کے چبوترے کی طرف دوبارہ لے جا رہی تھی وہ اس کا شوق بھی تھا، احساس انتقام بھی تھا، اور سب سے زیادہ یہ خیال تھا کہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔

اب جو اس نے دیکھا کہ ناگ اور عنبر خراٹے لے رہے ہیں تو اس کا شوق چمک اٹھا۔ سوچنے لگی کہ چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ جہاں سنگ مرمر کا چبوترہ ہے وہاں کچھ اور تو نہیں ہے؟۔

کیونکہ عنبر انہیں بہت جلد وہاں سے واپس لے آیا تھا۔ ماریا بڑے اطمینان سے اٹھی اور غار سے باہر نکل

گئی۔

مشرق کی طرف والے درختوں سے چاند آہستہ آہستہ اوپر آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے جزیرے پر بڑی پراسراری زرد رنگ کی روشنی کا غبار پھیل رہا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ کسی درخت پر کوئی پرندہ، یہاں تک کہ الو تک بھی نہیں بول رہا تھا جو ایسے ویران جنگلوں میں راتوں کو ضرور بولا کرتا ہے۔ صرف سمندر کی جانب سے لہروں کے ہلکے ہلکے شور کی آواز آ رہی تھی۔

ماریا نے بھی بڑے بڑے بھیانک جنگل، صحرا اور جزیرے دیکھے تھے۔ اور راتوں کو ڈاکوؤں میں بن

مانسوں سے مقابلہ کیا تھا۔

ڈر تو اس کی کھال میں بالکل نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے درختوں کے نیچے سے ہوتی ہوئی سنگ مرمر کے چبوترے کر آ گئی۔

چاند اب درختوں سے اوپر اٹھ آیا تھا اور سنگ مرمر کا چبوترہ اس کی روشنی میں خود ایک سفید چاند لگ رہا تھا جو زمین پر پڑا ہو۔

اس کے ارد گرد لگے ہوئے چاندی کے گولے ابھی چمک رہے تھے۔ ماریا ان گولوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے لگی۔ وہ ٹھنڈے تھے اور سخت جیسے پتھر۔

ماریا کی بے خوفی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس

کو معلوم تھا کہ کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے چبوترے پر آ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ چاندی کے ایک گولے کے قریب گئی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کا رنگ دوسرے گولوں کے مقابلے میں کچھ کچھ سرخی مائل ہے۔

ماریا نے قریب جا کر اسے ہاتھ لگایا تو اسے اپنے ہاتھ کے اندر کچھ لہریں سی جاتی محسوس ہوئیں۔ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیا راز ہے؟

اس نے گولے کو ذرا سا گھمایا تو وہ بائیں جانب کو

سل اپنے آپ اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ ماریا نے جھک کر دیکھا۔

نیچے سنگ مرمر کی سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ اور نیچے سے روشنی آ رہی تھی۔ ماریا بلا خوف و خطر سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔

یہاں آ کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک بڑا کمرہ ہے جس کی چھت پر گول گول چاند سے چمک رہے ہیں اور روشنی ہی روشنی ہے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ شیشے کی الماریوں میں لگی مشینیں سی ہیں جن میں سرخ اور سفید سے لٹو گھوم رہے ہیں۔

ماریا ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں فرش

پر سنگ مرمر کے کتنے ہی چبوترے دیوار کے ساتھ ساتھ بنے تھے۔ ماریا ان کے قریب گئی تو پہلی بار خوف زدہ ہو گئی۔

ان چبوتروں پر انسانوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ یہ انسان وحشی معلوم ہوتے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ اسی جزیرے کے رہنے والے تھے۔ جنہیں ان اڑن طشتری والوں نے پکڑ کر ہلاک کر دیا اور اب ان پر کوئی تجربہ کر رہے ہیں۔

اب ماریا کو محسوس ہوا کہ وہ خطرناک جگہ پر آ گئی ہے۔ وہ باہر نکلنے کے لیے پلٹی ہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے اس کے سامنے دو آدمی کھڑے ہیں۔

ان کے سروں پر سینگ تھے۔ جسم سفید اور چمک رہے تھے۔ جیسے چاندی کے بنے ہوں اور سر انار جیسے تھے جن کے وسط میں ماتھے پر ایک سرخ آنکھ چمک رہی تھی۔

ماریا بڑے آرام سے دوسری طرف سے ہو کر گزرنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ لیکن یہ اس کا وہم تھا۔

اڑن طشتری والوں کی آنکھ ماریا کے جسم کے خاکے کو صاف دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ماریا کو پکڑ لیا۔

ان کے ہاتھ لگانے سے ماریا کو یوں محسوس ہوا

جیسے اس کے جسم کے اندر ہلکی ہلکی لہریں سرایت کر رہی ہیں۔ اس پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی۔

ایک آدمی نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا اور ایک تنگ سے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔

ان عجیب الخلقت انسانوں نے آپس میں بات بھی کی مگر ان کی زبان انوکھی، آواز تیز اور الفاظ ایسے تھے جو ماریا کی سمجھ سے باہر تھے۔ ماریا پر ویسے ہی بے ہوشی کا عالم طاری تھا۔ دروازے کی دیوار ان کے جاتے ہی اپنے آپ بند ہو گئی تھی۔

اب ذرا ادھر کی بھی سنئے۔

صبح ہو گئی تو ناگ اور عنبر کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے

دیکھا کہ ماریا وہاں نہیں ہے، تو سوچا کہ شاید وہ جنگل میں ٹہلنے گئی ہو گی۔ لیکن جب کافی دیر گزرنے پر بھی وہ نہ آئی تو وہ دونوں پریشان ہو گئے۔ اٹھ کر غار سے باہر آئے اور ماریا کو تلاش کرنے لگے۔

انہوں نے جزیرے کا سارا جنگل چھان مارا لیکن ماریا کا کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سنگ مرمر کے چبوترے پر بھی آئے یہاں بھی کچھ نہیں تھا۔

انہوں نے ماریا کو جگہ جگہ آوازیں دیں۔

"ماریا!۔۔ ماریا!۔۔ ماریا!"۔۔

لیکن جنگل میں ہر بار ان کی آواز گونج کر رہ جاتی۔ آخر وہ تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور سوچنے

لگے کہ ماریا کہاں جا سکتی ہے؟۔

ناگ نے کہا۔

"وہ اڑن طشتری والوں کی باتیں کر رہی تھی۔ ضرور ان کی تلاش میں نکلی ہے اور کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے"۔

عنبر پریشان تھا۔ کہنے لگا۔

لیکن وہ لوگ تو یہاں کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر وہ کہاں جا سکتی ہے۔ ان کی طشتری بھی جا چکی ہے۔ دیکھو ہماری اس بہن نے ہمیں کتنی پریشانی میں ڈال دیا ہے۔

خدا جانے اب وہ کہاں جا کر کسی مصیبت میں

پھنس گئی ہو گی۔ ظاہر ہے وہ اسی جزیرے پر ہے۔ لیکن کسی خفیہ جگہ پر ہو گی جو اس تک ہماری آواز بھی نہیں پہنچ سکی۔

وگرنہ یہ جزیرہ اتنا بڑا نہیں ہے اور ہم نے سارے کا سارا جزیرہ چھان مارا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں ہم نے اسے آواز نہ دی ہو۔

ناگ کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار تھے کہ نہ جانے ماریا ایک دم سے کہاں جا کر گم ہو گئی ہے۔ ایسی بات بھی نہیں تھی کہ راتوں رات کوئی بحری جہاز آیا ہو اور ماریا کو اٹھا کر لے گیا ہو۔

اول تو ماریا کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتی، اور اگر فرض

کر لیا جائے کہ کوئی اس سے ٹکرا جاتا۔۔ اور اسے پکڑ بھی لیتا تو وہ مدد کے لیے پکار سکتی تھی، بلکہ جو اس سے ٹکراتا وہ اسے بھوت سمجھ کر سر پر پاؤں رکھ کر خود بھاگ جاتا۔

اسے زمین بھی نہیں نگل سکتی تھی، آسمان بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پھر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی؟۔

ماریا کو تلاش کرتے کرتے شام ہو گئی۔

تھک ہار کر عنبر اور ناگ اپنے غار میں آ کر بیٹھ گئے۔ درختوں سے توڑ کر تھوڑا بہت پھل کھایا اور پانی پی کر پھر ماریا کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔

عنبر کو یقین ہو گیا تھا کہ اسے اڑن طشتری والوں نے کسی جگہ گم کیا ہے اور یہ کہ اگر چہ ان لوگوں کی اڑن طشتری جزیرے میں نہیں ہے لیکن ان کے آدمی کسی نہ کسی زمین دوز کمین گاہ میں ضرور چھپے ہوئے ہیں جہاں بے خیالی میں ماریا پہنچ گئی اور ان آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔

ناگ کہنے لگا۔

”لیکن اسے تو کوئی انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی“۔

عنبر نے کہا۔

”ناگ تم بھول گئے ہو کہ اڑن طشتری والے کسی دوسرے ستارے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ہماری

طرح انسان نہیں ہیں ہو سکتا ہے، ان کی آنکھیں غیبی انسان کو دیکھنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ میں نے قدیم مصر میں ایک بزرگ کاہن سے سنا تھا کہ انسان کے جسم سے ہر وقت ایک قسم کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔ جسے کوئی انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

ہو سکتا ہے ماریا کے جسم سے نکلنے والی ان شعاعوں کو اڑن طشتری والوں نے دیکھ لیا ہو اور اسے پکڑ کر اپنی قید میں ڈال لیا ہو۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی! تمہاری بات میں کافی وزن ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی خفیہ کمین گاہ یا تہہ خانے کو کہاں

تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ لمبا سانس بھر کر اس نے ناگ کو دیکھا اور بولا۔

"میں آج رات جب اندھیرا ہو جائے گا تو اس خفیہ تہہ خانے کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

ناگ نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا"۔

عنبر نے اسے سمجھایا۔

"میرا خیال ہے، تمہیں اس خزانے کی حفاظت کے لیے یہاں رکنا ہوگا۔ اس مہم کے لیے میں اکیلا ہی

کافی ہوں گا"۔

یوں ہی باتیں کرتے کرتے کافی وقت گزر گیا اور رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا۔

پھر جزیرے پر چاند نکل آیا اور اس کی پھیکی سی پر اسرار روشنی پھیل گئی۔

اتنے میں وہی پر اسرار شور کی آواز پھر سنائی دی، اور انہوں نے جلدی سے غار سے باہر نکل کر دیکھا، کہ آسمان سے نیلی اور سرخ روشنی پھیلاتی اڑن طشتری اتری اور جزیرے کے جنوبی جنگل کے عقب میں غائب ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

"آسمانی مخلوق پھر اپنے مکان میں بیٹھ کر زمین پر آئی ہے۔ اب ہمیں پھر ان کے واپس جانے کا انتظار کرنا ہوگا کیونکہ ہم ان کے جانے کے بعد ہی ماریا کو تلاش کر سکیں گے"۔

ناگ بولا۔

"ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے عنبر! کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمیں دھوکا دے جائے اور ہم ماریا بہن سے ہاتھ دھو بیٹھیں"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں میرے بھائی! ہمیں اپنی بہن کی مصیبت کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم ماریا کو

تلاش کر کے ہی دم لیں گے"۔

یہاں عنبر نے غلط فیصلہ کیا تھا۔

اسے چاہیے تھا کہ اسی وقت ماریا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا کیوں کہ ادھر ماریا کو اڑن طشتری میں سوار کر دیا جا رہا تھا تاکہ اسے اوپر اپنے ستارے کی سرزمین پر لے جا کر تجربہ کیا جا سکے کہ۔

☆ وہ پوری کی پوری دوسرے انسانوں کی طرح دکھائی کیوں نہیں دیتی؟

☆ صرف اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں ہی کیوں دکھائی دیتی ہیں؟

ماریا تو تہہ خانے کے چھوٹے سے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد اپنے آپ کو بالکل بے بس پایا۔

وہ صرف غائب تھی۔ اس کے علاوہ اس کے اندر کوئی کراماتی طاقت نہیں تھی۔ سنگ مرمر کی چار دیواری نے اسے چاروں طرف سے قید کر رکھا تھا۔

اچانک اس نے اڑن طشتری کے چبوترے پر رکنے کی آواز سنی۔ وہ محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد دیوار میں ایک جگہ روشنی ہوئی اور دروازہ بن گیا۔

چار آسمانی آدمی ہاتھوں میں شعاعوں والی بندوقیں لیے اندر آئے اور اسے پکڑ کر بڑے کمرے کے وسط میں لے گئے۔

اتنے میں اوپر چھت میں ایک سوراخ ہوا، اور چاندی کی ایک سیڑھی نیچے اترنے لگی جو اس کے بالکل قریب آ کر رک گئی۔

موت کی شعاعیں

ماریا نے اوپر اڑن طشتری کے گول دروازے کی جانب دیکھا۔

جہاں سیڑھی ختم ہوتی تھی اور اڑن طشتری کا گول دروازہ شروع ہوتا تھا، وہاں بھی دو آسمانی آدمی ہاتھوں میں بندوقیں لیے کھڑے ماریا کو گھور رہے تھے۔

انہوں نے آپس میں تیز تیز لہجے اور ناقابل فہم زبان اور باریک آواز میں کوئی بات کی۔ اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے ماریا کو پکڑ کر سیڑھی کی طرف دھکیلا۔

اب تو ماریا سمجھ گئی کہ اس کی دنیا کی زندگی ختم ہو رہی ہے۔ اب نہ جانے یہ لوگ اسے کون سے ستارے کی زمین پر لے جائیں گے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

وہ بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے اسے باقاعدہ دھکا دیا اور وہ سیڑھی پر گر پڑی۔ پھر دو آسمانی آدمیوں نے اسے پکڑ کر سیڑھی پر

کھڑا کیا۔

خود بھی اس پر کھڑے ہو گئے۔ اور سیڑھی نے آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

سیڑھی جب آسمانی آدمیوں اور ماریا کو لے کر اوپر چلی گئی تو اڑن طشتری کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔

اندر پہنچ کر ماریا نے اپنے آپ کو ایک وسیع کشادہ اور گول کمرے میں پایا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ بے شمار گول گول ایسے آلات لگے تھے جن کے اندر سرخ اور نیلی سوئیاں ہولے ہولے گردش کر رہی تھیں۔

وسط میں ایک سیاہ رنگ کی بہت ہی عجیب سی کرسی

پڑی تھی۔ سامنے ایک سنگ مرمر کی میز، جس پر ایک سونے کے رنگ کا چوکور صندوق پڑا تھا، جس میں ہیرے جواہرات اور نگینے چمک رہے تھے۔

آسمانی مخلوق ماریا کو اس کمرے سے بھی نکال کر ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ یہ ایک گول سا کمرہ تھا، جو قد سے چھوٹا اور پرسکون تھا۔

یعنی یہاں کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

کونے میں دیوار کے ساتھ ایک بستر لگا تھا۔ سفید چادر، سفید تکیہ اور قریب ہی ایک چاندی کی طشتری جیسی تپائی رکھی تھی جس پر گلاس اور صراحی پڑی تھی۔

آسمانی مخلوق ماریا کو اس کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ماریا نے بہت سی مشینوں کے ایک ساتھ چلنے کی گڑگڑاہٹ سی سنی۔ پھر یہ گڑگڑاہٹ ایک جیسے ہلکے ہلکے شور میں تبدیل ہو گئی جیسے قریب ہی کہیں شہد کی مکھی چکر لگا رہی ہو۔

اس کے ساتھ ہی کمرے کے فرش کو ایک دھچکا سا لگا اور ماریا کو محسوس ہوا کہ اڑن طشتری زمین سے اوپر اٹھ رہی ہے۔

اس کی نظر دیوار پر لگے ایک چوکور شیشے پر پڑی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہاں زمین کی ساری تصویر دکھائی دے رہی ہے۔

یعنی جزیرہ اور سمندر کا کنارہ اور درخت، اور نیلے

سب کچھ نیچے کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا اٹھ کر شیشے کے پاس کھڑی ہو گئی اور غور سے زمین دور ہونے کا منظر دیکھنے لگی۔ ایسا منظر اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چاندنی رات میں جزیرے کے درخت اور سمندر کی لہریں سب نظروں سے دور ہوتی جا رہی تھیں۔

ماریا پر ایک خوف سا طاری ہو گیا۔

نہ جانے یہ آسمانی مخلوق اسے کہاں لیے جا رہی تھی۔ جزیرہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ زمین اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

ناگ اور عنبر اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ خدا

جانے اب ان سے پھر کب اور کن حالات میں ملنا ہو گا؟ ماریا کا خوف اور دہشت سے سر چکرانے لگا۔ وہ نیم بے ہوش سی ہو کر بستر پر گر پڑی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ادھر ناگ اور عنبر کی بھی سنیں۔

انہوں نے جب اچانک اڑن طشتری کے شور کی آواز سنی تو پریشان سے ہو گئے۔

ناگ نے کہا۔

”کہیں آسمانی مخلوق ماریا کو اغوا کر کے اپنے ساتھ نہ لے جا رہی ہو؟“۔

عنبر بھی سوچ میں پڑ گیا کیونکہ ایسا ہو سکتا تھا لیکن

ایک خیال بار بار ان کے اس احساس کو جھٹلا رہا تھا کہ ماریا کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

کاش! وہ ایک لمحے کے لیے سوچ لیتے کہ آسمانی مخلوق نے ماریا کو دیکھ لیا تھا۔ آسمانی مخلوق ماریا کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو دیکھ کر اس کے خاکے کو دیکھ سکتی تھی۔

عنبر نے کہا۔

''ماریا نظر نہیں آتی، اس لیے آسمانی مخلوق اسے کبھی نہیں اغوا کر سکتی''۔

اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ جنگل کے جنوبی درختوں میں سے اڑن طشتری آسمان کی طرف بلند ہوئی۔

آسمان پر سرخ اور نیلی روشنی پھیل گئی اور پھر یہ روشنی دور ہوتے ہوتے ایک ستارہ بن کر رہ گئی اور پھر یہ ستارہ بھی آسمان کی وسعتوں میں غائب ہو گیا۔

دن چڑھا تو ناگ اور عنبر نے ماریا کی تلاش کا کام پھر سے شروع کر دیا مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، یعنی ماریا کہیں نظر نہ آئی۔ سارا دن ماریا کو تلاش کرتے کرتے گزر گیا۔

شام ہو گئی۔

پھر رات کا اندھیرا چھا گیا اور یوں رات بھی گزر گئی۔

اسی طرح چار روز گزر گئے۔

چوتھی رات کو ناگ نے سوچا کہ سنگ مرمر کے چبوترے کے پاس چل کر غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہاں کہیں ماریا نے کوئی نشانی تو نہیں چھوڑ رکھی حالانکہ دن میں وہ کئی بار ادھر سے گزرا تھا مگر رات کو یونہی ایک خیال اس کے دماغ میں بیٹھ گیا کہ چل کر ایک بار پھر دیکھو۔

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قسمت نے اس کے ساتھ بھی اپنا کھیل کھیلا تھا۔

عنبر گہری نیند سو رہا تھا۔

ناگ چپکے سے اٹھا اور جزیرے کے اس حصے کی

جانب آ گیا جہاں سنگ مرمر کا چبوترہ یا یوں کہہ لیجیے کہ اڑن طشتریوں کا لانچنگ پیڈ بنا تھا۔

ستاروں کی روشنی میں سنگ مرمر کا گول چبوترہ صاف نظر آ رہا تھا۔ ناگ اس کے قریب ہی درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا اس غور سے دیکھتا رہا۔

اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماریا اس جگہ سے اغوا کی گئی ہے۔ چبوترے پر آ کر اس نے جھک کر بڑے غور سے ایک ایک شے کو دیکھنا شروع کر دیا۔

دیکھتے دیکھتے وہ چاندی کے گولوں پر بھی آ گیا۔

ایک گولے کو اس نے دیکھا کہ اس میں سے بہت مدھم مدھم سی سفید شعاعیں نکل رہی ہیں۔

اس نے اس گولے پر ہاتھ رکھ کر اسے ذرا سا دبایا ہی تھا کہ چبوترے کی ایک جانب سے ہلکے سے شور کے ساتھ پتھر کی سل پرے ہٹ گئی۔

ناگ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ اسے خوشی بھی بہت ہوئی۔ جیسے ماریا کے اغوا کا سراغ مل گیا ہو۔ جہاں سے پتھر کی سل ہٹی تھی وہاں زمین کے اندر سے ہلکی ہلکی روشنی باہر نکل رہی تھی۔

ناگ آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا اسے انسانی روپ میں ہرگز اندر نہیں جانا چاہیے۔

ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس جائے۔

درخت کے قریب آ کر ناگ نے زور سے سانس بھرا اور جب پھنکار مار کر سانس چھوڑا تو وہ سفید رنگ کا ایک خوبصورت سانپ بن گیا تھا۔

ناگ نے آگے کی جانب رینگنا شروع کر دیا۔

رینگتے رینگتے وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ سانپ کے روپ میں وہ زیادہ اچھی طرح سے اندر کی چیزوں کو نہ تو دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی سمجھ سکتا تھا۔

سانپ کی آنکھوں سے اس نے دیکھا تو اسے وہاں ایک شاندار ہال کمرہ نظر آیا جس میں دیواروں کے ساتھ گول گول الماریاں سی لگی تھیں، جن میں عجیب و غریب قسم کے آلات رکھے تھے۔

وہ فرش پر رینگتا ہوا دیوار کے پاس آ گیا۔ اسے کمرے میں ایک جانب دروازہ سا کھلتا نظر آیا۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دروازے میں دو آسمانی آدمی نمودار ہو گئے۔

ان کے جسم دبلے پتلے تھے اور سفید چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ ہر ایک کے سر کے بیچ میں سے سینگ نکلا ہوا تھا۔

ماتھے پر ایک آنکھ تھی جو سرخ تھی۔ ان کے سر انار کی طرح کے تھے۔ ہاتھوں میں سفید چاندی جیسا ایک چھوٹا سا ہتھیار تھا۔

اسے عنبر کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ضرور یہی وہ مہلک ہتھیار تھا جس میں سے یہ لوگ شعاع پھینک کر انسان کو ہلاک کر دیتے تھے۔ ناگ وہیں اپنی جگہ پر خاموش فرش پر لیٹا رہا۔

ناگ نے محسوس کیا کہ آسمانی لوگ اسی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی شعاعی بندوق کا رخ سانپ کی طرف کر دیا۔

ناگ کو احساس ہوا کہ وہ پھنس گیا ہے کیونکہ موت کی شعاع سے وہ سانپ بن کر بھی نہیں بچ سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ آسمانی مخلوق کی بندوقوں سے شعاعیں نکل کر ناگ کو بھسم کر دیتیں، اس نے زور سے پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں ان کے سامنے آ گیا۔

آسمانی مخلوق ڈر کر ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں آج تک کسی سانپ کو انسان کی شکل اختیار کرتے نہ دیکھا تھا۔ یہ ایک حیران کر دینے والی بات تھی۔ جو ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔

انہوں نے ایک دوسرے کی جانب تعجب سے دیکھا اور پھر تیز تیز آواز میں کچھ باتیں کیں۔

ناگ نے ان سے کہا۔

''میں اپنی بہن ماریا کی تلاش میں یہاں آیا ہوں''۔

آسمانی مخلوق نے آگے بڑھ کر ناگ کو پکڑ لیا۔

ناگ نے محسوس کیا کہ اس کے جسم میں ہلکی ہلکی شعاعیں سرایت کر رہی ہیں۔ اس پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا۔

آسمانی مخلوق نے اسے اٹھایا اور دوسرے کمرے میں لے جا کر شیشے کے بنے ہوئے ایک اونچے لمبے تابوت میں بند کر دیا تاکہ اگر یہ پھر سے سانپ بھی بن جائے تو تابوت سے باہر نہ نکل سکے۔

تابوت میں اتنی آکسیجن موجود تھی کہ ایک زمینی انسان اس میں کم از کم ایک مہینے تک زندہ رہ سکتا تھا۔

اس رات عنبر کو بھی بڑی گہری نیند آئی۔ شاید اس

لیے کہ وہ جزیرے میں دن بھر کی در بدری کے بعد تھک گیا تھا۔ صبح اٹھ کر دیکھا کہ ناگ بھی غائب ہے۔ اس نے سوچا شاید جنگل میں سیر وغیرہ کرنے نکل گیا ہو۔ غار سے نکل کر جزیرے میں اس کی تلاش شروع کر دی۔

دوپہر تک اسے تلاش کرتا رہا۔ اسے جگہ جگہ آوازیں بھی دیں مگر ناگ وہاں ہوتا تو جواب بھی دیتا۔ اس کا کہیں جزیرے پر نام و نشان تک نہ تھا۔

تھک ہار کر اپنے غار میں آ کر بیٹھا رہا۔ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

پہلے ماریا غائب ہو گئی اور اب ناگ بھی غائب ہو

گیا۔ آخر یہ لوگ کہاں اور کیسے گم ہو گئے؟

اگر آسمانی مخلوق نے انہیں اغوا کیا ہے تو پھر عنبر کو کیوں چھوڑ دیا؟۔

لیکن آسمانی مخلوق تو وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ ان کی اڑن طشتری زمین سے جا چکی تھی۔ کیا وہ پیچھے کچھ لوگ چھوڑ گئے تھے؟

اگر ایسی بات تھی تو وہ لوگ کہاں تھے؟ عنبر کو تو آسمانی مخلوق صرف اسی وقت ملی تھی جب کہ ان کی طشتری جزیرے پر موجود تھی۔

یہی سوچ سوچ کر عنبر کا دماغ کھولنے لگا۔ وہ اٹھ کر سمندر کے کنارے آیا۔ منہ ہاتھ دھو کر درختوں پر

سے کچھ پہلے تو ذکر کیا ہے۔

تالاب کا ٹھنڈا پانی پیا اور سمندر کے کنارے کنارے ٹھنڈی ریت پر ننگے پاؤں سیر کرنے اور سوچنے لگا کہ ناگ اور ماریا کو اب کہاں تلاش کیا جائے؟۔

اچانک جو اس کی نگاہ سمندر کی طرف گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بادبانی جہاز دور سے جزیرے کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ عنبر تو اسی جگہ دم بخود سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے اور ادھر کیا کرتے آ رہا ہے؟ یہ جزیرہ کوئی تجارتی شاہراہ پر واقع نہیں تھا اور نہ

ہی یہ آباد تھا۔

کہیں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تو نہیں ہے؟۔

اس خیال کے ساتھ ہی عنبر کو اپنے خزانے کا خیال آ گیا، مگر وہ تو بالکل محفوظ تھا۔ اس کے علاوہ اگر یہ سارے ڈاکو بھی عنبر پر ٹوٹ پڑیں تو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ الٹا اس کے ہاتھوں ایک ایک کر کے موت کی آغوش میں پہنچ سکتے تھے۔

بہرحال وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا۔ وہ ان جہاز والوں پر اپنا آپ یونہی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس بے آباد جزیرے پر کیا کرنے آ رہے ہیں۔

جہاز قریب سے قریب تر ہو رہا تھا۔ عنبر ٹیلے کے اوپر ایک ایسی جگہ پر آ کر اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا جہاں سے اسے ساحل سمندر کا منظر بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا۔

جہاز نے کنارے پر آ کر بادبان لپیٹ دیے اور لنگر ڈال دیا۔

اب تو عنبر نے ایک ہی پل میں ان لوگوں کو سر پر بندھے ہوئے سرخ رومالوں، کانوں کے بالوں اور وحشی چہروں اور اونچی اونچی آواز والی فضول باتوں سے صاف پہچان لیا کہ یہ سارے کے سارے جرائم پیشہ افراد بحری ڈاکو ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی آپ کو بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانے میں، یعنی آج سے ہزار برس پہلے بحری ڈاکو عام ہوا کرتے تھے۔

یہ اپنے جہازوں میں کھلے سمندروں میں پھر کر تجارتی جہازوں پر ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ جس جہاز پر یہ ڈاکہ ڈالتے اس کا سارا مال اسباب لوٹ کر اپنے ہاں جمع کر لیتے۔

جہاز کو آگ لگا دیتے اور سارے مسافروں کو ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیتے۔ یہ بڑے ہی سنگدل اور ظالم لوگ ہوتے تھے۔

کسی پر رحم نہیں کرتے تھے، بلکہ رحمدلی تو ان کے

قریب سے بھی نہیں گزری تھی۔ عنبر اپنی چار پانچ ہزار سالہ زندگی میں اس قسم کے کئی بحری ڈاکوؤں سے مقابلہ کر چکا تھا اور انہیں ہلاک کر چکا تھا۔

وہ ٹیلے کی اوٹ میں پتھروں پر بیٹھا بڑے سکون کے ساتھ بحری ڈاکوؤں کو جہاز پر سے ایک بڑی کشتی سمندر میں اتارتے دیکھ رہا تھا۔

یہ کشتی کافی بڑی تھی۔ جب یہ سمندر میں رک گئی تو رسوں کی مدد سے ڈاکو اس میں کود گئے۔ ان کے پاس چمک دار خنجر تھے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

جہاز کے عرشے پر ان کا کپتان کھڑا تھا۔ اس نے

سر پر سیاہ رومال باندھ رکھا تھا اور کانوں میں سفید اصلی موت چمک رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔

ڈاکوؤں کی کشتی کے بعد ایک اور کشتی سمندر میں اتاری گئی اس کشتی میں سیاہ رنگ کا ایک گول صندوق رکھا گیا اور اس کے بعد کپتان بھی چند ڈاکوؤں کے ساتھ اس میں اتر کر بیٹھ گیا۔

عنبر فوراً سمجھ گیا کہ یہ لوگ جزیرے میں کسی محفوظ جگہ پر اپنا خزانہ جمع کرنے آ رہے ہیں۔

بحری ڈاکوؤں کا یہ دستور ہوا کرتا تھا کہ جب ان کے پاس لوٹ مار کا بہت سا خزانہ جمع ہو جاتا تو وہ

اسے صندوق میں ڈال کر کسی گمنام سے جزیرے پر لے جا کر دفن کر دیا کرتے تھے۔

جہاز کا کپتان اس مقام کا ایک نقشہ چمڑے پر بنا کر اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ جب بھی اسے خزانے کی ضرورت پڑتی تو وہ اسی نقشے کی مدد سے جزیرے پر آ کر اپنا خزانہ واپس نکال لیتا تھا۔

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ کپتان ان تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا جن کو معلوم ہوتا تھا کہ خزانہ، جزیرے میں کسی جگہ دفن ہے، بلکہ کپتان ان لوگوں کو بھی اسی گڑھے میں خزانے کے ساتھ ہی دفن کر دیا کرتا تھا۔

ڈاکوؤں کی دونوں کشتیاں ساحل پر آ کر رک گئیں انہوں نے کشتیوں پر ریت کو کھینچ لیا اور کپتان کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

ڈاکو بڑے خوش تھے اور جزیرے کے درختوں کی طرف دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے اور منہ سے جانوروں کی آوازیں نکال رہے تھے۔

کپتان نے اپنا تلوار والا ہاتھ فضا میں بلند کیا سارے ڈاکو خاموش ہو گئے۔ دو ڈاکوؤں نے خزانے کا صندوق اپنے کندھوں پر اٹھایا اور کپتان کے ساتھ ایک طرف چل پڑے۔

معلوم ہوتا تھا کہ کپتان اس سے پہلے بھی

جزیرے پر آ چکا تھا۔ وہ یوں چل رہا تھا، جیسے یہ راستے اس کے جانے پہچانے ہوں۔

ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں وہ رک گیا۔ اس نے تلوار سے اشارہ کیا۔ ڈاکوؤں نے خزانے کا صندوق زمین پر رکھ دیا اور بیلچوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پر ایک گہرا گڑھا بن گیا۔

عنبر ٹیکری پر درختوں کی اوٹ میں چھپا ہوا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ سامنے آ کر ان سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا مول لینے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اسے ان کے خزانے سے بھی کوئی سروکار نہیں تھا کیونکہ اس کا اپنا خزانہ اس کے لیے ایک مصیبت بنا ہوا تھا۔

کپتان نے خزانے کو زمین میں اتروا کر اوپر سے گڑھا مٹی سے بھروا دیا۔ پھر اس نے خود اس جگہ پر ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر رکھ دیا اور اپنے سینے پر بندھے ہوئے تھیلے میں سے چمڑے کا ایک نقشہ نکال کر اس پر خنجر سے چند آڑھی ترچھی لکیریں ڈال دیں۔

ڈاکوؤں نے کپتان کی زندگی اور صحت کے لیے خوشی سے نعرے لگائے۔ ان کے شور سے درختوں پر بیٹھے پرندے ڈر کے مارے اڑ گئے۔

اب انہوں نے وہاں آگ جلائی۔ جہاز پر سے دوسرے ڈاکو بھی کشتی میں بیٹھ کر وہاں آ گئے، اور انہوں نے آگ پر سالم بکرے بھوننے شروع کر دیے۔

وہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اور ریت پر قلابازیاں لگا رہے تھے۔

عنبر خاموش ٹیکری پر جھاڑیوں کے پاس بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

اس کا دل ماریا اور ناگ سے بچھڑ جانے پر بڑا اداس تھا اور وہ یہی سوچ رہا تھا کہ انہیں کس جگہ تلاش کیا جائے؟۔

اگر وہ جزیرے پر اس کے ساتھ موجود ہوتے تو بڑی آسانی سے بحری ڈاکوؤں کے اس جہاز پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔

پھر وہ بڑے اطمینان سے اپنا بھی خزانہ ساتھ لے کر اس جزیرے کو الوداع کہہ سکتے تھے لیکن اب عنبر وہاں کیسے جا سکتا تھا۔

وہ اس جزیرے پر رہ کر پوری تفتیش کرنا چاہتا تھا، کہ ناگ اور ماریا کہاں غائب ہو گئے اور کون لوگ اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔

عنبر ٹیکری سے نیچے اتر آیا۔ اسے دور سمندر کے کنارے پر سے بحری ڈاکوؤں کے شور وغل اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ دل میں ناگ اور ماریا کا خیال لیے بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اپنے غار میں آ کر بیٹھ گیا۔ ایک بار اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ کیوں نہ ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کر لے۔

تاکہ جب ماریا اور ناگ اسے مل جائیں تو وہ اس میں سوار ہو کر جزیرے سے نکل جائیں۔ لیکن سوال یہ یہ تھا کہ کیا خبر ماریا اور ناگ کہاں ہیں اور وہ اسے کب اور کن حالات میں مل سکیں گے؟

یونہی ڈاکوؤں سے مقابلہ کر کے انہیں ہلاک کر کے وہ جہاز کو لے کر کیا کرے گا۔ جب ناگ اور ماریا مل جائیں گے تو پھر وہاں سے نکلنے کا بندوبست بھی کسی نہ کسی طرح سے ہی ہو جائے گا۔

شام کو عنبر نے غار میں رکھے ہوئے کچھ پھل کھائے پانی پیا اور لیٹ گیا۔ وہ اپنی فیصلہ کن مہم کل صبح سے شروع کرنی چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر سوچتے رہنے کے بعد اس کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

اب کیا ہوا ہے کہ رات ذرا گہری ہو گئی تو آسمان پر ایک جانب سے نیلی اور سرخ روشنی نمودار ہوئی۔

اس وقت کچھ ڈاکو ریت پر سیدھے لیٹے سو رہے تھے۔ کچھ ڈاکو بھنا ہوا گوشت توڑ توڑ کر وحشیوں کی طرح کھا رہے تھے اور آپس میں ٹھٹھا مخول کر رہے تھے۔ کپتان اپنی میں آرام دہ بستر پر لیٹا سر تکیے پر رکھے آنکھیں بند کیے کوئی پرانا سمندری گیت گنگنا رہا تھا۔

جس ڈاکو نے سب سے پہلے اس روشنی کو آسمان سے اترتے دیکھا تو پہلے تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بتا سکے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے؟۔

اتنے میں ایک اور ڈاکو نے دیکھا کہ آسمان سے ایک چمک دار گول شے عجیب شور کے ساتھ نیلی اور

سرخ روشنی پھینکتی ہوئی جزیرے کے جنوب کی طرف جا رہی ہے۔ اس نے شور مچا دیا۔ اب سب ڈاکو آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔

اڑن طشتری کو دیکھ کر ایک بار تو کپتان بھی دنگ رہ گیا۔ وہ کشتی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گیا۔ سارے ڈاکو بھاگ کر اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔

ایک ڈاکو بولا۔

''سردار! یہ کیا شے جزیرے میں اتر رہی ہے؟''

سردار نے کہا۔

''یہ کوئی ستارہ ہے''۔

دوسرا بولا۔

"تمہیں سردار، آسمان سے دیوتا لوگ زمین پر آ رہے ہیں"۔

تیسرا ڈاکو بولا۔

"قیامت آنے والی ہے"۔

سب چیخ پڑے۔

قیامت؟۔۔۔ بھاگو!۔۔۔ بھاگو!۔۔۔ قیامت آ گئی۔

ڈاکوؤں کے کپتان نے چیخ کر کہا۔

"خاموش۔۔۔! رک جاؤ، بدبخت شیطانو! مجھے کچھ سوچنے دو"۔

سارے ڈاکو سہم کر رک گئے اور سردار کپتان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسے سوچتے ہوئے دیکھنے لگے۔ روشنی درختوں کے پیچھے جا کر چھپ گئی تھی۔ اب شور رک گیا تھا مگر اڑن طشتری کے گنبد کے اوپر سے جو سرخ روشنی نکل رہی تھی اس نے درختوں کے اوپر آسمان کو سرخ کر دیا تھا۔

ڈاکوؤں کا کپتان بڑا خودسر اور ضدی آدمی تھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ۔

"وہاں چل کر معلوم کیا جائے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا یہ ہمارے خزانے کی تلاش میں تو نہیں آ گئے؟"۔

سارے ڈاکو اس کے حکم کے مطابق خاموشی سے جدھر روشنی آ رہی تھی ادھر چل پڑے۔

وہ دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ گرتے پڑتے، سہمے سہمے سے جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سنگ مرمر کا چبوترہ تھا تو اڑن طشتری کو کھڑے دیکھ کر کئی ایک چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئے۔

کپتان بھی وہیں جگہ پر کھڑا اڑن طشتری میں سے نکلتی سرخ روشنی کو دیکھتا رہا۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا چیز ہے؟“۔

اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ لیکن ہر ایک کے ذہن میں یہی ایک سوال تھا۔ اڑن طشتری

والوں نے بھی ڈاکوؤں کو دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے تو زمین پر اترتے ہوئے ڈاکوؤں کے بحری جہاز کو بھی دیکھ لیا تھا اور انہیں جزیرے پر ان لوگوں کی مداخلت بری لگی تھی۔

ادھر ایک احمق ڈاکو کے دل میں جانے کیا خیال آیا کہ اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے اڑن طشتری پر دے مارا۔

پتھر طشتری کی دیوار سے لگ کر نیچے گر پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اڑن طشتری پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔

اچانک اس اڑن طشتری یا خلائی جہاز کی کھڑکی

کھلی اور ایک سیڑھی اپنے آپ باہر نکلی اور دروازے پر دو خلائی انسان، چاندی جیسے لباس میں ملبوس، ہاتھوں میں شعاعی پستول لیے کھڑے نظر آئے۔

ڈاکو ایک پل کے لیے دم بخود سے ہو گئے۔ انہوں نے جب ایک ایسی مخلوق کو دیکھا جس کے سر پر سینگ نکلا تھا، ماتھے پر ایک ہی آنکھ تھی اور ٹانگیں سفید سفید چاندی جیسی تھیں تو خوف او وحشت کے مارے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کسی نے چیخ کر کہا۔

"یہ دیوتا نہیں شیطان ہیں۔ انہیں ختم کر دو"۔

اور اس کے ساتھ ہی ڈاکوؤں نے خلائی انسانوں

پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ دونوں انسان بڑے اطمینان سے خلائی جہاز کے دروازے پر کھڑے تھے۔

پتھر ان کے قدموں پر گر رہے تھے۔ وہ بے سکون کے ساتھ سیڑھی پر سے اتر کر ذرا آگے آ گئے۔ ڈاکو ذرا پیچھے ہٹے اور انہوں نے سنگ باری شروع کر دی۔

پتھر خلائی انسانوں سے ٹکرا کر دور گر رہے تھے۔ اور ان کو کوئی چوٹ نہیں لگ رہی تھی۔ شاید اب خلائی انسانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔

انہوں نے شعاعی پستول سے فائر کر دیے۔ پستول میں سے تیز سفید شعاع نے نکل کر بیک وقت

وہ ڈاکوؤں کو جلا کر بھسم کر دیا۔

دیکھتے دیکھتے کتنے ہی ڈاکو مر گئے۔ باقی ڈاکو جہاز کی طرف بھاگے لیکن خلائی انسان ان کا پیچھا کر رہے تھے۔

ڈاکو ابھی کشتیوں پر ہی سوار ہو رہے تھے کہ انہوں نے ان پر شعاعیں پھینک دیں۔ ایک دھماکہ ہوا اور دونوں کشتیوں میں آگ لگ گئی۔

کپتان نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور وہ اپنے جہاز پر چڑھ گیا۔ ابھی اس نے لنگر اٹھا کر بادبان کھولے ہی تھے کہ کنارے پر کھڑے دونوں خلائی انسانوں کے پستولوں سے بیک وقت مہلک

شعاعیں نکلیں اور جہاز سے ٹکرائیں۔ جہاز کو ایک دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی۔

اس دھماکے کی آواز نے عنبر کو جگا دیا۔ وہ جلدی سے غار سے باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سمندر میں ڈاکوؤں کے جہاز میں آگ لگی ہے۔

جنوب کی طرف دیکھا تو آسمان پر سرخ روشنی ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اڑن طشتری والوں نے جزیرے پر آکر بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو برباد کر دیا ہے۔

ایک طرف ہو کر وہ خاموش کھڑا جہاز کو جلتے اور غرق ہوتے دیکھتا رہا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی

تھی۔

تھوڑی دیر بعد جہاز جل بجھ کر سمندر میں غرق ہو گیا اور جزیرے پر ایک گہرا ایسا سناٹا چھا گیا۔ عنبر غار میں آ کر گھاس کے بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟۔

آخر اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

داستان مصیبت

عنبر نے یہ ایک اور غلطی کی تھی کہ اس نے صبح کا انتظار کیا۔

اسے چاہیے تھا کہ جو کچھ بھی اس نے فیصلہ کیا ہے اس پر اسی وقت عمل کرتا۔ صبح جزیرے پر دن چڑھا اور عنبر اٹھ کر سنگ مرمر کے چبوترے کی طرف گیا تو وہاں خلائی جہاز بالکل نہیں تھا۔

خلائی جہاز رات کے پچھلے پہر کسی وقت جا چکا تھا۔ عنبر کو جگہ جگہ بحری ڈاکوؤں کی جلی ہوئی راکھ شدہ لاشیں زمین پر پڑی ملیں۔

یہ لاشیں کچھ اس بری طرح جل گئی تھیں کہ ان کی ہڈیاں بھی راکھ بن گئی تھیں۔ خلائی انسانوں کی بندوق میں اس قدر گرمی تھی کہ ہڈیوں کا گودا تک جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

یہ بھی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھا، جو عنبر اس وقت کر رہا تھا۔

ناگ کا کہیں نشان تک نہ تھا۔ پہلے ماریا گم ہوئی اب ناگ غائب ہو گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خلائی

مخلوق ناگ کو بھی ماریا کے بعد اغوا کر کے اوپر اپنے ستارے پر لے گئی ہو؟۔

ایسا ہو سکتا ہے!

عنبر ساحل سمندر پر آ گیا۔ یہاں بحری ڈاکوؤں کی مزید لاشیں راکھ بنی ریت پر پڑی تھیں۔ ان کا جہاز جل کر ڈوب چکا تھا۔

حیرت کی بات تھی کہ دو ایک دن کے اندر اندر جزیرے کے ساحل پر کھڑے دو جہاز آگ کی نذر ہو گئے تھے۔ ڈاکوؤں کی دونوں کشتیاں بھی آگ نے تباہ کر کے سمندر میں بہا دی تھیں۔

کنارے کی ریت پر بحری ڈاکوؤں نے رات کو

جو آگ جلائی تھی اس کی جلی بجھی لکڑیاں ابھی تک ویسے ہی پڑی تھیں۔

عنبر گہری سوچ میں گم جزیرے میں ادھر ادھر گھومتا پھرتا رہا۔ اس نے رات یہی فیصلہ کیا تھا کہ صبح اٹھ کر وہ خلائی جہاز کے اندر جا کر حالات معلوم کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ لوگ رات کو غائب بھی ہو سکتے تھے۔

شام ہوگئی۔

عنبر نے تھوڑے بہت پھل درختوں سے توڑ کر کھائے غار میں آ کر لیٹ گیا۔ رات گہری ہوگئی تو سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی، اور وہ سو گیا۔

صبح سورج کی کرنوں نے غار کے دروازے پر آ کر روشنی کی تو عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ندی پر جا کر غسل کیا اور ایک بار پھر سنگ مرمر کے چبوترے کی جانب چل پڑا۔

ابھی وہ چبوترے سے دور ہی تھا اور ایک جگہ ٹیلے کا موڑ گھوم رہا تھا کہ ایک خنجر کھٹاک سے آ کر اس کی کمر میں پیوست ہو گیا۔

عنبر نے گھوم کر دیکھا۔

ذرا ہی دور ایک درخت کی اوٹ میں ایک آدمی کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ بحری ڈاکو ہے۔ خوش قسمتی سے بچ گیا ہے اور اب اسے مارنے کی فکر

میں ہے۔

عنبر نے بڑے آرام سے اپنی پیٹی میں سے خنجر کھینچ کر نکالا اور جیب اڑس لیا۔ اب بحری ڈاکو نے تلوار سونت لی اور عنبر کی طرف حملہ کرنے بڑھا۔

عنبر دل میں ہنس پڑا کہ عجیب پاگل آدمی ہے۔ ابھی اس کا غلام بنتا ہو گا۔

عنبر نے کہا۔

''اے احمق انسان! اپنی تلوار واپس پیٹی میں ہی لگا لے۔ تو میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ الٹا میرے ہاتھ سے ناحق قتل ہو جائے گا''۔

بحری ڈاکو نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔

''میں تجھے قتل کر کے تیرے کپڑے اتار کر خود پہنوں گا اور پھر تجھے آگ پر بھون کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاؤں گا''۔

عنبر نے کہا۔

''بے وقوف، احمق! کیا اس جنگل کے سارے پھل ختم ہو گئے ہیں؟''۔

ڈاکو بولا۔

''نہیں! میں تجھے ضرور ہلاک کروں گا۔ نہیں تو تو مجھے مار ڈالے گا۔ تو ضرور آسمانی لوگوں میں سے ہے، اور تم نے میرے ساتھی ہلاک کر دیئے، ہمارا جہاز بھی غرق کر دیا''۔

عنبر اسے سمجھاتا رہا کہ وہ آسمانی مخلوق نہیں ہے۔ لیکن ان پڑھ اور جاہل بحری ڈاکو کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اس نے تلوار سے عنبر پر حملہ کر دیا۔

تلوار کا پہلا وار عنبر نے اپنے ہاتھ پر لیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر واپس چلی گئی۔ ڈاکو کچھ حیران سا ہوا۔

دوسرا وار اس نے عنبر کی گردن پر کیا۔ عنبر نے کوئی حرکت نہ کی۔ تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔

اب تو بحری ڈاکو کو نانی یاد آ گئی۔ عنبر نے خنجر اس کی گردن پر چھوتے ہوئے کہا۔

”اب بتا احمق! اگر میں تجھے ہلاک کر دوں تو تو

کیا کرے گا؟“۔

بحری ڈاکو پہلے ہی بڑا دہشت زدہ تھا۔ اب تو اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ وہ عنبر کے قدموں پر گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”اے آسمانی انسان! مجھے معاف کر دے، مجھے معاف کر دے“۔

عنبر نے کہا۔

”ارے بے وقوف! میں پہلے بھی تجھے بتا چکا ہوں کہ میں آسمانی انسان نہیں ہوں“۔

ڈاکو بولا۔

”پھر میری تلوار کا تیرے جسم پر کوئی اثر کیوں نہیں

ہوا؟“۔

عنبر بولا۔

”ان باتوں کو تو نہیں سمجھ سکے گا۔ بہر حال جس خلائی انسان کی تلاش میں تو نکلا ہے، اسی کی تلاش مجھے بھی ہے، کیونکہ وہ لوگ آ کر تمہارے جہاز کو تباہ و برباد کر کے تمہارے ساتھیوں کو ہلاک کر گئے ہیں تو میری ایک بہن اور بھائی کو اغوا کر کے ساتھ لے گئے ہیں“۔

ڈاکو کی آنکھیں کھل گئیں۔

”ایں! کیا آسمان پر اپنے ساتھ لے گئے ہیں؟ کیا یہ لوگ دیوتا ہیں۔ ستاروں میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس نالیاں تھیں جن میں سے سورج سے بھی

زیادہ گرم شعلے نکل کر ہر شے کو بھسم کر رہے تھے۔

کیا تم نے انہیں دیکھا ہے بھائی؟ میں نے خود انہیں دیکھا ہے۔ اپنے بھائیوں کو ان کی آگ میں اپنی آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہوتے دیکھا ہے۔

میری تو قسمت اچھی تھی جو بھاگ کر ایک گڑھے میں چھپ گئی۔ نہیں تو میں بھی اس وقت جزیرے کی ریت پر راکھ بنا پڑا ہوتا۔

عنبر نے سوچا کہ یہ کیا ایک احمق سا آدمی پلے پڑ گیا ہے۔ خواہ مخواہ اس کا وقت ہی ضائع کرے گا۔ مگر اب تو اس سے چھٹکارا بھی ممکن نہ تھا۔

اس ڈاکو نے عنبر پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"اگر تم آسمانی انسان نہیں ہو تو پھر تم پر تلوار کا اثر کیوں نہیں ہوا؟"۔

"کیا تمہارے جسم میں ہماری طرح لال لال خون نہیں ہے؟"۔

"تمہارے جسم میں خنجر نے زخم کیوں نہیں ڈالا؟"۔

عنبر اس کے ان سوالوں سے پریشان ہو گیا۔ یہ بڑے قدرتی سوال تھے، مگر عنبر اس جاہل ڈاکو کو ان کا کیا جواب دیتا بھلا۔

اس نے تنگ آ کر کہا۔

"بھائی ڈاکو! اگر تم نے یہ بک بک بند نہ کی تو میں تمہیں خرگوش بنا کر سمندر میں پھینک دوں گا"۔

ڈاکو ڈر گیا اور بولا:

"نہ بھائی نہ مجھے خرگوش نہ بنانا۔ میں آسمانی لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ تم آسمانی انسان ہو۔ میں تمہارا غلام ہوں۔ جیسے تم کہو گے، میں ویسے ہی کروں گا۔ لیکن خدا کے لیے مجھے خرگوش مت بنانا۔ میں خرگوش بن کر سمندر میں نہیں ڈوبنا چاہتا"۔

جزیرے پر انہیں دو روز گزر گئے۔

تعجب کی بات تھی کہ عنبر کو سنگ مرمر کے چبوترے پر وہ چاندی کا گولا دکھائی نہ دیا۔ اس میں سے ہلکی ہلکی بجلی

کی لہریں نکل رہی تھیں اور جیسے ذرا سا دبانے سے سنگ مرمر کی ایک سل اپنی جگہ سے ہٹ کر تہہ خانے کو جانے والی سیڑھیوں کا راستہ کھول دیتی تھی۔

آخر عنبر نے اس جزیرے سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر جا کر سارے خزانے کو بیچ کر ایک شاندار بحری جہاز خریدے اور پھر بہت سے ساز و سامان کے ساتھ واپس اس جزیرے پر آ کر ان خلائی جہاز والوں سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی کوشش کرے اور ناگ اور ماریا کو برآمد کرے۔

بحری ڈاکو نے اپنے کپتان کا خزانہ بھی زمین سے کھود کر نکال لیا تھا۔ عنبر نے اسے اپنے خزانے کا صندوق بھی دکھا دیا۔

ڈاکو اس خزانے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیوں کہ عنبر کے خزانے کے جواہرات کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیوں کہ عنبر کے خزانے کے جواہرات، اشرفیاں اور ہیرے بڑے سچے، نایاب اور انتہائی قیمتی تھے۔

بحری ڈاکو کو کیا خبر تھی کہ وہ تو پانچ سات ہزار سال پرانے جواہرات ہیں۔

آخر کار عنبر اور ڈاکو نے مل کر ایک درخت کاٹا اور اس کی کشتی بنانی شروع کر دی۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ناگ اور ماریا

کی بھی خبر لی جائے کہ وہ کس حال میں ہیں۔

ماریا کو تو خلائی مخلوق نے اپنے ستارے پر لے جا کر ایک قلعے کے سب سے اونچے برج میں قید کر دیا تھا اور اس پر تجربات کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

زمین کی فضا سے نکل کر جب خلائی جہاز کائنات کی خلا میں داخل ہوا تو ماریا چکرا کر رہ گئی تھی۔ کوٹھڑی کی دیوار کے شیشے میں سے اس نے دیکھا کہ باہر ستارے ہی ستارے چمک رہے ہیں۔

آسمان سیاہ کالا ہو گیا ہے اور کئی چمکدار ستارے اس کے خلائی جہاز کے قریب سے ہو کر پیچھے گزر جاتے ہیں۔ آخر ان کا خلائی جہاز ایک ایسے ستارے

کی فضا میں داخل ہوا جس نے اسے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

جہاز کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اور پھر اس نے بڑے سکون سے ستارے کی زمین پر اترنا شروع کر دیا۔

ماریا شیشے کے ساتھ لگی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ زمین پر دور سے کوئی درخت نظر نہیں آ رہا تھا۔ چاروں طرف صحرا یا چھوٹے چھوٹے سیاہ کالے پہاڑ ابھرے تھے۔

زمین پر سیاہ ریت بچھی تھی۔ آسمان بھی سیاہ تھا۔ کہیں کہیں سفید ستارے چمک رہے تھے۔ وہاں رات کا وقت تھا۔

خلائی جہاز ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر جا کر رک گیا۔ ماریا کو چاندی کی زنجیروں میں جکڑ کر خلائی جہاز سے نکال کر باہر لایا گیا تو اس نے محسوس کیا کہ اسے سانس لینے میں دقت محسوس ہو رہی ہے۔

وہ کھانسنے لگی۔ فوراً ہی اسے ایک گول کار میں بٹھا دیا گیا۔ اس کا سانس ٹھیک ہو گیا۔ ظاہر تھا کہ اس ستارے پر آکسیجن کی مقدار بے خفیف ہے۔ گول گاڑی میں آکسیجن فالتو چھوڑی گئی تھی۔

یہاں خلائی انسان بھی ماسک پہنے پھر رہے تھے۔ ہاں جہاز یا گاڑی کے اندر انہیں ماسک کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

ماریا کو لے کر وہ لوگ پہاڑی والے محل کے سب سے اوپر کے برج میں آ گئے۔ یہاں اسے ایک کمرے میں قید کر دیا گیا۔

رات کو اسے کھانے پر کسی جانور کا بھنا ہوا گوشت اور پانی دیا گیا۔ گوشت کا ذائقہ بغیر نمک کے تھا اور پانی بھی کھارا تھا۔

اس میں بھی جیسے آکسیجن کی کمی تھی، کیوں کہ وہ بھاری تھا۔ ماریا نے زہر مار کر لیا، کیا کرتی، اسے سخت بھوک اور پیاس لگی تھی۔

ماریا کو عنبر اور ناگ کا فکر کھائے جا رہا تھا۔ کہ وہ جب سو کر اٹھیں گے تو اسے غار میں موجود نہ پا کر کس

قدر پریشان ہوں گے۔ اسے کیا خبر تھی کہ دوسرے خلائی جہاز میں ناگ بھی اس کے پاس ہی پہنچنے والا ہے۔

ناگ کو جس جہاز میں ایک تابوت کے اندر بند کیا گیا تھا وہ اسے لے کر زمین کی فضاؤں سے نکل کر ستارے کی فضا میں داخل ہوا تو ناگ نے بھی ایک جھٹکا سا محسوس کیا۔

تابوت کے چاروں طرف بڑے مضبوط قسم کے شیشے کی چار دیواری تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اسے ہلا نہ سکا تھا۔ اور اب اسے توڑنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ آسمانی مخلوق اسے کسی دوسرے ستارے پر لے جا رہی ہے اب تو اگر کچھ ہو سکتا تھا تو ستارے پر پہنچ کر ہی ہو سکتا تھا۔

چنانچہ وہ بھی اپنی قسمت پر صبر شکر کر کے تابوت میں لیٹا رہا۔ خلائی جہاز اپنے ستارے کی زمین پر آ کر پہاڑ کی چوٹی پر رک گیا۔

ناگ کے تابوت کو اٹھا کر اسی محل کی چار دیواری میں ایک دوسرے برج میں قید کر دیا گیا۔

یہ ستارہ جہاں یہ مخلوق آباد تھی، ہماری زمین سے کروڑوں میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ خلائی جہاز لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتا ہوا وہاں پہنچا

تھا۔

اس ستارے کا نام جیوپیٹر تھا اور یہاں جو لوگ آبا تھے، ان کے ماتھے پر صرف ایک آنکھ تھی۔ سر پر ایک سینگ تھا جسم پر چاندی کی کھال منڈھی تھی۔

سر پر ایک سینگ تھے اور ان کی آواز گلہری کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ لاکھوں برس کے بعد اس ستارے پر بھی آکسیجن گیس ختم ہو رہی تھی۔

پانی کہیں کہیں رہ گیا تھا۔ درخت بالکل نیست و نابود ہو گئے تھے۔ جانوروں میں سے صرف ہرن کی قسم کا ایک جانور صحرا کی سیاہ ریت میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا۔

اس ستارے کی اصل مخلوق عرصہ ہوا ختم ہو گئی تھی۔

یہ ایک آنکھ والی مخلوق کسی دوسرے سیارے سے آ کر یہاں قابض ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے ستاے کی پچھلی بچی کھچی مخلوق کو کھا کر ختم کر دیا تھا۔

اب ان لوگوں کو اپنی سائنس کے ذریعے معلوم ہوا کہ زمین پر جو انسان آبا ہیں ان کے خون میں آکسیجن کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین پر سے کچھ انسانوں کو اغوا کر کے اوپر اپنے سیارے میں لانے کی سکیم تیار کی تھی۔

اسی منصوبے کے تحت انہوں نے جزیرے کے

جنگلی لوگوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشوں کو سنگ مرمر کے چبوترے والے زمینی تہہ خانے میں رکھا۔

وہاں ان کے جسموں سے سارا خون نکال کر آکسیجن الگ سلنڈروں میں ڈالی اور اوپر اپنے سیارے میں لے آئی۔ یہی وہ لاشیں تھیں جنہیں ماریا نے جزیرے پر چبوترے کے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔

اب جو انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسا انسان بھی جزیرے پر ہے جو جس قسم کی شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے تو اسے بھی پکڑ کر اوپر لے آئے۔

ماریا کے بارے میں جب انہیں علم ہوا کہ وہ

غائب ہو سکتی ہے اور صرف اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں سے اسے پہچانا جا سکتا ہے تو انہوں نے ماریا کو بھی قید کر لیا اور اوپر اپنے ستارے میں لے آئے۔

اس ستارے پر ایک سردار کی حکومت تھی۔ جس نے پہاڑ والے محل میں اپنا شاندار مسکن بنا رکھا تھا۔ یہاں پر بے شمار مشینیں لگی تھیں جن کی مدد سے دوسرے ستاروں پر پرواز کرنے والے خلائی جہازوں کو کنٹرول کیا جاتا تھا۔

اس سردار نے جزیرے کے وحشی انسانوں کے خون کو پسند کیا تھا۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ عنقریب بہت سے خلائی جہازوں کے ساتھ زمین پر حملہ کیا

جائے اور زمین پر رہنے والے سارے انسانوں کے
جسموں سے خون اور آکسیجن نکال کر سلنڈروں میں
بھر کر اوپر لائی جائے تاکہ وہ ستارے پر زیادہ سے
زیادہ عرصے تک زندہ رہ سکیں۔

ان کے حساب کے مطابق زمین پر بسنے والے
ایک انسان کے جسم میں اتنا خون اور آکسیجن موجود تھی
کہ جیوپیٹر ستارے پر رہنے والا خلائی انسان اسے پی
کر سو سال تک بڑی آسانی سے زندہ رہ سکتا تھا۔

یعنی اگر یہ ستارے کی مخلوق زمین کے ایک لاکھ
انسانوں کے جسموں سے آکسیجن اور خون نکال کر
اپنے ستارے پر لے آئیں تو جیوپیٹر کی مخلوق بڑی

آسانی سے ایک ہزار برس تک زندہ رہ سکتی تھی۔ اور
اس عرصے میں وہ آکسیجن کا کوئی نہ کوئی نعم البدل
تلاش کر سکتی تھی۔

یہ تھا جیوپیٹر کے رہنے والوں کا منصوبہ۔ جس کا
کسی کو علم نہ تھا۔ یہ لوگ زمین پر حملہ کرنے کی تیاریاں
کر رہے تھے۔ اور اسی لیے انہوں نے جزیرے پر اپنا
ایک خلائی اڈہ اور تجربہ گاہ قائم کر رکھی تھی۔

ماریا کو خلائی انسانوں نے ابھی اپنے برج میں قید
کر رکھا۔ وہ سب سے پہلے ناگ پر تجربہ کرنا چاہتے
تھے کہ اس کے جسم میں ایسی کونسی طاقت ہے کہ جس کی
مدد سے وہ جب چاہے اور جس روپ میں چاہے اپنے

آپ کو تبدیل کر سکتا ہے۔

ستارے کے سردار کو جب ناگ کی خفیہ طاقت کا علم ہوا تو وہ خود برج کے قید خانے میں اسے دیکھنے آیا۔

ناگ شیشے کے تابوت میں پڑا تھا۔ سردار کے سر پر تاج تھا جس میں سے بے شمار سینگ نکلے ہوئے تھے۔ اس کی سرخ آنکھ چمک رہی تھی اور سفید لباس میں سے جیسے شعاعیں باہر نکل رہی تھیں۔

اس نے جھک کر ناگ کو غور سے دیکھا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے اپنے ملازموں کو کچھ حکم دیا۔

خلائی انسان ناگ کے تابوت کو لے کر پہاڑ کے

اندر والی ایک تجربہ گاہ میں آ گئے۔ یہاں سنگ مرمر کی چھت کے نیچے ایک چبوترہ بنا تھا۔ اس چبوترے پر تابوت رکھ دیا گیا۔

اوپر چھت پر ایک گول دائرہ بنا تھا جس میں کئی بلب روشن تھے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ بے شمار گول گول ڈائیل بنے تھے جن میں سرخ اور سیاہ سوئیاں لگی تھیں۔

ناگ سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں ہے۔ یہ لوگ اس پر کچھ اس قسم کی شعاعیں ڈالیں گے کہ وہ ان کی گرمی سے جل کر بھسم ہو جائے گا۔

لگے۔ تابوت کے اوپر لہروں کی شکل میں رنگدار روشنی چکر کھانے لگی۔ ڈائیلوں کی سوئیاں گردش کرنے لگیں۔ خلائی انسان تابوت سے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد ناگ نے محسوس کیا کہ تابوت گرم ہوتا جا رہا ہے۔ ناگ کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مشین روک دینے کو کہا مگر وہاں اس کی بھلا کون سنتا تھا۔

اب ناگ کے جسم سے بھی شعاعیں سی نکلنا شروع ہو گئیں۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے حلق میں کوئی گرم گرم سی سیال شے اندر جا رہی ہے۔

اس کا دم گھٹنا شروع ہو گیا اور پھر اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اسی جگہ تابوت میں بند پڑا ہے۔ چھت کے بلب بجھ چکے تھے۔ ناگ نے گردن گھما کر دیکھا۔

تجربہ گاہ بالکل خالی تھی۔ تابوت کے اندر اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔

اگر اب بھی اس نے ہمت سے کام نہ لیا تو یہ لوگ اپنا تجربہ کرتے ہوئے اسے ہلاک کر دیں گے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنا شروع کر دیا۔

اس تابوت سے نکلنے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ کسی بہت بڑے طاقت ور جانور کا روپ بدل لے۔ جب تابوت سے باہر آ جائے تو پھر چاہے چھوٹا سا سانپ بن کر تجربہ گاہ میں کسی جگہ چھپ جائے اور موقع ملنے پر وہاں سے فرار ہو جائے۔

یہ ترکیب بڑی اچھی تھی۔ ناگ نے تابوت کی شیشے کی موٹی چار دیواری میں سے ایک بار پھر باہر جھانک کر دیکھا۔

تجربہ گاہ میں کوئی خلائی انسان نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ زور سے ایک پھنکار ماری اور ہاتھی بن گیا۔

ہاتھی بنتے ہی ایک چھناکے کے ساتھ شیشے کا تابوت ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور ناگ تابوت سے باہر ہاتھی کی شکل میں کھڑا ہو کر جھومنے لگا۔

اصل میں وہ خوشی سے جھوم رہا تھا کہ تابوت کی قید سے تو آزاد ہو گیا۔ اب اسے خطرہ تھا کہ خلائی انسان شور سن کر آ گئے تو وہ بڑی آسانی سے اسے اپنی شعاعوں والی بندوق سے بھسم کر سکتے ہیں۔

ناگ نے ایک بار پھر اپنی سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے پھنکار ماری، اور بہت ہی چھوٹے سے سیاہ رنگ کے سانپ کی شکل میں زمین پر رینگنے لگا۔

فرش پر رینگتے ہوئے وہ دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔

اور پھر گول گول ڈائیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں تجربہ گاہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوئی اور تین چار خلائی انسان بھاگ کر اندر آ گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ تابوت ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا ہے اور ناگ غائب ہے تو تیز تیز آواز میں باتیں کرتے ہوئے باہر کو بھاگے۔

ان کے جاتے ہی دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن ناگ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ وہ دیوار سے اتر کر دروازے کے پاس آیا اور اس سے پہلے کہ دروازہ بند ہو وہ دوسرے کمرے میں جا چکا تھا۔

اس کمرے میں بھی قسم قسم کی مشینیں لگی ہوئی

تھیں۔ ناگ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا ایک کھلے دروازے سے نکل کر سنگ مرمر کی راہداری میں آ گیا۔

یہاں اس نے زمین کی بجائے چھت کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ راہداری ایک گول کمرے میں جا کر ختم ہو گئی۔ یہاں ایک گول نالہ باہر کو جاتا تھا۔ ناگ اس نالے میں سے گزر کر باہر آ گیا۔

باہر آ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور نیچے وادی میں دن کی روشنی پھیلی ہے اور جگہ

ہوئے ہیں۔

جن پر سرخ روشنی جھلملا رہی ہے۔ شاید یہ خلائی جہاز تھے، جو زمین پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ناگ ایک سمت کو رینگتے ہوئے پہاڑی کے اندر بنی ہوئی چھوٹی سی کھوہ میں چلا گیا۔ یہاں بہت اندھیرا تھا اور ٹھنڈک بھی تھی۔

ناگ نے سوچا کہ ایسی جگہ کچھ عرصے کے لیے پناہ لینی چاہیے تاکہ آئندہ کے بارے میں غور کیا جا سکے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ سانپ یا کسی بھی جانور کی

شکل اختیار کر کے وہ انسانوں کی طرح نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس کی سوچ کی رفتار بہت سست پڑ جاتی تھی۔ تو کیا وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ جائے۔

ویسا کرنا اس کے لیے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔

ناگ نے فیصلہ کیا کہ ابھی اس طرح پڑے رہنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔

یہ ایک عجیب ستارہ تھا۔

ابھی دن تھا اور ابھی رات پڑ گئی۔ اور چاروں طرف اندھیرے کی چادر پھیل گئی۔

ناگ نے کھوہ میں سے باہر نکل کر دیکھا تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پہاڑیوں کے درمیان

میں جو گنبد سے بنے ہوئے تھے صرف ان کی سرخ روشنیاں ہی جگمگا رہی تھیں۔

اسے پہاڑی کے ارد گرد وہی گلہریوں جیسی تیز تیز آوازیں سنائی دیں۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ خلائی انسان اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے اور اب اس کے قریب پہنچ رہے تھے۔

وہ جلدی سے کھوہ کے اندر چھپ گیا۔ گلہریوں جیسی تیز تیز آوازیں قریب سے قریب تر ہوتی گئیں اور پھر اس کے کھوہ کے پاس آ کر رک گئیں۔

خلائی انسان کھوہ کے باہر پہنچ کر رک گئے تھے۔ ان کے آلات بتا رہے تھے کہ ناگ اندر ہی ہے۔

انہوں نے اندر تیز روشنی پھینکی۔ ناگ جو کہ سانپ کی شکل میں تھا، ایک پتھر کے نیچے سوراخ میں چھپ گیا اور اپنے اوپر اس نے ریت گرا دی۔

اس ریت میں دب جانے کی وجہ سے ناگ کے جسم سے نکلنے والی ریڈیائی شعاعیں رک گئیں۔ خلائی انسانوں کے آلات بھی رک گئے۔ ان کے آلات نے سگنل دینے بند کر دیے تھے۔ وہ روشنی بجھا کر تیز تیز باتیں کرتے آگے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد ناگ سوراخ میں سے باہر نکل آیا اور اطمینان کا گہرا سانس لے کر غار کے ادھر ادھر تکنے لگا۔ پہلے تو وہ کچھ دیر کھوہ کے اندر ہی بیٹھ کر

حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

اس کے بعد اچانک پھر دن چڑھنا شروع ہو گیا اور وادی اور پہاڑوں میں دن کی سفید اجلی روشنی پھیل گئی اور ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔

ناگ کھوہ سے باہر آ گیا۔

ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ سورج کی روشنی تو چاروں طرف پھیلی تھی مگر سورج کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

شاید وہ پہاڑوں کی اوٹ میں تھا، لیکن پہاڑوں کا سایہ بھی نہیں تھا۔ کچھ عجیب و غریب قسم کی فضا تھی اس ستارے کی۔

ناگ نے ایسا تجربہ زندگی میں پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ پہاڑیوں کے دامن میں رینگنے لگا۔ رینگتے رینگتے وہ ایک ٹیلے کی چوٹی پر آ گیا۔

یہاں اسے ایک سرخ رنگ کا برج دکھائی دیا جو چوٹی کے اوپر بنا ہوا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اس برج میں چل کر دیکھنا چاہیے۔ شاید یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب ہاتھ آ جائے۔

ناگ سانپ کی شکل پہاڑی اور ٹیکریوں کے اونچے نیچے ریتلے راستوں میں رینگتا ہوا اوپر پہاڑی کے برج پر پہنچ گیا۔

برج ایک گول چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی صرف

ایک ہی کھڑکی تھی جس کے منہ پر موٹی موٹی لوہے کی سلاخیں چڑھا دی گئی تھیں۔

ناگ نے سوچا کہ ضرور یہاں کوئی قیمتی اور پراسرار شے رکھی گئی ہے۔ چل کر پتہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہ برج کی گول دیوار پر رینگتے ہوئے لوہے کی موٹی سلاخوں والی کھڑکی میں آ گیا۔

اس نے اپنی گردن اندر ڈال کر جائزہ لیا کہ اندر کوئی ہے یا نہیں۔

آہ! اندر تو بے چاری ماریا موجود تھی اور ایک کونے میں بیٹھی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ لیکن ناگ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو صرف خلائی انسانوں کی آنکھ ہی دیکھ سکتی تھی۔ ماریا بھی ناگ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیونکہ وہ چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل میں تھا۔

ناگ نے محسوس کیا کہ یہ چھوٹا سا برج کچھ دیر تک چھپے رہنے کے لیے بڑا موزوں ہو گا۔ چنانچہ یہ سوچتے ہی وہ سلاخوں کی درز میں سے رینگ کر اندر گول کمرے میں آ گیا۔

اچانک اسے اپنے کسی قریبی دوست کی وہاں موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے ایک خاص قسم کی بو فضا میں سونگھی۔

پھر وہ چونک پڑا۔

ارے یہ بو تو ماریا کی تھی۔

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ زور سے ایک پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں سامنے آ گیا۔

ماریا نے ایک دم سے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

ناگ بھی ماریا کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور خوش بھی ہوا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی داستان مصیبت سنائی اور اپنے دوست عنبر کے بارے میں کافی دیر باتیں کرتے رہے۔

پھر غور کرنے لگے کہ اس خلائی مخلوق سے کس طرح سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ماریا نے ناگ کو بتایا۔

"خلائی لوگ اس کے جسم سے نکلتی شعاعوں کے ذریعے اسے دیکھ لیتے ہیں"۔

ناگ نے اس انکشاف پر بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

"اس کا کوئی علاج تلاش کرنا پڑے گا"۔

ڈاکو اور خزانہ

عنبر اور ڈاکو دونوں کئی روز سے جزیرے میں کشتی تیار کر رہے تھے۔

ایک ہفتے کی صبح و شام کی محنت کے بعد آخر کشتی تیار ہو گئی۔ اس میں ناریل اور دوسرے پھل کافی مقدار میں ذخیرہ کر دیے گئے۔

دونوں نے اپنے اپنے خزانوں کے صندوق نکال

کر وہ بھی کشتی میں چھپا کر رکھ دیے۔

یہ کشتی کافی بڑی تھی۔ اگرچہ اس میں بادبان نہیں تھے لیکن چپوؤں کی مدد سے اسے کافی تیز چلایا جا سکتا تھا۔

اب وہ جزیرے کے مخالف چلنے والی ہواؤں کا انتظار کرنے لگی۔

ایک دن جب وہ سو کر اٹھے تو تیز ہوائیں جزیرے کی مخالف سمت کو چل رہی تھیں۔ سمندر میں اپنا سفر شروع کرنے کا یہ بڑا نادر موقع تھا۔ چنانچہ وہ کشتی میں سوار ہوئے اور انہوں نے اپنا سفر شروع کر دیا۔

شروع میں کشتی بڑے آرام سے بہتی چلی گئی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد سمندر میں طوفان سا اٹھنے لگا۔ ہوا تیز ہو گئی اور بادل بھی گرجنے شروع ہو گئے۔

عنبر اور ڈاکو دونوں کوئی اناڑی نہیں تھے۔ دونوں کو سمندری طوفانوں کا اچھا خاصا تجربہ تھا۔ طوفان رات بھر جاری رہا۔

کشتی لہروں پر ادھر ادھر اچھلتی رہی۔ اس میں پانی بھی بھرا مگر وہ اسے باہر نکال کر پھینکتے رہے۔ دوسرے روز دوپہر کو جا کر طوفان تھما۔ بارش رک گئی اور لہروں نے بھی سکون کا سانس لیا۔

عنبر نے شروع ہی سے محسوس کیا تھا کہ بحری ڈاکو کبھی کبھی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا تھا۔ جب عنبر اس سے آنکھیں چار کرتا تو وہ جھٹ نظریں جھکا لیتا یا ادھر ادھر دیکھنے لگتا۔

عنبر کو اس کی نیت میں کچھ خرابی محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر وہ مطمئن تھا کہ یہ اکیلا احمق ڈاکو اسے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے بھلا۔ یہ اس کی بے وقوفی تھی کیونکہ دشمن کو کبھی بھی کمزور خیال نہیں کرنا چاہیے۔

سمندر میں سفر کرتے انہیں تیسرا روز جا رہا تھا۔ عنبر کشتی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ ڈاکو چپو چلا رہا تھا۔

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آسمان پر ابھی تک کوئی پرندہ نظر نہیں آیا۔ کیا

خیال ہے۔ ہم زمین سے ابھی کتنی دور ہوں گے؟"۔

بحری ڈاکو نے اپنے کھردرے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور سوچتے ہوئے کہا۔

"میرے اندازے کے مطابق ابھی دو روز اور ہمیں اسی سمت سمندر میں سفر کرنا ہوگا۔ پھر کہیں جا کر زمین کی شکل دیکھنی نصیب ہوگی"۔

عنبر نے پوچھا۔

"اس طرف ہم ہسپانیہ کے ساحل پر پہنچیں گے کیا؟"۔

ڈاکو نے جواب دیا۔

"ہاں۔۔۔ ہسپانیہ! جس پر اب فرانسیسیوں کی

حکومت ہے اور مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا دور ختم ہو چکا ہے"۔

ڈاکو کی اس بات پر عنبر سوچ میں پڑ گیا کیونکہ اس نے ہسپانیہ کے عروج کا زمانہ دیکھا تھا۔ جب کہ اندلس اور قرطبہ میں مسلمان سائنس دانوں اور دوسرے علوم میں اپنے کمالات دکھا رہے تھے اور ان کی لائبریریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

مسلمان بادشاہ ان علوم کی سرپرستی کرتے تھے۔

عنبر کا دل چاہا کہ وہ ایک بار پھر غرناطہ اور قرطبہ جائے اور وہاں کے شاہی محلات اور شاہی لائبریریوں میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگاریں دیکھے لیکن بحری

ڈاکو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

اس کا دل خزانے کے بارے میں بے ایمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے دماغ میں ایک ترکیب بنائی تھی کہ موقع پا کر کسی وقت رات کے وقت عنبر کو سمندر میں دھکا دے دے اور خود دونوں خزانوں کا مالک بن جائے کیوں کہ ڈاکو پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ عنبر اس سے بہت زیادہ طاقتور ہے اور وہ عنبر کو تلوار یا خنجر سے ہلاک نہیں کر سکتا۔

چنانچہ وہ رات کا انتظار کر رہا تھا۔

عنبر کو ڈاکو کی طرف سے خطرے کا احساس ضرور تھا مگر اس کا خیال تھا کہ وہ کیا کرے گا۔

ایک بار پھر عنبر اپنے دشمن کی جانب سے غافل ہو کر رات کو کشتی میں لیٹ گیا۔ وہ اس طرح لیٹا تھا کہ اس کا ایک پہلو بالکل کشتی کے کنارے کو چھو رہا تھا اور نیچے گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

بحری ڈاکو کو بھلا نیند کب آتی تھی۔ وہ تو شاید اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ جلدی سے اٹھا اور آہستہ گھٹنوں کے بل چلتا، بلکہ رینگتا ہوا بے خبر سوئے ہوئے عنبر کے پاس آیا اور پھر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ اس نے عنبر کو سمندر میں دھکا دے دیا۔

سمندر کی لہریں بڑی تیزی سے پیچھے جا رہی تھیں۔ وہ عنبر کو اٹھا کر کشتی سے دور لے گئیں۔

عنبر کو ایک دم ہوش آیا تو کیا دیکھا کہ وہ بیچ سمندر میں لہروں کے رحم و کرم پر پڑا ہے اور کشتی رات کے اندھیرے میں دور ہوتی جا رہی ہے۔

اس نے آخری بار بحری ڈاکو کو کشتی میں خوشی سے ناچتے دیکھا اور پھر لہروں کے اوپر لیٹ گیا۔ دل میں افسوس کرنے لگا کہ وہ اپنے دشمن سے غافل ہو گیا۔ اور یوں خزانے سے ہاتھ دھو بیٹھا جس کی انہوں نے اتنی دیر سے حفاظت کی تھی اور اپنے ساتھ لیے لیے پھرتے رہے تھے۔

عنبر ابھی مر تو نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ لہریں اسے اپنے کندھے پر سوار کر کے آگے ہی آگے لیے جا رہی

تھیں۔

رات گزر گئی۔

دن چڑھا تو آسمان پر سورج نکلنے کے ساتھ ہی کالے کالے بادل چھا گئے اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔

ادھر بحری ڈاکو نے خزانے والے دونوں صندوق کھول رکھے تھے اور حریصانہ نظروں سے کبھی ایک صندوق کے جواہرات کو دیکھتا تھا تو کبھی دوسرے صندوق کے جواہرات کو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتا تھا۔

آسمان پر بادلوں کو دیکھ کر اس نے جلدی سے دونوں صندوق کشتی میں ایک طرف ناریل کے ڈھیر

میں چھپا دیے اور چپو پکڑ کر کشتی کو جلدی جلدی ایک طرف کھینے لگا۔

وہ یوں بے تاب ہو رہا تھا جیسے ابھی کچھ ہی دیر میں ساحل تک پہنچ جائے گا۔ جب کہ ابھی ہسپانیہ کا ساحل وہاں سے دو روز کے فاصلے پر تھا۔

بحری ڈاکو نے کشتی چلاتے چلاتے دور نظر اٹھائی تو اسے ایک دیوہیکر وہیل مچھلی نظر آئی جس کے سر پر سے پانی کا فوارہ بلند ہو رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ اس سمندر میں وہیل مچھلیاں کبھی کبھی آ جاتی ہیں اور اگر کسی جہاز یا کشتی کو دور سے دیکھ لیں تو پھر اسے ٹکر مار کر تباہ و برباد کر دیا کرتی ہیں۔

ڈاکو کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے سوچا کہ یہ مصیبت کہاں سے نازل ہو گئی۔ وہ کشتی کو کہیں چھپا بھی نہیں سکتا تھا۔

بس دیوتاؤں سے یہی دعا مانگنے لگا کہ ظالم وہیل مچھلی کی ادھر نگاہ نہ پڑ جائے مگر وہیل مچھلی نے تو بہت پہلے اسے دیکھ لیا تھا اور بڑے مزے سے اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

ڈاکو نے دیکھا کہ وہیل مچھلی نے سمندر میں غوطہ لگایا اور غائب ہو گئی۔ ڈاکو نے دل میں دیوتاؤں کا شکر ادا کیا کہ بلا سر سے ٹلی۔

لیکن وہیل مچھلی ٹلنے والی بلا نہیں تھی۔ اب جو وہ

سمندر سے ابھری تو کشتی سے بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ اس کے ابھرنے سے سمندری لہروں میں ایک ہل چل سی پیدا ہو گئی۔

اب تو ڈاکو کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہیل مچھلی اتنی بڑی تھی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر میں بھورے رنگ کا ایک پہاڑ ہے جو کشتی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

وہیل مچھلی بالکل کشتی کے سامنے آ گئی۔ ڈاکو نے اس کی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھیں دیکھیں تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔

بھڑک رہی تھی۔ خدا جانے کس جہاز یا کشتی والے نے اپنے برچھوں سے اسے شدید زخمی کر دیا تھا جس کا بدلہ وہ ڈاکو سے لینے چلی آئی تھی۔

وہیل مچھلی کے جسم پر بے شمار برچھے گڑے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ یہ خون سمندر کی لہروں میں مل کر انہیں بھی سرخ بنا رہا تھا۔

ڈاکو کے پاس سوائے ایک خنجر کے اور کچھ نہ تھا۔ اس خنجر سے وہ کیا کر سکتا تھا بھلا؟۔

وہیل مچھلی برابر اس کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ آخر اس نے بڑے زور سے کشتی کو ٹکر مار دی۔ کشتی سمندر کی لہروں سے کئی فٹ بلند ہو کر اچھلی اور

پھر سمندر میں گرتے ہی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ ٹکڑے ٹکرے ہوگئی۔

ڈاکو اس عرصے میں وہیل مچھلی کے اوپر آن گرا تھا اور اس کے جسم میں پے در پے خنجر کے وار کر رہا تھا۔ مگر ہاتھی سے بھی بڑے جسم والی وہیل مچھلی پر زیادہ اثر نہیں ہو رہا تھا پھر بھی وہ زخموں کی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ایک دم سے غڑاپ کر کے غوطہ لگایا اور سمندر کے نیچے کئی فٹ تک اترتی چلی گئی۔

بحری ڈاکو اوپر ہی غوطے کھانے لگا۔ وہیل مچھلی نیچے سے اوپر آئی۔

اس کا سر اوپر کی جانب تھا اور وہ طوفان میل کی طرح اوپر اٹھ رہی تھی۔ اس نے بحری ڈاکو کو نیچے سے اٹھا کر اس زور سے اچھالا کہ وہ کئی قلابازیاں کھا کر واپس سمندر کی لہروں میں آن گرا۔

وہیل مچھلی نے اب بھی اسے معاف نہیں کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بحری ڈاکو دور سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

وہیل مچھلی نے اپنا بہت بڑا منہ پورا کھول دیا اور ڈاکو کی طرف بڑھنے لگی۔ سمندر کا پانی ایک آبشار کی طرح وہیل کے پیٹ میں جا رہا تھا۔

اچانک ڈاکو نے اس خونی آبشار کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ موت آ گئی۔ سمندر کا پانی

اسے تیزی سے بہاتا ہوا وہیل مچھلی کی طرف لیے جا رہا تھا۔

اس نے ہاتھ پاؤں مار کر اس آبشار سے بچنے کی بہت کوشش کی لیکن پانی کا تیز دھارا اسے وہیل کے کھلے مہیب جبڑوں کی طرف کھینچتا ہوا لے گیا۔

اور آخر بے شمار مچھلیوں کے ساتھ وہ بھی غڑاپ سے وہیل مچھلی کے منہ کے اندر چلا گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی کنوئیں میں گر پڑا ہے جس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

وہیل مچھلی نے اپنا منہ بند کر لیا اور سمندر میں ایک طرف کو گھوم گئی۔ اب وہاں نہ بحری ڈاکو تھا، نہ اس کا

خزانہ تھا اور نہ کشتی تھی۔ آسمان پر سورج بھی اس خونی تماشے کے بعد نکل کر چمکنے لگا تھا۔

سمندر کی لہریں بڑے سکون سے بہہ رہی تھیں اور دور ایک مقام پر عنبر بڑے اطمینان سے جیسے لہروں کے بستر پر لیٹا اپنا سفر طے کر رہا تھا۔

اس کے کانوں میں مرغابی کے چیخنے کی آواز پڑی۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ آسمان پر ایک مرغابی اس کے اوپر پر تول کر اڑ رہی تھی۔

عنبر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ مرغابی کے نظر آنے کا مطلب یہ تھا کہ زمین کہیں قریب ہی ہے مگر ابھی زمین کافی دور تھی۔

سارا دن اور ساری رات وہ لہروں پر بہتا چلا گیا۔

دوسرے روز کا سورج طلوع ہوا تو اسے دور ایک سیاہ لکیر دکھائی۔ وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ یہ زمین تھی۔ یہ ہسپانیہ کا ساحل تھا۔

آخر لہروں نے عنبر کو ہسپانیہ کے ساحل پر لا کر پھینک دیا۔ وہ کچھ دیر تک ویسے ہی ریت پر پڑا رہا۔ دھوپ نے اس کے کپڑے سکھا دیے تھے۔

اس نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ دور تک چٹیل سا میدان چلا گیا تھا۔ کہیں کہیں چھوٹے بڑے ٹیلے کھڑے تھے۔ جن پر جنگلی جھاڑیاں اگی تھیں۔

عنبر اٹھ کر ایک طرف چلنے لگا۔ جب وہ ٹیلوں سے گزر کر آگے آیا تو اس نے ایک مکان دیکھا۔ ایک منزلہ کچا مکان تھا۔

جو کھجور کے درختوں میں بنا ہوا تھا۔ عنبر کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ مکان کے قریب آ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔

باہر ایک پرانا تخت بچھا ہے۔ کونے میں درخت کی چھاؤں تلے ایک مٹی کا گھڑا رکھا ہے۔ عنبر نے اس گھڑے میں سے پانی پیا۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا پھر وہ کھجوروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں اس تخت پر بیٹھ گیا۔

عنبر نے مالک مکان کو دو ایک آوازیں بھی دیں

مگر اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے اٹھ کر دروازے پر دستک دی۔

دروازہ تو جیسے باہر ہی سے بند تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اوپر کیواڑ پر تالا لگا ہے۔ وہ کچھ دیر ستانے کے لیے تخت پر آ کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

اتنے میں دور سے اسے ایک سفید بالوں والا بوڑھا شخص آتا نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لکڑی کا ڈول تھا۔

عنبر نے اٹھ کر اس بزرگ کا خیر مقدم کیا۔ بوڑھے شخص نے قریب آ کر عنبر کو سلام کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ

مسلمان ہے۔ عنبر نے جھک کر سلام کا جواب دیا۔ عنبر کو بڑی خوشی ہوئی کہ ایک عرصے بعد کسی مسلمان بھائی کی شکل نظر آئی تھی۔

معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا نام مہدوی ہے اور وہ سپین میں غرناطہ کے آخری حکمران بنو مراج کے محل میں شاہی حکیم تھا۔

جب ہسپانیہ پر عیسائیوں نے قبضہ کیا تو وہ اپنے بچے کے ساتھ بھاگ کر یہاں آ گیا۔

مہدوی نے عنبر کو بتایا۔

”جس زمین کو وہ سپین کی سرزمین سمجھ رہا ہے، وہ شمالی افریقہ کے ملک طونس کا ساحلی علاقہ ہے اور

ہسپانیہ وہاں سے آبنائے جبرالٹر پار کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"محترم بزرگ آپ کا فرزند ارجمند کہاں ہے؟"۔

بزرگ مہدوی نے کہا۔

"وہ صحرا میں جڑی بوٹیاں تلاش کرنے گیا ہے"۔

مہدوی نے عنبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے اور وہاں کس طرح پہنچا ہے؟۔

عنبر نے کہا۔

"وہ ایک تاجر ہے۔ مال لے کر قرطاجنہ جا رہا

تھا کہ سمندر میں طوفان میں گھر کر جہاز تباہ ہو گیا اور وہ بڑی مشکل سے ایک تختے پر بیٹھ کر جان بچا کر وہاں تک پہنچا ہے"۔

مہدوی نے عنبر کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور پھر اس کے آگے خشک روٹی اور انجیر رکھی جسے عنبر نے بڑے شوق سے کھایا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دور سے گرد کا غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔

مہدوی نے کہا۔

"میرا بیٹا عدنان آ گیا"۔

گرد ہٹی تو سامنے گھوڑے پر سوار ایک خوش شکل

نوجوان چلا آ رہا تھا۔

قریب آ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ مہدوی نے اس کے ساتھ عنبر کا تعارف کروایا۔ عدنان عنبر سے مل کر بڑا خوش ہوا۔

اس نے جڑی بوٹیوں کا تھیلا اپنے والد کو دے دیا اور خود تخت پر بیٹھ کر عنبر سے باتیں کرنے لگا۔

شام کی نماز سے فارغ ہو کر وہ سب دوبارہ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ مہدوی عنبر کو غرناطہ اور قرطبہ کی عظمت کی داستانیں سنانے لگا۔

بنو سراج کے شاہی محلات اور قرطبہ کی شاہی مسجد کو یاد کر کے مہدوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ ہسپانیہ سے بچھڑنے کا غم اس کے دل کی گہرائیوں میں تھا۔ رات کے کھانے کے بعد بزرگ مہدوی تو قالین پر سو گیا۔ لیکن عنبر اور عدنان دیر تک سمندر کے کنارے ٹہلتے اور باتیں کرتے رہے۔

عدنان نے آہ بھر کر کہا۔

غرناطہ مجھے نہیں بھولتا۔ اس کی گلیاں، ہمارا شاندار مکان اور مسجدوں سے گونجتی اذان کی آواز کا خیال آتا ہے تو دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ آٹھ سو برس تک ہسپانیہ پر حکومت کرنے کے بعد مسلمان وہاں سے اس طرح

نکلیں کہ ان کا ایک بچہ تک وہاں باقی نہ رہے"۔

عنبر نے کہا

میں نے مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں غرناطہ اور قرطبہ کی سیر کی ہے۔ اس سے زیادہ ترقی یافتہ ملک میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔

لیکن افسوس کہ مسلمان بھائیوں کی آپس کی نااتفاقی نے انہیں حکومت اور طاقت سے محروم کر دیا۔

عدنان نے عنبر کی طرف جھک کر کہا۔

"میں تمہیں ایک راز کی بات بتانا چاہتا ہوں، مگر وعدہ کرو کہ تم اس کا ذکر میرے والد صاحب سے نہیں کرو گے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں"۔

عدنان کچھ دیر سمندر کی طرف سے آتی لہروں کو دیکھتا رہا۔ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ اپنے شہر غرناطہ ایک بار ضرور جاؤں گا۔ اپنی حویلی دیکھوں گا اور ان شاہی محلوں اور مسجدوں کی زیارت بھی کروں گا جہاں پانچوں وقت اذان کی آواز گونجا کرتی تھی"۔

عنبر نے کہا۔

"مگر عدنان! تمہارا وہاں اکیلے جانا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ سپین میں تو اس وقت بھی مسلمان نہیں

ہے۔ اگر وہاں کسی نے تمہیں پہچان لیا تو وہ تمہیں ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

عدنان نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، میں جان کی بازی لگا کر بھی ایک بار اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟"۔

عنبر نے تو پہلے ہی ہسپانیہ کے شاہی محلات کی سیر کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اب عدنان کی طرف سے وہاں جانے کی پیش کش ہوئی تو حامی بھر لی۔

پھر بولا۔

"اپنے والد کو کیا بتا کر جاؤ گے؟ وہ تو تمہیں ہرگز

ہسپانیہ جانے کی اجازت نہیں دیں گے"۔

عدنان نے کہا۔

"یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے انہیں بالکل نہیں بتاؤں گا۔ انہیں یہی کہوں گا کہ میں قرطاجنہ ایک سوداگر سے ملنے جا رہا ہوں'۔

عنبر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہیں اب کوئی نہیں روک سکتا۔ ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا۔ کب سفر کرنے کا ارادہ ہے؟"۔

عدنان نے کہا۔

"میرا خیال ہے، چاند کی چودھویں رات کو یہاں سے نکل چلیں گے"۔

عنبر بولا۔

"بہت خوب"۔

چاند کی چودھویں سے پہلے ہی عدنان نے اپنے بزرگوار والد سے کہہ دیا تھا کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں قرطاجنہ جارہا ہے جہاں ایک جڑی بوٹیوں کے تاجر سے ضروری کاروباری مسئلے پر گفتگو کرنی ہے۔

اس کے والد بزرگ مہدوی نے بادل نخواستہ اجازت دے دی۔

چنانچہ چاند کی چودھویں تاریخ کو عنبر کے ساتھ

لے کر عدنان قرطاجنہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ قرطاجنہ وہاں سے چھ روز کے سفر پر جنوب کی طرف تھا۔ جب کہ ہسپانیہ وہاں سے شمال مغرب کی طرف تھا۔

سب سے پہلے سمندری بندرگاہ ٹنگیالیس تک پہنچنا تھا۔ جہاں سے کسی بادبانی جہاز میں سوار ہو کر بحیرہ روم عبور کر کے ہسپانیہ کی کسی بندرگاہ پر جا کر اترنا تھا۔

چاندنی رات میں صحرا بہت دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ کچھ دور تک جنوب کی طرف چلنے کے بعد عدنان نے اپنے گھوڑے کا رخ بحیرہ روم کے ساحل کی طرف موڑ دیا۔

عنبر نے بھی اپنے گھوڑے کا رخ اسی طرف موڑ دیا۔ دونوں ہسپانیہ کے متعلق باتیں کرتے جا رہے تھے۔ پانی کی چھاگلیں، خشک روٹی اور گوشت انہوں نے ساتھ رکھ لیا تھا۔ ساری رات وہ صحرا میں سفر کرتے رہے۔

دن چڑھا تو سورج کی تپش بڑھنے لگی۔ گرمی کی وجہ سے وہ ایک نخلستان میں رک گئے۔ یہاں کھجوروں کے بے شمار درخت تھے اور ایک قدرتی چشمہ بھی تھا۔

یہاں گھوڑوں کو چارا کھلایا گیا۔

پانی پلایا گیا اور انہیں آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

عنبر اور عدنان نے بھی سب سے پہلے غسل کیا۔ پھر کھانا کھایا، چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور لیٹ گئے کہ ذرا کمر سیدھی کر لیں۔

عدنان نے ایک بار پھر غرناطہ کی باتیں شروع کر دیں۔ اس پر غرناطہ کا نقش بڑا گہرا تھا۔ وہ غرناطہ میں اپنی حویلی، اپنی چھپتی ہوئی گلی اور دیوار پر چڑھی گلاب کی بیلوں کو یاد کر کے اداس ہو جاتا۔

عنبر پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ وہ سو گیا اور عدنان دیر تک نخلستان کے لمبے لمبے کھجوروں کے درختوں کو تکتا اور غرناطہ کے بارے میں غور کرتا رہا۔

عدنان کو ابھی تک عنبر کی خفیہ طاقت کا بالکل

احساس نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ نوجوان کسی تاجر کا ایک معمولی سا بیٹا ہے جو محض آوارہ گردی کا شوق پورا کر رہا ہے۔

اسے کیا خبر تھی کہ جو نوجوان اس کے قریب لیٹا ہوا ہے وہ پانچ ہزار سال سے زندہ ہے اور فرعون مصر کا بیٹا ہے۔ اس کا تجربہ تو عدنان کو آگے چل کر ہونا تھا۔

اسی طرح دونوں مسافر سفر کرتے کرتے آخر ایک روز بحیرہ روم کے سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ عنبر کو اپنا ماضی یاد آ گیا۔

اس سمندر میں اس نے کئی بادشاہوں کے جہازوں کو سفر کرتے اور پھر اسی سمندر کی لہروں میں

ہمیشہ کے لیے غرق ہوتے دیکھا تھا۔

یہ سمندر انسانی تہذیب اور تاریخ کا گہوارہ تھا۔ یہاں سے کئی تہذیبیں اٹھیں اور اس کی لہروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھپ گئیں۔

عدنان کو اپنا غرناطہ یاد آ رہا تھا۔ جہاں ان کی شاندار حویلی تھی۔ انگوروں اور انجیروں کا باغ تھا۔ اسی باغ میں اس کی ماں کی قبر بھی تھی۔

اس نے عنبر سے کہا۔

"ہمیں یہاں سے کسی کشتی میں سوار ہو کر بحیرہ روم کی خلیج پار کرنی ہوگی تاکہ ہم دوسری جانب سپانیہ کے ساحل پر پہنچ سکیں۔ ہم تجارتی جہاز میں سفر نہیں کر

سکتے۔ اس طرح پکڑے جانے کا خدشہ ہے۔

عنبر نے کہا

"لیکن یہاں ہمیں کشتی کہاں سے ملے گی بھائی؟"۔

عدنان نے کہا۔

"میرا خیال ہے اگر ہم ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف چلیں تو ہمیں کوئی نہ کوئی ماہی گیروں کی بستی ضرور مل جائے گی۔ ان سے ہم قیمت ادا کر کے کشتی حاصل کر سکتے ہیں"۔

عدنان کے اس خیال کے مطابق عنبر نے اس کے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ سفر شروع کر دیا۔ دھوپ

بڑی تیز تھی۔

صحرا کی گرمی سے بار بار پیاس لگ رہی تھی۔ لیکن عنبر بہت کم پانی پیتا تھا۔ عدنان نے ایک بار تعجب سے اس کی وجہ پوچھی تو عنبر نے مسکرا کر بات ٹال دی۔

انہیں دور سے ایک بستی نظر آئی۔ یہاں کچھ ماہی گیروں نے جھونپڑے بنا رکھے تھے۔ چند ایک کشتیاں بھی سمندر کے کنارے کھڑی تھیں۔

عدنان نے ایک بوڑھے ماہی گیر سے بات کی تو اس نے پہلے تو بہت حیرانی سے عدنان اور عنبر کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

"آپ لوگ اس طرح چھپ چھپا کر سفر کیوں

کرنا چاہتے ہیں؟"۔

عدنان بولا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ ہماری ایک شرط لگی ہے۔ میرا دوست کہتا ہے کہ ہم کشتی میں بحیرہ روم کا سمندر عبور نہیں کر سکتے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ میں کشتی میں سوار ہو کر یہ سمندر پار کر سکتا ہوں"۔

ماہی گیر ہنس دیا۔

"برخوردار تمہارے دوست کا خیال بالکل درست ہے۔ کیونکہ یہ سمندر بڑا خطرناک ہے۔ گرمیوں میں اس کے درمیان ایسے ایسے بھنور پڑتے ہیں کہ اگر آدمی اس میں پھنس جائے تو بس پھر کبھی باہر نہیں نکل سکتا"۔

عنبر نے کہا۔

"مگر میرا دوست یہ تجربہ ضرور کرنا چاہتا ہے"۔

ماہی گیر نے کہا۔

"میں تمہیں کشتی دیے دیتا ہوں بچو! مگر کیا تم مسلمان ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں بابا! الحمد اللہ ہم مسلمان ہیں"۔

ماہی گیر نے حیران ہو کر کہا۔

"تو پھر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہسپانیہ پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہے اور وہاں کے سارے مسلمان قتل کر دیے گئے ہیں۔ اگر کسی نے تمہیں پکڑ لیا تو ہرگز

ہرگز تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

عدنان نے کہا۔

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے بابا! ہم یہ تجربہ ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بتائیں اس کشتی کے کتنے دام ہوں گے؟"۔

عدنان نے ماہی گیر سے کشتی خرید لی۔ اپنے گھوڑے انہوں نے ماہی گی کے پاس امانت کے طور پر چھوڑ دیئے۔

کشتی میں سوار ہوئے اور اس کا رخ ساحل ہسپانیہ کی طرف موڑیا۔

ہسپانیہ کا ساحل وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

موسم بھی بڑا خوشگوار تھا اور سمندر کی لہریں بڑے سکون سے بہہ رہی تھیں۔

عدنان اور عنبر کشتی کے چپو چلاتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ جب انہیں افریقہ کا ساحل نظر آنا بند ہو گیا تو سامنے مغرب کی طرف ہسپانیہ کا ساحل دکھائی دینے لگا۔

عدنان نے عنبر سے کہا۔

"وہ دیکھو! ساحل ہسپانیہ نظر آ رہا ہے۔ ہم انشاء اللہ شام تک وہاں پہنچ جائیں گے"۔

سورج ابھی مغرب میں غروب نہیں ہوا تھا کہ ان کی کشتی ہسپانیہ کے ایک بے آباد اور ویران سے

ساحل پر جا لگی۔

انہوں نے اتر کر کشتی کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سورج غروب ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

عدنان کو معلوم تھا کہ وہ ایلوس کے صوبے کا ساحلی علاقہ تھا اور وہاں کسی زمانے میں مسلمانوں کے مذہبی بزرگ رہا کرتے تھے۔

یہ علاقہ دینی مکتبوں کے لیے بڑا مشہور تھا۔ اب اس علاقے پر بھی عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ عدنان اپنے ساتھ ویسا لباس لایا تھا جو عام طور پر سپین کے عیسائیوں میں بہت مقبول تھا۔

اس نے وہ لباس خود بھی پہنا اور عنبر کو بھی پہنا دیا۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی انہوں نے اپنا سفر شروع کر دیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"عدنان! کیا تم اس راستے سے واقف ہو؟"۔

عدنان نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں اس علاقے میں اکثر آیا کرتا تھا۔ یہاں ہمارے خاندان کے ایک پرانے بزرگ کا مزار ہے۔ میں اسی قصبے کی طرف جا رہا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ وہاں تو تمہیں کوئی بھی

مسلمان نہیں ملے گا"۔

عدنان نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ لیکن میں اپنے بزرگ کے مزار پر فاتحہ پڑھنا چاہتا ہوں"۔

دراصل عدنان بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا اور وہ سچا بھی تھا کیونکہ وہ تو اس سفر پر نکلا ہی اس مقصد کے واسطے تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کے مزاروں کی زیارت کرے اور مسلمان شہنشاہوں کے محلات میں اپنی یادوں کے چراغ روشن کر سکے۔

اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن آسمان پر تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا، جس کی وجہ سے میدان میں روشنی ہو گئی۔

کچھ دیر کھیت شروع ہو گئے۔

ایک انگور کا باغ آیا، جس کی شاخیں سرخ انگوروں سے لدی پھندی تھیں۔ عدنان نے بتایا کہ اس علاقے کے سرخ انگور ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ وہ ایک سوئے ہوئے گاؤں کے قریب سے گزرتے تو کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔

ایک جانب سے پہریدار نے ان کے سامنے آ کر پوچھا۔

"وہ کون ہیں اور رات کو کہاں جا رہے ہیں؟"

عدنان نے کہا۔

"وہ ڈان کارلو ہے اور اپنی والدہ کی عیادت

کرنے اپلوس جا رہا ہے"۔

پہریدار نے اسے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

"معزز ڈان کارلو! آپ کی والدہ کی عمر دراز ہو"۔

عدنان نے اس کے سلام کا سر ہلا کر جواب دیا اور عنبر کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

اس نے عنبر سے کہا۔

"اگر یہ احمق چوکیدار اس سے یہ پوچھ بیٹھتا کہ ڈان کارلو صاحب آپ کا گھوڑا کہاں ہے اور آپ کیسے ڈان ہیں کہ بغیر گھوڑے کے ہی سفر کر رہے ہیں تو میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"ابھی آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"۔

رات کے پچھلے پہر وہ ایک گاؤں کے باہر ایسی جگہ پہنچے جہاں کھجوروں کے بے شمار جھنڈ تھے۔ اور مہندی کی جھاڑیوں کی خوشبو آ رہی تھی۔

عدنان نے سانس بھر کر کہا۔

"کھجوروں کے اس جھنڈ میں ہمارے خاندانی بزرگ کا مزار ہے"۔

مزار بالکل خموش اور ویران پڑا تھا۔ کہیں ایک دیا تک نہیں جل رہا تھا۔ قریب کوئی آبادی نہیں تھی۔

عدنان نے اندر جا کر مزار کو صاف کیا۔

پھر دونوں نے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھی۔ بزرگ کی روح کو ثواب پہنچایا اور آرام کرنے کے لیے ٹھنڈے برآمدے میں لیٹ گئے۔

غرناطہ، اندلس اور قرطبہ کی باتیں کرتے کرتے انہیں نیند آ گئی۔ عنبر بھی تھکا ہوا تھا، سو گیا۔

اچانک عدنان کی آنکھ کھل گئی۔ اسے آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی اور ایسا شور ہوا جیسے کسی نے کوئی صندوق گھوڑے سے نیچے اتارا ہو۔ برآمدے میں اندھیرا تھا۔

اس نے عنبر کو بھی جگا دیا۔ دونوں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ اتنے میں اچانک

کسی نے مشعل روشن کر دی۔ اب جو دیکھا تو سامنے تین وحشی چہروں والے انسان کھڑے تھے۔

ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ دوسرے دونوں ایک صندوق کو کھول رہے تھے۔ انہوں نے بھی دو اجنبی نوجوانوں کو دیکھا تو وہیں ٹھٹھک گئے۔

تلوار نکال کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

عدنان نے کہا۔

"ہم مسافر ہیں۔ رات گزارنے کے لیے مزار پر آ گئے تھے"۔

اصل میں یہ تینوں ڈاکو تھے اور انہوں نے ایک

امیر کے گھر سے چاندی کے برتن چوری کیے تھے اور اب انہیں چھپانے مزار پر آئے تھے۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"انہیں قتل کر دو، نہیں تو یہ گواہ بن کر ہمیں مروا دیں گے"۔

عدنان نے کہا۔

"ہم بے قصور ہیں۔ ہم کسی سے آپ لوگوں کا ذکر نہ کریں گے۔ ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دو"۔

ڈاکو ہنس پڑے۔

ایک نے تلوار کھینچ کر کہا۔

"اب تو یہاں سے تم دونوں کی لاشیں ہی جائیں گے"۔

عنبر نے سوچا اگر ڈاکو نے عدنان پر حملہ کر دیا تو وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکے گا۔ اس کا قتل ہو جانا یقینی تھا۔ وہ لپک کر عدنان کے آگے آ گیا اور بولا۔

"اگر تم لوگ اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو اپنا چوری کا مال لے کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ہم تم سے لڑائی مول لینا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو پھر زندہ نہ بچ سکو گے"۔

ڈاکو کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ یہ بھی ہنسنے کی بات کہ دو نہتے نوجوان تین ہتھیار بند مسلح ڈاکوؤں پر رعب

جما رہے ہیں اور انہیں موت کی دھمکی دے رہے ہیں۔

ایک بار تو عدنان نے بھی حیران ہو کر عنبر کی طرف دیکھا کہ اسے ڈاکوؤں کو دھمکی دینے کی کیا ضرورت تھی۔

خواہ مخواہ مصیبت مول لے رہا ہے۔ بہتر تھا کہ ان کی منت سماجت کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا جاتا۔ بے چارے عدنان کو کیا خبر تھی کہ عنبر جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں کس قدر سچائی تھی۔ ڈاکوؤں نے عنبر کی بات پر سخت طیش آ گیا۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

”بد بخت نوجوان! معلوم ہوتا ہے تیری موت آ گئی ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”بہت خوب! اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو لو مجھ پر حملہ کرو اور پھر اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کر لیتے“۔

ڈاکو نے تلوار اٹھائی اور پوری طاقت سے عنبر کے سر پر حملہ کیا۔ عدنان نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے انجام معلوم تھا، کہ ابھی عنبر کا سر دو ٹکڑے ہو کر برآمدے میں گرا ہو گا۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو حیرت سے اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ ڈاکو کی تلوار دو ٹکڑے ہو کر زمین پر

گری تھی اور وہ خو حیران اور پریشان کھڑا عنبر کو گھور رہا تھا۔

تلوار عنبر کے سر پر پوری طاقت سے لگی تھی۔ لیکن وہاں ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی۔

دوسرے ڈاکو نے اپنی تلوار گھما کر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر وار کیا۔

کھٹاک کی آواز کے ساتھ تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرائی اور دو ٹکڑے ہو کر فرش پر گر پڑی۔

عنبر نے کہا۔

اب میں تمہیں تیسری تلوار توڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

کیونکہ اسی تلوار سے مجھے تم تینوں ڈاکوؤں کا کام تمام کرنا ہے۔

یہ کہہ کر عنبر نے اچھل کر تیسرے ڈاکو کے سینے پر لات ماری جو پیچھے کو گرا اور گرتے ہی خون تھوکنے لگا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

عنبر نے اس کی تلوار اٹھالی اور ایک ہی وار سے پہلے ڈاکو کی گردن تن سے جدا کر دی۔ تیسرا ڈاکو کانپتے ہوئے اس کے قدموں پہ گر پڑا اور رحم کی بھیک مانگتے ہوئے بولا۔

”مجھے معاف کر دو۔ اے عظیم انسان! مجھے معاف کر دو“۔

عنبر نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"یہ صندوق سر پر اٹھاؤ اور ہمیں اس امیر کے گھر لے چلو، جس کے گھر سے تم نے اسے چوری کیا ہے۔ تمہاری سزا یہی ہے کہ اپنے ہاتھوں چوری کا مال اصل مالک کو واپس کرو"۔

ڈاکو تھر تھر کانپ رہا تھا، پھر اس نے صندوق سر پر اٹھا لیا۔

عنبر اور عدنان گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ڈاکو کو ساتھ لے کر چل پڑے۔

عدنان تو حیرت میں گم تھا۔ وہ بار بار عنبر کی طرف

دیکھ رہا تھا اور تعجب کر رہا تھا کہ یہ شخص انسان ہے یا کوئی جن، جس نے انسان کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔

اس نے ایک بار عنبر سے پوچھا بھی کہ اس کے پاس یہ طاقت کہاں سے آئی ہے؟ اور یہ کہ کیا وہ انسان ہے؟۔

عنبر نے کہا۔

"عدنان بھائی! بہتر یہی ہے کہ ایسی باتیں مت پوچھو، وقت آنے پر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ابھی ہم نے بہت کام کرنا ہے"۔

صبح ہوتے ہی وہ ایلوس قصبے کے امیر کے گھر پہنچ گئے۔

اس امیر نے اپنے چرائے ہوئے چاندی کے برتن دیکھے تو بہت خوش ہوا۔ عنبر اور عدنان نے اپنا تعارف مسافروں کی حیثیت سے کرایا جو غرناطہ جا رہے ہیں۔

امیر نے چور کو پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

عنبر اور ناگ کو رات گزارنے کی دعوت دی جو عنبر نے قبول کر لی۔

اگرچہ عدنان وہاں سے جلدی نکل جانا چاہتا تھا۔

رات کو امیر نے دعوت کی اور اپنے عزیزوں کو بھی بلایا۔ خوب گانے ہوئے۔

دوسرے دن عنبر اور عدنان نے امیر سے اجازت لی اور اپنے گھوڑوں کو اس سڑک پر ڈال دیا جو غرناطہ کی طرف جاتی تھی۔

اندھیرے غار والے

ابھی تک ہم زمین کی باتیں کر رہے تھے۔ غرناطہ اور اندلس کی وادیوں کی داستان سنا رہے تھے کہ ہمارا ہیرو عنبر غرناطہ کے شاہی حکیم مہدوی کے فرزند عدنان کے ساتھ دشمن کی سرزمین کی سیر کرتا آگے بڑھ رہا ہے۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے زمین سے بلند ہو کر

ستاروں کی طرف جاتے ہیں اور کائنات کے ایک ستارے جیوپیٹر میں پہنچ کر ناگ اور ماریا کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔

ہم ان دونوں کو خلائی انسانوں کی بنائی ہوئی پہاڑ کی چوٹی کی ایک برجی میں چھوڑ آئے تھے۔ ماریا وہاں قید تھی اور ناگ اپنا شیشہ کا تابوت توڑ کر تلاش کرتا کرتا اس کے پاس جا پہنچا۔

مایا نے جب اسے بتایا کہ خلائی مخلوق اسے دیکھ سکتے ہیں تو وہ بڑا حیران ہوا۔ انہیں پوری ماریا نظر نہیں آتی تھی، بس اس کے جسم سے نکلنے شعاعیں ہی نظر آتی تھیں جن کی وجہ سے وہ ماریا کا ایک ہیولا یا خاکہ

پوری طرح چلتا پھرتا دیکھ لیتے تھے۔

ماریا کو ان لوگوں کی قید سے آزاد کرانے میں یہ بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ مگر ناگ کے پاس اس رکاوٹ کو دور کرنے کا کوئی علاج نہ تھا۔ کوئی توڑ نہ تھا۔ وہ خود تو چھوٹے سے چھوٹا سانپ بن کر بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہو سکتا تھا، لیکن ماریا کا معاملہ ذرا مشکل تھا۔

ادھر خلائی انسانوں کی تجربہ گاہوں میں شور مچ گیا کہ ناگ تابوت توڑ کر بھاگ گیا ہے۔

سردار نے کہا۔

”وہ بھاگ کر اس ستارے سے اور کہیں نہیں جا

سکتا۔ اسے تلاش کر کے حاضر کیا جائے“۔

خلائی تجربہ گاہوں میں تیز تیز سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ ماریا اور ناگ نے سلاخوں والی کھڑکی میں سے دیکھا کہ نیچے وادی کے گنبدوں کی سرخ بتیاں بار بار روشن ہو کر بجھ رہی تھیں۔

انہوں نے مختلف گول گول شیشے کی عمارتوں میں سے خلائی انسانوں کو شعاعی بندوقیں ہاتھوں میں لیے نکلتے اور چھوٹی چھوٹی تھالیوں میں سوار ہوتے دیکھا۔ پھر یہ تھالیاں زمین سے بلند ہو کر عمارتوں کے اوپر سے اڑ کر ستارے کی زمینوں اور پہاڑوں پر اڑنے لگیں۔

ایک طشتری برجی کی کھڑکی کی طرف آ رہی تھی۔

ماریا نے ناگ سے کہا

"ناگ! تم فوراً چھپ جاؤ۔ وہ لوگ شاید تمہیں تلاش کرتے ادھر آ رہے ہیں"۔

ناگ ایک سیکنڈ کے اندر اندر پھنکار مار کر مکڑی بن کر چھت کے کونے میں لٹک گیا۔ خلائی طشتری برجی کے دروازے پر آ کر ٹھہر گئی۔

دروازہ کھلا اور دو خلائی انسان بندوقیں تانے اندر آ گئے اور انہوں نے کونوں میں ناگ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

انہوں نے ماریا کی طرف اپنا رخ کر کے اپنے

سینے کا ایک بٹن دبایا۔ سگنل سے ہوئے اور پھر جیسے ایک انسان کی آواز سنائی دی۔

"اے غیبی عورت! تو نے ایک ایسے انسان کو تو نہیں دیکھا، جو غائب ہو کر سانپ بھی بن جاتا ہے؟"۔

یہ پہلا موقع تھا کہ خلائی انسانوں نے زمینی انسانوں کی آواز میں ماریا سے بات کی تھی۔ اس آواز کو ناگ نے بھی سنا۔

ماریا نے سر ہلا کر کہا۔

"میرے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے"۔

خلائی انسان اپنی اکلوتی سرخ آنکھ سے گول

کمرے کے کونوں کو غور سے تکنے لگا۔ کمرہ بے حد شفاف اور صاف تھا۔ اچانک اس کی نظر چھت کے کونے میں لٹکی ہوئی مکڑی پر پڑی۔

اسے خیال آیا کہ یہ مکڑی کہاں سے آ گئی؟ کہیں یہی تو وہ زمینی انسان نہیں ہے جو ہر قسم کے جانور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

چنانچہ اس نے شعاعی بندوق کا رخ کونے کی طرف کر دیا۔ ابھی وہ بندوق چلانے ہی والا تھا کہ ناگ کو شدید خطرے کا احساس ہو گیا۔

وہ لپک کر چھت سے دیوار پر آیا اور وہاں سے رینگتا ہوا سلاخوں سے ہو کر باہر پہاڑی پر آ گیا اور

ایک سوراخ میں چھپ گیا۔

خلائی انسان نے اپنی ارادہ بدل دیا اور دروازے سے باہر نکل کر دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ اڑنے والی تھالی میں سوار ہو کر ستارے کی تجربہ گاہوں کی سمت چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ناگ جو مکڑی کے روپ میں تھا، دوبارہ سلاخوں میں سے ہو کر کمرے میں آ گیا۔ اس نے ایک بار پھر انسان کی شکل اختیار کی اور ماریا سے باتیں کرنے لگا۔

"ماریا! حیرت انگیز واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان ستاروں

میں بھی خلائی لوگ آباد ہوں گے اور ہم ایک روز کسی اڑن طشتری میں سوار ہو کر یہاں پہنچ جائیں گے۔ واپس جا کر جب ہم نے عنبر کو یہ واقعات سنائے تو وہ ہرگز ہرگز یقین نہ کرے گا"۔

ماریا نے پریشان ہو کر کہا۔

"خدا جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ میں نے بڑی سخت غلطی کی جو آدھی رات کے وقت جزیرے کے غار سے نکل کر سنگ مرمر کے چبوترے کے پاس آ گئی"۔

ناگ نے کہا۔

"جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے ماریا!"

ماریا بولی۔

اب تو سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اس مصیبت کی دنیا سے نکل کر واپس اپنی خوب صورت دنیا میں کیسے جائیں؟۔

بہ ظاہر تو ہمیں ایسی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ زمین سے اس ستارے کا فاصلہ جانے کتنے کروڑ میل ہے اور پھر ہمیں خلائی جہاز بھی چلانا نہیں آتا۔

اب تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ باقی ساری زندگی اسی ستارے پر گزرے گی اور عنبر سے کبھی ملاقات نہیں ہو گی۔

ماریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کی آواز بھرا گئی۔ ناگ نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔

"خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ ہو۔ اس لیے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اور کوشش کرتے رہنا چاہیے"۔

ماریا بولی۔

"لیکن ہم کیا کوشش کر سکتے ہیں۔ یہاں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہیں۔ معلوم نہیں یہ خلائی لوگ مجھ پر کس قسم کے تجربے کرنے والے ہیں۔ کیا خبر میں زندہ بھی پہنچ سکوں گی کہ نہیں؟"۔

ناگ نے ماریا کا دل بڑھایا اور کہا۔

"ماریا! تم فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد تمہیں یہاں سے نکال کر واپس زمین کی طرف لے جاؤں گا"۔

اصل میں ماریا بالکل نا امید ہو چکی تھی۔ بات بھی تو کچھ ایسی ہی تھی۔

بھلا کہاں تو زمین اور کہاں زمین سے لاکھوں کروڑوں میل کے فاصلے پر ایک بالکل ہی اجنبی اور وحشت انگیز ستارے کی فضا میں انسان پہنچ جائے اور پھر وہاں کے عجیب و غریب بد شکل خلائی لوگوں کی قید میں پڑ جائے جو ان کی جان کے پیاسے ہوں۔

مگر ناگ نا امید نہیں تھا۔ اس نے ہر قیمت پر

وہاں سے نکل جانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔

اب اصل میں وہ ان لوگوں کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔ جو خلائی لوگوں کے حملے سے پہلے اس ستارے میں موجود تھے اور جنہیں یہ خلائی لوگ ختم کر چکے تھے۔

ناگ کو یقین تھا کہ ستارے کے اصلی باشندے ضرور کسی نہ کسی جگہ موجود ہوں گے۔

اس نے ماریا سے کہا۔

"وہ اطمینان سے رہے اور فکر نہ کرے۔ میں اس ستارے کے اصلی باشندوں کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ لوگ بڑے پر

امن اور رحم دل تھے اور ان سنگدل خلائی انسانوں نے انہیں اپنا غلام بنا کر ختم کر دیا۔

پھر بھی وہ دور مغرب کے پہاڑوں میں ضرور چھپ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ناگ سانپ بن کر ماریا کے برج سے نکلا اور سیدھا مغرب کی جانب والی سیاہ پہاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ وہ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ زمین کہیں کہیں تو بھربھری تھی اور کہیں بے حد سخت اور سنگلاخ تھی۔

ستارے کی زمین پر روشنی پھیلی ہوئی تھی اور حسب معمول سورج کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں دن کا کوئی

بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔

ناگ اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے مغرب کے پہاڑوں میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے رینگتا چلتا چلا گیا۔

آخر وہ ان پہاڑوں میں پہنچ گیا جن کے بارے میں اسے شک تھا۔ بلکہ یقین تھا کہ ستارے کے اصلی پر امن باشندوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ابھی تک وہاں چھپا ہوا ہے۔

وہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک درے میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں کسی انسانی چیخ کی آواز سنائی دی۔

ناگ وہیں رک گیا۔ یہ چیخ کسی عورت کی تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ زمین کی عورت یہاں کہاں سے آ گئی؟

وہ اس طرف لپکا، جدھر سے چیخ کی آواز سنی تھی۔ وہ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب ہے۔

ایک لڑکی زمین پر بیٹھی ہے اور ایک خلائی انسان اسے زبردستی کھینچے لیے جا رہا ہے۔

پاس ہی زمین پر چاندی کی رنگت کا ایک گھڑا رکھا ہے۔ یوں لگتا تھا کہ یہ عورت پانی بھرنے آئی ہوگی، اور خلائی انسان نے اسے پکڑ لیا۔ تو کیا اس ستارے کی

اصلی مخلوق ہماری طرح تھی؟

ناگ کی ہمدردیاں اس عورت کے ساتھ ہو گئیں۔ وہ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا تالاب کے پاس پہنچ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

خلائی بلا، عورت بے چاری کو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ عورت چیخ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

اب ایسا ہوا کہ چاند خلائی انسان بلکہ اب تمہارے خلائی بلا ہی کہیں گے، ایک پتھر سے ٹکرا کر گر پڑی۔ اس کی شعاعی بندوق اس کے ہاتھ سے اچھل کر ان جھاڑیوں میں آ گری۔

جہاں ناگ سانپ کے روپ میں چھپا بیٹھا تھا۔ شعاعی بندوق کو دیکھ کر ایک خیال بجلی کی طرح ناگ کے ذہن میں آیا۔ اور پھر اس نے ایک پھنکار ماری اور انسان بن گیا۔

تیزی سے لپک کر شعاعی بندوق اپنے ہاتھ میں لی اور خلائی بلا کا نشانہ لے کر لبلبی دبا دی۔ ایک تیز سفید روشنی اس میں سے نکلی۔

خلائی بلا سے ٹکرائی اور وہ ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ پھٹا، پھٹ کر جلا اور پھر جل کر بھسم ہو گئی۔ اب زمین پر سوائے راکھ کے اور کچھ نہیں تھا۔

لڑکی حیرانی اس سے اردگرد دیکھنے لگی کہ اس کے

دشمن کو کس نے ہلاک کیا ہے؟۔

ناگ اس کے سامنے آ گیا۔

اب تو وہ لڑکی اور زیادہ حیران ہو گئی۔ کیوں کہ اس کے سامنے ایک وسی کی طرح کا دو ہاتھوں، دو ٹانگوں، ایک منہ، ایک ناک اور دو آنکھوں والا انسان کھڑا تھا۔

ناگ نے کہا۔

''بہن! کیا تم میری زبان سمجھ لیتی ہو؟''۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

''ہم اس ستارے کے اصلی باشندے ہیں اور زمین والوں کی ساری زبانیں سمجھ لیتے ہیں۔ تمہارا شکریہ یہ کہ تم نے اس ظالم بلا سے میری جان بچائی۔

لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم زمین سے یہاں کیوں کر پہنچ گئے؟''۔

ناگ بولا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ میں اپنی کہانی تو بعد میں سناؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے دوسرے لوگ کہاں ہیں؟''۔

لڑکی نے کہا۔

ہم ان پہاڑوں کے نیچے غاروں میں چھپ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ کبھی کبھی باہر نکل کر اس تالاب سے پانی لے جاتے ہیں اور غاروں کے اندر اگنے والی گھاس کھا کر اس سے توانائی حاصل کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے حملہ کرنے سے پہلا بڑے عروج کا زمانہ تھا۔ یہ بلائیں کسی دوسرے ستاروں سے نازل ہوئیں اور انہوں نے ہمارے ستاروں پر قبضہ کر کے ہمارے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔

ہم کچھ لوگوں نے بھاگ کر ان غاروں میں پناہ لے لی اور جان بچائی۔ ان لوگوں کے لیے اس ستارے پر آکسیجن ختم ہو رہی ہے۔

اب یہ تم لوگوں کی زمین پر حملہ کر کے وہاں کی آبادی کو نیست و نابود کر کے وہاں کی ساری آکسیجن یہاں لانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں اپنے بزرگ باپ سے ملاتی ہوں۔

لڑکی ناگ کو ساتھ لے کر پہاڑیوں کے پر پیچ راستوں سے ہو کر ایک غار میں آ گئی۔ یہ غار کافی نیچے جا کر ایک چوڑے سے گول ہال کمرے میں تبدیل ہو گیا۔

جہاں ناگ نے دیکھا کہ زمین ایسے انسان جن کی ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں اور لباس پھٹا ہوا تھا پتھروں کے ساتھ بے بیٹھے تھے۔

وہ ناگ کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہو گئے اور ان کے حلق سے حیرت کی ایک چیخ سے نکل گئی۔

لڑکی نے اپنی زبان میں انہیں بتایا کہ اس نوجوان

نے خلائی بلاؤں سے اس کی جان بچائی۔ اتنا سن کر وہ لوگ بڑے اطمینان سے پھر بیٹھ گئے اور ناگ کو تحسین کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

ناگ نے کہا۔

سنو! اے ستارے کی مخلوق! تم بالکل ہماری زمین کی طرح ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ خلائی لوگ باہر سے آ کر اس ستارے پر قابض ہوئے ہیں اور انہوں نے تمہیں خوبصورت مکانوں اور تجربہ گاہوں سے نکال دیا ہے او اب یہ لوگ ہماری زمین پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ سنو! میرے

ساتھ ایک بہن بھی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی مگر یہ خلائی لوگ اس کے جسم سے نکلتی ہوئی شعاعیں دیکھ لیتے ہیں۔

وہ اس وقت ان لوگوں کی قید میں ہیں۔ میں بھی ان کی قید میں تھا لیکن کسی طرح وہاں سے بھاگ آیا ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں زمین کے ایک جزیرے سے گرفتار کیا تھا۔

ایک بزرگ انسان نے آگے بڑھ کر ناگ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

بیٹا! لاکھوں سال گزرے ہمارے آباؤ اجداد تمہاری زمین پر رہا کرتے تھے۔ وہ علم و فن میں بہت

زیادہ ترقی کر گئے۔

انہوں نے ہلاکت کے ایسے ایسے آلات ایجاد کر لیے جو ان کی تہذیب اور ترقی کے لیے ہلاکت کا موجب بنے۔

ایک جنگ ہوئی اور زمین کی ساری تہذیب تباہ ہو کر رہ گئی۔ سارے محلات اور تجربہ گاہیں اور اونچی اونچی عمارتیں بھاپ بن کر اڑ گئیں۔

صرف چند سائنس دان اپنے بچوں کو ایک خلائی جہاز میں سوار کر کے اس ستارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔

ہم لوگ ان ہی سائنس دانوں کی اولاد ہیں۔ ہم

اپنی تہذیب کے عروج پر تھے کہ ایک دوسرے ستارے سے یہ خلائی بلائیں ہم پر نازل ہو گئیں۔ انہوں نے حملہ کر کے ہمارے تمام مکانات تباہ کر دیئے۔

ہمارے آلات پر قبضہ کر لیا اور ہمارے بزرگوں، بچوں اور عورتوں کو ہلاک کر کے ان کے خون سے ساری آکسیجن نکال کر سلنڈروں میں بھر لی کیوں کہ یہاں انہیں آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے۔

صرف ہم چند ایک لوگ اپنے بچوں کو لے کر اس پہاڑ کے نیچے گہرے غاروں میں آ کر چھپ گئے اور زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو ان لوگوں کی غلامی سے نجات دلانے میں مدد دوں گا۔ میرے اندر ایک ایسی طاقت ہے کہ میں جب اور جس وقت چاہوں انسان سے کسی بھی جانور یا رینگنے والے کیڑے مکوڑے کا روپ دھار سکتا ہوں۔

یہ طاقت مجھے ایک بزرگ کی طرف سے تحفے میں ملی تھی، آپ یونہی سمجھ لیں۔ لیکن یہ بتائیں کہ میری بہن ماریا کے لیے کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں نہ دیکھ سکیں۔

بزرگ انسان نے کہا۔

"یہ تو بہت ہی آسان بات ہے۔ میرے ساتھ تجربہ گاہ میں آؤ"۔

وہ ناگ کو لے کر دوسرے غار میں نیچے اتر گیا۔ یہاں الماریوں میں مختلف قسم کی پتھر کی بوتلیں پڑی تھیں۔ ان میں شیشے کے بڑے چھوٹے مرتبان بھی تھے، جو سیال ادویات سے بھرے ہوئے تھے۔

بزرگ سائنسدان نے کہا۔

"میں تمہیں ایک سفوف دیتا ہوں۔ اسے جا کر اپنی بہن ماریا کو کھلا دینا۔ یہ سفوف اس کے خون میں شامل ہو کر ان شعاعوں کو غائب کر دے گا جو اس کے جسم سے نکلتی دکھائی دیتی ہیں"۔

ناگ نے سلوف لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور واپس ان لوگوں کے درمیان آ گیا۔ یہاں بوڑھی عورتیں بھی تھیں۔

جوان لڑکیاں بھی تھیں اور بچے بھی تھے، جوان بھی تھے۔ مگر سب کی شکلیں وحشی بنی ہوئی تھیں۔ بال لمبے لمبے تھے اور ناخون بڑھے ہوئے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"میرے پاس اس خلائی مخلوق کا یہ ہتھیار ہاتھ آ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ اپنے پاس رکھیں جب تک میں اپنی بہن ماریا کو یہاں نہیں لے آتا۔ کیوں کہ مجھے انسان بن کر نہیں بلکہ سانپ بن کر

یہاں سے نکلنا اور ماریا کی برجی میں جانا ہوگا"۔

بوڑھے انسان نے کہا۔

"بیٹے! تم اپنی امانت یہاں رکھ جاؤ، اور جا کر ماریا بیٹی کو اس ظالم مخلوق کی قید سے چھڑا کر لے آؤ۔ واپس آؤ گے تو تمہاری امانت اسی جگہ رکھی ہوگی۔ تم بے فکر رہو"۔

ناگ نے انہیں سلام کیا۔ ہاتھ ملایا۔ بندوق ان کے حوالے کی اور غار سے باہر نکل آیا۔ سلوف اس نے اپنی گردن میں کپڑے سے باندھ کر لٹکا لیا۔

اس بار وہ سانپ بن کر زمین پر رینگ رینگ کر سفر نہیں طے کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے پھنکار مار

کر ایک باز کا روپ دھارا اور آسمان کی وسعتوں میں اڑتا پہاڑی کی چوٹی پر منڈلانے لگے۔

اس ستارے میں پہلے کسی نے ایسا پرندہ نہ دیکھا تھا۔ بلکہ ناگ کو وہاں کوئی پرندہ نظر ہی نہیں آیا تھا۔ وادی کی اڑن طشتریوں کے پاس پہرہ دینے والے خلائی آدمی نے جو آسمان پر ایک باز کو اڑتے ہوئے دیکھا تو نیچے تجربہ گاہ میں سگنل دیا۔

وہ لوگ اوپر آ گئے۔ انہوں نے اپنی بندوق سے شعاعیں نکال کر آسمان کی طرف پھینکیں۔ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ ایک سفید شعاع ناگ کے قریب سے گزر گئی۔ اب اسے خطرے کی شدت

کا احساس ہوا۔

آگ نے فوراً ہی ایک غوطہ لگایا اور پہاڑی کی چوٹی کے پیچھے غائب ہو گیا۔ خلائی مخلوق اڑن تھالی میں بیٹھ کر پرندے کی تلاش میں آسمان میں گشت لگانے لگی۔ لیکن ناگ باز کی شکل سے تبدیل ہو کر پھر ایک چھوٹا سا سیاہ سانپ بن چکا تھا۔

خلائی لوگ کچھ دیر تک باز کو آسمان پر ادھر ادھر بے سود تلاش کرنے کے بعد واپس وادی میں اتر گئے۔

ناگ پتھروں پر رینگتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر آ گیا۔ اور پھر سلاخوں میں سے ہو کر ماریا کے گول کمرے

میں آ گیا۔ یہاں آ کر وہ ایک بار انسان کے روپ میں سامنے آ گیا۔

ماریا اس کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور قریب آ کر بولی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل پھر سے دیکھی۔ میں تو اس جگہ پر پریشان ہو گئی ہوں۔ ایسے لگتا ہے، کہ اب یہاں سے جیتے جی اپنی زمین پر واپس جانا میری قسمت میں نہیں ہے"۔

ناگ نے اسے تسلی دی اور کہا۔

"ایسا نہ کہو ماریا بہن! اب تو مجھے امید کی ایک کرن نظر آئی ہے اور تم ناامید ہو رہی ہو"۔

ناگ نے اسے تسلی دی اور کہا۔

"ایسا نہ کہو ماریا بہن! اب تو مجھے امید کی ایک کرن نظر آئی ہے اور تم ناامید ہو رہی ہو"۔

پھر اسے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح اس کی ملاقات اس ستارے کی اصلی مخلوق سے ہوئی ہے اور یہ کہ وہ لوگ ان کی زمین ہی کے باشندے ہیں جو لاکھوں سال پہلے یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے لیکن انہیں اس خلائی مخلوق نے آ کر تباہ کر دیا۔

ماریا بھی خوش ہوئی اور حیران بھی ہوئی۔

ناگ نے اسے خلائی انسان سے لڑائی اور پھر اسے ہلاک کرنے اور اس کے ہتھیار پر قبضہ کرنے کا

قصہ بھی سنایا۔

ماریا کو جب ناگ نے بتایا کہ بزرگ انسان نے اسے ایک ایسا سفوف دیا ہے جس کو کھا لینے سے اسکے جسم سے نکلنے والی شعاعیں یہ خلائی لوگ نہ دیکھ سکیں گے تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

”کیا تم سچ کہتے ہو ناگ؟“۔

اس کے جواب میں ناگ نے گلے میں لٹکی ہوئی سفوف کی پڑیا نکال کر ماریہ کے حوالے کی اور کہا۔

”اسے زبان پر رکھ کر نگل لو“۔

ماریا نے سفوف نکال کر زبان پر رکھا اور اسے نگل گئی۔ اس کا ذائقہ پھیکا پھیکا سا تھا۔

اب ضرورت اس امر کی تھی کہ ماریا کو کسی طرح سے وہاں سے نکال کر مغربی پہاڑوں کے غاروں میں ستارے کی اصلی مخلوق کے پاس پہنچا دیا جائے۔

کمرے کی دیواریں اور سلاخیں اس قدر مضبوط تھیں کہ وہ انہیں توڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ مجبوراً انہیں اس وقت کا انتظار کرنا تھا کہ کوئی خلائی انسان وہاں آئے۔

دروازے کھلے اور وہ باہر نکل جائیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ سفوف نے اپنا کام دکھایا ہے یا نہیں۔

دیکھتے دیکھتے سورج کی روشنی غائب ہو گئی اور

رات پڑ گئی۔ ناگ پھر سے سانپ کا روپ بدل کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

کیونکہ رات کے پہلے حصے میں وہ لوگ ماریا کے لیے پانی اور خشک پھل لے کر آیا کرتے تھے۔ ویسے بھی آج ماریا کا خیال تھا کہ خلائی لوگ اسے تجربے کے لیے لینے آئیں گے۔

اور ایسا ہی ہوا۔

اندھیرا گہرا ہوا تو دیوار ایک دم شق ہو گئی، اور دو خلائی آدمی ہاتھ میں شعاعی بندوقیں لیے کمرے میں داخل ہوئے۔

اندر آتے ہی انہوں نے یوں پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا جیسے ماریا کہاں چلی گئی ہے؟۔

ناگ اوپر چھت کے ساتھ ایک طرف چمٹا ہوا تھا اور ماریا دروازے کے بالکل قریب ان کے پاس کھڑی تھی۔

گویا سفوف اپنا کام کر گیا تھا۔ ماریا کے جسم سے نکلتی ہوئی شعاعیں خلائی آدمیوں کو بالکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ناگ نے منہ سے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکالی۔ یہ ماریا کے لیے اشارہ تھا کہ وہ باہر کی طرف بھاگے۔ مگر دروازے میں ابھی تک ایک خلائی آدمی بندوق تانے

کھڑا تھا۔

انہوں نے پریشانی کے عالم میں تیز تیز آوازیں سے ایک دوسرے سے بات کی اور پھر گھبراہٹ میں شعاع ایک طرف پھینکی۔ دھماکے سے کمرے کے ایک کونے میں شعلہ سا لپک کر بجھ گیا۔

ماریا کا اب حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اس نے پیچھے سے ایک خلائی آدمی کو زور سے دھکا دیا۔ وہ گر پڑا اور اس کی بندوق ماریا کے ہاتھ میں آ گئی۔

ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بندوق اٹھالی۔ بندوق اس کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی۔ مایا نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور خلائی آدمی پر حملہ کر دیا۔

اس پر شعاع پڑی اور دھماکے کے ساتھ وہ جل کر بھسم ہو گیا۔

دوسرا باہر کی طرف بھاگنے لگا تو ماریا نے آگے پاؤں کر دیا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کی بندوق دور جا پڑی۔ ماریا نے دوسرا وار اس پر بھی کر دیا۔

شعاع نے بندوق سے نکل کر ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ دوسرے خلائی آدمی کو بھی بھسم کر دیا۔

اب وہ آزاد تھی۔ ناگ چھت پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔ ماریا نے اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھایا۔

دونوں شعاعی پستول اور بڑی تیزی سے کمرے سے

باہر گئی۔

باہر گھپ اندھیرا تھا۔ صرف پہاڑی کے دامن میں گول طشتریوں کے گنبدوں سے سرخ روشنی نکل رہی تھی۔

ناگ نے ماریا کو راستہ بتایا اور وہ پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر مغرب کی جانب والے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئی۔

چلتے چلتے جب وہ پہاڑی دروں میں پہنچی، تو پیچھے کچھ اڑن تھالیاں خلائی انسانوں کو لے کر فضا میں بلند ہوئیں۔ شاید انہیں ماریا کے فرار کی خبر ہو گئی تھی اور وہ اس کی تلاش میں نکلی تھی۔

خلائی انسانوں کی تجربہ گاہوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ کیونکہ زمین سے آئے ہوئے دونوں انسان ان کی قید سے فرار ہو گئے تھے۔

یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی قید سے کوئی زمینی انسان فرار ہو گیا ہو۔

پہاڑوں پر چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی۔ اب تک ان کے تین خلائی آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔

خلائی مخلوق کے سردار نے حکم دے دیا کہ ماریا اور ناگ جہاں کہیں نظر آئیں، انہیں اسی وقت ہلاک کر

دیا جائے۔ مگر ماریا اور ناگ ان کی پہنچ سے باہر نکل کر مغربی پہاڑوں کے نیچے گہرے غاروں میں ستارے کی اصل انسانی مخلوق کے پاس پہنچ چکے تھے۔

وہ لوگ ناگ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ لوگ ماریا کی آواز تو سن رہے تھے مگر وہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ ایک عجیب تجربہ تھا۔

بزرگ سائنسدان حیرت کا اظہار کر رہے تھے، کہ زمین میں رہنے والے ایسی کرامت بھی کر سکتے کہ وہ زمین پر موجود ہوں مگر کسی کو دکھائی نہ دیتے ہوں۔

بہر حال انہوں نے دو شعاعی بندوقیں بھی سنبھال کر رکھ لیں اور ماریا اور ناگ کا زبردست خیر مقدم کیا۔

ان کے پاس کھانے کو سوائے غاروں میں اگی ہوئی سبز گھاس اور سفید پھولوں کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن ان میں اتنی زبردست توانائی تھی کہ انسان کو اور کسی خوراک کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

رات بھر بزرگ سائنس دان، ماریا اور ناگ اس منصوبے پر غور کرتے رہے کہ اس سے پہلے کہ خلائی لوگ زمین پر اڑن طشتریوں سے حملہ کر کے انسانی تہذیب کو تباہ و برباد کریں، ان کی تجربہ گاہوں کو جلا کر راکھ کر دیا جائے اور اڑن طشتریوں کو بھسم کر دیا جائے۔ تاکہ ان کے شر سے زمین محفوظ ہو جائے۔

جہنم کے شعلے

ایک زبردست منصوبہ ناگ کے دماغ میں آ گیا تھا۔

اس منصوبے کے بارے میں اس نے غار والوں کو کچھ نہ بتایا صرف بزرگ سائنسدان سے پوچھا۔

”کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں خلائی جہاز چلانے اور اسے واپس زمین پر لے جانے کا طریقہ

سکھا دیں؟ کیونکہ اس ستارے کی حکومت آپ لوگوں کے سپرد کر کے واپس اپنی زمین پر چلے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں“۔

بزرگ سائنسدان نے کہا۔

کیوں نہیں! ہم آپ کو ایسا طریقہ ضرور بتا دیں گے لیکن آپ سے ایک بات کی گزارش کریں گے کہ زمین پر جاتے ہی اس خلائی جہاز کا ایک خاص بٹن دبا کر آپ اس سے ایک ہزار گز دور ہٹ جائیں۔ پھر یہ جہاز اپنے آپ تباہ ہو جائے گا۔

اس کی تباہی بہت ضروری ہو گی۔ کیونکہ پھر کوئی بھی شر پسند ہم کو اپنا غلام بنانے کے ارادہ سے یہاں

نہ آ سکے گا۔

ناگ نے کہا۔

”ہمیں منظور ہے۔ زمین پر ہمارے لیے ویسے بھی یہ خلائی جہاز بے کار ہو گا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ زمین پر پہنچتے ہی اسے تباہ کر دیا جائے گا“۔

ماریا نے پوچھا۔

”لیکن زمین پر جزیرے کی جو خلائی تجربہ گاہ سنگ مرمر کے چبوترے کے نیچے بنی ہے اس کا کیا بنے گا؟ شاید اس کے اندر بھی کچھ خلائی لوگ موجود ہوں“۔

بزرگ سائنسدان نے کہا۔

”فکر کی کوئی بات نہیں۔ خلائی جہاز کے تباہ ہوتے ہی جزیرے کے نیچے والی تجربہ گاہ اپنے آپ بھسم ہو جائے گی“۔

پھر اس نے ناگ سے پوچھا۔

”لیکن آپ ہمیں ان خلائی بلاؤں سے کس طرح نجات دلائیں گے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”بزرگ انسان! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں اور ماریا یہاں سے باہر جا رہے ہیں ہم آج رات ان کی ساری تجربہ گاہیں تباہ کر دیں گے۔ کل آپ اس ستارے کے پھر سے مالک بنا دیے

جائیں گے"۔

غار والوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ یہ ان کے لیے بڑی خوشی کی بات تھی۔ کیونکہ ایک عرصہ سے وہ خلائی حملہ آور مخلوق کے غلام کے چلے آ رہے تھے، اور زندگی کی ہر آسائش سے محروم تھے۔ بلکہ اب تو وہ بمشکل اپنی جان بچا کر غاروں میں دبے بیٹھے تھے۔ اور تازہ ہوا بھی انہیں میسر نہ تھی۔

دوپہر کے بعد ناگ اور ماریا دونوں غار والوں سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور غار سے باہر آ گئے۔ آسمان پر دھوپ کھلی ہوئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"اس دھوپ کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی وقت بھی سورج غروب ہو سکتا ہے اور رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل جائے گا۔ ہمیں اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے تجربہ گاہوں تک پہنچنا ہو گا"۔

ماریا نے کہا۔

"مگر تم تو پکڑے جاؤ گے۔ میں تو غائب ہوں تم کس روپ میں میرے ساتھ جاؤ گے؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"میں خلائی انسان کا روپ بدل لوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے آنکھیں بند کر کے زور سے ایک لمبا سانس لیا اور پلک جھپکنے میں ماریا

کے سامنے اسی ستارے کا ایک خلائی انسان کھڑا تھا۔

ناگ بولا۔

"کیوں کیا خیال ہے ماریا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تم نے تو واقعی کمال کر دیا ہے ناگ بھائی! اب تمہیں کوئی بھی نہ پہچان سکے گا۔ چلو اب تجربہ گاہوں کی طرف چلتے ہیں"۔

دونوں کے پاس ایک ایک خلائی بندوق تھی۔

ناگ تو بالکل اسی ستارے کی مخلوق کا آدمی لگ رہا تھا، اور ماریا تو خیر کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔

ان کی منزل پہاڑی کی وادی میں بنی ہوئی خلائی

مخلوق کی تجربہ گاہیں تھیں۔ یہ ایک طرح سے ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

وہ بہت جلد وادی کے دروازے پر پہنچ گئے۔

وہاں دو خلائی انسان ایک گیٹ پر پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے ناگ کو دیکھا کہ ایک خلائی آدمی اندر جا رہا ہے تو اسے کچھ نہ کہا۔

ناگ کے ساتھ ساتھ ماریا بھی اندر داخل ہو گئی۔

اب ماریا کو بھی یقین ہو گیا کہ خلائی لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔

دونوں ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں آ گئے۔ جس کے دونوں جانب اونچے اونچے پہاڑوں کی دیواریں

تھیں۔

یہاں کتنی ہی گول گول خلائی طشتریاں یا خلائی جہاز زمین پر کھڑے تھے۔ ان کے گنبدوں سے سرخ رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔

ناگ نے ماریا سے سرگوشی کی۔

"ہم اپنے ٹارگٹ پر پہنچ گئے ہیں۔ یہی وہ خلائی جہاز ہیں جن کی مدد سے یہ لوگ ہماری زمین پر قیامت خیز حملہ کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں"۔

ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ کیا ہم اسی وقت انہیں تباہ کر دیں گے؟"۔

ناگ بولا۔

"نہیں! سب سے پہلے ہمیں ان کی بڑی تجربہ گاہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کرنا ہے۔ تم میرے ساتھ چلی آؤ"۔

ناگ ماریا کو لے کر ایک پہاڑ کے دامن میں آ گیا۔ یہاں ایک تانبے کا بہت بڑا دروازہ تھا جو تھوڑا سا کھلا تھا۔

دروازے کے باہر چار خلائی انسان شعاعی اسلحہ لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ انہیں سلام کرتا ہوا ان کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک خلائی انسان نے تیز تیز آواز میں ناگ سے کچھ کہا۔

شاید اس سے پوچھا ہوگا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے؟ یا اب وقت کیا ہو گیا ہوگا؟ لیکن ناگ تو ان لوگوں کی زبان نہ کچھ سکتا تھا اور نہ بول سکتا تھا۔

یہی تو ایک خامی تھی جس سے وہ پکڑا جا سکتا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھنے لگا۔

دوسرے خلائی انسان نے پھر تیز تیز آواز نکالی شاید اس نے کہا تھا کہ یار تم گونگے ہو یا بہرے ہو، بولتے کیوں نہیں؟۔

ناگ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ ماریا نے فوراً سرگوشی میں کہا۔

"خدا کے لیے تیز تیز آوازیں نکال دو"۔

ناگ نے یونہی گلہری کی طرح تیز تیز آواز نکالنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔

خلائی انسان بھاگ کر اس کے پاس آئے مگر اس سے پہلے کہ ناگ پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیں، ماریا کی بندوق اپنا کام کر چکی تھی۔

چار میں سے تین خلائی انسان بھڑک کر بھسم ہو گئے تھے۔ چوتھے کو ناگ نے اپنی شعاعی بندوق کی زد پر لے لیا۔

میدان صاف پا کر وہ تانبے کے دروازے میں سے گزر کر اندر چلے گئے۔ یہاں ایک لمبا سنگ مرمر کا فٹ پاتھ سا بنا ہوا تھا۔

آخر میں جا کر یہ فٹ پاتھ سیڑھیوں کی شکل میں نیچے ایک تہہ خانے میں نکل گیا۔ یہاں ایک گول ہال کمرہ تھا۔

جس کے وسط میں ایک اور گول کمرہ بنا تھا۔ اس میں چاروں طرف موٹے موٹے شیشے لگے تھے۔ اندر خلائی انسان مختلف مشینوں پر کام کرتے ہوئے صاف نظر آ رہے تھے۔ ناگ ماریا کو ساتھ لے کر آگے نکل گیا۔

عنبر والے بزرگ سائنس دان سے ناگ کو اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ ان لوگوں کی اصل تجربہ گاہ کونے والے تہہ خانے میں ہے جہاں شیشے کا ایک ستون بنا

ہے۔

اس ستون سے نیلی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔ اس ستون کے اندر جا کر دیکھیں تو ایک جگہ سرخ لٹو گھوم رہا ہو گا۔

بس یہی سرخ لٹو اس ساری تجربہ گاہ کا دل ہے۔ اگر اسے اپنی جگہ سے اکھاڑ کر لے آ ؤ تو تھوڑی ہی دیر بعد ساری کی ساری تجربہ گاہ تباہ ہو جائے گی اور خلائی انسان کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

تجربہ گاہ کے ساتھ ہی وہ خود بھی نیست و نابود ہو جائیں گے۔

"ہمیں نیلی روشنی والے ستون تک پہنچنا ہے۔

آؤ میرے ساتھ"۔

دونوں گول تجربہ گاہ سے آگے چلے تو سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ یہاں سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ سیڑھیوں پر ایک خلائی انسان بندوق لیے شاید پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ اس کے قریب سے گزرا تو اس نے تیز تیز آواز میں کچھ کہا۔ ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خلائی انسان نے بندوق تان لی۔

ایک تیز شعاع نے خلائی انسان کو بھسم کر کے ڈال دیا۔ وہ لپک کر اندر گئے۔ اندر ایک وسیع ہال کمرہ تھا۔ جس کے وسط میں وہی ستون نظر آیا جس کے

موٹے شیشوں میں سے نیلی روشنی نکل رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ وہاں چھ سات خلائی انسان ادھر ادھر مشینوں پر کام کر رہے تھے۔

یہاں بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ اس نے ماریا سے سرگوشی کی اور کہا۔

"ماریا! تم ان لوگوں کو سنبھالو۔ میں ستون کے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے"۔ ماریا چوکس ہو گئی۔

ناگ یونہی مشینوں کے قریب منڈلانے کے بعد ستون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے ایک خلائی انسان کو بھسم کر دیا۔

اسے بھسم ہوتا دیکھ کر دوسرے خلائی انسان حیرت زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے اور تیز تیز آوازیں نکالنے لگے۔ اتنے میں ایک سفید شعاع نے بیک وقت دو خلائی انسانوں کو اپنا شکار بنا لیا۔

اب تو وہاں کہرام سا مچ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ لوگ کوئی خطرے کا الارم بجائیں ناگ بھی ماریا کے ساتھ مل گیا اور انہوں نے باقی ماندہ تین خلائی انسانوں کو بھی شعاع پھینک کر بھسم کر دیا۔

ماریا نے کہا۔

"جلدی کرو ناگ! یہ اسنہری موت ہے"۔

ناگ تیزی سے ستون کے اندر گھس گیا۔ یہاں پر

نیلی روشنی سی روشنی تھی۔ بیچ میں ایک چوکور سا چبوترہ بنا، جیسے ہی وہ ہیرے کو تراش کر بنایا گیا ہو اور اس کے سر پر ایک سرخ رنگ کا لٹو آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔ یہی اس تجربہ گاہ کا دل تھا۔

ناگ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے ہاتھ بڑھا کر لٹو اکھاڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور ماریا سے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے باہر کو بھاگو"۔

لٹو کے اکھڑتے ہی تجربہ گاہ میں خطرے کا الارم زور زور سے بج اٹھا۔ ہر طرف ایک شور سا مچ گیا۔

ناگ اور ماریا باہر کی طرف بھاگے۔

راستے میں انہیں خلائی انسان اندر کی طرف

جاتے ملے۔ ماریا نے بندوق چلا کر ان میں سے تین کو ختم کر دیا۔ چوتھے نے ناگ پر حملہ کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے ناگ بچ گیا۔ ماریا نے چوتھے کو بھی بھسم کر دیا۔

اب وہ سیڑھیاں چڑھ کر تاہنے کے گیٹ سے باہر آ گئے۔ یہاں بڑی تجربہ گاہ میں بھی شعلے سے اٹھنے شروع ہو گئے تھے اور مشینوں میں ہلکے ہلکے دھماکے ہونے لگے تھے۔

ناگ ماریا کو لے کر بڑے دروازے سے بھی باہر آ گیا۔ وادی میں سارے خلائی جہاز ویسے ہی کھڑے تھے۔

انہوں نے خلائی شعاعیں پھینک کر ان جہازوں میں آگ لگانا شروع کر دی۔ پھر بیدار خلائی انسان ناگ کی طرف جھپٹے۔

وہ ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ ماریا نے آنے والوں کو یکے بعد دیگرے شعاعیں پھینک کر ختم کر دیا۔ انہوں نے وای سے نکل کر پہاڑوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ پہاڑی پر چڑھتے چڑھتے اس کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف نکل گئے۔

ابھی وہ دوسری پہاڑی کی ڈھلان پر ہی تھے کہ ایک ایسا زبردست دھماکہ ہوا جس نے سارے

پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دیا۔

جیسے کسی نے اپنے ہیبت ناک پنجوں میں لے کر ان پہاڑوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو۔ دونوں اچھل کر زمین پر گر پڑے۔

دیر تک وہ اوندھے منہ زمین پر ہی لیٹے رہے اب مسلسل دھماکے ہو رہے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر مغربی پہاڑوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

وادی کے کونے میں ایک خلائی جہاز اپنے خلائی پیڈ پر سب سے الگ کھڑا تھا۔ یہاں دو خلائی انسان پہرہ دے رہے تھے۔

بزرگ سائنسدان نے ناگ کو خاص طور پر تاکید

کی تھی کہ اس خلائی جہاز کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے۔ اگر وہ جہاز بھی جل گیا تو پھر ناگ اور ماریا ساری زندگی واپس اپنی زمین پر نہ جا سکیں گے۔

ناگ نے خلائی پہریداروں کے قریب جا کر اپنی بندوق سے شعاع پھینکی، جس سے ایک خلائی پہریدار ڈھیر ہو گیا۔

دوسرے پہریدار نے گھوم کر اپنی بندوق سے ناگ پر جوابی شعاع پھینکی جو خطا گئی۔ ماریا نے پیچھے سے شعاع پھینک کر دوسرے پہریدار کو بھی بھسم کر دیا۔

وادی کی طرف ہر طرف آگ لگی تھی جس کے

شعلے ستارے کے سیاہ آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے۔ ابھی تک دھماکے جاری تھے۔

چند ایک خلائی انسان خلائی جہاز کی طرف بھاگتے دکھائی دیئے۔ جب وہ قریب آئے، تو ماریا اور ناگ نے بیک وقت حملہ کر کے ان سب کو مار گرایا۔

وادی کے شعلے دیکھ کر جہنم کی آگ کا خیال آتا تھا۔ ساری وادی ایک پیالہ بن گئی تھی جس میں جہنم کے شعلے بھڑک کر آسمان کی طرف اٹھ رہے تھے۔ سارے خلائی جہاز، ساری تجربہ گاہیں اور ساری خلائی مخلوق اس کے اندر بھسم ہو کر رہ گئی تھی۔

ماریا اور ناگ دوسرے پہاڑ والے خلائی جہاز

کے باہر کھڑے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ کیونکہ اسی خلائی جہاز میں انہیں واپس اپنی زمین پر جانا تھا۔

کافی دیر انتظار کرنے کے بعد ماریا نے کہا۔

ناگ! میرا اخیال ہے اب کوئی خلائی انسان زندہ باقی نہیں بچا۔

سارے کے سارے وادی میں مر کھپ گئے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں یہاں دیر تک پہرہ دینا ہو گا کیونکہ اگر ایک بھی خلائی انسان کسی طرح سے بچ بچا کر اس جہاز تک آگیا تو وہ اسے اڑا کر لے جا سکے

گا"۔

ماریا نے کہا۔

"اب رات ہو رہی ہے۔ کیا ساری رات اسی جگہ پہرہ دینے کا خیال ہے؟"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے تم اس جگہ پہرہ دو۔ میں غار والوں کے پاس جا کر انہیں ان کی حکومت بحال ہونے کی خوشخبری سناتا ہوں"۔

بات بھی بڑی معقول تھی۔ کیونکہ ماریا ہی ایک ایسی شخصیت تھی جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اور جو بڑی اچھی پہرے دار ثابت ہو سکتی تھی۔

ناگ پر چھپ کر حملہ بھی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ماریا اسی جگہ رک گئی اور ناگ غار والوں کو خوشخبری سنانے چل دیا۔

غار والوں نے دھماکے اور آگ کے شعلے دیکھ لیے تھے۔

وہ پہاڑوں پر کھڑے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ناگ اور ماریا اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جب ناگ ان کے درمیان پہنچا تو انہوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور اسے کندھوں پر اٹھا لیا۔

غار والے ہی اس ستارے کے اصل باشندے تھے اور ان کی حکومت بحال ہو گئی تھی۔ ان کے دشمن حملہ آور ستارے کے سارے تباہ ہو گئے تھے۔

خلا سے زمین کی طرف

ستارے پر رات گہری ہو گئی۔

وادی میں اب دھماکے بند ہو گئے تھے۔ آگ بھی سرد پڑ چکی تھی۔ خلائی انسانوں کی ساری تجربہ گاہیں اور جہاز تباہ ہو گئے تھے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ غار میں ناگ، سائنسدان بزرگ کو ساری کہانی سنانے کے بعد اس

سے مشورہ کر رہا تھا کہ وہ کب اور کس طرح خلائی جہاز میں سوار ہو کر زمین کی طرف واپسی کا سفر شروع ک سکتا ہے۔

ادھر ماریا ایک ہی باقی بچے ہوئے خلائی جہاز کے باہر کھڑی پہرہ دے رہی تھی۔ یہی جہاز ان کی امید کی آخری کرن تھا۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دو خلائی انسان گرتے پڑتے جہاز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ وہ چوکس ہو گئی۔

اب اسے خیال آیا کہ ناگ سچا تھا۔ اگر اس وقت جہاز پر ان میں سے کوئی بھی نہ ہوتا تو یہ لوگ تو جہاز کو

لے کر کسی دوسرے ستارے کی طرف اڑ گئے تھے۔ دونوں خلائی انسان شاید زخمی تھے کیونکہ وہ لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔

قریب آ کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک دوسرے سے تیز تیز آواز میں کوئی بات کی اور پھر خلائی جہاز کی طرف قدم بڑھائے۔

ان کو کیا خبر تھی کہ خلائی جہاز کے دروازے پر ان کی خلائی موت ان کا انتظار کر رہی ہے۔ جونہی وہ آگے بڑھے اور خلائی جہاز کے دروازے میں داخل ہونے لگے۔

ماریا نے شعاعی بندوق سیدھی کی اور نشانہ باندھ

کر ایک خلائی انسان کو اڑا کر رکھ دیا۔ اس کی گن سے نکلے ہوئے شعلے کو شاید دوسرے خلائی انسان نے دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ ششدر اس بات پر تھا کہ حملہ کرنے والا کیوں نہیں دکھائی دے رہا۔

ماریا اپنی جگہ سے فوراً ہٹ گئی۔ خلائی انسان نے اسی جگہ حملہ کر دیا۔ مگر خوش قسمتی سے ماریا وہاں موجود نہیں تھی۔

شعاع ایک پتھر پر لگی اور پتھر جل کر بھسم ہو گیا۔

اب اس خلائی حملہ آور کو زیادہ دیر تک زندہ رہنے دینا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

ماریا نے اپنی گن سے شعاع پھینکی جو سیدھی اس

خلائی دشمن کے سینے پر پڑی۔ کھٹاک سے ایک دھماکہ ہوا شعلہ سا ابھرا اور خلائی انسان بجھ کر بھسم ہو گیا۔

ساری رات ماریا پہرہ دیتی رہی۔ دوبارہ وہاں اور کوئی نہ آیا۔ دن نکل آیا تو اسے لوگوں کے نعروں او قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ غار والے ناگ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔

انہوں نے بے حد خوشی منائی۔

بزرگ سائنسدان نے کہا۔

ناگ بھائی اور ماریا بہن! ہم سب آپ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں حملہ آور دشمنوں سے نجات دلائی۔

ہمیں ہماری زبان ، حکومت اور آزادی واپس لے کر دی۔ آخر ہم بھی کسی زمانے میں آپ کی زمین پر آباد تھے۔

اس اعتبار سے آپ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم سب ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اس کے بعد غار والوں نے وادی میں جا کر دیکھا تو خلائی دشمنوں کی ساری تجربہ گاہیں اور خلائی جہاز تباہ ہو چکے تھے۔

غار والوں نے دوسری وادی میں جا کر ایک تہہ خانے کا بڑا دروازہ کھولا تو اندر ایک قطعہ زمین تھا، جس پر لمبی لمبی گھاس کے خوشے اور عجیب قسم کا پھل اگا

تھا۔

بزرگ سائنسدان نے ناگ سے کہا۔

یہی ہماری اصل خوراک تھی، جسے خلائی حملہ آوروں نے ہم سے چھین لیا تھا۔ اس پھل میں اتنی طاقت ہے کہ ایک بار کھا لینے سے ایک ہفتے تک نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس۔

ناگ اور ماریا نے وہ پھل توڑ کر کھائے۔ بڑے مزے دار تھے۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ! ان کا ذائقہ ہمارے زمین کے پھل امرود سے بہت ملتا جلتا ہے"۔

ناگ نے پھل کھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ بالکل ویسا ہی ہے"۔

پھر بزرگ سائنسدان نے پوچھا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"۔

بزرگ سائنسدان بولا۔

"جوداہروش"۔

ماریا ہنس پڑی۔

"بڑا اعراجیب نام ہے۔ مجھے تربوز یاد آ گیا"۔

ایک غار والے نے پوچھا۔

"ترابوز کیا ہوتا ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"ترابوز نہیں تربوز۔۔۔"

ناگ کہنے لگا۔

ناگ کہنے لگا۔

"بھائی! یہ ایک پھل ہے ہماری زمین کا۔ کبھی تمہارے آباؤ اجداد جب وہ ہماری زمین پر رہتے تھے تو اس پھل کو بڑے شوق سے کھاتے ہوں گے"۔

ایک ہفتے کے اندر اندر غار والے انسانوں نے ساری کی ساری وادی کو صاف کر دیا اور وہاں شیشے کی دیواروں کے چھوٹے چھوٹے مکان کھڑے کر دیے۔

اس دوران میں ناگ اور ماریا کو خلائی جہاز

چلانے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ یہ ٹریننگ بڑی مشکل تھی۔ بزرگ سائنسدان صبح سے شام تک دونوں کو ساتھ لیے ایک ایک مشین کے ایک ایک پرزے کے بارے میں انہیں بتا رہے تھے۔

ناگ اور ماریا نے جلدی ہی بہت علم حاصل کر لیا تھا۔

بزرگ سائنسدان نے کہا۔

اسے چلانا اور زمین پر اتارنا بڑا آسان ہے بیٹا! بس ایک بٹن دبا دو، یہ زمین سے اٹھ کر خلا میں پہنچ جائے گا۔

پھر ایک بٹن دبا دو، یہ اپنا رخ نقشے کے مطابق خود

متعین کر لے گا۔ پھر جب زمین کے قریب آئے تو دوسرا بٹن دبا دو۔ یہ زمین پر اپنے نقشے کے مطابق اتر جائے گا۔

سب سے بڑی مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے، اگر اس میں راستے میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ مثلاً راستے میں تم لوگوں کو بے شمار خلائی ستارے اور شہاب ثاقب ملیں گے، ان کے کروڑوں ٹکڑے تمہارے جہاز سے ٹکرائیں گے۔

اگرچہ اس کی سطح پر ان ٹکڑوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ لیکن ایسا ضرور ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت خرابی پیدا کر دے اور اس کا رخ دوسری طرف موڑ دے۔

پھر تمہیں بڑی مہارت سے کام لے کر اس کی مشین کو درست کرنا ہوگا۔ اس کے رخ کو دوبارہ ٹھیک کرنا ہوگا۔ بس اسی بات کی مشق تمہیں کرائی جا رہی ہے۔

پندرہ بیس روز کی ٹریننگ کے بعد ناگ اور ماریا جہاز کی ساری مشینری سے باخبر ہو گئے تھے۔ اب ان کی واپسی کے سفر کا وقت قریب آ رہا تھا۔

آخر وہ دن آ گیا۔

غار والوں نے خلائی جہاز کے گرد جمع ہو کر زبردست جلسہ کیا۔ ناگ اور ماریا کے حق میں تعریفی تقریریں کیں۔ ان کے خلائی جہاز کو ہر طرح سے

صاف ستھرا کیا۔ اندر پھل اور پانی کا ذخیرہ بھی رکھ دیا۔

پروگرام کے مطابق خلائی جہاز کو آدھی رات گزرنے کے بعد اپنا سفر شروع کرنا تھا۔ ٹھیک آدھی رات کے بعد ناگ اور ماریا کو بڑی گرمجوشی سے رخصت کر کے خلائی جہاز میں سوار کرایا گیا۔

ناگ اور ماریا نے جہاز کے اندر جا کر دروازہ پوری طرح سے بند کر دیے۔ ناگ نے مختلف بٹن دبا دیے۔

جہاز کی مشینری چل پڑی اور ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ پھر ایک بٹن دبایا تو جہاز نے زمین سے اوپر اٹھنا

شروع کر دیا۔ اس کے گنبد اور نچلے حصے سے سرخ اور نیلی شعاعیں ابھر رہی تھیں۔

خلائی جہاز کے شیشے والی گول کھڑکی سے لگ کر ناگ اور ماریا نے ہاتھ ہلا کر الوداع کیا۔ غار والے بھی نیچے کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں رخصت کر رہے تھے۔

خلائی جہاز اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ یہاں تک ستارے کی مخلوق اور اس کے پہاڑ ایک سیاہ دھبہ سا بن کر رہ گئے۔

ستارے کی سطح سے اوپر اٹھنے کے کوئی دو گھنٹے بعد خلائی جہاز کی رفتار ایک بٹن دبا کر بڑھا دی گئی۔ رفتار

کے بڑھتے ہی جہاز کو ایک دھچکا سا لگا۔

ناگ اور ماریا ایک بہت بڑی سنگ مرمر کی میز کے سامنے سیاہ رنگ کی بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھے ڈوئیلوں اور ان میں حرکت کرتی سوئیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

جہاز کے اندر ایک سکرین لگی تھی جس میں خلا کی پوری تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز کی رفتار بے حد بڑھ گئی تھی اور اب وہ خلا میں داخل ہو چکے تھے۔

انہیں سکرین پر بے شمار شہاب ثاقب نظر آنے لگے جو تیزی سے آ کر چمکتے ہوئے جہاز کے اوپر سے گزر جاتے تھے۔

کچھ جہاز سے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے۔

ناگ بڑی احتیاط سے جہاز کو کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

ماریا نے ناگ کو بڑی ہوشیاری اور توجہ سے جہاز کو کنٹرول کرتے دیکھا تو مسکرا کر کہا۔

”کبھی زندگی میں تم نے سوچا تھا کہ ایک روز تم خلائی جہاز کو چلاتے ہوئے آسمان سے زمین کی طرف آ رہے ہو گے؟“۔

ناگ نے بڑی سنجیدہ آواز میں کہا۔

کبھی نہیں سوچا تھا ماریا! کبھی خواب میں بھی اس بات کا خیال نہ آیا تھا کہ ہماری زمین سے اوپر خلاء کے ستاروں میں بھی لوگ آباد ہیں۔

یہ ایک حیرت انگیز تجربہ ہے جس میں سے ہم گزرتے ہیں۔ تم یقین کرو، جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو حیرت سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اب ماریا بھی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔

”زمین پر پہنچ کر جب ہم عنبر کو یہ واقعات سنائیں گے تو اسے کبھی یقین نہیں آئے گا“۔

انہیں کیا خبر تھی کہ وہ خود خلائی جہاز والوں کی بحری ڈاکوؤں سے جنگ دیکھ چکا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”حقیقت میں تو اس نے ہی سب سے پہلے خلائی

مخلوق اور ان کے خلائی جہاز کو دیکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ہماری طرح آسمانوں کی سیر نہیں کر سکا اور نہ ہی جیوپیٹر ستارے کی مخلوق سے ملاقات کر سکا۔

بہر حال اسے ضرور ہماری باتوں کا یقین آ جائے گا۔ ویسے وہ ہماری قسمت پر رشک بھی کرے گا۔

ماریا نے کہا۔

”جزیرے پر پہنچ کر سب سے پہلے تو ہمیں اسی کو تلاش کرنا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ جزیرے میں ہی ہو گا“۔

ناگ بولا۔

”ہونا تو اسے وہیں چاہیے لیکن کچھ کہہ بھی نہیں سکتے کہ وہاں اسے کیا حالات پیش آ گئے ہوں“۔

ماریا اچانک بولی۔

ستاروں کی مخلوق سے ہم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم جزیرے پر پہنچتے ہی اس خلائی جہاز کو تباہ کر دیں گے تاکہ کسی دوسری مخلوق کے حملہ کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم جزیرے سے کیسے نکل سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ جہاز تو جزیرے میں ہی اترے گا۔

ناگ کچھ سوچ کر بولا۔

ہمیں ہر حالت میں ستارے میں رہنے والوں

سے کیے گئے وعدے کو پورا کرنا ہوگا۔ یہ خلائی جہاز زمین پر ہمارے لیے ویسے بھی بے کار ہوگا اور پھر اس کے ساتھ اس کے جزیرائی اڈے پر جو تجربہ گاہ ہے اس کو تباہ کرنا بھی بہت ضروری ہے، ورنہ وہ تجربہ گاہ زمین پر رہنے والے انسانوں کے لیے کسی وقت بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

ماریا نے کہا۔

"یہ تو سب ٹھیک ہے مگر کیا ہم جزیرے سے باہر نکل سکیں گے؟ ہمیں کسی کشتی کا ابھی سے بندوبست کر رکھنا چاہیے"۔

ناگ کہنے لگا۔

عزیز بہن! اس جہاز میں کوئی بھی ایسی شے نہیں ہے جسے ہم زمین پر پہنچنے کے بعد سمندر میں کشتی کے طور پر استعمال کر سکیں۔

یہاں تو سوائے سنگ مرمر قسم کے پتھروں، موٹے موٹے شیشے اور بڑی بڑی گول ڈائیل نما مشینوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ہمیں جزیرے پر پہنچ کر دیکھنا ہوگا کہ جزیرے میں ہمیں کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے عنبر وہاں موجود ہو۔

ماریا نے پوچھا۔

"اور اگر عنبر وہاں پر نہ ہوا تو؟"۔

ناگ نے کہا۔

تو پھر جیسے بھی حالات ہوئے دیکھا جائے گا۔ بہر حال ابھی تو ہمیں زمین تک پہنچنے کے لیے چار روز کا سفر اور طے کرنا ہے۔

خلائی جہاز کا سفر جاری رہا۔

سکرین پر چمک دار شہاب ثاقب برابر جہام کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر گزر رہے تھے۔ انہیں یہی ڈر تھا کہ کہیں کوئی بڑا سا شہاب ثاقب جہاز سے ٹکرا کر اس کے توازن کو خراب نہ کر دے۔

خلاء میں سفر کرتے ہوئے انہیں تیسرا روز جا رہا تھا کہ سکرین پر انہوں نے ایک عجیب سی گول طشتری کو

اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا بلا ہے جو ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

ماریا نے کہا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے ناگ؟"

گول طشتری بڑھتے بڑھتے کافی پھیل گئی اور اس میں سے شعاعیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ جہاز کو ادھر ادھر کرنا یا اس طشتری سے بچانا ناگ کے بس میں نہیں تھا۔

بہر حال وہ چوکس ہو کر اور ہر خطرے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

جوں جوں طشتری قریب آ رہی تھی وہ پھولتی ہی چلی جا رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کوئی بہت بڑا بادل کا گول ٹکڑا ہے جو سفید شعاعیں چھوڑ رہا ہے۔

اور پھر ایسا ہوا کہ ایک دم سے ناگ کا خلائی جہاز اس بادل میں گم ہو گیا۔ جہاز کو جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ ماریا اور ناگ سنگ مرمر کے فرش پر گر پڑے۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ناگ۔۔۔ ہم پر کسی دوسرے خلائی جہاز نے حملہ کر دیا ہے"۔

ناگ نے اسے تسلی دی اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں ماریا! ہم مقابلہ کریں گے۔ حوصلہ

مت ہارو"۔

ناگ نے اٹھ کر سکرین پر غور سے دیکھا۔ وہاں سوائے سفید چمکتی ہوئی دھند کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ نے بیک وقت کتنے ہی بٹن دبائے مگر جہاز پر جیسے کوئی اثر نہ ہوا۔

اسے بدستور جھٹکے لگتے رہے وہ ڈول رہا تھا۔ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

ناگ نے ایک فالتو راکٹ چلانے کی بھی کوشش کی تا کہ جہاز کو بادل کے اوپر لے جا سکے مگر وہ راکٹ بھی نہ چل سکا۔

ناگ نے ماریا سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے ساری مشینری جام ہو گئی ہے"۔

ماریا پریشان ہو گئی تھی۔

"اب کیا ہو گا؟"۔

ناگ نے اسے تسلی دی۔

گھبراؤ نہیں ماریا! یہ کسی دشمن کا جہاز نہیں ہے، بلکہ خلائی بادل کا ایک ٹکڑا ہے جس میں برقی رو دوڑ رہی ہے۔

یہی برقی رو ہمارے جہاز کو جھٹکے دے رہی ہے۔ اس سے زیادہ یہ ہمارے جہاز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

کچھ دیر بعد جھٹکے رک گئے۔ سکرین پر بادلوں کی

دھند چھٹ گئی۔ خلائی جہاز اس خطرناک مصیبت سے باہر نکل آیا تھا۔

ماریا کے چہرے پر اطمینان سا آ گیا۔ اس نے ناگ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ہم اس مصیبت سے نکل جائیں گے"۔

ناگ مسکرایا۔

"ہاں، خدا نے ہم پر رحم کیا ہے۔ اس خلا میں آ کر خدا پر میرا ایمان زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اب ہمارا سفر سکون سے کٹے"۔

زمین کے وقت کے مطابق تین دن اور تین

راتوں کے خلائی سفر کے بعد ان کا خلائی جہاز خلا سے نکل کر زمین کی فضا میں داخل ہوا تو جہاز کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔

ناگ اس خطرناک لمحے کے لیے پوری طرح سے تیار تھا۔ اس نے جھٹ اوپر کی جانب کے سارے راکٹ چلا دیے جس کی وجہ سے جہاز کی رفتار کنٹرول میں آ گئی۔ کیونکہ اب زمین کی کشش نے بھی جہاز کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

اوپر کے راکٹوں کے چلتے ہی خلائی جہاز کو ایک زوردار دھچکا لگا جس کے ساتھ ہی خلائی جہاز کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور خلائی جہاز کے اوپر سے سرخ

روشنی بڑی تیزی سے خارج ہونا شروع ہو گئی۔

ماریا اور ناگ بڑی دلچسپی اور غور سے سکرین پر زمین کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہے تھے۔

انہیں اب اس نظریے کے بارے میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ زمین گول ہے اور ذرا سی پچکی ہوئی ہے۔ جیسے ناشپاتی۔ کیونکہ وہ زمین کو اس کے پہاڑوں اور سمندروں سمیت اپنے خلائی جہاز کی سکرین پر صاف دیکھ رہے تھے۔

زمین بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

آخر پہاڑ صاف صاف دکھائی دینے لگے۔

ان کا جہاز درست سمت کی طرف جا رہا تھا۔

اب پہاڑ کافی پیچھے رہ گئے تھے اور سکرین پر سمندر ہی سمندر تھا۔ پھر اس سمندر میں سے ایک جزیرہ ابھرنے لگا۔

ناگ اور ماریا نے پہچان لیا۔

یہ وہی جزیرہ تھا جہاں سے وہ خلائی جہاز میں بیٹھ کر اوپر اڑے تھے۔

خلائی جہاز جزیرے کے بالکل اوپر آ گیا۔

اب ناگ نے آخری بٹن دبایا۔ جس کے بعد جہاز نے جزیرے کا ایک چکر لگایا اور پھر بڑے اطمینان کے ساتھ مغربی درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سنگ مرمر کے چبوترے پر بڑے آرام کے ساتھ اتر

گیا۔

خلائی جہاز کے زمین کے ساتھ لگتے ہی ناگ نے جھٹ وہ بٹن دبا دیا جس کے دبنے کے آدھ گھنٹے بعد اس خلائی جہاز کو تباہ ہونا تھا۔

ناگ اور ماریا جلدی سے جہاز سے باہر نکل آئے اور چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔

خلائی جہاز جزیرے کے سناٹے میں خاموش کھڑا تھا کہ انہوں نے کیا دیکھا کہ سنگ مرمر کے چبوترے کے اندر سے ایک خلائی انسان ہاتھ میں خلائی بندوق لیے باہر نکلا اور پھر بڑے سکون کے ساتھ خلائی جہاز میں داخل ہو گیا۔

ماریا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ناگ۔۔۔! اب کیا ہوگا؟ وہ جہاز کو اڑا کر لے جائے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو ماریا! جہاز اوپر جا کر پھٹ جائے گا"۔

ماریا جلدی سے بولی۔

"لیکن ناگ! اگر ڈاس نے اندر جاتے ہیں بٹن کو اوپر کر دیا تو پھر یہ جہاز کبھی تباہ نہ ہو سکے گا۔ اور یہ خلائی بلا اوپر جا کر ہماری زمین پر ایک بار پھر تباہی نازل کر دے گی"۔

ناگ نے یہ سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ پریشان ہو کر ماریا کی طرف دیکھنے لگا۔

مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنی شعاعی بندوق بھی جہاز میں ہی چھوڑ آئے تھے۔

☆ کیا خلائی جہاز صحیح و سلامت اوپر اڑ گیا؟

☆ ناگ اور ماریا کے ساتھ اس جزیرے

پر پھر کیا گزری؟

☆ عنبر سے ان کی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی؟

☆ یہ سب اس ناول کی اگلی قسط

قسط نمبر 53 میں پڑھئے

[illegible]
(عنبر ناگ ماریا نمبر 53)
اے حمید

فہرست

خلائی جہاز کی تباہی
عنبر جیل میں
جزیرے سے فرار
پرانا قبرستان

خلائی جہاز کی تباہی

ناگ اور ماریا دم بخود خلائی جہاز کو دیکھتے رہے۔

وہ چٹان کی اوٹ میں تھے اور اس خیال سے پریشان کہ اگر خلا باز نے جو ابھی خلائی جہاز کے اندر گیا ہے، بٹن اوپر کر دیا تو جہاز کبھی تباہ نہ ہوگا اور خلائی جہاز اسے بچا کر اوپر اپنے ستارے میں لے جائے گا اور پھر جانے کیا ہو۔

ہوسکتا ہے کہ یہ شخص کسی منصوبے پر عمل کرتے ہوئے زمین پر حملہ کر کے یہاں کے انسانوں کو مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔

یہی خطرے اور خدشے تھے جو ماریا اور ناگ دونوں کے دلوں میں اٹھ رہے تھے۔ خلائی انسان ابھی تک خلائی جہاز کے اندر تھا۔

جہاز کے پھٹنے میں بمشکل پندرہ بیس منٹ رہ گئے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس کم بخت کو اندر جاتے ہی پتا چل گیا ہوگا کہ جہاز کو تباہ کر دینے والا بٹن دبایا ہوا ہے۔ اس نے پہلا کام یہ کیا ہوگا کہ بٹن کو اوپر کر دیا ہوگا۔

ناگ ابھی جواب دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ خلائی جہاز کا دروازہ کھلا اور اندر سے وہی خلائی انسان باہر نکل کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ خلائی جہاز کی سیڑھی ابھی تک لٹک رہی تھی

اس نے منہ سے بڑی تیز آواز نکالی۔ جس پر سنگ مرمر کے تہہ خانے سے اچانک دو خلائی انسان ایک خلائی انسان کو سٹریچر پر اٹھائے باہر نکلے اور خلائی جہاز کی طرف بڑھے۔

غالباً ان کا ایک ساتھی زخمی ہو چکا تھا۔ پہلے والا خلائی انسان یہ دیکھنے جہاز پر آیا تھا کہ کوئی خطرہ تو

نہیں۔ اور اب سب خیریت ہے کا نعرہ لگا کر اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بلایا تھا۔

ویسے وہ بھی اس بات پر ضرور حیران ہو رہے تھے کہ ان کے جو ساتھی جہاز کو خلا سے اڑا کر لائے ہیں، وہ کہاں چلے گئے ہیں؟۔

تہہ خانے سے آنے والے خلائی انسان بھی اپنے بیمار ساتھی کو لے کر خلائی جہاز میں سوار ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے جہاز کی سیڑھی اوپر اٹھا دی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا اور جہاز کی مشین چلنے کی آواز آئی۔

ماریا نے سر جھکا لیا اور ناامیدی کے انداز میں بولی۔

دیکھ لیا؟ اب کیا کر سکتے ہیں ہم لوگ؟ ہمارا سارا

منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ ان لوگوں نے تباہی کا بٹن اوپر کر دیا ہے۔ اب وہ بڑے اطمینان سے اوپر اڑ جائیں گے۔

وہاں جا کر جب انہیں معلوم ہوگا کہ غار والوں نے ان کی تجربہ گاہیں برباد کر دی ہیں تو یہ اپنی شعاعوں سے انہیں بھسم کر کے رکھ دیں گے اور پھر ہماری زمین پر حملہ آور ہوں گے۔

ناگ نے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر کہا۔

”اب کیا ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ بس ہمیں یہی سوچ کر خوش ہونا چاہیے کہ ان لوگوں کا دھیان خطرے کے بٹن کی طرف نہیں گیا ہوگا، کیونکہ وہ سب

کی نگاہوں سے پوشیدہ لگا ہوتا ہے"۔

"یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے ناگ! یہ لوگ ہمارے چنگل سے نکل کر جا رہے ہیں۔ اب کچھ دنوں بعد ہم ان کے چنگل میں ہوں گے"۔

ناگ بولا۔

"میں نا امید نہیں ہوں۔ ابھی دس منٹ باقی ہیں"۔

ناگ اور ماریہ چٹان کی اوٹ میں بیٹھے خلائی جہاز کو مسلسل تکے جا رہے تھے جو سنگ مرمر کے چبوترے سے ٹیک آف کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔

اس کے سفید چاندی جیسے گنبد پر سے سرخ روشنی نکل رہی تھی۔ اور پہلوؤں میں سے نیلی روشنی کی شعاعیں ابھرنے لگی تھیں۔ ایک راکٹ چل رہا تھا۔ ابھی دو اور راکٹ چلنے والے تھے۔

ان دونوں راکٹوں کے چلنے کے بعد خلائی جہاز کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا تھا۔ ناگ اور ماریا کے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہو رہی تھیں۔

ان کی ساری امیدیں صرف اس ایک خیال سے وابستہ تھیں کہ خدا کرے خلائی انسان بٹن اوپر کرنا بھول گئے ہوں اور یہ جہاز پانچ سات منٹ بعد پھٹ جائے۔

ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ دنیا والوں کے لیے ایک

بھیانک خطرہ بن کر اوپر چلے جائیں۔

خلائی جہاز کا تیسرا راکٹ بھی چلا دیا گیا۔ ماریا نے بے اختیار کہا۔

”آہ، وہ لوگ جا رہے ہیں۔ اب اس دنیا کا خدا ہی حافظ ہے۔ اب ان لوگوں کی تباہی سے دنیا والوں کو کون بچائے گا“۔

ناگ نے سنجیدگی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

”خاموش رہو ماریا! بس دیکھتی جاؤ۔ دیکھتی جاؤ“۔

ان کے اندازے کے مطابق جہاز کے تباہ ہونے میں صرف دو تین منٹ ہی رہ گئے تھے۔ خلائی جہاز کی

تمام کھڑکیاں روشن تھیں۔

سرخ روشنی کی چمک بڑھ گئی تھی اور نیلی روشنی کی شعاعیں بھی تیز ہو گئی تھیں۔ خلائی جہاز کا تیسرا اور آخری راکٹ بھی فائر کر دیا گیا۔

اس کے ساتھ ہی جزیرے پر ایک شور سا بلند ہوا۔ درختوں کی شاخیں تیز ہوا میں دوہری ہو کر جھومنے لگیں اور خلائی جہاز نے آہستہ آہستہ سنگ مرمر کے چبوترے سے اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔

ناگ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا دل اس کے حلق میں آ کر دھڑک رہا ہے۔

”بس اب اسے پھٹ جانا چاہیے۔ وقت ہو گیا

ہے۔ وقت۔۔۔ وقت۔۔۔"

ابھی یہ لفظ ناگ کے ہونٹوں پر ہی تھا کہ آسمان پر ایک زبردست چمک پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زبردست دھماکے کے ساتھ خلائی جہاز پھٹ گیا۔

یہ چمک اس قدر تیز تھی کہ ناگ اور ماریا نے آنکھیں بند کر لیں، لیکن اصل دھماکا اس کے بعد ہوا۔ یہ دھماکا ایسا تھا جیسے جزیرہ پھٹ گیا ہو۔

جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہو۔ سارے جزیرے میں گویا بھونچال آ گیا۔ آگ کے شعلے درختوں سے کئی سو گز اوپر اٹھ کر لہرانے لگے۔ یہ دوسرا دھماکا سنگ مرمر کے چبوترے کے تہہ خانے کا

تھا۔ جس میں خلائی لوگوں نے نہ جانے کون کون سی گیسیں اکٹھی کر رکھی تھیں جو خلائی جہاز کے پھٹنے کے بعد گرمی پہنچنے سے پھٹ گئیں۔

ناگ اور ماریا نے خوشی سے نعرے لگائے، لیکن وہ ابھی تک چٹان کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے، کیونکہ شعلے درختوں کو چاٹ رہے تھے اور پتھر اڑ اڑ کر گر رہے تھے۔

ساری رات یہ آگ روشن رہی۔

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا تو جزیرے پر ہر طرف سکون چھایا ہوا تھا۔ ناگ اور ماریا غار سے نکل کر خلائی جہاز کے پیڈ پر گئے۔

وہاں سوائے ایک خوفناک عظیم گڑھے کے اور کچھ نہ تھا۔ اس گڑھے میں پتھر اور لوہا پگھل کر لاوا بن چکا تھا جو ابھی تک ہلکی ہلکی بھاپ چھوڑتے ہوئے ابل رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔ آخر یہ مصیبت دنیا والوں کے سر سے ٹل گئی"۔

ناگ نے اطمینان سے کہا۔ ماریا بولی۔

"یہ ہم لوگوں کی خوش قسمتی تھی کہ خلائی انسانوں نے اندر جا کر اوپر اٹھتے ہوئے جن کی طرف دھیان نہ دیا۔ نہیں تو ہماری تباہی یقینی تھی"۔

کچھ دیر گڑھے کے پاس کھڑے رہنے کے بعد وہ

واپس لوٹے وہاں گرمی بہت تھی۔ اردگرد کے سارے درخت جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

جزیرے میں ایک بھی پرندہ نہیں تھا۔ سارے پرندے ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ ماریا اور ناگ ساحل پر گھومنے لگے۔ یہاں انہیں اپنے جہاز کے جلے ہوئے تختے ملے۔

کچھ تختے ایسے تھے جو انہیں بالکل نئے لگے۔ یہ اصل میں بحری ڈاکوؤں کی جلی ہوئی کشتیوں کے نشان تھے۔ مگر ماریا اور ناگ بحری ڈاکوؤں کے معرکے سے بے خبر تھے۔

"اب عنبر کو کہاں تلاش کیا جائے؟"۔

ماریا نے پوچھا۔ ناگ ہنس دیا۔

"بھئی عنبر تو کہیں نہ کہیں ہمیں مل جائے گا۔ ابھی سب سے اہم سوال تو یہ ہے کہ ہم اس جزیرے سے کس طرح باہر نکلیں۔ یہاں تو کوئی ایسی شے نظر نہیں آتی جس پر سوار ہو کر ہم سمندر میں اپنا سفر شروع کر سکیں"۔

ماریا نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہاں سے شمالی افریقہ کا ساحل زیادہ دور نہیں ہے۔ عنبر نے کہا تھا کہ اگر ہم کشتی لے کر یہاں سے چلیں تو زیادہ سے زیادہ چھ روز کے بعد شمالی افریقہ کے ساحل پر پہنچ جائیں

گے"۔

ناگ بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کشتی کہاں سے حاصل کریں"۔

"ہاں یہی ایک مسئلہ رہ گیا ہے، حل کرنے کے لیے"۔

اور یہ مسئلہ بڑا ٹیڑھا تھا، کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسا ہتھیار بھی نہیں تھا جس کی مدد سے وہ درختوں کو کاٹ کر اس کی لکڑی سے چھوٹی موٹی کشتی ہی تیار کر لیتے۔

یہاں وہ دونوں بے بس تھے۔ اسی طرح انہیں

جزیرے پر رہتے ہوئے تین چار روز گزر گئے۔ صبح اٹھ کر سمندر کنارے جا کر غسل کرتے۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھاتے۔

تالاب کا میٹھا پانی پیتے اور جزیرے میں چکر لگانا شروع کر دیتے۔ شام کو بھی درختوں کا پھل کھا کر اور پانی پی کر غار میں جا کر بیٹھ جاتے۔ کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر سو جاتے۔

یونہی ایک ہفتہ گزر گیا۔ دونوں اس جزیرے سے بیزار ہو گئے۔

ایک روز ماریا نے کہا۔

''ناگ! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس جزیرے کے

اصلی باشندے یہاں کہیں موجود ہوں؟''۔

ناگ ماریا کے اس خیال پر ہنس دیا۔

اگر وہ لوگ یہاں ہوتے تو ہمیں کہیں دکھائی نہ دیتے؟ اتنے دن ہو گئے ہیں، ہمیں اس جزیرے کی آوارہ گردی کرتے ہوئے اور ان میں سے ہمیں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

پھر جزیرے پر جہاز پھٹنے سے اتنی زور کا دھماکا ہوا، اس کی آواز سن کر بھی وہ اس طرف نہ آئے؟

نہیں! یہ بے آباد جزیرہ ہے۔ یہاں سوائے ہمارے اور کوئی انسان نہیں ہے۔

ماریا نے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ خلائی جہاز والوں نے اپنے سنگ مرمر کے چبوترے والے تہہ خانے میں یہاں کے اصلی باشندوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں چھپا رکھی تھیں؟ آخر وہ لوگ انہیں کہاں سے مل گئے تھے؟"۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ ماریا ٹھیک کہتی تھی۔ مقامی لوگوں کی لاشیں اس نے بھی تہہ خانے میں دیکھی تھیں۔

لیکن ماریا۔۔۔ میرا مطلب ہے، اگر وہ یہاں کے مقامی باشندے تھے تو اب کہاں چلے گئے؟ اتنے زور کے دھماکے کی آواز سن کر بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور وہ سوئے رہے۔

نہیں۔ میرا خیال ہے، وہ مقامی لوگوں کی لاشیں نہیں تھیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے، باہر سے کچھ لوگ اس جزیرے پر آئے ہوں اور خلائی انسانوں نے انہیں ہلاک کر کے لاشیں تہہ خانے میں رکھ لی ہوں۔

ماریا بھی جیسے ناگ کے اس خیال کی قائل ہو گئی۔

"ہو سکتا ہے، ایسا ہی ہو"۔

پھر وہ جیسے سر ہلا کر بولی۔

"لیکن ناگ بھائی! میرا دل کہتا ہے کہ یہاں ارد گرد کوئی ایسا جزیرہ ضرور ہے، جہاں جنگلی لوگ آباد ہیں"۔

"ماریا بہن! اگر یہاں قریب کوئی آبادی ہوتی تو

وہ لوگ کبھی نہ کبھی اپنی کشتیاں چلاتے ادھر ضرور آتے۔ مگر یہاں تو ہم نے کبھی کسی ایسی کشتی کو نہیں دیکھا۔ ان باتوں کو چھوڑو اور یہ سوچنا شروع کرو کہ ہم کوئی کشتی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟"۔

ماریا کچھ سوچ کر بولی۔

"عنبر خدا جانے کن حالات میں یہاں سے نکلا ہے کہ اس کی ایک بھی نشانی اس جزیرے پر موجود نہیں، خزانہ جو غار میں چھپا رکھا تھا، وہ بھی غائب ہے"۔

"یقیناً عنبر کو کوئی محفوظ کشتی یا جہاز مل گیا ہوگا جبھی تو وہ خزانے کا صندوق بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ اگر

پریشانی کے عالم میں یہاں سے فرار ہوا ہوتا تو خزانہ یہیں جزیرے میں چھوڑ جاتا"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بحری ڈاکوؤں نے جزیرے پر حملہ کر دیا ہو اور وہ خزانہ لوٹ کر عنبر کو قید کر کے لے گئے ہوں"۔

ناگ ہنس پڑا۔

آخر تم عورت ہو اور عورتوں کی طرح ہی سوچتی ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عنبر یونہی کسی کی قید میں آنے والی شے نہیں ہے۔

اس کے پاس ہم دونوں سے زیادہ طاقت ہے۔

ہم ہلاک ہو سکتے ہیں لیکن عنبر کو ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ کم از کم اس دنیا کی کوئی طاقت اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔

"مگر زنجیروں میں تو جکڑ سکتی ہے"۔

"عنبر کو اتنی آسانی سے زنجیروں میں نہیں جکڑا جا سکتا ماریا"۔

یونہی باتیں کرتے وہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ اب سامنے ایک سمندری چٹان ریت میں سے اپنا سینہ نکالے کھڑی تھی۔

وہ چٹان کے قریب سے ہو کر گھومنے ہی والے تھے کہ اچانک ماریا کے ہونٹوں سے خوشی کی ایک چیخ

سی نکل گئی۔

"کشتی! وہ دیکھو!"

ماریا نے جس طرف اشارہ کیا تھا، اس جانب ناگ نے دیکھا۔ وہ سمندر میں ایک کشتی ساحل کی طرف بہتی چلی آ رہی تھی۔ ناگ بھی تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ کس کی کشتی ہو سکتی ہے ماریا؟"۔

"میرا خیال ہے ضرور عنبر ہماری تلاش میں واپس جزیرے پر آ رہا ہے"۔

"یہ تمہارا وہم ہے۔ مجھے کشتی میں دو آدمی نظر آ رہے ہیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں نیزے ہیں

اور کندھوں پر تیر کمان ہیں"۔

"تو ضرور یہ اس جزیرے کے باشندے ہوں گے"۔

"وہ کسی ساتھ والے جزیرے کے وحشی لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا ابھی معلوم ہو جائے گا۔ وہ اسی جزیرے کی طرف آ رہے ہیں۔ مگر یہ لوگ پہلے کہاں تھے؟ اب کیا کرنے آ رہے ہیں"۔

ماریا بھی غور سے سمندر کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"اب یہ جنگلی مجھے بھی نظر آ رہے ہیں۔ ان کے چہرے رنگدار ہیں۔ بالوں میں طوطے کے پر لگے ہوئے ہیں۔ دانت بڑے خونخوار ہیں۔ ضرور یہ آدم خور وحشی ہیں"۔

ناگ بولا۔

"فکر نہ کرو۔ میں ان سے بات کروں گا اور ان سے مدد حاصل کرنے کی درخواست کروں گا۔ اگر انہوں نے ہمیں گرفتار کرنے یا ہلاک کرنے کی کوشش کی تو یہ ان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ پھر ان کی کشتی ہمارے کام آئے گی"۔

ماریا خوش ہو کر کہنے لگی۔

"تمہارا یہ آخری جملہ بڑا اچھا ہے ناگ! یقیناً ان کی کشتی ہمارے کام آئے گی۔ انہوں نے اپنی کشتیاں اتنی اعلیٰ مہارت سے بنائی ہوئی تھیں کہ بڑے سے

بڑے سمندری طوفان میں بھی نہیں الٹتی تھیں۔ بس لہروں کے ساتھ ساتھ اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں"۔

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

"وہ لوگ ساحل کے قریب آ گئے ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کشتی میں کوئی تیسرا آدمی بھی ہے مگر کشتی میں لیٹا ہوا ہے۔ شاید اس کے ہاتھ پاؤں ان لوگوں نے باندھ رکھے ہیں"۔

ماریا جھٹ بولی۔

"ضرور یہ آدم خور ہیں۔ یہ آدمی کوئی ان کا قیدی ہے کہیں سے پکڑ کر بے چارے کو یہاں کھانے کے لیے لا رہے ہیں"۔

"دیکھا جائے گا"۔

"ناگ! میرا خیال ہے تم اپنا روپ بدل لو۔ نہیں تو ہو سکتا ہے، یہ لوگ تیر یا نیزہ مار کر تمہیں شدید زخمی کر دیں"۔

ناگ بولا۔

"لیکن ماریا! میں تو ان لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہوں تا کہ ان سے کشتی حاصل کی جا سکے"۔

ماریا نے سر جھٹک کر کہا۔

"خدا کے لیے ان وحشیوں سے نیک سلوک کی توقع نہ رکھو۔ یہ آدم خور ہیں۔ تمہاری کوئی بات نہیں سمجھیں گے۔ الٹا تمہیں قتل کر ڈالیں گے اور ہو سکتا

ہے، پھر میں بھی تمہیں نہ بچا سکوں۔ جلدی سے اپنا روپ تبدیل کر لو۔ خدا کے لیے جلدی کرو"۔

اب وہ لوگ ساحل پر آ چکے تھے اور کشتی کو کھینچ کر کنارے پر لا رہے تھے۔ ماریا نے بے صبری کے عالم میں ذرا اونچی آواز میں ناگ سے کہا۔

"دیر نہ کرو ناگ بھائی"۔

اس کی آواز ایک وحشی نے سن لی۔ وہ وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ ویران بے آباد جزیرے میں ایک عورت کی آواز اس کے لیے عجیب حیرانی کی بات تھی۔

اس نے نیزہ ہاتھ میں تھام لیا اور جدھر سے آواز

آئی تھی ادھر دیکھنے لگا۔ ماریا تو خیر اسے نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔ البتہ ناگ کی ایک جھلک اسے چٹان کی اوٹ سے نظر آ گئی۔

وحشی نے تیز لہجے میں اپنے ساتھی سے کوئی بات کی اور نیزہ اچھالتا اس چٹان کی طرف بھاگا جس کی اوٹ میں ناگ اور ماریا چھپے ہوئے تھے۔ ماریا جلدی سے پرے ہٹ گئی۔

ناگ نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور پلک جھپکتے میں وہ ایک پتلا سا سبز رنگ کا سانپ بن کر چٹان کے اوپر پتھروں کی اوٹ میں جا بیٹھا اور اپنی لال لال آنکھوں سے وحشی کو اپنی طرف آتے

دیکھنے لگا۔

وحشی کا ساتھی بھی تیر کمان پکڑے اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

انہیں کیا خبر تھی کہ چٹان کے پیچھے ان کی موت بیٹھی ان کا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن ناگ بھی انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

انہیں ہلاک کرنا ناگ اور ماریا کے لیے بڑی آسان بات تھی مگر وہ ان سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کیے بغیر انہیں موت کی نیند سلانا چاہتے تھے۔

ابھی انہیں یہ بھی خبر نہیں تھی کہ کشتی میں جس شخص کو وہ قید کر کے لائے ہیں، وہ کون ہے؟ اور اسے کس مقصد کے لیے اس جزیرے میں لایا گیا ہے؟

وحشی نیزے تانے دبے دبے قدم اٹھاتے چٹان کے عقب میں کود پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ ادھر ضرور وہ عورت کھڑی ہوگی جس کی آواز انہوں نے ابھی ابھی سنی تھی مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

اب دونوں وحشی پھٹی پھٹی نظروں سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ کچھ دیر وہ یہاں وہاں ماریا کو تلاش کرتے پھرے۔

آخر سروں کو اس خیال سے جھٹک کر یہ ان کا وہم تھا، واپس اپنی کشتی کی جانب چل پڑے۔ ماریا بھی

ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ ناگ وہیں چٹان پر بیٹھا رہا۔ جب وحشی کشتی کے پاس پہنچ گئے تو ناگ چٹان پر سے رینگتا ہوا نیچے اترا اور چلتا ہوا خاموشی سے کشتی کی طرف آ گیا۔

وحشیوں نے کشتی میں سے ایک آدمی کو باہر نکالا۔ اس آدمی کا رنگ گورا، بال سیاہ اور قد کاٹھ مضبوط تھا۔ وہ کوئی جہازی لگ رہا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں رسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا تھا۔ وحشی اسے گھسیٹتے ہوئے ریت پر ایک درخت کے پاس لے گئے۔

اس درخت کے ساتھ کس کر باندھ دیا گیا۔ اب انہوں نے درختوں کے نیچے جا کر خشک لکڑیاں اکٹھی کیں اور انہیں قیدی کے پاؤں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ ماریا لرز گئی۔

یہ بدبخت آدم خور تھے اور اس نوجوان کو آگ میں بھون کر کھانے کے لیے وہاں لائے تھے۔ ماریا نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نوجوان کو ان بے رحم جانوروں سے بچائے گی اور ہرگز ہرگز ان کا لقمۂ تر نہ بننے دے گی۔

اس نے ادھر ادھر ناگ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ناگ بھی یہ سارا تماشہ ایک جگہ بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً

سمجھ گیا کہ ماریا اسے کس مقصد کے لیے تلاش کر رہی ہے۔

ٹاگ رینگ کر ماریا کے پاس جا پہنچا اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مقام کی طرف تکنے لگا جہاں اس کے خیال کے مطابق ماریا کو ہونا چاہیے تھا، کیونکہ اسے ماریا کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔

ماریا نے لپک کر ٹاگ کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا لیا اور سرگوشی میں کہا۔

"یہ آدم خور ہیں۔ اس مظلوم انسان کو بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گی"۔

ٹاگ نے کہا۔

"میں بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ بدبخت اس مظلوم کو کبھی ہڑپ نہ کر سکیں گے۔ میں ابھی جا کر ان کی خبر لیتا ہوں، لیکن میرا جی نہیں چاہتا کہ انہیں سانپ بن کر ڈسوں۔ آج ان سے دو دو ہاتھ کرنے کو جی چاہتا ہے"۔

ماریا نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں! ایسا ہرگز ہرگز نہ سوچنا ٹاگ۔ یہ بڑے وحشی لوگ ہیں۔ تم ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے"۔

ٹاگ تنک کر بولا۔

"تم میری مردانگی کی توہین کر رہی ہو۔ ماریا! میں

ابھی ان کی خبر لیتا ہوں"۔

ماریا اسے منع کرتی ہی رہ گئی کہ ناگ پھنکار مار کر وحشیوں کی طرف بڑھی۔ وہ درخت کے پاس کھڑے لکڑیاں مرنے والے قیدی کے پاؤں پر رکھ رہے تھے۔

ناگ ایکدم زمین سے ایک فٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وحشی نے سانپ دیکھا تو اپنا نیزہ تاک کر اس پر مارا۔ ناگ اسی نیزے کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ تنہا مقابلہ کر کے اپنی ہلاکت مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

جونہی نیزہ اس کے قریب گرا۔ سانپ پھنکار مار کر انسان کے روپ میں آ گیا۔ ایکدم سے سانپ کو انسان کا روپ بدلتے دیکھ کر وحشی ششدر رہ گئے۔ ناگ نے جلدی سے نیزہ ہاتھ میں لے لیا اور وحشیوں کو للکارا کہ آؤ میرے ساتھ مقابلہ کرو۔

وحشیوں کے تو منہ کھلے تھے اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ یہی حال اس گورے قیدی کا ہو رہا تھا۔ جو درخت کے ساتھ بندھا زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔

ناگ نے انہیں للکار کر کہا۔

"اس آدمی کو چھوڑ دو۔ نہیں تو میرے ساتھ مقابلہ کرو"۔

وحشی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک

وحشی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ لیکن دوسرا نیزہ تان کر ناگ پر حملہ آور ہو گیا۔

ناگ نے اس کا وار بڑی مشکل سے بچایا۔ اس نے محسوس کیا کہ وحشی بڑا ماہر نشانے باز تھا۔ اگر وہ اچھل کر پرے نہ ہٹ جاتا تو اس کا نیزہ سیدھا اس کے سینے میں گھس گیا تھا۔

اب ناگ نے حملہ کیا۔ نیزہ وحشی کے قریب گر پڑا۔ دونوں نہتے ہو گئے۔ ناگ نے وحشی کو ٹانگ سے پکڑ کر نیچے گرا لیا مگر وہ بھی کافی طاقت ور تھا۔ پھرتی کے ساتھ ناگ کے نیچے سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس بار وحشی نے ناگ کو گرا لیا۔ کچھ دیر ریت پر دھینگا مشتی ہوتی رہی۔

ناگ کسی طرح وحشی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ماریا قریب کھڑی بے قابو دل کے ساتھ یہ جنگ دیکھ رہی تھی۔

ناگ نے خواہ مخواہ بلا اپنے سر لے لی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ ناگ تھک گیا ہے جبکہ وحشی ابھی تک تازہ دم ہے ناگ ایک داؤ کھا کر ریت پر اوندھے منہ گر پڑا۔

وحشی نے لپک کر اپنا نیزہ اٹھایا اور اسے تان کر ناگ کے سینے میں اتارنے ہی لگا تھا کہ ماریا لپک کر آئی اور اس نے پیچھے سے ٹانگ مار کر وحشی کو گرا دیا۔

اس آسمانی ٹانگ سے وحشی چکر کھا گیا۔ منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ٹانگ پیچھے سے اسے کس نے ماری ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی لیکن اس سے پہلے کہ دوسرا ساتھی مدد کو آگے آئے، ماریا کا نیزہ وحشی کے سینے میں اتر چکا تھا۔

ناگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے وحشی کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ کیونکہ اس نے صرف دیکھا تھا کہ جس نیزے سے اس کا ساتھی ہلاک ہوا ہے، وہ ناگ نے نہیں مارا تھا بلکہ آسمان سے آ کر نیچے گرا تھا۔

وحشی ایکدم سجدے میں گر پڑا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر گورے قیدی کی رسیاں کاٹیں اور اس زبان میں جو اس وقت تقریباً سبھی ملکوں میں سمجھی جاتی تھی، پوچھا کہ وہ کون ہے اور ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا؟ گورے قیدی نے بتایا کہ وہ ملک ہسپانیہ کا رہنے والا ایک عیسائی گھوڑوں کا تاجر ہے۔

میں اپنے تجارتی جہاز پر شمالی افریقہ کی بندرگاہ سے سفر پر نکلا۔ راستے میں ہمارے جہاز پر بحری ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔

انہوں نے مال اسباب لوٹ کر مسافروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر

ایک کشتی میں سوار ہو کر کھلے سمندر کی جانب نکل گیا۔ میرے ساتھ کچھ اور مسافر بھی تھے۔ ہماری بدقسمتی کہ راستے میں ہمیں طوفان نے آ لیا۔ ہماری کشتی سمندر میں غرق ہو گئی۔

میں چونکہ ایک اچھا تیراک ہوں، اس لیے سمندر میں دور تک تیرتا چلا گیا۔ اتنے میں سامنے ایک جزیرہ دیکھا۔ وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔

اب یہ دونوں مجھے وہاں سے نکال کر یہاں بھون کر کھانے کے لیے لائے تھے، کیونکہ یہ اپنے شکار میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایک طرح سے انہوں نے اپنا کھانا چوری کیا تھا کہ اکیلے ہی مزے اڑائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے اور میری جان بچی۔

اب یہ بتاؤ نوجوان کہ تم اصل میں کون ہو؟ کیونکہ میں اپنی آنکھوں سے تمہیں سانپ کے روپ سے انسان کی شکل اختیار کرتے دیکھ چکا ہوں۔

عنبر جیل میں

ناگ نے اپنی گہری آنکھوں سے گور سے اجنبی کو غور سے دیکھا۔

گورا قیدی ناگ کی آنکھوں کی شدید اور پراسرار کشش کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنی آنکھیں جھپکاتے ہوئے چہرہ دوسری طرف کرلیا اور کہا۔

"تمہاری آنکھوں میں مجھے ایک جادو سا نظر آ رہا

ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں کسی سورج کو دیکھ رہا ہوں۔ برائے مہربانی اپنی آنکھیں میرے چہرے سے ہٹالو"۔

ناگ نے اپنی آنکھیں دوسری طرف کرلیں اور کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم آئندہ مجھ سے ایسا سوال نہیں کرو گے۔ تم نے جو کچھ دیکھا ہے، اسے بھول جاؤ اور صرف اتنا یاد رکھو کہ تم ان آدم خور وحشیوں کی قید میں تھے۔ یہ تمہیں بھون کر کھانے والے تھے کہ میں نے تمہیں ان سے نجات دلائی"۔

گورا قیدی سر جھکا کر بولا۔

"میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی فراموش نہیں کروں گا۔ کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"تم مجھے شیش کہہ کر پکار سکتے ہو۔ اور تمہارا نام کیا ہے؟"۔

گورے قیدی نے کہا۔

"میرا نام سانچو پیڈرو ہے"۔

ناگ نے پیڈرو سے ہاتھ ملایا۔ دونوں سمندر کے کنارے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ناگ کو باقاعدہ ماریا کے جسم کی خوشبو آ رہی تھی۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا اس کے قریب ہی تھی لیکن وہ سانچو پیڈرو کی وجہ سے اس سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ پیڈرو نے کہا۔

"بھائی شیش! اب ہمیں اس جزیرے سے جلد از جلد نکل جانا چاہیے اور اس قیدی وحشی سے بھی کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کرنی چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے جب اس کا ساتھی جزیرے پر نہ پہنچے تو وہ لوگ اس کی تلاش میں یہاں کا رخ کر لیں"۔

وحشی قیدی بھی ابھی زمین پر بیٹھا تھا اور اس نے ناگ کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"اگر ہم یہاں سے چل نکلے تو اس وحشی قیدی کو

اسی جزیرے میں چھوڑ جائیں گے۔ اس کے ساتھی اسے کسی نہ کسی روز آ کر یہاں سے واپس لے جائیں گے۔ ہم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے"۔

پیڈرو نے پوچھا۔

"شیش بھائی! تمہارا ارادہ کس طرف جانے کا ہے؟ کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے، تم بھی اس جزیرے پر پھنسے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اگر چہ تم نے مجھے سوالات پوچھنے سے منع کیا ہے، لیکن یہ سوال پوچھنا ضروری ہو گیا ہے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"ہاں تم یہ سمجھ لو کہ میں اپنے جہاز کی تباہی کے بعد

اس جزیرے میں پھنس گیا تھا۔ اب واپس جانے کا خواہش مند ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے شمالی افریقہ کا ساحل کتنی دور ہے؟"۔

پیڈرو بولا۔

"میں ان سمندروں میں بچپن ہی سے سفر کرتا رہا ہوں۔ یہ سارے سمندر میرے دیکھے بھالے ہیں۔ اگر ہم منہ اندھیرے صاف موسم میں سفر شروع کریں تو زیادہ سے زیادہ پانچ روز میں شمالی افریقہ کے ساحل پر پہنچ جائیں گے"۔

ناگ نے پوچھا۔

کیا یہ چھوٹی سی کشتی ہمارے اس سفر کے لیے کافی

ہوگی؟

اگر راستے میں طوفان آ گیا تو یہ اس کا مقابلہ کر سکے گی؟۔

پیڈرو بولا۔

یہ موسم سمندری طوفانوں کا نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کوئی چھوٹا موٹا طوفان آ بھی گیا تو یہ کشتی اسے برداشت کر لے گی۔

ویسے بھی ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی ہوگا، کیونکہ ہم زیادہ دیر اس جزیرے میں نہیں پڑے رہ سکتے۔ ایک ماہ بعد مون سون کا موسم شروع ہو جائے گا اور پھر سمندر میں ایسے زبردست طوفان آنے لگیں گے کہ ہم

چھ مہینے تک یہاں سے نکلنے کی جرات نہیں کر سکیں گے"۔

بہت خوب! ہم دو ایک روز میں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ اتنی دیر میں ہم ناریل وغیرہ توڑ کر کشتی میں ذخیرہ کر لیں گے۔

اچھا اب ذرا آرام کرو۔ میں جنگل کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔

ناگ چلنے لگا تو پیڈرو نے کہا۔

"بھائی! تم اکیلے اس جزیرے میں کہاں جاؤ گے میں بھی تمہارے ساتھ آتا ہوں۔ تم میرے محسن ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو پیڈرو! میں اس جنگل میں بھی محفوظ رہوں گا"۔

"لیکن اس وحشی کا کیا کریں؟ یہ تو مجھے ابھی ک کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا ہے"۔

پیڈرو نے خوفزدہ ہو کر ناگ سے کہا۔

ناگ ہنس دیا اور وحشی آدم خور کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور اشاروں سے کہا کہ میرے ساتھ جنگل کی سیر کو چلو۔

"لو میں اسے اپنے ساتھ لیے چلتا ہوں"۔

پیڈرو نے اطمینان کا سانس لیا۔ ناگ نے وحشی کو

ساتھ لیا اور ساحل سے چل کر جزیرے کے جنگل میں آ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

غار کے پاس پہنچ کر ناگ نے وحشی کو غار کے باہر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ماریا کے ساتھ درختوں کے جھنڈ میں تالاب کے کنارے جا کر بیٹھ گیا۔

ماریا نے کہا۔

تم نے کشتی پر یہاں سے نکل جانے کا منصوبہ تو بنا لیا ہے پر یہ بھی سوچا کہ اس چھوٹی سی کشتی میں تمہارے ساتھ میں کس طرح سفر کروں گی۔

کیا اس پیڈرو کو پتا نہ چل جائے گا کہ ایک ایسی

عورت بھی ان کے ساتھ سفر کر رہی ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی؟۔

ٹاگ نے کہا۔

"اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اب کیا کیا جائے پھر؟ کشتی تو ایک ہی ہے۔ کیا ان لوگوں کو اسی جزیرے میں چھوڑ کر ہم یہاں سے نکل چلیں"۔

ماریا بولی۔

ایسا ہم بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ ہم میں ایسا کر گزرنے کی طاقت بھی ہے مگر ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

آخر یہ بھی انسان ہیں اور ہم سے زیادہ کمزور ہیں۔

ہمیں ان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہیے۔

"خیال تو تمہارا مجھے پسند آیا لیکن اب کریں کیا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ایسا کرتے ہیں، ہم ان دونوں کو اس کشتی پر یہاں سے بھیج دیتے ہیں۔ ہم انتظار کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، کوئی بھولا بھٹکا تجارتی جہاز اس طرف کو آ نکلے"۔

ٹاگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیسی بھولی بھالی باتیں کرتی ہو تم کسی وقت ماریا! بھلا اس گمنام جزیرے پر کہاں کوئی تجارتی جہاز

آئے گا۔“

اری؟ اس طرف تو صرف ڈاکوؤں اور لٹیروں کے جہاز ہی آیا کرتے ہیں۔

ماریا خاموش ہو گئی۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

”ایک یہ وحشی آدم خور کی مصیبت تم نے اپنے پیچھے لگالی ہے۔ یہ ہمیں ایک دوسرے سے باتیں بھی نہیں کرنے دے گا۔ اس نے تمہیں کسی غیبی عورت سے باتیں کرتے سن لیا تو یہ پاگل ہو جائے گا“۔

ناگ نے کہا۔

”یہی تو میں چاہتا ہوں کہ یہ پاگل ہو جائے“۔

اور پھر دیر تک ہنستا رہا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ غار میں چل کر آرام کرے۔

”میں اس وحشی کو کسی موزوں جگہ چھوڑ کر آتا ہوں۔ تمہارے لیے کچھ پھل بھی لیتا آؤں گا“۔

ناگ وحشی کو ساتھ لے کر ساحل سمندر پر آ گیا۔ گورا قیدی یعنی سانچو پیڈرو ابھی تک ریت پر لیٹا آرام کر رہا تھا۔

ناگ کو دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

”شیش بھائی! رات گزارنے کا بھی کوئی بندوبست کیا؟ کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم جانوروں سے رات بھر محفوظ رہ سکیں؟“۔

ناگ بولا۔

"پیڈرو ایک بات غور سے سن رکھو۔ تم میرے ساتھ کسی حالت میں بھی رات نہیں گزار سکتے۔ تمہیں اسی جگہ سونا ہوگا۔ میں جنگل کے اندر رات بسر کروں گا"۔

پیڈرو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"شیش بھائی! میں سمندر کے اوپر سو کر رات بسر کرلوں گا مگر خدا کے لیے اس وحشی آدم خور کو مجھ سے دور لے جاؤ۔ اسے کہو کہ یہ جنگل میں جا کر رات بسر کرے"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔

وحشی آدم خور ناگ کے زیر اثر تھا۔ وہ اس سے ڈرتا تھا اور اسے اپنا دیوتا سمجھتا تھا۔ ناگ نے اسے اشارہ کیا۔

وہ اٹھ کر اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ نے کہا کہ وہ جنگل کی دوسری جانب جا کر اکیلا رات بسر کرے۔ وحشی آدم خور نے سر جھکا کر اپنی مرضی کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھاگتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔

ناگ نے پیڈرو کو شب بخیر کہا اور غار کی جانب چل پڑا۔

غار میں ماریا آرام کر رہی تھی۔ راستے میں ناگ

نے زمین پر گرے ہوئے چند ناریل اٹھا لئے تھے۔ غار میں بیٹھ کر انہوں نے ناریل توڑ کر کھائے اور ان کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔

کافی دیر تک وہ عنبر کے بارے میں باتیں کرتے رہے کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہو گا؟ کہاں ہو گا؟

اب ضروری معلوم ہو گیا ہے کہ ذرا عنبر کا بھی حال معلوم کیا جائے کہ وہ کہاں تک سفر کرتے کرتے پہنچا ہے یہ تو آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ عنبر دربار اندلس کے شاہی حکیم جہروی کے بیٹے عدنان کے ساتھ سرزمین ہسپانیہ میں غرناطہ کی جانب سفر کر رہا تھا۔

ہسپانیہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو چکا تھا وہاں سے مسلمانوں کو یا تو نکال دیا گیا تھا۔ یا ان کو قتل کر دیا گیا تھا۔ ہسپانیہ میں اس وقت ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ عدنان اپنے شہر غرناطہ کی زیارت کرنے جا رہا تھا۔

عنبر بھی اتفاق سے اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ ویسے عنبر نے عدنان کی جان بھی بچائی تھی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ عدنان مسلمان ہے۔

عنبر نے بھی اسلام قبول کر لیا ہوا تھا۔ ہسپانیہ میں اس وقت کوئی مسلمان داخل نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ عدنان اور عنبر دونوں اس وقت عیسائی بن کر سفر کر رہے

تھے۔

ایک شہر میں عدنان نے اپنے آباؤ اجداد کے ایک بزرگ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور غرناطہ کی راہ لی۔

چٹیل میدان میں سفر کرتے کرتے ان کے گھوڑے سبزہ زار وادی میں داخل ہو گئے۔ عدنان نے آہ بھر کر کہا۔

”عنبر بھائی! مجھے میرے گھر کی خوشبو آنے لگی ہے۔ ہم غرناطہ کی وادی میں داخل ہو گئے ہیں“۔

رات انہوں نے ایک خوبصورت چشمے کے کنارے بسر کی۔ یہاں انہوں نے تھیلے سے کھانا

نکال کر کھایا اور چشمے کے پاکیزہ پانی سے پیاس بجھائی۔

دن چڑھا تو پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں دور سے غرناطہ شہر کی فصیل کے برج اور الحمرا باغ کے منارے اور مسجدوں اور مسجدوں کے گنبد دھوپ میں چمکتے نظر آنا شروع ہو گئے۔ عدنان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے کہا۔

عنبر! یہ میرے آباؤ اجداد کا وطن ہے۔ یہ میرا وطن ہے۔ اب یہ میرے لیے اجنبی بن گیا ہے۔ اس شہر کے ایک محلے میں ہماری شاندار حویلی ہوا کرتی تھی۔

میں نے اس کے آنگن میں کھیل کود کر اپنا بچپن گزارا ہے۔ لیکن اب میں وہاں مسلمان بن کر قدم نہیں رکھ سکتا۔

آہ! مسلمانوں کی آپس میں پھوٹ نے یہ دن دکھائے کہ یہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان تک ختم کر دیا گیا ہے۔

کیسے کیسے عظیم کارنامے نہیں کئے یہاں بیٹھ کر مسلمان سائنسدانوں اور عالموں نے! ۔۔۔ آہ! اے خدا مسلمانوں کو آپس میں اتحاد کی توفیق عطا فرمائے۔

عدنان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ عنبر بھی تاریخ کے اس خونیں انقلاب سے بڑا متاثر نظر آ رہا تھا۔

اس نے تاریخ کے ہزاروں نشیب و فراز دیکھے تھے۔ لیکن اندلس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان ایک داستان عبرت تھی۔

سینکڑوں برس اس ملک پر حکومت کرنے کے بعد اب وہاں ان کا نام تک کوئی نہیں لیتا تھا۔ ان کے محل، مسجدیں خانقاہیں درس گاہیں اور محلے ویران کر دیئے گئے تھے۔

غرناطہ قریب آیا تو وہ شہر کی فصیل کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ دربانوں نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کس کے گھر جانا چاہتے ہیں؟۔

عدنان نے کہا۔

"ہم دونوں بھائی بنی اسرائیل سے ہیں۔ غرناطہ کے محلّہ روشن میں ہمارا چچا طبابت کرتا ہے۔ ہم اس کے پاس جڑی بوٹیاں لے کر آئے ہیں"۔

جڑی بوٹیوں کا ایک تھیلا عدنان کے پاس ہی گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا تھا۔ دربانوں نے انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

غرناطہ اس وقت کے عظیم ترین اور بارونق شہروں میں سے تھا۔ مگر انقلاب اور جنگ نے اسے بہت تباہ کر رکھا تھا۔

اس کی وہ رونق اب نہیں رہی تھی۔ چوراہوں میں چاندی کے بڑے بڑے شیروں کے مجسمے نصب تھے اور بیچ میں فوارے چل رہے تھے۔ عیسائی خوش وخرم چل پھر رہے تھے۔

ان میں کوئی مسلمان نظر نہ آتا تھا۔ عدنان اس شہر کے گلی کوچوں سے خوب واقف تھا۔ وہ عنبر کو لے کر شہر کی ایک سرائے میں آ گیا۔

سرائے کا مالک کبھی ایک شامی عرب ہوا کرتا تھا اب یہ سرائے ایک عیسائی کی ملکیت تھی جو موٹا اور گنجا تھا۔

اس کے پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا اور وہ چوہے کی طرح ادھر ادھر پھدک رہا تھا۔ عدنان نے اس سے رات بھر ٹھہرنے کی اجازت طلب کی۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا کہ کوٹھڑی ایک ہفتہ کے لیے لے لی جائے، کوئی خبر نہیں اس شہر سے کب واپس جانا ہو۔

آئے ہیں تو ذرا سیر ہی کر لیں گے۔ عدنان نے ایک ہفتے کے لیے سرائے میں کوٹھڑی کرائے پر لے لی اور سارا کرایہ کھانے کے پیشگی ادا کر دیا۔

عدنان اسے لے کر شام کے وقت اپنے محلے میں آ گیا۔ جہاں اس کی پرانی حویلی تھی۔ اس میں اب ایک عیسائی کنبہ رہائش پذیر تھا۔

عدنان حویلی کی ڈیوڑھی کے باہر کھڑا اپنی قسمت پر آنسو بہاتا رہا۔ عنبر اسے لے کر وہاں سے چل دیا۔

وہ سیر کرتے کرتے شہر سے باہر زیتون کے ایک باغ میں آ گئے۔

اس باغ کی چار دیواری پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ شام کی سنہری روشنی باغ کے برجوں کے کلسوں پر پڑ کر چمک رہی تھی۔

اس باغ کے اندر سے گٹار بجانے اور اس کے ساتھ گانے کی آواز آ رہی تھی۔ گانے کی لے عربی تھی لیکن الفاظ فرانسیسی تھے۔

عدنان نے آہ بھر کر کہا۔

اس باغ میں کبھی مسلمان فلاسفر اور عالم اپنے شاگردوں کو طب، نجوم، ہندسہ اور دوسرے علوم کا

درس دیا کرتے تھے۔

اس باغ کو شاہی درس گاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن آج اس ملک سے بنو سراج کا نام تک مٹ گیا۔ ان کا کوئی نام لینے والا باقی نہ رہا۔

غرناطہ و اندلس کی مسجدیں ویران ہو گئیں۔ اذانیں دینے والے شہید کر دیئے گئے۔ آہ! اے اللہ! تو اپنے نام لیواؤں پر رحم فرما اور اپنے سچے دین کو پھر سے سر بلندی عطا فرما!۔

عنبر بھی اداس ہو گیا، کیونکہ وہ بنو سراج کی حکومت کی شان و شوکت دیکھ چکا تھا۔ اسے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ الحمراء کی شمع کی روشنی ساری دنیا میں پہنچتی تھی مگر اب وہ شمع ٹمٹما کر بجھ رہی تھی۔

بالکل بجھ چکی تھی۔ عدنان نے عنبر سے کہا کہ وہ باغ کے اندر جا کر ان لوگوں سے ملاقات کرے گا۔ عنبر اسے روکنا چاہتا تھا مگر عدنان ایک بہادر شہزادے کی طرح باغ کے دروازے سے گزر کر اندر چلا گیا۔

عنبر بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ باغ کے اندر مہندی کی جھاڑیوں کی مہک پھیلی تھی۔ سبزے کے قطعے کے چاروں جانب سیاہ گلاب کے پھول کھلے تھے۔

بیچ میں ایک سنگ سرخ کی بارہ دری تھی جہاں ریشمی قالین پر دو عورتیں اور کچھ مرد بیٹھے ایک موسیقار سے گٹار بجوا کر گانے سن رہے تھے۔

موسیقار اپنے گیت کی دھن میں مگن رہا۔ عدنان اور عنبر خاموشی سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ گیت ختم ہوا تو عدنان نے ان سے اپنا اور اپنے دوست عنبر کا تعارف کروایا۔

انہوں نے اپنے آپ کو یہودی یعنی بنی اسرائیل کے طبقے سے ظاہر کیا اور کہا کہ وہ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں غرناطہ آئے ہیں۔

ادھر سے گزر رہے تھے کہ گیت کی دلکش لے انہیں باغ کے اندر کھینچ لائی۔ ان لوگوں نے خندہ پیشانی سے عنبر اور عدنان کو خوش آمدید کہا۔

عدنان نے کہا کہ اسے بھی ایک پرانا عربی گیت

یاد ہے جو اس نے شام میں ایک جلاوطن شہزادے کی زبانی سنا تھا۔ میزبان خواتین نے کہا۔

"اے نوجوان! ہمیں وہ گیت ضرور سناؤ۔ عربی گیت بڑے سچے اور درد بھرے ہوتے ہیں"۔

عدنان نے گٹار ہاتھ میں لے لی اور ایک پرانا عربی گیت شروع کر دیا۔

گیت ختم ہوا تو اس نے تالیوں کی گونج میں دوسرا گیت شروع کر دیا۔ یہ گیت ایک عربی شاعر نے اندلس کی وادی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتے ہوئے لکھا تھا۔ اس گیت میں وادی اندلس کے شہروں، مسجدوں، شاہی محلوں اور شہزادوں کا مرثیہ تھا۔

اُنہیں یاد کر کے ان کے کارناموں اور بہادری کے معرکوں کی تعریف کی گئی تھی۔ عدنان نے گیت کچھ اس انداز سے گایا کہ سننے والوں کے بھی دل بھر آئے۔

اس محفل میں ڈان کارلو ایک فرانسیسی فوجی بھی بیٹھا تھا۔ اس نے عدنان کو پراثر انداز میں گیت گاتے سنا تو اسے کچھ شک سا پڑ گیا کہ یہ شخص یہودی نہیں ہو سکتا۔

ہو نہ ہو یہ ضرور کوئی مسلمان ہے جو ہسپانیہ سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں جاسوسی کرنے آیا ہے۔

گیت ختم ہوا تو اس نے کہا۔

"نوجوان تمہارے گیت میں تمہارے دل کا درد گھلا ہوا تھا۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ تم نے ہی لکھا ہے۔ کیا تم ہسپانیہ میں بھی کبھی رہے ہو؟"۔

عدنان کو پہلے ہی شک تھا کہ یہ شخص اسے غور سے کیوں دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! ایک بار یہاں آیا تھا"۔

کارلو بولا۔

"تمہارا لہجہ خالص ہسپانوی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ تم ہسپانیہ ہی میں پیدا ہوئے ہو اور میرا اندازہ

غلط نہیں تو تم مسلمان ہو"۔

اس انکشاف پر وہاں محفل میں ایک عجیب سناٹا سا چھا گیا۔ کیونکہ ہسپانیہ میں کسی مسلمان کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ جاسوسی کرنے آیا ہے اور اس کی سزا موت تھی۔

کارلو ہسپانوی فوج کا ایک با اثر جرنیل تھا۔ وہ عدنان کو مسلمان ہونے کے شک میں اسی وقت گرفتار کر سکتا تھا۔

عنبر بھی پریشان ہو گیا۔ عدنان پہلے تو کچھ پریشان ہوا پھر مسکرا کر بولا۔

"ڈان کارلو! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ ہاں مسلمانوں میں بہت دیر رہا ہوں۔ جس کی وجہ سے میرا لہجہ اور بات کرنے کا انداز ہسپانوی مسلمانوں کا سا ہو گیا ہے"۔

اس پر ڈان کارلو اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کھینچ کر بولا۔

"میں شہنشاہ فرڈیننڈ کے نام پر تمہیں اور تمہارے ساتھی کو مسلمان ہونے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں"۔

عدنان اب بے بس سا ہو کر رہ گیا۔ اس وقت ہسپانیہ میں مسلمان کہلانا واقعی ایک جرم تھا۔ جس کی سزا موت تھی اور موت بھی سولی پر لٹکا کر دی جاتی تھی۔

عنبر بھی پریشان ہو گیا کہ خواہ مخواہ باغ میں آ کر

عنبر نے کھل کر کہا۔

”میں مسلمان ہوں اور الحمد اللہ کہ مسلمان ہوں اور مرتے دم تک مسلمان رہوں گا“۔

اس اعلان حق پر عدنان کو بھی جوش آ گیا۔ اس نے نعرہ مار کر کہا۔

”اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک مسلمان رہوں گا“۔

ڈان کارلو نے حاضرین محفل کی طرف پلٹ کر بلند آواز میں کہا۔

”دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ یہ دونوں مسلمان ہیں اور غرناطہ میں جاسوسی کرنے آئے ہیں“۔

عنبر نے کھل کر کہا۔

”میں مسلمان ہوں اور الحمد اللہ کہ مسلمان ہوں اور مرتے دم تک مسلمان رہوں گا“۔

اس اعلان حق پر عدنان کو بھی جوش آ گیا۔ اس نے نعرہ مار کر کہا۔

”اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک مسلمان رہوں گا“۔

ڈان کارلو نے حاضرین محفل کی طرف پلٹ کر بلند آواز میں کہا۔

”دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ یہ دونوں مسلمان ہیں اور غرناطہ میں جاسوسی کرنے آئے ہیں“۔

پھر اس نے زور سے تالی بجائی۔ جانے باغ کے کس کونے سے اسلحہ پوش سپاہی تلواریں ہاتھ میں لئے آ گئے۔

”ان دونوں مسلمانوں کو گرفتار کر لو اور کل شاہی دربار میں پیش کرو۔ وہیں ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گا“۔

عنبر نے مداخلت نہ کی۔ سپاہیوں نے عدنان اور عنبر کو گرفتار کر لیا اور ان کے ہاتھوں میں زنجیریں پہنا دیں۔

محفل میں پھر سے گٹار بجنے لگی اور سپاہی عنبر و عدنان کو لے کر جیل خانے کی طرف چل دیئے۔

جزیرے سے فرار

آدم خور جنگلی کو کھلا چھوڑ کر انہوں نے غلطی کی تھی۔

وحشی جنگل میں ایک جگہ خموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کا وحشی دماغ کچھ اس قسم کی باتیں سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں نے اسے اس جزیرے میں چھوڑ دیا تو وہ یہاں سے کبھی باہر نہ نکل سکے گا۔

آسمانی دیوتا ناگ سے بھی اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ شاید وہ اسے سمندر میں پھینک دے یا بھون کر کھا جائے۔ گورے قیدی سے بھی اسے جان کا خطرہ تھا۔ تو پھر وہ کیا کرے؟

کیا کشتی لے کر بھاگ جائے؟ وحشی کے دماغ نے اس کے بعد سوچنا بند کر دیا۔ وہ ایکدم سے اٹھا اور ساحل سمندر کی طرف دوڑ پڑا۔

ساحل کے قریب آ کر جب وہ درختوں سے باہر نکلا تو آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔ کنارے ایک جگہ ریت پر اس کی کشتی اسی طرح پڑی تھی۔

گورے قیدی کا کہیں پتا نہ تھا۔ وحشی کسی جانور کی

طرح رینگ رینگ کر کشتی کے پاس پہنچا۔ اس کے لئے کشتی کو کھینچ کر سمندر میں لے جانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔

کشتی کو سمندر میں ڈال کر وہ اس میں چھلانگ لگا کر سوار ہو گیا۔ سمندر اس کا دوست تھا۔ اس کی ساری زندگی سمندر کی لہروں پر کھیلتے اور کشتی چلاتے گزری تھی۔

تیزی سے چپو چلاتے ہوئے وہ سمندر کی لہروں پر رات کے اندھیرے میں بہت دور نکل گیا۔

صبح ہوئی۔ سورج کی روشنی پھیلی۔ جزیرے پر زندگی کا سنہرا دن نکل آیا۔ ناگ نیند سے بیدار ہو کر

غار سے باہر نکلا اور تالاب پر گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے کچھ پھل توڑ کر کھائے۔

کچھ ماریا کے لیے توڑے اور واپس غار میں آ گیا۔

ماریا بھی بیدار ہو چکی تھی۔

جب وہ جنگل سے نکل کر سمندر کے کنارے آئے تو دیکھا کہ گورا قیدی پیڈرو بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

ناگ کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھا اور بولا۔

"غضب ہو گیا۔ وحشی رات کو کشتی لے کر فرار ہو گیا"۔

ناگ اور ماریا پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اس

جزیرے کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ یہی ایک کشتی امید کی کرن تھی جو ڈوب گئی۔

مگر اب وہ کیا کر سکتے تھے۔ وحشی اپنا کام کر گیا تھا۔

کشتی ان کے قبضے سے نکل کر دور سمندر میں گم ہو چکی تھی۔ بلکہ اب خطرہ تھا کہ وحشی واپس جزیرے پر جا کر اپنے ساتھیوں کو بتائے گا کہ جزیرے پر موجود انسانوں نے اس کے بھائی کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا ہے اور پھر ہو سکتا ہے، سارے کے سارے وحشی اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے جزیرے پر حملہ کر دیں۔ عنبر اور ماریا تو بچ سکتے تھے لیکن اس گورے قیدی پیڈرو کی

خبر نہیں تھی۔

ٹاگ سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، وہ رات کے کسی لمحے کشتی لے کر بھاگ گیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ نئی کشتی تعمیر کی جائے"۔

پیڈرو نے کہا۔

"ہمارے پاس کوئی اوزار نہیں ہے۔ درخت کیسے کاٹیں گے؟ کشتی کیسے بنائیں گے؟"۔

ٹاگ نے کہا۔

"اس کے بارے میں بھی کچھ سوچ لیتے ہیں"۔

سوچنا کیا تھا۔ بس وقت ہی ضائع کرنا تھا۔ سارا

دن جزیرے پر گھومتے رہے۔ اتفاق سے ان کا گزر مغربی درختوں کی جانب ہوا۔

یہ وہ مقام تھا جہاں اڑن طشتری والوں کا اڈا تھا جو تباہ ہو گیا تھا اور جہاں اب ایک بہت بڑا گڑھا پڑ چکا تھا۔ پیڈرو نے اس گڑھے کو بڑے غور سے دیکھا اور بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، یہاں بھی لاوا پھوٹا ہے۔ پتھر تک پگھل کر جم گئے ہیں"۔

"ہاں"۔ ٹاگ نے کہا۔

"معلوم ایسا ہی ہوتا ہے"۔

ماریا آہستہ سے ہنس پڑی۔ گورے قیدی کو کیا پتا

تھا کہ وہاں کیا تھا اور کیا کچھ نہیں تھا۔ اگر اس جگہ آج خلائی جہاز موجود ہوتا تو پیڈرو کی ضرور چیخ نکل جاتی اور خلائی انسان اسے کبھی نہ چھوڑتے۔

اس کی لاش بھی تہہ خانے میں پڑی ہوتی۔ پیڈرو نے ایک پتھر کے ٹکڑے کو اٹھایا۔ یہ ٹکڑا لاوے کی شکل میں پگھل کر اب ایک چھرا سا بن گیا تھا اور اس کی دھار کافی تیز تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی اور کہنے لگا۔

ٹیش بھائی! اگر ہمیں اسی طرح کا ایک اور ٹکڑا مل جائے تو ہم محنت کر کے درخت بھی کاٹ سکتے ہیں اور کشتی بھی تیار کر سکتے ہیں۔

اس جنگل میں جنگلی بیلوں کے رسوں کی کمی نہیں۔ ان رسیوں کی مدد سے ہم تختے جوڑ کر کشتی بنا سکتے ہیں۔

بات بڑی معقول تھی۔ ٹاگ نے تلاش شروع کر دی۔ بڑی جلدی انہیں ایک اور اوزار مل گیا۔ اب انہوں نے ایک درخت کو چنا اور اسے کاٹنا شروع کر دیا۔

دن بھر کی محنت کے بعد درخت کٹ گیا انہوں نے اس کے ٹکڑے کئے اور پھر تختے بنانے شروع کر دیئے۔ چار پانچ دن وہ اسی کام میں لگے رہے۔

ان کی محنت آخر رنگ لائی اور کتنے ہی تختے تیار ہو گئے۔ پھر جنگل سے رسیوں کو کاٹ کر لایا گیا۔ ان

تختوں کو آپس میں جوڑنے کا کام شروع ہو گیا۔ اس قدر محنت اور لگن سے کام کرتے کے بعد انہوں نے دس بارہ روز کے اندر ایک کشتی تیار کر لی۔

یہ کشتی کافی بڑی تھی اور ماریا اس میں سوار ہو کر اپنا آپ پیڈرو سے چھپا سکتی تھی۔ یعنی کشتی میں چلنے پھرنے سے وہ پیڈرو سے ٹکرا کر اسے بے ہوش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کشتی پر ناریل رکھنے لگے۔

ہفتے بھر کی خوراک جمع کر دی گئی۔ پھر ایک روز منہ اندھیرے جبکہ بڑی خنک ہوا چل رہی تھی انہوں نے کشتی کو سمندری لہروں کے حوالے کر دیا۔

کشتی نے شمال مغرب کی جانب سفر شروع کر دیا۔ ماریا ایک کونے میں نیم دراز تھی۔ ناگ اور پیڈرو چپو چلا رہے تھے۔ ایک ڈانڈ کے ساتھ انہوں نے کشتی کا رخ شمالی افریقہ کے ساحل کی طرف کر رکھا تھا۔

سارا دن کشتی سمندر میں سفر کرتی رہی۔ اس کے بعد وہ ایک بڑی لہر پر چڑھ گئی۔ اور اپنے آپ بہنے لگی۔

پیڈرو نے کہا۔

“یہ بڑی لہر بحیرہ روم کی طرف جا رہی ہے ہمیں سفر کرنے میں بڑی مدد ملے گی”۔

ناگ نے کہا۔

“تمہیں شاید خبر نہیں کہ بھنور بھی اسی بڑی لہر کی وجہ

سے سمندر میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اگر ہماری کشتی کسی بھنور میں پھنس گئی تو ہمارے لیے جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ کشتی کو اس طوفانی لہر سے نکالنے کی کوشش کرو"۔

پیڈرو نے ڈانڈ کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ کافی جدوجہد کے بعد بھی کشتی بڑی لہر سے اترنے کا نام نہ لیتی تھی۔

ساری رات کشتی اس طوفانی لہر پر سوار سفر کرتی رہی۔ دوسرے روز دوپہر کے بعد وہ بھنور میں پھنس گئی۔

ٹاگ اور پیڈرو نے اپنی جان لڑا دی کہ کسی طرح

سے کشتی بھنور سے نکل جائے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کشتی ایک بڑے گول دائرے میں چکر لگا رہی تھی۔ پیڈرو کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے ایک لہر نے کشتی کو اچھال کر باہر پھینک دیا۔ کشتی الٹتے الٹتے بچی۔ ان کی جان میں جان آئی۔ اب وہ کشتی کو کھیتے ہوئے لہر سے بہت دور لے گئے۔

انھیں سمندر میں سفر کرتے تین روز گزر گئے تھے۔

ساحل دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

پیڈرو نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ دو روز اور ہمیں سمندر میں سفر کرنا ہوگا۔ پرسوں رات کو کسی وقت ہم قرطاجنہ کے ساحل پر پہنچ جائیں گے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تم اس سے پہلے بھی ادھر سے گزر چکے ہو؟"۔

"کیوں نہیں، اس سمندر میں، میں نے کافی سفر کیا ہے"۔

چوتھے روز انہوں نے اچانک دور ایک جہاز کے بادبان دیکھے تو ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ پیڈرو اور ناگ نے پوری طاقت سے کشتی کو جہاز کی

طرف چلانا شروع کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"پیڈرو! اپنی قمیض اتار کر لہراؤ"۔

پیڈرو نے اپنی پرانی چولا نما قمیض اتار کر ایک ڈنڈے پر باندھی اور اسے زور زور سے ہلانا شروع کر دیا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ اس تجارتی جہاز کا کپتان اس وقت عرشے پر کھڑا سمندر کی موجوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس نے جو دور سمندر میں ایک سفید سی چیز لہراتے دیکھی تو جہاز کو اس طرف لے جانے کا حکم دے دیا۔ پیڈرو اور ناگ نے محسوس کیا کہ جہاز آہستہ آہستہ ان

کی طرف بڑھ رہا ہے۔

بادبان قریب سے قریب تر آتے جا رہے ہیں۔

پیڈرو بڑا خوش تھا۔ اس کی جان بچ گئی تھی۔ اب وہ ہسپانیہ جا کر اپنے گھوڑوں کا کاروبار پھر سے شروع کر سکے گا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

شیش بھائی! سب سے پہلے میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔ اگر تم جزیرے میں میری مدد کو نہ پہنچتے تو اس وقت میں آدم خور وحشیوں کے معدے میں ہوتا۔

ہمیں جہاز کو قریب آتا دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کس قدر حسین اور خوبصورت ہے۔ انسان

کو چاہیے کہ وہ اس دنیا میں جتنی دیر زندہ رہے پوری دلچسپی لگن اور خوبصورتی سے زندہ رہے۔

ناگ مسکرایا۔

”خدا کا شکر ادا کرو پیڈرو! اسی کی مدد سے تمہاری جان بچی ہے اور یہ جہاز بھی اس نے ہم پر رحم کھا کر ہماری طرف بھیجا ہے“۔

”خدا کا شکر تو میں اسی وقت سے ادا کر رہا ہوں جب سے میں نے اس جہاز کے بادبان دیکھے ہیں“۔

جہاز ان کے قریب آ کر رک گیا۔ کپتان کے حکم سے سیڑھی کشتی پر پھینک دی گئی۔ اب ایک مسئلہ ماریا کے اوپر چڑھنے کا تھا۔

ناگ نے اسے سرگوشی میں کہا۔

"میرے بالکل ساتھ ساتھ رہنا اور تیزی سے سیڑھی پر چڑھ کر جہاز کے عرشے پر پہنچ جانا"۔

"فکر نہ کرو"۔

پیڈرو نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں نے ابھی ابھی کسی لڑکی کی سرگوشی سنی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ جزیرے پر رہنے کا اثر ہے۔ وہاں بھی تم نے اس قسم کی سرگوشی سنی ہوگی"۔

پیڈرو نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف سر ہلا کر رہ

گیا۔ کیونکہ واقعی جزیرے پر بھی اس نے ماریا کی سرگوشی ایک آدھ بار سنی تھی۔

وہ سیڑھی پر چڑھ کر جہاز پر آ گئے۔ ماریا نے بڑی پھرتی سے کام لیا اور ناگ کے بالکل ساتھ ہی عرشے پر آ گئی۔

کپتان نے ان سے پوچھا کہ وہ کس جہاز پر سفر کر رہے تھے اور کشتی میں کہاں سے آ گئے؟ ناگ نے بتایا کہ ان کا جہاز طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔

وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچے اور پھر وہاں سے کشتی تیار کر کے خدا کا نام لے کر سمندر میں نکل کھڑے ہوئے۔

کپتان نے کہا۔

" تم بڑے خوش قسمت ہو۔ اگر میں عرشے پر اتفاق سے نہ موجود ہوتا تو تمہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا"۔

معلوم ہوا کہ وہ جہاز ہند سے مسافروں اور تجارتی سامان کو لے کر طونس جا رہا ہے۔ پیڈرو بڑا خوش ہوا۔ کیونکہ طونس شمالی افریقہ کی بحیرہ روم کے کنارے والی بندرگاہ تھی۔

یہاں سے وہ کسی بھی جہاز میں سوار ہو کر بحیرہ روم عبور کر کے سپین میں داخل ہو سکتا تھا لیکن قرطاجنہ جانا چاہتا تھا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ قرطاجنہ ہی ایک ایسا

شہر ہے جہاں سے اسے عنبر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

کپتان نے کہا۔

"طونس پہنچ کر تم کسی بھی قافلے کے ساتھ قرطاجنہ جا سکتے ہو"۔

جہاز بڑے سکون کے ساتھ سمندر میں سفر کرتا رہا۔

طونس پہنچ کر پیڈرو نے ایک بار پھر ناگ کا شکریہ ادا کیا۔ ہسپانیہ میں اپنا پتہ دیا اور کہا کہ اگر اس کا ہسپانیہ میں آنا ہو تو اسے ضرور ملے۔

ناگ اس سے گلے مل کر اس کارواں سرائے کی

طرف آ گئے جہاں سے اسے قرطاجنہ جانے والا قافلہ مل سکتا تھا۔ اس کارواں سرائے میں وہ ماریا کے ساتھ اتر گیا۔

طونس ایک چھوٹا سا ساحلی شہر تھا اور بارونق تھا۔ بندرگاہ کے ارد گرد کافی آبادی تھی اور دکانوں پر بے شمار سامان پڑا تھا۔

تیسرے روز رات کو قافلہ ناگ اور ماریا کو لے کر قرطاجنہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ صحرا کا سفر شروع ہوا۔ راتوں کو قافلہ سفر کرتا اور دن کی گرمی اور دھوپ میں کسی نخلستان میں پہنچ کر آرام کرتا۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے چار روز گزر گئے۔

ابھی دو روز کا سفر باقی تھا۔ پانچویں روز قافلے نے ایک چھوٹے سے نخلستان میں پڑاؤ کیا۔

یہاں کھجوروں کے جھنڈوں کی ٹھنڈی چھاؤں تھی اور ایک چھوٹا سا ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی تھا۔ یہ قافلہ کوئی زیادہ بڑا نہیں تھا۔

چھ سات اونٹ تھے جس پر تجارت کا سامان لدا تھا۔ دو پہرے دار تلواریں اور تیر کمان لیے ساتھ تھے۔ بمشکل دس گیارہ مسافر تھے۔

ایک ڈاچی پر کوئی خاتون پردے میں سفر کر رہی تھی۔ ناگ اور ماریا نے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ وہ کون عورت ہے۔

اتفاق ایسا تھا کہ یہ خاتون اسی مہدوی حکیم کی بیٹی تھی جس کا بیٹا عدنان تھا اور جو عنبر کے ساتھ غرناطہ میں ڈان کارلو کے ہاتھوں گرفتار ہو کر دربار میں پیش ہونے والا تھا۔

اس خاتون کا نام قتلقہ تھا۔ حکیم مہدوی قرطاجنہ میں رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوکرانی تھی جو اس کی خدمت پر مامور تھی۔

نخلستان میں قافلے کو اترے ابھی بمشکل ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ اچانک وہاں گھوڑوں پر سوار چار ڈاکو آ گئے۔

ان کی آنکھیں سرخ تھیں اور ہاتھوں میں ننگی تلواریں پکڑ رکھی تھیں قافلے کے سردار نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں"۔

ڈاکوؤں کے سردار نے تلوار کے ایک ہی وار سے امیر کارواں کی گردن اڑا دی اور کہا۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ ہمیں قتلقہ کی تلاش ہے۔ جو غرناطہ کے حکیم مہدوی کی بیٹی ہے اس قافلے میں سفر کر رہی ہے"۔

مسافر سہم گئے۔ ڈاکوؤں نے بہت جلد قتلقہ کو تلاش کر لیا۔ اسے گرفتار کرنے لگے تو اس کی خادمہ سامنے آ گئی۔

"میرے ہوتے ہوئے میری مالکہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا"۔

ڈاکو ہنسا اور تلوار کا ہاتھ مار کر اس نے خادمہ کو بھی ہلاک کر دیا۔ بیک وقت دو خون ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں دہشت چھا گئی۔

مسافروں پر چپ سی لگ گئی۔ ڈاکوؤں نے قتینہ کو پکڑ کر گھوڑے پر بٹھایا اور چلنے لگے۔

سردار نے کہا۔

"اگر کسی نے ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی ریت پر پڑی ہوئی ان لاشوں جیسا ہی ہو گا"۔

کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ ان خونخوار ڈاکوؤں کے مقابلے پر آتا۔ سب کے منہ پر تالے لگے تھے، ماریا کو بے حد غصہ آ رہا تھا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

"تم چپ کیوں ہو؟ مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ یہ ظالم لوگ ہیں۔ خونی ہیں۔ میں ان سب کو ہلاک کر دوں گی"۔

ناگ نے کہا۔

"خاموش رہو اور انتظار کرو"۔

جب ڈاکو چلے گئے تو ناگ نے قافلے والوں سے کہا۔

"بھائیو! تم لوگ میرے آنے تک اسی جگہ ٹھہرنا میں قافلہ کو ڈاکوؤں کے قبضے سے چھڑا کر ابھی لاتا ہوں"۔

"ماریا! میں ان لوگوں کے سامنے اپنی شکل نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ اب صحرا کے بیچ میں ڈاکوؤں سے مقابلہ کروں گا۔

چاروں ڈاکو ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ناگ نے انہیں جا لیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے پیچھے ایک گھوڑا سوار کو آتے دیکھا تو گھوڑوں کی باگیں کھینچ کر رک گئے اور تلواریں سونت لیں۔

سردار نے چیخ کر کہا۔

"بد بخت! کون ہو تم؟ کیا تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے؟"۔

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈاکوؤں کا سردار تلوار لے کر آگے بڑھا۔ اب ڈاکوؤں نے دیکھا کہ اچانک گھوڑے پر بیٹھا ہوا سوار غائب ہو گیا ہے۔ وہ چونک کر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

سوار کہاں چلا گیا؟ گھوڑا خالی رہ گیا؟ ناگ اس وقت سانپ کا روپ اختیار کر کے ریت میں رینگتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ماریا بھی گھوڑے پر سوار تھی۔ لیکن وہ غائب تھی۔ اس کا گھوڑا انہیں خالی نظر آ رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار

بھی خالی گھوڑوں کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ بد بخت کہاں غائب ہو گئے؟"۔

دوسرے ڈاکو ڈر گئے اور اس خیال کا اظہار کرنے لگے کہ سردار بھاگ چلو! یہ کوئی بھوت تھا۔ سردار نے قہقہہ لگایا۔

میں اس بھوت کو بھی قتل کر کے دم لوں گا۔ ذرا سامنے تو آئے۔

اسی لمحے ناگ گھوڑے کی پشت پر لپک کر سوار ہو چکا تھا اس نے بڑے سکون کے ساتھ ڈاکوؤں کے سردار کی پنڈلی پر ڈس لیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ناگ کا زہر کس قدر ہلاکت

والا تھا۔ ادھر زہر سردار کے خون میں گیا ادھر وہ چکرا کر گھوڑے پر سے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

ناگ اب دوسرے گھوڑے پر اچھل کر آ گیا اور اس نے دوسرے ڈاکو پر حملہ کیا۔ وہ بھی گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

ادھر ماریہ نے تلوار لہرائی اور تیسرے ڈاکو کی گردن اڑا دی۔ چوتھے ڈاکو نے یہ قتل عام دیکھا تو گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔

میدان صاف تھا۔ ناگ پلک جھپکتے میں پھر سے انسانی شکل میں آ گیا اور اس نے مقتول کے گھوڑے کے پاس جا کر اس کی رسیاں کھولیں۔

ادب سے سلام کیا اور کہا۔

”محترم بہن! اب تم آزاد ہو اور ہمارے ساتھ سفر کر سکتی ہو“۔

قنطقہ نے ناگ کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

”تم نے اکیلے ہو کر ان ڈاکوؤں کو کیسے ہلاک کر دیا؟“۔

ناگ بولا۔

”بس یہ اللہ کی مرضی تھی۔ اس سے آگے آپ نہ پوچھیں۔ آیئے میرے ساتھ“۔

ماریا بھی گھوڑے پر سوار اس کے ساتھ تھی۔ ناگ قنطقہ کو لے کر واپس نخلستان کی طرف چل پڑا۔

قنطقہ نے پوچھا۔

”یہ خالی گھوڑا ساتھ ساتھ کیسے چل رہا ہے؟“۔

اس گھوڑے پر ماریا سوار تھی۔ مگر قنطقہ کو نظر نہ آ رہی تھی۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”یہ میرا وفادار گھوڑا ہے۔ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ جہاں میں جاتا ہوں یہ میرے ساتھ ساتھ ہوتا ہے“۔

قافلے والوں نے جب خاتون کو دیکھا تو بڑے خوش ہوئے انہوں نے مرنے والوں کو اسی نخلستان میں دفن کیا اور اب قافلہ ناگ کی سرکردگی میں قرطاجنہ

کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک رات کا سفر طے کرنے کے بعد دوسرے روز قافلہ قرطاجنہ پہنچ گیا۔ قتلقہ نے ناگ سے کہا کہ وہ اس کے باپ کے گھر ہی قیام کریں لیکن ناگ نے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے گھر ٹھہرنا چاہتا ہے۔

اسے معلوم تھا کہ ماریا کی وجہ سے وہاں گڑبڑ پیدا ہو سکتی ہے۔ قتلقہ کے والد حکیم مہدوی نے جب ساری واردات سنی تو ناگ کا ہاتھ چوم لیا۔

"بیٹا! تم نے میری بیٹی کی جان اور عزت بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کی مہربانی سے ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر آپ مجھے میرے ایک بھائی کے بارے میں کوئی اطلاع دے سکیں تو میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا"۔

حکیم مہدوی بولا۔

"تمہارا بھائی کہاں چلا گیا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

وہ کسی طرح مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔ سنا تھا کہ وہ قرطاجنہ میں ہے۔ میں حقیقت میں اسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ میں نے قتلقہ سے جھوٹ بولا تھا کہ

میں اپنے بھائی کے گھر میں ٹھہروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ گم ہو چکا ہے اور میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔

"اس کی عمر اور حلیہ کیا ہے؟"۔

ناگ نے جب عنبر کا حلیہ بتایا تو مہودی بولا۔

"کیا تمہارے بھائی کا نام عنبر تو نہیں؟"۔

عنبر کا نام سن کر ناگ خوشی سے اچھل پڑا۔ ماریا کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

ناگ بولا۔

"بالکل یہی نام ہے اس کا۔ کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟"۔

مہودی نے کہا۔

"صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ میں اس سے ملا بھی ہوں۔ وہ اسی طرح گھر میں آ کر رہا تھا"۔

"اب کہاں ہے؟"۔

"وہ میرے بیٹے عدنان کے ساتھ ہسپانیہ کے شہر غرناطہ گیا ہوا ہے۔

"غرناطہ؟"

ناگ نے تعجب سے کہا۔

"مگر وہاں تو کوئی مسلمان نہیں جا سکتا"۔

مہودی بولا۔

"کیا بتاؤں بیٹے! میرے بیٹے عدنان کا اصرار تھا

کہ وہ اپنے بزرگوں کے مزار کی زیارت کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بہت روکا۔ مگر اس نے میری ایک نہ سنی اور ایک دن عنبر کو ساتھ لے کر غرناطہ کی جانب روانہ ہو گیا"۔

ناگ اور ماریا نے سکون کا سانس لیا۔ عنبر کا سراغ مل گیا تھا۔ اب وہ اسے آسانی سے تلاش کر سکتے تھے۔

مہدوی نے کہا۔

"مجھے دونوں کی زندگیوں کی فکر ہے۔ ہسپانیہ میں چاروں طرف اسلام کے دشمن ہی دشمن ہیں"۔

ناگ بولا۔

ہم ان کی تلاش میں جائیں گے اور انہیں واپس لائیں گے"۔

مہدوی نے کہا۔

"لیکن میرے بیٹے! وہاں جا کر تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ کیونکہ تم بھی مسلمان ہو اور وہاں مسلمان داخل نہیں ہو سکتا"۔

ناگ بولا

"آپ بے فکر رہیں مجھ کچھ نہیں ہو گا۔ میں ضرور جاؤں گا اور آپ کے بیٹے کے پاس روانہ کر دوں گا"۔

ناگ نے وہ رات قرطاجنہ میں مہدوی کے گھر پر

بسر کی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ دوسرے دن اس نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

ٹاگ اور ماریا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سمندر کی بجائے صحرا میں سفر کریں گے۔ تیسرے روز ایک بہت بڑا قافلہ طونس جا رہا تھا۔

دونوں اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ اور طونس کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا۔

منزلوں پر منزلیں عبور کرتے آخر وہ ایک روز واپس طونس پہنچ گئے۔ یہاں انہیں جہاز کا انتظار کرنا تھا جو انہیں ہسپانیہ کے ساحل پر پہنچا دیتا۔

ٹاگ نے اپنے آپ کو یہودی حکیم ظاہر کیا اور ساحل کے حکام سے اجازت نامہ حاصل کر لیا۔

ہفتے بھر کے قیام کے بعد ایک بادبانی جہاز پر ٹاگ اور ماریا خاموشی سے سوار ہو گئے اور جہاز نے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے بحیرہ روم کی خلیج کا سفر بڑا مختصر تھا۔

ادھر شمالی افریقہ کا ساحل نظر آنا بند ہوا تو ادھر تھوڑی دیر بعد ہسپانیہ کا ساحل دکھائی دینے لگا۔ جہاز بندرگاہ پر جا کر لگ گیا۔

ٹاگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور جہاز سے اتر کر بندرگاہ سے باہر نکل آیا۔

یہاں چاروں طرف عیسائی لوگ ہی نظر آ رہے

تھے۔

ایک بھی مسلمان کی شکل نظر نہ آتی تھی۔ انہوں نے ایک سرائے کا پتہ پوچھا اور ادھر چل پڑے۔

پرانا قبرستان

عنبر اور عدنان کو شاہ سپین کے دربار میں پیش کیا گیا۔

درباری اپنی اپنی جگہ ادب سے کھڑے تھے۔ شاہی امراء شاہانہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بادشاہ اپنی ملکہ کے ساتھ تخت نشین تھا۔

دربار میں اعلان کیا گیا کہ اب دو مسلمان جاسوس

پیش کیے جائیں گے۔ سارا دربار دلچسپی سے تکنے لگا کہ دیکھیں یہ کیسے مسلمان ہیں جو وہاں جاسوس کرنے آ گئے اور انہوں نے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی۔

کارلو آگے بڑھا اور اس نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے عدنان او عنبر کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ بادشاہ نے سر سے پاؤں تک دونوں کو دیکھا اور پھر کہا۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عدنان نے کہا۔

"ہم قرطاجنہ سے آئے ہیں۔ لیکن ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہاں مسلمان ضرور ہیں"۔

بادشاہ نے پوچھا۔

"تم ہمارے ملک میں کیا کرنے آ گئے؟ اگر تم جاسوس نہیں ہو تو کیا ہو؟"۔

عدنان بولا۔

"میں غرناطہ کا رہنے والا ہوں دل میں وطن کی محبت نے جوش مارا تو میں بے اختیار بھیس بدل کر یہاں آ گیا"۔

وزیر نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم مسلمان ہو اور تمہیں یہاں دیکھتے ہی قتل کر دیا جائے گا؟"۔

عدنان بولا۔

"میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے وطن کی گلی کوچوں کی زیارت کرنے آیا ہوں"۔

اس بہادرانہ جواب پر دربار میں خاموشی چھا گئی۔ کارلو نے آگے بڑھ کر کہا۔

جہاں پناہ! یہ نوجوان جھوٹ بول رہا ہے کہ اس کو وطن کی محبت یہاں کھینچ لائی ہے۔ اصل میں یہ قرطاجنہ کے مسلمان امیروں کا جاسوس ہے۔

وہاں ایک گروہ ایسا تیار ہو رہا ہے جو سپین میں داخل ہو کر خانہ جنگی کی فضا پیدا کرنا چاہتا تھا۔ یہ عدنان اسی گروہ کا رکن ہے اور یہاں کی فضا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے کہ کہاں اور

کس مقام سے تخریبی کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

عدنان نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے بادشاہ سلامت! میں اور میرا بھائی ہم دونوں صرف اپنا وطن غرناطہ دیکھنے آئے ہیں"۔

بادشاہ نے ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"ان دونوں کو تہہ خانے میں پھینک دو۔ چودھویں رات کو ہم خود اپنی آنکھوں کے سامنے انہیں سولی پر چڑھائیں"۔

دربار میں بادشاہ کے فیصلے کو بے حد پسند کیا گیا۔ کارلو کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ آخر وہ عدنان اور عنبر سے بدلہ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ مسلمانوں کا ازلی اور ابدی دشمن تھا اور ہر مسلمان کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

عنبر اور عدنان کو اسی وقت پابہ زنجیر کر کے قلعے کے ٹھنڈے اور تاریک تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔

کارلو نے اپنے محل میں جا کر دوستوں کو خوشخبری سنائی اور کہا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ابھی چاند کی چودھویں رات میں چھ دن باقی تھے۔ کارلو ان دنوں کے گزرنے کا بے چینی سے انتظار کرتا تھا۔ تہہ خانے کے ٹھنڈے سیلے فرش پر بیٹھ کر عدنان نے عنبر سے کہا۔

"عنبر! میں تو اپنے وطن کی آبرو پر مر مٹنے پر تیار

ہوں۔ میں ایک بے زبان گائے بن کر کافروں کے ہاتھوں سولی پر نہیں چڑھوں گا۔ میں ان کا مقابلہ کرتا ہوا شہید ہونا زیادہ پسند کروں گا"۔

عنبر کہنے لگا۔

"بھائی! تم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہو۔ ان لوگوں کا مقابلہ کس طرح کرو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہمیں خاموشی سے پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈال لینا چاہیے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے"۔

عدنان نے چیخ کر کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو؟ میں ہرگز اس پر عمل نہ کروں گا۔ میں پہرہ داروں پر ان زنجیروں سے حملہ کر دوں گا

اور ایک آدھ کو مار کر خود بھی مر جاؤں گا“۔

عمبر نے بڑے سکون سے کہا۔

”ٹھیک ہے مر جاؤ“۔

عدنان کہنے لگا۔

کاش! میں بھی تمہاری طرح اتنی طاقت کا مالک ہوتا۔ پھر اگر تم میرے ساتھ قید ہوتے تو اس قسم کی باتیں نہ کرتا۔

تم اس لیے مطمئن ہو کہ تمہیں معلوم ہے تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکے گا۔ اور میں اس لیے پریشان ہو کہ میں ایک ذلت آمیز موت نہیں مرنا چاہتا۔ میں ان کافروں سے لڑتے ہوئے ہوئے شہید ہونا چاہتا

ہوں“۔

عمبر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اسے عدنان کی حالت پر اب ترس آنے لگا تھا۔ اس لیے کہ وہ واقعی ایک بہادر شیر تھا جو دشمنوں کی قید میں پھنس گیا تھا۔

اگر وہ زنجیروں میں نہ جکڑا ہوتا تو شاید دربار میں ہی سپاہیوں کے نرغے سے نکل کر حملہ کر دیتا۔ وہ شاہی خاندان سے تھا اور اس میں ابھی تک مہماتوں والی واریتی خودداری اور بہادری قائم تھی۔

”گھبراؤ نہیں عدنان! تمہیں مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں تمہاری جگہ میں مقابلہ کروں گا اور تمہیں

یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ یہ کافر ہمارے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ اللہ کی رحمت اور طاقت ہے"۔

عدنان کو کچھ اطمینان سے ہوا کہ عنبر کافروں کے ساتھ مقابلے کی بات کر رہا ہے۔ وہ یہی چاہتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

ہمیں بہت سی باتوں پر غور کرنا ہوگا۔ اگر میں زنجیریں توڑ بھی دوں تو ہمیں تلواریں نہ مل سکیں گی۔ اگر تلواریں ہاتھ آ بھی گئیں تو تم کہاں تک ہزاروں سپاہیوں کا مقابلہ کر سکو گے؟

میں تو بچ جاؤں گا، کیونکہ میں مر نہیں سکتا لیکن تم نہ

بچ سکو گے۔ تمہیں کوئی نہ کوئی سپاہی ضرور ہلاک کر دے گا۔

اس لیے ہمیں جذبات سے ہٹ کر عقل اور حکمت عملی سے کام لینا چاہیے۔

عدنان نے منہ لٹکا کر کہا۔

"کیا حکمت عملی ہو سکتی ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"مثلاً یہاں سے کسی طرح فرار حاصل کیا جائے۔ بھاگ نکلا جائے"۔

"یہ تاممکن ہے"۔

عنبر ہنس دیا۔

"دنیا میں کوئی شے ناممکن نہیں ہے۔ اگر انسان ہمت کرے، عقل سے کام لے۔ پوری پوری منصوبہ بندی کرے تو ہر جائز شے پوری ہو سکتی ہے"۔

"اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو پھر کوشش کر کے دیکھ لو۔ میں تیار ہوں"۔

"بس میں تمہاری خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا"۔

عنبر نے فرار کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ دو تین روز اسی سوچ بچار میں گزر گئے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ چوکی پر پہرہ اس قدر سخت تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ فرار نہیں ہوا جا سکتا تھا۔

عدنان نے کہا۔

"اب سوائے دیواروں سے ٹکریں مارنے کے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"۔

عنبر بولا۔

"میں نے ابھی ہمت نہیں ہاری۔ مجھے غور کرنے دو"۔

تہہ خانے میں دن میں صرف ایک مرتبہ ایک سپاہی آ کر سلاخوں کے اندر سوکھی روٹی اور پانی کی چھاگل پھینک جاتا تھا۔

عنبر نے ایک ترکیب ذہن میں سوچ لی اور چپکا

ہو رہا۔ وہ عدنان کو نہیں بتانا چاہتا تھا کہ اس کے دماغ میں کیا ہے۔ دوسرے دن جب سپاہی کھانا دینے آیا تو عنبر نے اس سے باتیں شروع کر دیں اور اسے کہا کہ وہ ذرا پہرے دار کو بلا دے۔

سپاہی نے انکار کر دیا اور اسے کہا کہ پہرے دار یہاں سے دور دروازے پر ہوتا ہے میں اسے نہیں بلا سکتا۔

عنبر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پہرے دار کہاں ہوتا ہے۔ سپاہی چلا گیا تو عنبر نے عدنان سے کہا کہ وہ آج رات قید خانے سے فرار کی کوشش کرے گا۔

عدنان بڑا خوش ہوا۔

عنبر بولا۔

لیکن سب سے پہلے ہمیں دو تلواریں حاصل کرنی ہوں گی تاکہ تم مقابلہ کر سکو۔

اور سنو! کوشش کرنا کہ دشمن تم پر مہلک وار نہ کرے بلکہ مجھ پر کرے کیونکہ اس طرح تم بچ نہ سکو گے۔ جس طرح میں کہوں اسی طرح عمل کرنا۔

''بہت بہتر''۔

پھانسی پانے میں ابھی دو راتیں باقی تھیں۔ رات کا اندھیرا غرناطہ کے گلی کوچوں میں اترنے لگا۔ جب رات خوب گہری ہو گئی اور سارا شہر خواب خرگوش کے مزے لینے لگا تو عنبر نے عدنان سے کہا۔

"تیار ہو جاؤ"۔

سب سے پہلے عنبر نے عدنان کی زنجیروں کو توڑا۔

اس کے بعد اس نے اپنی زنجیروں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا۔

پھر سلاخوں والے دروازے کے پاس آ کر اسے کچھ اس انداز سے دھکا دیا کہ وہ ٹوٹ کر دور جا پڑا۔

دونوں قید خانے سے باہر نکل آئے۔

بائیں جانب ایک اندھیرا سا رستہ اوپر کو چلا گیا تھا۔ اوپر ایک پتھر کا دروازہ تھا جس کی سیڑھی پر ایک موٹا تازہ پہرے دار سر توند پر جھکائے اونگھ رہا تھا۔ اس کی تلوار اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ عنبر

کے لیے یہ بڑا آسان شکار تھا۔ زندہ وہ اسے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

کیونکہ زندہ رہ کر یہ موٹا پہرے دار اس کے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا تھا۔ عنبر نے پہرے دار کے سر پر اس زور سے ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی تلوار گلے سے اتار کر عنبر نے عدنان کو دے دی۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ"۔

دونوں تہہ خانے سے باہر نکلنے کے لیے قلعے کی سیڑھیوں پر آ گئے۔ یہ سیڑھیاں اوپر قید خانے کے بڑے گیٹ پر چلی گئی تھیں۔

یہاں بھی ایک پہرے دار اونگھ رہا تھا۔ اسے ختم کر کے اس کی تلوار عنبر نے ہاتھ میں لے لی اور اب وہ قلعے کی اوپر والی منزل پر آ گئے۔

یہاں ایک برج تھا۔ اس برج سے سیڑھیاں نیچے باہر والے دروازے کو جاتی تھیں۔ اس برج پر چھ سات سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر نے عدنان سے کہا۔

''ہمیں اسی وقت ان پر حملہ کر دینا ہوگا۔ اگر دن نکل آیا تو یہاں سپاہیوں کی پوری فوج ہمارے مقابلے پر آ جائے گی، لیکن تم اپنی جگہ پر رہو، حملہ مجھے کرنے دو''۔

یہ کہہ کر عنبر تلوار لئے آگے بڑھا۔ ایک سپاہی نے عنبر کو دیکھا تو چیخ کر کہا۔

''قیدی بھاگ رہا ہے۔ پکڑ لو جانے نہ پائے''۔

عنبر تو بھاگ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ تو ان تمام سپاہیوں کو ختم کرنے آیا تھا۔ عنبر پر سارے کے سارے سپاہی ٹوٹ پڑے اور تلواروں کے پے در پے وار کر کے اپنی طرف سے اس کا قیمہ بنانا شروع کر دیا۔

لیکن عنبر کا قیمہ کہاں بن سکتا تھا۔ الٹا عنبر نے نیچے ہی نیچے سے دو سپاہیوں کی ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ دونوں سپاہی دھڑام سے گر پڑے۔

اب سپاہی پریشان ہو رہے تھے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ اس پر تلوار کی ضرب کوئی اثر نہیں کرتی بلکہ پتھر کی طرح ٹکرا کر اچھلتی ہوئی واپس آ جاتی ہے۔

ان پر دہشت سی طاری ہونے لگی عنبر نے اس کا بھی فائدہ اٹھایا اور دیکھتے دیکھتے دو اور سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔

اب عدنان بھی اڑ سے باہر نکل آیا اور اس نے بھی سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔

عنبر نے تلوار چلاتے ہوئے کہا۔

”عدنان تم کیوں باہر نکل آئے“۔

عدنان بولا۔

”فکر نہ کرو عنبر بھائی! میں بھی ایک آدھ کافر کو مار کر سرخرو ہونا چاہتا ہوں۔ یہ مجھے کچھ نہ کہہ سکیں گے“۔

عدنان بھی ایک ماہر تلوار باز تھا۔ تھوڑے سے مقابلے کے بعد ایک سپاہی اس نے ڈھیر کر دیا۔ ادھر ایک سپاہی اور مر گیا۔

باقی جو ایک رہ گیا، اس نے بھاگنا چاہا مگر عنبر کی تلوار نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔

”جلدی سے نیچے اترو عدنان!“

عدنان اور عنبر برج کی سیڑھیاں اتر کر قلعے کی فصیل کے دروازے پر آ گئے۔ دروازہ اندر سے بند

تھا۔ عنبر نے ٹھوکر ماری۔

دروازہ گر پڑا۔ دونوں قلعے سے باہر نکل آئے۔

بادشاہ چیلن کے خاص قیدیوں کا یوں تہہ خانے سے سپاہیوں کو ہلاک کر کے فرار ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

راتوں رات عدنان عنبر کو لے کر شہر سے باہر ایک باغ میں آ گیا۔ یہاں ایک پرانا مزار تھا۔ عدنان اس مزار کے تہہ خانے میں اتر کر بیٹھ گیا۔ عنبر بھی اس کے ساتھ تھا۔

عنبر نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ تلاش کرتے

کرتے ہاں تک نہیں آئیں گے؟ وہ ضرور یہاں آئیں گے اور ہمیں ایک بار پھر گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ مجھے تو صرف تمہاری فکر ہے۔ میرا تو وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے“۔

عدنان بولا۔

”یہ جگہ میرے خیال میں بڑی محفوظ ہے۔ یہاں ہم بیٹھ کر چیلن سے نکلنے کا کوئی منصوبہ تیار کر سکتے ہیں“۔

عنبر نے کہا۔

”اگر تم چیلن سے فرار ہونا چاہتے ہو تو ابھی بھاگ جاؤ، کیونکہ زیادہ دیر گزر جانے پر سپاہی تمہاری تلاش

میں چاروں طرف پھیل چکے ہوں گے۔ پھر تم یہاں سے نہ نکل سکو گے"۔

عدنان بولا۔

میں تمہیں لے کر جانا چاہتا ہوں۔ اس لیے یہ تو بھول جاؤ کہ میں اکیلا یہاں سے فرار ہوں گا۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ اگر بقول تمہارے یہاں خطرہ ہے تو ایک خفیہ جگہ میرے ذہن میں ہے۔

یہ میرا شہر ہے۔ میں یہاں پیدا ہوا ہوں بڑھا، پلا۔ میں اس کے تمام گلی کوچوں سے واقف ہوں۔

"وہ کونسی جگہ ہے؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

"میرے ساتھ آؤ"۔

عدنان عنبر کو لے کر مزار کے تہہ خانے سے باہر نکلا اور رات کے اندھیرے میں غرناطہ کے باغوں، کھیتوں اور مضافات سے گزرتا مسلمانوں کے ایک پرانے قبرستان کی چار دیواری کے پاس آ کر رک گیا۔

پرانی بوسیدہ چار دیواری انگور اور مہندی کے بیلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ دروازے پر بھی جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ عدنان عنبر کو لے کر قبرستان کے دروازے کی طرف بڑھا۔

عنبر کا کارنامہ

جھاڑیوں میں راستہ بنا کر دونوں قبرستان داخل ہو گئے۔ یہاں بڑی ہی پرانی قبریں تھیں۔ زمین پر سے اٹھ کر بیلیں ان قبروں پر چڑھ گئی تھیں۔

کئی کتبوں پہ لکھی ہوئی عربی کی عبارت ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں نظر آ رہی تھی۔ عدنان اپنے ساتھ عنبر کو لے کر قبرستان میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

سامنے ایک پرانی کوٹھڑی آ گئی۔

عدنان نے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے کسی نے دیا جلایا اور پھر دروازے کا ایک کیواڑ کھلا۔ ایک بوڑھا آدمی نمودار ہوا۔ عدنان نے جھک کر اسے سلام کیا۔

بوڑھے نے حیرانی سے کہا۔

"عدنان! بیٹا کیا یہ تم ہو؟"۔

"ہاں بابا! میں ہوں عدنان بن مہدوی"۔

"اندر آ جاؤ"۔

بوڑھے نے دروازہ بند کر دیا۔ عدنان نے بوڑھے سے عنبر کا تعارف کروایا کہ یہ میرا دوست ہے اور ہم دونوں قرطاجنہ سے غرناطہ کی چوری چھپے سیر کرنے آئے تھے مگر پکڑے گئے۔ اب بادشاہ کی قید سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔

"تم نے بڑی غلطی کی بیٹے کہ ادھر کا رخ کیا۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ زمین اب مسلمانوں کے

خون کی پیاسی ہو رہی ہے۔ اگرچہ میں عیسائی ہوں، لیکن دل سے مسلمانوں کو پیار کرتا ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہارے باپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ تمہارے ابا کیسے ہیں؟“۔

”غرناطہ کی یاد میں اور زیادہ بوڑھے ہو گئے“۔

خدا ان کی حفاظت کرے عدنان بیٹے! خدا کو یہی منظور تھا۔ یہ انقلاب تھا۔ شاید تاریخ کا سب سے بڑا خونی انقلاب، کاش! مسلمان آپس میں اتحاد سے رہتے حکمران میں پھوٹ پڑ گئی۔

وہ الگ الگ ہو گئے۔ وہ صوبوں میں بٹ گئے اور ایک صوبے کا مسلمان دوسرے صوبے کے مسلمان

سے نفرت کرنے لگا۔

عیسائیوں نے اس بے اتفاقی سے فائدہ اٹھایا اور سپین پر پھر سے قابض ہو گئے۔

”ہاں بابا! یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم آپس میں مل جل کر نہ رہ سکے اور تاریخ کا ایک عبرتناک باب بن گئے“۔

بوڑھے رحم دل عیسائی نے سرد آہ بھر کر کہا۔

بیٹا! مجھ سے جو بھی ہو سکے تمہارے لیے کروں گا۔ تم اگر چاہو تو ساری زندگی میری کوٹھڑی میں رہ سکتے ہو، لیکن سپاہی تلاش کرتے۔

یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ سوچتا ہوں پھر کیا

کر سکوں گا۔ تمہیں ان ظالموں سے نہ بچا سکوں گا۔ ہاں میں اپنی جان بھی تم پر قربان کر دوں گا۔

عدنان نے کہا۔

''نہیں بابا! میں یہ کبھی گوارا نہ کروں گا کہ آپ پر کوئی ہاتھ اٹھائے۔ آپ ہمیں صرف کوئی ایسا راستہ بتا دیں کہ جس پر چل کر ہم اس ملک سے باہر نکل جائیں، کیونکہ اس کی سرحدوں پر زبردست پہرہ ہے اور صبح تک تو یہ پہرے داری اور زیادہ شدید ہو جائے گی''۔

بوڑھا سوچ میں پڑ گیا۔

پھر بولا۔

''صبح ہونے دو۔ ابھی تم آرام کرو۔ صبح کچھ سوچ کر بتاؤں گا''۔

دوسرے روز سارے غرناطہ میں شور مچ گیا کہ شاہی قید خانے سے دو موت کی سزا کے مسلمان فرار ہو گئے ہیں۔ سارے ملک میں افراتفری سی مچ گئی۔ ہر کوئی ان دو مسلمان قیدیوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سپاہی جگہ جگہ چھاپے مارنے لگے۔ سرحدوں پر فوج نے گشت شروع کر دی۔ شہر کے سارے دروازوں پر بڑی سختی سے پڑتال شروع ہو گئی۔ کسی مسافر کو پوچھ گچھ کے بغیر شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔

یہ ساری خبریں قبرستان میں بوڑھے عیسائی کی کوٹھڑی میں بھی پہنچ گئیں۔ اور پھر اسی روز دوپہر کے بعد شاہی فوج کا ایک دستہ عنبر اور عدنان کو تلاش کرتے کرتے قبرستان کی چاردیواری کے پاس بھی پہنچ گیا۔

کمانڈر نے کہا۔

"اس قبرستان کے اندر کیا ہے؟"۔

"جناب ایک بوڑھے راہب کی کوٹھڑی ہے"۔

"وہاں بھی مفرور ملزموں کو تلاش کیا جائے"۔

فوراً گھوڑے قبرستان میں داخل ہو گئے۔

بوڑھے راہب کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے عنبر اور عدنان کو ایک پرانی قبر کے اندر چھپا دیا تھا۔

سپاہیوں نے آ کر کوٹھڑی کی تلاشی لی۔ جب کچھ نہ ملا تو شرمندہ ہو کر قبرستان سے باہر نکل آئے۔ ان کے جانے کے بعد بوڑھا راہب پرانی قبر کے پاس گیا اور عنبر نے عدنان سے کہا، باہر آ جاؤ دشمن جا چکے ہیں۔

دونوں قبر سے باہر نکل آئے۔ ابھی وہ کوٹھڑی میں جا کر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک دھڑاک سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے دو سپاہی تلواریں لیے کھڑے تھے

"بڈھے! آخر تو نے بادشاہ کے قیدیوں کو چھپا کر غداری کی، اب ان کے ساتھ تمہاری گردن بھی اڑائی جائے گی۔ چلو ہمارے ساتھ"۔

عنبر، عدنان اور بوڑھے نے پریشان ہو کر سپاہیوں کو دیکھا۔ عدنان عنبر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سیدھا کوٹھڑی سے نکلنے کے لیے آگے بڑھا۔

سپاہیوں اور بوڑھے کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ کوٹھڑی کے دروازے پر تلواریں لیے سپاہی کھڑے تھے۔

صرف عدنان جانتا تھا کہ عنبر کیا کرنے والا ہے۔

عنبر دروازے کے قریب گیا تو سپاہی نے اسے دھکا دے کر پیچھے گرانے کی کوشش کی۔

اسے اچانک یوں لگا کہ جیسے اس نے کھڑی ہوئی

کسی چٹان کو پیچھے گرانے کی کوشش کی ہو۔ عنبر کا جسم لوہے کا ہو گیا تھا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے سپاہی سے کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے بدنصیب سپاہی؟ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے تم مجھے اپنا نام بتا دو۔ اور تمہارے ساتھی کا کیا نام ہے؟“۔

سپاہی کو اس قسم کے سوال کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اس نے تلوار اٹھا کر کہا۔

”بدبخت! ابھی تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے گا“۔

یہ کہہ کر اس نے تلوار کا وار عنبر کے سر پر کرنا چاہا۔

عنبر نہ تو اپنی جگہ سے پیچھے ہٹا اور نہ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

بلکہ بڑے آرام سے ہاتھ اوپر اٹھایا اور تلوار کا وار ہتھیلی پر لیا۔ تلوار ہتھیلی پر پڑی تو ایسی آواز آئی جیسے وہ کسی لوہے سے ٹکرائی ہو۔ تلوار ذرا کند ہو گئی۔

عنبر نے تلوار پکڑ کر کھینچ لی تلوار سپاہی کے ہاتھ سے نکل کر عنبر کے ہاتھ میں آ گئی۔ لپک کر دوسرے سپاہی نے عنبر پر حملہ کیا۔

عنبر نے اسے دھکا دیا اور کوٹھڑی سے باہر لے گیا۔ اب وہ قبرستان میں قبروں کے پاس کھڑے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"بدنصیبو تمہارے ساتھ تمہارے کمانڈر نے بڑی دشمنی کی جو تمہیں مرنے کے لیے پیچھے چھوڑ گیا۔ اب تمہیں اسی قبرستان میں دبا دیا جائے گا۔ کیا تم اپنے گھر والوں سے آخری ملاقات کر آئے ہو؟"۔

سپاہی دم بخود سے ہو گئے تھے۔ سمجھ گئے تھے کہ ان کا پالا کسی بہت بڑی طاقتور شے سے ہے۔ پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور تیر کمان نکال لیے۔

عنبر نے عدنان سے کہا۔

"دیوار کی اوٹ میں ہو جاؤ"۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے لپک کر دونوں سپاہیوں کو ایک دوسرے سے ٹکرایا اور انہیں نیچے گرا دیا۔ نیچے گرتے ہی سپاہی اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

لیکن عنبر اس عرصے میں ایک سپاہی کے پیٹ میں اتنی زور سے تلوار گھونپ چکا تھا کہ اس کی نوک پیٹ سے نکل کر نیچے زمین میں دھنس گئی تھی۔

دوسرا سپاہی بھاگنے لگا۔ عنبر چھلانگ لگا کر اس پر گرا اور اسے بھی نیچے گرا دیا۔ ایک گھونسا سپاہی کی کنپٹی پر پڑا اور وہ الٹ کر اوندھے منہ ہو گیا۔

عنبر نے تلوار کا ایک وار کیا اور دوسرے سپاہی کی

بھی گردن اڑا دی۔ یہ سارا تماشہ دیکھ کر جس شخص پر سب سے زیادہ حیرت طاری تھی، وہ بوڑھا راہب تھا۔

اس کی عقل میں یہ بات نہ آ رہی تھی کہ ایک نوجوان میں اتنی طاقت بھی ہو سکتی ہے کہ اس پر تلوار کاٹ نہ کرے۔

عنبر نے کہا۔

”ان دونوں لاشوں کو کسی گڑھے میں دفن کر دو، کیوں کہ کماندار ان کی تلاش میں یہاں ضرور آئے گا۔“

بوڑھے نے ایک خفیہ غار بتایا۔ عنبر اور عدنان نے

مل کر دونوں لاشوں کو اس میں دبا دیا اور اوپر مٹی اور درختوں کی جھاڑیاں پتے ڈال دیئے۔ وہ کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

بوڑھا بولا۔

”یہ میں تم سے بعد میں پوچھوں گا کہ یہ طاقت تم کو کہاں سے ملی ہے بیٹے! لیکن اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ تم جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جاؤ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ محفوظ مقام کونسا ہو سکتا ہے؟“۔

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ قبرستان کے دروازے پر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔

بوڑھے کا خون خشک ہو گیا۔

”کم بخت وہ کمانڈر آ گیا“۔

کمانڈر جان بوجھ کر ان دو سپاہیوں کو پیچھے چھوڑ گیا تھا تاکہ وہ چھپ کر دیکھیں کہ بوڑھے نے ملزموں کو کسی جگہ چھپا تو نہیں دیا ہے۔

اب کمانڈر وہاں پتا کرنے آیا تھا کہ ملزم گرفتار ہوئے کہ نہیں۔ اس کے ساتھ تین سپاہی بھی تھے۔ عنبر نے دروازے کی درز سے انہیں اندر آتے دیکھا تو بوڑھے سے کہا۔

”بابا! میں ایک بات تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں۔ یہ لوگ اب تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

ہم اگر بھاگ بھی گئے تو یہ کمانڈر تمہیں گرفتار کر کے لے جائے گا، کیونکہ وہ خود اپنے دو سپاہیوں کو یہاں چھوڑ کر گیا تھا او دونوں اسی جگہ سے غائب ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے قتل کر دیے گئے ہیں۔ بس اس کے جرم میں تمہیں بھی وہ ہلاک کر دیں گے"۔

عدنان نے پوچھا۔

" تو پھر اس کا علاج کیا ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم بوڑھے بابا کو بھی اپنے ساتھ ہی لے چلیں؟"۔

عنبر بولا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس مقدمے کا

کوئی گواہ باقی نہیں چھوڑوں گا"۔

"کیا مطلب؟"۔

مطلب یہ ہے کہ میں ثبوت ہی غائب کر دوں گا۔ میں اس کمانڈر سمیت تینوں سپاہیوں کو موت کی نیند سلا دوں گا۔ تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ کمانڈر یہاں آیا تھا۔ ہمارے بابا کی صرف اسی صورت میں جان بچ سکتی ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

عدنان نے کہا۔

"عنبر! ایک بار اور سوچ لو"۔

"میں نے جو کچھ سوچا ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ اسی جگہ رہو اور تماشہ دیکھو"۔

یہ کہہ کر عنبر نے تلوار ہاتھ میں لی اور دروازہ کھول کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ کمانڈر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے سے اتر کر کوٹھڑی کی طرف چلا آ رہا تھا۔

اچانک تلوار ہاتھ میں لیے عنبر ان کے سامنے آ گیا۔ کمانڈر اور سپاہیوں نے جب ایک نوجوان کو تلوار لیے سامنے کھڑے دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔

"کون ہو تم؟"۔

"جس کو تم تلاش کر رہے ہو"۔

عنبر نے بڑے سکون سے کہا۔ کمانڈر کا منہ کھل گیا۔

"کیا بک رہے ہو۔ بولو تم کون ہو؟"۔

عنبر نے ایک قدم آگے بڑھ کر تلوار کی نوک کمانڈر کی ناک کے قریب لا کر کہا۔

"کہہ جو دیا کہ شاہی قلعے سے فرار ہونے والا ایک مسلمان ہوں، دوسرا مسلمان بھی اسی کوٹھڑی میں ہے کہو تو دکھا دوں؟"۔

کمانڈر نے تلوار کا ہاتھ مار کر عنبر کی تلوار پرے ہٹائی اور چیخ کر سپاہیوں کو حکم دیا۔

"انہیں قتل کر دو"۔

سپاہی آگے بڑھے۔ عنبر نے بڑے اطمینان سے ایک سپاہی کی تلوار کے وار کو اپنی گردن پر آنے دیا۔

تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔

عنبر نے اب اپنی تلوار کا ایک وار کیا اور سپاہی کی گردن اڑا دی۔ دوسرا سپاہی آگے بڑھا۔ عنبر نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔

تیسرا سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ڈر گئے بزدل!"۔

کمانڈر یہ سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے عدنان کو آواز دی۔

"عدنان! ذرا تم بھی باہر نکل کر دو دو ہاتھ دکھا دو، کہیں تمہیں حسرت نہ رہ جائے کہ تلوار چلانے کا

موقع نہیں ملا"۔

عدنان کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی تلوار تھی۔ وہ سپاہی کے ساتھ لڑنے لگا۔ تلوار بازی شروع ہو گئی۔

عنبر نے کمانڈر کو اپنے ساتھ الجھا لیا۔ عدنان بڑی مہارت سے تلوار چلا رہا تھا۔ وہ سپاہی کو دھکیلتے ہوئے ایک پرانی قبر کے چبوترے تک لے گیا۔

چبوترے پر سپاہی جھک گیا تھا۔ عدنان نے وار بچا کر تلوار سپاہی کے سینے میں اتار دی سپاہی چیخ مار کر گر پڑا۔

ادھر عنبر کمانڈر کے ساتھ تلوار بازی کم کر رہا

تھا۔ اور کھیل زیادہ رہا تھا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔

عنبر نے ابھی تک کمانڈر پر کوئی وار نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے وار اپنے پتھر جیسے جسم پر لے رہا تھا۔ کمانڈر عاجز آ گیا کہ یہ کس چٹان جیسے آدمی سے پالا پڑ گیا ہے۔

عنبر نے عدنان سے کہا۔

”عدنان بھائی! کمانڈر پر پیچھے سے حملہ مت کرنا۔ یہ میرا شکار ہے۔ اسے میں گراؤں گا۔ ذرا یہ اپنے دل کی حسرت نکال لے“۔

پھر کمانڈر سے مخاطب ہو کر ہنس کر بولا۔

بدنصیب! اپنے دل کی بھڑاس پوری کر لے۔ یہ نہ کہنا کہ تم نے مجھ پر کوئی وار نہیں کیا تھا۔ کاش تم میرے مقابلے پر نہ آتے۔

تم اسی دن کے لیے کمانڈر بنے تھے کہ ایک روز اس پرانے قبرستان میں میرے ہاتھوں قتل ہو کر گرو؟۔ بس اب تمہارا وقت آن پہنچا ہے۔

اتنا کہہ کر عنبر نے تلوار اٹھائی اور کمانڈر کے سینے میں اتار دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار اس کے سینے میں ہی رہنے دی۔

کمانڈر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے پیچھے کو گر پڑا۔

اس کا گھوڑا ہنہنایا۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں گھوڑوں کی ضرورت پڑے گی۔ عنبر! انہیں قبرستان میں کسی جگہ چھپا دو"۔

اب بوڑھا راہب بھی کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ کمانڈر آخری دموں پر تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے عنبر کو اپنے پاس بلایا۔ عنبر اس کے قریب جا کر جھک گیا۔

"کیا تم زندگی کا آخری پیام دینا چاہتے ہو۔ مگر افسوس ہم تمہارا پیغام کسی کو نہ پہنچا سکیں گے۔"

کمانڈر نے اکھڑے سانسوں کے ساتھ کہا۔

"کیا تم کوئی آسمانی دیوتا ہو؟"۔

"ہاں! میں دیوتا ہوں۔ تمہارے لیے دیوتا ہوں۔ موت کا دیوتا"۔

کمانڈر کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔ آخر ایک ہچکی آئی اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ اس کے بعد انہوں نے سپاہیوں اور کمانڈر کی لاشوں کو بھی قبرستان کے پرانے گڑھے میں جا کر دفن کر دیا۔

چار گھوڑوں میں سے دو گھوڑوں کو مار ڈالا اور انہیں بھی گڑھے میں دبا دیا۔ دو گھوڑے ایک پوشیدہ جگہ پر باندھ دیے گئے۔

بوڑھا حیران سا ہو رہا تھا۔ اس نے زندگی میں بھی ایک ہی دن میں اپنے قبرستان میں اتنے لوگوں اور

پھر گھوڑوں کو قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ بوڑھے نے انہیں پادریوں کا نیا لباس پہننے کو دیا۔

لباس پہن لینے کے بعد وہ عیسائی پادری لگ رہے تھے۔ انہوں نے شام کا کھانا قبرستان کی کوٹھڑی میں کھایا۔

بوڑھے نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"۔

عنبر نے کہا

"ہم رات کو یہاں سے نکل جائیں گے۔ آپ

ہماری رہنمائی کریں کہ کس طرف جائیں کہ آسانی سے سپین کی سرحد عبور کر سکیں"۔

عدنان بولا۔

"سب سے پہلا مرحلہ تو اس شہر کے دروازے میں سے گذرنے کا ہے"۔

بوڑھے نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ شہر کے دروازے میں سے میں خود جا کر تمہیں گذار دوں گا۔ ایک دربان میرا واقف ہے بلکہ میرا شاگرد ہے اور تمہاری شکلوں سے کوئی بھی پہریدار واقف نہیں"۔

"یہ ٹھیک ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اب سوال یہ ہے کہ اس شہر سے نکلنے کے بعد کس علاقے کا رخ کریں کہ آسانی سے ہسپانیہ کی سر زمین سے نکل کر بحیرہ روم پار کر کے شمالی افریقہ کے ساحل پر پہنچ جائیں"۔

بوڑھے نے کہا۔

تم لوگ ایسا کرو کہ غرناطہ سے نکل کر سیدھے جنوب مغرب کی سمت سفر کر دو۔ رات بھر اگر تم سفر کرتے رہو گے تو صبح ایک دریا کنارے پہنچ جاؤ گے۔ اس دریا کو پار کر جانا۔

دریا کے دوسرے کنارے تمہیں ایک گرجا نظر

آئے گا۔ میں تمہیں ایک خط دیتا ہوں۔ اس گرجا گھر کے راہب دانیال کو یہ خط دے دینا۔ آگے وہ تمہاری رہنمائی کرے گا۔

باتوں ہی باتوں میں رات ہو گئی۔ بوڑھے راہب نے عنبر کو ایک خط لکھ کر دیا جسے اس نے اپنے چغے کی جیب میں چھپا کر رکھ لیا۔

اب بوڑھا راہب ان دونوں کو لے کر قبرستان سے باہر نکلا۔ سارے شہر کی سڑکیں سنسان تھیں۔ رات گہری ہو رہی تھی۔

چوک میں پہرہ لگا تھا مگر ان تینوں پادریوں کو دیکھ کر سپاہی اور پہرے دار ادب سے ٹوپی اتار کر سلام

کرتے اور یہ سلام کا جواب دیتے آگے گزر جاتے۔

آخر وہ شہر کی پچھلی فصیل کے دروازے پر پہنچ گئے۔

یہاں بوڑھے راہب نے اپنے شاگرد دربان سے ملاقات کی۔

اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے کا خیر مقدم کیا۔

"استاد مکرم! آپ کدھر اس وقت۔ کیا کہیں دوسرے شہر سفر کا ارادہ ہے؟"۔

بوڑھے راہب نے اپنے دونوں ساتھیوں کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

یہ میرے مہمان ہیں قرطبہ سے آئے تھے۔ آج رات واپس جا رہے ہیں۔ انہیں شہر کے دروازے تک چھوڑنے آ گیا۔

سوچا کہ چلو اسی بہانے تم سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے مقدس باپ کہ آپ خود چل کر مجھ سے ملنے آئے ہے۔ کیا آپ مجھے مہمان نوازی کا موقع نہ دیں گے۔"

دربان کے اصرار پر بوڑھے نے کہا۔

"بات یہ ہے بیٹا کہ میرے مہمانوں کو جلدی ہے۔ ان کو رخصت کر کے پھر تمہارے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گا"۔

بوڑھا راہب سب سے پہلے عدنان سے گلے ملا

اور اس کے کان میں سرگوشی کی کہ اپنے باپ کو میرا سلام کہنا اور دشمنوں سے خبردار رہنا۔ پھر عنبر کو گلے لگایا اور اس کے کان میں کہا۔

”میرا خط راہب دانیال کو جاتے ہی دے دینا۔ یاد رکھنا صبح دریا پار کرو گے تم۔ دریا کنارے گرجا ہے“۔

پھر انہیں دعا دی۔ عنبر اور عدنان گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ بوڑھے راہب نے کچھ وقت اپنے نیک دل شاگرد کے پاس بسر کیا۔

پھر وہ بھی واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عنبر اور عدنان شہر سے نکلے تو گھوڑے آہستہ آہستہ چلا رہے تھے۔

جونہی ذرا دور ہوئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ دکھائی اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

ساری رات ان کے گھوڑے دوڑتے رہے۔

شاہی اصطبل کے گھوڑے تھے۔ عدنان اور منیر کو لے کر راتوں رات کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

عدنان ان راستوں سے باخبر تھا۔ وہ ایک کچی سڑک پر جا رہے تھے۔ اس سڑک کی دونوں جانب کہیں اونچی ٹیکریاں تھیں اور کہیں چٹیل میدان، جن میں گھاس اور خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

غرناطہ کے آسمان پر نیلے ستارے خوب چمک

رہے تھے۔ چاند آدھی رات کے بعد نکلا۔ اس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا تو یہ دونوں ایک ٹیلے پر پہنچ کر رک گئے۔

اس ٹیلے کی دوسری جانب ایک وادی تھی۔ منیر گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گیا۔ عدنان نے بھی گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا۔

”دریا کہاں ہے؟“۔

”اس وادی کے دوسرے کنارے پر۔ میرا خیال ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے“۔

وہ پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وادی میں سے گزرنے لگے۔ انہیں کھیتوں میں کسان لڑکیاں کام

کرتی نظر آئیں۔

کہیں کہیں کسان بھی ہل چلا رہے تھے۔ وادی ختم ہوئی تو سامنے دریا بہہ رہا تھا۔ یہی دریا انھیں پار کرنا تھا۔

وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ عدنان نے بتایا کہ کچھ دور جا کر ایک پل ہے۔ یہ پل لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور جہاں یہ پل بنا تھا، وہاں دریا کا پاٹ چھوٹا ہو گیا تھا اور دو ٹیلوں کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔

پل عبور کر کے اب انھیں اس گرجا کی تلاش تھی جس کے پادری کا نام دانیال تھا اور جس کو بوڑھے راہب کا خط پہنچانا تھا۔

عنبر اور عدنان نے بھی پادریوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ دریا کا دوسرا کنارا بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ کھیت ہرے بھرے تھے۔

درختوں کے جھنڈ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ ہر ایک شے سے اللہ کا نور ٹپک رہا تھا۔ ہر شے اللہ کی حمد کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

سنگتروں کے ایک باغ سے گزرتے ہوئے دو کسان نظر آئے۔ عنبر نے گھوڑے کو روک لیا۔ کسان نے دو پادریوں کو دیکھا تو جھک کر سلام کیا۔

عدنان نے پوچھا۔

”بیٹے یہاں گرجا کس طرف ہے؟“۔

کسان نے ادب سے کہا۔

''ان درختوں کے پیچھے ہے مقدس باپ''۔

عنبر اور عدنان شکریہ ادا کرکے درختوں کی طرف چل پڑے۔ درختوں کے جھنڈ کے عقب میں پہنچے تو وہاں ایک چھوٹا سا خوبصورت گرجا نظر آیا جس کی دیواروں پر سفید اور سرخ پھولوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

انہوں نے گھوڑوں سے اتر کر گرجے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد یک راہب نے دروازہ کھول کر دو پادریوں کو دیکھا اور جھک کر سلام کیا۔

''مقدس باپ! ہمیں فادر دانیال سے ملنا ہے''۔

''میں ہی فادر دانیال ہوں میرے بچو! آؤ۔ اندر آجاؤ''۔

فادر دانیال نے نوکر سے کہا کہ وہ گھوڑوں کو چارہ کھلائے اور پانی پلائے۔

عنبر اور عدنان اس کے ساتھ گرجے کے اندر چلے گئے۔ ایک حجرے میں جا کر دانیال نے انہیں کھانے کو دلیا اور روٹی دی۔

کھانے سے فارغ ہو کر عنبر نے اپنی چمڑے کی پیٹی میں سے خط نکال کر فادر دانیال کے حوالے کیا۔

دانیال نے خط لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور کہا۔

آپ جس شخص کا خط لائے ہیں، اسے میں اپنا مرشد مانتا ہوں۔ ویسے میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

ویسے میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہمارے مذہب میں ہر ایک سے محبت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔

میں آپ کی ہر طرح سے مدد کروں گا۔ آپ فی الحال دو ایک روز یہاں آرام کریں۔

عنبر اور عدنان بڑے خوش ہوئے۔

عدنان نے عنبر سے کہا۔

”بھائی! اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں تو قرطاجنہ

واپس جاؤں گا“۔

”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“۔

”میرا خیال ہے کہ میں ہسپانیہ سے نکل کر شام کی طرف سفر کروں گا۔ ملک شام میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ شاید مجھے اپنے بھائی کے بارے میں وہاں کچھ علم حاصل ہو سکے“۔

عدنان نے کہا۔

”تو پھر تم پہلے میرے ساتھ قرطاجنہ کیوں نہیں جاتے۔ وہاں سے تم شام کے کسی قافلے کیساتھ سفر کر کے شام پہنچ سکتے ہو“۔

دو روز بعد فادر دانیال نے انہیں کہا۔

"تمہارا سب انتظام کر دیا گیا ہے۔ کل رات تم یہاں سے ایک مذہبی قافلے کے ساتھ جاؤ جو زیارتوں کے لیے یروشلم جا رہا ہے"۔

عنبر نے فوراً پوچھا۔

"تو کیا یہ قافلہ شام بھی جائے گا؟"۔

"کیوں نہیں۔ شام کی سرحد تو یروشلم کے ساتھ ہی ہے"۔

عنبر خوش ہو کر بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے"۔

عنبر کا خیال تھا کہ شاید ناگ اور ماریا قرطاجنہ سے شام چلے گئے ہوں، کیونکہ ایک بار شام کے ایک شہر

دمشق میں ناگ اور عنبر کی ایک شخص سے دوستی ہو گئی تھی جس نے ناگ سے کہا تھا کہ ناگ کبھی قرطاجنہ کی جانب سے گذر ہو تو شام ضرور آنا۔

عنبر نے عدنان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ قافلے کے ساتھ قرطاجنہ تک جائے گا اور پھر وہاں سے شام کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

دوسرے روز رات کو دینی بزرگوں کا قافلہ گاؤں کے گرجے سے روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ بڑے سکون کے ساتھ ہسپانیہ کی سرزمین میں ایک ہفتے تک ٹھہر ٹھہر کر سفر کرتا چلا گیا۔

آٹھویں روز انہوں نے ایک مقام سے ہسپانیہ

کی سرحد عبور کر لی۔ یہاں ان کی رسمی سی تلاشی لی گئی اور انہیں سرحد سے گزر جانے دیا۔ انھوں نے سرحد پار کی اور سامنے سمندر آ گیا۔

یہاں سے وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر رات کے پہلے پہر طونس کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ قافلے نے اس گاؤں میں ایک رات قیام کیا۔

دوسرے روز پھر سفر جاری ہو گیا۔ آخر منزلیں طے کر کے انھوں نے اپنی منزل یعنی قرطاجنہ پہنچ کر دم لیا۔

یہاں عنبر کی ملاقات ایک بار پھر عدنان کے والد حکیم مہدوی سے ہوئی۔ وہ عنبر اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر

بہت خوش ہوا۔

جب اسے پتا چلا کہ عنبر اس کے بیٹے کی جان بچا کر وہاں تک لایا ہے تو اس نے خاص طور پر عنبر کو سینے سے لگا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

مہدوی نے پوچھا۔

”عنبر بیٹا! کیا تمہاری ملاقات تمہارے بھائی سے نہیں ہوئی؟“۔

”کیا ناگ یہاں آیا تھا؟“۔

”ہاں! وہ تمہاری تلاش میں ہسپانیہ کی طرف چلا گیا، کیونکہ میں نے اسے بتایا تھا کہ تم سپین گئے ہو“۔

اب عنبر کو افسوس ہوا کہ وہ غرناطہ سے کیوں واپس

ہوا مگر اب افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ اس نے چند روز قرطاجنہ میں قیام کیا اور پھر عدنان اور اس کے باپ سے اجازت لے کر ایک بار پھر چین کی طرف سفر شروع کر دیا۔

حالانکہ معلوم تھا کہ وہاں وہ کئی سپاہیوں اور ایک کمانڈر کو قتل کر کے بھاگا ہے، لیکن ناگ اور ماریا کی محبت اسے لیے جا رہی تھی اور اس کا جانا بھی ضروری تھا۔

وہی تکلیف دہ سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ پہلے اس نے صحرا میں ایک قافلے کیساتھ سفر کیا۔ اس کے بعد ایک جہاز میں سوار ہو کر ہسپانیہ کی سرزمین پر پہنچ گیا۔

وہ ابھی تک عیسائی پادریوں کے لباس میں تھا۔

اس نے ایک سرائے میں جا کر قیام کیا۔ دوسرے روز اس نے سرائے کے مالک کو ناگ کا حلیہ بتا کر پوچھا کہ کیا اس نے ایسی شکل وصورت کے مسافر کو دیکھا ہے؟

سرائے کے مالک نے کہا۔

”ہاں! مجھے یاد ہے۔ ایسی شکل کا نوجوان میری سرائے میں ضرور اترا تھا۔ کیا وہ یہودی حکیم تو نہیں تھا؟“۔

عنبر سمجھ گیا کہ ناگ نے اپنے آپ کو یہودی حکیم

ظاہر کیا ہوگا۔ جھٹ بولا۔

"ہاں وہ حکیم ہے۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرنے ہسپانیہ آیا ہے"۔

"تو پھر ایسا ہے کہ وہ نوجوان دو رات میری سرائے میں قیام کرنے کے بعد صقلیہ کی جانب چلا گیا تھا"۔

عنبر نے پوچھا کہ صقلیہ یہاں سے کتنی دور ہے اور کس علاقے کی طرف ہے؟۔

سرائے کے مالک نے بتایا۔

"صقلیہ یہاں سے ایک ہفتے کی مسافت پر ہے اور ہسپانیہ کے شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔ اگر تم وہاں جانا چاہتے ہو تو تمھیں اسی شہر کی شمالی کارواں سرائے سے ایک قافلہ ملے گا"۔

عنبر شہر کی شمالی سرائے میں آ کر ٹھہر گیا۔ معلوم ہوا کہ صقلیہ جانے والا قافلہ اگلی رات جانے والا ہے۔

عنبر نے قافلہ سالار سے مل کر اسے رقم ادا کر دی اور سفر کے لیے ایک گھوڑا ابھی خرید لیا۔

دوسرے روز یہ مختصر سا قافلہ شام ہوتے ہی صقلیہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

ناگ اور ماریا کے ساتھ کیا گزری؟

ذرا ان کی بھی خبر لیتے ہیں۔

دونوں بہن بھائی سرائے کی تلاش میں پھرتے

پھراتے شہر سے باہر ایک باغ کے کنارے آ گئے۔ یہاں ایک پرانی خانقاہ کی عمارت نظر آئی تو دونوں اس کے قریب آ کر اسے غور سے دیکھنے لگے۔ یہ کسی راہب کی بنائی ہوئی قدیم عمارت معلوم ہوتی تھی۔

اب شکستہ ہو گئی تھی۔ گنبد کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ دیواروں پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ خانقاہ کا دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اندر داخل ہونے لگے تو دیکھا کہ خانقاہ کے اندر اندھیرا ہے۔

ماریا نے کہا۔

''ہم ادھر کیا لینے آ گئے ہیں۔ بھلا اس خانقاہ میں ہمیں رات بسر کرنے کو کہاں جگہ ملے گی؟''۔

ناگ بولا۔

''میرا دل کہتا ہے کہ یہاں کسی بڑی پراسرار ہستی کا سایہ ہے''۔

''میں تو واپس جاتی ہوں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے یہاں پر''

ماریا زبردستی ناگ کو وہاں سے کھینچ کر واپس لے گئی۔ اس باغ کے قریب ہی انہیں ایک سرائے میں رات بسر کرنے کے لیے جگہ مل گئی۔

آدھی رات کو جانے ناگ کے دل میں کیا آئی کہ

اٹھ کر سرائے سے باہر آ گیا۔

ہر طرف موت کی سی خاموشی چھا ہوئی تھی۔ سارا قصبہ سو رہا تھا۔ کوٹھڑی سے ماریا کے ہلکے ہلکے خراٹے کی آواز آ رہی تھی۔

ناگ چپکے سے نکل کر اس باغ کی طرف چل پڑا جس کے اندر پرانی خانقاہ تھی۔ یہ پرانی خانقاہ کسی زمانے میں بت پرستوں کے ایک کاہن سادھن کا ٹھکانہ تھی۔

وہ اس خانقاہ میں رہ کر بارہ برس تک کالے جادو کی ریاضت کرتا رہا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اسے لوگوں نے اسی خانقاہ کے ایک تہہ خانے میں دفن کر دیا تھا۔

اس کی قبر خانقاہ کے نیچے تھی۔

اب بھی وہاں کے لوگوں میں یہ کہانی مشہور تھی کہ کبھی کبھی جب اندھیری راتوں میں ہر طرح خاموشی چھائی ہوتی ہے تو سادھن کی روح اس خانقاہ کے باغ کے چکر لگایا کرتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ادھر کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور یہ خانقاہ ویران پڑی تھی۔

ناگ کو اس طرف نہیں آنا چاہیے تھا لیکن اس کا شوق اسے کھینچ کر لے آیا تھا کہ دیکھیں اس آسیبی جگہ پر کونسا بھید ہے۔

خانقاہ کے اندر اندھیرا تھا۔ ناگ آگے بڑھا تو

اسے ایک سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی آتی نظر آئی۔ اس نے سوچا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟ معلوم کرنا چاہیے، چنانچہ اس نے سوراخ میں سے دوسری جانب دیکھا۔

کیا دیکھتا ہے کہ اندر دیوار کے ساتھ ایک مشعل جل رہی ہے اور نیچے سیڑھی جاتی ہے۔ اس کا دروازہ کدھر تھا؟

ناگ نے دیوار کو ٹھوکر ماری۔ ٹھوکر مارنا تھا کہ خانقاہ میں کسی جانور کی ڈراؤنی آواز گونجی اور اس کے ساتھ ہی دیوار اوپر اٹھ گئی۔

اس کے سامنے سیڑھیاں تھیں۔ ناگ

سیڑھیاں اتر گیا۔ ابھی وہ چوتھی سیڑھی پر تھا کہ اچانک اس کے پیچھے دیوار پھر سے اپنی اصل جگہ پر آ گئی اور واپس جانے کا راستہ بند ہو گیا۔

اس نے اوپر آ کر دیوار کو زور زور سے ہلانے کی کوشش کی۔ اسے ٹھوکریں بھی ماریں مگر دیوار تو جیسے پتھر بن چکی تھی۔

ناگ نے محسوس کیا کہ اس سے بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ خانقاہ میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔

دیوار پر ایک جانب تیل کا چراغ روشن تھا جس کی

دھیمی روشنی میں سے دیوار سے لگا الو کا سر نظر آیا۔ فرش کے بیچ میں ایک قبر بنی تھی جس پر ایک چوڑی سل پڑی تھی۔

ناگ پریشان ہو کر وہاں سے فرار ہونے کی راہ تلاش کرنے لگا، لیکن وہاں تو ایک سوراخ تک نہیں تھا۔

جس سوراخ میں سے اس نے روشنی دیکھی تھی، اب وہ بھی بند ہو چکا تھا۔ تھک ہار کر ناگ قبر کے سامنے زمین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اسے ماریہ کا خیال آیا کہ جب وہ بیدار ہو گی اور اسے معلوم ہو گا کہ میں غائب ہوں تو وہ کس قدر

پریشان ہو گی۔

وہ ضرور مجھے تلاش کرے گی۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں اس خانقاہ کے تہ خانے میں کسی نہ معلوم قوت کی وجہ سے قید کر دیا گیا ہوں۔

یہاں سے تو ساری زندگی مجھے رہائی نہیں مل سکتی اور نہ کوئی میری آواز ہی سن سکتا ہے۔ خدا جانے یہ کس بھوت کی رہائش گاہ ہے، ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔

باہر آسمان پر ستاروں نے جھلملانا شروع کر دیا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ کیوں نہ وہ سانپ بن کر کسی سوراخ کو تلاش کرے۔

شاید اسے سانپ کی شکل میں کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے وہ رینگ کر وہ اس موت کی خانقاہ سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

ناگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ سانس روک کر ہلکی سی پھنکار ماری اور دوسرے لمحے وہ سبز رنگ کا چھوٹا سا سانپ بن کر زمین پر رینگ رہا تھا۔

اس چھوٹے سے کمرے میں اس نے رینگ کر سارے کونے کھدرے، دیواریں اور چھت کو دیکھ ڈالا تھا۔

قبر کے چبوترے کے ساتھ ساتھ بھی دیکھا لیکن

وہاں تو کسی جگہ کوئی چھوٹا سا سوراخ بھی نہیں تھا۔ پھر یہ دیا کس نے جلا رکھا تھا؟

ظاہر ہے کوئی شخص یہاں آیا ہے جس نے دیا جلایا۔ پھر دیوار کس نے اس کے پیچھے گرائی تھی؟ ضرور کوئی یہاں رہتا ہے۔

خواہ وہ انسان ہو یا جن یا کوئی چڑیل۔ ناگ ان سب کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

اچانک اس نے دیکھا کہ ایک جگہ سے دیوار میں شگاف نمودار ہوا۔ ناگ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لپک کر اس شگاف سے باہر ہو گیا۔

باہر خانقاہ کی دیوار کی جھاڑیاں تھیں، وہ جھاڑیوں

میں بڑی تیزی سے رینگتا ہوا باغ سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی وہ انسان کی شکل میں آ کر سیدھا اپنی سرائے کی طرف بھاگا۔

ماریا جاگ رہی تھی اور پریشان تھی کہ ناگ کہاں چلا گیا؟ ناگ نے ماریا کو سارا واقعہ سنایا تو وہ ہنس پڑی۔

"معلوم ہوتا ہے، اب تم وہم بھی کرنے لگے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دیوار بند ہو جائے اور پھر اس میں خود بخود شگاف پڑ جائے؟ ضرور تم نے چلتے پھرتے کوئی خواب دیکھا ہے"۔

رات انہی باتوں میں گذر گئی۔ دن چڑھ آیا۔

ناگ ماریا کو لے کر اس خانقاہ میں گیا۔ کوٹھڑی میں وہی ویرانی تھی۔ چھت سے جالے لٹک رہے تھے اور وہاں دیوار میں کوئی سوراخ ایسا نہ تھا جہاں سے روشنی نکل رہی ہو۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"دیکھا! میں نہ کہتی تھی کہ تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہے۔ اب بتاؤ وہ سوراخ کہاں ہے جس میں سے تم نے مشعل جلتی دیکھی تھی۔ چلو اب واپس چلتے ہیں اور عنبر کی تلاش میں اگلے شہر کو روانہ ہوتے ہیں"۔

وہ سرائے میں آئے تو معلوم ہوا کہ اگلے شہر کو جانے والا قافلہ دو روز کے بعد روانہ ہو گا۔ اس کا

مطلب یہ تھا کہ ابھی انہیں مزید دو روز وہاں ٹھہرنا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"ناگ! ہم کہیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں تو نہیں مار رہے؟ مطلب ہے، کیا ہم عنبر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے؟"۔

ناگ بولا۔

"ظاہر ہے، حکیم مہدوی نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ عنبر اس سے مل کر ہسپانیہ کی جانب گیا تھا۔ وہ اسی ملک میں ہوگا اور ہم اسے ایک نہ ایک دن ضرور تلاش کر لیں گے"۔

اسی روز شام کو بھی گرمی تھی۔ فضا میں حبس تھا اور

ہوا بھی بند تھی۔ ناگ کسی کام سے شہر گیا ہوا تھا۔ سرائے میں ماریا اکیلی بیٹھی تھی۔

اسے گرمی لگی اور وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ شہر میں بھی حبس تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اس پرانے باغ کی جانب آ گئی جہاں آسیبی خانقاہ تھی۔

یہاں کچھ خنکی تھی اور پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا کو یاد ہی نہ رہا کہ یہ جگہ آسیب زدہ ہے اور اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

وہ یہ بھی بھول گئی کہ ابھی کل رات ناگ کو یہاں ایک حادثہ پیش آ چکا ہے۔ اس پر جیسے کسی نے جادو کر دیا تھا اور وہ سیدھی باغ میں سے گزر کر خانقاہ کے اندر

چلی گئی۔

اندھیرے میں اسے ایک سوراخ دکھائی دیا جس کے اندر سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی ماریا نے بے اختیار جا کر اس کے ساتھ آنکھ لگا دی ایک دم سے دیوار اٹھ گئی۔

نیچے سیڑھیاں تھیں۔ سامنے دیوار پر مشعل جل رہی تھی۔ ماریا سیڑھیاں اترنے لگی۔ پیچھے دیوار اپنے آپ گر گئی۔ واپس جانے کا راستہ بند ہو گیا۔

ماریا کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو ناگ کے ساتھ ہوا تھا۔ تہہ خانے میں پہنچ کر اس نے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی دیکھی۔ دیوار میں دیا جل رہا تھا۔

درمیان میں فرش پر جادوگر سادھن کی قبر تھی۔ یہ قبر ہزار سال پرانی تھی۔ اس کے اوپر پتھر کی ایک سل پڑی تھی۔ ماریا نے پتھر کی سل کو جھک کر دیکھا یکلخت وہاں کسی جانور کی تیز چیخ بلند ہوئی جو الو سے ملتی جلتی تھی۔

ماریا ڈر کر پیچھے ہٹی۔ اب اسے ہوش آیا کہ وہ خطرے میں پھنس گئی ہے۔ بھاگی واپس مگر سیڑھیوں کے اوپر دیوار بند تھی۔

باہر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہاں وہاں ٹکریں مارنے لگی۔ آوازیں دینے لگی۔ سارا کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کسی جادو کے اثر سے وہاں تک آ گئی

تھی اور اب کسی کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی تھی۔

کوٹھڑی میں آ کر قبر کے ارد گرد چکر لگا کر دیواروں کو ٹٹولنے لگی کہ شاید وہاں سے فرار کا کوئی راستہ نکل آئے۔ دیواریں سخت پتھر کی تھیں۔

دیے کی روشنی میں بڑا بھیانک منظر پیش کر رہی تھیں۔ تھک ہار کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی۔

ناگ شہر سے واپس آ کر اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کرے گا؟

اس کا کیا حال ہوگا؟ شاید وہ اس خانقاہ کی طرف

آ جائے اور اسے کسی طرح باہر نکال دے۔ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی۔

اب کیا ہوا کہ اسے محسوس ہوا کہ قبر کی سل اپنی جگہ سے کھسک رہی ہے۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی فرش پر چکی کا پاٹ گھسیٹ رہا ہو۔

ماریا چوکنی ہو کر بیٹھ گئی۔ ایک خیال اسے حوصلہ دے رہا تھا کہ جو کوئی بھی آسیب یا جن ظاہر ہوگا، وہ شاید اسے نہ دیکھ سکے گا اور وہ بچ جائے گی۔

آہ یہ اس کا وہم تھا۔ قبر کی سل پرے ہٹ گئی اور پھر اس میں سے ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ ہاتھ باہر نکلا۔

پھر دوسرا ہاتھ باہر نکلا۔

دونوں ہڈیوں والے ہاتھوں نے قبر کے کنارے پکڑ لیے اور پھر ایک کھوپڑی نمودار ہوئی۔

اس کھوپڑی میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جس میں سے روشنی نکل رہی تھی۔ ماریا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وہ ڈر کر دوسرے کونے کی طرف بھاگ گئی۔

پھر قبر میں سے مردے کا ہاتھ باہر نکلا اور وہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ اتنا لمبا کہ جہاں ماریا کھڑی تھی۔ وہاں پہنچ گیا۔ وہ بھاگ کر دوسری طرف چلی گئی۔

ہڈیوں والا ہاتھ وہاں پہنچ گیا۔ کھوپڑی کی روشن آنکھیں جیسے ماریا کو گھور رہی تھیں۔ آخر مردے کے

ہاتھ نے ماریا کو بازو سے پکڑ لیا۔ ماریا چیخ مار کر بھاگی لیکن اسے ایسا لگا جیسے مردے کے ہاتھ کی ہڈیوں نے اسے شکنجے کی طرح جکڑ لیا ہے۔ وہ وہیں جم کر رہ گئی۔

کھوپڑی نے ایک قہقہہ لگایا اور آواز آئی۔

میں تمہیں دیکھ رہا ہوں ماریا! میرا نام سامادھن جادوگر ہے۔ میں ایک ہزار سال سے اس قبر میں پڑا تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

کل تمہارا بھائی یہاں آ گیا تھا۔ اسے میں نے کچھ نہیں کہا۔ اسے باہر نکلنے کا موقع دیا۔ وہ بھاگ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تم سے یہاں کا ذکر کرے گا اور تم ضرور آؤ گی۔

دیوتا آتش کی قسم! میری خواہش ایک ہزار سال بعد پوری ہوئی۔ اب تم میرے قبضے میں ہو اور میں تم سے دوبارہ زندگی حاصل کروں گا۔

ماریا کا رنگ اڑ گیا تھا اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مردے نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور قبر سے باہر نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ سر سے پاؤں تک ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں جو لکھڑا رہی تھیں اور دیئے کی روشنی میں ان کا سایہ دیوار پر بھیانک منظر پیش کر رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

”سادھن! مجھے معاف کر دو اور اپنے بھائی کے

پاس جانے دو۔۔ وہ میرے بعد پریشان ہوگا“۔

ہڈیوں کا ڈھانچہ لرزا۔ کھوپڑی نے قہقہہ لگایا اور بولی۔

”میں جانتا ہوں، وہ ایک سانپ تھا جو ایک ہزار سال زندہ رہنے کے بعد آدمی کی شکل میں ظاہر ہو گیا ہے اور وہ جو چاہے شکل اختیار کر سکتا ہے مگر اب اسے تمہارے بغیر ہی رہنا ہوگا۔ میں تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا“۔

ماریا بولی۔

”ناگ کو پتا چل گیا تو وہ یہاں آ کر تمہیں پھر سے ہلاک کر دے گا“۔

سماد حسن نے کہا۔

”احمق عورت! وہ ایک مرے ہوئے کو کیا مار سکے گا۔ اور اب وہ اس خانقاہ کے تہہ خانے میں کبھی داخل نہیں ہو سکے گا“۔

ماریا نے کہا۔

”تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے“۔

سماد حسن بولا۔

”میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ صرف تمہیں سات سمندر پار ایک نئی دنیا میں لے جاؤں گا۔ وہاں ایک جھیل کے بیچ میں ایک پرانا قلعہ ہے۔ تم اس قلعے کے تہہ خانے میں زندگی کے باقی دن سو کر بسر کرو گی“۔

”سو کر بسر کروں گی!“

ماریا نے دہشت سے چیخ کر کہا۔

ہاں! کیونکہ جب تک میں زندہ رہوں گا تو سوئی رہو گی۔ میں تم سے زندگی حاصل کروں گا۔ میں تمہیں مار بھی سکتا تھا مگر ایسا نہیں کروں گا۔

مجھے اس دنیا میں ایک بہت بڑا کام کرنا ہو گا جو میری زندگی میں ادھورا رہ گیا تھا اور دیوتاؤں نے مجھے ہلاک کر کے اس تہہ خانے میں پھینک دیا تھا اور کہا تھا کہ ایک ہزار سال تک تم اسی قبر میں پڑے رہو گے۔

یہاں تک کہ ایک ایسی عورت تمہاری قبر پر آئے گی جو سب کو دیکھ سکے گی مگر جسے کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ تم

اس عورت کے سر کے بال کاٹ کر دریا میں پھینک دو گے، اس کے ساتھ ہی تم پھر سے جیتے جاگتے انسان بن جاؤ گے۔

ہاں وہ عورت بے ہوش ہو جائے گی اور جب تک اس کے سر کے بال پھر سے اگ کر لمبے نہیں ہوں گے، وہ بے ہوش رہے گی۔

تمہیں پھر آ کر اس کے سر کے بال کاٹ دینے ہوں گے۔ نہیں تو وہ بیدار ہو جائے اور اس کے جاگتے ہی تم مر جاؤ گے اور پھر سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاؤ گے۔

ہاہاہا! دیوتاؤں کا کہنا درست ثابت ہوا۔ ایک ہزار سال کے بعد تم میرے پاس آ گئیں۔ اب میں تمہیں سات-متدر پارتی دنیا کی جھیل کے قلعے میں لے جاؤں گا۔

جہاں میں تمہارے بال کاٹ کر پھر سے جیتا جاگتا انسان بن کر اس دنیا میں واپس آ جاؤں گا۔

ماریا اس خوفناک جادوگر سماوجن کی لاش کی باتیں سن کر سہم گئی تھی۔ کوئی فرار کا راستہ نہیں تھا۔ اس نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔

پھر بھی ماریا نے آگے بڑھ کر زور سے ہڈیوں کے ڈھانچہ کو ٹکر ماری۔ ڈھانچے کو کچھ بھی نہ ہوا۔ سماوجن کے ڈھانچے نے ماریا کو دونوں بازوؤں کی

ہڈیوں میں جکڑ لیا اور پھر جیسے ماریا پر غشی طاری ہو گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ سات سمندر پار نئی دنیا کی جھیل والے قلعے کے تہہ خانے میں تھی۔ اس کی چھت اونچی تھی اور فرش پر تخت بچھا تھا جس کے قالین پر ماریا لیٹی تھی۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہ سکی۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ اس کے سرہانے کی طرف بیٹھا اس کے بال کاٹ رہا تھا

ماریا کو کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ بدبخت اس کے سارے بال کاٹ ڈالے گا اور

جب بال پھر سے اگ کر لمبے نہیں ہوں گے، وہ اس تہہ خانے کے تخت پر بے ہوش پڑی رہے گی۔

ماریا نے کئی بار ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی مگر اس پر گویا جادو کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہل سکتی تھی۔ جادوگر کی کھوپڑی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

تم میرے سب سے زیادہ خطرناک جادوگر کی گرفت میں ہو۔ میں تمہیں ہسپانیہ کی قدیم خانقاہ سے اڑا کر ایک پل میں یہاں لے آیا ہوں۔

میں نے تمہارے آدھے بال کاٹ لئے ہیں۔ جب پورے بال کٹ جائیں گے تو تم بے ہوش ہو جاؤ گی اور اس وقت تک بے ہوش رہو گی جب تک

کہ تمہارے بال دوبارہ اگ کر پھر سے لمبے نہیں ہو جاتے۔

لیکن اس سے پہلے کہ تمہارے بال لمبے ہوں، میں پھر آؤں گا اور تمہارے بال کاٹ کر تمہیں بے ہوش کر جاؤں گا۔ اب میری زندگی تمہارے بالوں میں ہوگی۔

میں جب تک تمہارے بال کاٹتا رہوں گا، زندہ رہوں گا۔

ماریا نے بولنا چاہا مگر اس کے ہونٹ جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہل سکے۔ جوں جوں ہاں کٹتے جا رہے تھے، اس کی بے ہوشی زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔

آخر سمادھن ماریا کے سارے بال کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ جونہی سارے بال ماریا کے سر سے الگ ہوئے جادوگر سمادھن ہڈیوں کے ڈھانچے سے ایک دم سے جیتا جاگتا گوشت پوست کا انسان بن گیا۔

وہ نیلے رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ سر پر پگڑی تھی اور سیاہ رنگ کی بھاری بھاری ڈاڑھی، گول گول بارعب چہرے پر بڑی سج رہی تھی۔

سمادھن نے ماریا کے بالوں کا گچھا جیب میں رکھا۔ بے ہوش ماریا پر ایک نیلے رنگ کی چادر

ڈالی اور تہہ خانے سے نکل کر اوپر قلعے میں آ گیا۔ قلعے کے دروازے سے باہر آ کر اس نے نئی دنیا کے نیلے خوبصورت آسمان تلے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔

دنیا کو ایک ہزار سال بعد دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ رونق آ گئی۔ دنیا کتنی حسین تھی۔ اس نے ماریا کے بالوں کا گچھا جھیل میں پھینک دیا۔

قلعے کے پچھواڑے آ کر ایک پرانی سے کشتی میں بیٹھ کر جھیل پار کی اور جنگل میں غائب ہو گیا۔ یہ جنگل جادوگر سامدھن کو ایک کچی سڑک پر لے آیا جو دو

پہاڑوں کے بیچ میں سے گزر رہی تھی۔

یہاں وہ دور تک پیدل چلتا گیا۔ پھر اس نے دور سے دھول اڑتی دیکھی۔ اس نے زمانے میں نئی دنیا یعنی آج کا امریکہ دریافت ہوئے پچاس ساٹھ سال بیت چکے تھے اور اسے عربوں نے دریافت کیا تھا۔ یہ نئی دنیا جہاں جادوگر سامدھن کا قلعہ تھا، عرب مسلمانوں کا دریافت کیا ہوا امریکہ ہی تھا مگر آج سے پانچ چھ سو برس پہلے کا امریکہ۔ جب وہاں ابھی تہذیب اپنے پہلے پہلے دور میں تھی اور ریڈ انڈین باہر سے آنے والوں کو ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ سامدھن نے دیکھا کہ چند گھوڑ سوار اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

یہ سارا واقعہ ایک آدھ گھنٹے میں ہی ہو گیا۔

یعنی ماریا کا سرائے سے نکل کر پرانی خانقاہ والے باغ میں جانا۔ پھر جادو کے اثر سے تہہ خانے میں اتر کر سادھن کے قبضے میں آ جانا۔

سادھن کا اسے ہسپانیہ سے لے کر نئی دنیا میں پہنچ کر قلعے میں بند کرنا۔ اس کے بال کاٹ کر پھر سے زندہ ہو جانا اور ماریا کو تہہ خانے میں بے ہوش کر کے اس پر نیلی چادر ڈال کر قلعے سے باہر جانا۔

یہ سب کچھ آدھ گھنٹے کے اندر اندر ہو گیا تھا، چنانچہ جب ناگ نے شہر سے واپس آ کر دیکھا کہ ماریا غائب ہے تو وہ پریشان ہو گیا۔

اس نے سرائے کی کوٹھڑی میں اسے آوازیں دے دے کر بلایا۔ پھر سرائے سے باہر نکل کر ادھر ادھر تلاش کیا۔

سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ماریا ناگ کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ وہ اسے آوازیں ہی دے سکتا تھا یا ماریا خود اس کو دیکھ کر آ جائے۔

پرانے باغ میں جا کر بھی ناگ نے ماریا کو پکارا کہ شاید وہ ادھر نہ آ گئی ہو۔ پرانی خانقاہ میں بھی وہ

گیا۔

وہاں بھی ماریا کہیں نہیں تھی۔ ناگ پریشانی کی حالت میں سرائے میں واپس آیا اور سوچنے لگا، اسے کہاں تلاش کیا جائے! عنبر پہلے جدا ہو گیا تھا۔ اب ماریا بھی گم ہو گئی اتنا اسے معلوم تھا کہ ماریا جہاں بھی ہو گی، اپنی حفاظت کر سکے گی، لیکن وہ کسی مصیبت میں بھی پھنس سکتی تھی۔

شام تک عنبر شہر میں ادھر ادھر گھومتا پھرتا۔ اب وہ کہاں جائے؟ کدھر جائے؟ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟۔

یہی سوال تھے جو اس کے سامنے تھے اور جن کا

اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے سوچا، کیوں نہ غرطانہ کی طرف چلا جائے؟

ہو سکتا ہے، وہاں سے ماریا کا کوئی سراغ مل سکے، کیونکہ وہ بڑا شہر تھا۔ ناگ نے عیسائی سوداگروں کا لباس بدلا۔

ایک گھوڑا خریدا اور ایک قافلے کے ساتھ شامل ہو کر غرناطہ کی طرف چل دیا۔

ٹھیک اس وقت عنبر بھی صقلیہ پہنچ چکا تھا۔

یہاں اسے ایک اور خطرہ بھی تھا کہ یہاں سے وہ غرناطہ کے بادشاہ کے سپاہیوں بلکہ ایک کمانڈر کو بھی ہلاک کر کے فرار ہو گیا تھا۔

اگر کسی نے اسے پہچان لیا تو وہ اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیں گے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ اسے قتل نہ کر سکیں گے مگر جیل میں ڈال کر اس کا قیمتی وقت ضائع کر دیں گے اور پھر ناگ اور ماریا کو تلاش نہ کر سکے گا۔ صقلیہ میں اس کا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ اسے اگر ڈر تھا تو صرف ڈان کارلو کا تھا، کیونکہ وہ شخص عنبر کو بڑی اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔

اسی نے اسے پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کیا تھا اور عدنان کے ساتھ اسے بھی پھانسی کی سزا دلوائی تھی۔ پھر یہ سوچ کر عنبر بے فکر ہو گیا کہ وہ کم بخت غرناطہ سے اتنی دور صقلیہ میں کیا کرنے آئے گا۔

عنبر نے مختلف سراؤں میں ناگ اور ماریا کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جہاں جہاں کوئی قافلہ سفر کے لیے تیار تھا یا سفر کر کے ابھی آیا تھا۔ عنبر بھی وہاں گیا۔

ایک ایک مسافر کو غور سے دیکھا کہ شاید ان میں کہیں ناگ بھی ہو۔ اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر رات ہو گئی۔

شہر میں چراغ روشن ہو گئے۔ عنبر نے سوچا کہ سرائے میں چل کر رات بسر کرنی چاہیے اور پھر دوسرے دن شہر سے باہر دیہات میں ناگ کو تلاش کرنے کی مہم شروع کرنی چاہیے۔

وہ سرائے میں آ گیا۔ یہ کوئی بڑی پرانی سرائے تھی جس کے اونچے خراب دروازے کو پھولوں کی بیل نے ڈھانپ رکھا تھا۔

دونوں جانب ایک ایک مشعل روشن تھی۔ عنبر اس سرائے میں اتر گیا۔ ابھی وہ اپنے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ اسے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

باہر سے آواز آئی

"بیٹا دروازہ کھولو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں"۔

اس وقت یہ کون بزرگ تشریف لے آئے؟ عنبر نے سوچا اور اٹھ کر کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک لمبی سفید ڈاڑھی والا شخص تھا۔

جس کے چہرے پر چمک تھی اور سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ اس کے گلے میں صلیب لٹک رہی تھی۔

وہ مسکرا دیا اور بولا۔

"تمہارا نام عنبر ہے نا؟"۔

"جی ہاں"۔ عنبر نے حیرانی سے کہا۔

"آپ کو میرے نام کا کیسے علم ہوا؟ میں نے تو آپ کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ یہ ساری باتیں میں اندر آ کر تمہیں بتاؤں گا"۔

"تشریف لائیے"۔

عیسائی بزرگ کوٹھڑی میں آ کر قالین پر بیٹھ گیا اور جیب سے تسبیح نکال کر بولا۔

بیٹا میں ایک پرہیزگار عابد انسان ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ میں علم نجوم بھی جانتا ہوں۔

میں اس شہر کی سب سے پرانی خانقاہ میں رہتا ہوں۔ میں نے اپنے علم کے زور سے تمہارا نام معلوم کر لیا تھا اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ تم وہ شخص ہو

جس پر کسی دعا یا بد دعا کی وجہ سے موت کو حرام کر دیا گیا ہے اور تم ہزاروں سال سے زندہ ہو۔

عنبر تو دنگ رہ گیا۔ بزرگ ایک ایک بات صحیح بیان کر رہے تھے۔ اس نے بزرگ کا ہاتھ لے کر چوم لیا۔

بزرگ نے کہا۔

"بیٹا! ہاتھ تو تمہارے چومنے چاہئیں کہ تم نے ہمارے بزرگوں کے بزرگوں اور ہمارے آقا اور پیارے نبی یسوع مسیح السلام کا زمانہ دیکھا ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے، ان کی بھی زیارت کی ہو"۔

اور اس کے ساتھ ہی بزرگ نے عنبر کا ہاتھ اپنے

ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

عنبر نے کہا۔

محترم بزرگ! میں اسے اپنی بدنصیبی سمجھتا ہوں کہ مجھے حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی زیارت نصیب نہ ہو سکی، لیکن میں نے ان کے قریب رہنے والے خوش نصیب حواریوں کی زیارت ضرور کی ہے۔

ان کے چہروں پر خدا کا نور تھا اور وہ زمین پر خوشبو اور بادل بن کر چلتے تھے اور دوسروں کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔

”خدا تمہارا ایمان سلامت رکھے بیٹا! یہ میری زندگی کا خوش قسمت ترین دن ہے کہ مجھے تمہاری

زیارت نصیب ہوئی“۔

عنبر نے کہا

محترم بزرگ! اگر آپ کو میرے بارے میں اتنا کچھ معلوم ہو گیا ہے تو ضرور یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کی تلاش میں ہوں۔

کیا آپ اپنے علم کے زور سے بتا سکتے ہیں کہ وہ دونوں اس وقت کہاں ہیں؟۔

بزرگ نے کہا۔

”میرے عزیز! غیب کا علم صرف خداوند تعالیٰ ہی کو ہے کوئی انسان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہاں اللہ

کے دیئے ہوئے علم کی مدد سے کچھ اندازہ ضرور لگا سکتا ہے اور وہ اندازہ میں لگا کر تمہیں بتا سکتا ہوں۔"

"ضرور اندازہ لگا کر بتائیے۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔"

بزرگ نے جیب سے ہاتھی دانت کے کچھ دانے نکال کر انہیں قالین پر پھینکا۔ پھر ایک ایک کر کے انہیں اٹھا کر غور سے دیکھا اور سیٹ پر ایک چوکور خاکہ بنایا۔

اس خاکے میں عبرانی زبان میں کچھ تحریر لکھی اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا۔

"عنبر بیٹا! تمہارا بھائی ناگ، میرا علم بتاتا ہے کہ

اسی ملک میں کسی جگہ تمہاری تلاش میں پھر رہا ہے"۔

عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ کہاں، کس شہر میں ہے؟"۔

بزرگ ایک بار پھر سلیٹ پر بنائے ہوئے خاکے میں گم ہو گیا۔ کافی دیر غور فکر کے بعد اس نے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

میرا حساب کہتا ہے کہ وہ اس وقت ایک قافلے کے ساتھ ہے۔ گھوڑے پر سوار ہے اور غرناطہ شہر کی طرف یہ قافلہ چلا آ رہا ہے۔

بس اس سے زیادہ مجھے میرا حساب کچھ نہیں بتا رہا۔

"کیا وہ غرناطہ پہنچ کر مجھے مل سکے گا"۔

بزرگ ہنس پڑے۔

"بیٹا! اس سے ملنا تو اب تمہارا کام ہے۔ تم آج ہی کسی قافلے کے ساتھ مل کر غرناطہ پہنچ جاؤ۔ کیونکہ میرا حساب بتاتا ہے کہ جب ستارہ زحل اپنے مقام پر آئے گا تو وہ قافلہ غرناطہ کی سرائے میں پہنچ چکا ہوگا"۔

عنبر نے بزرگ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں بے حد شکر گزار ہوں محترم بزرگ آپ کا۔۔۔ اب آپ اسی خاکے میں حساب لگا کر یہ بتایئے کہ میری بہن ماریا کہاں ہے؟"۔

بزرگ ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گئے۔ وہ بار بار اپنی خوبصورت سفید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے اور گہرا سانس لے کر پھر سوچنا شروع کر دیتے۔ کافی دیر بعد انہوں نے سلیٹ قالین پر رکھ دی اور کہا۔

"عنبر بیٹا! یہ لڑکی ماریا تو عجیب لڑکی ہے۔ پہلے تو مجھے کہیں نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اب نظر آئی ہے تو میں اسے بے ہوش پڑی دیکھ رہا ہوں"۔

عنبر دھک سے رہ گیا۔ بے تابی سے بولا۔

"وہ کہاں بے ہوش پڑی ہے جناب؟"۔

بزرگ انسان نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ کیا وہ غائب رہتی ہے؟"۔

عنبر نے کہا

جی ہاں! اس قدیم زمانے میں کسی دیوتا نے اپنے اثر میں لے کر حکم دے رہا تھا کہ اب وہ کسی کو نظر نہ آ سکے گی۔

چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ سفر کر رہی ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی اچھا آپ فرمائیں کہ ماریا کس مقام پر ہے؟۔

بزرگ نے فرمایا۔

بیٹا! میں ایک دنیا دیکھ رہا ہوں سات سمندروں پار ایک نئی دنیا۔ اس دنیا میں ایک شہر ہے۔ شہر سے باہر ایک جھیل ہے اور جھیل کے اندر ایک قلعہ ہے۔

اس قلعے میں ماریا بے ہوش پڑی ہے۔ اس سے زیادہ نہ تمہیں کچھ بتا سکتا ہوں اور نہ مجھے کچھ علم ہی ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

"یہ نئی زمین وہ تو نہیں جسے عرب مسلمانوں کے ایک جہاز نے دریافت کیا ہے؟"۔

"ہاں وہی نئی دنیا"۔

عنبر نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ جناب والا! میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گا۔ اگر کبھی ممکن ہوا تو آپ کے ضرور کسی نہ کسی کام آؤں گا۔ اس

وقت بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

بزرگ انسان نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"صرف ان ہاتھوں کو چومنے کی ایک بار پھر اجازت دے دو، کیونکہ تم نے بڑی مقدس آسمانی ہستیوں کو یروشلم اور مکہ شریف کی گلیوں میں گزرتے دیکھا ہے۔

اور وہ بزرگ عنبر کا ہاتھ چوم کر باہر نکل گیا۔

عنبر نے ان کے جانے کے بعد محسوس کیا کہ وہ انہیں سلام نہیں کر سکا۔ وہ اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آیا، مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس نے ڈیوڑھی میں پہرہ دیتے چوکیدار سے

پوچھا کہ اس نے ابھی ابھی یہاں سے کسی بزرگ کو گزرتے دیکھا؟

چوکیدار نے ہنس کر کہا۔

"میاں! میں شام سے اس جگہ بیٹھا ہوں۔ یہاں سے تو کوئی چڑیا بھی پر مار کر نہیں گزری۔ تم کس بزرگ کی بات کر رہے ہو؟"۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ وہ بزرگ کہاں سے آئے تھے اور کہاں چلے گئے؟۔

اس نے سرائے کے باہر بھی جا کر دیکھا، لیکن وہاں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ چاروں طرف رات کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس بزرگ کو خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ اگر بزرگ اسے نہ بتاتے کہ ماریا نئی دنیا کے ایک ایسے شہر میں ہے جہاں ایک جھیل میں پرانا قلعہ ہے تو اسے ساری زندگی ماریا کے بارے میں علم نہ ہو سکتا تھا۔

اسی طرح وہ ناگ کو بھی تلاش نہ کر سکتا تھا۔ اچھا تو اب اسے غرناطہ کی طرف روانہ ہونا چاہیے، کیونکہ بزرگ کے ارشاد کے مطابق ناگ اس وقت قافلے کے ساتھ سفر کر رہا ہے اور غرناطہ پہنچنے والا ہے۔

اگرچہ غرناطہ جانا خواہ مخواہ کی مصیبت کو مول لینا تھا، مگر وہاں ناگ آ رہا تھا اور عنبر ہسپانیہ آیا ہی ناگ کی تلاش میں تھا۔

صقلیہ میں کوئی بھی قافلہ غرناطہ نہیں جا رہا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد عنبر ایک سوداگر کا پتا چلانے میں کامیاب ہو گیا جس کا ایک اپنا کارواں قیمتی سامان لے کر غرناطہ جا رہا تھا۔

عنبر نے سوداگر کو کسی نہ کسی طرح منا لیا کہ اسے بھی ساتھ لیتا جائے، چنانچہ ایک شام وہ سوداگر کے قافلے میں شریک ہو کر غرناطہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

صقلیہ سے غرناطہ چار دن اور تین راتوں کے فاصلے پر تھا۔ یہ راستہ گھوڑوں اور اونٹوں پر بڑے سکون سے گزر گیا۔

کارروان غرناطہ میں سوداگر کی بہت بڑی حویلی میں جا اترا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ غرناطہ کے بازاروں میں خوب رونق تھی۔

ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مشغول تھا۔ عنبر نے سوداگر سے پوچھا کہ جنوبی علاقے سے آنے والے قافلے کون سی کارروان سرائے میں اترا کرتے ہیں۔

سوداگر نے اسے بتایا کہ جنوبی شہروں سے آنے والے قافلے غرناطہ شہر کی سب سے پرانی سرائے میں اترتے ہیں۔

عنبر اس سرائے کی طرف چل پڑا۔ یہ سرائے شہر کے ایک باغ میں بنی ہوئی تھی۔ لکڑی کی چوکور میزوں

کے گرد مسافر اور سوداگر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ عنبر نے جا کر معلوم کیا کہ باہر سے کوئی نیا قافلہ آیا ہے؟۔

ایک مسافر نے کہا۔

"بھائی! جنوب کے شہر سے ایک قافلہ آج شام کسی وقت یہاں پہنچ رہا ہے۔ ہم بھی اسی قافلے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آؤ تم بھی ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ قہوہ پیو گے؟"۔

"شکریہ"۔

مسافروں نے عنبر کو قہوہ پیش کیا اور وہ آنے والے قافلے کا انتظار کرنے اسی سرائے کے باہر مسافروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کارواں غرناطہ میں سوداگر کی بہت بڑی حویلی میں جا اترا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ غرناطہ کے بازاروں میں خوب رونق تھی۔

ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مشغول تھا۔ عنبر نے سوداگر سے پوچھا کہ جنوبی علاقے سے آنے والے قافلے کونسی کارواں سرائے میں اترا کرتے ہیں۔

سوداگر نے اسے بتایا کہ جنوبی شہروں سے آنے والے قافلے غرناطہ شہر کی سب سے پرانی سرائے میں اترتے ہیں۔

عنبر اس سرائے کی طرف چل پڑا۔ یہ سرائے شہر کے ایک باغ میں بنی ہوئی تھی۔ لکڑی کی چوکور میزوں کے گرد مسافر اور سوداگر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ عنبر نے جا کر معلوم کیا کہ باہر سے کوئی نیا قافلہ آیا ہے؟۔

ایک مسافر نے کہا۔

"بھائی! جنوب کے شہر سے ایک قافلہ آج شام کسی وقت یہاں پہنچ رہا ہے۔ ہم بھی اسی قافلے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آؤ تم بھی ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ قہوہ پیو گے؟"۔

"شکریہ"۔

مسافروں نے عنبر کو قہوہ پیش کیا اور وہ آنے والے قافلے کا انتظار کرنے اسی سرائے کے باہر مسافروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اب ذرا ناگ کے قافلے کی بھی خبر لیتے ہیں۔

ناگ مختصر سے قافلے کے ساتھ غرناطہ کی طرف چلا آ رہا تھا۔

کئی منزلوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک قصبے میں پہنچے۔ جہاں سے غرناطہ کا بڑا شہر ایک رات کے سفر پر تھا۔

شام تک قافلے نے وہاں آرام کیا۔ شام کو قافلہ سفر پر روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ایک مسافر نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا سانپ اس کے گھوڑے کی پیٹھ سے چمٹا ہوا ہے اور گھوڑا تھر تھر کانپ رہا ہے۔ اس آدمی نے پہلے تو شور مچا دیا کہ سانپ سانپ

سانپ پکڑو۔ بھاگو۔

اس سے پہلے کہ لوگ وہاں آئیں اس نے لاٹھی لے کر سانپ کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ سانپ ریت پر گر کر بھاگنے لگا تھا کہ اس بدنصیب نے اس پر لاٹھی سے حملہ کر دیا۔

یہ اس کی غلطی تھی، کیونکہ سانپ تو اپنی راہ جا رہا تھا۔ ادھر مسافر نے سانپ پر لاٹھی سے حملہ کیا ادھر سانپ نے پھن اٹھا، اپنے آپ کو ایک طرف لہرایا اور پھر اچھل کر مسافر کو ڈس لیا۔

مسافر چیخ مار کر گرا۔ سارے قافلے میں شور مچ گیا۔ سب لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ سانپ

ڈس گیا۔

مسافر کو سانپ ڈس گیا کی آوازیں سن کر ناگ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اب ایسا ہوا کہ مسافر کو ڈسنے کے بعد سانپ ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔

ناگ وہاں پہنچا تو سانپ نے کچھ بے چینی سی محسوس کی۔ ادھر ناگ کو معلوم ہوا کہ سانپ ڈس کر بھاگ گیا ہے تو اس نے سانپ کی تلاش شروع کر دی۔

تلاش کیا کرنی تھی۔ ایک پل میں ناگ کو معلوم ہو گیا کہ سانپ چٹان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ ناگ اس کے سر پر پہنچ گیا۔

سانپ خوف سے کانپنے لگا۔ اسے محسوس ہو گیا تھا کہ اس کے سر پر جو انسان کھڑا ہے، وہ ناگوں کا دیوتا بڑا ناگ ہے جو پانچ سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسان بن گیا ہے۔

ناگ نے سانپ کو حکم دیا۔

"باہر نکلو اور اسی وقت مسافر کے پاس جا کر اس کے جسم میں داخل کیا ہوا سارا زہر چوس کر باہر نکال دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس قافلے میں میں بھی سفر کر رہا تھا؟ ہم جس قافلے کے ساتھ سفر کرتے ہیں، پھر اس کے مسافروں کی حفاظت ہمارا فرض بن جاتی ہے"۔

سانپ نے کہا۔

"جو حکم حضور"۔

پھر قافلے کے مسافروں نے دیکھا کہ چٹان کی اوٹ سے نکل کر ایک سانپ رینگتا ہوا اس مسافر کی طرف آ رہا ہے جو زمین پر بے ہوش پڑا ہے اور موت کی گھڑیاں گن رہا ہے کچھ لوگ پرے ہٹ گئے۔ کچھ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے ناگ نے انہیں چلا کر منع کر دیا۔

"خبردار! کوئی شخص آگے نہ بڑھے۔ سانپ مرنے والے کا زہر چوسنے آ رہا ہے"۔

سانپ نے مسافر کے پاس پہنچ کر اپنا پھن پھیلایا

اور پھر اس کی پنڈلی پر اس جگہ منہ رکھ دیا جہاں اس نے ڈسا تھا۔

سانپ نے سارا زہر چوس کر باہر پھینک دیا۔ مرتا ہوا مسافر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ناگ نے سانپ کو کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔ خبردار کسی شخص پر یوں ہی حملہ نہ کر دیا کرو"۔

سانپ نے کہا۔

"اے ناگ دیوتا! میں تو گھوڑے کی پیٹھ پر سکون سے بیٹھا تھا کہ اس نے لاٹھی سے حملہ کر دیا"۔

"مگر تم گھوڑے کی پیٹھ پر کیا کر رہے تھے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

سانپ بولا۔

"میں غرناطہ جانا چاہتا تھا، کیونکہ ایک سپیرا میری بیوی ناگن کو پکڑ کر پٹارے میں بند کر کے غرناطہ کی طرف لے گیا ہے۔ میں اس کی تلاش میں جانے کا خواہش مند تھا"۔

ناگ کو معلوم تھا کہ اگر ناگ سے اس کی ناگن بچھڑ جائے تو وہ ساری زندگی اس کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کی تلاش میں اگر اسے کسی کو ہلاک بھی کرنا پڑے تو ایسا کر گزرتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"غرناطہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا ہوں،

لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ وہاں تم اپنی ناگن کو حاصل کر لو گے تو اس سپیرے کی جان بخشی کر دینا جو اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔

کیا تمہیں یہ شرط منظور ہے؟۔

"منظور ہے"۔

سانپ نے خوش ہو کر کہا۔

"تو آؤ میرے ساتھ"۔

اور ناگ نے سانپ کو اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ اس ساری گفتگو کو قافلے کا کوئی مسافر بھی نہ سن سکا تھا۔

سانپ کے ساتھ ناگ نے ہلکی ہلکی سیٹیوں کی

آواز میں باتیں کی تھیں۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ناگ نے سانپ کو جھولے میں ڈال لیا ہے تو وہ ڈر گئے اور پوچھا کہ وہ سانپ کو ساتھ کیوں لے جا رہا ہے؟۔

ناگ نے بتایا کہ یہ سانپ بڑا قیمتی اور نایاب ہے۔ وہ اسے غرناطہ لے جا کر فروخت کر کے مال کمائے گا۔

قافلہ غرناطہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سفر بڑے سکون کے ساتھ کٹ گیا۔ عنبر جس دن غرناطہ کی کارواں سرائے میں اترا تھا، اسی شام یہ کارروان پہنچ گیا۔

عنبر نے ناگ اور ناگ نے عنبر کو دیکھا تو خوشی سے بغل گیر ہو گئے۔ دیر تک اپنے اپنے سفر کی اور ماریا کی باتیں کرتے رہے۔

ناگ نے عنبر کو بتایا کہ ماریا آخری بار دوس سرائے میں جدا ہوئی، جہاں وہ قافلے کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر نے پھر اسے بزرگ عیسائی راہب کی بشارت کے بارے میں بتایا کہ ماریا نئی دنیا کے کسی ایسے شہر میں ہے جہاں ایک جھیل ہے اور اس کے بیچ میں ایک قلعہ ہے۔

بزرگ راہب کا کہنا ہے کہ ماریا اس قلعے میں بے ہوش پڑی ہے۔ ناگ بڑا حیران ہوا کہ ہسپانیہ کے

ایک گمنام قصبے سے نکل کر ماریا اتنی جلدی نئی دنیا کے قلعے میں کس طرح پہنچ گئی۔

عنبر نے کہا۔

"اب یہ معلوم کرنا لا حاصل ہے کہ ماریا کس طرح اور کہاں سے غائب ہوئی۔ مجھے بزرگ راہب کی باتوں پر پختہ اعتقاد ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق ماریا ضرور نئی دنیا میں ہی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمیں نئی دنیا کی طرف سفر کرنا ہوگا"۔

"بے شک"۔

پھر عنبر نے دیکھا کہ ناگ کے تھیلے میں سے ایک سانپ اپنی گردن باہر نکال کر جھانک رہا تھا۔

"ارے! یہ کہاں سے آ گیا؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"اس کی ناگن غرناطہ میں کھو گئی ہے۔ یہ اس کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے"۔

پھر ناگ نے سانپ سے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"۔

سانپ نے کہا۔

"حضور! مجھے شمال کی طرف سے اپنی ناگن کی بو آ رہی ہے۔ آپ مجھے یہاں کسی محفوظ جگہ چھوڑ دیں

میں اپنی ناگن کے پاس پہنچ جاؤں گا“۔

ناگ نے ایک جھاڑی میں سانپ کو چھوڑ دیا۔ جاتی دفعہ اس نے سانپ کو ایک بار پھر تاکید کی کہ وہ کسی کو نقصان نہ پہنچائے اور اپنے وعدے پر قائم رہے۔

سانپ نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہے گا۔ سانپ جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

”تمہارے خیال میں ہمیں نئی دنیا کا سفر کہاں سے شروع کرنا پڑے گا؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہمیں کسی مغربی شہر کی بندرگاہ سے نئی دنیا کو جانے والا جہاز مل سکے گا۔ کافی لمبا سفر ہے۔ کچھ نہیں تو چھ مہینے لگ جائیں گے“۔

خواہ ایک سال لگ جائے۔ ہمیں ماریا کو دنیا میں جا کر ہر حالت میں تلاش کرنا اور اسے قلعے سے نکال کر باہر لانا ہو گا۔

یہ ہمارا فرض ہے۔ ماریا کی اور کون مدد کرے گا۔ جانے وہ کس حال میں ہے اور اسے کس نے بے ہوش کر کے قلعے کے تہہ خانے میں ڈال رکھا ہے۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس پیسے بھی ختم ہو گئے ہیں۔ ہمیں جہاز کے کرائے،

راستے کے خرچ اور نئی دنیا پہنچ کر خرچ کرنے کے لیے کچھ پیسے چاہئیں۔ یہ کہاں سے آئیں گے؟ شاید ہمیں یہاں کچھ عرصہ رہ کر محنت مزدوری کرنی ہو گی

ناگ نے کہا۔

"میرے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا علم ہے۔ اسی شہر میں ایک قلعے کے نیچے میں دولت کے انبار چاندی کی دیگ میں بند دیکھ رہا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ"۔

ناگ عنبر کو لے کر غرناطہ شہر کے ایک پرانے قلعے میں لے آیا۔ قلعے کی دیواریں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ معلوم

ہوتا تھا کہ صدیوں سے یہ قلعہ استعمال میں نہیں لایا گیا۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"اس قلعے کے تہہ خانے میں ایک جگہ خزانہ دفن ہے۔ میں ابھی جا کر وہاں سے کچھ سونے کے ٹکڑے یا جواہرات لے کر آتا ہوں تاکہ انہیں بیچ کر ہم اپنے اخراجات کے لیے پیسے حاصل کر سکیں"۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا"۔

ناگ پھنکار مار کر پھر سے سانپ بن گیا۔ اور قلعے کی جانب رینگتا ہوا غائب ہو گیا۔ عنبر قلعے کے

دروازے پر ایک پتھر کا سہارا لے کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ ماریا کوئی دنیا میں جا کر کسی مقام پر تلاش کیا جائے؟۔

کیا وہ شہر انہیں مل جائے گا جس کی جھیل میں ایک قلعہ ہے؟ یقیناً وہ یہ قلعہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ٹھیک اس وقت عدنان اور عنبر کو گرفتار کر کے بادشاہ ہیکن کے دربار میں پیش کرنے والا ڈان کارلو بھی پھرتا پھراتا اپنے تین سپاہیوں کے ساتھ ادھر آ نکلا۔

عنبر بڑے آرام سے پتھر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا دشمن کارلو ادھر آ جائے گا۔

ڈان کارلو نے عنبر کو دیکھا تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ آخر اس نے مفرور ملزم کو پکڑ لیا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ گھوڑے دوڑاتے قلعے کے دروازے پر آئے اور انہوں نے عنبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

عنبر نے ڈان کارلو کو دیکھا تو اسے اس پر افسوس ہونے لگا کہ بد بخت کو موت کھینچ کر آخر وہاں لے آئی۔ کارلو نے تلوار کھینچ لی اور گرجدار آواز میں بولا۔

"آخر تم پکڑے گئے۔ اب تم پر ہمارے کمانڈر اور اس کے سپاہیوں کے قتل کا الزام بھی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ہسپانیہ سے بھاگ کر نہ جا سکو گے"۔

پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو گرفتار کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کیا جائے۔ عنبر نے ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

ڈان کارلو! تم نہیں جانتے کہ تم کس انسان کو گرفتار کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگے ہو۔

اپنے آپ پر، اپنے بچوں پر اور ان سپاہیوں پر رحم کرو اور جدھر سے آئے ہو، اسی طرف واپس چلے جاؤ۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

ڈان کارلو نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا۔

وے حقیر انسان! ایسی باتیں کر کے تم مجھ پر اثر نہیں ڈال سکو گے۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی کہ مجھ سے اس طرح خطاب کر سکو۔

سپاہیو! آگے بڑھو اور اس گستاخ کو زنجیروں سے جکڑ لو۔

عنبر کے پاس کوئی تلوار نہیں تھی۔ سپاہی تلواریں لہراتے اس کی طرف بڑھے۔ عنبر اپنی جگہ پر بڑے سکون سے بیٹھا رہا۔

سپاہی بڑے حیران تھے کہ یہ شخص مقابلہ کیوں نہیں کر رہا، حالانکہ باتیں بہت بڑھ بڑھ کر بنا رہا تھا۔

ٹھیک اس وقت جبکہ ڈان کارلو کے سپاہی عنبر کو پکڑنے کے لیے اس کی طرف بڑھ رہے تھے، ناگ سانپ کی شکل میں اپنے منہ میں قیمتی موتیوں کا ایک ہار لئے قلعے کے دروازے پر نمودار ہوا۔

اس نے جو دیکھا کہ عنبر کو سپاہیوں نے گھیر رکھا ہے اور تلواریں لہرا رہے ہیں تو وہ وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔

وہ یہ ساری باتیں سمجھ گیا۔

عنبر نے اسے یہ داستان پہلے ہی سنا رکھی تھی۔ آخر ڈان کارلو وہاں پہنچ گیا تھا۔

ناگ نے موتیوں کا قیمتی ہار ایک طرف زمین پر رکھا اور رینگتا ہوا قلعے کی عقبی دیوار کی طرف آ گیا۔

یہاں اس نے آتے ہی پھنکار ماری اور ایک خونخوار ہیبت ناک شیر کی شکل اختیار کر لی۔

اوٹ سے باہر نکل کر اس نے دل دہلا دینے والی گرج ماری اور سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ پرانے قلعے میں شیر ببر کو وحشتناک انداز میں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر سپاہیوں اور ڈان کارلو کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

وہ حیران تھے کہ اس قلعے میں شیر ببر کہاں سے آ گیا؟۔

شیر نے سپاہیوں پر چھلانگ لگائی اور اپنے چٹان جیسے تھپڑوں سے دونوں سپاہیوں کی گردن توڑ کر رکھ دی۔ تیسرے سپاہی بھی شیر کے تھپڑ سے ہلاک ہو کر

زمین پر گر پڑا۔

ڈان کارلو بھاگنے لگا تو عنبر نے کہا۔

"ناگ یہ بچ کر چلا گیا تو ہم اسپانیہ سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ اسے اسی جگہ پکڑ کر ختم کر دو"۔

شیر نے عنبر کی آواز سن لی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے کارلو کے پیچھے لپکا اور چھلانگ لگا کر اس کے اوپر اپنا بھاری بھر کم جسم گرا دیا۔

کارلو شیر کے نیچے دب گیا۔ شیر نے کارلو کی گردن اپنے منہ میں دبا لی۔ شیر کے دونوں لمبے دانت کارلو کی گردن میں گڑ گئے۔

شیر نے اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ کارلو کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور وہ مر گیا۔

شیر نے اسے مردہ چوہے کی طرح پرے پھینک دیا اور بڑی شان سے اپنی دم ہلاتا عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

عنبر نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"شاباش ناگ بھائی! اب ہم ماریا کی تلاش میں اس شہر سے باہر نکل سکیں گے۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن مر گیا ہے"۔

شیر زور سے دھاڑا اور پھر سے انسانی یعنی ناگ کی شکل میں آ گیا۔

ناگ بولا۔

"عنبر بھائی! میں زمین میں دفن خزانے سے ایک قیمتی ہار نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ آؤ اسے بیچ کر کچھ روپے حاصل کریں اور پھر یہاں سے نکلنے کے بارے میں غور کریں"۔

ناگ عنبر کو لے کر قلعے کے دروازے کے پاس آیا یہاں جھاڑیوں میں موتیوں کا انمول ہار پڑا تھا۔ عنبر نے ہار کو دیکھ کر کہا۔

"یہ تو بڑا قیمتی ہار ہے ناگ؟"۔

"عنبر! یہ خزانہ کسی مسلمان بادشاہ نے وہاں دفن کیا ہے۔ اگر ہمیں پھر ضرورت پڑی تو یہاں آ کر اسے نکال کر اس کا سارا سونا اور ہیرے جواہرات

فروخت کر دیں گے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا سانپ اس خزانے کی حفاظت نہیں کر رہا تھا؟"۔

ناگ نے کہا۔

کیوں نہیں؟ میں جب نیچے گیا تو زمین کے اندر چاندی کی دیگ کے اوپر ایک سفید سانپ بیٹھا خزانے پر پہرہ دے رہا تھا۔

میری شکل دیکھتے ہی اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ بے چارہ ڈر سے کانپنے لگا اور بولا۔

اے ناگ دیوتا! میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا

ہوں؟۔

میں نے کہا۔

فوراً مجھے اس خزانے کی دیگ میں سے کوئی قیمتی جواہرات کا ہار نکال دے۔ مجھے اس کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

سفید سانپ نے سر جھکا کر کہا۔ جو حکم میرے دیوتا! اور دیگ کے اندر گھس کر میرے لیے یہ ہار نکال کر لے آیا۔

”بہت خوب! چلو اب شہر چل کر اسے فروخت کرتے ہیں“۔

ہار لے کر دونوں دوست ۔۔۔ یعنی ناگ اور عنبر

شہر غرناطہ کے ایک ایسے بازار میں آ گئے جس پر چھت پڑی تھی اور جہاں جوہریوں کی دکانیں تھیں۔ انہوں نے ایک دکاندار کو جا کر ہار دکھایا اور کہا کہ وہ اسے فروخت کرنا چاہتے ہیں۔

جوہری نے ہار کے موتیوں اور جواہرات پر ایک نظر ڈالی تو خوشی و حیرت سے اچھل پڑا۔

”یہ ہار تم نے کہاں سے لیا؟ یہ تو بنو عباس کے آخری بادشاہ کا ہار ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”میاں ہمیں کچھ معلوم نہیں یہ کس کا ہے۔ ہمیں تو اپنے بزرگوں سے ملا تھا۔ آج اشرفیوں کی ضرورت پڑ

گئی تو اسے فروخت کرنے تمہارے پاس لے آئے ہیں۔ کیا تم اسے خریدو گے کہ نہیں تاکہ ہم کسی دوسرے جوہری کو دکھائیں؟“۔

جوہری بولا۔

”میں اسے ضرور خریدوں گا، لیکن اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ تمہیں کتنی اشرفیاں چاہئیں؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ایک لاکھ اشرفیاں ہمیں چاہئیں“۔

”منظور ہے“۔

جوہری نے کہا۔

اس نے ایک لاکھ اشرفیاں گن کر تھیلے میں بھر

دیں۔ یہ بڑا سستا سودا تھا، کیونکہ ہار کی قیمت دس لاکھ اشرفیوں سے کم نہیں تھی مگر مصیبت یہ تھی کہ اتنی اشرفیاں عنبر اور ناگ کہاں رکھتے؟۔

ایک لاکھ اشرفیوں میں وہ نئی دنیا کا سفر بھی کر سکتے تھے۔ وہاں چھ ماہ رہ بھی سکتے تھے اور واپسی پر ماریا کو ساتھ لے کر واپس بھی آ سکتے تھے۔

صرافہ بازار سے نکل کر انہوں نے کارروان سرائے کا رخ کیا۔ انہوں نے ضروری معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں۔

پتا چلا کہ انہیں نئی دنیا کے سفر کے لیے مغربی شہر طولون کی بندرگاہ تک سفر کرنا ہوگا۔ وہاں سے انہیں وہ

بادبانی جہاز مل جائے گا جو نئی دنیا کی طرف جا رہا ہو گا۔

تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد عنبر اور ناگ صحراؤں وادیوں اور میدانوں میں سفر کرتے ہوئے آخر ایک روز طوفان کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔

جہاز ایک ہفتے بعد روانہ ہونے والا تھا۔ ہفتہ بھر وہ شہر کی سرائے میں رکے رہے۔ جس روز جہاز چلنے والا تھا، یہ جہاز کے کپتان کو رقم ادا کر کے اس پر سوار ہو گئے۔

اس جہاز پر زیادہ تر ایسے لوگ سوار تھے جو شاہی قیدی تھے اور بادشاہ نے انہیں جلا وطن کر دیا تھا۔ یعنی

سارے بدمعاش اور جھگڑالو لوگ تھے۔

بہرحال عنبر اور ناگ بھی سوار ہو گئے۔ انہوں نے کافی رقم خرچ کی تھی، چنانچہ انہیں جہاز میں ایک چھوٹا سا کمرہ مل گیا جس میں اعلی قالین بچھا ہوا تھا۔ جہاز نے بادبان کھولے، لنگر اٹھایا اور نئی دنیا کا سفر شروع کر دیا۔

آگے کیا ہوا ؟۔۔۔

☆ بادبانی جہاز میں سفر کیسے گزرا؟۔

☆ نئی دنیا میں عنبر اور ناگ کی ملاقات ماریا سے کہاں ہوئی؟۔

☆ جادوگر سامادھن نے نئی دنیا میں کیا تباہی مچا رکھی تھی؟۔

☆ کیا ماریا کو لے کر عنبر اور ناگ نئی دنیا سے نکل سکے؟

☆ اس کا جواب آپ کو ناول کی 54 ویں قسط میں ملے گا۔

ڈراؤنی آوازیں

Pakistan Virtual Library کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

مردوں کے بت
سرخ درخت کا خون
سر کاٹ کر لاؤ
خونی ہار
کالی بلی کی سرائے
ڈراؤنی آوازیں

پیارے بچو!

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح سیاہ دشمن ماریا کو قلعے میں بند کر کے اس کے بال کاٹ کر سرخ درخت کے پاس پہنچا اور مرتے مرتے بچا۔

ادھر عنبر اور ناگ بھی نئی دنیا پہنچ گئے ہیں اور پرانے قلعے والے شہر کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں ان پر دو ڈاکوں موتیوں کا ہار لینے کے لیے

حملہ کرتے ہیں اور موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

ادھر سیاہ دشمن کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور پھر سے نئی زندگی حاصل کرنے کے لیے وہ قلعے کی طرف بھاگتا ہے تاکہ ماریا کے سر کے بال کاٹ سکے۔

اب وہ بال کاٹ کر اس خیال سے واپس جزیرے پر آتا ہے کہ وہ سرنگ کھود کر درخت تک پہنچے گا۔ دوسری طرف عنبر اور ناگ ماریا کے قلعے کے دروازے پر پہنچ گئے۔

دروازہ لوہے کا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کس طرح سے اندر داخل ہوا جائے۔ انہوں نے سن رکھا ہے کہ

آدھی رات کو پرانے قلعے میں سے کسی عورت کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔

آگے کیا ہوا؟

یہ آپ اس قسط میں پڑھیے گا۔

مُردوں کے بت

جہاز نئی دنیا کی طرف سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ ناگ اور عنبر اسی جہاز کے کیبن میں بیٹھے ماریا کے بارے میں غور و فکر کر رہے تھے کہ اسے نئی دنیا میں جا کر کہاں کہاں تلاش کیا جا سکے گا۔

یونہی سفر کرتے جہاز کو سمندر میں ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک جیسے دن تھے، گزرتے چلے گئے۔ اگرچہ

جہاز پر جرائم پیشہ اور غنڈے قسم کے لوگ سوار تھے، لیکن کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ نہ ہوا۔ یونہی دوسرا مہینہ بھی گزر گیا۔

اب مناسب معلوم ہوا ہے کہ ہم نئی دنیا میں جا کر جادوگر سادھن کی بھی خبر لیں کہ وہ کن چکر بازیوں میں ہے۔

ہمارے قارئین پہلی قسط میں یہ تو پڑھ چکے تھے کہ یہ جادوگر جسپانیہ کے ایک پرانے قبرستان کی خانقاہ کے تہہ خانے میں ایک جگہ ہزاروں سال سے دفن تھا، اسے پھر سے زندہ ہونے کے لیے کسی ایسے انسان کی ضرورت تھی جو دوسروں کو نظر نہ آتا ہو، چنانچہ جب ماریا بدقسمتی سے اس قبر کے پاس پہنچی تو جادوگر سادھن نے اسے قابو کر لیا اور اسے اٹھا کر سات سمندر پار نئی دنیا کے ایک شہر میں جھیل والے قلعے میں لے آیا، یہاں اس نے ماریا کو بے ہوش کر کے ایک تہہ خانے میں ایک جگہ ہزار سال سے دفن تھا، اسے پھر سے زندہ ہونے کے لیے کسی ایسے انسان کی ضرورت تھی جو دوسروں کو نظر نہ آتا ہو، چنانچہ جب ماریا بدقسمتی سے اس قبر کے پاس پہنچی تو جادوگر سادھن نے اسے قابو کر لیا اور اسے اٹھا کر سات سمندر پار نئی دنیا کے ایک شہر میں جھیل والے قلعے میں لے آیا۔

یہاں اس نے ماریا کو بے ہوش کر کے ایک تہہ

خانے میں بند کر دیا اور خود اس کے سر کے بال کاٹ کر جھیل میں ڈال دیے۔

شرط یہ تھی کہ ماریا کے بال بڑھنے نہ پائیں اگر یہ بال ایک حد سے زیادہ بڑھ گئے تو جادو سادھن جہاں کہیں بھی ہوگا۔

پھر سے مر جائے گا، چنانچہ سادھن کے لیے ضروری تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، ایک خاص وقت گزرنے کے بعد واپس قلعے کے تہہ خانے میں آ کر ماریا کے بڑھتے ہوئے سر کے بال کاٹ ڈالے۔

دو مہینے پہلے سادھن ماریا کو تہہ خانے کے ایک تخت پر بے ہوش کر کے، اس پر نیلی چادر ڈال کر باہر نکلا۔

وہ ایک سوداگر کے لباس میں تھا اور ڈھیلے ڈھالے نیلے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ماریا کے بال جھیل میں پھینک دیے۔

پھر سامنے جنگل میں سے گزر کر ایک کچی سڑک کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے دور سے گرد اڑتی دیکھی۔ جونہی گرد دور ہوئی، سادھن نے دیکھا کہ نئی دنیا کے جنگلی یعنی ریڈ انڈین گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ اس نئی دنیا کے

اصل باشندے ہیں اور انہیں کوئی بھی باہر سے آیا ہوا شخص نظر آ جائے تو یہ اسے قتل کر کے اس کا سر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

سر کو گرم پانی میں ابال کر اسے جڑی بوٹیوں کی مدد سے چھوٹا کر دیتے ہیں اور پھر رسی سے باندھ کر اپنے گھر کے دروازے پر لٹکا دیتے ہیں۔ جادوگر سامادھن کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

وہ بڑے سکون سے سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ اصل میں وہ یہاں سے سرخ درخت کی تلاش میں آیا تھا۔ یہ درخت نئی دنیا کے آس پاس کسی جزیرے کے جنگل میں کسی مقام پر اگا ہوا تھا۔

اس سرخ درخت پر سیاہ رنگ کے پھول لگے تھے۔ چاندنی راتوں میں ان پھولوں سے سرخ خون ٹپکتا تھا۔ جادوگر سامادھن کے لیے ضروری تھا کہ اگر وہ قیامت تک مرنا نہیں چاہتا تو اس سرخ خون کے چند گھونٹ پیے۔

نہیں تو ماریا کے بال اگنے پر اس کی موت یقینی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک ہی بار جزیرے پر جا کر سرخ درخت کے سیاہ پھولوں کا سرخ خون پی لے تا کہ ماریا کے بار بار بال کاٹنے کی مصیبت سے بچ سکے، کیونکہ اگر وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا اور وقت پر ماریا کے پاس پرانے قلعے کے تہہ خانے میں نہ پہنچ سکا تو وہ تو جہاں

کہیں بھی ہوگا مر جائے گا۔

یہی خواہش اور مہم سادھن کو کھینچ کر اس نئی دنیا میں لائی تھی۔ اب جو اس نے سامنے ریڈ انڈین لوگوں کو گھوڑوں پر سوار آتے دیکھا تو سوچا کہ ان لوگوں سے جزیرے کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرے۔

اسے کیا خبر تھی کہ یہ لوگ تو باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ ریڈ انڈین نے بھی جب ایک غیر ملکی ایشیائی کو سڑک کے کنارے کھڑا دیکھا تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ان کے ہاتھوں میں تیز کلہاڑیاں تھیں۔

پاس آ کر انہوں نے زور زور سے چیخیں ماریں اور کلہاڑیوں سے سادھن پر حملہ کر دیا۔ انہیں بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ سادھن ایک بہت بڑا جادوگر ہے اور ایک بار مر کر پھر سے ہزار سال بعد زندہ ہوا ہے۔

جونہی ایک ریڈ انڈین گھوڑا دوڑاتا، کلہاڑی لہراتا اس کی طرف بڑھا، سادھن نے زمین پر سے چند کنکریاں اٹھا کر اس کی طرف پھینکیں۔

کنکریاں آگ کے گولے بن کر ریڈ انڈین پر گریں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ دوسرے ریڈ انڈین یہ خوفناک منظر دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

سماد حسن نے مرے ہوئے ریڈ انڈین کا گھوڑا تھاما اور اس پر سوار ہو کر شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے بعد وہ ایک قریبی شہر پہنچ گیا۔

شہر کیا تھا، بس ایک قصبہ تھا۔ چند ٹوٹے پھوٹے کچے مکان تھے۔ باہر کچھ جھونپڑیاں تھیں۔ قصبے کے وسط میں ایک باغ تھا جس میں اونچی محرابی دیواروں والی پختہ حویلی بنی تھی۔ اس حویلی کے آگے آگ جل رہی تھی۔

سماد حسن جب اس حویلی کے قریب پہنچا تو چند ریڈ انڈین وہاں سے کلہاڑیاں لہراتے نکلے اور سماد حسن پر حملہ کر دیا۔

وہ بڑا گھبرایا کہ یہاں تو ہر آدمی اس کی جانب کا دشمن بنا ہوا ہے۔ جسے دیکھو کم بخت لہراتا اسے قتل کرنے کو دوڑتا ہے۔

آخر بڑا جادوگر ہے۔ اپنا بچاؤ بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ اس نے جھٹ زمین پر سے مٹی اٹھا کر ادھر اڑا دی۔

مٹی کا ہوا میں اڑنا تھا کہ ایک بجلی سی کڑکی۔ ان ریڈ انڈین لوگوں پر گری اور انہیں جلا کر خاک کر دیا۔ اس کی کڑک سے سارا علاقہ تھرا اٹھا۔ باقی ریڈ انڈین وہاں سے بھاگ گئے۔

حویلی میں سے ایک اونچا لمبا چوڑا اچکا ریڈ انڈین

باہر نکلا جس نے گلے میں انسانی ہڈیوں کی مالا پہن رکھی تھی اور جس کے گھر کے باہر انسانوں کے سوکھے ہوئے سر لٹک رہے تھے۔

اس نے جو دیکھا کہ سامنے اس کے خاص آدمیوں کو جلی ہوئی سیاہ لاشیں پڑی ہیں تو غصے سے کڑک کر بولا۔

"کون ہو تم؟"۔

سمادحسن نے کہا۔

"میرا نام سمادحسن ہے اور میں اس علاقے کی سیر کرنے آیا ہوں"۔

سردا نے کہا۔

"بدنصیب سمادحسن! تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تمہیں جرات کیسے ہوئے کہ میرے خاص آدمیوں کو مار ڈالے؟"۔

سمادحسن نے کہا۔

میں ہسپانیہ سے آیا ہوں اور تمہارے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اگر میں نہ انہیں مارتا تو یہ مجھے ہلاک کر دیتے۔

اپنی جان بچانے کے لیے ضروری تھی کہ میں انہیں جلا کر راکھ کر دیتا۔

سردار نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔

"تمہیں تمہاری موت کھینچ کر یہاں تک لے آئی

ہے۔ اب میرے ہاتھوں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑ سکتا"۔

اور سردار نے نیزہ اٹھا کر سامرحسن کی طرف پھینکا۔ نیزہ ذرا فاصلے پر سے گزر گیا اگر سامرحسن ذرا سا جھک نہ جاتا تو نیزہ اس کے سینے سے پار ہو گیا ہوتا۔

سامرحسن نے کہا۔

اے سردار! ذرا ٹھہر کر میری بات سن لے۔ میں ایک بہت عظیم جادوگر ہوں۔ تو مجھ پر حملہ مت کر، کیوں کہ اگر میں نے تم پر وار کیا تو تو اسے نہ بچا سکے گا اور تیرا بھی وہی حال ہوگا جو تیرے ساتھیوں کا ہوا۔ اس لیے میری بات مان اور ہاتھ اٹھا لے اور جو

کچھ میں تم سے پوچھتا ہوں، مجھے اس کا جواب دے۔

سردار نے گردن اکڑ کر کہا۔

بکواس بند کر اے بدبخت غیر ملکی! تمہارا خون پینا ہماری مقدس کتابوں میں فرض بتایا گیا ہے۔ یعنی ہمارا فرض ہے کہ ہم تمہیں قتل کر کے تیرے سر کو ابال کر اسے سکھائیں اور رسی میں پرو کر اپنے گھر کے باہر لٹکائیں۔ لے اب میں تمہیں قتل کرنے آ رہا ہوں۔

سردار نے کلہاڑی لہرا کر ایک چیخ سی ماری اور سامرحسن کی طرف دوڑاتے ہوئے آیا۔ سامرحسن کے لیے اب اپنی جان بچانا ضروری ہو گیا تھا، مگر وہ اس ریڈ انڈین سردار کو مارنا بھی نہیں چاہتا تھا، کیونکہ ہو سکتا

تھا کہ اس سے سادھن کو کوئی مفید معلومات حاصل ہو سکیں۔

اس نے اپنی جیب سے ہڈی کا ایک ٹکڑا نکال کر اس پر کوئی منتر پڑھا اور اسے خاموشی سے سردار کی طرف اچھال دیا۔

جونہی ہڈی کا ٹکڑا سردار کے آگے جا کر زمین پر گرا اسی وقت وہاں زمین میں شگاف ہو گیا۔ شگاف میں سے ایک شعلہ نکلا جس نے سردار کے ہاتھ سے کلہاڑی چھین کر پرے پھینک دی۔

سردار خود اوندھے منہ گر پڑا۔

سادھن نے اونچی آواز میں کہا۔

”اب بھی موقع ہے کہ معافی مانگ کر اپنی جان بچا لے سردار! نہیں تو میرا شعلہ تجھے ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑے گا“۔

سردار نے اٹھ کر جادوگر کے آگے سر جھکا دیا۔

”میں اپنی ہار تسلیم کرتا ہوں سادھن! تو جیتا میں ہارا۔ تم میرے ہاں مہمان ٹھہرو گے۔ آؤ میرے ساتھ۔ میرے گھر کا دروازہ تم پر کھلا ہے“۔

سردار سادھن جادوگر کو اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گیا۔ اسے بہترین مچھلی اور جو کی روٹی کھانے کو دی۔ کھانے کے دوران سادھن کو سردار نے کہا۔

”تم اتنے بڑے جادوگر ہو، کیا تم میری بیوی کی

ٹانگ کا زخم اچھا نہیں کر سکتے؟ ایک بار وہ چٹان سے پھسل کر گر پڑی تھی جس سے ٹانگ پر زخم آ گیا تھا۔ یہ زخم آج تک اچھا نہیں ہو سکا۔

سمادھن نے کہا کہ وہ اس کی بیوی کا زخم اچھا کر دے گا۔ چنانچہ ریڈ انڈین سمادھن کو اپنے ساتھ دوسری کوٹھڑی میں لے گیا جہاں اس کی بیوی ٹانگ کے زخم کو لیے درد سے کراہ رہی تھی۔

سمادھن نے دیکھا کہ زخم بہت خراب ہو چکا تھا اور اس کا زہر عورت کے بدن میں کافی اوپر تک جا چکا تھا۔

سمادھن بولا۔

"کسی برتن میں آگ جلا کر لاؤ"۔

اسی وقت سونے کے برتن میں آگ جلا کر سمادھن کے سامنے رکھ دی گئی۔ نئی دنیا میں سونا عام تھا اور غریب سے غریب لوگوں کے جھونپڑوں میں بھی سونے کے پیالے اور سونے کے چمچے تھے۔

انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ باہر کی دنیا میں سونے کا کیا بھاؤ ہے۔ سمادھن نے آگ میں ایک سفوف سا تھیلے میں سے نکال کر ڈالا۔

سفوف کے ڈالتے ہی ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور آگ فوراً بجھ گئی۔ آگ کی راکھ میں سے کسی پرندے کا پر برآمد ہوا۔

اس پر کو سمادھن نے اٹھا کر سب سے پہلے اپنے بالوں سے لگایا اور پھر عورت کے زخم پر رکھ کر کہا۔

"بی بی زور زور سے سانس لو"۔

عورت زور زور سے سانس لینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جادوگر سمادھن نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر زخم پر پھونک ماری۔ زخم ایک دم سے غائب ہو گیا۔ عورت کا درد ختم ہو گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا جادو تھا میرے سرتاج؟"۔

سردار نے مسکرا کر جادوگر سمادھن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ سارا اس جادوگر کا کمال ہے، یہ تو کوئی آسمان کا دیوتا ہے"۔ اور اس کے ساتھ ہی سمادھن کے آگے ان دونوں نے اپنا سر جھکا دیا۔

سمادھن نے کہا۔

"دیکھو، مجھے تمہارے سجدوں کی ضرورت نہیں ہے"۔

سردار نے کہا۔

"تو پھر اگر تمہیں ہماری جان کی ضرورت ہو تو ہم وہ بھی ابھی حاضر کیے دیتے ہیں"۔

سمادھن بولا۔

"نہیں مجھے تمہاری جان کی بھی ضرورت نہیں، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ یہاں قریب ہی سمندر میں کوئی

ایسا جزیرہ ہے جس کے جنگل میں سرخ درخت اگا ہوا ہے؟"۔

سرخ درخت کا نام سن کر سردار اور اس کی بیوی کا رنگ زرد ہو گیا۔

سردار نے کہا۔

"اے ہمارے محسن! وہ سرخ درخت مردوں کے جزیرے میں ہے جہاں جو کوئی بھی جاتا ہے مر جاتا ہے۔ پھر اپنے آپ وہ پتھر کا بت بن کر اپنی قبر کے سرہانے کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں نہیں جا سکتا"۔

سماد حسن نے پوچھا۔

"کیا تم مجھے اس جزیرے کا پتا بتا سکتے ہو؟"۔

وہ جزیرہ نئی دنیا کے سمندر میں یہاں سے ایک رات اور ایک دن کے سفر پر ہے۔ کیا تم وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟۔

دیوتا تمہیں وہاں تک نہیں پہنچنے دیں گے اور اگر تم وہاں پہنچ بھی گئے تو مر جاؤ گے اور اپنی قبر کے سرہانے پتھر کا بت بن کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ میں اب بھی تمہیں یہی کہوں گا کہ اس خیال سے باز آ جاؤ۔

سماد حسن قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"دیوانے احمق! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں آب حیات کے پاس آ کر واپس پلٹ جاؤں گا؟ ہرگز نہیں۔ میں وہاں ضرور جاؤں گا"۔

وہ رات سامادھن نے سردار کی حویلی میں بسر کی اور صبح صبح ساحل سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ سمندر کے کنارے ایک جگہ پہنچا جہاں کچھ ماہی گیروں کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔

سامادھن نے ایک ماہی گیر کو کھانے پینے کا سامان دے کر کشتی خریدی۔ اس میں سوار ہوا اور مردوں کے جزیرے کی طرف سمندر میں چل پڑا۔ ساری رات اور سارا دن وہ سمندر میں سفر کرتا رہا۔

دوسرے دن شام سے پہلے اسے دور مردوں کے جزیرے کے خشک سیاہ پہاڑوں کے سائے نظر

آئے۔ یہی وہ جزیرہ تھا جہاں اس کی ابدی زندگی کا راز چھپا تھا۔

جہاں سرخ درخت کے سیاہ پھل سے سرخ خون ٹپکتا تھا جسے پی کر سامادھن کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو سکتی تھی۔ وہ جزیرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا کہ سامادھن جزیرے پر اتر گیا۔ کشتی کھینچ کر اس نے ایک چٹان کے ساتھ باندھ دی اور خود ریت پر چلتا ہوا ایک چٹان کے پاس آیا اور ریت پر لیٹ گیا۔

وہ تھک گیا اور رات آرام سے بسر کر کے اگلے روز صبح سرخ درخت کی تلاش میں نکلنا چاہتا تھا۔

چٹانوں کے پیچھے لمبے جزیرے کا گھنا جنگل ایک سیاہ بادل کی طرح نظر آ رہا تھا جو آسمان سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا ہو۔

اس جنگل میں سامدھن کی ہمیشہ کی زندگی کا راز پوشیدہ تھا۔ اس پر تھکن کی وجہ سے غنودگی طاری ہونے لگی۔ اور وہ سو گیا۔

آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے جنگل کی طرف سے ایک دردناک سی ڈراؤنی آواز سنائی دی جو ہولے ہولے رک رک کر اسے بلا رہی تھی۔ سامدھن نے کان لگا کر سنا۔ آواز کہہ رہی تھی۔

”سامدھن! آ جاؤ! سامدھن آ جاؤ! ہمارے پاس آ جاؤ! ہم تمہارا خون نکال کر پی جائیں گے! سامدھن آ جاؤ! سامدھن آ جاؤ!“۔

آوازیں چڑیلوں کی معلوم ہوتی تھیں اور اس قدر ڈراؤنی اور ہیبت ناک تھیں کہ ایک بار تو سامدھن کے جسم میں بھی کپکپی چھا گئی۔

آخر وہ جادوگر تھا۔ اس نے ان آوازوں پر کوئی دھیان نہ دیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن نیند اب کوسوں دور تھی۔

وہ ساری رات جاگتا رہا۔ آوازیں دوبارہ نہ آئیں۔ دن نکل آیا تو وہ اٹھا اور جزیرے کے درختوں کی جانب چل پڑا۔

ابھی وہ جنگل کے کنارے پر ہی تھا کہ ایک چٹان کے عقب میں آ کر کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ریت پر کچھ قبریں بنی ہیں جن کے سرہانے سیاہ پتھر کے بت کھڑے ہیں۔

اسے سردار کی بات یاد آ گئی کہ یہ ان لوگوں کے بت ہیں جو سرخ درخت کی تلاش میں یہاں آئے اور مر کر پتھر بن گئے۔

سماوحسن ایک بت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس بت کی شکل سیاہ تھی اور بڑی ہی ڈراؤنی آنکھیں تھیں اچانک بت نے آہستہ سے آنکھیں جھپکیں اور پراسرار سرگوشی میں کہا۔

”اے اجنبی! اس جزیرے سے بھاگ جا! اگر تو سرخ درخت کی تلاش میں آیا ہے تو ابھی واپس چلا جا۔ بھاگ جا! واپس ہو جا!“۔

سماوحسن نے کہا۔

”میں بہت بڑا جادوگر ہوں۔ مجھے کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میں سرخ درخت کا خون پی کر رہوں گا“۔

پتھر کے بت نے کہا۔

”تو بدنصیب ہے! موت کو میں تیرے سر پر منڈلاتے دیکھ رہا ہوں۔ جا! اپنی موت کو گلے لگا لے۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ

ہیں بھی ایک بڑا جادوگر تھا اور سرخ درخت کے خون کی تلاش میں آیا تھا، لیکن آج اپنی ہی قبر پر پتھر بنا کر کھڑا ہوں"۔

سادھن خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ اب صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ سادھن جنگل میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سارے جنگل کے درختوں پر سفید رنگ کے پرندے جیسے پتھر بن کر بیٹھے ہیں اور کوئی پرندہ بھی آواز نہیں نکال رہا۔

آگے گیا تو درختوں پر سیاہ رنگ کے پرندے بیٹے بیٹھے نظر آئے۔ ذرا آگے چل کر اچانک ایک سیاہ پرندہ پھڑ پھڑاتا ہوا آیا اور سادھن کے سر پر بیٹھ کر اپنی لمبی

چونچ سے اس کی کھوپڑی توڑنے لگا۔

سادھن نے ایک منتر پڑھ کر ایک ہڈی کا ٹکڑا پرندے پر پھینکا۔ پرندہ آگ کا شعلہ بن کر بھسم ہو گیا۔

اس منظر کو دیکھ کر درختوں کے سارے سیاہ پرندے اپنی شاخوں سے گرے اور زمین پر گرتے ہی کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئے۔

سادھن آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے ایک چٹان میں بنا ہوا دروازہ دیکھا۔ قریب گیا تو دیکھا کہ اس چٹانی دروازے پر سانپ کا منہ بنا تھا جس میں سے سات سرخ زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔

سادھن نے محسوس کیا جیسے وہ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہے اور اندر سے روشنی باہر آ رہی ہے۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔

دروازہ تھوڑا سا کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

اندر جا کر اس نے جو دیکھا اس سے ایک بار تو وہ بھی سہم گیا۔ چاروں طرف سیاہ دیواروں پر انسانی کٹی ہوئی گردنیں لٹک رہی تھیں جن میں سے خون ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہا تھا۔

چھت میں ایک بڑی سی شمع روشن تھی یہ شمع ایک بد شکل بوڑھی عورت کی کھوپڑی میں جل رہی تھی۔

سادھن نے سوچا کہ خواہ مخواہ کہیں وہ کسی مصیبت میں

نہ پھنس جائے۔

واپس چلنا چاہیے اور وہ واپس کے لیے مڑا ہی تھا کہ عقب میں پتھر کا بھاری دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔

سادھن طنزیہ انداز میں ہنسا کہ ان چڑیلوں نے اسے کوئی معمولی انسان سمجھ رکھا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ وہ کس قدر بڑا جادوگر ہے چنانچہ اس نے کچھ پڑھ کر پتھر کے بند دروازے پر پھونک ماری۔

پھونک کے پڑتے ہی پتھر میں ایک سوراخ ہو گیا اور سادھن جادوگر باہر نکل گیا۔

باہر نکلنا تھا کہ پتھر کا سوراخ اپنے آپ بند ہو گیا۔

دروازے پر بنے ہوئے سانپ کے منہ سے ایک پھنکار سی نکلی اور اس کی سرخ زبانیں دو تین بار ہوا میں لہرا کر پھر سے پتھر کی طرح ساکت ہو گئیں۔

بڑا زبردست جادو تھا جس سے سادھن جیسا جادوگر ہی بچ سکتا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کی لاش چھوٹے چھوٹے پتھر بن کر فضا میں بکھر گئی ہوتی۔ اس نے سرخ درخت کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

وہ جنگل میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس جنگل میں سورج کی کرنیں کہیں سے بھی نہیں آ رہی تھیں اور درختوں کے نیچے اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔

زمین پر سے سیاہ اور نیلے رنگ کا ہلکا سا دھواں سا

خارج ہو رہا تھا۔ فضا میں انتہائی نامانوس بو پھیلی ہوئی تھی۔

سادھن جادوگر ایک چھوٹی سی ندی کے پار گیا تو جیسے درختوں میں زبردست پھڑ پھڑاہٹ ہوئی اور اچانک دو بڑے بڑے چمگادڑوں نے اس پر حملہ کر دیا۔

یہ چمگادڑ بالکل انسانوں کی طرح تھے۔ ان کے بڑے بڑے پر تھے اور چھوٹے چھوٹے سروں پر سینگ اگے ہوئے تھے۔ ان کے منہ سے ایسی چیخیں نکل رہی تھیں جیسے بچے زور زور سے رو رہے ہوں۔ چمگادڑیں سادھن کے سر پر پنجے مار رہی تھیں۔ جیسے

اس کی کھوپڑی میں سے دماغ کا گودا نکال کر کھانا چاہتی ہوں۔

سمادھن نے پہلے تو چگادڑوں کو مار کر بھگانا چاہا، لیکن وہ تو جیسے اس کے سر سے چمٹ ہی گئیں۔ اب سمادھن نے زمین پر سے سوکھے پتے اٹھا کر چگادڑوں کی طرف اچھالے۔

پتے ہوا میں جا کر چھوٹے چھوٹے خنجر بن گئے اور فضا میں چکر لگا کر چگادڑوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک پل میں چگادڑوں کی گردنیں کٹ کر نیچے گری تھیں اور جسم کٹ چکے تھے۔

خنجر پھر سے پتے بن کر زمین پر گر پڑے۔

سمادھن آگے بڑھا۔ سامنے اسے زمین پر ایک غار سا بنا ہوا نظر آیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ اس میں لاوا ابل رہا تھا اور باہر سفید گیس نکل رہی تھی۔

وہ آگے بڑھنے لگا تو غار میں گڑگڑاہٹ ہوئی اور پگھلے ہوئے لاوے کی ایک لہر اچھل کر غار کے دہانے سے باہر گری۔

لاوا جہاں جہاں گرا، وہاں آگ لگ گئی۔ جادوگر پیچھے ہٹ گیا۔ لاوے کی ابلتی ہوئی لہر نے بالکل اس کے سامنے ایک لکیر سی بنا دی تھی۔

جس میں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ آگے جانا سخت خطرناک بات تھی۔ لیکن جادوگر سمادھن تو فیصلہ کر

آیا تھا کہ وہ سرخ درخت کا خون پی کر ابدی زندگی حاصل کر کے رہے گا۔

وہ آگے بڑھا۔ لاوے کی آگ کے شعلے اس کے بالکل قریب آ گئے۔ سادھن منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ پڑھ کر پھونک رہا تھا۔

جوں ہی وہ آگ کے شعلوں کے اوپر سے گزر گیا اور آگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ شعلوں سے نکل کر سامنے اس نے ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا دیکھا جہاں مٹی کی چھوٹی چھوٹی قبریں بنی ہوئی تھیں۔

سادھن ایک پل کے لیے رک گیا۔ ان قبروں میں کہیں وہ مردے تو نہیں دفن جو سرخ درخت کی

تلاش میں یہاں آئے اور مارے گئے تھے؟

اسے بہت سے لوگوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ جادوگر ٹھٹھک گیا۔ قبروں کو غور سے تکنے لگا، کیونکہ رونے اور بین کرنے کی آوازیں قبروں سے آ رہی تھیں اور پھر اچانک قبروں نے پھٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے کھڑکھڑاتے ہوئے انسانی ہڈیوں کے پنجر نکل کر سادھن کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

ان پنجروں کی کھوپڑیاں آہستہ آہستہ دائیں بائیں، آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ کوئی پنجر بار بار اپنا بازو اٹھا کر اپنی کھوپڑی پر مارتا تو کوئی ڈھانچہ اپنا کمر

Page No

وا سینہ پیٹتا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ان کے منہ
نے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

ن نے منہ ہی منہ میں ایک منتر پڑھ کر پھونکا

م لوگ جو کوئی بھی ہو میرے راستے سے ہٹ
لو کہ میں بڑی طاقت والا جادوگر ہوں اور
تر پڑھ کر شکست و نابود کر دوں گا"۔

ے روتے رہے۔ کسی نے جادوگر کی طرف
دیا۔ وہ سینہ کوٹتے رہے اور اپنے ہاتھ کی
ے کھوپڑی پیٹتے رہے۔

ن نے ایک زبردست منتر پڑھ کر زور سے

پھونک ماری۔ ایک مردہ ہڈیوں کا پنجر کھڑے کھڑے پتھر میں تبدیل ہو گیا، لیکن ایک انوکھی بات یہ تھی کہ اس پتھر کے بت کا سر انسانی تھا۔

اس انسانی سر نے اپنی لال لال آنکھوں سے سادھن جادوگر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے جادوگر! ہمیں معلوم ہے کہ تم کون ہو اور یہاں کس نیت سے آئے ہو، لیکن یاد رکھو۔ اگر تم بڑے جادوگر ہو تو یہاں سے آگے تم سے بھی بڑے جادوگر بیٹھے ہیں جو سرخ درخت کی حفاظت کر رہے ہیں۔

اگر تم نے ان سے الجھنے کی کوشش کی تو اپنی جان

جھوکے ابھی وقت ہے، یہاں تک سے واپس ب اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے مگر دھن بھلا کب کسی کو خاطر میں لاتا تھا۔

ب کسی کی بات مانتا تھا۔ وہ ضدی تھا اور اسے گری کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے ہڈیوں کے وباری باری منتر پھونک کر چکر بنایا اور آگے ب چلا۔

جو درختوں کا سلسلہ شروع ہوا، ان کی شاخیں روؤں کی طرح ادھر ادھر لہرا رہی تھیں۔ جیسے لڑ کر ہڑپ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔

وہ برابر منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہا تھا۔ انسانی بازوؤں والے درختوں کا سلسلہ ختم ہوا تو سامنے ایک چھوٹا سا گول تالاب آ گیا۔

اس تالاب کے کنارے ایک کشتی پڑی تھی۔ جادوگر نے کشتی میں سوار ہونے کی کوشش کی تو زمین ایک دم لرز گئی۔ جیسے بھونچال آ گیا ہو۔

پھر ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور تالاب کا پانی درمیان میں سے ابلنا شروع ہو گیا۔ سادھن ایک طرف کنارے پر کھڑا تالاب کے پانی کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد تالاب میں سے ایک بہت بڑے بن مانس کا سر بلند ہوا۔

ر اتنا بڑا اور لمبا چوڑا تھا کہ اس کے نتھنے کسی
ے پہاڑ کے دو چوڑے غار لگ رہے تھے۔
ن جادوگر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ بن
ی سبز اور سیاہ آنکھوں سے گھور کر اسے دیکھ رہا

انس کا ایک لمبا ہاتھ تالاب میں سے باہر نکلا
ی کی طرف بڑھا۔ سادھن نے جھٹ ایک منتر
ونک ماری مگر کوئی اثر نہ ہوا۔
ر ابر اس کی طرف بڑھتا رہا۔ سادھن دو قدم
ر پھر منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگا۔ اسے جس
اد تھے۔ اس نے پڑھ ڈالے مگر بن مانس پر

جادو کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اب اسے مردے کی آواز سنائی دی کہ اے جادوگر! تو نادان ہے، واپس بھاگ جا، یہاں تمہارا جادو نہ چلے گا۔ یہاں تم سے زیادہ بڑے بڑے جادوگر پڑے ہیں۔ بن مانس کا ہاتھ اب سادھن کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ سادھن بڑا مکار تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہاں اس کی دال نہیں گلے گی۔

پیچھے مڑا اور اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔ جب وہ مردوں کے پتھریلے پنجروں کے پاس سے گزرا تو اسے مردوں کے طنزیہ قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں

Page No

حسن نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور بھاگتا بھاگتا
ے نکل کر ان قبروں کے پاس آ کر ٹھہر گیا جن
ہانے مردوں کے بت کھڑے تھے

سرخ درخت کا خون

جادوگر سماد حسن نے غور سے دیکھا تو ان میں سے صرف ایک بت باقی تھا۔

باقی سارے بت غائب ہو چکے تھے۔ صرف ان کی قبریں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ یہ ایک بت وہی سیاہ چہرہ تھا جس کی آنکھوں نے جادوگر کی طرف دیکھ کر اسے جاتے وقت کہا تھا کہ وہ واپس چلا جائے اور سرخ

کا خون حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔

ت ایک بہت بڑی چٹان جیسے کاٹ کر بنایا گیا
دوگر نے قریب جا کر دیکھا۔ چبوترے کی ایک
چھوٹی سی درز تھی جو اوپر سے نیچے تک چلی گئی تھی
میں سے سبز رنگ کی ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی

کیا اس کے اندر کوئی خفیہ تہہ خانہ ہے؟ جادوگر
نے سوچا۔ اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کیا
ہو سکتا ہے، یہاں سے سرخ درخت کا کوئی
ل جائے۔

جن نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھٹکے اور دسوں

انگلیوں کا اشارہ چبوترے کی طرف کیا۔ ہلکی سی گڑ گڑاہٹ کی آواز آئی اور چبوترے کا دروازہ اتنا کھل گیا کہ اس میں سے ایک آدمی گزر سکتا تھا۔

سماڑ جن دروازے میں سے گزر کر اندر چلا گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ اندر تو ایک شیش محل چمک رہا تھا۔ چھت پر سبز رنگ کے فانوس جل رہے تھے۔ دیواروں پر سبز رنگ کے ریشمی پردے گرے ہیں۔ فرش پر قالین بچھے ہیں۔

یہاں وہاں سونے کے تخت اور کرسیاں رکھی ہیں۔ بیچ میں چاندی کے صندوق کھلے پڑے ہیں جن میں سے زرد جواہرات اور ہیرے موتیوں کے ہار اور

Page No

اج اور سونے کے جڑاؤ زیورات باہر نکل رہے

دھن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اتنا قیمتی اور انمول
س نے اپنی جادوگری کی ساری زندگی میں نہ
ے۔

چہ وہ خزانے کی تلاش میں وہاں نہیں آیا تھا،
ر بھی اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس
ے کو اپنے ساتھ واپس ہسپانیہ لے جائے اور
یا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے بادشاہ بن کر
ے۔

دوگری کے منتر پھونک کر وہ آگ تو لگا سکتا

تھا۔ پتھروں کو توڑ سکتا تھا مگر اتنا زبردست اور قیمتی خزانہ پیدا نہ کر سکتا تھا۔ اس کے جادو کی ایک حد تھی۔

اس حد سے وہ آگے نہیں جا سکتا تھا۔

ہاں اگر وہ سرخ درخت کا خون پی لے تو پھر اسے پورا جادو مل سکتا تھا۔ اور وہ خزانوں پر بھی قبضہ کر سکتا تھا۔

اس نے ایک صندوق میں ۔ ہے جواہرات سے منڈھا ہوا ایک تاج اٹھایا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ تاج کے موتیوں اور جواہرات کی چمک سے آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں۔

اس نے تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی

Page No

ا آیا اور سارا کمرہ ہل گیا۔ جادوگر کرتے کرتے

ں نے تاج سر پر سے اتار کر بغل میں دبا لیا۔
ب گیا سادھن نے سوچا کہ اس خزانے میں سے
ی وہ نکال کر لے جا سکتا ہے، لے جائے۔
ب سنہری موقع پھر اسے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پس
ے قریب ہی سے پڑا ہوا چمڑے کا جھولا اٹھایا اور
ں جواہرات، ہیرے موتی، سونے کے زیورات
بار اور تاج ڈالنے شروع کر دیئے۔
ب تھیلا بھر گیا تو اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور
نے کے لیے چبوترے کے ادھر کھلے دروازے کی

طرف بڑھا۔

اب اس نے پھر ایک ایسی حرکت کی جو شاید اس کے لیے مصیبت کا باعث بن گئی۔ اس نے شاہی تاج پھر اپنے سر پر پہن لیا۔

ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلے کا جھٹکا لگا۔ چبوترے کا پتھریلا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ اور سادھن زمین پر گر پڑا۔

اس کے جھولے میں رکھا ہوا خزانے کے ہیرے جواہرات بھی قالین پر بکھر گئے۔ سادھن جلدی سے اٹھا اور دروازے کی طرف آ کر زور لگانے لگا، مگر دروازہ نہ کھل سکا۔

Page No

ں نے اپنے سارے منتر، سارا جادو آزمالیا مگر
روازہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہل سکا۔ اسے
ب رہا تھا کہ کسی طاقت نے اس سے جادو کی
طاقت چھین لی ہے۔

پریشانی کی حالت میں ادھر سے ادھر
نے لگا۔ وہاں کوئی روشندان، کوئی کھڑکی، کچھ
ہیں تھا۔

ت پر فانوسوں پر شمعیں جل رہی تھیں۔
ں پر موٹے موٹے ریشمی سبز پردے گرے
تھے۔

شمعیں کس نے جلا رکھی تھیں؟ ضرور کوئی بڑی

طاقت اس خزانے کی چوکیداری کر رہی تھی۔

اتنے میں کیا ہوا کہ ایک جگہ دیوار سے سبز بھاری پردہ ایک طرف ہٹا۔ اندر سے تیز روشنی جگمگائی اور ایک مہیب ڈراؤنی آنکھوں والا آدھا حیوانی، آدھا انسانی چہرہ نمودار ہوا۔

اس کی سرخ آنکھوں سے تیز روشنی کی کرنیں نکل رہی تھیں۔ کھوپڑی پر ایک سینگ تھا جس پر زرد آنکھوں والا خوفناک الو بیٹھا تھا۔

چہرے نے ایک قہقہہ لگایا اور گونجدار آواز میں کہا۔

”سادھو! تو نے کاہن اعظم کے تاج کو اپنے سر

Page No

غلطی کی ہے جس کی سزا تجھے یہ ملی ہے کہ اب
زندگی اس پتھر کے گھر سے باہر نہ نکل سکے گا۔
زندہ رہے گا اور اسی جگہ ایک روز سسک
مر جائے گا۔

غائب ہو گیا۔ آہ! پر وہ اپنی جگہ پر واپس آ
حسن پریشان ہو گیا۔ آہ وہ کس مصیبت میں
تھا۔

گر اس نے پردہ ہٹا دیا، لیکن پیچھے پتھر کی سیاہ
ر کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے جادو کرنا
دیا۔ وہ اونچی آواز میں منتر پڑھنے لگا۔
ردوں پہ پھونکیں مارنے لگا ۔ جب سے

مردوں کی ہڈیاں نکال نکال کر دیواروں پر جھٹکنے لگا۔ مگر کسی شے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

ایسے لگتا تھا جیسے سچ مچ اس سے جادو کی طاقت چھین لی گئی۔ چھت کے فانوس بھی آہستہ آہستہ بجھنے لگے۔

پھر سارے فانوس بجھ گئے۔ صرف دیوار کی ایک شمع روشن رہی جس کی زرد روشنی میں پتھر کے گھر کی فضا اور زیادہ ڈراؤنی ہو گئی۔

جادوگر سادھن اب کچھ خوفزدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ کوئی اس سے بھی بڑا جادوگر یہاں رہتا ہے جس نے اسے سزا کے طور پر اس پتھر کی قبر میں ڈال

راس کا سر چکرانے لگا۔ وہ جواہرات کے ڈھیر
ں بیٹھ گیا۔ اسے اپنے جسم سے طاقت باہر نکلتی
ہونے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر

ستو! اگر تم کوئی بڑے جادوگر ہو تو میرا استاد تم
ں بڑا جادوگر ہے۔ اس کو جب پتا چلا کہ تم نے
یاں قید کر دیا ہے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے

دھن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ
ے میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ اس کے بعد جادوگر

سماڈھن بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جس وقت اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اسی جگہ پتھر کے چبوترے والے کمرے میں اکیلا پڑا ہے۔ ڈھیر سے جواہرات اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے تھے۔ اسے بھوک محسوس ہوئی لیکن وہ سونے موتی اور جواہرات سے جڑے ہوئے زیور اور تاج کھا کر اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا تھا۔

بھوک مٹانے کے لیے اسے تھوڑی سی روٹی چاہیے تھی۔ روٹی وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ سماڈھن نے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

اس نے دیوار کے پردے کو اٹھا اٹھا کر دیکھا کہ

بچھے تو کچھ نہیں سنا؟۔
پتھر کی دیوار ہی تھی۔ ایک جگہ کونے میں بڑا
کا رتھ الٹا پڑا تھا۔ پاس ہی ایک چاندی کا
یہ بت کسی عجیب سے جانور کا تھا۔
جانور ساڈھن نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
اس بت کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایک ہلکی سی
ری۔ یہ آواز ویسی تھی جیسے کوئی آہستہ آہستہ
ھنکار رہا ہے۔
ن چوکنا ہو گیا۔ سوچنے لگا۔ یہ آواز کہاں
سے؟ ضرور کوئی خفیہ دروازہ کھل رہا ہے۔
کے قریب ہی کونے میں فرش پر ایک شگاف

نمودار ہوا۔ جادوگر ساڈھن نے جھک کر دیکھا۔ نیچے ایک تابوت رکھا تھا۔ وہ قبر میں اتر گیا۔ تابوت کا ڈھکنا اوپر سے بند تھا۔

ساڈھن نے تھوڑا سا زور لگا کر تابوت کا ڈھکنا اٹھا لیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تابوت کے اندر سیڑھیاں بنی ہیں جو نیچے جا رہی ہیں۔

ساڈھن جلدی سے نیچے اتر گیا۔ یہ سیڑھیاں ایک چھوٹے سے دروازے پر جا کر ختم ہو گئیں۔ یہاں بہت بڑا اندھیرا تھا۔

صرف اوپر سے آنے والی روشنی کی وجہ سے دروازے کا پتھر چمک رہا تھا۔ ساڈھن دروازے میں

وگیا۔

ایک تنگ سا راستہ تھا جہاں سے نمداری بو اٹھ
ں۔ اس خیال سے وہ آگے بڑھتا چلا گیا کہ شاید
سے فرار کا کوئی راستہ نکل آئے اور وہ واپس
ے پر پہنچ جائے۔

ب راستہ اسے ایک گول کمرے میں لے گیا۔
یچ میں ایک تخت رکھا تھا۔ تخت سونے کا لگ رہا
ر اس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ جیسے کئی برسوں سے
وئی نہ بیٹھا ہو۔

دحسن نے تخت کے چاروں پایوں کو غور سے
ر ایک پائے کے ساتھ اسے نیچے کی طرف

انسانی کھوپڑی چاندی کے تاروں سے بندھی ہوئی نظر آئی۔ اس نے کھوپڑی کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے ہلکے سے طنزیہ قہقہے کے ساتھ آواز سنائی دی۔

"اے شخص! تو اس قید خانے سے ساری عمر باہر نہ نکل سکے گا تو نے کاہن اعظم کے شاہی برج کی توہین کی ہے۔ یہاں سے فوراً واپس چلا جا نہیں تو وہی جلا کر خاک کر دیا جائے گا"۔

سمادحسن نے کہا۔

"لیکن میں ایک جادوگر ہوں۔ ایک ہزار سال پہلے بھی زندہ تھا۔ میرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جانا چاہیے"۔

Page No

ھوپڑی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

ایک گستاخ جادوگر ہے۔ اگر تو کاہن اعظم کے
بے حرمتی نہ کرتا تو شاید تیرے ساتھ نرمی کا
یا جاتا مگر اب تم نے ایک بڑا گھناؤنا جرم کیا

ے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تیرے دل میں کاہن
خزانہ چرانے کا خیال بھی آیا تھا۔ تو چور بھی
کھ تجھے ہدایت کرتا ہوں کہ یہاں سے واپس
نہیں تو ساری عمر پچھتاتا رہے گا۔

حسن فوراً وہاں سے واپس پلٹ آیا۔

وتے والے کمرے میں آ کر اس نے سوچنا

شروع کیا کہ اس طرح تو وہ بیچ اسی جگہ قید ہو کر رہ جائے گا اور شاید اس کی موت بھی واقع ہو جائے۔ وہاں تو اسے کھانے پینے کو بھی کچھ نہ ملے گا۔ اس نے اپنے استاد جادوگر کی روح کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کمرے کے وسط میں قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں منتر پڑھنے لگا۔

کافی دیر تک وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اس کا سانس پھول گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر سرخ سرخ ڈیلوں سے چھت کی طرف دیکھا اور کہا۔

رے استاد جادوگر! میری مدد کو آ! میں نے
ت میں آواز دی ہے۔ میری مدد کو آ!"
یں کا ایک غبار سا اس کی آنکھوں کے سامنے
ں میں سمادھن کے استاد کی شکل نظر آئی۔
ڈاڑھی والا بھیانک آنکھوں والا چہرہ سمادھن
دیکھ رہا تھا۔

ن! تو نے ہمیں یاد کیا۔ ہم آ گئے۔ پر ہمیں
ت کی ساری خبر تھی۔ دیکھ! کاہن اعظم
ں کے بڑے جادوگر اور استادوں کے سے
ا۔

نے ان کے تاج کو اپنے سر پر کیوں رکھا؟

تو نے ان کے خزانے کو چوری کرنے کی کیوں کوشش کی؟ اب تجھے اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

سمادھن نے کہا۔

گورو جی! آپ سے بڑھ کر اس دنیا میں سوائے سامری کے اور کون جادوگر ہو سکتا ہے۔ پھر آپ اس کاہن اعظم سے کیوں ڈرتے ہیں۔

آپ اگر چاہیں تو اس چبوترے کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔ آپ اشارہ کریں تو یہ دیواریں آن کی آن میں باہر کو گر جائیں۔

استاد جادوگر نے کہا۔

تم اس طرح مجھے غصہ نہیں دلا سکو گے سمادھن!

ا ہوں، کہاں میری طاقت شروع ہوتی ہے
جا کر میری طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ کاہن
مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ن عاجزی سے بولا۔

رے گورو! تو کیا اب میں باقی ساری زندگی
سسک سسک کر مر جاؤں گا؟ کیا میری نجات
ے گی۔ کیا آپ اپنے مالک کی، اپنے ادنیٰ
کوئی مدد نہیں کریں گے؟"۔

و بولا۔

س ہے سادھن! میں تیری کوئی مدد نہ کرسکوں
گزر گئیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ تم نے اپنے

پاؤں پر کلہاڑا چلایا ہے۔

اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ میں جا رہا ہوں۔ مجھے دوبارہ بلانے کی کوشش نہ کرنا، کیونکہ اگر میں پھر آیا تو ہو سکتا ہے، کاہن اعظم مجھ سے بھی میری طاقت چھین لے۔

دھوئیں کا غبار ایک بار پھر اٹھا اور استاد جادوگر کا چہرہ اس میں غائب ہو گیا۔ اب تو سادھن کو فکر پڑ گئی کہ وہ کیا کرے۔

وہ تو بالکل ہی بے یار و مددگار ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ قالین پر سے اٹھ بیٹھا اور ایک بار پھر اس نے وہاں سے نکلنے کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ہ جادو سے ہٹ کر اپنی چالاکی اور مکاری

ینا چاہتا تھا۔ وہ ایک دم سے سجدے میں گر

ڑا کر بولا۔

عظیم کاہن اعظم! مجھے معاف کر دیں۔ میں

سخت غلطی کی ہے۔ میں تم سے معافی مانگتا

وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا غلطی کبھی نہیں

۔

بخش دے اور یہاں سے نکال لے۔ نہیں تو

پیاسا مر جاؤں گا۔

جادوگر سمادھن نے جھوٹ موٹ اور مکاری

بہت ہی گریہ وزاری کی تو چھت کے ریب

کی چہرہ مسرور ہوا اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے سمادھن کو دیکھا اور کہا۔

"جا ہم نے تمہیں معاف کیا، لیکن تمہیں کفارہ ادا کرنا ہوگا"۔

سمادھن نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں ہر قسم کا جرمانہ ادا کرنے کو تیار ہوں"۔

چہرے نے گرج کر کہا۔

تو سن! اس جزیرے میں ایک ٹیلے کے پیچھے غار ہے۔ اس غار میں ایک قبرستان ہے۔ اس قبرستان کی ساری قبروں کے مردے باہر پڑے ہیں۔

تیری سزا یہ ہے کہ اس غار میں جا کر سارے

لاشوں کو ایک ایک کر کے ان قبروں میں
جب سارے مردے دفن ہو جائیں تو ایک
ردہ ساتھ والی غار میں رہ جائے گا۔

تیری نجات کا باعث ہوگا۔ اب یہاں سے
دفع ہو جا، میری آنکھوں کے سامنے سے۔

ن نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

ضور! وہ ٹیلا کہاں ہے؟"۔

اروالی چٹان کے پاس"۔

کے ساتھ ہی چہرہ غائب ہو گیا۔ سادھو حسن نے
ئیں دیکھا۔ کمرے کا پتھریلا دروازہ تھوڑا سا
تھا۔

اس نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی اور دروازے میں سے باہر بھاگا۔ اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔

کھلی ہوا اور سورج کی روشنی میں آ کر اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ درختوں کے کچھ پھل توڑ کر کھائے۔

ایک جگہ ریت میں پانی جمع تھا۔ وہ چلو بھر بھر کر پیا اور سوچنے لگا کہ کیا اس ٹیلے کے غار میں جا کر مردوں کو دفن کرنا چاہیے یا یہیں سے جزیرے میں سے نکل جانا چاہیے؟۔

اصل میں وہ سرخ درخت کا خون پیے بغیر اس

سے واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ یہ اس کی
واحد مقصد تھا اور اس مقصد کو لے کر وہ اس
پر آیا تھا۔

نے سوچا تھا کہ ابھی مردوں کو قبروں میں دفن
بہتر ہے۔ دیکھتے ہیں آخری نا روالا مردہ اس
مائی کرتا ہے۔

چ کر سادھن مینار والی چٹان کے پاس آ

ہی ایک ٹیلہ تھا جس کے پاؤں میں ڈیک
ار بنا تھا۔ سادھن اس غار میں داخل ہو گیا۔
گے چل کر اندر روشنی سی ہو گئی۔

یہ روشنی اوپر پہاڑ کی درزوں میں سے آ رہی تھی۔ اس روشنی میں سادھن نے دیکھا کہ زمین پر جگہ جگہ قبروں کے منہ کھلے تھے اور مردے باہر پتھروں پر پڑے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر ایک بار تو سادھن کو بھی خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔ ان مردوں کا قبروں میں دفن کرنا بھی بہت ضروری تھا، کیونکہ کاہن اعظم نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ یوں ہی اپنا کفارہ ادا کر سکتا تھا۔ اور پھر اس جزیرے کے سرخ درخت کے خون کو اپنے حلق میں انڈیل سکتا تھا۔

سادھن نے ایک ایک کر کے مردوں کو اٹھا کر

ں ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ ایک مردے کو قبر
ت اور پھر بیلچے سے اندر مٹی اور پتھر ڈالتے
ر رہتا۔

م تک وہ صرف دس بارہ مردے ہی دفن کر
ت کو اس نے ٹیلے کے باہر آرام کیا۔ صبح کو پھر
ا کر مردوں کو دفن کرنے کے تھکا دینے والے
گ گیا۔

ں کہ چار دن کی محنت کے بعد ساؤھن نے غار
ے ہوئے سارے کے سارے مردوں کو
ں بند کر دیا۔

صرف کاہن اعظم کے حکم کے مطابق

دوسرے غار والا مردہ باقی رہ گیا تھا جس سے ساؤھن کو رہنمائی بھی حاصل کرنی تھی۔

وہ ساتھ والے غار میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ طاق میں تیل کا ایک دیا جل رہا ہے۔ اس کی روشنی میں اسے ایک کھلی قبر دکھائی دی جس کے باہر ایک خوفناک شکل والا مردہ زمین پر پڑا تھا۔

ساؤھن اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اچانک مردے نے اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور کہا۔

تو نے اپنا کفارہ ادا کر دیا۔ اب تو آزاد ہے۔ مجھے بھی اس قبر میں دفن کر دے اور اس جزیرے سے فوراً نکل جا۔

مندر کے کنارے ایک کشتی ملے گی۔ اگر تو
لچ کیا اور جزیرے پر ٹھہرنے کی کوشش کی تو
تو ساری زندگی اس جزیرے میں سے باہر نہ
اور تیری ہڈیاں بھی اسی زمین میں گل سڑ
۔ جا اب دفع ہو جا۔

ن نے کہا۔

ے مردہ روح! میری ایک بات کا جواب تو

ے نے کہا۔

چھ تو کیا پوچھنا چاہتا ہے"۔

ن نے پوچھا۔

’’یہ بتا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں پڑا ہے اور کب سے پڑا ہے۔ میں بھی کبھی ایک مردہ تھا اور ایک ہزار سال سے قبر میں دفن تھا، لیکن میں قبر سے باہر زمین پر کبھی یوں نہیں پڑا رہا‘‘۔

مردہ بولا۔

سن اے احمق جادوگر! تو نے مجھ سے وہ کچھ پوچھا ہے جو میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکتا۔ میں اس جزیرے کا بادشاہ تھا۔

میں نے ایک گستاخی کی۔ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی اور اس غلطی کی سزا آج تک بھگت رہا ہوں۔ بس اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اب تو فوراً یہاں

جائیں تو پھر کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار
گا۔

ن نے چپکے سے اس بادشاہ کے مردے کو قبر
ر تابوت بند کر دیا اور اوپر سے مٹی پھر ڈال کر
دی۔

سے باہر آ کر وہ سیدھا سمندر کی طرف آ
اں ساحل پر ایک چھوٹی کشتی تیار کھڑی تھی۔
نے کشتی میں اتر کر دیکھا کہ کھانے پینے کی ہر
د تھی۔

سے پہلے تو اس نے جی بھر کر کھایا پیا اور
آگ بجھائی پھر وہ لیٹ گیا اور آرام کرنے

لگا۔

اسے معلوم تھا کہ اگر وہ وہاں سے نہ گیا تو کاہن اعظم اس سے انتقام لے گا۔ سمادھن کی جادو کی طاقت ختم ہو چکی تھی یا کم از کم جتنی دیر تک وہ اس جزیرے میں تھا، وہ جادو سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا، اسے اپنی ہوشیاری اور مکاری سے ہی کرنا ہوگا۔

رات بھر اس نے کشتی میں آرام کیا۔

صبح صبح وہ کشتی لے کر کنارے سے چل دیا۔ یہ ناممکن بات تھی کہ سمادھن اس جزیرے سے سرخ درخت کے پھولوں کا خون پیے بغیر جائے کیونکہ اس

Page No

ری اس کی ساری آنے والی زندگی کا دارومدار

ں خون کو سادھن کو ابدی زندگی عطا کرتی تھی۔
ہ تو ایک مردہ شخص تھا۔ اگر ایک بار پھر ماریا کے
ٹنے میں بھول کر جائے تو اسی جگہ ہڈیوں کا
ن کر زمین پر گیرا اور نیست و نابود ہو جائے۔
ب طرح سے اس کی زندگی ماریا کے بالوں میں
۔ اگر ماریا زندہ ہے اور وہ اس کے بال ہر مہینے
ر کاٹ دیتا ہے تو وہ بھی زندہ ہے لیکن اگر کسی
ں اس سے بھول چوک ہو گئی تو پھر وہ مر جائے
ا ایسی موت مرے گا کہ پھر حشر تک نہ اٹھ سکے

گا۔

پس سادھن کشتی کو کنارے کنارے کھیتا جزیرے کی پرلی جانب لے گیا۔ جزیرہ کافی بڑا تھا۔ وہ اس کے حدود اربعہ کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اس کے جنوبی حصے سے بھی اگر جنگل میں داخل ہوا جائے تو وہ چلتے چلتے سرخ درخت کے پاس پہنچ سکتا ہے۔

اس نے جزیرے کے دور جنوبی ساحل پر جا کر اپنی کشتی ایک چٹان کے ساتھ باندھی اور اتر کر درختوں کی چھاؤں میں آ گیا۔

وہ اس کے سامنے ایک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ یہی وہ جنگل تھا جو سرخ درخت کی طرف جاتا

ن نے اپنے استاد کا نام لیا اور جنگل میں
یا۔

ی دور چلنے کے بعد اسے درختوں میں ایک
انی ہوئی نظر آئی۔ حیران ہوا کہ اس بے آباد
ون آباد ہے۔

پڑی کے باہر دروازے پر انسانی کھوپڑیاں
تھیں۔ وہ ابھی جھونپڑی کے دروازے تک
ق کر ایک فلک شگاف چیخ سے سارا جنگل
ا۔

ن اگر جادوگر نہ ہوتا تو شاید غش کھا کر گر
دا چی جگہ پر کھڑا رہا اور غور کرنے لگا کہ یہ چیخ

کس کی ہو سکتی ہے۔

اتنے میں جھونپڑی میں سے ایک ایسی عورت باہر نکلی جس کے پاؤں الٹے تھے اور ہاتھ بھی الٹے تھے۔ اس کے بال سفید تھے اور ڈراؤنے چہرے پر دو لمبے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

سماڑھن نے اسے جھک کر سلام کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ جزیرے کی چڑیل ہے۔

سماڑھن مکاری سے بولا۔

"اے عظیم چڑیل! میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔ تو بہت بڑی چڑیل ہے اور میں تیرے ہی درشن کرنے یہاں آیا ہوں۔"

ں نے زمین پر پاؤں مارا اور قہقہہ لگایا۔ جنگل
ے درخت لرز اٹھے۔

گر سادھن! میں تیری مکاری سے خوب
ں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تو اس جزیرے
رخت کا خون پینے آیا ہے۔

ں سن: تو اس مقصد میں اس وقت تک
ہیں ہو سکتا جب تک کہ تو کسی ایسے جنگلی آدم
اٹ کر نہ لائے جس نے ایک ہزار انسانوں
ن پیا ہو، اور یہ کام تجھے اپنی محنت اور جرأت
ہوگا، کیونکہ ان علاقوں میں کسی پر بھی تیرا جادو
کے گا۔

سادھن نے کہا۔

"اے عظیم چڑیل! اب جب کہ تو میرے سارے رازوں سے واقف ہو گئی ہے، مجھے یہ بتا کہ وہ جنگلی آدم خور مجھے کہاں مل سکے گا؟"۔

چڑیل بولی۔

یہاں سے تھوڑے فاصلے پر پچھم کی طرف ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اس جزیرے میں آدم خور وحشی آباد ہیں۔

فوراً وہاں جا اور معلوم کر کہ وہاں کوئی ایسا وحشی آدمی ہے جس نے ایک ہزار انسانوں کا خون پیا ہو؟ بس اسے اپنی چالاکی اور مکاری سے کام لے کر ہلاک

Page No

ں کا سر کاٹ کر میرے پاس لا۔
ں تمہیں بتاؤں گی کہ تو سرخ درخت کا خون
ت حاصل کر سکتا ہے"۔

ن بولا۔

ے عظیم چڑیل! اگر میں ان آدم خوروں کے
ں حالت میں گیا کہ کوئی جادو نہ کر سکا تو وہ تو
ں کر کھا جائیں گے۔ مجھے تھوڑی سی ایسی
ے کہ میں اپنی حفاظت کر سکوں"۔

ں بولی۔

یہ پتھر کا ٹکڑا اپنی جیب میں رکھ لے۔ اس کا
فائدہ ہوگا کہ تو اسے جب زمین پر مارے گا

تو وہاں سے آگ کا شعلے نکلے گا اور پتھر نمودار ہو گا۔ اس جادوگری سے تم ان وحشی آدم خوروں پر اپنا رعب جما سکو گے۔ اس کے بعد سارا کام تمہیں خود کرنا ہوگا۔"

چڑیل نے اسے پتھر کا ٹکڑا دے دیا۔ سمادھن نے پتھر جیب میں رکھا۔ چڑیل کا شکریہ ادا کیا اور واپس مڑا۔ اس کے واپس مڑتے ہی جنگل ایک بار پھر چڑیل کی ہیبت ناک چیخ سے گونج اٹھا۔

سمادھن وہاں سے بھاگا۔ اپنی کشتی میں سوار ہوا اور پچھم کی طرف کشتی کو چلانے لگا۔ کافی دور سمندر میں وہ کشتی پر سفر کرتا رہا۔

Page No

ا سے ایک جزیرہ دکھائی دیا۔ یہ چھوٹا سا
م خور وحشیوں کا تھا جو انسان کو دیکھتے ہی اسے
لے جاتے اور آگ پر زندہ بھون کر کھا جاتے،
میں بھونے سے پہلے اس کی شہ رگ کاٹ
ے وحشی ایک ایک گھونٹ اس کا خون پیتے

آدم خوروں نے بھی سمادھن کی کشتی کو دور
لیا تھا۔ وہ درختوں کے پیچھے چھپ گئے اور
نے لگے کہ یہ آدمی جزیرے پر پہنچے تو اس پر
ے حملہ کر کے پکڑ لیں۔
ن نے کشتی جزیرے پر لگائی اور زمین پر

کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں شور مچاتے، چیختے چلاتے وحشیوں کا ایک ہجوم نیزے اور کلہاڑے لیے اس کی طرف بڑھا۔

سمادھن ذرا نہ گھبرایا۔ وہ ان لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اسے پکڑ لیا گیا اور وحشی اسے کھینچتے ہوئے اپنی جھونپڑیوں کے پاس لے گئے۔

انہوں نے خوشی سے ناچنا گانا شروع کر دیا۔ درمیان میں ایک کھمبا گاڑ کر آگ جلا دی گئی۔

اس کے اوپر بڑا سا پتھر رکھ دیا گیا۔ اس پتھر پر لٹا کر سمادھن کے قتلے تلنے تھے اور پھر انہیں ہڑپ کر جانا تھا۔

www.urdurasala

وحشی آدم خوروں کا سردار خنجر لے کر سامادھن

کاٹنے کے لیے آگے بڑھا تو سامادھن نے

پتھر نکال کر زمین پر مارا۔

پتھر زمین سے ٹکرایا، ایک دھماکا ہوا۔ آگ

سمان کی طرف لپکا اور اس میں سے ایک پلا

ودار ہو کر مسکرانے لگا۔ وحشی اس کرتب کو دیکھ

ہشت سے پیچھے ہٹ گئے۔ اب سامادھن کی

اور مکاری کے تحت آ گیا تھا۔

نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

و! میں اس سمندر، اس جنگل، اس جزیرے کا

میں اس جزیرے پر تم لوگوں کی بھلائی کے

لیے آیا تھا لیکن تم نے مجھے پکڑ کر میری بے عزتی کی ہے۔

پھر بھی میں بدلہ لینے کی بجائے یہ بکرا تمہیں دے رہا ہوں۔ اس بکرے کی عبادت کرو۔ یہ بکرا اب تمہارا چھوٹا دیوتا ہے۔

یہ تقریر سن کر وحشی آدم خوروں نے سامادھن کے آگے سجدہ کر دیا اور اپنے سارے ہتھیار اٹھا کر پھینک دیئے۔

سردار نے سامادھن کے قدموں پر اپنا سر رکھ کر کہا۔

"اے عظیم دیوتا! ہماری جان بھی تمہارے چرنوں پر نچھاور ہے۔ ہمیں معاف کر دے۔ ہم نے

ں ہوگئی"۔

ن بولا۔

ں بکرے کو لے جانے کے اوپر باندھ دو وہ

یری اور اس کی عبادت کرو"۔

خوروں نے سادھن اور بکرے کے گلے میں
کے ہار ڈالے اور اس کے ارد گرد رقص کرنے
لگے۔

سر کاٹ کر لاؤ

جادوگر سادھن آدم خوروں کا دیوتا بن بیٹھا۔

لیکن وہ اصل مقصد سے غافل نہیں ہوا تھا۔ یہ آدم خور وحشی دن رات اس کی اور اس کے بیٹھے ہوئے بکرے کی پوجا کرتے۔

اسے بہترین سے بہترین پھل کھانے کو دیتے۔ ناریل کا پانی پینے کو دیتے۔ ایک روز سادھن نے

سردار کو طلب کیا اور کہا۔

"سردار! سالگرہ کا دن قریب آ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دن ایک بہت بڑا جشن ہو۔ اس جشن میں سارے جزیرے کے لوگ پھولوں کے ہار پہن کر رقص کریں گے"۔

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

"عظیم دیوتا! جو حکم ہوگا ویسے ہی کریں گے۔ آپ کا جشن ہم بڑی دھوم دھام سے منائیں گے"۔

اب سمادحسن اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس جشن کے لیے کوئی ایسا بزرگ آدمی چنو جس کو میں اپنا بڑا پجاری بنا کر یہاں

سے چلا جاؤں کیونکہ مجھے دوسرے معبدوں اور جزیروں کے لوگوں کا بھی خیال رکھنا اور ان کے لیے کام کرنا ہے"۔

"عظیم دیوتا! آپ جس کو حکم کریں، وہی آپ کا بڑا پجاری بننا اپنی خوش قسمتی خیال کرے گا، لیکن اگر آپ کی مرضی ہو اور آپ مجھ پر مہربانی کریں تو میں بڑا پجاری بننے کے ہر طرح سے لائق ہوں"۔

سمادحسن نے کہا۔

"لیکن اس کے لیے ہماری ایک شرط ہے"۔

"کون سی شرط حضور! آپ حکم کریں"۔

"کیا تم ہماری شرط پر پورے اتر سکو گے؟"۔

"عظیم دیوتا! آپ فرمائیں تو سہی کہ وہ شرط کیا ہے؟"۔

سمادھن بولا۔

میرا بڑا پجاری صرف وہ آدم خور بن سکتا ہے جس نے اپنی زندگی میں ایک ہزار انسانوں کا خون پیا ہو۔ اگر تم نے ایک ہزار انسانوں کا خون پیا ہے تو پھر تم میرے بڑے پجاری ہو گے۔ تمہیں سمندری بادشاہی مل جائے گی اور تم میں وہی طاقت آ جائے گی کہ تم اس سمندر اور جزیروں پر اڑتے پھرو گے جس طرح کہ میں اڑتا پھر رہا ہوں۔

سردار نے کہا۔

"عظیم دیوتا! میں نے آج تک کوئی حساب نہیں رکھا۔ لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ اس جزیرے کا میں واحد آدم خور ہوں جس نے سب سے زیادہ انسانوں کا خون پیا ہے"۔

سمادھن نے پوچھا۔

"تمہارے خیال سے تم نے اب تک کتنے انسانوں کا خون پیا ہو گا۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ نہیں تو تمہارے اندر وہ طاقت نہ آ سکے گی جو دیوتا تمہیں دینا چاہتے ہیں"۔

سردار نے سوچ کر کہا۔

"عظیم دیوتا! مجھے یقین ہے کہ میں نے اب تک

صرف نو سو انسانوں کا خون پیا ہے“۔

سادھو حسن کہنے لگا۔

باقی ایک سو انسانوں کا خون کہاں سے پیو گے؟ جب تک ایک ہزار انسانوں کی گنتی پوری نہیں ہو گی تم میرے پجاری نہیں بن سکو گے۔

شاید مجھے کسی دوسرے جزیرے سے کوئی بوڑھا آدمی اس عہدے کے لیے تلاش کرنا پڑے گا۔ اچھا! اب میں جاتا ہوں۔

سردار ہاتھ باندھ کر بولا۔

”عظیم دیوتا! مجھ پر رحم کریں اور بڑا پجاری بنا دیں۔ میں ساری زندگی آپ کی خدمت کی کروں

گا“۔

سادھو حسن نے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر انسانوں میرا مطلب ہے، ایک ہزار انسانوں کے خون پینے کی شرط کیسے پوری کرو گے؟ نو سو انسانوں کا خون تم پی چکے ہو۔ اب ایک سو انسان کہاں سے لاؤ گے؟

سردار سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر آ گئی۔ ہاتھ باندھ کر کہا۔

”حضور! اس جزیرے پر دو سو آدم خور آباد ہیں۔ میں ان آدم خوروں میں سے ایک سو کا خون پی سکتا ہوں“۔

سماڈھن چونک پڑا۔ اس لالچی سردار نے اس کا سارا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ نہیں تو وہ بھی پریشان ہو گیا تھا کہ اب وہ ایسا آدم خور کہاں سے لائے جس نے ایک ہزار انسانوں کا خون پیا۔

جھٹ سماڈھن نے کہا۔

تم واقعی بڑے بہادر ہو اور ہر طرح سے اس عہدے کے لائق ہو۔ تم نے یہ بات کہہ کر کہ تم جزیرے کے آدم خوروں کا خون پی جاؤ گے۔ میری لاج رکھ لی ہے اور میرا دل خوش کر دیا ہے۔ جاؤ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کا خون پینا شروع کر دو۔ لیکن ایک بات

یاد رہے۔

اس طرح ہر روز ایک آدم خور قتل ہونے شروع ہو جائے گا۔ لوگ تم پر شک کرنے لگیں گے۔

سردار نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

عظیم دیوتا! میں روزانہ ایک آدم خور کو اٹھا کر جزیرے کی دوسری جانب لے جاؤں گا۔ وہاں میں اس کی شہ رگ کاٹ کر خون پیوں گا اور اسے سمندر میں پتھر باندھ کر پھینک دوں گا۔ اس طرح کسی کو معلوم نہ ہو سکے گا کہ آدم خور کہاں چلا گیا۔

سماڈھن بولا۔

"کیا دوسرے آدم خور شک نہ کریں گے؟"۔

سردار نے کہا۔

میں یہ مشہور کر دوں گا کہ اس جزیرے کے لوگ ساتھ والے جزیرے میں سونے کی تلاش میں جا رہے ہیں۔

اس سے پہلے بھی ہمارے آدم خور ساتھ والے جزیرے میں ایک ایک کر کے سونے کی تلاش میں جایا کرتے تھے۔

ماڈھن اس وحشی سردار کی عقل پر دنگ رہ گیا۔ کم بخت اپنے مطلب کے لیے کیسی کیسی ترکیبیں نکال رہا تھا۔ ماڈھن نے اسے اجازت دے دی اور اس بات کی خاص طور پر تاکید کی کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

"عظیم دیوتا! کیا مجال جو کسی کو کانوں کان خبر ہو کہ میں کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔ بس آپ بے فکر رہیں، میں کل سے اپنا کام شروع کر دوں گا"۔

اور آدم خوروں کے سردار نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے روز صبح اس نے ایک آدم خور پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔

اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ وہ بے ہوش کر گر پڑا۔ سردار نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور جزیرے کی طرف لے گیا۔ وہاں لے جا کر اس کی شہ

رگ کاٹ دی اور خون کے چھ سات گھونٹ غٹا غٹ پی گیا۔

پھر اس نے لاش کے پاؤں میں پتھر باندھا اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔ دوپہر کو سردار نے سمادھن کے پاس آ کر کہا۔

"عظیم دیوتا! میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور ایک آدم خور کا خون پی کر اسے سمندر میں پھینک دیا ہے"۔

سمادھن بڑا خوش ہوا مگر ابھی ننانوے آدم خوروں کا خون باقی تھا۔ پھر بھی اسے سردار سے پوری پوری امید تھی کہ وہ اپنے اس مشن میں ضرور کامیاب ہو

جائے گا۔

اب ایسا ہوا کہ جزیرے پر سے ہر روز ایک آدم خور گم ہونے لگا۔ سب فکرمند ہو کر دیوتا سمادھن کے پاس آئے۔

وہاں سردار بھی موجود تھا۔ آدم خوروں نے کہا کہ اے عظیم دیوتا! آج چھ روز سے ہمارا ایک ساتھی روز گم ہو جاتا ہے۔

دیوتا سمادھن بولا۔

"یہ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا مل رہی ہے"۔

سردار جھٹ بولا۔

"عظیم دیوتا میرا خیال ہے کہ یہ آدم خور جو گم

ہوئے ہیں، اصل میں ساتھ والے جزیرے پر سونے کی تلاش میں گئے ہوں گے، کیونکہ اس سے پہلے بھی ہمارے لوگ وہاں جاتے رہے ہیں۔“

باقی آدم خوروں نے اس انکشاف پر اطمینان کا اظہار کیا اور سردار سے درخواست کی کہ وہ ان لوگوں کو وہاں جانے سے روکیں۔ سردار نے ایک تقریر میں تمام آدم خوروں سے کہا۔

”اب تک جتنے لوگ دوسرے جزیرے میں سونے کی تلاش میں جا چکے ہیں، میں انہیں واپس منگوانے کی پوری کوشش کروں گا لیکن آئندہ سے آپ لوگوں میں کوئی بھی ادھر کا رخ نہ کرے۔ اگر کسی

نے لالچ میں آکر وہاں جانے کی کوشش کی تو اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا“۔

سبھی مطمئن ہو کر واپس اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔

لیکن اگلے روز پھر ایک آدم خور گم ہو گیا۔ یوں ہر روز ایک آدم خور کے گم ہونے کا سلسلہ جاری رہا۔ سردار اس وقت تک پچاس آدم خوروں کا خون پی چکا تھا۔

سماد حسن نے محسوس کیا کہ اسے جلدی کرنی چاہیے، کیونکہ وہ واپس قلعے میں جا کر ماریا کے بال بھی کاٹنا چاہتا تھا۔ بال کاٹنے میں اس کے حساب سے دس بارہ

روز باقی رہ گئے تھے۔

اس نے سردار سے کہا کہ وہ روزانہ ایک آدم خور کی بجائے دو دو آدم خوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دے۔ سردار نے دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا ہی کیا۔ بلکہ وہ دو قدم آگے نکل گیا۔ اس نے ایک روز رات کو چار آدم خوروں کو ہلاک کر کے اس کا خون پی لیا۔

جزیرے کے آدم خوروں میں کہرام مچ گیا۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

سماڈھن نے سردار سے کہا۔

میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے سمندر

کے دیوتا کے ساتھ مل کر ایک پہاڑ پر جانا ہے، کیونکہ پہاڑ کی دیوار کی شادی ہے۔

ضروری ہے کہ کل تک تم باقی چار آدمیوں کا بھی خون پی کر میرے جھونپڑے میں آدھی رات کو آؤ تاکہ میں تمہیں اپنا پجاری بنا کر تمہارے سر پر سونے ک تاج رکھ کر تمہیں دیوتاؤں کی طاقت عطا کر دوں۔

اس خوشخبری کو سن کر سردار اس قدر بے تاب ہوا کہ اس نے دوسرے روز باری باری چار آدم خوروں کو پتھر مار کر بے ہوش کیا اور پھر اس کا خون پی کر پاؤں سے پتھر باندھ کر انہیں باری باری سمندر میں پھینک دیا۔

ایک ہزار انسانوں کے خون پینے کی شرط پوری ہو گئی تھی۔ سمادھن بڑا خوش تھا کہ وہ آدم خور سردار کا سر کاٹ کر لے جا سکے گا اور چڑیل سے اپنا کھویا ہوا جادو حاصل کر لے گا۔

آدم خور سردار اس بات پر خوش تھا کہ اب وہ عظیم دیوتا کی برکت حاصل کر کے اس کا سب سے بڑا پجاری بن سکے گا۔ وہ آدھی رات کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر سمادھن بھی اپنی جھونپڑی میں آدھی رات کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ایک چھرا چھپا کر پہلے ہی سے تیار رکھ لیا تھا۔

جزیرے پر رات کا سناٹا گہرا ہو گیا۔ آدھی رات گزری تو سردار خاموشی سے اپنے جھونپڑے سے نکلا اور سمادھن کی جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ سمادھن پہلے ہی سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ سردار نے دروازے کے پاس پہنچ کر آواز دی۔

"عظیم دیوتا! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"۔

سمادھن خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا۔

"آ جاؤ میرے بچے! چلے آؤ۔ میں تمہاری ہی راہ دیکھ رہا ہوں"۔

سردار جھونپڑی میں داخل ہوا۔ اس نے جھک کر دیوتا کو سلام کیا اور پھر ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

”میں حاضر ہوں میرے آقا! اب میرے گلے میں ہار ڈال کر اور میرے سر پہ تاج رکھ کر مجھے اپنا پجاری بنالیں اور دیوتاؤں کی طاقت عطا کر دیں“۔

سمادھن مسکرایا اور بولا۔

”شاباش میرے بچے! تم نے اپنی ہمت سے ثابت کر دیا ہے کہ اس جزیرے پر صرف تم ہی ایک ایسے آدم خور ہو جو صحیح معنوں میں میرے پجاری بننے کے قابل ہو۔ اب دیوتاؤں کا شاہی تاج اور ہار تمہارا حق ہے۔ آؤ میرے پاس“۔

سردار آگے بڑھ کر جھک گیا۔ سمادھن نے کہا۔

یہاں دو زانوں ہو کر بیٹھ جاؤ اور سر جھکا کر

آنکھیں بند کر لو میں کچھ اشلوک پڑھوں گا۔ پھر تاج تمہارے سر پہ رکھ دوں گا۔

لیکن خبردار! جب تک میں نہ کہوں آنکھیں ہرگز نہ کھولنا نہیں تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔

سردار بولا۔

”میرے آقا! آپ جس طرح کہیں گے اسی طرح سے ہوگا۔

سردار جھونپڑی کے وسط میں دو زانو ہو کر سر جھکا کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اب سمادھن کی باری تھی کہ وہ چابکدستی سے کام لے کر اپنا مقصد حاصل کرے، چنانچہ اس نے بڑی آہستگی سے

اپنے لبادے میں چھپایا ہوا خنجر باہر نکالا اور بجلی جیسی تیزی کے ساتھ سردار کے پیچھے آ کر اس کی گردن پر اتنی زور سے مارا کہ آدم خور سردار کی گردن کٹ کر فرش پر گر پڑی۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ سردار گردن کٹ جانے کے بعد بھی اسی طرح دو زانو اپنی جگہ پہ بیٹھا رہا۔ اس کا سر دور جا گرا اور اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔

پھر ایک دم سے آدم خور کا باقی دھڑ زمین پر گر پڑا۔ سادھن اب وہاں ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس نے آدم خور سردار کا سر تھیلے میں ڈال کر کندھے پر رکھا اور رات کی خاموشی میں جھونپڑی سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف چل پڑا۔

چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ سے سادھن نے کشتی کھولی۔ اس میں سوار ہو کر چپو چلاتا سمندر میں نکل گیا۔

باقی ساری رات وہ چپو چلاتا رہا۔ صبح دم وہ واپس سرخ دہشت والے جزیرے کے عقبی ساحل پر پہنچ گیا۔ جلدی جلدی اس نے کٹے ہوئے سر کا تھیلا اٹھایا اور جنگل میں جا کر چڑیل کی جھونپڑی کے باہر کھڑا ہو گیا۔ چڑیل ایک چیخ مار کر جھونپڑی میں سے باہر نکل

آئی۔

”کیا تم ایسے آدم خور کا سر لے آئے ہو جس نے ایک ہزار انسانوں کا خون پیا ہے؟“۔

سادھن نے کہا۔

”ہاں میری عظیم بہن! یہ دیکھو“۔

اور اس نے تھیلے میں سے آدم خور سردار کا کٹا ہوا سر نکال کر چڑیل کے آگے رکھ دیا۔ چڑیل نے سر اٹھا کر اسے گھما پھرا کر دیکھا اور خوشی سے ایک لمبا اور ڈراونا قہقہہ لگایا۔

”شاباش سادھن! تم نے بڑا زبردست کام کیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ مجھے اس سر کی

بہت ضرورت تھی۔ اب میں تمہارا کام ضرور کروں گا“۔

سادھن بولا۔

”عظیم چڑیل! اب مجھے وہ خفیہ راستہ بتا جو سرخ درخت کی طرف جاتا ہے اور جہاں راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے“۔

چڑیل بولی۔

”گھبراؤ نہیں۔ ابھی بتاتی ہوں۔ میرے ساتھ جھونپڑی میں آؤ“۔

سادھن ذرا گھبرایا کہ کہیں یہ چڑیل اسے ہی نہ ہڑپ کر جائے۔ اس وقت تو وہ بہت مجبور تھا، کیونکہ

اس کے پاس جادو کی طاقت بھی نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ اندر چلا گیا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ اندر پتھر کے ایک میز پر دیا جل رہا تھا۔

قریب ہی آگ روشن تھی۔ اوپر ایک مٹی کی ہنڈیا رکھی تھی جس میں کسی کا خون ابل رہا تھا۔ چڑیل نے کہا۔

"یہ میری ایک سہیلی چڑیل کا خون ہے۔ ہاہاہا۔ اس نے میری ایک بات نہیں مانی تھی۔ میں نے اسے ہلاک کر کے اس کا سارا خون اس ہنڈیا میں ڈال دیا۔ اب میں اس کی ہوئی گردن کو بھی اسی ہنڈیا میں پکاؤں گی اور پھر مجھے نئی طاقت مل جائے گی۔ ہاہاہا"۔

ساوحسن نے کہا۔

"میری عظیم بہن! مجھے بھی وہ خفیہ راستہ بتاؤ جو اس جزیرے کے سرخ درخت کی طرف جاتا ہے"۔

"ضرور ضرور ضرور بتاؤں گی۔ ضرور بتاؤں گی تمہیں۔ ہاں اس درخت کا خون پی کر تم ہمیشہ کے لیے امر ہو جاؤ گے۔ پھر تمہیں دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہ کر سکے گی۔ آؤ یہاں پتھر پر بیٹھ جاؤ"۔

ساوحسن آگ کے پاس ہی پتھر پر بیٹھ گیا۔

چڑیل نے کہا۔

میری باتیں غور سے سنو! میری جھونپڑی کے پیچھے ایک راستہ جنگل کے چشمے پر جاتا ہے۔ اس چشمے

میں سیڑھیاں بنی گیا۔

تیسری سیڑھی کی ایک سل اپنی جگہ سے ہٹاؤ گے تو نیچے ایک راستہ نکلے گا۔ یہ راستہ تمہیں سیدھا اندری اندر سے سرخ درخت کے سامنے لے جائے گا۔

وہاں جا کر ذرا بھی گھبرانا نہیں۔ ہو سکتا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد کاہن اعظم کوئی رکاوٹ ڈالے، لیکن اس پتھر کو اپنے پاس رکھنا جو میں نے تمہیں دیا ہے، تم اگر حالات خراب دیکھو تو اس پتھر کو وہاں پھینک دینا۔ سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔

سماد حسن نے جھک کر کہا۔

”بہت بہت شکریہ میری چڑیل بہن! اچھا اب

میں جاتا ہوں“۔

چڑیل قہقہہ مار کر بولی۔

”ہاہاہا۔ چڑیلیں تمہاری حفاظت کریں“۔

”ہاہاہا! چڑیلیں تمہاری حفاظت کریں“۔

سماد حسن نے جھک کر سلام کیا اور جھونپڑی سے باہر نکل کر پچھواڑے کی جانب آ گیا۔ یہاں ایک راستہ جنگل میں جا رہا تھا۔

سماد حسن اس راستے پر چل پڑا۔ تھوڑی دور جا کر کھجوروں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ سماد حسن وہاں سے بھی آگے نکل گیا۔

پھر ایک تالاب دکھائی دیا۔ یہی وہ تالاب تھا:

جس کی سیڑھیوں سے سرخ درخت کی طرف راستہ جاتا تھا۔ ساڈھن نے تالاب کی سیڑھیوں کو جھک کر غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ سیڑھی کہاں ہے جہاں کی سل کے نیچے غار کو راستہ جاتا ہے۔ بہت جلد اسے وہ پتھر مل گیا۔ اس نے زور لگا کر پتھر پرے ہٹا دیا۔

نیچے ایک راستہ نکل آیا۔ ساڈھن نیچے اتر گیا۔ یہ راستہ اندر ہی اندر آگے چل رہا تھا۔ ساڈھن چلتا گیا۔ کئی جگہ سے یہ غار نما راستہ مڑ گیا۔

ساڈھن بھی ساتھ ہی مڑتا چلا گیا۔ اندر اندھیرا

تھا۔ ساڈھن دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر جا رہا تھا۔ کتنی ہی دور چلنے کے بعد ایک جگہ اسے روشنی سی نظر آئی۔

یہاں غار ختم ہو جاتی تھی۔ وہ غار سے باہر آ گیا باہر نکلتے ہی اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر دیکھا۔

سامنے ایک اونچے سے چبوترے پر سرخ درخت کھڑا تھا۔ اس کی ٹہنیوں پر سرخ اور سیاہ پھل لگے تھے جن میں سے سرخ سرخ خون کے قطرے نیچے ٹپک رہے تھے اور وہاں ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا۔ یہ قطرے تالاب میں گرتے ہی لعل بن جاتے تھے۔

خونی ہار

جادوگر سماڑ حسن تو خوشی سے ناچنے لگا۔

آخر وہ ایک مقصد میں کامیاب ہونے والا تھا۔

سرخ درخت اس کے سامنے تھا اور اس کے سیاہ سرخ پھل میں سے وہ خون ٹپک رہا تھا جس میں سماڑ حسن کی ہمیشہ کی زندگی کا راز چھپا ہوا تھا۔

اب وہ چاہتا تھا کہ ذرا سی بھی دیر نہ کرے اور جتنی

جلدی ہو سکے، آگے بڑھ کر پھل میں سے ٹپکتا خون پی لے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرے۔

وہ درخت کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ درخت کے قریب ہی پہنچا تھا کہ ایک آواز آئی۔ اس آواز میں اس قسم کی وحشت اور شور تھا کہ سرخ درخت کے سوا وہاں کی ساری زمین یوں ہلنے لگی۔ جیسے وہاں سے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا ہو۔

سماڑ حسن نہ گھبرایا۔ اب وہ ناکام واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور سرخ درخت و سیاہ پھلوں میں سے خون ٹپکنا بند ہو گیا۔

سماڑ حسن نیم دیوانہ سا ہو کر پھلوں کو تکنے لگا۔ کسی

پھل سے خون نہیں ٹپک رہا تھا۔ جو خون نیچے گرا تھا۔ وہ سرے کا سارا سرخ پتھر بن کر جم چکا تھا۔ سامادھن نے پھل کو توڑنے کی کوشش کی تو اسے ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ دور جا گرا۔

وہ زمین سے اٹھا تو دیکھا کہ درخت کے پھلوں سے دوبارہ خون کے قطرے ٹپکنا شروع ہو گئے تھے۔ اب سامادھن کے لیے صبر کرنا بڑا مشکل تھا۔

ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ لپک کر آگے بڑھا اور چاہتا تھا کہ ایک پل میں درخت کے نیچے جا کر ٹپکتا خون پی جائے کہ جیسے ایک دم سے زمین پھٹی اور اس میں سے سات سروں والا ایک اژدہا باہر نکل کر اپنی

لالی لال زبانیں لہراتا سامادھن کی طرف بڑھا۔

سامادھن نے جیب سے پتھر نکال کر زمین پر پھینک دیا۔

ایک دھماکا ہوا۔ دھواں اٹھا۔ جب دھواں ہٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں نہ اژدہا ہے نہ سرخ درخت اور نہ خون ٹپکانے والے پھل۔

وہاں ہر چیز بدل گئی تھی۔ ایک چٹیل میدان تھا جس کے کنارے چھوٹے چھوٹے ٹیلے کھڑے تھے۔ سامادھن چکرا کر رہ گیا کہ یہ آن کی آن میں کیا سے کیا ہو گیا۔

چڑیل کے پتھر نے تو کوئی کام نہ کیا۔ بلکہ الٹا اس

کے خلاف کام کیا۔ مگر کیا نہ کرتا۔ ایک طرف کو چل پڑا۔

اب اسے جس شے کی فکر تھی، وہ یہ تھی کہ ماریا کے بال کاٹنے میں صرف دو روز رہ گئے تھے۔ اگر ان دو دنوں میں وہ پرانے قلعے کے تہہ خانے میں پہنچ کر ماریا کے بال نہیں کاٹتا تو اس کی موت یقینی تھی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو گا، ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر زمین پر گر پڑے گا۔

سمادھن نے سمندر کی جانب تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔

ٹیلوں سے باہر نکل کر اس نے جزیرے کو پہچاننے

کی کوشش کی مگر یہ وہ جزیرہ ہی نہیں تھی۔ ہر شے بدلی ہوئی تھی۔ آخر وہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں اسے چند ماہی گیروں کے جھونپڑے دکھائی دیئے۔

ایک ماہی گیر سے پوچھا کہ یہ کونسا علاقہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی جزیرہ ہے اور نئی دنیا سے زیادہ دور نہیں ہے۔

یہ سمادھن کی خوش قسمتی تھی کہ وہ نئی دنیا کے قریب تھا۔ اس نے ایک ماہی گیر سے کہا کہ وہ اسے نئی دنیا پہنچا دے گا تو منہ مانگا انعام ملے گا۔

ماہی گیر راضی ہو گیا۔ سمادھن وہاں بے بس تھا اور ماہی گیر کو کچھ نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ اس کی جادو کی

طاقت صرف نئی دنیا کے ساحل تک پہنچنے پر ہی اسے واپس مل سکتی تھی۔

ماہی گیر کشتی کو لے کر نئی دنیا کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساری رات سمندر میں کشتی چلتی رہی۔ دوسرے روز وہ نئی دنیا کے ساحل پر پہنچ گئے۔ ماریا کے پاس پہنچنے میں صرف دو تین گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ ساؤ حسن نے ماہی گیر کو ایک طرف کھڑا کر کے کہا کہ وہ کیا چاہتا ہے؟۔

ماہی گیر بولا۔

"مجھے صرف سونے کی ایک اشرفی چاہیے"۔

ساؤ حسن نے زمین پر سے کنکری اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ماہی گیر غصے میں کہنے لگا۔

"کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو جو مجھے پتھر کی کنکری دے رہے ہو؟"۔

ساؤ حسن نے کہا۔

"ذرا غور سے اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھو دیکھ کر اس میں کیا ہے"۔

اب جو ماہی گیر نے دیکھا تو وہاں کنکری کی جگہ سونے کی ایک چمکتی ہوئی اشرفی پڑی تھی۔ ماہی گیر خوش اس بات پر ہوا کہ اسے اشرفی مل گئی اور حیران اس بات پر ہوا کہ یہ اشرفی کہاں سے آ گئی؟۔

اس کی ہتھیلی میں تو کنکری رکھی تھی۔ بہر حال
سادھن کے پاس ماہی گیر کو سمجھانے کے لیے وقت
نہیں تھا۔

وہ سیدھا ساحلی گاؤں کی ایک کارواں سرائے
میں آگیا۔ وہاں اس نے بارہ سونے کی اشرفیاں دے
کر ایک تیز رفتار گھوڑا حاصل کیا اور اسے قلعے کی
جانب ڈال کر باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔

گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ سادھن کے
پاس صرف ایک گھنٹہ اور رہ گیا تھا۔ اس عرصے میں اگر
وہ پرانے قلعے میں پہنچ جاتا ہے تو اس کی زندگی بچ سکتی
تھی اگر نہ پہنچ سکا تو جہاں کہیں بھی ہوگا وہیں ہڈیوں کا

ڈھانچہ بن کر بکھر جائے گا۔

گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ سفر بڑی تیزی
سے طے ہو رہا تھا۔

آخر اسے دور سے جنگل میں پرانے قلعے کی
عمارت نظر آگئی۔ اس کی زندگی کے صرف پندرہ منٹ
باقی رہ گئے تھے۔

اس پر کمزوری سی چھانے لگی تھی۔ اس نے
گھوڑے کو باہر چھوڑا اور بھاگا بھاگا قلعے کے تہہ خانے
کی طرف آگیا۔

سادھن نے اپنے ہاتھ دیکھے۔ وہ ڈر گیا۔ اس کے
ہاتھوں کی ہڈیاں نمودار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ گوی

موت نے اپنا عمل شروع کر دیا تھا۔

وہ گرتا پڑتا تہہ خانے میں اس جگہ آ گیا جہاں ماریا ایک چبوترے پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے سر پہ بال اگ آئے تھے اور چبوترے سے نیچے لٹک رہے تھے۔

سادھو حسن نے جیب سے خنجر نکالا اور جلدی جلدی ماریا کے سر کے بال کاٹنے لگا۔

جوں جوں وہ بال کاٹتا جاتا تھا، اسے ہوش آتا جاتا تھا اور ہاتھوں کی ہڈیاں غائب ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

آخر اس نے ماریا کے سر کے سارے بال تراش

کر اس کا گچھا بنا کر جیب میں رکھ لیا۔ اب وہ پھر سے تندرست اور توانا بن چکا تھا۔

وہ قلعے سے باہر آ گیا۔ تہہ خانے کا دروازہ اس نے بند کر کے آگے ہزاروں من وزنی پتھر بڑے آرام سے اٹھا کر آگے رکھ دیا۔

ماریا کے بال اس نے جھیل میں پھینکے اور گھاس پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ آخر وہ کب تک اس قسم کی زندگی گزار سکتا ہے کہ ہر دو مہینے کے بعد جہاں کہیں بھی ہو، بھاگا بھاگا پرانے قلعے کے تہہ خانے میں آئے اور خنجر سے ماریا کے بال کاٹ کر پھر دو مہینے کی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو

جائے۔

حقیقت میں اس کی زندگی صرف دو مہینے ہی رہ گئی تھی۔ اگر وہ دوبارہ بال نہ کاٹے تو وہ دو مہینے اس کی زندگی کے آخری دن ثابت ہو سکتے تھے۔

پیارے قارئین! اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذرا واپس چل کر اس زمانے کے بحر اٹلانٹک اور بحری اوقیانوس میں ناگ اور عنبر کی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔

انہیں سمندر میں نئی دنیا کی طرف سفر کرتے اڑھائی مہینے ہو رہے ہیں۔ ان دو اڑھائی مہینوں میں حماد جن جادوگر کے ساتھ کیا بیتی؟۔

یہ تو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب ذرا ناگ اور عنبر کی طرف چلیں اور دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہیں جس وقت ہم نے انہیں چھوڑا تھا، اس وقت وہ بادبانی جہاز پہ ہسپانیہ سے نئی دنیا کی جانب سفر کر رہے تھے اور اس جہاز پر یورپ کے زیادہ تر ایسے افراد سوار تھے جو جرائم پیشہ تھے اور جنہوں نے اپنے اپنے وطن میں کئی کئی قتل کیے ہوئے تھے۔

جہاز کو نئی دنیا پہنچنے میں صرف دس پندرہ روز باقی رہ گئے تھے۔

اس دوران جہاز پر معمولی معمولی آپس کی لڑائیوں کے سوا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا تھا۔

ناگ اور عنبر کے پاس موتیوں کا وہی قیمتی ہار تھا۔ جسے ناگ ایک زیر زمین خزانے سے نکال کر لایا تھا۔ یہ ہار واقعی بڑا قیمتی تھا اور جس خزانے کی دیگ سے نکال کر ناگ زمین کے نیچے سے لایا تھا، وہ کسی بادشاہ کا شاہی خزانہ رہ چکا تھا اور اس پر سفید سانپ پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ جب سانپ کی شکل میں خزانے تک پہنچا تھا اور پہرہ دینے والے سفید سانپ نے ادب سے اپنا سر جھکا دیا تھا اور خزانہ ناگ کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے ناگ دیوتا، سارا خزانہ حاضر ہے، لیکن ناگ نے صرف ایک معمولی سا سفید موتیوں کا ہار ہی پسند کیا تھا کیونکہ انہیں سفر خرچ کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ یہ معمولی سا ہار بھی اس زمانے میں کروڑوں روپے کی مالیت کا تھا اور بے حد انمول تھا۔

سفر میں ایک بار ایسا ہوا کہ ناگ اس ہار کو جیب میں رکھتے ہوئے تھیلے سے نکال کر عنبر کو دکھا رہا تھا کہ جہاز کے کپتان کی اس پر نظر پڑ گئی۔

ناگ نے جہاز کے کپتان کو سفر خرچ کے واسطے ہسپانیہ میں ہی ہار کے ایک موتی کو بیچ کر جو سونے کی اشرفیاں حاصل کی تھیں، وہ دی تھیں ہار انہوں نے چھپا کر ہی رکھا ہوا تھا۔

اب جو کپتان کی اس پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں

چکا چوند ہو گئیں۔ اس نے اپنی سمندری جہازوں کی زندگی میں بڑے بڑے خزانوں کے ہار دیکھے تھے۔

مگر ایسا ہار اس نے بھی اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناگ کے ایک دم سے قریب آ گیا۔ یعنی ناگ کو موقع نہ مل سکا کہ وہ ہار کو واپس تھیلی میں چھپا سکے۔

عنبر اور ناگ کا شروع ہی سے یہ اصول رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ کے لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

کپتان اس کے سر پر ہی آ گیا تھا۔ اب ناگ بھی ہار نہ چھپا سکا۔

کپتان نے پوچھا۔

"نوجوان! بڑی قیمتی ہار معلوم ہوتا ہے۔ کہاں سے لائے ہو اسے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ ہار ہمارے آباؤ اجداد کی نشانی ہے جسے ہم نے سنبھال کر رکھا ہے۔ یہ ہمارا خاندانی ہار ہے"۔

بہت خوب! نوجوان! میں نے ایسا ہار اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ ظاہر ہے، تم اسے فروخت نہیں کرو گے نہیں تو میں اسے خرید لیتا۔

ویسے تم اگر چاہو تو نئی دنیا کے جنوب میں ایک

بادشاہ حکومت کرتا ہے جو میرا دوست ہے۔ ایک زمانے میں، میں نے باغیوں کے خلاف اس کی مدد کی تھی اور اس کے جنگی جہاز کو ڈوبنے سے بچایا تھا۔ میں اس بادشاہ سے کہہ کر یہ جہاز اس کے پاس بھاری قیمت پر فروخت کروا سکتا ہوں۔

عنبر ہنس پڑا۔

"شکریہ کپتان! مگر ہم اس ہار کو فروخت نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے باپ دادوں کی نشانی ہے۔"

"بہت خوب' جیسے تمہاری مرضی"۔

پھر وہ ناگ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"اس نوجوان کا کیا نام ہے۔ جب سے ہمارا سفر شروع ہوا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بہت خاموش رہا ہے۔ یہ دیکھتے وقت آنکھیں بھی نہیں جھپکتا۔ کہیں یہ سانپ تو نہیں ہے؟"۔

ناگ کے بارے میں ایسی بے باکی سے گفتگو آج تک کسی نے نہیں کی تھی اور اس کے منہ پر پہلی ہی ملاقات میں اس کی آنکھوں کو دیکھ کر سانپ بھی نہیں کہا تھا۔

اب جو کپتان نے ہنستے ہنستے اس درست اور حقیقی خیال کا اظہار کیا تو ناگ بھی چونک سا گیا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

نہیں کپتان ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے

دوست کو ایک بار آنکھوں کی ایسی بیماری لگی تھی جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے دونوں پپوٹے اوپر ابروؤں کے گوشت سے چپک کر رہ گئے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

کپتان نے ناگ کے سر پر ہاتھ پھیر کر مذاق سے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بہت خوب! میں بھی حیران تھا کہ آج کل کے زمانے میں بھلا سانپ انسان کیسے بن سکتا ہے؟ یہ تو ہم نے قدیم مصریوں کے زمانے میں سنا ہے کہ ایسے ہوا کرتے تھے جو سانپ ہوتے تھے لیکن جون پلٹ کر انسان کی شکل میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔"

پھر وہ دوسرے مسافروں سے باتیں کرنے لگا اور بولا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سفر ختم ہونے والا ہے۔ ہمارا جہاز دس پندرہ روز میں نئی دنیا کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جائے گا۔"

وہ دوبارہ عنبر کی طرف جھک کر بولا۔

"نوجوان! تم لوگ نئی دنیا میں کہاں جاؤ گے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ تو معلوم نہیں کہ ہم کہاں جائیں گے۔ لیکن۔۔۔"

عنبر کوئی جواب نہ دے سکا۔

ناگ بولا۔

آپ نے مجھے خواہ مخواہ سانپ بنا دیا۔ اب میں آپ کو اس سوال کا جواب اس لیے بھی دوں گا کہ آپ پر ثابت ہو سکے کہ میں بھی آپ ہی کی طرح گوشت پوست کا انسان ہوں۔

بات یہ ہے کہ ہمارے ایک دور کے رشتہ دار نئی دنیا کے ایک شہر میں آباد ہیں۔ ہم ان سے ملنے جا رہے ہیں۔ دل میں یہی خیال ہے کہ وہاں کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے اپنا پیٹ پال سکیں گے، کیونکہ ہسپانیہ میں ہمارے لیے کوئی روزگار نہیں رہا تھا۔

بہت خوب بہت خوب! فکر نہ کرو، نئی دنیا میں بڑا کام ہے، بڑا کام۔ ابھی ابھی یہ زمین دریافت ہوئی ہے۔

وہاں تو بڑی بڑی زمینیں ویران اور بے آباد پڑی ہیں۔ تم تو جوان ہو، اگر چاہو تو کروڑوں روپے پیدا کر سکتے ہو۔ مگر تمہیں اپنے اس رشتہ دار کا کچھ تو اتا پتا معلوم ہو گا۔

عنبر کچھ پریشان ہو گیا کہ یہ کپتان کم بخت پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔ سر کھجا کر بولا۔

ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ نئی دنیا میں ایک ایسا شہر ہے جہاں ایک جھیل ہے اور اس جھیل میں کوئی پرانا

قلعہ سا ہے، بس اس شہر میں ہمارے یہ رشتہ دار بزرگ کاروبار کرتے ہیں"۔

عنبر نے سوچا کہ اس بہانے کپتان سے اس شہر کی معلومات بھی حاصل کرو جہاں بزرگ روح کی بشارت کے مطابق ماریا قلعے کے تہ خانے میں بے ہوش پڑی تھی۔

کپتان سر کھجانے لگا۔ پھر بولا۔

بہت خوب! بات یہ ہے کہ ہمیں دنیا میں ساحل پر تو کوئی ایسا شہر نہیں ہے جہاں جھیل ہو۔ ہاں میں نے سنا ہے کہ ساحل سے کوئی ایک رات کے سفر پر پہاڑوں میں ایک شہر آباد ہے بلکہ کچھ ویران اور کچھ آباد ہے

جہاں ایک جھیل ہے۔

اب یہ نہیں معلوم کہ وہاں کوئی قلعہ بھی ہے کہ نہیں۔ بہرحال ساحل کے شہر سے تمہیں گھوڑے مل جائیں گے۔ تم ان پر سوار ہو کر اس شہر پہنچ جانا۔ ہو سکتا ہے تمہارے رشتہ داروں کا کوئی کھوج مل جائے۔

کپتان ملاحوں کی جانب چلا گیا جو ڈھول کی تال پر چپو چلا رہے تھے۔ اصل میں کپتان کی نیت اس ہار کے بارے میں خراب ہو چکی تھی۔

ایسا قیمتی ہار اگر اسے کسی طرح مل جائے تو اس کی قسمت کھل جائے۔ اسے اس سمندری زندگی کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات مل جائے وہ جنوبی

نئی دنیا میں ایک شاندار محل بنا کر عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکتا تھا۔

ان نوجوانوں سے ہار حاصل کرنا کوئی ایسی بڑی اور مشکل طلب بات نہیں تھی، مگر کپتان نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی غنڈے کی یہ ڈیوٹی لگائے کہ ان کو قتل کر کے ہار چھین لیا جائے، کیونکہ اس طرح سے دوسرے غنڈے کو ہار کی خبر ہو جائے گی اور پھر یہ ہار کپتان کے پاس بھی نہیں رہے گا۔

اس لیے کپتان نے فیصلہ کیا کہ ہار بڑی ہوشیاری سے چرایا جانا چاہیے۔ اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ جب یہ نوجوان نئی دنیا میں پہنچ جائیں اور جنگل

والے شہر کی جانب اپنا سفر شروع کریں تو راستے میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔

کپتان کے دو ساتھی ایسے تھے جو اس کے بے حد وفادار اور سچے دوست تھے اور کئی سالوں سے اس کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

وہ انہیں اس مہم میں اپنے ساتھ شامل کرے گا۔

لیکن کپتان جب عنبر اور ناگ سے باتیں کر رہا تھا تو ایک غنڈے نے ناگ کے ہاتھ میں موتیوں کا ہار دیکھ لیا تھا اور اسی وقت اس کی نیت خراب ہو گئی تھی۔

کپتان نے اپنے دل میں ہار پر قبضہ جمانے کا پورا صحیح منصوبہ بنا لیا تھا اور اس کا ذکر اس نے اپنے

دوستوں سے بھی کر دیا۔

جنہوں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ وہ اس مہم میں کپتان کا ساتھ دیں گے اور کپتان انہیں جو کچھ اپنی مرضی سے دے گا اسے قبول کر لیں گے۔

ادھر غنڈے نے اس سے پہلے ہی ہار پر قبضہ جمانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ پروگرام بڑا آسان تھا۔ اس غنڈے کو معلوم تھا کہ یہ دونوں مسافر جہاز کے ایک چھوٹے سے کیبن میں سفر کر رہے ہیں جس وقت رات ہو جائے۔ تو غنڈہ ان کے کیبن میں جائے۔

دونوں کو باری باری قتل کرے اور ہار اپنی جیب

میں ڈال کر واپس آ جائے۔ اس پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔ سارا جہاز ہی قاتلوں اور غنڈوں سے بھرا ہوا ہے۔

کوئی شخص بھی کسی کو قتل کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ غنڈہ بڑی بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

آخر رات کا اندھیرا چھا گیا۔ سورج سمندر میں غروب ہو گیا۔ جہاز پر مشعلیں جلا دی گئیں۔ عنبر اور ناگ کچھ دیر عرشے پر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنے کیبن میں جا کر انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور باتیں کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

یہ بڑا اچھا ہوا جو کپتان سے ہمیں جھیل اور قلعے والے شہر کا سراغ مل گیا۔ نہیں تو ہمیں نئی دنیا پہنچ کر بڑی پریشانی ہوتی۔

نیا شہر، نئے لوگ اور پھر اس زمین کو عربوں نے ابھی ابھی دریافت کیا ہے۔ وہاں پر آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔

سنا ہے کہ وہاں کے اصلی باشندوں کو ریڈ انڈین کہتے ہیں۔ وہ لوگ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سفر کرتے ہیں اور اتنے تنخواہ دار ہیں کہ جس باہر سے آنے والے کو دیکھتے ہیں، اسی جگہ کلہاڑی سے سر اڑا دیتے ہیں۔

ناگ ہنسا۔

"بہت دلچسپ لوگ ہوں گے اور بڑے دیوتا پرست ہوں گے، ان کو تو چٹکیوں میں قابو میں کر لوں گا"۔

"بہر حال کپتان نے ہمیں اچھی خبر دی ہے۔ اب ہم ساحلی شہر سے گھوڑے خرید کر جھیل والے شہر کی جانب آسانی سے روانہ ہو سکتے ہیں"۔

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کپتان کی نیت ہمارے بارے بارے میں خراب ہو گئی ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے ہار کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چاہے اس کے لیے اسے ہم دونوں کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"یار تم بھی کمال کرتے ہو۔ بھلا ہمیں بھی کوئی قتل کر سکتا ہے"۔

"لیکن مجھے تو قتل کر سکتا ہے"۔

عنبر خاموش ہو گیا۔

"ہاں یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ تو کیا تمہیں کپتان کی آنکھوں میں کوئی ایسی ویسی بات نظر آئی تھی؟"۔

"میں نے کپتان کی آنکھوں میں یہ لکھا ہوا صاف دیکھ لیا تھا کہ وہ ہمارے ہار کے پیچھے لگا ہے اور اس کے لیے وہ ہمارے قتل سے بھی گریز نہ کرے گا"۔

عنبر بولا۔

پاگل ہو گیا ہے یہ کپتان۔ ہمیں اس ہار کی آگے چل کر بڑی ضرورت نہ ہوتی تو ہم ابھی کپتان کو دے دیتے۔

لیکن ابھی نئی دنیا میں چل کر گھوڑے خریدنے ہیں اور پھر کوئی خبر نہیں کہ وہاں جا کر کیسے حالات پیش آئیں۔

ماریا کو تلاش کرنے کے لیے کہاں کہاں دولت خرچ کرنی پڑ جائے۔ وہاں کی زمین میں تو خزانے بھی دفن نہیں ہوں گے۔

ناگ بولا۔

یہ تو ہماری ضرورت ہے نا، لیکن ضرورت کپتان کی بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اسے نئی دنیا میں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اس نولکھے بلکہ نو کروڑ کے ہار کی بہت ضرورت ہے۔

کسی بھی بحری کپتان کے دل میں اس ہار کو دیکھ کر اسے چرانے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

بھائی ناگ! تمہاری ساری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم ہوشیار رہیں گے۔ مثلاً اس ہار ہی کو لے لو۔

اگر تم چاہو تو میں اسے کیبن کے اس فرش پر جو قالین بچھا ہے اس کے نیچے چھپا سکتا ہوں۔ یا اگر تم پسند کرو تو میں ہار کو اس کونے میں جو زیتون کی تیل کا مرتبان پڑا ہے، اس میں ڈال سکتا ہے۔

کیا خیال ہے تمہارا؟۔

ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تم اسے قالین کے نیچے ہی چھپا لو۔“

"بہت بہتر۔ تم کہو تو میں اسے قالین کے اوپر چھپا دیتا ہوں"۔

عنبر نے اس بات پر ناگ ہنس پڑا۔

"بھئی عنبر! کیا بات ہے ہے، آج تم بڑے موڈ میں نظر آ رہے ہو؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

بھائی کیا کروں۔ تھوڑی دیر اسی طرح جی بہلا لیتا ہوں۔ ورنہ تمہیں معلوم ہے، ماریا کا غم دل پر تیر چلا رہا ہے۔

خدا جانے بے چاری پرانے قلعے میں کس حال میں پڑی ہے۔ اسے ہوش بھی آیا ہے یا نہیں؟۔

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اس پر کسی جن بھوت کا آسیب ہے، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اکیلی ایک رات کے اندر اندر جے پور سے اڑ کر نئی دنیا پہنچ جائے"۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ آسیب کسی زبردست طاقت کا معلوم ہوتا ہے جس نے اس سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اسے بے ہوش کر رکھا ہے"۔

"وہ مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ بہر حال کچھ بھی ہو مگر ہے کوئی خطرناک طاقت۔ ہمیں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا"۔

عنبر اور ناگ باتیں کر رہے تھے اور ادھر غنڈہ ہاتھ میں عریاں تیز دو دھاری خنجر لیے راہداری میں سے آہستہ آہستہ ان کے کیبن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کالی بلی کی سرائے

ناگ نے باہر آہٹ محسوس کی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

’’کوئی دبے پاؤں چلا آ رہا ہے۔ شاید کپتان نے کوئی غنڈہ ہار چرانے بھیجا ہے‘‘۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

’’پاپا ناگ! تم پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ میں غنڈے

سے ذرا ایک مذاق کرنا چاہتا ہوں"۔

ناگ کی سمجھ میں تو کچھ نہ آیا۔ بہرحال وہ پلنگ پر یونہی جھوٹ موٹ آنکھیں موند کر پڑ گیا۔ عنبر نے یہ کہا اور قالین پر دروازے کے پاس ہی بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

کیبن میں شمع کی لو کم کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں روشنی ہلکی ہو گئی اور نیم اندھیرا سا چھا گیا۔ غنڈہ بڑا خوش تھا کہ وہ کیبن تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ گیا ہے۔

اب اس کے سامنے میدان صاف تھا۔ کیبن کے کیواڑ کے پاس کھڑے ہو کر اس نے ایک درز میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔

اسے نیم روشنی اور نیم اندھیرے میں ناگ پلنگ پر سوتا اور عنبر قالین پر اونگھتا نظر آیا۔ غنڈے نے آہستہ سے دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا۔

دروازہ کھل گیا۔ غنڈہ دل میں بڑا خوش ہوا کہ پہلا مرحلہ تو طے ہوا۔ اب وہ اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس نے دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا اور خنجر لے کر عنبر کی طرف بڑھا۔ قریب آ کر اس نے خنجر عنبر کی گردن پر رکھ دیا۔ اور کہا۔

"چپکے سے موتیوں کا ہار میرے حوالے کر دو نہیں تو یہ خنجر ابھی تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دے گا"۔

عنبر یوں ہی دکھانے کے لیے تھر تھر کانپنے لگا اور

ڈرتے ڈرتے بولا۔

"بھائی مجھے معاف کر دو۔ میری زندگی کی پونجی وہی ایک ہار ہے اگر تم نے وہ مجھ سے چھین لیا تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میرے بچے در در کی بھیک مانگتے پھریں گے"۔

غنڈے نے خنجر اس کی گردن میں چبھوتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ میں تمہاری یہ داستان مصیبت سننے نہیں آیا۔ جلدی سے ہار میرے حوالے کرو نہیں تو ابھی تمہاری لاش خاک و خون میں تڑپ رہی ہو گی"۔

عنبر نے اسی طرح تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"بھائی مجھے نہ مارنا! مجھے نہ مارنا! نہیں تو میں مر جاؤں گا"۔

"بدبخت! ہار نکالو! جلدی کرو"۔

عنبر نے کانپتی ہوئی انگلی سے سوئے ناگ کی طرف اشارہ کیا۔

"بھائی! ہار اس کے سرہانے رکھا ہے"۔

غنڈہ خنجر لے کر ناگ کی طرف لپکا اور اس کی گردن پر چھری رکھ کر بولا۔

"کہاں ہے نولکھا ہار"۔

ناگ بھی یونہی جھوٹ موٹ تھر تھر کانپنے لگا۔

"بھائی مجھے معاف کر دے۔ ہار ہی میری زندگی

کا سرمایہ ہے، اگر یہ تم نے مجھ سے چھین لیا تو میں بھوکوں مر جاؤں گا۔ میرے بچے برباد ہو جائیں گے"۔

غنڈے کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا۔

"بند کرو یہ بک بک"۔

ناگ ڈر کر سہم گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"چور بھائی! اگر تم نے ہمیں برباد کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو پھر سچ بات تو یہ ہے کہ موتیوں کا ہار میرے بھائی عنبر کے پاس ہے"۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"بھائی عنبر! اس شخص کو ہار دینا ہی پڑے گا۔ ہم

برباد ہو جاتے ہیں تو ہو جائیں۔ ٹھیک ہے تم موتیوں کا قیمتی ہار اس کے حوالے کر دو"۔

عنبر نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"بھائی چور! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہمیں معاف کر دو یہ میری آخری التجا ہے"۔

غنڈہ اس دوران عنبر کے پاس پہنچ کر چھری اس کی گردن پر رکھ چکا تھا۔

"نہیں! ہرگز نہیں! میں چار تک گنتی کروں گا اگر تم نے ہار نہ نکالا تو یہ چھری تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دے گی"۔

عنبر نے گڑگڑا کر کہا۔

"بھائی چار تک گنتی نہ کرنا۔ بھائی چار تک گنتی نہ کرنا نہیں تو میں مارا جاؤں گا۔ کیونکہ ہار میرے پاس نہیں بلکہ میرے بھائی کے پاس ہے"۔

غنڈے نے لات مار کر کہا۔

"کمینے! مجھ سے مذاق کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پچاس خون کر چکا ہوں اور تم دونوں کا خون کرنا میرے لیے کوئی بات نہیں ہے۔ نکالو ہار! نکالو ہار!"

عنبر نے کہا۔

"ابھی نکالتا ہوں بھائی! ابھی نکالتا ہوں چور بھائی!"۔

عنبر نے اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ کچھ دیر وہ جیبوں کو الٹا پلٹتا رہا۔ مقصد اس کا غنڈے کو پریشان کرنا تھا اور اس کی بے بسی اور غصے کی حالت سے لطف اندوز ہونا تھا۔

غنڈے کا پارا اور چڑھ گیا۔ اس نے زور سے چھری کا دستہ عنبر کے سر پہ مارا۔

"شیطان کی اولاد! مجھ سے مسخری کرتے ہو۔ نکالو ہار! میں کہتا ہوں، نکالو ہار نہیں تو ابھی بھیجا باہر نکال کر رکھ دوں گا"۔

غنڈے نے ایک لمحے کے لیے محسوس کیا کہ عنبر کے سر پہ چھری کا دستہ مارنے سے بھی خون کا ایک

قطرہ تک نہیں نکلا۔ بور آوازیں یوں آئی تھی جیسے اس نے کسی پتھر پر دست مار دیا ہو۔ لیکن اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ جو آدمی اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر گڑگڑا رہا ہے ایک لوہے کی چٹان ہے اور پانچ ہزار سال سے موت کو شکست دیتا چلا آ رہا ہے۔ غنڈے نے اس خیال پر کوئی دھیان نہ دیا اور عنبر کو لاتیں مارنے لگا۔

عنبر نے جھوٹ موٹ ہائے وائے کرنے لگا۔

”ہائے مار ڈالا! ظالم غریب کو کیوں مارتا ہے۔ ہائے مر گیا۔ اوئی مر گیا۔ اچھا بھائی دیتا ہوں۔ ابھی لاتا ہوں یار!“

”نکالو بد بخت! نکالو ہار کو!“۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ بھائی! اب دے دو اس کو موتیوں کا ہار“۔

ناگ نے بستر پر بیٹھتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔

”جو حکم عنبر بھائی!“

پھر غنڈے کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

”کیا تم ہم پر رحم نہیں کر سکتے؟ کیا ہار تمہیں ضرور چاہیے“۔

غنڈے نے چیخ مار کر کہا۔

”کمینے جلدی نکال ہار نہیں تو ایک پل میں تمہاری شہ رگ کاٹ کر رکھ دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔

"جو حکم حضور! ابھی لیجیے ہار"۔

غنڈہ چھری لے کر اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ناگ نے ایک پھنکار ماری اور دیکھتے دیکھتے وہ انسان سے خونخوار آنکھوں اور لمبے زرد خونیں دانتوں والا شیر بن کر سامنے کھڑا تھا۔

غنڈہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ شیر ایک بھیانک انداز میں منہ کھول کر گرجا۔

سارا کیبن ہل گیا۔ غنڈے کے ہاتھ سے چھری گر پڑی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"حضور! لیجیے ناں موتیوں کا ہار۔ کیوں

فضول تکلف کر رہے ہیں"۔

شیر نے غنڈے کی گردن پر اپنے تیز ناخنوں والا پنجہ رکھ دیا۔ غنڈہ زرد ہو گیا۔ اس کے بدن کا سارا خون خشک ہو چکا تھا۔

ایک تو وہ اس حقیقت پر دہشت زدہ تھا کہ ایک جیتا جاگتا انسان اس کی آنکھوں کے سامنے شیر بن گیا تھا اور دوسری دہشت طاری کرنے والی بات یہ تھی کہ یہ شیر اپنا خونیں پنجہ اس کی گردن پر رکھ چکا تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر غنڈے کو جھک کر دیکھا اور کہا۔

"بھائی! کیا موتیوں کا ہار تمہیں اب نہیں چاہیے"۔

عنبر نے قالین کے نیچے سے موتیوں کا ہار نکال کر غنڈے کی طرف بڑھایا۔

"لے لو نا بھائی ہار کو"۔

غنڈہ تھر تھر کانپ رہا تھا کیونکہ شیر کا پنجہ اب اس کی گردن میں دھنستا جا رہا تھا اور گردن پر سے خون کے چند ایک قطرے نکل کر باہر ٹپک پڑے تھے۔

اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے معاف کر دو۔ معاف کر دو"۔

عنبر نے قہقہہ لگایا اور اپنی اصلی حیثیت کے ساتھ بولا۔

"تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تمہاری گردن پر

پچاس بے گناہ انسانوں کا خون ہے۔ تم سے ان سب بے گناہوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا"۔

پھر اس نے شیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شیر صاحب! اس کا کام اب تمام ہی کر دیں تو بہتر ہے"۔

شیر کو بس اشارہ ہی کافی تھا۔ اس نے ایک بھرپور ہاتھ مارا اور غنڈے کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی اور اس کی لاش فرش پر گر پڑی۔ عنبر دوبارہ ناگ کی شکل میں واپس آ گیا۔

"اب اس کی لاش کا کیا کریں۔ کم بخت نے ہمیں خواہ مخواہ کی مصیبت ڈال دی"۔

عنبر نے کہا۔

"بالکل فکر نہ کرو۔ ابھی میں اسے سمندر میں جا کر پھینک آتا ہوں"۔

ناگ بولا۔

"کیا میں بھی تمہارے ساتھ آؤں؟"۔

"نہیں! تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی اس کا بندوبست کرلوں گا"۔

چنانچہ عنبر نے غنڈے کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور راہداری میں سے ہوتا ہوا اوپر جہاز کی پشت پر عرشے پر نکل آیا۔

یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ دور جہاز کے مسافر بے

سدھ پڑے سو رہے تھے۔ عنبر نے غنڈے کی لاش بڑے آرام سے سمندر میں پھینک دی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ عنبر ہاتھ جھاڑ کر نیچے آ گیا۔

"سمندر میں ڈال دی اس کی لاش"۔

ناگ بولا۔

"بھائی! میں نے کہا تھا ناں کہ یہ شخص ہمارے بارے میں بدنیت ہوگیا ہے۔ ہو نہ ہو یہ غنڈہ اسی کپتان کے بچے نے یہاں بھیجا تھا"۔

"تو پھر کیا ہوا۔ وہ ہم سے تو شکایت کر ہی نہیں سکتا کہ ہم نے اس کے آدمی کو ہلاک کر دیا۔ اس طرح سے تو وہ خود پھنس جائے گا۔ ہمیں کیا معلوم اس کا

آدمی کہاں چلا گیا"۔

"میرا خیال ہے، کپتان اب زیادہ جوش انتقام کے ساتھ ہمارے اوپر حملہ کرے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہیں ہوشیار رہنے کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ اگر تم ذرا غافل ہو گئے تو یہ شخص حملہ کروا کر تمہیں قتل کروا سکتا ہوں"۔

"فکر نہ کرو! میں غافل نہیں ہوں گا۔ اب تو مجھے کپتان کی بدنیتی کا ثبوت مل گیا ہے۔ اب میں بھلا اس کے جال میں آنے والا ہوں"۔

ناگ کی اس بات پر عنبر نے کہا۔

"اور پھر سفر بھی تو دس پندرہ دنوں کا باقی رہ گیا ہے۔ اس دوران کپتان کیا کر سکے گا"۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اچھا اب سوتے ہیں۔ نیند آ رہی ہے"۔

عنبر اور ناگ سو گئے۔

دن چڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک غنڈہ غائب ہے۔ اسے سارے جہاز پر تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں نہیں ملا۔ کپتان کو تشویش ہوئی کہ یہ مسافر کہاں گم ہو گیا؟۔ کدھر چلا گیا؟

اس نے باری باری سب مسافروں سے پوچھ گچھ کی۔ عنبر اور ناگ سے بھی پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی

کہا کہ ہمیں کیا معلوم، وہ شخص کہاں چلا گیا؟۔

ہمیں تو کبھی نہیں ملا تھا۔ بس جہاز پر اسے چلتے پھرتے کبھی دیکھ لیتے تھے۔

جہاز اپنی منزل کی طرف سفر کرتا رہا۔

آخر ایک دن ایسا بھی آیا کہ زمین نظر آ گئی جہاز کے مسافروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تین مہینے کے تکلیف دہ اور تھکا دینے والے سمندری سفر کے بعد انہوں نے زمین کی نئی دنیا کی جھلک دیکھی تھی وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے اور گلے مل رہے تھے۔

بعض آپس میں دھینگا مشتی بھی کرنے لگے تھے۔

بعض اپنے خنجر نکال کر پڑ رہے تھے۔ آخر سارے کے سارے جرائم پیشہ لوگ تھے۔ کپتان بڑی مہارت سے جہاز کو ساحل کی طرف لے جا رہا تھا۔ جہاز بندرگاہ پر جا کر لنگر انداز ہو گیا۔

مسافروں نے اترنا شروع کر دیا۔ کپتان بھی نیچے اتر آیا۔ اس کی نگاہیں عنبر اور ناگ کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اسے جہاز کے قریب سے گزرتے نظر آ گئے۔ کپتان نے ہاتھ ملا کر کہا۔

بہت خوب! سفر اچھا کٹ گیا۔ یہ دہے تال جھیل والا شہر یہاں سے میرے اندازے کے مطابق ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔

گھوڑے تم لوگوں کو یہاں کالی کی نامی کارروان سرائے سے مل جائیں گے۔ عنبر نے کپتان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"رہنمائی کا شکریہ کپتان صاحب! زندگی رہی تو پھر کبھی نہ کبھی ضرور ملاقات ہوگی۔ اچھا خدا حافظ!"۔

"خدا حافظ"۔

عنبر اور ناگ بندرگاہ سے باہر نکل گیا تو کپتان نے اپنے دونوں وفادار ساتھیوں کو بلا کر کہا۔

یہی وہ نوجوان ہیں جن کے پاس موتیوں کا قیمتی ہار ہے جسے میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھو! تم کو اس ہار میں سے برابر کا حصہ ملے گا۔

اب ان کا تعاقب کرو اور جب یہ سفر کرتے ہوئے صحرا میں پہنچیں تو ان دونوں کو قتل کر کے پھینک دو اور ہار لے کر واپس میرے پاس پہنچ جاؤ۔ ٹھیک ہے؟۔

دونوں غنڈوں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے کپتان! ہم اتنے لوگوں کا خون کر چکے ہیں۔ یہ نوجوان ہم سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ بس آج رات انہیں راستے میں ہلاک کر دیں گے اور کل صبح آپ کے پاس ہار لے کر آ جائیں گے"۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

"ایسا ہی ہوگا کپتان!"۔

دونوں غنڈے کپتان کو یقین دلا کر رخصت ہوئے اور انہوں نے مسافروں کا بھیس بدل کر عنبر اور ناگ کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

عنبر اور ناگ کپتان کی اس سازش سے بالکل بے خبر تھے۔ انہیں کوئی خبر نہ تھی کہ کپتان نے دو خطرناک غنڈے ان کے پیچھے لگا دیے ہیں جو ان دونوں کو قتل کر کے ہار اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔

عنبر نے کپتان کی بتائی ہوئی سرائے کالی بلی کا پتا ایک راہ گیر سے پوچھا۔ اس نے پہلے تو عنبر اور ناگ کو گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔

"یہاں سے شمال کی طرف چلے جاؤ۔ اس قصبے

کے کونے پر وہ سرائے تمہیں مل جائے گی"۔

عنبر اور ناگ ٹھیک کالی بلی سرائے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک کوٹھڑی کرائے پر لینے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ اسی وقت سفر شروع کر دیا جائے۔

اصل میں وہ ماریا بہن کی تلاش میں اس قدر بے تاب تھے کہ ان کا آرام حرام ہو گیا تھا اور وہ جلدی جلدی اس کی مدد کو پہنچنا چاہتے تھے۔

سرائے کے مالک سے انہوں نے گھوڑے خریدنے کا خیال ظاہر کیا۔

بڑے بڑے گل مچھوں والے مالک نے پیٹ پر

ہاتھ پھیر کر ڈکار مارا اور بڑے گوشت کی ٹانگ کھاتے ہوئے بولا۔

"ارے تم لوگ کیا گھوڑے خریدو گے۔ جاؤ اپنا راستہ لو میرے پاس گھوڑے بڑے خالص عربی نسل کے ہیں اور بڑے قیمتی ہیں"۔

عنبر بولا۔

"جناب! یقین کریں ہم گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں"۔

مالک بولا۔

"تو پھر ایک گھوڑے کی قیمت پندرہ سونے کی اشرفیاں ہیں۔ کیا دے سکو گے اتنی بھاری رقم؟"۔

عنبر نے جیب سے تھیلی نکالی اور تیس اشرفیاں گن کر سرائے کے مالک کے سامنے رکھ دیں۔

"یہ لیجیے دو گھوڑوں کی رقم اور گھوڑے ہمارے حوالے کر دیں۔ ہمیں بڑے ضروری سفر پر جانا ہے"۔

سرائے کا مالک تو حیران رہ گیا۔ گائے کی ٹانگ اس نے لکڑی کی پلیٹ میں رکھ دی اور پیٹ کے ساتھ دونوں ہاتھ رگڑ کر اشرفیاں گننے لگا۔

اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی، کیونکہ اس نے گھوڑوں کی قیمت زیادہ بتائی تھی اور وہی دے دی گئی۔ اب اس نے لالچ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اوہو! میں تو بھول ہی گیا ہوں۔ گھوڑوں کی

زین کی قیمت الگ ہو گی۔ بس یہی کوئی پندرہ اشرفیاں"۔

عنبر اور ناگ نے کاٹھیوں کی پندرہ اشرفیاں بھی ادا کر دیں تو سرائے کا مالک بولا۔

"بچو! میں نے ان گھوڑوں کو خاص طور پر بڑی محبت سے پال پوس کر جوان کیا ہے۔ اگر تم مزید دس اشرفیاں ادا کرو تو یہ گھوڑے تمہارے ہوں سکتے"۔

عنبر نے یہ دس اشرفیاں بھی ادا کر دیں اور کہا۔

"اب ہمیں گھوڑے دکھا دو"۔

سرائے کا مالک بڑا خوش ہوا اور انہیں ساتھ لے کر ایک اصطبل میں آ گیا۔ یہاں دونوں گھوڑے

کھڑے تھے۔

گھوڑے واقعی عربی نسل کے تھے اور خوب چاق و چوبند اور طاقتور تھے۔ ناگ نے کہا۔

"گھوڑے ہمیں پسند ہیں شکریہ!"۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

"تم لوگ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا ہمیں یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا"۔

سرائے کا مالک خوش ہو کر بولا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں! میری سرائے کا سارا باورچی خانہ آپ کے لیے حاضر ہے۔ آؤ میرے

ساتھ۔ آؤ۔ آؤ"۔

باورچی خانے میں بیٹھ کر عنبر اور ناگ نے خوب ڈٹ کر کھایا اور پھر سے تازہ دم ہو گئے۔

سرائے کے مالک نے پوچھ۔

"اب یہ بتاؤ بچو! کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"۔

عنبر اور ناگ اسے یہ تو کبھی نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کہاں وہ اور کس جگہ کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ بہر حال انہوں نے صرف اتنا کہا۔

ہم ہسپانیہ سے آ رہے ہیں۔ ہم دونوں بھائی ہیں۔

پیچھے ہمارا واحد سہارا باپ تھا جو مر گیا۔ اس نے

مرتے وقت کہا تھا کہ نئی دنیا میں اس کا ایک بھائی رہتا ہے۔ تم اس کے پاس چلے جانا۔ وہاں تم پھر سے نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔ پس ہم اپنے چچا کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

"تمہیں اس شہر کے نام کا کچھ نہیں پتا؟"۔

ناگ نے کہا۔

شہر کا نام تو ہمارے والد صاحب نہیں بتا سکے۔

بس انہوں نے اتنا ہی کہا کہ نئی دنیا میں ایک شہر ہے جس کے باہر ایک جھیل ہے۔

اس جھیل کے پاس تمہارے چچا کا مکان ہے۔

سرائے کا مالک زور سے ہنس پڑا۔

بھلا یہ بھی کوئی پتا ہوا۔ بہر حال تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے مغرب کی طرف ایک شہر آتا ہے۔

اس شہر میں شاید ایک جھیل ہے، کیونکہ میرے پاس جو مسافر اس شہر میں آتے ہیں، وہ اس جھیل اور اس کے بیچ میں بنے ہوئے کسی پرانے قلعے کا ذکر کیا کرتے ہیں۔

عنبر اچھل پڑا۔

”بس بس وہی جھیل ہمیں چاہیے“۔

سرائے والے نے حیرانی سے کہا۔

”کیا مطلب کہ وہی جھیل تمہیں چاہیے؟ کیا تم گھر سے جھیلیں خریدنے نکلے ہو؟“۔

عنبر نے سنبھل کر کہا۔

”میرا مطلب تھا کہ ہمارے والد نے بھی کہا تھا کہ جس جھیل میں ایک پرانا قلعہ ہے، اس شہر میں تمہارے چچا رہتے ہیں“۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ تم مغرب کی طرف اپنا سفر شروع کر دو۔ یہاں سے وہ شہر ایک رات اور ایک دن کے سفر پر ہے۔ اگر تم راستے میں تھوڑا سا آرام کر کے سفر کرتے رہے تو کل اس وقت جھیل والے شہر میں ہو گے۔

لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ آج رات میری سرائے میں آرام کرو اور کل صبح سفر شروع کرنا۔

ناگ بولا۔

”شکریہ جناب! ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ ہمیں بہت جلد اپنے چچا کے پاس پہنچنا ہے“۔

اس کے بعد عنبر اور ناگ نے راستے کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں خریدیں جو سرائے کے لالچی مالک نے انہیں بہت مہنگی دیں۔

سرائے کے مالک کو خدا حافظ کہا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے بتائے ہوئے راستے پر مغرب کی طرف چل پڑے۔

ابھی انہیں روانہ ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ کپتان کے غنڈے بھی سرائے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی دو گھوڑے خریدے اور سرائے کے مالک سے پوچھا، یہاں کوئی نوجوان قسم کے دو مسافر آئے تھے؟۔

سرائے کے مالک نے مشکوک نظروں سے ان مسافروں کو دیکھا۔ شکل سے وہ بڑے بدمعاش دکھائی دیتے تھے۔

سرائے کے مالک نے پوچھا۔

”کیا تم ان دو جوانوں کا ذکر تو نہیں کر رہے جن کے پاس سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی

تھی؟"۔

"ہاں ہاں وہی نوجوان"۔

سرائے کا مالک ہنس پڑا۔ سمجھ گیا کہ یہ غنڈے ہیں اور ان نوجوانوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا۔

اگر تم ان اشرفیوں کی تھیلی کے پیچھے لگے ہو جو ان دونوں کے پاس ہیں تو وعدہ کرو کہ اس میں سے کچھ تم مجھے بھی دو گے۔

پھر میں تمہیں صحیح صحیح بتاؤں گا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔

کپتان کے غنڈے ہنس پڑے۔

"بڑے مسخرے معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا چلو تم ایسا ہی سمجھ لو۔ ہمیں بتاؤ وہ نوجوان کس سمت کو گئے ہیں اور ہم تمہیں ان کی رقم میں سے ضرور کچھ حصہ دیں گے"۔

سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا۔

تو سنو! دونوں نوجوان یہاں سے مغرب کی جانب جھیل والے شہر کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ وہ آج رات سفر کریں گے۔

تم اگر رات کے اندھیرے میں انہیں جا کر پکڑ لو تو سونے کی اشرفیاں بڑی آسانی سے تمہارے پاس آ سکتی ہیں۔

"شکریہ بڑے میاں! واپسی پر تمہیں تمہارا حصہ دے کر یہاں سے جائیں گے"۔

کپتان کے غنڈوں نے گھوڑے اس کچے راستے پر بڑھا دیئے جو شام کے گہرے ہوئے اندھیرے میں دور خشک اور سیاہ پہاڑوں کی طرف جا رہا تھا۔

یہ بھی کانٹے دار جھاڑیوں میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ آسمان پر نئی دنیا کے ستارے چمک رہے تھے۔

کپتان بندرگاہ کی جہازی سرائے میں آرام کر رہا تھا۔

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنے غنڈوں کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ موتیوں کا ہار لے کر کب اس کے پاس واپس آتے ہیں۔

کپتان نے انہیں تاکید کی تھی کہ آج ہی رات کے اندھیرے میں عنبر اور ناگ کا کام راستے میں تمام کر دینا۔

اس پروگرام کے مطابق کپتان کے غنڈوں کو رات کے پچھلے پہر ہار لے کر واپس آ جانا چاہیے تھا۔

عنبر اور ناگ کو کچی سڑک پر سفر کرتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ آسمان پر نیلے رنگ کا چاند نکل آیا جس کی وجہ سے چاروں طرف میدان میں روشنی پھیل گئی۔

یہ میدان خشک اور بنجر تھا اور جگہ جگہ یہاں خاردار جھاڑیاں اگی تھیں۔ ہوا بڑی ٹھنڈی اور فرحت بخش تھی۔ اگرچہ دن کو اس علاقے میں گرمی پڑ رہی تھی۔

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com www.urdurasala.com

ناگ نے کہا۔

"موسم خوشگوار ہے اور چاندنی بھی پھیلی ہوئی ہے۔ اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو صبح تک نصف راستہ طے کر لیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمارے گھوڑے تازہ دم ہیں۔ ہمیں پچھلے پہر کے بعد جب دھوپ نکلے تو آرام کے لیے رکنا ہو گا"۔

یونہی باتیں کرتے وہ آگے بڑھے جا رہے تھے۔ ان سے کوئی پندرہ بیس کوس پیچھے کپتان کے غنڈے برابر گھوڑوں پر سوار تعاقب کیے چلے آ رہے تھے۔ ان کے پاس بڑے تیز دھار والے خونیں خنجر تھے

جو انہوں نے اپنی قمیضوں کے اندر چھپا رکھے تھے۔ یہ بڑے تنومند اور ہٹے کٹے بدمعاش تھے اور ان کے لیے عنبر اور ناگ کو ہلاک کرنا بظاہر کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

آدھی رات سفر میں گزر گئی۔ کپتان کے غنڈوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنا کام ختم کر دینا چاہتے تھے۔

ڈراؤنی آوازیں

آدھی رات کے بعد کپتان کے غنڈوں نے عنبر اور ناگ کو دیکھ لیا۔

چاندنی رات میں وہ انہیں دور میدان میں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ کپتان کے غنڈوں کو ان کے سائے صاف نظر آ رہے تھے۔

غنڈوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار اور تیز کر دی۔ آخر وہ عنبر اور ناگ کے عقب میں بالکل قریب پہنچ گئے۔ اب وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے اور یہ منصوبہ بنانا شروع کیا کہ حملہ کس طرف سے کیا جائے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ عین اس وقت عنبر کا گھوڑا کسی پتھر سے ٹکرا کر گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ناگ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔

”یہ تو بڑا برا ہوا۔ یہ گھوڑا تو اب ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا عنبر!“۔

”بڑی غلطی ہو گئی۔ ہمیں دوسرے میدان میں سے ہو کر گزرنا چاہیے تھا۔ یہ میدان تو پتھروں سے پٹا

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com www.urdurasala.com

پڑا تھا۔ بہر حال جو ہونا تھا، ہو گیا۔ اب کیا کیا جائے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور میں سانپ بن کر اس گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا ہوں اور کیا ہو سکتا ہے"۔

عنبر بولا۔

"سانپ کی وجہ سے گھوڑا بدک جائے گا اور چلنے سے انکار کر دے گا"۔

پھر ناگ نے سوچ کر کہا۔

"میرا خیال ہے پھر میں شاہین بن کر تمہارے

ساتھ ساتھ اڑتا ہوں۔ تم میرے گھوڑے پر سفر کرو"۔

عنبر نے کہا

"ہاں البتہ یہ منصوبہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم تھوڑی دیر آرام کریں تو زیادہ اچھا ہے۔ مجھے پیاس بھی لگ رہی ہے"۔

"میں تمہیں پانی پلاتا ہوں۔ خیال اچھا ہے ویسے"۔

ناگ اور عنبر زخمی گھوڑے کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے چھاگل میں سے پانی پیا۔ کچھ پانی گھوڑے کو پلایا اور باتیں کرنے لگے۔

غنڈوں نے دیکھا کہ دونوں شکار گھوڑوں سے اتر

کر ایک جگہ آرام کر رہے ہیں تو وہ بڑے خوش ہوئے، کیونکہ سفر کرتے وقت حملہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس طرح سے تو وہ پیچھے سے نشانہ باندھ کر ان پر وار بھی کر سکتے تھے۔

کپتان کے غنڈے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ انہوں نے گھوڑے ایک پتھر سے باندھے۔ خنجر جیب سے نکال کر ہاتھوں میں تھامے اور دبے پاؤں اندھیرے میں چھپتے چھپاتے عنبر اور ناگ کی سمت بڑھنے لگے۔

اب ایسا ہوا کہ عنبر نے اپنے پیچھے آہٹ محسوس کی۔ پھر دے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی

دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

ہلکی ہلکی چاندنی میں اسے دو سائے جھکے جھکے آگے بڑھتے دکھائی دیئے۔

عنبر نے ناگ کو سرگوشی میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کپتان کے آدمی یہاں بھی پہنچ گئے ہیں۔ کم بختوں موت انہیں یہاں کھینچ لائی ہے"۔

ناگ نے بھی پیچھے دیکھا تو اسے غنڈوں کے سائے نظر آ گئے۔

"یہ تو خود موت کے منہ میں بڑے شوق سے چلے آ رہے ہیں۔ نہ جانے موتیوں کا یہ ہار ابھی کتنے لوگوں کی جان لے گا۔ آنے دو انہیں۔ میں اکیلا ان

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com www.urdurasala.com

کو ختم کروں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"یار سفر کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ ذرا تھوڑی سی ان کے ساتھ بھی دل لگی ہو جائے"۔

"کیا مطلب؟"۔

مطلب یہ ہے کہ میں جس طرح کروں، تم کوئی اعتراض نہ کرنا۔ ہاں اگر کسی نے تم پر سچ مچ حملہ ہی کر دیا تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے اسے ہلاک کر دینا۔

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن وہ عنبر کی بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

ادھر کپتان کے غنڈے دونوں کے بہت قریب آ گئے۔ وہ ایک پتھر کی اوٹ میں ہو کر چھپ گئے۔ ایک غنڈے نے کہا۔

"نشانہ بڑا ٹھیک ہے۔ چھرا پھینک دو"۔

دوسرے غنڈے نے ہاتھ میں چھرا تھاما۔ اسے پیچھے لے کر گیا اور پھر ہاتھ گھما کر عنبر کی طرف چھرا اچھال دیا۔

یہ خوش قسمتی تھی کہ چھرا مارنے کے لیے غنڈے نے جس شخص کی پیٹھ کو چنا تھا، وہ عنبر تھا۔ اگر یہ شخص پہلے ناگ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو ناگ شدید زخمی ہو جاتا اور عنبر کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔

پھر اس کی آواز کے ساتھ غنڈے کے ہاتھ سے نکل کر عنبر کی طرف بڑھا۔ وہ ابھی ان کا تعاقب کرنے والوں سے دل لگی کرنے کی سکیم ہی بنا رہے تھے کہ ٹھک سے ایک چھرا آ کر عنبر کی پیٹھ پر زور سے لگا اور نیچے گر پڑا۔

عنبر سمجھ گیا کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے۔ عنبر جھوٹ موٹ زمین پر یہ دکھانے کے لیے لیٹ گیا کہ وہ مر گیا ہے یا شدید زخمی ہو کر گر پڑا ہے۔

گرنے کے بعد اس نے ناگ سے کہا۔

"میں یوں ظاہر کردوں گا، جیسے مر گیا ہوں۔ باقی کام تم کر لینا۔ دیکھنا انسانی روپ میں رہنا۔ جان کا

خطرہ ہے"۔

غنڈوں نے عنبر کو گرتے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور عنبر کی طرف لپکنے لگے تھے کہ خیال آیا، دوسرا نوجوان کہاں چلا گیا؟۔

کیونکہ ناگ کا سایہ وہاں نہیں تھا۔ ناگ سانپ بن کر ایک جھاڑی میں چھپا ان لوگوں کے انتظار میں اپنی زبان بار بار نکال رہا تھا۔ غنڈوں نے آ کر دیکھا کہ عنبر گرا پڑا ہے اور دوسرا نوجوان غائب ہے۔

ایک غنڈے نے کہا۔

"یہ تو مر گیا لیکن دوسرا کہاں گیا؟ ابھی وہ یہاں بیٹھا تھا، میرا خیال ہے، ضرور وہ کہیں گھات لگا کر

چھپ گیا ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا"۔

دوسرے غنڈے نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔

"ارے یہاں بھی ایک کمال کی بات ہوئی ہے"۔

"کیا ہوا ہے؟"۔

"یہ دیکھو چھرا اس شخص کی پیٹھ میں نہیں گھسا۔ نیچے پڑا ہے اور خون بھی نہیں نکلا مگر یہ شخص زندہ بھی نہیں ہے۔ یہ کیا معمہ ہے؟"۔

پہلا غنڈہ بھی عنبر کی پیٹھ کو غور سے دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ شخص مر گیا ہے، لیکن نہ خون نکلا ہے نہ خنجر لگا ہے۔ پھر یہ شخص کیسے مر گیا؟"۔

عنبر یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ اور دل میں ہنس رہا تھا۔ ادھر ناگ بھی سانپ کے روپ میں جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کس پر حملہ آور ہو۔ دوسرے وہ عنبر کو بھی موقع دینا چاہتا ہے، اسے پورا کرے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ دونوں ڈاکو عنبر پر جھکے اسے الٹ چت کر دیکھ رہے ہیں۔ وہ جھاڑیوں کے پیچھے خاموش کنڈلی مار کر بیٹھا رہا۔ غنڈوں نے عنبر کا چہرہ اوپر کیا۔

"اس کی آنکھیں بند ہیں۔ لیکن دل دھڑک رہا ہے۔ ارے یہ تو زندہ ہے؟"۔

ٹھیک اس وقت عنبر نے آنکھیں کھول کر کہا۔

”تمہارا خیال درست نہیں ہے۔ میں مر چکا ہوں۔ میرا دل ایسے ہی دھڑک رہا ہے“۔

اس پر غنڈوں کو سخت غصہ آ گیا۔

”کمینے! ہم سے مذاق کرتے ہو؟ اگر میرا خنجر تمہیں لگ جاتا تو کبھی زندہ نہ رہتے۔ دیکھنا پھر تم کیسے آنکھیں کھول کر ہم سے باتیں کرتے“۔

دوسرے غنڈے نے عنبر کو گردن سے پکڑ کر کہا۔

”بتاؤ موتیوں کا ہار کہاں ہے؟“۔

عنبر ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

”موتیوں کا ہار میرے ساتھی کے پاس تھا“۔

”وہ کہاں چلا گیا ہے؟“۔

”شاید ہو تم لوگوں کے ڈر سے بھاگ گیا ہے۔ میرا خیال ہے، اس جھاڑی میں کہیں چھپا ہوگا۔ جا کر تلاش کرو“۔

غنڈوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایک بولا۔

”تم جھاڑیوں میں جا کر اسے پکڑ لاؤ۔ میں اس کی مشکیں کستا ہوں“۔

ایک غنڈے نے عنبر کی مشکیں کسنی شروع کر دیں اور دوسرا جھاڑیوں میں جا کر ناگ کو تلاش کرنے میں ناکام کوشش کرنے لگا۔

اس لیے کہ ناگ وہاں موجود بھی تھا اور نہیں بھی تھا۔ موجود اس لیے تھا کہ وہ سانپ بن کر کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور موجود نہیں اس لیے تھا کہ ناگ انسانی روپ میں نہیں تھا۔

پہلا غنڈہ عنبر کے بازو رسی سے باندھ رہا تھا تو اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"ناگ! یار اب تم ان لوگوں کو موتیوں کا ہار دے ہی دو۔ کیونکہ یہ بہت بے تاب ہو رہے ہیں۔ مجھ پر تشدد کر رہے ہیں۔ موتیوں کے ہار پر اب ان کا پورا پورا حق بنتا ہے"۔

ناگ نے عنبر کی یہ آواز سن لی تھی۔ جھاڑیوں

والے غنڈے نے کہا۔

"یہ بکواس کرتا ہے۔ اس کی گردن اڑا دو۔ یہاں اس کا ساتھی کوئی نہیں ہے۔ موتیوں کا ہار اسی کے پاس ہوگا"۔

دوسرے غنڈے نے عنبر کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ آخر تھیلے میں سے موتیوں کا ہار نکل آیا۔ غنڈے نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا۔

"مل گیا ہار۔ واپس آ جاؤ۔ ہار مل گیا ہے"۔

لیکن غنڈہ اب واپس کیسے آ سکتا تھا بھلا۔ ناگ نے اس جادوئی کھیل کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ پھنکار مار کر، پھن اٹھا کر غنڈے کے سامنے آ کر

جھومنے لگا۔

چاندنی رات میں سانپ کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں اور پتلی زبان پھنکاریں مار رہی تھی۔ غنڈہ سہم کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر غنڈے کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

"سانپ! سانپ! آہ مر گیا"۔

ناگ کا زہر بے حد خطرناک تھا اور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تھا۔ بس دیکھتے دیکھتے موت کی آغوش میں چلا جاتا تھا۔

غنڈہ بھی اپنے ساتھی کے آنے تک زمین پر گرا اور مر گیا۔ عنبر کی بانہیں رسی میں جکڑی ہوئی تھیں لیکن

وہ ذرا سا زور لگا کر رسی توڑ کر آزاد ہو گیا۔ غنڈے نے جو اپنے ساتھی کو سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوتے دیکھا تو موتیوں کا ہار اپنی جیب میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک طرف کو بھاگا۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ! یہ کم بخت ہار لے کر بھاگ رہا ہے۔ اسے پکڑو"۔

ناگ نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ گھوڑے کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ سڑک کچی تھی۔ سانپ بڑے آرام سے اور کافی رفتار کے ساتھ گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

گھوڑا ابھی سرپٹ دوڑا جا رہا تھا اور اپنے پیچھے گرد اڑا رہا تھا۔ ناگ کو بھاگنے میں بھی غیر معمولی طاقت حاصل تھی۔

وہ ایک عام سانپ کے مقابلے میں زیادہ رفتار کے ساتھ بھاگ سکتا تھا، چنانچہ ابھی گھوڑا سوار غنڈہ دو ایک کوس کے فاصلے پر ہی پہنچا تھا کہ سانپ نے اسے جا لیا۔

سانپ نے گھوڑے کو خوف زدہ کرنے کے لیے ایک زوردار پھنکار ماری۔

گھوڑے نے خطرناک سانپ کی پھنکار سنی تو اس کے بدن پر کپکپی اور لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے اپنی

دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا لیں اور پھر زمین پر جیسے پتھر کا بت بن کر رک گیا۔ اور تھر تھر کانپنے لگا۔

غنڈہ حیران تھا کہ اس کم بخت کو کیا ہو گیا ہے کہ ایکدم رک گیا اور سارا بدن پسینے میں بھیگ گیا ہے۔

اتنی دیر میں سانپ غنڈے کے سامنے آ چکا تھا۔

چاندنی رات میں غنڈے نے سانپ کو بالکل نہ دیکھا۔ وہ گھوڑے کو چابک پر چابک مار رہا تھا اور اسے دوڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر گھوڑا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا۔

اچانک غنڈے کے کانوں میں ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والی پھنکار کی آواز پڑی۔ اس نے

پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

اب اس کو پسینہ آ گیا اور سارے جسم پر ایک بار تو کپکپی طاری ہو گئی۔ ایک سیاہ رنگ کا سرخ آنکھوں اور سرخ زبان والا سانپ چاندنی رات میں اپنا پھن پھیلائے زمین سے دو فٹ اونچا ہو کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے خنجر نکالنے کی کوشش کی، لیکن ناگ اسے اتنی مہلت نہیں دے سکا تھا۔ اس سے پہلے کہ خنجر غنڈے کی جیب سے باہر نکلے، سانپ اسے ڈس چکا تھا۔

ایک چیخ تھی۔ موت کی چیخ تھی۔ زندگی کی آخری چیخ۔ جو اس سنسان ویران میدان میں گونج کر رہ گئی۔ رات پھر سے سنسان ہو گئی۔ چاروں طرف موت کا سناٹا چھا گیا۔

ناگ نے انسان کے روپ میں آ کر غنڈے کی جیب سے اپنا قیمتی ہار نکالا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس عنبر کے پاس آ گیا جو اس کے انتظار میں پتھر پر نیم دراز بڑے مزے سے آرام کر رہا تھا۔

”ہار مل گیا ناگ؟“۔

”ہاں ہار مل گیا، مگر خواہ مخواہ کی بک بک کرنی پڑی۔ ہم آتے ہی ان کا کام تمام کر دیتے تو اتنا وقت بھی ضائع نہ ہوتا“۔

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com www.urdurasala.com

عنبر ہنس پڑا۔

"یار! ساتھ ساتھ کچھ تفریح بھی تو ہونی چاہیے"۔

ہزاروں سالوں سے یہی کچھ ہوتا آ رہا ہے ہمارے ساتھ۔ مجھے تو بڑا مزا آیا ہے"۔

"اچھا اب اٹھو! بڑا لمبا سفر پڑا ہے۔ اب تو ہمیں دو گھوڑے بھی مل گئے ہیں"۔

عنبر اور ناگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چاندنی رات کی خاموشی میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگر وہ راستے میں اپنی تفریح کے لیے نہ ٹھہرتے تو صبح ہوتے ہی منزل پر پہنچ گئے ہوتے، لیکن اب وہ صبح

تک سفر کرتے رہے۔

جب سورج کافی بلند ہو گیا تو انہیں ایک پرانے شہر کے آثار نظر آئے۔ یہ شہر کیا تھا بس کہیں کہیں لکڑی کے مکان بنے تھے جن کی چھتوں پر درخت کے تنے ڈال دیئے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شہر کی طرف بڑھنے لگے۔

دکانوں پر لوگ سودا وغیرہ خرید رہے تھے۔ ایک ہوٹل میں کچھ لوگ بیٹھے قہوہ وغیرہ پی رہے تھے۔ عنبر اور ناگ وہاں چلے گئے اور قہوہ لے کر پینے لگے۔

گھوڑے انہوں نے ہوٹل کے ایک نوکر کے حوالے کر دیئے تاکہ انہیں چارہ وغیرہ کھلا دیا جائے۔

ہوٹل کیا تھا بس ایک سرائے کی کوٹھڑی تھی جس کے اندر لکڑی کے تخت بچھے تھے۔

لوگ وہاں بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ عنبر نے ایک شخص سے پوچھا۔

”بھائی! یہاں کوئی پرانا قلعہ بھی ہے؟“۔

اس شخص نے یوں چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ جیسے اس نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہو۔

ناگ نے کہا۔

”کیوں کیا بات ہے بھائی! تم پریشان کیوں ہو گئے؟“۔

کیا یہاں کوئی پرانے قلعے کی عمارت نہیں ہے؟۔

وہ آدمی جلدی سے اٹھ کر چلا گیا۔ دوسرا شخص بھی عنبر اور ناگ کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ آخر بات کیا ہے؟۔

قہوہ پینے کے بعد جب وہ باہر نکلنے لگا تو خیال آیا کہ کیوں نہ ہوٹل کے مالک سے بھی پوچھ لیا جائے۔ انھوں نے ہوٹل کے مالک سے بات کی تو اس نے کہا۔

”بات یہ ہے کہ جس قلعے کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں بھوت رہتے ہیں اور جو کوئی ادھر جاتا ہے مر جاتا ہے“۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا یہ قلعہ کسی جھیل میں واقع ہے؟"۔

"ہاں ہاں! ایک پرانی سی جھیل ہے بس اس کے اندر ایک چٹان پر بنا ہوا ہے"۔

عنبر بولا۔

"اچھا تو بھوتوں کو وہاں کسی نے دیکھا ہے؟"۔

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ لوگوں نے دیکھا ہی ہو گا۔ جو کہتے ہیں، اور آج کل تو وہاں ایک نئے ڈراؤنی شے ہونے لگی ہے"۔

"وہ کیا بھائی؟ ہمیں بھی بتاؤ"۔ ناگ نے پوچھا۔

ہوٹل کے مالک نے کہا۔

"وہ یہ کہ سنا ہے آج کل آدھی رات کو اس قلعے سے کسی عورت کے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آتی ہیں"۔

"یہ آواز صرف آدھی رات کو ہی آتی ہے؟"۔

"ہو سکتا ہے، دن کو بھی آتی ہوں"۔

"کسی نے یہ آوازیں سنی ہیں؟"۔

"ضرور سنی ہوں گی۔ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ ایک آدمی رات کو ڈراؤنی آوازوں کا راز معلوم کرنے گیا اور صبح اس کی لاش جھیل میں تیر رہی تھی"۔

پھر ہوٹل کے مالک نے پلٹ کر پوچھا۔

"مگر تم تو جوان اتنا کرید کرید کر کیا پوچھ رہے ہو؟"

کیا تم بھی اس قلعے میں جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ خبردار! ایسا خیال بھی دل میں مت لانا"۔

"نہیں نہیں بھائی! ہمیں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو وہاں اپنے ایک چچا سے ملنے جا رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

پھر اس نے ہوٹل کے مالک سے پوچھا کہ کیا وہاں کوئی ایسی جگہ ہوگی جہاں وہ دو ایک دن رہ سکیں جب تک کہ ان کو اپنے چچا کی خبر نہیں ملتی۔

"ہم رہائش کی قیمت ادا کریں گے ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ مفت رہیں گے"۔

ہوٹل کا مالک بولا۔

"ایسی جگہ تو یہاں کوئی نہیں ہے، لیکن اگر تم پسند کرو تو میرے گھر میں رہ سکتے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ کا گھر کہاں ہے؟"۔

"اسی ہوٹل کے اوپر ہے۔ آیئے میرے ساتھ"۔

عنبر اور ناگ ہوٹل کے مالک کے ساتھ اوپر والی منزل میں چلے گئے۔

جہاں انہیں ایک مختصر سی کوٹھڑی رہنے کے لیے دے دی گئی۔ انہوں نے کچھ کھایا پیا اور پھر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

عنبر کا خیال تھا کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد جھیل والے قلعے کی طرف چلا جائے۔

اب ہم جادوگر سمادھن کی طرف آتے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا، ہم دوسرے قلعے کے باہر اس حالت میں چھوڑ آئے تھے کہ وہ ماریا کے بال تراش چکا تھا اور انہیں جھیل میں پھینکنے کے بعد بڑے آرام اور سکون کے ساتھ گھاس پر لیٹا آنکھیں بند کیے آرام کر رہا تھا۔

حقیقت میں وہ سرخ درخت تک پہنچنے کی کسی نئی ترکیب کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ سرخ درخت کا خون ہر حالت میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اسی میں اس کی زندگی اور موت کا راز پوشیدہ تھا۔ وہ ماریا کے بال تراش تراش کر زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

ماریا ہوش میں آ کر بھاگ بھی سکتی تھی۔ اس پر سے جادو کا اثر ختم بھی ہو سکتا تھا۔ کوئی اس کا ساتھی پیچھے آ کر اسے اغوا کر کے بھی لے جا سکتا تھا۔

پھر سمادھن کا کیا بنے گا؟ دو مہینے بعد ماریا اگر اسے مل نہ سکی اور اس کے بال نہ تراش سکا تو وہ تو مر جائے گی۔

اور سمادھن مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہزار برس تک تابوت میں لیٹ کر دیکھ لیا تھا۔ اب وہ ہر قیمت

پر ابدی زندگی حاصل کرنا چاہتا تھا اور ابدی زندگی صرف اسی صورت میں اسے مل سکتی تھی کہ وہ سرخ درخت کے پاس جائے اور اس کے سیاہ اور سرخ پھل سے ٹپکنے والا خون اپنے حلق میں انڈیل لے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لے۔

اسے گھاس پر لیٹے لیٹے نیند آ گئی۔ جب سونے کے بعد آنکھ کھلی تو دن کافی گزر گیا تھا۔ اور قلعے پر رات کے سائے جھکنے لگے تھے، اسے بھوک محسوس ہوئی۔

وہ اٹھا اور شہر کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک پرانا سا تنور بنا تھا۔ جہاں کچھ لوگ زمین پر بیٹھے، روٹی اور

گائے کا گوشت بڑے شوق سے کھا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر سادھن کی بھوک اور چمک اٹھی۔

ویسے سادھن کی جادو کی طاقتیں نئی دنیا میں آتے ہی اس کے پاس واپس آ گئی تھیں۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ ایک عام آدمی کے پاس بیٹھ کر بھنا ہوا سادہ گوشت اور روٹی کھائے۔

وہ بھی زمین پر بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ اتفاق کی بات ایسی ہوئی کہ ٹھیک اس وقت عنبر اور ناگ بھی وہاں سے گزرے۔ سادھن نے کوئی خیال نہ کیا، کیوں کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ عنبر اور ناگ کون ہیں۔

وہ خاموشی سے بیٹھا روٹی کھاتا اور لوگوں کے چہروں کو تکتا رہا۔ ایک بوڑھا کہہ رہا تھا۔

"رات کے وقت قلعے میں سے کسی عورت کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔ یہاں اب کوئی چڑیل بھی آ کر آباد ہو گئی ہے"۔

دوسرا بولا۔

"قلعہ تو بھوت گھر ہے۔ طرح طرح کے بھوت وہاں رہتے ہیں۔ ان میں ایک چڑیل بھی آ گئی تو کیا ہوا؟ کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔

تیسرے نے کہا۔

"مگر کسی عورت کے بین کرنے، آدھی رات کو

رونے کی آوازیں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں"۔

"بھائی پھر کیا ہوا۔ آوازیں آتی ہیں تو آنے دو۔ آپ لوگ ادھر نہ جایا کریں"۔

سمادھن کو معلوم تھا کہ یہ آوازیں کیوں آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بال کٹ جانے سے آدھی رات کو ماریا کے سر میں اس قلعے کی فضا کی ہزاروں سال پرانی نمی داخل ہونا شروع ہو جاتی تھی۔

اس نمی کے اثر سے اس کے منہ سے خوفناک آوازیں نکلنا شروع ہو جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک شخص بولا۔

"بھائیو یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے یہاں سے

کو اپنے حلق میں انڈیل لے تو اس کو موت کبھی نہ آ سکے گی۔

وہ پہاڑ کے اوپر چاہے زمین پر گر پڑے، لیکن اسے موت کبھی نہیں آئے گی۔

"ایسی بات ہے تو میں ابھی اس درخت کی تلاش میں جاتا ہوں"۔

بابا! سرخ درخت تک کوئی آسانی سے نہیں پہنچ سکتا۔ سرخ درخت کی حفاظت دیوتا بڑے بڑے اژدھوں کی شکل میں کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں، آج سے سو برس پہلے ایک شخص نے سرنگ لگائی اور درخت کے پاس پہنچ گیا، لیکن جب

خون کے قطرے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو اوپر پہاڑ کی چھت سے پگھلے ہوئے لاوے کی لہر اس پر گری اور وہ اسی جگہ لوہے کا بن کر رہ گیا۔

کہتے ہیں اس کا لوہے کا بت بھی اسی جگہ موجود ہے۔

سالار حسن ہنس پڑا۔

اسے معلوم تھا کہ یہ شخص جھوٹ سے کام لے رہا ہے اور یونہی گپ بازی کر رہا ہے۔ وہ تو خود درخت کے قریب سے ہو کر آیا تھا۔

وہاں اس قسم کا کوئی بت نہیں تھا، لیکن اس شخص کی باتوں سے ایک خیال اسے ضرور آیا کہ درخت کے

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com www.urdurasala.com

پاس کی سرنگ کے ذریعے پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ خیال دل میں لے کر ساڈھن وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

شہر میں جا کر اس نے زمین کھودنے والی کدالیں خریدیں۔ انہیں کندھے پر رکھا، گھوڑے پر سوار ہوا اور ساحل سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

سمندر کے کنارے آ کر اس نے ایک کشتی کرائے پر لی۔ اس نے زمین کھودنے والا سامان رکھا اور سرخ درخت والے جزیرے کی طرف چل دیا۔

عنبر اور ناگ ادھر قلعے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے راستے میں ایک شخص سے جھیل والے

قلعے کے بارے میں پوچھا تو وہ آدمی بڑے غور سے عنبر اور ناگ کو دیکھتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔

عنبر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے وہاں کوئی بڑا خوفناک آسیب رہتا ہے۔"

ناگ بولا۔

"ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن ہم قلعے کے اندر ضرور جائیں گے۔ ماریا ضرور ہمیں وہاں مل جائے گی۔ تم یقین کرو مجھے ماریا کی ہلکی ہلکی خوشبو آنا شروع ہو گئی ہے۔ وہ ضرور یہیں کہیں پر ہے۔"

چلتے چلتے انہوں نے ایک جگہ مٹی کے ایک تودے

کے عقب سے گھوڑے موڑے تو خوشی سے ان کے چہرے چمک اٹھے۔

ان کے بالکل سامنے سبز رنگ کے کھڑے پانی والی ایک جھیل میں پرانے قلعے کی بوسیدہ عمارت کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"بزرگ کی بشارت بالکل سچی تھی یہی وہ قلعہ ہے جس کے اندر ماریا بے ہوش پڑی ہے۔ مگر میں اس قلعے کے سامنے پہنچ کر ایک عجیب فرق محسوس کرنے لگا ہوں"۔

"وہ کیا"۔

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ پہلے ماریا کے جسم کی خوشبو آتی تھی لیکن جس وقت سے میں قلعے کے سامنے آیا ہوں، مجھے ماریا کے جسم کی خوشبو آنی بند ہو گئی ہے۔ اب میں ہرگز معلوم نہ کر سکوں گا کہ ماریا کس جگہ بند ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ناگ بھائی! ٹھیک ہے، اس طرح ہمیں زیادہ محنت کرنی پڑے گی، لیکن ہم ماریا کو ڈھونڈ ضرور لیں گے۔ آؤ اب قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں"۔

انہوں نے گھوڑے وہیں گھاس پر چرنے کے

لیے کھلے چھوڑ دیے۔ اور خود پرونے قلعے کی جھیل کے گرد ایک چکر لگایا۔

قلعے کی عمارت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہاں کوئی کشتی بھی نہیں تھی۔

جھیل کے کنارے سے قلعے کی سیڑھیاں کافی دور تھیں۔ اب کیا کیا جائے؟ عنبر نے کہا کہ جھیل تیر کر پار کرتے ہیں۔

ناگ بولا۔

پھر میرا کیا فائدہ ہوا۔ اس نے اسی وقت ایک عظیم الشان اژدہا کی شکل اختیار کر لی اور کنڈلی مار کر جھیل کے پانیوں پر بیٹھ گیا۔

عنبر اس کی گود میں جا کر بیٹھا۔ اژدہا قلعے کی پرانی سیڑھیوں کے پاس آ کر رک گیا۔ عنبر سیڑھیوں پر اترا تو ساتھ ہی اژدہا بھی پھر سے ناگ کی شکل میں آ گیا اور وہ بھی قلعے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

سیڑھیاں طے کر کے جب وہ قلعے کے بڑے دروازے کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دروازہ لوہے کا بنا ہوا ہے اور اگر وہاں ہاتھی بھی آ جائیں تو دروازہ کبھی نہیں ہل سکے گا۔

عنبر اور ناگ سوچ میں پڑ گئے کہ اب قلعے کے اندر داخل ہونے کی کیا ترکیب کریں۔ وہ قلعے کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

☆عنبر اور ناگ قلعے کے اندر کس طرح داخل ہوئے؟۔

☆ماریا انہیں کس حالت میں ملی؟

☆سادھو کا کیا بنا؟ کیا وہ سرخ درخت تک سرنگ نکال سکا؟۔

☆یہ سب کچھ آپ اس ناول کی 55ویں قسط میں پڑھئے۔

Pakistan Virtual Library
www.urdurasala.com

خونی دروازے

(کامران سیریز نمبر 155)

اشتیاق احمد

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

آسیبی چیخ

عنبر آٹھ سو برس بعد

ماریا امریکہ میں

آخری گولی

غیبی سہیلی کا کارنامہ

خونی دروازے

قلعے کی تباہی

پیارے بچو!

ناگ اور عنبر پراسرار پرانے قلعے میں پہنچ گیا۔

ماریا اسی قلعے میں قید تھی۔

لیکن ایک ایسا حادثہ ہوا کہ عنبر آسیبی جھیل میں گر پڑا اور جب وہ جھیل کے نیچے سے باہر نکلا تو آٹھ سو سال گذر چکے تھے اور وہ ہندوستان کے ملک میں سانس لے رہا تھا۔

دوسری طرف ناگ کے ساتھ اور ماریا کے ساتھ

بھی یہی حادثہ ہوا۔ وہ بھی تاریخ کے اوراق پر آٹھ سو برس کی چھلانگ لگا کر آگے نکل آئے۔ ماریا آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے کے امریکہ میں جا نکلی جہاں کاؤ بوائز گھوڑے دوڑاتے اور پستولیں چلاتے پھرتے تھے۔

ناگ اور عنبر ہندوستان تو یہاں غدر کا ہنگامہ شروع ہو چکا تھا اور شاہی دہلی دروازے پر انگریزوں کی توپوں کے گولے ٹکرا رہے تھے۔ آگے کیا ہوا۔ یہ آپ خود پڑھیں۔

آسیبی چیخ

عنبر نے بہت کوشش کی مگر قلعے کا آہنی دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ایسے لگتا تھا۔ جیسے لوہے کا دروازہ آدھا زمین کے اندر دھنس چکا ہے۔ ناگ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے، قلعے میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا راستہ ہو۔ کیونکہ دروازے کی شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے

کبھی نہیں کھولا گیا۔

عنبر نے ناگ کو ساتھ لیا اور پرانے قلعے کے کسی خفیہ راستہ کی تلاش شروع کر دی۔ جیسا کہ آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں، یہ قلعہ بہت قدیم تھا اور جھیل کے بیچ میں بنا تھا۔

اس کے چاروں طرف پانی تھا۔ ہاں ایک جانب پتھر رکھ کر چھوٹا سا پل بنا دیا گیا تھا۔ عنبر اور ناگ اسی پل پر سے گزر کر قلعے کے دروازے تک آ گئے تھے۔

یہی وہ قلعہ تھا جس کے ایک خفیہ کمرے میں ماریہ بے ہوش پڑی تھی۔ قلعے دیواریں بھی۔ سیدھی اوپر تک چلی گئی تھیں۔

ناگ نے سانپ بن کر قلعے کے اوپر تک جا کر دیکھا۔ اندر جانے کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔ کسی جگہ روشندان تک نہیں بنا تھا۔

پرانی طرز کی کھڑکیاں تھیں جن کے آگے پتھر کی بڑی بڑی سلیں رکھ کر چن دی گئی تھیں۔ دونوں تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

بلکہ وہ تو یہ بھی سوچنے لگے کہ ہو سکتا ہے، یہ قلعہ ماریا والا قلعہ نہ ہو، کیونکہ اس میں تو اندر جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

ناگ نے کہا۔

”میرا دل کہتا ہے کہ اس قلعے کا کوئی خفیہ راستہ ضرور ہے“۔

”دل تو میرا بھی یہی کہتا ہے مگر عقل پوچھتی ہے کہ وہ راستہ کہاں ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

کچھ وہ تھک گئے تھے اور زیادہ بد دل ہو گئے تھے۔ عنبر نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

”یار بزرگ کی بشارت کے مطابق قلعے کے چاروں طرف جھیل کا پانی تھا، لیکن اس جھیل کے تین طرف پانی ہے۔ ایک طرف ٹیلہ بنا ہوا ہے“۔

ناگ بولا۔

تمہاری یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تو کیا پھر دوسرے

قلعے کی تلاش کیا جائے؟۔

پر ایک بات ہے کہ آدھی رات کو جو کسی عورت کے بین کرنے کے ماتمی آوازیں آتی ہیں، وہ کیا راز ہے؟۔

عنبر نے کہا۔

وہ آوازیں ماریا کی تھیں ہیں۔ اگر ماریا کی ہیں تو پھر بھی وہ قلعہ ہو سکتا ہے۔ جس کی تمہیں بشارت ہوئی ہے۔

وہ آوازیں کسی آسیب کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی صورت میں یہ قلعہ ماریا والا قلعہ نہیں ہے۔

ناگ نے کہا۔

"بہرحال ایک بات تو بالکل صاف ہے کہ یہ آسیبی آوازیں ماریا کی تھیں ہیں"۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر ہم غلط قلعے کے باہر سر پٹخ رہے ہیں۔ ہمیں کسی دوسرے قلعے کی تلاش میں نکلنا چاہیے"۔

"نہیں بھائی! جب تک ہم اس قلعے کے اندر جا کر پوری تفتیش نہیں کر لیتے، ہمیں یہاں سے ہرگز نہیں جانا چاہیے، کیونکہ ہو سکتا ہے، اندر ماریا موجود ہو۔ وہ تو بقول تمہارے خواب والے بزرگ کے کسی خفیہ کوٹھڑی میں بے ہوش پڑی ہے۔ اس لیے آواز نہیں دے سکتی"۔

عنبر نے ناگ کے اس خیال پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اس قلعے کے آس پاس رہیں گے اور کوئی نہ کوئی راستہ اندر داخل ہونے کی تلاش کر لیں گے"۔

وہ پل کے پاس جھیل کے کنارے، قلعے کی عقبی دیوار کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ جھولے میں سے کھانا نکال کر تھوڑا بہت کھایا۔

جھیل کا پانی پی کر تازہ دم ہوئے اور اس نئی دنیا کی باتیں کرنے لگے جہاں وہ پہنچ چکے تھے اور جسے مجھ کے عرب سیاحوں نے دریافت کیا تھا اور جہاں اب

یورپ کے زیادہ تر جرائم پیشہ لوگ آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔

انہیں باتیں کرتے کرتے رات ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔

"یار مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ تم بھی سو جاؤ۔ صبح تازہ دم ہو کر کام شروع کر دیں گے"۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ فضا میں جھیل کنارے اگی ہوئی کلیوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

ناگ کو عنبر کا خیال پسند آیا۔

عنبر تو لیٹتے ہی خراٹے لینے لگا۔ ناگ ابھی جاگ

رہا تھا اور قلعے کی اونچی دیوار کو تک رہا تھا جو رات کے اندھیرے میں ایک بہت بڑی چٹان کی اوپر کو اٹھتی ہوئی دیوار لگ رہی تھی۔

آسمان پر ستارے بجھے بجھے سے تھے۔ اتنے میں مشرق کی جانب سے زرد رنگ کا آدھا چاند نکل آیا۔ اس کی روشنی بڑی پھیکی اور پراسرار تھی۔ اس روشنی میں قلعے کی دیواریں اور زیادہ آسیب زدہ نظر آنے لگیں۔

ناگ بھی ٹھنڈی ٹھنڈی رات کی ہوا میں اونگھنے لگا۔ ابھی وہ نیند اور بیداری کے درمیان جھول رہا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی عورت اس کا نام لے کر اسے بلا رہی ہے۔

اس نے سر کو جھٹک کر آنکھیں کھول دیں اور کان لگا کر آواز سننے لگا۔ یہ آواز قلعے کے اندر سے آ رہی تھی۔ بڑی دبی دبی اور بلاتی سی تھی۔

جیسے کوئی ناگ کو مدد کے لیے بلا رہا ہو۔ ناگ نے غور کیا تو آواز ماریا کی تھی۔ اس نے عنبر کو اٹھانا چاہا۔ وہ آگے بڑھا کہ عنبر کو جگائے۔

پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ خواہ مخواہ بیچارے کی نیند کیوں خراب کرے۔ وہ اکیلا ہی آواز کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ناگ جس طرف سے آواز آ رہی تھی، اس طرف چل پڑا۔

آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ناگ قلعے کے مغربی کنارے جھاڑیوں کے پاس آ کر رک گیا۔ آواز ان جھاڑیوں میں سے آ رہی تھی اور صاف صاف ماریا کی آواز سے ملتی تھی۔ ناگ نے کان لگا کر غور سے سنا۔ ماریا کہہ رہی تھی۔

"ناگ! میری مدد کرو۔ میں تہہ خانے میں قید ہوں۔ میری مدد کرو۔ میں بڑی تکلیف میں ہوں"۔

اب ناگ سے نہ رہا گیا۔ اس نے جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹایا تو سامنے ایک چوکور چھوٹا سا دروازہ نظر آ گیا۔ ناگ نے اسے دھکا دیا۔

دروازہ کھل گیا۔ ناگ اندر داخل ہو گیا۔ جونہی وہ

اندر داخل ہوا اس کے پیچھے دروازہ زور سے بند ہو گیا اور چھت پر سے پتھر کی ایک سل اس پر آ گری گویا دروازہ پتھر کی مضبوط دیوار بن چکا تھا۔

ناگ کو کچھ شک ہوا۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے ایک چٹان تھا جس کا اپنی جگہ سے ہلنا ناممکن تھا۔

راستہ جہاں وہ کھڑا تھا، تنگ تھا۔ چھت نیچے جھکی ہوئی تھی۔ ناگ نے جھک کر آگے چلنے لگا۔ یہاں اگر وہ ہاتھی کا روپ بھی اختیار کر لیتا تو پھنس جاتا اور کچھ نہ کر سکتا۔

راستہ تاریک تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دیتا تھا۔

اب ماریا کی آواز آنا بھی بند ہو گئی تھی۔

ناگ سمجھ گیا کہ اسے کسی فریب میں پھنسایا جا رہا ہے۔ تھوڑی دور جا کر اسے کسی چراغ کی مدھم سی روشنی نظر آئی۔ وہ جھکے جھکے چلتا اس روشنی کے پاس آیا۔

یہ ایک مٹی کا دیا تھا جو دیوار کی طاق میں روشن تھا، لیکن اس کی روشنی بڑی مشکل سے چراغ کے اردگرد کی فضا کو روشن کر رہی تھی۔

کچھ دیر ناگ یہاں کھڑا غور کرتا رہا کہ اس کے ساتھ کس قسم کا دھوکہ کیا جا رہا ہے؟ کیا وہ اس قلعے کے آسیب میں قابو آ گیا ہے؟ وہ کچھ دیر زمین پر بیٹھ کر غور کرتا رہا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے؟۔

اتنے میں ماریا کی آواز پھر سنائی دی۔

"ناگ! آگے آؤ۔ میری مدد کرو۔ میں بڑی تکلیف میں ہوں"۔

ناگ نے زور سے کہا۔

"ماریا! تم کہاں ہو؟"۔

اس کے جواب میں وہی آواز ایک بار پھر یہی کہتی ابھری۔

"ناگ! آگے آؤ۔ میری مدد کرو۔ میں بڑی تکلیف میں ہوں"۔

ناگ تیزی سے سرنگ میں آگے بڑھا۔ آگے ایک دالان پر آ گیا جس کے اوپر پہاڑ کی چھت تھی۔

یہاں انسان اٹھ کر کھڑا ہو سکتا تھا اور چل پھر بھی سکتا تھا۔

اس میں داخل ہونے کا وہی ایک راستہ تھا جو سرنگ سے آتا تھا۔ جوں ہی ناگ سرنگ سے نکل کر اندر آیا، ایک بھاری پتھر دھڑاک سے سرنگ کے منہ پر آن گرا اور راستہ بند ہو گیا۔

اب تو ناگ کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ پھنس گیا ہے اور باہر نہیں نکل سکتا۔

یہاں اگر وہ ہاتھی یا شیر بھی بن جائے تو سوائے پہاڑ کی دیواروں کے ساتھ زور زور سے ٹکریں مار کر زخمی ہونے کے اور کچھ نہ کر سکے گا۔ سانپ بن کر بھی وہ فرار نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہاں کسی جگہ کوئی چھوٹا سا ایسا سوراخ بھی نہیں تھا جو باہر جاتا ہو۔ ناگ نے سوچا۔ برے پھنسے!

اس نے کئی بار ماریا کو پکارا۔

"ماریا تم کہاں ہو؟ آواز دو۔ میں آ گیا ہوں"۔

لیکن دوبارہ ماریا کی آواز نہ آئی تھی نہ آئی۔ وہ بے چاری تو اس قلعے کے پیچھے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں سنگ مرمر کے چبوترے پر نیلی چادر اوڑھے بے ہوش پڑی تھی اور اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔

ناگ کو خیال آیا کہ اس نے عنبر کے بغیر آ کر بڑی

غلطی کی۔ اگر وہ اس کو ساتھ لے آتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی بھی حماقت سے کام لے کر سرنگ کے منہ پر گرے ہوئے پتھر کو ہٹا دیتا مگر وہ پتھر تو گویا ایک چٹان آ کر وہاں گر پڑی تھی۔

ابھی وہ زمین پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے کہ اچانک اسے چھت کے پاس دیوار میں شعلہ سا لپکتا دکھائی دیا۔

شعلہ اچانک بجھ گیا اور اک انتہائی مکروہ چہرے والی چڑیل کی گردن ابھری۔

اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

سن اے ناہنجار! میں اس قلعے کی پہریدار ہوں۔

سمادھن جادوگر کی باندی ہوں۔ اس نے میری ڈیوٹی لگا دی ہے کہ اس کے قلعے کی حفاظت کروں اور جو کوئی اس کے آس پاس منڈلاتا نظر آئے اسے اندر بلا کر ہلاک کر دوں۔ اب تو بھی اپنی موت کے لیے تیار ہو جا۔

یہ کوٹھری تیری قبر بنے گی۔ تو بھوکا پیاسا یہاں مر جائے گا۔ میں جانتی ہوں تو کس لڑکی کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔

میں نے اسی کی آواز میں تمہیں بلایا تھا۔ تمہارا ساتھی ابھی باہر ہے۔ اب میں اسے آواز دے کر اندر بلاؤں گی اور یہاں بند کر کے بھوکا پیاسا رکھ کر مار دوں

گی۔

ناگ نے اس چڑیل کے بدنما لمبے دانتوں اور تیکھی چونچ جیسی لمبی مکروہ ناک والی شکل کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیا ماریا اسی قلعے میں قید ہے؟"۔

"ہاں وہ اسی قلعے میں ہے مگر تم قیامت تک اس کے پاس نہ پہنچ سکو گے"۔

چڑیل کا قہقہہ پتھر کی دیواروں سے ٹکرایا۔ دیوار کے اوپر شعلہ چمک کر بجھا اور چڑیل کی شکل غائب ہو چکی تھی۔

دیوار پر کوئی نشان باقی نہیں تھا۔ اب ناگ عنبر کا

انتظار کرنے لگا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ عنبر کو جب ماریہ کی آواز آئے گی تو وہ بے اختیار ہو کر اسی راستے پر چل پڑے گا جس راستے پر سے ہو کر ناگ وہاں تک پہنچا تھا اور پھر ایسا ہی ہوا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سرنگ کا پتھر ہٹا اور عنبر کو جیسے کسی نے دھکیل دیا۔ دروازے پر پتھر پھر سے گر پڑا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔

دونوں نے اپنی اپنی کہانی سنائی جو ایک ہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"یار ناگ یہ تو یہ کسی آسیب کا کام معلوم ہوتا

ہے"۔

ناگ نے اسے چڑیل کے نمودار ہو کر اس کی
موت کا فیصلہ سنانے کی ساری باتیں بیان کر دیں۔

عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بڑی اچھی ہوئی ہے کہ چڑیل
کو تمہارے سانپ ہونے اور میری خفیہ طاقت کی کوئی
خبر نہیں ہے"۔

ناگ بولا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ اس کی باتوں سے ایسا ہی
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمیں بھی عام انسان ہی سمجھ رہی
ہے۔ نہیں تو وہ یہ بھی نہ کہتی کہ اب تم یہاں بھوکے
پیاسے مر جاؤ گے۔ اسے بالکل خبر نہیں کہ میں سو برس
تک اگر کچھ نہ کھاؤں تو زندہ رہ سکتا ہوں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اور میں تو مر ہی نہیں سکتا۔ کم از کم ابھی تو میری
موت کے کوئی آثار نہیں ہیں"۔

ناگ بولی۔

"دوسری بات یہ ہے کہ چڑیل نے اس بات کا
اعتراف کر لیا ہے۔ کہ ماریا اسی قلعے میں کسی جگہ قید
ہے اور یہ کہ جس جادوگر نے ماریا کو اپنے کسی خاص
مقصد کے لیے قید کر رکھا ہے اس کا نام سامادھن ہے اور
وہ اس قلعے میں ہی نہیں ہے۔ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ اس

کے پیچھے یہ چڑیل اس قلعے کی نگرانی کر رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"پھر تم فکر نہ کرو۔ سمجھ لو کہ ماریا ہمیں ضرور مل جائے گی۔ ہم اسے حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔ بزرگ کی بشارت کی، قسمیں سچی تھیں"۔

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عنبر نے ناگ سے پوچھا کہ یہاں سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے؟۔

ناگ نے کہا کہ ان کے چاروں طرف پتھر کی چٹانی دیواریں ہیں اور چھت بھی بالکل بند ہے۔

عنبر نے کہا۔

"مگر یہاں ہوا کہاں سے آتی ہے؟ میرا خیال ہے کوئی خفیہ سوراخ ایسا ضرور ہوگا جہاں سے تازہ ہوا اس کوٹھڑی میں پہنچتی ہے"۔

عنبر کے اس خیال پر ناگ بھی ذرا سا چونکا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ کوٹھڑی میں تازہ ہوا جو آتی ہے تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ کہیں نہ کہیں ضرور رکھی گئی ہوگی۔

اب وہ اس خفیہ سوراخ یا شگاف کو چل پھر کر تلاش کرنے لگے، لیکن بھلا سادھن کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔

وہ شگاف انہیں نہ ملنا تھا نہ ملا۔ تھک ہار کر بیٹھ

گئے۔ ناگ نے کہا۔

"پھر تو وہی شگاف ہوگا جہاں سے چڑیل نے ہمیں جھانک کر دیکھا تھا اور ہم سے بات کی تھی۔ میں اوپر جا کر پتہ کرتا ہوں"۔

اور ناگ سانپ بن کر رینگتا ہوا اوپر چھت کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں اس نے گھوم پھر کر ہر طرف دیکھا مگر اسے کسی جگہ بھی کوئی سوراخ یا معمولی سا شگاف بھی دکھائی نہ دیا۔ ناامید ہو کر واپس آ گیا۔ عنبر بولا۔

"اب ہمیں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا"۔

"مثلاً وہ کونسا؟"۔ ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"مثلاً کوئی ایسا طریقہ کہ جس پر یہ چڑیل بھی دنگ رہ جائے۔ اگر یہ چڑیل ہے، کیونکہ مجھے شک ہے کہ یہ چڑیل نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر چڑیل نہیں تو کیا کسی ملک کی شہزادی ہے؟"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"شہزادی بھی نہیں ہے۔ بہرحال ہمیں ایک کام کرنا ہوگا"۔

"کون سا کام؟"۔ ناگ نے پوچھا۔

عنبر کہنے لگا۔

"اگر تم ہاتھی بن کر کسی دیوار کو زور سے ٹکر مارو تو ہو سکتا ہے کہ دیوار ٹوٹ جائے اور ہم یہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں"۔

ناگ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

بھائی عنبر! ہم سینکڑوں سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ آج پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ تم کبھی کبھی بالکل بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہو۔ بھلا کبھی کسی ہاتھی نے ٹکر مار کر پہاڑ بھی گرایا ہے؟۔

بھائی یہ دیواریں نہیں بلکہ یہ چٹانیں ہیں۔ اگر جنگل کے سارے ہاتھی بھی مل کر ان دیواروں کو ٹکریں مارتے رہیں تو انہیں اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں گے"۔

عنبر نے ناامید ہو کر کہا۔

"تو کیا پھر ہم یہاں قیامت تک بیٹھے رہیں گے؟ ظاہر ہے، ہم میں سے کوئی بھی مر نہیں سکے گا"۔

ناگ بولا۔

"اس کا فیصلہ ہمیں وقت پر چھوڑ دینا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ یہاں سے فرار کی کوئی سبیل بن جائے"۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ پھر وہ پتھر پر لیٹ گیا اور بولا کہ میں تو کچھ آرام کر لوں گا۔ تم حالات کا انتظار کرو۔

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔

انہیں بالکل احساس نہیں تھا کہ رات کتنی گذر چکی ہے۔ یا دن کس وقت نکلے گا۔ چٹانی کمرے میں اندھیرا تھا۔ صرف چھت میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی بے حد معمولی سی روشنی کمرے میں بڑی مشکل سے اندھیرے کو دور کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ناگ بھی سو گیا۔

عنبر بھی سویا رہا۔ آنکھ کھلی تو دونوں چاک و چوبند تھے۔ کمرے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہی دیواروں کی چٹانیں تھیں۔ اس بند کوٹھڑی میں پڑے پڑے جانے انہیں کتنی دیر ہو گئی تھی۔

وہ تھک سے گئے تھے۔ دوبارہ وہ چڑیل بھی نمودار نہیں ہوئی۔ اسے نمودار ہونا بھی نہیں تھا، کیونکہ وہ تو آخری بار کہہ گئی تھی کہ اب وہ اس جگہ بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔

عنبر اٹھ کر ایک بار پھر دیواروں میں کوئی دروازہ یا سوراخ تلاش کرنے لگا۔ ناکام ہو کر ناگ کے پاس آ کر بولا۔

''بھائی! یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ہم کب تک بیٹھے رہیں گے؟ ایک بات صاف ہے کہ ماریا اسی قلعے میں قید ہے۔ تو پھر ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم جلد سے جلد اس تک پہنچ کر اسے مصیبت سے نجات دلائیں۔ خدا جانے وہ کس مشکل میں ہو گی''۔

ناگ کہنے لگا۔

"تمہارا یہ کہنا بجا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کریں بھی تو کیا کریں؟"۔

عنبر تنک کر بولا۔

"میں نے تمہیں کبھی اتنا بے بس نہیں دیکھا۔ کیا بات ہے؟ کیا تم اتنے ہی نا امید ہو گئے ہو؟ میں تو نا امید نہیں ہوا۔ مجھے یقین کہ اگر ہم نے ذرا عقل سے کام لیا تو یہاں سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا"۔

ناگ خاموش رہا اور سوچتا رہا۔

خدا جانے وہ رات کا وقت تھا کہ دن کا وقت تھا۔ دیوار میں چھت کے پاس دیا اسی طرح جل رہا تھا۔ اس کی روشنی صرف دیے کے آس پاس ہی پڑ رہی تھی۔

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھے کالی کالی دیواروں کے ابھرے ہوئے پتھروں کو تکتے رہے۔ پھر اچانک ناگ نے کہا۔

"تمہیں کوئی آواز سنائی دی؟"۔

عنبر نے سستی سے کہا۔

"یار سو جاؤ۔ کوئی آواز نہیں آتی"۔

لیکن اب عنبر نے بھی محسوس کیا کہ دیوار کے پیچھے سے ایسی آواز آ رہی ہے جیسے کوئی زمین کھود رہا ہے

اور پھاوڑا چلا رہا ہے۔ دونوں نے اٹھ کر دیوار سے کان لگا دیئے۔

آواز ہلکی تھی مگر بڑی صاف۔ جیسے کوئی زمین کھود کر پتھروں کو پرے پھینک رہا ہو۔

"یہ کیا بات ہے؟"۔

عنبر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی نے ماریا کو ہلاک کر دیا ہو اور اب اسے زمین میں دفن کر رہا ہے"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے، ایسی بات نہیں ہے، کیونکہ ماریا کسی کو نظر نہیں آتی۔ اگر جادوگر سادھن یا چڑیل نے

اسے اپنے جادو کے زور سے دیکھ لیا ہے تو پھر انہیں ماریا کو ہلاک کر کے زمین میں دفن کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے ویسے ہی بے ہوش پڑے رہنے دیں"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر یہ دیوار کی دوسری جانب کون کھود رہا ہے؟"۔

ناگ کہنے لگا۔

"ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ظاہر ہو کر رہے گا"۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ آواز زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اب

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی دیوار پر بھی کدال چلا رہا ہے۔ ناگ اور عنبر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ پتھر دیوار پر سے ٹوٹ کر گر پڑے۔

اس کے بعد کدال کی آواز بند ہو گئی۔ دیر تک انہیں کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ناگ نے عنبر سے کہا کہ شاید زمین کھودنے والا شخص چلا گیا ہے۔

عنبر بولا۔

"یہ دیوار کمزور معلوم ہوتی ہے۔ اس کے پتھر ٹوٹ کر گرے ہیں۔ میرا خیال ہے اگر تم کوشش کرو تو اسے توڑ سکتے"۔

ناگ نے ایسا کرنے کی حامی بھر لی اور ذرا سی دیر

میں ہاتھی کا روپ اختیار کر لیا۔ اس اندھیری کوٹھری میں ایک ہاتھی کھڑا جھومتا ہوا عجیب لگ رہا تھا۔ ہاتھی نے پیچھے ہٹ کر دیوار کو زور سے ٹکر ماری دیوار کے کچھ اور پتھر نیچے گر پڑے۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھائی! ٹکر مت مارو۔ زور لگا کر اسے توڑنے کی کوشش کرو"۔

ہاتھی نے سر دیوار کے ساتھ لگا کر زور لگایا تو ایک جگہ سے پتھر دوسری جانب گرے اور سوراخ پیدا ہو گیا۔

عنبر نے ہاتھی کو روک دیا۔ ہاتھی دوبارہ ناگ کی

شکل بن کر سامنے آ گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا کہ وہ اس سوراخ میں سے دوسری جانب جا کر معلوم کرے کہ ادھر کیا ہے اور وہاں سے فرار ہونے اور ماریا سے ملنے کی کیا کوشش ہو سکتی ہے۔

ناگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک سیاہ سانپ کی شکل اختیار کی اور دیوار کے پتھروں میں جو سوراخ ہوا تھا، اس میں سے دوسری جانب رینگتا ہوا نکل گیا۔

عنبر کوٹھڑی میں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

عنبر آٹھ سو برس بعد

ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا دوسری طرف آ گیا۔

ادھر اندھیرا زیادہ تھا مگر سانپ اس اندھیرے میں بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ زمین میں ایک گڑھا کھود کر اسے بھر دیا گیا ہے۔

سانپ نے تازہ کھدی ہوئی مٹی میں سوراخ کیا اور

اس کے اندر چلا گیا۔ تھوڑا نیچے جا کر اسے سونے کی ڈلیاں ملیں جو دفن کر دی گئی تھیں۔

وہ جلدی سے باہر آ گیا۔ گویا کسی نے یہاں سونا دفن کیا ہے۔ وہ رینگتا ہوا آگے چل پڑا۔ تنگ سی سرنگ آگے جا کر ایک چٹان کے شگاف میں آ گئی۔

یہ شگاف کافی چوڑا تھا اور اس میں سے روشنی آ رہی تھی۔ جوں جوں سانپ آگے چلا گیا، اسے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

شگاف پر جا کر سانپ نے گردن دوسری طرف ڈال کر دیکھا۔ تین آدمی جو شکل وصورت سے بڑے خوفناک قاتل اور ڈاکو معلوم ہو رہے تھے، ایک ادھیڑ عمر آدمی کو زنجیروں سے باندھ رہے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر ان سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک قاتل اسے کہہ رہا تھا۔

”تمہیں چھوڑ دیں گے تو تم واپس جا کر اپنے مالک کو خبر کر دو گے اور وہ ہمیں ایک پل میں قتل کرا دے گا۔ وہ تو قصبے کا گورنر ہے۔ وہ بڑی آسانی سے ہمیں مروا دے گا۔“

ادھیڑ عمر آدمی نے گڑگڑا کر کہا۔

”میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ میں گورنر کا معمولی ملازم ہوں اور بال بچوں والا ایک غریب آدمی ہوں۔ رحم

لوگوں نے مجھے مار دیا تو میرے بچے باپ کی محبت سے محروم ہو جائیں گے"۔

دوسرے قاتل نے اس کے سر پر زور سے مکا مار کر کہا۔

"بس کرو اس بک بک کو۔ ہم نے تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور قتل کر کے ہی چھوڑیں گے"۔

تیسرے قاتل نے ایک خنجر نکال لیا اور ادھیڑ عمر آدمی کی آنکھوں کے آگے لے جا کر کہا۔

"اسے دیکھتے ہو؟ یہ تمہارے خون کا پیاسا ہے۔ یہ ابھی تمہارے سانے میں دل کے اندر اترا ہو گا۔ ہاہا

ہاہا"۔

باقی قاتل بھی ہنسنے لگے۔ ادھیڑ عمر آدمی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

مجھ پر میرے بچوں کی خاطر رحم کرو۔ میں تم سے اپنے معصوم بچوں کی خاطر زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے جس طرح کہا میں نے ہی طرح کیا۔ اب میری جان بخشی کر دو۔

میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میری جان بخش دو۔ مجھے نہ مارو۔ میرے بچوں پر رحم کرو"۔

تینوں قاتل قہقہے مار کر ہنس دیے۔

ایک نے کہا۔

"یار اس کمینے بڈھے کھوسٹ کا کام تمام کر دو۔ اس کس کا انتظار کر رہے ہو۔ سونا ہمیں چاہیے تھا، وہ ہم نے حاصل کر لیا ہے۔ مار دو اس بد بخت کو۔"

سانپ سے اب صبر نہ ہو سکا۔ اس نے ادھیڑ عمر مظلوم باپ کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ رینگتا ہوا اس آدمی کے پیچھے جا پہنچا جس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔

سانپ نے جاتے ہی بڑی تیزی سے اس شخص کو ڈس دیا۔ قاتل نے چیخ ماری۔ خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

"سانپ"۔

دوسرے قاتل گھبرا کر اٹھ کر کھڑے ہوئے اور خنجر نکال کر سانپ کو تلاش کرنے لگے۔ اس دوران میں سانپ دوسرے قاتل کو بھی ڈس چکا تھا۔

ناگ کا زہر بے حد خطرناک اور تیز تھا۔ دونوں قاتل زمین پر گر چکے تھے اور اب ان کے منہ ناک اور کان سے خون جاری ہو گیا تھا۔

وہ مر رہے تھے۔ تیسرا قاتل ایک سمت کو بھاگا۔ سانپ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ کچھ دور جا کر ایک سوراخ میں سے دن کی روشنی آ رہی تھی۔

سانپ نے اس شگاف میں تیسرے قاتل کو جا لیا

اور چھلانگ لگا کر اس کی گردن پر ڈس دیا۔ قاتل تڑپ کر زمین پر گرا اور ایڑیاں رگڑنے لگا۔

سانپ اسے مرتا چھوڑ کر واپس ہوا۔ ایک جگہ اوٹ میں پہنچ کر اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کی اور ادھیڑ عمر آدمی کے پاس آ کر بولا۔

”کیا بات تھی بابا؟ تم یہاں کیسے آ گئے؟“۔

ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

”بیٹا! مجھے ان زنجیروں سے آزاد کرو، پھر تمہیں اپنی کہانی سناؤں گا“۔

ناگ نے اس کی زنجیریں کھول دیں۔ ادھیڑ عمر آدمی نے بتایا۔

میرا نام ڈومینو ہے۔ میں اس شہر کے گورنر کا نوکر ہوں۔ میں نے ساری زندگی ایمانداری کیساتھ بسر کی ہے۔

یہ تین ڈاکو گورنر کے خاص دوست تھے۔ گورنر نے شہر کا خزانہ سونے کی شکل میں ایک خاص جگہ رکھا ہوا تھا جس کی گورنر کے علاوہ صرف مجھے خبر تھی۔

ان ڈاکوؤں کی نیت خراب ہو گئی۔ یہ مجھے اغوا کر کے لے گئے پھر انہوں نے خزانے کا پتہ معلوم کیا اور خزانے کے ساتھ مجھے بھی لے کر یہاں آ گئے۔

انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں نے خزانے کا سراغ نہ دیا تو وہ میرے بچوں کو قتل کر دیں گے۔ میں ڈر گیا

اور خزانے کا پتا بتا دیا۔

اب یہ مجھے بھی قتل کرنے والے تھے کہ دیوتاؤں نے میری مدد کی۔

یہاں سے کوئی سانپ اچانک نکل آیا جس نے تینوں کو ڈس کر ہلاک کر دیا مگر بیٹا تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے پہنچ گئے؟۔

ناگ نے کہا۔

"چچا! یہ باتیں پھر بتاؤں گا۔ تم اسی جگہ بیٹھو۔ میں اپنے ساتھی کو بھی لے آؤں"۔

ناگ وہاں سے واپس اسی جگہ دیوار کے شگاف پہ آیا۔ عنبر بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ ناگ نے

اسے سارا واقعہ سنایا۔

عنبر اور ناگ نے زور لگا کر سوراخ بڑا کیا۔ کچھ پتھر ادھر ادھر ہٹائے۔ عنبر چٹانی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ دونوں چچا ڈومینو کے پاس گئے۔

ناگ نے کہا۔

"یہ میرا بھائی عنبر ہے چچا! ہم یہاں قلعے کی سیر کرنے آئے تھے کہ اس کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے۔ تمہاری آواز سنی تو یہاں تمہاری مدد کو آ گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہاری بھی جان بچی اور اس قلعے کے باہر نکلنے کا راستہ بھی مل گیا"۔

چچا ڈومینو پریشانی کے ساتھ بولا۔

"لیکن میرے بچے میں خزانے کے بغیر اپنے مالک کو جا کر کیا منہ دکھاؤں گا۔ یہ خزانہ شہر کے لوگوں کی امانت ہے جو ہمارے ایماندار گورنر نے جمع کر کے رکھا تھا"۔

ناگ بولا۔

فکر نہ کرو چچا۔ خزانہ پیچھے ایک جگہ زمین میں دفن ہے۔

انہوں نے مل کر زمین کھودی۔ پتھر اور مٹی پرے ہٹائی۔ نیچے خزانے کا سونا بالکل محفوظ پڑا تھا۔ بوڑھا ڈومیتو بے حد خوش ہوا۔

وہ سونے کی ڈلیاں چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر

قلعے سے باہر آ گئے۔ باہر روشنی میں سانس لے کر عنبر اور ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

بوڑھا ڈومیتو عنبر اور ناگ کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر انہیں تو ابھی قلعے میں ماریا کو تلاش کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے ڈومیتو سے رخصت لی اور جھیل کنارے ایک جگہ آرام کرنے بیٹھ گئے۔

ڈومیتو نے انہیں جاتی دفعہ کہا کہ اگر انہیں زندگی میں کبھی کسی شے کی ضرورت پڑے تو وہ اسے ضرور ملیں گی۔ اس نے عنبر اور ناگ کا بے حد شکریہ ادا کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔

اس کے جاتے ہی عنبر نے کہا۔

یہ کیا چکر ہے؟۔

ان قاتلوں کو چڑیل نے کچھ نہ کہا۔ وہ بڑے آرام سے خزانہ لے کر قلعے میں آ گئے۔ پھر ہمارے ہاتھوں مارے بھی گئے اور قلعے کی چڑیل نے کوئی آواز نہ نکالی۔

کیا یہ ساری ڈراؤنی آوازیں ہمارے لیے ہی تھیں۔ مجھے تو اس میں کوئی بہت بڑا راز معلوم ہوتا ہے۔

ناگ بولا۔

"بھائی عنبر! راز سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جادوگر سادھو نے ماریا کو قید کر کے اس قلعے کی کسی

پراسرار خفیہ جگہ ڈال رکھا ہے۔

یہ چڑیل کوئی بوڑھی جادوگرنی ہو گی جو اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ اسے چونکہ جادو کے زور سے معلوم ہو گیا تھا کہ ہم ماریا کی تلاش میں آئے ہیں، پس اس نے ہمیں راستے سے ہمیشہ ہٹانے کے لیے مکاری سے اندر بلا کر قید کر دیا۔

ان ڈاکوؤں کا چونکہ ماریا سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے جادوگرنی نے انہیں کچھ نہ کہا۔ یہی سوچا کہ قلعے میں چھپ کر خزانہ دبا رہے ہیں تو دبانے دو۔ کیا جاتا ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان ڈاکوؤں کو اندر جانے کا راستہ کہاں سے ملا؟۔

کم بخت ہم تو ٹکریں مارتے رہے تھے اور کہیں سے اندر جانے کے لیے ایک سوراخ تک نظر نہیں آیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

''یہ ڈاکو یہاں کے پرانے باشندے ہیں اور پھر جرائم پیشہ لوگوں کو ایسی جگہوں میں داخل ہونے کے خفیہ راستے معلوم ہوتے ہیں۔''

عنبر کہنے لگا۔

اب ہمیں واپس قلعے میں جانا چاہیے۔ اسی راستے

سے جس راستے سے ہم لوگ ابھی ابھی ڈومینو کو لے کر واپس آئے تھے۔

''ٹھیک ہے آؤ میرے ساتھ''۔

ناگ اور عنبر قلعے کے پیچھے اس چھوٹے سے گول شگاف پر آ۔ جہاں سے وہ ابھی باہر نکلے تھے۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔

اس وقت شام کا سورج غروب ہو رہا تھا۔ وہ اندر چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں قاتل ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی تھیں اور پھر وہی چٹانی کوٹھڑی آ گئی جہاں سے نجات حاصل کر کے وہ باہر آئے تھے۔

عنبر بولا۔

یار ہم تو پھر اسی جگہ آ گئے۔ کم بخت اس کے علاوہ یہاں اور کوئی راستہ ہی نظر نہیں آ تا۔ اب ہم کس جگہ جا کر ماریا کو تلاش کریں یہ سرنگ تو صرف ہمارے قید خانے تک جاتی ہے اور پھر واپس آ جاتی ہے۔

ناگ بولا۔

”ایک بات پر میں حیران ہوں کہ ابھی تک جادو گرنی کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم قید سے فرار ہو چکے ہیں؟“۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے، یقیناً وہ اس قلعے میں نہیں ہے۔ کسی دوسری جگہ گئی ہوئی ہے۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو اسے ایک پل میں ہمارے فرار کا پتہ چل جاتا اور پھر وہ ہمیں دوبارہ قید کرنے کی کوشش کرتی۔

ناگ کہنے لگا۔

تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر اس خیال کی روشنی میں ہمیں ماریا تک جلدی سے جلدی پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جادوگرنی واپس آ گئی تو ہمارے راستے میں رکاوٹ پڑ جائیگی۔

ہو سکتا ہے وہ ہم پر قاتلانہ حملہ بھی کر دے۔ ایسی صورت میں میری جانب کو سخت خطرہ ہے۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہم جائیں تو کہاں جائیں"۔

"میرا خیال ہے، یہاں سے باہر آ جاؤ۔ باہر چل کر اطمینان سے اگلے قدم کے بارے میں سوچتے ہیں"۔

بات تھی بھی معقول۔ عقلمند کہتے ہیں کہ جب انسان تھک جائے اور سامنے کوئی راستہ نظر نہ آئے تو خاموشی سے کسی جگہ بیٹھ کر معاملات پر ایک بار پھر ٹھنڈے دماغ سے غور کرے۔

دوبارہ سہ بارہ غور کرے۔ پھر کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آتی ہے۔ عمر اور ناگ قلعے کی دیوار کے شگاف سے نکل کر باہر آ گئے اور جھیل کنارے ایک جگہ بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

اب انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ پانی تو انہوں نے ڈومیتو کے ساتھ نکلتے ہی جی بھر کر پانی پی لیا تھا۔ اب بھوک ستانے لگی۔ اگرچہ وہ دونوں کئی دن بغیر کھائے پیے گزار سکتے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ ایک دم سے ان کی بھوک چمک اٹھی۔

کاش انہیں معلوم ہو جاتا کہ قدرت ان کے ساتھ ایک اور مذاق کرنے والی ہے۔ عمر نے کہا کہ میں خود بازار جا کر کھانے پینے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔

ناگ نے اسے روکا کہ وہ خود جا کر لے آتا ہے،

لیکن عنبر اٹھ کر چلا گیا۔

جانے کیوں ناگ کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی کہ عنبر کو جانے سے روک دے مگر وہ روک نہ سکا۔ عنبر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

ناگ خاموشی سے قلعے کی دیوار کے نیچے جھیل کے پاس پتھروں پر خاموش بیٹھا عنبر کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور احساس سا ہو رہا تھا کہ اس نے عنبر کو بھیج کر غلطی کی ہے۔

پھر ناگ نے اپنا سر جھٹک کر اس قسم کے پریشان کر دینے والے خیالات کو پرے کر دیا، کیونکہ وہ زندگی میں کبھی ناامید نہیں ہوا تھا۔

عنبر جھیل کے چھوٹے سے پل سے گذر کر درختوں کے بیچ سے گذرتا قصبے کی طرف جا رہا تھا۔ ایک سرائے میں جا کر اس نے کچھ روٹیاں اور زیتون کا تیل اور پھل خریدے اور واپس قلعے کی طرف آ گیا۔

اب شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ درختوں میں تاریکی چھا گئی تھی۔ قلعے کی عمارت ایک آسیب معلوم ہو رہی تھی۔

عنبر درختوں سے نکل کر جھیل کے پاس آیا تو اسے ایک لمبی سسکاری کی آواز سنائی دی۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا اور جھیل کے ساتھ ساتھ چلتا پل کی جانب بڑھنے لگا۔

ابھی پل کچھ دور تھا۔ وہی سسکار کی آواز اب زیادہ قریب سے سنائی دی۔ عنبر ابھی پلٹ کر دیکھنے ہی والا تھا کہ کسی نے اس کو پاؤں سے پکڑ کر اتنی زور سے کھینچا کہ وہ دھڑام سے جھیل میں گر گیا۔

جھیل میں گرتے ہی پانی کی موٹی چادر نے اسے اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ عنبر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو وہ ایک ایسی کھوہ میں پڑا تھا جہاں زمین دلدل بنی ہوئی تھی اور ایسی بدبو آ رہی تھی جیسے کہیں قریب ہی انسانوں کی لاشیں پڑی ہوں۔

عنبر نے ارد گرد دیکھا۔ کھوہ میں پانی اس کے پاؤں کو چھو رہا تھا۔ اندر ہی اندر سے یہ کھوہ جھیل سے

جانے کتنی دور پہاڑوں میں جا نکلی تھی۔ عنبر اٹھ کر چلنے لگا تو اس کا سر چکرا گیا۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا:

اسے کون کھینچ کر یہاں لے آیا؟

وہ جھیل کے اندر سے کیونکر اس کھوہ میں آ گیا؟

ایک جانب کھوہ میں ہلکی ہلکی روشنی بھی آ رہی تھی۔ عنبر ناگ کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ تو اس کے لیے کھانا لینے گیا تھا۔

خدا جانے اس جھیل میں وہ کیسے پہنچ گیا۔ مگر کسی نے اس کے پاؤں کھینچ کر اسے جھیل میں گھسیٹا تھا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ ناگ اکیلا اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اسے یہاں سے باہر نکل کر ناگ کے پاس پہنچنا

چاہیے۔

یہ سوچ کر عنبر دلدل میں اٹھ کر اس طرف چلنے لگا جدھر سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ دلدل ختم ہو گئی۔ عنبر کھوہ سے باہر نکل آیا۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ جس وقت اسے جھیل میں دھکیلا گیا تھا اس وقت شام ہو چکی تھی۔

ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا، لیکن اب جو وہ کھوہ سے باہر نکلا تو باہر درختوں کے اوپر آسمان پر ہلکے ہلکے باریک بادل تھے اور سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

یا خدا! یہ کیا بھید ہے؟ وہاں کہاں سے کہاں آ گیا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں نہ تو کوئی جھیل ہے اور

نہ کوئی جھیل والا پرانا قلعہ۔

فضا اور جگہ بدلی بدلی تھی وہ ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں چاروں طرف کھیت اور میدان تھے دور کہیں کہیں چھوٹے قد کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھی۔

عنبر چکرا کر رہ گیا۔ کچھ اسے تشویش بھی ہوئی۔ ایک مدت کے بعد اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ اچانک ایک دنیا سے کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ جھیل والے قلعے کے۔ ہر اتنی گرمی نہیں تھی۔

یہاں گرمی بھی کچھ زیادہ تھی۔ بادل چھٹ گئے اور تیز دھوپ چمکنے لگی۔ عنبر کو گرمی لگی اور پسینہ آ گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ کھوہ بھی غائب تھی۔ جہاں سے وہ

ابھی ابھی نکل کر باہر آیا تھا۔

عنبر کو ناگ اور ماریا کا خیال آیا۔ کہیں وہ ان سے بہت دور تو نہیں ہو گیا؟ یا اللہ! یہ کیا راز ہے؟ عنبر کھیتوں کھیت چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں آم کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں تھی اور ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔

وہ ندی کنارے بیٹھ گیا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا تازہ دم ہو کر اردگرد فضاؤں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ہر شے بدلی بدلی سی تھی۔

درخت، کھیت، گھاس، پہاڑ اور درختوں پر بولتے پرندے، ہر شے بدلی ہوئی تھی۔ آرام کے درخت اس

نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

ان درختوں میں لال لال آم لگے تھے اور طوطے شور مچا رہے تھے۔ عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کوئی بہت بڑی تبدیلی ہو چکی تھی۔

کیا تبدیلی ہوئی تھی؟ یہ عنبر کو ابھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ اتنے میں اس نے ایک عورت کو سر پر ٹوکری رکھے آتے دیکھا۔

عنبر نے سوچا کہ اس عورت سے پوچھنا چاہیے کہ وہ کس ملک میں آ گیا ہے؟ عورت قریب آئی تو عنبر نے پوچھا کہ بہن یہ کونسا علاقہ ہے؟

عورت نے بڑے غور سے عنبر کے لباس کو دیکھا

عنبر بھی عورت کے لباس کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

عورت نے اردو زبان میں کہا۔

”یہ ہندوستان ہے بھیا“۔

ماریا امریکہ میں، ناگ لاہور میں

”ہندوستان؟“۔

عنبر حیرت سے بولا تھا۔ عورت نے جامنی رنگ کی پرانی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ پاؤں اور گلے میں چاندی کے زیور تھے۔ وہ عنبر کے لباس کو ابھی تک تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

”بھیا! تم کس ملک سے آئے ہو؟“۔

عنبر اسے کیا جواب دیتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔

ایک بار تو اسے یہ سن کر چکر آ گیا کہ وہ نئی دنیا سے سیدھے ہندوستان پہنچ گیا ہے اور جب اسے عورت کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ وہ 1857ء میں ہے اور یہ اپریل کا مہینہ ہے تو وہ جیسے پتھر کا بت بن کر عورت کو دیکھتا رہ گیا۔

یہ کیا ہو گیا؟ وہ ایک دم آٹھ سو برس آگے نکل آیا تھا۔ وہ جس وقت نئی دنیا میں تھا تو مارچ 1057 عیسوی کا سن تھا۔

یہ کیا سے کیا ہو گیا؟ وہ ایک دم آٹھ سو برس کی چھلانگ لگا کر وقت کر وقت سے آگے نکل آیا تھا۔ گویا

وہ اس مقام پر تھا جہاں ناگ اور ماریا کو ابھی آٹھ سو برس تک زندہ رہنے کے بعد پہنچنا تھا۔

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور سر درخت کے ساتھ لگا لیا۔ دیہاتی عورت اسے پریشان دیکھنے لگی اور جھک کر پوچھا۔

"بھیا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ تم کہاں سے آئے ہو، دور دیس کے پردیسی معلوم ہوتے ہو؟"

عنبر اسے کیا بتاتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ وہ چار ہزار سال سے زندہ چلا آ رہا تھا۔ اس پر اسے کبھی حیرت نہیں ہوتی تھی لیکن یہ جو وہ ایک دم سے آٹھ سو برس

وقت کو پیچھے چھوڑ کر ایک دم سے آگے نکل آیا، اس پر وہ سکتے میں آ گیا تھا۔ اس قسم کا تجربہ اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر عورت سے کہا۔

"بہن تمہارا شکریہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دور دیس سے آ رہا ہوں۔ یہ بتاؤ یہ کون سا گاؤں ہے اور اس ملک پر کس بادشاہ کی حکومت ہے؟"۔

عورت نے کہا۔

"بھائی اس گاؤں کا نام غازی پور ہے اور یہاں سے دارالحکومت دلی پچاس کوس کے فاصلے پر ہے۔ ملک کا نام ہندوستان ہے اور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے نام کا سکہ چلتا ہے"۔

اتنا کہہ کر عورت آگے بڑھ گئی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ عنبر کی باتوں سے خوف زدہ ہو گئی ہے کہ یہ لمبے لمبے لبادے میں ملبوس کوئی بھوت ہی نہ ہو۔ عنبر کو یقین ہو گیا تھا کہ کسی نامعلوم طاقت نے اسے نئی دنیا سے اٹھا کر آٹھ سو برس آگے کی دنیا یعنی ہندوستان میں پھینک دیا تھا۔

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ وہ آٹھ سو برس کہاں چلے گئے جو ابھی عنبر نے دنیا کے حالات کے ساتھ ساتھ چل کر بسر کرنے تھے؟۔

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب نہ عنبر کے پاس تھا اور نہ ہم آپ کو سمجھا سکیں گے۔ بہر حال عنبر

کے ساتھ قدرت نے ایک عجیب و غریب مذاق کیا تھا۔ ناگ اور ماریا اس سے آٹھ سو برس پیچھے رہ گئے تھے۔

عنبر کو کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کس ملک میں تھے اور کن حالات میں تھے یہ تو ہم اپنے پڑھنے والوں کو بتائیں گے کہ ناگ کہاں تھا؟۔

ماریا کس حال میں تھی اور جادوگر سادھن کے ساتھ کیا بیتی تھی؟ دیوتاؤں نے ایک بات کا عنبر، ناگ اور ماریا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ ہر دور میں اکٹھے رہیں گے۔

یعنی یہ نہیں ہوگا کہ عنبر رام چھمن کے دور میں زندہ ہو اور ناگ اور ماریا بہادر شاہ ظفر کے دور میں ہی زندہ رہ رہے ہوں۔ ناگ اور ماریا بھی 1857ء کے زمانے میں پہنچ چکے تھے۔ وہ یہاں کیسے پہنچے اور اس وقت کہاں تھے؟۔

اس راز پر سے ہم پردہ اٹھاتے ہیں۔

قارئین! آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ماریا نئی دنیا سے جھیل والے قلعے میں بے ہوش پڑی تھی۔ ناگ جھیل کے کنارے شام کے وقت عنبر کا انتظار کر رہا تھا اور عنبر کھانا لینے بازار گیا تھا۔

دوسری طرف جادو سادھن جزیرے پر سرنگ کھود کر سرخ درخت تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عنبر

تو 1857ء کے بہادر شاہ ظفر بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کے عہد میں پہنچ گیا۔

اب جادوگر سادھن کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ سرنگ کھود کر سرخ درخت کے پاس پہنچا تو ایک غار سے نکل کر اژدہا نے اسے نگل لیا۔

سادھن اژدہا کے پیٹ میں ہضم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ وہاں ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک پڑا رہا۔ آخر وہ وقت آ گیا جب اپنی زندگی قائم رکھنے کے لیے سادھن کو ماریا کے بال تراشنے کی ضرورت تھی مگر اژدہا سے باہر نکلنا ناممکن بات تھی۔

لیکن ایک زبردست کوشش کے بعد سادھن اژدہا

کے پیٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ بھاگم بھاگ جھیل والے قلعے کی طرف پہنچا مگر اب دیر ہو چکی تھی۔

جھیل کنارے پہنچتے ہی سادھن زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی ہڈیاں نکل آئیں۔ گوشت جل گیا اور پھر ہڈیاں بھی راکھ بن کر مٹی میں مل گئیں۔

ادھر ماریا کو ایک دم ہوش آ گیا۔ اس نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا وہ ہسپانیہ سے یہاں پہنچ گئی تھی۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ اور ناگ عنبر کی تلاش میں ہسپانیہ میں آئے تھے۔

سمجھ گئی کہ کوئی آسیب اسے اٹھا کر یہاں پھینک گیا تھا۔ بہرحال وہ قلعے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔

سمادھن کا آسیب ختم ہو چکا تھا۔ اسے ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آیا۔ اس دروازے سے روشنی آ رہی تھی۔ ماریا باہر آئی تو زمانہ بدل چکا تھا۔

وقت بدل گیا تھا۔ وہ بھی آٹھ سو برس آگے نکل آئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ نئی دنیا میں تھی جسے اس وقت انیسویں صدی کا امریکہ کہتے تھے اور عنبر انیسویں صدی کے ہندوستان میں پہنچ چکا تھا۔

ماریا کو ابھی اس کا احساس نہ تھا۔ وہاں اب کوئی

جھیل نہ تھی کوئی پرانا قلعہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک میدان میں سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ اس کے پاس ہی ایک لکڑی کا سفید دیواروں اور سرخ چھت والا کسی امریکی کاشتکار خاندان کا چھوٹا سا کاٹیج تھا۔

باہر باڑے میں گائے بندھی تھی۔ ایک امریکی دیہاتی عورت سفید ایپرن باندھے گائے کا دودھ دوہ رہی تھی اور صبح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

دو کاؤ بوائے گھوڑ سوار اس کے قریب سے گھوڑے دوڑاتے گرد اڑاتے گزر گئے۔ وہ ماریا کو نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ وہ انہیں دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

ماریا کو اب محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی زبردست

تبدیلی آ چکی تھی۔ تاریک نے اچانک اپنے صفحے پلٹ دیے ہیں۔

اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے قریب ایک کاٹیج کے پاس دیہاتی امریکی عورت کو گائے کا دودھ دوہتے دیکھا تو اس کے پاس آ کر ذرا فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

گائے نے ماریا کے غائب وجود کو محسوس کر لیا تھا اور وہ بدک گئی تھی اور دم ہلاتے ہوئے پاؤں مار رہی تھی۔

دیہاتی امریکی عورت انگریزی میں اسے گالیاں دینے لگی۔ اتنے میں مکان سے ایک سفید بالوں اور

سرخ چہرے والا امریکی کسان بھی باہر آ گیا۔

انہوں نے گائے کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ اس وقت تک ٹھنڈی نہ ہوئی جب تک کہ ماریا دور نہ چلی گئی۔ امریکی میاں بیوی بڑے حیران تھے کہ گائے کو اچانک کیا ہو گیا۔

وہ دودھ بالٹی میں ڈال کر مکان کے اندر لے گئے۔ ماریا بھی مکان کے اندر آ گئی۔ اس نے ایک دیوار پر کیلنڈر لگا دیکھا۔ اس پر لکھا تھا۔

7 مارچ 1858، ماریا ششدر سی ہو کر رہ گئی۔ تو کیا وہ آٹھ سو برس تاریخ سے آگے نکل آئی تھی؟ اسے بھی عنبر اور ناگ کا خیال ستانے لگا کہ وہ کس حال میں

ہوں گے اور کہاں ہوں گے؟

اس تجربے کو ماریا نے قبول کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ دیوتاؤں نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ان تینوں بہن بھائیوں کو ہر دور میں اکٹھے رکھیں گے، اس لیے اسے ناگ اور عنبر بھی اسی جگہ کسی نہ کسی دور میں مل جائیں گے۔

اب اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اسے خوراک کی ضرورت تھی۔ ماریا بھی امریکی کسان کی ڈھیلی ڈھالی فلالین کی پتلون، پتلون کے اوپر کالر والی چار خانی قمیض کو دلچسپی دیکھ رہی تھی۔

اس کی بیوی نے بھی لمبا سا گاؤن پہن رکھا تھا اور سر کے بال نیلے رومال سے بندھے تھے۔ کمرے میں لکڑی کی کرسیاں اور ایک میز تھی جس پر ٹوکری میں بھٹے پڑے تھے۔

کسان اپنی بیوی سے پرانی امریکی انگریزی میں باتیں کر رہا تھا۔ عنبر، ناگ اور ماریا کو ایک یہ بھی خاص نعمت حاصل تھی کہ وہ ہر ملک کی زبان بول سکتے تھے اور سمجھ سکتے تھے۔

ہاں لہجہ ان کا اپنا تھا۔ یعنی اگر وہ 1957ء کے امریکہ میں رہ کر انگریزی بول رہے ہوں یا ہندوستان میں رہ کر اردو میں بات کر رہے ہوں تو لوگ یہ ضرور کہیں گے کہ وہ اہل زبان نہیں ہیں لیکن زبان جانتے

ہیں۔

امریکی کسان نے دودھ گلاس میں بھر کر میز پر رکھا۔ ساتھ ہی گول بند بھی رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ باہر مرغیوں کو چارہ ڈال کر آ کر کھائے گا۔ ماریا اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے کسان کے جاتے ہی دودھ کا گلاس اور بند اٹھایا اور کھانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کسان نے اندر آ کر دیکھا کہ دودھ اور بند غائب ہے تو چکرا کر رہ گیا۔

چیخ کر بولا۔

"ایلس! کیا میرا دودھ بند تم کھا گئی ہو؟"۔

بیوی باہر ہی سے چنگھاڑی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ احمق آدمی! میں تو ایک پل کے لیے اندر نہیں گئی"۔

کسان سر پیٹ کر بولا۔

"تو پھر یہاں ضرور کوئی بھوت آ گیا ہے"۔

بیوی نے جل کر باہر سے کہا۔

"تم سے بڑھ کر اور کون بھوت ہو گا یہاں"۔

ماریا ہنستی رہی اور دودھ کے ساتھ بند کھاتی رہی۔

پھر وہ مکان سے نکل کر باہر کھیتوں میں آ گئی۔ وہ آرام کرنا چاہتی تھی۔

ایک جگہ کھیتوں میں اسے پرانا سا سٹور دکھائی

دیا۔ اس میں جانوروں کے لیے گھاس کے گٹھے پڑے تھے۔ ماریا ان گھاس کے گٹھوں کے درمیان لیٹ کر سو گئی۔

اب ماریا کو 1857ء کے امریکہ کے ایک گاؤں میں چھوڑتے ہیں اور ناگ کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کن حالات میں کہاں پہنچ گیا؟۔

ناگ نے عنبر کو کھانا لینے بھیجا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شام ہو گئی تھی۔ بلکہ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اسے اچانک نیند آنے لگی۔

اس نے اپنے آپ کو سونے سے بہت روکا مگر غنودگی نے اس پر جیسے حملہ کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو رہی تھیں۔ ناگ کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں اور وہ سو گیا۔

ناگ کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے آپ کو بے حد تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ جیسے وہ کافی دیر تک سوتا رہا ہو لیکن اس نے جب اٹھ کر چاروں طرف دیکھا تو ایک بار عنبر اور ماریا کی طرح وہ بھی ششکر کھا کر رہ گیا، کیونکہ وہاں کی فضا اور زمین بالکل بدل چکی تھی۔

نہ وہاں وہ جھیل تھی، نہ وہ گھر تھا۔ نہ وہ رات تھی۔ اس کے سر پر دھوپ چمک رہی تھی۔ اسے گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر ایک درخت کے سائے میں چلا گیا۔ ی

خدا! یہ میں کہاں سے کہاں آ گیا؟۔

وہ ہکا بکا ہو کر چاروں طرف تکنے لگا۔

جہاں وہ کھڑا تھا وہاں درختوں کے جھنڈ تھے۔ یہ درخت ٹاہلیوں کے تھے۔ ذرا پرے کھیت میں ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔

اس کے سر پر پگڑی تھی۔ جسم پر لمبا کھدر کا کرتہ اور نیچے اس نے نیلی دھوتی پہن رکھی تھی۔ ناگ نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور پوچھا کہ یہ کون سا ملک ہے؟ کسان نے ہل روک لیا اور پنجابی زبان میں بولا۔

پتر! تم کس ملک سے آئے ہو جو تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم ملک ہندوستان کے کس صوبے پنجاب میں ہو؟“۔

”ہندوستان؟ پنجاب؟“ ناگ نے حیرانی سے پوچھا۔

کسان بولا۔

”تم کہاں سے آئے ہو؟“۔

ناگ اسے کیا جواب دیتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور زمین پر بیٹھ گیا۔

پھر اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ عنبر کہاں ہو گا؟ ماریا کہاں ہو گی؟ یہ میں کہاں سے کہاں آ گیا؟

کسان پریشان ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے پوچھا۔ یہ سن کونسا ہے؟۔

کسان نے کہا۔

"اپریل 1857ء کا سن ہے۔ خیریت تو ہے تم بیمار لگتے ہو۔ ٹھہرو میں تمہیں دودھ پلاتا ہوں"۔

کسان دودھ کٹورے میں بھر کر لے آیا۔ ناگ نے دودھ پیا۔ کسان کا شکریہ ادا کیا۔

کسان نے کہا۔

"تم پنجابی کسی دوسرے لہجے میں بولتے ہو۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔ ناگ نے کہا۔

"بابا! میں عرض کر سکتا ہوں۔ تم نہیں سمجھ سکو گے

کہ میں کون ہوں اور کہاں آیا ہوں"۔

کسان نے کہا۔

"تم کچھ کہو تو۔ میں سمجھنے کی کوشش کروں گا"۔

ناگ بولا۔

"اچھا تو پھر یقین کرو کہ میں ایک رات میں آٹھ سو برس آگے کی دنیا میں آ گیا ہوں۔ ابھی کچھ دیر سونے سے پہلے میں آٹھ سو برس پہلے ہسپانیہ میں تھا۔ سات سمندر پار کی نئی دنیا میں تھا۔ کیا تم یقین کرو گے؟"۔

کسان نے اپنے ماتھے پر انگلی مار کر کہا۔

"افسوس! تم کوئی پاگل لگتے ہو۔ یا اللہ رحم کر! کتنا

خوبصورت جوان پاگل ہو گیا ہے"۔

ناگ ہنس پڑا اور بولا

"بابا! میں پاگل نہیں ہوں۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟"۔

کسان نے کہا۔

"بادشاہ تو دہلی کے لال قلعے میں بیٹھا ہے۔ اس کا نام بادشاہ ظفر ہے۔ ویسے یہاں پنجاب میں انگریز سکہ چلتا ہے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا یہاں کوئی شہر قریب ہے؟"۔

کسان نے کہا۔

"ہاں پنجاب کا دارالحکومت لاہور یہاں سے دس پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے"۔

"لاہور! لاہور!" ناگ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

پنجابی کسان دل میں افسوس کرنے لگا کہ بے چارہ کوئی پاگل نوجوان ہے۔ اس نے ناگ کو تسلی دی اور کہا کہ وہ لاہور شہر جا کر کسی حکیم سے اپنے علاج کرائے۔

ناگ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور لاہور شہر کی طرف چل پڑا۔

آخری گولی

پیارے بچو!

اب تک آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ماریا 1957ء کے امریکہ کے ایک گاؤں میں کھیتوں میں بنے ہوئے گھاس کے سٹور روم میں گھاس کے گٹھوں کے بیچ سو رہی ہے۔

عنبر غازی پور سے دہلی کی طرف جا رہا ہے اور

ناگ شاہراہ اعظم پر پنجاب کے ایک گاؤں سے لاہور کی طرف چلا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے ہم عنبر کے ساتھ ساتھ چل کر دیکھتے ہیں کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ اپریل 1957ء کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں غدر یعنی انگریزی غلبے اور ظلم کے خلاف عوام میں بغاوت کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔

پھر یہ لاوا مئی 1957ء کا غدر بن کر ابل پڑا۔ اسے انگریزوں نے غدر کہا۔ لیکن تاریخ نویس اسے جنگ آزادی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان کی یہ حالت تھی۔ جب عنبر دہلی کی طرف نیم پختہ سڑک پر پیدل جا رہا تھا تو سارے ملک پر انگریزوں کا زبردست اثر تھا اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت صرف دہلی شہر میں ہی تھی۔

اگرچہ عنبر پر موسموں کا اتنا زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا، لیکن پھر بھی ہندوستان کے اس علاقے کی گرمی عنبر کے جسم پر اثر ڈال رہی تھی۔

اس نے دیکھا کہ موتیوں کا ہار بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ خدا جانے جنگل میں ہی کسی جگہ رہ گیا تھا۔ اس نے جیب ٹٹولی تو اس ہار کا ایک موتی جیب کے کونے میں پڑا مل گیا۔ عنبر نے سوچا کہ چلو اس سے ہی کچھ گذر اوقات ہو جائے گا۔

چلتے چلتے وہ ایک کنوئیں کے پاس پہنچا۔ یہاں ایک سواری کھڑی تھی جس کے آگے گھوڑے جتے تھے۔ عنبر نے سواری والے سے کہا۔

”بھائی مجھے بھی دہلی لے چلو گے؟“۔

سواری والے نے جھک کر پوچھا۔

”میاں صاحب زادے! تمہارے پاس کرائے کے پیسے ہیں؟“۔

عنبر نے کہا۔

”دہلی پہنچ کر دے دوں گا“۔

سواری والے نے ہنس کر کہا۔

''نوجوان دہلی میں تمہارے باوا رہتے ہیں؟''۔

عنبر نے جیب سے موتی نکال کر کہا۔

''چچا میرے پاس تو یہی ایک موتی ہے۔ دہلی چل کر اسے بیچوں گا اور تمہیں تمہارا کرایہ ادا کر دوں گا''۔

سواری والے کو موتیوں کی پہچان نہیں تھی۔ اس کو عنبر پر ترس آ گیا۔ بولا۔

''چلو یار بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کسی رئیس سے پالا پڑا تھا''۔

عنبر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اسی گاڑی میں دہلی کا

ایک ہندو جوہری بھی سفر کر رہا تھا۔ اس نے عنبر کے ہاتھ سے موتی لے کر غور سے دیکھا تو عش عش کر اٹھا۔ ایسا قیمتی موتی ساری زندگی اس کی نظروں سے نہ گزرا تھا۔

حیران ہو کر عنبر سے پوچھنے لگا کہ یہ موتی وہ کہاں سے لایا ہے؟ عنبر بھلا اسے کیا جواب دیتا۔ یونہی کہنے لگا۔

''یہ مجھے ایک بزرگ نے تحفے میں دیا ہے''۔

ہندو جوہری نے کہا۔

''تم مجھ سے اس کی قیمت لو۔ بولو سو روپے ادا کر دوں ابھی؟''۔

عنبر نے کہا۔

"سو روپے کتنے ہوتے ہیں؟"۔

وہ بے چارا پہلی بار روپے کا نام سن رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے دوسرے مسافر تعجب سے عنبر کو تکنے لگے۔ وہ سمجھ گئے کہ ہندو لالہ عنبر سے دھوکا کر رہا ہے۔ موتی بڑا ہی قیمتی ہے۔ ایک مسافر جو مسلمان تھا اور جس کا نام خدا بخش تھا کہنے لگا۔

"لالہ جی! اس بے چارے کو لوٹنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ موتی تو ہزاروں روپے کا معلوم ہوتا ہے"۔

ہندو جوہری بھنا کر بولا۔

"تو میاں تم دے دو ہزار روپے اپنے پلے

سے"۔

خدا بخش کہنے لگا۔

ٹھیک ہے۔ میں اسے دلی پہنچ کر خرید لوں گا۔

اس نے عنبر سے کہا۔

"بیٹا! میرے ساتھ دلی میرے گھر پر چلو میں تمہیں اس کی پوری پوری قیمت ادا کر دوں گا۔ تمہارا کرایہ میں ادا کیے دیتا ہوں"۔

خدا بخش نے عنبر کا کرایہ ادا کر دیا جو دو پیسے فقط تھا۔ یہ خدا بخش اچھی پکی عمر کا تھا۔ دلی میں وہ کشمیری دروازے کے باہر نان بیچتا تھا۔

بڑی غریبی میں اپنے بال بچوں کا پیٹ پال رہا

تھا۔ مگر تھا بڑا ایماندار شخص۔ وہ عنبر کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ عنبر نے یہاں غسل کیا۔ خدا بخش نے اسے سادہ کپڑے پہننے کو دیے اور اسے لے کر صرافہ بازار میں آ گیا۔

یہاں ایک مسلمان جوہری کو موتی دکھایا تو اس نے عنبر سے کہا

"نوجوان! تمہیں یہ موتی کہاں سے ملا؟"۔

عنبر نے وہی جواب دیا کہ اسے ایک بزرگ نے تحفہ دیا ہے۔ جوہری نے سر ہلا کر کہا۔

"بھائی یہ تو بڑا ہی قیمتی شاہی موتی ہے۔ میں تمہیں اس کے زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار روپے

دے سکتا ہوں"۔

آج سے سوا سو برس پہلے پچاس ہزار روپے پانچ لاکھ کے برابر تھے۔ عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے دل میں روپے پیسے کی کوئی محبت نہیں تھی۔

ہاں البتہ خدا بخش کبابی نے پچاس ہزار کا سنا تو اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ جھٹ بولا۔

"دے دو سیٹھ ہمیں منظور ہے"۔

جوہری نے پچاس ہزار روپے ادا کر دیئے۔ خدا بخش نے ساری رقم عنبر کے حوالے کر دی اور اس سے کہا کہ یہ اس کی امانت ہے۔

بس وہ اس میں سے وہ صرف دو پیسوں کا حق دار

ہے جو اس نے عنبر کو سواری کے لیے بطور قرض دیے تھے۔ عنبر نے خدا بخش نانبائی کے گھر آ کر کہا۔

"بابا! میرے لیے یہ رقم بے کار ہے۔ ہاں جب کبھی ضرورت پڑی تم سے آ کر لے لیا کروں گا۔ تم اسے میری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھو۔ لیکن تمہیں ایک بات ماننی ہوگی"۔

خدا بخش نے پوچھا۔

"وہ کونسی بات؟"۔

عنبر بولا۔

"میں خوش ہو کر ان میں سے آدھی رقم تمہیں دیتا ہوں"۔

خدا بخش روپے لینے پر ہرگز تیار نہ ہوا۔ لیکن جب عنبر نے بے حد اصرار کیا اور کہا کہ وہ ان روپوں سے اپنے کاروبار کو بڑھائے اور بال بچوں کی مدد کرے تو خدا بخش راضی ہو گیا۔

عنبر نے خدا بخش سے ملک کا سارا حال معلوم کر لیا۔ اسے یہ بھی پتا چلا کہ ملک پر انگریزوں کا غلبہ ہے۔ بہادر شاہ ظفر بے چارا بس نام کا بادشاہ ہے۔ اور لوگوں میں اندر ہی اندر انگریزوں کے خلاف بغاوت کے خیالات ابھر رہے ہیں۔

خدا بخش کو عنبر نے اپنے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اسے صرف ناگ اور ماریا کا انتظار تھا۔ اسے یقین

تھا کہ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی ہندوستان آ چکے ہوں گے، لیکن کہاں اور کس شہر میں ہوں گے؟ کس حال میں ہوں گے؟ یہ اسے معلوم نہیں تھا اور اسی بات کی عنبر کو کھوج تھی۔ تلاش تھی۔

خدا بخش نے کہا۔

”بیٹا! تم جب تک چاہو میرے گھر میں رہو۔ اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو“۔

عنبر خدا بخش نانبائی کے گھر میں رہنے لگا۔ خدا بخش کی ایک جوان لڑکی اور ایک جوان بیٹا تھا۔ بیٹا دکان پر باپ کے ساتھ بیٹھتا تھا۔

بیٹی کا نام ممتاز بیگم تھا اور دو مہینے بعد اس کی شادی ہونے والی تھی۔

خدا بخش نے کچھ روز بعد اپنی دکان نئی خرید لی اور کاروبار بڑھا کر اس نے ایک ہوٹل سا بنا لیا جہاں ہر شے مل سکتی تھی۔

یعنی کھانے کو روٹی گوشت بھی اور مٹھائی پھل بھی۔ عنبر بڑا خوش تھا کہ آدھی رقم بڑے میاں کے کام آئی۔

عنبر بڑا خوش تھا کہ آدھی رقم بڑے میاں کے کام آئی۔ عنبر اس گھر میں رہنے لگا وہ ہر روز شہر کے اندر باہر جا کر آوارہ گردی کرتا۔ اصل میں وہ ناگ اور ماریہ کی تلاش میں تھا کہ شاید کہیں پھرتے پھراتے ان میں

سے کسی سے ملاقات ہو جائے۔

ادھر ناگ بھی لاہور پہنچ گیا۔

شہر کی چار دیواری کے باہر ایک باغ تھا جس میں نہر بہہ رہی تھی۔ درختوں کے جگہ جگہ جھنڈ تھے۔ گرمی خوب پڑ رہی تھی۔

ناگ نہر کے کنارے باغ میں جا کر چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ اس کے پاس چھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ بھوک اس تھوڑی لگی ہوئی تھی۔

لوگ اس کے پرانے زمانے کے کپڑے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ اب جب کہ وہ تاریخ کے آٹھ سو برس پھلانگ کر ہندوستان میں آ

گیا ہے تو اسے کپڑے بھی بدل لینے چاہئیں مگر کپڑے کہاں سے لائے؟

وہ ایک چھپتے ہوئے دروازے میں سے گذر کر شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ڈاڑھی مونچھوں اور سر پر بڑی بڑی پگڑیوں والے لوگ عام پھر رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ سکھ ہیں اور اس شہر میں ایک سکھ راجے کی حکومت ہے مگر وہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔

ناگ کو بھی عنبر اور ماریا کی تلاش تھی، کیونکہ یہ بات وہ بھی اچھی طرح سے جانتا تھا جب کبھی انہوں نے

تاریخ میں چھلانگ لگائی ہے تو وہ تینوں ایک ساتھ اس زمانے میں داخل ہوئے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ خواہ وہ کسی حالت میں ہوں، عنبر اور ماریا بھی ہندوستان میں آ چکے ہوں گے۔ اب اسے کپڑوں کی ضرورت تھی تا کہ لوگ اس کی طرف تعجب اور دلچسپی سے پلٹ پلٹ کر نہ دیکھیں۔

اس نے ایک دکان میں کپڑے لٹکتے دیکھے۔ یہ اس زمانے کے فیشن کے مطابق تھے۔ ناگ نے دکاندار سے کہا۔

”بھائی! مجھے یہ کپڑے چاہئیں“۔

”اور مجھے اس کی قیمت چاہیے۔ کیا تمہارے

پاس قیمت ہے اور یہ تم نے کیسے پرانے زمانے کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ کیا تم کوئی دیوانے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”بھائی! میرے پاس قیمت نہیں ہے۔ ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس کام کر کے لباس کی قیمت ادا کر سکتا ہوں“۔

دکاندار نے ہنس کر کہا۔

”میاں! میرے ہاں تم کیا کام کرو گے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”میں کوئی بھی کام کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے کپڑے دھو دیا کروں گا“۔

دکاندار کو ترس آ گیا۔ بولا۔

"چلو یار مجھے منظور ہے"۔

ناگ نے اس دکان پر چار روز کام کیا اور اس کے عوض نیا لباس حاصل کر کے پہن لیا۔ ناگ اور عنبر کا شروع ہی سے یہ دستور رہا تھا کہ وہ حق حلال کی روزی کماتے تھے۔

کبھی انہوں نے بے ایمانی سے کام نہیں لیا تھا اور نہ وہ ایسا کرنا گوارا ہی کرتے تھے۔ نیا لباس پہن کر ناگ جانے لگا تو دکاندار نے پوچھا۔

"میاں صاحب زادے! تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے؟"۔

ناگ بولا۔

"یہ مت پوچھیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جا رہا ہوں۔ بس یہ ہی سمجھ لیں کہ مسافر ہوں اور سفر میری قسمت میں لکھا ہے"۔

دکاندار ہنس کر بولا۔

"بڑے دلچسپ نوجوان ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں شہر کے امیر کے پاس نوکر رکھوا سکتا ہوں"۔

"مجھے منظور ہے"۔

ناگ نے سوچا کہ شہر کے امیر کے پاس رہ کر اسے سفر کرنے اور مختلف قسم کے لوگوں سے ملنے کے موقع ملیں گے اور وہ عنبر اور ماریا کو زیادہ سے زیادہ تلاش کر

سکے گا۔

دکاندار نے اسے شہر کے امیر سردار بکھشیل سنگھ کے پاس گھوڑوں کا سائیس رکھوا دیا۔ ناگ نے سکھ سردار سے پوچھا۔

”کاکا! تمہیں ہر روز گھوڑوں کو ساتھ لے جا کر شہر کے باہر سیر کروانی ہوگی۔ انہیں دانہ کھلانا ہوگا اور کبھی کبھی میرا خاص پیغام لے کر دوسرے شہروں میں بھی جانا ہوگا“۔

ناگ نے ادب سے کہا۔

”آپ جو حکم دیں گے، میں ویسے ہی کروں گا“۔

ناگ نے سردار کے ہاں نوکری شروع کر دی۔

اب ذرا ماریا کی طرف جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ ہم ماریا کو اسی زمانے یعنی 1857ء کے امریکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ وہ کھیتوں میں بنے ہوئے ایک جھونپڑے میں گھاس کے گٹھوں کے درمیان آرام کر رہی تھی۔

اب جناب ایسا ہوا کہ وہ سو کر اٹھی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ رات سر پر آ رہی تھی۔ ماریا کھیتوں سے نکل کر کسان کے گھر میں آ گئی۔

دیکھا کہ میز پر لکڑی کے پیالے میں گرم گرم شوربہ اور ابلے ہوئے آلو پڑے ہیں۔ ساتھ ہی ڈبل روٹی بھی ہے۔ آدمی وہاں کوئی نہیں تھا۔

ماریا نے روٹی آلو اور شوربہ ایک پیالے میں لیا اور مکان سے نکل کر کھیتوں میں آ کر بڑے آرام سے ایک جگہ بیٹھ کر کھانے لگی۔

کسان نے اندر آ کر دیکھا کہ ایک ڈبل روٹی، کچھ آلو اور تھوڑا سا شوربہ مع پیالے کے غائب ہے تو وہ اچھل پڑا۔

زور سے چنگھاڑا۔

ابلیس کی بچی! ڈبل روٹی آلو اور شوربہ پھر غائب ہو گیا ہے۔

اس کی گول مٹول بیوی بھاگتی ہوئی اندر آئی اور پریشان ہو کر میز کو تکنے لگی جہاں سے آلو روٹی اور شوربے کا ایک حصہ غائب تھا۔

مگر سوائے وہ لڑتے جھگڑنے کے اور کیا کر سکتے تھے۔ ماریا نے بڑے سکون سے کھانا کھایا اور اسی جھونپڑے میں جا کر لیٹ گئی۔

سوچنے لگی کہ اسے ناگ اور عنبر کو کہاں، کس جگہ تلاش کرنا چاہیے۔ خدا جانے وہ امریکہ میں ہیں یا کسی دوسرے ملک میں ہیں۔

دنیا بڑی بدل چکی تھی۔ اب گھوڑا گاڑیاں اور کوئلے کی بھاپ سے بھی گاڑیاں چلنے لگی تھیں۔ لوگوں کے پاس لمبی نالیوں والی بندوقیں تھیں جس میں سے لوہے کی گولی بارود کے زور سے نکلتی تھی۔ بحری

جہاز بھی بادبانی نہیں تھے۔ بلکہ بھاپ سے چلتے تھے۔

ماریا نے سوچا کہ ناگ اور عنبر اس ملک میں نہیں ہو سکتے۔ وہ سو گئی۔ خواب میں اسے یوں لگا جیسے ایک بے حد حسین عورت جو کہ آسمان کی پری لگتی تھی اس کے پاس آ کر مسکرائی اور پھر اس کے کان میں کہا۔

"ماریا! ہندوستان چلو"۔

ماریا کی آنکھ کھلی تو اس کے کانوں میں ابھی تک یہ جملے گونج رہے تھے۔ کہ ہندوستان چلو۔ اس ملک کا نام اس نے پہلے بھی سن رکھا تھا۔ اور شاید عنبر کے ساتھ وہ اس ملک کا سفر بھی کر چکی تھی۔

لیکن یہ ہزار برس پہلے کی بات تھی اب تو

ہندوستان بھی بدل چکا تھا۔ ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہندوستان جائے گی۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ایسی بندرگاہ پر پہنچے جہاں سے بحری جہاز ہندوستان کی جانب سفر کرتے ہوں۔ دن چڑھ آیا۔

ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ ماریا جھونپڑے سے باہر نکلی اور سڑک کنارے کھڑی ہو گئی۔ سب سے پہلے تو وہ کسی نزدیکی شہر پہنچنا چاہتی تھی۔

جہاں سے وہ ہندوستان جانے والے جہازوں اور بندرگاہوں کی بابت معلومات حاصل کرے گی۔

سڑک پر کھڑے اسے کچھ ہی منٹ گذرے تھے

کہ ایک گھوڑا گاڑی آتی دکھائی دی۔ گاڑی کے آگے چھ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔

گاڑی ذرا نیچے ہی کھڑی ہو گئی اور اس پر سے سامان اتارا جانے لگا۔ ماریہ بھاگ کر گاڑی کی چھت پر چڑھ گئی۔

کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ ماریا چھت پر بیٹھی سفر کر رہی ہے۔ گاڑی اسے ایک چھوٹے سے شہر میں لے آئی جہاں سیمنٹ کے بڑے بڑے خوبصورت کھڑکیوں والے ایک منزلہ دو منزلہ مکانوں کی قطاریں تھیں۔

بیچ میں بازار تھے۔ دونوں جانب دکانوں پر شیشے لگے تھے۔ کہیں گھوڑے بندھے تھے۔ کہیں لوگ خوشی

سے قہقہے لگا رہے تھے۔ کوئی گھوڑا گاڑی گرد اڑاتی ہوئی گزر جاتی۔

ماریا نے دیکھا، ایک دکان میں کتابیں اور رسالے بک رہے تھے۔ ماریا اس دکان میں داخل ہو گئی۔ یہاں ایک نیلے رنگ کی کتاب پڑی تھی جس میں دوسرے ملکوں کو جانے والے جہازوں کے بارے میں معلومات درج تھیں۔

ماریا نے وہ کتاب اٹھا کر جیب میں رکھ لی۔ موٹا حبشی دکاندار کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نیلے رنگ کی ایک کتاب اپنی جگہ سے اپنے آپ اوپر اٹھی اور پھر اچانک غائب ہو گئی۔

وہ بار بار آنکھیں جھپکنے اور ہاتھوں سے ملنے لگا۔

کیا اس نے خواب دیکھا تھا؟

مگر یہ خواب نہیں تھا۔ نیلی کتاب سچ مچ وہاں سے غائب تھی۔ بس وہ سر ہی کھجاتا رہ گیا، کیونکہ وہاں ایک بھی گاہک نہیں تھا جس پر وہ چوری کا الزام لگا سکتا۔

ماریا کو شرارت سوجھی۔ آگے بڑھ کر اس نے موٹے حبشی کے سر سے ہیٹ اتار لیا۔ حبشی کا ہیٹ بھی غائب ہو گیا۔ اب تو حبشی کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

اب تو حبشی کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پسینے

چھوٹ گئے۔ ماریا نے دوبارہ ہیٹ اس کے سر پر رکھا تو ہیٹ پھر سے ظاہر ہو گیا۔

حبشی غش کھا کر گر پڑا۔

ماریا کتاب لے کر باہر آ گئی۔ وہ کسی بھی جگہ بیٹھ کر سکون سے کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتی تھی۔ ہم آپ کو ایک بار پھر بتائے دیتے ہیں کہ ناگ عنبر اور ماریا کو یہ خفیہ طاقت حاصل کی تھیں کہ وہ جس ملک میں جاتے وہاں کی زبان بول سکتے تھے۔

سمجھ سکتے تھے پڑھ سکتے تھے اور لکھ سکتے تھے۔

ماریا نے ایک قہوہ خانہ دیکھا وہ اندر داخل ہو گئی اور کونے والی میز کے ساتھ کرسی پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے

تھی۔

کتاب میں اس نے ہندوستان کا باب نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ ہندوستان وہاں سے سمندری راستے پر بہت دور ہے اور بوسٹن کی بندرگاہ سے مہینے میں ایک بار بحری جہاز ہندوستان کی طرف جاتا ہے۔

قہوہ خانے کے کونے میں ایک کرسی پر وہ بڑے سکون سے بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کا ارادہ وہاں سے ریلوے اسٹیشن جانے کا تھا۔

کیونکہ اب بھاپ کے انجن سے چلنے والی دھواں چھوڑتی ریل گاڑیاں چلنے لگی تھیں۔ یہاں سے وہ

بوسٹن کے شہر جانا چاہتی تھی تاکہ وہاں سے کسی بحری جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان کا رخ کرے۔

قہوہ خانے میں کاؤ بوائز کی ایک ٹولی شور مچاتی آ کر ایک میز کے گرد بیٹھ گئی اور وہ اونچی آواز میں مذاق کرتے اور گیت گانے لگے۔

ماریا ان کے گیت بڑے شوق سے سننے لگی۔ ایک کسان گٹار بجا رہا تھا۔ دوسرے میز پر طبلہ بجاتے گا رہے تھے۔

اتنے میں چار غنڈے کمرے میں پستولیں لٹکائے چیونگم چباتے، گردن کھجاتے زمین پر پاؤں مارتے اندر داخل ہوئے اور قہوے کا آرڈر دے کر

کاؤنٹر پر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یہ بات ناگوار گزری کہ کسان لڑکے گیت کیوں گا رہے ہیں۔

ایک غنڈے نے پستول نکال کر ہوائی فائر کیا اور چیخا۔

"بند کرو یہ بک بک"۔

کسان ایک لمحے کے لیے تو خاموش ہو گئے۔ پھر گٹار بجانے والے نے گانا شروع کر دیا بس پھر کیا تھا۔ غنڈوں کا تو پارہ چڑھ گیا۔

ایک غنڈہ آگے بڑھا۔ پاؤں کی ٹھوکر سے کرسی الٹائی اور کسان لڑکے کے ہاتھ سے گٹار چھین کر توڑ کر پھینک دی۔

یہ کاؤبوائز یعنی کسان لڑکے بے چارے کمزور سے تھے۔ اور غنڈوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان غنڈوں کے لیے قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ پھر بھی ایک کسان لڑکے نے ہمت کر کے کہا۔

"ہم اپنے گاؤں کا گیت گا رہے ہیں"۔

غنڈے نے پستول اس کی طرف تان دیا۔

"اگر تم نے پھر گیت گایا تو تمہاری لاش فرش پر پڑی ہو گی"۔

کسان لڑکے نے بڑی بہادری سے کہا۔

"مجھے اپنے وطن کے گیت گانے سے کوئی نہیں

تھی۔ یہ کس کی آواز تھی؟

کیا وہاں کوئی بھوت آ گیا تھا؟ لڑکی غش کھا کر گرنے ہی والی تھی کہ ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"بہن گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی بھوت نہیں۔ بالکل تمہاری طرح کی ایک لڑکی ہوں۔ میں کرسچین ہوں اور میرا نام ماریا ہے"۔

تمہارا نام کیا ہے؟۔

لڑکی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جدھر سے ماریا کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ابھی تک تھرتھرا رہے تھے۔

ماریا نے سوچا کہ اسے مزید حوصلہ چاہیے نہیں تو کام خراب ہو جائے گا۔ اس نے کہا۔

"بہن! خداوند مسیح کے لیے گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی بھوت نہیں ہوں۔ بالکل تمہاری طرح کی ایک لڑکی ہوں۔"

امریکی لڑکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مگر۔ مگر تم غائب کس طرح ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

بس مجھ میں اور تجھ میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہی ہے کہ تم نظر آتی ہو۔ میں نظر نہیں آتی اور یہ محض ایک درویش کی بددعا کی وجہ ہے۔

تم یوں سمجھ لو کہ مجھ سے ایک گناہ ہو گیا تھا جس کی سزا میں درویش نے مجھے بددعا دے دی کہ میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاؤں گی اور کسی کو نظر نہیں آ ؤں گی۔

یہ دیکھو میرا ہاتھ۔ تم مجھے ہاتھ لگا کر دیکھ سکتی ہو۔

ماریا نے امریکی لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ امریکی لڑکی نے محسوس کیا کہ ماریا کا ہاتھ بالکل اس کے اپنے ہاتھ کی طرح تھا۔

ماریا نے کہا

"اب تمہیں یقین آ گیا کہ میں بھی تمہاری طرح کی ایک لڑکی ہوں۔ اگر میں روح ہوتی تو میرے

ہاتھ کیسے ہوتے۔ بس میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں دکھائی نہیں دیتی۔ اب بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟"۔

امریکی لڑکی نے سہمے سہمے سے انداز میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام ملی ہے"۔

ماریا نے اس سے باتیں شروع کر دیں۔ مگر امریکی لڑکی ملی ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر تک رہی تھی جدھر سے اسے ماریا کی آواز آ رہی تھی۔

گاڑی چھک چھک کرتی۔ امریکہ کے کھیتوں

جنگلوں اور وادیوں سے گذرتی چلی جا رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں تھی اور وہ دھواں بھی بہت چھوڑ رہی تھی۔

آخر ماریہ نے باتوں باتوں میں کلی کا خوف دور کر دیا۔ وہ بھی ماریہ سے گھل مل کر باتیں کرنے لگی۔ ماریہ نے اپنے بارے میں کلی کو اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا کہ وہ اپنے درویش بزرگ کے حکم پر ہندوستان جا رہی ہے۔

کلی نے بتایا کہ وہ بوسٹن شہر میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا باپ بوسٹن کا ایک امیر تاجر ہے۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے جس کا نام

رابرٹ ہے۔

ٹرین گاڑی بوسٹن کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر رک گئی۔ کلی نے ماریہ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ اس کے گھر رہے گی جب تک ہندوستان جانے والے بحری جہاز کے سفر کرنے کا وقت نہیں آ جاتا۔

ماریہ نے کہا تھا۔

"گھر میں کہیں کوئی ناخوشگوار بات نہ ہو جائے کلی۔ میری مانو میں کسی ہوٹل میں رہ لوں گی۔ میرا کیا ہے۔ مجھے کون سا ہوٹل کا کرایہ دینا ہو گا۔ بس جو کمرہ خالی ہو گا۔ وہاں جا کر لیٹ جاؤں گی"۔

لیکن کلی کے لیے بے حد اصرار پر ماریہ اس کے گھر

جانے پر راضی ہوگئی۔ ماریا نے اسے کہا تھا کہ ان کا مکان بہت بڑا ہے۔

اس میں ٹکی کا کمرہ سب سے بڑا تھا۔ ماریا ٹکی کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہوئی مگر ٹکی نے کسی سے ماریا کی بات نہ کی۔

ماریا کو ٹکی اوپر اپنے شاندار کمرے میں لے گئی۔

”ماریہ بہن! تم میرے ساتھ ہوناں؟“۔

ماریا نے ہنس کر اپنا ہاتھ ٹکی کے کندھے پر رکھ دیا۔

ٹکی اچھل کر پرے ہٹ گئی۔

”ہاں ٹکی! میں تمہارے پاس ہوں“۔

ٹکی شرما کر کہنے لگی۔

”یہ میرا کمرہ ہے ماریا! تم میرے ساتھ اس کمرے میں رہو گی۔ اگر تم چاہو تو تمہیں الگ کمرہ بھی مل سکتا ہے جو اس کمرے کے بالکل ساتھ ہے“۔

ماریا بولی۔

”ٹکی! مجھے الگ کمرہ ہی دے دو تو بہتر رہے گا“۔

”جیسے تمہاری مرضی۔ ویسے کمرہ ساتھ ہی ہے تم میرے قریب ہی رہو گی“۔

ماریا نے ساتھ والا کمرہ کھول دیا۔ یہ کمرہ پہلے کمرے سے چھوٹا تھا مگر ہر قسم کے سامان آسائش سے لبریز تھا۔

ماریا نے رات کا کھانا ٹکی کے ساتھ اس کے کمرے میں کھایا۔

ٹکی نے کہا۔

"میں نے جہازوں کا ٹائم ٹیبل پڑھ لیا ہے۔ ایک ماہ بعد "ورجینیا" نامی جہاز بوسٹن کی بندرگاہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوگا"۔

"شکریہ ٹکی! کیا میرا ایک مہینے تمہارے ہاں رہنا تمہیں محسوس تو نہیں ہوگا؟"۔

ٹکی نے مسکرا کر شرارت سے کہا۔

"ماریا! تمہارا چہرہ کہاں ہے؟ ذرا میرا ہاتھ اپنے کان پر رکھنا"۔

ماریا نے ٹکی کا ہاتھ لے کر اپنے کان پر رکھ دیا۔ ٹکی نے اس کا کان کھینچ کر کہا۔

خبردار! آئندہ ایسی دل دکھانے والی بات نہ کرنا تم میری بہن ہو اور مجھے تم سے ایسی ہی محبت ہے جیسی میں اپنی بہن سے محبت کر سکتی تھی۔

کاش تم ساری زندگی میرے ساتھ گزار سکتیں۔

ماریا کے دل پر ٹکی کے ان ہمدردی کے مخلصانہ الفاظ نے بڑا اثر کیا۔ اس کی کوئی بہن نہیں تھی۔ ٹکی نے اسے بہن کہا تو اسے یوں لگا۔

جیسے سچ مچ وہ اس کی سگی بہن ہے وہ ٹکی کے نزدیک آ گئی۔ اس نے ٹکی کو ہاتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم

روک سکتا"۔

اور اس نے گیت گانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی غنڈے کی پستول سے گولیاں نکلیں اور دھماکے کے ساتھ کسان لڑکے کے سینے سے پار ہو گئیں۔

وہ بے چارہ خون میں لت پت ہو کر گرا اور مر گیا۔

دوسرے لوگ اس کی مدد کو آئے تو غنڈوں نے پستولیں چلا کر دو گاہکوں کو بھی وہیں ڈھیر کر دیا۔

انہوں نے اپنی پستولیں جیب میں ڈالیں اور فاتحانہ انداز سے چاروں طرف دیکھا، پھر قہوہ پینے میں مشغول ہو گئے۔

وہاں کسی کو جرات نہ ہوئی کہ ان غنڈوں کے مقابلے میں آتا۔ بے چارے کسان لڑکے اپنے ساتھی کی لاش کو اٹھا کر باہر لے جانے لگے۔

ماریا یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل ان قاتل غنڈوں سے بے گناہ لوگوں کا ضرور بدلہ لے گی۔ گاہک دم بخود ڈرے ڈرے بیٹھے تھے۔

غنڈے کاؤنٹر سے ہٹ کر اب میز پر پاؤں رکھے کرسیوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے اور آپس میں مذاق بھی کر رہے تھے۔

ماریا نے کتاب بند کر کے جیب میں رکھی اور کونے سے چل کر اس غنڈے کے پاس آ گئی جو

ٹانگیں میز پر رکھے قہوہ پی رہا تھا اور جس نے کسان لڑکے کا خون کیا تھا۔

اس کی پستول سامنے میز پر پڑی تھی۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر میز پر سے پستول اٹھا لیا۔

میز پر سے اچانک پستول غائب ہوا تو غنڈہ چونک کر بولا۔

"حرامزادہ! میرا پستول کون لے گیا؟"۔

سارے اس کی طرف تکنے لگے۔

"ہم نے تو نہیں اٹھایا۔"

"میں نے بھی نہیں اٹھایا"۔

"مگر پستول ابھی یہاں پڑا تھا"۔

"پھر کون اٹھا کر لے گیا"۔

ٹھاہ کی آواز سے دھماکا ہوا اور ایک غنڈہ خون میں نہا کر کرسی سے نیچے گر پڑا۔ باقی تینوں غنڈے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھے اور پستولیں نکال کر فائرنگ کرنے لگے۔

ماریا نے نشانہ لگا لگا کر مزید دو غنڈوں کو ہلاک کر دیا۔ اب صرف ایک غنڈہ بچ گیا تھا۔ وہ بھاگنے لگا تو ماریا دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

جونہی وہ باہر کو نکلنے لگا، ماریا نے ٹانگ آگے کر دی۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ ماریا کے پستول میں آخری گولی رہ گئی تھی۔ وہ ان قاتلوں پر بالکل رحم

نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے آخری فائر کیا۔ اور ڈز کی آواز کے ساتھ ہی وہ قاتل غنڈہ بھی جہنم کی طرف چل پڑے۔

وہاں قہوہ خانے میں لوگ ہکا بکا ہو کر یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گولی کون چلا رہا ہے۔

ماریا کو انہیں سمجھانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ قہوہ خانے سے باہر آ گئی کیونکہ اسے دور سے ریل کے انجن کی سیٹی سنائی دی تھی۔ ریل سٹیشن پر پہنچنے والی تھی۔

ریلوے اسٹیشن پر پہنچ چکے تھے مسافر عورتیں اور مرد

پرانے قسم کے کپڑوں میں ملبوس ٹوکریاں اٹھائے ریل میں سوار ہو رہے تھے۔

ماریا نے ایک ڈبہ خالی دیکھا۔ وہ اس پر چڑھ کر کونے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ یہ اس نے پڑھ لیا تھا کہ گاڑی بوسٹن شہر کو جا رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد گارڈ نے جھنڈی دکھائی۔ انجن نے سیٹی بجائی اور ریل چھک چھک کرتی۔ دھواں نکالتی روانہ ہو گئی۔

ماریا کے لیے یہ ایک عجیب تجربہ تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ریل میں سفر کر رہی تھی۔

اس نے سوچا، انسان نے کتنی ترقی کر لی ہے۔ وہ

ایک رات پہلے جس زمانے میں زندہ تھی، وہاں ریل گاڑیوں میں سفر ہوتا تھا۔

اچانک ڈبے کا دروازہ کھلا اور چلتی گاڑی میں ایک خوبصورت لڑکی سر پر بڑا سا ہیٹ پہنے گول گاؤن میں ملبوس چھوٹی سی ٹوکری لیے اندر آ کر دھم سے بیٹھ گئی۔

دروازہ بند کر کے اس نے اطمینان کا سانس لیا اور پھولدار بٹوے میں سے چھوٹا سا گول شیشہ نکال کر اپنا میک اپ ٹھیک کرنے لگی۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ڈبہ خالی تھا۔ یعنی اسے خالی ہی نظر آیا۔ کیونکہ وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

غیبی سہیلی کا کارنامہ

امریکی لڑکی نے بائبل جیب سے نکالی اور پڑھنے لگی۔

ماریا چونکہ خود عیسائی تھی اس لیے بڑے شوق سے اسے بائبل پڑھتے دیکھتی رہی۔ اس کا جی بھی بائبل پڑھنے کو چاہ رہا تھا۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد جب امریکی لڑکی نے بائبل

سیٹ پر رکھی اور خود غسل خانے میں گئی تو ماریا نے بائبل کو اٹھا کر بڑی عقیدت سے اسے چوما اور پڑھنی شروع کر دی۔

اس کے دل میں محبت کا نور پھوٹنے لگا۔ اتنے میں امریکی لڑکی غسل خانے سے باہر آ گئی۔ یہ دیکھ کر کہ بائبل غائب ہے، وہ بڑی حیران ہوئی۔

ادھر ادھر دیکھا کتاب کہیں بھی نہیں تھی۔ آخر بائبل کہاں چلی گئی۔ اس نے تو ابھی ابھی سیٹ پر رکھی تھی۔

جھک کر سیٹ کے نیچے دیکھا اپنی ٹوکری میں دیکھا۔ بائبل کہیں بھی نہیں تھی۔

ماریا اسے بڑی شرارت سے دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی پھر اس نے چپکے سے بائبل لڑکی کے زانو پر رکھ دی لڑکی خوف سے اچھل کر پرے ہو گئی۔

”اوہ گارڈ! یہ کہاں سے آ گئی؟“۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ اس لڑکی کو سہیلی بنا لیا جائے؟۔

ایک مدت سے ماریا نے کسی لڑکی سے بات نہ کی تھی۔ لڑکی سے بات کرنے کو اس کی زبان ترس گئی تھی چنانچہ ماریا اس امریکی لڑکی کے قریب آ کر بولی۔

”میڈم تمہارا نام کیا ہے؟“۔

اب تو امریکی لڑکی کو پسینہ آ گیا اور وہ تھر تھر کانپنے

لیا۔

"مکی! میں تمہیں ہمیشہ اپنی بہنوں جیسا پیار کرتی رہوں گی"۔

مکی نے ہنس کر کہا۔

"ارے ماریا! تم کیسے آ گئیں؟ لو آج سے میں بھی تمہیں اپنی سگی بہن سمجھوں گی"۔

ٹھیک اسی وقت مکی کا دس سالہ بھائی اندر داخل ہوا اور اپنی بہن کی طرف دیکھ کر کمرے میں نظریں گھما کر بولا۔

"مکی! تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟ کمرے میں کون ہے؟"۔

کمرہ بالکل آخری نظر آ رہا تھا۔ ماریا مکی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ مگر رابرٹ کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مکی قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"رابرٹ! میں ایک بھوت سے باتیں کر رہی تھی"۔

رابرٹ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مکی! کیا اس کمرے میں بھوت رہتا ہے؟ مجھے بھی ملاؤ اس سے۔ میں بھوت سے ملوں گا"۔

مکی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا۔ بھلا یہاں بھوت کہاں سے آئے گا۔ میں تو یونہی اپنے آپ سے باتیں کر رہی

تھی"۔

رابرٹ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ الماری سے اپنی کتابیں لے کر واپس چلا گیا۔

ماریا نے کہا۔

"بڑا پیارا لڑکا ہے۔ اچھا ککی میں جاتی ہوں شب بخیر!"

"شب بخیر!"

ماریا نے اپنے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے بند نہ کیا کیونکہ اس طرح گھر والوں کو شک پڑ سکتا تھا کہ اندر کوئی ہے وہ بستر پر لیٹ کر ناگ اور عنبر کے بارے میں سوچنے لگی کہ خدا کرے کہ وہ ہندوستان

میں اسے مل جائیں۔

رابرٹ ککی خاندان کا بڑا ہونہار لڑکا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی ساری جائیداد کا واحد مالک تھا۔ بوسٹن شہر میں غنڈوں کا ایک گروہ تھا جن کا کام ہی لوگوں کو دھوکا دے کر روپیہ بٹورنا تھا۔

بعض اوقات یہ لوگ قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ اس گروہ کا سرغنہ کالا ہاتھی نامی غنڈہ تھا۔ انہوں نے کئی دنوں سے ککی کے بھائی رابرٹ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔

ماریا کو ککی کے پاس رہتے ساتواں روز تھا ایک دن رابرٹ گھر سے اسکول گیا اور پھر واپس نہ آیا۔

شام کو پریشان حال گھر والوں کو ایک خط ملا جس میں لکھا تھا۔

رابرٹ ہمارے قبضے میں ہے۔ وہ بالکل محفوظ ہے۔ اگر آپ لوگ ہمیں ایک لاکھ ڈالر ہمارے دیئے ہوئے ایڈریس پر پہنچا دیں گے تو لڑکا آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اگر آپ نے روپے نہ پہنچائے اور پولیس کو اطلاع کر دی تو رابرٹ کی لاش کے ٹکڑے ایک بکس میں ڈال کر آپ کے گھر پہنچا دیئے جائیں گے۔

فقط۔ کالا ہاتھی۔

خط پڑھ کر رابرٹ کے ماں باپ اور کبھی ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ تو گویا ان کا لخت جگر غنڈوں بلکہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ رابرٹ کی ماں نے روتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا۔

"جیمز! خدا کے لیے میرے بچے کو ان ڈاکوؤں سے بچاؤ۔ انہیں ایک لاکھ ڈالر ادا کر دو"۔

رابرٹ کے باپ نے کہا۔

"میں ابھی ایک لاکھ ڈالر رابرٹ پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اس طرح سے ان غنڈوں کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اور وہ ہر کسی کے بچے کو اغوا کرتے پھریں گے۔ اور جب کسی نے رقم ادا نہ کی اس

کے بچے کو قتل کر دیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں پولیس کو بھی اطلاع کر دینی چاہیے"۔

مکی کی ماں نے خاوند کا دامن تھام کر کہا۔

"ایسا نہ کرنا۔ میرے بچے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی قسم کھاؤ کہ تم ویسا نہیں کرو گے"۔

مکی کہنے لگی۔

"پاپا! امی ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں دوسروں سے کیا۔ ہمیں اپنے بچے کی زندگی بچانی چاہیے"۔

مکی کا باپ سنجیدگی سے بولا۔

"اگر آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو میں آج رات ہی رقم لے کر غنڈوں کے اڈے پر پہنچ جاتا

ہوں"۔

مکی نے کہا۔

"پاپا! مجھے غنڈوں سے خطرہ ہے۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی"۔

باپ نے کہا۔

"نہیں مکی! تمہارا میرے ساتھ جانا ٹھیک نہیں۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ پستول میرے پاس ہوگا۔ میں اپنی حفاظت کر سکوں گا۔

ماریا بھی وہاں کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔

اس نے مکی کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"مکی! فکر نہ کرو۔ میں تمہارے پاپا کے ساتھ

جاؤں گی اور ایک لاکھ ڈالر بھی واپس آ جائیں گے اور رابرٹ بھی گھر واپس آ جائے گیا۔

مکی کے منہ سے نکل گیا۔

”کاش! ایسا ہو؟“۔

ماں نے مکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تم کس سے باتیں کر رہی ہو بیٹی؟“۔

مکی جلدی سے بولی۔

”کسی سے نہیں ممی! میں کہہ رہی تھی کہ کاش ایسا ہو جائے کہ رابرٹ میرا بھائی جلدی گھر واپس آ جائے“۔

باپ نے کہا۔

”میں رقم اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ رابرٹ کو ساتھ لے کر واپس آ ؤں گا“۔

مکی کے باپ نے چمڑے کے تھیلے میں ایک لاکھ ڈالر کی رقم ڈالی۔ پستول جیب میں رکھا اور غنڈوں کے بتائے ہوئے مقام کی طرف اپنی گھوڑا گاڑی پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

ماریا بھی چپکے سے اس کی گھوڑا گاڑی میں سوار ہو گئی تھی جس کی مکی کے باپ جیمز کو بالکل خبر نہ ہو سکی تھی۔ چلتے وقت مکی نے اس خطرے کا اظہار کیا تھا کہ اگر ماریا رقم بھی لے آئی اور رابرٹ کو بھی بچا کر لے آئی تو غنڈے اس کے خاندان کے دشمن بن جائیں

گے اور اس خاندان کو تباہ کر دیں گے۔

ماریا نے کہا تھا۔

"ممی! میں نے اس کا علاج بھی سوچ رکھا ہے۔ وہاں اڈے پر جس قدر بھی غنڈے ہوں گے ان سب کو ہلاک کرنے کے بعد ہی یہاں آؤں گی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔"

اور ممی ماریا کا منہ تکتی رہ گئی جو اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھوڑا گاڑی ایک لاکھ ڈالر، رابرٹ کا پاپا اور ماریا کو غنڈوں کے ٹھکانے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

دن غروب ہو رہا تھا۔

میدان میں سورج کی سنہری کرنیں پہاڑیوں کی

طرف سمٹنے لگی تھیں۔ غنڈوں نے اپنا جو اڈہ بتایا تھا وہ شہر سے کافی دور پہاڑیوں میں ایک جگہ واقع تھا۔ گاڑی پہاڑیوں میں پہنچی تو پستول کے فائر کی آواز وادی میں گونج اٹھی۔

یہ چوکیدار غنڈے کی طرف سے اعلان تھا کہ ڈالر دینے والے آ گئے ہیں۔

غنڈوں کی کل تعداد چھ تھی۔ یہ لوگ ایک ویران مقام پر بنے ہوئے خستہ حال کاٹج میں رابرٹ کو لے کر بیٹھے تھے۔

ایک غنڈہ جس نے پستول چلائی تھی۔ ایک چٹان کے پیچھے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ کاٹج میں رابرٹ کو

رسیوں سے باندھ کر کرسی پر بٹھایا ہوا تھا۔ پانچ غنڈے گول میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔

فائر کی آواز سن کر ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی اپنی پستولیں نکال کر گولیاں چیک کیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

پھر کھڑکیوں اور دروازے کے پیچھے مورچے بنا کر بیٹھ گئے۔ دور سے ایک گھوڑا گاڑی گرد اڑاتی وادی میں داخل ہوئی اور چلتے چلتے غنڈوں کے اڈے یعنی کاٹج کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

کالے ہاتھی نے آواز دی۔

”مسٹر جیمز تم اکیلے ہو؟ پولیس تو ساتھ نہیں ہے؟“ جیمز نے گاڑی سے باہر نکل کر کہا۔

”میں اکیلا ہوں۔ میں نے پولیس کو بالکل اطلاع نہیں دی“۔

کالے ہاتھی نے کہا۔

”کیا ڈالر تم ساتھ لائے ہو؟“۔

”ہاں یہ دیکھ لو۔ میرے پاس ہے۔ مگر پہلے مجھے میرے بچے کو دکھاؤ“۔

کالے ہاتھی نے اشارہ کیا۔ ایک غنڈے نے رابرٹ کو کھڑکی کے پاس کر دیا۔ رابرٹ کے صرف ہاتھ پشت پر رسی سے بندھے تھے۔

رابرٹ نے آواز دی۔

"پاپا! میں ٹھیک ہوں"۔

جیمز کا دل بیٹے کی آواز سن کر بھر آیا۔

"فکر نہ کرو میرے بیٹے! میں تمہیں ساتھ لے کر گھر جاؤں گا۔ میں تمہیں ساتھ لینے آیا ہوں"۔

ماریا اب گھوڑا گاڑی سے باہر نکل کر غنڈوں کے کالج کی طرف چلنے لگی تھی۔

کوئی غنڈہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چلتے چلتے وہ کالج کے اندر آ کر ایک جگہ کھڑی ہو گئی رابرٹ کرسی پر بیٹھا تھا۔

ایک غنڈہ پستول تانے اس کے پاس کھڑا تھا۔

غنڈوں نے جب دیکھا کہ رابرٹ کا باپ ایک لاکھ ڈالر لے کر اکیلا ہی آ گیا ہے تو وہ کالج سے باہر نکل آئے۔

ایک غنڈہ اندر رابرٹ کے پاس پستول تانے کھڑا رہا۔ باقی غنڈے رابرٹ کے باپ کے ارد گرد بندوقیں تان کر کھڑے ہو گئے۔ کالے ہاتھی نے آگے بڑھ کر تھیلا پکڑ لیا۔

"رقم پوری ہے نا؟"۔

جیمز نے کہا۔

"بے شک گن لو"۔

کالے ہاتھی نے تھوک کر کہا۔

"ہمیں تم پر اعتبار ہے"۔

ادھر یہ کھیل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اندر ماریا نے یہ کیا کہ بڑے ڈرم سے ایک لوہے کی زنجیر لے کر رابرٹ کے سر پر کھڑے غنڈے کے گلے میں ڈالی اور اتنی تیزی سے اور طاقت سے دے مروڑا کہ غنڈہ آواز نکالے بغیر زمین پر گرا اور مر گیا۔

رابرٹ ششدر رہ گیا کہ یہ غنڈے کو کیا ہوا کہ کھڑے کھڑے گردن پہ ہاتھ رکھے گر پڑا۔ ماریا نے رابرٹ کے کان میں کہا۔

"میں تمہاری دادی کی روح ہوں اور تمہیں بچانے یہاں آئی ہوں۔ میں تمہاری رسی کھول رہی

ہوں۔ تم پیچھے سے مکان سے نکلو اور چٹان کے پیچھے جا کر چھپ جاؤ"۔

رابرٹ کے سر کے بال کھڑے ہو گئے دادی کی روح نے اس کی رسیاں کھول دیں۔

"بھاگو پیچھے۔۔ چٹان کی اوٹ میں"۔

ماریا نے کہا۔

معاملہ جان بچانے کا تھا۔ رابرٹ جلدی سے نکل کر مکان کے پیچھے چٹان کی کھوہ میں جا کر چھپ گیا۔ اب ادھر غنڈے رم لے کر رابرٹ کے باپ کو اپنے ساتھ اندر لا رہے تھے۔

اندر آ کر جو کچھ انہوں نے کیا اس پر ان کی

آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔ انہوں نے پستول تان لیے۔ میز کے پاس ان کے ساتھی کی لاش پڑی تھی اور روبرٹ غائب تھا۔

"یہ سب تمہاری شرارت ہے"۔

کالے ہاتھی نے روبرٹ کے باپ کی طرف بندوق تان کر کہا۔ جیمز خود حیران تھا کہ اس کا بیٹا کہاں چلا گیا۔ کہنے لگا۔

"جو کچھ یہاں ہو رہا ہے مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں رقم لے کر واپس اپنا بچہ واپس لینے آیا ہوں۔ رابرٹ کو تم لوگوں نے کہیں گم کر دیا ہے"۔

پھر اس نے جیمز یعنی رابرٹ کے باپ کو گھسیٹ کر زمین پر گرا دیا۔

"ہم اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ تمہیں قتل کر کے لیں گے"۔

کالے ہاتھی نے اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ بندوق سے جیمز کی کھوپڑی اڑا دی جائے۔

اب ماریا کے عمل کا وقت تھی وہ پیچھے سے آئی اور جیمز کی طرف بڑھنے والے غنڈے کی پیٹھ پر اس زور سے لات ماری کہ وہ اوندھے منہ آگے کو گر پڑا۔

ماریا نے بندوق اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اب وہ بندوق بھی ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی

تھی۔ کالا ہاتھی گرجا۔

"پیچھے کیوں گر پڑے؟ تمہاری بندوق کہاں چلی گئی؟"۔

اس سے پہلے کہ غنڈہ کوئی جواب دے ایک فائر ہوا۔

بندوق نے شعلہ اگلا اور اوندھے منہ پڑے ہوئے غنڈے کو موت کی نیند سلا دیا۔ ماریا نے بندوق کا رخ قاتل غنڈوں کی طرف پھیر دیا اور یکے بعد دیگرے فائر کر کے سوائے کالے ہاتھی کے چاروں غنڈوں کو ہلاک کر دیا۔

وہ انہیں ہلاک کرنا ہی چاہتی تھی تاکہ برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور یہ لوگ کسی ماں باپ کی مامتا سے نہ کھیل سکیں۔

کالے ہاتھی نے اپنے تمام ساتھیوں کی تڑپتی ہوئی لاشیں دیکھیں تو خوف اور غصے سے کانپنے لگا۔

ماریا اب اس کو کوئی زیادہ وقت نہیں دینا چاہتی تھی۔

کیونکہ وہ طیش اور انتقام کے جذبے میں بھڑک کر رابرٹ کے باپ کو ہلاک کر سکتا تھا۔ ماریا نے زمین پر پڑی ہوئی پستول اٹھائی اور کالے ہاتھی کی کنپٹی پر رکھ کر چلا دی۔

دھماکا ہوا پستول نے شعلہ اگلا اور دوسرے لمحے قاتل کالا ہاتھی زمین پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ اس سنگدل

قاتل نے نہ جانے کتنے غریب انسانوں کو قتل کیا تھا۔

آج قدرت نے اسے اس کے گناہوں کی سزا دے دی تھی۔

رابرٹ کے باپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ اس نے دیکھا کہ سارے غنڈے مر گئے ہیں تو رابرٹ کو آوازیں دینے لگا۔

رابرٹ باہر والی چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر اپنے باپ کی طرف دوڑا۔

"پاپا! پاپا! پاپا!"۔

باپ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ رابرٹ

نے خوش ہو کر کہا۔

"پاپا! میری دادی کی روح آئی تھی اس نے میری رسیاں کھولی تھیں اور چوکیدار غنڈے کو ہلاک کیا تھا"۔

جیکر حیران ضرور ہوا کیونکہ اندر کرسی کے پاس کھلی ہوئی رسی پڑی تھی اور ساتھ ہی ایک غنڈے کی لاش بھی تھی اس نے رابرٹ کو گاڑی کی طرف لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

رابرٹ بولا۔

ہاں پاپا! روح نے میرے کان میں کہا تھا کہ میں

تمہاری دادی کی روح ہوں۔ میں تمہاری رسیاں کھول رہی ہوں۔ تم پیچھے چٹانوں میں جا کر چھپ جاؤ۔ پھر اسی نے میرے سر پر پہرہ دینے والے غنڈے کا گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔

رابرٹ کا باپ اپنا سر کھجانے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اسے یقین تھا کہ کوئی آسمانی طاقت وہاں ضرور اپنا کام دکھا رہی تھی۔

اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے گولیوں سے غنڈوں کو ہلاک ہوتے دیکھا تھا۔ جبکہ گولی چلانے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہ صرف سر کھجا کر ہی رہ گیا اور بچے کو گاڑی میں بٹھا کر اس کا دروازہ بند کیا۔

اور اوپر چڑھ کر گھوڑوں کو کوڑا مارا۔ گھوڑا گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ گاڑی کے اندر سامنے والی سیٹ پر ماریا بھی بیٹھی تھی، لیکن رابرٹ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

گھر جا کر نکی اور ماں کو معلوم ہوا کہ رابرٹ بخیریت واپس آ گیا ہے اور لاکھ ڈالر کی رقم بھی واپس آ گئی ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے۔

نکی کو معلوم تھا کہ یہ ماریا کا اس کی غیبی سہیلی کا کارنامہ ہے۔ رابرٹ کو سب نے بڑا پیار کیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر نکی نے آہستہ سے ماریا کو آواز دی۔

تو ماریا نے جواب دیا اور کہا کہ یہ جو کچھ اس نے کیا ہے، اس کا فرض تھا۔ وہ غنڈے قاتل تھے۔ ان کے ہاتھ کئی بے گناہ انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ ان کا مر جانا ہی بہتر تھا۔

ٹکی نے کہا۔

”میں ہمیشہ تمہیں یاد کیا کروں گی ماریا! تم نے سگی بہنوں بلکہ سگے بھائی سے بڑھ کر میری مدد کی ہے“۔

کمرے میں ماریا کی ہلکی ہلکی ہنسی سنائی دیتی رہی۔

خونی دروازے

ماریا کے جانے کا وقت آ گیا۔

ٹکی نے اسے بوسٹن کی بندرگاہ پر جا کر ”ورجینیا“ نامی بحری جہاز پر چڑھا دیا۔ ماریا نے ٹکٹ نہیں خریدا تھا۔

کیونکہ وہ تو غیبی لڑکی تھی۔ اس لیے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب تک جہاز چلا نہیں۔ ٹکی بندرگاہ پر

کھڑی رہی۔ اسے ماریا دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر اسے یقین تھا کہ وہ جہاز کے ڈیک پر ضرور کھڑی ہوگی۔

ماریا جہاز کے ڈیک پر کھڑی رگی کو دیکھ رہی تھی۔

جہاز نے وسل دیا اور بندرگاہ سے پیچھے ہٹتے سمندر کی طرف چلنے لگا۔

ماریا اور رگی دو پکی سہیلیوں نے ایک دوسری کو ہاتھ ہلا کر الوداع کیا۔

جہاز ہندوستان کی طرف روانہ ہوگیا۔

اب ذرا عنبر کی طرف چلتے ہیں۔ عنبر اس وقت دہلی میں خدا بخش نابینائی کے گھر پر رہتا۔ خدا بخش کو عنبر نے

موتی فروخت کر کے آدھی رقم دے دی تھی۔

جس کی مدد سے اس نے اپنے کاروبار کو ترقی دی ہے۔ اگلے مہینے اس کی جوان بیٹی ممتاز بیگم کی شادی ہونے والی ہے۔

سارا جہیز تیار ہے۔ عنبر تقریباً سارا دن شہر کے بازاروں اور باغوں میں گھومتا رہتا ہے کہ شاید کہیں ماریا کی خوشبو آئے۔

شاید کہیں ناگ کی شکل نظر آ جائے۔ یہی حرح ناگ اس وقت لاہور شہر میں ایک سکھ امیر سردار کھیل سنگھ کی حویلی میں گھوڑے کی دیکھ بھال پر نوکر ہو گیا ہے۔

وہ بھی دن میں کبھی کبھی آج سے سوا سو برس پہلے کے پرانے لاہور کی تنگ سڑکوں اور گھنے باغوں میں جاتا ہے کہ شاید کسی جگہ سے اسے ماریہ کی خوشبو آ جائے یا عنبر کی شکل دکھائی دے جائے۔

پیارے قارئین! مئی 1857ء کا مہینہ آ گیا۔

میرٹھ شہر میں فوجوں نے بغاوت کر دی چھاؤنی کو آگ لگا دی۔ جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کرا لیا۔ انگریزوں کے بنگلے نذر آتش کر دیے گئے۔

جس نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سارے ملک میں بلوہ پھیل گیا۔

افراتفری مچ گئی۔ انگریز منہ چھپانے لگے۔ فوج خلاف ہو گئی۔ سپاہی دہلی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میر بحری کا بنگلہ جلا دیا۔

بہادر شاہ ظفر سے فریاد کی کہ ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے ان کے سروں پر ہاتھ رکھیں۔ بوڑھا بادشاہ زندگی کے آخری دن مصلے پر عبادت کرتے ہوئے بسر کر رہا تھا۔ باغیوں نے اسے عجیب پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔

دہلی میں جتنے غیر ملکی تھے مار دیے گئے۔ سارے شہر میں باغیوں نے قبضہ کر لیا۔ انگریزی فوجوں نے پنجاب میں جمع ہونا شروع کر دیا تا کہ یہاں سے فوج

اکٹھی کر کے دہلی پر حملہ کر کے باغیوں کو گرفتار کیا جائے۔

جس سکھ کے پاس ناگ ملازم تھا اس نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ناگ بھی انگریزی فوج کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر عنبر جس گھر میں رہتا تھا، وہاں بھی افراتفری مچ گئی۔ اگرچہ یہ شہر پر باغیوں کا قبضہ تھا اور انگریز کا ظلم ختم ہو چکا تھا لیکن خدا بخش نے عنبر سے کہا۔

”بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجنے والی ہے۔ اس کے گلی کوچوں میں قتل عام ہو گا۔ انگریز پنجاب سے فوج اور توپیں لے کر دلی پر

چڑھائی کرے گا اور قلعے پر قبضہ کر لے گا“۔

عنبر اس قسم کے کئی انقلاب دیکھ چکا تھا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ وہ اپنے میزبان کی پریشانی سے پریشان ضرور تھا۔

اس نے کہا۔

”بابا! میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ مجھے حکم دیں۔ میں آپ کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں“۔

خدا بخش نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔

”مجھے اپنی فکر نہیں بیٹا! اگر فکر ہے تو تمہاری بہن کی ہے اگلے ماہ اس کی شادی ہو رہی تھی۔ سارا جہیز

تیار رکھا ہے۔ انگریز آ گئے تو وہ اس شہر کو لوٹ کر ویران کر دیں گے۔"

خدا جانے ہمارا کیا حشر ہو۔

عنبر کہنے لگا۔

"بابا جان! آپ پریشان نہ ہوں میں آپ لوگوں کی حفاظت کی قسم کھاتا ہوں۔ اگر شہر میں زیادہ گڑ بڑ ہو گئی تو میں سینہ تان کر اپنے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور دشمن کو پہلے میرے سینے پر وار کرنا ہو گا"۔

خدا بخش کی بیوی کہنے لگی۔

"بیٹے! وہ لوگ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے"۔

پھر وہ اپنے خاوند سے مخاطب ہو کر بولی۔

"اگر ہم سارا جہیز کا سامان لے کر اپنے گھر کے تہہ خانے میں چھپا دیں تو بہتر رہے گا"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جہیز کا سارا سامان تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ خدا بخش کا بیٹا اور بیٹی ممتاز بیگم بھی بڑے فکر مند تھے۔

اصل میں انہیں عنبر کی چھپی ہوئی طاقت کی خبر نہیں تھی۔ ورنہ وہ اتنے پریشان نہ ہوتے۔ عنبر نے تو فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ خدا بخش کے خاندان سے حالات پوری مدد کرے گا۔

ایک روز عنبر شہر کی چار دیواری کے باہر باغ میں

ناگ اور ماریا کی تلاش میں چکر لگا رہا تھا کہ اسے ایک جگہ درختوں کے پیچھے سے مدد مدد کی آوازیں سنائی دیں۔

کوئی عورت مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ عنبر بھاگ کر ادھر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک مکان بنا ہے جس کے برآمدے میں کچھ غنڈے ایک انگریز لڑکی کو باہر گھسیٹ رہے ہیں۔

غدر میں ایسا ہوا تھا کہ جنگ آزادی کے مجاہدوں کے ساتھ شہر کے بدمعاش اور غنڈے بھی شامل ہو گئے تھے۔

جیسا کہ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے یہ لوگ بچے کھچے انگریزوں کے گھر بار لوٹ کر جلا رہے تھے اور انگریز لڑکیوں کو مہنگے داموں فروخت کر رہے تھے۔

عنبر نے بھی ہندوستان کا ہی لباس پہن رکھا تھا۔

اس نے قریب جا کر ایک غنڈے سے کہا۔

''اس لڑکی کو کیوں مارتے ہو؟''۔

غنڈہ ہندو تھا اس کا نام رامو تھا۔ رامو ہنس کر بولا۔

''ارے تو کون ہے بے۔ چل بھاگ جا یہاں سے''۔

تجھے نہیں معلوم غدر پڑ گیا ہے ان انگریز عورتوں کو ہم فروخت کریں گے ان کے باوا کو ہم نے اندر قتل کر

کے ڈال دیا ہے۔

اب عنبر کو معلوم ہوا کہ غنڈے اس انگریز لڑکی کے باپ کو قتل کر چکے ہیں۔ انگریز لڑکی ہاتھ جوڑ کر رحم رحم پکار رہی تھی۔

رامو غنڈہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بھی کمر کے ساتھ تلواریں لٹکائے زور زور سے ہنس رہے تھے۔

"رامو دادا! اس حرامزادی کو قتل کر دو کہیں۔ یہ شہر میں جا کر بہت شور مچائے گی"۔

جانے کیوں عنبر کو اس سنہرے بالوں والی معصوم سی انگریز لڑکی پر ترس آ گیا۔ اس نے اس کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

آگے بڑھ کر عنبر نے رامو بدمعاش کو ایک دھکا دیا۔ رامو دھڑام سے پرے جا گرا۔ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

رامو نے تلوار کھینچ لی۔ ساتھی غنڈے بھی تلواریں سونت کر عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے لڑکی کو مکان کے اندر بھاگ جانے کو کہا اور خود رامو بدمعاش کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ تنہا تھا۔ رامو بدمعاش مسکرا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عنبر نہتا ہے اور وہ تلوار کے ایک ہی وار میں اسے دو ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔

اسی لیے اس کے ساتھی بھی تلواریں لے کر پیچھے ہٹ گئے تھے کہ عنبر ان کا استاد ہی نپٹ لے گا۔ عنبر نے راموس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کمینے! عورتوں پر ہاتھ اٹھانا بزدلی ہے۔ اور اپنی تلوار مجھے دے دے۔"

رامو مذاق میں بولا۔

"تو میری تلوار لے کر کیا کر لے گا؟"۔

عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قتل کروں گا"۔

"ہاہاہا" رامو نے قہقہہ لگایا۔

"ارے تو اپنی خیر منا۔ لے بچا میرے وار کو"۔

رامو نے تلوار لہرائی۔ دوسرے غنڈے حیران تھے کہ عنبر اپنے بچاؤ کے لیے ذرا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اس نے رامو کو پورا پورا موقع دیا کہ وہ اس پر بھرپور وار کرے، ایسا ہی ہوا۔

رامو نے تلوار کا بھرپور وار عنبر کی گردن پر کر دیا۔

دوسرے بدمعاشوں نے منہ پرے کی طرف کر لیا۔ وہ عنبر کی گردن اترتی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ انگریز لڑکی بھاگ کر دروازے کے پیچھے چھپی دیکھ رہی تھی۔

اس نے بھی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ اپنے محسن کو قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن اب جو اس نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر دیکھا تو ہکا بکا ہو کر رہ

گئی۔

عنبر کی گردن پر پڑنے کے بعد رامو بدمعاش کی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔ عنبر نے زمین پر گرا ہوا تلوار کا ٹکڑا اٹھا کر زور سے رامو کی طرف پھینکا۔ آدھی تلوار کا پھل رامو کے سینے میں گھس گیا۔ وہ ہائے کہہ کر زمین پر گر پڑا۔

اس کے ساتھی آگے بڑھے۔ عنبر نے ایک بدمعاش کو گرا کر اس کی تلوار چھین لی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔

رامو کے ساتھی بھلا عنبر کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ بس دو منٹ کے بعد ان کی لاشیں زمین پر تڑپ

رہی تھی۔ عنبر نے انگریز لڑکی سے کہا۔

"تمہیں یہ گھر چھوڑ کر میرے ساتھ چلنا ہو گا لیکن اندر جا کر نوکرانیوں والے کپڑے پہن لو"۔

لڑکی بدحواس تھی۔ بھاگ کر اندر گئی اور میلی سی سیاہ چادر اوڑھ کر باہر آ گئی۔ عنبر نے اسے ساتھ لیا اور شہر کی گلیوں گلیوں ہو کر خدا بخش کے گھر آ گیا۔

بابا جان! غنڈوں نے اس انگریز لڑکی الزبتھ کے ماں باپ کو قتل کر دیا ہے۔ گھر بار لوٹ لیا ہے۔ میں نے اسے پناہ دی ہے۔

چاہتا ہوں کہ اس تہہ خانے میں اس وقت تک رکھا جائے جب تک حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے۔

خدا بخش نے کہا۔

بیٹا! یہ بڑا نیک کام ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم سے جو ہو سکا اس بچی کی خدمت کریں گے۔ اگرچہ اس میں ہماری جانوں کا بھی خطرہ ہے۔

غنڈے گلی گلی دندناتے پھرتے ہیں اگر انہیں ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو وہ اس انگریز بچی کے ساتھ ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہم الزبتھ کی حفاظت کریں گے۔

"شکریہ بابا جان! مجھے آپ سے یہی امید تھی"۔

الزبتھ کو تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا وہاں اس کی ضرورت اور سہولت کی ہر شے رکھ دی گئی۔ وہ اپنے ماں باپ کی وفات سے بڑی پریشان تھی۔ لیکن عنبر ممتاز بیگم اور اس کے ماں باپ کی شفقت اور محبت بھرے سلوک نے اسے کافی حوصلہ دیا۔

اسی طرح ایک مہینہ اور گزر گیا۔

ناگ اپنے سکھ امیر بھپیل سنگھ کے ساتھ انگریز کمانڈر کے ماتحت چھوٹی سی فوج لے کر دہلی شہر سے دور ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔

انگریز کمانڈر دہلی پر حملہ کرنے کے فیروز پور شہر اور سکھ ریاست پٹیالہ کی جانب سے آنے والی سکھ فوج کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ کسی جاسوس کو دہلی شہر بھیجا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہاں باغیوں کی کیا پوزیشن ہے۔

ناگ کے نام کی پرچی نکل آئی۔ سردار اور انگریز کمانڈر نے ناگ کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ دہلی جا کر جاسوسی کرے۔

ناگ کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ جن لوگوں کو یہ انگریز اور سکھ سردار باغی کہہ رہے ہیں، وہ جنگ آزادی کے مجاہد ہیں اور انگریزوں کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں

اس اعتبار سے وہ آزادی کے سپاہی تھے۔ مگر

ناگ نے اپنے دل کا خیال کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا وہ خاموش رہا۔ جاسوسی کے بہانے اسے دہلی جانے کا موقع مل رہا تھا۔ وہاں وہ عنبر اور ماریا کو بھی تلاش کر سکتا تھا۔

ناگ کو ایک عام ہندوستانی کا لباس پہنا دیا گیا۔ آدھی رات کو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔

صبح کے وقت وہ شہر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ معلوم ہوا دروازہ بند ہے۔ نہ کوئی شہر میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ باہر آ سکتا ہے۔

ناگ نے سوچا کہ گھوڑے پر شہر کی چار دیواری

کے گرد چکر لگانا چاہیے۔ شاید کہیں سے اندر جانے کا کوئی راستہ مل جائے۔ آخر اسے ایک جگہ تنگ سا راستہ نظر آیا جو ایک باغ میں داخل ہوتی نہر کے دہانے پر تھا۔

ناگ نے گھوڑے کو وہیں چھوڑ دیا اور خود اس تنگ راستے سے گزر کر شہر میں داخل ہو گیا۔

شہر میں دن نکل چکا تھا۔ ہر طرف بڑی چہل پہل تھی۔ سارے شہر پر مجاہدین آزادی کا راج تھا۔ بے شک کچھ غنڈے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ جنہوں نے بعض دکانیں لوٹ لی تھیں اور گھروں کو آگ لگا دی تھی۔ دوپہر تک ناگ شہر کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں پھرتا رہا۔ اسے عنبر کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔

شام کو وہ ایک سرائے میں آ گیا۔ اس کا قیام اسی سرائے میں تھا۔ دہلی میں اسی طرح آوارہ گردی کرتے اسے تیسرا دن جا رہا تھا کہ ایک دن اس کا گزر شاہی قلعے کے قریب سے ہوا۔

قلعے کے اندر شاہی محلات کی بارہ دریاں اور برج اور گنبد دھوپ میں چمک رہے تھے۔ قلعے کی دیوار کے اوپر مغل فوج پہرہ دے رہی تھی۔

قلعے کا بڑا دروازہ بند تھا۔ چھوٹی کھڑکی بھی بند تھی۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے

یہاں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

ناگ نے یہاں آ کر مجاہدوں کی جاسوسی کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اسے واپس سردار یا انگریز کمانڈر کے پاس جانا پڑا تو کہہ دے گا کہ شہر میں باغیوں نے بڑی تیاری کر رکھی ہے۔

اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں کہے گا اب وہ عنبر اور ماریا کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ عنبر اسی شہر میں کسی جگہ قیام رکھتا ہے۔ ناگ کو دہلی میں آئے ساتواں روز گذر رہا تھا۔ وہ ایک ہفتے کے لیے آیا تھا۔ ہفتے بعد اسے واپس جا کر رپورٹ کرنی تھی۔

عنبر اور ماریا بھی اسے کہیں نہیں مل رہے تھے

چنانچہ وہ دہلی سے واپس روانہ ہو گیا۔ انگریزی فوج کے پڑاؤ کیمپ جا کر ناگ نے یہی رپورٹ کر دی کہ باغی بڑی زبردست تیاریاں کر رہے ہیں اور شہر میں انگریزوں کے خلاف لوگوں میں بڑا جذبہ پایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ادھر ریاست پٹیالہ اور فیروز چھاؤنی سے انگریزوں کی حمایت میں سکھوں کی فوج بھی آ گئی۔

ان کے ساتھ توپیں بھی تھیں۔ انگریز کمانڈر نے دہلی پر حملے کا حکم دے دیا۔ فوج دہلی کی طرف روانہ ہو گئی۔ ناگ بھی فوج کے ساتھ تھا۔

دہلی میں باغیوں نے اچھی خاصی تیاری کر رکھی

تھی مگر شاہی محل میں سازشیں ہو رہی تھیں اور کچھ امیر وزیر انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ انگریزی فوج نے دہلی شہر کے باہر پہنچ کر توپیں لگا دیں اور گولہ باری شروع کر دی۔

شہر میں شور مچ گیا۔ انگریزی فوج آ گئی۔ لوگوں میں ہراس پھیل گیا۔ غنڈوں نے مکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔

مغل فوج نے بھی قلعے کی دیوار سے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کر دی۔

انگریزی فوج کو باہر سے مدد مل رہی تھی۔ مغل فوج شہر کے اندر بند تھی۔ اسے باہر سے کوئی مدد نہیں مل رہی تھی۔

انگریزوں نے کشمیری دروازے پر توپ کے گولے مار مار کر اسے توڑ دیا اور انگریزی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔

انگریزی فوج نے شہر میں داخل ہوتے ہی قتل عام شروع کر دیا۔ لوگوں نے باہر کو بھاگنا شروع کر دیا مگر جو کوئی باہر نکلتا انگریز فوجی اسے قتل کر دیتے۔

گورے گھروں میں جا کر روپیہ اور دولت طلب کرتے۔ اگر گھر والے دولت ان کے حوالے نہ کرتے تو وہ بندوق مار کر مار ڈالتے۔

عنبر اپنے گھر میں چھپا بیٹھا تھا۔ تہہ خانے میں

انگریز لڑکی الزبتھ بھی چھپی بیٹھی تھی۔ گورے گھر میں داخل ہوئے تو عنبر نے الزبتھ کو ان کے حوالے کر دیا۔

الزبتھ نے کہا کہ ان لوگوں نے اس کی عزت اور جان بچائی ہے۔ گوروں نے عنبر، خدا بخش اس کی بیوی اور بیٹے کو کچھ نہ کہا۔ وہ الزبتھ کو اپنے ساتھ لے گئے۔

عنبر نے کہا

"اب ہمیں بھی بابا جان یہاں سے نکل جانا چاہیے کیونکہ اگر دوسرے گورا فوج کے سپاہی آ گئے تو ہم اپنی جان نہ بچا سکیں گے"۔

خدا بخش نے کہا۔

"میری بیٹی کا جہیز یہاں پڑا ہے۔ اس کا کیا بنے

گا؟"۔

عنبر بولا۔

"آپ لوگ شہر سے باہر ہمایوں کے مقبرے میں چلے جائیں۔ میں یہاں رہ کر آپ کی بچی کے جہیز کی حفاظت کروں گا"۔

چنانچہ خدا بخش اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل گیا عنبر اسی گھر میں رہا۔

سارے شہر میں گورا فوج نے قبضہ کر لیا تھا اور باغیوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کیا جا رہا تھا۔ دو گورے اچانک دروازہ توڑ کر اندر آ گئے اور بندوق تان کر عنبر سے بولے۔

"سونے چاندی کے زیور ہمارے حوالے کر دو"۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں کچھ نہیں ہے بھائی! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس سونا چاندی کہاں؟"۔

گورے تہہ خانے میں اتر گئے۔ وہاں ممتاز بیگم کے جہیز کے سونے کے زیورات رکھے تھے۔ گوروں نے انہیں اٹھالیا اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کمینے! ہم کو دھوکا دے رہے تھے۔ تمہیں اس کی سزا ملے گی"۔

اور گورے نے عنبر پر بندوق کا فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے سینے پر لگی اور پھر نیچے زمین پر گر پڑی۔ گورا

منہ پھاڑے تکنے لگا۔

دوسرے گورے نے فائر کیا تو ایک بار پھر گولی عنبر کے سر سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔ اب تو گوروں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"تم کون ہو؟"۔

ایک گورے نے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں"۔

عنبر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی گورے کے ہاتھ سے بندوق چھین کر دونوں گوروں پر فائرنگ کر دی۔

دونوں گوروں کی لاشیں زمین پر تڑپنے لگیں۔

عنبر تہہ خانے سے نکل کر اوپر آ گیا۔ بندوق اور

کارتوس کی پیٹی وہ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس نے تہہ خانے کو تالا ڈالا اور شہر سے باہر نکل کر ہمایوں کے مقبرے کی طرف چل پڑا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ خدا بخش کو جا کر کہے گا کہ وہ اس کی بیٹی کے جہیز کی اب حفاظت نہیں کر سکتا۔

ہمایوں کے مقبرے کی جانب جاتی سڑک ویران تھی۔

جگہ جگہ شہریوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ شہر کے دروازوں میں گوروں نے ٹکٹکیاں لگا کر حریت پسندوں کو پھانسیوں پر لٹکا رکھا تھا۔

عنبر خاموشی سے گھوڑے پر سوار مقبرے کی طرف

چلتا چلا گیا۔ ادھر بادشاہ کو بھی انگریز سازش کر کے ہمایوں کے مقبرے پہنچا چکے تھے۔

اور اب اسے گرفتار کر کے واپس لا رہے تھے۔

خونی گیٹ پر پہنچ کر انگریز کمانڈر ہڈسن نے مغل شہزادوں کو قتل کر دیا اور سر بادشاہ ظفر کو پیش کیے۔

عنبر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور خاموش تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

ہمایوں کے مقبرے کے باہر لوگ کیمپ لگا کر پڑے تھے۔ اس نے خدا بخش کو ڈھونڈ لیا اور چابیاں اس کے حوالے کر کے واپس آ گیا اب وہ اس شہر سے

چلا جانا چاہتا تھا۔

کیونکہ اس شہر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ وہ دہلی سے نکل کر لکھنؤ آ گیا۔ یہاں بھی انگریزی فوج نے محاصرہ کر رکھا تھا۔

عنبر کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا۔ اتنا خوبصورت محلوں، گنبدوں، مقبروں اور باغوں والا شہر اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

لیکن یہاں موت کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ ایک پرانے مقبرے کے ٹھنڈے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ اسے نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو شہر میں توپوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ باہر نکل کر دیکھا کہ شہر کی دیوار ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی اور گورا فوج اندر داخل ہوتے ہوئے قتل عام کر رہی تھی۔

لکھنؤ میں بھی دہلی شہر والی تباہی اور قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ وہ سارا دن اس مقبرے پڑا رہا۔ رات ہو گئی تو پھر وہیں لیٹ کر سونے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ اونگھ ہی رہا تھا کہ اسے آوازیں سنائی دیں۔ ایک عورت بڑی پریشانی کے عالم میں کسی مرد سے کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لیے مختار صاحب محل میں جا کر میری بچی کو ان ظالم گوروں کی قید سے بچا لاؤ۔ نہیں تو میں اسی

مقبرے میں اپنی جان دے دوں گی"۔

مرد کہہ رہا تھا۔

"بیٹی عالم جان! میں نے بہت کوشش کی مگر شہزادی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ خدا جانے ظالم اسے کہاں لے گئے ہیں"۔

عورت نے کہا۔

"وہ شاہی محل کے مہمان خانے میں ہی ہوں گے۔ انگریز کمانڈر اسی جگہ اترا ہے۔ سب شہزادیوں کو اسی مہمان خانے میں قید رکھا ہے۔ تم جاؤ۔ نہیں تو میں خود جاتی ہوں"۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا عالم جان! شاہی

خاندان کی تم ایک نشانی رہ گئی ہو۔ تم ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔ اگر میں واپس نہ آیا تو سمجھ لینا کہ قتل ہو گیا ہوں"۔

"خدا نہ کرے ایسا ہو"۔

عنبر بڑی خاموشی سے ان لوگوں کے سامنے جا کھڑا ہو گیا۔ دیے کی روشنی میں دیکھا کہ ایک پختہ عمر کی عورت رو رہی ہے۔ جس کے چہرے پر ملکاؤں جیسا وقار تھا۔

مرد بوڑھا تھا اور اسے حوصلہ دے رہا تھا۔ عنبر کو سامنے دیکھ کر مرد نے خنجر نکال لیا۔

عنبر نے کہا۔

"بانو جان! میں تم لوگوں کی مدد کے لیے یہاں آیا ہوں"۔

عنبر نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا کہ وہ تاجر ہے۔ لکھنؤ میں تجارت کے لیے آیا تھا۔ غدر ہو گیا تو اس مقبرے میں چھپ کر زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔

معلوم ہوا کہ وہ عورت اودھ کے شاہی خاندان کی ہے اور گوروں نے اس کے محل کو لوٹ کر اس کی بیٹی شہزادی جہاں آرا کو قید کر لیا ہے۔ عالم جان اور مختار اسے تعجب سے دیکھنے لگے۔ مگر عنبر نے تھوڑی باتیں کیں تو ان کا شک دور ہو گیا۔

اور وہ بخوشی عنبر کو شہزادی جہاں آرا کی تلاش میں روانہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن عالم نے کہا۔

"بیٹے اس میں تمہاری جان کا بھی خطرہ ہے"۔

عنبر بولا۔

"میری جان کی آپ فکر نہ کریں۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا"۔

قلعے کی تباہی

شہر میں لوٹ مار مچی تھی۔

کئی جگہوں پر آگ بھی لگی تھی۔ دھواں مکانات سے اٹھ رہا تھا۔

عنبر اس وقت ایک عام مغل تاجر کے لباس میں تھا۔ سر پہ پگڑی، چوڑی دار پاجامہ، انگرکھا اور کمر کے گرد لپٹا ہوا پٹکا۔

ایک پستول اس کی کمر کے ساتھ بندھا تھا۔ جس شاہی محل کے شاہی مہمان خانے میں انگریز کمانڈر نے اپنا دفتر بنا رکھا تھا اور جس کے تہہ خانے میں شہزادی جہاں آرا قید تھی، اس کے بارے میں مختار بابا نے عنبر کو راستہ بتا دیا تھا۔

گورا فوج شہر کے گلی کوچوں میں گشت لگا رہی تھی۔ کئی چوکوں میں عنبر نے لوگوں کو پھانسیوں پر لٹکتے دیکھا۔ وہ خاموشی سے سر لپیٹے شاہی محل کی طرف چلا جا رہا تھا۔

آخر وہ شاہی محل پہنچ گیا۔

سرخ پتھروں کی شاندار عمارت تھی جس کے اوپر

گوروں کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ باہر گورا فوج پہرہ دے رہی تھی۔ سوچنے لگا، اندر کیسے جائے۔ کیوں کر جائے؟ ابھی باہر ہی گھوم رہا تھا۔ کہ ایک گورے نے اسے پکڑ لیا۔

"کون ہو تم؟ ادھر کیا کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں تاجر ہوں، جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتا ہوں۔ یہاں میری ایک بہن رہتی تھی۔ اس کی تلاش میں آیا ہوں"۔

گورے سپاہی نے ایک زوردار مکا عنبر کی گردن پر مارا اور بولا۔

"کالے سور! جھوٹ بکتا ہے۔ صاف کیوں نہیں کہتا کہ ہمارے کمانڈر کو قتل کرنے آیا ہے۔ یہ پستول کس لیے ساتھ رکھا ہے۔"

گورے نے عنبر کا پستول چھین لیا اور اسے پکڑ کر انگریز کمانڈر کے پاس لے گیا۔

"سر! یہ کوئی جرائم پیشہ آدمی ہے۔ مشکوک حالت میں ہمارے ہیڈکوارٹر کے آس پاس گھوم رہا تھا"۔

انگریز کمانڈر نے اپنی لمبی مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"اسے قید میں ڈال دو۔"

پھر بولا۔

"ٹھہرو"۔

اور عنبر کی طرف گھور کر بولا۔

"کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟ یہاں کیا کر رہے تھے؟"۔

عنبر نے وہی بات پھر دہرا دی کہ تاجر ہوں۔ بکن کی تلاش میں آگیا تھا۔ گورے کمانڈر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے تلوار کی نوک عنبر کے سینے پر رکھ کر کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے، یہاں اودھ کا شاہی خزانہ کس محل میں دفن ہے؟ تم ضرور خزانے کی تلاش میں آئے ہو"۔

عنبر اس کا منہ تکنے لگا۔ بات یہ تھی کہ انگریزوں

نے اودھ کے شاہی محلات پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں لوٹ مار میں کروڑوں کے زیورات اور جواہرات ملے تھے۔

لیکن شاہان اودھ کا شاہی خزانہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ حضرت محل نے خزانے کو شاہی محل کے کسی خاص تہہ خانے میں دفن کر کے اس کا نقشہ اپنے خاص ملازم کو دے کر وہاں سے بھگا دیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"جناب! مجھے خزانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں"۔

گورے کمانڈر نے عنبر کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔

عنبر کے لیے یہ بے عزتی ناقابل برداشت تھی۔ اس نے گورے کے منہ پر ایک ایسا مکا جواب میں مارا کہ وہ الٹ کر میز کی دوسری جانب گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

سپاہیوں نے اسے پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا اور مارنا شروع کر دیا۔ بھلا عنبر پر مار پیٹ کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس جس نے عنبر کو مارا اس کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ سبھی حیران تھے کہ عنبر پر مار پیٹ کا اثر کیوں نہیں ہو رہا۔ اتنے میں کمانڈر کو ہوش آ گیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

"اسے قید کر دو۔ صبح میں اپنے ہاتھ اسے پھانسی دوں گا"۔

عنبر کو تہہ خانے میں لے جا کر قید کر دیا گیا۔

عنبر اس خیال سے قید میں پڑ گیا کہ شاید اسی بہانے اسے شہزادی جہاں آرا کی کوئی خبر مل جائے گی۔ قید خانہ کیا تھا بس ایک پتھر کے فرش والی کوٹھڑی تھی جس میں دن کے وقت بھی اندھیرا تھا۔

ایک گورا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کچھ دیر خاموش بیٹھا سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر اس نے پہرے دار کو آواز دے کر کہا۔

"گورا صاحب! میری ایک بات سنو گے؟"۔

پہلے تو پہرے دار گورے نے کوئی توجہ نہ دی۔ جب عمر نے بار بار اسے آوازیں دیں تو وہ گالی دیتا کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ کر بولا۔

"بولو کیا بکتا ہے تم؟"۔

عمر نے کہا۔

"دیکھو مسٹر! مجھے معلوم ہے کہ شاہی خاندان کا خزانہ کس جگہ دفن ہے۔ اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ شہزادی جہاں آرا کس جگہ قید ہے تو میں تمہیں خزانے کا نقشہ بتا دوں گا"۔

گورے سپاہی نے کہا۔

"خزانہ کس جگہ دفن ہے، پہلے بتاؤ"۔

عمر جھٹ کہنے لگا۔

"خزانہ اسی تہہ خانے میں ایک خفیہ جگہ پر دبایا گیا ہے۔ تم مجھے شہزادی کے پاس لے چلو۔ میں تمہیں خزانے کا پتہ بتائے دیتا ہوں"۔

گورے سپاہی نے سوچا کہ اسے شہزادی کے پاس لے جا کر خزانے کا پتا پوچھتے ہیں۔ بعد میں اسے پھر گرفتار کر لیں گے۔ آخر یہ کیا کرے گا۔ نہتا ہی تو ہے۔ جب کہ گورے سپاہی کے پاس بندوق اور تلوار بھی تھی۔ گورے نے عمر کو کوٹھڑی سے نکال کر کہا۔

"آؤ میں تمہیں شہزادی کے پاس لیے چلتا ہوں، لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ خزانہ کہاں ہے؟"۔

عنبر کوٹھری سے نکل کر گورے سپاہی کو ایک جگہ تہہ خانے میں لے گیا اور بولا

"خزانہ اس جگہ دفن ہے۔ اب بتاؤ شہزادی کہاں ہے؟"۔

گورے سپاہی نے مشعل کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھا اور کہا۔

"شہزادی! اوپر والے برج میں قید ہے۔ مگر تمہیں خزانہ کھود کر نکالنا ہوگا۔ جب مجھے خزانہ دکھاؤ گے تو میں تمہیں اوپر برج میں شہزادی کے پاس لے چلوں گا"۔

عنبر کے لیے بس اتنی اطلاع ہی کافی تھی کہ شہزادی اوپر برج میں قید ہے۔ اس نے کہا۔

"مسٹر گورے! ہم تو اوپر جاتے ہیں شہزادے کے پاس اب تم یہاں خزانے کے ساتھ ٹکریں مارتے رہو"۔

سپاہی غصے میں آ گیا۔ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ جھٹ تلوار نکال کر عنبر کی طرف بڑھا۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"مسٹر گورے! ہمیں تمہارے بہن بھائی پر ترس آتا ہے جو انگلستان میں تمہارا انتظار کرتا ہے۔ ہمارے

ہاتھ سے مت مارو۔ ہمیں اوپر جانے دو"۔

بھلا گورا کب مانتا تھا۔ اور پھر اگر قیدی یوں بھاگ جاتا تو کمانڈر اسے قید کر لیتا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ خزانے کا پتا پوچھ کر اسے پھر سے بند کر دیں گے۔

وہ عنبر کی طرف تلوار لے کر بڑھا۔ عنبر نے ہاتھ بڑھا کر تلوار پھل کی طرف سے پکڑ لی۔ اب گورا تلوار کھینچ رہا ہے تا کہ عنبر کا ہاتھ کٹ جائے۔ لیکن تلوار تو گویا کسی شکنجے میں آ گئی تھی۔

عنبر نے ایک جھٹکا دیا۔ تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔ گورے نے بندوق کا منہ عنبر کی طرف کر دیا۔ عنبر نہیں

چاہتا تھا کہ بندوق کی آواز سن کر اوپر سے کوئی نیچے آ جائے۔

اس نے جلدی سے پکڑ کر کھینچا۔ گورا زمین پر گرا۔ عنبر نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ گورے سپاہی کو یوں لگا جیسے کسی ہاتھی نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا ہو۔

اس کا سانس بند ہو گیا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ مگر عنبر کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکل سکا۔ یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا۔

عنبر نے گورے سپاہی کی لاش کو اسی جگہ چھوڑا اور دیوار کے ساتھ چلتا چھپ چھپا کر محل کے اوپر آ گیا۔

چھت کے کونے پر ایک برج بنا تھا۔

اس کا دروازہ بند تھا۔ رات ہو گئی تھی اور شاہی محل کے کونوں پر مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں تک روشنی کم آ رہی تھی۔

عنبر برج کے دروازے پر آ گیا۔ دروازہ بند تھا اور تالا لگا تھا۔ عنبر نے منہ کیواڑ کے ساتھ لگا کر آواز دی۔

"جہاں آرا شہزادی اندر ہے کیا؟"۔

اندر سے ایک کمزور سی آواز آئی۔

"کون ہے باہر؟"۔

عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شہزادی! مجھے تمہاری والدہ نے بھیجا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے لوہے کے مضبوط تالے کو ایک ہی جھٹکے سے مروڑ کر پھینک دیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر گیا۔

دیے کی روشنی میں ایک نہایت خوبصورت مگر اداس لڑکی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ عنبر کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

"زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ تمہاری والدہ شہر سے باہر مختار کے ساتھ ایک خانقاہ میں تمہارا

انتظار کر رہی ہے۔ میں بڑی مشکل سے تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ"۔

شہزادی پہلے تو ذرا ہچکچائی۔ پھر عنبر کے یقین دلانے پر اس کے ساتھ چل پڑی۔ عنبر چھتوں چھت ہوتا اسے لے کر شاہی محل کے عقب میں آ گیا۔ یہاں آموں کا باغ تھا۔ ایک درخت کی شاخیں محل کی چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔

عنبر نے یہاں سے شہزادی کو نیچے اتارا اور خود بھی اتر آیا۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ سپاہی چاروں طرف پہرہ دے رہے تھے۔ شہر میں کہیں کہیں مکانوں کو اب بھی آگ لگی تھی۔ دور سے کسی وقت گولی چلنے کی آواز آ جاتی تھی۔ عنبر نے شہزادی کو ساتھ لیا اور چلنے لگا تو شہزادی نے کہا۔

"بھائی! تم ان راستوں سے بے خبر ہو۔ میں یہ سارے راستے جانتی ہوں۔ اگر اس وقت ہم گئے تو پکڑے جائیں گے"۔

عنبر نے سوچا کہ شہزادی ٹھیک کہتی ہے۔ شہر میں چپے چپے پر گورا فوج کے سپاہی پھر رہے ہیں۔ وہ کس کس سے اسے بچاتا پھرے گا۔

اس نے پوچھا۔

"پھر کیا کریں؟"۔

شہزادی نے قدرے رک کر کہا۔

"یہاں قریب ہی ایک مزار ہے۔ اس کے متولی کی بیٹی ہماری نوکرانی تھی۔ ہم وہاں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ پھر میں کل بھیس بدل کر وہاں سے نکل چلوں گا"۔

عنبر کو یہ ترکیب پسند آ گئی۔ شہزادی اسے مزار میں لے کر آ گئی۔ اس کی بیٹی نے جھک کر شہزادی کو ادب سے چوما اور رونے لگی کہ خدا کا شکر ہے اس نے شہزادی کو زندہ سلامت دکھایا۔

شہزادی نے اسے سارا حال بتا دیا کہ وہ رات آرام کریں گے اور صبح بھیس بدل کر وہاں سے نکل جائیں گے۔

رات گزر گئی۔ دوسرے دن وہاں قیامت برپا ہو گئی، کیونکہ شاہی قید سے شہزادی اور عنبر ایک گورے کو ہلاک کر کے غائب ہو گئے تھے۔

چاروں طرف فوج آ گئی۔ اور گھر گھر خانہ تلاشی شروع ہو گئی۔ اب وہ بھی پریشان ہو گئے۔ باہر نکلنا خطرناک تھا۔

متولی نے کہا۔

آپ لوگوں کو یہاں رہنا درست نہیں ہے۔ قبرستان میں ایک کوٹھڑی ہے۔ جہاں پرانا کاٹھ کباڑ پڑا رہتا ہے۔

میری ماں بیٹی وہاں چلے جائیں۔ جب ذرا امن ہو گا۔ یہاں بلا لوں گا۔

عنبر نے سوچا کہ بڑے میاں کو اپنی جان کی فکر ہے، اور پھر جوان بیٹی کا باپ ہے۔ ٹھیک سوچتا ہے کہ کہیں بے چارے کی عزت برباد ہو جائے۔

وہ شہزادی کو لے کر قبرستان کی پرانی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس کوٹھڑی کی دیواروں اور چھت پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور دور سے وہ گھاس پھونس کا ڈھیر معلوم ہوتی تھی۔

متولی نے انہیں کھانے پینے کے لیے سب کچھ پہنچا دیا۔

دوپہر کے بعد وہاں گورا سپاہی آ گئے۔ انہوں نے متولی کے گھر کی ساری تلاشی لی۔ پھر قبرستان میں ادھر ادھر گھومنے پھرنے لگے۔

یہ کل چار گورے تھے۔ بندوقیں تلواریں کندھوں پر تھیں۔ عنبر اور شہزادی دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کے سوراخ سے لگے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

اچانک ایک سپاہی باقی تینوں سپاہیوں سے الگ ہو کر کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر کے دل میں کہا۔

"اف! کم بخت کی موت اسے میری طرف لے

آ ئی"۔

سپاہی نے دروازے کو جھک کر دیکھا۔ عنبر نے دروازہ کھول دیا۔

"اندر آ جاؤ گورا صاحب!"

گورا حیران ہو کر عنبر کو تکنے لگا۔

"کون ہو تم؟"۔

"سر میں ایک مردہ ہوں۔ ابھی ابھی قبر سے باہر نکلا ہوں کہ آپ کا استقبال کروں"۔

اس سے پہلے کہ گورا سپاہی اپنے ساتھیوں کو آواز دیتا، عنبر نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔ اس کی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔

عنبر نے اسے جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد باقی تین سپاہی اپنے ساتھی کو آوازیں دینے لگے۔

شہزادی کو چھوڑ کر وہ اپنے ساتھی کو تلاش کرنے لگ گئے۔ پھرتے پھراتے وہ بھی کم بخت جھونپڑی کے پاس آ گئے۔

انہوں نے جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹا کر دیکھا کہ پرانی سی کوٹھڑی کا دروازہ ہے تو اسے زور سے ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا۔

عنبر نے شہزادی جہان آرا کو کمرے میں گھاس کے ڈھیر تلے چھپا دیا تھا۔ عنبر باہر نکل آیا۔

"گڈ مارننگ گورا سر!"۔

سپاہی عنبر کا منہ تکنے لگے۔

"ویل، تم کون ہو کالا آدمی؟"۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

"سر! میں وہ سامنے والی قبر کا مردہ ہوں۔ اس کوٹھڑی میں تھوڑی سی گھاس کے لیے آ گیا تھا۔ اگر حکم ہو تو آپ کو گھاس پیش کروں؟"۔

سپاہی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"ویل کوئی پاگل آدمی ہے یہ"۔ سپاہی بولا۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"لیکن ہمیں کوٹھڑی کی تلاشی لینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے ہمارا دوسرا ساتھی اس پاگل نے چھپا رکھا ہو"۔

عنبر پرے ہٹ گیا۔

"ضرور ضرور تلاشی لیں ہماری کوٹھڑی کی۔ مگر اس کوٹھڑی میں آپ لوگوں کو سوائے ملک الموت کے اور کوئی نہیں ملے گا"۔

"بکواس بند کرو پاگل آدمی"۔ سپاہی نے عنبر کی گردن پر بندوق کا دستہ مارتے ہوئے کہا۔

اس کا خیال تھا کہ عنبر گر پڑے گا۔ لیکن وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ دوسرے دو سپاہی گھاس کے خشک ڈھیر کو تکنے لگے۔

"اس میں ضرور کوئی چھپا ہے۔ سالا گھاس ابھی ملا

تھا''۔

اتنے میں ایک سپاہی کی چیخ نکل گئی۔

''ہمارے ساتھی کی لاش یہ پڑی ہے''۔

سارا کام خراب ہو گیا تھا۔ عمبر نے بڑی کوشش کی تھی کہ ان گورے سپاہیوں کی جان بچ جائے اور وہ خاموشی سے واپس چلے جائیں اب یہ بات ناممکن ہو گئی تھی۔ دونوں گورے سپاہیوں نے عمبر کو پیچھے سے دبوچ لیا۔

''اس کو اسی جگہ قتل کر دو۔ یہ ہمارے ساتھی کا قاتل ہے''۔

عمبر نے مسکرا کر کہا۔

''مسٹر گورا! ہماری ایک بات دھیان سے سنو! تم لوگ اگر وہی فوج کا سارا توپ خانہ بھی لے آئے گا تو ہمیں نہیں مار سکے گا۔ ہم تمہاری جان بخشی کرتا ہے۔ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ''۔

اگر وہ ضدی اکھڑ گورے سپاہی کی بات مان لیتے تو ان کی زندگی بچ جاتی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جگہ مرنے کے لیے آئے تھے۔

ایک گورے نے عمبر کے سر پر زور سے بندوق کا دستہ مارا۔ دستہ ٹوٹ گیا مگر عمبر کے سر پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

عمبر مسکرا کر بولا!

"میں نہ کہتا تھا کہ تم مجھے نہ مار سکو گے۔ ابھی وقت ہے۔ چپ چاپ واپس چلے جاؤ"۔

ایک گورا سپاہی بولا۔

"منہ کیا دیکھتے ہو جون! گولی چلا دو"۔

سپاہی جون نے عنبر کے سر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گولی عنبر کے سر کے ساتھ ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر کو اب غصہ آ گیا۔

بولا۔

"بدبختو! تم حد سے بڑھ گئے ہو۔ اب میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عنبر نے آگے بڑھ کر ایک گورے کے ہاتھ سے

بندوق چھین لی۔ مگر یہ بندوق خالی تھی۔ دوسرے گورے نے تلوار لہرا کر عنبر کے سینے پر ماری تلوار ٹن کی آواز پیدا کر کے ٹوٹ گئی۔

گورے سپاہی دنگ رہ گئے کہ یہ معاملہ کیا ہے عنبر نے شہزادی جہاں آرا کو آواز دی۔

"شہزادی! تم بھی گھاس کے نیچے سے نکل آؤ۔ اب معاملہ کھل گیا ہے تو ذرا یہ تماشہ تم بھی دیکھ لو"۔

شہزادی جہاں آرا خشک گھاس کے گٹھے پرے ہٹا کر باہر نکل آئی۔ سپاہی اسے دیکھ کر اور زیادہ غصے میں آ گئے۔

"پکڑ لو شہزادی کو بھی"۔

دو سپاہی اس کی طرف بڑھے۔ عنبر نے ایک سپاہی کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر گھمایا اور پوری طاقت سے دوسرے سپاہی پر دے مارا۔

دونوں سپاہی ایک دوسرے پر جمع ہو کر گرے۔ ایک کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ دوسرے کی گردن ٹوٹ گئی۔ تیسرے سپاہی نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

اس کا حملہ بیکار تھا۔ عنبر نے اسے گردن سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے جہاں آرا سے کہا۔

"جہاں آرا بہن! اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے"۔

جہاں آرا نے کہا۔

"لیکن۔۔۔ دن کی روشنی۔۔۔؟"

"کوئی بات نہیں، میرے ساتھ آؤ"۔

عنبر نے ایک سپاہی کی وردی خود پہنی۔ دوسرے سپاہی کی وردی جہاں آرا شہزادی کو پہنائی اور قبرستان سے باہر نکل کر شاہی باغ کے مقبرے کی جانب روانہ ہو گئے۔

راستے میں کسی نے انہیں نہ پہچانا۔ بلکہ لوگ انہیں دیکھ کر ڈر کر پرے پرے ہٹ جاتے تھے۔ جب عنبر شہزادی کو لے کر مقبرے میں پہنچا تو انہیں شہزادی کی

ماں اور مختار بھی نہ پہچان سکے۔ ایک بات تو وہ بھی ڈر گئے کہ گورے سپاہی جانے کیا کرتے وہاں آئے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

عالم جان نے عنبر کا ماتھا چوما۔ دعائیں دیں۔ وہ رات انہوں نے یہ سوچنے میں بسر کر دی کہ انہیں وہاں سے کس طرف جانا چاہیے۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ مختار کے ہاں بہار کے صوبے میں چلے جائیں اور جب حالات ٹھیک ہوں تو واپس آ جائیں۔

دوسرے دن یہ لوگ عنبر سے مل کر چلے گئے۔ عنبر بھی وہاں سے نکل کر کلکتے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیونکہ وہاں رہنا اب خطرے سے خالی نہیں تھا۔ کلکتے کی جانب گھوڑا گاڑیاں چلتی تھیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ابھی ریل گاڑی چلنا شروع نہیں ہوئی تھی۔

لکھنؤ شہر سے باہر ایک پڑاؤ تھا۔ جہاں سے گھوڑا گاڑیاں اور قافلے بنگال کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ عنبر کے پاس کافی پیسے تھے۔

وہ ایک قافلے میں شریک ہو گیا۔ یہ قافلہ آدھی رات کے بعد بنگال کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ قافلے کے مالک نے عنبر سے پوچھا۔

”نوجوان! تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ

گے؟ ہمیں ہر ایک کا پورا پورا خیال رکھنا پڑتا ہے"۔

عنبر نے انہیں بھی یہی کہا کہ وہ جڑی بوٹیوں کا تاجر ہے اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں بنگال کے جنگلوں کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ عنبر نے چھ اشرفیاں قافلے والے کو ادا کر دیں۔

اسے ایک الگ گھوڑا دے دیا گیا۔ رات جب آدھی گذر گئی تو قافلے کے چلنے کا اعلان کر دیا گیا۔ لکھنؤ میں عنبر کا جی نہ لگا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ بنگال میں اتنی افراتفری نہیں ہے۔

شاید وہاں ناگ یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ عنبر کے دل میں بس یہی ایک خیال اور لگن تھی کہ کسی طرح

ناگ اور ماریا سے پھر ملاقات ہو جائے۔ اتنا اسے یقین تھا کہ اگر وہ تاریخ کے آٹھ سو سال پیچھے چھوڑ کر آگے نکل آیا ہے تو ناگ اور ماریا بھی آٹھ سو برس کی چھلانگ لگا کر تاریخ کے اوراق سے آگے نکل آئی ہو گی اور وہ بھی عنبر کی تلاش میں اسی ملک میں پھر رہے ہوں گے۔

ساری رات سارا دن قافلہ چلتا رہا۔ دوسرے دن رات کو قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ سارا دن آرام کیا اور رات کو پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔

آگے کیا ہوا؟۔۔۔۔

☆ناگ نے غدر میں کیا کیا دیکھا؟۔

☆کن پر اسرار لوگوں سے اس کی ملاقات ہوئی؟۔

☆عنبر کو کلکتے جا کر کیسے حالات پیش آئے؟۔

☆ماریا بحری جہاز میں سفر کرتے ہندوستان پہنچی تو کیا دیکھا؟۔

☆یہ سب کچھ آپ اس ناول کی 56 ویں قسط میں پڑھیے۔

دیا بجھ گیا

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 56)

اے حمید

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھئے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

عنبر کی گرفتاری
قیامت کا دھماکہ
تہہ خانے میں لاش
دیا بجھ گیا
سرخ سانپ کا پھن
نیپال کے مندروں میں

پیارے بچو!

ناگ خونی برج میں قید شہزادی جہاں زیب کے خاوند کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لیے سانپ کی شکل میں جاتا ہے۔

سپاہی اسے دیکھ کر اس پر حملہ کرتے ہیں مگر ناگ بچ جاتا ہے۔ ادھر عنبر بخت خان کو ساتھ لے کر نیپال کے جنگلوں میں سفر کر رہا ہے۔ کہ راستے میں خونخوار ناگا قبیلے والے ان پر حملہ کر دیتے ہیں۔

عنبر کسی نہ کسی طرح بخت خان کے ساتھیوں کو بچاتا ہے۔ کچھ ساتھی ناگا لوگوں کے زہریلے تیروں سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ عنبر ناگا قبیلے والوں سے بدلہ لینے کا ارادہ کر کے ان کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک زہریلا تیر سن کی آواز کے ساتھ عنبر کے سینے میں آ کر کھب جاتا ہے۔ وہ مر تو نہیں سکتا تھا لیکن جھوٹ موٹ کا بہانہ کر کے گر پڑتا ہے۔ ناگا وحشی اسے اٹھا کر سردار کے پاس لے جاتے ہیں۔ سردار کے سامنے عنبر کیونکر زندہ ہو؟۔ ماریہ جہاز میں سفر کرتی کالے پانیوں کی طرف چلی آ رہی ہے۔ اس کی ملاقات عنبر سے کہاں ہوئی؟۔

یہ اب آپ خود پڑھئے۔

عنبر کی گرفتاری

عنبر قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہوا بنگال پہنچ گیا۔

غدر کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ انگریزوں نے سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا۔ کلکتہ شہر پر بھی دہشت کی فضا طاری تھی۔

باغیوں کو دھڑا دھڑ گرفتار کیا جا رہا تھا۔ ان پر مقدمے چلائے جا رہے تھے۔ کسی کو پھانسی اور کسی کو

کالے پانی کی سزا مل رہی تھی۔

چوک چوک میں باغیوں کی لاشیں پھانسی پر لٹکی ہوئی تھیں۔ گورے فوجی کی شکل میں دیکھ کر لوگ بھاگ جاتے تھے۔

جن لوگوں نے آزادی کی جنگ میں حصہ لیا تھا، انہیں توپ کے منہ پر باندھ کر اڑایا جا رہا تھا۔ شہر کلکتہ کی یہ حالت تھی کہ لوگ دانے دانے کو ترس رہے تھے۔

ڈر کے مارے کوئی گھر سے نہ نکلتا تھا کہ کہیں گورے پکڑ کر پھانسی پر نہ چڑھا دیں۔ بندرگاہ سے بحری جہاز باغیوں کے بھر بھر کر کالے پانی میں

پہنچائے جا رہے تھے۔

عنبر قافلے کے ساتھ سرائے میں اترا۔ اصل میں وہ ناگ اور ماریا کی تلاش میں آیا تھا۔ یہاں حالات بڑے خراب تھے۔

لکھنؤ کے آخری بادشاہ نواب واجد علی شاہ کو انگریزوں نے میٹا محل میں قید کر رکھا تھا۔ ادھر کسی ہندوستانی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے روم عنبر شہر میں گھومتا پھرا۔

اگرچہ کہیں کہیں دکانیں کھلی تھیں مگر لوگ ڈرے ہوئے تھے، سہمے ہوئے تھے۔ گورا فوج شہر کے گلی کوچوں میں گشت کرتی پھرتی تھی۔

یہاں انہیں ذرا سی خبر ملتی کہ باغی چھپے ہوئے ہیں، وہ اس گھر میں گھس جاتے۔ باغیوں کو گھسیٹ کر باہر کھینچ لاتے اور مکان کو گرا کر تہس نہس کر دیتے۔

اس کے باوجود باغی لوگ شہر میں چھپے ہوئے تھے اور وہاں سے بھاگ کر نیپال کی طرف نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

عنبر بھی ہندوستان لباس میں تھا۔ ایک جگہ اس نے دیکھا کہ ایک باغی کو پھانسی پر چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ کوئی بنگالی نوجوان تھا۔

گوروں نے پکڑ کر اس کے گلے میں رسہ ڈال دیا۔ باغی نوجوان نے ہندوستان زندہ باد انگریز مردہ باد کو

نعرہ لگایا۔

جلاد نے اس کے نیچے سے گھوڑا ہنکا دیا اور وہ لکڑی کے کھمبے کے ساتھ لٹکنے لگا۔ رسہ اس کی گردن میں پھنس گیا۔ اور وہ تھوڑی دیر تڑپ کر مر گیا۔

لوگوں کو ڈرانے کے لیے اس کی لاش وہیں لٹکتی رکھی گئی۔

عنبر کی ساری ہمدردیاں ان آزادی کے سپاہیوں کے ساتھ ساتھ تھیں جنہیں انگریز باغی کہتے تھے۔ اسے بھی انگریز گوروں سے نفرت تھی۔

مگر وہ انگریز کی پھانسی سے کس کس کو بچاتا؟ وہاں تو سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا۔

عنبر خاموشی سے آگے بڑھ چل دیا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ سرائے سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اسے کچھ بھوک محسوس ہوئی۔ سوچا تھوڑا بہت کھا لیا جائے۔

یہ علاقہ دریائے جمنا کے کنارے والا علاقہ تھا اور اسے کالی گھاٹ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ایک آدمی نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کلکتہ شہر میں کہاں سے آیا ہے؟

عنبر نے بتایا کہ وہ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتا ہے اور نیپال جانے کا ارادہ رکھتا ہے، کیونکہ نیپال

کے جنگل جڑی بوٹیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

بنگالی کہنے لگا۔

"شہر میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور تمہیں اپنے کاروبار کی پڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم انگریزوں کے جاسوس ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں بھائی! میں کسی کا جاسوس نہیں ہوں۔ ایک مسافر ہوں۔ دلی سے آیا ہوں۔ دو ایک روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا"۔

اتنے میں ایک بنگالی لڑکی آ گئی۔ وہ کچھ کہتے کہتے عنبر کو دیکھ کر رک گئی۔

بنگالی آدمی نے کہا۔

"تم بنگالی زبان میں بات کو کملا! یہ مسافر ہے۔ ہماری بنگالی زبان نہیں جانتا"۔

اسے کیا معلوم تھا کہ عنبر تو دنیا کی ساری زبانیں جانتا تھا۔ لڑکی نے بنگالی زبان میں جو کچھ کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے گھر میں ایک زبردست قسم کا آزادی کا سپاہی جس کا نام چندر موہن تھا، چھپا ہوا تھا اور یہ لوگ اسے خفیہ طریقے سے بنگال سے نکال کر نیپال کی طرف پہنچانا چاہتے تھے۔

لڑکی نے کہا۔

"سارا انتظام ہو گیا ہے۔ چندر موہن تیار ہے۔ تم

چلو۔ اسے نکال کر سرحد پار کرائی جا سکے"۔

بنگالی آدمی بولا۔

"میں تیار ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"بھئی میں تمہاری زبان سمجھتا ہوں۔ میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں"۔

اس پر وہ لوگ چونکے۔

بھٹیارن نے کہا۔

"اگر یہ جاسوس ہے تو اسے یہیں ختم کر دو۔ یہ گوروں کو جا کر بتا دے گا۔ چندر موہن کو پھانسی مل جائے گی"۔

بنگالی آدمی نے چھرا نکال لیا۔ بھٹیارن نے جھٹ سے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ لڑکی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اور عنبر کے قتل کا انتظار کرنے لگی۔

عنبر مسکرا کر بولا۔

بھائی! تکلیف نہ کرو۔ تم لوگ مجھے مار نہیں سکو گے۔ ہاں البتہ اگر چاہو تو میں چندر موہن کو سرحد پار کرانے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔

کیونکہ مجھے آزادی کے سپاہیوں سے ہمدردی ہے تمہاری طرح میں بھی گوروں سے نفرت کرتا ہوں۔

بھٹیارن نے کہا۔

"یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اس کی گردن اڑا کر اس تنور میں پھینک دو"۔

بنگالی آدمی نے آگے بڑھ کر عنبر کو چھرے سے حملہ کرنا چاہا۔ عنبر نے ایک ہی جھٹکے سے چھرا چھین لیا اور اسے بنگالی کی گردن پر رکھ کر بولا۔

"میں اگر چاہوں تو تمہیں اسی وقت قتل کر سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے باغیوں سے محبت ہے اور میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ یقین کرو میں انگریزوں کا جاسوس نہیں ہوں"۔

بنگالی آدمی نے بھٹیارن کی طرف دیکھا۔

لڑکی بولی۔

"دادا! اسے چھوڑ دو۔ مجھے یہ شخص سچا لگتا ہے"۔

بھٹیارن کہنے لگی۔

"مگر تم نے یہ کہا تھا کہ ہم تمہیں قتل نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟"۔

عنبر مسکرا کر بولا۔

"وقت آنے پر اس کا مطلب بھی تم لوگوں کی سمجھ میں آ جائے گا۔ ابھی تم لوگ یہ بتاؤ کہ چندر موہن کس جگہ سے سرحد پار کرنا چاہتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھے اس کے پاس لے چلو"۔

بنگالی آدمی نے کہا۔

"میں اپنی بیٹی کی سفارش پر تم پر اعتماد کر لیتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہیں ہمارے ساتھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر بولا۔

"اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

وہ لوگ عنبر کو ساتھ لے کر گلیوں گلیوں ہوتے ایک جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں گورا فوج مکان کو گھیرے میں لیے کھڑی ہے۔

وہ جلدی سے ایک مکان میں گھس گئے۔ وہاں انہیں اطلاع ملی کہ گوروں نے چندر موہن کو گرفتار کر لیا ہے اور وکٹوریہ محل لے گئے ہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہاں کیا ہوگا؟"۔

بنگالی بولا۔

"ہوگا کیا۔ ایک دن میں مقدمے کی ساری کارروائی ختم ہو جائے گی اور دوسرے روز چندر موہن کو شہر کے کسی چوک میں پھانسی دے دی جائے گی"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا"۔

بنگالی لڑکی اور آدمی طنزیہ انداز میں مسکرائے اور

اداس ہو کر بولے۔

تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ ہم میں سے کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔ چندر موہن نوجوان لڑکا ہے۔ اس بے چارے کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

اس کی بوڑھی ماں رو رو کر مر جائے گی۔ باپ دریا میں چھلانگ لگا دے گا۔ سارا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ ہندوستان کے ہزاروں خاندان اسی طرح تباہ کیے جا رہے ہیں۔

ہم سوائے کڑھتے ہوئے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

بنگالی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عنبر نے کہا۔

آنسو پونچھ ڈالو بہن! میں چندر موہن کو بچا کر لے آؤں گا۔ تم اس کو چھپانے کے لیے کوئی جگہ تیار کر رکھو۔

جگہ اگر سرحد کے قریب کسی جنگل میں ہو تو زیادہ اچھا ہو گا۔ تا کہ گوروں کو اس کی بھنک بھی نہ پڑ سکے۔

ان لوگوں کو عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا ایک نوجوان پوری انگریز فوج کا کیونکر مقابلہ کر سکتا تھا۔ ان کے دل پریشان اور بوجھل تھے۔

اس کے باوجود انہوں نے عنبر کو نہ روکا۔ بنگالی دادا نے کہا۔

"تم ہمارے بچے کو گوروں کے چنگل سے کس طرح بچاؤ گے؟"۔

عنبر بولا۔

"یہ آپ لوگ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ چندر موہن کس جگہ رکھا گیا ہے"۔

شام تک انہیں پتا چل گیا کہ چندر کو شہر سے باہر گورا قبرستان کے پاس پرانی جیل میں رکھا گیا ہے۔ جہاں گورا فوج کا سخت پہرہ ہے۔

مقدمہ رات کو چلے گا اور صبح اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ عنبر بنگالی دادا اور بنگالی لڑکی کملا کے ساتھ ایک مکان کی نیم روشن کوٹھڑی میں زمین پر بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا۔

کہنے لگا۔

"آپ نے چندر کے چھپانے کا انتظام کرا لیا ہے کیا؟"۔

بنگالی دادا نے کہا۔

سارا بندوبست ہو گیا ہے۔ یہاں سے پندرہ کوس کے فاصلے پر جنگل میں ایک پرانا مندر ہے۔ اس مندر میں چندر کو چھپا دیا گیا جائے گا اور پھر اسے اگلی رات سرحد پار کروا کر نیپال پہنچا دیا جائے گا۔

لیکن بھائی! ہمیں بھگوان کے لیے یہ تو بتا دو کہ تم اکیلے یہ کام کس طرح کرو گے؟ وہاں تو چڑیا پر بھی نہیں مار

سکتی۔

قدم قدم پر گورے فوجی پہرہ دے رہے ہیں۔ ذرا کھٹکا ہونے پر وہ گولی چلا دیتے ہیں"۔

عنبر کہنے لگا۔

میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ اپنے کام سے غرض رکھیں۔

کیا آپ کسی ایسے شخص کو میرے ساتھ بھیج سکتے ہیں جو مجھے کورا قبرستان کا راستہ بتا دے؟۔

بنگالی دادا نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں خود تمہارے ساتھ چلوں

گا"۔

جب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ فضا پر موت جیسی خاموشی چھا گئی تو بنگالی دادا فقیر کا بھیس بدل کر عنبر کو ساتھ لیے مکان سے باہر نکلا۔

چلتے چلتے وہ شہر کے دوسرے کنارے پر آ گئے۔ یہاں دور دور پرانی عمارتیں کھڑی تھیں۔ کہیں کہیں مشعلوں کی روشنی میں چوکیدار پہرہ دے رہے تھے۔

عمارتیں ختم ہوئیں تو ویران علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں درخت ہی درخت اگے ہوئے تھے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔

کسی وقت کوئی جھینگر یا الو بول پڑتا تھا۔ اس

اندھیرے میں انہیں ٹوٹی ہوئی چاردیواری نظر آئی جس پر جھاڑیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ بنگالی دادا نے سرگوشی میں کہا۔

"یہی گورا برستان ہے۔ اس قبرستان کے اندر وہ جیل ہے جہاں چندر موہن قید ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"دادا! اب تم واپس جا سکتے ہو۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ اب تمہارا کام ختم ہوتا ہے اور میرا کام شروع ہوتا ہے"۔

بنگالی دادا نے ذرا فکر مند ہو کر کہا۔

"بیٹا! اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

چندر موہن کے ساتھ ساتھ تم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔"

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

"فکر نہ کرو دادا! میں صبح ہونے سے پہلے چندر موہن کو لے کر تمہارے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں گا"۔

عنبر نے بنگالی دادا سے ہاتھ ملایا۔ اسے رخصت کیا اور خود گوروں کے قبرستان کی پرانی چار دیواری کی طرف اندھیرے میں آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

عنبر چندر تک پہنچنے سے پہلے کسی کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا قبرستان کی چار دیواری جگہ جگہ سے ڈھے گئی تھی۔ وہ ایک شگاف میں سے قبرستان میں داخل ہو

گیا۔

اس وقت آسمان پر آدھا زرد چاند نکل آیا۔ اس کی دھیمی روشنی میں قبرستان اور زیادہ ڈراؤنا نظر آنے لگا۔ لیکن عنبر کو کسی قسم کا ڈر یا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اس کے ارد گرد ٹوٹی ہوئی قبریں بکھری تھیں۔ ان قبروں پر صلیب کے نشان تھے۔ کچھ نشان جھک گئے تھے۔ کچھ گر پڑے تھے۔

اب اسے ہلکی ہلکی روشنی میں ایک ڈھوانی چھت کی اک منزلہ عمارت کا سایہ سا نظر آیا جس کے دروازے پر لالٹین جل رہی تھی عنبر ایک قبر کے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔

لالٹین کی روشنی میں اس نے دو گوروں کو دیکھا کہ بندوقیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ پیچھے سے عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

چنانچہ وہ قبروں میں سے گزرتا عمارت کے عقب میں آ گیا۔

یہاں بے شمار جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ جیل کی دیوار میں کوئی روشندان تک نہ تھا۔ سوچنے لگا کہ کس طرف سے اندر داخل ہو۔

ایک بات اس نے عجیب دیکھی تھی کہ باہر سوائے ان دو گورے فوجیوں کے اور کوئی بھی پہرہ نہیں دے ؟

تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ اگر وہ کسی طرح بغیر آواز پیدا کیے ان دو گوروں پر قابو پا لے تو بڑی آسانی سے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

سوائے اس کے اور کوئی بھی چارہ نہیں تھا۔ عنبر جھاڑیوں میں سے نکل کر واپس پہلی جگہ پر آ گیا۔

گورے دروازے کے آگے پتھروں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر سوچنے لگا کہ حملہ کس ترکیب سے کرے کہ کوئی آواز بھی نہ پیدا ہو اور یہ گورے بھی اگلے جہان کو پہنچ جائیں۔

یہاں اسے ناگ بہت یاد آیا۔ ماریا بھی یاد آئی وہ

ساتھ ہوتے تو یہ کام دو منٹوں میں ہو جاتا۔ اتنے میں ایک گورا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ عنبر خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

اسے یہ بھی احساس تھا کہ رات گزرتی جا رہی ہے اور صبح چندر کو پھانسی دے دی جائے گی۔ وہ جیل کے دروازے کے اتنا قریب ہو کر قبروں میں چھپا بیٹھا تھا کہ ان گوروں کی آوازیں بھی سن سکتا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے گورے فوجی نے کہا کہ وہ ذرا اندر جا کر قیدی کو دیکھ آئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عمارت کے اندر چلا گیا۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جب عنبر کو اپنا کام کرنا تھا۔

اب وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

عنبر قبروں میں سے نکل کر رینگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ جہاں گورا فوجی پتھروں پر بیٹھا تھا۔ وہ اس کے پیچھے سے آگے بڑھ رہا تھا۔

گورے کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی موت اس سے پانچ منٹ کے فاصلے پر آ چکی ہے عنبر نے ایک دم سے شیر کی طرح اچھل کر گورے کی گردن میں اپنا بازو ڈال دیا اور اسے گھسیٹ جھاڑیوں میں لے گیا۔

گورے کی آواز تک نہ نکلنے دی اور گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ عنبر گورے کی لاش کے پاس خاموش بیٹھا دوسرے گورے کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ وقت برابر گزر رہا تھا۔ رات بیت رہی تھی۔ اتنے میں موت دوسرے گورے کو بھی عمارت سے باہر کھینچ لائی۔

اس نے جو آ کر دیکھا کہ اس کا ساتھی موجود نہیں تو ادھر ادھر تکنے لگا۔ ایک دو آوازیں بھی دیں۔ پھر ذرا آگے بڑھا کہ دیکھوں کہیں قبروں کی طرف تو نہیں نکل گیا۔

گورا بالکل اسی جگہ پر آ گیا جہاں عنبر پہلے گورے کی لاش کے پاس چھپا بیٹھا تھا۔ اچانک عنبر ایک بار پھر اچھلا اور اس نے گورے فوجی کے سر پر پوری

طاقت سے پکڑ رکھا۔

گورا لڑکھڑا کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر بھاگ کر جیل کی عمارت کے اندر چلا گیا۔ بائیں جانب ایک کوٹھڑی تھی جس میں دو سکھ سپاہی تاش کھیل رہے تھے۔

عنبر رینگتا ہوا آگے نکل گیا۔ ایک راہداری سے نکل کر وہ آخر سلاخ دار کوٹھڑی کے دروازے پر آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ اندر مٹی کا دیا جل رہا تھا اور پتھر کے چبوترے پر ایک نوجوان لڑکا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے پاؤں میں موٹی زنجیر بندھی ہے۔

یہ چندر تھا۔ چندر نے عنبر کو دیکھا تو سمجھا کہ پھانسی دینے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ کچھ نعرہ وغیرہ لگانے ہی والا تھا کہ عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سرگوشی میں کہا۔

”شی! خاموش!“۔

پھر عنبر نے تالے کو ہاتھ میں لے کر مروڑ دیا۔ تالہ ٹوٹ گیا۔ وہ اندر چلا گیا۔

”بولنا نہیں چندر! میں تمہیں بھگانے آیا ہوں“۔

چندر حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سمجھ گیا کہ کملا اور بڑے دادا نے اپنے کسی جانباز کو اس کی جان بچانے کے لیے بھیجا ہے مگر وہ حیران تھا کہ یہ شخص بغیر کسی اوزار کے اس کے پاؤں کی زنجیر کیسے کھولے گا۔

پھر اسے خیال آیا کہ جس طرح اس نے تنا ہاتھ سے توڑ دیا ہے، اس طرح شاید زنجیر کو بھی مروڑ دے گا اور ویسا ہی ہوا۔

عنبر نے ایک ہی جھٹکے سے چندر کے پاؤں کی زنجیر توڑ دی اور کہا۔

"آؤ میرے ساتھ"۔

عنبر چندر موہن کو لے کر جب دروازے میں سے گزرنے لگا تو سکھ فوجی خبردار ہو گئے۔ انہوں نے باہر آہٹ سن لی تھی۔

عنبر یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہاں بندوق چلے اور ارد گرد کے علاقے میں بیٹھی ہوئی اور فوج ہوشیار ہو

جائے۔

پھر چندر کا وہاں سے اغوا مشکل ہو جاتا۔ اس کی خوش قسمتی اور سکھوں کی بد قسمتی کہ وہ بندوق کی جگہ تلوار کھینچ کر باہر آ گئے۔

لالٹین کی روشنی میں اب جو انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی پھانسی کے مجرم چندر کو بھگا کے لیے جا رہا ہے تو دونوں عنبر پر ٹوٹ پڑے۔

عنبر نے چندر سے کہا۔

"باہر کی طرف بھاگو"۔

چندر باہر کو بھاگا۔ سکھ سپاہی اس کی طرف بھاگنے لگے کہ اسے پکڑ کر قابو کریں کہ عنبر آگے آ گیا۔ دونوں

سپاہی منہ کے بل گرے اور تلواریں چھوٹ کر پرے گر پڑیں۔

عنبر نے ایک تلوار اٹھائی اور ایک سکھ فوجی کا وہیں خاتمہ کر دیا۔ دوسرے نے تلوار اٹھالی اور عنبر سے لڑائی شروع ہو گئی۔

تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی۔ عنبر نے سوچا کہ وہ کب تک اس وحشی سکھ سے تلوار بازی کرتا رہے گا۔ اسے خود ہلاک ہونے کا تو ڈر ہی نہیں تھا۔

بس یونہی تلوار سے کر آگے بڑھا۔ سکھ نے چھ سات بار عنبر کے سر گردن اور سینے پر تلوار ماری مگر وہاں کیا اثر ہونا تھا۔

بھلا! ادھر عنبر کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ سکھ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔

عنبر تلوار لے کر باہر کو بھاگا۔ قبروں کے پیچھے چندر داس کا انتظار کر رہا تھا۔

''جلدی چلو میرے ساتھ چندر۔۔۔''

انہوں نے دیوار کے ساتھ بندھے ہوئے گھوڑے کھولے ان پر سوار ہوئے اور پچھلی رات کے چاند کی مدھم روشنی میں فرار ہو گئے۔

بجلی داوا اور کملا نے عنبر کو جو مقام بتا رکھا تھا، عنبر چندر کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ یہ جگہ بنگال کی سرحد کے قریب تھی۔

ان لوگوں نے سارا انتظام پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ چنانچہ چندر موہن کو اسی وقت بنگال کی سرحد سے نکال کر آسام اور نیپال کے جنگل میں پہنچا دیا گیا۔

عنبر کملا اور بنگالی دادا کے ساتھ واپس کلکتے پہنچ گئے۔ اس وقت تک دن نکل آیا تھا۔

چندر کے فرار اور انگریزی فوج کے گوروں کے قتل کی خبر نے گورا پلٹن میں آگ لگا دی تھی۔ سارے شہر پر پہلے ہی قیامت ٹوٹی ہوئی تھی۔

اب اور بھی سختی شروع ہو گئی۔ یہ لوگ بھٹیار خانے میں دور دور تک چھپے رہے۔ چندر کے فرار کے شبے میں گوروں نے کئی لوگوں کو پکڑ لیا۔

بدقسمتی سے ان میں بنگالی دادا کا پرانا دشمن بھی تھا۔ اس نے مخبری کر دی اور گورا فوج نے بھٹیار خانے پر اچانک چھاپہ مارا۔ بھٹیارن اور کملا دوسرے محلے ہوئے تھے۔

وہاں صرف بنگالی دادا اور عنبر ہی تھے۔ گوروں نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور اسی وقت زنجیروں میں جکڑ دیا۔

قیامت کا دھماکہ

عنبر اسی وقت زنجیریں توڑ کر بھاگ سکتا تھا۔

مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ گرفتار ہو کر اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں دوسرے قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

اسے یقین تھا کہ ان قیدیوں سے اسے ناگ اور ماریا کا کوئی نہ کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔ عنبر اور بنگالی دادا کو پکڑ کر گوروں نے شہر کے کونے پر دریائے جمنا کے کنارے ایک پرانے قلعے کے برج میں بند کر دیا۔

رات انہوں نے بغیر کچھ کھائے پیے گذار دی۔

صبح انہیں تھوڑا سا پانی اور باسی چاول کھانے کو دیے گئے۔

عنبر نے بنگالی دادا سے کہا۔

"دادا! یہ گورا فوج ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟"۔

بنگالی دادا نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! وہی سلوک کرے گی جو اس نے دوسرے حریت پسندوں کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی ہمیں پھانسی پر

لٹکا دیا جائے گا"۔

عنبر بولا۔

"دادا! کیا تم فرار ہونا چاہتے ہو؟"۔

بنگالی دادا ہنس پڑا۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو بیٹا! بھلا اس خونی برج سے ہم اپنی زنجیریں توڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ باہر گورا فوج کی پوری پلٹن پہرہ دے رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

دادا! کیا چندر کو میں نے قید خانے سے نہیں نکالا تھا؟ میں تمہیں بھی آزاد کرا سکتا ہوں۔

بنگالی دادا کو کچھ حوصلہ ہوا۔ جلدی سے کہنے لگا۔

"کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"۔

"کیوں نہیں"۔

"تو پھر دیکھتے کیا ہو۔ جو کرنا ہے کرو۔ ہم بھاگ کر نیپال چلے جائیں گے۔ چندر کے پاس"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ قلعے میں شور مچ گیا۔ انہیں دھوئیں کی بو محسوس ہوئی۔ عنبر نے لپک کر پتھر کے دروازے کی کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔

اسے اپنی طرف شعلے بڑھتے نظر آئے۔ گوروں نے قلعے کے برج میں تیل چھڑک کر آگ لگا دی تھی۔

استنے میں دو گورے جلتی ہوئی مشعلیں لے کر آئے اور انہیں کھڑکی میں سے اندر پھینک دیا۔ کوٹھڑی میں رکھی ہوئی گھاس کو آگ لگ گئی۔

بنگالی دادا گھبرا کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ کوٹھڑی میں دھواں بھر گیا۔ کھانس کھانس کر بنگالی دادا کا برا حال ہو گیا۔

عنبر نے پتھر کے دروازے کو توڑنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ گھاس میں لگی ہوئی آگ کے شعلوں نے بنگالی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ چیخنے چلانے لگا۔

عنبر نے اسے بچانے کی بہت کوشش کی مگر آگ نے بنگالی دادا کے کپڑوں کو جلانے کے بعد اس کے جسم کو بھی جلا ڈالا۔

وہ گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ آگ ساری کوٹھڑی میں بھر گئی تھی۔ کوٹھڑی تنور بن چکی تھی۔

عنبر کو آگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔

جب آگ بجھی تو بنگالی کی لاش جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ اگلے روز گوروں نے سلاخوں کی مدد سے کوٹھڑی کا پتھریلا دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ بنگالی تو جل کر راکھ ہو چکا تھا لیکن عنبر اسی طرح بالکل صحیح و سالم گرم انگاروں پر بیٹھا ان کی طرف گھور کر تک رہا تھا۔

گورے دہشت زدہ ہو کر باہر کو بھاگے، عنبر ان سے بنگالی دادا کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس نے لپک کر دونوں گوروں کو گردنوں سے پکڑ کر ایسے جھٹکے دیئے کہ دونوں کی گردنیں لٹک گئیں۔

عنبر نے انہیں گرم راکھ پر پھینک دیا اور اوپر ہاتھوں سے انگارے ڈال دیئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ برج کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ قلعے کے صحن میں سکھ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

انہوں نے قیدی کو بے خوف و خطر باہر کی طرف جاتے دیکھا تو اس پر گولیاں چلا دیں۔ عنبر پر ان گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اس نے واپس مڑ کر ایک سکھ فوجی کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور اوپر تلے فائر کر کے چھ سات سکھ فوجی وہیں ڈھیر کر دیئے۔

باقی پیچھے ہٹ کر چبوتروں اور دیوار کے عقب میں چھپ کر عنبر پر فائرنگ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ان فوجیوں کے ہوش اڑ چکے تھے کہ عنبر پر گولی کا بالکل اثر نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر قلعے سے باہر آ گیا۔ قلعے کی دیوار کے ساتھ کچھ گھوڑے کھڑے تھے۔ اس نے ایک گھوڑا کھولا۔ اس پر سوار ہوا اور دریا کی جانب نکل گیا۔

سارا دن وہ دریا کنارے پھرتا رہا۔ سوچتا رہا کہ ناگ اور ماریا کو وہ کہاں تلاش کرے۔ ان سے ملاقات کب اور کیوں کر ہو گی۔

واپس شہر میں آ کر اس نے کملا کا پتا کیا تو معلوم ہوا کہ بنگالی دادا کی گرفتاری کے بعد وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ نیپال کی طرف فرار ہو گئی ہے۔

کہیں ناگ اور ماریا نیپال کی طرف تو نہیں نکل گئے"۔

یہ خیال عنبر کے دل میں بیٹھ گیا۔ کیونکہ ملک کے اکثر لوگ بھاگ کر ادھر کا رخ کر رہے تھے۔ پھر اس نے بنگالی دادا سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ نیپال میں ایک بہت بڑا سانپ دیوتا کا مندر بھی ہے۔

ہو سکتا ہے ناگ اس مندر میں پہنچ چکا ہو اور پجاری پر دہشت بن کر وہاں میری راہ دیکھ رہا ہو۔

نیپال چلو!

عنبر نے نیپال جانے کا فیصلہ کر لیا۔ رات ہو گئی تھی۔ عنبر کالی گھاٹ پر ایک جگہ بیٹھا تھا۔ اس کا گھوڑا ذرا پرے کھڑا تھا۔

مندر کی دیواروں پر رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ اسے رات کسی جگہ آرام کرنا چاہیے اور صبح پو پھٹے نیپال کی جانب کوچ کر جانا چاہیے وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا کنارے کے مچھیروں کی

آبادی کی طرف آ گیا۔

اس خیال سے کہ یہاں کسی جھونپڑی میں وہ رات بسر کرے گا۔ وہ جھونپڑیوں کے قریب پہنچا تو اچانک کسی نے اس کے سر پر زور سے کوئی بھاری چیز ماری۔

عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی شخص اسے پکڑنا چاہتا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک آدمی ڈنڈا ہاتھ میں لیے حیرت سے تک رہا تھا۔

کیونکہ اس کے حساب کے مطابق جس قدر طاقت سے عنبر کو ڈنڈا مارا گیا تھا تو عنبر کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ہوا یہ تھا کہ اس کا اپنا ڈنڈا آگے سے ٹوٹ گیا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ بے ہوش ہو جانا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کہیں انہوں نے ناگ کو بھی تو قید نہیں کر رکھا۔

چنانچہ عنبر گھوڑے سے گر پڑا اور یونہی جھوٹ موٹ دکھانے کو بے ہوش ہو گیا۔ دو آدمی بھاگ کر اس کے پاس آ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

”زخمی نہیں ہوا کم بخت۔ بے ہوش ہو گیا ہے“۔

”بڑی سخت ہڈی کا معلوم ہوتا ہے۔ ضرور انگریزوں کا بھیجا ہوا جاسوس ہوگا“۔

”چلو اسے بخت خان کے پاس لے چلیں“۔

"ایک طرف سے پکڑو"۔

انہوں نے عنبر کو ڈولی ڈنڈا کر کے اٹھایا اور مختلف جھونپڑیوں کے ارد گرد سے ہو کر ایک بڑی پراسراری جھونپڑی میں لے گئے جہاں دو آدمی پہلے سے پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر کانی آنکھ سے یہ سب کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جھونپڑی کے اندر مٹی کا ایک دیا روشن تھا۔ تین چار آدمی سروں پر سیاہ پگڑیاں باندھے زمین پر بیٹھے تھے۔

ایک اچھی شکل و صورت کا سرخ و سپید بھاری بھر کم آدمی لکڑی کی الٹی کی ہوئی کشتی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر لوہے کا خود تھا۔ عنبر کو اس کے سامنے لا کر ڈال دیا گیا۔ اس شخص نے بھاری رعب دار آواز میں پوچھا۔

"یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے پکڑ لائے؟"۔

"خان! یہ انگریزوں کا جاسوس ہے۔ جھونپڑوں کے پاس ہماری جاسوسی کر رہا تھا"۔

اب عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا اور خان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں جاسوس نہیں ہوں۔ بلکہ گوروں کی قید سے بھاگا ہوا قیدی ہوں۔ میرے ساتھیوں کو گورے پکڑ کر لے گئے ہیں"۔

خان نے دیے کی لو اونچی کر دی اور عنبر کو جھک کر دیکھا۔

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ مجھے تم اس ملک کے باشندے نہیں لگتے۔ سچ سچ بتاؤ نہیں تو اسی وقت تمہاری گردن قلم کر دوں گا۔

عنبر مسکرا دیا۔

"پہلے تو بتاؤ خان کہ تم کون ہو؟"۔

خان نے کہا۔

"میں بخت خان ہوں"۔

عنبر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

"بخت خان: تم ایک غیور اور بہادر سپاہی ہو۔

میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

"بکواس بند کرو"۔

بخت خان نے ہاتھ کھینچ لیا اور پہلے سے زیادہ گرج کر بولا۔

"کون ہو تم؟"۔

اس کے ساتھ بخت خان اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے تلوار نیام سے کھینچ لی۔

"اگر تم نے میری بات کا صحیح جواب نہ دیا تو ابھی اس تلوار سے تمہارا کام تمام کر دوں گا"۔

عنبر مسکرا دیا۔

خان! تم میرا کام تمام نہیں کر سکتے۔ کاش! کوئی ایسا انسان بھی مجھے ملتا جو میرا کام تمام کر سکتا۔ اب میں اس لمبی زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔

ہاں میں تمہیں اپنے بارے میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرا نام عنبر ہے اور میں پانچ ہزار سال سے اس زمین پر زندہ چلا آ رہا ہوں۔

مچھیرے عنبر کی اس بات پر ہنس پڑے۔ بخت خان نے تلوار کی نوک عنبر کی گردن پر رکھ دی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم گوروں کے جاسوس ہو"۔

دوسرے مچھیرے بھی پکار اٹھے۔

"خان! اسے ختم کر دو۔ یہ انگریزوں کا مخبر ہے۔ اگر اسے زندہ چھوڑا تو یہ ہم سب کو پھانسی پر چڑھا دے گا"۔

عنبر نے کہا۔

خان! میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں۔ مگر تمہاری تلوار کے دو ٹکڑے کر کے ایک بہادر انسان کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔

لیکن اب تم پر یہ ضرور ثابت کر کے رہوں گا کہ میں تم میں سے کسی کے ہاتھوں بھی نہیں مر سکتا اور یہ کہ پانچ ہزار سال سے موت میرا تعاقب کر رہی ہے۔

یا یہ کہ میں موت کا تعاقب کر رہا ہوں۔ برائے مہربانی یہ تلوار اپنے کسی نوکر کو دے کر کہو کہ وہ میری گردن پر اپنی پوری طاقت سے وار کرے۔

عنبر کی ان باتوں کا بخت خان پر بڑا شدید اثر ہوا۔ پھر بھی وہ عنبر کو آزمانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں تک سچ بول رہا ہے۔

اس نے اپنی تلوار ایک ساتھی کو دے کر کہا۔

"اس کی گردن پر وار کرو"۔

عنبر بولا۔

"بخت خان! میری گذارش ہے کہ تم اپنی تلوار اسے مت دو۔ کیونکہ یہ بڑی قیمتی تلوار ہے۔ ٹوٹ جائے گی تو تمہارا نقصان ہوگا۔ اپنے ساتھی سے کہو کہ اپنی تلوار سے مجھ پر وار کرے"۔

بخت خان سوچنے لگا کہ یہ کیسا نوجوان ہے جو اتنے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"بخت خان! اپنی تلوار سے اس جاسوس کی گردن اڑا دو۔ یہ ہمیں اپنی باتوں سے بے وقوف نہیں بنا سکتا"۔

بخت خان نے اپنی تلوار سونت کر لہرائی اور عنبر پر وار کیا۔ اصل میں عنبر بخت خان پر اپنی طاقت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کی مدد کر سکے۔

کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ٹھیک محبِ وطن ہے مگر اسے ہم وطنوں کی غداری نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ وہ روپوش ہو رہا ہے اور اسے عنبر کی مدد کی ضرورت ہے۔ اور پھر وہی ہوا جو ہوتا آیا تھا یعنی تلوار عنبر کے جسم سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گئی۔

کیونکہ نجف خان نے بھرپور طاقت سے عنبر پہ وار کیا۔ بخت خان اپنی جگہ سے اٹھا اور جھک کر تلوار کے ٹکڑوں کو غور سے تکنے لگا۔ پھر اس نے عنبر کے جسم کو ہاتھ لگا کر ٹٹولا اور کہنے لگا۔

"یہ کیسے ہو گیا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ آپ میں سے کوئی بھی مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ آپ نے ناحق بخت خان کی تلوار تڑوا دی"۔

بخت خان بھی دیدے پھاڑ کر دوسرے سپاہیوں کے ساتھ عنبر کو تک رہا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی بات نہ دیکھی تھی۔

بخت خان نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور اسے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔

"نوجوان! تم کون ہو؟ سچ سچ بتاؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہاری اس طاقت کی قدر کرتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

بخت خان! تم ایک بہادر آدمی ہو اور سچے محبّ وطن ہو۔ میں تمہارے جذبے کا احترام کرتا ہوں۔

میں تم سے وہی بات کہوں گا جو پہلے کہی تھی۔

میرا نام عنبر ہے۔ میں پانچ ہزار برس سے زندہ ہوں اور تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ لیکن تم ان باتوں کو نہ سمجھ سکو گے۔

"مجھے بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"۔

بخت خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میں نے اپنی جان تک کی بازی لگا دی کہ کسی طرح مغل بادشاہ میری بات مان لے اور انگریزوں

کے خلاف جنگ میں میرے ساتھ شریک ہوجائے مگر شاہی محل کے سازشیوں نے ایسا نہ ہونے دیا اور بہادر شاہ کا تخت چھن گیا۔

شہزادے قتل ہو گئے اور بادشاہ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اب میرا اس ملک میں رہنا اور انگریزوں کے ساتھ اکیلے جنگ کرنا حماقت ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس ملک سے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن دشمنوں نے مجھے گرفتار کرنے کے لیے چاروں طرف جال پھیلا رکھا ہے۔

میرے سر کی قیمت ایک لاکھ روپیہ مقرر کر دی ہے۔ میں ذلت کی موت نہیں مرنا چاہتا۔ میں ڈٹ کر تلوار

دیا بجھ گیا (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 56)

لے کر باہر نکل آؤں تو میں پچاس دشمنوں کو قتل کر کے آخر گرفتار ہو جاؤں گا اور یوں انگریز مجھے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دے گا اور ہندوستان کی تاریخ پر ایک اور داغ لگ جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

”کیا آپ نیپال جانا چاہتے ہیں؟“۔

”ہاں! ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ شمال کے جنگلوں سے گزر کر نیپال پہنچ جائیں۔ وہاں انگریز ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا“۔

عنبر نے بخت خان کا جواب سن کر کہا۔

”پھر آپ اس جھونپڑے میں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟“۔

بخت خان بولا۔

ہمارا ایک آدمی کشتی کا بندوبست کرنے گیا تھا مگر وہ پکڑا گیا اب ہم سوچ رہے ہیں کہ رات کی تاریکی میں دریا میں کود کر دریا پار کر جائیں اور وہاں سے فرار ہو جائیں۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ہمیں گھوڑے مل جائیں گے۔

عنبر نے کہا۔

”دریا چڑھاؤ پر ہے۔ اس میں خطرہ ہے۔ آپ مجھے خدمت کا موقع دیں۔ میں کسی نہ کسی طرح سے کشتی کا انتظام کرتا ہوں۔ مجھے یہ بتائیں کہ کشتیاں

کہاں پر ہیں؟"۔

بخت خان کہنے لگا۔

"انگریزوں نے ان ماہی گیروں کی ساری کشتیاں جلا دی ہیں۔ یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر گھاٹ پر کشتیاں کھڑی ہیں۔ اگر وہاں سے ایک کشتی لا سکو تو ہم اس پر سوار ہو کر دریا پار کر سکیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

میں ابھی جا کر کشتی لاتا ہوں۔ آپ لوگ میرا انتظار کریں۔ یہ کہہ کر عنبر جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔

بخت خان کے ساتھی جھونپڑے میں اس کا انتظار کرنے لگے۔ بخت خان نے اس خطرے کا اظہار کیا

کہ کہیں یہ شعبدہ باز ہمیں دھوکہ دے جائے۔

اس پر بخت خان نے کہا۔

"اس نوجوان کی آنکھوں میں مجھے خاندانی چمک نظر آتی ہے۔ وہ ہم سے کبھی غداری نہیں کرے گا۔ یاد رکھو۔ خاندانی انسان مر جاتا ہے مگر اپنوں سے غداری کبھی نہیں کرتا"۔

عنبر وہاں سے سیدھا گھاٹ پر پہنچا۔ وہاں دریا کنارے کشتیاں کھڑی تھیں مگر گورا فوج کی ایک کمپنی پہرہ دے رہی تھی۔

یہاں سے کشتی چرانا مشکل کام تھا۔ کیونکہ گورے فوجی بندوقیں تلواریں لیے کھڑے تھے۔ عنبر نے

گھاٹ کے ارد گرد گھوم کر جائزہ لیا۔

گھاٹ کے عقب میں ایک دو منزلہ عمارت کھڑی تھی۔ عنبر کے دماغ میں ترکیب آئی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اندھیرے میں رینگتا ہوا عمارت کے پیچھے آ گیا۔

یہاں پر ایک لالٹین جل رہی تھی۔ پاس ہی ایک گورا سپاہی سٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

یہ بڑا آسان شکار تھا۔ عنبر نے قریب جا کر اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ یہ ہاتھ گویا ایک چٹان تھی جس نے گورے سپاہی کی گردن کی ہڈی توڑ دی۔ وہ گر پڑا۔

عنبر نے لالٹین اتار کر اس کا مٹی کا تیل عمارت کے دروازے پر چھڑکا اور آگ لگا دی۔ مٹی کے تیل نے جلد ہی آگ پکڑ لی۔

دروازہ دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ عنبر بھاگ کر واپس گھاٹ کے پتھروں کے پیچھے آ کر چھپ گیا۔

اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ اس عمارت کے اندر گولہ بارود جمع ہے۔ اس کا خیال تھا کہ عمارت کو آگ لگے گی تو سپاہی اس طرف بھاگ کر آئیں گے۔

اتنے عرصے میں وہ کشتی کھول کر لے جائے گا۔

لیکن جونہی آگ گولہ بارود تک پہنچی، ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا اور دو منزلہ عمارت کے پرخچے اڑ گئے۔

ساتھ ہی گورا پلٹن بھی ختم ہوگئی۔

عنبر پتھروں سے باہر نکل آیا۔ عمارت کا ملبہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ چاروں طرف گورا فوج کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

اسے معلوم تھا کہ دھماکے کی آواز بندرگاہ تک ضرور پہنچی ہوگی اور وہاں سے دوسری پلٹن اس طرف بھاگی چلی آ رہی ہوگی۔

چنانچہ وہ بھاگ کر دریا کنارے آیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر اس کی رسی کاٹ دی اور چپو چلاتا اسے دریا کے اتار پر کھینے لگا۔

کشتی جس وقت بخت خان کے جھونپڑے تک

پہنچی تو بندرگاہ کی گورا پلٹن سکھ پلٹن کے ساتھ گھاٹ پر پہنچنے ہی والی تھی۔

دھماکے کی خوفناک آواز سن کر بخت خان اور اس کے ساتھی بھی باہر آ گئے۔ اور تشویش کے ساتھ عنبر کا انتظار کر رہے تھے۔

عنبر نے آتے ہی کہا۔

”جلدی سے اس کشتی میں سوار ہو جائیں۔ میں نے بارود کا ذخیرہ اڑا دیا ہے“۔

بخت خان اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گیا اور دریا کے دوسرے کنارے کی طرف کشتی چل پڑی۔

گورا فوج نے گھاٹ پر پہنچ کر گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں۔

بخت خان نے کہا۔

اگر تم ذرا دیر کر دیتے تو ہم دریا میں اتر چکے ہوتے۔ کیونکہ دھماکے کی آواز کے بعد ہمارا جھونپڑے میں رہنا خطرناک تھا۔

ہمیں معلوم تھا کہ یہ دھماکہ تم ہی نے کیا ہے اور اب وہاں گورا فوج پہنچ کر چاروں طرف بکھر جائے گی اور تم قابو میں آ جائیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا مگر مجھے خود بھی معلوم

نہیں تھا کہ اس عمارت میں گولہ بارود کا ذخیرہ موجود ہے"۔

سکھ فوجی دریا کی طرف بھی گولیوں کی باڑ مار رہے تھے۔ کچھ گولیاں کشتی کے قریب دریا میں گریں۔ پانی اچھل کر کشتی میں سوار لوگوں پر گرا۔

بخت خان نے حکم دیا کہ کشتی زور سے چلاؤ۔ کشتی کنارے پر پہنچ گئی۔ لیکن اب دھماکے کے بعد اس کنارے پر بھی خطرہ منڈلا رہا تھا۔

کیونکہ دوسری جانب سے گورا فوج نے بھی کشتیوں پر دریا پار کر لیا تھا۔ بخت خان نے کہا۔

"ہمیں پرانے کھنڈر میں جا کر چھپ جانا

چاہیے۔ ہم آج یہاں سے فرار ہو سکیں گے"۔

بخت خان بولا۔

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ساتھیو! جلدی سے پرانے کھنڈر کی طرف بھاگو"۔

صبح ہونے والی تھی۔ ہلکی ہلکی نیلی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ یہ پرانا کھنڈر دریا کنارے کے پاس ہی تھا۔ درختوں کے جھنڈ تھے۔

جنگلی جھاڑیاں تھیں۔ اور کسی بارہ دری کا کھنڈر تھا جس کے سفید پتھروں کی سلیں ادھر ادھر پڑی تھیں۔ پیچھے کی جانب جنگلی جھاڑیوں میں ایک کھوہ سا بن گیا تھا۔

بخت خان کو اس کھنڈر کا علم تھا۔ بخت خان کو ساتھ لے کر کھوہ کے اندر اتر گیا۔ دوسرے سپاہیوں نے کہا۔

"ہم درختوں کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ کر دن بسر کریں گے۔ آپ ہمارا فکر نہ کریں"۔

بخت خان کے وفادار سپاہی درختوں کے پاس جھاڑیوں میں جا کر چھپ گئے۔ عنبر بھی بخت خان کے ساتھ ہی کھوہ میں اتر گیا۔

ایک پتھر کی سل اٹھا کر انہوں نے کھوہ کے منہ پر رکھ دی۔ وہ اپنی جانب سے تو بالکل محفوظ ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی۔ عنبر نے کھوہ میں سے گردن باہر نکال کر دیکھا، دریا کنارے اسے سکھ اور گورا فوج کے کچھ سپاہی جھاڑیوں میں جھک جھک کر مفرور سپاہیوں کو تلاش کرتے نظر آئے۔ اس نے بخت خان سے کہا کہ دشمن سر پر پہنچ گیا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں۔

بخت خان نے تلوار کھینچ کر کہا۔

"خدا کی قسم بخت خان چھ سات کو مار کر جام شہادت نوش کرے گا۔

تہہ خانے میں لاش

"ابھی آپ چھپ جائیں۔"

عنبر نے بخت خاں کے جوش کو کسی قدر ٹھنڈا کیا اور اسے کھوہ میں چھپا دیا۔ کھوہ کے منہ پر پتھر کی سل رکھی تھی۔

دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ نجف خاں بھی جوش کے عالم میں تھا اور بخت خاں کے لیے اپنی

جان قربان کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ عنبر نے جھاڑیوں میں سے دیکھا کہ دو سکھ فوجی ایک گورے سپاہی کے ساتھ بارہ دری کے کھنڈر کی طرف آ رہے ہیں۔

وہ ہر جھاڑی میں سنگین مار کر دیکھ لیتے تھے کہ کہیں مفرور دشمن وہاں تو نہیں چھپا ہوا۔

یہاں تک کہ وہ اس کھوہ کے پاس آ گئے۔ جہاں بخت خاں، نجف خاں اور عنبر چھپے ہوئے تھے۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

"آپ لوگ کوئی آواز نہ نکالیں۔ ان کو میں سنبھال لوں گا"۔

اتنا کہہ کر عنبر کھوہ کے منہ پر آ کر جھک کر بیٹھ گیا۔ اور باہر کو تکنے لگا۔ اب ایک سکھ سپاہی تلوار لے کر کھوہ کے منہ پہ آ گیا اور جھک کر بولا۔

"صاحب! ادھر ضرور دشمن چھپا ہے"۔

گورے نے کہا۔

"پتھر ہٹا کر دیکھو"۔

پھر کیا تھا۔ سکھ نے ٹھوکر مار کر پتھر کی سل پرے گرا دی۔ اس سے پہلے کہ دشمن بخت خاں کو دیکھ لے عنبر چھلانگ لگا کر باہر نکل آیا اور سکھ کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

دوسرا وار اس نے دوسرے سکھ پر کیا۔ سکھ سپاہی نے بھی عنبر پر گولی چلا دی مگر گولی کا کوئی اثر نہ ہوا اور

عنبر کی تلوار سکھ کے سینے میں اتر گئی۔ اس عرصے میں گورا سپاہی بندوق سے کئی گولیاں عنبر پر چلا چکا تھا۔ اس کی بندوق خالی ہو گئی۔

عنبر تلوار لے کر اس کی طرف بڑھا۔

گورا بھاگا۔ عنبر نے پیچھے سے وار کیا۔ تلوار گورے کے شانے پر پڑی اور نیچے تک اتر گئی۔

گولیوں کی آواز سن کر بخت خاں کے وفادار سپاہی بھی جھاڑیوں سے نکل آئے۔ ادھر سے کچھ اور سکھ فوجی بھی گولیوں کے دھماکے سن کر لپکے۔

اب بخت خاں نے بھی تلوار نکال لی۔ زوردار لڑائی شروع ہو گئی۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی۔ لیکن بخت خاں اور نجف خاں ایسے ماہر تلوار باز کا مقابلہ عام سپاہی بھلا کہاں کر سکتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں ان کی لاشیں زمین پر تڑپ رہی تھیں۔ کچھ سپاہیوں کو عنبر نے ختم کر دیا۔ میدان صاف ہوا تو عنبر نے کہا۔

"اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے"۔

مردہ سپاہیوں کے گھوڑے ذرا پرے درخت سے بندھے تھے۔ انہوں نے کھول لیے۔ ان پر سوار ہوئے اور شمال کی جانب گھوڑے دوڑائے کیکر اور پھلاہی کے جنگل کے دوسرے کنارے پر جا کر وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گئے اور دوسری جانب اتر کر ایک جگہ آم کے

جھنڈ میں رک گئے۔

بخت خاں نے کہا۔

"عنبر! تم اگر چاہو تو یہاں سے واپس جا سکتے ہو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم ہمارے ساتھ خواہ مخواہ پریشان ہوتے پھرو۔ ہم یہاں سے جنگل جنگل چھپتے چھپاتے لکھنؤ پہنچ جائیں گے جہاں سے نیپال کی راہ لیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"بخت خاں! میں ایک بہادر سپاہی کو بیچ منجدھار میں نہیں چھوڑ کر جا سکتا اور پھر لکھنؤ میں چاروں طرف آگ لگی ہے۔ انگریزی فوج تمہارے خون کی پیاسی

چاروں طرف پھر رہی ہے۔ لکھنؤ میں تم محفوظ نہ رہ سکو گے۔"

نجف خاں نے کہا۔

سردار! عنبر ٹھیک کہتا ہے۔ اگر ہم یہاں سے اوپر کی طرف سفر کرتے جائیں تو نینیتال سے نکل کر ہم ہمالیہ کی ترائی میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر وہاں سے ہم نیپال پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں لکھنؤ سے دور ہی رہنا ہوگا۔ اس میں آپ کی زندگی کو خطرہ ہے۔

نجف خاں کچھ سوچنے لگا۔ پھر عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”تمہارا خیال اچھا ہے عنبر! ہم لکھنؤ نہیں جائیں گے بلکہ نجف خاں کے خیال کے مطابق یہاں سے نینی تال کی طرف سفر کریں گے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب تمہارا ہمارے ساتھ رہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اب ہم خطروں کا خود ہی مقابلہ کریں گے اور ویسے بھی آگے جنگل شروع ہو رہا ہے۔ یہاں کوئی انگریزی فوج نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

”نجف خاں! میں خود نیپال جانا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ایک بھائی ناگ اور بہن ماریا کی تلاش ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ لوگ نیپال کے بڑے مندر میں مجھے مل جائیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا“۔

بخت خان کہنے لگا۔

”نوجوان! ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمیں تو خوشی ہو گی۔ کیونکہ تم ساتھ ہو گے تو ہم کئی مصیبتوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے“۔

چنانچہ عنبر ان لوگوں کے ساتھ نیپال کی طرف روانہ ہو گیا۔

پیارے قارئین!

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناگ اور ماریہ کے بارے میں بھی آپ کو بتائیں کہ وہ کس حال میں ہیں

اور کیا کر رہے ہیں۔

ماریا کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ نئی دنیا یعنی امریکہ سے ورجینیا نامی بحری جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان کی طرف آ رہی ہے، وہ ابھی تک سمندر میں ہی سفر کر رہی ہے۔ اسے ہم سمندر میں ہی چھوڑتے ہیں۔

ناگ دلی میں انگریزی فوج کے ساتھ تھا۔ انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ شہر میں انہوں نے بڑی لوٹ مار مچائی۔ لوگوں کو بے دریغ قتل کیا۔

پھانسی پر چڑھا دیا۔ گرفتار کر کے کالے پانی جلاوطن کر دیا۔ ناگ کو بھی عنبر اور ماریا کی تلاش تھی۔ سارا شہر اس نے چھان مارا۔

مگر دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہ ملا۔ سوچنے لگا کہ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ دہلی شہر میں ماریا کا کوئی معمولی سا نشان بھی اسے نظر نہیں آیا تھا۔ پھر وہاں رہنے سے کیا فائدہ؟۔

وہ شاہی قلعے کے پیچھے باغ میں ایک بارہ دری میں رہتا تھا۔ ایک رات چاند نکلا ہوا تھا۔ وہ سیر کرنے بارہ دری سے باہر آ گیا اور قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ باغ میں سیر کرنے لگا۔

دل میں وہ عنبر اور ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اچانک اسے پیچھے سے گھوڑے کے ٹاپوں کی

آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ باغ کی روش پر ایک گورا سپاہی گھوڑا دوڑاتے چلا آ رہا تھا۔

جب وہ اس کے قریب سے گزرا تو ناگ نے دیکھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر اس نے ایک عورت کو زبردستی پکڑ رکھا تھا۔ عورت کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل رہی تھیں۔

ناگ اپنی جگہ پر کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ گھوڑا سوار گورا ذرا فاصلے پر ایک سفید گنبد والی عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس کے بعد وہاں خاموشی چھا گئی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ بد بخت کسی عورت کو اغوا کر کے لایا ہے۔ اس قسم کے واقعات وہاں روزانہ ہی ہوتے رہتے تھے۔

مگر ناگ کے دل پر جانے کیوں اس عورت کی دبی دبی چیخوں کے بے حد اثر کیا۔ اس نے مظلوم عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور درختوں کے پیچھے سے ہوتا عمارت کی طرف بڑھا۔

یہ عمارت اک منزلہ تھی اور پرانے زمانے کا کوئی مقبرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے چاروں جانب جنگلی گھاس اور جھاڑی کی بیلیں اگی تھیں۔

عنبر نے دن میں کئی بار یہ عمارت دیکھی تھی۔ مگر کبھی اس طرف نہیں گیا تھا۔ کیونکہ یہ ایک ویران عمارت تھی۔ وہ جھاڑیوں میں آ کر رک گیا۔

پرانی محرابوں کے نیچے برآمدے میں اندھیرا تھا۔ صرف چاند کی ہلکی ہلکی روشنی عمارت کے پرانے سفید گنبد پر پڑ رہی تھی۔

وہ جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا محرابوں کے نیچے اکھڑے ہوئے فرش والے برآمدے میں آ گیا۔ یہ برآمدہ گول بارہ دری کے ساتھ ساتھ گھوم گیا تھا۔

اب اس نے اسی عورت کی سسکیوں کی آواز سنی۔ ناگ ہمہ تن گوش ہو گیا۔ یہ آواز ایسے لگتا تھا کہ کسی تہہ خانے یا نچلے کمرے سے آ رہی ہے۔

ناگ کو معلوم تھا کہ ایسی عمارتوں کے نیچے تہہ خانے ضرور ہوتے ہیں جہاں گرمیوں کی دوپہروں کو لوگ آرام کرتے ہیں چونکہ وہ بڑے ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

ناگ گنبد کے اندر آ گیا۔ ایک جگہ چبوترے کی دیوار پر سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی تھی۔ یہ سوراخ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔

ناگ نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا۔ کونے میں لیمپ جل رہا تھا۔ وہی گورا سپاہی ہنٹر لیے کھڑا تھا۔

عورت زمین پر پڑی اسے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ اور وہ اسے مار رہا تھا۔ ناگ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ کمینہ گورا ایک مسلمان عورت پر یوں ظلم کر رہا

تھا۔

عورت بے حد حسین اور نازک اندام تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ناگ سے یہ منظر برداشت نہ ہوسکا۔ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ تہہ خانے کو دروازہ کدھر سے جاتا ہے۔

وہیں سے سانپ کا روپ بدلا اور سوراخ میں سے گزر کر اندر تہہ خانے کی دیوار پر رینگتا ہوا فرش پر اتر گیا۔

وہ اندھیرے میں دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا گورے فوجی کی پشت پر آگیا۔ گورے کو شکار کرنا اب

کوئی مشکل کام نہ تھا۔

ڈر تھا تو صرف اتنا کہ کہیں وہ ہوشیار ہو کر تلوار کا وار نہ کر دے۔ ایسی صورت میں ناگ کے دو ٹکڑے ہو سکتے تھے اور وہ مر سکتا تھا۔

گورے سپاہی نے عورت کو پکڑ کر گھسیٹا اور پھر زور سے ایک ہنٹر اس کی پیٹھ پر مارا۔

’’اب تمہیں ساری زندگی میری بیوی بن کر رہنا ہوگا‘‘۔

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

’’میرا خدا گواہ ہے کہ میں اپنے خاوند کی بیوی ہوں اور مرتے دم تک اسی کی بیوی رہوں گی۔ مر

جاؤں گی پر کسی غیر مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں گی"۔

گورے فوجی نے طیش میں آ کر زور سے عورت کو ٹھوکر ماری۔ عورت الٹ کر پرے جا گری۔ پھر جانے عورت کے اندر کہاں سے طاقت آ گئی کہ وہ تڑپ کر اٹھی اور اس نے پوری طاقت سے گورے سپاہی کو دھکا دیا۔

وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ جس جگہ گورا گرا، وہاں قریب ہی ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ بس یہی موقع تھا کہ ناگ نے اپنا پھن پھیلا لیا۔ زبان نکال کر پھنکارا اور گورے سپاہی کی گردن پر بڑے پیار سے ڈس دیا۔

گورے نے تڑپ کر سانپ کی طرف دیکھا اور تلوار کے دستے پر ہاتھ مارا۔ چاہتا تھا کہ تلوار کھینچ کر سانپ کے دو ٹکڑے کر دے مگر وہ ناگ کا زہر ہی نہیں جو دشمن کو اتنا موقع دے دے۔

گورے کا ہاتھ تلوار کے دستے پر ہی پڑا رہ گیا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا اور جسم نیلا پڑ گیا۔

ناگ تیزی سے دیوار پر چڑھ کر سوراخ میں سے باہر آ گیا۔

وہ عورت پر اپنا اصلی روپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا

تھا۔ باہر آ کر اس نے تہہ خانے کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹایا۔ اندر سے پریشان حال عورت نے دروازہ کھولا۔

ناگ اب انسان کے روپ میں تھا۔ اس نے کہا۔

"بہن میں مسلمان ہوں۔ قریب سے گزر رہا تھا کہ تمہاری آواز سنی۔ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں"۔

عورت نے کہا۔

"بھائی! جو مدد تم نے کرنی تھی وہ قدرت نے پہلے ہی کر دی ہے یہ ظالم گورا میری عزت کا دشمن تھا۔ قدرت نے ایک سانپ بھیج کر میری مدد کی۔ وہ دیکھو اس کی لاش پڑی ہے۔ ٹھہرو پہلے مجھے شکرانے کے دو نفل پڑھ لینے دو"۔

اس عورت نے وہیں شکرانے کے دو نفل خدا کے حضور ادا کیے۔

عنبر نے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیسے پہنچ گئی؟۔

عورت کہنے لگی۔

بھائی! میرا نام شہزادی جہاں زیب ہے۔ میں شاہی خاندان کی شہزادی ہوں۔ یہ گورا ہمارے گھر میں سپاہیوں کو لے کر داخل ہوا۔

انہوں نے میرے گھر کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔

میرے خاوند کو پکڑ کر سپاہی لے گئے اور یہ شخص مجھے زبردستی اغوا کر کے یہاں لے آیا۔ خدا نے میری سن لی اور اس ظالم سے میری عزت بچالی۔

ناگ نے کہا۔

''شہزادی صاحبہ!'' میں بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے سانپ کا سبب بنا کر آپ کی عزت بچائی۔ اب آپ یہ بتائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''۔

جہاں زیب شہزادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بھائی! میرا گھر لٹ گیا۔ خاندان تباہ ہو گیا۔ نہ جانے میرے خاوند کو ان لوگوں نے کہاں قید میں ڈال رکھا ہے۔

خدا معلوم وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ میں اب زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ کاش سانپ مجھے بھی ڈس لیتا تاکہ اس زندگی سے نجات ملتی''۔

ناگ نے کہا۔

شہزادی بہن! آپ کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جس خدا نے اپنی رحمت سے یہ سبب بنا دیا کہ آپ کی عزت بچالی۔

وہی خدا کوئی ایسا سبب بھی ضرور پیدا کر دے گا کہ آپ اپنے خاوند سے مل جائیں۔

شہزادی جہاں زیب نے کہا۔

بھائی! خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ لیکن اس وقت میں کہاں جا سکتی ہوں۔ اس گورے کپتان کے سارے فوجیوں کو معلوم ہے کہ یہ میرے ساتھ یہاں آیا تھا۔

اب اس کی لاش انہیں ملے گی تو وہ میرے خون کے پیاسے ہو کر چاروں طرف مجھے تلاش کرتے پھریں گے۔

پھر آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔

تم مجھے میری حالت پر چھوڑ دو بھائی۔ اپنی جان مصیبت ساتھ مصیبت میں نہ ڈالو۔ تم جاؤ۔ میں یہاں سے نکل کر کسی طرف چل پڑوں۔

اگر زندگی باقی ہوئی تو ان ظالموں کے جنگل سے نکل جاؤں گی ورنہ ان کے ہاتھوں مر جاؤں گی۔

عنبر نے شہزادی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا

نہیں بہن! اگر تم نے مجھے بھائی کہا ہے تو پھر یہ بھائی تمہیں ان ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا۔

میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یقین کرو تم جہاں جانا چاہو گی، میں اپنا فرض سمجھ کر تمہیں وہاں پہنچاؤں گا اور یہ لوگ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

شہزادی احسان مند نظروں سے ناگ کو دیکھنے لگی۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

’’کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں بہن؟‘‘۔

شہزادی نے کہا۔

’’ایسا کبھی نہ سوچنا بھائی! مجھے تم پر پورا پورا اعتبار ہے‘‘۔

’’تو پھر بتاؤ کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟‘‘۔

شہزادی جہاں زیب نے کہا۔

سب سے پہلے تو میں اپنے خاوند کو اگر وہ زندہ ہے تو قید سے چھڑوانا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ہمارا اپنے گھر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نیپال کی سرحد پر میری ایک خالہ رہتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر ایسا ہو سکے تو میں اپنے خاوند کو لے کر نیپال کے سرحدی گاؤں میں اپنی خالہ کے پاس پہنچ جاؤں اور باقی زندگی کے دن اسی جگہ گزار دوں۔

ناگ نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں قسم کھاتا ہوں بہن کہ جب تک تمہیں اور تمہارے خاوند کو اگر وہ زندہ ہے، نکال کر تمہاری خالہ کے ہاں نہ پہنچا لوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

اب تم ایسا کرو کہ تم اسی جگہ بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں تمہارے لیے کسی محفوظ پناہ گاہ کا بندوبست کر کے واپس آتا ہوں۔

ڈرنا نہیں۔ بڑے سکون سے دروازہ اندر سے بند

کر لو۔ صبح تک یہاں کوئی پلٹن کا سپاہی اپنے کپتان کی خبر لینے نہیں آئے گا۔ کیا تم تیار ہو؟"۔

"ہاں بھائی! میں اس تہہ خانے میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

شہزادی نے کہا۔

ناگ جانے لگا تو شہزادی نے پلٹ کر پوچھا۔

"بھئی! تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا نام کچھ اور ہے۔ بہر حال تم ناگ کہہ لیا کرو"۔

"ناگ بڑا عجیب نام ہے۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟"۔

ناگ ہنسا۔

"الحمدللہ کہ میں مسلمان ہوں۔ میرا اصلی نام عبداللہ ہے۔ مگر اپنے دوستوں میں ناگ کے نام سے مشہور ہوں۔ یہ ہمارا پرانا خاندانی نام ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں"۔

ناگ چلا گیا۔ شہزادی نے تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھا دی اور لیمپ دھیما کر کے کونے میں بیٹھ کر ناگ بھائی کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے سامنے زمین پر گورے کپتان کی لاش پڑی تھی۔ جو پھولتی جا رہی تھی۔

دیا بجھ گیا

ناگ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس جانا چاہتا تھا۔ لیکن گھوڑا مرے ہوئے گورے سپاہی کا تھا۔ وہ پیدل ہی کوٹھڑی میں آ گیا اور سوچنے لگا کہ شاہی خاندان کی باعزت مسلمان شہزادی کے لیے وہ کیا کرے اور اسے کہاں چھپائے تاکہ وہ ایک دن میں اس کے خاوند کا سراغ لگا کر ان دونوں کو نیپال کی سرحد کی طرف لے جائے۔

اپنے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں تھی وہ تو خود کھنڈروں میں رہتا تھا۔ ایکدم سے ناگ کو مقبرہ جہاں دار کا خیال آیا۔

یہ ایک اجاڑ مقبرہ تھا جو شہر سے باہر ایک جگہ کھنڈروں میں واقع تھا۔ یہاں کبھی کوئی نہیں تھا۔ اس مقبرے میں وہ شہزادی جہاں زیب کو کچھ دنوں کے لیے چھپا سکتا تھا۔

ناگ نے اپنا ذاتی گھوڑا اصطبل سے نکالا۔ اس پر سوار ہوا اور شہزادی کی بارہ دری کی طرف آ گیا۔

رات اب کافی گزر چکی تھی۔ کوئی دم میں صبح

ہونے والی تھی۔ ناگ صبح ہونے سے پہلے پہلے شہزادی جہاں زیب کو محفوظ مقام پر پہنچا دینا چاہتا تھا۔ اس کی کوٹھڑی سے فاصلہ زیادہ نہ تھا۔

وہ بہت جلد عمارت میں پہنچ گیا۔ گورے کی لاش کو وہیں رہنے دیا اور جہاں زیب کو گھوڑے پر بٹھا کر وہ ہوا سے باتیں کرتا سیدھا اجاڑ مقبرے میں آ گیا۔ یہ ایک ویران جگہ تھی۔

اسے دیکھ کر کبھی کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہاں کوئی انسان رہتا ہے۔ ناگ نے شہزادی کو مقبرے کے تہہ خانے میں لے جا کر وہاں جگہ صاف کی۔

دیا جلایا۔ زمین پر چٹائی بچھائی۔ سرہانہ وغیرہ رکھا کچھ کھانے پینے کا سامان بھی وہاں لا کر رکھ دیا اور کہا۔

"شہزادی جہاں زیب تم یہاں آرام سے رہو۔ میں اب تمہارے خاوند کی تلاش میں نکلتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے اور حلیہ کیا ہے؟"۔

جہاں زیب نے کہا۔

"میرے خاوند کا نام عزت بیگ ہے اور وہ گورا چٹا گھبرو جوان ہے۔ اس کے ہاتھ پر دائیں جانب زخم کا نشان ہے"۔

ناگ بولا۔

"اب تم فکر نہ کرو۔ اگر عزت بیگ کو انگریزوں

نے ابھی تک جانی نقصان نہیں پہنچایا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے تلاش کر کے تمہارے پاس لے آؤں گا۔ تم فکر نہ کرو میں تمہارے پاس صبح شام دونوں وقت آیا کروں گا اور تمہیں کھانے پینے کی چیزیں دے جایا کروں گا۔

"اچھا بھائی! خدا تمہیں اس نیکی کا اجر دے گا"۔

ناگ شہزادی کو خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

صبح ہوئی تو گورے کپتان اور اس کے ساتھیوں کے قتل کی خبر سارے شہر میں آگ بن کر پھیل گئی۔ کئی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

لوگوں پر اور زیادہ سختی کر دی گئی۔ گھاٹ کے قریب سے گزرنے والوں کی تلاشی لی جاتی۔ ناگ پر کسی نے شک نہ کیا۔ کیونکہ وہ تو انگریزوں کے بہت کام آ رہا تھا۔

ناگ نے ایک سکھ فوجی سے معلوم کرنا چاہا کہ شہزادی کا خاوند کس جگہ پر قید ہے۔ وہ سکھ فوجی ایک افسر تھا اور اکثر قیدی اس کی نگرانی میں جلاوطن کیے جاتے تھے یا پھانسی کے تختے پر چڑھا دیے جاتے تھے۔ ناگ کے سوال پر سکھ افسر نے ناگ کو گھور کر دیکھا اور کہا۔

"کیوں بھئی تم کیوں عزت بیگ کا پوچھ رہے ہو؟"۔

ناگ سمجھ گیا کہ جب یہ شخص شہزادی کے خاوند کا نام جانتا ہے تو ضرور یہ بھی جانتا ہوگا کہ وہ کس جگہ پر قید ہے۔ اس نے کہا۔

”وہ ہمارا دشمن ہے۔ میں یہ جان کر خوش ہونا چاہتا ہوں کہ اسے پھانسی دے دی گئی ہے“۔

سکھ افسر نے تلوار سے زمین کی مٹی کرید کر کہا۔

”پھانسی ابھی اسے نہیں ملی، لیکن اب مل جائے گی کیونکہ اس کی بیوی فرار ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے بڑے قیمتی سپاہی ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہمارے کپتان صاحب کو سانپ نے کاٹ لیا ہے“۔

ناگ دل میں ہنسا اور سوچنے لگا کہ اے سکھ افسر! اگر ضرورت پڑی تو بیٹا تجھے بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے سکھ افسر سے پوچھا۔

”اسے کسی ایسی جگہ تو قید کر کے نہیں ڈالا جہاں سے وہ بھی اپنی بیوی کی طرح فرار ہو سکتا ہے؟“۔

ناگ سکھ افسر سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں پر قید ہے۔ سکھ اس کی چال میں آ گیا۔ بڑے گھمنڈ سے بولا۔

”توبہ کرو جی! عزت بیگ ایسی جگہ قید ہے جہاں سے اگر ساری دنیا کے مسلمان بھی مل کر چاہیں تو اسے رہائی نہیں دلا سکتے“۔

ناگ نے ایک اور چال چلی۔

"اس کا مطلب ہے وہ ضرور دریے کے نیچے کسی تہہ خانے میں قید ہوگا"۔

سکھ ہنس پڑا۔

"بس ایسا ہی سمجھ لو۔ اچھا تم ہی بتاؤ۔ اگر کسی آدمی کو شاہی قلعے کی سب سے اونچی کوٹھڑی میں خونی برج کے اندر قید کر کے باہر ننگی تلواروں کا پہرہ لگا دیا جائے تو تمہارا کیا خیال کہ وہ وہاں سے فرار ہو سکتا ہے؟"۔

ناگ نے جھٹ کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ اگر پہرے والے کسی وقت غافل ہو جائیں"۔

سکھ نے قہقہہ لگایا۔

"پاگل نوجوان! وہاں چوبیس گھنٹے پہرہ لگا ہوتا ہے۔ اور پھر شاہی قلعے کے اندر کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی بھلا اس خونی برج تک کوئی کیسے پہنچ سکے گا؟"۔

ناگ ہنس کر دوسری طرف چلا گیا۔ ناگ کو معلوم ہو چکا تھا کہ شہزادی کا خاوند عزت بیگ خونی برج میں قید ہے۔

ناگ نے خونی برج کا نام بہت سن رکھا تھا۔ یہاں دو مہینے پہلے گوروں نے سو کے قریب مجاہدوں کو قید کر کے ایک ایک کر کے قتل کیا تھا اور ان کے سر

فصیل سے نیچے قلعے کی کھائی میں پھینک دیئے تھے۔

اسی وقت سے اس برج کا نام تو خونی برج پڑ گیا تھا۔

شام ہوتے ناگ اجاڑ مقبرے میں شہزادی کے لیے کھانا اور کچھ پھل لے کر گیا تو اس نے بتایا کہ عزت بیگ کو گوروں نے خونی برج میں قید کر رکھا ہے اور وہ اسے پھانسی دینے کی فکر میں ہیں۔

شہزادی نے اداس ہو کر سر جھکا لیا۔ ناگ نے اسے حوصلہ دیا۔

”بہن جہاں زیب! میں نے تمہیں اپنا بھائی کہا ہے۔ سب سے پہلے خدا پر بھروسہ رکھو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کے بعد مجھ پر یقین کرو کہ میں تمہارے خاوند کو تختہ دار سے بچا کر لے آنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا“۔

شہزادی بولی۔

”تم گورا فوج کی پوری پلٹن کا مقابلہ اکیلے کیسے کر سکو گے“۔

قلعے کے اندر جا کر خونی برج میں پہنچنا اور پھر جلاد پہرے داروں کی نظروں سے بچ کر اسے اغوا کرنا ایک ناممکن بات نظر آتی ہے۔

ناگ نے کہا۔

”اگر خدا چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ خدا کی مدد تمہارے پاس ایک نامعلوم اندھیرے تہہ خانے میں

بھی تو پہنچ گئی تھی۔ تو پھر اب بھی تمہارے خاوند کو خدا اگر چاہے تو بچا لے گا"۔

"کاش ایسا ہو سکتا"۔

شہزادی نے کہا۔

وہ اپنے خاوند کی پھانسی کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ ناگ نے اسے حوصلہ دیا۔

پھر بھی شہزادی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ دبلا پتلا سا نوجوان اس کے خاوند کو سینکڑوں گورے فوجیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بچا کر لے آئے گا۔

لیکن ایک بات ضرور تھی کہ شہزادی جہاں زیب کو ناگ کی شخصیت میں ایک زبردست طاقت محسوس ہوتی تھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جب ناگ اس کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے تو آنکھیں نہیں جھپکتا۔

ناگ میں اسے کوئی غیر معمولی طاقت کا احساس ہوتا تھا۔ پھر بھی یہ کہنا کہ وہ خونی برج جا کر پہرہ دینے والے جلاد قسم کے گورا فوجیوں کو جل دے کر اس کے خاوند کو موت کے منہ سے بچا کر لے آئے گا، شہزادی کو ایک ناممکن بات لگتی تھی۔

ناگ اٹھ کر جانے لگا تو اس نے شہزادی سے کہا۔

"میں آج ہی خونی برج پہنچ کر تمہارے خاوند سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ انشاءاللہ کل صبح میں آ کر

تمہیں کوئی نہ کوئی خوش خبری ضرور سناؤں گا“۔

ناگ اپنی بارہ دری یا پارک میں آ گیا۔ سارا دن اس نے شاہی قلعے کے بارے میں سوچتے ہوئے بسر کر دیا۔

اس نے کئی ایک گورا فوجیوں سے جو اس کے دوست تھے شاہی قلعے میں جانے کے بارے میں بات کی۔

لیکن ہر ایک نے یہی کہا کہ شاہی قلعے میں جانے پر زبردست پابندی ہے۔ کوئی سرکاری افسر یا فوجی بھی بغیر اشد ضروری کام کے اندر نہیں جا سکتا۔

اس کے لیے بھی ایسے پاس کی ضرورت ہوتی ہے جس پر گورنر جنرل کے اپنے دستخط ہوں۔ ہاں اگر تم شاہی گارڈ یا شاہی فوج کے اعلیٰ دستوں میں ہوتے تو قلعے کے اندر جا سکتے تھے۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ وہ انسان کی شکل میں شاہی قلعے کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ اور خونی برج میں جانا تو اور بھی مشکل بات تھی۔

اسے کوئی دوسرا طریقہ آزمانا پڑے گا۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ آبادی کے مکانوں میں کہیں کہیں لیمپ روشن ہو گئے تھے۔

آسمان پر ستاروں کی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ گھوڑے پر سوار ہو کر پارک سے باہر نکلا۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ دور ہوتا گیا پھر اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ دریا کی جانب سے ہو کر وہ شاہی قلعے کے عقب میں آ گیا۔

یہاں موت جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دریا کا پانی چپ چاپ بہہ رہا تھا۔ ناگ گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑے کو اس نے املی کے درخت سے باندھ دیا۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کس شکل میں قلعے کے اوپر پہنچے۔ قلعے کی فصیل اس کے سامنے تھی۔ صرف بیچ میں دریا تھا جو خاموشی سے بہہ رہا تھا۔

اب کیا ہوا کہ اس علاقے کی ویران جھاڑیوں میں ایک کوبرا سانپ رہتا تھا۔ وہ بھی سیر کرتا کرتا اس طرف نکل آیا۔

ناگ کے ہاتھ میں چھوٹا سا پتھر تھا۔ جسے وہ سوچتے ہوئے ادھر سے ادھر ہاتھ میں لڑھکا رہا تھا۔ یونہی بے خیالی میں ناگ نے پتھر اٹھا کر زور سے پرے پھینک دیا۔

اتفاق سے وہ پتھر سیدھا کوبرا سانپ کی دم پر جا

دیا بجھ گیا (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 56)

لگا۔ کوبرا سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور اپنا پھن غصے میں کھڑا کر کے دشمن کی طرف لپکا۔

بے چارے کوبرا سانپ کو کیا خبر تھی کہ وہ کس شخص پر حملہ کر رہا ہے۔ کوبرے نے ناگ کی گردن پہ وار کر دیا۔

ناگ نے بڑے سکون سے پلٹ کر کوبرے سانپ کی طرف دیکھا اب جو کوبرا سانپ کی آنکھیں ناگ سے چار ہوئیں تو اس کے جسم پر ڈر اور خوف سے لرزہ طاری ہو گیا۔

وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کا پھن سکڑ گیا۔ ناگ نے اسے زمین پر سے اٹھا کر اپنے سامنے پتھر پر رکھا اور کہا۔

"بدبخت! کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ تو جس شخص پر حملہ کر رہا ہے۔ وہ شیش ناگ کا بھی دیوتا ہے؟"۔

کوبرے سانپ نے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دے۔ میں تمہارے قدموں پہ سر جھکاتا ہوں"۔

اور کوبرے سانپ نے اپنا سر ناگ کے قدموں پر رکھ دیا۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا۔ میں نے تمہیں معاف کیا"۔

کوبرا سانپ نے ناگ سے پوچھا۔

"اے عظیم دیوتا! آپ یہاں کس طرح تشریف لے آئے۔ کوئی خدمت ہو تو مجھے بتائیے۔ آخر ہم آپ کے خادم یہاں کس لیے پھر رہے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

میں ایک بڑے ضروری کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔ کہاں تم میرا ایک کام کرو۔ دریا کے دوسرے کنارے پر جاؤ اور قلعے کے اوپر والے خونی برج میں جا کر دیکھو کہ ایک خوش شکل دراز قد نوجوان قید میں پڑا ہے کہ نہیں۔

پھر مجھے یہاں آ کر اطلاع کرو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔

کوبرا سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"ابھی لاتا ہوں حضور"۔

اور اس کے ساتھ ہی وہ دریا میں اتر گیا۔ ستاروں کی روشنی میں ناگ اسے کچھ دور تک دیکھتا رہا۔ پھر وہ غائب ہو گیا۔

کوبرا سانپ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر قلعے کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر وہ خونی برج کی طرف رینگنے لگا۔

وہاں سپاہیوں کا سخت پہرہ تھا۔ برج کے دروازے پر مشرقی جانب لالٹین جل رہی تھی اور دو

دیا بجھ گیا (عمرو ناگ داستان نمبر 56)

گورے فوجی آمنے سامنے بندوقیں لیے کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

کوبرا سانپ پیچھے سے ہو کر دیوار پر چڑھ گیا اور رینگتا ہوا حویلی برج کے اوپر والے روشندان میں آ گیا۔ یہاں سے اس نے اپنا سر اندر ڈال کر دیکھا۔ ایک مٹی کا دیا جل رہا تھا۔

اس کی روشنی میں ایک دراز قد گورا چٹا نوجوان دکھائی دیا۔ جس کی داڑھی بڑھ آئی تھی۔ چہرے پہ پریشانی تھی۔

پھر بھی وہ خاندانی معلوم ہو رہا تھا۔ کوبرا سمجھ گیا کہ یہی وہ نوجوان ہے جس کے بارے میں ناگ دیوتا نے پوچھا ہے۔ وہ واپس ہوا اور برج کے گول دیوار پر سے رینگتا ہوا نیچے اترنے لگا۔

جس وقت وہ چھت پر آیا تو نگاہ ایک سپاہی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کا شور مچاتے ہوئے بندوق کا دستہ کوبرے پر مارا۔

کوبرا تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا لیکن اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ کوبرے نے دیوار سے نیچے چھلانگ لگا دی اور دریا کنارے جھاڑیوں میں گر پڑا۔

خون اس کے سے بہہ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ مگر وہ مرنے سے

پہلے ناگ دیوتا تک اس کا پیغام پہنچا دینا چاہتا تھا۔

کوبرے نے بڑی مشکل سے جھاڑیوں سے نکل کر دریا تک کا فاصلہ طے کیا۔ دریا کے کنارے آ کر وہ پانی میں اتر گیا اور دریا کے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔

کمزوری کی وجہ سے اس پر غشی چھا رہی تھی۔ دریا کا ٹھنڈا پانی اسے اور زیادہ نڈھال کر رہا تھا۔ کوبرا برابر پانی پر تیرتے ہوئے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

آخر وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ ناگ اسی جگہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سانپ کو آہستہ آہستہ سر جھکائے رینگتے ہوئے دیکھا تو بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

دیکھا کہ سانپ کے سر سے خون بہہ رہا ہے اور وہ شدید زخمی ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

"یہ کیا ہو گیا کوبرا؟"۔

کوبرے نے کہا۔

ناگ دیوتا! خونی برج پر کھڑے گورے سپاہی نے میرے سر پر بندوق کا دستہ مار دیا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ جس نوجوان کی تلاش میں آپ نکلے ہیں، وہ نوجوان خونی برج میں قید ہے۔

اتنا کہہ کر کوبرا سانپ نے سر زمین کے ساتھ لگا دیا۔ ناگ نے جھک کر دیکھا۔ وہ مر چکا تھا۔ ناگ کو بڑا غصہ آیا کہ گورے فوجی نے اس کے غلام کو ہلاک کر ڈالا۔

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ خونی برج کے پہرے داروں سے کوبرا سانپ کی موت کا ضرور انتقام لے گا۔

اس نے زمین کھود کر کوبرا سانپ کو دفن کر دیا اور قلعے کے اوپر والے خونی برج کو دیکھا جو دریا پار دور ستاروں کی روشنی میں دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

رات گزر رہی تھی۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے ناگ شہزادی کے خاوند سے ملاقات کر کے واپس چلا جانا چاہتا تھا۔

ناگ دریا کے کنارے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے جیسے اڑنے لگا ہو۔

پھر ایک گہرا زور دار سانس لیا اور دوسرے لمحے ناگ ایک چمگادڑ بن کر دریا کے اوپر غوطے لگاتا ہوا خونی برج کی طرف جا رہا تھا۔

دریا پار کر کے ناگ چمگادڑ کے روپ میں قلعے کی فصیل کے اوپر خونی برج کے روشندان سے اندر داخل ہو گیا۔

شہزادی کا خاوند عزت بیگ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ ناگ نے کوٹھڑی میں پھڑ پھڑانا اور زنائے لگانا شروع کر دیئے۔

عزت بیگ کی آنکھ پھر بھی نہ کھلی تو ناگ کونے میں بیٹھ گیا اور گہرا سانس بھر کر پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

اس نے عزت بیگ کے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں کہا۔

”جاگو عزت بیگ جاگو“۔

عزت بیگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور بولا۔

”کیا پھانسی چڑھانے کا وقت آ گیا؟“۔

ناگ مسکرایا۔

”نہیں بھائی! خدا کے فضل سے پھانسی کا پھندا ہمیشہ کے لیے تمہاری گردن سے دور ہو گیا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ مجھے تمہاری بیوی شہزادی جہاں زیب نے یہاں بھیجا ہے“۔

اپنی بیوی کا نام سن کر عزت بیگ تڑپ اٹھا۔

”کیا میری وفادار بیوی زندہ ہے؟ وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟“۔

ناگ بولا۔

آہستہ بات کرو۔ اگر پہرہ داروں نے سن لیا

تو مصیبت آ جائے گی۔

سنو! تمہاری وفادار بیوی زندہ سلامت ہے اور میرے گھر میں ہے۔ مجھے تم اس کا بھائی سمجھ لو۔ میں اسے گورا فوج سے بچا کر اپنے گھر لے آیا ہوں۔ اب میں اس کی طرف سے تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔

عزت بیگ ٹھنڈا سانس بھر کر بولا۔

"اب میری خیریت معلوم کر کے وہ بیچاری کیا کرے گی۔ آج نہیں تو کل گورا فوج مجھے پھانسی پر چڑھا دے گی"۔

ناگ نے اسے تسلی دی۔

گھبراؤ نہیں بھائی۔ خدا کی مدد سے ہم تمہیں پھانسی کے تختے سے اتار کر یہاں سے دور شہزادی جہاں زیب کی خالہ کے پاس نیپال کی سرحد پر لے جائیں گے۔

ہم نے سارا انتظام کر رکھا ہے۔ اب میں جاتا ہوں کل اسی وقت آؤں گا تم تیار رہنا۔

اتفاق سے ان کی آواز پہرے داروں کے کانوں تک پہنچ گئی۔ ایک فوجی گورے نے پتھر کی کھڑکی میں سے منہ ڈال کر کہا۔

"اندر کس سے باتیں کر رہے ہو تم؟ بولو نہیں تو گولی چلا دوں گا"۔

عزت بیگ نے کہا۔

"میں تو کسی سے بات نہیں کر رہا۔ یہاں میرے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے"۔

پہرے دار نے کہا۔

"میں نے خود ابھی ابھی آواز سنی ہے۔ اچھا میں اندر آ کر دیکھتا ہوں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو"۔

اور ناگ نے دروازے کا تالا کھولنے کی آواز سنی۔

عزت بیگ نے حسرت کے ساتھ ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بھائی! میرے ساتھ تم نے بھی اپنی جان گنوائی"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا میرے بھائی۔ تم اپنی آنکھیں بند کرو"۔

عزت بیگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ نے دیوار کے ساتھ لگ کر گہرا سانس لیا۔ اور چمگادڑ بن کر پھڑ پھڑاتا ہوا اوپر روشندان کی دیوار سے چمٹ گیا۔

گورا پہرے دار بندوق تان کر اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں لالٹین بھی تھی۔

اس کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا کہ اس کا ساتھی اچانک کوٹھڑی میں کہاں اور کیسے غائب ہو گیا۔

پہرے دار نے رعب دار آواز میں کہا۔

"خبردار! اب اپنے آپ سے بھی باتیں مت کرنا سمجھے"۔

"سمجھ گیا حضور!"

عزت بیگ اتنا کہہ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پہرے دار نے باہر نکل کر پھر سے تالا لگا دیا۔

عزت بیگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوٹھڑی میں دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ناگ ابھی وہاں کسی جگہ چھپا ہوگا۔

مگر تلاش کرنے پر بھی اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جب وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا تو اسے ناگ کی آواز آئی۔ آواز روشندان کی طرف سے آ رہی تھی۔

"عزت بیگ! کل رات تیار رہنا"۔

اور پھر عزت بیگ نے دیکھا کہ ایک چمگادڑ پھڑ پھڑاتا ہوا روشندان میں سے باہر اڑ گیا۔ عزت بیگ اور زیادہ حیرانگی میں ڈوب گیا۔

تو کیا وہ نوجوان چمگادڑ بن کر باہر نکل گیا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا وہ کوئی چھلاوہ تھا؟۔

کیا وہ کوئی بھوت ہے؟ یا کوئی جادوگر ہے؟ اب اسے اپنی زندگی کے بچائے جانے کی کچھ کچھ امید ہو

گئی تھی، کیونکہ جو شخص خود چمگادڑ بن کر روشندان سے باہر نکل سکتا تھا، وہ اسے بھی وہاں سے نکال سکتا تھا۔

ناگ چمگادڑ کی شکل میں اڑتا ہوا دریا کے دوسرے کنارے پر آ کر پھر سے اپنی اصلی انسانی شکل میں آ گیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا اجاڑ ویرانے کے مقبرے میں آ گیا۔

جہاں زیب شہزادی نے جب سنا کہ اس کا خاوند عزت بیگ ابھی تک زندہ ہے اور ناگ اس سے مل کر اسے تسلی دے کر آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے پوچھا۔

''میرے سرتاج کی صحت کیسی تھی؟ کیا وہ مجھے یاد کرتا تھا؟''۔

ناگ نے کہا۔

وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تمہیں بات بات پر یاد کرتا تھا میری بہن! اور تمہارے بارے میں بہت زیادہ فکرمند تھا۔

جب اس نے میری زبان سے سنا کہ تم خیریت سے ہو اور میں تمہیں دشمنوں کے چنگل سے نکال کر اپنے گھر لے آیا ہوں تو وہ بے حد خوش ہوا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

شہزادی نے کہا۔

''میرے بھائی! خدا تمہیں اس نیکی کا ضرور اجر

دے گا"۔

ناگ کہنے لگا۔

"ابھی ہمیں بہت کام کرنا ہے شہزادی بہن! میں کل تمہارے خاوند کو خونی برج سے نکال کر یہاں لے آؤں گا۔ اس کے بعد ہمارا یہاں سے فرار کا منصوبہ شروع ہوگا"۔

شہزادی بولی۔

"اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ کام بڑا مشکل ہے"۔

ناگ بولا۔

"اللہ کی رضا شامل ہو جائے تو پھر کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔ مجھے یقین ہے کہ میں خدا کی مدد کے ساتھ تمہارے خاوند کو کل رات صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں لے آؤں گا۔

"اب تم آرام کرو"۔

میں ابھی تمہارے لیے کھانے کے لیے کچھ پھل اور روٹی لے کر آتا ہوں۔

ناگ اتنا کہہ کر مقبرے سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی بارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

جس وقت ناگ ویران مقبرے کے علاقے سے باہر نکلا تو اسی وقت شہزادی جہاں زیب کی تلاش میں نکلا ہوا ایک گورا افسر گھوڑے پر سوار وہاں آ گیا۔

دیا بجھ گیا (عمرو عیار قسط نمبر 56)

وہ کئی روز سے مفرور شہزادی کی تلاش میں تھا۔ ویران مقبرے کو اس نے دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں بھی شہزادی کو تلاش کرتے چلو۔ انگریز کمانڈر نے شہزادی کو تلاش کرنے والے کے لیے دس ہزار روپے کی رقم کا اعلان کر رکھا تھا۔ یہ انگریز افسر انعام کی رقم حاصل کر کے واپس ولایت جانا چاہتا تھا۔

وہ گھوڑے پر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو زمین پر گھوڑے کے سموں کے نشان تھے جو مقبرے کی طرف جا رہے تھے۔

سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔

مقبرے کے باہر آ کر وہ رک گیا۔ شکل سے یہ مقبرہ ایک کھنڈر نظر آتا تھا۔ کسی کو ایک نظر دیکھنے سے بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ ایسی اجاڑ جگہ پر بھی کوئی رہتا ہو گا۔

لیکن چونکہ انگریز افسر کو شک پڑ گیا تھا اس لیے وہ مقبرے کو چاروں طرف سے دیکھنے لگا۔ جھاڑیوں کے پیچھے ایک ٹوٹا ہوا دروازہ تھا۔

جس کی اینٹیں زمین پر گری ہوئی تھیں۔ انگریز افسر نے گھوڑا باہر درخت کے ساتھ باندھا اور خود مقبرے کے اندر داخل ہو گیا۔

نیچے تہہ خانے میں جہاں قریب شہزادی دری پر

بیٹھی ناگ کا انتظار کر رہی تھی کہ اس نے گھوڑے کے ہنہنانے اور پھر مقبرے کے فرش پر کسی بھاری قدموں کی آواز سنی۔

اس نے سوچا کہ ناگ آ گیا۔ لیکن اگر ناگ آتا تو وہ مقبرے کے فرش پر ادھر ادھر ٹہلنے کی بجائے سیدھا نیچے تہہ خانے میں آ جاتا۔ یہ ضرور کوئی دوسرا شخص ہے جو اسے گرفتار کرنے آیا ہے۔

جہاں زیب ہوشیار ہو گئی مگر اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ تہہ خانے میں آنے والی اندھیری سیڑھیوں کے سرے پر جھاڑیوں کا ایک چھپر سا رکھ دیا گیا تھا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ناگ وہاں نہیں تھا۔ دشمن سر پر پہنچ گیا تھا۔ وہ اکیلی اس کا مقابلہ کیوں کرے گی؟۔

اوپر مقبرے میں انگریز افسر ادھر ادھر چل پھر رہا تھا۔

اچانک اس کی نگاہ خشک جھاڑیوں کے ایک چھپر پر پڑی جو دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا تھا۔ اس نے تلوار سے چھپر پرے ہٹایا تو نیچے سے تہہ خانے میں جاتی سیڑھیوں کا اندھیرا دروازہ نکل آیا۔ انگریز افسر سیڑھیوں میں آ گیا۔

یہاں تاریکی اور ٹھنڈک تھی۔ وہ ایک ایک قدم

سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے بیٹھی ہوئی شہزادی نے جب دیکھا کہ کوئی نیچے آ رہا ہے تو ڈر کر کونے میں دبک گئی۔ مگر خطرہ تو اس کے سر پر آ پہنچا تھا۔ بھلا چھپ کر کہاں جا سکتی تھی۔

انگریز افسر تلوار لیے تہہ خانے میں آ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

شہزادی نے غلطی یہ کی تھی کہ دیا گل نہیں کیا تھا۔ اس کی ہلکی ہلکی روشنی میں انگریز نے صاف شہزادی کو کونے کے ساتھ لگے ہوئے دیکھ لیا۔

وہ تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھا اور گھورتے ہوئے بولا۔

آخر میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا۔ اب تم بچ نہ سکو گی۔ میں تمہیں اپنے کمانڈر کے سامنے پیش کر کے دس ہزار روپے کا انعام اور تعریفی سند حاصل کروں گا۔

اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں ابھی تمہارا سر اتار دوں گا۔

تمہارے سر کی قیمت بھی دس ہزار روپے ہی مقرر کی گئی ہے۔

شہزادی کا تو رنگ اڑ گیا۔ وہ کیا سوچ کے بیٹھی تھی اور یہاں کیا ہو گیا تھا۔

کاش ناگ وہاں آ جائے۔ انگریز افسر نے کمر سے گرد بندھی ہوئی رسی کھول کر شہزادی کے ہاتھ پیچھے

دیا بجھ گیا (ناگ ماریا نمبر 56)

کس کر باندھ دیئے اور بولا۔

”چلو میرے ساتھ“۔

اس کے ساتھ ہی انگریز افسر نے پھونک مار کر دیا بجھا دیا۔

سرخ سانپ کا پھن

ناگ بڑی جلدی پھل وغیرہ لے کر واپس آ جاتا تھا۔

کیونکہ اسے معلوم تھا شہزادی بے چاری رات بھر کی بھوکی ہے اور اسے کھانے کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے جاتے ہی اپنی پٹاری سے ٹوکری لے کر اس میں کچھ پھل اور روٹی رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر

واپس مقبرے کی طرف چل پڑا۔

ادھر انگریز افسر شہزادی کو لے کر مقبرے سے باہر نکل کر اسے گھوڑے پر سوار کرنے لگا تو شہزادی نے سوچا کہ کچھ دیر لگا دینی چاہیے تاکہ عنبر ناگ کو واپس آنے کا موقع مل سکے۔

چنانچہ وہ بے ہوش ہونے کا بہانہ بنا کر زمین پر گر پڑی۔ انگریز نے اسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی۔

لیکن شہزادی بے ہوش ہوتی تو ہوش آتی۔ وہ اسی طرح زمین پر پڑی رہی۔ دھوپ نکل آئی تھی۔ جھاڑیوں میں ذرا سایہ تھا۔

انگریز افسر نے سوچا کہ وہ شہزادی کی گردن پر تلوار چھو کر دیکھے۔ اس نے شہزادی کی گردن پر تلوار رکھی تھی کہ شہزادی چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔

انگریز ہنس پڑا۔

”تو تم نے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا“۔

شہزادی چاہتی تھی کہ باتیں کر کے کچھ اور وقت ضائع کر دے۔ وہ اس کی منتیں کرنے لگی کہ اسے چھوڑ دے۔

”میں تمہیں اپنے محل کے خفیہ خزانے میں لے جاؤں گی جہاں تمہیں اتنی دولت ملے گی کہ تمہاری سات پشتیں عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گی“۔

انگریز افسر ہنس کر بولا۔

کم بخت! تو مجھے اپنے فریب میں نہیں پھنسا سکتی۔ مجھے صرف دس ہزار روپے کی ضرورت ہے اور میں تمہیں کمانڈر کے آگے پیش کر کے یہ رقم بڑی آسانی سے حاصل کرلوں گا۔

چلو اٹھو اگر تم سیدھی طرح میرے گھوڑے پہ سوار نہ ہوئیں تو میں تمہارا سر کاٹ کر بھی لے جا سکتا ہوں۔

شہزادی بے بس ہو گئی۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑی انگریز نے اسے گھوڑے پر سوار کرایا۔ خود بھی گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹھیک اس وقت ادھر سے ایک اور گھوڑا سوار نمودار ہوا۔ یہ ناگ تھا۔ اس نے ٹوکری گھوڑے کے ساتھ لٹکا رکھی تھی جس میں شہزادی کے لیے پھل اور روٹی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ ایک انگریز گھوڑ سوار کسی عورت کو آگے ڈالے گھوڑے پہ لیے جا رہا ہے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ شہزادی پکڑی گئی ہے۔

اس نے بھی گھوڑا انگریز کے پیچھے ڈال دیا۔

انگریز نے بھی ناگ کو دیکھ لیا اور گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

ناگ کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ کیونکہ وہ اکیلا انگریز کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں خطرہ تھا

کہ وہ شہزادی کا سر کاٹ کر ناگ کر دے۔

چاہے بعد میں خود بھی ناگ کے ہاتھوں مارا جائے۔ اس طرح شہزادی کی جان خطرے میں تھی۔

اس نے گھوڑے کی باگ دوسری طرف کو موڑ دی اور اسے سرپٹ دوڑاتا پہلو میں نکل کر ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس آ کر گھوڑے سے اتر آیا۔

گھوڑے کو اس نے درختوں میں باندھا اور خود جھاڑیوں میں آ کر بیٹھ گیا۔

دور سے انگریز افسر گھوڑا دوڑائے چلا آ رہا تھا۔

ناگ نے آنکھیں بند کر لیں اور اب جو گہرا سانس کھینچ کر چھوڑا تو وہ ایک طاقتور زرد دھاریوں

والا دیس کے شیر بنگال کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جونہی انگریز افسر کا گھوڑا شہزادی کو لیے اس کے قریب سے گزرا تو گھوڑے نے شیر کی بو سونگھ کر جھرجھری لی اور زور سے ہنہنا کر اگلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔

شہزادی اور انگریز افسر جھاڑیوں میں گر پڑے۔ شیر نے ایک گرج دار دھاڑ ماری اور اچھل کر انگریز افسر پر حملہ کر دیا۔

انگریز افسر خونخوار شیر کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ تلوار نکالے۔ شیر نے اس کی گردن اپنے زرد لمبے دانتوں میں دبائی اور اسے گھسیٹ کر جھاڑیوں میں لے گیا۔

شیر کو دیکھ کر شہزادی بھی بے ہوش ہو چکی تھی۔

شیر نے انگریز کی گردن ادھیڑ ڈالی۔ اب وہ لپک کر واپس شہزادی کے پاس آیا۔ اسے سونگھا اور گردن جھکا کر زمین پر بیٹھ گیا۔

پھر اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے وہ پھر سے ناگ کے انسانی روپ میں آ گیا۔

ناگ نے شہزادی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اسے بڑی مشکل سے ہوش آیا تو وہ ڈر کر ناگ سے لپٹ گئی۔ ناگ نے اس کے ہاتھ کھول دیے۔ وہ سہم کر کہنے لگی۔

”ہائے! یہاں شیر ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”کہاں شیر ہے؟“۔

شہزادی نے کہا۔

وہ۔۔۔ وہ انگریز مجھے تہہ خانے سے اغوا کر کے لے جا رہا تھا کہ شیر نے حملہ کر دیا۔ وہ اسے کھینچ کر جھاڑیوں میں لے گیا تھا۔ خدا نے میری مدد کی ہے۔

ناگ شہزادی کو اٹھاتے ہوئے بولا۔

”خدا اپنے نیک بندوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔ چلو واپس مقبرے میں چلتے ہیں“۔

شہزادی بولی۔

"مگر وہ ڈنگر یز وہ پھر آ جائے گا"۔

ناگ جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تمہارے دشمن کی لاش وہاں پڑی ہے۔ میں دیکھ آیا ہوں۔ شیر نے اس کی گردن چیر پھاڑ دی ہے"۔

"ہائے میں مر گئی۔ شیر پھر تو نہیں آ جائے گا؟"۔

"نہیں" ناگ نے اسے تسلی دی۔

فکر نہ کرو۔ شیر اب نہیں آئے گا۔ میں نے اسے دریا کی طرف جاتے خود دیکھا ہے۔

ناگ شہزادی کو لے کر مقبرے میں آ گیا۔ وہاں اس نے شہزادی کو ناشتہ وغیرہ کروایا اور یہ کہہ کر واپس

ہوا کہ وہ آدھی رات کو اس کے خاوند کے ساتھ آئے گا۔

شہزادی ڈرتے ڈرتے کونے میں لگ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے سیڑھیوں کے منہ پر پھر سے خشک کانٹوں والا چھپر رکھ دیا۔ مگر وہ کوئی پکا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔ وہ اجاڑ مقبرے کے پیچھے آ کر ایک ایسے گڑھے کے پاس بیٹھ گیا جو جنگلی گھاس پھوس سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں اس نے ایک سوراخ دیکھا جو زمین کے اندر چلا گیا تھا۔

اس نے سوراخ کے قریب منہ لے جا کر ہلکی سی سیٹی بجائی۔

دو تین بار سیٹی بجانے کے بعد سوراخ میں سے سرخ رنگ کا ایک سانپ نمودار ہوا۔ اس نے ناگ کو دیکھتے ہی اپنا پھن پھیلایا اور پھر اسے جھکا کر ناگ کے قدموں میں رکھ دیا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟"۔

ناگ نے کہا۔

دیکھو سرخ ناگ! اس مقبرے میں میری ایک بہن رہتی ہے۔ میں اسے تیری پہرے داری میں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک نہ آؤں، اس کی حفاظت کرنا۔

جو شخص بھی اسے اغوا کر کے لے جائے یا میرے

سوا اندر داخل ہونے کی کوشش کرے اسے پکڑ کر نہیں رکھنا۔

سرخ سانپ نے اپنا پھن دوبارہ زمین پر جھکا کر کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے میرے آقا کہ آپ مجھ سے کوئی خدمت لے رہے ہیں۔ جس طرح آپ نے فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہوگا"۔

اور ناگ گھوڑا دوڑاتا اپنی بارک کی طرف چل دیا۔

شام تک ناگ سوچتا رہا کہ قلعے کے خونی برج سے عزت بیگ کو نکال کر کیونکر مقبرے میں پہنچایا جائے؟

آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔ یہ کام ذرا وقت طلب تھا۔

پھر بھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا اس نے چھاؤنی کی بارکوں میں گھوم پھر کر پتہ کر لیا تھا کہ قلعے کے کمانڈر کا نام بریگیڈیئر سائمن ہے۔

اس کی ایک تصویر بھی ناگ نے ایک کتاب میں سے ورق پھاڑ کر حاصل کر لی تھی۔ اب وہ رات کے اندھیرے کا انتظار کر رہا تھا۔ جوں ہی شام کے بعد شہر اور قلعے پر رات کا اندھیرا چھا گیا اور قلعے کی دیواروں پر مشعلیں جلنے لگیں، ناگ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی بارک سے نکلا اور سیدھا قلعے کے پاس آ کر ایک جگہ

رک گیا جہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا یہاں سے اس کا اصل کام شروع ہونے والا تھا۔

ناگ نے جیب سے بریگیڈیئر سائمن کی تصویر نکال کر اپنے ہاتھ میں تھام لی اور اسے غور سے دیکھ کر گہرے گہرے سانس کھینچنے لگا۔

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دس بارہ مرتبہ لمبے لمبے سانس کھینچنے کے بعد جب اس نے آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو دیکھا تو وہ ناگ سے بدل کر بریگیڈیئر سائمن بن چکا تھا۔

گورا چٹا انگریز فوجی افسر جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور وردی پر پیتل کے پھول اور تمغے لگے تھے۔

سر پر بڑا سا ہیٹ تھا برجس اور گم بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس حلیے پر دیکھ کر ہنس پڑا۔

ٹاگ بڑے اطمینان سے گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعے کے دروازے پر آ گیا

جونہی گورا سکھ اور گورکھا فوجیوں نے بریگیڈیئر سائمن کو دیکھا، ایک دم سے چاق و چوبند ہو کر ایڑیاں جوڑ کر کھڑک سے سلوٹ مارا اور اپنی اپنی جگہ پر بت بن کر کھڑے ہو گئے۔

ٹاگ نے ذرا سا سر جھکا کر ان کے سلام کا جواب دیا اور قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ اب اگر خطرہ تھا تو صرف ایک بات کا کہ کہیں سامنے سے اصل

بریگیڈیئر سائمن آتا ہوا مل گیا تو اس کا سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

کیونکہ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ اصل بریگیڈیئر سائمن کس جگہ ہے اور کیا کر رہا ہے۔

بہرحال اس کے پاس ابھی ان باتوں میں جانے کا وقت نہیں تھا۔ کیونکہ [illegible] اسے معلوم ہو چکا تھا کہ عزت بیگ کو آج رات پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا۔

وہ سیدھا قلعے کے اس دروازے پر آ گیا جہاں سے راستہ دوسری منزل والے خونی برج کو جاتا تھا۔ یہاں گیس کا ہنڈا جل رہا تھا۔

اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ ایک انگریز کپتان چند گورے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

اس نے جو بریگیڈیئر سائمن کو دیکھا تو حیران ہو کر اسے سلیوٹ مارا اور ادب سے کہا۔

"سر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"۔

ناگ بولا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے کیا ہوا تھا بھلا"۔

یہ بات وہ۔۔۔ انگریزوں کی طرح انگریزی بول کر کر رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں فرق تھا۔

کپتان نے کہا۔

"سر! ابھی تو میں آپ کو شاہی دیوان خانے میں بستر پر لیٹا چھوڑ کر آ رہا تھا۔

کیونکہ آپ کا بدن بخار میں تپ رہا تھا۔

ناگ سمجھ گیا کہ بریگیڈیئر سائمن بیمار ہے سر ہلا کر بولا۔

"ویل! میں ٹھیک ہو گیا تھا اور جنرل صاحب کا حکم ایسا ہے کہ عزت بیگ پھانسی کے قیدی کو نکال کر شہر چھاؤنی والی جیل میں لایا جائے۔ صبح اسے وہیں پھانسی دی جائے گی"۔

انگریز کپتان نے سر جھکا کر کہا۔

"جو حکم سر!"

اور دروازے سے پرے ہٹ گیا۔ اسی وقت ناگ گھوڑے سے اتر پڑا۔ انگریز کپتان نے فوجیوں کو حکم دیا کہ خونی برج سے قیدی عزت بیگ کو نکال کر نیچے لایا جائے۔

اس کے ساتھ ہی انگریز کپتان نے ایک درخواست ناگ کے آگے رکھ دی اور کہا۔

”سر آپ تشریف لائے ہیں تو میری درخواست پر دستخط بھی کر دیجیے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ٹھیک ہوتے ہی درخواست پر دستخط کر دوں گا۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی“۔

ناگ نے قلم لے کر فوراً دستخط کر دیے۔ یہ دستخط

اصل سائمن کے دستخط سے تھوڑے مختلف تھے۔ انگریز کپتان ان دستخطوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے کچھ شک سا ہوا۔ اس نے ایک آدمی کو بلا کر کہا۔

”تم بریگیڈیئر صاحب کے لیے چائے لاؤ۔ میں اپنے کمرے سے کیک لے کر آتا ہوں“۔

انگریز کپتان نے ناگ سے اجازت لی کہ سر میں آپ کے لیے خاص کیک لے کر ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ ناگ نے کوئی خیال نہ کیا۔

انگریز کپتان اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی دیوان کی طرف اٹھ دوڑا۔ وہاں جا کر جو اس نے دیکھا کہ اصل بریگیڈیئر سائمن بستر پر بخار سے بے

دیا بجھ گیا (عمرو عیار قسط نمبر 56)

ہوش پڑا ہے تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کوئی دھوکے باز تھا جو جعلی ساتھی سے کام لے کر عزت بیگ کو اغوا کرنے آیا تھا۔ ویسے کمال کا بہروپ بھرا تھا اس نے، بالکل اصل بریگیڈیئر سائمن معلوم ہو رہا تھا۔

انگریز کپتان واپس خونی برج کی طرف بھاگا۔

اس دوران میں ٹاگ عزت بیگ کو گھوڑے پر بٹھا کر وہاں سے جا چکا تھا۔

انگریز کپتان نے جب پتہ چلا کہ بناوٹی بریگیڈیئر سائمن قیدی کو لے کر جا چکا ہے تو وہ اس کے پیچھے بھاگا۔

ٹاگ قلعے کے دروازے پر آ چکا تھا۔ دروازے میں کھڑی پلٹن ایک قطار میں ہو کر سیلوٹ دے رہی تھی۔ عزت بیگ کو لے کر بڑی شان سے قلعے سے باہر آتے ہی اس نے گھوڑا دوڑا دیا۔ اس دوران میں انگریز کپتان نے بھی قلعے سے نکل کر اپنا گھوڑا بناوٹی سائمن کے پیچھے لگا دیا۔

ٹاگ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اس نے اپنا اور عزت بیگ کا گھوڑا روک لیا۔ عزت بیگ نے پوچھا۔

”بریگیڈیئر سائمن! کیا آپ اسی جگہ میرا سر قلم کرنا چاہتے ہیں؟“۔

دیا بجھ گیا (عمرو ناگ سیریز نمبر 56)

ناگ نے سر جھٹک کر اردو میں کہا۔

”خاموش رہو بھائی! میں بریگیڈیئر سائمن نہیں ہوں شہزادی جہاں زیب کا بھائی ہوں۔ یہ لو تلوار اور اس درخت کے پیچھے چھپ جاؤ“۔

عزت بیگ درخت کے پیچھے چھپ گیا وہاں رات کا اندھیرا تھا۔ ناگ اسی وقت بریگیڈیئر سائمن کی شکل سے نکل کر زبردست شیر کے روپ میں آ گیا۔ اور جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

انگریز کپتان قریب آ کر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ناگ نے زور سے دھاڑا اور اس نے جھاڑیوں سے نکل کر انگریز کپتان پر حملہ کر دیا۔ وہ اچھل کر اس کے اوپر گرا اور اسے کھینچ کر نیچے گرا لیا۔ فضا شیر کی دھاڑوں سے گونج اٹھی۔ عزت بیگ بھی جھاڑوں کے پیچھے بیٹھا کانپنے لگا شیر نے دیکھتے دیکھتے انگریز کپتان کو ہلاک کر دیا۔ پھر وہ جھاڑیوں کے عقب میں چلا گیا۔

یہاں آ کر شیر نے دوبارہ ناگ کی شکل اختیار کر لی۔

جب ناگ عزت بیگ کے پاس آیا تو وہ ہکا بکا ہو کر اسے تکنے لگا۔

”بھائی! تم کہاں سے آ گئے؟ ابھی ابھی بریگیڈیئر سائمن میرے ساتھ تھا۔ پھر وہ چلا گیا۔

کپتان ہمارا پیچھا کر رہا تھا یہاں سے ایک شیر نکلا۔ اس نے انگریز کپتان کو ہلاک کیا اور بھاگ گیا۔ اب تم آ گئے ہو۔ یہ چکر کیا ہے؟۔

ناگ نے کہا۔

"یہ چکر تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا عزت بیگ! جلدی سے اٹھو اور میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں جلدی کرو"۔

عزت بیگ گھوڑے پر سوار ہوا۔ ناگ بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں سر پٹ گھوڑے دوڑاتے شہر سے باہر ویران مقبرے کی طرف ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

اب ذرا مقبرے کی بھی سنیں۔ ناگ سرخ سانپ کو ہدایت دے کر چلا گیا تو سرخ سانپ نے ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر مورچہ سنبھال لیا۔

بدقسمتی سے ایک چور ادھر آ نکلا اس کے پاس چوری کی اشرفیاں تھیلے میں بند تھیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس ویران کھنڈر میں کسی جگہ ان اشرفیوں کو دبا دے اور پھر ضرورت کے مطابق آ کر یہاں سے لے جایا کرے۔

اس خیال کے ساتھ جونہی وہ مقبرے کے اندر جانے کے لیے آگے بڑھا۔ سرخ سانپ نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔

چور بھاگنے ہی لگا تھا کہ سرخ سانپ کو اپنے آقا کا حکم یاد آ گیا کہ جو کوئی بھی یہاں آئے، اسے پکڑ لینا۔

سرخ سانپ اچھل کر چور کی گردن پر سوار ہو گیا۔ چور نیچے گر پڑا۔ سرخ سانپ نے اس کی گردن کے گرد اپنا دھڑ لپیٹ لیا اور پھن چور کے منہ کے سامنے پھیلا دیا۔

جس وقت ناگ عزت بیگ کو لے کر وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی زمین پر بے ہوش پڑا ہے۔ اور سرخ سانپ اس کی گردن کے گرد لپٹا اپنا پھن اس کے منہ کے اوپر پھیلائے ہوئے ہے۔

عزت بیگ ڈر کر پیچھے ہٹا۔ ناگ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"گھبراؤ نہیں بھائی! یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا"۔

اب ناگ نے اپنی ہلکی ہلکی سسکیوں اور سیٹیوں کی زبان میں پوچھا تو سرخ سانپ نے سارا ماجرہ بیان کر دیا۔

ناگ عزت بیگ کو لے کر نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے۔

ناگ نے کہا۔

"تم لوگوں کو آج کی رات اور کل کا دن اسی جگہ بسر کرنا ہو گا میں کل یہاں سے نیپال کی طرف بھاگنے

کا بندوبست کروں گا۔ اب میں جاتا ہوں۔ کل شام کو آؤں گا"۔

ناگ باہر آیا تو سرخ سانپ نے کہا۔

"اس کے بارے میں کیا حکم ہے میرے آقا! اگر حکم کریں تو ابھی اسے جہنم میں پہنچا دوں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں یہ بے چارا کوئی چور ہے۔ اسے چھوڑ دو"۔

سرخ سانپ چور کی گردن سے نکل آیا۔ چور کو ہوش آ گیا۔ ناگ نے کہا۔

"خبردار! اگر تم نے آئندہ چوری کی۔ یہ چوری کا مال جا کر جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو یہ سرخ سانپ تمہیں جہاں بھی تم ہو گے، آ کر ہلاک کر دے گا"۔

چور نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی جا کر یہ مال اس کے مالک کے گھر میں پھینک دوں گا۔ بھگوان آپ کو سکھی رکھے۔ آپ نے میری جان بچائی"۔

چور وہاں سے بھاگ گیا تو ناگ نے سرخ سانپ سے کہا۔

"ابھی تمہیں اس جگہ پہرہ دینا ہوگا۔ مقبرے کے

تہ خانے میں میری بہن اور اس کا خاوند کل رات تک رہیں گے۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کرو“۔

”جو حکم میرے آقا“۔

”شاباش!“

اتنا کہہ کر ناگ وہاں سے واپس آ گیا۔ رات کا باقی حصہ مقبرے کے تہہ خانے میں شہزادی جہاں زیب اپنے خاوند عزت بیگ سے ناگ کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔

وہ ناگ کی ذہانت اور بہادری سے بڑے متاثر تھے۔ شہزادی نے اپنے خاوند کو تمام واقعات سنائے کہ کس طرح ناگ نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کی عزت بچائی اور پھر اسے دشمنوں کے پنجے سے نکال کر یہاں لایا۔

عزت بیگ نے بھی کہا

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نوجوان ناگ بڑا دلیر اور عظیم انسان ہے۔ مجھے تو کبھی کبھی خیال گزرتا ہے کہ اس کے پاس کوئی زبردست جادو ہے۔

خونی برج میں جہاں میں قید تھا کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا لیکن یہ اندر آ گیا اور اکیلا اس نے دشمنوں سے مقابلہ کیا۔ پھر جنگل میں ایک تیر نے آ کر ہماری جان بچائی۔

شہزادی نے کہا۔

”اسی قسم کا شیر میں نے بھی دیکھا تھا جو ایک گورے فوجی پر جھپٹا تھا ضرور ناگ کوئی زبردست جادوگر ہے“

عنبر کہنے لگا۔

خدا اسے نیکی کا بدلہ ضرور دے گا۔ اس نے ہماری مدد کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے زندگی رہی تو میں بھی انشاءاللہ ضرور اس کے کام آؤں گا۔

دیکھ لو۔ اگر آج یہ مجھے وہاں سے بچا کر نہ لاتا تو اس وقت میں پھانسی پر لٹک رہا ہوتا مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔

مجھے خود بریگیڈیئر سائمن نے خونی برج سے نکالا تھا۔ وہ خود مجھے لے کر قلعے سے باہر آیا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک انگریز کپتان ہمارا پیچھا کرتا ہوا ہمارے پیچھے آ گیا۔

ناگ نے مجھے تلوار دے کر جھاڑیوں میں چھپ جانے کو کہا۔ میں چھپ گیا۔ پھر ایک شیر کی دھاڑ سنائی دی اور میں نے ایک شیر کو انگریز پر حملہ کرتے دیکھا۔ شیر اسے ہلاک کر کے بھاگ گیا۔

پھر ناگ کہیں سے نکل کر میرے پاس آ گیا اور کہنے لگا کہ جلدی یہاں سے بھاگ چلو۔ یہ سب کچھ مجھے ایک خواب لگتا ہے یا کسی جادوگر کی کارستانی۔

دیا بجھ گیا (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 56)

شہزادی نے کہا۔

جو کچھ بھی ہے ہمیں ہر حالت میں ناگ کا شکریہ گزار ہونا چاہیے۔ اب ہمیں یہاں سے نکال کر نیپال پہنچانے میں بھی وہ ہماری مدد کر رہا ہے۔

ہم اکیلے یہاں سے ہرگز ہرگز باہر نہیں نکل سکتے۔ قدم قدم پر دشمن ہماری تلاش میں پھر رہے ہیں۔

عزت بیگ بولا۔

"اور اب صبح کو جب قلعے والوں کو معلوم ہوگا کہ خونی برج سے میں غائب ہوں اور ڈیک کپتان کی لاش جنگل کے قلعے کے پاس پڑی ہے تو میری تلاش میں ساری گورا رجمنٹ حرکت میں آ جائے گی۔ انہوں نے پہلے ہی میرے سر کے لیے بیس ہزار روپے کے انعام کا اعلان کر رکھا ہے"۔

یونہی باتیں کرتے کرتے وہ سو گئے۔ باہر سرخ سانپ پہرہ دیتا رہا۔

دوسرے روز قلعے کی ساری پلٹنوں میں شور مچ گیا کہ عزت بیگ خونی برج سے فرار ہو گیا ہے۔ ساری فوج حرکت میں آ گئی۔

جگہ جگہ چھاپے مارے جانے لگے۔ ناگ کو سرخ سانپ پر پورا بھروسہ تھا کہ اول تو ادھر کا رخ کوئی نہیں کرے گا اور اگر کسی نے مقبرے میں داخل ہونے کی کوشش کی بھی تو سرخ سانپ اسے زندہ نہیں چھوڑے

گا۔

سارا دن ناگ بھاگ دوڑ کرتا رہا۔ اس نے ایک خاص آدمی سے مل کر نیپال کو جانے والے راستے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لیں۔

ناگ نے چار تازہ دم عربی گھوڑے بھی خرید لیے۔ راستے میں کھانے پینے کا سامان بھی جھولے میں بھر کر رکھ لیا۔

شام کو وہ گھوڑے ساتھ لے کر پرانے اجاڑ ویرانے والے مقبرے میں آ گیا۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔

اس نے عزت بیگ اور شہزادی جہاں زیب کو ساتھ لیا اور گھوڑوں پر سوار شہر کے شمالی مشرق کی جانب تاریکی میں غائب ہو گئے۔ ساری رات ناگ میدانوں میں سفر کرتا رہا۔

صبح وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے چھوٹی چھوٹی سرسبز پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ان پہاڑیوں کی دوسری جانب نیپال کی سرحد شروع ہوتی تھی۔

نیپال کے مندروں میں

ناگ کو ہم نیپال کے راستے میں چھوڑتے ہیں۔

اب ذرا عنبر کے حالات معلوم کرتے نکلتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ہم اسے بھی اس جنگل میں چھوڑ آئے تھے جس کا سلسلہ نیپال کی سرحد تک چلا گیا تھا۔

عنبر کے ساتھ بخت خان اور اس کے ساتھی تھے۔

یہ چھوٹا سا قافلہ تھا دہلی سے نیپال کی طرف روانہ

ہوا تھا۔

جنگل بڑا گھنا تھا۔ پہاڑیاں بھی تھیں۔ رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ قافلے کا سفر جاری رہا۔ پہلے کھیت آئے۔ آبادیاں ختم ہو گئیں۔

پھر ویران میدان شروع ہو گئے۔ وہ ختم ہوئے تو پہاڑ شروع ہو گئے۔ انہوں نے کئی چھوٹے چھوٹے دریا عبور کیے۔

کھانے پینے کو یہ لوگ جو ساتھ لے کر چلے تھے، وہ ختم ہو گیا۔ اب ان کا گزارہ جنگلی پھلوں اور چشمے دریاؤں کے پانی پر تھا

جنگلی درندے بھی ملے۔ کئی ایک بھاگ گئے۔ کئی

ایک ہلاک کر دیئے گئے۔

سفر کرتے کرتے انہیں ایک مہینہ گزر گیا۔ اب یہ لوگ آسام کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ نیپال کی سرحد زیادہ دور نہیں تھی۔

اس علاقے میں بڑے خونخوار قبیلے رہتے تھے۔ جنہیں ناگا کہتے تھے۔ ناگا نیم عریاں رہتے تھے۔ اور زہریلے تیر ہر وقت ان کے کندھوں سے کمان کے ساتھ لٹکتے رہتے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ یہ لوگ رات کو آرام کرنے کے بعد دن چڑھے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ یہ بڑا گھنا جنگل تھا۔

اچانک ان کا ایک ساتھی ہائے کہہ کر گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ کسی ناگا نے چھپ کر اس پر زہر بھرا تیر چلا دیا ہے۔ جو اس کی گردن میں دھنس چکا تھا۔ اس کی جان بچانے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ زہر اس کے خون میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ دیکھتے دیکھتے مر گیا۔

دوپہر کے بعد بخت خان کا ایک اور ساتھی زہریلا تیر لگنے سے مر گیا۔

اب بخت خان نے عنبر سے کہا۔

”ان ناگا لوگوں کا کوئی علاج کرنا چاہیے۔ نہیں تو یہ چھپ کر ہم سب کو باری باری ہلاک کر دیں گے“۔

اس وقت عنبر کو ناگ بہت یاد آیا۔ کیونکہ یہ ناگ

قبیلے والے سانپ کی پوجا کرتے تھے۔ اگر ناگ ہوتا تو وہ اس سارے قبیلے کو اپنا غلام بنا لیتا۔ اب مجبوری تھی۔

عنبر نے کہا۔

"ہم ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں سب سے پیچھے چلتا ہوں"۔

"اور جو تمہیں تیر لگ گیا تو؟"۔

عنبر ہنس دیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ مجھے تیر کچھ نہیں کہے گا بخت خان کو یاد آ گیا کہ عنبر میں کوئی خفیہ طاقت تھی جس کو جادوگری خیال کیا تھا اور ہماری مدد کریں"۔

عنبر کو یہ خیال پسند آیا۔ ناگا لوگ ان کی بڑی مدد کر سکتے تھے۔ انہیں جنگل کے سارے خفیہ راستوں کا علم تھا۔

اس کے علاوہ وہ انہیں کھانے پینے کو بھی بہت کچھ دے سکتے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ان لوگوں کے پاس جاتا ہوں۔ پہلے ان کا ٹھکانہ دریافت کرتے ہیں"۔

انہوں نے بائیں طرف ہٹ کر سفر شروع کر دیا۔ ایک دریا آ گیا جس کے کنارے عنبر نے دو کشتیاں دیکھیں۔

ایک جانب درختوں میں چند جھونپڑیاں بھی تھیں جن کے باہر کچھ ناگے چل پھر رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ اسی جگہ بیٹھیں۔ میں تمہیں تھوڑی دیر بعد اسی جگہ آ کر ملوں گا"۔

عنبر بخت خان اور اس کے دو ساتھیوں کو دریا کے شمالی کنارے پر چھوڑ کر دریا میں اتر گیا۔ وہ لوگ عنبر کو کچھ دور دریا میں تیرتے دیکھتے رہے۔

عنبر دریا کے دوسرے کنارے پر باہر نکلا ہی تھا کہ ایک دم سے اس پر زہریلے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔

عنبر پر بھلا ان تیروں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ تیر آ کر اس سے ٹکراتے رہے اور گرتے رہے۔ ناگوں نے جب دیکھا کہ اس اجنبی پر ان تیروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو وہ نیزے اور چھرے لے کر اس پر لپکے۔

عنبر دنیا کے ہر قبیلے کی زبان سمجھ اور بول سکتا تھا اس کے ہاتھ اوپر اٹھا کر ان کی زبان میں کہا۔

"سنو اے ناگا قوم کے لوگو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے تیروں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسی طرح تمہارے نیزے اور چھرے بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے"۔

تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ میرا حکم مانو اور جیسے

میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو

ناگا رک گئے۔ پھر ایک ناگا نے چیخ کر کہا۔

"یہ جادوگر جھوٹا ہے۔ میں اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کرتا ہوں"۔

اور اس ناگا نے آگے بڑھ کر نیزہ عنبر کے سینے پر پوری طاقت سے مارا۔ نیزہ دوہرا ہو گیا۔ ناگا مت کے بل زمین پر گر پڑا۔

دوسرے ناگا حیران ہو کر کھڑے رہ گئے۔ ایک ناگا نے کہا۔

"یہ جادوگر ہے۔ اسے اپنے جادوگر خرموش کے پاس لے چلو۔ یہ خرموش سے بڑا جادوگر نہیں ہو سکتا۔ وہ اسے ضرور ہلاک کر دے گا"۔

سب ناگاؤں نے مل کر عنبر کو رسیوں میں جکڑ دیا اور گھسیٹتے ہوئے جنگل کے اندر ایک اونچی جھونپڑی کے باہر لے گئے۔

یہ جھونپڑی درختوں کے بیچ میں بنی ہوئی تھی۔ یہاں اس قبیلے کا بڑا جادوگر خرموش رہتا تھا۔ خرموش نے شور سنا تو جھونپڑی سے باہر آ گیا۔

وہ ایک چوڑا اونچا لمبا جوان تھا، جس نے صرف ایک لنگوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔ گلے میں انسانی ہڈیوں کی مالا تھی اور ہاتھ میں ترشول تھام رکھا تھا۔

ایک ناگا نے کہا۔

"اے عظیم خرموش! یہ شخص کہتا ہے کہ میں خرموش سے بھی بڑا جادوگر ہوں"۔

یہ سن کر خرموش کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ بانس کی سیڑھی پر سے اتر کر عنبر کے قریب آ کر بڑی شان سے کھڑا ہو گیا۔ اور گھور گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا تم نے ایسا کہا اے بدقسمت نوجوان؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں اے خرموش! میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم جادوگری میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ

میرے سامنے ہتھیار پھینک کر اپنی ہار مان لو۔ نہیں تو تمہیں پچھتانا پڑے گا"۔

اب تو طیش سے خرموش کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے ترشول اوپر اٹھا کر ایک زوردار نعرہ مارا اور ترشول زمین پر پھینک دیا۔

زمین پر گرتے ہی ترشول نے ایک بارہ چہروں والے اژدھا کی شکل اختیار کر لی۔ اژدہا کے ہر منہ سے لال لال زبان باہر نکل کر پھنکار رہی تھی۔ وہ عنبر کی طرف بڑھا۔

سارے ناگا ڈر کے مارے پرے پرے ہٹ گئے مگر عنبر اپنی جگہ پر بڑی شان سے کھڑا رہا۔ اژدہا

نے آگے بڑھ کر عنبر پر حملہ کر دیا اور اس کے جسم کے گرد لپٹ گیا۔

اژدہا کا ہر منہ عنبر کے جسم پر زور زور سے ڈس رہا تھا۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”خرموش! میں تمہارے ترشول کے ٹکڑے اڑا رہا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ایک جھرجھری سی لی۔ اس کے جسم کے گرد بندھی ہوئی رسیاں تڑاخ تڑاخ ٹوٹ کر گر پڑیں۔

عنبر نے اب اژدہا کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے

پکڑ لیا اور اسے اتنے زور سے دبایا کہ اژدہا کے بارہ منہ کی آنکھیں باہر نکل پڑیں۔

دیکھتے دیکھتے اژدہا کے جسم کے بارہ ٹکڑے جب زمین پر گرے تو ترشول کے ٹکڑے بن گئے۔ عنبر نے فاتحانہ انداز سے خرموش کی طرف دیکھا۔

”خرموش! اب دوسرا حملہ کرو تاکہ تیرے دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔“

خرموش نے غصے میں آ کر اپنے گلے کی مالا میں سے ایک ہڈی نکالی اور اسے عنبر کی طرف زور سے پھینکا۔

اس ہڈی نے عنبر کو چاروں طرف سے اونچے

اونچے سرخ شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ عنبر سب کی نظروں کے سامنے دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ خرموش نے زور سے قہقہہ لگایا۔

ٹھگاؤں نے اپنے جادوگر کی حمایت میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ عنبر آگ میں جل رہا تھا۔ ظاہر میں ایسا ہی لگ رہا تھا۔

سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ عنبر کے جسم کو آگ کے شعلے تیزی سے چاٹ رہے تھے۔ لیکن وہ حیران ضرور تھا کہ عنبر اس آگ میں بھی اپنی جگہ سے ذرا نہیں ہل رہا تھا۔ ویسے کا ویسا ہی کھڑا تھا۔

کافی دیر بعد آگ بجھ گئی تو یہ دیکھ کر ٹھگاؤں کی

آنکھیں چکا چوند ہو گئیں کہ عنبر ویسے کا ویسا وہاں موجود تھا۔

آگ نے اس کی قمیض کو کالر تک اس کے سر کے ایک بال کو بھی نہیں جلایا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خرموش! اگر کوئی اور داؤ ہے تو وہ بھی آزما کر دیکھ لو تاکہ بعد میں تمہارے دل میں حسرت نہ رہے۔ کیونکہ جب میں نے تم پر وار کیا تو تم زندہ نہ بچ سکو گے"۔

خرموش کچھ پریشان سا ہو گیا۔ کیونکہ یہ دونوں داؤ اس کے بڑے مشہور داؤ تھے اور ان سے آج تک کوئی

نہیں بچا تھا۔

اب اس کی زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ خرموش جھنجھلا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس نے جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لٹکتے رسے کو اپنی طرف کھینچا اور پھر عنبر کی طرف اچھال دیا۔

رسے نے عنبر کو چاروں طرف سے لپیٹ لیا اور پھر اسے لے کر اوپر آسمان کی طرف اٹھنے لگا۔ جس طرح کہ ڈور کے ساتھ بندھی ہوئی پتنگ اوپر اٹھا کرتی ہے۔ ناگا لوگ دہشت زدہ ہو کر پرے پرے ہٹ گئے۔

رسا عنبر کو لے کر درختوں سے بھی اوپر آسمان پر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اب وہ بہت بلند ہو گیا۔ اب اتنی دور آسمان پر چلا گیا کہ نیچے سے دیکھنے پر عنبر ایک چھوٹا سا گیند نظر آ رہا تھا۔

خرموش کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ بڑے شان سے آگے بڑھا اور زمین پر لٹکتے ہوئے رسے کے پاس جا کر اس کا سرا اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

اس نے گردن اٹھا کر بڑے غرور سے اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

”اس مکھی کے بچے نے شیر سے ٹکر لینے کی کوشش کی تھی۔ اب میں اس کو مزا چکھاؤں گا۔ تمہارے

سامنے اس کی لاش کی بوٹیاں اڑ جائیں گی"۔

خرموش نے چھرا نکال کر اوپر ہوا میں اچھال دیا۔ یہ چھرا اڑتا ہوا اوپر اس مقام پر پہنچا جہاں عنبر رسے میں جکڑا ہوا لٹک رہا تھا۔

چھرے نے کسی بھوکے پرندے کی طرح عنبر پر حملہ کر دیا۔ خرموش نے نعرہ لگا کر کہا۔

"اب اس گستاخ کی لاش کے ٹکڑے زمین پر گریں گے"۔

سب کی نظریں آسمان کی طرف اٹھی تھیں۔ جہاں چھرا کسی غیبی طاقت کے اثر سے اپنے آپ اچھل اچھل کر عنبر کے جسم پر حملے کر رہا تھا۔ مگر عنبر پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ نہ خون نکل رہا تھا اور نہ اس کے بدن کی کوئی بوٹی نیچے گر رہی تھی۔ خرموش کو بڑا غصہ آ رہا تھا۔

سب قبیلے والوں کے سامنے اس کی کرکری ہو رہی تھی۔ آخر اس نے غضبناک ہو کر غصے میں رسی کو زور سے کھینچ دیا۔

رسی عنبر کے جسم سے نکل کر نیچے زمین پر گر پڑی۔ خرموش کا خیال تھا کہ عنبر دھڑام سے زمین پہ آن گرے گا اور اتنی بلندی سے نیچے گرنے پر ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔

لیکن ایسا بالکل نہ ہوا۔ بلکہ ہوا یہ کہ عنبر بڑے

آ بام سے یوں نیچے آنے لگا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی تخت میں سوار ہو۔ وہ بڑے سکون سے نیچے اترتا ہوا زمین پر آ کھڑا ہو گیا اور خرموش کی طرف دیکھ کر رعب دار آواز میں بولا۔

خرموش! تیرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ تجھے تیرے غرور کی سزا مل کر رہے گی۔ تو نے مجھ پر تین ہلاک کر دینے والے کئے اور میرا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

اب میں تم پہ پہلا وار کرتا ہوں جو تیری زندگی کے لیے آخری وار ثابت ہو گا۔

قبیلے کے لوگ دم بخود کھڑے تھے۔ خرموش پر بھی کچھ ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ خرموش اپنے قبیلے والوں کو کوئی حکم دیتا عنبر نے زمین سے چند پتھر اٹھا کر آسمان کی طرف اچھالے۔

آسمان پر دھوپ چمک رہی تھی۔ لیکن پتھروں کے اچھلتے ہی بڑے زور کا کڑاکا پیدا ہوا۔ وحشی ناگا ڈر کر زمین پر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد آسمان پر سے بجلی زمین پر گری اور خرموش کی جھونپڑی کو درخت سمیت جلا کر راکھ کر گئی دوسرا کڑاکا پیدا ہوا۔ سارا جنگل دہل گیا۔ بخت خان اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے بھی دریا پار اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر زور زور سے ہنہنانے لگے۔

"دیوتا! مجھے معاف کر دو"۔

اتنا کہہ کر خرموش عنبر کے قدموں پر گر پڑا۔

عنبر یہی چاہتا تھا۔ اس نے خرموش کے سر پر پاؤں رکھ کر کہا۔

"کیا اب بھی تو غرور کرے گا؟ جادوگری کرے گا؟"۔

خرموش سر ہلا کر بولا۔

"کبھی نہیں عظیم دیوتا! کبھی نہیں! میں تمہارا غلام ہوں میرا سارا قبیلہ تمہارا غلام ہے"۔

قبیلے والوں نے عنبر کے حق میں نعرے لگائے اور اس کے آگے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

دیکھو! اپنا سر میری آگے نہ جھکاؤ۔ سر جھکانا ہے تو صرف اللہ تعالےٰ کے آگے جھکاؤ میں اس کا ادنیٰ بندہ ہوں ہاں مجھے ایک دیوی کی، بزرگ کی دعا ہے یہ بدعا ہے جس کی وجہ سے میں ابھی مر نہیں سکتا۔

عنبر کو ان لوگوں نے پھولوں کے ہار ڈالے اور جھونپڑی کے اندر ایک تخت پر بٹھا دیا گیا اور جنگلی لوگوں کی طرح اس کے آگے بار بار آ کر سر جھکانے لگے۔

عنبر نے حکم دیا کہ دریا پار جا کر اس کے ساتھیوں کو حاضر کیا جائے۔ اسی وقت چند نوجوان کشتی لے کر دریا پار گئے۔

بخت خان اور اس کے ساتھی دیکھ کر ان پر تلواروں سے حملہ کرنے لگے لیکن ناگاؤں نے جھک کر سلام کیا اور اپنی زبان میں کہا کہ وہ انہیں لینے آئے ہیں۔

بخت خان سمجھ گیا کہ عنبر نے اپنا کام دکھا دیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔ ان لوگوں کو عنبر نے اپنا مطیع کر لیا ہے"۔

عنبر اور اس کے ساتھیوں کی وہاں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور سو گئے۔

تین دن خوب آرام کر کے سفر کی تھکان اتاری۔

چوتھے روز خرموش نے انہیں نیپال کی سرحد کو جانے کا ایک خاص راستہ بتایا جو پہاڑیوں کے بیچ سے ہو کر جاتا تھا اور بڑا محفوظ اور مختصر راستہ تھا۔

چلتے وقت خرموش نے ٹوکرے پھلوں سے بھر کر گھوڑے پر رکھوا دیا اور عقیدت سے انہیں رخصت کیا۔

عنبر اور اس کے ساتھیوں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ یہ لوگ جنگل میں ایک جگہ آرام کر رہے تھے کہ عنبر نے سیٹی کی عجیب سی آواز سنی۔

اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے۔ عنبر اٹھ کر

اس طرف گیا جدھر سے آواز آئی تھی۔ یہاں گھنے درختوں کے نیچے کانٹے دار جنگلی جھاڑیاں اگی تھیں۔ اندھیرا بہت تھا۔

سیٹی کی ہلکی سی آواز اسے پھر سنائی دی۔ اسے چونکہ ناگ کی تلاش تھی، سوچا شاید وہ سانپ کی شکل میں یہیں کہیں چل پھر رہا ہو اور اسے دیکھ کر پہچان لے۔

چلتے چلتے عنبر جنگل میں ذرا دور نکل گیا۔ ایک بار پھر وہی ہلکی سی سیٹی کی آواز آئی۔ عنبر جونہی آگے بڑھا، وہ دھڑام سے گر پڑا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک جنگلی بیل بڑی تیزی سے اس کے اردگرد لپٹنے لگی۔ عنبر نے اسے ہٹانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔

جنگلی بیل کی ٹہنیاں سانپوں کی طرح اس کے سارے جسم کے گرد لپٹ گئیں اور اسے پوری طرح جکڑ دیا۔

سیٹی کی ہلکی ہلکی آوازیں اسی بیل کی لچکدار سانپ جیسی جکڑ کر ان کا خون پی جایا کرتی تھی۔ عنبر کا خون تو وہ نہ پی سکتی تھی مگر اس نے عنبر کو اس بری طرح سے جکڑ لیا کہ وہ ذرا بھی ہل نہ سکتا تھا۔

اس کی طاقت جواب دینے لگی۔ زندگی میں پہلی بار عنبر نے اپنے کو بے بس محسوس کیا۔

بیل کی ٹہنیاں اس کی گردن کے گرد بھی لپٹ گئیں۔ وہ گردن بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ جوں جوں وہ زور لگاتا، ٹہنیاں اور زیادہ مضبوطی سے اسے گرفت میں لے لیتیں۔

اس نے آواز دے کر اپنے ساتھیوں کو بلانے کی کوشش کی مگر اس کی آواز بھی بند ہو چکی تھی۔ اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہونے لگی۔ اور آخر وہ بے ہوش ہو گیا۔

صبح ہوئی۔ بخت خان اور اس کے ساتھی جاگے۔ دیکھا کہ عنبر نہیں ہے۔ اسے بہت تلاش کیا گیا۔ مگر گڑھے میں پھیلی ہوئی جنگلی آدم خور بیل نے اسے چاروں طرف سے اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔

کافی دیر تلاش کرنے کے بعد اس کے ساتھی بادل نخواستہ یہ سوچ کر آگے چل پڑے کہ عنبر کسی کام سے آگے نکل گیا ہے اور وہ انہیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔

دوپہر کے بعد عنبر کو ہوش آیا۔ وہ ابھی تک آدم خور بیل کی گرفت میں تھا۔ بیل کی ٹہنیاں فولاد سے بھی زیادہ طاقت کے ساتھ اس کے سارے بدن کے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔ اس نے باہر نکلنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کی آواز بھی بند ہو چکی تھی۔

جنگلی بیل نے بھی اس قسم کا انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ جس کے اندر سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ اور اسے موت بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ جب بھی کسی جانور یا انسان کو اپنی لپیٹ میں لیتی تو وہ دس منٹ کے اندر اندر اسے کھا پی کر چٹ کر جاتی۔

لیکن یہ عجیب انسان تھا کہ ابھی تک زندہ تھا اور اسے سوائے اس کے کچھ بھی نہ ہوا تھا کہ اس کی آواز بند ہو گئی تھی اور طاقت ختم ہو گئی تھی۔

دوپہر کے بعد عنبر نے دیکھا کہ گڑھے کے کنارے کنارے ایک کالا سانپ رینگ رہا ہے۔ عنبر نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور بولنے کی کوشش کی۔

اس کی آواز تھوڑی سی واپس آ چکی تھی۔ گلے کی خشکی دور ہوئی تھی۔ عنبر نے سانپ کو آواز دی۔

”ناگ! میری مدد کرو“۔

اس کا خیال تھا کہ یہ ناگ اس کا بھائی ہوگا۔ لیکن وہ تو ایک عام زہریلا کوبرا سانپ تھا۔ اس نے عنبر کی آواز سنی تو اپنا پھن کھڑا کر لیا اور آہستہ آہستہ گڑھے میں اتر کر عنبر کے سامنے کھڑے ہو کر جھومنے لگا۔

عنبر نے سانپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ کالے سانپ نے اپنی لال لال آنکھوں سے

عنبر کو تھوڑی دیر تک گھورا پھر لپک کر اسے ڈس دیا۔ مگر عنبر پر کچھ اثر نہ ہوا۔

اچانک عنبر کو خیال آیا کہ ناگ نے ایک بار کسی سانپ سے باتیں کرتے ہوئے ایک منتر پڑھا تھا۔ وہ منتر اتفاق سے عنبر کو یاد رہا۔

چنانچہ اس نے اپنی دھیمی دھیمی آواز میں وہ منتر پڑھ کر سانپ کے پھن پر پھونک دیا۔ منتر کا پھونکا جانا تھا کہ کالا سانپ تڑپ کر پرے ہٹ گیا اور گردن بار بار جھکانے اور عنبر کے پاؤں پر سر رکھنے لگا۔

عنبر نے کہا۔

”اے کالے سانپ! اگر تم اس منتر کا مطلب سمجھ گئے ہو تو تمہیں یہ بھی ملوم ہو گیا ہو گا کہ میں ناگ دیوتا کا بھائی ہوں اور اس کی تلاش میں یہاں آیا تھا کہ اس آدم خور بیل نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ کیا تم کسی طرح مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہو؟۔

کالا سانپ ایک منٹ کے لیے عنبر کو دیکھتا رہا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

”میرے آقا! میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں“۔

اور پھر سانپ نے آدم خور بیل کی جڑوں کے پاس منہ لے جا کر زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ

سے شعلہ نکلا جس نے آدم خور بیل کی جڑوں کو جلا کر خاک کر دیا۔

اس کے منہ سے ساتھ ہی بیل کی ٹہنیوں میں سے جان نکل گئی ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ اپنے آپ مردہ ہو کر عنبر کے جسم سے اتر کر نیچے گر پڑیں۔

عنبر آزاد ہو گیا وہ گڑھے سے باہر نکل آیا۔ وہ اس جگہ گیا جہاں اس کے ساتھی سو رہے تھے۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھی اسے تلاش کرنے کے بعد جا چکے ہیں۔

کالا سانپ عنبر کے پیچھے پیچھے ادب سے چلا آ رہا تھا۔ عنبر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سانپ اس کے قریب ہی کنڈلی مار کر گردن جھکائے احترام سے بیٹھ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"اے سیاہ سانپ! کیا تو میرے بھائی ناگ کی کوئی خبر لا سکتا ہے؟ کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا؟"

کالے سانپ نے گردن اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور عاجزی سے کہنے لگا۔

میرے آقا! مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں ناگ دیوتا کے بارے میں کچھ معلوم کر سکوں۔ میں بہت چھوٹا اور ادنیٰ قسم کا سانپ ہوں۔

ہاں میں آپ کو اپنی سردار ناگنی کے پاس لے چلتا

ہوں۔ وہ شاید آپ کی کوئی مدد کر سکے۔

”مجھے ضرور ناگنی کے پاس لے چلو“۔

عنبر کالے سانپ کے ساتھ چل پڑا۔ سانپ جنگل کے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ایک ٹیلے کے پاس آ گیا۔

یہاں ایک غار تھا۔ وہ عنبر کو ساتھ لے کر غار کے اندر چلا گیا۔ غار میں ایک صاف ستھرا مٹی کا فرش تھا۔ جس کے درمیان میں ایک چوڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ کالے سانپ نے سیٹی کی آواز نکالی۔

اس کے ساتھ ہی ادھر ادھر سے بے شمار کالے سانپ نکل کر عنبر کی طرف پھن اٹھا کر چلے۔ کالے سانپ نے انہیں اپنی زبان میں کچھ کہا جسے سن کر سارے کے سارے سانپ زمین پر سر رکھ کر بیٹھ گئے۔

اب ایک بل میں سے ایک سفید رنگ کا سانپ نکلا جس کے سر پر سرخ رنگ کا تاج تھا۔ سانپ بار بار اپنی گردنیں ہلانے لگے۔

جیسے اس کی تعظیم کر رہے ہوں۔ سفید سانپ نے اپنی لال آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور ایک دم سے اپنا پھن پھیلا کر غصے میں پھنکارا۔

کالے سانپ نے ادب سے گردن جھکا کر عرض کی کہ یہ شخص ناگ دیوتا کا بھائی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ

سفید سانپ نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور عنبر کے پاؤں پر سر جھکا کر اٹھایا اور خالص کسی لڑکی کی آواز میں کہا۔

"خوش آمدید ہمارے آقا!"

یہ ناگنی تھی اور اس جنگل کے سارے سانپوں کی ملکہ تھی۔ عنبر نے اسے بتایا کہ وہ اپنے ناگ بھائی کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔ کیا وہ اس کی کوئی مدد کر سکتی ہے؟۔

ناگنی نے کہا۔

"میرے آقا! ناگ دیوتا پر ہماری جان بھی قربان کاش وہ یہاں ہوتے اور ہم ان کی پوجا کر کے برکت حاصل کرتے مگر وہ تو یہاں کہیں بھی نہیں ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم کسی طرح سے معلوم بھی نہیں کر سکتیں کہ ناگ دیوتا اس وقت کہاں ہو گا؟ کس حال میں ہو گا؟"۔

ناگنی نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اپنی زبان بار بار نکال کر کبھی مشرق کی طرف اور کبھی مغرب کی طرف گردن گھمائی۔ دیر تک وہ ایسا کرتی رہی۔

پھر جھوم کر بولی۔

"میرے آقا! مجھے ہواؤں نے اطلاع دی ہے کہ ناگ دیوتا اس جنگل سے نکل کر نیپال کے بڑے

ناگ منی مندر کے آس پاس پہنچ چکا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے"۔

عنبر بڑا خوش ہوا کہ چلو ناگ کا کچھ تو ٹھکانہ دریافت ہوا۔ نیپال تو وہاں سے تھوڑی ہی دور تھا۔ وہ اب ناگ سے ملاقات کر سکتا تھا۔

اس نے سوچا کہ لگے ہاتھوں ناگنی سے ماریا کے بارے میں بھی معلوم کر لینا چاہیے۔

اس نے کہا۔

"ناگنی! کیا تم ہماری بہن ماریا کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہو؟"۔

"ہم تینوں بہن بھائی اکٹھے سفر کر رہے تھے کہ ہم

پر ایک مشکل آن پڑی اور ہم بچھڑ گئے۔ ماریا پر جادو کا اثر ہے اور وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی"۔

ناگنی نے کہا۔

"میرے آقا! اگر مجھے ماریا کے بارے میں کچھ علم ہوتا تو ضرور بیان کرتی۔ لیکن میں کسی انسان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا' تمہاری مہربانی کہ تم نے ناگ دیوتا کے بارے میں ہی میری مدد کی۔ اب یہ بتاؤ کہ میں کس راستے پر سفر کروں کہ جلدی سے جلدی نیپال پہنچ

جاؤں!"۔

ناگنی کہنے لگی۔

میرے آقا! بس جگہ آپ کھڑے ہیں اس کے نیچے سے ایک سرنگ نیپال کی سرحد کو جاتی ہے۔ یہ سرنگ اس علاقے کے پرانے راجاؤں نے کھدوائی تھی۔

جو پہاڑیوں کے نیچے ہی نیچے سے نیپال کی سرحد تک چلی گئی ہے۔ آیئے میں آپ کو سرنگ میں لیے چلتی ہوں۔

ناگنی کے حکم پر سانپوں نے مل کر پتھر پرے ہٹا دیا۔ نیچے سے ایک سرنگ کا راستہ نکل آیا۔ ناگنی عنبر کو لے کر سرنگ کے اندر آ گئی۔

یہ سرنگ ایک مرد کے قد کے برابر اونچی اور چوڑی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دور روشنی کا ایسا بندوبست کیا گیا تھا کہ اوپر پتھر میں سوراخ تھا جہاں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

ناگنی نے کہا۔

"میرے آقا! اس سرنگ کے راستے آپ ایک رات میں نیپال پہنچ جائیں گے۔ میرے سانپ آپ کی حفاظت کے لیے ساتھ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی یہ

سفر طے کر لوں گا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ! ناگ دیوتا سے میں تمہاری تعریف کروں گا"۔

ناگنی کہنے لگی۔

"اگر آپ نے ناگ دیوتا سے میری تعریف کی اور وہ خوش ہو گیا تو میں اس دنیا کی خوش قسمت ناگن ہوں"۔

عنبر بولا۔

"فکر نہ کرو۔ ناگ دیوتا تم سے بہت خوش ہو گا اچھا خدا حافظ!"۔

خدا حافظ۔

ناگنی سے رخصت ہو کر عنبر سرنگ کے اندر روانہ ہو گیا۔ کافی دور تک وہ چلتا چلا گیا۔ ہر دو فرلانگ کے فاصلے پر سرنگ کے اوپر سے روشنی اندر آتی تھی۔ سرنگ میں ہوا بھی آتی تھی۔

پھر بھی فضا میں نمی تھی۔ جیسے بارش کے بعد ہوا کرتی ہے عنبر دیر تک سفر کرتا رہا۔ پھر وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ جب ذرا تھکان دور ہوئی تو پھر سے چلنا شروع کر دیا۔

وہ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دوسرے روز صبح صبح اسے غار میں دور روشنی کا ایک دائرہ سا نظر آیا جو آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا۔ یہ دائرہ پھر ایک دروازہ بن گیا۔

سرنگ یہاں پر ختم ہوئی تھی عنبر سرنگ سے باہر نکل

آ گیا۔

یہاں ارد گرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کی ڈھلانوں پر کسانوں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جگہ جگہ جھونپڑے بنے تھے۔ یہ نیپال کے دیہات کا علاقہ تھا۔

عنبر نیپال کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے نکل کر ایک کسان کے جھونپڑے کے پاس آ کر رک گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناگ منی کا مندر کہاں پر ہے۔ اس نے کسان سے پوچھا۔

"بھائی! مجھے ناگ منی کے مندر میں جانا ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہ مندر کہاں پر ہے؟"۔

کسان نے کہا۔

"یہاں سے وادی کے پار ایک دریا تمہیں ملے گا۔ جب وہ دریا تم پار کر جاؤ گے تو دوسرے کنارے پر ایک چٹان کے اوپر ناگ منی کا مندر ہے"۔

عنبر نے کسان کا شکریہ ادا کیا اور وادی میں اتر گیا۔

یہ وادی بڑی سرسبز و شاداب تھی۔ کھیتوں میں مکئی کے بھٹے چمک رہے تھے۔ دھوپ خوب نکلی تھی۔ فضا میں گرمی بالکل نہیں تھی۔

کسان جگہ جگہ کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ عورتیں ٹوکریاں پیٹھ پر رکھے پہاڑی ڈھلانوں سے

اتری تھیں۔

عنبر اس علاقے میں آ کر بڑا خوش ہوا۔ وادی سے نکل کر اس نے ایک دریا دیکھا جس کا پاٹ چوڑا نہیں تھا مگر اس کا پانی پتھروں سے ٹکرا کر بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔

اس دریا پر رسوں کا ایک چھوٹا سا پل بنا تھا۔ مسافر اس پل پر سے دریا عبور کر رہے تھے۔ عنبر اس پل پر سے گزر کر دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا۔

پوچھتے پوچھتے آخر وہ اس جگہ پر آ گیا جہاں سامنے سرخ چٹان تھی اور اس پر ناگ منی کے مندر کا سنہری کلس چمک رہا تھا۔ ایک سرخ رنگ کا جھنڈا بھی لہرا رہا تھا۔ مندر کے ماتھے پر پتھر کا ایک بہت بڑا سانپ بنا تھا۔ اس مندر میں ناگ منی کی پوجا ہوتی تھی جو سانپوں کا دیوتا تھا۔

عنبر مندر کی ڈیوڑھی پر آ کر رک گیا۔ وہاں ایک بھکشو بیٹھا تھا۔ اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟

عنبر بولا۔

"میں ملک افریقہ سے آیا ہوں۔ مجھے مندر دیکھنے کا شوق ہے۔ یہی شوق مجھے آپ کے ملک میں کھینچ لایا ہے۔ میں ناگ منی کا مندر دیکھنا چاہتا ہوں"۔

بھگتو نے کہا۔

"تم غیر مہذب کے آدمی ہو۔ تمہیں مندر میں جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ ہاں تم باہر سے مندر کو دیکھ سکتے ہو"۔

عنبر نے سوچا کہ اگر ناگ یہاں پر موجود ہوا تو وہ باہر بھی آ جائے گا اور اسے مل لے گا۔ اندر نہ سہی باہر بیٹھ کر ہی ناگ کا انتظار کرتے ہیں اس نے بھگتو سے پوچھا۔

بھائی! میں مندر کو باہر ہی سے دیکھ لوں گا۔

لیکن کیا یہاں دو چار روز تک رہنے کے لیے کوئی جگہ مل جائے گی؟۔ میں کرایہ ادا کروں گا۔

بھگتو نے کہا۔

اس چٹان کے پیچھے تالاب کے کنارے کچھ جھونپڑیاں ہیں جہاں باہر مسافر آ کر ٹھہرتے ہیں۔ تمہیں وہاں ایک جھونپڑی کرائے پر مل سکتی ہے۔

عنبر بڑا خوش ہوا۔ کیونکہ ناگ بھی اگر یہاں آیا تو ان جھونپڑیوں میں ضرور آئے گا۔

اس نے بھگتو کا شکریہ ادا کیا اور چٹان کے عقب میں آ گیا۔ یہاں ایک بڑا سا تالاب بنا تھا۔ جس کے اندر پتھر کی سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔ ایک جانب بانس کے درختوں میں کچھ جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

ان جھونپڑیوں میں باہر سے آئے ہوئے مسافر

وہ رہتے تھے۔ عنبر نے بھی ایک جھونپڑی کرائے پر لے لی اور اس کے اندر بانس کے تخت پوش پر آ کر لیٹ گیا۔

وہ کچھ تھک گیا تھا۔ اس کم بخت آدم خور جن نے اسے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ اگر سانپ اس کی مدد نہ کرتا تو کیا خبر ابھی تک وہ اسی کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوتا۔

شام کو عنبر نے کھانا کھایا اور سو گیا۔ اس نے سوچا کہ صبح اٹھ کر وہ اس سارے علاقے میں ناگ کو تلاش کرے گا۔

اب ذرا ناگ کی طرف چلتے ہیں۔

ناگ نے عزت بیگ اور شہزادی جہاں زیب کو اس کی خالہ کے گھر پہنچا دیا تھا۔ اس کی خالہ نیپال کی شمالی سرحد کے ایک گاؤں میں رہتی تھی۔

انہوں نے ناگ کی بڑی خدمت کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ناگ ابھی کچھ دیر اور ان کے ہاں ٹھہرے لیکن ناگ کو بھی عنبر اور ماریا کی فکر ہوئی تھی۔

اس نے معذرت کا اظہار کیا اور گاؤں سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی منزل نیپال شہر کاٹھمنڈو تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عنبر سے وہاں ضرور مل سکے گا۔

وہ چلتا چلا گیا۔ کبھی بیل گاڑی میں کبھی پیدل اور کبھی ٹٹو پر۔ آخر وہ ایک وادی میں پہنچا جہاں کسان

کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ اس نے ایک کسان سے پوچھا کہ کاٹھ منڈو کتنی دور ہے۔ کسان نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کاٹھ منڈو تو یہاں سے بہت دور ہے۔ اگر تم پیدل چلتے رہے تو شاید ایک مہینے میں پہنچو گے"۔

ناگ نے کہا۔

"کیا تم مجھے ایک بیل دے سکتے ہو؟ میں تمہیں اس کے عوض سونے کی چار اشرفیاں دوں گا"۔

ناگ کے پاس بس صرف یہ چار اشرفیاں ہی رہ گئی تھیں۔ اس نے یہ چاروں اشرفیاں کسان کے حوالے کر دیں اور ایک مریل سا بیل لے کر اس پر سوار ہو گیا اور آگے چل پڑا۔

ناگ جس راستے سے سفر کر رہا تھا۔ اس راستے پر عنبر نے سفر نہیں کیا تھا۔ ورنہ اس کی ملاقات ناگنی ملکہ سے ضرور ہوتی اور وہ اسے عنبر کے بارے میں بتا دیتی کہ وہ ناگ تنی کے مندر میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔

ناگ شمال کی طرف سے سفر کرتا آ رہا تھا اور ادھر راستہ دشوار گزار بھی تھا اور یہاں سردی بھی زیادہ تھی۔ خیر ناگ پر تو سردی گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ بیل بڑا مریل تھا دو روز تک وہ سیدھی طرح سے چلتا رہا۔ مگر تیسرے روز اس نے پتنگ کی طرح ایک طرف جھپ کھانے شروع کر دیے۔

شام کو وہ ایک جگہ دھڑام سے گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ناگ نے بیل کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"اچھا دوست! تم نے میری بڑی مدد کی۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ خدا کو یہ منظور نہیں تھا کہ ہمارا ساتھ دور تک رہتا۔ جہاں رہو خوش رہو۔ خدا حافظ"۔

ناگ پیدل ہی چل دیا۔ یہاں قدم قدم پر چشمے اور ندیاں ملتی تھیں۔ رات کو ناگ نے ایک جگہ آرام کیا۔ صبح اٹھ کر درختوں سے پھل توڑ کر کھایا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔

آخر وہ ایک روز نیپال کے سب سے بڑے شہر کاٹھمنڈو پہنچ گیا۔ ابھی وہ شہر کی چار دیواری سے دور وادی میں ہی تھا کہ شام ہو گئی اور شہر کے قلعے کے اوپر مشعلیں روشن کر دی گئیں۔

ناگ پھر بھی چلتا رہا۔ کیونکہ وہ تھک تو سکتا ہی نہیں تھا۔ شہر کے دروازے پر اسے کسی نے نہ روکا۔ وہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اچھی آبادی والا شہر تھا۔ لوگ لکڑی کے مکانوں میں رہتے تھے۔

محلے گنجان تھے۔ جگہ جگہ مندر تھے۔ جہاں سانپوں اور کرشن کی پوجا ہوتی تھی۔

اب رات گزارنے کے لیے ناگ کو کسی ٹھکانے کی ضرورت تھی۔

وہ ایک ندی کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ یہ ندی شہر

کے درمیان سے گزرتی تھی۔ وہ ندی پر بیٹھا عنبر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک جلوس اس کے قریب سے گزرا۔

یہ کچھ پجاری تھے جو ایک تخت پر موٹی توند والے بڑے پجاری کو بٹھائے اور تخت کو کندھوں پر اٹھائے چلے جا رہے تھے۔

آگے آگے پٹاری میں ایک سانپ اپنا پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ یہ پٹاری بھکشو نے اپنے سر پر اٹھا رکھی تھی۔

دو آدمی پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اور سانپ کے سر پر مور کے پروں کا پنکھا جھل رہے تھے۔ ناگ خاموش سے بیٹھا یہ جلوس دیکھتا رہا۔ اچانک پٹاری میں پھن پھیلائے کھڑے ہوئے سانپ نے کچھ بے چینی محسوس کی۔

اب جو اس کی نظر ناگ پر پڑی تو وہ پٹاری میں سے اچھل کر سڑک پر آ گیا۔ جلوس ایک دم سے رک گیا۔ کیونکہ مقدس سانپ پٹاری سے نکل گیا تھا۔

موٹے پجاری نے کہا۔

”مقدس سانپ کو پکڑو۔ جلدی کرو پوجا کا وقت جا رہا ہے۔“

مقدس سانپ ناگ کے سامنے آ کر سجدے میں گر پڑا۔ اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ ناگ نے

کوئی حرکت نہ کی۔ خاموشی سے سانپ کو تکتا رہا۔ اب تو پجاری کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا۔ وہ تخت پر سے اترا اور ناگ کے پاس آ کر رعب سے بولا۔

”کون ہو تم آوارہ انسان! تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ اپنے جادوں کے زور سے ہمارے مقدس سانپ کو مطیع کر لو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”میں نے کوئی جادو نہیں کیا اور نہ میں جادوگر ہوں مسافر ہوں ملک قرطاجنہ سے سیر کرنے آپ کے دیس میں آیا ہوں“۔

پجاری چلایا۔

”تو پھر یہ مقدس سانپ تمہارے پاس کیوں آ گیا ہے؟“۔

”مجھے کیا معلوم؟ یہ تم اپنے سانپ سے پوچھو“۔

ناگ نے آرام سے جواب دیا۔

موٹے پجاری کو بڑا غصہ آیا کہ یہ گستاخ مسافر کس طرح بات کرتا ہے اس نے تخت پر سے خنجر اٹھایا اور پوری طاقت سے ناگ کے جسم پر دے مارا۔

ایک پٹاخے کی آواز پیدا ہوئی خنجر ناگ کے کاندھے پر پڑا۔ ناگ کو طیش تو آ گیا مگر وہ کسی انسان کو یونہی مارنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے کہا۔

"پجاری بابا! مجھے تنگ نہ کرو نقصان اٹھاؤ گے"۔

موٹا پجاری زمین پر پاؤں مار کر بولا۔

"پھر میرے مقدس سانپ کو کہو کہ وہ واپس پٹاری میں چلا جائے"۔

"ناگ نے سانپ کو اشارہ کیا۔ سانپ نے پھن پھیلا کر اپنی زبان میں جو اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا' کہا"

"میرے آقا! اگر حکم ہو تو میں اس موٹے پجاری کو ڈس کر ابھی ہلاک کر دوں"۔

ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا۔

"نہیں! میں اس پجاری پر رحم کرتا ہوں۔ تم واپس پٹارے میں چلے جاؤ"۔

سانپ خاموشی سے واپس پٹاری میں چلا گیا اور پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ موٹے پجاری نے قہر آلود نظروں سے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"خبردار! آئندہ میرے مقدس سانپ پر جادو کرنے کی جرات نہ کرنا نہیں تو تمہیں زمین میں گاڑ کر تم پر کتے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اس بار تمہیں معاف کرتا ہوں"۔

پجاری تخت پر بیٹھ گیا۔ غلاموں نے تخت اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور جلوس بڑے مندر یعنی ناگ منی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہی وہ مندر تھا جس

کے تالاب کے پاس عنبر ایک جھونپڑی میں ٹھہرا ہوا تھا۔

ناگ کو غصہ تو اس موٹے پجاری پر بہت آیا مگر خاموش رہا۔ وہ کسی اور موقع پر اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ رات گہری ہونے لگی تو ناگ نے سوچا کہ کسی جگہ بسیرا کرنا چاہیے۔

یہ سوچ کر وہ اٹھا اور شہر کے اس علاقے کی طرف آ گیا جہاں بڑی بڑی محل نما پتھر کی اونچی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ اچانک ایک سپاہی نے سامنے آ گیا۔

اپنی خونخوار آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

”کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟“۔

ناگ نے سادگی سے جواب دیا۔

”رات بسر کرنے کا ٹھکانہ تلاش کر رہا ہوں“۔

سپاہی نے ناگ کو گرفتار کر لیا۔ دوسرے سپاہی بھی بھاگ کر آ گئے۔ انہوں نے ناگ کو رسیوں سے باندھا اور شاہی محل کے اندر لے گئے۔

یہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ وہ غلطی سے سپہ سالار کے محل میں نکل آیا تھا جہاں بغیر اجازت جانے کی سزا موت تھی۔

آگے کیا ہوا۔۔۔؟

اس دلچسپ سلسلہ وار ناول کا اگلا حصہ

آئندہ قسط نمبر 57 میں پڑھیے

پھانسی کی کوٹھڑی

(امبر ناگ ماریا نمبر 57)

اے حمید

فہرست

پھانسی کی کوٹھڑی
خونی قبر
کالے پانی کا سفر
بھوت کے خراٹے
لال برج

پھانسی کی کوٹھڑی

جزیرے کی جیل ایک ویران جگہ پر تھی۔

یہاں چاروں طرف اجاڑ پہاڑیاں تھیں جہاں کہیں کہیں خاردار خشک جھاڑیاں اتنی اونچی تھیں کہ اس میں ہاتھی چھپ کر بیٹھ سکتا تھا۔

اس جیل کا دروازہ بہت مضبوط لوہے کا تھا اور اسے چار آدمی مل کر کھولتے تھے یہاں تہہ خانے کی

ایک نیم روشن نمدار کوٹھڑی میں سلاخوں کے پیچھے سرفروش ترمان خان اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔

یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا اور آخری رات۔ جس کے پچھلے پہر اس کو پھانسی ملنے والی تھی۔ جلاد نے پھانسی گھر میں پھانسی صاف کرنی شروع کردی تھی۔

نیا رسا باندھا جا رہا تھا۔ ان تختوں کو جانچا جا رہا تھا۔ جنہوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر زمان خان کی لٹکی ہوئی۔ پھندے میں پھنسی ہوئی لاش کو نیچے اندھیرے کنوئیں میں اچھال دینا تھا۔ کل پرزوں کو تیل دیا جا رہا تھا۔

شام ہو گئی۔ کالے پانی کے سمندر میں ہلکی ہلکی ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں۔ آسمان پر بادل چھانے لگے اور رات کے پہلے پہر کو گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی۔

آج کی رات جزیرہ کالے پانی کی بڑی ڈراؤنی اور دہشت ناک رات تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے جزیرے کو کسی ڈراؤنے آسیب نے گھیر لیا ہے۔

جنگل کے گھنے سیاہ درختوں پر پانی کی بوچھاڑیں پڑ رہی تھیں۔ جنگلی درندے اور جانور اپنے اپنے غاروں، کچھاروں اور گھونسلوں میں دبے بیٹھے تھے۔ بادل گرجتا تو دل دہل جاتے۔

بجلی چمکتی تو ایک پل کے لیے طوفانی سمندر روشن ہو جاتا۔ جیل میں زمان خان کو پھانسی دینے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

جلاد ایس پی جیل کے کمرے میں آ کر میز کے سامنے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ یہ جزیرے کا بڑا مشہور جلاد تھا اور کئی سرفروشوں کو پھانسی دے چکا تھا۔

سیاہ رنگ کا سوکھا چمرخ سا مقامی آدمی تھا جس نے سوائے آنکھوں کے سارے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا۔

جیل انسپکٹر کے کمرے میں مدھم لیمپ روشن تھا اور وہ زمان خاں کی فائل کھولے اس پر کچھ لکھ رہا تھا۔

یہ پھانسی کی فائل تھی اور اس کا رنگ سیاہ تھا۔ جیل کے اندر سارے قیدیوں کی کوٹھڑیوں پر تالے لگا کر انہیں بند کر دیا گیا تھا۔

کسی کو باہر نکلنے کا حکم نہیں تھا۔ بارش، گرج چمک، تیز ہوائیں۔

ماریا اس وقت کہاں تھی؟ ماریا اس وقت جیل کے بڑے دروازے کے پہلو میں ایک جگہ سائے میں کھڑی تھی۔

بارش کی بوندیں لکیروں کی شکل میں چھت پر سے گر رہی تھیں۔ لوہے کے بڑے گیٹ کے نیچے ایک

چھوٹا دروازہ بھی تھا۔

ماریا اس دروازے کے کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ آدھی رات کے بعد جیل میں ایک خاص ہرکارہ گورنر کا حکم نامہ لے کر آئے گا۔

گھڑیال نے جب رات کے بارہ بجائے تو دور سے ایک گھوڑ سوار جیل کے گیٹ کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے ایک کاغذ دکھایا۔

جیل کے پہریدار نے اپنی کوٹھڑی سے نکل کر لالٹین کی روشنی میں وہ حکم نامہ دیکھا۔ ہرکارے کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

بس یہی وقت ماریا کے بھی اندر داخل ہونے کا

تھا۔

ماریا اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ جلدی سے چھپر کے نیچے سے نکل کر گیٹ کے پاس آ گئی۔ جونہی چھوٹا دروازہ کھلا اور ہرکارہ گھوڑے سے اتر کر اندر داخل ہوا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی۔

اندر ایک چھوٹا سا میدان تھا جس کے کنارے کنارے پکے پتھروں سے ایک منزلہ کوٹھڑیاں ساتھ ساتھ بنی ہوئی تھیں۔

جیل کی کوٹھڑیاں ساتھ ساتھ بنی ہوئی تھیں۔ جیل کی کوٹھڑیاں ان کے اندر جا کر تھیں۔ ماریا ایک کمرے

کے دروازے میں سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔

یہاں قدم قدم پر بندوق کندھے پر رکھے سپاہی گھوم پھر کر گشت لگا کر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک جگہ "انسپکٹر جیل" کی تختی لگی تھی۔

ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا۔

انسپکٹر جیل ہرکارے سے حکم نامہ لے کر اس پر دستخط کر رہا تھا۔ لازمی بات تھی یہ حکم نامہ زمان خاں کی پھانسی کے بارے میں تھا۔

ماریا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پھانسی کی وہ کوٹھڑی کہاں ہے جہاں زمان قید ہے۔ وہ برآمدے میں سے گزرتی ایک اور برآمدے میں آ گئی۔

یہاں محرابوں کے ساتھ ساتھ سلاخیں لگی تھیں۔

ایک جگہ دیوار کے ساتھ مٹی کے تیل کا لیمپ روشن تھا۔ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ماریا کچھ دیر بیکار چکر لگاتی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ قیامت تک پھانسی کی کوٹھڑی میں نہیں پہنچ سکے گی۔

کسی سے پوچھنا چاہیے۔ مگر وہ کس سے پوچھے؟ وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔

وقت بڑا قیمتی تھا۔ اس نے یہ خطرہ بھی مول لے لیا۔ وہ برآمدے کے پہلو میں ایک بارک کی کوٹھڑی میں آ گئی۔

یہاں لیمپ کی روشنی میں ایک کالا انڈیمانی سپاہی شاید آدھی رات کو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر چارپائی پر بیٹھا اپنے بھاری بھرکم بوٹ اتار رہا تھا۔

ماریا چپکے سے اس کی کوٹھڑی میں داخل ہو گئی۔ اس نے بڑے آرام سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ تاکہ سپاہی ڈر کر کہیں باہر نہ بھاگ جائے۔

کنڈی لگنے کے کھٹکے کی آواز آئی تو کالے سپاہی نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا تھا اور کنڈی بھی لگ گئی تھی۔

پاؤں سے اتارا ہوا بوٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا۔ اس کے ماتھے پر خوف سے ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اندر کوئی چڑیل یا بھوت داخل ہو گیا ہے۔

اتنے میں ماریا نے اس کے سر کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سپاہی کو اپنے کندھے پر بھوت کا ٹھنڈا ہاتھ محسوس ہوا تو اس کے جسم پر دہشت سے کپکپی طاری ہو گئی اور وہ یوں کانپنے لگا جیسے قصائی نے بکرے کی گردن پر چھری رکھ دی ہو۔

ماریا کہنے لگی۔

”میری بات غور سے سنو! میں اس جیل کے بھوت کی بیوی ہوں۔ مجھے بتاؤ وہ کوٹھڑی کہاں ہے۔

جہاں زمان خان قید میں پڑا ہے۔ میں اسے ملنا چاہتی ہوں"۔

سپاہی پہلے ہی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اب جو ماریا یعنی بھوت کی بیوی کی آواز سنی تو اور بھی زبان گنگ ہو گئی۔ ماریا نے اس کی گردن پر اپنا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"جواب دو۔ بولو نہیں تو میں اسی وقت تمہیں ہلاک کر کے کھا جاؤں گی"۔

کالے سپاہی نے منہ کھولا تو اس کی زبان تتلا رہی تھی۔

"تت تت۔ تت۔۔۔ تہہ خانے میں"۔

ماریا نے اس کی گردن دباتے ہوئے پوچھا۔

"تہہ خانے کو راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"۔

سپاہی نے ہاتھ کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

"برآمدے کی آخر میں سیڑھیاں۔۔۔ س۔ سس۔ سس سیڑھیاں۔ ب ب ب برآمدے"۔

اور اس کے بعد سپاہی بے ہوش ہو کر چارپائی پر گر پڑا۔

ماریا کو جتنی اطلاع چاہیے تھی، وہ اسے مل گئی تھی۔ کنڈی کھول کر وہ برآمدے میں آ گئی۔ بائیں جانب برآمدہ آگے جا کر ختم ہو گیا تھا۔

پھانسی کی کوٹھڑی (عمبرناگ ماریا نمبر 57)

وہاں ایک محراب بنی تھی جس کے منہ پر جنگلا لگا تھا۔ اس میں ایک کھڑکی تھی جس کے باہر ایک سپاہی کھڑے ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے بھی کندھے پر توڑے دار بندوق اٹھا رکھی تھی۔

یہ ایک اور مصیبت سامنے آ گئی تھی۔ ماریا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اس لوہے کے جنگلے کے پاس کیوں کر جائے کہ زمان خان کی خوش قسمتی سے ایک سپاہی اندر سے آتا دکھائی دیا۔

پہریدار نے دروازہ کھول دیا۔ سپاہی باہر نکل گیا۔ لیکن اس عرصے میں ماریا اندر داخل ہو چکی تھی۔

ذرا آگے جا کر برآمدہ دائیں جانب گھوم گیا۔

یہاں چھت پر بارش کی آواز آ رہی تھی۔ معلوم ہوا ایک طرف کہیں ٹین کی چھت تھی۔ اب نیچے تہہ خانے کو سیڑھیاں جاتی تھیں۔

محراب کے طاق میں یہاں بھی ایک لیمپ جل رہا تھا۔ ماریا سیڑھیاں عبور کر گئی۔ سامنے ایک کوٹھڑی تھی جس کے آگے لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔

باہر ایک ڈنڈیمانی سپاہی ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ اس قسم کا زبردست انتظام اور چوکی پہرہ ماریا نے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ سلاخوں کے پاس ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی

اور اندر جھانک کر دیکھا۔

یہ پھانسی کی کوٹھڑی تھی چھوٹا سا کچا صحن تھا۔ جس پر گھاس بچھی ہوئی تھی ایک کونے میں دیا جل رہا تھا۔ نیچے گھاس پر بیٹھا زمان خان نماز پڑھ رہا تھا۔

ماریا اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ اب زمان خان کو یہاں سے نکال کر جزیرے میں کسی محفوظ جگہ پہنچانا تھا۔

یہ بڑا کٹھن کام تھا۔ مگر ماریا نے ایک ترکیب پہلے سے سوچ رکھی۔ اول تو اس کوٹھڑی کا تالہ کھولنا ہی مشکل تھا۔

کافی موٹا لوہے کا تالا لگا تھا۔ ظاہر ہے، اس کی

چابی پہرے دار کے پاس ہو گی۔ پہرے دار بڑا ہوشیار ہو کر کھڑا تھا۔

کم بخت اونگھ رہا ہوتا تو ماریا اس کی جیب سے چابی نکال لیتی۔ بہر حال وقت کم رہ گیا تھا۔ ماریا کو جو کچھ بھی کرنا تھا بڑی تیزی سے کرنا تھا۔

پہرے دار بندوق زمین پر لگائے اس پر ہاتھ رکھے ٹانگیں چوڑی کیے کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے اسے زور سے دھکا دیا۔

پہرے دار سامنے دیوار کے ساتھ جا کر لگا اور گر پڑا۔

ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا اور یہ سوچ ہی رہا تھا

کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو گیا ہے کہ ماریہ نے بندوق اٹھا کر اس کا دستہ پوری طاقت سے اس کے سر پر دے مارا۔

پہرے دار سپاہی اٹھتے اٹھتے چکرا کر دوبارہ گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ زمان خان نماز پڑھ کر دعا مانگ رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ سپاہی ابھی ٹانگیں چوڑی کیے پہرہ دے رہا تھا اور ابھی وہ ایک دم سے اچھل کر اپنے آپ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کی بندوق اپنے آپ فضا میں اچھل کر اس کے سر پر لگی اور دوبارہ گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

اس کی آواز تک نہ نکل سکی۔ زمان خان بڑا جی دار دلیر نوجوان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی غیبی طاقت اس کی مدد کر رہی ہے۔ اس نے سن رکھا تھا کہ اس جیل میں ایک بھوت رہتا ہے۔

خدا نے اس کی دعا قبول کر لی۔ اور اس کی مدد کے لیے یہ بھوت بھیجا ہے۔ ماریا نے سپاہی کی جیب ٹٹول کر چابی نکالی۔

تالا کھول کر سلاخ دار دروازے کا ایک پٹ کھولا اور اندر کوٹھڑی میں آ گئی۔

”زمان خان! میں تمہاری مدد کو آئی ہوں۔ گھبرانا

نہیں"۔

زمان خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم جیل کا بھوت ہے؟"۔

ہاں۔ میں جیل کے بھوت کی بیوی ہوں۔ تم بھی سمجھ لو۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آئی ہوں۔

میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔ آؤ میرے ساتھ۔ لیکن ٹھہرو۔ تم اس بے ہوش سپاہی کی وردی اتار کر پہن لو۔ جلدی کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔

زمان خان لپک کر کوٹھڑی سے باہر آیا۔ اس نے بے ہوش سپاہی کی وردی اتار کر خود پہن لی۔ سر پر اس کی پگڑی جمائی کندھے پر بندوق رکھی اور بولا۔

"بھوت کی بیوی! میں تیار ہوں"۔

ماریا ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔

دیوار کے ساتھ ساتھ باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ تم بالکل نہ گھبرانا۔ جو بھی راستے میں ملے یہی ظاہر کرنا کہ تم سپاہی ہو۔

اور کوئی خاص اطلاع کرنے جیل انسپکٹر کمرے میں جا رہے ہو۔ گھبرانا بالکل نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گی۔

اگر کوئی مصیبت آن پڑی تو میں خود سنبھال لوں

گی۔ تم کسی حالت میں بھی گولی مت چلانا۔ نہیں تو اس کے شور سے بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ میری بات اچھی طرح سمجھ گئے ہو ناں؟۔

زماں خان نے سرگوشی میں کہا۔

”سمجھ گیا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے آگے آگے چل رہا ہوں“۔

زمان خان نے چلنا شروع کر دیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر جب وہ محرابی دروازے کے پاس آیا تو وہاں سپاہی باہر کی طرف لوہے کے جنگلے کے پاس کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

اس نے جو دیکھا کہ کوٹھڑی والا سپاہی بندوق

اٹھائے چلا آ رہا ہے تو سمجھا کہ ضرور کسی خاص کام کی غرض سے جا رہا ہے۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہاں لیمپ کی روشنی ذرا کم آ رہی تھی۔ کہ ایک زبردست غلطی ہو گئی۔ کم بخت کوٹھڑی کی چابیاں زمان خان اپنے ہاتھ میں لیتا آ گیا تھا۔

وہ اس کی چٹخنی میں پوری طرح سے نہیں پھنسی تھیں۔ جب وہ سپاہی کے قریب سے گزرنے لگا تو چابیاں فرش پر گر پڑیں۔

سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

”یار چابیاں تو سنبھال کر رکھا کرو“۔

اب زمان خان سے ایک خوفناک غلطی ہو گئی ہے کہ بول پڑا۔

"شکریہ بھائی"۔

اس کی آواز پہرہ دینے والے سپاہی سے بالکل مختلف تھی۔ سپاہی کو شک پڑ گیا۔ اس نے زمان خاں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے دوست؟"۔

اب جو اس نے جھک کر دیکھا تو وہاں زمان خان سپاہی کی پگڑی سر پر رکھے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سپاہی نے سیٹی نکال کر منہ کے ساتھ لگائی اور سیٹی بجا کر خطرے کا الارم دینے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی پشت میں چھرا گھونپ دیا۔

جو سیدھا اس کے دل میں جا کر اتر گیا۔ سپاہی نے آہ تک نہ کی۔ اور بڑے آرام سے وہیں اسی جگہ بیٹھا اور پھر ڈھیر ہو گیا۔

ماریا نے زمان خان کو ہلکا سا دھکا دیا۔

"جلدی یہاں سے نکلو"۔

زمان خان آگے بڑھا۔ اب برآمدہ دائیں جانب گھوم گیا۔ یہاں بھی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے زمان خان کی طرف بالکل نہ دیکھا۔ سمجھا کہ اس کی طرح یہ بھی ایک سپاہی ہے جو پہرہ دے رہا ہے۔ زمان خان اب جیل انسپکٹر کے دفتر

کے آگے سے گزرنے والا تھا۔ کمرے میں لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی برآمدے میں آ رہی تھی۔

اس روشنی کو عبور کرنا زمان خان کو ایک زبردست مرحلہ لگ رہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آگے بڑھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

زمان خان سر اٹھائے انسپکٹر کے دفتر کے آگے سے گزرا ابھی وہ دفتر کے سامنے سے گزر ہی رہا تھا کہ اندر سے انسپکٹر جیل نے آواز دی۔

"اے سارجنٹ! ادھر آؤ"۔

زمان خان کی اب ٹانگیں کانپیں۔ اسے یوں لگا

جیسے جلاد اسے پھانسی کے تختے کی طرف بلا رہا ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ انسپکٹر جیل کے کمرے میں جائے اور پھر اسے پہچان نہ لیا جائے۔

ظاہر ہے وہ اندر جائے گا انسپکٹر اسے پہچان کر ایک دم جیل میں خطرے کا الارم بجا دے گا۔ اور زمان خان کو دنیا کی کوئی طاقت پھر پھانسی کے تختے سے نہ بچا سکے گی۔

انسپکٹر جیل کو ایک ضروری کاغذ گیٹ کے سپاہیوں تک پہنچانا تھا۔ وہاں چپڑاسی کوئی نہیں تھا۔

اس نے دیکھا کہ ایک سپاہی کو باہر جا رہا ہے۔

سوچا اس کے ہاتھ پرچہ پہنچا دوں چنانچہ اس نے

آواز دے ڈالی۔

زمان خان ابھی رکا نہیں تھا۔ ماریا خبردار ہو گئی تھی کہ انسپکٹر جیل اتنی دیر میں پرچہ ہاتھ میں لے کر خود دفتر کے دروازے پر آ گیا اور بولا۔

"ویل سارجنٹ! یہ پرچہ گیٹ پر دے دینا"۔

زمان خان نے پرچہ تھام لیا۔ انسپکٹر نے اسے ایک نظر دیکھا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

پھر اچانک جیسے اسے سانپ نے ڈس لیا۔ چونک کر پلٹا اور دروازے پر آ کر بولا۔

"سارجنٹ ٹھہر جاؤ"۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ سارجنٹ کے لباس میں زمان

خان پھانسی کا سزا یافتہ، گورنر کا قاتل فرار ہو رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

زمان خان برآمدے میں نہیں تھا۔ انسپکٹر لپک کر واپس اپنی میز کے پاس آیا۔ یہاں میز کے ساتھ ہی ایک الارم لگا تھا جس کی گھنٹی نیچے کرنے سے ایک ایسا زبردست اور بھیانک الارم چیخ اٹھتا تھا کہ جیل کے در و دیوار گونج اٹھتے تھے اور تمام سپاہی بندوقیں لے کر جیل کے بڑے گیٹ پر مورچے سنبھال لیتے تھے۔

اگر یہ الارم ہو جاتا تو پھر زمان خان کو ماریا نہیں بچا سکتی تھی۔ کیونکہ پھر وہ ضرور کسی نہ کسی سپاہی کی گولی کا نشانہ بن جاتا۔

انسپکٹر کی جانب سے یہ حکم تھا کہ الارم کی آواز سنتے ہی فرار ہوتے ہوئے قیدی کو بے دریغ گولی مار دی جائے۔

انسپکٹر میز پر جھک کر الارم کی ہتھی نیچے کرنے لگا۔

لیکن ماریا تو اسی گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس وقت کے لیے پہلے ہی سے خنجر نکالے انسپکٹر کی میز کے پاس کھڑی تھی۔

جونہی انسپکٹر الارم بجانے کے لیے جھکا ماریا نے زور سے وار کیا۔ خنجر انسپکٹر کی پسلیوں میں لگا اور انہیں توڑتا ہوا دل کو دو ٹکڑے کر کے واپس ماریا کے ہاتھ میں آ گیا۔

انسپکٹر بوکھلا گیا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ اس پر کس نے حملہ کیا۔ قاتل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اٹھا اور اپنا پستول نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

پستول چمڑے کی پیٹی میں پھنس گیا تھا۔ ماریا نے دوسرا وار انسپکٹر کی گردن پر کیا۔

یہ وار کاری ثابت ہوا اور وہ کرسی سے ٹکرا کر فرش پر گرا اور تڑپنے لگا۔

ماریا نے اس کی وردی سے خنجر پونچھا اور دفتر سے نکل کر باہر کو بھاگی۔ اب وہ بارکوں سے نکل کر جیل کا چھوٹا سا میدان عبور کر رہی تھی۔

بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ صرف ہلکی ہلکی پھوار پڑ

رہی تھی۔ زمان خان اسے کہیں نظر نہ آیا۔ وہ بڑے گیٹ کی طرف بھاگی۔

کیا دیکھتی ہے کہ زمان خان ایک طرف ڈیوڑھی میں پتھر کے ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہے۔ جیل کا بڑا آہنی دروازہ بند تھا۔

اور تین سپاہی بندوقیں اٹھائے وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ خدا جانے زمان خان اس کا انتظار کر رہا تھا کہ کیا بات تھی۔

کیونکہ اس نے تو سپاہی کی وردی پہنی ہوئی تھی۔ اسے تو چاہیے تھا کہ جتنی تیزی سے ہو سکتا جیل کے گیٹ سے باہر نکل جاتا۔

ماریا اس کے قریب آ کر بولی۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو۔ باہر کو بھاگو۔ معلوم نہیں پیچھے کئی سپاہیوں کا خون ہو چکا ہے۔ کسی وقت بھی الارم بج سکتا ہے"۔

ابھی وہ بات ہی کر رہی تھی کہ جیل کا الارم اپنی بھیانک آواز سے چیخ اٹھا۔

ہر طرف لیمپ روشن ہو گئے۔ بارکوں میں شور مچ گیا۔ سپاہی بارکوں سے بندوق نکال نکال کر گیٹ کی طرف بھاگنے اور مورچوں میں چھلانگیں لگانے لگے۔

چاروں طرف سیٹیوں کی آوازیں آ رہی تھی۔

الارم ابھی تک چیخ رہا تھا۔ ماریا نے زمان خان

سے کہا۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں گیٹ پر جا کر اسے کھولنے کی کوشش کرتی ہوں۔ جونہی تمہیں چھوٹا گیٹ کھلا نظر آئے فوراً باہر نکل چلو اور تالاب کی چٹان کے پیچھے چھپ کر میرا انتظار کرو"۔

ماریا گیٹ کے پاس آ گئی۔ گیٹ کا چھوٹا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ ماریا نے ایک سپاہی کی بندوق چھین کر سنگین اس کے سینے میں اتار دی۔

سپاہی چیخ مار کر گرا۔ دو سپاہی اس کی طرف بڑھے۔ ماریا نے اوپر تلے دو فائر کر کے دونوں سپاہیوں کو وہاں ڈھیر کر دیا۔

زمان خاں گیٹ کی طرف بھاگا۔ ماریا نے چھوٹا گیٹ کھول دیا تھا۔

دونوں جیل سے باہر نکل آئے۔ فائر کی آواز سن کر سپاہی گیٹ کی طرف بھاگے۔ وہ یہ سمجھے کہ ان کے سپاہیوں نے فرار ہونے والے مجرم کو مار ڈالا ہے۔

وہاں آ کر انہوں نے اپنے ہی سپاہیوں کی لاشیں دیکھیں تو ان کے ہوش اڑ گئے۔

"قیدی بھاگ گیا ہے۔ باہر نکل کر اس کا پیچھا کرو"۔

کسی نے حکم دیا۔ سپاہی تیزی سے باہر نکلے اور اندھیرے میں گھوڑوں پر سوار ہو کر ادھر ادھر بھاگ

پھانسی کی کوٹھری (عنبر ناگ ماریا سلسلہ نمبر 57

گئے۔

تالاب والی چٹان جیل کے قریب ہی ایک پہاڑی چٹان کی اوٹ میں تھی۔

ماریا جلدی جلدی پہنچی دیکھا کہ جھاڑیوں کے پیچھے زمان خان مورچہ بنائے بندوق تانے بیٹھا ہے۔ ماریا نے سوچا کہ کہیں اس کی آہٹ پر وہ فائر نہ کر دے۔ اس نے دور ہی سے کہا۔

''میں ہوں زمان خان! فائر مت کرنا''۔

قریب آ کر ماریا نے کہا۔

''تم تو یہاں مورچہ بنا کر بیٹھے ہو۔ جلدی سے بھاگنے کی فکر کرو۔ کوئی دم میں صبح ہو جائے گی اور تمہیں سپاہی یہاں سے تلاش کر کے لے جائیں گے''۔

''لیکن ہم کہاں جائیں گے بہن! اگر میں اپنے سرفروش ساتھیوں کے پاس گیا تو پکڑا جاؤں گا اور میرے ساتھ وہ بھی پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں گے''۔

ماریا نے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ پھانسی کے تختے سے تمہیں اتارا ہے تو کہیں نہ کہیں چھپا بھی دوں گی۔ میں گھوڑا لاتی ہوں''۔

ماریا واپس جیل کے گیٹ کی طرف آ گئی۔ یہاں ایک سپاہی گھوڑے پر سوار ہونے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی کمر پر ایسی لاتی ماری کہ وہ منہ کے بل زمین

پر گر پڑا۔

ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ ماریا گھوڑا لے کر فرار ہو گئی۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ماریا جب گھوڑے پر سوار ہوتی تھی تو بڑا عجیب منظر ہوتا تھا۔ یعنی اکیلا گھوڑا بھاگتا ہوا نظر آتا تھا۔

پہلے گھوڑا اس کے ساتھ ہی غائب ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن کچھ عرصے سے ایسا ہونے لگا تھا کہ گھوڑا غائب نہیں ہوتا تھا۔

زمان خان کے پاس آ کر ایک خالی گھوڑا رک گیا۔

”جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں بھی

تمہارے ساتھ ہی اس پر سوار رہوں گی“۔

زمان خان چھلانگ لگا کر ماریا کے ساتھ ہی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گھوڑے نے سرپٹ دوڑتے ہوئے جزیرے کے گھنے جنگلوں کا رخ کر لیا۔

اب صبح کی روشنی بادلوں کی ہلکی چادر میں سے ظاہر ہونے لگی تھی۔ جزیرے کے درخت، گرجے کا مینار اور قیدیوں جھونپڑے دکھائی دینے لگے تھے۔

گھوڑا چوک میں پہنچا تو ایک سپاہی نے اسے روکا۔

زمان خان نے پھر غلطی کی کہ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر رک گیا۔ لیکن چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا

اس لیے رکوانے والے سپاہی نے صرف اس سے اتنا پوچھا۔

"مفرور قیدی ادھر تو کہیں نظر نہیں آیا؟"۔

زمان خان نے کہا۔

"نہیں۔ میں جنگل میں اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں"۔

اور وہ گھوڑے کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ ماریا نے غصے سے کہا۔

زمان خان! اگر دوبارہ تم نے اس قسم کی حماقت کی تو میں تمہاری زندگی کی ذمے دار نہیں ہوں گی۔ تمہیں کیا ضرورت تھی، اس سپاہی کے اشارے پر گھوڑا روکنے کی۔

"غلطی ہو گئی بہن! آئندہ ایسا نہیں کروں گا"۔

جس وقت وہ جنگل کے قریب پہنچے تو دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ یہاں اب ایک جانب سمندر نظر آنے لگا تھا۔

رات بھر کی بارش نے جگہ جگہ کیچڑ کر دیا تھا۔ سمندر میں لہریں اٹھ رہی تھیں اور دور سے آ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔

ماریا زمان خان کو لے کر جنگل میں گھس گئی۔ اس نے گھوڑے کو واپس دوڑا دیا۔ دونوں پیدل چلنے لگے۔ جھاڑیوں اور درختوں سے بارش کا پانی ابھی تک

ٹپک رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

''تمہیں جنگل کی گہرائیوں میں جا کر کسی محفوظ جگہ پر چھپ کر رہنا ہوگا۔ تمہارے لیے کھانے پینے کا انتظام میں کرتی رہوں گی۔ جب تک کشتی کا بندوبست نہیں ہو جاتا تمہیں وہیں رہنا ہوگا''۔

''کیا مجھے کشتی میں سمندر پار کر کے ہندوستان جانا ہوگا؟''۔

''شاید میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی''

اس جواب پر زمان خان بڑا حیران ہوا کہ ایک بھوت کی بیوی یعنی بھتنی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ

کشتی میں سوار ہو کر سمندر پار کرے۔

بھوت تو پلک جھپکنے میں جہاں چاہے جا سکتے ہیں۔ اس نے یونہی پوچھ لیا۔

بہن! اگر تم بھوت کی بیوی ہو۔ یعنی بھتنی ہو تو تمہیں میرے ساتھ کشتی میں سمندری سفر کی تکلیفیں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

تم تو ہوا میں اڑ کر بھی ہندوستان جا سکتی ہو؟

کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

''تم نے جھوٹ نہیں کہا زمان! تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ ابھی تم نہیں جانتے۔ اور

میرا خیال ہے کہ تمہیں جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے“۔

میرا فرض تھا کہ میں ایک سرفروش آزادی کے مجاہد کی جان بچاؤں۔ سو میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب میں بھی چونکہ ہندوستان جانا چاہتی ہوں۔ اس لیے میں اسی کشتی میں چلوں گی جس میں تم کو سوار کراؤں گی۔

زمان خان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ عورت کون ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا تھا اس لیے معاملے کو زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خاموش رہا۔ جنگل شروع ہو چکا تھا۔

خونی قبر

جنگل کا یہ علاقہ بڑا گھنا تھا۔

اس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں ایسی ایسی خطرناک دلدلیں ہیں کہ جہاں ہاتھی بھی اگر پاؤں رکھے تو اس میں ڈوب کر ہلاک ہو جاتا ہے اور باہر نہیں نکل سکتا۔

ماریا کو ان دلدلی علاقوں کا علم تو نہیں تھا لیکن اس

کی چھٹی حس اسے خبردار کردیا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ اس جنگل میں بڑے خطرناک سانپ بھی رہتے تھے جن کی ایک شوکر سے شیر بھی اپنا راستہ چھوڑ دیتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ یہ جنگل وحشی لوگوں سے بھی خالی تھا۔ ماریا یہاں سے ایک بار گذر چکی تھی۔ سارا دن وہ جنگلوں میں چلتے رہے۔

آخر ماریا نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر قیام کرلیا۔ رات ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے وہاں ایک جھونپڑی ڈال لی۔

ماریا نے کہا۔

"اب تم اس جھونپڑی میں رہو۔ میں جاتی ہوں۔ کل صبح پھر تمہارے پاس آ جاؤں گی"۔

زمان خان نے کہا۔

"بہن! تم کہاں جاؤ گی؟ میں ایک الگ جھونپڑی تمہارے لیے بھی بنائے دیتا ہوں"۔

ماریا نے کہا

"تم کل تک جھونپڑی بنا رکھنا۔ میں شاید دوپہر کو تمہارے پاس پہنچوں اور ہاں۔ اگر مجھے دیر ہوگئی تو تم درختوں کے پھل وغیرہ توڑ کر کھا لینا اور یہاں قریبی چشمے کا پانی پی کر پیاس بجھا لینا"۔

"بہت اچھا بہن! میں تمہارا انتظار کروں گا"۔

ماریا نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں زمان خان بھائی! میرے خدا نے چاہا تو میں تمہیں ہندوستان پہنچا کر دم لوں گی“۔

زمان خان بڑا خوش ہوا۔ اس نے ماریا کا شکریہ ادا کیا۔ ماریا دوسرے روز آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

جنگل میں سے نکل کر وہ سمندر کے کنارے آ گئی یہاں ماہی گیروں کی کئی ایک جھونپڑیاں خالی پڑی تھیں۔

شاید اس لیے کہ ماہی گیر طوفان گذرنے کے بعد دور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے نکل گئے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔

ماریا نے ایک درخت سے کچھ زرد کیلے توڑ کر کھائے۔ ناریل کا پانی پیا اور ایک خالی جھونپڑی میں آ کر صف پر لیٹ کر سو گئی۔

بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اسے فوراً نیند آ گئی۔

ماہی گیر رات گئے مچھلیاں پکڑ کر واپس آئے۔ جس جھونپڑی میں ماریا سو رہی تھی وہ ایک ادھیڑ عمر ماہی گیر کی تھی جہاں وہ اکیلا رہتا تھا۔

مچھلیاں ٹوکری میں بھر کر وہ جھونپڑی میں آیا تو اسے اندر کسی انسان کے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔

اس نے دیا جلایا۔

دیکھتا کیا ہے کہ خراٹوں کی آواز آ رہی ہے مگر اندر کوئی بھی نہیں سو رہا۔ صف خالی پڑی ہے۔ بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے۔

اس نے کان لگا دیئے۔ خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ جس طرف سے آواز آ رہی تھی ماہی گیر اسی طرف بڑھنے لگا۔

آخر وہ صف کے پاس آ کر رک گیا۔

خراٹوں کی آواز اسی جگہ سے آ رہی تھی۔ ماہی گیر نے یونہی صف پہ ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ ایک عورت کے جسم سے ٹکرا گیا

ادھر یہ بدک کر پرے ہٹا ادھر ماریا جاگ کر پرے ہٹ گئی۔

ماہی گیر تو خوف زدہ سا ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ بوڑھا پریشان ہے۔ سوچا ذرا اس سے دل لگی کی جائے۔

اب اس نے جگا تو دیا ہے۔ ماریہ نے کہا۔

"بابا! تمہارا نام کیا ہے"۔

اب تو ماہی گیر کی گھگھی بندھ ہو گئی۔ پوپلا منہ کپکپانے لگا۔

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بابا! میں کوئی بھوت پریت نہیں ہوں۔ تمہاری طرح میں بھی انسان ہوں"۔

بوڑھا صرف کانپ رہا تھا اور کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

ماریا نے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”دیکھ لو میرا ہاتھ بالکل تمہارے ہاتھ کی طرح ہے“۔

اپنے جسم پر ماریا کا ہاتھ لگتے ہی بوڑھے کی چیخ نکل گئی اور وہ مچھلیوں کی ٹوکری چھوڑ کر باہر کو بھاگ گیا۔

ماریا سمجھ گئی کہ اب وہ سارے ماہی گیروں کو ڈرا دے گا۔ وہ لوگ ہو سکتا ہے، اس کا مذاق اڑائیں اور کچھ من چلے جوان ماہی گیر اپنا شک دور کرنے جھونپڑی میں بھی آ جائیں۔

بہر حال ماریا کی نیند خراب کرنے کا انتظام کیا جا رہا تھا اور اسے سخت نیند آ رہی تھی۔ ابھی آدھی رات باقی پڑی تھی۔

ماریا جھونپڑی سے باہر آ گئی اور ذرا دور ایک جگہ چٹان کی اوٹ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد سمندر کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے اسے تھپک کر سلا دیا۔

جس وقت ماریا کی آنکھ کھلی، دن چڑھ چکا تھا۔ سمندر پر سکون تھا۔ ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی لطیف ہوا چل رہی تھی۔

ماریا کی ساری تھکان اتر چکی تھی۔ وہ بالکل تازہ دم ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب زمان خان کی بھی خبر لینی چاہیے۔

وہ اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ مگر سب سے پہلے کسی کشتی کا انتظام بڑا ضروری تھا جس میں سوار ہو کر وہ سفر کر سکیں اور اس کالے پانی کے جزیرے سے فرار ہو سکیں۔

ماریا غور کرنے لگی تو اسے محسوس ہوا کہ ایک عام ماہی گیروں کی کشتی میں سوار ہو کر وہ کالے پانی سے بنگال تک طوفان خیز سمندر کا سفر کیسے کر سکے گی؟

اور پھر کیا خبر کہ کشتی کس سمت کو نکل جائے؟۔

اس نے سن رکھا تھا کہ کالے پانی کا سمندر بے حد خطرناک ہے اور اس میں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ چڑھاؤ پر رہتا ہے۔

پھر وہ کیا کرے؟ اسے بھی کالے پانی کے جزیرے سے ہر حالت میں نکلنا تھا۔ وہاں تو ہر مہینے کے آخر میں ایک جہاز کنارے پر آ کر لگتا تھا جو مہینے بھر کے بعد مسافروں کو کر لے کر واپس کلکتے کی جانب روانہ ہو جاتا تھا۔

ماریا اگر چاہتی تو وہ اس جہاز پر بڑی آسانی سے سفر کر سکتی تھی۔ کوئی بھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن زمان خان سرفروش کو اس نے زبان دے رکھی تھی کہ وہ

اسے واپس ہندوستان کی سرزمین پر پہنچا کر دم لے گی۔

اس کا کیا بنے گا؟۔

زمان خان تو اگر اس کے ساتھ جہاز پر سوار ہونے لگے گا تو انڈیمان کی پولیس اسے پہچان لے گی اور فوراً گرفتار کرے گی۔

وہ تو ان کی نظروں سے بچ کر بندرگاہ سے کسی بھی جہاز پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے فرار ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ کشتی میں کھانے پینے کی چیزیں ڈال کر بیٹھ جائے اور رات کے اندھیرے میں سمندر میں اتر کر اپنی کشتی خدا کے بھروسے سے چلا دے۔ مشکل اس بات کی تھی کہ یہ سفر اکیلے زمان خان کے بس کا نہیں تھا۔

خطرناک سمندر ہونے کی وجہ سے ماریا بھی محض ایک معمولی کشتی پر سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

آخر اس کا علاج کیا تھا پھر؟

ایک بات تو طے تھی کہ ماریہ نے زمان خان سے جو وعدہ کر رکھا تھا اور اسے جو زبان دے رکھی تھی، اسے وہ ہر حال میں پورا کرنا چاہتی تھی۔ مگر حالات اس کے خلاف جا رہے تھے۔

انہی خیالوں اور پریشان سوچوں میں الجھی ہوئی

وہ اٹھی اور ماہی گیروں کی جھونپڑیوں کی طرف آ گئی۔

یہاں کئی جھونپڑیوں سے مچھلی تلنے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ماریا کو بڑی بھوک لگی تھی۔ وہ خود بھی مچھلی کھا کر پیٹ بھرنا چاہتی تھی۔

وہ ایک جھونپڑی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ دروازے پر ایک موٹی عورت کڑاہی میں مچھلیاں تل کر مٹی کی تھالی میں رکھتی جا رہی تھی۔

ذرا پرے کچھ آدمی بیٹھے ناریل کی گڑگڑی پی رہے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں وہ ادھیڑ عمر ماہی گیر بھی تھا جس کی جھونپڑی میں ماریا نے آدھی رات گذاری تھی اور جو ڈر کر بے ہوش ہو گیا

تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھا تھا اور کبھی کبھی سہمی ہوئی آنکھوں سے اپنے ارد گرد دیکھ لیتا جیسے اسے شک ہو کہ اس کے خیال کا بھوت کہیں قریب ہی کھڑا ہو۔

یہ سچ بھی تھا کہ اس کا بھوت یعنی ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ ماریا کو نہ جانے کیوں ہنسی آ گئی اسے شرارت کا خیال آیا۔

لیکن سب سے پہلے وہ اپنی اور زمان خان کی بھوک کا علاج تلی ہوئی گرما گرم مچھلی سے کرنا چاہتی تھی۔

وہاں بھنی ہوئی مچھلی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ماریا نے

سنا۔ ایک ماہی گیر کہہ رہا تھا۔

”کاکا جی! میری بات مانو۔ اپنی جھونپڑی کو سرسوتی دیوار کا مندر بنا دو۔ سرسوتی پوجا شروع کرا دو۔ دیوی نے تمہاری جھونپڑی کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے“۔

ادھیڑ عمر ماہی گیر کمزور سی آواز میں بولا۔

”میں کب انکار کرتا ہوں بھائی! چاہے ابھی میری جھونپڑی میں جا کر سرسوتی دیوی کا بت رکھ دو میرا کیا ہے میں دیوی کے چرنوں میں سو جایا کروں گا“۔

ایک جوان ماہی گیر بڑا منہ زور تھا۔ معلوم ہوتا تھا

کہ اسے نئے زمانے کی کچھ کچھ ہوا لگ چکی ہے نیزہ ریت میں گاڑے وہ زمین پر بیٹھا ماہی گیروں کی باتیں سن کر زیر لب طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

کہنے لگا۔

ارے کاکا تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا سرسوتی دیوار میری مانو اور اس خیال کو دماغ سے نکال دو۔

اگر سچ مچ کسی بھوت چڑیل نے تمہاری جھونپڑی پر قبضہ کر رکھا ہے تو اسے میں ایک پل سے نکال باہر کروں گا۔ مجھ سے بڑا جن اس جزیرے میں اور کوئی نہیں ہے۔

ایک اور ماہی گیر اس کی سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

"بگھیری! ایسی باتیں منہ سے نہ نکالو۔ اس جزیرے میں بھوت پریت بہت ہے۔ کیا خبر وہ یہاں کھڑا تمہاری باتیں سن رہا ہو"۔

بگھیری ہنس کر بولا۔

"ارے دادا! سٹھیا گئے ہو تم بھی۔ بڑے دیکھے ہیں میں نے بھوت پریت۔ تمہاری قسم ہے اگر کوئی بھوت میرے مقابلے پر آ بھی جائے تو اسے وہ مزہ چکھاؤں کی نانی یاد آ جائے اسے"

دادا نے کہا۔

"کیوں مصیبت کو بلا رہے ہو بگھیری! چپ کر کے بیٹھے رہو"۔

دوسرا ماہی گیر بولا۔

کیا خبر وہ بھوت نہ ہو بلکہ سرسوتی دیوی ہی ہو۔ پھر تم کیا کرو گے؟

وہ تو ہماری سمندر کی دیوی ہے۔ وہ ہماری پالنہار ہے۔ ہمیں مچھلیاں عطا کرتی ہے۔ ہمارے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔

بگھیری کوئی بڑا ہی ضدی اور اکھڑ ماہی گیر تھا اس کو اپنی طاقت کا بہت زیادہ گھمنڈ تھا۔ اس نے ہاتھ اپنی ران پر مار کر کہا۔

"واہ وا! وہ سرسوتی نہیں ہے میں شرط لگاتا ہوں۔ وہ کوئی چڑیل تھی اور میں اس چڑیل کا مار مار کر بھرکس نکال سکتا ہوں"۔

ماہی گیر بولا۔

"اپنی جوانی پر رحم کھاؤ بکھیری! اگر اس چڑیل نے سن لیا تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اگر وہ سچ مچ کوئی چڑیل ہے تو تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ ہوائی لوگ ہوتے ہیں اور ہم سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں"۔

یہاں بکھیری نے ڈنکی بات کہہ دی سے سن کر ماریا کو غصہ چڑھ گیا اپنا نیزہ لہرا کر وہ گستاخ بکھیری

کہنے لگا۔

"میں ابھی کاکا کی جھونپڑی میں جا کر سوتا ہوں۔ اس چڑیل سے کہو کہ اگر اس میں ہمت ہے تو میرے مقابلے پر آ جائے"۔

سارے ماہی گیر دیکھتے رہ گئے اور گستاخ بکھیری نیزہ تھام کر کاکا کی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ اب ماریا نے اسے اس کی گستاخی کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"مچھلی بعد میں کھاؤں گی۔ پہلے اس گدھے کے بچے کی خبر لے لوں"۔

بکھیری ادھیڑ عمر ماہی گیر کی جھونپڑی کے باہر

دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نیزہ ریت میں زور سے گاڑا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"سن اے چڑیل کی بچی! اگر تو زندہ ہے تو میرے سامنے آ تاکہ میں تجھ سے دو دو ہاتھ کر کے تجھے پچھاڑ سکوں"۔

اب تو ماریا کا چہرہ لال سرخ ہو گیا۔ اس کمینے کی یہ جرات! سارے ماہی گیر سہمی ہوئی آنکھوں سے بکھیری کو دیکھ رہے تھے۔

بکھیری نے نیزہ گاڑ کر دونوں ہاتھ بغلوں میں دے رکھے تھے اور کسی بن مانس کی طرح جھک کر کھڑا تھا۔

جیسے حملہ کرنے کو تیار ہو ماریا اپنی جگہ سے چل کر اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑے آرام سے بکھیری کی پیٹھ پر ایک لات مار دی۔ بکھیری آگے کو الٹ کر گر پڑا۔

ماہی گیروں کے رنگ فق ہو گئے سمجھ گئے کہ سرسوتی دیوی آ گئی۔ بکھیری بھی کچھ گھبرا گیا۔

لیکن آدمی طاقتور اور اکھڑ تھا۔ ریت پر سے اٹھا اور لپک کر نیزہ پکڑنے کو بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے ہاتھ پھیلا کر نیزہ ریت سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی نیزہ گم ہو گیا۔ ایسا تو

ہونا ہی تھا

ماہی گیروں نے جو نیزے کو غائب ہوتے دیکھا تو ایک دم سارے کے سارے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ باندھ کر بولے۔

"سرسوتی دیوی کی جے"۔

عورتیں بھی اپنے اپنے گندے مندے ننگ دھڑنگ بچوں کو سنبھالتیں جھونپڑیوں سے نکل کر باہر آ گئیں۔ اور بگھیری کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ گستاخ نوجوان اپنی بدزبانی کی معافی مانگ کر زمین پر بیٹھ جاتا۔ مگر اس پر بھی جوانی

اور طاقت کا نشہ سوار تھا۔ اس نے کمر کے ساتھ بندھا ہوا خنجر نکال لیا اور اسے لہراتے ہوئے چیخا۔

"او چڑیل کی بچی! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آج میں تجھے قتل کر کے ہی دم لوں گا"۔

ماریا کو بھی اس قسم کا نوجوان کبھی نہیں ملا تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو جان سے مار ڈالا تھا۔ مگر اس نوجوان کو مارتے ہوئے اسے افسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ تو بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا اور بدزبانی پر اتر آیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ماریا کو چڑیل کہہ کر گالیاں دینی شروع کر دیں۔

اب ماریا کے صبر کا پیالہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔

گالیاں اس کی برداشت سے باہر تھیں، وہ سب کچھ اپنے خلاف سن سکتی تھی لیکن گالیاں نہیں سن سکتی تھی۔ اس کے باوجود ماریا اسے ایک موقع دینا چاہتی تھی۔

وہ آخر بول پڑی۔ اس نے کہا۔

سن اے احمق نوجوان! میں اگر چاہوں تو تمہیں ایک منٹ سے بھی پہلے ہلاک کر سکتی ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتی۔

مجھے تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے۔ خبردار! اب بد زبانی ہرگز نہ کرنا۔ نہیں تو تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

مگر صاحب وہ نوجوان بھی شاید کوئی لڑاکا کوا کھا کر آیا تھا۔

کہنے لگا۔

"بہت دیکھی ہیں میں نے تم جیسی چڑیلیں! ہمت ہے تو سامنے آ کر مقابلہ کر الو کی پٹھہ۔ حرام زادی"۔

آخری لفظ اس نوجوان کے ہونٹوں پر ہی تھا کہ ماریا کا نیزہ اس کے سینے کی پسلیوں کو توڑتا ہوا دل سے پار ہو چکا تھا

ساحل کی فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ بدزبان نوجوان خاک و خون میں تڑپتا ہوا سینے میں نیزہ لیے رات پر پڑا تھا۔

ماہی گیروں میں ایک سناٹا چھا گیا۔ کوئی لاش کی طرف آگے نہ بڑھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا کوئی عزیز یا رشتے دار وہاں پر نہیں ہے۔

ویسے بھی ہر ایک پہ دہشت طاری تھی۔ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر اپنی اپنی جھونپڑیوں میں گھس گئیں۔

ماریا نے دونوں پاؤں سے ریت اچھال اچھال کر لاش کے اوپر ڈالنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ساری لاش ریت میں دفن ہو گئی اور وہاں ایک قبر سی بن گئی۔

نوجوان کی لاش کے سینے سے ابھی تک خون ابل رہا تھا اور وہ قبر کی ریت کے اوپر تک آ گیا۔ وہ بالکل ایک خونی قبر معلوم ہو رہی تھی۔

اب کہیں جا کر ماریا کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اس نے ماہی گیروں کی طرف دیکھا جن کے چہروں پر خوف اور دہشت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

وہ بلند آواز میں بولی۔

"سنو! میں تمہاری سرسوتی دیوی ہوں! اس گستاخ نے مجھے گالی دی تھی۔ اس کا انجام تم نے دیکھ لیا۔"

ابھی یہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ اب اس کی قبر اس کے اپنے خون سے سرخ ہو کر میرے

قدموں میں پڑی ہے۔

ایسی بدزبان کو سزا ضرور ملنی چاہیے تھی۔ یاد رکھو! اگر تم میں سے کسی نے کبھی ایسی گستاخی کی تو اس کا انجام بھی یہی ہوگا۔

سارے کے سارے ماہی گیر ہاتھ باندھ کر پکار اٹھے۔

”جے ہو! سرسوتی دیوی کی جے ہو! سرسوتی میا کی جے ہو!“

اب ماریا کو خیال آیا کہ اسے بھوک لگی ہے اور مچھلی کھانے کو چاہیے۔ اور پھر بھنی ہوئی مچھلی زمان خان کے لیے بھی لے جانی ہے جو اس کا انتظار کر رہا

ہے۔

چنانچہ ماریا نے کہا۔

سنو! یہاں سے دور جنگل میں ایک سادھو مہاراج میری بھگتی کر رہا ہے۔

وہ کئی روز سے بھوکا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے بھنی ہوئی مچھلی رکابی میں ڈال کر یہاں لے آؤ تاکہ وہ سادھو کھا کر خوش ہو اور تمہارے لیے دعا کرے۔

اتنا سننا تھا کہ سارے ماہی گیر اپنی اپنی جھونپڑیوں کی طرف بھاگے اور جتنی بھنی ہوئی مچھلی وہاں تھی، اسے رکابی میں ڈال کر لے آئے اور خوشی

تجر کے پاس لا کر رکھ دی۔

بس ماریا یہی چاہتی تھی۔ اس نے تھالی اٹھالی۔ ماہی گیروں کی آنکھوں کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی سے بھری تھالی غائب ہوگئی۔ انہوں نے خوش ہوکر نعرہ بلند کیا۔

"جے ہو سرسوتی دیوی کی۔ جے ہو سرسوتی میا کی!"۔

ماریا نے جلدی جلدی ایک مچھلی اٹھا کر منہ میں ڈالی اور کھانے لگی ناریل کے تیل میں بھنی ہوئی مچھلی بڑی ہی مزیدار تھا۔ پوری ایک مچھلی نگلنے کے بعد ماریا نے کہا۔

اب میں جارہی ہوں اس سادھو بھگت کے پاس۔ تم لوگ اپنی اپنی جھونپڑیوں میں آرام سے رہو اور کام کرو۔ اپنی عورتوں سے کہو کہ وہ باہر آکر بچوں کے لیے مچھلیاں بھونیں۔ میں پھر آؤں گی۔

ماہی گیر اپنی اپنی جھونپڑیوں کی طرف جانے لگے تو ماریا نے کہا۔

"اور ہاں! مجھے یاد آگیا کاکا ماہی گیر کی جھونپڑی کو میرے لیے مندر بنا دیا جائے۔ وہاں میری پوجا ہوا کرے گی۔ میں کل پھر آؤں گی"۔

اتنا کہہ کر ماریا نے بھنی ہوئی مچھلیوں کی رکابی

سنبھالی اور بڑی تیزی سے جنگل کی طرف چل پڑی اسے زمان خان کا خیال تھا کہ وہ بھوکا ہوگا۔

وہ چلتی بھی جا رہی تھی اور کھاتی بھی جا رہی تھی۔ جنگل اب دن کی روشنی میں بڑا صاف ستھرا لگ رہا تھا۔

راستہ اسے بالکل سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جس جگہ پر زمان خان کو چھپا رکھا تھا وہ اسے خوب معلوم تھی۔

چنانچہ وہ بہت جلد وہاں پہنچ گئی۔ زمان خان کھوہ سے باہر نکل کر درخت کے نیچے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

ماریا نے اسے جا کر مچھلی دی اور بتایا کہ فکر نہ کرو۔ کشتی کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔

زمان خان بڑا خوش ہوا اور مچھلی کھانے لگا۔

جزیرے کالے پانی میں شور مچا رہا تھا کہ زمان خان قیدی بھاگ گیا۔

سارے جزیرے کو پولیس اور فوج نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ نئے گورنر نے حکم دے دیا تھا کہ زمان خان کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔

زمان خان کے ساتھیوں پر بڑی سختی کی جا رہی تھی۔ جگہ جگہ پولیس کے سپاہی کھڑے تھے۔ گھر گھر تلاشی لی جا رہی تھی۔

فوج نے جنگل کا بھی چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ مگر زمان خان کو ماریا نے ایک پراسرار اور خفیہ جگہ چھپا رکھا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی۔

ایسے سخت پہرے اور زبردست نگرانی میں زمان خان کو جزیرے سے نکال لے جانا بڑاان جان جوکھم کا کام تھا۔

اس کے باوجود ماریا نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے ہر حالت میں وہاں سے نکال لے جائے گی۔

اسی طرح وقت گزرتا چلا گیا۔ زمان خان جنگل کی خفیہ کمین گاہ میں چھپا رہا۔ ماریا اسے کھانے پینے کو لا کر

پھانسی کی کوٹھری (عمران سیریز نمبر 57)

دے دیتی۔

دس پندرہ دن گزر گئے۔ انہی دنوں کلکتے سے آنے والا جہاز آ کر بندرگاہ سے آن لگا سامان اتارا جانے لگا۔

کچھ اور قیدی بھی اتارے گئے۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ اسی جہاز سے زمان خان کو ساتھ لے کر واپس جائے گی۔

لیکن جہاز کے اردگرد فوج کا پہرہ تھا۔ وہاں کوئی بھی شخص بغیر کاغذات دکھائے اندر نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ جہاز کے واپس جانے میں دو روز باقی رہ گئے تھے۔

جزیرے سے کچھ انگریز مسافر کچھ دوسرے انڈیمانی مسافر سوار ہو چکے تھے۔ ایک روز ماریا جہاز کے حالات کا جائزہ لینے خود بندرگاہ پر آ گئی۔

بندرگاہ کا پہلا دروازہ لوہے کے جنگلے سے بنا تھا۔ یہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ آمنے سامنے سپاہی بیٹھے ہر آنے جانے والے کے کاغذات کی پڑتال کر رہے تھے۔

ماریا تو خیر بڑے اطمینان سے ان کی آنکھوں کے سامنے اندر داخل ہو گئی۔ اندر ایک بڑا سا ہال کمرہ تھا جس کی چھت اونچی تھی۔

یہاں آگے جا کر ایک گیٹ سے گزر کر ایک پلیٹ فارم سا آ گیا سامنے جہاز سمندر میں کھڑا تھا۔

کافی بڑا جہاز تھا۔

اس کے بادبان بھی تھے اور چمنی بھی تھی جس میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ جہاز پر چڑھنے کے لیے سیڑھی لگی تھی۔

اس سیڑھی پر بھی دو فوجی سپاہی بندوقیں لیے کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جو کوئی اوپر جاتا اس کے کاغذ دیکھتے اور پھر اسے جانے کی اجازت دیتے۔

بڑا سخت پہرہ تھا۔ بڑا زبردست انتظام تھا۔

واقعی ایسے زبردست پہرے میں زمان خان کو لے جانا قریب ناممکن نظر آتا تھا۔ ماریا دیر تک سوچتی رہی۔

وہ جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگی تو اس کا پاؤں ایک رسی میں الجھ گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی لیکن اس کا ہاتھ لگ کر ایک گول پیتل کا لٹو ریلنگ سے ٹوٹ کر گر پڑا۔

انگریز فوجی نے چونک کر لٹو کی طرف دیکھا دوسرا فوجی بھی حیرانی سے تکنے لگا۔

"یہ لٹو اپنے آپ کیسے گر پڑا؟"۔

اس نے پوچھا۔

دوسرا فوجی کندھے اچکا کر بولا۔

"خدا جانے کیسے گر پڑا۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے"۔

ماریا ان کے سامنے سیڑھیوں کی رسی پکڑ کر زور سے ہلائی۔ رسی جھنجھلائی دونوں فوجی ایک دم سے پرے ہٹ گئے۔

"زلزلہ آ رہا ہے شاید"۔

"مگر پلیٹ فارم تو بالکل نہیں ہل رہا"۔

"پھر یہ رسی کیوں ہل رہی ہے؟"۔

"خدا جانے کیسے ہل رہی ہے"۔

اچانک جہاز کا کپتان نیچے اترتا نظر آیا۔ انہوں نے کپتان سے بات چیت کی کہ اس جہاز کی رسی کبھی پہلے بھی اپنے آپ ہلی ہے کبھی؟

کپتان نے اپنی نسواری مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم دونوں نے بھنگ پی رکھی ہے۔ بھلا کبھی کوئی رسی بھی اپنے آپ ہل سکتی ہے؟"۔

ماریا نے پیچھے سے آ کر کپتان کی ٹوپی اتار کر دوبارہ اس کے سر پر رکھ دی۔

کپتان کو جیسے بجلی کا کرنٹ لگا بدک کر پرے ہٹ گیا۔

"یہ۔۔ یہ میری ٹوپی کس نے اٹھائی تھی؟"۔

دونوں فوجی اب زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔

"سر۔۔ سر۔۔ ہم نے نہیں اٹھائی"۔

پھانسی کی کوٹھری (عمرو ماریا قسط نمبر 57)

ماریا ان تینوں کو حیرت زدہ چھوڑ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ جہاز اگرچہ پرانا تھا مگر بڑی صفائی تھی وہاں پر۔ پالش ہو چکا تھا۔

عرشے کا فرش چمک رہا تھا۔ چمنی بھی چمک رہی تھی۔ بادبانوں پر کہیں کوئی پیوند نہیں لگا تھا۔ کچھ مسافر عرشے پر بستر بچھائے سامان رکھے، آرام کر رہے تھے۔ کچھ نیچے کیبنوں میں آرام کر رہے تھے زیادہ رش نہیں تھا۔

جزیرے سے بہت کم مسافر واپس جایا کرتے تھے۔

ماریا نے گھوم پھر کر جہاز کا جائزہ لینے شروع کردیا

وہ نچلی منزل میں آ گئی۔ یہاں ایک جگہ چائے وغیرہ کی کینٹین بنی تھی۔ کینٹین کا مالک ایک کرسی پر بیٹھا بالٹی میں آم ڈلوا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے کسی رشتے دار سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

یہ سکھ تھا اس نے سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی اور ڈاڑھی کو رومال میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس کا رشتے دار کہہ رہا تھا۔

”سردار تھا سکھو کی موت کا بڑا افسوس ہوا۔ بے چارہ دس برس جزیرے پر رہا لیکن موت کے آگے کسی کا کیا زور چل سکتا ہے“۔

مالک سکھ بولا

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ سردار تھا سنگھ نے اسی جہاز پر میرے ساتھ واپس کلکتے جانا تھا۔ یہ دیکھو اس کے سارے کاغذات میں تیار کر کے لایا تھا۔"

اور اس کے ساتھ ہی سکھ مالک نے جیب سے کچھ کاغذات نکال کر اپنے رشتے دار کو دکھائے۔ ان میں تھا سنگھ کی تصویر پاسپورٹ اور واپسی کا اجازت نامہ تھا۔

ایک ٹکٹ بھی تھا کتنے دکھ کی بات ہے۔ مگر کیا کیا جائے بھگوان کو یہی منظور تھا کہ سردار تھا سنگھ اسی جزیرے میں مرے۔

دونوں آہ بھر کر خاموش ہو گئے۔

ایک خیال بڑی تیزی سے ماریا کے ذہن میں آیا۔ اگر کسی طرح سے وہ یہ کاغذ اس جہاز پر لے جائے تو وہ جزیرے سے فرار ہو سکتا ہے۔

ماریا نے اسی وقت اس خیال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ موقع تلاش کرنے لگی کہ کس طرح سے تھا سنگھ جو کہ مر چکا ہے، کے کاغذات اس سکھ کی جیب سے نکالے۔

سکھ کچھ دیر بعد کینٹین پر سے اٹھ کر اپنے کیبن میں چلا گیا ماریا بھی اس کے ساتھ آ گئی۔

سکھ نے اندر جا کر اپنی صدری میں کاغذات نکال کر ایک صندوق میں رکھے۔ اس میں تالا لگایا۔ چابی

پھانسی کی کوٹھری (عبرتناک ماریا قسط نمبر57)

ایک لحاف میں رکھی اور خود بستر پر لیٹ کر آرام کرنے لگا۔

ماریا ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر اسے دیکھتی رہی۔ کوئی دس منٹ بعد سکھ سو گیا۔ ماریا نے بڑے آرام سے لحاف میں سے چابی اٹھا کر صندوق کھولا۔

کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور جہاز سے اتر کر بندرگاہ پر آگئی۔

جس وقت وہ جنگل والی خفیہ کمین گاہ میں پہنچی تو زماں خان غار کے باہر بیٹھا تھا اور ایک گورکھا سپاہی اس کے سر پر کھڑا تھا اور دوسرا گورکھا سپاہی زمان خان کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر باندھ رہا تھا۔

زمان خان کہہ رہا تھا۔

"تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں زمان خان نہیں ہوں میں تو یہاں کا ایک سیاسی قیدی ہوں اور جنگل میں لکڑیاں کاٹنے پر لگا ہوں"۔

دوسرا گورکھا بندوق تانے کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔

"خاموش! ہمارے افسر سے چل کر بات کرنا"۔

ماریا نے یہ تماشا دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھرنے والا تھا۔ بھلا وہ اس کی کب اجازت دے سکتی تھی۔

اس نے الو کی بولی بول کر زمان خان کو اپنی

پھانسی کی کوٹھری (عمرو ناگ۔ ماریا سلطانہ نمبر 57)

موجودگی کا یقین دلایا۔

الو کی آواز سن کر زمان خان کے مرجھائے ہوئے چہرے پر رونق واپس آ گئی۔ سمجھ گیا کہ اس کی مددگار اور محسنہ ماریا آ گئی ہے۔

اب وہ اسے ضرور بچائے گی۔ الو کی آواز پر ایک گورکھا سپاہی نے سر اٹھا کر اونچے درختوں میں دیکھا اور بولا۔

"یہ الو کہاں بول پڑا اس؟ ضرور کوئی شرارت ہو رہی ہے ہوشیار۔ رہنا بہادر سنگھ"۔

دوسرے گورکھے نے بندوق کا منہ زمان خان کی طرف کر دیا۔

"خبردار! اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو میں گولی چلا کر تمہارا بھیجہ اڑا دوں گا"۔

زمان خان خاموش کھڑا رہا۔ گورکھے نے بندوق اس کے کندھے پر رکھ کر کہا۔

"آگے آگے چلو"۔

زمان خان سر جھکائے چل پڑا۔ اب حالت یہ تھی کہ ایک سپاہی زمان خان کے بائیں جانب بندوق لیے چل رہا تھا اور دوسرا سپاہی بندوق لیے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

ماریا بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جنگل میں جھاڑیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک سپاہی

کی پتلون کانٹوں میں اڑ گئی وہ اسے چھڑانے کے لیے جھکا تو ماریا نے آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ پر اس زور سے ٹھڈا مارا کہ وہ منہ کے بل آگے گر پڑا۔

اس کی بندوق پرے جا پڑی۔ ماریا نے جلدی سے بندوق اٹھا لی۔ دوسرا سپاہی ایکدم سے ہوشیار ہو گیا اور اس نے گولی چلا دی۔

اگر زمان خان اچھل کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو گولی اس کی کھوپڑی پار کر کے نکل جاتی۔ زمین پر سوئے ہوئے گورکھے نے زمان خان کو پکڑ لیا۔

اب ماریا مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بندوق کا ایک فائر کیا اور ایک گورکھا زمین پر ڈھیر

ہو گیا۔ دوسرا سپاہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگا کہ یہ بندوق کا فائر کہاں سے آیا تھا۔

ماریا نے اسے مزید حیران ہونے کی مہلت نہ دی اس نے دوسرے گورکھے کے بالکل قریب جا کر بندوق کا دستہ اٹھا کر دھائیں سے گورکھے کے سر پہ دے مارا۔

اس کے سر کی ہڈی کڑاک سے ٹوٹ گئی اور وہ ٹیڑھی گردن کر کے زمین پر گر پڑا۔ ماریا نے دوسرا وار کیا جو بہت کاری ثابت ہوا اور وہ بھی مر گیا۔

ماریا نے کہا۔

”زمان! ان دونوں گورکھا سپاہیوں کو زمین کھود کر

دفن کردو۔ ان کی لاشیں باہر نہیں رہنی چاہئیں"۔

قریب ہی ایک کافی گہرا گڑھا تھا۔ زمان ان ان
دونوں کی لاشیں گھسیٹ کر اس گڑھے میں لے گیا۔
لاشیں گڑھے میں ڈال کر اس نے اسے درختوں کو ٹوٹی
چھوٹی شاخوں اور مٹی وغیرہ سے بھر دیا۔ ماریا اسے
ساتھ لے کر کمین گاہ میں آ گئی۔

"تم باہر کس لیے نکل آئے تھے؟"

"اندر بیٹھا بیٹھا سردی سے ٹھٹھرنے لگا تو خیال آیا
کہ ذرا تازہ ہوا اور دھوپ تاپ لوں"۔

"آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ ہر حال میں اب تمہیں
یہاں زیادہ دیر نہیں رہنا پڑے گا"۔

زمان خان نے خوش ہو کر پوچھا۔

"کیا بندوبست ہو گیا ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"کچھ ہو ہی گیا ہے بندوبست! لیکن تمہیں سکھ بننا
پڑے گا"۔

"کیا مطلب؟ زمان خان نے تعجب سے پوچھا۔

ماریا بولی۔

نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں اپنا
مذہب تبدیل کرنا پڑے گا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں
ہے۔

صرف تمہیں سکھوں کی طرح پگڑی باندھ کر نکلی

ڈاڑھی لگائی ہوگی۔

اس کے بعد ماریا نے زمان خان کو ساری بات سمجھائی۔ اور سردار نتھا سنگھ کی پاسپورٹ والی تصویر بھی دکھائی۔ اس کی شکل زمان خان سے کچھ کچھ ملتی جلتی تھی۔

ماریا نے کہا۔

”جب تم ڈاڑھی مونچھ لگا کر پگڑی باندھ لو گے تو بالکل سردار نتھا سنگھ معلوم ہو گے۔ ویسے بھی جہاں تک میں نے دیکھا ہے سارے سکھوں کی شکلیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔“

زمان خان خوش ہو کر بولا۔

پھانسی کی کوٹھڑی (عزیزہ ناگ ماریا قسط نمبر 57)

”ماریا بہن! تم نے تو یہ کمال کر دیا کہ یہ مکمل کاغذات پاسپورٹ کے ساتھ لے آئیں“۔

ماریا نے کہا۔

”ابھی مجھے بازار جا کر تمہارے لیے نقلی ڈاڑھی مونچھ اور واٹریمان سے کلکتے تک کا ٹکٹ لانا ہے۔ جہاز کل شام کو روانہ ہونے والا ہے“۔

زمان خان بولا۔

”کہیں وہاں لوگ مجھے پہچان تو نہیں لیں گے؟ جیسا کہ تم کہہ رہی تھیں کہ وہاں بندرگاہ پر چپے چپے پر پہرہ ہے اور پڑتال ہو رہی ہے“۔

ماریا نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہ خطرہ ہمیں ہر حالت میں مول لینا ہی ہوگا۔ ورنہ یہاں اس ویران جنگل میں ہم کب تک پڑے رہیں گے"۔

زمان خان کو تسلی دے کر ماریا شہر آ گئی۔

اس نے دیکھ رکھا تھا کہ شہر کے ایک بازار میں نقلی ڈاڑھیاں اور مونچھیں بکتی ہیں۔ وہ اس دکان پر آ گئی۔ یہاں دوسری چیزوں کے علاوہ نقلی ڈاڑھیاں وغیرہ لٹک رہی تھیں۔

ماریا نے بڑے آرام سے ایک جگہ سے دو چار سیاہ لمبی لمبی ڈاڑھیاں اور مونچھیں اتار کر جیب میں رکھیں اور دکان سے باہر نکل آئی۔

اتفاق سے دوکاندار اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں دیوار پر نقلی ڈاڑھیاں لگی تھیں۔ اس نے جو دیکھا کہ دو تین ڈاڑھیاں اور مونچھیں اپنے آپ دیوار کی کھونٹوں سے اتریں اور غائب ہو گئیں تو وہ اپنی گدی پر بیٹھا بیٹھا اچھل پڑا۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیوار کو تکنے لگا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر ڈاڑھیاں کہاں چلی گئیں؟۔

اسے چکر سا آ گیا اور وہ سر پکڑ کر خاموش ہو گیا۔

ماریا نے ڈاڑھیاں لا کر زمان خان کے حوالے کر دیں۔

"لو میں سکھ بننے کا سارا سامان لے آئی ہوں۔

پھانسی کی کوٹھری (عمران ۔ ماریا سلسلہ نمبر 57)

اب تم جانو تمہارا کام۔ یہ پگڑی بھی ہے۔ کرپان بھی ہے اور جوئی بھی اور کپڑے بھی جلدی سے سکھ بن جاؤ"۔

اسی دکان سے ماریا نے باقی چیزیں بھی اٹھا لی تھیں۔ زمان خان نے سکھ بننا شروع کر دیا۔ دوسرے روز جب ماریا غار میں زمان خان کے لیے پھل وغیرہ لے کر گئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں زمان کی جگہ ایک سکھ بیٹھا تھا۔

ماریا نے قریب جا کر کہا۔

"کون ہو تم؟"۔

زمان خان نے مسکرا کر کہا۔

"میں سردار تھا سنگھ ولد کتھا سنگھ ہوں بہن ماریا"۔

ماریا زور سے ہنس پڑی۔

"بھئی واہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ تم تو بالکل سکھ بن گئے۔ یقین میں سردار تھا سنگھ معلوم ہو رہے ہو"۔

ذرا پاسپورٹ کی تصویر تو دکھانا"

زمان نے پاسپورٹ جیب سے نکال کر ماریا کو دکھایا۔ ماریا نے بڑے غور سے پہلے سردار تھا سنگھ کی تصویر دیکھی۔

پھر زمان خان کو دیکھا۔ وہی ڈاڑھی وہی مونچھیں۔ ویسی ہی نیلی پگڑی بندھی تھی۔

کمر میں کرپان لٹک رہی تھی تنگ چوڑی دار پاجامہ اور کھال کی جولی پہن رکھی تھی۔

بھئی واہ! مجھے یقین ہے اب تمہیں کوئی نہیں پہچان سکے گا لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ تمہیں جہاز پر سفر کرتے ہوئے کیپٹن کی طرف بالکل نہیں جانا۔

کیونکہ تم کیپٹن کے مالک سکھ کے چچا ہو اور تم اس کے لیے مر چکے ہو۔ اس نے اگر تمہیں دیکھ لیا کہ زندہ ہو تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

"فکر نہ کرو بہن! تم مجھے جہاں بٹھاؤ گی، وہی جگہ بیٹھا رہوں گا"۔

ماریا نے کہا۔

"اسی لیے میں فسٹ کلاس کے کیبن کے ٹکٹ لاؤں گی تاکہ تم دوسرے مسافروں اور جہاز کی گارڈ کی نظروں سے بچے رہو۔ کیونکہ یقینی طور پر جہاز کی گارڈ کو بھی تمہاری تصویر دے دی گئی ہوگی"۔

"میں اپنے کیبن سے بالکل باہر نہیں نکلوں گا"۔

"اور ہاں! تمہیں اپنے آپ کو گونگا ظاہر کرنا ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے تمہارا پشتو زبان کا لہجہ تمہاری چغلی کھا جائے"۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ میں گونگا بن جاؤں گا"۔

"تو پھر اب میرے ساتھ چلو بندرگاہ کی

طرف۔ قسمت وہیں چل کر لینا ہوگا"۔

ان دونوں نے غار کو خیر باد کہا اور جنگل سے نکل کر آ گئے۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ماریا ساحلِ سمندر پر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ جھونپڑے میں ماہی گیر عورتیں اور مرد سرسوتی دیوی کی پوجا کر رہے ہیں۔

ماریا نے ہنستے ہوئے زمان خان کو سارا واقعہ سنا دیا۔

زمان خان سکھ بنا جھونپڑے کے قریب سے گزر گیا۔ ماریا نے ان ماہی گیروں پر ایک ہمدردی بھری

نظر ڈالی جو اس کی پوجا کر رہے تھے۔ زمان خان بازار میں چلا جا رہا تھا۔

اسے کسی نے بھی نہ پہچانا تھا اس نے ماریا سے کہا۔

"بہن! اگر تم اجازت دو تو میں اپنے جگری دوست خدا بخش سیاسی قیدی سے آخری بار مل لوں۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر تمہیں اپنے دوست پر بھروسہ ہے تو مل سکتے ہو۔ کیونکہ اس وقت خطرہ چاروں طرف منڈلا رہا ہے"۔

زمان خان بولا۔

"ماریا بہن! خدا بخش میرا گہرا یار ہے۔ ہم دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں اور ایک دوسرے پر جان تک فدا کر سکتے ہیں"۔

"تو پھر چلو مل آتے ہیں۔ جہاز تو شام کو روانہ ہو گا"۔

زمان خان ماریا کو ساتھ لے کر جزیرے کے عقبی علاقے آ گیا۔ یہاں جھونپڑیاں بنی تھیں جہاں سیاسی قیدی رہتے تھے۔

زمان خان ایک جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ اندر ایک نوجوان قیدی فرش پر بیٹھا مونچھ بٹ رہا تھا۔ اس نے ایک سکھ کو بے دھڑک اندر آتے دیکھا تو حیرانی سے بولا۔

"سردار جی! آپ کو کس سے ملنا ہے؟"۔

زمان خان نے کہا۔

"اگر تم بھی نہیں پہچان سکے تو پھر کوئی بھی نہیں پہچان سکتا خدا بخش! اب مجھے غور سے دیکھو۔ میں زمان خان ہوں"۔

"زمان خان!"

خدا بخش اٹھ کھڑا ہو گیا اور اس نے بڑھ کر زمان کو گلے سے لگا لیا۔

"یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے دوست! میں نے سنا کہ تم جیل سے فرار ہو گئے ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

پھر سوچا کہ تم اس جزیرے سے کیوں کر باہر نکل سکو گے"۔

یہ بتاؤ کہ اس جلیے میں کہاں رہتے ہو؟"۔

زمان خان نے کہا۔

"بس تم یہ سمجھ لو خدا بخش! کہ میں آج یہاں سے فرار ہو رہا ہوں۔ اپنے گھر کوئی پیغام دینا ہے تو دے دو"۔

خدا بخش نے پوچھا۔

"فرار؟ مگر کیسے زمان خان! تم کیسے یہاں سے فرار ہو سکتے ہو؟"۔

"یہ مت پوچھو دوست! یہ کہو کہ تمہیں گھر کوئی پیغام دینا ہے؟"۔

خدا بخش کا چہرہ اداس ہو گیا۔

بس میری گھر والی کو کہنا کہ زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی آ جاؤں گا اس کے پاس۔

میرے بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرنا اور کہنا کہ بڑا ہو کر انگریز سے اپنے باپ کا بدلہ ضرور لے جس طرح کہ تو نے بدلہ لیا ہے زمان۔

"خدا حافظ!"

زمان خان نے خدا بخش کو گلے لگا لیا اور رخصت ہو گیا۔

ماریا نے کہا۔

پھانسی کی کوٹھری (عمران ماریا قسط نمبر 57)

"اب تم فسٹ کلاس کے مسافر ہو۔ تمہارا نام سردار نتھا سنگھ ہے۔ تم یہاں جنگلوں کے ٹھیکے دار ہو۔ اور تم گونگے ہو۔ سمجھ گئے ناں؟"۔

"بالکل سمجھ گیا ماریا تم فکر نہ کرو میں بھول کر بھی کسی سے بات نہیں کروں گا"۔

اب بندرگاہ سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

تم بڑی شان سے چلتے ہوئے گیٹ پر اپنے کاغذ دکھانا۔ اور خبرداری تمہاری کسی بھی حرکت سے گھبراہٹ ظاہر نہ ہو۔

وگرنہ سارا بنا بنایا کام بگڑ کر رہ جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو میں سنبھال لوں گی۔

"بہت اچھا بہن"۔

زمان خان، سردار نتھا سنگھ کے روپ میں گردن اٹھا کر سرمایہ داروں کی طرح چلتا ہوا بندرگاہ کے بڑے گیٹ پر آ گیا۔

یہاں دو انگریز فوجی پہرہ دے رہے تھے انہوں نے زمان خان کو روک دیا۔

"سردار جی! ٹکٹ کہاں ہے؟"۔

ٹکٹ ماریا نے پہلے ہی اسے لا کر دے دیا تھا۔

زمان خان نے ہاتھ کے اشاروں سے اور غوں غاں

کرتے بتایا کہ وہ گونگا ہے اور ساتھ ہی جیب سے ٹکٹ اور پاسپورٹ نکال کر دکھائے۔

پہرہ داروں نے دیکھا کہ فسٹ کلاس کا مسافر ہے اور اس کے پاس سرکاری ٹھیکیداری کا لائسنس بھی ہے۔ اور کاغذات بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے تو انہوں نے اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

ماریا بھی زمان خان عرف سردار نتھا سنگھ کے پیچھے پیچھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ گیٹ میں داخل ہو گئی۔ اس نے زمان کو راستے کے بارے میں سب کچھ سمجھا دیا تھا۔

وہ بڑے ہال کمرے سے نکل کر دوسرے بڑے دروازے پر آ گیا یہاں بھی زبردست پہرہ تھا۔ اور دو فوجی افسر کاغذات کی جانچ کر رہے تھے۔ زمان خان نے ان کو بھی اپنا ٹکٹ اور پاسپورٹ کے کاغذات دکھائے۔

انہوں نے پاسپورٹ پر نتھا سنگھ کی تصویر کو دیکھ کر زمان خان کی مونچھوں کو گھور کر دیکھا۔ ماریا کا دل دھڑکنے لگا۔

کیوں کہ اگر وہ مونچھوں کو کھینچ کر دیکھتا تو وہ ضرور اس کے ہاتھ میں آ جاتیں۔ اور سارا کھیل ختم ہو جاتا پھر پتہ نہیں۔

زمان خان کو بچانے کے لیے ماریا کو کتنے اور قتل

کرنے پڑتے۔ مگر خیریت ہی رہی انہوں نے بھی زمان خان کو جانے دیا۔

اب آخری مرحلہ رہ گیا تھا یعنی سامنے جہاز کی سیڑھیوں پر جو گارڈ بیٹھی تھی، ان سے بچ کر نکلنا۔

آخر وہاں جا کر زمان خان رک گیا

کالے پانی کا سفر

سپاہیوں نے زمان خان کے کاغذات کو بار بار دیکھا۔

کاغذات بالکل ٹھیک تھے۔ شکل بھی نتھا سنگھ کی تصویر بھی نتھا سنگھ یعنی اصل زمان خان سے ملتی تھی۔

سپاہی نے پوچھا۔

"سردار نتھا سنگھ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

زمان خان نے ہنس کر ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

''اوں۔۔۔غاں۔۔۔غوں۔۔۔غاؤں غاؤں ۔۔۔''

پہرے دار ہنس پڑے۔

''بے چارہ گونگا ہے''۔

انہوں نے زمان خان کو جہاز پر جانے کی اجازت دی۔ ماریا کا سانس ابھی تک اوپر کا اوپر تھا۔ اب اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور زمان خان کے ساتھ ہی جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر عرشے پر آ گئی۔

''خدا کے لیے اب سر جھکا کر سیدھے اپنے کیبن میں آ جاؤ''۔

''فکر نہ کرو بہن! میں کسی کو شک کرنے کا موقع نہیں دوں گا''۔

زمان خان کے کیبن کا نمبر 18 تھا اور وہ جہاز کی اوپر والی منزل میں تھا۔ یہ کیبن بڑا صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ یہاں آرام کی ہر شے موجود تھی۔

ماریا نے زمان سے کہا۔

اب تمہاری زندگی کا سب سے خطرناک سفر شروع ہو رہا ہے۔

یاد رکھو اس جہاز پر آ کر تم اپنے آپ کو ایک لمبے

کے لیے بھی آزادی سے کھو بیٹھنا۔ انگریزی سی آئی ڈی کی ایک پوری رجمنٹ سا جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ اگر کسی کے کان میں ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی کہ تم سردار نتھا سنگھ نہیں بلکہ زمان خان مفرور قیدی ہو تو تمہیں اسی جہاز میں گرفتار کر کے زنجیریں پہنا دی جائیں گی اور پھر میرے لیے بھی تمہیں چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

زمان خان نے کہا۔

”بہت بہتر بہن! میں پورا پورا خیال رکھوں گا بہت احتیاط برتوں گا۔ کسی سے یونہی ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کروں گا“۔

شام ہو گئی۔ سورج سمندر میں غروب ہو گیا۔ جزیرے کے شہر میں لیمپ روشن ہو گئے۔ جہاز کی چمنی دھواں اگلنے لگی تھی۔

جہاز چلنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ زمان خان کو ماریا نے کیبن کے اندر بند رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ماریا کیبن کے باہر جنگلے کے ساتھ لگی بندرگاہ کے پلیٹ فارم کو دیکھ رہی تھی جہاں کھمبوں پر لیمپ روشن ہو گئے تھے اور قلی رسے کھول کھول کر ہو پر جہاز پر پھینکنے لگے تھے۔

لنگر بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ جہاز کی سیڑھی کب کی اٹھائی جا چکی تھی۔ جہاز نے زور زور سے وسل دی اور پھر مشین چلنے کی آواز سے جہاز کا فرش آہستہ آہستہ

کانپنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز نے بندرگاہ کو چھوڑنا شروع کر دیا۔

جہاز آہستہ آہستہ بندرگاہ سے دور ہونے لگا۔

بندرگاہ کی روشنیاں بھی دور ہونا شروع ہو گئیں۔

ہواؤں میں نمی آ گئی تھی۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ ورنہ زمان خان ایک خطرناک پھانسی پانے والے مفرور قیدی کو بچا کر لے جانا ایک بڑا ہی کٹھن کام تھا۔ جہاز بندرگاہ سے کافی دور نکل آیا تھا۔

اب روشنیاں جزیرہ کالے پانی کی روشنیاں دھندلی ہو گئی تھیں اور سمندر کی ہوائیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔

ماریا جنگلے سے ہٹ کر کیبن میں آ گئی۔ اندر لیمپ کی روشنی میں زمان خان عرف ننھا سنگھ اپنے بستر پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

اس نے دروازہ اپنے آپ کھلتے دیکھا تو سمجھ گیا ماریا آئی ہے۔

"بہن ماریا؟"۔

"ہاں۔۔۔میں ہوں زمان!"۔

ماریا سامنے والے دوسرے بستر پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر وہ باتیں کرتے رہے کہ کلکتے پہنچ کر کس طرح سے

قافلے کے ساتھ سرحد تک سفر کرتا ہوگا۔

اتنے میں دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔

زمان خان بولنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مت بھولو کہ تم گونگے ہو اور یہ سی آئی ڈی کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ اسے گونگا بن کر اندر بلاؤ"۔

زمان خان نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور کہا۔

"اوں۔۔۔اوں۔۔۔؟"۔

یعنی کیا بات ہے؟ بہرے نے ادب سے کہا۔

"صاحب! کھانا کس وقت کھائیں گے آپ؟"۔

اور ساتھ ہی ایک کارڈ خان کے حوالے کر دیا۔

اس پر سارے کھانے درج تھے۔ زمان خان نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"اوں۔۔۔اوں۔۔۔غوں۔۔۔غوں۔۔۔غاں"۔

بہرہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ ماریا نے اس کے جاتے ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

تمہیں بڑی سخت احتیاط کی ضرورت ہے زمان! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ یہ تمہارا خطرناک ترین سمندری سفر ہے۔

اس جہاز پر یا اورچی خانے کے آدھے نوکر سی آئی

ڈی کے آدمی ہیں۔

اگر تم سے ذرا سی بھی بھول ہوگئی تو پھر تمہیں شاید میں بھی پھانسی کے پھندے سے نہ بچا سکوں گی؟۔

زمان خان نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ سے احتیاط سے کام لیا کرے گا۔

کالے پانی سے کلکتے کی بندرگاہ تک دس روز کا سفر تھا آج سے سوا سو سال پہلے جہاز بڑی سست رفتاری سے چلا کرتے تھے۔

سمندر بڑا پرسکون تھا۔ سفر آسانی سے جاری تھا۔ انہیں سفر کرتے تیسرا دن جا رہا تھا کہ ایک روز شام کو ماریا جہاز کے عرشے پر ایک طرف آرام کرسی پر بیٹھی

شام کا منظر دیکھ رہی تھی کہ زمان خان کیبن سے نکل کر باہر جنگلے پر کھڑا ہو گیا۔

سمندر میں سورج کے غروب ہونے کا منظر اتنا خوبصورت تھا کہ وہ اس کی دل کشی میں کھو گیا اسے بالکل خبر نہ ہوئی کہ بیرا شام کی چائے لے کر کیبن کے اندر چلا گیا۔

زمان کے منہ سے نکل گیا۔

"چائے باہر ہی لے آؤ بھائی"۔

بیرے نے اتنا سنا تو بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا انقلاب آ گیا۔ ابھی دوپہر تک تو یہ صاحب گونگے تھے۔

غوں غاں میں باتیں کرتے تھے۔ پھر یہ یکایک کیسے کایا پلٹ گئی کہ انہوں نے بولنا شروع کر دیا۔ وہ تعجب سے زمان کی طرف دیکھنے لگا۔

ادھر زمان خان کو بھی فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ جلدی سے غوں غاں کرنے لگا اور زمان کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اوں۔۔۔آں۔۔۔غاں۔۔۔اوں۔۔۔ئی ئی۔۔۔اوں۔"

لیکن بلی تھیلے سے نکل چکی تھی۔ اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ جیرے کو معلوم ہو چکا تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا کالا ہے۔

وہ مسکرا کر چلا گیا۔ اس نے جاتے ہی اپنے سکھ مالک سے کہا۔

"صاحب! فسٹ کلاس کے کیبن میں ایک سردار جی سفر کر رہے ہیں۔ صبح تک تو وہ گونگے تھے۔ لیکن آج اچانک انہوں نے بولنا شروع کر دیا"۔

سکھ مالک بڑا حیران ہوا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اسے چل کر دیکھنا چاہیے کہ اس کے پاس کوئی سی ایسی دوائی ہے، جس سے گونگے بولنے لگتے ہیں۔

پنجاب میں اس کا رشتے دار گونگا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر سردار صاحب سے دوائی مل جائے تو وہ اپنے رشتے دار کو بھجوا کر اسے بھی زبان واپس دلا سکے

گا۔

یہ سکھ کینٹین کا مالک تھا اور وہی سکھ تھا جس کے مردہ رشتے دار سردار نتھا سنگھ کا بھیس بدل کر زمان خان جہاز میں سفر کر رہا تھا۔

شام کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سکھ کینٹین والا فسٹ کلاس کے اس کیبن کے دروازے پر آ گیا جہاں زمان خان سفر کر رہا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔ ماریا ابھی تک عرشے پر ہی آرام کر رہی تھی۔ زمان خان نے سر پر پگڑی جمائی اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

اب جو سکھ کینٹین والے نے اپنے سامنے اپنے چچا سردار نتھا سنگھ کو دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"چچا تم؟"۔

اس نے خوشی سے کہا اور زمان خان سے لپٹ گیا زمان خان بڑا پریشان ہوا کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے سکھ کینٹین والا اس سے لپٹ لپٹ جا رہا اور کہہ رہا تھا۔

"تم زندہ کیسے ہو گئے چچا؟ ہم نے تو تمہیں جلا کر تمہارے پھول دریا میں بہا دیئے تھے واہ گورو جی نے یہ تو بڑی کرپا کی تمہیں پھر سے زندہ کر دیا"۔

زمان خان اب سارا ماجرا سمجھ گیا کہنے لگا۔

"سردار جی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارا

چچا تھا سنگھ نہیں ہوں۔ بلکہ دوسرا تھا سنگھ ہوں"۔
سکھ کینٹین والا بولا۔

"بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے چچا۔ تمہارے کیبن کے باہر صاف لکھا ہے تم مرے نہیں زندہ ہو۔ واہ گورو کی مہربانی سے پھر سے زندہ ہوگئے ہو"۔

مگر زمان خان نے اسے دھکے دے کر کیبن سے نکال دیا۔ وہ بے چارا پریشان ہوکر اپنی کینٹین میں چلا گیا۔

ماریا کو ان حالات کا علم ہوا تو بڑی پریشان ہوئی کیونکہ رات ہی رات میں سارے جہاز میں یہ مشہور ہوگیا تھا کہ فسٹ کلاس کے کیبن میں ایک ایسا سکھ سفر

کر رہا ہے جو مردہ تھا لیکن زندہ ہوگیا ہے۔

ہوتے ہوتے یہ بات جہاز کے کپتان تک بھی جا پہنچی۔ وہ ایک انگریز تھا اور اسے انڈیمان کی سی آئی ڈی کی طرف سے اطلاع مل چکی تھی کہ ایک مفرور قیدی زمان خان جیل سے بھاگ گیا ہے۔

اس نے سوچا کہ چل کر پتہ کرنا چاہیے کہ وہ کون شخص ہے؟۔

چنانچہ اس نے رات کے پہلے پہر کیبن کا رخ کیا اور زمان خان سے مل کر بڑے اخلاق کے ساتھ بولا۔

"سردار جی! یہ کیا خبر جہاز میں گھوم رہی ہے کہ آپ انڈیمان میں مر گئے تھے اور پھر سے زندہ ہو

پھانسی کی کوٹھڑی (عبرتناک ۔ ماریا قسط نمبر 57)

گئے؟"۔

کپتان ساتھ ہی ساتھ بڑے غور سے زمان خان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

اسے وہ پورا سکھ نظر آ رہا تھا کہیں سے ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ مسلمان پٹھان ہے اور اس نے سکھ کا بھیس بدل رکھا ہے۔

ماریا بھی اس کے پاس کھڑی تھی اور دونوں کی باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی دل میں ڈر رہی تھی کہ یہ زمان خان کے امتحان کا وقت ہے اس سے پہلے ہی ایک غلطی ہو گئی تھی کہیں اب وہ کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھے کہ سارا راز طشت از بام ہو جائے۔

زمان خان نے کوئی بات نہ کی اور زبان سے غوں غاں کرتا رہا۔ کپتان ہنس پڑا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص واقعی گونگا ہے۔ وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔

لیکن اس کے دل میں شک سا پڑ گیا تھا۔

ماریا نے کپتان کے جاتے ہی زمان خان سے کہا۔

زمان بھائی! تمہاری ذرا سی غلطی نے ہمیں سخت پریشانی میں لا کھڑا کیا ہے۔

اب خدا ہی ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کپتان کو شک پڑ گیا ہے۔

زمان خان نے کہا۔

"یہ تو مجھ سے بڑی بھاری غلطی ہو گئی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ بہن ماریا! اب تو تمہیں ہی کچھ کرنا پڑے گا"۔

ماریا کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ زمان خان اگرچہ اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ماریا کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پریشان ہے۔

ادھر کپتان نے اپنے کیبن میں پہنچ کر سوچا کہ یہ شخص ضرور وہی زمان خان ہے اور جھوٹ موٹ کا سکھ بنا ہوا ہے اس نے کینٹین والے سکھ کو بلا کر پوچھا۔

کیا تم کو یقین ہے کہ یہی سکھ تمہارا چچا سردار تھا سنگھ ہے جس کی لاش کو تم جلا چکے تھے؟۔

کینٹین والے سکھ نے کہا۔

مجھے پکا یقین ہے صاحب کہ ہم نے سردار صاحب کی لاش کو اپنی آنکھوں کے سامنے آگ لگائی تھی۔ اور پھر اس کی راکھ پیتل کی تھالی میں اکٹھی کر کے دریا میں بہا دی تھی۔

کپتان نے کہا۔

"تو پھر تو یہ تمہارا چچا نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی بھی شخص جس کو جلا کر راکھ کر دیا جائے دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ ضرور کوئی دھوکے باز ہے جو تمہارے چچا کے پاسپورٹ پر سفر کر رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس تمہارے

چچا سردار نتھا سنگھ کا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات موجود ہیں؟

"جی ہاں! ابھی لاتا ہوں"۔

سنگھ باہر نکلا کہ اپنے کیبن میں جا کر سردار نتھا سنگھ مرحوم کے پاسپورٹ کے کاغذات لا سکے۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

وہ کپتان کے کیبن میں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اب وہ انگریز کپتان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لینے اب اس کا فرض ہو گیا تھا۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ جہاز گہرے اندھیرے کالے سمندر کی لہروں پر سفر کر رہا تھا۔

جہاز کے سارے مسافر سو رہے تھے۔ سنگھ جلدی سے اپنے کیبن میں داخل ہوا۔ اس نے الماری کھول کر ٹرنک باہر نکالا جس میں اس نے اپنے مرحوم چچا کے کاغذات حفاظت سے رکھے ہوئے تھے۔

جونہی اس نے ٹرنک کھولا کاغذات غائب تھے اس نے ساری الماری کیبن کی ایک ایک چیز تلاش کر ڈالی مگر کاغذات کہیں سے نہ ملے۔

سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور کاغذات چرا لیے گئے ہیں۔

جلدی سے کیبن سے باہر نکلا اور کپتان کے کیبن

میں آ کر کہنے لگا۔

سر! پاسپورٹ کے کاغذات کسی نے چوری کر لیے ہیں۔

انگریز کپتان کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔ سمجھ گیا کہ فسٹ کلاس کا مسافر سکھ نہیں ہے بلکہ وہی مفرور قیدی زمان خان ہے جو سردار تھا سنگھ کا بہروپ بھر کر سفر کر رہا ہے۔

اس نے سکھ سے کہا۔

ویل سردار صاحب! تم جا کر آرام کرو اور کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔

میں خود اب سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں۔

ٹھیک ہے۔

تم جاؤ اور خاموش رہو۔

سکھ کیبین والا چلا گیا۔

ماریا اگر چاہتی تو سکھ کیبین والے کو انگریز کپتان کے کیبن میں جانے سے پہلے پہلے سمندر میں پھینک کر ہلاک کر سکتی تھی۔

لیکن وہ اس بے گناہ سکھ کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتی تھی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ جب یہ خبر جہاز کے انگریز کپتان کے پہنچتی ہے کہ پاسپورٹ کے کاغذات غائب ہیں تو وہ کیا کرتا ہے۔

اب جبکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ انگریز کپتان نے

سارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور اسے یقین ہو گیا ہے کہ یہ شخص سردار نتھا سنگھ نہیں بلکہ مفرور قیدی ہے تو ماریا نے اس انگریز کپتان کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور یہ ایک درست فیصلہ تھا۔ کیونکہ یہ انگریز کپتان ایک منٹ سے پہلے پہلے زمان خان کو گرفتار کروا سکتا تھا۔

جہاز پر انگریزوں کی گورکھا فوج کا ایک دستہ سفر کر رہا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ انگریز کپتان نے دراز میں سے کاغذ نکال کر قلم دوات سامنے رکھ کر ایک خفیہ خط

لکھنا شروع کر دیا۔

پھر اس نے کاغذ کو لپیٹ کر ایک تانبے کے خول میں ڈالا اور نچلے خانے میں سے ایک قاصد کبوتر نکال کر اس کے پروں میں پیغام کے خول کو باندھنے لگا۔

ماریا چونک پڑی انگریز کپتان پیغام لے جانے والے قاصد کبوتر کے ذریعے کلکتے کے فوجی افسروں کو خبردار کرنے والا تھا کہ زمان خان نامی مفرور قیدی اور انڈیمان کے انگریز گورنر کا قاتل جہاز میں سفر کر رہا ہے تم لوگ ہماری فوج کے دستے لے کر بندرگاہ پر موجود رہنا اور اسے گرفتار کر لینا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک جھپا مارا اور کپتان

کے ہاتھ سے کبوتر چھین لیا۔ کبوتر ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا کہ کیپٹن ہکا بکا ہو کر ادھر ادھر تکتا رہ گیا کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے۔

ابھی تو کبوتر اس کے ہاتھوں میں تھا اب کہاں چلا گیا؟۔

ماریا نے خول میں سے پیغام نکال ک پھاڑ ڈالا اور کیبن میں ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی یہ انگریز کیپٹن اب کیا کرتا ہے۔

ماریا نے سوچا تھا کہ کیپٹن اپنی غیبی طاقت کا اثر ڈال کر اس سے وعدہ لے لے کر وہ زمان خان کے بارے میں کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

لیکن وہ انگریزوں کی ذہنیت سے اچھی طرح واقف تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ لوگ بھوت پریت وغیرہ سے بالکل نہیں ڈرا کرتے، دوسرے یہ بات تھی کہ یہ قوم وعدہ خلاف تھی۔

اگر انگریز کیپٹن ماریا کی غیبی طاقت سے ڈر کر یہ وعدہ بھی کر لیتا کہ وہ زمان خان کے سلسلے میں کسی سے کچھ نہیں کہے گا تو اس بات کا یہ بدستور خطرہ موجود تھا کہ جونہی جہاز کلکتے پہنچے، یہ شخص انگریز فوج سے مل کر زمان خان کو پکڑوا دے۔

چنانچہ ماریا نے اب یہ دیکھنا چاہا کہ کیپٹن اگلا قدم کیا اٹھاتا ہے۔

کپتان نے اس وقت تو کچھ نہ کیا۔

اپنے بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ کبوتر کہاں گم ہو گیا؟ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے گھنٹی بجائی۔ ایک اردلی اندر آیا۔

"دیکھو! سارجنٹ صاحب کو بلاؤ"۔

اردلی سر جھکا کر چلا گیا تھوڑی دیر بعد ایک انگریز سارجنٹ اندر آیا۔ اس نے سلیوٹ مار کر پوچھا۔

"سر! آپ نے مجھے یاد کیا"۔

"ٹھیک ہے سارجنٹ! یہاں بیٹھ جاؤ"۔

پھر کپتان نے چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو سرگوشی میں کہنے لگا۔

سنو سارجنٹ! میری بات کو غور سے سنو! تم کو معلوم ہے کہ انڈیمان کے جزیرے پر پچھلے دنوں ہمارے ایک انگریز گورنر کو ایک مسلمان پٹھان نے قتل کر دیا تھا۔

اس کا نام زمان خان تھا۔

سارجنٹ نے سر ہلا کر کہا۔

"جی ہاں! مجھے یاد ہے اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ قاتل جیل کی سلاخیں توڑ کر بھاگ نکلا تھا"۔

کپتان نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شی! آہستہ بات کرو۔ کوئی سن نہ لے۔ یہ

بڑے راز کی بات ہے۔ غور سے سنو! تم نے ٹھیک سنا تھا۔ وہی قاتل یعنی زمان خان فسٹ کلاس کے ایک کیبن میں سکھ بن کر سفر کر رہا ہے“۔

سارجنٹ کے کان کھڑے ہو گئے۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟ کیا یہ سچ ہے؟“

”بالکل سو فیصد سچ ہے“۔

کپتان نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اگر تم چاہو تو جا کر اسے دیکھ سکتے ہو لیکن تمہیں اسے جا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

پس اب اس جہاز کے کپتان ہونے کی حیثیت سے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ اس زمان خان کو جہاز کی فسٹ کلاس میں سردار نتھا سنگھ کے جھوٹے نام سے سفر کر رہا ہے۔

ابھی جا کر گرفتار کر لو۔

اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اسے جہاز کی حوالات میں بند کر دو۔ جاؤ جلدی کرو اور واپس آ کر مجھے رپورٹ کرو۔

”یس سر“۔

سارجنٹ سلیوٹ مار کر باہر نکل گیا۔

ماریا کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ تو کپتان نے بھرپور حملہ شروع کر دیا ہے۔ اب ماریا کو بھی جنگ

شروع کر دی تھی۔

وہ بھی تیزی سے کیبن سے باہر آ گئی اور سارجنٹ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ راہداری میں نیم روشن لیمپ جل رہا تھا۔

سارجنٹ سیڑھیاں چڑھ کر اور زمان خان کے کیبن کے باہر آ کر دستک دینے لگا۔ اس نے طمنچہ ہاتھ میں لے لیا تھا جو آج سے سو برس پہلے کا پستول ہوتا تھا اور اس میں بارود بھر کر چلایا جاتا تھا۔

زمان خان شاید سو رہا تھا۔ سارجنٹ کے دو تین بار دستک دینے پر اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سارجنٹ چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ کیبن کے اندر آ گیا اور طمنچہ تان لیا۔

مسٹر زمان خان! تم زیر حراست ہو۔ خبردار اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔

چپ چاپ میرے آگے آگے جہاز کی حوالات کی طرف چل پڑو۔

زمان خان حیران ہو کر رہ گیا۔

لیکن ٹھیک اسی لمحے ماریا نے پیچھے سے ایک زور دار لات سارجنٹ کی پیٹھ پر ماری اور وہ منہ کے بل گر پڑا اس کا پستول دور جا پڑا۔

ماریا نے کہا۔

”زمان! پستول اٹھا لو“۔

سارجنٹ نے سوچا یہ عورت کی آواز کہاں سے آ گئی۔

یہاں تو کوئی عورت نہیں تھی۔ لیکن ماریا کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اس سارجنٹ کو اس سے آگے سوچنے کی مہلت ہی نہ دی۔

اس نے کیبن میں ایک طرف پڑا ہوا لوہے کا برتن اٹھا کر پوری طاقت سے انگریز سارجنٹ کے سر پر دے مارا۔

وہ بے ہوش ہو گیا۔

"جلدی سے سارجنٹ کو کندھے پر اٹھا کر باہر لے آؤ۔ میں باہر کھڑی ہوں"۔

زمان خان نے بے ہوش سارجنٹ کو کندھے پر اٹھایا اور کیبن سے باہر آ گیا۔ اندھیرے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور سیاہ کالے سمندر کی لہریں جہاز سے ٹکرا کر شور مچا رہی تھیں۔

تیز ہوا بھی چل رہی تھی زمان خان کو ماریا یاد آتی۔

"اسے عرشے کے عقب میں لے آؤ زمان!"۔

جہاز کے ڈیک پر کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف دور لنگر پھینکنے والی مشین کے پاس کچھ مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔

زمان نے بے ہوش سارجنٹ کو اپنے کندھے پر

اٹھا رکھا تھا۔ وہ ڈیک کے جنوبی حصے کی طرف یعنی جہاز دم آ گیا۔

یہاں ماریا اس کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے کہا۔

اس انگریز کو سمندر میں پھینک دو۔

زمان خان ذرا ہچکچایا۔

"ماریا بہن! اگر ہم اسے۔۔۔"

"بکواس بند کرو"۔

ماریا نے زمان خان کو جھاڑ ڈالا اور آگے بڑھ کر بے ہوش سارجنٹ کو اس کے کندھے سے اتارا اور خود اسے دھکا کر بھری ہوئی موجوں والے سمندر میں گرا دیا۔

کالے سمندر کی لہروں نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر سارجنٹ کو نگل لیا اور کسی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔

ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

اگر آئندہ تم نے اس قسم کی بزدلی دکھائی تو میں تمہاری ذمے داری نہیں ہوں گی۔ چلو واپس اپنے کیبن میں اور خبردار سوائے میرے کوئی بھی آ جائے دروازہ نہیں کھولنا۔

زمان خان چپ چاپ واپس اپنے کیبن میں آ گیا۔

بھوت کے خراٹے

جہاز پر یہ پہلا قتل تھا۔

صبح سارے جہاز پر یہ خبر پھیل گئی کہ انگریزی فوج کے سارجنٹ کو کسی نے سمندر میں پھینک کر ہلاک کر دیا ہے۔

مصیبت یہ ہو گئی تھی کہ جس مقام سے سارجنٹ کو سمندر میں پھینکا گیا تھا وہاں اس کی جیب سے بٹوہ گرا ہوا پایا گیا تھا۔

کپتان کے تن بدن میں تو آگ لگ گئی۔ سمجھ گیا کہ یہ زمان خان کس آدمی کی شرارت تھی۔ تو گویا اس کے حامی بھی اسی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔

اس حامی نے کبوتر اور پیغام گم کر دیا تھا۔ شاید یہ کوئی بنگال کا جادوگر ہے جو زمان خان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس کی حفاظت کر رہا ہے۔

لیکن انگریز کپتان ایسی باتوں سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ اس نے ہر حالت میں انگریز گورنر کے قاتل کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ گورکھا سپاہیوں کی ایک پوری رجمنٹ کو ساتھ

لے کر آگے بڑھا اور اس نے زمان خان کے کیبن پر چھاپہ مار کر اسے فوراً گرفتار کر لیا۔

اسے زنجیریں پہنا دی گئیں اور جہاز کے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

ماریا یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ اس نے کوئی جوابی کارروائی نہ کی اس وقت جوابی کارروائی کرنا حماقت تھی۔

کیونکہ اگر وہ دو تین سپاہیوں کو ہلاک بھی کر دیتی تو کپتان اسی انتقامی طور پر زمان خان کو گولی مروا کر ہلاک کروا سکتا تھا۔

وہ خاموش رہی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ کپتان نے

زمان خان کو گرفتار ہی کیا تھا۔ اگر وہ اسے ہلاک کرنے کا حکم صادر کر دیتا تو وہ زمان خان کو مروا بھی سکتا تھا۔ اور ماریا شاید کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔

زمان کے کیبن پر ایک گورکھا سپاہی کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ادھر زمان خان کو سپاہی جب حوالات میں لے جانے لگے تو ماریا ان کے ساتھ ساتھ گئی۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ حوالات جہاز میں کس مقام پر ہے۔ یہ حوالات جہاز کے سب سے نچلے حصے میں تھی۔

ایک چھوٹی سی راہداری میں گزر کر تنگ سی ایک کوٹھری تھی جس کے دروازے پر سلاخیں لگی تھیں۔

ایک سپاہی اسے تالا لگائے پہرہ دے رہا تھا۔ زمان خان کو یہاں بند کر دیا گیا۔

ماریا خاموشی سے واپس آ گئی۔ دوپہر تک مایا جہاز کے عرشے پر ایک طرف خاموش بیٹھی سمندر کی لہروں کو دیکھتی رہی۔

کھانا اس نے سکھ کی کینٹین پر جا کر کھایا۔ یہی وہ سکھ تھا جس کی وجہ سے زمان خان مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

لیکن اس میں سکھ کا بھی کیا قصور تھا۔ غلطی خود زمان خان کی تھی۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔

کینٹین میں بنچ اور لکڑی کے لمبے لمبے میز لگے

تھے۔ کچھ مسافر بیٹھے چاول وغیرہ کھا رہے تھے۔ ماریا کو کھانے میں نہ تو کوئی پیسہ دینا پڑتا تھا اور نہ کسی سے کھانا مانگنے کی تکلیف گوارا کرنا پڑتی تھی۔

اس نے بڑے آرام سے ایک تھال میں سے بھنی ہوئی مچھلی کے دو تین ٹکڑے اور دو روٹیاں اٹھائیں اور بڑے سکون سے ایک جگہ میز پر آ کر بیٹھ گئی اور کھانا شروع کر دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اٹھی۔ سوچا ایک کپ کافی پی لی جائے تو کیا حرج ہے؟

کینٹین پر ایک پتیل کا حمام کافی سے بھرا ہوا تھا سکھ مالک کپ بھر بھر کر لوگوں کو دے رہا تھا۔ ایک

کپ ماریا نے اٹھایا اور حمام کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

سکھ مالک کا ہاتھ حمام سے ہٹا تو ماریا نے ٹونٹی کھول کر اپنا کپ نیچے رکھ دیا۔

”ارے! یہ ٹونٹی کس نے کھول دی؟“۔

سب سے زیادہ حیرانی سکھ مالک کو اس بات پر ہوئی کہ ٹونٹی میں سے جو کافی بہہ رہی تھی وہ نیچے نہیں گر رہی تھی بلکہ ایک خاص فاصلے پر آ کر غائب ہو رہی تھی۔

وہ گدی پر بیٹھا بیٹھا اچھل پڑا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے میرے حمام کے ساتھ“۔

اتنے میں ماریا نے ٹونٹی بند کر دی اور کپ لے کر میز پر جا بیٹھی۔ وہ اس وقت شرارت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

سکھ مالک حیران ہی ہوتا رہ گیا۔ دیر تک جھک جھک کر حمام کی ٹونٹی کو دیکھتا رہا کہ یہ اپنے آپ کیسے کھل گئی اور اپنے آپ کیسے بند ہو گئی۔

کافی پی کر ماریا اٹھی اور سوچا کہ زمان خان کے لیے بھی کچھ لیتی چلے۔ تینین پر وہ اس قتال کے پاس آ گئی جس میں بھنی ہوئی مچھلیوں کے تکلے پڑے تھے۔

ماریا نے تین بھنی ہوئی مچھلیاں اٹھائیں اور کاغذ

میں لپیٹ کر اپنے ساتھ رکھ لیں۔

کینٹین کا مالک دیکھتا ہی رہ گیا کہ یہ تھال سے اچانک تین چار مچھلیوں کے ٹکڑے کہاں گم ہو گئے؟ سکھ کی سمجھ میں جب کچھ نہ آیا تو وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔

ماریا جہاز کے نیچے والے حصے میں آ گئی۔ یہاں سے وہ تنگ راہداری سے گزرنے لگی تو اتفاق سے ایک ملاح بھی سامنے سے آ رہا تھا۔

ماریا ایک جانب ہو گئی پھر بھی موٹے ملاح کا جسم ماریا کے جسم سے ٹکرا گیا۔ ملاح نے چونک کر آس پاس دیکھا کہ جس کا جسم انسان سے ٹکرایا ہے وہ کہاں ہے۔

جب اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا تو وہ سر کو جھٹک کر آگے چل دیا۔

ماریا حوالات کے سامنے آ کر رک گئی۔ گورکھا سپاہی بندوق اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے سلاخوں میں سے کوٹھڑی میں جھانک کر دیکھا۔

زمان خان کونے میں دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔ اس کے پاؤں میں زنجیر بندھی تھی۔ سامنے ایک ٹین کا ڈونگا اور تھالی پڑی تھی۔

جس میں تھوڑے سے ابلے ہوئے چاول ابھی باقی تھے۔ ماریا نے سوچا کہ کس طرح زمان خان سے بات کی جائے؟

پھانسی کی کوٹھری (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 57)

خان سمجھ گیا کہ ماریا آن پہنچی ہے لیکن گورکھا بڑا پریشان ہوا کہ یہ الو کی آواز جہاز میں کہاں سے آ گئی۔

ماریا نے سلاخوں کے اندر ہاتھ ڈال کر کاغذ میں لپٹی ہوئی مچھلی کا بنڈل زمان خان کی طرف پھینک دیا۔

زمان خان نے جلدی سے اسے اٹھایا اور اپنے پیچھے چھپا لیا گورکھا سپاہی نے جو زمان خان کو کچھ چھپاتے دیکھا تو ڈانٹ کر پوچھا۔

"کیا ہے تمہارے پیچھے؟ یہ تم نے کیا چھپایا ہے؟"۔

زمان خان نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ اس میں مچھلی ہے۔"

"مچھلی؟"۔

گورکھے نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ مچھلی کہاں سے آ گئی تمہارے پاس؟"۔

زمان خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ یوں ہی کہنے لگا۔

"کسی نے بھیج دی ہے میرے لیے"۔

"ادھر لاؤ۔ جلدی۔ نہیں تو گولی چلا دوں گا"۔

گورکھے نے بندوق تان لی۔ ماریا فکرمند ہو گئی۔ کم بخت یہ گورکھا تو اسے ایک لقمہ بھی نہیں کھانے

دے گا بلکہ ساری مچھلی خود کھائے گا۔ آگے سے بھی کچھ زمان خان کے لیے لائے گی وہ خود ہی چھین کر کھا جایا کرے گا۔ اس کا تو کچھ علاج ہونا چاہیے۔

بے چارہ زمان خان مجبوراً مچھلی والا بنڈل اٹھا کر گورکھے سپاہی کے پاس لے آیا۔ گورکھے نے جو تازہ بھنی ہوئی مچھلی دیکھی تو بڑا خوش ہوا۔

"یہ تو میرے لیے بھگوان نے بھیجی ہے۔ تم کون ہوتے ہو اس کو کھانے والے۔ خبردار جو آئندہ ایسی حرکت کی"۔

گورکھے نے کاغذ میں سے مچھلی کا ایک ٹکڑا نکالا

اور اسے منہ کے پاس لے جا کر کھانے ہی لگا تھا کہ ماریا نے زور سے ہاتھ مار کر اس کی مچھلی نیچے گرا دی گورکھا بت بن کر رہ گیا۔

"یہ میری مچھلی کس نے گرا دی؟"۔

ماریا نے سوچا کہ اس شخص پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیے۔ جب ہی زمان خان کو کھانے پینے کی چیزیں دینے میں آسانی رہے گی اس نے گورکھے سپاہی کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سنو! اے گورکھا سپاہی! میں آکاش سے آئی ہوں۔ میرا نام سرسوتی دیوی ہے۔ مجھے بھگوان نے حکم دیا ہے کہ اس نوجوان کو روزانہ کھانے پینے کی چیزیں

دیا کرو۔

کیوں کہ اس نے اپنے وطن کی آزادی کے لیے جیل کاٹی ہے اور اپنے وطن کے دشمن انگریز کو قتل کیا ہے۔ میں روزانہ آ کر اسے کچھ نہ کچھ کھانے کو دے جایا کروں گی۔

تم بیچ میں دخل مت دینا۔

اب یہ مچھلی جو تمہارے ہاتھ میں پکڑی ہے، کاغذ میں لپیٹ کر زمان خان کی طرف پھینک دو اور چپکے سے بیٹھ جاؤ۔

میں اگر چاہوں تو تمہیں ہلاک کر کے زمان خان کو یہاں سے نکال لے جا سکتی ہوں۔

لیکن ابھی مجھے بھگوان کی طرف سے ایسا حکم نہیں ملا چلو۔ واپس کرو یہ بھنی ہوئی مچھلی۔ یہ زمان خان کا حصہ ہے۔

گورکھا سپاہی سن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جیسے خواب کے عالم میں ماریا کی آواز سن رہا تھا۔ اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا

اس نے مشین کی طرح ہاتھ بڑھا کر مچھلی کا بنڈل زمان خان کی طرف پھینک دیا۔ زمان سمجھ گیا تھا کہ ماریا آ گئی ہے اس نے بنڈل اٹھا لیا اور خوشی خوشی مچھلی کھانے لگا۔

ماریا نے کہا۔

"تم نے میری بات سن لی ہے ناں سپاہی؟"

گورکھا سپاہی نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پتھریلی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سن لی ہے سرسوتی دیوی! تم جیسا کہو گی، ویسے ہی ہو گا۔ میں میں۔ تمہارا داس ہوں"۔

ماریا نے زمان خان سے کہا۔

زمان خان! تم بھی سن لو۔ میں سرسوتی دیوی ہوں اور آکاش سے تمہاری مدد کرنے آئی ہوں کیونکہ تم وطن کے سرفروش ہو۔

تم نے اور تمہارے خاندان نے آزادی کے لیے

بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ میں روز آ کر تمہیں کھانے کو کچھ نہ کچھ دے جایا کروں گی۔

اگر اس گورکھے سپاہی نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی تو مجھے بتانا۔ میں اسے اسی جگہ جلا کر بھسم کر دوں گی۔

گورکھا سپاہی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اے سرسوتی دیوی! اے ماں! میں تمہارا غلام ہوں میں اسے کبھی کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے معاف کر دو"۔

"معاف کر دیا"۔

ماریا نے کہا۔

پھر زمان خان سے مخاطب ہو کر بولی۔

"اچھا زمان خان! اب میں جاتی ہوں۔ رات کو آ کر تمہیں کھانے کو دے جاؤں گی"۔

ماریا چلی گئی۔ گور کھے کی عجیب حالت تھی اس کا جسم ابھی تک پسینے میں تر تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور سلاخوں کے ساتھ منہ لگا کر کہنے لگا۔

"بھائی! بھائی میں آج سے تمہیں کچھ نہیں کہوں گی سرسوتی دیوی سے میری شکایت مت کرنا۔ نہیں تو وہ مجھے بھی ختم کر دے گی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں"۔

زمان خان نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو بھائی! میں کبھی شکایت نہیں کروں گی۔ لیکن تم بھی ایک بات کا خیال رکھنا کہ اگر کبھی سرسوتی دیوی! مجھ سے تنہائی میں کوئی بات کرنی چاہے تو تم ذرا پرے ہٹ کر کھڑے ہو جانا"۔

"ایسا ہی کروں گا بھائی! ایسا ہی کروں گا"۔

گور کھے نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور سر جھکا کر گہرے فکر میں کھو گیا۔

رات کو پھر ماریا زمان خان کے لیے مچھلی لے کر آ گئی۔ زمان خان نے گور کھے سے کہا کہ سرسوتی دیوی آ گئی ہے اور اس سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنی چاہتی ہے اس لیے تم ذرا پرے ہو جاؤ۔

گورکھے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"جو حکم مہاراج! پر بھگوان کے لیے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو کپتان میری گردن اڑا دے گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اب ایسا وقت آیا تو تمہیں اس ڈیوٹی سے پہلے ہی فارغ کر دیا جائے گا"۔

بھگوان آپ کا بھلا کرے۔

گورکھا بے چارہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ کیونکہ

اسے عورت کی آواز آ رہی تھی۔ مگر وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ الگ ہو کر کھڑا ہو گیا زمان خان کو ماریا نے سلاخوں کے پاس بلا لیا اور بولی۔

زمان خان! میں اگر چاہوں تو یہ تالا توڑ کر تمہیں ابھی یہاں سے نکال سکتی ہوں۔ لیکن اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

کیونکہ ہم لوگ سمندر میں سفر کر رہے ہیں۔ فوج تمہیں پھر گرفتار کرے گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس افراتفری میں کوئی تمہیں گولی مار دے ایسی حالت میں، میں شائد تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔

زمان خان کہنے لگا۔

”ماریا بہن! بات تم نے ٹھیک کی ہے، پھر تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“۔

ماریا نے کہا۔

”میں نے اس کے بارے میں بہت سوچا ہے۔ آخر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ جہاز کو کلکتے کی بندرگاہ پر پہنچنے دیا جائے۔ جہاز بندرگاہ کے ساتھ لگ جائے تو کچھ کیا جائے“۔

زمان خان نے فکرمندی سے کہا۔

”لیکن ہو سکتا ہے پھر ہم زیادہ مجبور ہو جائیں۔ وہاں فوج اور پولیس کی بھاری تعداد مجھے لینے آئی ہو

گی۔ ہو سکتا ہے وہاں ہم کچھ بھی نہ کر سکیں“۔

ماریا خاموش رہی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

تمہاری بات بھی ٹھیک لگتی ہے۔ بہرحال اس پر غور کر لیں گے۔

ایک بات تو طے ہے کہ ہم کلکتہ پہنچنے سے پہلے کچھ نہیں کر سکتے۔ ابھی سات دن باقی ہیں۔ ان سات دنوں ہم کچھ نہ کچھ ضرور سوچ لیں گے۔ اب میں جاتی ہوں۔ کل آؤں گی۔

ماریا چلی گئی۔

وہ سیدھی اپنے کیبن میں آ گئی۔ رات وہ فرسٹ کلاس والے کیبن میں ہی سوتی تھی۔ وہ اس کی پچھلی

کھڑکی سے اندر داخل ہو کر بستر پر لیٹ کر سویا جایا کرتی تھی۔

آج بھی کھڑکی میں سے اندر داخل ہوئی تو اس کے پاؤں سے ٹکرا کر ایک گلاس میز سے نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔

کھڑاک کی آواز سن کر پہریدار سپاہی نے تالا کھول کر کیواڑ کھولا اور لیمپ جلا کر اندر آ کر دیکھنے لگا۔

کہ یہ گلاس کس نے گرا دیا روشنی میں اسے زمین پر پڑے ہوئے گلاس کے ٹکڑے صاف نظر آ رہے تھے۔

پچھلی کھڑکی کا پردہ ہوا میں ہل رہا تھا۔ ظاہر ہے کوئی کھڑکی کھول کر اندر آیا تھا۔ سپاہی نے کمرے میں گھوم کر تلاشی لینی شروع کر دی۔

لیمپ اس نے میز پر رکھ دیا۔ اور بندوق یوں چھپا لی جیسے کسی کو گولی مارنے والا ہو۔ ماریا کونے میں چپ چاپ کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

کم بخت سپاہی اس کے قریب آ گیا۔ ماریا جلدی سے پرے ہٹ گئی۔

اس بار پھر اس کے ہاتھ سے لگ کر ایک طشتری فرش پر گر پڑی۔ اب تو سپاہی کو یقین ہو گیا کہ اندر ضرور کوئی موجود ہے۔

مگر وہ نظر کیوں نہیں آ رہا؟ یہ سوچ کر سپاہی کو پسینہ آ گیا۔ اب وہ خود ڈرنے لگا کہ جانے اندر کوئی بھوت آ گیا ہے کہ چیزیں گر کر ٹوٹ رہی ہیں مگر اسے گرانے والا دکھائی نہیں دیتا۔

بھوت پریت کے خوف سے بہت سے لوگوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور پھر وہ سپاہی بے چارہ تو ایک عام گورکھا سپاہی تھا۔ ڈر کے مارے تو اسے پسینہ آ گیا۔

ماریا نے اسے ڈرتے دیکھا تو اور ڈرایا۔ اس نے پھونک مار کر لیمپ بجھا دیا اور زور سے چیخ ماری بس پھر کیا تھا۔

پہرے دار سپاہی کو جیسے کسی نے اچھال کر کیبن سے باہر پھینک دیا۔ اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور بھاگ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک انگریز سارجنٹ کچھ سپاہیوں کو لے کر آ گیا۔ ماریا کو معلوم تھا کہ یہ گورکھا بھاگ کر اس کے لیے مصیبت بن جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر ماریا اب کیا کر سکتی تھی۔ انگریز سارجنٹ نے اندر آ کر لیمپ جلایا اور چاروں طرف گھور گھور کر دیکھا یہ لوگ ذرا کم ہی ڈرا کرتے ہیں۔

دوسرے سپاہی اب بھی خوف زدہ تھے۔

سارجنٹ نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ ایک دم بزدل تھا۔ بھاگ گیا۔ یہاں کوئی بھوت نہیں ہے۔ بھوت کہاں سے آ سکتا ہے اس جگہ پر چلو۔ تم لوگ باہر پہرہ دو"۔

ماریا کو اگر نیند آ رہی ہوتی تو وہ اسے ضرور بتاتی کہ وہاں بھوت کس طرح سے آتے ہیں۔ لیکن نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں وہ چاہتی تھی کہ یہ کم بخت باہر جا کر کیبن کو تالا ڈالیں اور وہ بستر پر گر کر سو جائے۔

چنانچہ سارجنٹ کے حکم پر سب لوگ اس کے ساتھ باہر نکل گئے۔ نئے پہرے دار نے باہر تالا لگا دیا اور ماریا بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

اب خدا جانے زیادہ مچھلی کھانے کا اثر تھا کہ سونے کے کوئی آدھ گھنٹے بعد ماریا نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔

باہر جو نیا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ بڑے مزے سے کیبن کے سامنے بندوق رکھے ایک سٹول پر بیٹھا چلم پی رہا تھا۔

جہاز رات کے اندھیرے میں سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ بہا چلا جا رہا تھا۔ لہروں کی ہلکی ہلکی آواز مسلسل آ رہی تھی سپاہی نے ان لہروں کی آواز میں ایک عجیب سی آواز سنی۔

جیسے کوئی سوتے میں خراٹے لے رہا ہے۔ اس

نے کوئی دھیان نہ دیا۔ سوچا یہ لہروں ہی کی آواز ہو گی۔ بڑے مزے سے دوبارہ چلم پینے لگا۔

لیکن خراٹوں کی آواز اب کچھ زیادہ ہی آنے لگی تھی۔

وہ ذرا ہوشیار ہو گیا۔ اس نے آواز پر کان لگا دیئے۔ اب اسے محسوس ہوا کہ آواز اس کے قریب ہی سے آ رہی ہے۔

ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگا تو یوں لگا کہ آواز کیبن کے اندر آ رہی ہے۔ اس نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیا۔

وہ ڈر گیا۔ سچ مچ خراٹوں کی آواز اندر سے آ رہی

تھی۔ اس کو یقین ہو گیا کہ اندر بھوت ہے جو سو رہا ہے۔

خوف سے اس کا ہاتھ کانپا اور چلم لڑھک کر سمندر میں گر گئی۔ وہ دروازے سے اٹھ کر ایک طرف کو بھاگ گیا۔

سیدھا گارڈ روم میں پہنچا۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ چہرہ زرد تھا۔ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ جاتے ہی کرسی پر دھڑام سے گر گیا اور لڑکھڑاتی زبان بھی بولا۔

"بھ۔۔۔بھ۔۔۔بھوت۔۔۔ک۔۔۔ک۔۔۔ سو رہا ہے"۔

موٹے حوالدار نے کر اس کے سر پر دھپ لگائی۔ اور کہا۔

"کمینے! نمک حرام! کام چور! ڈیوٹی سے بھاگنے کے بہانے بناتا ہے۔ کہاں سو رہا ہے تیرا باپ بھوت"۔

سپاہی بولا۔

"سر! بھوت کے خراٹوں کی آواز اندر سے آ رہی ہے۔ چل کر دیکھ لیں۔ بے شک چل کر دیکھ لیں"۔ بھگوان کی قسم بھوت۔۔۔بھوت۔بھوت۔۔۔سو رہا ہے"۔

"چل بے کام چور! چل کر دکھا مجھے"۔

موٹا حوالدار ڈنڈا لے کر کیبن کے دروازے پر آ گیا۔ جونہی اس نے دروازے کے ساتھ کان لگایا تو ڈر کر اچھل پڑا۔

کم بخت جانے ماریا کو آج کیا ہو گیا تھا۔ کیسی مچھلی کھائی تھی اس نے کہ اب وہ بہت زور زور سے خراٹے لے رہی تھی۔

موٹے حوالدار کی تو گھگھی بندھ گئی۔ دونوں وہاں سے بھاگ اٹھے اور سیدھے انگریز سارجنٹ کے پاس جا کر سارا ماجرا سنا ڈالا۔

انگریز سارجنٹ نے بڑے سکون سے ان کی آسیب کی کہانی سنی اور کرسی سے اٹھ کر کہنے لگا۔

”معلوم ہوتا ہے تم لوگ میری رات کی ڈیوٹی اسی پریڈ میں ختم کرا دو گے کہ کبھی کیبن کے دروازے پر اور کبھی پھر اپنے دفتر میں۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔۔“

حوالدار اور سپاہی اپنے ساتھ سارجنٹ کو لے کر ماریا کے کیبن کے باہر آ گیا۔

سارجنٹ نے کان لگا کر سنا اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس عرصے میں کہیں ماریا نے کروٹ بدلی تھی اور اس کے خراٹے بند ہو گئے تھے۔

سارجنٹ نے ان دونوں کو خوب گالیاں دیں بلکہ ایک دو ڈنڈے بھی مار دیئے۔

پھانسی کی کوٹھری (خوفناک ماریا قسط نمبر 57)

”کم بختو! نمک حرامی کرتے ہو۔ کام نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہو۔ خبردار جو اب کوئی یہاں سے ہٹا“۔

سارجنٹ اپنے ساتھ حوالدار کو لے کر چلا گیا۔

پیچھے سپاہی پہرے پر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ماریا نے پھر سے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ اب جو سپاہی کو خراٹوں کی آواز آئی تو اس کی بے اختیار چیخ نکل گئی اور وہ کیبن کے دروازے کے باہر ہی گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

لال برج

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر کو نیپال سے بنگال آتے ہوئے ماہی گیروں نے دریا سے نکال لیا تھا۔ وہ ان کے پاس ہی ایک جھونپڑے میں رہنے لگا۔

اس نے ماہی گیروں کو اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ بنگال میں اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کی تلاش میں آیا ہے جو انقلاب میں کہیں کھو گئے ہیں۔

اب وہ وہاں سے کلکتے جانے کی سوچ رہا ہے۔ دوسری طرف ناگ عقاب بن کر جا رہا تھا کہ ایک جگہ پہاڑیوں میں چکمہ ڈاکو عقابوں کے شکار کو نکلا ہوا تھا۔ اس نے جو دیکھا، ایک سفید کلغی والا عقاب آسمان پر اڑتا جا رہا ہے۔

اور بڑی نیچی پرواز کر رہا ہے تو اس نے تیر چلا کر عقاب کو زخمی کر دیا۔ عقاب نیچے گر پڑا۔

یہ عقاب جو کہ ناگ تھا۔ زخمی حالت میں چکمہ ڈاکو کی کمین گاہ میں ہے۔ اس کا بازو زخمی ہے۔

ڈاکو اس کی مرہم پٹی کر رہا ہے۔ ناگ جب تک کہ اس کا زخم اچھا نہ ہو، پھر سے سانپ نہیں بننا چاہتا

پھانسی کی کوٹھری (عبرتناک ناول نمبر 57)

کیونکہ ایسی صورت میں ڈاکو اسے فوراً ہلاک کر دیتے اور کوئی دوسرا جانور یا انسان بھی نہیں بن سکتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عقاب کی شکل میں تو زخم چھوٹا تھا اگر وہ انسان یا کوئی درندہ بن جائے تو خدا جانے زخم اس حساب سے کس قدر بڑا اور مہلک ہو جائے۔

ناگ نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ پوری طرح صحت یاب نہیں ہوگا۔ عقاب کی شکل میں ہی زندہ رہے گا۔ اب ایک اتفاق ہوتا ہے۔

ایک روز چکمہ ڈاکو کا ایک ساتھی ڈاکو عقاب کو ہاتھ پر بٹھائے ایک قریبی قصبے میں دوائی لگانے جا رہا تھا کہ ایک انگریز شکاری کی عقاب پر نظر پڑ گئی۔

اس نے ڈاکو کو بلا کر پوچھا کہ یہ عقاب کس کا ہے؟۔

ڈاکو نے بتایا کہ اس کے مالک کا ہے جو زمیندار ہے اور جسے عقاب پالنے کا شوق ہے انگریز شکاری لندن سے شکار کھیلنے آیا تھا اور واپس اپنے وطن جا رہا تھا۔

اسے عقاب پسند آ گیا۔ سفید کلغی والا عقاب بے حد کمیاب ہوتا ہے۔

اس نے کہا۔

"کیا تمہارا مالک اسے بیچنا پسند کرے گا میں اس کے منہ مانگے دام دے سکتا ہوں"۔

ڈاکو نے کہا۔

”میں اپنے مالک سے بات کروں گا“۔

شکاری بولا۔

”ٹھیک ہے میں یہاں ڈاک بنگلے میں ہی ٹھہرا ہوا ہوں۔ اگر تمہارا مالک مان جائے تو اسے میرے پاس لے آنا“۔

ڈاکو نے جا کر چکمہ سردار سے بات کی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

پھر ڈاڑھی کھجا کر کہنے لگا۔

”چلو میرے ساتھ! میں اس شکاری سے ملوں گا“۔

اور وہ ڈاک بنگلے میں آ گیا۔ ڈاک بنگلے میں شکاری انگریز نے کہا۔

”ویل مسٹر زمیندار! ہم کو یہ عقاب پسند آ گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم تم کو اس کا دام دو ہزار پونڈ یعنی تیس ہزار روپیہ دے سکتا ہے“۔

چکمہ ڈاکو کی تو باچھیں کھل گئیں۔

جھٹ بولا۔

”صاحب! یہ بڑا قیمتی عقاب ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اسے پکڑا ہے۔ اگر تم مجھے تیس ہزار روپیہ دے دو تو میں اسے ابھی تمہارے حوالے کر دوں گا“۔

آخر پچیس ہزار روپے پر سودا ہو گیا۔ عقاب انگریز

شکاری کے حوالے کر دیا گیا۔

شکاری نے روپے اسی وقت ادا کر دیئے۔ یہ سودا ہوتے ناگ بھی دیکھ رہا تھا۔

سوچ رہا تھا، چلو ایک سنگدل ڈاکو سے نجات ملی۔ زخم کوئی دن میں اچھا ہو جائے گا پھر اس انگریز شکاری سے بھی نجات حاصل کر لوں گا

انگریز شکاری کا نام مسٹر گرانڈ لے تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ جس کا شوق صرف عقاب پالنا اور ہاتھی کا شکار کھیلنا تھا۔

وہ ایک مہینے سے بنگال کے جنگلوں میں شکار کھیل رہا تھا اور اب واپس ولایت جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس کا جہاز کلکتے کی بندرگاہ سے دس روز بعد روانہ ہونے والا تھا جس میں اس کی سیٹ بک ہو چکی تھی۔ اس کی ناگ کو خبر نہیں تھی۔

مسٹر گرانڈ لے نے عقاب کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال شروع کر دی۔ زخم کافی گہرا تھا۔ تیر بازو کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔

شکاری گرانڈ لے کی روانگی کی تاریخ آ گئی اس نے بوریا بستر باندھا اور کلکتہ آ گیا۔ یہاں وہ ایک سرکاری ڈاک بنگلے میں اترا۔

اس نے ایک ولائتی ڈاکٹر سے عقاب کے زخم

کے بارے میں بات کی تو اس نے کہا۔

عقاب کا زخم اس لیے اچھا نہیں ہو رہا کہ وہ ہلتا جلتا رہتا ہے۔ میں تمہیں ایک دوائی دیتا ہوں۔ وہ عقاب کو گوشت میں ملا کر کھلا دو۔

عقاب کم از کم ایک مہینے تک بے ہوش رہے گا۔ اس عرصے میں وہ باقاعدہ سانس لیتا رہے گا۔ تم دوائی باقاعدگی سے لگاتے رہنا۔ ایک مہینے میں زخم بالکل اچھا ہو جائے گا۔

شکاری گرانڈلے نے پوچھا۔

"بڑا قیمتی عقاب ہے میرا۔ اسے کچھ نقصان تو نہیں پہنچے گا؟"۔

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرا تجربہ چالیس سال کا ہے۔ میں تے اس دوائی سے بڑے بڑے جانوروں کے مہلک زخم اچھے کیے ہیں۔

تم بے فکر ہو کر عقاب کو یہ دوائی کھلا دو ایک مہینے بعد وہ انگلستان کی فضاؤں میں اڑ رہا ہوگا۔

شکاری گرانڈلے دوائی لے کر ڈاک بنگلے پر آ گیا۔

شام کو اس کا جہاز کلکتے سے روانہ ہونے والا تھا۔

اس نے گوشت میں دوائی ملائی اور ٹاگ کو جا کر کھلا دی۔

ناگ کو کیا معلوم تھا کہ یہ دوائی اس پر کیا اثر کرے گی۔

وہ بڑے مزے سے اسے کھا گیا کوئی دس پندرہ منٹ بعد اس کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں کے آگے دھندسی چھانے لگی

وہ چھتل کی سلاخ پر بیٹھا تھا۔ شکاری گراغڈ لے نے ناگ کو گردن گراتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس نے اسے تھام لیا۔

چونک اٹھا کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

شکاری گراغڈ لے نے ناگ کے لیے ایک بڑا اخرم نرم بستر بنا لیا تھا جس میں مخمل کے تکیے لگے تھے۔ عقاب

کو بڑی شان سے وہاں لٹا دیا گیا۔ عقاب مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا۔

شکاری گراغڈ لے نے اپنے نوکر کو ہدایت کر دی کہ ٹھیک وقت پر گوشت کی یخنی عقاب کے منہ میں ڈالی جائیگی اور ہر روز صبح شام اسے گرم پانی سے صاف کیا جائے اور روزانہ صبح کے وقت زخم کی پٹی بدلی جایا کرے گی۔

عقاب یعنی ناگ بے ہوش تھا اسے کوئی خبر نہ تھی کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک بہت بڑے جہاز میں سوار ہو چکا ہے جو لندن جا رہا ہے۔

اسی روز شام کو جہاز نے آخری وسل دی اور کئی

انگریز مردوں عورتوں بچوں کو ساتھ لے کر بنگال کے دریائے ہگلی میں تیرتا ہوا ولایت کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ کافی بڑا جہاز تھا اس میں ایسے انگریز تاجر بھی سوار تھے جو غدر کے بعد ہندوستان سے کئی من سونا اور زیورات اور ہیرے جواہرات مغلیہ بادشاہ کے محل اور اودھ کے شاہی محلات سے لوٹ کر انگلستان جا رہے تھے۔

یہ جواہرات اور سونا بڑے بڑے صندوقوں میں بند تھا۔ اور جہاز کے نیچے والے تہہ خانوں میں رکھا ہوا تھا۔

جہاز کے کپتان کو ان لوٹ مار کے جواہرات اور سونے کی حفاظت کے لیے کافی رشوت دے رکھی تھی۔ چنانچہ کپتان نے تہہ خانوں کی چابی خاص اپنی جیب میں رکھی ہوئی تھی تاکہ اس کے سوا دوسرا کوئی بھی ان ہیرے جواہرات اور سونے کے زیورات سے بھرے ہوئے صندوقوں کے پاس نہ پہنچ سکے۔

یہ لوگ انگلستان میں غریبی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اب کروڑوں روپے کا سونا اور جواہرات لوٹ کر لے جا رہے تھے اور بڑے خوش تھے۔

دل میں بے چینی سی لگی تھی کہ کاش وہ اڑ کر اپنے سامان کے ساتھ انگلستان پہنچ جائیں۔ لیکن اس

زمانے میں بحری جہاز کوئلے سے چلا کرتے تھے اور ان کی رفتار بہت سست ہوتی تھی۔

بس آہستہ آہستہ سمندر میں چلتے رہا کرتے تھے۔

پیارے قارئین! اس جہاز کو تو ہم انگلستان کی طرف جاتے ہوئے اسی جگہ یعنی سمندر میں چھوڑتے ہیں اور واپس چل کر ماریا کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

ماریا جس جہاز میں زمان خان کے ساتھ سفر کر رہی تھی، وہ اپنی منزل پر پہنچنے ہی والا تھا۔ کلکتے کی بندرگاہ پر پہنچنے میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے۔

جہاز کے کپتان نے کلکتے کی پولیس کو کبوتر کے

ذریعے پیغام بھجوایا دیا تھا کہ جیل سے بھاگا ہوا مفرور قاتل زمان خان پکڑا جا چکا ہے اور جہاز کی حوالات میں ہے۔

چنانچہ کلکتے کی پولیس نے اسے گرفتار کرنے کا بڑا زبردست بندوبست کر رکھا تھا جس روز جہاز کو بندرگاہ پر آ کر لگنا تھا اس روز وہاں پولیس بھاری تعداد میں موجود تھی۔

جہاز ابھی سمندر میں ہی تھا کہ ماریا جہاز کی نچلی منزل میں اتر کر حوالات میں زمان خان کے پاس گئی

اس نے اسے بلا کر کہا۔

کسی بات پر گھبرانا نہیں۔ یہاں سے میں نے

تمہیں فرار کروانے کی کوشش کی تو زبردست قتل و خون ریزی کا خطرہ ہے۔

ہو سکتا ہے اس لڑائی میں کوئی پولیس والا تم پر اس خیال سے گولی چلا دے کہ تم کہیں بھاگ نہ جاؤ۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم بڑے اطمینان سے پولیس کی حفاظت میں چلے جاؤ۔

یہ لوگ شہر میں تمہیں جس مقام پر قید کر کے رکھیں گے میں وہیں سے تمہیں نکال لے جاؤں گی۔

زمان خاں بولا۔

"ٹھیک ہے بہن ماریا! میں ہر حالت میں مطمئن اور خوش ہوں تم جیسا کہو گی ویسے ہی کروں گی"۔

جہاز بندرگاہ پر آ کر لگ گیا۔

ایک دم سے پولیس نے وہاں گھیرا ڈال لیا۔ کسی مسافر کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں تھی۔ سیڑھی لگا دی گئی۔

زمان خان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر بندوق بردار پولیس کی حفاظت میں جہاز سے اتار کر ایک گھوڑا گاڑی میں بند کر دیا گیا اور گھوڑا گاڑی بڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہ منزل کلکتہ شہر کا لال خونی برج تھا۔ یہ برج شہر سے دور ایک جھیل کے کنارے مٹی کے ٹیلے پر بنا ہوا تھا۔

ماریا گھوڑا گاڑی میں زمان کے ساتھ لال برج تک گئی۔ زمان خان کو یہاں ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

باہر بندوق بردار سپاہی پہرہ دینے لگے۔ یہ کوٹھڑی پھانسی پانے والے قاتلوں کے لیے مخصوص تھی۔

اس کا ایک ہی دروازہ جس پر لوہے کا موٹی سلاخوں والا جنگلہ چڑھا ہوا تھا۔ پیچھے ایک روشندان تھا جو چھوٹا سا تھا اور اس میں بھی لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔

ماریا کوٹھڑی کے باہر کھڑی وہاں کا جائزہ لیتی

پھانسی کی کوٹھری (عمرو ناگ ماریا قسط نمبر 57)

رہی۔ پھر اس نے خاص سیٹی بجا کر زمان خان کو اطلاع کر دی کہ فکر نہ کرو۔

میں یہاں موجود ہوں۔ اس کے بعد وہ لال برج سے نکل کر جھیل کنارے آ کر بنچ پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ زمان خان کو لال برج سے نکالنے کی کیا ترکیب کی جائے۔

اسے یقین تھا کہ انگریز اب زیادہ وقت نہیں دے گا اور زمان خان کو آج نہیں تو کل پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔

اس کے خیال میں صرف آج کی رات ہی باقی تھی۔ جو کچھ اسے کرنا تھا، آج کی رات میں ہی کر لینا

چاہیے تھا۔

وہ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آ رہا تھا۔

دوپہر گزرتی جا رہی تھی۔ آخر وہ وہاں سے اٹھی اور قریبی بستی میں آ گئی۔ یہاں ایک مندر راستے نظر آیا جس میں کسی دیوی کے بت کی پوجا ہو رہی تھی۔

ماریا مندر میں داخل ہو گئی۔ عورتیں اور مرد پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ پجاری بیٹھا بڑے مزے سے بھجن گا رہا تھا۔

ماریا کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ جب پوجا ختم ہوئی اور پجاری اکیلا رہ گیا تو ماریا چپکے سے دیوی کے بت کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے ایک جلتے ہوئے دیئے کو اٹھا کر ذرا اوپر رکھ دیا۔ پجاری نے جو دیئے کو اپنے آپ ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ پر جاتے دیکھا تو ششدر ہو کر رہ گیا۔

ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"ہے دیوی گنگا میا! جے ہو تیری! جے ہو تیری!"۔

تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ ماریا نے بھاری سی آواز نکال کر کہا۔

"سنو پجاری! میں دیوی گنگا میا بول رہی

ہوں''۔

پجاری تو تھر تھر کانپنے لگا۔ جھٹ سے سجدے میں گر گیا اور گڑگڑانے لگا۔

''ہے گنگا میا! میرے گناہ معاف کر دے۔ میں پوجا کے حساب میں گڑ بڑ کرتا تھا۔ مجھے معاف کر دے''۔

ماریا نے کہا۔

سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو! میں ایک خاص مقصد لے کر یہاں آئی ہوں۔ میں نے تمہاری غلطی کو معاف کر دیا۔ سنو! اس شہر میں ہمارا ایک دیش بھگت، ہمارا ایک بھائی انگریزوں

کی قید میں ہے۔

اسے میں بچا کر یہاں مندر میں لاؤں گی۔ تمہارا فرض ہوگا کہ اسے ایسی جگہ چھپاؤ جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

اس کے کھانے پینے کا خیال رکھو اور جب تک حکم نہ دوں۔ اسے اسی جگہ پر رہنے دو۔

پجاری نے سر جھکا کر کہا۔

''جو حکم دیوی گنگا میا! میں دیش بھگت جی کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔ وہ کب آئے گا دیوی؟''۔

''آج رات کسی وقت وہ تمہارے پاس پہنچ

جائے گا۔ اچھا اب میں جاتی ہوں"۔

پجاری نے رک رک کر کہا۔

"ہے گنگا میا! میری ایک عرض بھی سن لو"۔

"کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

پجاری بولا۔

"گنگا میا! پوجا کی رکھشا سے گذارہ نہیں ہوتا بڑی تنگی کے دن آ گئے ہیں کچھ مہربانی کرو میرے حال پر"۔

ماریا ہنس پڑی۔

بڑا مکار تھا یہ پجاری۔ اپنا مطلب نہیں بھولا۔ خیر ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہارا بھی بندوبست کر دیا جائے گا"۔

ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی جھیل کے پار لال برج کی دیوار کے قریب آ کر رک گئی۔ دیوار کی پچھلی جانب لال برج کا روشندان دور اوپر نظر آ رہا تھا۔

اگر زمان خان اس روشندان کے ساتھ والی دیوار سے اتر کر یہاں آ جائے تو اسے رات کے اندھیرے میں فرار کیا جا سکتا ہے۔

کیونکہ سامنے والے دروازوں اور سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آنا بڑا مشکل تھا۔

قدم قدم پر بندوقوں کا پہرہ تھا۔ ماریا کس کس کو ہلاک کرتی۔

وہ لال برج کی عمارت میں آ گئی۔ اسے کسی نے نہ دیکھا۔

وہ اوپر والی منزل میں آ کر ایک کمرے میں داخل ہوئی جہاں پرانا سامان پڑا تھا۔

یہاں اسے ایک مضبوط رسی مل گئی۔ ماریا نے رسی اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھی اور اس سے بھی اوپر والی منزل میں آ گئی۔

یہ لال برج کی سب سے آخری منزل تھی اور اسی منزل کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں زمان خان قید تھا۔

یہاں اسے سپاہیوں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ آج ہی رات پچھلے پہر زمان خان کو پھانسی دی جاتے والی تھی۔

وہ ٹھیک وقت پر آئی تھی۔ وہ کوٹھڑی کے پیچھے دیوار کی منڈیر پر آ کر رک گئی۔

نیچے کھائی نظر آ رہی تھی۔ ماریا نے ایک جگہ رسی چھپا کر رکھ دی اور رات کے اندھیرے کا انتظار کرنے لگی۔

اس عرصے میں کوٹھڑی کے باہر آ کر اس نے سیٹی بجا کر زمان خان کو اپنی موجودگی سے باخبر کیا۔

زمان خان زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ چونک کر

پھانسی کی کوٹھڑی (عجوبۂ ماریا قسط نمبر 57)

اس نے سلاخوں والے دروازے کی طرف دیکھا۔ پہرے دار نے بھی ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کہ یہ سیٹی کس نے بجائی تھی۔

لیکن وہ تو کبھی ماریا کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ ماریا نے ایک بار پھر سیٹی بجائی۔ پہرے دار اب سٹول سے اٹھ کر پیچھے جا کر دیکھنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

وہ ذرا پرے گیا تو ماریا نے موقع غنیمت جان کر سرگوشی میں کہا۔

”آج رات زمان!“۔

”ٹھیک ہے ماریا“۔

پہرے دار لپک کر کوٹھڑی کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے شاید آواز سن لی تھی۔ زمان خان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ویل! تم نے کس سے بات کیا قیدی؟“

زمان خان نے بے نیازی سے کہا۔

”اپنے آپ سے۔ میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ کیا کروں۔ یہاں تو کوئی بات کرنے والا ہے نہیں پھر مجبوراً مجھے اپنے آپ سے باتیں کرنا پڑتی ہیں“۔

پہرے دار کو یقین نہ آیا۔ پھر بھی چونکہ وہاں اور کوئی بھی نہیں تھا۔

اس لیے وہ مطمئن سا ہو کر اونچی جگہ پر پہرہ دینے لگا۔ رات ہو گئی لال برج کی کوٹھڑیوں میں لیمپ روشن ہو گئے۔

مگر زمان خان کی کوٹھڑی میں اندھیرا تھا صرف کوٹھڑی سے باہر ایک طاق میں پہرے دار کے سر کے اوپر لیمپ جل رہا تھا۔

جس کی روشنی بڑی ناکافی تھی۔ ادھر پھانسی گھر میں زمان خان کو پھانسی پر چڑھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ماریا ایک کمرے کے قریب سے گذری تو دیکھا کہ اس کا دروازہ کھلا ہے۔

اس نے یونہی اندر جھانک کر دیکھا ایک طرف دیوار کے ساتھ پادریوں والا لمبا چغہ اور ٹوپی لٹک رہی تھی۔

ماریا کو ایک خیال آیا۔ اس نے جلدی سے وہ چغہ اور ٹوپی اتار کر سنبھالی اور زمان خان کی کوٹھڑی کے پاس واپس آ گئی۔

سپاہی پہرے پر چاق و چوبند کھڑا تھا۔

ماریا نے سیٹی بجا کر زمان خان کو خبر کر دیا وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا

سمجھ گیا کہ ماریا آ گئی ہے اور عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

سپاہی چونکا کہ یہ سیٹی کس نے بجائی ہے۔ ماریا نے ایک بار پھر سیٹی بجائے۔

اب سپاہی نے جھانک کر کوٹھڑی میں دیکھا۔ یہی حملے کا وقت تھا۔ ماریا نے سپاہی کو زور سے لات ماری وہ سلاخوں پر جا کر گرا۔

بندوق اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ ماریا نے بندوق اٹھا کر سپاہی کی گردن پر رکھی اور کہا۔

”دروازہ کھولو۔ خبردار اگر شور مچایا تو میں بندوق چلا کر تمہاری گردن اڑا دوں گی“۔

سپاہی کانپنے لگا۔ اسے نہ تو بندوق نظر آ رہی تھی۔ اور نہ بندوق والی۔

ہاں بندوق کی ٹھنڈی نالی اس کی گردن پر ضرور لگی تھی۔ وہ پتھر سا بن کر رہ گیا۔

ماریا نے بندوق اس کی گردن پر چبھو کر کہا۔

”جلدی کرو۔ نہیں تو میں فائر کر دوں گی جو میں کہتی ہوں اس پر عمل کرو۔ جلدی کھولو دروازہ“

سپاہی نے چابی نکال کر دروازہ کھول دیا۔ ماریا بندوق کے سہارے سپاہی کو کوٹھڑی کے اندر لے گئی۔ اندر جا کر اس نے زور سے بندوق کا بٹ سپاہی کے سر پر مارا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

”زمان! سپاہی کی جیب سے چابی نکال کر زنجیروں کے تالے کھول دو جلدی کرو۔ وقت کم

ہے"۔

زمان خان نے ہاتھ آگے بڑھا کر سپاہی کی جیب سے چابی نکال کر زنجیروں کے تالے کھولنے شروع کر دیئے اس دوران میں ماریا بندوق لیے سلاخوں والے کھولے دروازے کے پاس کھڑی رہی کہ اگر کوئی ادھر آ گیا تو وہ اس سے بھی نمٹ سکے

تھوڑی ہی دیر میں زمان خان زنجیروں سے آزاد ہو گیا ماریا نے پادریوں والا لبادہ اور ٹوپی اس کی طرف پھینک کر کہا۔

"یہ لباس پہن کر پادری بن جاؤ اور خاموشی سے سر جھکائے باہر نکلتے چلو کوئی پوچھے تو سر جھکا کر سلام کر کے گذر جانا"۔

زمان خان نے لبادہ پہن کر ٹوپی سر پر اوڑھ لی۔ وہ بالکل پادری بن گیا اور کوٹھڑی سے نکل کر تاریک راستے سے گذرنے لگا

ماریا بندوق سنبھالے اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ جب وہ دالان میں آیا تو ایک سپاہی اس کے قریب آ کر بولا۔

"فادر آپ کو کس کی تلاش ہے؟"۔

زمان خان نے سر جھکا کر سلام کیا اور آگے گزرنے لگا تھا کہ سپاہی کو کچھ شک سا ہوا اس نے جھک کر پادری کو دیکھا اور چونک کر بولا۔

"تم۔۔ قیدی۔۔"

یہ لفظ اس کے منہ میں ہی تھا کہ پیچھے سے اس کے سر پر بندوق کا دستہ پڑا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

"ادھر۔۔۔۔ زمان خان ادھر دیوار کی طرف۔ وہاں میں نے رسی چھپا رکھی ہے"

زمان خان نے رسی نکال کر برج کے ایک کنگرے سے باندھی اور نیچے پھینک دی۔

ماریا نے کہا۔

"یہ لو بندوق۔ اسے لبادے میں چھپا لو تم نیچے اتر کر جھیل کنارے والے درختوں میں میرا انتظار کرو۔ میں سیڑھیوں سے اتر کر آتی ہوں"۔

زمان خان نے بندوق اپنے لبادے میں چھپا لی اور رسی کے ذریعے نیچے کھائی میں اترنے لگا۔ ماریا تیزی سے سیڑھیاں اتر کر دوسری اور پھر نیچے والی پہلی منزل میں آ گئی۔

ابھی تک وہاں کسی کو پتہ نہیں چلا تھا کہ جس مجرم کو انہیں رات کے پچھلے پہر پھانسی دینی ہے وہ فرار ہو گیا ہے۔

دروازے کے پاس ماریا نے ایک افسر اور جلاد اور پادری کو دیکھا کہ وہ زمان خان کو پھانسی دینے کے لیے اندر جا رہے تھے۔

ماریا لپک کر جھیل والے درختوں کے جھنڈ میں آ

پھانسی کی کوٹھڑی (عمران۔ ماریا نمبر 57)

گئی۔ زمان خان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

ماریا نے اسے ساتھ لیا اور جھیل کے دوسرے کنارے والے مندر میں آ گئی۔ پجاری ابھی تک دیوی کے بت کے آگے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ماریا نے مندر کا دروازہ بند کر دیا۔

پجاری نے سر اٹھا کر اپنے سامنے ایک پادری کو دیکھا تو حیرانی سے پوچھا۔

"فادر! آپ اس وقت کیسے تشریف لائے؟"۔

اس سے پہلے کہ زمان خان کوئی جواب دے۔ ماریا نے کہا۔

پجاری! یہ وہی دیش بھگت ہے۔ جس کی حفاظت کے لیے میں نے تمہیں کہا تھا۔

اسے کہیں چھپا دو۔ میں تمہیں دولت سے مالا مال کر دوں گی۔ میں دیوی گنگا میا بول رہی ہوں۔

پجاری بڑے ادب سے سر جھکا کر اٹھا اور زمان خان سے بولا۔

"دیش بھگت جی! میرے ساتھ آ جائیں"۔

زمان خان کو ساتھ لے کر پجاری مندر کی سب سے پچھلی کوٹھڑی میں چلا گیا۔

یہاں فرش پر ایک جگہ سے پتھر کی سل ہٹائی تو نیچے تہہ خانے میں سیڑھیاں جاتی تھیں۔ پجاری نے ادب سے کہا۔

''مہاراج! نیچے تہہ خانے میں چلے جائیں۔ یہاں اگر آپ ساری زندگی بھی گنذار دیں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ آپ کو ہر شے نیچے پہنچتی رہے گی''۔

زمان خان نیچے اتر گیا۔

ماریا نے کہا۔

''مہاراج! نیچے تہہ خانے میں چلے جائیں یہاں اگر آپ ساری زندگی بھی گنذار دیں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ آپ کو ہر شے نیچے پہنچتی رہے گی''۔

زمان خان نیچے اتر گیا۔

ماریا نے کہا۔

''پجاری! تم ابھی اوپر ہی کھڑے رہو۔ میں خود نیچے جا کر دیکھتی ہوں کہ جگہ کیسی ہے''۔

''جو حکم گنگا میا!''

پجاری نے جھک کر کہا

تہہ خانے بڑا محفوظ تھا۔ تنگ سی جگہ تھی۔ زمین پر بستر لگا تھا ایک کھڑکی بھی تھی جس سے خدا جانے کہاں سے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا بھی آ رہی تھی۔ ماریا نے زمان سے کہا۔

''اب تم یہاں اطمینان کے ساتھ اس وقت تک رہو۔ جب تک کہ میں تمہارے لیے کسی قافلے کے ساتھ روانہ ہونے کا بندوبست نہیں کر لیتی۔

پھر تم قافلے کے ساتھ اپنے غیر علاقے کی طرف روانہ ہو جاتا۔ کیا وہاں پہنچ کر تم ان دشمنوں سے محفوظ ہو جاؤ گے؟۔

زمان خان کہنے لگا۔

”وہاں پہنچ کر مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہو گی۔ غیر علاقے میں انگریز کا باپ بھی داخل نہیں ہو سکتا“۔

ماریا نے باہر آ کر دپنے سامنے پجاری سے سل فرش پر رکھوائی اور اسے تاکید کی کہ وہ ویش بھگت کی خاص طور پر خبر گیری کرے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ وہ وہاں چھپا ہوا ہے۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”گنگا میا! میری جان بھی چلی جائے مگر ویش بھگت پر آنچ نہ آنے دوں گا“۔

ماریا نے جاتے ہوئے کہا۔

”تمہارے لیے میں بندوبست کر دوں گی“۔

ماریا مندر کے باہر ہی ایک جگہ گھاس پر لیٹ گئی کہ رات تو گزرے۔

تھوڑی دیر بعد اسے نیند آ گئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر مندر کی باؤلی پر منہ ہاتھ دھویا۔

وہیں پرشاد وغیرہ تقسیم ہو رہا تھا۔ پرشاد کھایا اور شہر کے مغربی کنارے پر آ گئی۔ اس نے پجاری سے

ان تمام علاقوں کی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ جہاں سے قافلے، اونٹوں، گھوڑوں اور بیل گاڑیوں پر صوبہ سرحد کی جانب روانہ ہوتے تھے۔

اسے پتہ چلا کہ ایک قافلہ دو روز بعد روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے دیکھا کہ شہر میں پولیس جگہ جگہ گشت کر رہی تھی۔

مفرور قیدی زمان خان کی تلاش میں فوج اور پولیس ہر جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ یہاں سے زمان خان کو قافلے کے ساتھ روانہ کرانا خطرناک بات ہو سکتی ہے کیونکہ نہ ایسا کیا جائے کہ زمان آگے کسی شہر میں کر اس قافلے میں

شریک ہو جائے۔

وہ واپس مندر میں آ گئی۔ یہاں اس نے زمان سے بات کی۔ اس نے بھی اس خیال کو پسند کیا۔ اب اس نے پجاری کو حکم دیا کہ وہ دو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کا بندوبست کرے۔

اس کے لیے ماریا نے پجاری کو کچھ سونا دیا۔ یہ سونا ماریا نے جہاز کے کپتان کے کیبن سے حاصل کیا تھا اور کسی ایسے مشکل وقت کے لیے ہی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پجاری دو گھوڑے خرید کر لے آیا جن پر زین وغیرہ کسی ہوئی تھی۔

جب شام گہری ہو گئی اور رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو ماریا نے زمان کو ساتھ لیا۔ اسے پادریوں کا لباس پہنچایا اور شہر سے باہر جانے والی سڑک پر آ گئی۔

دریا عبور کر کے وہ بڑی سڑک پر ہو گئے۔ یہ سڑک کلکتے سے سیدھی سرحد کے علاقے کو جاتی تھی اور بڑی پرانی سڑک تھی۔

قافلے اسی سڑک پر سفر کیا کرتے تھے۔ آدھی رات تک وہ گھوڑوں پر سفر کرتے رہے۔

راستے میں ایک جگہ کچھ انگریز فوجی پڑتال کر رہے تھے۔ انہوں نے پادری کو گھوڑے پر سوار

دیکھا تو راستہ چھوڑ دیا۔

ایک گھوڑا اس کے ساتھ خالی تھا۔ لیکن اصل میں اس پر ماریا سوار تھی۔ جو انہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ایک فوجی نے پوچھا

"فادر! یہ خالی گھوڑا کس لیے ہے؟"۔

زمان خان نے کہا۔

جب میرا گھوڑا بوجھ اٹھا کر تھک جائے گا تو میں اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤں گا"۔

"خدا حافظ!"۔

یہ پڑاؤ بھی گزر گیا۔ یہ اس سفر کا شہر کی جانب

سے آخری پڑاؤ اور پوسٹ تھی۔ دوسرے روز وہ ایک شہر میں پہنچ گئے۔

ماریا نے زمان سے کان میں کہا۔

بھائی! اب میرا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔ میں یہاں سے واپس جای ہوں۔ کیونکہ مجھے بھی اپنے بھائی عنبر اور ناگ کو تلاش کرنا ہے۔

تم یہاں سے اپنے وطن کی طرف جاؤ۔ امید ہے تمہارا سفر حفاظت سے کٹ جائے گا۔

راستے میں اب کوئی تمہیں نہیں پوچھے گا۔ آگے جا کر تم قافلے میں شامل ہو جانا۔

زمان خان نے ماریہ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور گھوڑا آگے بڑھا دیا

ماریا وہاں سے پیچھے کی طرف چل پڑی۔ جب وہ پوسٹ پر پہنچی تو فوجیوں نے دیکھا کہ فادر کا گھوڑا اکیلا ہی واپس آ رہا ہے۔

انہوں نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو پکڑنا چاہا تو ماریا نے اسے چابک مار کر دوڑا دیا۔

ایک فوجی نے اپنا گھوڑا پیچھے لگا دیا۔

باقی کھڑے ہنستے رہے۔ انہیں یقین تھا کہ ان کا ساتھی فادر کے خالی گھوڑے کو ضرور پکڑ کر لے آئے گا۔

کافی دور تک کچی سڑک پر گھوڑا دوڑتی رہی۔ ماریا

گھوڑے کو لے سڑک سے ہٹ کر ایک جنگل میں داخل ہو گئی۔

کم بخت انگریز فوجی اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس نے بھی گھوڑا پیچھے ڈال دیا۔ اور جنگل میں داخل ہو گیا۔

ماریا نے ایک مدت کے بعد گھوڑا سواری کی تھی۔ وہ تھک گئی۔ آخر ایک جگہ روک کر وہ نیچے اتر آئی۔ گھوڑے کو وہ اپنے پاس ہی رکھنا چاہتی تھی۔

اسے شہر کلکتے تک پہنچنے کے لیے گھوڑے کی اشد ضرورت تھی۔ وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ وہ انگریز فوجی گھوڑا لے جائے۔

انگریز فوجی بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور ماریا کے گھوڑے کی طرف بڑھا ماریا نے زور سے چیخ ماری۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر گھوڑا بدک گیا۔ انگریز فوجی پر دہشت طاری ہو گئی۔

ماریا نے بھیانک آواز میں کہا۔

"واپس بھاگ جاؤ نہیں تو تمہیں کچا کھا جاؤں گی۔ میں اس علاقے کی سب سے بڑی خوفناک چڑیل ہوں"۔

انگریز فوجی خدا جانے کہاں سے ہمت کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایسا پیچھے بھاگا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا سر سے ٹلی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کلکتہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

رات پڑ چکی تھی کہ اس نے دریا عبور کیا اور شہر کی فصیل میں داخل ہوئی۔

کہیں کہیں مشعلیں اور لیمپ روشن ہو گئے تھے۔ وہ کہاں جائے؟ اسے پجاری کا خیال آ گیا۔ پجاری کا مندر رہائش کے لیے موزوں رہے گا۔

چنانچہ وہ اس مندر میں آ گئی۔ اس نے اپنے لیے تہہ خانہ چن لیا۔ دن بھر وہ شہر میں گھوم پھر کر عنبر اور ناگ کو تلاش کرتی اور رات کو تہہ خانے میں آ کر سو جاتی۔

تیسرے روز کی بات ہے کہ شاید مندر سے کسی نے مخبری کر دی اور پولیس سارجنٹ نے آگے بڑھ کر مندر کا دروازہ لات مار کر کھول دیا۔ پجاری ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مفرور قاتل زمان خان کو تم نے یہاں کسی تہہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ ہم تلاشی لینے آئے ہیں"۔

سارجنٹ پولیس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

پجاری نے کہا

"صاحب! یہ گنگا میا کا مندر ہے۔ یہاں کوئی مفرور قاتل نہیں۔ مندر کی توہین کرنا پاپ ہے۔ گنگا

میا آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی"۔

سارجنٹ گورا تھا۔ اس نے ہنٹر زور سے پجاری کی گردن پر مار کر کہا۔

"شٹ اپ یو فول!"

سپاہی مندر کی تلاشی لینے لگے۔ آخر انہیں ایک جگہ فرش ذرا سا اکھڑا ہوا نظر آ گیا۔ انہوں نے سل ہٹائی تو نیچے تہہ خانہ تھا۔

سارجنٹ نے پجاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

ابھی ہم تم کو تمہارے جھوٹ کی سزا دے گا۔ تم نے اسی تہہ خانے میں قاتل لوگ چھپا رکھا ہے۔

پجاری بولا۔

"سرکار! یہاں تو میں خود رہتا ہوں۔ تہہ خانہ تو بالکل خالی ہے۔ بے شک جا کر دیکھ لیں"۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے"

سارجنٹ نے ایک سپاہی کو تہہ خانے میں بھیجا۔

ماریا تہہ خانے میں آرام کر رہی تھی۔ شور سن کر اٹھ بیٹھی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

پولیس کے سپاہیوں کو دیکھا تو سمجھ گئی کہ یہ لوگ زمان خان کی تلاش میں آئے ہیں۔ سپاہی نے مشعل روشن کر لی تھی اور وہ کونے کونے میں جھک کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آواز دی۔

"سر! یہاں کوئی نہیں ہے"۔

سارجنٹ نے اوپر ہی سے کہا۔

"غور سے دیکھو حوالدار! قاتل یہیں کہیں چھپا ہوا ہے"۔

سپاہی نے اور زیادہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ ماریا کبھی اس کونے میں ہو جاتی۔ کبھی اس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاتی۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ سپاہی کے ساتھ ٹکرا نہ جائے۔ سپاہی جب دوسری بار سارے تہہ خانے کی تلاشی لے چکا اور اسے کچھ نہ ملا تو منہ اوپر کر کے بولا۔

"سر! تہہ خانے میں کچھ بھی نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے حوالدار! اوپر آ جاؤ"۔

سپاہی سارجنٹ گورے کے حکم پر تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ اب ساری مصیبت پجاری پر آ گئی۔ گورے سارجنٹ نے پجاری کو پکڑ کر ساتھ لیا۔

"چلو تھانے چلو۔ وہاں چل کر تم سے پوچھے گا اور تم خود بخود ہم کو بتا دے گا کہ تم نے قاتل زمان خاں کو کہاں چھپا رکھا ہے"۔

مندر کے سارے لوگ پجاری کو مایوسی سے دیکھتے رہ گئے۔ پجاری نے مشکل وقت میں ماریا کا ساتھ دیا تھا۔

اب اسے اکیلا چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ ماریا اسی وقت سپاہیوں کی گارد کے ساتھ ہو

گئی۔

پجاری کو تھانے لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا اور باہر پہرہ لگا دیا۔ مگر یہاں سپاہی دور کھڑا تھا۔ ماریا چپکے سے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے سرگوشی میں پجاری کو آواز دے کر کہا۔

سنو پجاری! میری بات غور سے سنو! اور خبردار اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا۔ نہیں تو پہرے دار کو شک پڑ جائے گا۔

میں گنگا میا ہوں اور تمہاری مدد کو آئی ہوں۔ تم بے فکر رہو۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی۔

پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”ہے گنگا میا! ہے دیوی میا! میری مدد کرنا“۔

گورکھے پہرے دار نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

”کیوں بے یہ کیا بکتا ہے؟“۔

پجاری نے کہا۔

”سرکار! اپنی دیوی جی کے آگے مدد کی بھیک مانگ رہا ہوں“۔

گورکھے پہرے دار نے ڈانٹا۔

”بس بس! خاموش رہ۔ نہیں تو ابھی پیش کر دے گا“۔

ماریا تھانے میں ایک طرف درختوں کے نیچے بیچ

پر بیٹھ گئی کہ دیکھتے ہیں اب اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

اتنے میں ایک سپاہی آیا اور پجاری کو پکڑ کر اوپر والی منزل کے ایک کمرے میں لے گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئی یہاں زمین پر صف بچھی تھی۔

ایک سٹول اور ایک کرسی پڑی تھی۔ گورا سارجنٹ ایک طرف کھڑا تھا۔ سامنے ایک موٹا ہندو تھانیدار ادب سے کھڑا تھا۔

سارجنٹ نے کہا۔

"ویل پانڈے جی! اس پجاری کو اتنا مارو کہ یہ خود

بخود بک دے کہ زمان خان کو اس نے کہاں چھپا دیا ہے"۔

پانڈے نے سیلوٹ مار کر کہا۔

"فکر نہ کریں صاحب! ابھی اس کا بھرکس نکالتا ہوں"۔

سارجنٹ چلا گیا تو موٹی توند والے ہندو تھانیدار پانڈے نے پجاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں بے حرامی! بتاتا ہے کہ نہیں؟"۔

اور ایک ایسی لات پجاری کی پسلیوں میں ماری کہ وہ ہائے کہہ کر فرش پر دوہرا ہو گیا۔ اوپر سے دو تین گھونسے اور تھانیدار نے جڑ دیے۔

پھانسی کی کوٹھڑی (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 57)

پجاری تو درد کی شدت سے کراہنے لگا۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ یہ ظالم تھانیدار تو پجاری کو ہلاک کر دے گا۔

اس نے آگے بڑھ کر ایک ایسا زناٹے دار تھپڑ تھانیدار کے منہ پر مارا کہ اس کی پگڑی کھل کر دور جا پڑی تھانیدار چکا چوند سا ہو کر زمین پر بیٹھ گیا

"کو۔۔۔ کو۔۔۔ کون ہے؟"۔

ماریا نے آواز بلند کر کے کہا۔

"سنگدل انسان! میں دیوی گنگا ہوں اور اپنے مندر کے پجاری کی مدد کرنے آئی ہوں۔ اٹھ اور پجاری سے معافی مانگ"۔

تھانیدار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"گنگا۔۔۔ گ۔۔۔ گ۔۔۔ گنگا دیوی!"۔

ماریا نے رعب دار آواز میں کہا۔

"ہاں ہاں گنگا دیوی ہوں"۔

اور ایک زبردست لات موٹے تھانیدار کے پیٹ پر ماری۔

ہندو بوکھلا اٹھا۔ جلدی سے اٹھ کر اس نے پجاری کو اٹھا کر بٹھایا۔ اس کا پیٹ سہلایا اور کہا۔

"بھائی مجھے معاف کر دے مجھ سے غلطی ہو گئی"۔

ماریا نے کہا۔

اس طرح تجھے معافی نہیں ملے گی۔ تمہیں میرے

پجاری کو یہاں سے فرار کروانا ہو گا۔ نہیں تو میں تمہارے سارے خاندان کو تباہ کر دوں گی۔

تھانیدار کی گھگھی بندھ گئی۔ بولا کہ میری نوکری کا سوال ہے دیوی! ماریا نے کہا۔

پجاری کی زندگی کا سوال ہے۔ چلو اسے لے کر تھانے سے باہر نکل۔ پھر میں جانوں میرا کام جانے۔

ہندو تھانیدار با دل نخواستہ اٹھا اور پجاری کو ساتھ لے کر تھانے کے صحن میں آ گیا۔ ایک سپاہی نے پوچھا۔

"اسے کہاں لیے جا رہے ہو پانڈے جی؟"۔

ہندو تھانیدار ہکلا کر بولا۔

"ذرا۔۔۔ یونہی۔۔۔ ذرا باہر موقع پر لے جا رہا ہوں"۔

تھانیدار سے باہر کر آ کر ماریا نے کہا۔

"اب واپس بھاگ جاؤ اور خبردار پیچھے مڑ کر ہرگز نہ دیکھنا"

چلو۔۔۔ بھاگو۔

اور ماریا نے اس کی پیٹھ پر ایک لات مار دی۔

ہندو موٹا تھانیدار تھانے کی طرف بھاگ گیا۔ ماریا نے پجاری کو ساتھ لیا اور سمندر کی طرف آ گئی۔

پھانسی کی کوٹھڑی (عنبر ناگ ماریا سلسلہ نمبر 57)

☆ سارجنٹ اور ماریا کا مقابلہ

☆ ماریا نے عنبر کو کہاں تلاش کیا؟۔

☆ ناگ جس جہاز میں سفر کر رہا تھا، اس پر کیا گزری؟

☆ کیا وہ ہیرے جواہرات اور سونے کے صندوق کے ساتھ انگلستان پہنچ سکا؟

☆ کیا ناگ ماریا اور عنبر سے ملا؟

یہ آپ اس ناول کی 58 ویں قسط میں پڑھیے۔

نقاب پوش قاتل

عمران سیریز (58)

مظہر کلیم ایم اے

Pakistan Virtual Library کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

اور جہاز چل گیا
سمندر کا انتقام
دشمن کی قید میں
اژدہا اور خانہ بدوش
خطرناک گھڑی
نقاب پوش قاتل

پیارے بچو!

پجاری نے سرفروش قاتل کو پناہ دے رکھی تھی۔

سرفروش چلا گیا۔

گورا فوج نے پجاری کو پکڑ کر قلعے میں بند کر دیا۔ اسے سخت اذیتیں دی گئیں۔ پجاری خاموشی سے یہ اذیتیں برداشت کرتا رہا۔

آخر اسے پھانسی کی سزا ہوئی۔ ماریا رات کے اندھیرے میں پجاری کو بڑی مشکل سے پھانسی کی

کوٹھڑی سے بچا کر واپس مندر میں لے آئی۔

سپاہی اس کی تلاش میں مندر میں آ گئے۔ یہاں گورا سارجنٹ نے پجاری کو گرفتار کرنا چاہا تو ماریا نے گنگا سیا کے روپ میں آ کر ایسی کرامتیں دکھائیں کہ سپاہیوں کی لاشیں بچھ گئیں اور آخر میں گورا سارجنٹ بھی ماریا کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

ماریا ایک جہاز پر سیر کرتی پھر رہی تھی کہ بے ہوش کر دی گئی۔ جہاز ولادت کی طرف روانہ ہو گیا۔ بے ہوش ہو کر ماریا سب کو دکھائی دینے لگی تھی۔ دو ملاحوں نے اسے قابو کر کے رکھ لیا کہ ولایت جا کر اسے فروخت کر دیں گے۔

ادھر ناگ شکاری گرانڈے کے ساتھ زخمی عقاب کے روپ میں سفر کر رہا ہے۔ سمندر میں طوفان آتا ہے۔

جہاز چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

ہیرے جواہرات کے صندوق غرق ہو جاتے ہیں۔

ناگ جان بچا کر افریقہ کے جنگل ساحل پر پہنچا ہے۔

آگے آپ خود پڑھئے۔

اور جہاز چل پڑا

"پجاری حوالات سے فرار ہو گیا"۔

یہی ایک فقرہ تھانے میں ہر ایک کی زبان پر تھا گورا سارجنٹ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بڑے افسر نے اسے حکم دیا کہ مفرور ملزم کو جہاں کہیں بھی ملے پیدا کرو نہیں تو تمہیں حوالات میں بند کر دیا جائے گا۔

گورا سارجنٹ گھوڑے پر سوار ہوا پولیس کی گارڈ ساتھ لی اور غصے میں بھرا ہوا پجاری کی تلاش میں نکل پڑا

وہ سیدھا مندر پہنچا اسے یقین تھا کہ پجاری مندر میں ہی کسی جگہ چھپا ہوا ہو گا مندر کا دروازہ بند تھا۔ پوجا پاٹ کرنے والے جا چکے تھے۔

سارجنٹ نے دروازے پر جاتے ہی زور سے لات ماری اور چیخ کر کہا

”پجاری کے بچے! سیدھی طرح باہر آ جاؤ۔ نہیں تو مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی“۔

ماریا نے پجاری کو گنگا ماتا کی بڑی مورتی کے پیچھے

ایک جگہ گندم کی بوریوں میں چھپا دیا تھا اور خود مورتی کے قریب سیڑھیوں پر بیٹھی سارجنٹ کا انتظار کر رہی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ کم بخت سارجنٹ اس کی تلاش میں وہاں ضرور آئے گا۔ ماریا پجاری کو لے کر شہر میں ماری ماری نہیں پھر سکتی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ مندر میں ہی گورا سارجنٹ کو کچھ اس طرح سے ڈرا دیا جائے کہ وہ دوبارہ ادھر کا نام نہ لے اس نے دروازے پر لات پڑنے کی آواز سنی تو اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ مقابلے کے لیے اب تیار تھی اس نے دروازہ

کی کنڈی کھول دی سارجنٹ سپاہیوں کو لے کر اندر آ گیا۔

"سارے مندر کی تلاشی لو"۔

اس نے حکم دیا۔ سپاہی ایک دم سے تلواریں لیے ادھر ادھر پھیل گئے اور چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگے۔

گورا سارجنٹ خود نیچے تہہ خانے میں اتر گیا۔

مگر وہاں اسے کیا مل سکتا تھا بھلا پجاری کو تو ماریا نے مورتی کے پیچھے گندم کی بوریوں میں چھپا رکھا تھا۔ ماریا خود اس جگہ پر کھڑی پہرہ دے رہی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ صلح صفائی اور امن کے ساتھ ہی بات ٹل جائے۔

اور یہ لوگ پجاری کو تلاش کرنے کے بعد ناامید ہو کر واپس چلے جائیں مگر گورا سارجنٹ تو جیسے فیصلہ کر کے آیا تھا کہ یہ پجاری کو برآمد کر کے اپنے ساتھ لے جائے گا اور یا پھر مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

آخر وہ ایک ایسے مفرور قاتل کا حمایتی تھا جس نے انگریز گورنر کو قتل کیا تھا۔

پس گورا سارجنٹ نے حکم دیا کہ خبردار مندر سے پجاری کو برآمد کرنا ہے۔ خواہ ہر شے تہس نہس ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

سپاہی تو جیسے اسی حکم کے انتظار میں تھے۔ انہوں

نے دیکھتے دیکھتے چیزیں الٹا پلٹا کر برباد کرنی شروع کر دیں

باورچی خانے کے چولہے توڑ ڈالے۔ غسل خانے کی دیوار گرا دی۔ پجاریوں کے لیے بنا ہوا چبوترہ ڈھا دیا۔

تہہ خانے میں چار پائی تھیں، دریاں تخت پوش غرض کہ کسی شے کو بھی صحیح سلامت نہ چھوڑا۔

ماریا یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور خاموش رہی وہ اب بھی دل سے یہی چاہتی تھی کہ یہ لوگ اپنے اوپر اور مندر پر رحم کھائیں اور واپس جائیں۔

مگر ایسا نہ ہوا۔ ایک سپاہی آخر گندم کی بوریوں کی

طرف آ گیا۔

"ادھر کیا رکھا ہے؟"۔

اور اس نے بوریوں کے پیچھے آ کر تلاشی لینی شروع کر دی۔ ماریا کے لیے اب صبر کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ ہوشیار ہو گئی۔

جونہی ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر ایک بوری کو اٹھا کر پرے کیا۔ ماریا نے اس کی گردن پر زور سے تلوار مار دی۔

کیونکہ اسی بوری کے پیچھے پجاری چھپا ہوا تھا۔ سپاہی کی گردن بغیر کسی آواز کے گاجر مولی کی طرح کٹ کر گر پڑی۔

کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ماریا نے اس کی لاش کو پیچھے اندھیرے میں پھینک دیا۔ گورا سارجنٹ اب خود چند ایک سپاہیوں کو لے کر ادھر آ گیا۔

"ان بوریوں کے پیچھے دیکھا تم نے؟"۔

"نہیں حضور"۔

"تو دیکھتے کیوں نہیں بدمعاش؟"

سپاہی بوریوں کی طرف آئے۔ پجاری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

وہ چار سپاہیوں کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اب چار سپاہی اور اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماریا خاموش رہی۔

جونہی سپاہی بوریوں کے قریب آئے اس نے تلوار کے وار کرنے شروع کر دیئے۔ دو سپاہی تو اسی جگہ مارے گئے۔

دو شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ گورے سارجنٹ نے یہ عجیب و غریب قتل عام دیکھا کہ جس میں قتل کرنے والا نظر نہیں آ رہا تھا تو خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا پھر ہمت کر کے اس نے بندوق تان کر کہا۔

"کون ہو تم؟ سامنے آ جاؤ نہیں تو گولی چلا دوں گا"۔

اس دوران میں ماریا اپنی جگہ سے ہٹ کر گورے سارجنٹ کے پیچھے آ گئی تھی یہ آواز پجاری نے سنی تو

کم بخت ڈر کر بوریوں سے باہر نکل آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”حضور! انہیں میں نے قتل نہیں کیا۔ انہیں گنگا میا نے مارا ہے۔ مجھے معاف کر دیں“۔

گورے سارجنٹ کی آنکھوں میں اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر خون اتر آیا تھا۔ اس نے پجاری کو دیکھا تو چیخ کر کہا۔

”بد بخت! میرے سپاہیوں کو تو نے ہلاک کر دیا۔ میں تیری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کو کھلا دوں گا۔ باہر نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو“۔

پجاری اصل میں ڈر گیا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے

خوف کی وجہ سے سپاہیوں کی لاشیں اور خون دیکھ کر کیا تھا ماریا جانتی تھی کہ پجاری کی خیر نہیں ہے۔

یہ گورا سارجنٹ اب اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا اور ان سپاہیوں کے خون کا بدلہ اسی سے لے گا۔

یہ ماریا کو گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے پیچھے سے سارجنٹ کی پیٹھ پر لات مار کر اسے اوندھے منہ گرا دیا اور اس کی بندوق اٹھا کر غائب کر دی۔

اور کہا۔

سنو! میں گنگا دیوی بول رہی ہوں۔ پجاری بے گناہ ہے۔ تمہارے لوگوں کو میں نے قتل کیا ہے۔ اگر

تم میں ہمت ہے تو مجھے گرفتار کرو۔

اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے پجاری کو نہ چھوڑا تو تمہاری لاش بھی ان سپاہیوں کی لاشوں کے ساتھ پڑی نظر آ رہی ہو گی۔

گورا سارجنٹ بھوت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اب جو اس نے ایک ایسی عورت کی آواز سنی جو نظر نہیں آ رہی تھی تو ایک بار تو اسے بھی پسینہ آ گیا۔

”ک ک کون ہو تم؟“۔

ماریا نے کہا۔

”کیا تم نے سنا نہیں؟ میں گنگا دیوی بول رہی ہوں۔ اس مندر کی رکھوالی دیوی! اس پجاری کو چھوڑ دو

اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ“۔

سارجنٹ بولا۔

”اے دیوی! میں اس پجاری کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ کیونکہ یہی میرا فرض ہے یہ میرے آدمیوں کا قاتل ہے۔ میں اسے گرفتار کروں گا“۔

ماریا کو خیال آیا کہ سارجنٹ اگر ڈر کر چلا بھی گیا تو وہ اعلیٰ افسروں کو جا کر ساری کہانی سنا دے گا اور وہ پجاری کو دوبارہ پکڑ کر لے جائیں گے۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس گورے کا بھی کام تمام کر دیا جائے۔ تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسی۔

ماریا نے بندوق کی نالی گورے سارجنٹ کے سینے کے ساتھ لگا دی اور کہا۔

"اس موت کو تم نے خود پسند کیا ہے۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

گورا سارجنٹ اب گھبرا گیا۔ کیونکہ بندوق کی نالی اس کے دل کے ساتھ لگی تھی۔ مگر نہ بندوق نظر آ رہی تھی اور نہ بندوق پکڑنے والی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھہرو گنگا دیوی! میں اسی کے نام پر پناہ مانگتا ہوں میں پجاری کو چھوڑ کر واپس جاتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اپنے افسروں کو یہاں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے"۔

وعدہ کرتا ہوں۔

پجاری نے جھٹ کہا

گنگا میا! یہ گورا جھوٹ کہتا ہے۔ یہ ضرور جا کر افسروں کو ساری بات بتا دے گا۔ آخر یہ اپنے سپاہیوں کی موت کو کیوں کر چھپائے گا۔ اسے ہرگز نہ جانے دینا اسے بھی ختم کر دو۔

یہ بات ماریا کے دل کو لگی۔ اس نے گھوڑا دبا دیا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ بارود پھیل گیا۔

گولیاں نکل کر گورے سارجنٹ کے سینے سے پار ہو گئی۔ وہ چیخ مار کر پڑا تڑپا اور مر گیا۔ ماریا نے محاذ فتح کر لیا تھا۔

وہاں دشمن کی لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اس نے پجاری سے کہا۔

پجاری! اب یہ تمہارا کام ہے کہ ان ساری لاشوں کو تہہ خانے میں گڑھا کھود کر دفن کر دو۔ تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔

اب یہاں کوئی تمہیں گرفتار کرنے نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان سپاہیوں اور گورے کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں تھا اور تم اس مندر میں چھپے ہوئے ہو۔

"جو حکم گنگا دیوی!"

اتنا کہہ کر پجاری نے ساری لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر تہہ خانے میں گرا دیا۔ زمین کو دھو کر صاف کیا۔ کدال لے کر تہہ خانے میں اتر گیا اور گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔

ماریا نے کہا۔

ان لاشوں کو زمین میں دبا دو۔ اوپر سے مٹی ڈال کر فرش پر بالکل ہموار کر دینا۔

فکر مت کرنا۔ اب یہاں کوئی تمہاری تلاش میں نہیں آئے گا۔ جن لوگوں کو یہ پتہ تھا کہ مفرور قاتل تھا۔

تمہارے مندر میں ٹھہرا تھا، ان کی لاشیں یہاں پڑی ہیں۔

پجاری اپنے کام میں لگ گیا۔ ماریا نے ڈے کہا کہ وہ بندرگاہ تک جا رہی ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شاید وہاں مسافروں میں ڈے عنبر بھی آتا جاتا دکھائی دے جائے۔

مندر سے باہر نکل کر ماریا سڑک کنارے کھڑی ہو گئی۔ بندرگاہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ پیدل ہی اس طرف روانہ ہو گئی۔ دن بڑا خوشگوار تھا۔ موسم میں گرمی زیادہ نہیں تھی۔ چلتے چلتے وہ بندرگاہ والے چوک میں پہنچ گئی۔

یہاں لوگوں کا رش تھا۔ سامان سے بھرے ہوئے گڈے بندرگاہ میں داخل ہو رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ ایک جہاز ولائت کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔

ماریا کو خیال آیا کہ جہاز پر چل کر مسافروں کو دیکھنا چاہیے۔ شاید کہیں عنبر یا ناگ نظر آ جائے۔ وہ بندرگاہ کے اندر آ گئی۔

یہاں بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ جہاز کافی بڑا اور پرانا تھا۔ اس پر بادبان لگے تھے جو ابھی لپٹے ہوئے تھے۔

جہاز کی سیڑھیوں پر سے مسافر اوپر جا رہے تھے۔

مزدور سامان اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے۔

ایک آدمی سیڑھی کے پاس کھڑا آنے جانے والے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ ماریا خاموشی سے اس کے قریب سے گذر کر سیڑھیاں عبور کر کے جہاز کی نچلی منزل پر آ گئی۔

ایک راہداری باورچی خانے کو جاتی تھی۔ ادھر سے کھانے کی خوشبو آ رہی تھی۔

بھنی ہوئی مچھلی اور ابلے چاولوں کی خوشبو نے ماریا کی بھوک تیز کر دی۔ وہ سیدھی باورچی خانے میں آ گئی۔

اس قسم کے جہازوں میں وہ سفر کر چکی تھی۔ اسے جہاز کی تمام جگہوں کا علم تھا۔ باورچی خانے میں نوکر

کھانا تھالیوں میں ڈال رہے تھے۔

ماریا نے چپکے سے ایک تھالی ابلے ہوئے چاولوں کی اٹھائی اس میں بھنی ہوئی مچھلی کے کچھ قتلے تھال میں سے لے رکھے اور کونے والے میز پر بیٹھ کر مزے سے کھانا شروع کر دیا

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جس تھال میں سے وس کی بھنی ہوئی مچھلی وٹھائی تھی، وہاں بھنگ کے مسالے میں بھنی ہوئی مچھلیاں رکھیں تھیں

یہ مذاق باورچی خانے میں کام کرنے والوں نے اپنے ساتھیوں سے کیا تھا۔ وہ بھنگ والی مچھلی اپنے ساتھیوں کو کھلا کر ان کا تماشہ دیکھنا چاہتے تھے۔

ماریا نے بڑے مزے سے ساری مچھلی کھا لی کھانے سے فارغ ہو کر اسے خیال آیا کہ نیچے والے ڈیک پر بھی جا کر عنبر اور ناگ کو دیکھنا چاہیے۔

وہ نیچے آ گئی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے کیبن اور سٹور بنے تھے جہاں نوکر وغیرہ رہتے تھے اور چھوٹا موٹا سامان بکھرا پڑا تھا۔

وہ ایک کیبن میں داخل ہوئی تو اسے چکر سا آ گیا۔ وہ رک کر سر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی کہ یہ چکر کس قسم کا ہے؟۔

کبھی شاید کیبن کی گرم ہوا اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ مگر اب اس کے پاؤں بھی لڑکھڑانے لگے۔ بھنگ کا نشہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ سٹور میں جو سامان تھا وہ اسے ایک ایک کا دو دو نظر آنے لگا۔ وہ ایک دم ڈیک جگہ کاٹھ کباڑ کے پیچھے بیٹھ گئی کہ شاید آرام کرنے سے چکر دور ہو جائیں۔

لیکن چکر تو زیادہ آنے شروع ہو گئے تھے۔ اب اس کا جسم سرد پڑتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سخت کمزوری محسوس کر رہی تھی۔

جیسے خواب کے عالم میں ہو۔ اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگیں۔ وہ آنکھیں کھولنے کی بہتیری کوشش کرتی مگر اس کے پپوٹے اپنے آپ آنکھوں پر جھکتے چلے جا رہے تھے۔

اس نے دو ایک بار سر کو جھٹکا بھی دیا۔ کوئی فرق نہ پڑا۔ گردن ایک طرف ڈھلکتی چلی گئی اور پھر وہ پڑے بکسوں اور صندوقوں کے پاس ہی گہری نیند میں کھو گئی۔ جھنک اپنا کام کر چکی تھی۔

تیسرے پہر جہاز کی سیڑھی اتار دی گئی۔ سارے مسافر اور سارا سامان جہاز پر لادا جا چکا تھا۔ جہاز کا لنگر بھی اٹھا دیا گیا۔ اس کے بادبان کھول دیے گئے۔

جہاز کا کپتان اوپر عرشے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جہاز کی چھوٹی توپ نے ہلکے ہلکے تین گولے چلائے۔ یہ جہاز کے چلنے کا اعلان تھا۔

لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں چھوڑنے آئے ہوئے لوگوں نے رومال ہلانے شروع کر دیے اور جہاز اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ماریا سٹور روم میں پرانے صندوق کے پاس نیم بے ہوش پڑی تھی۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جہاز روانہ ہو چکا ہے۔ شام غروب ہو گئی۔ رات کے پہلے پہر جہاز دریائے جمنا سے نکل کر کھلے سمندر میں داخل ہو گیا۔

جہاز پر مشعلیں روشن کر دی گئیں کچھ دیر تک مسافر عرشے پر ہنستے کھیلتے باتیں کرتے رہے

پھر وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں سو گئے۔ اگلے

درجے کے کیبنوں میں انگریز یعنی گورے لوگ ان کی عورتیں اور بچے سفر کر رہے تھے وہ بھی کافی رات گذر جانے کے بعد سو گئے۔

جہاز بڑے سکون کے ساتھ سمندر میں سفر کرتا رہا۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ ملاح کسی شے کی تلاش میں اس سٹور روم میں داخل ہوا جہاں پرانے صندوقوں کے پاس ماریا بے ہوش یا گہری نیند میں مدہوش پڑی تھی۔

ملاح چیزوں کو ادھر ادھر لڑھکا کر اپنی شے کو تلاش کرتا کرتا اس صندوق تک بھی پہنچ گیا جہاں ماریا سو رہی تھی۔

ماریا کو آج سے ہزاروں سال پہلے جس دیوی نے بددعا یا دعا دی تھی کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گی اور غائب رہو گی۔

اس نے یہ بھی کہا تھا۔

"خبردار! کبھی زندگی میں کسی جگہ بے ہوش مت ہونا۔ اگر تم بے ہوش ہو گئیں تو تم ظاہر ہو جاؤ گی اور لوگ تمہارا جسم دیکھ سکیں گے۔ اس وقت تک کہ تم دوبارہ ہوش میں نہیں آ جاتیں"۔

اس وقت ماریا کا جسم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ملاح چیزیں الٹتا پلٹتا جب صندوق کے پاس آیا تو مشعل کی روشنی میں سے ایک خوبصورت چہرے اور

سنہری بالوں والی حسین لڑکی نظر آئی جو صندوق کے ساتھ لگی بے ہوش پڑی تھی۔

وہ ٹھٹھک کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ پھر وہ بھاگ کر اپنے دوسرے ملاح کے پاس گیا اور اسے ساری بات سنائی دونوں سٹور روم میں آ گئے اور ماریا کو جھک کر غور سے دیکھنے لگے۔

یہ تو کوئی بے یارومددگار لڑکی دکھائی دیتی ہے۔

"اور خوبصورت بھی بہت ہے۔ اگر ہم اسے ولایت جا کر فروخت کر دیں تو کافی روپیہ کما سکتے ہیں"۔

"چلو اسے اٹھا کر اپنے کیبن میں لے جا کر بند کر

دیتے ہیں"۔

انہوں نے بے ہوش ماریا کو اٹھایا اور ایک پردے سے کیبن میں لا کر بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ یہ بھی ماریا کے ساتھ ایک عجیب قسم کا مذاق ہوا تھا۔

دونوں ملاح بڑے خوش تھے کہ ان کے ہاتھ بڑا قیمتی مال آ گیا ہے اور ولایت میں اس لڑکی کی قیمت خوب پڑے گی۔

وہ اسے بڑے مہنگے داموں فروخت کریں گے۔

اب ایک اور اتفاق ہوتا ہے۔ ذرا یہ بھی سنئے جس سٹور روم میں ملاحوں نے ماریا کو لا کر بند کیا تھا وہاں جہاز کے کپتان نے ایک نقشہ چھپا رکھا تھا جس کا کسی کو علم

نہیں تھا۔

جہاز کی روانگی کے دوسرے روز وہ سٹور روم میں آ گیا کہ چل کر دیکھتا ہوں وہ نقشہ ابھی تک وہیں پڑا ہے یا نہیں۔

اس وقت دونوں ملاح ماریا کے پاس بیٹھے اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کر رہے تھے۔ کبھی اسے زور زور سے ہلاتے۔

کبھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے۔ مگر ماریا نے ایسی بھنگ پی تھی کہ ہوش میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اتنے میں سٹور روم کا دروازہ کھلا اور جہاز کا کپتان اندر آ گیا۔ اس نے مشعل جلا کر صندوق کھولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ آہٹ سے چونکا۔

"کون ہے؟"۔

دونوں ملاح ڈر کر سمٹ گئے۔ کپتان نے مشعل آگے کی تو دیکھا کہ ایک خوبصورت حسین لڑکی سو رہی ہے۔ اور دو ملاح اس کے آس پاس دبکے بیٹھے ہیں۔ کپتان نے غصے سے کہا۔

"کیا کر رہے ہو تم یہاں؟ کون ہے یہ؟"۔

ملاح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور سچ سچ سارا ماجرا کہہ سنایا۔ کپتان کو بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ اس غریب لڑکی کو اغوا کر کے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے

ہیں۔

اس نے حکم دیا۔

''اس لڑکی کو اوپر میرے کیبن میں لے چلو۔ تم دونوں کو میں نوکری سے برخاست کرتا ہوں اور جیل میں بند کرتا ہوں۔ چلو اوپر''۔

دونوں ملاحوں نے ماریا کو اٹھا لیا اور اوپر لا کر کپتان کے کیبن میں بستر پر لٹا دیا۔

کپتان نے دونوں ملاحوں کو حوالات میں بند کر دیا۔ وہ بڑا حیران تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ کسی مسافر کی بیٹی ہے اور یہ بدمعاش اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔

کپتان نے سارے جہاز پر اعلان کروا دیا کہ اگر کسی کی بہن بیوی یا بیٹی گم ہوئی تو اسے آ کر اطلاع کرے۔ مگر کوئی اس کے پاس نہ آیا۔

مسافروں کی فہرست میں بھی اس لڑکی کا کہیں ذکر نہ تھا۔ کپتان نے یہی خیال کیا کہ اس لڑکی کو بدمعاش ملاح شہر سے اٹھا کر لائے ہوں گے اور جہاز میں چھپا دیا کہ ولایت پہنچ کر اسے فروخت کر کے مال کمائیں گے۔

کپتان نے ماریا کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ ماریا بالکل بے ہوش پڑی تھی۔

تیسرے روز شام کا وقت تھا۔ کپتان ابھی ابھی

ماریا کے ماتھے پر کوئی ٹھنڈی ہوش میں لانے والی دوائی مل کر باہر گیا تھا کہ ماریا کو ہوش آ گیا۔

اس نے چاروں طرف دیکھا۔ سب سے پہلے تو اسے محسوس ہوا کہ زمین ہل رہی ہے۔ سمجھی کہ شاید زلزلہ آ گیا ہے۔

جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس کی نظر سامنے شیشے پر پڑی تو حیران ہو گئی ایک مدت کے بعد اسے شیشے میں اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا اسے دیوی کے الفاظ یاد آ گئے۔

اگر کبھی تم بے ہوش ہو گئیں تو تم ظاہر ہو جاؤ گی اور لوگ تمہیں دیکھ سکیں گے پھر جب تم کو ہوش آ جائے گا

تو تمہارا جسم پھر سے آہستہ آہستہ غائب ہونا شروع ہو جائے گا۔

ماریا پریشان ہو گئی۔ وہ کہاں ہے؟

یہ جگہ کون سی ہے؟

وہ بے ہوش کیسے ہو گئی اسے یاد آیا کہ اس نے مچھلی اور چاول کھائے تھے۔ ظاہر ہے اسی کھانے میں بے ہوشی کی کوئی شے ملی ہوئی ہو گی۔

وہ فوراً سمجھ گئی کہ وہ جہاز میں کسی اعلیٰ درجے کے کیبن میں ہے اور جہاز سمندر میں چلا جا رہا ہے۔ وہ اٹھ کر گول آئینے کے پاس آئی۔

اس میں ابھی تک اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔ پھر

آہستہ آہستہ عکس غائب ہونا شروع ہوگیا۔ ماریا پوری طرح ہوش میں آ چکی تھی اور دیوی کے الفاظ کے مطابق اب وہ دوبارہ ہوئے۔

پھر دونوں غائب ہو گئیں۔ اب صرف اس کا آدھا جسم اور سر باقی رہ گیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے مایا کا دھڑ اور سر بھی غائب ہوگیا۔

اب وہ غائب تھی اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کوئی نہیں چھو سکتا تھا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ کیونکہ کیبن سے باہر بند تھا۔

میں کچھ دیر بعد سے کیبن کے کھلنے کی آواز آئی ماریا ہمہ تن گوش ہو کر ادھر دیکھنے لگی۔

کیبن کا دروازہ کھلا اور بھاری بھر کم مونچھوں والا کپتان اندر آیا۔

جونہی اس کی نظر بستر پر پڑی وہ چونک اٹھا۔ ماریہ بستر پر نہیں تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ لڑکی کہاں چلی گئی۔ باہر سے تو تالا لگا ہوا تھا۔ وہ چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو کیبن سے باہر نکل گیا۔

اب ماریا جہاز پر آزاد تھی۔

وہ کیبن سے نکل کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔

اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

جہاز سمندر میں مشرق سے مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا۔ تو کیا وہ ولایت جا رہی ہے؟

اب وہ سوائے جہاز سفر کرتے رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ برے پھنسے۔ اس نے سوچا لیکن کیا خبر اس میں بھی کوئی بہتری ہو۔

ہو سکتا ہے ولایت میں عنبر اور ناگ سے ملاقات ہو جائے۔

سمندر کا انتقام

اب ماریا بھی سفر میں ہے۔ ناگ بھی سفر میں ہے۔

دونوں آگے پیچھے گہرے نیلے سمندر میں الگ الگ جہازوں پر ولایت کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

عنبر کرنافلی کے جنگل میں ماہی گیروں کی بستی میں ہے اور کشتی میں بیٹھ کر کلکتے جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

ناگ زخمی عقاب کے روپ میں ہے جس کو مسٹر گرانڈلے نامی ایک مشہور انگریز شکاری نے چکمہ ڈاکو سے خرید لیا تھا اور اب اسے اپنے ساتھ کیبن کے ایک پنجرے میں بند کر کے اس کی مرہم پٹی کرتا اسے واپس ولائت لئے جا رہا ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جس جہاز میں ناگ اپنے مالک شکاری گرانڈ لے کے ساتھ پنجرے میں بند تھے۔

یہ انگریز تاجر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ ناگ ابھی تک عقاب کی شکل میں تھا۔ اس کے بازو کا زخم اب اچھا ہو گیا تھا اور اب وہ اگر چاہے تو انسانی یا کسی بھی روپ میں آ سکتا تھا۔

لیکن وہ عقاب ہی بنا پنجرے میں بیٹھا رہا ان کا جہاز افریقہ کے ساحل سے گذر رہا تھا کہ اچانک طوفان میں پھنس گیا۔

کپتان نے بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جہاز کو ساحل کی طرف لانا شروع کر دیا۔ افریقہ کا ساحل وہاں سے تھوڑی ہی دور تھا۔

مگر بدقسمت کپتان اس بات کو بھلا بیٹھا تھا کہ یہاں ساحل کے قریب سمندر کے نیچے ایسی چٹانیں اور پہاڑوں کی سخت چوٹیاں ہیں کہ اگر جہاز قریب جائے گا تو ٹکڑا پاش پاش ہو جائے گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی جہاز وہاں پہنچا وہ ایک چٹان سے ٹکرا گیا اور اسے ایکدم سے دو ٹکڑے ہو گئے۔

اتنی جلدی آج تک کوئی جہاز بھی گہرے سمندر میں نہیں ڈوبا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں پانی بھر گیا۔ بڑی مشکل سے اتنی مہلت مل سکی کہ چند ایک بڑی کشتیاں نیچے سمندر میں پھینکی گئیں۔

اس میں کچھ عورتیں اور مرد سوار ہو گئے اور انہوں نے افریقہ کے ساحل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

ناگ کا مالک شکاری گرانڈ لے بھی ڈوب گیا ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق اور ان

کے ڈاکو مالک بھی سمندر میں غرق ہو گئے۔

صرف پندرہ بیس گوری عورتیں اور دس بارہ مرد مسافر باقی بچے جن کی حالت بہت بری تھی۔ ساحل پر آ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور رونے لگے۔

ناگ عقاب کی شکل میں اڑتا ہوا سب سے پہلے ساحل پر آن پہنچا تھا اور ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا یہ سارا کھیل دیکھ رہا تھا۔

ابھی یہ بدنصیب مسافر سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک افریقہ کے جنگلی قبیلے والوں نے حملہ کر دیا اور سب مسافر عورتوں اور مردوں کو رسیوں سے باندھ کر لے گئے۔

انہوں نے ان لوگوں کو ساحل سے دور اندر گھنے جنگل میں لے جا کر ایک جھونپڑیوں میں بند کر دیا اور باہر سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

یہ سارے مسافر کل پچپن کے قریب تھے جن میں گیارہ عورتیں تھیں۔ کچھ بچے اور بوڑھے تھے۔ عورتیں ساری گوری انگریز تھیں ناگ نے سوچا کہ ان بے گناہ لوگوں کو وحشی لوگوں سے ضرور بچانا چاہیے۔

وہ ابھی تک عقاب کی شکل میں تھا وہ اڑتا ہوا وحشی لوگوں کی جھونپڑیوں کے پاس آ کر ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک جگہ آگ پر بڑی سی دیگ رکھی ہے اور اس میں گرم پانی ابل رہا ہے پھر وحشی لوگوں نے دیگ کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور اب آگ کے ارد گرد ڈانس کرنے لگے۔

ان کا وحشی سردار اچانک جھونپڑی سے باہر نکلا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

عقاب چونکہ سب زبانیں سمجھ لیتا ہے اس لیے کان کھڑے کر کے سننے لگا کہ یہ سردار کیا کہتا ہے۔

وحشی سردار نے کہا۔

"سنو! میرے قبیلے کے سورماؤ! کل کا دن بڑا خوش قسمت دن تھا کہ ہم نے اتنا بڑا شکار مارا اور

ہمارے ہاتھ زیادہ گوری چمڑی والے انسان آ گئے۔ اس وقت ہمارے پاس اپنے دیوتا شری گرہست ناگ کو قربانی کے لیے پیش کرنے کے واسطے پچیس انسان موجود ہیں۔

جنہیں ہم پرسوں سے قربان کرنا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ پرسوں پورے چاند کی رات ہے اور ہمارے گرہست ناگ دیوتا کا جنم دن ہے۔

اس پر سارے وحشی لوگ خوشی سے ناچنے لگے۔ ناگ کو سمجھنے میں اب زیادہ دیر نہ لگی۔ ان وحشی لوگوں کا دیوتا کوئی گرہست ناگ ہے اور یہ آدم خور نہیں ہے لیکن انسانوں کو اپنے دیوتا کے آگے ذبح کر دیتے ہیں اور ان کا خون دیوتا کو پیش کرتے ہیں ناگ کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے قربان کیے جائیں۔

اس نے ان سارے کے سارے مسافروں کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ان وحشی لوگوں کو گرہست ناگ کون سی بلا ہے۔

ناگ کے لیے اب عقاب بنے رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ درخت سے نیچے اتر آیا اور اڑتا اڑتا ان جھونپڑیوں کے عقب میں آ گیا جہاں بد نصیب انگریز مسافر اور بچے قید تھے۔

عورتیں دوسری جھونپڑی میں بند تھے۔ ان جھونپڑوں سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

شاید انہیں پتہ چل گیا کہ کل رات کو ان کو قربان کر دیا جائے گا۔

باہر دو وحشی نیزے لیے پہرہ دے رہے تھے۔

سامنے درختوں پر بھی وحشی تیر کمان لیے بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ نے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو وہ رینگتا ہوا پیچھے آ کر ایک جگہ سے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ کافی کھلی جھونپڑی تھی۔

بانس کے ساتھ تیل کا دیا جل رہا تھا جس کی ہلکی ہلکی روشنی میں اترے ہوئے اداس پریشان چہروں والے مسافر بچوں اور عورتوں کے ساتھ بیٹھے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے

ناگ اندھیرے میں تھا۔ اس پر کسی کی نظر نہ پڑی۔ اس نے وہیں لیٹے لیٹے انسان کا روپ دھار لیا اور مسافروں کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

انہوں نے حیرانی سے ناگ کی طرف دیکھا کہ یہ کون شخص ہے اور اندر کہاں سے آ گیا؟۔

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش

رہنے کے لیے کہا۔

پھر وہ سرگوشی میں بولی۔

میں تمہاری مدد کو آیا ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا اور ان آدم خوروں کا قیدی ہوں۔

سنو! میری بات غور سے سنو! ان وحشی لوگوں نے تم سب کو اپنے دیوتا گرہست ناگ کے آگے کل رات قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

یہ منحوس خبر ان مسافر مردوں اور عورتوں پر بجلی بن کر گری۔

عورتیں آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے اور اپنے بچوں کو سینے سے چمٹا کر پیار کرنے لگیں۔ ناگ نے انہیں خاموش رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو میری بہنو! خدا نے مجھے تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ میں تمہاری مدد کروں گا تم بے فکر رہو"۔

ایک بوڑھے نے کہا۔

"بیٹا تم اکیلے ان خونخوار وحشیوں کا کیوں کر مقابلہ کر سکو گے؟"۔

ناگ بولا۔

بڑے میاں! یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں جانوں اور یہ وحشی لوگ جانیں۔ میں تو صرف آپ کو

نقاب پوش قاتل (عمرو ناگ داستان نمبر 58)

تسلی دینے آیا ہوں کہ غم نہ کریں۔

اپنے حوصلے بلند رکھیں۔ خدا کو یاد کریں۔ میں ان لوگوں کو صبح شکست فاش دوں گا۔

ایک عورت نے ناگ کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"خداوند تمہاری حفاظت کرے بیٹا! تم ہمارے نجات دہندہ بن کر آئے ہو مگر تم کیا کر سکو گے؟ یہ لوگ تو بڑے خونی ہیں۔ انسان کو مار دینا ان کے لیے کوئی بات نہیں ہے۔"

ناگ نے کہا

"آپ بے فکر رہیں انہیں مار دینا میرے لیے بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ صبح جو کچھ ہو گا اسے آپ بھی دیکھ لیں گے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ جھونپڑی کے سوراخ کے پاس آ گیا۔ باہر نکلنے کا دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ان کے سامنے ناگ سانپ کے روپ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ پھر وہ کہاں سے باہر نکلے جھونپڑی کا دروازہ باہر سے بند تھا اور باہر دو وحشی نیزے لیے پہرہ دے رہے تھے ناگ نے ان سے کہا۔

میری ایک درخواست ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں یہ ایک بڑی مجبوری کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔

بے شک ایک منٹ بعد اپنی آنکھیں کھول دیں۔

مسافروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور سانپ بن کر رینگتا ہوا جھونپڑی کے سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔

ایک منٹ بعد مسافروں نے آنکھیں کھولیں تو وہاں ان کا نجات دہندہ نہیں تھا وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"وہ میری آنکھوں کے سامنے غائب ہوا ہے"۔

دوسرے نے کہا۔

"میں نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ میں چوری چوری دیکھ رہا تھا وہ شخص ایک دم سے غائب ہو گیا"۔

عورت بولی۔

"وہ ضرورت ہمارا نجات دہندہ ہے اور خدا نے اسے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ ہم لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے"۔

باہر پہرہ داروں نے یہ آوازیں سنیں تو ایک نے اندر آ کر اپنا نیزہ ایک بوڑھے کے سینے پر رکھ کر کہا۔

"کیوں شور مچا رہے ہو بڈھے؟"

بوڑھے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میں تو چپ ہوں"۔

وحشی نے نیزہ اس کے سینے میں چبھو کر کہا۔

"اگر تم آج ہی مرنا چاہتے ہو تو میں ابھی تمہیں ہلاک کر دوں گا"۔

بوڑھے نے جوش میں آ کر کہا۔

"ہمارا نجات دہندہ آ گیا ہے وہ ہمیں تو ظالموں سے بچا کر لے جائے گا۔ اب تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"

اس پر پہرے دار وحشی کو غصہ آ گیا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے نیزہ اس بوڑھے کے سینے میں اتار دیا۔

چیخ کی آواز کے ساتھ بوڑھے نے دم توڑ دیا۔ یہ آواز ناگ نے بھی سنی وہ ابھی جھونپڑے سے تھوڑی دور ہی گیا تھا۔

سمجھ گیا کہ وہاں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے جھٹ واپس پلٹا اور جھونپڑی میں آ کر دیکھا کہ وحشی پہریدار نے بوڑھے کو ہلاک کر دیا ہے۔

اس بھیانک منظر کو ناگ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا کو وحشی قاتل پر حملہ کر دیا۔ اس کے لیے وحشی کی ذات پر صرف ایک بار ڈسنا ہی کافی تھا۔ وحشی کے جسم میں ناگ کا زہر فوراً اثر کر گیا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔

اس کے ناک منہ سے خون جاری ہو گیا۔ قیدی

مسافروں نے یہ معجزہ دیکھا تو سجدے میں گر پڑے۔ خدا نے ان کے ساتھی کا بدلہ لے لیا تھا۔

دوسرا پہرے دار بھاگ کر اپنے ساتھی کی مدد کو اندر آیا۔ اس نے جو اپنے ساتھی کی لاش دیکھی تو نیزہ اٹھا کر قیدیوں پر ٹوٹ پڑا۔

ابھی اس نے حملہ کیا ہی تھا کہ ناگ نے اسے بھی ڈس دیا۔ وہ بھی لڑکھڑا کر گرا اور مر گیا۔ قیدی مسافروں نے دونوں لاشیں اٹھا کر جھونپڑی کے باہر ڈال دیں۔

ناگ جنگل میں چلا گیا۔ صبح شور مچ گیا کہ دو پہرے داروں کو سانپ نے کاٹ کر ہلاک کر دیا ہے۔ اور ایک قیدی مسافر ہلاک ہو گیا ہے۔ سردار نے خود آ کر جھونپڑی کا معائنہ کیا اور قیدیوں کو اپنے ساتھیوں کی موت کا ذمے دار ٹھہرایا۔

اس نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

’’ان لوگوں کو ابھی ایک ایک کر کے ہلاک کر دو۔ عورتوں کے سر کاٹ کر درختوں پر لٹکا دو۔ سب سے پہلے ان کے بچوں کے سر کاٹو۔

وحشی لوگ کلہاڑے لے کر قیدی عورتوں کی طرف بڑھے عورتوں نے رونا چیخنا شروع کر دیا۔

مردوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ عورتوں کو پکڑ پکڑ کر جھونپڑی کے آگے کھڑا کر دیا گیا سردار نے

کہا۔

"ان عورتوں کی گردنیں کاٹ ڈالو"۔

ایک وحشی کلہاڑا لے کر قیدی عورت کی طرف بڑھا۔

ناگ یہ سارا تماشا ایک طرف کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جونہی وحشی نے کلہاڑا اٹھایا۔ ناگ بیچ میں آ کر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"خبردار! سردار ایسا نہ کرنا۔ نہیں تو میں تمہارے سارے بچوں کو ایک ایک کر کے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دوں گا"۔

سردار دم بخود رہ گیا۔ کہ یہ کون دبلا پتلا سا نوجوان ہے جو ان کی جنگلی زبان میں اسے اس قدر خوفناک دھمکی دے رہا ہے۔

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ تخت پر غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور اپنا کلہاڑا لے کر ناگ کی طرف بڑھا۔

ناگ نے کہا۔

"سنو! میں گرہست ناگ ہوں۔ تمہارا دیوتا ہوں"۔

اور اس کے ساتھ ہی وہ روپ بدل کر ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا جس کے سات منہ تھے اور ہر منہ میں سے دو شاخہ زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔

یہ منظر دیکھ کر سارے وحشی دہشت سے لرز اٹھے اور سجدوں میں گر پڑے۔

سردار کا بھی خوف سے رنگ فق ہو گیا۔ وہ ایک دم سے زمین پر سجدے میں گر پڑا۔ قیدی عورتیں اور مرد یہ منظر دیکھ کر حیرت میں غرق ہو گئے۔

انہوں نے اپنے نجات دہندہ کو پہچان لیا تھا۔ وہی رات والا نوجوان تھا جو ان کی جھونپڑی میں آیا تھا۔

اور اب ایک بھیانک اژدہے کی شکل میں وحشیوں کے درمیان پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی جادوگر ہے یا کوئی بھوت پریت ہے۔

ناگ نے اپنا پھن لہراتے ہوئے کہا۔

سردار! تم نے بے گناہ لوگوں کو پکڑ کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر تو ان لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی ہلاک کر دیتا تو میں تمہارے قبیلے پر اپنا عذاب نازل کرتا۔

میں تمہارے سارے جنگل جلا کر خاک کر دیتا اور تمہارے بچوں کو ہلاک کر دیتا۔

سردار نے زمین پر ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

”دیوتا! معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب ایسا نہیں ہوگا“

ناگ بولا۔

اچھا جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ ان لوگوں سے اپنے برے سلوک کی معافی مانگو۔

ان کو اپنا خاص مہمان سمجھ کر ان کی خدمت کرو اور ان کے واپس جانے کا انتظام کرو۔

میں ایک انسان کے روپ میں تم سے پھر آ کر ملوں گا۔

جو حکم میرے دیوتا۔ سردار نے جھک کر ادب سے کہا۔

گرہست ناگ رینگتا ہوا جنگل میں گم ہو گیا وہاں جا کر اس نے پھر سے انسان کا روپ دھالیا اور ناگ

بن کر واپس سردار کے پاس آ گیا۔

اس نے سردار کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سنو سردار! مجھے گرہست دیوتا نے بھیجا ہے۔ میں اپنی نگرانی میں ان قیدیوں کو لے کر ان کے وطن جاؤں گا۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کے سفر کا بندوبست کرو"۔

سردار نے جھک کر کہا۔

"ایسا ہی ہو گا۔ میرے عظیم دیوتا!"۔

اسی وقت سردار کے حکم سے قیدی مسافروں کو آزاد کر دیا گیا۔

ان کی تواضع تازہ جنگلی پھلوں اور مرغیوں کے

بھنے ہوئے گوشت سے کی گئی۔

ان کے لیے ایک شاندار جھونپڑی میں گھاس پھونس کے آرام دہ بستر بچھا دیے گئے جہاں وہ آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئے۔

ناگ سردار کے پاس بیٹھا اس سے سفر کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔

اس نے پوچھا۔

”ان لوگوں کے سفر کے لیے کیا بندوبست ہو سکتا ہے؟“۔

”ان لوگوں کے لیے کیا بندوبست ہو سکتا ہے؟“۔

ناگ نے پوچھا

سردار نے ادب سے کہا۔

”میرے آقا! آپ دیوتاؤں کے ساتھی ہیں۔ آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جیسا کہیں گے ویسے ہی کیا جائے گا“۔

ناگ بولا۔

ابھی تم ان باتوں کو چھوڑو کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا۔

سوال صرف یہ ہے کہ تم لوگ کس راستے سے سفر کریں کہ یہاں کسی ایسے شہر پہنچ سکیں جہاں سے ان لوگوں کو اپنے وطن جانے کے لیے جہاز مل جائے۔

سردار نے کہا۔

آقا! یہاں سے قریبی بندرگاہ سو میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں تک جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ جنگل میں سے ہو کر گذرتا ہے جو خطرناک ہے اور جنگلی درندوں سے بھرا ہوا ہے۔

دوسرا راستہ سمندر کا راستہ ہے۔ یہ راستہ زیادہ محفوظ ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو لے کر سمندر کے راستے سے سفر کریں تو خیریت سے بندرگاہ تک پہنچ جائیں گے۔

ناگ نے پوچھا۔

''کیا یہ سفر ہمیں کسی کشتی پر کرنا پڑے گا؟ ایسی صورت میں کیا اتنی بڑی کشتی ہمیں مل جائے گی جس میں یہ ہمارے مسافر سوار ہو جائیں گے؟۔

سردار نے کہا۔

اس کا میں انتظام کر دوں گا حضور! میرے پاس ایک بہت بڑی کشتی ہے۔

وہ کشتی میں آپ کی نذر کرتا ہوں۔ اس میں کھانے پینے کا سامان بھی بھر دیا جائے گا۔ آپ کو راستے میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

ناگ نے پوچھا۔

''یہ سفر کتنے دنوں کا ہوگا؟''۔

سردار بولا

"اگر آپ ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہیں تو سات روز میں بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے۔ میں اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ کر دوں گا جو آپ کی رہنمائی کرے گا"۔

"بہت خوب! تم کشتی تیار کرو۔ ہم جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے کوچ کر جائیں گے"

ناگ نے آ کر مسافروں کو یہ خوش خبری سنائی کہ ان کے سفر کا سارا انتظام ہو گیا ہے۔

اس سے وہ بڑے خوش ہوئے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

ناگ نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ انہیں صرف خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر خدا کی مرضی نہ ہوتی تو تم بھی اس مصیبت سے نجات حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

سفر کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سردار نے کشتی میں کافی پھل وغیرہ رکھ دیئے۔ پینے کا پانی بھی لکڑی کے ڈرم میں بھر کر رکھ دیا۔

اور پھر ایک روز ناگ نے سارے مسافر مردوں عورتوں اور بچوں کو کشتی میں سوار کرایا۔

ایک وحشی رہنما کو ساتھ لیا۔ سردار سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کیا اور کشتی میں سوار کرایا۔ بادبان کھلتے ہی کشتی نے ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف سفر شروع

کر دیا۔

ہوا موافق چل رہی تھی۔ سفر تیزی سے ہوتا رہا۔ رات کو بھی کشتی چلتی رہی۔ یونہی تین دن گزر گئے۔ چوتھے روز سمندر میں لہریں اٹھنے لگیں۔ ہوا تیز ہو گئی۔ بارش بھی ہو گئی

بادل خوب گرجنے لگے۔ لیکن چونکہ کشتی میں سارا انتظام پہلے سے ہی کر لیا گیا تھا اس لیے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

سارا دن ساری رات بارش ہوتی رہی۔ تیز ہوائیں چلتی رہیں۔ کشتی ڈول رہی تھی لیکن لہریں اسے آگے ہی آگے بہائے لیے جا رہی تھیں۔

چھٹے روز وہ ساحل سے ذرا دور نکل گئے۔ کیونکہ ان کے وحشی رہنما نے انہیں بتایا کہ یہاں ساحل کے ساتھ ساتھ ابھری ہوئی بے شمار چٹانیں سمندر کے نیچے چھپی ہوئی ہیں۔

کشتی ساحل سے فاصلے پر سمندر میں سفر کرتی رہی۔ شام سے کچھ دیر پہلے سمندر میں سے اچانک ایک وہیل مچھلی نے سر نکال کر زور سے سانس خارج کیا۔

اس کے سر میں سے پانی کا فوارہ نکل کر اوپر کو اچھلا۔ وحشی رہنما ڈر کر بیٹھ گیا۔

”آقا! یہ مچھلی کشتی کو الٹ دے گی۔ یہ کشتیوں کی

دشمن ہوتی ہے۔ اب ہم نہیں بچ سکیں گے"۔

مسافروں میں دہشت پھیل گئی۔ بچے رونے لگے۔ عورتوں کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ کیونکہ بچ مچ وہیل مچھلی کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس نے بھی شاید کشتی کو دیکھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بالکل کشتی کے قریب سے آ کر ابھری۔ لہروں میں زبردست طوفان پیدا ہوا اور کشتی ڈولنے لگی۔

بہت سا پھل سمندر میں گر پڑا۔

وہیل مچھلی خونخوار منہ کھولے اپنی لال لال خونی آنکھوں سے دیکھتی کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

وہ کشتی کو الٹنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ناگ کے لیے اب صبر کر کے بیٹھے رہنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔

اس نے مچھلی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ سارے مسافر دم بخود ہو کر رہ گئے۔

ناگ سمندر میں اترتے ہی ایک پلکے سے انتہائی زہریلے سیاہ سمندری سانپ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

یہ سانپ بڑا زہریلا ہوتا ہے اور اس کا ڈسا ہوا کوئی بھی سمندری جانور سلامت نہیں رہ سکتا۔

سانپ تیزی سے تیرتا ہوا وہیل مچھلی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

وھیل مچھلی اب کشتی کے بالکل قریب آ چکی تھی اور اپنی ایک ہی طوفانی ٹکر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتی تھی۔

سانپ نے اسے یہ موقع نہیں دیا۔ وہ سمندر کی لہروں پر بجلی کی طرح بھاگتا ہوا وھیل مچھلی کے اوپر چڑھ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ وھیل کا جسم اتنا موٹا ہوتا ہے کہ اس پر کسی زخم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

وہ اس کے جسم پر رینگتا ہوا اس کے سر پر آ گیا۔

یہاں سے پھسل کر وہ اس کے کھلے منہ میں داخل ہو گیا۔

سانپ وھیل کے منہ میں جا کر اس کے حلق میں ڈسنا چاہتا تھا تاکہ وہ جلدی سے جلدی مر سکے۔ وھیل مچھلی کا منہ بہت بڑا تھا۔

اس میں آدھا پانی بھرا ہوا تھا۔ سانپ کو یوں لگا جیسے وہ کسی آبشار کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ وھیل مچھلی کا حلق سے اوپر ایک گنبد کی چھت کی طرح نظر آ رہا تھا۔

وہ رینگتا ہوا اس کے تالو پر جا پہنچا اور پلک جھپکتے ہی اس نے تالو میں دو جگہوں پر ڈس کر اپنا جسم کا سارا مہلک زہر وھیل کے جسم میں داخل کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی سانپ تیزی سے تیرتا ہوا وھیل

کے منہ سے نکل کر اس کے جسم پر آ گیا۔

یہاں سے رینگ کر اس نے سمندر کی چھلانگ لگا دی اور لہروں پر تیرتا ہوا کشتی کی جانب بڑھنے لگا۔

دشمن کی قید میں

وشیل مچھلی کو پہلے تو کبھی نہ پتہ چل سکا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سانپ کے خطرناک زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ وشیل کا جسم سست ہو گیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔

اس نے اپنا بند منہ کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنا منہ نے کھول سکی۔

اس نے کشتی کو ٹکر مارنی چاہی لیکن وہ ایسا بھی نہ کر سکی۔ جیسے اس کے جسم میں سے کسی نے اس کی ساری طاقت چھین لی تھی۔

وہیل مچھلی کے نتھنوں سے خون نکلنا شروع ہو گیا زہر بڑا تیز اور بڑا زبردست ہلاک کرنے والا تھا۔ وہیل مچھلی کو اگر شدید زخمی بھی کر دیا جائے تو وہ مرتے مرتے بہت دیر لگا دیتی ہے

مسافروں نے ناگ کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگائے ناگ نے ایک بہت بڑے دشمن کو ہلاک کر دیا تھا۔

جس کے حملے سے بچنا ان کے لیے ناممکن نظر آتا تھا۔ کشتی سمندر میں سفر کرتی رہی۔ اب وہ ساحل کے قریب قریب سفر کر رہے تھے۔

سات روز بعد انہیں دور سے بندرگاہ کا منارہ نظر آیا۔ مسافروں کے چہروں پر رونق آ گئی۔ اس خوشی کا کچھ ان لوگوں سے پوچھیے جو کسی کشتی میں بے یارو مددگار حال سفر کریں اور پھر ان کی کشتی کنارے پہ جا کر لگ گئی۔

یہاں جہاز کے ڈوبنے کی خبر کئی روز پہلے پہنچ چکی تھی۔ جب وہاں کے حکام کو پتہ چلا کہ غرق شدہ جہاز کے بچے ہوئے مسافر آئے ہیں تو انہوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور انہیں ہر طرح کا آرام پہنچایا۔

یہاں سے چھ روز بعد ایک جہاز ملک عدن کو جا رہا تھا۔ وہاں سے اس نے ایک اور جہاز کو پکڑنا تھا جو ولایت جانے والا تھا۔

چھٹے روز سارے مسافر جہاز میں سوار ہو گئے ناگ ان دنوں یہی سوچتا رہا کہ وہ ولایت جائے یا نہ جائے۔

سوال یہ تھا کہ وہ افریقہ میں رہ کر کیا کرتا۔ کیونکہ وہاں تو عنبر اور ماریا کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس کا دل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ چلو ولایت چلو۔ وہاں عنبر یا ماریا سے ضرور ملاقات ہو جائے گی۔

پس وہ بھی جہاز میں سوار ہو گیا۔

ادھر ماریا جس جہاز میں سفر کر رہی تھی وہ ولایت پہنچنے ہی والا تھا کہ ناگ کا جہاز عدن کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ کا سفر خرچ سارے مسافروں نے خود ادا کیا تھا۔ وہ ناگ سے بڑی محبت کرنے لگے تھے۔ آخر ناگ نے ان کی جان بچائی تھی۔

ایک روز یہ جہاز عدن بھی پہنچ گیا یہاں دوسرا جہاز اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

سارے مسافر اس میں سوار ہو گئے اور وہ ولایت کی جانب روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس کی منزل

جبرالٹر تھی۔

جہاز جبرالٹر کی بندرگاہ پر رک گیا۔ ناگ شہر کی سیر کرنے اتر گیا۔ یہ شہر کافی بارونق تھا۔ ناگ سیر کرتے کرتے شہر سے باہر آ گیا۔

یہاں کچھ خانہ بدوشوں نے خیمے لگا رکھے تھے۔ ان کی عورتیں کام کر رہی تھیں۔ ایک بوڑھا خانہ بدوش اپنے خیمے کے باہر بیٹھا پٹارے میں سے ایک سبز رنگ کا سانپ نکالے دھوپ میں اس سے کھیل رہا تھا۔ اچانک سانپ کھیلتے کھیلتے رک گیا۔

اس کی اٹھی ہوئی گردن زمین پر لگ گئی اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

"ارے اس کو کیا ہو گیا؟"۔

خانہ بدوش نے اپنے بیٹے سے کہا۔

"خانہ بدوش کا جوان بیٹا بھی جھک کر سانپ کو دیکھنے لگا اس نے سانپ کو اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور ہلانے لگا۔"

زندہ ہے بابا۔

سانپ زندہ تو تھا مگر حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس نے ناگ کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا

خانہ بدوش بوڑھا ابھی حیران ہی ہو رہا تھا کہ ناگ اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خانہ

بدوش کو سلام کیا اور کہا۔

"یہ سانپ آپ نے پال رکھا ہے بابا؟"

خانہ بدوش نے بڑے غور سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تم کون ہو برخوردار؟"۔

ناگ بولا۔

"بابا! میں مسافر ہوں۔ جہاں سے اتر کر سیر کرنے نکلا ہوں واپس چلا جاؤں گا؟"۔

خانہ بدوش بولا۔

"نہیں۔ نہیں ہم اپنے سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ آؤ بیٹھو! کیا پیو گے؟"۔

خانہ بدوش کا بیٹا کہنے لگا۔

میاں! یہ بڑا زہریلا سانپ ہے۔ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔

تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ابھی ابھی یہ بیمار ہو کر سست ہو گیا ہے ورنہ یہ کسی اجنبی کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ذرا دکھاؤ تو؟"۔

خانہ بدوش نے سانپ ناگ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بیمار ضرور ہے لیکن غافل نہیں

ہے۔ کہیں تمہیں ڈس نہ دے۔ اس کے زہر کا توڑ ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔

"خدا جانے ابھی ابھی تو ٹھیک تھا بس کھیلتے کھیلتے ایک دم سر پھینک کر خاموش ہوگیا"۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر خیمے کے دروازے میں کھڑی خانہ بدوش کی بوڑھی مکار اور تجربہ کار ماں کھڑی ناگ کو بڑے غور سے تک رہی تھی۔

پھر اس نے ایک بچے کو خانہ بدوش کے پاس بھیج کر خیمے میں بلوا لیا۔ خانہ بدوش اندر آیا تو وہ بولی۔

"جانتے ہو جس شخص سے تم باتیں کر رہے ہو یہ

کون ہے؟"۔

خانہ بدوش بولا۔

"نہیں۔ لیکن وہ ایک عام مسافر ہے"۔

عورت نے کہا

"یہی تو تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ایک عام آدمی نہیں ہے۔ سنو! یہ شخص حقیقت میں ایک بہت عظیم سانپ ہے جو پانچ سو برس زندہ رہنے کے بعد انسان کے روپ میں ظاہر ہو گیا ہے"۔

خانہ بدوش پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماں؟"۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ سنو! اگر تم چاہتے ہو کہ دولت میں کھیلو تو اسے قابو کر لو۔ پھر یہ تمہارے کہنے پر زمین کے خزانوں کا راز ظاہر کر دے گا۔

"مگر ماں! اسے کیسے قابو کیا جائے"۔

عورت بولی۔

یہ کام مشکل ہے۔ کیونکہ یہ شخص جس وقت چاہے اپنی شکل بدل سکتا ہے۔ صرف ایک صورت میں یہ بے بس ہو سکتا ہے کہ اسے لوہے کی جالی دار پنجرے میں بند کر دیا جائے۔

ایک ایسے پنجرے میں جہاں سے نکلنے کے لیے چھوٹے سے چھوٹا سوراخ بھی نہ ہو۔

خانہ بدوش نے خوش ہو کر کہا۔

"ہمارے پاس سانپ رکھنے والا پنجرہ جو ہے۔ اس میں سوراخ اتنے باریک ہیں کہ چیونٹی بھی اس میں سے باہر نہیں نکل سکتی"۔

عورت نے خوش ہو کر کہا

بالکل ٹھیک یاد آیا تمہیں فوراً اس شخص کو قابو کرنے کی کوشش شروع کر دینی چاہیے۔

دولت حاصل کرنے کا ایسا موقع تمہیں شاید پھر ساری زندگی نہ مل سکے گا۔ جاؤ جلدی کرو۔

اب خانہ بدوش نے ناگ کو باتوں میں لگا لیا۔

ناگ کو بالکل خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی

خطرناک سازش کر رہے ہیں۔

خانہ بدوش نے ناگ سے کہا۔

"میری ماں بہت بڑی نجومی عورت ہے۔ اگر تم چاہو تو اس سے اپنے مستقبل کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھ سکتے ہو"۔

ناگ کو اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کا خیال آ گیا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ عورت اپنے علم کے ذریعے اسے عنبر اور ماریا کے بارے میں کچھ بتا دے

اس نے کہا۔

"مجھے اپنی ماں کے پاس لے چلو۔ میری بہن اور بھائی گم ہو گئے ہیں۔ میں ان کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں"۔

"آؤ میرے ساتھ"

خانہ بدوش نے کہا۔

وہ ناگ کو لے کر ایک خیمے میں آ گیا جہاں اس کی ماں پہلے ہی سے سفید گولہ میز پر رکھے آنکھیں بند کیے کوئی منتر پڑھ رہی تھی۔ ناگ خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ عورت نے آنکھیں کھول کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میری ایک بہن ماریا اور بھائی عنبر مجھ سے بچھڑ

گئے ہیں، مجھے بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے؟"۔

اس عورت نے کہا۔

"اس کے لیے مجھے تم پر ایک عمل کرنا پڑے گا۔ پھر میں تمہیں اس سفید گولے میں دکھا سکوں گی کہ تمہاری بہن ماریا اور بھائی عنبر کہاں پر ہیں۔ کس ملک میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کس قسم کا عمل ہو گا یہ؟"۔

خانہ بدوش عورت نے مکاری سے کہا۔

تمہیں خاص قسم کی جڑی بوٹیاں سنگھا کر نیم بے

ہوش کیا جائے گا۔

پھر تم پر میں منتر پڑھوں گی اور سفید گولے کی طرف اشارہ کروں گی۔ اس نیم بے ہوشی کی حالت میں تم جب اس سفید گولے کی طرف دیکھو گے تو تمہیں نظر آئے گا کہ تمہارا بھائی اور بہن چل پھر رہے ہیں۔

بولو! کیا تم تیار ہو؟۔

ناگ نے سوچا کہ نیم بے ہوش ہونے میں کیا حرج ہے؟۔

ایسی کوئی بات نہیں۔ کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ ماریا اور عنبر کہاں پر ہیں۔

وہ جھٹ بولا۔

"میں تیار ہوں"۔

"بہت خوب"

خانہ بدوش عورت نے خوش ہو کر کہا۔

پھر اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا۔

"کارلو! جڑی بوٹیوں کا دھواں شروع کرو"۔

انہوں نے ناگ کو دوسرے خیمے میں لے جا کر ایک بستر پر لٹا دیا۔

سامنے میز پر سفید گولہ رکھ دیا۔ ایک انگیٹھی میں کوئلے سلگا کر ان پر جڑی بوٹیاں ڈال دی گئیں۔

انہیں آگ لگی تو ایک دم سے دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔

خانہ بدوش عورت نے کہا

"تم اس دھوئیں میں لمبے لمبے سانس لو۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ باہر ٹھہروں گی۔ اگر ہم بھی نیم بے ہوش ہو گئے تو تمہیں تمہارے بھائی بہن کے بارے میں کوئی نہ بتا سکے گا"۔

"ٹھیک ہے"۔

عورت اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔

انگیٹھی میں سے نیلے اور نسواری رنگ کا دھواں اٹھ اٹھ کر ناگ کے نتھنوں میں گھسنے لگا

یہ بڑی تیز قسم کی خاص جڑی بوٹیاں تھیں۔ جن

کے دھوئیں کے اثر سے انسان ایک پل میں بے ہوش ہو جاتا تھا۔

ناگ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جونہی دھواں اس کے نتھنوں میں گھسا وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر عورت اور اس کا بیٹا کارلو تیزی سے منہ پر گیلا کپڑا لپیٹے اندر آ گئے۔

انگیٹھی میں پانی ڈال کر اسے بجھا دیا گیا اور ناگ کو اٹھا کر ایک قد آدم پنجرے میں اس کے ہاتھ پیر لوہے کی موٹی اور مضبوط زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیا گیا۔

مکار عورت بولی۔

”پنجرے کے اندر اوپر کونوں پر تیز نیزے اور چھریاں لگا دو۔ تاکہ اگر یہ شخص کسی شیر یا گینڈے کا بھی روپ دھار لے تو اس پنجرے سے باہر نہ آ سکے“۔

کارلو نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے مل کر پنجرے کے چاروں کونوں اور سلاخوں اور باریک ترین لوہے کی جالی کے ساتھ ساتھ بے شمار چھریاں اور نیزے اس طرح سے لگا دیئے کہ اگر ناگ ہاتھی بھی بن کر باہر نکلنے کی کوشش کرے تو اندر ہی لہولہان ہو کر مر جائے۔

انہوں نے پنجرے کو ایک خیمے میں رکھ دیا۔

پنجرے میں چھ سات روز کا پانی اور خوراک بھی ڈال دی گئی تھی۔ تا کہ ناگ بھوکا نہ رہے۔ تھوڑی دیر بعد جڑی بوٹی کا اثر ختم ہوا تو ناگ کو ہوش آ گیا۔

ہوش میں آتے ہی اس نے اپنے آپ کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑتے ہوئے ایک مضبوط ترین پنجے میں بند پایا تو بڑا حیران ہوا۔ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے

مگر سوال یہ تھا کہ ان لوگوں نے اسے کیوں قید کیا؟۔

اسے ہوش میں آتے دیکھ کر خانہ بدوش مرد اور مکار عورت اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے پوچھا۔

”آپ لوگوں نے میرے ساتھ یہ کیا سلوک کیا۔ کیا آپ اپنے مہمانوں سے یہی برتاؤ کرتے ہیں؟“۔

مکار عورت نے مسکرا کر کہا

”تم ایک خاص مہمان ہو۔ تمہارے ساتھ ہمیں مجبوراً ایسا سلوک کرنا پڑا ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”لیکن میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی آخر تم مجھ سے کس بات کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟“۔

عورت بولی۔

سنو تو جوان! میری بات غور سے سنو! مجھے اپنے علم کے ذریعے معلوم ہو گیا ہے کہ تم ایک غیر معمولی انسان ہو یعنی تم انسان نہیں بلکہ ایک سانپ ہو جو پانچ سو برس تک زندہ رہنے کی وجہ سے انسانی شکل میں آ گئے ہو۔

ناگ ایکدم اچھل پڑا۔ اس مکار بوڑھیا کو یہ کیسے معلوم ہو گیا؟

اس کا راز فاش ہو گیا تھا۔ اب وہ کچھ عذر پیش نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اس نے انکار کر دیا اور کہا۔

”تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ سانپ نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب آدمی ہوں اور ملک ہند سے ولایت کی جانب اپنی بہن اور بھائی کو تلاش کر رہا تھا۔ میرا کسی سانپ وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے“۔

مکار عورت ہنس پڑی۔

”سنو ناگ! تم سب کو بے وقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ مجھ پر تمہارا ماضی اور حال سب کھلا ہے۔ میں تمہارے سارے رازوں سے واقف ہوں“۔

ناگ نے سوچا کہ ان سے کم از کم یہ تو پوچھنا چاہیے کہ یہ اس کے ساتھ اب کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسے قید کرنے کی وجہ کیا ہے؟

’’چلو میں ایک پل کے لیے مان لیتا ہوں کہ میں ناگ ہوں۔ سوال یہ ہے کہ مجھے اس طرح قید کرنے کا مطلب کیا ہے۔ آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟‘‘۔

مکار عورت بولی۔

اب آئے تم اصلی راہ پر۔ اب میری بات غور سے سنو! تم جانتے ہو کہ ہم غریب خانہ بدوش ہیں۔ ساری زندگی ہم مارے مارے پھرتے رہتے ہیں اور لوگوں کی خیرات پر زندہ ہیں۔

ہمارے بھی دل میں یہ حسرت ہے کہ ہم بھی دولت حاصل کریں اور شاندار محل بنا کر اس میں زندگی

بسر کریں۔

تم پر ان سارے خزانوں کا راز فاش ہے جو زمین کے اندر دفن ہیں بس تم ہمیں ان خزانوں میں سے کسی ایک خزانے کے بارے میں بتا دو کہ وہاں دفن ہے۔ ہم وہ خزانہ نکالنے کے بعد تمہیں رہا کر دیں گے۔

بولو!۔

کیا تمہیں منظور ہے

ناگ نے دل میں کہا کہ یہ لوگ تو دولت کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ زمین کے اندر دفن خزانے کسی کی امانت ہوتے ہیں؟ اس نے مکار عورت سے کہا۔

”اگر فرض کر لیا جائے کہ مجھے ان خزانوں کا علم ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سارے خزانے کسی کی امانت ہوتے ہیں اور کسی ناگ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ان خزانوں میں سے کسی کو نکال کر کسی غیر مستحق کے حوالے کر دے“۔

عورت نے کہا۔

یہ بات میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن تم اگر چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔ تم وہ خزانہ جس کو چاہو اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر عطا کر سکتے ہو۔

تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ تم عظیم ناگ دیوتا ہو۔ ہاں اگر چھوٹا ناگ ہوتا تو میں مان لیتی کہ وہ یہ

کام نہیں کر سکتا۔ اب بولو کیا کہتے ہو؟۔

ناگ نے کہا۔

”میں یہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں ایک انسان ہوں۔ میں ناگ وغیرہ کچھ نہیں ہوں“۔

مکار عورت نے پنجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ناگ! اگر تم نے ہمیں زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے کا پتہ نہ دیا تو یاد رکھو۔ تم ای پنجرے میں بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔

پنجرے میں صف ایک ہفتے کی خوراک موجود ہے۔ فیصلہ کر لو۔

نقاب پوش قاتل (عنبر ناگ ماریا نمبر 58)

ہمیں خزانہ دو گے یا بھوکے پیاسے مرو گے؟۔

چلو کارلو!۔

دونوں بڑے سکون سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

عورت نے پلٹ کر کہا۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنا۔ تم اگر ہاتھی یا گینڈا بھی بن جاؤ گے تو اس پنجرے سے باہر نہ نکل سکو گے۔ چھوٹے سے چھوٹا سانپ بن کر بھی آزاد نہ ہو سکو گے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے ہماری بات مان لو یا بھوکے پیاسے مر جاؤ۔

دونوں خیمے سے باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد ناگ بڑی الجھن میں پھنس گیا۔ وہ بری طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

اس نے غور سے پنجرے کی جالیوں کو دیکھا۔

وہ اس قدر مضبوط تھیں اور سوراخ اتنے باریک تھے کہ وہ وہاں سے چیونٹی بن کر بھی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

اس نے کونے میں لگی ہوئی چھریاں اور تیز نوک والے خنجر اور نیزے بھی لگے دیکھے۔ کم بخت وہ ان کی وجہ سے وہ ہاتھی یا گینڈا یا شیر بن کر بھی وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

زنجیروں میں جکڑے اس کے ہاتھ پیر درد کر رہے تھے۔ تو کیا وہ سانپ بن کر ان زنجیروں سے نکل

جائے اور پھر ناگ کی شکل میں آ کر آرام سے پنجرے میں بیٹھ جائے؟۔

پھر تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ ناگ ہے اور شکلیں بدل سکتا ہے۔ مکار عورت یہی چاہتی تھی کہ زنجیروں کی وجہ سے وہ نڈھال ہو کر اپنی جون بدل دے اور وہ کہہ سکے کہ اب تم نے خود ہی ثابت کر دیا کہ تم ناگ ہو۔

بتاؤ خزانہ کہاں کہاں دفن ہے؟۔

لیکن زنجیروں نے اسے بے حد پریشان کر دیا تھا اس کے ہاتھ پاؤں درد کر رہے تھے۔ وہ پنجرے میں پڑا ہوا پانی تک ہاتھ بڑھا کر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

ساری رات وہ سوچتا رہا۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ زنجیروں کی لعنت سے اسے چھٹکارا حاصل کرنا ہی ہوگا۔

اس نے گہرا سانس لیا اور سانپ کی شکل میں آ گیا۔ سانپ کی شکل میں آتے ہی وہ زنجیروں سے باہر نکل آیا۔

پنجرے کی دیوار کے ساتھ آ کر اس نے انسان کی شکل اختیار کر لی اور پیٹ بھر کر پانی پیا اور پھل کھائے صبح کو مکار عورت نے آ کر ناگ کو زنجیروں سے آزاد دیکھا تو ہنس کر بولی

”اب تو تم نے خود ثابت کر دیا ہے کہ تم ناگ ہو

اور جون بدل سکتے ہو۔ اس لیے تمہیں بتا دینا چاہیے کہ خزانہ کہاں دفن ہے۔ اس میں ہی تمہاری بھلائی ہے"۔

ناگ نے کہا

"یہ میں تم لوگوں کو کبھی نہیں بتاؤں گا"۔

"تو پھر ایک روز تمہیں تمہاری لاش اس پنجرے میں سے اٹھانی پڑے گی"۔

"مجھے موت منظور ہے مگر خزانے کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا"۔

"تو پھر اسی جگہ گلتے سڑتے رہو۔ چار روز کے بعد اس پنجرے میں سے پانی اور خوراک ختم ہو جائے گی"۔

عورت چلی گئی تو ناگ نے سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

کیا وہ ہتھیار ڈال دے اور ان چور اچکوں کو بتا دے کہ زمین میں خزانہ کہاں کہاں دفن ہے۔ ایک بہت بڑا خزانہ تو ٹھیک اسی جگہ میں دفن تھا۔

جہاں خانہ بدوشوں نے خیمے لگا رکھے تھے۔ یہ خزانہ بہت بڑا تھا۔ کسی بادشاہ کا لگتا تھا۔ چار بڑے بڑے صندوق تھے۔

جو ہیرے، جواہرات، سونے کے زیورات اور موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ناگ کسی صورت بھی

اتنا قیمتی خزانہ ان چورلٹیروں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وقت گذرتا رہا اور وہ پنجرے میں بند رہا۔ رات کو وہ سانپ بن جاتا۔ کیونکہ سانپ بن کر وہ پاؤں کھول کر آرام سے سو سکتا تھا۔

جب کہ انسان کی شکل میں وہ اچھی طرح تنگ پنجرے میں آرام نہیں کر سکتا تھا۔

چھ روز گذر گئے۔ ساتواں روز بھی آ گیا۔ ادھر خانہ بدوش عورت اور اس کا بیٹا کارلو بھی پریشان تھے کہ یہ کم بخت راہ راست پر آتا ہی نہیں۔

اگر سچ مچ یہ اسی طرح بغیر کچھ بتائے مر گیا تو ان

کے ہاتھ سے دولت کا سب سے بڑا خزانہ نکل جائے گا اب انہوں نے ناگ کی منت سماجت شروع کر دی۔ لیکن ناگ اپنی جگہ سے ذرا اس سے مس نہ ہوا۔

آٹھ روز گذر گئے۔ نویں روز بھوک اور پیاس نے ناگ کو پریشان کر دیا۔ کیونکہ پنجرے میں خوراک ختم ہو چکی تھی۔

اس نے دو روز سے پانی نہیں پیا تھا۔ نہ کچھ کھایا تھا۔

اب اس نے اپنا زیادہ وقت سانپ بن کر بسر کرنا شروع کر دیا۔

کیونکہ سانپ بن کر وہ بھوکا۔ پیاسا بھی زیادہ دیر

تک زندہ رہ سکتا تھا۔

گیارہ روز گذر گئے۔

بارھویں رات کا ذکر ہے کہ ناگ نے رات کی خاموشی میں اپنے پنجرے کے قریب ہی کسی سانپ کی پھنکار کی آواز سنی۔

وہ چوکس ہو کر بیٹھ گیا اس وقت ناگ انسان کی شکل میں تھا۔

اسے خیال آیا کہ اس جنگل کے کسی سانپ کی مدد حاصل کرنی چاہیے۔

وہ جلدی سے سانپ کی شکل میں آ گیا اس نے زبان سے لمبی سسکار نکالی۔

اس آواز کو نکلنا تھا کہ درختوں کے نیچے جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور ایک کالا سیاہ سانپ اپنا پھن پھیلائے تیزی سے بھاگتا ہوا پاس آیا۔ آتے ہی اس نے پھن جھکا کر سلامی دی اور کہا۔

''اے عظیم دیوتا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کو کس دشمن نے اس پنجرے میں قید کر دیا؟''۔

ناگ نے کہا۔

میرے دشمن یہ خانہ بدوش ہیں جنہوں نے زمین کے خزانے حاصل کرنے کے لالچ میں مجھے یہاں بھوکا پیاسا بند کر رکھا ہے۔

میں نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ پنجرے کی

جالی اس قدر باریک ہے کہ میں اگر چیونٹی بھی بن جاؤں تو یہاں سے نہیں نکل سکتا۔

کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟

اژدہا اور خانہ بدوش

"آپ کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔ اگر میری جان آپ پر قربان ہو جائے تو میں اسے اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

تو پھر کوئی ایسا کام کرو کہ میں اس پنجرے سے باہر نکل آؤں۔ یہ پنجرہ بڑا مضبوط ہے اس کی جالیاں

باریک ہیں۔ میں چیونٹی بن کر بھی نہیں نکل سکتا۔ دو پر کونوں میں چھریاں خنجر اور تیزے لگے ہیں۔ میں ہاتھی یا شیر بن کر بھی باہر نہیں آ سکتا۔ پھر کیا ہو سکتا ہے کہ میں باہر نکل سکوں۔

سانپ نے کہا۔

"میں جنگل کے اژدہے کو بلاتا ہوں حضور اس کے منہ سے نکلی ہوئی آگ اس پنجرے کے ایک کونے کی جالی کو توڑ دے گی"۔

اب جو سانپ نے جا کر اسے بتایا کہ ناگ دیوتا کو خانہ بدوشوں نے ایک پنجے میں قید کر کے ڈال رکھا

ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ہاں! ہمارے ناگ دیوتا کو ان خانہ بدوشوں نے قید کر رکھا ہے؟"۔

"ان لوگوں کی یہ ہمت؟"۔

سانپ نے کہا۔

پنجرے کی جالی بہت باریک ہے اور بڑی مضبوط ہے۔ پنجرے میں انہوں نے جگہ جگہ خنجر، چھریاں اور تیر لگا رکھے ہیں۔

ہمارا ناگ دیوتا شیر بن کر بھی نکلنے کی کوشش کرے تو زخمی ہو جائے گا۔ ناگ دیوتا نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنے سانس سے نکلنے والی آگ سے پنجرے کی جالی

ایک جگہ سے پگھلا دوتا کہ وہ آزاد ہو سکے؟۔

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ میں اپنے عظیم ناگ دیوتا کی کوئی خدمت کر سکوں۔ چلو! مجھے پنجرے کے پاس لے چلو"

سانپ اژدہا کو لے کر اس جگہ آ گیا جہاں ناگ پنجرے میں قید تھا۔

اپنے دیوتا کے سامنے جاتے ہیں اژدہا نے جھک کر اپنا سر سجدے میں گرا دیا اور کہا۔

"میرے آقا! مجھے حکم دیں کہ میں ان خانہ بدوشوں کے خیموں میں آگ لگا دوں اور ان سب کو

اپنی انتقام کی آگ میں جلا کر خاک کر ڈالوں"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بعد میں سوچیں گے۔ سب سے پہلے تم اس پنجرے کی جالی کسی کونے سے گرم کر کے پگھلا دوتا کہ میں باہر آسکوں"۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر"۔

اژدہا نے اپنا منہ پنجرے کے ایک کونے کی جانب کیا اور زور سے سانس مارا۔ اس کے منہ سے ایسی آگ نکلنے لگی جیسے کہ ویلڈنگ کی مشین سے نکلا کرتی ہے۔

یہ آگ اس قدر خوفناک تھی کہ دیکھتے دیکھتے

جالی پگھل کر پانی کی طرح بہہ گئی۔ اور وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بن گیا۔ تا کہ ناگ باہر نکل آئے۔

باہر نکلتے ہی ناگ نے اژدہا کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ باقی رات میں تمہارے غار میں بسر کروں گا۔ صبح ان کی خبر لیں گے۔

ناگ نے وہ رات اژدہا کے پاس غار میں بسر کی۔ سانپ بھی اسی غار میں ناگ کے قدموں پر بیٹھا رہا۔

صبح ہوئی تو ٹوٹے ہوئے پنجرے کی جالی پر سب سے پہلے مکار خانہ بدوش عورت کے بیٹے کارلو کی نظر پڑی۔ اس نے بھاگ کر اپنی ماں کو بتایا۔ مکار بڑھیا نے آ کر دیکھا کہ شکار غائب ہے تو سر پیٹ کر رہ گئی۔

"دشمن بھاگ گیا۔ شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ دولت ہمارے ہاتھوں میں آتے آتے نکل گئی"۔

کارلو نے کہا۔

"مگر یہ بدبخت نکل کیسے گیا؟"۔

مکار عورت نے کہا۔

"یہ ضرور کسی ایسے اژدہا کی کارستانی ہے جسے ناگ نے حکم دے کر جنگل سے بلا لیا ہوگا اور اسے حکم دیا ہوگا کہ اپنے منہ سے نکلنے والی آگ سے جالی پگھلا دے"۔

"یہ تو بہت برا ہوا"۔

عورت پریشان ہو کر بولی۔

"برا ابھی کہاں ہوا ہے؟ برا تو ابھی ہوگا۔ ناگ اور اس کے ساتھ سانپ ہم سے بدلہ لینے آ رہے ہوں گے۔ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے اس جگہ سے بھاگ جانا چاہیے"۔

خانہ بدوش کارلو گھبرا گیا۔

"ہاں ہاں! ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہوگا ابھی اسی وقت"۔

اس نے حکم دے دیا کہ سامان خیمے گاڑیوں پر لاد دو اور یہاں سے بھاگ چلو۔

خانہ بدوشوں نے دیکھتے دیکھتے خیمے اکھاڑ کر گاڑیوں پر لادے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

ادھر صبح ہوئی ناگ سانپ کے ساتھ باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ سارے خانہ بدوش خیمے اکھاڑ کر رفو چکر ہو گئے ہیں۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

"تم میرے ساتھ آؤ"۔

"اژدہا نے کہا"۔

"تم غار میں واپس چلے جاؤ۔ اب تمہارا کام ختم ہوتا ہے باقی میں اور سانپ خود سنبھال لیں گے"۔

"عظیم دیوتا! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ

کے ادنی حکم پر مر مٹنا ہم سانپ اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔

لیکن میری ایک خواہش ہے کہ جن لوگوں نے ہمارے عظیم ناگ کو دس روز پنجرے میں بھوکا پیاسا بند رکھا۔

ہم ان سے انتقام لیں گے مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان سے اپنے دیوتا کا بدلہ لوں۔ آپ اسی غار میں ٹھہریں۔

میں خود ان سے جا کر نپٹتا ہوں۔

سانپ نے بھی اژدہا کے اس خیال کی تائید کی ناگ کو ان کی بات ماننا پڑی چنانچہ ناگ غار میں رک

گیا۔ اژدہا نے سانپ سے کہا۔

کالے سانپ! فوراً خانہ بدوشوں کا تعاقب کرو اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ انہیں روک کر ان کی مکار عورت اور کارلو کو پکڑ کر یہاں حاضر کرو۔

یہ لو نقش سلیمانی اسے اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ یہ تمہاری مدد کرے گا۔

کالے سانپ نے نقش سلیمانی اپنے منہ میں رکھا اور خانہ بدوشوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔

ابھی خانہ بدوش زیادہ دور تک نہیں گئے تھے کہ کالے سانپ نے انہیں جا لیا۔

نقش سلیمانی سانپ نے منہ سے نکال کر زمین پر

پھینک دیا۔ اب اس لعل کو منہ میں لے کر وہ خانہ بدوشوں کے راستے میں جا کر بیٹھ گیا۔

خانہ بدوش وہاں سے گذرنے لگے تو مکار عورت کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے جو ایک سانپ کے منہ میں اس قدر قیمتی سرخ پتھر یعنی لعل دیکھا تو جلدی سے گاڑی روک کر بولی۔

کارلو! خدا نے ہماری سن لی۔ اس سانپ نے لعل کو پکڑ رکھا ہے۔ یہ ضرور کسی خفیہ خزانے پر بیٹھا ہوا ہے۔ چلو اس کا پیچھا کرتے ہیں۔

کارلو نے لعل دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے خانہ بدوشوں کو حکم دیا کہ ایک جنگل میں

چھپ کر بیٹھ جائیں اور ان کی واپسی کا انتظار کریں۔

وہ سانپ کی طرف بڑھے اب کالے سانپ نے جنگل میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

مکار عورت اور کارلو نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ کالا سانپ بڑا ہوشیار نکلا۔

وہ انہیں جنگل کے مختلف حصوں سے گھوما پھرا کر دوسرے راستے سے اس غار کے آگے لے آیا۔

جس میں اژدہا اور ناگ بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے سانپ غار میں داخل ہو گیا اندر جا کر اس نے نقش سلیمانی پھینک دیا اور کہا

”میرے آقا! آپ کے دشمن غار کے باہر

کھڑے ہیں"۔

اژدہا نے کہا۔

"وہ خود بخود لعل کی تلاش میں غار کے اندر آ گئیں گے"۔

اژدہا غار میں چھپ گیا۔ کالا سانپ بھی ایک بل میں گھس گیا

اب وہاں صرف ناگ باقی رہ گیا تھا۔ اس نے ایک کوے کا روپ بدلا اور غار میں سے نکل کر باہر ایک درخت پر بیٹھ کر مکار بوڑھیا اور کارلو کو دیکھنے لگا۔ دونوں خانہ بدوش کچھ دیر غار کے باہر کھڑے رہے۔ پھر غار میں داخل ہو گئے۔

دولت کے لالچ میں انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ جونہی وہ غار میں داخل ہوئے۔ ناگ نے ایک بہت بڑے ہاتھی کا روپ بدلا اور اپنی سونڈ سے ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر غار کے منہ پر اس طرح رکھا کہ اندر سے کوئی انسان باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ خود سانپ بن کر رینگتا ہوا اندر چلا گیا۔

غار میں داخل ہونے کے بعد جو مکار عورت اور کالو نے دیکھا کہ غار کا منہ بڑے پتھر سے بند کر دیا گیا۔

تو وہ گھبرا کر پیچھے مڑے۔ مگر اب باہر جانے کا

کوئی راستہ نہیں تھا۔ غار کے آگے پہاڑ کا پہاڑ گرا ہوا تھا۔

مکار عورت نے کہا۔

"کارلو! ہمیں کسی سازش میں پھنسا دیا گیا ہے۔ اب ہمارا یہاں سے نکلنا ناممکن ہے"۔

کارلو نے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اس پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے"۔

اس نے غصے میں آ کر چٹان کے پتھر کو لات ماری۔ مگر اس پر سے ایک معمولی سی کرچی بھی ٹوٹ کر نہ گری۔

اتنے میں ناگ انسانی شکل میں ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کالا سانپ تھا۔ اور دوسری طرف اژدہا اپنا بھیانک منہ کھولے کھڑا تھا۔

اس نے رعب دار آواز میں کہا۔

مکار عورت! تو نے جو میرے ساتھ سلوک کیا میں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو یہاں بلایا ہے۔

اب تو اس غار میں بند رہے گی تجھے ایک ہفتے کے لیے یہاں پانی اور پھل ملے گا۔ اس کے بعد تم دونوں تین دن بھوکے پیاسے رہو گے اور پھر تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔

مکار عورت نے گڑگڑا کر کہا۔

"ناگ! ہم پر رحم کرو۔ ہم سے بھول ہوگئی۔ اب ہم کبھی ایسی بات نہیں کریں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ میرا ہی نہیں میرے ساتھیوں کا فیصلہ بھی ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر میرے ساتھی اجازت دیں تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ مگر میرے ساتھی کبھی اس کی اجازت نہیں دیں گے۔"

کیونکہ تم نے ان کے مقدس دیوتا کو تکلیف پہنچائی ہے اور اس کے بے عزتی کی ہے۔

مکار بوڑھیا نے اژدہا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اژدہا! تم ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے بھول ہو گئی"۔

اژدہا اپنی زبان میں سے آگ کے شعلے نکال کر گویا کہا۔

"میں تمہیں ہلاک کر دینا چاہتا ہوں۔ خبردار۔ جو ایک لفظ بھی زبان سے نکالا"۔

کالا سانپ اچھل کر کارلو کے کندھے پر جا بیٹھا اور اپنا پھن اس کے چہرے کے آگے کر کے اپنی زبان بار بار نکالنے لگے۔

کارلو کو پسینہ آ گیا۔ موت آنکھوں کے سامنے آ

کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے گھگیا کر کہا۔

"منظور ہے۔ ہمیں یہ سزا منظور ہے۔ ہم آٹھ روز تک اس غار میں بند رہیں گے"۔

ناگ نے کہا

"وہ تو تم رہو گے ہی۔ کیونکہ یہاں سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہاں میں جنگل کے ایک ہاتھی کو حکم دے جاؤں گا کہ وہ دس روز کے بعد اس کے منہ پر سے پتھر کو ہٹا دے اب میں جاتا ہوں۔ خدا حافظ!"۔

اتنا کہہ کر ناگ سانپ کی شکل بدلی اور رینگتا ہوا غار سے باہر نکل گیا۔ باہر آ کر اس نے دوبارہ ہاتھی کی شکل اختیار کر لی اور جنگل کی طرف چنگھاڑا۔

اس کی چنگھاڑ سن کر جنگل سے ایک منہ زور ہتھنی بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے سامنے آن کھڑی ہو گئی اور محبت سے سونڈ ہلانے لگی۔

ہاتھی نے کہا

اے ہتھنی! میں ایک ضروری کام سے دوسرے جنگل میں جا رہا ہوں۔ میرا ایک دشمن اس غار میں ہے۔

تم میرا ایک کام کرنا۔ آج سے ٹھیک دس روز بعد اس غار کے منہ پر جو پتھر پڑا ہوا ہے اسے اپنی سونڈ سے پرے ہٹا دینا

ہتھنی نے سونڈ اٹھا کر کہا۔

ہاتھی! تم جیسا کہتے ہو میں ویسے ہی کروں گی۔ کیا تم دس روز بعد واپس آ جاؤ گے"۔

ہتھنی بڑی خوش ہوئی اور وعدہ کرنے کے بعد واپس جنگل میں چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی ناگ نے ہاتھی کا روپ تبدیل کیا اور پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ وہ وہاں سے سیدھا بندرگاہ پر آیا کہ معلوم کرے ان کا جہاز چلا گیا ہے یا نہیں وہاں آ کر پتہ چلا کہ جہاز کو رخصت ہوئے چار روز گذر گئے ہیں۔

ناگ کو بڑا افسوس ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ پتا چلا کہ اگلا جہاز ایک ہفتے بعد سفر پر روانہ ہو گا۔ ناگ یہ سن کر شہر کی سرائے کی تلاش میں چل پڑا کہ کسی جگہ آرام کیا جائے اور چھ روز گذارے جائیں۔

ایک سرائے میں اسے کوٹھڑی مل گئی ناگ کے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ اور اس کے پاس پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔

اسے کپڑوں اور پیسوں کی ضرورت تھی سرائے کے کمرے میں بیٹھ کر اس نے آنکھیں بند کیں اور دیکھا کہ زمین میں کہاں کہاں کوئی خزانہ دفن ہے۔

وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ساری زمین خالی پڑی تھی۔ اب اسے اس جگہ کا خیال آیا جہاں خانہ

بدوشوں نے ڈیرا لگا رکھا تھا۔

وہ جلدی سے وہاں پر آ گیا رات کا وقت تھا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور ایک جگہ سوراخ میں سے زمین کے اندر گھس گیا۔

خزانہ اسی جگہ زمین کے اندر موجود تھا۔

یہ ایک بہت بڑا بادشاہ کا خزانہ تھا جس نے مرنے سے پہلے اسے وہاں دفن کر دیا تھا۔

اس خزانے پر ایک سفید سانپ پہرہ دیتا تھا۔

جونہی ناگ سانپ کی شکل میں خزانے کے صندوقوں کے پاس پہنچا سفید سانپ نے چونک کر اسے دیکھا

اور اس پر خوف طاری ہو گیا۔

جلدی سے خزانے کے صندوق پر سے اترا اور زمین پر گردن رکھ دی اور کہا۔

"عظیم دیوتا! مقدس ناگ! آپ نے میرے غریب جانے پر تشریف لانے کی زحمت کیسے گوارا کی۔ مجھے حکم دیتے میں خود حاضر ہو جاتا"۔

ناگ نے کہا

ضرورت ہی ایسی اچانک پڑ گئی کہ ہمیں خود آنا پڑا۔

ہمیں خزانے میں سے کچھ دولت کی ضرورت ہے۔

سفید سانپ نے کہا۔

"یہ سارا خزانہ آپ کا ہے عظیم دیوتا! آپ حکم کریں تو میں سارے کا سارا خزانہ آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں"۔

ناگ نے کہا۔

نہیں۔ ہمیں سارے خزانے کی ضرورت نہیں۔ اس میں سے ہمیں سونے کے چند ٹکڑے چاہئیں۔ یہ ٹکڑے لے کر زمین سے باہر آ جاؤ۔ ہم تمہارا باہر انتظار کر رہے ہوں گے۔

سفید سانپ نے تعظیم بجا کر کہا۔

"جو حکم میرے دیوتا!"۔

ناگ رینگتا ہوا باہر زمین پر آ گیا۔ باہر آتے ہی اس نے جون بدل لی اور پھر سے انسان بن گیا۔ یہ ایک کچی سڑک تھی جس کی دونوں جانب درختوں کے جھنڈ تھے۔

ناگ ایک درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا یہاں اندھیرا تھا۔ تھوڑی دیر میں چاند نکل آیا جس کی ہلکی ہلکی روشنی میں کچی سڑک صاف نظر آنے لگی۔

اتنے میں سفید سانپ زمین سے باہر آیا۔ اس نے سونے کی چھ سات ڈلیاں ناگ کے قدموں میں ڈال دیں۔

"آپ حکم کریں تو میں یاقوت اور جواہرات بھی

کر خدمت میں پیش کروں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ سونے کی یہ ڈلیاں کافی رہیں گی۔ ان کے عوض میں پونڈ وغیرہ خرید لوں گا۔ اب سفید سانپ نے گردن جھکا کر کہا۔"

"میری خوش نصیبی ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں"۔

یہ کہہ کر سفید سانپ واپس زمین کے اندر چلا گیا۔

ناگ نے سونے کی ڈلیاں اٹھا کر جیب میں رکھیں اور واپس سرائے کی طرف چل پڑا ابھی وہ کچی سڑک سے ذرا دور درختوں سے گذر رہا تھا کہ اچانک اسے تین

گھوڑ سواروں نے گھیر لیا اور تلواریں، بندوقیں نکال کر بولے۔

"کون ہو تم؟ کہاں جا رہے ہو؟"۔

یہ اس علاقے کا خطرناک ڈاکو مارکو تھا اور تین اس کے ساتھی تھے۔ ناگ نے کہا۔

"میں مسافر ہوں۔ ڈچی سرائے میں واپس جا رہا ہوں"۔

مارکو بولا۔

"تم ادھر کیا کرنے آئے تھے؟"۔

اس کا جواب تسلی بخش طور پر ناگ نہ دے سکا۔

مارکو ڈاکو نے کہا۔

نقاب پوش قاتل (عمرو ناگ سیریز نمبر 58)

"اس کی تلاشی لو"۔

یہ بات خطرناک تھی۔ کیونکہ ناگ کے پاس تو سونے کی چھ ڈلیاں تھی۔

ابھی ناگ اپنی جون بدلنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے بندوقیں اس کے سینے پر لگا دیں اور مارکو نے اس کی تلاشی شروع کر دی۔

تلاشی لیتے ہی ناگ کی جیب سے سونے کی چھ ڈلیاں برآمد ہوئیں۔ سونے کی چھ ڈلیاں دیکھ کر ڈاکو مارکو کا چہرہ کھل اٹھا۔

"سونا۔۔۔ سونے کی ڈلیاں۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔ خوب شکار ہاتھ لگا۔ ہمیں اس وقت ان کی سخت ضرورت تھی"۔

انہوں نے ناگ کی پیٹھ پر لات مار کر کہا۔

"چلو بھاگ چلو واپس جنگل میں چلو"۔

اور گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے فرار ہو گئے۔ ناگ ان کے گھوڑوں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ سونے کی ڈلیاں بھی گئیں اور مار بھی کھائی۔

اس کا ناگ کو بڑا سخت صدمہ تھا کہ مارکو نے اسے لات کیوں ماری۔ کسی نے آج تک ناگ کی یوں بے عزتی نہیں کی تھی۔

اسے بڑا سخت غصہ آیا اس نے مارکو ڈاکو سے بدلہ لینے کی قسم کھائی اور ایک سیکنڈ کے اندر اندر عقاب کا

روپ بدل کر اڑنا شروع کر دیا۔

اڑتے اڑتے وہ تینوں بھاگتے ہوئے ڈاکوؤں کے سروں کے اوپر آ گیا۔

اندھیری رات میں ڈاکو بھی بھاگے جا رہے تھے اور ان کے سروں پر عقاب بھی یعنی ناگ بھی اڑتا ہوا چلا جا رہا تھا

کافی دور بھاگنے کے بعد ڈاکو خشک بنجر پہاڑیوں کے قریب آ گئے۔

یہاں وہ ایک پہاڑی کی تریٹ میں گھوم گئے ناگ بھی عقاب کی شکل میں اڑتا اڑتا ادھر کو مڑ گیا۔ ڈاکو مارکو نے محسوس کیا کہ اندھیرے میں کوئی بڑا تیز رفتار پرندہ شوں کر کے کبھی کبھی ان کے اوپر سے گذر جاتا ہے۔

لیکن اس نے کوئی خیال نہ کیا سوچا کہ کوئی عقاب وغیرہ ہوگا ڈاکو ایک چٹان کے پہلو میں سے ہو کر کھوہ میں داخل ہو گئے

یہ ڈاکوؤں کی قدرتی کمین گاہ تھی جو پتھروں ، چٹانوں اور غار میں بنی ہوئی تھی۔

عقاب باہر چٹان کے اوپر بیٹھ گیا۔ رات ختم ہو گئی۔ دن نکل آیا۔ اب ناگ نے سوچا کہ ان لوگوں سے اپنا سونا واپس لینا چاہیے۔

مگر کیسے؟

وہ مارکو سے بدلہ لینا چاہتا تھا اپنی بے عزتی کا۔ وہ سانپ کا روپ بدل کر رینگتا ہوا چٹان پر سے اترا اور پتھروں میں سے رینگتا غار میں گھس گیا۔

یہ غار کافی چوڑی تھی اور اس کی چھت جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ جہاں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس نے دیکھا کہ بائیں جانب ڈاکوؤں کے تینوں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں اور ذرا پرے تین ڈاکو سو رہے ہیں۔

صرف ایک ڈاکو تلوار اٹھائے پہرہ دے رہا ہے۔

ناگ رینگتا ہوا گھوڑوں کے قریب سے گزرا تو

ایک گھوڑا ہنہنانے لگا۔ اس پر پہرے دار ڈاکو نے چونک کر دیکھا اور تلوار لے کر بھاگتا ہوا گھوڑے کے پاس آیا۔

مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ دائیں بائیں دیکھا اور واپس پلٹا۔ راستے میں پتھروں کے پاس ناگ سانپ کی شکل میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

جونہی وہ قریب سے گزرا سانپ نے اچھل کر اس کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ ناگ کے زہر میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ دشمن کا گلا پکڑ لیتا تھا اور وہ ذرا سا بھی نہیں بول سکتا تھا۔

یہی حال ڈاکو کا ہوا۔ سانپ کے زہر کے اندر

داخل ہوتے ہی اس کا گلا ایک دم سے خشک ہو گیا۔

اس نے سانپ کو بھاگتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ ماری مگر کوئی آواز نہ نکلی

وہ تلوار لے کر سانپ کے پیچھے دوڑنے کی کوشش بھی نہ کر سکا۔ بس اس کے ایک ہی منٹ کے بعد ڈاکو زمین پر اوندھا گرا تھا اور مر چکا تھا۔

اس کے زمین پر گرنے کی آواز سن کر ایک ڈاکو کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بھاگ کر اس کی طرف آیا۔ ناگ نے اسے بھی ڈس کر ہلاک کر دیا۔

وہ گرا تو اس کے گرنے کی آواز سن کر تیسرا ڈاکو اٹھ کر آیا۔ ناگ نے اسے بھی گرا دیا اب باقی ایک ڈاکو اور ایک ڈاکو رہ گئے۔

وہ ابھی تک سو رہے تھے۔ سانپ رینگتا ہوا ڈاکوؤں کے پاس پہنچا اس نے بڑے آرام سے ایک انسان کا روپ بدلا اور مارکو کو جگا کر کہا۔

"اٹھ بدنصیب انسان!"

مارکو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی آدمی جس کو اس نے مار کر سونے کی ڈلیاں لوٹ لیں تھیں دونوں ہاتھوں میں دو بندوقیں تانے اس کے سامنے بیٹھا ہے اور اس کے سارے ساتھی زمین پر مرے پڑے ہیں۔

ڈاکو مارکو گھبرا گیا۔

"تم۔۔۔؟"

"ہاں میں۔۔۔"

ناگ نے کہا۔

میرا سونا کہاں ہے؟۔

کیا اب بھی تم مجھے میری امانت واپس نہ کرو گے جبکہ تمہارے سارے ساتھی ہلاک کر دیے گئے ہیں؟۔

"میں تمہارا سونا تمہیں واپس کیسے دیتا ہوں۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ سونا واپس کرو اور یہاں سے بھاگ جاؤ"

مارکو نے جیب سے سوچنے کی ڈلیاں نکال کر ناگ کے حوالے کر دیں۔ ناگ نے ڈلیاں قمیض کے اندر رکھیں اور مارکو کو ٹھوکر مار کر بولا۔

"اٹھ کر یہاں سے سیدھے مغرب کی طرف بھاگ جاؤ۔ جلدی کرو"۔

مارکو اٹھا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے ہی لگا تھا کہ ناگ نے پیچھے سے بندوق چلا دی وہ گرا اور تڑپنے لگا۔

"میں نے تمہیں اس لیے ختم کر دیا ہے کہ تم کسی دوسرے غریب آدمی پر ہاتھ نہ اٹھا سکو"۔

اس کام سے فارغ ہو کر ناگ سیدھا اپنی سرائے میں واپس آ گیا۔

دوسرے روز وہ شہر کے صراف بازار میں سونے کی ڈلیاں فروخت کرنے چلا گیا۔ اس بازار میں سونے کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

ایک دکان پر اس نے ایک یہودی کو سونے کے عوض پونڈ دیتے دیکھا تو رک گیا۔ یہودی بدتمیز تھا اس نے ناگ کو دیکھا تو دھتکار کر کہا۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو؟ چلو چلتے پھرتے نظر آؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"میں کچھ سونا فروخت کرنا چاہتا ہوں"۔

یہودی نفرت سے بولا۔

"شکل سے تو مجھے کوئی اٹھائی گیرے نظر آتے ہو تمہارے پاس سونا کہاں سے آ گیا"

اور پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ناگ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یہودی نے اپنے ہٹے کٹے حبشی نوکر سے کہا۔

"ذرا اسے اٹھا کر دوسری طرف کو پھینکو"۔

حبشی پورا دیو کا دیو تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ناگ کو اٹھایا اور سامنے گھاس کے ڈھیر پر گرا دیا نہیں تو اور اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

ناگ کو یہودی اور اس کمینے حبشی پر سخت طیش آیا۔ اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو ذرا اس گستاخی کا مزا

چکھانا چاہیے۔

اس نے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑے اور یہودی سے کہا

”اگر میں تمہیں سونا دکھا دوں تو کیا تمہیں اعتبار آ جائے گا؟“۔

یہودی ہنسا۔

”ارے جا تو تو مجھے شکل سے کوئی چور اچکا نظر آتا ہے۔ بھاگتا ہے یا حبشی سے کہہ کر تمہاری ہڈی پسلی ایک کرادوں؟“۔

ناگ نے جیب سے سونے کی ڈلیاں نکال کر یہودی کے آگے رکھ دیں۔

یہ سونا بے حد خالص سونا تھا اور بہت قیمتی تھا۔

یہودی پہلی نظر ہی سے پہچان گیا کہ مال اصلی اور بہت قیمتی ہے۔

اس نے سونے کی ڈلیاں قابو میں کر لیں اور ناگ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے باندھ لیا اور کہا۔

ڈاکو کے بچے! سچ بتا اتنا قیمتی سونا تو نے کہاں سے چوری کیا ہے۔

جلدی بتا نہیں تو ابھی تمہیں کوتوال کے حوالے کرتا ہوں۔

ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ بد بخت شخص خواہ مخواہ اپنی موت کو آوازیں دے رہا ہے

اس نے کہا۔

”بھائی یہ میرا اپنا سونا ہے میں نے کہیں سے چوری نہیں کیا“۔

یہودی نے ناگ کے سر پر ایک دھپڑ مار کر کہا۔

”ارے اٹھائی گیرے۔ تیرے پاس سونا کہاں سے آ گیا تیرے تو پھٹے ہوئے کپڑے اور پھٹا ہوا جوتا ہے“۔

یہودی نے حبشی سے کہا۔

”اسے پکڑ کر دکان کے اندر بند کر دو۔ ابھی کوتوال کو بلا کر اسے قانون کے حوالے کرتا ہوں“۔

حبشی نے باگ کی مشکیں کس دیں اور اندر ڈال

کر دروازہ بند کر دیا۔

یہ سب کچھ چند ہی منٹوں میں ہو گیا ناگ کا سونا بھی گیا اور وہ قید میں بھی ڈال دیا گیا۔ اب وہ بالکل پریشان نہیں تھا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس بد دیانت یہودی دکاندار کی موت اسی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔ مگر وہ انتظار کرتا رہا کہ شاید یہ شخص اب بھی سیدھی راہ پر آ جائے اور اسے اس کا سونا واپس کر دے۔

ناگ نے آج تک سوائے چوروں، ڈاکوؤں اور ظالموں اور قاتلوں کے اور کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ مگر ایسے لگتا تھا کہ یہودی کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

وہ ضرور ظالم یا قاتل تھا۔

ناگ خاموشی سے دکان کے پیچھے کمرے میں بیٹھا رہا۔ وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ جب بازار بند ہو گیا تو یہودی اپنے حبشی ملازم کے ساتھ اندر آ گیا۔

"اب بتا تو نے یہ خالص سونا کہاں سے چرایا ہے؟ کیا وہاں اس طرح کا اور بھی سونا ہے؟ اگر ہے تو ہمیں وہاں لے چل یا خود وہاں سے سارا سونا چوری کر کے میرے پاس لے آ"۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہودی لالچی اور بددیانت ہے اور اس سے چوری ڈاکے کا کام کروانا چاہتا ہے اس نے کہا۔

"احمق اور لالچی یہودی! میری رسیاں کھول دے اور سونا واپس کر دے یا اس کے عوض مجھے نقدی دے دے تاکہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور تیری بھی جان بچے"۔

یہودی نے حبشی کو اشارہ کیا۔

"زمرد! ذرا اس کے ہوش ٹھکانے کرو۔ یہ اس طرح سے نہیں مانے گا"۔

"حبشی نے آگے بڑھ کر ناگ کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار ناگ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا"

"رک جاؤ بدنصیب انسان! میں تجھے خبردار کرتا

ہوں پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی۔ لور تو بھی سن لے اے یہودی۔ تو یہاں سے زندہ واپس نہ جا سکے گا"۔

یہودی قہقہے لگاتے لگا۔ بھلا انہیں ناگ کی دھمکیوں کا کیوں کر یقین آ سکتا تھا۔ وہ تو اسے ایک مفلس بھکاری سمجھ رہے تھے۔

جس نے کسی کے ہاں سے سونا چوری کر لیا تھا۔

یہودی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"زمردا ذرا زوردار ہاتھ دکھاؤ اسے"۔

اور زمرد نے لاتوں سے بھی ناگ کو مارنا شروع کر دیا۔

اب ناگ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اس نے ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے یہودی اور حبشی دیوار سے لگے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

کیونکہ ان کے سامنے مفلس بھکاری کی جگہ ایک خوں خوار دانتوں اور بھیانک چہرے والا شیر منہ کھولے کھڑا انہیں اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

خطرناک گھڑی

یہودی اور حبشی کی زبانیں بند ہوگئی تھیں۔

ان کے رنگ زرد تھے۔ جسم پسینے میں شرابور اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان میں اتنی بھی طاقت نہیں تھی کہ وہ زور سے چیخ ہی مار سکیں۔

شیر بڑے آرام سے اپنا زبردست سر ہلاتا ہوا یہودی اور حبشی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر تیز ناخنوں والا پنجہ حبشی کی گردن میں پیوست کر دیا۔

حبشی کی چیخ نکل گئی۔ یہودی باہر کو بھاگنے لگا تو شیر نے دوسرا پنجہ مار کر اسے بھی گرا دیا۔

ناگ نے اب سانپ کا روپ بدل لیا۔ حبشی اور یہودی نے کپکپاتی آنکھوں سے دیکھا کہ جہاں پہلے شیر کھڑا تھا اب ایک بہت بڑا سانپ پھن پھیلائے ان کے سامنے پھنکاریں مار رہا ہے۔

حبشی نے باہر کو کھسکنے کی کوشش کی ہی تھی کہ سانپ نے لپک کر اسے ڈس دیا۔ حبشی زمین پر گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم نیلا پڑ گیا۔

اس کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا اور وہ مر گیا۔ یہودی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"معاف کر دو معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میرا قصور معاف کر دو۔ میں ساری زندگی تمہارا غلام رہوں گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کرو۔ ترس کھاؤ"۔

ناگ کو جانے کیوں بچوں کا سن کر رحم آ گیا۔ اس نے سانپ کی شکل چھوڑ دی اور پھر سے انسانی شکل میں آ گیا۔ یہودی سجدے میں گر پڑا۔

"تم دیوتا ہو۔ مجھے معاف کر دو"

ناگ نے کہا۔

"اس حبشی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اسے اس کے ظلم کی سزا مل چکی ہے۔ اب تم باہر دکان پر چلو اور مجھ سے بات کرو"۔

دکان پر آ کر یہودی ادب سے بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

"حضور! آپ اپنا سونا بھی رکھیں اور جس قدر رقم چاہیے مجھ سے لے لیں"۔

ناگ نے کہا۔

نہیں ایسا نہیں ہو گا میں کوئی فقیر نہیں ہوں اور پھر میں تمہارا احسان نہیں لینا چاہتا۔ میں اپنے سونے کا معاوضہ چاہتا ہوں۔

میرے سونے کے عوض جس قدر نقدی حساب

نقاب پوش قاتل (عمرو ناگ داستان نمبر 58)

کے ساتھ بنتی ہے۔ وہ مجھے دے دو۔

یہودی نے کہا۔

"جتنا سونا آپ نے مجھے دیا ہے۔ اس کے حساب سے آپ کے دس ہزار پونڈ بنتے ہیں"۔

دس ہزار پونڈ یعنی تین لاکھ روپے آج سے سو برس پہلے بہت بڑی رقم تھی۔

اتنی رقم کی ناگ کو ضرورت بھی نہیں تھی۔ مگر وہ یہودی کے پاس بھی اپنی دولت نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے ڈھائی لاکھ روپیہ یعنی دس ہزار پاؤنڈ تھیلی میں ڈال کر دے دو"۔

یہودی نے سارے رقم تھیلی میں ڈال کر ناگ کے حوالے کر دی۔ ناگ سے اتنی رقم اٹھائی نہیں جا رہی تھی۔

اس نے ایک مزدور کے سر پر تھیلی رکھوائی اور سرائے میں آ گیا۔ دوسرے روز اس نے سرائے کی کوٹھڑی کو تالا لگایا اور شہر سے باہر غریب بستی میں آ کر گھومنے پھرنے لگا۔

سارا دن وہ غریب لوگوں کے گھروں کے باہر گھومتا رہا۔ رات کو اس نے تھیلی اپنے سر پر رکھی اور غریب لوگوں کے گھروں کے دروازوں میں سے اندر پونڈ پھینکنے شروع کر دیے۔

اس نے صرف ایک ہزار پاؤنڈ اپنے پاس رکھے اور باقی نو ہزار پاؤنڈ غریبوں کے گھروں میں تقسیم کر دیئے۔

ظاہر ہے جب صبح اٹھ کر غریبوں نے اپنے مکانوں میں دولت دیکھی ہو گی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا ہو گا۔

ایک ہزار پونڈ سے ناگ نے اپنے لیے بہترین انگریزی کپڑے، ہیٹ، چھتری، سوٹ کیس اور لمبا کوٹ وغیرہ خریدا ایک ہلکا سوٹ اسی وقت پہن لیا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔

ٹکٹ وہ پہلے ہی خرید چکا تھا۔ یہ ٹکٹ اس نے جہاز کے فسٹ کلاس کی خریدی تھی۔ جہاز اسی روز شام کے وقت جبرالٹر کی بندرگاہ سے ولایت کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر ماریا بھی ولایت جانے والے جہاز پر سوار تھی اور اس کا جہاز ولایت کی بندرگاہ پر پہنچنے ہی والا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہ لوگ بندرگاہ ولایت پر اتریں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ذرا عنبر کی بھی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں عنبر ماہی گیروں کی بستی میں آرام کر رہا تھا جب وہاں رہتے رہتے وہ تھک گیا

اور ماریا ناگ کی یاد اسے ستانے لگی تو ایک روز اس نے ماہی گیروں کو الوداع کہا اور کشتی میں سوار ہو کر کلکتہ شہر کی طرف چل پڑا۔

گھاٹ پر اتر کر عنبر سیدھا ایک قریبی سرائے میں گیا۔ یہاں باہر سے آئے ہوئے کئی مسافر ٹھہرے ہوئے تھے۔

عنبر کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اشرفیاں کب کی ختم ہو چکی تھیں۔

روپے پیسے کے بغیر وہ اس شہر میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس لئے سوچا کہ روپیہ کہاں سے پیدا کرے وہ محنت مزدوری کر کے ہی کچھ پیسے کمانا چاہتا تھا وہ سیدھا بندرگاہ پر آ گیا۔

یہاں ایک جہاز پر سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ عنبر ایک آدمی سے ملا جس نے اسے جہاز سے سامان اتارنے کے کام پر لگا دیا۔

عنبر کے لیے سامان اتارنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ خواہ وہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نے ایک بڑی سی گانٹھ اٹھا کر سر پر رکھی۔ اور بڑے اطمینان سے لے کر نیچے ہو گیا۔

دوسرے مزدور اسے حیرانی سے تکنے لگے اتفاق سے جہاز کا کپتان بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ عنبر کے پاس آ کر بولا۔

"تم انسان ہو یا کوئی جن ؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں انسان ہوں۔ ابھی جن نہیں بنا"

"پھر تم نے اتنا زیادہ وزن اکیلے کیسے اٹھا لیا جبکہ مزدور مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے ؟"۔

عنبر نے کہا

"میں اس سے بھی زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہوں۔ آزما کر دیکھ لیں"

کپتان نے کہا

"پھر ضرور تمہارے پاس کوئی خفیہ طاقت ہے۔ چلو میرے ساتھ آؤ اور لنگر کی مشین کو ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دو"۔

عنبر کپتان کے ساتھ جہاز کے عرشے پر اس جگہ آ گیا۔ جہاں لنگر کی بھاری بھرکم مشین پڑی تھی۔ یہ بہت بڑی مشین تھی اور ناممکن بات تھی کہ دس آدمی مل کر بھی اسے اپنی جگہ سے ہلا سکتے۔

عنبر نے ایک لمحے کے لیے مشین کو دیکھا۔ پھر بڑے آرام سے ایک ہاتھ نیچے اور دوسرے ہاتھ اوپر ڈال کر اسے اٹھایا اور حیرت زدہ کپتان اور دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اسے اٹھا کر دوسری جگہ پر رکھ دیا۔

سارے لوگ دم بخود ہو کر رہ گئے۔ کپتان سمجھ گیا

کہ یہ کوئی غیر معمولی نوجوان ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ کیبن میں لے گیا۔ اسے کھانا کھلایا ٹھنڈا شربت پلایا اور کہا۔

”اگر تم میرے جہاز پر ملازم ہو جاؤ تو میں تمہیں مہینے تنخواہ بھی دوں گا اور کھانا پینا وردی بھی مفت ملے گی“۔

عنبر نے کہا

”آپ کا جہاز کہاں جا رہا ہے؟“۔

کپتان نے کہا۔

”میرا جہاز کچھ دنوں کے بعد ولایت جانے والا ہے“۔

عنبر بولا

”میں ولایت تو نہیں جا سکتا۔ ہاں جتنے روز جہاز یہاں کھڑا ہے میں ملازمت کر لوں گا“۔

کپتان نے عنبر کو نوکر رکھ لیا۔ عنبر کو نئے کپڑے مل گئے۔ اسے رات کو ٹھہرنے کی جگہ بھی مل گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اتنے روز سکون سے شہر میں چل پھر کر وہ ناگ اور ماریا کو تلاش کرے گا۔

وہ صبح سے شام تک جہاز پر کام کرتا اور شام کو کھانا کھا کر شہر میں گھومنے پھرنے چلا جاتا۔ ایک روز وہ پھرتا پھراتا ایک پرانے مندر کے قریب سے گزرا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گورا سپاہی ایک ادھیڑ عمر پجاری کو

گھونسوں اور لاتوں سے مار رہا ہے۔ پجاری ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہہ رہا ہے۔

''مجھے معاف کر دو۔ میں بے قصور ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ قاتل میرے مندر میں نہیں ٹھہرا تھا''۔

گورا سپاہی اسے گھسیٹتا ہوا مندر کے اندر لے گیا۔

عنبر کو بیچارے بوڑھے پجاری پر بڑا ترس آیا۔ کیونکہ گورا سپاہی اسے بری طرح پیٹ رہا تھا۔

عنبر بھی مندر کے اندر آ گیا۔ یہاں مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی میں گورے نے پجاری کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور ہنٹروں سے اسے پیٹنے

لگا۔

''بتا قاتل کہاں چلا گیا؟ ہمارے سپاہی اور سارجنٹ کہاں گم ہو گئے ہیں۔ کیا تو نے انہیں قتل کر دیا ہے؟''۔

پجاری یہی کہے جا رہا تھا۔

''میں بے قصور ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں بے گناہ ہوں''۔

گورے نے زور سے ہنٹر مارنے شروع کر دیئے۔ عنبر سے یہ دردناک تماشہ دیکھا نہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر گورے کے ہاتھ سے ہنٹر چھین کر پرے پھینک دیا۔

گورے کی آنکھوں میں خون اتر آیا کہ اس نوجوان کی اتنی جرات کہ اس کے ہاتھ سے ہنٹر چھین لے۔ اس نے پستول نکالکر عنبر کی طرف تان لیا۔

’’کون ہو تم بد بخت؟‘‘۔

عنبر نے کہا

’’میں اس بیچاری کو بچانے آیا ہوں۔ کیا تمہیں ایک بوڑھے آدمی پر ظلم کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟‘‘۔

اگر تم نے اسے آزاد نہ کیا تو تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔

گورا سپاہی بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسا نوجوان ہے

کہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر بھی خوف زدہ نہیں ہوا۔ الٹا مجھے ڈانٹ رہا ہے۔

اس نے پستول لہرا کر کہا۔

’’میں ایک دو تین کہوں گا۔ اگر تم مندر سے باہر نہ نکلے تو میں گولی چلا دوں گا‘‘۔

عنبر نے سینہ تان کر کہا۔

’’بے شک گولی چلا کر بھی دیکھ لو لیکن یاد رکھو گولی چلانے کے بعد تم میرے انتقام سے نہ بچ سکو گے‘‘۔

مندر میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہاں سوائے ان تینوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

گورا سپاہی طنز بھری ہنسی ہنسا۔

"کالے ہندوستانی کتے! مجھے تمہیں ہلاک کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس ملک پر گوروں کی حکومت ہے؟"۔

عمبر غصے سے سرخ ہو گیا۔ مگر وہ گورا سپاہی کو حملہ کرنے کا موقع ضرور دینا چاہتا تھا تاکہ اس کے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ گورے سپاہی کی طرف غصے سے گھور کر کہا۔

"تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم اچھے خاندان کی اولاد نہیں ہو۔ چلاؤ گولی۔ اپنے دل کا ارمان پورا کر لو"۔

گورے سپاہی نے پستول کا نشانہ باندھ کر کہا۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔"

عمبر اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

پجاری نے گڑگڑا کر کہا۔

"بیٹے! میری خاطر اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوؤ۔ بھاگ جاؤ مجھے مرنے دو میں بوڑھا ہو چکا ہوں"۔

عمبر نے کہا۔

"بابا تم خاموش رہو"۔

پھر اس نے گورے سپاہی کو للکارا

"چلاؤ گولی احمق فرنگی!"۔

گورے نے پستول چلا دیا۔ دھماکا ہوا۔ بارود کا دھواں اٹھا۔

گورے کا خیال تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ عنبر خون میں لت پت ہو کر فرش پر تڑپ رہا تھا لیکن یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا تھا اور پستول کی گولیاں زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔

گورے سپاہی نے سوچا کہ شاید نشانہ خطا گیا اس نے دوبارہ پستول بھر کر چلا دیا۔ اس بار بھی عنبر کا بال تک بیکا نہ ہوا اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔

اب تو گورے سپاہی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

پجاری بھی ششدر تھا وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ گنگا میا نے اپنا کوئی اوتار اس کی جان بچانے کے لیے بھیجا ہے۔

اس نے جھک کر عنبر کے آگے جوڑ دیے۔

"جے گنگا میا کی جے"۔

عنبر نے گورے سپاہی کے ہاتھ سے پستول چھین کر پرے پھینک دیا اور اس کی گردن دبوچ کر کہا۔

"اب میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم ظالم ہو جانے تم نے کتنے بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں"

گورا سپاہی دہشت زدہ ہو چکا تھا۔ عنبر نے اس کی گردن کو زور سے جھٹکا دیا۔ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور وہ گر پڑا تھوڑی دیر بعد اس نے دم توڑ دیا۔

پجاری نے سجدہ کر دیا۔

"جے ہو گنگا دیوی! جے ہو گنگا میا!"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! میں نہ گنگا دیوی ہوں اور نہ گنگا میا ہوں۔ میں ایک انسان ہوں۔ لیکن دوسرے انسانوں سے ذرا مختلف ہوں تم ایسا کرو کہ اس گورے کی لاش کو چھپانے کا انتظام کرو نہیں تو پولیس آ کر تمہیں گرفتار کرے گی۔ کیا یہاں کوئی تہہ خانہ ہے؟"۔

پجاری نے کہا۔

"ہاں گورو دیو! ایک تہہ خانہ موجود ہے"۔

پجاری نے عنبر کو تہہ خانہ دکھایا۔ عنبر نے گورے کی لاش تہہ خانے میں گڑھا کھود کر دبا دی۔

گڑھا کھودتے ہوئے عنبر نے دیکھا کہ وہاں پہلے ہی لاشیں دفن تھیں۔ اس نے پجاری سے ان لاشوں کے بارے میں سوال کیا اور پوچھا۔

"بابا! کیا یہاں پہلے کوئی قبرستان تھا؟"۔

پجاری ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"گورو دیو! آپ سے کونسی چیز چھپی ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ سے پہلے ایک شخص گنگا میا ہی کے روپ میں یہاں آیا تھا۔

اس نے ان ظالم سپاہیوں کے چنگل سے میرے اور اپنے ایک سرفروش دوست کی جان بچائی تھی اور

انہیں زمین میں دفن کر دیا تھا۔

عمبر کا ماتھا ٹھنکا۔

"وہ کون شخص تھا؟"۔

پجاری نے کہا۔

"نوجوان تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں بڑی کشش تھی"۔

عمبر اچھل پڑا۔

"اس کا نام ناگ تو نہیں تھا؟"۔

"ہاں گرو دیو! ناگ ہی اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

کیا آپ اسے جانتے ہیں؟"۔

کیوں نہیں۔ وہ میرا بھائی ہے میں اسی کی تلاش

میں تو مارا مارا پھر رہا ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں چلا گیا؟۔

پجاری نے کہا۔

"گورو مہاراج! ناگ آخری بار مجھے اس مندر میں چھوڑ کر بندرگاہ کی جانب یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ اپنے بھائی عمبر اور بہن ماریا کی تلاش میں ولایت کا سفر کر رہا ہے"۔

عمبر بیٹھ گیا۔

"میں ہی عمبر ہوں بابا! ناگ اور ماریا کا بھائی۔ ہم تینوں بہن بھائی ایک دوسرے سے بچھڑ چکے ہیں اور ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں۔

اچھا ہوا کہ کم از کم مجھے ناگ کے بارے میں تو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے میں بھی اب ولایت کا سفر کروں گا اور اسے وہاں جا کر تلاش کرلوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ماریا بہن بھی ضرور وہیں کہیں نہ کہیں ہوگی۔

عنبر پجاری سے رخصت ہو کر جہاز پر آ گیا وہ سیدھا کپتان کے کیبن میں گیا۔

کپتان آرام کر رہا تھا۔

عنبر کو دیکھ کر بولا۔

’’کہو نوجوان! کیسے آنا ہوا؟‘‘۔

عنبر نے کہا

’’صاحب! میں آپ کے ساتھ ولایت جانے کو تیار ہوں‘‘۔

کپتان خوش ہو کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

’’یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اب تم نے کیسے ارادہ کرلیا؟‘‘

عنبر نے کہا۔

’’صاحب! یہاں پر میرا دل نہیں لگتا شاید ولایت جا کر کچھ سکون ملے۔ اور پھر یہاں کاروبار بھی نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے ولایت اپنے ساتھ لے چلیں گے ناں؟‘‘۔

کپتان مسکرا کر کہنے لگا۔

''کیوں نہیں! مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر تم میرے ساتھ ولایت جاؤ گے''

کپتان کا ارادہ ولایت جا کر عنبر سے بڑا کام لینے کا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ولایت جا کر عنبر کی نمائش لگائے اس کا طاقت کا مظاہرہ لوگوں کو دکھائے اور دولت کمائے۔

کیونکہ اس نے اپنی ساری زندگی میں عنبر جتنا طاقتور نوجوان آج تک نہیں دیکھا تھا۔ بات طے ہو گئی۔

اب عنبر بیتابی سے جہاز کے چلنے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر ہفتہ گذر گیا اور جہاز نے سمندر میں ولایت کی جانب سفر شروع کر دیا۔

کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس جہاز میں کپتان کا ایک جانی دشمن بھی اپنے ساتھی کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کا مقصد یہ تھا کہ جب جہاز کھلے سمندر میں پہنچے تو کپتان کو قتل کر کے اس کی لاش سمندر میں پھینک دی جائے۔

اس خوفناک کام پر ان دونوں کو کپتان کے ایک انگریز رشتے دار نے لگایا تھا۔ اور ان دونوں کے ساتھ ایک بھاری رقم طے کی تھی۔

کپتان کا سنگدل رشتے دار جائیداد کی خاطر کپتان کو راستے سے صاف کرنا چاہتا تھا۔

کپتان سیدھا سادا انسان تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جہاز میں اس کے قاتل بھی عام مسافروں کے بھیس میں سفر کر رہے ہیں۔

عنبر کو بھی اس خونی سازش کا کوئی علم نہیں تھا۔ جہاز کو بندرگاہ سے روانہ ہوئے دو روز گذر چکے تھے اور اب وہ کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔

شام کے وقت عنبر جہاز کے کپتان کے ساتھ عرشے کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھا ولایت کی باتیں سن رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کپتان نے جمائی لے کر کہا۔

"عنبر میاں! مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں سونے چلا"۔

کپتان اٹھ کر نیچے اپنے کیبن میں سونے چلا گیا۔

عنبر کچھ دیر عرشے پر بیٹھا ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اٹھاتا رہا۔

رات کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔ سمندر پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جہاز آہستہ آہستہ ڈولتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

عنبر کا دل چائے کی ایک پیالی پینے کو چاہا۔ وہ عرشے سے اٹھ کر نیچے جہاز کی کینٹین میں آ گیا جہاز کی کینٹین پر زیادہ لوگ نہیں تھے۔

چند ایک مسافر یہاں وہاں بیٹھے کھانا کھا رہے

نقاب پوش قاتل (عنبر ناگ ماریا نمبر 58) 204

تھے۔ ایک طرف دو نوجوان میز پر سر جوڑ کر بیٹھے آپس میں کھسر پسر کر رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔ یہی وہ قاتل تھے جو جہاز کے کپتان کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر جہاز پر سوار ہوئے تھے۔

عنبر نے ان پر کوئی توجہ نہ دی اور ان کے قریب ہی میز پر بیٹھ کر چائے پینے اور ناگ ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔

اسے پوری امید تھی کہ ولایت میں وہ اپنے دشمن بھائی سے ضرور مل سکے گا۔ اچانک تیز کانوں میں ان دونوں کی باتوں کی آواز پڑنا شروع ہوئی۔ ایک کہہ رہا تھا۔

"آج کی رات ٹھیک رہے گی"۔

دوسرا بولا۔

"نہیں۔ کل رات کو کام کریں گے۔ جہاز کو ابھی اور زیادہ کھلے سمندر میں جا لینے دو"۔

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ حیران ہوا کہ یہ لوگ کھلے سمندر میں جا کر کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ذرا قریب ہو گیا۔

اس دوران میں دونوں قاتل ہو گئے۔ خاموشی سے انہوں نے عنبر کو دیکھا اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔ لیکن اب عنبر یہ معلوم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ لوگ کس لیے سفر کر رہے ہیں اور یہ کھلے سمندر میں جا کر

کیا کرنا چاہتے ہیں۔

وہ بھی چپکے سے اٹھ کر ان قاتلوں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

دونوں قاتل راہداری سے گذر کر ایک کیبن میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے دروازہ زور سے بند کر لیا۔

عنبر کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا

پھر اس نے دیکھا کہ کیبن کے عقب میں ایک گول روشندان سا بنا ہوا تھا۔ وہ کیبن کے عقب میں آ گیا۔

ایک سٹول پر چڑھ کر اس نے گول شیشے کے ساتھ کان لگا دیے

اندر دونوں قاتل ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔

میری بات مانو! آج کی رات سے اچھا موقع اور کبھی نہیں ملے گا۔

موسم خراب ہو رہا ہے۔ لہروں میں طوفان کے آثار ہیں۔ اس کام سے ہم جتنی جلدی فارغ ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔

دوسرا کہنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے جہاز کے کپتان کا کیبن کھلا ہوگا؟"۔

پہلا قاتل بولا۔

"یہ معمولی بات ہے میں ہر قسم کے دروازے کی چٹخنی اور تالا کھول سکتا ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ ہم آج رات ہی کپتان کا کام تمام کر دیں گے"۔

عنبر چونک پڑا۔

"ہائیں! تو کیا یہ لوگ بے چارے کپتان کو قتل کرنے کی کھچڑی پکا رہے ہیں؟ کھچڑی کیا پکا رہے ہیں بلکہ وہ تو آج رات اسے قتل کرنے جا رہے ہیں"۔

دوسرے قاتل نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔ خس کم جہاں پاک۔ کپتان کو آج ہی رات قتل کر دیں گے تا کہ ہم

ایک لاکھ روپے کے انعام کے حق دار ہو سکیں"۔

عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا کپتان کے کیبن میں آ گیا۔ اس نے کپتان کو بتانا ضروری نہ سمجھا۔ کیونکہ وہ قاتلوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔

اگر وہ کپتان کو بتا دیتا کہ دو آدمی اسے قتل کرنے آ رہے ہیں تو کپتان ان لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

سنی سنائی بات پر بھلا کیونکر کسی کو گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ کپتان بستر پر لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا

عنبر نے کہا۔

"آپ کو تو نیند آ رہی تھی اور ابھی آپ کتاب

پڑھ رہے ہیں؟"۔

کپتان نے کہا۔

"عنبر میاں! آیا تو سونے کے لیے تھا لیکن بستر پر لیٹتے ہی نیند غائب ہوگئی۔ سوچا کہ کچھ مطالعہ کروں۔ شاید نیند آ جائے۔ مگر تم کدھر پھر رہے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"بس یونہی میں بھی چکر لگاتا ادھر آ گیا۔ سوچا ذرا آپ سے باتیں ہی ہو جائیں"۔

"ضرور ضرور آؤ بیٹھو"۔

کپتان نے کتاب پرے رکھ دی۔

عنبر نے کہا۔

نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بستر میں شاید کھٹمل ہیں۔ بری طرح کاٹتے ہیں۔ صبح ان کا بندوبست کروں گا۔

اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے کیبن میں ہی قالین پر سو جاؤں۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں قالین پر سونے کا عادی ہوں بس آپ آرام کریں"۔

عنبر چپکے سے کونے میں قالین پر لیٹ گیا اور بولا۔

"لیجئے! مجھے تو نیند آنے لگی۔ اچھا شب بخیر!"۔

"شب بخیر!"۔

کپتان نے کہا اور پھر سے کتاب پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

عمبر نے جھوٹ موٹ نیند کا بہانہ کیا تھا۔ ویسے تو آج کی رات خاص طور پر جاگتے رہنا تھا۔ کیونکہ آج رات دو قاتل کپتان کو قتل کرنے آ رہے تھے جن کی سازش سے عمبر نے کپتان کو بچانا تھا اور قاتلوں کو گرفتار کرنا تھا۔

وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ اور خطرناک گھڑی کا انتظار کرنے لگا۔

نقاب پوش قاتل

عمبر قالین پر بڑے خاص انداز سے لیٹا تھا۔

اس کا منہ دروازے کی جانب تھا۔ تاکہ وقت آنے پر وہ فوراً ہوشیار ہو سکے۔

رات گزرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کپتان نے کتاب پرے رکھ دی اور ایک لمبی سی جمائی لے کر بتی گل کر کے سو گیا۔

کچھ دیر تک کیبن میں خاموشی رہی پھر اس کے خراٹوں کی آواز لگی۔

عنبر نے جب دیکھا کہ کپتان گہری نیند سو گیا ہے تو وہ قالین پر سے اٹھا اس نے دروازہ اندر سے کھول دیا تا کہ قاتلوں کو اندر آنے میں آسانی رہے۔

موم بتی جلا کر ایک کونے میں رکھ دی۔ اس کے آگے ایک پیالہ کر دیا کہ اس کی روشنی دروازے پر پڑے باقی کیبن میں اندھیرا رہے۔

یہ سارا کام کر کے عنبر کپتان کے بستر کے قریب ہی پردوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

جہاز سمندر میں تیرتا چلا جا رہا تھا۔ باہر ہلکے ہلکے

بادلوں کی گرج سنائی دینے لگی تھی۔

شاید بارش شروع ہو گئی تھی۔ مگر سمندر میں طوفان بالکل نہیں تھا۔ جہاز معمولی سا ڈول رہا تھا۔ اور اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا۔

ادھر جب آدھی رات گزر گئی اور سارے جہاز پر گہری خاموشی چھا گئی تو دونوں قاتل اپنے اپنے پستول جیب میں رکھ کر کیبن سے باہر راہداری میں آ گئے۔

انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے۔ راہداری میں دھیمی دھیمی روشنی تھی۔ انہوں نے آگے پیچھے غور سے دیکھا جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں

ہے تو وہ کپتان کے کیبن کی طرف بڑھے۔ وہ بہت جلد کیبن کے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔

یہاں اتفاق سے انہیں ایک پہریدار مل گیا۔ جس نے پوچھا۔

”کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟“۔

ایک قاتل نے نقاب اتار کر جیب میں رکھا اور کہا۔

”مسافر ہیں۔ میرے ساتھی کے سر میں درد ہے۔ میں ذرا اسے سیر کرانے عرشے پر لے جا رہا ہوں“۔

پہریدار نے سر ہلا کر کہا۔

”ٹھیک ہے جاؤ“۔

پہلا قاتل تیزی سے باہر نکل گیا۔ عنبر ابھی تک پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

قاتل کیبن میں اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

اس نے اپنی جیب سے چاندی کا ایک سکہ نکال کر ہاتھ پردے سے نکالا اور سکے کو کیبن کے کونے میں اچھال دیا۔

ٹن کی آواز کے ساتھ سکہ دوسری طرف گرا۔

قاتل نے چونک کر پیچھے دیکھا اور پستول تان دیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کونے کی طرف بڑھا۔

عنبر اس موقع پر انتظار میں تھا۔ جونہی قاتل کی پیٹھ اس کی طرف ہوئی۔ وہ چھلانگ مار کر پردے سے باہر آیا اور قاتل کے اوپر پہنچ کر اس زور سے اس کی گردن پر ہاتھ مارا کہ ایک سیکنڈ میں اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔

اس کی گردن لٹک گئی اور فرش پر ساکت ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے خاموشی سے پستول اٹھا کر جیب میں رکھا اور قاتل کی لاش کو گھسیٹ کر ایک صندوق کے پیچھے چھپا دیا۔

عنبر واپس پردوں کے عقب میں آ کر چھپ گیا اور دوسرے قاتل کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں دوسرا قاتل بھی بوری لے کر اندر آ گیا۔ اس نے بوری زمین پر ڈالی اور اپنے ساتھی کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔

وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بڑا پریشان ہوا کہ کم بخت ابھی تو یہاں تھا پھر کہاں چلا گیا۔

کپتان گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو آواز بھی نہیں دے سکتا تھا کہ کہیں کپتان جاگ نہ پڑے۔ ابھی وہ پریشانی کے عالم میں اپنے ساتھی کو تلاش ہی کر رہا تھا کہ عنبر پردے سے باہر نکل آیا۔

اس نے پستول تان کر کہا۔

ہی والا تھا کہ پیچھے سے کپتان کی آواز سنائی دی۔

"اسے جانے دو چوکیدار! یہ گلے سڑے پیازوں کی بوری سمندر میں پھینکنے جا رہا ہے۔ اس کی بدبو سارے جہاز میں پھیلنے کا خطرہ تھا۔ جانے دو اسے"۔

"جو حکم کپتان!"۔

چوکیدار نے سلام کیا اور وہاں سے آگے چلا گیا۔

عنبر جہاز کے ڈیک یعنی عرشے پر آ گیا۔ جہاز سمندر میں تیرتا چلا جا رہا تھا۔

گہرے اندھیرے میں سمندر کی آواز آ رہی تھی لہریں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ عنبر نے عرشے کے جنگلے پر جا کر بوری دھڑام سے سمندر میں پھینک دی۔

سمندر کی لہروں نے بوری کو اپنے سینے میں گم کر لیا۔

کپتان اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"ولایت جا کر میں اپنے ظالم رشتے دار جارج کی بھی خبر لینا چاہتا ہوں وہ ایک مشہور قاتل بدمعاش ہے۔ اس نے میری بہن کو بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا"۔

عنبر کے ساتھ کپتان نیچے اپنے کیبن میں آ گیا۔

کپتان بہت زیادہ تعجب میں تھا اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا منظر دیکھا تھا جس پر اس کی آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس نے عنبر سے پوچھا۔

"عنبر! تم مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز اور پیارے ہو کیا تم مجھے اپنی خفیہ طاقت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

کیپٹن میں بھی آپ کی اپنے ایک بزرگ کی طرح عزت کرتا ہوں۔

مگر مجھے ایک ایسی بات پر مجبور نہ کریں جو میں کسی کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ اور پھر میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ راز جاننے کی ایسی ضرورت بھی نہیں ہے۔

کپتان خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھا اور عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"عنبر بیٹا! تم نے میری جان بچائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا۔ میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ لندن میں ہی میرے گھر چل کر رہو مجھے تمہارے ساتھ رہ کر بے حد خوشی ہو گی"

عنبر نے کہا۔

"کیپٹن! ابھی تو میں آپ کے گھر جا کر رہ لوں گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی ایک کھوئی ہوئی بہن ماریا اور گمشدہ بھائی ناگ کی تلاش میں ولایت جا رہا ہوں۔

کیونکہ مجھے ایک جگہ سے پتہ چلا ہے کہ وہ ولایت

میں ہیں جب وہ مجھے مل گئے تو ہو سکتا ہے کہ پھر میں آپ کے پاس نہ رہ سکوں گا۔

کپتان بولا۔

مجھے منظور ہے۔ مگر جب تک تمہارے بہن بھائی ہمیں نہیں ملتے۔ تم میرے پاس رہنا۔ میں تمہاری خدمت کر کے خوشی حاصل کروں گا۔

اور پھر میں ولایت کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ ماریا کی تلاش میں، میں تمہاری کافی مدد کر سکوں گا۔

میرا گھر شہر سے باہر ایک پر فضا جگہ پر چشمے اور سیب کے باغ کے ساتھ واقع ہے۔

وہاں میری لاکھوں روپے کی جائیداد ہے جس کا میرے بعد کوئی وارث نہیں ہے اگر تو چاہو تو میں آدھی جائیداد اور تمہارے نام کر سکتا ہوں۔

عنبر نے کپتان کا ہاتھ دبا کر کہا۔

اس عزت افزائی کا شکریہ کپتان صاحب! مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔

جائیداد، دولت اور اقتدار میرے پاس بہت تھا۔ مگر میں ان سے تنگ آ کر جنگل میں آ گیا۔ اب میرے لئے ان چیزوں میں کوئی کشش نہیں ہے۔ بہر حال آپ نے جو مجھے عزت بخشی اس کے لیے میں آپ کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔

دونوں باتیں کرتے رہے اور رات گذرتی چلی گئی کچھ دیر بعد دونوں کی آنکھیں بھاری ہونے لگیں۔ انہیں نیند آ رہی تھی۔

کپتان اپنے بستر پر لیٹ گیا اور عنبر قالین پر پڑ گیا تھوڑی دیر بعد دونوں خراٹے لے رہے تھے۔

سب جہاز بڑے سکون کے ساتھ ولایت کی طرف سفر کر رہا تھا۔

جہاز کو ہم اسی جگہ سمندر میں چھوڑتے ہیں اور ہم ولایت کی بندرگاہ پر چلتے ہیں یہاں ماریا اور ناگ کے جہاز باری باری مسافروں کو اتار کر رخصت ہو چکے ہیں۔

یعنی ماریا اور ناگ ولایت میں ہیں۔ ماریا نے سب سے پہلے ولایت کی زمین پر قدم رکھا۔ اس ملک میں وہ بالکل اجنبی تھی۔

جیسا کہ وہ پہلے بھی کئی ملکوں میں اجنبی کی حیثیت سے داخل ہو چکی تھی۔ یہاں سردی زیادہ تھی برف باری ہو رہی تھی۔

سارا شہر برف کی سفید چادر میں ڈوبا ہوا تھا۔ ماریا نے جہاز پر سے ہی گرم سموری کھال کا ایک کوٹ اور ٹوپی حاصل کر لی تھی۔

وہ بندرگاہ پر اتر کر کچھ دیر ایک جگہ کونے میں کھڑی رہی۔ اور آنے جانے والوں کو تکتی رہی۔ یہاں لوگوں

گھوڑوں اور گھوڑا گاڑیوں پر سفر کر رہے تھے۔

بند بگھیاں بھی چل رہی تھیں۔ عورتیں مرد سفید رنگ کے تھے۔

ماریا کو اب اور سردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک طرف کو چل پڑی۔ سڑک پر برف میں گھوڑا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔

ماریا خاموشی سے فٹ پاتھ پر چلتی گئی۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے دکان کے شیشوں میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔

یہ ایک ہوٹل تھا جس کی گرم فضا میں لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے تھے۔ ماریا کی بھوک چمک اٹھی۔ وہ

ہوٹل کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

فضا گرم اور پرسکون تھی۔ تازہ بھنے ہوئے گوشت کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ہجوم زیادہ نہیں تھا۔ پھر بھی کافی لوگ تھے۔

سفید کپڑوں والے بیرے گاہکوں میں کھانا وغیرہ تقسیم کر رہے تھے۔

ماریا ایک کیبن میں جا کر بیٹھ گئی۔ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ آڈر کس طرح سے دے۔ وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔

آخر وہ اٹھی۔ اس نے کاؤنٹر پر سے ایک پلیٹ اٹھا کر ہاتھ میں پکڑی اور باورچی خانے میں آ

"جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہنا"۔

قاتل ایکدم سے اچھل کر زمین پر جھک گیا اور اس نے عنبر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گولی عنبر کے گھٹنے سے لگ کر گر پڑی۔

دھماکے کی آواز سن کر کپتان اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہو رہا ہے۔ کون ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

کپتان! مشعل روشن کر کے اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔ بالکل نہیں ہلنا۔ میں عنبر ہوں۔ تمہارے قاتلوں کو میں نے پکڑ لیا ہے۔

میرے قاتل! کپتان نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ روشنی کریں"۔

کپتان نے مشعل جلا دی تو دیکھا کہ عنبر پستول تانے کھڑا ہے ایک نقاب پوش کے ہاتھ میں بھی پستول ہے۔ کپتان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے"

کیپٹن! یہ لوگ آپ کو قتل کرنے آئے تھے، عنبر نے کہا۔ یہ کہتے ہوئے عنبر نے رخ ذرا کپتان کی طرف، کیا ہی تھا کہ قاتل نے لپک کر بجلی جیسی تیزی سے عنبر کے عقب میں آ کر اس کی گردن پر پستول رکھ دیا اور کہا۔

خبردار! ذرا بھی حرکت کی تو گولی چلا کر گردن کے

پرخچے اڑا دوں گا۔

کپتان سے کہو کہ وہ تمہارے سامنے آ جائے۔

یہ قاتل کی سب سے بڑی بدنصیبی تھی کہ اس نے کپتان کی بجائے عنبر کو دبوچ لیا تھا۔ اگر وہ یہی حرکت کپتان کے ساتھ کرتا۔

یعنی اگر وہ کپتان کے پیچھے جا کر پستول اس کی گردن پر رکھ دیتا تو شاید عنبر کپتان کو موت کے منہ سے نہ بچا سکتا مگر اس احمق نے عنبر کی گردن پر پستول رکھ دیا تھا۔

جہاں اگر وہ ساری دنیا کی گولیاں لا کر چلا دیتا تو عنبر کی گردن کا ایک بال بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا

تھا۔

پھر بھی عنبر خاموش رہا۔ اس نے کپتان سے کہا۔

"کیپٹن! میری طرف آ جائیں۔ بالکل فکر نہ کریں"۔

کپتان عنبر کی طرف بڑھا۔

عنبر نے چیخ کر کہا۔

"زمین پر لیٹ جاؤ کیپٹن!"۔

کیپٹن ایک دم سے زمین پر لیٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی قاتل نے عنبر کی گردن پر رکھا ہوا پستول چلا دیا۔

دھائیں کی آواز کے ساتھ بارود کا دھواں اٹھا۔

قاتل نے دوسرا فائر بھی کر دیا۔

ایک بار پھر دھماکا ہوا۔ کپتان سمجھ گیا کہ بے چارے عنبر نے اس پر اپنی جان قربان کر دی۔ اس نے زمین پر لیٹے لیٹے چھلانگ لگائی اور قاتل کو ٹانگوں سے دبوچ کر زمین پر گرا دیا۔

قاتل اوندھے منہ زمین پر گرا۔

عنبر نے کہا۔

"اس کو پکڑے رکھنا۔ میں رسی لاتا ہوں"۔

کپتان نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر کہا۔

"ہائیں! تم زندہ ہو؟"۔

عنبر نے کپتان کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس سوال کا جواب وہ بعد میں بھی دے سکتا ہے۔

ظاہر ہے اب کپتان تو اس قسم کے بے شمار سوال اس سے کرے گا۔

عنبر نے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی رسی اتاری اور قاتل کے دونوں ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔

اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے بڑے اطمینان سے دوسرے قاتل کی لاش پلنگ کے نیچے سے نکال کر باہر رکھ دی۔

کپتان آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"یہ لاش کس کی ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"دوسرے قاتل کی"۔

کپتان نے سر پکڑ لیا۔

"خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ اصل قصہ کیا ہے؟"۔

عنبر نے کپتان کو شروع سے لے کر آخر تک ساری بات بیان کر دی۔

"تو گویا ان کرائے کے قاتلوں کو میرے رشتے داروں نے مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا"۔

کپتان اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

لیکن عنبر ابھی تمہیں میرے ایک اہم ترین سوال کا جواب دینا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم پر پستول کی گولیوں نے اثر کیوں نہیں کیا؟۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس کا نشانہ خطا گیا تھا"

"ہرگز نہیں! میں خود دیکھ رہا تھا کہ قاتل نے تمہاری گردن پر پستول رکھ کر چلایا تھا۔ نشانہ خطا ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

عنبر نے کہا۔

"کیپٹن! یہ وقت اس قسم کی غیر ضروری سوالوں کا

نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس قاتل کے ساتھ تم کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟"

کپتان نے کہا۔

اگر میں نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو یہ دوبارہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اور ہو سکتا ہے کہ پھر مجھے کوئی عنبر اپنی جان بچانے کے لیے نہ مل سکے۔

عنبر نے کہا۔

"تو گویا تم اسے ختم کر دینا چاہتے ہو؟"۔

"بالکل۔ جیسے کہ تم نے میرے دوسرے قاتل کو ختم کیا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ دشمن کو کبھی معاف نہیں کرنا چاہیے۔ وہ دوبارا بھی حملہ کر سکتا ہے"۔

عنبر نے اسی وقت بوری نکال کر اس میں زندہ اور مردہ، دونوں قاتلوں کو ٹھونس دیا

اوپر سے بوری کا منہ سی ڈالا۔ پھر وہ بوری کندھے پر اٹھا کر کیبن سے باہر نکلا۔

راہداری سے گذر کر اوپر عرشے پر آیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا کہ پہرے دار سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔

"یہ کیا اوپر لے جا رہے ہو؟"۔

عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا بھانڈا پھوٹنے

گئی۔ یہاں بڑی سی لمبی میز پر مختلف قسم کے کھانے لگے تھے۔

ماریا نے بڑے اطمینان سے گوشت کے دو چار ٹکڑے کچھ سبزیاں اور دو ٹکڑے روٹی کے رکھے اور واپس کیبن میں آ گئی۔

اتفاق سے کیبن میں ایک لڑکی اور لڑکا بیٹھے تھے۔ ماریا بھی ایک طرف کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور کھانے لگی۔

لڑکی لڑکا آپس میں ہنسی ہنسی کی باتیں بھی کر رہے تھے۔ اور کھانا بھی کھا رہے تھے۔ ماریا کو پیاس لگی تو اس نے بے خیالی میں میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھا کر منہ کے ساتھ لگا لیا۔

اچانک لڑکی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ لڑکے نے پوچھا۔

”جینی! کیا بات ہوئی؟“۔

لڑکی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہاں! یہاں ابھی ابھی ایک گلاس پڑا تھا۔ وہ۔ وہ کہاں گیا؟“۔

اب لڑکے نے بھی دیکھا تو میز پر سے گلاس غائب تھی۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

کیونکہ اس نے بھی ابھی گلاس میز پر پڑا دیکھا تھا۔ وہ سر کھجانے لگا۔

بولا۔

"جینی! ہو سکتا ہے یہاں گلاس کبھی نہ ہو۔ میرا مطلب ہے میرا گلاس رکھ کے ہی نہ گیا ہو"۔

جینی بولی۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے ساتھ گلاس کو میز پر سے غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

ماریا نے ابھی تک گلاس اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں کا مزہ لے رہی تھی۔

لڑکا بولا

"نہیں نہیں جینی! تمہیں مغالطہ ہوا ہے۔ تمہاری نظروں کو دھوکا لگا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میز پر سے گلاس غائب ہو جائے۔ گلاس بیرا ابھی رکھ کر ہی نہیں گیا"۔

لڑکی نے سر ہلا کر کہا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔ مگر مگر گلاس غائب"۔

لڑکا قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"تم دن میں بھی خواب دیکھنے لگی ہو۔ لو یہ گوشت کا ٹکڑا کھاؤ۔ بڑا مزیدار ہے"۔

اب ماریا نے خاموشی سے گلاس میز پر رکھ دیا۔

گلاس کو میز پر واپس آتے ہوئے لڑکی نے بھی دیکھا۔

وہ چیخ مار کر بولی۔

"آئیوو! گلاس۔۔۔ گلاس میز پر واپس آ گیا"۔

لڑکے نے آہستہ آہستہ ڈرتے ڈرتے سر گھما کر میز کی طرف دیکھا۔ گلاس میز پر اسی طرح موجود تھا۔ صرف اس میں پانی نہیں تھا۔

لڑکے کو پسینہ آ گیا۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا کیبن سے باہر لے گیا۔ ماریا بڑے سکون سے اکیلی بیٹھی کھانا کھاتی رہی۔

اتنے میں لڑکے نے ہوٹل کے مالک کو جا کر سارا قصہ سنا دیا کہ کیبن کے میز پر سے ایک گلاس غائب ہو کر پھر واپس آ گیا ہے۔

مالک نے لڑکے کی طرف غور سے دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"بہت بہتر جناب! ہم اپنے گلاس کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں"۔

جب لڑکا چلا گیا تو ہوٹل کے مالک نے ہنس کر بیرے سے کہا۔

"اس لڑکے نے ضرور بھنگ پی رکھی ہے بھلا کبھی میز پر سے گلاس بھی غائب ہوا ہے"۔

ہوٹل کا مالک کاؤنٹر پر آ کر بیٹھ گیا۔ اور گاہکوں سے پیسے وصول کر کے میز کی دراز میں رکھنے لگا۔ ماریا نے مالک کی آواز سن لی تھی کہ اسے یقین نہیں تھا وہ کاؤنٹر پر ہوٹل کے مالک کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

قریب ہی ایک گلاس انار کے شربت سے بھرا ہوا

پڑا تھا۔ جسے مالک پی رہا تھا۔ ماریا نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھا لیا۔

ہوٹل کے مالک کی نظریں کیش بک پر تھیں اور ہاتھ اپنے آپ گلاس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب ہاتھ نے گلاس محسوس نہ کیا تو مالک نے چونک کر دیکھا گلاس غائب تھا وہ پریشان ہو کر بولا۔

”ارے بیرا! یہ میرا گلاس تم لے گئے ہو کیا؟ کمینے! حرام خور! واپس کرو میرا انار کا شربت“۔

بیرے نے کہا۔

”جناب! میں نے تو آپ کے گلاس کو ہاتھ تک نہیں لگایا“۔

”تو پھر گلاس کہاں گیا؟“۔

بیرے نے مسکراتے ہوئے کہا

”معلوم ہوتا ہے بھنگ کا اثر آپ پر بھی ہونے لگا ہے“۔

”بکواس بند کر“۔

مالک نے بیرے کو ڈانٹ دیا۔ بیرا گاہوں کی طرف چلا گیا۔ مالک پریشان تھا کہ اس نے گلاس کاؤنٹر پر رکھا تھا پھر وہ کہاں چلا گیا۔

وہ دو تین بار سر ادھر ادھر مارنے کے بعد دوبارہ کیش بک ٹھیک کرنے لگ گیا۔ اب ماریا نے انار کے شربت والا گلاس دوبارہ کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ جونہی

مالک کی نظر گلاس پر پڑی وہ اچھل پڑا۔

"بیرا! بیرا! گلاس۔ گلاس آ گیا"۔

بیرا بھاگ کر آیا۔ کاؤنٹر پر گلاس اسی طرح پڑا تھا۔ اور مالک کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"یہ کیا ہے؟ یہ کون کر رہا ہے؟"۔

مالک منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا تھا۔ ماریا نے اس کے کان کے قریب جا کر کہا۔

"یہ میں کر رہی تھی۔ میں۔"

آواز کا سننا تھا کہ ہوٹل کے مالک کی چیخ نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو کر کرسی پر سے نیچے گر پڑا۔ ماریا

ہوٹل سے باہر گئی۔

اس کے جسم میں دوبارا طاقت آ گئی تھی۔ وہ مختلف سڑکوں پر پھرتی رہی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ سردی زیادہ ہے اور وہ یونہی چلتی رہی تو سردی سے بیمار ہو جائے گی۔

اسے کسی ایسے ہوٹل یا سرائے کی تلاش تھی جہاں وہ رات گذار سکے اور خوب آرام کر سکے۔ اس شہر میں سراؤں کی کمی نہ تھی۔

اس نے ایک چوک میں سے گھومتے ہوئے گلی کے کونے کے "سرائے" کا لفظ دیکھا۔

سرائے یعنی INN وہاں کے چھوٹے چھوٹے

ہوٹلوں کو کہا جاتا تھا۔

اس سرائے کو ایک بوڑھا آدمی چلا رہا تھا جو کاؤنٹر کے پیچھے کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ ماریا کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

چنانچہ وہ سیدھا سرائے کے اندر آ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی منزل میں آ گئی۔ یہاں آمنے سامنے پرانے لکڑی کے دروازوں والی چند ایک کوٹھڑیاں بنی تھیں۔

ماریا ایک کوٹھڑی میں آ گئی۔ اندر کونے میں بستر لگا تھا۔ میلی سی گرم رضائی پڑی تھی۔ دیوار کے ساتھ میز پر منہ دھونے کا جگ اور بالٹی رکھی تھی۔

ماریا نے اندر سے دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو دروازے پر کوئی زور زور سے دستک دے رہا تھا۔ ماریا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور خود دوسری طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔

بوڑھا سرائے والا منہ میں پائپ لئے ایک موٹی عورت کے ساتھ بڑبڑاتا ہوا غصے سے اندر داخل ہوا۔

"کس الو کے پٹھے نے اندر سے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ ارے اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر دروازہ کس نے بند کیا تھا۔ او خدا!"۔

یہاں کیا ہو رہا ہے۔

پھر وہ موٹی عورت کی طرف گھوم کر بولا۔

"مادام! یہ کوٹھڑی آپ کے لیے بڑی موزوں رہے گی۔ یہاں کی فضا کافی گرم اور خوشگوار ہے اگر آپ کہیں تو میں انگیٹھی بھی جلوا دوں گی۔ مگر اس کے لیے ایک شلنگ کرایہ آپ کو زیادہ دینا ہوگا"۔

موٹی عورت نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"میں انگیٹھی ضرور جلوادوں گی کیونکہ کمرے کی فضا سرد ہے یہاں میری قلفی جم جائے گی"۔

بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"قلفی نہیں قلفہ کہو مادام!"

"کیا کہا؟"

موٹی عورت نے چیخ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں کچھ نہیں میں کہہ رہا تھا کہ آپ کا خیال ٹھیک ہے یہاں تو میری بھی قلفی جم رہی ہے۔ بہت اچھا۔ میں ابھی نوکر سے کہہ کر انگیٹھی جلوائے دیتا ہوں"۔

بوڑھا سرائے کا مالک چلا گیا۔ موٹی عورت نے دروازہ بند کیا اور اپنا بریف کیس پلنگ پر رکھ کر اس میں سے کپڑے نکال کر رکھنے لگی۔

اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ اس کوٹھڑی میں ماریا بھی موجود ہے جو ذرا فاصلے پر دیوار کے ساتھ کرسی پر بیٹھی اس کی ایک ایک حرکت پر غور سے دیکھ

رہی ہے۔

موٹی عورت نے سارے کپڑے نکال کر میز پر رکھے۔ کوٹ اتار کر الماری میں رکھا۔ اتنے میں نوکر نے آ کر انگیٹھی میں آگ جلا دی۔

موٹی عورت پانی کا جگ لے کر غسل خانے میں پانی لینے جانے لگی تو اس کی کہنی ماریا سے ٹکرا گئی۔ وہ اپنی جگہ پہ جم کر کھڑی ہو گئی۔

یہ کون ہے یہاں؟ نہیں۔ یہ میرا وہم تھا۔ وہ ہنس کر آگے بڑھنے ہی والی تھی کہ اس دفعہ ماریا نے اس کی موٹی گردن پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

”سلام آنٹی! میں اس کوٹھڑی کی چڑیل ہوں“۔

موٹی عورت کے ہاتھ سے جگ گر کر ٹوٹ گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

سرائے والوں نے بڑی مشکل سے اسے اٹھا کر نیچے آ پہنچایا۔

سرائے کا مالک بڑا حیران تھا کہ اس کوٹھڑی میں چڑیل کہاں سے آ گئی۔

وہ کسی دوسرے گاہک کا انتظار کرنے لگا تاکہ کوٹھڑی کی چڑیل کی پوری طرح سے تحقیق ہو سکے۔

☆ولایت میں ناگ ماریا کی ملاقات کہاں پر ہوئی؟۔

☆عنبر کن حالات میں ولایت پہنچا؟

☆سرکٹی سرائے کا راز کیا تھا؟

☆یہ سب کچھ آپ 59ویں قسط میں پڑھیے۔

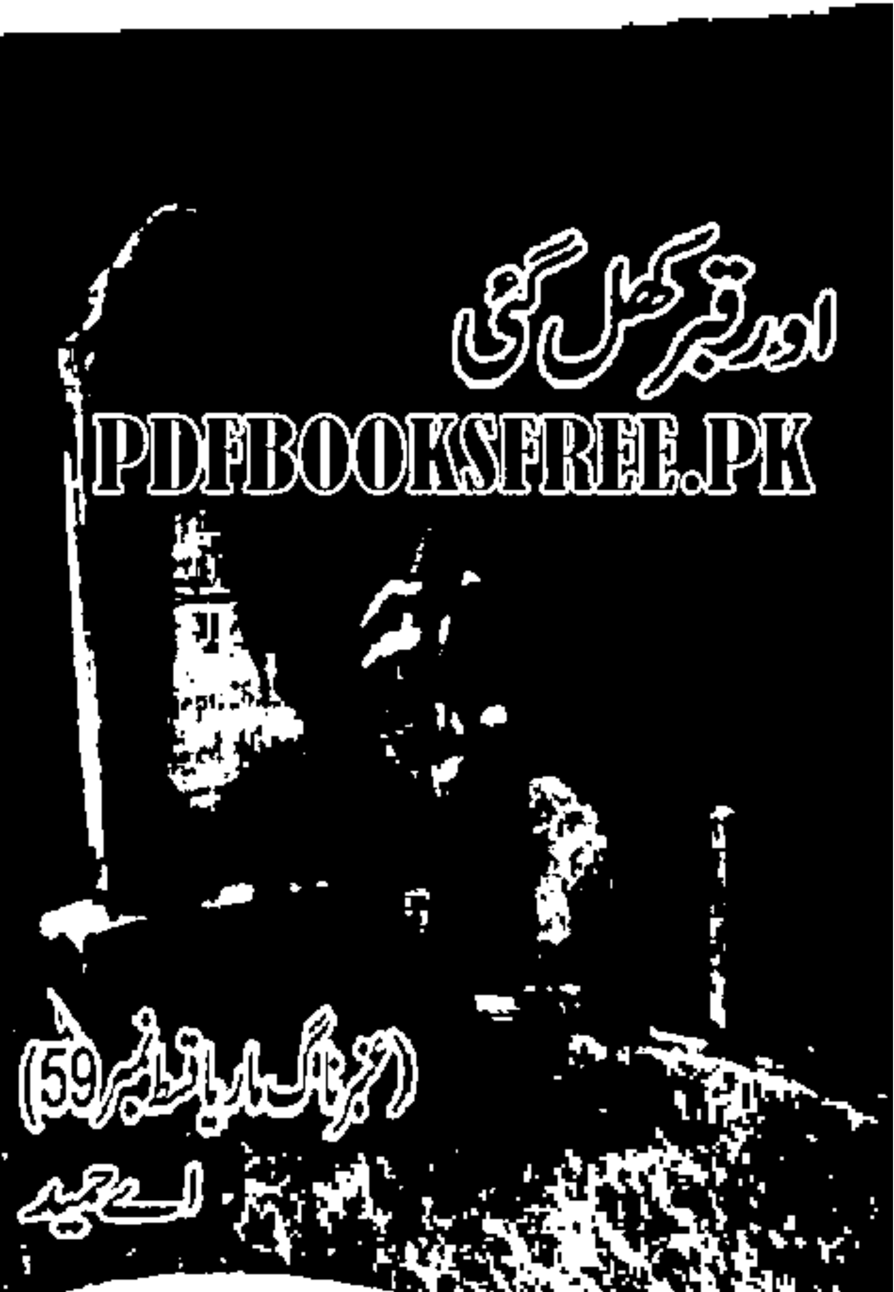

اور قبر کھل گئی

(عنبر ناگ ماریا نمبر 59)

اے حمید

کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گمشدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

یہاں بھوت رہتا ہے
چلتا پرزہ جادوگر
اور قبر کھل گئی
خونی ڈرامہ
منحوس قلعے کی تباہی

پیارے بچو!

ناگ ولایت پہنچ گیا ہے۔ وہ شہر سے باہر ایک
تاجر کی حیثیت سے اترتا ہے ایک رات بارش میں
واپس شہر میں جا رہا ہوتا ہے کہ پرانے قلعے کے پاس
ایک سیاہ پوش کاؤنٹ اسے اپنے قلعے میں چائے کی
دعوت دیتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کر کے بارش رکنے
کے بعد وہ اسے اپنی گاڑی میں واپس شہر لے جائے

گا۔

یہ شیطان کاؤنٹ ایک ایسے گروہ کا سرغنہ ہے جو
ہر رات ایک بھولے بھٹکے مسافر کو پکڑ کر قلعے کے اندر
لے جاتا ہے۔
پھر اسے قتل کر کے اس کے دل کے قتلے ہڑپ
کرتا ہے۔ اور خون پیتا ہے
ناگ کو کچھ معلوم نہیں وہ کاؤنٹ کے اخلاق سے
متاثر ہو کر قلعے میں آ جاتا ہے۔ کاؤنٹ اسے ایک
چائے پلاتا ہے جسے پی کر ناگ بے ہوش ہو جاتا ہے۔
ناگ کو ایک پتھریلے تہہ خانے میں جکڑ کر قید کر دیا
جاتا ہے۔

اتنے میں اسے ہلاک کر کے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھانے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں؟۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

یہ آپ خود پڑھئے۔

یہاں بھوت رہتا ہے

پادری نے کوٹ اتار کر کھونٹی پر رکھا۔ گرم پانی سے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور بستر کی طرف آیا۔

ماریا جلدی سے بستر سے نکل کر میز کے پاس کھڑی ہو گئی۔

پادری بستر پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔ ماریا بڑی

پریشان ہوئی۔

پادری نے تو اس کے بستر پر قبضہ جما لیا تھا۔ اب وہ کہاں سوئے گی۔

اسے یہاں سے چلتا کرنا چاہیے۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر پادری کی کتاب پر ہاتھ مارا۔ کتاب پادری کے ہاتھ سے گر پڑی۔

پادری نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ کتاب پر کس نے ہاتھ مارا؟

کیا مجھے نیند آ رہی ہے؟۔

ضرور نیند کی وجہ سے کتاب خود بخود اس کے ہاتھ سے گر پڑی ہوگی۔ یہ سوچ کر پادری ذرا سا مسکرایا اور

دوبارہ کتاب پڑھنے لگا۔

ماریا نے دیکھا کہ پادری نے میز پر گرم دودھ کا ایک گلاس رکھا تھا۔

ماریا نے دودھ کا گلاس غائب کر دیا پادری نے پڑھتے پڑھتے ایک جمائی لی اور کتاب بند کر کے سرہانے کے نیچے رکھی پھر ہاتھ بڑھا کر دودھ کا گلاس پکڑنا چاہا مگر وہاں گلاس نہیں تھا۔

پادری کچھ حیران ہوا۔ اٹھ کر گلاس دیکھنے لگا کہ کہاں چلا گیا۔

پھر سر کھجاتا ہوا بستر میں آ کر لیٹنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے گلاس واپس اس کی میز پر رکھ دیا۔

پادری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

وہ مسکرا دیا اور بولا۔

میرے بھائی! میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کوئی بھولی بھٹکی روح ہو۔ کوئی بڑا نیک دل بھوت ہو۔ میں روحوں اور بھوت پریت کو مانتا ہوں۔

میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ میں تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔

میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں ایک مذہبی انسان ہوں۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں اور تم واپس آسمان پر اپنی بادشاہت میں جاسکو۔

ماریا سوچ میں پڑ گئی کہ اس شریف اور نیک دل انسان کی بات کا جواب دے یا خاموش رہے۔

اصل میں وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ مسافر ڈر کر بھاگ جائے اور اسے کمرے میں تنہا چھوڑ دیں۔

کیا اگر وہ پادری کو سمجھا سکے اور وہ وہاں سے چلا جائے گا؟

کیا خبر پادری پر اس کی باتوں کا اثر ہو جائے اور وہ شرافت سے چلا جائے۔

اس لئے پادری سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ بولی۔

"میں ایک بھٹکی ہوئی روح ہوں۔ میرا نام ماریا ہے۔ میں کچھ عرصے اس کمرے میں رہنا چاہتی ہوں۔ مگر مسافر لوگ یہاں آ کر مجھے پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگ مجھے یہاں کچھ دیر آرام سے رہنے دیں؟"۔

پادری ایک بار تو کانپ گیا۔ روح کسی لڑکی کی تھی۔ لڑکی کی آواز اسے بالکل صاف اور قریب سنائی دے رہی تھی۔

اسے ایک بار تو پسینہ آ گیا۔ وہ روحوں کا قائل ضرور تھا۔ مگر روح کی آواز اس نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نے بڑے حوصلے سے دل مضبوط کرتے ہوئے کہا

اے روح مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ سے بات کی، یقین کرو میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ صرف آج کی رات یہاں آرام کروں گا۔ صبح چلا جاؤں گا۔

ہاں جاتے ہوئے ایسا بندوبست کر دوں گا کہ یہاں دوسرا مسافر نہ آئے مگر آخر یہ سرائے ہے، کبھی نہ کبھی، کوئی نہ کوئی، مسافر یہاں ضرور آ کر تمہاری پریشانی کا باعث ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

"پادری صاحب! آپ کا شکریہ! یہ ٹھیک ہے کہ یہاں میں زیادہ دن آرام نہ کروں گی۔ مگر کیا کروں۔

میں اس شہر میں، اس ملک میں اجنبی ہوں۔ یہاں کی جگہوں سے واقف نہیں۔ میں اور کہیں نہیں جا سکتی"۔

پادری نے کہا۔

"روح! تم کہاں سے آئی ہو؟"۔

ماریا نے یوں ہی کہہ دیا۔

میں ایک ایسے ستارے سے آئی ہوں جو یہاں سے ایک کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

وہاں سات سورج صبح کو نکلتے ہیں اور بارہ چاند رات کو طلوع ہوتے ہیں۔

پادری نے رومال سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ خشک کر کے کہا۔

"کیا تم وہاں خوش نہیں تھیں؟ تم کس کی تلاش میں ہمارے ملک میں، ہمارے شہر میں آئی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔ یہ ایک ایسا راز ہے جسے فاش کرنے کا مجھے حکم نہیں ہے"۔

پادری نے انجیل نکال کر کچھ سطریں پڑھیں اور پھونک مار کر بولا۔

"خداوند پاک تمہارے گناہ معاف کر دے اور تمہیں نجات حاصل ہو۔ یہ میری دعا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"شکریہ"۔

پادری نے پوچھا۔

”کیا تم مجھے بتا سکتی ہو جو کہ آسمان کی دنیا کیسی ہے؟ وہاں روحیں کس حالت میں رہتی ہیں؟“۔

پادری زندگی میں پہلی بار عالم بالا سے آئی ہوئی کسی روح سے مخاطب ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوپر والی دنیا کی جتنی باتیں پوچھ سکتا ہے، پوچھ لے اور پھر اخباروں میں مضمون چھاپ کر ایک ہنگامہ مچا دے اور خوب شہرت حاصل کرے۔

ماریا نے سوچا کہ وہ اس کے سوال کا کیا جواب دے سکتی ہے اسے کیا معلوم کہ اوپر آسمانوں پر روحیں کس عالم میں رہتی ہیں۔

پھر بھی وہ اپنے آپ کو روح ظاہر کر چکی تھی، اس لیے کچھ نہ کچھ جواب دینا ضرور ہو گیا تھا۔

کہنے لگی۔

”نیک روحیں جنت میں رہتی ہیں اور گنہگار روحیں دوزخ کی آگ میں سزا پاتی ہیں“۔

پادری بولا

”روحیں اس دنیا میں واپس کیوں آ جاتی ہیں جیسے کہ تم آ گئی ہو؟“۔

ماریا اب پادری کے سوالوں سے تنگ آ چکی تھی۔

بہر حال ضبط کر کے بولی۔

”بعض روحیں سیر کرنے آ جاتی ہیں اور بعض اپنی

کسی ساتھی روح کی تلاش میں یہاں آتی ہیں"۔

"کیا روحیں اس دنیا میں آ کر گم بھی ہو جایا کرتی ہیں؟"۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے کہ میری ایک بہن کی روح دنیا میں آ کر کہیں کھو گئی ہے۔

میں اس کی تلاش میں اس ملک میں آئی ہوں، کیونکہ مجھے آسمانوں پر پتہ چلا تھا کہ میری بہن کی روح ملک ولایت میں دیکھی گئی ہے"۔

پادری بڑی دلچسپی اور گہری توجہ سے ماریا کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ روح سے زیادہ سے زیادہ باتیں دریافت کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ کافی لمبا چوڑا مضمون اخبار میں دے سکے۔

کہنے لگا۔

"کیا مرنے کے بعد روح سیدھی آسمانوں پر چلی جاتی ہے؟"۔

ماریا کو کیا خبر تھی کہ مرنے کے بعد روح کہاں جاتی ہے؟ وہ تو پادری کے سوالوں کا اوٹ پٹانگ جواب دیتے دیتے تنگ آ چکی تھی۔

کہنے لگی۔

"کچھ روحیں مرنے کے بعد سیدھی آسمانوں پر چلی جاتی ہیں، کچھ روحیں ہمیں قبرستان کی طرف بلاتی ہیں"۔

مگر ان کی آوازیں کوئی نہیں سن سکتا۔ پھر وہ کسی انسان کا روپ بدل کر قبرستان کے باہر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جو کوئی وہاں سے گزرتا ہے، اس کا راستہ روک کر اس کا نام لے لے کر بلاتی ہیں اور جب وہ ان کے پاس آتا ہے تو اس کا کلیجہ نکال کر کھا جاتی ہیں۔

پادری کو اپنا کلیجہ کانپتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے گنجے سر پر پسینہ آ گیا۔ وہ روح کی باتیں سے اب ڈرنے لگا تھا۔ ماریا بھی یہی چاہتی تھی کہ اسے کسی طرح ڈرایا جائے تاکہ وہ وہاں سے بھاگ جائے۔

پادری نے سینے پر صلیب کا نشان بنا کر کہا۔

"خداوند تمہیں نجات عطا کرے لیکن ایک بات

ضرور کہوں گا۔ اگر تم چاہتی ہو کہ کسی جگہ آرام اور سکون سے کچھ دیر رہ سکو تو اس سرائے کو چھوڑ دو کیونکہ یہاں تو مسافروں کا چل چلاؤ لگا ہی رہے گا"۔

ماریا نے کہا۔

میں کہاں جاؤں؟ میں یہیں رہوں گی۔ اب کوئی آئے گا تو اس کا کلیجہ نکال کر کھا جاؤں گی۔

پادری نے سہم کر کہا۔

غضب نہ کرنا بہن! میں تمہیں یہاں کے لوگوں کی پریشانی سے بچنے کا طریقہ بتا رہا تھا۔

یہاں سے دو میل دور شہر سے باہر، پرانے قبرستان کے پیچھے ایک اجاڑ تاریخی قلعہ ہے۔ اس

قلعے میں سینکڑوں کمرے ہیں۔

جن میں آرام دہ بستر بھی ہیں۔ قلعے میں سوائے ایک چوکیدار کے اور کوئی نہیں رہتا۔

اگر تم وہاں چلی جاؤ تو تم بڑے آرام سکون سے چاہے ساری زندگی چاہو رہ سکتی ہو۔ وہاں تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا۔

پادری کی بات ماریا کے دل کو لگی۔ واقعی اگر وہ تاریخی قلعے میں چلی جائے تو روز روز کی جھک جھک سے بچ جائے گی۔

اس نے کہا۔

"پادری صاحب! مجھے آپ کی تجویز پسند آئی

ہے۔ میں کل ہی یہاں سے چلی جاؤں گی"۔

"کیا میں کبھی کبھی قلعے میں آ کر تم سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں گا۔ اے مقدس روح!"۔

ماریا نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مقدس روح نہیں ہوں بلکہ ایک گناہگار روح ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہاں میں کسی سے ملاقات نہیں کرنا چاہتی۔

میں آرام اور سکون کی خاطر قلعے میں جاؤں گی۔ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ اور ہاں۔ اب میں آرام کرنا چاہتی ہوں، مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔

پادری سر کھجا کھجا کر ادھر ادھر دیکھتا رہ گیا۔ جدھر

سے ماریا کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے سر پر ہاتھ پھیر کر کچھ کہنا چاہا مگر رک گیا۔

موم بتی بجھا کر بستر میں گھسا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ حقیقت میں وہ کچھ ڈر سا گیا تھا۔ جونہی کمرے میں موم بتی بجھنے سے اندھیرا ہوا، اس پر دہشت سوار ہو گئی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی روح آ کر اس کے لحاف کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کا کلیجہ نکال لے گی۔

اسے قبرستان سے آنے والی روحوں کی ڈراؤنی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے

لگے۔

اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ پھر اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور بستر سے نکل کر دروازہ کھول کر باہر بھاگ گیا۔

نیچے سرائے کا مالک اس کی خوفناک واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

پادری اس کے کمرے میں آ کر بستر پر گر پڑا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور ڈری ڈری آواز میں کہہ رہا تھا۔

”بھوت۔۔۔ بھوت۔۔۔ کمرے میں۔۔۔ وہ مجھ سے بول رہا تھا۔۔۔ بھوت۔۔۔ بھوت۔۔۔!“۔

اس نے ایک اور چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔

سرائے کا مالک سر پیٹ کر رہ گیا۔ اب تو پوری طرح ثابت ہو گیا تھا کہ کمرے میں بھوت رہتا ہے۔

بھلا اب کون اس کمرے میں آ کر ٹھہرے گا۔

یہ سرائے کے مالک کا بہت بڑا نقصان تھا۔ کیوں کہ وہ مسافروں سے بہت کرایہ وصول کیا کرتا تھا۔

دوسرے روز صبح صبح وہ اپنے ایک ہمسائے کے پاس گیا۔

یہ ہمسایہ ایک جادوگر تھا جو محلے والوں کو یہ کہتا پھرتا تھا کہ وہ افریقہ سے روحوں کو مار بھگانے کا جادو سیکھ کر آیا ہے۔

سر پر کالا بڑا سا ٹوپ، لمبا کوٹ، ہاتھ میں کالا ڈنڈا پکڑے وہ مرغے کی طرح اکڑ اکڑ کر پھرا کرتا اور جہاں کہیں کسی کو بیمار دیکھتا، فوراً یوں سونگھ کر کہتا۔

”یہاں بدروح کا سایہ ہے۔ میں ابھی بدروح کو بھگاتا ہوں۔ اس نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ بس میں آ گیا ہوں، اب بدروح بھاگ جائے گی اور مریض اچھا ہو جائے گا“۔

پھر وہ مریض کی چارپائی کے گرد دھونی رماتا۔ وہ چار چکر کاٹتا۔ منہ ہی منہ میں خدا جانے کس زبان کے منتر بڑبڑاتا۔

زمین پر ڈنڈے مارتا اور کہتا۔

”بھاگ گئی، بھاگ گئی، بدروح بھاگ گئی، لاؤ میرے پانچ روپے“۔

گھر والے سمجھے کہ شاید یہ سچ کہہ رہا ہے اور اس نے بدروح کو بھگا دیا ہے اور ان کا مریض اچھا ہو جائے گا۔

چنانچہ وہ مجبوراً پانچ روپے نکال کر اسے دے دیے۔ سرائے کے مالک نے صبح ہی صبح اس پاکھنڈی جادوگر کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ وہ بستر سے ہڑبڑاتا ہوا اٹھ کر آیا۔

”کون بدروح اس وقت مجھے تنگ کرنے آئی ہے؟“۔

سرائے کے مالک نے گڑگڑا کر کہا

جناب آپ کو زحمت دی معافی چاہتا ہوں۔ مگر میری مدد کیجیے۔ آپ کی مدد کے بغیر میری سرائے تباہ ہو جائے گی۔

میری سرائے کے ایک کمرے میں بدروح نے قبضہ جمالیا ہے۔ کئی مسافر ڈر کے مارے بھاگ گئے ہیں۔

اب کوئی مسافر وہاں نہیں آتا اگر بدروح نے میری سرائے کے سارے کمروں پر قبضہ کرلیا تو لٹ جاؤں گا۔

جادو نے اچھل کر کہا۔

"بدروح آ گئی ہے؟ فکر نہ کرو، اسے ایسا سبق پڑھاؤں گا کہ نانی یاد آ جائے گی مگر میں پورا ایک سو روپیہ لوں گا"۔

سرائے والا بولا۔

"مجھے منظور ہے جناب!"

جادوگر نے اسی وقت ٹوپ سر پر رکھا، ڈنڈا ہاتھ میں لیا۔

کالا کوٹ پہنا اور بولا۔

"چلو۔ کہاں ہے بدروح؟ ذرا اس کی خبر لوں۔ اس نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیا اسے پتہ نہیں کہ اس محلے میں نام جادوگر رہتا ہے۔ جس نے افریقہ سے جادو

سیکھا ہے؟"۔

سرائے کا مالک بہت خوش ہوا کہ جادوگر اس کے ساتھ ہے۔ اب اس کی سرائے بھوت سے پاک ہو جائے گی اور وہ پھر سے کمرے کو کرائے پر چڑھا سکے گا۔

وہ جادوگر کو لے کو سرائے میں آ گیا۔ جادوگر نے ٹوپ سر پر ٹھیک سے جماتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے مجھے ناشتہ کراؤ۔ چھ انڈے، مکھن، جام، مارملیڈ، شہد، گوشت کے ٹکڑے اور کافی، جلدی لاؤ۔ ناشتہ کیے بغیر میں بدروح کے خلاف کوئی جادو نہیں کر سکتا"۔

سرائے والا پھنس گیا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مجبوراً اس نے انڈے، مکھن، جام، مارملیڈ، شہد، گوشت اور کافی لا کر جادوگر کے آگے رکھ دی۔

جادوگر بڑے ٹھاٹھ سے ہڑپ کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ پوچھتا بھی جاتا تھا۔

"کون سے کمرے میں بھوت رہتا ہے؟ کیا تم نے اس کی آواز سنی ہے۔ کیا وہ رات کو آوازیں دیتا ہے؟ کیا اس کی آواز چڑیلوں سے ملتی جلتی ہے؟"۔

سرائے والا کہنے لگا۔

جناب رات ایک پادری صاحب کمرے میں ٹھہرے تھے۔

آدھی رات کو کانپتے لرزتے میرے پاس آئے۔ دھم سے بستر پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

مجھے کیا معلوم کہ بھوت کس زبان میں بات کرتا ہے اور کس وقت بولتا ہے اور کون سی آوازیں نکالتا ہے۔

آپ ناشتہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ ہی چل کر معلوم کریں کہ یہ بھوت کون سے ملک کا ہے اور کیا چاہتا ہے؟۔

جادوگر نے بڑا سا شہد کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ارے تم ہمیں کیا سمجھتے ہو افریقہ سے جادو سیکھا ہے اس بھوت کی کیا مجال ہے کہ میرے سامنے ٹھہر سکے۔

ایسی جھانپڑ دوں گا کہ نانی یاد آ جائے گی۔ ابھی پتہ کرتا ہوں کہ بھوت کس باغ کی ملی ہے۔

سرائے والا چاہتا تھا کہ جادوگر جلدی سے ناشتہ ختم کرے۔ مگر وہ تو دھڑا دھڑ کھاتے جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کئی روز سے اس نے ناشتہ نہیں کیا۔ بولا۔

"ذرا آدھی درجن ابلے ہوئے انڈے اور لانا"۔

سرائے والے نے کہا۔

"جناب! پہلے اس بھوت کی تو خبر لیں"۔

جادوگر نے ڈانٹ کر کہا۔

"بدبخت! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بھوت تیری ساری سرائے پر قبضہ جما لے؟"۔

سرائے والے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"نہیں جناب! بالکل نہیں۔ ابھی انڈے حاضر کرتا ہوں"۔

بے چارہ لپک کر باورچی خانے میں گیا اور آدھی درجن ابلے ہوئے انڈے پلیٹ میں ڈال کر چپو جادوگر کے آگے کر دیئے۔

وہ بڑے مزے سے ڈکار لیے بغیر انہیں منہ میں

ڈال کر ہڑپ کر گیا۔ پھر اس نے منہ پونچھا۔ ہاتھ صاف کیے اور بولا۔

"چلو اب ذرا سا بھوت کے بچے سے دو دو ہاتھ کر لیں"۔

سرائے کا مالک خوشی خوشی اسے اوپر لے گیا اور کمرے کے باہر رک کر بولا۔

"جناب! اس کمرے میں وہ بھوت رہتا ہے"۔

"ہاہاہا۔۔۔ ابھی دیکھتے ہیں اس بھوت کے بچے کو"۔

جادوگر نے مسخروں کی طرح ہنس کر کہا اور دروازے پر ڈنڈا مار کر اسے کھول دیا۔

جادوگر اندر داخل ہونے سے رک گیا اور گردن اندر کر کے غور سے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔

ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ پادری کے ڈر کر بھاگنے کے بعد وہ بڑے مزے سے گرم بستر میں گھسی سو رہی تھی کہ جادوگر کے ڈنڈے کی آواز سے جاگ پڑی۔ دیکھتی ہے کہ دن کی روشنی کمرے میں پھیلی ہے اور ایک لمبے ٹوپ، سیاہ لمبے کوٹ والا مسخرہ ہاتھ میں ڈنڈا لیے گردن کمرے میں ڈالے دائیں بائیں دیکھ رہا ہے۔

اس کے پیچھے سرائے کا مالک ہے۔ ماریا سمجھ گئی کہ سرائے کا مالک کسی ایسے آدمی کو لایا ہے جو بھوت

پریت کو بھگایا کرتے ہیں۔

ماریا نے وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن جانے سے پہلے وہ اس مسخرے جادوگر کو تھوڑا سا مزا چکھانا چاہتی تھی۔ آخر اس کارٹون جادوگر نے اسے سمجھ کیا رکھا تھا۔

جادوگر نے کمرے میں داخل ہوکر چاروں طرف بڑی تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے ڈنڈے کو ہوا میں یونہی لہرایا اور سرائے کے مالک کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بھوت بہت خطرناک ہے۔ مجھے ساری رات وظیفہ کرنا پڑے گا تمہیں پچاس روپے اور دینے ہوں گے"۔

سرائے کے مالک نے جلدی سے کہا۔

"مجھے منظور ہے جناب! آپ ابھی سے وظیفہ شروع کردیں"۔

جادوگر نے ڈنڈا چھت کی طرف لہرا کر چیختے ہوئے کہا

"وظیفہ ابھی شروع کرنے کے پچاس روپے مزید دینے ہوں گے کیا تمہیں منظور ہے؟"۔

"منظور ہے جناب"۔

سرائے کا مالک ہر حالت میں بھوت کو اپنے سرائے سے بھگانا چاہتا تھا۔ ماریا کو اس کی حالت پر

ترس آ رہا تھا۔

ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ سرائے کے مالک سے کہہ دے کہ یہ شخص فراڈ ہے۔ اس کی باتوں پر اعتماد نہ کرو۔ مگر وہ تو جادوگر کا دیوانہ ہو رہا تھا اس کے آگے بچھا جا رہا تھا۔

چلتا پرزہ جادوگر

جادوگر کو یقین تھا کہ کمرے میں بھوت وغیرہ بالکل نہیں ہے۔

یہ سرائے کا مالک یونہی پاگل ہو گیا ہے۔ اسے وہم ہے کہ یہاں بھوت رہتا ہے، چنانچہ اس نے کہا "تم اب جا سکتے ہو۔ میں تنہائی میں بیٹھ کر وظیفہ

کروں گا۔ ہاں سنو! یہاں ایک تھالی روپوں کی بھری ہوئی رکھ دو اس کے بغیر وظیفہ میں کوئی اثر نہیں رہے گا"۔

سرائے کا مالک اس کے پھندے میں پھنس گیا تھا۔ اس نے دل پر پتھر رکھ کر ایک تھالی میں چاندی کے روپے رکھے اور میز پر رکھ کر باہر چلا گیا۔

جادوگر نے اس کے جاتے ہی دروازہ بند کیا اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر شرارت سے مسکرایا اور تھالی میں سارے روپے اٹھا کر اپنے کالے کوٹ کی جیب میں ڈال لیے اور کمرے میں اکڑ اکڑ کر ٹہلتے ہوئے بولا۔

"کیا بے وقوف بنایا اس بوڑھے کو۔ ہا ہا ہا۔۔۔ ابھی تو اس کو اور بے وقوف بناتا ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت ہے"۔

مسخرہ جادوگر آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور ٹانگ پر انگلی بجا بجا کر گانے لگا۔

ماریا اس کے یہ سارے تماشے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

جادوگر کا ہیٹ میز پر پڑا تھا۔ وہ اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ ماریا شاید اسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جادوگر کا ہیٹ اٹھا کر پیچھے گلی میں پھینک دیا۔

جادوگر منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو میز پر اپنے ہیٹ

کو نہ پا کر حیران ہوا۔ کمرے میں ادھر ادھر تلاش کرنے لگا مگر ہیٹ تو نیچے گلی میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں پڑا تھا

اس نے جو گلی میں یونہی جھانک کر دیکھا تو ہیٹ کوڑے میں پڑا تھا۔

"ہائیں! یہ کس نے پھینک دیا میرا ہیٹ؟"۔

وہ تیزی سے واپس مڑا اور واپس نیچے جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے آگے ٹانگ کر دی

جادوگر اس کی ٹانگ میں الجھ کر منہ کے بل آگے کو گر پڑا۔ جلدی سے اٹھا اور دیکھنے لگا کہ یہ اسے کس نے گرا دیا۔

اسے کسی انسان کی ٹانگ اپنی ٹانگ سے لگتی محسوس ہوئی تھی۔ اب اسے کمرے کے بھوت کا خیال آ گیا۔

اب تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کا تو خیال تھا بھوت ووت کہاں ہو گا۔ سرائے کے مالک کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

لیکن یہاں تو کچھ دل میں کالا کالا دکھائی دے رہا تھا۔ بہر حال کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

ماریا دروازے کے درمیان کھڑی تھی۔ اس نے

آگے بڑھتے ہوئے جادوگر کے سر پر زور سے مرغی کا انڈا دے مارا۔

"اوہ میرے خدا"۔

جادوگر کے سر پر انڈا بہنے لگا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنا گنجا سر پونچھا اور غسل خانے کی طرف بھاگا۔

اب ماریا غسل خانے کے دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جونہی جادوگر غسل خانے میں جانے لگا، ماریا نے ایک اور انڈا اٹھا کر اس کے سر پر زور سے مارا۔

"اوہ میرے خدا! کون ہے؟ کون ہے؟"۔

ماریا نے اس کی پیٹھ پر زور سے لات ماری جادوگر منہ کے بل صوفے پر گر پڑا اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ کمرے میں بھوت موجود ہے۔

جلدی سے اٹھ کر دونوں ٹانگیں اٹھا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"بھوت جی! مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو"۔

ماریا نے بھاری آواز بنا کر کہا۔

"میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں ابھی قتل کر کے تمہاری لاش

کے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دوں گا"۔

جادوگر صوفے سے اچھل کر قالین پر آ گیا۔ اور سر جھکا کر بولا۔

"رحم رحم! میرے پیارے میرے البیلے بھوت! مجھ پر رحم کرو۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔ اب کسی بھوت کو نہیں ستاؤں گا"۔

ماریا بولی۔

"تو پھر سرائے کے مالک سارے پیسے نکال کر میز پر رکھ دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

پیسے نکالنے کے معاملے میں جادوگر ذرا ہچکچایا اور ماتھا پکڑ کر بولا۔

"بھوت صاحب! کیا خیال ہے، اگر میں پیسے دینے کے بجائے اس بڈھے کے سر کی مالش کر دوں تو کیا خیال ہے؟"۔

"بک بک بند کرو"۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

جلدی سے بوڑھے کے پیسے نکال کر میز پر رکھ دو۔

نہیں تو میں تمہارا بھیجا نکال کر رکھ دوں گا۔

"ابھی لو بھوت صاحب! ابھی لو جناب"۔

جادوگر نے جلدی سے کہا اور جیب سے سرائے کے مالک کے سارے پیسے نکال کر میز پر رکھ دیے۔

"اب بھاگ جاؤ اس کمرے سے۔ چلو بھاگو"۔

ماریا نے زور سے جادوگر کی پیٹھ پر لات ماری۔

وہ اچھلتا کودتا شور مچاتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سرائے کا بوڑھا مالک کمرے میں آ کر منہ کھولے تکنے لگا۔

"جناب! کہاں ہیں آپ؟ کہاں ہیں آپ؟"۔

اس نے شاید جادوگر کی چیخ و پکار سن لی تھی اور اب وہ اس کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ میز پر روپے پڑے دیکھے تو تعجب کرنے لگا

ماریا جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ کہنے لگی۔

"سنو بڑے میاں! میں تمہارے کمرے کا بھوت

ہوں۔ اب جا رہا ہوں۔ مگر اس جادوگر کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے جا رہا ہوں"۔

میز پر یہ تمہارے وہ روپے رکھے ہیں جو تم نے جادوگر کو میرے بھگانے کے لیے دیئے تھے۔

خبردار اس مسخرے کو کبھی کسی بھوت کے لیے نہ بلانا۔

سرائے کا مالک ماریا کی آواز سن کر بھونچکا ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کی بات بڑی حیرانی سے سن رہا تھا۔

ماریا نے جاتے جاتے میز پر سے گلاس اٹھا کر بوڑھے کے سر پر رکھ دیا اور کہا۔

"یہ میرے جانے کی نشانی ہے۔ اگر سردی کا موسم نہ ہوتا تو میں اسے تمہارے سر پر انڈیل دیتی۔ خدا حافظ!"۔

ماریا سرائے سے نکل کر بازار میں آ گئی۔

وہ قلعے کی طرف چل پڑی پادری نے اسے راستہ بتا دیا تھا۔

رات کی برف باری میں سڑکیں اور مکانوں کی چھتیں سفید ہو رہی تھیں۔

ماریا چلتی چلی گئی۔ لوگ بہت کم بازاروں میں چل پھر رہے تھے، کیونکہ سردی بہت شدید تھی اور بڑی سرد ہوا چل رہی تھی۔

وہ شہر کے باہر آ گئی۔ یہاں بھی مکان تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانی دیواروں والے مکان، جن میں شاید غریب لوگ رہتے تھے۔

ماریا نے دیکھا، ایک مکان کے باہر بڈھا کرسی پر بیٹھا دھوپ تاپ رہا تھا۔

ایک گندی سی بچی اس کے قریب گرم پھٹے ہوئے کوٹ میں لپٹی کرسی پر بیٹھی تھی۔

ماریا اس کے قریب جا کر بولی۔

"بڑے میاں قبرستان کو کون سا راستہ جاتا ہے؟"۔

"اس طرف جاؤ"۔

بڑے میاں نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر وہ چونک کر اچھل پڑا، کیونکہ اسے سوال کرنے والی عورت کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ماریا بڈھے کی بتائی ہوئی سڑک پر چل پڑی۔ بوڑھا حیرانی کے عالم میں ڈوبا کبھی چھوٹی بچی کو دیکھتا اور کبھی سر کھجانے لگتا۔

یہ سڑک جس پر ماریا چلی جا رہی تھی۔ ایک باغ میں جا کر ختم ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے جو دھوپ نکلی تھی، وہ بجھ سی گئی۔

سورج بادلوں میں چھپ گیا۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب پھر برف گرنا

شروع ہو جائے گی۔

باغ کے درخت ٹنڈ منڈ تھے۔ شاخوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ باغ کا راستہ بھی برف میں چھپا ہوا تھا۔

ماریا کے چمڑے کے مضبوط بوٹ برف پر چلنے میں اس کی بڑی مدد کر رہے تھے۔

باغ کافی چوڑا تھا۔ گراؤنڈ میں برف ہی برف تھی۔ ماریا اس کے کنارے کنارے چلتی مشرق کی طرف آ گئی۔

دور اسے درختوں کے پیچھے پرانے قلعے کی تاریخی عمارت نظر آنے لگی تھی۔

یہی قلعہ اس کی منزل تھا۔ یہاں وہ اتنی دیر تک رہنا چاہتی تھی جتنی دیر تک اسے عنبر اور ناگ کے بارے میں پوری معلومات حاصل نہیں ہو جاتیں کہ وہ کہاں ہیں۔

ماریا نے سوچا کیا خبر قلعے میں اسے کھانے کو کچھ نہ ملے۔ اسے چاہیے کہ دو چار روز کے لیے کھانے پینے کی چیزیں اپنے ساتھ لیتی جائے۔

وہ باغ سے باہر نکلی تو اس کی نظر ایک پرانے دروازے والی دکان پر پڑی۔

دکان کے باہر ایک نیلے رنگ کا چھوٹا سا بورڈ لگا تھا جس پر ڈبل روٹی کی تصویر تھی۔

ماریا نے شیشوں میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ درمیان میں انگیٹھی میں آگ روشن تھی۔ اور دو چار آدمی آس پاس بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔ اور باتیں کر رہے تھے۔

ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی دکان میں گھنٹی بج اٹھی۔ دکاندار نے گھوم کر دیکھا۔ وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

کیونکہ دروازے کی گھنٹی کی آواز سب نے سنی تھی۔ پھر دروازہ اپنے آپ کھل کر بند ہو گیا تھا۔

”کون ہے؟“۔

دکاندار نے کہا۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ انگیٹھی کے پاس آ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر آگ تاپنے لگی۔

ایک گاہک نے مسکرا کر کہا۔

"مسٹر ولیم! تمہارا وہم تھا یا شاید ہوا کی وجہ سے دروازہ اپنے آپ کھل گیا تھا"۔

ماریا نے غور سے دکان کا جائزہ لیا۔ یہاں کھانے پینے کی بے شمار چیزیں تھیں۔

ماریا جب ذرا گرم ہوگئی تو انگیٹھی سے ہٹ کر کاؤنٹر کے پیچھے آ گئی۔ دکان کا مالک رجسٹر پر جھکا حساب کتاب کر رہا تھا۔

ماریا نے ایک لفافہ اٹھا لیا۔ لفافے کی کھڑکھڑ کی

آواز سے دکاندار نے چونک کر دیکھا۔

وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ماریا نے الماری میں سے ڈبل روٹیاں اور جام کے ڈبے نکال کر لفافے میں ڈالے۔

"ان کے شور سے دکاندار نے پھر گھوم کر الماری کی جانب دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس دیوار کے ساتھ لکڑی کے خانے لگے تھے"۔

ماریا نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"بھوت ہیں۔۔۔ اس دکان میں بھوت ہیں۔

مثلاً میں۔۔۔ کیا خیال ہے؟"۔

گاہک کے ہاتھ سے پائپ زمین پر گر پڑا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ دکاندار نے یہ منظر دیکھا تو کہا۔

کیا بات ہے مسٹر لیوس؟ تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔ تمہارا پائپ بھی زمین پر گر پڑا ہے۔

ماریا کی آواز قریب بیٹھے کچھ دوسرے لوگوں نے بھی سنی تھی۔ وہ بھی کچھ پریشان سے تھے۔

مسٹر لیوس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ یونہی ذرا ہاتھ کانپ گیا تھا"۔

اس نے جھک کر پائپ اٹھانا چاہا تھا کہ ماریا نے

اپنے ہاتھ سے پائپ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"یہ لو بڑے میاں! تم بزرگ آدمی ہو۔ تمہاری خدمت کرنا ہم بھوت اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔

ماریا زور سے ہنس پڑی اس کے ہنسنے کی آواز دکان میں گونج اٹھی۔

وہاں بیٹھے ہوئے سارے لوگ ہکے بکے ہو کر رہ گئے۔

کسی میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکے یا لب ہلا کر پوچھے کہ یہ آواز کیا تھی۔

ماریا نے دروازہ کھولا اور سڑک پر آ گئی۔ اس نے قلعے کی جانب چلنا شروع کر دیا۔

قلعہ ایک پرانے قبرستان کے عقب میں تھا۔

قبرستان کے درخت بھی برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ یہاں قبروں کے سرہانے کتبے لگے تھے۔ جن پر مرنے والوں کے نام لکھے تھے۔

بڑے بڑے مٹی کے گلدانوں میں خشک ٹہنیاں پڑی تھیں۔ جن پر برف جمی ہوئی تھی۔

ماریا قبرستان میں سے گزرتی چلی گئی۔ برف پر چلنے سے زمین پر اس کے قدموں کے نشان پڑتے جا رہے تھے۔

اگر اس وقت کوئی دیکھتا کہ چلنے والا انسان نظر نہیں آ رہا تھا مگر برف پر اس کے پاؤں کے نشان پڑتے چلے جا رہے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔

اب اس قلعے کی عمارت اسے صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ یہ قلعہ قبرستان کے پیچھے ایک اونچے ٹیلے پر تھا۔

جس کے ارد گرد بہت گہری کھائی تھی۔ کھائی میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ماریا قلعے کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

اس کا بڑا دروازہ بند تھا۔ نیچے ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی تھی۔ ماریا نے اسے دھکا دیا تو وہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھل گئی۔

ماریا قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔ ڈیوڑھی کافی لمبی

تھی۔ چھت اونچی تھی۔

دائیں بائیں کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ جن کے دروازے اکھڑ چکے تھے۔ دروازے کی چرچراہٹ کی آواز سن کر ایک کوٹھڑی سے چوکیدار گلے کے گرد مفلر ٹھیک کرتا، کھانستا ہوا باہر نکلا اور بولا۔

"کون ہے؟"۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ چھوٹا دروازہ ابھی تک کھلا تھا۔

"شاید ہوا کی وجہ سے کھل گیا ہے دروازہ"۔

چوکیدار بڑبڑایا، اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

اتنے میں کوٹھڑی میں سے ایک بلی شور مچاتی باہر نکلی۔

خوف کی وجہ سے اس کی دم بار بار ہل رہی تھی اور کان کھڑے تھے۔

"میاؤں۔۔۔ میاؤں۔۔۔ میاؤں۔۔۔"

بلی نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا اور وہ بار بار بول رہی تھی۔

چوکیدار نے اسے لات مار کر کہا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تو نے۔۔۔ بھاگ اندر۔۔۔ کوئی نہیں ہے یہاں"۔

بلی اور زیادہ شور مچانے لگی۔ ماریا ڈیوڑھی میں

سے گزر کر قلعے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی منزل میں آ گئی۔

یہاں دیواروں پر پرانے بادشاہوں اور جرنیلوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

ایک زرہ بکتر پڑا تھا۔ محرابوں پر پھول بوٹے بنے تھے جن کے رنگ ماند پڑ گئے تھے۔

ستون بے شمار تھے۔ ماریا ستونوں میں سے گزرتی عقبی حصے میں آ گئی۔ یہاں قطاروں میں کمرے بنے تھے۔

جن کے دروازے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے اور کنڈوں پر زنگ لگ چکا تھا۔

ماریا نے ایک کونے والے کمرے کے دروازے کو دیکھا۔

اس کے کیواڑ صحیح سلامت تھے۔ البتہ کنڈی اکھڑ چکی تھی۔ یہ کمرہ بڑا موزوں تھا۔ اگر کوئی چاہے بھی تو باہر سے کنڈی نہیں لگا سکتا تھا۔

اندر کی کنڈی محفوظ تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ کمرہ چھوٹا سا تھا۔ انگیٹھی میں آگ نہیں جل رہی تھی۔ سردی بہت تھی۔

دیوار کے ساتھ ایک پلنگ بچھا تھا۔ جس پر بستر لگا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ یہاں کوئی رات کو رہا کرتا تھا۔ ماریا نے کھانے پینے کی چیزوں سے بھرا ہوا لفافہ

تھکن سے باورچی خانے کی پرانی ٹھنڈی میز پر جا کر رکھ دیا۔

اس نے کونے میں سے لکڑیاں اٹھا کر انگیٹھی میں آگ جلائی اور آرام کرسی پر کمبل لے کر بیٹھ گئی اور آگ تاپنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں کمرہ گرم ہو گیا۔ ماریا نے بڑا آرام محسوس کیا۔ پھر اس نے ڈبوں سے مکھن، جام اور شہد نکال کر ڈبل روٹی پر لگا کر کھایا۔

کچھ گوشت کے ٹکڑے کھائے اور کیتلی میں پانی ڈال کر کافی بنائی۔ اور بڑے سکون سے پیالی میں ڈال کر پینے لگی۔

کافی پی کر اس نے کپ میز پر رکھا۔ باورچی خانے کا دروازہ بند کیا اور بستر میں گھس کر لیٹ گئی۔ وہ تھک گئی تھی اور کچھ وقت آرام کرنا چاہتی تھی۔

لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی۔

اچانک کسے کھڑاک سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ چوکیدار باورچی خانے کا دروازہ کھول رہا ہے۔

ماریا بستر میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ چوکیدار کی حیرانی کا مزہ لے رہی تھی۔ مگر اسے چوکیدار کا آنا برا لگا تھا۔ کم بخت لوگ یہاں بھی اسے پریشان کرنے آ گئے تھے۔

اتنی پریشانی اسے آج سے پہلے کے زمانے میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ چوکیدار نے باورچی خانے میں جا کر دیکھا کہ کھانے پینے کی چیزیں میز پر رکھی ہیں۔ کچھ ڈبے کھول کر دوبارہ بند کیے گئے ہیں۔ فرش پر ڈبل روٹی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرانی اسے اس بات پر ہوئی کہ انگیٹھی میں آگ جل رہی ہے۔ میز پر کافی کا پیالہ بھی پڑا تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ کوئی شخص ابھی ابھی کافی پی کر باہر گیا ہے۔

"یہاں کون آیا ہے؟"۔

چوکیدار سر کھجا کر سوچنے لگا۔

اسے خیال آیا کہ قلعے میں کوئی بھوت آ گیا ہے۔

اس خیال پر وہ ہنس پڑا۔

بھلا بھوت کہاں سے آ سکتا ہے۔

ضرور کوئی چور ہے جو یہاں دن گزارنے آ گیا ہے۔ میں اس کی تاک میں رہوں گا۔ اور پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دوں گا۔

ماریا چوکیدار کو چپ چاپ بستر میں بیٹھی دیکھتی رہی۔ چوکیدار نے لفافے میں سے کیک کا ٹکڑا نکالا اور کھانے لگا۔

"ہوں! بہت مزیدار ہے۔ یہ چیزیں تو مسٹر ولیم کی دکان سے چوری کی گئی معلوم ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں۔

ذرا چور آ لینے دو۔ پکڑ کر اسی وقت قانون کے حوالے کر دوں گا اور مسٹر ولیم سے بھی انعام حاصل کروں گا۔

کیک کھا کر چوکیدار نے کیتلی میں رکھی ہوئی کافی پیالے میں ڈالی اور اسے ایک ہی گھونٹ میں پی کر کمرے کے باہر نکل گیا۔

ماریا نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بستر پر لیٹ کر ناگ اور عنبر کے بارے میں

سوچنے لگی۔

اس کے بستر کے قریب ہی کھڑکی تھی جس کی محراب اوپر تک چلی گئی تھی۔

اس کھڑکی میں سلاخیں تھیں۔ اور لکڑی کے کیواڑ بند تھے۔ ایک جگہ سے کیواڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس میں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔

ماریا نے چادر لے کر اس جگہ گھسیڑ کر سوراخ بند کر دیا۔ ہوا آنا بند ہو گئی۔

ناگ اور عنبر کہاں ہو سکتے ہیں؟

وہ سوچنے لگی۔ اس نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ ایک مہینہ اس شہر میں انہیں تلاش کرے گی اور پھر کسی

دوسرے شہر میں چلی جائے گی۔

ویسے جانے کیوں اس کا دل کہتا تھا کہ وہ اپنے بھائی عنبر اور ناگ سے اسی شہر میں ایک روز ضرور ملے گی۔

شام کا کھانا بھی ماریا نے باورچی خانے میں بیٹھ کر کھایا۔ تھوڑی دیر بعد چوکیدار بھی سراغ رسانی کرتا وہاں آ گیا۔

کمرہ اور باورچی خانہ اسے بالکل خالی نظر آیا۔ انگیٹھی میں تازہ آگ جل رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر بولا۔

"کم بخت چور آ کر دوبارہ چلا گیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، میں بھی اس کی ٹوہ میں ہوں۔ اسے کبھی

نہیں چھوڑوں گا"۔

چوکیدار کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماریا نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

اب شام کے سائے گہرے ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد رات کا اندھیرا قلعے کے آس پاس چھا گیا۔

قبر کھل گئی

پرانے قلعے میں ماریا کی یہ پہلی رات تھی۔

رات کو آسمان پر بادل چھا گئے اور سرد ہوا چلنے لگی۔ برفباری نہیں ہو رہی تھی۔ ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں اگرچہ چادر ٹھنسی ہوئی تھی، پھر بھی وہاں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔

ماریا نے وہاں سے بستر اٹھایا اور باورچی خانے میں آ کر میز پر بچھا دیا۔

یہ میز کھڑکی کے ساتھ لگا تھا۔ اس کھڑکی کی کیواڑ بند تھے اور کسی جگہ کوئی سوراخ نہیں تھا۔

ویسے بھی فضا گرم تھی۔ ماریا بڑے مزے سے بستر میں لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اسے باہر ہوا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ماریا نے محسوس کیا کہ دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے۔

کم بخت چوکیدار اپنی سراغ رسانی کرنے کے

شوق میں پھر آ دھمکا تھا۔

ماریا کا ہرگز اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ چوکیدار باز نہیں آئے گا اور مسلسل دروازہ بجاتا رہے گا۔

بلکہ اگر اس نے اٹھنے میں دیر کر دی تو وہ دروازہ توڑ دے گا۔

کیونکہ اس کے خیال کے مطابق تو اندر چور گھسا ہوا تھا۔

ماریا بستر سے نکل کر دروازے کے قریب آ گئی۔

سوچنے لگی کہ کیا کرے۔

کیا چوکیدار کو آواز دے کر منع کرے کہ دروازہ نہ

کھٹکھٹائے۔ مگر اس طرح سے تو اس کا راز فاش ہو جائے گا۔

پھر کیا کرنا چاہیے؟۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ چوکیدار کو صاف پتہ چل رہا تھا کہ اندر کوئی موجود ہے۔ اور ظاہر ہے چور کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

ماریا نے بڑے سکون سے کنڈی کھول کر دروازے کا کیواڑ الگ کر دیا۔ وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

چوکیدار نے دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے۔

تو پھر دروازہ کس نے کھولا تھا؟ یہی بات اسے

پریشان کر رہی تھی۔

وہ اندر قدم رکھتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

ماریا زیادہ دیر سردی میں نہیں کھڑی رہ سکتی تھی۔ اس نے زور سے چیخ ماری اور دروازہ بند کر دیا۔ چوکیدار کی اس سے بھی زیادہ خوفناک چیخ نکل گئی اور وہ سر پہ پاؤں رکھ کر نیچے بھاگ گیا۔

ماریا نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی اور بستر میں گھس کر لیٹ گئی۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ شاید آدھی رات کا وقت ہو گا کہ ماریا نے ایک آواز سنی۔ اس آواز نے ماریا کو جگا دیا۔

ماریا بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگی۔

ایسے لگتا تھا جیسے کوئی کھڑکی کے کیواڑوں کو اپنے پنجوں سے کھرچ رہا ہے۔ یہ کھڑکی ماریا کے بالکل پاس تھی۔

اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی اور باہر دیکھا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا ہنس پڑی اور کھڑکی بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ اس کا وہم تھا۔

اچانک وہی آواز پھر سنائی دی۔ اب یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟۔

ماریا بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور کان لگا کر غور سے سننے لگی کہ یہ آواز اب کہاں سے آ رہی ہے۔

کمرے میں سارے قلعے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ماریا کے کان آواز پر لگے تھے۔ آواز پھر آئی۔

اب صاف لگ رہا تھا کہ کوئی جانور اپنے تیز ناخنوں سے دروازے کے کیواڑوں کو کھرچ رہا تھا۔ یا انہیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہے۔

آواز دروازے کی طرف سے آ رہی تھی۔ ماریا بستر سے اٹھی باورچی خانے سے نکل کر دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

کمرے میں ایک طرف موم بتی جل رہی تھی جس کی روشنی بہت مدھم سی تھی۔

ماریا نے کان دروازے کے ساتھ لگا دیئے۔

اب کوئی دروازے کو ہلا ہلا کر کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کم بخت ضرور وہی اللہ مارا چوکیدار ہو گا۔ اب نئی سراغ رسانی کرنے آ گیا ہے۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ اس کم بخت کو ضرور ایسا سبق سکھانا چاہیے کہ یہ پھر کبھی اس طرف کا رخ نہ کرے۔

ماریا نے کنڈی اتار کر دروازہ کھول دیا۔ جو منظر

اس نے باہر دیکھا، ایسا بھیانک منظر اس نے شاید زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے سامنے دروازے کے باہر ایک اونچا لمبا سوکھا اور سیاہ کپڑوں میں ملبوس، ڈراؤنی زرد آنکھوں اور لمبے نوکیلے دانتوں والا انسان نما بھیڑیا کھڑا کمرے میں اپنی بھیانک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا۔

اس کے ناخن لمبے اور نوکیلے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ اس بھیڑیا نما انسان کے ایک نوکیلے دانت سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور اس کے منہ سے ہلکے ہلکے خراٹوں کی سی آواز نکل رہی تھی۔

اس بھیانک بلا کو دیکھ کر ایک بار تو ماریا کا جسم بھی سرد پڑ گیا۔ انسانی بلا کمرے میں آ گئی۔ وہ حیران تھی کہ دروازہ جس نے کھولا ہے، وہ کہاں ہے؟ ماریا کونے میں ایک طرف لگ کر کھڑی ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ یہ انسانی بلا کیا کرتی ہے۔

چوکیدار کی بدقسمتی کہ ٹھیک اس وقت وہ بدبخت اپنی سراغ رسانی کے شوق میں اوپر آ گیا۔ آہٹ کی آواز سن کر انسانی بلا جھٹ سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گئی۔

چوکیدار نے دروازہ کھلا دیکھا تو بڑے جاسوسوں کی طرح قدم دبا دبا کر چلتا اندر آ گیا۔

جھٹ سے دروازہ بند کیا اور جیب سے خنجر نکال کر بولا۔

میں جانتا ہوں تم چوری کرنے آئے ہو اور اس کمرے میں موجود ہو۔

اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً اپنے آپ میرے حوالے کر دو۔

نہیں تو میں اس خنجر سے تمہیں ہلاک کر کے ہی دم لوں گا۔ اس قلعے میں تمہاری آواز بھی کوئی نہیں سن سکے گا۔

ماریا خاموش کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ چوکیدار کو دیکھ کر انسانی بلا ایک دم سے سامنے آ گئی۔ وس کی

زرد ڈراؤنی آنکھوں میں ایسی کشش اور جادو تھا کہ چوکیدار گویا پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔

بلا آہستہ آہستہ غراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور اپنے لمبے لمبے ناخنوں والے ہاتھ پھیلا کر چوکیدار کی گردن دبوچ لی اور اپنا تیز دانتوں والا منہ اس کی گردن پر رکھ دیا۔

جیسے اس کا خون چوسنے لگا ہو۔

اب چوکیدار نے گھگھیانا شروع کر دیا۔ ماریا یہ منظر نہ دیکھ سکی۔ اسے چوکیدار پر رحم آ گیا۔ اس نے میز پر رکھا ہوا پیالہ اٹھا کر زور سے خون چوسنے والی بلا کے سر پر دے مارا۔

بلا نے پلٹ کر دیکھا کمرہ خالی تھا۔ بلا کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

اس کے دانتوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے تھے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر چوکیدار کے ہاتھ سے گرا ہوا خنجر اٹھایا اور پوری طاقت سے خون چوسنے والی بلا کی گردن میں گھسیڑ دیا۔

ایک چیخ کی آواز قلعے میں گونج کر رہ گئی۔

انسانی بلا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑ لی اور کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا دی۔ ماریا نے جھک کر باہر دیکھا۔

اسے یقین تھا کہ انسانی بلا گہری کھائی کے پتھروں میں گر کر ہلاک ہو چکی ہوگی۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ خون چوسنے والی بلا سیاہ بازو پھیلائے رات کے اندھیرے میں اڑتی چلی جا رہی ہے۔

چوکیدار خوف سے کانپتا ہوا کمرے سے بھاگ گیا تھا۔

ماریا سوچنے لگی کہ یہ کس قسم کی بلا اس ملک میں رہتی ہے۔ اس نے سوچا کہ نیچے چل کر چوکیدار کو دیکھنا چاہیے۔

کہیں اسے زیادہ گہرا زخم تو نہیں آیا۔ وہ سیڑھیوں سے اتر کر چوکیدار کی کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس

نے دیکھا کہ چوکیدار دیا جائے کھاٹ پر بیٹھا ہے اور گردن میں سے ٹپکنے والے خون کو بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

خون چوسنے والی بلا نے اس کی گردن میں اپنے دونوں لمبے نوکیلے دانت گھسیڑ دیئے تھے اور خون چوسنا شروع کر دیا تھا۔

چوکیدار نے گلے کے زخم پر دوائی لگا کر پٹی باندھی اور بستر میں لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ماریا بھی اوپر اپنے کمرے میں آ گئی اور لحاف میں گھس کر واقعات پر غور کرنے لگی۔ ادھر وہ خون چوسنے والی بلا اڑتی ہوئی قبرستان میں آ کر زمین پر اتر

گئی۔

یہاں گہرا اندھیرا اور خاموشی تھی۔ قبروں پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ خون چوسنے والی بلا کا نام ڈریکولا تھا۔

آگے سے ہم اس کو اسی نام سے پکاریں گے۔

ڈریکولا جھاڑیوں میں ایک کھلی قبر کے پاس آ کر رک گیا۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا۔

کھلی قبر میں پڑے ہوئے تابوت کا ڈھکنا اوپر اٹھا ہوا تھا۔

ڈریکولا قبر میں اتر کر تابوت میں لیٹ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر تابوت کا ڈھکنا اوپر سے بند کر دیا۔

رات گزر گئی، ماریا سو کر اٹھی تو آسمان پر ابھی تک بادل تھے صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔

اس نے اپنے لیے آگ جلا کر کافی بنائی۔

انڈا تل کر روٹی کے ساتھ کھایا اور گرم کوٹ مفلر وغیرہ پہن کر دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی۔ وہ شہر میں گھوم کر عنبر اور ناگ کی سراغ رسانی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

سیڑھیاں اتر کر وہ قلعے کی ڈیوڑھی میں آئی تو دیکھا کہ چوکیدار کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا چوکیدار اندر نہیں تھا۔

ماریا قلعے میں سے نکل کر قبرستان کی طرف چل پڑی۔ شہر جانے کے لیے یہی راستہ سب سے آسان تھا۔

قبرستان میں کہیں کہیں درختوں پر سے برف پگھل چکی تھی۔ اور سیاہ شاخیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ برف پر کسی کے لمبے لمبے پاؤں کے نشان ہیں۔

ماریا ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چلتی اس جگہ آ گئی جہاں کھلی ہوئی قبر تھی اور ڈریکولا تابوت میں سو رہا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ قبر کے باہر کنارے پر قلعے کا چوکیدار کھڑا ہے۔ اور اپنی گردن کے زخم پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے قبر کے تابوت کو دیکھ رہا ہے۔

ماریا حیران ہوئی کہ یہ شخص یہاں کیا کر رہا ہے۔ پاؤں کے لمبے لمبے نشان بھی اس قدر میں اتر گئے تھے۔

وہ ایک درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور چوکیدار کو دیکھنے لگی۔ چوکیدار نے چاروں طرف دیکھا۔

جب یقین ہو گیا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو قبر میں اتر گیا۔ ماریا ذرا آگے آ گئی تاکہ جو کچھ ہونے والا ہے، اسے غور سے دیکھ سکے۔

چوکیدار زور لگا کر تابوت کا ڈھکنا پرے ہٹا رہا

تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے ڈھکنا پرے کر دیا۔

ماریا کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا، کیونکہ تابوت میں وہی خون چوسنے والی بلا سینے پر ہاتھ رکھے سر پر لمبا سیاہ ہیٹ پہنے سو رہی تھی۔

مگر اس کی آنکھیں زرد ڈراؤنی آنکھیں کھلی تھیں۔ جیسے چوکیدار کا گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ چوکیدار لاش پر جھک گیا۔

اس نے اپنی گردن خون چوسنے والی بلا نے نوکیلے دانتوں پر رکھ دی۔ ایکدم سے جیسے لاش میں جان پڑ گئی۔

لاش کے ہاتھ اوپر اٹھے اور چوکیدار کی گردن کو

انہوں نے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ چوکیدار کی آنکھیں بند ہوگئیں اور اس کے منہ سے غراہٹ کی آواز نکلنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد لاش کے ہاتھ پرے ہٹ گئے۔

چوکیدار نے گردن اوپر اٹھائی تو وہاں دانتوں کے زخم کے نشان تھے۔

لاش کے ہونٹوں پر بھی خون بہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھر سے سینے پر بندھ گئے تھے۔ چوکیدار نے تابوت کو ڈھک دیا اور گردن سہلاتا، خون بند کرنے کی کوشش کرتا قبر سے باہر نکل آیا۔

ماریا ششدر سی ہو کر رہ گئی۔ اس قسم کا ڈراؤنا منظر اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو کیا چوکیدار نے خوش لاش کو اپنا خون پیش کیا تھا۔

بات ہی کچھ ایسی تھی۔ مگر ایسا کیوں؟۔

چوکیدار لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ ماریا دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد وہ بھی شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ناگ کی خبر لی جائے۔ ناگ ولایت کے شہر لندن پہنچ چکا تھا۔ اسی شہر میں ماریا بھی رہ رہی تھی۔

دوسری طرف عنبر مال بردار جہاز میں سوار لندن کے سمندر کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ناگ نے

جبرالٹر میں بہترین کپڑے خریدے تھے۔ جو اس نے پہن رکھے تھے۔

خوب گرم کپڑے تھے۔ اوورکوٹ، مفلر، لمبے بوٹ اور سر پر ہیٹ ناگ بالکل انگریز معلوم ہو رہا تھا۔ شہر میں آئے اسے چوتھا روز گزر رہا تھا۔

وہ شہر سے باہر ایک پرانی سرائے میں رہتا تھا۔ وہ شہر کے بہترین مکانوں میں بھی رہ سکتا تھا۔ لیکن اسے گاؤں کی پرسکون فضا زیادہ پسند تھی۔

یہاں سے وہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر شہر آتا اور گھوم پھر کر بازاروں اور ہوٹلوں میں ماریا اور عنبر کو تلاش کرتا پھرتا۔

ایک روز وہ گھوڑا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ آسمان پر ایک دم سے بادل چھا گئے اور سرد ہوا چلنے لگی۔

گھوڑا گاڑی شاید کسی جگہ رک گئی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ آج پیدل ہی شہر کو چلا جائے۔ سیر بھی ہو جائے گی۔

شہر جانے کو پیدل راستہ ایک جنگل سے ہو کر گزرتا تھا۔

ناگ نے اس جنگل میں چلنا شروع کر دیا۔ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ سرد ہوا چل رہی تھی کئی روز سے برف بھی نہیں گری تھی۔

درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخیں ہوا میں جھوم رہی تھیں۔ زمین خشک پتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ناگ چلتے چلتے جنگل سے باہر آ گیا۔

یہاں سے ایک پتلی سی کچی سڑک ایک پل پر سے ہو کر شہر کی طرف چلی گئی تھی۔ ناگ نے اس سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔

مختلف جگہوں سے گھوم کر جب ناگ پل پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ پل ایک جگہ سے ٹوٹا ہوا ہے اور چند مزدور اس کی مرمت کر رہے ہیں۔

اس پل کے نیچے ایک تیز رفتار چشمہ بہہ رہا تھا۔ نالے کا پاٹ چوڑا تھا۔ پانی پتھروں سے اچھل اچھل کر بہہ رہا تھا۔

سوائے پل کے اور کوئی راستہ نہیں تھا جس سے نالہ پار کیا جا سکتا۔ ناگ نے مزدوروں سے پوچھا کہ پل کب تک مرمت ہو جائے گا۔

ایک مزدور نے کہا۔

”جناب! یہ پل تو پرسوں تک مکمل ہو جائے گا۔ بہتر ہے آپ واپس چلے جائیں اور جنگل کے پیچھے سے ہو کر نالہ پار کریں۔ اگرچہ وہ راستہ لمبا ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے“۔

ناگ خاموش کھڑا سوچتا رہا کہ وہ کیا کرے۔ بادل زور سے گرجا اور ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔

ناگ ایک درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مزدور بارش میں بھی اسی طرح کام کر رہے تھے۔ دور ایک قلعہ نما سیاہ رنگ کی عمارت نظر آ رہی تھی۔ ایک کچی سڑک اس سیاہ قلعے کی طرف جاتی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ ایک بند گھوڑا گاڑی اس سڑک پر چلی آ رہی ہے۔ گھوڑا گاڑی ناگ کے پاس پل پر آ کر رک گئی۔

اس میں سے ایک سیاہ پوش لمبا، زرد چہرے والا آدمی نکلا۔ اس نے برساتی اوڑھ رکھی تھی۔ بند گاڑی کے اوپر کوچوان بھی برساتی اوڑھے خاموش بیٹھا تھا۔

سیاہ پوش نے مزدوروں سے پوچھا۔

"ابھی کتنی دیر کا کام باقی ہے؟"۔

مزدور اس آدمی کو دیکھ کر مودب ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ اس علاقے کا کوئی امیر کبیر جاگیردار ہے۔

ایک مزدور نے ادب سے کہا۔

"جناب کاؤنٹ صاحب! ابھی دو روز کا کام باقی ہے"۔

سیاہ پوش کاؤنٹ کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس پر چمڑہ چڑھا ہوا تھا۔ اس نے اچانک ناگ کی طرف دیکھا۔ قریب آیا اور مسکرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ مسافر ہیں۔ میں نے اس سے پہلے آپ کو یہاں کبھی نہیں دیکھا"۔

ناگ نے کہا۔

جناب! آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ میں اس ملک میں اجنبی ہوں۔ سیر و سیاحت کے شوق کے لیے آیا ہوں۔

یہاں قصبے میں رہتا ہوں۔ مجھے اپنی ماں سے بڑی محبت ہے جب میں سوچتا ہوں کہ وہ بوڑھی ہو گئی ہے اور ایک نہ ایک دن انہیں مجھ سے جدا ہونا پڑے گا۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کے بغیر کیسے زندگی

بسر کروں گا۔

بادل گرجا، بجلی چمکی اور بارش تیز ہو گئی۔ بند گاڑی کی چھت پر بادل کا شور پیدا ہونے لگا۔ ناگ نے کھڑکی کے پردے میں سے باہر دیکھا۔

بارش موسلا دھار ہو رہی تھی دن کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ اور فضا میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھا گیا تھا۔

سیاہ پوش نے کہا۔

"موسم بہت خراب ہو رہا ہے۔ شاید یہ بارش شام تک ہوتی رہے۔ بہر حال میں آپ کو اسی گاڑی میں لندن ضرور چھوڑ آؤں گا۔ بس ایک پیالی چائے پی کر روانہ ہو جائیں گے"۔

ناگ اس شخص کی ہمدردانہ باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ملک کے لوگوں کا اخلاق کس قدر بلند ہے۔

گاڑی قلعے میں داخل ہو گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ قلعہ کی عمارت بے حد شکستہ ہو رہی تھی اس کا ایک بڑا دروازہ زمین پر گر چکا تھا۔

سیاہ پوش کاؤنٹ نے کہا۔

میری والدہ صاحب کو سیاہ رنگ بہت پسند ہے۔ ان دیواروں اور صوفوں کے سیاہ رنگ کو دیکھ کر آپ حیران ہو رہے ہوں گے۔

والدہ کا حکم ہے کہ سیاہ رنگ کے سوا اور کوئی رنگ

نہ کیا جائے۔

بس مجبوراً مجھے ہر جگہ یہی رنگ کرنا پڑا۔ حالانکہ میں خود اس رنگ کو پسند نہیں کرتا۔ مگر کیا کروں آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی والدہ صاحبہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ان میں کسی بال کو ٹال نہیں سکتا۔

سیاہ پوش کاؤنٹ نے ناگ کو صوفے پر بٹھایا اور جھک کر بولا۔

آپ تشریف رکھیں، میں چائے لے کر ابھی آتا ہوں۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا ناں کہ سارے نوکر چھٹی پر ہیں۔

صرف ایک بوڑھا ملازم اس وقت باورچی خانے

میں ہوگا۔ وہ ایک منٹ میں چائے بنا کر لے آئے گا۔

ناگ نے کہا۔

"شکریہ!"۔

سیاہ پوش کاؤنٹ چلا گیا۔

ناگ نے دو تین کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔

یہ آوازیں اس نے اندھیرے ڈھلانی راستے سے گزرتے ہوئے بھی سنی تھیں۔ آوازیں دبی دبی سی تھیں۔

اور دور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ جیسے کسی تہہ خانے میں بند کتے زور زور سے بھونک رہے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد آوازیں بند ہو گئیں۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ اس قسم کا پر اسرار ماحول ناگ نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

فضا میں عجیب سی بو رچی ہوئی تھی۔

ایسی بو جیسے بہت سی لاشیں قریب سی پڑی ہوں۔

ناگ کو یہ سب کچھ پراسرار لگا۔

اتنے میں ایک دیوار میں چھوٹی سی کھڑکی کھلی۔

اس میں سے ایک بوڑھا زرد اور ویران سا چہرہ نمودار ہوا۔

اس چہرے کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

ناگ نے اس ڈراؤنے چہرے کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔

چہرے کے خشک ہونٹ ہلے اور ناگ کو اس کی کمزوری آواز سنائی دی۔

"بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

ناگ پوچھنے ہی والا تھا کہ کیوں بھاگ جاؤں؟۔ کیا بات ہے؟

کہ وہ چہرہ غائب ہو گیا اور کھڑکی بند ہو گئی۔ ناگ نے اٹھ کر کھڑکی کو کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بڑی مضبوطی سے بند کر دی گئی تھی۔

اتنے میں سیاہ پوش کاؤنٹ اندر آ گیا۔ اس نے کوٹ اور ہیٹ اتار رکھا تھا۔

اس کے سر کے سارے بال سفید تھے اور وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔

ناگ نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ سیاہ پوش کی باتیں سنتے سنتے اس کو نیند آنے لگی تھی۔ سر بھاری ہو کر گردن پر ادھر ادھر ڈھلکنا شروع ہو گیا تھا۔

سیاہ پوش نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ کو نیند آ رہی ہے مسٹر ناگ! کوئی بات نہیں، آپ کچھ دیر صوفے پر آرام کریں۔ اتنی دیر میں میں گھوڑوں کو دانہ دنکا ڈالتا ہوں۔ میں پھر آ جاؤں گا"۔

سیاہ پوش کاؤنٹ اٹھ کر جانے لگا تو ناگ نے کہا۔

"نہیں نہیں مسٹر کاؤنٹ! مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میں ابھی جانا چاہتا ہوں۔ میں ابھی۔۔۔"

ناگ کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔

"مسٹر ناگ! آپ کو سخت نیند آ رہی ہے۔ آپ سو جائیں میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا"۔

"نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔"

ناگ کی آنکھیں بند ہوگئی۔ ہونٹ بند ہو گئے اور وہ صوفے پر گہری نیند سو گیا۔

ناگ کے سوتے ہی سیاہ پوش کاؤنٹ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے بڑے غور سے ایک پل ناگ کو تکتا رہا۔

پھر اس نے دستانے اتار کر جیب میں رکھے، سگار کو ایش ٹرے میں بجھایا اور زور سے تالی بجائی۔ تالی کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھلا۔

دو ہٹے کٹے سیاہ فام حبشی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک سٹریچر اٹھا رکھا تھا۔ سیاہ پوش نے انگلی اٹھا کر صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

حبشی نوکروں نے ناگ کو اٹھا کر سٹریچر پر ڈالا اور کمرے سے لے کر چلے گئے۔

سیاہ پوش بھی ان کے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا۔

حبشی ایک تاریک راستے سے گزر کر ایک کوٹھڑی کے دروازے پر آ کر رک گئے۔

سیاہ پوش نے جیب سے چابی نکال کر کوٹھڑی کا پرانا زنگ خوردہ تالا کھولا۔ حبشی سٹریچر اندر لے گئے۔

انہوں نے ناگ کو اٹھا کر زمین پر لٹا دیا اور باہر آ گئے۔

سیاہ پوش نے کوٹھڑی کو تالا لگایا اور چلا گیا۔ ناگ بے ہوش پڑا تھا۔ باہر قلعے کے باہر بارش زور سے ہو رہی تھی۔

بادل خوب گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی۔

جانے کتنی دیر تک ناگ بے ہوش پڑا رہا۔ آخر اسے کچھ ہوش آیا۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔

جانے کس وقت رات ہو گئی۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہی بوڑھا کمزور اور زرد رو ملازم خاموشی سے اندر آ گیا۔

اس نے جلدی سے کوٹھڑی کا دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا اور ناگ کے قریب آ کر بولا۔

میں نے تمہیں کہا تھا، بھاگ جاؤ۔ تم نہیں بھاگے۔ اب تم اس شیطان کے پھندے میں پھنس

گئے ہو۔

اب تمہیں دنیا کی کوئی طاقت یہاں سے باہر نہیں نکال سکتی۔ اگر تم اس کمرے کی، اس دروازے کو توڑ کر بھی باہر نکل جاؤ تو تم اس قلعے سے باہر نہیں جا سکتے۔

راستے میں جگہ جگہ پر لوہے کی سلاخوں کی دیواریں، آدم خور کتے اور وحشی حبشی تمہاری جان لینے کے لیے موجود ہوں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے بابا! مگر یہ بتاؤ کہ سیاہ پوش شیطان نے مجھے یہاں کس لیے قید کیا ہے"۔

بوڑھا ملازم کہنے لگا۔

میں نے یہ راز کبھی کسی کو نہیں بتایا۔ میں جانتا ہوں، اس راز کو فاش کرنے کی سزا موت ہے۔

شیطان کو اگر پتہ چل گیا تو وہ مجھے آدم خور کتوں کے آگے ڈال دے گا۔ لیکن جانے کیوں تمہاری بھولی بھالی شکل دیکھ کر مجھے اپنا مرا ہوا بیٹا یاد آ گیا۔

اس کی شکل تم سے بہت ملتی جلتی تھی۔ میں نے اس وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تمہاری زندگی اس شیطین کے حوالے نہیں ہونے دوں گا۔

لیکن افسوس کہ تم اس وقت نہ بھاگے۔ اب تم پھنس گئے ہو۔ اب اگر میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی تمہیں نہیں بچا سکتا۔

اب میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ اس سیاہ پوش سلطان نے تمہیں یہاں کس لیے قید کیا ہے۔

غور سے سنو! یہ کاؤنٹ ایک سنگدل ظالم جلاد ہے۔

یہ اور اس کے ساتھی دوسروں کو قتل کر کے اور قتل ہوتا دیکھ کر خوشی حاصل کرتے ہیں۔

اس کام کے لیے شیطان کاؤنٹ اور اس کے ساتھیوں نے اسی تہہ خانے میں ایک بہت بڑا ہال بنا رکھا ہے۔

جس کے ارد گرد سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جب کسی بدنصیب کو قتل ہونا ہوتا ہے۔ تو ان سیڑھیوں پر کرسیاں سجادی جاتی ہیں۔

شیطان کاؤنٹ کے ساتھی ان کرسیوں پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور مہمانوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ چاقو چھریاں لے کر آئیں۔

اور مظلوم قیدی کے جسم پر اپنی مرضی کے مطابق زخم لگائیں۔ ہر آدمی باری باری چاقو مارتا ہے پھر خون سے پیالے بھر کر یہ درندے پیتے ہیں۔

مظلوم انسان جب تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے تو اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے آدم خور کتوں کے آگے ڈال دیے جاتے ہیں۔

یہ شیطان کاؤنٹ کا کھیل ہے، وہ آج رات بھی

کھیل رچانے والے ہیں مگر شکار تم نہیں ہو بلکہ ایک حبشی ہے۔

کیونکہ ایک حادثے میں اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی ہیں۔ اور آدھا سر کچلا جا چکا ہے۔ وہ بچ نہیں سکتا، چنانچہ یہ لوگ آج رات اس کو قتل کر کے خوش ہوں گے۔

تمہاری باری پرسوں رات آئے گی۔

ناگ یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانی سن کر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا خوش اخلاق آدمی ایسا درندہ بھی ہو سکتا ہے۔ گویا کہ اسے جال میں پھنسایا گیا تھا۔

ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کی خونی ٹولی کو ختم کر کے ہی اس قلعے سے باہر جائے گا تاکہ آئندہ سے اس قلعے میں کسی انسان کا خون نہ بہایا جائے۔

اس نے بوڑھے ملازم کو بالکل نہ بتایا کہ اس کے اندر کونسی خفیہ طاقت ہے اور یہ کہ وہ کسی بھی روپ میں رات کو یہ خوفناک کھیل جا کر دیکھ سکتا ہے۔

ناگ یہ سارا خونی ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ یہ لوگ واقعی قاتل ہیں اور ان کا زندہ رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

اس نے بوڑھے سے کہا۔

بابا! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری جان بچانے کی کوشش کی۔

میں بڑا بدنصیب ہوں کہ تمہاری نصیحت پر عمل نہ کر سکا۔

چلو جو میری قسمت میں لکھا ہے، مجھے قبول ہے بہر حال میں مرنے کے بعد بھی تمہاری نیکی یاد رکھوں گا۔

بوڑھے نے رحم بھری نظروں سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"اب میں جاتا ہوں"۔

خونی ڈرامہ

ناگ نے اسے روک کر کہا۔

"بابا جان! میں بڑا شکر گزار ہوں، اگر تم ایک احسان مجھ پر اور کر دو۔ کسی طرح سے دیوار والی کھڑکی باہر سے کھول دو تاکہ مجھے تازہ ہوا اندر آتی رہے یہاں تو میرا دم گھٹ رہا ہے"۔

بوڑھے نے کہا۔

"افسوس تمہاری زندگی صرف ایک رات رہ گئی ہے۔ اب تم تازہ ہوا لے کر کیا کرو گے؟"۔

ناگ بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جب موت آنی ہے تو اسی وقت مروں۔ کم از کم آج کی رات اور کل کا دن تو سکون سے گزار سکوں۔ میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں گا"۔

بوڑھا بولا۔

"مگر ایک بات کا خیال رکھنا، اگر کسی کو آتے دیکھو تو یہ چھوٹی کھڑکی فوراً بند کر دینا"۔

"ایسا ہی ہو گا۔ فکر نہ کرو"۔

بوڑھے نوکر نے باہر جا کر چھوٹی کھڑکی تھوڑی سی کھول دی۔ ناگ کے لیے یہی بہت تھا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔

وہ رات کو یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ وہ رات کو یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

بوڑھا نوکر کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے تالا لگا کر جا چکا تھا۔ ناگ شیطان کاؤنٹ کے کردار پر جتنا غور کرتا تھا اسے اتنا ہی بھیانک اور وحشی نظر آتا۔ اس بد بخت کو کسی صورت میں زندہ نہیں چھوڑوں

گا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی ہلاک کر دوں گا۔ تاکہ آئندہ کوئی معصوم مسافروں کے پھندے میں نہ پھنس سکے۔

تھوڑی دیر بعد ناگ کو چند گھوڑا گاڑیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے شیطان سیاہ پوش کے وحشی ساتھی آنا شروع ہو گئے تھے۔

بگھیوں کے آگے جتے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

اب چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ شاید خونی

تکمیل ہونے والا تھا۔

ناگ نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ بوڑھا نوکر تھوڑی سی کھڑکی کھلی چھوڑ گیا تھا۔ اس میں سلاخیں لگی تھیں اور کوئی انسان باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

ناگ نے اسی لمحے سانپ کا روپ بدل لیا۔ وہ سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا سانپ بن گیا۔ اور کھڑکی کی سلاخوں میں سے رینگتا ہوا نکل کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا کھڑکی پر ٹوٹا ہوا تالا پڑا تھا۔ اب اس نے کان کھڑے کیے اور جدھر سے گھوڑا وغیرہ کے کبھی ہنہنانے اور لوگوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آ

رہی تھیں، ادھر کو چلنا شروع ہو گیا۔

وہ سیاہ دیوار پر چھت کے قریب قریب رینگ رہا تھا۔ یہ راستہ تنگ سا تھا اور بائیں جانب گھوم گیا۔ آگے جا کر ایک چبوترہ سا آ گیا۔

جس کے آگے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ پھر ایک ڈھلان آ گئی۔ ناگ رینگتا چلا گیا۔

اب لوگوں کے کھانسنے اور ہنسنے مذاق کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ناگ نے دیکھا۔

بائیں جانب ایک اصطبل سا ہے۔ جس میں چھ سات گھوڑا گاڑیاں کھڑی ہیں۔ گھوڑوں کے آگے چارہ رکھا ہے جو وہ مزے سے کھا رہے ہیں۔

پیچھے سے ایک راستہ اوپر شاید قلعے کے اوپر والے حصے میں جاتا تھا۔ یقیناً یہ بگھیاں اسی راستے سے آئی تھیں۔

ناگ یہاں سے گزرنے لگا تو ایک پہرے دار نوکر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اگرچہ یہ رات کا وقت تھا۔ لیکن یہاں مشعلیں جل رہی تھیں۔

یہ نوکر لاٹھی لے کر اس کی طرف لپکا۔ ناگ اسے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ وہ جلدی سے رینگ کر چھت کی اندھیری کڑیوں میں غائب ہو گیا۔

نوکر اسے تلاش کرتا ہی رہ گیا۔

ناگ کو ایک روشندان نظر آیا۔ وہ اس میں سے گزر کر پرلی طرف آ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ ایک ہال کمرہ ہے جس میں چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہیں۔

ان سیڑھیوں پر صوفے رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر کوئی چالیس کے قریب آدمی سیاہ کپڑوں میں ملبوس بیٹھے ہیں۔

ان میں سب سے اگلے صوفے پر وہی سیاہ پوش شیطان صفت کاؤنٹ بیٹھا سگار پی رہا ہے اور اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہا ہے۔

ان سب لوگوں نے چہروں پر نقاب چڑھا رکھے تھے۔ صرف شیطان کاؤنٹ کا چہرہ بغیر نقاب کے تھا۔

درمیان میں ان لوگوں کے سامنے ایک سنگ مر مر کی مضبوط میز بچھی تھی۔ جو خالی تھی۔ ناگ سمجھ گیا کہ اس میز پر انسان کو وحشی درندوں کی طرح ہلاک کیا جائے گا۔

ناگ روشندان میں خاموش ہو کر سمٹ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی چھوٹی سی گردن اٹھا کر تماشا دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد شیطان کاؤنٹ اپنے صوفے پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سگار پھینک دیا۔ جیب سے سیاہ رنگ کا رومال نکال کر لہرایا اور کہا۔

معزز مہمانو! آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ ہم

یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں۔

شیطان نے ہمیں یہ خوشی کا موقع دیا ہے کہ ایک شکار آپ کی دعوت کے لیے پہلے موجود تھا اور ایک اور شکار آج ہی صبح مجھے چشمے کے پل پر مل گیا تھا جسے میں پکڑ کر قلعے میں لے آیا ہوں۔

اسے کل رات آپ کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا جائے گا۔

اس پر سب لوگ تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

شیطان کاؤنٹ نے جھک کر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائے اور آپ نے مجھے مہمان داری کی عزت بخشی۔

کیا آپ لوگ تیار ہیں کہ خونی کھیل شروع کیا جائے؟۔

سب لوگوں نے یک آواز میں کہا۔

ہم انسان کا خون پینے کے لیے بالکل تیار ہیں۔

برائے مہربانی جلدی سے کھیل شروع کیا جائے۔

ہمارے صبر کا امتحان نہ لو، کیونکہ اب ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔

ہمیں انسان کے خون کی خوشبو بلا رہی ہے۔

اس پر سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنسے اور ایک آواز میں بولے۔

"انسان کا خون لاؤ۔ انسان کا خون لاؤ"۔

شیطانی کاؤنٹ نے جھک کر کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔ کھیل شروع ہوتا ہے"۔

اس نے رومال نکال کر ہوا میں لہرایا اور بلند آواز سے کہا۔

"کھیل شروع کیا جائے"۔

ساتھ ہی اس نے دو مرتبہ تالی بجائی۔ اب وہاں خاموشی چھا گئی۔

ناگ روشندان میں بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔

اتنے میں تماشہ گاہ کا مشرقی سیاہ دروازہ کھلا اور سٹریچر پر ڈال کر ایک زخمی حبشی کو لایا گیا جو درد سے کراہ رہا تھا۔

اس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی اور سر کا ایک حصہ پچکا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سب لوگ تالیاں بجانے لگے۔

حبشی کو درمیان میں لا کر سنگ مرمر کے بڑے میز پر ڈال دیا گیا۔ پھر چمڑے کی مضبوط رسی سے میز کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

وہ ایک ہاتھ اٹھا کر بار بار نیچے پھینک رہا تھا۔

جیسے درد میں مبتلا ہو۔ اس کے منہ سے سوائے غوں غاں کے اور کچھ نہیں نکل رہا تھا۔

نوکر اسے پتھر کی میز پر باندھ کر چلے گئے۔

شیطان کاؤنٹ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے اپنی جیب سے لمبا سا خنجر نکال کر کہا۔

"میں اپنے معزز مہمان کاؤنٹ اوجن کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس خونی کھیل کا آغاز کریں"۔

مہمانوں میں سے ایک درندہ صفت شیطان کاؤنٹ اوجن جو پورا دیو کا دیو تھا، اپنی کرسی سے اٹھا لوگوں نے تالیاں بجائیں کاؤنٹ اوجن نے شیطان کاؤنٹ سے خنجر لے کر اسے چوما، اسے ماتھے پر لگایا

اور اونچی آواز میں کہا۔

"شیطان ہمارا نگہبان ہو"۔

یہ کہہ کر وہ خنجر لیے پتھر پر جکڑے ہوئے حبشی کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

زخمی حبشی اسے رحم طلب نظروں سے تکنے لگا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ مجھے معاف کر دو۔

مجھے کیوں مارتے ہو؟ میرے بچے ہیں جو میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔

مگر شیطان اوجن ترس کھانا جانتا ہی نہیں تھا۔ ان لوگوں میں سے کوئی بھی ترس کھانا، رحم کرنا نہیں جانتا تھا۔

شیطان اوجن نے خنجر اوپر کیا اور پھر شیطان زندہ باد کا نعرہ لگا کر خنجر حبشی کے بازو میں گھونپ دیا۔

خون کا ایک چشمہ سا ابل پڑا۔ فوراً اس نے پیالے میں خون بھرا اور مہمانوں کو پیش کیا۔ وہ خون پینے اور شور مچانے لگے۔

جب یہ درندہ لوگ خون پی چکے تو سیاہ رومالوں سے ہونٹ پونچھ کر اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے۔

اب شیطان کا وقت باری باری مہمانوں کو خنجر پیش کرتا۔ ہر مہمان اپنی جگہ سے اٹھ کر حبشی کے پاس جاتا شیطان زندہ باد کا نعرہ لگا کر اس کے جسم میں خنجر گھونپ کر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ جاتا۔

سنگ مرمر کی میز اور نیچے کا فرش خون سے بھر گیا تھا۔ خون کے نشان مہمانوں کے صوفوں تک چلے گئے تھے۔

حبشی درد سے کراہ رہا تھا۔ پہلے وہ زور زور سے چیخیں مارتا تھا اب وہ ہلکے ہلکے کراہنے لگا تھا۔

ناگ روشن دان میں بیٹھا یہ دردناک منظر دیکھ رہا تھا۔

حبشی کا مر جانا ہی بہتر تھا۔ وہ پہلے ہی اس قدر زخمی تھا کہ بچ نہیں سکتا تھا۔ ورنہ ناگ ان لوگوں کو اس ظلم کی اجازت نہ دیتا۔

اب شیطان کا وقت اٹھ کر حبشی کے پاس آیا اس

نے خنجر لے کر بڑے مزے سے، بڑے آرام سے، جیسے سالگرہ کا کیک کاٹ رہا ہو، اس حبشی کا ایک بازو کاٹ کر الگ کر دیا۔

اور زمین پر پھینک دیا۔ مہمان تالیاں بجانے لگے۔ کاؤنٹ نے پھر اس کا ایک کان کاٹ کر مہمانوں کی طرف اچھال دیا۔

جس کی جھولی میں حبشی کا کٹا ہوا کان گرا، اس نے اٹھ کر تالی بجائی اور کان منہ میں ڈال کر کتے کی طرح کھانے لگا۔

شیطان کاؤنٹ نے دوسرا کان بھی کاٹ کر مہمانوں کی طرف اچھال دیا۔ اسے ایک دوسرا مہمان

منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔

اسی طرح شیطانی کاؤنٹ نے حبشی کا ایک ایک عضو کاٹ کر پھینک دیا۔

اب حبشی مرنے والا تھا۔ بلکہ بہت حد تک مر چکا تھا۔ اس کی کراہ کی آواز اب بالکل سنائی نہیں دیتی تھی۔

صرف سفید پڑ گئے ہونٹ ذرا ذرا ہل رہے تھے۔ شیطان کاؤنٹ نے چھرا مار کر اس کا پیٹ چاک کر کے پسلیوں میں ہاتھ ڈال کر اس کا دل کھینچ کر باہر نکال لیا۔

دل کے ساتھ کچھ رگیں بھی باہر آ گئیں۔ شیطان

کاؤنٹ نے وہ رگیں ایک جھٹکے سے کاٹ ڈالیں اور دل کو ایک تھالی میں ڈال کر سب سے معمر مہمان کی خدمت میں پیش کیا۔

معمر مہمان نے شکریہ ادا کیا اور جیب سے چھری نکال کر اس کا ایک قتلہ کاٹ کر منہ میں ڈالا اور مزے سے کھانا شروع کر دیا۔

اس طرح حبشی کا دل سارے مہمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پھر سارے مہمانوں نے مل کر شیطان کی تعریف میں گیت گایا۔ گیت ختم ہوا تو شیطان کاؤنٹ نے حکم دیا۔

"اس حبشی کی لاش کے ٹکڑے کتوں کے آگے ڈال دیئے جائیں گے"۔

نوکر آگے بڑھے۔ انہوں نے بیچارے حبشی کی لاش کے ٹکڑوں کو اٹھا کر ایک ٹوکری میں ڈالا اور کتوں کی کوٹھڑی کی طرف لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد کتوں کے بھونکنے اور پھر ایک دوسرے سے لڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔

صاف ظاہر تھا کہ وہ بدنصیب حبشی کی لاش کے ٹکڑوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کھا رہے ہیں۔ شیطان کاؤنٹ نے کھڑے ہو کر کہا۔

معزز مہمانو! میں آپ کو خوش خبری سناتا ہوں کہ

آپ کل رات ایک صحت مند انسان کا خون پئیں گے۔ اور اس کے جوان دل کے قتلے کاٹ کر کھائیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ آج آپ کی خدمت میں ایک زخمی انسان پیش کیا گیا جس کے قتل کا کچھ مزہ نہیں آیا۔

اس کی چیخیں صحت مند نہیں تھیں۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

کل آپ کے سامنے ایک ایسے انسان کو ذبح کیا جائے گا جو نوجوان ہے۔

صحت مند ہے اور یقیناً جس کی آواز سن کر اور

جس کے دل کے ٹکڑے کھا کر اور جس کا تازہ خون پی کر آپ بہت خوش ہوں گے۔

آپ آج رات میرے قلعے میں ہی ٹھہریں گے۔ تاکہ کل کا خونی کھیل بھی آپ کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

مہمانوں نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں اور شیطان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ روشندان میں بیٹھے بیٹھے ناگ ایک بار تو کانپ گیا۔

کم بخت اس کو ذبح کرتے، اس کے دل کے قتلے کھانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ کوئی بات نہیں کل ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ساری زندگی یاد رکھیں۔

یاد کیا رکھیں گے ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر یہاں سے واپس نہیں جائے گا۔ ان لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی پر امن مہذب دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔

اب مہمانوں نے رخصت ہونا شروع کر دیا۔

ناگ بھی روشندان سے اترا اور دیواروں دیواروں رینگتا ہوا اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اور دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی۔

کوٹھڑی بند کی اور کونے میں بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ کل وہ کس طرح سے انہیں ہلاک کرے؟

کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو کھڑکی میں سے وہی بوڑھا ملازم اندر روٹی کا ڈبہ پھینک رہا تھا۔

"صبح بخیر بچے! افسوس آج کا ناشتہ تمہاری زندگی کا آخری ناشتہ ہے۔ کل تم ناشتہ کرنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے"۔

ناگ نے آہ بھر کر کہا۔

"جو خدا کو منظور بڑے میاں!"۔

بوڑھا کہنے لگا۔

رات خونی ڈرامہ بہت ہولناک تھا۔ بے چارہ حبشی ہلاک کر دیا گیا۔

اس کی لاش کے ٹکڑے کتوں کے آگے ڈال

دیے گئے تم نے رات کتوں کے وحشیانہ انداز میں بھونکنے کی آوازیں سنی تھیں؟

ایک طرح سے اچھا ہی ہوا کہ حبشی مر گیا۔ وہ اس کی زندگی موت سے بدتر تھی۔ مگر جس انداز میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا، مجھ سے نہیں دیکھا گیا۔ اچھا ہوا کہ تم نہیں دیکھ سکے۔

ناگ نے کہا۔

"وہی منظر آج میرے ساتھ دہرایا جائے گا۔"

بوڑھے نے افسوس کے ساتھ کہا۔

ایسا نہ ہوتا اگر تم میرے بات پہلے روز مان لیتے اور اس کمرے سے فرار ہو جاتے۔ اب کچھ نہیں ہو

سکتا۔ تمہاری موت اس قلعے میں لکھی جا چکی ہے۔

تمہارا حسرت ناک بھیانک انجام مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے۔

کاش میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا۔ ناشتہ پیٹ بھر کر کھا لو اس کے بعد تم کوئی ناشتہ نہ کر سکو گے۔

کاؤنٹ نے تمہارے لیے ناشتہ میں خاص طور پر بطخ کی بھنی ہوئی رانیں بھجوائی ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"کاؤنٹ کا شکریہ بابا! مرنے کے بعد بھی میں اس کی مہمان نوازی کو یاد رکھوں گا۔"

ناگ مزے سے ناشتہ کرنے لگا۔ ظاہر میں وہ

یوں اداکاری کر رہا تھا جیسے اسے ناشتے سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

لیکن اندر سے وہ خوب مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔ بھنی ہوئی بٹیر کی ٹانگیں واقعی بڑی مزے دار تھیں۔

ناشتہ کرنے کے بعد ناگ نے کٹورے سے پانی پیا اور بڈھے سے پوچھا۔

"بابا! ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے کبھی یہاں قلعے میں کوئی سانپ دیکھا ہے؟"۔

"سانپ؟"۔

بوڑھے نے تعجب سے کہا۔

"مگر تم سانپ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔ یہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ خدا کو یاد کرو۔ تم سانپ کو دیکھنے کی خواہش کیوں کر رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بابا! میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ بتاؤ تو بھلا یہاں کبھی کوئی سانپ بھی نظر آیا ہے؟"۔

بوڑھے نے کہا۔

قلعے میں تو نہیں، البتہ قلعے کے باہر والی دیوار کے پاس ایک ویران جگہ ہے۔ وہاں کہتے ہیں کہ سرخ سانپوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔

اچھا اب تم نے ناشتہ کرلیا ہے، میں جاتا ہوں۔ تم

سے آخری ملاقات کرنے شام کو آؤں گا۔ کیونکہ آدھی رات کو یہ لوگ تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔

بڑھا چلا گیا تو ناگ نے سرخ سانپوں کے اس جوڑے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ جو قلعے کی دیوار کے پاس ٹیلے میں رہتا تھا۔

شام جب گہری ہو گئی اور ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل گیا تو ناگ دوبارہ سانپ کا روپ دھار کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

قلعے کی اندھیری راہ داری سے نکل کر وہ قلعے کے باہر آ گیا۔ اس نے دیوار کے ساتھ رینگتے ہوئے پرلی طرف ایک اونچا سا ٹیلہ دیکھا جس پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

ناگ رینگتا ہوا اس ٹیلے پر آ گیا۔

سرخ سانپوں کا جوڑا اس وقت اپنے سوراخ میں آرام کر رہا تھا۔ اچانک وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ نر اور مادہ دونوں سانپوں کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

کوئی بہت بڑا ناگ دیوتا ان کے ٹیلے پر موجود تھا۔ نر سانپ نے مادہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لگتا ہے ناگ دیوتا ہمارے غریب گھر کے باہر آیا ہے"۔

مادہ سانپ بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ آؤ باہر چل کر

دیکھیں"۔

نر سانپ نے کہا۔

ہمیں کوئی تحفہ لے کر چلنا ہوگا۔

ناگ دیوتا کی خدمت میں خالی ہاتھ جانا برا شگون ہے۔

اسی وقت انہوں نے زمین کے اندر سے ایک سفید قیمتی موتی نکالا۔

اسے منہ میں پکڑا اور باہر آ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے جھاڑیوں میں ایک بڑا ہی خوبصورت سیاہ سانپ جس کے سر پر سنہری تاج بنا ہوا ہے، زمین پر دم ٹکائے پورا کھڑا ہے اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

سانپوں کا جوڑا اسی وقت سجدہ میں گر پڑا۔ پھر انہوں نے بڑے ادب سے ناگ دیوتا کی خدمت میں قیمتی موتی پیش کیے اور سر جھکا کر کنڈلی مار کر بیٹھ گئے۔

ناگ نے کہا۔

"سنو! مجھے اس وقت ان موتیوں کی ضرورت نہیں ہے، میں ایک کام کے لیے آیا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"۔

سرخ سانپ نے کہا۔

"عظیم دیوتا! ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔

آپ حکم کریں تو ہم اپنی جان بھی آپ پر قربان کر دیں"۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے بتاؤ کہ ٹبے پر آس پاس کتنے سانپ رہتے ہیں؟"۔

سانپ نے کہا۔

"حضور! چالیس پچاس تو ضرور ہوں گے"۔

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے ان سب کو جا کر میری طرف سے حکم دو کہ فوراً حاضر ہوں۔"

اسی وقت سر ادب سے جھکا کر نر اور مادہ

دونوں سانپ ٹبے کی دوسری طرف چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو ان کے پیچھے پیچھے کوئی پچاس کے قریب انتہائی زہریلے کالے سانپ رینگتے چلے آ رہے تھے۔

انہوں نے اپنے سامنے سنہری تاج والے عظیم ناگ دیوتا کو دیکھا تو اپنی اپنی گردنیں جھکا کر سجدوں میں گر پڑے۔

ناگ نے انہیں کہا۔

سنو! میں نے تم لوگوں کو ایک خاص مقصد کے لیے یہاں بلایا ہے۔ تم سب کو میرے ساتھ قلعے میں چلنا ہوگا۔

اس قلعے میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو درندہ ہیں۔ انسان نہیں ہیں۔

وہ انسانوں کو ہلاک کر کے ان کا خون پی کر وہ ان کی لاشوں کو کتوں کے آگے پھینک کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

آج کی رات وہ مجھے ہلاک کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔

سارے سانپ یک زبان ہو کر بولے۔

"عظیم دیوتا! ان کی یہ جرأت! ہم ان کو ایک پل میں اس طرح ہلاک کر دیں گے کہ ان کی لاشیں پھول کر کپا ہو جائیں گی"۔

ناگ نے کہا۔

ہاں۔ تمہیں ایسا ہی کرنا ہوگا۔ مگر جب میں اشارہ کروں گا تب۔

میں چاہتا ہوں کہ وہ سارے درندے شیطان ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اس وقت تم سب لوگ میرے ساتھ چلو اور قلعے میں ادھر ادھر چھپ کر میری سیٹی کا انتظار کرو۔

میں یہ سیٹی آدھی رات کے وقت بجاؤں گا۔

جب وہ لوگ مجھے ذبح کرنے کے لیے ہال کمرے میں جمع ہو چکے ہوں گے۔

تمہارا یہ کام ہوگا کہ میری سیٹی کی آواز سنتے ہی

ہال کمرے میں آ کر وہاں جتنے لوگ بیٹھے ہوں گے ان پر ٹوٹ پڑنا۔

یاد رکھو، ان میں سے کسی کو زندہ بچ کر نہ جانے دینا۔ وہ سارے درندے ہیں۔ انسان کے بھیس میں بھیڑیے ہیں۔

شیطان ہیں۔ ایک ایک کو بار بار ڈسنا اور ان کے جسموں میں اتنا مہلک زہر داخل کرنا کہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔

اور ان کی لاشیں پھول کر کپا بن جائیں۔ پھر ان پر کتے چھوڑ دیے جائیں گے تا کہ وہ بھی زہریلا گوشت کھا کر ہلاک ہو جائیں۔

ہاں ایک زرد رنگ کے چہرے والے بوڑھے ملازم کو کچھ نہ کہنا۔

اس کے دل میں انسانیت کا درد باقی ہے۔ اس نے پہلے روز ہی مجھے بچانے کی کوشش کی تھی، کیا تم تیار ہو؟۔

بالکل تیار ہیں جناب! سانپ نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ مگر قلعے میں ایک ایک کر کے داخل ہونا اور جہاں جگہ ملے، چھپ کر آدھی رات کو بجنے والی سیٹی کا انتظار کرنا۔

سارے سانپ قلعے کی دیوار پر رینگتے ہوئے شام کے اندھیرے میں قلعے میں داخل ہو گئے اور جس کو

جہاں کہیں جگہ ملی وہاں جا کر چھپ گیا۔

ناگ سیدھا اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اندر آتے ہی اس نے پھر سے انسان کی شکل تبدیل کر لی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں کوٹھڑی کا پٹ کھلا اور زرد رنگ کے بڈھے نوکر کا چہرہ نمودار ہوا۔

"افسوس! میں تمہاری مدد نہ کر سکا۔ تمہاری زندگی کا آخری کھانا لے کر آیا ہوں"۔

اس نے رسی سے بندھا ہوا ڈبہ اندر کر دیا۔ اس میں بھنا ہوا مرغ اور سینڈوچز تھے۔ ناگ نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

آہ! میرے محسن! کاش میں تمہاری بات اس وقت مان لیتا۔

مگر قسمت میں میری موت اسی قلعے میں لکھی تھی۔ میرے لیے اب قسمت کے لکھے کو مان لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

بوڑھا نوکر کہنے لگا۔

وہاں میں دیکھ آیا ہوں۔ ساری تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں۔ ہال کمرے میں سنگ مرمر کی میز رکھ دی گئی ہے۔

خنجر، اور چاقو چھریاں خوب تیز کر کے میز پر سجا دی گئی ہیں۔

کا وقت مہمانوں کے انتظار میں قلعے کے دروازے پر کھڑا ہے۔

"یہ مہمان کہاں سے آتے ہیں؟ کیا یہ اتنے ہی لوگ ہیں یا اور بھی ہیں؟"۔

ناگ نے اس خیال سے پوچھا کہ اگر وہ زیادہ تعداد میں ہوں اور دوسری جگہ رہتے ہوں تو انہیں وہاں جا کر ختم کر دیا جائے۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

یہ لوگ اسی قصبے کے پرانے جاگیردار ہیں۔ صرف یہی لوگ ہیں جو یہاں جمع ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ اور کہیں نہیں ہیں مگر تم کیوں پوچھ

رہے ہو؟۔ تم کو تو ابھی دو ایک گھنٹے کے بعد مر جانا ہے۔ ایک اذیت ناک موت۔ مجھے موت کا بڑا دکھ ہوگا۔ مگر میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

ناگ نے کہا۔

میں تمہارا شکر گزار ہوں بابا! شاید میں ہی تمہارے لیے کچھ کر سکوں۔

بوڑھا ہنسا۔

"بھلا تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔ تمہاری زندگی صرف دو گھنٹے باقی رہ گئی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ

ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی بجائے خدا کی عبادت کرو اور اپنے گناہ بخشوانے کے لیے دعا کرو"۔

"وہی کر رہا ہوں بابا! ساتھ ہی ساتھ ان ظالم درندوں کے گناہوں کی سزا کے بارے میں بھی سوچ رہا ہوں"۔

بھئی کمال ہے۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ بھلا تم اس حالت میں کہاں ہو کہ ان وحشیوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے سکو۔

ان لوگوں کو تو اب خدا ہی جہنم بھیجے گا۔ ایسے ظالم درندے میں نے اپنی ساری زندگی میں کہیں نہیں دیکھے۔

ناگ نے پوچھا۔

مگر بابا! تم یہاں کس طرح پھنس گئے۔ تم تو ایک شریف اور نیک دل آدمی ہو۔

بوڑھے نے آہ بھر کر کہا۔

برخوردار کیا بتاؤں۔ میں کاؤنٹ کا پرانا خادم ہوں۔

میں نے اس کے خاندان کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ پہلے اچھا بھلا انسان ہوا کرتا تھا۔

پھر نہ جانے اسے کیا ہو گیا کہ اس نے سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو قتل کیا، پھر اپنے بچوں کو ہلاک کیا۔

اس کے بعد یہ پاگل ہو گیا۔ اور دوسرے ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملا کر انسانوں کو ذبح کر کے اس خونی ڈرامے سے لذت حاصل کرنے لگا۔

یہ ہر روز شام کو قلعے سے باہر نکل ہے اور کسی نہ کسی بھولے بھٹکے مسافر کو ورغلا کر، بہلا پھسلا کر قلعے میں لے آتا ہے اور پھر اپنے شیطان ساتھیوں سے مل کر اس کے خون کی ہولی کھیلتا ہے۔

ناگ کے منہ سے غصے میں بے اختیار نکل گیا۔

''اب یہ خونی کھیل نہ کھیل سکے گا''۔

''کیا کہا تم نے؟''۔

ناگ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

میرا مطلب تھا کہ شاید خدا اسے آج رات ایسی سزا دے کہ یہ خونی کھیل اس قلعے میں پھر کبھی نہ دہرایا جا سکے۔

کاش ایسا ہو سکے! کاش خدا ان لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کی گہری نیند سلا دے۔ میرا بس چلے تو ان سب کو قتل کر کے ان کی لاشوں کے ٹکڑے کتوں کے آگے ڈال دوں۔

ایسا ہی ہو گا۔

ناگ نے بوڑھے کو غور سے تکتے ہوئے کہا۔

اندھیرے میں ناگ کی سرخ انگاروں کی طرح آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں جوش

انتقام سے خون اتر آیا تھا۔ بوڑھے نے ان کی آنکھوں کو دیکھا تو ڈر سا گیا۔

کہنے لگا۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے برخوردار؟ شاید تم پر موت کا اثر ہونے لگا ہے۔

حوصلہ رکھو برخوردار؟

بہادروں کی طرح موت کو سینے سے لگاؤ۔ تمہیں اب مرنا ہی ہے تو بہادروں کی طرح مرو۔

تم روئے چیخے چلائے تو بھی کچھ نہ ہو سکے گا۔

تمہاری موت ٹل نہیں سکتی۔

یہ کہہ کر بوڑھا ٹوکرا اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ناگ

نے خوب پیٹ بھر کر بھنا ہوا مرغ کھایا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمہاری بھوک ابھی تک سلامت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بہادروں کی طرح موت کو قبول کرو گے"۔

بوڑھے کی اس بات پر ناگ ہنس دیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ موت کو اس طرح سے قبول نہ کریں گے"۔

بوڑھا ڈر کر پرے ہٹ گیا۔

"یقیناً تم پاگل ہو گئے ہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں جاتا ہوں، اس کے بعد تم سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ یہ ہماری زندگی کی آخری ملاقات ہے۔ خدا

حافظ!"۔

ناگ نے کہا۔

"بابا! ہم ایک بار پھر ملیں گے اور یقین کرو تمہیں مجھ سے مل کر بڑی خوشی ہو گی"۔

بوڑھا۔ ملازم سہم کر چلا گیا۔

اب ناگ نے بند گاڑیوں اور گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنیں۔

قاتل درندے خونی ڈرامہ دیکھنے اور ناگ کا خون پینے کے لیے قلعے میں آنا شروع ہو گئے تھے۔

منحوس قلعے کی تباہی

ہال کمرے میں وحشی مہمان آ کر جمع ہو چکے تھے۔

آج وہ بڑے خوش تھے کہ ایک صحت مند نوجوان کا تازہ خون اور دھڑکتے ہوئے جوان دل کے قتلے کھانے کو ملیں گے۔

چہروں پر سیاہ نقاب پہنے، سیاہ کپڑوں میں ملبوس،

وہ صوفوں پر بیٹھے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

شیطان کاؤنٹ ابھی نہیں آیا تھا وہ اپنے کمرے میں سیاہ اوور کوٹ پہن کر شیشے کے سامنے کھڑا اپنی مونچھوں کو بل دے رہا تھا۔

بوڑھا ملازم تھالی میں اس کا ہیٹ رکھے پاس کھڑا تھا۔ شیطان کاؤنٹ نے ہیٹ سر پر جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے شکار کا کیا حال ہے؟ شام کا کھانا اس نے کھالیا تھا کہ نہیں؟"۔

نوکر بولا۔

"اس نے بڑے شوق سے کھانا کھایا تھا جناب!

وہ تو خلاف معمول بڑا خوش ہے۔ ایسا شکار میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔

کاؤنٹ خوش ہو کر کہنے لگا۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ شکار جتنا خوش ہو گا، اسے ذبح کرنے میں اتنا ہی مزا آئے گا۔

وہ جتنا پیٹ بھر کر اور خوش ہو کر کھائے گا، اتنا ہی اس کا خون تروتازہ ہو کر باہر نکلے گا۔ ہمیں اس کے خون سے بڑی صحت ملے گی۔

کاؤنٹ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ادھر کتے صبح سے بھوکے تھے اور انسانی گوشت کے انتظار میں اپنی کوٹھڑی میں بے تابی سے شور مچا رہے تھے۔

ان کی کوٹھڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے کاؤنٹ نے سلاخوں پر چھڑی بجا کر کہا۔

گھبراؤ نہیں میرے بچو! بس تھوڑی دیر میں تمہاری دعوت ہونے والی ہے۔ آج تمہیں کھانے کو بڑا عمدہ صحت مند گوشت ملے گا۔

وہ ہال کمرے میں داخل ہو رہا تھا کہ ایک نوکر نے آگے آ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"حضور انور! قلعے میں دو چار عجیب رنگ کے زہریلے سانپ دیکھے گئے ہیں"۔

"تو مجھے کیا کہنے آئے ہو۔ مار ڈالو ان سانپوں کو"۔

"مگر سرکار وہ سانپ غائب ہو جاتے ہیں"۔

"بکواس بند کرو"۔

کاؤنٹ نے نوکر کو جھڑک دیا اور ہال کمرے میں داخل ہو گیا۔

اسے دیکھتے ہی مہمانوں نے تالیاں بجا کر اس کا استقبال کیا۔

کاؤنٹ اب جلدی کرو۔ ہمیں خون کی پیاس لگی ہے۔ ہمیں تمہارے نوجوان شکار کا خون چاہیے۔ اس کے دل کے قتلے چاہئیں۔

کاؤنٹ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی ہیں میرے دوستو! کھیل شروع ہونے والا ہے"۔

پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور اعلان کیا۔

"آج کے شکار کو لایا جائے"۔

حبشی نوکر ناگ کی کوٹھڑی کی طرف بھاگے۔ اتنے میں بوڑھا ملازم کاؤنٹ کے پاس آیا اور جھک کر اس کے کان میں بولا۔

"حضور! ایک نوکر کو سانپ نے کاٹ دیا ہے۔"

کاؤنٹ نے غصے میں کہا۔

"تو اسے باہر کھائی میں پھینک دو۔ میں کیا کروں، اسے مرے ہوئے کتے کی لاش کا؟"۔

بوڑھا ملازم چپکے سے واپس چلا گیا۔ ناگ اپنی کوٹھڑی میں جلادوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں آدھی رات کا گجر بجا اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دو چار حبشی ہاتھوں میں تلواریں اور بندوقیں لیے اندر آ گئے۔

ناگ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہوں نے ناگ کو رسی سے باندھا اور اٹھا کر ایک سٹریچر پر لٹا کر باندھ دیا۔

پھر وہ سٹریچر لے کر ہال کمرے کی طرف چل پڑے۔

ایک صحت مند نوجوان کو سٹریچر پر لیٹا دیکھ کر مہمانوں کی باچھیں کھل گئیں۔

انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

کاؤنٹ تم نے سچ مچ اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ آج ایک مدت بعد کسی نوجوان کا خون پینے کو ملے گا۔ ہم سب تمہارے شکر گزار ہیں۔

کاؤنٹ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”دوستو! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ میری مہمان نوازی سے خوش ہو رہے ہیں۔ اب کھیل شروع کیا جاتا ہے“۔

اس نے حبشی نوکروں کو حکم دیا کہ ناگ کو پتھر کی میز پر لے جا کر باندھ دیا جائے۔

حبشی نوکر سٹریچر لے کر آگے بڑھے۔

پتھر کی میز پر ناگ کو لٹا کر اسے چمڑے کی رسیوں سے باندھ دیا گیا۔

ناگ نے ایک حبشی سے کہا۔

”تم آج تک کتنے بدنصیب انسانوں کو اس میز پر باندھ چکے ہو؟“۔

حبشی بڑا حیران ہوا کہ موت سامنے کھڑی ہے۔ اور یہ نوجوان اس سے اس قسم کے سوال پوچھ رہا ہے۔

اس نے کہا۔

”خاموش رہو۔ میں تجھ جیسے ایک سو انسانوں کو

اس میز پر باندھ کر شرف حاصل کر چکا ہوں"۔

ناگ مسکرایا۔

"اگر کبھی تمہیں اس میز پر باندھ دیا جائے تو کیا خیال ہے؟"۔

حبشی نے ناگ کو جھڑک کر کہا۔

"بکواس بند کرو اور مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

سارے مہمان یہ دیکھ کر کچھ حیران سے ہو رہے تھے کہ مرنے والا نوجوان مسکرا مسکرا کر حبشی جلاد سے باتیں کر رہا تھا۔

کاؤنٹ خوش قسمت تھا کہ آج وہ ایک ایسے نوجوان کو ذبح کرے گا جو مرنے کے لیے تیار ہے۔

لیکن اسے یقین تھا کہ جب وہ خنجر کا پہلا وار اپنے جسم پر کھائے گا تو اس کی چیخیں بلند ہوں گی۔ اور وہ ساری ہنسی بھول جائے گا۔

اس نے تالی بجائی۔

حبشی غلام پلیٹ میں چھریاں لے کر آگے بڑھا۔

شیطان کاؤنٹ نے وہ چھریاں سارے مہمانوں میں تقسیم کر دیں۔

"دوستو! آج چونکہ شکار نوجوان تھا۔ اس لیے میں نے بالکل نئی چھریاں منگوائی ہیں شہر سے تیار ہو جائیں اپنے شکار کی دعوت اڑانے کے لیے"۔

مہمانوں نے چھریاں پکڑ لیں اور انہیں لہرانے لگے۔ دیواروں کے ساتھ مشعلیں روشن تھیں۔ جن کی روشنی میں نئی نئی چھریوں کے پھل چمک رہے تھے۔

ناگ پتھر کی میز پر لیٹا وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر وہ گھڑی آن پہنچی جب ناگ پر پہلا وار کیا جانے والا تھا۔

شیطان کاؤنٹ نے مہمانوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"دوستو! اجازت ہے کہ میں آگے بڑھ کر اس نوجوان شکار پر اپنے خنجر سے پہلا وار کروں؟"۔

سب مہمانوں نے کہا۔

"اجازت ہے۔ اجازت ہے"۔

"شکریہ! شکریہ!"

شیطان کاؤنٹ نے چھری ہاتھ میں پکڑی اور ناگ کی طرف قدم بقدم بڑی سنجیدگی سے بڑھا۔

پھر وہ ناگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور بولا۔

"آخر تمہاری زندگی کی آخری گھڑی آن پہنچی کاؤنٹ"۔

شیطان کاؤنٹ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

بدنصیب انسان! مر تو یہ خود رہا ہے اور زندگی کی

آخر گھڑی اس کی گن رہا ہے۔

پھر وہ فوراً ہی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

مجھے خوشی ہے نوجوان کہ تم اس حالت میں بھی مذاق کر سکتے ہو۔

تم یقیناً ایک بہادر نوجوان ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے سینے کو چاک کر کے اتنی زور سے جھٹکا مارا کر تمہارا دل باہر کھینچ لوں گا کہ تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے سینے میں ہاتھ ڈال کر اس طرح دل نکالوں کہ تمہیں ذرا محسوس نہ

ہو۔ لیکن تمہاری گردن میں بڑے آرام آرام سے کاٹوں گا۔

کاؤنٹ کو غصہ آ گیا۔

"بک بک بند کرو اور مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

کاؤنٹ نے مہمانوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دوستو! مرنے والا بڑا خوش مذاق نوجوان ہے۔ یہ مجھ سے بڑے عمدہ مذاق کر رہا ہے"۔

لیکن اب اس کی موت کی گھڑی آن پہنچی ہے۔

اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔

شیطان زندہ باد کا نعرہ لگایئے۔

سارے شیطانوں نے مل کر شیطان زندہ باد کا نعرہ لگایا۔

اس کے ساتھ ہی کاؤنٹ نے اپنی چھری والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔

ناگ اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور ایک پل کے ہزارویں حصہ میں وہ چڑیا بن کر پھر سے اڑا اور ہال کمرے کے روشن دان میں جا کر بیٹھ گیا۔

کاؤنٹ کا اٹھا ہوا ہاتھ زور سے چھری سمیت خالی پتھر کی میز سے ٹکرایا۔ اور زخمی ہو گیا۔

اس نے چڑیا کو پھر سے اڑتے اور نوجوان کے جسم

کو غائب ہوتے اپنی آنکھوں سے دکھا۔

سارے ہال کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

سارے مہمان دم بخود ہو کر جیسے سکتے میں آ گئے۔

کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا ہے۔

انہوں نے بھی پتھر کی میز سے ناگ کو غائب ہوتے اور اس کی جگہ ایک چڑیا کو اڑتے دیکھا تھا۔

بوڑھا نوکر کونے میں کھڑا یہ منظر دیکھ کر کانپنے لگا۔

اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان رات کو کوٹھڑی میں اس سے عجیب عجیب قسم کی باتیں کیوں کر رہا تھا۔

مہمان کھڑے ہو گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا کاؤنٹ؟"۔

انہوں نے دہشت زدہ ہو کر کاؤنٹ سے پوچھا۔

کاؤنٹ زخمی ہاتھ پر مفلر لپیٹے ہوئے اوپر روشندان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کاؤنٹ نے چیخ کر کہا۔

"اس چڑیا کو گولی مار دو۔ یہ کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے"۔

ادھر قلعے میں چھپے ہوئے سانپ ناگ دیوتا کی سیٹی کا انتظار کر رہے تھے۔

حبشی غلام بندوقیں لے کر آ گئے۔ انہوں نے روشندان کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ دھائیں

دھائیں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

مگر ناگ وہاں سے اڑ کر دوسرے روشندان میں جا چکا تھا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور منہ سے سیٹی بجائی۔

سیٹی کی آواز سن کر قلعے میں چھپے ہوئے سارے سانپ ایک دم سے باہر نکل آئے۔

مہمان اپنی اپنی جگہ پر کھڑے حیرانی سے چڑیا کو تلاش کر رہے تھے۔ کہ ایک مہمان نے چیخ ماری۔

"سانپ!"

وہ گرا۔

دوسرے نے چیخ ماری۔

"سانپ!"

وہ گرا۔

تیسرے نے چیخ ماری۔

"سانپ!"۔

وہ بھی گرا۔

یوں ایک دوسرے پر مہمان گرتے رہے۔ کچھ بھاگے مگر سانپ انہیں بھاگنے کا موقع کب دیتے تھے۔

بھلا انہوں نے ایک منٹ کے اندر اندر سارے مہمانوں کو ڈس دیا۔ ان کے زہر اس قدر ظالم تھے کہ مہمانوں کے جسم نیلے پڑ گئے۔

ان کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ وہ پتھر بن گئے۔ وہ سارے کے سارے مر گئے۔

ان کے جسم نیلے ہو کر پھولنا شروع ہو گئے۔

کاؤنٹ نے یہ وحشت ناک منظر دیکھا تو سہم گیا۔ پھر چیخ کر نوکروں سے بولا۔

"پکڑو ان سانپوں کو کمینو! پکڑو، مار ڈالو"۔

مگر اب سانپوں نے حبشی غلاموں کو ڈس دیا تھا۔

وہ سارے کانپتے لرزتے ہوئے زمین پر گرے اور پھر نہ اٹھ سکے۔

جب وہاں کاؤنٹ اور بوڑھا ملازم رہ گئے تھے۔

ناگ نے سیٹی بجا کر سانپوں کو حکم دیا کہ کاؤنٹ کو چھوڑ

دیا جائے۔

اسے ہم خود ٹھیک کریں گے۔

سانپ درندہ صفت وحشیوں کے قتل عام سے فارغ ہوکر کمرے کے درمیان ایک طرف کنڈلی مار کر بیٹھ گئے۔

اب ناگ روشن دان سے نیچے اتر آیا۔ نیچے آتے ہی اس نے شیر کی شکل اختیار کی۔ کاؤنٹ پہلے ہی اپنے مہمانوں کی موت، اپنے اردگرد بیٹھے سارے سانپوں کو دیکھ کر حیرت زدہ بلکہ دہشت زدہ ہو رہا تھا۔

چھری اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

اب جو اس نے اچانک اپنے سامنے ایک خونخوار دانتوں والے زبردست شیر کو دیکھا تو خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔

شیر نے آگے بڑھ کر کاؤنٹ کے کندھے پر اپنا پنجہ مارا۔ کاؤنٹ زخمی ہوکر گر پڑا۔

شیر نے اسے اٹھا کر پتھر کی میز پر لٹا دیا۔ پھر اس نے انسان کی آواز میں بوڑھے ملازم کو بلا کر کہا۔

ادھر آ کر اس کو چمڑے کی رسیوں سے میز پر باندھ دو۔

بوڑھا ملازم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ شیر کو انسانی آواز میں بات کرتے سن کر اس کی جان ہی ہوا ہوگئی۔

شیر نے گرج کر کہا۔

"آ کر باندھتے ہو کہ تمہیں ہڑپ کر جاؤں۔ جلدی آؤ"۔

بوڑھا ملازم ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اس نے چمڑے کی رسی سے اپنے مالک شیطان کاؤنٹ کو پتھر کی میز پر باندھ دیا۔

جب کاؤنٹ اچھی طرح سے بندھ گیا تو شیر نے روپ بدل لیا۔ اب پھر وہاں ناگ کھڑا تھا۔ اس نے کاؤنٹ کو دیکھ کر کہا۔

"شیطان کے بچے کاؤنٹ! اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟"۔

کاؤنٹ خوف سے پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ تھرتھراتی آواز میں بولا۔

"مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو"۔

ناگ نے کہا۔

تجھے معاف کرنا انسانیت کے ساتھ بہت بڑا دھوکا کرنا ہے۔

تجھے معاف کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے انسانیت کے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مارا ہے۔ اگر میں نے تمہیں معاف کر دیا تو تاریخ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔

میرا نام آنے والی نسلیں ہمیشہ نفرت سے

لیا کریں گی۔

تم نے نہ جانے کن کن ماؤں کے ہیرے بیٹے یہاں ذبح کر کے کتوں کو کھلا دیے ہیں۔

میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے تھے۔

تم نے جو بویا ہے، اسے کاٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ناگ نے بوڑھے ملازم سے کہا۔

”بابا! سب سے تیز چھری لاؤ“۔

بوڑھے نے ایک چھری پلیٹ میں رکھ کر ناگ کی طرف بڑھا دی۔

ناگ نے چھری لے کر اسے دکھا۔ اس کی نوک کاؤنٹ کے ماتھے پر رکھتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے ایک چھری کی نوک سے تمہاری آنکھ نکالوں گا۔

پھر ایک ایک کان کاٹ کر ٹوکری میں جمع کردوں گا تاکہ بعد میں تمہاری لاش کے سارے منحوس ٹکڑے تمہارے کتوں کو کھلا دیے جائیں۔

اس کے بعد تمہارے مرے ہوئے مہمانوں کا زہریلا گوشت اور تمہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔ تاکہ یہ زہریلا گوشت کھا کر وہ بھی ہلاک ہو جائیں۔

کاؤنٹ نے گھگھیا کر کہا۔

"رحم! رحم!"

ناگ نے چاقو کی نوک کاؤنٹ کی آنکھ پر رکھ دی۔

کاؤنٹ نے جلدی سے آنکھ بند کر لی۔

ظالم شیطان! تجھ سے کتنے بدنصیب انسانوں نے رحم کی بھیک مانگی مگر تمہارے دل پر ذرا اثر نہ ہوا۔ تم نے رحم کے بجائے اس کے سینے چاک کر کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور ان کے کلیجے نکال کر چبائے۔

اب تم یہ کس طرح توقع کرتے ہو کہ میں تمہیں رحم کی بھیک دوں گا۔

کاش میں ساری زندگی تیرے جسم کے ٹکڑے کرتا رہوں۔ تمہارا گناہ اس قدر گھناؤنا ہے کہ اس کی سزا اس دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

بس میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے رہے ہو۔

لو اب تیار ہو جاؤ۔ ایک نعرہ لگاؤ۔ شیطان زندہ باد۔

کاؤنٹ کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ناگ نے اس کے ہونٹوں پر چھری کا دستہ مارتے ہوئے کہا۔

"بولو! شیطان زندہ باد"۔

کاؤنٹ کے منہ سے کمزوری آواز نکلی۔

”شیطان زندہ باد“۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے چھری کاؤنٹ کی آنکھ میں اتار دی۔

کاؤنٹ کی ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔ اس کی آنکھ کا ڈیلا باہر آ گیا اور بہہ نکلا۔

ناگ نے اسی طرح سے کاؤنٹ کا ایک کان کاٹ کر نیچے ٹوکری میں رکھ دیا۔

ناگ یہ کام ایک بڑے ماہر سرجن کی طرح کر رہا تھا۔ اس نے کاؤنٹ کا دوسرا کان بھی کاٹ دیا۔ پھر اس کی ناک کاٹ دی۔ پھر ایک بازو کاٹ کر الگ کر دیا۔

ہال کمرہ شیطان کاؤنٹ کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بکرا ذبح ہوتے وقت ڈکرا رہا ہے۔

کاؤنٹ کے دونوں کان، ناک، دونوں بازو، دونوں پاؤں کٹ کر ٹوکری میں پڑے تھے۔ پتھر کی میز پر خون ہی خون تھا۔

اس پر نیم غشی طاری تھی مگر وہ زندہ تھا۔ اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ اور ایک اکلوتی آنکھ یہ سارا آنکھ خونی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

”تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جا رہا ہے۔ جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے تھے، تم اسی سزا کے سزاوار ہو“۔

ناگ نے چھرا پکڑ لیا اور اب اس کی ایک ٹانگ گھٹنوں سے کاٹ کر الگ کر دی۔ پھر دوسری ٹانگ بھی کاٹ کر الگ کی۔

اب صرف دل باہر نکالنا باقی رہ گیا تھا۔ ناگ نے شیطان کاؤنٹ کے کٹے ہوئے کان کے سوراخ کے قریب ہو کر کہا۔

کاش تمہارا خون پینے والے بھی زندہ ہوتے مگر تمہارا گوشت کھانے والے کتے اب بھی موجود ہیں۔

ان کو تمہارا گوشت ضرور کھلایا جائے گا۔

اچھا اب آخری سین دیکھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ شاباش بہادر بنو۔

میں تمہارا دل نکالنے والا ہوں، فکر نہ کرو۔ میں زبردست جھٹکے سے دل نکال کر تمہاری آنکھوں کے سامنے رکھوں گا۔

کاؤنٹ کے منہ سے ہلکی ہلکی دبی دبی چیخیں نکل رہی تھیں۔

ناگ نے سوچا، کہیں یہ مر نہ جائے۔ اس سے پہلے پہلے اس کے سینے سے دل نکال لینا چاہیے۔

چنانچہ اس نے چھری لے کر کاؤنٹ کا سینہ چاک

کر دیا۔ پھر اس کی پسلیوں میں ہاتھ ڈال کر بڑے آرام سے کھینچ کر اس کا دل، دھڑکتا ہوا دل، باہر نکال لیا۔

"ابھی تک دل دھڑک رہا ہے ظالم شیطان کا"۔

شیطان کاؤنٹ اب مر چکا تھا۔ یہ دنیا بڑے ہی سنگدل ظالم آدمی کے وجود سے پاک ہو جاتی تھی۔

ناگ نے کاؤنٹ کی لاش کے ٹکڑے کوٹھڑی میں جا کر بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیئے۔

پچاس بھوکے کتوں کی بھوک بھلا ان ٹکڑوں سے کہاں بجھتی تھی۔ دیکھتے دیکھتے وہ لاش کے ٹکڑوں کو ہڑپ کر گئے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر بھونکنا

شروع کر دیا۔

ناگ نے بوڑھے سے کہا۔

"ان کتوں کو لے جا کر مہمانوں کی زہر آلود پھولی ہوئی لاشوں پر چھوڑ دو"۔

بوڑھے نے جھک کر کہا۔

"جو حکم ناگ"۔

وہ ناگ سے بہت مرعوب ہو چکا تھا۔ وہ اسے کوئی آسمانی دیوتا سمجھ رہا تھا۔

جو شیطان کاؤنٹ اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے آسمانوں سے زمین پر اتر آیا تھا۔

اس نے جاتے ہی کتوں کو چھوڑ دیا۔

بھوکے کتے لاشوں کی بو لیتے بھاگ کر ہال کمرے میں آ گئے۔ اور مہمانوں کی پھولی ہوئی لاشوں پر ٹوٹ پڑے۔

ان آدم خوروں نے یہ بھی دیکھا کہ جس گوشت کو وہ کھانے لگے ہیں، وہ زہر آلود ہے انہوں نے دیکھتے دیکھتے آدھی سے زیادہ لاشیں ہڑپ کر لیں۔

اس کے ساتھ ہی ان کی حالت غیر ہونا شروع ہو گئی۔ منہ سے جھاگ چھوٹ پڑے اور وہ لرزتے ہوئے زمین پر گرے اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

ناگ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

میرے ساتھیو! تم نے اپنا فرض بڑی اچھی طرح سے ادا کیا ہے۔

میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو۔

سانپوں نے جھک کر کہا۔

عظیم ناگ دیوتا! یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم آپ کی کوئی خدمت کر سکیں۔

اب ہم جاتے ہیں۔ اگر کبھی پھر ہماری خدمت کی ضرورت محسوس ہوتی تو ہم سر کے بل چل کر آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔

ناگ نے ان کا شکریہ ادا کیا، سارے سانپ ایک ایک کر کے ہال کمرے سے نکل گئے اور قلعے سے باہر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ کوئی دم میں صبح ہونے والی تھی۔ ناگ نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور بوڑھے ملازم سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ظلم کی اس یادگار کو بھی مٹا دیا جائے"۔

بوڑھے ملازم نے کہا۔

"جو حکم حضور"۔

ناگ بولا۔

"میں اس قلعے کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا ہوں تا کہ ظلم کی یہ نشانی ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ کیا یہاں اتنا بارود مل جائے گا"۔

ملازم نے کہا۔

"نیچے تہہ خانے میں بارود کا بہت بڑا ذخیرہ ہے"۔

"مگر سوال یہ ہے کہ تم کہاں جاؤ گے؟"۔

ناگ نے ملازم سے پوچھا۔

کیا تم کسی اور جگہ جا کر زندگی کے دن پورے کر سکتے ہو؟ میں اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں اتنے پیسے دے دوں گا کہ تمہاری ساری زندگی جو باقی رہ گئی ہے، وہ بڑے سکون و آرام سے گزرے گی۔

لیکن اس ظلم کی نشانی کو میں جلا کر ضرور راکھ کروں گا۔

بوڑھے ملازم نے خوش ہو کر کہا۔

”حضور! اس ظلم کی یادگار عمارت کو تباہ و برباد کرنا ہی مناسب ہے۔ میرا کیا ہے۔ میں گاؤں اپنی بیٹی کے پاس چلا جاؤں گا۔ آپ جو پیسے مجھے دیں گے، ان سے میں اپنی باقی زندگی بڑے آرام سے بسر کر لوں گا“۔

ناگ خوش ہو کر بولا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔ آؤ نیچے چل کر بارود دیکھتے ہیں کہ کس قدر ہے“۔

ناگ بوڑھے ملازم کے ساتھ تہہ خانے میں آ گیا۔ یہاں بارود سے بھری ہوئی ان گنت بوریاں پڑی تھیں۔ انہوں نے مل کر بارود کے چھوٹے چھوٹے بے شمار تھیلے بھرے۔

پھر ان تھیلوں کو اٹھا کر قلعے کی عمارت میں چاروں طرف ستونوں، برآمدوں، چھتوں اور دوسری منزل کے کمروں میں جگہ جگہ رکھ دیا۔

ان کے اوپر پرانے کپڑوں، پردوں اور لکڑیوں کے فرنیچر کے ڈھیر لگا دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے بوڑھے ملازم سے کہا۔

”تم اس منحوس قلعے سے جس قدر دور جا سکتے ہو، چلے جاؤ۔ میں اسے آگ لگانے لگا ہوں“۔

بوڑھا قلعے سے کافی دور چلا گیا۔ جب وہ دور ٹیلے

کی جھاڑیوں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ تو ناگ نے دو پتھروں کو رگڑ کر بارود کو آگ دکھا دی۔

بارود کی آگ ایک لکیر کی شکل میں قلعے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ ناگ نے ایک خاص آواز نکال کر اس علاقے کے سانپوں کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ اس علاقے سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔

بارود کی آگ اب قلعے کے دروازے میں داخل ہو گئی تھی۔ ناگ نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اور وہ بھی ٹیلے کے پیچھے جھاڑیوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

اب کوئی دم میں وہاں دھماکا ہونے والا تھا۔ کسی

لمحے قلعے کی دیواروں اور دروازوں کو ایک دھماکے کے ساتھ اوپر اچھل کر تباہ ہونا تھا۔

اور پھر ایک دھماکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے قلعے کے اندر زبردست بمباری ہو رہی ہے۔

قلعے کی دیواریں گرنے لگیں۔ جگہ جگہ آگ بھڑک اٹھی تھی۔ سارا قلعہ دیکھتے دیکھتے ایک جہنم میں تبدیل ہو گیا۔ آگ کے شعلے بلند ہو کر آسمان کو چھو رہے تھے۔

ناگ نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔

"اس منحوس قلعے کا یہی انجام ہونا تھا"۔

بوڑھے ملازم نے عرض کی۔

"اے عظیم دیوتا! تم نے ہزاروں انسانوں کو ہلاک ہونے سے بچا لیا ہے اگر یہ درندے وحشی زندہ رہتے اور قلعے قائم رہتا تو نہ جانے ابھی یہ کتنے بے گناہوں کو یہاں لا کر ذبح کر کے ان کے خون سے ہولی کھیلتے"۔

ناگ نے کہا۔

"بابا! اب تم جا سکتے ہو"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے جیب سے ڈھیر سارے روپے نکال کر بوڑھے ملازم کو دیے۔ پھر ایک تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی دی اور کہا۔

"یہ دولت تمہاری باقی زندگی کے لیے کافی ہو گی"۔

بوڑھے نے جھک کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ تم نے مجھے نہ صرف یہ کہ ایک شیطان سے نجات دلائی بلکہ مجھے آخری عمر میں دنیا کی مالی پریشانیوں سے بے نیاز کر دیا"۔

قلعہ ابھی تک جل رہا تھا۔ اردگرد کی بستیوں کے لوگ دور کھڑے قلعے کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ بوڑھے کو رخصت کر کے ناگ نے پل عبور کیا۔

اور لندن شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک مقام پر اسے گھوڑا گاڑی مل گئی جس میں سوار ہو کر وہ شام ہونے تک لندن شہر پہنچ گیا۔

ماریا بھی لندن شہر کے باہر پرانے قلعے کے ایک ویران آسیبی قلعے میں رہ رہی تھی۔ ناگ لندن شہر کے باہر ایک سرائے میں اترا ہوا تھا۔

وہ یوں تو شہر میں بھی رہ سکتا تھا۔ لیکن اسے شہر سے باہر کی فضا زیادہ پسند تھی۔ وہ ایک تاجر کی حیثیت سے سرائے میں اترا ہوا تھا۔

چونکہ اس کے پاس کافی پیسے تھے۔ اس لیے اسے جگہ جگہ بھٹکنے پھرنے کی فکر نہیں تھی۔ ادھر ماریا ایک پرانے قلعے میں اس لیے ٹھہری ہوئی تھی کہ اس کے لیے شہر آباد ہوٹلوں میں ٹھہرنا ممکن نہیں تھا۔

کیونکہ ایک تو وہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ خطرہ تھا کہ لوگ اسے پریشان کریں گے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ماریا تھوڑی بہت خرید و فروخت کے بعد واپس اپنے قلعے میں پہنچ گئی۔ اس نے چوکیدار کو قبرستان کی کھلی قبر میں جھک کر ڈریکولا کے خون آلود ہونٹوں پر اپنی گردن رکھتے اسے دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ اس ڈراؤنے کھیل میں کیا راز ہے۔

ایک رات پہلے کالے کپڑوں والے ڈریکولا نے

قلعے میں آ کر چوکیدار کی گردن کا خون پیا تھا۔ اور پھر وہ کھڑکی میں سے چھلانگ لگا کر اڑتا ہوا واپس جنگل میں روپوش ہو گیا تھا۔

اسی رات کا ذکر ہے۔ ماریا کمرے میں آگ گرم کئے بیٹھی تھی کہ نیچے سیڑھیوں پر اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

اس نے دروازے کی دراز میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہ چوکیدار دونوں ہاتھ پھیلائے یوں اوپر آ رہا تھا جیسے وہ نیند میں چل رہا ہو۔

اس کی گردن کے زخم سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اور اس کے اگلے دونوں دانت کتے کے دانتوں کی طرح باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

ماریا نے اپنے آپ سے کہا۔

” کیا یہ شخص بھی خون پینے والا بھوت بن گیا ہے؟ “۔

☆ ناگ لندن میں کہاں گیا؟

☆ چوکیدار کا خون پینے والا بھوت کیا کرنے آیا تھا؟۔

☆ عنبر نے ولایت پہنچ کر ناگ اور ماریا سے کیوں کر ملاقات کی؟۔

☆ یہ آپ 60ویں قسط میں پڑھیے۔

پراسرار انسان

ڈریکولا

عورت نے ہوا میں آواز سنی اور اپنے سر پر کسی نظر نہ آنے والی روح کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔

ماریا نے ایک بار پھر اسے بڑی محبت سے کہا۔

گھبراؤ نہیں بہن! میں اب جا رہی ہوں، وہ بلا قبرستان میں گئی ہے۔

میں اسے ہلاک کر کے ہی دم لوں گی۔ بستی والوں سے کہہ دو کہ آسمان کی روح انہیں اس بلا سے ضرور نجات دلائے گی۔

عورت نیم روشنی میں آنکھیں پھاڑے ماریا کو یہاں وہاں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتنے میں گھر کے دوسرے لوگ بھی بیدار ہو گئے۔

وہ عورت سے پوچھنے لگے کہ وہ کس سے باتیں کر رہی ہے؟ عورت نے انہیں ساری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح ایک آسمانی روح نے اس کی جان خوفناک بلا سے بچائی ہے اور وہ روح اس وقت بھی گھر میں موجود ہے۔

اتنے میں بستی کی کچھ عورتیں بھی وہاں جمع ہو گئیں۔

"یہ چیخ کیسی تھی بہن؟ کیا ہوا بہن؟ خیر تو ہے بہن!"۔

اس قسم کی آواز بلند ہونے لگیں۔ ماریا ایک طرف کھڑی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔

ماریا نے انہیں سمجھایا کہ ان کی بستی پر ایک خون پینے والی بلا نے حملہ کر دیا ہے۔

پہلی عورت کو بھی اسی بلا نے ہلاک کیا تھا۔ یا وہ اسے ہلاک کرنے آئی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن؟"۔

بستی کی عورتوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ماریا نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور کہا کہ ایک آسمانی روح نے اس بستی کو برباد ہونے سے بچا لیا ہے۔

"روح؟ یہ کس کی روح ہے؟ کہاں ہے روح؟ نہیں نہیں بھلا روحیں بھی کبھی مکانوں میں واپس آئی ہیں۔ ضرور تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے بہن"۔

عورت نے کہا۔

"نہیں بہن! میں نے خواب نہیں دیکھا۔ ایک ڈراؤنی آنکھوں اور لمبے نوکیلے دانتوں والی بلا اپنا کالا کپڑا پھیلائے اس پر جھک گئی تھی۔

اور اس کی گردن میں دانت گاڑ کر خون پینا چاہتی

تھی کہ آسمانی روح نے بچالیا۔

ایک عورت نے پوچھا۔

"اب وہ بلا کہاں چلی گئی ہے؟"۔

عورت بولی۔

وہ یہاں سے بھاگ چکی ہے۔ آسمانی روح نے اسے شدید زخمی کر دیا ہے۔ وہ قبرستان کی جانب اڑ کر چلی گئی ہے۔

آسمانی روح نے کہا ہے کہ وہ اس کا پیچھا کرے گی اور وہ جہاں کہیں بھی ہو گی، اسے ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لے گی۔

عورتیں ڈر گئیں۔

"بہن! اس بستی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ ہمیں گرجے میں جا کر خداوند کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔

ایک عورت، جو بڑی تنگ مزاج اور شکی دل کی مالک تھی کہنے لگی۔

گرجے میں جا کر ہم ضرور دعا کریں گے مگر یہ جو کہہ رہی ہے کہ اس گھر میں آسمانی روح آئی ہوئی ہے اور یہ کہ اسے اس آسمانی روح نے بچایا ہے، یہ جھوٹ ہے۔

مجھے اس قسم کی جھوٹی کہانیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ اگر فرض کر لیا کہ کوئی خونی تھی جس نے حملہ کر دیا

تھا تو وہ ہم سے ڈر کر ہمیں آتا دیکھ کر بھاگ گئی ہوگی۔

ماریا کو اس عورت پر بڑا غصہ آیا۔ کم بخت مانتی نہیں تھی۔ وہ اس عورت کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

بے گناہ عورت نے کہا۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔ آسمانی روح اس کمرے میں آئی تھی۔ اس نے خون پینے والی بلا پر چھری سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا تھا۔ خونی بلا قبرستان کی طرف اڑ گئی ہے۔ روح نے کہا ہے کہ وہ اسے ضرور کر دے گی تا کہ بستی والوں کو اس کے ظلم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔

شکی عورت نے کہا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہو کہ روح تمہارے کمرے میں ہے“۔

عورت بولی۔

”میں نے خود روح سے باتیں کی ہیں“۔

”تمہارا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تم ڈری ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے، یہ تمہیں ایسا محسوس ہوا ہو کہ کوئی بھولی بھٹکی روح تم سے باتیں کر رہی ہے“۔

عورت نے کہا۔

میری بہنو! میری بات کا یقین کرو۔ میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہی۔ روح نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔ وہ

تم بستی والوں سے پیار کرتی ہے۔

وہ ہمارا بھلا چاہتی ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس کے وجود پر یقین کریں۔

شکی عورت کے ساتھ اب دوسری عورتیں بھی شامل گئیں۔

وہ قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں۔ ماریا کو اس شکی عورت پر بڑا غصہ آیا۔ وہ اسے ایسا سبق سکھانا چاہتی تھی جسے ساری زندگی یاد رکھ سکے۔

ماریا نے پیچھے سے آ کر شکی عورت کی بالوں کی چوٹی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر زور سے کھینچی۔

عورت دھکا لگنے سے چیخ مار کر زمین پر گر پڑی۔

ماریا نے کہا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ اس کمرے میں کوئی روح موجود ہے؟"۔

شکی عورت ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔

"مقدس روح! مجھے معاف کردو"۔

ماریا نے کہا۔

"میں مقدس روح نہیں ہوں۔ بلکہ ایک عام عورت ہوں، بالکل تمہاری طرح۔ مجھ میں اور تجھ میں صرف یہ فرق ہے کہ تم نظر آتی ہو اور میں کسی کو دکھائی نہیں دیتی"۔

عورتوں نے جب روح کی آواز سنی تو بھاگ کر

دیوار کے ساتھ لگ گئیں۔

وہ خوف سے کانپنے لگیں۔ ماریا نے کہا۔

میری بہنو! خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔

میری بات غور سے سنو۔ اس بستی کے قبرستان میں ایک خوفناک بلا رہتی ہے جو انسان کا خون پی کر خوش ہوتی ہے۔

اس کی خوراک انسان کا خون ہے۔ وہ اس سے پہلے بستی کی ایک عورت کا خون پی کر اسے ہلاک کر چکی ہے۔

اب وہ دوبارہ آئی تھی۔ میں نے اسے ادھموا کر

دیا۔ وہ بھاگ گئی ہے۔ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔

ساری عورتیں دم بخود ہو کر ماریا کی آواز سن رہی تھیں۔ ماریا انہیں پریشان و حیران چھوڑ کر بستی سے نکل کر قبرستان کی طرف روانہ ہو گئیں۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔

سرد ہوا چل رہی تھی۔ ماریا قبرستان کی دیوار سے گزر کر قبرستان میں داخل ہو گئی۔ یہاں ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔

قدم قدم پر قبروں کے کتبے کھڑے تھے۔ کچھ کتبے

گر پڑے تھے۔ الو کی آواز نے ماریا کو بھی چونکا دیا۔ بلکہ تھوڑا سا ڈرا بھی دیا۔ الو ایک درخت کی کھوہ میں بیٹھا نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماریا کو دیکھا تو نہیں تھا مگر کسی انسان کی موجودگی کا احساس اسے ضرور ہو رہا تھا۔ ماریا سیدھی قبرستان کے درمیانی حصے کی طرف آ گئی۔ یہاں بڑے خونی کاؤنٹ ڈریکولی کی قبر بھی تھی۔ سوچا کہ چوکیدار زخمی ہو کر ضرور اس کی قبر پر گیا ہو گا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ سفید برف پر سرخ خون کے بڑے بڑے دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔

یہ خون کے دھبے قبرستان کے مغربی کنارے کی طرف جا رہے تھے۔

قبرستان کی چیخ

ماریا خون کے دھبوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ یہ نشان ایک درخت کے پیچھے جا کر غائب ہو گئے۔

کیا خونی بلا یہاں سے اڑ گئی ہے؟

اس نے سوچا۔ وہ درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ وہاں رات کا گہرا اندھیرا تھا مگر ستاروں کی دھیمی دھیمی

روشنی اور سفید برف کی وجہ سے ماریا کو ہر شے دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے جھک کر غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ خون کے نشان برف کے اندر دھنسے ہوئے ہیں۔ یہاں برف نرم تھی اور خونی بلا کے پاؤں یہاں دھنس دھنس جاتے ہوں گے۔

وہ آگے چل پڑی۔

آگے جھاڑیوں کا ایک جھنڈ تھا۔ خون کے دھبے اس جھنڈ میں چلے گئے تھے۔

ماریا نے جھاڑیوں میں ہٹ کر گھور گھور کر ادھر ادھر دیکھا۔ پتھر کے ایک چبوترے پر قبر بنی تھی۔ ماریا

چبوترے پر چڑھ گئی۔ قبر کی پتھریلی چھت ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔

ماریا نے دیکھا کہ چبوترے پر جگہ جگہ خون کے نشان پھیلے تھے۔ خونی بلا ضرور اسی قبر میں گھسی ہوئی ہے۔

اس نے ٹوٹی ہوئی قبر میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر گہری تاریکی اور شدید اندھیرا تھا۔ اس نے کان لگا کر سنا۔

اندر سے ایسی آواز آ رہی تھی۔ جیسے کسی کا نرخرہ کٹا ہوا ہے اور وہ زور زور سے بڑی تکلیف کے ساتھ سانس لے رہا ہے۔

ماریا پیچھے ہٹ گئی۔ خونی بلا دم توڑ رہی تھی۔ اس نے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور یہ کام اگلے دن پر ملتوی کرتے ہوئے وہ چبوترے سے اتری اور واپس قلعے کی جانب روانہ ہو گئی۔

اس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے دل ہلا دینے والے منظر دیکھے تھے۔ لیکن کھلی قبر کے اندر سے، رات کی تاریکی میں آنے والی خرخراہٹ کی آواز نے ایک بار اس کی بدن پر بھی کپکپی طاری کر دی تھی۔

وہ بہت تھک گئی تھی۔ قلعے میں جاتے ہی وہ گہری نیند سو گئی۔

اگلے دن وہ کافی دن چڑھے اٹھی۔ اس نے ناشتہ

کیا غسل کرنے کے بعد کپڑے تبدیل کیے۔ آج بھی موسم ابر آلود تھا اور سرد ہوا چل رہی تھی۔

اس ملک کے موسم سے وہ بہت تنگ آ چکی تھی۔ سوائے دھند بادلوں اور سرد ہوا کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

سورج نے کئی روز سے اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔ دوپہر تک وہ سوئی رہی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے قلعے کے مختلف کمروں کی سیر شروع کر دی۔

یہ ایک بہت بڑا قلعہ تھا اور اس قدر بوسیدہ ہو چکا تھا کہ اکثر کمروں کی دیواریں اور چھتیں ڈھے چکی تھیں۔ صرف درمیان والا حصہ صحیح سلامت تھا۔ اس

نے ایک کمرہ دیکھا جس کے باہر موٹا سا تالا لگا تھا۔

خدا جانے اس کمرے کے اندر کیا تھا۔۔ کچھ تھا بھی۔ کسی نے تالا ڈال دیا تھا جو اس قدر زنگ آلود ہو چکا تھا۔ شاید کھلنے سے انکار کر دے۔

ماریا واپس اپنے کمرے میں آ کر آرام کرنے لگی۔ وہ شام تک پھر سوتی رہی۔ شام گہری ہو گئی تو اٹھ کر قلعے سے باہر آئی اور قبرستان کی طرف روانہ ہو گئی۔

اسے معلوم تھا کہ رات ہوتے ہی خونی بلا ضرور اپنی قبر سے باہر نکلے گی۔ وہ آج اس بلا کو ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی تاکہ بستی کے لوگ

اس کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کر سکیں۔

قبرستان میں گہرا سناٹا چھا چکا تھا۔

برف درختوں سے کافی پگھل گئی تھی۔ درختوں کی ٹہنیاں اندھیرے میں سیاہ دکھائی دے رہی تھیں۔

ماریا نے قبرستان میں داخل ہونے سے پہلے بستی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

بستی میں کہیں کہیں مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہاں بھی گہری خاموشی تھی۔ کبھی کبھی دور کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

ماریا قبرستان کی دیوار سے گزر کر ٹوٹی پھوٹی قبروں میں سے ہوتی ان جھاڑیوں کے پاس آ گئی

جہاں کھلی قبر تھی۔

اس نے کھلی قبر میں جھانک کر دیکھا۔ اندر سے خرخراہٹ کی آواز بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اسے برف پر نشان بھی نظر آئے۔

وہ چونک پڑی۔ تو کیا خونی بلا ایک بار پھر باہر نکل گئی تھی؟

کیا وہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود وہ اپنے شکار کی تلاش میں چلی گئی ہے؟۔

اس نے پلٹ کر دیکھا بستی کو جانے والا راستہ سنسان تھا۔

ماریا برف پر قدموں کے نشان دیکھ کر آگے

بڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ بہت جلد نشان برف میں گڈمڈ ہو گئے۔

کیونکہ وہاں اس کے اپنے قدموں کے بھی بے شمار نشان تھے۔ آخر چلتے چلتے وہ بستی کے کنارے پہنچ گئی۔

یہاں ایک چھوٹی سی پلیا تھی۔ جس کے نیچے سے ایک نالہ گزرتا تھا۔ نالہ سوکھا ہوا تھا اور جنگلی جھاڑیوں نے اسے ڈھانپ رکھا تھا۔

وہ پلیا پر بیٹھ گئی۔

اچانک اسے کسی بچے کے ہولے ہولے رونے کی آواز سنائی دی۔

وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کان لگا کر سنا۔

جدھر سے آواز آ رہی تھی، وہ ادھر کو چل پڑی۔ کچھ ہی دور جا کر کیا دیکھتی ہے کہ جھاڑیوں میں ایک جگہ سے اسی خونی چوکیدار نے ایک بچے کو زمین پر لٹا رکھا ہے۔

اس کے اوپر لبادہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بچہ سات آٹھ سال کا تھا۔ وہ زور زور سے ہاتھ پاؤں مار کر لبادے کو دور کر رہا ہے۔

شاید اس تیز بو کی وجہ سے جو اس لبادے میں سے آ رہی تھی۔

خونی بلا نے نہ جانے کہاں سے اس بچے کو اغوا کر لیا تھا۔ اور اب اس کا خون پینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ خونی بلا شدید زخمی حالت میں ہے۔

اس کا بازو ٹھیک طرح سے اوپر نہیں اٹھ رہا تھا اور اس سے ٹھیک طرح سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ماریا کا چاقو اس قلعے میں ہی رہ گیا تھا۔

وہاں پتھر بھی نہیں تھے۔ ماریا کو خیال آیا کہ وہ کسی طرح سے خونی بلا کو بھگانے کی کوشش کرے گی، وہ لپک کر خون پینے والی بلا کے سر پر پہنچ گئی۔

اس نے زور سے ایک لات اس کی کمر پر ماری۔

اتفاق سے لات عین اسی جگہ پر پڑی جہاں سے بلا کی ریڑھ کی ہڈی زخمی تھی۔

خونی چوکیدار نے ایک درد بھری آواز نکالی اور پلٹ کر دیکھا وہاں لات مارنے والا اسے دکھائی نہ دیا۔

پریشان ہو کر بڑی مشکل سے اٹھا اور دونوں ہاتھ ہلانے لگا۔

ماریا نے گرجدار آواز میں کہا۔

''میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ۔ نہیں تو تمہیں اسی جگہ بھسم کر دوں گی''۔

خونی بلا نے کسی بھوت کی موجودگی کو اپنے قریب محسوس کیا تو غرا کر اپنے شدید غصے کا اظہار کیا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس قدر زخمی ہونے کی باوجود وہ اسی طرح ٹھیک ٹھاک ہو گیا تھا۔

اس کے نوکیلے دانت رات کے اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے۔

بچہ نیم بے ہوش گھاس پر پڑا سسکیاں بھر رہا تھا۔

خونی بلا اس طرف بڑھی۔ جدھر سے ماریا کی آواز آئی تھی۔

ماریا جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ ماریا نے موقع مناسب خیال کرتے ہوئے جلدی سے آگے بڑھ کر بچے کو اٹھا کر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

بچہ ماریا کی گود میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ خونی بلا نے پلٹ کر بچے کو غائب پایا تو چکا چوند سا ہو کر رہ گئی۔ ماریا نے خونی چوکیدار کو وہیں چھوڑا اور بچے کو لے کر بستی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

بستی میں لوگ بچے کی گمشدگی پر حیران و پریشان تھے۔ اور جس گھر سے بچہ گم ہوا تھا، وہاں جمع ہو کر اظہار افسوس کر رہے تھے۔

بچے کے ماں باپ کی حالت بہت خراب تھی۔ ماں تو روتے روتے ہلکان ہو گئی تھی۔ ماریا نے کسی سے کوئی بات نہ کی۔

چپکے سے گھر میں داخل ہوئی اور بچے کو چار پائی پر

ماں کے قریب ڈال دیا۔

بچے کو اچانک اپنے قریب نمودار ہوتے دیکھ کر خوشی سے ماں کی چیخ نکل گئی۔

اس نے بچے کو سینے سے لگا لیا اور اسے چومنے لگی۔

وہاں جتنی عورتیں اور مرد موجود تھے، سبھی حیران رہ گئے کہ یہ بچہ کہاں سے آ گیا۔

ایک بزرگ نے کہا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ اسی مقدس روح کا کرشمہ ہے جو ہماری بستی میں ہماری مدد کرنے آئی ہے ہم سب کو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے"۔

عورتیں خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے بیک آواز ہو کر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

"اے مقدس روح! ہم تیرے شکر گزار ہوں کہ تو نے بستی کے بچے کو واپس کر دیا"۔

ماریا نے محسوس کیا کہ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ خاموشی سے نکل کر باہر آ گئی۔

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ قلعے میں واپس جا کر آرام کرنا چاہتی تھی۔ ہوا سرد ہو گئی تھی۔

وہ قبرستان کی دیوار کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے کان کے

پاس آ کر اس کا نام لے کر بلایا ہے۔ وہ چونک کر رہ گئی۔

یہ کون ہو سکتا ہے؟ آواز کسی مرد کی تھی۔ اس نے اس کا نام ماریا لے کر بلایا تھا۔

آواز پھر آئی۔

"ماریا!"۔

ماریا حیران ہو کر تکنے لگی۔

"کون ہے؟"۔

آواز نے کہا۔

"میری بچی! گھبراؤ نہیں۔ میں اس قبرستان کی بوڑھی روح ہوں۔ مجھے مرے ایک سو سال گزر چکا

ہے۔"

میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ تم نے ابھی ابھی ایک بڑا نیک کام کیا ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں بلایا ہے۔

ماریا نے کہا۔

آداب بڑے میاں! میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ میرا فرض تھا۔

اس قبرستان میں خون پینے والی بلاؤں نے ڈیرا جما لیا ہے۔

میں نے انہیں ہلاک کر کے بستی والوں کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتی ہوں۔ لیکن یہ خونی

بلائیں بڑی سخت جان ہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

بوڑھی روح نے کہا۔

میری بچی! میں سب کچھ دیکھتا ہوں۔ مگر کچھ نہیں کر سکتا ان خونی شیطانوں کو ہلاک کرنا میرے اختیار میں نہیں۔

تم انسان ہو اور غائب ہو۔ تم اگر چاہو تو ان کو جہنم میں پہنچا سکتی ہو۔

ماریا نے کہا۔

"مگر کیسے؟"۔

بوڑھی روح بولی۔

"جس طرح سے تم انہیں مارنا چاہتی ہو، یہ نہیں

مریں گے۔ ان پر کسی زخم، کسی حملے کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔"

ان کو ہلاک کرنے کا طریقہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔

غور سے سنو! یہ خون پینے والے ڈریکولا رات کو زندہ ہو کر بستی میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور انسانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

لیکن دن کے وقت یہ اپنی قبروں میں بے حس ہو کر سو جاتے ہیں۔

اس وقت اگر تم ایسا کرو کہ ایک لمبی میخ اور ہتھوڑی لے کر وہ میخ ان کے سینے میں دل کے درمیان ٹھونک

دو تو یہ مر جائیں گے اور پھر کبھی اپنی قبروں سے نہیں نکل سکیں گے۔

بس یہی ایک طریقہ ان کو ہلاک کرنے کا ہے۔

ماریا نے کہا۔

"یہ بات ہے تو میں صبح ہی یہ کام کر ڈالوں گی اور بستی کے لوگوں کو ان خبیث روحوں سے نجات دلا دوں گی"۔

"تم یہ بڑا نیک کام کرو گی۔ اچھا اب میں جاتا ہوں"۔

روح اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

ماریا اس سے کچھ اور باتیں پوچھنا چاہتی تھی مگر

روح جا چکی تھی۔

ماریا قلعے میں واپس آ گئی۔ دوسرے دن اس نے ایک لمبی میخ اور ہتھوڑی لی اور قبرستان میں آ گئی۔

جھاڑیوں میں کھلی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔

اسے گھاس میں خونی چوکیدار کی لاش جدکھائی دی۔ وہ سیدھی پڑی تھی۔

آنکھیں کھلی تھیں اور دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ ماریا قبر میں اتر گئی۔

اس نے میخ کی نوک لاش کے عین دل کے اوپر رکھی۔ ہتھوڑی اٹھائی اور پوری طاقت سے ضرب لگا دی۔

ایک بھیانک چیخ لاش کے منہ سے نکلی۔ ماریا ڈر کر پرے گر پڑی۔ مگر میخ لاش کے دل میں پوری کی پوری اتر چکی تھی۔

لاش کے سینے سے خون کا ایک قطرہ بھی نکلا تھا مگر لاش کی آنکھیں ایک دم سے بند ہو گئی تھیں اور چہرے پر سکون آ گیا تھا۔

دونوں نوکیلے دانت واپس اپنی جگہ پر چلے گئے تھے۔ اور ہونٹوں پر لگا ہوا خون بھی صاف ہو گیا تھا۔ خونی چوکیدار کا آسیب دور ہو گیا تھا۔

اب وہ ایک عام لاش تھی۔ ماریا قبر سے باہر نکل

آ گئی۔ اب اس نے دوسرے اور اصلی ڈریکولا کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا ارادہ کیا اور چبوترے کے تابوت والی قبر کی طرف آ گئی۔

چبوترے پر خشک ٹہنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ تابوت اسی طرح پڑا تھا اور اس کا ڈھکنا ایک طرف کو کھسکا ہوا تھا۔

ماریا نے جھک کر دیکھا۔ کاؤنٹ ڈریکولا کی لاش ساکت پڑی تھی۔ ہونٹوں پر خون کے دھبے تھے۔ چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

دونوں زرد دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں کھلی تھیں اور آسمان کو تک رہی تھیں۔

ایک بار تو ماریا بھی ڈر گئی لیکن وہ اپنا کام ہر حالت میں مکمل کرنا چاہتی تھی۔

اس نے لوہے کی نوکیلی اور موٹی میخ اٹھائی اور اس کا سرا ڈریکولا کے دل کے عین اوپر رکھ دیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے ڈریکولا نے آنکھیں ٹیڑھی کر کے اسے دیکھا ہو۔

مگر ماریا نے اس شیطان کو ختم کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اس نے ہتھوڑی اٹھا کر پوری طاقت سے ضرب لگائی۔

ڈریکولا کی آنکھیں پھیل گئیں اور اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکل گئی۔ یہ چیخ اس قدر ہولناک تھی کہ

قبروں میں پڑے ہوئے مردے بھی کانپ گئے ہوں گے۔

ماریا نے دیکھا کہ ڈریکولا کی لاش کے چہرے پر بھی سکون سا آ گیا ہے۔ اس نے دونوں آنکھیں بند تھیں اور ہونٹوں پر سے خون کے نشان بھی مٹ گئے تھے۔

نوکیلے زرد دانت بھی واپس اپنی جگہ پر آ گئے تھے۔ اس کے چہرے کی شیطانی مسکراہٹ بھی چلی گئی تھی۔

ماریا نے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور قبر سے باہر نکل آئی۔

بستی کے لوگوں نے دونوں چیخوں کی آواز سنی تھی اور مکانوں کے باہر آ کر آپس میں حیرانی سے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

ماریا ان کے قریب آ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ انہیں شیطانی بلاؤں کے خاتمے کی خوشخبری سنا دے۔ چنانچہ اس نے بلند آواز میں کہا۔

سنو اے لوگو! میں آپ کو یہ خوش خبری سنانے آئی ہوں۔ کہ اس بستی کو خون پینے والے شیطانوں سے نجات مل گئی ہے۔

میں نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ابھی ابھی جو تم لوگوں نے چیخ کی آوازیں سنی تھیں، وہ ان ہی

شیطانوں کی تھیں۔

اب آپ لوگ اطمینان سے زندگی بسر کریں آئندہ اس بستی میں کبھی کوئی خون پینے والی بلا داخل نہیں ہوگی۔

عورتیں اور مرد خوشی سے نہال ہو گئے۔

"اے مقدس روح! تمہارا شکریہ ہم کس طرح سے ادا کریں"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے انسانی فرض ادا کیا ہے"۔

ایک بوڑھے نے کہا۔

"انسانی یا روحانی فرض! اے مقدس روح آپ تو روح ہیں"۔

ماریا جھٹ بولی۔

"ہاں آپ نے ٹھیک کہا۔ یہ میرا روحانی فرض تھا۔ بہرحال اب میں جاتی ہوں۔ خدا حافظ"۔

ماریا بستی سے نکل کر قلعے میں آ گئی۔ وہ شام تک سوتی رہی۔

جب اٹھی تو سورج غروب ہو گیا تھا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا۔

اس کا خیال عنبر اور ناگ کی طرف چلا گیا۔ ایک عرصہ ہوا تھا، اپنے ان بھائیوں سے ملے۔ خدا

جانے وہ کہاں ہوں گے؟۔

کس حال میں ہوں گے؟۔

ماریا نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور جب کافی پینے لگی تو دیکھا کہ کافی بالکل ختم ہوگئی ہے۔ اس کا دل کافی پینے کو بہت چاہ رہا تھا۔

پھر وہ کیا کرے؟۔

اس قصبے کے قریبی کافی ہاؤس کا خیال آ گیا وہاں جا کر کافی پی جائے؟۔

وہ قلعے سے نکل کر کافی ہاؤس کی طرف چل دی۔

سردی کی وجہ سے کافی ہاؤس کے دروازے کھڑکیاں بند تھیں۔

اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

دروازے کے کھلتے ہی اندر بیٹھے دو آدمیوں نے اور کافی ہاؤس کے مالک نے دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ کھل کر بند ہو گیا۔ مگر اندر کوئی شخص داخل نہ ہوا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ ایک گاہک نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے باہر تیز ہوا چل رہی ہے"۔

دوسرے گاہک نے کہا۔

"مگر ہوا تو یہ اندر بالکل نہیں آئی۔ اور پھر ہوا دروازے کو باہر سے کھول تو سکتی ہے مگر اندر سے کیسے بند کر سکتی ہے"۔

پہلا گاہک ہنس دیا۔

”میرے بھائی! تو کیا اندر کوئی بھوت آ گیا ہے؟“۔

دوسرا گاہک پریشان ہو کر بولا۔

”میرا تو یہی خیال ہے کہ کافی ہاؤس میں بھوت آ گیا ہے“۔

پہلا گاہک اب قہقہہ مار کر کہنے لگا۔

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں کسی بھوت کو نہیں مانتا۔

بھوت کہیں نہیں ہوتے۔ اگر بھوت ہے تو بے شک میرے سامنے آ کر مجھ سے مقابلہ کرے۔ خدا کی قسم اسے ایسی پٹخنی دوں کہ نانی یاد آ جائے گی۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ کم بخت یہ بڑی بڑی باتیں بنا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بڑے امن و سلامتی سے اپنا صرف کافی کا ایک پیالہ پینے آئی تھی اور دل میں سوچ کر آئی تھی کہ کافی پی کر ایک روپیہ اس کی قیمت رکھ جائے گی۔

پھر بھی اس نے کوئی خیال نہ کیا اور کاؤنٹر کے کونے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہاں کافی کے کچھ پیالے اور کافی کی کیتلی رکھی ہوئی تھی۔

کافی ہاؤس کا مالک ذرا پرے کھڑا گاہکوں کی دلچسپ باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ ماریہ وہاں کسی کو بھی حیران یا پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے آنکھ بچا کر بڑی خاموشی سے پیالے میں کافی ڈالی اور پینے لگی۔ کافی کا پیالہ چونکہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا تھا۔

اس لیے کسی نے محسوس نہ کیا۔ ہاں اگر مالک پیالے گنتا تو اسے ضرور شک پڑ سکتا تھا۔ ماریا مزے مزے سے کافی کی چسکیاں لے رہی تھی اور گاہکوں کی باتیں بھی سن رہی تھی۔

پہلے والا گاہک ادھیڑ عمر کا تھا اور سر پہ ہیٹ جمائے آنگیٹھی کے ارد گرد ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہاتھ گھٹنے پر مار مار کر باتیں کر رہا تھا۔

بھوت؟ ہاہاہا۔ ایک بار میرے چچا نے کہا،

گھر میں بھوت رہتا ہے۔

میں ساری رات ڈنڈا ہاتھ میں لیے کمروں کے چکر کاٹتا اور بھوت کو للکارتا رہا۔

کم بخت میری آواز سن کر ہی بھاگ گیا تھا۔ یہ بھوت بھی ڈنڈے سے آگے نہیں ٹھہرتے۔ ہاہاہا۔

دوسرا گاہک زیادہ عمر کا تھا اور بھوتوں پر یقین رکھتا تھا۔

کہنے لگا۔

”میں تو بھوتوں کو مانتا ہوں بھائی۔ میں نے تو بزرگوں کی زبانی بھی سنا ہے کہ بھوت اس دنیا میں کبھی کبھی سیر کرنے آ جایا کرتے ہیں۔ وہ اچھے لوگوں

کو کچھ نہیں کہتے"۔

پہلا گاہک کہنے لگا۔

تم کمزور عقیدے کے آدمی ہو اور ویسے بھی جب آدمی زیادہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی عقل کمزور ہو جاتی ہے۔

تمہاری عقل کمزور پڑ چکی ہے مگر میری عقل نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میں تو بھوتوں کا باپ ہوں۔

بھوت میرے سامنے آ کر تو دکھائی۔ خدا کی قسم مار مار کر اس کا کچومر نکال دوں۔

کافی ہاؤس کا مالک کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"بالکل ٹھیک خیال ہے تمہارا مسٹر براؤن! میں

بھی اس قسم کے خیالات کا آدمی ہوں۔ بھوت انسان سے زیادہ طاقتور نہیں ہوتے"۔

مسٹر براؤن نے کہا۔

"ارے میاں بھوت ہوتے ہی نہیں۔ کہیں نہیں ہوتے۔ یہ سب انسان کا اپنا وہم ہوتا ہے۔ کیا سمجھے؟"۔

ماریا خاموشی سے کافی پی رہی تھی۔ وہ ان کی باتیں بھی بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اس کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو بھوتوں کا قائل کروائے۔

کافی نے اسے گرم کر دیا تھا اور اس کی طبیعت میں سکون آنے لگا تھا۔ اتفاق سے کیا ہوا کہ ماریا نے

کاؤنٹر پر پیالہ رکھا ہی تھا کہ اس کا ہاتھ ذرا سا پھسل گیا اور پیالہ کاؤنٹر سے گر کر ٹوٹ گیا۔

اس کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں سناٹا چھا گیا، کیونکہ پیالہ اپنے آپ کاؤنٹر سے فرش پر گرا تھا جبکہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

بھوتوں کا قائل گاہک ہکا بکا سا ہو گیا۔ مالک بھی چپ چاپ پھٹی پھٹی نظروں سے پیالے کے ٹکڑوں کو دیکھنے لگا۔

مسٹر براؤن نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”تم سمجھ رہے ہو گے کہ کوئی بھوت آ گیا ہے یہاں؟ ہاہاہاہا۔ ارے بھائی! پیالہ کاؤنٹر کے کونے پر رکھا ہوا تھا۔ کافی ہاؤس کے مالک مسٹر ایڈیسن کے ہلتے جلتے سے پیالہ نیچے گرا پڑا اور ٹوٹ گیا۔ بس اتنی سی تو بات ہے“۔

مسٹر ایڈیسن کے چہرے پر بھی رونق واپس آ گئی۔

ہنس کر بولا۔

”مسٹر براؤن! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے اپنا بازو ہلایا تھا۔ اسی وجہ سے پیالہ نیچے گر پڑا“۔

مگر دوسرے گاہک کو یقین ہو گیا تھا کہ کمرے میں بھوت موجود ہے۔ کیونکہ وہ بھوتوں کے خلاف

پراسرار انسان (عمرو ناگ ماریا نمبر 60)

باتیں کر رہے تھے۔

اس لیے بھوت ان سے بدلہ لینے وہاں آ گیا تھا۔

اس کے چہرے پہ حیرانی تھی۔

پراسرار انسان

ماریا کافی کا ایک ڈبہ بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔

اس نے جیب سے دو روپے نکال لیے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جہاں سے ڈبہ اٹھائے گی وہاں دو روپے، اس ڈبے کی قیمت رکھ دے گی۔

ڈبہ سامنے والے خانے میں رکھا ہوا تھا۔ ماریا

اس انتظار میں تھی کہ دان لوگوں کی نظریں دوسری طرف ہوں تو وہ جلدی سے ڈبیا اٹھا لے گی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

ایک اور گاہک آ گیا جسے کافی ہاؤس کے مالک نے کافی کا پیالہ بنا کر دیا۔

وہ بھی دوسرے گاہکوں کی باتوں میں شریک ہو گیا۔ موقع مناسب دیکھ کر ماریا نے ہاتھ بڑھا کر خانے میں سے کافی ڈبہ اٹھایا اور وہاں چپکے سے دو روپے رکھ دیئے۔

اتفاق سے جو نیا نوجوان گاہک آیا تھا۔ اس کی نظر پڑ گئی۔ اس نے جو خانے میں سے کافی کا ایک ڈبہ غائب ہوتے دیکھا تو سر کو جھٹک کر بار بار آنکھیں ملنے اور کہنے لگا۔

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"۔

مالک نے کہا۔

"نہیں مسٹر! آپ خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ تو جاگ رہے ہیں"۔

نوجوان نے خانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ابھی ابھی اس خانے میں سے کافی کا ایک ڈبہ گم ہوتے دیکھا ہے۔

اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا تو یہ سب کچھ میری

پراسرار انسان (خوفناک روایت نمبر 60)

آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔

کافی ہاؤس کا مالک اور بوڑھا گاہک پریشان ہو گئے۔ مسٹر براؤن نے ایک بار پھر قہقہہ لگاتے ہوئے ان لوگوں کا مذاق اڑایا اور کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کافی کا ڈبا اپنی جگہ سے غائب ہو جائے؟ آپ لوگوں نے ضرور بھنگ پی رکھی ہوگی"۔

نوجوان گاہک نے مسٹر براؤن کی طرف دیکھ کر کہا۔

آپ میری آنکھوں پر، میری عقل پر شک نہیں کر سکتے۔ میں ایک صحت مند نوجوان ہوں اور زندگی میں ایسا واقعہ مجھے کبھی پیش نہیں آیا۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے خود خانے میں سے کافی کے ڈبے کو غائب ہوتے دیکھا ہے۔

مسٹر براؤن اٹھ کر خانے کے پاس آ گیا۔ کافی ہاؤس کا مالک بھی نوجوان کے ساتھ وہاں آ گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں سے ڈبہ اٹھایا گیا تھا وہاں دو روپے پڑے ہیں۔

نوجوان نے پوچھا۔

"یہ دو روپے کس نے یہاں رکھے ہیں؟"۔

مالک نے کہا۔

"میں نے تو کبھی یہاں روپے نہیں رکھے"۔

نوجوان نے چٹکی بجا کر کہا۔

"میرا خیال بالکل صحیح نکلا۔ بھوت ایماندار ہے۔ اس نے کافی کا ڈبہ اٹھا کر اس کی قیمت وہیں پر رکھ دی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"۔

مالک نے کہا۔

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کافی کے ڈبے کی قیمت دو روپے ہی ہے"۔

مسٹر براؤن نے دو روپوں کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"تم لوگ کمزور خیالات کے لوگ ہو۔ یہ روپے میں نے رکھے تھے۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟"۔

دوسرا بوڑھا گاہک کہنے لگا۔

"مسٹر براؤن! آپ جھوٹ بول کر واقعات کو نہیں جھٹلا سکتے۔ بھلا آپ کو یہاں دو روپے رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"۔

نوجوان نے کہا۔

"مسٹر براؤن! آپ کیوں نہیں تسلیم کرتے کہ اس دنیا میں بھوت زندہ ہیں اور کبھی کبھی ہماری زندگی میں آیا کرتے ہیں"۔

مسٹر براؤن نے کہا۔

ہرگز نہیں۔ میں یہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔

بھوت کہیں نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو پھر سامنے کیوں نہیں آتے۔ بھوت کہیں نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو پھر سامنے کیوں نہیں آتے۔

اگر آپ کا خیال مان لیا جائے تو پھر اس دکان میں بھوت موجود ہے۔ اگر ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ سامنے آ کر اپنا وجود ثابت کرے۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ یہ بڑا ہی کوڑھ مغز ضدی آدمی تھا۔

بھلا اس کو خواہ مخواہ بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس ضدی شخص پر یہ ضرور ثابت کرے گی کہ بھوت اس دنیا میں کبھی کبھی آیا کرتے ہیں۔

ماریا نے خاموشی سے مسٹر براؤن کے سر پر رکھی ہوئی گرم ٹوپی یعنی ہیٹ اٹھا لیا۔ ہیٹ اٹھاتے ہی غائب ہو گیا۔

سب لوگ ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔ مسٹر براؤن سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"ضرور تم لوگوں نے شرارت کی ہے۔ میرا ہیٹ واپس کرو۔ سب نے اپنے اپنے خالی ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ تو اس کے پاس کھڑی ہیں۔ پھر وہ

ہیٹ کہاں گم کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر میرا ہیٹ کہاں چلا گیا؟"۔

اس کے جواب میں ماریا نے بڑے سکون سے کہا۔

"مسٹر براؤن تمہارا ہیٹ میرے پاس ہے"۔

اس غیبی آواز پر سب کی گھگھی بندھ گئی۔ بوڑھا گاہک تو غش کھاتے کھاتے رہ گیا وہ کرسی پر دھڑام سے گر پڑا۔

نوجوان گاہک بھی پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کافی ہاؤس کے مالک کا رنگ زرد ہو گیا۔ مسٹر براؤن کے ماتھے پر بھی پسینہ آ گیا۔

اس نے خود بھوت کی آواز سنی تھی جو ایک عورت کی آواز تھی۔

ماریا نے کہا۔

"مسٹر براؤن! کیا اب آپ نہیں مانتے کہ اس دنیا میں بھوتوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ روحوں کا وجود ہے اور بعض روحیں دنیا کی سیر کرنے آ جایا کرتی ہیں؟"۔

مسٹر براؤن کی زبان پر تو جیسے تالا پڑ گیا تھا۔ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ ٹک ٹک دیکھ رہا تھا۔ آخر لڑکھڑائی زبان میں بولا۔

"میں۔۔۔میں مان۔۔۔مان گیا۔۔۔کیا

پراسرار انسان (عمران سیریز نمبر 60)

آپ کوئی روح ہیں؟"۔

ماریا نے کہا۔

آپ بھی سمجھ لیں کہ میں ایک نیکدل روح ہوں۔ میں آپ لوگوں کو نقصان پہنچانے نہیں آئی۔ یہاں سے گزر رہی تھی کہ کافی پینے کو دل چاہا۔ کافی کا ڈبہ ساتھ لے جانا چاہا۔ چنانچہ اس کی رقم وہیں خانے میں رکھ دی۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں مسٹر براؤن؟"۔

مسٹر براؤن نے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں بہن"۔

ماریا نے کافی ہاؤس کے مالک سے کہا۔

"اب میں جا رہی ہوں مسٹر ایڈیسن! آپ کی کافی بہت اچھی ہوتی ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور ہاں میں نے آپ کا ایک پیالہ توڑ دیا ہے۔ یہ لیجیے اس کے پیسے"۔

اور سب نے دیکھا کہ ایک دم سے کاؤنٹر پر دو روپے کہیں سے آ کر ٹک گئے۔

دکاندار انہیں ہاتھ لگاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پیسے اٹھا لیں۔ یہ آپ کا حق ہے۔ خدا حافظ!"۔

ماریا نے دروازہ کھولا اور دکان سے باہر نکل گئی۔

رات گہری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ سڑکیں ویران ہو رہی تھیں۔

کہیں کہیں گیس کے لیمپ سرد فضا میں چمک رہے تھے جن کی ٹھٹھری ہوئی روشنی چند ایک گز سے آگے نہیں جاتی تھی۔

ماریا نے گرم اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر گرم ٹوپی اور گلے میں گرم مفلر تھا۔ وہ خاموشی سے سڑک کے فٹ پاتھ پر قلعے کی جانب چلی جا رہی تھی۔

وہ شہر سے باہر نکلنے والے دروازے کے پاس آئی تو دیکھا کہ ساتھ والی گلی میں سے ایک پراسرار سا

لمبا تڑنگا آدمی سیاہ گرم کپڑوں اور لمبے کوٹ میں ملبوس چھڑی ہاتھ میں لیے سیاہ ہیٹ کا چھجا آنکھوں پر کیے نکلا اور دروازے کی طرف تیز تیز قدم اٹھا کر چلنے لگا۔

ماریا نے کوئی خیال نہ کیا۔ مگر وہ آدمی بڑا پراسرار سا تھا۔ کیونکہ وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا؟۔

ماریا نے پھر بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دی اور اپنے خیالوں میں گم قلعے کو جانے والی سڑک پر چلتی رہی۔

وہ پراسرار آدمی بھی اسی سڑک پر جا رہا تھا۔ اب وہ بھی ماریا کے آگے آگے اس چھوٹی سڑک پر ہو گیا۔

جو پرانے قلعے کو جاتی تھی۔

ماریا نے سوچا یہ آدمی کہاں جا رہا ہے؟ ادھر تو سوائے پرانے قلعے کے اور کوئی عمارت نہیں ہے۔ ایک تو کیا یہ بھی پرانے قلعے میں جا رہا ہے۔

ماریا کا خیال صحیح نکلا وہ آدمی بھی قلعے کے پرانے دروازے میں داخل ہو گیا۔

قلعے میں داخل ہونے کے بعد اس آدمی نے رک کر پیچھے دیکھا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے تو وہ قلعے کی بائیں جانب والی شکستہ گرد آلود

سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

ماریا کو فکر ہوئی کہ یہ شخص اس قلعے میں آدھی رات کو کیا کرنے آیا ہے؟

وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ آدمی مختلف تاریک برآمدوں سے ہوتا ہوا ایک پرانے کمرے کے دروازے پر آ کر رک گیا۔

اب جو ماریا نے دیکھا تو یہ وہی کمرہ تھا جس کے باہر زنگ آلود تالا پڑا تھا اور جسے ماریا نے کل رات ہی دیکھ کر تعجب کیا تھا کہ یہاں کس نے تالا لگا رکھا ہے۔

پراسرار آدمی نے جیب سے پرانی زنگ آلود

خوردہ چابی نکال کر تالے میں گھمائی۔ تالا کھل گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

ماریا جلدی سے اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہونے لگی مگر دروازہ بند کر دیا گیا۔

پراسرار انسان نے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ ماریا کے دل میں شوق پیدا ہو گیا تھا کہ دیکھنا چاہیے یہ شخص یہاں آ کر کیا کر رہا ہے۔

لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید اندر جانے کا کوئی دوسرا راستہ ہو۔

لیکن وہاں سوائے اس دروازے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

لیکن وہاں سوائے اس دروازے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ دیوار کے مغربی جانب کافی بلندی پر برآمدے کی چھت کے قریب ایک روشندان تھا جس کا منہ گول اور تنگ تھا۔

یہاں تک ماریا نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پھر وہ کیوں کر اندر جائے وہ اندر جا کر پراسرار انسان کو دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا کر رہا ہے؟۔

سوائے دروازے کے اندر جانے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ماریا نے دروازے کو آہستہ سے اندر کی جانب دھکیلا۔

دروازہ مضبوطی سے بند تھا ماریا کی سمجھ میں جب

کچھ نہ آیا تو اس نے دروازے پر دستک دے دی۔ اس کا خیال تھا کہ جونہی پراسرار انسان دروازہ کھولے گا وہ جلدی سے اندر داخل ہو جائے گی۔

پراسرار انسان نے دروازہ کھولا تو وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔ شیشے کی نلکیاں یہاں وہاں پھیلی ہوئی تھیں۔

جن میں سے کہیں سفید سفید بھاپ نکل رہی تھی۔ شیشے کے ایک مرتبان میں کوئی کالے رنگ کی دوا ابل رہی تھی۔

بوتلوں پر گرد پڑی تھی۔ ایک میز کے اوپر لکڑیوں نے جالا تن رکھا تھا۔ پراسرار انسان میز کے آگے کرسی

پر بیٹھا آگے کو جھک کر ایک مرتبان میں ابلتی ہوئی دوائی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

ماریا دوسری طرف سے دبے پاؤں چل کر میز کے آگے آ گئی اور جھک کر پراسرار انسان کو تکنے لگی۔

میز پر موم بتی جل رہی تھی اس کی روشنی پراسرار انسان کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ وہ ایک ادھیڑ عمر کا خوش شکل انسان ہے۔

رنگ سرخ و سپید ہے۔ آنکھیں چوکور ہیں۔ ہاتھ بھی بڑے گورے اور نازک سے ہیں۔

انگلیاں کسی فنکار کی طرح لمبوتری ہیں۔ اس کے چہرے پر کوئی شیطانی بات نہیں ہے تو پھر یہ شخص یہاں

کر رہا تھا؟ کیا وہ خاص دوائی تیار کر رہا تھا۔

دوا تو وہ ضرور تیار کر رہا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ یہ دوا وہ کس کے لیے تیار کر رہا تھا؟۔

ماریا چپکے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اور پراسرار انسان کو دیکھتی رہی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

دوائی مرتبان میں ابل رہی تھی۔ اب اس میں سے بھاپ کے میلے کچیلے رنگ کے مرغولے سے اٹھنے لگے تھے۔

پراسرار انسان کے چہرے پر مسکراہٹ سی آ گئی۔ پھر اس نے مرتبان کے نیچے آگ بند کر دی۔ مرتبان میں سے شیشے کی ایک نلکی کے ذریعے اس نے

دوائی نکال کر ایک شیشے کے گلاس میں انڈیل لی۔ یہ دوائی سیاہ رنگ کی تھی۔ اور اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

پراسرار انسان دیر تک اس گلاس کو تکتا رہا۔ اس کے چہرے پر بڑی پراسرار مسکراہٹ آ گئی تھی۔ اس مسکراہٹ میں ایک شیطانی چمک بھی نمودار ہو رہی تھی۔

پراسرار انسان نے میز پر سے ایک گول چھوٹا سا آئینہ اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا اور اس میں غور سے اپنی شکل دیکھنے کے بعد دوائی کا گلاس تھام کر منہ سے لگایا اور پھر ایک ہی گھونٹ میں غٹاغٹ پی گیا۔

دوائی پی کر اس نے آنکھیں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دوائی کا ذائقہ انتہائی بدمزہ تھا۔

وہ دیر تک ہاتھوں میں پکڑے ہوئے سر کو دائیں بائیں ہلاتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ کھول لیے اور ٹکٹکی باندھ کر آئینے میں تکنا شروع کر دیا۔

ماریا بھی اسے غور سے تک رہی تھی کہ یہ شخص کس قسم کا تجربہ کرنے والا ہے اور اس نے جو کالے رنگ کی بدمزہ دوائی پی ہے۔

اس کا اس پر کیا اثر ہونے والا تھا۔ دوائی کا اثر اب ظاہر ہونا شروع ہو گیا دوائی کا اثر اب ظاہر ہونا

شروع ہو گیا۔

ماریا نے دیکھا کہ پراسرار انسان کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے سیاہ بال ابھرنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کی آنکھیں دائیں بائیں کنپٹیوں کی جانب کھنچنے لگی ہیں اور دانت بھی کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح ہونٹوں سے باہر نکل آنے تھے۔

ماتھا کسی بن مانس کی طرح بالوں سے بھر گیا اور چھوٹا ہو گیا تھا۔ ماریا ششدر ہو کر رہ گئی کہ یہ ایک دم دوائی پینے کے بعد انسان سے بھیڑیا کیسے بن رہا ہے۔

میرے خدا! یہ تو انسان سے بھیڑیا بن گیا ہے۔

پراسرار انسان کا جسم اسی طرح تھا مگر صاف چہرہ اور ہاتھ کسی بھیڑیے کی طرح ہو گئے تھے۔ آنکھوں میں زرد رنگ کی خونی چمک آ گئی تھی۔

چہرہ بالکل بھیڑیے جیسا ہو گیا تھا۔ اس نے دانت نکال کر دو تین بار منہ سے غراہٹ کی آواز نکالی اور ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔

ہاتھوں کو دستانوں سے ڈھانپ لیا اور آنکھوں پر سیاہ عینک لگا کر گردن کے گرد چوڑا مفلر لپیٹ لیا۔

اب اس کی تقریباً ساری شکل چھپ گئی تھی اور کوئی دور سے دیکھنے پر معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ایک بھیڑیے کی شکل ہے۔

تاوقتیکہ وہ اس کے قریب آ کر نہ دیکھے۔ پراسرار انسان بھیڑیا بن کر دروازے کی جانب بڑھا۔ وہ برآمدے میں آ کر رک گیا۔

ماریا بھی باہر نکل چکی تھی۔ اس کا کمرہ وہاں سے دور نہیں تھا۔ مگر ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ بھیڑیا انسان یہاں سے کہاں جاتا ہے؟۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ قلعے کے دروازے سے نکل کر پراسرار انسان بڑی سڑک پر سے ہوتا ہوا دوسری سڑک پر آ کر رک گیا۔

ماریا نے دیکھا۔ دوسرے سے ایک چھوٹی بگھی چلی آ رہی تھی جس کے آگے دو گھوڑے جتے ہوئے

تھے۔

پراسرار انسان نے چھری والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ اور سڑک کے درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بگھی کے کوچوان نے ہو کی آواز کے ساتھ گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔

بگھی رک گئی۔ کوچوان نے دیکھا کہ ایک منہ سر ڈھانپے ہوئے پراسرار آدمی اس کی طرف بڑھا ہے۔

اس نے رعب سے کہا۔

”کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟“۔

اس کے جواب میں پراسرار انسان نے جیب سے چھری نکال کر کوچوان کے سینے میں گھونپ دی۔

چھری سیدھی جا کر دل میں لگی اور بے چارہ کوچوان آہ کیے بغیر زمین پر لڑھک کر گرا اور مر گیا۔

بگھی چاروں طرف سے بند ڈبے کی طرح تھی۔ پراسرار انسان نے دروازہ کھول کر جھانکا۔ اندر کوئی مسافر نہیں تھا۔

وہ بگھی کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے گھوڑوں کی باگیں تھام کر چابک لہرائی۔

گھوڑوں پر برسائی۔ اور گھوڑے پہلے تو سیدھے کھڑے ہو گئے پھر سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگے۔ ماریا اس اثنا میں بگھی کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

بگھی سڑک پر بڑی تیزی سے ہچکولے کھاتی

بھاگی جا رہی تھی۔

خدا معلوم پراسرار انسان کہاں جانا چاہتا تھا۔ یہی معلوم کرنے کے لیے ماریہ بگھی میں سوار ہو گئی تھی۔ اسے افسوس تھا کہ وہ بے گناہ کوچوان کو موت کے منہ سے نہ بچا سکیں۔ اس ظالم پراسرار انسان نے پلک جھپکتے میں اس بے چارے کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ یہ بڑا ہی کوئی خونی انسان بلکہ وحشی جانور نما انسان تھا۔

بگھی اب بستی کی سڑک پر دوڑتی ہوئی بستی سے بھی آگے نکل گئی تھی۔

ماریہ نے کھڑکی کے پردے ہٹا کر باہر دیکھا راستہ گہرا تاریک تھا۔ آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور

آسمان پر ہلکی ہلکی بجلی چمک رہی تھی۔

یہ بارش کے آثار تھے۔ بگھی اب شہر کے مضافات میں آ گئی تھی۔ دو مکانوں میں سناٹا طاری تھا۔

کہیں بھی کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ صرف ایک جگہ کسی مکان کے روشندان میں ہلکی سی روشنی جھلملا رہی تھی۔

بگھی ایک چکر کاٹ کر چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ ٹیلے سے اتر کر وہ ایک پرانے اک منزلہ مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ اس مکان کی دیواروں کو جنگلی بیلوں کی شاخوں نے چھپا رکھا تھا۔

ایک کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔

پراسرار انسان نے بگھی سے اتر کر اپنے کالے لبادے کو اچھی طرح درست کیا۔ سر پر ہیٹ جمایا۔ گلے کے گرد مفلر لپیٹا اور مکان میں داخل ہو گیا۔

ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ مکان اندر سے تنگ تنگ تھا۔ ایک ڈیوڑھی میں سے گزر کر چھوٹا سا صحن آ گیا جس میں پرانا تالاب سا بنا تھا۔

تالاب خشک تھا اور اس میں جھاڑیاں اگی تھیں۔

ایک سیڑھی اوپر کو جا رہی تھی۔ پراسرار انسان اس سیڑھی پر سے ہو کر ایک برآمدے میں آ گیا۔

پھر اس نے جیب سے چابی نکال کر کمرے کا پرانا دروازہ کھولا۔

چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کیواڑ کھل گیا۔ اندر ایک جگہ میز پر بڑی سی موم بتی جل رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ پرانا صوفہ لگا تھا۔

ایک پلنگ بچھا تھا جس پر گرم لحاف پڑا تھا۔ اس لحاف میں ایک خوبصورت چہرے والی نازک سی عورت سو رہی تھی۔

وہ کیواڑ کھلنے کی آواز سن کر جاگ اٹھی تھی۔ اور اب اٹھ کر دہشت زدہ آنکھوں سے آنے والے بھیڑیا انسان کو تک رہی تھی۔

پراسرار انسان نے دروازہ بند کر کے دیوار کے

کیل پر ہیٹ رکھا۔ مفلر لٹکایا اور کوٹ اوور لبادہ اتار کر میز پر رکھا۔

اب اس کی شکل پورے بھیڑیے کی تھی اور موم بتی کی روشنی میں بڑی ڈراؤنی نظر آ رہی تھی۔ خوبصورت عورت کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

اس کے چہرے پر کمزوری اور بے بسی کے آثار تھے ایسے لگتا تھا کہ وہ اس ظالم انسان کے آگے بے بس ہے اور اسی بے بسی میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پراسرار انسان قدم قدم کر کے عورت کے پاس گیا۔

عورت نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اس نے اپنی نیلی نیلی خوبصورت آنکھیں بند کر لیں۔

پراسرار انسان نے پلنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک چابک نکالی اور اسے لہرا کر زور زور سے عورت کے جسم پر برسانا شروع کر دیا۔

عورت کی چیخیں نکل گئیں۔

کالا علم

پراسرار انسان چابک مارتے مارتے تھک گیا تو اس نے چابک پھینک دی۔

جیب سے رومال نکال کر اس نے اپنا بالوں بھرا بھیڑیے کا ماتھا صاف کیا اور پھر عورت کے بالوں کو کھینچنے لگا۔

عورت بے بسی کے عالم میں سوائے سسکیاں

بھرنے کے اور کچھ نہ کر رہی تھی۔

پراسرار انسان اس عورت کو تکلیف پہنچا کر مزہ حاصل کر رہا تھا۔ جب عورت نیم بے ہوش سی ہو گئی تو اس نے لبادہ اوڑھا۔

سر پر ہیٹ رکھی، چھڑی تھامی، ہاتھوں پر دستانے چڑھائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بالکل نہیں بول رہا تھا۔

صرف اس عرصے میں اس کے منہ سے بھیڑیے جیسی غصیلی آوازیں نکلتی رہی تھیں۔ ماریا ایک طرف کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھتی رہی تھی۔

پراسرار انسان باہر نکلا تو ماریا بھی اس کے پیچھے

پیچھے چل دی۔

وہ مکان سے باہر آ کر بگھی پر سوار ہو گیا۔ ماریا بھی چپکے سے اندر بیٹھ گئی۔ بگھی ایک بار پھر سڑک پر بھاگنے لگی۔

ٹیلے کی سڑک پر اتر کر بگھی نے ایک اور قصبے کی جانب سفر شروع کر دیا۔ اس طرف شہر کی ایک پرانی جیل تھی۔

کہتے ہیں کبھی بادشاہوں کے زمانے میں یہاں پھانسی پانے والے مجرموں کو رکھا جاتا تھا۔ اب یہ جیل ویران ہو چکی تھی۔

بگھی اس جیل کے پیچھے جا کر ایک درخت کے

پاس کھڑی ہو گئی۔ یہاں بھی ہو کا عالم طاری تھا۔ جیل کی پرانی عمارت ایک طرف سے ڈھے چکی تھی۔ اس عمارت کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ پراسرار انسان اس عمارت میں داخل ہو گیا۔

ایک تاریک زینہ نیچے اترتا تھا۔ پراسرار انسان نے موم بتی جلائی اور اسے ہاتھ میں تھامے سیڑھیاں اترنے لگا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ نیچے ایک چھوٹا سا کمرہ آ گیا جس کی چھت نیچی تھی۔ اس کمرے کے کونے میں ایک بوڑھا زنجیروں کے ساتھ بندھا پڑا تھا۔

پراسرار انسان نے موم بتی پتھر پر رکھی جیب سے بسکٹ نکال کر اس کے آگے یوں ڈالے جس طرح کتے کے آگے ڈالے جاتے ہیں۔

بوڑھا بے چارہ شاید دو تین روز سے بھوکا تھا۔ وہ ان بسکٹوں پر ٹوٹ پڑا اور جانوروں کی طرح کھانے لگا۔

اس کے بعد پراسرار انسان نے کونے میں رکھی ہوئی ایک ہانڈی میں سے پانی کا ڈونگا بھر کر اسے پانی پینے کو دیا۔

پھر ڈونگا واپس رکھ دیا۔

بوڑھے نے روتے ہوئے کہا۔

”خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ مجھ پر رحم کرو اور مجھے میری بیٹی کے پاس پہنچا دو“۔

پراسرار انسان جو بھیڑیے کی شکل میں تھا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس کے منہ سے غصے میں غراہٹ کی آوازیں نکلتی رہیں۔

اب اس نے چابک لے کر بوڑھے کے جسم پر برسانے شروع کر دیے۔ جب بوڑھا نیم بے ہوش ہو کر لڑھک گیا تو اس بھیڑیے نے موم بتی پکڑی اور واپس چل پڑا۔

باہر آ کر وہ اس قدر تیزی سے بگھی پر سوار ہوا کہ ماریا اس میں سوار نہ ہو سکی۔ گھوڑے بگھی کو لے کر

دیکھتے دیکھتے رات کی تاریکی میں گم ہو گئے۔

ماریا وہاں اکیلی رہ گئی۔ بڑی پریشان ہوئی کہ اب کیا کرے؟۔

کہاں جائے؟۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جیل کی پرانی عمارت سے لے کر پرانے قلعے تک سارا راستہ سنسان تھا۔

کوئی سواری بھی نہیں تھی۔ خیر ماریا پیدل بھی جا سکتی تھی۔ اس نے پرانے زمانے میں بڑے بڑے لمبے رستے پیدل طے کیے تھے۔

ایکدم سے اسے بدنصیب بوڑھے کا خیال آیا کہ اس سے چل کر پتا کرنا چاہیے کہ یہ پراسرار انسان حقیقت میں کون ہے اور یہ راز کیا ہے؟۔

ماریا واپس جیل کی ویران عمارت میں داخل ہو گئی۔

تنگ سیڑھیاں اتر کر اس کمرے میں آئی جہاں بد قسمت بوڑھا زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ بوڑھا ہوش میں آ چکا تھا اور درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔

اندھیرے میں وہاں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ماریا پانی کی بالٹی سے ٹکرا گئی۔

آواز پر بوڑھے نے کہا۔

"کیا مجھ پر ظلم کرنے پھر آ گئے ہو ڈاکٹر؟ کیا کوئی

کسر باقی رہ گئی تھی؟''۔

ماریا خاموش رہی۔ بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔

نکالتے کیوں نہیں اپنی چابک ظالم درندے؟ میرا بوڑھا جسم حاضر ہے۔ خدا جانے تم میری بیٹی پر کیا ظلم نہیں ڈھاتے ہو گے۔

تم انسان نہیں درندہ ہو۔ بھیڑیا ہو۔ مارو مجھے چابک کہ میں اس زندگی سے نجات پا سکوں۔

بوڑھا اپنی بیٹی کو یاد کر کے سسکیاں بھر کر رونے لگا۔

ماریا سمجھ گئی کہ پرانے مکان میں اس کی بیٹی کو اس

درندے نے قید کر رکھا ہے۔

یہ ایک عجیب معمہ تھا۔ ماریا جانتی تھی جب وہ بوڑھے سے بات کرے گی تو وہ بہت پریشان ہو گا۔ اس پر خوف بھی طاری ہو سکتا ہے۔

کیونکہ وہ اسے نظر نہیں آئے گا۔ لیکن معاملہ اتنا نازک تھا کہ ماریا اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ ڈاکٹر کون ہے؟۔

یہ درندہ کیوں بن جاتا ہے؟۔

کیسے بن جاتا ہے؟

بوڑھے نے جب دیکھا کہ ظالم ڈاکٹر چابک لے کر آگے نہیں آیا تو اس نے اندھیرے میں

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

پھر بولا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"بابا! میں ایک عورت ہوں۔ مگر خوفزدہ بالکل نہیں ہونا۔ میں کوئی بھوت پریت نہیں ہوں۔ مجھ میں اور تجھ میں صرف اتنا فرق ہے کہ میں تمہیں نظر نہیں آ سکتی"۔

بوڑھا پہلے تو ڈر گیا۔ مگر اس پر اتنے ظلم ہوئے تھے کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے کہنی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم اگر بھوت بھی ہو تو خدا کے لیے مجھے کھا جاؤ تاکہ اس تر زندگی سے نجات ملے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔ میرا نام ماریا ہے۔ لیکن ابھی ان باتوں کو چھوڑ دو اور مجھے بتاؤ کہ یہ درندہ کونسا ہے؟ تم کو اس نے یہاں زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟"۔

"ماریا! تمہیں یہ دردناک کہانی سنانے کا کیا فائدہ جب کہ تم میری اور میری بچی کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں"۔

ماریا بولی۔

"میں تمہاری مدد کرنے ہی یہاں آئی ہوں۔ میں تمہاری بیٹی سے بھی مل چکی ہوں"۔

بوڑھا بے تاب ہو کر بولا۔

"کیا تم ایلس سے ملی ہو۔ میری بیٹی کیسی ہے؟ اس ظالم نے اس کا بھی برا حال کر رکھا ہوگا؟ کیا وہ زندہ ہے؟ وہ مجھے یاد کرتی ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں نے تمہاری بیٹی سے کوئی بات نہیں کی۔ صرف اسے پرانے مکان کے ایک بند کمرے میں بستر پر لیٹے دیکھا ہے"۔

بوڑھے نے کہا۔

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ شخص ہمارے مکان کے ساتھ آ کر رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ڈاکٹر ظاہر کیا۔

یہ اکیلا اپنے گھر میں تجربے کرتا رہتا تھا۔ اس نے میری بیٹی سے شادی کی درخواست کی۔ میں نے انکار نہ کیا۔

سوچا نوجوان آدمی ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ میری بیٹی اسے پسند نہ کرتی تھی۔ شاید ایلس نے اسے ایک روز اپنے کمرے میں ایک خرگوش کی گردن میں شگاف کر کے اس کا خون پیتے دیکھ لیا تھا۔

ایلس اس سے نفرت کرنے لگی۔ ڈاکٹر نے اپنے

تجربے جاری رکھے۔ وہ کوئی خاص قسم کی دوائی بنا رہا تھا جس کو پی کر وہ بھیڑیے کی شکل اختیار کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایک روز وہ یہ دوائی بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

ماریا نے کہا۔

میں نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں یہ خبیث ڈاکٹر شیطانی تجربے کرتا ہے۔

اس نے میرے سامنے ایک دوائی پی جس کے بعد اس کا چہرہ بھیڑیے کا بن گیا۔

میں رات سے اس کا تعاقب کر رہی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

بوڑھے نے کہا۔

"ایسا کبھی نہ سوچنا میری بچی! یہ شخص بڑا طاقتور ہے۔ کوئی اسے ہلاک نہیں کر سکتا"۔

ماریا نے کہا۔

"تم پریشان نہ ہو بابا! یہ کام تم میرے سپرد کر دو۔ میں اس شیطان سے ضرور انتقام لوں گی۔"

اس کے بعد ماریا نے بوڑھے کی زنجیریں کھول دیں اور اسے اٹھا کر ایک لکڑی کے تخت پوش پر لٹا دیا۔

اس پر کمبل ڈالا اسے پانی پلایا اور کہا۔

"میں واپس جا کر کسی سواری کا انتظام کر کے آؤں گی اور تمہیں ایلس کے پاس پہنچا دوں گی"۔

بوڑھے نے کانپتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں بیٹی! جب تک یہ شیطان زندہ ہے۔

مجھے میری بچی کے پاس مت لے جانا۔

نہیں تو یہ ظالم شخص میری بچی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بابا! میں سب سے پہلے اس شخص کا خاتمہ کروں گی۔ اب تم یہاں آرام کرو۔ میں دن میں کسی وقت آؤں گی"۔

ماریا پرانی جھیل والے کھنڈر سے باہر آ گئی۔

باہر دن کی روشنی پھیل رہی تھی، وہ بستی کے

باہر والے ایلس کے مکان کی طرف چل پڑی۔ ایک جگہ اسے ایک گھوڑا چرتا نظر آیا۔

ماریا اس کے قریب آئی۔ اسے پچکارا۔ گھوڑے نے سر گھما کر دیکھا۔ اسے پچکارنے والا انسان نظر نہ آیا۔

ماریا ایکدم سے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور اسے بڑی مہارت سے جکڑ کر باگیں کھینچ لیں۔

گھوڑا کچھ دیر تک تو تھر تھر کانپتا رہا۔ پھر وہ سرپٹ بھاگ اٹھا۔

ماریا دن نکلنے سے پہلے پہلے ایلس کے مکان پر پہنچ گئی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور ایلس کے

کمرے کے باہر آ کر تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے تالا ہاتھ میں پکڑ کر زور سے مروڑا۔ وہ ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

تالا ٹوٹنے کی آواز اندر پلنگ پر نیم مردہ ایلس نے سنی تو اپنی کمزور آنکھیں کھول کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ کھلا اور اپنے آپ بند ہو گیا۔ وہ سہم گئی۔

یہ کون اندر آ رہا تھا۔

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر مصیبتیں اور اذیتیں سہتے سہتے اس قدر پتھر ہو گئی تھی کہ موت اگر بھوت بن کر بھی آتی تو وہ اسے ضرور قبول کر لیتی۔

کھڑکی کے شیشوں میں سے دن کی روشنی کمرے میں آنے لگی تھی۔ ماریا ایلس کے پلنگ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

پھر اس نے کرسی گھسیٹ کر پلنگ کے قریب کی اور اس پر بیٹھ گئی۔

اب ایلس کے چہرے پر خوف سے پسینہ آ گیا۔

کمرے میں کوئی بھوت آ گیا تھا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

ماریا اسے زیادہ خوف زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"ایلس!"۔

ایلس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

”کہ۔۔۔ کہ۔۔۔ کون ہے؟“۔

ماریا نے کہا۔

میری بات غور سے سنو! مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں کوئی بھوت نہیں ہوں۔ میں کوئی روح بھی نہیں ہوں۔

میرا نام ماریا ہے۔ میں ایک عورت ہوں۔ ایک انسان ہوں۔ میں تمہاری مدد کے لیے یہاں آئی ہوں۔

میں تمہارے باپ سے ابھی ابھی مل کر آ رہی ہوں۔

میں نے جلدی سے پوچھا۔

”میرے بابا کا کیا حال ہے؟“

ایلس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماریا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

وہ صرف تمہارے لیے پریشان ہیں۔ مگر اب تم دونوں کی پریشانی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔

وحشی ڈاکٹر انسان نہیں ایک بھیڑیا ہے۔ میں تم لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دلانے آئی ہوں۔

ایلس نے کہا۔

”ماریا بہن! تم۔۔۔ تم مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟“

تم ضرور کوئی روح ہو!"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہیں اس قسم کے سوال پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک انسان ہوں۔ روح نہیں ہوں اور صرف تمہاری مدد کے لیے یہاں آئی ہوں۔ ورنہ مجھے تمہارے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی"۔

ماریا نے باورچی خانے میں جا کر کافی بنائی۔ ڈبے میں سے بسکٹ اور ڈبل روٹی نکالی اور ایلس کو لا کر ناشتہ کرا دیا۔

اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اس کے جسم پر چابک

زخموں کے نشان تھے۔ ماریا نے ان زخموں پر دوائی لگائی اور ایلس کو آرام سے لٹا کر کہا۔

"تم آرام کرو۔ اب میں اسی بھیڑیے انسان کی تلاش میں جاتی ہوں۔ وہ جس قلعے میں رہتا ہے میں اس جگہ سے واقف ہوں۔ میں اب وہاں جاتی ہوں"۔

ایلس نے کہا۔

"بہن ماریا! اب وہ قلعے میں نہیں گیا ہوگا۔ قلعے میں وہ صرف رات کو جاتا ہے۔ دوائی پی کر بھیڑیا بن جاتا ہے۔

دن کے وقت دوائی کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو وہ پھر

آدمی کی شکل میں آ جاتا ہے۔ اس وقت وہ لندن شہر کے مشرقی علاقے میں اپنی دکان میں مریضوں کا علاج کر رہا ہوگا۔

وہاں وہ نیک دل ڈاکٹر بن کر دن گزارتا ہے۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیسا انسان ہے جو رات کو بھیڑیا بن کر ظلم ڈھاتا ہے اور دن کو شریف ڈاکٹر بن کر مریضوں کا علاج کرتا ہے۔

اس نے ایلس سے ڈاکٹر کے مطب کا پورا پورا پتا لے لیا۔ جانے سے پہلے اس نے ایلس سے پوچھا۔

"اب وہ یہاں کس روز آئے گا ایلس!"۔

ایلس نے کہا۔

"اب وہ پرسوں رات کو بھیڑیا بن کر آئے گا۔ وہ دو دن ضرور ناغہ کرتا ہے"۔

ماریا مکان سے نکل کر سڑک پر آ کر رک گئی۔ وہ رات بھر کی مصروفیت سے بہت تھک گئی تھی اور اب قلعے میں جا کر آرام کرنا چاہتی تھی۔

چنانچہ وہ پیدل ہی چلتی ہوئی قلعے میں آ گئی۔ کھانا کھا کر اس نے غسل کیا اور سو گئی۔

دوپہر کے بعد وہ سو کر اٹھی تو بالکل تازہ دم تھی۔ دھوپ کا رنگ سنہرا ہونے لگا تھا۔ دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔

ماریا نے گرم کپڑے پہنے اور قلعے سے نکل کر شہر

جانے والی سڑک پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ شہر وہاں سے کافی دور تھا۔ وہ پیدل نہیں جا سکتی تھی۔

اسے کسی سواری کی ضرورت تھی۔ اس سڑک پر سے سواریاں گزرا کرتی تھیں۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تو پھر کسی بگھی کو وہ کس طرح اشارہ کر کے کھڑی کرے؟۔

آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک درخت جو زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔

ماریا درخت کے قریب گئی۔ اس نے اپنی غیبی طاقت کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ دونوں ہاتھ درخت کے تنے پر رکھے اور زور لگانا شروع کر دیا۔ درخت اکھڑنے لگا۔ آخر وہ ایک دم جڑ سے اکھڑ کر دھڑام سے سڑک پر گر پڑا۔

ماریا سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر بگھی کا انتظار کرنے لگی۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اور دور سے ایک گھوڑا گاڑی یعنی بند بگھی آتی نظر آئی۔

کوچوان نے جو سڑک پر ایک درخت گرا دیکھا تو باگیں کھینچ لیں۔ بند بگھی رک گئی۔ اس میں سواریاں بھی بیٹھی تھیں کوچوان گالیاں دیتا نیچے اترا سواریوں کو بلاتے ہوئے کہنے لگا۔

مرد باہر نکل کر درخت اٹھانے میں میری مدد کریں

نہیں تو گاڑی آگے نہیں جا سکے گی۔

وہ آدمی بڑبڑاتے ہوئے بگھی سے باہر آ گئے۔

انہوں نے مل کر درخت کو اٹھایا اور سڑک کے باہر پھینک دیا۔

سب سواریاں دوبارہ بگھی میں سوار ہو گئیں۔ اس دوران میں ماریا بگھی کی چھت پر سامان کے بیچ میں آرام سے بیٹھ چکی تھی۔

کیونکہ بگھی کے اندر تھوڑی سی بھی جگہ نہیں تھی۔ کوچوان بھی بڑبڑاتا تھوکتا، گالیاں دیتا اوپر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے چابک لہرائی اور گھوڑے دوڑانے لگے۔

ماریا جہاں بیٹھی تھی وہ جگہ کوچوان کے بالکل پیچھے تھی۔ بگھی شہر لندن کی طرف کچی سڑک پر ہچکولے کھاتی بھاگی جا رہی تھی۔

چابک کوچوان کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے سر پر جو ہیٹ پہن رکھا تھا اس کی دو ڈوریاں دائیں بائیں کانوں کے نیچے لٹک رہی تھیں۔

ماریا نے سوچا کہ کوئی شرارت کرنی چاہیے تاکہ سفر دلچسپی سے طے ہو۔ اس نے کوچوان کے ہیٹ کی ایک ڈوری پکڑ کر کھینچی۔

کوچوان نے سر کو جھٹک کر بائیں جانب دیکھا۔

پھر ہیٹ کو سر پر اچھی طرح سے جما لیا۔ ماریا نے اب

دوسری ڈوری کھینچ دی۔

اپنے آپ کو ایک موٹی سی گالی دی۔ اور غصے میں گھوڑوں پر چابک برسانے لگا۔ ایک بار پھر ماریا نے ڈوری کھینچی تو کوچوان کچھ پریشان سا ہو گیا۔

اس نے ہوا میں چابک لہرا کر ہوا کو ایک گالی دے دی۔

ماریا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ساری گالیاں اسے دی جا رہی ہیں۔ اس کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے زور سے ہاتھ مار کر کوچوان کا ہیٹ اڑا دیا۔

"کون گدھا یہ شرارت کر رہا ہے؟"۔

ماریا ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی آواز کوچوان نے

بھی سن لی تھی۔

وہ گھبرا گیا۔ سمجھ گیا کہ کوئی بھوت قسم کی شے اس کے سر پر سوار ہو گئی ہے۔ ماریا نے اب کوچوان کی گنجی کھوپڑی پر ایک دھپ ماری۔

اس نے بگھی روک لی۔ نیچے اتر کر سواریوں سے کہا۔

"گاڑی میں بھوت آ گیا ہے"۔

پیچھے جا کر اس نے زمین پر گرا ہوا ہیٹ اٹھایا۔

اسے جھاڑ کر سر پر جمایا اور سواریوں سے کہا۔

"تم میں ضرور کوئی بھوت ہے۔ بھوت سامنے آ جائے نہیں تو میں بگھی آگے نہیں چلاؤں گا"۔

سواریوں نے اس کی بڑی منت سماجت کی مگر کوچوان ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اگر تم بگھی نہیں چلاؤ گے تو میں اسے چلا لوں گا۔ میں نے دس برس تک کوچوانی کی ہے"۔

اب تو کوچوان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ بگھی ہاتھ سے جاتی نظر آ رہی تھی۔

سارے لوگ اس کے خلاف تھے اور نوجوان سے کہہ رہے تھے کہ ہاں ہاں تم بگھی چلاؤ۔

ہم دیکھیں گے یہ تمہیں کیسے روکتا ہے۔ لاچار ہو کر کوچوان اپنی اونچی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بڑبڑاتے اور

اپنے آپ کو گالیاں دیتے ہوئے اس نے زور سے گھوڑوں کو چابک ماری اور بگھی کو آگے بڑھایا۔

ماریا یہ سارا کھیل دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے شہر پہنچنے تک کوچوان کو کچھ نہ کہا۔ شام ہو چکی تھی۔

جب گاڑی شہر کی سرائے کے باہر جا کر رک گئی۔ وہاں کوچوان بڑھ بڑھ کر ڈینگیں مارنے لگا۔

"راستے میں ایک بھوت مل گیا۔ میں نے بھی اسے ایسی پھینٹی دی کہ فوراً سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ بھلا میرے سامنے کوئی بھوت ٹھہر سکتا ہے؟"۔

سرائے کے باہر کھڑے لوگ اس کی بہادری کے قائل ہو رہے تھے۔

ماریا وہاں سے چلنے ہی والی تھی۔ اس نے کوچوان کی ڈینگیں سنیں تو پلٹ کر کوچوان کی پیٹھ پر زور سے لات ماری۔

کوچوان منہ کے بل گر پڑا۔ لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے اور کوچوان ہکا بکا ہو کر لوگوں کو تکنے لگا۔

"یہ تمہاری شرارت تھی۔ تم نے مجھے لات ماری ہے۔"

اور وہ ایک نوجوان سے لڑائی کرنے لگا۔

ماریا کو ابلیس نے شیطان ڈاکٹر کا جو ایڈریس بتایا تھا، وہ سیدھی اسی محلے میں آ گئی۔ یہ ایک پرانا اور گنجان آباد محلہ تھا۔

جہاں گندی گندی گلیاں تھیں۔ اور بوسیدہ مکان ایک دوسرے کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ بہت کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔

معلوم ہوتا تھا کہ یہاں بہت کم لوگ رہتے ہیں۔ اکثر مکانوں پر اندھیرا چھایا تھا۔ ایک چھتی ہوئی گلی سے گزر کر ماریا ایک مکان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

مکان کے باہر ڈاکٹر پونوس کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

ابلیس نے اس کا نام یہی بتایا تھا مکانوں کا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ کو ذرا سا دھکیلا۔ دروازہ اندر کو

کھل گیا۔

وہی قلعے کی رات والا اونچا لمبا اچھی خاصی شکل والا ادھیڑ عمر ڈاکٹر شیطان کرسی پر بیٹھا ایک مریض کے سینے پر ٹونٹی لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت اس کے چہرے پر بڑی ملائمت اور ہمدردی تھی۔ جبکہ اس رات وہ بھیڑیے کی شکل میں انسانیت پر ظلم و ستم ڈھا رہا تھا اور غریب بے بس عورت اور مظلوم بوڑھے کو چابکوں سے مار رہا تھا۔

بہرحال یہ ایک شیطانی روح تھی جس نے نیک دل انسان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

دروازہ ذرا سا کھلا تو ڈاکٹر نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا اسے کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ اس نے نوکر کو آواز دی۔

"پیٹر! پیٹر! کہاں ہو تم؟"۔

ایک کبڑا بدشکل اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ دروازہ اپنے آپ کیوں کھل گیا ہے؟ کیا باہر ہوا چل رہی ہے؟"۔

کبڑے نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔

"نہیں جناب! باہر تو ذرا سی بھی ہوا نہیں چل رہی"۔

پھر یہ دروازہ کس نے کھولا؟

کیا اندر بھوت آ گیا ہے؟۔

بھوت کا نام سن کر مریض کی جان ہوا ہو گئی۔ اس نے دائیں بائیں خوف بھری نظروں سے دیکھا اور اٹھ کر باہر کو بھاگ گیا۔

ڈاکٹر نے کبڑے سے کہا۔

"بدتمیز بدشکل آدمی! تم نے کالا علم کس دن کے لیے پڑھا تھا؟ اپنے علم کے زور سے معلوم کرو کہ اندر کون آیا ہے؟"۔

کبڑے نوکر کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے سر کو ایک طرف جھکا کر فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔

اور دروازے کے پاس آ کر اور زیادہ جھک کر سونگھنے لگا۔

ماریا جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ کم بخت تو اس کے سر پر ہی چڑھا آ رہا تھا۔ اچانک کبڑے نے ناک سکیڑ کر کہا۔

"مالک! کمرے میں کوئی انسان موجود ہے"۔

ڈاکٹر چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کہا؟ انسان موجود ہے۔ یعنی ہمارے علاوہ بھی کوئی انسان موجود ہے؟"۔

"ہاں جناب! میرا علم کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ یہاں ایک ایسا انسان موجود ہے جو ہماری طرح

سانس لے رہا ہے۔ میں اس کے سانسوں کی آواز سن رہا ہوں"۔

ماریا نے جلدی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ سانس لینے لگی۔

یہ کم بخت تو سب کچھ جان گیا تھا۔ اس کے پاس تو بڑا خطرناک علم تھا۔ ماریا کچھ پریشان سی ہو گئی کہ کہیں یہ اس کے پاس آ کر اسے ایکدم سے چمٹ نہ جائے۔

آدھی رات کو آؤں گا

ڈاکٹر شیطان پریشان سا ہو گیا۔ اس نے کبڑے سے کہا۔

"یہ انسان نظر کیوں نہیں آتا؟ کیا یہ کوئی روح ہے؟ کیا اس کے پاس کوئی خفیہ جادو ہے؟"۔

کبڑا برابر فضا میں ماریا کے سانسوں کی آواز سن رہو تھا۔ کہنے لگا۔

"جناب والا! مجھے یہ کوئی عورت لگتی ہے۔ عورت جوان ہے اور بڑے سکون سے سانس لے رہی ہے، وہ اس وقت کمرے میں موجود ہے"۔

ڈاکٹر شیطان گھبرا کر کرسی کے پیچھے جا کھڑا ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم پیٹر! کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کمرے میں ایک ایسی نوجوان عورت موجود ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دے رہی"۔

کبڑے نوکر نے سر ہلا کر کہا۔

یقین ہے جناب! عورت غیبی شے ہے اور وہ اس کمرے میں اس وقت موجود ہے۔ میرا کالا علم کبھی

جھوٹ نہیں بولتا۔

ڈاکٹر شیطان نے ڈنڈا اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"کیا تم یہ ڈنڈا اس کے سر پر مار کر اسے بے ہوش کر سکتے ہو؟"۔

کبڑے نے ڈنڈا لے کر کہا۔

"کوشش کروں گا جناب!"۔

پھر وہ ذرا ہچکچایا اور بولا۔

"جناب! کوئی پتا نہیں کہ یہ غیبی عورت کیا شے ہے، ہو سکتا ہے یہ پرانے زمانے کی کوئی روح ہو جس نے غیبی انسان کا روپ بدل لیا ہے"۔

ڈاکٹر نے چلا کر کہا۔

پھر کیا ہوا۔ تم میرے حکم کی تعمیل کرو۔ اس غیبی عورت کو مار مار کر بے ہوش کر دو۔

اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اسے پکڑ کر رسیوں سے باندھ کر میرے حوالے کر دو۔ میں اسے ایسا ٹیکہ لگاؤں گا کہ بے ہوش ہو جائے گی۔

پھر میں اس پر اپنا تجربہ کروں گا۔ اسے عورت سے بندریا یا ریچھنی بنا دوں گا۔

ماریا اچھل پڑی۔ یہ بدبخت نامراد ڈاکٹر اسے بھی اپنی طرح جانور بنانا چاہتا تھا۔ وہ مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو گئی۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر کبڑے نے اس کے سانس کے انداز سے اس کی جانب قدم بڑھایا تو وہ اسے ایسا سبق سکھائے گی کہ ساری عمر یاد رکھے گا۔

کبڑے نے ڈنڈا پکڑ لیا اور قدم قدم اس کی جانب بڑھنے لگا۔ جدھر سے اسے ماریا کے سانسوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی یہ آواز ڈاکٹر نہیں سن سکتا تھا۔

صرف کبڑا شیطان اپنے کالے علم کی وجہ سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ ماریا کے بالکل قریب آ گیا۔ ماریا پرے ہٹ گئی وہ جدھر جدھر جا رہی تھی کبڑا اس کے سانسوں کی آواز سن کر ادھر کو ہی چلا آ رہا تھا۔

ایک بار تو وہ بالکل اس کے سر پر پہنچ گیا ماریا گھبرا کر پیچھے ہٹی تو ایک الماری سے ٹکرا گئی جس کے اوپر رکھا ہوا تانبے کا گلدان نیچے گر پڑا۔

جونہی کبڑا شیطان ڈنڈا لے کر ماریا کی طرف بڑھا، ماریا نے میز پر رکھاک ہوا ایک پتھر کا چھوٹا سا بت اٹھایا اور کبڑے کے سر پر دے مارا۔

کبڑا ایک چیخ مار کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ شیطان ڈاکٹر اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ ماریا نے وہی بت اٹھا کر ڈاکٹر کے قدموں پر زور سے پھینک دیا۔ بت پاش ہو گیا۔

اب رات پڑ گئی تھی۔ کمرے میں ایک موم بتی جل

رہی تھی۔ شیطان ڈاکٹر نے کبڑے کی لاش کو ایک تہہ خانے میں پھینک دیا اور خود لبادہ اوڑھ کر مکان سے باہر آ گیا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ایک جگہ بگھی کھڑی تھی۔ شیطان بھیڑیا اس بگھی پر سوار ہو گیا۔ اس نے گھوڑوں کو چابک ماری۔

گھوڑے گلی کی پتھریلی سڑک پر سرپٹ دوڑنے لگے۔ ماریا بگھی میں سوار ہو چکی تھی۔ یہ بگھی ایک ویران سی جگہ پر ایک اجڑی ہوئی سرائے کے باہر رک گئی۔

شیطان بھیڑیا اتر کر سرائے کے اندر آ گیا۔

اس سرائے میں کبھی کوئی مسافر نہیں ٹھہرا تھا۔ ایک پرانی سی کوٹھڑی کے دروازے پر تالا لگا تھا۔ شیطان بھیڑیے نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ اندر جا کر موم بتی جلا کر ایک میز پر رکھی اور ایک بوسیدہ الماری کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالنے لگا۔

ماریا نے غور سے دیکھا کہ وہ ایک بکس میں سے وہ چمکدار چھریاں نکال کر لبادے میں چھپا رہا تھا۔

ماریا ہوشیار ہو گئی۔

یہ وحشی درندہ ضرور کسی کو قتل کرنے جا رہا تھا۔ چھریوں پر اس نے کوئی دوائی بھی لگائی تھی۔ شاید یہ کوئی زہر تھا۔

پراسرار انسان (عمرو ناگ ماریا سیریز نمبر 60)

سرائے سے نکل کر وہ بگھی میں سوار ہوا اور اس مکان کی طرف چل پڑا جہاں ایلس رہتی تھی۔

ماریا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس پرانی سرائے سے نکلتے ہوئے شیطان ڈاکٹر نے ایک شیشی میں سے کوئی سیاہ رنگ کی دوائی بھی پی لی تھی۔

یہ وہی دوائی تھی جسے پی کر وہ انسان سے بھیڑیا بن جاتا تھا۔ جس وقت یہ شیطان ڈاکٹر ویلس کے مکان میں داخل ہوا تو وہ انسان سے بھیڑیا بن چکا تھا۔

اس کے ماتھے پر بال اگ آئے تھے اور دانت باہر کو نکل پڑے تھے۔

ایلس کے کمرے میں جا کر اس نے دیکھا کہ

ایلس بڑے آرام سے بستر پر لیٹی ہے۔ اس کے اوپر کسی نے گرم لحاف ڈال رکھا ہے۔

میز پر کافی کی پیالی اور بسکٹ رکھے ہیں۔

شیطان بھیڑیا غرایا۔ ایک ہاتھ ما کر اس نے بسکٹ کی پلیٹ اور کافی کا پیالہ دور پھینک دیا۔ ایک چھناکے کی آواز کے ساتھ یہ دونوں چیزیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔

اب اس نے لبادے میں سے دونوں چھریاں نکال کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں اور آہستہ آہستہ ایلس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

ایلس اس کی شکل اور اس کے ہاتھوں میں چھریاں دیکھ کر رونے لگی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ مجھے نہ مارو۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں"۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے اور اب اسے دنیا کی کوئی طاقت اس درندے سے نہیں بچا سکتی۔

ایلس نے ماریا کو بہت یاد کیا۔ بھیڑیا چھریاں ہاتھوں میں لیے ایلس کے سرہانے آ کر رک گیا اور اپنی شیطانی وحشی آنکھوں سے ایلس پر جھک کر دیکھنے اور غرانے لگا۔

ایلس کے منہ سے نکل گیا۔

"ماریا! تم کہاں ہو میری بہن؟"۔

ماریا کے بھی منہ سے نکل گیا۔

"میں آ گئی ہوں، ایلس! گھبراؤ نہیں"۔

اس غیبی آواز پر بھیڑیا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

ماریا قریب ہی کھڑی اس کے قریب اس کے ہاتھ سے چھریاں چھیننے کی سوچ رہی تھی۔

شیطان بھیڑیے نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ تھا اور اچانک چھریوں والے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے چاہتا تھا کہ ایک ہی وار سے ایلس کا خاتمہ کر دے کہ ماریا نے آگے سے اپنی لات اس کے سینے پر زور سے ماری۔

شیطان بھیڑیا پشت کے بل فرش پر گر پڑا۔ ماریا کی لات میں چھ آدمیوں طاقت آ گئی تھی۔

چھریاں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گریں۔ شیطان بھیڑیا بھی بڑا طاقتور تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور چھریوں کی طرف لپکا۔

مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ماریا دونوں چھریاں غائب کر چکی تھی۔ اب شیطان بھیڑیا ماریا کے رحم و کرم پر تھا۔

ایلس بستر پر اٹھ کر کانپتے ہوئے یہ خونی کھیل دیکھ رہی تھی۔

بھیڑیا انسان چاروں طرف اچھل کود کر رہا تھا

تا کہ ماریا کے حملے سے بچ سکے مگر ماریا ماریا کے حملے سے بچنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

وہ بڑے سکون سے چھری پکڑے ایک طرف کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ کہ وہ ذرا رکے اور چھری اس کے سینے سے پار کر دے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جونہی بھیڑیے انسان نے ذرا سا رک کر ایلس کا گلا دبا کر اسے ہلاک کرنا چاہا اور وہ ذرا آگے بڑھا۔

ماریا نے ہاتھ اٹھا کر پوری طاقت سے چھری بھیڑیے انسان کے سینے میں اتار دی۔ کمرے کی فضا میں ایک ایسی چیخ بلند ہوئی جو ایک بھیڑیے کی چیخ تھی۔

اس میں انسانی چیخ کی بگڑی ہوئی تکلیف دہ آواز بھی شامل تھی۔

ایلس تڑپ کر بستر سے نیچے جا گری۔ بھیڑیا انسان سینے پر ہاتھ رکھے کمرے میں گردش کرنے لگا۔ ماریا نے موقع دیکھ کر ایک وار اور کر دیا۔

یہ وار بھیڑیے انسان کے گردن پر کیا گیا۔ اس کی گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ دوسرا وار ماریا نے ایک بار پھر اس کے سینے پر کیا۔

ان چھریوں میں زہر بھی ملا ہوا تھا۔ زہر کا اثر بہت تیز تھا۔ بھیڑیا زمین پر گر پڑا۔ اس کا جسم تھر تھرانے

لگا۔

آنکھیں زہر کے اثر سے باہر کو ابل آئیں۔ وہ بھیڑیے سے انسان کی شکل میں آنا شروع ہو گیا اور جب اس کا دم نکل گیا تو وہ ڈاکٹر لوٹوس کی شکل میں واپس آچکا تھا اور اس کے چہرے پر سکون تھا۔

ایسے لگتا تھا جیسے وہ کسی عذاب سے نجات حاصل کر گیا ہو۔ ایلس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماریا! ماریا! بہن!"۔

ماریا نے کہا۔

"میں تمہارے پاس ہوں ایلس! میں نے اس شیطان کو ختم کر دیا ہے۔ اب یہ کبھی تمہیں پریشان نہیں

کرے گا اگر میں آج اسے ہلاک نہ کرتی تو یہ تمہیں قتل کر چکا ہوتا"۔

ایلس بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ خوف زدہ تھی۔ اس کا چہرہ زرد اور ماتھے پر پسینے کے قطرے موم بتی کی روشنی میں جھلملا رہے تھے۔

اس نے کہا۔

"ماریا بہن! میں کس طرح سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تم نے میری زندگی بچا کر مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے اس درندے کی موت نے میری اور میرے باپ کی زندگی کے بہت سے عذاب کو ہمیشہ ختم کر دیا ہے۔"

ماریا نے کہا۔

تم یہیں ٹھہرو۔ میں تمہارے باپ کو بھی لے کر ابھی آتی ہوں۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تم گھبرانا نہیں۔

اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔

ایلس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ماریا نے بھیڑیے انسان کی لاش کو اٹھا کر باہر باغ کے ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی اور بگھی میں سوار ہو کر ایلس کے باپ کو لینے چل دی۔

رات کی خاموشی میں اس کی بگھی کے گھوڑوں کی آواز دور تک گونج رہی تھی۔ پرانی جیل کی عمارت

میں ایلس کا انتظار بھی کر رہا تھا۔ اتنے میں اسے باہر بگھی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔

پھر دروازہ کسی نے کھول دیا۔ بوڑھے نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔

"ماریا بیٹی! کیا یہ تم ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں بابا! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ میں نے شیطان درندے کو ہلاک کر کے تمہیں اور تمہاری بیٹی ایلس کی زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ ایلس تمہارا انتظار کر رہی ہے"۔

ماریا نے بوڑھے کو بگھی میں بٹھایا اور ساتھ لے کر

ایلس کے پاس آ گئی۔ ایلس باپ سے لپٹ کر رونے لگی۔

باپ بیٹی دیر تک آنسو بہاتے رہے پھر انہوں نے ماریا کا بہت شکریہ ادا کیا۔

ماریا نے کہا۔

بابا! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اب تم لوگ یہاں آرام و سکون کی زندگی بسر کرو۔

میں جاتی ہوں۔ مجھے بھی اپنے دو بھائیوں کی تلاش ہے جو مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ بہر حال میں کبھی کبھی یہاں آ کر تمہاری خیریت دریافت کرتی رہوں گی۔

بوڑھے نے عاجزی سے کہا۔

"بیٹی! ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہ کر سکیں گے۔ مگر میری بچی! تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟ کس کی روح ہو؟ اور کہاں سے آئی ہو؟"۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

بابا! میں کسی کی روح نہیں ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح سے انسان ہوں اور تمہاری طرح سوتی جاگتی اور کھاتی پیتی ہوں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ تم لوگ نظر آتے ہیں۔ میں نظر نہیں آتی۔

اچھا خدا حافظ۔

ماریا چلی گئی۔

وہ بگھی میں سوار ہو کر واپس اپنے قلعے میں آ گئی۔

دوسرے روز وہ دیر تک سوتی رہی۔

شام کو وہ لندن شہر میں آ گئی اس نے بازاروں میں گھومتے پھرتے لوگوں کی شکلوں کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔

اسے یقین تھا کہ ناگ یا عنبر اسے وہیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائیں گے۔

یونہی گھومتے پھرتے ماریا شہر کی بندرگاہ پر آ گئی۔ یہاں بہت سے چھوٹے بڑے بادبانی جہاز کھڑے تھے۔

لوگوں کی خوب چہل پہل تھی۔ ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ ان جہازوں پر چل کر دیکھا جائے۔ شاید کہیں مسافروں میں ناگ یا عنبر دکھائی دے جائیں۔

وہ ایک جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر عرشے پر آ گئی۔ یہاں لوگ اپنا اپنا سامان ٹھیک کر رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ جہاز کسی شہر کو جانے والا ہے۔

ماریا مسافروں کو غور سے دیکھتی جہاز کے نیچے والے عرشے پر آ گئی۔

یہاں بھی مسافر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کھا پی رہے تھے۔ ماریا نے ایک ایک کیبن میں جھانک کر دیکھنا شروع کر دیا۔

اچانک اسے ایک آدمی پر عنبر کا شبہ ہوا۔ یہ آدمی سر پر ایک گٹھڑی اٹھائے ایک راہداری کی طرف جا رہا تھا۔

جس وقت ماریا اس کے قریب پہنچی وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہو چکا تھا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی میں داخل ہو گئی۔ اس نے آدمی نے جب گٹھڑی سر پر سے اتار کر کونے میں پھینکی تو ماریا نے ہلکی ہلکی روشنی میں دیکھا کہ وہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔

عنبر نہیں تھا۔

ماریا کو بڑا افسوس ہوا۔ ابھی وہ باہر نکلنے کے

بارے میں غور ہی کر رہی تھی کہ وہ آدمی کوٹھڑی سے باہر چلا گیا۔

اس نے جاتے ہوئے دروازہ باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا۔ ماریا نے چونک کر دیکھا۔

ماریا دروازے کے پاس آ گئی یہ دیکھ کر وہ پریشان ہوئی کہ دروازہ لوہے کی بہت موٹی اور مضبوط چادر کا تھا۔

اس نے بہت زور لگایا مگر دروازہ اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ ہلا۔ اب تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اس نے زور زور سے دروازے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے کہ شاید آواز سن کر کوئی آ جائے۔

دروازہ کھولے اور وہ جلدی سے باہر نکل آئے مگر وہ دروازہ ایسا تھا کہ اس کی آواز ہی پیدا نہیں ہوتی۔ ماریا گھبرا گئی۔ اب کیا کرے؟ اتنے میں اسے جہاز کے انجنوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ جہاز چل پڑا تھا۔

وہ دروازے کو اور زیادہ زور زور سے بجانے لگی۔ مگر وہ سٹور روم تھا۔ وہاں کوئی نہیں آتا تھا۔ مسافر کافی دور اپنے اپنے سامان کے پاس بیٹھے تھے یا اوپر عرشے پر کھڑے جہاز کے روانہ ہونے کا منظر دیکھ رہے تھے۔

جہاز بندرگاہ سے چل کر کھلے سمندر میں داخل ہو

گیا اور اس نے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ کا رخ پکڑ لیا۔ جہاز کے سٹور روم میں ماریا بے بسی کی حالت میں سامان کے پاس بیٹھ گئی۔

یہاں لکڑی کے بڑے بڑے ڈبوں میں سیب، ناشپاتیاں، خشک میوے اور سبزیاں تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ جب تک جہاز کسی بندرگاہ پر نہیں رکتا وہ یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی۔

مجبوراً اس نے ایک پیٹی کو توڑ کر سیب نکالے اور کھانے لگی۔

قارئین! آپ کو معلوم ہی ہے کہ عنبر ایک امیر بوڑھے کپتان جارج کے مال بردار جہاز پر لندن آ رہا

تھا۔

اس نے بوڑھے جارج کی جان بچائی تھی۔ کیونکہ اس کے رشتے دار جائیداد کی خاطر اسے قتل کرنا چاہتے تھے۔

بوڑھا جارج عنبر کا بہت ممنون ہو گیا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ لندن والے اس کے عالی شان گھر میں جا کر رہے۔

وہ اسے آدھی جائیداد دینے اور اپنا بیٹا بنانے پر بھی راضی ہو گیا تھا۔ عنبر نے کچھ نہ کہا تھا۔ جہاں اس کا خیال تھا کہ ناگ اور ماریا کو تلاش کر سکے گا۔

چنانچہ عنبر بوڑھے کپتان جارج کے ساتھ لندن

پہنچ گیا ادھر ناگ بھی اسی شہر کی ایک سرائے میں سوداگر کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا تھا۔

اس کے پاس کافی روپے تھے۔ جواب آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ناگ روزانہ صبح کے وقت شہر میں آ کر گھومتا پھرتا۔

عنبر اور ماریا سے ملنے کی کوشش کرتا اور شام کو واپس سرائے میں جا کر سو جاتا۔ یونہی عنبر بھی اسی شہر میں آ گیا۔

دولت مند بوڑھے جارج کا عالی شان پرانا مکان شہر کے کونے پر ایک جھیل کے کنارے تھا یہ بڑا پرانا گھر اس میں کئی کمرے تھے۔

بوڑھا جارج صرف ایک کمرے میں رہتا تھا۔ ایک بوڑھی عورت اس کی خادمہ تھی۔ اس نے ساتھ والا کمرہ عنبر کو دے دیا۔

عنبر نے وہاں رہنا شروع کر دیا۔ عنبر بھی روزانہ شہر میں آ کر ادھر ادھر چکر لگاتا کہ شاید کہیں ناگ وغیرہ مل جائیں۔

مگر اتفاق ایسا ہوتا کہ ان کی ملاقات نہ ہوتی۔

ایک روز شام کو عنبر تھکا ماندہ پرانے گھر میں داخل ہوا تو ایک کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے خادمہ کی آواز سنائی دی اور اندر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔

پراسرار انسان (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 60)

عنبر حیران ہوا کہ یہ خادمہ کس سے باتیں کر رہی ہے جبکہ اس گھر میں سوائے جارج اور عنبر کے تیسرا کوئی آدمی کوئی نہیں تھا۔

اس نے کان لگا کر سنا۔ اسے سنائی دیا کہ خادمہ کسی سے کہہ رہی ہے۔

نہیں نہیں آج رات نہیں۔ پھر کسی رات کو آنا ہے۔ یہ کام بڑا خطرناک ہے۔ جارج کا ایک مہمان بھی ٹھہرا ہوا ہے۔

پہلے میں اس مہمان کو یہاں سے چلتا کر لوں پھر تم آ جانا۔

ایک آدمی کی آواز آئی۔

تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو۔ مہمان ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔

وہ تو اپنے کمرے میں سویا ہوگا۔ میں جارج کے کمرے میں آدھی رات کے بعد داخل ہوں گا اور بڑے آرام سے اس کا گلا کاٹ کر ہلاک کر واپس چلا جاؤں گا۔

پھر اس کی ساری جائیداد میرے قبضے میں آ جائے گی اور ہم دونوں شادی کر لیں گے۔

خادمہ نے کہا۔

"لیکن تمہارا بڑا بھائی بھی تو اس جائیداد میں حصے دار ہوگا۔ وہ کبھی تمہیں اجازت نہیں دے گا کہ تم مجھ سے شادی کر سکو"۔

آدمی کی آواز آئی۔

"وہ کون ہوتا ہے میرے کام میں دخل دینے والا، میں اسے بھی قتل کر دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ جو آدمی ایک قتل کر سکتا ہے، اس کے لیے دوسرا قتل کوئی مشکل بات نہیں ہوتی"۔

خادمہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اچھا۔ اچھا تو پھر آج رات تم آ جانا۔ تم جارج کے کمرے کی کھڑکی اندر سے کھلی رکھنا"۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ خدا کے لیے۔ جارج ابھی چائے کے لیے آواز دے گا۔ اس بڈھے کی

چائے کا وقت ہو رہا ہے"۔

"اچھا! خدا حافظ! آدھی رات کو آؤں گا۔ کھڑکی کھلی رکھنا"۔

"جلدی سے چلے بھی جاؤ اب"۔

کوئی کھڑکی میں سے باہر کود گیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ سارا منصوبہ نیک دل جارج کو قتل کر کے اس کی جائیداد پر قبضہ جمانے کے لیے بنایا جا رہا ہے۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔

جاگتے رہنا جارج!

اپنے کمرے سے بوڑھے جارج نے آواز دی۔

"مگر بیٹا! چائے کہاں ہے میری؟"۔

خادمہ جلدی سے کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے عنبر سے منہ بھیڑ ہو گئی۔ نوجوان خادمہ نے بڑی خندہ پیشانی سے جھک کر عنبر کو سلام کیا۔

"شام بخیر جناب!"۔

"شام بخیر"۔

اس کا خیال تھا کہ عنبر نے کچھ نہیں سنا۔ اسے کیا خبر کہ وہ تو ان کی پوری سازش سے باخبر ہو چکا تھا۔ اب ایک منصوبہ عنبر کے ذہن میں آ گیا تھا۔

خادمہ چائے لینے باورچی خانے کی طرف بھاگی۔ جاتے جاتے اس نے جارج کے کمرے میں منہ ڈال کر کہہ دیا۔

"ابھی لا رہی ہوں جناب"۔

عنبر بوڑھے جارج کے کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ آرام کرسی پہ کھڑکی کے قریب بیٹھا پائپ پی رہا ہے۔ اور سمندری جہاز کے ایک نمونے کو غور

سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے عنبر کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

ادھر آؤ عنبر تمہیں ایک تاریخی جہاز کا نمونہ دکھاؤں۔ یہ دیکھو۔ اس جہاز کا نام کاسابلنکا ہے۔ یہ جہاز کبھی ہالینڈ کے بادشاہوں کے پاس ہوا کرتا تھا۔ پھر ایک بحری ڈاکو نے اس پر قبضہ جما لیا۔ کہتے ہیں اسی جہاز پر لٹکر سے بحری ڈاکو کیپٹن کِک نے شاہی خاندان کے ایک ایک فرد کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا تھا۔

عنبر بھی میز پر رکھے ہوئے بادبانی جہاز کے نمونے کو جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔

"اس میں کوئی شک نہیں" بڑا خوبصورت جہاز ہے"۔

بوڑھے جارج نے کہا۔

"میرے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ وہ بحری ڈاکو کیپٹن کک سے مل چکے تھے"۔

پھر بوڑھے جارج نے سرگوشی میں کہا۔

"انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس بحری ڈاکو نے اپنا خزانہ کہاں چھپا رکھا ہے"۔

عنبر یونہی بناوٹی حیرانی سے پوچھا۔

"کیا واقعی؟"۔

بوڑھا جارج مسکرایا۔

ہاں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میرے والد صاحب کے پاس خزانے کا نقشہ بھی تھا۔ مگر انہوں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔

خدا بخشے وہ کہا کرتے تھے۔ بیٹا! آج تک جو لوگ بھی خزانوں کی تلاش میں نکلے کبھی زندہ سلامت واپس نہیں آئے اور پھر ہمارے پاس اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے ملی ہوئی اتنی دولت اور جائیداد تھی کہ ہمیں کسی خفیہ خزانے کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔

عنبر! کیا تم کبھی کسی بحری ڈاکو سے ملے ہو؟۔

اب عنبر اس بوڑھے کیپٹن کو کیا بتاتا کہ وہ نہ صرف

بحری ڈاکوؤں سے ملا ہے بلکہ اس نے اتنے بحری ڈاکوؤں کو اور ان کے سرداروں کو قتل کیا ہے کہ اسے یاد ہی نہیں۔ وہ تو ہزاروں برس سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کرتا چلا آیا تھا۔ وہ بوڑھے جارج کے سوال پر ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔

"بھلا میں کیسے کسی بحری ڈاکو سے ملا سکتا ہوں"۔

بوڑھا جارج کہنے لگا۔

ٹھیک ہے۔ تم ایک شریف انسان ہو۔ اگرچہ تمہارے پاس جادو کے زور سے زبردست طاقت آ گئی ہے اور تم کو کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ مگر تم ایک امن پسند انسان ہو اور کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ پھر بھلا تمہارا واسطہ بحری ڈاکوؤں سے کیسے پڑ سکتا ہے؟۔

اتنے میں نوجوان خادمہ چائے کا طشت لے کر آ گئی۔ چاندی کے برتن چمک رہے تھے۔ تھالیوں میں، سیب، انگور اور ناشپاتیاں رکھی تھیں۔

عنبر نے اب نوجوان خادمہ کو غور سے دیکھا۔ اس کی ناک تیکھی تھی۔ آنکھوں میں بڑی مکارانہ چمک تھی۔

خادمہ نے بھی اچانک عنبر پر نگاہ ڈالی۔ جب دیکھا کہ وہ اسے گھور رہا ہے تو جلدی سے نگاہیں نیچی کر لیں۔

"گریٹا تم جاؤ۔ عنبر خود میرے لیے چائے بنائے گا۔ یہ بھی میرا بیٹا"۔

نوجوان خادمہ معنی خیز نظروں سے عنبر کو تکتی دروازے سے باہر نکل گئی۔

عنبر چائے بنانے لگا۔

اس نے کہا۔

"انکل جارج! آپ کی یہ خادمہ مجھے پراسرار لگتی ہے۔ کیا یہ آپ کی پرانی ملازمہ ہے؟"۔

جارج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

برخوردار! گریٹا نے اس گھر میں پرورش پائی ہے۔ اس کی ماں چھوٹی سی تھی جب ہمارے دادا جان اسے

آسٹریلیا سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

وہ بوڑھی ہو کر اسی گھر میں انتقال کر گئی۔ گریٹا اسی گھر میں پیدا ہوئی۔ یہیں اس نے پرورش پائی اور ایک عرصے سے میری دیکھ بھال کر رہی ہے۔

میرے ماں باپ اور بیوی کے مرنے کے بعد گریٹا نے مجھے بڑا سہارا دیا۔

میری بڑی خدمت کی۔ میں اس بے چاری کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ خیال ہے کہ اپنی وصیت میں اس کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ رقم چھوڑ جاؤں گا۔

عنبر دل میں ہنس دیا۔ بے چارا بوڑھا جارج تو نوجوان خادمہ گریٹا کے لیے ہمدردی کی باتیں سوچ

رہا تھا اور وہ آج رات اس کے بھتیجے سے مل کر اسے قتل کروا رہی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔

بوڑھے جارج نے پوچھا۔

"کیا بات ہے عنبر!" "تم ہنس کیوں دیئے؟"۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"کچھ نہیں۔ یونہی مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا"۔

"کون سا لطیفہ؟ مجھے بھی تو سناؤ"۔

عنبر کو تو کوئی بھی لطیفہ اس وقت یاد نہیں تھا۔ بات بدلنے کے لیے بولا۔

"انکل! آج رات تھیٹر دیکھنے نہ چلیں؟"۔

"ضرور ضرور۔ مگر میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ تم

گریٹا کے ساتھ چلے جانا"۔

"ٹھیک ہے"۔

جارج نے گریٹا کو بلا کر کہا۔

"گریٹا! تم آج رات ہمارے معزز مہمان کے ساتھ تھیٹر دیکھنے چلی جانا۔ مجھے آرام کی ضرورت نہ ہوتی تو میں بھی تمہارے ساتھ جاتا"۔

خادمہ پریشان ہو گئی۔ آج رات تو اس نے بوڑھے جارج کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا پھر وہ کیسے جا سکتی تھی۔

مگر مالک کا حکم بھی وہ نہیں ٹال سکتی تھی۔ اس نے انکار کرنے کی کوشش کی مگر وہ بوڑھے جارج نے

صاف صاف کہہ دیا۔

"نہیں گریٹا! یہ ہمارا حکم ہے۔ تمہیں آج عنبر کے ساتھ تھیٹر دیکھنے جانا ہوگا"۔

"بہت بہتر جناب"۔

خادمہ سر جھکا کر چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ تھیٹر رات گیارہ بجے تک ختم ہو جائے گا۔ قتل آدھی رات کے بعد ہوگا۔

وہ واپس آ کر بھی جارج کی کھڑکی کھول سکتی ہے۔ عنبر بڑا خوش تھا کہ اس کی سکیم کامیاب ہو رہی ہے۔

وہ خادمہ کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا

تھا۔ رات کا کھانا بوڑھے جارج اور عنبر نے مل کر کھایا۔

اس کے بعد عنبر نے کپڑے تبدیل کیے۔ گریٹا بھی کپڑے پہن کر تیار ہو چکی تھی۔ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ تھی۔

حالانکہ اسے عنبر اس وقت زہر لگتا تھا۔ عنبر نے اسے اپنے ساتھ بگھی میں بٹھایا اور تھیٹر کی طرف روانہ ہو گئے۔

تھیٹر شہر کے وسط میں گنجان آباد علاقے میں تھا۔ یہاں کوئی پراسرار کھیل شروع تھا۔ ٹکٹ لے کر عنبر گریٹا کے ساتھ تھیٹر ہال میں آیا اور آگے والی کرسیوں پر بیٹھ

گیا۔

خادمہ خاموش خاموش تھی۔ ہال میں روشنی ہو رہی تھی۔ ابھی کھیل شروع نہیں ہوا تھا۔ عنبر خادمہ سے باتیں کرنے لگا۔

وہ بھی اس خیال سے کہ کہیں اس کی پریشانی سے عنبر کو شک نہ پڑ جائے۔ اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگے۔

کھیل شروع ہو گیا۔ مزیدار ڈرامہ تھا۔ عنبر شوق سے دیکھتا رہا۔ انٹرول ہوا تو وہ کافی پینے لاؤنج میں آ گئے یہاں ایک ہٹے کٹے پہلوان سے آدمی نے خادمہ کو چھیڑ دیا۔

اس نے خادمہ کے بالوں کو کھینچ کر کہا۔

"بڑے خوبصورت بال ہیں تمہارے! کاش تم مجھ سے شادی کر لو"۔

خادمہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ عنبر نے اس بھیڑیے نما انسان کو کچھ نہ کہا۔ کیونکہ اس ملک میں عورتوں کے ساتھ مرد اس قسم کی باتیں کر لیا کرتے تھے۔

بلکہ وہ زیر لب مسکراتا رہا۔ مگر اب اس نے حد سے بڑھ کر بد مذاقی بلکہ کمینگی اثبوت دیا اور گریٹا کو بازو سے پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا۔

گریٹا کا ہیٹ زمین پر گر پڑا۔ اس نے چیخ مار کر

ایک تھپڑ موٹے باکسر کو مار دیا۔

موٹے باکسر کو غصہ آ گیا۔ اس نے بھی گریٹا کو تھپڑ مار دیا۔ اس کے تھپڑ سے بے چاری گریٹا زمین پر گر پڑی۔

عنبر اب زیادہ دیر برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بھینسا نما انسان کے پیٹ میں ایک ایسا مکا مارا کہ وہ دوہرا ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔

مگر وہ پھر تیزی سے اٹھا اور عنبر پر مکوں کی بارش کر دی۔

لوگ خوف زدہ ہو کر پرے پرے ہٹ گئے لیکن عنبر پر اس کے طوفانی مکوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر نے جواب میں ایک مکا بھینسے کے سر پر مارا تو وہاں سے خون جاری ہو گیا۔

بھینسے نما انسان نے تڑپ کر جیب سے چھرا نکال لیا اور عنبر کی طرف بڑھا۔

لوگوں کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اور زیادہ پرے پرے ہٹ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ پہلوان بھینسا عنبر کو ایک منٹ میں ہلاک کر دے گا۔

گریٹا بھی گھبرا گئی مگر دل میں وہ یہ چاہتی تھی کہ عنبر قتل ہو جائے تاکہ پھر وہ بڑی آسانی سے بوڑھے جارج کو ہلاک کر کے اس کی جائیداد پر قبضہ کر سکیں۔

پہلوان باکسر چھوا لیے عنبر کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ نوجوان دپنے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں کر رہا اور مسکرائے جا رہا ہے۔

ایک عورت نے چیخ کر کہا۔

"نوجوان تم بھی اپنا بچاؤ کرو"۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور اسی طرح مسکراتا رہا۔ پھر اس نے گینڈے پہلوان سے کہا۔

"بدصورت گینڈے! چھرا لے کر بھاگ جاؤ"۔

پہلوان باکسر نے غرا کر کہا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری لاش پر سے گزر کر یہاں سے واپس جاؤں گا۔ تم نے میری بے عزت کی ہے۔ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں گا"۔

عنبر نے اسے پھر کہا۔

میں ایک بار پھر سب لوگوں کے سامنے تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنی جان بچا کر بھاگ جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔

گینڈے نے طیش میں آ کر چھرا لہرایا۔

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

اس نے عنبر پر وار کیا لیکن عنبر کو کوئی اثر نہ ہوا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”میں نے کپڑوں کے اندر لوہے کی جالی پہن رکھی ہے۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ لوہے کی جالی پہن کر گھر سے نکلا کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس قسم کی جگہوں پر بدمعاشوں سے مٹھ بھیڑ ہو جایا کرتی ہے“۔

گریٹا نے سوچا کہ وہ اپنے ساتھی قاتل کو بتا دے گی کہ جارج کا مہمان رات کو لوہے کی جالی پہن کر سوتا ہے۔

کیونکہ عنبر نے اسے بتایا تھا کہ وہ رات کو بھی یہ جالی اپنے جسم سے جدا نہیں کرتا۔ اور اب تو میں ایک جالی جارج کو بھی پہنا رہا ہوں۔

کیونکہ تمہیں تو معلوم ہی ہے۔ اس کے رشتہ دار اس کی جان کے پیچھے پڑے ہیں۔ کوئی پتا نہیں کہ کس رات اس پر حملہ ہو جائے کیا خیال ہے تمہارا گریٹا؟ میں نے ٹھیک سوچا ہے ناں؟۔

”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ بالکل ٹھیک خیال ہے آپ کا“۔

گریٹا نے چونک کر کہا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم ہو گئی تھی۔ اگر بوڑھا جارج لوہے کی جالی پہن کر سوتا تو اسے قتل کرنا مشکل ہو جاتا۔

خدا کا شکر ہے کہ ابھی اس نے لوہے کی جالی پہننی شروع نہیں کی تھی۔ پھر بھی اس نے عنبر سے پوری طرح تصدیق کرنی چاہی۔

اس نے کہا۔

"ہمارے عظیم مالک کو یہ لوہے کی جالی ضرور لا دیجئے"۔

"ہاں کل پرسوں تک جالی تیار ہو جائے گی"۔

عنبر نے کہا۔

وہ خود گریٹا کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ بوڑھا جارج آج کل لوہے کی جالی پہن کر نہیں سوتا۔ کیونکہ وہ جارج کے دشمنوں کو اس حالت میں ختم کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ اس کی جانب پر قاتلانہ حملہ کر رہے ہوں۔ اس طرح سے جارج کو بھی یقین آ جاتا کہ عنبر نے اس کے قاتل کو مارا ہے اور یہ کہ اس کا بھتیجا بے گناہ نہیں ہے۔

گھڑیال رات کے گیارہ بجا رہا تھا۔ جب ان کی بند بگھی بوڑھے جارج کے عالیشان مکان کے باہر آ کر رکی۔

عنبر نے گریٹا کا ہاتھ تھام کر اسے بگھی میں سے اتارا اور اوپر جارج کے پاس آ گیا۔ بوڑھا جارج اس کا انتظار کر رہا تھا۔

گریٹا نے اسی وقت کھانا لا کر چن دیا۔ وہ اپنی

طرف سے بوڑھے جارج کو اس کی زندگی کا آخری کھانا دے رہی تھی۔

"تھیٹر کیسا رہا عنبر؟"۔

عنبر نے اس گینڈے بدمعاش کا واقعہ نہ سنایا۔ اس لیے کہ جارج کہیں پریشان نہ ہو۔ ویسے بھی تھوڑی دیر بعد وہ اسے کے اپنے قتل کی سازش کے بارے میں بتانے والا تھا۔

گریٹا چلی گئی۔ وہ دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے تو عنبر نے سوچا کہ بوڑھے جارج پر اب یہ راز فاش کر دینا چاہیے کہ آج رات اس پر قاتلانہ حملہ ہونے والا ہے۔

جب عنبر نے بوڑھے جارج پر یہ راز ظاہر کیا تو وہ اس کا منہ تکتا رہ گیا۔

"اوہ نہیں عنبر! مائیکل ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کے ساتھ ہمیشہ اپنے بچوں ایسا سلوک کیا ہے۔ میں نے تو اپنی وصیت میں اس کے لیے ایک لاکھ پاؤنڈ کا ذکر بھی لکھوا رکھا ہے۔"

مائیکل نام تھا بوڑھے جارج کے چھوٹے بیٹے کا جس نے گریٹا کے ساتھ مل کر اسے قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور جو رات اسے ہلاک کرنے کے لیے آ رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"بہرحال آج رات فیصلہ ہو جائے گا۔ مائیکل آپ کو قتل کرنے کے لیے آ رہا ہے"۔

بوڑھے جارج نے کہا۔

"کیا گرینا بھی اس سازش میں شریک ہے؟"۔

"کیوں نہیں۔ وہی آپ کے کمرے کی کھڑکی کھلی رکھے گی تا کہ مائیکل خنجر ہاتھ میں لیے آسانی سے آپ کی خواب گاہ میں داخل ہو سکے"۔

بوڑھے جارج کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"میں ابھی اس بد بخت نوکرانی کو پولیس کے حوالے کرتا ہوں"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

نہیں نہیں انکل جارج! ایسا ہرگز نہیں کرنا۔ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ صاف بچ جائیں گے اور موت کا خطرہ آپ کے سر پر ہمیشہ منڈلاتا رہے گا۔ پھر یہ لوگ کسی دوسرے طریقے سے آپ کی زندگی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جس طرح میں کہتا ہوں، آپ اسی طرح کریں تا کہ آپ اپنی آنکھوں سے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ ہوتے دیکھ سکیں"۔

"تمہارا کیا مطلب ہے؟"۔

"مطلب یہ ہے کہ آپ کے بستر پر آج رات میں سوؤں گا۔ آپ اسی کمرے میں دوسری جگہ موجود ہوں گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ آپ کا بھتیجا مائیکل خنجر لیے کھڑکی میں سے اندر آئے گا اور مجھ کو جارج سمجھتے ہوئے حملہ کرے گا۔ پھر آپ کو یقین آجائے گا"۔

"لیکن عمبر!۔۔۔"

"فکر نہ کریں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ مجھ پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ یہ لوگ مجھے ہلاک نہیں کر سکتے لیکن یوں وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جا سکتے ہیں اور

اگر آپ کہیں تو میں مائیکل کو اسی وقت ہلاک کر سکتا ہوں"۔

بوڑھے جارج نے کہا۔

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اگر وہ میری جان کا دشمن ہے تو میں اسے کبھی معاف نہیں کرنا چاہتا۔"

تم بے شک اسے ختم کر دینا تاکہ یہ خطرہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے۔

"اور گریٹا کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیونکہ وہ مائیکل کے بڑے بھائی سے بھی بعد میں ساز باز کر سکتی ہے"۔

بوڑھے کپتان نے کہا۔

"میں اسے کبھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا"۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ اب آپ آرام سے بستر پر لیٹ جائیں۔ تھوڑی دیر بعد گریٹا یہاں آئے گی۔ آپ یہی ظاہر کریں کہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ وہ جھک کر آپ کو دیکھے گی۔ جب اسے یقین ہو جائے گی کہ آپ سو رہے ہیں تو وہ آپ کی کھڑکی کی چٹخنی اندر سے کھول دے گی۔ اس کے بعد میں آپ کی جگہ بستر پر آ جاؤں گا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ"۔

عنبر بوڑھے انکل کو اس کی خواب گاہ میں چھوڑ کر

اپنے کمرے میں آ گیا۔

بوڑھا جارج بستر پر لیٹ گیا اور یونہی آنکھیں بند کر کے خراٹے لینے لگا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور خادمہ گریٹا اندر داخل ہوئی۔

موم بتی میز پر جل رہی تھی۔ گریٹا دبے پاؤں چلتی جارج کے بستر کے قریب آ کر رک گئی۔ کمرے میں جارج کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔

اس نے جھک کر بوڑھے جارج کے چہرے کو دیکھا۔ جارج گہری نیند سو رہا تھا۔

کم از کم ماریا نے یہی محسوس کیا۔ وہ دبے پاؤں چلتی کھڑکی کی طرف گئی۔ اس نے بڑے آرام سے

کرسی پر پاؤں رکھ کر کھڑکی کی چٹخنی کھول دی۔ اور دبے پاؤں چلتی خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

عنبر اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگا باہر گریٹا کے قدموں کی چاپ سنتا رہا۔ جب اس نے گریٹا کے کمرے کے بند ہونے کی آواز سنی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر چپکے سے بوڑھے جارج کی خواب گاہ میں آ گیا۔

جارج نے آہستہ سے کہا۔

"عنبر! تم آ گئے؟"۔

"ہاں انکل جارج! تم جلدی سے بستر سے اٹھ کر سامنے الماری کے پاس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔

قاتل آنے ہی والا ہے"۔

بوڑھا جارج اسی وقت بستر سے اٹھا اور الماری کے ساتھ والے بند دروازے کے پردے کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

عنبر انکل جارج کے بستر میں گھس گیا اور اس نے کمبل اپنے منہ پر کر لیا۔ خواب گاہ میں گہری خاموشی چھا گئی۔

بوڑھا جارج پردے کے پیچھے کھڑا تھا۔ اور اس کا بوڑھا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ابھی تھوڑی دیر میں اپنے قتل کا منظر دیکھنے والا تھا۔

سارے مکان پر گہری خاموشی تھی۔ سوائے جارج کی خواب گاہ کی دھندلی روشنی کے باقی سارے مکان کی روشنیاں گل تھیں۔

گھڑیال نے رات کے بارہ بجائے۔ مکان سے ذرا دور جھاڑیوں میں ایک سایہ مکان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

یہ مائیکل تھا۔ وہ سیاہ کپڑوں میں تھا اور ایک لمبا تیز خنجر اس نے اپنی جیب میں چھپا رکھا تھا۔ مکان کے قریب آ کر وہ اس کھڑکی کے نیچے ہو گیا جو بوڑھے جارج کی خواب گاہ میں کھلتی تھی۔

رات کے اندھیرے میں اسے کھڑکی کے پردوں

میں سے موم بتی کی دھندلی روشنی باہر نکلتے دیکھی۔ یہ کھڑکی دوسری منزل پر تھی۔

ایک مضبوط پرانی بیل کھڑکی تک چلی گئی تھی۔

قاتل نے بیل کے مضبوط تنے کا سہارا لے کر دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر اس نے آہستہ سے کھڑکی کو دبایا۔

اس کا پٹ اندر کی طرف کھل گیا تھا۔ قاتل مائیکل نے تھوڑا سا سر نکال کر اندر دیکھا۔ خواب گاہ کے کونے والے میز پر چاندی کے شمع دان میں موٹی موم بتی جل رہی تھی۔

اس کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ بوڑھا جارج

بستر پر کمبل اوڑھے سو رہا ہے۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔

قاتل کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ آ گئی۔ اس بڈھے کو قتل کر دینے کے بعد وہ اس کی جائیداد کا مالک بن جائے گا اور پھر کریٹا اور اپنے بڑے بھائی کو قتل کر دے گا۔

یوں کروڑوں روپے کی جائیداد اس کے قبضے میں آ جائے گی۔

وہ کھڑکی میں سے خواب گاہ میں آ گیا۔ بوڑھا جارج پردے کے پیچھے دم سادھے کھڑا تھا اور یہ منظر ذرا سا پردہ ہٹا کر موم بتی کی روشنی میں صاف دیکھ رہا تھا۔

اب اسے یقین آ گیا تھا کہ اس کے قتل کی بھیانک سازش کی گئی تھی۔ خنجر قاتل مائیکل کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔

مائیکل آہستہ آہستہ بوڑھے جارج کے بستر کی طرف آ گیا اور پلنگ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ اس نے حملہ کرنے سے پہلے خواب گاہ میں ایک نظر ڈال کر دیکھا۔

شاید وہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ بظاہر وہاں کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔

ادھر خادمہ کریٹا بھی دل پر ہاتھ رکھے بوڑھے

پراسرار انسان (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 60)

جارج کی رات کی خاموشی میں بلند ہونے والی خوفناک چیخ کی آواز کا انتظار کر رہی تھی۔

قاتل نے پلک جھپکتے میں خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور لحاف کے اندر سوئے ہوئے بوڑھے جارج یعنی عنبر کے سینے پر پوری طاقت سے مار دیا۔

خنجر گویا کسی پتھر سے ٹکرا کر اچٹ کر نیچے گر پڑا۔ اور قاتل کا ہاتھ پھسل گیا۔

اسی لیے عنبر نے چہرے پر سے لحاف ہٹایا اور اٹھ کر قاتل کا ہاتھ تھام لیا۔

"انکل جارج! پردے کے پیچھے سے نکل آئیں۔ اب چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

قاتل دم بخود ہو کر رہ گیا۔ اس کی سازش بے نقاب ہو چکی تھی۔ تڑپ کر اس نے عنبر سے اپنا بازو چھڑایا اور خنجر اٹھا کر پردے کے پیچھے سے نکلتے ہوئے جارج پر حملہ کر دیا۔

اگر عنبر بستر پر سے اچھل کر قاتل مائیکل کی گردن پر نہ گرتا تو جارج کا کام تمام ہو چکا تھا۔

قاتل اور عنبر گتھم گتھا ہو گئے۔ قاتل کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے عنبر پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیئے مگر عنبر کا بھلا کیا بگڑ سکتا تھا؟

مائیکل یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا کہ خنجر عنبر کے جسم میں بالکل نہیں جا رہا تھا۔

اس کا اپنا ہاتھ خنجر لگنے سے شدید زخمی ہو گیا۔ بوڑھے جارج نے اس دوران میں الماری میں سے اپنا بارود والا پستول نکال لیا تھا۔

اس کو یہ خیال آ گیا تھا کہ یہ شخص عنبر کو ہلاک کر دے گا۔ چنانچہ جارج نے پستول قاتل کے سر کے ساتھ لگا کر چلا دیا۔

"آہ۔۔۔"

ایک دھماکہ ہوا اور ہلکی سی آہ کے ساتھ مائیکل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ادھر گریٹا نے جب پستول چلنے کی آواز سنی تو گھبرا گئی۔ مائیکل تو خنجر لے کر آیا تھا پھر یہ پستول کس نے چلا دی۔

خنجر کا زخم ٹھیک نہ لگا ہو گا۔ اس لیے مائیکل نے پستول سے بوڑھے جارج کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی لیکن ایسا منہ بنا کر جیسے پستول کی آواز سن کر بہت پریشان ہو وہ جارج کی خواب گاہ کی طرف بھاگی۔

کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہاں ایک مہمان یعنی عنبر بھی ٹھہرا ہوا ہے۔ اس پر یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ گریٹا خوش ہے۔

جب وہ تیزی سے دروازہ کھول کر جارج کی خوابگاہ میں بظاہر پریشان چہرہ لیے داخل ہوئی تو وہ اور

پراسرار انسان (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر60)

زیادہ بلکہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گئی۔

کیونکہ اس نے دیکھا کہ فرش پر مائیکل کی لاش پڑی تھی اور بوڑھا جارج پستول کی نالی صاف کر رہا تھا۔

اس نے نالی کا رخ خادمہ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"آ جاؤ گریٹا! تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ کیا خیال ہے عنبر! اس آستین کی ناگن کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"وہی جو تم نے مائیکل کے ساتھ کیا ہے"۔

"ہاں ہاں بالکل صحیح کہا۔ میں تے پستول میں بارود بھر لیا ہے۔ گریٹا! مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

گریٹا سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اور یہ بوڑھا کپتان اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ ایکدم اس کے قدموں پر گر پڑی۔

میرے مالک! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے مائیکل نے ورغلا دیا تھا۔ میری ماں نے آپ کے خاندان کی بڑی خدمت کی ہے۔

اس کی خاطر مجھے معاف کر دیں۔ میں نے گناہ کیا ہے۔ مجھے بخش دیں۔ میں مائیکل کی باتوں میں آ گئی تھی۔

میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ مجھے میری مری ہوئی ماں کی خدمت کے عوض معاف کر دیں۔ میں یہاں سے دور چلی جاؤں گی اور کبھی آپ کو اپنا منحوس چہرہ نہ دکھاؤں گی۔

عنبر نے کہا۔

"انکل اس ناگن کو ہرگز معاف نہ کرنا۔ یہ کبھی نہ کبھی ضرور ڈسے گی"۔

لیکن بوڑھے کپتان کے دل میں گریتا کی ماں کا خیال آ گیا جس نے جارج کے خاندان کی بڑی خدمت کی تھی۔

اس نے پستول جیب میں رکھ لی اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں انکل؟"۔

بوڑھے جارج نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

"عنبر بیٹا! میں نے اس لڑکی کو معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے خاندان نے ہمارے گھر کی بڑی خدمت کی ہے۔ اب میں اسے قتل نہیں کر سکتا"۔

خادمہ گریتا نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی فراموش نہیں کروں گی۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پھر کبھی اس گھر کا، اس شہر کا رخ نہ کروں گی"۔

بوڑھے جارج نے ڈانٹ کر کہا۔

پراسرار انسان (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 60)

کان کھول کر سن لو۔ تمہیں ابھی، اسی وقت اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل جانا ہوگا اور پھر کبھی اپنی منحوس شکل ہمیں نہیں دکھانی ہوگی۔

یہ شخص اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ یہ مجھے ہلاک کرنے آیا تھا۔ خدا نے مجھے بچا لیا اور یہ خود مارا گیا۔ لیکن اگر میں نے دوبارہ تمہیں اس شہر میں دیکھا تو یاد رکھو میں تمہیں ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

خادمہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں ابھی چلی جاتی ہوں حضور! اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گی"۔

عنبر اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر بوڑھے جارج کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔

گریٹا اسی وقت وہاں سے نکل گئی۔ مکار خادمہ سیدھی وہاں سے مائیکل کے بڑے بھائی کے پاس پہنچی اسے سارا واقعہ سنا دیا۔

بڑے بھائی ہنری کا خون کھول اٹھا وہ اسی وقت جارج کو قتل کرنے کے لیے جانے لگا مگر گریٹا نے اسے سمجھایا کہ ابھی وقت نہیں ہے۔

پہلے مجھے یہاں چھپا لو اور پھر باقاعدہ ایک سازش بنا کر ان دونوں کو قتل کریں گے کہ سانپ بھی مر جائے اور ہم بھی گرفتار نہ ہو سکیں۔

☆ کیا عنبر خادمہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا؟

☆ ماریا کو جہاز لے کر کہاں پہنچ گیا تھا؟

☆ ناگ کے ساتھ اس شہر میں کیا گزری؟

☆ یہ آپ 61 ویں قسط میں پڑھیے۔

گرجا کا تابوت

[illegible]

فہرست

گرجے کا تابوت
قاتل گدھ
عنبر عورت بن گیا؟
لاشوں کے چور
کالا چمگادڑ
فرعون کی ممی

گرجے کا تابوت

مکار خادمہ گریٹا کی سازش بڑی بھیانک تھی۔
اگر عنبر کے پاس خفیہ طاقت نہ ہوتی تو اسے اور بوڑھے جاگیردار کپتان جارج کو ہلاک ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔
ایسی خطرناک سازش آج تک کبھی کسی نے عنبر کے خلاف تیار نہیں کی تھی۔ چھوٹے بھائی مائیکل کے

قتل ہونے کے بعد مکار خادمہ بوڑھے جارج کے پرانے خاندانی گھر سے بھاگ کر مائیکل کے بڑے بھائی ہنری کے پاس چلی گئی۔

ہنری نے اس بوڑھے جاگیردار جارج کے خلاف پہلے تو خوب کان بھرے اور پھر کہا کہ اس نے مائیکل کو وہیں خواب گاہ میں بلا کر قتل کیا ہے۔

مائیکل بے گناہ تھا۔ وہ بوڑھے جارج کو قتل کرنے کی نیت سے اس کے کمرے میں ہرگز نہیں گیا تھا۔

ہنری بڑا چالاک آدمی تھا۔

وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا خالہ زاد بھائی مائیکل بوڑھے جارج کو قتل کر

کے اس کی ساری جائیداد پر قبضہ کرنے کی نیت سے اس کی خواب گاہ میں گیا تھا مگر چال الٹی پڑ گئی اور خود مارا گیا۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مکار خادمہ اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر کس قدر طاقت کا نوجوان ہے اور یہ کہ اس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔

ہنری کو یہ بھی معلوم تھا کہ مائیکل نے بوڑھے جارج کو ہلاک کرنے کے بعد اسے بھی ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا تاکہ وہ کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ساری جائیداد کا اکیلا مالک بن بیٹھے۔

چنانچہ مائیکل کے مرنے کے بعد ایک طرح سے اسے بھی اطمینان ہو گیا کہ ایک روڑا تو اس کی راہ سے ہٹ گیا۔

اب صرف بوڑھا جاگیردار باقی تھا۔ اس کو قتل کرنے کی سازش وہ مکار خادمہ کے ساتھ مل کر بنانا چاہتا تھا۔

مکار خادمہ گریٹا اس لیے ہنری کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی کہ اگر مائیکل تو نہیں وہ ہنری سے ہی شادی کر کے دولت مند بن کر باقی ساری زندگی بسر کر سکے۔

وہ ہنری پر یہی اثر ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ اسے بوڑھے جارج کی دولت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ تو مائیکل کے قتل کا بوڑھے جارج سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔

اس مکار خادمہ نے بھی ایک منصوبہ اپنے دماغ میں بنا رکھا تھا جو یہ تھا کہ بوڑھے جارج کی موت کے بعد وہ ہنری کو اپنے دام میں پھنسا کر اس سے شادی کر لے گی اور بعد میں وہ اس کو بھی موت کی نیند سلا کر اس پرانے شاہی مکان اور خاندان کی پوری کی پوری جائیداد کی واحد مالک بن بیٹھے گی۔

مکار خادمہ بھی ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی اور چالاک ہنری بھی ایک تیر سے دو نشانے لگانا چاہتا

تھا۔

اس نے اپنی سکیم پر عمل کرانا شروع کر دیا۔

خادمہ گریٹا نے کہا۔

"بوڑھا جارج تو اسے اپنی جائیداد کا آدھا حصہ دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے اسے ایک روز یہ کہتے سنا تھا کہ عنبر! میں تمہیں جائیداد کا آدھا حصہ دوں گا"۔

ہنری نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"دیکھوں گا، وہ بڈھا کس طرح ہماری خاندانی جائیداد کا آدھا حصہ ایک غیر ملکی کو دیتا ہے"۔

گریٹا نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش ہنری! مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ان لوگوں سے ایسا بدلہ لو کہ مائیکل کی روح جنت میں خوش ہو جائے"۔

اور دل میں سوچنے لگی کہ جلدی بڈھے جارج کو ہلاک کروتا کہ بعد میں، میں تمہیں بھی ٹھکانے لگا کر ساری جائیداد کی مالک بن جاؤں۔

ہنری دل میں کہہ رہا تھا۔ فکر نہ کرو مکار خادمہ گریٹا کی بچی! میں ایسا چکر چلاؤں گا کہ تم بھی نہ بچ سکو گی۔

اوپر سے اس نے کہا۔

"گریٹا! میں شام کو بڈھے جارج کے پاس اس کی جان بچ جانے کی مبارک دینے جا رہا ہوں"۔

خادمہ گریٹا نے کہا۔

"ضرور جاؤ ہنری! یہ بہت ضروری ہے"۔

"ہاہاہا" ہنری نے قہقہہ لگایا۔

"یہ بڈھا اور اس کی ساری جائیداد مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ میں اس ساری جائیداد کا واحد وارث ہوں"۔

خادمہ گریٹا نے جھٹ نعرہ لگائی۔

"اور آپ کی خدمت کرنے والی صرف میں ہوں"۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ تم میرے ساتھ ہمیشہ رہو گی"۔

بلکہ میں تم سے شادی کر لوں گا۔

"سچ!" خادمہ گریٹا نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں مائی لارڈ ہنری!"۔

ہنری نے کہا۔

کیوں نہیں۔ آخر تم میں کیا عیب ہے۔ تم ہماری خادمہ ہو تو کیا ہوا۔ آخر تم ایک شاہی خاندان کی خادمہ ہو اور خود بھی ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔

میں تم سے ضرور شادی کروں گا۔ اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہنا اور جس طرح میں کہوں، اس پر عمل کرنا۔

بوڑھے جارج کو اور اس کے ساتھی کو ہمیں اس

طرح سے ٹھکانے لگانا ہوگا کہ قانون ہم پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ کیونکہ اگر قتل کرنے کے بعد ہم بھی پکڑے گئے تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

ہماری جدوجہد کا مقصد فوت ہو جائے گا، کیونکہ پھر ہمیں یا تو پھانسی کی سزا ہو جائے گی یا ساری عمر قید خانے میں بسر ہوگی۔

گریٹا نے سہم کر کہا۔

"نہیں نہیں ہنری! ہمیں بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے یہ کام کرنا ہوگا۔ تم جس طرح کہو گے میں اسی طرح سے کروں گی"۔

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی"۔

ہنری نے گریٹا کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ شام ہوئی تو ہنری نے کالا سوٹ پہنا، کالی ٹائی لگائی اور بوڑھے جارج کے گھر جا پہنچا سب سے پہلے اس نے بوڑھے جارج کو اس کی جان بچ جانے پر مبارکباد دی۔ اور پھر اپنے خالہ زاد بھائی مائیکل کی موت پر افسوس کیا کہ ناحق اپنی جان گنوا بیٹھا۔

بوڑھے جارج نے ہنری کے ساتھ عنبر کا تعارف کروایا۔

"ان سے ملو ہنری! یہ میرے دوست عنبر ہیں۔ ہندوستان واپس آتے ہوئے جہاز میں جب مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا انہوں نے میری جان بچائی تھی"۔

ہنری نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور اسے غور سے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر عنبر! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے ہمارے چچا جارج کی جان بچا کر ہم پر، ہمارے سارے خاندان پر بڑا احسان کیا ہے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں"۔

عنبر اس شخص کی نیت سے واقف تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اسے جارج کے نہ مرنے کا افسوس ہے کیونکہ اسی نے ناگوں کو بھیجا تھا۔

مگر اوپر سے وہ بھی ہنری سے اچھی طرح ملا ابھی وہ اس کے ساتھ اچھی طرح سے ہی پیش آنا چاہتا تھا

تاکہ ان کے دلوں میں اب کیا سازش ہے، اس کا پتہ چل سکے۔

تھوڑی دیر بیٹھ کر ہنری چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عنبر نے کہا۔

بوڑھا جارج مسکرایا۔

"اس میں کیا شک ہے عنبر! مگر جانتے ہو یہ میری بہن کی آخری نشانی ہے۔ اس واسطے مجھے ہنری سے محبت سے پیش آنا پڑتا ہے"۔

ہنری نے کہا۔

"انکل! آپ جتنی جلدی ہو سکے اماں کے تابوت کو پانی سے بچایئے۔ خواب میں اماں کو بڑی سردی

لگ رہی تھی"۔

"فکر نہ کرو بیٹا! تمہاری اماں میری بہن تھی۔ میں آج ہی تہہ خانے میں جاؤں گا"۔

ہنری سلام کر کے چلا گیا۔ اس کی سازش کا پہلا مرحلہ کامیاب ہو گیا تھا۔ گھر جا کر اس نے مکار خادمہ گریٹا کو خوش خبری سنائی کہ بوڑھا جارج آج شام گرجا گھر کے تہہ خانے میں جا رہا ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔

"بس آج رات ہی ان دونوں کا تمام ہو جانا چاہیے لیکن ہنری پیارے! کیا وہ خنجر جارج کے ساتھ ہی جائے گا؟"۔

ہنری نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ بوڑھا جارج اکیلا کبھی اس تہہ خانے میں نہیں جائے گا۔ جب میں نے اسے کہا کہ اماں رات خواب میں آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ میرے تابوت میں پانی آ گیا ہے تو بڈھا بے چین ہو گیا۔

ہنری نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔

خادمہ نے کہا۔

"مگر ہنری تہہ خانے کے پتھریلے دروازے کی کنجی کا تمہیں علم ہے ناں؟"۔

"میں ایسا بچہ نہیں ہوں۔ جب بوڑھا جارج تہہ

خانے کا دروازہ کھولے گا تو میں دیکھ رہا ہوں گا۔ میرے جال سے یہ لوگ اب بچ کر نہیں جا سکتے۔ کل ان دونوں کی لاشیں تہہ خانے میں پڑی ہوں گی اور میں جارج کی کروڑوں روپے کی جائیداد کا اکیلا مالک ہوں گا"۔

مکار خادمہ نے کہا۔

"اور میں کہاں؟"۔

ہنری نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"ہاں ہاں اور تم بھی میرے ساتھ ہو گی، فکر نہ کرو"۔

دوپہر کے بعد عنبر سے بوڑھے جارج نے اپنی بہن کے تہہ خانے والے تابوت کی بات کی اور کہا کہ وہ تہہ خانے میں اس کے ساتھ جائے۔

"میری مرحومہ بہن کے تابوت میں پانی آ گیا ہے عنبر! میں تابوت کو اٹھا کر پتھر کے چبوترے پر رکھنا چاہتا ہوں تا کہ پھر وہ تو اسے اٹھا اذیت سے نجات ملے"۔

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ اس سے بات کی تہہ میں کوئی گہری سازش نظر آ رہی تھی۔ اس نے بوڑھے جارج کو تہہ خانے میں جانے سے روکا مگر بوڑھا جارج کسی طرح راضی نہ ہوا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے عنبر کہ میری بہن کی میت پانی اور سردی میں ٹھٹھری رہے اور میں خاموشی سے یہاں بیٹھا رہوں۔

میں ضرور جاؤں گا۔ اگر تم میرے ساتھ نہ بھی گئے تو میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں نہیں! میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دوں گا میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا"۔

چنانچہ شام سے کچھ دیر پہلے بوڑھے جارج نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر گرجے کے کھنڈروں میں پہنچ گئے۔

یہ جگہ بڑی ویران اور ڈراؤنی تھی۔ درختوں نے جگہ جگہ جھنڈ بنا رکھے تھے۔ جنگلی جھاڑیوں نے گرجا گھر کی بوسیدہ کھڑکیوں اور دروازوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔

جارج کو اپنے ساتھ لے کر عنبر کو چھوٹے سے بے کے سائے میں آ گیا۔

"عنبر! یہ ہمارے آباؤ اجداد کا قبرستان ہے"۔

عنبر نے دیکھا کہ وہاں کوئی ایک پرانی قبروں کے نشان بکھرے ہوئے تھے۔ قبر ڈھے چکی تھیں۔ ان کے پتھر ملے کتبے گرے ہوئے تھے۔

"وہ تہہ خانہ کہاں ہے انکل جارج؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں"۔

بوڑھا جارج عنبر کو ایک پتھر کی دیوار کے پاس لے آیا۔

اس دیوار کو دیکھتے ہو؟

یہ دروازہ ہے۔ نیچے تہہ خانے میں جانے کا۔ اسے ایک خفیہ کل کے ذریعے کھولا جاتا ہے۔ اس خفیہ راستے اس کے سوائے اور کسی کو علم نہیں تھا۔

"راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا ہے۔ جہاں میری پیاری بہن کا تابوت ہے۔ آؤ میرے ساتھ"۔

بوڑھے جارج نے موم بتی جلا کر ہاتھ میں پکڑ لی

اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں پتھر کی تھیں اور ان پر کائی جمی تھی۔ عنبر بوڑھے جارج کے ساتھ نیچے اتر گیا۔

تہہ خانے کی فضا میں نمی اور سیل کی تیز بو تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کئی سالوں سے کبھی کوئی انسان نہیں آیا۔

سیڑھیاں اترے تو فرش آ گیا۔ فرش پر موم بتی کی روشنی میں کچھ تابوت دیوار کے ساتھ لگے ہوئے نظر آئے۔ بوڑھے جارج نے کہا۔

"ان تابوتوں میں ہمارے بزرگوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ ان میں میری مرحومہ بہن کا تابوت بھی

ہے۔ دیکھو!

ہنری ٹھیک کہتا تھا۔ فرش پر پانی آیا ہوا ہے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ فرش پر پانی تھا۔ اس کے جوتے پانی میں بھیگ رہے تھے۔

"انکل! بہن کا تابوت کہاں ہے؟"۔

بوڑھا جارج موم بتی آگے کر کے اس کی روشنی میں تابوت پر لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے لگا۔

"یہ ہے میری بہن کا تابوت"۔

عنبر نے دیکھا کہ اس تابوت پر انگریزی زبان میں بوڑھے جارج کی بہن کا نام سن پیدائش اور سن وفات لکھا تھا۔

قریب ہی ایک پتھر کا چبوترہ تھا۔

"عنبر! ہمیں تابوت کو اٹھا کر اس چبوترے پر رکھنا ہے"۔

عنبر نے ساتھ مل کر تابوت اٹھایا۔ تابوت بھاری تھا۔ انہوں نے تابوت پر چبوترے پر رکھ دیا۔

سیڑھیوں کے اوپر پتھر کا دروازہ ویسے ہی تھوڑا سا کھلا تھا اور اس میں سے شام کی ہلکی ہلکی روشنی سیڑھیوں پر پڑ رہی تھی۔

بوڑھے جارج نے دعا پڑھی اور کہا۔

"عنبر ادھر آؤ۔ اس کونے میں۔ تمہیں اپنے خاندان کا خزانہ دکھاؤں"۔

گرجے کا تابوت (عمران سیریز نمبر 61)

جارج نے کونے میں پڑے ہوئے لوہے کے ایک صندوق کا ڈھکنا اٹھانے کی کوشش کی مگر ڈھکنا بہت بھاری تھا۔

عنبر کی مدد سے ڈھکنا اٹھایا گیا تو صندوق سونے کے زیورات اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ عنبر اس طرح کے بہت سے خزانے دیکھ چکا تھا۔

اس کے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ مگر بوڑھا جارج بہت خوش ہو رہا تھا۔

یہ کروڑوں کا خزانہ ہے عنبر! اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے بھتیجے اور رشتہ داروں نے مجھے کئی بار قتل کرنے کی سازش کی مگر ناکام رہے۔

اس سارے خزانے کا مالک میں ہوں۔ میرے بھتیجوں کو اس میں سے کچھ نہیں مل سکتا۔ میرے وصیت میں ان کے لیے صرف شہر کے مکان لکھے ہیں۔

جارج مسکرایا۔

عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے“۔

جارج نے کہا۔

”ارے تم خوف زدہ ہو رہے ہو؟ برخوردار! یہ تو ہمارا خاندانی قبرستان ہے۔ یہاں سب میرے

بدرنگ ہو رہے ہیں"۔

بوڑھا جارج جواہرات اور زیورات کو موم بتی کی روشنی میں بار بار دیکھ رہا تھا اور عنبر کی نگاہ سیڑھیوں کے اوپر ذرا سے کھلے پتھر کے دروازے کی طرف تھی۔

اسے احساس تھا کہ کوئی سازش ہو رہی ہے۔ یہ لوگ تہہ خانے میں تھے اور باہر ہنری اور گریٹا خادمہ جھاڑیوں سے نکل کر تہہ خانے کے دروازے پر آ گئے تھے۔

انہوں نے چھپ کر بوڑھے جارج اور عنبر کو تہہ خانے میں جاتے اور خفیہ جگہ سے گٹھی نیچے کرتے دیکھ لیا تھا۔

یوں اسے تہہ خانے کے کھلنے اور بند ہونے کا راز معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے خادمہ گریٹا سے کہا۔

"تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ وقت آ گیا ہے کہ ان دونوں کو تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرنے کے لیے بند کر دیا جائے"۔

ہنری جھاڑیوں میں سے نکل کر تہہ خانے کے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے آتے ہی ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر خانے میں ہاتھ ڈال کر کنجی کو اوپر کھینچ دیا۔

تہہ خانے میں بوڑھا جارج خزانے کے زیورات دکھا رہا تھا کہ اچانک دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونا

شروع ہو گیا تھا۔

عنبر کو پہلے ہی خطرہ تھا۔ اس نے جو دروازہ بند ہوتے دیکھا تو لپک کر سیڑھیوں پر آیا۔ بھاگتا ہوا اوپر چڑھا مگر اس کے اوپر آتے آتے پتھر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اسے باہر ہنری کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔

''اب تم لوگ قیامت کے روز تک اسی تہہ خانے میں رہو گے۔ تمہیں لاشیں اس تہہ خانے میں گل سڑ جائیں گے''۔

بوڑھے جارج نے دروازہ بند ہوتے دیکھا تو چکرا کر رہ گیا۔

''عنبر! ہنری نے دھوکا دے دیا ہمیں۔ اب کیا ہو گا؟''۔

عنبر نے کہا۔

میں نے آپ کو یہاں سے کئی بار روکا تھا۔ مگر آپ پر میری باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا''۔

بوڑھا جارج پریشانی سے بولا۔

''اب کیا ہو گا عنبر! کیا ہم تہہ خانے ہی مر جائیں گے؟''۔

''میں دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں''۔

عنبر نے بہت زور لگایا مگر تہہ خانے کا دروازہ تو پتھر کی دیوار تھی۔

جیسے پہاڑ سامنے کھڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی۔ عنبر نے دو تین بار اپنی پوری طاقت جمع کر کے پاؤں سے ٹھوکر ماری مگر دیوار پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ سر جھکا کر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے، اب ہم یہاں سے نہیں نکل سکیں گے"۔

بوڑھا جارج نڈھال سا ہو کر ایک تابوت پر بیٹھ گیا۔ خوف اور وحشت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس خاندانی تہہ خانے سے باہر نکلنے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے۔

زندگی میں کبھی اتنا ناامید نہیں ہوا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا کہ وہ دروازے کو کھولنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ دروازہ دنیا کا طاقتور ترین انسان بھی نہیں کھول سکتا۔ یہ پہاڑ کی دیوار ہے۔

"آؤ اب ہم بہادروں کی طرح موت کو اپنے سینے سے لگا لیں عنبر!"۔

قاتل گدھا

ہنری اور مکار خادمہ بڑے خوش خوش گھر واپس آ گئے۔

انہیں بوڑھے جارج اور عنبر کی موت کا پکا یقین تھا۔ اور یقین کرنے والی بات بھی تھی۔ اگر کسی شخص کو ایک تہہ خانے میں بھوکا پیاسا بند کر دیا جائے تو وہ کتنے دن زندہ رہ سکتا؟۔

جارج تو بوڑھا تھا۔ ہنری کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر نہیں مر سکتا۔ عنبر کو یہ فکر تھا کہ بوڑھا جارج یقیناً دو ایک دن کے بعد مر جائے گا۔

وہ اسے نہیں مرنے دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ پتھر کا دروازہ کھولنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

بوڑھا جارج تابوت پر لیٹ گیا سردی اور نمی کی وجہ سے اس پر نیم بے ہوشی طاری ہو رہی تھی۔ موم بتی آخری دموں پر تھی۔

عنبر نے ایک بار پھر دروازے کو زور لگا کر کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تہہ خانے میں تلاش کرتے

کرتے اسے لوہے کی ایک مضبوط سی سلاخ مل گئی۔

عنبر نے پتھر کے دروازے کے ایک طرف سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ کافی دیر محنت کرنے کے بعد وہ تھوڑا سا سوراخ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

باہر سے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اندر آنے لگی۔ مگر جارج صرف ہوا پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے کھانے پینے کو بھی کچھ چاہیے تھا جو وہاں نہیں مل سکتا تھا۔

سونے کے زیورات اور جواہرات اس کا پیٹ نہیں بھر سکتے تھے۔

ادھر اب ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟ ناگ اسی شام عنبر اور ماریا کی تلاش میں پھرتا

پھرتا شہر شہر کے اس حصے میں آ گیا جہاں ہتری کا مکان تھا۔

اس وقت ہتری باہر گیا ہوا تھا۔ مکان پر صرف خادمہ تھا۔ ناگ مکان کے قریب سے گزرا تو اسے پیاس محسوس ہوئی۔

سوچا اس مکان سے شاید پینے کو پانی مل جائے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ کھڑکی کے پردے کو ہٹا کر خادمہ نے دیکھا۔

''کون ہو؟''۔

ناگ نے کہا۔

''بہن پیاس لگی ہے، پانی مل جائے گا؟''۔

خادمہ نے کہا۔

"یہاں پانی نہیں ہے، جاؤ سامنے سرائے میں جا کر پی لو"۔

ناگ کو بڑا افسوس ہوا کہ یہ کیسی عورت ہے کہ پیاسے کو پانی بھی نہیں دیتی۔ بہر حال ناگ آگے چل دیا۔

تھوڑی دور جا کر سڑک کے کونے پر ایک سرائے نظر آئی۔ اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر دو چار آدمی بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

ناگ بھی اندر آ کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔

نوکر نے پوچھا۔

"کیا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"پانی"۔

نوکر نے کہا۔

"یہاں پانی نہیں ہے، سوڈا واٹر ہے"۔

"تو پھر سوڈا واٹر ہی لا دو"۔

نوکر نے سوڈے کی بوتل لا کر رکھ دی۔ ناگ کھارا سوڈا پینے لگا۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ ہنری بھی اپنے دو بدمعاش دوستوں کے ساتھ وہیں قریبی میز پر بیٹھا تھا۔

وہ اپنے چچا کو ہلاک کرنے بعد پوری جائیداد کا

مالک بن رہا تھا، چنانچہ وہ بد معاش دوستوں کے ساتھ بیٹھا دعوت اڑا رہا تھا۔

اس کو خالی سوڈا پیتے دیکھا تو مذاق سے کہا۔

"کیوں میاں! بیمار ہو گیا؟"۔

ناگ خاموش رہا۔

ہنری نے پھر کہا۔

"باہر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو"۔

اس کا بد معاش دوست بولا۔

"یہ تو ہندوستانی کالا آدمی ہے"۔

ناگ اب بھی خاموش رہا۔ وہ خواہ مخواہ کسی سے نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ اتنے میں ہنری نے اپنی پلیٹ

میں سے ایک ہڈی اٹھا کر ناگ کی طرف پھینکی۔

"لو اسے کھاؤ پیو"۔

ناگ کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ پی گیا۔ ہنری اور اس کے دوست اٹھ کر ناگ کے پاس آ گئے اور اسے فضول تنگ کرنے لگے۔

ناگ نے کہا۔

"بھائیو! میں یہاں پردیسی ہوں۔ آپ سے لڑائی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے مجھے تنگ نہ کرو"۔

ہنری نے کہا۔

"لڑائی کر کے بھی تم کیا کر لو گے؟"۔

اور دوسرے بد معاش نے زور سے ایک مکا ناگ

کے عقب پر مار دیا۔ ناگ کرسی سے نیچے گر پڑا۔ یہ اس کی بڑی توہین تھی سرائے کا مالک بھی بدمعاشوں کے ساتھ مل کر قہقہے لگا رہا تھا۔ ناگ نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں پھر بھی آپ لوگوں کو کچھ نہیں کہوں گا۔"

ہنری کے بدمعاش دوست نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"دیکھو ہمیں تہذیب سکھا رہا ہے"۔

دوسرا بدمعاش بولا۔

"اسے اٹھا کر لے چلو۔ آج اس کی دعوت اڑاتے ہیں"۔

دونوں بدمعاشوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ناگ

کے سر پر تابڑ توڑ چھ سات ایسے زبردست مارے کے ناگ بے ہوش ہو گیا۔ انہوں نے ناگ کو اٹھایا اور ہنری کے گھر لے آئے اور ایک کمرے میں پھینک دیا۔

"یار اس کالے ہندوستانی کا کیا کریں گے۔ خواہ مخواہ اسے یہاں لے آئے"۔

ہنری نے کہا۔

"آج کل ڈاکٹر لوگوں کو لاشوں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی ڈاکٹر کو دے دیں گے، تاکہ اس پر تجربے کر لے"۔

ایک بدمعاش خوش ہو کر بولا۔

"اچھا خیال ہے۔ اس لاش کے عوض ہمیں روپے بھی ملیں گے۔"

وہ ناگ کی کوٹھڑی کی طرف بڑھے۔ ادھر ناگ کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک گندی سی اندھیری کوٹھڑی میں پایا۔

اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگا۔ اس نے دیکھا برآمدے میں وہی لوگ آ رہے تھے۔ ایک بدمعاش کے ہاتھ میں خنجر تھا۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے قتل کرنے کے ارادے سے آ رہے ہیں۔ اب وہ ان کا لحاظ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور انسان سے ایک ننھی سی چڑیا بن کر کوٹھڑی کی دیوار پر بیٹھ گیا۔

وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان کا کس خونی گروہ سے تعلق ہے۔ ہنری اور دونوں بدمعاشوں نے جب اندر آ کر دیکھا کہ ناگ غائب ہے تو بڑے حیران ہوئے۔

ہنری قہقہہ لگا کر بولا۔

"کالا ہندوستانی بھاگ گیا"۔

اس کے بعد وہ تاش کھیلنے لگ گئے۔ کچھ دیر بعد دونوں بدمعاش جنہوں نے ناگ نے بہت مارا تھا

اٹھے اور اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے باہر آ گئے۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور مکان کے باہر آ کر ایک کھیت کے کنارے جھاڑیوں میں چھپ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔

اتنے میں دونوں بدمعاش جھومتے جھامتے ہنس ہنس کر باتیں کرتے قریب آ گئے۔ جب وہ ناگ کے پاس سے ہو کر گزرنے لگے تو ناگ پھن اٹھا کر باہر نکل آیا۔

اس نے پلک جھپکتے میں ایک بدمعاش کو ڈس لیا۔

دوسرا گھبرا کر بھاگا۔ مگر بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا۔ ناگ نے اسے بھی راستے میں پکڑ لیا اور ڈس کر ہلاک کر دیا۔

ناگ اب واپس اس گھر میں آ گیا۔ وہ جنرل سے بھی بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

”بس کل یہ دونوں قید خانے میں مر جائیں گے۔ اس کے بعد میں مشہور کر دوں گا کہ انکل جارج ایک مہم پر افریقہ چلے گئے۔ جب وہ کافی عرصہ تک واپس نہیں آئیں گے۔ تو میں اخبار میں خبر چھپوا دوں گا کہ افریقہ میں انہیں شیر کھا گیا ہے اور بس پھر ساری

جائیداد میری ہو گی۔ ہا ہا ہا ہا"۔

خادمہ نے کہا۔

"اور عنبر بھی تو ساتھ مر چکا ہو گا"۔

"کیوں نہیں۔ وہ بھی تہہ خانے میں ختم ہو جائے گا"۔

عنبر کا نام سنتے ہی ناگ چونک اٹھا۔ تو کیا عنبر کو ان لوگوں نے کسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے؟۔

ناگ کا چہرہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ عنبر کا سراغ مل گیا۔

اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ عنبر کو قید کر سکتے ہیں مگر ہلاک نہیں کر سکتے۔ عنبر کو ان لوگوں کا باپ بھی ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔

اب یہ معلوم کرنا تھا کہ عنبر کو ان لوگوں نے کس تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے؟۔

ناگ ان کی باتیں غور سے سننے لگا، لیکن ان کی گفتگو سے یہ بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ عنبر کہاں قید ہے۔ اتنا اسے ضرور پتہ چل گیا کہ عنبر کے ساتھ ہمری کا چچا بھی قید ہے۔

ناگ سانپ بن کر سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔ باہر جا کر وہ پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ذرا اوپر دیوار میں ایک خانہ بنا ہے جس میں لوہے کی ایک ہتھی چھپی ہوئی ہے۔

ناگ نے جلدی سے بجھی کو نیچے گرا دیا۔ بجھی کا نیچے گرنا تھا کہ پتھر کا دروازہ کھل گیا۔ ناگ اندر آ گیا۔ دونوں نے مل کر بوڑھے جارج کو باہر کھلی ہوا میں نکالا۔ تازہ ہوا سے جارج نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"کیا میں زندہ ہوں کہ جنت میں آ گیا ہوں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"انکل جارج آپ زندہ ہیں اور ہم آپ کو گھر لے جا رہے ہیں"۔

گھر لے جا کر بوڑھے جارج کو بستر پر لٹا دیا گیا۔

اس کھانے پینے کو نرم دلیا اور چائے دی گئی۔ کچھ کھا کر جارج کو ہوش آ گیا۔ عنبر نے ناگ کا تعارف کروایا۔

"یہ میرا بھائی ناگ ہے۔ جس کی تلاش میں میں یہاں آیا تھا"۔

جارج نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"مگر مسٹر ناگ تم تہہ خانے کے اندر کس طرح آ گئے؟"۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"کسی طرح اس نے دیوار میں چھپی ہوئی بجھی کا پتہ چلا لیا تھا انکل!"۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ مگر اس جگہ کا پتہ چلانا آسان

نہیں ہے۔ بدبخت ہنری تو چھپ کر ہمیں اندر جاتے دیکھ رہا تھا۔

خیر! اب میں اس کی خبر لوں گا۔ مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ بوڑھا ہو چکا ہوں۔

ممکن ہے اسے پتہ چلے کہ میں زندہ ہوں تو یہاں مجھے ہلاک کر دے۔

عنبر نے کہا۔

"انکل جارج! بے فکر رہیں۔ اب وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہاں اگر آپ کہیں تو ہم اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اور اسے ختم کر سکتے ہیں"۔

بوڑھے جارج نے تیز غصیلی آواز سے کہا۔

"اس حرام خور کو ختم کر دو۔ اور اس کمینی مکار گریٹا کو بھی۔ وہ بھی میرے قتل کی سازش میں شریک تھی"۔

"ایسا ہی ہوگا انکل! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اسے یہاں بلاؤں گا۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے اس کا حشر کروں گا"۔

بوڑھے جارج نے کہا۔

"نہیں! ان دونوں کو اسی تہہ خانے میں بند کر کے ہلاک کر دو۔ تا کہ ان کی لاشیں میرے بزرگوں کی لاشوں کے قدموں میں ہمیشہ پڑی رہیں"۔

"ٹھیک ہے انکل!"۔

عنبر ناگ کو لے کر ہنری کے گھر کی طرف روانہ ہو

گیا۔

ہنری گھر آ گیا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ کھانے کے بعد خادمہ نے کہا۔

"کافی لاؤں؟"۔

"ہاں لے آؤ"۔

پھر اچانک کمرے میں ناگ انسان کی شکل میں آ گیا۔

ہنری نے کہا۔

تم پھر آ گئے کالے ہندوستانی! اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری وجہ سے میرے دو دوست سانپ کے ڈسنے سے مر گئے ہیں۔

میں ان کی جان کا بدلہ تم سے لوں گا۔

اور ہنری سے خنجر نکال لیا۔ اب عنبر بھی کمرے میں آ گیا عنبر کو دیکھ کر ہنری کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔

"تم! تم زندہ ہو؟"۔

عنبر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"صرف میں ہی نہیں بلکہ انکل جارج بھی زندہ ہیں اور اپنے گرم گرم بستر پر آرام کر رہا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ ہم تمہیں لینے آئے ہیں"۔

"کیا مطلب؟"۔

ہنری نے گھبراہٹ سے کہا۔

عنبر بولا۔

"مطلب یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ذرا تہہ خانے تک چلو۔ ہم تمہیں اپنے ہاتھوں سے وہ بے بہا خزانہ دینا چاہتے ہیں جس کے لیے تم نے انکل جارج اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی"۔

اور ہنری نے لمبا پستول نکال کر عنبر کی طرف تان لیا۔

مکار خادمہ نے بھی ان کی گفتگو سن لی تھی عنبر کو دیکھ کر اور جارج کے زندہ بچ نکلنے کا سن کر اس کے پاؤں تلے سے بھی زمین نکل گئی تھی۔

اس نے جلدی سے ایک سلاخ اٹھائی اور پیچھے سے آ کر عنبر کے سر پر دے ماری۔ سلاخ ٹوٹ کر گر پڑی عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! ذرا اس عورت کو سنبھالنا۔ میں ہنری صاحب کی خبر لیتا ہوں"۔

ناگ نے اسی وقت غائب ہو کر خونخوار شیر کی شکل اختیار کر لی۔

وہ زور سے دھاڑا اور اس نے خادمہ کو پنجوں میں اس طرح اٹھا لیا کہ وہ زخمی نہ ہو۔ خادمہ تو بے ہوش ہو گئی۔

ہنری نے ناگ کو شیر بنتے دیکھا تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پستول اس کے ہاتھ میں کانپنے لگا۔ اس

نے عنبر پر پستول چلا دیا۔

گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ عنبر نے جھک کر گولیاں اٹھائیں اور ہنری کی طرف بڑھ کر کہا۔

”نہیں اگر تم ایک ہزار مرتبہ بھی پستول بھر کر مجھ پر چلاؤ تو میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں پڑے گی“۔

اتنے میں ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! ان دونوں کو تہہ خانے کی طرف لے چلیں؟“۔

”میرا خیال ہے، خزانہ ان کے حوالے کر ہی دیں؟“۔

”ضرور ضرور“۔

ناگ نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

عنبر نے پستول اٹھا کر ہنری کی گردن پر رکھا اور کہا۔

”خاموشی سے تہہ خانے کی طرف چل پڑو ف۔ یاد رکھو اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی تمہاری گردن سے گزر جائے گی“۔

ناگ نے کہا۔

”ٹھہرو میں اس کے ہاتھ باندھ دیتا ہوں“۔

ناگ نے رسی سے ہنری کے ہاتھ کس کر باندھ ڈالے۔

مکار خادمہ کو ناگ نے کاندھے پر اٹھا لیا اور تہہ خانے کی طرف چل دیئے۔ تہہ خانے کی دیوار کے پاس آ کر خادمہ کو بھی ہوش آ گیا تھا۔

ناگ نے اسے اٹھا کر تہہ خانے کی سیڑھیوں پر پھینک دیا۔ مکار خادمہ لڑھکتی ہوئی تہہ خانے کے فرش پر تابوت کے پاس جا گری۔

ہنری فرار ہونے کی فکر میں تھا۔ دروازے کے قریب آ کر اس نے ایکدم سے جھٹکا لگایا اور بھاگ اٹھا عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور دونوں ہاتھ پھیلائے۔

وہ ایکدم سے گدھ کی شکل میں آ کر اڑتا ہوا ہنری کے سر پر پہنچ گیا۔ ہنری کھیتوں میں بھاگا جا رہا تھا۔ گدھ اس کے سر پر آ گیا اور جھپٹا مار کر اس کی گردن پر حملہ کیا۔

ہنری نے پہلو بدل لیا۔ گدھ نے دوسری بار پھر حملہ کیا۔ اور اس کی گردن میں سے بڑی سی بوٹی اتار لی۔ ہنری کی گردن سے خون جاری ہو گیا۔

گدھ اوپر جا کر ہوائی جہاز کی طرح ہنری کی طرف آیا اور جھپٹا مار کر اس کی آنکھ نکال کر لے گیا۔ ہنری کھیت میں گر پڑا۔

اس کی آنکھوں سے خون بہنے لگا۔ درد سے وہ کراہنے لگا۔ اب عنبر بھی وہاں آ گیا تھا۔ گدھ نے اس کی دوسری آنکھ بھی نکال کر اسے بالکل اندھا کر دیا۔

ناگ نے پھر سے انسان کی شکل اختیار کر لی۔

دونوں نے مکار قاتل کو اٹھایا۔ اسے تہہ خانے کی سیڑھیوں تک لائے اور اندر پھینک دیا۔

پھر انہوں نے بھی اٹھا کر تہہ خانے کا پتھریلا دروازہ بند کر دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

عنبر اور ناگ وہاں سے سیدھے سیدھے بوڑھے جارج کے پاس اور اسے جنری اور مکار خادمہ کے ٹھکانے لگا دینے کی خوشخبری سنائی۔

بوڑھا جارج بڑا خوش ہوا۔

"میرے بچو! میں تم دونوں پر بہت راضی ہوا ہوں۔ تم نے نہ صرف میری جان بچائی، بلکہ میرے دشمنوں کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ اب میری خواہش ہے کہ اپنی ساری جائیداد تم دونوں میں تقسیم کر دوں"۔

ناگ نے کہا۔

"محترم! ہمیں دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا لالچ بھی نہیں، کیونکہ ہمارے پاس بے پناہ دولت ہے۔ اس زمین کے اندر آج تک جس قدر بھی دولت دفن ہے، اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں

آپ کو یہ ساری دولت ابھی دکھا سکتا ہوں"۔

جارج ہنس پڑا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ ناگ اس سے مذاق کر رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ویسے بھی چچا جارج ہمیں یہاں نہیں رکنا۔ ہم اپنی بہن کی تلاش میں ہیں۔ خدا جانے یہاں سے ہمیں کس ملک کو جانا پڑے۔

اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنی ساری دولت غریبوں اور یتیموں کے لیے وقف کر جائیں، تاکہ رہتی دنیا تک آپ کو اس کا ثواب پہنچتا رہے۔

جارج بولا۔

اگر تم میری جائیداد کے حصے دار بننے پر راضی نہیں تو پھر مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ مجھے اپنی ساری جائیداد غریبوں اور محتاجوں کے لیے وقف کر دینی ہو گی۔

ناگ نے کہا۔

"اور یہ ایک بڑا نیک کام ہے انکل"۔

"بے شک! اس سے بڑھ کر اور نیک کام بھلا کیا ہو سکتا ہے کہ انسان دوسرے انسان کی خدمت کرے"۔

اسی روز عنبر اور ناگ وہاں سے رخصت ہو کر سرائے میں آ گئے جہاں ناگ ایک تاجر کی حیثیت

سے رو رہا تھا۔

رات گئے تک وہ دونوں ماریا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

وہ کہاں ہوگی؟۔

کس شہر میں ہوگی؟۔

کس ملک میں ہوگی؟۔

عنبر نے کہا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ ماریا اس ملک میں نہیں ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر وہ کس ملک میں ہوگی؟"۔

کوئی تھوڑا سا سراغ ملے تو ہم یہاں سے کوچ کریں۔

"اس کا بھی پتہ چلا لیں گے"۔

عنبر عورت بن گیا

شہر میں دس بارہ عورتیں اوپر تلے قتل ہو گئیں۔

ہر دوسرے تیسرے روز رات کو کسی نہ کسی گلی کے کونے میں عورت کی لاش پڑی ملتی۔

اس کی گردن کٹی ہوتی اور کٹے ہوئے سر کی پیشانی پر "R" کا نشان چاقو سے کھدا ہوا ہوتا۔ ایکدم سے ہراس پھیل گیا۔

پولیس چوکس ہو گئی کہ آخر یہ "R" کون ہے جو صرف عورتوں ہی کو اور وہ بھی جوان عورتوں کو رات کے وقت کو قتل کر جاتا ہے۔

عنبر اور ناگ نے بھی یہ دہشت ناک خبر سنی اور بڑے حیران ہوئے۔ راتوں کو گھوڑوں پر سوار ہو کر پولیس نے گشت لگانی شروع کر دی۔ اس کے باوجود دوسرے تیسرے روز ایک عورت ضرور قتل ہو جاتی۔

سردیوں کے دن تھے۔ شہر میں رات کو زبردست دھند پھیلی ہوئی تھی۔ تین چار گز کے فاصلے پر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

عورتوں نے گھروں سے نکلنا بند کر دیا۔ اب

پولیس والوں کی لاشیں ملنا شروع ہو گئیں۔ قاتل کسی نہ کسی بازار یا گلی میں کسی پولیس والے پر حملہ کر کے اس کی گردن تن سے جدا کر دیتا اور پیشانی پر "R" کا لفظ کھود کر فرار ہو جاتا۔

اس کے بعد پھر عورتوں کا قتل شروع ہو گیا۔ قاتل کسی عورت کے گھر میں گھس کر اسے قتل کرتا اور لاش گلی میں پھینک جاتا۔

پولیس عاجز آ گئی۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"اس قاتل نے تو شہر میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسے ضرور ختم کرنا چاہیے۔ بے چارے

پولیس والے بھی اس کا شکار بننے لگے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے بڑا سنگ دل قاتل ہے۔ شاید ذہنی مریض ہے۔ کچھ بھی ہو میں تمہارے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ اب اس کا زندہ رہنا انسانیت کے لیے بے حد خطرناک ہے"۔

تو پھر کیا ارادہ ہے؟ اس کی تلاش میں نکلیں؟۔

"مگر سب سے پہلے ہمیں پولیس والوں کو اپنی مدد پیش کرنی چاہیے۔ تاکہ پولیس ہماری کارروائی سے با خبر رہے۔ کہیں ایسا نہ ہوں کہ ہم دھوکے میں کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیں"۔

چنانچہ ناگ اور عنبر پولیس والوں کے بڑے دفتر میں آ گئے موٹی توند والا تھا۔ تھانیدار ابلے ہوئے آلوؤں پر نمک چھڑک کر کھا رہا تھا۔

اس نے بے پروائی سے عنبر اور ناگ کی طرف دیکھا اور آلو منہ میں رکھ کر بولا۔

"کیا تمہارا بھی کوئی قتل ہو گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا اپنا تو کوئی قتل نہیں ہوا جناب لیکن شہر کے لوگ کوئی غیر نہیں ہیں۔ وہ بھی ہمارے اپنے ہی ہیں"۔

موٹے تھانیدار نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے

ترچھی آنکھ سے دیکھا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

جناب ہم امن پسند شہری ہیں اور ملک مصر کے رہنے والے ہیں مگر لندن میں کاروبار کے سلسلے میں آباد ہیں۔

جب سے شہر میں قتل کی وارداتوں کا سنا ہے، ہماری تشویش بڑھ گئی ہے۔

تھانے دار نے کہا۔

"تو پھر تم کیا کہنے آئے ہو؟"۔

ناگ بولا۔

جناب ہم اپنی خدمات پیش کرنے آئے ہیں۔

تھانے دار ہنس پڑا۔ اس نے اپنے قریب بیٹھے سپاہیوں کو آنکھ ماری۔ گویا عنبر اور ناگ کا مذاق اڑا رہا ہو اور بولا۔

"کیا تم قاتل کو پکڑنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"۔

"جی ہاں جناب"۔

عنبر نے کہا۔

تھانے دار نے کہا۔

"جس قاتل کو ہماری ساری پولیس ابھی تک نہیں پکڑ سکی، اسے ایک عام شہری کیسے پکڑ سکو گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے جناب؟۔

"کونسی ترکیب؟"۔

تھانے دار نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"میں عورت کا لباس پہن کر شہر کے گنجان علاقے میں قاتل کا انتظار کروں گا"۔

تھانے دار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اور جب قاتل تمہیں عورت سمجھ کر تم پر حملہ آور ہوگا تو بڑے آرام سے قتل ہو جاؤ گے"۔

ناگ کے منہ سے نکل گیا۔

"نہیں جناب! عنبر قتل نہیں ہو سکتا"۔

"کیا مطلب؟"۔

تھانے دار نے حیرانی سے پوچھا۔

کیا یہ پتھر کا انسان ہے؟۔

کیا اس کے گوشت پر چاقو کا اثر نہیں ہوتا؟

جاؤ جاؤ جا کر اپنا کاروبار کرو۔ تم لوگ کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈال رہے ہو۔

عنبر بولا۔

"جناب ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں"۔

تھانے دار نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"میرا وقت ضائع نہ کرو۔ اور یہاں سے چلے جاؤ نہیں تم میں پولیس کے ذریعے تمہیں باہر نکال دوں

گا"۔

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ تو بڑی امیدیں لے کر آئے تھے۔ لیکن اس موٹے تھانیدار تو انہیں سخت مایوس کیا تھا۔

ناچار وہاں سے واپس آ گئے۔ ابھی وہ تھوڑی دیر ہی گئے تھے کہ پیچھے سے کسی نے اسے آواز دی۔

"مسٹر عنبر!"۔

عنبر اور ناگ رک گئے۔ ایک سیاہ سوٹ والا نوجوان آدمی ان کے پاس آ کر رک گیا۔

عنبر نے اسے پہچان لیا۔ یہ موٹے تھانیدار کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"مسٹر عنبر! میرا نام جیمز ہے۔ میں سراغ رساں ہوں۔ تمہاری ہمدردانہ باتوں نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں شہر والوں سے دلی ہمدردی ہے جو تم ان کی خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال رہے ہو۔ کیا میں آپ دونوں حضرات کو چائے کی دعوت دے سکتا ہوں؟"۔

"ضرور۔ بلکہ چائے ہم آپ کو پلائیں گے مسٹر جیمز!"۔

"شکریہ میرا حق پہلے ہے"۔

رات کا اندھیرا شہر کے گلی کوچوں میں پھیل گیا تھا اور دھند اتنی زیادہ تھی کہ تین چار گز آگے کچھ نظر نہ آتا

تھا۔

تینوں ایک گلی کے ریستوران میں داخل ہو گئے۔ یہاں لوگ بیٹھے بڑی خاموشی سے کافی چائے وغیرہ پی رہے تھے۔

جیمز بھی عنبر اور ناگ کے ساتھ کونے والی میز پر بیٹھ گیا۔ اس نے چائے کا آرڈر دیا۔

"مسٹر عنبر! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ سے کہاں آئے ہیں؟"۔

عنبر نے اسے بھی وہی کچھ بتایا کہ وہ دونوں بھائی ہیں اور ملک مصر سے تجارت کی غرض سے انگلستان آئے ہیں۔

"تم کس چیز کی تجارت کرتے ہو؟"۔

خنجر نے کہا۔

"ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں"۔

"بہت خوب!"۔

نوکر نے چائے لا کر میز پر سجا دی۔ جمبو نے چائے بنا کر ناگ اور خنجر کو پیش کی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جمبو نے کہا۔

قاتل بڑا ہوشیار ہے۔ اسے لوگ R قاتل کے نام سے پکارنے لگے ہیں۔ وہ بڑی مکاری سے کسی کونے سے نکل کر حملہ کرتا ہے۔

شاید وہ سرِ شام ہی کسی جگہ بھیس بدل کر چھپ جاتا

ہے۔ جب رات کا اندھیرا دھند میں مل کر فضا کو پر اسرار بنا دیتا ہے تو وہ اپنے شکار کی تلاش میں مکانوں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ آگے رینگتا ہے۔ دور سے اپنے شکار کی آواز سنتا ہے تو کونے میں چھپ جاتا ہے۔ اور پھر اچانک حملہ کر کے کسی تیز دھار آلے سے گردن اتار کر الگ کر دیتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"وہ گھروں سے بھی تو عورتوں کو ہلاک کر کے باہر پھینک دیتا ہے"۔

ہاں! عورتوں کو وہ خاص طور پر اپنا نشانہ بناتا ہے۔ پولیس بدنام ہو رہی ہے۔ ہم لوگ بھی بدنام ہو

رہے ہیں۔ مگر ہم کیا کریں۔

ہماری کوئی سکیم کامیاب نہیں ہو رہی۔ تمہاری تجویز مجھے پسند آئی ہے۔ اگر کوئی سراغ رساں یا پولیس کا آدمی عورت بن کر قاتل کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے تو اسے پکڑا جا سکتا ہے۔

مگر اس میں اس پولیس والے کی موت یقینی ہے۔ قاتل کو اگر کسی دوسرے سپاہی نے پکڑ بھی لیا تو وہ پہلے سپاہی کو یعنی جس نے عورت کا بھیس بدل رکھا ہوگا، ضرور قتل کر چکا ہوگا۔

عنبر نے پوچھا۔

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے مسٹر جیمز! کہ ہمیں

قاتل کو گرفتار کرنے کے لیے اور کیا کرنا چاہیے؟“۔

جیمز سوچ میں پڑ گیا۔

پھر بولا۔

”میری سمجھ میں تو یہی ایک ترکیب آئی ہے کہ کوئی شخص اپنی جان پر کھیل کر خوبصورت لڑکی کا بھڑکیلا لباس پہن کر رات کو شہر کے گلی کوچوں میں چلتا پھرے۔

ظاہر ہے، ایک نہ ایک روز قاتل کی نظر اس پر پڑے گی۔ وہ اس پر حملہ آور ہوگا۔ پس وہ عورت یعنی وہ شخص جیب سے پستول نکال کر قاتل پر حملہ کر دے۔

ناگ نے کہا۔

"مگر قاتل اس کا موقع ہی کب دے گا۔ وہ تو عورت پر پیچھے سے حملہ کرے گا اور اچانک حملہ کرے گا۔ ایسی صورت میں اس شخص کی موت یقینی ہے"۔

جیمز بولا۔

یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ اس کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے۔

بہر حال زندگی کا خطرہ مول لینے والی بات ہے۔

ناگ نے کہا۔

"اس کام کے لیے تو کوئی ایسا انسان ہونا چاہیے جس پر خنجر چاقو یا چھری بالکل اثر نہ کرتی ہو"۔

پھر زور سے ہنس پڑا۔

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تو آسمان سے کسی جن بھوت کو بلانا پڑے گا"۔

"ناگ نے جیمز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔"

"ایسا آدمی تمہارے سامنے بیٹھا ہے مسٹر جیمز"۔

"کیا مطلب؟"۔

جیمز نے تعجب سے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ عنبر پر چاقو چھری گولی یا خنجر کے زخم کا کوئی اثر نہیں ہوگا"۔

جیمز نے کہا۔

"تم نشے میں تو نہیں ہو مسٹر ناگ؟"۔

عنبر نے کہا۔

مسٹر جیمز! ناگ میرا بھائی سچ کہہ رہا ہے۔ وہ نشے میں نہیں۔۔ انسان کی بھلائی کے لیے ہمیں یہ راز تم پر ظاہر کرنا پڑ گیا، کیونکہ ہم اس قاتل کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں جو بے گناہ عورتوں اور بچوں کا خون بہا رہا ہے۔

جیمز زور سے ہنس پڑا۔

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر تم پر کوئی گولی چلائی جائے، تمہیں خنجر مارا جائے۔ تمہاری گردن میں چاقو گھونپا جائے تو تم مرو گے نہیں؟"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر جیمز! مرنا تو بڑے دور کی بات ہے۔ میرے جسم میں نہ گولی داخل ہو سکتی ہے اور نہ چاقو"۔

جیمز نے سر کھجلا کر کہا۔

"اگر آپ لوگ مجھ سے مذاق ہی کرنا چاہتے تھے تو مجھے پہلے کہہ دیا ہوتا کہ میں اس موضوع پر آپ سے کوئی بات نہ کرو۔ اچھا مجھے اجازت دیجیے خدا حافظ!"۔

جیمز اٹھ کر جانے لگا تو عنبر نے اسے زبردستی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جیمز! ہم بالکل مذاق نہیں کر رہے ہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

اگر آپ چاہیں تو آزما لیں"۔

"یعنی کس طرح؟"۔

"اس طرح سے کہ مجھ پر گولی چلائیں یا چاقو سے حملہ کریں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

"تو پھر آپ کو یقین کیسے آئے گا؟ یہ لیجیے میرا چاقو اور میری کلائی میں اسے داخل کر کے دکھا دیں"۔

جیمز کچھ نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کے ساتھ کس قسم کا مذاق ہو رہا ہے۔

عنبر نے جیب سے ایک تیز نوکدار چاقو نکال کر جیمز کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

چلیے چاقو سے حملہ کریں۔

جیمز نے چاقو ہاتھ میں پکڑ لیا اور ٹاگ کی طرف دیکھا۔

ٹاگ نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر جیمز! بالکل نہ ڈریں۔ چاقو عنبر کی کلائی میں داخل کرنے کی کوشش کریں"۔

جیمز نے چاقو کی نوک عنبر کی کلائی پر رکھ کر ذرا زور لگایا۔ چاقو نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ جیسے وہ کلائی نہ ہو پتھر ہو۔

"اور زور لگاؤ مسٹر جیمز"۔

عنبر نے کہا۔

جیمز نے اپنی ساری طاقت خرچ کر کے چاقو عنبر کی کلائی میں داخل کرنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ بلکہ اچانک چاقو ٹیڑھا ہو گیا۔ اب جیمز پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم کوئی جن بھوت ہو مسٹر عنبر؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

نہیں جیمز! میں جن بھوت نہیں ہوں۔ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ گوشت پوست کا انسان۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے ایک خاص جڑی بوٹی کا ست گھول کر پی رکھا ہے۔ بس اسی روز سے میرے جسم پر زخم نہیں لگتا۔

"کیا تم مجھے بھی وہ شربت گھول کر پلا سکتے ہو؟"۔

عنبر ہنس دیا۔

افسوس مسٹر جیمز! وہ جڑی بوٹی اب میرے پاس نہیں ہے۔ بہر حال ہمیں اصل کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تمہیں یقین آ گیا ہے کہ مجھ پر قاتل کا حملہ کامیاب نہیں ہو گا۔

اور میں اسے آسانی گرفتار کر سکوں گا۔

جیمز نے میز پر خوشی سے مکا مار کر کہا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ خدا کی قسم کمال ہو

جائے گا۔ تم اس ملک کے ہیرو بن جاؤ گے۔ تمہیں آج ہی اس انسان دوست مہم کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیچھے پیچھے ہوں گا۔

ناگ نے کہا۔

مگر جیمز! تمہیں بے حد محتاط رہنا پڑے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے تمہیں اپنی چھری کا نشانہ بنائے۔ اور پھر دھند میں تم زیادہ دور سے دیکھ کر اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکو گے۔

جیمز نے کہا۔

”میں بڑا ہوشیار رہوں گا“۔

عنبر بولا۔

”ٹھیک ہے۔ پھر ہم آج رات ہی اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں“۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ بھائی! تمہیں مسٹر جیمز کے ساتھ رہ کر ان کی خبر گیری کرنی ہوگی“۔

”بہتر ہے۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں“۔

آدھی رات کو جیمز نے لڑکیوں کا لباس یعنی گون، فراک، جرابیں اور سر پر گول ہیٹ رکھا۔ ہاتھ میں رنگدار چھتری پکڑی۔

گرجے کا تابوت (عمران سیریز) ناول نمبر 61

گردن پر مصنوعی بالوں کی لٹیں بکھرائیں اور ناگ اور جیمز کے ساتھ گھر سے نکل پڑا۔ وہ شہر کے اس علاقے میں آ گئے جہاں ان دنوں قاتل کی سرگرمیاں بڑے زوروں پر تھی اور ایک روز پہلے ایک عورت قتل ہو گئی تھی۔

پولیس کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ سراغ رساں نے تھانے میں اطلاع کر دی تھی کہ مسٹر عنبر عورتوں کے لباس میں قاتل کو گرفتار کروانے کی خطرناک کوشش کر رہے تھے۔

طے یہ ہوا کہ عنبر جس جگہ کھڑا ہو گا ناگ اور جیمز اس کے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہیں گے۔

جونہی قاتل کسی کونے سے نکل کر اس پر حملہ کرے گا، یہ لوگ بھاگ کر قاتل کو قابو میں کر لیں گے اور اگر پستول بھی چلانا پڑا تو یہ گریز نہ کریں گے۔

عنبر ایک گلی کے کونے پر جا کر رک گیا۔ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اس نے فٹ پاتھ پر بند دکانوں کے آگے یوں ٹہلنا شروع کر دیا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

ایک آدمی جھومتا ہوا آیا اور یہ دیکھ کر کہ ایک نوجوان حسین لڑکی رات کو اکیلی فٹ پاتھ پر کھڑی ہے قریب آ کر عنبر کو مذاق کرنے لگا۔

عنبر بڑا تنگ آ گیا۔ سراغ رساں اور ناگ نے یہ منظر دیکھا تو پہلے تو وہ بہت ہنسے پھر جیمز نے ایک پولیس والے کو بلا کر کہا کہ اس آدمی کو وہاں سے بھگا دے۔

پولیس کا سپاہی عنبر کے پاس گیا اور آوارہ آدمی کو گردن سے پکڑ کر تھانے لے گیا۔

عنبر لڑکی کے لباس میں بڑا چوکنا ہو کر یونہی سیٹیاں بجا بجا کر فٹ پاتھ پر چل پھر رہا تھا۔ وہ قاتل کو دعوت دے رہا تھا۔

مگر شاید قاتل بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ ساری رات عنبر عورتوں کا لباس پہنے فٹ پاتھ پر سردی اور دھند میں چہل قدمی کرتا رہا مگر قاتل نہ آیا۔

اگلا دن اس نے گرم گرم بستر میں سو کر گزارا۔ ناگ بھی آرام کرتا رہا۔ شام کے بعد سراغ رساں جیمز بھی ان کے پاس آ گیے۔ وہ بار بار چھینک رہا تھا۔

”کم بخت مجھے تو ساری رات سردی میں کھڑے رہنے سے زکام ہو گیا“۔

عنبر نے کہا۔

”پھر تم آج رات آرام کرو۔ میں اور ناگ ہی کافی ہیں“۔

سراغ رساں نے کہا۔

”نہیں بھائی! کسی پولیس کے آدمی کا تمہارے

ساتھ ہونا بہت ضروری ہے جو اس بات کی گواہی دے کر قاتل کو اس نے حملہ آور ہوتے دیکھا ہے"۔

تینوں نکل کر پولیس اسٹیشن آ گئے۔ موٹے تھانے دار کو سراغ رساں جیمو نے بالکل نہیں بتایا تھا کہ عنبر پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔

عنبر نے ہی اسے یہ راز ظاہر کرنے سے منع کیا تھا۔ موٹے تھانیدار نے عنبر کی طرف دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"مادام کیا حال ہے آپ کا؟"۔

سارے لوگ ہنس پڑے۔ عنبر کو تھانے دار کی بات بری لگی۔ ناگ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عنبر

سے اجازت مانگی کہ اگر اجازت ہو تو اس موٹے تھانیدار کی توند پر بھی سانپ بن کر بیٹھ جاؤں؟ عنبر نے اشارے سے اسے منع کیا۔

اس لیے کہ وہ ایک انسان دوستی اور بھلائی کے کام پر نکلے ہوئے تھے۔ انہیں ہر قسم کا ہنسی مذاق برداشت کرنا ہی پڑے گا۔

سراغ رساں نے بھی موٹے تھانیدار کے اس مذاق کو پسند نہ کیا۔ کیونکہ عنبر بغیر کسی لالچ اور تنخواہ کے ان کے لیے کام کر رہا تھا۔

بہرحال دل میں عنبر نے سوچ لیا کہ وہ تھانے دار سے بھی کوئی نہ کوئی ایسا مذاق ضرور کرے گا جسے وہ

ساری عمر یاد رکھے گا۔

پچھلے روز کی طرح جب آدھی رات گزر گئی تو عنبر عورتوں کا بھڑکیلا لباس پہن کر سراغرساں اور ناگ کے ساتھ شہر کے دوسرے علاقے میں آ گیا۔

سراغرساں اور ناگ دھند میں ذرا پیچھے تھے۔ عنبر عورت بنا بڑے نخرے کے ساتھ فٹ پاتھ پر کھڑا یوں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ اسے قاتل کا انتظار تھا اور قاتل "R" بازار کی دوسری طرف دھند میں کھڑا اپنی تیز تیز آنکھوں سے فٹ پاتھ پر کھڑی عورت کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے کانوں میں عنبر کی اونچی ایڑی کی فٹ پاتھ پر ٹک ٹک کی آواز بھی صاف آ رہی تھی۔

قاتل کے ڈراؤنے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس کا شکار بالکل سامنے تھا۔ وہ ایک دکان کے برآمدے میں کھمبے کے ساتھ کھڑا تھا۔ دائیں جانب ہو کر وہ دھند میں گم ہو گیا۔

قاتل دوسری طرف سے آ کر پیچھے سے عورت یعنی عنبر پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے کوٹ کی اندر والی جیب سے لمبی چھری نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی اور آہستہ آہستہ عنبر کی

طرف بڑھنے لگا۔

عنبر عورت بنا بڑے مزے سے اپنی جگہ پر کھڑا قاتل کا انتظار کر رہا تھا۔ اب اس نے بھی قاتل کی بو سونگھ لی تھی۔

قاتل کو ناگ نے بھی دیکھ لیا۔ ناگ نے اپنی خاص سانپوں جیسی سیٹی بجا کر اسے خبردار کر دیا۔ ساتھ ہی سراغ رساں کو بھی خبر کر دی۔

ارد گرد پولیس بھی چوکس ہو گئی۔ قاتل اس منصوبے سے بے خبر تھا۔

اور بڑے آرام سے ایک ایک قدم بغیر آواز کے اٹھاتا عنبر یعنی عورت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اب عنبر نے اپنے پیچھے قاتل کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ ایک جگہ پر ساکت ہو کر کھڑا ہو گیا تاکہ اسے آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا موقع دے۔

قاتل کو ایسا آسان نشانہ کبھی نہیں ملا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت انگیز شیطانی مسکراہٹ تھی۔ عنبر کے بالکل پاس آ کر وہ ایک پل کے لیے رکا اور پھر ایکدم سے اچھل کر چھری اپنی پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مار دی۔

اس کا خیال تھا کہ اس کے سامنے جو عورت زرق برق کپڑے پہنے اندھیری رات میں کھڑی ہے، اس کی بھرپور چھری کا وار کھا کر لڑکھڑا کر گرے گی۔

اس کی آدھی گردن الگ ہو جائے گی پھر قاتل بڑے آرام سے آگے بڑھے گا اور اس کی گردن الگ کر کے اس کے ماتھے پر "R" کا نشان بنا کر وہاں سے رفو چکر ہو جائے گا۔

مگر وہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو رہا تھا۔

چھری سیدھی شکار کی گردن پر لگی مگر جیسے پتھر پر لگ کر واپس اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ خود لڑکھڑا سا گیا۔

کیونکہ وہ پوری طاقت سے آگے کو جھکا تھا۔ اتنی دیر میں سیٹیوں کی آواز سے علاقہ گونج اٹھا۔ ایکدم سے پولیس گھوڑوں پر آگے بڑھی اور قاتل کو قابو کر لیا گیا۔

قاتل کی آنکھوں میں اپنے گرفتار ہونے پر حیرت نہ تھی بلکہ اس کی بات پر اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں کہ یہ کس قسم کی عورت تھی کہ جس پر اس کی تیز چھری کا بھرپور وار بھی کارگر نہیں ہوا۔

نہ خون نکلا نہ گردن کٹی۔ سراغ رساں نے قاتل کو ہتھکڑیاں پہنا کر پولیس کے ساتھ تھانے بھجوا دیا۔ عنبر عورت کے لباس میں ناگ اور سراغ رساں کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گیا۔

سراغ رساں نے عنبر اور ناگ کا شکریہ ادا کیا۔

کیونکہ صرف اس کی وجہ سے ایک ایسا خطرناک قاتل

گرفتار ہوا تھا جس نے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی اور اب تک وہ کتنی عورتوں اور بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔

لاشوں کے چور

عنبر اور ناگ نے اب ماریا کی تلاش شروع کر دی۔

وہ صبح نکلتے اور شام کو گھر واپس آتے۔ شہر اب ان کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ اس کے تمام بازاروں اور گلی کوچوں سے واقف ہو گئے تھے۔

کبھی کبھی ان سے سراغ رساں ملنے آتا تھا۔

سراغ رساں عنبر سے تقاضا کرتا کہ وہ جسم کو پتھر بنانے والی دوا اسے بھی کہیں سے لا دے۔

عنبر نے اسے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ ایسی دوا کہیں سے بھی اسے لا کر نہیں دے سکتا۔ پھر بھی سراغ رساں نے عنبر کا پیچھا نہ چھوڑا۔

ایک روز عنبر اور ناگ شام کے بعد کھانا کھا کر یونہی سیر کرنے لندن کے لیے ایک ایسے علاقے میں آ گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں ایک ڈاکٹر رہتا ہے۔

ناگ نے سوچا کہ اس ڈاکٹر سے بات کی جائے کہ اس نے کوئی ایسا مریض تو نہیں دیکھا جس پر کسی

آسیب کا سایہ ہو۔

اس کا خیال تھا کہ اگر ماریا اس شہر میں ہو گی تو اس کی غیبی طاقت کی کرامتیں ضرور کہیں نہ کہیں ظاہر ہوں گی۔

عنبر اور ناگ ڈاکٹر کی دکان میں آ گئے۔ ڈاکٹر ایک پر اسرار تیز زرد آنکھوں اور نوکیلی چونچ جیسی ناک والا بوڑھا تھا۔

اس نے عنبر اور ناگ کو گہری نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”کیا بات ہے؟ تم کو کیا بیماری ہے؟ شکل سے تو تم دونوں صحت مند نظر آتے ہو“۔

کرسچے کا تابوت (عنبر ناگ ماریا نمبر 61)

عنبر نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب اصل میں ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی کوئی ایسا مریض آپ کی نظروں سے گزرا ہے جس پر کسی آسیب کا سایہ ہو؟“۔

ڈاکٹر نے اپنی عینک اتار کر اس کے شیشے صاف کرتے ہوئے کہا۔

”میاں! یہاں تو ایسے مریض آتے ہیں جن کو اپریشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ میں سرجن ہوں۔ مجھ سے آسیب اور جن بھوتوں کا کیا تعلق؟“۔

”ہم نے آپ کو تکلیف دی۔ معافی چاہتے ہیں“۔

”کوئی بات نہیں“۔

ڈاکٹر نے کہا۔

”مگر تم لوگ مجھے ہندوستانی لگتے ہو۔ کیا تم بمبئی سے آئے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”جی نہیں۔ ہم مصر کے رہنے والے ہیں“۔

”اوہ! بہت خوب پھر تو تم مصر کی ممیوں کے بارے میں کچھ جانتے ہو گے۔ کیا تم نے کبھی کوئی ممی دیکھی ہے؟“۔

عنبر ذرا سا مسکرایا اور بولا۔

"جی ہاں! صرف ایک بار اہرام میں ممی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا"۔

"بہت خوب!"۔

ڈاکٹر باتیں کر رہا تھا اتنے میں ایک گنجے سر والا پہلوان نما آدمی اندر داخل ہوا اور ڈاکٹر کو اشارے سے دوسری طرف لے گیا۔

ناگ نے کہا۔

"ضرور کوئی راز کی بات ہے یہاں۔ ان کی باتیں سننی چاہئیں؟"۔

مگر وہ تو دوسرے کمرے میں ہیں۔

"تم تو دوسرے کمرے میں بھی جا سکتے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"میں اپنے کانوں کی طاقت سے ان کی باتیں سننے کی کوشش کروں گا"۔

ناگ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں اور کان لگا کر ڈاکٹر اور گنجے پہلوان کی باتیں سننے لگا۔

ڈاکٹر گنجے سے پوچھ رہا تھا۔

ڈاکٹر! مگر آج جو لاش تم لائے ہو، وہ گلی سڑی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کسی پرانی قبر کو کھود کر تم نے نکالی ہے۔ میں اس کے پچاس روپے سے ایک پائی زیادہ نہیں دوں گا۔

گنجا پہلوان۔ ڈاکٹر صاحب! دو روز بعد میں آپ کو تازہ لاش لا کر دے دوں گا۔

ڈاکٹر۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے قبروں پر پہرے بٹھا دیے ہیں۔

تم تازہ قبر کہاں سے کھود کر تازہ لاش لاؤ گے۔

گنجا پہلوان

جناب آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسی عورت کو تاڑ رکھا ہے۔ جو غریب ہے اسے پیسوں کا لالچ دے کر ہم اپنی کوٹھڑی میں لے جائیں گے اور قتل کر کے لاش آپ کے پاس لے آئیں گے۔ کیسے کیا اب بھی آپ اعتراض کریں گے؟۔

ڈاکٹر۔

(خوش ہو کر) شاباش! یہ تم نے بہت عمدہ سکیم بنائی ہے۔ بلکہ اگر تم اس طرح عورتوں اور مردوں کو قتل کر کے مجھے تازہ لاشیں تجربے کے لیے لا کر دیتے رہو تو میں تمہیں ہر لاش کا سو روپیہ نقد دیا کروں گا۔

گنجا پہلوان۔

جی نہیں۔ ہم ایک لاش کا ڈیڑھ سو روپیہ وصول کریں گے۔ آپ کی مرضی ہو تو سودا کریں نہیں تو میں جا رہا ہوں۔

ڈاکٹر۔

نہیں نہیں بھائی! ناراض کیوں ہوتے ہو۔ چلو

میں تمہیں ڈیڑھ سو روپے ہی دے دیا کروں گا۔ مگر لاش کو گردن سے مت کاٹنا۔

صرف دل میں خنجر مار کر ایک زخم کر کے انسان کو قتل کرنا تاکہ باقی لاش صحیح حالت میں رہے۔

گنجے پہلوان۔

ایسا ہی کریں گے جناب! لائیے اب اس لاش کے پچاس روپے۔

ڈاکٹر نے جیب سے پچاس روپے نکال کر گنجے پہلوان کو دیئے۔ پہلوان کمرے سے خوش باش باہر نکلا۔

ڈاکٹر ابھی کمرے میں ہی تھا کہ ناگ نے عنبر کو

اشارہ کر کے اس گنجے پہلوان کا تعاقب کرنے کو کہا۔

”خیریت تو ہے ناگ؟“۔

ناگ نے کہا۔

جلدی کرو۔ اس گنجے کا پیچھا کرنا بہت ضروری ہے۔

ناگ اور عنبر ڈاکٹر کی دکان سے باہر نکل آئے۔ اور انہوں نے گنجے پہلوان کا تعاقب شروع کر دیا۔ راستے میں ناگ نے اس قاتل گنجے کے بارے میں سارا کچھ بتا دیا۔

”یہ ظالم آدمی ہے۔ اس نے زندہ انسانوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں ڈاکٹر کے پاس فروخت

کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر لوگ بعض بیماریوں کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لیے مردہ جسموں پر تجربے کیا کرتے ہیں۔

یہ ڈاکٹر بھی اس قسم کے تجربے کرتا ہے۔ بہر حال پہلے اس گنجے قاتل کی تو خبر پھر ڈاکٹر کا بھی پتہ کر لیں گے کہ وہ لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

گنجا قاتل تاریک اندھیری گلیوں میں سے ہو کر ایک مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"یہاں میرا کام ختم ہوتا ہے اور تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اب تم اندر جا کر معلوم کرو کہ معاملہ کیا ہے"۔

"تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا میں ابھی حالات کا جائزہ لے کر باہر آتا ہوں"۔

ناگ نے ایک کالے سانپ کی شکل اختیار کی اور کونوں کھدروں سے ہوتا ہوا مکان کی ڈیوڑھی سے گزر کر ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔

یہاں گنجا قاتل ایک بدمعاش سے باتیں کر رہا تھا۔ ناگ دیوار کی اوٹ میں میز کے نیچے چھپ گیا اور ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

گنجہ۔

ارے میاں میں نے اس سے ڈیڑھ سو روپے فی زندہ لاش کا سودا کرلیا ہے۔

بدمعاش! بہت خوب! یار یہ تو بہت اچھا ہوا ہے۔ اب کم از کم قبرستان جا کر قبریں کھودنے، کفن پھاڑنے اور لاش کو قبر میں سے گھسیٹ کر نکالنے اور تابوت توڑنے کی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

اپنا کسی زندہ انسان کو تلاش کیا۔ ورغلا کر اسے گھر لاتے اور بڑے آرام سے قتل کر کے لاش صندوق میں بند کر کے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ میں پہنچا دی۔

گنجا۔

اس سے آسان کام تو شاید ہی دنیا میں کہیں ہوگا۔

بدمعاش

پہلی لاش کے پیسے لائے ہو؟۔

گنجا۔

کم بخت ڈاکٹر نے بڑی مشکل سے پچاس روپے دیئے ہیں۔

بدمعاش

کم از کم اس سے ستر روپے تو لاتے۔

گنجا۔

وہ مانتا ہی نہیں تھا۔ کہتا تھا لاش گلی سڑی تھی۔

گنجا۔

(سر کھجلا کر) ہاں یار لاش تو واقعی گلی سڑی تھی۔ کم بخت کوئی بڈھا تھا۔ بیماری نے اس کا سارا جسم کھوکھلا کر دیا تھا۔

چلو اب قبرستان کے بڈھے مردوں سے تو نجات ملی۔

گنجہ۔

اچھا تو اب پہلا شکار کس کو بنانا ہے۔

بدمعاش۔

وہی عورت! اس سے بہتر اور کون سا شکار ہو گیا۔ بھلا غریب ہے۔ بیمار رہتی ہے کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ اسے نوکری کا جھانسہ دیں گے۔ سو روپے پیشگی دے دیں گے۔ پھر اسے ورغلا کر یہاں لے آئیں اور پھر قتل کر دیں گے۔

گنجہ۔

بالکل ٹھیک ہے۔ تو پھر چلو۔

بدمعاش۔ چلو۔

دونوں بدمعاش گھر سے باہر نکل گئے۔ عنبر نے ان دونوں کو گلی میں سے گزرتے دیکھا تو اسے ناگ کا خیال آیا کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا۔

اتنے میں ناگ بھی آ گیا۔ اس نے عنبر کو ساری کہانی بیان کر دی اور کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں ان کے ساتھ جانے کی

ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس عورت کو یہ قتل کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں اسے اپنے ساتھ اس گھر میں لا رہے ہیں۔ تو بہتر ہوگا کہ ہم اسی گھر میں بیٹھ کر ان کی واپسی کا انتظار کریں۔

عنبر نے کہا۔

”یہ خیال درست ہے۔ آؤ اندر چلتے ہیں“۔

دونوں مکان کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر کوٹھڑی میں آ گئے۔ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک پلنگ دو کرسیاں، چند ایک برتن اور پرانی کیتلی پڑی تھی۔

اس لیے شاید انہوں نے کوٹھڑی کو تالا نہیں لگایا تھا۔ عنبر اور ناگ نے محسوس کیا کہ اس کوٹھڑی میں ایسی بو پھیلی تھی جیسے کہ قبرستانوں میں پھیلی ہوا کرتی ہے۔

”بدبخت بالکل قبروں کے مردے نکال کر کھانے والے بجوؤں کا گھر معلوم ہوتا ہے“۔

عنبر نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

”ان میں اور قبروں کے بجو میں فرق بھی تو کوئی نہیں۔ ہاں البتہ ایک لحاظ سے یہ قبروں کے بجوؤں سے زیادہ ظالم ہیں۔ بجو تو صرف مردے کو کھاتا ہے۔ اور یہ بدمعاش زندہ انسانوں کو ہلاک کر کے فروخت کرتے ہیں“۔

عنبر بولا۔

"ہم اس جگہ ان دونوں کا انتظار کریں گے۔ جب وہ آ گئے تو میں اس پلنگ کے نیچے چھپ جاؤں گا اور تم۔۔ تم تو سانپ بن کر جہاں جی چاہے چھپ سکتے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"میں اس کھمبے کے پیچھے پرانے کباڑ خانے میں چھپ جاؤں گا۔ مگر یاد رہے جونہی ان لوگوں نے عورت پر حملہ کیا ہمیں اسی لمحے باہر آ کر انہیں دبوچ لینا ہوگا"۔

عنبر بولا۔

"ارے بھائی! دبوچنا کیا ہوگا۔ تمہیں تو اس وقت ان دونوں کو ڈس کر ہلاک کر دینا ہوگا"۔

ادھر یہ دونوں بھائی یہ باتیں کر رہے تھے۔ ادھر وہ دونوں بدمعاش شہر کے تنگ و تاریک مکان میں بیٹھے ایک جوان مگر فاقہ زدہ غریب عورت سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے۔

"بہن خدا کا شکر ہے کہ تمہاری نوکری کا بندوبست ہوا۔ میں نے تو تمہاری نوکری کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا تھا۔ وہ کون سا آدمی ہوگا جس کو میں نے تمہیں کہا ہوگا"۔

غریب عورت نے خوش ہو کر کہا۔

"تم سچ کہتے ہو؟ کیا مجھے نوکری مل جائے گی؟"۔

"ارے بھئی کیوں نہیں"۔

دوسرا بدمعاش بولا۔

"نوکری بھی دو سو روپے ماہوار کی ہے"۔

دو سو روپے ماہوار کا نام سن کر تو غریب عورت کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔

اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"خدا تمہارا بھلا کرے بھائیو! تم نے ایک غریب بیوہ عورت کی مدد کر کے بہت ثواب حاصل کیا ہے۔

اب میری غربت دور ہو جائے گی اور میں اپنے بچوں کی اچھی طرح سے پرورش کر سکوں گی"۔

گنجے نے کہا۔

"اگر تم اس وقت ہمارے ساتھ چلو تو تمہیں ایک سو روپیہ ایڈوانس بھی مل سکتا ہے"۔

"یعنی پیشگی ایک سو روپیہ؟"۔

"ہاں ہاں بھئی۔ جس عورت نے تمہیں ملازم رکھا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے گھر پر ہی بیٹھی ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلو گی تو ہم تمہیں سامنے بھی کرا دیں گے اور اس سے سو روپے بھی دلوا دیں گے۔"

عورت نے اٹھ کر کہا۔

"میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں"۔

"آؤ پھر۔ یہ کام بھی ہو ہی جائے تو اچھا ہے"۔

گنجا عورت سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اس نے اسے مصروف رکھا اور بدمعاش چائے گرم کرنے لگا۔

جب چائے پک گئی تو اس نے تین پیالیوں میں اسے ڈالا۔ پھر سب کی نظروں سے چھپ کر ایک پیالی میں جیب سے کوئی دوائی نکال کر ڈال دی۔

پیالی میں چائے کو چمچ سے خوب ہلایا اور وہ کپ عورت کے سامنے رکھ کر کہا۔

"بہن! تمہارا بھائی غریب ہے۔ مگر اس کا دل تمہاری محبت سے لبریز ہے۔ میں تمہاری خدمت نہیں کر سکا۔ اس کا مجھے افسوس رہے گا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اگلی بار تم آؤ گی تو میں تمہارے لیے سری پائے پکاؤں گا"۔

غریب عورت اس کے اخلاق سے بڑی متاثر ہوئی۔ کہنے لگی۔

بھائی تم کیوں اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہو۔ بہنوں کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے گھر میں گھڑی دو گھڑی آ کر بیٹھ جاتیں۔

انہیں تو بھائیوں کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آنی چاہیے۔ بہنیں چائے کی بھوکی نہیں ہوتیں اور پھر تم نے

تو ایک منٹ میں چائے تیار کر دی ہے۔

گنجے پہلوان۔

بہن! چائے بنانے میں تمہارے بھائی کا جواب نہیں پیو گی تو اسے پسند کرو گی۔

غریب عورت نے کپ منہ کے ساتھ لگا کر ایک گھونٹ چائے کا پیا تو سر ہلا کر کہنے لگی۔

”بہت مزید چائے ہے۔ مگر اس میں مشک کافور کی ہلکی ہلکی خوشبو کیوں آ رہی ہے؟“۔

بدمعاش نے گنجے کی طرف دیکھا۔ گنجے نے سر کھجلا کر کہا۔

”ہی ہی ہی۔ بات دراصل یہ ہے بہن کہ میرے

بھائی کو مشک کافور سے بڑا پیار ہے۔ یہ چائے میں اسے ضرور ملا کر پیتا ہے۔ کم بخت نے تمہارے پیالے میں بھی ملا دیا ہو گا“۔

بدمعاش بولا۔

مجھے افسوس ہے۔ بہن مگر میں نے تمہارے پیالے میں مشک کافور بالکل نہیں ملایا۔

ہاں میرا ہاتھ ضرور لگ گیا ہو گا۔ معافی چاہتا ہوں۔ کہو تو میں ابھی دوسری چائے بنا دیتا ہوں۔ لاؤ پیالہ میں چائے پھینک کر دوسری بنا دوں۔

عورت نے کہا۔

”نہیں نہیں بھائی، اس کی کیا ضرورت ہے۔

تمہاری مہربانی ہے۔ میں پی لوں گی۔ اتنا مشک کافور تو نہیں ہے اس میں"۔

بدمعاش نے زبردستی کرتے ہوئے کہا۔

"بہن! دے دو پیالہ۔ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ مشک کافور والا ہاتھ لگا دیا۔ میں ابھی دوسری چائے بنا دیتا ہوں"۔

عورت نے چائے کی پیالی والا ہاتھ دور لے جاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی۔ میں اسے ہرگز نہیں دوں گا۔ میں تو اسے بڑے شوق سے پیوؤں گی"۔

اور وہ بڑے شوق سے ساری چائے پی گئی۔

غریب عورت چائے پھینکوا دیتی تو زیادہ اچھا تھا۔ مگر ایسا نہ کر سکی۔

چائے پینے کے بعد دونوں بدمعاش اس کے ساتھ مسلسل گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عورت کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونا شروع ہو گئے۔

چائے میں ملائی ہوئی نیند لانے والی دوا اپنا کام کر چکی تھی۔ غریب عورت نے ایک دو بار آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"یہ مجھے نیند کیوں آئی جا رہی ہے؟ پہلے تو چائے پی کر مجھے کبھی نیند نہیں آئی تھی۔"

گنجے نے کہا۔

"ہماری چائے میں دودھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ذرا غنودگی طاری ہو جایا کرتی ہے۔ مگر تھوڑی دیر بعد طبیعت بالکل چاق و چوبند ہو جاتی ہے"۔

عورت نے کہا۔

"مگر میرا تو سر بھی چکرا رہا ہے"۔

وہ ہاتھ سے اپنا سر دبانے لگی۔ سیکنڈ قاتل نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہن کچھ دیر آرام کر لو۔ آرام کرنے کے بعد طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی"۔

ہاں میرا خیال ہے مجھے کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔ مگر وہ عورت۔۔۔ میری مالکہ ابھی تک کیوں

نہیں آئی۔

اس نے مجھے۔ مجھے۔۔۔ مجھے پیشگی ایک سو روپیہ دینا تھا۔ ایک سو روپیہ میرے بچوں کے کپڑے بنانے کے کام آئے گا۔

اب میں ان کو روزانہ دودھ پلا سکوں گی۔ وہ رات کو بھوکے نہیں سوئیں گے۔ ایک سو روپیہ پیشگی۔۔۔ میرا سر گھوم رہا ہے۔۔۔ یہ کمرہ۔۔ گھوم رہا ہے۔ گھوم رہا ہے۔۔۔ گھوم۔۔۔ گھو۔۔۔ م۔۔۔

اور غریب عورت پلنگ پر گرتے ہی گہری نیند میں کھو گئی۔ اسے نیند میں بے ہوش ہوتے دیکھ کر دونوں قاتلوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

بدمعاش بولا۔

"میری دوائی نے فوراً اثر کیا۔ اگر یہ بے ہوش نہ ہوتی تو ہمارے لیے مشکل ہو جاتی"۔

گنجا بولا۔

"کم بخت ضرور شور مچاتی۔ چلو اب اس کا کام تمام کرنے کی تیاریاں کرو۔ پلنگ پر سے اسے اتار کر فرش پر لیٹا دو۔ میں چھری نکال کر لاتا ہوں"۔

بدمعاش کہنے لگا۔

"کپڑے پرے پرے ہٹا لو۔ کم بخت کا خون فرش پر گر کر ان کپڑوں کو خراب کر دے گا"۔

"یار اس پلنگ کے نیچے رکھ دو کپڑوں کو"۔

بدمعاش نے فرش پر بکھرے ہوئے کپڑے اٹھا کر جب کھمبے کے پاس رکھے ڈرم میں سے پرانا کپڑا خون صاف کرنے کے لیے نکالنا چاہا تو ایک کالے سانپ کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"سانپ"۔

گنجا اچھل کر پلنگ پر چڑھ گیا۔

"کہاں ہے سانپ؟"۔

"یہاں کھمبے کے پاس ہے۔ چھری نکال کر اسے ہلاک کر دو۔ جلدی کرو"۔

"چھری تو تم لینے جا رہے تھے۔ جلدی سے چھری سے اسے مار ڈالو"۔

"چھری دور پڑی ہے۔ خدا کے لیے پلنگ کے نیچے سے ڈنڈا نکال کر اس کا سر کچل دو"۔

بدمعاش پلنگ کے نیچے سے ڈنڈا نکالنے لگا تو عنبر بھی ڈنڈے کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

"ہائیں! تم کون ہو؟"۔

گنجے نے چیخ کر کہا۔

"دیکھتے کیا ہو تام! اچھل کر اسے گردن سے دبوچ لو۔ یہ کوئی چور اچکا ہے۔ جانے نہ پائے۔ تم اسے سنبھالو۔ میں سانپ کو مارتا ہوں"۔

بدمعاش اپنی جگہ سے اچھلا اور عنبر کی گردن کو دبوچ کر اسے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر عنبر نیچے گرنے والی چیز نہیں تھی۔

عنبر نے اپنا ایک ہاتھ ہوا میں لہرا کر اس کی گردن میں ایسا مارا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

گنجے نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اپنے ساتھی کی مدد کے لیے واپس پلٹا۔ وہ سانپ کو بھول گیا۔ مگر سانپ نے اسے نہیں بھلایا تھا۔

سانپ لپک کر اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا لیا اور گنجے کے چہرے کے سامنے آ کر زور زور سے جھومنے لگا۔ گنجے کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔

کاناچگاڈر

عنبر نے کہا۔

"ناگ! ابھی اسے مت ڈسنا۔ مجھے اس سے ایک سوال پوچھنا ہے"۔

ناگ کا پھن آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ عنبر نے اس گنجے سے پوچھا۔

"اگر تم یہ بتا دو کہ یہ مذموم اور شرمناک کام اور

کون کون لوگ یہاں کرتے ہیں تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے"۔

گنجے نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"مشرقی دروازے کے اندر ایک کاناچگاڈر نام کا بدمعاش رہتا ہے، وہ بھی انسانی لاشوں کا کاروبار کرتا ہے"۔

"اور کون کون یہ کام کرتا ہے؟"۔

"جی نہیں۔ اور کوئی نہیں"۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ اس مکروہ قاتل کو ختم کر دو۔ نہ رہے گا

بانس نہ بجے گی بانسری“۔

ناگ نے اپنا پھن ذرا پیچھے کر کے لپک کر گنجے کی پیشانی پر ڈس دیا۔

گنجے نے چیخ ماری اور سر کو پکڑ کر زمین پر گر پڑا۔ بھلا ناگ کا زہر وہ کہاں تک برداشت کر سکتا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا اور زبان کالی ہو کر باہر نکل آئی اور وہ مر کر اکڑ گیا۔

”اب ان قاتلوں کی لاشیں پلنگ کے نیچے کر دو۔ یہ غریب عورت اٹھے گی تو لاشیں دیکھ کر کہیں اس کی بھی جان نہ نکل جائے“۔

عنبر نے کہا۔

”ناگ نے دونوں لاشیں گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے کر دیں اور ان پر پرانے کپڑے ڈال دیے۔ اب وہ غریب عورت کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی“۔

انہوں نے اس کے چہرے کو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیے اور اس کے گالوں پر ہلکے ہلکے تھپڑ بھی مارے تھوڑی دیر بعد عورت ہوش میں آ گئی اس نے جو دیکھا کہ اس کے سامنے کوئی اور ہی دو آدمی بیٹھے ہیں تو چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔

”تم لوگ کون ہو؟ میرے بھائی کہاں ہیں؟“۔

عنبر نے کہا۔

''بہن خدا کا شکر ادا کرو کہ ان لوگوں سے تمہاری جان بچی وہ تو تمہیں قتل کرنے کے لیے یہاں لائے تھے اسی لیے انہوں نے چائے میں بے ہوشی کی دوائی ملا کر تمہیں پلا دی تھی''۔

غریب عورت کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ عنبر اور ناگ اسے قاتلوں کی لاشیں دکھا کر اور زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے عورت کو اٹھا کر کھڑا کیا اور کہا۔

''بہن! چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئیں اور خبردار اب کبھی کسی کے ساتھ گھر سے باہر نکلنا''۔

وہ عورت کو ساتھ لے کر اس کے گھر آ کر چھوڑ گئے۔ باہر آ کر ناگ نے کہا۔

''اب اس بدبخت کانے چگاڈر نامی قاتل کی چل کر خبر لینی چاہیے''۔

''ضرور ضرور! مگر خبر کیا لینی ہے، اسے بھی ختم کر دینا چاہیے تاکہ خلق خدا اس کے ظلم سے محفوظ رہ سکے''۔

دن ڈھل رہا تھا کہ دونوں شہر کے مشرقی دروازے پر آ گئے۔ یہ دروازہ بڑا پرانا تھا۔ آدھا ٹوٹ چکا تھا۔

دروازے کی ڈیوڑھی سے گزر کر وہ ایک سرائے کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ سوچنے لگے کہ کس سے

کانے چمگادڑ کے بارے میں پوچھیں۔ آخر انہیں ایک پراسرار نوجوان جاتا دکھائی دیا۔ ناگ اس کے قریب جا کر بولا۔

”بھائی! مجھے کانے چمگادڑ کی تلاش ہے۔ میں اس کا بھائی ہوں۔ بڑی دور سے آیا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے؟“۔

پراسرار آدمی ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور بولا۔

”میں جانتا ہوں تم اسے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ تم ایسا کرو کہ تم یہاں سے باہر بائیں ہاتھ کو چلے جاؤ۔ آگے ایک پرانا گرجا آئے گا۔ اس کے پیچھے ایک ٹوٹا

پھوٹا مکان ہے۔ بس اسی مکان میں کانا چمگادڑ رہتا ہے“۔

ناگ اور عنبر خاموشی سے شکریہ ادا کر کے بائیں ہاتھ کو گھوم گئے۔ آگے ایک گرجا آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بوسیدہ ایک منزلہ تکونی چھت والا مکان کھڑا تھا۔

اس مکان کی چھت ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ ناگ نے وہاں ایک لڑکے سے کانے چمگادڑ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

”کانا چمگادڑ وہاں سرائے میں چائے پینے گیا ہے“۔

دونوں بھائی سرائے میں آ گئے۔ یہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں پرانی تماینظ قسم کی کرسیاں بچھی تھیں۔

جس پر بیٹھے بدمعاش قسم کے جرائم پیشہ لوگ کھا پی رہے تھے اور ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔ ناگ نے ایک آدمی سے کانے چنگاڈر کا پوچھا۔

اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے بیٹھا ہے کانا چنگاڈر"۔

کانا چنگاڈر بڑی شان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی پر بیٹھا سوکھا سا مریل آدمی اس کا سر دبا رہا تھا۔ ناگ نے دیکھا وہ ایک آنکھ سے کانا تھا اور کانی آنکھ سے سیاہ رنگ کا پانی بہہ بہہ کر اس کے گالوں پر جم گیا تھا۔

ناگ نے جا کر کہا۔

آداب بھائی جان! میں آپ سے ایک ضرور بات کرنے آیا ہوں۔

کانے چنگاڈر نے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"کیا تمہارا ساتھی بھی مجھ سے ضروری بات کرنے آیا ہے؟"۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں جناب! یہ بھی میرے ساتھ ہی کام کرتا ہے"۔

کانا چگاڈر انھیں لے کر کونے والی خالی میز پر آ کر بیٹھ گیا۔

"بولو! کیا کام ہے تمھیں مجھ سے؟"۔

ناگ بولا۔

"جناب! بات یہ ہے کہ ہمارے پاس دو لاشیں اس وقت موجود ہیں۔ ہم انھیں آپ کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں"۔

کانے چگاڈر نے چونک کر کہا۔

"تم خود کیوں نہیں لاشیں لے کر کسی ڈاکٹر کے پاس چلے جاتے؟"۔

ناگ بولا۔

"بات یہ ہے کہ جس ڈاکٹر کو ہم لاشیں دیا کرتے تھے، وہ یہاں سے چلا گیا ہے۔ ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کو لاشیں دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اگر آپ ہم سے خرید لیں تو ہم بڑی سستی دے دیں گے"۔

کانا چگاڈر ان دونوں کو ساتھ لے کر اپنے پرانے گھر آ گیا۔ گھر میں ہر شے بکھری بکھری اور گندی تھی۔

"لاشیں اس وقت کہاں ہیں؟"۔

کانے چگاڈر نے پوچھا۔

"قبرستان کی ایک کوٹھڑی میں رکھی ہیں۔ بالکل تازہ ہیں۔ جناب! ہم نے آج صبح ہی اسے قبروں

میں سے کھود کر نکالا ہے"۔

کاناچگاڈر تھوک کر بولا۔

"بھائی! میں تو زندہ لاشوں کا دھندا کرتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی کانے چگاڈر نے سیٹی بجائی۔

دروازہ کھلا۔ چار بٹے کٹے بدمعاش چھریاں لیے باہر نکل آئے اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے عنبر اور ناگ رسیوں میں جکڑ کر زمین پر ڈال دیا۔

ناگ نے کہا۔

"کیا آپ اپنے مہمانوں سے یہی سلوک کرتے ہیں؟"۔

کانے چگاڈر نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

تم لوگ یہاں اجنبی ہو۔ میں جانتا ہوں تم باہر سے مجھے پھانسنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تمہیں ضرور پولیس نے بھیجا ہے۔

"مگر میں تمہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ میں تم دونوں کی لاشوں کو بیچ کر پانچ سو روپے وصول کروں گا۔ بڑی جوان لاشیں ہوں گی تمہاری۔ ہاہاہا"۔

ناگ نے عنبر کی طرف اور عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ کانے چگاڈر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"ان دونوں کو پیچھے تہہ خانے میں لے چلو۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی انہیں قتل کر کے رات کو ڈاکٹر کے پاس ان کی لاشیں پہنچا دو۔ میں نے اس

سے آج لاشیں پہنچانے کا وعدہ کر رکھا ہے"۔

چاروں بدمعاشوں نے عنبر اور ناگ کو اٹھایا اور نیچے تہہ خانے میں لا کر پھینک دیا۔ اب وہ چھریاں کلہاڑیاں تیز کرنے لگے۔

کانا چگاڈر بھی نیچے آ گیا۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"ناگ! اب کس کا انتظار کر رہے ہو۔ یہ تمہارے چار ٹکڑے کر دیں گے تب کچھ کرو گے۔ مجھے تو یہ کچھ نہ کہہ سکیں گے فکر تو تمہارا کر رہا ہوں"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"میں تو تیل دیکھ کر رہا ہوں اور تیل کی دھار دیکھ رہا ہوں"۔

عنبر بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کہیں تیل دیکھتے دیکھتے دیا ہی نہ گل ہو جائے"۔

کانے چگاڈر نے جب دیکھا کہ دونوں شکار آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہیں تو اس ناگ کے سر پہ زور سے تھپڑ مار کر کہا۔

"کمینے! ہمارے خلاف باتیں کر رہے ہو؟ کر لو جتنی باتیں کرنی ہیں۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری باتیں ہوں گی"۔

پھر اس نے اپنے دو بدمعاشوں کو حکم دیا۔

"لال ہاتھی! نکالو چھری اور پہلے اس کمینے کی گردن اتار دو یہ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا"۔

لال ہاتھی سچ مچ ہاتھی کا ڈیل ڈول رکھتا تھا۔ وہ جھومتا جھامتا چھری لیے ناگ کے پاس آیا اور اس کی طرف دیکھ کر اپنے پیلے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

کانے چمگادڑ نے چیخ کر کہا۔

"گدھے کے بچے دانت کیا نکال رہے ہو۔ کام تمام کرو اس کمینے کا۔ گردن اتار کر فرش پر رکھ دو۔ پھر دوسرے کی باری آئے گی"۔

لال ہاتھی نے چھری اٹھا کر لہرائی۔ دوسرے ہاتھ سے ناگ کے بال پکڑ کر اس کی گردن ایک طرف کو

جھکا دی۔

چاہتا تھا کہ ایک ہی وار سے گردن اتار دے کہ ناگ نے کہا۔

"عنبر خدا حافظ"۔

عنبر تو کانپ کر رہ گیا۔ ناگ موت کے بے حد قریب پہنچ گیا تھا ایک پل کے لیے تو وہ یہی سمجھا شاید ناگ سچ مچ اس کی زندگی کا آخری سلام کر رہا ہے۔ کیا وہ اپنی ساری کرامات بھول گیا ہے؟۔

عنبر اس قسم کے خیالات میں گم تھا کہ ناگ رسیوں میں جکڑے جکڑے اچانک غائب ہو گیا۔ لال ہاتھی کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور وہ دہشت کھا کر پیچھے

کو گرد۔

"یہ کیا ہو گیا ماسٹر چمگادڑ!"۔

کالا چمگادڑ بھی پتھر کا بت بن کر دیکھتا رہ گیا کہ اس کا جکڑا ہوا شکار کہاں چلا گیا۔ باقی تینوں بدمعاشوں کی بھی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور چہروں پر پسینہ آیا ہوا تھا۔ کالے چمگادڑ نے چیخ مار کر کہا۔

"اس دوسرے شکار کو نہ جانے دینا۔ یہ کوئی جادوگر تھا۔ اس دوسرے شکار کو فوراً ہلاک کر دو"۔

تینوں بدمعاش چھریاں کلہاڑیاں لے کر عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ مگر عنبر کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ ہاں اتنا اسے فائدہ ضرور پہنچا کہ چھریوں اور کلہاڑیوں کی پے درپے ضربوں سے اس کی رسیاں ٹوٹ گئیں اور وہ آزاد ہو گیا۔

اب سارے بدمعاش اس پر حملے کر رہے تھے مگر عنبر اپنی جگہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس عرصے میں ناگ جو چھوٹے سے انتہائی زہریلے سانپ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

کالے چمگادڑ کے سامنے آ گیا۔ کالے چمگادڑ نے خوف سے چیخ ماری۔

"سانپ کو مارو۔ مارو!"۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! انہیں سانپ بن کر نہیں شیر بن کر ختم

کرو"۔

سارے بدمعاش پہلے ہی دہشت زدہ تھے کہ اس شخص کے جسم پر کوئی زخم یوں نہیں لگ رہے۔ اب جو انہوں نے اسے دیکھا کہ سانپ سے باتیں کر رہا ہے تو گردنیں گھما کر سانپ کو تکنے لگے۔

چگاڈر نے چنگھاڑ کر کہا۔

"سانپ کو کچل دو کمینو!"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ سانپ پر حملہ کرتے ناگ نے اپنی جون بدل ڈالی تھی۔ اور اب کوٹھڑی میں ایک دس فٹ اونچا لمبا خوفناک شیر منہ کھولے دھاڑ رہا تھا۔

شیر نے جھپٹ کر پنجہ مارا اور بیک وقت دو بدمعاشوں کی گردنیں جسم سے الگ کر کے پرے پھینک دیں۔

تیسرا بھاگنے لگا شیر نے اسے بھی جھپٹا مار کر دبوچ لیا اور چیر پھاڑ کر کے رکھ دیا۔ کالا چگاڈر کانپ رہا تھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگا۔

شیر نے زور سے دھاڑ ماری اور اچھل کر کالے چگاڈر کے اوپر جا گرا۔ شیر کے بوجھ ہی سے کالے چگاڈر کی ہڈی پسلی ٹوٹ کر سرمہ بن گئی۔

شیر پھر سے ناگ یعنی انسانی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"تمہاری آواز ہمارے محلے میں گونج رہی تھی۔ اب یہاں سے بھاگ چلو۔ لوگ اکٹھے ہو جائیں گے"۔

دونوں کھڑکی میں سے کود کر گرجا گھر کے پیچھے آ گئے۔

دیکھا کہ محلے کے لوگ خوف سے سہمے ہوئے مکان کے دروازے پر کھڑے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ شیر کی آواز کہاں سے آئی تھی۔

ڈرتے ڈرتے کچھ لوگ اندر گئے تو اندر چار آدمیوں کی کٹی پھٹی شیر کی چبائی ہوئی لاشیں پڑی

تھیں۔ لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ پولیس وہاں پر آ گئی۔

عنبر اور ناگ وہاں سے جا چکے تھے۔

فرعون کی ممی

اب اس شہر میں عنبر اور ناگ کا جی نہیں لگتا تھا۔

ماریا کی تلاش سے وہ مایوس ہو چکے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ماریا اس شہر میں، بلکہ اس ملک میں نہیں ہے۔

وہ ملک مصر میں واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ مصر جانے کا خیال عنبر کو آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مصر ان کا اصلی وطن ہے اور ماریا اگر کسی جگہ نہیں ملی تو مصر میں ضرور مل جائے گی۔

ایک روز شہر میں یہ دہشت ناک خبر پھیل گئی کہ شہر سے باہر سمندر کے کنارے والی چٹانوں کے پاس کچھ لوگ گم ہو گئے۔

پولیس نے مقدمہ درج کر لیا اور تفتیش شروع کر دی۔ دوسرے تیسرے روز اسی جگہ پر کچھ انسانوں کی کھوپڑیاں اور بازوؤں کی ہڈیاں پڑی ملیں۔

ان ہڈیوں کا ملنا تھا کہ لوگوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ معاملہ قتل کا تھا۔ چنانچہ سراغرساں جیمز بھی میدان میں آ گیا۔

ایک شام وہ عنبر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے چٹانوں میں قاتل ڈاکو رہتے ہیں۔ انہوں نے مسافروں کو اغوا کر کے قتل کر دیا ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”اگر وہ لوگ ڈاکو ہیں تو انہیں مسافروں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی“۔

وہ ڈرتے ہوں گے کہ یہ لوگ باہر جا کر پولیس کو خبردار کر دیں گے۔

ناگ نے کہا۔

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ آپ لوگوں کو چٹانوں کا گھیراؤ کر کے ان ڈاکوؤں کو تلاش کرنا چاہیے“۔

سراغ رساں نے کہا۔

”ہم نے چٹانوں کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ وہاں کوئی غار یا معمولی سا کھوہ بھی نہیں ہے“۔

”پھر کیا چاہتے ہیں؟“۔

عنبر نے پوچھا۔

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس تفتیش میں ہماری مدد کرو“۔

عنبر گہرا سانس لے کر بولا۔

”میں تیار ہوں۔ مگر جب تم لوگ ڈاکوؤں کو تلاش نہیں کر سکے تو میں کیا کروں گا“۔

"بہر حال تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم میرے ساتھ رہو"۔

عنبر انسانیت کی خاطر سراغرساں کے ساتھ چل دیا۔ انہوں نے صبح سے لے کر شام کر دی۔ چٹانوں کے اردگرد سارے کا سارا علاقہ چھان مارا۔ مگر وہاں کسی ایک ڈاکو کے قدموں یا گھوڑے کے سموں کے نشان نہ ملے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے عالم لوگوں کو چاہیے کہ یہاں کسی سپاہی کا پہرہ لگا دیں۔ ڈاکو دوسری بار کسی مسافر پر حملہ کریں تو سپاہی آسانی سے انہیں گرفتار کر سکتا ہے۔ یا

اگر وہ زیادہ ہوں تو ان کا پیچھا کر کے ان کے ٹھکانے سے خبردار ہو سکتا ہے"۔

سراغرساں کو یہ تجویز پسند آئی۔ اسی روز ایک سپاہی کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔ سپاہی ایک چٹان کے عقب میں بندوق لیے بیٹھا صبح سے شام تک پہرہ دیتا رہا۔

تین دن کے بعد اسی جگہ چٹان کے پاس اس سپاہی کی لاش اس طرح ملی کہ اس کے جسم سے سارا گوشت نوچ لیا گیا تھا۔

صرف اس کی کھوپڑی اور وردی وہاں پڑی تھی۔ اس واردات نے لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔

اب بڑے زور شور سے ڈاکوؤں کی تلاش شروع ہوگئی۔

ایک ہفتے تک کوئی واردات نہ ہوئی۔ پولیس بھی تھک آ گئی۔ انہوں نے بھی سمجھا کہ ڈاکو یہاں سے کوچ کر کے کسی اور علاقے میں چلے گئے ہیں۔ چنانچہ پولیس کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔

عنبر اور ناگ بھی مصر جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔

چند روز بعد ایک میاں بیوی دور کسی گاؤں سے گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔ شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

وہ دونوں بڑے مزے مزے سے گھوڑے چلاتے باتیں کرتے ہنستے مسکراتے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس پہنچے تو ایک آڑ سے ایک دم چھ سات نیم عریاں لمبے بالوں والے وحشی انسان نکلے اور دونو میاں بیوی پر لپٹ پڑے۔

ایک وحشی نے تلوار مار کر بیوی کا سر میاں کے سامنے تن سے جدا کر دیا۔ میاں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

وحشی ڈاکوؤں نے اس کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا

اور اس کی بیوی کی لاش گھسیٹ کر چٹانوں میں لے گئے اور غائب ہو گئے۔

خوف زدہ خاوند نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی تو ایک بار پھر وہاں ہلچل مچ گئی۔ شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا کہ پولیس والے نااہل ہیں۔

ڈاکو بے گناہ انسان کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں اور پولیس کچھ نہیں کر رہی۔ یہ بات ملکہ برطانیہ تک بھی پہنچ گئی۔

اس نے پولیس کو حکم جاری کر دیا کہ ایک ہفتے کے اندر وحشی ڈاکوؤں کو پکڑ کر عدالت کے سامنے پیش کیا۔

سراغرساں نے بھاگے ہوئے خاوند کی مدد سے پولیس کو ساتھ لے جا کر موقع کا معائنہ کیا۔ وہاں قدموں کے نشان مٹا دیے گئے تھے۔

ایک ایک چٹان کو جا کر غور سے دیکھا مگر وہاں کوئی وحشی ڈاکو نہیں تھا۔ یا خدا انہیں زمین کھا گئی کہ آسمان نے اٹھا لیا۔

وہ پریشان تھے کہ اچانک سراغرساں کی نظر سمندر کی طرف جاتے دو چٹانوں کے درمیان تنگ راستے پر پڑی۔

”ادھر جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ وہاں کیا ہے“۔

سراغرساں نے ایک پولیس کے سپاہی کو ساتھ لیا

اور تنگ راستے پر اتر گیا۔ باقی دو سپاہی اسی جگہ کھڑے پہرہ دیتے رہے۔

ابھی سراغرساں کو سپاہی کے ساتھ گئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک چھ سات وحشی ڈاکوؤں نے چٹانوں سے چھلانگیں ماریں اور سپاہیوں کی گردنوں پر آن گرے۔

سپاہی منہ کے بل گر پڑے ابھی وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہے تھے کہ وحشی لوگوں کے نیزے ان کے دلوں میں اتر گئے اور وہ وہیں مر گئے۔

ادھر سراغرساں سپاہی کو ساتھ لے کر چٹان کے نیچے سمندر کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھوہ

ہے۔ جہاں سمندر کا پانی کھڑا ہے وہاں زمین پر تازہ انسانی قدموں کے نشان بھی تھے۔

سراغرساں نے سپاہی کو اشارہ کیا اور وہ کھوہ میں اتر گئے۔ پانی گھٹنوں تک آتا تھا۔ وہ آگے چلنے لگے۔ آگے جا کر کھوہ نے ایک غار کی شکل اختیار کر لی۔

زمین پر نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے جس کی وجہ انہیں چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ چلتے گئے۔

کچھ دور آگے جا کر غار ایک جانب کو گھوم گیا۔

اب انہیں انسان کے گلے سڑے گوشت کی بدبو

آنے لگی۔ سراغرساں نے سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بات پراسرار ہو رہی ہے ایسا لگتا ہے یہاں کوئی آدم خور وحشی قبیلہ رہتا ہے جو انسانوں کا گوشت کھا کر زندہ ہے"۔

سپاہی ڈر رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"سر! میرا خیال ہے ہمیں آگے نہیں جانا چاہیے"۔

سراغرساں نے ہنس کر کہا۔

"کیا ہمیں اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کرنی چاہیے؟ گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں اور پھر ہمارے

پاس بندوقیں بھی ہیں"۔

مگر ان کی بندوقیں ان کے کچھ کام نہ آئیں۔ ابھی وہ اندھیرے غار میں کچھ دور ہی آگے گئے تھے کہ تیروں کی ایک بوچھاڑ ان پر پڑی۔

بیک وقت کتنے ہی تیر ان دونوں کے سینے اور گردن میں کھب گئے۔ درد کی ہلکی سی چیخ کے ساتھ سراغرساں اور سپاہی نوکیلے پتھروں پر گر پڑے اور آہستہ آہستہ دم توڑنے لگے۔

وحشی لوگ ان کے سروں پر آن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سراغرساں اور سپاہی کی لاشوں کو گھسیٹ کر غار کے اندر لے گئے اور اندھیرے میں گم ہو گئے۔

تین سپاہیوں اور سراغرساں کی گمشدگی نے کہرام مچادیا۔

ان کی لاشیں بھی نہ مل سکیں۔ سب کو یقین تھا کہ وحشی لوگوں نے انہیں بھی قتل کر دیا ہے۔ معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

لوگوں نے ان چٹانوں کی طرف جانا بند کر دیا تھا۔ عنبر اور ناگ بھی اس صورتحال سے پریشان تھے کہ بے چارے شہریوں پر ستم توڑا جا رہا ہے۔

انہوں نے لوگوں کی مدد کرنے اور ان ڈاکوؤں قاتلوں اور وحشی لوگوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کرلیا۔

عنبر نے کہا۔

"ابھی تک ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ لوگ کون ہیں ڈاکو ہیں یا قاتل ہیں۔ اگر قاتل ہیں تو لوگوں کو کیوں قتل کرتے پھر رہے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکوؤں کا ایک پراسرار گروہ ہے۔ جو سمندری چٹانوں میں کسی خفیہ مقام پر رہتا ہے۔ یہ لوگ لوٹ مار کر کے مسافروں کو قتل کر دیتے ہیں بہرحال میں اس کا سراغ لگا کر رہوں گا۔ تم میرے ساتھ آؤ"۔

دونوں دوست، دونوں بھائی گھر سے نکل کر شہر

سے باہر سمندر کنارے والی چٹانوں میں آ گئے۔ یہ علاقہ بالکل سنسان ہو گیا تھا۔

اگرچہ گاؤں سے شہر آنے والی سڑک یہاں سے گزرتی تھی۔ مگر اس سڑک پر لوگوں نے سفر کرنا بند کر دیا تھا۔

سورج مغرب کی جانب غروب ہو رہا تھا اور دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں ان چٹانوں کا ایک بار گھوم پھر کر پورا جائزہ لینا چاہیے کوئی نہ کوئی غار یہاں ضرور ہے جہاں یہ قاتل رہتے ہیں"۔

وہ کافی دیر تک چٹانوں میں گھومتے پھرتے رہے۔ آخر انہوں نے ایک مقام پر چٹانوں کے درمیان تنگ راستہ دیکھ لیا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ یہ راستہ ضرور قاتلوں کی غار کو جاتا ہو گا عنبر!"۔

عنبر اور ناگ اس تنگ راستے سے گزر کر اسی کھوہ کے آگے آ گئے۔ جہاں سراغرساں سپاہی کے ساتھ داخل ہوا تھا۔

کمال کی بات ہے کہ یہاں قدموں کا ایک بھی نشان نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے سارے نشان مٹا دیئے ہیں۔

کھوہ کے منہ پر ہلکا ہلکا سمندر کا پانی کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رات کو سمندر کی لہر یہاں آتی ہے اور تھوڑا سا پانی چھوڑ کر واپس چلی جاتی ہے۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی! یہاں سے تمہارا کام ختم اور میرا شروع ہوتا ہے۔ تم اس جگہ بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں اندر جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہاں کیا اسرار چھپے ہوئے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔ قاتل بڑے چالاک لوگ لگتے ہیں۔ وہ کسی کو معاف نہیں کرتے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں ان سے زیادہ چالاک اور ہوشیار ہوں۔ تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ اور پھر میں انسان کی شکل میں نہیں بلکہ سانپ کی شکل میں اندر جاؤں گا"۔

عنبر نے ناگ کو رخصت کیا۔ ناگ کھوہ کے اندر سانپ بن کر داخل ہو گیا۔ وہ نوکیلے پتھروں پر رینگتا غار کے اندھیرے میں آگے بڑھنے لگا۔

کافی دور تک وہ اندھیرے میں رینگتا رہا آخر اسے ایک موڑ گھومنے پر ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ یہاں انسانی گوشت کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

اس روشنی میں ناگ نے کچھ نیم عریاں انسانوں کو دیکھا کہ ان کے جسموں پر لمبے لمبے بال تھے اور وہ ایک کھوہ کے باہر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

ناگ زمین سے غار کی دیوار پر آ گیا اور رینگتا ہوا ان لوگوں کے سروں کے اوپر جا پہنچا۔

کیا دیکھتا ہے کہ وہ لوگ پتھر پر رکھ کر انسانی گوشت کا قیمہ بنا رہے ہیں اور اسے کچا ہی کھا رہے ہیں۔

قریب ہی ایک انسان کی پوری ران پڑی تھی۔

ناگ نے کھوہ میں دیکھا تو وہاں انسانوں کے کٹے ہوئے بازو و رانیں اور سر لٹک رہے تھے۔ جیسے انہیں کھانے کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔ وہ حیران رہ گیا کیا یہ لوگ آدم خور تھے؟۔

ناگ نے تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے کرتے کئی آدم خور وحشی دیکھے تھے مگر وہ دور دراز گمنام جنگلوں میں رہتے تھے۔

یہ وحشی لوگ شہر کے باہر چٹانوں میں آباد تھے اور انسانوں کا شکار کر کے کھاتے تھے۔

یہ گائے بیل کا گوشت کھا کر مہذب انسانوں کی طرح بھی بسر کر سکتے تھے۔ آخر ان لوگوں کو کس نے آدم خور بنا دیا؟

ایک جگہ ناگ نے سراغرساں کی ٹولی دیکھی۔

اتنے میں سامنے سے کچھ اور آدم خور وحشی آ گئے۔ یہ سب جنگلی لگتے تھے جو زمانہ تاریخ سے پہلے غاروں میں رہا کرتے تھے۔

ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ عورتیں بھی انسان کا گوشت بڑے شوق سے کھا رہی تھیں۔ ناگ کے بدن پر خوف سے جھرجھری آ گئی۔

وہ وہاں سے واپس ہوا اور اندھیرے غاروں میں رینگتا بڑی مشکل سے نوکیلے پتھروں پر سے گزرتا غار کے باہر آ گیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ابھی شام کی روشنی باقی تھی۔ عنبر باہر ایک جگہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

ناگ پھر سے انسانی شکل میں آ گیا۔ عنبر اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

"کچھ پتہ چلا؟"۔

ناگ نے شروع سے آخر تک ساری کہانی اسے سنا دی۔ عنبر کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"تو کیا یہ لوگ وحشی آدم خور ہیں؟ یہ کہاں سے آ کر یہاں آباد ہو گئے؟"۔

ناگ بولا۔

یہی تو میں حیران ہوں۔ بہرحال سوچنا یہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

کیا ان لوگوں پر جا کر اکیلا حملہ کر دوں؟

میرا خیال ہے میں اکیلا سانپ بن کر ان لوگوں کو ہلاک نہ کر سکوں گا۔ کیونکہ وہ بہت سے لوگ ہیں اور ہر ایک کے پاس چھرا ہے۔

وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر میں شیر یا ہاتھی بن کر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کروں تو وہ اور کچھ نہیں تو خود مرتے مرتے مجھے بھی شدید زخمی ضرور کر دیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا خیال صحیح ہے۔ پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں پولیس کو اطلاع کرنی چاہیے۔ تاکہ سپاہی اس غار میں داخل ہو کر بندوقوں سے حملہ کر کے ان لوگوں کو گرفتار کر لیں یا ہلاک کر دیں"۔

عنبر کو یہ تجویز پسند آئی۔

اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ ہم پولیس والوں کے پاس جاتے ہیں"۔

دونوں تھانے پہنچ گئے۔ موٹا تھانے دار اب عنبر اور ناگ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ کیونکہ عنبر کی وجہ سے "R" نام کا بدنام قاتل پکڑا گیا تھا۔ اس نے دونوں کو

عزت سے بٹھایا اور پوچھا۔

"میں تم لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس وقت تو ہم آپ کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔ ہم نے چٹانوں میں رہنے والے آدم خور ڈاکوؤں کا سراغ لگا لیا ہے"۔

"کیا؟"۔

موٹا تھانے دار خوشی سے اچھل پڑا۔

ناگ بولا۔

"ہاں! ہم نے وہ غار دیکھ لیا ہے جہاں وحشی آدم خور رہتے ہیں۔ وہاں سراغرساں کی ٹوپی بھی پڑی

تھی۔ ان لوگوں نے سراغرساں کو بھی مار کر ہڑپ کر لیا"۔

موٹے تھانے دار نے سہم کر کہا۔

"کیا یہ قاتل انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"جی ہاں! انسانی گوشت کا قیمہ بنا کر کھاتے ہیں اور موٹے آدمی کو بہت پسند کرتے ہیں"۔

موٹا تھانے دار سمٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ ڈر گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"مسٹر عنبر اور ناگ بھائی! اگر آپ اس گروہ کو گرفتار کرا دیں تو میری آنے والی نسلیں آپ کا یہ احسان عمر

پھر نہ بھولیں گے۔

ملکہ وکٹوریہ نے مجھے الٹی میٹم دے رکھا ہے کہ اگر میں نے ایک ہفتے کے اندر اندر قاتلوں کو پکڑ کر دربار میں پیش نہ کیا تو مجھے نوکری سے جواب دے دیا جائے گا۔

عنبر بولا۔

”اب آپ کی نوکری سلامت رہے گی جناب! آپ پولیس کی پارٹی لے کر غار میں جائیں اور ان لوگوں کو گرفتار کر لیں“۔

ناگ نے کہا۔

”لیکن آپ کو گولہ بارود ساتھ لے جانا ہوگا۔

وحشی آدم خور تیروں اور خنجروں سے پوری طرح مسلح تھا“۔

موٹے تھانے دار نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں جناب! میں ایک توپ لے جا کر غار کے منہ پر لگا دوں گا۔ میں گولہ باری کر کے ساری چٹانیں اڑا دوں گا مگر ان وحشی آدم خوروں کو زندہ یا مردہ ضرور پکڑ لوں گا۔ انہوں نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے“۔

”تو پھر صبح صبح حملے کے لیے تیار ہو کر سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس آ جائیں۔ ہم وہاں آپ کا انتظار کریں گے“۔

دوسرے روز موسو نے تھانے دار نے ایک دستہ اور ایک چھوٹی توپ ساتھ لی اور سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔

عنبر اور ناگ وہاں پہلے سے ہی کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر سپاہی کے کندھے پر بندوق تھی۔

تھانے دار نے کہا۔

"کہاں ہے وہ غار مسٹر عنبر؟"۔

عنبر اور ناگ انہیں غار کے منہ پر لے گئے۔

موسو نے تھانے دار نے گھوڑے سے اتر کر سپاہیوں کو آگے بڑھنے کے لیے کہا۔

سپاہی بندوقیں لیے غار کے منہ پر آ گئے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے توپ کو بھی ساتھ ہی لے چلیں کیونکہ صرف یہی ایک ہتھیار ایسا ہے جس کے آگے انسان وحشی آدم خوروں کی ایک نہ پیش جائے گی"۔

"ٹھیک ہے"۔

چنانچہ اسی وقت توپ کو آگے کیا گیا اور اس کے پیچھے سپاہی تھانیدار، عنبر اور ناگ غار میں داخل ہوئے۔

نوک دار پتھر پر چلتے ہوئے موسو نے تھانے دار کو سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ ہانپتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس

پر خوف لرزہ بھی طاری تھا۔

"مسٹر عزیز! ابھی اور کتنی دور چلنا ہے ہمیں؟"۔

ناگ بولا۔

"بس تھوڑی دور اور جائیں گے"۔

ایک جگہ موڑ گھومتے ہی انہیں روشنی نظر آئی۔ اس روشنی میں تھانے دار نے کچھ آدم خور وحشی دیکھے جو کسی انسان کے گوشت کے ٹکڑے کر رہے تھے۔

نہ جانے ان وحشیوں کو کس طرح سے پتہ چل گیا کہ دشمن ان کے غار میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ تیر کمان لے کر آگے بڑھے۔

ایک وحشی نے چیخ ماری اور تیر چلا دیئے۔ اگر

ناگ عین وقت پر تھانے دار اور سپاہیوں کو زمین پر لیٹ جانے کو نہ کہتا تو تیروں سے کئی لوگ ہلاک ہو جاتے۔

ناگ نے چیخ کر کہا۔

"سنو! اپنے ہتھیار پھینک دو وحشی لوگو! ہمارے پاس توپ ہے۔ ہم اسے چلا کر تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے"۔

آدم خوروں کا سردار بھو نچکا ہو کر رہ گیا۔ مگر اس نے جواب دینے کی بجائے تیروں کی ایک اور بوچھاڑ مارنے کو کہا۔

سن سن کرتے تیر سپاہیوں کے سروں پر سے

گذرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"توپ چلا دو۔ منہ کیا دیکھتے ہو ان قاتلوں کا؟"۔

تھانے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"فائر!"۔

"دھائیں"۔

ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ بارود کا دھواں پھیلا۔

جب دھواں چھٹا تو غار میں کئی آدم خوروں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

سپاہی آگے بڑھے۔ عنبر سب سے آگے تھا۔ وہ

کھوہ کے منہ پر آ گیا جس کے اندر انسانی اعضا کے ٹکڑے چھت سے لٹک رہے تھے۔

ایک جانب سے کسی وحشی نے کلہاڑی سے عنبر پر حملہ کر دیا۔ کلہاڑی کا پھل سیدھا عنبر سر پر آ کر لگا۔ اس کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا ہوتا مگر عنبر پر کلہاڑی کی ضرب کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ الٹا کلہاڑی کا پھل ٹوٹ کر گر پڑا۔

عنبر نے پلٹ کر حملہ کرنے والے وحشی کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور پوری طاقت سے سامنے والی دیوار کے ساتھ پٹخ دیا۔

وحشی آدم خور کی کھوپڑی ٹوٹ کر بکھر گئی۔

سامنے والی غار سے کوئی ایک اور وحشی آدم خور تیر کمان اور خنجر لیے نکل آئے۔ سپاہیوں نے بندوقوں کی باڑھ ماری۔

کتنے ہی وحشی آدم خور خون میں لت پت گر پڑے۔ باقی وحشی آدم خوروں نے ہتھیار ڈال دیے۔

موٹا تھانے دار ان سب کو زنجیریں پہنا کر گرفتار کر کے غار سے باہر لے آیا۔

یہ وحشی تعداد میں گیارہ تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ باقی سارے آدم خور ہلاک ہو چکے تھے۔ ان وحشیوں کو چھکڑے پر بٹھا کر دربار میں لایا گیا۔

ملکہ نے تھانے دار کو انعام دیا۔ ترقی دی اور حکم دیا کہ ان وحشی آدم خوروں کو اذیت ناک موت دی جائے۔

دوسرے روز ان گیارہ آدم خوروں کو الگ الگ زمین پر لوہے کی سلاخ سے باندھ دیا گیا۔ ان کے ارد گرد گیلی اور خشک لکڑیاں چن دی گئیں۔

گیلی لکڑیاں اس لیے کہ آگ آہستہ آہستہ سلگے اور وہ اذیت کے ساتھ جل جل کر مریں۔

خشک لکڑیوں کو آگ دکھا دی گئی۔ خشک لکڑیوں نے ایک دم سے آگ پکڑ لی۔

گیلی لکڑیوں نے ہولے ہولے سلگنا شروع کر

دیا۔ آخر آگ کے شعلوں اور دھوئیں نے ان آدم خور وحشیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

عنبر اور ناگ کو بھی خدمت کے تمغے دیئے گئے۔

مگر انہیں ان انعاموں اور تمغوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ان کا دل تو اپنی بہن ماریا کی طرف مچل رہا تھا۔

چنانچہ ایک روز وہ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے اور ملک مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ جہاز کافی بڑا تھا اور مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔

اس کے بادبان بھی تھے اور دخانی جہاز بھی تھا۔ رفتار اس کی زیادہ نہ تھی۔ رات کو عنبر اور ناگ نیچے کے

عرشے پر آ گئے۔

ان کا ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ کیبن کا دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ وہ ماریا کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

انہیں یقین تھا کہ مصر میں انہیں ماریا ضرور مل جائے گی۔

پیارے بچو! اب ذرا ماریا کی طرف چلتے ہیں۔

یہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ ماریا ایک جہاز کے سٹور میں قید ہو گئی تھی۔ وہ تو غائب ضرور تھی مگر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

اس نے بہت کوشش کی، دروازہ کھولنے کی مگر

دروازہ اس قدر مضبوط لوہے کا تھا کہ وہ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا تھا۔ مجبور ہو کر ماریا نے ہتھیار ڈال دیئے اور جدھر جہاز جا رہا تھا اس طرف جانے پر راضی بہ رضا ہو گئی۔

راستے میں وہ سٹور روم میں رکھے پھل اور شربت سے اپنی بھوک اور پیاس بجھاتی رہی۔ جہاز ایک مہینے کے بعد مصر کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔

ماریا سٹور میں ہی بیٹھی تھی۔ اس نے انجنوں کے بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔ اب وہ اس انتظار میں تھی کہ کوئی آ کر سٹور کا دروازہ کھولے اور وہ باہر نکلے۔

کافی دیر بعد اسے باہر سے تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ہوشیار ہو گئی۔ اتنے میں سٹور روم کا دروازہ کھلا۔ روشنی اندر آئی۔

ماریا نے گہرا سانس لیا۔ روشنی کے ساتھ ہی تازہ ہوا بھی اندر آئی۔ ماریا نے گہرا سانس لیا۔

اسے اپنے بدن میں تازہ خون کی گردش محسوس ہوئی۔

سٹور روم میں مزدور آ کر صندوقوں اور بوریوں کو اٹھانے لگے۔ انہوں نے جگہ جگہ پھل کے چھلکے بکھرے ہوئے اور شربت کی بوتلیں کھلی دیکھیں۔

تو بڑے حیران ہوئے۔ ان کو حیران چھوڑ کر

ماریا جہاز کے اوپر آ گئی۔ یہاں دھوپ اور روشنی تھی۔

ماریا نے آنکھیں بند کر کے خوشی کا لمبا سانس لیا۔

اس کے بعد وہ سیڑھی پر سے اتر کر نیچے بندرگاہ پر آ گئی۔ ایک مہینے کے بعد زمین پر پاؤں رکھنے سے اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔

وہ بندرگاہ سے باہر آ گئی۔ اس کا لباس گندہ ہو گیا تھا۔ پھٹ بھی گیا تھا۔ اگرچہ اس کے لباس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ اس کا لباس صاف ستھرا ہو۔

وہ بندرگاہ سے باہر آ گئی۔ مصر میں وہ آج سے ہزاروں برس پہلے بھی رہا کرتی تھی۔ اس وقت کے

مصر اور آج کے مصر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ٹیکسیاں اور گھوڑا گاڑیاں چل رہی تھیں۔

لوگ پرانی خوبصورت مسجدوں میں نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ نیلے آسمان پر سفید کبوتروں کی ٹولیاں اڑ رہی تھیں۔

ماریا بندرگاہ سے نکل کر ایک بازار میں چلنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ایک چھتے ہوئے بازار میں آ گئی۔ یہاں دکانوں میں طرح طرح کی چیزیں بک رہی تھیں۔ ماریا نے دیکھا ایک دکان میں عورتوں کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔

ان میں ایک لباس اسے پسند آ گیا۔ وہ دکان

کے اندر آ گئی۔

دکان میں قالین بچھے تھے الماریوں میں زنانہ لباس لٹکے ہوئے تھے۔ ایک عورت کرسی پر بیٹھی میز پر کوئی کتاب رکھے پڑھ رہی تھی۔

ماریا نے ایک لباس اپنے لیے پسند کرلیا۔ اب وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ عورت اٹھ کر باہر جائے تو وہ الماری میں سے لباس نکال کر پہنے۔

مگر عورت اٹھتی ہی نہیں تھی تنگ آ کر ماریا نے الماری کھول دی۔

الماری کے کھلنے کی آواز سن کر عورت نے سر اٹھا کر دیکھا۔ الماری کا پٹ کھلا تھا۔

"یہ کس نے کھول دیا؟"۔

وہ حیران ہو کر اٹھی۔

اس نے الماری دوبارہ بند کردی اور واپس مڑی۔

جونہی وہ واپس ہوئی اور اس کی پیٹھ ماریا کی طرف ہوئی ماریا نے جلدی سے الماری کھول کر ایک جوڑا نکال لیا۔

جوڑا اس کے ہاتھوں میں آتے ہی غائب ہو گیا۔

الماری کھلنے کی آواز سن کر دوبارہ پلٹی۔ دیکھتی کیا ہے کہ الماری پھر سے کھلی ہے۔

اور ایک زنانہ جوڑا غائب ہے۔ بڑی پریشان ہوئی۔ جھک کر یہاں وہاں دیکھا مگر کہیں کچھ نہیں تھا۔

حالانکہ ماریا اس کے قریب کھڑی تھی۔ ماریا چپکے سے ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور اس نے لباس تبدیل کر لیا۔ لباس پہن کر دوبارہ آئی تو اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔

اس بازار کے نکڑ پر ایک ہوٹل تھا جہاں گوشت اور پلاؤ گرم گرم نان بک رہے تھے۔ لوگ بڑے مزے سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

ماریا بھی ہوٹل میں آ گئی۔ اس نے بڑے آرام سے ایک تھال میں سے دو نان اور کچھ کباب اٹھائے اور ایک میز پر آ کر بیٹھ کر کھانے لگی۔

ہوٹل والے نے دو نان اپنی جگہ سے اوپر ہو کر غائب ہوتے دیکھے تو سر کو جھٹک کر پھر دیکھنے لگا۔

اس بار دوسرے تھال میں سے کچھ کباب اپنی جگہ سے اٹھے اور وہ بھی غائب ہو گئے۔ ہوٹل والے نے آنکھیں زور زور سے ملیں اور بیرے کو آواز دے کر کہا۔

”عبدل!“۔

”جی حضور!“۔

”کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟“۔

”کیا مطلب حضور؟“۔

”میرا مطلب ہے میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟“۔

"نہیں حضور! یہ دن کا وقت ہے۔ آپ ہوٹل کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ خواب کہاں سے آ گیا؟"۔

ہوٹل کے مالک نے سر جھٹک کر کہا۔

"تو پھر اس تھال میں سے کباب اور نان کہاں غائب ہو گئے"۔

عبدل نے تھال کو دیکھا اور پھر مالک کو دیکھا۔

"سرکار! یہاں تو سارے نان کباب رکھے ہوئے ہیں۔ غائب کہاں ہوئے ہیں؟"۔

"ارے نہیں الو کے بچے! ابھی ابھی یہاں سے دو نان اور کباب میں نے خود اپنی آنکھوں سے گم ہوتے دیکھے ہیں"۔

عبدل نے جھک کر اپنے مالک کو دیکھا اور دوسری طرف بھاگ گیا۔

ماریا نے بڑے آرام سے کھانا کھایا۔ پانی اس کے پاس نہیں تھا۔ کسی نوکر کو وہ آواز تو دے نہیں سکتی تھی۔

اس کے ساتھ والی میز پر ایک شخص بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ پانی کی صراحی اس کے آگے دھری تھی۔ ماریہ نے بڑے اطمینان سے صراحی اٹھائی اور پانی پینا شروع کر دیا۔

اس آدمی نے صراحی میز پر سے غائب ہوتی دیکھی تو کھانا کھاتے کھاتے اٹھ کر بھاگا۔ سیدھا ہوٹل

کے مالک کے پاس جا کر بولا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ صراحی"۔

ہوٹل کے مالک نے پوچھا۔

"کیا۔ کیا۔ کیا صراحی؟"۔

گاہک بولا۔

"وہ۔ وہ صراحی غائب ہو گئی ہے"۔

ہوٹل کے مالک نے پلٹ کر میز پر دیکھا۔ صراحی وہاں رکھی تھی۔ ماریہ نے پانی پینے کے بعد صراحی دوبارہ وہاں رکھ دی تھی۔ گاہک نے کہا۔

"خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے صراحی غائب ہوتے دیکھی ہے"۔

ہوٹل کے مالک نے عبدل کو آواز دی۔

"عبدل؟"۔

"جی حضور!"۔

"میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں خواب دیکھ رہا ہوں"۔

ہوٹل کا مالک سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ماریا اچھی طرح سے کھا پی کر ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ آتی دفعہ اس نے میز پر ایک اشرفی رکھ دی تھی۔ اب جو وہ اشرفی ہوٹل کے مالک نے دیکھی تو غش کھا کر گر پڑا۔

کیونکہ وہ اشرفی ایک ہزار برس پرانی تھی۔ ماریا

شہر سے نکل کر باہر آ گئی۔

یہاں کھجور کے بے شمار باغ تھے۔ اسے کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں وہ رات کو اپنا ٹھکانہ بنا سکے۔ کیونکہ معلوم نہیں ابھی اسے کتنے دن اس شہر میں رہنا تھا۔

ایک باغ میں سے گزرتے ہوئے اس نے ایک جھونپڑی دیکھی۔ اس جھونپڑی میں ایک بوڑھی عورت لکڑی کے تخت پر بیٹھی کپڑے سی رہی تھی۔

ماریا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور باغ سے باہر نکل آئی۔ یہاں سے ایک سڑک ریت میں سے گزرتی ہوئی دور اہرام مصر کو جا رہی تھی۔

ماریا نے تو پہلی بار مصر کے اہرام نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی ان اہراموں میں آ چکی تھی۔

"کیوں نہ میں ان اہرام میں رات بسر کروں؟"۔

یہ خیال ماریا کو اچھا لگا۔ اہرام پرسکون جگہ ہوتی ہے۔ وہاں کوئی اس کو پریشان نہیں کرے گا۔ یہ سوچ کر وہ اہرام کی طرف چل پڑی۔

ایک اہرام کے قریب جا کر اس نے دیکھا کہ خیمہ لگا ہے اور مزدور اہرام کی کھدائی کر رہے ہیں۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ لوگ کھدائی کیوں کر رہے ہیں؟۔

خیمے میں ایک انگریز اپنے ساتھی کے آگے میز پر

نقشہ رکھے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔

موٹا انگریز کہہ رہا تھا۔

"اس نقشے کے حساب سے ہمیں ابھی ایک اور چٹان کی کھدائی کرنی ہوگی۔ اس کے آگے اہرام میں ایک دیوار آئے گی۔ اس دیوار کے اندر جو اہرام ہے وہاں مصر کے بادشاہ رعمیس کا خزانہ دفن ہے"۔

ساتھی انگریز کی باچھیں کھل گئیں۔

"کیا ہم اس خزانے تک پہنچ سکیں گے؟"۔

"کیوں نہیں"۔

موٹے انگریز نے کہا۔

"آخر ہم نے اتنی محنت کس لیے کی ہے؟ میں نے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ محض اس لیے کہ ایک دن مجھے اہرام کا قیمتی خزانہ مل جائے گا۔ جانتے ہو اس خزانے میں کیا کیا ہے؟"۔

"کیا کیا ہے؟"۔

انگریز کے ساتھی نے پوچھا۔

"سونے کے پلنگ، سونے کے صوفے، سونے کی کنگھی، سونے کی اینٹیں، سونے کے تابوت اور سونے کے ایسے ایسے زیورات اور جواہرات جو تم نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے"۔

دوسرے انگریز کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تو پھر ہمیں کھدائی جلدی کرنی چاہیے"۔

فکر نہ کرو۔ مصر کا پاشا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے اسے آدھا خزانہ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مگر ہم اسے ایک پائی بھی نہیں دیں گے۔

ہم خزانہ راتوں رات اونٹوں پر لاد کر یہاں سے سمندر کی جانب روانہ کر دیں گے جہاں سے وہ ہمارے جہاز پر لاد دیں گے اور جہاز رات کی تاریکی میں اپنی منزل پر روانہ ہو جائے گا۔

"بڑی اچھی ترکیب ہے"۔

ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ رعمیسر فرعون مصر کا خزانہ یوں لوٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ عنبر اس فرعون مصر

سے مل چکا تھا۔

اس نے بتایا تھا کہ مصر کا یہ بادشاہ بڑا رحمدل تھا اور غریبوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ ماریا ساتھ والے اہرام میں آ گئی۔ یہاں باہر کی دھوپ اور گرمی بالکل نہیں تھی۔

ماحول بڑا ٹھنڈا تھا۔ ماریا نے یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دیوار کے ساتھ بڑا آرام دہ چبوترہ تھا۔ ماریا اس چبوترے پر چڑھ کر لیٹ گئی۔

وہ دوپہر کو تھکی ہوئی تھی۔ وہ سو گئی۔ کافی دیر تک وہ سوتی رہی۔ سو کر اٹھی تو تازہ دم تھی۔ اہرام سے باہر نکلی تو شام ہو گئی تھی۔

انگریزوں کے خیمے میں موم بتی جل رہی تھی۔ شاید وہ لوگ کھانا وغیرہ کھا پی رہے تھے۔ ماریا کو بھوک محسوس ہوئی وہ خیمے میں آ گئی۔

میز پر قسم قسم کے پھل اور کھانے لگے تھے۔ دونوں انگریز لٹیرے کھانا کھا رہے تھے۔

ماریا نے یہاں بھی وہی کام کیا۔ یعنی آگے ہاتھ بڑھا کر اپنی پسند کا کھانا اور بھنی ہوئی مچھلی اٹھائی اور خیمے سے باہر نکل گئی۔

دونوں انگریزوں نے میز سے اچانک دو تھالیاں غائب ہوتے دیکھیں تو پریشان ہو گئے۔ موٹے انگریز کا نوالہ وہیں رہ گیا۔ اس کا ساتھی بھی خوفزدہ سا ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

"یہ تھالیاں کہاں غائب ہو گئیں؟"۔

موٹے انگریز نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھولے خیمے میں تکتا رہا۔ اس کا ساتھی پھر بولا۔

"اہرام مصر کے بادشاہ کی روح یہاں آ گئی ہے"۔

موٹے انگریز نے کہا۔

"بادشاہ کی روحیں بھوکی نہیں ہوا کرتیں۔ انہیں ہماری میز پر سے کھانے کی تھالیاں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی روحوں کو بھوک نہیں لگا کرتی"۔

"تو پھر تھالیاں کہاں غائب ہو گئیں؟"۔

اس کا جواب موٹے انگریز کے پاس بالکل نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ دل میں ضرور ڈر رہا تھا۔

اتنے میں عبدل نام کا ان کا مصری ملازم شربت لے کر آ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ تھالیاں گم ہو گئیں۔ تو وہ بولا۔

"جناب! میں نہ کہتا تھا کہ کھدائی نہ کریں۔ مصر کے بادشاہ کی روح آپ سے انتقام لے گی"۔

"بکواس بند کرو عبدل!"

موٹے انگریز نے اسے ڈانٹ دیا۔

عبدل خاموشی سے شربت میز پر رکھ کر باہر نکل گیا۔ دوسرے خیمے میں وہ چائے تیار کرنے لگا۔ ماریا نے اسی خیمے میں آ کر کھانا کھایا۔

اسے معلوم تھا کہ عبدل مصر کا باشندہ ہے اور اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ باہر کے لوگ آ کر ان کے اہرام کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں۔

ماریا خاموشی سے اپنے اہرام میں آ گئی۔ کچھ دیر تک وہ ناگ اور عنبر کے بارے میں سوچتی رہی پھر سو گئی۔

رات کو نہ جانے کس وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ کمرے میں ہلکی ہلکی نیلی روشنی سی

پھیلی ہے۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

اسے آہستہ آہستہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جیسے کوئی بڑے آرام سے اس کی جانب چلا آ رہا ہے۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

آواز قریب آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کافور کی بڑی تیز بو پھیل گئی تھی۔ یہ بو مصر کی پرانی گلیوں سے آیا کرتی تھی۔

ماریا نے دیکھا کہ کمرے سے جو تنگ سا راستہ دوسرے اہرام کو جاتا تھا۔ ادھر ہلکا سا دھواں اٹھا۔ ایک ستون سا دھوئیں کا کھڑا ہو گیا۔

پھر یہ ستون پتلا ہوتے ہوتے ایک مصری ممی کی شکل اختیار کر گیا۔ ممی قریب آ کر رک گئی۔ ماریا تھوڑی تھوڑی ڈری۔

ممی کے سر پر سونے کا تاج تھا جس میں سونے کا ایک سانپ پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ ممی کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

باقی اس کے سارے بدن پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

ممی کا چہرہ پتھر کی طرح ساکت ہو تھا۔ آنکھیں اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں جدھر ماریا کھڑی تھی۔ کہ ممی کی بھاری، خشک کھردری سی آواز

سنائی دی۔

"ماریا!"

ماریا اچھل پڑی۔ ممی بولی تھی اور اس نے ماریا کا نام لے کر پکارا تھا۔ تو کیا وہ اس کا نام بھی جانتی ہے؟ ممی نے پھر کہا۔

"ماریا! میں رعمیس ہوں۔ فرعون مصر دریائے نیل کا شہنشاہ۔"

میں ساتھ والے اہرام سے اٹھ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس وقت میرا تابوت خالی ہے یہ لوگ میرا خزانہ لوٹنے آئے ہیں۔

ان کی وجہ سے میں پریشان ہو گیا ہوں۔ میں پانچ

ہزار سال سے اپنے اہرام کے تابوت میں سکون کی نیند سو رہا تھا کہ ان ڈاکوؤں نے آ کر مجھے پریشان کر دیا ہے۔

ماریا نے کہا۔

"اے شہنشاہ! آپ کیا چاہتے ہیں؟"۔

فرعون مصر کی ممی نے کہا۔

"میں نہیں چاہتی کہ یہ لوگ میرا خزانہ چرا کر لے جائیں۔ یہ میرا خاندانی خزانہ ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی شہنشاہ! یہ لوگ آپ کے خزانے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ

آرام سے واپس اپنے تابوت میں جا کر سو جائیں"۔

ممی کے ہونٹ ساکت ہو گئے۔ اس کے پتھر جیسے چہرے پر گہری خاموشی چھا گئی اور وہ سکون کے ساتھ واپس مڑی اور اندھیرے کا ستون بن کر گرجے کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔

ماریا دم بخود اسے جاتے دیکھتی رہی۔ وہ اپنے اہرام سے نکل کر باہر انگریزوں کے خیمے میں گئی، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ خیمہ بالکل خالی تھا۔

ماریا حیران ہوئی کہ یہاں گئے ہیں۔ ساتھ والے خیمے میں مصری نوکر عبدل گہری نیند سو رہا تھا۔

ماریا نے صحرائی چاندنی میں ریت پر ان انگریزوں کے قدموں کے نشان دیکھے۔ وہ ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

☆قدموں کے پراسرار نشان ماریا
کو کہاں لے گئے؟

☆مصر کے فرعون نے کیوں کر انتقام لیا؟

☆عنبر اور ناگ نے مصر پہنچ کر کیا دیکھا؟۔

یہ آپ اس ناول کی 62 ویں قسط میں پڑھیے

دیوی کمپالا کا جال

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

اے حمید

دیوی کمپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا نمبر 62)

فہرست

فرعون کی ممی
دیوی کمپالا کا جال
مگرمچھ کا سینگ
سو برس کے بعد
ماریا کہاں، ناگ کہاں؟
خوفناک گوریلے

پیارے بچو!

ماریا انگریز لٹیروں کے ساتھ ساتھ اہرام مصر میں داخل ہوئی۔ فرعون کے خزانے کو بچانے کی وجہ سے فرعون کی روح نے اسے سفید موتی دیا۔

ماریا کی اگلے روز مصر میں ہی ناگ اور عنبر سے ملاقات ہوگئی۔ تینوں ایک سرائے میں آرام کر رہے تھے کہ ماریا سیر کرنے دریا کنارے نکل گئی۔

یہاں سے ایکدم ایسا ہوا کہ قدرت نے اسے

ایک سو برس آگے پھینک دیا۔

اس نے آنکھ کھولی تو وہ برما کے جنگلوں میں تھا، جہاں جاپانی بم برسا رہے تھے۔ عنبر نے آنکھ کھولی تو وہ انگلستان کے ایک ویران سٹیشن پر بیٹھا تھا اور جرمن بمبار حملہ کرنے چلے آ رہے تھے۔

ماریا نے پیرس پہنچ کر محب وطن گوریلوں کی مدد کرنی شروع کر دی۔ تینوں بہن بھائی ایک بار پھر بچھڑ گئے تھے۔

ماریا کو فرانس میں کن حالات سے پالا پڑا۔

یہ آپ اس ناول میں پڑھیں گے۔

فرعون کا موتی

ریت پر قدموں کے نشان اہرام مصر تک چلے گئے تھے۔

ماریا ان نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی گئی۔

یہ نشان ان دونوں انگریز لٹیروں کے تھے جو سیاحوں کے بھیس میں مصر میں فرعون کا خفیہ خزانہ لوٹنے آئے تھے۔

انہوں نے اہرام کے پاس خیمے لگا رکھے تھے۔ ان کا ملازم عبدل خیمے میں بے خبر سو رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملک کا خزانہ دوسرے ملک کے لوگ لوٹ کر لے جائیں۔

مگر وہ گہری نیند میں سو رہا تھا اور انگریز لٹیرے رعمیز فرعون کے مقبرے میں پہنچ گئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے ماریا بھی چلی آ رہی تھی۔

رات کی موت ایسی خاموشی صحرا میں چھائی تھی۔ آسمان پر ستارے ڈھیر سے چمک رہے تھے۔ قدموں کے نشان فرعون کے مقبرے کے دروازے پر آ کر ختم ہو گئے تھے۔

ماریا نے دیکھا، فرعون کے مقبرے کی دیوار کھلی ہے۔ وہ مقبرے میں داخل ہو گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر چلنے لگی۔

ذرا دور جانے کے بعد مقبرے کی تاریکی میں ہلکی ہلکی روشنی ہوئی۔

یہ روشنی اس لیمپ کی تھی جو انگریز لٹیروں نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا اور وہ اہرام میں رستہ تلاش کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔

ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ جب وہ روشنی کے قریب پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک کھوہ میں سے اندر گذرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لوہے کی ایک سلاخ کی مدد سے انہوں نے ایک جگہ سے بھاری پتھر ہٹا لیا تھا اور وہاں اتنا راستہ بن گیا تھا کہ ایک آدمی اس میں سے گذر سکے۔

دونوں انگریز لٹیرے اس میں سے باری باری اندر گذر گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے اندر چلی گئی۔

جب وہ اندر داخل ہوئی تو حیران رہ گئی۔ ڈیڑھ مربع اونچا اور کافی کھلا ایک کمرہ تھا جو زرو جواہرات کے کھلے صندوقوں اور سونے چاندی کی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔

جواہرات کے ہار صندوق سے باہر پڑے تھے۔

کونے میں سونے کے بت رکھے تھے۔ بیچ میں فرعون ریمیز کی ممی ایک تابوت میں آرام کر رہی تھی۔

اس کے سر پر بھی سونے کا تاج تھا۔

لٹیرے تو خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے جواہرات اور سونے کی ڈلیاں اٹھا اٹھا کر اپنی جیبیں بھرنی شروع کر دیں۔

ایک نے فرعون کے سر پر سے تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ٹھیک اس وقت فرعون کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز صرف ماریا کو سنائی دے سکتی تھی۔

فرعون نے کہا۔

ماریا! یہ لوگ میرے آباؤ اجداد کا خاندانی خزانہ

لوٹ کر لے جانا چاہتے ہیں۔

اپنا وعدہ پورا کرو اور ان سے مجھے نجات دلاؤ۔ نہیں تو میں ابھی سیلاب بن کر اٹھوں گا اور سارے مصر شہر کے مکانوں کو بہا کر لے جاؤں گا۔

ماریا نے کہا۔

”فرعون! فکر نہ کرو۔ یہ لوگ تمہارا خزانہ لوٹنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے“۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے ایک بت کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار کھینچ کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔

انگریز لٹیرے سونے کے ہاروں سے بھرے ہوئے صندوق پر جھکے ہوئے تھے۔

ماریا نے تلوار مار کر ایک انگریز کی گردن اڑا دی۔

دوسرے انگریز نے حیران ہو کر پیچھے دیکھا۔

دوسری تلوار نے اس کی گردن بھی اڑا دی۔ دونوں کی لاشیں وہاں پڑی تڑپنے لگیں۔ ماریا نے سونے کا تاج پھر سے فرعون کے سر پر رکھ دیا۔

فرعون کی آواز آئی۔

شاباش! ماریا تو نے میری روح کو خوش کر دیا ہے۔ میرے سرہانے ایک سفید موتی تمہیں ملے گا۔ اسے اپنے پاس رکھ لو۔ مصیبت اس وقت یہ تیرے کام آئے گا۔

ماریا نے موتی اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اس نے کہا۔

"اے فرعون کی روح؟ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ میرے بھائی عنبر اور ناگ کہاں ہیں؟"۔

فرعون کی روح نے کہا۔

"عنبر اور ناگ اس وقت ایک جہاز پر سوار مصر کی جانب آ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا"۔

ماریا نے فرعون کے مقبرے کی دیوار کو پھر سے پتھر لگا کر بند کیا اور اہرام سے باہر آ گئی۔ باہر رات ڈھلنے لگی تھی۔

ستارے آسمان پر ماند پڑ رہے تھے دور صبح کی

روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔

ماریا انگریزوں کے خیمے میں آ گئی ان کا نوکر عبدل جاگ پڑا تھا اور حیرانی سے انگریزوں کے خالی بستروں کو دیکھ رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

عبدل! میں فرعون کی روح سے مل کر آ رہی ہوں۔

تمہارے مالک ڈاکو تھے۔ وہ فرعون کا خزانہ چوری کرنے آئے تھے۔ ان کی لاشیں فرعون کے مقبرے میں بند پڑی ہیں۔

عبدل نے چونک کر ڈرتے ڈرتے چاروں

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ۔ ماریا قسط نمبر 62)

طرف دیکھا اور زمین پر بیٹھ گیا۔

"تم کون ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بھی ایک روح ہوں۔ اب تم آزاد ہو۔ انگریزوں کا سارا سامان اب تمہارا ہے"۔

اتنا کہہ کر ماریا وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہونے لگی تو اس نے دیکھا ذرا قریب ہی ایک اونٹ بیٹھا تھا۔ اس نے کہا۔

"عبدل! اس اونٹ پر کجاوہ رکھ دو۔ میں اس پر سوار ہو کر شہر جاؤں گی"۔

عبدل نے جلدی سے ڈرتے ڈرتے پر کجاوہ ڈال دیا۔

پھر بولا۔

"اے روح! کیا تم اونٹ کے بغیر سفر نہیں کر سکتیں؟"۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"نہیں! میں وہ روح نہیں ہوں"۔

اور اونٹ پر سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی۔ ماریا شہر کے قریب سے ہو کر دریائے نیل کے کنارے آ گئی۔ یہاں بندرگاہ تھی۔

جہاں دور دور سے جہاز آ کر کھڑے ہوتے

تھے۔ اس نے اونٹ کو چھوڑ دیا۔ بندرگاہ پر مزدور کام کر رہے تھے۔

ایک خالی جہاز پر سامان لادا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی سے پوچھنا چاہیے کہ باہر سے جہاز کب آ رہا ہے۔ مگر وہ پوچھے کس طرح سے؟ ماریا ایک دکان کے باہر آ کر رک گئی۔

یہاں کچھ لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ ماریا دکان کے اندر جا کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔

اس نے ایک روٹی اٹھا کر کھانی شروع کر دی۔

پھر قہوے سے بھری ہوئی ایک پیالی اٹھائی اور قہوہ پینا

شروع کر دیا۔

جس شخص کے آگے سے قہوے کی پیالی غائب ہوئی تھی۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

دکاندار نے پوچھا۔

"تمہاری پیالی کہاں چلی گئی؟"۔

وہ آدمی بولا۔

"وہی تو میں تلاش کر رہا ہوں"۔

ماریا ہنستی رہی اور قہوہ پیتی رہی۔ قہوہ پینے کے بعد اس نے ایک آدمی کے کان کے پاس جا کر پوچھا۔

"جہاز کب آ رہا ہے؟"۔

دیوی کپالا کا جال (عمروناگ۔ ماریا قسط نمبر 62)

وہ آدمی ایک دم سے اچھل پڑا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگا کہ سوال کس نے کیا ہے؟

جس عورت نے سوال کیا تھا، وہ اسے نظر نہیں آ رہی ہے؟۔

اب وہ آدمی اپنی جگہ سے خوف زدہ ہو کر اٹھا اور دکان سے باہر بھاگ گیا۔ ماریا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ اس کے قہقہے کی آواز دکان میں بیٹھے سارے آدمیوں نے سنی۔

دکان میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ سب حیران تھے کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ جبکہ اندر کوئی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ماریا نے ایک بار پھر پوچھا۔

”بھائیو! میں ایک عورت ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ باہر سے آنے والا جہاز بندرگاہ پر کب آ کر لگے گا؟“۔

اب تو ہر کوئی ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھنے لگا۔

ماریا نے ایک بار پھر کہا۔

”تم لوگ بتاتے کیوں نہیں ہو؟“۔

اس پر سارے کے سارے گاہک دکان سے اٹھ دوڑے۔ اب وہاں صرف دکاندار باقی رہ گیا۔ ماریا نے اس کے قریب جا کر کہا۔

”بھائی! تم ہی بتا دو کہ جہاز کب آ رہا ہے؟“۔

دکاندار خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”کل صبح جہاز آئے گا“۔

اتنا کہہ کر وہ غش کھا کر گر پڑا۔

ماریا ہنستی ہوئی دکان سے نکلی اور شہر میں آ گئی۔ وہ بازاروں میں گھوم پھر کر سیر کرنے لگی۔ لوگوں کی بڑی رونق تھی۔

خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ چوک میں پھلوں کے ڈھیر لگے تھے۔ دکانیں سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ سپاہی بھی چل پھر رہے تھے۔

ماریا دوپہر تک سیر کرتی رہی پھر وہ تھک کر گئی تو ایک جگہ اس نے ایک موٹے تازے امیر آدمی کو دیکھا جو دو گھوڑوں والی بگھی میں آرام سے مخمل کے گدوں پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔

دو غلام اس کی گاڑی کے باہر سر جھکائے کھڑے تھے۔ امیر آدمی نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

”چلو! گھر چلو“۔

غلام بگھی کے پیچھے ہو گئے۔ سائیس نے بگھی کو چلا دیا۔ ماریا بھی یونہی بگھی کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ مختلف علاقوں سے گزر کر یہ بگھی ایک شاندار حویلی میں داخل ہو گئی۔

یہاں کچھ غلام باغ میں کام کر رہے تھے۔ ماریا

نے دیکھا کہ امیر آدمی کا محل شاندار ہے۔ نوکر چاکر خدمت کر رہے ہیں۔

ایک جگہ غلاموں کی کچی کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ ماریا نے سوچا کہ ان جھونپڑیوں میں سے کسی میں رات بسر کرنی چاہیے۔ امیر آدمی کے محل میں کیا سونا۔ چنانچہ وہ ایک جھونپڑی میں آ گئی۔

اسے کسی کے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آئی۔ وہ اندر گئی تو دیکھا کہ ایک زرد زرد کمزور سی عورت ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھی سر جھکائے رو رہی ہے۔

اتنے میں ایک غلام اندر آیا۔ وہ نوجوان لڑکا تھا۔ عورت بوڑھی سی تھی۔ غلام نے جھک کر کہا۔

”ماں! حوصلہ کرو۔ میں دن رات کام کر کے روپے اکٹھے کروں گا۔ اپنے چھوٹے بھائی کو ظالم امیر کی قید سے آزاد کرا لوں گا“۔

عورت نے کہا۔

”میرے بیٹے! تم مجبور ہو۔ میں بھی مجبور ہوں“۔

ظالم امیر میرے بچے کی آنکھیں نکال دے گا۔ وہ اسے تڑپا تڑپا کر مار دے گا۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

غلام نے کہا۔

”ماں! خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا

چاہیے۔ میرا بھائی ضرور تم سے آن ملے گا"۔

عورت روتی رہی اور غلام اسے تسلی دیتا رہا۔ ماریا کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اس نے اچانک پوچھ لیا۔

"تمہارا بیٹا کہاں ہے ماں؟"۔

اس کی آواز پر عورت نے ایکدم رونا بند کر دیا۔ غلام بیٹا بھی چونک کر جھونپڑی میں تکنے لگا۔ ان کے چہرے خوف زدہ تھا۔

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بھائی! میں کوئی روح نہیں ہوں۔ بلکہ ایک حور ہوں۔ خدا نے مجھے جنت سے تم لوگوں کی دعا قبول کر کے تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے"۔

عورت اسی وقت سجدے میں گر پڑی۔

"یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہم غریب مظلوموں کی دعا سنی"۔

غلام ابھی تک ڈرا ہوا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"ڈرو نہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ مجھے بے دھڑک ہو کر بتاؤ کہ تمہارا بھائی کہاں اور کس جگہ پر قید ہے؟"۔

غلام نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اے مقدس حور! میرے بھائی کو ظالم امیر نے حویلی کے ایک برج میں قید کر رکھا ہے"۔

دیوی کپالا کا جال (عمرو ناگ ماریا قسط نمبر 62)

وہاں حبشی غلام ننگی تلواریں لیے پہرہ دیتے ہیں۔ میرے بھائی کا صرف اتنا قصور تھا کہ اس نے ظالم امیر کے چھوٹے لڑکے کو جھک کر سلام نہیں کیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

میں اسے لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ مگر اس کے بعد تم لوگ یہاں نہیں رہ سکو گے۔ کیونکہ ظالم مالک تم لوگوں کو قتل کروا دے گا۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم دونوں یہاں سے نکل کر دریا کنارے پہنچ کر میرا انتظار کرو۔ میں تمہارے بھائی کو لے کر آ جاؤں گی۔ اس کے بعد تم کسی دوسرے شہر میں چلے جانا۔

غلام کی ماں نے کہا۔

"تم پر خدا کی رحمت ہو مقدس حور! ہم سوڈان میں اپنے گاؤں چلے جائیں گے۔ وہاں ظالم امیر کے لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے"۔

ہمارا قبیلہ وہاں ہماری مدد کرے گا۔

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ ابھی یہاں سے کسی طرح نکل جاؤ اور دریا کنارے اہرام کے پاس میرا انتظار کرو۔ ہاں"۔

"مجھے اتنا بتا دو کہ تمہارے بیٹے کا نام کیا ہے؟"۔

ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس کا نام زمرد ہے۔ اس کے بال چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اور ماتھے پر زخم کا نشان ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"بہتر ہے۔ اب تم لوگ کسی طرح سے یہاں دریا کی جانب نکل جاؤ"۔

عورت اسی وقت اپنے بیٹے غلام کو لے کر دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ ماریا حویلی کے اوپر برج کے پاس آ گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ وہاں دو حبشی پہرہ دے رہے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے نے لمبی بارود والی بندوق سنبھال رکھی ہے۔

ماریا کچھ دیر وہاں کھڑی سوچتی رہی کہ کس طرح سے غلام عمر کو آزاد کر کے اپنے ساتھ لے جائے برج کی کوٹھڑی بند تھی۔

دروازے پر تالہ پڑا تھا۔ ماریا نے قریب جا کر دیکھا۔ تالہ کافی مضبوط تھا۔ لیکن ماریا اسے کھول سکتی تھی۔

لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ دونوں حبشی وہاں سے دور ہو جائیں۔

ماریا نے کچھ دیر سوچا۔ اس کے دماغ میں سوائے اس کے کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی کہ وہ دونوں حبشیوں کو ہلاک کر دے۔

ایسا وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آخر اس نے سوچا کہ کیوں نہ فرعون کے موتی سے مدد لی جائے۔ اس نے جیب سے سفید موتی نکال کر ہاتھ میں لیا اور کہا۔

”اے فرعون کے موتی! میری مدد کر“۔

اسے فرعون کی آواز آئی۔

”ماریا! اس موتی کو ان حبشیوں کی طرف پھینک دے“۔

ماریا نے خاموشی سے موتی دونوں حبشی سپاہیوں کی طرف اچھال دیا۔ موتی ان کے درمیان جا کر گرا تو وہ اس کی طرف لپکے۔

”ارے! یہ موتی تو بڑا قیمتی ہے کہاں سے آ گیا؟“۔

دوسرے حبشی نے کہا۔

”ضرور کسی پرندے کی چونچ سے گرا ہوگا“۔

”ہم اسے بیچ کر رقم آدھی آدھی تقسیم کر لیں گے“۔

”یہ تو بڑا قیمتی موتی معلوم ہوتا ہے“۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک موتی میں سے ہلکا ہلکا سفید دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ حبشی سپاہی تعجب سے اس دھوئیں کو دیکھنے لگے۔ ایک حبشی نے جلدی سے موتی زمین پر پھینک دیا۔ وہ وہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔

دھوئیں نے ان پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے دماغ چکرانے لگے۔ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ بار بار آنکھیں ملتے تھے۔

پھر ان کے گلے بند ہونے لگے اور وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر موتی اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

وہ دروازے کے پاس آئی اور تالے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر زور سے مروڑا۔ تالہ کھٹاک سے ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

ماریا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

دروازہ کھلتے ہی صبح کی روشنی زمرد پر پڑی تو اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ مگر کوئی انسان اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔

غلام نوعمر تھا اور اس کے ماتھے پر زخم کا نشان بھی تھا۔ یہی زمرد تھا۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

”زمرد! میری آواز سن کر گھبرانا نہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔ تمہاری ماں اور بھائی دریا کنارے تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں“۔

زمرد نے حیرت سے پوچھا۔

”مگر۔۔۔ مگر تم۔۔۔“

ماریا نے کہا۔

"یہ وقت سوال کرنے کا نہیں ہے۔ جلدی سے میرے ساتھ یہاں سے بھاگ نکلو"۔

ماریا زمرد کی رہنمائی کرتی اسے محل کی چھت کے پچھلے کنارے پر لے آئی۔

یہاں لکڑی کی سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ غالباً یہ سیڑھی اس لیے رکھی تھی کہ اگر محل میں آگ لگ جائے تو اس کے راستے نیچے اتر کر جان بچائی جا سکے۔

ماریا نے زمرد کو ساتھ لیا اور محل کی چھت سے نیچے اتر آئی۔ ابھی وہ محل کی چار دیواری میں ہی تھے۔ ابھی انہیں دروازے میں سے گزرنا تھا۔

دروازے پر بھی ایک موٹا حبشی بندوق اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے زمرد کے کان میں کہا۔

"تم یہاں درخت کے پیچھے چھپ جاؤ۔ میں راستہ صاف کر کے ابھی آتی ہوں"۔

ماریا موٹے سپاہی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں اس وقت خوش قسمتی سے سوائے اس موٹے سپاہی کے اور کوئی نہیں تھا۔

ذرا پرے کچھ سپاہی آرام کر رہے تھے۔ ماریا نے قریبی کوٹھڑی میں جا کر زور سے ایک برتن نیچے پھینکا۔

موٹا سپاہی جلدی سے اندر آیا کہ یہ شور کس شے کا ہوا ہے۔ جونہی وہ اندر آیا۔ ماریا نے ایک ڈنڈا زور سے اس کے سر پر دے مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ماریا بھاگ کر زمرد کے پاس آئی۔

”جلدی سے بھاگ چلو“۔

دونوں کھلے دروازے میں سے نکل کر باہر میدان میں آ گئے۔ یہاں ایک اونٹ جگالی کر رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

”اس اونٹ پر سوار ہو جاؤ زمرد“۔

زمرد اونٹ پر چڑھ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی چڑھ گئی۔ اونٹ نے دریا کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

انہیں بھاگتے کچھ سپاہیوں نے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے شور مچا دیا اور اپنے اونٹ اس کے پیچھے لگا دیئے۔

دیوی کمپالا کا جال

غلام لڑکے کی ماں اور بھائی دریا کنارے چھپے بیٹھے تھے۔

وہ زمرد کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ماریا، زمرد کو اونٹ پر سوار کروائے دریا کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔

سپاہی اس کے پیچھے لگے تھے۔

ماریا دور نکل گئی۔ فرعون کے مقبرے کے قریب آ کر اس نے زمرد کو اس کی ماں کے حوالے کیا اور کہا۔

"اس مقبرے کی ڈیوڑھی میں چھپ جاؤ دشمن کے آدمی پیچھے لگے ہیں"۔

ماں نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا اور ڈیوڑھی کی اوٹ میں چھپ گئی۔ ماریا راستے میں ایک جگہ کھڑی ہو کر سپاہیوں کا انتظار کرنے لگی۔

زمرد کی ماں نے دیکھا کہ چار سپاہی وہاں آ کر اونٹوں پر سے اتر آئے اور سیدھے ڈیوڑھی میں آ گئے۔

زمرد کی ماں کی چیخ نکل گئی۔ ایک سپاہی نے کہا۔

"پکڑ لو انہیں۔ یہاں چھپے ہیں یہ لوگ"۔

سپاہی زمرد، اس کے بھائی اور اس کی ماں پر ٹوٹ پڑے۔

انہوں نے تینوں کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا۔

زمرد کی ماں نے دہائی دی۔

”اے خدا! ہم پر رحم کر“۔

زمرد نے پکار کر کہا۔

”اے مقدس روح! تو کہاں ہے؟“۔

موٹے سپاہی نے اس کے سر پر تھپڑ مار کر کہا۔

”حرامی! کس کو بلا رہا ہے؟“۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی۔ کہ جسے زمرد بلا رہا تھا۔ وہ اس کے بالکل ہی پاس کھڑی تھی اچانک موٹے سپاہی

کی توند پر کسی نے زور سے لات ماری اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

”کمینو! یہ لات مجھے کس نے ماری ہے؟“۔

موٹا سپاہی اپنے ساتھیوں پر برس پڑا۔ ساتھی سپاہی حیران تھے کہ یہ لات کس نے ماری ہے؟۔

اتنے میں ان سپاہیوں کو بھی ایک ایک لات پڑ گئی۔ سپاہی نے چیخ کر کہا۔

”بھوت! بھوت!“۔

ماریا نے موٹے سپاہی کی گری ہوئی بندوق اٹھا کر ہوائی فائر کر دیا۔ دھائیں کی آواز آئی۔

صحرا گونج اٹھا۔ سپاہی دم دبا کر بھاگے۔ موٹا

سپاہی پیچھے رہ گیا۔ ماریا نے اس کے پاس جا کر زمین پر گولی چلا دی۔

موٹا سپاہی اچھل کر دور جا پڑا۔ اس کی پتلون پھٹ گئی تھی وہ بھی دم دبا کر اٹھ بھاگا۔

ماریا اب زمرد، اس کی ماں اور اس کے بھائی کے پاس آئی۔ اس نے کہا۔

”تم لوگ ان اونٹوں پر سوار ہو کر دریا کنارے سفر کرتے اس ملک کی سرحد سے نکل جاؤ“۔

زمرد کی ماں نے ماریا کا شکریہ ادا کیا۔

”اے مقدس روح! ہم تمہارا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ تم نے میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دیا۔ خدا تمہارا بھلا کرے“۔

”ہاں! اب دیر نہ کرو۔ تمہیں یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جانا چاہئے۔ خدا حافظ!“۔

”خدا حافظ!“۔

ان لوگوں کو رخصت کر کے ماریا واپس بندرگاہ والے علاقے میں آ گئی۔

وہ اسی جگہ کہیں رات بسر کرنا چاہتی تھی، تا کہ دوسرے دن آنے والے جہاز کو دیکھ سکے۔ سوال یہ تھا کہ وہ رات کس مقام پر بسر کرے۔

وہاں اسے ایک دو منزلہ عمارت پر ”سرائے“ کا لفظ لکھا ہوا نظر آیا۔ ٹھیک ہے مجھے اسی سرائے میں

رات بسر کرنی چاہیے۔

ماریا سرائے کے دروازے پر آئی سیڑھیاں اوپر دوسری منزل کو جاتی تھیں۔ ماریا دوسری منزل پر آ گئی۔ یہاں آمنے سامنے چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ جہاں مسافر اترے ہوئے تھے۔

ایک کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا۔ یہ خالی کوٹھڑی تھی۔ ماریا نے تالا توڑ ڈالا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

چھوٹی سی کوٹھڑی میں دیوار کے ساتھ بستر لگا تھا۔ ایک لکڑی کی تپائی پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا تھا۔ ماریا بڑی خوش ہوئی۔

اس نے غسل خانے میں جا کر غسل کیا۔ اسے نئے کپڑوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے میلے ہو رہے تھے۔ اور پھٹ بھی گئے تھے۔ کپڑے کہاں سے حاصل کیے جائیں؟ ماریا نیچے آ گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ سرائے کے سامنے ایک دکان ہے جس کی الماریوں میں زنانہ کپڑے سجے ہوئے ہیں۔

ماریا بڑی خوش ہوئی وہ دکان میں آ گئی۔ دکاندار ایک عورت کو کپڑے دکھا رہا تھا۔ ماریا نے ایک الماری میں ہاتھ بڑھایا۔

گاہک عورت نے کہا۔

"یہ سوٹ مجھے پسند ہے"۔

دکاندار نے سوٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اتفاق سے اس سوٹ کی جانب ماریا ہاتھ بڑھا چکی تھی۔ اس نے سوٹ ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ وہ غائب ہو گیا۔

دکاندار نے گاہک عورت کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ گاہک عورت کی چیخ نکل گئی تھی اور وہ باہر بھاگ اٹھی۔

دکاندار ہکا بکا ہو کر کبھی الماری کو دیکھتا اور کبھی اپنا سر کھجاتا۔

ماریا نے وہیں سوٹ زیب تن کیا اور واپس

سرائے کے کمرے میں آ گئی۔ اتفاق سے اس کمرے کی طرف سرائے کے مالک کی توجہ نہیں ہوئی تھی۔ کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ کمرے کا تالا ٹوٹ چکا ہے۔ ماریا نے ویسے بھی ٹوٹا ہوا تالا دوسری طرف نالے میں پھینک دیا تھا۔

اب ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا کہ یہاں کوئی مسافر آ کر ٹھہرا ہوا ہے۔

شام کے وقت ماریا نے منہ ہاتھ دھو کر چائے پی اور وہ باہر جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی۔

اس نے سوچا سرائے کا کوئی نوکر آیا ہے۔ دروازہ

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

کھول دینا چاہیے۔ جب اندر آ کر اسے معلوم ہو گا کہ اندر کوئی نہیں ہے تو اپنے آپ واپس چلا جائیگا۔ ماریا نے چپکے سے کنڈی کھول دی اور خود بڑے اطمینان سے بستر کی طرف اپنا رومال اٹھانے آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ نوکر وغیرہ جو کوئی بھی ہو گا، اندر آ کر ادھر ادھر دیکھے گا۔

جب اسے وہاں کوئی بھی نظر نہیں آئے گا تو حیران ہو کر یا ڈر کر واپس چلا جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس کی بجائے اس نے ایک آدمی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔

"اے مقدس روح! تجھے دیوی کپالا نے اپنے ہاں دعوت دی ہے"۔

ماریا تو سر سے پاؤں تک لرز گئی۔ آج تک بھی کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا اور اس طرح نہیں بلایا تھا۔

یہ کون شخص ہے جس نے اسے اندر آتے ہی دیکھ لیا۔ ماریا نے پلٹ کر دیکھا۔ سامنے ایک سیاہ رنگ کا ادھیڑ عمر حبشی کھڑا تھا۔

جس کے بال کچھ کچھ سفید ہو رہے تھے ماریا کچھ دیر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ حبشی اس طرف نہیں دیکھ رہا جس طرف وہ کھڑی ہے۔

صاف ظاہر تھا کہ اس نے اسے دیکھا نہیں ہے۔

ماریا یہ دیکھنے کے لیے کہ سچ مچ حبشی نے اسے دیکھا ہے یا نہیں، وہاں سے بڑی خاموشی سے دبے پاؤں ہٹ کر حبشی کے پیچھے آ گئی۔

حبشی ابھی تک سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ حبشی نے اسے بالکل نہیں دیکھا۔ پھر بھی اس نے اسے مقدس روح کہہ کر پکارا تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ اس نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ماریا اس کمرے میں موجود ہے۔

یہ بھی ماریا کے لیے بڑی حیرانی کی بات تھی۔

ماریا نے کہا۔

”تم کون ہو؟ اور دیوی کپالا کون ہے؟“۔

حبشی ہاتھ باندھ کر بولا۔

”مقدس روح! میں دیوی کپالا کا غلام ہوں۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ تم اس وادی میں آئی تو اس نے تمہاری دعوت کا فیصلہ کیا وہ تم سے ملنا چاہتی ہے“۔

ماریا نے پوچھا۔

”دیوی کپالا کہاں رہتی ہے؟“۔

”شہر سے باہر اہرام کے پاس ایک مندر ہے، دیوی کپالا اس مندر میں رہتی ہے۔ اگر تم میرے

ساتھ چلی چلو تو دیوی کو بہت خوشی ہو گی“۔

ماریا نے سوچا کہ چلے چلنے میں کیا حرج ہے۔ بولی۔

”اچھا میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں“۔

حبشی کے ساتھ ہی ماریا کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر کوئی خطرے کی بات ہوئی تو وہ واپس آ جائے گی۔

کیونکہ یہ لوگ اسے دیکھ تو سکتے نہیں۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ یہ دیوی کوئی نیک روح ہو۔ ورنہ اسے کیسے معلوم ہوتا کہ میں سرائے میں اتری ہوئی ہوں۔

باہر ایک گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔

ماریا اس میں سوار ہو گئی۔ گاڑی شہر کی سڑکوں پر شور مچاتی شہر سے باہر نکل کر اہرام کو جانے والی کچی سڑک پر روانہ ہو گئی۔

شام ہو گئی تھی صحرا میں رات کی ہلکی ہلکی سیاہی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے تھے۔ گھوڑا گاڑی صحرا میں سفر کرتی پرانے اہرام کی پتھریلی دیوار کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ حبشی اترتے ہوئے بولا۔

”اے مقدس روح! میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ“۔

ماریا حبشی کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ حبشی ایک خفیہ

دروازے سے لے کر ماریا کو ایک تہہ خانے میں لے آیا۔

اس کے پیچھے دیوار کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ اب ماریا کو پریشانی ہوئی کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس جائے گی۔

یہ بات اسے بہت پہلے محسوس کر لینی چاہیے تھی۔ اسے کسی ایسی جگہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ جس کے بارے میں اسے کچھ بھی علم نہیں تھا۔

بہرحال اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ حبشی آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ ایک چبوترے کے پاس جا کر رک گیا۔

یہاں دیوار کے ساتھ سنگ مرمر کی کرسیاں لگی تھیں جن پر سیاہ گدیلے پڑے تھے۔

حبشی نے جھک کر کہا۔

"اے مقدس روح! اب میں جاتا ہوں۔ دیوی کپالا کا یہی حکم تھا"۔

حبشی چلا گیا۔ ماریا اکیلی رہ گئی۔ حبشی کسی دوسرے راستے سے زمین کے اندر اتر گیا تھا۔ اگر وہ دیوار کے دروازے سے جاتا تو ماریا بھی یقیناً اس کے پیچھے پیچھے وہاں سے نکل کر بھاگ جاتی۔

اس نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ پھر بھی وہ بڑے حوصلے سے کھڑی تھی۔ اسے یہ بھی خیال آ جاتا

کہ ہو سکتا ہے، دیوی کپالا سچ مچ کوئی نیک دل دیوی ہو۔

اتنے میں اس نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار کا پتھر ایک جگہ سے ہٹا اور ایک بوڑھی عورت جس کا سر سفید ہو چکا تھا۔ اندر داخل ہوئی۔

اس کے ہاتھ میں ایک لمبی سیاہ تسبیح تھی جس کے دانے ہڈیوں کے تھے۔ ناک طوطے جیسی چونچ نما تھی۔ آنکھوں میں سرخی اور چڑیلوں جیسی کشش تھی۔

اس عورت نے ہنس کر کہا۔

”خوش آمدید مقدس روح! میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے میری دعوت قبول کی۔ یہاں بیٹھ جاؤ میری بچی! میں دیوی کپالا ہوں“۔

ماریا کو محسوس ہوا کہ دیوی نے اسے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے متاثر ہوئی۔

اصل میں دیوی کپالا نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے جادو کے ذریعے سے اندازہ کر لیا تھا کہ ماریا کس مقام پر کھڑی ہے، چنانچہ دیوی کپالا اسی طرف منہ کر کے بات کر رہی تھی۔

ماریا سنگ مرمر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

دیوی کپالا بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

دیوی نے کہا۔

”پیاری بچی! میں دو سو برس سے اس وادی میں

حکومت کر رہی ہوں۔ مجھے بشارت ہوئی تھی کہ ایک وقت آنے پر یہاں ایک مقدس روح آئے گی۔ میں عرصے سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی، چنانچہ جب مجھے پتہ چلا کہ تم مصر کے شہر میں ایک سرائے میں آ کر ٹھہری ہو تو میں نے اپنے غلام کو تمہاری طرف بھیجا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری دعوت کو قبول کیا۔ کیا تم میرے ساتھ کھانے کی میز پر تشریف لے چلو گی۔

ماریا نے کہا۔

"چلئے دیوی کپالا!"۔

ماریا اس بوڑھی عورت سے متاثر ہوئی تھی۔ شاید

یہ اس کی زندگی کی ایک اور بھول تھی کہ اس نے دیوی کپالا کو اچھا سمجھ لیا تھا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں چھپی ہوئی خطرناک عورت کو نہیں پہچانا تھا۔

اصل میں حقیقت یہ تھی کہ ملک یمن میں ایک جن رہتا تھا جو اس چڑیل کا بھائی تھا۔

اس جن کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے۔ وہ مرنے والا تھا۔ لیکن وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس جنوں کے بڑے بادشاہ نے بتایا کہ اگر وہ کسی ایسے انسان کا خون پئے جس میں غائب ہو جانے کی طاقت ہو تو وہ رہتی دنیا تک زندہ رہ سکتا ہے۔

جن نے پوچھا۔

"مجھے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ وہ انسان غائب ہے؟ کیونکہ میں تو اسے دیکھ ہی نہیں سکوں گا"۔

جنوں کے بادشاہ نے کہا۔

"میں تمہیں اتنی طاقت دے دیتا ہوں کہ تم ایسے انسان کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں دیکھ سکو گے، تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ ایسا انسان کہاں کھڑا ہے"۔

جن نے یہ سنا تو مصر میں اپنی بہن کو بلایا۔ ساری بات بیان کی اور کہا کہ میں نے سنا ہے ایک عورت مصر شہر کی ایک سرائے میں آ کر ٹھہری ہے جو کسی کو نظر نہیں آ رہی۔

اس لیے تم فوراً اسے کسی طرح سے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ اس کا خون پی کر میں ہمیشہ کی زندگی حاصل کر سکوں گا۔

دیوی کپالا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں غائب عورت کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں دیکھ سکوں، میں اس عورت کو قید کر کے تمہارے پاس لے آؤں گی"۔

مصر واپس آ کر دیوی کپالا نے حبشی غلام کو ماریا کے پاس بھیجا اور ذیب ماریا اس کے غار میں تھی۔ اور وہ اسے نیچے کھانے کے کمرے میں جانے کی دعوت

دے رہی تھی۔ ماریا کچھ ہچکچائی لیکن دیوی کپالا نے مسکرا کر کہا۔

"میری بیٹی! کیا تم ایک دکھی دیوی کی دعوت قبول نہیں کرو گی جو تمہاری والدہ سے بھی زیادہ بوڑھی ہے؟"۔

ماریا کا دل پگھل گیا۔ وہ دیوی کپالا کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ دیوی کپالا ایک دیوار کے آگے جا کر رک گئی۔

اس نے دیوار کو پاؤں کی ٹھوکر ماری۔ دیوار اپنی جگہ سے سرکنے لگی۔ وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بن گیا۔

دیوی کپالا کو ماریا کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں صاف دکھائی دے رہی تھیں اس نے ان شعاعوں کی طرف منہ کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مقدس روح! تشریف لاؤ"۔

ماریا ایک بار پھر ذرا جھجکی۔ لیکن دیوی کپالا کی مسکراہٹ کو دیکھ کر وہ دروازے میں سے گزر کر اندر کمرے میں گئی۔

یہاں ایک میز پر پھل اور بھنا ہوا گوشت رکھا تھا۔

دیوی کپالا نے کہا۔

"مقدس روح! تشریف رکھو"۔

ماریا کرسی پر میز کے ساتھ بیٹھ گئی۔ دیوی کپالا کو

جیسے کچھ یاد آ گیا تھا۔ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ارے! ایک شے تو میں لانی بھول گئی"۔

وہ تمہارے دکھانے کے لیے رکھی تھی۔ بلکہ میری طرف سے تمہیں ایک تحفہ ہوگا۔ ابھی لاتی ہوں۔ تم کھانا شروع کرو"۔

یہ کہہ کر دیوی کپالا کمرے سے گزرتی ہوئی دیوار کے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی دروازہ ایکدم سے بند ہو گیا۔

گویا ایک بھاری پتھر دیوار کے آگے آ کر گر پڑا۔

ماریا کو شدید خطرے کا احساس ہوا۔ جھٹ سمجھ گئی کہ وہ مصیبت میں پھنس گئی ہے۔

جلدی سے اٹھی۔ دروازے کے پاس آئی۔ مگر وہاں تو کوئی دروازہ نہیں تھا۔ پتھر کی دیوار تھی جس میں کہیں بھی ایک درز دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ماریا دیوی کپالا کے جال میں پھنس چکی تھی۔

مگرمچھ کا سینگ

ماریا نے اٹھ کر دیوار کو ٹٹول کر دیکھا۔

جہاں دروازہ تھا، وہاں پتھر کی مضبوط دیوار مل گئی تھی۔ دیوار کا پتھر اس قدر سخت تھا کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ماریا نے کمرے میں چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا۔ کہیں کوئی چھوٹی موٹی درز بھی نہیں تھی۔

صرف اوپر چھت میں ایک جگہ چھوٹا سا سوراخ تھا جہاں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ اس سوراخ سے روشنی آنا بند ہو گئی تو ماریا سمجھ گئی کہ رات پڑ گئی ہے۔

اس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اچانک اسے فرعون کے موتی کا خیال آ گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اف! بدقسمتی سے موتی پرانے لباس کی جیب میں رہ گیا تھا۔ جسے ماریا نے اتار کر سرائے کے کمرے میں پھینک دیا تھا۔

اب وہ بے بس تھی۔ یہاں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ دیوی کپالا

اسے دیکھ سکتی تھی۔

چنانچہ وہ دروازہ کھلنے پر وہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ ماریا چبوترے پر لیٹ گئی اور عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگی جو اگلے روز جہاز سے مصر کی بندرگاہ پر اترنے والے تھے۔

ادھر اول رات ہی دیوی کمپالا نے یمن کے جن کو جادو کے ذریعے خبر کر دی تھی کہ اس نے ماریا نام کی ایک دیسی عورت کو گرفتار کر کے تہہ خانے میں ڈال دیا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔

جن بڑا خوش ہوا۔ دیوی کمپالا اصل میں کوئی چڑیل نہیں تھی۔

وہ مختلف جادو گرنی تھی۔ اور یمن کے جن سے اس نے کچھ جادو سیکھا تھا۔ وہ یمن کے جن کو خوش کر کے اس سے اور جادو گری سیکھنا چاہتا تھی۔

جن نے پیغام بھجوایا کہ وہ دوسرے دن ماریا کا خون پینے آ رہا ہے۔ ماریا کو کوئی خبر نہ تھی کہ اس کے خون پینے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

پھر صبح ہو گئی اور جہاز دریا کے کنارے آن لگا۔ مسافر اترنے لگے۔ ان میں ناگ اور عنبر بھی تھے۔ شہر میں آتے ہی وہ اتفاق سے اسی سرائے میں آ گئے۔ جہاں ماریا ٹھہری ہوئی تھی۔ انہوں نے سرائے کے مالک سے کمرہ مانگا۔

سرائے کا مالک انہیں اس کمرے میں لے گیا جہاں ماریا نے کپڑے تبدیل کیے تھے۔ اچانک ناگ نے عنبر کے کان میں کہا۔

"مجھے اس کمرے سے ماریا کی خوشبو آ رہی ہے"۔

سانپ انسانوں کے کپڑوں سے بھی ان کے جسم کی بو پا لیا کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"اس وقت خاموش رہو"۔

سرائے کا مالک کمرے کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

عنبر نے کہا۔

"اسی کمرے سے"۔

انہوں نے ماریا کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ ملا۔ عنبر نے کہا۔

"کوشش کر کے معلوم کرو کہ یہ خوشبو کس طرف سے آ رہی ہے"۔

ناگ نے ناک سکیڑ کر سونگھنا شروع کر دیا۔ آخر وہ کمرے کے ایک کونے میں آ گیا۔ یہاں خوشبو بہت تیز تھی۔ کونے میں ماریا کے کپڑے پڑے تھے۔ ناگ نے اس کی قمیض اٹھا کر کہا۔

"اگر چہ ہم نے کبھی ماریا کے جسم کو نہیں دیکھا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہی قمیض ماریا کی ہے۔ اس میں سے بڑی تیز خوشبو آ رہی ہے"۔

عنبر نے قمیض کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اچانک اس کی جیب میں سے فرعون کی روح کا دیا ہوا سفید موتی نکل کر زمین پر گر پڑا۔

عنبر نے موتی اٹھا کر غور سے دکھا اور ناگ کو دکھاتے ہوئے بولا۔

"یہ موتی کیسا ہے؟"۔

ناگ نے بھی موتی کو غور سے دیکھا۔ بولا۔

"اس سے پیشتر ماریا نے کبھی اس موتی کا ذکر نہیں کیا"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا سے ملے ہمیں ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ ہو سکتا ہے، اسے کہیں سے یہ موتی ملا ہو اور اس نے اسے سنبھال کر رکھ لیا ہو"۔

ناگ بولا۔

"ماریا یونہی کسی موتی کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتی۔ ضرور اس موتی میں کوئی خاص بات ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہمیں کیسے پتہ چلے کہ اس موتی میں کوئی خاص بات ہے؟ ہمارے لیے یہ تو بیکار موتی ہے"۔

انہوں نے سرائے کے ایک نوکر کو بلا کر پوچھا کہ اس نے یہاں کسی عورت کو دیکھا؟۔

نوکر نے کہا۔

"جی نہیں"۔

پھر عنبر کو خیال آیا کہ نوکر تو ماریا کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

ناگ نے نوکر سے کہا۔

"اس سے پہلے اس کمرے میں کون رہتا تھا؟"۔

نوکر نے کہا۔

"کوئی بھی نہیں۔ بالکل خالی تھا یہ کمرہ"۔

عنبر بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ کمرہ بالکل خالی تھا؟"۔

نوکر کچھ سوچ کر بولا۔

"جناب ایک دن میں نے دیکھا تھا کہ اس کا تالا ٹوٹا ہوا ہے۔ میں نے مالک سے بات کی"۔

اس نے کہا۔

کسی چور کی کارستانی ہے۔ لیکن چونکہ کمرے کی ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی اس لیے ہم نے کوئی خیال نہ کیا۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ انہوں نے نوکر کو بھیج دیا۔

ناگ نے کہا۔

"اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ کپڑے ماریا کے ہیں۔ وہ اس کمرے میں آئی تھی۔ یہاں اس نے اپنے نئے کپڑے بدلے ہیں۔ ہمیں اس کا یہاں انتظار کرنا چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"مگر اس موتی نے مجھے پریشان کر دیا ہے"۔

ناگ! میرا دل کہتا ہے کہ ماریا ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"بھائی! اگر ایسی بات بھی ہے تو ہم ماریا کی کیا

مدد کر سکتے ہیں جب کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے؟۔

کس جگہ ہے؟۔

عنبر پریشانی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ موتی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے دو ایک بار موتی کو مسل کر غور سے دیکھا اور جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ موتی زمین پر گر پڑا۔

عنبر نے اسے اٹھا کر زور سے ملا۔ کیونکہ اسے مٹی لگ گئی تھی۔ زور سے رگڑنے سے موتی میں گرمی پیدا ہوئی اور ساتھ ہی فرعون کی روح کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے ماریا؟"۔

عنبر اور ناگ ششدر ہو کر رہ گئے۔

انہوں نے جھٹ کہا۔

"تم کون ہو؟"۔

فرعون کی روح بولی۔

" میں فرعون رعمیز کی روح ہوں۔ ماریا نے میرے خاندانی خزانے کو لٹیروں سے بچا کر مجھ پر احسان کیا تھا۔ یہ موتی میں نے اسے انعام میں دیا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"اے فرعون کی روح! ہم دونوں ماریا کے بھائی ہیں۔ ہمیں ماریا کی تلاش ہے"۔

فرعون کی روح نے ہنس کر کہا۔

اس نے تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ تم مصر آ رہے ہو۔ مگر ماریا کہاں ہے؟

یہ موتی تمہارے پاس کیسے آ گیا؟۔

عنبر نے کہا۔

"ہم بھی تو تم سے پوچھنے والے تھے کہ ماریا کہاں ہے۔ ہم تو اتفاق سے اس سرائے میں آ کر ٹھہرے ہیں کہ یہاں ماریا کا پرانا کرتہ ملا جس کی جیب میں یہ موتی تھا"۔

فرعون کی روح بولی۔

"ماریا ضرور کسی مصیبت میں پھنسی ہوئی ہے۔ ٹھہرو میں ابھی پتہ کر کے تمہیں بتاتی ہوں"۔

ناگ اور عنبر چپ ہو گئے۔ وہاں کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فرعون کی روح کی آواز سنائی دی۔

"غضب ہو گیا! ماریا یہاں سے دور اہرام کے پاس ایک تہہ خانے میں بند ہو گیا۔ اس دیوی کپالا نام کی جادوگرنی نے یمن کے جن کے لیے بند کر رکھا ہے۔ یمن کا جن ماریا کا خون پینے مصر پہنچنے ہی والا ہے"۔

ناگ اور عنبر پریشان ہو گئے۔ انہوں نے فرعون کی روح سے کہا۔

"خدا کے لیے ماریا کی مدد کرو۔ یا ہمیں اس جگہ پہنچا دو جہاں ماریا بند ہے"۔

فرعون کی روح بولی۔

"میں ایک نیک روح ہوں۔ میں اس جگہ نہیں جا سکتی جہاں کالے علم کا جادو ہوتا ہو۔ ہاں میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ ماریا کہاں ہے"۔

اس کے بعد فرعون کی روح نے ناگ اور عنبر کو وہ مقام بتایا۔ جہاں ماریا قید تھی۔ بلکہ ان دونوں کو اہرام کے پاس پہنچا دیا۔ روح نے انہیں یہ بھی کہا۔

"میں تمہیں یہ بھی بتا سکتی ہوں کہ دیوی کپالا کا جادو تم دونوں پر نہیں چل سکے گا۔ ماریا کے جسم سے

نکلنے والی شعاؤں کو جن اور کپالا دیکھ رہی ہے"۔

اگر تم میری دی ہوئی خشک دوائی کو ماریا کے جسم پر چھڑک دو تو اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔

ناگ نے کہا۔

"جن کا کیا ہوگا؟"۔

روح بولی۔

"جن کی گردن کے پیچھے ایک سینگ نکلا ہوا ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ سینگ توڑ دیا جائے۔ تو جن کی طاقت بے اثر ہو جائے گی۔ پھر وہ ایک آدمی کی طرح ہوگا جسے تم لوگ ہلاک کر سکو گے"۔

فرعون کی روح چلی گئی۔ ناگ اور عنبر کو اس مقام پر ایک نیلے رنگ کی بوتل پڑی ملی جہاں روح موجود تھی۔

انہوں نے بوتل اٹھا لی۔ اس بوتل میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ بوتل جیب میں رکھ کر ناگ نے کہا۔

"ماریا اسی چٹان کے اندر تہہ خانے میں قید ہے۔ میں کسی طرح سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں"۔

ابھی دو یا تین گزرے تھے کہ زمین زلزلے کی وجہ سے ہلنے لگی۔ ناگ اور عنبر چٹان سے دور ہٹ کر زمین

پر بیٹھ گئے۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا جن وہاں آسمان سے زمین پر اتر آیا۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

وہ دو منزل اونچا لمبا تھا۔ ہونٹوں میں سے سیاہ رنگ کے نوکیلے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

ناگ نے سرگوشی کی۔

"یہی وہ جن ہے عنبر"۔

انہوں نے غور سے دیکھا۔ جن کی گردن کے پیچھے ایک کالے رنگ کا چھوٹا سا سینگ ابھرا ہوا تھا۔

"یہی وہ سینگ ہے جس میں اس کی جان ہے"۔

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی اس کی خبر لیتا ہوں"۔

دیکھتے ہی دیکھتے جن ایک دم چھوٹا ہو کر ایک مگرمچھ بن گیا۔ چٹان میں ایک سوراخ ابھرا۔ جس میں سے دیوی کپالا نکل کر باہر آ گئی۔

اس نے مگرمچھ کے آگے جھک کر کہا۔

"حضور کی خدمت میں باندی سلام عرض کرتی ہے"۔

مگرمچھ نے منہ کھول کر ایک بھیانک آواز والا سانس لیا جیسے ڈکار مار رہی ہو اور گردن لہرانے لگا۔ دیوی کپالا آگے سے ہٹ گئی۔

مگرمچھ سوراخ کے اندر داخل ہو گیا۔ عنبر نے

ناگ سے کہا۔

"ناگ جلدی کرو۔ اس کے ساتھ ہی اندر چلے جاؤ"۔

ناگ پلک جھپکتے میں سانپ بن کر سوراخ کی طرف بھاگا اور مگرمچھ کے پیچھے پیچھے سوراخ میں داخل ہو گیا۔

عنبر باہر اکیلا رہ گیا۔ اس نے چٹان سے قریب آ کر پتھر سے کان لگا دیے۔ وہ سننے کی کوشش کر رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اب اندر کا حال سنیں۔

ناگ سانپ کی شکل میں مگرمچھ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔

مصیبت یہ تھی کہ فرعون کی دی ہوئی بوتل وہ ساتھ نہیں لا سکتا تھا۔ وہ بوتل عنبر کے پاس رہ گئی تھی۔ ایک اعتبار سے یہ ایک اچھی بات تھی۔

شاید اب وہ بھی ماریا کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو دیکھ سکتا تھا۔ بہرحال دیوی کپالا مگرمچھ کو لے کر اس کمرے میں آ گئی۔

ناگ بھی اسی کمرے میں آ گیا۔ دیوی کپالا نے کہا۔

"اے یمن کے جن! میں نے تمہارے شکار کو

دیوی کپالا کا جال (عمبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

رسیوں سے باندھ کر پتھروں سے جکڑ رکھا ہے۔ تم ضرور اسے دیکھ رہے ہو گے"۔

مگر مچھ نے گردن ہلائی۔ معلوم ہوا کہ ماریا وہاں کسی جگہ پتھر کے ستون کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم سے نکلتی شعاعوں کو مگر مچھ اور دیوی کپالا تو دیکھ رہی تھی۔

مگر ناگ کو وہ شعاعیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ ناگ نے ایک بات دیکھ لی تھی کہ مگر مچھ کی گردن پر اوپر کی طرف وہی سیاہ رنگ کا سینگ ابھرا ہوا تھا۔

اس سینگ کو اگر کسی طرح سے وہ توڑ ڈالے تو جن کی طاقت ختم ہو سکتی تھی۔

دیوی کپالا نے جن سے کہا۔

"شکار حاضر ہے اے جن! اسے شوق سے ہڑپ کر جاؤ"۔

اس سے ماریا کی آواز سنائی دی۔

"خبردار اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔ میں تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گی"۔

ناگ نے سوچا کہ ماریا نے یہ محض ایک دھمکی دی ہے، کیونکہ اس کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں تھی۔ ناگ نے اپنے منہ سے زور سے سیٹی کی آواز نکالی۔

یہ آواز ماریا نے صاف صاف سن لی۔ اس آواز کو مگرمچھ اور دیوی کپالا نے بھی محسوس کیا۔

”یہاں کوئی اور بھی ہے کپالا“۔

مگرمچھ نے انسانی آواز میں کہا۔ کپالا نے ادھر ادھر دیکھا اور منہ سے ایک سفید سا بادل نکال کر کمرے میں پھیلا دیا مگر اسے ناگ کہیں دکھائی نہ دیا۔

کیونکہ فرعون کی روح نے کہہ دیا تھا کہ ناگ پر کپالا کے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ماریا کو جب محسوس ہوا، ناگ وہاں موجود ہے تو بڑی خوش ہوئی۔

اس نے کہا۔

”ناگ اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈالنا“۔

اسے اب بھی اپنے بھائی کی جان کی فکر تھی۔ ناگ نے ایک بار پھر منہ سے سیٹی کی آواز نکال کر ماریا کو تسلی دی کہ وہ بالکل فکر نہ کرے۔

دوسری سیٹی کی آواز پر مگرمچھ نے زور سے ایک پھنکار ماری۔ وہ غصے میں آ گیا تھا۔ وہ اس شخص کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

جو اس کی اجازت کے بغیر وہاں موجود تھا۔ دیوی کپالا بھی بڑی پریشان تھی کہ یہ سیٹی کی آواز بار بار کہاں سے آ رہی ہے۔

مگرمچھ نے فیصلہ کیا کہ پہلے اپنے شکار کو تو ہضم کر دوں۔ کہیں یہ نہ بھاگ جائے۔

مگرمچھ نے ماریا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اسے آگے بڑھتا دیکھ کر ناگ ہوشیار ہو گیا۔ وہ حملہ کر کے مگرمچھ کی گردن کا سینگ توڑنا چاہتا تھا۔

سانپ کی شکل میں وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی دوسری شکل میں حملہ کرے۔

چنانچہ اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لی اور ایکدم سے خونخوار شیر کی شکل اختیار کر لی۔ کمرے میں شیر کی خوفناک دھاڑ گونجی۔

ابھی کپالا اور مگرمچھ سمجھ نہ سکے تھے کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے کہ شیر اچھل کر مگرمچھ کی گردن پر سوار ہو گیا۔

شیر نے ایک ایسے زور کا پنجہ مگرمچھ کی گردن پر مارا کہ اس کا سیاہ سینگ ٹوٹ کر دور جا گرا۔

سینگ کا ٹوٹنا تھا کہ مگرمچھ کے منہ سے ایک خوفناک چیخ کی آواز نکلی۔ مگرمچھ ایکدم سے ایک انسان کی شکل میں آ گیا۔

یہ انسان سیاہ فام حبشی تھا جو زمین پر پڑا کراہ رہا تھا اور اس کی گردن سے خون جاری تھا۔

شیر نے دوسرا پنجہ مار کر جن کی گردن اڑا دی۔ وہاں ایک زلزلہ سا آیا۔ سارا کمرہ ایک بار زور سے ہلا اور پھر وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ جن مر چکا

تھا۔

شیرا اب ناگ کی شکل میں آ گیا۔

اس نے دیوی کپالا سے کہا۔

"ماریا کو رہا کر دو نہیں تو یہی حشر تمہارا بھی ہو گا"۔

کپالا نے قہقہہ لگا کر ناگ کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں سے آگ کے شعلے نکل کر ناگ کی طرف لپکے۔

مگر اس کے پاس جاتے ہی بجھ گئے۔ کپالا نے اب دوسرا جادو آزمایا۔ اس نے منہ سے زور لگا کر پھونک ماری۔ اس کے منہ سے آگ کا دریا ناگ کے

پاس آتے ہی بھسم ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"کپالا! تیرا کوئی جادو مجھ پر اثر نہ کر سکے گا۔ اگر تو باز نہ آئی تو میں ایک پل کے اندر اندر تجھے ہلاک کر دوں گا"۔

کپالا سمجھ گئی کہ اس کا کسی زبردست جادوگر کے ساتھ مقابلہ ہے۔ وہ جیت نہیں سکتی۔ جن کا انجام اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بولی۔

"میں ہار مانتی ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی کپالا نے ماریا کی رسیاں کھول

دیں۔ ناگ نے کہا۔

”ماریا کیا تم آزاد ہو؟“۔

ماریا نے کہا۔

”ہاں ناگ! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیج دیا۔ نہیں تو یہ عورت مجھے ختم کر چکی تھی“۔

ناگ نے کہا۔

”عنبر باہر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا ہے، فکر نہ کرو۔ اس عورت کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا“۔

دیوار کا دروازہ ابھی تک کھلا تھا۔ انہوں نے کپالا کو رسی سے جکڑ دیا۔ پھر باہر نکل کر عنبر کو بھی اندر لے

آئے۔

ماریا عنبر اور ناگ سے مل کر بے حد خوش ہوئی۔

ماریا نے کہا۔

”اس عورت کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ نہیں تو یہ کسی دوسرے انسان پر جادو کر کے اس کی زندگی حرام کر دے گی“۔

ناگ نے اسی وقت سانپ بن کر کپالا کی گردن پر ڈس دیا۔ کپالا مر گئی۔

ناگ نے ماریا اور عنبر کو ساتھ لیا اور اہرام سے باہر نکل آئے۔

باہر آ کر انہوں نے ماریا کو وہ موتی دیا جو اس کے

کرتے کی جیب سے گر گیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"اگر یہ موتی نہ گرتا تو تمہاری مجھ سے کبھی ملاقات نہ ہوتی"۔

سو برس بعد

عنبر، ناگ اور ماریا واپس سرائے میں آ گئے۔ اب انہوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے سفر کی کہانی سنائی۔ وہ ایک دوسرے کی مصیبتوں کا حال سن کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے کہ وہ ہر مصیبت سے بچ کر نکل گئے۔

عنبر نے کہا۔

"جب پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ میں تاریخ سے نکل کر اتنا آگے آ گیا ہوں تو مجھے یقین تھا کہ تم لوگ بھی ضرور اسی زمانے میں آ گئے ہو"۔

ماریا بولی۔

"میں تو ایک دن سے نئی دنیا کا نقشہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بادبان کی جگہ مشین سے جہاز چلنے لگے اور بندوق کی گولیاں دھائیں دھائیں چل رہی تھیں"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ زمانہ بھی خوب ہے۔ کہاں چار ہزار سال پرانے زمانے کے رتھ اور کہاں آج کی گھوڑا گاڑیاں۔ اور اب تو ریل گاڑیاں بھی سنا ہے چلنے والی

ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"کمال کا زمانہ آ گیا ہے۔ لیکن ایک بات ثابت ہو گئی ہے ناگ!"۔

"کون سی بات؟"۔

"یہی۔۔۔ کہ وقت کوئی شے نہیں ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم آج کے زمانے سے چھ سو برس پیچھے تھے اور آج ہم چھ سو برس آگے آ گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو چھ سو برس آگے بھی جا سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ خدا جانے چھ سو برس بعد کا زمانہ کیسا ہو گا"۔

ناگ بولا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا ہونا ذرا مشکل ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"مشکل کیسے ہوا۔ بھئی اگر ہم چھ سو برس کی چھلانگ ایک بار لگا سکتے ہیں تو دوسری بار بھی لگا سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں ہے"۔

ایسی ہی باتیں کرتے انہیں رات ہو گئی۔ انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور سو گئے۔ دوسرے روز اٹھ کر ناگ اور عنبر نے ماریا کو سرائے کے کمرے میں ہی رکنے کو کہا اور خود شہر میں یہ معلوم کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے کسی دوسرے ملک کو جہاز کس روز روانہ ہوتا ہے۔

کیونکہ ان کا خیال ہندوستان جانے کا تھا۔ بندر گاہ پر آ کر انہیں معلوم ہوا کہ ہندوستان کو جہاز چھ روز بعد جائے گا۔

عنبر اور ناگ نے واپس آ کر ماریا کو بتایا کہ وہ ساتویں روز وہاں سے ہندوستان کی طرف کوچ کر

جائیں گے۔

سرائے میں رہتے ہوئے عنبر اور ناگ کو پانچ دن گزر گئے۔ وہاں سے کوچ کرنے میں دو دن باقی رہ گئے تھے۔

پانچویں روز کی شام کو ایسا ہوا کہ ماریا سیر کرتے کرتے دریائے نیل کے کنارے سے دور نکل گئی۔ عنبر اور ناگ سرائے کے کمرے میں ہی آرام کر رہے تھے۔

وہ انہیں کہہ کر آئی تھی کہ وہ ذرا ٹہلنے کے لیے دریائے نیل پر جا رہی ہے۔ چلتے چلتے وہ ایک پہاڑی پر پہنچ گئی۔

یہاں سے دریا گھوم کر بائیں جانب چلا جاتا تھا۔ ماریا پہاڑی کے اوپر آ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہاں ایک چھوٹا سا اہرام بنا ہے۔

اس قسم کا اہرام ماریا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اہرام کا دروازہ ڈھے گیا تھا۔ اندر جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ ماریا یونہی اس کے اندر داخل ہو گئی۔

اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ زمین پر پتھر بکھرے پڑے تھے۔ کونے میں ایک پتھر کا بت دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔

اس بت کی شکل کسی فرعون سے ملتی جلتی تھی۔ اس کے سر پر سانپ لپٹا ہوا تھا۔ ماریا نے قریب آ کر بت

کو غور سے دیکھا۔

پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا جونہی اس کا ہاتھ بت کے ماتھے سے لپٹے ہوئے سانپ پر پڑا۔ اس میں جیسے جان پیدا ہو گئی اور اس نے ماریا کی کلائی پر ڈس دیا۔

اس کے بعد ماریا پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اسے چکر سا آیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جانے وہ کتنی دیر تک بے ہوش رہی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر لیٹی ہے جہاں اس کے ارد گرد اونچے اونچے سرکنڈے اگے ہیں۔

سرکنڈوں کے اوپر سے ماریا کو نیلا آسمان صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ ارد گرد نہ دریائے نیل ہے اور نہ وہ پہاڑی جس کے غار میں وہ داخل ہوئی تھی اور فرعون کے بت کے سانپ نے اسے ڈسا تھا۔

میدان سامنے پھیلا تھا۔ کہیں کہیں کھیت تھے۔ ذرا فاصلے پر ایک جگہ لکڑی کی ڈھلوانی چھت والا ایک مکان تھا۔

ماریا بڑی حیران ہوئی کہ وہ کہاں سے کہاں آ گئی ہے؟ ایک دم سے اسے گھوں گھوں کی خوفناک آواز سنائی دی۔

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ۔ ماریا قسط نمبر 62)

یہ آواز قریب آ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ آسمان پر چھ بڑے بڑے جانور سے نمودار ہوئے جو زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ اس کے سر کے اوپر سے گزر گئے۔

ماریا خوف زدہ ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔ یہ جانور کافی بڑے بڑے تھے مگر وہ جانور نہیں لگتے تھے۔ ماریا کو کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ بمبار ہوائی جہاز تھے اور ماریا 1858ء سے نکل کر 1943 میں آ چکی تھی۔

دوسری جنگ عظیم کو شروع ہوئے سات آٹھ برس گزر چکے تھے۔ یورپ میں اتحادیوں اور جرمنوں میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور جاپان نے بھی اعلان جنگ کر دیا تھا۔

ماریا کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ کہیں وہ اپنے وقت سے ایک بار پھر آگے تو نہیں نکل گئی؟

اس کا گمان سچ تھا۔ وہ سرکنڈوں سے نکل کر ڈھلوانی چھت والے مکان کی طرف چلنے لگی۔ کھیتوں میں کوئی کسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ ڈھلوانی چھت والے مکان کے پاس پہنچ گئی۔ دروازہ بند تھا۔ ماریا نے دروازہ کھولا۔ اندر گھاس کے سوکھے گٹھے پڑے تھے۔

ایک طرف بیلچے اور کدالیں رکھی تھیں۔ ماریا خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ یقیناً اپنے وقت سے

آگے نکل آئی تھی۔

اس نے آسمان پر اڑنے والے جہاز زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے۔ اتنے میں اسے دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

وہ دوسری طرف ہوگئی۔ دونوں آدمی سرخ و سپید تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا۔ ایک جوان دونوں کسی انوکھی زبان میں باتیں کر رہے تھے مگر ماریا ان کی زبان سمجھ رہی تھی۔

بوڑھا کہہ رہا تھا۔

"اگر دشمنوں کا یہی حال رہا تو کل تک جرمن فوجیں فرانس پر قبضہ کرلیں گی"۔

جوان کسان نے کہا۔

"بابا! ہمیں یہاں سے انگلستان بھاگ جانا چاہیے تھا"۔

"ہم سے غلطی ہوگئی۔ لیکن اب ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ فرانس کی سرحدوں پر جنگ ہو رہی ہے۔ دشمن فرانس کی زمین میں داخل ہو چکا ہے"۔

دونوں باپ بیٹا گودام میں سے کچھ اوزار لے کر واپس چلے گئے۔

ماریا وہاں بیٹھ کر غور کرنے لگی۔ وہ 1943ء میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عنبر اور ناگ بھی اسی زمانے میں داخل ہو گئے ہوں گے۔

مگر وہ کہاں ہوں گے؟ ماریا پریشان ہو گئی۔

کیونکہ معلوم ہوتا تھا کہ بڑی خوفناک جنگ چاروں طرف لڑی جا رہی تھی۔

وہ گودام سے باہر آ گئی اور ایک کچی سڑک پر چلنے لگی۔ یہ سڑک قصبے کی طرف جا رہی تھی جس کے تکونی مکانوں کی چھتیں اب دور سے نظر آنے لگی تھیں۔

ماریا کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ قصبے میں آ گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ جو تقریباً خالی ہو چکا تھا۔

مکانوں میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کہیں کہیں دو چار عورتیں کھیت میں جھک کر آلو اکٹھے کر رہی تھیں۔ ماریا

پریشان سی ہو گی۔

کہاں جائے؟

کیا کرے؟

آخر اسے ایک مکان سے دھواں نکلتا نظر آیا۔ وہ اندر چلی گئی۔ ایک آدمی انگیٹھی کے پاس کھڑا فرائی چین میں آلو تل رہا تھا۔

ماریا اس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ایک پلیٹ میں تلے ہوئے آلوؤں کے سنہری قتلے پڑے تھے۔ ماریا نے چپکے سے کچھ قتلے اٹھائے اور مکان سے باہر آ کر کھانے لگی۔

پھر اس نے ایک بہتے چشمے پر جھک کر پانی پیا اور

ایک سیب کے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئی۔ درخت پر سرخ سیب لگے تھے۔

ماریا نے کچھ سیب اتار کر کھائے اور دھوپ میں آرام سے لیٹ گئی۔ سردی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ پھر بھی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

اتنے میں ایک جیپ گرد اڑاتی اس کے قریب سے گزر کر قصبے میں داخل ہو کر رک گئی۔ ماریا نے بڑی حیرانی سے جیپ کو دیکھا۔

اس سے پہلے ماریا نے اس قسم کی تیز رفتار سواری کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ جلدی سے جیپ کے قریب آ گئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ جیپ میں سے جو لوگ اترے ہیں، وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ جیپ میں سے کچھ فوجی اتر کر لوگوں سے کہہ رہے تھے۔

"جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے نکل جاؤ۔ جرمن فوجیں کسی وقت بھی یہاں پہنچ جائیں گی"۔

یہ کہہ کر جیپ میں سوار فوجی آگے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی قصبے پر مردنی سی چھا گئی۔ پھر ایکدم سے لوگوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

چھکڑوں پر تھوڑا بہت سامان لادا اور وہاں سے چل دیے۔

قصبہ دیکھتے دیکھتے سارے کا سارا خالی ہو گیا۔

ماریا خاموشی سے قصبے میں چکر لگانے لگی۔ اچانک اس

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

نے توپ کے لوگوں کی آوازیں سنیں۔

گولے قصبے کے قریب گر کر زبردست دھماکوں کے ساتھ پھٹنے لگے۔ ماریا ایک گڑھے میں اتر کر بیٹھ گئی کتنی دیر تک گولے پھٹتے رہے اور زمین ہلتی رہی۔

پھر ایکدم خاموشی چھا گئی۔ گولا باری بند ہو گئی۔

ماریا گڑھے میں سے باہر نکل آئی۔ اس نے دیکھا کہ دور دشمن کی فوجیں جیپوں اور ٹرکوں پر سوار چلی آ رہی ہیں۔

وہ سمجھ گئی کہ یہ جرمن فوجیں ہیں اور قصبے پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دشمن نے قصبے پر قبضہ کر لیا۔

کمانڈر نے ایک جرمن کپتان کو چند سپاہیوں کے ہمراہ قصبے میں چھوڑا اور خود باقی فوج لے کر آگے بڑھ گیا۔

ماریا ایک جگہ چوک میں کھڑی جرمن فوجیوں کو اور ان کے ہتھیاروں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ان کے سروں پر لوہے کے چمکتے گول گول ہیٹ تھے۔

ہاتھ میں ٹامی گنیں تھیں۔ وہ جیپ میں سوار ہو کر تیزی سے قصبے کی پکی سڑکوں پر گھوم رہے تھے اور ہوا میں گولیاں چلا رہے تھے۔

ماریا ایک خالی مکان میں آ گئی۔ اس مکان کے

بیڈ میں ایک پلنگ پر لیٹ کر وہ سوچنے لگی کہ کہاں جائے؟۔

اب اس کی منزل کون سی ہو گی؟

عنبر اور ناگ کہاں ہوں گے۔ سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ مکان کا دروازہ کھلا تھا۔

اندر اندھیرا تھا۔ ماریا نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ اسے کہیں قریب سے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔

ماریا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ سامنے والے مکان میں روشنی ہو رہی تھی۔ رونے کی آواز اسی مکان

سے آ رہی تھی۔

ماریا وہاں آ گئی۔ یہ مکان جرمن کپتان کا دفتر تھا۔ باہر دو جرمن سپاہی تامی گنیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب سے ہو کر اندر داخل ہو گئی۔

کمرے کے بیچ میں ایک میز کے اوپر بجلی کا بلب روشن تھا۔ جرمن کپتان کرخت چہرے کے ساتھ فائل پر جھکا تھا۔

ایک اردلی ذرا پرے کھڑا تھا۔ رونے کی آواز کونے میں سے آ رہی تھی جہاں ذرا اندھیرا تھا۔

جرمن کپتان نے کہا۔

"اگر تم نے یہ نہ بتایا کہ انگریز فوج یہاں سے کس طرف گئی ہے تو تمہاری کھال کھینچ دی جائے گی"۔

یہ دھمکی اس دیہاتی عورت کو دی گئی تھی جو کونے میں ایک بنچ پر لٹی تھی۔ اس کے سر کے بال ایک رسی سے بندھے تھے۔

سینے پر پتھر کی بھاری سل رکھی تھی دونوں ہاتھ پیر بھی جکڑ دیئے گئے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ عورت قصبے میں رہ گئی ہوگی۔

جس سے جرمن پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ وہ اسے دردناک اذیت پہنچا رہے تھے۔ عورت روتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اسے کچھ خبر نہیں کہ انگریزی فوج کدھر گئی ہے۔

وہ بار بار یہی جملہ دہرا رہی تھی۔

"ایک جیپ نے آ کر بتایا کہ جرمن آ رہے ہیں۔ بھاگ جاؤ۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ خبر نہیں"۔

آخر جرمن کپتان نے اٹھ کر زور سے عورت کے منہ پر ٹھڈا مارا۔

عورت کی چیخ نکل گئی اور منہ سے خون نکلنے لگا۔

جرمن کپتان نے حکم دیا۔

"اسے ساتھ والے کمرے میں پھینک دو"۔

دو سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے عورت کے بال کھولے۔ پاؤں رسی سے الگ کئے اور اٹھا کر

ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

یہاں زمین پر ایک میلی دری بچھی تھی۔ سپاہیوں نے عورت کو دری پر پھینک دیا اور ٹھوکریں مار کر واپس چلے گئے۔

عورت کے منہ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ وہ سسکیاں بھر بھر کر رو رہی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔

ماریا کو اس پر بے حد ترس آ رہا تھا۔ وہ اسے بچانا چاہتی تھی، لیکن سوچ رہی تھی کہ اس نے عورت سے بات کی تو وہ گھبرا کر چیخ نہ مار دے۔

اس طرح سپاہی اندر آ جائیں گے۔ ماریا نے

سوچا کہ کیوں نہ اس جرمن کپتان اور دوسرے سپاہیوں کو ختم کر دیا جائے۔

اس طرح سارا قصبہ آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بعد دوسرے جرمن یہاں آ جائیں گے اور قصبے والوں کو گولیوں سے اڑا دیں گے۔

پھر کیا کیا جائے؟

ماریا نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ اس عورت کو بچانا اس کا انسانی فرض ہے۔ پہلے اسے بچایا جائے۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ جرمن سپاہیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟۔

ماریا نے جھک کر عورت کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

عورت سسکیاں بھرتے بھرتے یکلخت خاموش ہوگئی۔

اس کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔

ماریا نے جلدی سے سرگوشی میں کہا۔

"بہن! میں ایک نیک روح ہوں اور خداوند نے مجھے تمھاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمھیں ان ظالموں کی قید سے نکال کر لے جاؤں گی"۔

عورت کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔ اس کی سسکیاں بند ہوگئی تھیں۔ آہستہ آہستہ چہرے پر خوف کی جگہ اطمینان جھلکنے لگا۔

وہ مذہبی عورت تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ سچ مچ

خداوند نے کسی نیک روح کو اس کی مدد کے لیے بھیجا ہے ماریا نے اس کے رومال سے منہ کا خون صاف کیا۔

عورت نے ماریا کے ہاتھ کو پکڑ کر چوما اور آہستہ سے کہا۔

"مجھے یہاں سے لے چلو۔ ظالم مجھے مار ڈالیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"حوصلہ رکھو اور جیسے میں کہوں، ویسے کرتی جاؤ۔ میں تمھیں ان کے چنگل سے نکال کر لے جاؤں گی۔ تمہارا گھر قصبے میں کس جگہ ہے؟"۔

دیوی کپالا کا جال (عمرو ناگ ماریا نمبر62)

عورت نے کہا۔

”پہاڑی کے اس طرف“۔

”کیا تم وہاں اکیلی رہتی تھیں؟“۔

ماریا نے پوچھا۔

”میرا خاوند اور بچے دو روز پہلے نکل گئے تھے۔ میں پیچھے رہ گئی۔ میری بدنصیبی نے مجھے ان کے ساتھ جانے نہ دیا“۔

”کوئی بات نہیں۔ تم ان کے پاس چلی جاؤ گی۔ کیا تمہیں اس گاؤں کا پتہ ہے جہاں تمہارا خاوند اور بچے گئے ہیں؟“۔

”ہاں اے مقدس روح! یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر ہے“۔

”کیا وہاں بھی جرمن فوجیں نہ پہنچ گئی ہوں گی؟“۔

”ایک بار میں یہاں سے نکل گئی تو پھر اپنے بچوں کے پاس پہنچ کر محفوظ ہو جاؤں گی۔ میرا خاوند مجھے یہاں سے نکال کر کسی دوسرے شہر میں لے جائے گا“۔

”یہاں سے میں تمہیں نکال دوں گی“۔

کسی طرح سے ان کی باتوں کی آواز جرمن پہرے دار تک پہنچ گئی۔ اس نے دھڑاک سے دروازہ کھولا اور عورت کی طرف سنگین تان کر بولا۔ تم کس

سے باتیں کر رہی ہو؟۔

عورت نے کہا۔

"تم دیکھ سکتے ہو۔ یہاں کوئی نہیں۔ میں کس سے باتیں کر سکتی ہوں"۔

پہرے دار جرمن سپاہی نے کمرے کے کونے کونے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔ عورت کی طرف پلٹ کر بولا۔

"پھر یہ آواز کس کی آ رہی تھی؟"۔

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"میں خواب میں اپنے بچوں سے باتیں کر رہی تھی"۔

پہرے دار نے اسے ٹھڈا مار کر کہا۔

"بدبخت! صبح منہ اندھیرے تمہیں گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔ آج کی رات اپنے بچوں سے جتنی باتیں کرتی ہے کر لے"۔

اور قہقہہ مار کر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے جھک کر سرگوشی میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ یہ لوگ تمہیں ہلاک نہیں کر سکیں گے"۔

اتنا کہہ کر ماریا کمرے سے باہر نکل گئی اس نے جائزہ لیا۔

وہاں دفتر میں جرمن کپتان کے ساتھ ایک اردلی

بیٹھا تھا۔ باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ذرا پرے ایک مکان میں روشنی ہو رہی تھی۔ خیال تھا کہ باقی سپاہی وہاں ہوں گے۔

سڑک پر دو جیپیں کھڑی تھیں۔ ماریا نے سب سے پہلے جرمن کپتان کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ باہر آ گئی۔ اور ہلکی روشنی میں دیکھنے لگی۔ وہ ہتھیار کہاں سے حاصل کرے؟۔

دفتر میں آ کر اس نے دیکھا کہ جرمن کپتان کا پستول اس کی میز پر پڑا تھا۔ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ ماریا جلدی سے جرمن کپتان کی کرسی کی طرف آ گئی۔ اس کا ہاتھ چھوٹے میز پر رکھے کافی کے پیالے سے لگا

جو نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔

جرمن کپتان غصے سے گرجا۔

"الو کے پٹھے! یہ کیا کیا تم نے؟"۔

اردلی نے کرسی پر سے اٹھ کر سیلوٹ کیا اور کہا۔

"حضور! قسم لے لیں۔ میں نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے"۔

"تو پھر اسے تیرے باپ نے فرش پر گرایا ہے؟"۔

"حضور! مجھ سے چاہے ماں باپ کی قسم لے لیں، میں اپنی جگہ سے ذرا نہیں ہلا۔ یہ ضرور۔۔۔"۔

جرمن کپتان نے اٹھ کر زور سے اردلی کو تھپڑ

دیوی کپالا کا جال (عمرو ناگ ۔ ماریا نمبر 62)

مار دیا۔

”یہ ضرور تیرے باپ کے بھوت نے کر دیا ہوگا۔ الو کی دم ۔۔۔ گدھا ۔۔۔ احمق ۔۔۔“

اٹھاؤ پیالے کے ٹکڑے۔

اردلی نے جھک کر پیالی کے ٹکڑے اٹھا کر کوڑے کے ڈرم میں پھینکے اور حیرانی سے ادھر ادھر دیکھتا اپنی کرسی پر دوبارہ آ کر بیٹھ گیا۔

جرمن کپتان بھی اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور فائل پر جھک کر لکھنے لگا۔ ماریا اس دوران میں میز پر سے اس کا پستول اٹھا چکی تھی۔

میز پر سے پستول غائب تھا۔ لیکن اتفاق سے جرمن کپتان کی اس پر نظر نہ پڑی۔ وہ اپنے دھیان میں کرنے لگا۔

ماریا نے پستول کی نالی جرمن کپتان کی کھوپڑی کے پیچھے رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔

دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی جرمن کپتان کی کھوپڑی اڑ گئی۔

اردلی حیرت سے اچھل پڑا۔ دوسری گولی نے اردلی کو ٹھنڈا کر دیا۔ گولیوں کی آواز سن کر دونوں پہرے دار ٹامی گنیں لے کر اندر لپکے۔

ماریا زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ انہوں نے اندر آتے ہی گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ ماریا کی دو گولیاں

انہیں بھی ہمیشہ کی نیند سلا چکی تھیں۔

اب اس دفتر میں اور کوئی سپاہی نہ تھا۔

ماریا کو معلوم تھا کہ ابھی قصبے میں ٹھہرے ہوئے سارے جرمن سپاہی وہاں آ جائیں گے۔ وہ تیزی سے پچھلے کمرے میں گئی۔

اس نے عورت سے کہا۔

"گن لے کر میرے ساتھ آ جاؤ"۔

انہوں نے مرے ہوئے سپاہیوں کی ایک ٹامی گن اٹھائی اور دروازے میں آ کر دائیں بائیں مورچہ بنالیا۔

ماریا کہاں؟ ناگ کہاں

گولیوں کی آواز نے قصبے کے سارے سپاہیوں کو چوکنا کر دیا۔

وہ بندوقیں لیے مکان سے باہر آ گئے اور دفتر کی طرف لپکے۔ ماریا اور فرانسیسی قیدی عورت نے ان میں سے کئی ایک کو بھون کر رکھ دیا۔

ماریا نے عورت کو اسی جگہ رہنے کی ہدایت کی اور

خود دفتر سے نکل کر باہر قصبے کے چوک میں آ گئی۔ ایک جگہ جیل گاڑی کے پیچھے دو جرمن سپاہی مورچہ بنائے بیٹھے تھے۔

ماریا نے ان دونوں پر ٹامی گن کی بوچھاڑ کر کے ہلاک کر دیا۔ وہ بڑی حیران تھی کہ ایک چھوٹی سی مشین سے کس طرح تڑا تڑ گولیاں نکلتی چلی آ رہی ہیں۔

تھوڑی دیر میں قصبے کے سارے جرمن سپاہی موت کی آغوش میں آ چکے تھے۔ ماریا نے قیدی کو ساتھ لیا اور اس کے مکان میں آ گئی۔

یہاں آ کر ماریا نے اس کی مرہم پٹی کی اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ ابھی پوچھی تھی کہ قیدی عورت نے کہا۔

"اے مقدس روح! اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ میں جیپ چلا سکتی ہوں۔ جیپ مجھے دوسرے گاؤں میرے بچوں کے پاس پہنچا دے گی"۔

ماریا نے اسے خوشی سے اجازت دے دی۔ عورت جیپ میں سوار ہو کر ماریا کا شکریہ ادا کرتی ہوئی چلی گئی۔

ماریا قصبے میں اکیلی رہ گئی۔ اسے جیپ چلانی نہیں آتی تھی۔ قیدی عورت سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ پیرس شہر وہاں سے مغرب کی جانب ایک رات اور ایک دن کے سفر پر ہے۔

ماریا نے پیرس کی طرف سڑک پر پیدل ہی چلنا

شروع کر دیا۔

ادھر ناگ اور عنبر کا حال بھی سنیئے۔

ماریا ان دونوں کو مصر کی سرائے میں چھوڑ کر دریا کنارے سیر کرنے گئی تو وہ بھی تھوڑا بہت کھانا کھا کر سو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ناگ کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ عنبر سو رہا ہے مگر ماریا ابھی تک واپس نہیں آئی۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔

اس نے عنبر کو جگانا مناسب خیال نہ کیا اور خود ہی سرائے سے نکل کر دریا کنارے آ گیا۔ تھوڑی دور ہی گیا ہوگا کہ اس پر غنودگی سی چھانے لگی۔

سر چکرانے لگا۔ یہ وہ وقت تھا جب ماریا ایک سو برس آگے نکل گئی تھی۔ ناگ نے سر تھام لیا۔

سوچنے لگا کہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ ابھی وہ کچھ نہ سکا تھا کہ ایکدم سے بے ہوش ہو کر ریت پر گر پڑا۔ ہوش آیا تو وہ بھی ایک سو برس آگے نکل چکا تھا۔ اور اب 1943 میں سانس لے رہا تھا۔

اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک جنگل میں کھڑا ہے۔

بڑا گھنا جنگل ہے۔ دور سے گولہ باری کی آواز آ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابھی بارش ہو گی۔ وہ حیرت میں ڈوبا جنگل میں ایک طرف چلنے لگا۔

ایک جھونپڑی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک سپاہی بندوق تانے اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہالٹ! کون ہو تم؟"۔

ناگ کا لباس ایک سو برس پرانا تھا۔ سپاہی نے تنگ پتلون اور سر پر سبز رنگ کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اس کی وردی بھی سبز رنگ کی تھی۔ ناگ تعجب سے اسے تکنے لگا۔

سپاہی نے پوچھا۔

"کون ہو۔ کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں جڑی بوٹیوں کا تاجر ہوں۔ جنگل میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں نکلا تھا کہ راستہ بھول کر ادھر آ گیا۔ تم کون ہو؟"۔

سپاہی نے ہنس کر کہا۔

"ہندوستان کے معلوم ہوتے ہو؟"۔

ناگ نے یونہی کہہ دیا۔

"ہاں۔ میں ہندوستان کا ہوں"۔

سپاہی نے بندوق نیچے کر لی اور کہا۔

"میرے ساتھ آؤ"۔

وہ اسے قریب ہی ایک مورچے کے پاس بارک میں لے گیا۔ یہاں دو سپاہی مورچہ بنائے بیٹھے تھے۔

ناگ نے انہیں جا کر سلام کیا۔

پہلے سپاہی نے کہا۔

"یہ جڑی بوٹیوں کا شیاسی ہے۔ ہندوستانی ہے"۔

انہوں نے ناگ کی تلاشی لی۔ اسکے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے ناگ کو چائے پلائی اور بتایا کہ وہ جنگ کے میدان میں آ گیا ہے۔

"جنگ کا میدان؟"۔

ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

سپاہی نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ برما کے جنگل ہیں اور

ہم ہندوستانی فوج کے سپاہی انگریزی فوج کے ساتھ مل کر جاپانیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں؟"۔

ناگ نے سر پکڑ لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ مقدر نے پھر ایک سو برس کی چھلانگ لگائی ہے۔ اور اسے دوسری جنگ عظیم کے شعلوں میں لا کر پھینک دیا ہے۔

وہ خاموش ہو گیا۔ اب اسے عنبر اور ماریا کا خیال آ رہا تھا۔ کہ وہ کس حال میں ہوں گے اور کہاں ہوں گے۔

یہ مسلمان ہندوستانی سپاہی تھے اور اپنی کمپنی سے بچھڑ کر ایک جگہ گھرے ہوئے تھے۔ ان کے ارد گرد جاپانی سپاہی زبردست فائرنگ کر رہے تھے۔

دیوی کپالا کا جال (عمروناگ۔ماریا قسط نمبر 62)

ناگ کو ایک سپاہی نے بتایا۔

"ہم مسلمان ہیں اور پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ جاپانیوں کا زور اس علاقے میں بڑھ گیا ہے۔ ہماری کمپنی پیچھے ہٹ رہی تھی کہ جاپانیوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہے اور اب ہمارے پاس اسلحہ بھی ختم ہو رہا ہے"۔

ناگ کو معلوم ہوا کہ یہ تینوں سپاہی یا تو لڑتے لڑتے ہلاک ہو جائیں گے اور یا جاپانی آ کر انہیں گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

انہیں بہت جلد کمک کی ضرورت تھی۔ ان کے پاس جو وائرلیس سیٹ تھا وہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔ ان کی کمپنی پیچھے دو میل دور تھی۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی کمپنی کے کمانڈر کو پیچھے جا کر خبر کی جائے تا کہ وہ ان کی کوئی مدد کر کے انہیں دشمنوں کے نرغے سے نکال کر لے جائیں۔

ناگ نے کہا۔

"اگر آپ لوگ مجھے کوئی پیغام لکھ کر دے دیں تو میں پیچھے جا کر آپ کے کمانڈر کو وہ پیغام دے دوں گا۔ میں اس جنگل کے خفیہ راستوں سے واقف ہوں"۔

سپاہی بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے جلدی سے ایک خط لکھ کر ناگ کو دیا اور کہا۔

"پیچھے جاؤ گے تو دو میل کے فاصلے پر ایک ٹیکری پر تمہیں ہماری توپیں ملیں گی۔ یہ ہمارا توپ خانہ ہوگا۔ وہیں انگریز کمانڈر ایڈم سے مل کر یہ خط دے دینا"۔

ناگ نے خط لیا اور جنگل میں عقب کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس نے یونہی کہہ دیا تھا کہ وہ جنگل کے راستوں سے واقف ہے۔

ورنہ اسے وہاں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں تھیں۔ لیکن چونکہ وہ ہزاروں سالوں سے جنگل کے سفر کرتا چلا آیا تھا، اس لیے اس نے چلنا شروع کر دیا۔

دوپہر تک وہ جنگل میں ایک پگ ڈنڈی پر چلتا رہا۔

ایک جگہ سے وہ گزر رہا تھا کہ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی اس کے بازو کو چھوتی ہوئی گزر کر سامنے درخت میں کھب گئی۔

ناگ زمین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں دو جاپانی سپاہی بندوقیں تانے آگئے۔ انہوں نے ناگ کو دیکھ لیا تھا۔

وہ اس کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی زبان میں بولے۔

"کون ہو تم؟ کہاں جا رہے ہو؟ اس کی تلاشی لو"۔

ناگ بڑی آسانی سے ان کی زبان سمجھ رہا تھا۔

اس نے سوچا اگر ان جاپانیوں نے خط دیکھ لیا تو آگے مسلمان سپاہیوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ ان کو مدد نہ پہنچ سکے گی۔

اس نے خط ایک جھاڑی میں پھینکا اور خود ایک دم سے جون بدل کر باریک سا سانپ بن کر گھاس میں گم ہو گیا۔

جاپانی سپاہی حیرت سے آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک جیتا جاگتا انسان غائب ہو گیا تھا۔

انہوں نے ناگ کو جھاڑیوں میں خط پھینکتے دیکھ لیا تھا۔ وہ جھاڑی کی طرف بڑھے۔

ناگ گھاس میں چھپا بیٹھا تھا۔ انہیں جھاڑیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے کھسکا اور لپک کر اس نے ایک جاپانی سپاہی کی ٹانگ میں ڈس دیا۔

جاپانی چیخ مار کر گرا۔ دوسرا جاپانی اس کی مدد کو دوڑا۔ مگر ناگ نے بھی اسے ڈس دیا۔ دونوں جاپانی سپاہی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

ناگ پھر سے انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے خط جھاڑیوں میں سے اٹھا کر جیب میں ڈالا اور ایک سپاہی کی بندوق کندھے پر رکھ کر جنگل میں اپنے سفر پر

روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے آحرا سے دور پہاڑی پر ایک جھونپڑا سا نظر آیا۔ سمجھ گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں انگریز کمانڈر ایڈم کا مورچہ ہے۔

ناگ گرتے پڑتے اس مورچے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اچانک اس کے دائیں بائیں دو گولیاں فائر ہوئیں اور ایک آواز گونجی۔

"ہالٹ! کون ہو تم؟"۔

ناگ اسی جگہ رک گیا۔ ایک ہندوستانی سپاہی بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

اپنی سنگینیں اس کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

"دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو"۔

ناگ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کہا۔

"مجھے اپنے کمانڈر ایڈم کے پاس لے چلو۔ میں اس کے لیے آپ کے سپاہیوں کا ایک خاص پیغام لایا ہوں"۔

انہوں نے ناگ کی تلاشی لی اور جیب سے خط نکال کر پڑھا۔ خط ان کی کمپنی کے کاغذ پر لکھا گیا تھا۔

وہ جلدی سے ناگ کو کمانڈر ایڈم کے پاس لے گئے۔

کمانڈر ایڈم اپنے جھونپڑے نما دفتر میں بیٹھا پیچھے وائرلیس کر رہا تھا۔ اس نے جب خط پڑھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

اس کی کمپنی کے سپاہیوں نے جاپانیوں کی صحیح پوزیشن لکھ دی تھی کہ وہ کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں۔

کمانڈر راڈیم نے اسی وقت گولہ باری کا حکم دیدیا۔ دوسرے ہی لمحے دھائیں دھائیں توپوں سے گولے نکل نکل کر جنگل میں جا کر پھٹنے لگے۔

ناگ نے وہ رات اسی مورچے میں گذاری۔ دوسرے روز فوج نے آگے بڑھ کر سپاہیوں کو بچا کر نکال لیا۔

ناگ نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

"یہاں سے قریبی شہر کتنی دور ہوگا؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"تم کون سے شہر جانا چاہتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں جس شہر سے نکل کر جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرنے آیا تھا، اس کا نام شاید اکیاب تھا"۔

سپاہی ہنس پڑے۔

تم بالکل ناواقف ہو۔ اکیاب یہاں سے بہت زیادہ دور ہے۔ تم کل تک ہمارے پاس ہی ٹھہرو۔ کل ہمارا ایک ٹرک پیچھے امپھال تک جائے گا۔

امپھال پہنچ کر تم اگر چاہو تو ریل میں سوار ہو کر برما کے شہر مولمین تک جا سکو گے۔ وہاں سے تم برما کے دارالحکومت رنگون بڑی آسانی سے پہنچ سکتے ہو۔

ناگ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے روز امپھال پہنچ گیا۔ وہاں بھی افراتفری مچی تھی۔ کسی نہ کسی طرح وہ ریل میں بیٹھ کر مولمین آ گیا اور وہاں سے رنگون شہر پہنچ گیا۔

بڑے شہر وہ اس لیے پہنچنا چاہتا تھا کہ وہاں عنبر یا ماریا سے ملنے کی توقع تھی۔

رنگون پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ وہاں پر جنگ کی دہشت چھائی ہے۔ یہ خبر عام ہے کہ جاپانی اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ برما کی حکومت وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگل کے راستے

ہندوستان جا رہے ہیں۔

شہر پر جاپانیوں نے ہوائی جہازوں سے کئی بار بم برسائے تھے۔

ناگ کے سامنے ایک بار جاپانی جہازوں نے بم برسائے تو وہ حیران رہ گیا کہ انسان نے کس قدر ترقی کر لی ہے۔

پہلے تو وہ اڑتے ہوئے جہازوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر جب انہوں نے بم برسا کر شہر کے ایک علاقے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو ناگ حیرت میں گم ہو گیا۔

اس قسم کی تباہی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ایک بم آسمان سے آ کر زمین پر گرتا تھا اور مکانوں کو برباد کر کے وہاں گہرا گڑھا چھوڑ جاتا تھا۔

ناگ شہر کے سب سے بڑے چوک میں سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بہت بڑے مندر پر پڑی۔

اس مندر کا کلس چمک رہا تھا۔

وہ مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر کی چوڑی سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے گملوں میں سفید پھول کھل رہے تھے۔

یہ بہت عظیم الشان مندر تھا اور یہاں مہاتما بدھ کے سونے کے بت کی پوجا ہوتی تھی۔ ناگ مندر میں چل پھر رہا تھا کہ ایک پجاری سے اس کی ملاقات ہو گئی۔

ناگ نے اس سے کہا۔

"بھائی! میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔ کیا مجھے یہاں رہنے کو کوئی جگہ مل جائے گی؟"۔

پجاری نے کہا۔

"یہ مندر ہے۔ یہاں رہنے کو کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم شہر میں کیوں نہیں جاتے۔ ہزاروں لوگ شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کے مکان خالی ہیں۔ تم کسی مکان میں جا کر ڈیرا لگا سکتے ہو"۔

ناگ مندر سے باہر نکل آیا۔ شہر میں اگرچہ کاروبار ہو رہا تھا مگر لوگوں کے چہروں پر پریشانی تھی۔

پجاری نے ٹھیک کہا تھا۔

کئی مکانوں پر تالے پڑے تھے۔ ناگ شہر سے باہر آ گیا۔ یہاں ایک گراؤنڈ کے پاس ایک بستی تھی۔ بستی میں خاموشی چھائی تھی۔

مکانوں کے دروازے بند تھے۔ ناگ ایک مکان کے قریب سے گذرا تو اسے ایک بوڑھے شخص نے روک کر پوچھا۔

"تم مجھے اجنبی دکھائی دیتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں اور میرا بھائی امپھال میں جڑی بوٹیوں کی

تجارت کرتے تھے۔ وہ مجھ سے جنگ میں بچھڑ گئے۔ میں رنگون آ گیا ہوں۔ بھائی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں"۔

بوڑھے نے کہا۔

"اگر تم چاہو تو میرے مکان میں رہ سکتے ہو۔ میں اپنے بچوں کے پاس گاؤں جا رہا ہوں"۔

ناگ نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور اس کے گھر میں آ گیا۔ یہ دو کمروں کا پتا ہوا تھا۔

بوڑھا اپنا تھوڑا بہت سامان لے کر چلا گیا اور ناگ نے وہاں رہنا شروع کر دیئے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عنبر پر کیا گذری؟۔

عنبر نے بھی ماریا کو دریائے نیل کی جانب سیر کی غرض سے جاتے دیکھا تو ناگ کے پاس ہی چارپائی پر سو گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہاں نہ وہ سرائے تھی۔ نہ دریائے نیل تھا اور نہ اس کے پاس ناگ سویا ہوا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ ایک ریلوے سٹیشن کے بنچ پر بیٹھا ہے۔

ریلوے لائن پر ایک انجن اور گاڑی کو کھڑے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ ریل گاڑی اور اس کا انجن اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے آس پاس چند ایک گورے گورے چہروں والے مرد اور عورتیں ریل کے ڈبوں میں چڑھ رہی تھیں۔

آسمان پر صبح کی روشنی پھیلی تھی۔ ہلکی ہلکی بادل چھائے ہوئے تھے۔ دھوپ بالکل نہیں تھی۔ عنبر نے ایک شخص سے پوچھا۔

"بھائی! یہ کون سا شہر ہے؟"۔

اس گورے آدمی نے چونک کر عنبر کو دیکھا اور انگریزی میں پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عنبر سمجھ گیا کہ تاریخ نے پھر اس کے ساتھ مذاق کیا

ہے اور اسے سو دو سو برس آگے کے زمانے میں پھینک دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ناگ اور ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اسی زمانے میں کہیں سانس لے رہے ہیں۔

عنبر نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

”میرا مطلب یہ تھا جناب کہ میں اس شہر کا نام جو سامنے لکھا ہے۔ پڑھ نہیں سکتا“۔

گورے نے کہا۔

یہ انگلستان کا ملک ہے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے۔ جرمن ہر روز ہمارے شہروں پر بمباری کرتے ہیں۔

جرمن فوجوں نے فرانس پر قبضہ کر لیا ہے اور تم اس وقت انگلستان کے ایک چھوٹے شہر یارک شائر کے ریلوے سٹیشن پر بیٹھے ہو۔

اب یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟۔

عنبر اب سمجھ گیا تھا۔ کہنے لگا۔

”مجھے لندن شہر جانا ہے۔ یہ پتا نہیں کہ میں وہاں کس طرح سے پہنچ سکتا ہوں“۔

عنبر سو برس پہلے بھی لندن آیا تھا اور ایک پرانے مکان میں کپتان کے ساتھ رہا تھا۔

یقیناً اب وہ کپتان مر کھپ چکا ہوگا۔ خدا جانے اس کا پرانا مکان وہاں بھی ہے یا نہیں۔

بہر حال اسے یقین تھا کہ لندن پہنچ کر اگر وہ ناگ یا ماریا کو تلاش کرے تو ہو سکتا ہے، ان سے ملاقات ہو جائے۔

گورے نے کہا۔

اس کے لیے تمہیں یہاں سے ایک ٹکٹ خریدنا ہو گا۔ یہاں سے ایک گھنٹے بعد ایک ریل گاڑی چلے گی۔

اس میں سوار ہو کر تم لندن پہنچ سکتے ہو۔

کیا تم مصری ہو؟

عنبر نے کہا۔

”جی ہاں“۔

اور اٹھ کر ریل کے انجن کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑی حیرانی سے انجن کو دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں انجن نے زور سے سیٹی بجائی۔ عنبر ڈر کر پرے ہٹ گیا۔ پھر زور سے انجن نے بھاپ چھوڑی اور چھک چھک کرتا گاڑی کے ڈبوں کو ساتھ لیے سٹیشن سے باہر نکل گیا۔

عنبر بت بنا ریلوے انجن اور گاڑی کو دیکھتا رہا۔

کس قدر حیرت انگیز ایجاد تھی یہ۔ اس سے پہلے عنبر نے ایسا تماشا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ پلیٹ فارم پر چلتے پھرنے لگا۔ پلیٹ فارم کی چھت کے ساتھ لگے بلب روشن تھے۔ وہ ان روشن

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

بلیوں کو بھی حیرت سے تک رہا تھا۔

کچھ فوجی پلیٹ فارم پر بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں زور کا الارم ہوا۔ یہ ہوائی حملے کا الارم تھا۔

عنبر نے دیکھا تھا کہ پلیٹ فارم پر بیٹھے سارے لوگ اٹھ کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ عنبر بھی ایک طرف دوڑ کر چھپ گیا۔

عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

اس نے ایک گورے سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور لوگ کیوں بھاگ کر چھپ گئے ہیں؟۔

گورے نے پلٹ کر حیرانی سے عنبر کو دیکھا اور پھر کہا۔

"تم مجھے احمق نظر آ رہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ خطرے کا الارم بجا ہے اور جرمن طیارے اس علاقے پر بمباری کرنے آ رہے ہیں؟"۔

"طیارے کیا ہوتے ہیں؟"۔

گورے کی ہنسی نکل گئی۔

"تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اپنی گردن نیچی رکھو"۔

عنبر اس گورے کے ساتھ ایک خندق میں چھپا بیٹھا تھا۔ اتنے میں گھوں گھوں کی آوازیں آنے

لگیں۔

پھر آسمان پر سیاہ اور خاکی رنگ کے بمبار جہاز نمودار ہوئے۔ عنبر تعجب سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان جہازوں سے بڑے بڑے لمبوترے سے گولے نکل نکل کر گرنے لگے۔

پھر زمین دھماکوں سے تھرا گئی۔ عنبر نے سر چھپا لیا۔ زمین ہل رہی تھی۔ مکان گر رہے تھے۔ ایک بم ریلوے اسٹیشن سے ذرا دور ایک مکان پر گرا۔

اس کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک بار تو عنبر بھی کانپ گیا۔

پھر جانے عنبر کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ خندق سے باہر نکل آیا اور سامنے جا کر میدان میں کھڑا ہو گیا اور آسمان پر غوطہ لگا لگا کر بم پھینکتے جرمن ہوائی جہازوں کو تکنے لگا۔

گورے نے چیخ کر کہا۔

واپس آ جاؤ بےوقوف! ادھر مر جاؤ گے؟۔

مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور ہوائی جہازوں کو دیکھتا رہا۔

اتنے میں ایک ہوائی جہاز غوطہ لگا کر عنبر کے اوپر آیا اور اس نے بم پھینک دیا۔ خندق میں چھپے گورے نے دیکھا کہ بم عنبر کے پاؤں میں آ کر زور سے دھماکے سے پھٹا۔

گورے نے گردن جھکا لی۔ عنبر زمین سے کوئی بیس فٹ اوپر اچھلا اور پھر واپس ایک گڑھے میں گر پڑا۔

یہ گڑھا بم نے ڈال دیا تھا۔ اس کے ارد گرد زمین تباہ ہو گئی مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا تھا۔ وہ گڑھے سے باہر نکل آیا۔

گورے کو افسوس ہو رہا تھا کہ یہ شخص مارا گیا مگر جب اس نے دیکھا کہ عنبر بم کے ڈالے ہوئے گڑھے کے قریب کھڑا اسے جھک کر دیکھ رہا ہے تو وہ اپنی جگہ سے ہل گیا اور پتھر کا بت بنا عنبر کو تکنے لگا۔

اس کے خیال سے عنبر کے پرخچے اڑ کر بکھر چکے تھے۔

عنبر آہستہ آہستہ چلتا واپس خندق میں آ گیا۔ گورا ڈر کر پرے ہٹ گیا۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟ کیا تم بھوت ہو؟"۔

عنبر ہنسا۔

"نہیں! میں تمہارے جیسا انسان ہوں"۔

گورا بولا۔ مگر تم مرے کیوں نہیں۔ بم تمہارے پاؤں میں آ کر پھٹا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں بم گرا ضرور تھا۔ میں اچھلا بھی تھا۔ مگر پھر

اپنی جگہ پر آ گیا۔ بس۔ اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔

اتنا کہہ کر عنبر خندق سے نکل کر ایک طرف کو چل پڑا۔

گورا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ لندن جانے والی گاڑی کوئی دو گھنٹے بعد آئی۔

عنبر اس میں بغیر ٹکٹ ہی سوار ہو گیا۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ وہ ٹکٹ کہاں سے لیتا۔ ڈبے میں کچھ عورتیں اور مرد بھی بیٹھے تھے۔

عنبر بھی کونے میں لگ کر بیٹھ گیا۔ انجن نے سیٹی بجائے اور گاڑی چل پڑی۔

ریل گاڑی کھیتوں میں سے ہو کر تیزی سے گذر رہی تھی کہ ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اس نے سارے مسافروں کا ٹکٹ دیکھا۔

عنبر کے پاس آیا تو عنبر نے کہا کہ وہ ٹکٹ نہیں خرید سکا۔ کیونکہ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ٹکٹ چیکر نے کہا۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“۔

”لندن شہر“۔

”تمہیں اگلے اسٹیشن پر اترنا ہو گا۔ میں تمہیں ریلوے پولیس کے حوالے کروں گا“۔

عنبر بڑا پریشان ہوا۔ اس نے ٹکٹ چیکر کی بڑی

منت کی کہ بھائی غریب آدمی ہوں۔ پیسے ہوتے تو ضرور ٹکٹ خرید لیتا۔

لیکن گورے ٹکٹ چیکر نے ایک نہ مانی اور اسے اگلے سٹیشن پر اتار کر ریلوے پولیس کے حوالے کر دیا۔ ریلوے پولیس نے عنبر کو حوالات میں بند کر دیا۔

عنبر نے سوچا کم بخت وہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اس نے ریلوے پولیس کے انچارج کو بلا کر کہا۔

"بھائی! مجھے جانے دیں۔ میرے پاس پیسے ہوئے تو میں ریلوے والوں کی ایک ایک پائی ادا کر دوں گا"۔

مگر گورا انچارج اسے جھڑک کر کہنے لگا۔

"بکواس بند کرو۔ تم کالا آدمی ریلوے کو ہمیشہ تنگ کرتا ہے۔ تم لوگوں نے ہمارے ملک کو ہوٹل بنا رکھا ہے۔ کم بخت جانے کدھر کدھر سے بھکاری لوگ ادھر آ جاتا ہے"۔

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اس موٹے گورے نے اسے بھکاری کہا تھا۔

کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ عنبر فرعون مصر کا بیٹا تھا۔ وہ شہزادہ تھا؟۔

لیکن اس گورے کو کیا معلوم! عنبر نے اس بدلگام گورے کو تماشہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ حوالات کی

سلاخیں بڑی مضبوط لوہے کی تھیں۔

عنبر نے دونوں ہاتھوں سے لوہے کے سلاخ دار دروازے کو پکڑا۔ آنکھیں بند کیں اور پورا زور لگا کر دروازہ اکھاڑ کر پیچھے پھینک دیا۔

دروازہ گرنے کا شور سن کر تھانے کا انچارج بھاگا بھاگا آیا۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ دروازہ زمین پر گرا تھا اور عنبر غائب تھا۔

اس نے سیٹیاں بجائیں۔ شور مچایا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ مگر عنبر وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ لندن کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے ارد گرد کھیت ہی کھیت تھے۔ کہیں کہیں ایک آدھ کسان کھیتوں میں گھوڑوں کی مدد سے ہل چلاتا نظر آ جاتا تھا۔

چلتے چلتے دوپہر بھی گزر گئی۔ آسمان پر بادل گرجا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ سامنے کچھ دور ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر ادھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ ادھر پکڑے جانے کا ڈر تھا۔

قریب ہی کھیتوں میں ایک مکان نظر آیا۔

عنبر اس مکان کے پاس آ گیا۔ ایک کھڑی میں پانی بھرا ہوا تھا۔

عنبر نے پانی پیا اور مکان کے چھپر کے نیچے بارش

سے بچنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اندر سے ایک موٹی سی عورت باہر نکلی۔ اس نے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورا اور کہا۔

"کون ہو تم؟"۔

عنبر نے کہا۔

"مسافر ہوں۔ لندن شہر کو جا رہا ہوں۔ ذرا کی ذرا بارش سے دم لینے کو رک گیا ہوں"۔

اس عورت نے کہا۔

"تم ریل میں سفر کیوں نہیں کرتے؟"۔

عنبر نے صاف کہہ دیا۔

"میرے پاس ریل کا کرایہ نہیں ہے"۔

عورت نے مسکرا کر کہا۔

"اندر آ جاؤ"۔

چھوٹا سا دیہاتی کمرہ تھا۔ مگر گرم تھا۔ سردی زیادہ نہیں تھی۔ عورت نے عنبر کو دودھ کا گلاس اور روٹی کھانے کو دی۔

عنبر نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

جاتے ہوئے عورت نے عنبر کو ریل کا کرایہ بھی دیا اور کہا۔

"ریل گاڑی رات کو آئے گی۔ سٹیشن پر چلے جاؤ۔ ٹکٹ لے کر اس میں بیٹھ جانا۔ وہ تمہیں صبح لندن پہنچا دے گی"۔

عنبر نے ایک بار پھر نیک دل عورت کا شکریہ ادا کیا اور ریلوے اسٹیشن آ کر ایک طرف کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

خوفناک گوریلے

رات کو گاڑی آ گئی۔

بمباری کی وجہ سے رات کو اندھیرا رہتا تھا۔ بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔

عنبر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی ساری رات چلتی رہی۔ صبح وہ لندن پہنچ گیا۔ یہاں آدھا شہر بمباری کی وجہ سے ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔

عنبر کو سب سے پہلے پیسوں کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے ایک جگہ ملبہ صاف کرنے کا کام حاصل کر لیا وہ دن کو کام کرتا اور رات کو سٹیشن کے پاس ہی ایک کھولی میں جا کر سو رہتا۔

اتوار کو چھٹی ہوتی تو وہ شہر کے چکر لگاتا۔ اس خیال سے کہ شاید ماریا اور ناگ سے ملاقات ہو جائے۔

ادھر ماریا ایک کچی سڑک پر پیرس کو چلی جا رہی تھی۔ یہ کچی سڑک کھیتوں میں سے ہو کر جاتی تھی۔

راستے میں اس نے جرمن سپاہیوں کو گاڑیوں میں سوار آتے جاتے دیکھا فرانسیسی کسان سہمے ہوئے گھروں میں بیٹھے تھے۔

ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ جرمنوں نے پیرس اور دوسرے شہروں پر مکمل قبضہ کر لیا ہے۔

چلتے ہوئے ماریا تھک گئی۔ وہ ایک کھیت کی منڈیر پر بیٹھ گئی۔ پاس ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا پانی پیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر آگے چل پڑی۔

شام تک وہ سفر کرتی رہی۔ آخر ایک گاؤں میں آ گئی۔ یہاں ایک گرجا گھر میں اس نے ایک پادری کے گھر میں پناہ لی۔

پادری کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ ماریا نے باورچی خانے میں جا کر کھانا کھایا۔ لباس تبدیل کیا اور گرجا گھر میں آ کر خداوند کی عبادت اور اس کا شکر ادا کیا۔

پھر وہ گرجے کے بنچ پر ہی سو گئی۔

دن نکلا تو وہ گرجے سے باہر آ گئی۔

یہاں کچھ فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان فوجیوں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ پیرس جا رہے ہیں۔

ماریا بھی ایک گاڑی کی چھت پر سوار ہو گئی۔ گاڑیاں روانہ ہوئیں۔ شام سے کچھ پہلے وہ پیرس پہنچ گئی۔

پیرس میں بڑی رونق تھی۔ جرمن فوجی ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔ فرانس کے لوگوں نے اگرچہ شکست قبول کر لی تھی۔

مگر دل میں وہ جرمنوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔

ماریا سڑکوں پر گھومتے پھرتے ایک ایسے علاقے میں آ گئی۔ جہاں دائیں بائیں ہوٹل تھے۔

یہاں لوگ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ ماریا کو بھی بڑی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ایک ہوٹل میں داخل ہوئی اور کسی طرح لوگوں سے بچتی بچاتی ہوٹل کے باورچی خانے میں آ گئی۔

یہاں میزوں پر قسم قسم کے مزیدار کھانے اور میٹھے

بسکٹ تھالیوں میں سجے تھے۔

ماریا نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ہوٹل سے باہر آ گئی۔

اب اسے ضرورت اس بات کی تھی کہ رات بسر کرنے کے لیے کوئی ٹھکانہ تلاش کیا جائے۔ چلتے چلتے اس کی نظر ایک عمارت پر پڑی۔

وہاں فرانسیسی زبان میں لکھا تھا۔

"یہاں ماہوار کرائے پر کمرے ملتے ہیں"۔

ماریا عمارت میں آ گئی۔ اندر سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ ماریا کچھ دیر سیڑھیوں میں کھڑی رہی۔ کاؤنٹر کے آگے دو ایک مسافر کھڑے رجسٹر پر اپنے نام

وغیرہ لکھ رہے تھے۔

پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر آ گئی یہاں آمنے سامنے کمرے بنے تھے۔ جنگ کی وجہ سے اکثر کمرے خالی تھے۔

ماریا نے سب سے آخر والا کمرہ اپنے لیے پسند کر لیا۔ اس کمرے کے باہر تالا لگا تھا۔ اس نے تالا توڑ کر پھینک دیا اور کمرے میں آ گئی۔

بڑا آرام دہ کمرہ تھا۔ بستر اور لحاف اور میز کرسی اور آتشدان موجود تھے۔ ماریا نے غسل کیا۔ کپڑے صاف ستھرے کر کے دوبارہ پہنے اور بستر پر لیٹ گئی کہ کچھ دیر آرام کرے۔

رات گہری ہو رہی تھی۔ شہر میں روشنیاں بالکل نہیں تھیں۔ جنگ کی وجہ سے بلیک آؤٹ تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔

صرف کمروں کے اندر شیڈ لگا کر موم بتیاں روشن تھیں۔ ماریا نے کوئی موم بتی روشن نہ کی۔ اچانک اسے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"کونے والا یہ کمرہ بڑا آرام دہ ہے، جناب آپ یہاں بڑا سکون محسوس کریں گے"۔

ماریا بستر سے جلدی سے اٹھ کر کونے میں کھڑی ہو گئی۔ ہوٹل کا ملازم اپنے ساتھ ایک جرمن فوجی افسر کو

لیے چلا آ رہا تھا۔

اس نے جو دیکھا کہ تالا کھلا ہے تو بڑا حیران ہوا۔ مگر اس نے اپنی حیرانی جرمن افسر پر ظاہر نہ ہونے دی۔ کمرہ کھول کر ملازم نے شیڈ والی موم بتی روشن کر کے میز پر رکھ دی۔

جرمن فوجی نے کوٹ اتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا۔ ملازم نے اس کا سوٹ کیس میز پر رکھ دیا اور کہا۔

"آپ کیا پینا پسند کریں گے؟"۔

"کافی ۔۔۔ گرم گرم"۔

"جو حکم حضور!"۔

ملازم دروازہ بند کر کے کافی لانے چلا گیا۔ اور

جرمن فوجی افسر سیٹی بجاتا غسل خانے میں چلا گیا۔

ماریا نے سوچا کہ وہ کیا کرے؟۔

اسی کمرے میں رہے یا یہاں سے نکل جائے؟۔

مگر وہ یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی۔

وہ جہاں بھی جائے گی اس کے ساتھ یہی مصیبت پیش آئے گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسی کمرے میں رہے گی۔

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس جرمن افسر کو نکال کر باہر کرے گی۔

اتنے میں نوکر کافی لے آیا۔ جرمن فوجی افسر بھی غسل خانے میں سونے کا لباس پہن کر باہر آ چکا تھا۔

ملازم چلا گیا۔

جرمن افسر کافی پینے لگا۔ پھر اس نے ٹیلی فون کرنا شروع کر دیا۔ جرمن زبان میں وہ کسی فوجی سے کہہ رہا تھا۔

"پیرس پر قبضہ مکمل ہو چکا ہے۔ کل تک ہماری بہادر فوجیں سارے فرانس پر اپنے قدم جما لیں گی۔ ہم نے فرانس کے تمام محبِ وطن لوگوں کو قتل کر دیا ہے یا جیلوں میں ٹھونس دیا ہے"۔

کسی نے دوسری طرف سے کہا۔

"جو فرانسیسی عورت ہمارے پاس قید ہے۔ اس کا کیا کریں؟"۔

جرمن افسر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اسے گولی مار دو"۔

فون بند کر کے جرمن فوجی افسر گرم گرم بستر میں آ کر لیٹ گیا۔

ماریا چپ چاپ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی یہ سارا کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی پریشان ہوئی کہ اب کیا کرے؟۔

وہ کہاں سوئے گی؟۔

آخر اس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیلی فون نیچے گرا دیا۔ جرمن فوجی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے پستول نکال لیا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا نے دروازہ بند کر دیا۔ جرمن افسر بستر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پستول تان لیا تھا۔

"کون ہے کمرے میں؟ جواب دو نہیں تو میں گولی مار دوں گا"۔

ماریا نے گہری آواز بنا کر کہا۔

"میں اس عورت کی روح ہوں جس کو ابھی ابھی تمہارے حکم سے گولی ماری گئی ہے"۔

جرمن افسر ڈر گیا۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔"

"ہاں! میں اسی عورت کی روح ہوں۔ میں مر چکی

ہوں۔ ابھی ابھی تم نے فون پر ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ مجھے گولی مار دو۔ انہوں نے مجھے گولی ماردی ہے۔ میں اس مردہ عورت کی روح ہوں"۔

جرمن افسر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر موم بتی کی مدھم روشنی میں کمرے میں دیکھنے لگا۔ اسے وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اب کپکپانے لگا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ انسان چاہے کتنی ترقی کر جائے مگر وہ روحوں سے اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے انسان ڈرا کرتے تھے۔

جرمن افسر نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

"تم۔ تم کیا چاہتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

میں تم سے انتقام لینے آئی ہوں۔ میں تمہیں ہلاک کرنے آئی ہوں۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے جس کو تم نہیں دیکھ سکتے۔

اس پستول میں پانچ گولیاں بھری ہیں۔ میں یہ پانچوں گولیاں تمہاری کھوپڑی میں ماروں گی۔ تاکہ تمہیں ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی سزا مل سکے۔

اب تو جرمن افسر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کر دو اے روح! مجھے معاف کر دو۔

اب میں کسی عورت پر ظلم کروں گا"۔

ماریا نے سوچا، اگر اس نے جرمن آفیسر کو ہلاک کر دیا تو لاش ٹھکانے لگانے کی مصیبت پڑ جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اسے یہاں سے بھگا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

"چلو میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ لیکن ابھی، اسی وقت یہاں سے سامان اٹھا کر بھاگ جاؤ۔ اور پھر کبھی اس طرف کا رخ نہ کرنا"۔

جرمن افسر تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔ جلدی سے بولا۔

"ابھی بھاگ جاتا ہوں۔ ابھی بھاگ جاتا ہوں"۔

اور جرمن افسر تیزی سے اپنا سارا سامان اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ نیچے جا کر اس نے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔

"اس کمرے میں بھوت آ گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں"۔

جرمن افسر باہر نکل گیا۔ کاؤنٹر کلرک حیران ہو کر ملازم لڑکے کا منہ تکنے لگا۔

"ذرا اوپر جا کر دیکھو تو سہی۔ کمرے میں کون سا بھوت آ گیا"۔

ملازم نے ڈرتے ہوئے کہا۔

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

”تم جا کر دیکھو۔ میں نہیں جاؤں گی“۔

کاؤنٹر کلرک نے مالک سے بات کی۔ دونوں دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتے اوپر ماریا کے کمرے میں آ گئے۔ ماریا نے موم بتی کو بجھایا نہیں تھا۔

وہ خواہ مخواہ وہاں ڈرامہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ بستر پر سے اٹھ کر کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ مالک اور ملازم دبے پاؤں اندر آ گئے۔

انہوں نے کانپتے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ مالک نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کون کہتا ہے۔ یہاں بھوت ہے؟ اس جرمن افسر کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ دیکھو۔ کمرہ خالی پڑا ہے۔ چلو بستر ٹھیک کرو اور کمرے میں تالا ڈال دو“۔

مالک باہر نکل گیا۔ ملازم لڑکا ڈرتے ڈرتے پلنگ کے پاس آیا اور بستر ٹھیک کر کے جلدی سے باہر نکل گیا۔

باہر جاتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا۔ یہ بڑی مصیبت تھی جو اس کم بخت نے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ مگر ماریا نے کچھ نہ کیا اور بستر میں گھس کر لحاف اوپر لے کر سو گئی۔

ساری رات وہ بڑے آرام سے سوئی رہی۔ صبح اس کی آنکھ کھولی تو کھڑکی میں سے دھوپ اندر کمرے

میں آ رہی تھی۔

وہ بڑی ترو تازہ محسوس کر رہی تھی۔ موم بتی رات ملازم نے نہیں بجھائی تھی۔ وہ ساری پگھل کر بجھ چکی تھی۔

ماریا نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کر کے سوچنے لگی کہ یہاں سے نیچے کیسے جائے؟۔

وہ دروازے کو دھکا مار کر توڑ سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ وہ سوچنے لگی کہ کمرے سے کس طرح باہر نکلا جائے اور واپس آ کر آرام بھی کر سکے۔

اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔

نیچے کافی گہرائی تھی۔ وہ غسل خانے میں آ گئی۔ یہاں کھڑکی میں سے نیچے جھانکی تو کیا دیکھتی ہے کہ نیچے ایک سیاہ رنگ کی لوہے کی پتلی سی سیڑھی چلی جا رہی ہے۔

ماریا بڑی خوش ہوئی۔ ہوٹل کا ملازم اس کھڑکی کو بند کرنا بھول گیا تھا۔ ماریا بڑے آرام سے سیڑھی اتر کر باہر بازار میں آ گئی۔

سڑک پر کافی رونق تھی۔ لوگ اپنے اپنے کام کاج کو چلے جا رہے تھے۔

ماریا ان لوگوں میں ناگ اور عنبر کی شکلیں تلاش کر

رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ کچھ بھیڑ سی لگی ہے۔

ماریا وہاں آ گئی۔ دو جرمن سپاہی ایک نوجوان لڑکے کو پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑکے کو مارا بھی تھا۔

لڑکے کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ لوگ چپ چاپ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جرمن فوجی لڑکے کو گھسیٹ کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

وہ کہہ رہے تھے کہ لڑکا جاسوس ہے اور جرمنوں کے خلاف فرانس کے گوریلوں کو اسلحہ سپلائی کرتا ہے۔ لوگوں کی ہمدردیاں اس لڑکے کے ساتھ تھیں مگر وہ

مجبور تھے۔

لڑکے کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ ماریا کو بات کا احساس تھا کہ جرمنوں نے زبردستی فرانس پر قبضہ کر کے وہاں لوگوں کو بے تحاشا قتل کیا ہے۔

لیکن فرانس کے لوگ بے بس ہو چکے ہیں۔ ماریا نے لڑکے کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ موقع دیکھ کر آگے بڑھی۔

اس نے ایک جرمن سپاہی کی بندوق کھینچ کر چھین لی۔

جرمن سپاہی نے گھوم کر دیکھا کہ اس کی بندوق کس نے چھینی ہے۔ بندوق ماریا کے ہاتھ میں

آتے ہیں غائب ہو چکی تھی۔ وہ بھونچکا سا ہو کر لوگوں کو تکنے لگا۔

"کس نے میری بندوق چھینی ہے؟ جلدی بتاؤ"۔

دوسرے جرمن سپاہی نے یہ سب کچھ دیکھا تو گولی چلا دی۔ گولی ایک عورت کو لگی جو وہیں ڈھیر ہو گئی۔

ماریا کو سخت طیش آ گیا۔ اس نے بندوق کی نالی اوپر اٹھائی اور جرمن سپاہی کا نشانہ باندھ کر بندوق چلا دی۔

دھائیں کی آواز کے ساتھ جرمن سپاہی زمین پر

گر کر تڑپنے لگا دوسرے سپاہی نے پستول نکال لیا۔ ابھی وہ پستول چلانے ہی لگا تھا کہ ماریا نے دوسری گولی چلا کر اس جرمن کو بھی موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔

یہ جو کچھ بھی ہوا کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ لوگ دم بخود تین لاشوں کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکے نے موقع غنیمت جانا اور سامنے والے مکان میں گھس گیا۔

دوسرے لوگ بھی وہاں سے بھاگ گئے۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑکی کے ساتھ چھپ کر کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

ماریا دوسرے کمرے میں آ گئی۔ یہاں ایک

چھوٹے کمرے کو دروازہ جاتا تھا۔ جو بند تھا اور جس پر تالا پڑا تھا۔

ماریا سمجھ گئی کہ انہوں نے لڑکے کو اسی کمرے میں چھپایا ہے۔ وہ ابھی کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ کہ نیچے شور مچ گیا۔ بوڑھی عورت تیزی سے خون کے دھبے صاف کرنے لگی۔

کھڑکی کے ساتھ کھڑے مرد نے گھبرا کر کہا۔

"جرمن سپاہی ادھر آ رہے ہیں"۔

بھاگ کر پچھلے کمرے میں گیا۔ بوڑھی عورت نے اٹھ کر کپڑے درست کیے اور کڑھائی کا کام لے کر کرسی پر یوں بیٹھ گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اتنے میں

دھڑا دھڑ کرتے چار جرمن سپاہی ٹامی گنیں اور بندوقیں تانے ہر شے کو ٹھوکر سے ادھر ادھر گراتے کمرے میں آ گئے۔

انہوں نے آتے ہی بوڑھی عورت کے کندھے پر بندوق کا بٹ زور سے مارا۔

بوڑھی عورت نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"یہاں کوئی لڑکا نہیں ہے"۔

جرمن سپاہی نے بندوق کا فائر داغ دیا۔ گولی عورت کی کھوپڑی اڑاتی گذر گئی۔ عورت زمین پر گر پڑی۔ اور مر گئی۔

دوسرے سپاہی کمرے میں آ گئے۔ یہاں وہی

مرد کھڑا تھا۔ جرمنوں نے اس سے بھی لڑکے کے بارے میں پوچھا۔ اس ادھیڑ عمر مرد نے کہا۔

"وہ آیا تھا مگر اس کھڑکی سے بھاگ گیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون تھا اور کدھر گیا"۔

جرمن سپاہیوں نے ادھیڑ عمر مرد کے گلے میں رسی ڈال کر کستی شروع کر دی۔ مرد کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"ختم کر دو اسے بھی"۔

اس سے پہلے کہ سپاہی اس ادھیڑ عمر مرد پر گولی چلاتے ماریا نے گولی چلا دی۔ ایک جرمن سپاہی اچھل کر گرا اور مر گیا۔

دوسری گولی ماریا نے دوسرے سپاہی پر چلا دی۔

وہ بھی گر کر فرش پر تڑپنے لگا۔ دونوں جرمن سپاہی گھبرا کر کمرے میں ادھر ادھر تکنے لگے۔

ماریا نے ایک اور فائر کر کے تیسرے سپاہی کو بھی ہلاک کر دیا۔ چوتھا جرمن سپاہی بھاگنے والا تھا کہ چوتھی گولی نے اسے بھی ختم کر دیا۔

اس کمرے میں اب صرف ایک ہی حیران و پریشان شخص کھڑا تھا۔ اور وہ تھا ادھیڑ عمر فرانسیسی۔ وہ دم بخود تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ گولیاں کدھر سے آئی تھیں جنہوں نے چاروں جرمن سپاہیوں کو ڈھیر کر دیا تھا۔

اب ماریا نے اس کے ساتھ کھل کر بات کرنے کا

فیصلہ کیا۔ اس نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

میں جانتی ہوں، تم محب وطن گوریلا ہو اور تم نے ہی اس لڑکے کو چھپایا ہے۔ میری آواز پر حیران اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

تمہارے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میں تم لوگوں کی ہمدرد ہوں اور تمہاری مدد کرنے یہاں آئی ہوں۔

تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک روح ہوں جسے آسمان سے تمہاری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ کیا اب بھی تم مجھ سے ڈرو گے؟۔

ادھیڑ عمر آدمی خاموش تھا۔

ماریا نے کہا۔

”میں چاہتی ہوں کہ اب تم حیران ہونا چھوڑ کر میرے سوالوں کا جواب دو۔ کیا تم محب وطن گوریلا ہو؟“۔

ادھیڑ عمر مرد نے کہا۔

”ہاں“۔

ماریا بولی۔

مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اب میری بات غور سے سنو۔ جس لڑکے کو تم نے پناہ دی ہے، اس کو جرمن سپاہیوں سے میں نے ہی بچایا تھا۔

سڑک پر میں نے ہی دونوں جرمنوں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں تمہارے ساتھ مل کر تم لوگوں کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔ تا کہ ہم فرانس کی سر زمین سے دشمن کو نکال باہر کریں۔

میں تمہاری بڑی مدد کر سکتی ہوں۔ کیونکہ میں کسی کو نظر نہیں آتی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ لڑکا کہاں ہے؟ تا کہ اسے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔

ویسے بھی میری خواہش ہے کہ تم مجھے دوسرے گوریلا لوگوں سے ملاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بیوی کو ان ظالموں نے مار دیا۔

میں اسے بچا نہ سکی۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن خطرہ اس مکان پر منڈلا رہا ہے۔ تمہیں لڑکے کو ساتھ

لے کر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ جرمن اس مکان کو بم مار کر اڑا دیں گے۔

”اے مقدس روح! تمہاری مدد کا شکریہ! میں اپنے وطن پر اپنے بچوں کو بھی قربان کر سکتا ہوں۔ ایک بیوی کیا۔ اگر میری دس بیویاں ہوتیں تو میں انہیں بھی قربان کر دیتا“۔

پھر اس نے سیٹی بجائی۔ پچھلے کمرے سے وہی لڑکا سامنے آ گیا۔

اس کے ماتھے پر پٹی بندھی تھی۔ ادھیڑ عمر مرد نے اسے کہا۔

”شارل! اس وقت ہمارے ساتھ اس کمرے

دیوی کپالا کا جال (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 62)

میں ایک مقدس روح بھی موجود ہے"۔

لڑکا بوکھلا سا گیا۔

ماریا نے کہا۔

"شارل! گھبراؤ نہیں۔ میں ایک نیک روح ہوں اور تم لوگوں کے ساتھ مل کر جرمنوں کو فرانس سے نکالنے آئی ہوں۔ میرا نام ماریا ہے۔ میں نے تمہیں جرمنوں سے بچایا تھا"۔

اسی وقت دونوں اس مکان سے نکل کر پچھلی طرف سڑک پر آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔

مرد نے کہا۔

"ماریا بہن! یہاں سے ہم ایک ٹرک میں سوار ہو کر بھاگیں گے۔ تم بھی ہمارے ساتھ سوار ہو جانا"۔

"ٹھیک ہے"۔

ماریا نے کہا۔

مرد شارل کو لے کر ایک گلی میں گھس گیا۔ کونے پر ایک ٹرک کھڑا تھا۔ مرد نے ڈرائیور سے بات کی۔

دونوں اس میں سوار ہو گئے۔

ماریا بھی جلدی سے سوار ہو گئی۔ ٹرک بڑی تیزی سے پیرس کے بازاروں میں سفر کرتا ایک ایسے علاقے میں پہنچا جو دریائے سین کے دوسرے کنارے پر تھا۔ یہاں بڑی گنجان آبادی تھی۔ ٹرک ایک جگہ رک گیا۔

"بہن ماریا! تم ہمارے ساتھ ہو ناں؟"۔

"ہاں"۔

"ہمارے ساتھ ہی رہنا"۔

وہ دونوں گلیوں گلیوں ہوتے ایک مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ اندر ایک کمرہ تھا۔ فرش لکڑی کا تھا۔

مرد نے ایک جگہ سے لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا۔ نیچے سیڑھیاں تھیں۔ وہ سیڑھیاں اتر گئے۔ نیچے تہہ خانہ آ گیا۔

یہاں ایک عورت اور ایک مرد بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ شارل اور عمر کو دیکھ کر وہ بڑے خوش ہوئے۔

مرد نے کہا۔

"دوستو! ہم بچ کر نکل آئے"۔

ماریا نے اس ادھیڑ عمر مرد اور شارل کو خبردار کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں کسی تیسرے آدمی کو بالکل نہ بتایا جائے۔

وہ مرد خاموش رہا۔ ماریا کے متعلق اس نے دونوں کو کچھ نہ بتایا۔

ایک ٹوریا بولا۔

"آج رات جرمن ہیڈ کوارٹر پر بم پھینکنا ہوگا"۔

☆ویرن میں ماریا نے کیا کیا معرکے مارے؟

☆ناگ کیسے وہاں پہنچا؟

☆عنبر سے ان دونوں کی کہاں ملاقات ہوئی؟

☆یہ سب کچھ اس ناول کی 63 ویں

قسط میں پڑھیے

شعلے ہی شعلے

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 63)

اے حمید

www.pdfbooksfree.pk کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

ماریا پھنس گئی
شعلے ہی شعلے
سنگین قلعہ
میں بھوت ہوں
گولی سے اڑا دو
دتی بم

پیارے بچو!

ماریا دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں پیرس میں تھی۔ وہ شہر میں گھوم پھر کر ناگ اور عنبر کو تلاش کرتی رہی۔

یہاں وہ فرانسیسی آزادی پسند گوریلوں کے ساتھ مل گئی۔ اس نے جرمن ہیڈ کوارٹر کے گولہ بارود کے گودام پر حملہ کر کے اسے بھک سے اڑا دیا۔

یہاں اس نے ایک عورت کو دیکھا جس کے خاوند

کو جرمن گرفتار کر کے پھانسی کے تختے کی طرف لئے جا رہے تھے۔

ماریا نے اس نوجوان کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ ماریا اس ٹرین میں سوار ہو گئی جو جنگی قیدیوں سے بھری ہوئی تھی اور بڑے قید خانے کی جانب جا رہی تھی۔

راستے میں ماریا نے اس نوجوان کو بچانے کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

اس کے بعد دلچسپ حیرت ناک، پراسرار اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات شروع ہو جاتے ہیں۔

آپ انہیں خود پڑھیں۔

ماریا پھنس گئی

گورملے نے کہا۔

”دشمن کے ہیڈ کوارٹر میں بم میں رکھوں گا“۔

اس پر ماریا کہنے لگی۔

”آپ لوگوں کو میرے ہوتے ہوئے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف وہ جگہ دکھا دو جہاں بم رکھنا ہے۔ باقی سارا کام میں خود کراؤں گی“۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دو گورملے ماریا کے ساتھ چل دیے۔ وہ پادریوں کا بھیس بدل کر ماریا کے آگے آگے چل رہے تھے۔

ماریا ان کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ جرمنوں کا ہیڈ کوارٹر شہر سے باہر ایک پہاڑی کے دامن میں بڑی محفوظ جگہ پر تھا۔

یہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ پہاڑی کی طرف جو سڑک جاتی تھی، اس پر جرمن سپاہیوں کا بڑا سخت پہرہ تھا۔

کسی شخص کو بغیر پاس دکھائے ادھر جانے کی

اجازت نہیں تھی۔ ایک جگہ کانٹے دار تاروں کا دروازہ بنا تھا۔

وہاں دو جرمن سپاہی بندوقیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ دونوں گوریلے ذرا فاصلے پر آ کر رک گئے۔

انہوں نے ماریا سے کہا۔

"اے مقدس روح! دشمن کا ہیڈ کوارٹر وہ سامنے پہاڑی کے دامن میں ہے۔ تمہیں وہاں جا کر ان کے اسلحہ کے ذخیرے میں یہ ٹائم بم رکھنا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ گولہ بارود کا

گودام کہاں پر ہے؟"۔

ایک گوریلے نے کہا۔

"میں جرمن زبان روانی سے بول لیتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ گولہ بارود کا گودام کہاں پر ہے۔ بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ میں ماریا کو ساتھ لیے جاتا ہوں"۔

دوسرا گوریلا بولا۔

"لیکن تمہارے پاس داخلے کا اجازت نامہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں گرفتار کر کے گولی مار دیں گے"۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں پادری کے لباس میں ہوں۔ میں انہیں کہہ دوں گا کہ پہاڑی والے گرجے

میں عبادت کرنے جا رہا ہوں"۔

پہاڑی کے اوپر ایک پرانا گرجا بھی تھا۔ یہ بات دوسرے گوریلے کی سمجھ میں آ گئی اور وہ چلا گیا۔ پہلا گوریلا ماریا کو ساتھ لے کر کانٹے والے دروازے کی طرف بڑھا۔

یہاں جرمن سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا تو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ پادری کو دیکھ کر انہوں نے بندوقیں تان دیں۔

"ہالٹ! کون ہو تم؟"۔

گوریلے نے جھک کر سلام کیا۔ مسکرا کر بڑی نرمی سے بولا۔

"میرے بچو! میں جرمن پادری ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں تمہارے ساتھ فرانس میں داخل ہوا تھا اور اوپر والے گرجے میں عبادت کرنے جا رہا ہوں"۔

گوریلے سے زندگی کی سب سے بڑی حماقت یہ ہو گئی تھی کہ اس نے ٹائم بم ماریا کے حوالے نہیں کیا تھا۔

وہ ابھی تک اس کے چغے کی جیب میں تھا۔ جرمن سپاہیوں نے کہا۔

"مقدس باپ! ہم آپ کو گرجا گھر میں جا کر عبادت کرنے کی بڑی خوشی سے اجازت دیتے ہیں۔

"لیکن ہمیں آپ کی تلاشی لینی ہوگی"۔

اب گوریلے کو خیال آیا کہ ٹائم بم تو ابھی تک ماریا کو دیا ہی نہیں۔ اس پر گویا بجلی گر پڑی۔ اسے پسینہ آ گیا۔

وہ بری طرح پھنس گیا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ جیب سے ٹائم بم نکال کر قریب کھڑی ماریا کے حوالے کرتا۔

اتنے میں دونوں سپاہی آگے بڑھے اور گوریلے کی تلاشی لینے لگے۔ اچانک انہوں نے جیب سے ٹائم بم نکال لیا۔

"خبردار جو حرکت کی"۔

زوردار سیٹی بجی اور قریب کے خیمے سے چھ سات جرمن سپاہی دوڑتے ہوئے آ گئے۔

"یہ گوریلا ہے۔ اس کی جیب سے بم نکلا ہے۔ اسے پکڑ کر لے جاؤ"۔

جرمن سپاہیوں نے اسی وقت گوریلے کو گرفتار کر لیا۔

ماریا بھی پریشان ہو گئی۔ گوریلا بے بس ہو چکا تھا۔ جرمن سپاہی اسے لے کر ہیڈ کوارٹر کی طرف بڑھے۔

ماریا بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ انہوں نے گوریلا کو ایک تہہ خانے میں بند کر دیا۔ ماریا بھی اس

کے ساتھ ہی اسی کمرے میں تھی۔ سپاہی چلے گئے تو اس نے کہا۔

"تم نے بہت بڑی بھول کی جو بم اپنے پاس رکھا۔ بہر حال فکر نہ کرو۔ میں تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

گوریلا بولا۔

"مجھ سے بڑی بھاری غلطی ہو گئی۔ شاید اب تم بھی میری مدد نہ کر سکو۔ تم نہیں جانتی۔ جرمن بڑے ظالم ہیں۔ وہ مجھے اسی جگہ اذیت دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔ ابھی یہ لوگ چاقو لے کر مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آجائیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہمت نہ ہارو۔ تم یہاں سے فرار ہونے کے لیے تیار رہو۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی"۔

گوریلے نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں۔ پریشانی اس بات کی ہے کہ ٹائم بم بھی اب ہمارے پاس نہیں ہے، ہم ان لوگوں کا گودام تباہ نہ کر سکیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ پہلے تم یہاں سے کسی طرح بھاگو۔ بم میں جا کر کہیں نہ کہیں سے

تلاش کر کے گودام میں رکھ دوں گی"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ دو سپاہی ایک گول مٹول افسر کے ساتھ اندر آ گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔

گنجے جرمن افسر کے چہرے پر موت لکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ وہ گوریلے کے قریب ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ ہمیں دوسرے گوریلوں کے نام اور ان کے ٹھکانے کا پتہ بتا دو۔

نہیں تو ہم اس چاقو سے تمہارے سارے ناخن

اکھاڑ ڈالیں گے۔ اگر پھر بھی تم نہ بولے تو تمہاری شہ رگ کاٹ دی جائے گی۔

گوریلے نے کہا۔

"تم چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، لیکن میں اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کا ٹھکانہ نہیں بتاؤں گا"۔

ماریا یہ سوچ رہی تھی کہ ان جرمنوں کا خاتمہ کیوں کر کرے؟۔

گنجے جرمن کے چہرے پر بڑی بے رحم سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے دونوں سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر گوریلا کو اپنے بازوؤں

میں جکڑ لیا۔

گنجے جرمن نے چاقو لے کر گوریلے کے ناخن میں چبھو دیا۔ کمرے میں ایک چیخ بلند ہوئی۔ ماریا بھی کانپ گئی۔

اب وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ گوریلے کی انگلی سے خون بہنے لگا تھا اور وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ ماریا نے ذرا پیچھے ہٹ کر پوری طاقت سے گنجے کی پیٹھ پر لات مار دی۔

گنجا افسر اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ جرمن سپاہی بوکھلا کر تکنے لگے کہ ان کے افسر کو ٹکر کس نے ماری۔ ابھی وہ بوکھلا ہی رہے تھے کہ ماریا نے ایک جرمن سپاہی کی بندوق چھین کر اس کی سنگین اس کے سینے میں اتار دی۔

نشانہ ایسا درست تھا کہ جرمن سپاہی کا دل پھٹ گیا اور وہ آہ کیے بغیر فرش پر گر پڑا۔ دوسرا سپاہی بھاگنے لگا۔

ماریا نے پیچھے سے سنگین کا وار کیا اور اسے بھی دروازے کے پاس ڈھیر کر دیا۔ گنجا جرمن ہکا بکا ہو کر یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

ماریا نے سنگین اس کے سینے میں رکھ کر کہا۔

"اسلحہ کا گودام کہاں ہے؟ اگر تم نے بتا دیا تو میں

تمہاری جان بخش دوں گا۔ نہیں تو تمہارا انجام بھی ان سپاہیوں جیسا ہوگا"۔

گنجا افسر کانپنے لگا۔

"تم۔۔۔ تم کون ہو؟"۔

ماریا نے اس کے گنجے سر پر زور سے دھپ مار کر کہا۔

"تمہاری موت ہوں۔ جلدی بولو گودام کہاں پر ہے؟ میں ایک دو تین کہوں گی۔ اگر تم نے جواب نہ دیا تو سنگین تمہارے سینے کے پار ہو گی۔ ایک۔ دو۔ تت"۔

"ٹھہرو۔ بتاتا ہوں"۔

"جلدی بتاؤ"۔

"گودام تہہ خانے میں ہے"۔

"راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"۔

"یہاں سے نکل کر بائیں کو ایک راہداری ہے۔ اس کے کونے پر سیڑھیاں نیچے گودام کو جاتی ہیں"۔

"شاباش! تم بڑے اچھے جرمن ہو۔ لیکن تم نے اپنے وطن کے ساتھ غداری کی ہے۔ اور غدار کی سزا موت ہوتی ہے"۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے سنگین گنجے افسر کے سینے میں اتار دی۔

وہ تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ ماریا نے گوریلے سے کہا۔

جلدی سے کسی جرمن سپاہی کی وردی اتار کر پہن لو اور یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔ میں گودام میں بم رکھنے کی کوشش کروں گی۔ جلدی کرو۔

گوریلے نے اسی وقت جرمن سپاہی کی وردی پہن کر سر پر لوہے کا ہیلمٹ جمالیا اور بندوق کندھے پر رکھ لی۔

ماریا نے دروازہ کھولا۔ دونوں باہر نکل آئے۔

گوریلا خاموشی سے گزرتا ہوا ہیڈ کوارٹر سے باہر آ گیا۔

اسے کسی نے کچھ نہ کہا۔ دوسرے سپاہیوں نے یہی سمجھا کہ یہ بھی کوئی جرمن سپاہی ہوگا۔

گوریلا کانٹے کے تاروں والے دروازے پر آ گیا۔ یہاں وہی جرمن سپاہی کھڑے تھے۔ جنہوں نے گوریلے کو گرفتار کیا تھا۔

ماریا کو ڈر تھا کہ وہ ضرور اسے پہچان لیں گے۔

ماریا نے گوریلے کے کان میں کہا۔

''تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں آگے جا کر تمہارے لیے راستہ صاف کرتی ہوں''۔

گوریلا وہیں رک کر اس انداز میں ٹہلنے لگا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ ماریہ دروازے کے قریب جا کر رک گئی۔

اس نے سوچا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آخر اس کے

دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ ذرا فاصلے پر خاردار تار کی دیوار کے ساتھ ایک خیمہ لگا تھا۔ ماریا وہاں آ گئی۔ خیمے کے اندر دو سپاہی چائے پی رہے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ماریا بھی چپکے سے خیمے کے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ سپاہیوں کے پاس ہی لکڑی کے کھوکے پر ایک پستول پڑا تھا۔

ماریا نے خاموشی سے وہ پستول اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ پستول اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ ایک سپاہی نے تعجب سے کہا۔

”یار! ابھی ابھی میرا پستول یہاں پڑا تھا۔ وہ

کہاں چلا گیا؟“۔

دوسرے سپاہی نے خالی کھوکے کو دیکھ کر کہا۔

”یہاں تو کچھ نہیں پستول تمہاری جیب میں نہ ہو؟“۔

سپاہی نے دونوں جیبیں بار بار ٹٹولیں۔ مگر پستول نہ ملا۔

ماریا نے کہا۔

”پستول میرے پاس ہے“۔

ایک عورت کی آواز سن کر جو نظر نہیں آ رہی تھی۔ دونوں سپاہی اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ ماریا نے ہوا میں دو فائر کر دیئے۔

ڈز ڈز کی آواز سن کر باہر دروازے پر پہرا دینے والے سپاہی خیمے کی طرف بھاگے۔ باہر چاروں کی ٹکر ہو گئی ادھر گوریلے نے دروازہ خالی پایا تو تیزی سے چلتا دروازے میں سے گزر گیا۔

باہر ایک خالی جیپ کھڑی تھی۔ وہ جیپ میں سوار ہوا اور اسے اسٹارٹ کر کے نو دو گیارہ ہو گیا۔

سپاہی پریشانی کے عالم میں یہاں وہاں خوف زدہ ہو کر اس عورت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے جس نے خیمے میں پستول چلائے تھے اور جو کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس عرصے میں ماریا بڑے آرام سے چل کر

دوبارہ ہیڈ کوارٹر میں آ گئی۔ اس نے گوریلے کو جیپ میں سوار ہو کر فرار ہوتے دیکھ لیا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ ہیڈ کوارٹر کے دفتر میں ایک شور مچا ہوا ہے۔ ہر طرف سپاہی بھاگ دوڑ رہے ہیں۔

کمرے سے جرمن سپاہیوں اور گنجے افسر کی لاشیں مل گئی تھیں اور جرمن سپاہی گوریلے کی تلاش میں دوڑ پڑے تھے۔

لیکن گوریلا اتنی دیر میں ان کی پہنچ سے دور بہت دور نکل چکا تھا۔

ماریا کو ضرورت سب سے پہلے ایک ٹائم بم کی تھی جس کو گودام میں رکھ کر ماریا نے اس کا بٹن دبا دینا تھا۔

تا کہ وہ ایک گھنٹے کے بعد پھٹ کر سارے ہیڈ کوارٹر کو تباہ و برباد کر دے۔

جرمن سپاہی اپنی مصیبت میں لگے تھے اور ماریا ادھر ادھر گھوم پھر کر کمروں میں کسی ٹائم بم کو تلاش کر رہی تھی۔

آخر اس نے سوچا کیوں نہ نیچے گودام میں جا کر تلاش کیا جائے۔ وہاں اتنا گولہ بارود پڑا ہے۔ ضرور ٹائم بم بھی ہوں گے۔

ماریا راہداری سے گزر کر اس دروازے پر آ گئی جہاں سے سیڑھیاں نیچے تہہ خانے والے گولہ بارود کے گودام کو جاتی تھیں۔

یہاں بڑا سخت پہرہ تھا۔ لیکن ماریا کے لیے یہاں سے گزرنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ ہاں اگر گولہ بارود کے گودام کا آہنی سلاخ دار دروازہ بند ہوتا تو پھر ماریا کو اس کے کھلنے کا انتظار کرنا پڑتا۔ یا کوئی دوسرا طریقہ آزمانا پڑتا، لیکن اس کی خوش قسمتی سے دروازہ آدھا کھلا تھا۔ شاید کوئی سپاہی اندر کسی کام سے گیا ہوا تھا۔

ماریا جلدی سے دروازے میں سے گزر کر گودام کے اندر چلی گئی۔

وہ گودام میں پڑے ہوئے گولہ بارود کے انبیروں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ انسان نے انسان کی ہلاکت کے لیے کس قدر بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔

اتنے گولہ بارود سے پورے فرانس کو تباہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کو اڑا دینا ہی بہتر ہے۔ ماریا نے دیکھا ایک جرمن سپاہی کاغذ پنسل ہاتھ میں لیے گولہ بارود کی پیٹیاں جھک کر چیک کر رہا تھا۔

ماریا کو ٹائم بم کی تلاش تھی۔

اس نے تلاش شروع کر دی وہ لکڑی کی پیٹیوں کی گلی میں سے گذر گئی۔ پھر دوسری گلی میں آ گئی۔ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

تیسری گلی میں بڑے لمبے لمبے بھیانک بم پڑے تھے۔ ایک جگہ گولوں کا ڈھیر چھت کو چھو رہا تھا۔ ماریا نے سوچا جس وقت یہ گولہ بارود کا ڈھیر پھٹے گا، اس

وقت تو اس علاقے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔

اس نے اپنی تلاش جاری رکھی۔

آخر اسے کامیابی حاصل ہو گئی۔ ایک جگہ دیوار کے ساتھ لگی الماری میں ٹائم بم قطاروں میں رکھے ہوئے تھے۔

الماری کھلی تھی۔ سپاہی چیکنگ کرتا ادھر ہی کو آ رہا تھا۔ ماریا نے جلدی سے ایک ٹائم بم نکال کر اس کی گھڑی کی سوئیوں کو ایک گھنٹے پر لا کر اس کا بٹن دبا دیا۔

بٹن دبا کر ماریا نے ٹائم بم کو بارود کی پیٹیوں کے درمیان ایک جگہ پھنسا کر چھپا دیا۔ یہ ایسی جگہ تھی

جہاں کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا گودام سے باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

چیکنگ کرنے والے سپاہی کے جانے کے بعد گودام کا لوہے کا مضبوط دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا۔ ماریا کو پسینہ آ گیا۔

وہ ٹائم بم کا بٹن واپس اوپر نہیں کر سکتی تھی اور لوہے کا دروازہ اس قدر طاقتور تھا کہ وہ اسے نہیں توڑ سکتی تھی۔

دروازے کی دوسری جانب ایک سپاہی بندوق کا

سہارا لیے پہرہ دے رہا تھا۔ وہ اس سے دروازہ کس طرح سے کھلوائے؟۔

وقت گذرتا جا رہا تھا۔ اگر وہ دروازہ نہ کھلوا سکی اور ٹائم بم پھٹ گیا تو اس عمارت کے ساتھ اس کے بھی ٹکڑے اڑ جائیں گے۔

اس قسم کی خوفناک تباہی کے خیال سے ماریا پریشان ہو گئی۔ ایسی بھیانک موت کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اسے جو کچھ بھی کرنا تھا، بڑی جلدی کرنا تھا تاکہ وہ وہاں سے نکل کر اتنی دور جا سکے کہ تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ وہ دروازہ کے پاس آ گئی۔

اس نے سلاخوں میں سے باہر دیکھا۔

جرمن سپاہی بڑا اٹین شن ہو کر پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے دیکھا۔ زمین پر اس کے پاؤں کے پاس ایک ٹین کا ڈبا پڑا تھا۔

اس نے اٹھایا تو وہ خالی تھا۔ ماریا نے ڈبہ اٹھا کر گودام میں دور پیچھے زور سے پھینک دیا۔ اس کے پھینکنے سے زبردست کھڑاک پیدا ہوا۔ پہرے دار سپاہی ایک دم چونک اٹھا۔

"کون ہے؟ ہالٹ!"

اس نے کھٹاک کھٹاک آ کر دروازے میں سے اندر گودام میں جھانکا۔ ماریا نے ذرا پیچھے جا کر ایک

شیشے کا گلاس بوری پر سے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔

اب تو پہرے دار گھبرا گیا۔

"کون ہے؟ وہ زور سے بولا"۔

ماریا نے ذرا پرے ہٹ کر روتی آواز بنا کر کہا۔

"مجھے یہاں سے نکالو۔ میں پھنس گئی ہوں"۔

پہرے دار نے کڑک کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟"۔

ماریا نے کہا۔

"یہاں آ کر پہلے نکالو۔ پھر بتاؤں گی"۔

جرمن پہرے دار نے تالا کھول دیا اور اندر آ گیا۔ ماریا اسی لمحے کا تو انتظار کر رہی تھی۔ وہ تیزی

سے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔

جرمن پہرے دار پریشانی کے عالم میں گودام میں بندوق تانے ماریا کو تلاش کر رہا تھا۔ اور ماریا جرمن ہیڈکوارٹر سے نکل کر بہت دور جا چکی تھی۔

شعلے ہی شعلے

شہر کی بڑی سڑک پر آ کر ماریا گوریلوں کے مکان کی طرف مڑ گئی۔

مکان میں سارے گوریلے جمع تھے۔ ماریا نے جا کر انہیں خوش خبری سنائی کہ وہ ٹائم بم گولہ بارود کے گودام میں رکھ آئی ہے اور ابھی آدھ گھنٹے بعد گودام پھٹ جائے گا اور پیرس کے لوگ ایک ایسے بھیانک

دھماکے کی آوازیں سنیں گے جو انہوں نے آج تک کبھی نہ سنا ہو گا۔

ادھیڑ عمر گوریلے نے کہا۔

"اے مقدس روح! ہم تمہارے بے حد شکر گزار ہیں۔ تم نے ہمارے لیے وہ کام کیا ہے جس کو کرنے کے لیے شاید ہمیں کتنے ہی ساتھیوں کی قربانی دینی پڑتی"۔

جو گوریلا فرار ہوا تھا وہ بھی مکان کے تہہ خانے میں پہنچ چکا تھا۔

جرمن سپاہی اس علاقے میں زبردست گشت کر رہے تھے اور فرار ہونے والے گوریلے کی تلاش میں

جگہ جگہ چھاپے مار رہے تھے۔

شارل نے کہا۔

"ہمیں جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ چلے جانا چاہیے۔ جرمن سپاہی اس مکان پر بھی چھاپہ مار سکتے ہیں"۔

ادھیڑ عمر گوریلا گہری سوچ میں چلا گیا۔ اس نے اپنی ڈاڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے شارل! سپاہی یہاں بھی چھاپہ مار سکتے ہیں"۔

ایک گوریلا بولا۔

"لیکن ہمیں دھماکے کا تو یہاں بیٹھ کر انتظار کر لینا

چاہیے“۔

شارل نے کہا۔

”ہو سکتا ہے، ہم دھماکے کا انتظار کرتے رہیں اور جرمن سپاہی یہاں آ کر کوئی دھماکا کر دیں“۔

ابھی یہ فقرہ اس کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ باہر بازار میں ٹھائیں ٹھائیں اوپر تلے چار پانچ بندوق کے فائر ہوئے۔

”وہ لوگ آ گئے شاید“۔

گوریلے ایکدم چوکس ہو گئے۔ انہوں نے پستول نکال کر تھام لیے۔

”اگر جرمن ہمارے تہہ خانے میں آ گئے تو ہم

مقابلہ کریں گے“۔

ادھیڑ عمر گوریلا بولا۔

”اگر وہ یہاں تک پہنچ گئے تو ہم زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ تہہ خانے میں اترنے کی جگہ یہاں زہریلی گیس پھینک دیں۔ پھر ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا“۔

ماریا نے کہا۔

”زہریلی گیس مجھے بھی یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے کسی دوسری جگہ کوچ کر جاؤ“۔

سب نے اس خیال سے اتفاق کیا۔ انہوں نے ماریا کو بتایا۔

”مقدس روح! تمہارا دوسرا ٹھکانہ دریائے سین کے مغربی کنارے پرانے گرجا گھر کے اندر ایک تہہ خانے میں ہوگی۔ گرجا گھر کے پادری سے آ کر ہمارا نام لینا وہ تمہیں ہم تک پہنچا دے گا“۔

اتنا کہہ کر وہ ایک ایک کر کے وہاں سے فرار ہو گئے ماریا بھی نکل کر باہر آ گئی۔ ان سب نے گھڑیاں ملا لی تھیں۔

وہ سب آدھ گھنٹے بعد خوفناک دھماکے کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا شہر سے باہر ایک ٹیلے پر آ کر بیٹھ

گئی۔

یہاں سے وہ پہاڑی دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ جس کے دامن میں جرمنوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اور جس کے گودام میں ابھی کوئی دس منٹ بعد قیامت مچنے والی تھی۔ ماریا کے کان دھماکے کی طرف لگے ہوئے تھے۔

ادھر ہیڈ کوارٹر میں سپاہی اور افسر بڑی گرم جوشی سے اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ سپاہیوں کا ایک دستہ فرار ہونے والے گوریلے کی تلاش میں وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ سپاہی خوش قسمت تھے، کیونکہ دھماکے کے بعد

صرف وہی زندہ بچ سکے۔ جو سپاہی گولہ بارود کے گودام کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ جب اسے گودام میں کوئی عورت نہ ملی تو یہ سوچ کر کہ شاید آوازیں اس کے دماغ سے آئی ہوں واپس پہرے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر بھی وہ کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا۔ ایک خوف اس کے جسم پر چھا گیا تھا۔ کیونکہ اس نے ہوش و حواس کے ساتھ پوری طرح سے جشن کے ڈبے کا شور اور عورت کی آوازیں سنی تھیں جو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔

اس نے ڈر کے مارے کسی افسر سے بات نہ کی۔ اس خیال سے کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے کہ

اسے دن میں عورتوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

ایک دو بار وہ اپنی حالت پر ہنس بھی پڑا۔ یہ سوچ کر کہ وہ خواہ مخواہ بے وقوف بنا دیں۔ یہ آوازیں شاید اس کے اپنے دماغ ہی سے آئی ہوں۔

لیکن پانچ منٹ بعد گودام سے جو آواز آنے والی تھی، اگر اس کے بارے میں پہرے دار کو تھوڑا بہت بھی علم ہو جاتا تو وہ پیرس شہر سے کئی میل دور بھاگ چکا ہوتا۔

پانچ منٹ۔۔۔ تباہی کے پانچ منٹ باقی تھے۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔ چار۔

گولہ بارود کے گودام کے بالکل اوپر والے

کمرے میں ایک جرمن گستاپو کا افسر میز پر کاغذ پھیلائے جھک کر اس پر کچھ لکھ رہا تھا۔

کافی کا آدھا بھرا ہوا پیالہ اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس کے سر پر بجلی کا بلب روشن تھا۔ دیوار پر کلاک میں دو بج کر انتیس منٹ ہو چکے تھے۔

سیکنڈ کی سوئی آدھی گردش پوری کر چکی تھی۔

اڑھائی بجنے میں صرف تیس سیکنڈ باقی تھے۔ گستاپو افسر کے وہم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کی زندگی کے صرف پچیس سیکنڈ باقی رہ گئے ہیں اور پھر اس کے جسم کے پرزے روئی بن کر فضا میں بکھر جائیں گے۔

گوریلے گرجا گھر کے تہہ خانے میں اپنی اپنی

گھڑیوں پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ ماتھوں پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

ماریا ٹیلے پر بیٹھی دور پہاڑی کو تک رہی تھی۔

پیرس کی بڑی گھڑی نے اڑھائی بجا دیے۔

جرمن گستاپو افسر نے قلم میز پر رکھ کر انگڑائی لی اور کافی کی پیالی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک بجلی سی اس کی آنکھوں میں لہرا گئی۔

پھر ایک دھماکہ ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ خود ایک بم بن کر پھٹ گیا ہے۔ دھماکہ اس قدر خوفناک تھا کہ پیرس کی زمین نے دو تین بار جھکولے کھائے۔

شہر کے درختوں پر بیٹھے ہوئے سارے پرندے شور مچاتے اڑ گئے۔ دھماکے کے بعد ہوا کی ایک زبردست لہر اٹھی جس نے شہر کی کمزور عمارتوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

ماریا نے دیکھا کہ دور پہاڑی پر ایک شعلہ اٹھا جس نے آسمان کو چھو لیا۔ وہ جس ٹیلے پر بیٹھی تھی، وہ بھی ایک بار جیسے اس کے نیچے سے پھسل گیا۔

لوگ گھبرا کر مکانوں سے باہر سڑکوں پر نکل آئے اور حواس کھو کر بھاگنے لگے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا کہ سارا شہر کسی بم گرنے سے

تباہ ہو گیا ہے۔

پھر اوپر تلے چھوٹے چھوٹے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو دیر تک جاری رہا۔ اب سارے شہر کو پتہ چل گیا تھا کہ فرانسیسی آزادی پسندوں نے جرمن فوج کے ہیڈ کوارٹر کا گولہ بارود اڑا دیا ہے۔

دریائے سین والے گرجا گھر کے تہہ خانے میں بیٹھے گوریلوں نے خوش ہو کر فرانس زندہ باد۔ آزادی زندہ باد کے نعرے لگائے اور ایک دوسرے کو گلے لگا کر مبارکباد دی۔

یہ ان آزادی کے متوالوں کی عظیم کامیابی تھی۔

انہوں نے جرمن حملہ آوروں کے سب سے بڑے

گولہ بارود کے گودام میں آگ لگا کر نہ صرف دشمن کی کمر توڑ دی تھی ، بلکہ ان پر یہ ثابت بھی کر دیا تھا کہ فرانس کے آزادی کے متوالے ابھی زندہ ہیں اور وہ اپنے وطن کو دشمن سے آزاد کرائیں گے۔

جب دھماکے ختم ہو گئے اور صرف آگ باقی رہ گئی تو ماریا پہاڑی پر سے اتر پڑی۔ وہ سڑک پر آ گئی۔ اور اس نے دریا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ہیڈ کوارٹر کی تباہی کے بعد جرمن فوج نے سارے شہر کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور کسی شخص کو باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

وہ اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ لوگ خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے گھروں میں بند ہو گئے تھے۔ جرمن فوج کی لاریاں شور مچاتی سڑکوں پر پھر رہی تھیں۔

اعلان کر دیا گیا کہ شہر میں کرفیو لگا دیا گیا ہے۔ جو کوئی گھر سے باہر نکلے گا یا کھڑکی سے جھانکے گا اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔

ماریا جس وقت شہر کی سب سے بڑی سڑک پر آئی تو اس نے دیکھا کہ شہر میں ہو کا عالم ہے۔ سڑک ویران پڑی ہے۔

صرف کسی وقت فوج کی کوئی گاڑی گزر جاتی ہے۔ اس نے اتنی ویران سڑک پر پہلے کبھی نہیں دیکھی

تھی۔ وہ اکیلی اس سڑک پر چلی جا رہی تھی۔

دریا سامنے بہہ رہا تھا۔

ماریا دریا کے کنارے چلنے لگی۔ اس نے دور سے دریا کنارے والے گرجا کا مینار دیکھ لیا تھا۔

دریا کا کنارہ بالکل سنسان تھا۔

وہ گرجا گھر کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک اس نے دیکھا، ایک جرمن سپاہی کسی عورت کو مکان سے گھسیٹ کر باہر لا رہا تھا۔

یہ مکان دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ عورت رو رہی تھی اور چلا کر کہہ رہی تھی۔

"میں پانی لینے باہر آئی تھی۔ میرا بچہ پیاسا ہے۔

گھر میں پانی کی ایک بوند نہیں۔ مجھے معاف کر دو"۔

جرمن سپاہی اسے گھسیٹ کر سڑک کے بیچ میں لے آیا۔ اور اسے ٹھڈے مارنے لگا۔ مکانوں کی کھڑکیوں سے لوگ چھپے چھپے اس عورت کو تکنے لگے مگر وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

اس علاقے میں وہی ایک جرمن سپاہی تھا جس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس بندوق میں کئی ایک گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

سپاہی نے بندوق کی نالی اس عورت کے سر کے ساتھ لگا دی اور کہا۔

"بکواس بند کر۔ تو ہماری دشمن ہے۔ میں تمہیں

زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کرفیو لگا ہے؟"

میں تمہیں گولی مار دوں گا۔

عورت نے روتے روتے کہا۔

"مجھ پر رحم کرو۔ میرے بچے پر رحم کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔ میں اپنے بچے کے لیے پانی لینے آئی تھی۔ مجھ پر رحم کرو"۔

مگر جرمن سپاہی نے رحم کھانے کی بجائے گرج کر کہا۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جا اے بد بخت عورت!"۔

اور اس نے بندوق کے گھوڑے پر انگلی رکھ دی۔

ماریا سے اب زیادہ برداشت نہ ہو سکا۔ وہ بھاگ کر جرمن سپاہی کے سر پر پہنچ گئی۔

زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے جرمن سپاہی کو ایسا دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل سامنے سڑک پر گر پڑا۔

ماریا نے اس کی بندوق اٹھالی۔ یہ سارا ڈرامہ لوگ مکانوں کی کھڑکیوں سے لگے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو دشمن کے سپاہی کو سڑک پر گرتے دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

ماریا نے بندوق کی نالی جرمن سپاہی کی کھوپڑی پر

رکھ کر گولی چلا دی۔ دھماکہ ہوا اور جرمن سپاہی کی کھوپڑی اڑ گئی۔ اور وہ مر گیا۔

لوگوں نے کھڑکیوں میں نعرے بلند کیے۔ ماریا اس عورت کے پاس گئی۔ وہ عورت ششدر سی بیٹھی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ماریا نے اس کے کان کے قریب آ کر کہا۔

"بہن! جلدی سے اپنے مکان میں چلی جا"۔

عورت کانپتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ آواز اسے کہاں سے آئی ہے؟۔

وہ بھاگ کر اپنے مکان میں داخل ہو گئی اور دروازہ زور سے بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔

ماریا نے سوچا کہ اگر جرمن سپاہی کی لاش اس جگہ پڑی رہی تو یہاں کے سارے لوگوں کو پکڑ لیا جائے گا۔

بہتر یہی ہے کہ اس لاش کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا جائے۔ وہ اکیلی یہ کام نہیں کر سکتی۔

سڑک ابھی تک سنسان تھی۔ کوئی جرمن فوجی ادھر گشت کرتا ہوا نہیں آیا تھا۔ ماریا نے ایک مکان کے نیچے جا کر کہا۔

"فرانس کے آزادی پسند لوگو! میں اس شہر کی روح تم سے مخاطب ہوں! میں جون آف آرک

ہوں۔"

میں تمہاری مدد کو یہاں آئی ہوں۔ جلدی سے باہر نکل کر آؤ اور اس دشمن کی لاش کو اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔

تاکہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔ اگر یہ لاش یہاں پڑی رہی تو جرمن سپاہی تم سب لوگ کو پکڑ کر لے جائیں گے۔

ماریا کی آواز کا پہلا اثر تو یہ ہوا ہے کہ ایکدم وہاں خاموشی چھا گئی۔ کھڑکی میں کھڑے سارے لوگ دم بخود ہو کر چپ ہو گئے۔ گویا ان کے منہ پہ تالے پڑ گئے۔

وہ حیران تھے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

جب کہ انہیں آواز دینے والی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آخر ایک بوڑھا آدمی کھڑکی میں سے سر نکال کر بولا۔

"جون آف آرک کی مقدس روح! میں تم پر یقین رکھتا ہوں"۔

پھر اس نے دوسرے لوگوں سے کہا۔

بھائیو! جون آف آرک کی روح ہماری مدد کو آئی ہے۔ اس نے ہماری ایک بہن کو جرمن سپاہی کے ظلم سے بچایا ہے۔

جلدی سے گھروں سے نکلو اور جرمن سپاہی کی

لاش کو غائب کر دو۔ اس میں ہماری ہی بھلائی ہے۔ جلدی کرو۔

اس کے ساتھ ہی لوگ مکانوں کے دروازوں سے نکل کر باہر سڑک پر آ گئے۔ انہوں نے جرمن سپاہی کی لاش کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ اور واپس اپنے گھروں میں گھس کر دروازے اندر سے بند کر دیئے۔

وہی بوڑھا سڑک کی طرف منہ کر کے بولا۔

"مقدس روح! ہمیں دعا دے کہ ہم اپنے وطن کو دشمنوں سے آزاد کرائیں"۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ فرانس کے بیٹے، بیدار ہیں۔ زندہ قوتوں کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ فرانس ایک دن دشمن سے پاک ہو جائے گا۔ فرانس کے بیٹے ہوشیار ہیں۔ فرانس کے بیٹے اپنی زندگی کی قربانی دینا جانتے ہیں"۔

ماریا کی اس چھوٹی سی تقریر پر لوگوں نے فرانس زندہ باد! جون آف آرک زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

اتنے میں دور سے لاریوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ جرمن فوج وہاں پہنچ گئی تھی۔ وہ لاریاں جرمن سپاہیوں سے بھری ہوئیں چوک میں آ کر کھڑی

ہو گئیں۔

ان میں سے جرمن سپاہی سٹین گنیں اور بندوقیں لے کر باہر کودے اور انہوں نے مکانوں کی کھڑکیوں کا نشانہ بنا کر فائرنگ شروع کر دی۔

خوش قسمتی سے لوگوں نے کھڑکیاں بند کر دی تھیں۔ سپاہی فائرنگ کر کے وہاں سے چلے گئے۔ انہیں بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ ابھی ابھی ان کے ایک سپاہی کی لاش چوک میں پڑی تھی جسے وہاں کے لوگوں نے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔

ماریا بڑے سکون سے وہاں سے نکل کر دریا کنارے والے پرانے گرجا گھر میں آ گئی۔ یہ گرجا

گھر بہت تاریخی قسم کا تھا۔ اس کی دیواروں پر بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔

دروازے کی لکڑی خراب ہو چکی تھی۔ ماریا نے دروازے کے پاس جا کر دستک دی۔ دو تین بار دستک دینے کے بعد کسی نے اندر سے کنڈی کھولی۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک سفید بالوں والا پادری سامنے کھڑا ہے۔ ماریا کو اس کا چہرہ بڑا اچھا لگا۔ اس کے چہرے پر نرمی اور ہمدردی تھی۔

پادری نے ادھر ادھر دیکھا کہ دروازہ جس نے کھٹکھٹایا ہے، وہ کہاں ہے؟ جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے کہا۔

"کون تھا بھائی؟"۔

اب وقت تھا کہ ماریا سامنے آئے۔ اسے خیال آیا کہ گوریلوں نے کہا تھا پادری کو ہمارا نام لینا، وہ تمہیں ہمارے پاس پہنچا دے گا۔

ماریا نے کہا۔

"مقدس باپ! میں گوریلوں کے پاس جانا چاہتی ہوں"۔

پادری کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے کہا۔

"اے مقدس روح! میں تمہارا ادب کرتا ہوں اور تمہیں سلام کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ"۔

پادری آگے آگے چل پڑا۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

گرجا گھر کے ہال کمرے میں سے گزر کر پادری ماریا کو سیڑھیوں میں سے گذار کر ایک تہہ خانے کے دروازے پر لے گیا اور بولا۔

"اے مقدس روح! فرانس کے بہادر بیٹے یہاں ہیں۔ شوق سے ان سے ملو"۔

پادری چلا گیا۔ ماریا نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے آواز آئی۔

"جون آف آرک؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ماریا"۔

اندر سے آواز آئی۔

"بالکل ٹھیک"۔

ایک دم دروازہ کھل گیا۔ ماریا اندر داخل ہوگئی۔ سارے گوریلے وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ماریا کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے جرمن حملہ آوروں کو زبردست شکست ہوئی۔

ماریا نے کہا کہ شہر میں کرفیو لگ گیا ہے۔ گوریلوں نے کہا کہ یہ ان کے لیے اچھی مثال ہے۔ اس طرح سے جرمن سپاہیوں کا شہر میں جینا حرام ہوجائے گا۔

ماریا نے کہا۔

اب تم لوگ اس نیک اور آزادی کے کام کو آگے بڑھاؤ میں تم سے جدا ہوتی ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنے بھائیوں کی تلاش ہے۔

لیکن وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں میری جب بھی ضرورت پڑی۔ میں تمہاری مدد کے لیے تمہارے پاس موجود ہوں گی۔

اور اس کے ساتھ ہی ماریا وہاں سے باہر نکل گئی۔

سنگین قلعہ

ماریا ریلوے اسٹیشن پر آ گئی۔

یہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ ماریا کا خیال تھا کہ شاید اس ہجوم میں اسے کہیں ناگ یا عنبر کی شکل دکھائی دے جائے۔

زیادہ لوگوں کے جمگھٹے میں وہ گھس بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے کہ اسے لوگوں کے ساتھ ٹکرا جانے کا

بھی ڈر تھا۔

اس نے دیکھا پلیٹ فارم پر گاڑی کھڑی ہے۔ یہ گاڑی برلن کی طرف جا رہی تھی۔ شاید کوئی ملٹری سپیشل تھی، کیونکہ سبھی ڈبوں میں جرمن سپاہی بھرے ہوئے تھے۔

ماریا نے ڈبوں کے ساتھ ساتھ چلتے دیکھا کہ ہر ڈبے کے باہر پہرہ لگا ہے۔

معلوم ہوا کہ اندر جنگی قیدی بند ہے۔ قیدی کھڑکیوں کی سلاخوں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک شور سا مچا۔

ماریا پرے ہٹ گئی۔ جرمن سپاہی ایک خوش شکل

قیدی کو پکڑے لیے چلے آ رہے تھے پیچھے پیچھے ایک جوان خوبصورت عورت روتی روتی آ رہی تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔

"میرا خاوند بے گناہ ہے۔ اس نے ہٹلر کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اسے چھوڑ دو۔ خدا کے لیے میرا گھر برباد نہ کرو۔ مجھ پر رحم کرو۔ ابھی میری شادی کو ایک مہینہ بھی نہیں گزرا"۔

جرمن سپاہی اسے پیچھے دھکیل رہے تھے۔ ماریا کو اس خوبصورت جوڑے سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ وہاں جتنے لوگ کھڑے تھے، سب ہی اداس ہو گئے۔ مگر وہ بے بس تھے۔

جرمن سپاہیوں کے خلاف انگلی تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ سپاہیوں نے خوبصورت نوجوان قیدیوں کو ڈبے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

اس کی بیوی نے روتے ہوئے کہا۔

"مائیکل! اب زندگی میں کبھی تمہاری پیاری صورت دیکھنی نصیب نہ ہو گی"۔

اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ماریا کا دل بھر آیا۔ وہ عورت کے پاس گئی اور اس کے کان میں ہولے سے کہا۔

کل تیرا میاں تیرے پاس آ جائے گا۔

اس نے چونک کر دیکھا کہ یہ آواز کہاں سے آئی

تھی۔ اسے اپنے ارد گرد کوئی عورت نظر نہ آئی۔ وہ ایکدم خاموش ہو گئی۔

ماریا نے اس سے زیادہ اسے کچھ نہ کہا اور سیدھی قیدیوں کے ڈبے کے پاس آ گئی۔ جرمن سپاہی رائفلیں لیے باہر پہرہ دے رہے تھے۔

اتنے میں انجن نے سیٹی دی۔ گارڈ نے جھنڈی لہرائی۔ ماریا نے دیکھا کہ قیدیوں کے ڈبے میں کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہ تھی۔

وہ بھاگ کر گارڈ کے ڈبے میں آ گئی۔ یہاں کم از کم وہ بیٹھ سکتی تھی۔ گاڑی چل پڑی۔ گارڈ تھوڑی دور تک کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالے جھنڈی لہراتا رہا۔ پھر

وہ بھی اندر ڈبے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور رجسٹر میں کچھ لکھنے لگا۔

ماریا نے دیکھا کہ چھوٹے سے ڈبے میں ایک طرف بستر لگا تھا۔ ماریا گرم لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ کونے والی آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ سوچنے لگی کہ خوبصورت نوجوان قیدی مائیکل کو ان ظالم جرمنوں کی قید سے کیسے رہائی دلائی جائے۔ اس نے مائیکل کی خوبصورت بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کا خاوند واپس لا کر دے گی اور وہ ہر حالت میں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتی تھی۔

گاڑی شہر کے مضافات سے نکل کر پھل دار

باغوں اور کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔

دو تین چھوٹے سٹیشن آئے۔ ٹرین وہاں پر کھڑی نہ ہوئی۔ شام ہو گئی۔ گارڈ کرسی پر سے اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باہر آیا تو اس نے سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔ ظاہر ہے وہ سونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ وہ آرام کرسی پر ہی لیٹ کر رات گذار دے گی۔

رات پڑ گئی۔ جنگ کی وجہ سے ارد گرد دیہات میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ایک چھوٹا سا شہر آیا۔ وہاں بھی بلیک آؤٹ تھا۔

گاڑی ذرا کی ذرا رکی اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ساری رات گاڑی چلتی رہی اور ماریا سوتی رہی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے کھڑکی کی جانب دیکھا۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی گاڑی کھڑکی کے پاس میز کے آگے بیٹھا کتاب کھولے پڑھ رہا تھا۔

خدا کا شکر رہا کہ گارڈ اس کرسی کی جانب نہیں آیا جس پر ماریا سو رہی تھی۔ لیکن اب ایک عجیب اتفاق ہو گیا۔

ماریا منہ ہاتھ دھونے غسل خانے میں گئی؟

اس نے نلکا کھولا تو اس کی تیز آواز گارڈ تک بھی

پہنچ گئی۔ وہ پریشان سا ہو کر غسل خانے میں آ گیا۔ بڑا حیران ہوا کہ ٹلکا اپنے آپ کیوں کر کھل گیا تھا؟۔

جلدی سے اسے بند کیا اور باہر جا کر بیٹھ گیا۔

ماریا نے تھوڑا سا ٹلکا کھول کر منہ ہاتھ دھونا شروع کر دیا۔ پانی گرنے کی آواز سن کر گارڈ ایک بار پھر اندر آ گیا۔

ماریا نے جلدی سے ٹلکا بند کر دیا۔ گارڈ چکر کھا گیا کر ابھی تو ٹلکا کھلا تھا پھر اپنے آپ کیسے بند ہو گیا؟۔

سر کھجاتا وہ واپس کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

نیا سٹیشن آ رہا تھا۔ شاید یہاں پر گاڑی کر رکنا تھا۔

گارڈ نے جھنڈی اٹھائی اور کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔

گاڑی کی رفتار ہلکی ہو رہی تھی۔ ماریا منہ ہاتھ دھو کر بال سنوار کر باہر آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ سٹیشن آ گیا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رک گئی۔

گارڈ نیچے اتر گیا۔ ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ بھی پلیٹ فارم پر آ گئی۔ ایک جگہ کاؤنٹر پر چینی کی تھالیوں میں سینڈوچز لگے ہوئے تھے۔

ماریا نے ہاتھ بڑھا کر بہت سے سینڈوچز اٹھا لئے اور بڑے مزے سے کھانے لگی۔ انجن نے سیٹی دی۔

ماریا گارڈ والے ڈبے میں آ کر بیٹھ گئی۔ گاڑی

چھک چھک کر کے چل پڑی۔ گارڈ بھی لپک کر سوار ہو گیا۔

وہ دور تک جھنڈی لہراتا رہا۔ اتنے میں ایک بیرا ساتھ والے ڈبے سے نکل کر چائے اور سینڈوچز کا ٹرے لے کر اندر آ گیا۔

یہ گارڈ کا ناشتہ تھا۔ بیرا چلا گیا۔ گارڈ بڑے آرام سے ناشتہ کرنے لگا۔ ماریا سینڈوچز روکھے کھا رہی تھی۔ اسے پانی کے بغیر کھانے سے ایک دم سے ہچکی لگ گئی۔

ہچکی کی آواز سن کر گارڈ چونک گیا۔ کان لگا کر سننے لگا۔ پہلے تو سمجھا شاید ڈبے کا کوئی پیچ ڈھیلا ہے۔ اس

کی آواز آ رہی ہو گی۔

پھر جو سنا تو دیکھا کہ ایک ہی وقفے کے بعد اوک اوک کی آواز آ رہی ہے۔ یہ آواز صاف طور پر پہچانی جاتی تھی کہ ہچکی کی آواز ہے۔

جیسے کوئی منہ پر ہاتھ رکھ کر چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ماریا نے بہتیرا منہ میں کپڑا رکھا مگر ہچکی بند نہ ہوئی۔

وہ بھاگ کر غسل خانے میں گئی اور پانی کے دو تین گھونٹ پی گئی۔ ہچکی تو رک گئی مگر اس کی کہنی لگنے سے صابن دانی فرش پر گر پڑی۔

گارڈ ناشتہ کرتے کرتے ڈر گیا۔ کل سے عجیب و

غریب واقعات ہو رہے تھے۔ اسے خیال آیا کہ شاید اس کے ڈبے میں کوئی بھوت سوار ہے۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر بھوت! کیا تم میرے ساتھ سفر کر رہے ہو؟"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میز کے پاس آ گئی۔ گرم گرم چائے کی پیالی ٹرے میں تیار پڑی تھی۔ ماریا نے پیالی اٹھائی اور اسے آرام سے پینے لگی۔ شڑک شڑک کی آواز پر گارڈ کے کان کھڑے ہو گئے۔

ساتھ ہی اس نے دیکھا کہ ٹرے میں سے چائے کی پیالی غائب ہے۔

اب تو اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ خوف سے پسینہ آ گیا۔ ماریا کو خطرا ہوا کہ اگر گارڈ کو کچھ ہو گیا تو یہ گاڑی اپنی منزل پر نہ پہنچ سکے گی۔

اس نے چائے کی پیالی جلدی سے واپس ٹرے میں رکھ دی مگر وہ آدھی خالی ہو چکی تھی۔

گارڈ نے جو چائے کی پیالی کو واپس آتے دیکھا تو اس سے بھی اس کی جان ہوا ہو گئی۔

سمجھ گیا کہ ڈبے میں بھوت آ گیا ہے۔ کوئی بڑا شہر آ رہا تھا۔ کارخانوں کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ اور یہاں وہاں اونچی اونچی بلڈنگیں نظر آنے لگی تھیں۔

گارڈ نے جھنڈی اٹھا کر ہاتھ باہر نکالا اور کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

ٹرین آہستہ آہستہ ایک بہت بڑے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم میں داخل ہونے لگی۔ یہاں فوجی اپنا سامان کندھوں پر اٹھائے تیار کھڑے تھے۔ گاڑی رک گئی۔

ماریا پلیٹ فارم پر اتر آئی۔ وہ ہر اسٹیشن پر اتر کر قیدیوں کے ڈبے کو جا کر دیکھ آتی تھی کہ انہیں اتار تو نہیں لیا گیا۔

اس دفعہ جو وہ قیدیوں کے ڈبے کے پاس پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ قیدیوں کو ڈبے میں سے اتارا جا رہا

ہے۔

ماریا ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ قیدی ایک ایک کر کے ڈبے سے اتر رہے تھے۔ ان کے دونوں ہاتھ ان کی کمر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

اس خیال سے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں۔ جرمن سپاہی بندوقیں لیے ان کے ارد گرد پہرہ دے رہے تھے۔

قیدی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔

لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب سارے قیدی پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تو ریلوے کے سب سے بڑے افسر نے آ کر ان کی فہرست جرمن آفیسر کو دی

اور چلا گیا۔

سامنے چار ٹرک کھڑے تھے۔ وہ پیچھے سے ترپال سے بند کر دیئے گئے تھے۔ قیدیوں کو ان ٹرکوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس دیا گیا۔

ماریا بھی جلدی سے آگے بڑھی اور ایک ٹرک پر چڑھ کر اس کی ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

گاڑی میں ایک سو قیدی سوار ہو سکتے تھے، لیکن اس میں پندرہ بیس قیدی سوار تھے۔ خوش قسمتی سے اسی بس میں مائیکل بھی سوار تھا۔

ماریا نے محسوس کیا کہ مائیکل سارے قیدیوں سے

زیادہ سنجیدہ اور خوش شکل تھا۔ وہ کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔

بس خاموش بیٹھا کھڑکی میں سے اداس نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ٹرک چل پڑے۔ شہر سے باہر نکل کر سڑک خراب آ گئی اور ہچکولے لگنے لگے۔ گرد بھی کافی اڑنے لگی تھی۔

کوئی گھنٹہ دو گھنٹہ چلنے کے بعد ٹرک ایک قلعہ نما عمارت کے سامنے جا کر رک گئے۔ قیدیوں کو نیچے اترنے کے لیے کہا گیا۔

سارے قیدی ٹرکوں سے نکل کر چار قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ جرمن سپاہی انہیں رائفل کے

دستوں سے ٹھوکے دیتے ہوئے ایک طرف لے کر چل دیئے۔

ماریا مائیکل والی قطار کے ساتھ ساتھ چل دی۔

اس قطار میں کوئی پندرہ بیس قیدی تھے۔ ان سبھوں کو قلعے کی دوسری منزل میں لے جا کر چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا۔

جس کی کوٹھڑی میں مائیکل کو بند کیا گیا، یہ بہت چھوٹی سی تھی۔ اندر ایک بنچ تھا اور اس پر گھاس پھونس بچھی تھی۔

مائیکل اس پر لیٹ گیا۔ اور ماتھے پر بانہہ رکھ کر شاید اپنی نو بیاہتا خوبصورت بیوی کے خیال میں کھو گیا۔

ماریا کوٹھڑی سے باہر تھی۔

وہ اس خیال سے اندر نہیں آئی تھی کہ کہیں باہر نکلنا مشکل نہ ہو جائے۔ ابھی وہ باہر رہ کر دس قیدی کے قلعے کا جائزہ لینا چاہتی تھی اور معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہاں سے مائیکل کو کس طرح باہر نکالا جا سکتا ہے۔

مائیکل کی کوٹھڑی کے باہر بہت مضبوط تالا پڑا تھا۔ ایک جرمن فوجی سٹین گن لیے تھوڑی دیر بعد وہاں سے پہرہ دیتا ہوا گزر جاتا تھا۔

لوہے کے دروازے کے اوپر ایک چھوٹی سی طاقچی تھی جس کے ساتھ منہ لگا کر پہرے دار یہ دیکھ سکتا تھا

کر اندر قیدی کیا کر رہا ہے۔

ماریا نے منہ لگا کر دیکھا۔ مائیکل لیٹا ہوا تھا۔ ماریا نے ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھا کہ یہ قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔

جگہ جگہ لوہے کے دروازے لگے تھے۔ اور ہر دروازے پر کوئی نہ کوئی فوجی پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ سب سے پہلے مائیکل کو تسلی دینی چاہیے کہ وہ فکر نہ کرے۔ وہ اس کی کوٹھڑی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے منہ لگا کر اندر دیکھا ہی تھا۔ کہ گشت کرنے والا پہرے دار آ گیا۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔

پہرے دار نے اسی کھڑکی سے منہ لگا کر اندر دیکھا اور پھر آگے نکل گیا۔ کہ گشت کرنے والا پہرے دار آ گیا۔

ماریا پرے ہٹ گئی۔ پہرے دار نے اسی کھڑکی سے منہ لگا کر اندر دیکھا اور پھر آگے نکل گیا۔ ماریا نے کھڑکی کے ساتھ منہ لگا کر مائیکل کو دیکھا۔

وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے آواز نہ دے۔ کہیں وہ ڈر نہ جائے۔ لیکن وہ اس سے بات کیے بغیر اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ آخر اس نے مائیکل سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مائیکل!۔

ماریا نے بڑی نرمی سے اسے آواز دی۔

آواز سن کر مائیکل نے چہرے پر سے بازو ہٹایا اور کچھ دیر حیرانی سے چھت کو گھورتا رہا کہ یہ آواز تھی یا اس کا وہم تھا۔ کیونکہ وہاں اسے کسی عورت کی آواز بھلا کہاں سے آ سکتی تھی۔

"مائیکل؟"۔

ماریا نے دوسری بار آواز دی تو مائیکل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

ماریا نے کہا۔

"کھڑکی کے پاس آؤ"۔

وہ کھڑکی کے پاس آ گیا مگر وہاں کوئی بھی نظر نہ

آیا۔ وہ کچھ ڈر سا گیا۔ ماریا نے جلدی سے کہا۔

مائیکل! گھبرانا نہیں۔ تم صرف میری آواز سن سکو گے۔ میری شکل نہ دیکھ سکو گے۔ کوئی بھی میری شکل نہیں دیکھ سکتا۔

میں ایک عورت ہوں۔ روح نہیں ہوں۔ بھوت نہیں ہوں۔ میں نے اپنے اوپر ایسا جادو کر رکھا ہے کہ کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی۔

بہر حال میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میں نے تمہاری بیوی کو بھی تمہارے بارے میں تسلی دے دی تھی کہ میں اس کے خاوند کو رہا کروا دوں گی۔

مائیکل کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ وہ ہکلاتے

ہوئے بولا۔

"شکریہ۔۔۔ مگر تم۔۔۔ تم کون ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"پھر وہی بات؟ یہ وقت اس قسم کے سوالوں کا نہیں ہے۔ میں کون ہوں؟ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تو یہی سمجھو کہ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں"۔

میں اپنے کام جا رہی تھی کہ پیرس کے ریلوے سٹیشن پر میں نے تمہاری بیوی کے رونے کی آواز سنی اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ تمہیں ان ظالم جرمنوں کی قید سے ضرور آزاد کراؤں گی۔

میں نے اسی جگہ تمہاری بیوی کے کان میں کہہ دیا تھا کہ فکر نہ کرو۔ میں تمہارے خاوند کو چھڑا لاؤں گی۔

مائیکل نے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر کہا۔

"بہن! تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ! لیکن تمہارا۔۔۔ تمہارا نام۔۔۔"

ماریا نے کہا۔

"تم مجھے ماریا کہہ سکتے ہو۔ تم فکر نہ کرنا میں اسی قلعے میں ہوں۔ جونہی موقع ملا تمہارے پاس آؤں گی اور پھر یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی"۔

مائیکل نے کہا۔

"لیکن ماریا بہن! یہ قلعہ بہت سنگین ہے۔ یہاں

سے آج تک کوئی قیدی باہر نہیں جا سکا"۔

"تم نا امید کیوں ہوتے ہو؟"۔

اتنے میں پہرے دار کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

وہ گشت کرتا چلا آ رہا تھا۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

"پہرے دار آ رہا ہے واپس اپنی جگہ پر چلے جاؤ"۔

مائیکل جلدی سے اپنے بنچ پر جا کر لیٹ گیا اور ہاتھ منہ پر کر لیا۔

ماریا بھی پرے ہٹ گئی پہریدار نے قریب آ کر کھڑکی میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔

قیدی اسی طرح بنچ پر لیٹا سو رہا تھا۔

وہ مطمئن ہو کر آگے نکل گیا۔

میں بھوت ہوں

شام ہوگئی۔

اس عرصے میں کسی نے بھی مائیکل کی کوٹھڑی کو نہ کھولا۔

ماریا کو اندر جانے کا موقع نہ مل سکا۔ ماریا دوسری منزل کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ یہاں بھی کوٹھڑیوں میں قیدی بند تھے۔

اسے باہر صحن میں فوجی بوٹوں اور انسانوں کے آہستہ آہستہ سسکیاں لینے کی آواز سنائی دی۔ ماریا جلدی سے صحن والے دروازے میں آ گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ پانچ جرمن سپاہی رائفلیں اٹھائے چار قیدیوں کو گھسیٹے لیے جا رہے ہیں۔

قیدی سسکیاں بھر رہے ہیں۔ اور رو رو کر جان بخشی کی التجائیں کر رہے ہیں۔ لیکن جرمن فوجی انہیں ٹھڈے مار مار کر آگے لیے جا رہے ہیں۔

آخر انہوں نے چاروں قیدیوں کو دیوار کے ساتھ لے جا کر باندھ دیا اور خود کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

ماریا سمجھ گئی کہ ان قیدیوں کو گولی سے اڑا لیا جانے والا ہے۔ ماریا پریشان ہو گئی کہ ان بے چاروں کو اس بے رحم موت کے منہ سے کیسے بچایا جائے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اتنے میں ایک جرمن کپتان آ گیا۔ اس کے آتے ہی فوجی اٹین شن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ کپتان کے چہرے پر رعونت تھی۔

اس نے نفرت سے قیدیوں کو دیکھا اور کہا۔

"نشانہ باندھو!"

پانچوں جرمن فوجیوں نے قیدیوں کے سینے کا نشانہ باندھ لیا۔

ان کی موت کا حکم دیا ہی جانے والا تھا۔ ایک دم

سے ماریا کے دل میں ایک خیال آیا۔ اس نے ایک جرمن سپاہی کو دھکا دے کر اس کی رائفل چھین لی۔ اور زمین پر لیٹتے ہی فائرنگ شروع کر دی۔

سب سے پہلے اس نے کپتان کو ڈھیر کر دیا۔ پھر باری باری گولیاں چلا کر پانچوں جرمنوں کو ختم کر دیا۔ قیدی حیران و پریشان ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

ماریا لپک کر ان قیدیوں کے پاس گئی۔ ان کو جلدی جلدی کھولا اور کہا۔

"دیوار پھاند کر بھاگ جاؤ"۔

قیدی کچھ بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں

نے دیوار پھاندی اور دوسری طرف کھائی میں جا گرے۔

وہاں سے اٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

گولیوں کی آواز سن کر سارے جرمن ہوشیار ہو گئے تھے۔

وہ بندوقیں لے کر بھاگے۔ دیکھا کہ صحن میں ان کے افسر اور ساتھی سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ صحن کی دیوار پر چڑھ کر دیکھا کہ قیدی بھاگے جا رہے ہیں۔

وہ گولیاں چلانے ہی والے تھے کہ ماریا نے انہیں بھی دوسری دنیا میں پہنچا دیا۔

قیدی روپوش ہو گئے۔

ماریا اوپر والی منزل پر آ گئی۔ یہاں گشت کرنے والا سپاہی بھی نیچے جا چکا تھا۔ ماریا نے کھڑکی کے ساتھ منہ لگا کر دیکھا۔

مائیکل حیران کھڑا تھا۔ ماریا نے کہا۔

''مائیکل؟''۔

''ماریا! بہن! یہ گولیاں کہاں چل رہی تھیں؟''۔

ماریا نے کہا۔

''ظالم جرمن کچھ بے گناہ قیدیوں کو گولی سے اڑانے والے تھے۔ میں نے انہیں بچا لیا۔ وہ فرار ہو گئے ہیں''۔

''لیکن یہ گولیوں کی آوازیں کیسی تھیں؟''۔

"میں نے فائرنگ سکواڈ کو ختم کر دیا"۔

مائیکل تعجب سے جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر تکنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

ماریا بہن! تم نے وہ کام کیا ہے جو اس وقت بڑے سے بڑا گوریلا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ لوگ غریب کسان تھے۔

جنہیں جرمن پکڑ کر لے آئے تھے اور اب جاسوسی کے الزام میں انہیں موت کی سزا دینے والے تھے۔ شاید کل تک مجھے بھی یہ لوگ گولی سے اڑا دیں۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"ایسا یہ لوگ کبھی نہ کر سکیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔

میں نے تمہاری خوبصورت بیوی سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کا خاوند صحیح و سالم اسے واپس کروں گی"۔

مائیکل آہ بھر کر بولا۔

"امید تو نہیں کہ اس سنگدل قلعے سے جان بچا کر نکل سکوں۔ لیکن خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں"۔

"گھبراؤ نہیں۔ خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہے"۔

اتنے میں پہرے دار پھر آ گیا۔ اس بار وہ تیز تیز بھاگتا آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی دروازے پر ایک اور تالا لگا دیا اور باہر رائفل کندھے پر رکھ کر اٹنشن

کھڑا ہو گیا۔

چھت پر چھوٹا سا بلب روشن تھا اس کی کمزور سی روشنی میں ماریا ذرا پرے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا طریقہ اختیار کرے کہ مائیکل کو موت کی کوٹھڑی سے نکالا جائے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اندر سے مائیکل نے کھڑکی کے پاس منہ لا کر پہرے دار سے کہا۔

"مجھے پیاس لگی ہے"۔

پہرے دار نے نفرت سے منہ بنا کر تڑک کر کہا۔

"پانی پی کر کیا کرو گے۔ ابھی پچھلے پہر تمہیں گولی سے اڑا دیا جائے گا"۔

مائیکل کی روح کانپ گئی۔ ماریا کا دل بھی زور سے دھڑکا۔ اس کا اندیشہ درست نکلا۔ یہ لوگ مائیکل کو پھانسی دینے والے تھے۔

اس نے جلدی جلدی سوچنا شروع کر دیا۔ آدھی رات گذر رہی تھی۔ کوئی دو تین گھنٹے بعد مائیکل کو گولی سے اڑا دیا جانے والا تھا۔

ماریا ٹہلنے لگی۔ اس کے قدموں کی آواز سن کر پہرے دار چونکا۔ جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ اس نے ادھر رائفل تان دی۔

"ہالٹ!"۔

ماریا رک گئی۔

پہرے دار نے قریب آ کر دیکھا۔ ماریا پرے ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا چپ چاپ کھڑی رہی۔

مگر یہ وقت چپ چاپ کھڑے رہنے کا نہیں تھا۔ کچھ کرنے کا تھا۔ کوٹھڑی کی چابیاں پہرے دار کی پیٹی کے ساتھ لٹک رہی تھیں۔

بڑا سنہری موقع تھا۔ اس سے زیادہ اچھا موقع شاید اسے پھر نہ مل سکے۔

ماریا نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے پہرے دار کے عقب میں آ گئی۔ اس نے عقب میں آتے ہی پہرے دار کی گردن پر زور سے مکا رسید

کر دیا۔

پہرے دار گرتے گرتے بچا۔ وہ غصے سے پیچھے مڑا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اسے زیادہ وقت نہیں دینا چاہیے اگر اس نے گولی چلا دی تو سارے سپاہی یہاں آ جائیں گے۔ اور پھر شاید وہ مائیکل کو موت کے بے رحم پنجے سے نہ بچا سکے۔

اس نے پیچھے آ کر پوری طاقت سے پہرے دار کی پیٹھ پر لات ماری۔ وہ منہ کے بل گرا۔ رائفل دور جا پڑی۔

ماریا نے رائفل اٹھائی اور پہرے دار کے سر پہ اس کا دستہ مارا۔ پہرے دار بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ماریا نے اس کی پیٹی سے چابی نکال کر تالا کھول دیا اور اندر مائیکل کے پاس چلی گئی۔ مائیکل بھی کھڑکی کے ساتھ لگا یہ سارا کھیل دیکھ رہا تھا۔

اگرچہ اسے مارنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

''مائیکل جلدی کرو۔ اس جرمن سپاہی کو اندر کھینچ کر اس کی وردی خود پہن لو۔ اور اسے اپنے کپڑے پہنا دو جلدی کرو۔ وقت گزرتا جا رہا ہے''۔

مائیکل نے جرمن سپاہی کے بے ہوش جسم کو کوٹھڑی میں کھینچ لیا۔ جلدی جلدی اس کے کپڑے اتار کر خود پہنے اور اپنے کپڑے اسے پہنا دیئے۔

''اسے اپنے بنچ پر اسی طرح لٹا دو جس طرح تم لیٹے ہوئے تھے''۔

مائیکل نے بے ہوش سپاہی کو بنچ پر لٹا کر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ ماریا نے مائیکل کو دیکھا۔

''یہ رائفل بھی اٹھا لو اور بالکل جرمن سپاہی بن کر یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرو''۔

میں تمہارے آگے آگے جا رہی ہوں۔

مائیکل بالکل جرمن سپاہی لگ رہا تھا۔ اس نے سر پر لوہے کا ہیٹ پہن رکھا تھا۔

اس کی شکل آدھی چھپ گئی تھی۔ وہ سیڑھیاں اتر

کر نچلی منزل پر آ گیا۔ یہاں لوہے کا دروازہ بند تھا۔ اور ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے ایک جرمن سپاہی کو قریب آتے دیکھا تو جرمن زبان میں پوچھا۔

"کیا تم باہر جاؤ گے؟"۔

مائیکل کو جرمن زبان بالکل نہیں آتی تھی۔ اس نے یونہی سر ہلا دیا۔ جرمن پہرے دار نے دروازہ کھول دیا۔

مائیکل گذر کر آگے چلا گیا۔ ماریا آگے آگے جا رہی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد پھر لوہے کا دروازہ آ گیا۔

مگر یہ دروازہ کھلا تھا۔ ایک سپاہی یہاں بھی پہرہ

دے رہا تھا۔ مگر جب اس نے اپنے ایسے ایک جرمن سپاہی کو آتے دیکھا تو کوئی اعتراض نہ کیا اور چپکے سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جب مائیکل قریب سے گذرا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر ہیل ہٹلر کہا۔ مائیکل نے بھی ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہیل ہٹلر"۔

اب آگے میدان صاف تھا۔ ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"آگے صرف صحن کا بڑا دروازہ ہے۔ وہاں پہرہ لگا ہے۔ تم چپکے سے نکل جانا۔ کسی سے بات نہ کرنا"۔

"ٹھیک ہے"۔

مائیکل جرمن فوجی کی وردی میں قلعے کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ یہاں دو چار جرمن سپاہی بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

انہوں نے ایک جرمن سپاہی کو باہر جاتے دیکھا تو کچھ نہ کہا۔ انہوں نے سوچا کہ شاید باہر کسی کام سے جا رہا ہے۔ مائیکل اور ماریا باہر آ گئے۔

سامنے ایک چھپر کے نیچے چھ سات ٹرک اور ویگنیں کھڑی تھیں۔

ماریا نے کہا۔

"یہاں سے ایک ویگن لیں گے اور فرار ہو جائیں گے۔ تم گاڑی چلا لیتے ہو ناں؟"۔

"ہاں"۔

"تو پھر آگے چلو"۔

مائیکل چھپر کے نیچے آ کر ایک ویگن کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ گاڑی سٹارٹ کرنے والا تھا ایک جرمن فوجی نے جو وہاں پہرہ دے رہا تھا، پستول کی نالی اس کے ماتھے پر رکھ کر کہا۔

"اپنا پاس دکھاؤ"۔

پہلے تو مائیکل ہنسا جیسے یہ ظاہر کر رہا ہو کہ بھائی میں بھی تمہاری طرح ایک جرمن سپاہی ہوں۔ لیکن چونکہ وہ جرمن زبان نہیں جانتا تھا۔

اس لیے منہ سے کچھ نہ بولا۔ پہرے دار کو اور زیادہ شک ہو گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

”پاس بک دکھاؤ نہیں تو گولی چلا دوں گا“۔

اب مائیکل پریشان ہو گیا۔ وہ ماریا کی مدد کا انتظار کرنے لگا۔ ماریا یہ سارا تماشہ بے تابی سے تک رہی تھی۔

اس نے کہا۔

”پاس بک میرے پاس ہے“۔

جرمن پہرے دار نے چونک کر ویگن کے اندر دیکھا۔

”کون عورت ہے یہ؟“۔

مائیکل نے سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو کہ اندر تو کوئی عورت نہیں ہے۔

جرمن نے اندر سر ڈال کر دیکھا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

”یہ آواز کس عورت کی تھی؟ پاس بک کدھر ہے۔ تم فرانسیسی جاسوس ہو۔ باہر نکل آؤ۔ نہیں تو گولی چلا دوں گا“۔

ماریا نے کہا۔

”یہ دیکھو پاس بک! ذرا پیچھے آ کر دیکھو“۔

جرمن ہڑبڑا کر پیچھے ہٹا۔ ماریا نے ایک لات مار کر دے گرایا اور پستول چھین کر اس کی کنپٹی پر رکھ کر

کہا۔

"میں اس قلعے کا بھوت ہوں۔ اگر تم نے ذرا بھی شور مچایا تو میں تمہیں زندہ کھا جاؤں گی بھاگ جاؤ۔ اپنی جان عزیز ہے تو یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

اصل میں ماریا پستول چلا کر نہیں چاہتی تھی کہ جرمن سپاہی خبردار ہو جائیں اور مائیکل کا پیچھا کرنا شروع کر دیں۔

جرمن تو مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ کیونکہ اسے دکھائی کوئی عورت نہیں دے رہی تھی مگر پستول کی نالی کسی ہاتھ نے اس کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی۔

ماریا نے اس کے ماتھے پر نالی کا دباؤ ڈالا اور کہا۔

"خبردار! اگر تم نے آواز نکالی"۔

اس کے ساتھ ہی وہ مائیکل کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"جلدی سے یہاں سے بھاگ چلو"۔

مائیکل نے ویگن سٹارٹ کر دی اور رات کے اندھیرے میں شہر کو جانے والی کچی سڑک پر ہو گیا۔

گولی سے اڑا دو

شہر میں داخل ہونے سے پہلے ماریا نے مائیکل سے کہا کہ وہ ویگن کو اسی جگہ چھوڑ دے۔ مائیکل جرمن فوجی کی وردی میں تھا۔

ماریا کو معلوم تھا کہ تھوڑی دیر بعد جرمن سپاہی مائیکل کی تلاش میں شہر میں چھاپے مار رہے ہوں گے۔

مائیکل کو ابھی پیرس اس کی خوبصورت بیوی کے پاس پہنچانا تھا۔ مائیکل نے اگرچہ ماریا سے کہا کہ وہ اکیلا ہی پیرس چلا جائے گا مگر ماریا کو معلوم تھا کہ پیرس تک پہنچنے میں مائیک کو ہزارہا خطروں میں سے گذرنا پڑے گا۔

”مائیکل! میں تمہارے ساتھ ہوں گی تو تمہیں بڑی آسانی رہے گی۔ میں مشکل وقت میں تمہاری مدد کر سکوں گی۔ اس لیے میرا تمہارے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے“۔

شہر میں آ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور اسے شہر کے دوسرے کنارے پر جانے کو کہا۔ اس جگہ ایک

پرانی خانقاہ بنی ہوئی تھی۔

مائیکل ایک بار یہاں آیا تھا۔ اب یہ خانقاہ جنگ کی وجہ سے ویران ہو چکی تھی، ابھی انہوں نے ویران خانقاہ میں قدم ہی رکھا تھا کہ ہوائی حملے کا سائرن گونج اٹھا پھر اتحادیوں کے جہاز آئے اور انہوں نے شہر کے کارخانوں پر بمباری شروع کر دی۔

بم کے دھماکوں کی دھمک خانقاہ تک آ رہی تھی اور دیواریں ہل رہی تھیں۔

ماریا نے کہا۔

"خانقاہ سے باہر آ جاؤ۔ کہیں اس کی دیواریں نہ گر پڑیں"۔

مائیکل ماریا کو لے کر خانقاہ سے باہر آ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز بمباری کر کے واپس چلے گئے۔

ماریا نے مائیکل سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں جرمن فوجی کی وردی تبدیل کر دینی چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، کسی جگہ کوئی افسر تم سے تمہارا شناختی کارڈ پوچھ بیٹھے"۔

مائیکل نے کہا۔

"لیکن دوسری صورت میں بھی گرفتار ہونے کا خطرہ ہے"۔

"ٹھیک ہے لیکن اگر تم مزدور یا کسان کا لباس

بدل لو گے تو تم پر کم ہی شک کیا جائے گا۔ اور پھر تمہاری حفاظت کے لیے میں جو تمہارے ساتھ ہوں"۔

مائیکل نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ اگر میں پادری کا لباس پہن لوں تو کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوگا"

"لیکن پادری کا لباس ملے گا کہاں سے؟"

ماریا بولی۔

"اس کا میں انتظام کروں گی۔ میں شہر جاتی ہوں۔ کسی نہ کسی گرجا گھر سے تمہارے لیے ایک جوڑا پادری کے لباس کا لے آؤں گی اور یہ بھی پتہ کرتی

آؤں گی کہ یہاں سے پیرس کو گاڑی کس وقت روانہ ہوتی ہے"۔

دوپہر کا کھانا انہوں نے خانقاہ میں ہی بیٹھ کر کھایا۔ اس کے بعد ماریا نے مائیکل کو تاکید کی وہ کسی حالت میں بھی خانقاہ سے باہر نہ نکلے اور شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہ شہر کافی بڑا تھا لیکن جنگ نے اس کی رونق چھین لی تھی۔ کارخانے بند پڑے تھے۔ صرف وہ کارخانے چل رہے تھے جہاں فوجی سازوسامان تیار ہوتا تھا۔

بازاروں میں بھی آدھی سے زیادہ دکانیں بند

پڑی تھیں۔ ماریا نے دور سے ایک گرجا گھر دیکھا اور وہاں آ گئی۔

گرجا گھر کے پیچھے رہائشی کوارٹر تھے۔ یہاں پادری صاحبان رہتے تھے۔ ماریا ایک کوارٹر میں داخل ہو گئی۔

ایک کھونٹی پر پادری کا لمبا چغہ لٹکا ہوا تھا۔ ماریا نے چغہ اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھا اور باہر سڑک پر آ گئی۔ یہاں سے وہ ایک ریل کار میں سوار ہو کر سیدھی ریلوے سٹیشن پہنچی۔

یہاں سے ایک جگہ اس نے لکھا ہوا پڑھا کہ پیرس جانے والی گاڑی آدھی رات کو ایک بجے چھوٹتی ہے۔

وہ واپس خانقاہ میں آ گئی۔

وہ ایک ہوٹل سے رات کا کھانا بھی اٹھا کر لیتی آئی تھی۔ اس نے مائیکل کو چغہ پہنایا اور بتایا کہ پیرس جانے والی گاڑی آدھی رات کو جاتی ہے۔

"ٹھیک ہے ہم آج رات ہی یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ لیکن میرے پاس ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں ہیں"۔

"پھر کیا ہوا۔ میں اس کا بھی بندوبست کر دوں گی۔ تم میرے ساتھ رہنا"۔

رات جب آدھی گزر گئی تو ماریا مائیکل کو ساتھ لے کر خانقاہ سے نکلی اور ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ

ہو گئی۔

انہیں سڑک پر ہی ایک ریل کار مل گئی۔ اس ریل کار نے دونوں کو ریلوے سٹیشن تک پہنچا دیا۔ یہاں پیرس جانے والی گاڑی بالکل تیار کھڑی تھی۔ ماریا سیدھی ٹکٹ والی کھڑکی کے اندر چلی گئی۔

یہاں اس نے پیرس جانے کی ایک فسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں آ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ تھی۔ ڈبے میں ایک جرمن اعلیٰ فوجی افسر بھی سفر کر رہا تھا۔

مائیکل گھبرا کر باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ گاڑی نے وسل دی اور چل پڑی۔ جرمن افسر نے مائیکل کو غور سے دیکھا اور جرمنی زبان میں پوچھا کہ وہ باہر کیوں جا

رہا ہے۔

اگر اس کے پاس فسٹ کلاس کی ٹکٹ ہے تو اسی ڈبے میں سفر کر سکتا ہے۔ مائیکل نے سر ہلا کر کہا۔

”میں فرانسیسی پادری ہوں۔ جرمن زبان نہیں جانتا“۔

جرمن افسر مسکرا دیا۔

کوئی بات نہیں فادر! میں تم سے فرانسیسی میں ہی بات کروں گا۔ میں تھوڑی فرانسیسی جانتا ہوں۔

ریل چلی جا رہی تھی۔ جرمن فوجی مائیکل سے باتیں کر رہا تھا اور ماریا سامنے والی سیٹ پر بیٹھی بڑے

غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

یہ جرمن فوجی کرنل تھا اور سگار پی رہا تھا۔ وہ جنگ پر باتیں کرنے لگا۔ اس نے مائیکل کو بتایا کہ جرمن فوجیں شمالی افریقہ میں بہت آگے نکل گئی ہیں اور اب وہ ساری دنیا کو فتح کر لیں گی۔

مائیکل جوں ہاں میں جواب دیتا رہا اور بار بار اپنے دائیں بائیں دیکھتا رہا۔ شاید وہ ماریا کی موجودگی کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔

جرمن کرنل کہہ رہا تھا۔

"فرانس پر ہمارا مکمل کنٹرول ہے۔ یہاں وہاں کہیں دہشت پسند شرارتیں کر رہے ہیں مگر ہم انہیں

بہت جلد دبا لیں گے۔ فرانس کے لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے فادر؟"۔

مائیکل نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں جی ہاں۔ آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ فرانس کے لوگ جرمن فوج سے پیار کرتے ہیں"۔

ریل اڑی چلی جا رہی تھی۔ ایک جگہ گاڑی تھوڑی دیر کو رکی تو ایک جرمن سپاہی اندر آ گیا۔ اس نے کرنل کو سلیوٹ کیا اور ایک پرچہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ کرنل نے پرچہ پڑھا تو اس کی بھنوئیں تن گئیں۔ اس نے انگلی کے اشارے سے سپاہی کو جانے کے لیے

کہا۔

سپاہی چلا گیا۔ مائیکل پریشان ہو گیا۔ خدا جانے اس پرچے میں کیا لکھا تھا؟

کہیں اس کے فرار کے بارے میں ہی نہ لکھا ہو۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گاڑی پھر چل پڑی۔ جرمن کرنل نے پرچہ ایک طرف رکھ کر تھرمس میں سے کافی نکال کر پیالیوں میں انڈیلی۔

"فادر! کافی سے شوق کریں گے؟"۔

"شکریہ!"

کرنل نے کافی کی پیالی مائیکل کے آگے کر دی۔ مائیکل خاموشی سے کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

کرنل نے کہا۔

"ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک قیدی قلعے سے فرار ہو گیا ہے۔ اسے صبح گولی سے اڑایا جاتا تھا۔ وہ ضرور اسی گاڑی میں سفر کر رہا ہو گا۔ خیر کوئی بات نہیں، ہماری پولیس گاڑی کی تلاشی لے رہی ہے"۔

مائیکل خوف زدہ ہو گیا۔ کافی کا ذائقہ اور تلخ محسوس ہونے لگا۔ کم بخت جرمن پولیس بھیڑیوں سے کم نہیں ہوتی۔

انہوں نے تلاشی لی تو مائیکل کے پاس اپنا کوئی شناختی کارڈ بھی نہیں ہے۔ اب کیا ہو گا؟۔

مائیکل ماریا سے مشورہ لینا چاہتا تھا۔ مگر کرنل کے

ہوتے ہوئے وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مائیکل کے آگے سگار کا ڈبہ پیش کرتے ہوئے جرمن کرنل نے کہا۔

’’سگار سے شوق کریں گے فادر؟‘‘۔

’’جی نہیں شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا‘‘۔

کرنل نے سگار سلگا کر کش لگایا اور بولا۔

’’یہ فرانسیسی قیدی بہت خطرناک ہے۔ کہتے ہیں اسی نے ہمارا گولہ بارود کا گودام اڑایا تھا۔ وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ خواہ وہ کسی بھی بھیس میں ہو، ہم اسے ضرور گرفتار کر لیں گے‘‘۔

مائیکل کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ کرنل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’فادر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟‘‘۔

’’جی ہاں جی نہیں۔ میرا مطلب ہے، رات مجھے ہلکا سا بخار ہو گیا تھا‘‘۔

کرنل نے مسکرا کر کہا۔

’’فرانس کی سردی خطرناک ہوتی ہے۔ آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ کیا میں آپ کو برانڈی کا ایک پیگ دوں؟‘‘۔

’’جی نہیں کرنل صاحب! شکریہ! میری طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے‘‘۔

گاڑی بڑی تیزی سے کھیتوں اور قصبوں کو پیچھے چھوڑتی پیرس کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ اتنے میں

جرمن کرنل اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔

مائیکل اس موقع کے انتظار میں تھا۔ اور شاید ماریا بھی یہی موقع تلاش کر رہی تھی۔ اس نے مائیکل سے سرگوشی میں کہا۔

"مائیکل گھبرانا نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

مائیکل نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن جرمن پولیس گاڑی میں سوار ہو چکی ہے، شاید وہ اس ڈبے میں بھی آئے۔ پھر کیا ہوگا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔

مائیکل بولا۔

"ماریا خدا کے لیے کچھ کرو۔ جرمن پولیس کسی بھی وقت ریل کے کاریڈار میں سے ہو کر اس ڈبے میں آ جائے گی اور شناختی کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے گرفتار کر لے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"تم کیوں گھبرا رہے ہو؟ اس طرح بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ پولیس والوں کو آتے دو اس وقت دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہی ہوں"۔

اتنے میں غسل خانے کا دروازہ کھلا اور جرمن کرنل باہر آ گیا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

فادر! جنگ کے دنوں میں بڑے بڑے لطیفے ہو جاتے ہیں۔ ابھی ابھی مجھے ایک انگریز جنگی قیدی کا خیال آ رہا تھا۔

اسے ہم نے قید کیا تو وہ بھاگ گیا۔ کم بخت نے کہیں سے پادری کا چغہ لے کر پہن لیا مگر پکڑا گیا۔ شناختی کارڈ جو اس کے پاس نہیں تھا۔

مائیکل کی جان ہوا ہو گئی۔ یہ کم بخت تو سب کچھ جان گیا تھا۔ کرنل نے اچانک مائیکل کے قریب آ کر جھک کر کہا۔

"فادر! گستاخی معاف! کیا آپ کے پاس اپنا شناختی کارڈ ہے؟"۔

مائیکل ایک بار تو لرز کر رہ گیا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ وہ۔۔۔ دراصل میں جلدی میں گاڑی پر سوار ہو گیا تھا اور۔۔۔ اور شناختی کارڈ چرچ میں ہی بھول آیا"۔

"ہاہاہا"۔

جرمن کرنل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑے سکون کے ساتھ ایک چھوٹا سا بھیانک ریوالور نکال کر اس کی نالی کا رخ مائیکل کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"فادر! تمہارا راز فاش ہو چکا ہے۔ تمہیں شاید خبر نہیں کہ قلعے کے قید خانے میں جرمن افسروں نے

تمہاری تصویر اتار لی تھی۔ اردلی مجھے جو پرچہ دے گیا تھا اس میں تمہاری تصویر بھی لگی تھی۔۔۔ یہ دیکھو"۔

جرمن کرنل نے بائیں ہاتھ سے پرچہ مائیکل کے آگے کر دیا۔

وہاں مائیکل کی چھوٹی سی تصویر لگی تھی۔ اس تصویر میں وہ قیدیوں کے لباس میں تھا اور اس کے سینے پر نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔

اب مائیکل کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اگر کوئی سہارا تھا تو صرف ماریا کا کہ شاید وہ اس مصیبت میں اس کی کوئی مدد کر سکے۔

جرمن مائیکل غصے میں بولا۔

"سیٹ پر سے اٹھ کر فرش پر بیٹھ جاؤ"۔

مائیکل سیٹ پر سے اٹھ کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔

کرنل نے رسی نکال کر مائیکل کے دونوں بازو پشت پر باندھ دیئے اور پستول اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

"ابھی جرمن پولیس میرے ڈبے میں آ رہی ہے"۔

"تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور میرے حکم سے تمہیں آج ہی شام کو گولی مار دی جائے گی۔ تم بڑے خطرناک قیدی ہو۔ تم نے ہمارے کئی ایک سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے"۔

مائیکل خاموش تھا۔ جرمن کرنل نے ایکدم اس

کے سر پر زور سے مکا مارا۔ مائیکل فرش پر لڑھک گیا۔

"وحشی جانور! تم نے میرے چار بہترین کمانڈروں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ میں تمہیں خود اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا"۔

گاڑی شور مچاتی بھاگی چلی جا رہی تھی۔ باہر کھیتوں میں شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔

ماریا قریب ہی بیٹھی یہ سارا کھیل بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وقت گذرا جا رہا تھا۔ اس کو جو کچھ بھی کرنا تھا، اب کر دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ اگر جرمن پولیس ایک بار ڈبے میں داخل ہو گئی تو پھر مائیکل کو

بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اس قسم کے خیال ماریا کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ آخر وہ ایک فیصلہ کر کے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کے اٹھنے سے اس کا بازو ایک پیالے سے ٹکرا گیا اور وہ نیچے فرش پر گر پڑا۔

جرمن کرنل نے چونک کر ادھر دیکھا اور پھر مائیکل کی طرف پستول کا رخ کر دیا۔ وہ یہی سمجھا کہ شاید گاڑی کے دھچکے سے پیالہ تپائی پر سے نیچے گر پڑا ہے۔

لیکن مائیکل جانتا تھا کہ یہ ماریا کا کام ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور کہیں

اس کے آس پاس ہی ہے۔

ماریا حملہ کرنے والی تھی۔ اس نے جرمن کرنل کے عقب میں رکھی ہوئی بڑی تھرمس بوتل اٹھا لی۔ کرنل کی اس طرف پیٹھ تھی مگر مائیکل نے تھرمس بوتل کو میز پر سے اچانک غائب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اب وہ کسی حادثے کا انتظار کر رہا تھا۔

ایکدم سے تھرمس بوتل دھائیں کی آواز کے ساتھ جرمن کرنل کے سر پر پڑی اور وہ مرغی کی طرح گردن ڈھلکا کر ایک طرف کو گر پڑا۔

ماریا نے کہا۔

"جلدی سے اسے اٹھا کر غسل خانے میں لے

جاؤ۔ جلدی کرو مائیکل"۔

"مگر میرے ہاتھ تو کھولو"۔

ماریا نے فوراً مائیکل کے ہاتھ کھول دیئے اور وہ جرمن کرنل کی لاش کو گھسیٹ کر غسل خانے میں لے گیا۔

ماریا نے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے، مائیکل اس کرنل کی وردی اتار کر خود پہن لو۔ جلدی کرو۔ وقت کم ہے۔ جرمن پولیس آ گئی تو مصیبت آ جائے گی"۔

مائیکل نے جلدی جلدی جرمن کرنل کی وردی اتار کر خود پہن لی اور غسل خانے سے باہر آ گیا۔ وہ

بالکل جرمن کرنل ہی لگ رہا تھا۔

کہنے لگا۔

"اس لاش کا کیا بنے گا؟ اگر جرمن پولیس میں کسی نے غسل خانے میں اسے دیکھ لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا۔"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اسے اٹھا کر گاڑی سے نیچے پھینک دو"۔

مائیکل نے لاش کو غسل خانے میں سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔ ڈبے کا پچھلا دروازہ کھولا اور لاش گاڑی سے باہر کھیتوں میں پھینک دی۔

پھر وہ ہاتھ جھاڑ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور سگار

پینے لگا۔

ماریا نے کہا۔

"تمہیں جرمن زبان نہیں آتی۔ اس لیے اگر پولیس آ گئی تو اس سے بولنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ بس اشاروں سے بات کرنا۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا کہ تمہارے دانت میں شدت کا درد ہو رہا ہے"۔

"ٹھیک ہے ماریا۔ بڑا اچھا خیال ہے، میں ایسا ہی کروں گا"۔

مائیکل نے چھوٹا رومال نکال کر اپنے منہ پر باندھ لیا اور سیٹ پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔

ماریا نے کہا۔

ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں نکلے۔ پیرس پہنچنے میں ابھی ساری رات کا سفر باقی ہے۔ راستے میں ہو سکتا ہے، ابھی کسی مقام پر چیکنگ ہو۔

اس لیے تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ تمہیں جرمن زبان نہیں آتی۔

مائیکل نے کہا۔

"لیکن میں دانت کے درد کا بہانہ بنا لوں گا"۔

ماریا بولی۔

"ٹھیک ہے مگر اگر کسی نے تمہیں یہ کہہ دیا کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، ہمیں لکھ کر بتا دیں تو کیا کرو گے؟"۔

مائیکل کانپ اٹھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"بہر حال جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ باہر کاریڈار میں کھڑاک کھڑاک کی آوازیں آئیں۔ جرمن پولیس آ گئی تھی۔ ڈبے کا دروازہ کھلا اور دو جرمن سپاہی اندر داخل ہوئے۔

انہوں نے ایک جرمن فوج کے کرنل کو سیٹ پر آرام کرتے دیکھا تو فوراً سلیوٹ کیا۔

مائیکل نے ہاتھ کے اشارے سے سلیوٹ کا جواب دیا۔

جرمن سپاہی نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ جس کے

جواب میں مائیکل نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے غوں غاں سی کی۔

سپاہی سمجھ گئے کہ کرنل صاحب کے دانت میں شدید درد ہے ان کے جاتے ہی ماریا نے کہا۔

"خدا کا شکر کرو۔ ایک مصیبت تو ٹل گئی، لیکن ابھی کئی ایک مصیبتیں باقی ہیں۔ ہو سکتا ہے پیچھے جرمن کرنل کی لاش لوگوں کو مل جائے اور اس گاڑی کو اگلے سٹیشن پر گھیرے میں لے لیا جائے، کیونکہ جرمن کرنل کے ٹکٹ پر اس ڈبے کا نمبر لکھا ہو گا"۔

مائیکل بولا۔

"خدا کے لیے میرا حوصلہ پست نہ کرو"۔

ماریا بولی۔

میں تمہارا حوصلہ پست نہیں کر رہی، بلکہ تمہیں مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رہی ہوں۔ تمہیں ہر وقت چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

میں تمہیں ایک آدھ دشمن سے تو بچا سکتی ہوں لیکن فوج کے پورے دستے سے تمہیں بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

میں پوری طرح سے چوکس ہوں، تم فکر نہ کرو۔ میں جرمنوں کی قید میں جانے سے خود مر جانا پسند کروں گا۔

"نہیں میں یہ بھی گوارا نہیں کروں گی۔ میں تمہیں

تمہاری بیوی کے پاس صحیح سلامت واپس پہنچانا چاہتی ہوں"۔

وہ باتیں کرتے رہے اور گاڑی اپنی منزل کی طرف اڑتی چلی گئی۔

رات اب گہری ہو گئی تھی۔ اردگرد قصبے گزر رہے تھے مگر بلیک آؤٹ کی وجہ سے وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ اور کوئی عمارت یا کارخانہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

چھوٹے سے سٹیشن پر پہنچ کر گاڑی رک گئی۔

ماریا نے کہا۔

"خبردار ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ہو سکتا ہے جس جرمن کرنل کی تم نے وردی پہن رکھی ہے اس نے کسی کو اس

جگہ بلوا رکھا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اسی سٹیشن پر اترنا ہو"۔

مائیکل پریشان ہو گیا۔ ماریا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ پلیٹ فارم پر دھیمی ڈھکی ہوئی روشنیاں ہو رہی تھیں۔

پلیٹ فارم پر فوجی ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔ کچھ مسافر وہاں گاڑی سے اتر گئے اور کچھ نئے مسافر سوار ہو گئے۔ اتنے میں ایک فوجی دستہ مارچ کرتا ہوا آیا اور کرنل کے ڈبے کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں ایک فوجی دستہ مارچ کرتا ہوا آیا اور کرنل کے ڈبے کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک کپتان

نے آگے بڑھ کر ڈبے کا دروازہ کھولا اور اندر آ کر کرنل مائیکل کو سیلوٹ کیا اور جرمن زبان میں کچھ کہا۔

مائیکل کو پسینہ آ گیا۔ اس نے دانت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اوں آں کی اور پھر گال پہ ہاتھ رکھ کر ہائے ہائے کرنے لگا۔

جرمن کپتان پریشان ہو کر آگے بڑھا اور کرنل کے دانت کو دیکھنے کی کوشش کی۔

مائیکل نے چیخ کر اسے ہاتھ کے اشارے سے پرے ہٹا دیا۔

کپتان باہر نکل گیا۔ باہر اب سٹیشن ماسٹر بھی کھڑا تھا جو فرانسیسی تھا اور فرنچ زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔

ماریا نے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”آفیسر! کرنل نے اسی سٹیشن پر اترنا تھا“۔

جرمن کپتان نے کہا۔

”ٹھیک ہے مگر کرنل کے دانت میں بڑا شدید درد ہو رہا ہے۔ شاید وہ آگے جائے گا“۔

ایک دوسرے فوجی نے کہا۔

مگر جناب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کرنل صاحب کو اسی شہر کے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کرنی ہے ان کا آرڈر آیا ہوا ہے۔

کل صبح انہوں نے سٹاف کو خطاب کرنا ہے۔ انہوں نے خود تار دے کر کہا تھا کہ وہ رات کی گاڑی

سے آ رہے ہیں۔

کپتان بولا۔

”تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میں کرنل کی جھڑکیاں نہیں کھا سکتا۔ وہ تو کسی کو قریب نہیں آنے دے رہا۔“

اتنے میں انجن نے وسل دی۔ گارڈ نے جھنڈی لہرائی اور گاڑی چھک چھک کرتی پلیٹ فارم سے باہر نکل گئی۔

جرمن فوجی واپس چلے گئے۔ انہوں نے جاتے ہی پیچھے ہیڈ کوارٹر میں فون کیا کہ کرنل آگے نکل گیا ہے اور وہ اپنے سٹیشن پر نہیں اترا۔ ادھر سے جواب ملا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے اسی جگہ اترنا تھا۔ تم نے غور سے دیکھا؟ کیا وہ کرنل ہی تھا یا کوئی اور تھا؟“۔

کپتان نے کہا۔

”سر وہ ہمارا کرنل ہی تھا۔ اس نے ہماری وردی پہن رکھی تھی اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں“۔

دوسری طرف سے کوئی غصے میں بولا۔

”ارے احمق! اس کی مونچھیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ہمارے کرنل کی مونچھیں نہیں تھیں“۔

”سر۔۔۔ سر۔۔۔ تو پھر وہ کون تھا؟“۔

”یہ تم معلوم کرو گدھے؟“۔

اور فون بند کر دیا گیا۔ اتنے میں ایک ریل کار واپس جا رہی تھی کہ اس کی دھیمی روشنی میں کرنل کی لاش مل گئی۔

فوراً ایک طوفان مچ گیا۔ گاڑی پیرس سے ابھی دو سو میل پیچھے تھی کہ ایک سٹیشن پر گاڑی کو جرمن فوج نے گھیرے میں لے لیا۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

”مائیکل! بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ گاڑی کو جرمنوں نے گھیر لیا ہے۔ وردی اتار کر پھر سے پادری کا لباس پہن کر کاریڈار سے ہو کر دوسرے ڈبے میں چلے جاؤ۔ جلدی کرو۔“

مائیکل نے بڑی تیزی سے وردی اتار کر غسل خانے میں پھینکی اور اپنا پادریوں والا چغہ پہن کر کاریڈار سے ہوتا ہوا دوسرے ڈبے میں جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اور آنکھیں بند کر کے آہستہ آہستہ تسبیح پھیرنے لگا۔

جرمن فوج گاڑی میں داخل ہو گئی۔ سپاہیوں نے ڈبے میں آ کر ایک ایک کی تلاشی لی۔

کرنل کی وردی غسل خانے میں پڑی تھی۔ قاتل غائب تھا۔

تمام مسافروں کو گاڑی میں سے اتار لیا گیا اور ایک ایک کی تلاشی شروع ہو گئی۔

دستی بم

مائیکل بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ قطار میں کھڑا ہو گیا۔

جرمن فوجی رائفلیں تانے مسافروں کے ارد گرد کھڑے تھے۔ کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں تھی۔

ماریا ذرا فاصلے پر کھڑی سوچ رہی تھی کہ اگر کوئی

خطرہ پیدا ہوا تو وہ کس طرح سے مائیکل کی مدد کرے گی؟۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ جرمن کپتان ایک ایک مسافر کا شناختی کارڈ دیکھتا۔ اس کی تلاشی لیتا اور پھر اسے جانے کی اجازت ملتی۔

مصیبت یہ تھی کہ مائیکل کے پاس کوئی شناختی کارڈ نہیں تھا۔ آخر مائیکل کی باری بھی آ گئی۔

جرمن کپتان نے مائیکل سے پوچھا۔

”فادر! تمہارا شناختی کارڈ کہاں ہے؟“۔

مائیکل نے ادب سے جھک کر کہا۔

”میرے بچے! میں تو ایک غریب پادری

ہوں"۔

میرا شناختی کارڈ دیکھ کر کیا کرو گے؟۔

جرمن افسر نے کہا۔

"یہ ضروری ہے فادر!"۔

مائیکل آئیں بائیں شائیں کرنے لگا تو جرمن کپتان نے غرا کر کہا۔

"اگر سیدھی طرح سے شناختی کارڈ نہیں دکھاؤ گے تو تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا"۔

مائیکل نے کہا۔

"میرے بچے! میرا شناختی کارڈ ہے مگر جلدی میں گھر پر ہی رہ گیا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں گھر جا کر دکھلا سکتا ہوں"۔

جرمن کپتان نے اشارہ کیا۔

"اسے گرفتار کر لو"۔

فوجی آگے بڑھے اور انہوں نے مائیکل کے احتجاج کے باوجود اسے ہتھکڑی لگا دی اور اپنے ساتھ لے کر ریلوے کے کوارٹر گارڈ میں لے گئے۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صبح کی روشنی پھیل گئی۔ مائیکل کو حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔

ایک میجر نے آ کر مائیکل سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ مائیکل تھوڑی دیر تک تو جواب دیتا رہا مگر پھر جیسے

اس کی ہمت جواب دے گئی۔

جرمنوں کو شک ہو گیا کہ یہی اصل میں ان کے کرنل کا قاتل ہے۔ جرمن میجر نے زور سے ایک مکا مائیکل کی گردن پر مارا۔

مائیکل سٹول پر سے نیچے فرش پر گر پڑا۔

"بدمعاش! سچ سچ بتاؤ تم نے کس جگہ کرنل کو قتل کیا تھا؟ تم کو کس نے اس کام کے لیے بھیجا تھا؟"۔

تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟۔

مائیکل نے کہا۔

"میں ایک پادری ہوں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا"۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ ابھی تم سب کچھ بتا دو گے"۔

میجر نے اشارہ کیا۔ ایک سپاہی نے مائیکل کو رسیوں سے جکڑ دیا اور اس کے بازوؤں کو شکنجے میں کسنا شروع کر دیا۔

مائیکل کی چیخ نکل گئی۔ ماریا اس کی مدد کرنے کے لیے بے تاب تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟۔

آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہاں کچھ فوجی میزوں پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔

سامنے الماری تھی جس میں اسلحہ پڑا تھا۔ اسی جگہ ایک خانے میں دستی بم رکھے ہوئے تھے۔ ماریا نے چپکے سے الماری کا پٹ کھولا اور دو دستی بم نکال کر جیب میں ڈال لیے۔

اتفاق سے کسی جرمن سپاہی نے الماری کو کھلتے ہوئے نہ دیکھا اور کوئی دیکھ بھی لیتا تو ماریا کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟۔

وہ بم لے کر دروازے سے باہر آ گئی۔ اس نے پن نکالی اور بڑے آرام سے دستی بم کو جرمنوں کی میزوں کے نیچے لڑھکا دیا۔

ایک زوردار دھماکہ ہوا اور میزیں جرمن سپاہیوں

کو لے کر چھت کی طرف اٹھیں اور ان سب کے پرخچے اڑ گئے۔

ساتھ والے کمرے سے سپاہی بھاگ کر ادھر آئے۔ وہاں دھواں ہی دھواں تھا۔ ماریا جلدی سے حوالات میں گئی۔

مائیکل ابھی تک رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ ماریا نے اسے کھول دیا۔

"یہاں سے بھاگ چلو"۔

کسی نے مائیکل پر گولی چلا دی۔ مائیکل زمین پر بیٹھ گیا۔ ماریا نے دیکھا سامنے برآمدے میں دو جرمن سپاہی بندوقیں تانیں اس کی طرف فائرنگ

کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔

وہ زور زور سے شور بھی مچا رہے تھے۔ ماریا نے دوسرے دستی بم کا پن نکالا اور اسے جرمنوں پر پھینک دیا۔

دھماکا ہوا اور دونوں سپاہیوں کے پرخچے اڑ گئے ماریا نے مائیکل کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نکل بھاگو۔ ادھر دریا کی طرف"۔

مائیکل نے اندھا دھند کھیتوں اور جھاڑیوں میں بھاگنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور جا کر وہ ایک جنگل میں داخل ہو گیا۔

سٹیشن پر ایک طوفان مچا تھا جرمن اپنے کتوں کو

لے کر مائیکل کی تلاش میں باہر نکل آئے تھے۔

ماریا مائیکل کو لے کر دریا کنارے پہنچ کر رک گئی۔

"دریا کس طرح پار کرو گے۔ جرمن کتوں کو لے کر چلے آ رہے ہیں۔ ان سے بچنا بڑا مشکل ہو گا"۔

ضروری ہے کہ ہم دریا پار کر جائیں۔

مائیکل نے کہا۔

"میں دریا تیر کر پار کر سکتا ہوں"۔

"بڑی اچھی بات ہے۔ تم دریا میں چھلانگ لگا دو اور تیر کر پار کر جاؤ۔ دوسرے کنارے پر کسی جگہ رک کر میرا انتظار کرنا۔ میں تمہیں تلاش کر لوں گی"۔

مائیکل نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

ادھر کتوں کی آوازیں قریب تر ہو رہی تھیں۔ ماریا ایک درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ کتوں کو ماریا کے جسم کی بو آ رہی تھی۔

وہ درخت کے نیچے آ کر منہ اوپر اٹھا کر بھونکنے لگے۔ یہ بڑی عجیب حالت تھی۔ اگر جرمن سپاہی فائرنگ کھول دیتے تو ماریا یقیناً ہلاک ہو جاتی لیکن جرمنوں کو درخت میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس کے باوجود کتے برابر درخت کی طرف منہ اٹھائے بھونکے جا رہے تھے۔ وہ بھی سچے تھے۔ انہیں ماریا کی بو آ رہی تھی۔

جرمنوں نے جب دیکھا کہ کتے خوامخواہ بھونکے

جا رہے ہیں تو انہوں نے کتوں کو برا بھلا کہا اور واپس لے گئے۔ اچانک ایک سپاہی نے دریا کی طرف اشارہ کیا۔

دریا کے بیچ میں مائیکل تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر جا رہا تھا۔ سپاہی زمین پر بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ادھر سے ایک کشتی گزری۔

ماریا چپکے سے اس پر سوار ہو گئی۔ راستے میں جرمن بھی اس کشتی میں سوار ہو گئے۔ اب چاروں جرمن سپاہی کتوں کو لے کر دریا کنارے اتر پڑے۔

کتے اس لیے خاموش تھے کہ ماریا نے اپنے جسم کو

دریا کے پانی سے گیلا کر لیا تھا جس کی وجہ سے اس کے جسم کی بو کتوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

ماریا ہوتے ہوتے اس جرمن سپاہی کے قریب آ گئی۔ جس کے تھیلے میں دستی بم رکھے تھے۔ یہ جرمن سپاہی ایک کتے کی زنجیر تھامے اسے آگے گھسیٹ رہا تھا۔

ماریا نے قریب جا کر اسے دھکا دیا۔ وہ گرا۔ گرتے گرتے ماریا نے اس کے تھیلے میں سے دو دستی بم نکال لیے۔

اب ماریا کو زیادہ فکر نہیں تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ مائیکل کو خطرے سے نکال کر لے جائے

گی۔

مائیکل نے بھی خطرے کو اپنے قریب آتے محسوس کر لیا تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا۔ ایک جگہ مٹی کا چھوٹا سا ٹیلا آ گیا۔

یہاں جھاڑیاں بے شمار تھیں اور ایک چھوٹا سا غار ٹیلے کے اندر جا رہا تھا۔ مائیکل اس غار میں گھس گیا۔

اس نے اپنے آپ کو جھاڑیوں میں چھپا لیا۔

اصل میں وہ بھاگتے بھاگتے بہت تھک گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ ماریا یقینا ساتھ ہو گی اور اس کی ضرور مدد کرے گی۔

جرمن ٹیلے کے پاس آ کر رک گئے۔

ماریا ذرا پیچھے تھی۔ کتوں نے مائیکل کی بو سونگھ لی تھی اور وہ غار کی طرف جا رہے تھے۔ جرمن سپاہیوں نے غار کے اوپر فائرنگ شروع کر دی۔

مائیکل ایک طرف چھپ گیا۔ سپاہیوں نے گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ ماریا اب قریب آ گئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ مائیکل اسی ٹیلے کے اندر کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔

اس نے دستی بم نکال کر مار دیا ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ دھواں اٹھا۔ جب دھواں چھٹا تو تین جرمن سپاہی خون میں لت پت تڑپ رہے تھے۔

چوتھا سپاہی زمین پر سے اٹھ رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر رائفل تھامی اور مائیکل کو غار سے باہر آتے دیکھ کر گولی چلا دی۔

گولی مائیکل کے سر کے اوپر سے گذر گئی۔ وہ نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے پہلو بچا کر سپاہی پر چھلانگ لگا دی۔ وہ سیدھا جرمن سپاہی کے اوپر آ کر گرا۔

دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ لیکن مائیکل نے جرمن سپاہی پر قابو پا لیا اور گولی داغ دی۔ یہ سپاہی بھی ختم ہو گیا۔

ماریا نے کہا۔

"تمہیں کس نے غار سے باہر نکلنے کو کہا تھا؟ اگر

تمہیں گولی لگ جاتی تو کیا ہوتا؟"۔

مائیکل نے کہا۔

"میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ دستی بم کے دھماکے سے سارے ختم ہو گئے ہوں گے۔ کیا یہ دستی بم تم نے مارا تھا؟"۔

ماریا بولی۔

"اور کس نے مارا تھا؟ اب جلدی سے اٹھو اور یہاں سے بھاگو۔۔۔"

جرمن سپاہیوں کے کتے بھی مر چکے تھے۔ مائیکل اور ماریا نے جنگل میں چلنا شروع کر دیا۔

ماریا نے مائیکل سے پوچھا؟۔

"تم اس علاقے کو جانتے ہو؟ ہم کدھر جا رہے ہیں؟"۔

مائیکل بولا۔

میں ان سارے علاقوں سے واقف ہوں۔ یہاں سے پیرس دو سو میل کے فاصلے پر ہے لیکن اس جنگل کے پار ایک نہر آئے گی۔

نہر کے پار ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں سے ایک پکی سڑک سیدھی پیرس کو جاتی ہے۔

ماریا نے کہا۔

"ہم ریل میں سفر نہیں کر سکتے۔ کیا اس گاؤں سے ہمیں کوئی جیپ یا ٹرک مل جائے گا؟"۔

مائیکل نے کہا۔

"کوشش کروں گا کہ وہاں سے کوئی ٹرک وغیرہ مل جائے۔ ریل میں سفر کرنا خطرناک ہو سکتا ہے"۔

دونوں جنگل میں سے گزرتے آخر اس نہر پر پہنچ گئے۔

نہر پر ایک پل بنا ہوا تھا۔ پل عبور کرنے کے بعد سامنے ایک گاؤں تھا۔ چھوٹا سا گاؤں تھا جس کی سرخ چھتوں پر صبح کی دھوپ چمک رہی تھی۔

مائیکل اور ماریا گاؤں پہنچ گئے۔ اس گاؤں میں ایک فوجی چوکی بھی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے جرمنوں نے اس چوکی کو تمہارے بارے میں خبردار کر دیا ہو۔ میرا خیال ہے تم بیٹھو میں جا کر معلوم کرتی ہوں کہ وہاں سے ہمیں کوئی جیپ یا ٹرک مل سکتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا"۔

مائیکل ایک گھنے سیب کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا وہ زمین پر پڑے ہوئے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ ماریا گاؤں میں آ گئی۔

گاؤں پر بھی جنگ کے بادل چھا رہے تھے۔ لوگ خوفزدہ تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ فوجی چوکی پر جرمن سپاہی

کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ دو ٹرک اور ایک جیپ سڑک کنارے کھڑی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ اگر وہ دونوں ٹرکوں کے ٹائر پنکچر کر دے اور خود جیپ لے کر بھاگ نکلیں تو وہ یہاں سے بچ کر نکل سکتے ہیں۔

ماریا نے قریب جا کر دیکھا۔ چوکی کے اندر چھ سات جرمن سپاہی بیٹھے تھے۔ باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ماریا کے پاس ایک دستی بم ابھی موجود تھا۔ مگر وہ اسے خواہ مخواہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ جرمن سپاہی کسی بھی طرح

چوکی سے باہر نہیں جائیں گے۔

وہ ٹرکوں کے پاس آ گئی۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر ایک ٹرک کے پچھلے پہیوں میں مار دیا۔ دھماکا ہوا اور ٹرک کے دونوں پہیے پھٹ گئے۔

جرمن سپاہی بھاگتے ہوئے آئے۔ اس عرصے میں ماریا نے دوسرے ٹرک کے پہیے پھاڑ ڈالے۔ سپاہی پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

"کسی نے گولی چلائی ہے۔ پکڑو اسے"۔

سپاہی چاروں طرف بکھرے اور گولیاں چلانے لگے۔

ماریا زمین پر بیٹھ گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی گولی

اسے نہ لگ جائے۔

گولیاں اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

جب جرمن سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ وہاں ان کے سوائے اور کوئی نہیں تو گولیاں چلنا رک گئی۔

ماریا پیچھے کو بھاگی۔

مائیکل سیب کے درخت کے نیچے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

ماریا نے جا کر اسے کہا۔

"میں نے دونوں ٹرکوں کے پہیے پھاڑ دیے ہیں۔ اب وہاں صرف ایک جیپ باقی رہ گئی ہے۔ ہمارا کام یہ ہوگا کہ کسی طرح سے اس جیپ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں"۔

مائیکل بولا۔

"لیکن ماریا بہن! ہم کس طرح ان سپاہیوں کے ہوتے ہوئے جیپ پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ کیا وہ ہم پر گولی نہیں چلا دیں گے؟"۔

"اگر تم اسی طرح سوچتے رہے تو یہاں سے کبھی نہ نکل سکو گے۔ چلو میرے ساتھ اور جیپ حاصل کرنے کی کوشش کرو"۔

جرمن چوکی کے پاس سارے سپاہی جمع تھے اور ٹرکوں کے پہیے بدلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ماریا نے مائیکل سے کہا۔

"تم اسی جگہ رک جاؤ۔ معاملہ خراب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ میں ایک بار پھر جا کر حالات کو اپنی مرضی کے مطابق کرنے کی کوشش کرتی ہوں"۔

ماریا ایک بار پھر ٹرکوں کے پاس چلی گئی۔

سپاہیوں نے بڑی تیزی سے ایک ٹرک کا پہیہ بدل دیا تھا۔

ماریا پریشان ہو گئی، یہ کم بخت تو یہاں سے کبھی فرار نہیں ہونے دیں گے۔ اس نے چوکی کے اندر جا کر دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا سارے سپاہی باہر ٹرکوں کے پاس کھڑے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ سامنے دیوار کے ساتھ رائفلیں

اور سٹین گنیں رکھی تھیں۔

اس نے سٹین گن اٹھالی اور اس کا رخ باہر کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑ تڑتڑ کی آواز کے ساتھ گولیاں چلنے لگیں۔

تین سپاہی زمین پر گر پڑے۔ ماریا جلدی سے چوکی سے نکل کر ٹرکوں کی دوسری جانب چلی گئی۔

جرمن سپاہی لپک کر چوکی کی جانب آئے۔

ان کا خیال تھا کہ کوئی تخریب کار چوکی کے اندر چھپا ہوا ہے اور ان پر گولی برسا رہا ہے۔ اس عرصے میں ماریا ٹرکوں کے پاس آ کر چھپ گئی۔

جرمن ٹرکوں کی طرف بھاگے۔ ماریا نے ان پر

گولیوں کا مینہ برسا دیا۔

سپاہی چوک کے اندر چھپ گئے۔ ماریا نے مائیکل کو آواز دی۔

"مائیکل! جلدی سے بھاگ کر آؤ"۔

مائیکل جھاڑیوں میں سے نکل کر جیپ کی طرف بھاگا۔ وہ جھک کر بھاگتا چلا آ رہا تھا۔ وہ آتے ہی جیپ میں سوار ہو گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی سوار ہو گئی۔ مائیکل نے جیپ سٹارٹ کر دی۔ جیپ کو سٹارٹ ہوتے دیکھ کر جرمن سپاہیوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔

مگر تھوڑی ہی دیر بعد مائیکل کی جیپ چوکی سے

بہت دور نکل چکی تھی۔

شام تک جیپ سڑک پر بھاگتی رہی۔

اندھیرا ہوا تو انہوں نے جیپ ایک گاؤں کے باہر کھڑی کر دی۔ ماریا نے وہاں جا کر کچھ کھانے کی چیزیں لیں اور واپس آ کر انہوں نے کھانا کھایا۔

اس گاؤں میں جرمن سپاہیوں کی کوئی چوکی نہیں تھی۔ کھانا کھانے کے بعد مائیکل نے دیکھا کہ جیپ میں ابھی کافی پٹرول پڑا تھا۔

مائیکل نے جیپ سٹارٹ کر دی۔ اور ان کا پیرس کی طرف کا سفر شروع ہو گیا۔ ساری رات وہ سفر کرتے رہے۔

ماریا جیپ کی پچھلی سیٹ پر سو گئی تھی۔ پچھلے پہر وہ ایک شہر کے باہر آ گئے۔ یہاں مائیکل نے دو تین گھنٹے سو کر آرام کیا۔

ماریا نے کہا۔

"یہ شہر بہت بڑا ہے۔ ضرور اس شہر کے باہر چوکی ہو گی جہاں ہماری جیپ پکڑی جا سکتی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اس جیپ کو اسی جگہ چھوڑ دیں اور یہاں سے کسی دوسری سواری میں پیرس کی طرف کوچ کریں۔ یہاں سے پیرس کتنی دور ہو گا؟"۔

مائیکل نے کہا۔

"پیرس یہاں سے صرف ایک گھنٹے کا سفر ہے

تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ ہمیں جیپ اسی جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔ لیکن میں اگر تمہارے ساتھ گیا تو ہو سکتا ہے چیکنگ پوسٹ پر وہ لوگ مجھے پہچان لیں۔ اس لیے میں اسی جگہ رک جاتا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر میں کوئی دوسری سواری لے بھی آئی تو چیکنگ تو پھر بھی ہو گی۔ کیا کوئی دوسرا راستہ اس شہر میں داخل ہونے کا نہیں ہے؟ یا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس شہر میں گزرے بغیر آگے نکل جائیں؟"۔

مائیکل کہنے لگا۔

"دوسرا راستہ ان پہاڑوں کے اوپر سے ہے جو

بہت مشکل اور دشوار گذار ہے"۔

ماریا کہنے لگی۔

"صرف ایک ترکیب ہو سکتی ہے کہ تم عورتوں کا لباس پہن لو اور چیکنگ پوسٹ سے گذر جاؤ"۔

"یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ عورت کا لباس کہاں سے آئے گا"۔

"اس کا بندوبست میں کر دوں گی"۔

ماریا ایک گاؤں میں چلی گئی۔ گاؤں کے باہر دیہاتی عورتوں نے اپنے کپڑے سوکھنے کو ڈال رکھے تھے۔

ماریا نے ایک جوڑا زنانہ کپڑے کا اٹھایا اور واپس

مائیکل کے پاس آ کر کہا۔

"یہ لو۔ اب جلدی سے مائیکل سے ایک دیہاتی عورت بن جاؤ"۔

پہلے تو مائیکل شرمانے لگا لیکن جب ماریا نے اسے ڈانٹا اور کہا اگر اس طرح شرماؤ گے تو ساری زندگی اپنی بیوی کو حاصل نہ کر سکو گے۔

جلدی سے اب کپڑے تبدیل کر لو۔ مائیکل کپڑے لے کر دوسری جانب جھاڑیوں میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو وہ ایک غریب دیہاتی عورت کے لباس میں بالکل گاؤں کی کوئی الھڑ دوشیزہ لگ رہا تھا۔

ماریا نے کہا۔

189 شعلے ہی شعلے (عمران ماریا تط نمبر63)

"اپنے چہرے پر ذرا تھکن طاری کر لو ہاتھ میں چھڑی اور سر پر مٹکا دودھ کا ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ تم بالکل ایک گوالن لگو۔ خیر چلو۔ اسی طرح سے بھی تم گذر سکتی ہو"۔

مائیکل نے کہا۔

"اگر میں سر پر گھاس کا گٹھا رکھ لوں تو زیادہ بہتر ہوگا"۔

"ہاں یہ خیال بہت اچھا ہے"۔

مائیکل اور ماریا نے مل کر ادھر ادھر سے گھاس کاٹ کر اس کا ایک گٹھا بنایا۔ اسے مائیکل نے اپنے سر پر اٹھایا اور شہر کی پہلی اور خطرناک چیکنگ پوسٹ کی طرف روانہ ہو گیے۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ تھوڑی دیر بعد سامنے چوکی آ گئی۔ یہاں سڑک کے بیچ میں ایک بانس کا ڈنڈا گرا ہوا تھا۔

جرمن سپاہی ہر کسی کی پڑتال کر کے اسے آگے جانے کی اجازت دے رہے تھے۔

مائیکل بالکل ایک دیہاتی عورت لگ رہا تھا۔ وہ سر پر گٹھا اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ وہ جرمن سپاہیوں کے بالکل قریب سے ہو کر گذرنے لگا تو ایک جرمن سپاہی نے اسے روک کر کہا۔

"اری گوری! ہمارے لیے کل مکھن اور مرغی لے

کرآنا"۔

مائیکل عورت کی طرح شرما گیا اور ذرا سا مسکرا کر فرانسیسی میں بولا۔

"چل شریر!"۔

اور مٹک مٹک کر چلتا آگے نکل گیا۔ ماریا بہت ہنسی۔

جب وہ چوکی سے کافی دور نکل آئے تو ماریا نے کہا۔

"اری گوری! ہمارے لیے مکھن بھی لاؤ گی؟"۔

مائیکل نے کمر مٹکا کر کہا۔

"چل شریر کہیں کی"۔

دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ایک دو آدمیوں نے مائیکل کی طرف چونک کر دیکھا کہ یہ عورت اکیلی کیوں ہنس رہی ہے۔ شہر کے ایک ویران سے علاقے میں جا کر مائیکل نے کہا۔

"بہن ماریا! اگر ہم یہاں سے ریل پکڑ لیں تو میرا خیال ہے کہ اب مجھے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ اور ہم بڑی آسانی سے پیرس پہنچ جائیں گے"۔

"خیال تو اچھا ہے۔ چلو سٹیشن کی طرف چلتے ہیں"۔

اور وہ دونوں ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆ ماریا نے مائیکل کو اس کی بیوی کے پاس کیوں
کر پہنچایا؟۔

☆ ناگ پر رنگون میں کیا گزری؟۔

☆ عنبر لندن میں کیا کر رہا تھا۔ اس کی اور ماریا
کی ملاقات کس شہر میں کن حالات میں ہوئی؟۔

☆ یہ آپ 64 ویں قسط میں پڑھیے۔

قیدیوں کا فرار

(ناگ ماریا قسط نمبر 64)

اے حمید

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

فہرست

خاموش رہو
نپولین کی روح
قیدیوں کا فرار
عقاب کا نشیمن
جنگل کی آگ
رونے کی آواز

پیارے بچو!

ماریا اپنے ساتھی مائیکل کو لے کر شہر پیرس کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مائیکل عورتوں کے لباس میں ہے۔ ماریا نے اسے جرمنوں کی قید سے فرار کر دیا ہے۔ دوسری طرف عنبر جاسوسی کے الزام میں پکڑا جاتا ہے۔ اسے جرمن گیس چیمبر میں لے جاتے ہیں۔ مگر وہ

نہیں مرتا بلکہ وہ اپنے ساتھ کچھ قیدی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر ایک ریلوے انجن میں بیٹھ کر فرار ہو جاتا ہے۔

انجن پر جرمن بم برساتے ہیں۔ گولیاں چلاتے ہیں۔ مگر وہ آزاد علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ماریا اسے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے کمرہ نمبر چودہ میں ملنے کو کہتی ہے۔ مگر وہاں ایک عورت کی لاش پلنگ پر پڑی تھی؟۔

یہ لاش کس کی تھی؟

یہ اب آپ خود پڑھیں۔

خاموش رہو

ریلوے اسٹیشن پر بلیک آؤٹ تھا اور بڑی بھیڑ تھی۔

مائیکل اور ماریا ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔

مائیکل عورت کے لباس میں تھا۔ وہ ایک عورت کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔

اس کے فرار کی خبر سارے علاقے میں پھیل چکی

تھی۔ اور پوری جرمن ملٹری پولیس حرکت میں آ چکی تھی۔ جگہ جگہ جرمن پولیس چھاپے مار رہی تھی۔ ابھی پیرس پہنچنے میں دو گھنٹے باقی تھے اور ماریا کو یہی خطرہ تھا کہ کہیں راستے میں مائیکل پکڑا نہ جائے۔

اس نے یہ بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ رات کو بلیک آؤٹ تھا اور مائیکل کو ڈبے کے اندر کی بے حد مدہم روشنی میں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔

ٹرین پیرس کی طرف روانہ ہوگئی۔

ایک گھنٹے بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی اور کچھ جرمن فوجی پولیس کے آدمی ڈبے میں گھس آئے۔

اب یہ عورتوں کا ڈبہ تو نہ تھا کہ یہاں مرد داخل نہ ہوتے۔

مردوں کے ساتھ یہاں عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔

جرمن پولیس نے آتے ہی سواریوں کے کارڈ دیکھنے شروع کر دیئے۔

ماریا ایک کونے میں کھڑی ہو گئی کیونکہ وہاں رش اتنا تھا کہ ماریا کسی کے قریب نہیں بیٹھ سکتی تھی۔

ماریا جانتی تھی کہ مائیکل کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے اور پھر وہ عورت کے لباس میں تھا، اگر کارڈ ہوتے تو وہ بھی تو مرد کا ہو سکتا تھا۔

جرمن پولیس کا آدمی مائیکل کے قریب پہنچا تو وہ بھی خطرے کو محسوس کر چکا تھا۔ اس نے ایکدم رونا

شروع کر دیا۔

ماریا کو بے اختیار ہنسی آ گئی کیونکہ مائیکل عورتوں کی آواز میں سسکیاں بھر بھر کر رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"ہائے میری بیٹی مر گئی! بالکل بچی تھی۔ میں اس کی سالگرہ پر اسے حلوؤں کا تحفہ بھی نہ دے سکی"۔

مائیکل عورت کے لباس میں اس قدر شاندار دکھی ماں کی ایکٹنگ کر رہا تھا کہ ماریا عش عش کر اٹھی۔ اس کا فائدہ اسے ضرور ہو گیا۔

کیونکہ جس پولیس والے نے مائیکل کا شناختی کارڈ دیکھنا تھا وہ اس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگا۔

"بہن! جو خدا کو منظور تھا ہو گیا۔ اب تم صبر سے

کام لو"۔

مائیکل جرمن پولیس والے کے کندھے پر سر رکھے رو رہا تھا۔ ماریا کو ہنسی تو بے اختیار آئی لیکن اسے یہ بھی خطرہ لگا کہ کہیں ہاتھ پھیرتے پھیرتے مائیکل کے بال نہ کھل جائیں اور بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ پولیس والا آگے چلا گیا۔

اس افراتفری میں اس نے یہ بھی مائیکل سے نہ پوچھا کہ اس کا شناختی کارڈ کہاں ہے؟۔

گاڑی پوری رفتار سے دوبارہ بھاگی جا رہی تھی۔

آخر وہ رات کے پچھلے پہر پیرس کے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی

تھی۔ سردی بہت سخت تھی۔

تھوڑے بہت مسافر ٹرین سے اتر کر باہر نکل گئے۔ ماریا مائیکل کو ایک طرف لے گئی اور کہا۔

''تمہاری بیوی نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ تمہارا انتظار کرے گی۔

کہاں؟

کس جگہ؟

اس کا مجھے علم نہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری بیوی کس جگہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ کیونکہ یہاں سے ہمیں اسی جگہ جانا ہے۔

مائیکل نے کہا۔

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

''وہ اپنے گھر میرا انتظار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہمارے گھر کے باہر جاسوسوں نے پہرہ لگا رکھا ہوگا۔ انہیں معلوم ہے کہ میں فرار ہو چکا ہوں اور اپنی بیوی سے ملاقات کرنے گھر ضرور آؤں گا''۔

''پھر تمہاری بیوی کہاں ہو سکتی ہے؟''۔

مائیکل بولا۔

میرا خیال ہے، ہماری ایک رشتے کی پھوپھی شہر سے باہر ایک آبادی میں رہتی ہے۔ وہ ضرور وہاں چلی گئی ہوگی۔

ماریا نے کہا۔

''لیکن جاسوس اس جگہ بھی ضرور تمہارا انتظار

کر رہے ہوں گے۔ جہاں تمہاری بیوی جائیگی۔ جاسوس اس کا پیچھا کرتے رہیں گے تاکہ جب کبھی تم اس سے ملنے آؤ تو وہ تمہیں گرفتار کر سکیں۔"

"تو پھر اس طرح تو میں جب تک جنگ ختم نہیں ہوتی اپنی بیوی سے نہیں مل سکتا"۔

ماریا نے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تمہاری پھوپھی کے پاس جائیں گے۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

وہ ریلوے سٹیشن سے باہر آ گئے۔

یہاں بھی اندھیرا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ان کی ہلکی ہلکی روشنی میں مکانوں کے خاکے نظر آ رہے تھے۔ ایک ٹیکسی چپکے سے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

ڈرائیور نے ایک عورت کو اکیلے کھڑے دیکھا تو قریب آ کر کہا۔

"مادام! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

مائیکل نے کہا۔

"بھیا! مجھے محلہ چاند والا میں لے چلو"۔

"تشریف رکھیں مادام"۔

مائیکل کے ساتھ ماریا بھی ٹیکسی میں سوار ہو گئی۔

اس جنگ کے زمانہ میں بے کاری اور تنگ دستی عام

تھی۔

لوگ ایک دوسرے کو اکیلا دیکھ کر لوٹ لیتے تھے۔

مائیکل کو اس لیے اکیلے سفر کرتے ہوئے ڈر محسوس نہ ہوا کہ ایک تو وہ عورت نہیں مرد تھا دوسرے یہ کہ وہ اکیلا نہیں تھا ماریا اس کے ساتھ تھی۔

ٹیکسی سنسان سڑکوں پر تیزی سے گھومتی ہوئی شہر سے باہر نکل گئی یہ علاقہ بالکل ہی اجاڑ تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک چور اچکا تھا۔ اس کا کام ہی یہی تھا کہ اکیلے دکیلے مسافر کو راستے میں لوٹ لیا کرتا تھا۔

اس عورت کو بھی اس نے بے یارو مددگار دیکھا تو

آدھے راستے میں ٹیکسی کھڑی کر دی۔

مائیکل نے پوچھا۔

"بھائی یہاں گاڑی کس لیے کھڑی کر دی تم نے؟"۔

ڈرائیور اپنے زرد زرد دانت نکال کر مسکرایا۔

"تمہیں لوٹ کر ہلاک کرنے کے لیے"۔

ماریا اور مائیکل چونک پڑے۔ انہیں امید نہیں تھی کہ یہ شریف سا ٹیکسی ڈرائیور چور قاتل بھی ہو سکتا ہے۔

مائیکل نے کہا۔

بھائی! میں تو عورت ذات ہوں۔ مجھے

کیوں ہلاک کرتے ہو۔ میں تو ایک دکھی عورت ہوں“۔

ڈرائیور قہقہہ مار کر ہنسا اور اس نے اپنے کوٹ کی اندر والی جیب سے چھوٹا سا پستول نکال کر اس کا رخ مائیکل کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

مجبور ہوں مادام! لوٹنا میرا پیشہ ہے کیوں کہ میں غریب ٹیکسی کی کمائی سے گزر بسر نہیں ہوتی“۔

مائیکل نے کہا۔

”تو پھر تم مجھے لوٹ لو۔ لیکن ہلاک تو نہ کرو“۔

ڈرائیور نے کہا۔

”ہلاک کرنا بہت ضروری ہے۔ چوری اپنی غریبی

دور کرنے کے لیے کرتا ہوں اور چوری کو چھپانے کے لیے ہلاک کرتا ہوں۔ اس لیے بڑے مہربانی مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

ماریا کو ڈاکو پر بڑا غصہ آیا۔ کم بخت کس دیدہ دلیری سے ایک انسان کی جان لینے پر تلا ہوا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر مائیکل کے ساتھ بیٹھی تھی۔

آہستہ سے کھسک کر ڈرائیور کی طرف آئی تو سیٹ کے سپرنگ کا شور پیدا ہوا۔ ڈرائیور نے پستول کا رخ ادھر کو کر دیا۔

”کیا کرنے لگی ہو؟ گولی مار دوں گا اگر ذرا بھی حرکت کی“۔

مائیکل سمجھ گیا کہ ماریا حرکت میں آ گئی ہے۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ جھٹ بولا۔

"میں بھلا غریب عورت کیا کر سکتی ہوں؟ لو میری تلاشی لے لو۔ میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے"۔

ڈرائیور نے پستول کی نالی آگے کر دی اور غرایا۔

تم دیہاتی عورتیں بہت چالاک ہوتی ہو۔ ضرور تم نے کسی جگہ روپے چھپا رکھے ہیں۔ سیدھی طرح جہاں تم نے دولت چھپا رکھی ہے۔ نکال کر میرے آگے رکھ دو۔

نہیں تو میں ایک دو تین کہنے کے بعد گولی مار دوں

گا اور لاش اسی جگہ ڈال کر چلا جاؤں گا کیونکہ اگر تمہارے پاس کچھ بھی نہ نکلا تو بھی میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ تم جا کر جرمن پولیس کو میرے بارے میں رپورٹ کرو۔

ماریا اب کھسکتی کھسکتی ڈرائیور کے پیچھے اس کی اگلی سیٹ کے پہلو میں پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور نے گنتی شروع کر دی۔

"ایک۔۔۔دو۔۔۔ت"۔

ابھی تین اس کے منہ سے نہیں نکلا تھا کہ ماریا نے اس کے پستول والے ہاتھ پر پیچھے سے مکا مارا۔ پستول اچھل کر پرے جا گرا۔ ڈرائیور ہکا بکا ہو کر ادھر ادھر

دیکھنے لگا۔

کیونکہ ٹیکسی میں سوائے مائیکل کے دوسرا کوئی نہیں تھا اور مائیکل اس کے سامنے بیٹھا تھا یا بیٹھی تھی۔

پھر یہ مکہ کس نے مارا؟۔

ابھی وہ حیران ہی تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر پوری طاقت کے ساتھ تھپڑ مارا۔ ڈرائیور سیٹ پر گر پڑا۔

ماریا پستول اپنے ہاتھ میں لے کر ڈرائیور سے بولی۔

وہ پوری طرح ٹیکسی کے اندر ایک ایسی عورت کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا جو اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

لیکن اس کے بالکل قریب ماریا بیٹھی سانس باقاعدہ لے رہی تھی۔

مائیکل یعنی دوسری عورت بڑے آرام سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی۔

ماریا نے کہا۔

"اگر تم نے گاڑی بھگانے کی کوشش کی تو تمہارے پستول سے ہی تمہاری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گی"۔

ڈرائیور تو اپنی جگہ بیٹھا بیٹھا لرز گیا۔ اس نے بڑے آرام سے پیرس کی بستی چاند والے محلے کے سامنے لا کر کھڑی کر دی۔

ڈرائیور کی گردن پر ماریا نے مکا مارتے ہوئے کہا۔

”میں بھوت ہوں۔ اگر تم نے کسی سے ہمارا ذکر کیا یا کسی دوسرے مسافر کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں اسی جگہ پہنچ کر تمہاری گردن دبا دوں گا سمجھے“۔

”جی۔ جی۔ سمجھ گیا“۔

ڈرائیور نے ہاتھ جوڑ کر کانپتے ہوئے کہا اور ٹیکسی بھگا کر لے گیا۔

ماریا نے مائیکل سے کہا۔

”اب تم عورتوں کا لباس اتار کر پھینک دو“۔

مائیکل اندھیرے میں ایک دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ وہاں اس نے زنانہ لباس اتار دیا۔ وہ پھر سے مرد بن کر نکل آیا۔

ماریا نے کہا۔

”میرا خیال ہے جرمنی کے جاسوس ضرور تمہاری بیوی کے مکان کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ میرے خیال میں تم اسی جگہ ٹھہرو میں جا کر پتہ کرتی ہوں کہ تمہاری بیوی گھر میں ہے کہ نہیں“۔

”ٹھیک ہے۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا“۔

ماریا نے مائیکل کی پھوپھی کے مکان کا ایڈریس معلوم کیا اور مائیکل کو اسی جگہ دیوار کی اوٹ میں

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

کھڑے رہنے کا کہہ کر ماریا مائیکل کی پھوپھی کی طرف چل دی۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھی عورت نے آ کر دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا کہ باہر کوئی بھی نہیں ہے۔

وہ واپس دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ اس دوران میں ماریا اندر جا چکی تھی۔ وہ اس سے یہ تو پوچھ نہیں سکتی تھی کہ مائیکل کی بیوی اندر ہے یا نہیں۔

وہ خود اندر جا کر معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس نے تو مائیکل کی بیوی کو پہلے ہی سے دیکھ رہا تھا۔ ماریا مکان کے اندر گئی تو دیکھا کہ ایک کمرہ ہے جہاں کرسیاں اور پلنگ دیوار کے ساتھ لگا ہے۔ اس پلنگ پر وہی بوڑھی عورت دوبارہ لیٹ گئی۔

دوسرے کمرے سے مائیکل کی بیوی نے نکل کر پوچھا۔

"کون تھا آنٹی؟"۔

آنٹی نے کہا۔

"خدا جانے کون بھوت تھا۔ دستک دے کر غائب ہو گیا"۔

یہ سن کر مائیکل کی بیوی کا ماتھا ٹھنکا۔ ذرا مسکرائی۔ سمجھ گئی کہ وہی مقدس روح اپنے وعدے کے مطابق آ گئی ہے۔

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

خوش ہو کر بولی۔

”آنٹی! میرا دل کہتا ہے کہ مائیکل آ گیا ہے“۔

آنٹی نے کہا۔

”اری پاگل ہو گئی ہو کیا۔ بھلا کوئی جرمنوں کی قید سے بھی بھاگ سکا ہے؟“۔

مائیکل کی بیوی بولی۔

”تم نہیں جانتی آنٹی! میرا دل کہہ رہا ہے کہ مائیکل آ گیا ہے“۔

”اری اگر آ گیا ہے تو پھر سامنے کیوں نہیں آتا؟ کہاں ہے وہ بھلا مانس؟“۔

اتنے میں ماریا نے مائیکل کی بیوی کے کان میں کہا۔

”بہن! تمہارا خاوند باہر کھڑا ہے۔ گھبراؤ نہیں میں اسے لے کر اندر آ رہی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔

خوشی سے مائیکل کی بیوی کی چیخ نکل گئی۔

”مائیکل! مائیکل!“

وہ یہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔ ماریا نے آگے بڑھ کر کہا۔

”اگر تم نے شور مچا دیا تو مائیکل تمہارے پاس کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے گھر کی نگرانی ہو رہی ہے اور باہر جرمن جاسوس چھپے بیٹھے

ہیں؟"۔

مائیکل کی بیوی رک گئی۔

"میں معافی چاہتی ہوں، اے مقدس روح!"۔

"اری یہ تو کس کس سے باتیں کر رہی ہے؟ ضرور تم پاگل ہو گئی ہو؟"۔

اس کی آنٹی نے کہا۔

ماریا باہر نکل گئی۔ آنٹی نے مائیکل کی بیوی سے کہا۔

"خدا کے لیے ہوش کرو۔ یوں پاگل ہو کر کیا کرلو گی، اپنے آپ کو سنبھالو"۔

مائیکل کی بیوی بولی۔

میں پاگل نہیں ہوں آنٹی! مائیکل ابھی اندر آ رہا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔

اور سچ مچ تھوڑی ہی دیر بعد مائیکل اندر آ گیا۔ اس کی بیوی اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنٹی تو خوشی سے حیران ہو کر رہ گئی۔

ماریا نے کہا۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب میں جا رہی ہوں"۔

مائیکل نے کہا۔

ماریا بہن! مجھے خطرہ ہے کہ جرمن جاسوس ضرور اس گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں

کہ ان کا کام تمام کرتی جاؤ تاکہ پھر ہم سکون سے زندگی بسر کر سکیں"۔

ماریا بولی۔

"بہت اچھا۔ میں ابھی یہاں ٹھہر کر ان کا انتظار کروں گی۔ اگر وہ یہاں ہوئے تو تمہاری تلاش میں گھر پر چھاپہ ضرور ماریں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ اس گھر کے باہر جرمن جاسوس برابر نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مائیکل کو گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

جونہی مائیکل گھر میں گھسا وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور مائیکل کے مکان میں گھس کر انہوں نے پستول تان لیے۔

"خبردار! جو کسی نے حرکت کی۔ مائیکل! چپکے سے ہمارے ساتھ چل پڑو۔ تم ایک مفرور قیدی ہو"۔

نپولین کی روح

مائیکل کی بیوی اور آنٹی ششدر ہو کر رہ گئے۔

پریشان مائیکل بھی ہوا۔ لیکن اُسے ماریا کی طرف سے بڑا حوصلہ تھا۔ اس نے جرمن جاسوسوں کے کہنے پر ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

ایک جاسوس قہقہہ لگا کر بولا۔

''ہم ایک عرصہ سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ آخر تم ہمارے قابو آ ہی گئے''۔

دوسرے جاسوس نے کہا۔

''اب سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو''۔

پہلے جاسوس نے کہا۔

''ہم اس کی مشکیں کس دیں گے۔ تاکہ بھاگ نہ جائے''۔

''ٹھیک ہے۔ جلدی کرو''۔

انہوں نے اسی وقت کمرے میں سے ایک مضبوط رسی تلاش کی اور مائیکل کی مشکیں کسنی شروع کر دیں۔

ایک جاسوس پستول تانے اس کے سر پر کھڑا رہا۔

ماریا اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بھی

قیدیوں کا فرار (عمرناگ ماریا قسط نمبر 64)

کمرے میں سے ایک ڈنڈا تلاش کر لیا تھا۔ یہ ڈنڈا ان دونوں جاسوسوں کے لیے موت کا پیغام تھا۔ اس نے بڑے آرام سے ایک جاسوس کے سر پر ڈنڈا مارا۔ وہ گرا۔

دوسرا اٹھنے لگا تو دوسرا ڈنڈا اس کے سر پر پڑا۔ وہ بھی گر پڑا۔

ماریا نے کہا۔

"ان دونوں کی مشکیں کس دو اور انہیں باہر دریا میں جا کر پھینک دو۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری"۔

مائیکل نے اسی وقت دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھے اور ایک ایک کر کے انہیں باہر لے جا کر دریا میں پھینک دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر واپس آیا تو ماریا نے کہا۔

تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ تم دونوں اس شہر سے نکل کر فرانس کے کسی دور دراز دیہات میں جا کر اس وقت تک زندگی بسر کرو۔

جب تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ یہ جرمن تمہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ وہ تمہاری تلاش میں ایک بار پھر یہاں آئیں گے۔

مائیکل بولا۔

"ماریا بہن! جس طرح تم کہتی ہو ہم اسی طرح

عمل کریں گے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اگر تم نہ ہوتیں تو ہم دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے تھے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اسے پورا کر دیا۔ اب مجھے اجازت دو۔ مجھے اپنے دونوں بھائیوں کو بھی تلاش کرنے جانا ہے"۔

اور یوں ماریا وہاں سے نکل کر واپس پیرس شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر میں جا کر وہ اپنے پرانے مکان میں آ گئی۔

وہ بہت تھک گئی تھی۔ دو دن سوتی رہی۔ تیسرے روز اٹھ کر اس نے دوبارہ عنبر اور ناگ کی تلاش شروع کر دی۔

عنبر کو لندن میں رہتے ہوئے کتنے ہی دن ہو گئے تھے۔ ماریا اور ناگ کو تلاش کرتے کرتے وہ تھک گیا تھا۔

اب وہ کچھ مایوس بھی ہو چلا تھا۔ کیا خبر کبھی ماریا اور ناگ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ یونہی اسے ایک روز خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ماریا اور ناگ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں، اس لیے کسی دوسرے شہر چلنا چاہیے۔

دوسرا شہر کونسا ہو سکتا ہے؟ وہ ابھی یہ فیصلہ نہیں کر

سکا تھا۔ بہر حال وہ شہر کے سب سے بڑے ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ اس کے پاس چند ایک روپے تھے۔ اس نے ابھی ٹکٹ نہیں خریدا تھا کہ ٹرین آ کر رکی۔

معلوم ہوا کہ وہ دوسرے شہر نہیں جائے گی۔ کیونکہ آگے ہوائی حملے کا خطرہ ہے۔

عنبر واپس گھر آ گیا۔ ایک رات وہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ماریا فرانس کے شہر پیرس میں پھر رہی ہے۔

صبح اٹھ کر عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پیرس جائے گا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ پیرس کیسے جائے۔ کیوں کہ فرانس پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ اس طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

راستے میں سمندر تھا۔ فرانس کے ساحل سے ہر روز جرمنوں کے ہوائی جہاز آ کر بمباری کر جاتے تھے۔

ایک دن عنبر سیر کرتے کرتے ایک جنگی ہوائی اڈے پر آ گیا۔ یہاں انگریزوں کے جہاز کھڑے تھے۔

عنبر نے جہاز چلانا سیکھ لیا تھا۔ وہ مزدوروں کے لباس میں تھا۔ اس نے وہیں ایک جگہ سے پھاوڑا اٹھایا اور اپنے آپ کو مزدور ظاہر کر کے بمبار جہازوں کے پاس پہنچ گیا۔

وہ موقع پا کر ایک جہاز پر سوار ہو گیا۔ اس نے اس کا انجن سٹارٹ کر دیا۔ جہاز رن وے پر دوڑنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی وہاں خطرے کا الارم بج گیا۔

مگر اتنی دیر میں عنبر جہاز کو اڑا کر لے گیا تھا۔ جہاز سمندر کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ اس کے پیچھے دو جہاز آئے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ دشمنوں کا علاقہ قریب ہے تو وہ واپس چلے گئے۔

عنبر کا جہاز دشمنوں کے علاقے میں پہنچا ہی تھا کہ نیچے سے توپوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

جرمن یہ سمجھے کہ انگریزوں کا جہاز ان پر بم برسانے آ گیا ہے۔

ایک گولا عنبر کے جہاز کو لگا۔ اس میں آگ لگ گئی۔

عنبر نے چھلانگ لگا دی۔ جہاز کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے ساتھ ہی عنبر بھی زمین کی طرف گرنے لگا۔ ٹکڑے تو زمین پر آتے ہی پاش پاش ہو گئے۔

مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ وہ زمین پر گرا۔ اچھلا اور پھر بڑے آرام سے کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چلنے لگا۔

اسے معلوم تھا کہ یہ جرمنوں کا علاقہ ہے اور یہاں قدم قدم پر اس کا پالا دشمنوں سے پڑ سکتا ہے۔ عنبر کے جہاز کو دشمن نے گرتے اور عنبر کو باہر چھلانگ لگاتے

دیکھ لیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ پائلٹ ختم ہو چکا ہو گا۔ سپاہی بھاگ کر اس جگہ پہنچے جہاں جہاز گرا تھا۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں پائلٹ کی لاش کہیں نہیں تھی۔

انہوں نے پائلٹ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

عنبر پیرس کے قریبی جنگل میں گرا تھا۔ وہ ایک پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے تین جرمن سپاہی سٹین گنیں تانے اس کی طرف بڑھتے نظر آئے۔

عنبر رک گیا۔

"کون ہو تم؟"۔

عنبر نے فرانسیسی زبان میں کہا۔

"میں ایک مزدور ہوں اور انگور کے باغ میں کام کرتا ہوں"۔

سپاہیوں نے عنبر کی تلاشی لی تو اتفاق سے اس کی جیب سے پیرس کا چھوٹا سا نقشہ نکل آیا جو اس نے اپنی سہولت کے لیے رکھ لیا تھا۔

سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے جیپ میں ڈالا اور ہیڈ کوارٹر لے آئے۔ یہ ہیڈ کوارٹر پیرس شہر کے باہر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے دامن میں دریا کے کنارے پر واقع تھا۔

عنبر کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک کرخت چہرے والا جرمن

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

افسر اندر آیا۔ اس نے گھور کر عنبر کو دیکھا کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

اور بولا۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم فرانس پر بمباری کرنے نہیں بلکہ جاسوسی کرنے آئے ہو۔ کیونکہ تمہارے جہاز میں ایک بھی بم نہیں تھا۔

تم نے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگائی اور پیراشوٹ چھپا دیا۔ اگر تم ہمارے سوالوں کا ٹھیک ٹھاک جواب دیتے رہے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

بلکہ رہا کر دیں گے لیکن تم نے جھوٹ بولا تو کل تمہیں شوٹ کر دیا جائے گا۔

عنبر نے سوچا کہ کس مصیبت میں وہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

نہ وہ اس سے کوئی معلومات حاصل کر سکیں گے اور نہ وہ اسے شوٹ کر کے مار سکیں گے۔

جرمن افسر نے پوچھا۔

"تمہارا نمبر کونسا ہے؟ پیرس میں تمہارے اور کون کون ساتھی کام کر رہے ہیں؟ وہ کہاں رہتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

’’میں جاسوس نہیں ہوں۔ اس شہر میں میری ایک بہن کھو گئی ہے۔ میں اصل میں اس کی تلاش میں لندن ایک جنگی ہوائی اڈے سے جہاز اڑا کر یہاں آ گیا تھا کہ آپ کے توپچیوں نے مار گرایا‘‘۔

’’تم بکواس کرتے ہو‘‘۔

’’میں سچ کہہ رہا ہوں‘‘۔

’’بکواس‘‘۔

اور اس کے ساتھ ہی اس جرمن افسر نے ایک زناٹے دار تھپڑ عنبر کے منہ پر مار دیا۔ عنبر کا خون ایکدم سے کھول اٹھا۔ ایسی بے عزتی اس کی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ آخر وہ مصر کے فرعون کا بیٹا تھا۔

وہ ایکدم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اچھل کر ایک لات ایسی ماری کہ وہ جرمن افسر پیچھے گر پڑا۔ سپاہیوں نے عنبر کو بری طرح لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔

جرمن افسر سینے کو ملتا ہوا اٹھا۔ اس نے اشارے سے سپاہیوں کو روکا اور کہا۔

’’اسے نیچے تہہ خانے میں لے چلو۔ میں خود اسے قتل کروں گا‘‘۔

سپاہی عنبر کو اٹھا کر نیچے تہہ خانے میں لے آئے۔ سپاہی ویسے ایک بات پر حیران ہو رہے تھے کہ عنبر کو انہوں نے اتنا مارا تھا کہ اسے ادھ موا ہو جانا چاہیے

تھا۔

لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ اور اپنے قدموں پر چل رہا تھا۔

تہہ خانے میں ایک ستون کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس کی چھت نیچی تھی اور کونے میں ایک شکنجہ پڑا تھا۔

اتنے میں جرمن افسر بھی آ گیا۔ اس نے اشارہ کیا اور سپاہیوں نے عنبر کو شکنجے میں جکڑ دیا۔ اس کے بازو اور ٹانگیں اس طرح جکڑی گئی تھیں کہ اگر شکنجے کا پہیہ چلایا جائے تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔

جرمن افسر نے ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

سپاہیوں نے شکنجے کے پہیے کو چلانا شروع کر دیا۔

پہیہ چلتا رہا۔ شکنجہ کستا چلا گیا۔ مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

وہ بڑے حیران ہو رہے تھے کہ عنبر پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہیہ ایک خاص مقام پر پہنچ کر ٹوٹ گیا۔

جرمن افسر اور سپاہی عنبر کے قریب آ کر اس کے بازوؤں کو جھک کر دیکھنے لگا۔

جرمن افسر نے کہا۔

"اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے شوٹ کر دو۔"

عنبر نے کہا۔

"تم مجھے شوٹ بھی نہیں کر سکو گے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ میرے آگے ہاتھ باندھ کر مجھ سے معافی مانگو۔ تاکہ میں تمہاری جان بخشی کر سکوں۔ نہیں تو تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی"۔

جرمن افسر نے چیخ کر کہا۔

"اسے شوٹ کر دو"۔

سپاہیوں نے عنبر کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور رائفلیں تان کر فائر کر دیے۔

ایک ہی وقت میں تین رائفلوں میں سے گولیاں نکلیں اور عنبر کے سینے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ عنبر بڑے سکون سے کھڑا مسکراتا رہا۔

اب تو جرمن سپاہیوں اور افسر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ زمین سے گولیاں اٹھا کر انہیں غور سے دیکھ رہے تھے۔

گولیاں چل چکی تھیں۔ ان میں سے باقاعدہ بارود کی بو آ رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

تم اپنا سارا گولہ بارود بھی اگر مجھ پر چلا دو گے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں تم لوگوں کو معاف کر دیتا مگر تم نے میرے منہ پر طمانچہ مار کر میری بے عزتی کی ہے۔

اس لیے میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے جرمن افسر کی گردن پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کی گردن ٹوٹ کی ڈھلک گئی۔

وہ زمین پر بے جان ہو کر گر پڑا۔ دوسرے سپاہی باہر بھاگنے لگے۔ مگر عنبر نے ان کو بھی پکڑ کر زمین پر گرا لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی بیجان پڑے تھے۔ عنبر تہہ خانے سے باہر نکلنے لگا تو اسے خیال آیا کہ باہر اسے سپاہی پہچان لیں گے۔

اس نے جرمن سپاہی کی وردی پہن کر ہیٹ ماتھے

پر جھکا لی اور باہر نکل آیا۔ باہر کاریڈار میں سے گزرتے ہوئے اسے جو سپاہی بھی ملتا، اسے سلوٹ کر کے گزرتا۔

عنبر ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل آیا۔

عین دروازے پر ایک کرنل کی کار آ کر رکی۔ اس نے عنبر کو اشارے سے قریب بلایا۔

"ہیلو ہنزل! کیا حال ہے تمہارا؟"۔

جرمن کرنل نے قریب آ کر عنبر کو دیکھا تو بولا۔

"تم کون ہو؟"۔

عنبر بھاگنے لگا تو کرنل نے چلا کر کہا۔

"اتحادی جاسوس۔۔۔ پکڑ لو"۔

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

عنبر کی طرف دس بارہ جرمن سپاہی دوڑے اور اسے اسی وقت جکڑ لیا گیا۔

عنبر پریشان ہو گیا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ ایک بار پھر اس کی راہ کھوٹی کر رہے ہیں۔ وہ نکل تو جائے گا مگر اس کا جانے کتنا وقت ضائع ہو گا۔

کرنل کے حکم سے عنبر کو ہیڈ کوارٹر کے سب سے اوپر والے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس نے جن تین سپاہیوں اور ایک جرمن افسر کو قتل کیا تھا۔ ان کی لاشیں بھی مل گئیں۔

ادھر ماریا پیرس کے بازاروں میں گھوم پھر کر عنبر اور ناگ کو تلاش کر رہی تھی۔ ایک روز وہ دریا کے کنارے آ گئی۔

یہاں اس نے ایک عورت کو دیکھا جو ایک دکان سے ڈبل روٹی خرید رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"تم اگر سنو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا"۔

دکاندار نے مسکرا کر کہا۔

"تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی گپ لگاتی ہو۔ بولو اس بار کیا گپ لگانے والی ہو؟"۔

عورت نے کہا۔

"میرا شوہر ہیڈ کوارٹر میں کام کرتا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ قلعے میں نپولین کی روح ایک مرد کی شکل میں آئی ہے، اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا"۔

دکاندار ہنس پڑا۔ ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کیا یہ نپولین تمہیں خواب میں ملا تھا؟''۔

عورت نے غصے میں کہا۔

''تم فرانسیسی نہیں ہو''۔

اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر ایک طرف کو چل دی۔

اسے یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر کسی جرمن سپاہی نے سن لیا تو اسے اس کے خاوند سمیت گولی سے اڑا دے گا۔

ماریا اس عورت کے پیچھے پیچھے چل پڑی اس کا دل کہہ رہا تھا کہ عنبر جرمنوں کے ہیڈ کوارٹر میں آ گیا ہے۔

یہ عورت دریا کے کنارے ایک مکان میں داخل ہو گئی۔ ماریا بھی اس کے پیچھے گئی۔

سوچنے لگی کہ اس سے کس طرح عنبر کے بارے میں پوچھے۔ اگر پوچھا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ڈر کر بے ہوش ہو جائے۔

ماریا نے سوچا کہ اس عورت سے پوچھنے کی بجائے ہیڈ کوارٹر میں چلنا چاہیے۔

چنانچہ ماریا جرمنوں کے ہیڈ کوارٹر کی طرف آ گئی۔

گیٹ سے گزر کر وہ برآمدے میں آئی تو دیکھا کہ دو فرانسیسی نوکر آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہیں۔

ماریا ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں ملازم فرش صاف کرتے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

ایک کہہ رہا تھا۔

"نپولین کی روح اس میں آ گئی ہے۔ وہ نپولین بونا پارٹ ہے۔ وہ فرانس کو جرمنوں سے آزاد کرانے۔۔۔"

"شی! خاموش"۔

پہلا فرانسیسی خاموش ہو گیا۔ سامنے سے ایک جرمن افسر چلا آ رہا تھا۔ اس نے فرانسیسی ملازموں کو نفرت سے دیکھا۔

اور تھوک کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ ماریا ان دونوں وطن پرستوں کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور سرگوشی میں بولی۔

نپولین کی روح کہاں ہے؟۔

فرانسیسی نوکروں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ گئی؟۔

پھر انہوں نے ایک چیخ ماری اور ایک طرف کو بھاگ گئے۔ ماریا کو افسوس ہوا کہ وہ یہ کیوں بھول گئی کہ اس کی آواز انہیں خوف زدہ بھی کر سکتی ہے بہر حال اب وہ کیا کر سکتی تھی۔

وہ خاموشی سے ہیڈ کوارٹر کے برآمدوں اور کمروں

کے چکر لگانے لگی کہ شاید اسی طرح کہیں عنبر کا سراغ مل جائے۔

گھومتے پھرتے اس نے دیکھا کہ ایک جگہ سیڑھیاں اوپر جا رہی ہیں۔ ماریا اوپر چڑھ گئی۔ اوپر کمرے تھے۔ برآمدے تھے۔ ایک برآمدے سے گزر کر باہر صحن میں آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ کونے میں ایک گول کمرہ ہے جس کے دروازے پر سلاخیں لگی ہیں۔ اور ایک جرمن سپاہی رائفل اٹھائے پہرہ دے رہا ہے۔

ماریا کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ ضرور عنبر اس کمرے میں قید ہے۔ وہ جلدی سے بھاگ کر

دروازے کے پاس آئی۔

یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ سلاخوں میں سے عنبر ایک جگہ زمین پر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سلاخوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے اپنی مخصوص سیٹی بجا کر عنبر کو اپنی موجودگی کی اطلاع کر دی۔ عنبر نے ماریا کی سیٹی کی آواز سنی تو اس کے چہرے پر خوشی کی رونق آ گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ماریا!"

سپاہی نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا اور رائفل آگے کر دی۔

''کس کو بلا رہے ہو؟''۔

ماریا نے ایک بار پھر سیٹی بجا کر عنبر کو خبردار کیا کہ بے تاب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آ گئی ہے اور اب وہ زیادہ دیر تک پنجرے میں قید نہیں رہے گا۔

قیدیوں کا فرار

ماریا اس جگہ ٹہلتی رہی۔

وہ انتظار کر رہی تھی کہ کسی طریقے سے جیل کا دروازہ کھلے اور وہ اندر داخل ہو جائے۔

ابھی وہ خود دروازے کا تالا نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر کے بعد ایک دستہ سپاہیوں کا مارچ کرتا ہوا آیا اور جیل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

جھٹ دروازہ کھول دیا گیا۔ سپاہیوں نے عنبر کو رسیوں سے جکڑ کر باہر نکالا اور نیچے لے لیے۔ ماریا بھی ساتھ ساتھ گئی۔

عنبر کو عمارت کے عقب میں ایک کھلے صحن میں لے جا کر ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ماریا یہ سارا تماشا خاموشی سے دیکھتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ عمارت کا جائزہ لیتی رہی کہ یہاں سے باہر نکلنے کے لیے کیا کیا امکان ہو سکتے ہیں۔

یہ تو اسے معلوم تھا کہ عنبر کو یہ لوگ ہلاک نہیں کر سکتے۔ یہ محض اپنی گولیاں ضائع کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

جرمن کپتان نے حکم دیا۔

"نشانہ باندھو!"۔

سپاہیوں نے نالیوں کا رخ عنبر کے سینے کی طرف کر دیا۔ کپتان نے جیب سے رومال نکال لیا۔ ابھی وہ لہرانے ہی والا تھا کہ ماریا نے اسے قریب جا کر زور سے دھکا دیا۔

کپتان نیچے گر پڑا۔ سپاہی اس کی طرف بھاگے۔ اسے اٹھایا۔ وہ غصے میں بولا۔

"مجھے تم میں سے کس الو کے پٹھے نے دھکا دیا تھا"۔

جرمن سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ

کپتان صاحب کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیونکہ وہ تو سارے کے سارے کپتان سے دس قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔

کپتان نے دوبارہ کہا۔

”نشانہ باندھو!“

نشانہ ایک بار پھر باندھ دیا گیا۔ اس بار ماریا نے سوچا کہ ذرا تماشا ہو جانا چاہیے۔ جرمن کپتان نے رومال لہرا دیا۔

”فائر!“

ایکدم دس بارہ رائفلوں کا دھماکہ ہوا۔ یقین تھا کہ عنبر کا سینہ چھلنی ہو چکا ہو گا اور خون کی ندیاں بہہ رہی

ہوں گی۔

مگر وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ان کے سامنے عنبر سکون کے ساتھ اسی طرح بندھا رہا اور مسکراتا رہا۔

جرمن کپتان نے لپک کر عنبر کے سینے کو غور سے دیکھا۔ وہاں گولی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ساری گولیاں فرش پر گر پڑی تھیں۔

جرمن کپتان کی حیرت سے آنکھیں کھل گئیں۔

”یہ کیا ہوا؟“۔

پھر اس نے جرمن سپاہیوں کو دوبارہ فائرنگ کا حکم دیا۔ ایک بار پھر عنبر کے سینے پر گولیاں چلائی گئیں۔

اس بار بھی وہی ہوا۔

عنبر کے سینے پر خراش تک نہ آئی۔ اور گولیاں فرش پر گر پڑیں۔ غرض کہ ساری گولیاں خالی کر دی گئیں مگر عنبر کھڑا مسکراتا رہا۔

اب تو جرمن کپتان پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے لپک کر عنبر کے سینے کو ٹٹولا کہ کہیں اس نے سینے پر ایسا لوہا تو نہیں چڑھا رکھا۔

جس پر گولی اثر نہیں کرتی۔ لیکن ایسی بات بھی نہیں تھی۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہارے لیے بہتر نہیں ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ کھول کر کرسی پیش کرو۔ اور میرے ہاتھ

باندھ کر کھڑے ہو جاؤ"۔

جرمن کپتان غرایا۔

"تم جادوگر ہو۔ میں تمہیں آگ میں زندہ جلاؤں گا"۔

پھر اس نے حکم دیا۔

"اسے گیس کیمپ میں پہنچا دیا جائے"۔

عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"عنبر بھائی! یہ کیا ہو رہا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔ اب

مجھے کوئی پروا نہیں۔ ذرا گیس کیمپ کی سیر بھی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں ناگ سے ملاقات ہو جائے“۔

ایک جرمن سپاہی نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔

”کس سے بات کر رہے ہو؟“۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”بے چارہ گیس کیمپ کے خیال سے پاگل ہو گیا ہے“۔

عنبر کو ایک ریل گاڑی میں سوار کروا دیا گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ریل میں چڑھ گئی۔ ریل گاڑی ساری رات چلتی رہی۔

دوسرے روز بھی سفر جاری رہا۔ دوسری رات کو

پچھلے پہر گاڑی ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئی۔ جہاں اندھیرے میں آسمان کی طرف اٹھتی ہوئی بڑی بڑی چمنیاں نظر آ رہی تھیں۔

عنبر کو گاڑی سے اتار کر ایک حوالات میں بند کر دیا گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہاں کئی عورتیں بچے بوڑھے اور جوان مرد بھی قید تھے۔

ان کے چہرے موت کے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

عنبر نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”تم یہاں کس لیے لائے گئے ہو؟“۔

اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"ہم پولینڈ کے یہودی ہیں۔ جرمنوں نے ہمیں قید کر ڈالا۔ سنا ہے یہاں وہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ یہاں ہزاروں یہودی قیدی پہلے ہی ہلاک کیے جا چکے ہیں"۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ اسے ان عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر بڑا ترس آیا۔ جنہیں موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا تھا۔

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو مرنے نہیں دے گا۔ رات اسی جیل میں گزار دی گئی۔ صبح کو انہیں ایک بڑے ہال کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ یہاں چھت پر ایک پائپ لگا تھا۔

ہال کمرے کے دروازے ابھی بند نہیں ہوئے تھے۔ ماریا تیزی سے اندر آ گئی۔ عنبر نے اسے بتایا کہ وہ ان لوگوں کو موت کے منہ سے بچانا چاہتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

"میں نے اوپر دو جرمن افسروں کو باتیں کرتے سنا ہے کہ ان لوگوں پر زہریلی گیس چھوڑ کر ہلاک کیا جائے گا"۔

عنبر نے چھت کی طرف دیکھا۔

"تو گویا زہریلی گیس اس پائپ میں آئے گی۔ ماریا جلدی سے اوپر جا کر گیس کا پائپ کاٹ دو"۔

ماریا بھاگ کر اوپر گئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک

پائپ باہر کو جا رہی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پائپ کو اکھاڑ دیا۔

پائپ ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی زہریلی گیس خارج ہونے لگی۔ ماریا ایک طرف کو بھاگ گئی۔

جرمن سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

”گیس بند کرو۔ گیس بند کرو“۔

گیس بند کر دی گئی۔ اس کے باوجود کئی ایک سپاہی زہریلی گیس سے بے ہوش ہو چکے تھے۔ سارے قیدیوں کو ہال کمرے سے نکال کر ایک بارک میں بند کر دیا گیا۔

عنبر بھی ان کے ساتھ ہی گیا۔ ماریا بھی ساتھ تھی۔

گیس کی پائپ کی مرمت شروع ہو گئی۔ جس جگہ ان لوگوں کو قید کیا گیا تھا وہاں قریب ہی ایک چھوٹا سا سٹیشن تھا۔

جہاں فوجی گاڑیاں تھوڑی دیر آ کر رکتیں اور پھر آگے روانہ ہو جاتی تھیں۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

”اگر کسی طرح سے ہم ایک ریل گاڑی پر قبضہ کر لیں تو ان لوگوں کو اس میں سوار کروا کر یہاں سے فرار ہوا جا سکتا ہے“۔

ماریا نے پوچھا۔

”لیکن ہم جائیں گے کہاں؟“۔

عنبر نے کہا۔

میں ان سارے علاقوں سے باخبر ہوں۔ یہ جرمنی کا شمال مغربی علاقہ ہے۔ یہاں سے سوئٹزر لینڈ کی سرحد ایک رات اور ایک دن کے سفر پر ہے۔

اگر ہم کسی طرح ٹرین کو لے کر سوئٹزر لینڈ کی سرحد تک پہنچ سکیں تو وہاں سے ہم سوئٹزر لینڈ میں داخل ہو جائیں گے۔

جو ایک آزاد ملک ہے اور جنگ میں شامل نہیں ہے۔ پھر یہ سارے قیدی آزاد ہوں گے۔

"خیال تو اچھا ہے مگر ٹرین پر قبضہ کیسے کیا جائے؟"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میں ابھی سے اس سکیم پر عمل شروع کر رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ رہنا"۔

اس وقت عنبر نے ایک نوجوان قیدی کو جو ان سب میں سے ذہین تھا، بہادر تھا اپنا ہمراز بنا لیا اور کہا۔

"اگر تم لوگ میرے ساتھ رہے اور ہم نے ایک ٹرین پر قبضہ کر لیا تو ہم یہاں سے نکل جائیں گے"۔

نوجوان قیدی کا نام جیکب تھا۔

اس نے کہا۔

"عنبر بھائی! یہ بڑا مشکل کام ہے۔ جرمن سپاہی

خونخوار وحشیوں کی طرح جگہ جگہ پہرہ دے رہے ہیں۔ ان کے چنگل سے بچ کر نکلنا بڑا مشکل ہے۔

عنبر نے کہا۔

گھبراؤ نہیں۔ ہم ایسا کر گزریں گے آج شام میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔ گاڑی رات کو آتی ہے۔ اور یہاں خالی ہو جاتی ہے۔ پھر صبح کو مال لے کر آگے جاتی ہے۔ میں اس گاڑی پر قبضہ کر لوں گا۔ تم لوگوں کا یہ کام ہے کہ جب میرا اشارہ ملے تو یہاں سے بھاگ کر سٹیشن پر آنا ہے اور ٹرین پر سوار ہو جانا ہے۔ تم ان سب لوگوں کو تیار کر چھوڑنا۔

شام کو عنبر نے ماریا سے کہا۔

"میں ابھی اسٹیشن جا رہا ہوں"۔

اور تھوڑی دیر بعد عنبر نے دروازے کا تالا توڑ دیا اور باہر نکل گیا۔ جرمن سپاہی کچھ فاصلے پر پہرہ دے رہا تھا۔

اس نے آواز نہ سنی کیونکہ ٹرین سٹیشن میں داخل ہو رہی تھی۔ عنبر جونہی باہر نکلا سپاہی نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اس کی طرف لپکا۔

عنبر نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی۔ جونہی سپاہی اس کی طرف آیا۔ عنبر نے اچک کر اس کی گردن دبوچ لی اور گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا۔

پھر اسے گھسیٹ کر اندھیرے میں لے گیا۔ وہاں اس کی وردی پہنی اور لاش کو کھڈ میں گرا دیا اور وہ وہاں خاموشی سے پہرہ دینے لگا۔

سارے قیدی اس کی بہادری پر حیران ہو رہے تھے اس نے سلاخوں کے پاس جتے لے جا کر کہا۔

”جیکب ان لوگوں کو تیار رکھنا۔ آج رات تم موت کے چنگل سے آزاد ہو جاؤ گے“۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

”ماریا! تم ریلوے سٹیشن پر چلو“۔

کچھ عرصہ بعد ریل آ گئی۔ سارے ڈبے خالی ہو گئے۔ سردی بہت زیادہ تھی۔ جس کی وجہ سے سٹیشن

ویران ہو رہا تھا۔

سپاہی کہیں کہیں چل پھر رہے تھے۔ جنگ کی وجہ سے بلیک آؤٹ بھی تھا۔ عنبر ٹہلتا ٹہلتا ٹرین کے انجن کے پاس گیا۔

انجن ڈرائیور وہاں نہیں تھا۔ صرف ایک فائر مین بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ عنبر نے اسے جرمن زبان میں کہا۔

”تم بھی جا کر چائے پیو بھائی۔ میں پہرہ دے رہا ہوں“۔

فائر مین بڑا خوش ہوا۔

”شکریہ! میں پہلے ہی تیار تھا مگر مجبور تھا“۔

فائر مین بھی چلا گیا۔ اب پوری ٹرین خالی تھی۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو! میں ان لوگوں کو لے کر آتا ہوں"۔

عنبر بھاگ کر جیل خانے کی بارک میں گیا اور جیکب سے کہا۔

"جلدی سے ایک ایک کر کے اندھیرے میں نکلو اور ریل کے انجن کے ساتھ والے ڈبے میں سوار ہو جاؤ"۔

"جلدی کرو۔۔۔ جلدی۔۔۔"

عنبر نے بارک کا دروازہ کھول دیا۔ قیدی عورتیں،

بچے، بوڑھے اور مرد ایک ایک کر کے نکلنے لگے۔ وہ اندھیرے میں جھک جھک کر چلتے ٹرین کے ڈبے میں سوار ہونا شروع ہو گئے۔

ماریا وہاں کھڑی پہرہ دے رہی تھی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ رہی تھی جب سارے قیدی ٹرین میں سوار ہو گئے تو عنبر بھی آ گیا۔

اس نے سیٹی بجائی۔ ماریا نے بھی سیٹی بجائی۔

"ماریا! سگنل ڈاؤن کر دو"۔

ماریا سگنل آفس میں گئی اور اس نے ہتھی گرا کر سگنل ڈاؤن کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی عنبر انجن میں سوار ہو گیا۔ اس

نے سٹیم چھوڑا اور انجن چلا دیا۔

انجن کے پہیئے پوری طاقت کے ساتھ گھومے اور پھر چل پڑے۔ انہوں نے ٹرین کی باقی بوگیاں اتار دی تھیں۔

اس وقت انجن کے ساتھ صرف ایک بوگی تھی۔ جس میں قیدی سوار تھے۔ انجن کا شور سن کر ڈرائیور اور کلینر بھاگے۔

انہوں نے سپاہیوں کو خبردار کر دیا۔ سپاہیوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ مگر ٹرین سٹیشن سے نکل کر بھاگنے لگی تھی۔

عنبر نے جیکب سے کہا۔

"جرمنوں نے اگلے سٹیشن پر ضرور اطلاع کر دی ہو گی کیا کیا وہاں کوئی لوپ لائن ہے؟"۔

جیکب نے کہا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ لائن سیدھی سوئٹزر لینڈ کے سرحدی سٹیشن تک چلی جاتی ہے مگر جرمن راستے میں کوئی رکاوٹ ضرور کھڑی کریں گے؟"۔

"رکاوٹ کی مجھے پرواہ نہیں۔ ہاں ایسا تو نہیں ہو سکتا تو وہ راستے میں کوئی انجن کھڑا کر دیں؟"۔

جیکب نے کہا۔

"نہیں۔ یہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ یہاں سے جو گاڑی جاتی ہے، وہ صبح واپس آ جاتی ہے۔ اب دوسری

طرف کوئی گاڑی یا انجن نہیں ہے۔

ٹھیک ہے۔ تم اوپر سے ہو کر ڈبے میں جاؤ اور عورتوں بچوں کو تسلی دو۔ اور انہیں کہو کہ وہ کھڑکیوں کے پاس ہو کر بالکل نہ بیٹھیں۔

بلکہ فرش پر بیٹھیں۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ اگلے سٹیشن تک جرمن فوج ہمارا استقبال کرے۔

ماریا خاموشی سے انجن میں کھڑی تھی۔ جیکب اسی وقت چھت پر سے ہو کر پچھلے ڈبے میں چلا گیا۔ اس نے جا کر سارے قیدی بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو تسلی دی اور عنبر کی ہدایات پر سختی سے عمل کرنے کو کہا۔

ماریا عنبر کے پاس کھڑی شیشے میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اس نے کہا۔

"جرمن فوج شاید ہم پر گولا باری کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہوائی جہاز سے بم گرا کر ہمارے ڈبے اور انجن کو تباہ کرنے کی کوشش کریں"۔

عنبر بولا۔

"ماریا بہن! یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ ہوائی جہاز کی بمباری سے انجن کو بچا لوں"۔

"لیکن اگر سٹیشن پر کوئی جرمن ٹینک کھڑا ہوا تو کیا کریں گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ بھی خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ بہر حال جو کچھ بھی پیش آئے گا، اس کا مقابلہ کرنا ہی پڑے گا"۔

انجن اکلوتے ڈبے کو لے کر بڑی اچھی رفتار سے منزل کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد انہیں دور سے سٹیشن کی ہلکی دھیمی روشنی سی نظر آئی۔

عنبر نے کہا۔

"بلیک آؤٹ میں بھی اس سٹیشن پر دھیمی روشنی ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جرمن ہمارا خیر مقدم کرنے کے لیے وہاں تیار کھڑے ہیں"۔

ٹرین سٹیشن کے سامنے پہنچی تو عنبر نے انجن کی بتی

روشن کر دی۔ اب جیکب بھی ڈبے میں سے نکل کر انجن میں عنبر کے پاس آ گیا تھا۔

انجن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ ریلوے لائن پر ایک چھکڑا کھڑا تھا۔ اور پلیٹ فارم پر جرمن سپاہی ٹامی گنیں لیے لیٹے ہوئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"ہوشیار! میں انجن کو چھکڑے سے ٹکرا کر لے جاؤں گا"۔

انجن ایک زبردست شور کے ساتھ سٹیشن میں داخل ہو گیا۔ جرمن نے فائرنگ شروع کر دی۔

جیکب، ماریا اور عنبر نے سر نیچے کر لیے۔

انجن ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پٹڑیوں پر کھڑے چھکڑے سے ٹکرایا۔ چھکڑا پاش پاش ہو کر اچھل کر دوسری طرف گر پڑا۔

انجن کے سامنے اس کی بھلا کیا حیثیت ہو سکتی تھی۔ ٹرین پر گولیوں کا مینہ برسا دیا گیا۔ مگر عنبر انجن کو نکال کر لے گیا۔

جیکب نے خوش ہو کر کہا۔

''ایک مرحلہ تو طے ہو گیا، لیکن میرا خیال ہے کہ اب جرمن ہوائی جہاز سے حملہ کریں گے۔ شاید وہ دن کی روشنی کا انتظار کر رہے ہیں''۔

عقاب کا نشیمن

ٹرین کھیتوں، جنگلوں میں سے گزرتی جا رہی تھی۔

عنبر نے دیکھا کہ انجن میں اتنا کوئلہ موجود تھا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ سکتے تھے، لیکن سب سے زیادہ پریشانی پانی کی تھی۔

پانی کی ٹینکی ختم ہونے والی تھی اور پانی کے بغیر

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

انجن ایک قدم نہیں چل سکتا تھا۔ عنبر نے اس پریشانی کا اظہار جیکب سے کیا تو وہ بولا۔

''عنبر بھائی! اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ہم راستے میں کسی جگہ پانی حاصل کرنے کی کوشش کریں''۔

''کیا راستے میں کسی جگہ پانی مل سکے گا؟''۔

عنبر کے اس سوال کے جواب میں جیکب نے کہا۔

یقیناً کسی اگلے سٹیشن پر پانی کا ٹینک ضرور لگا ہوگا۔ جہاں سے انجن پانی حاصل کرتے ہیں۔ ہم وہاں سے پانی کی ٹینکی بھر لیں گے۔

اتنی دیر میں دن کی روشنی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی آسمان میں سے کسی ہوائی جہاز کی ہلکی گونج سنائی دی۔

جیکب نے چونک کر کہا۔

''جرمن جہاز آ گیا شاید''۔

عنبر نے کہا۔

جلدی سے ڈبے میں جا کر سب لوگوں سے کہہ دو کہ وہ ڈبے کے فرش پر دیواروں کے ساتھ لگ کر لیٹ جائیں اور کوئی شخص باہر نہ جھانکے۔ جلدی کرو۔

جیکب کے جاتے ہی ماریا نے کہا۔

ہمارے پاس اس وقت اسلحہ ہونا نہایت ضروری

تھا۔ دو ایک رائفلیں ہی ہوتیں تو کم از کم ہوائی جہاز پر ایک دو فائر ہی کر لیتے۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک بمبار ہوائی جہاز زناٹے کے ساتھ ٹرین کے اوپر سے گزر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکا ہوا۔ اور ٹرین لرزی۔

بم کھیتوں میں گرا تھا۔ اصل میں چلتی ٹرین کا نشانہ لینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ جرمن بمبار کے ہوا باز نے ٹرین پر فائرنگ بھی کی۔

جہاز دوسری بار پھر ایک بم گرا گیا۔ اس دفعہ بم انجن کے آگے بائیں جانب لائن کے قریب ہی گرا۔

اگر ذرا لائن کے اندر گرتا تو ضرور انجن الٹ گیا ہوتا۔

عنبر نے انجن کی رفتار اور تیز کر دی۔

تیسرا بم بھی کھیت میں گرا تھا۔ چوتھا بم ٹرین کے پچھلے ڈبے کو چھو کر ریلوے لائن پر گرا۔ اور اس نے لائن کے ٹکڑے اڑا دیئے، لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ لائن آگے سے نہیں ٹوٹی تھی۔

بمبار جہاز کے پاس شاید چار ہی بم تھے۔ اب اس نے نیچی پرواز کر کے ٹرین پر مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔

اس فائرنگ سے ڈبے کی کھڑکیاں اور انجن کے سائیڈ کے شیشے ٹوٹ گئے۔ جہاز نا امید ہو کر واپس چلا

گیا۔

ٹرین بھاگی جا رہی تھی۔ ایک موڑ کاٹا تو سامنے ایک چھوٹا سا اسٹیشن آ گیا۔ اس جگہ فوج نہیں تھی۔ لیکن سٹیشن ماسٹر کو اطلاع مل چکی تھی کہ ایک ٹرین مفرور قیدیوں کی آ رہی ہے۔ اسے روکا جائے۔ سٹیشن ماسٹر نے بھی ریلوے لائن میں ایک ٹرالی رکھوا دی تھی۔

عمبر نے کہا۔

"ہم اس جگہ انجن کھڑا کر کے پانی حاصل کریں گے"۔

پانی کی ٹینکی دور ہی سے نظر آ رہی تھی۔ عمبر نے انجن اس ٹینکی کے نل کے بالکل نیچے جا کر کھڑا کر دیا۔

جیکب کو ڈبے میں بھجوا دیا گیا۔

عمبر نے ماریا سے کہا۔

"اب تمہارا کام ہے کہ سٹیشن پر جا کر رائفلیں وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کرو"۔

ماریا چپکے سے انجن سے اتر گئی۔ دور سے انجن پر ایک دو گولیاں چلیں۔ شاید وہاں کے چوکیدار گولیاں چلا رہے تھے۔

جیکب نے اوپر چڑھ کر کسی نہ کسی طرح پانی کا پائپ انجن کے ٹینک میں ڈالا۔ اور پانی کھول دیا۔

پانی بڑی تیزی سے ٹینکی میں بھرا جانے لگا۔

ماریا نے ریلوے سٹیشن کو بالکل ویران سا

پایا۔ صرف دو چوکیدار بندوقیں تانے فائرنگ کر رہے تھے۔ اسے کھانے کی چیزوں کی بھی تلاش تھی۔ کھانے کے لیے ڈبل روٹی بسکٹ اور خشک گوشت اسے سٹیشن کی کینٹین سے مل گیا۔

اس کا جھولا بھر کر ماریا نے کندھے پر ڈالا اور ایک چوکیدار کو لات مار کر اس کی بندوق اور گولیاں چھین لیں۔

پھر اس نے جوابی فائرنگ کر کے وہاں افراتفری مچا دی۔ دوسرا چوکیدار ہڑ بڑا کر اپنی بندوق چھوڑ کر بھاگ گیا۔

ماریا نے انجن پر آ کر عنبر کو کھانے کی چیزیں اور

بندوقیں دے دیں۔

اسی وقت عورتوں اور بچوں وغیرہ میں ڈبل روٹی اور گوشت تقسیم کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد انجن کی ٹینکی بھر گئی۔

عنبر نے انجن چلا دیا۔ انجن نے پوری قوت سے ٹکر مار کر لائن پر پڑی ٹرالی کو اٹھا کر دوسری طرف اچھال دیا۔

ٹرین ایک بار پھر پوری رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ خوش قسمتی سے ریلوے لائن کے ساتھ کوئی پختہ یا کچی سڑک نہیں جا رہی تھی۔

جس کی وجہ سے جرمن سپاہی ٹرین کا تعاقب نہیں

کر سکتے تھے۔ ٹرین پر ایک بار پھر جہاز سے بم برسائے گئے۔ اس بار بھی ٹرین تباہ ہونے سے بچ گئی۔

سفر کرتے ہوئے شام ہو گئی۔

اب رات کو بلیک آؤٹ کی وجہ سے ان کا سفر آسان ہو گیا تھا، کیونکہ اوپر سے جہاز کو ٹرین دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

یہ ایک ہی ریلوے لائن تھی جو جنگی ضرورتوں کے تحت بچھائی گئی تھی۔ اس کے راستے میں زیادہ سٹیشن نہیں تھے۔

رات کے پچھلے حصے میں ٹرین کو ایک گاؤں کے

قریب روک دیا گیا۔ عنبر نے جیکب سے کہا کہ یہاں اتر کر مسافروں کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرنا چاہیے۔

مگر یہ گاؤں جرمن لوگوں کے تھے۔ خطرہ تھا کہ وہ ان پر حملہ نہ کر دیں، کیونکہ ریڈیو کے ذریعے یہ خبر نشر کر دی گئی تھی کہ قیدی ایک ٹرین لے کر فرار ہو گئے ہیں۔

اب عنبر نے ماریا کی خدمات سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ ایسے موقعوں پر انہیں صرف ماریا ہی کام دے سکتی تھی۔

ابھی تک سوائے عنبر کے کسی کو ماریا کی خبر نہیں تھی۔

ٹرین کھیتوں میں ایک جگہ رکی کھڑی تھی۔ عنبر نے ماریا

کو ساتھ لیا اور گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

گاؤں کے باہر پہنچ کر عنبر رک گیا اور اس نے ماریا سے کہا۔

"اب تمہارا کام ہے کہ اس گاؤں کی کسی دکان سے ڈبل روٹی اور گوشت مہیا کرو"۔

ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں یہ ساری چیزیں لے کر ابھی آتی ہوں"۔

بہادر ماریا نے تھیلا کندھے پر رکھا اور گاؤں کی طرف چل پڑی۔ گاؤں میں بلیک آؤٹ تھا، مگر کہیں کہیں مکانوں اور دکانوں کے اندر مدہم بتیاں جل

رہی تھیں۔

ماریا نے دیکھا، دکانوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے پیکٹ سجے ہوئے تھے۔ بس اسے اسی جگہ پہنچنا تھا۔

وہ دکان کے اندر داخل ہو گئی۔ وہاں ایک موٹا سا دکاندار کاؤنٹر کے پیچھے آرام کرسی میں دھنس کر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔

اسے ماریا کے اندر آنے کا بالکل احساس نہ ہوا۔

ماریا نے پیچھے جا کر ایک جگہ سے اپنے مطلب کی چیزیں تھیلے میں بھرنی شروع کر دیں۔ اچانک ایک پیکٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

شور سن کر دکاندار اٹھا۔ اس نے گھور گھور کر گرے ہوئے پیکٹ کو دیکھا اور بڑبڑاتا ہوا آیا۔

"یہ بدبخت بلی نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ اب اگر نظر آ گئی تو اسے گولی مار دوں گا"۔

اس نے فرش پر سے پیکٹ اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

وہ مڑا تو ماریا نے وہ پیکٹ اٹھا کر واپس اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ یہاں اسے سوڈا واٹر کی کچھ بوتلیں بھی مل گئیں۔

تھیلا خوراک سے بھر کر وہ واپس عنبر کی طرف آ گئی۔ عنبر نے تھیلا اٹھا لیا۔ اور ٹرین کی طرف روانہ

ہوا۔

ڈبے میں پہنچ کر انہوں نے عورتوں بچوں اور دوسرے لوگوں میں کھانے کی چیزیں اور سوڈا واٹر کی بوتلیں تقسیم کر دیں۔

خود بھی تھوڑا بہت کھایا۔ انجن کا پانی دیکھا۔ ابھی ایک رات وہ اس پانی کے سہارے سفر کر سکتے تھے۔

عنبر نے جیکب سے پوچھا۔

"اگر پانی ختم ہو گیا تو کیا آگے ہمیں پانی کہیں سے مل سکے گا؟"۔

جیکب نے کہا۔

"مشکل ہے، لیکن ہو سکتا ہے، راستے میں

جرمنوں نے ہنگامی ضرورت کے لیے کوئی پانی کی ٹینکی بنا رکھی ہو"۔

"تم خیال رکھنا۔ میں چاہتا ہوں، اگر ہمیں راستے میں پانی مل جائے تو ٹینکی ایک بار پھر بھر لیں۔ ویسے اب سفر کتنا باقی رہ گیا ہے؟"۔

جیکب نے کہا۔

"صبح سورج کی روشنی کے ساتھ ہمیں سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر ہونا چاہیے۔ میرا مطلب ہے وہاں سے سوئٹزرلینڈ کی سرحد شروع ہوتی ہے"۔

"ہمیں اللہ کا نام لے کر آگے بڑھنا چاہیے"۔

اتنا کہہ کر عنبر انجن میں سوار ہوا۔ اس نے جیکب کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

ماریا پہلے ہی انجن میں سوار تھی۔ انجن روانہ ہو گیا ساری رات وہ سفر کرتے رہے۔ صبح کے وقت ایک جگہ انہیں لائن کے ساتھ پانی کی ٹینکی دکھائی دی۔

عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم یہاں سے پانی لے سکتے ہیں"۔

انہوں نے انجن لا کر ٹینکی کے پائپ کے نیچے کھڑا کر دیا۔ پانی بڑی تیزی سے انجن کے ٹینک میں بھرنے لگا ابھی پانی بھرا جا رہا تھا کہ اچانک آسمان پر ایک ہوائی جہاز نمودار ہوا۔

اس نے نیچے آ کر ایک بم گرا دیا۔ اس قدر

بھیانک دھماکہ ہوا کہ انجن لائن پر اچھل پڑا۔

”جلدی سے نیچے آ جاؤ جیکب!“۔

جیکب پانی کی ٹینکی کے اوپر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے انجن پر چھلانگ لگا دی۔ عنبر نے انجن کا لیور دبا دیا۔

چھکا چھک کی آواز کے ساتھ انجن لائن پر روانہ ہو گیا۔ بمبار جہاز نیچے آیا اور ایک اور بم گرا گیا۔ یہ بم بھی انجن کے بائیں جانب گرا انجن بچ گیا۔ لیکن ایک ٹکڑا لگنے سے اس کی آگے لگی ہوئی روشنی کی بتی ٹوٹ کر دور جا گری۔

اب انہیں لائٹ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انجن ڈبے کو لیے پوری رفتار سے اڑا جا رہا تھا۔ جہاز نے تیسری بار بم گرایا۔

مگر انجن کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ جہاز نے گولیاں برسانی شروع کر دیں مگر گولیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔

آخر مایوس ہو کر جہاز واپس چلا گیا۔

جیکب نے کہا۔

”اب آخری سٹیشن آنے والا ہے۔ وہاں جرمنوں کی بہت بھاری چوکی ہے۔ اگر ہماری ٹرین وہاں داخل ہو گئی تو ہمارا پکڑا جانا یقینی ہے“۔

عنبر نے پوچھا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

جیکب بولا۔

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں انجن کو اسی جگہ چھوڑ کر ڈبے سے اتر جانا چاہیے۔ یہاں سے ایک جنگل شروع ہوتا ہے۔

جو پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا سوئٹزرلینڈ کے جنگل میں داخل ہو جاتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہیں راستے کا علم ہے؟"۔

"کیوں نہیں۔ میں ان جنگلوں میں بہت پھرا

ہوں۔ میرا باپ یہاں فارسٹ گارڈ ہوا کرتا تھا"۔

"تو پھر ہم انجن اسی جگہ روک لیتے ہیں۔ تم جا کر مسافروں کو اطلاع کر دو کہ انہیں کیا کرتا ہے"۔

عنبر نے انجن روک دیا۔ جیکب ڈبے میں گیا۔ اس نے جاتے ہی سارے مسافروں کو خبردار کر دیا کہ اب انہیں یہاں سے جنگل ہی جنگل سوئٹزرلینڈ پہنچنا ہو گا۔

مسافر سہمے ہوئے تھے۔ اگرچہ انہیں جرمنوں کے جنگل سے بچ نکلنے کی خوشی بھی تھی۔ لیکن خطرہ ابھی ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔

وہ کل تعداد میں پچاس کے قریب تھے۔ وہ ڈبے

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

میں سے اتر پڑے عورتیں بڑا حوصلہ دکھا رہی تھیں۔ انہوں نے بچوں کو سنبھال رکھا تھا۔

جیکب آگے آگے ہو گیا۔ اور یہ مفرور قیدیوں کا قافلہ کھیتوں میں سے ہو کر گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔ جو آگے چل کر پہاڑی پر چڑھ گیا تھا۔

دوپہر تک یہ لوگ جنگل میں سفر کرتے رہے۔

دوپہر کے بعد انہوں نے پہاڑی پر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور وہاں آگ جلا کر گوشت گرم کیا گیا اور کافی بنائی گئی۔

عنبر نے جیکب کو ساتھ لیا اور ایک جگہ لے جا کر کہا۔

"کیا خیال ہے یہاں سے ہماری منزل ابھی کتنی دور ہو گی؟"۔

جس مقام پر ہم کھڑے ہیں یہاں سے ہماری منزل یعنی وہ مقام جہاں جرمنی کی سرحد ختم ہوتی ہے اور سوئٹزر لینڈ کے آزاد علاقے کی سرحد شروع ہوتی ہے، پچاس کلومیٹر دور ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم کھانا کھا کر چلتے رہے تو آدھی رات کے بعد کہیں جا کر وہاں پہنچ سکیں گے۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے"۔

جیکب نے سر ہلا کر کہا۔

عنبر نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ سرحد پر جرمن سپاہی کتنی تعداد میں ہوں گے؟"۔

جیکب نے کہا۔

سرحد پر تو جرمن فوج ہر وقت گشت کرتی رہتی ہے ہمیں ہر حالت میں ان سے بچنا ہو گا۔ ظاہر ہے انہیں بھی ہمارے فرار کی اطلاع پہنچ گئی ہو گی۔

شاید وہ رائفلیں اٹھائے ہمارا انتظار کر رہے ہوں"۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم ان سے بھی نپٹ لیں گے"۔

کھانا کھانے کے بعد ان لوگوں نے تھوڑا سا آرام کیا اور پھر چل پڑے۔ عورتوں سے چلا نہیں جا رہا تھا۔

بعض نے بچے اٹھائے ہوئے تھے۔ لیکن مجبوری تھی۔ بوڑھے بھی بہت جلد تھک جاتے تھے۔ شام ہو گئی۔ اور بہت تھوڑا فاصلہ طے ہوا۔

جیکب سے عنبر نے کہا۔

"کیا یہاں کوئی ایسی سڑک نہیں ہے جہاں ہم کسی گاڑی پر سفر کر سکیں"۔

جیکب نے کہا۔

اول تو سڑک یہاں سے دور ہے۔ دوسرے ہمیں

گاڑی کہاں سے ملے گی؟ اگر فرض کر لیا گاڑی مل بھی جاتی ہے تو سڑک پر سفر کرنا اپنی موت کو آواز دینا ہے۔

ہمیں ہر حالت میں اسی جنگل میں سفر کرنا ہوگا۔ خواہ ہمیں دو دن اور لگ جائیں۔

جیکب کا خیال ٹھیک تھا۔ چنانچہ عنبر نے ماریا کو ایک طرف لے جا کر اس سے مشورہ کیا تو اس نے بھی وہی جواب دیا کہ ہمارے لیے اس جنگل میں سفر کرنا بہت محفوظ ہوگا۔

ساری رات یہ قافلہ سفر کرتا رہا۔ صبح کی روشنی میں انہوں نے دیکھا آدھا سفر باقی تھا۔

جیکب نے کہا۔

"اس رفتار سے ہم کل صبح منزل پر پہنچیں گے"۔

عنبر نے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔

"اس کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں"۔

ماریا نے گاؤں سے خوراک کی کافی مقدار حاصل کر لی تھی وہی خوراک راستے میں کام آ رہی تھی۔ پانی کسی نہ کسی چشمے سے مل جاتا تھا۔

دوسرا دن بھی آرام آرام سے سفر کرتے گزر گیا۔

دوسرے دن شام کو انہیں ایک چھکڑا جنگل میں پڑا مل گیا۔

تمام عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو چھکڑے میں

لا دیا گیا۔ اور جوانوں نے چھکڑا کھینچنا شروع کر دیا۔

اس طرح سے عورتوں کو بڑا آرام ملا۔ لیکن نوجوانوں کے پاؤں اور ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ سفر پھر بھی جاری رہا جیکب کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا کوئی دوسرے روز صبح سے کچھ پہلے انہوں نے دور پہاڑوں میں ہلکی ہلکی روشنی دیکھی جیکب کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی کہنے لگا۔

''وہ دیکھو عنبر بھائی! وہ ہے آزاد سوئٹزر لینڈ کا گاؤں''۔

عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں نے گاؤں کی دھیمی روشنی دیکھی تو خوشی سے ان کے چہرے کھل گئے۔

انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور عنبر کو دعائیں دینی شروع کر دیں۔

عنبر نے کہا۔

بھائیو اور بہنو! ابھی ہمارا مشکل ترین اور خطرناک سفر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس سفر کا خطرناک مقام اب آنے والا ہے۔ کیونکہ ہم جرمنی کی سرحد پر پہنچ گئے ہیں۔

ہمیں بارڈر کراس کرنا ہے۔ اور بارڈر پر جرمن سپاہی مشین گنیں لیے گشت کر رہے ہیں۔ پہاڑوں میں انہوں نے مشین گنوں کی چوکیاں بنا رکھی ہوں

کی۔

ہمیں وہاں سے گزرنا ہے۔ اس لیے میں ایک بات آپ سے ضرور کہوں گا کہ جیسا ہم کہیں ویسا ہی کریں۔ ہم جس وقت آپ کو بھاگنے کا اشارہ کریں تو آپ لوگوں کو ایکدم سے بھاگ اٹھنا ہوگا۔ ٹھیک ہے ناں؟۔

"بالکل ٹھیک ہے"۔

سب لوگوں نے ایک ساتھ کہا۔ اس کے بعد عنبر نے جیکب کو ساتھ لیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آگ جلائی۔

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

جیکب نے کہا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں یہ کرنا ہے کہ اس آگ کو بجھا دینا ہوگا۔ کیونکہ یہ آگ دشمن کی توجہ اپنی طرف پھرا سکتی ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر آگ کو پاؤں سے مسل دیا۔

"اب بتاؤ۔ ہمیں کس مقام سے باڈر کراس کرنا ہوگا"۔

جیکب بولا۔

"باڈر یہاں سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے بلکہ جرمن سپاہی گشت کرتے ادھر بھی آسکتے ہیں۔ اس

لیے میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو یاڈر کے قریب کسی محفوظ جگہ پر چھپا دیا جائے اور خود اس وقت کا انتظار کیا جائے جب جرمن سپاہیوں کا دستہ گشت کرتے ہوئے کافی دور نکل جائے"۔

"مجھے تم سے اتفاق ہے۔ چلو ہمیں کسی محفوظ مقام پر پہنچ کر آرام کرنا چاہیے"۔

اسی وقت قافلے کو چلنے کا حکم دیا گیا۔ کوئی تین فرلانگ سفر کرنے کے بعد قافلہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سامنے ذرا نیچے ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ ندی کے سامنے اوپر ٹیلے پر ایک جنگی چوکی بنی تھی جس کے سوراخوں میں مشین گنیں لگی تھیں۔

جیکب نے کسی قدر پریشان ہو کر کہا۔

"یہ جرمنوں کی سرحدی چوکی ہے اس ندی کے پار سوئٹزر لینڈ کا آزاد علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسے عقاب کا نشیمن کہتے ہیں"۔

جنگل کی آگ

عنبر نے غور سے دیکھا۔

سرحدی چوکی کے سوراخوں میں سے مشین گنوں کے بھیانک منہ صاف نظر آ رہے تھے۔ اتنے میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی۔

جیکب نے کہا۔

"جلدی سے چھپ جاؤ۔ جرمن سپاہیوں کا گشتی

دستہ آ رہا ہے"۔

انہوں نے عورتوں اور بچوں کو پہلے ہی درختوں اور جھاڑیوں میں ایک محفوظ جگہ پر چھپا دیا تھا۔ وہ خود بھی ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے۔

تھوڑی دیر میں چھ سات جرمن سپاہی گھوڑوں پر سوار آئے اور رک کر دوربین سے سرحد کے آس پاس دیکھنے لگے ایسا لگتا تھا کہ انہیں قیدیوں کے فرار کی خبر مل چکی ہے۔ اور وہ ان ہی کی تلاش میں ہیں۔

جیکب نے آہستہ سے کہا۔

"یہ لوگ بہت چوکس ہو گئے ہیں"۔

عنبر نے جیکب کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کو

کہا۔

سرحدی سپاہی کچھ دیر وہاں کھڑے رہے پھر گھوڑوں کو لے کر آگے نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد عنبر اور جیکب جھاڑیوں سے باہر نکل آئے۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

عنبر نے جیکب سے پوچھا۔

"جیکب نے کہا"۔

یہ مشین گن پوسٹ ہمارے لیے بڑی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اگر ہم نے یہ ندی دن کے وقت پار کی تو مشین گنیں ہمیں بھون کر رکھ دیں گی۔

بلکہ یہاں سے رات کے وقت بھی ہم نے سرحد

پار کرنے کی کوشش کی تو جرمن سپاہی روشنی پھینک کر ہمیں وہیں بھسم کر دیں گے۔

"تو پھر کیا کرنا ہوگا ہمیں؟ کیا دوسری جگہ سے ہم باڈر کراس نہیں کر سکتے؟"۔

"ہر جگہ ایسی ہی خطرناک ہے۔ ہمیں یہیں سے باڈر کراس کرنا ہوگا"۔

"مگر کیسے؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

میں اپنی جان پر کھیل کر اس چوکی کو تباہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

عنبر ہنس پڑا۔

اگر یہ بات ہے تو پھر تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی اس چوکی کو تباہ کرتے کے لیے کافی ہوں۔ عنبر نے ماریا کو اپنے جانے کی اطلاع کی۔ وہ کہنے لگی۔

"کیا میں تمہارے ساتھ نہ چلوں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا جانا خطرے کا باعث ہوسکتا ہے۔ وہاں بموں کے دھماکے ہوں گے جو تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم یہیں ٹھہرو۔ کیونکہ مجھے تو بم وغیرہ کچھ نہیں کہہ سکتے"۔

"تمہاری مرضی"۔

عنبر نے جیکب سے مشین گن تک پہنچنے کا آسان ترین اور محفوظ راستہ پوچھا اور جھاڑیوں، درختوں میں سے ہو کر چل پڑا۔

راستہ بڑا دشوار تھا۔ مگر عنبر اس سے بھی زیادہ خطرناک جنگلوں سے گزر چکا تھا۔ وہ چلتا چلا گیا۔ اس نے ایک جگہ پہاڑیوں میں سے ندی کے کنارے کو جا لیا۔

مشین گن پوسٹ اب بالکل سامنے تھی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے نکل کر درختوں کے پاس آیا ہی تھا کہ جنگل میں آواز گونجی۔

"ہالٹ!"

عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ جرمن سپاہی بندوقیں تانے اس کے اردگرد آ کر کھڑے ہو گئے۔

"کون ہو تم؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب میں ایک چرواہا ہوں۔ اپنی بھیڑ کی تلاش میں آیا ہوں"۔

جرمن سپاہی نے کڑک کر کہا۔

"بکواس کرتے ہو۔ تمہارا لباس چرواہوں کا نہیں ہے۔ تمہارا لہجہ بھی جرمنوں جیسا نہیں ہے۔ چلو ہمارے ساتھ چوکی پر۔ وہاں کپتان صاحب خود ہی معلوم کر لیں گے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو"۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ عنبر تو یہی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے سرحدی گن پوسٹ تک پہنچ جائے۔

سپاہی اسے لے کر پوسٹ پر آ گئے۔ چوکی ذرا پرے تھی۔ قریب ہی ایک کمرہ بنا تھا۔ یہاں چوکی کا انچارج کپتان میز پر بیٹھا رجسٹر میں کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو کڑک کر پوچھا۔

"تم ضرور وہی قیدی ہو جو ٹرین لے کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بھاگا ہے۔ تمہارے ساتھی قیدی کہاں ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں قیدی نہیں چرواہا ہوں"۔

"بکواس بند کرو"۔

کپتان نے اٹھ کر عنبر کے سر پر زور سے ٹھوکر ماری۔ عنبر اپنی جگہ بیٹھا رہا اور کپتان پرے جا گرا۔ اس کے پاؤں پر سخت چوٹ لگی تھی جیسے اس نے کسی چٹان پر بوٹ کی نوک ماری ہو۔

وہ اٹھ کر حیرانی سے عنبر کو تکنے لگا۔

"کمینے! بڑے طاقت ور معلوم ہوتے ہو۔ باڈی بلڈر ہو کیا؟ اچھا ابھی تمہارا کچومر نکالتے ہیں"۔

اس نے حکم دیا کہ اسے کوارٹر گارڈ میں لے جا کر

باندھ دیا جائے جرمن سپاہیوں نے عنبر کو ایک تنگ سی حوالات میں لے جا کر قید کر دیا۔

چوکی بالکل اس کے سامنے تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ عنبر نے جیکب کو خبردار کر دیا تھا کہ جونہی وہ دیکھے کہ مشین گن پوسٹ دھماکوں سے پھٹ رہی ہے وہ اسی وقت تمام قیدیوں کو لے کر ندی پار کر کے سرحد عبور کرے اور سوئٹزرلینڈ کے گاؤں میں داخل ہو جائے۔

شام کے وقت عنبر کو ایک کپ چائے اور دو سوکھے بسکٹ کھانے کو دیے گئے۔

عنبر نے پہریدار سے کہا۔

"تمہیں بھوک مٹانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آج رات تمہیں گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ ہمارے کپتان کے آرڈر آ چکے ہیں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے"۔

پہرے دار نے تعجب سے دیکھ کر کہا۔

"کیا تمہیں مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یار! بات دراصل یہ ہے کہ میں تو مرنا چاہتا ہوں۔ مگر موت نہیں آتی۔ تم دیکھ لینا میں ہرگز نہیں مروں گا"۔

پہرے دار نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"بدبخت موت کے خوف سے پاگل ہو گیا ہے"۔

رات کے گیارہ بجے عنبر نے دیکھا کہ کوارٹر گارڈ کے باہر سٹول پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا پہریدار سپاہی سو رہا تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ عنبر خاموشی سے سلاخوں والے دروازے کے قریب آیا۔

اس نے بڑے آرام سے ایک سلاخ ٹیڑھی کر دی اور باہر نکل گیا۔ سامنے وہ چوکی تھی جس کی مشین گنوں کا رخ نیچے ندی کی جانب تھا۔

عنبر گارڈ میں سے نکل کر پچھلی طرف سے ہوتا ہوا پوسٹ کے دروازے پر آ گیا۔

سامنے ایک دیوار بنی تھی۔ عنبر نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا، اندر تین سپاہی جاگ رہے تھے اور دو سو رہے تھے، سوراخوں میں مشین گنیں لگی تھیں۔

عنبر واپس کوارٹر گارڈ کے آفس میں آ گیا۔

یہاں کونے والی الماری میں گولہ بارود پڑا تھا۔

عنبر نے دیکھا کہ کوارٹر گارڈ کا پہرے دار اونگھ رہا ہے۔

وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہو گیا۔

الماری کے پاس پہنچا۔ اسے آہستہ سے کھولا اور تین دستی بم نکال کر جیب میں رکھ لیے۔ انہیں سنبھال کر وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل کر واپس چوکی کے دروازے پر آ گیا۔

گن پوسٹ میں سے جرمن سپاہیوں کے ہنسنے قہقہے لگانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عنبر نے بڑے اطمینان سے ایک ایک کر کے تینوں دستی بموں کے پن نکال دیے۔

اس کام میں اسے بمشکل دو سیکنڈ لگے ہوں گے۔ پن نکالنے کے بعد اس نے تینوں دستی بم چوکی کے اندر پھینک دیے اور خود بھاگ کر پرے چلا گیا۔

ایک کے بعد دوسرا، پھر تیسرا۔ تین دھماکے ہوئے سارا جنگل لرز اٹھا اور گن پوسٹ آگ کے شعلے بن کر

آسمان کی طرف اڑ گئی۔

وہاں بھگدڑ مچ گئی۔

عمبر نے تیزی سے نیچے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ جنگل میں سے نکل کر نہر کنارے آیا اور سرحد پار کر گیا۔ یہاں سے اس نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ اوپر پوسٹ پر فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ جرمن سپاہی دھماکے کے بعد یونہی ہوا میں گولیاں چلا رہے تھے۔ عمبر ساری رات جنگل میں ڈھلان پر چلتا رہا۔ صبح کے وقت وہ پہاڑی سے اتر کر ایک وادی میں آ گیا۔

یہاں اسے جرمن سپاہیوں کا ایک گشتی دستہ ملا یہ آخری سپاہی تھے۔ کیونکہ وہاں سے سوئٹزر لینڈ کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔

سپاہیوں نے عمبر کو نہ دیکھا تھا۔

وہ لوگ گشت کرتے دور نکل گئے۔ عمبر دوبارہ پگڈنڈی پر آ کر آگے چلتا رہا تھا۔ لیکن ایک جرمن سپاہی پیچھے بھی تھا۔

اس نے پیچھے سے عمبر کی گردن پر بندوق کی نالی رکھ دی۔

"ہالٹ! کون ہو تم؟"۔

"میں جرمن گڈریا ہوں اور اپنی گمشدہ بھیڑ کی تلاش میں پھر رہا ہوں"۔

سپاہی نے قہقہہ لگایا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم فرانسیسی جاسوس ہو اور اب ہماری حکومت کے راز لے کر دوسرے ملک میں جا رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میری تلاشی لے لو۔ میرے پاس کسی حکومت کا کوئی راز نہیں ہے"۔

سپاہی نے کہا۔

"تلاشی تمہاری ہیڈ کوارٹر والے برلن میں لیں گے۔ سیدھے سیدھے آگے چلو"۔

عنبر نے سوچا کہ کم بخت کہاں اسے لیے لیے

پھرے گا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جرمن سپاہی کی گولی کی آواز سن کر اگلے سپاہی واپس آ جائیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اسے پریشان کریں گے اور ایک بار پھر اسے قید سے فرار ہونا پڑے گا۔

عنبر نے کہا۔

دیکھو! میں ایک فرانسیسی سوداگر ہوں۔ جرمنی سے بھاگ کر سوئٹزر لینڈ جانا چاہتا ہوں۔ میں جاسوس ہرگز نہیں ہوں۔

میرے پاس دس لاکھ روپے ہیں۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں پانچ لاکھ روپے ابھی، اسی وقت تمہیں دے دوں گا۔

دس لاکھ روپے کا سن کر جرمن سپاہی کی رال ٹپک پڑی۔ بندوق کی نالی پیچھے کر کے بولا۔

"میں تم سے دس لاکھ ہی لوں گا۔ جلدی بتاؤ مال کہاں رکھا ہوا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ پیچھے ایک درخت کے نیچے میں نے سونے کی ڈلیوں سے بھرا ہوا تھیلا دبا رکھا ہے"۔

"چلو۔۔۔ آگے آگے چلو"۔

عنبر آگے آگے چلتا ہوا جرمن سپاہی کو جنگل میں ایک گنجان جگہ پہ لے آیا۔ یہاں بھلا خزانہ کہاں تھا۔

پھر بھی اس نے ایک گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس جگہ میری دولت دفن ہے"۔

"تو پھر نکالو۔۔۔ کھودو زمین۔۔۔"

جرمن سپاہی نے عنبر کو حکم دیا۔ عنبر نے زمین سے مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ جرمن سپاہی اس کے سر پر کھڑا تھا۔

عنبر نے داؤ لگا کر مٹی کی ایک مٹھی بھر کر سپاہی کے منہ کی طرف اچھال دی۔ مٹی اس کی آنکھوں میں پڑ گئی۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ عنبر نے زور سے ٹکر اس کے

پیٹ میں ماری۔ اس کے ہاتھ سے رائفل زمین پر گر پڑی۔ عنبر یہی چاہتا تھا کہ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ گولی چلائے اور اس کی آواز دوسرے سپاہیوں کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ عنبر نے جلدی سے رائفل اٹھا کر جرمن سپاہی کی طرف تان دی۔

''اب بولو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟''۔

جرمن سپاہی کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت تھی۔ اگرچہ اس کے چہرے پر بے بسی تھی۔ اس نے تھوک کر کہا۔

''میں تمہارے چہرے پر تھوکتا بھی نہیں''۔

عنبر نے کہا۔

''مگر میں تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں صرف سرحد پار کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے تم خاموشی سے اس جگہ بیٹھے رہو''۔

جرمن سپاہی نے اچانک اٹھ کر عنبر کو ٹکر مار دی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ عنبر نے رائفل پر چھلانگ لگا دی۔

اس نے رائفل اٹھائی اور نیچے وادی میں پھینک

دی۔ جرمن سپاہی بڑا حیران ہوا کہ اس شخص نے رائفل کیوں پھینک دی ہے۔ جب کہ اگر وہ چاہتا تو اسے رائفل سے ہلاک کر سکتا تھا۔

عنبر نے جرمن سپاہی کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ سپاہی کو یوں لگا جیسے اس کی گردن لوہے کے شکنجے میں جکڑی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہونے لگے اور جسم سن ہوتا چلا گیا۔

عنبر نے اسے ایک جھٹکا دیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جرمن سپاہی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر عنبر نے اس پہاڑی گاؤں کی سیدھ میں چلنا شروع کر دیا۔ جس کی روشنیاں دکھا کر جیکب نے کہا تھا کہ یہ سوئٹزرلینڈ کا گاؤں ہے۔ اب اس گاؤں کے مکانوں کے سرخ ڈھلانی چھتیں دور سے چمکتی دھوپ میں بی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

عنبر نے محسوس کیا کہ کوئی آ رہا ہے۔ وہ جلدی سے درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ اتنے میں گشت کرنے والا دستہ واپس آ کر ادھر ادھر چکر لگانے لگا۔

شاید وہ لوگ اپنے ساتھی کی تلاش میں تھے۔ جو پیچھے ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا تھا۔ عنبر دم سادھے بیٹھا رہا۔

پھر اس نے اٹھ کر سرحد کی جانب بھاگنا شروع

کر دیا۔

"ڈ تر ۔۔۔ ڈ تر ۔۔۔ ٹھائیں!"۔

جرمن گشتی پولیس نے عنبر کو بھاگ کر بارڈر کراس کرتے دیکھ کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ دو تین گولیاں عنبر کے جسم پر لگیں مگر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں اور وہ معمول کے مطابق چلتا چلا گیا۔

پیچھے سے فائرنگ تیز ہو گئی۔ گولیاں اس کے قریب بھی گرنے لگیں اور اس کے جسم سے بھی ٹکرانے لگیں۔

آخر عنبر سرحد پار کر گیا۔

سوئٹزر لینڈ کا جنگل شروع ہو گیا تھا۔ وہ سرخ ڈھلانی چھتوں والے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ ایک بوڑھا سڑک کنارے پہاڑی نالے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔

عنبر نے قریب جا کر اسے سلام کیا اور سوئس زبان میں کہا۔

"بڑے میاں! یہاں رات بسر کرنے کو کوئی جگہ مل جائے گی؟"۔

بوڑھے نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ادھر ایک ہوٹل ہے"۔

عنبر کا خیال تھا کہ جیک ضرور کسی نہ کسی ہوٹل میں ہی ٹھہرا ہو گا۔ یہ ہوٹل دو منزلہ تھا اور لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

عنبر نے اندر جا کر کلرک سے پوچھا۔

"یہاں کچھ مرد اور عورتیں تو آ کر نہیں ٹھہرے؟"۔

کلرک نے کہا۔

"ارے بھائی ان لوگوں نے تو مصیبت ڈال رکھی ہے اوپر کے ہال کمرے میں بیٹھے ہیں۔ گھڑی گھڑی نوکروں کو بلا کر کبھی کچھ مانگتے ہیں کبھی کچھ۔ پیسہ ان کے پاس ہے نہیں۔ بھلا میں انہیں کیسے کچھ دے سکتا ہوں"۔

"شکریہ!"

عنبر جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا اوپر پہنچا۔ ابھی وہ دروازے کے باہر ہی تھا کہ ماریا کی آواز آئی۔

"خوش آمدید!"۔

"خوش آمدید ماریا! کہو سب لوگ خیریت سے پہنچ گئے تھے ناں"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم نے خوب چوکی اڑائی۔ اب کیا پروگرام ہے؟"۔

"ذرا جیکب سے مل لوں۔ پھر سوچتے ہیں کچھ۔ تم اسی جگہ رہنا"۔

"ظاہر ہے، میں اور کہاں جاؤں گی"۔

عنبر لپک کر کمرے میں گیا۔ اسے دیکھ کر عورتوں بوڑھوں اور بچوں اور جوانوں نے تالیاں بجا کر اس کا

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64)

استقبال کیا۔

بوڑھوں نے عنبر کا سر چوما۔ ایک ایک نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔

ایک بوڑھے نے عنبر کو سینے سے لگا کر کہا۔

"تم نے ہماری جانیں بچائی ہیں۔ ہم تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھول سکیں گے"۔

عنبر نے جیکب سے کہا۔

"راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"۔

"بالکل نہیں عنبر بھائی! چوکی اڑ جانے سے جو خوفناک دھماکا ہوا اور آگ کے شعلے بلند ہوئے تھے۔ اس نے تو جرمن سپاہیوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ انہیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ ہم سرحد پار کر رہے ہیں"۔

شام کا کھانا انہوں نے اسی جگہ کھایا تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ہوٹل والا انہیں مفت کچھ دینے پر تیار نہ تھا۔

جیکب نے کہا۔

"ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ ہم اسے کہاں سے روپے لا کر دے سکتے ہیں۔ بچے بھوک سے بلک رہے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا ابھی بندوبست ہو جاتا ہے"۔

عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے سیٹی بجا کر ماریا کو اپنی

طرف مخاطب کیا۔

ماریا نے کہا۔

"میں تمہارے پاس ہوں عنبر! کیا بات ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ان لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اور ہوٹل والا پیسے مانگتا ہے۔ جو ان کے پاس نہیں ہے۔ بھوک سے بلک رہے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"ابھی اس کا بندوبست کرتی ہوں"۔

رونے کی آواز

ماریا سیدھی ہوٹل کے ہال کمرے میں آ گئی۔

کلرک کاؤنٹر کے پیچھے حساب کتاب کر رہا تھا۔

اس کے پاس ہی الماری میں کھانے کی میٹھی میٹھی چیزوں کے پیکٹ سجے تھے۔

پہلے ماریا نے سوچا کہ پیکٹ اٹھا کر لے جائے۔ پھر خیال آیا کہ پہچانے جائیں گے۔ وہ

کاؤنٹر کلرک کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ کاؤنٹر کے دراز میں کتنے ہی نوٹ رکھے تھے۔

وہ یہ نوٹ نہیں اٹھانا چاہتی تھی، کیونکہ چوری کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ ویسے بھی ماریا چوری کرنے کے خلاف تھی۔

بات ایسی ہونی چاہیے کہ یہ کلرک خود بخود قیدیوں کے کھانے کا بندوبست کرے۔ ماریا نے کلرک کی طرف ذرا جھک کر اس کے آگے سے رجسٹر کھسکا دیا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ رجسٹر اپنے آپ کیسے کھسک گیا۔

اس نے رجسٹر دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ کر لکھنا شروع کر دیا۔ ماریا نے اسے پھر کھسکا دیا۔ کلرک گھبرا گیا۔ ماریا نے اس کے ہاتھ سے قلم چھین لیا۔

وہ دم بخود ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ ماریا نے اندازہ لگایا کہ اس شخص کی دادی ضرور مر چکی ہو گی۔ چنانچہ ماریا نے قلم لے کر رجسٹر پر لکھنا شروع کر دیا۔

سنو میرے بچے! میں تمہاری دادی ہوں، میں جب سے مری ہوں، دوزخ میں جل رہی ہوں۔ میں اپنے دل کا حال کسی کو نہیں بتا سکتی۔

لیکن تم سے میں بہت پیار کرتی تھی، اس لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔ میری بات غور سے سنو!

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

تمہارے ہوٹل میں کچھ عورتیں، بچے اور بوڑھے اوپر والے ہال کمرے میں ٹھہرے ہیں، اگر تم ان لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔

ان کی خوب خوب خدمت کرو اور جاتی دفعہ انہیں سفر خرچ کے لیے دو چار ہزار روپے بھی دے دو تو میں دوزخ سے نکل کر جنت میں آ جاؤں گی اور تمہیں ایک ایسے خزانے کا نقشہ دے دوں گی جو خفیہ ہے اور جس کے بارے میں سوائے میرے اور کسی کو علم نہیں ہے اور یاد رکھو!

وہ خزانہ ہیرے جواہرات اور سونے کی ڈلیوں پر مشتمل ہے اور چھ صندوق بھرے ہوئے ہیں۔ کیا تم راضی ہو؟۔

لکھ کر جواب دو اور گھبراؤ نہیں، میں تمہاری دادی کی روح ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ چھو بھی نہیں سکتے۔ لیکن لکھ کر مجھے جواب دے سکتے ہو۔

کلرک تھر تھر کانپ رہا تھا۔ خزانے اور دادی کی روح کی بات سنی تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے جلدی سے قلم پکڑا اور رجسٹر پر لکھنا شروع کر دیا۔

پیاری دادی جان کی روح! خدا تمہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ دادی اماں! میں تم سے اس قدر پیار کرتا ہوں کہ اگر تم مجھے خفیہ خزانے کے بارے میں نہ بھی بتاؤ تو بھی میں آپ کے حکم پر عمل

کرتے ہوئے مسافروں کی آؤ بھگت کرتا اور ان کی خدمت میں دو ہزار روپے بھی پیش کر دیتا۔

آپ بالکل فکر نہ کریں، میں ابھی جا کر آپ کے حکم کو بجا لاتے ہوئے ان لوگوں کے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔

ماریا بڑی خوش ہوئی۔ کلرک جاتے جاتے رک گیا۔ آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کے بعد سرگوشی میں بولا۔

"دادی اماں! دادی اماں!"۔

"کیا ہے؟"۔

ماریا نے پوچھا۔

"دادی اماں! کیا وہ نقشہ تمہارے پاس ہے؟"۔

ماریا نے لکھ کر کہا۔

"تم مہمانوں کی خاطر مدارات کرو۔ جب وہ لوگ یہاں سے خیریت سے اور خوش خوش چلے جائیں گے تو میں وہ نقشہ تمہارے حوالے کر دوں گا۔ حوالے کیا کروں گی بلکہ اس رجسٹر پر لکھ ڈالوں گی۔ تم لے لینا"۔

"بہت اچھا دادی جان! بہت اچھا"۔

کلرک نے اسی وقت ایک بہت بڑے طشت میں قسم قسم کے کھانے سجائے اور اوپر ہال کمرے میں لے گیا۔

وہ لوگ کھانا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ عنبر سمجھ گیا کہ ماریا کی چال کامیاب ہوئی ہے۔ کلرک نے کھانا ان لوگوں کے کمرے میں رکھ کر کہا۔

"پیارے مہمانو! جی بھر کر کھاؤ پیو، تم لوگ میرے مہمان ہو، میں تمہاری خدمت کے لیے تیار ہوں"۔

لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے جی بھر کر کھانا کھایا اور ایک بار پھر تازہ دم ہو گئے۔ اتنا اچھا اور لذیذ کھانا انہوں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کھانا ختم ہو گیا۔ کلرک بھاگ کر نیچے سے سویٹ ڈش لے آیا۔ بچے عورتیں اور مرد وہ بھی کھا گئے۔ اس کے بعد کافی سے ان کی تواضع کی

گئی۔

جیکب نے حیران ہو کر عنبر سے کہا۔

"بھائی! یہ تم نے اس پر کیا جادو کر دیا کہ ہمارے آگے بچھا جا رہا ہے۔ ایسے لذیذ کھانے یوں فراخ دلی سے تو یہ اپنے گاہکوں کو نہیں کھلاتا، پھر ہمیں کیوں کھلا رہا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بس اس میں ایک گہرے راز کی بات ہے، جو میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ ہاں۔۔۔ ابھی اس کی خاطر داری ختم نہیں ہوئی، آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا"۔

دوسرے روز کلرک نے صبح صبح کمرے میں آ کر

دس ہزار روپے جیکب کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ روپے راستے کے اخراجات کے لیے رکھ لو بھائی اور ہاں۔۔۔ انہیں لوٹانے کی مت سوچنا، یہ میری طرف سے تمہاری نذر ہے"۔

جیکب اور دوسرے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دس ہزار روپے کی تھیلی کو تکنے لگے۔ یہ ایک ہی دن میں اس آدمی کی بالکل ہی کایا پلٹ ہو گئی تھی۔ بہرحال جیکب اور عنبر نے روپے لئے اور کلرک سے کہا۔

"ہم تمہیں یہ رقم واپس نہیں کریں گے"۔

کلرک بولا۔

"میرے بھائیو! میں نے کب مانگے ہیں، یہ

تمہارا حصہ ہے تمہارے پاس پہنچ گیا"۔

بائر موٹر شہر برن جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

کلرک جلدی سے کاؤنٹر پر آ گیا۔

اور سرگوشی میں بولا۔

"دادی اماں کی روح! کہاں ہو تم؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں تمہارے پاس ہوں میرے بچے!"۔

دادی اماں! دیکھ لو میں نے ہر شے تمہاری مرضی کے مطابق کر دی ہے، اب تمہیں دوزخ سے نجات مل جائے گی۔

"لیکن مجھے خزانے کا نقشہ دینا مت بھولنا۔ کیا

نقشہ تم اس وقت مجھے نہیں دو گی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میرے بچے! میں روح ہوں اور روح جھوٹ نہیں بولا کرتی۔ میرے پاس خزانے کا نقشہ تمہاری امانت ہے تم ایسا کرو کہ ان لوگوں کو میری طرف سے ایک ایک ہزار روپیہ اور دے آؤ"۔

"لیکن دادی اماں! میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے"۔

"بیٹے! دکان کے کیش میں سے لے لو، دیکھو! کل تم کروڑوں روپے کے خزانے کے مالک بن جاؤ گے۔ تم ساری رقم ہوٹل والوں کو لوٹا دینا"۔

کلرک مان گیا۔ اس نے چابی لگا کر سیف کو کھولا اور روپوں کی تھیلی لے کر جیکب وغیرہ کے پاس چلا گیا بولا۔

"میرے بھائیو! میں کچھ اور رقم تم لوگوں کے لیے لایا ہوں، یہ بھی قبول کرو اور مجھے شکریہ کا موقع دو"۔

جیکب اور عنبر نے فوراً روپوں کی تھیلی پکڑ کر سنبھال لی اور کہا۔

"شکریہ بھائی!"۔

اس کے بعد یہ قافلہ موٹر میں سوار ہو گیا۔ اچانک ماریا کی آواز آئی۔

عنبر! تم لوگ اس موٹر میں سوار ہو کر چلے جاؤ، میں دوسری موٹر میں آ جاؤں گی۔ شہر برن کے سب سے بڑے ہوٹل کے کمرہ نمبر پندرہ میں، میں تمہارا انتظار کروں گی۔

عنبر نے کہا۔

لیکن تم ہمارے ساتھ ہی کیوں نہیں چلتیں؟۔

ماریا نے کہا۔

''اس میں بھی ایک راز ہے، تم ان لوگوں کو لے کر جاؤ اور برن شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کے کمرہ نمبر پندرہ کو یاد رکھنا۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گی۔

''بہت اچھا''۔

کلرک اپنے کاؤنٹر پر کھڑا تھا اور اس نے کہہ رکھا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر بس کو چلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اصل میں وہ اپنی دادی کی روح سے پہلے خزانے کا نقشہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ماریا کو اس کی نیت کا علم تھا۔ اسی لیے اس نے عنبر سے کہا تھا کہ وہ لوگ چلے جائیں۔ ماریا کاؤنٹر پر آ گئی۔

اس نے رجسٹر پر لکھا۔

''میرے بچے! ایک سفید کاغذ یہاں رکھ دو تا کہ میں تمہیں خزانے کا راز بتاؤں، جلدی کرو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ لیکن بس کو چلنے کی اجازت دے

دو۔ ان لوگوں کا مجھ پر بوجھ سا ہے۔“

کلرک ذرا ہچکچایا لیکن ماریا کے یہ کہنے پر کہ اگر اس نے مسافروں کو روانہ نہ کیا تو وہ اسے خزانے کا نقشہ نہ بتا سکے گی کلرک نے اسی وقت عنبر کی بس روانہ کر دی۔

بس روانہ ہونے کے بعد ماریا نے ایک سفید کاغذ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں بنانا شروع کر دیں۔ اس میں ایک راستہ جنگل میں جا رہا تھا۔

آگے چٹان آ جاتی ہے۔ سامنے کھجور کا درخت ہے اس پر تیر کا نشان ہے، آگے لکھا، یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک سفید سنگ مرمر کا پتھر زمین پر پڑا ہے، خزانہ اس پتھر کے نیچے دفن ہے جاؤ میرے بچے اسے جا کر نکال لاؤ اور عیش کرو، خدا حافظ!۔

ماریا نے قلم رکھ دیا۔ کلرک نقشے کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر بار بار پڑھنے لگا۔

پھر بولا۔

”یہ جگہ کہاں ہے دادی جان؟“۔

ماریا نے لکھا۔

”یہ جگہ کہیں بھی نہیں ہے کنجوس کلرک، میں جا رہی ہوں اور سنو! میں تمہاری دادی کی روح نہیں ہوں“۔

کلرک ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے سر کے بال نوچنے شروع کر دیئے۔ اس کا سارا روپیہ ضائع ہو

گیا تھا۔

مسافر وہاں سے دور نکل چکے تھے۔ ان کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، سر پیٹ کر رونے لگا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔

ماریا چپکے سے وہاں سے کھسک کر ہوٹل سے باہر آ گئی۔ ذرا فاصلے پر برن شہر جانے والی بس تیار کھڑی تھی۔ ماریا اس میں سوار ہو گئی۔

بس روانہ ہو گئی۔

شام کو بس خوبصورت شہر برن میں پہنچ گئی۔

یہاں جنگ کا اثر بالکل نہیں دکھائی دیتا تھا۔ یہ علاقہ غیر جانبدار تھا۔ یعنی جنگ میں شریک نہیں تھا۔

ماریا کو اب شہر کے سب سے اعلیٰ ہوٹل کی تلاش تھی۔

وہ ایک طرف چل پڑی۔ ریلوے سٹیشن سے باہر اس نے دیکھا، ایک گائیڈ بک رکھی تھی۔ جس میں شہر کے سارے ہوٹلوں کے ایڈریس لکھے ہوئے تھے۔ ماریا نے کتاب اٹھا کر پڑھنی شروع کر دی۔

اسے معلوم ہوا کہ "الپائن ہوٹل" اس شہر کا سب سے اعلیٰ ترین ہوٹل تھا اور وہ ایک ٹیلے پر تھا۔

ماریا اس طرف چل پڑی۔ ٹیلے کی چڑھائی اس نے ایک بس میں بیٹھ کر طے کی۔ یہ ہوٹل شاندار محل معلوم ہوتا تھا۔

ماریا نے بڑے کمرے میں آ کر دیکھا کہ پندرہ نمبر کمرہ کہاں ہے؟

یہ کمرہ پہلی منزل پر ہی تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کمرہ خالی بھی ہے یا نہیں۔ خالی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کیونکہ جنگ کی وجہ سے لوگ ادھر ادھر کے ملکوں سے آ کر وہاں رہ رہے تھے۔ ماریا کمرہ نمبر پندرہ کے دروازے پر آ کر رک گئی۔

یہ ایک اونچا دروازہ تھا جو بند تھا، باہر تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "پریشان نہ کریں"۔ اس کا مطلب تھا کہ اندر کوئی کاروباری شخص آرام کر رہا

ہے۔

لیکن ماریا کو تو اسی کمرے میں رہنا تھا کیونکہ عنبر شائد دوسرے روز وہاں آئے۔ کیونکہ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا اتنی جلدی شہر میں پہنچ جائے گی۔

ماریا نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا ماریا نے دوسری، تیسری اور چوتھی بار دستک دی۔

اندر سے کسی نے جھنجھلا کر دروازہ کھولا اور باہر منہ نکال کر کہا۔

"کون بدتمیز ہے؟"۔

باہر کوئی نہیں تھا، وہ دروازہ بند کرنے لگا ہی تھا کہ ماریا اندر داخل ہو گئی۔ یہ ادھیڑ عمر کا چھوٹی چھوٹی

آنکھوں اور سخت چہرے والا آدمی تھا جس نے سر پر تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔

وہ بڑبڑاتا ہوا دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔

کمرے کا ڈرائینگ روم خوب سجا ہوا تھا۔ چاروں کونوں میں بجلی لیمپ روشن تھے۔

اندر آتے ہی اس شخص نے بجلی لیمپ بجھا دیئے۔ ڈرائینگ روم میں اندھیرا ہو گیا کیونکہ سارے پردے گرے ہوئے تھے۔ صرف کونے میں ایک ویسی ہی موم بتی جل رہی تھی۔

ماریا نے خیال کیا کہ شاید یہ شخص کاروباری ہے جو کاروباری مصروفیات سے تھک ہار کر یہاں آرام

کرنے آیا ہے اور خواب گاہ میں سو رہا تھا۔

وہ آدمی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ ماریا اس کی طرف دھیان دینے کی بجائے ایک صوفے پر لیٹ گئی۔ اور آرام کرنے لگی۔

اس نے سوچا کہ وہ اسی جگہ رات بسر کر لیا کرے گی۔ شاید کل کسی وقت عنبر اس کی تلاش میں وہاں آ جائے۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر وہاں سے چل دے گی۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ آدمی اندر جا کر سو گیا تھا۔ لیکن نہیں۔۔۔ اچانک ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے خواب گاہ سے کسی کے ہولے

ہوئے سسکیاں بھرنے کی آواز آ رہی ہے۔

وہ چونکی ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئی آواز کسی لڑکی کی تھی۔ ماریا جلدی سے صوفے پر سے اٹھی اور خواب گاہ کے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔

آواز بند ہو گئی تھی، ماریا واپس صوفے پر جانے لگی تو آواز پھر آنا شروع ہو گئی۔

یہ لڑکی کون ہے؟۔

یہ آدمی کون ہے؟۔

حالات پر اسرار ہو رہے تھے۔ پھر کسی لڑکی نے روتے ہوئے کسی سے کچھ کہا، ماریا پوری طرح جملہ سمجھ نہ سکی، اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا۔

خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا، اب رونے کی آواز مسلسل آنے لگی تھی، پھر اچانک جیسے کسی نے زور سے لڑکی کو تھپڑ مارا۔

لڑکی کی ایک دبی سی چیخ نکلی اور پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے لڑکی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔

اب ماریا سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے بے اختیار ہو کر دروازے پر دستکیں دینا شروع کر دیں۔

ایکدم سے اندر خاموشی چھا گئی۔

کسی کرسی کے گرنے اور پھر اسے سیدھا کر کے رکھنے کی آواز آئی، کسی نے جلدی سے دروازہ کھول کر

قیدیوں کا فرار (عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 64

حیران ہو کر باہر دیکھا۔

"کون ہے؟ کون۔۔۔ کون۔۔۔؟"

وہی ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بند ہے، پھر خواب گاہ کے دروازے پر یہ کون آ کر دستک دے رہا تھا۔

اس نے جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا اور ایک ایک قدم دیوار کے ساتھ چلنے لگا۔ باہر آ کر اس نے خواب گاہ کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا تھا۔

ماریا اسے غور سے دیکھتی رہی اس نے دیوار والا بٹن دبا کر چھت کی بتیاں روشن کر دیں، کمرہ روشن ہو گیا۔ وہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ادھیڑ عمر آدمی کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

اس نے دستک کی آوازیں خود سنی تھیں۔ یہ کون تھا؟ اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون ہے۔۔۔؟"

ماریا خاموش رہی اور اس کی طرف غور سے دیکھتی رہی کچھ دیر پریشانی سے دیوار کے ساتھ کھڑے رہنے اور ڈرائنگ روم تک نگاہیں بار بار دوڑانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ خواب گاہ کی طرف آیا سوراخ میں چابی گھما کر اس نے دروازہ کھولا اور اس سے پہلے کہ موقع

دیکھ کر ماریا اندر داخل ہو، اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔

ماریا ایک بار پھر باہر رہ گئی۔

اس نے سوچا شاید یہ اس کا وہم تھا، اندر سے کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ دوبارہ صوفے پر آ کر لیٹ گئی۔

اتنے میں ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، خواب گاہ کا دروازہ کھلا وہ آدمی باہر آیا وہ شب خوابی کے لباس میں تھا، اس نے آہستہ سے فون اٹھایا اور بولا۔

"ہیلو!"

دوسری طرف سے کوئی ہولے ہولے بات کر رہا تھا۔ یہ آدمی ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا پھر بولا۔

"گھبراؤ نہیں، میں آ رہا ہوں، تم یہاں سے نہ جانا"۔

اس کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا، کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا، پھر تیزی سے خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ باہر آیا تو اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ خواب گاہ کو تالا لگا کر وہ ڈرائنگ روم میں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر سے اس نے کمرے کو تالا لگا دیا تھا۔

ماریا وہاں اکیلی تھی۔ لڑکی کے رونے کی آواز کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہوا تھا۔ ماریا ایک بار پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی وہ یہ معمہ حل کرنا چاہتی تھی۔ اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ اس نے اندر سے کسی کے رونے کی آواز سنی ہے۔

وہ خواب گاہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دو تین بار دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔

ماریا نے ہینڈل کو پوری قوت کے ساتھ گھما دیا۔ تالا ٹوٹ گیا۔ دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ ماریا نے دیکھا اندر بڑی ہی ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔

ایک شاندار بستر لگا تھا جس پر ریشمی پردہ گرا ہوا تھا۔ پلنگ کے قریب ہی قالین پر ایک ریشمی کمبل گرا پڑا تھا۔

ماریا نے دیکھا کہ بستر پر ایک عورت سرخ کمبل اوڑھے سو رہی ہے۔ ماریا دبے پاؤں چلتی پلنگ کے قریب آ گئی۔

چھت میں دھیما بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں ماریا نے ایک خوب صورت لڑکی کو سوتے ہوئے دیکھا جس کے سنہری بال اس کے شانوں پر گرے ہوئے تھے۔

وہ سچ مچ جنت کی کوئی پری لگ رہی تھی۔ ماریا نے

سوچا کہ اسے جگا کر پوچھنا چاہیے کہ یہاں رو کون رہا تھا۔ وہ پلنگ پر جھک گئی۔

اچانک اس کا دل زور سے دھڑکا۔ ریشمی بالوں والی لڑکی کا سانس بند تھا۔ اس نے لڑکی کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بند تھی۔

لڑکی مر چکی تھی۔

ماریا دھک سے رہ گئی۔ کیا اس آدمی نے اسے قتل کیا ہے؟۔

وہ خاموشی سے خواب گاہ سے باہر آ گئی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ ماریا سوچنے لگی کہ وہ فون سنے یا نہ؟۔

گھنٹی بار بار بج رہی تھی۔ غیر ارادی طور پر ماریا نے ریسیور اٹھا کر کان کے ساتھ لگا لیا۔ دوسری طرف سے کوئی آدمی بڑی جلدی میں بول رہا تھا اسے اتنی جلدی تھی کہ اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون فون سن رہا ہے۔

"ہیلو! مسٹر میکڈف! ہم آ رہے ہیں"۔

اس کے بعد فون بند ہو گیا۔ ماریا حیران ہوئی کہ یہ کون لوگ تھے جو وہاں آ رہے تھے۔ اس آدمی کا نام میکڈف تھا۔

حالات اور زیادہ پر اسرار ہوتے جا رہے تھے۔ ماریا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ آنے والے

لوگوں کا انتظار کرنے لگی۔

اسے مجبوراً انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ معصوم چہرے والی لڑکی کی موت کے راز پر سے پردہ ضرور اٹھنا چاہیے۔

ماریا کونے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد اس نے دروازے کے تالے میں چابی گھمانے کی آواز سنی۔

پھر دروازہ کھل گیا اور دو پراسرار قسم کے آدمی اندر آ گئے، انہوں نے کالے کوٹ اور کالے ہیٹ پہن رکھے تھے۔

اندر آتے ہی انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ

دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر ٹیبل لیمپ روشن کیا اور ادھر ادھر دیکھ کر آواز دی۔

"میکنڈرف!"

کوئی جواب نہ ملا تو وہ خواب گاہ کا تالا کھول کر اندر چلے گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی گئی۔ پلنگ پر لاش دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے لگے۔

ایک بولا۔

"اب ہم ارب پتی بن گئے ہیں۔ ہمارے راستے کی یہی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ مبارک ہو"۔

دوسرے نے کہا۔

"مبارک ہو۔۔۔ مسٹر میکڈف کے دس ہزار پاؤنڈ تو ضرور دیے ہوں گے"۔

پہلا ہنسا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ یہاں دوسری لاش مسٹر میکڈف کی ہو گی"۔

اور وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ ماریا سمجھ گئی کہ ان لوگوں نے سنہری بالوں والی لڑکی کو قتل کروانے کے لیے مسٹر کے لیے مسٹر میکڈف کی خدمات اجرت پر حاصل کی تھیں اور اب اسے بھی قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

ماریا خاموش تماشائی بنی یہ کھیل دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں باہر سے مسٹر میکڈف کی آواز سنائی دی۔

"ڈونلڈ! کیا تم ہو؟"۔

"ہاں میکڈف! اندر آ جاؤ"۔

☆ ڈلپاٹن ہوٹل میں خون کس کا ہوا تھا؟۔

☆ عنبر نے ماریا سے کہاں ملاقات کی؟۔

☆ ناگ رنگون میں کن حالات میں زندگی بسر کر رہا تھا؟۔

یہ آپ اس ناول کی 65ویں قسط میں پڑھیے۔

سانپوں کا پٹارا

(عنبر ناگ ماریا نمبر 65)

اے حمید

فہرست

سانپوں کا کلب
مرتبان کا سرخ سانپ
جاپانیوں کی قید میں
سرخ چھتری والا مکان
طوفانی سمندر
سانپوں کا پٹارا

پیارے بچو!

عنبر اور ماریا فرار ہونے والے قیدیوں کو رہا کرا چکے تھے۔ عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ شہر کے سب سے اعلی ہوٹل کے کمرہ نمبر 15 میں ملے گا۔ ماریا کمرے میں پہنچی تو کمرے میں سنہری بالوں والی لڑکی کی لاش پڑی تھی۔

یہاں ماریا ایک عجیب جال میں پھنس جاتی ہے۔

عنبر بھی وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہ بھی کچھ لوگوں کی خطرناک سازش کا شکار ہو جاتا ہے۔

آخر وہ بڑے عجیب و غریب حالات سے نکل کر ناگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ناگ رنگون میں جاپانیوں کے قابو میں آ جاتا ہے۔

جیل میں ایک سوداگر سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ ناگ اپنی جان پر کھیل کر اس سوداگر کی بیوی اور بچوں کی قید سے نکال کر شہر سے دور ایک جنگل میں سرخ چھتری والے مکان میں جا کر چھپا دیتا ہے۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیں گے۔

سانپوں کا کلب

کمرے کا دروازہ کھلا اور میکڈف اندر آ گیا۔

ماریا نے دیکھا کہ وہ ایک ادھیڑ عمر کا پراسرار شکل والا آدمی تھا۔

ڈونلڈ اور اس کا ساتھی صوفے پر بیٹھے سگار پی رہے تھے۔ میکڈف نے آتے ہی ٹوپی اتار کر میز پر رکھی اور پوچھا۔

"کیا تم لوگوں نے میرا کام کر دیا؟"۔

ڈونلڈ نے کہا۔

"مسٹر میکڈف! اندر جا کر لاش دیکھ لیں۔"

میکڈف اندر گیا پھر باہر آ کر بولا۔

"شاباش!"

ڈونلڈ نے کہا۔

"لاؤ اب ہماری رقم حوالے کر دو"۔

میکڈف نے جیب سے لفافہ نکال کر ان کے سامنے پھینک دیا۔

"گن لو! پورے دس ہزار پونڈ کے نوٹ ہیں"۔

ڈونلڈ اور اس کے ساتھی نے پورے نوٹ گن کر جیب میں رکھ لیے۔ پھر اچانک ڈونلڈ نے جیب سے ریوالور نکال کر کہا۔

"مسٹر میکڈف! تم اپنے جرم کا کوئی بھی ثبوت باقی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اس لیے مرنے کے واسطے تیار ہو جاؤ"۔

میکڈف کا رنگ زرد ہو گیا۔ ماریا یہ سارا تماشا خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

وہ میکڈف جیسے ظالم انسان کی مدد نہیں کرنا چاہتی تھی جس نے دولت کی خاطر ایک خوب صورت سنہری بالوں والی بے گناہ لڑکی کو قتل کروا دیا۔

میکڈف نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں دس ہزار پونڈ اور دے دوں گا"۔

ڈونلڈ کا ساتھی ہنسا۔

"ہا ہا ہا۔ ہم وہ بھی تم سے چھین لیں گے مگر تمہیں زندہ چھوڑنا ہماری کتاب میں نہیں لکھا ہے"۔

ڈونلڈ نے ریوالور پر سائیلنسر لگا رکھا تھا جس کی وجہ سے گولی چلنے کا دھماکا نہیں ہوتا بلکہ ہلکی سی ٹھک کر کی آواز سنائی دیتی ہے۔

میکڈف کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ اس نے اچانک جھک کر میز پر سے ایش ٹرے اٹھا کر ڈونلڈ پر دے ماری۔

ڈونلڈ ایک دم پیچھے ہٹ گیا اور جونہی میکڈف نے باہر بھاگنے کی کوشش کی، ڈونلڈ نے اس پر پستول کا فائر کر دیا۔

گولی سیدھی میکڈف کی پیٹھ پر لگی اور اس کے دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ڈونلڈ اور اس کے ساتھی نے میکڈف کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

اس کی جیب سے مزید دو ایک ہزار پونڈ نکلے جو انہوں نے جلدی سے اپنی اپنی جیبوں میں ٹھونس لیے۔

ڈونلڈ بولا۔

‘‘اب ہمیں جلدی سے یہاں بھاگ جانا چاہیے’’۔

‘‘ہاں جلدی کرو’’۔

‘‘اس دوران ماریا نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ ڈونلڈ نے دروازہ بند دیکھا تو تعجب سے بولا۔’’

‘‘دروازے کی کنڈی کس نے لگا دی؟’’۔

ماریا نے کہا۔

‘‘میں نے’’۔

اچانک کمرے میں کسی عورت کی آواز سن کر وہ بھونچکے ہو کر رہ گئے۔

‘‘ک۔ ک۔ کون ہو تم؟’’۔

دونوں چکرا گئے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

ماریا نے کہا۔

‘‘میں اس عورت کی روح ہوں جس کو تم نے قتل کیا ہے’’۔

ڈونلڈ کو پسینہ آ گیا۔

ہکلاتے ہوئے بولا۔

‘‘تم کیا چاہتی ہو؟’’۔

‘‘تم دونوں سے اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتی ہوں’’۔

‘‘لیکن۔۔۔’’

"تم بھاگ نہیں سکتے۔ میں روح ہوں۔ تمہیں ہر جگہ اپنے قابو میں کر سکتی ہوں"۔

ڈولنڈ نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بھاگے۔

دروازے کی چٹخنی لگی تھی۔ انہوں نے کھولنے کی کوشش کی مگر ماریا نے پیچھے سے پستول کے دو فائر کر دیئے۔

جوان کی کھوپڑیوں میں لگے اور دونوں پرانے درخت کی طرح دھم سے فرش پر گر پڑے۔

ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے اندر جھانک کر

لاشیں دیکھیں تو سر کھجلانے لگا۔

پھر آہستہ سے بولا۔

"ماریا؟"۔

"عنبر"۔

ماریا بولی۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، تین لاشیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

ماریا کہنے لگی۔

"ایک لاش اندر بھی ہے"۔

"مگر یہ سب کچھ کیا ہے؟"۔

"یہ پھر بتاؤں گی، ابھی تو یہاں سے نکل چلو"۔

دونوں ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر لابی میں آ گئے اور پھر باہر فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

اتنی ڈھیر ساری رقم ہمارے پاس آ گئی ہے کہ اب ہم کئی سال بڑے آرام سے گذار سکتے ہیں۔

ماریا بولی۔

"اس کی مدد سے ہم اپنے بھائی ناگ کو بڑی آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں"۔

"کاش وہ ہمیں مل جاتا، خدا جانے اس وقت کہاں ہوگا"۔

"میرا خیال ہے، وہ اس ملک میں نہیں ہے"۔

ماریا نے کہا۔

عنبر بولا۔

"نہیں، میرا دل کہتا ہے کہ وہ ہمیں اسی جگہ ملے گا، ہمیں اسی شہر میں رہنا ہوگا"۔

"یعنی سوئٹزرلینڈ میں؟"۔

"ہاں! یہ جگہ امن کی جگہ ہے۔ جنگ اس ملک میں نہیں آئی۔ لوگ یہاں سلامتی سے رہ رہے ہیں۔ نہ جنگ کے دھماکے سنے ہیں اور نہ بلیک آؤٹ"۔

"لیکن ہم کہاں رہیں گے؟"۔

"کسی ہوٹل میں اور کہاں؟"۔

"قیدیوں کے ساتھ کیا بنی؟"۔

"وہ اپنے اپنے شہروں کو روانہ کر دیے گئے ہیں"۔

اتنے میں ایک ٹیکسی آ کر ان کے قریب رک گئی۔

عنبر نے کہا۔

"ریلوے اسٹیشن لے چلو"۔

دونوں ٹیکسی میں سوار ہو کر ریلوے اسٹیشن آ گئے۔

ماریا نے کہا۔

"تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"جیکب نے کہا تھا کہ نیلی جھیل والے شہر میں ایک کلب ہے جہاں لوگ سانپوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں ہماری ملاقات ناگ سے ہو جائے، اس لیے میں نیلی جھیل والے شہر کو جانا چاہتا ہوں"۔

اس شہر کا نام بلیو لیک تھا۔ عنبر نے بلیو لیک کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا۔ ماریا اس کے ساتھ تھی۔ پلیٹ فارم پر خوب رونق تھی۔

اتنے میں گاڑی آ گئی۔ عنبر ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ سوار ہو گئی۔ زیادہ رش نہیں تھی۔

ٹرین اپنی منزل کو روانہ ہو گئی۔ ایسی خوبصورت

ٹرین عنبر اور ماریہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ چاروں طرف شیشے ہی شیشے لگے تھے۔ شام سے کچھ دیر پہلے ٹرین بلیو ایک پہنچ گئی۔

عنبر ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گیا۔

”یہاں پوچھنا چاہیے کہ سانپوں کا کلب کہاں پر ہے“۔

”ہاں۔ میرا خیال ہے، ریلوے اسٹیشن پر ہی کسی سے پوچھ لو“۔

”نہیں، یہ ٹیکسی والا ٹھیک رہے گا“۔

ایک ٹیکسی قریب آ کر رکی تو عنبر نے جھک کر اس نے پوچھا۔

”کیوں بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سانپوں کا کلب کہاں پر ہے؟“۔

ٹیکسی والے نے گھور کر عنبر کو دیکھا اور بولا۔

”آپ کے پاس سانپ تو نہیں ہیں نہ؟“۔

”بالکل نہیں۔ ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔ ہم تو وہاں اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہے ہیں۔ ہمارا سانپوں سے کوئی تعلق نہیں ہے“۔

”تو پھر اندر بیٹھ جائیں۔ میں آپ کو سانپوں والے کلب میں چھوڑ آتا ہوں“۔

عنبر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کر دیا۔ ماریہ باہر ہی کھڑی رہ گئی۔ ڈرائیور گاڑی چلانے

لگا تو عنبر نے کہا۔

"ذرا روکنا یار"۔

"کیوں جناب! کیا بات ہے؟"۔

"ذرا ایک منٹ میں سامنے والی دکان سے سگریٹ لے لوں"۔

عنبر نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ ڈرائیور نے ہاتھ پیچھے لے جا کر دروازہ بند کر دیا۔ لیکن اتنے عرصے میں ماریا ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

عنبر بھی جلدی سے واپس آ گیا۔ ٹیکسی سانپوں کے کلب کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ شہر ایک قصبہ سا تھا۔ اچھا خاصا قصبہ۔

چاروں طرف پہاڑ تھے۔ جن پر برف جمی تھی۔ مکان لکڑی کے تکونی چھتوں والے تھے اور بڑے صاف ستھرے اور خوبصورت تھے۔

ٹیکسی قصبے سے باہر ایک جنگل کے کنارے جھیل کے پاس جا کر رک گئی۔

لیجئے جناب! وہ سامنے رہا سانپوں کا کلب"۔

عنبر نے دیکھا۔

درختوں میں سے ایک زرد رنگ کی ایک منزلہ عمارت نظر آ رہی تھی۔ دونوں ٹیکسی سے اتر پڑے۔ جنگل میں سے ایک پتلا سا راستہ اس زرد عمارت کو چلا گیا تھا۔

دونوں اس راستے پر چل پڑے۔ عمارت کا دروازہ کافی پرانا تھا۔ دروازے پر ناگ کی شکل بنی تھی۔

وہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ عنبر نے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ کچھ دیر بعد ایک گنجے موٹی گردن والا بھینسا نما آدمی دروازہ کھول کر بولا۔

''کیا بات ہے؟''۔

عنبر نے کہا۔

''مجھے اپنے دوست جیکب سے ملنا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں سے میرا پتہ کر لینا''۔

گنجے نے بڑے غور سے عنبر کو سر سے پاؤں تک

دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک سی پیدا ہوئی۔

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور گہری نگاہوں سے بولا۔

''اندر آ جاؤ نوجوان! مسٹر جیکب ذرا شہر تک گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائیں گے''۔

عنبر نے گردن پر ہاتھ پھیر کر پیچھے دیکھا جیسے ماریا سے مشورہ طلب کر رہا ہو۔ ماریا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا اندر کو دھکیلا جیسے کہہ رہی ہو۔

''ٹھیک ہے تم اندر تو چلو''۔

عنبر گنجے آدمی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ گنجا اسے

لے کر ایک برآمدے سے گزر کر چھوٹے سے ہال کمرے میں سے گزرتا ہوا ایک جھکی ہوئی چھت کی سیڑھیوں پر آ کر بولا۔

"مسٹر جیکب کا کمرہ نیچے ہے۔ میرا خیال ہے، آپ اس کے کمرہ میں چل کر آرام کریں"۔

گنجے سیڑھیاں اترنے لگا۔ عنبر اور ماریا اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ نیچے ایک دروازہ آ گیا جس کا گیٹ چھوٹا سا تھا مگر لوہے کا تھا۔

گنجے نے کہا۔

"تشریف لائیے"۔

گیٹ کی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھول کر وہ اندر

چلے گئے۔ اندر ایک مختصر سا کمرہ تھا۔ کونے میں نرم بستر والا پلنگ لگا تھا۔

تپائی اور دو کرسیاں ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف منہ ہاتھ دھونے کا بیسن لگا تھا۔

"آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لیے کچھ کافی اور کھانے کو بھجواتا ہوں۔ آپ سفر کر کے آ رہے ہیں۔ آپ کو ضرور بھوک لگی ہو گی"۔

"شکریہ۔ شکریہ۔"

ماریا نے عنبر کے کان میں کہا۔

"مجھے کچھ خطرہ معلوم ہو رہا ہے"۔

عنبر نے سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو۔ کوئی پروا نہیں۔

ہمیں ناگ کو بھی تو تلاش کرنا ہے۔ گنجا چلا گیا۔ اس نے باہر جاتے ہی لوہے کا دروازہ بند کر کے باہر سے چٹخنی لگا دی۔ اب عنبر کو بھی احساس ہوا کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے۔

ماریہ نے کہا۔

”دیکھا، میں نہ کہتی تھی کہ یہاں خطرہ ہے۔ یہ شخص مجھے کوئی عیار آدمی لگ رہا ہے۔ ضرور اس نے تمہیں پھانسنے کی کوشش کی ہے“۔

عنبر بولا۔

”اور میرا خیال ہے کہ ہم پھنس بھی گئے ہیں، کیوں کہ جہاں تک اس دروازے کا تعلق ہے یہ اتنا

مضبوط ہے کہ شاید اسے ہم دونوں مل کر بھی نہیں کھول سکیں گے“۔

ماریہ ہنس دی۔

”اگر تم کہو تو میں ایک ہاتھ سے ابھی اس دروازے کو اکھاڑ کر پھینک دیتی ہوں“۔

”نہیں“۔

عنبر بولا۔

”ہمیں یہاں رہ کر معلوم کرنا چاہیے کہ اس کلب کا راز کیا ہے اور یہ لوگ یہاں بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کس مقصد کے لیے یہ کلب کھول رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے ہمیں ناگ کا بھی یہاں سے کچھ سراغ مل

جائے"۔

"جیسے تمہاری مرضی! ورنہ میں تو ابھی اس دروازے کو اکھاڑ کر پرے پھینک دوں"۔

"نہیں ماریا بہن! اتنا غصہ نہ کرو"۔

دونوں ہنس دیے۔ انہوں نے اٹھ کر کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف کونے میں چھوٹی سی میز پر شیشے کا ایک پیالہ پڑا تھا۔ جس میں دودھ تھا۔

ماریا بولی۔

"ضرور یہ دودھ سانپوں کو پلانے کے لیے رکھا ہوا ہے"۔

عنبر بولا۔

"مگر مجھے تو یہاں کوئی سانپ دکھائی نہیں دیتا"۔

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ گیٹ میں ایک چھوٹا سا سوراخ کھلا۔ کسی نے باہر سے اس کا ڈھکنا الگ کر دیا تھا۔

پھر اس گنجے آدمی کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہ ایک مکروہ قہقہہ لگانے کے بعد سانپ جیسی تیز آواز میں بولا۔

"اگر تمہاری زندگی کی کوئی آخری خواہش ہو تو مجھے بتا دو، وہ پوری کر دی جائے گی"۔

عنبر نے پوچھا۔

"میری زندگی کی آخری خواہش کیوں پوچھی جا

رہی ہے؟"۔

گنجا بولا۔

اس لیے کہ یہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ آج رات تمہارے کمرے میں ایک سانپ آئے گا جو تمہیں ڈس کر تمہاری آنکھوں کو نکال کر کھا جائے گا۔ وہ ہمارے ملک کا سب سے مقدس سانپ ہے اور انسانی آنکھیں اس کی پسندیدہ غذا ہے۔

ہم ہر دوسرے روز کسی نہ کسی انسان کو پھانس کر یہاں لے آتے ہیں اور اسے اپنے مقدس سانپ کے آگے ڈال دیتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم اپنے آپ ہمارے پاس آ گئے۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن جیکب کہاں ہے؟"۔

گنجا بولا۔

"ہم کسی جیکب نام کے آدمی کو نہیں جانتے۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں کھا دیا جائے گا۔ ہاں، تمہاری زندگی کی کوئی آخری خواہش ہو تو بیان کرو"۔

عنبر اور ماریہ دونوں حیران تھے کہ اتنے مہذب ملک میں یہ آدم خور قسم کے وحشی کہاں سے آ گئے؟۔

اس قسم کے وحشی انہوں نے آج سے سینکڑوں برس پہلے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھے تھے۔ لیکن

چونکہ وہ خود اس کلب کے اسرار پردہ اٹھانا چاہتے تھے، اس لیے خاموشی سے سارا تماشا دیکھتے رہے۔

عنبر نے کہا۔

''میری آخری خواہش کوئی نہیں ہے، تم نے جو کرنا ہے کرو۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ تم لوگوں کا انجام قریب آ گیا ہے''۔

گنجے نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

''بکواس بند کرو''۔

اور اس نے زور سے سوراخ کا ڈھکنا پھر سے بند کر دیا۔

عنبر نے کہا۔

''ماریا! تم سچ کہہ رہی تھیں۔ یہ تو آدم خور وحشی ہیں۔ خدا جانے یہ اب تک کتنے بے گناہوں کو سانپوں سے ڈسوا کر مروا چکے ہیں اور ان کی آنکھیں سانپوں کو کھلا چکے ہیں''۔

ماریا نے کہا۔

''ان سے بدلہ لینا چاہیے۔ ان کو اپنے ظلم کی سزا ملنی چاہیے۔ یہ ظالم ہیں، قاتل ہیں''۔

عنبر نے کہا۔

''ان کا ختم کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر انہیں زندہ رہنے دیا گیا تو نہ جانے یہ کتنے بے گناہوں کو ابھی اور قتل کریں گے''۔

"یہاں کتنے سانپ ہوں گے؟"۔

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا"۔

عنبر رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑے عرصے بعد دیواروں کے روشندان میں سے کھانے کا پیکٹ اندر پھینک دیا گیا۔

عنبر اور ماریا نے مل کر خشک گوشت اور ڈبل روٹی کھائی اور اب رات کا انتظار کرنے لگے۔

مرتبان کا سرخ سانپ

ٹھیک رات کے بارہ بجے تو گیٹ کا وہی سوراخ کھلا۔

کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ باہر سے کسی نے اندر ایک ریشمی جراب پھینک دی۔ جراب زمین پر گری تو اس میں سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل کر فرش پر رینگنے لگا۔

یہ سانپ کوئی دو فٹ لمبا ہوگا۔ اور اس نے گرتے

ہی اپنا پھن اٹھا لیا تھا۔ اس کے سر پر کیسری رنگ کی دھاریاں تھیں۔

ماریا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ سانپ نے جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی، ادھر منہ کر لیا۔ سامنے عنبر کرسی پر بیٹھا تھا۔

سانپ نے عنبر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ عنبر نے ماریا سے کہا۔

”ماریا! پلنگ پر چڑھ جاؤ، کیوں کہ تمہیں خطرہ ہے۔ یہ مجھے کچھ نہیں کہے گا لیکن میں کلب والوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ سانپ نے مجھے ڈس دیا ہے“۔

”ٹھیک ہے عنبر بھائی“۔

ماریا پلنگ پر چڑھ گئی۔ عنبر نے سانپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

دروازے کے سوراخ پر دو تین آدمی بڑے شوق سے اندر دیکھ رہے تھے۔

اسے گنجے کی آواز سنائی دی۔

”تم اس مقدس سانپ سے بچ نہ سکو گے۔ کہاں تک پیچھے ہٹتے جاؤ گے؟ ہاہاہا“۔

سانپ کنڈلی مار کر رینگتا کھسکتا ہوا عنبر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ سانپ اس کے بالکل قریب آ کر اپنی لال لال زبان بار بار

باہر نکالنے لگا۔

عنبر نے پاؤں اس کی طرف بڑھایا۔ سانپ نے اچھل کر منہ مارا۔ عنبر نے ٹانگ پیچھے کھینچ لی۔ سانپ ذرا آگے بڑھے عنبر نے اس پر ہاتھ مارا۔

سانپ نے اس کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ عنبر کے ہاتھ پر زخم ہو گیا۔ زہر بھی اس کے جسم میں چلا گیا مگر بھلا عنبر کا زہر کیا بگاڑ سکتا تھا؟۔

اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ لیکن اس نے ایسے اداکاری کی جیسے سانپ نے اسے ڈس دیا ہے اور وہ سخت تکلیف میں ہے۔

وہ تڑپنے لگا۔ سانپ اس کی آنکھوں کی طرف

آیا۔ عنبر بے سدھ ہو کر لیٹا تھا اور یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے مر گیا ہو۔

سانپ نے اس کی آنکھ پر اپنا منہ زور سے مارا اور چاہا کہ دانتوں سے اس کی آنکھیں نکال کر ہضم کر جائے۔

لیکن سانپ کا منہ گویا کسی پتھر سے ٹکرا کر چپٹ گیا۔ سانپ چکرا گیا۔ اس نے دو تین بار عنبر کی آنکھوں پر اپنی تھوتھنی ماری اور ہر بار وہ گویا کسی پتھر سے ٹکرا کر زخمی ہو گئی۔

باہر سے دیکھنے والوں کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے سانپ عنبر کی آنکھوں کو نکال کر کھا رہا ہے۔ وہ بڑے

خوش ہو رہے تھے۔

ماریا نے کہا۔

"اس موذی کو ہلاک کر دو عنبر! کیا میں اسے مار ڈالوں؟"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں ماریا! ابھی اس نے گنجے کو شکار کرنا ہے۔ تم دیکھتی رہو کہ کیا ہوتا ہے"۔

باہر والوں نے جب دیکھا کہ عنبر مر گیا ہے۔ اور مقدس سانپ نے اس کی دونوں آنکھیں نکال کر ہڑپ کر لی ہیں تو انہوں نے کمرے کا دھتی دروازہ کھول دیا۔

گنجے کے ساتھ اب ایک حبشی قسم کا پہلوان بھی تھا۔ ایک لمبی ناک والی سوکھی سی عورت بھی تھی۔ تینوں ایک ایک قدم اٹھاتے کمرے میں آ گئے۔

انہوں نے سب سے پہلے سانپ کو ایک تھیلے میں ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔ عورت نے تھیلے کھولا اور گنجا دودھ کا پیالہ تپائی پر سے اٹھا کر سانپ کے سامنے آ گیا۔

اب جو اس نے دیکھا کہ مرے ہوئے نوجوان کی آنکھیں بالکل صحیح سلامت ہیں تو اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

وہ چلایا۔

عورت نے کہا۔

"مقدس سانپ کے منہ سے خون بہہ رہا ہے"۔

انہوں نے دیکھا کہ واقعی سانپ کا منہ زخمی تھا اور وہ پھن پھیلا کر بڑی تکلیف سے جھوم رہا تھا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"۔

عورت بولی۔

"یہ آدمی کون ہے؟"۔

عنبر آنکھیں کھول کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کہنے لگا۔

"میں کون ہوں؟ یہ ابھی معلوم ہو جائے گا"۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ آگے بڑھا سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ سانپ نے سب کے سامنے ایک بار پھر عنبر کی کلائی پر ڈس دیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے کہ اب عنبر کو بچنا محال ہے۔ سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ جس کو بھی یہ ڈستا تھا، وہ ایک منٹ کے اندر اندر ہلاک ہو جاتا تھا۔

عنبر نے سانپ کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا۔ سانپ کا پھن سکڑ گیا تھا۔ اور وہ عنبر کی گرفت میں بے بس معلوم ہو رہا تھا۔

عنبر نے اس کی تھوتھنی اپنی انگلیوں میں دبا رکھی تھی اور پھر اچانک عنبر نے سانپ کو گنجے کی طرف اچھال

دیا۔ وہاں ایک افراتفری مچ گئی۔

گنجہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے کو گرا۔ سانپ اس کے اوپر سے ہو کر پیچھے کھڑے اس کے ساتھی کی گردن پر لگا۔

سانپ پہلے ہی زخمی اور غضب ناک ہو رہا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر اس آدمی کی گردن پر ڈس لیا۔ وہ آدمی چیخ مار کر گرا اور تڑپتے تڑپتے مر گیا۔

سانپ پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ اب اس کا رخ عورت کی طرف تھا۔ عورت پیچھے ہٹ کر بھاگنے ہی لگی تھی کہ سانپ نے اچھل کر عورت کی ٹانگ پر ڈس دیا۔

اب عورت کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ بھی فرش پر گری اور گرتے ہی دم توڑ گئی۔ گنجا اپنی جگہ پر تھر تھر کانپ رہا تھا۔

عنبر اپنی جگہ سے اٹھا۔ سانپ اس کے پاس آیا۔ سانپ کے اندر اب ڈسنے کی سکت نہیں تھی۔ عنبر نے سانپ کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے کچل دیا۔

گنجے کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور وہ لرزتے ہوئے بولا۔

"تم نے مقدس سانپ کو ہلاک کر دیا"۔

عنبر نے گنجے کو گردن سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور اب میں تمہیں ہلاک کرنے والا ہوں"۔

گنجا ہاتھ باندھ کر گڑگڑایا۔

"خدا کے لیے مجھے کچھ نہ کہو، میں بے گناہ ہوں"۔

عنبر بولا۔

"تم بے گناہ کیسے ہو سکتا ہوں۔ تم جانے اب تک کتنے آدمیوں کو اس سانپ سے ڈسوا کر ان کی آنکھیں کھلا چکے ہو"۔

گنجا بولا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ جو مجھے ہمارا مالک کہتا ہے، وہی کرتا ہوں"۔

"تمہارا مالک کہاں ہے؟"۔

"وہ عظیم سپیرا ہے۔ ہم اسے دیوتا کہتے ہیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تمہاری لاش کا انتظار کر رہا ہے۔ کیونکہ جب سانپ لاش کی آنکھیں کھا جاتا ہے تو ہم لاش کو اٹھا کر اپنے عظیم دیوتا کے پاس لے جاتے ہیں"۔

"وہ لاش کو لے کر کیا کرتا ہے؟"۔

"وہ لاش کے ٹکڑے کر کے اسے دوسرے سانپوں کے آگے چارہ بنا کر ڈال دیتا ہے"۔

عنبر کانپ اٹھا۔

"اف! تم لوگ کس قدر سنگ دل ہو، میں تمہیں

کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ مجھ پر سانپ کے زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔"

تمہارے زہریلے سانپ نے مجھے دوبارہ ڈسا تھا مگر مجھ پر کوئی اثر نہ ہو سکا۔ میں اسی طرح زندہ ہوں۔ وہ میری آنکھیں بھی نہیں نکال سکا۔

یہ بات ثابت کرتی ہے کہ میں عظیم دیوتا ہوں اور وہ آدمی عظیم دیوتا نہیں ہے جو اپنے کمرے میں بیٹھا میری لاش کا انتظار کر رہا ہے۔ کیا میں ٹھیک نہیں کہہ رہا؟۔

سنگھے نے کانپتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"تو پھر مجھے اپنے جھوٹے اور قاتل عظیم دیوتا کے کمرے میں لاش بنا کر لے چلو اور خبردار اسے ذرا بھی نہ معلوم ہو کہ میں زندہ ہوں۔ اگر تم نے کوئی ایسی ویسی بات کی تو میں عظیم دیوتا کے ساتھ تمہیں بھی ہلاک کر دوں گا سمجھے؟"۔

"تو پھر اب مجھے لاش کی طرح کندھے پر ڈال لو"۔

سنگھے نے عنبر کو لاش کی مانند اپنے کندھے پر ڈالا اور عظیم دیوتا کے کمرے میں لے گیا۔ عظیم دیوتا ایک

لمبا تڑنگا ریچھ جیسا آدمی تھا۔

جس کے سر پر بالوں کا جنگل اگا ہوا تھا۔ وہ پتھر کی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے میز پر ایک چھری پڑی تھی۔

پاس ہی شیشے کے ایک مرتبان میں سرخ رنگ کا کوئی بڑا ہی خطرناک سانپ بند تھا۔ لاش کا دل نکال کر وہ سب سے پہلے اسی سرخ سانپ کے مرتبان میں ڈالا کرتا تھا۔

اس نے گنجے کو لاش اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو غرایا۔

"باقی لوگ کہاں مر گئے ہیں، تم اکیلے لاش

اٹھائے کیوں آ رہے ہو؟"۔

گنجے کا سانس پھول گیا تھا۔ ویسے بھی وہ ڈرا ہوا تھا۔

کہنے لگا۔

"عظیم دیوتا! انہوں نے ذرا دیر کر دی تھی۔ میں نے سوچا، آپ لاش کا انتظار کر رہے ہوں گے اس لیے اکیلا ہی اسے اٹھا کر لے آیا"۔

عظیم دیوتا غصے میں بولا۔

"رکھ دو اسے میرے آگے۔ میرے سرخ سانپ صبح سے بھوکا ہے۔ میں اسے لاش کا دل نکال کر کھلاؤں گا"۔

گنجے نے ڈرتے ڈرتے عنبر کی لاش عظیم دیوتا کے سامنے جا کر ڈال دی۔ عظیم دیوتا نے لاش کو غور سے دیکھا اور یکدم چیخ اٹھا۔

"اس کی آنکھیں تو ویسی کی ویسی ہیں۔ سانپ نے اس کی آنکھیں کیوں نہیں نوچیں؟"۔

گنجا تھر تھر کانپنے لگا، بولا۔

"حضور! سانپ کا دل بھر گیا تھا شاید۔ اس نے لاش کی آنکھوں کی طرف منہ ہی نہیں کیا۔ میں نے اسے بڑا مجبور کیا مگر اس نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا"۔

"بکتے ہو تم۔ اچھا کوئی خاص بات نہیں۔ اب اس کی آنکھیں میں نکالوں گا اور میرا مرتبان والا سرخ

سانپ سب سے پہلے اس کی لاش کی آنکھیں ہی کھائے گا"۔

گنجا حیران ہو کر دیکھ رہا تھا کہ جانے اب کیا ہو گا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ عظیم دیوتا لاش کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

عظیم دیوتا نے میز پر سے چھری اٹھائی اور عنبر کی آنکھوں میں اس کی نوک چبھو دی۔ وہ یہ دیکھ کر سخت حیران ہو گیا کہ چھری اچٹ گئی جیسے وہ کسی پتھر سے ٹکرائی ہو۔

اب عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے عظیم دیوتا کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

”کوئی بھی قاتل آج تک میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکا۔ تم بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے“۔

عظیم دیوتا ایک طاقت ور انسان تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ پریشان ہو گیا تھا کہ یہ کیسی لاش ہے۔ اس نے حلق سے ایک بھیانک آواز نکالی اور سنجے کو دیکھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا“۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے مرتبان میں ہاتھ ڈال کر

سرخ سانپ باہر نکال لیا اور اسے عظیم دیوتا کے اوپر پھینک دیا۔

سانپ جانے کس وقت کا بھوکا تھا۔ اس نے عظیم دیوتا پر گرتے ہی اس کے ماتھے پر زور سے ڈس لیا۔ ماتھے سے ایک بوٹی ہی نکال لی۔

سرخ سانپ کا زہر بے حد مہلک تھا۔ عظیم دیوتا فرش پر گر پڑا۔ اور اس کا سارا بدن کانپنے لگا۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

”ماریا! تم موجود ہو ناں؟“۔

ماریا نے کہا۔

”میں تمہارے پاس کھڑی ہوں اور یہ سارا تماشہ

دیکھ رہی ہوں۔ میری ضرورت تو نہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں، تمہاری ضرورت بالکل نہیں ہے۔ ہاں ویسے تم اس سرخ سانپ سے ذرا دور ہی رہنا"۔

"فکر نہ کرو۔ میں پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی ہوں"۔

عظیم دیوتا مر چکا تھا۔ گنجا پریشان اپنی جگہ پر لرز رہا تھا۔ سرخ سانپ فرش پر کنڈلی مارے، پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔

عنبر نے ہاتھ آگے بڑھا کر سرخ سانپ کو پکڑنا چاہا تو اس نے اس کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ مگر عنبر پر

چونکہ اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس نے پروانہ کی اور سانپ کو گردن سے پکڑ کر فرش پر رکھا۔ اور پاؤں سے اس کی گردن مسل دی۔ سانپ مر گیا۔

عنبر نے گنجے سے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ باقی سانپ کہاں ہے؟"۔

گنجے نے کہا۔

"عظیم دیوتا! باقی سانپ دوسرے کمرے میں مرتبانوں میں بند ہیں"۔

وہ اس بات پر بھی حیرت زدہ تھا کہ ابھی ابھی عنبر نے ایک عورت سے بات کی تھی اور عورت نے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ مگر عورت اسے دکھائی نہیں دے

رہی تھی۔

وہ عنبر کی عظمت کا قائل ہو گیا تھا اور اسے یقین آ گیا تھا کہ یہ شخص ہی اصل میں عظیم دیوتا ہے۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ کیا تم نے یہاں کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے جس کی آنکھیں سرخ ہیں اور ناک خوبصورت ہے، اس کا نام ناگ ہے"۔

گنجا ہاتھ باندھ کر بولا۔

"عظیم دیوتا! مجھے اپنے ماں باپ کی قسم ہے کہ میں نے یہاں آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ یہاں اور کون کون لوگ ہیں؟"۔

گنجہ بولا۔

"ابھی تھوڑی دیر میں کلب کے باقی لوگ ایک کمرے میں جمع ہوں گے اور سانپ کا رقص کریں گے"۔

"کل کتنے آدمی ہیں؟"۔

"سات آدمی ہیں"۔

"چلو مجھے اس کمرے میں لے چلو"۔

عنبر اور ماریہ گنجے کے ساتھ اس کمرے میں آ گئے جہاں کلب کے دوسرے ممبر ابھی جمع نہیں ہوئے تھے۔

عنبر نے گنجے سے کہا۔

"باقی ممبروں کو بلاؤ"۔

گنجے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"حضور! وہ لوگ آنے ہی والے ہیں"۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور سات آدمی سیاہ کپڑے، سیاہ ٹوپیاں پہنے اندر آ گئے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے لباس بالکل سانپ کی طرح تھے۔

عنبر ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"اے سانپوں کی کلب کے لوگو! غور سے سنو! تمہارا عظیم دیوتا ایک قاتل اور ظالم انسان تھا۔ وہ مر چکا ہے، ساتھ والے کمرے میں اس کی لاش پڑی ہے۔ آج سے میں تمہارا عظیم دیوتا ہوں"۔

اس پر سارے لوگ اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی اپنی جیبوں سے پستول نکال کر عنبر کی طرف تان لیے۔

"گولی سے اڑا دو اس شیطان کو، جس نے ہمارے عظیم دیوتا کو قتل کیا ہے"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"تم اگر اپنے پستولوں کی ساری گولیاں بھی مجھ پر خالی کر دو تو میں زندہ رہوں گا۔ مجھ پر تمہارے ایک بھی گولی اثر نہیں کرے گی۔ یہی اس بات کا ثبوت کیا کم ہے کہ میں تمہارا عظیم دیوتا ہوں۔ چلاؤ

گولیاں؟"۔

"ڈز۔ ڈز۔ ڈز۔ ڈز۔ ڈز۔ ڈز"

یک وقت سارے سیاہ پوش آدمیوں نے اپنے اپنے پستول کی گولیاں چلا دیں۔ ساری گولیاں عنبر کے سینے پر لگیں۔

اور سینے پہ پہ لگ کر نیچے فرش پر گر پڑیں۔ وہ اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

سارے کے سارے آدمی ششدر رہ گئے۔

پستول ان کے ہاتھوں سے فرش پر گر پڑے۔

گنجے نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ یہی عظیم دیوتا ہے"۔

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اب میں تم لوگوں پر اپنی پستول سے فائر کروں گا اور ایک ایک کر کے تم سب کو بھون کر رکھ دوں گا"۔

اتنا سننا تھا کہ ساتوں کے ساتوں آدمی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔

"عظیم دیوتا کو سلام۔ عظیم دیوتا کو سلام"۔

عنبر نے گنجے سے پوچھا۔

"کیا ان لوگوں میں سے کسی نے کسی انسان کو قتل کیا ہے؟"۔

گنجے نے کہا۔

"نہیں حضور! ان میں سے کوئی بھی قاتل نہیں ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"سنو! میں تم لوگوں کو معاف کرتا اور خبردار پھر کبھی اس عمارت کا رخ نہ کرنا۔ کیوں کہ میں اسے جلا کر راکھ کرنے والا ہوں"۔

سارے آدمی وہاں سے دم دبا کر بھاگ گئے۔

عنبر نے گنجے سے کہا۔

"تم بھی بھاگ جاؤ، میں نے تمہیں بھی معاف کیا"۔

گنجا بھی بھاگ گیا۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا اس عمارت سے نکل کر باہر گیٹ پر میرا انتظار کرو"۔

ماریا چلی گئی۔ عنبر نے عمارت کو آگ لگا دی اور خود بھی باہر گیا۔ عمارت شعلوں میں تبدیل ہو گئی۔

عنبر نے گیٹ پر آ کر کہا۔

"ماریا!"

"عنبر!"۔

اور وہ دونوں وہاں سے نکل کر قصبے کے سٹیشن پر آ گئے۔

جاپانیوں کی قید میں

ماریا اور عنبر بڑے شہر برن میں آ کر رہنے لگے۔

انہوں نے شہر سے باہر خوب صورت وادی میں ایک ہوٹل میں کمرہ لے لیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ جنگ کے دنوں میں ان کا شہر شہر مارے مارے پھرتے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ ناگ کی تلاش بہرحال انہوں نے باقاعدہ جاری رکھی ہوئی تھی۔

اب ادھر ناگ کی بھی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

ناگ رنگون شہر کے ایک محلے میں سولی پیگوڈا یعنی شہر کے سب سے بڑے بدھ مندر کے قریب رہ رہا تھا۔

جاپانی برابر آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اب تو دن میں دو دو تین تین بار جاپانی ہوائی جہاز آ کر بم برسا جاتے تھے۔

شہر سے لوگوں نے نکلنا شروع کر دیا تھا۔ اکثر بازار ویران ہو گئے تھے۔ دکانوں اور مارکیٹوں پر

تانے پڑ گئے تھے۔ برما کی حکومت کے لوگ بھی بھاگ گئے تھے۔

ایک روز ناگ صبح کو سو کر اٹھا تو شہر کی بندرگاہ پر زبردست گولہ باری شروع ہو گئی تھی۔ ناگ گھر سے نکل کر بازار میں آیا۔

لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

"کیا بات ہے بھائی؟"۔

ناگ نے ایک آدمی سے پوچھا۔ اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جاپانی جہاز بندرگاہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ بھاگ جاؤ"۔

جاپانی شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ ناگ کا دل چاہا کہ وہ بندرگاہ پر جاپانیوں کے جہازوں کو آتے دیکھے۔

اگرچہ یہ خطرے کی بات تھی، کیونکہ جاپانی بڑے سنگدل تھے اور انہوں نے شہریوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

پہلا جہاز بندرگاہ کے ساتھ لگ چکا تھا اور جاپانی سپاہی شہر کے شمالی علاقے میں گولیاں چلاتے ہوئے لوٹ مار کر رہا تھا۔

ناگ بندرگاہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ بڑے بازار سے گزر کر وہ ایک چھوٹے بازار میں آیا تو سامنے سے

اسے ایک فوجی گاڑی آتی نظر آئی۔

ناگ جلدی سے ایک مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا۔

جاپانی مکانوں پر گولیاں چلا رہے تھے۔ انہوں نے ناگ کو مکان میں چھپتے دیکھ لیا تھا۔ مکان نے مکان کی دوسری منزل میں آکر بازار کی طرف جھانکا تو ٹھائیں سے ایک گولی اس کے قریب سے ہو کر دیوار پر لگی۔

وہ جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ نیچے سیڑھیوں پر جاپانیوں کے قدموں کی آوازیں آئیں۔ ناگ سمجھ گیا کہ جاپانی اسے گرفتار کرنے آگئے ہیں وہ تیزی سے

سانپ بن کر ایک الماری کے پیچھے چھپ گیا۔

جاپانیوں نے جگہ جگہ اسے تلاش کیا۔ جب وہ نہ ملا تو انہوں نے مکان کو باہر سے بند کر کے اس پر پٹرول چھڑکا اور آگ لگا دی۔

پٹرول کی وجہ سے آگ ایک دم بھڑک اٹھی۔

ناگ تیزی سے الماری کے پیچھے سے نکلا اور روشندان میں سے ہو کر دوسرے مکان کی دیوار پر آگیا۔ پھر وہاں سے رینگتا ہوا بازار والی دیوار پر آگیا اور ایک کھڑکی کے پیچھے چھپ گیا۔

جاپانی بازار میں ادھر ادھر گولیاں چلا رہے تھے اور مکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ ناگ وہاں سے کھسک کر

مکانوں مکانوں ہوتا دوسرے بازار میں آ گیا۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔

اس نے انسان کی شکل اختیار کی اور اپنے محلے کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

اپنے علاقے میں آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہاں پر بھی جاپانی فوج پھر رہی ہے اور گلی میں کئی انسانوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔

ناگ گھر جانے کی بجائے مندر میں آ گیا۔ یہاں بھی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ صرف دو تین پجاری گوتم بدھ کی مورتی کے آگے بیٹھے آنکھیں بند کیے تجے ہوئے پوجا کر رہے تھے۔

گوتم بدھ سے دعا مانگ رہے تھے کہ وہ انہیں جاپانی سپاہیوں کی درندگی سے محفوظ رکھے ناگ ان سے ذرا دور ایک کونے میں ہو کر بیٹھ گیا۔

اس وقت ناگ کا خیال عنبر اور ماریا کی طرف چلا گیا۔

خدا جانے وہ کس حال میں ہوں گے؟ کہاں ہوں گے۔ جنگ کی تباہیوں نے انہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوگا۔

وہ انہیں خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی انسان کی چیخ بلند ہوئی۔ ناگ نے اٹھ کر باہر جھانک کر دیکھا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شاید مندر کے پیچھے کسی جاپانی سپاہی نے کسی پجاری کو گولی سے اڑا دیا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر جا کر چپکے سے بیٹھ گیا۔

اتنے میں وہاں تین چار جاپانی سپاہی دندناتے ہوئے آ گئے۔ پجاری اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ باندھ کر جھک گئے۔

سپاہیوں نے مشین گن کا رخ ان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ تینوں پجاری گولیاں کھا کر دوہرے ہو کر فرش پر گر پڑے اور تڑپنے لگے۔

سپاہی باہر جانے لگے کہ ان کی نظر ناگ پر پڑ گئی۔ ناگ نے بھی انہیں دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی

مگر جاپانی اس کے سر پر آ گئے۔

"تم کون ہو؟ تمہارا لباس پجاریوں جیسا نہیں ہے"۔

ناگ نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔

"میں ایک غریب مزدور ہوں۔ یہاں محنت مزدوری کرنے آیا تھا کہ جنگ شروع ہو گئی"۔

ایک جاپانی نے دوسرے سے کہا۔

"اسے پکڑ کر لے جاؤ، یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بڑی معلومات حاصل ہوں گی"۔

سپاہی ناگ کو پکڑ کر لے گئے۔ انہوں نے اسے رسیوں سے باندھ دیا اور ٹرک میں بٹھا کر شہر سے باہر

دریائے ایراوتی کے کنارے فوجی دفتر میں لے آئے۔

یہاں اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ دوپہر اسے کھانے کے لیے مٹھی بھر نمکین چاول دیے گئے۔

اسی حوالات میں ایک مسلمان تاجر بھی بند تھا۔

اس کا نام باقر مہدی تھا۔ شہر میں اس کی کپڑے کی بہت بڑی دکان تھی۔ ناگ کو اس مسلمان تاجر مہدی سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی۔

مہدی کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ وہ بچوں کو یاد کر کے رو رہا تھا۔

''خدا جانے میرے بال بچے اور بیوی کس حال میں ہو گی''۔

ناگ نے کہا۔

''میاں جی! آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کے بچوں کو آزاد کرانے کی پوری پوری کوشش کروں گا''۔

تاجر نے احسان بھری مگر رحم طلب نظروں سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

''میرے بیٹے! تم تو خود جاپانیوں کی قید میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہو۔ نہ جانے یہ لوگ تمہیں کس وقت گولی مار دیں۔ پھر بھلا تو میری کیا مدد کرو گے؟''۔

ناگ ذرا سا مسکرایا اور بولا۔

"میاں جی! خدا کی رحمت سے انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیا آپ کو ہیڈکوارٹر کی حوالات کے راستے کا علم ہے؟"۔

تاجر مہدی نے کہا۔

"ہاں! پہلے میں بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی قید تھا۔ مجھے یہ لوگ پرسوں ہی وہاں سے پکڑ کر یہاں لائے ہیں"۔

ناگ نے ہیڈکوارٹر جیل کا راستہ تاجر مہدی سے پوچھ کر اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیا۔

پھر کہا۔

"اگر میں کسی طرح سے آپ کے خاندان کو جیل سے نکال لاؤں تو کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں انہیں حفاظت سے رکھ سکوں؟"۔

تاجر مہدی کہنے لگا۔

"رنگون شہر سے پچاس میل دور پردم کا ایک قصبہ ہے۔ اس قصبے سے ایک دو میل شمال مغرب میں ایک چھتری والا اک منزلہ مکان میں نے تفریح کے لیے ڈال رکھا ہے اگر میرے بچے وہاں پہنچا سکو تو میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کریں، میں آپ کو بھی وہاں پہنچا کر ہی دم لوں گا"۔

تاجر مہدی تعجب سے ناگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ یوں محسوس ہونے لگا جیسے ناگ دیوانہ ہے، کیونکہ جاپانیوں کی قید سے نہ صرف خود نکلنا بلکہ ایک پورے خاندان کو نکال کر لے جانا دیوانے پن کی ہی بات تھی۔

شام ہوگئی تو ایک جاپانی سپاہی اندر آ کر تاجر مہدی کو لے گیا۔ کوئی گھنٹے بعد ہی اسے زخمی حالت میں اندر پھینک دیا گیا۔

مہدی کے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے اور وہ کراہ رہا تھا۔ ناگ نے کسی نہ کسی طرح مہدی کے زخموں کو صاف کر کے پٹیاں باندھ دیں۔

اس نے ناگ کو بتایا کہ جاپانی اسے برطانیہ کا جاسوس سمجھ کر اس سے پوچھ رہے تھے کہ انگریز اپنے بنکوں کا سونا کس جگہ چھپا گئے ہیں؟۔

تھوڑی دیر بعد جاپانی سپاہی آیا اور وہ ناگ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک تنگ سی بانس کی جھونپڑی میں ایک جاپانی افسر ہاتھ میں تلوار لیے بیٹھا تھا۔ اس نے بڑی خونخوار نظروں سے ناگ کو دیکھا اور غرایا۔

''تم شکل ہی سے انگریز کے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ بتاؤ انگریز جاتے جاتے اپنا سونا کس جگہ چھپا گئے ہیں؟''۔

ناگ نے کہا۔

“ہو سکتا ہے، وہ اپنا سونا اپنے ساتھ ہی لے گئے ہوں”۔

“بکواس بند کرو۔ انہیں ہم نے اتنی مہلت نہیں دی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگے ہیں”۔

“تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ سونا کس جگہ پر ہے”۔

“تم ابھی بتا دو گے”۔

جاپانی افسر نے اپنے قریب کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا اور ناگ کے قریب آ گیا۔

اب ناگ کو خطرہ اپنے سر کے اوپر منڈلاتا نظر آیا،

کیونکہ چاقو سے اسے مہلک زخم لگ سکتا تھا اور وہ مر بھی سکتا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

“ٹھہرو! میں بتاتا ہوں”۔

جاپانی افسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے سپاہی کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا۔

ناگ نے کہا۔

“انگریزوں کا سونا دریائے اراوتی کے کنارے اس جگہ دفن ہے جہاں آپ کے ہیڈ کوارٹر کی جیل ہے”۔

جاپانی کی آنکھیں کھل گئیں، اس نے سپاہی سے

کہا۔

''جیپ تیار کرو، میں اسے لے کر ہیڈ کوارٹر جاؤں گا''۔

اسی وقت ایک جیپ باہر آ کر رک گئی۔ جاپانی افسر نے ناگ سے کہا۔

''یاد رکھو! اگر وہاں سے سونا نہ نکلا تو تمہیں اسی جگہ قتل کر کے دفن کر دیا جائے گا''۔

ناگ ہنسا اور بولا۔

''سونا ضرور نکلے گا، آپ مجھے لے کر وہاں چلیں''۔

اصل میں ناگ اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں تاجر

مہدی کی بیوی اور بچے قید تھے۔ جاپانی افسر ناگ کو لے کر ہیڈ کوارٹر کے علاقے میں اس مقام پر لے آیا۔ جہاں قید خانہ بنا ہوا تھا۔ ناگ نے دیکھا یہ جیل ناریل کے درختوں کے ایک جھنڈ میں بنائی گئی تھی۔ باہر ایک سپاہی مشین گن لیے پہرہ دے رہا تھا۔

''کہاں ہے وہ خزانہ؟ جلدی بتاؤ''۔

جاپانی افسر نے تلوار نکال کر کہا۔

ناگ نے ایک جگہ زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس جگہ زمین کھدوائی جائے''۔

جاپانی افسر نے حکم دیا۔

"فوراً زمین کھودو"۔

تین سپاہی بیلچے لے کر وہاں آ گئے۔ اور انہوں نے زمین کھودنی شروع کر دی۔ ناگ نے اس دوران میں سارے علاقے کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جاپانی ہیڈ کوارٹر کے باہر کئی ایک فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کسی منصوبے پر عمل کر کے وہ یہاں سے کوئی گاڑی لے کر فرار ہو سکتا تھا۔

ناگ دل میں ایک سکیم سوچ رہا تھا۔

گڑھا کافی بڑا ہو گیا تھا مگر خزانہ وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جاپانی افسر نے کھا جانے والی نظروں سے ناگ کی طرف دیکھا اور چیخ کر کہا۔

"کمینے! کہاں ہے سونا؟"۔

ناگ نے ہنس کر اوپر درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"جاپانی چوہے اوپر دیکھو وہاں ہے خزانہ"۔

جاپانی چوہا سن کر جاپانی افسر کا خون کھول اٹھا۔ اس نے تلوار ہوا میں اٹھائی کہ ایک ہی وار میں ناگ کا سر تن سے جدا کر دے، مگر اس دوران میں ناگ اپنا کام کر چکا تھا۔

اس نے اپنی شکل ایک عقاب میں بدلی تھی اور ہوا میں پھڑ پھڑاتا ہوا اڑ گیا تھا۔

جاپانی افسر کا تلوار والا اٹھا ہوا ہاتھ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ گڑھا کھودنے والے سپاہی بھی بیلچے اٹھائے دم بخود ہو کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے کسی جیتے جاگتے انسان کو عقاب میں تبدیل ہو کر آسمان کی طرف اڑتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا؟''۔

جاپانی افسر کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ قریب تھا کہ غش کھا کر گر پڑتا کہ سپاہیوں نے اسے سنبھالا دیا اور جیپ میں بٹھا کر لے گئے۔

ناگ ذریل کے درختوں کے اس جھنڈ میں جا کر بیٹھ گیا تھا جس کے نیچے جیل تھی۔ اس جیل میں تاجر مہدی کی بیوی اور دو لڑکیاں اور ایک لڑکا قید تھے۔ یہ تینوں جوان تھے۔

درخت پر بیٹھے بیٹھے عقاب نے اپنا آپ ایک سانپ کی شکل میں تبدیل کیا اور درخت سے اتر کر رینگتا ہوا جیل خانے کی چھت پر آ گیا۔

یہاں سے اس نے جھانک کر دیکھا۔

نیچے جیل کے دروازے کے آگے جاپانی سپاہی سٹین گن اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ اس سپاہی پر حملہ کرنے سے پہلے ناگ چاہتا تھا کہ جیل کے اندر جا کر تاجر مہدی کے خاندان والوں کو فرار ہونے کے لیے

تیار رکھے اور ان کے ساتھ اپنا تعارف بھی کروائے لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اندر کیسے جائے۔

مگر وہ ایک دم سے اندر جا کر ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ شاید ڈر جائیں۔ اگر جاپانیوں کو اپنا آپ حوالے کر دیتا ہے تو ہو سکتا ہے، وہ اسے جیل میں ڈالنے کی بجائے شوٹ کر دیں۔

کافی دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک تدبیر سوچی۔

وہ جیل کی چھت پر سے رینگ کر پرلی طرف چلا گیا۔ ادھر جنگل تھا۔ اسے دور سے ایک جاپانی آتا دکھائی دیا۔

ناگ اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے جاتے ہی اسے ڈس دیا۔ جاپانی سپاہی جب ملک عدم کو سدھار گیا تو ناگ نے انسان کی شکل میں آ کر اس کی وردی پہن لی۔

یہ رات کا وقت تھا۔ اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ وہ جاپانی ہے یہ غیر جاپانی۔

بندوق اٹھائے وہ سیدھا جیل خانے کی طرف گیا۔

دروازے پر جاپانی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے دور سے کھڑے ہو کر جاپانی سپاہی سے کہا۔

"تمہیں کیپٹن صاحب بلا رہے ہیں، جلدی سے

جاؤ، تمہاری جگہ میں پہرہ دیتا ہوں"۔

جاپانی پہرہ دار جلدی سے ایک طرف کو تیز تیز چل پڑا۔ ناگ جلدی سے جیل کے دروازے پر آ گیا۔

اس نے سلاخوں میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ کونے میں ایک مدہم سا دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ تاجر مہدی کی بیوی دونوں لڑکیاں اور لڑکا دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

ناگ نے اردو زبان میں انہیں بلایا۔

"جمیل! میرے پاس آؤ"۔

ناگ تاجر مہدی کے لڑکے کا نام جانتا تھا۔ جمیل

نے اپنا نام ایک جاپانی سپاہی کی زبان سے سنا تو چونک پڑا۔

ناگ نے کہا۔

گھبراؤ نہیں، میں جاپانی سپاہی نہیں ہوں۔ صرف جاپانی سپاہی کی وردی میں ہوں۔ میں تمہارے باپ مہدی صاحب سے ملکر آ رہا ہوں۔

میں نے تم لوگوں کو یہاں نکال کر پردم والی کوٹھی میں لے جانے کی سکیم بنا رکھی ہے۔ تم تیار رہنا، میں کس وقت بھی جیپ لے کر آؤں گا۔

مہدی کی بیوی اور لڑکیاں بھی جلدی سے سلاخوں کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئیں۔

ناگ نے کہا۔

''بہن! میں آپ کے شوہر کا دوست ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ خدا کی مدد شامل حال رہی تو بہت جلد آپ جاپانیوں کی قید سے نجات حاصل کر لیں گے۔ میں بہت جلد پھر آؤں گا''۔

اتنا کہہ کر ناگ دوسری طرف جنگل میں چلا گیا، کیونکہ اس نے سامنے سے پہلے والے جاپانی پہرے دار کو آتے دیکھ لیا تھا۔

پہریدار نے آ کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا جاپانی سپاہی تھا جس نے اس کے ساتھ شرارت کی، لیکن ناگ جنگل میں غائب ہو

گیا تھا۔

ساری رات ناگ عقاب کے روپ میں ایک درخت پر بیٹھا جاپانی سپاہیوں کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھتا رہا۔

رات کو صرف تین سپاہی بارک کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ اگر وہ کسی طرح سے ایک جیپ یہاں سے لے کر جا کر جنگل میں چھپا دے تو قیدیوں کو نکال کر لے جا سکتا تھا۔

رات گزر گئی، دوسرا دن بھی گزر گیا۔ جب دوسری رات آئی تو ناگ درخت سے اترا۔ اس نے انسان کی شکل اختیار کی۔

جنگل میں جس جگہ اس نے جاپانی سپاہی کی وردی چھپا رکھی تھی، وہاں جا کر وردی پہنی اور جاپانی سپاہی بن کر ہیڈ کوارٹر بیرک کے قریب آ کر جیپ کے پاس کھڑا ہو گیا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔

اب وہ اس تاک میں تھا کہ ذرا موقع ملے اور وہ جیپ میں سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو جائے، چنانچہ یہ موقع اس کو جلد ہی مل گیا۔

سامنے والے پہرے دار کسی کام سے اندر چلے گئے۔ ناگ جیپ میں سوار ہوا اور انجن سٹارٹ کر کے جنگل کی طرف چلا گیا۔

ایک جگہ پہلے ہی اس نے تلاش کر رکھی تھی، وہاں اس نے ایک خفیہ جگہ پر جا کر جیپ کو جھاڑیوں میں چھپا دیا۔

اسی وردی میں واپس جیل کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں ایک دوسرا جاپانی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے دور سے اسے آواز دے کر کہا۔

"تمہیں میجر صاحب اندر بلا رہے ہیں"۔

یہ جاپانی سپاہی پہلے والے جاپانی سپاہی کے حشر سے ناواقف تھا چنانچہ وہ سیدھا ہیڈ کوارٹر کے بیرک کی طرف چل پڑا۔

ناگ اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تیزی سے جیل کے دروازے پر آیا۔ قفل توڑ کر اندر گیا اور

بولا۔

"جلدی سے میرے ساتھ نکل چلو"۔

تاجر مہدی کی بیوی لڑکیاں اور لڑکا اسی وقت اٹھے اور ناگ کے ساتھ جیل سے نکل کر جنگل میں غائب ہو گئے۔

سرخ چھتری والا مکان

ناگ نے انہیں جیپ میں بٹھایا اور سٹارٹ کر کے لے اڑا۔

وہ ان سارے رستوں سے باخبر تھا۔ ساری رات وہ جیپ چلاتا رہا۔ صبح کی روشنی ہوئی تو برہم کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

اب ان کی جیپ سمندر کے ساتھ ساتھ بھاگی جا رہی تھی۔ دور سے درختوں کی جھنڈ میں سرخ چھتری والا مکان نظر آیا تو تاجر مہدی کی بیوی نے کہا۔

''وہ ہے ہمارا مکان''۔

جیپ مکان کے احاطے میں جا کر کھڑی ہوگئی۔

ناگ نے کہا۔

''اس مکان میں کوئی تہہ خانہ ہے کیا؟''۔

جمیل بولا۔

''جی ہاں! مگر وہ مکان کے اندر نہیں ہے بلکہ مکان کے عقب میں ایک گیراج بنا ہے۔ تہہ خانہ گیراج کے نیچے ہے''۔

''ٹھیک ہے، ہمیں وہاں جانا ہوگا''۔

گیراج کا دروازہ بند تھا اور جھاڑیوں نے اسے ڈھانپ رکھا تھا اور جمیل نے مل کر وہاں ایک راستہ بنایا۔

دروازہ کھول کر گیراج میں داخل ہوئے اور پھر تہہ خانے میں آ گئے۔ تہہ خانے کا دروازہ، ایک الماری میں سے کھلتا تھا۔

کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ اس الماری کے اندر تہہ خانہ بھی ہے۔ ناگ نے دیکھا کہ تہہ خانہ ایک چھوٹا سا نیچی چھت کا کمرہ تھا جس میں دو بانس کی چارپائیاں، تین چار بانس کی کرسیاں اور ایک

دری پڑی تھی۔

لڑکیوں نے اسی وقت تہہ خانہ صاف کر کے چارپائیوں پر دری بچھا دی۔

ناگ نے کہا۔

"میں باہر جا کر آپ لوگوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، یہاں آپ کو دو چار روز رہنا پڑے"۔

جمیل کی بہن بولی۔

"بھائی جان! ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے"۔

ناگ بولا۔

"ابھی خطرہ ہمارے سر پر موجود ہے۔ ویسے میں یہ سب کچھ کسی احسان کے لیے نہیں بلکہ انسانی ہمدردی کی خاطر کر رہا ہوں۔ چونکہ میں آپ کی مدد کر سکتا تھا، اس لیے آپ کی مدد کر رہا ہوں"۔

تاجر مہدی کی بیوی نے کہا۔

"جمیل کے ابو کو آپ کب لائیں گے؟"۔

ناگ بولا۔

"اب سب سے بڑا کام یہی ہے۔ میں آپ لوگوں کو خوراک دے کر واپس جیپ لے کر چلا جاؤں گا اور جمیل کے والد کو لانے کی کوشش کروں گا"۔

مہدی کی بیٹی نے کہا۔

"خدا کرے آپ کامیاب ہو جائیں۔ میرے ابو آ جائیں۔ ان کے بغیر ہم یہاں اطمینان سے نہ رہ سکیں گے"۔

ناگ بولا۔

"بہر حال میں پوری کوشش کروں گا"۔

اتنا کہہ کر ناگ تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔ وہ جاپانی سپاہی کی وردی میں ہی تھا۔ وہ پیدل ہی ایک گاؤں کی طرف چل پڑا۔

یہ برمی دیہاتیوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ایک جاپانی سپاہی کو دیکھ کر سارے دیہاتی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ نے برمی زبان میں کہا۔

"مجھے چاول، ناریل، پھل اور مکھن چاہیے، جلدی سے لے آؤ"۔

ایک گھنٹے بعد ناگ وہاں سے چلا تو اس نے کندھے پر ایک جھولا اٹھا رکھا تھا جس میں چھ روز کی پوری خوراک تھی۔

ناریل بھی تھے جن سے پانی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ یہ ساری خوراک مہدی کے بیوی بچوں کے حوالے کی اور کہا۔

"آپ لوگ یہاں سے دن میں نکلنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کریں"۔

"ہاں اگر برتنوں وغیرہ کی ضرورت ہو تو رات کے وقت یہاں سے نکل کر اپنے مکان میں جا کر رکھتے ہیں۔ میں جلدی آپ کے والد کو لے کر یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ گھبرانا بالکل نہیں ہے۔ خدا حافظ"۔

"خدا حافظ!"۔

ٹیچر مہدی کے خاندان نے ناگ کو رخصت کیا۔

ناگ جیپ میں سوار ہو کر جتنی تیزی سے چل سکتا تھا، روانہ ہو گیا۔

سارا دن وہ جیپ چلاتا رہا۔ یہ سارا راستہ جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ شام ہوئی تو ناگ شہر رنگون پہنچ

گیا تھا۔

اب اسے راستے میں جاپانی سپاہیوں کی گاڑیاں ملنے لگی تھیں۔ وہ کچھ خطرہ محسوس کر رہا تھا کیوں کہ جاپانی سپاہی اسے گھور کر بھی دیکھ لیتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ منزل پر پہنچ رہا تھا اس لیے اس نے جیپ چھوڑنا گوارا نہ کی۔

لیکن اب ایسا ہوا کہ شہر کو جانے والی بڑی سڑک پر آتے ہی ایک جگہ پھاٹک آ گیا۔ سامنے جاپانی پوسٹ تھی اور گاڑیوں کو چیک کر کے وہاں سے گزرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔

ناگ نے جیپ کھڑی کر دی۔ ایک جاپانی

سارجنٹ اس کی طرف آیا اور اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا تم جاپانی ہو؟"۔

ناگ مسکرایا۔

"اور کیا تمہارا باپ ہوں؟"۔

جاپانی سارجنٹ سمجھ گیا کہ اس نے کسی جاپانی سپاہی کو ہلاک کر کے اس کی وردی حاصل کی ہے اور یہ کوئی بھارتی جاسوس ہے۔

اس نے ایک سیکنڈ میں سیٹی بجائی اور پستول نکال کر ناگ پر فائر کر دیا۔ یہ ناگ کی غلطی تھی کہ وہ جاپانی سپاہی کی وردی میں اتنا آگے نکل آیا۔

وہ سارجنٹ کی گولی سے مر بھی سکتا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گولی اس کے سر پر سے ہو کر گزر گئی۔

اس دوران میں وہ واپس کایا پلٹ چکا تھا۔

جاپانی سارجنٹ کے ہاتھ سے پستول زمین پر گر پڑا۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے کھڑا جاسوس ایکدم سے عقاب بنا اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

ناگ وہاں سے اڑتا ہوا سیدھا شہر کے مغربی کنارے اس حوالات کے اوپر پہنچ گیا۔ جہاں تاجر مہدی قید تھا۔

وہ آسمان سے اتر کر ناریل کے ایک درخت پر

بیٹھ گیا۔ اب وہ کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگا جس کی وجہ سے وہ تاجر مہدی کو وہاں سے نکال کر لے جائے سب سے پہلے تو وہ اسے یہ خوش خبری سنانا چاہتا تھا کہ اس نے اس کے خاندان کو پردم میں حفاظت کی جگہ پہنچا دیا ہے۔

حوالات کے باہر حسب معمول ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ حوالات کے بالکل پاس والے آم کے درخت پر بیٹھ گیا۔ وہ رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا کیونکہ رات ہی کو وہ کسی نہ کسی طرح تاجر سے ملاقات کر سکتا تھا۔

اس جگہ بھی ناگ نے اندازہ لگایا کہ فوجی دفتر کے باہر ایک گاڑی کھڑی تھی جس پر بعد میں ایک سارجنٹ سوار ہو کر چلا گیا۔ اس اعتبار سے وہ یہاں سے گاڑی نہیں اڑا سکتا تھا۔

آدھی رات کے وقت وہ درخت پر ہی سانپ کا روپ دھار کر نیچے اترا۔ رینگتا ہوا حوالات کے دروازے پر آ گیا۔

جاپانی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے اس کی پنڈلی پر صرف اس قدر ڈسا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جائے۔

جاپانی سپاہی نے گھوم کر دیکھا کہ یہ کس نے اس

کی پنڈلی پر کاٹا ہے۔ اسے سانپ دکھائی نہ دیا تو وہ سمجھا کہ شاید چیونٹی ہوگی۔

وہ چال پھر کر پہرہ دیتا رہا مگر چند سیکنڈ بعد اس کا سر بھاری ہونا شروع ہوگیا۔

وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کی دیر ہی تھی کہ وہ لڑھک کر بے ہوش ہوگیا۔ ناگ نے انسان کی شکل اختیار کی اور جاپانی پہریدار کی جیب سے چابی نکالی۔ حوالات کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر تاجر مہدی کو جو زمین پر سو رہا تھا، جگایا۔

"اٹھو بڑے میاں!"۔

تاجر مہدی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

ناگ نے اسے بتایا۔

"میں نے آپ کی بیوی اور بچوں کو پر دم والے مکان کے تہہ خانے میں پہنچا دیا ہے۔ اب آپ میرے ساتھ چلیں"۔

تاجر مہدی نے ناگ کے ہاتھ چوم کر کہا۔

"میرے بیٹے! تم مسیحا بن کر میرے پاس آئے ہو۔ تم نے وہ کام کیا ہے جس کے لیے اگر میں ساری زندگی بھی تمہارے پاؤں دھوتا رہوں تو معاوضہ ادا نہ کر سکوں گا"۔

ناگ بولا۔

"مہدی صاحب! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

اب آپ وقت ضائع نہ کریں۔ ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں نکلے۔ پہرے دار بے ہوش ہے۔ دروازہ کھلا ہے۔ جلدی سے میرے ساتھ باہر چلیے"۔

مہدی اور ناگ حوالات سے باہر نکل کر مندر کے عقب میں آ گئے۔ رات اندھیری تھی۔ مکمل بلیک آؤٹ تھا۔

ناگ مہدی کو لے کر گلیوں گلیوں ہوتا ناریل کے باغ کی جانب لے آیا۔ اس طرف فوجی سپاہیوں کے مل جانے کا خطرہ نہیں تھا۔

کئی بازاروں سے نکل کر ناگ نے ایک پرانا مندر دیکھا۔ اس کے باہر دو گھوڑوں کی بگھی کھڑی تھی۔

ناگ نے مہدی کو اس میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ خود اوپر والی سیٹ پر بیٹھا، گھوڑوں کو چابک لگائی اور بگھی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

وہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر آ رہی تھی کہ سامنے سے ایک فوجی ٹرک آتا دکھائی دیا۔ ناگ نے بگھی روک لی۔

"یہاں ہمیں گاڑی چھوڑ دینی چاہیے۔ میرے پیچھے بھاگو۔ جاپانی آ رہے ہیں"۔

وہ گاڑی چھوڑ کر پہلو کی ایک گلی میں ہو گئے۔ اب جاپانی بھی سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دو آدمیوں کو گلی

میں بھاگتے دیکھ لیا تھا۔

جاپانیوں نے تیز ٹارچ کی روشنیاں گلی میں پھینکیں مگر اس وقت تک ناگ اور مہدی ایک مکان میں چھپ چکے تھے۔

جاپانیوں نے ایک مکان کی تلاشی شروع کر دی اور سارے علاقے کا محاصرہ کر لیا۔ بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے ناگ اور مہدی۔

ناگ نے محسوس کیا کہ اگر وہ اکیلا ہوتا تو وہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ لیکن مہدی اس کے ساتھ تھا اور وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔

اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ جس جگہ یہ دونوں

چھپے تھے وہ ایک مکان کا پچھلا کمرہ تھا۔ یہ ایک خالی مکان تھا مگر اس چھوٹے سے کمرے میں پرانی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

دو جاپانی مکان کے اندر آ گئے۔ وہ ہولے ہولے ان کے کمرے کی طرف آ رہے تھے۔ ناگ نے مہدی کی طرف منہ کر کے اشارہ کیا کہ اب سانس بھی آہستہ کر لینا۔

بدقسمتی دیکھئے یا خوش قسمتی سمجھئے کہ عین اس وقت ایک زرد رنگ کا سانپ کسی کونے سے ان کی طرف بڑھنے لگا۔

مہدی چیخ مارنے ہی والا تھا کہ ناگ نے اس کے

منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ سانپ برابر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اب باہر سے جاپانی سپاہی بھی ان کے کمرے کے باہر آ کر دروازے کو اندر کی طرف دھکیلنے لگے تھے۔

سانپ رینگتے رینگتے اچانک رک گیا۔

اس نے محسوس کیا کہ فضا میں ایک مقدس خوشبو رچی ہوئی ہے۔ یہ خوشبو سانپوں کے مقدس دیوتا کی تھی۔

وہ اپنی جگہ پر گھوم گیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ سانپ کو اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔

زرد رنگ کے سانپ نے پہلے تو اپنا پھن اٹھایا پھر ناگ کے سامنے آ کر پھن جھکا کر فرش کے ساتھ لگا دیا جیسے اسے سجدہ کر رہا ہوں۔

مہدی نے حیرانی سے ناگ کی طرف دیکھا کہ یہ سانپ کیا کر رہا ہے۔ جاپانی دروازے کو توڑ رہے تھے۔

ناگ نے دو تین بار سیٹی بجا کر سانپ سے کہا۔

”باہر دو جاپانی دشمن دروازہ توڑ رہے ہیں، جا کر ان کی خبر لو“۔

زرد سانپ نے ایک بار پھر سر جھکایا اور روشندان

میں سے باہر نکل گیا۔

مہدی نے ناگ سے پوچھا۔

”تمہاری سیٹی سن کر سانپ چلا گیا۔ کیا تمہیں سانپوں کا کوئی تجربہ ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہاں! میں سپیرا بھی رہ چکا ہوں“۔

مہدی نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

”یہ تو دروازہ توڑ ڈالیں گے، اب ہم کیا کریں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”صبر“۔

مہدی ناگ کو مطمئن دیکھ کر حیران تھا کہ یہ کیوں آرام سے بیٹھا ہے۔

اتنے میں باہر جاپانی کی چیخ بلند ہوئی اور گہری خاموشی چھا گئی۔

زرد سانپ نے اپنی ڈیوٹی ادا کر دی تھی۔ ناگ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی، کہنے لگا۔

”اب بے شک باہر آ جاؤ“۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے تو فرش پر دو جاپانی سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

مہدی نے تعجب سے پوچھا۔

”کیا ان کو سانپ نے ڈس لیا ہے؟“۔

"ہاں"۔

"کیا سانپ کو تم نے اس کام کے لیے کہا تھا؟"۔

"نہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ جلدی سے جاپانی سپاہیوں کی وردی اتار کر پہن لیں، میں بھی وردی پہن رہا ہوں، اس طرح سے ہم زیادہ محفوظ ہوں گے"۔

تھوڑی دیر بعد وہ جاپانی سپاہی بن کر ہاتھوں میں برین گن لئے باہر نکلے۔ گلی میں کوئی نہیں تھا۔ ٹرک

بھی جا چکا تھا۔

وہ بڑی سڑک پر آ گئے۔ انہوں نے سڑک کے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا کافی دور چلنے کے بعد انہیں ایک کوٹھی کے باہر سبز اور سرخ رنگ کی ویگن کھڑی دکھائی دی۔

یہ کسی جاپانی سرمایہ دار کی گاڑی تھی کیونکہ کوٹھی کے باہر جاپانی تاجر کا نام لکھا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"آؤ اس ویگن کو دھکا لگا کر کوٹھی سے دور لے چلیں، پھر اسے سٹارٹ کر لوں گا"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ویگن کو دھکیلتے ہوئے کوٹھی

سے کافی دور لے گئے۔

پھر ناگ نے اسے سٹارٹ کر لیا۔ دونوں ویگن میں بیٹھے اور شہر سے باہر پدم جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئے۔

دوپہر تک وہ سفر کرتے رہے۔ اب انہوں نے جاپانی وردیاں پھینک دی تھیں کیونکہ یہ وردی خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کراتی تھی۔

اب وہ عام شہریوں کے لباس میں تھے۔ ایک گاؤں میں جا کر انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا۔

دوپہر کے بعد پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

شام ہو گئی، رات بھی آ گئی۔ ہر طرف بلیک

آؤٹ کا اندھیرا چھا گیا۔ مگر مہدی اندھیرے میں بھی اپنے گھر کا راستہ خوب جانتا تھا۔

ناگ بھی اس راستے سے واقف ہو گیا تھا۔ آخر وہ مکان کے باہر پہنچ گئے۔ ویگن کے رکنے کی آواز گیراج کے تہہ خانے میں بیٹھے مہدی کے کنبے کے لوگوں نے سنی تو وہ خاموش ہو گئے۔

مہدی کی بیوی نے اپنے بیٹے جمیل سے پوچھا۔

''بیٹا! یہ کسی جاپانی فوجی کی گاڑی تو نہیں؟''۔

جمیل نے کہا۔

''یہ جیپ کی آواز نہیں تھی ماں۔ کوئی ویگن گاڑی لگتی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ابو آ گئے ہیں''۔

بچیوں کے چہرے پر بھی مسکراہٹ اور خوشی آ گئی۔

"یا خدا! ہمارے ابو کو زندہ سلامت لے آ"۔

اتنے میں انہیں گیراج کی چھت پر دو آدمیوں کے چلنے کی آواز آئی پھر الماری کے کھلنے کی آواز آئی۔

جمیل بولا۔

"یقیناً یہ ناگ بھائی اور ابو ہیں۔ دوسرے کسی آدمی کو الماری والے راستے کا پتہ ہی نہیں ہے"۔

اب تہہ خانے کے خفیہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"جمیل بیٹا! دروازہ کھولو، میں ہوں تمہارا ابو"۔

تہہ خانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جمیل کے والدہ سجدے میں گر پڑیں۔

بچیاں اور جمیل خوشی سے دیوانے ہو کر دروازے کی طرف لپکے۔

دروازہ کھلا۔ مہدی صاحب سامنے نظر آئے۔ بچے ان سے لپٹ گئے۔ مہدی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جمیل کی ماں نے بھی اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔

"یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرے سہاگ کو سلامت رکھا"۔

انہوں نے مل کر ایک بار پھر ناگ کا بھرپور شکریہ ادا کیا۔

ناگ نے کہا۔

"ہم نے ایک مرحلہ طے کر لیا ہے۔ ابھی ایک مرحلہ باقی ہے۔ یعنی برما سے فرار ہو کر ہندوستان جانا باقی ہے اور میرے خیال میں یہ سب سے خطرناک مرحلہ ہے"۔

جمیل بولا۔

"کیا ہم یہاں رہ کر جاپانیوں کے واپس چلے جانے کا انتظار نہیں کر سکتے"۔

مہدی نے کہا۔

"میرا خیال ہے، یہ ایک بہت ہی لمبا انتظار ہو گا۔ اور پھر اس میں ہر روز جان کا دھڑکا لگا رہے

گا۔ میں جوان بچیوں کو لے کر ایسے خطرناک حالات میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ ناگ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں یہاں سے ہندوستان چلے جانا چاہیے"۔

جمیل کی والدہ نے بھی اپنے خاوند کی تائید کی۔

جمیل بولا۔

"یہاں سے ہندوستان جانے کا راستہ کتنی دیر کا ہے اور کہاں سے کہاں ہو کر گزرتا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر ہم یہاں سے پیدل سفر شروع کریں تو راستے میں راتوں کو آرام کرتے ہوئے اور دن میں بہت آرام سے سفر کرتے ہوئے ہم کوئی دو مہینے بعد

ہندوستان پہنچ جائیں گے"۔

لڑکی نے کہا۔

"یہ تو بڑا مشکل سفر ہو گا۔ راستے میں خطرناک جنگلوں سے گزرنا پڑے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں یہ سفر ایک بار پہلے کر چکا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ راستہ بہت خطرناک ہے اور جنگل بڑے دشوار گزار ہیں اور شیر ہاتھیوں سے بھرے ہوئے، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے"۔

مہدی نے کہا۔

کیا ہم سمندر میں سفر نہیں کر سکتے، میرا مطلب

ہے اگر ہمیں کوئی سٹیمر مل جائے تو ہم سمندر کے کنارے کنارے سفر کرتے کاکس بازار کی بندرگاہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

ناگ کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"خیال تو بڑا مناسب ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سارے ساحلی علاقے میں جاپانی جنگی کشتیاں گشت کرتی رہتی ہیں"۔

جمیل نے کہا۔

اور پھر سب سے بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم سفر کس شے میں کریں گے۔ کیا کشتی اتنی دور تک سفر کر سکے گی؟۔

کیا راستے میں طوفان نہ آئیں گے؟۔

یہ سفر کتنے دن کا ہوگا؟۔

ناگ بولا۔

اگر ہمیں کسی سے سٹیمر مل جائے اور تیل بھی مل جائے تو ہم یہ سفر پانچ روز میں طے کر لیں گے۔ اگر ہمیں کسی کشتی پہ سفر کرنا پڑا تو پھر چالیس دن لگیں گے۔

ساحل کے ساتھ ساتھ آگے کی جانب سفر کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ اگر کسی جاپانی جنگی کشتی کا خطرہ ہوا تو ہم بڑی آسانی سے کشتی ساحل پر لا کر چھپ سکتے ہیں۔

ویسے اگر ہم کشتی میں سفر کریں تو زیادہ اچھا ہو۔ پھر ہم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔ ہم برمی لباس پہن لیں گے اور اپنے آپ کو ماہی گیر ظاہر کریں گے۔

تاجر مہدی نے سر ہلا کر کہا۔

"ناگ! کیا تم سمجھتے ہو کہ سمندر میں سفر زیادہ اچھا رہے گا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ایک بات ضرور ہے۔ وہ یہ کہ سمندر میں سفر کرنے سے ہم جنگلی خطروں مثلاً شیر، ہاتھی، سانپ اور طرح طرح کے جنگلی بیماریوں سے بچ جائیں گے"۔

"تو پھر ہمیں تیاری شروع کر دینی چاہیے۔ کہیں سے کشتی حاصل کرتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر چل پڑتے ہیں"۔

مہدی کی بیوی نے بھی سمندر کے سفر کو پسند کیا کیونکہ جنگل میں ڈاکوؤں کا بھی خطرہ تھا۔ تاجر مہدی کے پاس ابھی کافی روپے تھے۔

انہوں نے ناگ کے ساتھ جا کر ایک ساحلی گاؤں میں بڑی سی دو منزلہ کشتی تیار کرنے کا آرڈر دے دیا۔

ایک ہفتے کے اندر اندر کشتی تیار ہو گئی اور انہوں نے اس میں کھانے پینے کا سامان لادنا شروع کر دیا۔

ایک روز منہ اندھیرے انہوں نے برمی ماہی گیروں کا لباس پہن لیا۔

سروں پر رومال باندھے۔ وہ بالکل مچھیرے اور مچھیرنیں لگ رہی تھیں۔

طوفانی سمندر

اس روز موسم بہت خوشگوار تھا۔

آسمان پر دھوپ چمک رہی تھی۔ سمندر کی لہریں بھی بڑی پرسکون تھی۔ اگرچہ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا۔

لیکن آسمان پر بادل کہیں بھی نہیں تھے۔ ناگ یہ بھی چاہتا تھا کہ برسات سے پہلے پہلے جتنی جلدی ہو سکے، وہ اس خاندان کو سمندر پار کرا دے اور ہندوستان پہنچا دے۔

کشتی کافی بڑی تھی۔ وہ ساحل پر ذرا دور ایک جگہ تاڑ کے درختوں کے جھنڈ کے پاس گھاٹ پہ بندھی تھی۔

منہ اندھیرے اٹھ کر سب لوگ کشتی میں جا کر بیٹھ گئے۔ بادبان کھول دیئے گئے اور اللہ کا نام لے کر کشتی کو سمندر میں ڈال دیا گیا۔

دوپہر تک کشتی بڑی اچھی رفتار کے ساتھ ساحل سے ذرا فاصلے پر ساتھ ساتھ سفر کرتی چلی گئی۔ دوپہر کا

کھانا ان سب نے کشتی کی نچلی منزل میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھایا۔

تاجر مہدی اور اس کی بیوی بچے بڑے خوش تھے۔ کہ وہ جاپانیوں کی خوفناک قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہ کئی بار ناگ کا شکریہ ادا کر چکے تھے۔ اب بھی ان کے دل ناگ کی ہمدردی اور احسان مندی سے لبریز تھے۔ لیکن خطرہ ابھی تک ان کے سروں پر تھا۔

یہ سارا سمندر جاپانیوں کے قبضے میں تھا اور ان کے جنگی جہاز ساحل کے ساتھ ساتھ گشت کرتے رہتے تھے۔

شام ہو گئی۔ پھر رات کا اندھیرا سمندر پر پھیل گیا۔

کھانا کھانے کے بعد تاجر مہدی کی بیوی اور بچے نیچے والے کیبن میں جا کر سو گئے۔ مہدی اور ناگ اوپر ڈیک پر بیٹھے باتیں کرنے لگے۔

کشتی کے بادبان پھولے ہوئے تھے اور ہوا اسے ہندوستان کی طرف لے جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ کشتی کا رخ ٹھیک کر لیتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

”رات کو خطرہ ہے کہ شاید ہمیں کوئی جاپانی کشتی جہاز نہ مل جائے“۔

"خدا خیر کرے"۔

"کشتی بڑی ٹھیک رفتار پر سفر کر رہی ہے۔ اس طرح اگر ہم سفر کرتے رہے تو ایک ہفتے کے اندر اندر ہم ہندوستان کے ساحل سے جا لگیں گے، پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا"۔

"خدا ہماری مدد کر رہا ہے۔ ہم ضرور اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے"۔

آدھی رات کا وقت تھا۔

سب لوگ سو رہے تھے۔ مہدی بھی ابھی ابھی ناگ کے پاس سے اٹھ کر نیچے کیبن میں سونے چلا گیا تھا۔

ناگ اکیلا ڈیک پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اچانک تیز روشنی نے اسے ہوشیار کر دیا۔ آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا کہ ایک کشتی دور سے چلی آ رہی ہے اور اس کی سرچ لائٹ کی روشنی پڑ رہی ہے۔

اس نے جلدی سے نیچے جا کر سب کو جگایا اور کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ شاید کوئی جاپانی سٹیمر گشت کرتا ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ تم لوگ اپنے آپ کو بری ماہی گیر ہی ظاہر کرنا بلکہ نیچے ہی رہنا، باقی میں اوپران لوگوں سے نپٹنے کی کوشش کروں گا"۔

وہ لوگ پریشان ہو گئے۔ تاجر مہدی، اس کی بیوی، دونوں لڑکیاں خدا سے دعائیں مانگنے لگیں۔

لڑکے نے کہا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ اوپر رہوں گا"۔

"نہیں نہیں۔ تم اپنے ماں باپ کے پاس نیچے ہی رہو اور جب تک میں آواز نہ دوں، کوئی اوپر نہ آئے بلکہ آواز تک نہ نکالے"۔

اتنا کہہ کر ناگ اوپر ڈیک پر آ گیا۔ اس نے نیچے جانے والے دروازے پر ترپال ڈال دی اور اسے چھپا دیا۔

جاپانی سٹیمر قریب آ گیا تھا۔ ناگ نے بھی برمی ماہی گیروں کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ ڈیک پر بیٹھ کر پرانے جال کی مرمت کرنے لگا۔

جاپانی سٹیمر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس میں سے دو جاپانی سپاہی برین گنیں لے کر ناگ کی کشتی میں کود پڑے۔

ناگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سٹیمر میں سے اب دو اور جاپانی کود پڑے۔ انہوں نے برین گنیں تان رکھی تھیں۔

ایک جاپانی کپتان نے غرا کر کہا۔

"تم ادھر کیا کر رہے ہو؟"۔

اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات کی تھی۔ ناگ نے خالص برمی زبان میں کہا۔

"میں ماہی گیر ہوں۔ سمندر میں مچھلیاں پکڑنے

نکلا ہوں۔ ہم رات کو مچھلیاں پکڑتے ہیں"۔

جاپانی کپتان بری زبان سمجھتا تھا۔ اس نے کشتی پر بھرپور نظر ڈال کر کہا۔

"ماہی گیروں کی کشتی اتنی بڑی نہیں ہوتی۔ تم ضرور سمگلر ہو۔ بتاؤ مال کہاں ہے؟"۔

ناگ نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ماہی گیر ہی ہے مگر جاپانیوں کو اس پر شک پڑ گیا تھا۔ ایک جاپانی نے آگے بڑھ کر ترپال اٹھا کر پرے پھینک دی۔

"نیچے کون چھپا ہوا ہے؟"۔

جاپانی کپتان نے جب دیکھا کہ نیچے سیڑھیاں گئی ہیں تو مسکرایا۔

"خوب! تم بکواس کرتے تھے کہ اکیلے ہو۔ تم نے نیچے اپنے ساتھی ضرور چھپا رکھے ہیں۔ تم انگریزوں کے جاسوس ہو اور ہمارے جنگی جہازوں کی نقل و حرکت کی جاسوسی کرتے پھرتے ہو"۔

ناگ کو معلوم ہو گیا کہ وہ بازی ہار چکا ہے۔ جاپانی ایک منٹ کے اندر نیچے کیبن میں گئے اور تاجر مہدی اور اس کے بیوی بچوں کو اٹھا کر باہر آ گئے۔

اب ناگ کے لیے کچھ کام دکھانے کا وقت تھا۔ اس نے بڑی خالص جاپانی زبان میں بات کرنا شروع کر دی۔

کیونکہ سانپوں کا مقدس دیوتا ہونے کی وجہ سے اسے یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ ہر زبان میں بات کر سکتا تھا۔

اس نے کہا۔

"کپتان صاحب! میں علیحدگی میں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں"۔

ناگ کو خالص جاپانی زبان میں کرتے سن کر سب کو بڑی حیرت ہوئی۔

کپتان نے کہا۔

"تم جاپانی جانتے ہو؟"۔

ناگ مسکرایا۔

"جناب! میں جاپان میں کئی سال رہا ہوں، آپ ذرا میری بات کو سن لیجیے تو آپ کی مہربانی ہو گی"۔

"کہو کیا بات ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں نیچے کیبن میں جا کر آپ کو ایک اہم راز بتانا چاہتا ہوں، میرے پاس کچھ کاغذات ہیں جو صرف آپ کے لیے ہیں"۔

جاپانی کپتان نے باقی سپاہیوں کو اسی جگہ ٹھہرنے کو کہا اور ناگ کے ساتھ نیچے کیبن میں آ گیا۔ نیچے آتے ہی ناگ نے ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا۔

پلک جھپکتے میں وہ کایا پلٹ کر سانپ بنا اور اس نے جاپانی کپتان کے گلے پر ڈس کر ایک دم سے خطرناک زہر اس کے خون میں داخل کر دیا۔

اس مہلک زہر نے جاپانی کپتان کے گلے کی رگیں ایکدم خشک کر دیں، وہ بول بھی نہ سکا اور فرش پر گر پڑا۔

اس کا جسم کانپنے لگا اور پھر ایکدم سے روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی۔

ناگ نے بڑی تیزی سے اس کی وردی پہنی، برین گن ہاتھ میں لی اور جاپانی زبان میں اوپر منہ کر کے ایک سپاہی کو نیچے بلایا۔

سپاہی نیچے کیبن میں آیا تو وہاں اندھیرا تھا۔

اس نے کہا۔

“سر آپ کہاں ہیں؟”۔

اندھیرے میں ایک سانپ سپاہی کی طرف لپکا اور اس کے گلے سے لپیٹ گیا۔ سپاہی کا گلا ایک دم خشک ہو گیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ فرش پر گر پڑا۔

اب ناگ نے باری باری باقی تینوں سپاہیوں کو بھی نیچے بلایا اور ہلاک کر دیا۔ اب وہ چپکے سے جاپانی کپتان کی وردی میں اوپر ڈیک آ گیا۔

تاجر مہدی اور اس کے بیوی بچوں نے اسے

بالکل نہ پہچانا۔ اس نے ٹوپی کا چھجا ماتھے پر کر رکھا تھا۔

ناگ نے سٹیمر کی طرف اشارہ کر کے جاپانی زبان میں کہا۔

''سٹیمر کے سارے سپاہی یہاں آ جائیں''۔

سٹیمر میں کل تین سپاہی تھے۔ ایک انجن چلانے والا تھا۔ ناگ نے اسے بھی بلا لیا۔ جب وہ کشتی کے ڈیک پر آ گئے تو ناگ نے ان کی طرف برین گن تان کر کہا۔

''ہتھیار پھینک دو''۔

جاپانی سپاہی بڑے حیران ہوئے کہ ان کے

کپتان کو کیا ہو گیا ہے۔ تاجر مہدی اور اس کے بیوی بچوں نے اب ناگ کو پہچان لیا تھا۔ ایک جاپانی سپاہی نے چیخ کر کہا۔

''یہ جاسوس ہے''۔

اسی وقت ناگ کی برین گن نے شعلے اگلنا شروع کر دیئے۔

دیکھتے دیکھتے چاروں جاپانی گولیاں کھا کر الٹ کر سمندر میں جا گرے۔

ناگ نے ٹوپی اتار کر تاجر مہدی اس کی بیوی، لڑکیوں اور لڑکے سے کہا۔

''خس کم جہاں پاک۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ

نہ تھا۔ اگر میں انہیں ہلاک نہ کرتا تو یہ ہمیں کبھی نہ چھوڑتے۔ آؤ نیچے سے کپتان اور سپاہیوں کی لاشیں بھی اوپر لا کر سمندر میں پھینک دیں“۔

تاجر مہدی بڑا حیران ہوا کہ ناگ نے کمال بہادری دکھائی تھی۔

ساری لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔

ناگ نے کہا۔

”اب ہمیں اس کشتی کو چھوڑ کر اس جاپانی سٹیمر میں سفر کرنا ہوگا، لیکن پہلے تیل دیکھ لیں کہ تیل کتنے دنوں کا ہے؟“۔

ناگ نے سٹیمر میں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ

وہاں اتنا تیل موجود ہے کہ وہ اس میں ایک مہینے تک سفر کر سکتے ہیں۔

ناگ نے سٹیمر میں سے سیڑھی کشتی میں پھینک کر کہا۔

”سب لوگ کھانے پینے کی چیزیں لے کر سٹیمر پر آ جاؤ اور کشتی سمندر میں چھوڑ دو۔ یہ کسی اور مسافر کے کام آ جائے گی، جلدی کرو“۔

انہوں نے جلدی جلدی کھانے پینے کی چیزیں اٹھائیں اور سٹیمر پر آ گئے۔

وہاں پہلے بھی خوراک کا ذخیرہ موجود تھا۔ انہوں نے اپنی کشتی کو خدا کے حوالے کر کے سمندر میں چھوڑ

دیا۔

ناگ نے سٹیمر کا رخ ہندوستان کی طرف موڑا اور اللہ کا نام لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

رات گذر گئی۔ صبح کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ سٹیمر پر دو طیارہ شکن توپیں، تین بڑی توپیں اور دو مشین گنیں لگی ہوئی تھیں گویا یہ ایک چھوٹا سا جنگی جہاز تھا۔

ناگ نے خوش ہو کر کہا۔

"اس جنگی کشتی سے ہم جاپانیوں کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں"۔

تاجر مہدی کی بیوی نے کہا۔

"بیٹا! تم نے تو کمال کر دیا۔ اگر تم ہوشیاری سے کام نہ لیتے تو اس وقت ہم زندہ نہ ہوتے"۔

لڑکا بولا۔

"لیکن عنبر بھائی! کیبن میں آپ نے جاپانی کپتان کو کس طرح ہلاک کیا۔ ہمیں تو گولی کی آواز تک نہیں آئی۔ اس کے جسم پر خنجر کا زخم بھی نہیں تھا"۔

ناگ مسکراتا رہا۔

مہدی کی لڑکیوں نے بھی یہی بات پوچھی۔

ناگ نے کہا۔

"کبھی تم نے دیکھا نہیں۔ زخم کا نشان اس کے جسم پر تھا"۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بیوی بچے تو کیبن میں جا کر سو گئے۔

تاجر مہدی ناگ کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔

پھر بولا۔

"ناگ بیٹے! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جاپانی کپتان اور دو سپاہیوں کو سانپ نے کاٹا تھا۔ میں نے ان کی گردنوں پر سانپ کے دانتوں کے نشان دیکھے تھے۔ پھر ان کے رنگ بھی نیلے پڑ چکے تھے۔ کیا سچ کوئی سانپ تھا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں! میں نے تم لوگوں سے چھپا کر ایک سانپ پٹارے میں بند کر رکھا تھا۔ بس مصیبت کے وقت میں نے سانپ ان پر چھوڑ دیا"۔

لیکن ناگ کی اس بات سے تاجر مہدی کی تسلی نہ ہوئی۔ سٹیمر سفر کرتا رہا۔

ناگ نے سٹیمر میں پڑے سارے کاغذات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ جنگی کشتی تھرڈ نیوی جنگی جہاز "اوکویاما" کی ہے اور اس کے کپتان کا نام یوشیدا تھا۔

ناگ نے اسی کپتان کی وردی پہن رکھی تھی۔

ناگ نے تاجر مہدی کے خاندان والوں کو خبردار کر رکھا

تھا کہ جونہی وہ دور سے کوئی جاپانی جنگی جہاز دیکھیں فوراً سٹیمر کے نیچے کیبن میں چلے جائیں۔

"میں جاپانیوں کو دھوکے میں رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ ہاں اگر پھر بھی بھانڈا پھوٹ گیا تو جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

جنگی کشتی دوسرے روز بھی سمندر میں سفر کرتی رہی۔ پھر رات آ گئی۔ کوئی خاص واقعہ نہ ہوا۔ کوئی جاپانی جہاز نہ ملا۔

تیسرے روز کا سورج طلوع ہوا تو اچانک سامنے دن کی روشنی میں ایک جاپانی جنگی کشتی انہیں اپنی طرف آتی نظر آئی۔

ناگ نے کہا۔

"فوراً نیچے چلے جائیں۔ یہ جاپانی کشتی سٹیمر ہے"۔

سب لوگ نیچے کیبن میں چلے گئے۔ ناگ نے احتیاطاً چھ سات دستی بم اپنی جیب میں ڈال رکھے تھے۔

اسے ڈر تھا کہ دن کی روشنی میں وہ پہچان لیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کی شکل جاپانیوں جیسی نہیں تھی۔ خواہ وہ جاپانی زبان بڑی آسانی سے بول لیتا تھا۔ اسے اپنی تو کوئی فکر نہیں تھی۔

فکر تو ان لوگوں کی تھی جن کو وہ بچا کر لیے جا رہا

تھا۔ جاپانی سٹیمر اب قریب آ گیا تھا۔

ناگ جاپانی کپتان کی وردی میں ملبوس ڈیک پر جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ جاپانیوں نے وائرلیس پر اس سے رابطہ قائم کیا مگر ناگ انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

انہوں نے کہا۔

"تم کون ہو؟ کس رجمنٹ سے ہو؟"۔

ناگ نے صرف اتنا کہا کہ اس کا نام یوشیدا ہے اور اس کا تعلق جہاز "اوکویاما" سے ہے۔

جاپانیوں نے کشتی قریب کر کے سمندر میں کھڑی کر دی۔ ایک جاپانی سارجنٹ کود کر اس کی کشتی میں آ گیا۔

ناگ نے مسکرا کر جاپانی زبان میں کہا۔

"صبح بخیر! ہم بہت جلد سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے"۔

سارجنٹ نے قریب آ کر ناگ کو گھور کر دیکھا۔

"تم کون ہو؟ جاپانی نہیں لگتے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا نام یوشیدا ہے اور میرا تعلق جنگی جہاز "اوکویاما" سے ہے"۔

سارجنٹ نے کہا۔

"آج کا کوڈ ورڈ کیا ہے؟"۔

جنگ کے دنوں میں ہر فوج روز ایک نیا کوڈ کا لفظ رکھتی ہے جس سے وہ اپنے فوجیوں کی پہچان کرتے ہیں۔

ناگ کو کوڈ ورڈ معلوم نہیں تھا۔ جاپانی سارجنٹ نے پستول نکالتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"یہ انگریز کا جاسوس ہے"۔

اس کے ساتھ ہی جاپانی سپاہی سٹیمر سے کودنے لگے۔ ناگ نے فوراً جیب سے دستی بم نکالا اور پن نکال کر اسے جاپانی سٹیمر پر پھینک دیا۔

ایک دھماکا ہوا اور سپاہی الٹ کر سمندر میں گر گئے۔

جاپانی سارجنٹ نے ناگ پر پستول کے فائر کر دیے۔ ناگ ایک طرف ہٹ گیا۔ اور یکے بعد دیگرے دو بم سٹیمر پر پھینکے۔

سٹیمر میں دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی۔ ناگ نے برین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔

سارجنٹ گولی سے اچھل کر سمندر میں جا گرا۔

جاپانی سٹیمر پر سے مشین گن کی فائرنگ شروع ہو گئی۔

ناگ نے توپ میں گولہ بھر کر جاپانی سٹیمر کو مارا۔ گولے نے سٹیمر کے پرخچے اڑا دیے۔ ناگ نے اپنے سٹیمر کو فل سپیڈ پر سمندر کی جانب چلا دیا۔

کھلے سمندر میں اس نے آ کر دیکھا کہ جاپانی سٹیمر کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے نیچے مہدی خاندان کے افراد کو اوپر بلا لیا۔ وہ سہمے ہوئے تھے۔ ناگ نے انہیں تسلی دی۔

"دشمن نے حملہ کیا تھا مگر خدا نے ہمیں بچا لیا"۔

کچھ دور جا کر ناگ نے سٹیمر کو ایک بار پھر ساحل کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی طرف چلانا شروع کر دیا۔

شام کو تیل دوبارہ بھر دیا گیا۔ چوتھے روز ہندوستان کے جنوب مشرقی علاقوں کے ساحل دکھائی دینے لگے۔

یہ کاکسز بازار کا ساحل تھا۔ ناگ تیسرے پہر سٹیمر کو لے کر کاکسز بازار کے ساحل سے جا لگا۔ یہاں جاپانیوں کی عملداری نہیں تھی، بلکہ انگریزوں کی حکومت تھی۔

انہوں نے مل کر خدا کا شکر ادا کیا۔ سٹیمر کو ساحل پر ہی چھوڑا اور شہر میں آ گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا پہاڑی شہر تھا۔ اونچی نیچی سڑکیں، کہیں کہیں پہاڑیوں میں سرخ چھتوں والے بنگلے نظر آ رہے تھے۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ ناگ انہیں لے کر شہر کے ایک ہوٹل میں آ گیا۔ یہاں انہوں نے رات بسر

کی۔

دوسرے روز ایک ٹرین میں سوار ہو کر کلکتے پہنچ گئے۔

تاجر مہدی سے ناگ نے کہا۔

"اب میرا فرض پورا ہوا۔ آپ اس کی جگہ پر پہنچ گئے۔ اب مجھے اجازت دیجیے، تاکہ میں اپنی بہن اور بھائی کی تلاش میں نکل سکوں"۔

ان لوگوں نے ناگ کا بے حد شکریہ ادا کیا اور اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔

سانپوں کا پٹارا

ناگ ایک بار پھر اکیلا کلکتے میں پھرنے لگا۔

سارا دن وہ شہر کی سیر کرتا رہا اور عنبر اور ماریا کو تلاش کرتا پھرا۔

پھر وہ دریا کے کنارے آ گیا۔ یہاں جنگ کی وجہ سے بندرگاہ پر انگریزوں کے کئی جہاز لنگر ڈالے

کھڑے تھے۔

ناگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کدھر جائے۔ عنبر اور ماریا کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ شام ہو گئی۔

ناگ کو بھوک محسوس ہوئی۔ سوچا کسی جگہ سے کچھ کھایا پیا جائے۔ اتفاق سے اس کے پاس چند ایک روپے ہی رہ گئے تھے۔

وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں آ گیا۔

اس ہوٹل میں دو چار بنگالی بیٹھے دال بھات کھا رہے تھے۔ ناگ شکل سے بنگالی بالکل نہیں لگتا تھا۔ وہ بھی ایک جگہ کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور کھانا منگوا کر

کھانے لگا۔

اس کی انگلی میں زمرد کی ایک انگوٹھی پڑی تھی۔ جو بڑی قیمتی تھی۔

کھانا کھا کر وہ خاموشی سے بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ سامنے بیٹھا ہوا ایک کالا کلوٹا سرخ آنکھوں والا ادھیڑ عمر دبلا پتلا اور تیز نظروں والا بنگالی اسے گھور رہا ہے۔

ناگ اخبار پڑھتا رہا۔

اتنے میں وہ کالا بنگالی اٹھ کر ناگ کے قریب آ کر بولا۔

''بابو! کیا میں آپ کے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟''۔

ناگ نے اخبار میز پر رکھ دیا اور کہا۔

''کوئی خاص بات کرنی ہے آپ نے؟''۔

بنگالی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا اور مسکرا کر کہنے لگا۔

''یہ انگوٹھی آپ کی بڑی خوبصورت ہے، کہاں سے لی تھی آپ نے؟''۔

ناگ کو یہ انگوٹھی اودھ کے شاہی محل سے ملی تھی اور اس کی بڑی قیمت تھی۔ مکار بنگالی کی اس پر نظر تھی۔ وہ اس کی قیمت سے واقف تھا۔

ناگ نے کہا۔

''یہ میرے ایک دوست نے مجھے تحفے میں دی تھی''۔

بنگالی بولا۔

''بہت عمدہ انگوٹھی ہے''۔

پھر موضوع بدل کر پوچھنے لگا۔

''بابو تم کہاں سے آئے ہو، بنگال میں اجنبی لگتے ہو''۔

ناگ نے کہا۔

میں مصر کا رہنے والا ہوں، محنت مزدوری کرنے یہاں آیا ہوں۔

بنگالی نے ناگ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

بابو! یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں اپنا ایک مکان

بنوا رہا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو میرے ہاں منشی کا کام کر سکتے ہو۔

کھانا پینا مفت اور رہنے کو جگہ بھی دوں گا، کیا تم پسند کرو گے؟۔

ناگ نے سوچا کہ چلو کچھ دیر اس کے ہاں ہی قیام کرتے ہیں، اتنی دیر میں آرام سے عنبر اور ماریہ کی تلاش بھی ہو جائے گی۔

آخر حرج ہی کیا ہے، چنانچہ ناگ نے حامی بھر لی۔ اسے یہ بالکل خیال نہ رہا کہ اس مکار کی نگاہ ناگ کی قیمتی زمرد کی انگوٹھی پر ہے۔

بنگالی نے ناگ کو ساتھ لیا اور ایک رکشا میں بٹھا

کر شہر سے باہر ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔

ایک تالاب تھا۔ پیچھے جنگل تھا۔ تالاب کے کنارے ایک مکان بن رہا تھا۔ وہاں کوئی مزدور کام نہیں کر رہے تھے۔

پاس ہی ایک جھونپڑا سا بنا تھا۔

بنگالی نے کہا۔

”بابو! آج مزدوروں نے درگا پوجا کی چھٹی کر رکھی ہے۔ تم اس جھونپڑی میں رہ سکتے ہو، یہاں تمہیں ہر شے مل جائے گی۔ تم آرام کرو، میں کل آؤں گا۔ مزدور بھی کل آ جائیں گے“۔

بنگالی واپس چلا گیا۔

ناگ نے جھونپڑی میں آ کر دیکھا کہ وہاں ایک طرف چاول اور دال کے کنستر پڑے تھے۔ ناریل کے تیل کی بوتل، ماچس، لالٹین اور ترکاری بھی پڑی تھی۔

ایک چولہا تھا۔ ناگ نے رات کو چولہا جلا کر چاول وغیرہ پکا کر کھائے اور چٹائی پر لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی۔ جانے رات کتنی گزری ہو گی کہ آہٹ پر اس کی آنکھ کھل گئی۔

جھونپڑی میں لالٹین بجھ گئی تھی۔ اندر اندھیرا تھا۔ باہر چاندنی پھیلی تھی۔

ناگ نے چاند کی روشنی میں دیکھا کہ وہ مکار بنگالی جھونپڑی کے دروازے پر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پٹارا تھا۔

وہ دبے دبے قدم اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ جھونپڑی کے دروازے پر آ کر اس نے پٹارے کا منہ کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔

پٹارے میں سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکلا اور جھونپڑی کی طرف رینگنے لگا۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ مکار بنگالی اسے سانپ سے ہلاک کروا کر اس کی زمرد کی قیمتی انگوٹھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ اس کی نادانی پر مسکرا دیا اور اسی طرح چٹائی پر لیٹا رہا۔

بنگالی ایک درخت کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ سانپ رینگتا رینگتا جھونپڑے کے اندر آ کر اپنا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

عنبر نے ایک گہرا سانس لیا۔ سانس کی آواز پر سانس پر جیسے کپکپی سی طاری ہو گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

اس کا پھن سمٹ گیا اور وہ زمین پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

ناگ نے اس سے پوچھا۔

"تم کس لیے آئے ہو؟"۔

سانپ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے مقدس دیوتا! اس بد بخت بنگالی نے جو میرا مالک ہے، مجھے تمہیں ہلاک کرنے کے لیے اس جھونپڑی میں بھیجا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"۔

سانپ بولا۔

"مقدس دیوتا! میرا سب کچھ تم پر قربان، میں اس گستاخ بنگالی کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں ابھی واپس جا کر اسے ہلاک کرتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں ابھی اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔ باقی میں سنبھال لوں گا"۔

سانپ نے سر جھکا کر تعظیم بجا لائی اور واپس جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ سانپ کو جھونپڑی سے باہر آتے دیکھ کر مکار بنگالی درخت کے پیچھے سے پٹارا لے کر نکل آیا۔

اس نے سانپ کو واپس پٹارے میں رکھ لیا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ سانپ نے بابو کو ڈس دیا ہوگا۔ بڑا ہی خطرناک سانپ تھا۔

اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تھا۔ یعنی جسے کاٹتا تھا، اسے اتنی مہلت بھی نہ ملتی تھی کہ وہ پانی بھی مانگ سکے اور مر جاتا تھا۔

بنگالی لپک کر جھونپڑی میں آ گیا۔

ناگ چٹائی پر لیٹا تھا۔ بنگالی نے اسے جھک کر غور سے دیکھا۔

ناگ نے کہا۔

"کیا بات ہے بنگالی بابو! رات کو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

بنگالی چونک کر پرے ہٹ گیا۔ پھر جب دیکھا کہ بابو تو زندہ ہے، کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

"کچھ نہیں بابو! اصل میں میری ایک چادر یہاں رہ گئی تھی۔ سامنے مکان میں سو رہا تھا کہ سردی لگی، سوچا کہ چل کر چادر ہی لے آؤں۔ اچھا تم آرام کرو، میں جاتا ہوں۔"

بنگالی باہر نکل گیا۔ وہ بڑا حیران تھا کہ سانپ نے اسے ڈسا کیوں نہیں۔

شاید سانپ کو معلوم نہیں ہوا کہ ایک آدمی سو رہا ہے یا شاید سانپ کا جی چاہا نہیں کاٹنے کو۔ کیونکہ سانپ بہت کم بغیر کسی وجہ سے کاٹتے ہیں۔

پھر بھی وہ ناکام ہو گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا وہ ایک بار پھر کوشش کرے گا۔ وہ خود ناگ کو ہلاک کر سے قتل کے جرم کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے دن مکان پر مزدوروں نے آ کر کام شروع کر دیا۔

ناگ نے ان کی دیکھ بھال کا کام سنبھال لیا۔

رات کو وہ پھر جھونپڑے میں سونے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چپکے سے جھونپڑی سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ مکار بنگالی کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ تالاب کے اوپر سے ہو کر اس پرانے مکان کے عقب میں آ گیا جہاں رات کو بنگالی سویا کرتا تھا۔

ایک کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ اندر دو آدمی باتیں کر رہے تھے۔ اس نے

کھڑکی کی درز میں سے جھانک کر دیکھا۔

بنگالی کے پاس ایک اور آدمی بیٹھا تھا۔

بنگالی کہہ رہا تھا۔

"دادا! اگر تم اسے ہلاک کر دو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا"۔

دادا نے کہا۔

"سو روپے تھوڑے ہیں۔ اگر تم مجھے دو سو روپے دے دو تو میں ابھی جا کر اسے قتل کر دوں گا، کیا تمہیں منظور ہے؟"۔

بنگالی نے کچھ دیر غور کیا، پھر سر ہلا کر بولا۔

"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے"۔

"تو پھر سو روپے پہلے دے دو"۔

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟"۔

دادا بدمعاش بولا۔

"نہیں، یہ بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ ہمارا کاروبار ہے۔ میں نے اس سے پہلے جتنے آدمیوں کو قتل کیا، ان کے قتل کی آدھی رقم پیشگی رکھوالی تھی۔ اگر تم مجھے پیشگی رقم دینے پر تیار ہو تو میں تمہارے آدمی کو قتل کروں گا۔ نہیں تو میں جا رہا ہوں"۔

بنگالی نے جیب سے سو روپے نکال کر کہا۔

"اچھا بابا! یہ لو سو روپے، مگر یاد رکھنا۔ اس کی گردن کاٹ کر میرے پاس لانی ہوگی"۔

دادا نے مسکرا کر دھوتی کے اندر سے تیز دھار والا چھرا نکال کر کہا۔

''ارے فکر نہ کرو، ابھی اتارتا ہوں اس کی گردن''۔

وہ اٹھا ہی تھا کہ ناگ بھاگ کر جھونپڑی میں چلا گیا۔

اس نے اندر جاتے ہی لالٹین بجھا دی۔ چٹائی پر کھیس اور سرہانے کو یوں لپیٹ کر رکھ دیا۔ جیسے کوئی سو رہا ہو اور خود سانپ کا روپ دھار کر کونے میں ایک جگہ پھن اٹھا کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں وہ بدمعاش قاتل چھرا ہاتھ میں لیے جھونپڑی میں داخل ہوا اور اندھیرے میں پھونک

پھونک کر قدم اٹھاتا چٹائی کی طرف بڑھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کا شکار چادر اوڑھے چٹائی پر سو رہا ہے۔ وہ ہنسا۔ اس سے پہلے بھی وہ جانے کتنے لوگوں کا قتل کر چکا تھا۔

یہ ایک پیشہ ور کرائے کا قاتل تھا۔

آگے بڑھ کر اس نے چھرے کو لہرا کر چٹائی پر پڑے سرہانے میں گھسیڑ دیا۔ جب اسے کوئی چیخ سنائی نہ دی تو چادر کو پرے پھینک دیا۔

دیکھا کہ وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑا پریشان ہوا۔ ادھر ادھر جھونپڑی میں اپنے شکار کو تلاش کرنے لگا، لیکن اس دوران میں ناگ نے اسے تلاش کر لیا

تھا۔

اس نے لپک کر قاتل کی پنڈلی پر ڈسا اور اندھیرے میں رینگتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔

قاتل کے منہ سے چیخ کی آواز نکلی اور وہ زمین پر گر پڑا۔

زہر اس قدر خطرناک تھا کہ قاتل نے دوسری آواز نہ نکالی۔ اس کے ناک، کان، منہ سے خون جاری ہو گیا۔

چیخ کی آواز بنگالی نے بھی سنی تھی، وہ بڑا خوش ہوا کہ کام بن گیا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ چیخ کی آواز اس کے شکار کی تھی۔

خوش خوش کمرے کے باہر آ کر برآمدے میں بیٹھ گیا اور قاتل کا انتظار کرنے لگا کہ وہ اس کے شکار کا سر لائے اور بعد میں وہ جا کر زمرد کی انگوٹھی پر قبضہ جمالے گا۔

کافی دیر انتظار کرنے کے بعد جب کرائے کا قاتل نہ آیا تو بنگالی بڑا حیران ہوا۔

آخر وہ اٹھ کر جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ وہ دروازے کے قریب آ کر آہستہ ہو گیا اور دبے دبے اندر گیا۔

لالٹین بجھی ہوئی تھی، لیکن باہر کی ہلکی ہلکی چاندنی کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

بنگالی نے اندر جا کر دیکھا کہ بابو تینگی اس کا شکار تو اپنی جگہ یعنی چٹائی پر بڑے آرام سے سو رہا تھا اور جس شخص کو اس نے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کی لاش زمین پر پڑی ہے۔

وہ ششدر ہو کر رہ گیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اس نے قاتل کی لاش اٹھائی اور اسے باہر لے آیا۔ پھر اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔ یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ قاتل کو کسی سانپ نے ڈس لیا تھا۔

اس نے قاتل کی لاش کو ایک گڑھے میں چھپا دیا۔

صبح ہوئی، دن نکل آیا۔ ناگ زیرِ تعمیر مکان پر مزدوروں کے پاس کھڑا کام کر رہا تھا کہ بنگالی اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"بنگالی بابو! کام ٹھیک ہو رہا ہے نا؟"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، بالکل ٹھیک ہو رہا ہے"۔

ناگ نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"رات مجھے اپنی جھونپڑی میں کسی سانپ کی پھنکار سنائی دی تھی۔ کیا یہاں سانپ زیادہ ہوتے ہیں؟"۔

بنگالی شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔

"نہیں تو۔ یہاں تو بہت کم سانپ دیکھنے میں

آتے ہیں۔ ویسے ہو سکتا ہے، کوئی سانپ ادھر سے گزرا ہو۔ میرا خیال ہے تم کل سے میرے مکان والے کمرے میں آ کر سویا کرو، کیا خیال ہے؟''۔

''جیسے تمہاری مرضی''۔

ناگ بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس بنگالی کے مکان میں کسی طرح پہنچ کر معلوم کرے کہ کہیں اس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے تو نہیں ہے جن کو عنبر یا ماریہ کا علم ہو؟۔

دوسری رات ناگ بنگالی کے مکان والی کوٹھڑی میں آ گیا۔ آج رات بنگالی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ ناگ کو ضرور ٹھکانے لگائے گا۔

اس نے ایک گڑھا بھی چن لیا تھا جہاں وہ ناگ کی لاش دبا دے گا۔ یہ گڑھا مکان کے پچھواڑے تھا۔ ناگ رات کو کچھ دیر بنگالی کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور پھر اپنی کوٹھڑی میں جا کر سو گیا۔

اس نے اندر سے کنڈی چڑھا لی تھی۔

لیکن کھڑکی پر کوئی کنڈی نہیں تھی۔

آدھی رات کو بنگالی نے ایسا کیا کہ سانپ کا پٹارا لیا اور جس کوٹھڑی میں ناگ سو رہا تھا۔ اس کی کھڑکی میں سے سانپ اندر پھینک دیا۔

کالا سانپ کوٹھڑی میں گرتے ہی ناگ کے سامنے جا کر سربسجود ہو گیا۔ یعنی اس نے ناگ کے

آگے جا کر اپنا سر جھکا دیا۔

ناگ جاگ رہا تھا۔ اس نے بنگالی کو اندر سانپ چھپتے دیکھ لیا تھا۔

سانپ نے کہا۔

''مقدس دیوتا! اب مجھ سے اس بد بخت کی گستاخی برداشت نہیں ہو سکتی۔ اس نے دوسری بار آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے حکم دیجیے کہ میں جا کر اس پاپی کو ٹھکانے لگا دوں۔''

ناگ نے کہا۔

''تھوڑی دیر رک جاؤ، یہ میرا شکار ہے، میں خود اسے ہلاک کروں گا۔ تم ایک طرف دیوار کے ساتھ

لگ کر بیٹھ جاؤ اور تماشہ دیکھو۔''

سانپ دیوار کے ساتھ لگ کر چپکا ہو کر بیٹھ گیا۔

ناگ نے اس دوران چٹائی پر سے اٹھ کر آنکھیں بند کیں اور دوسرے لمحے وہاں کمرے میں اس کی جگہ ایک زرد دھاریوں والا طاقتور خونخوار شیر کھڑا تھا۔

شیر کونے میں جا کر چھپ گیا اور بنگالی کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ بنگالی اپنے کمرے سے نکل کر دبے پاؤں چلتا ناگ کی کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔

اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر سے

ناگ کے خراٹوں کی آواز تو نہیں آ رہی؟۔

اندر گہری خاموشی چھائی تھی، لیکن ایک عجیب بات تھی کہ بنگالی نے اندر سے ویسی بدبو محسوس کی جیسی کہ اس جنگل سے آیا کرتی ہے۔

جہاں شیر شیرنیاں رہتی ہوں۔ وہ کچھ حیران سا ہوا کہ یہ بدبو کہاں سے آ رہی ہے؟۔

پھر اس نے سوچا کہ بھلا شیر یہاں کہاں سے آ سکتا ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے کھڑکی میں سے کود کر کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔

اندر جاتے ہی اس نے شیر کی بدبو کو تیز ہوتے محسوس کیا۔ اب اسے کسی جانور کے گہرے گہرے

سانس لینے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

پھر اسے ہلکی سی غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ بنگالی کو پسینہ آ گیا۔

اس نے آہستہ سے گردن گھما کر بائیں جانب دیکھا۔

اندھیرے میں شیر کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس کے سامنے چار گز کے فاصلے پر ایک زبردست خونخوار قسم کا شیر کھڑا تھا۔ بنگالی کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

اس کا حلق خشک ہو گیا۔ خون سمٹ کر اس کے دل

میں آ گیا اور دل کی دھڑکن ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔

شیر آگے بڑھا۔ بنگالی اپنی جگہ پر پتھر کا بت بن چکا تھا۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھی۔ اس کے ہونٹوں سے ہلکی ہلکی کراہنے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

شیر اس کے بالکل قریب آ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ناگ نے سوچا کہ اب اسے اپنے انسانی روپ میں واپس آ جانا چاہیے۔

چنانچہ وہ ایک دم سے پھر انسان بن گیا۔ بنگالی نے جب دیکھا کہ شیر غائب ہو کر انسان بن گیا ہے تو ہوا اور زیادہ حیران ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

”یہ سارا کھیل تم نے اس لیے رچایا تھا کہ میری زمرد کی انگوٹھی چوری کر سکو؟ لیکن تم شاید نہیں جانتے تھے کہ میں کون ہوں؟ کیا اب تمہیں پتہ چل گیا ہے کہ میں کون ہوں؟“۔

بنگالی نے لرزتی، کانپتی آواز میں کہا۔

”مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بڑی بھول۔۔۔۔“

اس کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔ ناگ نے سانپ کو اشارہ کیا۔

”سامنے آ کر اس کی خبر لو، اس نے کئی آدمیوں کو ہلاک کیا ہوا ہے“۔

سانپ پھنکار کر اندھیرے کونے سے نکل کر

بنگالی کے سامنے آ گیا۔ بنگالی کے منہ سے دبی دبی چیخ سی نکل گئی۔

"مجھے معاف کر دو"۔

ناگ نے کہا۔

"کیا تمہیں اس لیے معاف کر دوں کہ تم آگے سے بھی بے گناہ لوگوں کو لوٹنے کے لیے، انہیں قتل کرتے پھرو؟ ہرگز نہیں۔ برائی کا جتنی جلدی خاتمہ ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے"۔

پھر اس نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ نے اچھل کر بنگالی کی گردن پر ڈس دیا۔

بنگالی دہشت سے فرش پر گر پڑا۔ زہر نے تیزی سے اپنا اثر دکھایا اور وہ اکڑ گیا۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے سارے سانپوں کو بلا کر اس قاتل کی لاش کو یہاں سے غائب کر دو"۔

سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"ایسا ہی ہوگا مقدس دیوتا"۔

سانپ نے منہ اوپر اٹھا کر اپنے حلق سے ایک عجیب سیٹی کی آواز نکالی۔

تھوڑی دیر بعد وہاں سانپ ہی سانپ آ گئے۔ سانپ نے اندر آ کر ناگ کے آگے سر جھکایا، پھر وہ لاش پر جھک گیا۔

سارے سانپ اس لاش کو چمٹ گئے۔ انہوں نے لاش کو کھانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب سارے سانپ ہٹے تو وہاں نہ لاش تھی نہ اس کی ہڈیاں۔

لاش غائب ہو چکی تھی۔

ایک ایک کر کے سارے سانپ جھک کر آداب بجا لاتے ہوئے کوٹھڑی سے باہر نکل گئے۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

''اب میں یہاں سے جا رہا ہوں، تمہارا شکریہ''۔

''تم بھی جا سکتے ہو''۔

سانپ نے کہا۔

''اگر میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو مجھے حکم دیں، میں حاضر ہوں''۔

ناگ نے کہا۔

''اگر اس جگہ کوئی خزانہ دفن ہے تو تم مجھے وہاں سے تھوڑا سا سونا یا جواہرات لا کر دے دو، کیونکہ میرے پاس روپے ختم ہو چکے ہیں''۔

''میں ابھی لاتا ہوں مقدس دیوتا''۔

سانپ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس نے منہ میں جواہرات کا ایک ہار پکڑ رکھا تھا۔

ناگ نے ہار لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ سانپ نے ادب سے سلام کیا اور واپس چلا گیا۔

دوسرے دن ناگ بھی وہاں سے چل پڑا اور شہر میں آ گیا۔

اب اسے ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ کسی دکان پر جا کر اس ہار کو فروخت کرے اور اپنے لیے کچھ کپڑے خریدے۔

وہ شہر کے گنجان آباد علاقے میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''بھائی! یہاں جوہری کی دکان کہاں ہوگی؟''۔

اس آدمی نے ناگ کو جوہری کی دکان کا پتہ بتا دیا۔

ناگ جوہری کی دکان پر آ گیا۔ یہ ایک ناٹے قد کا جوہری تھا جس کی توند باہر کو نکلی ہوئی تھی۔

ناگ نے اسے ہار دکھا کر کہا۔

''میں یہ ہار فروخت کرنا چاہتا ہوں''۔

جوہری نے ہار دیکھا تو دنگ رہ گیا، کیونکہ ایسا قیمتی ہار اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ہار بنگال کے بادشاہوں کا تھا۔ اس نے ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا۔

''برخوردار! تم نے یہ ہاں کہاں سے لیا ہے؟''۔

ناگ نے کہا۔

''بھائی چاہے میں نے جہاں سے بھی لیا ہو، تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، تم یہ بتاؤ

کہ اس کے کتنے روپے دے سکتے ہو؟"۔

جوہری نے کہا۔

"میں اس کے تمہیں پانچ ہزار روپے دے سکتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا، جلدی سے دو"۔

جوہری کو اب یقین ہو گیا کہ اس نوجوان نے ہار کہیں سے چوری کیا ہے، کیونکہ اس ہار کی اصل قیمت دس لاکھ روپے کے قریب تھی۔

جوہری کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔ اس نے ہار تجوری میں رکھا اور پانچ ہزار روپوں کے نوٹ اس

کے سامنے رکھ دیئے۔

ناگ نے نوٹ سنبھالے اور وہاں سے چل دیا۔

ایک دوسرے بازار میں آ کر وہ ایک کپڑوں کی دکان میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک نیا جوڑا خرید کر پہنا، نئے جوتے پہنے اور باقی رقم جیب میں رکھ کر دکان سے باہر آ گیا۔

ناگ بازاروں کی سیر کرتا رہا۔ شہر کے سب سے خوبصورت علاقے میں آ گیا۔

یہاں سڑکیں چوڑی تھیں اور بڑے بڑے ہوٹل اور عمارتیں کھڑی تھیں۔

ناگ ایک عمارت کے قریب سے گزر رہا تھا کہ

کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔

اس کے سامنے ایک سوکھا ساکھا کانا بنگالی کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

کانے بنگالی نے مسکرا کر کہا۔

"میں تمہارا بھائی ہوں"۔

"کیا مطلب؟"۔

کانا ہنس پڑا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں چور ہوں، میرے پاس بہت کچھ ہے، اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم دونوں مل کر کروڑپتی بن سکتے ہیں"۔

ناگ ہنس دیا، کہنے لگا۔

"تمہیں بھول ہوئی ہے، میں چور نہیں ہوں"۔

"پھر تم نے وہ قیمتی ہار کہاں سے لیا تھا؟"۔

"مجھے کسی نے دیا تھا"۔

"یار! کیوں جھوٹ بول رہے ہو، میں کوئی پولیس کا سپاہی تو ہوں نہیں"۔

ناگ بولا۔

میں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں، قیمتی ہار میں نے چوری نہیں کیا تھا۔ کانے بنگالی نے پستول نکال کر ناگ کی

پسلیوں کے ساتھ لگا دی۔

چپکے سے ساتھ والی گلی میں گھوم جاؤ، اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا۔

ناگ مجبور ہو گیا۔ جنگ کے زمانے میں وہاں قتل کی وارداتیں ہوتی ہی رہتی تھیں۔

وہ خاموشی سے کانے بنگالی کے آگے آگے چل پڑا اور گلی میں گھوم گیا۔ یہاں سے کانا بنگالی اسے ایک تاریک گلی میں لے گیا۔

آگے دو بنگالی کھڑے تھے۔ انہوں نے ناگ کو جھپٹ لیا اور اسے کھینچتے ہوئے ایک کوٹھڑی میں لے جا کر اسے رسیوں سے باندھ دیا اور بند کر دیا۔

شام کو اسے کھانے کے لیے دال بھات دیا گیا۔

اب کانے بنگالی نے ایک بار آ کر ناگ کو اپنے ساتھ ملنے اور خزانے کا راز بتانے کی پھر کوشش کی مگر ناگ نے کہا۔

"مجھے کسی خزانے کا علم نہیں ہے، میں سچ کہہ رہا ہوں"۔

کانے بنگالی نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اسے ختم کر دو"۔

انہوں نے ناگ کی جیب سے سارے روپے پہلے ہی چھین لیے تھے۔

دوسرے بنگالی نے چھرا نکال لیا۔ اب ناگ کو واقعی اپنی فکر پڑ گئی کہ اگر اس نے دیر کی تو یہ لوگ تو اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اس نے کہا۔

''ٹھہرو! میں خزانے کا پتا بتاتا ہوں''۔

چھرے والا بنگالی رک گیا۔

کالے بنگالی نے مسکرا کر کہا۔

''اب آئے نا ٹھیک راہ پر، بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟''۔

ناگ نے کہا۔

''جس جگہ تم کھڑے ہو، اسی جگہ خزانہ دبا ہوا ہے''۔

اس بات پر سارے حیران ہوئے پھر کالے بنگالی نے کہا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے۔ بھلا یہاں خزانہ کہاں سے آ سکتا ہے۔ اسے ختم کر دو''۔

ناگ نے کہا۔

''میری رسیاں کھول دو، میں تمہیں اسی جگہ سے خزانہ نکال کر دکھا دیتا ہوں''۔

تینوں بنگالی ڈاکو ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

کالے نے کہا۔

''رسیاں کھول دو، بھلا یہ بھاگ کر کہاں جائے

گا؟"۔

انہوں نے ناگ کی رسیاں کھول دیں اور پستول تان کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ نے پھاوڑا لے کر جگہ کھودنی شروع کر دی۔ اس دوران میں اس نے آنکھیں بند کر کے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی اور سانپ کو اطلاع کر دی تھی کہ خزانہ اس جگہ لایا جائے۔

تھوڑی سی زمین کھودنے کے بعد ہی زمین میں سے ایک صندوق نکل آیا جو جواہرات اور سونے کے زیوروں سے بھرا ہوا تھا۔

ڈاکوؤں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ

گئیں۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کالے بنگالی نے ناگ کا منہ چوم لیا۔

شاباش! تم نے کمال کر دکھایا۔ ہمیں خبر ہی نہیں تھی کہ ہماری کوٹھڑی میں ہی خزانہ دفن ہے۔

دوستو! جلدی سے خزانے کو آپس میں بانٹ لو۔

ناگ نے کہا۔

"سب سے پہلے کمرے کا دروازہ بند کر لو، تا کہ باہر سے کوئی اندر نہ آ جائے"۔

انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

پھر انہوں نے صندوق سے جواہرات، قیمتی ہار

اور سونے کے زیور نکال کر زمین پر ڈھیر کرنے شروع کر دیے۔

اب ناگ کا حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک پل کے اندر اندر وہ ایک بہت بڑا ہاتھی بن کر سامنے آ گیا۔ ہاتھی کی وجہ سے سارا کمرہ بھر گیا۔

اس کو دیکھ کر بنگالی ڈاکوؤں کے طوطے اڑ گئے۔ ایک بنگالی تو غش کھا کر گر پڑا۔

ناگ نے اپنی سونڈ بڑھا کر دو بنگالیوں کو پکڑا اور زمین پر دے مارا۔ دونوں اگلی دنیا کو چلے گئے۔ کانا بنگالی کونے میں دبکا کانپ رہا تھا۔

ناگ جلدی سے واپس انسانی شکل میں آ گیا اور پستول اٹھا کر کانے بنگالی کے سینے پر رکھ کر کہا۔

"اب تمہیں پتہ چلا کہ میں نے خزانہ کہاں سے لیا تھا اور یہ کہ میں کون ہوں؟"۔

کانا بنگالی لرز رہا تھا، کانپ رہا تھا، اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور ناگ کے آگے سجدہ کر دیا۔

"گنیش مہاراج کی جے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں گنیش مہاراج نہیں ہوں۔ لیکن ایسے لگتا ہے

جیسے تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے''۔

کالا بنگالی گڑگڑانے لگا۔

''معاف کر دو مہاراج! مقدس دیوتا! میں آج کے بعد کوئی برا کام نہیں کروں گا، کسی کا مال نہیں چوری کروں گا۔ میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے میں نیک آدمی بن کر زندگی بسر کروں گا''۔

ناگ نے پستول جیب میں رکھ لیا۔

''میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اب ایسا کرو کہ اس خزانے کو واپس زمین میں دفن کر دو''۔

کالے بنگالی نے خزانہ پھر سے زمین میں دفن کر کے اوپر مٹی ڈال دی۔

ناگ نے اپنے روپے واپس لے کر جیب میں رکھے اور کمرے سے باہر آ کر کالے بنگالی سے کہا۔

''اب تم آزاد ہو لیکن خبردار! اب کبھی چوری نہ کرنا''۔

کالے بنگالی نے کہا۔

حضور! کیا میں اس خزانے میں سے کچھ دولت لے سکتا ہوں؟ میں نے اپنی زمین مہاجن سے آزاد کرانی ہے۔

اس نے میری زمین قرض کی رقم ادا نہ ہونے کی وجہ سے ضبط کر رکھی ہے۔

ناگ نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے جو خزانہ ابھی ابھی تم نے زمین میں دفن کیا ہے۔ اب وہ وہاں نہیں ہے۔ اسے سانپ اٹھا کر شہر سے دور جنگل میں اس مقام پر لے گئے ہیں جہاں وہ پہلے دفن تھا۔

اگر تمہیں یقین نہیں آئے تو زمین کھود کر دیکھ لو۔

کالا بنگالی بولا۔

"مجھے تم پر اعتبار ہے مقدس دیوتا!"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن اس کے باوجود میں مہاجن کے پاس جا کر اس سے تمہاری زمین واپس دلا سکتا ہوں، تم مجھے اس کے پاس لے چلو"۔

کالے بنگالی نے ناگ کی کرامت دیکھ لی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ مہاجن سے اس کی زمین ضرور واپس لے دے گا۔

وہ اسے ساتھ لے کر شہر کے پرلے کنارے گھاٹ کے پاس ایک مکان میں لے گیا اور بولا۔

"یہ مہاجن کا مکان ہے۔ اس نے غریب لوگوں کی زمینیں ہتھیا ہتھیا کر لاکھوں کی جائیداد بنا رکھی ہے۔ اس نے مجھے بھی تباہ کر دیا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"کوئی بات نہیں، تم میرے ساتھ آؤ"۔

ناگ بنگالی کو لے کر مہاجن کے گھر آ گیا۔

مہاجن نے ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہو؟ کیا اس جھوٹے کی سفارش لے کر آئے ہو یا زمین کے عوض لی گئی رقم لے کر آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کی زمین واپس کردو"۔

مہاجن نے کہا۔

"پہلے یہ میرے دس ہزار روپے کی رقم واپس کر دے پانچ ہزار کی اصل رقم اور پانچ اس پر سود کی رقم۔ پھر زمین واپس کروں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میری طرف دیکھو"۔

مہاجن نے ناگ کی طرف دیکھا اور ہنس کر کہا۔

"بیٹا تنگ کسی اور جگہ جا کر کرو، بھاگ جاؤ یہاں سے"۔

لیکن اس عرصے میں ناگ ایک بہت بڑا اژدہا بن کر سامنے آ چکا تھا۔

اس بڑے سانپ یعنی اژدہا کے سر پر چھ سر اور بنے تھے۔ ہر سر میں سے چھ چھ زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔

مہاجن کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”جے بھولا ناتھ جے! جے وشوا ناتھ!“۔

ناگ ایکدم سے واپس انسانی شکل میں آ گیا۔

اور بولا۔ ”اس کی رقم واپس کرتے ہو یا میں ابھی اسی جگہ تمہیں ہڑپ کر جاؤں؟“۔

مہاجن نے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

”جے بھولا ناتھ! ابھی واپس کرتا ہوں مائی باپ! ابھی واپس کرتا ہوں“۔

مہاجن نے اسی وقت بنگالی کی رقم واپس کر دی۔ کانا بنگالی رقم لے کر ناگ کے ساتھ باہر آ گیا۔ مہاجن کو ایکدم سے غش آ گیا۔

اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ناگ ہنس پڑا اور مہاجن کو

بے ہوش ہی چھوڑ کر واپس شہر میں آ گیا۔ یہاں وہ کانے بنگالی سے بھی الگ ہو گیا اور دریا کے کنارے کنارے ایک طرف کو چل دیا، وہ کانے بنگالی کو اب ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دینا چاہتا تھا اگرچہ بنگالی کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ناگ کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔

ایک ہفتے کے بعد ناگ ایک ہوائی جہاز میں بیٹھا تھا اور ہوائی جہاز استنبول کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

ناگ کا پروگرام تھا کہ وہ استنبول سے کسی نہ کسی طرح لندن جانے کی کوشش کرے گا تاکہ وہاں عنبر اور ماریا سے مل سکے۔

آگے کیا ہوا۔۔؟

☆ عنبر اور ماریا برمن شہر میں کس مصیبت میں پھنس گئے؟۔

☆ ناگ پر استنبول شہر میں کیا گذری؟۔

☆ کیا تینوں بہن بھائیوں کی ملاقات ہوئی؟۔

☆ یہ جاننے کے لیے 66 ویں قسط پڑھیے۔

پراسرار سگنل

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 66)

اے حمید

فہرست

پراسرار سگنل
اندھا جاسوس
بھیانک دھماکہ
گولہ باری تیز کرو
لائٹ ہاؤس
ناگ بے ہوش ہو گیا

پیارے بچو!

اس قسط میں آپ وہ عجیب و غریب، پراسرار اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات پڑھیں گے جو ناگ کے ساتھ پیش آئے۔

استنبول پہنچ کر ناگ ایک مال بردار انگریزی جہاز پر سوار ہو کر لندن کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جہاز پر دشمنوں کی آبدوز حملہ کر دیتی ہے۔

وہاں صرف فوجی ہوائی جہاز اترتے اور پرواز کرتے ہیں۔

کلرک نے کہا۔

"اگر آپ کا لندن جانا بہت ضروری ہے تو پھر ایک ہی صورت ہے"۔

"وہ کون سی؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

کلرک نے کہا۔

"آپ سے جے تھامپسن والوں سے مل لیں۔ ان کا ایک بحری جہاز کل رات لندن کو جا رہا ہے"۔

ہو سکتا ہے اس جہاز میں آپ کو مل جائے۔ صرف اسی صورت میں آپ لندن جا سکتے ہیں۔

ناگ وہاں سے نکل کر ٹیکسی میں سوار ہو کر سیدھا جے تھامپسن کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے منیجر سے بات کی اور کہا کہ وہ پانچ ہزار روپے دینے کو تیار ہے۔

اس کا لندن جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں اس کی ماں بہت سخت بیمار ہے۔

منیجر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مسٹر! لیکن ہم کسی مسافر کو ساتھ نہیں لے جا رہے۔ کیونکہ راستے میں خطرہ ہے"۔

جرمن جنگی آبدوزیں مال بردار جہازوں کو بھی تارپیڈو مار کر ڈبو رہی ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے مینیجر صاحب"۔

جہاں آپ جا رہے ہیں، وہاں مجھے بھی لے جائیں۔ میں آپ کے ساتھ ہی اپنی زندگی کو داؤ پر لگانا چاہتا ہوں۔

اگر میری قسمت اچھی ہوئی تو لندن پہنچ جاؤں گا۔

مینیجر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ ضد کرتے ہیں تو میں آپ کو لے جانے پر تیار ہوں"۔

"شکریہ"۔

ناگ نے اسی وقت مینیجر کو پانچ ہزار روپے ادا کر دیے۔ دوسری رات کو وہ ٹھیک وقت پر بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

بندرگاہ پر یہ مال بردار جہاز ایک الگ جیٹی پر کھڑا تھا۔ رات کو سارے شہر میں بلیک آؤٹ تھا کیونکہ استنبول پر بھی ایک طرح سے جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔

جہاز کافی بڑا تھا اور اسے سیاہ رنگ کر دیا گیا تھا۔ شب کے اندھیرے میں وہ ایک بہت بڑا پہاڑ لگ رہا تھا۔ اندر کہیں کہیں بڑی ہی مدھم ڈھکی ہوئی روشنیاں ہو رہی تھیں۔

ناگ کو مینیجر نے دیکھ لیا۔ وہ اسے ساتھ لیکر جہاز پر چلا گیا۔ اس نے دوسری منزل پر ایک چھوٹا سا کیبن کھول کر کہا۔

"مسٹر ناگ! یہ آپ کی کیبن ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ زیادہ وقت اپنے کیبن میں ہی رہیں گے، کیونکہ جنگ کا زمانہ ہے اور پھر ہمیں اس جہاز پر کسی مسافر کو ساتھ لے جانے کی اجازت بھی نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں زیادہ وقت اپنے کیبن میں وقت گذارنے کی کوشش کروں گا"۔

آدھی رات کو جہاز نے ایک ہلکا سا وسل دیا اور اس کے سارے انجن سٹارٹ ہو گئے۔

انجنوں کی دھمک ناگ اپنے کیبن کے فرش پر پوری طرح محسوس کر رہا تھا، جہاز نے آہستہ آہستہ بندرگاہ کو چھوڑنا شروع کر دیا۔

ناگ دن بھر کا تھکا مارا تھا۔ وہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے شیشے کے گول سوراخ میں سے دیکھا۔ باہر گہرے نیلے سمندر پر سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ناگ کو یہ سنہری روشنی بڑی پیاری لگی۔ وہ اپنے کیبن میں ہی بیٹھا رہا۔ اس نے منہ ہاتھ دھو کر دوسرے کپڑے بدلے اور کرسی پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر میں مینیجر اس کے پاس گیا۔ اس نے ناگ کو سلام کیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"مسٹر ناگ صبح بخیر! رات آرام سے سوئے؟"۔

ناگ نے کہا۔

مجھے تو بالکل ہوش نہیں رہی۔ میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس جہاز پر سفر کرنے کی اجازت دیدی۔

اگر آپ اجازت نہ دیتے تو میں کبھی اپنی منزل پر نہ پہنچ سکتا تھا۔

مینیجر نے مسکرا کر کہا۔

مسٹر ناگ! ابھی منزل بہت دور ہے۔ ابھی ہم میں سے کوئی بھی اپنی منزل پر نہیں پہنچا۔ خطرہ ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔

بحیرہ روم میں جرمنوں کی تباہ کن آبدوزیں چکر لگاتی پھرتی ہیں۔ ان کا گولہ کسی وقت بھی ہمارے جہاز کو تباہ کر سکتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"وہی ہو گا جو خدا کو منظور ہو گا۔ اس وقت تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں ناشتہ کہاں جا کر کروں کیونکہ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے"۔

مینیجر بولا۔

"ناشتہ آپ کو ابھی مل جائے گا"۔

اتنے میں ایک ملازم ناشتے کی ٹرے لے کر اندر آ گیا۔ اس میں مینیجر کے لیے بھی ناشتہ تھا۔ دونوں ناشتہ کرتے اور باتیں کرتے رہے۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا میں کسی وقت بھی اپنے کیبن سے نکل کر باہر چہل قدمی نہیں کر سکتا؟"۔

مینیجر نے کہا۔

کیوں نہیں۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو شام کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ڈیک پر جا کر ٹہل سکتے ہیں۔ مگر میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ ڈیک کے پچھلے

حصے میں ہی رہیں۔ جہاز کے اگلے حصے میں جانے کی کوشش نہ کریں۔

"ایسا ہی کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں"۔

مینیجر نے کافی بنا کر خود بھی ایک پیالی پی اور ایک پیالی ناگ کو دے کر کہا۔

"مسٹر ناگ! آپ کا نام کچھ پر اسرار سا لگ رہا ہے۔ کیا آپ انڈیا کے رہنے والے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"جی نہیں! میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ میرا باپ مصر میں جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا تھا"۔

"آپ کی والدہ اکیلی لندن میں رہتی ہیں کیا؟"۔

"جی نہیں! وہاں میرا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے"۔

"خوب خوب"۔

کچھ دیر باتیں کرنے اور کافی کی پیالی خالی کرنے کے بعد مینیجر چلا گیا۔

ناگ دوپہر تک کیبن کے بستر پر لیٹا کبھی کتاب پڑھنے لگتا اور کبھی گول شیشے والے پورٹ ہول میں سے باہر سمندر کی نیلی نیلی لہروں کا نظارہ کرنے لگتا۔

دوپہر کا کھانا بھی اسے کیبن میں دیا گیا۔ دوپہر کے بعد ناگ سو گیا۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ مینیجر کی ہدایت کے مطابق اوپر ڈیک کے پچھلے حصے میں آ کر ٹہلنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ یہاں کئی بڑی بڑی پیٹیاں اور لکڑی کے

صندوق اور بوریاں ایک دوسرے کے اوپر لگی ہوئی تھیں۔

دو تین مزدور قریب بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔

اتنے میں ایک اندھا آدمی سر پہ ہیٹ لگائے کالے سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں چھڑی لیے اوپر آیا اور چھڑی سے راستہ تلاش کرتا ہوا ڈیک پر ٹہلنے لگا۔

اتنے میں مینیجر بھی وہاں آگیا۔ وہ کچھ دیر اس نابینا سے باتیں کرتا رہا۔ دونوں مسکراتے رہے۔ مینیجر نے ناگ کو دیکھ لیا تھا۔

پھر وہ ناگ کے پاس آگیا۔ نابینا اب ایک آدمی کی مدد سے سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا گیا تھا۔

ناگ نے مینیجر کو سلام کیا۔

مینیجر نے ہنس کر کہا۔

”کہو مسٹر ناگ! چہل قدمی کیسی رہی؟“۔

ناگ نے کہا۔

جناب آپ کی مہربانی سے سیر کر رہا ہوں۔ ورنہ کیبن میں بیٹھے بیٹھے تو میں لکڑی کا بت بن گیا تھا۔

پھر ناگ نے پوچھا۔

”یہ نابینا صاحب کون تھے؟“۔

مینیجر نے کہا۔

”یہ اصل میں فرانس کے ایک بہت مشہور سوداگر ہیں جو انگریزوں کو جنگی سامان سپلائی کرتے ہیں“۔

”کیا یہ بھی لندن جا رہے ہیں؟“۔

”جی نہیں! یہ راستے میں ایک جگہ اتر جائیں گے۔ انہیں چین

جاتا ہے"۔

"بہت خوب"۔

"کیوں کیا بات ہے مسٹر ناگ؟"۔

"کچھ نہیں۔ یونہی پوچھ رہا تھا"۔

پھر وہ موسم کی باتیں کرنے لگے۔ اصل بات یہ تھی کہ ناگ کو اس نابینا شخص کو دیکھ کر دل میں کچھ شک سا پیدا ہوا تھا۔

وہ اسے ایک پراسرار آدمی معلوم ہوا تھا۔ لیکن ناگ نے ایسا خیال دل سے نکال دیا۔ کچھ دیر ڈیک پر ٹہلنے کے بعد وہ نیچے اپنے کیبن کی طرف آ گیا۔

ایک راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے بائیں جانب ایک چھوٹے کیبن کا دروازہ تھوڑا سا کھلا دیکھا۔

ناگ نے یونہی اندر جھانکا تو وہ دم بخود رہ گیا۔ اندر نابینا شخص میز پر بیٹھا بڑی تیزی سے لکھ رہا ہے۔

"تو یہ اندھا نہیں ہے۔ بلکہ جان بوجھ کر اندھا بنا ہوا ہے"۔

ناگ ایک دم چوکس ہو کر آگے بڑھا اور اپنے کیبن میں جانے کی بجائے سیدھا مینیجر کے کیبن کی طرف آ گیا۔

وہ مینیجر کو ساری بات بیان کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیبن کے دروازے پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ اس نے سوچا کہ بجائے مینیجر کو بتانے کے اسے خاموش رہ کر اس نقلی اندھے کی حرکات کا جائزہ لینا چاہیے۔

تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ اصل میں کون ہے اور کس مقصد کو لے کر اس جہاز پر سوار ہوا ہے۔

ناگ اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر ایکدم سے اپنی کایا پلٹ لی۔ وہ ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ میں تبدیل ہو کر دروازے کے نیچے سے نکلا اور راہداری کے فرش پر رینگتا ہوا نقلی اندھے کے کیبن میں داخل ہو کر دیوار کیساتھ ساتھ رینگتے ہوئے ایک الماری کے اوپر جا کر بیٹھ گیا اور نقلی اندھے کو غور سے دیکھنے لگا۔

نقلی اندھے نے کاغذ دراز میں بند کیے۔ اٹھ کر کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر کے چٹخنی چڑھائی اور الماری میں سے ایک چھوٹا سا وائرلیس سیٹ نکال کر اس کا ایریل باہر نکال کر سگنل دینے لگا۔

وائرلیس میں سے کسی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

”ہیلو چارلی! ہیلو چارلی!“۔

نقلی اندھے نے منہ آگے کر کے آہستہ سے کہا۔

”ہیلو چارلی سپیکنگ! دن آٹھ بجے۔ دن آٹھ بجے۔ نیلا سمندر۔ جبرالٹر!۔۔۔“

اچانک دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ نقلی اندھے نے جلدی سے وائرلیس سیٹ بند کر کے الماری میں رکھا اور لکڑی سے ٹہلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھلا تو سامنے مینیجر کھڑا تھا۔

”معافی چاہتا ہوں، مسٹر فرانسو! میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ اگر آپ صبح کافی پینا پسند کریں گے تو ہمارے پاس فرانسیسی کافی ختم ہو گئی ہے، کیا انگریزی کافی ٹھیک رہے گی؟“۔

نقلی اندھا مسکرایا اور کہنے لگا۔

"شکریہ شکریہ! آپ نے میرا اتنا خیال کیا!"۔

ٹھیک ہے میں انگریزی کافی بھی بڑے شوق سے پیتا ہوں۔

"بہت خوب! اچھا اب میں جاتا ہوں۔ شب بخیر!"۔

مینیجر چلا گیا۔ نقلی اندھے نے جلدی سے دروازہ بند کر کے اندر سے قفل لگا دیا۔

ڈھکی ہوئی ٹیبل لیمپ کو جلایا۔ اس کی دھیمی دھیمی نیم دائرے میں پڑنے والی روشنی بڑی مدھم تھی۔ اس روشنی میں نقلی اندھے نے ایک بار پھر وائرلیس سیٹ نکال کر سگنل دینے شروع کر دیے۔

ناگ نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی دوسرے جہاز یا آبدوز کو سگنل

دے رہا تھا۔ اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور عینک اتار کر بستر پر لیٹ گیا۔

پھر اس نے ٹیبل لیمپ کی روشنی اپنی کتاب کی طرف کی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

ناگ خاموشی سے سانپ کے روپ میں الماری کے اوپر بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد نقلی اندھا سو گیا۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹے کیبن کی فضا میں گونجنے لگے۔ سانپ خاموشی سے اترا اور فرش پر رینگتے ہوئے کیبن سے باہر نکل گیا۔

اپنے کیبن میں داخل ہونے کے بعد ناگ نے پھر انسانی شکل اختیار کر لی اور بستر پر لیٹ کر اس نقلی اندھے کے بارے میں

سوچنے لگا۔

بار بار ایک ہی خیال اس کے ذہن میں آتا تھا کہ وہ ایک خطرناک جاسوس ہے جو جرمنوں سے ملا ہوا ہے اور عین ممکن ہے کہ وہ کسی جرمن آبدوز کو جہاز کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔

دن چڑھا تو مینیجر ناشتہ کرنے اس کے کیبن میں آ گیا۔

ناشتے پر ناگ نے کہا۔

"ہمارا جہاز جبرالٹر کب پہنچے گا؟"۔

مینیجر نے کہا۔

"کل تیسرے پہر پہنچ جائے گا"۔

"اس کے بعد؟"۔

"اس کے بعد وہاں سے دوسرے روز صبح صبح لندن کی طرف روانہ ہو جائے گا"۔

"اس سمندر کو بحیرہ روم کہتے ہیں ناں؟"۔

"ہاں۔ مگر کیوں؟"۔

"کچھ نہیں۔ اچھا یہ بتایئے کہ اس جہاز میں کیا اس نابینا سوداگر کا مال بھی جا رہا ہے؟"۔

مینیجر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ اس کا کروڑوں روپے کا مال جا رہا ہے۔"

"کیا اس مال کی ساری رقم اس نے وصول کر لی ہے؟"۔

"ہاں۔ یہ سارا مال انگریزی حکومت نے اس سے خرید کر سارے پیسے ادا کر دیئے ہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

''مینیجر! یہ اندھا سوداگر دشمن کا جاسوس ہے اور اس جہاز کو بحیرہ روم میں سخت خطرہ ہوگا''۔

مینیجر نے کچھ لمحے کے لیے ناگ کے چہرے کو دیکھا اور پھر زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

مسٹر ناگ! شاید تم مسٹر فرانسوا کو نہیں جانتے۔ تمہیں ان کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

مسٹر فرانسوا! اتحادیوں کے گہرے دوست ہیں۔ بڑے خاندانی اور بڑے شریف سوداگر ہیں۔ ان کا کروڑوں کا کاروبار ہے۔ پھر بلا ان کو جاسوسی کرنے کی کیا ضرورت ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''مینیجر صاحب! جاسوسی صرف پیسوں کے لیے ہی نہیں کی جاتی۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں''۔

مینیجر بولا۔

''مگر مسٹر فرانسوا کا جرمن سے کوئی تعلق نہیں، وہ فرانس کا رہنے والا ہے اور فرانس پر جرمنوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ پھر بھلا اسے جرمنوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''اگر میں آپ کو اس بات کا ثبوت مہیا کر دوں کہ یہ اندھا نقلی ہے اور جاسوس ہے اور دشمن کو اس جہاز کے بارے میں سگنل دیتا ہے اور تو پھر آپ مان جائیں گے؟''۔

مینیجر ایک پل کے لیے سنجیدہ ہو گیا۔

''مسٹر ناگ! آپ ہوش میں ہیں ناں؟''۔

ناگ نے زوردار لہجے میں کہا۔

''میں بالکل ہوش میں ہوں اور یوں سمجھ لیجئے گا کہ میں نے اس نقلی اندھے کو کتاب پڑھتے، کاغذ پر لکھتے اور وائرلیس سیٹ سامنے رکھے دشمن کو خفیہ سگنل دیتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے''۔

مینیجر خاموش ہو گیا۔

''نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں''۔

''کس قسم کا ثبوت؟''۔

مینیجر نے پوچھا۔

ناگ بولا۔

''اس اندھے سوداگر کی الماری میں وائرلیس سیٹ پڑا ہے۔ چل کر دیکھ لیں''۔

''یہ نہیں ہو سکتا مسٹر ناگ!''۔

''جناب آپ تلاشی لے لیں چل کر۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا''۔

مینیجر چپ ہو کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''میں ابھی جا کر تلاشی لیتا ہوں''۔

مینیجر اسی وقت اپنے کیبن میں گیا۔ اس نے پستول نکال کر

جیب میں ڈالا اور سوداگر کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا۔

پھر رک کر سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے، ناگ کو مغالطہ لگ گیا ہو اور وہاں کوئی وائیر لیس سیٹ نہ ہو؟ پھر تو بڑی بے عزتی کی بات ہو گی۔

"پھر کیا کرنا چاہیے"۔

مینیجر نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح سے سوداگر فرانسوا کو اس کے کیبن سے باہر نکال کر الماری کی تلاشی لینی چاہیے۔

مینیجر واپس اپنے کیبن میں چلا گیا۔ اس نے جہاز کے کپتان کو فون کر کے ساری بات بیان کر دی۔ جہاز کا کپتان پہلے تو پریشان ہوا پھر ہنس کر بولا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ کو غلط اطلاع ملی ہے"۔

مینیجر نے کہا۔

"سر! ہمیں تلاشی لینے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟"۔

جہاز کے تحفظ کے پیش نظر ہم مسٹر فرانسوا کی عدم موجودگی میں اس کے کیبن کی تلاشی بڑی آسانی سے لے سکتے ہیں۔

"ٹھیک ہے میری طرف سے تمہیں اجازت ہے"۔

مینیجر نے کسی بہانے سے اندھے سوداگر کو کپتان کے پاس بھجوا دیا۔ کپتان نے اسے باتوں میں لگا دیا اور مینیجر سیدھا ناگ کے پاس آیا اور اسے ساتھ لے کر سوداگر کے کیبن کا دروازہ خفیہ چابی سے کھول کر اندر آ گیا۔

ناگ نے الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس الماری میں وائیر لیس سیٹ پڑا ہوا ہے"۔

مینیجر کے پاس الماری کی خفیہ چابی بھی تھی۔

اس نے جلدی سے چابی لگا کر الماری کھول دی اور ساری الماری کی دوبارہ تلاشی لی مگر وہاں وائرلیس سیٹ بالکل نہیں تھا۔

مینیجر نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مسٹر ناگ! آخر تم نے مجھے شرمندہ کرایا۔ کپتان کیا کہے گا؟ میں نہ کہتا تھا کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ یہ سوداگر ایک معزز شخص ہے اور جرمنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے“۔

ناگ بڑا حیران تھا کہ یہ کیسا ہو گیا؟ وائرلیس سیٹ کہاں چلا گیا؟ وہ کہنے لگا۔

”میں نے اپنی آنکھوں سے سوداگر کو وائرلیس اس الماری میں دوبارہ رکھ کر تالا لگاتے دیکھا ہے۔

مینیجر نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اب وائرلیس سیٹ کہاں ہے؟“۔

ناگ بولا۔

”ہمیں سارے کیبن کی تلاشی لینی چاہیے۔ اس نے ضرور اسے کسی دوسری جگہ چھپا دیا ہے“۔

مینیجر نے سارے کیبن کی تلاشی لی۔ ناگ نے بھی ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ لیکن وہاں وائرلیس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مینیجر نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”مسٹر ناگ! اب زیادہ شرمندہ نہ کراؤ“۔

”بہتر ہے واپس چلتے ہیں“۔

اندھا جاسوس

ناگ اپنے بستر پر لیٹ کر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اندھا سوداگر وائرلیس سیٹ کہیں ایسی جگہ گم کر دے کہ وہ نہ ملے؟ اس نے ضرور دھوکا کیا ہے۔

کیا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ منیجر اس کے کیبن کی تلاشی لینے آ رہا ہے؟۔

ناگ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ادھر کپتان نے منیجر کو بلا کر پوچھا۔

"وائرلیس سیٹ ملا کیا؟"۔

"جی نہیں اطلاع غلط تھی"۔

کپتان نے ہنس کر کہا۔

"منیجر صاحب! مسٹر ناگ تو مجھے پہلے دن ہی سے کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کے پاگل پن کا آپ پر بھی اثر ہو گیا ہے"۔

"آئی ایم سوری سر!"۔

کپتان نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ جا کر اپنا کام کریں اور ہاں آئندہ سے اس شخص ناگ کی کسی بات پر بھروسہ نہ کریں"۔

"یس سر!"۔

مینیجر شرمسار ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرے روز تیسرے پہر کے قریب جہاز جبرالٹر کی بندرگاہ پر جا کر لگ گیا۔ اندھا سوداگر یہاں اتر گیا۔ کیوں کہ اسے اس جگہ اترنا تھا۔

ناگ اسے چھڑی سے راستہ ٹٹولتے اپنے نوکروں کے ساتھ جہاز سے اترتے اور پھر ایک سفید رنگ کی خوبصورت گاڑی میں سوار ہو کر جاتے دیکھتا رہا۔

مینیجر ناگ کے قریب ہی ڈیک کے جنگلے پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔

خدا کا شکر ہے مسٹر فرانسوا کو خبر نہیں ہوئی کہ میں نے اس کے

کیبن کی تلاشی لی تھی۔ ورنہ مجھے بے حد شرمندگی ہوتی۔

پھر وہ ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم نے تو میری بے عزتی کروانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

ناگ نے کہا۔

"میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے اس اندھے سوداگر اور اس نقلی اندھے کو کتاب پڑھتے، کاغذ پر لکھتے اور وائرلیس سیٹ پر جرمن جہاز یا آبدوز کو خفیہ سگنل دیتے دیکھا ہے"۔

مینیجر نے ناگ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا کے لیے آہستہ بولو۔ اگر کسی نے سن لیا تو وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی جبرالٹر کے پاگل خانے میں پہنچا دے گا"۔

جہاز کو اگلے روز صبح صبح منہ اندھیرے وہاں سے چلنا تھا۔

ناگ شام کو جبرالٹر کے بازاروں کے سیر کرنے نکل آیا۔ دل میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ شاید کسی جگہ ماریا یا عنبر کی صورت نظر آ جائے۔

جبرالٹر کے بازاروں میں کافی رونق تھی۔ قسم قسم کے ملکوں کے لوگ چل پھر رہے تھے۔ سیاح خاصی تعداد میں گھوم پھر رہے تھے۔

ناگ گھومتے پھرتے شہر کے ایک گنجان اور بہت ہی بارونق علاقے میں آ گیا۔ اچانک اس نے ایک سفید رنگ کی عمارت کے آگے دوسری گاڑیوں میں اندھے سوداگر کی گاڑی کو کھڑے دیکھا۔

وہ ضرور اس عمارت میں آیا ہے۔ ناگ نے اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک کونے میں جا کر لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے ایکدم سے انسان کی شکل بدل کر ایک بلبل کی شکل اختیار کی اور اڑتا ہوا اس عمارت کی دوسری منزل کی کھڑکی میں جا کر بیٹھ گیا جس کے نیچے نقلی اندھے کی شاندار گاڑی کھڑی تھی۔

اس نے کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھا کہ اندر ایک شاندار قالین بچھا تھا۔

میز کرسیاں لگی تھیں۔ وہی اندھا سوداگر ایک کرسی پر بیٹھا دوسرے شخص سے باتیں کر رہا تھا۔ ناگ کو ان کی آواز سنائی نہیں

دے رہی تھی۔

کیونکہ کھڑکی کا شیشہ کافی موٹا تھا۔ اس میں سے آواز باہر نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ نقلی اندھے نے جیب میں سے ایک کاغذ نکالا اور اسے کھول کر دوسرے آدمی کے سامنے میز پر بچھا دیا۔ دونوں کچھ دیر تک جھک کر اس کاغذ کو دیکھتے رہے۔

شاید اس کاغذ پر کوئی نقشہ بنا ہوا تھا۔ دوسرا آدمی نقشے پر جگہ جگہ نشان لگانے لگا۔ پھر نقلی اندھے نے اٹھ کر اس شخص سے ہاتھ ملایا۔

کاغذ اس کے حوالے کیا۔

آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا۔ چھڑی ہاتھ میں لی۔ ہاتھ ملایا اور بڑے آرام سے چھڑی لہراتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ کھڑکی پر سے اڑ گیا۔

وہ واپس سڑک پر آ گیا اور بجلی کے ایک کھمبے پر بیٹھ کر نقلی اندھے جاسوس کا انتظار کرنے لگا۔ نقلی اندھا نیچے آ کر گاڑی میں سوار ہو گیا۔

اس نے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

شاندار گاڑی چل پڑی۔ گنجان بازار میں سے نکل کر وہ شہر کی چوڑی چکلی سڑک پر سمندر کے ساتھ ساتھ ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔

ناگ بھی پرندے کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ، اس کے اوپر اڑتا جا رہا تھا۔ گاڑی کافی دور جا کر ایک بڑے ہی خوبصورت محل کے دروازے میں داخل ہو گئی۔

یہ جگہ اس نقلی اندھے کا اپنا مکان تھا شاید۔ کیونکہ وہاں پہنچنے کے بعد گاڑی گیراج میں چلی گئی اور وہ خود لاٹھی ٹیکتا اپنے نوکروں کی مدد سے اوپر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔

ناگ کچھ دیر اس کی خواب گاہ کی کھڑکی میں بیٹھا اس کی نقل و حرکت دیکھتا رہا۔ وہ کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گیا تھا۔

نوکر نے چائے لا کر دی۔ اس نے چائے لی۔ نوکر کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگائی اور کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اپنا اندھوں والا سیاہ چشمہ اتار رکھا تھا اور وہ کھڑکی میں سے گردن باہر نکال کر آسمان کو بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کی نظر ایک بلبل پہ پڑی جو اس کی کھڑکی پر بیٹھی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ نقلی اندھے نے ہاتھ آگے بڑھا کر بلبل کو پیار کرنے کی کوشش کی۔

ناگ جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ نقلی اندھے نے اندر سے ڈبل روٹی کا ٹکڑا لا کر اس کے آگے ڈالا۔

بھلا ناگ اس پھندے میں آنے والا تھا۔

ناگ نے سوچا کہ اسے کوئی کرامت دکھانی چاہیے۔ اس نے ایک دم سے سانپ کا روپ بدل لیا۔

اب نقلی اندھے کے سامنے ایک سیاہ سانپ اپنا پھن لہرا رہا تھا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ناگ دوبارہ بلبل بن گیا اور ہوا میں اڑ گیا۔

کچھ دور آسمان پر جا کر ناگ نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔

نقلی اندھا اپنی آنکھوں کو بار بار مل رہا تھا۔ اس نے ابھی ابھی جو کچھ دیکھا تھا، اسے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ اڑتا اڑتا سیدھا بندرگاہ پر اپنے جہاز پر آ گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا کافی پھیل گیا تھا۔ ڈیک پر بہت کم لوگ تھے۔

ناگ ایک کونے میں جا کر پھر سے انسانی شکل میں آ گیا۔ وہ ابھی کیبن کا تالا کھول کر اندر داخل ہوا ہی تھا کہ مینیجر مسکراتا ہوا آیا اور بولا۔

"کہو مسٹر ناگ! جبرالٹر شہر کی خوب سیر کی؟"۔

ناگ نے پہلے سوچا کہ اسے نقلی اندھے کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔

پھر خیال آیا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ مینیجر اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کرے گا بلکہ الٹا اسے پاگل سمجھنے لگے گا۔

چنانچہ وہ خاموش رہا۔ مینیجر نے کہا۔

"بھئی کیا بات ہے۔ آج تم بہت خاموش ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ذرا تھک گیا ہوں سیر کرتے کرتے"۔

مینیجر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی نوکر کھانا لے کر آ رہا ہے ساتھ گرم گرم کافی بھی ہو گی۔ میں بھی کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ تمہاری طبیعت کافی پی کر اور کھانا کھا کر تروتازہ ہو جائے گی"۔

ناگ نے مینیجر کا شکریہ ادا کیا اور آئینے کے آگے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔

نوکر کھانا لے کر آ گیا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔

مینیجر اسے اپنے اگلے سفر کی باتیں بتاتا رہا کہ ان کا جہاز کہاں کہاں سے گزرے گا۔

"اب ہمارے سفر کا سب سے خطرناک مرحلہ گزرنے والا ہے۔ ہم جس سمندر سے اب گزریں گے وہاں جرمن آبدوزوں کا بڑا ڈر ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو ہم خیر خیریت سے گزر جائیں گے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا ان جرمن آبدوزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے

جہاز پر بھی کوئی توپ خانہ وغیرہ ہے؟"۔

مینیجر بولا۔

"کاش ایسا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جہاز ایک پرانا ڈچ جہاز ہے اور اس پر توپ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اصل میں یہ اسکندریہ سے انڈونیشیا تک سفر کرتا تھا۔ لندن یہ پہلی بار جا رہا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اور اگر جرمن آبدوز نے اسے غرق کر دیا تو کیا ہوگا؟"۔

مینیجر نے کہا۔

"خدا نہ کرے ایسا ہو۔ لیکن اگر ہم پر حملہ ہوا تو ہم کوشش کریں گے کہ جہاز کو کسی نہ کسی طرح کھینچ کر ساحل پر لے

جائیں"۔

"اور اگر آپ ایسا نہ کر سکے اور جہاز غرق ہو گیا تو کیا ہو گا؟"۔

"تو پھر ہمارے جہاز پر چار کشتیاں موجود ہیں۔ ہم سب لوگ ان چاروں کشتیوں میں آسانی سے بیٹھ کر سفر کر سکیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے جرمن ہمیں کشتی میں سفر نہیں کرنے دیں گے۔ ان کی مشین گنیں ہمیں اڑا کر رکھ دیں گی"۔

مینیجر نے تڑپ کر کہا۔

"بھائی! تم یہ منحوس باتیں کیوں کر رہے ہو"۔

"اس لیے کہ میں نے اس اندھے جاسوس کو دشمن کے ساتھ

وائرلیس پر باتیں کرتے دیکھ لیا ہے اور اب بھی شہر میں جا کر دیکھا ہے کہ وہ ایک سفید عمارت میں کسی پراسرار شخص کو نقشہ دکھا کر اس سے گفتگو کر رہا تھا"۔

مینیجر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر ناگ! مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ایک معزز دوست کی بے عزتی کر رہے ہو اور اس پر خواہ مخواہ ایک ایسا سنگین الزام لگا رہے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے"۔

ناگ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی غصے میں آ گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"مسٹر مینیجر! تم بھی میری بات غور سے سن لو۔ وہ تم نہیں

جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اگر کھلے سمندر میں جا کر اس جہاز کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکے گا"۔

مینیجر نے کہا۔

"اور ہمارے ساتھ تم بھی زندہ نہ بچو گے"۔

ناگ بولا۔

"اس بات کو بھول جاؤ۔ شاید اس جہاز پر صرف میں ہی ایک ایسا شخص ہوں گا جو زندہ بچے گا"۔

مینیجر نے میز پر زور سے ہاتھ مارا اور یہ کہہ کر کیبن سے باہر نکل گیا۔

"مسٹر ناگ! تم بے کار باتیں کر رہے ہو اور ایسی باتیں سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے"۔

ناگ غصے میں دیر تک فرش پر ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا۔

اسے بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ آنکھوں پر پٹی باندھے بیٹھے ہیں اور معاملے کو حقیقت کی روشنی میں نہیں دیکھتے۔

آخر وہ خود ہی ٹھنڈا ہو گیا اور یہ سوچ کر بستر پر لیٹ گیا کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اس مینیجر نے مجھ پر جہاز میں سیٹ دے کر احسان کیا تھا میں اس کے احسان کا بدلہ اس کے جہاز اور جہاز کے عملے کو بچا کر دینا چاہتا تھا۔

مگر یہ شخص بدنصیب ہے اور خود ہی موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ پھر وہ کیا کر سکتا ہے۔ ناگ کو پورا یقین تھا کہ اس جہاز کو بحیرہ روم میں تباہ کر دیا جائے گا۔

آدھی رات تک ناگ جاگتا رہا اور پھر سو گیا۔

پچھلے پہر منہ اندھیرے اس کی آنکھ کھل گئی۔

جہاز کے انجن چل رہے تھے اور کیبن کے فرش پر ہلکا ہلکا لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اس نے شیشے والے گول سوراخ میں سے باہر جھانکا۔ باہر صبح کی نیلی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اس روشنی میں اس نے دیکھا کہ جبرالٹر کے پہاڑ بہت دور رہ گئے تھے اور جہاز نیلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔

ناگ کروٹ بدل کر سو گیا۔

دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ناگ انگڑائی لے کر اٹھا۔ سلیپر پہن کر گون پہنا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے نوکر ناشتے کی ٹرے لیے کھڑا تھا۔

کہنے لگا۔

"منیجر صاحب نے سلام بولا ہے اور کہا ہے کہ ناشتے پر میں نہیں آ سکتا۔ دوپہر کے کھانے پر ضرور آؤں گا"۔

ناگ ہنس پڑا۔

یہ منیجر طبیعت کا بڑا اچھا اور خوش اخلاق انسان تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ منیجر بحیرہ روم کے پانیوں میں جہاز کے ساتھ ڈوب جائے۔

لیکن حالات اور واقعات جیسے رونما ہو رہے تھے کہ ایسا لگتا تھا کہ یہ منیجر بچ نہ سکے گا۔

ناگ نے اکیلے ہی ناشتہ کیا اور کافی بنا کر پینے لگا کافی پیتے ہوئے اس کا خیال عنبر اور ماریہ کی طرف چلا گیا۔

سوچنے لگا، جانے وہ لوگ کہاں ہوں گے۔ کس حال میں ہوں گے؟

کیا لندن میں ان سے ملاقات ہو بھی سکے گی یا نہیں؟۔

کافی ختم کرنے کے بعد وہ دوبارہ بستر پر لیٹ کر پڑھنے لگا۔

نوکر آکر ٹرے اور برتن واپس لے گیا۔ کافی دیر تک ناگ پڑھتا رہا۔ پھر اسے نیند آ گئی۔ جب وہ سو کر اٹھا تو کیبن کے سوراخ کے شیشے میں سے بڑی چمکیلی روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس نے جھانک کر دیکھا۔ جہاز بے حد نیلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ لہریں دور دور سے آ کر جہاز سے ٹکرا کر گزر رہی تھیں۔ آسمان بھی گہرا نیلا اور شفاف تھا۔

اچانک ناگ کو خیال آ گیا کہ اگر اس لمحے جہاز کو تارپیڈو لگ

جائے تو کیا ہو؟۔

اس نے اس خیال کو دماغ سے جھٹک دیا۔ اور اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے کپڑے تبدیل کیے۔

بالوں کو کنگھی کی اور باہر جا کر چہل قدمی کرنے کی سوچ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ باہر منیجر نوکر کے ساتھ کھانا لیے کھڑا ہے اور مسکرا رہا ہے۔

"صبح بخیر مسٹر ناگ!"۔

وہ اندر آ گئے۔ نوکر نے میز پر کھانا لگا دیا۔ منیجر نے ناگ سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"بھائی! مجھے امید ہے کہ تم نے میری باتوں کا برا نہیں منایا ہو

گا''۔

ناگ نے بھی مسکرا کر کہا۔

''جناب! میں بھول گیا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی میری سخت باتوں کو بھول گئے ہوں گے''۔

''بہر حال یہ خوشی کی بات ہے اور ہمیں اس روشن نیلے آسمان والے چمکیلے دن کی خوشی میں آج پیٹ بھر کر بطخ کا گوشت کھانا چاہیے میں نے آج کے کھانے کے لیے خاص طور پر ایک بطخ پکوائی تھی''۔

''شکریہ! شکریہ!''۔

ناگ نے مینیجر کا شکریہ ادا کیا اور وہ دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے پر وہ دونوں بڑی خوش دلی سے باتیں کرتے رہے۔

کھانا ختم ہو گیا۔ نوکر آ کر برتن لے گیا۔ مینیجر نے کافی بنائی۔ دونوں کافی کی پیالیاں ہاتھوں میں لے کر اس کی چسکیاں لینے اور ہلکی ہلکی باتیں کرنے لگے۔

ناگ کرسی پر بیٹھا تھا مینیجر اٹھ کر کیبن میں ٹہل ٹہل کر کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

بولا۔

''جب میں بہت خوش ہوتا ہوں تو چل پھر کر۔ کافی پیا کرتا ہوں''۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ناگ کا دھیان دوسری طرف تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ قہقہہ لگانے کے بعد مینیجر نے کوئی بات نہیں کی۔

ناگ نے مینیجر کی طرف دیکھا کہ وہ کیبن کے شیشے والے سوراخ میں جھکا باہر سمندر میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

''معلوم ہوتا ہے، آپ روشن دن کا لطف اٹھا رہے ہیں''۔

بھیانک دھماکا

مینیجر نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ اسی طرح کیبن کے سوراخ پر جھکا باہر سمندر میں دیکھ رہا تھا۔

اس کے ہاتھ سے پیالی خود بخود بستر پر گر پڑی۔ ناگ نے جلدی سے آگے بڑھ کر پیالی اٹھائی۔ ساری کافی بستر پر پھیل گئی تھی۔

"کیا بات ہے مسٹر مینیجر؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

مینیجر جواب دینے کی بجائے بڑی تیزی سے پیچھے ہٹا۔ اور کیبن کے دروازے کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگا۔

اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ ناگ اسے بھول گیا۔

اس نے باہر سوراخ میں سے جھانکا تو اس کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا۔

دور سمندر میں ایک آبدوز ابھر رہی تھی۔ اب ناگ کے ہاتھ سے پیالی نیچے گر پڑی۔

آخر وہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا۔ یہ خوف ناک آبدوز جرمنوں کی تھی اور وہ اس مال بردار جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے

سمندر میں نکل کر سامنے آ گئی تھی۔ وہ تیزی کے ساتھ کیبن سے نکل کر اوپر ڈیک پر آ گیا۔

یہاں اس نے آبدوز کو غور سے دیکھا۔ آبدوز یقیناً دشمن کی تھی اور جہاز سے کافی فاصلے پر تھی۔ شاید وہ سمندر کی سطح پر آ کر بڑے اطمینان سے مال بردار جہاز کا جائزہ لے رہی تھی۔

کیونکہ نقلی اندھے جاسوس کے سگنل سے اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس جہاز پر کوئی توپ وغیرہ نہیں ہے۔

اس لیے وہ بے فکر ہو کر سمندر پر ابھر آئی تھی۔ ورنہ آبدوزیں اس طرح دشمن کے جہاز کو دیکھ کر سطح سمندر پر نہیں ابھرا کرتیں۔

ادھر سارے جہاز پر ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

مینیجر نے جا کر کپتان کو آبدوز کی اطلاع کر دی تھی۔ کپتان

دور بین سے ڈیک پر آ گیا۔ ناگ اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے مینیجر سے کہا۔

''کیا میں نہ کہتا تھا کہ وہ نقلی اندھا دشمن کی آبدوز کو سگنل کر کے اطلاع دے رہا ہے؟''۔

مگر آپ میں سے کسی نے میری بات پر یقین نہ کیا۔

''کاش! آپ میری بات کو سچ مان لیتے''۔

مینیجر اور کپتان دونوں کے ہوش اڑ گئے تھے۔ انہوں نے ناگ سے کہا۔

''خاموش! ہمیں سوچنے دو''۔

مگر سوچنے کا وقت تو نکل گیا تھا۔ اب تو کچھ کرنے کا وقت تھا۔

اور یہ لوگ کر بھی کچھ نہیں سکتے تھے۔ آبدوز نے اچانک سمندر کے اندر جانا شروع کر دیا۔

ناگ سمجھ گیا کہ آبدوز اب حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔

اس بات کو مینیجر اور کپتان بھی سمجھ گئے تھے۔ پریشان ہو کر نیچے کی طرف بھاگے شاید وہ جہاز کا رخ موڑنے کی کوشش کرنے والے تھے۔

انہوں نے جہاز کا رخ موڑ دیا۔

جہاز دوسری طرف ہو گیا اور آبدوز ایک دوسرے زاویے پر چلی گئی۔

لیکن آبدوز کو ایک بڑا آسان شکار مل گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جہاز پر توپ وغیرہ کوئی نہیں ہے۔ اس لیے وہ بڑی بے فکری

سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

جہاز کے رخ موڑتے ہی آبدوز نے بھی اپنا رخ موڑ لیا تھا۔

کیونکہ ابھی جہاز کو رخ موڑے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ جہاز کے ڈیک پر کھڑے جہازیوں نے دور سے ایک سفید لکیر اپنے جہاز کی طرف بڑھتی دیکھی۔

چاروں طرف ایک شور مچ گیا۔

یہ لکیر اس تارپیڈو یا بم کی تھی جو آبدوز نے جہاز کی طرف پھینکا تھا۔ دو کشتیاں سمندر میں بڑی مشکل سے اتاری جا سکی تھیں۔

ان کشتیوں میں ملاحوں نے چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔

کشتیاں ڈولنے لگیں۔

تارپیڈو کی سفید لکیر آ رہی تھی۔

اور پھر جہاز کو ایک اور بم لگا۔ دوسرا بھیانک دھماکا ہوا اور جہاز دوسری کو گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز میں آگ لگ گئی اور اس کا اگلا حصہ سمندر میں غرق ہو گیا۔

جہاز کا پچھلا حصہ اوپر کو اٹھ گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔

ناگ نے دیکھا۔ جہاز پر سے اتاری جانے والی باقی دو کشتیوں میں آگ لگ گئی تھی۔

ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔

ناگ جہاز کے اوپر اٹھے ہوئے حصے کی جانب جنگلے سے لگ کر کھڑا تھا۔ اس نے مینیجر اور کپتان کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئے۔

بچی ہوئی دونوں کشتیاں سمندر میں ایک طرف کو جا رہی تھیں۔ ناگ نے اسی وقت ایک پرندے کی شکل اختیار کی اور جہاز پر سے اڑ گیا۔

اڑتا ہوا وہ ایک کشتی میں آ کر انسانی شکل میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس کشتی میں پندرہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور وہاں کوئی پچاس آدمی سوار تھے۔ ان میں کپتان اور مینجر بھی تھا۔

ناگ نے اسے آواز دی۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

ہر طرف افراتفری مچی تھی۔ اتنے میں جرمن آبدوز کچھ فاصلے پر سمندر میں ابھر آئی۔ اس کے عرشے پر جرمن برین گنیں لئے آ گئے۔ اور انہوں نے کشتیوں کے مسافروں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

ناگ نے چیخ کر کہا۔

"روکو! روکو! فائرنگ مت کرو"۔

لیکن اس کی آواز کون سن سکتا تھا۔ جرمنوں کی فائرنگ سے کشتی کے مسافر ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔ اچانک جرمن آبدوز کی توپ نے گولے پھینکنے شروع کر دیے۔

ایک گولہ کشتی کو آ کر لگا۔ کشتی کے پرخچے اڑ گئے۔ ناگ جلدی سے پرندہ بن کر آسمان میں اڑنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ کشتی کے سارے مسافر سمندر میں ڈوب رہے تھے۔

دوسرا گولہ دوسری کشتی پر جا کر لگا۔

وہ کشتی بھی سمندر میں غرق ہو گئی اور اس کے مسافر سمندری لہروں میں ڈوبنے ابھرنے لگے۔ جرمنوں نے آبدوز پر سے

ڈوبتے مسافروں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ساری کشتیاں اپنے مسافروں کے ساتھ سمندر میں ڈوب گئیں۔ اب ایک اور تارپیڈو جہاز کو لگا۔

ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور جہاز آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوبنے لگا۔ پھر وہ گڑوم کی بھیانک آواز کے ساتھ ڈوب گیا۔

جہاز غرق ہو گیا۔

سارے مسافر ڈوب گئے۔ سمندر میں لہریں ابھریں پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

جرمن آبدوز پر سپاہی کھڑے اس تباہی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ تالیاں بجا بجا کر خوش ہو رہے تھے۔

ناگ کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے سب سے زیادہ وہ مینیجر کی موت کا افسوس تھا۔

وہ اڑتا اڑتا جرمن آبدوز کے اوپر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک منٹ کے اندر اندر سانپ کی شکل اختیار کی اور جرمن سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔

دیکھتے دیکھتے اس نے چھ سات سپاہیوں کو ڈس دیا۔

وہ مارے کے سارے مر گئے۔ باقی نیچے کو بھاگے۔ ناگ نے سوچا کہ وہ پرندہ بن کر سمندر کے اوپر زیادہ دیر تک سفر نہ کر سکے گا۔

اسے اس آبدوز میں سفر کرنا چاہیے۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ جرمنوں کی آبدوز ہے اور وہ اگر اس آبدوز میں سوار ہو گیا تو لندن کبھی نہ پہنچ سکے گا۔

اس خیال کے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر پرندہ بن کر آسمان پر اڑنے لگا۔

آبدوز نے سمندر میں غوطہ لگا لیا تھا۔

ناگ نے آسمان پر اڑتے ہوئے دیکھا۔ سمندر ایک بار پھر پرسکون ہو گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہاں کبھی کوئی جہاز نہیں تھا۔

جہاز غرق ہو چکا تھا۔ آبدوز سمندر کے اندر چلی گئی تھی اور ہر طرف خاموشی تھی۔ ناگ نے ایک جانب کو اڑنا شروع کر دیا۔

اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سمت کو اڑ رہا ہے۔ مگر وہ اڑتا چلا جا رہا تھا۔ سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔

سمندر پر سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

کافی دیر اڑنے کے بعد ناگ نے دور ایک جہاز کو دیکھا۔

یہ بحری جہاز کافی بڑا تھا اور اس کے ڈیک پر توپیں بھی لگی تھیں۔ ناگ اس جہاز کی طرف اڑنے لگا۔ جہاز پر پہنچ کر وہ اس کے عرشے پر جا کر بیٹھ گیا۔

وہاں کچھ بحری ملاح اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ وہ ایک امریکی جہاز ہے۔

ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کر لی۔ ایک ملاح نے ناگ کو عام شہری لباس میں دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ یہ شہری کہاں سے آ گیا؟ کیونکہ وہ فوجی جہاز تھا۔

اس نے قریب آ کر پوچھا۔

”تم کون ہو؟ کہاں سے آ گئے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے اپنے کپتان کے پاس لے چلو، میں اس سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ وقت کم ہے"۔

"جلدی کرو"۔

ملاح نے ناگ کو پکڑ لیا اور شور مچا دیا۔ دوسرے ملاح بھی آ گئے۔

انہوں نے ناگ کو قابو میں کر لیا۔

ناگ نے کہا۔

"بھائیو مجھے جلدی سے کپتان کے پاس لے چلو"۔

ملاح اسے کپتان کے پاس لے گئے۔ کپتان نے ناگ کو غور سے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور گرجدار آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟ جہاز میں کیسے سوار ہو گئے؟ یہ تو جنگی جہاز ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"جناب! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ اس سمندر میں قریب ہی ایک جرمن آبدوز چھپی ہوئی ہے۔ اس نے برطانیہ کے ایک مال بردار جہاز کو ڈبو دیا ہے۔ اور اس کے سارے عملے کو غرق کر دیا ہے۔

جنوب مغرب کی جانب چل کر سمندر میں گولہ باری کریں۔ جرمن آبدوز اسی جگہ ہوگی۔

کپتان حیرانی سے ناگ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان کس قسم کی بے معنی باتیں کر رہا ہے۔

اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"مگر تم کون ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کے لیے یہ ابھی مت پوچھیں۔ اس کا جواب میں بعد میں دوں گا۔ آپ آبدوز پر حملہ کریں"۔

لیکن یہاں بھی وہی ہوا جو پہلے والے جہاز پر ہوا تھا۔ ناگ کی موت پر کسی نے اعتبار نہ کیا اور اسے پکڑ کر جہاز کی حوالات میں بند کر دیا۔

ابھی اسے حوالات میں بند کیے چند منٹ ہی گذرے تھے کہ دور سمندر میں ایک سفید لکیر ابھری جو جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کپتان نے چیخ کر کہا۔

"جرمن آبدوز۔۔۔ تارپیڈو آ رہا ہے۔ جہاز کا رخ بدل دو۔ فائر۔۔۔ فائر۔۔۔"

یہ جہاز ایک بڑا جدید قسم کا جنگی جہاز تھا۔ اس کا رخ فوراً بدل دیا گیا اور توپوں نے آبدوز پر گولہ باری شروع کر دی۔

جہاز کے رخ بدل دینے سے جرمن آبدوز کا تارپیڈو دور نکل گیا۔ جہاز پر بڑی تباہ کن قسم کی آبدوز شکن توپیں لگی تھیں۔

ان کی گولہ باری نے آبدوز کو پریشان کر دیا۔ وہ سمندر کے نیچے ہی نیچے اب دور نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن جہاز کی توپوں کے گولے برابر گر رہے تھے۔

آبدوز سمندر کی تہہ سے جا لگی۔ لیکن گولے وہاں بھی پہنچنے لگے۔ ایک گولہ آبدوز کی چھت پر آ کر لگا۔

ایک دھماکا ہوا اور آبدوز کی چھت پھٹ گئی۔ چھت کے پھٹتے

ہی پانی اندر جانا شروع ہو گیا۔ آبدوز غرق ہو گئی۔

اس کا سارا تیل سمندر کی سطح پر آ گیا۔ تیل کے دھبے دیکھ کر امریکی جہاز کے کپتان کو یقین ہو گیا کہ آبدوز غرق ہو گئی ہے۔

تھوڑی دیر بعد آبدوز کے ملاحوں کی لاشیں بھی سمندر کی سطح پر ابھر آئیں۔

کپتان نے اسی وقت حکم دیا۔

''حوالات میں سے نوجوان قیدی کو لاؤ''۔

ناگ کو کپتان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے ناگ سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''ناگ''۔

کپتان نے پوچھا۔

''تم اس جہاز پر کیسے آ گئے؟''۔

ناگ نے کہا۔

''جادو کے ذریعے''۔

''کیا مطلب؟''۔

کپتان نے حیرت سے پوچھا۔

ناگ بولا۔

مطلب یہ ہے کہ میں جادو جانتا ہوں۔ میں مال بردار جہاز پر سوار تھا کہ اس جرمن آبدوز نے حملہ کر کے اسے ڈبو دیا۔ میں وہاں سے جادو کے زور سے آپ کے جہاز پر آ گیا اور

آپ کو اس آبدوز سے خبردار کیا مگر کسی نے میری بات نہ سنی۔

کپتان نے کہا۔

"تمہارا شکریہ نوجوان! ہمیں خوشی ہے کہ تم ہمارے جہاز پر آئے۔ اب اپنے جادو کے زور سے یہ بتاؤ کہ کیا اس سمندر میں کوئی دوسری جرمن آبدوز بھی موجود ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

میں ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ ابھی تو آپ سب سے پہلے مجھے کھانا کھلائیں۔ کیونکہ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ اس کے بعد میں آرام کروں گا۔

کیونکہ میں سخت تھک گیا ہوں۔ جب سو کر اٹھوں گا۔

تو پھر آپ سے کوئی بات کروں گا۔

کپتان نے مسکراتے ہوئے اپنے ماتحتوں سے کہا۔

"اس نوجوان کو بہترین کھانا کھلاؤ۔ اسے بہترین کیبن میں لے جا کر بڑے آرام دہ بستر پر سلا دو"۔

پیٹ بھر کر بہترین کھانا کھانے کے بعد ناگ نے ساری رات آرام کیا۔ دوسرے دن وہ اٹھا تو بڑا ہشاش بشاش تھا۔

کپتان خود اس کے کیبن میں آ گیا اور بولا۔

"نوجوان جادوگر! کیا تم دشمن کی آبدوزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تیار ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"پہلے مجھے آپ یہ بتائیں کہ یہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟"۔

کپتان نے پوچھا۔

‘‘تم کہاں جانا چاہتے ہو؟’’۔

ناگ بولا۔

‘‘میں لندن جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میری ماں بیمار ہے’’۔

کپتان نے کہا۔

‘‘ہم لندن ہی جا رہے ہیں’’۔

ناگ نے کہا۔

‘‘بڑی خوشی کی بات ہے’’۔

‘‘تو پھر اب تم ضرور دشمن کے جہازوں کا اپنے جادو کے زور سے پتہ لگاؤ گے؟’’۔

ناگ نے کہا۔

‘‘ضرور۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے اور جس وقت میں عرشے پر آؤں یہاں اور کوئی نہ ہو۔ کیا یہ شرط آپ کو منظور ہے؟’’۔

کپتان نے کہا۔

‘‘بالکل منظور ہے’’۔

ناگ بولا۔

‘‘بس پھر ٹھیک ہے۔ آپ سارے لوگوں کو کہیں کہ وہ نیچے چلے جائیں۔ اور آپ بھی نیچے چلے جائیں۔ پندرہ منٹ کے بعد اوپر واپس آئیں۔ پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ دشمن کے جہاز کس مقام پر ہیں’’۔

گولہ باری تیز کرو

امریکی جہاز کے کپتان نے اسی وقت حکم دے دیا۔

"سب سپاہی نیچے چلے جائیں"۔

ایک دم ڈیک خالی ہو گیا۔ ناگ وہاں بالکل اکیلا رہ گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ اسے انسان سے پرندہ بنتے کوئی نہ دیکھ سکے۔

جب اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے تو ایک دم سے عقاب بن کر جہاز کے عرشے سے اڑا اور آسمان میں پرواز کرنے لگا۔

سمندر کے اوپر اڑتے اڑتے عقاب کافی دور تک نکل گیا۔

اچانک اس نے نیچے گردن گھما کر دیکھا کہ ایک جرمن جہاز بڑھا چلا آ رہا ہے۔ عقاب وہیں سے واپس مڑا۔

عرشے پر آ کر وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے نیچے جا کر کپتان سے ملاقات کی اور کہا۔

"ایک جرمن جہاز یہاں سے تھوڑی دور سمندر میں سفر کر رہا ہے۔ میں نے اسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

امریکی جہاز کے کپتان نے ہنس کر کہا۔

"کیا اس جہاز پر بادبان تھے؟"۔

اصل میں وہ ناگ کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ناگ

نے اس مذاق کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"مذاق کرنے کی ناکام کوشش نہ کریں اور اپنے راڈار والوں سے کہیں کہ وہ اس جہاز کو دیکھنے کی کوشش کریں"۔

کپتان نے کہا۔

"میرا راڈار تو اس جہاز کو ایک منٹ میں معلوم کریگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا تم نے بھی اپنے جادو کے زور سے اس جہاز کو دیکھا ہے کہ نہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ اسی لیے آپ اپنے راڈار والے سے کہیں کہ وہ اپنی سکرین پر جہاز کو دیکھنے کی کوشش کرے"۔

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ نیچے سے ایک ملاح نے چیخ کر کہا۔

"سر! ابھی ابھی دشمن کا ایک جہاز نظر آیا ہے"۔

اتنا سن کر کپتان نے حیرانی سے ناگ کی طرف دیکھا اور نیچے چلا گیا۔

ناگ بھی اس کے ساتھ ہی گیا۔ نیچے جا کر کپتان نے راڈار کی سکرین پر دیکھا تو ایک جہاز ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"فوراً توپوں کا رخ جہاز کی طرف کر دیا جائے"۔

اسی وقت ساری توپوں کا رخ جرمن جہاز کی طرف کر دیا گیا۔

ناگ نے کہا۔

"اس جہاز پر سات توپیں لگی ہیں"۔

میں نے اپنے جادو کے زور سے معلوم کیا ہے۔

کپتان نے ناگ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ فکر نہ کرو۔ ہم دشمن کے جہاز کو سمندر میں غرق کر دیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"وہ بہت بڑا جہاز ہے۔ میں نے اسے دیکھا لیا ہے۔ اس کا مقابلہ پوری طاقت سے کرنا ہوگا"۔

کپتان نے کہا۔

"کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم دیکھو گے کہ ہم اس جہاز کو اپنی توپوں کے گولوں سے بھسم کر کے رکھ دیں گے"۔

نیچے سے ایک انجینئر نے آ کر کہا۔

"سر! جرمن جہاز نے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا ہے اور وہ ہماری طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے"۔

کپتان نے چنگھاڑ کر کہا۔

"جہاز کو جنگی پوزیشن میں لا کر اس پر گولہ باری شروع کر دو"۔

جہاز کی پوزیشن بدل دی گئی۔ کپتان کے ساتھ ہی ناگ جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ اسی وقت توپوں نے گولے اگلنے شروع کر دیئے۔

اب جرمن جہاز بالکل سامنے دور سمندر میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے بھی گولہ باری شروع کر دی۔

دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن امریکی جہاز کو پہل حاصل ہو گئی تھی۔ اس نے گولہ باری پہلے شروع کر دی تھی۔

ان کے گولے جرمن جہاز کے اوپر جا کر پھٹنے لگے۔ انہوں نے دوربین سے دیکھا کہ جرمن جہاز میں آگ لگ گئی تھی۔

کپتان نے چیخ کر کہا۔

"گولہ باری تیز کر دو"۔

گولے ایک کے بعد ایک جانے لگے۔ جرمن جہاز کے صحیح گولے سمندر میں گر رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے صحیح فاصلہ نہیں ناپا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جرمن جہاز جلتا ہوا سمندر میں غرق ہو رہا تھا۔

ناگ اور امریکی کپتان جہاز کے عرشے پر کھڑے دشمن کے جہاز

کو غرق ہوتے دیکھ رہے تھے۔ جہاز غرق ہو گیا۔

اس میں سے ایک بھی ملاح زندہ نہ بچا۔ امریکی جہاز کے کپتان نے ناگ سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ ہم دونوں ایک جگہ بیٹھ کر کافی پئیں گے"۔

ناگ نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا اور امریکی کپتان کے ساتھ نیچے اس کے کیبن میں آ گیا۔

امریکی کپتان ناگ سے اور معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اور ناگ صرف لندن پہنچنا چاہتا تھا۔ جہاں وہ ماریا اور عنبر کو تلاش کرنے کا خواہش مند تھا۔

کیبن میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ امریکی کپتان

نے خود ناگ کے لیے کافی بنائی اور پیالہ اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ناگ تم بڑی خوبیوں کے مالک ہو۔ اگر تم پسند کرو تو میں لندن پہنچ کر تمہیں بحریہ کے محکمہ جاسوسی میں کام دلوا سکتا ہوں"۔

ناگ نے سوچا کہ اسے لندن میں ہی رہنا ہے۔ وہاں رہ کر عنبر اور ماریا کو تلاش کرنا ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ اسے وہاں نوکری بھی مل جائے۔

اس طرح وہ بڑے سکون کے ساتھ لندن میں رہ سکے گا۔

اس نے کہا۔

"خوبیاں تو خیر مجھ میں ایسی کوئی نہیں ہیں۔ ہاں البتہ اگر تم

مجھے نوکری دلوا دو تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ لیکن میری شرط ہوگی"۔

"کون سی شرط؟"۔

کپتان نے پوچھا۔

"کام میں اپنی مرضی سے کروں گا۔ یعنی جو کام مجھے پسند نہیں ہوگا نہیں کروں گا"۔

کپتان کچھ سوچ کر بولا۔

"میں کوشش کروں گا کہ وہ لوگ تمہاری شرط مان جائیں"۔

کپتان کافی کی پیالی میز پر رکھ کر اٹھا۔ وہ جاتے جاتے مڑا اور بولا۔

"مسٹر ناگ! اگر تمہارا حساب یا تمہارا جادو تمہیں کسی اور جرمن تباہ کن جہاز کے بارے میں بتائے تو مجھے ضرور اطلاع

کرنا"۔

"ایسا ہی ہوگا"۔

کپتان چلا گیا۔ جہاز کچھ روز سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ سفر کرنے کے بعد ساؤتھمپٹن کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

کپتان ناگ کو ساتھ لے کر وزارت داخلہ کے دفتر گیا اور ناگ کا تعارف سیکرٹری محکمہ جاسوسی (بحریہ) سے کروایا۔

سیکرٹری نے بڑے غور سے ناگ کی طرف دیکھا اور اپنی بڑی ہی خفیہ زبان میں جسے سوائے وزارت جاسوسی کے چند ایک آدمیوں کے دوسرا کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہا۔

"یار! یہ تو مجھے کوئی لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تم سفارش کر رہے ہو؟"۔

کپتان نے اسی خفیہ زبان میں کہا۔

"ٹھیک ہے مسٹر آسکر! مگر اس کے گن دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ یہ آنے والے واقعات پہلے بتا دیتا ہے"۔

اب سیکرٹری نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔

ناگ اس کی خفیہ زبان سمجھ رہا تھا۔ وہ خاموش رہا۔

سیکرٹری نے کہا۔

"مسٹر ناگ: میں کپتان کی سفارش پر تمہیں اپنے ہاں کام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمارے لیے بڑے قیمتی نوجوان ثابت ہو گے"۔

ناگ نے کہا۔

"شکریہ مسٹر سیکرٹری"۔

ناگ کو سیکرٹری کا یہ انداز اچھا لگا کہ اس نے سیدھے سبھاؤ بغیر ناگ کا امتحان لیے اسے کام پر رکھ لیا تھا۔

دو تین روز گذر گئے۔ ناگ کو وزارت خارجہ کی عمارت میں ایک کمرہ مل گیا تھا وہاں وہ رہ رہا تھا۔ دن میں وہ شہر کا چکر لگا کر عنبر اور ماریا کو بھی ادھر ادھر دیکھ لیتا تھا۔

ایک ہفتے بعد سیکرٹری مسٹر آسکر نے ناگ کو اپنے دفتر میں طلب کر لیا۔

ناگ کمرے میں پہنچا تو سیکرٹری اٹھ کر اس سے ملا۔ اس کے چہرے پر کچھ سنجیدگی چھائی تھی۔ اس نے ناگ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور گھنٹی بجا کر کافی منگوائی۔

کافی پیتے ہوئے سیکرٹری نے کہا۔

''مسٹر ناگ! تمہیں ایک بڑے اہم مشن کو پورا کرنا ہوگا۔ یہ مشن خطرناک بھی ہے اور ضروری بھی۔ اس میں ہمارے ملک اور قوم کی عزت کا سوال ہے''۔

ناگ نے پوچھا۔

''مشن کیا ہے؟ وہ بھی بتائیے''۔

''سیکرٹری نے کہا''

انگلستان اور فرانس کے درمیان ایک بائیس چوبیس میل لمبا سمندر حائل ہے۔ اس سمندر میں فرانس کے ساحل کے قریب برطانیہ کا ایک جزیرہ ہے جس پر فرانس کیساتھ ہی جرمنوں نے قبضہ کر لیا۔

اس جزیرے میں تھوڑے سے لوگ رہتے ہیں۔ جزیرہ کوئی

دو میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر کسان ہیں۔

اور ہمارے وفادار ہیں مگر جرمنوں نے انہیں اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔ وہاں ہمارا کوئی باقاعدہ مشن کام نہیں کر رہا۔

اس جزیرے کے شمال میں فرانس کے ساحل کی جانب ایک لائٹ ہاؤس ہے۔

اس لائٹ ہاؤس کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے جہاں ہماری نئی آبدوز کا نقشہ دفن ہے۔ ہمیں اس نقشے کی اس وقت بہت ضرورت ہے کیوں کہ وزارت جنگ وہ نئی آبدوز بنانا چاہتی ہے تا کہ جرمنی کی تباہ کن آبدوزوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

تمہیں اس جزیرے پر جا کر وہ نقشہ لانا ہوگا۔

ناگ بڑے غور سے سیکرٹری کی باتیں سن رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ خاموش ہو گیا۔

پھر اس نے کہا۔

" مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ وہ نقشہ کس جگہ دفن ہے؟"۔

سیکرٹری نے کہا۔

تمہارے ساتھ مس ایملی جائے گی۔ وہ اس جزیرے میں لائٹ ہاؤس پر ملازمت کر چکی ہے۔ ایک خفیہ آبدوز آدھی رات کو تمہیں اس جزیرے کے جنوبی ساحل پر جا کر اتار دے گی۔

آگے تمہارا کام ہوگا۔ تمہارے پاس ایک وائرلیس سیٹ ہوگا۔ تم ایک خاص فریکوئنسی پر ہر رات بارہ بجے ہم سے بات کر سکو گے۔

کیا اور کچھ پوچھنا پسند کرو گے؟۔

ناگ اور کیا پوچھتا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ ذرا کسی مہم پر نکلے۔ کچھ زندگی میں دلچسپی اور حرکت پیدا ہو۔ ویسے وہ ان لوگوں کے لیے کام کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہ لوگ پسند آئے تھے ان کا سلوک ناگ کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

''اور کچھ نہیں پوچھنا''۔

سیکرٹری نے گھنٹی بجا کر مس ایملی کو طلب کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سرخ بالوں والی خوبصورت دبلی پتلی سی لڑکی آ گئی۔

سیکرٹری نے ناگ سے اس کا تعارف کرایا۔ ایملی نے ناگ سے ہاتھ ملا کر کہا۔

''مسٹر ناگ! مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی''۔

ناگ نے ایملی کی طرف غور سے دیکھا۔ ایملی نے محسوس کیا کہ ناگ کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

''مجھے بھی تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے مس ایملی!''۔

پھر اس نے سیکرٹری سے کہا۔

''میں تیار ہوں''۔

''بہت خوب!''۔

سیکرٹری نے انہیں کچھ ضروری ہدایات دیں اور کہا۔

''رات گیارہ بجے آپ لوگ بندرگاہ کی جیٹی نمبر د پر پہنچ جائیں''۔

ناگ ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔ ایملی پہلے سے اس کا انتظار کر

رہی تھی۔

سیکرٹری مسٹر آسکر بھی وہاں موجود تھا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے ساری بندرگاہ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

ان کے سامنے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر کے کنارے ہلکے ہلکے جھکولے کھا رہی تھی کیونکہ سمندر میں تیز ہوا چل رہی تھی۔

آسکر نے ایملی اور ناگ کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو گیا۔

کشتی سمندر میں کچھ دور تک سفر کرتی رہی۔ پھر اچانک سامنے ایک آبدوز نظر آئی۔ آسکر نے خفیہ سگنل دیا۔

آبدوز کے ڈیک پر کچھ ملاح نمودار ہوئے۔ انہوں نے سیڑھی پھینکی۔ کشتی آبدوز کے ساتھ جا لگی۔ سیڑھیاں چڑھ کر ایملی اور ناگ آبدوز کے ڈیک پر آ گئے۔

آسکر ابھی کشتی میں ہی تھا۔ اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"خدا تمہیں کامیاب کرے"۔

"خدا حافظ!"۔

ایملی اور ناگ نے ہاتھ ہلائے۔

آبدوز کے نیچے جا کر ایملی اور ناگ آبدوز کے کپتان سے ملے۔ وہ ایک چوڑے جبڑوں والا کرخت مزاج انگریز تھا۔

اس نے ان سے کوئی زیادہ بات نہ کی۔ بلند آواز میں حکم دیا۔

"آبدوز پانی میں کرو۔ پچاس ڈگری شمال۔ رفتار تیس ناٹ۔ گہرائی ڈیڑھ سو فٹ"۔

آبدوز سمندر میں ڈوب گئی اور اس نے جزیرے کی جانب سمندر کے اندر ہی اندر سفر شروع کر دیا۔ ایملی اور ناگ ایک تنگ

سے کمرے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

ان کے سامنے کافی رکھی تھی۔ وہ اکیلے تھے۔ ناگ نے ایملی سے کہا۔

"جزیرے پر پہنچ کر ہم سب سے پہلے کہاں جائیں گے؟"۔

ایملی نے کہا۔

اس جزیرے پر میرا ایک پچار رہتا ہے۔ وہ ہمارا وفادار ہے۔ اس کا مکان جزیرے کے مغرب میں ایک جگہ پر ہے۔ ہم اس کے گھر جائیں گے۔ اسے پہلے ہی سے اطلاع کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

ناگ خاموش رہا۔

آبدوز سمندر کے نیچے سفر کرتی رہی۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد

آبدوز کی رفتار کم ہوئی اور پھر وہ پانی کی سطح پر ابھر آئی۔

کپتان نے ایملی اور ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ لوگ جلدی کریں۔ یہاں جرمنوں نے بارودی سرنگیں بچھا رکھی ہیں"۔

ایملی اور ناگ تیزی سے سیڑھی چڑھ کر آبدوز کے ڈیک پر آ گئے۔

چاروں طرف اندھیرا پھیلا تھا۔ سمندر کی لہریں سیاہ تھیں۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔

جس مقام پر آبدوز کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں سے جزیرہ کوئی دو تین فرلانگ کے فاصلے پر ہوگا۔ ایک چھوٹی سی ڈونگا کشتی پہلے سے سمندر میں اتار دی گئی تھی۔

ایملی اور ناگ کشتی میں سوار ہو گئے۔ آبدوز سمندر میں غائب ہو گئی۔

دونوں کشتی کو چپوؤں سے چلاتے ہوئے جزیرے کی ساحلی چٹانوں کے پاس آ کر رک گئے۔ ناگ نے تھیلا کندھے پر اٹھا لیا۔

اس تھیلے میں وائرلیس سیٹ، دستی بم، برین گن، دو پستول اور زمین کھودنے کے اوزار تھے۔ ایملی اس کے قریب منہ لا کر کہنے لگی۔

"تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اس علاقے میں ہو سکتا ہے، جرمن سپاہی رات کو گشت کرتے پھرتے ہوں"۔

ایملی اس جزیرے کے سارے علاقوں سے واقف تھی۔ وہ

پانچ برس اس جزیرے میں رہی تھی اور لائٹ ہاؤس پر کام کرتی رہی تھی۔

لائٹ ہاؤس پر اب بھی جو آدمی جرمنوں کی زیر نگرانی کام کرتا تھا، ایملی اسے جانتی تھی۔ ناگ، ایملی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

جزیرے پر تاریکی چھائی تھی۔ آسمان پر ستارے بڑے دھندلے دھندلے تھے۔ وہ اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان سے گذر رہے تھے۔

یہاں سے باہر نکل کر وہ کھیتوں میں آ گئے۔ اب انہیں دور ایک ڈھلائی چھت والا مکان نظر آیا۔ ایملی نے سرگوشی میں ناگ سے کہا۔

"یہی میرے چچا کا مکان ہے۔ ہمیں اس جگہ جانا ہے۔ جس

وقت ایملی نے دروازے پر دستک دی، اس کا چچا گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور بڑبڑایا۔"

"آدھی رات کے وقت یہ کون احمق دروازے پر ہے؟"۔

ایملی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"انکل سام میں ہوں ایملی!"۔

انکل سام نے دروازہ کھول دیا اور خوشی سے ایملی کو ساتھ لگا لیا۔

"بیٹی! تم یہاں کیسے پہنچ گئیں۔ تمہیں جرمنوں نے دیکھا تو نہیں! یہ صاحب کون ہیں؟"۔

ایملی نے کہا۔

"انکل پہلے ہمیں گرم گرم دودھ پلائیں۔ پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔ ہاں! یہ میرے ساتھی ہیں۔ مسٹر ناگ"۔

انکل سام نے اسی وقت دودھ گرم کر کے ناگ اور ایملی کے سامنے رکھ دیا۔

ایملی نے کہا۔

انکل! ہمیں وزارت بحریہ نے ایک خاص مشن پہ یہاں بھیجا ہے۔

مشن کیا ہے؟۔

یہ میں ابھی آپ کو نہیں بتا سکتی۔ صرف اتنا بتاؤں گی کہ یہ مشن بے حد اہم ہے اور ہمیں دو چار دنوں کے اندر اندر اسے مکمل کر کے واپس برطانیہ پہنچنا ہے۔

انکل سام بولا۔

"میں تمہارے مشن کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اور اگر میں بھی اپنے وطن انگلستان کے لیے کوئی خدمت کر سکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی"۔

ایملی نے کہا۔

"ابھی آپ کی ضرورت نہیں ہوگی انکل۔ لیکن اگر وقت آیا تو آپ کو ضرور تکلیف دی جائے گی"۔

ایملی نے اسی وقت وائرلیس پر برطانیہ کی وزارت بحریہ سے رابطہ قائم کر کے انہیں اطلاع کر دی کہ ہم خیریت سے جزیرے پر پہنچ گئے ہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ سو گئے۔ صبح دن نکلا تو ایملی اور ناگ اٹھ بیٹھے۔

انہوں نے دیہاتی لباس پہن لیا اور کھیتوں میں جا کر انکل سام کے ساتھ کام کرنے لگے۔ اصل میں وہ ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔

انکل نے انہیں بتایا تھا کہ جزیرے پر کوئی دو سو کے قریب جرمن فوج ہے۔ انہوں نے چٹانوں پر انگلستان کی جانب توپیں بھی لگا رکھی ہیں۔

اور دو تین جگہوں پر سمندر کی جانب چٹانوں پر فوجی چوکیاں بھی بنی ہیں۔ جزیرے میں جرمن سپاہی گشت کر کے لوگوں کا جائزہ لیتے رہے۔

اس لیے تمہیں بڑی ہوشیاری سے رہنا ہوگا۔

دوپہر کے بعد ایملی نے ناگ کو انکل کے مکان پر ہی چھوڑا اور خود لائٹ ہاؤس کی جانب روانہ ہوگئی۔

اس نے دیہاتی لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں ٹوکری تھامی ہوئی تھی۔ جیسے وہ بازار سودا خریدنے جا رہی ہو۔ لائٹ ہاؤس تک پہنچنے کے لیے اس جزیرے کے بڑے بازار میں سے گذرنا پڑا۔ یہاں اس نے جرمن سپاہی دیکھے جو بندوقیں اٹھائے چل پھر رہے تھے۔ ایک جگہ دو جرمن سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے ایملی کو دیکھا تو اسے قریب بلا کر پوچھا۔

''تم کون ہو؟ کہاں رہتی ہو؟ کہاں جا رہی ہو؟''۔

لائٹ ہاؤس

ایملی ذرا بھی نہ گھبرائی۔ بڑے اعتماد سے بولی۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس جزیرے میں رہتی ہوں اور بازار سے سودا لینے آئی ہوں''۔

''تمہارا نام؟''۔

ایک سپاہی نے ایملی کے بالوں کو چھو کر کہا۔

ایملی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کرسٹین سام"۔

"بہت پیارا نام ہے"۔

دونوں سپاہی ہنس پڑے۔

ایملی غصے سے سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ وہ ادھر ادھر سے ہو کر لائٹ ہاؤس کے قریب آ کر رک گئی اور ایک جگہ جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر لائٹ ہاؤس کو تکنے لگی۔

یہ لائٹ ہاؤس ایک چٹان کے اوپر بنا ہوا تھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ اس نے سوچا بوڑھا ولیم ضرور اپنے چھوٹے سے کیبن میں کسی نہ کسی پرزے کی مرمت کر رہا ہوگا۔

اس نے جھاڑی سے نکل کر لائٹ ہاؤس کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اچانک ایملی کی نظر لائٹ ہاؤس کی پہلی منزل کی گیلری پر پڑ گئی۔

وہاں ایک جرمن سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

پہلے وہ گیلری کی دوسری جانب تھا۔ اب سامنے آ گیا تھا۔ وہ گھوم پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔

ایملی جلدی سے پیچھے ہٹنے لگی تو جرمن سپاہی نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ ایملی جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

اس نے سوچا بھاگنا زیادہ خطرناک ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ مصیبت کا جوانمردی سے مقابلہ کیا جائے۔ وہ ہنستی مسکراتی لائٹ ہاؤس کی طرف آ گئی۔

ایک جرمن سپاہی نچلی منزل کی کوٹھڑی سے بھی باہر نکل آیا

تھا۔

اوپر والا سپاہی بھی نیچے آ گیا۔

''کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟''۔

ایملی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں گوالن ہوں بازار سے سودا لینے نکلی۔ سوچا ذرا لائٹ ہاؤس کی سیر کر لوں''۔

''تم بکواس کرتی ہو۔ تم دشمن کی جاسوس ہو''۔

جرمن سپاہی نے چنگھاڑ کر کہا۔

ایملی بولی۔

''تو اتنا چیختے کیوں ہو؟ بے شک چچا ولیم سے پوچھ لو وہ مجھے جانتا ہو''۔

اتنے میں بوڑھا ولیم بھی ہاتھ میں پیچ کس لیے باہر آ گیا۔

اس نے ایملی کو دیکھا تو حیران ہوا کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ یہ تو لندن میں تھی۔ ایملی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سمجھا دیا کہ وہ اس خاص مشن پر یہاں آئی ہے۔

ولیم پہلے تو گھبرایا پھر جلد ہی اس نے اپنے حواس پر قابو پا لیا اور بولا۔

''ارے بیٹی! تم یہاں کیوں آ گئی؟ کیا مجھے دودھ دینے آئی تھیں؟''۔

ایملی ہنستے ہنستے کہنے لگی۔

''چچا! میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ کل دودھ کس وقت لاؤں؟ اور یہ جرمن سپاہی یونہی مجھ پر برسنے لگے''۔

"ولیم نے کہا"۔

"یہ تو ہماری بھانجی ہے۔ بڑی شریر لڑکی ہے"۔

جرمن سپاہی نے آگے بڑھ کر ایملی کو بازو سے پکڑ کر زور سے کھینچا اور ایک تھپڑ مار کر کہا۔

"یہ حربے کسی دوسرے پر آزمانا۔ سچ سچ بتاؤ تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے"۔

ولیم خاموشی سے اندر چلا گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سپاہیوں کو شک پڑ گیا ہے۔ اب ایملی کو ان درندوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

جرمن ایملی کو کھینچتے ہوئے اندر لے گئے اور ایک کمرے میں لے جا کر زمین پر گرا دیا۔ بندوق تان کر پوچھا۔

"اگر تو نے سچ بولا تو ہم تجھے چھوڑ دیں گے۔ نہیں تو گولی سے اڑا دی جاؤ گی"۔

ایملی نے بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کو خواہ مخواہ مجھ پر شک ہوا ہے۔ میں کسی کے کہنے پر یہاں نہیں آئی۔ میں ایک سیدھی سادھی گوالن ہوں"۔

"دوسرے جرمن سپاہی نے زور سے ایملی کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری"۔

"تیرا باپ بھی ابھی سچ بولے گا"۔

پھر انہوں نے ایملی کو کرب ناک اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ مگر ایملی کو اس قسم کی ٹریننگ پہلے ہی مل چکی تھی وہ خاموش رہی اور اذیت برداشت کرتی رہی۔

جرمن سپاہی اس کمرے میں بند کر کے اوپر اپنی ڈیوٹی پر

چلے گئے۔ انہوں نے فون پر کپتان کو اطلاع کر دی کہ لائٹ ہاؤس کے آس پاس ایک مشتبہ لڑکی کو پکڑا گیا ہے۔

جب شام ہو گئی اور ایملی واپس نہ آئی تو ناگ کو فکر ہوا۔

اس نے ایملی کے چچا سے پوچھا کہ لائٹ ہاؤس کس طرف ہے؟۔

جب اسے لائٹ ہاؤس کے راستے کا علم ہو گیا تو وہ چل پڑا۔ ناگ نے بھی جزیرے کے ایک عام دیہاتی کا لباس پہن رکھا تھا۔

رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ جزیرے پر چھا رہا تھا۔ دور سے ناگ نے لائٹ ہاؤس کے مینار کو دیکھا۔

وہ قریب پہنچ کر ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔ لائٹ کی نچلی منزل میں بڑی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ جھاڑی سے نکل کر آگے بڑھا۔

پاس آ کر دیکھا۔ کھڑکی بند تھی۔ اندر دو جرمن سپاہی میز کے گرد بیٹھے شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ ناگ کچھ سوچنے لگا۔

ضرور ایملی گرفتار ہو چکی ہے۔ وہ کہاں ہو گی؟

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔

"خبردار! اگر ذرا بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گا"۔

جرمن سپاہی ناگ کو کھینچتا ہوا لائٹ ہاؤس کی نچلی منزل میں لے آیا۔

ناگ نے کچھ نہ کہا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا ایملی کو بھی

ان لوگوں نے اسی جگہ قید کر رکھا ہے؟ جرمنوں نے ناگ کو زمین پر گرا دیا اور اس پر مکے برسانے لگے۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟۔

ایک سپاہی نے ناگ کے جبڑے پر زور سے مکا مار کر ناگ کے دانتوں سے خون رسنے لگا۔ اسے ایکدم سے غصہ چڑھا۔

قریب تھا کہ وہ اژدہا بن کر ان دونوں کو ہڑپ کر جائے کہ پھر یہ سوچ کر غصے کو پی گیا کہ وہ ایک اہم مشن پر یہاں آیا ہے اور ایملی کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔

اس نے ہونٹوں پر سے خون صاف کیا اور کہا۔

"میں یہاں کا ایک عام دیہاتی ہوں۔ سمندر کنارے اپنے

بچھڑے کی تلاش میں آیا تھا"۔

سپاہی نے اسے ٹھڈے مار کر کہا۔

"لیکن تم کھڑکی میں سے اندر کیا جھانک رہے تھے؟"۔

اس کا ناگ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اسے بھی اندر بند کر دو ہنٹر! اور کپتان کو اطلاع کر دو"۔

ناگ کو بھی اسی کوٹھڑی میں اندر دھکیل دیا گیا جہاں پہلے سے ایملی نیم بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے دانتوں سے بھی خون نکل رہا تھا۔

ناگ نے ایملی کو تسلی دی اور اپنی قمیض پھاڑ کر اس کے ہونٹوں کا خون صاف کیا۔

ایملی نے کہا۔

"یہ درندے ہیں۔ میرا سارا جسم درد کر رہا ہے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے"۔

ایملی بولی۔

لیکن یہ تو ایک اعتبار سے اچھا ہے کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔ اسی لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں وہ فرش ہے جس کے نیچے آبدوز کا نقشہ اور دوسرے کاغذات دفن ہیں۔

کیا ہم کسی طرح اس تہہ خانے میں نہیں پہنچ سکتے؟۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔

پھر بولا۔

"تمہارا خیال بھی درست ہے۔ قدرت نے ہمیں اس جگہ

پہنچا دیا ہے۔ جہاں ہم پہنچنا چاہتے تھے"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تہہ خانے میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بتاؤ کہ تہہ خانے میں کس مقام پر کاغذات دفن ہیں؟"۔

ایملی کہنے لگی۔

بس صرف اتنا معلوم ہے کہ تہہ خانے میں کسی جگہ کاغذات دبائے گئے ہیں۔

ہمیں سارا فرش اکھاڑنا پڑے گا۔

ناگ نے کہا۔

یہ ناممکن ہے۔ ہمارے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ یہ جرمن درندے ہمیں اتنی مہلت دیں گے کہ ہم بڑے آرام سے تہہ خانے کا سارا فرش پہلے اکھاڑیں۔

پھر کھودیں اور پھر بڑے آرام سے نقشے کے کاغذات لے کر چلتے بنیں۔

ایملی نے کہا۔

ہے تو یہ ٹھیک بات مگر اس سے زیادہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں۔ جس سائنسدان نے خود کاغذات کو یہاں چھپایا تھا۔

وہ گرمی لگنے سے ہلاک ہو گیا تھا۔ وہ صرف اتنا بتا سکا تھا کہ کاغذات لائٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں دبائے گئے ہیں اور ایک چھوٹے سے آہنی بریف کیس میں بند ہیں۔

ناگ نے کہا۔

سنو ایملی! میری بات غور سے سنو! ہو سکتا ہے یہ جرمن ہمیں الگ الگ کر دیں۔ اور پھر تم سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

میں تہہ خانے میں پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ تم جہاں بھی رکھی گئیں میرا انتظار کرنا۔ میں تمہیں چھڑا کر یہاں سے باہر چلوں گا۔

ایملی کہنے لگی۔

”تم اکیلے یہ سارا کام کس طرح کر سکو گے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”میں اکیلا کر سکوں گا“۔

اتنے میں دروازہ کھلا۔ ایک جرمن سپاہی اندر آیا۔

اس کے ہاتھ میں ایک ڈونگا تھا۔ شاید اس میں کافی تھی۔

”تم دونوں یہ کافی پیو گے۔ اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں مل سکے گا“۔

ناگ کے ذہن میں فوراً ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے اٹھ کر گہرا سانس لیا اور جونہی جرمن سپاہی واپس پلٹ رہا تھا۔

ایکدم سے سیاہ ناگ بن کر پھن اٹھائے اس پر جھپٹا اور اس کی گردن پر ڈس دیا۔ سپاہی دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

اس کے گرتے ہی ناگ پھر سے ناگ بن گیا۔ ایملی دہشت سے دیوار کے ساتھ جا کر لگ گئی تھی۔ اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

اس نے جو کچھ دیکھا تھا، اس سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ ایک انسان اچانک سانپ بن کر ایک آدمی کو ڈسے اور پھر انسان بن کر سامنے آ جائے۔

ناگ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم نے جو کچھ دیکھا ہے، اسے بھول جاؤ اور جلدی سے اس سپاہی کی وردی اتارنے میں میری مدد کرو۔"

ایملی دہشت زدہ سی آگے بڑھی اور دونوں جرمن سپاہی کی وردی اتارنے لگے۔ وردی اتار کر ناگ نے پہن لی۔

اس کی لاش کمرے کے کونے میں گھاس پھونس کے ڈھیر کے نیچے چھپا دی اور ایملی سے کہنے لگا۔

"میں اوپر جا رہا ہوں۔ لائٹ ہاؤس کے باقی جتنے جرمن سپاہی یہاں پر ہیں، میں انہیں ختم کر دوں گا۔ تم جب تک میں نہ کہوں گا یہاں سے باہر مت نکلنا۔"

ایملی ناگ کی کرامت دیکھ چکی تھی۔ وہ دم بخود تھی۔ اس کی

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی پرانے زمانے کا جادوگر ہے یا کوئی آسمانی مخلوق ہے۔ ناگن نے اسے جھنجھوڑ کر کہا۔

"ہوشیار ہو کر رہو۔ میں جب تک نہ آؤں یہاں سے نہیں جانا سمجھیں؟"۔

"ہاں ہاں۔ ٹھیک ہے"۔

ایملی کے منہ سے جیسے اپنے آپ نکل گیا۔ ناگ جرمن سپاہی کی وردی میں کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ ناگ پستول چلا کر شور پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ اس طرح سے ارد گرد دوسرے جرمن سپاہیوں کے خبردار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

وہ لائٹ ہاؤس کی دوسری منزل پر آ گیا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے سیڑھیوں اور چھوٹے کمروں کی روشنیاں ڈھکی ہوئی تھیں اور بڑی مدھم روشنی تھی جس کی وجہ سے جرمن سپاہی ناگ کو بھی جرمن سپاہی ہی سمجھے۔

بجلی والے کمرے میں دو جرمن بندوقیں پاس رکھے سو رہے تھے۔

یہ بڑا عمدہ شکار تھا۔ ناگ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ان کی بندوقیں اٹھا کر کونے میں چھپا دیں۔

پھر بڑے آرام سے سانپ کی شکل بدل کر انہیں بڑی محبت سے ڈس دیا۔ دونوں سوئے سوئے ہی راہئ ملک عدم ہو گئے۔

یہاں سے فارغ ہو کر ناگ نے پھر سے انسانی شکل اختیار کی اور دوسری منزل میں آ گیا۔ یہاں بوڑھا ولیم بیٹھا ایک کتاب پر

کچھ لکھ رہا تھا۔

ناگ اس کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔ ولیم نے اسے جرمن سپاہی سمجھ کر کہا۔

’’کیا حکم ہے جناب؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’غور سے دیکھو چچا! میں ناگ ہوں‘‘۔

ولیم نے حیرانی سے ناگ کو دیکھا اور بولا۔

’’تم نے جرمن وردی کہاں سے لی؟‘‘۔

ناگ نے سر کو ہلکا سا ہلا کر کہا۔

’’کیا اب بھی نہیں سمجھے انکل؟‘‘۔

ولیم سب سمجھ گیا۔

ناگ نے اسے بتایا کہ تین جرمن ہمیشہ کی نیند سو گئے ہیں۔

’’باقی جرمن کہاں ہیں؟‘‘۔

ولیم بولا۔

’’صرف دو جرمن سپاہی سب سے اوپر نادر کی گیلری پر پہرہ دے رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

’’میں ان کی خبر بعد میں لوں گا، پہلے یہ بتاؤ کہ اس نادر کے تہہ خانے میں آبدوز کا نقشہ اور کاغذات کس جگہ دفن ہیں؟‘‘۔

ولیم نے تعجب سے کہا۔

’’اس کا مجھے کچھ علم نہیں‘‘۔

ناگ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ تہہ خانہ کہاں ہے؟"۔

ولیم نے ناگ کو تہہ خانے کا راستہ بتایا۔ ناگ نیچے اکیلا ہی آ گیا۔

تہہ خانے کو بڑا تنگ راستہ جاتا تھا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جس میں سے گزر کر ایک چھوٹی چھت والی کوٹھڑی میں آ گئی۔

یہی تہہ خانہ تھا۔ ناگ ایک جگہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ نقشہ کس جگہ دفن ہے۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اگر اس مقام پر کوئی سانپ رہتا ہو تو وہ اس سے پوچھ سکتا ہے۔

ناگ نے آنکھیں بند کر کے اپنے جسم سے ایک خاص قسم کی شعاعیں چھوڑنا شروع کر دیں۔ ان شعاعوں کا یہ اثر ہوا کہ اس کمرے میں ایک چھوٹا سانپ جو بڑی دیر سے اپنی زندگی کے دن

ناور ہاؤس کے چوہے کھا کر پورے کر رہا تھا۔

اچانک ہوشیار ہو گیا۔ اپنے مقدس دیوتا کی بو نے اسے بل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

بل میں سے باہر آ کر وہ ادب سے ناگ کے آگے جھک گیا اور اپنی زبان میں بولا۔

"مقدس دیوتا! میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

سنو اے شریف سانپ! اس تہہ خانے میں ایک جگہ لوہے کے بریف کیس میں ہمارے کچھ ضروری کاغذات دفن ہیں۔

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ نیچے زمین میں جا کر پتہ چلاؤ کہ یہ لوہے کا بریف کیس کس مقام پر دفن ہے اور پھر اوپر آ کر مجھے

اطلاع کرو۔

"جو حکم مقدس دیوتا"۔

سانپ یہ کہہ کر واپس اپنے بل میں گھس گیا۔ اب اس سانپ نے تہہ خانے کی زمین کے اندر سیر شروع کر دی بہت جلد تہہ خانے کے کونے میں ایک جگہ اس نے مٹی کے اندر لوہے کے بریف کیس کو دیکھا۔

سانپ تیزی سے اوپر آیا اور ناگ کے سامنے ادب سے جھک کر بولا۔

"مقدس دیوتا! وہ لوہے کا چھوٹا صندوقچہ جس جگہ آپ بیٹھے ہیں ٹھیک اس جگہ پر دفن ہے"۔

"کیا تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

سانپ نے ادب سے جواب دیا۔

"ہاں میرے آقا! میں اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ کر آیا ہوں۔ میرے لیے کوئی اور حکم میرے آقا؟"۔

ناگ بولا "نہیں! اب تم جا سکتے ہو"۔

ناگ بڑی تیزی سے اوپر آ گیا۔ اس نے ولیم چچا کو آ کر بتایا کہ نقشے کی جگہ کا پتہ چل گیا ہے۔

"اب مجھے پھاوڑا لا دو کہ میں زمین کو کھود کر نقشے والا بریف کیس باہر نکال سکوں"۔

ولیم نے اسے پھاوڑا کونے کی الماری سے نکال کر دیا۔ ابھی وہ تہہ خانے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ باہر ایک جرمن جیپ آ

کر رکی اور اس میں سے تین جرمن سپاہی ایک کپتان کے ساتھ باہر نکلے۔

ولیم نے جلدی سے کہا۔

"ناگ! ابھی تہہ خانے میں جا کر پھاوڑا مت چلانا۔ اس کی آواز سے یہ لوگ خبردار ہو جائیں گے۔ تم واپس ایملی کی کوٹھڑی میں جاؤ اور چھپ جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن یہ کپتان تو ہم سے پوچھ گچھ کرنے ہی آ رہا ہے۔ وہ تو ہمارا کوٹھڑی میں ہی آئے گا"۔

ولیم نے سر پکڑ لیا۔

"اب کیا ہو گا۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ تو مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"تم بے فکر ہو کر بیٹھے رہو۔ میں ان لوگوں کو سنبھال لوں گا"۔

ناگ تیزی سے نیچے اتر گیا اور ایملی والی کوٹھڑی میں گھس گیا۔ اس نے سارے حالات ایملی کو بتا دیئے۔

اتنے میں جرمن کپتان تینوں سپاہیوں کے ساتھ اوپر آ گیا۔ وہاں کوئی جرمن سپاہی اس کے خیر مقدم کو نہ آیا۔

وہ پریشان ہوا۔ اسے غصہ بھی آیا۔ تینوں جرمن سپاہیوں نے آوازیں دیں۔ اوپر ٹاور پر سے ایک جرمن سپاہی نیچے آ گیا۔

کپتان نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"کہاں ہیں باقی جنگلی لوگ؟"۔

سپاہی بولا۔

"حضور ابھی اسی جگہ تھے۔ ساتھ والے کمرے میں ہوں گے"۔

کپتان ساتھ والے کمرے میں گیا تو وہاں تینوں جرمن سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

اس نے پستول نکال کر چیخ کر کہا۔

"یہ انگریز کمانڈوز کا کام ہے۔ پکڑلو انہیں وہ یہیں کہیں ہوں گے"۔

چاروں جرمن سپاہی کپتان کا حکم پا کر ٹاور کے کمروں کی طرف لپکے۔

جرمن کپتان اکیلا سیڑھیوں کے پاس کھڑا غصے سے پہلو بدل رہا تھا۔ اتنے میں ایک جرمن سپاہی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا اور خاموشی سے بولا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"۔

جونہی جرمن کپتان نے پیچھے نظر ڈالی، ناگ نے بڑی تیزی سے اس کی گردن پر خنجر مار کر اسے بغیر آواز نکالے ختم کر دیا۔

اب اوپر کو بھاگا۔ اوپر جرمن سپاہی بوڑھے ولیم کو مارتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے کہ بتاؤ انگریز کمانڈوز کہاں ہیں؟۔

ناگ دروازے میں جا کر پیچھے ہٹ کر چھپ گیا۔ اس نے چھت کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ تینوں جرمن سپاہیوں کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔

ناگ نے اسی وقت ایک پھاڑ کھانے والے زبردست آدم خور شیر کا روپ بدلا اور اچھل کر تینوں جرمنوں کو دبوچ لیا۔

پنجے کی مار کھا کر دو جرمن تو نیچے گر پڑے۔

تیسرا جرمن شیر کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ شیر نے بغیر آواز کے جست لگائی اور اس جرمن سپاہی کے اوپر جا گرا۔

یوں تینوں جرمن بغیر آواز نکالے شیر کے پنجوں سے ہلاک ہو گئے۔

یہ سارا ڈراؤنا کھیل ولیم حیرت کا بت بنا دیکھ رہا تھا۔ شیر باہر چلا گیا۔ باہر جا کر ناگ پھر سے انسانی شکل میں آیا اور اندر آ کر ولیم سے بولا۔

”یہ شیر! میں نے اپنے جادو کے زور سے بھیجا تھا۔ حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم اسی جگہ ٹھہرو، میں اوپر والے اکلوتے جرمن پہریدار کی جا کر خبر لیتا ہوں“۔

ناگ سیڑھیوں میں آ کر سانپ بنا اور بڑی تیزی سے رینگتا ہوا اوپر ٹاور کی گیلری میں پہنچ گیا۔

یہاں جرمن پہرے دار بڑی بے فکری سے پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے اچانک اپنے سامنے ایک سبز رنگ کا سرخ آنکھوں والا سانپ دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

ناگ بے ہوش ہو گیا

ناگ نے اسے زیادہ دیر زندہ رہنے کا موقع نہ دیا۔

اس آخری سپاہی کو ٹھکانے لگا کر ناگ بڑی تیزی سے نیچے آیا۔ اس نے ولیم اور ایملی کو ساتھ لیا اور بولا۔

”رات کے بارہ بجنے میں ایک منٹ باقی ہے۔ برطانیہ کو سگنل کرنے کا وقت ہو رہا ہے۔ میں نیچے جا کر زمین کھودتا ہوں، تم سگنل کر کے کہو کہ منہ اندھیرے جزیرے کے جنوب میں آبدوز پہنچ جائے۔ سگنل کے بعد تم بھی نیچے آ جانا“۔

ناگ ولیم کو ساتھ لے کر تہہ خانے میں آ گیا اور اس نے زمین کھودنی شروع کر دی۔

اوپر ایملی نے وائرلیس آن کیا اور برطانیہ کی وزارت داخلہ کی خاص فریکوئنسی پر پیغام دے دیا۔

ادھر سے سیکرٹری آسکر نے کہا۔

”ایملی! فکر نہ کرو۔ آبدوز صبح منہ اندھیرے جزیرے کے جنوب میں پہنچ جائے گی۔ ہم سب یہاں تمہارے مشن کی کامیابی کے لیے دعا کرتے ہیں۔“

ایملی نے کہا۔

”ہم اسی جگہ۔ سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس آ جائیں

کے جس مقام پر ہمیں آبدوز نے چھوڑا تھا"۔

سیکرٹری نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ آبدوز منہ اندھیرے تمہارا انتظار کرے گی"۔

ناگ تہہ خانے میں برابر زمین کھود رہا تھا۔ پھاوڑا چلائے چا رہا تھا۔ زندگی میں آج تک اس نے پھاوڑا نہیں چلایا تھا۔

زمین سخت تھی۔ کوئی دو گھنٹے بعد زمین دس بارہ فٹ تک کھودی گئی۔

ناگ نے وسیم سے کہا۔

"چچا! لالٹین کی روشنی گڑھے میں ڈالو"۔

وسیم نے لالٹین نیچے کی۔ ابھی تک بریف کیس نظر نہیں آیا تھا۔

ناگ نے دوبارہ پھاوڑا چلانا شروع کر دیا۔ آخر لوہے کے بریف کیس کی سطح نظر آ گئی۔

ناگ نے جلدی جلدی مٹی پرے ہٹائی اور بریف کیس کو باہر نکال لیا۔ اس پر مٹی کی وجہ سے زنگ لگا ہوا تھا۔

اسے چھری کی مدد سے کھولا گیا۔ کیونکہ تالے کی چابی کسی کے پاس نہیں تھی۔

ناگ نے دیکھا۔

بریف کیس کے اندر نیلے رنگ کا موٹا کاغذ تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ کاغذ کھولا گیا۔

یہ ایک نقشہ تھا جس پر آبدوز کے مختلف حصے دکھائے گئے تھے۔ ساتھ ہی ایک فائل تھی جس میں آبدوز کے بارے میں مکمل

تفصیلات درج تھیں۔ ایملی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"آخر تم نے دستاویزات حاصل کر لیں"۔

ولیم نے کہا۔

"اگر ناگ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو یہ مہم تم اکیلی بھی سر نہیں کر سکتی تھیں"۔

"کیوں نہیں۔ میں تو اپنے دوست مسٹر ناگ کی حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر اس وقت بھی دم بخود ہوں اور شاید ساری زندگی حیران رہوں گی"۔

ناگ نے کہا۔

"ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل کر جزیرے کے جنوبی کنارے پر پہنچنا ہے۔ صبح

ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے"۔

ولیم نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے یہ لوگ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"چچا! ہم تمہیں یہاں بھلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں، تم فکر نہ کرو اور ہمارے ساتھ چلو"۔

تینوں لائٹ ہاؤس کے ٹاور سے باہر نکل آئے۔

سارے جزیرے پر بلیک آؤٹ تھا اور جزیرے کی آبادی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایملی آگے آگے تھی اور رہنمائی کر رہی تھی۔

کیونکہ اسے سارے خفیہ راستوں کا پتہ تھا۔ وہ چٹانوں سے نکل کر آبادی کے پیچھے سے ہو کر اونچی جھاڑیوں میں چھپتے چھپاتے جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے کہ اچانک انہیں سامنے سے جرمن گشتی سپاہیوں کا ایک دستہ آتا نظر آیا۔

اندھیرے کی وجہ سے یہ سپاہی جب بالکل قریب آ گئے تو نظر آئے۔

یہ تین سپاہی تھے اور انہوں نے مشین گنیں کندھوں کے ساتھ لٹکا رکھی تھیں۔

انہوں نے ایملی، ناگ اور ولیم کو دیکھ لیا تھا۔ بریف کیس ناگ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

جرمن نے چیخ کر کہا۔

”وہیں کھڑے رہو نہیں تو گولی مار دی جائے گی“۔

رات کو اس جزیرے پر کرفیو لگا دیا جاتا تھا اور سپاہیوں کو حکم تھا کہ جو شخص بھی باہر آئے، اسے دیکھتے ہی گولی مار دو۔

جرمن سپاہی ناگ ایملی اور ولیم کی طرف بڑھے۔ بڑی خطرناک گھڑی تھی۔

ناگ نے ایملی سے کہا۔

”اس بریف کیس کو تھامو اور بالکل نہ گھبرانا“۔

ناگ نے بریف کیس ایملی کے ہاتھ میں دیا اور خود ایکدم سے عقاب بن کر آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔

جرمن سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان لوگوں کا ایک ساتھی

اچانک غائب ہو گیا ہے تو وہ ایملی اور ولیم پر برس پڑے۔

"تمہارا ساتھی کہاں چلا گیا؟ وہ ابھی یہاں تھا"۔

ایک سپاہی کو حکم دیا گیا۔

فوراً اردگرد اس بھگوڑے کو تلاش کرو۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔

سپاہی بائیں جانب والی جھاڑیوں کی طرف بھاگا۔ مگر وہاں ناگ کہاں تھا بھلا! وہ تو اس وقت سیاہ سانپ کی شکل میں ایملی اور ولیم کی تلاشی لینے والے دونوں سپاہیوں کے پیچھے آ چکا تھا۔

جرمن سپاہی نے ایملی کے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر کہا۔

"یہ کیا ہے؟"۔

اس نے بریف کیس کھولا تو اس میں آبدوز کا نقشہ تھا۔ جرمن

سپاہی اسے دیکھتا رہ گیا۔

تم انگریز جاسوس ہو۔ ہمارے خفیہ کاغذات چرا کر بھاگ رہے ہو۔ میں تم لوگوں کو گرفتار کرتا ہوں۔ سیدھی طرح میرے آگے آگے چلو۔ نہیں تو گولی مار کر اڑا دوں گا۔

ولیم گھبرا گیا۔ لیکن ایملی بالکل نہ گھبرائی۔ کیونکہ اس نے ناگ کی کرامت دیکھ لی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب بھی کوئی نہ کوئی کرامت ضرور دکھائے گا۔ جرمن سپاہیوں نے ایملی اور ولیم کو مشین گن دکھا کر آگے آگے چلا دیا۔

ایکدم سے پیچھے والے جرمن سپاہی کو محسوس ہوا جیسے کسی کیڑے نے اس کی پنڈلی پر کاٹا ہے۔

اس نے جھک کر پنڈلی کو دیکھا۔ وہاں کوئی کیڑا نہیں تھا۔ وہ

بڑے آرام سے چلنے لگا۔ اتنے میں دوسرے سپاہی کو بھی ایسا لگا جیسے کسی کیڑے نے اس کی ٹانگ پر کاٹا ہے۔

اس نے جھک کر اپنی پنڈلی کو کھجایا اور مشین گن کا رخ ولیم کی طرف کر کے کہا۔

''خبردار! اگر پیچھے مڑ کر دیکھا''۔

ابھی جرمن تھوڑی دور تک ہی چلے ہوں گے کہ دونوں سپاہیوں کے سر چکرانے لگے۔ ہاتھ پاؤں پر رعشہ طاری ہو گیا۔ جسم کانپنے لگا اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ ان کے حلق ایک دم سے خشک ہو گئے۔ وہ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر ایک دم مشین گن کا برسٹ فائر کر دیا۔

ایملی اور ولیم زمین پر بیٹھ گئے۔ سانپ نے اس جرمن

سپاہی کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ ولیم نے اٹھ کر تینوں لاشوں کو حیرانی سے دیکھا۔ اور بولا۔

''ایملی! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ ایسے لگتا ہے کہ قدرت نے ہماری مدد کے لیے اس سانپ کو ہماری طرف بھیج دیا''۔

ناگ انسانی شکل میں سامنے آ کر کہنے لگا۔

''ہمیں خدا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔ کیونکہ جرمن سپاہی کی مشین گن کی آواز سے ہو سکتا ہے دوسرے سپاہی چوکنے ہو گئے ہوں اور ادھر آ رہے ہوں''۔

ناگ نے بریف کیس اٹھایا اور تینوں بھاگنے لگے۔

کافی دور تک وہ بھاگتے چلے گئے۔ ولیم تھک گیا تھا۔ ناگ نے قدم قدم چلنا شروع کر دیا۔

اب وہ جزیرے کے جنوبی ساحل کے قریب آ گئے تھے۔

یہاں انہیں سمندر کی لہروں کا شور سنائی دینے لگا تھا۔

یہ لہریں ساحلی چٹانوں سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ تینوں سمندر کے کنارے چٹانوں کے بیچ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اندھیرے میں سمندر کی طرف تکنے لگے۔

اس مقام سے سمندر میں ان کی برطانوی آبدوز کو ابھرنا تھا۔

رات کا پچھلا پہر بھی گذر گیا تھا اور اب صبح کے آثار آسمان پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

تینوں کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"اس وقت تک آبدوز کو پہنچ جانا چاہیے تھا۔ صبح کی روشنی پھیل

گئی تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ جرمنوں کو ہمارے قتل عام کا علم ہو جائے گا اور وہ گولہ باری شروع کر دیں گے"۔

ایملی نے کہا۔

"خدا جانے آبدوز کیوں لیٹ ہو گئی۔ ایسا ہو نہیں سکتا"۔

ولیم بولا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ سمندر میں بارودی سرنگوں کی وجہ سے آبدوز نے سفر ملتوی کر دیا ہو"۔

"ایسا نہیں ہو سکتا"۔

ایملی نے کہا۔

"بارودی سرنگوں کا جال کوئی نئی بات نہیں۔ آبدوز ان کے نیچے نیچے سے ہو کر سفر کر سکتی ہے"۔

کچھ دیر بعد مشرق میں صبح کی روشنی پھیل گئی۔

سمندر کی لہریں صاف نظر آنے لگیں۔ چٹانوں کی تاریکی بھی دور ہو گئی وہ دور چٹان کے اوپر جرمنوں کی گن پوسٹ صاف دیکھ سکتے تھے۔

آبدوز ابھی تک نہیں آئی تھی۔ ناگ اور ایملی بے قراری سے ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔

"خدا جانے کیا بات ہو گئی ہے"۔

ولیم نے کہا۔

"اب ہماری خیر نہیں۔ جرمن آتے ہی ہوں گے"۔

اتنے میں انہیں بو کیر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"میرے خدا! وہ لوگ ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ بو کیر کتے ہماری بو پر بھاگے چلے آ رہے ہیں"۔

ولیم پریشان ہو کر بولا۔

ایملی بھی پریشان ہو گئی۔ ناگ سوچنے لگا کہ اگر سچ مچ آبدوز نے اور دیر کر دی اور جرمن ان کے سر پر پہنچ گئے تو اس کے لیے ان دونوں یعنی ولیم اور ایملی کو بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

جرمنوں نے چٹان کے اوپر والی گن پوسٹ سے ان تینوں کو دیکھ لیا تھا۔

بو کیر کتوں کے ساتھ آنے والے جرمنوں نے بھی اپنی دوربینوں سے ایملی، ولیم اور ناگ کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے گن پوسٹ کو وائرلیس پر گولہ باری کا حکم دے دیا تھا۔

"دھائیں"۔

ایک گولہ ناگ اینجلی کے ساتھ والی چٹان کے پاس آ کر پھٹا۔

"پناہ خدایا! ان لوگوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ بھاگو۔ بھاگو یہاں سے"۔

ولیم خوف سے کانپ رہا تھا۔ ناگ نے جھڑک کر کہا۔

"خبردار! ہمیں یہاں سے نہیں جانا ہوگا۔ ہمیں چٹانوں کی آڑ میں آ کر آبدوز کا انتظار کرنا ہوگا۔ آبدوز ضرور آئے گی"۔

اینجلی نے کہا۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو ہم بریف کیس کو سمندر میں پھینک دیں گے اور خود بھی مر جائیں گے"۔

ناگ نے تسلی دی۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آبدوز ضرور آئے گی۔ گولہ باری تیز ہو گئی۔ گولے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ گر کر زبردست دھماکوں کے ساتھ پھٹنے لگے۔

صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ اچانک سمندر کے نیچے سے دور سمندر میں آبدوز نمودار ہوئی۔ یہ آبدوز خاص طور پر اتنے فاصلے پر سے سمندر میں باہر نکلی تھی کہ جہاں پر جرمنوں کی گن پوسٹ کے گولے نہیں پہنچ سکتے تھے۔

ہاں جرمن ہوائی جہازوں کی بمباری کا ضرور خطرہ تھا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی جرمنوں نے برطانوی آبدوز کو سمندر میں ابھرتے دیکھا انہوں نے اپنی ہوائی فوج سے بمبار طلب کر

لیے۔

ادھر آبدوز میں سے ایک ربڑ کی کشتی سمندر میں اتری۔ اور بڑی تیزی سے ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔

ایملی، ولیم اور ناگ چھپ کر پتھروں کی اوٹ سے ہوتے سمندر کے پاس آ کر ریت پر لیٹ گئے۔ گن پوسٹ سے مشین گن کی فائرنگ اور گولہ باری مسلسل ہو رہی تھی۔

گولے اور گولیاں سمندر میں اور ریت پر چاروں طرف گر رہی تھیں۔ کشتی ساحل کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں کشتی کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے خود سمندر میں چھلانگیں لگا کر تیر کر اس تک پہنچنے کی کوشش کرنی ہو گی"۔

ولیم نے کہا۔

"میں بوڑھا ہوں۔ سمندر میں زیادہ دور تک نہ تیر سکوں گا"۔

ناگ زور سے دھاڑا۔

"نہیں تیر سکتے تو ڈوب مرو۔ ایملی! سمندر میں میرے ساتھ چھلانگ لگا دو"۔

ناگ سمندر میں کودا۔ اس نے بریف کیس اپنی پیٹھ پر باندھ لیا تھا۔

لوہے کا بریف کیس اتنا مضبوط تھا کہ اس کے اندر پانی کی نمی ہرگز نہیں جا سکتی تھی۔ ناگ کے پیچھے ایملی نے بھی چھلانگ لگا دی۔

"چچا! سمندر میں کود جاؤ"۔

ولیم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے بھی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ان کے ارد گرد گولیاں گر رہی تھیں۔ گولے پھٹ رہے تھے۔ ان کی قسمت اچھی تھی کہ ابھی تک ان میں سے کسی کو پھٹنے والے گولوں کا ٹکڑا یا گولی نہیں لگی تھی۔

اچانک فضا میں جرمن بمبار طیارہ نمودار ہوا۔

اس نے آبدوز کے اوپر ایک چکر لگا اور پھر غوطہ لگا کر دو بم گرا دیئے۔

خوش قسمتی سے بم سمندر میں گر کر پھٹے۔ لیکن آبدوز ہچکولے کھانے لگی۔ آبدوز کا کپتان دوربین سے دیکھ رہا تھا کہ ناگ ایملی اور ولیم سمندر میں تیرتے چلے آرہے ہیں اور ریڈ کی کشتی ان تک پہنچنے ہی والی ہے۔

آخر کشتی ان کے قریب آگئی اور وہ تینوں اس میں سوار ہو گئے۔ کشتی نے مڑ کر آبدوز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

جرمن بمبار نے دوسری بار غوطہ لگا کر بم گرا دیا۔

یہ بم بھی آبدوز سے کچھ فاصلے پر سمندر میں گرا۔ پھٹا دھماکا ہوا۔

سمندر کی لہریں زور سے اچھلیں اور آبدوز ہچکولے کھانے لگی۔ کپتان کو خوف پیدا ہو گیا کہ اگر جرمن بمبار نے تیسرا بم گرایا تو وہ ضرور آبدوز کے اوپر آکر گرے گا اور آبدوز کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

لیکن عین اس وقت آسمان پر ایک زناٹے کا شور سنائی دیا۔

کپتان، ناگ اور ایملی نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر

دیکھا۔

ایک برطانوی ڈسٹر جہاز جرمن بمبار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

برطانوی جہاز کی گن سے مسلسل گولیاں نکلیں۔ شرارے چمکے اور جرمن جہاز کی ٹینکی میں جا کر پیوست ہو گئیں۔

ٹینکی میں آگ لگ گئی۔ جرمن بمبار میں سے گاڑھے دھوئیں کی ایک آتشیں لکیر نکلی۔

بمبار نے آسمان کی طرف رخ کیا۔ اوپر گیا اور ایک دھماکے کے ساتھ فضا میں پھٹ گیا۔ آبدوز کے اوپر کھڑے سپاہیوں نے تالیاں بجاتے ہوئے نعرے بلند کیے۔

ربڑ کی کشتی آبدوز کے قریب آ کر ٹھہر گئی۔

تینوں مسافروں کو جلدی جلدی آبدوز پر سوار کرایا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد آبدوز نے غوطہ لگا دیا اور سمندر کے نیچے ایک خاص گہرائی میں جا کر برطانیہ کی جانب سفر شروع کر دیا۔

اسی دن دوپہر کے کھانے پر سیکرٹری وزارت داخلہ آسکر نے ناگ اور ایملی کی صحت کا جام تجویز کرتے ہوئے کہا۔

مسٹر ناگ اور مس ایملی نے سرکار برطانیہ کے لیے جو زبردست کام کیا ہے میں گورنمنٹ کی جانب سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی صحت کی دعا مانگتا ہوں۔

سرکار برطانیہ نے مس ایملی اور مسٹر ناگ کے اس عظیم الشان کارنامے سے خوش ہو کر انہیں خدمت کا ایک خاص تمغہ دیا۔ اور ساتھ ہی ایک ایک لاکھ پونڈ کا انعام دینے کا بھی اعلان کیا ہے۔

مہمانوں نے خوش ہو کر زور زور سے تالیاں بجائیں۔

سب نے ناگ اور ایملی کو مبارکباد دی۔ ایک اخبار نویس نے آگے بڑھ کر ناگ کی ایک تصویر بنائی اور قریب جا کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ناگ! میں تم کو اس سنہری کارنامے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اپنی طرف سے بھی اور اپنے مشہور اخبار کی جانب سے بھی۔۔۔ ساتھ ہی میں چاہوں گا کہ آپ کل شام کو میرے ساتھ کھانا کھائیں۔ یہ میرے لیے بڑے فخر کی شام ہوگی"۔

ناگ مسکرایا اور کہنے لگا۔

"آپ کی مبارکباد اور دعوت کا شکریہ۔ میرے پاس شاید وقت نہ ہو"۔

اخبار نویس نے کہا۔

مسٹر ناگ! میں نے بڑے ارمان کے ساتھ آپ کو دعوت دی ہے۔ میں ایک غریب اخبار نویس ہوں۔

میرا نام پال ہے۔ آپ نے میری دعوت قبول کر لی تو اس کی وجہ سے مجھے دفتر میں ترقی مل جائے گی اور میرے بال بچے آپ کو دعائیں دیں گے۔

ناگ کو پال پر ترس آ گیا۔

اس نے کہا۔

"بہت اچھا بھائی! اگر میرے دعوت قبول کرنے سے تمہارے بال بچوں کا بھلا ہوتا ہے تو میں ضرور تمہاری دعوت قبول کروں گا"۔

پال بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا۔

''کل شام ہوٹل میفرو میں، میں آپ کا انتظار کروں گا۔ بھولئے گا نہیں''۔

''بالکل نہیں بھولوں گا''۔

اخبار نویس پال نے ناگ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور وزارت داخلہ کے دفتر سے باہر نکل کر سڑک کے فٹ پاتھ پر ایک طرف چلنے لگا۔

وہ ٹیلی فون بوتھ تلاش کر رہا تھا۔ آخر اسے سڑکوں کے کنارے ٹیلی فون نظر آ گیا۔ پال تیزی سے بوتھ میں داخل ہوا۔ دروازہ بند کر کے فون کی مشین میں سکہ ڈالا اور ریسیور اٹھا کر ڈائیل گھمایا۔

دوسری طرف سے کسی نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''کون''۔

پال نے کہا۔

''نمبر ۲۰۲ سر!''۔

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''کیا ہوا؟ کوئی کامیابی؟''۔

پال نے کہا۔

''سر! نمبر ۲۰۲ جائے اور کیسے کامیاب نہ ہو''۔

آواز آئی۔

''مختصر بات بیان کرو''۔

پال بولا۔

''سر! مسٹر ناگ کل شام میرے ساتھ کھانا کھانے آ رہا

ہوں"۔

"کہاں"۔

"ہوٹل میٹرو میں"۔

"ٹھیک ہے، اسے ہوٹل میں روکے رکھنا۔ ہم وہاں پہنچ جائیں گے"۔

"یس سر"۔

"اس شخص کو ہمارے راز چرانے کی پوری سزا دی جائے گی"۔

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ پال نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔

اخبار نویس پال جرمنوں کے لیے برطانیہ میں جاسوسی کرتا تھا۔ بہ ظاہر وہ ایک اخبار کا فوٹوگرافر بنا ہوا تھا لیکن اندر سے وہ بے حد سنگدل اور خطرناک جرمن جاسوس تھا۔

جس نے اس شہر میں کئی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

جزیرے سے آبدوز کے خفیہ نقشے کی چوری اور تین برطانوی کمانڈوز کے فرار کے ساتھ ہی جرمنی کے محکمہ جاسوسی نے لندن میں اپنے خاص جاسوس پال کو اطلاع دے دی تھی کہ مسٹر ناگ جو کہ کمانڈر پارٹی کا سرغنہ تھا یہاں سے راز چوری کر کے اور ہمارے کتنے جرمن سپاہیوں کو ہلاک کر کے لندن فرار ہو گیا ہے۔

اسے اغوا کر کے ہمارے پاس روانہ کر دیا جائے تاکہ ہم اسے جزیرے کے چوک میں پھانسی پر لٹکا سکیں۔

پال نے اطلاع ملتے ہی کیمرہ گلے میں ڈال کر وزارت داخلہ کی راہ لی تھی کیونکہ وہاں پر ناگ، ایملی اور روسیم کی دعوت ہو رہی تھی۔

بہر حال پال بڑا خوش تھا کہ اس کا آدھا مشن کامیاب ہو گیا ہے اور صرف ناگ کو اغوا کرنا باقی ہے جو ان کا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

ناگ اس سازش سے بالکل بے خبر تھا۔

دوسرے دن شام کو اس نے شام کے کپڑے پہنے اور ٹیکسی میں سوار ہو کر ہوٹل میٹرو پہنچ گیا۔ یہاں بلیک آؤٹ کی وجہ سے بہت کم لوگ تھے اور روشنیاں بہت ہی مدھم جل رہی تھیں۔

لابی میں پال پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر

ناگ کا بڑا ہی خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے استقبال کیا اور اسے اندر کھانے کی میز پر لے گیا۔ میز پر ایک موم بتی روشن تھی۔

پال نے بیرے کو اشارہ کیا کہ کھانا لے آئے۔

بیرا سر کو ذرا سا ہلا کر مسکراتا ہوا اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ہوٹل کے کمرہ نمبر اڑتالیس میں رنگ کیا۔

"ہیلو!"۔

بیرے نے کہا۔

"شکار آ گیا ہے۔ میز نمبر ۱۲ پر پال کے ساتھ بیٹھا ہے"۔

"ویری گڈ"۔

ریسیور رکھ دیا گیا۔

پال تو مسٹر ناگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہیں تھک رہا تھا۔

جناب نے میری عزت افزائی کی۔ جو یہاں میری دعوت پر تشریف لے آئے۔ میں نے جب اپنے اخبار کے مالک سے کہا کہ مسٹر ناگ آج شام میرے ساتھ ہوٹل میٹرو میں کھانا کھا رہے ہیں تو وہ بڑا حیران ہوا۔

خوش بھی ہوا۔ کہنے لگا۔ مسٹر پال! اگر یہ بات سچ ہے تو تم اس سے خصوصی سٹوری حاصل ضرور کرنا۔ اور میں کل سے تمہاری تنخواہ بھی پچاس پونڈ کا اضافہ کر رہا ہوں۔

جناب یہ میرے لیے بہت بڑی رقم ہے۔ میرے بچے آپ کو دعا دے رہے ہیں۔

ناگ بڑی انکساری سے کہنے لگا۔

بھائی! میں تو انسانوں کی بھلائی کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار

ہوں۔

میں نے تمہارے اوپر کوئی احسان نہیں کیا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کر دیا ہے۔

پال نے ناگ کا ہاتھ تھام کر دبایا اور پھر چوم کر کہا۔

"یہ آپ کی عظمت ہے مسٹر ناگ کہ آپ نیکی کر کے اسے جتاتے ہیں۔ بلکہ دریا میں ڈال رہے ہیں"۔

کھانا لا کر میز پر سجا دیا گیا۔ ناگ اور پال کھانا کھانے لگے۔

کھانا بڑا لذیذ تھا۔ کھانے پر بھی پال ناگ سے باتیں کرتا رہا اور اسے بتاتا رہا کہ جنگ کس مقام پر ہو رہی ہے اور جرمن ہر قدم پر شکست کھا رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

''لیکن بھائی! فرانس تو سارے کا سارا ان کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ فرانس کو ضرور آزاد ہونا چاہیے۔ نہیں تو جب تک فرانس پر جرمنوں کا قبضہ ہے انگلستان کو بھی زبردست خطرہ رہے گا''۔

پال نے دل میں سوچا کہ یہ شخص جنگی سیاست میں بھی ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کہنے لگا۔

''تم دیکھ لینا مسٹر ناگ! بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب فرانس پر پھر سے فرانسیسیوں کا پرچم لہرا رہا ہوگا''۔

ناگ نے تشویش کے ساتھ کہا۔

لیکن میں لندن والوں کی ہمت کی داد دوں گا کہ جرمن دن میں کئی کئی بار بم برساتے ہیں لیکن ان کے حوصلے بلند ہیں۔

جونہی دشمن بم برسا کر آگے جاتے ہیں، وہ باہر نکل کر آگ بجھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور گری پڑی دیواروں کی پھر سے مرمت شروع کر دیتے ہیں۔

پال ہنس کر کہنے لگا۔

''سر! زندہ قوموں کی یہی نشانی ہوتی ہے''۔

کھانے کے بعد کافی آ گئی۔ یہ لوگ کافی پیتے اور باتیں کرتے رہے۔

کافی کے بعد پال کسی بہانے سے ناگ کو ہوٹل کے پچھواڑے سوئمنگ پول کے پاس لے آیا۔ یہاں وہ ٹہلنے لگا۔

یہ جگہ ویران سی تھی۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے اب میں واپس چلتا ہوں۔ کافی دیر ہوگئی۔

آپ کی دعوت کا بہت بہت شکریہ۔

"جیسے آپ کی مرضی چلئے واپس چلتے ہیں"۔

وہ سوئمنگ پول کے آخری کنارے سے جا کر واپس پلٹنے ہی تھے کہ سامنے سے ایک بیرے نے آ کر ناگ سے کہا۔

"سر! کیا آپ کے پاس لائٹر ہوگا۔ میں اپنا سگار سلگانا چاہتا ہوں"۔

ناگ نے جیب سے لائٹر نکال کر اسے جلایا اور آگے بڑھ کر کہا۔

"شوق سے سگار سلگاؤ بھائی"۔

بیرے نے آگے جھک کر سگار سلگایا اور اس کا گاڑھا دھواں

چھوڑ دیا۔

ناگ کا چہرہ دھوئیں میں چھپ گیا۔ اس کے زور سے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر وہ دھڑام سے گھاس پر گر پڑا۔

بیرے نے سگار پھینک کر سیٹی بجائی۔ جھاڑیوں کے اندھیرے میں سے چھ آدمی باہر نکلے۔

انہوں نے ناگ کے منہ میں رومال ٹھونسا۔ ہاتھ پاؤں رسی میں جکڑے اور اٹھا کر اندھیرے میں کھڑی کار میں لا کر ڈال دیا۔

پھر انہوں نے کار سٹارٹ کی اور اندھیرے میں ہی ان کی کار غائب ہوگئی۔

پال نے ہاتھ جھاڑا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور مسکراتا ہوا ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھ کر لابی میں آ گیا۔

بے ہوش ناگ کو لئے کالے ناگ کی کار بلیک آؤٹ میں ڈوبے ہوئے تاریک لندن شہر کی سڑکوں پر ایک جانب بھاگی جا رہی تھی۔

صرف اس کی ہیڈ لائٹیں آدھی ڈھکی ہوئی دھیمی دھیمی روشن تھیں اور ان کی روشنی دس پندرہ گز آگے سڑک پر پڑ رہی تھی۔

گاڑی شہر کے مشرقی علاقے میں آ کر ایک طرف گھومی اور پرانے مکان کے گیراج میں آ کر رک گئی۔

گاڑی میں سے ناگ بے ہوش جسم کو نکال کر عمارت کے ایک تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ سب لوگ چلے گئے۔

ان کے لیڈر نے ساتھ والے کمرے میں جا کر وائرلیس سیٹ اون کیا اور جزیرے کے جرمن کمانڈر سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

”ہیلو چارلی! ہیلو چارلی!“

”دوسری طرف سے آواز آئی“۔

”ہیلو چارلی“۔

لیڈر نے کہا۔

”ناگ کو بے ہوش کر کے گرفتار کر لیا گیا ہے“۔

☆ بے ہوش ناگ یہاں سے کس طرح فرار ہوا؟۔

☆ کیا وہ جرمنوں کے قبضے میں چلا گیا؟۔

☆ ماریا اور عنبر کہاں چلے گئے؟۔

☆ اس کے لیے آپ اس ناول کی 67 ویں قسط پڑھیے۔

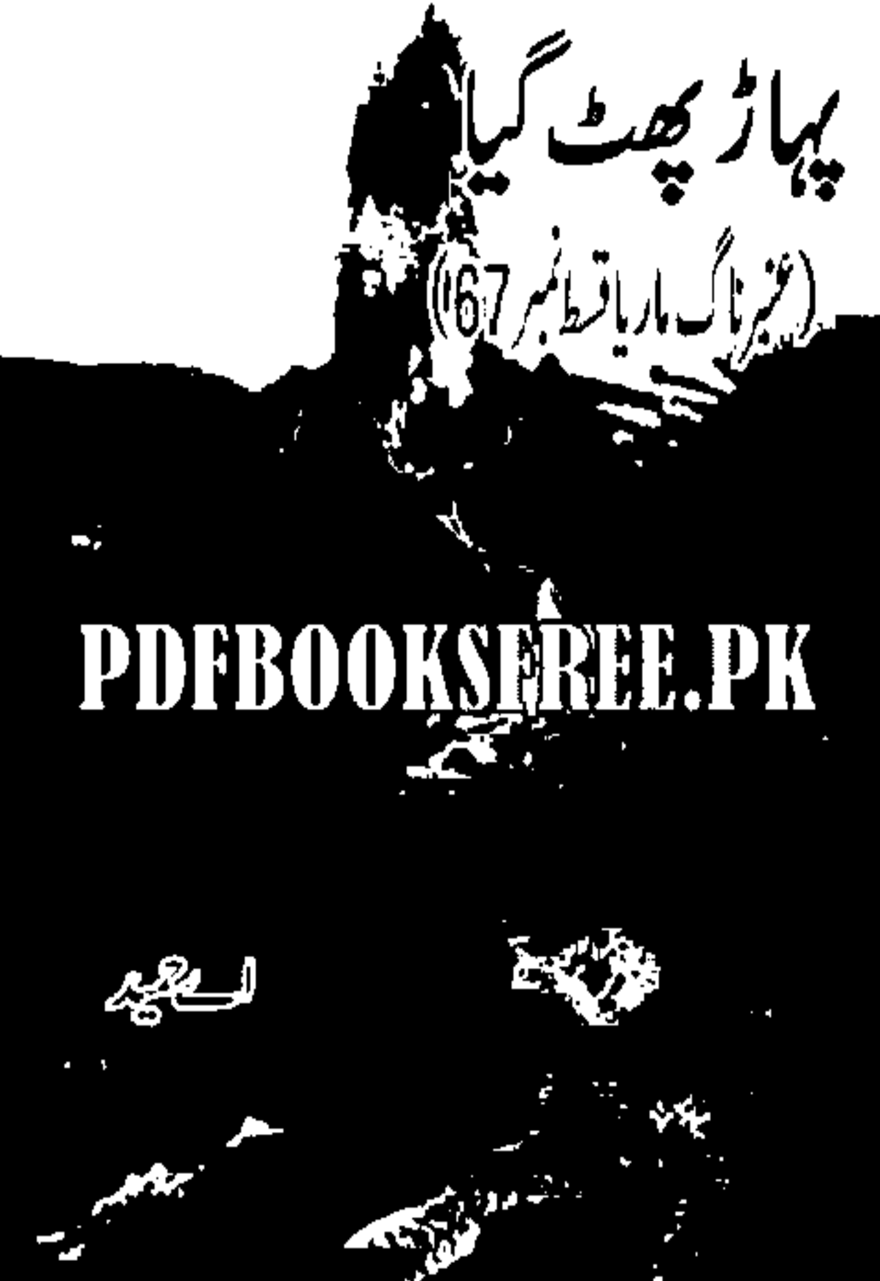

پہاڑ پھٹ گیا

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 167)

www.pdfbooksfree.pk کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

ناگ کا انتقام
اجنبی عورت
علی بابا کا غار
پہاڑ پھٹ گیا
چٹان کا غار
ٹرین چلتی رہی

ناگ کا انتقام

ناگ کو پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔

اس کے کانوں میں صرف ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔

جیسے دور لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔ وہ ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک یہ آوازیں گنگناہٹوں کی طرح اسے سنائی دیتی رہیں اور پھر جیسے دور ڈوب گئیں اور وہ ایک بار پھر بے ہوش

ہو گیا۔

دوسری بار اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

سب سے پہلی چیز جو اس نے دیکھی وہ چھت تھی۔ چھت میں لوہے کا ایک گارڈر پڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔

یہ زنجیر ناگ کے جسم کے ساتھ بندھی تھی اور وہ زمین سے کوئی دو فٹ اونچا لٹکا ہوا تھا۔ ناگ کے جسم میں درد ہو رہا تھا۔

اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ سامنے ایک گنجے سر اور سرخ سرخ آنکھوں والا جرمن آفیسر ہاتھ میں ہنٹر لیے کھڑا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

جونہی اس جرمن آفیسر نے دیکھا کہ ناگ کو ہوش آ گیا ہے تو

اس نے جرمن سپاہی کو اشارہ کر کے کہا۔

"اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارو"۔

سپاہی نے جلدی سے جگ میں پانی لے کر ناگ کے منہ پر چھینٹا مارا۔ ناگ نے سر جھٹک دیا۔ وہ پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا۔

جرمن افسر نے گرجدار آواز میں بڑے رعب سے کہا۔

"آبدوز کا نقشہ چوری کرنے میں اور کس آدمی نے تمہاری مدد کی تھی؟"۔

ناگ کو اس دیہاتی کا خیال آ گیا جس کے گھر پہلی بار ایملی اسے لے کر گئی تھی۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ چاہے وہ مر جائے مگر اس غریب اور معصوم کاشت کار کا نام ہرگز نہیں بتائے گا۔

جرمن افسر نے جب دیکھا کہ ناگ بالکل نہیں بول رہا تو اس نے اس پر ہنٹر برسانے شروع کر دیے۔

درد سے ناگ کی چیخیں نکل گئیں۔ غصے اور تکلیف سے ناگ کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے سوچا کہ کیا وہ اپنی جون بدل سکتا ہے؟۔

ناگ نے محسوس کیا کہ زنجیریں اس بری طرح سے اس کے جسم کے گرد لپیٹی گئی تھیں کہ وہ صرف سانپ بن کر ان زنجیروں سے اپنے آپ کو نکال سکتا تھا۔

لیکن سانپ بن جانے میں خطرہ یہ تھا کہ اسے بڑی آسانی سے مارا جا سکتا تھا، کیوں کہ اس کے ارد گرد اس تہہ خانے کے کمرے میں چار پانچ جرمن سپاہی کھڑے تھے۔

ان کے سامنے اگر ایک سانپ زمین پر رینگنے لگے تو وہ اسے مشین گن کی گولیوں سے بھون کر رکھ سکتے تھے۔

ناگ ہنٹروں کی مار سہتا گیا۔

جرمن افسر جب ناگ کو مار مار کر تھک گیا تو اس نے ہنٹر پھینک دیا۔

جیب سے رومال نکال کر ماتھے کا پسینہ پونچھا اور بولا۔

"اس کمینے کو چھت سے لٹکا رہنے دو۔ ابھی تھوڑی دیر میں اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور یہ خود بخود سارے راز بتا دے گا"۔

سارے جرمن کمرے سے باہر نکل گئے۔

وہاں صرف ایک سپاہی باقی رہ گیا۔ اس سپاہی نے دروازہ بند کر دیا اور دوسری جانب سلاخوں کے پاس کھڑا ہو کر بندوق اٹھائے پہرہ دینے لگا۔

درد کے مارے ناگ کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔

اس نے لٹکے لٹکے دیکھا کہ جرمن سپاہی چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔ چھت کے اوپر ایک روشن دان تھا جس کے آگے جالی لگی تھی۔

گویا وہ سانپ بن کر بھی اس روشندان سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔

چھت سے لٹکے لٹکے ناگ کو سارا بدن اکڑ گیا تھا۔ اور خون پاؤں میں آ کر جمع ہو گیا تھا۔ اس کے پاؤں بھاری ہو کر درد

کرنے لگے تھے۔

یہ تکلیف ناگ کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ اس تکلیف کو زیادہ دیر تک نہیں سہہ سکتا تھا۔ آخر اس نے اپنی جون بدلنے کا فیصلہ کر لیا جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

ناگ نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور ایک دم چھوٹا سا دبلا پتلا سانپ بن گیا۔ وہ زنجیروں میں سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

وہاں ایک دھیما سا بلب دیوار کے ساتھ جل رہا تھا۔ ناگ نے زمین پر گرتے ہی دیوار کی جانب رینگنا شروع کر دیا۔

اس نے محسوس کیا کہ سانپ بن کر بھی اس کا جسم درد کر رہا تھا۔

وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا اوپر روشندان کے پاس جا کر جالی

سے لگ کر بیٹھ گیا۔

اس نے غور سے دیکھا جالی بڑی مضبوط تھی اور کسی جگہ سے بھی ٹوٹی ہوئی نہ تھی کہ وہ وہاں سے باہر نکل سکتا۔

ادھر جرمن سپاہی بندوق اٹھائے پہرہ دے رہا تھا ایک بار جو اس نے سلاخوں میں سے اندر دیکھا تو وہ کانپ گیا۔

زنجیر خالی چھت سے لٹک رہی تھی۔ قیدی غائب تھا۔ مگر قیدی کہاں غائب ہو گیا؟ دروازہ بند تھا۔ وہ پہرہ دے رہا تھا۔

ہلکا سا شور بھی نہیں ہوا۔ پھر قیدی کہاں چلا گیا؟ اس نے سلاخ دار دروازہ جلدی سے کھولا اور اندر آ کر چاروں طرف گھور گھور کر تکنے لگا۔

قیدی کسی جگہ بھی نہیں تھا وہ تیزی سے دروازہ بند کر کے باہر آ

گیا اور اس نے سیٹی بجانی شروع کر دی۔

سیٹی کی آواز پر وہاں ایک شور مچ گیا۔

سارے جرمن سپاہی بھاگ کر وہاں آ گئے۔ جرمن افسر بھی آ گیا۔

اس نے جب دیکھا کہ قیدی غائب ہے تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا، کیونکہ اگلے روز وہ اپنے کمانڈر کے آگے قیدی کو پیش کرنے والا تھا۔

اس نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"قیدی کہاں فرار ہو گیا؟ کیسے فرار ہو گیا؟"۔

پہرے دار نے لرزتی زبان میں کہا۔

"سر! میں قسم کھاتا ہوں کہ دروازہ بند تھا اور میں پہرہ دے رہا

تھا۔ ایک منٹ کے لیے بھی یہاں سے نہیں ہٹا"۔

"تو پھر قیدی کہاں غائب ہو گیا؟ کیا اسے آسمان نے کھا لیا یا زمین نے نگل لیا؟"۔

"سر! سر! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا"۔

اور اتنا کہہ کر پہرہ دار فرش پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جرمن افسر نے ہاتھ اٹھا کر اونچی غصیلی آواز میں کہا۔

"اس بدبخت کو لے جا کر کوارٹر گارڈ میں بند کر دو اور جیل کے اردگرد تاروں میں بجلی کا کرنٹ دوڑا دیا جائے"۔

اس جیل کے اردگرد لوہے کے تاروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اسی وقت ان تاروں میں خطرناک کرنٹ دوڑا دیا گیا۔

یہ بجلی کا کرنٹ اتنا زیادہ تھا کہ اگر اس کے قریب سے بھی کوئی

گزرتا تو جارا اپنی طرف کھینچ کر بھسم کر دیتے۔

لیکن ناگ تو روشندان میں سانپ بن کر بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس کا جسم ابھی تک درد کر رہا تھا۔

اسے جرمن افسر پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دوسرے جرمنوں کو بے شک چھوڑ دے گا مگر اس جرمن افسر کو اس کے ظلم کی عبرتناک سزا دے گا۔

مگر سوال اس وقت سب سے اہم یہ تھا کہ اس جیل خانے سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا جائے؟۔

جرمن سپاہی وہاں جاتے ہی نہیں تھے۔ آخر خدا خدا کر کے وہ لوگ کمرے سے چلے گئے۔ جرمن افسر بھی کمرے سے باہر نکل گیا۔

اب ناگ روشن دان میں سے رینگتا ہوا نیچے اترا اور دروازے کی سلاخوں کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے گردن باہر نکال کر دیکھا۔

برآمدہ بالکل خالی تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا برآمدے میں آگے بڑھنے لگا۔

اسے یہاں کے راستوں کا علم نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کدھر کو جا رہا تھا۔ رینگتے رینگتے برآمدہ ختم ہو گیا اور سامنے سیڑھیاں آ گئیں جو اوپر کو جا رہی تھیں۔

ناگ نے سیڑھیوں کی دیوار پر سے ہو کر اوپر چلنا شروع کر دیا۔

سیڑھیاں اوپر ایک دروازے پر جا کر ختم ہو گئیں۔ یہاں ایک

سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ یہاں دن کی ہلکی ہلکی روشنی پہلی بار ناگ نے دیکھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور روشنی سورج کی ڈوبتی کرنوں کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔ ناگ چھت پر آ گیا۔

چھت پر سے ہو کر اوپر ہال کمرے کی دیوار پر سے ہوتا ہوا ایک ستون کے اوپر آیا تو اس کی نظر اپنے دشمن اس جرمن افسر پر پڑ گئی۔

جرمن افسر ہاتھ میں کاغذات لیے تیزی سے ایک کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

ناگ سمجھ گیا کہ اس کا دشمن اس کمرے میں کام کرتا ہے۔ اس نے دشمن کے کمرے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔

وہ روشندان میں سے ہو کر کمرے میں آ گیا۔ ناگ نے نیچے جھانکا۔ ایک میز پر کاغذات اور فائلیں بکھری پڑی تھیں۔

ٹیبل لیمپ جل رہا تھا اور کرسی پر وہی اس کا دشمن جرمن افسر بیٹھا سر جھکائے کام کر رہا تھا۔ ناگ نے بڑی احتیاط سے جرمن کے عقب میں آ کر دیوار پر سے اترنا شروع کر دیا۔

فرش کے قالین پر آ کر وہ رینگتا ہوا جرمن افسر کی کرسی کے پاس آ کر رک گیا۔ پھر وہ میز کے نیچے آ گیا۔

ناگ اس جرمن افسر کو اس طرح ڈسنا چاہتا تھا کہ اس کی رگیں ایکدم سے خشک ہو جائیں اور وہ کوئی آواز نہ نکال سکے۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ جرمن کی گردن پر کان کے قریب ڈسا جائے۔ ناگ کرسی پر رینگتے ہوئے کرسی کی پشت پر آ گیا۔

یہاں سے جرمن افسر کے کان کا فاصلہ کوئی دس بارہ انچ تھا۔ ناگ نے اپنا پھن پھیلا کر گردن اونچی کر لی۔ وہ کرسی کی پشت پر ایک فٹ تک کھڑا ہو گیا۔ اس نے اب وقت ضائع نہ کیا اور لپک کر ایک ہی جست میں جرمن افسر کے کان کے پیچھے کاٹ دیا اور اچھل کر سامنے میز پر جا بیٹھا۔

حملہ بے حد شدید اور کامیاب تھا۔ سانپ نے اپنا سارا مہلک زہر ایک ہی بار چند سیکنڈ کے اندر اندر جرمن افسر کی گردن میں ڈال دیا گیا۔

زہر نے اسی لمحے اپنا اثر دکھایا اور اس کی رگیں خشک ہو کر سکڑ گئیں۔

جرمن افسر نے اپنی گردن پکڑ لی اور اینٹھنے لگا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں اور جسم کانپنے لگا۔

وہ چیخنا چاہ رہا تھا مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

ناک منہ سے خون جاری ہو گیا اور کرسی پر سے گرا اور مر گیا۔

سانپ میز پر سے رینگ کر پھر دیوار پر آ گیا۔ یہاں سے روشندان کے ذریعے باہر نکل کر ہال کمرے کے ستون پر پہنچا اور دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا جیل کے بڑے دروازے سے باہر نکل آیا۔

باہر سورج غروب ہو رہا تھا۔ اور جزیرے پر شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔

ناگ نے یہاں سے عقاب کا روپ بدلا اور جزیرے کے

آسمان پر پرواز کرتا ہوا جزیرے کے جنوب میں اس کے مکان کے اوپر آ کر بیٹھ گیا جس میں ایملی کا رشتہ دار کسان انکل سام رہتا تھا۔

ناگ سورج غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے ادھیڑ عمر سام کو اپنے مکان سے نکل کر کھیت میں جاتے اور ٹماٹر ٹوکری میں ڈال کر پھر سے مکان کے اندر جاتے دیکھا۔

ناگ مکان کی چھت پر سے اڑ کر نیچے کھیتوں میں آیا اور پھر سے انسانی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

وہ قدم قدم چلتا سام کے مکان کے دروازے پر آ کھڑا ہو گیا۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"انکل سام"۔

دیہاتی نے چونک کر ناگ کو دیکھا اور بولا۔

"ناگ! تم یہاں کہاں؟ تم تو برطانیہ چلے گئے تھے۔ ایملی کس حال میں ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"انکل سام! میرا انگ انگ دکھ رہا ہے۔ پہلے مجھے کسی محفوظ جگہ پر لے جا کر گرم گرم دودھ کا پیالہ پلا دو۔ پھر میں تم سے بات کر سکوں گا"۔

"جلدی سے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ"۔

انکل سام ناگ کو ساتھ لے کر مکان کی سب سے پچھلی کوٹھری میں آ گیا۔

یہاں گھاس کا ڈھیر لگا تھا۔ انکل سام نے گھاس پر بستر بچھا کر تکیہ لگا دیا۔

”تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتا ہوں“۔

ناگ گرم گرم بستر پر لیٹ گیا اور اس نے کمبل اوپر کر لیے۔

اس کا جسم ذرا پرسکون ہوا مگر درد کم نہیں ہوا تھا۔ ہنٹروں کی وجہ سے اس کے بدن پر کئی جگہوں پر نشان پڑ گئے تھے۔

اتنے میں انکل سام دودھ لے کر آ گیا۔ ناگ نے بڑے مزے سے گرم گرم دودھ پیا۔ دودھ نے اس کے جسم کو کافی آرام پہنچایا کہنے لگا۔

”ہم بڑی کامیابی سے آبدوز میں سوار ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے“۔

انکل سام کہنے لگا۔

خدا کی پناہ! اس رات زبردست گولہ باری ہوئی۔ جرمن جہاز نے بمباری کی۔ پھر ہمارا ایک جہاز آ گیا جس نے جرمن جہاز کو مار گرایا۔

میں یہ تماشا ایک جگہ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ جب تم لوگوں کی آبدوز تمہیں لے کر سمندر میں غائب ہو گئی تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ناگ بولا۔

اب آگے کی کہانی سنو انکل سام! برطانیہ والوں کو ہم نے نئی آبدوز کا نقشہ پہنچا دیا۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔

انہوں نے ہمیں انعام بھی دیا جو میں نے وار فنڈ میں واپس جمع کرا دیا۔ ایملی کو بھی انعام ملا، لیکن جرمن جاسوس میرے پیچھے لگ گئے۔

انہیں معلوم ہو گیا کہ میں ہی اصل فساد کی جڑ ہوں اور میں نے ہی نقشہ چرانے میں اہم پارٹ ادا کیا ہے۔

پس انہوں نے مجھے کسی نہ کسی طرح اغوا کر لیا۔ اور اس جزیرے کی سب سے خطرناک جیل میں لا کر بند کر دیا۔

انکل سام نے پوچھا۔

''اور تم فرار کس طرح ہوئے؟''۔

''بس کچھ نہ پوچھو۔ بڑی مشکل سے جرمن سپاہیوں کا قتل کر کے جیل توڑ کر بھاگ نکلا ہوں''۔

انکل سام سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

ناگ کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں تم کیوں پریشان ہو انکل! میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں جرمن پریشان نہیں کر سکتے، کیونکہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور انہیں تلاش کے باوجود میرا کوئی سراغ نہیں ملے گا''۔

انکل سام نے کہا۔

''لیکن میرے بیٹے تم کہاں جاؤ گے؟ اس جزیرے پر تو سوائے میرے تمہیں کوئی نہیں جانتا اور پھر مفرور قیدی کو بھلا کون اپنے گھر میں گھسنے دے گا؟''۔

جرمن تو اس کے سارے کنبے کو موت کے گھاٹ اتار دیں

گے۔

”ٹھیک کہتے ہو انکل! مگر میں کسی کے گھر نہیں جاؤں گا“۔

”تو پھر کہاں جاؤ گے؟“۔

”میں سمندر کنارے والی چٹانوں میں جا کر چھپ جاؤں گا اور یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا“۔

”مگر بیٹا تم کیسے فرار ہو سکتے ہو؟ راستے میں طوفانی سمندر ہے اور پھر آج کل سمندر میں طوفان آیا رہتا ہے“۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”چچا! میں بغیر کشتی کے بھی سفر کر سکتا ہوں“۔

”وہ کیسے؟“۔

ناگ بولا۔

”اڑ کر“۔

”بیٹا! تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میں تمہارے لیے پریشان ہو رہا ہوں“۔

ناگ ہنس پڑا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں انکل! چلو اچھا یہ باتیں پھر کبھی کریں گے۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں، بہت تھک گیا ہوں۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا“۔

”کوئی بات نہیں بیٹا! یہ تمہارا اپنا گھر ہے، چاہے جتنے دن رہو“۔

ناگ کہنے لگا۔

”انکل! میں صرف آج کی رات یہاں رہوں گا اور ہاں! اگر

جرمن سپاہی میری تلاش میں رات کو بھی آ گئے تو تم مجھے جگا دینا، میں یہاں سے غائب ہو جاؤں گا اور جرمن میرا سراغ نہ لگا سکیں گے"۔

"اچھا بیٹا! ایسا ہی کروں گا، اب تم آرام کرو"۔

بوڑھا انکل سام چلا گیا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ وہ اس جزیرے پر سے جرمنوں کا خاتمہ کر کے ہی اب جائے گا۔

جزیرے پر جرمنوں کی چار گن پوسٹیں تھیں اور ایک اسلحے کا گودام تھا۔ ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان گن پوسٹوں اور اسلحہ بارود کے گودام کو تباہ کرنے کے بعد جزیرے سے واپس چلا جائے گا۔ وہ تھک گیا تھا، چنانچہ بہت جلد سو گیا۔

اجنبی عورت

ابھی سورج نکلا ہی تھا کہ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔

انکل سام کے دروازے کو زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔ باہر جرمن سپاہی کھڑے تھے۔

بندوقوں سے دروازہ توڑ رہے تھے۔ انکل سام جلدی سے گیا اور دروازہ کھول کر بولا۔

"حضور! کیا حکم ہے؟"۔

ایک سپاہی نے انکل کو دھکا دے کر پرے گرایا اور اندر کو لپکا۔

ناگ نے ایک منٹ کے اندر اندر اپنی جون بدل لی اور وہ سانپ بن کر دیوار کے اوپر چڑھ کر چھت کی کڑیوں میں چھپ گیا۔

سپاہی دندناتے ہوئے اندر آ گئے۔ انہوں نے سارے مکان کی تلاشی لی اور چیزوں کو ادھر ادھر پھینکنا شروع کر دیا۔ وہ پچھلی گھاس پھوس والی کوٹھڑی میں بھی آ گئے۔ یہاں گھاس کے ڈھیر کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”کہاں ہے وہ بدبخت قیدی؟“۔

جرمن سپاہی نے چیخ کر کہا۔

انکل سام کہنے لگا۔

”حضور! یہاں تو میرے سوا اور کوئی نہیں ہے“۔

”تم بکتے ہو۔ جلدی بتاؤ ہمارا مفرور قیدی کہاں ہے؟ نہیں تو تمہاری لاش الٹی کر کے لٹکا دیں گے“۔

انکل نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”حضور! ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہم آپ کے وفادار ہیں۔ اگر کوئی قیدی یہاں آتا تو سب سے پہلے میں خود آ کر آپ کو اطلاع کرتا۔ آپ خود دیکھ لیں، یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے“۔

جرمن سپاہی کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔

اس نے کہا۔

”اس گھاس کے ڈھیر کو نکال کر باہر پھینک دو۔ ہو سکتا ہے، ہمارا قیدی اس ڈھیر کے اندر چھپ کر بیٹھا ہو“۔

پہلے گھاس کے ڈھیر پر سنگینیں ماری گئیں۔ پھر سارے گھاس کو اٹھا کر باہر ڈھیر کر دیا گیا مگر اندر سے کچھ بھی نہ نکلا۔

جرمن سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ یہاں ان کا ملزم نہیں ہے۔ پھر بھی انکل سام کو خبردار کر دیا گیا۔

"سنو! ہمارا ایک بڑا ہی خطرناک قیدی جیل توڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اگر وہ یہاں آئے تو ہمیں فوراً اطلاع کر دینا، نہیں تو تمہارے مکان کو آگ لگا دی جائے گی اور تمہاری گردن میں پتھر باندھ کر تمہیں سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ سمجھے؟"۔

"سمجھ گیا حضور! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اگر وہ بدبخت قیدی ادھر آیا تو میں اسے اسی وقت باندھ کر آپ کے پاس لے آؤں گا"۔

جرمن سپاہی جیپ میں بیٹھ کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد اب انکل سام کو فکر ہوئی کہ ناگ کہاں چلا گیا۔ وہ تو گھاس والی کوٹھڑی میں چھپا تھا۔

وہ اندر جا کر اسے ادھر ادھر، یہاں وہاں تلاش کرنے لگا، لیکن ناگ اسے کہیں دکھائی نہ دیا۔ اسے دکھائی بھی کہاں دیتا؟۔

وہ تو سانپ کی شکل میں چھت کے شہتیر میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب انکل نا امید ہو کر اور یہ سوچ کر باہر نکل گیا کہ ناگ ضرور سمندری چٹانوں کی طرف کسی طرح سے بھاگ گیا ہے تو ناگ چھت پر سے اترا اور دیوار پر رینگتا ہوا کھڑکی میں سے ہو کر باہر نکل گیا۔

کھیتوں میں جا کر وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔

یہاں کچھ دیر دھوپ میں آرام کرنے کے بعد اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کی اور انکل سام کے گھر آ گیا۔

ناگ کو دیکھ کر انکل خوشی سے چہک اٹھا۔

"خدا کے لیے اندر آ جاؤ، وہ کم بخت بندوقیں لے کر تمہارے پیچھے آئے تھے۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ مجھے تو بڑی فکر ہو گئی تھی"۔

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انکل میں کھڑکی میں سے کود کر باہر کھیتوں میں چلا گیا تھا"۔

ناگ نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا۔

اس نے کہا۔

انکل! اب میں تمہارے مکان میں نہیں رہوں گا، کیونکہ میرے رہنے سے تمہارے لیے کئی خطرے پیدا ہو جائیں گے۔ جرمن تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جزیرے میں جگہ جگہ جاسوس پھر رہے ہیں۔ وہ لوگ ضرور جا کر جرمنوں کو اطلاع کر دیں گے۔

انکل نے کہا۔

"لیکن بیٹے! تم میرے پاس نہیں رہو گے تو پھر کہاں جاؤ گے؟ اس جزیرے پر تو تمہیں کوئی نہیں جانتا"۔

"کوئی بات نہیں انکل! میں کسی نہ کسی جگہ رہ لوں گا ہاں کھانا کھانے تمہارے پاس روز رات کو آ جایا کروں گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اچھا اب میں جاتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

وہ مکان کے پچھواڑے سے ہو کر کھیتوں میں آ گیا۔

یہاں سے وہ درختوں کے جھنڈ میں آ کر پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ کس ترکیب سے اس جزیرے پر سے جرمنوں کو تباہ کرے؟

اس نے سوچا کہ سب سے پہلے تو جرمنوں کے اسلحہ کے گودام کو اڑانا چاہیے۔ اس کے بعد پھر باری باری پہاڑوں پر بنی ہوئی چار گن پوسٹوں کو تباہ کرنا چاہیے۔

ناگ اٹھا اور جزیرے کے شمال کی جانب چل پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ شمال میں ایک جگہ چٹانوں کے درمیان، غار میں جرمنوں نے اسلحے کے گودام بنا رکھا ہے۔

اس گودام کو اڑانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے باہر زبردست پہرہ تھا اور اندر کوئی غیر آدمی نہ جا سکتا تھا جب کہ ناگ نے اندر جا کر آگ لگائی تھی۔

ناگ سوچتا جا رہا تھا کہ وہ کون سی ترکیب استعمال کرے؟۔

اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کسی سپاہی کی اس پر نظر نہ پڑ جائے، کیونکہ وہ پہچانا جا سکتا تھا اور ایک بار پھر اسے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔

ناگ نے دیکھا کہ ایک عورت ذرا دور ایک چشمے پر بیٹھی کسی کو اشارے کر رہی ہے۔ ناگ ترنج اکر چھپ کر اس کو تکنے لگا۔

عورت دیہاتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اوپر ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹیلے پر سے ایک نوجوان نیچے اتر آیا۔

وہ عورت کے قریب آ کر بولا۔

"کیا فرانس سے کوئی پیغام آیا؟"۔

"نہیں ادھر سے کسی نے اطلاع نہیں دی۔ معلوم ہوتا ہے، ہمارے سارے وطن پرست پکڑ لیے گئے ہیں"۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ سارے وطن پرست فرانسیسی ہیں جو جرمن فوج کے فرانس پر قبضے کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

ناگ بڑا خوش ہوا کہ اسے دو ساتھی مل گئے ہیں۔ وہ یکدم ان کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"میرے بھائی اور میری بہن! مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں بھی فرانسیسی وطن پرست ہوں۔ میں نے پیرس میں وطن پرستوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے"۔

عورت اور لڑکا ایک دم سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور حیرت سے ناگ کو تکنے لگے۔ لڑکے نے قریب آ کر غور سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تمہیں کس طرح یقین آئے کہ تم وطن پرستوں کے لیے کام کرتے رہے ہو؟"۔

اس پر ناگ نے کہا۔

"تم پیرس میں جا کر اپنے لیڈر سے پوچھو کہ وہ کون شخص تھا جس نے یہودیوں کو جرمنوں کی قید سے نکال کر ایک ریل گاڑی میں سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر پہنچایا تھا"۔

عورت بولی۔

"کیا تمہارا نام ناگ ہے؟"۔

"ہاں میں ناگ ہوں"۔

میں مس ایملی کے ساتھ برطانیہ سے ایک زبردست خفیہ مشن پر آیا تھا۔ وہ مشن کامیاب ہو گیا۔ ہم نے لائٹ ہاؤس سے ضروری کاغذات لے کر برطانیہ پہنچا دیے۔

وہاں سے جرمنوں نے مجھے اغوا کر کے یہاں لا کر قید کر دیا۔ میں کل شام جیل توڑ کر بھاگ نکلا ہوں اور اب جزیرے پر جرمنوں کے اسلحہ کے گودام کو تباہ کرنے کا پروگرام سوچ رہا ہوں۔

عورت بولی۔

"ہم بھی یہی مشن لے کر آئے ہیں، لیکن ہمارے ساتھی ابھی تک یہاں نہیں پہنچ سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"تو پھر کیا ہوا۔ اسلحے کے گودام کے باہر ہمیشہ اسی طرح پہرے ہوا کرتے ہیں، پھر بھی وطن پرست وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ہم بھی کوشش کریں گے اور خدا نے چاہا تو اس کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے"۔

عورت کہنے لگی۔

"ہمیں کوئی منصوبہ بنا کر کام کرنا ہوگا"۔

"کون سا منصوبہ؟"۔

"کوئی منصوبہ، جو ہمیں گودام تک پہنچا سکے"۔

لڑکے نے کہا۔

میں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ اس گاؤں سے ہر روز ایک

عورت دودھ اور انڈے لے کر گودام کے سپاہیوں کو دینے جاتی ہے۔

اگر کسی طرح سے ہم اس عورت پر قابو پا لیں اور میری بہن انڈے اور دودھ لے کر گودام تک جانے میں کامیاب ہو جائے تو کام بن سکتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

"سب سے پہلے تو مجھے تم دونوں اپنے اپنے نام بتاؤ"۔

لڑکے نے کہا۔

"میرا نام لوترسے ہے"۔

عورت نے کہا۔

"میرا نام نانا ہے"۔

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ عورت کس جگہ سے دودھ لے کر جاتی ہے؟"۔

"یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک مکان ہے۔ وہ عورت اس مکان میں رہتی ہے"۔

ناگ بولا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔ یہ بتاؤ کہ عورت دودھ اور انڈے لے کر کس وقت گودام کو جاتی ہے؟"۔

"صبح شام دونوں وقت جاتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"صبح کا وقت تو نکل گیا ہے۔ اب وہ شام کو کس وقت جائے

گی؟"۔

لوترے کہنے لگا۔

"شام کو چار بجے وہ گھر سے دودھ اور انڈے لے کر نکلتی ہے"۔

"بہت خوب! میرے ساتھ آؤ۔ ہم اس کے راستے میں انتظار کریں گے"۔

ناتا کہنے لگی۔

"انتظار کر کے کیا کریں گے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ میں وہاں پہنچ کر بتاؤں گا، تم میرے ساتھ آؤ"۔

تینوں وہاں سے چل دیئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا

کھیتوں میں بیٹھ کر کھایا۔ وہیں چشمے کا پانی پیا۔ اب وہ شام کے چار بجا رہے تھے۔

جب چار بجنے میں دو چار منٹ رہ گئے تو تینوں اس راستے میں ایک جگہ درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ جہاں سے دیہاتی عورت نے دودھ اور انڈے لے کر گزرنا تھا۔

ٹھیک چار بجے ایک ادھیڑ عمر کی دیہاتی عورت سر پر دودھ کا برتن رکھے، ہاتھ میں انڈوں کی ٹوکری پکڑے دور سے آتی دکھائی دی۔

اسے دیکھتے ہی ناتا نے کہا۔

"خبردار! دیہاتی عورت دودھ اور انڈے لے کر آ رہی

ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ بیٹھو۔ میں راستے میں اس عورت سے ملتا ہوں"۔

لوتھرے نے ناگ کو روکتے ہوئے کہا۔

"تم وہاں جا کر کہیں کام نہ خراب نہ کر دینا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اس جگہ بیٹھ کر عورت کا انتظار کرتے ہیں۔ جب وہ قریب آئے گی تو اسے ہلاک کر کے ناتا کو انڈے دودھ دے کر بھیج دیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"خوامخواہ ایک بے گناہ عورت کو ہلاک کرنا۔ بڑی بری بات ہے اور زبردست گناہ ہے"۔

"تو پھر وہاں جا کر کیا کرو گے؟"۔

لوتھرے نے پوچھا۔

"میں جو کچھ کروں گا مگر عورت کو ہلاک ہرگز نہیں کروں گا"۔

اتنا کہہ کر ناگ تیزی سے جھاڑیوں سے نکل کر اس راستے پر آ گیا جہاں وہ دیہاتی عورت چلی آ رہی تھی۔

جب وہ ناگ کے قریب سے گزری تو ناگ نے ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر سانپ کا روپ بدلا اور عورت کی گردن پر ڈس دیا۔

اس نے صرف اتنا زہر اس عورت کے جسم کے اندر ڈالا کہ جس سے وہ دو تین گھنٹے بے ہوش رہے۔ عورت چکرا کر گری اور

بے ہوش ہو گئی۔

ناگ نے انڈوں کی ٹوکری اور دودھ کا برتن اٹھایا اور ناتا لوترے کے پاس آ کر بولا۔

"یہ لو دودھ کا ڈبہ اور انڈوں کی ٹوکری"۔

ناتا اور لوترے نے حیرانی سے پوچھا۔

"اور وہ دیہاتی عورت"۔

ناگ نے کہا۔

میں نے اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ میرے پاس ایک ایسی دوائی تھی جو میں نے اس کے جسم میں داخل کر دی ہے۔ اب وہ چار گھنٹے تک بے ہوش پڑی رہے گی، اتنے عرصے میں ہم کام کر لیں گے۔

لوترے نے ناتا سے کہا۔

"ناتا! جلدی سے دودھ اور انڈے لے کر اسلحے کے گودام میں پہنچو۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں وہاں تین جگہوں پر ٹائم بم رکھ آنے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"ٹائم بم رکھنے میں اگر ذرا بھی کوتاہی ہو گئی تو ناتا کی خیر نہیں ہو گی"۔

ناتا نے ہنس کر کہا۔

"میں اس کام میں بڑی ماہر ہوں۔ میں نے فرانس میں جرمنوں کے چھ اسلحہ خانے ٹائم بموں سے اڑائے ہیں"۔

"بہت خوب! پھر تم جا سکتی ہو۔ لیکن اگر کوئی خطرے کی بات

ہوئی تو ہمیں کس طرح اطلاع کرو گی؟"۔

ناتا نے کہا۔

"میرے پاس ایک وسل ہے، میں وہ وسل بجادوں گی، لیکن یہ وسل کی آواز صرف آپ لوگوں کے لیے ہوگی کہ میں پھنس گئی ہوں، میں مر رہی ہوں، تم لوگ اپنا آپ بچا کر بھاگ جاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ناتا! تم بہادر فرانس کی بہادر بیٹی ہو۔ میں تمہیں سلام کرتا ہوں، لیکن میری دعا ہے کہ وسل بجانے کا وقت نہ آئے، لیکن اگر تمہیں وسل بجانا پڑ گیا تو میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں آ کر بچالوں"۔

ناتا نے ہنس کر کہا۔

"آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اسلحہ کو برباد کرنے والے اکثر خود بھی ساتھ ہی تباہ ہو جایا کرتے ہیں۔ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جا رہی ہوں۔ اچھا خدا حافظ!"۔

ناتا نے دودھ کا مٹکا سر پر رکھا۔ انڈوں کی ٹوکری ہاتھ میں پکڑی اور ان چٹانوں کی طرف روانہ ہو گئی جہاں جرمنوں کا اسلحے کا گودام تھا۔ لوترے اور ناگ اسی جگہ بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب ادھر سے دھماکوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔

علی بابا کا غار

گول بارود کے گودام کے باہر پہرہ لگا تھا۔

جرمن سپاہی ادھر ادھر کام کاج کر رہے تھے۔ اتنے میں ناتا دودھ اور انڈے لے کے وہاں پہنچ گئی۔ سپاہیوں نے اسے گھیر لیا۔

"ارے تو کون ہے؟ وہ عورت جلافشے کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آج آئی؟"۔

ناتا نے غمزدہ منہ بنا کر کہا۔

"وہ میری بہن ہے۔ وہ بیمار ہو گئی۔ کہنے لگی ناتا! تو دودھ لے جا۔ بے چاری کے پیٹ میں سخت درد تھا"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تو کوئی انگریز جاسوس ہے"۔

ناتا جلدی سے بولی۔

"خدا نہ کرے! میں تو جزیرے میں رہنے والی سیدھی سادھی گوالن ہوں۔ میں بھلا جاسوس کیا کروں گی۔ یہ لو! انڈے اور دودھ"۔

سپاہی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ ناتا نے انہیں مسکرا مسکرا کر دودھ پلایا اور باتیں شروع کر دیں۔

"جب سے تم اس جزیرے میں آئے ہو، یہاں بڑا امن و امان ہو گیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ وہ مردار انگریز یہاں سے نو دو گیارہ ہوئے۔ انہوں نے تو ہمارا ناک میں دم کر رکھا تھا"۔

اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ناتا نے جرمن سپاہیوں کے دل موہ لئے۔ باتوں ہی باتوں میں ناتا گودام کے دروازے پر آ گئی۔

کہنے لگی۔

"یہ غار کتنی خوبصورت ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے علی بابا کا غار ہو۔ کیا تم نے علی بابا کا قصہ پڑھا ہے"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ وہی علی بابا جس کے چالیس چور تھے"۔

"ہاں ہاں۔ وہی۔ کتنی دلچسپ کہانی تھی۔ یہ غار بھی بالکل علی بابا کے غار کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ مگر اندر سے تو یہ بالکل خراب لگتا ہے"۔

سپاہی بولا۔

"ارے گوالن تو گنوار ہے۔ تجھے کیا معلوم اس غار میں کس قدر قیمتی خزانہ رکھا ہوا ہے"۔

ناتا نے حیرت سے پوچھا۔

"اچھا! تو کیا اندر ہیرے جواہرات کا خزانہ ہے؟"۔

ایک سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہیرے جواہرات سے بھی قیمتی۔ کیا اندر جا کر دیکھو گی؟"۔

ناتا بھی تو چاہتی تھی۔

جلدی سے بولی۔

"کیوں نہیں۔ میں ضرور دیکھوں گی"۔

کمانڈر نے کہا۔

"اس گنوار عورت کو ذرا غار کی سیر کرا دو۔ اس خوشی میں یہ ہمیں دودھ خالص دیا کرے گی"۔

جرمن سپاہی ناتا کو گودام کے اندر لے گئے۔ ناتا یونہی بناوٹی حیرانی کا اظہار کر رہی تھی۔

"ارے! یہ تو بڑے بڑے بم پڑے ہیں۔ یہ تو بڑی بڑی پیٹیاں ہیں۔ ان صندوقوں میں کیا ہے؟"۔

"ان میں جواہرات ہیں"۔

اور پھر جرمن زور سے ہنس پڑے۔ انہوں نے ناتا کو ایک بے

ضرر دیہاتی سمجھ کر کھلا چھوڑ دیا۔ یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

ناتا ایک ہوشیار اور چالاک جاسوسہ کی طرح ایک ایک جگہ کا جائزہ لے رہی تھی کہ اسے کس کس جگہ ٹائم بم رکھنا چاہیے۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے قریب کوئی سپاہی نہیں تھا۔ ناتا نے بڑی ہوشیاری سے ایک جگہ بارود کے صندوقوں کے نیچے ٹائم بم رکھ دیا۔ اور اس کا بٹن دبا دیا۔

ایک جرمن سپاہی نے اسے بارود کی پیٹی کے پاس جھکے ہوئے دیکھا تو جلدی سے قریب آ کر گرجا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو گدھی عورت؟"۔

ناتا کانپ گئی۔ پھر فوراً حواس کو ٹھیک رکھتے ہوئے بولی۔

’’میں۔۔۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اس صندوق میں علی بابا کے جواہرات کہاں ہیں؟‘‘۔

’’چل یہاں سے بھاگ جا‘‘۔

ناگا مسکراتی ہنستی دوسری طرف بھاگ گئی۔ جرمن سپاہی آگے جا چکا تھا۔

ناگا نے موقع دیکھ کر ایک اور جگہ ٹائم بم رکھ دیا اور بٹن دبا دیا۔

اسی طرح اس نے تیسرے مقام پر بھی ٹائم بم لگا دیا۔ جب وہ اس اہم کام سے فارغ ہو گئی تو ہنستی گاتی گودام سے باہر آ گئی۔

جرمن سپاہیوں نے کہا۔

’’دیکھ لیا علی بابا کا غار؟‘‘۔

ناگا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

’’شکریہ بھائیو! علی بابا کا غار واقعی بڑا پراسرار ہے۔ اچھا پھر کبھی ان صندوقوں کے اندر بند کیے ہوئے جواہرات بھی دیکھوں گی‘‘۔

’’ضرور۔ ضرور۔ اب کل سے خالص دودھ لایا کرنا‘‘۔

’’ضرور خالص دودھ لاؤں گی‘‘۔

ناگا نے ٹوکری اور خالی برتن اٹھایا اور سپاہیوں کو سلام کر کے واپس اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئی۔

جب وہ جنگل میں چٹانوں کے پاس پہنچی تو ناگ اور لوتھرے نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

لوتھرے نے بے تابی سے پوچھا۔

"دھماکا کیوں نہیں ہوا؟"۔

ناتا نے تیزی سے کہا۔

"تم بھول گئے ہو کہ ٹائم بم ایک گھنٹے بعد پھٹے گا؟"۔

لوترے نے سانس بھر کر کہا۔

"اوہ! آئی ایم ساری! میں سمجھ رہا تھا کہ یہ جیری والے ٹائم بم ہیں، جن کا وقت پندرہ منٹ ہوتا ہے"۔

"پندرہ منٹ کے ٹائم بم لگا کر وہاں سے میں زندہ کیوں کر واپس آ سکتی تھی بھلا؟"۔

"ٹھیک ہے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"ٹائم بم بھی ٹھیک جگہوں پر لگائے تھے ناں؟"۔

"بالکل ٹھیک جگہوں پر"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمیں تمہارے وسل کی آواز نہیں سنائی دی"۔

لوترے نے کہا۔

"ہاں! اگر وسل کی آواز آتی تو سب سے پہلے میں تمہاری مدد کو دوڑتا"۔

ناگ بولا۔

"نہیں! سب سے پہلے میں ناتا کی مدد کو دوڑتا"۔

ناتا ہنس کر بولی۔

"شاید اس وقت میں تم دونوں کی مدد سے دور ہو چکی ہوتی۔

میرا مطلب ہے کہ شاید اس وقت مجھے تم میں کسی کی مدد بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتی"۔

لوترے نے کہا۔

"جرمنوں کو تم پر شک تو نہیں ہوا؟"۔

"بالکل نہیں۔ میں نے ایسا بہانہ بنایا کہ انہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہی پڑا"۔

ناگ نے پوچھا۔

"ایک گھنٹے کا وقفہ تھا نا؟"۔

"پورے ایک گھنٹے کا"۔

لوترے بولا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ پورے ایک گھنٹے بعد اسلحے کا گودام آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ جائے گا"۔

"ہاں! ہمیں اس عرصے میں یہاں سے جتنی دور ہو سکے، چلے جانا چاہیے"۔

ناگ نے کہا۔

"ساحلی چٹانوں میں جا کر چھپ جانا چاہیے"۔

"ہاں! وہ جگہ ٹھیک رہے گی"۔

ناتا نے کہا۔

"لیکن کیوں نہ ہم اپنے خفیہ مقام پر چلے چلیں؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

"وہ کون سی جگہ ہے؟"۔

لوترے کہنے لگا۔

مسٹر ناگ! وہ اس جزیرے پر ہماری ایک خاص جگہ ہے۔ پہلے ہمیں تم پر کوئی بھروسہ نہیں تھا، لیکن اب ہمیں تم پر اعتبار آ گیا ہے۔

اگر تم پہلے کہتے تو ہم تمہیں کبھی وہاں نہ لے جاتے، لیکن اب تم ہمارے ساتھ وہاں تک جا سکتے ہو۔

لوترے اور تاتا نے ناگ کو ساتھ لیا اور خفیہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ خفیہ مقام جزیرے کے جنوب میں ایک غار تھی۔

یہ غار سمندر کے کنارے پر ساحلی چٹانوں کے درمیان واقع تھی۔ اس غار میں لوترے اور تاتا نے سونے کے لیے گھاس پھوس بچھا کر بستر تیار کر رکھے تھے۔

تینوں یہاں آ کر بیٹھ گئے۔ یہاں کھانے پینے کی بھی سب چیزیں اور تازہ پھل وغیرہ موجود تھے۔

ناگ اس جگہ پر آ کر بڑا خوش ہوا۔

اب وہ دھماکے کا انتظار کرنے لگے۔

لوترے نے کہا۔

"تاتا! تم نے ٹائم بموں کا بٹن دبا دیا تھا ناں؟"۔

تاتا نے کہا۔

"لوترے بھائی! تم مجھے اناڑی کیوں سمجھتے ہو؟ میں نے بٹن دبا دیا تھا۔ تم دیکھ لینا۔ ٹھیک وقت پر ایک بھیانک دھماکا ہو گا بلکہ کئی بھیانک دھماکے ہوں گے"۔

ناگ بولا۔

"اس غار کی چھت کا خطرہ ہے۔ دھماکوں سے یہ بھی گر سکتی ہے"۔

"نہیں! ان چٹانوں کی چھتیں بڑی مضبوط ہیں۔ تم فکر نہ کرو"۔

ناتا کی اس بات پر لوترے ہنس دیا۔

ناگ نے شرمسار سا ہو کر کہا۔

"مجھے اپنی نہیں، تمہاری فکر ہے۔ اس لیے کہ تم وطن پرست ہو اور تمہارے وطن کو تمہاری سخت ضرورت ہے"۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمارے وطن کو ہماری زندگی کی ضرورت بھی ہے تو ہمیں جان کی بھی ضرورت ہے"۔

"زندگی قربان کر کے ہی وطن کے لیے کوئی کام کیا جا سکتا

ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"شاباش! میں تمہاری باتیں سن کر بے حد خوش ہوا ہوں۔ جس قوم کے نوجوانوں میں ایسا سچا اور دلیرانہ جذبہ زندہ ہو، وہ قوم کبھی نہیں مر سکتی اور اس قوم کو دشمن کبھی شکست نہیں دے سکتا"۔

لوترے نے کہا۔

فرانس پر جرمنوں نے طاقت کے بل پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن فرانس تو زندہ ہے۔

فرانس کے نوجوان، فرانس کا بچہ بچہ زندہ ہے اور اپنے وطن پر مرنے کو تیار ہے۔ ہم ہر قسم کی قربانیاں دیں گے مگر اپنے وطن کے

دشمنوں سے آزاد کرا کر ہی دم لیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"آفرین ہے تمہارے اس جذبے پر لوترے! میں تم کو اور تمہارے وطن کو سلام کرتا ہوں۔ زندہ قوموں کے نوجوان ایسے ہی ہوا کرتے ہیں"۔

ناتا نے کہا۔

"تو ذرا اپنی گھڑیوں کا خیال رکھنا"۔

لوترے نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں"۔

ناگ بولا۔

"تم لوگ اس کے بعد کہاں جاؤ گے؟ کیا تم جس جزیرے

میں رہو گے؟"۔

لوترے نے کہا۔

"اس گولہ بارود کے تباہ ہونے کے بعد ہمارا یہاں رہنا خطرناک ہوگا اور بے فائدہ بھی۔ ہم کسی دوسری جگہ کسی دوسرے مقام پر جا کر دشمنوں کو شکست دیں گے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"تم اس جزیرے سے کس طرح باہر جاؤ گے؟ یہاں تو چاروں طرف دشمن نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ سمندر میں جگہ جگہ بارودی سرنگیں بچھا رکھی ہیں"۔

لوترے نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ہمارے وطن پرستوں کا جال بھی بڑا وسیع

ہے۔ ہماری کشتیاں اس سمندر میں گھومتی پھرتی ہیں۔ ہماری کوئی نہ کوئی کشتی آ کر ہمیں یہاں سے نکال لے جائے گی"۔

"تم اب کس جگہ جاؤ گے؟"۔

لوتھرے نے کہا۔

ہم فرانس واپس چلے جائیں گے اور اپنے وطن میں جا کر جرمنوں کے خلاف کام کریں گے۔

وہ باتیں کرتے رہے اور وقت گذر گیا۔ لوتھرے نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں"۔

لوتھرے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ بے چینی سے غار کے اندر ٹہلنے لگا۔

ناتا نے کہا۔

"تم کیوں بے چین ہو رہے ہو لوتھرے؟"۔

لوتھرے بولا۔

"مجھے صرف ایک وہم بار بار پریشان کر رہا ہے کہ کہیں تم بٹن دبانا نہ بھول گئی ہو"۔

ناتا مسکرائی۔

لوتھرے! میں تمہاری بہن ہوں۔ میرے اندر تمہاری ذہانت اور عقل مندی ہے۔ میں نے جرمنوں کے کئی گولہ بارود کے گودام اڑائے ہیں۔

میں نے پہلی بار ٹائم بم نہیں رکھے۔ تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں بھائی لوترے! بے چین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ناتا سمجھدار عورت ہے۔ اس نے سارا کام منصوبے کے مطابق کیا ہوگا"۔

لوترے سانس بھر کر بولا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

ناتا نے کہا۔

ایسا ہی ہوا۔

ناگ نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"صرف دو منٹ رہ گئے ہیں۔ اب ہمیں خاموش ہو کر دھماکوں کا انتظار کرنا چاہیے"۔

وہ تینوں خاموش ہو گئے۔ ان کی نظریں اپنی اپنی گھڑیوں پر تھیں۔

وقت گذر رہا تھا۔ سیکنڈوں کی سوئیاں گھڑیوں پر تیزی سے آگے ہی آگے جا رہی تھیں۔

لوترے نے کہا۔

پچاس سیکنڈ۔

چالیس سیکنڈ۔

تیس سیکنڈ۔

ناتا نے کہا۔

ناگ نے گھڑی پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

دس سیکنڈ۔

اب ناگا نے گنتی شروع کر دی۔

نو سیکنڈ

آٹھ سیکنڈ

سات سیکنڈ

چھ سیکنڈ

پانچ سیکنڈ

چار سیکنڈ

تین سیکنڈ

دو سیکنڈ

ایک سیکنڈ

اور پھر سارے جزیرے پر ایک زلزلہ سا آ گیا۔ غار ایک بار نیچے کو گیا پھر اوپر آ گیا۔

ابھی دھماکا نہیں ہوا تھا۔ زمین ہل گئی تھی۔ تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسا دھماکا ہوا جس نے تینوں کے کانوں کے پردے گویا چاک کر دیئے اور پھر یکے بعد دیگرے دھماکے ہونا شروع ہوئے۔ جزیرہ ہل رہا تھا۔

جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ رہے ہوں۔

پہاڑ پھٹ گیا

ناگ تانا اور لوتر ے نے غار سے باہر نکل کر دیکھا۔ جزیرے کی وہ پہاڑی جل رہی تھی جس کے اندر گولہ بارود کا ذخیرہ تھا۔

شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ فضا میں جلتے ہوئے بارود کی بو رچی ہوئی تھی۔ آسمان پر دھوئیں کے بادل پھیل چکے تھے۔

وہ واپس غار میں آ کر بیٹھ گئے اور جزیرے سے فرار کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

ناگ نے کہا۔

"تم دونوں بہن بھائی کہاں جانا چاہتے ہو؟"۔

"فرانس۔ اپنے پیارے وطن!"۔

تانا کے اس جواب پر ناگ بولا۔

"لیکن فرانس پر جرمنوں کا قبضہ ہے۔ وہاں جانا تمہارے لیے بہت خطرے کا باعث ہو سکتا ہے"۔

تانا کہنے لگی۔

"خطرہ ہماری زندگی بن چکا ہے"۔

ناگ نے لوتر ے سے پوچھا۔

’’تمہارا کیا خیال ہے لوترے؟‘‘۔

لوترے بولا۔

’’میں بھی اپنی بہن کے ساتھ ہی فرانس جاؤں گا۔ وہاں ہمارے ساتھی وطن پرست، اپنے ملک کو جرمنوں کے قبضے سے آزاد کرانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہم ان کے کام میں ان کی مدد کریں گے‘‘۔

ناگ نے پوچھا۔

’’مگر تم یہاں سے کس طرح فرار ہو گے؟ یہاں تو چاروں طرف دشمنوں کا پہرہ ہے اور تمہارے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں ہے کہ تم فرانس اور جزیرے کے درمیان جو تھوڑا سا سمندر حائل ہے اسے عبور کر سکو‘‘۔

لوترے نے کہا۔

’’ہم کوشش کریں گے کہ یہاں سے جرمنوں کی کوئی گن بوٹ یا چھوٹی کشتی حاصل کر سکیں‘‘۔

ناگ بولا۔

’’یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر فرض کر لیا، تم گن بوٹ حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو جرمن تمہارا تعاقب کریں گے اور پھر فرانس کے ساحل پر جرمن تمہارے استقبال کو تیار ملیں گے۔

تم دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جاؤ گے۔ ہاں اگر تم برطانیہ جانے کے لیے تیار ہو تو وہاں کم از کم تمہیں ساحل پر دوست ملیں گے اور تمہارے لیے صرف اس جزیرے سے نکلنا ہی

ضروری ہوگا۔

لوترے بولا۔

"ناگ بھائی! ہم ہر قیمت پر فرانس جا کر اپنے وطن پرست بھائیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم کسی طرح اس سلسلے میں ہماری مدد کرو تو ہم تمہارے بہت شکر گزار رہوں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ میرے لیے بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ میں وطن کی خدمت کرنے والوں کے کوئی کام آ سکوں۔ اب جب کہ تم دونوں نے واپس فرانس جانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا"۔

ناتا اور لوترے ناگ کا فیصلہ سن کر خوشی سے اچھل پڑے۔

"اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی؟"۔

پھر وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ جزیرے سے فرار ہونے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے۔ دھماکے بند ہو گئے تھے۔

اب جزیرے میں جرمنوں کی موٹر گاڑیوں کے گھومنے پھرنے اور شور مچانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

جرمن سپاہی بڑی بری طرح ہلاک ہوئے تھے۔ فرانس میں جرمن ہیڈ کوارٹر کو اسلحہ کی تباہی سے خبردار کر دیا گیا تھا۔

وہاں سے حکم آیا تھا کہ یہ کام فرانسیسی گوریلوں کا ہے جو جزیرے پر ہی کہیں چھپے ہوں گے۔

"انہیں ہر قیمت پر تلاش کیا جائے اور فوراً شوٹ کر دیا جائے"۔

یہ حکم ملتے ہی جزیرے میں مقیم جرمن کمانڈر نے حکم جاری کر دیا کہ جزیرے کی ساری آبادی، جنگلوں اور چٹانوں میں چھپی ہوئی غاروں کی تلاشی لی جائے۔

اسی وقت جرمن سپاہی مشین گنیں لے کر سارے جزیرے میں پھیل گئے۔ گھر گھر کی تلاشی لی جانے لگی۔

کئی بے گناہوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ناگ، ٹاٹا اور لوترے، یہ تینوں ابھی تک غار میں چھپے ہوئے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ خطرہ ہے کہ جرمن تلاش کرتے کرتے یہاں نہ پہنچ جائیں"۔

لوترے نے کہا۔

"لیکن ہم کہاں جائیں گے؟ ہمارے پاس چھپنے کو اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس جزیرے پر ہمارے سوا دوسرا گوریلا نہیں"۔

ٹاٹا بولی۔

"بہتر یہی ہے کہ آج سارا دن ہم اسی غار میں ٹھہریں۔ رات کو جب اندھیرا پھیل جائے تو یہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے شمالی چٹانوں کی طرف نکل جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہاں خطرہ ہے۔ بہر حال اگر تم لوگ یہی چاہتے ہو کہ رات تک یہاں رکا جائے تو بہتر ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس مشین گن ضرور ہونی چاہیے تھی"۔

"مشین گن تو ہے مگر گولیاں نہیں ہیں"۔

ناتا نے کہا۔

"ناگ مسکرا کر کہنے لگا"۔

پھر وہ مشین گن ہے، گن نہیں ہے۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں باہر چٹانوں میں آوازیں سنائی دیں۔ تینوں خاموش ہو گئے۔

انہوں نے کان باہر کی آوازوں پر لگا دیئے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ جرمن سپاہی چٹانوں میں گوریلوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

"اب کیا ہوگا؟ کاش! میرے پاس دستی بم ہوتا"۔

لوتھرے نے سرگوشی کی۔

"شی۔ خاموش"۔

جرمن سپاہیوں کی آوازیں اب قریب آ گئی تھیں۔ وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ غار کا چھوٹا سا منہ آدھا جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔

آدھا بالکل خالی تھا اور اندر نظر پڑتی تھی۔ ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

"تم لوگ بالکل نہیں گھبرانا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ جاؤ"۔

لوتھرے اور ناتا زمین پر بیٹھ گئے۔ ناگ کھسکتا ہوا غار کے منہ پر آ گیا۔

پھر اس نے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس کے سر باہر نکلتے ہی ایک گولی فائر ہوئی جو سیدھی غار کے منہ پر جھاڑیوں میں آ

گئی۔

ناگ نے جلدی سے منہ اندر کر لیا۔ اگر وہ ذرا آگے ہوتا تو اس کا سر اڑ گیا تھا۔ باہر جرمن سپاہیوں نے شور مچا دیا۔

"غار میں گوریلے ہیں، پکڑو۔ بھاگو"۔

اب وہ تینوں پھنس گئے تھے۔ سپاہیوں نے ناگ کو سر باہر نکالتے دیکھ لیا تھا۔

لوترے اور ناتا نے پریشانی سے ناگ کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کریں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اب تم کچھ نہیں کرو گے۔ سب کچھ میں کروں گا۔ لیکن جو کچھ میں کروں گا۔ اسے دیکھ کر گھبرانا ہرگز نہیں ہوگا سمجھے۔ بس

خاموش بیٹھے رہو"۔

اتنا کہہ کر ناگ نے گہرا سانس لیا اور انسان سے ایکدم سیاہ کالا سانپ بن گیا۔

اسے سانپ بنتا دیکھ کر ناتا اور لوترے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ان کی آنکھیں حیرانی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ناگ سانپ کی شکل میں دیوار پر چڑھ گیا۔ اور اندھیرے میں کسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔

ناتا نے لوترے سے کہا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں لوترے بھائی؟"۔

لوترے نے سرگوشی کی۔

"یہ شخص ضرور کوئی زبردست جادوگر ہے۔ اس نے کہا تھا کہ گھبرانا نہیں اور خاموش رہنا ہے۔ اس لیے خاموش رہو۔ شاید یہ

کوئی اور جادو کرے"۔

دونوں غار میں ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

اتنے میں جرمن سپاہی غار کے منہ پر آ کر رک گئے۔

یہ چار سپاہی تھے۔ آگے آگے ان کا سارجنٹ تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ باقی تینوں سپاہیوں نے مشین گنیں تھام رکھی تھیں۔

غار کے منہ پر آ کر سارجنٹ دھاڑا۔

"فرانسیسی گوریلو! ہاتھ اوپر اٹھا کر چپ چاپ باہر آ جاؤ۔ تم گھیرے میں لے لئے گئے ہو۔ اگر تم نے حرکت کی تو دستی بم مار کر تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ جلدی سے باہر آ جاؤ"۔

ناتا نے لوتھرے کی طرف دیکھا۔

"کیا باہر نکل چلیں لوتھرے؟"۔

"نہیں۔ کچھ دیر انتظار کرو"۔

جرمن سارجنٹ نے غار کے اندر پستول سے فائر کر دیا گولی لوتھرے کے بالکل قریب سے ہو کر دیوار میں گڑ گئی۔

آخری بار وارننگ دے رہا ہوں۔ اگر تم لوگ باہر نہ آئے تو میں غار میں دستی بم مار کر اسے اڑا دوں گا۔

ناتا نے کہا۔

"میں باہر جا رہی ہوں، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہاں مرنے سے بہتر ہے کہ باہر زندہ رہ کر جرمنوں کی قید سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے"۔

لوتھرے نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور اونچی آواز میں بولا۔

"ہم زخمی ہیں، خود باہر نہیں جا سکتے۔ ہمیں اندر آ کر لے جاؤ"۔

جرمن خاموش ہو گئے۔ ناگ نے دل ہی دل میں لوترے کی عقل مندی کی داد دی۔

وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح جرمن سپاہی غار کے اندر داخل ہو جائیں۔ جرمن سارجنٹ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"تم دو آدمی اندر جاؤ اور انہیں اٹھا کر لے آؤ"۔

دونوں جرمن سپاہی ڈرتے ڈرتے غار کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر اندھیرا تھا۔ انہوں نے ٹارچ روشن کی تو دیکھا کہ بائیں جان ایک طرف نانا اور لوترے زمین پر پڑے تھے۔

سپاہی ان کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے۔

ایک سپاہی بولا۔

"تم لڑکی کو کندھے پر اٹھاؤ، میں اس نوجوان کو اٹھاتا ہوں"۔

لیکن اتنے میں ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا ان دونوں سپاہیوں کے سر کے اوپر پہنچ چکا تھا۔

اس نے بڑی تیزی سے جست لگائی اور ایک سپاہی کی گردن پر گر کر اسے ڈس دیا۔

دوسرے سپاہی نے پہلے سپاہی کو گرتے دیکھا تو اس کی طرف بڑھا مگر سانپ اس عرصے میں چھلانگ لگا کر دوسرے سپاہی کی گردن پر ڈس چکا تھا۔

اس زہر نے دونوں سپاہیوں کے گلوں کی رگوں کو خشک کر دن

سے چیخنے کی طاقت چھین لی تھی۔

دونوں سپاہی زمین پر گر پڑے اور ان کے جسم ایکدم نیلے پڑ گئے۔ زہر اس قدر تیز اثر کرنے والا تھا کہ دیکھتے دیکھتے دونوں سپاہی ٹھنڈے ہو گئے۔ لوترے نے ناتا کی طرف دیکھا اور سانپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ناگ بھائی! ابھی باہر دو جرمن موجود ہیں"۔

ناگ دل ہی دل میں مسکرایا۔ وہ چھت پر سے ہو کر غار کے منہ پر آ گیا۔

باہر جرمن سارجنٹ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ پھر اس نے غار کے منہ پر جھک کر آواز دی۔

"بدبختو! اندر جا کر کہاں مر گئے۔ باہر کیوں نہیں لاتے ان زخمی گوریلوں کو؟"۔

اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو سارجنٹ نے تیسرے سپاہی سے کہا۔

"اندر جا کر معلوم کرو۔ یہ لوگ کہاں مر گئے ہیں؟"۔

"یس سر"۔

سپاہی تیزی سے مشین گن لے کر اندر چلا گیا۔

لوترے اور ناتا نے دونوں مردہ سپاہیوں کی مشین گنیں اپنے ہاتھوں میں تھام رکھی تھیں لیکن لوترے نے ناتا کو خبردار کر دیا تھا کہ اشد ضرورت کے بغیر گولی نہ چلائی جائے۔

انہیں یقین تھا کہ ان کا دوست سانپ یعنی باقی دو جرمنوں سے بھی اچھی طرح سے نپٹ سکے گا۔

سپاہی دل میں ڈرتے ڈرتے قدم قدم چلتا غار میں آگے آ گیا۔

اب یہاں پر اندھیرا تھا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی تو اچانک اسے زمین پر جرمن سپاہیوں کی لاشیں نظر آ گئیں۔

وہ چیخ مار کر سارجنٹ کو خبردار کرنے ہی والا تھا کہ لوترے نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی۔

اس عرصے میں ناگ بھی اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ لوترے نے سپاہی کا کام تمام کر دیا ہے تو وہ خاموش رہا۔

تیسرا سپاہی بھی ختم کر دیا گیا۔

لوترے نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

"ٹاٹا!! اب صرف جرمن سارجنٹ رہ گیا ہے"۔

پھر اس نے چھت پر چپٹے سانپ کی طرف دیکھا۔

"کیوں بھائی ناگ! کیا خیال ہے۔ اس سارجنٹ کو تم شکار کرو گے؟"۔

ناگ خاموشی سے واپس مڑ گیا۔

جرمن سارجنٹ پریشان ہو گیا کہ تیسرا سپاہی بھی اندر جا کر کہاں مر گیا؟۔

اس نے غار کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

"بدبختو! باہر کیوں نہیں آتے؟"۔

اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ جرمن سارجنٹ کو تشویش ہوئی کہ

یہ تینوں سپاہی اندر جا کر کہاں گم ہو گئے؟"۔

اندر کوئی زہریلی گیس پھیلی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے دونوں سپاہی بے ہوش ہو گئے۔ لیکن وہ افسر تھا، تینوں سپاہیوں کی ذمہ داری اس کے اوپر تھی۔

اس نے ایک بار پھر غار میں پکارا۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

سارجنٹ نے اب غار میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے غار میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کر دیا۔

اندر لوترے، ناتا اور ناگ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ سارجنٹ غار میں آ رہا ہے۔

وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ سارجنٹ نے آگے جا کر ٹارچ روشن

کر دی۔

جونہی سارجنٹ نے ٹارچ روشن کی، اسے زمین پر اپنے تینوں ساتھیوں کی لاشیں نظر آئیں۔ اس نے پستول اونچی کر لی اور پے در پے فائر کر دیے۔

گولیاں لوترے اور ناتا کے سروں سے اوپر دیوار پر لگیں۔

سانپ نے چھت پر سے چھلانگ لگائی۔ بدقسمتی سے سارجنٹ پر سے ہٹ گیا۔ سانپ زمین پر گرا۔ سارجنٹ نے سانپ دیکھا تو اس پر فائر کر دیا۔ سانپ بھاگ کر چھپ گیا۔

سارجنٹ نے اب لوترے کو بھی دیکھ لیا تھا۔

"ہینڈز اپ۔ خبردار! ذرا بھی ہلے تو بھون کر رکھ دوں گا"۔

لوترے نے مشین گن کا ٹریگر دبا دیا۔

"تڑ۔ تڑ۔ تڑ۔ تڑ"۔

گن سے بیک وقت کئی گولیاں نکل کر سارجنٹ کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ لڑکھڑا کر گرا اور تڑپنے لگا۔

ناگ جلدی ہی انسان کے روپ میں ان کے پاس آ گیا۔

"لوتھرے! تم نے بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ اگر تم ذرا بھی دیر کر دیتے تو یہ ہمیں زندہ نہ چھوڑتا"۔

ناتا نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم بھی اس کی گولی سے بچ گئے"۔

لوتھرے بولا۔

" ناگ بھائی! تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم ایک زبردست جادوگر ہو اور انسان سے سانپ بن سکتے ہو؟"۔

ناگ ہنس دیا۔

"بھائی! یہ مجھے ایک افریقہ کے جادوگر نے جادو سکھایا تھا۔ بس اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی کمال نہیں ہے جب بھی ضرورت ہوتی ہے، میں انسان سے سانپ بن جاتا ہوں"۔

ناتا نے کہا۔

"یہ تو کمال کی بات ہے۔ میں تو پہلے پہل دہشت سے پاگل ہو گئی تھی"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ناتا بہن"۔

لوتھرے نے کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ناگ! تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم اس جگہ رہیں یا کہیں دوسری جگہ چلے جائیں"۔

ناگ نے کہا۔

اس وقت ہمارے پاس تین سپاہیوں اور ایک سارجنٹ کی وردی موجود ہے۔

ہم ان کو پہن کر بڑا کام لے سکتے ہیں۔

کیا ہم جرمن وردی پہن کر باہر نکل چلیں؟۔

ناتا نے پوچھا۔

ناگ کہنے لگا۔

نہیں! اس میں خطرہ بھی ہو گا۔ دن کی روشنی میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

ہاں! رات کے وقت ہم جرمن سپاہیوں اور سارجنٹ کی وردی پہن کر جزیرے کی بندرگاہ پر جا کر کوئی نہ کوئی گن بوٹ

حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

تم دونوں کو جرمن زبان آتی ہے نا؟۔

"ہم بڑی روانی سے جرمن زبان بول سکتے ہیں"۔

یہ بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی یہ زبان پوری روانی سے بول سکتا ہوں"۔

اب وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ دن ڈھل گیا اور شام کا اندھیرا جزیرے پر پھیلنے لگا۔ ناگ نے سارجنٹ کی وردی پہن لی اور ناتا اور لوتھر نے جرمن سپاہیوں کی وردیاں پہن کر مشین گنیں ہاتھوں میں تھام لی تھیں۔

رات ہو گئی۔ تینوں غار سے باہر آ گئے۔ باہر وہ جیپ کھڑی تھی جس پر بیٹھ کر جرمن سارجنٹ سپاہیوں کے ساتھ وہاں آیا تھا۔

ناگ، لوترے اور ناتا جیپ میں سوار ہو گئے۔ ناگ جیپ چلانے لگا۔

ان کا رخ جزیرے کی چھوٹی سی بندرگاہ کی طرف تھا۔

چٹان کا غار

ناگ کی جیپ بندرگاہ کے قریب پہنچ گئی۔

راستے میں انہیں کئی ایک جرمن سپاہی ملے۔ انہوں نے ناگ کو جرمن سارجنٹ کی وردی میں دیکھ کر سیلوٹ کیا۔

ناگ نے بھی ہاتھ اٹھا کر سیلوٹ کا جواب دیا۔ بندرگاہ پر دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔

بلیک آؤٹ کی وجہ سے چاروں طرف اندھیرا تھا۔

ناگ نے لوتھرے سے کہا۔

"میرا خیال ہے، چھوٹی گن بوٹس بندرگاہ کی پرلی جانب کھڑی ہوتی ہیں"۔

لوتھرے نے کہا۔

"ہاں! مگر وہاں پر بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے"۔

ناتا نے کہا۔

"ہمیں اس سے کیا؟ ہم تو جرمن سپاہیوں کی وردی میں ہیں"۔

لوتھرے نے کہا۔

"لیکن ہم گن بوٹ لینے کے لیے کیا بہانہ بنائیں گے؟"۔

ناگ کہنے لگا۔

"یہی کہ ہم مفرور گوریلوں کی تلاش میں جا رہے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا"۔

لوتھرے نے سرگوشی کی۔

ان کی جیپ بندرگاہ کے شمال مغربی حصے میں پہنچ کر رک گئی۔ سامنے سمندر میں دو تین گن بوٹس کھڑی تھیں۔ ان کے اندر دھیمی دھیمی ڈھکی ہوئی روشنی ہو رہی تھی۔ باہر جرمن سپاہی رائفلیں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ جیپ سے اتر آیا۔ اس نے لوتھرے اور ناتا کو ساتھ لیا اور کنارے پر آ گیا۔ ایک جرمن سارجنٹ کو دیکھ کر پہرے دار سپاہی نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ہیل ہٹلر!"۔

"ہیلو مسٹر!"

ناگ نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا۔

پھر وہ گن بوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کیا یہ گن بوٹ خالی ہے؟"۔

"یس سر"۔

"ہم اس پر سوار ہو کر سمندر میں گوریلوں کو تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ فرانسیسی گوریلے سمندر میں فرار ہو گئے ہیں"۔

پہرے دار سپاہی نے کچھ ہچکچا کر کہا۔

"لیکن سر! گن بوٹ استعمال کرنے سے پہلے حکم نامہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کیا آپ کے پاس حکم نامہ ہے؟"۔

ناگ نے یہ سوچا ہی نہیں تھا۔ اپنی گھبراہٹ پر جلد ہی قابو پاتے ہوئے بولا۔

"حکم نامہ بھلا اتنی جلدی کہاں سے مل سکتا ہے۔ ہم تو ایمرجنسی میں جا رہے ہیں"۔

پہریدار سپاہی نے کہا۔

"لیکن سر! میں حکم نامے کے بغیر آپ کو گن بوٹ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اچھا! پھر ایسے کرو کہ میرے ساتھ اس گن بوٹ میں آؤ۔ ہم اس کی تلاشی لیتے ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ گوریلے کہیں اس کشتی میں ہی نہ چھپے بیٹھے ہوں"۔

"ٹھیک ہے سر!"۔

پہرے دار جرمن سپاہی ناگ کے ساتھ ہی گن بوٹ میں کود گیا۔

ناگ اسے لے کر نیچے والے کیبن یعنی انجن روم کے بہت ہی تنگ کمرے میں آ گئے۔

ناگ نے کہا۔

"جرمن سپاہی کو میں نے باندھ کر نیچے پھینک دیا ہے۔ جلدی سے انجن سٹارٹ کرو"۔

لوتھر بڑا ماہر ملاح تھا۔ اس نے انجن سٹارٹ کر دیا۔

گن بوٹ نے سمندر کی طرف منہ کر لیا اور آہستہ آہستہ سفر شروع کر دیا۔ بندرگاہ سے بوٹ آرام سے باہر نکلی اور پھر اس نے

تیز رفتاری سے سمندر میں بھاگنا شروع کر دیا۔

اس کا رخ فرانس کی جانب تھا۔ راستے میں انہوں نے جرمن سپاہی کی مشکیں کھول کر سمندر میں پھینک دیا کہ یہ اپنے آپ تیر کر واپس چلا جائے گا۔

ناگ بولا۔

"ہم فرانس کے ساحل پر کس جگہ اتریں گے؟"۔

لوتھر نے کہا۔

"میں فرانس کے جنوب مغربی ساحل پر گن بوٹ لے جاؤں گا۔ یہ ساحل نسبتاً ویران ہے اور وہاں پر جرمنوں کا شدید پہرہ نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تمہاری بھول تو نہیں لوترے؟ کیونکہ جرمنوں نے فرانس کے سارے ساحل کو بڑی مضبوطی سے قلعہ بند کر رکھا ہے۔"

ناگ نے ناتا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

ناتا کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ جرمن اپنے دفاع سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ اس سارے کے سارے ساحل پر برطانوی فوجوں کے حملے کا ہر وقت خطرہ ہے۔

اس لیے جرمنوں نے یہاں قدم قدم پر مورچے کھود رکھے ہوں گے۔ ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔

ایسا نہ ہو کہ ہم جزیرے سے نکل کر فرانس کے ساحل پر جا کر پکڑے جائیں۔

لوترے سوچ میں پڑ گیا۔

پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے، ایسا ہی ہو، لیکن جنوب مغربی ساحل کے علاوہ اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں ہم اتریں؟ اور پھر ہم یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ ہم جرمن فوجیوں کی وردی میں ہیں۔ ہمیں دیکھ کر کوئی بھی حملہ نہیں کرے گا"۔

ناتا بولی۔

"لیکن ہم یہ بھی خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ ساحل پر جا کر جرمن سپاہیوں سے باتیں کرنے لگے۔ میں عورت ہوں، ہو سکتا ہے انہیں مجھ پر شک پڑ جائے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ناٹا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں کیلے کا چکر کاٹ کر شمال کی طرف چٹانوں کے پاس جا کر گن بوٹ کھڑی کر دینی چاہیے"۔

"تو کیا تمہارے خیال میں وہاں جرمنوں نے مورچے نہیں بنائے ہوں گے؟"۔

لوترے کے اس سوال پر ناگ بولا۔

بھائی! اگر ہم اسی طرح سوچتے رہے تو پھر دوسری جنگ عظیم ختم ہونے تک ہمیں اسی سمندر میں ہی رہنا ہوگا۔

آخر کسی نہ کسی جگہ تو ہمیں اترنا ہی ہے، میرے خیال میں ناٹا ٹھیک سوچتی ہے۔ ہمیں کیلے کا چکر کاٹ کر فرانس کے شمالی ساحل کی چٹانوں کی طرف جانا چاہیے۔

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی"۔

گن بوٹ کا رخ فرانس کے شمالی ساحل کی جانب موڑ دیا گیا۔ گن بوٹ کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اس کے اوپر ایک چھوٹی توپ بھی لگی تھی اور ایک طیارہ شکن گن بھی نصب تھی۔

بلیک آؤٹ کی وجہ سے فرانس کے ساحل پر کہیں روشنی نہ تھی۔ رات کے اندھیرے میں اور فرانس کے ساحل کی چٹانوں کے اونچے اونچے سائے نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

"ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں ناں لوترے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

لوترے نے سر کو جنبش دے کر کہا۔

"بالکل ٹھیک سمت جا رہے ہیں۔ ہم کیلے کو بائیں جانب

چھوڑ آئے ہیں۔ یہ ساحلی چٹانیں شمال کی طرف والی چٹانیں ہیں"۔

"گن بوٹ اب فرانس کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب آگے بڑھ رہی تھی۔

سمندر میں جگہ جگہ چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔

ناتا نے کہا۔

"لوترے! ہوشیار ہو کر بوٹ چلانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کشتی کسی چٹان سے ٹکرا جائے"۔

لوترے بڑی ہوشیاری سے گن بوٹ چلا رہا تھا، مسکرا کر بولا۔

"ناتا بہن! تم بھول گئیں کہ ایک بار میں نے آبدوز بھی چلائی

تھی"۔

کشتی مختلف چٹانوں اور سمندر سے نکلی ہوئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے چکر کاٹ کر ایک جگہ ساحل کے ساتھ لگ گئی۔

لوترے نے انجن بند کر دیا۔ وہ ساحل پر اتر آئے۔

یہاں ریت پھیلی تھی۔ سمندر کی لہریں دور دور سے آ کر ریت پر کچھ دور جاتیں اور واپس سمندر میں چلی جاتیں۔

سامنے چٹانیں پھیلی تھیں۔ ناگ نے پوچھا۔

"بھائی! اب کس طرف چلنا ہوگا ہمیں؟"۔

لوترے نے غور سے چاروں طرف نظر دوڑائی اور بولا۔

"ان سامنے والی چٹانوں کے پار ایک میدان ہے۔ یہاں سے گزر کر ہم ایک وادی میں آ جائیں گے"۔

جہاں سیب اور انگور کے باغ ہیں وہاں ہم رات کو چھپ کر گزاریں گے اور صبح وردی اتار کر عام دیہاتی لباس میں سفر شروع کریں گے۔

پھر ہم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔

"چلو! پھر آگے بڑھیں۔ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے"۔

تینوں چٹانوں کی طرف منہ کر کے ساحل کی ریت پر چلنے لگے۔

جب وہ ایک چٹان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ دو چٹانوں کے بیچ میں سے ایک تنگ سا راستہ پار دوسرے پتھریلے میدان کو جا رہا تھا۔

لوتھرے نے کہا۔

"یہی وہی راستہ ہے"۔

وہ آگے بڑھے۔

ناگ جرمن سارجنٹ کی وردی میں آگے آگے تھا۔ اس کے دائیں جانب لوتھرے تھا اور بائیں جانب نانا تھی۔

نانا کو جرمن سپاہی کی وردی پوری نہیں آئی تھی۔ اس نے آستین چڑھا رکھی تھی اور پتلون بھی اوپر کر کے باندھ رکھی تھی۔

پھر بھی صاف لگتا تھا کہ اس نے کسی دوسرے سپاہی کی وردی پہن رکھی ہے۔ وہ تنگ راستے کے منہ پر ہی پہنچے تھے کہ آواز آئی۔

"ہالٹ"۔

تینوں رک گئے اور جدھر سے آواز آئی تھی، ادھر تکنے لگے۔

چٹان کے دامن میں اندھیرے میں سے ایک جرمن سنتری ہاتھ میں مشین گن لیے باہر آیا اس نے ٹارچ روشن کی اور ناگ، ناتا اور لوترے کو دیکھا تو سیلوٹ کر کے بولا۔

"سر! آپ کدھر جا رہے ہیں؟"۔

ناگ کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔

لوترے نے کہا۔

سارجنٹ صاحب ایک خاص مشن پر ادھر آئے ہیں۔

انہیں معلوم ہوا ہے کہ فرانسیسی گوریلے جزیرے سے بھاگ کر اس طرف آئے ہیں اور چٹانوں میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں۔

ہم ان گوریلوں کی تلاش میں جا رہے ہیں۔

جرمن سنتری بولا۔

"ادھر ہم پہرہ دے رہے ہیں سر! ادھر سے تو کوئی گوریلا نہیں گزرا۔ بہتر ہے آپ چوکی میں چل کر کمانڈر صاحب سے بات کر لیں"۔

اب ناگ وغیرہ گھبرائے۔ وہ کمانڈر کی نگاہوں سے بچ کر آگے نکلنا چاہتے تھے۔

اس نے کہا۔

"نہیں نہیں! ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم خود ہی گوریلوں کو تلاش کر لیں گے"۔

اتنے میں کمانڈر بھی مورچے سے باہر نکل آیا۔ یہ ایک لمبا

ٹھنگا جرمن سارجنٹ تھا۔

قریب آتے ہی اس نے ناگ کو سارجنٹ کی وردی میں دیکھا تو سیلوٹ کیا۔

"ہیل ہٹلر!"۔

"ہیل ہٹلر!"۔

لمبے سارجنٹ نے پوچھا۔

"سر! آپ یہاں کیسے آ گئے؟ ہم نے گن بوٹ کی آواز سنی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ جرمن بحریہ کے آدمی یہاں منتقل کرنے آ رہے ہیں"۔

ناگ نے گردن کو ہلکا سا خم دیکر افسروں کی طرح کہا۔

دراصل ہم جزیرے میں ہمارا اسلحہ تباہ کر کے بھاگنے والے

فرانسیسی گوریلوں کی تلاش میں ادھر آئے ہیں۔

ہمیں خفیہ اطلاع ملی ہے کہ یہ گوریلے ان چٹانوں میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں۔

لمبا جرمن سارجنٹ مسکرا دیا۔

"بہت خوب! تو پھر ایک کپ چائے ہی پیتے جائیں۔ میں اس سے زیادہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا"۔

ناگ جلدی سے بولا۔

"نہیں نہیں۔ آپ کا شکریہ۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ پھر کسی وقت آپ کی چائے کا لطف اٹھائیں گے"۔

لمبا سارجنٹ مڑتے ہوئے بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

پھر جیسے اچانک اس کی نظر نانا پر پڑی۔ اس نے محسوس کیا کہ وردی اس کے جسم پر ٹھیک سے فٹ نہیں ہے اور وہ بار بار آستین اونچی کرتی ہے۔

شاید اسے نانا کے سر کے بال بھی ٹوپی میں سے باہر نکلے نظر آ گئے تھے۔

اس نے نانا کے قریب آ کر پوچھا۔

"یہ سپاہی اتنا چھوٹا کیوں ہے؟ جرمن فوجی اتنے چھوٹے قد کے تو نہیں ہوتے"۔

ناگ اور لوترے نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

لمبے سارجنٹ نے نانا کے سر سے ٹوپی اتار دی۔ اس کے بال کھل کر شانوں پر گر پڑے۔

"یہ کیا؟ فرانسیسی گوریلا لڑکی"۔

اس کے زور سے سیٹی بجا دی۔

مورچے میں سے چار جرمن سپاہی نکل کر بھاگے۔

سنتری نے رائفل تان لی۔ لوترے، ناگ اور نانا کو اسی وقت گھیرے میں لے لیا گیا۔ انہوں نے یہ کام اتنی تیزی سے کیا کہ ناگ، نانا اور لوترے مشین گن اوپر تک نہ کر سکے۔

جرمن سارجنٹ نے آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"تو تم لوگ جرمن سپاہیوں کی وردی پہن کر یہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ ہاں تم ہی فرانسیسی گوریلے ہو جنہوں نے جزیرے میں ہمارا اسلحے کا گودام تباہ کیا ہے اور جس کے بارے میں ہمیں اطلاع مل چکی ہے"۔

انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان تینوں کو مورچے میں لے جا کر قید کر لیا جائے۔ سپاہیوں نے تینوں کے ہاتھ پیٹھ پر باندھے۔

آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی اور ہانک کر ایک بڑے مورچے میں لے آئے جس کی نیچی چھت پر ایک لیمپ جل رہا تھا۔

کونے میں اسلحے کا ڈھیر لگا تھا۔ تینوں کو ایک کھمبے کے ساتھ رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ جرمن سارجنٹ نے پستول ناتا کے ماتھے سے لگا کر رعب دار آواز میں کہا۔

"تمہارے باقی ساتھی فرانس میں کہاں کہاں ہیں؟"۔

ناتا نے کہا۔

"تم مجھے قتل بھی کر دو گے تو میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا"۔

جرمن سارجنٹ نے باری باری لوترے اور ناگ سے بھی راز اگلوانے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے ناتا، لوترے اور ناگ کو زدوکوب بھی کیا۔

ان کے منہ پر گھونسے بھی مارے گئے مگر کسی نے زبان نہ کھولی۔ ناگ کو تو خیر کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ ناتا اور لوترے نے مرنا گوارا کر لیا مگر اپنے گوریلا ساتھیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں نہ بتایا۔

وہ ہنستے ہنستے اذیت برداشت کر گئے۔

جرمن سارجنٹ نے وائرلیس پر پیچھے اطلاع کر دی کہ جزیرے سے بھاگے ہوئے گوریلوں کو اس نے گرفتار کر لیا ہے۔

اب کیا حکم ہے؟ ادھر سے اطلاع آئی۔

ہمارا انتظار کرو۔ گوریلوں کو باندھ کر رکھو، وہ فرار نہ ہونے پائیں۔

"اگر بھاگنے کی کوشش کریں تو بے شک گولی مار دو"۔

"یس سر"۔

ناگ، لوترے اور ناٹا کرنے میں ذرا ذرا فاصلے پر کھمبوں کے ساتھ بندھے پڑے تھے۔

لیمپ کی مدھم روشنی میں ناگ نے مورچے کے غار کا جائزہ لیا۔

یہ ایک نیچی چھت والا چھوٹا سا بنکر تھا۔ لیمپ کے نیچے ایک چھوٹی سی میز بچھی تھی۔

سامنے کرسی پر جرمن سارجنٹ وائرلیس کر رہا تھا۔

وائرلیس کرنے کے بعد اس نے ناگ کی طرف دیکھا اور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"سارجنٹ صاحب! ابھی ہمارے کپتان صاحب آپ کی خاطر مدارت کرنے یہاں آ رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ ہمیں اپنے ساتھی گوریلوں کے ٹھکانوں کا پتہ دیں۔ تاکہ میں کپتان صاحب سے آپ کی جان بخشی کی سفارش کر سکوں۔ نہیں تو آپ کو ایسی دردناک اذیت دی جائے گی کہ آپ ایک سیکنڈ کے اندر اندر سارے راز اگل دیں گے۔ کہیے سارجنٹ صاحب! کیا خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں"۔

لوترے بولا۔

"تم ہمارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو گے تو ہم تمہیں اور تمہارے کپتان کو کچھ نہیں بتائیں گے"۔

ناٹا نے کہا۔

"ہمیں موت قبول ہے۔ لیکن مادرِ وطن سے غداری نہیں کریں گے"۔

"خاموش!"۔

جرمن سارجنٹ دھاڑا۔

"کمینو! تم کتے کی موت مرو گے"۔

جرمن سارجنٹ نے پستول نکال کر ہاتھ میں تھاما اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی ناگ نے لوترے سے کہا۔

"ہم یہاں سے فرار ہونے کی پوری کوشش کریں گے"۔

لوترے نے کہا۔

"ناگ بھائی! کیا تم اپنے جادو کا کوئی کمال نہیں دکھا سکتے؟"۔

"میں پوری کوشش کروں گا۔ ذرا مجھے جائزہ لینے دو"۔

ٹرین چلتی رہی

سارجنٹ نے باہر جا کر آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ سارے مورچوں میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ سارے علاقے کی ناکہ بندی کر دی مگر ناگ کہیں باہر ہوتا تو نظر بھی آتا۔

وہ تو اس وقت بنگلہ میں لوترے اور ناتا کے پیچھے آ کر بڑے آرام سے ان کی رسیوں کی گانٹھیں کاٹ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں اس نے ساری رسیاں کاٹ دیں مگر لوترے

اور ناتا اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلے۔ انہوں نے یہی ظاہر کیا جیسے وہ رسیوں میں بندھے بیٹھے ہیں۔

اتنے میں سارجنٹ دوبارہ اندر آ گیا۔ وہ پریشان تھا اور غصے میں کانپ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے کپتان آیا تو وہ اسے کیا جواب دے گا کہ تیسرا قیدی کہاں بھاگ گیا۔

اس کی نوکری، بلکہ زندگی خطرے میں تھی۔ اسے ہائی کمانڈ کے حکم سے شوٹ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس نے لوترے کے ماتھے پر پستول کی نالی رکھ کر کہا۔

"ابھی وقت ہے، بتا دو تیسرا قیدی کہاں چلا گیا؟"۔

لوترے بولا

"ہمیں معلوم ہو تو بتائیں"۔

"سارجنٹ نے دانت پیس کر کہا۔"

"میں چھ تک گنوں گا، اگر تم نے چھ کی گنتی تک نہ بتایا تو اس پستول کی ساری گولیاں تمہاری کھوپڑی میں داخل کر دوں گا"۔

اس کے بعد جرمن سارجنٹ نے گنتی کرنی شروع کر دی۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ اس دوران ناگ نے سوچا کہ یہی موقع غنیمت ہے۔

نہیں تو یہ شخص لوترے کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ دوسری گنتی پر ہی زمین پر رینگتا ہوا کپتان کے پاؤں کے قریب آ گیا۔

جب کپتان نے پانچ تک گنا تو سانپ نے پھن کھڑا کر لیا اور اچک کر جرمن سارجنٹ کے گھٹنے پر ڈس دیا۔

سانپ نے اتنی حیرت اور شدت کے ساتھ ڈسا کہ پہلے تو

جرمن سارجنٹ نے یہی محسوس کیا کہ اس کے گھٹنے پر کسی چھوٹی نے کاٹا ہے، لیکن ایکدم سے اس کے گلے کی رگیں خشک ہو گئیں۔

ٹانگیں لرزنے لگیں۔ سب سے پہلے پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ ناگ نے تیزی سے انسان کی شکل اختیار کی اور کہا۔

جلدی سے کونے میں لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔

لوترے اور ناٹا کونے میں اندھیرے میں لگ کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ نے جرمن سارجنٹ کی وردی اتار کر خود پہنا اور بولا۔

"میں تم لوگوں کو بھگا کر باہر نکال لے جاؤں گا۔ تم ہاتھ پیٹھ پر

رکھے سر جھکائے آگے آگے چلتے جانا"۔

اس کے بعد اس نے ٹاٹا اور لوتھرے کو آگے کیا اور خود پیچھے پستول تانے چلنے لگا۔

بنکر سے باہر آ کر اس نے جرمن سارجنٹ ہی کے لہجے میں تیز آواز میں کہا۔

"جلدی چلو کمینو: تمہاری زندگی ختم ہو رہی ہے"۔

لوتھرے اور ٹاٹا ہاتھ پشت پر ہاتھ رکھے سر جھکائے چٹانوں کی طرح چلے جا رہے تھے۔

سارجنٹ پیچھے پیچھے تھا۔ ان دونوں کو ایک جگہ پتھروں کے پاس کھڑا کیا اور یہ کہہ کر واپس ہوا۔

"میرے آنے تک یہیں رہنا، میں ابھی آتا ہوں"۔

ناگ تیزی سے مورچے کی طرف واپس آیا اور جرمن سپاہیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں کہا۔

"دشمن کا حملہ آ رہا ہے۔ جلدی سے اپنے اپنے مورچوں میں چھپ جاؤ"۔

سارے سپاہی ایک ہی سیکنڈ کے اندر اندر مورچوں میں کود گئے۔ اب ناگ باہر اکیلا تھا۔ وہ بنکر میں اتر کر اسلحے کے ڈھیر کے پاس آیا۔

اس نے چھ سات دستی بم اپنی جیب میں ڈالے اور باہر نکل کر چٹانوں کی طرف بھاگا۔ لوتھرے نے قریب آ کر بولا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے، یہاں سے آگے میدان کی طرف بھاگ چلو، میں بنکر پر دستی بم مارنے لگا ہوں"۔

لوترے اور ناتا تیز تیز قدموں سے میدان کی طرف چلے۔

ناگ نے جب دیکھا کہ وہ دونوں کافی دور نکل گئے ہیں تو اس نے گہرا سانس لے کر عقاب کی شکل اختیار کی اور دستی بم پنجوں میں پکڑ کر جرمنوں کے مورچے کے اوپر ہوائی جہاز کی طرح پرواز کرنے لگا۔

اڑتا اڑتا وہ اس بنکر کے اوپر آ گیا۔ جس کے نیچے اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنی چونچ سے دستی بموں میں سے پن نکال کر پرے پھینک دی اور دونوں بم بنکر کے اوپر گرا دیئے۔

ان کے پھٹنے سے دو دھماکے ہوئے اور پھر تیسرا دھماکا ہوا جس نے آس پاس کی ساری زمین پر لرزہ طاری کر دیا۔ جیسے زبردست بھونچال آیا ہو۔ بنکر میں رکھا ہوا اسلحہ پھٹ گیا۔ مورچوں کی چھتیں اڑ گئیں اور ساتھ ہی وہاں جتنے جرمن سپاہی تھے، ان کا بھی نام ونشان مٹ گیا۔

لوترے اور ناتا ایک چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔

انہوں نے دھماکے سنے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ سمجھ گئے کہ ناگ نے اپنا کام کر دیا۔ اتنے میں ناگ بھی بھاگتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

لوترے نے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔ ہم تو پریشان تھے کہ اس تباہی میں تم کیسے اپنے آپ کو بچاؤ گے؟“۔

ناتا بھی پریشان تھی۔

ناگ نے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں سے بھاگ نکلو"۔

انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

دن نکلنے تک وہ پہاڑی میدان عبور کر کے کھیتوں میں آ گئے۔

یہاں انہوں اپنے جرمن وردیاں اتار کر سادہ کپڑے پہن لئے اور کھیتوں میں چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے انہیں دوپہر ہو گئی۔

وہ ایک گاؤں میں سے گذر رہے تھے کہ اچانک سامنے چوراہے میں ایک ٹرک آ کر گیا۔ اس میں سے چھ سات جرمن فوجی نکلے اور انہوں نے سارے گاؤں کو گھیرے میں لے کر تلاشی لینی شروع کر دی۔

لوترے نے ٹھٹھک کر کہا۔

"یہ ایک اور مصیبت آ گئی۔ یہ لوگ گوریلوں کی تلاش میں ہیں"۔

"اب کیا ہو گا؟ کیا ہم یہاں سے واپس بھاگ چلیں؟"۔

مگر اب واپس بھاگنے کا وقت نہیں تھا، کیونکہ ایک جرمن سپاہی نے انہیں دیکھ لیا تھا اور بندوق لیے ان کی طرف بڑھنے لگا۔

قریب آ کر اس نے پوچھا۔

"تم لوگ ٹرک کے پاس چلو، تمہاری تلاشی لی جائے گی۔ کہاں رہتے ہو تم؟"۔

ناگ نے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہم ان کھیتوں میں رہتے ہیں۔ یہاں گاؤں میں غلہ خریدنے آئے ہیں"۔

"تلاشی دو"۔

جرمن سپاہیوں نے ناگ اور لوترے کی تلاشی لی۔ ان کے پاس کچھ بھی نہ نکلا۔

ناگ کے پاس دو دستی بم باقی رہ گئے تھے۔ وہ اس نے کچھ دیر پہلے جرمنوں کے ٹرک کو چوراہے میں رکھتے دیکھ کر کھیتوں میں ایک جھاڑی کے پاس گرادیئے تھے۔

لوترے کی بھی تلاشی لی گئی مگر کوئی بھی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ اتنے میں ایک جرمن میجر وہاں آ گیا۔

اس نے ناگ کی طرف غور سے دیکھ کر کہا۔

"تمہارا نام؟"۔

"ناگ"۔

"کیا تم ہندوستانی ہو؟"۔

"جی نہیں۔ میں فرانسیسی ہوں"۔

"مگر فرانسیسیوں کے نام ایسے نہیں ہوتے۔ ایسے نام تو ہندوستان میں ہوا کرتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"میری ماں ہندوستان کے ایک ہسپتال میں نرس تھی۔ میں اسی ہسپتال میں پیدا ہوا۔ اس لیے میرا نام ناگ رکھ دیا گیا"۔

جرمن میجر کو یقین نہ آیا۔ اسے شک پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے

ایک ماتحت سپاہی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اسے گرفتار کر لو"۔

لوترے اور رتا پریشان ہو گئے۔

لوترے نے کہا۔

"جناب! یہ شخص ہمارا ہمسایہ ہے اور ایک بے گناہ دیہاتی ہے۔ اس کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برائے مہربانی اسے گرفتار نہ کریں"۔

"تو کیا تمہیں گرفتار کر لیں؟"۔

لوترے کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ میجر نے سپاہی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ان دونوں کو بھی پکڑ لو اور لے چلو"۔

وہاں تو صرف اشارے کی دیر تھی۔

لوترے، ناگ اور رتا کو اسی وقت حراست میں لے لیا گیا اور ٹرک میں بٹھا دیا۔ وہاں کچھ اور دیہاتی بھی گرفتار ہو کر بیٹھے تھے۔

ان کے چہروں پر پریشانی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ جرمن انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ٹرک روانہ ہو گیا۔

ایک دیہاتی کچی سڑک پر ٹرک پر گرد اڑاتا چلا جا رہا تھا۔

ناگ نے لوترے کی طرف اور لوترے نے ناگ کی طرف دیکھا اور خاموشی سے بیٹھے رہے۔ ان کے دائیں بائیں اور سامنے جرمن سپاہی مشین گنیں لیے بیٹھے تھے۔

ناگ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں لوترے اور رتا کو تسلی دی اور کہا کہ وہ فکر نہ کریں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

ٹرک ایک چھوٹے سے فرانسیسی قصبے میں داخل ہو گیا۔

یہاں ایک بازار تھا اور اونچی چھتوں والے مکان تھے۔ ٹرک ایک فوجی بارک کے سامنے رک گیا۔ جرمن سپاہی چھلانگیں لگا کر کودے اور مشین گنوں کو آگے کر کے بولے۔

”جلدی سے نیچے اترو“۔

سارے قیدی نیچے اتر آئے۔ انہیں جانوروں کی طرح ہانک کر بارک کی کوارٹر گارڈ یعنی حوالات میں بند کر دیا گیا۔

ایک حوالات میں ناگ، لوقرے اور ناتا اور ایک دبلی پتلی فرانسیسی عورت قید کر دی گئی اور باقی قیدی دوسری حوالات میں بند کر دیے گئے۔

شام تک کسی نے ان کی خبر نہ لی۔ انہیں کھانے کو صرف ڈبل روٹی اور نمک ملا پانی دیا گیا۔ ناگ نے فرانسیسی عورت سے پوچھا۔

”بہن! تمہارا نام کیا ہے؟“۔

اس عورت نے کہا۔

”میرا نام بلانشے ہے۔ میرا خاوند مر گیا ہے۔ میرا کوئی بچہ نہیں، صرف تھوڑی سی زمین ہے جس پر غلہ کاشت کر کے اور بیچ کر پیٹ بھرتی ہوں۔ یہ لوگ مجھے خواہ مخواہ پکڑ کر لے آئے ہیں“۔

ناگ نے لوقرے سے کہا۔

”ہمیں اپنے ساتھ اس عورت کو بھی آزاد کرانا ہوگا“۔

پھر وہ بلانشے کی طرف سر گھما کر بولا۔

"بہن! تم آزاد ہونے کے بعد اگر اپنے گھر واپس گئیں تو جرمن سپاہی تمہیں پھر سے پکڑ لیں گے اور گولی سے اڑا دیں گے"۔

بلانشے نے کہا۔

"میں یہاں سے فرار ہونے کے بعد اپنے گاؤں والے گھر نہیں جاؤں گی، بلکہ سیدھا پیرس چلی جاؤں گی، وہاں میری ایک رشتے کی بہن رہتی ہے۔ جب تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی۔ اسی کے پاس رہوں گی"۔

ماتا کہنے لگی۔

"ناگ! کیا تم یہاں کوئی ایسا جادو کر سکتے ہو جس سے ہم فرار ہو جائیں"۔

ناگ مسکرایا۔

"کیوں نہیں! جادو تو ہر جگہ کیا جا سکتا ہے، لیکن صرف موقع کی تلاش ضروری ہے"۔

لوتھرے نے پوچھا۔

"کس قسم کا موقع؟"

ناگ کہنے لگا۔

"یہ جب مجھے موقع مل گیا تو بتا دوں گا۔ اس وقت تم لوگ بالکل خاموش بیٹھے رہو۔ ہماری باتوں سے سپاہیوں کو شک پڑ سکتا ہے"۔

وہ خاموش ہو گئے۔ رات آ گئی۔ انہیں کھانے کو کچھ بھی نہ دیا گیا۔

آدھی رات کے قریب ایک سپاہی نے آ کر حوالات کا تالا کھولا اور بولا۔

"تم میں سے ناگ کون ہے؟"۔

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میں ہوں ناگ جناب"۔

"ٹھیک ہے۔ تم باہر آ جاؤ۔ میرے ساتھ آؤ"۔

"کہاں؟"۔

سپاہی نے ڈانٹ کر کہا۔

"تم یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟ بکواس بند کرو اور چپ چاپ میرے ساتھ آؤ"۔

ناگ نے آنکھ کے اشارے سے لوتے اور ناتا کو کہا کہ وہ

خاموش اور صبر سے بیٹھے رہیں اور سپاہی کے ساتھ چل دیا۔

سپاہی اسے لے کر ایک بارک میں سے گزر کر دوسری بارک کے ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گیا جس کی لکڑی کی چھت کے نیچے وہی جرمن میجر کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

چھت پر ایک ڈھکا ہوا بلب جل رہا تھا۔

اس نے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا۔ ناگ نے بھی آنکھیں چار کر دیں۔

چند سیکنڈ بعد جرمن میجر نے گھبرا کر آنکھیں جھپکائیں اور اٹھ کر ناگ کے قریب آ گیا۔

"تمہاری آنکھوں میں یہ خطرناک کشش کہاں سے آئی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کیا تم کوئی انڈین جادوگر ہو؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں! میں نے ہندوستان میں رہ کر تھوڑا بہت جادو سیکھا ہے"۔

میجر بولا۔

"تم کس قسم کا جادو کر سکتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"۔

جرمن میجر نے کہا۔

"کیا تم اپنے جادو کے زور سے یہ معلوم کر سکتے ہو کہ اس وقت برلن میں میری بیوی کیا کر رہی ہے؟"۔

ناگ سمجھ گیا کہ اس جرمن میجر کو اپنی بیوی پر شک ہے اور اس

کی وفاداری پر بھروسہ نہیں ہے۔

اس نے کہا۔

"ہاں! میں جادو کے زور سے معلوم کر سکتا ہوں"۔

"تو پھر جلدی سے مجھے بتاؤ کہ میری بیوی اس وقت کہاں ہے؟"۔

ناگ نے آنکھیں بند کرنے سے پہلے کہا۔

"اس کے لیے میری ایک شرط ہے"۔

"وہ کون سی؟"۔

ناگ بولا۔

"وہ یہ کہ تمہیں اپنی آنکھیں پانچ منٹ کے لیے بند رکھنی ہوں گی۔ اگر تم نے پانچ منٹ سے پہلے آنکھیں کھول دیں تو میں

تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا"۔

جرمن میجر کہنے لگا۔

"مجھے منظور ہے۔ ظاہر ہے۔ یہاں ارد گرد زبردست پہرہ ہے۔ اور تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے"۔

ناگ نے کہا۔

"تم اندر سے دروازہ بند کر کے تالا لگا کر چابی اپنے پاس رکھ سکتے ہو"۔

"یہ ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا"۔

اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا۔ چابی اپنی جیب میں ڈالی اور ناگ کے بالکل سامنے کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

ناگ نے کہا۔

"میں جادو شروع کرتا ہوں، تم اپنی آنکھیں بند کر لو"۔

جرمن میجر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ نے اسے دوبارہ تاکید کی"۔

"اگر تم نے درمیان میں سے ذرا سا بھی مجھے دیکھنے کی کوشش کی تو سارا جادو الٹ جائے گا اور میں تمہیں تمہاری بیوی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکوں گا"۔

"فکر نہ کرو، میں آنکھیں نہیں کھولوں گا"۔

جرمن میجر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل اختیار کر کے اس جرمن میجر کی گردن پر آ گیا اور بڑے آرام سے اسے ڈس دیا۔

میجر کو یوں لگا جیسے کسی چیونٹی نے اسے کاٹ لیا ہو۔ اس نے ہاتھ مار کر گردن کھجلائی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں کہ فرانسیسی قیدی غائب تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ مار کر دیکھا۔ چابی جیب میں تھی۔ تالا بھی لگا تھا۔ پھر یہ قیدی کہاں گم ہو گیا؟ کیا وہ سچ مچ کوئی جادوگر تھا؟ جرمن میجر یہ سوچ رہا تھا کہ ادھر سانپ کا زہر اپنا کام کیے جا رہا تھا۔

سانپ اتنا چھوٹا تھا کہ اس کی نظر اس پر نہ پڑی۔ زہر نے جرمن میجر کا جسم سن کر دیا اور وہ چکرا کر فرش پر گر پڑا۔

ناگ تیزی سے انسان کے روپ میں آ گیا۔ اس نے جرمن

میجر کی جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔

باہر جرمن سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ نے اسے کہا۔

"میجر صاحب نے دوسرے قیدی کو بلایا ہے"۔

"ٹھیک ہے"۔

سپاہی ناگ کے ساتھ ہی حوالات میں آ گیا کہ اسے حوالات میں بند کر کے دوسرے قیدی کو نکال کر میجر کے پاس لے جائے گا۔

ناگ حوالات میں داخل ہوا تو لوتھرے کو بلاتے ہوئے کہا۔

"تم چلو! میرے ساتھ چلو"۔

لوتھرے اٹھا ہی تھا کہ ناگ نے اچھل کر جرمن سپاہی کی گردن

دبوچ لی۔ اس کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ اسے اسی جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔

ناگ نے لوتھر سے کہا۔

”فوراً حوالات سے نکلو اور قصبے کے عقب میں چلے جاؤ۔ میں وہیں آؤں گا“۔

لوتھرے، ناتا اور دیہاتی عورت بلا نشے حوالات میں سے نکل کر قصبے کے پچھواڑے جا کر ایک جگہ چھپ گئیں۔

ناگ نے وہاں سے ایک جیپ اڑائی اور اسے سٹارٹ کر کے قصبے کے پچھواڑے سے لے گیا، تینوں کو اس میں بٹھایا اور جیپ کو کچی سڑک پر چھوڑ دیا۔

جیپ اڑی چلی جا رہی تھی۔

دو تین قصبے گزر گئے۔

لوتھرے نے کہا۔

”ناگ! میرا خیال ہے، اب کولون شہر آنے والا ہے“۔

”ہاں ٹھیک ہے آنے دو“۔

”شہر سے باہر جرمن پوسٹ ہو گی۔ ہمیں اس جیپ کو شہر سے باہر ہی پھینک دینا ہو گا“۔

”ایسا ہی کریں گے“۔

چلتے چلتے آخر وہ کولون شہر کے گرد و نواح میں پہنچ گئے۔

انہوں نے ایک دریا کے پل پر جیپ کھڑی کی۔

سارے اتر کر پرے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ناگ نے جیپ کو سٹارٹ کر کے خود باہر چھلانگ لگا دی۔ جیپ زور سے آگے کو

اچھل اور ریل پر سے اتر کر نیچے دریا میں دھڑام سے گر گئی۔

”خس کم، جہاں پاک۔ اب ہم پر کسی کو شک نہیں ہوگا“

لوترے کی اس بات پر تانا، بلانشے اور ناگ ہنس دیئے۔

بلانشے نے کہا۔

میں اسی شہر میں رہ جاؤں گی۔ یہاں میرا ایک تایا زاد بھائی رہتا ہے۔

ناگ نے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی بہن! ویسے ہم تمہیں جہاں تم کہو، پہنچانے کو تیار ہیں“۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ، میں کولون میں ہی رہوں گی“۔

یہ شہر کافی بڑا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ جنگ کی وجہ سے اس

شہر کی آدھی رونق ختم ہو چکی تھی۔ بلانشے ان لوگوں سے رخصت ہو کر چلی گئی۔

شہر میں داخل ہوتے ہی ایک جرمن پوسٹ ملی۔ سپاہی وہاں گن مشین لیے کھڑے چیکنگ کر رہے تھے۔

ناگ اور لوترے وغیرہ عام دیہاتی لباس میں تھے۔ ان سے دو چار باتیں پوچھ کر انہیں جانے دیا گیا۔

ناگ نے پوچھا۔

”لوترے بھائی! اب کیا پروگرام ہے؟ پیرس جانے کے لیے ہمیں ریل پر سفر کرنا ہوگا؟“۔

لوترے نے کہا۔

”ریل کا سفر ہی مناسب رہے گا، کیوں تانا؟“۔

تاتا بولی۔

"ریل گاڑی آدھی رات کے قریب جا کر پیرس کو روانہ ہوتی ہے۔ ہمیں یہاں سے سیدھا ریلوے اسٹیشن جا کر معلوم کر لینا چاہیے"۔

تینوں کولون کے ریلوے سٹیشن پر آ گئے۔

یہاں کافی مسافر جمع تھے اور مختلف سمت کو جانے والی ریل گاڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔

ان میں جرمن سپاہی بھی ادھر ادھر چل پھر رہے تھے اور مسافروں کو تکتے جا رہے تھے جیسے ان میں سے کسی برطانوی جاسوس کی تلاش میں ہوں۔

ناگ نے لوترے اور تاتا کو ایک جگہ کھڑا کیا اور انکوائری آفس سے جا کر معلوم کیا کہ پیرس جانے والی گاڑی کس وقت چھوٹتی ہے؟۔

معلوم ہوا کہ آدھی رات کو جائے گی گاڑی۔ لوترے کا اندازہ ٹھیک تھا۔

ابھی رات کے بارہ بجنے میں چار گھنٹے باقی تھے۔ انہیں بھوک بھی لگ رہی تھی اور ان کے پاس کوئی پیسہ بھی نہیں تھا۔

ناگ ریلوے اسٹیشن سے باہر شہر میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک دکاندار سے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور بولا۔

"میں ابھی تمہیں پیسے لا کر دیتا ہوں"۔

دکاندار نے ناگ کی گردن پکڑ لی۔

"کیا بکواس کرتا ہے؟ رکھ دے ساری چیزیں یہاں پر۔ یہ

کوئی تیرے نانا جان کی دکان نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا بھائی! غصے کیوں ہوتے ہو، میں پہلے جا کر پیسے لے آتا ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد ناگ اسی دکان کے پاس آیا اور اس کی دکان کے پچھلے حصے میں جا کر کہنے لگا۔

"بھائی! یہ جام کا مرتبان کتنے میں ہے؟ ذرا یہاں آ کر بتانا تو"۔

دکاندار بڑبڑاتا ہوا اندر آیا۔ وہ اس گاہک سے تنگ آ چکا تھا۔ اندر آ کر اس نے دیکھا کہ گاہک کی جگہ ایک ہاتھی کھڑا جھوم رہا تھا۔ ہاتھی نے دکاندار کو دیکھ کر زور سے چیخ ماری اور سونڈ اٹھا کر

اسے پکڑنے کو دوڑا۔

دکاندار شور مچاتا باہر کو بھاگا۔ ناگ نے ساری چیزیں اٹھا کر سونڈ میں رکھیں اور دکان سے باہر آ گیا۔

باہر آتے ہی بازار میں بھگدڑ مچ گئی۔

لوگ ایک عظیم الشان ہاتھی کو دیکھ کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگے۔

ہاتھی کچھ دور جا کر کھیتوں میں آ گیا۔ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچ کر اس نے پھر سے انسان کی شکل اختیار کی اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر سیدھا ریلوے اسٹیشن آ گیا۔

"لو یہ کھاؤ۔ باقی چیزیں پہنچ کر دیکھ لیں گے"۔

لوترے اور رتنا کھانے کی اتنی چیزیں دیکھ کر حیران ہوئے۔

"اتنی چیزیں تم کہاں سے لے آئے؟"۔

"جادو کے زور سے"۔

لوتر سے ہنس دیا۔

ناتا نے کہا۔

"ناگ بھائی! ابھی تم نے جادو کے زور سے پیرس کے ٹکٹ بھی لیتے ہیں"۔

ناگ چونکا۔

"ارے! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ اچھا ذرا ٹھہرو۔ ابھی ٹکٹ بھی لے کر آتا ہوں"۔

ناگ نے دیکھا کہ ٹکٹ والی کھڑکی پر لوگوں کا رش تھا۔ وہاں ایک مدھم سا لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی بے حد مدھم اور ناکافی

تھی۔

ناگ ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل کر ایک جگہ کھیتوں میں آ گیا۔ یہاں اس نے چاروں طرف دیکھا کوئی بھی نہیں تھا۔

ناگ نے گہرا سانس لے کر دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اور عقاب بن کر اڑنے لگا۔

اڑتا اڑتا وہ ریلوے اسٹیشن کے اندر آ گیا۔ ٹکٹ والی کھڑکی سے داخل ہو کر پھڑ پھڑاتا ہوا ٹکٹوں سے بھری ہوئی الماریوں کے سامنے آ کر پھڑ پھڑانے لگا۔

بکنگ کلرک پریشان ہو کر باہر کو بھاگا۔

عقاب نے پیرس جانے والے تین ٹکٹ چونچ میں پکڑے اور پھڑ پھڑاتا ہوا کھیتوں کو اڑ گیا۔

کبھی مسافر حیرانی سے عقاب کو جاتے دیکھتے رہے۔

کھیتوں میں جا کر عقاب پھر سے ناگ بن گیا۔ ٹکٹ جیب میں ڈال کر وہ لوتھرے اور ناتا کے پاس آیا اور دونوں ایک ایک ٹکٹ دے کر بولا۔

"لو بھئی اپنا اپنا ٹکٹ سنبھالو"۔

ناتا نے خوش ہو کر کہا۔

"بھیا! یہ تو تم نے واقعی کمال کر دیا"۔

ناگ بولا۔

"ناتا بہن! ابھی تم کہاں تک ہماری جادوگری کے کمال دیکھو گی؟"۔

لوتھرے نے کہا۔

"بھئی ناگ بھائی! ہم تو آپ کو مان گئے۔ ہم نے تو ایسا جادوگر آج تک اپنی زندگی میں نہیں دیکھا"۔

یونہی باتیں کرتے ہوئے دو تین گھنٹے گذر گئے۔

اب گاڑی آنے میں بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

انہوں نے خوب ہنس ہنس کر وقت گذار دیا۔ اس دوران میں دو تین جرمن سپاہی بھی ان کے قریب آ کر کھڑے ہوئے۔

ان کی باتوں کو دلچسپی سے سنا اور چلے گئے۔

یہ لوگ فرانسیسی میں باتیں کر رہے تھے۔ آخر ٹرین سٹیشن میں داخل ہوئی۔

مسافروں میں شور مچ گیا۔ ٹرین رکی۔ مسافر باہر نکلنا شروع ہو گئے۔

اس کے بعد پیرس جانے والے مسافر اس میں سوار ہو گئے۔ لوترے، ناٹا اور ناگ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ گاڑی کوئی آدھ گھنٹہ وہاں رکی رہی۔ پھر اس کے انجن نے وسل دیا۔

گارڈ نے جھنڈی لہرائی۔

چھک۔ چھک چھک۔

ٹرین کھسکنے لگی۔ ابھی اس کی رفتار تیز نہیں ہوئی تھی کہ اچانک دو جرمن سپاہی کھڑکی میں سے کود کر اندر آ گئے۔

لوترے، ناگ اور ناٹا نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ جرمن سپاہی مشین گنوں سے مسلح تھے۔ وہ مسافروں کے شناختی کارڈ چیک کرنے لگے۔ ٹرین اب سٹیشن سے کافی دور نکل آئی تھی اور اچھی خاصی رفتار اس نے پکڑ لی تھی۔

جرمن سپاہی ایک طرف شروع ہو گئے۔ وہ ہر مسافر کے پاس جا کر پوچھتے۔

"شناختی کارڈ"۔

اور مسافر جیب سے شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھاتا۔

وہ اسے غور سے چیک کرتے اور پھر دوسرے مسافر کی طرف منہ کر کے کہتے۔

"تمہارا شناختی کارڈ؟"۔

لوترے، ناگ اور ناٹا کے پاس کوئی شناختی کارڈ نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو گئے۔ ناگ نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا۔

"گھبراؤ گے تو کام زیادہ خراب ہو جائے گا، مجھے سوچنے کا موقع دو"۔

سپاہی شناختی کارڈ دیکھتے دیکھتے کافی آگے آ گئے تھے۔ انہوں نے تقریباً آدھا ڈبہ چیک کر لیا تھا اور پھر آخر ناگ کی بھی باری آ گئی۔

جرمن سپاہی نے اس سے کہا۔

''تمہارا شناختی کارڈ؟''۔

ناگ گونگا بن گیا اور آئیں غائیں کرنے لگا۔ دوسرے سپاہی نے ناتا اور لوترے کو شناختی کارڈ دکھانے کو کہا تو وہ بھی گونگے بن گئے اور ہاتھ گھما گھما کر آئیں غائیں کرنے لگے۔

وہ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ بہرے گونگے ہیں۔ اور انہیں کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔ سپاہیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اگلے مسافروں کی طرف رخ کر لیا۔

لوترے، ناتا اور ناگ بچ گئے۔ گاڑی تیزی سے پیرس کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

لیکن ایک بھیانک خطرہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔

☆ وہ بھیانک خطرہ کیا تھا؟

☆ عنبر اور ماریا کہاں تھے؟

☆ ان کے ساتھ کیا گذری؟

☆ اور وہ کس قسم کی زندگی بسر کرنے لگے؟

☆ یہ آپ اس ناول کی 68 ویں قسط میں پڑھئے

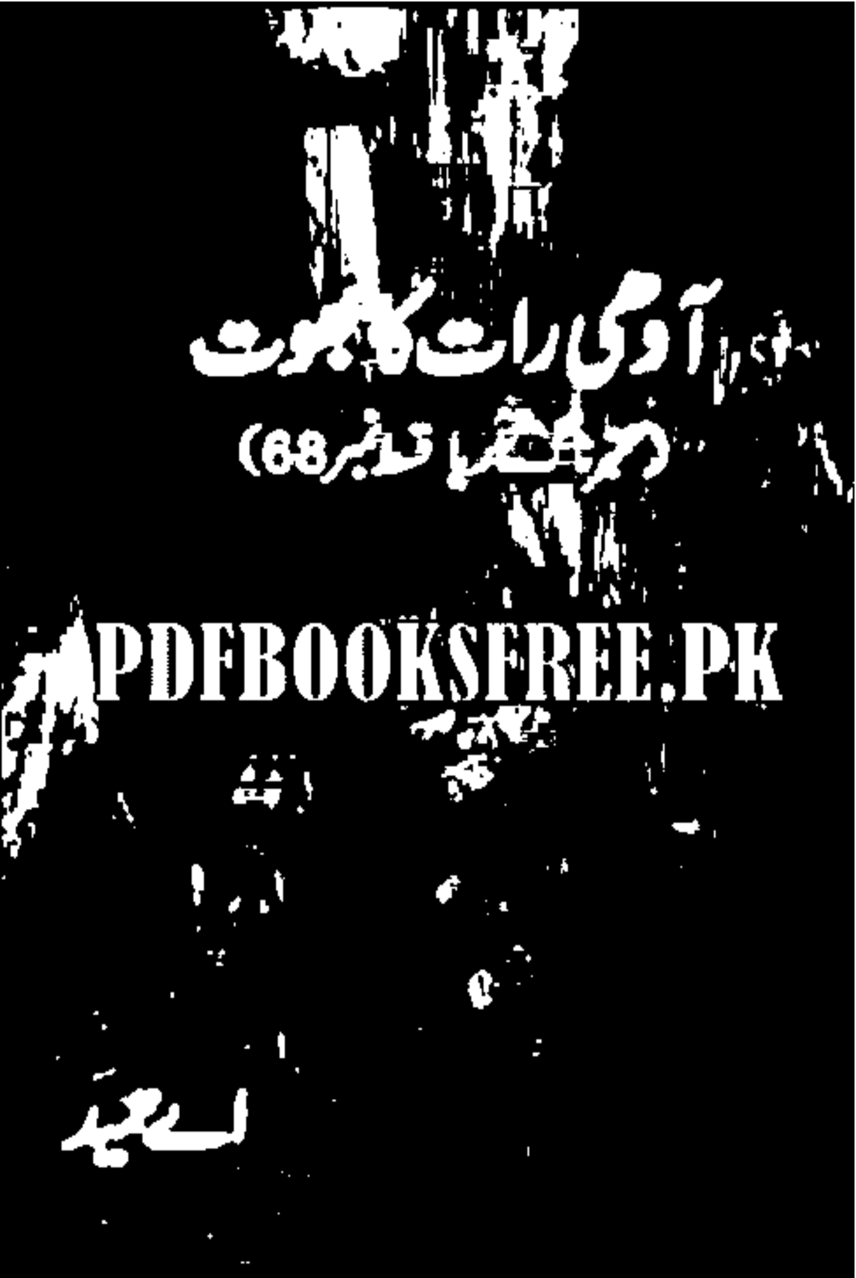

آدھی رات کا بھوت

(ڈر کہانی نمبر 68)

اے حمید

پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھیے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

فہرست

بھیانک انسان
آدھی رات کا بھوت
ظلم کا بدلہ
میں سانپ ہوں
خونی سگار
بم مارو بم

پیارے بچو!

آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں عنبر اور ماریا جنگ کے شعلوں سے نکل کر سوئٹزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں مسافر بن کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

وہ ناگ کی تلاش میں ہیں۔ دوسری طرف ناگ ایک فرانسیسی گوریلے کی شکل میں اپنے ساتھ ایک لڑکی اور ایک فرانسیسی گوریلے کو لئے انہیں جنگ کی بربادیوں میں ٹرین میں لے کر

جرمنی جا رہا ہے۔ اس قسط میں ناگ ان دونوں کو لے کر ایک شہر پہنچتا ہے تو وہاں جرمن سپاہی آ جاتے ہیں۔

یہ تینوں بھاگ گئے ہیں اور ایک پرانے قلعے میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ وہاں ایک غیبی انسان نمودار ہوتا ہے اور ناگ کے ساتھیوں کی گردنوں میں چھری گھونپ کر ہلاک کر دیتا ہے۔

ناگ غیبی انسان سے کیوں کر انتقام لیتا ہے؟ اس پر کیا گذرتی ہے؟

کیا وہ عنبر اور ماریا سے ملتا ہے؟۔

یہ سب کچھ آپ اس ناول میں خود پڑھ لیجئے۔

بھیانک انسان

ٹرین پیرس کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

پیرس اور کولون کے درمیان ایک سٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے ایکدم جرمن کے ایک دستے نے گھیرے میں لے لیا۔

لوتھرے، ناٹا اور ناگ کو فکر ہوئی کہ ضرور کوئی بات ہے۔

سارے مسافروں کو گاڑی کے ڈبوں میں بند کر کے ایک ایک مسافر کی پڑتال شروع ہوگئی۔

جس ڈبے میں ناٹا، لوتھرے اور ناگ بند تھے، اس کے باہر دو سپاہی مشین گنیں تانے کھڑے تھے اور ایک سارجنٹ مسافروں کی تلاشی لے رہا تھا اور ان کے شناختی کارڈ دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے محسوس کیا کہ سارجنٹ کے بالکل کندھے سے کندھا ملائے ایک سارجنٹ کھڑا ہے جس کے ساتھ میں ایک فوٹو ہے۔

وہ ہر ایک مسافر کے ساتھ اس فوٹو کو ملاتا ہے اور پھر شناختی کارڈ دیکھ کر اسے باہر پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیتا ہے۔

ناگ کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ تصویر کس کی ہو سکتی ہے۔

لوتھرے نے سرگوشی میں کہا۔

"ناگ! کہیں یہ ہماری تصویریں تو نہیں؟"۔

"لیکن ہماری تصویر کہاں اتاری گئی تھی؟"۔

ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

ناتا بولی۔

"جرمن کسی وقت بھی ہماری تصویر اتار سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے جزیرے کے کیمپ میں ہمارا ایک گروپ فوٹو لے لیا ہو"۔

"اگر ایسا ہوا ہے تو بہت برا ہوا ہے"۔

اتنے میں ان لوگوں کی باری بھی آ گئی۔ سب سے آگے ناگ تھا۔

سارجنٹ نے ناگ سے شناختی کارڈ مانگا۔ ناگ اسی طرح پھر سے گونگا بہرہ بن گیا۔ اچانک دوسرے سارجنٹ نے چیخ کر کہا۔

"ان تینوں کو گرفتار کر لو یہی گوریلے ہیں"۔

بس پھر کیا تھا۔ جرمن فوجیوں نے آگے بڑھ کر ناگ لوترے اور ناتا کی گردنوں پر مشین گنوں کی نالیاں رکھ دیں اور انہیں لے جا کر سٹیشن کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔

ناگ نے سر جھکا کر کہا۔

"پھر پھنس گئے۔ خدا جانے ابھی پیرس پہنچتے پہنچتے کتنی بار اور مصیبت میں پھنسنا پڑے گا"۔

لوترے نے کہا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا ہوگا۔ یہ لوگ تو اس بار زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے صبح ہونے سے پہلے پہلے ہمیں

گولی سے اڑا دیا جائے۔

کیونکہ ہم کئی بار جیل توڑ کر بھاگے ہیں اور ہم نے کئی سپاہیوں کو قتل بھی کیا ہے۔

ناتا پریشان ہو گئی۔

لوتھرے نے ٹھیک کہا ناگ! جرمن ہماری جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔

اب یہ ہمیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔ خدا کے لیے کچھ جادو کرو اور یہاں سے جلدی نکلو۔

ناگ بولا۔

"اتنی جلدی کچھ نہیں ہو سکتا۔ کم از کم مجھے سوچنے کا موقع تو دو"۔

ناگ سوچنے لگا۔ حوالات چھوٹی سی تھی۔ چھت نیچی تھی۔ کونے میں ایک دھیما بلب روشن تھا۔ باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور کرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ رات گزر رہی تھی۔

یہ حوالات سٹیشن کے پچھواڑے اتر کر سامنے جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ ناگ نے سوچا اگر کسی طرح وہ ان جرمن سپاہیوں کو قابو میں کر لے تو جیل توڑ کر یہاں سے فرار ہو سکتا ہے۔

مگر سوال یہ تھا کہ ان دونوں سپاہیوں کو کیوں کر قابو میں کیا جائے؟۔

ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔ اس نے لوتھرے سے

کہا۔

دیکھو! میں ایک کمال کا جادو کرنے لگا ہوں۔ تم گھبرانا نہیں۔ بالکل خاموش رہنا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاؤ۔

جونہی میں ان پہرہ داروں کو قابو کر کے حوالات کے دروازے کی سلاخیں توڑوں، تم لوگ فوراً یہاں سے بھاگ کر سامنے والے جنگل میں جا کر چھپ جانا اور وہاں میرا انتظار کرنا۔

سمجھ گئے؟۔

لوترے اور ٹانا نے ایک ساتھ کہا۔

"بالکل سمجھ گئے۔ مگر ناگ! تم کون سا جادو کرنے والے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"خاموشی سے دیکھتے رہو"۔

لوترے اور ٹانا حوالات کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔

ناگ حوالات کے دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ دونوں جرمن سپاہی پہرہ دیتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

ناگ نے ان کی طرف گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔

انہوں نے گھبرا کر آنکھیں جھپکیں اور ناگ کی طرف مشین گن کا رخ کر کے کہا۔

"پیچھے ہٹ کر بیٹھ جاؤ نہیں تو شوٹ کر دوں گا"۔

ناگ پیچھے ہٹ گیا۔ حوالات میں گہری خاموشی تھی اور اندھیرا بھی تھا۔

روشنی بہت ہی کم تھی۔ ناگ دروازے کی سلاخوں کی ایک جانب ہٹ گیا۔ اب اس نے لوترے اور ناتا کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے ساتھ ہی لوترے اور ناتا سہم کر ایک دوسرے سے لگ گئے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے وہاں ایک اونچا لمبا خونخوار آنکھوں اور لمبی سونڈ والا ہاتھی کھڑا تھا۔

ہاتھی نے اپنی لمبی سونڈ سلاخوں کے باہر نکال کر دونوں جرمن سپاہیوں کی گردنوں میں ڈالی اور انہیں مروڑ کر رکھ دیا۔

ناگ نے پھر سانپ کا جسم اختیار کیا اور رینگتا ہوا چبوترے سے اتر کر سیدھا جنگل میں بھاگ گیا۔ جنگل میں اس نے بہت جلد لوترے اور ناتا کو دیکھ لیا۔ وہ پھر سے انسانی شکل میں آ کر ان

کے قریب گیا اور بولا۔

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے بھاگ چلو۔ وہ لوگ ہمارا تعاقب کرتے یہاں ضرور آئیں گے۔ لوترے!"۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ جنگل آگے جا کر کہاں نکل آتا ہے؟"۔

لوترے نے کہا۔

"اس جنگل کے آگے ایک دریا آتا ہے۔ دریا کے پار ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک مشہور قلعہ ہے۔ قلعہ ویران ہے۔ اگر ہم چاہیں تو وہاں کچھ دیر چھپ سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہاں سے بھاگو"۔

انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ جس وقت دن کی ہلکی ہلکی روشنی ہوئی تو وہ دریا کے کنارے پہنچ گئے تھے۔

دریا پر ایک بوسیدہ سا پل بنا تھا۔ انہوں نے دریا عبور کیا اور سامنے انہیں قلعے کی ویران عمارت دکھائی دی۔

یہ قلعہ پرانا تھا اور اس کی دیواریں جگہ جگہ سے شکستہ ہو رہی تھیں۔ وہ قلعے میں داخل ہو گئے۔ پرانے جھکی ہوئی ٹوٹی چھوٹی چھتوں والے گرد آلود کمرے تھے اور اکھڑے ہوئے فرش والی راہداریاں تھیں۔

ناگ نے کہا۔

"یہ قلعہ تو مجھے بڑا پراسرار لگتا ہے"۔

لوترے کہنے لگا۔

"اس قلعے میں کبھی فرانس کا ایک بہادر جرنیل رہا کرتا تھا۔ وہ مر گیا تو قلعہ ویران ہو گیا۔ اب یہاں رات کو الو آ کر بسیرا کرتے ہیں"۔

ناتا ڈرتے ہوئے بولی۔

"کیا تم مجھے ڈرانا چاہتے ہو لوترے؟"۔

لوترے ہنس پڑا۔

"میں تو اس قلعے کی تاریخ بیان کر رہا ہوں ناتا!"۔

ناگ نے ایک کمرہ پسند کرتے ہوئے کہا۔

"ہم کچھ وقت یہاں گزار سکتے ہیں"۔

وہ آرام سے چبوترے پر بیٹھ گئے اور آرام کرنے لگے۔ جنگل میں دوڑ دوڑ کر وہ تھک گئے تھے۔ انہیں بھوک محسوس

ہو رہی تھی۔

ناگ نے لوترے سے کہا۔

"کیا تم یہاں سے کچھ کھانے پینے کو لا سکتے ہو؟"۔

"ہاں! کوشش کروں گا۔ لیکن میرے پاس پیسہ نہیں"۔

"جیب تو ہم تینوں کی خالی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں باہر جا کر گاؤں سے کچھ لاتا ہوں۔

ناتا بولی۔

"مگر تم کہاں سے لاؤ گے؟"۔

"جادو کا کمال دکھاؤں گا"۔

ناگ ہنستا ہوا قلعے سے نکل کر گاؤں میں آ گیا۔ یہاں وہ ایک دکان میں گیا اور ناگ نے کہا کہ وہ مزدوری کرنا چاہتا ہے۔

مالک نے کہا۔

"اچھا تو یہ صندوق اٹھا کر دوسرے کمرے میں لگا دو"۔

ناگ نے سارے صندوق اٹھا کر دوسرے کمرے میں لگا دیئے۔

اس کے عوض اسے اتنی مزدوری مل گئی کہ وہ تین آدمیوں کے لیے ڈبل روٹی اور دودھ خرید کر قلعے کی جانب روانہ ہو گیا۔

قلعے کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور آدھی دیوار ڈھے گئی تھی۔

ناگ دروازے میں سے گزر کر راہداری سے گزرتا چبوترے والے کمرے میں آیا تو یہ دیکھ کر کچھ حیران ہوا کہ لوترے اور ناتا وہاں نہیں تھے۔

اس نے دوسرے کمروں میں جا کر انہیں تلاش کیا۔

وہاں بھی نہ تھے۔ اب اس نے دونوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

کوئی جواب نہ آیا۔ صرف اس کی آواز قلعے کی چھتوں دیواروں سے ٹکرا کر رہ گئی۔

ناگ پریشان ہو گیا کہ وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے؟۔

چلتے پھرتے اس نے دیکھا کہ اوپر والی منزل کو سیڑھیاں جاتی تھیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔

سامنے ایک پرانا سیاہ رنگ کا دروازہ آ گیا۔

اس دروازے کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ناگ نے جھانک کر اندر دیکھا۔

وہاں اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ نے جیب سے ماچس نکال کر جلائی تو اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے زمین پر لوتھرے اور نانا کی لاشیں پڑی تھیں۔

ان کی گردنوں میں خنجر کھبے ہوئے تھے۔

ناگ تیزی سے باہر آ گیا۔

ان کو کس نے قتل کر دیا؟

اس قلعے میں جرمن پہنچ گئے ہیں۔

مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔

انہیں سراغ کیسے مل گیا؟۔

لیکن باہر گرد آلود فرش پر کسی کے قدموں کے نشان نہیں

تھے۔

صرف ناگ کے اپنے قدموں کے نشان تھے۔ اس نے دروازے کو زور لگا کر آدھا کھول دیا۔ اندر تھوڑی سی روشنی ہو گئی۔

روشنی میں ناگ نے لوترے اور ناتا کی لاشوں کو غور سے دیکھا۔

کسی نے ان کی گردنوں میں خنجر گھونپ دیئے تھے۔ دونوں زمین پر اوندھے منہ پڑے تھے۔

ناگ ابھی لاشوں پر جھکا ہوا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا وہ دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر بھی کوئی نہیں تھا۔

پھر وہ واپس اپنے اس کمرے میں آ گیا جہاں سب سے پہلے وہ لوگ آ کر ٹھہرے تھے۔

یہاں اس نے بیٹھ کر ڈبل روٹی کھائی اور دودھ پیا اور سوچنے لگا کہ لوترے اور ناتا کو اس ویران قلعے میں کون قتل کر سکتا ہے؟۔

دن ڈھلنے لگا تھا، ناگ نے سوچا کہ اسے اس قلعے سے نکل جانا چاہیے۔

رات گذارنا وہاں اپنی موت کو آواز دینا تھا۔ ناگ نے ڈبل روٹی اور دودھ وغیرہ اسی جگہ چھوڑا اور قلعے سے باہر نکل آ گیا۔

اس نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

ناگ کھیتوں میں سے ہوتا ایک وادی میں آ گیا۔ اس کے ارد

گردو چار چھوٹے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔

ناگ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ شام گہری ہونے لگی سردی بھی بڑھ رہی تھی۔

ناگ نے محسوس کیا کہ کوئی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ناگ الجھن میں پھنس گیا کہ آخر یہ راز کیا ہے؟

یہ کون خفیہ بھوت ہے جو اس کا پیچھا کر رہا ہے؟

اب اسے رات گذارنے کے لیے کسی ٹھکانے کی ضرورت تھی۔

وہ اٹھ کر ایک طرف چلنے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اسے

سامنے درختوں کے جھنڈ میں ایک مکان نظر آیا۔

جس کی تکونی چھت کی چمنی میں سے ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔

ناگ اس مکان کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے دیکھا کہ مکان پرانا اور خستہ تھا۔ دروازے کی کیلیں اکھڑ چکی تھیں۔

ناگ نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

ناگ نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پھر دستک دی۔

اب کسی نے جیسے دور سے پکارا۔

کوئی آ رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی جیسے بے حد قریب سے آواز آئی ؟۔

"کون ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"جناب میں مسافر ہوں۔ رات بسر کرنے کے لیے جگہ چاہتا ہوں۔ صبح ہوتے ہی چلا جاؤں گا"۔

دروازے کی کنڈی اندر سے کھلی۔ پھر ایک پٹ الگ ہوا۔

ناگ نے اپنے سامنے تیکھی آنکھوں اور گھنی بھنوؤں والے ایک گنجے آدمی کو دیکھا جس کا جسم گٹھا ہوا تھا اور آنکھوں میں شرارے سے چمک رہے تھے۔

"اندر آجاؤ"۔

اس نے ریچھ جیسی آواز میں غرا کر کہا۔

ناگ نے سوچا کہ واپس چلا جائے۔ مگر پھر اس خیال سے اندر چلا گیا کہ سردی میں رات کہاں بسر کرے گا؟۔

گنجے نے کہا۔

"اوپر جاؤ گے تو بائیں ہاتھ کو ایک کمرہ ملے گا"۔

"وہاں جا کر سو جاؤ یہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے اور ہاں صبح اٹھتے ہی یہاں سے بھاگ جانا۔ سمجھے؟"۔

"سمجھ گیا جناب"۔

ناگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو بائیں جانب چھوٹا سا دروازہ دیکھا جو بند تھا۔

اسے کھول کر کمرے میں آ گیا۔ کمرہ کیا تھا بس ایک تن چوکور کوٹھڑی تھی جس کے بیچ میں ایک چارپائی پر پرانا لحاف پڑا تھا۔

ناگ نے دروازہ بند کر دیا اور چارپائی پر لحاف اوڑھ کر بیٹھ گیا۔

سردی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ سامنے ایک کھڑکی تھی۔ جس کے گدلے شیشوں میں سے صاف نظر آ رہا تھا کہ باہر اندھیرا ہو گیا ہے اور آسمان پر بادل آنا شروع ہو گئے ہیں۔

دو ایک بار دور آسمان پر بجلی بھی چمکی تھی۔ ناگ نے لحاف اوپر کر لیا اور تکیے پر سر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ بے حد تھک گیا تھا۔

اردگرد گہری خاموشی تھی۔ باہر سرد ہوا چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

پھر دور بادلوں کی ہلکی ہلکی گرج سنائی دی اور بجلی چمکی۔

ناگ کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی قدموں کی آواز سیڑھیوں پر سے چڑھتی ہوئی اوپر اس کے کمرے کے باہر رک گئی ہے۔

ناگ کا دل دھڑکنے لگا۔ ناگ سوچ رہا تھا کہ ابھی کوئی دروازے پر دستک دے گا۔ مگر وہاں گہری خاموشی طاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اس کے ساتھ ہی کسی نے دروازے پر دستک دی۔

ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ تین بار۔۔۔ ناگ چپکے سے بستر سے اٹھا۔

دبے پاؤں چلتا۔ دروازے کے قریب آیا۔ سوراخ میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔

سیڑھیوں کے اوپر ایک موم بتی طاق میں جل رہی تھی اور دروازے کے باہر کوئی نہیں تھا۔

ناگ کو پسینہ آ گیا۔

اگر باہر کوئی نہیں ہے تو پھر دستک کس نے دی تھی؟۔

وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا رہا اور سوراخ میں سے باہر دیکھتا رہا۔

اچانک دروازے پر پھر کسی نے دستک دی۔ ناگ حیران ہو گیا کہ جب باہر کوئی بھی انسان نظر نہیں آ رہا تو پھر دروازے پر دستک کون دے رہا ہے؟۔

کیا یہ بھوت ہے؟

قلعے کا بھوت! جس نے لوترے اور رتانا کو ہلاک کیا تھا۔

ناگ واپس اپنے بستر پر آ کر لحاف میں بیٹھ گیا۔

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس وقت اسے عنبر اور ماریا کی یاد آنے لگی۔

اگر ماریا اس کے پاس ہوتی تو وہ بڑی آسانی سے اسے بتا سکتی تھی کہ باہر کون ہے؟۔

بادل زور سے گرجا اور بارش شروع ہو گئی۔ سردی بڑھ گئی تھی۔

ناگ لحاف میں دبکا بیٹھا تھا اور اس کے کان باہر دروازے پر لگے تھے۔

ایکا ایکی اسے محسوس ہوا جیسے کوئی دروازے کو زور لگا کر اندر کی جانب دھکیل رہا ہے۔

وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ دروازے کے تختے چرچرا رہے تھے باہر سے کوئی اتنی طاقت سے زور لگا رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے دروازہ ابھی ٹوٹ کر گر پڑے گا۔

ناگ کو اب اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی۔ کیوں کہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ باہر کون سی بلا ہے جو نظر نہیں آ رہی اور اندر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس نے ایک دم چھوٹے سے سیاہ رنگ کے سانپ کی شکل اختیار کی اور چھت میں ایک طرف لگ کر بیٹھ گیا۔

دیکھنے لگا کہ اب کیا تماشہ ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر میں دروازہ ایک طرف سے کھل گیا۔

اندر ہوا کا سرد جھونکا آیا۔

ناگ کو کوئی بھی انسان آتا دکھائی نہ دیا۔ پھر کسی نے زور سے دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں صرف باہر بارش گرنے اور کبھی کبھی بادلوں کے گرجنے کی آواز آ جاتی تھی۔

پھر ایک ماچس خود بخود جلی ہوئی ماچس ناگ کو نظر آ رہی تھی۔

ماچس آتشدان کی جانب گئی۔ آتش دان میں کچھ سوکھی لکڑیاں پڑی تھیں۔ انہیں آگ لگی اور آتشدان میں لکڑیاں جلنی شروع ہو گئیں۔

ناگ یہ سارا تماشہ حیرانی اور تعجب سے دیکھ رہا تھا اس نے زندگی میں سوائے ماریا کے کسی انسان کو غائب ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

یہ ماریا نہیں تھی۔ کیونکہ اگر ماریا ہوتی تو وہ ناگ کو ضرور بلاتی۔

آتشدان میں جلنے والی آگ کی وجہ سے کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو گئی تھی۔ اس روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ بستر پر ایک تھیلا سا کہیں سے آ کر گر پڑا۔

پھر اس تھیلے میں سے کسی غیبی ہاتھ نے ایک پرانی گرم پتلون نکال کر پہننی شروع کر دی۔

ناگ نے دیکھا کہ کمرے میں صرف دو ٹانگیں یعنی آدھا دھڑ کھڑا تھا۔ باقی اوپر کا دھڑ غائب تھا۔ پھر تھیلے میں سے اپنے آپ ایک گرم قمیض نکلی اور غیبی انسان نے پہن لی۔

اب اس کے سامنے ایک ایسا انسان کھڑا تھا جس کا سر غائب

تھا۔

تھیلے میں سے اب ایک گرم ٹوپی برآمد ہوئی جسے غیبی انسان نے اپنے سر پر پہن لیا۔ اس کا سر ظاہر ہو گیا مگر اب منہ آنکھیں اور ناک غائب تھا۔

اس کے بعد اس غیبی انسان نے تھیلے میں سے کپڑے کی پٹیاں نکال کر اپنے چہرے پر لپیٹ لیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا چہرہ بن گیا۔

مگر اس چہرے کی آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

غیبی انسان نے تھیلے میں سے سیاہ عینک نکال کر آنکھوں پر چڑھا لی اور بوٹ بھی پہن لیے۔

یہ انسان آتشدان کے سامنے بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔

ناگ یہ سارا تماشا سانپ بنا چھت کے ساتھ لگ کر خاموشی اور حیرت سے تکتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بھوت کہاں سے آ گیا ہے؟۔

اور اگر یہ بھوت نہیں ہے تو پھر کون ہے؟۔

باہر بارش اسی طرح ہو رہی تھی اور بادل بھی گرج رہے تھے۔

ناگ چھت پر سے رینگتا ہوا دیوار پر آیا تو اس کے رینگنے سے دیوار کا چونا اکھڑ کر فرش پر گرا۔ غیبی انسان نے چونک کر دیوار کی طرف دیکھا۔

اسے آتشدان کی آگ کی روشنی میں ایک سیاہ سانپ بھاگ کر چمنی کی طرف جاتا نظر آیا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے جیب سے پستول نکال کر اس کے منہ کے آگے سائیلنسر لگایا اور ناگ کا نشانہ باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔

ناگ کو فکر پڑ گئی کہ اگر اس نے نشانہ باندھ کر پستول فائر کر دیا تو وہ ضرور مر جائے گا۔

ناگ بھاگ کر چھت کی دوسری طرف چلا گیا۔ اس نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر ایک مکھی کی شکل اختیار کی اور کارنس پر آ کر بیٹھ گیا۔

غیبی انسان پستول لیے سانپ کا نشانہ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایکا ایکی سانپ غائب ہوتا نظر آیا۔

غیبی انسان ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ حیران ہوا کہ سانپ کہاں غائب ہو گیا۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"کم بخت! کہاں گم ہو گیا؟"۔

ناگ نے غیبی انسان کی آواز سنی تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل عام انسانوں جیسی آواز تھی۔

تو کیا یہ کوئی انسان ہے اور کسی جادو کے زور سے یا کسی نے کوئی عمل کر کے اسے غائب کر دیا ہے؟

ناگ مکھی بنا اس کے قریب ہی کارنس کی پٹی پر بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ غیبی انسان نے پستول تھیلے میں رکھ لی اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

چھت پر کسی کے ٹہلنے کی آواز سن کر مکان کا گنجا مالک اوپر آ گیا۔

اس کی بدنصیبی اسے اوپر کھینچ لائی تھی۔ گنجے مالک نے دروازے پر آ کر دستک دی۔ غیبی انسان ایکدم ہوشیار ہو کر آتشدان کے پیچھے ہٹ گیا۔

گنجے مالک نے باہر سے کہا۔

"میں نے تمہیں کمرہ اس لئے نہیں دیا کہ تم رات کو چہل قدمی کرو اور میری نیند حرام کرو"۔

جب اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو گنجے مالک نے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا۔ دروازہ چوپٹ کھل گیا۔

اس کے ساتھ ہی کمرے میں ٹھنڈی ہوا آ گئی۔ گنجہ مالک یہ دیکھ کر چکرا گیا کہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس نے جس شخص یعنی ناگ کو سونے کے لیے کمرہ دیا تھا وہ وہاں پر نہیں تھا۔

گنجا مالک کمرے میں آ کر آتشدان کے پاس رک گیا۔

"یہ مسخرہ آگ جلا کر کہاں بھاگ گیا؟"۔

اور پھر اچانک گنجے کی نظر آتشدان کے پیچھے پڑ گئی۔

اس نے وہاں ایک انسان کو ہیٹ پہنے، چہرے پر سفید پٹیاں پہنے آنکھوں پر عینک چڑھائے کھڑے دیکھا۔

گنجے مالک نے کہا۔ "یہ تم نے سوٹ بوٹ کس لیے پہن لیا؟"۔ "کیا کہیں جا رہے ہو؟"۔ دوسرے لمحے غیبی انسان کے ہاتھ میں تیز چمکدار خنجر لہرایا اور پلک جھپکنے میں گنجے کی گردن میں گھس گیا۔

گنجے کی چیخ بلند ہوئی۔ گردن سے خون کا فوارہ نکلا اور وہ دھڑام سے فرش پر آتشدان کے سامنے گر پڑا۔

آدھی رات کا بھوت

ناگ کارنس پر مکھی بنا یہ سارا خونیں ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

تو یہی وہ بھیانک غیبی انسان یا بھوت تھا جس نے قلعے میں لوٹرے اور رانا کو قتل کیا تھا۔

یہ کون ہے؟۔

کہاں سے آیا ہے؟۔

ناگ کے ذہن میں اس قسم کے خیالات گردش کرنے لگے۔

وہ قلعے سے باہر آ کر ناگ کا بھی تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اسے بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

ناگ نے اس ظالم قاتل سے بے گناہ انسانوں کے خون کا بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کارنس سے اڑا اور ایک الماری کے اوپر جا کر بیٹھ گیا۔

غیبی قاتل نے گنجے کی لاش کو اٹھا کر دروازے میں سے باہر سیڑھیوں میں پھینک دیا اور خود دروازہ بند کر کے چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں اس کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔

ناگ نے اسی وقت زہریلے سیاہ سانپ کی شکل بدلی اور الماری میں سے اتر کر رینگتا ہوا بھیانک غیبی انسان کے پاؤں کی جانب آ گیا۔

ابھی تک اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس انسان کا کوئی جسم بھی ہے یا نہیں؟۔

بہرحال ناگ نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ رینگتا ہوا پلنگ کی طرف آیا۔

غیبی انسان کے پاؤں لحاف کے اندر تھے۔

اس کا صرف سر باہر تھا جس پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

سانپ فرش پر رینگتا سرہانے کی جانب آ گیا۔ اس نے پھن کھڑا کر لیا اور دیکھا کہ غیبی انسان کی گردن پر ایک جگہ پٹی نہیں بندھی تھی۔

لیکن وہاں گردن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ناگ نے خطرہ مول لے لیا۔

وہ پھن کو ایک بار پیچھے لے گیا اور پھر تیزی سے سر کو آگے کیا اور غیبی انسان کی گردن پر ڈس دیا۔ وہ یہ محسوس کر کے حیران رہ گیا کہ غیبی انسان کی باقاعدہ گردن موجود تھی اس کا منہ گوشت پر لگا تھا۔

اس کو ڈستے ہی سانپ تیزی سے الماری کے اوپر چلا گیا۔

غیبی انسان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور ہاتھ گردن پر پھیر کر غور کرنے لگا کہ اسے کس نے کاٹا ہے؟۔

لیکن اسے زیادہ غور نہ کرنا پڑا۔

بہت جلد غیبی انسان کو معلوم ہو گیا کہ اسے کسی بڑے ہی زہریلے سانپ نے کاٹا ہے اور یہ وہی چھوٹا سا سیاہ سانپ ہے جس کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اب وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

غیبی انسان نے محسوس کیا کہ اس کی گردن کی رگیں خشک ہو گئی ہیں اور اس کی ٹانگیں کانپنا شروع ہو گئی ہیں۔

وہ بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اب ناگ انسان کی شکل میں آ گیا۔ وہ غیبی انسان کے اوپر جھک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

کپڑوں کے اندر اس کا جسم نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ناگ نے اس کی عینک اتار دی۔ غیبی انسان کی آنکھیں سرخ تھیں اور ناگ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

ناگ نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"۔

غیبی انسان نے آنکھیں جھپکیں۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔

وہ ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ سانپ کا زہر اپنا کام کر گیا تھا۔

غیبی انسان مر گیا۔

ناگ نے اس کی لاش کو گھسیٹ کر ساتھ والے کمرے میں پھینکا اور لحاف میں گھس کر لیٹ گیا۔

اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

باقی ساری رات ناگ بڑے سکون سے سوتا رہا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ کھڑکی کے باہر بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش ہلکی ہلکی ہو رہی تھی۔

ناگ کو بھوک محسوس ہوئی۔ وہ نیچے آ گیا۔

اس نے باورچی خانے میں جا کر دیکھا۔ وہاں کھانے پینے کا بہت سا سامان پڑا تھا۔ انڈے، ڈبل روٹی، گوشت کے ٹکڑے پھل اور مکھن کے ڈبے۔

ناگ نے خوب جی بھر کر ناشتہ کیا۔

پھر وہ مکان کے باہر برآمدے میں آ کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور سامنے درختوں پر بارش ہوتے دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اسے فضا میں ہوائی جہازوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر آسمان کی جانب دیکھا۔

وہاں دو جہازوں میں جنگ ہو رہی تھی۔ مشین گنیں چل رہی تھیں اور ہوائی جہاز زناٹے بھرتے آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

ایک جہاز پر امریکہ کا نشان بنا تھا اور دوسرے جہاز پر جرمنی کا نشان تھا۔

امریکا جہاز پر جرمنی کا جہاز مسلسل گولیاں برسا رہا تھا۔

اچانک امریکی جہاز میں آگ لگ گئی۔ پھر ناگ نے دیکھا کہ اس جہام میں سے ہوا باز نے چھلانگ لگا دی۔

"بے چارہ مر جائے گا"۔

ناگ نے سوچا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے امریکی ہوا باز کا چھاتہ کھل گیا اور وہ بڑے آرام سے زمین کی طرف آنے لگا۔

جرمن جہاز اس پر گولیاں برساتا آگے نکل گیا۔ چھاتہ زمین پر آ رہا تھا۔ اور پھر وہ کچھ ہی دور جنگل میں گم ہو گیا۔

ناگ کے لیے یہ کھیل بڑا ہی دلچسپ تھا۔

اس کے دل میں خیال آیا کہ اس امریکی ہوا باز کی مدد کرنی چاہیے۔

کیونکہ یہ جرمن درندے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

لیکن وہ کیسے اسے تلاش کر سکتا تھا۔

ناگ اوپر والے کمرے میں آ گیا۔

سردی زیادہ تھی اور ہوا بھی کافی تیز چل رہی تھی۔ آتشدان میں ڈال کر آگ جلائی اور قریب ہی صوفے پر بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔

جب ذرا اسے گرمائش محسوس ہوئی تو کارنس پر رکھی ہوئی ایک کتاب اٹھا کر اس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔

کتاب پڑھتے اسے ابھی آدھ گھنٹہ ہی گذرا ہوگا کہ اس نے دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنی۔

کیا پھر کوئی غیبی انسان آ گیا ہے؟۔

ناگ نے کتاب پر سے نظریں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا ہی تھا کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور اس کے سامنے ایک اونچا لمبا خوبصورت امریکی فوجی ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا۔

"ہینڈز اپ"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"کیا تم وہی امریکی ہوا باز ہو جس کے جہاز کو جرمن جہاز نے مار گرایا تھا؟"۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

"ہاں! مگر تم کون ہو؟

تم بڑی اچھی انگریزی بول رہے ہو۔ کیا تم امریکی ہو؟۔

تمہارا لہجہ بھی امریکی ہے؟۔

ناگ نے کہا۔

"نہ میں امریکی ہوں اور نہ جرمن ۔۔"

"پھر تم کون ہو؟ جلدی بتاؤ۔ نہیں تو میں گولی مار دوں گا"۔

ناگ نے کتاب بند کر کے بڑے سکون سے کہا۔

"میرے دوست! اس وقت تم دشمن کے علاقے میں ہو اور تمہیں میری سخت ضرورت ہے۔ میں ایک فرانسیسی گوریلا ہوں اور اس مکان میں رات بسر کرنے کو ٹھہرا تھا"۔

امریکی نے پستول اب بھی تان رکھا تھا۔

"مجھے کس طرح یقین آئے کہ تم فرانسیسی گوریلے ہو؟"۔

"ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ مگر ہاں اگر تم میرے ساتھ رہو گے تو تمہیں ثبوت بھی مل جائے گا"۔

"وہ کیسے؟"۔

امریکا ہوا باز نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"وہ ایسے کہ صرف میں ہی تمہیں جرمنوں کے علاقے سے بھگا کر سوئٹزرلینڈ کی سرحد تک پہنچا سکوں گا"۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

"مجھے تم پر یقین نہیں ہے"۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"۔

"میں تمہیں گولی مار دوں گا تاکہ تم کسی کے آگے میری بات نہ کر سکو"۔

ناگ نے ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر امریکی پائلٹ! اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں نقصان ہوگا"۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ نیچے ایسا شور ہوا جیسے کچھ لوگ آ رہے ہوں۔

امریکی ہوا باز نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔

"جرمن میری تلاش میں آ گئے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

''اب صرف میں ہی تمہارے کام آسکوں گا''۔

''میرے ساتھ آؤ''۔

ناگ نے امریکی ہواباز کو ساتھ لیا اور مکان کی تیسری منزل میں لے جا کر ایک چھوٹے سے طاقچے میں بند کر دیا اور کہا۔

''یہاں سے اس وقت تک باہر نہ نکلنا۔ جب تک کہ میں آ کر تمہیں نہ بلاؤں۔ ذرا سی بھی حرکت نہ کرنا''۔

ناگ اپنے کمرے میں آ گیا۔

یہاں آ کر اس نے ایک چڑیا کی شکل اختیار کی۔ اور کھڑکی کے باہر والے درخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ نیچے چھ سات جرمن سپاہی آ گئے تھے اور انہوں نے سارے مکان کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

جرمن مکان کو اوپر تک دیکھ رہے تھے۔

ایک سارجنٹ نے اشارہ کیا اور کہا۔

''وہ ضرور اس مکان میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اوپر جا کر اسے تلاش کرو''۔

تین سپاہی دھڑ دھڑ کرتے اوپر آ گئے۔ انہوں نے سارے مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

دوسری منزل میں آ کر جب وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں اسے دو انسانوں کی لاشیں ملیں۔

انہوں نے اوپر سے کہا۔

''یہاں دو انسانوں کو قتل کر دیا گیا ہے''۔

نیچے سے سارجنٹ نے کہا۔

"احمقو! مجھے ان لاشوں سے کام کیا، یہ دیکھو کہ ان لاشوں میں امریکی ہوا باز کی لاش تو نہیں؟"۔

اوپر سے سپاہی نے کہا۔

"نہیں جناب! یہ دونوں لاشیں شہریوں کی ہیں"۔

نیچے سے سارجنٹ گرجا۔

"تو الو کے پٹھو! امریکی ہوا باز کو تلاش کرو۔ وہ ضرور اس مکان میں چھپا ہوا ہوگا"۔

اب باقی سپاہی بھی اوپر آ گئے۔ ناگ چڑیا کے روپ میں درخت کی ٹہنی پر بیٹھا یہ سارا کھیل دیکھ رہا تھا۔

اسے صرف ایک ہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں یہ کم بخت تیسری منزل والے طاقچے کو کھول کر نہ دیکھ لیں۔ یا کہیں وہ امریکی کوئی

حرکت نہ کر بیٹھے۔

وہ ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتا تھا۔ ناگ درخت پر سے اڑ کر مکان کے سامنے والے جنگل کے درختوں میں آ گیا۔

یہاں آتے ہی اس نے انسانی شکل اختیار کی اور اونچی آواز میں خالص امریکی لہجے میں انگریزی زبان میں کہا۔

"الو کے پٹھو جرمن سپاہیو! ادھر آؤ۔ میں اس جنگل میں چھپا ہوا ہوں۔ ہمت ہے تو مجھے پکڑ کر دکھاؤ"۔

میں ایک کر کے تم سب کو جہنم رسید کروں گا۔ میں یہاں سے بھاگ رہا ہوں۔ پکڑ سکتے ہو تو پکڑ کر دکھاؤ۔

اس کے ساتھ ہی ناگ ایک بار پھر چڑیا بن کر درخت پر جا بیٹھا۔

اس آواز نے گویا جرمن سپاہیوں پر بم گرا دیا۔ وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی طرح مکان سے نکل کر جنگل کی طرف بڑھے۔

سارجنٹ نے چیخ کر کہا۔

"اس بدبخت کو زندہ گرفتار کر لو چلو۔"

"جنگل میں۔۔۔ بھاگنے نہ پائے۔۔۔"

سارے کے سارے جرمن سپاہی سارجنٹ کے ساتھ جنگل کی طرف بھاگ اٹھے اور انہوں نے جنگل میں ایک ایسے دشمن کا تعاقب شروع کر دیا جو وہاں تھا ہی نہیں۔

اس کی سکیم بڑی کامیاب رہی تھی۔ اس نے دشمن کا منہ جنگل کی طرف کر دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ واپس اس مکان پر

ہرگز نہیں آئیں گے کیوں کہ انہوں نے جنگل میں امریکی پائلٹ کی آواز یا للکار سن لی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر ناگ اڑتا ہوا مکان کے اندر آ گیا۔

یہاں آ کر اس نے ایک بار پھر انسان کی شکل اختیار کی اور سیدھا تیسری منزل والے کمرے میں جا کر طاقچے کو کھول کر بولا۔

مسٹر امریکی ہوا باز! اب تم بے فکر ہو کر باہر آ سکتے ہو۔ فی الحال یا کم از کم اس مکان سے جرمنوں کا خطرہ ٹل گیا ہے۔

امریکا دہرا تہرا ہو کر اندر لیٹا تھا۔ بڑی مشکل سے باہر نکلا اور ہاتھ پاؤں کھول کر مسکرایا اور بولا۔

"تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں مسٹر؟ تمہارا نام کیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ناگ! اور تمہارا نام؟"۔

"ٹام! میرا نام ٹام گریگوری ہے۔ لوگ ٹام ہی کے نام سے پکارتے ہیں"۔

ناگ نے ہاتھ ملا کر کہا۔

"مسٹر ٹام! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

امریکی بولا۔

"خوشی مجھے ہوئی ہے۔ کیونکہ تم نے جرمنوں سے میری جان بچائی ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم واقعی فرانسیسی گوریلا ہو"۔

ناگ اسے اپنے دوسری منزل والے کمرے میں لے گیا جہاں آتشدان میں آگ جل رہی تھی۔ کہنے لگا۔

"مصیبت یہی ہے کہ تم امریکی لوگ اس وقت تک کسی بات پر یقین نہیں لاتے جب تک تمہیں زندہ ثبوت نہیں مل جاتا"۔

ٹام نے کہا۔

"میرے خیال میں یہ کوئی بری بات نہیں ہے"۔

ناگ بولا۔

"بری تو نہیں لیکن اتنی اچھی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی انسان کو دوسرے انسان کی بات پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے"۔

"بہرحال! خدا کا شکر ہے کہ خطرہ ٹل گیا"۔

امریکی ہوا باز نے آتشدان کے آگے ہاتھ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"کون سی بات؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

"یہی کہ جنگل میں سے خالص امریکی لہجے میں کسی نے آواز لگائی تھی؟"۔

ناگ ہنس کر کہنے لگا۔

"یہ میرا ایک ساتھی گوریلا تھا۔ میں نے اسے ایسا کرنے کو کہا تھا"۔

"وہ اب کہاں ہے؟"۔

ناگ بولا۔

"تمہیں اس قسم کی باتوں کو کریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

وہ میرا ساتھی گوریلا تھا اور اپنا فرض ادا کر کے چلا گیا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اب جنگل میں جرمن سپاہیوں کے آگے آگے بھاگ رہا ہے تاکہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔

امریکی ہوا باز ناگ سے بڑا متاثر ہوا۔

"تم لوگ بڑے منظم ہو۔ مجھے یقین ہے، ایک دن تم ان جرمنوں کو فرانس سے نکال دو گے"۔

"ضرور ضرور"۔

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"میں کھانے کو کچھ لاتا ہوں۔ تمہیں ضرور بھوک لگ رہی ہو گی"۔

امریکی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں"۔

ناگ مسکراتا ہوا نیچے باورچی خانے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹرے میں کھانے پینے کی بے شمار چیزیں لے کر اوپر آ گیا۔

دونوں آتشدان کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

امریکی ہوا باز باتیں کرتا جا رہا تھا۔

"میری وردی ابھی امریکی پائلٹ کی ہے۔ یہ میرے لیے

خطرے کی نشانی ہے۔ سب سے پہلے تو مجھے ایک شہری لباس کی ضرورت ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا"۔

امریکی نے کہا۔

"ہمارا بیس یہاں سے کافی دور برطانیہ میں ہے۔ ہماری فوجیں ابھی برطانیہ کے ساحل پر پڑی ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تم لوگ کسی بڑے حملے کی تیاریاں نہیں کر رہے؟"۔

امریکی ہوا باز بولا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، ایک زبردست حملے

کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ یہ حملہ برطانیہ اور امریکہ کی فوجیں رودبار انگلستان عبور کر کے کریں گی"۔

ناگ نے کہا۔

"جنگ نے فرانس کو برباد کر دیا ہے۔ فرانس کے لوگ جرمنوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم ہر قیمت پر اپنے وطن کو جرمنوں سے پاک کر کے ہی دم لیں گے"۔

امریکی کہتے ہیں۔

میں فرانس کے وطن پرستوں کے کارناموں سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔

آپ لوگ بڑا کام کر رہے ہیں جرمن ہائی کمانڈ فرانسیسی گوریلوں کی سرگرمیوں سے بڑی پریشان ہے۔

اس طرح باتیں کرتے انہوں نے کھانا ختم کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"تم اسی جگہ آرام کرو۔ میں تمہارے لیے گاؤں سے شہری لباس لاتا ہوں"۔

ناگ امریکی کو مکان پر ہی چھوڑ کر گاؤں میں آ گیا اس نے امریکی ہواباز سے کچھ ڈالر لے لیے تھے۔

گاؤں میں وہ ایک درزی کی دکان پر آ گیا۔ یہاں اس نے کچھ رقم دے کر ایک سوٹ اور اوور کوٹ خریدا۔

اور سیدھا واپس گھر آ گیا۔ امریکی ہواباز نے اسی وقت اپنی وردی اتار کر کوٹ پتلون پہن لی۔ اوپر سے اوور کوٹ پہن لیا اور اپنی وردی آتشدان میں ڈال کر جلا ڈالی۔

دوسرا اوورکوٹ ناگ نے پہن لیا۔ اب انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہاں سے نکل کر وہ کہاں جائیں۔

امریکی ہوا باز نے پوچھا۔

’’مسٹر ناگ! تم نے کہا تھا کہ تم مجھے سوئٹزرلینڈ کی سرحد پار کرا سکتے ہو؟ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’میری کوشش یہی ہوگی۔ ہمارے ساتھی فرانس میں اس کام پر لگے ہوئے ہیں، انہوں نے کئی ایک امریکیوں اور دوسرے قیدیوں کو بھی فرار ہونے میں مدد دی ہے اور انہیں سوئٹزرلینڈ کی سرحد پار کرائی ہے‘‘۔

میں بھی کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں اس کوشش

میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

’’یہاں سے ہمیں کہاں اور کس طرف جانا ہوگا؟‘‘۔

یہاں سے ہم سیدھا کسی نہ کسی طرح پیرس جائیں گے۔

یہ فیصلہ وہاں جا کر ہوگا کہ سوئٹزرلینڈ کی سرحد کہاں سے اور کس کے ساتھ پار کی جائے گی۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

پیرس ایک لمبا سفر ہے۔ ویسے بھی میرا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ میں شکل وصورت اور گفتگو سے صاف پہچانا جاؤں گا۔

میں تمہاری طرح فرانسیسی نہیں بول سکتا۔ جرمن پیرس

میں جگہ جگہ پھر رہے ہیں۔ وہ مجھے ایک منٹ میں پہچان لیں گے۔

ناگ نے پوچھا۔

''پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟''۔

امریکی ہواباز نے کہا۔

''اگر میں کسی طرح کسی قریبی جرمن ہوائی اڈے پر پہنچ سکوں تو وہاں سے کوئی جہاز اغوا کر کے بھاگنے کی کوشش کر سکتا ہوں''۔

ناگ نے کہا۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم فرانس کی سرزمین سے بھاگ سکو گے؟ کیا جرمن لڑاکا طیارے تمہارا تعاقب نہ کریں گے؟''۔

امریکی بولا۔

میں کوشش کروں گا کہ انہیں مار گرادوں اور لڑتا ہوا فرانس کی سرزمین پار کر جاؤں۔

یہ میرے لیے آسان ہوگا۔ کیونکہ یہاں سے برطانیہ زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی نسبت سارے فرانس میں چکر لگانا اور خاص طور پر پیرس جیسے شہر میں جانا میرے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔

ناگ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ امریکی ہواباز ٹھیک کہہ رہا تھا۔

اس نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''یہ زیادہ مناسب بات معلوم ہوتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہاں سے قریبی ہوائی اڈہ کہاں ہو سکتا ہے؟ یہ تو مجھے بھی معلوم

نہیں ہے"۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

"بس اس کا سراغ لگانا بہت ضروری ہے۔ اگر تم کسی طرح سے یہ پتہ کر سکو کہ جرمنوں کا جنگی ہوائی اڈہ یہاں سے کس طرف ہے تو میری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"میں پوری کوشش کروں گا، تم فکر نہ کرو"۔

رات کا کھانا بھی انہوں نے اسی کمرے میں بیٹھ کر کھایا۔

رات کو پھر بارش شروع ہو گئی۔ دونوں نے آتشدان میں نئی آگ جلائی اور کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے، اتنے میں باہر کچھ آہٹ ہوئی۔

امریکی ہوا باز نے پستول نکال لیا۔

ناگ نے کہا۔

"تم پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ میں ابھی پتہ کرتا ہوں"۔

آواز نیچے سے آئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی برآمدے میں داخل ہوا ہے۔

ناگ نیچے گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دو جرمن سپاہی مشین گنیں تانے سامنے کھڑے ہیں۔ ناگ نے اپنے حواس قابو میں رکھے اور مسکرا کر فرانسیسی زبان میں کہا۔

"میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

جرمن بولا۔

"ہمیں بھوک لگی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اندر تشریف لائیے۔ کھانا حاضر ہے"۔

ناگ ان جرمنوں کو لے کر باورچی خانے میں آ گیا۔ یہاں اس نے آگ جلائی اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔

جرمن سپاہی بہترین کھانا دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور کھانے لگے۔

ایک سپاہی بولا۔

"تم یہاں کیا کرتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"شہر میں کاروبار کرتا ہوں۔ کبھی کبھی چھٹیاں بسر کرنے اس مکان پر آ جاتا ہوں۔ ایک عرصے سے یہاں نہیں آیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے اس مکان کی مرمت بھی نہیں کرا سکا"۔

کم بخت امریکی ہوا باز آخر امریکی نکلا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔

کمرے سے نکل کر نیچے سیڑھیوں کے پاس منہ کر کے بولا۔

"نیچے کون تھا مسٹر ناگ؟"۔

یہ ایک خالص امریکی کا لہجہ تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی جرمن سپاہی کھانا بھول گئے۔

انہوں نے مشین گن ناگ کی کھوپڑی سے لگا دی اور کہا۔

"اس شخص کو نیچے بلاؤ"۔

ظلم کا بدلہ

ناگ سناٹے میں آ گیا۔

اس امریکی ہواباز کی حماقت سے ناگ مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

بلکہ وہ امریکی ہواباز بھی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس وقت ناگ کے ذہن میں کچھ بھی نہ آیا۔

اس نے کہا۔

وہ میرا بھائی ہے۔ اسے انگریزی بولنے کا بڑا شوق ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

میں اسے نیچے بلاؤں گا تو وہ نہیں آئے گا۔ بڑا ضدی ہے۔

آپ لوگ اوپر جا کر اسے دیکھ لیں۔

جرمن سپاہی نے مشین گن کی نالی ناگ کی کھوپڑی پر دباتے ہوئے کہا۔

اب تم ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہم سمجھ گئے ہیں کہ وہ امریکی ہواباز اوپر والے کمرے میں چھپا ہوا ہے جس کے جہاز کو ہمارے فائٹر نے مار گرایا تھا اسے نیچے بلاؤ نہیں تو میں تمہیں ختم کر دوں گا۔

ناگ کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ

امریکی ہوا باز کو آواز دے کر نیچے بلائے۔

چنانچہ اس نے آواز دے کر کہا۔

"مسٹر ٹام! ذرا نیچے آنا"۔

امریکی ہوا باز نیچے آ گیا۔

اس کے آتے ہی دوسرے سپاہی نے اپنا پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

"خبردار! اگر ذرا بھی حرکت کی تو ابھی کھوپڑی اڑا دوں گا"۔

اور پھر اس نے ٹام کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔

اس کے دونوں پاؤں بھی رسی سے باندھ ڈالے۔ اسے زمین پر ڈال دیا۔

ناگ نے کہا۔

"آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ امریکی ہوا باز نہیں ہے بلکہ میرا بھائی ہے"۔

جرمن سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا اور ناگ کے سر پر مشین گن کی نالی مار کر کہا۔

"بکواس کرتے ہو۔ اس شخص کی صورت بتا رہی ہے کہ یہ امریکی ہوا باز ہے"۔

پھر اس نے ٹام کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خفیہ کاغذات کہاں ہیں؟ جلدی بتاؤ نہیں تو گولی تمہارا بھیجا اڑا کر رکھ دے گی"۔

ٹام تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جب وہ نیچے

جائے گا تو جرمنوں کی قید میں ہوگا۔

اگر وہ ذرا عقل مندی سے کام لیتا اور اوپر سے ناگ کو آواز نہ دیتا تو یہ مصیبت کبھی کھڑی نہ ہوتی۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

اب اگر کچھ کر سکتا تھا تو ناگ ہی کر سکتا تھا۔ اور یہ امریکی ہوا باز کو معلوم نہیں تھا۔ وہ تو یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ اب وہ جرمنوں کی قید میں آ گیا ہے اور وہ اس کے ساتھ نہایت سنگدلانہ سلوک کریں گے۔

دوسری طرف ناگ سوچ رہا تھا کہ کس ترکیب سے ان دونوں جرمنوں کو ختم کر کے اس مصیبت سے رہائی حاصل کرے۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

”میرے سارے کاغذات جہاز کے ساتھ ہی جل گئے تھے“۔

جرمن سپاہی نے امریکی ہوا باز کے سر پر زور سے مکا مارا۔

”جھوٹ بکتے ہو“۔

ہر ہوا باز اپنے کاغذات ساتھ لے کر چھلانگ لگاتا ہے۔

تام نے کہا۔

”یہ ٹھیک ہے لیکن جب وہ خطرہ محسوس کرتا ہے تو سب سے پہلے ان کاغذات کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے“۔

جرمن سپاہی غرایا۔

”تم بکواس کرتے ہو۔ یہ بتاؤ امریکی ہوائی اڈے کہاں کہاں قائم ہیں؟“۔

ناگ نے کہا۔

"اب جبکہ میں تمہاری قید میں آ گیا ہوں تو مجھے اپنے افسروں کے پاس لے چلو۔ میں ان کو سب کچھ بتاؤں گا۔ تمہیں میں کیا بتاؤں تم تو معمولی سپاہی ہو"۔

دوسرے جرمن نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہارا یہ شوق بھی پورا کر دیا جائے گا"۔

پھر وہ ناگ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

تم فرانسیسی گوریلے ہو۔ ہم تمہیں ختم کر دیں گے۔ بولو تمہارے ساتھی کہاں کہاں کام کر رہے ہیں۔ تم لوگوں نے ہمارا ناک میں دم کر دیا ہے۔

ہم تمہیں ایک ایک کو ختم کر دیں گے۔ ناگ کا ذہن ان احمق جرمنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے میں بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"آپ لوگ آرام سے کھانا کھالیں۔ بعد میں میں سب کچھ آپ کو بتا دوں گا"۔

دوسرے جرمن سپاہی نے ناگ کے منہ پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

"بد بخت! بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں کہاں کام کر رہے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

میرے ساتھی اس گاؤں میں نہیں ہیں۔ وہ ساتھ والے جنگل

میں ایک خفیہ مقام پر اڈہ بنا کر رہتے ہیں۔

وہاں ہمارا ہیڈ کوارٹر بنا ہوا ہے وہیں ہمارا وائرلیس سٹیشن بھی اسی جگہ سے ہم سارا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔

جرمن سپاہی نے پوچھا۔

" تمہارے سپاہی پیرس میں کہاں کہاں ہیں؟ "۔

ناگ نے کہا۔

میرے ساتھی پیرس کے محلہ بمبارڈی میں رہتے ہیں۔ ان کا نمبر ۱۲۰۲ ہے اور کوڈ ورڈ "پارس ہے"۔

امریکی ہوا باز کو ناگ پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ کم بخت اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ساتھیوں سے غداری کر رہا ہے۔

اس نے چیخ کر کہا۔

ناگ! شرم کرو۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اپنے وطن کے غدار نکلو گے۔

اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں گولی مار کر تمہیں ہلاک کر دیتا۔

جرمن سپاہی نے امریکی ہوا باز کو تھپڑ مار کر خاموش کر دیا۔

اور ناگ سے پوچھا۔

" تمہارے اڈے کہاں کہاں کام کر رہے ہیں جلدی بتاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

" ہمارے اڈے فرانس میں پیرس کے علاوہ کولون میں ہیں۔

جنوبی فرانس کے قصبے آرلیس میں بھی ہمارا ایک اڈہ ہے۔ وہاں سے ہم برطانیہ کو سگنل دیتے ہیں"۔

جب ناگ نے اپنی طرف سے کافی معلومات مہیا

کر دیں تو اس نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں ذرا چڑیا بن کر اڑ جاؤں اور ہوا میں جا کر سیر کروں اور اپنا دل بہلاؤں"۔

جرمن سپاہی نے ناگ کے سر پر ایک تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہیں ابھی مرغا بنائیں گے۔ تم چڑیا کیوں بننے کی سوچ رہے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا اگر تم لوگ مجھے اجازت نہیں دیتے تو پھر میں اپنے آپ ہی چڑیا بن کر ذرا جنگل کی سیر کر آتا ہوں"۔

ناگ زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا اور اس کے ساتھ ہی جرمن سپاہیوں اور امریکی ہوا باز نے دیکھا کہ ناگ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ سے ایک سرخ چونچ والی چڑیا پھرر کر کے اڑی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر دونوں جرمن سپاہی اور امریکی ہوا باز ششدر ہو کر رہ گئے۔

وہ ایک دوسرے کو بھول گئے اور کھڑکی کو تکنے لگے جس میں سے ناگ چڑیا بن کر اڑ گیا تھا۔

ایک جرمن سپاہی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"۔

دوسرے جرمن سپاہی نے بھی بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔

امریکی ہوا باز ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے کچھ نہ کہا۔

اسے اب یقین تھا کہ ناگ اس کے لیے ضرور کوئی حیرت

انگریز جیسا کام کرے گا کہ وہ جرمن سپاہیوں کی قید سے آزاد ہو جائے گا۔

سپاہیوں نے امریکی ہوا باز کو اور زیادہ قابو کر لیا۔

"اس کی طرف سے مت غافل ہونا۔ یہ بھی کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے"۔

پہلے جرمن سپاہی نے کہا۔

دوسرا بولا۔

"فکر نہ کرو۔ میں اسے ابھی گولی سے اڑا دوں گا"۔

ادھر ناگ نے بھی وقت ضائع نہ کیا۔ وہ چڑیا بن کر کھڑکی سے باہر گیا تھا اور فوراً واپس آ کر کھڑکی پر بیٹھ گیا اور سانپ بن کر کمرے میں واپس آ گیا۔ جرمن سپاہیوں نے جو ایک سانپ کو دیکھا تو اس پر فائرنگ شروع کر دی۔

ناگ کو اپنی حماقت کو احساس ہوا۔ اس نے اسی وقت گہرا سانس لیا اور ایک خونخوار آدم خور شیر کی شکل میں سامنے آ کر زور سے دھاڑا۔

اس کی دھاڑ کی آواز سن کر ایک جرمن سپاہی تو بے ہوش ہو گیا۔ دوسرے نے اپنی مشین گن پر ہاتھ بڑھایا۔

مگر شیر نے اسے اتنی مہلت نہ دی۔ اس نے زور سے ایک پنجہ ایسا مارا کہ جرمن سپاہی کا شانہ بازو کے ساتھ ہی اتر گیا۔

اس کے بعد شیر نے جرمن سپاہی کی گردن کو دبوچ کر چرمر کر دیا۔

شیر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

جنگل میں جا کر ناگ پھر سے انسانی شکل میں واپس چلا آیا اس نے آ کر امریکی ہوا باز کے بازو اور پاؤں کھول دیئے امریکی ہوا باز ابھی تک ناگ کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔تم کون ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ایک جادوگر ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں جادو کے زور سے اپنی شکل بدل سکتا ہوں"۔

اس سے زیادہ مجھ سے پوچھنے کی کوشش نہ کرنا اور اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔

امریکی ہوا باز خاموش ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"ایک جرمن سپاہی کو تو میرے شیر نے ہلاک کر دیا ہے اب دوسرے جرمن سپاہی کو ہمیں ہلاک کر دینا چاہیے"۔

چنانچہ امریکی ہوا باز نے جیب سے پستول نکال کر جرمن ہوا باز کے سامنے میں گولی چلا دی۔

دونوں جرمن مر گئے۔

اب امریکی ہوا باز آزاد تھا۔

ناگ نے کہا۔

"صبح صبح ہمیں یہاں سے نکل جانا ہو گا"۔

"مگر قریبی ہوائی اڈے کا پتہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا"۔

وہ رات انہوں نے گفتگو کرتے اور سکیم بناتے گزار دی۔

صبح ہوتے ہی ناگ گاؤں میں یہ معلوم کرنے چلا گیا کہ یہاں جرمنوں کا قریبی جنگی ہوائی اڈہ کہاں ہے؟۔

یہ گاؤں چھوٹا سا تھا۔ جنگ کی وجہ سے ویران تھا۔ بمباری سے کئی مکان ملبے کا ڈھیر بنے ہوئے تھے۔

ناگ نے دیکھا۔

دور ایک پانی کی اونچی ٹینکی نظر آ رہی تھی۔

اس کے پاس ہی ڈھلانی چھتوں والے گودام تھے۔ ہوائی اڈہ ضرور اسی جگہ ہوگا۔

ناگ پانی کی ٹینکی کے قریب پہنچ گیا۔ اب اس کے سامنے کانٹے دار تاروں کی باڑھ لگی تھی۔ پیچھے ہوائی اڈہ تھا اور تین

چھوٹے فائٹر جہاز شیڈ کے پاس کھڑے تھے۔

ایک جرمن سنتری بندوق اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ کو کانٹے دار تاروں کے قریب دیکھ کر جرمن سنتری نے دور آواز لگائی۔

"ہالٹ!"۔

ناگ اسی جگہ رک گیا۔ سنتری نے قریب آ کر بندوق کی نالی کا رخ ناگ کی طرف کر دیا اور پوچھا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

ناگ ایک عام فرانسیسی کسان کے لباس میں تھا۔

کہنے لگا۔

"جناب! میں اپنے کھیتوں میں پھر رہا تھا کہ ہوائی جہاز

دیکھنے ادھر چلا آیا۔ آپ کو اعتراض ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں"۔

سنتری بولا۔

نہیں! تمہیں ہمارے کمانڈر کے پاس چلنا ہوگا کیا معلوم تم دشمن کے جاسوس نکل آؤ۔ چلو میرے آگے آگے۔

خبردار بھاگنے کی کوشش تو میں گولی مار دوں گا۔

ناگ خاموشی سے سنتری کے آگے آگے چل پڑا۔ سنتری ناگ کو ایک بڑے سے گودام کے اندر بنے ہوئے دفتر میں لے گیا۔

یہاں لال منہ والا جرمن کمانڈر بیٹھا میز پر فائلیں رکھے کچھ لکھ رہا تھا۔

جرمن سنتری نے ناگ کو آگے کرتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ نوجوان ہمارے ہوائی اڈے کے آس پاس پھر رہا تھا"۔

کمانڈر نے سر اٹھا کر ناگ کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔

پھر اٹھ کر اس کے پاس آ گیا اور اپنی چھڑی سے ناگ کی ٹھوڑی کو اوپر کرتے ہوئے رعب دار آواز میں بولا۔

"کون ہو تم؟"

یہاں تمہیں کس نے بھیجا ہے؟۔

ناگ نے کہا۔

"جناب! میں ایک معمولی کسان ہوں۔ یہاں ارد گرد

میرے کھیت ہیں۔ یونہی کھیت کے پاس کھڑا ہوائی اڈے کو دیکھ رہا تھا کہ آپ کا سنتری مجھے یہاں پکڑ لایا"۔

"جھوٹ بکتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ تمہیں کس نے جاسوسی کرنے یہاں بھیجا ہے۔ تمہارے ساتھی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

ناگ نے محسوس کیا کہ وہ خواہ مخواہ پھنس گیا ہے۔ بہر حال اس نے اپنے حواس قائم رکھے، کہنے لگا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں جناب عالی! میرا کسی جاسوسی سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

جرمن کمانڈر نے سنتری سے کہا۔

"اسے حوالات میں لے جا کر بند کر دو"۔

ناگ کو ہوائی اڈے کی ایک حوالات میں بند کر دیا گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کے دروازے پر مضبوط سلاخیں لگی تھیں۔

دوپہر تک کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ پانی کا ایک ڈبہ اسے دے دیا گیا۔

دوپہر کے بعد وہی جرمن کمانڈر اس کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ ایک جرمن جلاد قسم کا سنتری بھی تھا۔

اس جلاد نے ناگ کو مارنا شروع کر دیا۔ جب مار مار کر تھک گیا تو جرمن کمانڈر نے ناگ سے کہا۔

"اب بھی اگر تم سچ سچ بتا دو کہ تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے"۔

ناگ کے ہونٹوں پر زخم آ گیا تھا اور خون رسنے لگا تھا۔ اسے

اس جلاد پر سخت غصہ آرہا تھا مگر وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر عاجزی سے کہا۔

"میں کسان ہوں۔ جاسوسوں سے میرا کوئی تعلق نہیں"۔

جرمن کمانڈر نے جلاد کو اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

حوالات میں اب صرف جلاد اور ناگ رہ گئے۔ حوالات کا دروازہ بند کردیا گیا۔

یہ جلاد پہلوان قسم کا سپاہی تھا۔ اس نے قہر آلود سرخ آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے لوہے کی زنجیر نکال کر ناگ کو پیٹنے کے لیے آگے بڑھا۔

ناگ سے اب برداشت نہ ہوا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"دیکھو! میں ایک انسان ہونے کے ناطے سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مجھے کچھ نہ کہنا۔ نہیں تو تمہاری موت کا میں ذمے دار نہیں ہوں گا"۔

جلاد قہقہہ مار کر ہنسا۔

ہونہہ! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ! تم ایک دبلے پتلے نوجوان قیدی ہو۔

مجھے کمانڈر نے اجازت دے رکھی ہے کہ اگر تم راز نہ بتاؤ تو تمہیں گلا گھونٹ کر ہلاک کردوں۔ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔

لو اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

جلاد نے جیب سے چاقو نکال کر اسے کھولا اور ناگ کی طرف بڑھا۔

ناگ نے ایک بار پھر اسے خبردار کیا۔ لیکن جلاد کی موت کا

وقت آن پہنچا تھا۔

جونہی جرمن جلاد نے ناگ پر چاقو سے حملہ کیا، ناگ نے اسی وقت گہرا سانس لیا اور جرمن جلاد خوفزدہ ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔

کیونکہ ایک بھاری بھرکم ہاتھی اپنی سونڈ ہلاتے خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے خوف اور وحشت کے مارے چیخ بھی نہ نکل سکی۔

ہاتھی نے سونڈ آگے کر کے جلاد کو گردن سے دبوچ لیا، اوپر اٹھایا اور دھڑام سے فرش پر دے مارا۔

جلاد کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ ہاتھی نے اس کے اوپر پاؤں رکھ کر اسے کچل دیا۔ جلاد کو اسکے ظلم کا بدلہ مل گیا تھا۔

میں سانپ ہوں

ناگ فوراً جون بدل کر سانپ کے روپ میں آ گیا۔

سانپ بنتے ہی وہ حوالات میں کی سلاخوں سے نکل کر کھیتوں کھیت اس مکان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں امریکی ہوا باز اس کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ بہت جلد مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مکان کے باہر ایک موٹر سائیکل کھڑی ہے۔

سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

ناگ نے اپنی شکل نہ بدلی۔ سانپ کے روپ میں ہی مکان کی دیوار پر سے چڑھ کر اوپر کھڑکی پر آ گیا۔

اس نے اندر سر ڈال کر دیکھا کہ امریکی ہوا باز کے ہاتھ پیچھے بندھے ہیں۔

وہ زمین پر بیٹھا ہے اور ایک جرمن سپاہی پستول تانے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا اسے کہہ رہا ہے۔

"تم ہماری تلاش میں تھے۔ تم نے ہمارے کتنے ہی جرمن سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے۔ اب تم ہمارے ہاتھ سے بچ کر نہ جا سکو گے۔ میرے ساتھی یہاں آنے ہی والے ہیں۔ ہم تمہیں آج ہی گولی سے اڑا دیں گے"۔

امریکی ہوا باز خاموش تھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

اس کی آنکھیں کسی وقت بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے ناگ کا انتظار تھا۔

ناگ نے بھی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ جرمن سپاہی کے ساتھیوں کے آ جانے سے معاملہ بگڑ سکتا تھا۔

ناگ کھڑکی پر سے اتر کر رینگتا ہوا جرمن سپاہی کے پیچھے آ گیا۔ اس نے اپنا پھن کھڑا کر لیا۔ امریکی ہوا باز کی نظر سانپ پر پڑی تو وہ دہشت زدہ سا ہو گیا۔ اس نے پہلے ناگ کو اس روپ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

قدرتی طور پر سانپ کو دیکھ کر امریکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

جرمن سپاہی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے ایک سانپ پھن پھیلائے اسے اپنی سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

جرمن سپاہی نے سانپ پر گولی چلا دی۔ ناگ بچ گیا۔ لیکن اس نے جرمن سپاہی کو دوسری بار گولی چلانے کا موقع نہ دیا اور لپک کر اس کی گردن پر ڈس دیا۔

جرمن کا جسم ایک دم سن ہو گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

ناگ نے فوراً جون بدل ڈالی اور سانپ کی شکل سے دوبارہ انسان کی شکل میں آ گیا۔ امریکی ہوا باز ناگ کی یہ جادوگری دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو کر رہ گیا۔

جرمن سپاہی بھی مرتے مرتے ناگ کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔

ناگ نے امریکی ہوا باز سے کہا۔

”یہ کہاں سے آ گیا تھا؟“۔

امریکی ہوا باز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ حیرانی کے عالم میں ابھی تک ناگ کی جادوگری پر اسے تعجب سے تک رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”مسٹر امریکی! اس حیرانی کو چھوڑو۔ اور یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔ اس کم بخت کے دوسرے ساتھی یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے“۔

امریکی ہوا باز نے زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

”میرے ہاتھ تو کھولو“۔

ناگ نے اس کے ہاتھوں کی رسی کھول دی۔

"بس اچانک یہ ایک بلا بن کر نازل ہو گیا اور پستول تان لیا۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ مگر تم سانپ کیسے بن گئے؟"۔

"جس طرح ہاتھی بن گیا تھا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی ایسی باتیں پوچھنے سے منع کیا تھا۔ اب پھر تاکید کرتا ہوں کہ آئندہ اس قسم کے سوال مت پوچھنا"۔

ناگ نے امریکی ہوا باز کو بتایا کہ ہوائی اڈہ یہاں سے قریب ہی ہے اور وہاں پر تین چھوٹے لڑاکا ہوائی جہاز کھڑے ہیں۔

امریکی ہوا باز دونوں ہاتھوں کو رگڑ رگڑ کر سردی کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"لیکن یہ سوال ہے کہ ان ہوائی جہازوں میں سے ایک جہاز کیسے اڑایا جائے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے یہاں سے نکلنا چاہیے۔ کیونکہ اس مرے ہوئے جرمن سپاہی کے ساتھی آ رہے ہوں گے"۔

"مگر ہم کہاں جائیں گے؟"۔

امریکی نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"اس وقت ہمیں جنگل میں جا کر چھپ جانا ہو گا"۔

دونوں مکان سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگے اور ایک کھوہ میں آ کر چھپ گئے۔ ابھی انہیں وہاں چھپے چند سیکنڈ ہی ہوئے

تھے کہ ایک جیپ مکان کے باہر آ کر رک گئی۔

اس میں چار جرمن سپاہی رائفلیں اور مشین گنیں اٹھائے چھلانگیں مار کر اترے اور موٹر سائیکل کھڑا دیکھ کر ایک سپاہی نے کہا۔

"وہ اوپر آ گیا ہے"۔

پھر وہ اپنے ساتھی کو آوازیں دینے لگے۔ جب اوپر سے کوئی آواز نہ آئی تو چاروں کے چاروں جرمن سپاہی اوپر آ گئے۔

کمرے میں آتے ہی انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش دیکھی تو بھونچکے ہو کر رہ گئے۔

تیز تیز آواز میں ایک دوسرے کو پکارتے وہ مکان میں ادھر ادھر دوڑنے لگے اور قاتل کو تلاش کرنے لگے۔

پھر ایک سپاہی نے اپنے ساتھی کی لاش کو جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے تو سانپ نے کاٹا ہے"۔

دوسرا بولا۔

"سانپ یہاں کہاں سے آ گیا"۔

"خدا جانے! مگر اس کا جسم سانپ کے زہر کی وجہ سے نیلا ہو کر پھول رہا ہے"۔

چاروں جرمن سپاہی مکان سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے دستی بم مار کر مکان کو دھماکے سے اڑا دیا۔ مکان کو آگ لگ گئی۔

ناگ اور امریکی ہوا باز جنگل میں جھاڑیوں کے پیچھے کھوہ میں چھپے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب جرمن سپاہی جیپ میں سوار

ہو کر موٹر سائیکل ساتھ لیے وہاں سے چلے گئے تو امریکی نے کہا۔

"یہ بلا تو سر سے ٹل گئی۔ اب ہوائی اڈے سے جہاز کس طرح چرایا جائے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"یار! کچھ تم بھی تو کرو۔ جاؤ ہوائی اڈے پر جا کر ایک جہاز اڑا لاؤ"۔

امریکا بولا۔

"یہ اتنا آسان کام نہیں ہے ناگ! ہاں تم اگر چاہو تو اپنی جادو گری سے یہ کام کر سکتے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"میری جادوگری مجھے پائلٹ نہیں بنا سکتی بھائی!"۔

"پائلٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے"۔

امریکی نے کہا۔

تم صرف اتنا کرو کہ ہوائی جہاز تک راستہ صاف کر دو۔ پھر میں جانوں اور میرا کام۔

یہ تو میں کر لوں گا۔ تم ایسا کرو کہ میرے آگے آگے چل کر ہوائی اڈے کے جنوب میں کھیتوں میں چھپ جاؤ۔

جہاز وہاں قریب ہی کھڑے ہیں۔ جس وقت میں سفید رومال لہرا کر تمہیں اشارہ کروں تم فوراً کھیتوں سے نکل کر میری طرف دوڑ پڑنا ٹھیک ہے ناں؟۔

ناگ نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے اور اگر میں پکڑا گیا تو؟"۔

امریکا ہوا باز نے خطرے کا اظہار کیا۔

ناگ کہنے لگا۔

اگر تم پکڑے گئے تو میں تمہیں چھڑا لوں گا۔ تم اس کی بالکل فکر نہ کرو۔

اور ہاں اگر میں تمہیں جرمن سپاہی کی وردی میں بھی نظر آیا تو ڈرنا مت۔ تم صرف میرے سفید رومال کے لہرانے کا انتظار کرنا اور اسے ہی دیکھنا۔

اچھا اب میں جاتا ہوں۔ تم بے شک میرے جانے کے بعد یہاں سے نکلنا۔

ناگ جنگل سے نکل آیا۔ ایک جگہ اس نے سانپ کا روپ بدلا اور رینگتا ہوا کھیتوں میں سے ہوتا ہوائی اڈے کے اندر چلا گیا۔

یہاں اس نے دیکھا کہ ایک جانب ایک کمرہ تھا۔

جہاں جرمن سپاہی کھڑکی کے پاس میز پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

ناگ رینگتا ہوا کمرے کے اندر آ گیا۔ اچانک جرمن سپاہی کی سانپ پر نظر پڑی۔ اس نے بندوق کا کندا اٹھا کر سانپ کو کچلنے کی کوشش کی مگر ناگ نے اسے اتنی مہلت نہ دی۔

جرمن سپاہی سانپ کے زہر سے فرش پر گر پڑا۔

ناگ فوراً انسان کے روپ میں آ گیا۔

اس نے جرمن سپاہی کی وردی پہن کر رائفل اٹھا لی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس نے جیب سے سفید رومال نکال کر لہرایا امریکی ہوا باز کھیتوں میں چھپا بیٹھا تھا۔

اس نے سفید رومال کو ہلتے دیکھا تو جھٹ کھیتوں سے نکل کر ہوائی جہاز کے پاس آ گیا۔

ناگ نے اسے کہا۔

"نیچے جھک کر چھپ جاؤ"۔

امریکی ہواباز ہوائی جہاز کے پیچھے بیٹھ گیا۔

ناگ جرمن وردی میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف تکنے لگا۔

ذرا پرے دو جرمن سپاہی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

جس وقت میں تمہیں اشارہ کروں تم اچھل کر جہاز کے اندر کود جانا۔

ناگ جرمن سپاہیوں کی طرف تکنے لگا۔ ایک پل کے لیے

دونوں کی نظریں دوسری طرف ہوئیں۔

ناگ نے اشارہ کیا۔

امریکی اچھل کر ہوائی جہاز کے اندر کود گیا اور اس نے سر نیچے کر لیا۔

ناگ نے کہا۔

"جہاز کو دیکھو۔ کیا اس میں تیل موجود ہے؟"۔

امریکی ہواباز نے میٹر کو چیک کیا۔ معلوم ہوا کہ ٹینکی فل ہے۔

اس نے ناگ کو بتایا کہ تیل کافی موجود ہے۔

ناگ نے کہا۔

"پھر دیکھتے کیا ہو۔ مشین چلا دو۔ میں بھی تمہارے پاس آ کر بیٹھ جاؤں گا"۔

امریکی نے کہا۔

ان دو ہوائی جہازوں کو تباہ کرنا بہت ضروری ہے۔ تا کہ یہ ہمارا پیچھا نہ کر سکیں۔

ناگ نے کہا۔

"تم انجن چلاؤ۔ میں ان جہازوں کو تباہ کیے دیتا ہوں"۔

امریکی ہوا باز نے بٹن دبا کر انجن چلا دیے۔ انجن کا شور بلند ہوا تو دور کھڑے جرمن سپاہی رائفلیں تانیں ہوائی جہاز کی طرف بھاگے۔

ناگ نے گولیاں چلا کر ایک طرف کھڑے دوسرے دو جہازوں کے ٹائر پھاڑ دیے۔

جرمنوں نے ہوائی جہاز پر فائرنگ شروع کر دی۔ ناگ نے نیچے بیٹھ کر پوزیشن لے لی اور جرمنوں پر فائرنگ شروع کر دی۔

اس کی گولی سے ایک جرمن زخمی ہو کر گرا۔ دوسرا زمین پر لیٹ گیا۔

امریکی ہوا باز نے چلا کر کہا۔

"جہاز میں آ جاؤ۔ جلدی کرو"۔

ناگ جہاز میں کود گیا۔ جہاز نے رن وے پر رینگنا شروع کر دیا۔

اب دوسرے جرمن بھی ادھر ادھر سے نکل کر جہاز پر گولیاں چلا رہے تھے۔

خوش قسمتی سے ایک گولی بھی جہاز کے ٹائر یا پٹرول کی ٹینکی کو نہ لگی۔ جہاز اب رن وے پر بھاگ رہا تھا۔

اس کے پیچھے گولیاں برس رہی تھیں۔

"تیز کرو۔ اور تیز۔ اب اسے اوپر اٹھالو"۔

ناگ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ امریکی ہواباز نے سٹک کر اٹھایا تو جہاز نے زمین چھوڑ دی اور اوپر آسمان کی جانب بلند ہو گیا۔

نیچے ہوائی اڈے سے گولیاں چلنے کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔

جہاز نے گاؤں کا چکر لگایا اور سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟"۔

امریکی ہواباز نے کہا۔

"میں جہاز کو رودبار انگلستان کی طرف لے جا رہا ہوں"۔

جو یہاں سے ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے۔ اگر ہمارے جہاز پر حملہ نہ ہوا تو ہم بہت جلد انگلستان کے ساحل پر پہنچ جائیں گے۔

ایک بات ان کے حق میں جاتی تھی کہ انہوں نے ہوائی اڈے پر کھڑے باقی دو لڑاکا جہازوں کو برباد کر دیا تھا۔

نہیں تو اس وقت تک ان کے جہاز پر حملہ ہو چکا ہوتا۔

لیکن اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ ہوائی اڈے سے جرمن دوسرے ہوائی اڈے والوں کو خبر کر دیں گے اور جرمن لڑاکا طیارے سمندر تک پہنچنے سے پہلے ان پر حملہ کر دیں گے۔

ناگ نے دیکھا کہ مشین گن کا پٹہ گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے کہا۔

"فکر کی بات نہیں۔ ہم دشمن کے طیاروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔

امریکی ہوا باز جہاز کو پوری رفتار سے سمندر کی طرف بھگائے لئے جا رہا تھا۔

ابھی سمندر کچھ دور ہی تھا کہ اچانک فضا میں دو طیاروں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

امریکی بولا۔

"شاید دشمن کے طیارے آ گئے"۔

انہوں نے دیکھا کہ دو جرمن فائٹر طیارے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

"ناگ! مشین گن سنبھالو۔ جس وقت میں کہوں تم بٹن دبا دینا"۔

امریکی ہوا باز ایک ماہر لڑاکا ہوا باز تھا۔ وہ جہاز کو اوپر نیچے لا کر جرمن جہازوں میں سے ایک طیارے کو شست میں لا رہا تھا۔

جب ایک جرمن طیارہ اس کی شست میں آ گیا تو اس نے چلا کر کہا۔

"فائر!"۔

ناگ نے بٹن دبا دیا۔

تڑ تڑ تڑ تڑ کرتی گولیاں ان کے طیارے سے نکل کر آگے جانے والے جرمن طیارے کو لگیں اور ایکدم سے اس کی ٹینکی میں آگ لگ گئی۔

طیارہ آگ کا شعلہ بن کر بھڑکا اور فضا میں ہی پھٹ گیا۔

اب وہ دوسرے طیارے حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

لیکن دوسرا طیارہ ان پر حملہ کر چکا تھا۔ گولیوں کی ایک بوچھاڑ ناگ کے طیارے پر لگی اور اس کا ایک پر زخمی ہو گیا۔

طیارہ ڈولنے لگا۔ سمندر سامنے نظر آ رہا تھا۔

"میں طیارے کو سمندر پر لے جا رہا ہوں"۔

ہوا باز نے کہا۔

"کیا طیارہ زیادہ خراب ہو گیا ہے؟"۔

"میں انگلستان کے ساحل پر پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا"۔

طیارہ اب زیادہ ڈگمگانے لگا تھا۔ جرمن طیارے نے اوپر

سے آ کر ایک اور بوچھاڑ گولیوں کی ماری۔ اس دفعہ جہاز کا دوسرا پر بھی آدھا ٹوٹ گیا اور طیارہ نیچے آنا شروع ہو گیا۔

"اسے سنبھالنے کی کوشش کرو"۔

ناگ چلایا۔

"طیارہ کنٹرول سے باہر ہو رہا ہے"۔

طیارہ اب سمندر کے اوپر آ گیا تھا۔

"ناگ! طیارہ سمندر میں گرنے والا ہے۔ میرے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دینا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا"۔

طیارہ واقعی کنٹرول سے باہر ہو گیا تھا۔ ایک بار وہ سمندر کی سطح سے ٹکرا کر اوپر آ گیا۔

ہوا باز نے کہا۔

"چھلانگ لگا دو"۔

ناگ ہوا باز کے ساتھ ہی سمندر میں کود پڑا۔ ان کے کودتے ہی طیارے میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ غڑاپ سے سمندر میں گر کر ڈوب گیا۔

جرمن طیارہ ان کے سروں کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔

اس نے دونوں کو سمندر میں ڈوبتے ابھرتے دیکھا تو نیچے آ کر ان پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔

ناگ نے کہا۔

"غوطہ لگا جاؤ ٹام!"۔

دونوں پانی میں غوطہ لگا گئے۔ جرمن طیارہ ان کے اوپر فضا میں چکر لگا کر گولیاں برساتا رہا۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔

طیارے کے واپس جاتے ہی ٹام اور ناگ نے منہ سمندر سے باہر نکالے اور تیرنا شروع کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"سمندر میں آخر کب تک تیرتے رہیں گے؟"۔

امریکی ہوا باز نے کہا۔

"جب تک جان میں جان ہے۔ کیا کریں۔ اس کے سوا ہم کر بھی کیا کر سکتے ہیں"۔

سمندر میں لہریں اٹھ رہی تھیں۔

دو اڑھائی گھنٹے تیرتے کے بعد دونوں تھک گئے۔

ناگ نے کہا۔

"ابھی تو انگلستان کا ساحل دور دور تک دکھائی نہیں دے

رہا"۔

ہوا باز کا سانس پھول گیا تھا۔

ہانپتے ہوئے ہاتھ چلا کر بولا۔

"شاید میں ساحل تک نہ پہنچ سکوں۔ ناگ! کیا تم میری مدد نہیں کر سکتے؟"۔

ناگ نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔

آخر اسے ایک نئی ترکیب سوجھی۔

اس نے ہوا باز سے کہا۔

"میں وہیل مچھلی بن جاتا ہوں۔ تم میرے اوپر سوار ہو جانا"۔

اور دوسرے لمحے ناگ نے جون بدل لی اور وہ سمندر میں تیرتی ایک بہت بڑی نیلے رنگ کی مچھلی بن گیا۔

امریکی ہوا باز اس کے اوپر سوار ہو کر بیٹھ گیا اور سانس ٹھیک کرنے لگا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہیل مچھلی سمندر میں انگلستان کے ساحل کی طرف تیر رہی تھی۔

دور سے اب ساحل دکھائی دینے لگا۔ امریکی ہوا باز ناگ سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ انگلستان کے ساحل پر برطانوی جنگی چھوٹے جہاز گھوم پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔

ایک جہاز کے کپتان نے دور بین لگا کو جو دیکھا تو حیران رہ گیا۔

اسے سمندر میں کچھ فاصلے پر ایک زبردست وہیل مچھلی نظر آئی جس پر کوئی انسان سوار تھا۔

اس نے حکم دیا۔

"جہاز کو ویل مچھلی کی طرف لے جاؤ"۔

جہاز کا رخ ویل مچھلی کی طرف موڑ دیا گیا۔ قریب جا کر جہاز نے فائر کر دیا گولہ ویل مچھلی کے قریب گرا اور پھٹ گیا۔

اس کے پھٹنے سے سمندر میں طوفان سا آ گیا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں گولہ لگنے سے وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

امریکی ہواباز نے اٹھ کر دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے چیخ چیخ کر کہا۔

"گولہ باری بند کرو۔ گولہ باری بند کرو"۔

کپتان نے محسوس کیا کہ ویل مچھلی پر کوئی آدمی سوار ہے۔ اور ویل سے اس شخص کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

چنانچہ اس نے گولہ باری بند کر دی۔ ویل مچھلی جہاز کے ساتھ آ کر لگ گئی۔

ملاحوں نے امریکی ہواباز کو رسوں کی مدد سے اوپر جہاز پر اٹھا لیا۔

کپتان نے پوچھا۔

تم کون ہو؟۔

کہاں سے آ رہے ہو؟۔

ٹام نے نقاہت سے کہا۔

"کپتان صاحب! میں امریکی پائلٹ ہوں۔ باقی ذرا ہوش آنے کے بعد بتاؤں گا"۔

کپتان نے کہا۔

"ٹھیک ہے مسٹر پائلٹ! تم نیچے جاؤ"۔

اس کے بعد کپتان نے حکم دیا۔

"وہیل مچھلی کو ہلاک کر دیا جائے"۔

امریکی ہوا باز نے چیخ کر آواز بلند کی۔

"ایسا نہ کرنا کپتان! یہ وہیل مچھلی نہیں ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔

کپتان نے حیرت سے پوچھا۔

امریکی ہوا باز نے سنبھل کر کہا۔

"میرا مطلب ہے اس وہیل مچھلی نے میری جان بچائی ہے۔ اسے ہلاک نہ کرنا۔ اسے سمندر میں جانے دو"۔

کپتان بولا۔

جان بچائی ہے تو ہم کیا کریں۔ ہمیں اس وہیل کی ضرورت ہے۔ ہمارے کارخانے کی مشینوں کو اس کا تیل چاہیے۔

"نہیں نہیں! تم ایسا نہیں کر سکتے تو ایسا نہیں کر سکتے"۔

امریکی ہوا باز چیختا رہ گیا اور ملاح نے کپتان کا اشارہ پا کر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔

ناگ یہ سارے مکالمے سن رہا تھا۔ اس نے سمندر میں ڈبکی لگا دی اور پانی کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا سمندر میں دور نکل گیا۔

کافی آگے جا کر وہ پانی کی سطح پر ابھرا۔ اس نے گہرا سانس لے کر پانی کا فوارہ چھوڑا اور پھر خوبصورت لال چونچ والے بلبل کا روپ اختیار کر کے اڑتا ہوا جہاز کے ایریل پر آ کر بیٹھ گیا۔

امریکی ہواباز نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ وہیل مچھلی بھاگ چکی تھی۔

وہ کیبن میں لیٹ گیا۔ اسے ٹیکہ لگایا گیا۔ دوائی پلائی گئی اور اوپر کمبل ڈال دیئے امریکی ہواباز گہری نیند سو گیا۔

باہر ناگ بلبل کی شکل میں ابھی تک اریل پر بیٹھا تھا اور نیچے ملاحوں کو جہاز کا لکڑی کا فرش صاف کرتے دیکھ رہا تھا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا امریکی دوست جہاز کے کیبن میں گرم ہو کر آرام کر رہا ہوگا۔

اب اسے ناگ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن رخصت ہونے سے پہلے ناگ ایک بار اس سے ضرور ملنا چاہتا تھا۔

پس وہ اریل سے اتر کر نیچے آ گیا۔

ایک جگہ بیٹھ کر دائیں بائیں تکنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں دوسرا کوئی نہیں ہے تو اس نے فوراً جون بدل کر پھر سے انسان کی شکل اختیار کر لی۔

اس نے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ یہ جہاز مسافروں کا جہاز نہیں تھا کہ جہاں اس پر کسی کی نظر پڑتی تو اسے مسافر سمجھ کر شک نہ کیا جاتا۔

یہ ایک جنگی جہاز تھا اور اس پر بھی فوجی وردیوں والے ملاح سوار تھے۔

اس لیے ناگ کو پکڑا جا سکتا تھا کہ وہ کس طرح جہاز پر آ گیا۔

بہر حال ناگ نے کوئی پرواہ نہ کی اور ڈیک پر ٹہلتا ہوا نیچے سیڑھیاں اتر گیا۔ نیچے آیا تو اچانک سامنے سے ایک ملاح آ

گیا۔

اس نے جو ایک عام شہری کو جہاز کے اندر دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔

قریب آ کر بولا۔

تم کون ہو؟۔

یہاں کیسے آ گئے؟۔

ناگ نے کہا۔

"میں اس امریکی ہوا باز کا ساتھی ہوں جو اس جہاز پر ابھی ابھی اتارا گیا ہے"۔

وہاں ایک دم شور مچ گیا۔

ناگ کو گرفتار کر کے کپتان کے سامنے پیش کیا گیا۔

امریکی کپتان کے پاس آیا اور بولا۔

کپتان صاحب! اس کو چھوڑ دیں۔ وہ میرا ساتھی ہے۔ اور فرانسیسی گوریلا ہے۔ اس نے فرانس میں جرمنوں کے خلاف بڑا کام کیا ہے"۔

کپتان نے کرخت آواز میں کہا۔

"مسٹر! حد سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ ہم تمہیں تھوڑی دیر بعد امریکی ایئر فورس کے حوالے کر رہے ہیں"۔

وہاں تم جانو تمہارا کام۔ اس شخص کے بارے میں تم ہمیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتے۔ یہ ناجائز طریقے سے برطانوی جنگی جہاز پر سوار ہوا ہے۔

ہم اس پر مقدمہ چلائیں گے اور اسے موت کی سزا بھی مل سکتی

ہے۔

امریکی ہوا باز کانپ گیا۔

"اوہ نہیں۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے"۔

کیپٹن نے غرا کر کہا۔

"تم جا سکتے ہو"۔

اسی شام امریکی ہوا باز کو امریکن ایئر فورس کے حوالے کر دیا گیا۔

اب جنگی جہاز کی حوالات میں ناگ اکیلا رہ گیا۔ حوالات کیا تھی، ایک تنگ سی کیبن تھی جس کے آدھے دروازے پر سلاخیں لگی تھیں۔

شام کو اسے کھانے کو تھوڑا سا کھانا دیا گیا۔ جہاز ساحل کے

ساتھ آ کر لگ گیا۔

بلیک آؤٹ کی وجہ سے وہاں ہر طرف اندھیرا تھا۔ کیپٹن ناگ کے پاس حوالات کے باہر آیا اور سخت لہجے میں کہنے لگا۔

"اب بھی سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو۔ اگر میں نے تمہیں سیکورٹی گارڈ کے حوالے کر دیا تو وہ تمہیں اذیت دے دے کر ہلاک کر دیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں بلبل ہوں۔ ویل مچھلی ہوں۔ سانپ ہوں"۔

ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔

کیپٹن نے ناگوار منہ بنا کر کہا۔

تم خود کو پاگل ثابت کر کے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔

ہمارے پاس ایسے ہتھیار موجود ہیں جو تمہاری عقل کو ٹھکانے کر دیں گے۔

بتاؤ تم کون ہو اور ہمارے جہاز پر کیسے آ گئے؟۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"بڈھے کپتان! میں نے جو کہا ہے کہ میں بلبل ہوں، وہیل مچھلی ہوں، سانپ ہوں، تمہیں یقین نہیں آتا تو تمہیں بلبل بن کر دیکھا دیتا ہوں"۔

کپتان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ناگ ایکدم سے بلبل بن کر حوالات کے اندر چہکنے لگا۔

انگریز کپتان کے ہاتھ سے پائپ فرش پر گر پڑا۔ ناگ فوراً بلبل کا روپ چھوڑ کر سانپ بن گیا اور حوالات کے فرش پر رینگنے لگا کپتان کی عینک بھی ناک پر سے پھسل کر اس کے گلے میں لٹکنے لگی۔

وہ غش کھا کر گرنے ہی والا تھا کہ ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا حوالات سے باہر نکل گیا۔

ڈیک پر آ کر اس نے بلبل کا روپ بدلا اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔

خونی سگار

رات گہری تھی۔

بلیک آؤٹ کی وجہ سے شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

ناگ بلبل کے روپ میں شہر کے اوپر اڑتا چلا گیا۔ آخر اسے ایک باغ کے گھنے درخت نظر آئے۔ وہ نیچے اتر آیا۔

یہ علاقہ دشمن کا نہیں تھا۔ انگریزوں کا شہر لندن تھا اور وہ اس شہر سے واقف تھا۔ باغ میں اتر کر اس نے دوبارہ انسان کا روپ دھار لیا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

باغ سے باہر نکلا تو وہ ایک مکان کے قریب آ گیا۔

کھڑکی کے شیشے پر موٹی کاغذ چپکا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سردی بہت زیادہ تھی۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اسی مکان میں رات چھپانے کو جگہ مل جائے تو وہ صبح کسی جگہ اپنا بندوبست کرے گا۔

اس نے مکان پر دستک دی۔

اندر کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر جیسے میزوں کو ادھر ادھر کرنے کی آوازیں آئیں۔

کسی نے آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔

”کون ہے؟“۔

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”مسافر ہوں۔ رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے تو شکر گزار ہوں گا“۔

”اندر آ جاؤ“۔

دروازہ کھل گیا۔ اندھیرے میں ناگ کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا۔

”سامنے والے کمرے میں چلے چلو“۔

اب اس آدمی نے ایک موم بتی جلا لی تھی۔ موم بتی کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ وہ آدمی ادھیڑ عمر ہے اور اس کا سر گنجا ہے۔ آنکھیں الو کی طرح ہیں اور ناک آگے کو مڑی ہوئی ہے۔

بڑا بدشکل آدمی تھا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے ناگ سے کہا۔

”میرا نام گراہم ہے۔ اس پلنگ پر سو جاؤ“۔

وہ باہر نکل گیا۔ موم بتی بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

ماحول بڑا پراسرار تھا۔ ناگ کو نیند آ رہی تھی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

پلنگ پر لیٹتے ہی وہ سو گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی اس کے پلنگ کے آس پاس چل رہا ہے۔

ناگ نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اندھیرے

میں اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید یہ اس کا وہم تھا کیونکہ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

لیکن ایک آواز آئی تھی جس کی وجہ سے ناگ کی آنکھ کھل گئی تھی۔

سانپ ہونے کی وجہ سے اس کی نیند بڑی کچی تھی اور ذرا سی آہٹ پر کھل جاتی تھی۔ وہ ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ اسے کسی کی سرگوشی سنائی دی۔

"گہری نیند سو رہا ہے"۔

"ہاں۔ اسے جکڑ دو۔ تجربے کے لیے ہمیں اس سے بہتر نوجوان کہیں نہیں ملے گا"۔

ناگ کے اوپر ایکدم سے رسی کا گچھا گرا اور اس سے پہلے کہ

وہ اٹھ سکے اسے رسی میں جکڑ دیا گیا تھا۔ وہ پلنگ پر جکڑا تھا۔

موم بتی جلائی گئی۔ ہلکی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہی الو کی آنکھ والا گروہم کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا آدمی تھا۔ جس نے آنکھوں پر سنہری عینک لگا رکھی تھی۔

"مجھے کس لیے جکڑا گیا ہے؟ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

گروہم بولا۔

"خاموش رہو۔ ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا"۔

پھر اس نے عینک والے سے کہا۔

"ڈاکٹر تجربہ شروع کرو"۔

ڈاکٹر نے جیب سے ایک سگار نکال کر اسے منہ کے ساتھ لگایا

اور سلگا کر اس کا ایک کش کھینچا۔

اچانک ناگ کو محسوس ہوا کہ اس کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔ اس نے ایک خونی سگار کے بارے میں سن رکھا تھا کہ جرمنوں نے اپنے جاسوسوں کو ایسے سگار دے رکھے ہیں۔

جن کے اندر زہر سے بھری ہوئی پچکاری ہوتی ہے۔ جب کسی دشمن کو بھرے بازار میں ہلاک کرنا ہوتا ہے تو سگار کو سلگا لیا جاتا ہے۔

پھر اس کے دو تین کش لیے جاتے ہیں چوتھے کش سے پہلے اسے دشمن کی طرف کر کے ذرا دبایا جاتا ہے۔

اندر سے زہر کی ایک پھواری نکل کر دشمن کے چہرے پر پڑتی ہے اور وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔

یقیناً یہ وہی سگار تھا۔ خونی سگار۔۔۔ اور یہ وہ جرمن جاسوس تھے۔

جنہوں نے اس میں کوئی خطرناک اضافہ کیا تھا اور اب اسے ناگ پر آزمانا چاہتے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ عینک پوش ڈاکٹر نے تین کش لگانے کے بعد سگار ہاتھ میں لے کر کا رخ ناگ کی طرف کر دیا تھا کہ ناگ نے گہرا سانس لے کر ایک دم سے سانپ کی شکل اختیار کر لی۔

پلنگ پر ابھی ایک نوجوان رسیوں میں جکڑا پڑا تھا اور اب وہاں سے ایک سبز رنگ کا سانپ اٹھ کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

ڈاکٹر اور گراہم ہکے بکے ہو کر رہ گئے۔ ڈاکٹر کے ہاتھ سے سگار چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ گراہم گھبراہٹ میں گرتے گرتے بچا۔

"یہ کیا ہو گیا؟"۔

"یہ کوئی بھوت"۔

عینک پوش ڈاکٹر پورا فقرہ ادا نہ کر سکا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کانپتے ہوئے دیکھا اور موم بتی کی روشنی پیچھے کر دی۔

"سانپ! انسان سانپ بن گیا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"۔

"اسے تلاش کرو"۔

ناگ ان کے عقب میں کونے کی الماری کے پیچھے آ گیا تھا۔ وہ انہیں بھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟۔

کیا یہ جرمن کے جاسوس ہیں؟۔

ان کا گروہ کہاں کہاں کام کر رہا ہے؟۔

دوسرے لوگ لندن میں کہاں پر ہیں؟۔

ناگ کمرے سے باہر باغ میں آ گیا۔ اس کی قسمت میں رات انسان بن کر بسر کرنا نہیں لکھا تھا۔ وہ خاموشی سے سانپ کی شکل میں ہی ایک درخت پر جا کر لیٹ گیا اور آرام کرنے لگا۔

صبح ہوئی تو وہ درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس نے سامنے دیکھا۔

مکان کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ پھر دروازہ کھلا اور عینک پوش ڈاکٹر سیاہ کوٹ پہنے ہاتھ میں بریف کیس لیے باہر نکلا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے ڈاکٹر کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر کہاں جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے ایک جگہ سے بس پکڑی۔ ناگ بھی بس میں سوار ہو گیا۔

رات اندھیرے میں ڈاکٹر نے ناگ کو اچھی طرح سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ شہر کی سڑکوں پر سے گزرتی بس ایک چوک میں جا کر رک گئی۔

ڈاکٹر نیچے اتر آیا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی اتر پڑا اور تعاقب کرنے لگا۔

ڈاکٹر شہر کے ایک ویران علاقے میں آ گیا۔

یہاں جگہ جگہ بمباری سے گری ہوئی عمارتوں کا ملبہ پڑا ہوا تھا۔

ناگ ذرا فاصلے پر پیچھا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر ایک ٹوٹے پھوٹے مکان کے تہہ خانے میں گیا۔

ناگ بھی اس کے ساتھ ہی نیچے چلا گیا۔ اندر روشنی بہت کم تھی۔

ناگ کونے میں لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ذرا آگے جا کر آہستہ سے آواز دی۔

"یاخ! یاخ!"۔

کسی نے دروازہ کھول کر کہا۔

"ڈاکٹر! یہ تم ہو؟"۔

"ہاں۔ میں ہوں۔ نیبر یادہ"۔

"اندر آ جاؤ"۔

ڈاکٹر تہہ خانے میں چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی دروازہ

بند کر دیا گیا۔

ناگ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اندر سے باتیں کرنے کی بڑی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

ناگ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے گفتگو سننے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ان دونوں کی گفتگو سننا بہت ضروری تھی۔

ناگ نے ایک باریک اور چھوٹے سے سانپ کی شکل اختیار کی اور کیواڑ کی درز میں سے دوسری جانب چلا گیا۔

اندر ڈاکٹر میز پر ہاتھ رکھے جھکا کھڑا تھا۔ دوسرا آدمی جس نے دروازہ کھولا تھا، اسے کاغذات نکال کر دے رہا تھا۔

"یہ خفیہ آبدوز کا نقشہ ہے۔ اس کی فلم بنا کر تم جتنی جلدی

ہو سکے برلن روانہ کر دو۔ باقی چرچل کو ہلاک کرنے کے منصوبے پر عمل آج ہی سے شروع کر دیا جائے گا"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"میرا خونی سگار کا تجربہ اگرچہ پورا نہیں ہوا، لیکن وہ ایک خطرناک سگار ہے۔ میں اس وقت۔۔ چھ سگار اپنے ساتھ لایا ہوں تم انہیں رکھ لو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی دے دینا"۔

باخ نے کہا۔

"کیا تم کسی انگریز کو پکڑ کر اس پر اس کا تجربہ نہیں کر سکے؟"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"ایسا کرنے کی کوشش ضرور کی تھی، لیکن ایک عجیب بات ہو گئی"۔

"وہ کیا؟"۔

باخ نے پوچھا۔

"تم نے جس آدمی کو رسیوں میں جکڑا تھا وہ کوئی جادوگر تھا یا کوئی بھوت تھا۔ ایکدم سے سانپ بن کر غائب ہو گیا"۔

باخ ہنس پڑا۔

"ڈاکٹر! مجھے افسوس ہے کہ تم ایک سائنسدان ہو کر اس قسم کی دقیانوسی باتوں پر یقین رکھتے ہو"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"میں نے اس جادوگر کو اپنی آنکھوں کے سامنے غائب ہوتے اور پھر سانپ بنتے دیکھا ہے۔ میں کس طرح یقین کروں"۔

باخ بولا۔

"تم نے ضرور بھنگ پی رکھی ہو گی۔ اگر میں تمہارے پاس ہوتا تو وہ بھوت میرے ہاتھ سے ہرگز بچ کر نہ جاتا"۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"بہر حال جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب میں واپس جاتا ہوں۔ تم جتنی جلدی ہو سکے، یہ سگار اپنے ساتھیوں کو پہنچا دو"۔

آبدوز کے نقشے کی فلم ابھی جا کر بنا ڈالو۔

"یہ کام میں رات کو کروں گا۔ تم ابھی اپنے ساتھیوں کے پاس جاؤ اور چرچل کو ہلاک کرنے کے منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دو"۔

"ٹھیک ہے"۔

ڈاکٹر باہر نکل گیا۔

ناگ کو ابھی ڈاکٹر کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے رات کو آبدوز کے نقشے کی فلم بنائی تھی۔ ناگ رات کو جا کر اس نقشے کو تباہ کر سکتا تھا۔ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ باخ کا پیچھا کر کے ان لوگوں کے دوسرے ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے۔

باخ نے سگار ایک لفافے میں ڈال کر جیب میں رکھے اور کوٹ پہنا۔

سر پر گول ہیٹ رکھا اور تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلا۔

باخ مکانوں کے ملبے سے ہوتا ہوا شہر کے وسطی علاقے میں آ گیا۔

ناگ نے انسان کی شکل بدل رکھی تھی۔ وہ برابر باخ کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر وہ ایک تنگ سی گلی میں مڑ گیا۔

آگے جا کر ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ اس دکان پر پرانی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ناگ بھی اس دکان میں آ گیا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔

ناگ نے دائیں بائیں غور سے دیکھا۔ دکاندار بھی جاسوس کا ساتھی تھا اور وہ باخ کے ساتھ دکان کے پچھلے کمرے میں گیا ہوا تھا۔

ناگ کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اتنے میں دکاندار آ

گیا۔

خندہ پیشانی سے بولا۔

"فرمائیے۔ کون سی کتاب چاہیے آپ کو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"دیکھ رہا ہوں ابھی تو"۔

پھر پلٹ کر بولا۔

"کیا ہٹلر کی سوانح عمری آپ کے پاس ہوگی؟"۔

دکاندار نے چونک کر ناگ کو دیکھا۔

جنگ کے زمانے میں لندن جیسے شہر میں یہ کون شخص تھا جو انگریزوں کے سب سے بڑے دشمن ہٹلر کی کتاب مانگ رہا تھا۔

اس نے تعجب سے کہا۔

"بھلا ایسی کتاب ہم اپنی دکان پر رکھ سکتے ہیں"۔

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

کیا کہیں چھپا کر بھی نہیں رکھی۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں انگریز نہیں ہوں۔ میری ماں جرمن تھی۔ مجھے انگریزوں سے سخت نفرت ہے، میں ہٹلر کا عاشق ہوں۔

میں نے دل کی بات کر دی ہے چاہے آپ کو بری لگے۔

دکاندار بھی جرمن جاسوس تھا اور انگریز بن کر وہاں دکانداری کر رہا تھا۔

اس نے پوچھا۔

"کیا آپ جرمن زبان جانتے ہیں؟"۔

ناگ دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتا تھا، چنانچہ اس نے فر فر

جرمن زبان بولنی شروع کر دی۔

دکاندار بڑا متاثر ہوا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں بھی جرمن ہوں۔ آپ اندر آ جائیں"۔

ناگ بڑا خوش ہوا کہ جلدی بات بن گئی۔ دکاندار ناگ کو اندر ایک کمرے میں لے گیا۔

اچانک پیچھے سے کسی نے ناگ کی کھوپڑی پر کوئی بھاری چیز ماری۔

ناگ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک صوفے پر پڑا تھا۔

اس کی مشکیں کس دی گئی تھیں اور دکاندار کے ساتھ باخ بھی

پستول لیے اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔ ناگ نے آنکھیں کھولیں تو باخ نے پستول ناگ کے ماتھے پر لگا کر کہا۔

"کمینے جرمن بن کر ہماری جاسوسی کرنے آئے تھے بولو! تمہیں کس نے بھیجا ہے"۔

ناگ سمجھ گیا کہ ان لوگوں کو اس پر اعتبار نہیں آیا، اس میں سب سے ضروری بات یہ تھی کہ کسی طرح ان لوگوں کو یقین دلانا چاہیے تھا کہ وہ ان کا ہمدرد ہے۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر سہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں نے میری کھوپڑی پلپلی کر دی۔ اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں آپ لوگوں کا کس قدر ہمدرد ہوں تو آپ میرے پاؤں پر گر پڑیں اور مجھ سے معافی مانگنا شروع کر دیں"۔

ناگ ہنسا۔

”ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ تم ایک جرمن ہو اور انگریز نہیں ہو“۔

بم مارو بم

”میں ثابت کر سکتا ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

”تو پھر ثابت کرو۔ نہیں تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

دکاندار نے دھمکی دی۔

ناگ نے کہا۔

”غور سے سنو! میں مشہور جرمن سائنسدان ڈاکٹر ہاتمر کا

شاگرد ہوں۔ میں ایک خفیہ مشن پر یہاں آیا ہوں‘‘۔

مجھے ڈاکٹر ہائمر نے بتایا تھا کہ یہ جگہ جرمن جاسوسوں کا اڈا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ ڈاکٹر گراہم بھی ملا ہوا ہے۔ اور تم لوگوں نے اسے برطانوی آبدوز کا نقشہ فلم بنانے کے لیے دیا ہے۔

‘‘کیا اور بھی ثبوت چاہیے تم لوگوں کو؟‘‘۔

باخ تو ششدر ہو کر رہ گیا۔ دکاندار بھی حیران ہوا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص واقعی ان کا آدمی ہے۔

باخ نے فوراً ناگ کی رسی کھول دی اور کہا۔

‘‘ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم واقعی ہمارے آدمی ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

‘‘میرا نام شوارز ہے اور میں چرچل کو ہلاک کرنے کے منصوبے میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں‘‘۔

‘‘تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی‘‘۔

دکاندار نے ناگ سے ہاتھ ملایا۔

باخ بھی بڑا خوش ہوا۔

اب انہوں نے ناگ کو اعتماد میں لے لیا۔

ناگ نے پوچھا۔

‘‘چرچل کو ہلاک کرنے کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے؟‘‘۔

باخ نے کہا۔

"کل شام وہ پارلیمنٹ سے خطاب کرنے آ رہا ہے، ہمارا پروگرام یہ ہے کہ جس وقت وہ واپس برکلے سٹریٹ سے گزرے تو اس کی کار پر بم مار دیا جائے"۔

"یہ اچھا خیال ہے۔ لیکن باقی لوگ کہاں پر ہیں؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

دکاندار بولا۔

ہمارے تین آدمی برکلے سٹریٹ میں بم لے کر کھڑے ہوں گے۔

وہ تینوں یکے بعد دیگرے چرچل کی کار پر بم ماریں گے۔ وہ کل شام ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گا۔

یہ ساری سکیم طے ہو گئی۔ ناگ کو لے کر باغ اپنے تینوں ساتھیوں کے پاس گیا۔ یہ بھی جرمن جاسوس تھے اور لندن کے ایک پرانے مکان میں مزدور بن کر رہ رہے تھے۔

رات ناگ نے ان لوگوں کے ساتھ بسر کرنی تھی۔ لیکن اسے خیال آیا کہ ڈاکٹر آج رات برطانوی آبدوز کے نقشہ کی فلم بنا کر جرمن ہیڈ کوارٹر روانہ کرنے والا ہے۔

ضروری تھا کہ نقشہ جا کر ضائع کر دیا جائے، چنانچہ وہ بہانہ بنا کر وہاں سے کھسک آیا۔

وہ سیدھا گراہم کے مکان کے باہر آ گیا۔ یہاں باغ میں آ کر اس نے سانپ کا روپ بدلا اور رینگتا ہوا مکان کے اندر آ گیا۔

عینک پوش ڈاکٹر گراہم کے ساتھ مل کر ایک کمرے میں آبدوز

کا نقشہ کھولے بیٹھا تھا۔ ایک طرف فوٹو گرافی کا سامان پڑا تھا۔

فلم تیار کی جا رہی تھی۔ یہی حملے کا وقت تھا۔

سانپ رینگتا ہوا کمرے کے کونے میں آ گیا۔ گراہم کہہ رہا تھا۔

"جتنی جلدی ہو سکے، اس کی فلم تیار کر دو ڈاکٹر"۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ لوگ فلم لینے آ رہے ہیں۔ ہماری آبدوز یہاں سے پچاس میل دور سمندر میں ہماری فلم کا انتظار کر رہی ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"اسی کام میں لگا ہوں بھائی۔ فکر نہ کرو۔ ایک گھنٹے سے پہلے پہلے فلم تیار ہو جائے گی"۔

سانپ رینگتا ہوا گراہم کے پاس آ گیا۔

گراہم میز پر جھکا نقشے کو غور سے تک رہا تھا۔ سانپ نے بڑے سکون کے ساتھ آگے بڑھ کر گراہم کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

گراہم کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے کسی چیونٹی نے کاٹ کھایا ہو۔

اس نے ہاتھ نیچے کر کے اپنی پنڈلی کو کھجلایا اور نقشہ دیکھنے لگا۔

لیکن سانپ کا زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ گراہم کا گلا خشک ہو گیا۔

اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

ڈاکٹر نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"گراہم! کیا ہوا؟"۔

مگر گراہم مر چکا تھا۔ سانپ رینگتا ہوا اب ڈاکٹر کی طرف آ گیا۔

اچانک ڈاکٹر کی نظر سانپ پر پڑ گئی۔

”سانپ! وہی سانپ۔۔۔۔“

سانپ اپنا پھن پھیلا کر ڈاکٹر کے آگے آ گیا۔ ڈاکٹر کی سٹی گم ہو گئی۔

سارا جسم پسینے میں تر بتر ہو گیا۔ وہ کانپنے لگا۔

سانپ نے اپنی لال لال آنکھیں ڈاکٹر کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

ڈاکٹر ایکدم سے باہر کی طرف بھاگا۔ مگر سانپ نے اسے مہلت نہ دی۔

اس نے لپک کر ڈاکٹر کی گردن پر ڈس دیا۔ ڈاکٹر ڈگمگایا۔ گرا اور دم توڑ گیا۔ اب ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ برطانوی آبدوز کا نقشہ اٹھا کر آتشدان میں رکھا اور اسے آگ لگا دی۔

جب تک پورے کا پورا نقشہ جل نہیں گیا، ناگ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

پھر اٹھ کر اس نے جلے ہوئے نقشے کی راکھ بھی مسل ڈالی۔

یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے ہو گیا تھا۔ اب وہ وہاں سے بھاگا اور سیدھا باغ اور دوسرے جرمن جاسوسوں کے پاس آ گیا۔

کچھ دیر وہ دوسرے روز کی سکیم پر غور کرتے رہے۔ پھر سو گئے۔

دوسرے روز انہوں نے ایک بار پھر شام کو کھیلے جانے والے ڈرامے کے ہر پہلو پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ہر شے بڑی آسان نظر آ رہی تھی۔ چرچل کی کار برکلے سٹریٹ میں ہی گذرا کرتی تھی۔

جب وہ کار گزرے گی اور بیکری کی دکان کے سامنے آئے گی تو یہ تینوں جاسوس اپنے سامنے کی دکان سے نکل کر اس پر باری باری بم مار دیں گے اور چرچل کا کام تمام ہو جائے گا۔

اور برطانیہ جنگ ہار جائے گا۔

ناگ وہاں سے کسی بہانے سے کھسک آیا۔ وہاں سے نکل کر وہ سیدھا برطانوی ہوائی فوج کے ہیڈ کوارٹر پہنچا۔

پہلے تو کسی نے اسے اندر نہ جانے دیا۔ جب اس نے کہا کہ وہ ونگ کمانڈر سے بڑی ضرورت بات کرنا چاہتا ہے تو اسے ونگ کمانڈر کے پاس لے جایا گیا۔

بڑی بڑی سنہری مونچھوں والا ونگ کمانڈر لمبی چوڑی میز کے پاس بیٹھا۔ سگار منہ میں دبائے کام کر رہا تھا۔

ناگ کو ایک سپاہی اندر کرسی پر بٹھا کر باہر چلا گیا۔ کمرے میں سگار کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔

ناگ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ ذرا کھانسا۔ ونگ کمانڈر اپنے کام میں مصروف رہا۔

کافی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر ناگ کی طرف دیکھا۔ قاتل

بند کر کے دراز میں رکھی اور سگار منہ سے نکال کر کہا۔

"ہاں! کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"۔

ناگ نے کہا۔

"جناب! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج شام چرچل کی کار پر بم مارا جا رہا ہے۔ اس لیے چرچل کی کار برکلے سٹریٹ سے نہ گذاری جائے"۔

ونگ کمانڈر ناگ کے قریب آ کر اس پر جھک کر بولا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں؟ خدا کے لیے اس قسم کے سوالات کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔

اس وقت اپنے وزیر اعظم کی زندگی بچانے کی کوشش کرو۔ اور ابھی سیکورٹی گارڈ کو اطلاع کرو کہ مسٹر چرچل کی کار برکلے سٹریٹ سے ہرگز نہ گذاریں۔

کمانڈر ناگ کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی پاگل ہو۔ اس نے آہستہ سے ہوں کہا اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر گھمائے۔

پھر بولا۔

میں ونگ کمانڈر بول رہا ہوں۔ ہمارے پاس کہیں سے ایک پاگل آ گیا ہے۔ اسے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ذرا اس کی مہمان نوازی کریں۔

ناگ بھونچکا رہ گیا کہ یہ کیا احمق ونگ کمانڈر ہے جو اس کی باتوں کو پاگل آدمی کی باتیں سمجھ رہا ہے۔ دیکھتے میں کچھ سپاہی رائفلیں لیے اندر آ گئے اور انہوں نے ناگ کو پکڑ لیا۔

وہ اسے فوجی گاڑی میں بٹھا کر ایئر فورس کی حوالات میں لے گئے اور وہاں جا کر بند کر دیا۔ ناگ اگر چاہتا تو وہاں سے ایک منٹ میں رہا ہو سکتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو سبق سکھانا چاہیے۔ شام کو جب چرچل کی کار پر بم گریں گے تو خود بخود انہیں اپنی حماقت کا احساس ہو جائے گا۔

چنانچہ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ آج رات حوالات میں ہی گذارے گا۔

شام ہو گئی۔

چرچل پارلیمنٹ میں خطاب کرنے کے بعد واپس گھر جانے کے لیے گاڑی میں چل پڑا۔ ادھر جرمن جاسوس بھی بم لیے برکلے سٹریٹ میں چھپے اپنے شکار کا انتظار کر رہے تھے۔

آخر انہیں دور سے چرچل کی کار آتی نظر آئی۔ تینوں ہوشیار ہو گئے۔ ان کی بدقسمتی اور وزیر اعظم کی خوش قسمتی تھی کہ مقررہ جگہ پر پہنچنے سے پہلے ہی کار خراب ہو گئی۔

ڈرائیور جلدی سے باہر نکلا اور کار کا انجن ٹھیک کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد انجن پھر سے چالو ہو گیا۔ ڈرائیور نے اس خیال سے کہ وزیر اعظم کو دیر نہ ہو جائے کار کی رفتار تیز کر دی۔

کار کا تیز ہونا چرچل کے لیے خوش قسمتی کی وجہ بن گیا۔

جرمن جاسوس نے سارا حساب کار کی رفتار کے مطابق لگا رکھا

تھا۔

اب جو کار تیزی سے ان کے سامنے سے گزری تو وہ گھبرا گئے۔

پھر بھی انہوں نے بم نکال کر کار پر پھینکا دیئے۔ لیکن کار آگے گذر چکی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا بم دھماکے کے ساتھ پھٹا۔

بازار میں بھگدڑ مچ گئی۔ کئی لوگ زخمی ہو کر گر پڑے۔

سپاہیوں نے سارے علاقے کی ناکہ بندی کر دی۔ جرمن جاسوس دکانوں کے عقب سے نکل کر بھاگے اور روپوش ہو گئے۔

ونگ کمانڈر کو جب پتہ چلا کہ وزیراعظم کی گاڑی پر سچ مچ بم پھینکے گئے ہیں تو وہ بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ تو کیا وہ پاگل ٹھیک کہتا تھا۔

وہ اسی وقت حوالات میں گیا اور ناگ کو اپنے ساتھ دفتر میں لے آیا۔

اس نے ناگ کے آگے چائے کی پیالی رکھی اور کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری بات نہ مانی۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ ہمارے وزیراعظم کی جان بچ گئی۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ جرمن جاسوس کس جگہ رہتے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

جی تو نہیں چاہتا کہ آپ کو کچھ بھی بتاؤں۔ لیکن مجھے آپ لوگوں سے نہیں بلکہ آپ کے عوام سے ہمدردی ہے۔

کیونکہ جرمنوں نے بڑی بے رحمی سے یہاں کے لوگوں پر بم باری کی ہے۔

اس لیے میں آپ کو سارے جرمن جاسوس گرفتار کروا دوں گا۔

ناگ نے گراہم کی دکان کا پتہ بتا دیا۔ ڈاکٹر کے مکان کا پتہ بھی دے دیا۔

پولیس نے دونوں جگہوں پر چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔

باخ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پولیس سارے شہر میں پھیل گئی۔ شام کو ونگ کمانڈر نے ناگ کو اپنے گھر چائے پر بلایا اور کہا۔

”بھائی! ایک خطرناک جرمن جاسوس بھاگ گیا ہے کیا تم اسے گرفتار کروانے میں ہماری مدد نہیں کرو گے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”میں باخ کو کہاں تلاش کر سکتا ہوں۔ ہاں اگر آپ مجھے بتا دیں کہ وہ سمندر کے نیچے کہیں چھپا ہے تو میں اسے وہاں سے بھی نکال لاؤں گا۔ بہر حال میں کوشش کروں گا“۔

ناگ نے وعدہ کیا کہ وہ باخ کی تلاش جاری رکھے گا۔ جہاں کہیں اس کا سراغ ملا، وہ ونگ کمانڈر کو اطلاع کر دے گا۔

ناگ شہر میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ آج اسے عنبر اور ماریا کی بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سوئٹزر لینڈ چل کر عنبر اور ماریا کو تلاش کیا جائے۔

کیونکہ اسے آخری اطلاع یہی ملی تھی کہ عنبر اور ماریا سوئٹزر لینڈ جا سکتا تھا اگرچہ راستے خطرناک تھے۔

اور جرمن حملوں کا زبردست خطرہ تھا۔ پھر بھی ناگ نے سوئٹزرلینڈ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

اب ایسا ہوا کہ جرمن جاسوس باخ کو جب معلوم ہوا کہ ناگ نے مخبری کر دی تھی جس کی وجہ سے اس کے دو ساتھیوں ڈاکٹر اور گراہم کو گولی سے اڑا دیا گیا تو وہ ناگ کا دشمن ہو گیا۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ناگ کو معلوم ہوا کہ ایک مسافر جہاز ہفتے کی شام کو سوئٹزرلینڈ جاتا ہے۔

ناگ فضائی کمپنی کے دفتر میں پہنچ گیا۔ اس نے ٹکٹ خرید لیا۔

ہفتے کی شام کو وہ ہوائی اڈے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور باخ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ پستول تانے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"مسٹر ناگ! تم نے ہمارے دو ساتھیوں کو ہلاک کروا دیا۔ اب تم ہم سے بچ کر نہیں جا سکتے"۔

اس سے پہلے کہ ناگ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کرتا، جاسوس نے اسے قابو میں کرلیا اور اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے کس کر جکڑ دیا۔

ساتھ ہی ایک جاسوس نے اس کی کھوپڑی پر زور سے کوئی بھاری چیز ماری۔

ناگ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں بند تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ اس کوٹھڑی میں کوئی روشندان بھی نہیں تھا۔

ناگ پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں اسے آواز آئی۔

مسٹر ناگ! مجھے معلوم ہے کہ تم ایک جادوگر ہو اور چڑیا بن کر اڑ سکتے ہو۔

لیکن ہم نے تمہیں ایک ایسی کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے جہاں سے تم کبھی باہر نہیں نکل سکتے۔

یہاں تم بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ بس یہی تمہاری سزا ہے۔

آواز بند ہو گئی۔

یہ آواز دیوار سے لگے کسی سپیکر سے آ رہی تھی۔

ناگ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

ان لوگوں پر اس کی جادوگری کا راز کھل گیا تھا۔

یہ بڑی بری بات تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناگ نے وہاں سے فرار ہونے کے دوسرے طریقوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔

اس کوٹھڑی میں چھت کے ساتھ مدھم سا بلب جل رہا تھا۔

اسے کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وقت کیا ہے۔ شام ہے۔ صبح ہے یا رات ہے۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن یہ جرمن جاسوس تو اسے بھوکا پیاسا مارنا چاہتے تھے۔

وہاں اسے کھانا اور پانی کون دیتا ہے بھلا۔ ناگ بے بس ہو کر خاموش رہ گیا۔

زندگی میں اس نے اتنا بے بس اور مجبور اپنے آپ کو کبھی نہیں پایا تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس کی بھوک اور پیاس کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ناگ اب پریشان ہو گیا۔ وہ جلدی سے جلدی وہاں سے نکل کر بھاگنا چاہتا تھا۔

یہ لوگ اس کی ہلاکت کا باعث بن سکتے تھے۔ کیونکہ ان پر ناگ کی خفیہ طاقت کا راز کھل گیا تھا۔ لیکن وہ اس بند کوٹھڑی میں کیا کر سکتا تھا۔

کوٹھڑی میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو لوہے کا تھا اور جس میں کوئی درز بھی نہیں تھی۔

ناگ نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور دوسرے لمحے وہ ایک بہت بڑا ہاتھی بن چکا تھا۔

جرمن جاسوسوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ چڑیا کے علاوہ ہاتھی بھی بن سکتا ہے۔

ایک لمحہ کے لیے ہاتھی کوٹھڑی کے فرش پر کھڑا جھولتا رہا۔

پھر اس نے پیچھے ہٹ کر پوری طاقت سے دروازے کو ٹکر ماری۔

ایک خوفناک دھماکا ہوا اور لوہے کا دروازہ ٹوٹ کر دوسری جانب جا گرا۔

جرمن جاسوس اوپر بیٹھے تھے۔ انہوں نے تڑاکے کی آواز سنی

تو پستول لے کر نیچے بھاگے۔

کیا دیکھتے ہیں، دروازہ ٹوٹا پڑا ہے اور ناگ غائب ہے۔ وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ سارے مکان میں ناگ کو تلاش کرنے لگے۔

ان کا خیال تھا کہ وہ صرف چڑیا بن سکتا ہے۔

ناگ گھر میں کہیں نہیں تھا۔

وہ ان کی خواب گاہ کی الماری کے اوپر سانپ کی شکل میں کنڈلی مارے بیٹھا ان کی موت کے لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

اس دلچسپ ناول کا اگلا حصہ قسط نمبر 69 میں پڑھئے

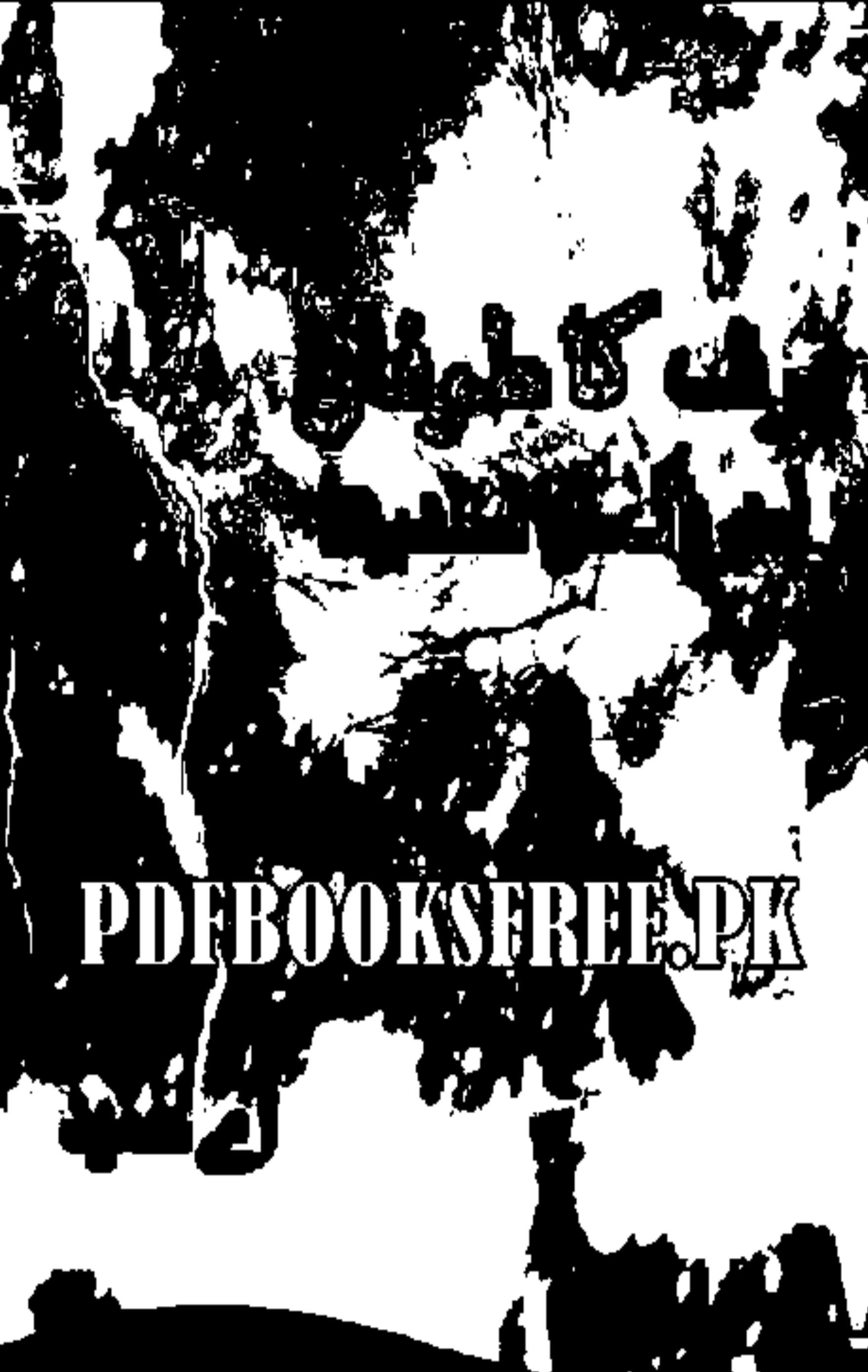

فہرست

سرخ جادو

برفانی ریچھ

بھیانک درندہ

برف کا طوفان

کوہ پیمے آ گئے

اڑنے والا سانپ

سرخ جادوگر

عنبر اور ناگ ابھی راستے میں ہی ہیں۔

اب ذرا ہم چل کر ماریا کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ سوئٹزرلینڈ کے اس گاؤں میں کس عالم میں ہے جہاں اسے ناگ چھوڑ کر عنبر کی تلاش میں گیا تھا۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس گاؤں کے لوگ ناگ کے دشمن تھے۔ ان کا ایک آدمی ناگ کی وجہ سے مر گیا تھا۔

ان کے دل میں یہ خیال گھر کر گیا تھا کہ ناگ کوئی جادوگر ہے اور اس کے کالے جادو کی وجہ سے ان کے گاؤں کا ایک آدمی مر گیا ہے اور نہ جانے ابھی اس گاؤں پر کیا کیا مصیبتیں آنے والی ہیں۔

ناگ جب ماریا کو گھر پر اکیلی چھوڑ کر عنبر کی تلاش کو نکلا تو وہ ماریا کو خاص طور پر تاکید کر گیا تھا کہ وہ گھر سے باہر مت نکلا کرے اور بڑی احتیاط سے رہے۔

چنانچہ ماریا دن کا زیادہ وقت گھر کے اندر ہی گزارتی۔

گاؤں کے لوگ ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ پھر بھی ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اس گھر میں کوئی چڑیل ضرور رہتی ہے جو ان کے گاؤں والے کی موت کی ذمہ دار ہے اور جو باری باری اس گاؤں کے سارے لوگوں کو مار ڈالے گی۔

ماریا صرف دن میں ایک بار گھر سے نکل کر باغ میں جاتی۔ کچھ پھل وغیرہ توڑ لاتی۔

پھر بازار کی کسی دکان سے سبزی اور ڈبل روٹی اٹھا لاتی اور گھر میں بیٹھ کر کھا پی کر آرام کرتی اس کا دھیان بھی عنبر کی طرف لگا تھا۔

جسے لینے ناگ گیا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر اسے ایک نہ ایک دن ضرور مل جائے گا۔

ناگ کے جانے کے بعد لوگوں نے جب دیکھا کہ مکان خالی ہو گیا ہے تو ایک رات دو آدمی مکان کو آگ لگانے کے لیے آئے۔

وہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپ چھپ کر چلے آ رہے تھے۔ اس

وقت خواب گاہ کے بستر پر آرام کر رہی تھی۔

ایک آدمی نے دیکھا کہ مکان کا دروازہ باہر سے کھلا ہے۔

"ارے! یہ دروازہ باہر کس نے کھول دیا ہے؟"۔

دوسرا کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اندر کوئی ضرور ہے"۔

"کون ہو سکتا ہے؟ وہ شخص تو باہر گیا ہوا ہے"۔

"پھر اندر سے دروازہ کس نے بند کر رکھا ہے؟"۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ آگ لگا دو"۔

پہلے آدمی نے دروازے کو ذرا سا اندر کو دھکیلا۔ دروازہ بند تھا۔

وہ بڑے حیران ہوئے۔ پہلا بولا۔

"یہاں ضرور چڑیل رہتی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں آگ لگا کر بھاگ جانا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے"۔

انہوں نے جیب سے ماچس نکال کر تیل سے بھیگا ہوا کپڑا جلایا اور اسے کھڑکی پر پھینک دیا۔

لکڑی کی کھڑکی تھی اور پٹرول وغیرہ میں بھیگا ہوا کپڑا تھا۔

کمرے میں ایک دم سے آگ بھڑک اٹھی۔ دونوں آدمی واپس بھاگے۔

بھاگتے ہوئے ان کے پیر پتھروں سے ٹکرائے اور وہ دھڑام سے فرش پر گرے۔

شور کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جو کمرے

میں آگ دیکھی تو لپک کر پانی کی بالٹی اٹھا کر آگ پر ڈال دی آگ بجھ گئی۔

دوسرے دن گاؤں والوں نے دیکھا کہ مکان ویسے کا ویسا کھڑا ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے۔ ہر طرف یہی بات مشہور ہوگئی کہ اس مکان میں ایک چڑیل رہتی ہے جو عنقریب سارے گاؤں کو کھا جائے گی۔

ناگ کو گئے ہوئے تیسرا دن تھا کہ گاؤں والے ایک جگہ مشورہ کرنے اکٹھے ہوئے۔

اتفاق سے ان کے گاؤں میں ایک خانہ بدوش آیا ہوا تھا جو کالا علم جانتا تھا اور سرخ جادوگر کے نام سے مشہور تھا۔

گاؤں کے چند لوگ اس جادوگر کے پاس گئے۔ اسے جا کر

بتایا کہ گاؤں کے ایک گھر میں چڑیل رہتی ہے جو ان کو نکالنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

سرخ بالوں والے جادوگر کی ناک طوطے کی طرح تھی لمبے بال کالی ٹوپی سے جھاڑیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس نے ساری کہانی سن کر کہا۔

"چڑیل کا باپ بھی ہوا تو میں اسے بھگا دوں گا۔ تم مجھے مکان دکھا دو اور چلے جاؤ۔ باقی میں جانوں اور میرا کام"۔

گاؤں والوں نے جادوگر کو ماریا کا مکان دکھا دیا۔

"جناب! مکان خالی ہے مگر چڑیل نے اندر سے کنڈی لگا رکھی ہے"۔

جادوگر نے قہقہہ مار کر کہا۔

میں وہ جادو کروں گا کہ چڑیل کی بچی ہاتھ جوڑ کر میرے آگے کھڑی ہو جائے گی۔

میں آدھی رات کو دنیا کا کالا علم شروع کروں گا۔ تم لوگوں میں سے ادھر کوئی نہ آئے۔ کیونکہ اگر چڑیل نے حملہ کر دیا تو میں بچ جاؤں گا۔

لیکن تم میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مر جائے گا۔

لوگ واپس چلے گئے۔ سرخ جادوگر شہر سے باہر گرجے کے پاس ایک جھونپڑی میں اترا ہوا تھا۔ اس نے آدھی رات کو چڑیل کے مکان پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس رات کو آسمان پر بادل چھا گئے اور ہلکی ہلکی بجلی بھی چمکنے لگی۔

جادوگر نے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ کڑاہی میں کوئی تیل ڈال کر وہ اس میں لکڑی کی ڈوئی پھیرتا جاتا تھا اور منتر پڑھتا جاتا تھا۔

یہ جادو اس نے افریقہ میں بارہ سال رہ کر سیکھا تھا۔

جب جادو کا تیل تیار ہو گیا تو اس نے تیل کو ایک انسانی کھوپڑی میں بھر دیا۔ پھر اس میں سے تیل نکال کر اپنے سارے جسم پر ملا۔

پھر کپڑے پہنے۔ جادو کا ڈنڈا ہاتھ میں رکھا اور نکلنے سے پہلے جادو کے تیل کی ایک سلائی اپنی آنکھوں میں بھی ڈال لی۔

اس تیل کی تاثیر ویسی تھی کہ اس سے غیبی چڑیلیں اور جن بھوت نظر آ جاتے تھے۔ جادوگر نے کالی ٹوپی سر پر ڈالی اور

جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔

وہ سیدھا چڑیل یعنی ماریا کے مکان کی طرف چل پڑا۔

ماریا اس وقت اندر سے دروازے بند کیے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔

اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جادوگر مکان کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے دروازے کی درز میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ اندھیرے میں کمرہ خالی تھا۔ اس نے منہ ہی منہ میں کچھ جادو کے منتر پڑھے اور دروازے پر دستک دی۔

دستک کی آواز سن کر ماریا سمجھ گئی کہ عنبر اور ناگ آ گئے ہیں۔ کیونکہ سوائے ناگ کے دروازے پر اور کوئی بھی دستک نہیں دے

سکتا تھا۔

وہ جلدی سے بستر پر سے اٹھی اور دروازے کے قریب آ کر بولی۔

"ناگ! تم ہو کیا؟"۔

جادوگر نے دروازے کی درز میں سے دیکھا کہ ایک نوجوان خوبصورت بالوں والی لڑکی دروازے کی دوسری طرف کھڑی ہے۔

وہ سمجھ گیا کہ یہی چڑیل ہے۔ اگر جادوگر کی آنکھوں میں جادو کے تیل کی سلائی نہ ہوتی تو ماریا اسے بھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔

چنانچہ جادوگر نے آنکھوں پر کپڑا رکھ کر جب دیکھا تو غائب نہیں تھی۔

جادوگر نے کہا۔

"ہاں! میں ناگ ہوں۔ دروازہ کھولو"۔

آواز ناگ کی نہیں تھی۔ ماریا پیچھے ہٹ گئی۔

"کون ہو تم؟"۔

جادوگر نے قہقہہ مار کر کہا۔

میں اس ملک کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اب تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتیں۔

میں نے آج تک کسی چڑیل کو زندہ نہیں چھوڑا۔ میں تمہیں بھی ہلاک کر کے ہی دم لوں گا۔

ماریا گھبرا گئی۔

سچ مچ اس جادوگر نے اسے دیکھ لیا ہے؟

اس نے سوچا۔ وہ بھاگ کر واپس خواب گاہ میں آ گئی اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ جادوگر نے زور سے کندھا مار کر دروازے کی کنڈی توڑ دی اور مکان میں گھس گیا۔

اس نے اندر جاتے ہی جادو کے ڈنڈے کو ہوا میں اچھال دیا۔

جادوئی ڈنڈا اڑتا ہوا خواب گاہ کے دروازے پر آیا اور اسے ٹکر ماری۔

اس کی ٹکر سے دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ اندر ماریا ایک طرف کھڑی تھی۔

جادوگر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"اب تمہیں کوئی طاقت مجھ سے نہیں بچا سکتی۔ تم میرے قابو

میں ہو۔ میں تمہیں مار کر تمہاری کھوپڑی کا تعویذ بناؤں گا۔ بڑی مدت بعد ایک خوبصورت چڑیل دیکھنے کو ملی ہے"۔

ماریا نے سوچا کہ یہ جادوگر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا ویسے ہی دھوکا بازی کر کے مجھ پر رعب جما رہا ہے۔

چنانچہ وہ ہٹ کر الماری کے پیچھے چلی گئی۔ جادوگر بھی الماری کے پیچھے آ گیا اور بولا۔

تم چاہے جہاں بھی چلی جاؤ۔ میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔

تمہارے سنہری بال ہیں۔ تم نے نیلے رنگ کی قمیض پہن رکھی ہے۔ تمہاری آنکھوں کا رنگ سبز ہے اور تمہارے ماتھے پر زخم کا چھوٹا سا نشان ہے اب بتاؤ۔

کیا تمہیں میرے جادو پر یقین آیا کہ نہیں؟۔

ماریا کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس بدبخت نے تو واقعی اسے دیکھ لیا تھا اور اب یہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ماریا نے کہا۔

"جادوگر! میں التجا کرتی ہوں کہ مجھے مارو نہیں۔ کیونکہ میرا بھائی آ رہا ہے۔ مجھے زندہ رہنے دو۔ میں کسی کو تنگ نہیں کروں گی"۔

جادوگر ہنس کر بولا۔

"میں تمہیں ماروں گا نہیں۔ لیکن قید کر کے اپنے پاس رکھوں گا اور تم سے بہت سے کام لوں گا"۔

ماریا بولی۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے جادوگر بھائی؟ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں"۔

ماریا جادوگر کی خوشامد اس لیے کر رہی تھی کہ وہ اسے باتوں میں لگا کر خود وہاں سے فرار ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ماریا نے جب دیکھا کہ جادوگر اس کی باتوں میں لگ گیا ہے تو اس نے آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف لپکنا شروع کر دیا۔

یہ کھڑکی مکان کی پچھلی طرف کھلتی تھی جہاں کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ کھڑکی کے قریب جا کر ماریا نے اچانک باہر کو چھلانگ لگا دی۔

وہ گھاس پر گری۔ گرتے ہی اس نے کھیتوں میں دوڑنا شروع کر دیا۔ آسمان پر بجلی زور سے چمکی اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔

اسے دور سے جادوگر کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔

"اے چڑیل! تو مجھ سے بھاگ کر کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ میرا جادوئی ڈنڈا تجھے تلاش کر لے گا"۔

اس کے ساتھ ہی جادوگر نے اپنے جادو کے ڈنڈے پر کچھ منتر پڑھا اور اسے کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

جادو کا ڈنڈا ہوا میں اڑنے لگا۔ ماریا کھیتوں میں بھاگی چلی جا رہی تھی۔

اچانک اس نے دیکھا کہ جادو کا ڈنڈا اس کے سر پر آ گیا ہے۔ وہ ایک جھاڑی میں چھپ گئی۔ بجلی چمکی تو جادو کا ڈنڈا اوپر سے اچھل کر نیچے آیا اور سیدھا ماریا کے سر پر لگا۔

ماریا جادو کے ڈنڈے کی چوٹ سے بے ہوش ہو گئی۔

جادوگر کے پاس جادو کا ڈنڈا واپس آ گیا تو اس نے کھیتوں میں چڑیل کی تلاش شروع کر دی۔ بادل گرجنے لگا۔

مینہ کی بوندیں ماریا کے چہرے پر پڑیں تو اسے ہوش آ گیا۔ ہوش آتے ہی اس نے جب اپنے آپ کو دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ماریا عورت سے ایک بکری میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے اسے بکری بنا دیا تھا۔

اس نے اٹھ کر دوڑنے کی کوشش کی مگر گر پڑی۔ اتنے میں سرخ جادوگر بھی اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

اس نے چڑیل کو بکری کی شکل میں دیکھا تو زور سے ہنسا۔

اب تو ساری زندگی میری غلام رہے گی۔ میں جس وقت

چاہوں گا، تجھے چڑیل بنا کر تجھ سے کام کراؤں گا۔

اس نے ماریا کے گلے میں رسی باندھی اور اپنے ساتھ لے کر جھونپڑی میں آ گیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت لوگ اس جادوگر کی جھونپڑی کے باہر آ کر جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا اس نے چڑیل کو ہلاک کر دیا ہے۔

جادوگر نے کہا۔

"جاؤ۔ آرام سے جا کر زندگی بسر کرو۔ میں نے چڑیل کو ختم کر دیا ہے۔ اب وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی، جا کر دیکھ لو۔ مکان بالکل خالی ہے"۔

لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور جادوگر کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دیہاتی نے جھونپڑی کے باہر بندھی ہوئی بکری کو دیکھ کر کہا۔

"یہ بکری ہمیں دے کر اس کی قیمت لے لو۔ ہم آج خوشی کے دن اسے پکا کر کھائیں گے"۔

ماریا کانپ گئی اور ممیانے لگی۔

جادوگر نے کہا۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ یہ بکری میں کسی کو نہیں دے سکتا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔

جب سارے دیہاتی خوشی خوشی واپس چلے گئے تو جادوگر نے ماریا بکری کی گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"پیاری چڑیل! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں قصائیوں کے حوالے

نہیں مروں گا۔ تم میرے ساتھ ساتھ رہو گی۔ میں تو تم سے ابھی بہت کام لوں گا"۔

جادوگر اسی روز وہاں سے بکری کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

گاؤں والوں نے جا کر تسلی کر لی تھی کہ ماریا کا مکان بالکل خالی پڑا ہے اور وہاں کوئی چڑیل نہیں ہے۔ اس مکان پر اس کے مالک نے قبضہ کر لیا اور وہاں اپنا سامان لا کر رہنے لگا۔

اس شخص کو آئے دو روز ہوئے تھے کہ ناگ اپنے بھائی عنبر کو لے کر وہاں آ گیا۔ اس نے دور سے مکان دکھا کر کہا۔

"وہ رہا مکان جہاں ماریہ رہتی ہے"۔

عنبر بہت خوش ہوا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اتنے عرصے کے بعد آج اپنی بہن ماریا کا

چہرہ دیکھوں گا"۔

مکان کے قریب جا کر ناگ نے محسوس کیا کہ وہاں کچھ تبدیلی آ چکی ہے۔

مثلاً مکان کے برآمدے میں دو آرام کرسیاں پڑی تھیں۔ دروازے پر پردہ گرا تھا۔ کھڑکیاں بھی کھلی تھیں۔

اتنے میں مکان کے اندر سے ایک ادھیڑ عمر کا موٹی توند والا آدمی آ کر برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔

عنبر نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ شخص کون ہے؟"۔

ناگ ٹھٹھک کر رک گیا۔

"یہ شخص کون ہو سکتا ہے۔ ماریا کو تو میں اکیلی چھوڑ کر گیا تھا"۔

پھر وہ اس آدمی کے پاس آ گئے۔ ناگ نے سلام کر کے پوچھا۔

"بابا! اس مکان میں جو لوگ پہلے رہتے تھے وہ کہاں ہیں؟"۔

مالک مکان نے ترچھی آنکھوں سے ناگ اور عنبر کو دیکھا اور بولا۔

"برخوردار! یہاں تو پہلے ایک چڑیل رہتی تھی۔ بتاؤ تم اس چڑیل سے ملنے آئے ہو کیا؟"۔

"چڑیل؟"۔

ناگ نے حیرانی سے کہا۔

"جی ہاں جناب! چڑیل رہتی تھی"۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر آنکھوں سے اشارہ کیا کہ اس شخص سے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ چڑیل اب کہاں ہے؟۔

کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ لوگ ماریا کو ہی چڑیل سمجھ رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ چڑیل تھی؟"۔

مالک مکان نفرت سے بولا۔

"ارے بھئی! سارا گاؤں جانتا ہے کہ وہ چڑیل تھی۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے گاؤں کے ایک نوجوان کو ہلاک کر دیا

تھا۔

اب وہ سارے گاؤں کو کھا جانے کا سوچ رہی تھی کہ گاؤں والوں نے مل کر اسے نکال دیا۔

"نکال دیا؟"۔

ناگ کے منہ سے نکل گیا۔

مالک مکان نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو کیا تم بھی اس چڑیل کے بھائی بند ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"نہیں جناب یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں بہت دن گزرے یہاں ایک عورت رہتی تھی جس کے پاس ہم نے اپنی ایک گھڑی گروی رکھ کر پیسے قرض لیے تھے۔ اب ہم اس لیے

آئے تھے کہ پیسے دے کر اپنی گھڑی واپس لے لیں"۔

مالک مکان نے منہ پھیر کر کہا۔

"وہ عورت تو خدا جانے کب کی مر کھپ گئی ہے۔ وہ میری کرایہ دار تھی"۔

ناگ نے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

"اچھا تو یہ بتایئے کہ اس چڑیل کو مکان سے نکالا کس نے؟"۔

"اور کس طرح سے نکالا؟"۔

وہ شخص کہنے لگا۔

وہ تو ہمارے گاؤں والوں کی خوش قسمتی سے ایک سرخ جادوگر یہاں آ گیا۔ اس کے پاس جا کر ہم لوگ اپنا رونا رو دیے۔

بس اس جادوگر نے چڑیل کو غائب کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ غائب کر دیا تھا، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے قابو کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ تاکہ اس سے کام لیا جا سکے۔

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ جادوگر کہاں رہتا ہے؟"۔

"اجی کبھی رہتا تھا۔ اب تو وہ چلا گیا ہے"۔

"کہاں؟"۔

مالک مکان نے غصے سے کہا۔

"بھائی جانے میری بلا وہ کہاں گیا ہے۔ مگر تم لوگ اتنے پریشان کیوں ہو۔ کیا وہ چڑیل تمہاری کوئی رشتے دار تھی؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن"۔

ناگ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! میری وہ بہن تھی"۔

وہ آدمی اچھل پڑا اور کسی پر کرسی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا کیا؟ بہن؟ یعنی تم۔ تم بھی بھوت ہو؟"۔

ناگ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"جی ہاں!"۔

مالک مکان نے قہقہہ لگایا۔

"تم کوئی مسخرے معلوم ہوتے ہو۔ چلو بھاگ جاؤ یہاں سے۔ نہیں تو ابھی پولیس کے حوالے کیے دیتا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آتا کہ میں بھوت ہوں؟"۔

"بکواس بند کرو اور بھاگ جاؤ یہاں سے" مالک مکان نے چیخ کر کہا۔

ناگ ذرا آگے آیا۔ اس نے مالک مکان کی آنکھوں ڈال کر دیکھا اور وہ کایا پلٹ کر سانپ بننے ہی والا تھا کہ عنبر اسے بازو سے پکڑ کر کھینچ کر پیچھے لے گیا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا۔ ان لوگوں کے آگے ہمیں اپنا راز نہیں کھولنا چاہیے۔ ابھی ہمیں ماریا کو تلاش کرنا ہے"۔

وہ ناگ کو لے کر وہاں سے آ گیا۔

اب انہوں نے گاؤں میں گھوم پھر کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ جادوگر کہاں سے آیا تھا۔ اور کہاں چلا گیا۔

کافی لوگوں سے ملنے کے بعد بھی انہیں صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ جادوگر کا نام سرخ جادوگر تھا۔ وہ افریقہ میں بارہ برس رہ کر آیا تھا۔ اور اب وہ شمال کی طرف گیا۔

عنبر نے کہا۔

"جب تک اس جادوگر کا کھوج نہیں لگتا ہمیں ماریا کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکے گا"۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال تو یہی ہے کہ ہمیں چپکے سے شمال کی طرف سفر شروع کر دینا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو ہم ایک نہ ایک دن اس

جادوگر کو ضرور پالیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ شمال کی طرف تو قطب شمالی کا علاقہ ہے جہاں برف ہی برف ہے۔ وہاں اس جادوگر کو کیسے تلاش کریں گے؟"۔

عنبر کہنے لگا۔

"کہیں نہ کہیں اسے تلاش کر ہی لیں گے۔ ماریہ کو ہمیں واپس لینا ہے۔ ماریا کو اس نے ضرور قابو کر رکھا ہوگا"۔

ناگ نے کہا۔

"جنگ زوروں پر ہے شمال کی طرف بہت خطرہ ہوگا"۔

"خطروں سے کھیلتے ہمیں ساری زندگی گزر گئی ہے ہم کل صبح یہاں سے نکل چلیں گے"۔

رات انہوں نے گاؤں کے ایک ہوٹل میں بسر کی۔ صبح وہ ریلوے سٹیشن پر آ گئے۔ سردی میں پلیٹ فارم پر بہت کم لوگ تھے۔

ناگ اور عنبر گاڑی میں سوار ہو گئے اور شمال کی طرف چل دیئے۔

ایک دن ایک رات سفر کرنے کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچ گئے۔ اب ان کے پاس پیسے بالکل ختم ہو گئے تھے۔ پیسوں کے بغیر وہ آگے سفر نہ کر سکتے تھے۔ یہاں سے آگے قطب شمالی کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ جس شہر میں وہ اترے اس شہر پر جرمن فوجوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

ہر طرف جرمن فوجی ٹینک اور مشین گنیں لیے پھر رہے

تھے۔ سارے شہر پر خوف چھایا ہوا تھا۔ ذرا سے شک پر فوجی پکڑ پکڑ کر لے جاتے تھے۔

عنبر اور ناگ ہوٹل کے ویٹنگ روم میں ہی بیٹھے غور کر رہے تھے کہ وہ اخراجات کے لیے پیسے کہاں سے حاصل کریں۔

ناگ کہنے لگا۔

"اس علاقے میں سانپ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں نہیں تو میں زمین کے اندر دفن کئے ہوئے کسی خزانے سے دولت حاصل کر لیتا"۔

عنبر نے کہا۔

"میں نے سٹیشن پر ایک سرکس کا اشتہار دیکھا ہے۔ کیوں نہ سرکس کے مالک سے جا کر ملیں کہ ہم سرکس میں کرتب دکھاتے

ہیں اور وہ ہمیں پیسے دیدے"۔

"یہ خیال بڑا اچھا ہے۔ ہم سے زیادہ اچھا کرتب بھلا اور کون دکھا سکتا ہے۔ چلو سرکس کے مالک کے پاس چلتے ہیں"۔

انہوں نے اشتہار پر لکھا ہوا سرکس کا ایڈریس پڑھا اور پوچھتے پوچھتے سرکس میں پہنچ گیا۔ ایک بہت بڑے پنڈال میں قناتیں لگی تھیں۔

پیچھے خیمے تھے اور پنجروں میں خونخوار جانور بند تھے۔ ذرا پرے تین ہاتھی جھول رہے تھے۔ عنبر نے سرکس کے مالک سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

مینیجر نے دونوں کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ تو مجھے کوئی اٹھائی گیرے معلوم ہوتے ہو۔ چلو

بھاگو تمہیں سرکس کے مینیجر سے کیا کام ہو سکتا ہے بھلا"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ ذیک یاران سے ہمیں ملا دیں یقین کریں اس میں آپ کی سرکس کی بھلائی ہے"۔

مینیجر نے نفرت سے ناک سکیڑ کر کہا۔

واہ! واہ! کیا بات کی ہے۔ ارے تم ایسے اچکے ہم نے بہت دیکھے ہیں۔ چلو اپنا راستہ پکڑو۔ تم ہماری سرکس کے لیے بھلا کیا کر سکتے ہو۔ جاؤ۔ جاؤ۔ نو دو گیارہ ہو جاؤ یہاں سے۔ نہیں تو ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔

عنبر کہنے لگا۔

"مینیجر صاحب! اگر آپ نے اس وقت ہمیں سرکس کے مالک سے ملوا دیا تو آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا"۔

سرکس کے مینیجر پر اس خوشامد کا اثر ہو گیا۔ بولا۔

"چلو تمہیں ملوائے دیتا ہوں۔ مگر یاد رکھنا سرکس کا مالک بڑا کرخت آدمی ہے۔ اگر وہ دو چار ہاتھ تمہاری گردن پر مار دے تو برا نہ ماننا"۔

"آپ فکر نہ کریں"۔

عنبر اور ناگ کو سرکس کے مالک کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

یہ ایک بھینسا نما آدمی تھا۔ موٹا گول گپا سرخ و سفید۔ عنبر اور ناگ کو دیکھ کر غرایا۔

"کیوں آتے ہو تم؟ کون ہو تم؟ ارے ان چورا چکوں کو کہاں سے پکڑ کر لے آیا تو؟"۔

مینیجر نے بڑی نرمی سے کہا۔

"جناب! یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ایسے کرتب ہیں کہ اگر سرکس میں پیش کیے گئے تو لوگ دنگ رہ جائیں گے"۔

سرکس کا مالک ہنسا۔ "ارے یہ تو کوئی پاکھنڈی لگتے ہیں مجھے۔ چلو چلو بھگاؤ ان کو یہاں سے"۔

عنبر نے کہا "جناب! ہمیں کرتب دکھانے کا موقع تو دیں"۔

برفانی ریچھ

سرکس کا مالک غرایا۔

"کون سا انوکھا کرتب ہے تمہارے پاس؟ کیا تار پر چل سکتے ہو؟ جھولے پر قلابازیاں لگا سکتے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

"جناب! یہ تو بڑے معمولی کرتب ہیں"۔

سرکس کے مالک نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو کیا تم ہوا میں اڑ سکتے ہو؟"۔

"جی ہاں!"۔

ناگ کے اس جواب پر سرکس کا منیجر اور مالک زور سے ہنس پڑے۔

اس نے چھڑی سے ناگ کے سینے پر ایک ٹھوکا لگا کر کہا۔

"بھاگو یہاں سے پاگل نوجوان! تمہارا اصل مقام پاگل خانہ ہے"۔

پھر اپنے منیجر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بدبخت! تم کہاں سے ان الو کے پٹھوں کو میرا وقت ضائع کرنے کے لیے لے آئے ہو"۔

سرکس کے منیجر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"معافی چاہتا ہوں سر"۔

اور پھر ناگ اور عنبر کو کھینچ کر بولا۔

"چلو! نکلو باہر!"۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! ان لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ ذرا ان کو ہوا میں اڑ کر دکھا دو"۔

"بہت بہتر عنبر!"۔

اتنا کہہ کر ناگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک گہرا سانس لیا اور ایک دم سے بلبل بن کر پھرر کر کے اڑا اور سرکس کے منیجر کے سر پر جا کر بیٹھ گیا۔

سرکس کا منیجر تو گویا اپنی جگہ پر پتھر بن کر رہ گیا۔ ادھر سرکس

کے مالک کا بھی حیرت اور دہشت سے برا حال تھا۔

اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ بت بنا سرکس کے مینیجر کے سر کو تک رہا تھا جہاں ناگ بلبل بن کر بیٹھا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"سر! کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا؟"۔

سرکس کے مالک نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں دہشت زدہ ہوں"۔

عنبر ہنسا۔

"ناگ! اب واپس آ جاؤ"۔

ناگ نے بلبل کے روپ میں کمرے کا ایک چکر لگایا اور پھر واپس اپنی جگہ پر آ کر پھر سے انسان بن کر کھڑا ہو گیا۔

سرکس کا مالک اب آنکھیں جھپکتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور ناگ کے قریب آ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

"تم۔۔۔ تم نے تو کمال کر دیا نوجوان! یہ تو جادو ہے۔ ایسا جادو تو میں نے ساری زندگی نہیں دیکھا۔ میں تم، تم کو اپنے ہاں نوکر رکھتا ہوں۔ بولو۔ تم کیا لو گے؟ میں تمہیں ایک ہزار روپے دوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے"۔

اسی روز سرکس کمپنی کی جانب سے شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ کمپنی آج ایک ایسا انوکھا کھیل دکھا رہی ہے جو کسی نے آج تک نہ دیکھا ہو گا۔

ایک آدمی جانور بن کر ہوا میں اڑے گا۔ ٹکٹ سو روپے رکھا گیا۔ شام تک سارے ٹکٹ فروخت ہو گئے۔

سرکس لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ ہر کوئی انوکھا تماشا دیکھنے کو بے تاب تھا۔

بعض کہہ رہے تھے۔

”اجی بھلا آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی آدمی جانور بن کر ہوا میں اڑتا پھرتا نظر آئے۔ یہ سب فراڈ ہے“۔

سرکس کا تماشہ شروع ہو گیا۔ پہلے جانوروں کے کرتب دکھائے گئے۔

لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

”آدمی کو ہوا میں اڑاؤ۔ نہیں تو ہم کرسیاں توڑ دیں گے“۔

آخر منیجر نے آ کر اعلان کیا۔

”حضرات! اگرچہ ابھی انوکھے کھیل کا وقت نہیں آیا۔ لیکن آپ لوگوں کے اصرار پر ہم اپنا شاندار کھیل دکھا رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! ہوشیار ہو جائیے! ناگ ہوا میں اڑیں گے“۔

ناگ ریشمی کپڑے پہنے۔ بیچ میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے جھک کر آداب بجا لائے۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ کچھ لوگوں نے مذاق اڑایا۔ ہوٹنگ شروع کر دی کہ بھلا یہ دبلا پتلا سا نوجوان کیسے ہوا میں اڑے گا۔

ناگ نے دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ آنکھیں بند کیں۔ ایک گہرا سانس لیا اور پھر۔۔۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ نوجوان ناگ غائب ہو گیا۔

اس کی جگہ ایک بلبل پھر پھر کر کے اڑی اور سرکس کے پنڈال میں چکر لگانے لگی۔ کبھی وہ لوگوں کے سروں پر آ کر اڑتی اور کبھی کسی کے کندھے پر آ کر بیٹھ جاتی اور پھر اڑنے لگتی۔

لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ سارے ہال پر سناٹا چھا گیا تھا۔ سچ مچ ان لوگوں نے ایسا تماشا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

پھر لوگوں نے بے تحاشا تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ ناگ بلبل بن کر اڑتے اڑتے پنڈال کے بیچ میں آ کر پھر سے انسان بن کر کھڑا ہو گیا اور سر جھکا کر سلام کیا۔

لوگ ابھی تک تالیاں بجا رہے تھے۔ ناگ اندر چلا گیا۔

لوگوں نے تالیاں پیٹ پیٹ کر پھر پھر سے اسے بلایا اور اس پر نوٹوں کی بارش کر دی۔ ناگ کے ساتھ اب سرکس کا مالک بھی

آیا۔ اس نے بھی لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"حضرات! کل یہ تماشا ایک بار پھر دکھایا جائے گا"۔

لوگ بڑے خوش ہوئے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر دیر تک تالیاں بجاتے رہے۔ اپنے کمرے میں آ کر ناگ نے کہا۔

"ہم آج یہاں سے چلے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ کھیل صرف اس لیے دکھایا ہے کہ ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ ہم قطب شمالی کا سفر کرنا چاہتے ہیں جہاں ہماری ایک بہن کھو گئی ہے"۔

سرکس کے مالک نے بڑی خوشامد سے کہا۔

"صرف ایک دن اور ٹھہر جاؤ۔ میں تمہیں کل کے کھیل کے لیے بیس ہزار روپے دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ صرف تمہاری خاطر ہم ایک روز اور ٹھہر جاتے ہیں۔ لیکن پرسوں ہم چلے جائیں گے"۔

"بے شک بے شک"۔

سرکس کا مینیجر اور مالک بڑے خوش ہوئے۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر اعلان کرا دیں کہ کل میں ایک دوسرا تماشا دکھاؤں گا جسے دیکھ کر لوگ پہلے سے زیادہ حیران ہوں گے"۔

سرکس کی طرف سے کا اعلان کروا دیا گیا۔ دوسرے روز بھی سرکس لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ تالیوں کی گونج میں ناگ پنڈال کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے کہا۔

"خواتین و حضرات! آج میں آپ کو سانپ بن کر دکھاؤں گا۔ آپ نے آج تک کسی انسان کو سانپ بنتے نہیں دیکھا ہو گا۔ لیجیے میں سانپ بن رہا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ نے دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ فرش پر ناگ کی جگہ ایک سیاہ رنگ کا بہت بڑا سانپ کنڈلی مارے پھن پھیلائے بیٹھا جھوم رہا تھا۔

لوگ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ سانس اوپر کا اوپر رہ گیا۔

سانپ جھوم رہا تھا۔ پھر اس نے فرش پر رینگنا اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ کافی دیر رقص کرنے کے بعد سانپ اپنی جگہ پر آ

کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور واپس انسان یعنی ناگ کے روپ میں آ گیا۔

سانپ کو دوبارہ انسان بنتے دیکھ کر لوگوں نے خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

یہ کھیل لوگوں نے بیحد پسند کیا اور ایک بار پھر دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

ناگ نے کہا۔

”اگر کوئی میرے پاس آ جائے تو میں اسے ہاتھی کی سواری کرواؤں گا“۔

لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

کچھ ڈر رہے تھے۔ کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے

تھے۔ آخر ایک سرخ بالوں والی پیاری سی لڑکی پنڈال میں آ گئی اور ناگ کے پاس جا کر بولی۔

”میں ہاتھی کی سواری کرنا چاہتی ہوں“۔

ناگ نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”شاباش! تم ایک بہادر بچی ہو۔ میں تمہیں ہاتھی کی سیر ضرور کراؤں گا“۔

ناگ نے لڑکی کو ذرا پرے کھڑا کر دیا۔ خود ایک بار پھر دونوں ہاتھ باندھ کر آنکھیں بند کیں اور ایک گہرا سانس لے کر ہاتھی بن گیا۔

لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ ہاتھی نے سونڈ اٹھا کر لوگوں کو سلام کیا۔

پھر وہ لڑکی کے پاس آ گیا۔ لڑکی کچھ ڈر رہی تھی۔ ہاتھی نے سونڈ اس کی طرف بڑھا کر اسے اٹھایا اور اپنی کمر پر بٹھا دیا۔

اس کے بعد ہاتھی نے پنڈال کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کے پاس سے گزرتے ہوئے سونڈ اٹھا اٹھا کر انہیں سلام کرتا۔

لوگ اس پر روپے پھینکتے اور خوشی کے نعرے لگاتے۔ چھ سات چکر لگانے کے بعد ہاتھی رک گیا۔ اس نے سونڈ کی مدد سے لڑکی کو نیچے اتار دیا اور پھر انسان بن گیا۔

سارا پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔

اچانک ایک آدمی پستول ہاتھ میں لیے کرسیاں پھلانگ کر پنڈال میں ناگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

بھائیو! یہ شخص نظر کا دھوکا کرتا ہے۔ یہ کوئی جادوگر نہیں۔ اس کے پاس کوئی خفیہ طاقت نہیں ہے۔ اس نے سرکس کے مالک سے مل کر ہمارے پیسے بٹورے ہیں۔

اگر یہ جادوگر ہے تو اسے کہو کہ میں پستول چلاتا ہوں۔ یہ میرے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے۔ اگر یہ سچ مچ جادوگر ہے تو گولی اس پر اثر نہیں کرے گی۔

سرکس کے مالک اور منیجر نے آ کر اس سرپھرے آدمی کو واپس بھجوانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بار بار چلا رہا تھا۔

ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ اب سارے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مطالبہ کرنے لگے کہ اگر ناگ جادوگر ہے تو اس پر گولی اثر نہیں کرے گی۔

سرکس کا مالک پریشان ہو گیا۔ کیونکہ لوگ ٹکٹ کے پیسے واپس مانگ رہے تھے۔ ناگ مسکرا رہا تھا۔ عنبر جلدی سے سامنے آ کر بولا۔

"بھائیو! ناگ بہت عظیم جادوگر ہے۔ میں اس کا شاگرد ہوں۔ اس کی جگہ میں گولی کھانے کو تیار ہوں۔ تم لوگ دیکھ لو گے کہ مجھ پر گولی اثر نہیں کرے گی۔ کیا تم لوگوں کو منظور ہے کہ استاد کی جگہ اس کا شاگرد یہ کھیل دکھائے"۔

لوگوں نے شور مچاتے ہوئے کہا۔

"منظور ہے۔ منظور ہے"۔

پستول والے نوجوان نے بھی یہ چیلنج قبول کر لیا۔ عنبر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"اب تم مجھ پر گولی چلا سکتے ہو"۔

سرکس کا مالک ڈر گیا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عنبر مر جائے اور گولی اس کے سینے سے نکل کر کسی تماشائی کو لگ جائے۔ اس نے تماشائیوں میں سے دو وکیل حضرات کو بلا کر گواہ کے طور پر وہاں کھڑا کر لیا اور کہا کہ آپ لوگ گواہ رہیں۔ یہ سب کچھ لوگوں کی اپنی مرضی سے ہو رہا ہے۔

وکیلوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ شخص اگر مر گیا تو اپنی موت کا خود ذمے دار ہو گا"۔

سرکس کے مالک نے عنبر کے پیچھے ایک لوہے کی چادر کھڑی کر دی تا کہ گولی اس کے سینے سے پار ہونے کے بعد لوہے

کی چادر سے ٹکرا کر گر پڑے اور کسی تماشائی کو نہ لگے۔

عنبر سینہ تانے کھڑا تھا۔ دس بارہ قدم کے فاصلے پر پستول والا نوجوان کھڑا اسے گہری نظروں سے تک رہا تھا۔

”کیا اجازت ہے کہ پستول چلاؤں“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں نہیں۔ ضرور چلاؤ۔ کیا سوچ رہے ہو؟“۔

نوجوان نے ایک سے لے کر دس تک گنتی کی۔ دس پر آ کر اس نے پستول چلا دیا۔ گولی پستول میں سے ایک دھماکے کے ساتھ نکلی اور عنبر کے سینے سے ٹکرائی۔

عورتوں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ سب کو یقین تھا کہ عنبر کے سینے سے گولی پار ہو گئی ہو گی۔ ابھی خون کا فوارہ چھوٹے گا اور وہ

دھڑام سے زمین پر گر کر تڑپنے لگے گا۔

لیکن یہ دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں کہ گولی عنبر کے سینے سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑی تھی۔

پستول والا آدمی بھی دنگ رہ گیا۔ اس نے غصے میں آ کر یکے بعد دیگرے پستول کی ساری گولیاں چلا دیں۔

ہر ایک گولی دھماکے کے ساتھ پستول میں سے نکلی اور عنبر کے سینے سے ٹکرا کر واپس زمین پر گر پڑتی۔

اب تو حیرت کے مارے لوگ دنگ رہ گئے۔ سرکس کا مینیجر اور مالک بھی بت بنا عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ لوگوں نے اٹھ کر عنبر کو گھیر لیا اور اس کا سینہ دیکھنے لگا۔ سینے پر ذرا سا بھی نشان نہیں تھا۔

سرکس کا مالک بڑی مشکل سے عنبر اور ناگ کو لوگوں کے ہجوم

سے باہر نکال کر کمرے میں لے آیا۔

اس نے ٹوپی اتار کر پرے پھینکی اور عنبر اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

تم کون ہو دوستو؟ بھئی تم نے تو کمال کر دیا۔ کیا تم بھوت ہو؟ جن ہو؟ میں تو ابھی تک دہشت زدہ ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

لیکن آج میں ایسا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کیا تم ہمیشہ کے لیے میرے پاس نہیں رہ سکتے؟۔

میں تمہاری خدمت کروں گا۔ تمہیں منہ مانگے دام ادا کروں گا۔

ناگ نے کہا۔

"اگر ایسا ہو سکتا تو ہم ضرور یہاں رہ جاتے۔ مگر ہمیں اپنی گم شدہ بہن کی تلاش میں آگے جانا ہے۔ ہم یہاں نہیں رہ سکتے"۔

وہ رات اس شہر میں رہنے کے بعد عنبر اور ناگ نے اپنے پیسے لیے اور وہاں سے معلوم کیا کہ قطب شمالی کا سفر کیسے کیا جائے گا۔

اسی شہر سے انہیں ایک جگہ معلوم ہوا کہ سرخ جادوگر وہاں سے گذرا تھا اور وہ الاسکا کی طرف نکل گیا۔ اس شہر سے ایک ہوائی جہاز ہفتے میں دو بار مسافر کو لے کر الاسکا جاتا تھا۔

الاسکا کی ریاست امریکہ کے زیر انتظام تھی اور جنگ کے شعلے وہاں بھی پہنچے ہوئے تھے۔

جرمن اس علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عنبر اور ناگ ایک ہوائی جہاز میں بیٹھ کر الاسکا کی طرف چل پڑے۔

شام کے وقت وہ الاسکا کے سب سے بڑے شہر میں پہنچ

گئے۔

یہ شہر سردی کی وجہ سے ویران ویران تھا۔ بلیک آؤٹ تھا۔ کہیں کہیں ہلکی روشنیاں ہو رہی تھیں جو رات کے وقت بجھا دی گئیں۔

اتنی سردی انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ بڑی سرد ہوا چل رہی تھی۔

شہر چھوٹا سا تھا۔ بازار سنسان تھے۔ ہوائی اڈے پر امریکی فوج پہرہ دے رہی تھی اور مسافروں کی تلاشی لے رہی تھی۔

عنبر اور ناگ ہوائی اڈے سے نکل کر ایک ہوٹل میں آ گئے۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ گرم گرم قہوہ پیا اور ماریا کے بارے میں باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

دن چڑھے اٹھے۔ دیکھ کر سورج کی روشنی بہت مدھم تھی۔

قطب شمالی میں سورج افق کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے اور آسمان کے درمیان میں آ کر کبھی نہیں چمکتا۔ اس کی وجہ سے وہاں ہر وقت ایسی روشنی رہتی ہے جیسے ہمارے ہاں سورج غروب ہونے یا طلوع ہونے کے وقت ہوتی ہے۔

امریکی فوج شہر میں گشت لگا رہی تھی۔

عنبر اور ناگ شہر کے ایک قہوہ خانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ لوگوں سے باتوں ہی باتوں میں یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ سرخ جادوگر وہاں کہاں پر رہتا ہے۔

اس قہوہ خانے میں ایک بوڑھے اسکیمو سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ ایک لمبے بالوں اور نیلی آنکھوں والا بڈھا

بکری ساتھ لیے اس شہر میں گھومتا پھرتا دیکھا گیا تھا۔

یہ حلیہ بالکل اسی سرخ جادوگر کا تھا۔

"اب وہ کہاں ہوگا؟"۔

ناگ نے بے تابی سے پوچھا۔

بڈھا ایک مو کچھ سوچ کر بولا۔

"دو روز پہلے وہ شہر سے باہر ایک گرجے کی طرف گیا تھا۔ کہتے ہیں وہ رات بھر گرجے میں رہ کر عبادت کرنا چاہتا تھا۔ بس پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا"۔

عنبر اور ناگ وہاں سے اٹھ کر سیدھا گرجا گھر آ گئے۔

یہاں انہوں نے پادری کو سلام کیا اور سرخ بالوں والے جادوگر کے بارے میں پوچھا۔

پادری نے مسکرا کر کہا۔

"دو روز پہلے ایک عجیب سی شکل والا بوڑھا یہاں آیا تھا۔ کہتا تھا میں عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے کونے والی کوٹھڑی دے دی تھی۔ رات بھر وہاں خدا جانے کیسے کیسے منتر پڑھتا رہا۔"

مجھے تو وہ کوئی کالے علم والا جادوگر لگتا تھا۔

عنبر نے پوچھا۔

"پھر وہ کہاں چلا گیا مقدس باپ؟"۔

پادری نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"کل صبح صبح جب میں اس کی کوٹھڑی میں گیا تو وہ خالی تھی۔ کسی سے کہہ رہا تھا کہ وہ قطب شمالی میں کسی گرجے میں جا کر کوئی چلہ کاٹے گا"۔

عنبر اور ناگ نا امید ہو کر واپس اپنے ہوٹل میں آ گئے۔

قطب شمالی میں ایک وسیع علاقہ تھا۔ جو ہزاروں میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ وہاں قدم قدم پر ویرانی اور سردی تھی۔

وہاں وہ اس جادوگر کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ لیکن تلاش کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

چنانچہ انہوں نے ایک چھوٹا سا جہاز کرائے پر لیا وہ چاہتے تھے کہ چھوٹے جہاز پر بیٹھ کر قطب شمالی کے برفانی میدانوں کا چکر لگائیں اور جہاں کہیں انہیں کسی گرجے کی عمارت نظر آئے وہاں اتر جائیں اور جادوگر کو تلاش کریں۔

اس جہاز کو ایک تجربہ کار ہوا باز چلا رہا تھا جس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

صبح کے وقت وہ جہاز پر سوار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ پانی، دودھ کے ڈبے، پھل کے ڈبے، سبزیوں کے ڈبے، ڈبل روٹی، مٹی کا تیل اور گرم کپڑے رکھ لیے تھے تا کہ اگر انہیں کسی جگہ رہنا پڑے تو کم از کم ہوا باز کے لیے ہی کھانے پینے کا انتظام ہو سکے۔

جہاز کا صرف ایک پنکھا تھا۔ اور اس میں ہوا باز کے علاوہ صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ جہاز ہوائی اڈے سے اڑ کر آسمان میں بلند ہوا اور اس نے قطب شمالی کے برفانی میدانوں کی طرف رخ کر لیا۔

ہوا باز نے کہا۔

”ہم دوپہر کے وقت قطب شمالی کے ویران برفستان میں پہنچ

جائیں گے۔ لیکن تم لوگ کیا کرنے جا رہے ہو؟"۔

وہاں تو دور دور تک کسی آبادی کا نشان نہیں ہے۔ گرجے میں جا کر کیا عبادت کرو گے؟۔

عنبر نے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔ ویسے ہم جغرافیہ کے استاد ہیں اور یہاں تحقیقات کر رہے ہیں"۔

انہوں نے ہواباز کو پانچ ہزار روپے پہلے ہی ادا کر دیئے تھے۔

شرط یہ طے ہوئی تھی کہ اگر انہیں قطب شمالی میں کوئی گرجا گھر مل گیا تو وہاں اتر جائیں گے اور دو روز وہاں ٹھہرنے کے بعد جہاز میں واپس آ جائیں گے۔ اور اگر کہیں کسی گرجا گھر کی عمارت

نظر نہ آئی تو پھر اسی جہاز میں واپس آ جائیں گے۔

جہاز برفانی میدانوں کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ کچھ دور تک چند ایک مکان نظر آئے پھر نیچے دور دور تک سوائے برف کے میدان کے اور کچھ نہیں تھا۔

دوپہر کے وقت جہاز قطب شمالی کے خاص برفستان کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ کہیں کہیں انہیں اسکیمو کے بنے ہوئے برف کے گھر نظر آئے۔

ایک جگہ کتے گاڑی کو گھسیٹے لیے جا رہے تھے۔ دو گھنٹے تک جہاز برفانی میدانوں کے چکر لگاتا رہا۔ انہیں دور دور تک کوئی بھی گرجا نظر نہ آیا۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بھائی! یہاں تو گرجے کا معمولی سا نشان بھی نظر نہیں آ رہا۔ کیا خیال ہے، واپس نہ چلا جائے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ایک دو چکر اور لگا لیے جائیں"۔

اس نے ہوا باز سے کہا۔

"ذرا آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ شاید کوئی گرجا گھر دکھائی پڑ جائے"۔

ہوا باز نے ہنس کر کہا۔

"میں یہاں کئی بار پرواز کر چکا ہوں۔ یہاں میں نے تو کبھی کوئی گرجا گھر نہیں دیکھا۔ تم لوگ کہتے ہو تو چلا چلتا ہوں"۔

ہوا باز جہاز کو لے کر اور آگے نکل گیا۔ اب وہاں برف کے

بڑے بڑے ٹیلے آ گئے۔

ان ٹیلوں کی دوسری جانب گہرے گڑھے تھے۔ یہاں ایک سفید برفانی ریچھ اپنی تھوتھنی اوپر اٹھا کر جہاز کو حیرانی سے تک رہا تھا۔

ہوا باز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میں اس ریچھ کا شکار کروں گا۔ اس کی کھال کا کوٹ بناؤں گا"۔

اس سے پہلے کہ عنبر ناگ اسے منع کرتے وہ جہاز کو موڑ کر بہت نیچے لے آیا۔

اس نے بندوق نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی اور نیچے آ کر ریچھ پر فائر کر دیا۔

گولی ریچھ کو نہ لگی۔ وہ ایک طرف کو بھاگنے لگا۔ ہوا باز نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"اس کھیل کو چھوڑو اور گھر جا کر تلاش کرو۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟"۔

ہوا باز نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ لوگوں کو پانچ ہزار روپے واپس کر دوں گا لیکن اس ریچھ کو گولی کا نشانہ ضرور بناؤں گا"۔

جہاز ریچھ کے اوپر اڑنے لگا۔

ریچھ پیچھے رہ گیا۔ ہوا باز دوسری بار جہاز کو موڑ کر لایا اور ریچھ کے اوپر سے گذرتے ہوئے اس نے بندوق چلا دی۔

گولی ایک دھماکے سے چلی۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ گولی ریچھ کو لگنے کی بجائے جہاز کے پنکھے کے ایک پر کو لگی اور وہ ٹوٹتی ہوئی نیچے برفانی میدان میں گھس گئی۔

ایک پر کے ٹوٹتے ہی جہاز کی مشین سے گڑ گڑ کی آواز آنے لگی۔

ہوا باز نے جلدی سے جہاز کو سنبھالا۔ مشین رکنے لگی تھی۔ کیونکہ پنکھا رک رہا تھا۔

ناگ چلایا۔

"آخر تم نے ہمیں مصیبت میں ڈال ہی دیا"۔

ہوا باز کچھ بولا اور جہاز کو نیچے اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔

مصیبت یہ تھی کہ نیچے جگہ جگہ برف میں گڑھے پڑے ہوئے

تھے۔

عنبر نے ہوا باز کو خبردار کیا کہ وہ جہاز کو کسی ہموار جگہ اتارنے کی کوشش کرے۔

ہوا باز نے چیخ کر کہا۔

"خاموش رہو! ہوا باز میں ہوں۔ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ جہاز کو کہاں اتارنا ہے"۔

لیکن جہاز ہوا باز کے بس میں نہیں تھا۔ اس کی مشین ایک دم سے رک گئی۔ اور اب وہ ہوا میں ایک طرف کو جھک گیا۔

ہوا باز نے جہاز کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ایک طرف کو جھکتا ہی چلا گیا۔

اور آخر ایک برفانی ٹیلے سے ٹکرا کر نیچے برف کے گڑھے میں گر گیا۔

ناگ فوراً بلبل بن کر اپنی سیٹ سے اڑ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عنبر کو کوئی چوٹ نہیں لگے گی۔ لیکن وہ مر سکتا ہے۔

جہاز برف کے گڑھے میں پھنس گیا تھا۔ ہوا باز کا سر سامنے والے شیشے سے ٹکرا دیا تھا۔ لیکن اس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے زیادہ چوٹ نہ آئی۔ ناگ اب پھر سے انسان بن گیا تھا۔

ایسا کرتے ہوئے ہوا باز نے اسے بالکل نہیں دیکھا۔ اسے افراتفری میں کوئی خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے جہاز سے باہر آ گئے۔

ہوا باز لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

عنبر نے اس کے ماتھے پر پٹی باندھی۔ ہوا باز نے بندوق ہاتھ میں لی اور گڑھے سے باہر آ کر بولا۔

"میں اس ریچھ کو مار کر ہی دم لوں گا۔ میں اس سے انتقام لوں گا"۔

عنبر اور ناگ اسے واپس بلاتے ہی رہ گئے اور وہ بندوق لے کر لنگڑاتا ہوا اس طرف چل دیا۔ جدھر اس نے برفانی ریچھ دیکھا تھا۔

برفانی ریچھ ایک ٹیلے کے پہلو میں کھڑا جہاز کو تک رہا تھا۔ ہوا باز نے جھک کر گولی چلا دی۔ گولی اس بار بھی ریچھ کو نہ لگی۔

ریچھ گولی کی آواز پر ہوا باز کی طرف لپکا اور زور زور سے غرانے لگا۔

عنبر اور ناگ گڑھے سے باہر آ گئے۔ ریچھ ہوا باز کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا اور بڑی ڈراؤنی آوازیں نکال رہا تھا۔

ہوا باز برف پر جھک گیا۔ اس نے بندوق سے نشانہ لیا اور گھوڑا دبا دیا۔ مگر اس کی بدقسمتی سے گولی بندوق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

ریچھ اس کے سر پر آ پہنچا۔ اس نے ہوا باز کو گولی نکال کر نالی صاف کرنے کا موقع نہ دیا۔

ہوا باز نے بندوق کو لاٹھی کی طرح گھما کر زور سے ریچھ کے سر پر مارنے کی کوشش کی۔

بندوق اس کے ہاتھ سے نکل کر دور برف پر جا پڑی۔ ریچھ

نے ہوا باز کو اپنے بلیڈ جیسے تیز پنجوں سے اپنی طرف کھینچا۔

اسے اپنے سینے سے لگا کر پنجے اس کی پشت پر مارنے لگا۔

اس نے ہوا باز کو کھینچ کر اس کی پسلیاں توڑ دیں اور پنجے مار مار کر اس کی پیٹھ کا سارا گوشت ادھیڑ ڈالا۔

ہوا باز خون میں نہا گیا اور ریچھ نے اسے چھوڑا تو وہ برف پر گرا اور ذرا سا تڑپ کر مر گیا۔

اب ریچھ نے عنبر اور ناگ کی طرف دیکھا اور غراتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس مصیبت کو ہمیں ختم کر دینا چاہیے"۔

عنبر بولا۔

اسے میں سنبھالتا ہوں۔ تم پرے ہو جاؤ۔ سانپ بن کر تم اسے ہلاک نہیں کر سکو گے۔ اس کے جسم پر بے شمار بال ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"میں ہاتھی بن کر اسے چیرے ڈالتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں! میں خود اس سے دو دو ہاتھ کروں گا"۔

ناگ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ عنبر آگے بڑھا۔ ریچھ اس کے بالکل قریب آ چکا تھا۔

ریچھ ڈراؤنے انداز میں چیخا اور اس نے عنبر پر حملہ کر دیا عنبر نیچے گر پڑا۔ ریچھ نے تیز پنجوں سے عنبر کی کھال کو ادھیڑنے کی کوشش شروع کر دی۔

لیکن عنبر کی کھال تو جیسے پتھر کی طرح سخت تھی۔ ریچھ کے ناخن ٹوٹ گئے مگر کھال اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی۔

ریچھ نے عنبر کو سینے سے لگا کر بھینچنا شروع کر دیا کہ اس کی پسلیاں توڑ دے۔ مگر ایسا کرنے سے بھی کچھ نہ ہوا۔

ریچھ کو ایسا لگا جیسے اس نے بہت بڑے پتھر کو اپنے ساتھ لگا لیا ہے اور اسے بھینچ رہا ہے۔ الٹا ریچھ کی پسلیاں درد کرنے لگیں۔

ریچھ بڑا حیران ہوا۔ اس نے عنبر کو چھوڑ دیا۔ دوسری بار وہ عنبر پر حملہ کرنے آیا تو عنبر نے زور سے ریچھ کے سینے پر لات ماری۔

ریچھ پرے گر پڑا۔ ریچھ کے اٹھنے سے پہلے ہی ناگ نے خنجر اچھال کر عنبر کی طرف پھینکا۔ عنبر نے خنجر کی مدد سے ریچھ کا پیٹ چاک کر دیا۔

پھر اس کی گردن پر وار کیے۔ ریچھ زخمی ہو کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ ریچھ کو ہلاک کرنے کے بعد عنبر اور ناگ جہاز میں آ گئے۔

انہوں نے اس کے اندر سامان دیکھا۔ کھانے پینے کا سامان ویسے ہی پڑا تھا۔ اب انہوں نے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ چاروں طرف برف ہی برف تھی۔

برفانی میدان تھا جس میں کہیں کہیں برف پوش بلکہ برف کے ٹیلے ابھرے ہوئے تھے۔ سردی بے حد شدید تھی۔

سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا اور ہوا چلنے لگی تھی۔

ناگ نے کہا۔ ”سردی سے بچنے کے لیے ہمیں جہاز کی سیٹیں باہر نکال کر اندر سونے کی جگہ بنانی ہو گی۔ تمہیں سردی کچھ نہیں کہتی لیکن میں ٹھٹھر سکتا ہوں“۔

بھیانک درندہ

جہاز کے کیبن سے چیزیں نکال دی گئیں۔

اب وہاں انہوں نے کمبل بچھا دیے۔ ناگ نے کھال کا سموری کوٹ پہن لیا۔

شام ہو رہی تھی۔ وہ کیبن میں گھس کر کمبلوں پر لیٹ گئے۔ اور غور کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ کچھ دیر سوچ بچار کرنے کے بعد انہوں نے مٹی کے تیل کا چولہا جلا کر سبزی پکائی اور شوربہ گرم

کیا۔

کھانا کھا کر انہوں نے قہوہ پیا اور باتیں کرنے لگے۔

"یہاں تو ہم ٹھیک طرح سے پھنس گئے ہیں۔ خدا جانے گرجا گھر ہمیں ملتا بھی ہے کہ نہیں۔ بہرحال اب تو ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں سے کس طرح نکلا جائے"۔

ناگ نے کہا۔

یہاں سے کس طرح نکل سکتے ہیں؟ یہ برفانی میدان تو ہزاروں میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاز تباہ ہو چکا ہے۔

ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان دو ہفتوں کا ہے۔ خیر ہم تو کھانے پینے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ آخر کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟

ماریا کا کیا بنے گا؟"۔

خدا جانے وہ جادوگر اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ جس نے ماریا کو غیبی حالت میں دیکھ کر اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ یقیناً وہ بڑا زبردست جادوگر ہوگا۔

عنبر آہ بھر کر بولا۔

"خدا بہتر ہی کرے گا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ ہم کس مقام پر ہیں۔ اگر تو یہ جگہ اس برفانی راستے پر ہے جہاں سے اسکیمو لوگوں کی کتا گاڑیاں گزرا کرتی ہیں تو پھر ہم یہاں سے نکل سکیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہاں تو بڑے بڑے گڑھے ہیں۔ یہاں بھلا کتا گاڑی کیوں آنے لگی۔ میرا تو خیال ہے کہ ادھر کبھی کوئی نہیں آتا"۔

عنبر کہنے لگا۔

"تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی ناگ؟ اگر سردی لگتی ہے تو میرا بھی سموری کوٹ لے لو"۔

ناگ نے کہا۔

"قہوہ پینے کے بعد خوب گرم ہو گیا ہوں۔ اب تو مجھے نیند بھی آنے لگی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں سو جانا چاہیے۔ صبح تازہ دم ہو کر غور کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔

کیبن میں اگرچہ ٹھنڈ تھی مگر باہر کے مقابلے میں اندر کچھ آرام تھا۔ انہوں نے کمبل اوپر کر لیے اور سونے کی کوشش کرنے

لگے۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ آسمان پر کہیں کہیں ستارے چمک رہے تھے۔ عنبر اور ناگ اپنے تباہ شدہ جہاز کے کیبن میں گہری نیند سو رہے تھے۔

اچانک ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے زلزلہ آ گیا تھا اور زمین ہل رہی تھی۔ جہاز کا کیبن بھی کسی وقت ہل جاتا تھا۔ اب اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے برف پر کوئی بھاری شے گر رہی ہے۔ عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی۔

اس نے کہا۔

"شاید زلزلہ آ گیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

زلزلہ اتنا لمبا نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ آواز کیسی آ رہی ہے؟۔

عنبر نے کان لگا کر سنا۔ آواز ایسی تھی۔ جیسے کوئی زمین پر بھاری چیز مار رہا ہے۔ دونوں کیبن سے باہر نکل آئے۔

وہ گڑھے کے کنارے پر آ کر دیکھنے لگے۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ ایک سفید ٹیلہ سا ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

"یہ کیا ہو سکتا ہے؟"۔

"کیا یہاں برف کے ٹیلے رات کو سفر کرتے ہیں؟"۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک بھیانک چیخ کی آواز رات کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ دونوں برف پر جھک کر تکنے لگے۔

اب انہیں سامنے ایک برفانی بھوت نظر آیا جو پہاڑ کا پہاڑ تھا سر پر برف جیسے سفید لمبے بال تھے۔ آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔ دونوں لمبے ہاتھ درختوں کی طرح نیچے لٹکے تھے۔ ناخن لمبے تھے۔ پاؤں کئی فٹ چوڑے اور لمبے تھے۔ وہ زمین پر پیر رکھتا تھا اس کے وزن سے برف نیچے بیٹھ جاتی اور کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی۔

زمین ہلنے لگی۔ پورا پہاڑ کا پہاڑ ان کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

”یہ قطب شمالی کا برفانی بھوت ہے۔ یہ بڑا خونخوار ہوتا ہے اور انسانوں، حیوانوں۔ سب کو کچا چبا کر نگل جاتا ہے“۔

عنبر کہنے لگا۔

”بے حد خوف ناک شکل ہے۔ تم اپنے آپ کو بچاؤ۔ مجھے تو یہ کچھ نہ کہہ سکے گا“۔

ناگ نے کہا۔

”یہ تمہارے سر پر پاؤں رکھ کر تمہیں برف کے نیچے دبا دے گا۔ پھر ہمیں نکالنے میں دقت پیش آئے گی۔ میرا خیال ہے۔ اس پر گولی چلاتے ہیں“۔

ہواباز کی بندوق بیکار ہو گئی تھی۔ عنبر کے پاس ایک پستول تھا۔ جس میں چار گولیاں تھیں۔ ناگ پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے پستول کا رخ برفانی بھوت کی طرف کیا اور پے در پے چاروں گولیاں فائر کر دیں۔

چاروں گولیاں بھوت کے چہرے پر لگیں مگر اس پر کوئی اثر نہ

ہوا۔ وہ ذرا رک گیا اس نے منہ کھول کر ایک چیخ ماری۔

اس کے بھیانک دانت بڑے لمبے لمبے اور نوکیلے تھے۔ اس کی چیخ نے اندھیری رات کو دہشت زدہ بنا دیا۔

برفانی بھوت تیزی سے عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر اچھل کر گڑھے سے باہر آ گیا اور برف میں ایک طرف ہو کر چھپ گیا۔ اتفاق سے وہاں ایک کھوہ تھی۔ اسی کھوہ میں ناگ بھی بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

”میرا خیال ہے یہاں چھپے رہتے ہیں۔ اگر یہ برفانی بھوت بالکل ہی پیچھے پڑ گیا تو اسے ہلاک کر دیں گے۔ نہیں تو اسے کچھ نہیں کہیں گے۔“

برفانی بھوت تباہ شدہ جہاز کو گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر

جھک کر دیکھنے لگا۔ وہ ساتھ ساتھ غرا بھی رہا تھا۔

وہ حیران ضرور تھا کہ جس شخص نے گولی چلائی تھی وہ کہاں چلا گیا ہے۔ برفانی بھوت نے ہاتھ ڈال کر جہاز کو اوپر اٹھایا اور گڑھے سے باہر نکال کر باہر برف پر پٹخ دیا۔

وہ عنبر اور ناگ کو شاید بھول گیا تھا۔ عنبر اور ناگ برفانی کھوہ میں بیٹھے یہ سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔ برفانی بھوت کیبن میں رکھے ہوئے کمبل اور خوراک کے ڈبے تک رہا تھا۔

پھر اس نے ایک کمبل میں خوراک کے سارے ڈبے ڈالے اور کمبل کی گٹھڑی سی بنا کر اسے اٹھائے برفانی میدان میں ایک طرف کو چل پڑا۔

عنبر اور ناگ نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"برفانی بھوت نے یہ کیا حرکت کی؟"۔

ناگ بولا۔

"وہ کمبل اور خوراک کے ڈبے لے کر کہاں جا رہا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ اپنے گھر جا کر کھائے گا اور کمبل اوڑھ کر سو جائے گا"۔

عنبر ہنسا۔ ناگ نے کہا۔

"عنبر! ضرور کوئی خاص بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ برفانی بھوت یہ ساری چیزیں کسی ایسے انسان کے لیے لے جا رہا ہے جو اس کی قید میں ہے"۔

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ ناگ کی عقلمندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بڑے پتے کی بات کہہ دی تھی۔ کیونکہ برفانی بھوت کو کمبل اور خوراک کے ڈبے اٹھانے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

عنبر بولا۔

"چلو۔ برفانی بھوت کا تعاقب کرتے ہیں۔ کہیں جادوگر نے ہی اس کو اپنے قابو میں نہ کر رکھا ہو۔ جلدی چلو"۔

عنبر اور ناگ برفانی کھوہ میں سے نکل کر برفانی بھوت کے پیچھے پیچھے چھپ کر چل پڑے۔ رات تاریک تھی۔

لیکن ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہیں برفانی بھوت دور جاتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کمبل میں گٹھڑی تھی اور وہ کندھے اچکائے پاؤں زمین پر مارتا چلا جا رہا

تھا۔

زمین پر چلنے کے بعد برفانی بھوت ایک ٹیلے کی طرف مڑ گیا۔ عنبر اور ناگ بھی تیز تیز چلتے اس ٹیلے کے عقب میں آ گئے۔

یہاں انہوں نے برف کے ٹیلے میں ایک غار دیکھا جس کے منہ پر برف کی بڑی سل رکھی ہوئی تھی۔ برفانی بھوت یہاں کھڑا ہو گیا۔

اس نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ عنبر اور ناگ برف پر لیٹ گئے۔

برفانی بھوت نے برف کی وزنی سل ہاتھ سے پکڑ کر پرے ہٹائی۔ جھک کر غار میں داخل ہوا۔ دوبارہ سل اپنی جگہ پر رکھی اور غائب ہو گیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اس غار کے اندر ضرور کوئی راز ہے جو ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں ماریا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سرخ بالوں والا مکروہ جادوگر ہو۔ یہاں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہمارا اس غار کے اندر جانا بہت ضروری ہے۔"

ناگ بولا۔

"بھائی! تو پھر تم یہاں ٹھہرو۔ میں اندر جا کر پتا کر کے آتا ہوں کہ وہاں کیا راز چھپا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر دیر نہ کرنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ نے اسی وقت سفید برفانی سانپ کا روپ بدلا اور برف پر رینگتا ہوا غار کی طرف روانہ ہو گیا۔ غار کے منہ کے آگے برف

کی بھاری سل پڑی تھی۔ لیکن ایک جگہ سے چھوٹا سا سوراخ رہ گیا تھا۔

ناگ اس سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اسے کچھ عجیب سی بدبو آئی جیسے کھولتے ہوئے تیل میں کسی نے چربی ڈال دیا ہو۔ سانپ غار میں رینگتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

اب ایک اونچی چھت والا کمرہ آ گیا۔ چھت برف کی تھی۔ فرش بھی برف کا تھا۔ سانپ دیوار کے اوپر چڑھ کر رینگنے لگا۔

بڑے کمرے کے کونے میں اس کی نظر پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی برفانی بھوت زمین پر جھک کر بیٹھا ہے۔

اس نے ایک کوٹھڑی میں ہاتھ ڈال رکھا ہے۔ کوٹھڑی کے منہ

پر جو برف کی سل لگی تھی وہ قریب ہی پڑی ہے۔

سانپ رینگتا ہوا اوپر چھت پر آ گیا۔ اس نے نیچے جھک کر دیکھا کہ برفانی بھوت نے سارے خوراک کے ڈبے اور کمبل کوٹھڑی کے اندر پھینک رکھے ہیں۔

جہاں ایک نازک سی عورت بیٹھی ان ڈبوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس عورت کے جسم پر کپڑے پھٹے ہوئے ہیں لیکن گرم کپڑے ہیں۔

چمڑے کا سموری ٹوپ سر پر رکھا ہے۔ عورت کا چہرہ زرد ہے۔ خوف اور بھوک سے گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے ہیں۔ برفانی بھوت نے ایک ڈبہ گرا کے زور سے زمین پر مارا۔ وہ کھل گیا۔ اس میں ابلے ہوئے

آلو رکھے تھے۔

عورت نے جلدی جلدی سارے آلو ہڑپ کر لیے۔ برفانی بھوت زور سے چیخا۔ اس کے چیخنے سے سارا غار ہلنے لگا۔

سانپ چھت سے چمٹ گیا۔

پھر جب عورت کا پیٹ بھر گیا تو برفانی بھوت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

عورت جلدی سے زمین کے ساتھ لگ گئی۔ برفانی بھوت نے کوٹھڑی کے آگے برف کی بھاری سل رکھ دی اور خود زمین پر لیٹ گیا۔

سارا فرش اس کے نیچے آ گیا تھا۔ وہاں کوئی جگہ باقی نہ بچی تھی۔ سانپ چھت پر سے رینگتا ہوا دیوار پر آ گیا۔ اور یہاں

سے رینگتا ہوا غار سے باہر نکل آیا۔

وہ لپک کر سیدھا عنبر کے پاس پہنچا اور اسے سارا ماجرا سنا دیا۔

عنبر بھی حیران ہوا کہ یہ عورت برفانی بھوت کہاں سے لے آیا۔

"یہ عورت کون ہو سکتی ہے؟"۔

اس نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"کہیں ماریا ہی نہ ہو؟"۔

عنبر مسکرایا۔

ماریا کا رنگ گورا نہیں ہے۔ میں نے اسے ایک بار اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ اور پھر اگر ماریا ہوتی تو وہ تمہاری موجودگی کو ضرور محسوس کر لیتی اور چھت کی طرف ضرور تکتی۔

یہ کوئی دوسری عورت ہے جس کو یہ کنگ کانگ کا بچہ کہیں سے اٹھا لایا ہے۔ اس کا سراغ بھی ہمیں ہی لگانا ہوگا۔ ناگ!۔

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تم واپس جہاز میں جا کر بیٹھو۔ میں اندر جا کر اس عورت سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

عنبر کہنے لگا۔

"لیکن جب تک وہ برفانی بھوت اندر ہے ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ طیش میں آ کر اس بے گناہ عورت کو ہی ہلاک کر دے"۔

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"ہمیں برفانی بھوت کے یہاں سے نکلنے کا انتظار کرنا چاہیے"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ زمین ہلنی شروع ہو گئی۔ جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

"وہ باہر آ رہا ہے۔ چھپ جاؤ"۔

دونوں ایک گڑھے میں اتر کر چھپ گئے۔ زمین ہل گئی۔

برفانی بھوت بڑے بڑے پاؤں مارتا برف پر چلتا رہا۔

جب زمین کی لرزش اور پاؤں کے دھماکوں کی آواز دور چلی گئی تو انہوں نے برفانی گڑھے سے باہر نکل کر دیکھا۔

ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہیں برفانی بھوت دور جاتا

دکھائی دیا۔

عنبر نے کہا۔

"اس وقت عنبری سو رہی ہے۔ چلو۔ چل کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ عورت کون ہے"۔

ناگ بولا۔

"کیا تم بھی ساتھ چلو گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تو کیا میں اس سردی میں اکیلا بیٹھا مکھیاں ماروں گا؟ اس برفانی علاقے میں تو مکھیاں بھی نہیں ہیں"۔

دونوں گڑھے میں سے نکل کر غار کی طرف آ گئے۔ غار کے قریب آ کر عنبر نے ایک ہاتھ لگا کر ذرا سا زور لگایا اور برف کی سل

غار کے منہ سے کھسک کر پرے ہو گئی۔

وہ غار کے اندر داخل ہو گئے۔ وہ جلدی جلدی چلتے ہوئے بڑے کمرے میں آ گئے۔ وہ کوٹھڑی سامنے تھی جس میں سرخ بالوں والی عورت قید تھی۔ اس کوٹھڑی کا منہ بھی برف کی سل سے بند تھا۔

عنبر نے بڑے آرام سے برف کی سل پرے ہٹا دی۔

انہوں نے دیکھا کہ عورت بے چاری سہمی ہوئی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہے اور خوف زدہ نظروں سے تک رہی ہے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ برفانی بھوت ایک بار پھر آ گیا ہے۔

اب جو اس نے اپنے سامنے دو انسانوں کو دیکھا تو خوشی سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

وہ لپک کر آئی اور عنبر سے لپٹ گئی اور زور زور سے سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ عنبر نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔

”روؤ نہیں بہن! ہم تمہاری مدد کرنے آئے ہیں چلو ہمارے ساتھ“۔

عورت سہم کر زمین پر بیٹھ گئی۔

”نہیں نہیں! میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔ برفانی درندہ آ کر ہم سب کو کچا چبا جائے گا۔ ہم لوگ اس کی نگاہوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ کہیں نہیں جا سکتے“۔

ناگ نے کہا۔

”ڈرو نہیں بہن! وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہیں اس برفانی جہنم سے نکال کر لے جائیں گے۔ چلو

اٹھو۔ ڈرو نہیں۔ اٹھو“۔

عنبر اور ناگ کے حوصلہ دلانے سے عورت ان کے ساتھ کوٹھڑی سے نکل کر ہال کمرے میں آ گئی۔ وہ سہمی ہوئی تھی اور ڈر ڈر کر چل رہی تھی۔ غار سے باہر نکلتے ہوئے وہ ذرا ہچکچائی۔

”یہ برفانی درندہ ضرور باہر میرا انتظار کر رہا ہوگا“۔

عنبر نے باہر نکل کر چاروں طرف دیکھا اور کہا۔

”نہیں بہن! باہر کوئی نہیں ہے۔ تم بے شک خود باہر آ کر اپنی تسلی کر لو“۔

عورت نے غار کے دروازے سے باہر نکل کر چاروں طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر عنبر اور ناگ کے ساتھ ایک طرف کو چل دی۔

عنبر اور ناگ اس عورت کو ساتھ لے کر اپنے جہاز والی کھوہ میں آ گئے۔ رات اب ڈھل چکی تھی اور مشرق کی طرف صبح کی روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

بہن تمہاری کہانی ہم بعد میں سنیں گے کہ تم کون ہو اور اس بھوت کے چنگل میں کیسے پھنس گئیں۔ پہلے ہمیں تم کو اس درندے سے بچا کر کسی محفوظ جگہ پہنچانا ہوگا۔

کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جگہ درندے نے دیکھی ہوئی ہے۔ اور وہ یہاں پہنچ سکتا ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟۔

ناگ آنکھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

"اس عورت کو بچانے کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔ وہ برفانی بھوت یہاں پہنچ جائے گا۔ بلکہ کچھ پتا نہیں کہ وہ ادھر ہی آ رہا ہو"۔

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں دور پہاڑی ٹیلوں کی طرف ایک چیخ کی بھیانک آواز سنائی دی۔ عورت کا سارا جسم لرز گیا۔

"وہ پھر آ گیا۔ میں اس پار نہ جا رہی ہوں"۔

عورت یوں اٹھ کر چلنے لگی جیسے اس پر کسی نے جادو کر رکھا ہو۔

ناگ نے اسے پکڑ کر کھینچ لیا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ تمہیں معلوم نہیں وہ تمہیں اب بھی زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

عنبر بھی چیخ کی آواز سن کر ہوشیار ہو گیا تھا۔

کیا کریں۔ اس عورت کو درندے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

میرا خیال ہے درندے کا مقابلہ کر کے اسے ہلاک کر دیں۔

ہمارے پاس پستول اور بندوق کی گولیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اس لیے ہاتھی بن کر اگر مقابلہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے یہ مجھے بھی شدید زخمی کر دے۔

سانپ بن کر اسے اس لیے ہلاک کرنا مشکل ہے کہ اس کے سارے بدن پر بال ہی بال ہیں۔ میں اسے کہاں ڈسوں گا؟۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تمہارا مطلب ہے کہ ہم اس کے آگے ہتھیار پھینک

دیں؟"۔

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میں اس کا مقابلہ کر کے اسے ہلاک کر سکتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں پہلے ہمیں عقل سے اسے تدبر کرنا چاہیے۔ ہاں اگر پھر بھی کچھ نہ ہوا تو اسے مار ڈالیں گے۔ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اسے ہلاک کر ڈالیں گے"۔

اب برفانی بھوت کی چیخ کی آواز قریب سے سنائی دی اور ساتھ ہی زمین پر اس کی جناتی قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک بھی پڑنے لگی۔

عورت کا برا حال ہو رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"عورت کو کیبن کے اندر بند کر دو۔ میں باہر نکل کر اسے دوسری طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ عورت کے سامنے اپنی چھپی ہوئی طاقت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا"۔

عنبر نے عورت کو جہاز کے کیبن میں چھپا کر بند کر دیا۔ خود جہاز کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔ ناگ نے باہر جاتے ہی برفانی گینڈے کا روپ دھار لیا اور برفانی بھوت کی طرف بڑھ دوڑا۔

برفانی بھوت۔ دونوں ہاتھ ہلاتا، چلاتا، غراتا آگے بڑھ چلا آ رہا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ عورت کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔

گینڈے نے قریب جا کر برفانی بھوت کو ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ برفانی بھوت نے دونوں ہاتھ اٹھا کر گینڈے پر حملہ کیا۔

گینڈا جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ برفانی بھوت پیچھے ہٹا۔ گینڈے نے دوسری بار حملہ کیا اور سینگ برفانی بھوت کی ٹانگ پر مارا۔

برفانی بھوت طیش میں چنگھاڑا اور گینڈے کے پیچھے دوڑا۔ گینڈا اسے لے کر برفانی میدان کی طرف نکل گیا۔

مگر بھوت پھر سے واپس ہوا اور جدھر سے اسے انسانوں کی بو آ رہی تھی ادھر کو چیختا ہوا چلا۔

ناگ نے دیکھا کہ یہ بلا تو عنبر اور اس مظلوم عورت کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی ہے۔ اور اس نے برفانی بھوت کو مار بھی لیا تو یہاں اس کا علاج کیسے ہوگا؟۔

عنبر کو بڑی پریشانی ہوئی۔ مقابلے کا خیال اس نے ایک بار پھر ملتوی کر دیا۔

اب وہ سانپ کا روپ بدل کر برفانی بھوت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر اس بھوت نے اس عورت کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ کسی نہ کسی طرح بھوت کے جسم پر چڑھ کر اس کے منہ پر ڈس دے گا اور اسے ہلاک کر دے گا۔

برفانی بھوت جہاز کے ڈھانچے کے پاس جا کر عورت کی تلاش کرنے لگا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔ بھوت چیخ چیخ کر شور مچانے اور اپنا سینہ پیٹنے لگا۔

ناگ نے بھی اپنی گردن اٹھا کر نیچے گڑھے میں دیکھا۔ وہاں نہ عنبر تھا اور نہ وہ عورت۔ وہ ضرور کسی محفوظ جگہ پر جا کر چھپ گئے تھے۔

بھوت کتنی دیر وہاں کھڑا شور مچاتا اور زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا رہا۔ ناگ ایک طرف سانپ بن کر برف کے تودے سے لگا یہ سارا تماشا دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر شور مچانے کے بعد برفانی بھوت نے جہاز پر پاؤں مارا اور اس کا اگلا حصہ کچل دیا۔ اس کا صرف یہ پچھلا کیبن ہی رہ گیا تھا۔

برفانی بھوت ایک طرف کو چل دیا۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سانپ بھی ناگ کی شکل

میں آ گیا۔

نیچے اتر کر عنبر کو آوازیں دینے لگا۔

اتنے میں ایک جگہ سے برف پرے ہٹی اور عنبر اس عورت کو لے کر باہر نکل آیا۔

معلوم ہوا کہ اس نے برف کھود کر ایک کھوہ بنائی تھی اور دونوں اس میں پناہ لیے ہوئے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"وہ چلا گیا ہے۔ لیکن ایسے لگتا ہے کہ وہ پھر آئے گا۔ ہمیں اب یہاں سے نکل جانا چاہیے، ویسے بھی ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

اب وہ عورت بولی۔

یہاں سے ایک سو میل کے قریب ایک لیبارٹری ہے۔ جہاں میرا باپ پروفیسر ہے اور تیل کی تلاش کے سلسلے میں تجربے کرتا ہے۔

یہ برفانی بھوت مجھے آج سے دو مہینے پہلے ایک طوفانی رات کو وہاں سے اٹھا لایا تھا۔ میں اپنے باپ کے پاس کاٹج میں رہتی تھی۔

میرا نام اولگا ہے۔ میں امریکی عورت ہوں۔ میرا خاوند مر گیا ہے اور ایک لڑکی امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تمہیں اپنے گھر کے راستے کا علم ہے"۔

ارنگا نے کہا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ امریکہ سے چھ مہینے پہلے آئی تھی۔

ہاں اتنا معلوم ہے کہ یہ بھوت دو دن مجھے کندھے پر اٹھائے چلتا رہتا تھا اور سورج میری دائیں جانب ہی طلوع ہو کر غروب ہو گیا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ تمہارا گھر یہاں سے مغرب کی سمت ہے۔

ٹھیک ہے لیبارٹریاں قطب شمالی کے مغرب میں ہی قائم ہیں۔

عنبر کی اس بات پر ناگ نے کہا۔

"مگر ماریا کا کیا بنے گا؟ ہمیں گرجا گھر کا بھی پتہ چلانا ہے جہاں جادوگر نے ماریا کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ ہمارے آنے کا مقصد بھی تو یہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

خدا نے چاہا تو ہم اپنی بہن ماریا کا بھی کھوج لگا لیں گے۔ ابھی سب سے پہلی ذمہ داری اس بہن کو اس کے باپ تک پہنچانا ہے۔

کوئی خبر نہیں ماریا کا سراغ وہیں سے مل جائے۔ ہمارے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

عورت نے پوچھا۔

"ماریا کون ہے؟"۔

ناگ نے مختصر کر کے بتایا۔

ہماری ایک بہن ہے۔ جو یہاں آ کر کھو گئی ہے۔ ہمارا جہاز کریش ہو گیا تھا۔ وہ برفانی طوفان میں پھنس کر راستہ بھول گئی۔

کسی نے بتایا ہے کہ اسے ایک گرجا گھر میں کسی جادوگر کے پاس دیکھا گیا ہے۔

عورت نے تعجب سے کندھے چڑھائے اور خاموش رہی۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب یہاں سے چل پڑنا چاہیے کیونکہ برفانی بھوت ہو سکتا ہے کھوج لگاتا لگاتا پھر ادھر آ نکلے"۔

ناگ نے کہا۔

"ابھی دن نکلا ہی ہے۔ چلو یہاں سے کوچ کرتے ہیں"۔

انہوں نے ایک کمبل کو تھیلا بنا کر اس میں کھانے پینے کی جتنی چیزیں باقی رہ گئی تھیں ڈالیں۔

تھیلے کو عنبر نے کندھے پر ڈالا اور وہ تینوں کھوہ سے نکل کر مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ سورج اس وقت مغرب کی سمت تھا۔

ناگ اپنے اندازے کے مطابق بالکل ٹھیک راستے پہ چلا تھا۔ عورت بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ انہوں نے کھال کے جوتے پہن رکھے تھے۔ برف سخت تھی، جوتے آرام دہ تھے اور وہ بڑے آرام سے چلے جا رہے تھے۔

برف کا طوفان

شروع میں وہ بہت تیز تیز چلے۔

اس خیال سے کہ کہیں برفانی بھوت پھر پیچھے نہ آ جائے۔ وہ بڑی جلدی جلدی اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتے تھے۔

شام تک وہ کافی دور نکل آئے۔ اب عورت تھک کر چور ہو گئی تھی۔

وہ ایک برف کے تودے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ عنبر نے

اسے کھانا کھلایا۔ خود بھی کھایا۔ قہوہ پیا۔ عورت کی جان میں جان آئی۔

مگر سردی سے اس کا اور ناگ کا برا حال ہو رہا تھا۔ مٹی کے تیل کا لیمپ انہوں نے جلا رکھا تھا مگر تیز برفانی ہوا میں وہ بار بار بجھ رہا تھا۔

انہوں نے اسی جگہ رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا اور کمبل زمین پر بچھا دیا۔

اتنے میں آسمان پر بادلوں کا غبار سا چھا گیا۔ عورت نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"طوفان آ رہا ہے۔ برف کا طوفان!"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ برف گرنا شروع ہو گئی۔

سفید سفید روئی کے گالے ان کے اوپر گرنے لگے۔ پھر ہوا بھی آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔

عورت نے کہا۔

”یہاں سے بھاگو۔ نہیں تو یہ طوفان ہمیں مار ڈالے گا“۔

عنبر نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔

”یہاں تو برف کے طوفان سے پناہ لینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”مجھے وہم ہے کہ اس برفانی تودے کے پیچھے شاید ہمیں چھپنے کو کوئی جگہ مل جائے“۔

وہ تینوں اٹھے اور برف باری کی تیز ہواؤں میں برفانی تودے کی طرف روانہ ہو گئے۔ سرد ہوا ان کے جسموں کو شل کر رہی تھی۔

صرف عنبر ایسا شخص تھا جس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ تودے تک پہنچتے پہنچتے برف کے طوفان کی رفتار تیز سے تیز ہو گئی۔

عورت دو تین بار گر پڑی۔ عنبر نے اسے بار بار سنبھال دیا۔

تودے کی دوسری جانب اچانک ان کی نظر لکڑی کے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے گیراج پر پڑی۔

عورت نے خوشی سے چلا کر کہا۔

”یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ ہمارے محکمے نے برفانی علاقے میں کہیں کہیں ایسی لکڑی کی کوٹھڑیاں بنا کر چھوڑ رکھی ہیں تاکہ اگر کوئی مسافر راستہ بھول کر بھٹک جائے تو اسے یہاں پناہ مل سکے۔

یہاں ضرور ہمیں مٹی کا تیل بھی مل جائے گا۔ چولہا بھی اور کچھ خوراک بھی ضرور پڑی ہوگی"۔

وہ تیزی سے لکڑی کے گیراج میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا لکڑی کا فرش ٹوٹا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک گول میز تھی۔ ارد گرد کرسیاں تھیں۔

چھت سے لالٹین لٹک رہی تھی۔ کونے میں مٹی کے تیل کا پیپا تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ اس میں تیل کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔

لالٹین میں بھی تیل خشک ہو چکا تھا۔ کھانے پینے کے ڈبے بھی خالی پڑے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جماعت وہاں دس بارہ روز رہ کر جا چکی ہے۔

ان کے پاس دو تین روز کی خوراک موجود تھی جسے وہ ہنگامی حالات میں سات روز تک بھی چلا سکتے تھے۔

پانی کی ایک چھاگل بھی تھی۔ باہر طوفان اب زوروں پر ہوگیا تھا۔

طوفانی ہوائیں مکان کی دیواروں سے ٹکریں مار رہی تھیں۔ اور دیواریں ہل رہی تھیں۔ عنبر نے بند کھڑکی کے سوراخوں میں کپڑا ٹھونس دیا۔

اس کے پاس جو تھوڑا سا مٹی کا تیل رہ گیا تھا۔ اس کی مدد سے چولہا جلایا۔ برف توڑ کر پانی بنایا۔ اسے پیا۔

پھر قہوہ بنا کر پیا۔ ٹماٹر اور مٹر گرم کر کے اس کا شوربہ پیا۔ عورت کو بھی پلایا۔ پھر کمبل اوڑھا کر اسے سلا دیا۔

ناگ نے بھی سموری کوٹ پہن کر اوپر دو کمبل لے لیے۔ سر پر بھی اس نے اونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

طوفان ساری رات جاری رہا۔

ایسا خوفناک آوازوں والا طوفان عنبر اور ناگ نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

خدا خدا کر کے طوفان تھما۔ دن چڑھا۔ سورج کی ہلکی ہلکی روشنی ہوئی۔

انہوں نے کھڑکی کھول کر دیکھنے کی کوشش کی۔ معلوم ہوا کہ کھڑکی آدھی برف میں غرق ہے۔ ناگ اور عنبر کلہاڑی لے کر برف ہٹانے لگے۔

پہلے کھڑکی توڑی۔ پھر برف پرے ہٹائی۔ باہر نکل کر مکان

کے دروازے کے آگے سے برف ہٹائی۔ اندر آ کر کھڑکی کا دروازہ پھر سے مرمت کر کے لگایا اور باہر نکل کر دیکھا کہ ہر طرف برف کے بڑے بڑے تودے بن گئے ہیں۔ نئے برفانی ٹیلے وجود میں آ چکے ہیں۔

عورت چولہا جلا کر ٹماٹر کا شوربہ تیار کر رہی تھی۔

انہوں نے ٹماٹر کے شوربے اور قہوے کا ناشتہ کیا اور بیٹھ کر غور کرنے لگے کہ انہیں کس وقت یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔

اولگا پر ابھی تک تھکن کے اثرات تھے۔ اگر انہیں کہیں سے کوئی کھینچنے والی گاڑی مل جاتی تو اولگا کا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔

ناگ نے مشورہ دیا کہ کمرے کی کسی چھوٹی میز کو الٹا کر اس میں اولگا کو بٹھا دیا جائے اور رسیوں سے کھینچ کر سفر کیا جائے۔

خیال اچھا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹی میز کو الٹا کر اس میں گدیاں اور بستر کا کمبل ڈال دیا گیا۔

اونگا اس میں بیٹھ گئی۔ میز کے آگے دو رسیاں باندھ دی گئیں۔ دوپہر سے کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنا سفر شروع کر دیا۔

یہ چھوٹی سی میز برف پر خوب چل رہی تھی۔ البتہ برف تازہ تازہ تھی۔ عنبر اور ناگ کے پاؤں بار بار برف میں دھنس رہے تھے۔

جس کی وجہ سے ان کی رفتار سست تھی۔ شام تک انہوں نے کافی سفر طے کر لیا۔ اب پھر رات بسر کرنے کا مسئلہ تھا۔

اپنے ساتھ انہوں نے لکڑی کے مکان سے ترپال کا ایک پرانا چھوٹا سا خیمہ لے لیا تھا۔ یہ خیمہ انہوں نے برف میں گاڑ دیا اور

اس کے اندر اکٹھے ہو کر بیٹھ گئے۔

اونگا نے دوبارہ ٹماٹر کا شوربہ گرم کر کے سب کو دیا خود بھی پیا اور تھوڑی سی چربی ڈبے میں سے نکال کر کھائی۔

اب تقریباً سارے ڈبے ختم ہو گئے تھے۔ صرف مٹی کا تیل اور ٹماٹر کے شوربے کے دو ڈبے بچ رہے تھے۔ اونگا تو سو گئی لیکن عنبر اور ناگ باتیں کرتے رہے۔

"کہیں ہم راستے سے بھٹک تو نہیں گئے ناگ؟ کیونکہ سفر کرتے آج دوسرا روز ہو گیا ہے اور ابھی تک کسی آبادی کے آثار نظر نہیں آئے"۔

ناگ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہے۔ کیونکہ ان علاقوں سے

میں بھی ناواقف ہوں۔

ارنگا بھی نا تجربہ کار ہے اس نے بھی اندازے سے ہی بتایا تھا کہ شاید اس طرف کو سفر کرتے ہوئے اس کے باپ کا گھر آ جائے۔

عنبر نے پوچھا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے؟"۔

ناگ مسکرایا۔

"اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے۔ ہاں ایک بات ہو سکتی ہے کہ میں پرندہ بن کر اڑ کر جاؤں اور آگے جا کر معلوم کروں کہ کہیں کوئی بستی بھی ہے کہ نہیں؟"۔

عنبر خوش ہو کر بولا۔

"یار اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ تم ابھی اڑ کر جاؤ اور پتہ لگاؤ کہ اس کے آگے برفانی میدان ہی ہیں یا کہیں کوئی بستی بھی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ میری واپسی تک اسی جگہ رہنا چل نہ پڑنا"۔

ارے نہیں بھیا! ایسا نہیں ہو سکتا۔

ناگ اسی وقت باز کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور اس نے مغرب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔

رات کا تھوڑا حصہ ہی باقی تھا۔ ناگ اڑتا چلا گیا کچھ دیر بعد صبح ہو گئی۔

اورنگا نے جاگتے ہی ناگ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے؟۔

عنبر نے بہانہ بنایا۔

"میں نے اسے آگے جا کر رستے کا پتا لگانے بھیجا ہے۔ وہ دوپہر تک آ جائے گا۔ کیونکہ مجھے شبہ ہے کہ شاید ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں"۔

اورنگا نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں"۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

اورنگا نے کہا۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں ٹھیک راستے پر جا رہی ہوں"۔

عنبر نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ سامان ٹھیک کرنے لگ گئے۔

ادھر ناگ باز بنا برفانی فضاؤں میں اڑا چلا جا رہا تھا۔ اسے دور دور تک کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک جگہ کچھ کھمبے سے نظر آئے۔

بیچ میں ایک گول تھال سا لگا تھا۔ ناگ اڑتا اڑتا وہاں پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ پاس ہی برف پر ایک ہیلی کوپٹر کھڑا تھا۔

ریڈار کا پیالہ گھوم رہا تھا۔ کھمبوں کے ساتھ تاروں کا جال لگا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی وہ لیبارٹری ہے جہاں اورنگا کا پروفیسر

باپ کام کرتا ہے۔

وہ اڑتا اڑتا ایک متروکہ عمارت کے روشندان پر جا کر بیٹھا اس نے شیشے میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔

اندر ایک چھوٹی چھوٹی کھچڑی سی داڑھی والا پروفیسر قسم کا آدمی آلات کے سامنے بیٹھا تھا۔

اس کے سر پر ایک جرمن سپاہی دوسرے کمرے سے نکل کر آئے۔ ان میں ایک افسر تھا۔ افسر نے پستول کی نالی پروفیسر کے سر کے ساتھ لگا کر کہا۔

”ہمیں وہ خفیہ زبان بتاؤ جس میں تم واشنگٹن سے باتیں کرتے ہو“۔

پروفیسر نے کہا۔

”کوڈ ورڈ کا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو ایک سائنس دان ہوں۔ سگنل آپریٹر نہیں ہوں۔ جن لوگوں کو کوڈ ورڈ کا علم تھا ان کو تم لوگوں نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا ہے“۔

جرمن افسر نے زور سے پستول کا دستہ پروفیسر کے سر پر مارا۔ پروفیسر کے سر سے خون جاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔

افسر نے اشارہ کیا۔ جرمن سپاہی اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جرمن افسر خود مشینوں کے آگے بیٹھ گیا۔

اس نے وائرلیس پر جرمن زبان میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو سگنل بھیجنے شروع کر دیئے۔ شاید وہ یہ خوشخبری بھیج رہا تھا کہ انہوں نے قطب شمالی کے برفانی میدانوں میں ایک لیبارٹری پر قبضہ کر

باپ کام کرتا ہے۔

وہ اڑتا اڑتا ایک متروکہ عمارت کے روشندان پر جا کر بیٹھا اس نے شیشے میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔

اندر ایک چھوٹی چھوٹی کھچڑی سی داڑھی والا پروفیسر قسم کا آدمی آلات کے سامنے بیٹھا تھا۔

اس کے سر پر ایک جرمن سپاہی دوسرے کمرے سے نکل کر آئے۔ ان میں ایک افسر تھا۔ افسر نے پستول کی نالی پروفیسر کے سر کے ساتھ لگا کر کہا۔

”ہمیں وہ خفیہ زبان بتاؤ جس میں تم واشنگٹن سے باتیں کرتے ہو“۔

پروفیسر نے کہا۔

”کوڈ ورڈ کا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو ایک سائنس دان ہوں۔ سگنل آپریٹر نہیں ہوں۔ جن لوگوں کو کوڈ ورڈ کا علم تھا ان کو تم لوگوں نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا ہے“۔

جرمن افسر نے زور سے پستول کا دستہ پروفیسر کے سر پر مارا۔ پروفیسر کے سر سے خون جاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔

افسر نے اشارہ کیا۔ جرمن سپاہی اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جرمن افسر خود مشینوں کے آگے بیٹھ گیا۔

اس نے وائرلیس پر جرمن زبان میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو سگنل بھیجنے شروع کر دیئے۔ شاید وہ یہ خوش خبری بھیج رہا تھا کہ انہوں نے قطب شمالی کے برفانی میدانوں میں ایک لیبارٹری پر قبضہ کر

اولنگا اسے دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی"۔

ناگ نے عنبر کو بتایا کہ اولنگا کے گھر کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔

"لیبارٹری یہاں سے پچاس کوس کے فاصلے پر ہے"۔

اولنگا خوش ہو کر بولا۔

"میرے ڈیڈی تو ٹھیک ہیں ناں؟"۔

ناگ ان سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ساری بات صاف صاف بتا دی کہ لیبارٹری پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا ہے اور اولنگا کا باپ جرمنوں کی حراست میں رہ کر کام کر رہا ہے۔ اس نے اولنگا کی خاطر یہ نہ بتایا کہ جرمنوں نے پروفیسر کو زخمی کر کے جیل میں ڈال رکھا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اگر ہم نے اولنگا کو وہاں چھوڑا تو یہ بھی جرمنوں کی قید میں چلی جائے گی اور ہمیں بھی وہ قیدی بنا لیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا"۔

اولنگا رونے لگی۔

"میرے ڈیڈی! تم کس حال میں ہو!"۔

ناگ اور عنبر نے اسے تسلی دی۔ کہ وہ فکر نہ کرے۔ اس کے ڈیڈی کو بہت جلد آزاد کروا لیا جائے گا۔

اولنگا کچھ دیر سسکیاں بھرنے کے بعد چپ ہو گئی اور رومال

سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"اگر جرمن وہاں آ گئے ہیں تو ہمارا ان کے قریب بھی پھٹکنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ وہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

اونگا نے سوچ کر کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے کسی دوسری طرف نکل جانا چاہیے۔ شاید سفر کرتے کرتے ہم کسی امریکی سنٹر تک پہنچ جائیں"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہمارے پاس خوراک ایک روز کی باقی رہ گئی ہے۔ ہم اتنی کم خوراک کے ساتھ اتنے بے یقینی سفر کا خطرہ مول نہیں لے سکتے"۔

ناگ کہنے لگا۔

"کسی اور طرف سفر کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

اونگا بولی۔

"تو پھر کیا ہم اسی جگہ بیٹھے بیٹھے مرنا پسند کریں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں! ہم پر حملہ کر کے لیبارٹری پر قبضہ کریں گے"۔

اونگا پہلی بار قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ جب سے وہ سفر میں ان کے ساتھ تھی، کسی نے بھی اسے اس طرح ہنستے نہ دیکھا تھا۔

ناگ اور عنبر نے چونک کر اوس کی طرف دیکھا۔

ناگ نے کہا۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو؟"۔

اورنگا کہنے لگی۔

"اس خیال سے کہ ایک ننھی پہاڑ کا مقابلہ کرنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ بھلا ہم نہتے انسان جرمن کمپنی کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کیا یہ ہنسی کی بات نہیں ہے؟"۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"عنبر بھیا! ذرا اورنگا کو بتاؤ کہ ہم حملہ کر سکتے ہیں اور لیبارٹری پر قبضہ بھی کر سکتے ہیں"۔

عنبر نے اورنگا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میری بہن! دنیا میں بعض ایسی باتیں ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں، تمہیں جو کرنا ہے کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے ساتھ جیوں گی۔ تمہارے ساتھ مروں گی"۔

ناگ نے اورنگا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم اپنی بہن کو مرنے نہیں دیں گے۔ تمہیں تمہارے ڈیڈی کے پاس پہنچائیں گے"۔

اورنگا کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ دو نہتے آدمی ایک پوری جرمن کمپنی پر حملہ کس طرح کریں گے اور پھر انہیں شکست دے کر لیبارٹری پر کیوں کر قبضہ کریں گے۔

اورنگا کو کچھ کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ دونوں پاگل ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس نے سنا تھا کہ عنبر اپنے دوست ناگ سے کہہ رہا

تھا کہ یار تم ہاتھی بن کر برفانی انسان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟۔

اورنگا خاموشی سے اپنی قسمت کو کوسنے لگی کہ برفانی بھوت کے چنگل سے نکل کر اب ان دو پاگل آدمیوں کے پلے پڑ گئی ہے۔

وہ اپنے کام میں لگی تھی۔ چولہا جلا کر کیمپ سے باہر برف پر ٹماٹر کا شوربہ گرم کر رہی تھی۔ اندر خیمے میں عنبر اور ناگ حملے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں آج ہی رات حملہ کر دینا چاہیے۔ دن کی روشنی میں ہمیں کئی ایک مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا"۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں کیسے راتوں رات وہاں پہنچ سکوں گا۔ تم تو اڑ کر وہاں پہنچ جاؤ گے"۔

ناگ بولا۔

ایسا کرتے ہیں کہ میں ابھی وہاں اڑ کر جاتا ہوں اور ان جرمنوں کو کسی نہ کسی طرح ہلاک کر کے لیبارٹری پر قبضہ کر لیتا ہوں۔

تم اورنگا کو لے کر صبح صبح چل پڑنا اور شام تک وہاں پہنچ جانا۔

"یہ تجویز ٹھیک ہے۔ تم ابھی چل پڑو"۔

عنبر کو یہ تجویز پسند آئی تھی۔

ناگ نے پوچھا۔

"تمہیں راستے کا پتہ چل جائے گا؟"۔

"اورنگا میرے ساتھ ہے۔ پھر تم بھی ہمیں گائیڈ کرو"۔

ناگ نے عنبر کو راستے کی ساری نشانیاں بتا دیں۔ اور خود باز بن کر اڑ گیا۔ اورنگا باہر شوربہ پیالوں میں ڈال رہی تھی۔

اس نے ایک باز کو بڑی تیزی سے اپنے سر کے اوپر سے اڑتے دیکھا۔ اتنے میں عنبر باہر آ گیا۔ اولگا نے پوچھا۔

"ناگ کہاں ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"وہ لیبارٹری پر قبضہ کرنے گیا ہے۔ ہم منہ اندھیرے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"۔

اولگا حیرانی سے بولی۔

"کیا جرمن فوجوں کا مقابلہ کرنے گیا ہے؟"۔

عنبر ہنس کر کہنے لگا۔

"صرف مقابلہ کرنے ہی نہیں بلکہ انہیں شکست دینے بھی گیا ہے"۔

اولگا نے کہا۔

"مگر میں نے تو اسے جاتے نہیں دیکھا"۔

عنبر ہنسا۔

"وہ اڑ کر گیا ہے"۔

اولگا کو وہ باز یاد آ گیا جو اس کے سر پر سے اڑ کر گیا تھا۔ لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ سچ ہے۔ کیا یہ لوگ جادوگر ہیں یا پاگل ہیں؟۔

ناگ کہاں ہے؟۔

وہ پرندہ یہاں کہاں سے آ گیا تھا؟۔

اولگا کا سر چکرانے لگا۔ وہ شوربہ لے کر جلدی سے خیمے کے اندر چلی گئی۔

ادھر ناگ اڑتا چلا گیا۔ آدھی رات کے بعد وہ لیبارٹری کے پاس پہنچ گیا۔

کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ مگر شیشوں پر سیاہ کپڑا چڑھا تھا جس کی وجہ سے بڑی مدھم روشنی باہر آ رہی تھی۔

جس کمرے میں پروفیسر کو قید کیا گیا تھا اس کے روشندان سے بھی دھیمی دھیمی روشنی کی کرنیں باہر آ رہی تھیں۔

ناگ اس روشندان پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے گردن گھما کر اندر دیکھا۔ پروفیسر ایک پلنگ پر لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

ایک جرمن سپاہی اس کے سرہانے کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ اڑ کر لیبارٹری کے دوسرے کمرے کے روشندان میں آ گیا۔

یہاں مشینوں کے سامنے دو جرمن سپاہی بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے۔ ذرا پرے ایک پلنگ پر ان کا افسر سویا پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

دو سپاہی قریب ہی صوفے پر سو رہے تھے۔ دو سپاہی مشین گنیں لئے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک سپاہی ہیلی کاپٹر کے باہر پہرہ دے رہا تھا۔

ناگ نے حملے کا سارا پلان بنا لیا۔

پھر وہ اڑ کر ہیلی کاپٹر کے پاس گیا اور پیچھے چپ چاپ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

جرمن سپاہی نے کسی پرندے کی آواز سنی مگر اندھیرے میں اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

وہ اسی طرح چل پھر کر پہرہ دینے لگا۔ ناگ نے باز کی شکل چھوڑ کر سانپ کا روپ بدل لیا اور بجلی کا پٹر پر رینگتا ہوا سپاہی کے قریب آ گیا۔

اندھیرے میں سپاہی ایک سیاہ سانپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جب سپاہی سانپ کے قریب سے گزرنے لگا تو ناگ نے چھلانگ لگائی اور سپاہی کی گردن سے جا کر چمٹ گیا اور جاتے ہی ڈس دیا۔

زہر کی وجہ سے سپاہی کے گلے کی رگیں خشک ہو گئیں اور وہ بالکل آواز نہ نکال سکا۔ زہر نے جلدی اثر کرنا شروع کر دیا۔

وہ لڑکھڑا کر گرا اور مر گیا۔

سانپ یہاں سے نکل کر لیبارٹری کے دروازے پر آ گیا۔

اس جگہ اندھیرے میں دو جرمن چل پھر کر لیبارٹری کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔

سانپ نے دیکھا کہ ہر دس سیکنڈ کے بعد دونوں ایک جگہ آ کر مل جاتے ہیں۔ گویا دس سیکنڈ سے پہلے پہلے وہ ایک سپاہی کو ہلاک کر سکتا ہے تا کہ دوسرے سپاہی کو کوئی خبر نہ ہو اور وہ شور مچا کر اندر کے سپاہیوں کو خبردار نہ کر سکے۔

سانپ ایک خاص مقام پر دیوار پر چھپ کر بیٹھ گیا اور سپاہی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

پہرے دار سپاہی دوسرے سپاہی سے مل کر لیبارٹری کے عقب سے ہو کر اس جگہ آ گیا جہاں اس کی موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

جونہی سپاہی قریب سے گزرا سانپ اچھل کر اس کی گردن سے چمٹا اور فوراً ڈس دیا۔

ڈستے ہی زہر نے سپاہی کی گردن کی رگیں خشک کر دیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے گردن کو پکڑ لیا اور چکرا کر گر پڑا۔

گرتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔ اب دوسرا سپاہی چکر پورا کر کے ادھر آیا تو سانپ نے اچھل کر اس پر حملہ کر دیا۔

مگر سپاہی نے سانپ کو اچھل کر حملہ کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ مار کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیا۔ سانپ نے اسے ڈس لیا تھا۔

وہ مردہ ہو کر نیچے گر پڑا مگر اس دوران میں اس کے ساتھی سنگینیں تانے باہر کو بھاگے۔

باہر آ کر انہوں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ دونوں پہرے دار تھوڑے فاصلے پر مرے پڑے ہیں۔

جرمن آفیسر نے چیخ کر کہا۔

"ہیلی کاپٹر کا جائزہ لو"۔

سپاہی ہیلی کاپٹر کی طرف بھاگے۔ جرمن افسر نے لاشوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا۔

"سانپ نے ڈسا ہے۔ مگر سانپ یہاں کہاں سے آ گیا؟"۔

زہر کی وجہ سے ان کے رنگ نیلے پڑ گئے ہیں۔ گردن پر سانپ کے ڈسنے کا نشان ہے۔ مگر سانپ کون لے آیا یہاں؟ سانپ اب کہاں چلا گیا؟۔

دوسری طرف سپاہیوں نے آ کر خبر دی کہ ہیلی کاپٹر پر پہرہ دینے والا سپاہی بھی سانپ ہی کے ڈسنے سے ہلاک ہو چکا ہے۔

جرمن افسر سکتے میں آ گیا۔

اس ویران اکیلے علاقے میں دیکھتے دیکھتے اس کی کمپنی کے تین جوان ہلاک کرا دیے گئے تھے۔

یہ تخریبی کارروائی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن وہاں پہنچ گیا ہے مگر وہ چھپا ہوا ہے۔ اس نے سانپ چھوڑ کر ان سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے تاکہ کوئی آواز پیدا نہ ہو سکے۔

اس نے چیخ کر حکم دیا۔

"لیبارٹری کے دروازے بند کر کے کھڑکیوں میں مشین گنیں لگا دی جائیں"۔

اسی وقت سپاہیوں نے لیبارٹری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکی کا شیشہ توڑ کر مشین گنیں لگا دیں۔ پروفیسر کو معلوم ہوا تو وہ اندر ہی اندر بہت خوش ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ امریکی گوریلے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اور اب اسے رہا کرا لیا جائے گا۔

ہاں البتہ اسے اپنے بیٹی اولگا کا خیال آتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ کیونکہ اولگا کی کسی کو خبر نہ تھی۔

گوریلے آ گئے

سانپ ابھی تک ہیلی کاپٹر پر تھا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ جرمنوں نے لیبارٹری میں مورچے سنبھال لیے ہیں۔

وہ چوکس ہو گیا تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر سے اتر کر لیبارٹری کی دوسری طرف رینگنا شروع کر دیا۔ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔ وہ لیبارٹری کی دیوار پہ چڑھ گیا۔

یہاں رینگتا ہوا وہ روشندان پر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اندر پروفیسر پلنگ پر لیٹا سو رہا تھا یا شاید سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

سانپ نے روشندان میں اندر اترنا شروع کر دیا۔ کمرے میں مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ سانپ رینگتا ہوا پروفیسر کے پلنگ کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

اسے پروفیسر کے گہرے سانس کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے پروفیسر کو معاملات سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک دم سے سانپ جوان بدل کر انسان یعنی ناگ کے روپ میں آ گیا۔

وہ دبے پاؤں پروفیسر کے پلنگ کے پاس گیا۔ اس نے آہستہ سے اسے جگایا۔ پروفیسر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کون ہو تم؟ کیا تم مجھے ہلاک کرنے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں! میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں"۔

پروفیسر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا تم امریکی گوریلے ہو؟"۔

"ہاں! تم یہی سمجھ لو۔ میں امریکی گوریلا ہی ہوں۔ میں تمہیں یہ خوش خبری بھی سنانا چاہتا ہوں کہ تمہاری بیٹی اولگا زندہ سلامت ہے اور ہماری حفاظت میں ہے"۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

پروفیسر نے ناگ کا بازو تھام لیا۔ ناگ نے انگلی سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شور مت مچاؤ۔ ابھی خطرہ ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے۔ تم آرام سے یہاں لیٹے رہو۔ میں باہر جا رہا ہوں"۔

"لیکن باہر تو جرمنوں کا زبردست پہرہ ہے۔ دروازہ باہر سے بند ہے۔ باہر تالا لگا ہے تم باہر کیسے جاؤ گے؟"۔

ناگ نے پروفیسر کا شانہ دبا کر کہا۔

"خدا کے لیے تم منہ دوسری طرف کر کے سو جاؤ۔ یہاں ایک زبردست انقلاب آنے والا ہے۔ تم کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے ہمارا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ اب آنکھیں بند کر کے سو جاؤ"۔

اصل میں ناگ نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر اسے انسان سے پھر سانپ بنتے دیکھے۔ کیونکہ وہ گھبرا کر معاملہ خراب کر سکتا تھا۔ پروفیسر پلنگ پر

آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ مگر وہ حیران تھا کہ یہ گوریلا اس کمرے سے کیونکر باہر نکلے گا۔ اس کی سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ناگ اندر کیسے آ گیا؟۔

اگرچہ ناگ نے کہا تھا کہ وہ روشندان سے کود کر اندر آیا ہے۔ پھر بھی پروفیسر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

پروفیسر کانی آنکھ سے ناگ کو دیکھ رہا تھا۔ ناگ نے جھک کر پروفیسر کو دیکھا کہ وہ سو گیا ہے کہ نہیں۔ پروفیسر نے آنکھیں بند کر لیں۔

جب ناگ کی تسلی ہو گئی کہ پروفیسر اسے بالکل نہیں دیکھ رہا تو اس نے بڑے اطمینان سے اپنی جون بدل ڈالی۔

پروفیسر کانی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے اپنے

سامنے کمرے میں ایک جیتے جاگتے انسان کو سانپ بنتے دیکھا تو وہ پلنگ پر لیٹے لیٹے خوف کے مارے کانپنے لگا۔

آج تک اس نے جتنی سائنس پڑھی تھی وہاں کسی جگہ بھی یہ نہیں لکھا تھا کہ ایک انسان سانپ کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔

آج وہ اس عجیب و غریب کرامت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ دروازے کے سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔

باہر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سردی شدید سے شدید تر ہو گئی تھی۔

سانپ نے دیکھا کہ دو سپاہی لیبارٹری کی کھڑکی میں مشین گنیں لگائے بیٹھے افق کو گھور رہے تھے۔ شاید انہیں خطرہ تھا کہ

گوریلا بیلی کا پیڑ سے ان پر حملہ کریں گے۔

سانپ رینگتا ہوا ان کے پیچھے چلا گیا دونوں سپاہیوں کی پیٹھ اب ناگ کی طرف تھی۔ ناگ نے آرام سے ایک سپاہی کی گردن پر ڈس دیا۔

ڈسنے کے ساتھ ہی سپاہی نے ایک چیخ ماری۔

دوسرے سپاہی نے گھبرا کر یا ڈر کر مشین گن کے فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ سے ساری جرمن کمپنی کے باقی سپاہی خبردار ہو کر کھڑکی کی طرف بھاگے۔

ناگ وہاں سے کھسک گیا اور بیلی کا پیڑ کے پیچھے چھپ گیا۔

جرمن افسر اور دوسرے فوجیوں نے اپنے ایک سپاہی کی لاش دیکھی تو دوسرے سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا؟

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”جناب! میں نے ایک کالا سانپ دیکھا جس نے میرے ساتھی کی گردن میں ڈس دیا“۔

جرمن افسر نے چلا کر کہا۔

”سارے علاقے کا چپہ چپہ چھان مارو۔ سانپ یہیں کہیں ہوگا۔ اسے کچل کر رکھ دو“۔

سپاہی جرمن افسر کا منہ دیکھنے لگے۔ کیونکہ اب صرف چار سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھلا کہاں کہاں جا کر سانپ کو تلاش کرتے؟

۔

ایک سارجنٹ نے کہا۔

”جناب! ہمیں پیچھے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع کر دینی چاہیے کہ

یہاں نفری کم ہو گئی ہے اس لیے ایک اور کمپنی کا انتظام کیا جائے"۔

جرمن افسر بولا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ میرا حکم ہے۔ تم سانپ کو تلاش کرو"۔

جرمن افسر نے بڑا احمقانہ حکم دیا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری تھی۔

چاروں سپاہی ادھر ادھر گھوم پھر کر سانپ تلاش کرنے لگے یہ تو ناگ کے لیے بڑا آسان شکار تھے۔ چنانچہ جونہی ایک سپاہی بجلی کا ہیٹر کے پاس آیا اس نے اسے ڈس دیا۔

دوسرا سپاہی چیخ مار کر بھاگا۔ سانپ وہاں سے بھاگ کر لیبارٹری کی طرف آ گیا۔

تیسرے سپاہی نے دن کی روشنی میں کالے سانپ کو سفید برف پر بھاگتے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سب اسی طرف گولیاں برسانے لگے۔

ناگ پھنس گیا۔ جرمن افسر نے بھی سانپ کو دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے مشین گن کا رخ ادھر کو کر دیا۔ ناگ گھبرا گیا موت اسے سامنے نظر آ رہی تھی۔

اس کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ پرندہ بن کر اڑ جائے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا وہ ایک دم سے باز بن کر فضا میں اڑ گیا۔

جرمنوں کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ سانپ ایک دم سے کہاں

غائب ہو گیا۔

کسی کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ناگ پرندہ بن کر اڑ گیا ہے۔ ناگ نے اڑتے اڑتے آسمان کا ایک چکر لگایا پھر ایک برفانی ٹیلے کے عقب میں آ کر ایک جگہ اتر گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے ایک تانگا گاڑی آ رہی ہے جس پر ادلگا اور عنبر سوار ہیں۔

ناگ جلدی سے ان کے پاس پہنچا۔ انسان کی شکل میں آ کر انہیں بتایا کہ مونچا ابھی تک جرمنوں کے قبضے میں ہے۔

اس نے ادلگا سے کہا۔

"تمہارے باپ کو میں نے بتا دیا ہے کہ تم زندہ ہو اور یہاں آ رہی ہو۔ وہ بہت خوش ہوا تھا"۔

ادلگا کی بھی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

عنبر نے کہا۔

"پھر اب کیا کرنا چاہیے؟"۔

"آپ لوگ اسی جگہ برف کے تودے کے پیچھے چھپ کر میرا انتظار کریں۔ میں جا کر ایک اور حملہ کرتا ہوں۔ اس بات ضرور کامیاب ہوں گا"۔

عنبر اور ادلگا تودے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ ناگ وہاں سے نکل کر لیمب رنڈی کے قریب آ کر رک گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور اب ایک جرمن کرنل کی شکل میں وہاں کھڑا تھا۔ اس کی وردی چمک رہی تھی۔

سر پر ٹوپی تھی۔ ہاتھ میں ہنٹر تھا اور برجس کے ساتھ چمڑے کے جوتے پہن رکھے تھے۔ وہ برف پر چلتا لیبارٹری کے دروازے پر پہنچ گیا۔

ایک دم سے جرمن افسر اور سپاہیوں کی نظر جرمن کرنل پر پڑی تو وہ دم بخود ہو کر رہ گئے۔

انہوں نے اٹن شن ہو کر سلیوٹ کیے۔ جرمن کرنل نے آگے بڑھ کر کہا۔

"باقی سپاہی کہاں ہیں؟"۔

جرمن افسر گھگھیا کر بولا۔

"جناب! ایک سانپ نے حملہ کر کے ہمارے چھ سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے"۔

"بدتمیز کہیں کے۔ ایک فوجی ہو کر ایسی بزدلانہ باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم لوگ سانپ کو بھی نہیں مار سکے؟"۔

"جناب! وہ سانپ تو کوئی جادو کا سانپ تھا۔ ایکدم سے غائب ہو جاتا تھا"۔

"شٹ اپ! چلو چل کر مجھے اسلحہ دکھاؤ"۔

"یس سر"۔

جرمن افسر نے کرنل کو ساتھ لیا اور لیبارٹری کے اندر آ گیا۔ یہاں ایک جگہ مشین گن لگی تھی۔ سپاہی چوکس ہو کر بیٹھا تھا۔

کرنل ناگ نے کہا۔

"تم نے پیچھے اطلاع دی ہے کہ ہمیں اور اسلحہ اور سپاہی چاہئیں"۔

"جی نہیں"۔

"بڑے احمق ہو۔ کیوں نہیں اطلاع دی؟"۔

"سر ابھی اطلاع کیسے دیتا ہوں"۔

کرنل ناگ نے چل پھر کر ساری لیبارٹری دیکھی۔

پروفیسر سے بھی ملا۔

کرنل نے کہا۔

"اس پروفیسر کو گولی کیوں نہیں ماری؟"۔

جرمن افسر نے کہا۔

"سر! ہیڈ کوارٹر نے کہا تھا! اس سے کام لینا ہے۔ ابھی اسے زندہ رکھا جائے"۔

کرنل ناگ نے سر کو ہلا کر کہا۔

"ہیڈ کوارٹر والے بھی پاگل ہیں"۔

پھر اس نے حکم دیا۔

"تم ایسا کرو کہ باقی چاروں سپاہی لے کر ہیلی کاپٹر کے پاس جا کر پہرہ دو۔ میں نے ہیڈ کوارٹر پر ایک خفیہ بات کرنی ہے"۔

جرمن افسر نے کچھ حیران ہو کر کہا۔

"جناب! مگر۔۔۔"

کرنل نے ڈانٹ کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔ جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو چلو۔ سارے سپاہی لے کر ہیلی کاپٹر کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ اور میرا انتظار کرو"۔

"جو حکم جناب"۔

جرمن افسر نے سلیوٹ مار کر کہا اور باقی بچے ہوئے چاروں سپاہی لے کر وہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔

جونہی وہ کھلے برفانی میدان میں آیا کرنل ناگ نے مشین گن کا منہ ان کی طرف کر کے فائرنگ کھول دی۔

جرمن افسر حیران ہو کر تکنے لگا۔

”سر! یہ کیا کر رہے ہیں؟“۔

مگر مشین گن کی چھ گولیاں اس کے سینے میں آ کر لگیں اور وہ دوسرے سپاہیوں کے ساتھ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔

ناگ نے اسی وقت پھر سے اپنی اصلی شکل اختیار کی اور لیبارٹری سے باہر آ کر ہوا میں سفید جھنڈا لہرا کر فائر کیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ مورچے پر قبضہ کر لیا گیا۔ فائر کی آواز سن کر عنبر اور اوگا بھی وہاں آ گئے۔ ناگ نے اوگا کے والد کو اس سے ملا دیا۔

دونوں گلے مل کر رونے لگے۔ انہوں نے ناگ اور عنبر کا شکریہ ادا کیا۔

”مجھے یقین ہے کہ پیچھے سے جرمن سپاہیوں کی ایک پوری بریگیڈ یہاں آنے والی ہے۔ کیونکہ اتحادی یہاں پر بھرپور حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ اطلاع جرمن جاسوسوں نے ہیڈ کوارٹر پہنچا دی ہے“۔

عنبر بولا۔

”تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟“۔

پروفیسر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اتحادیوں کو اطلاع کر دینی چاہیے کہ لیبارٹری پر ہم نے قبضہ کر لیا ہے وہ جتنی جلدی ہو سکے یہاں اپنی فوج اتار دیں"۔

ناگ نے حامی بھری۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

"تو پھر آپ ہی سگنل دینے کی کوشش کریں کیوں کہ ہمیں تو اتحادی فوجوں کے ہیڈ کوارٹر کی فری کوئنسی کا علم نہیں ہے"۔

پروفیسر بولا۔

"علم تو مجھے بھی نہیں ہے مگر کوشش کرتا ہوں"۔

پروفیسر مشین پر بیٹھ کر وائرلیس کرنے لگا۔ کافی دیر مشینے چلانے کے بعد آخر اسے ایک فری کوئنسی مل گئی۔

پروفیسر نے آواز دی۔

"ہیلو چارلی! ہیلو چارلی!"۔

"ہیلو روجر! ہیلو روجر!"۔

پروفیسر نے خفیہ زبان بول کر معلوم کر لیا تھا کہ یہ امریکی چوکی ہے۔

اس نے بتایا کہ قطب شمالی کی لیبارٹری پر امریکی قبضہ کر لیا گیا ہے۔ جلدی سے اپنی فوجیں روانہ کر دیں۔

دوسری طرف سے امریکی کرنل نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیا بک بک کر رہے ہو تم۔ امریکہ نے کیسے قبضہ کر لیا ہے جب کہ امریکی فوج ابھی تک وہاں نہیں پہنچی؟"۔

پروفیسر نے کہا۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں امریکہ کے حمایتی گوریلوں نے جرمن سپاہیوں کو ہلاک کر کے یہاں قبضہ کر لیا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم فوج روانہ کر رہے ہیں"۔

امریکی کرنل نے وائرلیس بند کر دیا۔

پروفیسر نے عنبر سے کہا۔

"امریکی فوج روانہ ہونے والی ہے۔ یہ لوگ بڑے غیر ذمہ دار ہیں۔ بڑے آرام سے بیٹھے ہیں۔ ادھر ہم اپنی جان پر کھیل رہے ہیں"۔

ناگ مسکرایا۔

"اس دور دراز چوکی کی کوئی اہمیت بھی تو نہیں ہے"۔

پروفیسر بولا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو مسٹر ناگ! اس چوکی کی اہمیت نہ ہوتی تو جرمن ہائی کمان یونہی اپنے فوجی یہاں مروانے کے لیے نہ بھیج دیتا"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر پروفیسر اب تمہارا کیا خیال ہے؟ ہمیں یہاں بیٹھ کر امریکی فوجوں کا انتظار کرنا چاہیے یا پھر"۔

پروفیسر نے کہا۔

"یا پھر کیا؟ بھائی ہم اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟"۔

لیکن مجھے ایک خطرہ ہے۔ وہ یہ کہ کہیں امریکی فوجوں کے آنے سے پہلے پہلے جرمن بریگیڈ نہ یہاں پہنچ جائے۔

عنبر بولا۔

"مجھے بھی یہی خطرہ ہے۔ کیونکہ جرمن ہائی کمانڈ اتنی دیر تک اس علاقے سے غافل ہو کر نہیں بیٹھ سکتی۔ جرمن جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق انہیں امریکی حملے کی خبر مل چکی ہے اور اب وہ اپنی چھاتہ بردار فوج یہاں ضرور اتار دیں گے۔"

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں دور سے ہوائی جہاز کی آواز سنائی دی۔

گھوں گھوں کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

پروفیسر نے چونک کر کہا۔

"ضرور یہ جرمن بردار فوج کا ہوائی جہاز ہے۔ میں جرمن جہازوں کی آواز پہچانتا ہوں"۔

اونگا نے کہا۔

"ڈیڈی! یہ امریکی جہاز بھی تو ہو سکتا ہے"۔

"نہیں نہیں بیٹی! میرا تجربہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور پھر امریکی ہائی کمانڈ والے اتنے چوکس نہیں ہیں۔ یہ ضرور جرمن چھاتہ بردار جہاز ہے جو یہاں اپنا پورا بریگیڈ اتار نے آیا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے"۔

ناگ بولا۔

"چاروں طرف برف کا میدان ہی میدان ہے ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟"۔

عنبر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ کسی قریبی جگہ برف کے غار میں جا کر

چھپ جانا چاہیے اور پھر موقع پا کر یہاں سے فرار ہو جائیں گے‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’کیا ہم یہ ہیلی کاپٹر استعمال نہیں کر سکتے؟‘‘۔

پروفیسر نے کہا۔

اب اس کا وقت نہیں رہا۔ کیونکہ جونہی ہمارا ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا۔

جرمن چھاتہ بردار جہاز کو علم ہو جائے گا۔ وہ ہم سے اپنی خفیہ زبان میں پوچھے گا کہ ہم کون ہیں؟۔

ہم کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ ہمیں مار گرا دے گا۔

اورنگا نے کہا۔

’’جہاز کی آواز بہت قریب آ گئی ہے۔ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے ڈیڈی!‘‘۔

پروفیسر نے کہا۔

مجھے یہاں ایک خفیہ غار کا علم ہے۔ میں آپ لوگوں کو وہاں لے چلتا ہوں۔ کسی زمانے میں، میں وہاں بیٹھ کر تجربے کیا کرتا تھا۔

اس جگہ سے کوئی جرمن سپاہی واقف نہیں ہے۔ چلو! ہم وہاں بھاگ چلتے ہیں۔

اورنگا نے کہا۔

’’ڈیڈی! ہمیں کھانے کی چیزیں وہاں لے جانا چاہئیں‘‘۔

اب جہاز آسمان پر صاف نظر آ رہا تھا اور اس میں سے چھاتہ

بردار جرمن سپاہیوں نے چھلانگیں لگانی شروع کر دی تھیں۔

”بھاگو! اب وقت نہیں رہا“۔

انہوں نے جلدی جلدی وہاں سے کھانے پینے کے کچھ ڈبے اٹھا کر تھیلے میں ڈالے اور پروفیسر کے پیچھے پیچھے ٹیلوں اور برف کے تودوں کے عقب سے ہوتے ہوئے ایک غار کے دروازے پر پہنچ گئے۔

یہ غار ایسی جگہ پر تھا۔ جہاں کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ چھپ کر میدان کی جانب دیکھنے لگے۔ وہاں چھاتہ بردار سپاہی ایک ایک کر کے نیچے اتر رہے تھے۔

”میں نہ کہتا تھا کہ یہ جرمن سپاہی ہیں، دیکھ لیا تم بھی“۔

وہ صاف جرمن سپاہی تھے۔ وہی وردی اور مشین گنیں کمر کے

ساتھ باندھی ہوئیں۔

سروں پر سیاہ ٹوپ۔ یہ کتنے ہی سپاہی تھے۔ ان کے اترنے کے بعد دوسرا جہاز آسمان پر نمودار ہوا اور اس جہاز سے بھی چھاتہ بردار جرمن سپاہی آلوؤں کی طرح نیچے گرنے لگے۔

عنبر بولا۔

”یہ تو پورا ڈویژن چلا آ رہا ہے“۔

پروفیسر آہ بھر کر کہنے لگا۔

امریکی نے دیر کر دی۔ اب اگر انہوں نے حملہ کیا تو بڑی خونی جنگ ہو گی۔

کاش! وہ میرے سگنل کرنے کے ساتھ ہی یہاں اپنی فوج اتار دیتے اور مورچے سنبھال لیتے۔ پھر وہ جرمن سپاہیوں کو نیچے

اترتے ہی بھون کر رکھ دیتے۔ اب اس لیبارٹری پر قبضہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔

دوسرے جہاز کے بعد تیسرا جہاز آیا۔ اس میں سے بھی جرمن فوج نیچے اترنے لگی۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو بہت فوج ہے"۔

پروفیسر بولا۔

"ضرور کسی جہاز میں ٹینک بھی آ جائیں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ ایک جہاز برف کے میدان میں اتر گیا۔ اس میں سے دو ٹینک باہر نکل آئے اور لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد دو ایسی جیپ گاڑیاں بھی نمودار ہوئیں جو خاص طور پر برف کے میدان میں چلنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔

اونگا نے کہا۔

"اب ہمارا ابھی یہاں سے نکلنا مشکل ہو گیا ہے"۔

پروفیسر نے کہا۔

"ہم اس وقت تک یہاں سے فرار نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ جنگ کے بعد امریکی فوج اس مورچے پر قبضہ نہیں کر لیتی"۔

عنبر کہنے لگا۔

"ہم فرار تو جس وقت چاہیں ہو سکتے ہیں"۔

پروفیسر کہنے لگا۔

یہاں سے فرار ہونا اپنی موت کو آواز دینا ہے۔ برف کا یہ

صحرا بڑا ظالم وارسنگ دل ہے۔ یہ ہمیں اپنی طرف بلا کر پھر بھوکا پیاسا مار ڈالتا ہے۔ کئی لوگ یہاں سے فرار ہوئے اور پھر برف کے طوفانوں میں پھنس کر مر کھپ گئے۔

آج تک ان کی لاشیں بھی نہیں مل سکیں۔ اس لیے ہمیں یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں کبھی بھی نہیں سوچنا چاہیے۔

ہاں! اگر مسٹر ناگ چاہے تو اس وقت بھی یہاں سے فرار ہو سکتا ہے۔

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

”کیوں بھلا میں کیسے فرار ہو سکتا ہوں؟ میں کوئی پرندہ ہوں کہ اڑ کر بھاگ جاؤں گا“۔

پروفیسر بولا۔

”کیوں نہیں تم بے شک پرندہ بن کر اڑ سکتے ہو“۔

ناگ اور عنبر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس پروفیسر کو ناگ کی خفیہ طاقت کے بارے میں کیسے علم ہو گیا۔

بہر حال یہ موقع ان باتوں پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ مصیبت سر پر کھڑی تھی۔

جرمن ٹینک اور گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو کر لیبارٹری کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئیں تھیں۔ فوجیں بھی لیبارٹری کے ارد گرد برف میں مورچے کھودنے لگی تھیں۔

پروفیسر مسکرایا اور بولا۔

”ہمیں غار میں چلنا چاہیے“۔

یہ غار جس جگہ تھی وہاں کسی کی نظر بالکل نہیں جا سکتی تھی۔

باہر برف کا تودہ کھڑا تھا۔ اس کے نیچے سے ایک راستہ غار کی طرف جاتا تھا۔ غار اندر سے کھلا تھا۔ کونے میں لوہے کے پلنگ بچھے تھے اس پر پرانے کمبل پڑے تھے۔

ایک الماری میں سائنس کے آلات رکھے تھے۔

"اب ہمیں اس وقت تک اسی جگہ رہنا ہوگا جب تک امریکی فوج آ کر اس مورچے پر قبضہ نہیں کر لیتی"۔

رات تھوڑا بہت کھانا کھا کر وہ باتیں کرنے لگے۔

اونگا اپنے ڈیڈی کے پاس بیٹھی گفتگو کر رہی تھی۔ عنبر اور ناگ دوسرے پلنگ پر تھے۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"پروفیسر کو تم پر کیسے شک پڑ گیا کہ تم پرندہ بھی بن سکتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے اس نے مجھے اپنے کمرے میں سانپ بن کر باہر نکلتے دیکھ لیا تھا۔ بہر حال کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حالات اب کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ شاید ہمیں کھل کر کرامت دکھانی پڑے۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایک طرح سے ہم یہاں آ کر پھنس گئے ہیں۔ ہم تو بہن ریا کا سراغ لگانے نکلے تھے کہ یہاں آ کر الجھ گئے۔

اب تو ان لوگوں کی زندگیاں بچانا ہمارا فرض بن گیا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اپنا فرض ہر حالت میں ادا کریں گے"۔

اسی طرح باتیں کرتے وہ سو گئے۔

ادھر جرمن فوج نے ساری لیبارٹری کے علاقے کو گھیرے میں لے کر مورچے سنبھال لیے تھے۔ دونوں ٹینک بھی خاص خاص جگہوں پر کھڑے کر دیئے گئے تھے۔

یہ کوئی دو سو کے قریب فوجی تھے جن پر کمانڈر ایک جرمن کپتان تھا۔

اس نے جو جگہ جگہ اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھیں تو دنگ رہ گیا۔ سمجھ گیا کہ امریکی گوریلوں کی کارستانی ہے۔

اس نے حکم دے دیا کہ فوج ہر طرح سے چوکس رہے۔ کیوں کہ ممکن ہے امریکی گوریلے آس پاس کہیں چھپے ہوئے ہوں۔

اس نے ایک خفیہ پارٹی کو یہ بھی آرڈر دے دیا کہ ارد گرد کے علاقے میں امریکی گوریلوں کو تلاش کر کے ہلاک کر دیا جائے۔

چنانچہ ایک جرمن دستہ آدھی رات کو امریکی گوریلوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

دوسرا دن بھی عنبر اور ناگ نے غار کے اندر ہی گزار دیا۔ دوسری رات کو چار جرمن سپاہی گوریلوں کو تلاش کرتے کرتے اس طرف آ نکلے جدھر عنبر اور ناگ پروفیسر اوکا غار میں چھپے ہوئے تھے۔

ایک سپاہی ٹارچ کی روشنی میں برفانی گڑھوں میں دیکھ تھا، کہیں کوئی گوریلا تو چھپا ہوا نہیں ہے۔

اچانک اس کی نظر ٹین کے ایک ڈبے پر پڑی۔

یہ ٹماٹر جوس کا ایک خالی ڈبہ تھا جسے اولگا نے بے احتیاطی سے باہر پھینک دیا تھا۔

جرمن سپاہی کا ماتھا ٹھنکا۔ سوچنے لگا کہ یہ ڈبہ یہاں کہاں سے آ گیا۔

یہاں تو چاروں طرف برف ہی برف ہے۔ اسے شک ہوا۔ اس نے سیٹی بجا کر اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ اب وہ چاروں ادھر ادھر تلاش کرنے لگے کہ یہ ڈبہ کہاں سے آ گیا؟

کہیں کسی پوشیدہ جگہ کوئی کمین گاہ تو گوریلوں نے نہیں بنا رکھی؟

”یہاں ضرور گوریلوں کا ٹھکانہ ہے“۔

”شی! خاموش رہ کر تلاش کرو“۔

”ارے وہ دیکھو مجھے تو یہ غار کا منہ لگتا ہے“۔

وہ برف کے تودے کے سامنے آ کر رک گئے۔ یہ غار کا منہ ہی تھا۔

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دستے کے کمانڈر نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

انہوں نے غار کا راستہ تلاش کر لیا تھا۔ غار کے منہ سے برف کا تودہ ذرا سا کھسکا کر وہ غار میں داخل ہو گئے۔

کمانڈر پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے آگے ذرا جھک کر برف کی دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہا تھا۔ سٹین گن اس نے تان رکھی تھی۔

ادھر پروفیسر ڈور اور اوانگا ایک پرانے وائرلیس سیٹ کو درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ کسی طرح امریکی فوجوں سے رابطہ قائم کیا جا سکے۔

عنبر اور ناگ تیل کا لیمپ جلا کر اس پر چائے کا پانی رکھے باتیں کر رہے تھے۔ یہاں جرمن کمانڈر سے ایک غلطی ہو گئی۔

اسے چھینک آ گئی۔ اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ منہ کے آگے رکھ کر جو چھینک ماری تو سٹین گن اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔

چھینک کی دبی دبی آواز پر عنبر اور ناگ چونک پڑے۔

انہوں نے جانور کی خفیہ آواز نکال کر پروفیسر اور اوانگا کو خبردار کر دیا کہ خطرہ ہے۔

پروفیسر اور اوانگا الماری کے پیچھے برف کی کھوہ میں چھپ گئے۔ ناگ نے گہرا سانس لے کر جون بدل ڈالی۔

وہ سفید برفانی خونخوار بھالو بن کر برف کی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں چھپ گیا۔

عنبر نے پستول نکال کر ہاتھ میں تھام لیا اور ایک طرف ہو کر آنے والی سپاہی کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک ہی سپاہی ہو گا۔

لیکن تھوڑی دیر میں وہاں چار جرمن سپاہی نمودار ہوئے۔

کمانڈر نے غار کے وسط میں مٹی کے تیل کا جلتا چولہا اور اس پر رکھی کیتلی دیکھی تو اس نے کہا۔

"گوریلے بھاگ گئے ہیں۔ یہیں گوریلوں کا ٹھکانہ ہے"۔

چاروں جرمن سپاہی غار میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ انہوں نے وائرلیس سیٹ دیکھا اور پھر ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

"پروفیسر اور اس کی بیٹی یہاں ہے"۔

باقی سپاہی ادھر کو دوڑے اور پروفیسر اور اس کی بیٹی کو وہاں سے نکال باہر لے آئے۔

کمانڈر نے پروفیسر کے کندھے پر مشین گن کا دستہ مار کر کہا۔

"باقی گوریلے کہاں ہیں؟"۔

پروفیسر بولا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں"۔

کمانڈر نے اونگا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کے ماتھے پر سٹین گن کی نالی رکھ کر کہا۔

"اگر تم نے گوریلوں کے بارے میں نہ بتایا تو میں تمہاری بیٹی کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دوں گا"۔

پروفیسر بڑا پریشان تھا کہ عنبر اور ناگ کہاں مر گئے ہیں؟۔

وہ اس کی مدد کو کیوں نہیں آئے؟ ابھی تو وہ لوگ آگ کے پاس بیٹھے چائے بنا رہے تھے۔

اب کہاں غائب ہو گئے؟۔

"بولو کہاں ہیں گوریلے؟ نہیں تو میں شوٹ کرنے لگا ہوں تمہاری بیٹی کو"۔

کمانڈر کی اس دھمکی پر پروفیسر پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جرمن سپاہیوں کے لیے کسی کو مار ڈالنا کوئی بات نہیں ہے۔

اس نے کہا۔

"گوریلے۔ شام کو آئے تھے اور پھر چلے گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"۔

"کیا وہ یہاں آئیں گے؟"۔

"شاید!"۔

"بکواس کرتے ہو۔ میں دس تک گنوں گا۔ اگر تم نے گوریلوں کا پتا نہ بتایا تو میں تمہاری بیٹی کو شوٹ کر دوں گا۔ ایک۔ دو۔ تین۔"

ابھی اس جرمن کمانڈر نے تین تک گنتی گنی تھی کہ پستول کے فائر کی آواز آئی اور ایک گولی جرمن کمانڈر کی کنپٹی سے گزر گئی۔

کمانڈر بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

دوسرے سپاہی ادھر ادھر بھاگ کر ہوا میں گولیاں چلانے لگے۔ اتنے میں ریچھ کے غرانے کی بھیانک چیخ بلند ہوئی۔

ابھی جرمن سپاہی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ریچھ نے دو سپاہیوں پر پیچھے سے حملہ کر کے انہیں چیر پھاڑ کر کے رکھ دیا۔

آخری سپاہی نے مشین گن سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

عنبر نے آواز دی۔

"اونگا! باپ کو لے کر نیچے بیٹھ جاؤ"۔

اونگا نے عنبر کی آواز سنتے ہی پروفیسر کو میز کے نیچے گرا دیا۔

پاگل جرمن سپاہی دیوانوں کی طرح اندھا دھند گولیاں برسا رہا تھا۔

عنبر نے سیٹی بجا کر ناگ کو خبردار کیا۔ کیونکہ وہاں اندھیرا تھا۔ ناگ اب برفانی ریچھ سے بدل کر سفید سانپ کی شکل میں نمودار ہو گیا تھا۔

وہ برف کی دیوار پر چلتا ہوا اس جگہ آ گیا جہاں جرمن سپاہی ایک میز کی اوٹ میں ہو کر گولیاں برسا رہا تھا۔

ناگ نے پیچھے سے آ کر سپاہی کی گردن پر حملہ کر دیا۔ سپاہی کے لیے اب گولی چلانا مشکل تھا۔ سٹین گن اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ اگلی دنیا کو چلا گیا۔

جب ہر طرف سکون ہو گیا تو عنبر نے پروفیسر اور راولگا کو آواز دی۔

"تم لوگ زندہ ہو کیا؟"۔

"بالکل زندہ ہیں جناب!"۔

پروفیسر اور راولگا نے کہا۔

ناگ بھی سانپ کی جون بدل کر ناگ بن چکا تھا۔

انہوں نے لیمپ جلا دیا اور جرمن سپاہیوں کی لاشوں کو برف کا گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا۔ انہوں نے چاروں طرف جرمن سپاہیوں کی سٹین گنیں اور وردیاں سنبھال کر رکھ لی تھیں۔

"ہو سکتا ہے ان وردیوں کی ضرورت پڑ جائے"۔

رات گزر گئی۔

دن چڑھ آیا۔ قطب شمالی کا سورج مشرق کے افق کے ساتھ ساتھ مغرب کو بڑھنے لگا۔ چار جرمن سپاہی جب گشت سے واپس نہ آئے تو جرمن کپتان کو فکر پڑ گئی۔

اس نے ایک اور پارٹی کو ان سپاہیوں کی کھوج کے لیے روانہ کر دیا۔

لیکن اب عنبر اور ناگ نے غار کے دروازے پر اس طرح سے برف جما دی تھی کہ کسی کو دیکھ کر ذرا سا بھی شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہاں کوئی غار ہے۔

سپاہی سارا دن اپنے ساتھیوں کو تلاش کرتے رہے مگر ناکام واپس گئے۔

دوسری رات عنبر ناگ اور پروفیسر وائرلیس سیٹ کو دوبارہ ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ سیٹ کچھ ایسا خراب ہوا تھا کہ ٹھیک ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

پروفیسر بولا۔

"وائرلیس سیٹ کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔ میں امریکی ہیڈ کوارٹر کے نمبر کو جانتا ہوں۔ ہمیں ان لوگوں کو جلدی سے جلدی اطلاع کرنی ہوگی کہ یہاں پورا بریگیڈ ٹینکوں کے ساتھ آ چکا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ وائرلیس سیٹ ٹھیک نہیں ہو سکتا؟"۔

اونا کہنے لگی۔

"یہ تو شاید اب قیامت تک ٹھیک نہ ہو"۔

عنبر بولا۔

"میرے خیال میں اب ایک ہی طریقہ ہے"۔

"وہ کونسا؟"۔

پروفیسر نے پوچھا۔

عنبر کہنے لگا۔

"کسی طرح جرمن فوجوں کے ٹھکانے پر جا کر وہاں سے وائرلیس سیٹ اڑا لایا جائے"۔

اورنگا نے کہا۔

"میرے خدا! یہ تو اپنی موت کو آواز دینے والی بات ہوگی"۔

پروفیسر بولا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم نے امریکی فوجوں کو پیغام بھجوانے میں دیر کر دی تو ہو سکتا ہے یہاں اور زیادہ فوج آ جائے اور پھر یہ مورچہ سر کرنا ہمارے لیے مشکل ترین ہو جائے گا"۔

ناگ کہنے لگا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر میں جرمنوں کے ٹھکانے پر جا کر وائرلیس سیٹ اڑا لاتا ہوں"۔

اورنگا نے کہا۔

"یہ بڑی خطرناک بات ہوگی۔ اس میں جان کا خطرہ ہے"۔

پروفیسر نے کہا۔

"ناگ اپنی حفاظت کرنا جانتا ہے"۔

ناگ نے مسکرا کر پروفیسر کی طرف دیکھا۔ پروفیسر بھی مسکرایا۔

اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کے راز سے واقف تھے۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"میرا خیال ہے، اب بات کھول دینی چاہیے۔ پروفیسر صاحب کو معلوم ہو چکا ہے کہ میں جون بدل کر کسی دوسرے پرندے یا جانور کا روپ دھار لیتا ہوں"۔

عنبر مسکرا دیا۔

"یہ کب سے پتا چلا انہیں؟"۔

اونگا کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔

ناگ نے کہا۔

"بس جس رات میں انہیں قید سے نکالا تھا۔ اسی وقت پتہ چلا تھا۔ کیوں پروفیسر؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟"۔

"بالکل ٹھیک!"۔

پروفیسر ہنس پڑا۔

اونگا نے کہا۔

"بھئی یہ کیا جادو کی باتیں ہو رہی ہیں ذرا ہمیں بھی تو معلوم ہو؟ کون پرندہ بن جاتا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بہن! وقت آنے پر تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں ہے"۔

شام کو ناگ نے جرمن سپاہی کی وردی پہن کر سر پر لوہے کا ٹوپ رکھا۔

سٹین گن ہاتھ میں لی اور خاموشی کے ساتھ غار سے نکل کر جرمن مورچوں کی طرف چل پڑا۔

ادھر ادھر کا چکر لگا کر وہ لیبارٹری کی طرف چلنے لگا۔ سامنے

مورچہ تھا جس کے باہر ایک جرمن ٹینک کھڑا تھا۔

اس کی توپ کی نالی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ دو سپاہی وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ ان کے قریب سے گزرا تو جرمن سپاہی نے بلند آواز سے پوچھا۔

"کون ہو؟"۔

ناگ اور عنبر اور ماریا کو یہ طاقت ملی ہوئی تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان میں بات کر سکتے تھے۔

ناگ نے جرمن زبان میں کہا۔

"دوست ہوں"۔

جرمن سپاہی نے کہا۔

"نمبر کیا ہے؟"۔

ناگ نے اپنا نمبر بتا دیا۔ یہ نمبر وردی کی پٹی پر لکھا ہوا تھا۔ جو اس نے غار سے نکلتے وقت ہی یاد کر لیا تھا۔

اب وہ لیبارٹری کے پیچھے ذرا فاصلے پر بنائے ہوئے مورچے کی طرف چلنے لگا۔

اسے یقین تھا کہ یہاں مورچے میں وائرلیس سیٹ ضرور ہو گا۔

ابھی مورچے کے قریب ہی آیا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے ایک جرمن افسر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے جھٹ سلوٹ کیا۔

جرمن افسر نے کرخت آواز میں پوچھا۔

"تم اکیلے ادھر کیا کر رہے ہو؟ تم کس مورچے کے سپاہی ہو؟"۔

اس سوال کا جواب ناگ کے پاس بالکل نہیں تھا۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

جرمن افسر نے پستول نکال لیا۔

"کون ہو تم؟"۔

ساتھ ہی اس نے زور سے سیٹی بجا کر سب کو خبردار کر دیا۔

مورچوں سے نکل نکل کر سپاہی وہاں آ گئے اور انہوں نے ناگ کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے پکڑ کر اندر لے گئے۔

وہاں جا کر پتا چلا کہ ناگ کے نام کا کوئی سپاہی وہاں نہیں

ہے۔ اس کی وردی پر جو نمبر تھا اس نمبر کا سپاہی گم شدہ تھا۔

وہ دوسرے تین سپاہیوں کے ساتھ گم ہو چکا تھا۔ اب تو جرمن افسر کو یقین ہو گیا کہ یہ امریکی گوریلا ہے اور جرمن سپاہیوں کو اسی نے قتل کیا ہے۔

ناگ کو کوارٹر گارڈ میں ڈال دیا گیا۔

جرمن افسر اس کے سامنے بیٹھ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔

ناگ مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

جرمن افسر نے چیخ کر کہا۔

جس سپاہی کی تم نے وردی پہن رکھی ہے وہ سپاہی کہاں ہے؟۔

اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟۔ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو ہم تمہیں ٹینک کے نیچے کچل دیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے آزاد کر دو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

جرمن افسر نے اشارہ کیا۔

دو سپاہی سنگینیں تان کر ناگ کی طرف آئے اور انہوں نے ناگ کی پسلیوں میں سنگینیں چبھونی شروع کر دیں۔

ناگ پتھر نہیں تھا کہ اسے تکلیف کا احساس نہ ہوتا۔ اسے درد ہونے لگا۔

وہ مر بھی سکتا تھا۔

اس نے جرمن افسر سے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ان لوگوں سے کہو کہ پرے ہٹ جائیں"۔

"پرے ہٹ جاؤ"۔

جرمن افسر نے کہا۔

سپاہی دو قدم پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ میں ایک جادوگر ہوں۔ میں ادھر سیر کرتے اڑتا اڑتا آیا تھا کہ ایک جرمن سپاہی کی وردی پڑی دیکھی۔ میں نے اسے پہن لیا اور بس۔ بھلا مجھے کیا خبر کہ وہ جرمن

سپاہی کہاں ہے"۔

جرمن افسر نے سور سے ناگ کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔

ناگ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور جرمن سپاہیوں کے دیکھتے دیکھتے وہ انسان سے ایک چھوٹا پرندہ بن گیا اور پھر سے اڑ کر سامنے چھت پر جا بیٹھا۔

جرمن افسر اور سپاہی حیرانی سے منہ کھولے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔

ان لوگوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے جو دیکھا تھا انہیں اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

جرمن افسر چلایا۔

"شوٹ کر دو اس جادوگر پرندے کو"۔

سپاہیوں نے فائر کھول دیا۔

لیکن ناگ دوسری طرف چلا گیا تھا۔ اڑتا اڑتا وہ کافی دور جا کر ایک جگہ برف کے ٹیلے کی اوٹ میں اتر گیا۔

یہاں اس نے سفید سانپ کا روپ بدل لیا اور لیبارٹری کی طرف اندھیرے میں رینگنا شروع کر دیا۔

وہ جرمن افسر سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ جرمن افسر کمرے میں کھانے کی میز پر بیٹھا دوسرے افسروں کے ساتھ جادوگر کی جادوگری کی باتیں کر رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔

"میں نے زندگی میں آج تک ایسا جادو نہیں دیکھا۔ ابھی وہ جرمن سپاہی کے روپ میں کھڑا تھا اور پھر وہ ایک دم سے پرندہ

بن کر اڑ گیا"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

ایک افسر بولا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں اس حیرت انگیز واقعے کا گواہ ہوں"۔

دوسرے افسر نے اس کی بات کی گواہی دی۔ وہ باتیں کر رہے تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔ کمرے میں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا۔ جس کی روشنی کھانے کی میز پر پڑ رہی تھی۔ سانپ اس وقت کمرے کے دروازے کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ سانپ کچھ دیر وہاں چھپا رہا۔ پھر اس نے فرش پر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ وہ جرمن افسر کی کرسی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ جرمن افسر کے پاؤں میں چمڑے کے جوتے تھے۔ جو اس کے ٹخنوں تک چڑھے ہوئے تھے۔ سانپ نے سر اوپر اٹھا کر بڑی تیزی سے جرمن افسر کے گھٹنے پر ڈس دیا۔ جرمن افسر کو یوں لگا جیسے گھٹنے پر کسی چیونٹی نے کاٹ کھایا ہو۔ اس نے ہاتھ سے گھٹنے کو مسل دیا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ لیکن ناگ کا زہر کوئی معمولی زہر نہیں تھا۔ وہ تو ایک بھیانک زہر تھا۔ اس نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ کھانا کھاتے کھاتے جرمن افسر کے ہاتھ سے نوالہ میز پر گرا اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔ سپاہی اور دوسرے افسر اس کی

طرف لپکے۔

مگر وہ مر چکا تھا۔ سانپ اس دوران میں رینگتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

وہ سیدھا جرمن مورچے پر پہنچا۔ یہاں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور ان کے قریب ہی ایک وائرلیس سیٹ پڑا تھا۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اس نے یہاں دیر کر دی تو پھر مشکل پڑ جائے گی۔

اس نے گہرا سانس لے کر ایک جرمن کپتان کا روپ دھار لیا۔ اور سیدھا مورچے میں جا کر کہا۔

"سب ٹھیک ہو جوانو!"۔

جرمن سپاہیوں نے اپنے سامنے کپتان صاحب کو دیکھا تو

سلوٹ کر کے کہا۔

"یس سر! بالکل ٹھیک ہیں"۔

ناگ نے اپنی ٹوپی اچھی طرح سے آگے کر کے کہا۔

"لیبارٹری میں جا کر ایک وائرلیس سیٹ اٹھا لاؤ۔ جلدی چلو۔ بھاگ کر۔ ڈبل مارچ"۔

حکم پا کر دونوں سپاہی مورچے سے نکل کر لیبارٹری کی طرف بھاگنے لگے۔

انہوں نے بالکل نہ پوچھا کہ وائرلیس سیٹ کس لیے چاہیے؟۔

ناگ نے ان کے جاتے ہی مورچے سے وائرلیس سیٹ نکال کر قریب کھڑی جیپ پر رکھا اور اسے چلا کر وہاں سے رفو چکر

ہو گیا۔

سپاہی جب دوسرا وائرلیس لے کر واپس آئے تو دیکھا کہ کپتان صاحب مع جیپ اور وائرلیس سیٹ کے غائب ہیں۔

ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے شور مچا دیا۔ سپاہی ناگ کی تلاش میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن ناگ بھی بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ایک جگہ جا کر جیپ برف پر ہی چھوڑ دی اور وائرلیس سیٹ کندھے پر اٹھا کر غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

برف پتھر کی طرح سخت تھی۔ اس پر پاؤں کے نشان بالکل نہیں پڑتے تھے۔

آخر وہ غار میں پہنچ گیا۔

وائرلیس سیٹ دیکھ کر پروفیسر، اولگا اور عنبر بڑے خوش ہوئے۔

پروفیسر نے اسی وقت وائرلیس اون کیا اور فریکونسی ملا کر امریکی ہیڈکوارٹر سے بات شروع کر دی۔

ادھر سے کوئی اکھڑ سپاہی بول رہا تھا۔

"کون ہو تم؟ کہاں سے بات کر رہے ہو؟ کس سے بات کرو گے مسٹر؟"۔

پروفیسر نے کہا۔

"ہیلو! ہیلو! چارلی! چارلی! میں تمہارے کسی افسر سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔

ادھر سے سپاہی بولا۔

"چارلی کے بچے! تم کون ہو؟ پہلے یہ تو بتاؤ"۔

"میں قطب شمالی سے پروفیسر کراہم بول رہا ہوں۔ مجھے جنرل میکارتھی سے ملواؤ۔ جلدی"۔

جنرل میکارتھی اس وقت قطب شمالی کے لیے امریکیوں کا بڑا خطرناک خفیہ لفظ تھا۔

ہر سپاہی کے کان میں یہ لفظ ڈال کر یقین دلایا گیا تھا کہ اس لفظ کے ساتھ انتہائی خطرناک ایمرجنسی وابستہ ہے۔

چنانچہ سپاہی نے جونہی میکارتھی کا نام سنا وہ یس سر ابھی ملواتا ہوں کہہ کر وہاں سے بھاگا اور ساتھ والے کمرے سے کیپٹن ایڈورتھ کو بلا لیا۔

کیپٹن نے پروفیسر کی بات سنتے ہی کہا۔

"او کے سر! او کے سر! چارلی چیخ رہا ہے"۔

مطلب یہ تھا کہ ایکشن شروع ہو رہا ہے۔ پروفیسر نے وائرلیس بند کر دیا۔

اتنے میں غار کے باہر بھاری فوجی جوتوں کی آواز سنائی دی۔

اونگا ڈر کر بولی۔

"جرمن آ گئے"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر کی بات نہیں۔ ہم ان سے نپٹ لیں گے"۔

پروفیسر اونگا اور عنبر نے سٹین گنیں سنبھال لیں اور غار کے اندر پڑے برف کے تودوں کی اوٹ میں ہو گئے۔

ناگ نے کہا۔

"میں باہر جا کر پتا کرتا ہوں"۔

ناگ سانپ بن کر رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک ٹینک سامنے سے چلا آ رہا ہے اور ذرا فاصلے پر چند سپاہی کھڑے ہیں۔

ٹینک کی گڑگڑاہٹ کی آواز اندر اونگا، پروفیسر اور عنبر نے بھی سنی۔

"کم بخت یہ تو ٹینک لے کر آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے انہیں ہمارے ٹھکانے کا پتہ چل گیا ہے"۔

اونگا سہم گئی تھی کہنے لگی۔

"ڈیڈی! اب ہماری زندگی خطرے میں ہے۔ یہ لوگ ہمیں نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"جب تک میں زندہ ہوں یہ لوگ تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے اور میں ابھی نہیں مر سکتا فکر نہ کرو"۔

پروفیسر بولا۔

"ہم تین ان سینکڑوں سپاہیوں کے آگے کیا کر سکتے ہیں عنبر؟ یہ لوگ ہمار پر حملہ کرنے والے ہیں"۔

عنبر مسکرایا۔

"اگر انہوں نے حملہ کر دیا تو ہم بھی حملہ کر دیں گے"۔

"کیا مطلب ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں؟"۔

"یہی تو آپ کو علم نہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بہر حال آپ دیکھتے جائیں کہ کیا ہوتا ہے۔ ابھی تک تو تم لوگوں کو یہ جرمن کچھ

نہیں کہہ سکتے"۔

باہر گولی چلنے کی آواز آئی۔

غار میں ان لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کچھ گڑبڑ ہے"۔

ارنگا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

پروفیسر بولا۔

"مشین گنیں تیار رکھو۔ کاش اس وقت امریکی ہوائی جہاز بمباری کرنے آ جائے"۔

ارنگا کہنے لگی۔

"انہیں ہمارا وائرلیس تو مل گیا تھا۔ انہیں اب تک آ جانا چاہیے تھا"۔

"وہ گرین لینڈ کے اڈے سے آئیں گے۔ کچھ وقت ضرور لگے گا"۔

باہر ایک دو گولی چلی۔ پھر سٹین گن چلنے کی آواز آئی۔

اس کے بعد ٹینک کے چار گولے ایک کے بعد ایک چلے۔

سارا علاقہ گرج کر رہ گیا۔

پروفیسر بولا۔

"ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے غار میں آ کر وہ ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے"۔

عنبر بولا۔

"خاموش! ہمیں یہاں رہ کر انتظار کرنا ہوگا۔ ناگ ہمیں سنبھال سکتا ہے"۔

باہر ناگ نے انوکھا ڈرامہ کھیلا تھا۔ وہ دوسری طرف جا کر اچانک ایک پروفیسر کی شکل میں ظاہر ہو گیا اور سپاہیوں کو دیکھ کر بھاگا۔

سپاہیوں نے اس پر گولی چلا دی۔

ناگ برف کے تودے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ وہاں سے ٹینک کی طرف بھاگا۔ ٹینک نے فائرنگ شروع کر دی۔

ناگ پھر سے سانپ بن کر برف پر رینگنے لگا۔ اس نے دو سپاہیوں کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔

باقی سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو گرتے دیکھا تو مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔

اب ناگ اڑنے والا سانپ بن کر اڑتا اڑتا ٹینک سواروں کے سر پر آ گیا۔

رات کا اندھیرا ڈھلنے لگا تھا اور صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔ ناگ کو کوئی سپاہی نہ دیکھ سکا۔ اگرچہ ایک سپاہی نے ٹینک سے باہر نکالا ہوا تھا۔

ناگ انہیں دھوکا دے کر غار سے دور لے گیا تھا۔ یہی وہ چاہتا تھا۔

اب وہ ان لوگوں کو اسی جگہ ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے اڑتے اڑتے نیچے غوطہ لگایا اور ٹینک کے باہر نکلے ہوئے سپاہی کی گردن سے چمٹ کر ڈس لیا۔

☆ پروفیسر ہوراولنگا کا کیا انجام ہوا؟

☆ کیا قطب شمالی کی مہم کامیاب ہو گئی تھی؟

☆ امریکی فوجیں کس وقت پہنچیں؟

☆ ماریا کس جگہ تھی؟

☆ یہ سب کچھ اس ناول کی 70 ویں

قسط میں پڑھیے۔

منگول ڈاکو

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 70)

اے حمید

فہرست

خفیہ راستہ
منگول ڈاکو
خونی مگرمچھ
خونی تجربہ
موت کی بے ہوشی
انسانی قربانی

پیارے بچو!

عنبر اور ناگ ماریا کی تلاش میں قطب شمالی کا سفر شروع کرتے ہیں۔

وہ برف کے ویران میدانوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں انہیں ایک جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگر ماریا کو لے کو وہاں سے بھی آگے چلا گیا ہے۔

دونوں دوست آگے روانہ ہوتے ہیں کہ روسی سائنسدان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

سائنسدان حیران ہیں کہ عنبر پر گولی، خنجر یا آگ اثر کیوں نہیں کرتی۔

وہ اس پر تجربہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے سپاہی بھی عنبر کی طرح غیر فانی بن جائیں۔

وہ ایک تیز گیس سے عنبر کو بے ہوش کر کے ایک پوشیدہ تہہ خانے میں لے جاتے ہیں۔

سائنس دان چاہتے ہیں کہ تیز گیس کی مدد سے عنبر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے ہوش کر دیا جائے۔

کیوں کہ یہی ایک طریقہ اس کے ہلاک کرنے کا رہ گیا تھا۔ سائنس دان عنبر کو موت کی گیس سنگھانے لگتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟۔ آپ خود پڑھیں۔

خفیہ راستہ

سپاہی چیخ مار کر ٹینک پر لڑھک گیا۔

ٹینک رک گیا کسی نے اڑتے ہوئے سانپ کو نہ دیکھا۔

سانپ دور جا کر ایک گڑھے میں اتر گیا اور کنارے سے باہر نکال کر تکنے لگا۔

ٹینک میں سے سپاہی کی لاش باہر نکالی جا رہی تھی۔ جرمن کمانڈر نے دوربین سے چاروں طرف غور سے دیکھا۔

پھر اونچی آواز میں کوئی حکم دیا جسے ناگ نہ سمجھ سکا۔

سپاہیوں نے تینوں سپاہیوں کو برف میں دفن کیا۔ ٹینک میں سوار ہوئے اور اسے لے کر واپس چل دیئے۔

ناگ بھی رینگتا ہوا غار کی جانب آ گیا۔ غار میں آ کر اس نے پھر سے انسان کی شکل اختیار کی اور اپنے ساتھیوں کو آ کر بتایا کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔

”لیکن اس محاذ پر جرمن فوج کافی تعداد میں موجود ہے۔ لیکن ہمیں امریکی فوج کو جلد از جلد یہاں بلانا ہوگا“۔

پروفیسر نے کہا۔

”میں نے وائرلیس کر دیا ہے۔ فوج کسی وقت بھی یہاں اتر جائے گی“۔

لیکن فوج نہ آئی۔ تین روز گذر گئے اور غار میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔

عنبر نے پانی کا آخری ڈبہ اور ڈبل روٹی کا آخری ٹکڑا کھاتے ہوئے کہا۔

"دوستو! اگر آج رات کھانے پینے کی چیزوں کا کوئی انتظام نہ ہوا تو کل سے ہمیں فاقہ آ جائے گا"۔

پروفیسر نے کہا۔

"لیبارٹری کے سٹور میں بے شمار سامان پڑا ہے"۔

اونگا نے پیش کش کر دی۔

"میں جا کر رات کو وہاں سے سامان چوری کر کے لے آتی ہوں"۔

ناگ ہنسا۔

کیا کہتے ہیں تمہارے اونگا! یعنی تمہارے خیال میں جرمن پہرے دار وہاں بھنگ پی کر سو رہے ہوں گے۔ اور تم جا کر بڑے آرام سے تھیلا بھر کر لے آؤ گی۔

"اتنے احمق نہیں ہیں وہ۔"

اونگا نے کہا۔

"تو پھر کل سے فاقہ کرنا ہوگا"۔

ناگ بولا۔

"یہ کام بھی میں ہی کروں گا"۔

پروفیسر نے کہا۔

"تمہارا سوا اور کر بھی کوئی نہیں سکتا"۔

یہ کام خاصا مشکل تھا۔ کیونکہ وہاں صرف جرمن پہریداروں کو دھوکا ہی نہیں دینا تھا بلکہ وہاں سے کچھ سامان ڈھو کر بھی لانا تھا۔

لیکن یہ کام ہر حال میں کرنا تھا۔ پس آدھی رات کو ناگ نے تیاری کی اور ایک بڑا سا تھیلا لے کر غار سے باہر نکل آیا۔

رات اندھیری تھی۔

ستارے چمک رہے تھے۔ برف پر ان کی دھیمی دھیمی روشنی پھیل رہی تھی۔ ناگ برف کے گڑھوں میں سے گزرتا لیبارٹری کے قریب پہنچ گیا۔

لیبارٹری میں روشنی ہو رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سٹور کہاں پر ہے جہاں کہ کھانے پینے کی چیزیں رکھی تھیں۔

لیبارٹری کے ارد گرد جرمن فوج کے دو مورچے تھے۔ جہاں سپاہی مشین گنیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔

ذرا پرے ٹینک بھی کھڑا تھا۔

ناگ کے لیے انسانی شکل میں وہاں سے گذرنا مشکل تھا۔

سانپ بن کر جاتا ہے تو تھیلا وہیں چھوڑنا پڑتا ہے اور وہ اتنا سامان اٹھا کر لا بھی نہیں سکتا۔

پھر کیا کیا جائے؟۔

ناگ سوچنے لگا۔ آخر اسے یہی ایک ترکیب سمجھ میں آئی کہ وہ کسی جرمن سپاہی کا بہروپ بھر کر وہاں جائے اور سامان اٹھا کر کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔

اس نے تھیلا اپنی کمر کے گرد لپیٹا۔ آنکھیں بند کریں۔ گہرا

سانس لیا۔

اور جرمن سپاہی بن گیا۔ اب اس نے خاموشی اور بے دھڑک طریقے سے لیبارٹری کے سٹور کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

سٹور پر اندھیرا چھایا تھا۔ اس کا دروازہ بھی بند تھا۔ لیبارٹری کے دروازے پر جرمن سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

دو سپاہی گشت لگا رہے تھے۔ ناگ نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہاتھ ہلا کر یوں سلام کیا جیسے وہ بھی ان میں سے ایک سپاہی ہے۔

ناگ سٹور کے عقب میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔

اس نے اوپر دیکھا۔ سٹور کی دیوار کے اوپر ایک روشندان تھا۔

وہ روشندان سے اگر اندر چلا بھی گیا تو سامان لے کر باہر کیسے آئے گا؟۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ سٹور کا دروازہ اندر سے کھلا ہو۔

ناگ نے دیکھا کہ سٹور کے دروازے پر باہر سے تالا لگا تھا۔

اس نے تالا توڑنے کی کوشش کی۔ تالا بہت مضبوط تھا۔

وہ گہرا سانس بھر کر ایک دم انسان سے ایک سفید برفانی ریچھ بن گیا۔

اس نے تالے کو پکڑ کر زور لگایا۔ ریچھ بن کر اس میں بہت طاقت آ گئی تھی۔ تالا ایک ہی جھٹکے سے ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

تالا اس نے برف میں دبا دیا۔ ذرا دھکا دیا تو دروازہ کھل

گیا۔

برفانی ریچھ اب ایک بار پھر ناگ کے روپ میں آ چکا تھا۔

اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔ اور سٹور کے اندر پڑی ہوئی چیزوں کا ہلکی روشنی میں جائزہ لیا۔ یہ روشنی ایک دھیمے بلب سے نکل رہی تھی جو سٹور کی چھت پر جل رہا تھا۔

یہ سٹور کی الماریاں اور شیلف کھانے پینے کے ڈبوں سے بھری ہوئی تھیں۔

ناگ نے یہ سامان تھیلے میں بھرنا شروع کر دیا۔ جب تھیلا منہ تک بھر گیا تو وہ اسے گھسیٹ کر سٹور کے دروازے تک لے آیا۔

تھیلا اتنا زیادہ وزنی ہو گیا تھا کہ ناگ اسے اکیلا نہیں گھسیٹ سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ ایک ہاتھی بن جائے اور اس تھیلے کو کندھے پر رکھ کر غار تک لے جائے۔

ابھی وہ ہاتھی بنا نہیں تھا کہ آہٹ ہوئی۔

ناگ چوکنا ہو گیا۔

شاید چوکیدار سپاہی ادھر آ رہا تھا۔ ناگ دروازے کے پیچھے ہو گیا۔

ایک جرمن سپاہی سنگین تانے سٹور کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شاید اس نے اندر کھڑاک کی آواز سن لی تھی۔ سپاہی نے سنگین کی نوک سے دروازے کو دبایا تو وہ کھل گیا۔

سپاہی سمجھ گیا کہ اندر کوئی چور ہے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے

ایک ایک قدم اٹھاتا اندر آ گیا۔ ناگ اس پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جونہی جرمن سپاہی نے سٹور کے اندر قدم رکھا ناگ نے زمین پر سے ایک وزنی شے اٹھا کر سپاہی کے سر پر دے ماری۔

سپاہی چکر کھا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

ناگ نے ہاتھی بننے کا خیال چھوڑ دیا اور برفانی ریچھ بن گیا۔

اس نے سامان کا تھیلا کندھے پر رکھا اور غار کی طرف روانہ ہو گیا۔

غار کے چور دروازے سے اندر جا کر اس نے تھیلا زمین پر رکھ دیا اور خود واپس انسان کی شکل میں آ گیا۔ پروفیسر اوگا اور عنبر نے سامان لے کر کونے میں رکھ لیا۔

انہوں نے ناگ سے پوچھا کہ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔

ناگ مسکرایا۔

”کبھی کوئی شے تکلیف اٹھائے بغیر بھی ملی ہے۔ بہر حال سٹور میں گرے ہوئے سپاہی کو ہوش آ گیا ہو گا“۔

دن نکلا تو انہوں نے ناشتہ کیا۔ پانی پیا۔ وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔

پروفیسر نے ایک بار پھر امریکی ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس پر پیغام دیا کہ حملہ جلدی کیا جائے۔

ادھر سے جواب ملا کہ حملہ شروع کر دیا گیا ہے۔ دن کے دس بجے تھے کہ فضا میں ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

وہ غار سے باہر نکل کر آسمان کی طرف تکنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد

آسمان پر چھ امریکی طیارے نمودار ہوئے جن میں سے چھاتہ بردار سپاہی باہر کودنا شروع ہو گئے۔

پروفیسر نے خوش ہو کر کہا۔

وہ آ گئے۔ آخر وہ آ گئے۔

ادھر جرمن بھی ہوشیار ہو گئے۔ وہ دونوں ٹینک لے کر میدان میں آ گئے۔ اور انہوں نے ہوا میں فائرنگ شروع کر دی۔

ان کی فائرنگ سے کتنے ہی امریکی سپاہی زخمی ہو گئے۔

لیکن امریکی فوجی کافی تعداد میں زمین پر اتر آئے تھے۔

زمین پر اترتے ہی انہوں نے مورچے سنبھال لیے اور جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

پیراشوٹ کے ذریعے جیپیں اور دو ٹینک بھی نیچے پھینکے گئے

تھے۔ امریکی سپاہیوں نے باقاعدہ حملہ کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی آسمان پر دو بمبار طیارے نمودار ہوئے اور انہوں نے دھڑا دھڑ جرمن ہیڈ کوارٹر پر بمباری شروع کر دی۔

ایک گھنٹے کے بعد امریکیوں نے لیبارٹری پر قبضہ کر لیا تھا۔

پروفیسر، اولگا، عنبر اور ناگ کو بہادری کے تمغے دیے گئے۔

امریکی کمانڈر نے عنبر اور ناگ سے کہا۔

"اگر تم پسند کرو تو تمہیں ہم اپنی فوج میں ملازم رکھ لیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"شکریہ جناب!"۔

ہم اپنی بہن کو تلاش میں ہیں جو قطب شمالی میں کہیں کھو گئی

ہیں۔ ہمیں آگے جانا ہوگا۔

امریکی کمانڈر نے حیرت سے کہا۔

”قطب شمالی تو برف کا سمندر ہے۔ آپ لوگ اپنی بہن کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے“۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

”اگر ہم اس لیبارٹری کے جرمنوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو اپنی بہن کو بھی ایک نہ ایک دن تلاش کر لیں گے“۔

امریکی کمانڈر نے کہا۔

”اگر آپ لوگ ضرور جانا چاہتے ہیں تو میں آپ کو ایک برف گاڑی دیتا ہوں اور مہینے بھر کا کھانے پینے کا سامان اور ایک کمپاس۔ جس سے آپ سمت معلوم کر لیں گے“۔

”شکریہ!“۔

دو روز بعد عنبر اور ناگ پروفیسر اور اوانگا کو الوداع کہا اور برف گاڑی پر بیٹھ کر نقشے کی مدد سے آگے روانہ ہو گئے۔

یہ برف گاڑی ایک جیپ کی طرح تھی جس کے نیچے پہیے نہیں تھے۔ بلکہ پھسلنے والے تختے لگے تھے۔

اب انہیں اس گرجے کی تلاش تھی جہاں ان کے خیال میں سرخ جادوگر ماریا کے ساتھ رہتا تھا۔ سارا دن وہ برف کے میدان میں سفر کرتے رہے۔

شام ہو گئی۔

اندھیرا پھیل گیا۔ انہوں نے جیپ میں سے خیمہ نکالا۔ اسے برف پر لگایا اور اندر بیٹھ کر کھانا پکانے لگے۔

کھانا کھا کر انہوں نے کافی پی اور ماریا کی تلاش کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔

رات گہری ہو گئی تو انہیں نیند آنے لگی۔ وہ نرم کمبل اوڑھ کر سو گئے۔ آدھی رات گزر گئی تھی کہ عنبر کی آنکھ کھل گئی۔

اسے کوئی آہٹ سنائی دی تھی۔ اس نے کان کھڑے کر لیے۔ باہر کوئی خرخر کرتا ہوا لمبے سانس لے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ عنبر ناگ کو بیدار کرتا، ایک تیز بو اس کے نتھنوں میں گھس گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

ناگ صبح سو کر اٹھا تو دیکھا کہ عنبر غائب ہے۔

اس نے سوچا کہ وہ کہیں باہر گیا ہوگا۔ لیکن باہر آ کر دیکھا تو عنبر وہاں بھی نہیں تھا۔

ناگ کو تشویش ہوئی کہ آخر یہ شخص کہاں چلا گیا۔ اس نے آوازیں دیں۔

کوئی جواب نہ آیا۔

ناگ نے برف پر قدموں کے نشان دیکھے۔ وہ جھک گیا۔

ایسے نشان اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ پاؤں کے نشان تھے۔ مگر کافی بڑے بڑے تھے اس نے گنا تو اس پاؤں کی انگلیاں دس تھیں۔

یا خدا! یہ کیا بلا تھی جو عنبر کو اٹھا کر لے گئی؟۔

اور عنبر اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ یہ بلا ضرور عنبر سے بھی زیادہ طاقتور ہوگی۔

ناگ نے سامان برف گاڑی میں رکھا اور بلا کے پاؤں کے

نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے سفر کرنے لگا۔ کافی دور جا کر نشان برف کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے پیچھے چلے گئے۔

یہاں ناگ نے دیکھا کہ سامنے ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے جس کی چھت پر برف جمی ہے۔ ناگ نے برف گاڑی دور ایک جگہ کھڑی کر دی اور خود عمارت کے پیچھے آ کر غور سے دیکھنے لگا۔

عمارت کا ایک ہی دروازہ تھا جس کے آگے برف کا تودہ پڑا تھا۔ شاید برف جم جم کر تودہ بن گئی تھی۔

ناگ نے برف کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔

کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلا کے پاؤں کے نشان اس دروازے تک جا کر ختم ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ عنبر کو لیکر بلا اسی عمارت

میں گئی ہے۔

ناگ نے اندر جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی جون بدل کر سانپ کی شکل اختیار کر لی اور سوراخ میں سے عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔

پہلے تو اندر اسے بالکل اندھیرا نظر آیا۔ پھر آہستہ آہستہ روشنی ہوتی گئی۔ اس ہلکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک پرانا ہال کمرہ سا ہے۔

جس کے اندر سوائے ایک پرانی میز کے کچھ بھی نہیں۔

ناگ نے گھوم پھر کر سارے کمرے کو دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

ایسے لگتا تھا کہ سال ہا سال سے وہاں کبھی کوئی انسان نہیں

آیا۔

ناگ خاموشی سے ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ اگر بلا عنبر کو لے کر یہاں آئی ہے تو پھر کہاں چلی گئی؟۔

اب اس نے اس طرح سے جائزہ لینا شروع کیا کہ کہیں نیچے تہہ خانے کو کوئی راستہ تو نہیں جاتا؟۔

سارے فرش کو ناگ نے کھنگال ڈالا۔ کہیں کسی جگہ بھی کوئی سوراخ تک نہ تھا۔

یا خدا! عنبر کہاں چلا گیا؟۔

کیا بلا عنبر کو کھا گئی ہے؟۔

مگر عنبر کو دنیا کی کوئی بلا نہیں کھا سکتی تھی۔ ناگ نا امید ہو کر

رینگتا ہوا باہر جانے والا تھا کہ اسے گہرے سانس کی آواز سنائی دی۔

وہ سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ آواز غائب ہو گئی۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ سانپ نے دیکھا کہ کمرے کی زمین ایک جگہ سے اوپر ہونی شروع ہو گئی۔

پھر فرش شق ہو گیا۔ اندر سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں پر ایک بھیانک چہرے والا برفانی انسان نمودار ہوا جو گوریلے سے دس گنا بڑا تھا اور جس کے پنجوں کے ناخن چھریوں کی طرح چمک رہے تھے۔

ناگ نے فضا میں بڑی تیز بو سونگھی۔ اگر وہ سانپ نہ ہوتا، انسان ہوتا تو شاید اس بو کو برداشت نہ کر سکتا اور بے ہوش ہو

جاتا۔

اچانک اس کو خیال آیا کہ عنبر کے ساتھ بھی یہی ہوا ہوگا اور وہ اس تیز بو کی وجہ سے بے ہوش ہوگا۔ پھر اس برفانی گوریلے نے بڑی آسانی سے اسے اٹھا کر اغوا کر لیا ہوگا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ گوریلا عنبر کو اغوا کر کے کہاں لے گیا ہے؟۔

ضرور اس نے عنبر کو اسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہوگا۔

برفانی گوریلے نے بھی فضا میں کچھ نامانوس سی بو سونگھ لی تھی۔

وہ اپنی خوفناک تھوتھنی پھیلا کر ادھر ادھر ہلا رہا تھا۔

اس نے ناگ کی بو محسوس کر لی تھی مگر اسے نظر نہیں آ رہا تھا کہ جو کوئی حیوان اندر کمرے میں موجود ہے، وہ کہاں پر ہے؟۔

ناگ نے دیوار پر چڑھ کر چھت کے پاس اپنے آپ کو چھپا لیا۔ گوریلا کمرے کا ایک چکر لگانے کے بعد تہہ خانے میں اتر گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اوپر آ گیا۔ اب اس نے بے ہوش عنبر کو اٹھا رکھا تھا۔ اس نے عنبر کو میز پر لٹا دیا اور جھک کر اس کے چہرے کو تکنے لگا یہ کوئی آدم خور گوریلا معلوم ہوتا تھا۔

وہ عنبر کو کھانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ناگ پہلے تو پریشان ہو گیا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ عنبر تو ہلاک نہیں ہو سکتا۔

اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ چھت کے ساتھ لگ کر بیٹھا تماشا دیکھے۔ ہاں اگر کوئی خطرے کی بات ہوئی تو وہ برفانی گوریلے پر اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی حملہ کر دے گا۔

برفانی گوریلے نے عنبر کو جھک کر دیکھنے کے بعد سر اوپر اٹھایا۔ تھوتھنی کو ہلا کر ایک بار پھر فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔

پھر وہ تہہ خانے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ تہہ خانے سے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لوہے کی میخ اور ہتھوڑا تھا۔

ناگ کانپ گیا۔ یہ کم بخت تو عنبر کے سینے میں میخ ٹھونک کر اس کا خون پینے کی تیاری کر رہا ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ دنیا کی کوئی میخ عنبر کے سینے میں نہیں اتر سکتی۔

میخ کافی بڑی تھی۔ جیسے برف توڑنے والا بڑا سوا ہوتا ہے۔ برفانی گوریلے نے میخ کی نوک کو عنبر کے سینے پر عین دل کے اوپر رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے ہتھوڑا اوپر اٹھا کر سر کو ہلاتے ہوئے خوشی سے ایک چیخ ماری۔

اس کی چیخ کی بھیانک آواز سے ساری عمارت ہل گئی۔ اور سانپ نیچے گرتے گرتے بچا۔

برفانی گوریلا شاید خوش ہو رہا تھا کہ ابھی اسے انسان کا خون پینے کا موقع ملے گا۔ اس نے ہتھوڑا اوپر اٹھایا اور پوری طاقت سے سونے کے اوپر مار دیا۔

عنبر کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو میخ اس کے دل کے آر پار ہو کر میز کے نیچے سے نکل جاتی۔ کیوں کہ اس پر ہتھوڑا پوری طاقت کے ساتھ مارا گیا۔

لیکن وہاں کچھ بھی نہ ہوا۔ ہتھوڑا گوریلے کے ہاتھ سے اچھل کر نیچے گر پڑا۔ جیسے اس نے کسی پتھر پر ہتھوڑا چلایا ہو۔

گوریلا بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ اس نے دوسری بار میخ

کی نوک عنبر کے سینے پر رکھ کر پوری طاقت سے ایک بار پھر حملہ کیا۔

اس بار بھی ہتھوڑا اس کے ہاتھ سے اچھل کر نیچے گر پڑا اور میخ کی نوک مڑ گئی۔ برفانی گوریلے پر دہشت سی چھانے لگی۔

اس کے حیوانی دماغ نے سوچا کہ یہ انسان نہیں کوئی اور شے ہے۔ اب اس نے غصے میں آ کر اپنے ناخنوں سے عنبر کے پیٹ کو چاک کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

برفانی گوریلے کے ناخن ٹوٹ کر لہولہان ہو گئے۔ لیکن عنبر کے سینے پر خراش تک نہ آئی۔ عنبر اسی طرح بے ہوش تھا، کیوں کہ فضا میں گوریلے کے سانس سے نکلنے والی بڑی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

برفانی گوریلا نیم پاگل ہو گیا۔ اس نے عنبر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔ اس پر بھی عنبر کو ذرا سی خراش نہ آئی۔

اب گوریلے کے غصے کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے عنبر کو زمین پر لٹا کر اس کے اوپر اچھلنا شروع کر دیا۔ اگر عنبر کی جگہ فرش پر کوئی ٹیلہ ہوتا تو وہ گوریلے کی طاقت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا تھا۔

ناگ یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

برفانی گوریلا اپنی شکست سے بے دم ہو کر زور سے چیخا۔ عمارت ایک بار پھر ہل گئی۔ گوریلے نے چیخ ماری تو اس کا منہ اوپر ہو گیا تھا۔

اس نے سانپ کو چھت کے ساتھ لگا دیکھ لیا۔ وہ غصے سے پاگل ہو کر اٹھا اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر چھت پر مارنے شروع کر دیئے۔

پتھر ناگ کے قریب آ کر گولوں کی طرح لگنے شروع ہو گئے۔ سانپ پریشان ہو گیا۔ اگر کوئی پتھر اسے لگ گیا تو وہ یقیناً کچلا جائے گا۔

سانپ رینگ کر نیچے آ گیا۔ ناگ نے گوریلے سے لڑائی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سانپ زمین پر آیا تو گوریلا اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر سانپ کو پکڑ کر کچلنے کی کوشش کی مگر سانپ ایک طرف کھسک گیا۔

ناگ نے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے کمرے میں ایک بہت بڑا ہاتھی گوریلے کے سامنے کھڑا تھا۔ گوریلا بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

اس کے ذہن نے یہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جہاں پہلے ایک چھوٹا سا سانپ زمین پر رینگ رہا تھا، وہاں اب اونچا لمبا طاقتور ہاتھی کھڑا ہے۔

وہ پیچھے کو ہٹا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ اٹھا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اب گوریلا سب کچھ بھول کر لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔

دونوں میں زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں ہی بڑے طاقتور تھے۔ مگر ہاتھی کے آگے گوریلے کی پیش نہیں جا رہی تھی۔

ایک بار ہاتھی نے گوریلے کو سونڈ میں لپیٹ کر اٹھایا اور دھائیں سے زمین پر دے مارا۔

گوریلے کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا۔ اس نے چیخ مار کر ہاتھی کی سونڈ کو اپنے پنجوں میں لینے کی کوشش کی مگر ہاتھی طرح دے گیا اور پلٹ کر اس نے گوریلے کی گردن پر اپنی کئی من سونڈ دھادھم مارنی شروع کر دی۔

گوریلا زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی شاید اسی انتظار میں تھا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر گوریلے کے سینے پر اپنا پاؤں رکھ کر جو دبایا تو گوریلے کا کچومر نکل گیا۔

ایک آخری چیخ عمارت میں گونجی اور گوریلا مر چکا تھا۔ اس کے مرتے ہی فضا میں تیز بو ختم ہو گئی اور عنبر کو ہوش آ گیا۔

اس نے جو اپنے سامنے ہاتھی کو دیکھا تو سر جھٹک کر بولا۔

"ناگ! یہ تم ہو یا اصلی ہاتھی ہے؟"۔

ناگ جون بدل کر انسان کی شکل میں آ گیا اور ہنس کر بولا۔

"یہ میں ہوں یار"۔

"کیا ہوا تھا؟"۔

عنبر نے آنکھیں مل کر پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"بس یہ برفانی گوریلا تمہیں خیمے سے اٹھا کر لے آیا تھا"۔

"مگر مجھے تو کچھ پتا نہیں چلا"۔

ناگ بولا۔

"اس کے سانس کی تیز بو سے تم بے ہوش ہو گئے تھے"۔

"توبہ! یہ مصیبت کہاں سے نازل ہو گئی تھی"۔

"میں بھی حیران ہوں کہ یہ برفانی گوریلا کہاں سے آ گیا"۔

پھر وہ دونوں عمارت سے باہر آ گئے اور برف گاڑی میں بیٹھ کر خیمے میں آ کر ماریا کے بارے میں آئندہ کے پروگرام پر غور کرنے لگے۔

وہ دن انہوں نے اس خیمے میں بسر کیا۔ رات کو انہوں نے پھر سفر شروع کر دیا۔ کیوں کہ رات کو وہاں برفانی گوریلوں کے حملے کا خطرہ تھا۔

سفر کرتے کرتے وہ کافی آگے نکل گئے۔ کمپاس انہیں راستے کی سمت ٹھیک بتا رہی تھی۔ خوراک بھی ان کے پاس کافی تھی۔ ویسے وہ خوراک کے بغیر بھی کئی روز تک زندہ رہ سکتے تھے۔

ساری رات وہ برف کے میدانوں میں چلتے رہے۔

صبح کے وقت وہ ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں انہیں دور ایک مینار سا نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

ناگ نے بڑے غور سے مینار کو دور سے دیکھا اور کہا۔

"میرے خیال میں یہ کوئی راڈار ہے۔ شاید جرمن فوج کی کوئی چوکی ہے"۔

عنبر نے سر پکڑ کر کہا۔

"پھر وہی بک بک شروع ہو جائے گی۔ جس گرجا گھر کی پرانی عمارت کی تلاش میں ہم نکلے ہیں، وہ کہیں نظر نہیں آ رہا"۔

ناگ بولا۔

''ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ چلو آ ئے چل کر پتا کرتے ہیں کہ یہ کیا عمارت ہے؟''۔

عنبر نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اسی جگہ آ رام کرتا ہوں۔ تم آ گے جا کر معلوم کر آ ؤ''۔

''ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں''۔

ناگ اسی وقت ایک پرندہ بن کر اڑا اور عمارت کی طرف چل دیا۔

اڑتے اڑتے آخر وہ اس مینار کے پاس پہنچ گیا۔ یہ برف کے ایک ٹیلے پر چھوٹا سا مینار تھا جس کے اوپر ایک لوہے کا گولا لگا

تھا۔

ناگ غوطہ لگا کر تودے کی دوسری طرف گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں چھ سات اک منزلہ مکان بنے ہیں۔

ایک بازار ہے۔ بازار ایک طرف دو برف گاڑیاں کھڑی ہیں۔

وہاں انسان کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ نے اڑ پھر کر کمروں کا جائزہ لیا۔ کمروں کے اندر بھی کوئی نہیں تھا۔

چیزیں الماریوں میں اسی طرح رکھی تھیں۔

یاخدا! یہاں کے لوگ کہاں چلے گئے؟۔

وہ اڑ کر واپس عنبر کے پاس آیا اور بولا۔

''وہاں تو ایک جادو کی بستی ہے۔ مکان کھلے ہیں۔ چیزیں

اس طرح پڑی ہیں مگر انسان کہیں نظر نہیں آتا"۔

دونوں برف گاڑی لے کر برف کے تودے کے عقب میں آ کر رک گئے۔

گاڑی اس جگہ کھڑی کر کے وہ مکانوں کے پاس آ گئے۔

بازار میں جو برف گاڑیاں کھڑی تھیں، ان میں کوئی انسان نہیں تھا۔

مکانوں کے اندر بھی کوئی عورت، بچہ جوان یا بوڑھا دکھائی نہ دیا۔

"یہاں کے لوگ کہاں چلے گئے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کسی برفانی گوریلے نے انہیں ہلاک کر دیا

ہے"۔

مگر ان کی لاشیں کہاں ہیں؟۔

یہاں کہیں خون کا دھبہ تک نہیں ہے۔

ناگ کی اس بات پر عنبر بولا۔

"چلو دوسرے مکان میں چلتے ہیں"۔

ابھی وہ باہر نکل ہی رہے تھے کہ انہیں مکان میں سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ یکدم سے رک گئے۔

کراہنے کی آواز تھوڑی دیر بعد پھر آئی انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر جدھر سے کوئی آواز آئی تھی ادھر چل دیئے۔

یہ آواز مکان کے ایک کونے سے آ رہی تھی۔ کونے میں ایک

الماری کے پیچھے زمین پر لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ بنا تھا۔

جو شاید نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ عنبر نے دروازہ اوپر اٹھا دیا۔

نیچے دو چار سیڑھیاں نظر آئیں۔

منگول ڈاکو

آواز نیچے تہہ خانے سے آ رہی تھی۔

عنبر اور ناگ جلدی سے سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آ گئے۔

یہ ایک بہت چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو قطب شمالی کے مکانوں میں عام طور پر سخت سردی سے بچنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔

کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ ناگ نے موم بتی جلائی۔ اس کی ہلکی ہلکی روشنی میں دیکھا کہ میز کے نیچے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی چت لیٹا

ہے۔

اس کی گردن سے خون بہہ بہہ کر جم گیا ہے۔ چہرہ زرد ہے اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی پل کا مہمان ہے۔

ناگ اور عنبر نے اسے پانی پلایا۔

"تم کون ہو؟"۔

زخمی آدمی نے آنکھیں کھول کر عنبر اور ناگ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ ناگ نے اسے بڑے پیار سے کہا۔

"ہم تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں۔ یہاں کے لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟"۔

"تمہیں کس نے زخمی کیا؟"۔

ادھیڑ عمر آدمی کے ہونٹ ہلے۔

عنبر نے اس کے منہ کے ساتھ کان لگا کر سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ پھر آئے ہیں"۔

"سنگین ماری ہے۔ میرے بچے لے گئے۔۔۔ وہ پھر۔۔"

اور وہ ہچکی لے کر مر گیا۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"کیا کہہ رہا تھا یہ بدنصیب شخص؟"۔

عنبر نے کہا۔

"کسی نے اسے سنگین مار کر شدید زخمی کیا ہے۔ اور اس کے بچے ساتھ لے گیا ہے"۔

"وہ کون ہوسکتا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

عنبر نے بڑے میاں کی لاش پر کپڑا ڈالتے ہوئے کہا۔

"سوائے جرمن سپاہی کے دوسرا کون ہوسکتا ہے؟"۔

"مگر یہاں جرمن سپاہی شاید ہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام کسی قزاق کا ہے"۔

عنبر کے اس خیال سے ناگ نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس علاقے میں قزاق برفانی ڈاکوؤں کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ شمالی ترکستان کے علاقے سے ہجرت کر کے ادھر آئے تھے اور کہتے ہیں چنگیز خان کی اولاد سے ان کا تعلق ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تمہیں تو ان کی پوری تاریخ یاد ہے۔ مگر ان کے پاس سنگین کہاں سے آگئی"۔

عنبر بولا۔

"یہ نیا زمانہ ہے۔ ہمارا زمانہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے پاس مشین گنیں بھی ہوں گی۔ یہ بستیوں میں جا کر لوگوں کا قتل عام کرتے ہیں اور لوٹ مار کر کے بچوں، عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور پھر بخارا، سمرقند کی منڈیوں میں جا کر انہیں غلام بنا کر فروخت کر دیتے ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر اب کیا خیال ہے؟ آگے چلا جائے یا اس بدنصیب کے

بچوں کو تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر بولا۔

اب یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ اس بدنصیب کے بال بچوں کو برآمد کیا جائے تاکہ وہ ایک بھیانک زندگی سے نجات حاصل کریں۔

اور پھر کوئی پتا نہیں وہاں اس بستی کے کتنے بچے اور عورتیں ہوں گی۔

"ٹھیک ہے مگر برفانی ڈاکوؤں کو کہاں تلاش کیا جائے؟"۔

"ذرا دوسرے مکانوں کی تلاشی لے کر دیکھتے ہیں۔ شاید وہاں سے کسی ڈاکو کا کوئی سراغ مل جائے"۔

وہ دوسرے مکان میں آ گئے۔ دس بارہ مکان تھے۔ سارے کے سارے ویران تھے۔

سامان ڈاکو لوٹ کر لے گئے تھے۔ ایک دو مکانوں میں بوڑھے مردوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ کسی جگہ کوئی عورت، جوان اور بچہ نہیں تھا۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ کہ ڈاکو عورتوں بچوں اور جوانوں کو فروخت کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

ساری بستی پر دہشت اور ویرانی چھائی تھی۔ انہوں نے باہر نکل کر دیکھا کہ برف پر برف گاڑی کے نشان تھے۔

"یہ ڈاکوؤں کی برف گاڑی ہو سکتی ہے عنبر! اس میں وہ یہاں کا مال و اسباب لاد کر لے گئے ہوں گے"۔

"اس کا تعاقب کرتے ہیں"۔

"چلو"۔

انہوں نے اپنی برف گاڑی مینار والے برفانی ٹیلے کے نیچے ایک جگہ چھپا کر رکھ دی اور خود پیدل ہی برف گاڑی کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے چل پڑے۔

برف گاڑی کے نشان آگے جا کر برفانی ٹیلوں کی طرف مڑ گئے تھے۔

ایک جگہ پرانا گڑھا تھا۔ جس میں پانی جما ہوا تھا۔ برف گاڑی اس گڑھے کے کنارے سے ہو کر آگے گزر گئی تھی۔

یہاں انہوں نے برف پر پڑا ہوا ایک کپڑا دیکھا۔ اٹھایا تو وہ کسی بچے کی ٹوپی تھی۔

"وہ لوگ ادھر سے ہی گزرے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

ناگ اور عنبر جب تلاش کرتے کرتے کافی آگے نکل آئے تو انہیں خیال آیا کہ انہوں نے کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا۔

نہ پستول، نہ مشین گن وغیرہ۔ ناگ ہنسا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ ڈاکوؤں سے ہتھیار مانگ کر ان پر ہی استعمال کریں گے"۔

اب وہ برفانی ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہاں آ کر برفانی گاڑی کے نشان ایک ٹیلے کی جانب مڑ گئے تھے اور آگے ختم ہو گئے تھے۔

یہاں انہوں نے دیکھا کہ ٹیلے میں ایک برف کا تودہ ٹوٹا ہوا

ہے۔ عنبر نے قریب جا کر دیکھا تو کہا۔

”یہ ضرور ڈاکوؤں کی کمین گاہ کا دروازہ ہے“۔

ناگ بولا۔

”تم باہر ٹھہرو۔ میں اندر جا کر پتا کرتا ہوں کہ کوئی ہے یا نہیں“۔

ابھی ناگ اندر جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ انہیں کسی مرد کے قہقہے اور ایک عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ کر ٹیلے کی اوٹ میں چھپ گئے۔ اتنے میں دو آدمی ایک عورت کو گھسیٹتے ہوئے نمودار ہوئے۔

عنبر نے ٹھیک کہا تھا۔ دونوں قزاق تھے۔ ان کی شکل و صورت منگول ڈاکوؤں جیسی تھی۔ ان کے کمر سے پستول لٹک رہے تھے۔

عورت رو رہی تھی اور وہ اسے زبردستی گھسیٹتے ہوئے غار کی طرف لا رہے تھے۔ اور قہقہے مار کر ہنس رہے تھے۔

”اسے قتل کر دو“۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

دوسرا قہقہہ لگا کر بولا۔

”بخارا میں اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر پڑے گی۔ ہاہاہا ......۔ میں اسے ہزار ڈالر میں فروخت کر کے شاندر پستول خریدوں گا“۔

وہ عورت کو گھسیٹتے ہوئے غار میں لے گئے۔ ناگ اور عنبر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

تو ان کا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ یہ ساری کارستانی ان منگول

ڈاکوؤں کی تھی۔

''کیا خیال ہے عنبر؟''۔

''کس بارے میں؟''۔

''حملہ کس طرح سے کیا جائے؟ کیا میں پہلے اندر جاؤں یا تم جاؤ گے؟''۔

''ظاہر ہے، پہلے تم اندر جا کر معلوم کرو گے کہ ڈاکوؤں کی تعداد کتنی ہے۔ پھر اس کے مطابق پروگرام بنایا جائے گا؟''۔

عنبر بولا۔

''تو پھر تم اسی جگہ میرا انتظار کرو''۔

ناگ نے اسی وقت چھوٹے سے سفید سانپ کا روپ بدلا۔ تاکہ اسے کوئی آسانی سے دیکھ نہ لے اور رینگتا ہوا غار کے اندر

داخل ہو گیا۔

یہ غار تنگ تھا اور اس کی چھت بھی نیچی تھی۔ چھت بھی برف کی تھی دیواروں پر پتھر نظر آ رہا تھا۔

آگے جا کر ناگ دیوار کے ساتھ ہی بائیں طرف گھوم گیا۔ اب اسے ڈاکوؤں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

ساتھ ساتھ کسی کا قہقہہ بھی فضا میں گونج جاتا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا غار کے بڑے کمرے میں آ گیا۔

یہاں نیچی چھت کے نیچے دیوار کے ساتھ لوٹ مار کا سامان رکھا تھا۔

ڈاکو زمین پر سمور کی کھال بچھا کر بیٹھے کھا پی کر اور مذاق کر رہے تھے۔ بچے اور جوان مرد ایک طرف رسیوں سے بندھے

پڑے تھے۔

عورتوں کے پاؤں رسیوں سے باندھ دیے گئے تھے۔ اور وہ دیوار کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ چھ سات ڈاکو پستول تانیں ان کے اوپر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ یہ سارا منظر دیکھ کر خوشی سے باہر آ گیا۔ اس نے عنبر کے پاس جا کر انسان کی شکل اختیار کی اور کہا۔

''اندر کوئی بیس پچیس کے قریب ڈاکو ہیں اور دس بارہ عورتیں، بچے اور جوان ہیں''۔

عنبر نے پوچھا۔

''ڈاکوؤں کے پاس ہتھیار کون سے ہیں؟''۔

ناگ بولا۔

''پستول اور خنجر۔ ایک دو رائفلیں بھی میں نے دیکھی ہیں''۔

''ٹھیک ہے''۔

عنبر گہری سوچ میں چلا گیا۔

حملہ اس طرح سے کرنا ہوگا کہ یہ لوگ انتقام میں آ کر عورتوں بچوں کو قتل کرنا شروع نہ کر دیں۔

''پھر کیا خیال ہے؟''۔

''خیال بڑا نیک ہے''۔

''یعنی؟''۔

''یعنی یہ کہ''۔

عنبر نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

''یعنی یہ کہ حملہ آدھی رات کو کیا جائے گا۔ جب یہ سارے

ڈاکو خواب خرگوش میں مست ہوں گے۔ ابھی واپس بستی میں چلتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ واپس بستی میں آ گئے۔ ایک مکان میں انہوں نے آگ جلا کر کھانا گرم کیا اور کھا کر حملہ کے بارے میں غور کرنے لگے۔

پھر انہوں نے زمین کھودی اور وہاں دو چار لاشیں پڑی تھیں۔

انہیں زمین کے اندر دفن کر دیا۔ برف گاڑی انہوں نے ایک مکان کے اندر کھڑی کر دی تھی۔ تاکہ اگر وہاں سے کسی ڈاکو کا گزر ہو تو اسے شک نہ پڑے۔ شام تک وہ بستی میں آرام کرتے رہے۔

پھر رات ہو گئی۔ قطب شمالی میں رات بڑی جلدی پڑ جاتی ہے۔

جلد ہی اندھیرا پھیل گیا۔

جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو عنبر اور ناگ مکان سے نکل کر ڈاکوؤں کے غار کی طرف روانہ ہو گئے۔

ناگ کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس نے کوئی خونخوار جانور بن کر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ البتہ عنبر نے ایک پستول اور گولیاں ساتھ لے لی تھیں۔

وہ غار کے دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ انہوں نے غار کے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سنا۔ اندر گہری خاموشی تھی۔

عنبر نے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے۔ سارے ڈاکو سو گئے ہیں''۔

لیکن یہ انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس قسم کے ڈاکو غافل نہیں سویا کرتے۔

انہوں نے ایک ڈاکو کو رائفل دے کر باہر پہرے پر بٹھا رکھا تھا۔ اس پہریدار ڈاکو نے جو عنبر کی آواز سنی تو ٹیلے کے اوپر سے نیچے جھانک کر دیکھا۔

اسے دو آدمی نظر آئے جو غار کے دروازے کے پاس کھڑے پر اسرار حرکتیں کر رہے تھے۔ ڈاکو ہوشیار ہو گیا۔

اب اس سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس نے ناگ کی بجائے عنبر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ گولی عنبر کی کھوپڑی پر لگی اور اچھل کر ٹیلے کی دیوار توڑ کر دور جا گری۔

ڈاکو نے اپنی آنکھوں کے سامنے گولی کو دیکھا تھا۔ کہ وہ عنبر کے سر پر لگی ہے۔

اب جو اس نے دیکھا کہ وہ انسان اسی طرح کھڑا ہے اور گولی اس کے سر سے ٹکرا کر پرے جا گری ہے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بھوت ہے؟''۔

اس نے سوچا اور دوسری طرف بھاگا کہ دوسری طرف سے چور دروازے سے اندر جا کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دے۔

گولی لگتے ہی عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ پل بھر میں باز بن کر ٹیلے کے اوپر اڑا اور اس نے بھاگتے ہوئے ڈاکو کی گردن پر حملہ کر دیا۔

اس کے پنجوں نے ڈاکو کی گردن ادھیڑ ڈالی۔ خون باہر گرنے لگا۔

دوسرے حملے میں باز نے ڈاکو کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور پھر اسے نیچے گرا دیا اور تیسری بار حملہ کر کے اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔

ڈاکو وہیں مر گیا۔

خوش قسمتی سے گولی کی آواز اندر غار بڑی معمولی آواز کے ساتھ گئی تھی اور کوئی ڈاکو بیدار نہیں ہوا تھا۔ ناگ نے واپس آ کر عنبر کو بتایا کہ ڈاکو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے کہا۔

”کم بخت یہ باہر پہرہ دے رہا تھا۔ ہمیں خبر ہی نہ ہوئی“۔

”کہیں کوئی دوسرا پہرے دار بھی نہ ہو یہاں؟“۔

ناگ نے خدشے کا اظہار کیا۔

عنبر کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے اگر کوئی اور ڈاکو باہر پہرہ دے رہا ہوتا تو وہ گولی کی آواز سن کر ضرور پہنچ جاتا“۔

”شاید گولی کی آواز اندر تک نہیں گئی۔ نہیں تو ابھی تک اندر سے بھی ڈاکو باہر آ گئے ہوتے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”تم سانپ کی شکل میں اندر چلو۔ میں اسی طرح پستول لے کر آتا ہوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا“۔

‘‘ٹھیک ہے’’۔

ناگ نے سانپ کی شکل بدلی اور رینگتا ہوا غار کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ ایک انتہائی زہریلے سفید رنگ کے بڑے سانپ کی شکل میں تھا۔ عنبر نے پستول میں سولہ گولیاں بھر رکھی تھیں۔

وہ پستول لیے غار میں دیوار کے ساتھ لگ کر آگے چلنے لگا۔

اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ ایک تو ناگ کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

دوسرے اسے یہ خیال بھی تھا کہ ڈاکو کہیں آپ کو چاروں طرف سے گھرے ہوئے دیکھ کر عورتوں بچوں کو قتل کرنا نہ شروع کر دیں۔

جب غار بڑے کمرے میں داخل ہوئی تو عنبر رک گیا۔ اس نے دیکھا فرش پر بیچ میں دیا جل رہا تھا۔ سمور کے فرش پر کھالیں اور کمبل اوپر کیے ڈاکو گہری نیند میں سو رہے تھے۔

دیوار کے ساتھ ساتھ رسیوں میں جکڑے ہوئے مرد عورتیں اور بچے بھی سو رہے تھے۔ شاید ایک آدھ مرد یا عورت جاگ رہی تھی اور پہلو بدل رہی تھی۔

عنبر نے ناگ کو دیکھا کہ وہ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا دیوار سے نیچے اتر رہا تھا۔

سانپ نیچے اتر کر فرش پر آ گیا۔ پھر وہ ایک سمور کی کھال میں سوئے ہوئے ڈاکو کے سرہانے آیا اور اس نے بڑی تیزی سے اس ڈاکو کی گردن پر ڈس دیا۔

اس سانپ کا زہر ایسا تھا کہ انسان کی گردن پر اثر کرتا تھا۔ گردن کی رگیں اس زہر کے اثر سے ایکدم خشک ہو جاتی تھیں اور وہ بول نہیں سکتا تھا۔

مقصد بھی یہی تھا کہ جس کو ڈسا جائے، وہ چیخ مار کر دوسروں کو خبردار نہ کر سکے۔

ڈاکو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ نیند میں اس نے دو تین گہرے سانس لیے۔ آنکھیں کھول کر دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے گلے کو پکڑا۔

چیخ کر دوسرے کو بیدار کرنے کی ناکام کوشش کی اور وہیں اکڑ گیا۔

اس طرح سانپ نے چار ڈاکوؤں کو سور کے بستروں میں ہی

موت کی نیند سلا دیا۔ لیکن ابھی وہاں پندرہ بیس ڈاکو باقی تھے۔

ان سب کو اکیلا سانپ ایک ہی وقت میں ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی وہ کوشش کرتا چلا گیا۔ اس نے چار اور ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا۔

وہ دسویں ڈاکو کو ہلاک کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ایکدم سے شور مچا دیا۔

''سانپ! سانپ!''۔

سارے ڈاکو جاگ پڑے۔ انہوں نے پستول نکال لیے اور دیئے کی ہلکی روشنی میں سانپ کی تلاش شروع کر دی۔

یہ دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں کہ ان کے دس ڈاکو سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہو چکے تھے۔ سردار نے پستول کا فائر کر کے کہا۔

"اس سانپ کو کچل کر رکھ دو۔ میرے دس جانباز ہلاک ہو گئے ہیں۔ میں دس بار اس سانپ کو ماروں گا۔ یہ کہاں سے آ گیا ہے؟ یہاں کبھی کوئی سانپ نہیں آیا"۔

اب عورتیں، جوان مرد اور بچے بھی جاگ پڑے تھے۔

دوسرے چراغ بھی جلا دیئے گئے۔ غار میں روشنی ہو گئی۔

لیکن سانپ چھت میں کسی جگہ چھپ گیا تھا۔ ادھر عنبر پستول تانے دیوار کی اوٹ میں تھا۔ ڈاکو ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگے۔

اچانک ایک ڈاکو کی نظر عنبر پر پڑی۔ عنبر نے گولی مار کر اس ڈاکو کو ہلاک کر دیا۔ دوسرے ڈاکوؤں نے عنبر پر فائرنگ شروع کر دی مگر عنبر پر کوئی گولی اثر نہیں کر رہی تھی۔

سردار نے چلا کر کہا۔

"اس نے جسم کے ساتھ زرہ بکتر پہن رکھا ہے۔ اسے زمین پر گرا کر خنجروں سے ہلاک کر دو"۔

چھ سات ڈاکو عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔

تین ڈاکو اس کی گولیاں لگنے سے ہلاک ہو گئے۔ دو زخمی ہو کر گرے۔ باقی ڈاکوؤں نے اسے زمین پر گرا دیا۔

پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا گرا۔ سردار نے چیخ کر کہا۔

"اسے زندہ پکڑ لو۔ مارنا نہیں۔ ہم اس سے دوسرے لوگوں کے بارے میں پوچھیں گے۔ اسے میں بعد میں خود ہلاک کروں گا۔ یہ میرا شکار ہے"۔

سانپ چھت کی درز میں چھپا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ڈاکو عنبر کو پکڑ کر سردار کے سامنے لے آئے انہوں نے اسے رسیوں میں جکڑ دیا تھا۔

کمرے میں ڈاکو کی لاشیں ہٹا دی گئیں۔ سردار کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ دوسرے قیدی مرد اور عورتیں بھی سہمی ہوئی نظروں سے عنبر کو دیکھ رہی تھیں۔

دل ہی دل میں وہ اس کی زندگی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں جو ڈاکوؤں کو مار کر انہیں چھڑانے وہاں آیا تھا۔

لیکن انہیں عنبر کی زندگی کی کوئی امید نہیں تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ شخص اب کوئی دم کا مہمان ہے۔

عنبر کو بیچ میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ سردار نے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور عنبر کے پاس آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گرجا۔

"کون ہو تم بدبخت؟ تو نے میرے بہترین ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ میں تمہارے جسم کے ٹکڑے الگ الگ کر کے اپنے کتوں کو کھلاؤں گا۔ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"۔

عنبر ہنسا اور کہنے لگا۔

"اے احمق ڈاکوؤں کے احمق سردار! بس تم یوں سمجھ لو کہ تمہاری موت نے مجھے یہاں بھیجا ہے"۔

سردار دھاڑا۔

"اس کی گردن اڑا دو"۔

ایک ڈاکو تلوار کھینچ کر آگے بڑھا۔ سردار کے منہ سے غصے کی وجہ سے جھاگ اڑ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔

"ٹھہرو! اس کی گردن میں اڑاؤں گا۔ میں اس کے جسم کی بوٹی بوٹی کروں گا۔ اس نے میری توہین کی ہے۔ اس نے میرے جانبازوں کو ہلاک کیا ہے"۔

پھر وہ عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"اے ذلیل انسان! تو کہاں سے آیا ہے"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"کہہ تو دیا کہ تیری موت بن کر آیا ہوں۔ بس تیری زندگی کی چند گھڑیاں باقی ہیں۔ اگر دل میں کوئی حسرت ہے تو اسے بھی نکال لے"۔

قیدی مرد اور عورتیں کانپ رہی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ڈاکوؤں کا سردار اب انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس کے بارہ چودہ ساتھی ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ سردار زمین پر پاؤں مار کر غصے سے اچھلا۔ اسنے تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور گرج کر کہا۔

"اس پاگل کتے کی موت آگئی ہے"۔

اور اس کے ساتھ ہی بھرپور ہاتھ تلوار کا عنبر کی گردن پر مارا۔

عورتوں اور مردوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن ہوا یہ کہ تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہوگئی۔ ایک ٹکڑا سردار کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا اور دوسرا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔

سردار کی آنکھیں وحشت سے کھل گئیں۔ عنبر نے ہنس کر کہا۔

''میں نہ کہتا تھا کہ میں تمہاری موت بن کر یہاں آیا ہوں''۔

سردار نے پستول نکال کر عنبر کی کھوپڑی سے لگایا اور اوپر تلے سات فائر کیے۔

سات گولیاں چلا دیں۔ ساتوں بار گولی کھوپڑی سے ٹکرا کر نیچے گری اور پستول سردار کے ہاتھ سے اچھل گیا۔

جب ساری گولیاں ختم ہو گئیں تو عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''الو کے پٹھے! اگر دل میں ابھی کوئی اور حسرت ہے تو وہ بھی پوری کر لے۔ کیوں کہ جب میں نے تم پر وار کیا تو تم بچ نہیں سکو گے''۔

دوسرے ڈاکو بھی دم بخود کھڑے عنبر کو تک رہے تھے۔

کئی ڈاکوؤں پر تو دہشت طاری ہو گئی تھی اور وہ اس کو کوئی

دیوتا سمجھنے لگے تھے جو انسان کے روپ میں وہاں آ گیا تھا۔ یا شاید موت کا فرشتہ تھا جو انسان کی شکل میں سردار کی جان قبض کرنے آیا تھا۔

سردار غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے خنجر نکال کر عنبر کے سینے پر بھرپور وار کیا۔ خنجر عنبر کے سینے سے ٹکرا کر سردار کے ہاتھ میں چبھ گیا۔

خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور خون رسنے لگا۔ عنبر نے سردار کا گریبان کھینچ کر کہا۔

''اب میری باری ہے حملہ کرنے کی''۔

''اس نے بلند آواز میں کہا''۔

''ناگ! نیچے آ جاؤ''۔

ناگ نے چھت سے چھلانگ لگائی اور نیچے آتے ہی وہ شیر بن کر زور سے دھاڑا۔ عورتوں بچوں کی چیخیں نکل گئیں۔

ڈاکو ڈر کر پیچھے کو مڑے۔ سردار کا رنگ زرد ہو گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! پہلے ان ڈاکوؤں کو ہلاک کرو۔ کیوں کہ انہوں نے بڑے بے گناہ انسانوں کا خون بہایا ہے"۔

شیر زور سے دھاڑ کر ڈاکوؤں کے گروہ پر اچھلا اور پنجے مار مار کر اس نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو خون میں لت پت کر کے ڈال دیا۔

کسی کا بازو کاٹ دیا کسی کی گردن اڑا دی اور پنجہ مار کر کسی کا سینہ چاک کر دیا۔

سردار ہاتھ باندھ کر زمین پر گر پڑا۔

"معاف کر دو دیوتا! معاف کر دو دیوتا!"۔

عنبر نے قہقہہ لگایا۔

"اب تم سیدھی راہ پر آئے ہو۔ لیکن تمہاری گردن پر بھی بے شمار بے گناہ لوگوں کا خون ہے۔ تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا"۔

سردار نے گڑگڑا کر کہا۔

اے عظیم دیوتا! میں ہات جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ساری زندگی کسی چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دوں گا۔

میں ان سب قیدیوں کو رہا کر کے انہیں سارا سامان واپس کرتا ہوں۔

عنبر نے سردار کے سر پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"وہ تو تمہارا باپ بھی کرے گا۔ تم کون ہوتے ہو ایسا کرنے والے۔ اب تمہاری جان پر بن رہی ہے۔ اب تو اپنا سامان بھی انہیں دے دو گے"۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! واپس انسانی شکل میں آ جاؤ"۔

ناگ اسی وقت شیر سے بدل کر پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔

یہ سارا ڈرامہ دیکھ کر قیدی عورتوں، مردوں اور دوسرے بچے کھچے ڈاکوؤں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی۔

انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ دونوں کوئی آسمانی دیوتا ہیں اور ظلم کا بدلہ لینے کے لیے زمین پر آئے ہیں۔

سب کی آنکھوں میں احترام اور عقیدت تھی۔ سردار ہاتھ باندھے گھٹنوں پر جھکا بیٹھا تھا۔ عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے، اس کی جان بخشی کر دی جائے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے، یہ سوال ان قیدی عورتوں اور مرد سے پوچھنا چاہیے"۔

عنبر نے ان قیدیوں سے جب ڈاکوؤں کے سردار کی جان بخشی کے لیے پوچھا تو انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

"اس کی جان نہ بخشی جائے۔ اس نے ہمارے ماں باپ کو قتل کیا ہے۔ ہمارے بوڑھوں کے سر کاٹ کر گڑھوں میں دفن کیے ہیں۔ یہ رحم کے قابل نہیں ہے"۔

مرد بولے۔

''اسے ہم قتل کریں گے''۔

عنبر نے اسی وقت تمام قیدیوں کی رسیاں کھول دیں۔ ان میں سے ایک نوجوان آگے بڑھا اور بولا۔

''اے عظیم دیوتا! اس ظالم سنگدل نے میری آنکھوں کے سامنے میرے بوڑھے باپ کو ہلاک کیا ہے۔ وہ رحم کی درخواست کرتا رہا اور یہ ظالم اس کی گردن پر خنجر چلاتا رہا۔ اسے میں ہلاک کروں گا''۔

''تمہیں اجازت ہے''۔

عنبر نے خنجر اس نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا۔ دوسرے ڈاکو زمین پر روتے ہوئے گر پڑے۔

سردار نے گڑگڑا کر رحم کی التجا کی۔ عنبر نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ نوجوان کے ایک ہی وار نے ڈاکوؤں کے سردار کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ آخر برائی کا انجام برائی ہی نکلا۔

جس نے دوسرے انسانوں کو قتل کیا تھا آخر ایک روز وہ بھی خود قتل ہو گیا۔

خونی مگرمچھ

بستی پھر سے آباد ہو گئی۔

لوگ اپنے اپنے گھروں میں آ کر رہنے لگے۔ دوسرے بچے کھچے ڈاکوؤں کو بھی بستی والوں نے ختم کر دیا۔

عنبر اور ناگ کی کراماتیں وہ دیکھ چکے تھے۔ ان کو بستی والوں نے عظیم دیوتا سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ ان دونوں کی پوجا کرنے لگے۔

عنبر نے ناگ سے ایک روز کہا۔

''بھائی! یہاں سے اب تو دو گیارہ ہو جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمیں مار کر ہمارے بت بنا کر ہماری پوجا کرنا شروع کر دیں''۔

ناگ ہنسا

''تم ٹھیک کہتے ہو عنبر بھیا! تاریخ میں ایسے کئی واقعے ہو کر گزرے ہیں کہ لوگوں نے عقیدت میں آ کر اپنے پیر مرشد کو مار کر اس کی قبر بنائی اور پھر اس کی پوجا شروع کر دی۔

اس لیے اب یہاں سے چلے جانے میں ہی خیریت ہے۔

عنبر بولا۔

''ادھر ماریا کی پریشانی الگ دل کو لگی ہے۔ خدا جانے وہ

کہاں ہے کس حال میں ہے"۔

ناگ نے فکر مند ہو کر کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ ہم قطب شمالی میں کافی آگے نکل آئے ہیں۔ اس سے آگے تو سوائے برف ہی برف کے اور کچھ نہیں ہے"۔

"بس وہ سرخ جادوگر وہیں ہوگا"۔

عنبر کی اس بات پر ناگ نے پوچھا۔

"عنبر بھیا! کیا تمہارا دل یہی کہتا ہے"۔

"بے شک! ہمیں کچھ اور آگے جانا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے"۔

ناگ بولا۔

"ہم کل یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

جب بستی والوں کو پتا چلا کہ دوسرے دن سویرے عنبر اور ناگ یعنی ان کے دیوتا کوچ کر رہے ہیں تو وہ بڑے آزردہ ہو گئے۔

انہوں نے دونوں سے گزارش کی کہ وہ بستی سے نہ جائیں۔ وہیں اپنی برکتوں کے ساتھ باقی زندگی بسر کردیں۔

ان کے رہنے سے بستی میں خوشی اور سلامتی آ گئی ہے۔

عنبر نے انہیں سمجھایا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر کچھ ذمہ داری ہم پر اور بھی ہے۔ ہمیں وہ ذمے داری بھی پوری کرنی ہے"۔

رات کے پچھلے پہر عنبر اور ناگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ برف گاڑی پر ہر شے تیار تھی۔

بستی والوں نے گاڑی میں کمبل اور پانی بھی رکھ دیا تھا۔ ایک کنستر مٹی کے تیل کا بھر کر رکھ دیا تھا۔ ایک ایک عورت مرد اور بچے نے عنبر اور ناگ سے ہاتھ ملایا۔

ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ انہیں رخصت کرتے ہوئے دلگیر تھے۔ عنبر اور ناگ نے بھی بڑی گرم جوشی سے انہیں رخصت کیا اور برف گاڑی پر سوار ہو کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

سارا دن وہ برف میں چلتے رہے۔

رات کو انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ یہاں سردی اس قدر شدید تھی کہ پانی کی بوتلیں جم کر پھٹ گئیں۔

ٹماٹر ساس کے ڈبے بھی پھٹ گئے۔ ڈبل روٹی پتھر بن گئی۔

کنستر میں پڑا ہوا تیل بھی جم گیا۔ پٹرول کی بھی یہی حالت ہوئی۔

پٹرول ختم ہونے والا تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ان کا سفر جاری رہا۔ چوتھے روز وہ ایک ایسے برفانی میدان میں پہنچے جہاں ایک بہت بڑی نیلی جھیل برف بنی ہوئی تھی۔

انہوں نے ایک جگہ برف توڑی تو نیچے سے پانی نکل آیا۔ انہوں نے پانی لے کر اسے گرم کیا اور جی بھر کر پیا۔

برفانی گاڑی ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، کیوں کہ پٹرول ختم ہو چکا تھا۔ یہاں انہوں نے برف کے سوراخ میں کانٹا ڈال کر تین بڑی بڑی مچھلیاں پکڑیں اور انہیں بھون کر کھایا۔

شام کو برف کا زبردست طوفان چلنے لگا۔ طوفان کی رفتار اتنی

تیز تھی کہ ان کی برف کی گاڑی اڑ کر جانے کہاں چلی گئی۔

وہ خیمے کے اندر تھے۔ خیمے کا پردہ ان کے ساتھ طوفان کے تھپیڑے بن کر ٹکرا رہا تھا۔ ہوا چیخیں مار رہی تھی۔

برف کی جھیل سے ٹکرا کر شور مچا رہی تھی۔ ساتھ برف بھی گر رہی تھی۔

ساری رات طوفان چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو طوفان ختم چکا تھا۔

انہوں نے خیمے سے باہر نکل کر دیکھا تو جھیل پر کئی فٹ موٹی برف کی نئی تہہ چڑھ چکی تھی۔

ان کی برف کی گاڑی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ نہ وہ چولہا ہی باقی تھا جس پر وہ پانی وغیرہ گرم کر لیا کرتے تھے۔

ان کے پاس صرف ایک سپرٹ لیمپ رہ گیا تھا۔ جو خیمے کے

اندر رکھا ہوا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے سورج کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

”عنبر بھیا! اب تو ہمارے پاس سفر کرنے کو گاڑی بھی نہیں رہی۔ اب ہمیں ماریا کا سراغ جلد مل جانا چاہیے۔ نہیں تو زیادہ دور تک ہم پیدل نہ جا سکیں گے“۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔ ہم عظیم دیوتا ہے۔ ہم بہت جلد اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے“۔

انہوں نے خیمہ لپیٹ کر کندھے پر رکھا اور برف کی جھیل کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ماریا کی بھی خبر لی جائے کہ

وہ کس حال میں ہے۔ اور کہاں ہے؟۔

جادوگر اسے بکری بنا کر شہر سے نکل کر ایک ایسی سڑک پر ہو لیا۔ جو ایلپس کے پہاڑوں کی طرف چلی جاتی تھی۔

آگے جا کر یہ سڑک پہاڑوں میں گم ہو گئی۔ یہاں ایک مقام پر ایک چھوٹا سا جھونپڑا پہاڑی کے دامن میں بنا ہوا تھا۔

اس جگہ جادوگر نے رات بھر آرام کیا۔ صبح وہ ایک موٹر گاڑی میں سوار ہوا اور پہاڑوں کے پار دوسرے شہر پہنچ گیا۔

اس شہر سے اس نے ریل گاڑی پکڑی۔ دو روز تک ریل گاڑی میں سفر کیا اور تیسرے روز ناروے کے شمالی علاقے میں آ گیا۔

یہاں سے قطب شمالی کا پہلا شہر چھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

جادوگر نے ہوائی جہاز کے ذریعے یہ فاصلہ طے کیا اور قطب شمالی کے پہلے شہر میں آ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

کم لوگ رہتے تھے۔ شام کے وقت سردی کی وجہ سے بازار سنسان ہو جاتے تھے۔

سرخ جادوگر اس مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر کی چھت اندر سے آدھی ڈھے چکی تھی۔ دیواروں پر بڑے ڈراؤنے چہروں والے دیوتاؤں کی تصویریں بنی تھیں۔

جادوگر کو دیکھ کر ایک مکروہ صورت چمگادڑ پھڑ پھڑا کر باہر نکل گئی۔ جادوگر چمگادڑ کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

”میں ایک زبردست تحفہ لایا ہوں، تمہارے آقا کے لیے کہ وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ جائے گا“۔

پھر خود ہی قہقہہ مار کر ہنس دیا اور بکری کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

مندر کے ایک کمرے میں جا کر وہ رک گیا۔ سامنے ایک پرانا دروازہ تھا جس کے اندر سے ہلکی سی روشنی باہر آ رہی تھی۔

سرخ جادوگر نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔

”میرے آقا! میں آپ کا پسندیدہ تحفہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں“۔

کسی نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی باہر سے گندے دھوئیں کا ایک بھبکا آیا۔ جس میں طرح طرح کے تیزابوں کی بدبو تھی۔

سرخ جادوگر نے اس دھوئیں میں ایک گہرا سانس لیا اور خوش ہو کر بولا۔

”میرے آقا کے سانس میں زندگی ہے“۔

اندر سے کسی نے گھمبیر آواز میں کہا۔

”اندر آ جاؤ سرخ جادوگر! ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں کیا تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا؟“۔

سرخ جادوگر نے سر جھکا کر کہا۔

”میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا میرے آقا۔ یہ لیجیے اپنی امانت“۔

اور سرخ جادوگر نے بکری آگے کر دی۔ دوسرا جادوگر بھی ادھیڑ عمر کا تھا اور بڑی مکروہ صورت والا تھا۔ اس کی کھوپڑی پر کوئی بال نہ تھا۔

ٹنڈ ہی ٹنڈ تھی جس پر تیل چپڑا ہوا تھا۔ گلے میں سیال منکوں کی مالا تھی۔ سارا بدن سیاہ چمڑے کے لباس میں ٹھنسا ہوا تھا۔

اس نے خوش ہو کر بکری کو اپنی طرف کیا اور جھک کر غور سے تکنے لگا۔

”کیا یہ سچ عورت ہے“۔

”میرے آقا! آپ سے کوئی چیز کیسے چھپی نہیں ہے۔ آپ اسے دیکھ سکتے ہیں“۔

گنجے جادوگر نے سرخ جادوگر کی طرف دیکھا۔ پھر جیب سے ایک سفوف نکال کر اپنی آنکھوں میں ڈالا اور پھر جو بکری کو دیکھا تو اسے ماریا صاف نظر آنے لگی۔

گنجے جادوگر خوشی سے اچھل پڑا۔

”سرخ جادوگر! تم نے بڑا کارنامہ کیا ہے۔ ہم تم سے بڑے خوش ہیں۔ بولو تم کیا مانگتے ہو۔ تم جو مانگو گے ہم تمہیں دے دیں گے“۔

سرخ جادوگر نے آنکھیں میچ کر کہا۔

”حضور! کیا وعدہ کرتے ہیں کہ جو میں مانگوں گا، آپ مجھے دے دیں گے“۔

”کیوں نہیں، ہم وعدہ کرتے ہیں“۔

”سامری کی قسم کھائیں“۔

”ہم قسم نہیں کھاتے، لیکن وعدہ کرتے ہیں کہ تم جو مانگو گے ہم تمہیں ضرور عطا کر دیں گے“۔

سرخ جادوگر نے کہا۔

''تو پھر میرے آقا! یہ بکری مجھے دے دیں''۔

گنجا جادوگر چیخ کر بولا۔

بکواس بند کرو کتے! تمہاری یہ جرات کہ ہماری ہونے والی بیوی پر نظر رکھو!۔

ہم تمہیں اس کی ابھی سزا دیں گے۔ یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہم نے سامری کی قسم نہیں کھائی۔

سرخ جادوگر ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''میرے آقا معاف کر دو۔ غلطی ہو گئی''۔

''ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ تم میری ہونے والی بیوی پر ہمیشہ نظر رکھو گے اور جادو ٹونہ کرتے رہو گے۔ اس لیے تمہیں ختم کرنا بہت ضروری ہے''۔

''حضور! معافی! معافی!''۔

گنجے جادوگر نے منتر پڑھ کر جو پھونک ماری تو سرخ جادوگر کے بدن سے شعلے اٹھنے لگے۔

وہ تکلیف سے چلانے اور چکر کھانے لگا۔ آخر فرش پر گر پڑا اور بھسم ہو کر راکھ ہو گیا۔ اس کو ہلاک کرنے کے بعد گنجے جادوگر نے بکری کو اٹھا کر گود میں رکھا اور مندر کے عقبی حصے میں ایک دیوتا کے بت کے آگے آ کر جھک گیا۔

''میرے آقا! میں اپنی پسند کی عورت کے ساتھ حاضر ہوں اجازت دیں کہ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں''۔

دیوتا کے بت کی آنکھوں میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی۔ پھر ہونٹ خود بخود ہلے اور آواز آئی۔

اگر تم اس عورت سے بیاہ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں یہاں سے چھ ہزار میل دور جانا ہوگا۔ وہاں تمہیں ایک نیلی جھیل ملے گی جو برف بن چکی ہے۔

اس جھیل سے تم آگے جاؤ گے تو دو روز کے سفر کے بعد تمہیں ایک برفانی پہاڑ کے اندر ایک کھوہ ملے گی۔

کھوہ کے اندر جاؤ گے تو وہاں ایک مندر ہے۔ اس مندر میں دیوتا کے بت کے آگے تمہیں شادی کرنے کی اجازت ملے گی۔ جاؤ۔ تم جا سکتے ہو۔

گنجے جادوگر نے بکری کو ساتھ لیا اور قطب شمالی کے طویل لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔

منزلوں پر منزلیں طے کرتا آخر گنجا جادوگر اس نیلی جھیل پر پہنچ گیا۔

جس کے پیچھے پہاڑ میں وہ کھوہ تھی جس کے اندر والے مندر میں پہنچ کر گنجے جادوگر نے شادی کرنی تھی۔

جادوگر بکری کو لے کر نیلی جھیل کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اس نے پاؤں میں بھاری جوتے پہن رکھے تھے جن کی وجہ سے برف پر آسانی سے چل سکتا تھا۔

بکری یعنی ماریا اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ ماریا کو بہت ہلکا ہلکا سا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ چل رہی ہے اس کا دماغ بکری کا تھا۔

سوچ بھی بکری کی تھی۔ اس کا جی گھاس کھانے کو چاہ رہا تھا۔ یہ احساس بہت مدھم مدھم تھا کہ وہ انسان تھی اور اب اسے بکری بنا دیا گیا ہے۔

جادوگر چھوٹے چھوٹے پہاڑی راستوں سے ہوتا ہوا آخر اس کھوہ کے قریب پہنچ گیا جس کے اندر مندر تھا۔

کھوہ کا راستہ برف میں بنا تھا۔ جادوگر نے سب سے پہلے بکری کو اندر کیا پھر خود بھی اندر چلا گیا۔ کھوہ کی چھت سے برف کے لمبے لمبے ستون سے لٹک رہے تھے۔

بائیں جانب گھوم کر جادوگر رک گیا۔

اس کے سامنے ایک گہرا کھڈ تھا۔ گڑھا تھا۔ جس کے اندر پانی بھرا تھا۔ اور دو بڑے بڑے مگرمچھ اپنے خونخوار دانت نکالے اس کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

بکری ڈر کے پیچھے ہٹ گئی۔ جادوگر نے بکری کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

”اے میری ہونے والی بیوی! مت گھبرا۔ یہ مگرمچھ میرے غلام ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تم میرے پیچھے پیچھے آتے چلو“۔

اور پھر جادوگر نے ایک منتر پڑھ کر جو پھونک ماری تو گڑھے کے اوپر برف کا ایک پل بن گیا۔ جادوگر نے بکری کو لیا اور پل عبور کر گیا۔

پل کے پار ایک تنگ رستہ مندر کی طرف جاتا تھا۔ مندر کے دروازے پر ایک شیر پہرہ دے رہا تھا۔ جادوگر کو دیکھ کر شیر دھاڑا۔

بکری ڈر کر جادوگر کے پیچھے ہو گئی۔ جادوگر نے ایک منتر پڑھ کر پھونکا۔

شیرا یکدم سے ایک بہت بڑا سانپ یعنی اژدہا بن گیا۔ اس کے سات منہ تھے۔ ہر منہ میں سے سرخ زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔

جادوگر نے جھک کر سانپ کو سلام کیا۔ سانپ نے سر اوپر اٹھا لیا۔ جادوگر نے جیب سے گوشت نکال کر اژدہا کے آگے ڈالا۔ جسے وہ ایک ہی پھنکار مار کر کھا گیا۔ اژدہا نے راستہ چھوڑ دیا۔

جادوگر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''شکریہ اے عظیم دیوتا!''۔

اس نے بکری کو ساتھ لیا اور دروازے میں سے گزر گیا۔

دروازے کے پار ایک ہال کمرے میں چبوترے پر بہت بڑا بت بنا ہوا تھا۔ ط

اس بت کے آگے ایک موٹے پیٹ والا جوگی مہنت بیٹھا سرخ سرخ آنکھوں سے جادوگر کو تک رہا تھا۔

''تم آ گئے گنجے جادوگر؟''۔

''جی حضور!''۔

جادوگر نے سر جھکا کر کہا۔

مہنت کے گلے میں ایک کالا ناگ لٹک رہا تھا۔ اس نے سانپ کی سری جادوگر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم سانپ دیوتا کے لیے سونے کا تحفہ لائے ہو؟ کیوں کہ سونے کے تحفے کے بغیر تمہاری شادی نہیں ہو سکتی''۔

گنجے جادوگر نے کوٹ کی اندرونی جیب میں سے ایک تھیلا

نکال کر جوگی مہنت کے قدموں میں رکھ دیا۔

"حضور! یہ سونے کے ہار آپ کی نذر کے لیے لایا ہوں"۔

مہنت جوگی نے تھیلے میں سے سونے کے ہار نکال کر بڑے غور سے دیکھے۔ اس کی آنکھوں میں لالچ اور ہوس تھی۔

اس نے ہار اپنی گدی کے نیچے رکھ لیے اور بکری کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اب تم شادی کر سکتے ہو۔ لیکن ابھی پورن ماشی کی رات کو ایک ہفتہ باقی ہے۔ تم ایک ہفتے کے بعد اس عورت سے شادی کر سکتے ہو"۔

جادوگر نے کہا۔

"کیا مجھے اجازت ہے کہ اس بکری کو میں پھر سے عورت بنا

لوں"۔

مہنت جوگی نے تڑپ کر کہا۔

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! تمہیں ہفتہ بھر ابھی انتظار کرنا ہوگا"۔

"جیسے آپ کی مرضی حضور!"۔

"تم مندر کی پچھلی کوٹھڑی میں جا کر رہ سکتے ہو۔ جاؤ چلے جاؤ۔ نہیں تو میرا سانپ تمہیں ڈس دے گا"۔

"جا رہا ہوں حضور"۔

گنجے جادوگر نے بکری کو گود میں اٹھایا اور مہنت جوگی کے قریب سے گزر کر اپنی پچھلی کوٹھڑی میں جا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔

بکری کو اس نے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ گنجے جادوگر کو مندر میں آباد ہوئے چھٹا روز تھا کہ عنبر اور ناگ جھیل

کنارے پہنچ گئے۔

عنبر اور ناگ جھیل کے ساتھ چلے جارہے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ نیلی جھیل کے آگے ایک مندر ہے۔ جو ایک کھوہ میں واقع ہے۔ چنانچہ وہ کھوہ کی تلاش میں تھے۔ ناگ نے کہا۔

"ابھی تک تو یہاں کوئی مندر، کوئی کھوہ وغیرہ نظر نہیں آیا۔ ہاں البتہ یہاں برف کے ٹیلے بہت ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ان ہی برفانی ٹیلوں میں کہیں نہ کہیں وہ کھوہ ضرور ہوگا۔ جس کے مندر میں ہمیں اس بد بخت جادوگر کو قابو کر کے اپنی بہن ماریا کو واپس لینا ہوگا"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کھوہ کی تلاش میں ہم بھی کھو جائیں"۔

"نہیں! فکر نہ کرو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔

جھیل سے کافی دور آنے کے بعد ناگ نے عنبر کو اشارہ کر کے ایک برفانی ٹیلہ دکھایا۔

"وہ دیکھو عنبر! میرا خیال ہے، اس ٹیلے میں کھوہ ضرور ہوگا"۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میرا دل کہتا ہے اور پھر یہاں کوئی دوسرا کھوہ دکھائی نہیں دیتا"۔

"شاید تمہارا اندازہ ٹھیک ہے۔ چلو اس کھوہ کی طرف چلتے

بھیا"۔

دونوں تیز تیز قدموں سے چلنے لگے۔ برف ان کے راستے میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ تازہ برف ان کے جوتوں سے چمٹ رہی تھی۔

پھر بھی وہ وقت سے بہت پہلے کھوہ کے قریب پہنچ گئے۔ ذرا آگے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مندر کے دروازے اور ان کے درمیان ایک گڑھا موجود تھا۔ جو پانی سے لبالب بھرا ہے اور جس میں دو مگرمچھ اپنا بھیانک منہ کھولے ان کی طرف تک رہے ہیں۔ ناگ پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ کم بخت بلائیں کہاں سے آ گئیں"۔

عنبر نے غور سے مگرمچھ کو دیکھا۔

"آدم خور معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری طرف کس شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ جیسے ابھی بس چلے تو ہمیں کچا چبا جائیں"۔

"اب پھر یہ گڑھا کس طرح پاس کیا جائے عنبر بھیا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تم اڑ کر آگے نکل جاؤ۔ میں پانی کے گڑھے میں سے تیر کر جاتا ہوں۔ اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں"۔

"تو پھر چلو۔ بسم اللہ کرو"۔

ناگ باز بن کر اڑا اور گڑھے کی دوسری طرف مندر کے پاس جا کر رک گیا۔

عنبر بڑے آرام سے جھیل میں اتر گیا۔ مگرمچھوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا کہ کوئی

انسان اپنے اپ ان کے گڑھے میں اتر آئے ۔

وہ اپنے منہ میں زبان پھیرنے لگے۔ اور عنبر کی طرف لپکے۔ ان کے منہ سے ڈکاریں سی نکل رہی تھیں۔ مگرمچھ جھپٹے۔

مگر عنبر پانی میں تیرتا رہا۔ مگرمچھوں نے عنبر کی ٹانگ کو منہ میں جکڑ لیا۔

مگرمچھوں کو یوں لگا جیسے انہوں نے پتھر کا ستون منہ میں ڈال لیا ہو۔ ادھر عنبر نے پلٹ کر ایک مگرمچھ کو ہوا میں اچھال دیا۔

مگرمچھ گڑھے سے باہر گر گیا۔

دوسرے مگرمچھ کو بھی اس نے پکڑ کر ہوا میں زور سے اچھالا اور باہر پھینک دیا۔ مگرمچھ غار کی چھت سے ٹکرایا اور برف پر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ناگ نے عنبر کو ہاتھ دے کر باہر کھینچ لیا۔

”میرا خیال ہے مگرمچھوں نے بھی ساری زندگی ایسا انسان نہ دیکھا ہوگا جس نے انہیں گڑھے سے اچھال کر باہر پھینک دیا ہو“۔

”بے شک! اگر زندہ رہے تو یاد کریں گے“۔

عنبر اور ناگ مندر کے دروازے کے سامنے آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں ایک شیر کھڑا انہیں دیکھ کر گرج رہا ہے۔

ناگ نے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”اس دیوتا کو بلاؤ جس نے تمہیں شیر بنا کر یہاں پہرے پر بٹھا دیا ہے“۔

شیر کا ایکدم سے دھاڑنا بند ہو گیا۔

ناگ نے ایک بار پھر کہا۔

"اس دیوتا کو لاؤ"۔

شیر چبوترے سے اتر کر دوسری طرف نکل گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں دوسری طرف جا کر پتا کرتا ہوں کہ یہاں کون رہتا ہے"۔

ناگ مندر کے پچھواڑے آ گیا۔ عنبر دروازے پر کھڑا تھا کہ شیر کی جگہ وہاں ایک بہت بڑا چار چہروں والا سانپ پھنکارنا شروع کر دیا اور عنبر پر حملہ کرنے کے لیے جھکا۔

عنبر پیچھے کو ہٹا مگر اژدہا نے عنبر کی گردن پر حملہ کر دیا۔ مگر عنبر پر تو زہر کا اثر ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔

لیکن اسے غصہ بہت آیا کہ اس بدبخت نے حملہ کر کے اس کی کرکری کر دی تھی۔ سانپ بھی حیران تھا کہ یہ کیسا انسان ہے کہ اس پر اس کے زہر کا بالکل اثر نہیں ہوا۔

سانپ یعنی اژدہا نے دوسرے منہ سے عنبر کو ڈسا۔ اب بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس طرح سانپ یعنی اژدہا نے چار بار عنبر کو ڈسا مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سانپ چبوترے پر لہرا رہا تھا۔

غصے سے بار بار پھنکار رہا تھا۔ ادھر سے ناگ بھی آ گیا۔ بولا۔

"صدر کی دوسری جانب۔۔۔"

فقرہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ ناگ نے سانپ کو دیکھا۔ سانپ نے بھی ناگ کو دیکھ لیا تھا اور اب آہستہ آہستہ پیچھے کھسکتا چلا جا رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھیا! اس بدبخت سانپ نے مجھے چار بار ڈسا ہے"۔

"چار بار؟"۔

ناگ نے حیران ہو کر کہا اور پھر غصے سے بولا۔

"اس کی یہ جرات؟ اس کو معلوم نہیں تھا کہ تم میرے بھائی ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"اب یہ تم خود اس سے پوچھ لو"۔

ناگ نے اژدہا کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔

بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟۔ تم نے میرے بھائی پر حملہ کر کے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"عظیم دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ صاحب آپ کے ساتھ ہیں۔ اور آپ بھی ان کے ساتھ ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا! میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی انسان بھی ہے"۔

اژدہا نے کہا۔

"عظیم دیوتا! اس مندر کے اندر ایک جوگی مہنت رہتا ہے۔ اس نے مجھے بھی اپنے جادو میں قابو کر رکھا ہے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ ابھی جا کر اس مہنت کی بھی خبر لیتے ہیں“۔

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور مندر کے دوسرے بڑے کمرے میں آ گیا۔

ان کے سامنے دیوتا کے بت کے پہلو میں ایک موٹے پیٹ والا مہنت جوگی کھڑا اپنی لال لال آنکھوں سے بڑے غصے میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے گلے میں ایک کالے رنگ کا سانپ لپٹا ہوا تھا۔

مہنت نے گرج کر کہا۔

”کون ہو تم احمق! مندر میں آنے کی اجازت تمہیں کس نے دی؟“۔

ناگ نے کہا۔

”اس اژدہا نے ہمیں اجازت دی جو مندر کے دروازے پر پہرہ دیتا ہے“۔

مہنت بولا۔

”کیا بکواس کرتے ہو؟ وہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتا“۔

”تم اس سے جا کر پوچھ سکتے ہو“۔

”کیا مگرمچھوں نے بھی تم کو نہیں روکا؟“۔

عنبر نے کہا۔

”تمہارے مگرمچھوں کی لاشیں گڑھے میں تیر رہی ہیں“۔

مہنت جوگی غصے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے

چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے گلے سے سانپ نکال کر ناگ کی طرف پھینکا۔

”اے سانپ! ان دونوں کو ڈس کر ہلاک کر دو“۔

کالا سانپ مہنت کے گلے سے نکل کر ناگ کے قدموں میں گرا۔

پھر وہاں سے نہ اٹھ سکا۔ وہیں اس نے ناگ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

ناگ نے جھک کر سانپ کو اٹھا لیا اور مہنت سے کہا۔

”تم کو ابھی معلوم نہیں ہوا کہ میں کون ہوں۔ لیکن یہ تمہارا سانپ مجھے پہچان گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم بھی مجھے اپنا تعارف کروانا پڑے گا“۔

جوگی مہنت کچھ پریشان سا ہو گیا۔ لیکن اسے اپنے سانپوں اور جادوگری پر بڑا ناز تھا۔

اس نے ہار تسلیم نہ کی اور چبوترے سے اتر کر ایک کنورے میں سے سرخ رنگ کا چھوٹا سا سانپ نکال کر ناگ کی طرف اچھال دیا۔

”یہ سانپ تمہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑے گا“۔

سرخ سانپ بھی جیسے ناگ کے قدموں میں آ کر مر سا گیا۔

وہ ناگ کے پاؤں میں لوٹنے لگا اور بار بار اپنا سر اس کے پیروں پر رکھ رہا تھا۔

ناگ نے سرخ سانپ کو بھی ہاتھ میں اٹھا لیا اور اسے مہنت کی طرف کر کے بولا۔

”اگر میں اس سانپ کو حکم دوں تو یہ ابھی تمہیں ڈس کر ہلاک کر سکتا ہے۔

لیکن مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے، اس لیے ابھی تمہیں نہیں ماروں گا۔

خونی تجربہ

اب مہنت جوگی کو کچھ ہوش آ گیا تھا۔

اسے احساس ہو چکا تھا کہ اس کا مقابلہ کسی زبردست آدمی سے ہے۔ وہ چبوترے سے بڑھ کر ناگ کے پاس آ گیا اور بولا۔

”نوجوان! تم کوئی دیوتاؤں کے خاص آدمی معلوم ہوتے ہو۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“۔

ناگ نے کہا۔

"ہم اپنی بہن ماریا کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ کیا تم نے کسی ایسے جادوگر کو دیکھا ہے۔ جس نے کسی عورت کو قابو کر رکھا ہے؟"۔

مہنت بولا۔

کیوں نہیں۔ گنجہ جادوگر ابھی ایک ہفتے پہلے آ کر مندر کی ایک کوٹھڑی میں ٹھہرا ہے۔

اس نے ایک عورت کو بکری بنا کر اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔

اور کل وہ اس سے شادی رچانے والا ہے۔

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

"کیا وہ اب بھی کوٹھڑی میں ہے"۔

"ہاں۔ آؤ میرے ساتھ"۔

مہنت عنبر اور ناگ کو لے کر مندر کے عقب میں کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ کوٹھڑی خالی پڑی ہے۔

نہ جادوگر ہے اور نہ اس کی بکری۔ مہنت نے تعجب نے چاروں طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"حضور! یقین کرنا۔ صبح تک وہ جادوگر اس کوٹھڑی میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے، اس نے آپ لوگوں کو آتا دیکھ لیا تھا اور بھاگ گیا"۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اب کیا کیا جائے ناگ بھیا؟"۔

کوٹھڑی میں ایک کھڑکی تھی جو کھلی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے، وہ گنجہ جادوگر اس کھڑکی میں سے بھاگا

ہے''۔

انہوں نے کھڑکی میں سے باہر کود کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ برف پر کسی انسان یا بکری کے پاؤں کے نشان تک نہیں تھے۔

عنبر بولا۔

''کم بخت نے پاؤں کے نشان بھی نہیں چھوڑے''۔

مہنت نے کہا۔

''حضور وہ بڑا مکار جادوگر ہے۔ وہ ضرور جادو کے زور سے اڑ کر چلا گیا ہوگا''۔

ناگ بولا۔

''کوئی بات نہیں۔ مجھ سے بڑا جادوگر نہیں ہوگا۔ میں اسے

تلاش کر کے چھوڑوں گا''۔

ناگ نے اسی وقت باز کا روپ بدلا اور اڑ کر مندر سے باہر نکل گیا۔ کتنی دیر تک وہ اڑتا رہا۔ اور سارے برفانی میدانوں میں جادوگر اور اس کی بکری کو تلاش کرتا رہا۔

مگر ان میں سے کوئی بھی اسے نظر نہ آیا آخر تھک ہار کر وہ واپس آ گیا۔

عنبر نے پوچھا۔

''کچھ پتا چلا؟''۔

''نہیں بھائی! کوئی سراغ نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے وہ ماریا کو لے کر اس علاقے سے کہیں دور چلا گیا ہے''۔

مہنت نے کہا۔

"حضور! اگر آپ چاہیں تو یہاں کچھ دیر قیام فرما سکتے ہیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں! ہمیں اپنی بہن کی تلاش ہے۔ ہم زیادہ دیر نہیں یہاں نہیں ٹھہر سکتے"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تم ہمیں کوئی ایسی برف گاڑی دے سکتے ہو جس پر سوار ہو کر ہم برفانی میدان پار کر سکیں؟"۔

مہنت بولا۔

"حضور! میرے پاس ایسی گاڑی کہاں! میں تو ایک عرصے سے اس جگہ پڑا ہوں۔ لیکن آپ تو جادوگر ہیں"۔

آپ اگر چاہیں تو اڑ کر بھی جا سکتے ہیں۔

عنبر بولا۔

"ایسا جادوگر میرے پاس نہیں ہے۔ ناگ کے پاس ضرور ہے۔ ہاں میرے پاس ایک دوسرا جادو ہے۔"

رات انہوں نے مندر میں آرام کیا۔ دوسرے دن صبح صبح وہ مندر سے روانہ ہو گئے۔ مہنت نے انہیں راستے کے بارے میں کچھ ضروری باتیں بتائیں۔

عنبر اور ناگ خاموشی سے برف پر چل پڑے۔ وہ جھیل کے کنارے سے ہو کر برف کے میدانی راستے پر آ گئے سفر لمبا تھا۔ سارا دن وہ چلتے رہے۔ شام کو ڈیک انہوں نے خیمہ لگایا اور چائے گرم کر کے پی۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ بھیا! اس طرح ہم کب تک اس برف کے صحرا میں سفر کرتے رہیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر کیا کیا جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"کسی گاڑی کا بندوبست ہو جاتا تو ہم جلدی کسی شہر پہنچ کر ماریا کی تلاش شروع کر سکتے تھے۔ اتنی دیر میں تو وہ جادوگر نہ جانے کہاں کا کہاں پہنچ جائے گا"۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ اچھا صبح کچھ کریں گے"۔

رات انہوں نے جوں توں کر کے کاٹی۔ صبح اٹھتے ہی ناگ نے کہا۔

"عنبر بھیا! تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں کوئی سواری لے کر آتا ہوں"۔

"لیکن تم سواری کہاں سے لاؤ گے؟"۔

"تم فکر نہ کرو، یہ میں جانوں اور میرا کام۔ تم ہر حالت میں اسی جگہ بیٹھ کر میرا انتظار کرنا"۔

ناگ اتنا کہہ کر باز کی شکل میں آسمان کی طرف اڑ گیا۔ عنبر اسے دیکھتا رہ گیا۔

کچھ دیر اسے باز آسمان کی بلندیوں میں اڑتا نظر آیا۔ پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ناگ سارا دن برف کے میدانوں کے اوپر اڑتا رہا اسے نہ کوئی بستی نظر آتی اور نہ کوئی

انسان کہیں دکھائی دیا۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تو وہ ایک جگہ اتر آیا اور برف کے بنے ہوئے ایک کھوہ میں بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔

ادھر رات کے وقت عنبر بھی خیمے کے اندر جا کر لیٹ گیا۔ یہ چھوٹا سا خیمہ تھا۔ عنبر بمشکل ٹانگیں پھیلا کر سو سکتا تھا۔

اسے بار بار ناگ اور ماریا کا خیال آ رہا تھا۔ غنودگی کے عالم میں وہ اونگھنے لگا۔ آدھی رات کے قریب اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے یوں لگا جیسے کوئی خیمے کے باہر دبے قدموں سے چلا آ رہا ہے۔ عنبر نے خیمے کے سوراخ میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔

باہر اندھیرا تھا۔ پھر بھی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں سفید برف پر اسے ایک سایہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس نے سوراخ

کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"کون ہے؟"۔

سایہ اسی جگہ رک گیا۔ عنبر کو کسی انسان کا دھندلا سا خاکہ نظر آ رہا تھا۔

عنبر خیمے سے باہر آ گیا۔ موت کا تو اسے کوئی خوف تھا ہی نہیں۔ باہر آتے ہی اس نے ایک بار پھر للکارا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

آنے والے کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ اور وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے جسم پر سپاہیوں ایسی وردی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تم جرمن سپاہی ہو؟"۔

وہ ایک روسی سپاہی تھا جو اپنے ہیڈ کوارٹر سے بچھڑ کر بھوکا پیاسا بھٹک رہا تھا۔

خیمہ دیکھ کر اسے خیال آیا کہ یہاں ضرور کچھ کھانے کو مل جائے گا۔ اس نے روسی زبان میں کہا۔

''میں روسی سپاہی ہوں ۔ کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اگر انکار کیا تو میں گولی سے اڑا دوں گا''۔

عنبر نے کہا۔

''قریب آ کر دیکھ لو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے''۔

روسی سپاہی قریب آ گیا۔ اس کے سر پر سمور کی ٹوپی تھی۔ چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔ اس نے حیرانی سے کہا۔

''پھر تم کس طرح زندہ ہو؟''۔

عنبر نے کہا۔

''مجھے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کھانے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں''۔

''کیا تم بھوت ہو؟''۔

''ہاں؟ میں بھوت ہوں''۔

''پھر میں تمہیں ہلاک کر دوں گا''۔

اور اس کے ساتھ ہی روسی سپاہی نے مشین گن کی باڑھ مار دی۔

ساری کی ساری گولیاں عنبر کے سینے میں لگیں اور وہاں سے اچھل کر نیچے برف پر آ کر گر پڑیں۔

عنبر نے کہا۔

"میں بھوت ہوں اور بھوت پر گولی کا اثر نہیں ہوتا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ مجھے تمہاری ایک بھی گولی نہیں لگی"۔

روسی بڑا حیران ہوا۔ وہ ڈر بھی گیا۔ اس کے سامنے سچ مچ ایک بھوت کھڑا تھا۔ وہ چیخ مار کر پیچھے کو بھاگا اور پھر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

عنبر اسے اٹھا کر خیمے میں لے آیا۔ اسے چائے گرم کر کے پلائی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پہلا سوال یہ کیا۔

"کیا تم سچ مچ بھوت ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ لیکن مجھ میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو تم میں نہیں ہیں"۔

بہر حال ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟۔

"میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے بچھڑ گیا ہوں۔ دو دن سے میں نے سوائے برف کے اور کچھ نہیں کھایا۔

عنبر نے اسی وقت ایک جگہ سے برف توڑ کر اس میں سے مچھلی نکالی اور اسے بھون کر کھلائی۔ روسی سپاہی کو کچھ ہوش آیا۔

اس نے کہا۔

"تم روسی میان بڑی روانی سے بول سکتی ہو۔ کیا تم روس میں رہے ہو؟"۔

عنبر مسکرایا۔

"میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھ میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں

جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہیں۔ میں دنیا کی ہر زبان بول سکتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں"۔

روسی سپاہی نے پوچھا۔

"کیا تم یہاں اکیلے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں۔ میرا ایک ساتھی سواری کا انتظام کرنے گیا ہے"۔

روسی سپاہی تعجب سے بولا۔

"کیا تم نے اس برف کے صحرا کو لندن شہر سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے ساتھی کو اگلے چوک سے ٹیکسی مل جائے گی؟"۔

عنبر بولا۔

"گھبراؤ نہیں اور دیکھتے جاؤ۔ ٹیکسی بھی آ جائے گی۔ ہیلی کوپٹر بھی آ سکتا ہے۔ بہر حال تم ہمارے ساتھ رہنا ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچا کر آگے چلیں گے۔ کیا تم اپنے گھر جانا پسند کرو گے؟"۔

روسی سپاہی نے کہا۔

"ہاں! اگر تم مجھے یہاں کسی روسی چوکی پر پہنچا دو تو میں ساری زندگی تمہارا شکر گزار رہوں گا"۔

"ایسا ہی ہو گا۔ اب تم آرام کرو"۔

روسی سپاہی خیمے کے اندر سو گیا اور عنبر برف کے سوراخ میں سے مچھلیاں پکڑنے لگا۔

ناگ اڑتا اڑتا دوسرے دن صبح کے بعد ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اس نے برف کے میدان میں ایک جگہ ایک کمرہ دیکھا جس

کی چھت پر ایریل اور ریڈار لگا تھا۔

پاس ہی ایک ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ ناگ ہیلی کاپٹر کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے غوطہ لگایا اور ہیلی کاپٹر کے قریب آ کر اتر گیا۔ وہ انسان کی شکل میں آ گیا۔

ہیلی کاپٹر خالی تھا۔ ناگ اس میں سوار ہو گیا۔ سٹارٹ کرنے لگا وہ تو تالا بند ہے۔ اتنے میں اندر سے ایک جرمن سپاہی کاندھے پر بندوق لٹکائے باہر نکلا۔

ناگ جلدی سے نیچے چھپ گیا۔ سپاہی ہیلی کاپٹر کی طرف آ رہا تھا۔ ناگ نے اسی وقت ایک چھوٹے سے سانپ کی شکل بدلی اور کاک پٹ کی سیٹ کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا۔

سپاہی ہیلی کاپٹر پر سوار ہو گیا۔ اس نے جیب سے چابی نکال

کر تالا کھولا۔ بٹن دبا کر مشین چلائی۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے گردش کرنے لگے۔

پھر وہ فضا میں بلند ہو کر ایک طرف اڑنے لگا۔

ناگ نے سوچا کہ جو کچھ کرنا ہے، جلدی کر دینا چاہیے کیونکہ خدا جانے یہ شخص کہاں جا رہا ہے۔ ناگ نے نیچے سے آ کر جرمن سپاہی کی گردن پر ڈس دیا۔ جرمن سپاہی اپنی سیٹ سے ذرا سا اچھلا۔

اس نے سانپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ناگ پر گولی چلا دی۔ مگر گولی اسے نہ لگ سکی۔

اس کے بعد جرمن سپاہی بے ہوش ہو کر سیٹ پر لڑھک گیا۔

ناگ اب انسان کی شکل میں آ گیا تھا۔ اس نے جرمن سپاہی کی لاش اٹھا کر باہر پھینک دی۔ اور ہیلی کاپٹر کو لے کر واپس عنبر کی طرف روانہ ہو گیا۔

کوئی چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں وہ عنبر کو چھوڑ آیا تھا۔

عنبر خیمے کے باہر نکلا ہی تھا کہ اس کی نظر ہیلی کاپٹر پر پڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ سواری کا بندوبست کر کے آ گیا ہے۔

اس نے زور زور سے ہاتھ ہلانے شروع کر دیے اتنے میں روسی سپاہی بھی خیمے سے باہر آ گیا۔ اس نے جو ایک جرمن ہیلی کاپٹر کو آسمانوں پر آتے دیکھا۔ تو وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہیلی کاپٹر انہوں نے اسے اغوا کرنے کے لیے

منگوایا ہے۔

اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو عنبر نے کہا۔

"دل سے یہ احمقانہ خیال نکال دو کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔ نہیں، میں تو تم سے ہمدردی کا احساس رکھتا ہوں۔ اس ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر تم جہاں کہو گے ہم تمہیں چھوڑ آئیں گے"۔

روسی سپاہی نے کہا۔

"لیکن یہ ایک جرمن ہیلی کاپٹر ہے"۔

پھر کیا ہوا۔ میرا دوست اسے کہیں سے اڑا کر لے آیا ہے۔

اور پھر تمہیں آم کھانے سے غرض ہے کہ پیڑ گننے سے۔

چلو اٹھو! ناگ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ناگ نے ہیلی کاپٹر ایک جگہ کھڑا کیا اور عنبر کے پاس آ کر بولا۔

"یہ کون ہے؟"۔

عنبر نے ناگ سے اس کا مختصر سا تعارف کروایا اور بتایا کہ روسی سپاہی کو ہم اس کے اڈے پر چھوڑ کر آئیں گے۔ کیونکہ اگر یہ اکیلا یہاں بھٹکتا پھرا تو یقیناً مر جائے گا۔ ناگ نے گہری نظروں سے روسی سپاہی کو دیکھا اور کہا۔

"کیا تمہیں اپنے کوارٹر کے بارے میں کچھ یاد ہے کہ وہ کہاں ہے اور یہاں سے کس سمت میں ہے؟"۔

روسی سپاہی نے کہا۔

"یہاں سے ہمارا کوئی نہ کوئی کوارٹر کہیں نہ کہیں ضرور قریب ہی

ہوگا۔ ہم لوگ سائنسی تحقیقات بھی کر رہے ہیں اور جنگ بھی لڑ رہے ہیں"۔

"بہت خوب! چلو ہمارے ساتھ۔ ہم کوشش کریں گے کہ کسی کوارٹر پر تمہیں اتار دیا جائے"۔

انہوں نے روسی سپاہی کو ہیلی کاپٹر میں سوار کروایا اور ہیلی کوپٹر اڑ گیا۔

پٹرول ان کے پاس کافی تھا۔ کمپاس روسی سپاہی کے پاس تھی۔ انہوں نے شمال مشرق کی طرف پرواز شروع کی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹے کی اڑان کے بعد انہیں دور ایک مکان نظر آیا۔

روسی سپاہی نے کہا۔

"شاید یہ ہمارا ہی کیمپ ہے۔ ادھر چلیں"۔

ہیلی کاپٹر اس کیمپ کے قریب جا کر اتر گیا۔ یہ روسی کیمپ ہی تھا۔ ہیلی کاپٹر کو دیکھ کر روسی سپاہی رائفلیں اور مشین گنیں لے کر نکل آئے۔

انہوں نے ہیلی کاپٹر کو گھیر لیا۔ عنبر اور ناگ نے روسی سپاہی کو آگے کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے سپاہی کو سنبھالیں۔ ہم اسے ہی یہاں تک پہنچانے آئے تھے''۔

روسی کمانڈر نے رائفل کا رخ ناگ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ ہماری حراست میں ہو۔ جب تک ہم اپنی تسلی نہیں کرلیں گے تمہیں نہیں چھوڑیں گے''۔

ناگ نے روسی سپاہی کی طرف دیکھا۔

''انہیں سمجھاؤ کہ ہم تمہارے ہمدرد ہیں''۔

روسی سپاہی نے کہا۔

''سر! یہ لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے مجھے برف کے میدانوں سے بچایا ہے۔ اگر یہ نہ ملتے تو میں بھوک پیاس سے مر جاتا''۔

روسی سپاہی غصے میں بولا۔

''تم چپ رہو۔ ہم جانیں ہمارا کام''۔

پھر انہوں نے عنبر اور ناگ کو ایک کمرے میں بند کر دیا جس کے دروازے پر سلاخیں لگی تھیں۔

عنبر بولا۔

”لو میاں ناگ! اور ہمدردی کر لو اس روسی سپاہی سے۔ دیکھ لیا ہمدردی کا انجام“۔

ناگ نے کہا۔

”یار! یہ روسی لوگ بڑے شکی ہوتے ہیں۔ اچھا چلو۔ ان کو اپنی تسلی کر لینے دو“۔

سارا دن عنبر اور ناگ جیل میں پڑے رہے۔ شام کے وقت انہیں کچھ کھانے کو دیا گیا۔

پھر روسی کمانڈر اپنے سپاہی کے ساتھ اندر آیا اور اس نے عنبر اور ناگ سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

کون ہو تم؟۔

تمہارا نام کیا ہے؟۔

تم کہاں سے آئے ہو؟۔

برف کے میدانوں میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟۔

عنبر نے کہا۔

”جناب! ہماری ایک بہن ہے جس کا نام ماریا ہے۔ وہ قطب شمالی میں کہیں آ کر کھو گئی ہے۔ ہم اس کی تلاش میں پھر رہے ہیں“۔

روسی کمانڈر نے کہا۔

”لیکن تمہارے پاس یہ جرمن ہیلی کاپٹر کہاں سے آ گیا؟ ضرور تم جرمن جاسوس ہو اور روسی علاقے میں جاسوسی کرنے آئے ہو“۔

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہے جناب! یہ ہیلی کاپٹر ہم نے ایک جرمن کیمپ سے چرایا تھا تاکہ آپ کے روسی سپاہی کو آپ کے کیمپ تک پہنچا سکیں اور ہم بھی اپنی بہن کو تلاش کرنے کے لیے یہاں سے جا سکیں"۔

"بکواس کرتے ہو تم"۔

روسی کمانڈر چلایا۔

"جلدی بتاؤ تمہارا کوڈ کیا ہے اور تمہارا نمبر کیا ہے"۔

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گویا کہہ رہے ہوں کہ برے پھنسے۔

ناگ نے کہا۔

"سر! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم شریف شہری ہیں۔ ہم کسی کی جاسوسی نہیں کر رہے۔ ہمیں کسی کی جاسوسی کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔

روسی کمانڈر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے سپاہی کو اشارہ کیا۔

"ان لوگوں کو صبح شوٹ کر دو"۔

عنبر اور ناگ چونک اٹھے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے ہمیں شوٹ کرنے کی کوشش کی تو ہم بھی آپ کا مقابلہ کریں گے۔ اور یقین کریں کہ نقصان آپ کا ہی ہوگا"۔

روسی کمانڈر جھلا کر بولا۔

"تم کیا ہو اور تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ ہونہہ! صبح تمہاری لاشیں برف پر پڑی ہوں گی"۔

روسی کمانڈر چلا گیا۔ جیل کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

ناگ نے کہا۔

"خواہ مخواہ کی مصیبت پڑ گئی ہے۔ یہ لوگ سوائے ہمارا وقت ضائع کرنے حیران ہونے اور بعد میں ہم سے معافی مانگنے کے کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

"بہر حال اب جو ہوگا سہنا پڑے گا"۔

رات گزر گئی۔ عنبر سو گیا تھا۔ ناگ نے اسے جگا کر کہا۔

اب یہاں سے بھاگنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں اڑ جاتا ہوں۔ تم یہیں رہو۔ یہ لوگ تمہیں صبح شوٹ کریں گے۔

تم مرو گے نہیں۔ یہ پریشان ہوں گے۔ حیران ہوں گے۔ پھر خود تمہیں کسی جیپ یا ہیلی کاپٹر میں سوار کروا کر یہاں سے

رخصت کریں گے۔

میں بھی تمہیں راستے میں مل جاؤں گا۔

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے"۔

ناگ اسی وقت چڑیا بن کر اڑ گیا۔ جیل میں اب صرف عنبر رہ گیا۔

دن کی روشنی پھیلی تو چھ سپاہی اپنے کمانڈر کے ساتھ رائفلیں لیے جیل میں آ گئے۔ یہاں آ کر جوانوں نے دیکھا کہ ایک قیدی موجود ہے اور دوسرا قیدی غائب ہے تو روسی کمانڈر نے گرج کر کہا۔

"اسے پکڑو۔ وہ فرار ہو گیا ہے"۔

کچھ سپاہی ناگ کی تلاش میں بھاگے۔ روسی کمانڈر نے کہا۔

''اس قیدی کو فوراً شوٹ کر دو۔ کہیں یہ بھی نہ بھاگ جائے''۔

عنبر نے کہا۔

''سر! آپ نہ تو میرے ساتھی کو تلاش کر سکیں گے اور نہ مجھے گولی سے ہلاک کر سکیں گے۔ اس لیے اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ اور مجھے میرا ہیلی کاپٹر واپس کر دیں تا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں''۔

روسی کمانڈر نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا۔

''اس شخص کو ابھی شوٹ کر دو''۔

سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو پکڑا اور باہر لے جا کر

ایک ٹینک کے ساتھ باندھ دیا۔

سپاہیوں نے رائفلیں چڑھا کر ان کا رخ عنبر کی طرف کر دیا۔

روسی کمانڈر نے رومال نکال کر ہلا دیا۔

''فائر!''۔

سات رائفلیں ایک دم سے دھماکے کے ساتھ چلیں۔ سات گولیاں ان میں سے نکلیں اور سیدھی عنبر کے سینے پر جا کر لگیں۔

ساتوں گولیاں عنبر کے سینے سے لگ کر نیچے برف پر گر پڑیں۔ عنبر کھڑا مسکراتا رہا۔

سپاہیوں نے دیکھا کہ قیدی مسکرا رہا ہے۔ گولیاں سینے پر لگی ہیں مگر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔ روسی کمانڈر بھی بڑا حیران ہوا کہ یہ بات کیا ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا۔

اس نے دوبارہ حکم دیا۔

"ایک بار پھر اسے شوٹ کیا جائے"۔

سپاہیوں نے ایک بار پھر گولیاں بھر کر رائفلیں سیدھی کیں اور عنبر کے سینے کا نشانہ باندھ کر گولیاں چلا دیں۔

دھماکا ہوا اور ساتوں کی ساتوں گولیاں ایک بار پھر عنبر کے سینے سے ٹکرا کر نیچے برف پر گر پڑیں اب تو سپاہیوں کا بھی رنگ اڑ گیا۔

روسی کمانڈر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس نے قریب آ کر غور سے عنبر کے سینے کو دیکھا۔

"تم نے کیا باندھ رکھا ہے نیچے؟"۔

"کچھ نہیں۔ دیکھ لو بے شک"۔

"روسی کمانڈر نے عنبر کی قمیض کے نیچے دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا"۔

"پھر تمہیں گولی کیوں نہیں لگتی؟"۔

عنبر مسکرایا۔

"آپ چاہے اپنا سارا اسلحہ مجھ پر استعمال کر لیں۔ مجھ پر کسی شے کا اثر نہیں ہوگا"۔

"لیکن کیوں؟ کیا تم بھوت ہو؟"۔

عنبر بولا۔

"مسٹر کمانڈر! یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم مجھے کھول دو۔ نہیں تو میں خود اس رسی کو توڑ کر آزاد ہو جاؤں گا"۔

کمانڈر کچھ خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے عنبر کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

وہ عنبر کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے عنبر سے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کون ہے اور یہ طاقت اس کو کہاں سے ہاتھ آئی ہے؟۔

عنبر ہنس دیا۔

”یہ باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ آپ کی سائنس بھی ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتی“۔

”تمہارا ساتھی کیسے فرار ہو گیا“؟۔

کمانڈر نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

”وہ پرندہ بن کر اڑ گیا تھا“۔

کیا کہا؟۔

پرندہ بن کر اڑ گیا تھا؟۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان پرندہ بن کر اڑ جائے؟۔

عنبر نے کہا۔

”اگر ایک انسان پر چودہ گولیاں اپنا اثر نہیں کر سکتیں تو پھر دوسرا انسان پرندہ بن کر بھی اڑ سکتا ہے“۔

روسی کمانڈر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اس نے کہا۔

”اچھا! میں تمہارا ہیلی کاپٹر تمہیں واپس کر دوں گا۔ تم چلے جانا“۔

عنبر بڑا خوش ہوا۔ روسی کمانڈر کمرے سے نکل کر کیمپ کے وائرلیس روم میں آ گیا۔

یہاں اس نے وائرلیس پر اپنے سائنسدان کو بلایا۔

جو وہاں سے ایک ہزار میل دور سائبیریا کے علاقے میں ایک لیبارٹری میں سائنسی تجربے کر رہا تھا۔

اس کا نام ڈاکٹر کماسکی تھا۔ کمانڈر نے اسے وائرلیس پر کہا۔

میرے پاس ایک حیرت انگیز انسان اس وقت قید ہے۔

میں چاہتا ہوں تم اس پر تجربہ کرو۔ اس پر نہ تو گولی اثر کرتی ہے اور نہ بم اثر کرتا ہے۔

دوسری طرف سے ڈاکٹر نے حیرانی سے کہا۔

”اسے فوراً میرے پاس بھجوا دو۔ اگر ہم اس کا راز معلوم

کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یقین کرو، ہمارا ایک بھی سپاہی جنگ میں نہیں مارا جائے گا اور ہم دشمن کے سارے ملک پر قبضہ کر لیں گے“۔

”سوال یہ ہے کہ میں اسے کس طرح قید کروں۔ وہ بھاگ جائے گا“۔

ڈاکٹر نے دوسری طرف سے کہا۔

”اسے گیس سنگھا کر بے ہوش کر دو“۔

موت کی بے ہوشی

کمانڈر وائرلیس روم سے نکل کر سیدھا لیبارٹری میں گیا۔

وہاں سے اس نے ایک تیز گیس کی شیشی نکالی۔ اس کے چند قطرے رومال میں ڈالے۔

رومال جیب میں رکھا اور عنبر کے کمرے میں آ گیا۔ عنبر بڑا خوش تھا کہ اب وہ ہیلی پر یہاں سے نکل جائے گا۔ اور راستے میں ناگ کو لے کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔

اتنے میں کمانڈر اس کے سامنے آ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"چلو مسٹر عنبر! تمہارا ہیلی کاپٹر تیار ہے"۔

"شکریہ"۔

عنبر دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ کمانڈر نے دوائی میں بھیگا ہوا رومال اس کی ناک سے لگا دیا گیس اتنی تیز تھی کہ اس کے ایک ہی سانس سے عنبر بے ہوش کر گر پڑا۔

کمانڈر نے اسی وقت عنبر کو اٹھوا کر ہیلی کاپٹر میں رکھوا دیا۔

خود ساتھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر سائبیریا کی جانب پرواز کر رہا تھا۔

ادھر ناگ پرندہ بنا آسمانوں پر اڑتے اڑتے تھک آ گیا۔ کہیں بھی عنبر کا ہیلی کاپٹر نظر نہیں آ رہا تھا۔

یا خدا! عنبر کہاں چلا گیا؟۔

ظاہر ہے وہ لوگ اسے ہلاک تو کر نہیں سکتے تھے۔ پھر وہ کہاں گم ہو گیا؟۔

تنگ آ کر ناگ نے واپس روسی کیمپ کا رخ کر لیا۔ کیمپ پر خاموشی چھائی تھی۔ ناگ اڑتا اڑتا نیچے آیا۔

اس نے سارے کمروں کا جائزہ لیا۔ عنبر کہیں بھی نہیں تھا۔ عنبر کا پتہ لگانا بھی بہت ضروری تھا۔

ناگ زمین پر اتر آیا۔

ایک طرف ہٹ کر اس نے ایک روسی کیپٹن کی شکل اختیار کی اور بڑے آرام سے ٹہلتا ہوا کیمپ میں آ گیا۔

سپاہیوں نے اسے دیکھ کر سیلوٹ کیا۔

کیپٹن نے کہا۔

"میں ساتھ والے کیمپ سے آیا ہوں۔ میری برف گاڑی یہاں سے دور کھڑی ہے۔"

"کمانڈر صاحب کہاں ہیں؟"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"سر! وہ ابھی ابھی سائبیریا گئے ہیں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"اکیلے ہی گئے ہیں کیا؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"جی نہیں ان کے ساتھ ایک قیدی تھا"۔

ناگ کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ وہاں سے

چلا گیا۔

کافی فاصلے پر جا کر اس نے دوبارہ پرندے کی شکل اختیار کی اور سائبیریا کے علاقے کی طرف پرواز شروع کر دی۔

وہ ہیلی کاپٹر سے زیادہ تیز نہیں اڑ سکتا تھا۔ چنانچہ کافی پیچھے رہ کر ناگ اڑتا چلا گیا۔

ادھر ہیلی کاپٹر چھ گھنٹے کی اڑان کے بعد سائبریا کے اڈے پر جا کر اتر گیا۔

وہاں برف گر رہی تھی۔ اور بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔ اس وقت عنبر کو ایمبولینس میں ڈال کر لیبارٹری کے تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔

ڈاکٹر نے کمانڈر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ویسے تو اس نوجوان میں اور دوسرے انسان میں کوئی فرق نہیں لگتا۔ تم کہتے ہو کہ اس پر رائفل کی چودہ گولیوں میں سے ایک گولی نے بھی اثر نہیں کیا"۔

کمانڈر نے کہا۔

"میں چشم دید گواہ ہوں۔ یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ اگر کوئی دوسرا مجھے کہتا تو شاید میں اسے ہرگز تسلیم نہ کرتا"۔

ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو یہ اس صدی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ اس راز پر سے پردہ اٹھایا جائے اور یہ طاقت ہمارے سپاہیوں میں بھی آ جائے۔

پھر ہمارے سپاہی برستی گولیوں اور بموں کے دھماکوں میں

بھی آگے ہی آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ اور ان پر نہ گولی کا اثر ہوگا اور نہ بم کا اثر ہوگا۔

کمانڈر نے خوش ہو کر کہا۔

''یہ ایک بہت بڑا انقلاب ہوگا اور مجھے ضرور میجر جنرل بنا دیا جائے گا''۔

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

''اب تم جا کر آرام کرو۔ میں اس پر تجربہ شروع کرنے والا ہوں''۔

کمانڈر چلا گیا۔

ڈاکٹر نے پہلے تو غور سے عنبر کی آنکھوں کو دیکھا۔ پھر کان دیکھے۔

دانت دیکھے۔ سب کچھ نارمل تھا۔ اس شخص میں اور ایک عالم انسان میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے عنبر کا ایکس رے لیا۔

ایکس رے فلم کو وہ روشنی میں رکھ کر بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ عنبر کے سینے پر اور ہڈیوں پر بھی کسی گولی کا معمولی سا اثر بھی نہیں تھا۔ ڈاکٹر سوچنے لگا۔ کہیں کمانڈر نے اسے بے وقوف تو نہیں بنایا۔

اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

اس نے سوئی لے کر عنبر کا خون ٹیسٹ کرنے کے لیے اس کی کلائی میں سے خون نکالنے کی کوشش کی۔ سرنج کی سوئی عنبر کے جسم میں داخل نہیں ہو رہی تھی۔

وہ تو جیسے کسی پتھر سے ٹکرا رہی تھی ڈاکٹر نے ذرا زور سے سوئی دبائی تو وہ ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر چکر کھا گیا۔ اس نے دوسری بار کوشش کی۔

وہ ناکام رہا۔ اب اس نے بڑا تیز نشتر اٹھا لیا۔ اور اسے پوری طاقت سے عنبر کے بازو میں گھسیڑنے کی کوشش کی۔

نشتر کھٹاک سے ٹوٹ گیا۔

''خدایا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟''۔

ڈاکٹر پریشان ہو گیا۔ اس کو سخت سردی میں بھی پسینہ آ گیا۔ اس نے ایک کتاب نکال کر پڑھنی شروع کر دی۔ اس میں نئے فارمولے لکھے تھے۔ اتنے میں عنبر کو ہوش آ گیا۔

اس نے جو اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تو حیران ہو کر بولا۔

''میں کہاں ہوں؟''۔

ڈاکٹر نے کہا۔

''تم ایک سائنس کی لیبارٹری میں ہو۔ ہم تم پر تجربہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تم پر گولی چاقو خنجر اور آگ اثر کیوں نہیں کرتی؟''۔

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔

''تم لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ کھول دو مجھے اور آزاد کر دو۔ یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا''۔

سائنس دان ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

جب تک ہم اپنے تجربے میں کامیاب نہیں ہو جاتے، ہم

تمہیں یہاں سے ہرگز نہ جانے دیں گے۔ تمہارے کیمپ کا کمانڈر بھی یہاں پر موجود ہے۔

ٹھیک ہے تم پر گولی اثر نہیں کر سکتی۔ لیکن تم ان زنجیروں کو نہیں توڑ سکتے۔

عنبر نے کہا۔

"میں ایسا بھی کر سکتا ہوں"۔

اور اتنا کہہ کر اس نے ایک زور سے جھٹکا دیا۔ ساری زنجیریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ سائنس دان ڈاکٹر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے خطرے کا سائرن بجا دیا۔

ایکدم سے علاقے کے سارے سپاہی مشین گنیں لیے وہاں آ گئے۔ کمانڈر بھی بھاگ بھاگا آ گیا اور ہانپتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیا ہو گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

یہ تم لوگ نہ سمجھ سکو گے۔ مگر تم نے میرے ساتھ دھوکا کر کے اچھا نہیں کیا۔ اب میں اپنے بھائی کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔

میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ وہ پرندہ بن کر میدان میں کسی جگہ میرا ارادہ دیکھ رہا ہو گا۔

کمانڈر نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے نوجوان! میں تم سے شرمندہ ہوں۔ اب تم آزاد ہو۔ اور جہاں جی چاہے جا سکتے ہو"۔

سائنس دان ڈاکٹر نے کمانڈر کی طرف دیکھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟۔

کمانڈر نے اسے آنکھ ماری۔ عنبر کمرے سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ سائنسدان ڈاکٹر کے اشارے پر اس کے ایک اسسٹنٹ نے گیس کی پچکاری سے عنبر پر حملہ کر دیا۔

پچکاری میں سے گیس کا بادل نکلا۔ عنبر کھانسا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

یہ گیس بے حد تیز تھی۔ اس کے اثر سے کمانڈر بھی بے ہوش ہو گیا۔

جلدی سے کمانڈر کو وہاں سے لے جا کر دوسری چیزیں سنگھائی گئیں، ٹیکہ لگایا گیا۔ اسے ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"اس بار میں عنبر کو ایسی جگہ پہنچا کر اس پر تجربے کروں گا کہ وہاں سے وہ ساری زندگی باہر نہیں نکل سکے گا"۔

"ہم ضرور کامیاب ہوں گے"۔

"ہم ضرور کامیاب ہوں گے"۔

کمانڈر اتنا کہہ کر پھر گیس کے اثر سے بے ہوش ہو گیا۔

ناگ بھی اڑتا اڑتا آخر اس علاقے میں پہنچ گیا۔ اس نے اوپر سے دیکھا کہ نیچے بیرکس بنی ہیں جن کی چھتوں پر برف جمی ہے۔

ناگ نیچے اتر آیا اور ایک ٹیلی فون کے کھمبے پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں سخت ترین سردی تھی۔

اتنی سردی قطب شمالی کے اگلے علاقوں میں بھی نہیں تھی۔

ناگ ٹھٹھرنے سا لگا۔ پھر اس نے ایک بوڑھے کو ایک بیرک سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ نیچے اتر آیا اور بیرک کے اندر داخل

ہو گیا۔

اندر چند ایک سپاہی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ انہوں نے جو ایک خوش رنگ پرندے کو دیکھا تو حیرانی سے ایک بولا۔

”ارے یہ چڑیا اس موسم میں کہاں سے آ گئی؟“۔

آج کل تو یہاں چیونٹی بھی نہیں ہوتی۔

دوسرے نے بندوق تان لی۔

”میں اسے مار کر کھا جاؤں گا۔ کہتے ہیں زرد چڑیاں بڑی گرم ہوتی ہیں“۔

ناگ نے جو دیکھا کہ وہاں اس کے کھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ پھرر کر کے باہر کو اڑ گیا۔ عنبر وہاں نہیں تھا اور یہی اسے معلوم کرنا تھا۔

اب اس نے اس علاقے کے اوپر چکر لگانے شروع کر دیے۔ مگر اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اب یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا کہ وہ کسی طرح انسانی شکل میں آ کر عنبر کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

اتنا اسے یقین تھا کہ یہی وہ علاقہ ہے جہاں عنبر کو سائنسی تجربے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس نے ایک جگہ ”تجربہ گاہ“ لکھا ہوا پڑھ لیا تھا۔

ناگ نے اس تجربہ گاہ میں بھی داخل ہو کر دیکھ لیا۔ وہاں بھی عنبر نہیں تھا۔ ایک طرف چند ایک درخت تھے جن کی شاخیں برف میں چھپی ہوئی تھیں۔

ناگ نے یہاں آ کر کچھ دیر آرام کیا اور سوچنے لگا کہ کس

شکل میں ظاہر ہو؟۔

اگر وہ انسان بن کر نمودار ہوا تو یہ لوگ اسے گرفتار کرلیں گے کہ یہ اجنبی جاسوس کہاں سے آ گیا؟۔

پھر کیا کیا جائے؟۔

آخر ایک ہی ترکیب اس کے دماغ میں آئی۔ اس نے ایک عورت کا روپ بدل لیا۔ اب وہ ایک موٹی بھدی عورت بن چکا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ایک جھاڑو تھی اور وہ کمروں کی صفائی کر رہی تھی۔

ایک سپاہی نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا۔

''تم کہاں سے آ گئی ہو؟ پہلے تو یہاں تمہیں نہیں دیکھا''۔

ناگ نے کہا۔

''جناب! میری بیٹی یہاں کام کرتی ہے۔ آج وہ بیمار ہے اس کی جگہ میں آ گئی ہوں''۔

سپاہی آگے چلا گیا۔ ناگ اب سائنس دان کے کمرے میں آ گیا اور فرش پر جھاڑو چلانے لگا۔ اتنے میں روسی کمانڈر اور ڈاکٹر باتیں کرتے اندر آ گئے۔ انہوں نے ناگ کو اہمیت نہ دی کیوں کہ وہ عورت کی شکل میں کام کر رہا تھا۔

انہوں نے یہی سمجھا کہ نوکرانی صفائی کر رہی ہے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

کمانڈر کہہ رہا تھا۔

''اس بار وہ بچ کر نہ جانے پائے''۔

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

''اس بار وہ بچ کر نہ جانے پائے''۔

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

اس دفعہ اسے ایسی زنجیروں سے باندھ گیا ہے جو بے حد مضبوط ہیں۔

اور پھر اس کے سٹریچر کے نیچے ایک بٹن لگا ہے۔ اگر اس نے زنجیریں توڑ کر بھاگنے کی کوشش بھی کی تو اس کے سٹریچر سے اترتے ہی نیچے والا بٹن اپنے آپ آن ہو جائے گا اور کمرے میں گیس پھیل جائے گی جس سے وہ پھر بے ہوش ہو جائے گا''۔

''بہت خوب! لیکن تجربہ جلدی ہو جانا چاہیے''۔

''میں آج رات تجربہ شروع کر دوں گا''۔

اب ڈاکٹر کی نظر ناگ پر پڑی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس

عورت کو پہلے نہیں دیکھا گیا۔

ڈاکٹر نے ناگ کو بلا کر کہا۔

''اے عورت! تو کون ہے؟''۔

ناگ نے خالص دیہاتی روسی زبان میں کہا۔

''جناب! میری بیٹی آج بیمار تھی۔ اس کی جگہ میں کام کرنے آ گئی ہوں''۔

ڈاکٹر نے تعجب سے کہا۔

''لیکن یہاں تمہاری بیٹی تو کام نہیں کرتی تھی۔ یہاں تو ایک بوڑھا نوکر کام کرتا تھا''۔

اب ناگ گھبرا گیا اور آئیں بائیں کرنے لگا۔

کمانڈر نے پستول نکال لیا۔

"سچ سچ بتاؤ کون ہو تم؟"۔

ناگ نے جب دیکھا کہ جان بچانی مشکل ہو رہی ہے۔ تو ایک دم سے گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں بھوت ہوں"۔

اور اتنا کہہ کر پرندہ بن کر پھرر سے باہر کو اڑ گیا۔ کمانڈر چیخا۔

"یہ عنبر کا ساتھی ہے۔ کم بخت یہاں آ گیا۔ اسے پکڑو۔ یہ بڑی خطرناک بات ہو گئی ہے"۔

سب لوگ چڑیا کو تلاش کرنے لگے۔

ہوا میں گولیاں چلائی گئیں۔ مگر ناگ بھلا ان کے ہاتھ کہاں آتا تھا۔

سائنس دان اپنی جگہ پر حیران کھڑا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا

تھا کہ ایک زندہ انسان اس کی آنکھوں کے سامنے پرندہ بن کر بھی اڑ سکتا ہے۔

"یہ جادو ہے! سائنس کا مذاق ہے"۔

ناگ نے جو کچھ معلوم کرنا تھا، وہ اس نے معلوم کر لیا تھا۔ عنبر کو ان لوگوں نے اسی علاقے میں کس جگہ پر زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔

اب اس جگہ کی کھوج باقی رہ گئی تھی۔ ناگ نے پرندہ بن کر سارے علاقے کو چھان ڈالا۔

وہاں جتنے مکان تھے۔ سب کے روشندانوں میں سے جھانک جھانک کر اندر دیکھا۔ کسی جگہ کوئی ایسی لیبارٹری نہیں تھی۔

عنبر کو کسی زیر زمین تہہ خانے والی لیبارٹری میں قید کیا گیا تھا۔ ناگ تہہ خانوں کی تلاشی پرندہ بن کر نہیں لے سکتا تھا۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ انسان کی شکل اختیار کرے اور انسان کی شکل میں آتے ہی اس کے پکڑے جانے کا ڈر تھا۔ کیوں کہ وہاں پر اس قدر تھوڑے انسان رہتے تھے کہ نیا آدمی یا عورت ایکدم سے پہچان لی جاتی تھی۔

رات کا اندھیرا ہونے لگا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح سے ڈاکٹر یا کمانڈر کے ساتھ رہا جائے۔ ان کی باتیں سنی جائیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ لیبارٹری کہاں ہے جہاں عنبر بند ہے۔

ناگ نے ساری رات پرندہ بن کر ایک درخت کی برف پوش شاخوں میں چھپ کر گزار دی۔

دوسرے دن وہ درخت پر سے اترا۔ اس نے ایک سفید چھوٹے سے سانپ کی شکل اختیار کی اور برف پر رینگتا ہوا ڈاکٹر کی لیبارٹری میں گھس کر ایک طرف چھپ گیا۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آیا تھا۔

اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ آج ڈاکٹر کو نہیں آنا تھا۔ دوپہر تک ناگ نے انتظار کیا۔ وہاں نہ کمانڈر آیا اور نہ ہی ڈاکٹر آیا۔ کافی دیر گزر گئی تھی۔

ناگ تنگ آ گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب وہاں ڈاکٹر نہیں آئے گا۔ اس نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ وہ الماری کے عقب سے نکل کر باہر لیبارٹری میں آیا ہی تھا کہ ایک عورت کی اس پر نظر پڑ گئی۔

اس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔ کچھ آدمی لاٹھیاں لے اس طرف دوڑے۔ ایک آدمی نے گرم پانی کا تسلہ ہاتھ میں لے لیا۔

ناگ لاٹھی پستول سے نہیں گھبراتا تھا مگر گرم ابلتے پانی کا برتن دیکھ کر ایک بار تو وہ بھی کانپ گیا۔

کیوں کہ کھولتا ہوا پانی اسے تباہ کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ زندگی میں ایک مرتبہ ہلاک ہو چکا تھا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ایک آدمی نے اس کے ٹکڑے کر کے پھینک دیے تھے۔ اور پھر عنبر ان ٹکڑوں کو ڈبے میں بند کر کے جھیل مانسرور لے گیا تھا اور وہاں کے ناگ دیوتا کے مقدس پانی کے چھینٹوں سے ناگ کو دوبارہ زندگی ملی تھی۔

ناگ نے وہاں سے بھاگنے میں ہی بھلائی سمجھی۔

وہ کھڑکی کی طرف بھاگا۔ کیوں کہ دروازے میں ایک آدمی گرم پانی کا برتن لیے کھڑا تھا۔

وہ اس تاک میں تھا کہ سانپ ادھر آئے اور وہ اس پر کھولتا ہوا پانی ڈال ہلاک کر ڈالے۔

ناگ کھڑکی کی طرف لپک کر گیا اور باہر برف پر چھلانگ لگا دی۔ کچھ سپاہی اس کی طرف بھاگے مگر وہ ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا تھا۔

ناگ کی جان عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ وہ جدھر جاتا تھا لوگ اس کی جان کو آ جاتے تھے۔ ایک بار تو جھنجھلا کر اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایک کر کے ان سب کو ہلاک کر ڈالے اور پھر

آرام سے انسان کی شکل میں آ کر عنبر کو تلاش کرے۔

پھر یہ خیال آیا کہ بے گناہ کسی انسان کو کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

ناگ رینگتا ہوا برف پر کافی دور نکل گیا۔ سامنے ایک کھمبا لگا ہوا تھا۔ اس کے اوپر لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ بنا تھا۔

ناگ جا کر اس میں آرام سے لیٹ گیا اور آئندہ کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔

اب ذرا عنبر کی طرف چلتے ہیں۔

اسے اس بار ڈاکٹر نے ایک ایسے سٹریچر پر ڈال کر باندھ رکھا تھا جس کے نیچے ایک خودکار بٹن لگا تھا۔ عنبر کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑا پایا۔

اس نے زور لگا کر زنجیروں کو توڑ دیا اور اٹھ کر باہر جانے ہی والا تھا کہ اس کے اٹھنے سے سٹریچر کے نیچے والا بٹن اپنے آپ دب گیا اور کمرے میں بڑی تیز گیس پھیل گئی۔

اس گیس کی وجہ سے عنبر ایک بار پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ڈاکٹر اور کمانڈر نے دوسری بار پھر اسے اسی سٹریچر پر زنجیروں سے کس کر باندھ دیا اور اسے ٹیکے لگا کر دوائیاں سنگھا کر ہوش میں لانے لگے۔

عنبر کو جب ہوش آیا تو سب سے پہلے کام ڈاکٹر نے یہ کیا کہ اسے بتا دیا کہ وہ ایک سٹریچر پر لیٹا ہے کہ جونہی اس نے زنجیریں توڑ کر بھاگنے کی کوشش کی کمرہ اپنے آپ گیس سے بھر جائے گا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔

عنبر نے دیکھا کہ ڈاکٹر اور کمانڈر نے چہروں پر ماسک چڑھا

رکھے تھے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اگر یہ سوچ کر بھاگنے کی کوشش کرے کہ اس کے ساتھ یہ لوگ بھی بے ہوش جائیں گے تو ایسا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

عنبر لاچار ہو گیا۔ اس نے آہ بھر کر دل میں کہا کہ ان لوگوں نے بڑی مکاری سے اسے بے بس کر دیا ہے۔

"خیر! کوئی بات نہیں! میں بھی انہیں ایسا تگنی کا ناچ نچاؤں گا کہ ساری عمر یاد رکھیں گے"۔

دل میں یہ سوچ کر عنبر چپکا ہو رہا۔ اب اسے ناگ کا خیال آ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ناگ ضرور اس کی تلاش میں نکلا ہو گا اور وہ اس کی مدد کو آئے گا۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر اپنے ساتھ دو اسسٹنٹ لے کر اندر آ گیا۔

ایک نیا تجربہ شروع ہونے والا تھا۔ عنبر کے چہرے پر طرح طرح کے آلات سے روشنی اور شعاعیں ڈالی گئیں۔

پھر کمرے کی بتی گل کر کے اندھیرے میں اس کی آنکھوں کی پتلیوں کو غور سے دیکھا گیا۔

عنبر پریشان ہو کر بولا۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو اس طرح تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں کئی ہزار سال سے زندہ ہوں۔ میں نے ہزاروں بادشاہوں کا دور دیکھا ہے۔ مجھے موت نہیں ہے۔ تم مجھ پر کیا تجربے کر رہے ہو۔ تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا"۔

ڈاکٹر پتھر کا بت بن کر عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا کہا؟ تم ہزاروں سالوں سے زندہ ہو؟''۔

''ہاں''۔

عنبر بولا۔

''میں نے قدیم بابل۔۔۔ مصر و یونان اور روم کی تہذیبوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہے۔''

کلوپیٹرا کا جلوس میرے سامنے مصر میں داخل ہوا تھا۔ میں سکندر کی فوجوں کے ساتھ پنجاب آیا تھا۔ میں تاریخ کے ہر دور کا گواہ ہوں۔

تمہیں تجربے کر کے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ کیوں کہ میرے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ ہاں میری روح تم

لوگوں سے مختلف ہے اور تم لوگ روح کو نہیں دیکھ سکتے۔

اس لیے مجھے جانے دو۔ اور تم لوگ آرام سے اپنا کام کرو۔

جس شے کے پیچھے تم لگے ہوتے ہو، وہ تمہیں کبھی نہیں مل سکے گی۔

تمہارے سپاہی میری طرح سے غیر قانونی نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہو گیا تو تم دنیا والوں کے لیے ایک مصیبت بن جاؤ گے۔

تم دنیا کے ہر ملک پر حملہ کر کے اس کی تہذیب اور وہاں کے انسانوں کو تباہ و برباد کر دو گے۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ کبھی نہیں ہو گا۔

ڈاکٹر اور اس کے ساتھی عنبر کی باتوں کو بت بن کر سن رہے تھے۔

جو کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیا ایک انسان پانچ ہزار برس تک زندہ رہ سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

عقل اسے تسلیم نہیں کرتی تھی۔ سائنس اسے تسلیم نہیں کرتی تھی۔ مگر اس کا زندہ ثبوت ان کے سامنے عنبر موجود تھا۔

کہیں یہ شخص جھوٹ نہ بول رہا ہو۔ تو پھر اس پر گولی چاقو اثر کیوں نہیں کرتا؟ کیا اسے جلا کر دیکھا جائے؟۔

شاید وہ جل جائے۔

ڈاکٹر نے سپرٹ لیمپ جلا کر عنبر کے کان کے نیچے رکھ دیا۔

شعلے کی لو کان کے نیچے جل رہی تھی چاہیے تو یہ تھا کہ عنبر کا کان جل کر سیاہ ہو جاتا اور عنبر چیخ مار کر اچھل پڑتا لیکن وہاں ایسا نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر کو محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے کان کے نیچے سپرٹ لیمپ جل رہا ہے۔

یہاں تک کہ سپرٹ لیمپ کی ساری سپرٹ ختم ہو گئی۔ لیمپ اپنے آپ بجھ گیا۔

ڈاکٹر نے عنبر کو بڑے غور سے دیکھا۔ وہ ذرا سا کالا پڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے کپڑے سے صاف کیا۔ تو وہ بالکل صاف ہو گیا کان کی جلد ذرا سی گرم بھی نہیں ہوئی تھی۔

ویسے ہی ٹھنڈی تھی۔ ڈاکٹر چکرا گیا۔ اس کے ایک اسسٹنٹ نے سگریٹ سلگا کر عنبر کے ہونٹوں پر لگا دیا۔

عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ سگریٹ بجھ گیا۔ جیسے کسی دیوار کی اینٹ کے ساتھ سگریٹ لگانے سے اینٹ تو نہیں جلتی مگر سگریٹ بجھ جاتا

ہے۔

ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔

"یہ شخص اس صدی کا سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ میں اسے دنیا کی سب سے بڑی نمائش میں پیش کر کے نوبل پرائز حاصل کروں گا"۔

عنبر نے کہا۔

تم ایسا کرنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے ڈاکٹر! یاد رکھو اگر تم نے مجھے رہا نہ کیا تو تمہاری موت بہت قریب آ جائے گی۔

مجھ پر آج تک اگر کسی شے نے اثر کیا ہے تو وہ تمہاری آج کے زمانے کی تیز بدبو دار گیس ہے۔ مجھ پر دھوئیں کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔

مگر تمہاری گیس کے ہاتھوں بے بس ہو گیا ہوں۔ بہر حال میرا ساتھی ناگ ضرور یہاں پہنچ گیا ہو گا۔

وہ بہت جلد یہاں آ کر تم سب کو ہلاک کر کے مجھے چھڑا کر لے جائے گا۔

ڈاکٹر کی سمجھ میں عنبر کی ساری باتیں آنے لگی تھیں۔ اس نے عنبر کے ساتھی ناگ کو پرندہ بن کر بھی اڑتے دیکھ لیا تھا۔

اس نے عنبر کو بتایا نہیں تھا کہ ناگ واقعی وہاں پہنچ چکا ہے۔

ڈاکٹر نے عنبر سے کہا۔

میرے بچے! میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ تو کمانڈر کو جنرل بننے کا لالچ ہے۔

یہ اسی کی ساری کارستانی تھی۔ بہر حال مجھے تم معاف کر دو۔

میں جانتا ہوں تم زیادہ دیر اس سٹریچر پر نہیں پڑے رہو گے۔

کل یا پرسوں تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔ کیونکہ ہم تمہیں مار نہیں سکتے۔ بہرحال اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دو تو میں تمہارے بے حد شکر گزار رہوں گا۔

عنبر نے کہا۔

''ایسا ہونا ممکن نہیں، کیوں کہ تم بوڑھے آدمی ہو۔ ہماری زندگی کی مصیبتوں کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور جلدی مر جاؤ گے۔

بہتر یہی ہے کہ تم اپنے راستے پر چلے جاؤ اور ہمیں ہمارے راستے پر چلنے دو۔

ڈاکٹر نے کہا۔

''مجھے تم سے تاریخ کی سچی کہانیاں سننے کا شوق ہے تم تاریخ

کے سارے دور کے گواہ ہو۔ میں چاہتا ہوں تم سے تاریخ کے بڑے بڑے واقعات سنوں۔''

لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں زندہ جاوید کس نے بنایا۔

عنبر ہنسا۔

''یہ ایک راز ہے جو میں کسی کو نہیں بتا سکتا۔ کیا اب تم میرے سٹریچر کے نیچے سے بٹن نہیں اون کرو گے؟۔''

ڈاکٹر نے کہا۔

''ضرور ضرور! لیکن میں کمانڈر کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا''۔

اتنے میں کمانڈر بھی آ گیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ عنبر وہاں سے فرار ہونے کی سوچ رہا ہے اور ڈاکٹر اس کی مدد کرنا چاہتا

ہے۔

تو اس نے اسی وقت ڈاکٹر کو گرفتار کر لیا اور جیل میں ڈال دیا۔

ہیڈ کوارٹر سے دوسرا سائنس دان آ گیا۔ جس نے عنبر پر نئے سرے سے تجربے شروع کر دیئے۔

عنبر کو سٹریچر سے بالکل نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ ناگ ایک روز اپنے کھمبے کی لکڑی کے ڈبے میں بیٹھا تھا کہ اس نے آواز سنی۔

تاروں میں سے فون کی آواز باہر آ رہی تھی۔

”ہیلو! اسے آج برف کے نیچے گہرے سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ ٹھیک ہے، اگر وہ نہیں مر سکتا تو قیامت تک برف کے سمندر کے نیچے دفن رہے گا۔ اسے گیس کے سلنڈر کے ساتھ بے ہوش کر کے باندھ دیا جائے گا“۔

ناگ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ضرور یہ عنبر کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ اس نے سنا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! اسے کس وقت لے جایا جائے گا“۔

”آج آدھی رات کو۔۔۔ ہاں ہاں! سرخ تجربہ گاہ والی عمارت ہے“۔

آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ سرخ تجربہ گاہ والی عمارت تلاش کرنی چاہیے۔

ناگ کھمبے سے نیچے اتر آیا۔ اس نے گھوم پھر کر سرخ عمارت کی تلاش شروع کر دی۔ وہاں کوئی بھی عمارت سرخ نہیں تھی۔

ناگ نے سوچا کہ زمین پر رینگ کر وہ عمارت کو نہیں ڈھونڈھ

سکتا۔

اڑ کر جائزہ لینا چاہیے، چنانچہ وہ پرندہ بن کر اڑا اور اوپر ہوا میں جا کر اس نے چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

کافی دور اسے ایک جگہ سرخ دھبا سا دکھائی دیا۔ وہ اڑ کر وہاں گیا۔ یہ ایک تکونی چھت والی سرخ عمارت تھی۔

ایک ہی کمرہ تھا جس کی تکونی چھت پر برف جمی تھی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی وہ عمارت ہے جس کے اندر عنبر قید ہے اور جہاں سے اسے موت کے سمندر میں پھینکنے کے لیے لے جایا جائے گا۔

ناگ زمین پر آ گیا۔ وہ سانپ بن کر برف پر رینگتا ہوا لال عمارت کے دروازے پر آ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

وہاں کوئی سوراخ بھی نہیں تھا کہ جس میں سے گزر کر ناگ

اندر جا سکتا۔ وہ عمارت کے عقب میں آ گیا۔

یہاں ایک روشندان تھا۔ کھڑکی کوئی نہیں تھی۔ ناگ دیوار پر رینگتا ہوا اوپر روشندان پر چڑھ گیا۔ وہاں ایک جگہ سے شیشہ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا تھا۔

ناگ نے اندر جھانک کر دیکھا کہ عنبر ایک سٹریچر پر بے ہوش زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا تھا۔

سائنسدان اس کے سرہانے کھڑا ایک آری سے عنبر کا دماغ کاٹنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

ناگ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ عنبر کا سر نہ کاٹ سکیں گے لیکن اس نے جب سائنس کی بات سنی تو چونک پڑا۔

وہ اپنے ساتھی ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اس پر تیز گیس چھوڑنی چاہیے۔ گیس کی وجہ سے یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے ہوش ہو کر رہ جائے گا۔ پھر ہم اندازہ لگا سکیں گے کہ اس شخص کی زندگی میں راز کیا ہے"۔

انسانی قربانی

سانپ روشندان سے اندر آ گیا۔

اب وہ عنبر کو ان ظالم لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

کیوں کہ یہ لوگ اسے ساری زندگی کے لیے بے ہوش رکھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کہ ایک سفید سانپ روشندان سے نکل کر دیوار پر رینگتا ہوا نیچے فرش پر آ گیا ہے۔

سانپ دواؤں کی الماری کے عقب میں سے نکل کر

سائنسدان کے قریب میز پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس وقت سائنس دان عنبر کو ایک ایسی گیس سنگھانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جس کے سونگھ لینے سے عنبر شاید پھر زندگی بھر ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ ایک طرح سے یہ اس کی موت تھی۔

ناگ میز پر سے کھسکا ہی تھا کہ اس کے جسم سے ٹکرا کر ایک شیشی فرش پر گر پڑی۔

ایک ڈاکٹر نے چونک کر دیکھا اور چلایا۔

"سانپ! سانپ!"۔

سائنس دان عنبر کی ناک کے آگے گیس کا سلنڈر کرنے ہی والا تھا کہ سانپ اپنی جگہ سے اچھلا اور سائنس دان کی گردن کے گرد لپٹ کر اس کے حلق میں ڈس دیا۔

سائنس دان نے زندگی میں بڑے بڑے زہر تیار کر کے لوگوں کو دیے تھے، لیکن ایسا زہر اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا جیسا کہ سانپ نے اس کے بدن میں داخل کیا تھا۔

سانپ کے زہر نے اس کے بدن میں جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اس کے سارے جسم میں سے ہلنے جلنے کی طاقت چھین کر اسے پتھر کر دیا۔

پھر اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اتنے میں سانپ دوسرے ڈاکٹر کو بھی ڈس چکا تھا۔ اور اس کا جسم بھی سن ہو گیا تھا۔

ادھر سائنس دان اپنے گلے کو پکڑ کر گرا ادھر دوسرا ڈاکٹر بھی زمین اور بے ہوش ہو گیا۔

سانپ اس کے ساتھ ہی انسان کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ سٹریچر کے نیچے اس بٹن کو اکھاڑ کر گیس کا سلنڈر الگ کر دیا جس میں سے گیس نکل کر عنبر کو بے ہوش کر رہی تھی۔

پھر اس نے عنبر کو ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ عنبر کو ہوش نہیں آ رہی تھی۔

وہ بالکل بے حس ہو کر پڑا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ عنبر کو ہر حالت میں یہاں سے نکال کر لے جانا چاہیے کیوں کہ ہو سکتا ہے کوئی دوسرا سائنس دان یہاں آ کر اسے بے ہوش کر دے۔

اس نے ایک جگہ سے پانی کا جگ اٹھا کر سر پر ڈال دیا۔ مگر پانی کا بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور کمانڈر اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ

ایک ڈاکٹر بھی تھا۔

وہ ناگ کو دیکھ کر چونکے۔ پھر جو انہوں نے اپنے سائنس دان اور اس کے ساتھی ڈاکٹر کی لاشیں دیکھیں تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”تم کون ہو؟“

تم نے میرے آدمیوں کا خون کیا ہے۔

کمانڈر نے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ ناگ دوسری طرف ہٹ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے اڑنے والے سانپ کی شکل اختیار کر لی۔

”یہ۔۔۔ یہ سانپ ہے“۔

کمانڈر کے منہ سے نکلا۔ لیکن ناگ اتنے میں اس کے ماتھے

پر ڈس چکا تھا۔

اس کا ساتھی بھاگنے لگا تو سانپ نے اس کا راستہ روک لیا اور پھن اٹھا کر لہرانے لگا۔ ڈاکٹر کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

ناگ اس وقت انسان کی شکل میں آ گیا۔ اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ میں زبردست طاقت رکھتا ہوں۔ اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا جو ان لوگوں کا ہوا جن کی لاشیں تمہارے سامنے پڑی ہیں"۔

ڈاکٹر نے کانپتے ہونٹوں سے کہا۔

"میں ہر حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں"۔

ناگ بولا۔

"پھر جلدی سے میرے بھائی کو ہوش میں لے آؤ۔ اسے گیس سنگھائی گئی تھی"۔

ڈاکٹر نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر میز پر سے ایک دوائی اٹھا کر اسے روئی میں بھگویا اور عنبر کی ناک کے آگے رکھ دی۔

عنبر نے دو تین سانس لیے ہوں گے کہ اسے ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ناگ کو دیکھا۔

"ناگ بھیا! تم آ گئے؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش آیا"۔

عنبر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرے سٹریچر کے نیچے گیس کا بٹن ہے جو میرے اترتے ہی دب کر گیس خارج کر دے گا اور ہم سب بے ہوش ہو جائیں گے''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''فکر نہ کرو۔ اس بٹن کو میں نے توڑ دیا ہے۔ اب تمہارے اٹھنے سے گیس خارج ہو کر کسی کو بے ہوش نہیں کرے گی۔ تم بڑی آسانی سے اٹھ سکتے ہو''۔

عنبر سٹریچر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے سر کو پکڑ کر کہا۔

''ایسی گیس میں نے ساری زندگی نہیں سونگھی تھی۔ کم بخت ان لوگوں نے کیا کیا چیزیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ یہ تو اپنی موت کی طرف جا رہے ہیں''۔

ناگ نے کہا۔

''ان باتوں کو چھوڑو اور یہاں سے باہر چلو۔ ابھی ہمیں بہت کام کرنے ہیں''۔

عنبر نے اچانک فرش پر لاشیں دیکھیں تو بولا۔

''یہ لوگ کیسے مر گئے؟''۔

ناگ نے کہا۔

''اگر میں انہیں ہلاک نہ کرتا تو یہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے ہوش کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے''۔

''پھر تو ان لوگوں کو ضرور سزا ملنی چاہیے تھی''۔

ناگ نے ڈاکٹر سے کہا۔

''اب تم یہاں سے جا سکتے ہو''۔

ڈاکٹر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ناگ بولا۔

"یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے، ہمیں نکل جانا چاہیے۔ ان کی گیس کا غبار ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے، ہمیں بھاگتا دیکھ کر یہ کوئی ایسا بم پھینک دیں جس میں سے بے ہوش کرنے والی گیس پھیل جائے"۔

عنبر اور ناگ لیبارٹری سے باہر نکل آئے۔

باہر اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ آسمان کو بھورے بھورے بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ برفانی طوفان آنے والا ہے۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"ہمیں یہاں سے ہیلی کاپٹر لے کر فرار ہونا ہے، ادھر آؤ۔ ہیلی کاپٹر ادھر میدان میں کھڑا ہے"۔

ناگ عنبر کو لے کر ایک طرف بھاگا۔ وہاں ایک جگہ ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔

ناگ نے عنبر کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں اس میں سوار ہو گئے۔

ناگ نے انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

ادھر سب لوگوں کا پتہ چل گیا کہ کمانڈر اور سائنس دان کو ہلاک کر کے عنبر اپنے ساتھی کے ہمراہ بھاگ رہا ہے۔

فوج کے سپاہی رائفلیں لے کر بھاگے۔ اتنے میں ہیلی کاپٹر

سٹارٹ ہو گیا۔

اس کی آواز سن کر فوجی میدان کی طرف بھاگے۔ اس دوران میں ہیلی کاپٹر اوپر اڑ گیا تھا۔ سپاہیوں نے گولیوں کی بارش کر دی۔

مگر ہیلی کاپٹر بھورے بادلوں میں چھپ گیا۔ اور ایک بھی گولی اسے نہ لگی۔

ناگ نے جیب میں سے ایک بم نکال کر نیچے پھینک دیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"ارے یہ کیا ہے؟"۔

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ میں ایک آخری تحفہ ان لوگوں کو دینے کے لیے ان کی لیبارٹری ہی سے ساتھ لے آیا تھا"۔

"یہ کیا تھا؟"۔

"ذرا نیچے جھانک کر دیکھو"۔

ناگ ہیلی کاپٹر کو نیچے لے آیا۔

عنبر نے دیکھا کہ بم نیچے جا کر پھٹ گیا تھا اور اس میں سے گیس کا ایک بادل نکل کر زمین پر پھیل رہا تھا۔ اور اس کی تیز گیس نے سارے سپاہیوں کو بے ہوش کر کے زمین پر اوندھے منہ گرا دیا تھا۔

"اب یہ دو دن تک بے ہوش رہیں گے"۔

ہیلی کاپٹر ایک دم آسمان کی طرف اٹھا اور بائیں طرف مڑ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"یہ اچھا ہوا کہ ہمیں اس برف کے ظالم صحرا کو عبور کرنے کے لیے ایک سواری مل گئی"۔

ناگ نے کہا۔

"سواری بھی ایسی کہ ہوا میں اڑن کھٹولے کی طرح اڑتے چلے جا رہے ہیں"۔

"لیکن اس اڑن کھٹولے میں ایندھن کتنا ہے۔ یہ بھی تو دیکھ لو"۔

ناگ نے عنبر کی اس بات پر میٹر کو دیکھا جو ایندھن کی مقدار ظاہر کرتا ہے۔

وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"۔

ناگ نے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایندھن تو صرف دو تین گھنٹے کا ہے"۔

"پھر کیا کریں؟ یہ برف کا صحرا تو ابھی کافی لمبا ہے۔ شاید اسے عبور کرتے ہوئے ہمیں ایک دن لگ جائے"۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا"۔

ہیلی کاپٹر کو پرواز کرتے تیسرا گھنٹہ جا رہا تھا کہ انہیں خوش نصیبی سے دور ایک کیمپ دکھائی دیا۔

برف کی سفید چادر کی ہلکی ہلکی روشنی رات کے اندھیرے کو ہٹا رہی تھی۔ ناگ نے کیمپ سے کچھ فاصلے پر ہیلی کاپٹر اتار دیا۔

"میں آگے جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہ لوگ کون ہیں"۔

اتنا کہہ کر ناگ برف پر کھسکتا ہوا کیمپ کے پاس آ گیا۔

لکڑی کا ایک لمبا سا کمرہ تھا جس کی چھت پر برف کی تہہ جمی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

ناگ نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر تین چار فوجی گرم سمور کی ٹوپیاں سروں پر رکھے کمبل اوڑھے دیوار سے لگے سو رہے تھے۔

ایک سپاہی مشین گن پاس رکھے اونگھ رہا تھا۔

درمیان میں تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ ناگ کو پٹرول کے ڈبے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ واپس ہونے کے لیے پلٹا تو اس کے پاؤں دروازے کی ایک لکڑی سے ٹکرا گیا۔

ہلکا سا شور ہوا۔ سپاہی نے آواز لگائی۔

"کون ہے باہر؟"۔

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ شخص آرام سے سو جائے گا۔ بھلا اتنی سردی میں کون اٹھ کر باہر آتا ہے؟۔

مگر وہ بھی کوئی احمق شخص تھا کہ اٹھ کر مشین گن لیے باہر آ گیا۔

"کون ہے؟"۔

وہ اتنی جلدی سے آیا کہ ناگ اپنے آپ کو نہ چھپا سکا۔

سپاہی نے جو اپنے سامنے ایک آدمی کو چوروں کی طرح پیچھے ہٹتے دیکھا تو اس پر گولی چلا دی، ناگ جلدی سے زمین پر بیٹھ گیا۔

سپاہی نے زمین کی طرف نالی کا منہ کر کے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ناگ خوش قسمت تھا کہ گولیاں اس کے قریب سے ہو کر

برف میں دب گئیں۔

اب اسے جان بچانے کی فکر ہوئی۔ اس نے ایک منٹ کے اندر اندر اپنا روپ تبدیل کرلیا۔ وہ انسان سے پرندہ بن گیا۔

سفید براق کبوتر جو اڑ کر فضا میں گم ہو گیا۔

سپاہی نے یہ منظر دیکھا تو خوف سے کانپنے لگا۔ بھاگ کر اپنے کمرے میں گیا اور ساتھیوں کو جگا کر سارا ماجرا سنایا۔

وہ اس کا مذاق اڑانے لگے۔

"تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہے"۔

ناگ نے اب ایک بار پھر انسان کا روپ بدلا اور عنبر کو جا کر ساری بات سنا دی اور کہا۔

"وہاں تمہارا کام ہے۔ تم جا کر ان سے معلوم کرو کہ پٹرول

کہاں ہے؟"۔

"ٹھیک ہے۔ میں ہی جاؤں گا۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا"۔

عنبر جب کیمپ کے دروازے پر پہنچا تو اندر سارے سپاہی جاگ رہے تھے اور انسان کے جانور بننے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

عنبر نے دروازے پر دستک دی تو سب کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کوئی آیا ہے۔ میں جا کر پتہ کرتا ہوں"۔

پانچوں سپاہیوں نے مشین گنیں تان لیں۔ چھٹا سپاہی پستول لے کر دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہو تم؟"۔

عنبر نے قریب جا کر کہا۔

ہمارا ہیلی کاپٹر ایندھن نہ ہونے کی وجہ سے یہاں بیکار ہو گیا ہے۔

ہمیں پٹرول چاہیے کیا تم لوگ ہمیں پٹرول دے سکو گے؟۔

سپاہی نے پستول سے عنبر کے سر کا نشانہ لے کر کہا۔

''تم کون ہو؟''۔

اب سارے سپاہی مشین گنیں تان کر عنبر کے سامنے آ گئے۔

''تم ہماری قید میں ہو۔ اندر آ کر کونے میں لگ کر بیٹھ جاؤ۔ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو ہماری گولیاں تمہارے پرخچے اڑا دیں گی''۔

عنبر نے رعب دار آواز میں کہا۔

''کیا بک بک لگا رکھی ہے تم نے۔ بتاؤ پٹرول کہاں ہے، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے''۔

سپاہی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

ایک نے کہا۔

''اسے شوٹ کر دو''۔

عنبر نے آگے بڑھ کر پستول چھیننے کی کوشش کی سپاہی نے پستول سے فائرنگ کر دی۔

چاروں گولیاں عنبر کے سر میں لگیں اور لگ کر نیچے گر پڑیں۔

دوسرے سپاہیوں نے مشین گن کی باڑ ماری۔ ساری گولیاں ختم ہو گئیں اور ساری کی ساری گولیاں عنبر کے جسم سے لگ کر فرش پر گرتی چلی گئیں۔

سپاہیوں کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔

عنبر نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی مشین گن نوچ لی۔

''اب اگر میں چاہوں تو تم سب کو باری باری ہلاک کر سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے صرف پٹرول چاہیے۔ مجھے معلوم ہے تمہارے پاس پٹرول موجود ہے۔ کیونکہ تمہارے مکان کے عقب میں دو جیپیں کھڑی ہیں''۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''جناب! ہمیں معاف کر دیں۔ پٹرول کا ذخیرہ مکان کے عقب میں موجود ہے''۔

عنبر نے سپاہیوں کو ساتھ لیا اور مکان کے عقب میں آ گیا۔ یہاں برف کے نیچے پٹرول کا بہت بڑا ٹینک دفن تھا۔

عنبر نے کہا۔

میں ہیلی کاپٹر یہاں لے آؤں۔ اگر تم لوگوں نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھو یہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہو گا۔

میں تو مر نہیں سکوں گا۔ لیکن تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔

سپاہیوں نے کہا کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گے۔

عنبر نے جا کر ناگ کو ساری کہانی سنائی اور پھر وہ ہیلی کاپٹر لے کر کیمپ کے پچھواڑے آ گئے۔ انہوں نے پٹرول بھرنا شروع

کر دیا۔

انہوں نے جب ہیلی کاپٹر کی ٹینکی پوری بھر لی تو ناگ نے کہا۔

"تم لوگوں کا شکریہ! لیکن اگر میرا بھائی تم لوگوں کو اپنی کرامت نہ دکھاتا تو تم کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے"۔

ناگ اور عنبر ہیلی کاپٹر لے کر وہاں سے اڑ گئے۔

ساری رات وہ برفستان میں پرواز کرتے رہے۔ دن چڑھا تو انہوں نے کمپاس کی مدد سے اس علاقے کا رخ کیا جس کے بارے میں انہیں بتایا گیا تھا کہ جادوگر ماریا کو لے کر وہاں گیا ہے۔

یہاں انہوں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ جگہ جگہ بے شمار

درخت اگے ہوئے تھے۔

زمین پر برف بھی تھوڑی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قطب شمالی کا علاقہ ختم ہو رہا تھا اور آبادیاں شروع ہو رہی تھیں۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ہمیں یہاں کسی جگہ اتر جانا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جادوگر یہیں کہیں ماریا کے ساتھ چھپا ہوا ہوگا"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا دل نہیں مانتا۔ ابھی ہمیں کچھ اور سفر کرنا ہوگا۔ مجھے دور دور تک ماریا کی خوشبو نہیں آ رہی"۔

وہ پرواز کرتے رہے۔ ہیلی کاپٹر درختوں کے اوپر اڑتا رہا۔ اب سنگلاخ پہاڑیاں آ گئی تھیں۔ ان پہاڑیوں کے پیچھے

ایک جھیل نمودار ہوئی۔ جھیل کے چاروں طرف اونچے گھنے درخت تھے۔

ان درختوں میں ایک چٹان کی تکون ابھری ہوئی تھی۔ اس چٹان کے سائے میں اچانک ایک مندر نظر پڑا۔

جس کے اوپر کائی جمی ہوئی تھی۔

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مجھے ماریا کی خوشبو آنے لگی ہے۔ اگرچہ بڑی دھیمی دھیمی خوشبو ہے۔ اس پراسرار مندر کا کھوج لگانا ہوگا''۔

''ہیلی کاپٹر نیچے لے آؤ''۔

ناگ نے ہیلی کاپٹر کو نیچے کر لیا۔ ہیلی کاپٹر نے جھیل کا ایک چکر لگایا اور پھر جنگل میں ایک خالی جگہ پر اتر گیا۔

انجن بند کر دیا گیا۔ پنکھے رک گئے۔ جنگل میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ناگ اور عنبر ہیلی کاپٹر سے اتر کر درختوں کے پاس آ کر رک گئے۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

''وہ مندر کہاں پر ہے؟''۔

عنبر نے پوچھا۔

''ان درختوں کے پیچھے ہوگا''۔

ایک جگہ درختوں کا گہرا جھنڈ تھا۔ دونوں اس جھنڈ میں سے نکل کر باہر آئے تو سامنے وہی چٹان تھی۔ اس چٹان کے سائے میں مندر تھا۔

زنگ آلود پرانا، ٹوٹا پھوٹا اور ویران۔ اسے دیکھ کر دہشت طاری ہوتی تھی۔

عنبر بڑبڑایا۔

"مجھے پانچ ہزار سال کے پرانے مندر یاد آگئے ہیں"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے بھی پرانا زمانہ یاد آ رہا ہے"۔

عنبر جیسے خواب میں بولا۔

"وہ زمانہ اچھا تھا۔ پرسکون، خاموش اور گہرا گہرا پراسرار"۔

اچانک جنگل میں ایک چیخ گونج گئی۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"یہ چیخ کی آواز کیسی تھی؟"۔

"کسی مرد کی آواز تھی۔ شاید کسی نے کسی کو ہلاک کر دیا ہے"۔

"آواز مندر سے آ رہی تھی"۔

"چلو چل کر دیکھتے ہیں"۔

دونوں جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے مندر کے دروازے پر آگئے۔

دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اندر اندھیرا تھا۔ عنبر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہاں سوائے اندھیرے اور خاموشی کے اور کچھ نہیں تھا۔

ناگ بھی مندر میں داخل ہو گیا۔

"ماریا کی خوشبو آنا بند ہو گئی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ماریا یہاں نہیں ہے"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ماریا اسی جگہ کہیں قید ہے"۔

عنبر بولا۔

"مگر اس کی خوشبو کیوں بند ہو گئی؟"۔

"کسی نے جادو کے زور سے ایسا کیا ہے"۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہے۔ میرے ساتھ اندر چلو"۔

مندر میں پتھر بکھرے پڑے تھے۔ چھت کے ساتھ جالے لٹک رہے تھے۔

عنبر نے ناگ کو اشارہ کیا کہ خاموش رہے۔ اس نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی تھی۔ ناگ پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا۔

آواز آنا بند ہو گئی۔ مندر میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

"کوئی ضرور ہے یہاں"۔

ناگ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"میں دوسری طرف جا کر دیکھتا ہوں۔ تم اسی جگہ رہنا"۔

ناگ پتھروں کے پیچھے پیچھے ہو کر مندر کی دوسری طرف نکل گیا۔

پھر اس نے ایک جگہ پتھر کی سیڑھیاں دیکھیں جو زمین کے نیچے جا رہی تھیں۔ سیڑھیوں میں اندھیرا تھا۔

ناگ نے سوچا کہ اسے سانپ بن کر نیچے اترنا چاہیے۔ وہ سانپ کی شکل میں بدل گیا۔ اس نے سیڑھیوں پر رینگ کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔

چھ سات سیڑھیاں اترنے کے بعد ناگ کو سامنے ایک چھوٹا سا تالاب دکھائی دیا۔

تالاب کے درمیان میں ایک کوٹھڑی تھی۔ ناگ تالاب کی سطح پر تیرتا ہوا کوٹھڑی کے دروازے پر آ گیا۔

یہاں اسے ایک بار پھر وہی چیخ کی آواز سنائی دی۔

یہ آواز پہلے سے زیادہ دردناک تھی، بھیانک تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی ظالم کسی کو کھولتے ہوئے کڑاؤ میں ڈال رہا ہے۔

ناگ نے کوٹھڑی کے بند دروازے کا جائزہ لیا۔ اندر جانے کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔ اچانک دروازہ کھل گیا۔

سانپ تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازے پر ایک بھیانک چہرے والا کالا کلوٹا بھوت نما آدمی ظاہر ہوا۔

اس نے ایک آدمی کی لاش اٹھا رکھی تھی۔ لاش کی گردن سے خون نکل رہا تھا۔ بھیانک بھوت نے لاش کو اچھال کر تالاب میں پھینک دیا پانی اچھلا۔ لاش ڈوب گئی۔

بھیانک بھوت نے اندر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ لیکن اس دوران میں ناگ کوٹھڑی میں ہی داخل ہو چکا تھا۔

کوٹھڑی چھوٹی سی تھی۔ اندر ایک دیا جل رہا تھا۔ دیواروں پر انسانوں کی کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں۔ کونے میں انسانی پنجر کھڑے تھے۔

کالا بھوت چبوترے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے چبوترے پر زور سے ہاتھ مارا۔ چبوترہ اپنی جگہ سے کھسکا اور پھر کالا بھوت پتھر کی سل پر بیٹھے بیٹھے نیچے اتر گیا۔

سانپ بھی اس کے ساتھ ہی نیچے چلا گیا۔

یہاں اسے ایک غار دکھائی دی۔ کالا بھوت سل پر سے اٹھ کر دیوار کے پاس گیا۔

ایک جگہ اس نے دیوار میں ہاتھ ڈال کر کسی شے کو گھمایا۔ دیوار شق ہوئی۔ سامنے کوٹھڑی تھی۔ اس کوٹھڑی میں ایک اژدہا کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ کالے بھوت نے ماتھا ٹیکا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"عظیم دیوتا! میں ایک سو انسانوں کو ہلاک کر کے تمہارے قدموں پر نچھاور کر چکا ہوں۔ اب تو مجھے اتنی طاقت دے دو کہ میں جب چاہے غائب ہو کر ہوا میں پرواز کر سکوں"۔

اژدہا پر اچانک خوف سا چھا گیا تھا۔ کالا بھوت بڑا حیران تھا

کہ آج اس کے دیوتا کو کیا ہو گیا ہے۔ ناگ سمجھ گیا تھا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

اژدہا ناگ کی موجودگی کی وجہ سے خوف سے کانپنے لگا تھا، کیوں کہ وہ اس کا عظیم دیوتا تھا۔ ناگ نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ انسان کے روپ میں کالے بھوت کے سامنے آ گیا۔ کالا بھوت ایک انسان کو دیکھ کر غصے سے کانپنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے خنجر نکال کر لہرایا ہی تھا کہ اژدہا نے اپنا سر جھکایا اور کالے بھوت کی گردن پر ڈس دیا۔

کالا بھوت دیکھتے ہی دیکھتے پانی بن کر بہہ گیا۔

اژدہا نے ناگ کے آگے جھک کر کہا۔

"عظیم دیوتا! میرے لیے کیا حکم ہے؟"۔

☆ ناگ نے اژدہا کو کیا حکم دیا؟۔

☆ ماریا اس سمندر میں کس جگہ قید تھی؟۔

☆ عنبر پر جنگل میں کیا گزری؟۔

☆ یہ آپ اس ناول کی 71 ویں قسط میں پڑھئے

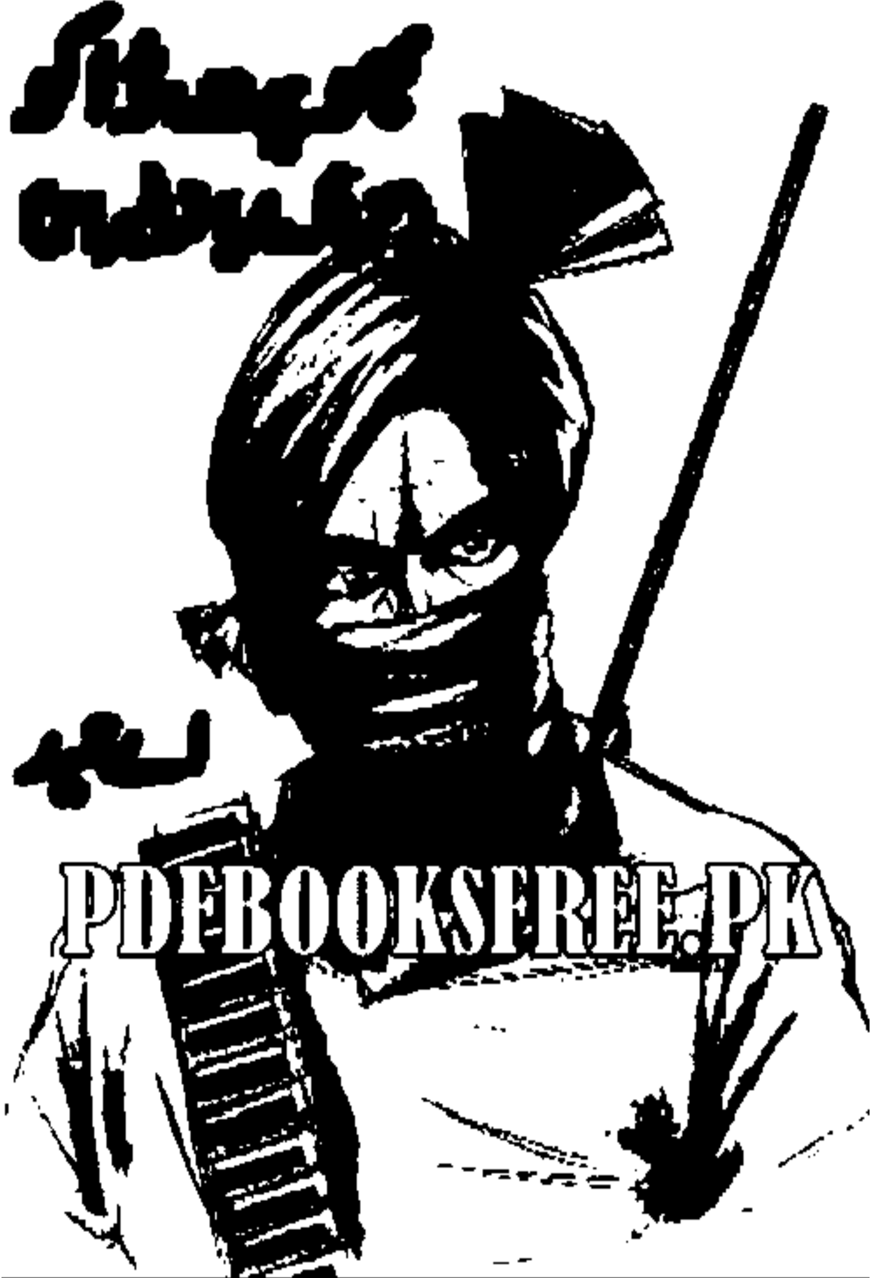

تبت کا پجاری

ناگ نے اژدہا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیا اس کالے بھوت جادوگر کے ساتھ کوئی بکری بھی تھی؟"۔

اژدہا نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"ضرور تھی میرے آقا مگر وہ بکری تو بھاگ گئی"۔

"کہاں؟"۔

ناگ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

اژدہا بولا۔

"کل رات یہ کالا بھوت اس بکری کو شاید ذبح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ وہ موقع پا کر فرار ہو گئی۔ ساری رات کالا بھوت اسے تلاش کرتا پھرا۔ مگر وہ اس کے ہاتھ نہ آئی۔"

اژدہا سے ناگ سے پوچھا۔

"کیا تم جان سکتے ہو کہ بکری اس وقت کہاں ہو گی؟"۔

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

میرے دیوتا! اگر یہ زمین کے اندر چلی گئی ہوتی تو میں اسے پاتال کی گہرائی سے بھی نکال کر آپ کے سپرد کر دیتا۔

مصیبت یہ ہے کہ بکری تو زمین کے اندر نہیں گئی۔ بلکہ زمین کے اوپر کہیں گھوم رہی ہے۔ لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں عظیم دیوتا؟۔

کیا وہ کوئی خاص قسم کی بکری تھی؟۔

"ہاں"۔

ناگ نے کہا۔

"وہ بڑی خاص قسم کی بکری تھی"۔

اتنا کہہ کر ناگ سمندر سے باہر آ گیا۔

عنبر جنگل میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ناگ کی زبانی اس نے سارا واقعہ سنا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ اتنی مصیبتیں سہہ کر اتنا لمبا سفر کر کے وہ یہاں تک پہنچے تھے اور یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ماریا وہاں بھی نہیں ہے۔

"ماریا کہاں چلی گئی ہو گی؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

ناگ کچھ سوچ کر بولا۔

ماریا ایک جانور کی شکل میں ہے۔ اس سرد ویران علاقے میں وہ کہاں جا سکتی ہے۔ کسی برفانی چیتے کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ اسے کھا جائے گا۔

کسی گڈریے نے پکڑ لی تو وہ اسے اپنے ریوڑ میں شامل کرے گا اور ہم اسے کبھی نہ پہچان سکیں گے"۔

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تلاش۔ تلاش اور تلاش۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا کا نام لے کر یہاں سے ایک بار پھر ماریا کی تلاش شروع

کرتے ہیں"۔

اور عنبر اور ناگ وہاں سے نکل کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

اب ہم ماریا کا حال معلوم کرتے ہیں۔

کالے بھوت کے چنگل سے نکل کر جب جنگل میں بھاگی تو بھاگتی ہی چلی گئی۔

درختوں جھاڑیوں میں دوڑنے کے بعد ایک جھیل آ گئی۔ بکری نے اس میں چھلانگ لگا دی جھیل کے پار ایک کھوہ میں چھپ گئی۔

رات کا باقی حصہ وہاں گزارنے کے بعد منہ اندھیرے اگلی صبح وہ وہاں سے نکلی اور ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ آگے کیا ہے۔ کون سا شہر ہے؟۔

یہ کون سا ملک ہے۔ بس وہ کالے بھوت سے آزادی پا کر خوش تھی اور بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

برف کے میدان اب ختم ہو گئے تھے۔ صرف درختوں پر کہیں کہیں برف بھی دکھائی دے رہی تھی۔

سردی بہت زیادہ تھی۔ پہاڑی علاقہ سنگلاخ تھا۔ ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ جو زمین پر دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

بکری چلتے چلتے تھک گئی۔ ایک مقام پر اس نے تالاب دیکھا۔ جس کے کنارے جھاڑیاں تھیں۔ بکری نے پیٹ بھر کر گھاس کھایا پانی پیا اور آرام کرنے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئی۔

اتنے میں وہاں ایک گڈریا آیا۔ اس نے دور سے دیکھا کہ ایک بکری درخت کے نیچے پڑی ہے۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ اس کے اپنے ریوڑ کی بکری ہے۔ مگر جب اس نے اپنی بکریاں گنیں تو پوری تھیں۔

مگر جب اس نے اپنی بکریوں سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہو رہی تھی۔

گڈریا سمجھ گیا کہ دور دراز کے کسی ریوڑ سے بچھڑ کر یہ بکری وادی میں آ گئی ہے۔ اسے پکڑ لینا چاہیے۔

چنانچہ گڈریے نے رسی کا ایک پھندا بنایا اور اسے آہستہ آہستہ لہراتا بکری کی طرف چلا۔ جب وہ قریب آیا تو اس کی آہٹ سے بکری چونک کر بھاگی۔

گڈریے نے زور سے پھندا اس کی طرف پھینکا۔ وہ بکری

کے گلے میں جا پڑا۔ بکری پھنس گئی۔ گڈریے نے اسے کھینچ لیا اور اپنے ریوڑ میں شامل کر لیا۔

گھر لے جا کر اس نے بکری کو کھلا نہیں چھوڑا۔ بلکہ اسے باندھ کر رکھا۔

بکری یعنی ماریا کچھ کچھ سوچ سکتی تھی۔ اسے بکری ہونے کی وجہ سے لوگوں کی شکلیں آوازیں اور درخت کے پتے پھر بھی دھندلے دکھائی دیتے تھے۔

اسے عنبر اور ناگ کا بالکل خیال نہیں آتا تھا، اتنا اسے احساس ضرور تھا کہ وہ انسان تھی اور جادو کے زور سے بکری بن گئی ہے۔

پہلے وہ کہاں تھا؟۔

کس کے ساتھ تھی؟۔

کہاں رہا کرتی تھی؟۔

یہ اسے بالکل یاد نہیں تھا۔

یہ خیال کہ وہ پہلے انسان تھی اور بکری نہیں تھی، اسے بار بار مجبور کرتا تھا کہ وہ بھاگے۔ کسی ایسی جگہ جائے جہاں وہ کوشش کر کے پھر سے انسان بن سکے۔ پس ماریا بکری نے یہاں سے بھی بھاگنے کی کوشش شروع کر دی۔

گڈریا ہر وقت اس کے گلے میں رسی باندھے رکھتا تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔ ایک ہفتہ گذر گیا۔ ایک روز دور کسی دیہات سے ایک چپٹی ناک والا آدمی سر پر ٹوپی رکھے، لمبا چغہ پہنے آیا اور گڈریے سے باتیں کرنے لگا۔

وہ ایک بکری خریدنا چاہتا تھا۔ گڈریے نے اسے کئی بکریاں

دکھائیں۔

چپٹی ناک والے آدمی کی نظر اچانک ماریا بکری پر پڑ گئی۔ وہ اس کے قریب آ گیا۔ جھک کر دیکھنے کے بعد کہنے لگا۔

''اس کے دام کیا ہوں گے؟''۔

گڈریے نے کہا۔

''دس روپے ہوں گے۔ یہ بڑی خاص بکری ہے۔ اعلیٰ نسل کی ہے''۔

چپٹی ناک والے جگشو نے دس روپے ادا کر کے بکری خرید لی۔

اس نے بکری کی رسی تھامی اور اسے اپنے ساتھ ریڑھی پر بٹھا کر پہاڑی راستوں پر چل پڑا۔ سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ

شام کے وقت ایک ایسے پہاڑی مقام پر پہنچا جہاں کہیں کہیں پتھروں پر برف جمی تھی۔ درخت بھی بے شمار کھڑے تھے۔

ان کے پتے جھڑ چکے تھے۔ اور کہیں کہیں ٹہنیاں برف سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

ایک پتھریلا راستہ درختوں کے نیچے سے جاتا تھا۔ ریڑھی اس راستے پر چلنے لگی۔ ریڑھی کے آگے ایک بادامی ٹٹو جتا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

جگشو نے بکری کی رسی ریڑھی کے ڈنڈے سے باندھ رکھی تھی۔ ماریا بکری نے راستے میں کئی جگہ پر بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ رسی کی وجہ سے نہ بھاگ سکی۔

پہاڑی سڑک کے کئی ایک چکر کاٹ کر ریڑھی ایک تکونی

مندر کی سیڑھیوں کے آگے رک گئی۔

سیڑھیوں کے اوپر چبوترا تھا۔ چبوترے پر دروازہ تھا۔

اس کے اوپر سفید اور سرخ جھنڈے لگے تھے جو ہوا میں پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ریڑھی کی آواز سن کر دو تین بھکشو مندر کے اندر سے باہر آ گئے۔

انہوں نے ریڑھی میں بکری بندھی تھی تو بڑے خوش ہوئے۔

"پالگن! تم بڑی اچھی بکری لائے ہو۔ لاما! اس بکری کی قربانی پسند کریں گے"۔

پالگن بھکشو مسکرایا۔

"پورے دس روپے خرچ کیے ہیں میں نے"۔

"مال اچھا مل گیا ہے۔ اسے لے کر اوپر آ جاؤ"۔

پالگن بھکشو نے بکری ماریا کو چبوترے پر کھینچ لیا۔ پھر سارے بھکشوؤں نے پیاری پیاری بکری کو ٹٹول کر دیکھا۔

بکری کو مندر کی ایک کوٹھڑی میں جا کر باندھ دیا گیا۔ پالگن نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے۔ اگربتی سلگا کر ہاتھ میں پکڑی اور مندر کے سب سے بڑے پجاری یعنی لاما سے ملنے اس کے کمرے کے دروازے پر آ کر رک گیا۔

ایک بھکشو باہر پہرہ دے رہا تھا۔ پالگن نے اندر پیغام بھجوایا۔ لاما نے اسے اندر بلا لیا۔

کمرے کے اندر لاما ایک جگہ صندل کی چوکی پر گوتم بدھ کی سونے کی مورتی کے آگے دوزانو بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔

دائیں بائیں چاندی کے گلدانوں میں سفید پھول تھے۔ فرش

پر قالین بچھا تھا۔ چھت سے سونے کے جھاڑ فانوس لٹک رہے تھے۔

دیواروں کے ساتھ الماریوں میں گوتم بدھ کے سونے کے بڑے قیمتی بت اور جواہرات رکھے تھے۔ پانگن اگر بتی اگر دان میں لگا کر ایک طرف خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

لاما عبادت سے فارغ ہوا۔ اس کی ناک بھی چپٹی تھی۔ چغہ اس کا ریشمی تھا اور بٹنوں کی جگہ ہیرے لگے تھے۔

سر پر موتیوں والی تکونی زرد ٹوپی تھی۔ چہرے پر بڑی نرمی اور شائستگی تھی۔ اس نے اپنی پرکشش آنکھوں سے مسکرا کر پانگن کو دیکھا اور نرم آواز میں کہا۔

قربانی کے لیے بکری مل گئی؟۔

پانگن نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

”جی میرے آقا مل گئی۔ بکری بڑی عمدہ ہے اور صحت مند بھی ہے“۔

لاما اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی انگلیوں میں کتنی ہی انگوٹھیاں تھیں جن میں قیمتی جواہرات لگے تھے۔

ہماری وادی میں بھیڑیں تو مل جاتی ہیں مگر بکریاں نہیں ملتیں۔ میں نے اسی لیے تمہیں دور علاقوں میں بھیجا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ تم ہمارے مہاتما بدھ کی قربانی کے لیے ایک صحت مند بکری لائے ہو۔

پانگن نے گردن جھکا کر ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا۔

”یہ میرا فرض تھا میرے آقا“۔

لاما نے ایک طشت سے کچھ کٹے ہوئے پھل اٹھا کر پاگلن کی طرف پھینکے۔ پھل کے ٹکڑے قالین پر گر پڑے۔

پاگلن نے ادب سے شکریہ ادا کیا۔ اور پھر جھک کر اپنے منہ سے سارے پھل اٹھا لیے اور بکری کی طرح الٹے قدموں پر چلتا واپس نکل گیا۔

کیونکہ اس علاقے میں کسی کی جرات نہ تھی کہ وہ لاما کی طرف پیٹھ کر کے چلے۔ لاما کو وہ بدھ مندر کا اوتار سمجھتے تھے۔

ماریا بکری ایک کوٹھڑی کی صحن میں بندھی تھی۔ اس کے کان میں یہ بھنک پڑ گئی تھی کہ اسے یہاں قربان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

ماریا بکری بہت پریشان تھی۔ اور وہاں سے بھاگنے کے

طریقوں پر اپنے حیوانی دماغ میں غور کر رہی تھی۔

جانور ہونے کی وجہ سے اس کے شعور میں پختگی نہیں تھی۔ وہ ذرا سوچتی اور پھر بھول جاتی اور گھاس کھانے لگتی۔ جانور ہونے کی وجہ سے اسے موت کا خوف نہیں تھا۔

انسان ہونے کی وجہ سے وہ کسی وقت پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی اور چاروں طرف دیکھنے لگتی۔

وہاں سے فرار بہت مشکل تھا۔

دن میں دو تین بار گھاس ڈالا جاتا۔ کتنے ہی پجاری اسے آ کر دیکھتے۔ ٹٹولتے اور ایک دوسرے سے کہتے۔

"بڑی صحت مند بکری ملی ہے اس بار"۔

یہ آوازیں ماریا کو صاف صاف سنائی دیتی تھیں اور خوف زدہ

کرتی تھیں۔

ایک دو بار اس نے رسی تڑوانے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہی۔ آخر قربانی کی رات آ گئی۔

چاند نکلا ہوا تھا۔ مندر کو صندل ملے پانی سے دھویا گیا۔

بہت دودھ مکھن ڈالا گیا۔ بکری کو خوب مل کر نہلایا گیا۔ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ اس کی گردن پر صندل سے نشان لگایا کہ یہاں سے گردن کاٹی جائے گی۔

ماریا کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اب اسے پورا احساس تھا کہ اسے قتل کرنے کے لیے قربانی کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔

قربانی سے پہلے آخری دیدار کے لیے بکری کو لاما کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

پانگن بکری ماریا کو لے کر لاما کے کمرے میں لے گیا۔

لاما بڑے شاندار نئے کپڑے پہن کر عبادت میں مصروف تھا۔ پانگن بکری کو لے کر دیوار کے ساتھ لگ کر ادب سے بیٹھ گیا۔

اچانک لاما نے عبادت کرتے کرتے محسوس کیا کہ کمرے میں کوئی عورت بھی موجود ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کمرے میں پانگن اور بکری کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

لاما پریشان ہو گیا۔ مندر میں کسی عورت کا داخل ہونا منع تھا۔

عورت کمرے میں کوئی نہیں تھی مگر لاما کو عورت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ عبادت سے اکھڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ بکری کی بو ہے۔

مگر اسے عورت کے بالوں کی بو صاف طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اٹھ کر پانگن کے قریب آیا۔ بکری کے پاس آتے ہی عورت کی بو تیز ہو گئی۔ لاما گھبرا سا گیا۔ اس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر بکری کو غور سے دیکھا۔

پانگن ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"آقا! آپ کے آخری آشیر باد کے لیے بکری کو لایا ہوں"۔

مگر لاما اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اس نے پانگن سے پوچھا۔

"پانگن! اس بکری کو کہاں سے لائے ہو؟"۔

"حضور! وادی کے ایک گڈریے سے خرید کر لایا ہوں"۔

"اس نے یہ بکری کہاں سے لی تھی؟"۔

پانگن نے سر ذرا سا ٹیڑھا کر کے کہا۔

میرے آقا! اس کے ریوڑ کی بکری تھی۔ مگر سب سے الگ باندھ کر رکھی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ایسی بکری میرے سارے ریوڑ میں نہیں ہے۔ جب ہی تو اس کی قیمت بھی زیادہ تھی۔

لاما گہری سوچ میں گم تھا۔ عورت کے بالوں کی تیز بو برابر اس کے نتھنوں میں آ رہی تھی۔ لاما کا ذہن چکر کھا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیا اس بکری پر کسی چڑیل کا آسیب ہے؟۔

اگر ایسی بات ہوتی تو بکری مندر میں داخل ہوتے ہی تڑپ کر مر جاتی۔ کیونکہ مندر میں کوئی بھی حیوان یا جن بھوت بری نیت سے نہیں آ سکتا تھا۔ پانگن نے لاما کو اپنے خیالوں میں گم دیکھا تو

سر جھکا کر بولا۔

’’حضور! کیا اس بکری کو آشیر باد نہ دیں گے؟‘‘۔

’’اوہ ہاں۔ ہاں‘‘۔

لاما جیسے چونک پڑا۔ پھر اس نے بکری کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیر باد دینے کی کوشش کی مگر اس کا ہاتھ آگے نہ بڑھتا تھا۔

کیونکہ آشیر باد دینے کے بعد بکری کو جاتے ہی دیوتا کے بت کے آگے کاٹ کر رکھ دینا تھا۔ کوئی شے لاما کو آشیر باد دینے سے روک رہی تھی۔

اس نے ہاتھ کھینچ کر کہا۔

’’بکری کو یہاں باندھ کر تم جاؤ پالگن! میں تھوڑی دیر بعد آشیر باد دوں گا‘‘۔

پالگن لاما کو تعجب سے تکتا ہوا باہر نکل گیا۔

کیونکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ قربانی کا وقت آن پہنچا۔ بکری ابھی تک لاما کے کمرے میں تھی۔ پجاری اور بھکشو جمع ہو کر لاما کے کمرے کے باہر جا کر ادب سے جھک کر کھڑے ہو گئے۔ وہ قربانی میں دیر ہونے کی وجہ معلوم کرنے آئے تھے۔ کیونکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

پالگن نے اجازت لی اور لاما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ بکری تخت کے پاس بندھی ہے اور لاما بدھ کے بت کے آگے سر جھکائے گہری سوچ میں گم ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول کر پالگن کو دیکھا۔

پالگن نے سر جھکا کر کہا۔

”میرے آقا! قربانی کا وقت جا رہا ہے“۔

لاما نے آنکھیں جھکا لیں۔ کوئی جواب نہ دیا۔ اٹھ کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر پالگن کی طرف دیکھ کر کہا۔

”پالگن! بکری کو قربانی کے لیے لے جاؤ“۔

پالگن نے خوشی سے سر جھکایا اور بکری کھولنے لگا۔ رسی کھول کر اس نے بکری کو کندھے پر اٹھایا اور باہر لے آیا۔

دوسرے پجاریوں نے بکری کو دیکھا تو خوشی سے ان کے چہرے کھل گئے۔

قربانی کی رسم ادا ہونی شروع ہو گئی۔ بکری کو بدھ کے ایک بت کے آگے پتھر کے ستون کے ساتھ باندھ کر کھڑا کر دیا گیا۔

موٹا پجاری چھرا ہاتھ میں لے کر بکری کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ وہ

بھکشو کے اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔

بھکشو بدھ کے بت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا تھا۔

ماریا کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ بکری بنی ہوئی تھی مگر موت کے قریب پہنچ کر اس کا انسانی شعور بیدار ہو گیا تھا۔ اس نے عنبر اور ناگ کو بہت یاد کیا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر اس کے آنسو دیکھنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

جلاد پجاری انتظار کر رہا تھا کہ بھکشو اشارہ کرے اور وہ بکری کی گردن پر چھری مار کر اڑا دے۔ اور بھکشو بت کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آیا ہوا تھا۔

کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سیاہ کالا سانپ پھن

پھیلائے بت کے پاؤں کے نیچے سے نکل کر اسے لال لال خونخوار آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

یہ سانپ مندر کے نیچے رہتا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ جس بکری کی گردن اڑا رہے ہیں وہ سانپوں کے دیوتا ناگ دیوتا کی بہن ہے۔

جسے جادو کے زور سے بکری بنا دیا گیا ہے پس وہ اپنے بل میں سے نکل آیا تھا اور اس نے بھگشو کو اپنے سامنے پتھر کر رکھا تھا۔ کیونکہ جب تک یہ بھگشو اشارہ نہ کرتا موٹا پجاری چھرا نہیں چلا سکتا تھا۔

پجاری نے بھگشو کی طرف دیکھا کہ وہ اشارہ کیوں نہیں کر رہا۔

ٹھیک اسی وقت سانپ نے کھوہ میں سے نکل کر بھگشو کے سینے پر ڈس دیا۔ اس سانپ کا زہر اس قدر تیز تھا کہ بھگشو ہائے بھی نہ کر سکا اور لڑھک کر مر گیا۔

پجاری گھبرا کر بکری کی گردن پر وار کرنے والا تھا کہ سانپ نے دوسرا حملہ پجاری پر کر دیا۔

دونوں کو مرتا دیکھ کر دوسرے پجاری خوف کے مارے بھاگ گئے۔

پانگن اپنی جگہ پر حیران پریشان کھڑا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

سانپ اپنا کام کر کے غائب ہو چکا تھا۔ بکری ایک طرف کو بھاگی تو پانگن اس کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ بکری سیدھی لاما کے

کمرے میں جا گھسی۔

اس وقت لاما عبادت میں مصروف تھا۔ بکری اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

لاما نے چونک کر اسے دیکھا۔ عورت کے بالوں کی تیز خوشبو اب بہت زیادہ آ رہی تھی۔

ٹھیک اس وقت بدھ کے بت میں سے ایک شعاع نکلی اور بکری کے سر پر پڑی۔

شعاع کے پڑتے ہی بکری ایکدم سے نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ انسان کے روپ میں آتے ہیں ماریا خدا کا شکر بجا لائی اور اس نے لاما سے کہا۔

''میں آپ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ کے مندر میں آ کر مجھے پھر سے انسانی زندگی ملی''۔

لاما نے سر جھکا کر پوچھا۔

''بہن! تم کون ہو اور تمہیں کس نے انسان سے بکری بنا دیا تھا؟''۔

ماریا نے لاما کو ساری کہانی کھول کر سنائی۔

لاما بڑی خاموشی سے ماریا کی باتیں سنتا رہا پھر بولا۔

''لیکن بہن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تم غائب کیونکر ہو گئیں؟''۔

ماریا کہنے لگی۔

''یہ اب میرے اختیار میں نہیں رہا۔ مجھے آج سے ہزاروں برس پہلے ایک جادوگرنی نے جادو کے زور سے غائب کر دیا تھا

اور کہاں تھا کہ تم پھر سے انسانی شکل میں کسی کو نظر نہیں آؤ گے"۔

لاما خاموش تھا۔ چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"بہن ماریا! اب تم کیا چاہتی ہو؟ اگر تم چاہو تو ساری زندگی اس مندر میں سکون سے بسر کر سکتی ہو؟۔ مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھو۔ یہاں تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔

ماریا نے کہا۔

بہت بہت شکریہ بھیا! مگر مجھے اپنے دو بھائیوں کو تلاش کرنا ہے۔

ایک کا نام ناگ ہے اور دوسرے کا نام عنبر ہے۔ ہم تینوں ہزاروں سالوں سے زندہ ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں۔

لاما نے پوچھا۔

"کیا کبھی موت تمہارے قریب سے نہیں گذری؟"۔

ماریا بولی۔

"موت ہمارے قریب سے کبھی کبھی گذری ضرور مگر ہم مر نہیں سکے"۔

"تم لوگوں نے تو تاریخ کے بڑے بڑے تماشے دیکھے ہوں گے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی سلطنتیں دیکھی ہوں گی"۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں لاما بھائی! ہم نے فرعون مصر کے جلوس کو مصر کے بازاروں سے گزرتے دیکھا ہے۔ ہم نے رومی بادشاہوں کو لوگوں پر ظلم کرتے دیکھا ہے۔ ہم نے کولمبس کو امریکہ دریافت کرتے دیکھا ہے"۔

لاما بڑی گہری توجہ سے ماریا کی باتیں سن رہا تھا۔

''کیا تم لوگوں کو بھوک نہیں لگتی؟ سردی گرمی نہیں لگتی؟''۔

ماریا نے کہا۔

اگر ہم چاہیں تو کئی کئی روز تک کھائے پیئے بغیر رہ سکتے ہیں۔

مجھے اور ناگ کو سردی گرمی کا تھوڑا بہت احساس ہوتا ہے۔

مگر ہمارے بھائی عنبر کو بالکل سردی نہیں لگتی؟۔ ہم دونوں کو موت کا ڈر بھی رہتا ہے۔ مگر عنبر پر دنیا کی کوئی تلوار، کوئی آگ اثر نہیں کر سکتی۔

''میری بڑی خواہش ہے کہ میں ناگ اور عنبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں''۔

ماریا اداس ہوگئی کہنے لگی۔

''خدا جانے وہ بے چارے گرین لینڈ یا سوئٹزر لینڈ میں میری تلاش میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ مجھے ان کی تلاش میں جانا ہے۔ اس لیے میں آپ سے اجازت لوں گی''۔

لاما کہنے لگا۔

میرا تو دل نہیں چاہتا کہ تم جیسی بہن کو اپنے سے جدا کروں مگر تم کہتی ہو کہ تمہارے بھائی تمہاری جدائی میں بے قرار ہوں گے۔

اس لیے مجبور ہو کر میں تمہیں اجازت دیے دیتا ہوں۔ تم آج کی رات آرام کرو۔

صبح منہ اندھیرے میں تمہیں خود رخصت کر دوں گا۔

''جیسے آپ کی مرضی''۔

لاما نے ماریا کو ساتھ لیا اور ایک کوٹھڑی میں لے جا کر کہا۔

”تم یہاں آرام سے رات بسر کر سکتی ہو۔ میں خود تمہارے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں“۔

لاما چلا گیا۔

یہ سارا ماجرا پجاری پالگن دیکھ رہا تھا۔ بلکہ سن رہا تھا۔ لاما اسے نظر آ رہا تھا مگر ماریا اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ اس بات پر حیران بھی تھا کہ بکری ایک دم غائب ہو کر عورت بن گئی ہے اور وہ عورت بن کر نظر بھی نہیں آ رہی۔

اس نے ماریا کی باتیں بھی سن لی تھیں کہ اس کے دو بھائی عنبر اور ناگ بڑی خفیہ طاقت کے مالک ہیں اور اس کی تلاش میں ہیں۔

پالگن وہاں سے کھسک گیا۔

اسی مندر کے شمال میں پہاڑی کے دامن میں ایک دوسرا مندر تھا۔

جس کی کھوہ میں پالگن کا ساتھی ایک شیطان صفت پجاری رہتا تھا۔

پالگن نے جا کر اس کو سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ وہ پالگن کی زبانی ماریا کے بارے میں سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے پالگن سے کہا۔

”اگر کسی طرح اس عورت ماریا کو قابو کر لیا جائے تو ہم اس سے بڑا کام لے سکتے ہیں“۔

پالگن نے کہا۔

”وہ غائب رہتی ہے۔ تم اسے کیسے پکڑ سکتے ہو“۔

”یہی تو سوچنے کی بات ہے۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ کل

صبح جب وہ سفر پر روانہ ہو تو میں بھی اس کے ساتھ جاؤں اور راستے میں اسے کسی طرح قابو میں لانے کی کوشش کروں"۔

جیسے تمہاری مرضی۔ میں نے تمہیں آ کر خبر کر دی ہے۔ اگر کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔ یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔

اتنا کہہ کر چنگن واپس چلا گیا۔

ماریا جیل میں

ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ ماریا کی کوٹھڑی پر دستک ہوئی۔

ماریا نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور دیکھا کہ سامنے لاما کھڑا تھا۔

لاما نے کہا۔

"آپ آ گئے؟"۔

لاما بولا۔

"ہاں بہن! تمہیں سفر کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں نے

خاص طور پر تمہارا بندوبست کیا ہے۔"

پچاس آدمیوں کا ایک قافلہ یہاں سے کھالیں اور چربی لے کر سمرقند کی طرف جا رہا ہے تم ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے ساتھ سفر کر سکتی ہو۔

ماریا نے کہا۔

"شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ میں جس گھوڑے پر سفر کروں گی وہ گھوڑا بھی میرے ساتھ ہی غائب ہو جائے گا"۔

لاما مسکرایا۔

میں جانتا ہوں بہن! تم بے شک غائب گھوڑا پر سفر کرنا۔ لوگ جب تمہیں اور تمہارے گھوڑے کو دیکھ ہی نہیں سکیں گے تو کسی کو کیا شک پڑے گا۔

ہاں اس وقت البتہ تمہیں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تمہارا خالی گھوڑا لوگ دیکھ سکیں گے۔

ماریا نے کہا۔

"اس کا کچھ نہ کچھ انتظام میں کرلوں گی"۔

لاما نے ماریا کو ساتھ لیا اور ایک جگہ باہر آ کر اسے دور سے دکھایا کہ ایک سرائے کے باہر کچھ لوگ گھوڑوں پر سامان لاد رہے تھے۔ یہ سفر کی تیاریاں تھیں۔

لاما نے کہا۔

جب تم سرائے کے پیچھے پہنچو گی تو وہاں تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس قافلے کے ساتھ سفر کر سکو گی۔ تمہیں اس قافلے کے ساتھ ساتھ رہنا ہوگا۔ کیونکہ اگر تم اس

قافلے سے بچھڑ گئیں تو تم برف کے میدانوں میں بھٹک جاؤ گی۔

ماریا نے کہا۔

”میں قافلے کے ساتھ ہی سفر کروں گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں“۔

ماریا نے لاما کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور سرائے کی طرف روانہ ہو گئی۔

جب وہ سرائے کے پیچھے آئی تو وہاں ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ ماریا اس پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا بھی غائب ہو گیا۔

ایک بوڑھا بھکشو ذرا فاصلے پر اپنے مکان کی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس نے جو ایک گھوڑے کو اپنی جگہ سے اچانک

غائب ہوتے دیکھا تو چکرا گیا۔

اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ گھوڑے کو دیکھنے کی کوشش کی مگر گھوڑا وہاں بالکل نہیں تھا۔ پریشان ہو کر اس نے کھڑکی بند کر دی۔ اور بدھ کے بت کے آگے جھک گیا۔

ادھر پاگلن کا شیطان صفت پجاری بھی قافلے والوں کے ساتھ موجود تھا اور سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ماریا کے گھوڑے کو تلاش کر رہی تھیں۔

اس کا خیال تھا کہ ماریا جس گھوڑے پر بیٹھی ہو گی وہ گھوڑا خالی ہو گا اور اس طرح سے وہ ماریا کے گھوڑے کو پہچان لے گا۔

مگر وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ ماریا جس گھوڑے پر بیٹھے گی، وہ گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی غائب ہو جائے گا۔

اب وہ پریشان ہو گیا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور قافلے کے ساتھ سفر کرنے کے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

اسے امید تھی کہ راستے میں کہیں نہ کہیں تو وہ ماریا کی ٹوہ لگا ہی لے گا۔

تبت کے برفانی میدانوں پر سورج کی روشنی چمکنے لگی تھی۔ قافلہ جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ماریا نے اپنا گھوڑا سب سے پیچھے لگا لیا تھا۔

قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا نے بھی اپنا گھوڑا ساتھ ساتھ چلانا شروع کر دیا۔ پجاری بھی قافلے میں سفر کر رہا تھا۔

وہ مکار آنکھوں سے قافلے میں چاروں طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے کوئی ایسا گھوڑا نظر نہیں آ رہا تھا جو خالی ہو۔

ماریا تو خیر اسے کبھی دکھائی دے ہی نہیں سکتی تھی۔ اس وقت تو اسے گھوڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

سارا دن یہ چھوٹا سا قافلہ برفانی راستوں پر سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو ایک جگہ رک کر قافلے والوں نے کھانا کھایا۔ آرام کیا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔

رات کو قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔

خیمے لگا دیے گئے۔ برف پر ایک جگہ گھوڑے باندھ دیے گئے۔

آگ کا الاؤ روشن ہو گیا۔ چربی کے تیل خیموں میں روشنی کرنے لگے۔ کھانا تیار ہونا شروع ہو گیا۔ ماریا بھی گھوڑے سے

اتر کر ایک خیمے کے اندر چلی گئی۔

اس نے گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ دیا۔ ٹھیک اس وقت پجاری کی نظر گھوڑے پر پڑ گئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک خالی گھوڑا اپنے آپ دوسرے گھوڑے پر ماریا سوار ہے۔ اس نے سوچا اور خالی گھوڑے کے قریب جا کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

مگر ماریا تو ایک خیمے میں جا چکی تھی۔

پجاری کو اب یقین ہو گیا کہ ماریا قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ ادھر ماریا جس خیمے میں جا گھسی تھی وہاں ایک گول مٹول موٹا کپاڈیا تیتی مہاجن برف پر بچھی کھالوں پر آرام کر رہا تھا۔

خیمے میں کافی جگہ تھی۔ ماریا چپکے سے ایک کونے میں جا کر لیٹ گئی۔

موٹے مہاجن کو معلوم ہی نہ ہوا کہ اس کے خیمے میں ایک عورت آ کر بڑے آرام سے کونے میں لیٹ گئی ہے۔

خیمے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ موٹا مہاجن بھاری لحاف اوڑھے کونے میں پڑا تھا اور جاگ رہا تھا۔ جانے کہاں سے ہوا آئی اور دیا بجھ گیا۔

ماریا نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اندھیرے میں مہاجن سے ٹکرا جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اٹھ کر دیا جلا دیا جائے۔ مہاجن تو سو رہا ہے۔ پس ماریا چپکے سے اٹھی۔ دیے کے پاس گئی۔ جیب سے ماچس نکال کر دیا جلایا اور اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی۔

موٹا مہاجن اٹھ کر دیا جلانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا

کہ دیا اپنے آپ جل گیا۔ مہاجن کی چیخ حلق میں ہی پھنس گئی۔

اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کے سامنے دیکھا کہ کسی غیبی روح نے ماچس جلا کر دیا جلا دیا ہے۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔

اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ خیمے سے نکل کر باہر بھاگ جائے۔

اس کے دانت بجنے لگے۔ آخر وہ اٹھا اور چیخ مار کر بھوت بھوت کہتا باہر بھاگ گیا۔ اس نے ساری واردات لوگوں کو جا کر سنائی۔

سب اس کی بات پر ہنسنے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

سب نے یہی کہا۔

"موٹا بھنگ پی گیا ہے"۔

لیکن پجاری کا ماتھا ٹھنکا۔ سمجھ گیا کہ غیبی عورت ماریا مہاجن کے خیمے میں ہے۔

پس وہ پیچھے سے ہو کر مہاجن کے خیمے کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

ماریا نے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی تو ہوشیار ہو گئی۔ کم بخت اب کون اس کی نیند خراب کرنے آ گیا تھا۔

پجاری چپکے سے خیمے کے اندر آ گیا اور بولا۔

"ماریا؟"۔

ماریا کی جان ہوا ہو گئی۔ اس اجنبی کو اس کے نام کا کیسے پتہ چل گیا؟۔

اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ میں غائب ہوں۔ اور اس خیمے میں

لیتی ہوں اور میرا نام ماریا ہے؟۔

ماریا پریشان ہو گئی۔ سمجھ نہ سکی کہ اس اجنبی کے سوال پر کچھ کہے یا خاموش رہے۔

پجاری نے مسکرا کر کہا۔

ماریا! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ماریا ہو۔ تم کئی ہزار سال سے زندہ ہو اور غائب کر دی گئی ہو اور تم اپنے بھائی عنبر اور ناگ کی تلاش میں ہو۔

میں تمہارا ہمدرد بن کر آیا ہوں اور تمہارے بھائیوں کی تلاش میں تمہیں مدد دینا چاہتا ہوں۔

ماریا نے کہا۔

”لیکن تمہیں کیوں کر معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں“۔

پجاری مسکرا دیا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری بات کا جواب دے کر یہ تو ثابت کر دیا ہے کہ تم اسی خیمے میں ہو۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے کیوں کر معلوم ہوا۔

بات یہ ہے کہ جب تم لاما سے باتیں کر رہی تھیں تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں اس ملک کا جادوگر ہوں۔

جادوگر کا نام سن کر ماریا کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

کہیں یہ بد بخت بھی تو اسے جادو کے زور سے بکری تو نہیں بنانے آیا؟۔

اس نے کہا۔

”میرا جادوگروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برائے مہربانی تم

اپنا راستہ لو"۔

پجاری کہنے لگا۔

"ماریا بہن! تم اکیلی ہو۔ میں ناگ اور عنبر کی تلاش میں تمہاری مدد کروں گا۔ تم عورت ذات ہو۔ اکیلی سفر کرنے میں تمہیں لاکھ خطرے ہوں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"میں ہزاروں سال سے اکیلی سفر کر رہی ہوں۔ میں نے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

پجاری کو محسوس ہوا کہ جادوگر کہہ کر اس نے غلطی کی ہے۔

چنانچہ کہنے لگا۔

"میں بڑا جادوگر نہیں ہوں ماریا۔ میں تو جادو کے زور سے لوگوں کے دکھوں کے علاج کرتا ہوں۔ لوگوں کی بھلائی کے لیے اپنے جادو کو استعمال کرتا ہوں"۔

ماریا سوچ میں پڑ گئی کہ یہ شخص اس سے کیوں ہمدردی کر رہا ہے۔

کیوں کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بغیر کسی غرض کے ہمدردی جتاتے ہیں۔ مگر یہ تو پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔

ماریا تنگ آ کر بولی۔

"اچھا بھئی اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو کیا کر سکتے ہو؟ کیا تم جادو کے زور سے یہ پتہ کر سکتے ہو کہ اس وقت ناگ اور عنبر کہاں ہیں؟"۔

اب یہ پجاری کے لیے کٹھن وقت تھا۔ ماریا نے اسے امتحان

میں ڈال دیا تھا۔

کہنے لگا۔

"کیوں نہیں؟ میں ابھی تمہیں بتا سکتا ہوں"۔

پجاری نے آنکھیں بند کر لیں اور جھوٹ موٹ کوئی چند ایک منتر پڑھنے کے بعد آنکھیں کھول کر بولا۔

"تمہارے دونوں بھائی اس وقت ایک ایسے جنگل میں سفر کر رہے ہیں جو جنگلی درندوں سے گھرا ہوا ہے"۔

ماریا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"وہ جنگل کہاں ہے؟ کس ملک میں ہے؟"۔

"ابھی بتاتا ہوں"۔

پجاری نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور منتر پڑھنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"یہ جنگل یہاں سے ایک ہزار میل جنوب میں ہے"۔

ماریا بولی۔

"مگر ہم تو شمال کی طرف جا رہے ہیں"۔

پجاری نے تیر نشانے پر لگتا دیکھا تو جھٹ بولا۔

"یہی تو میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم اس قافلے کے ساتھ شمال کی جانب سفر کرتی رہیں تو ساری زندگی عنبر اور ناگ کو نہ مل سکو گی"۔

"تو پھر میں کیا کروں؟"۔

ماریا نے اداس لہجے میں کہا۔

پجاری بولا۔

اگر تم کو پسند ہو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ ہم اس قافلے کو اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور جنوب کی طرف سفر شروع کرتے ہیں۔

میرا جادو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ یہاں سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر جنوب میں ایک دریا بہتا ہے جس کے دونوں کناروں پر گھنے جنگل ہیں۔

میں عنبر اور ناگ کو دریا کے بائیں کنارے کے جنگل میں دیکھ رہا ہوں۔

ماریا نے پوچھا۔

"اگر ہم آج سے سفر شروع کر دیں تو کب وہاں تک پہنچ سکیں گے؟ کیا ہمارے پہنچتے پہنچتے عنبر اور ناگ آگے نہیں نکل

جائیں گے؟"۔

پجاری نے کہا۔

"آخر وہ کتنی دور آگے نکل جائیں گے؟ ہم بھی تو ان کے پیچھے پیچھے سفر کر رہے ہوں گے۔ کہیں نہ کہیں تو جا کر انہیں پکڑ ہی لیں گے"۔

ماریا نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ سفر کرنے پر تیار ہوں۔ ہم صبح یہاں سے نکل چلیں گے"۔

پجاری بولا۔

"صبح منہ اندھیرے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چل سکے۔ میں منہ اندھیرے آؤں گا۔ تم تیار رہنا

۔خدا حافظ!"۔

پجاری ماریا کو تیار کر کے چلا گیا۔ وہ بڑا خوش قسمت تھا کہ تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔

تھوڑی دیر بعد موٹا مہاجن بھی لیمپ ہاتھ میں لیے دوسرے آدمیوں کے ساتھ ڈرتا ڈرتا خیمے کے پاس آ گیا۔

"اس خیمے کے اندر بھوت ہے"۔

پجاری گھبرا گیا کہ کہیں ماریا کا راز فاش نہ ہو جائے۔ جلدی سے سامنے آ کر بولا۔

"بھائیو! یہ شخص خواب میں ڈر گیا ہے۔ بھوت کوئی نہیں ہے۔ آؤ میں اندر چل کر تمہیں دکھاتا ہوں"۔

پجاری چند آدمیوں کو خیمے میں لے گیا۔ دیا جل رہا تھا۔ خیمہ

بالکل خالی تھا۔

"دیکھ لیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہاں کوئی بھی نہیں ہے"۔

مہاجن پکار اٹھا۔

"بھائیو! میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بھوت کو دیا جلاتے دیکھا ہے"۔

ایک آدمی نے پوچھا۔

"بھوت کی شکل و صورت کیسی تھی؟"۔

مہاجن بولا۔

"وہ تو غائب تھا"۔

لوگوں نے غصے میں کہا۔

"غائب تھا تو تمہیں نظر کیسے آ گیا۔ چلو اندر جا کر سو جاؤ اور ہمیں پریشان نہ کرو"۔

پجاری نے سوچا کہ یہ کم بخت خیمے میں چلا گیا تو ماریا کو پریشان کرے گا اور ڈر کر پھر باہر بھاگ جائے گا۔

کیوں نہ اسے اپنا خیمہ دے دیا جائے۔

پجاری نے کہا۔

"مہاجن بھیا! تم ایسا کرو کہ میرے خیمے میں جا کر سو جاؤ، میں تمہارے خیمے میں سو جاتا ہوں۔ مجھے بھوت کچھ نہیں کہتا"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے"۔

پجاری ماریا کے خیمے میں آ کر لیٹ گیا۔ اس نے ماریا کو آواز دے کر کہا۔

"ماریا سو گئیں؟"۔

کوئی جواب نہ آیا۔ ماریا شاید سو گئی تھی۔

ساری رات پجاری اپنے منصوبوں پر غور کرتا رہا اس کا پروگرام یہ تھا کہ ماریا کو جنوب میں دریا کے کنارے لے جا کر وہاں کے راجہ کے پاس بیچ دیا جائے۔

راجہ کا نام ڈیا تگ سن تھا۔ اس کے ہاں لڑکا نہیں تھا۔ سب لڑکیاں ہی تھیں۔

اسے یہ غم تھا کہ اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی۔ اور کوئی اس کا نام چلانے والا نہیں ہو گا۔

دربار کے نجومی نے اسے کہا تھا۔

اے راجہ! اگر تو کسی ایسی عورت کو حاصل کرے جو نظر نہ آتی

ہو۔ پھر تو اس کا سر کاٹ کر شمشان بھومی میں لے جا کر آگ میں جلا کر راکھ کر دے اور اس کی راکھ تھوڑی سی وچی رانی کو دریا کے پانی کے ساتھ کھلا دے تو تیرے ہاں چاند ایسا لڑکا پیدا ہوگا۔

چونکہ تو ایسا نہیں کر سکتا اس لیے لڑکے کا خیال دل سے نکال دے۔

راجہ نے ڈھنڈی پٹوا دی تھی کہ اگر کوئی اسے ایسی عورت لا کر دے دے جو کسی کو دکھائی نہ دیتی ہو تو وہ اسے آدھی سلطنت دے دے گا۔

لوگ ہنستے تھے۔ کیونکہ کسی کو یقین نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی عورت بھی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔

صبح ہوئی تو پجاری نے ماریا کو آواز دے جگا دیا۔

”بہن ماریا! اب ہمیں یہاں سے اپنے سفر پر نکل چلنا ہے۔ جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ۔ باہر دونوں گھوڑے تیار کھڑے ہیں“۔

ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا دن چڑھ آیا ہے؟“۔

پجاری بولا۔

”ہاں بہن ماریا! بس کوئی دم میں دن نکلنے ہی والا ہے۔ ہمیں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے“۔

پجاری بڑی میٹھی زبان میں بات کرتا تھا۔ ماریا اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی تھی۔

اٹھ کر جلدی سے تیار ہو گئی۔ خیمے سے باہر آ کر اس نے دیکھا

کہ دو گھوڑے تیار کھڑے ہیں۔ ایک گھوڑے پر سفر کا ضروری سامان اور کھانے پینے کی چیزیں لدی ہوئی ہیں۔

"تم چاہے جس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

ماریا سفید رنگ کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پجاری کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے وہ سفید گھوڑا ایک دم سے غائب ہو گیا۔

وہ بڑا حیران ہوا۔

"کیا تم سوار ہو گئیں ماریا؟"۔

"ہاں۔ جب ہی تو گھوڑا غائب ہو گیا ہے"۔

پجاری بھی ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابھی کچھ اندھیرا ہی تھا۔

سورج نہیں نکلا تھا۔ پجاری گھوڑے پر سوار آگے تھا۔

اس نے سامان سے لدے ہوئے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔

ان کا سفر شروع ہو گیا۔ وہ قافلے والوں کے خیموں سے دور نکل آئے۔ جب دن کی روشنی پھیلی تو وہ برفانی میدانوں سے کافی دور جا چکے تھے۔

یہاں پہاڑوں کے بیچ میں ایک وادی شروع ہو گئی تھی۔ پہاڑی ڈھلانوں پر کہیں کہیں برف جمی تھی۔ سامنے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے تھے۔

جن کی چوٹیاں سفید برف میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وادی میں درخت بھی تھے مگر ان درختوں پر پتے بہت کم تھے۔

دوپہر تک وہ سفر کرتے رہے۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی طرف بھی جاتے ہیں۔

وہ ماریا کی تلاش میں سفر کرتے کرتے آخر لاما کے بڑے مندر کے باہر پہنچ گئے۔

انہوں نے اپنے آپ کو مسافر ظاہر کر وہاں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اب وہ ٹوہ لگانے لگی کہ یہاں کوئی ایسا جادوگر رہتا ہے جس کے پاس کوئی بکری ہے؟۔

اتفاق سے پاگلن سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ پاگلن نے جب دیکھا کہ یہ دونو جوان بکری کسی تلاش میں ہیں تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

سوچنے لگا ہو نہ ہو یہ عنبر اور ناگ ہی ہیں۔

چنانچہ بولا۔

”کیا تم عنبر اور ناگ ہو اور ماریا کی تلاش میں آئے ہو؟“۔

عنبر اور ناگ تو دنگ ہو کر رہ گئے کہ اس شخص کو ان کے نام کیسے معلوم ہو گئے؟۔

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ ہم کس کی تلاش میں یہاں آئے ہیں؟“۔

پاگلن مسکرا کر بولا۔

کیوں نہیں۔ اگر میں تمہارے نام جانتا ہوں تو یقیناً یہ بھی جانتا ہوں گا کہ تم لوگ ماریا یعنی اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔

جو کسی کو نظر نہیں آتی اور جسے ایک جادوگر بکری بنا کر لیے لیے پھرتا ہے۔

اب تو ناگ عنبر کو کوئی شک ہی نہ رہا کہ یہ شخص ان کے سارے

راز جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ماریا کہاں پر ہے؟۔

ناگ نے بے باکی سے پوچھا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ ماریا کہاں ہوگی؟"۔

پاگلن نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"افسوس میرے دوستو! تمہیں دیر ہوگئی۔ تم دیر سے یہاں پہنچے"۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"کیوں کیا بات ہوگئی؟ ماریا تو خیریت سے ہے؟"۔

پاگلن بولا۔

"خیریت سے تو ہے مگر تمہاری پہنچ سے باہر ہوگئی ہے۔

"کہاں ہے وہ؟"۔

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

اگر تم ہمیں ماریا کا پتہ بتا دو تو ہم تمہیں دولت سے مالا مال کر دیں گے۔

پاگلن ہنسا۔

"تمہارے اپنے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے تم دوسرے کو دولت سے کیا مالا مال کرو گے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر تم ماریا سے ہمیں ملا دو تو میں اسی وقت تمہیں دنیا کے بہترین جواہرات اور سونا پیش کر سکتا ہوں"۔

پاگلن اب گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کہیں اس نے ماریا کو پجاری کے ساتھ روانہ کر کے غلطی تو نہیں کی؟۔ کیونکہ پجاری نے

تو اسے صرف ایک ہزار روپیہ ہی دیا ہے۔

یہ لوگ تو اسے لاکھوں کے جواہرات دینے کا وعدہ کر رہے تھے۔

پالگن بولا۔

"اگر تم لوگ مجھے ایک لاکھ روپے کی قیمت کا کوئی ہیرا لا دو۔ تو میں اسی وقت تمہیں بتا سکتا ہوں کہ ماریا کہاں ہے۔ اس کے آگے میں نہیں بتا سکتا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں تھوڑی دیر بعد تمہیں ہیرا دے دوں گا"۔

ناگ کوٹھڑی میں اکیلا رہ گیا۔ عنبر اور پالگن باہر چلے گئے۔

ناگ نے اس علاقے کے سب سے بڑے سانپ کو طلب کیا

اور اسے حکم دیا کہ قیمتی سے قیمتی ہیرا لا کر اسے دے۔

سانپ نے سر جھکایا اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آیا تو اس نے منہ میں ایک بہت ہی چمکیلا قیمتی ہیرا اٹھا رکھا تھا۔ ہیرا ناگ کے حوالے کر کے سانپ چلا گیا۔

ناگ نے عنبر اور پالگن کو کوٹھڑی میں بلوا لیا اور ہیرے دے کر کہا۔

"یہ لو تمہارا ہیرا۔ یہ بہت قیمتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماریا کہاں ہے؟"۔

پالگن نے کہا۔

"ماریا اس وقت جنوب میں پجاری کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ وہ دریائے چترا کے کنارے راجہ ڈینگ من کے دربار کی

طرف جا رہے ہیں۔ کیونکہ پجاری ماریا کو راجہ کے حوالے کرنا چاہتا ہے"۔

"وہ کیوں؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

پاگلن بولا۔

"وہ اس لیے کہ راجہ کے ہاں لڑکا نہیں ہوتا۔ کسی نے اسے کہا کہ اگر وہ کسی غیبی عورت کا سر کاٹ کر اسے جلائے اور اس کی راکھ رانی کو کھلائے تو اس کے ہاں چاند جیسا لڑکا ہوگا"۔

عنبر اور ناگ پریشان ہوگئے۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں حضور! آپ جلدی سے روانہ ہو

جائیں۔ نہیں تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا"۔

عنبر اور ناگ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پاگلن کے بتائے ہوئے راستے پر گھوڑے دوڑاتے روانہ ہوگئے۔

سارا دن وہ گھوڑے پر سوار سفر کرتے رہے۔ رات کو انہوں نے ایک جگہ آرام کیا۔

صبح اٹھ کر عنبر نے کہا۔

ناگ بھیا! اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو ہو سکتا ہے ماریا تک پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے اور راجہ اس کا سر کاٹ ڈالے۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے پرندہ بن کر اڑو اور آگے جا کر ماریا کی مدد کرو۔

اسے بچاؤ۔ میں گھوڑے پر سوار تمہارے پیچھے پیچھے آتا

ہوں۔

"اچھا خیال ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر تم اڑ جاؤ"۔

ناگ نے باز کی شکل اختیار کی اور ہوا میں اڑ گیا۔

باز بن کر اس کی رفتار بڑی تیز ہو گئی اور اس نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ ہواؤں میں پرواز شروع کر دی۔

شام کے قریب وہ ایک وادی میں پہنچا تو اس نے ایک گھوڑ سوار کو دیکھا کہ دریا کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک خالی گھوڑا ہے جس پر سامان لدا ہے۔

ماریا سفید گھوڑے پر سوار تھی اور کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ناگ غلطی کھا گیا۔ سوچا کہ یہ کوئی مسافر ہے جو اکیلا ہی اگلے گاؤں جا رہا ہے۔ ناگ اڑتا اڑتا آگے نکل گیا۔

اسے خبر ہی نہیں تھی کہ اسی دریا کے کنارے پرلی طرف گھنے درختوں میں راجہ ڈیا تمک سن کا قلعہ ہے جس کے اندر وہ رہتا ہے اور جہاں پجاری ماریا کو لے جا رہا ہے۔

پجاری راجہ کے محل میں پہنچ گیا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

"ہم دو ایک روز اس محل میں بسر کرتے ہیں۔ یہاں کا راجہ میرا دوست ہے۔ اس سے دوسرے تازہ دم گھوڑے لے کر پھر آگے سفر پر نکلیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر اور ناگ کہاں ہے؟ وہ تو کہیں نظر نہیں آتے"۔

پجاری بولا۔

"اس محل کے آگے ایک اور دریا ہے۔ بس اسی دریا کے کنارے جنگل میں عنبر اور ناگ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے جادو کے زور سے سب معلوم کر لیا ہے"۔

ماریا مجبور ہو کر وہاں رک گئی۔

پجاری نے ماریا کو قلعے کے باہر خیمہ لگا کر وہاں ٹھہرایا اور خود راجہ کے پاس جا کر ساری بات بیان کر دی اور کہا کہ وہ غیبی عورت کو لے کر آیا ہے۔ راجہ کو یقین نہ آیا۔

کہنے لگا۔

"پہلے اس عورت کو دکھاؤ پھر آدھی سلطنت دوں گا"۔

پجاری بولا۔

"میں اس عورت کو دکھا تو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ غائب ہے لیکن آپ محسوس کر سکیں گے کہ وہ آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ اسے رسیوں سے جکڑ سکیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ میں سپاہی تمہارے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ اس غیبی عورت کو رسیوں سے جکڑ کر لے آؤ"۔

راجہ نے سپاہیوں کا ایک دستہ پجاری کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سپاہی اپنے ساتھ لوہے کی چھوٹی زنجیروں سے بنا ہوا ایک مضبوط جال لیتے گئے۔ اور پھر اس کے اوپر جال پھینک دیا۔

ماریا پریشان ہو کر باہر نکلی تو دیکھا کہ اس کے اوپر لوہے کا جال پھیلا ہے اور اردگرد سپاہی کھڑے ہیں۔ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ

دھوکا ہوا ہے۔

اب وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ غائب ہو سکتی تھی مگر اس جال سے نکل نہیں سکتی تھی۔

جال تنگ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ماریا کو اس جال میں جکڑ دیا گیا۔ اسے راجہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ راجہ کو کوئی عورت جال میں نظر نہیں آ رہی تھی۔

قریب جا کر اس نے ہاتھ لگایا تو اس کا ہاتھ ماریا کے منہ پر لگا۔

ماریا کا چہرہ عورت کا چہرہ تھا۔ ناک، کان، آنکھیں، منہ، بال، گردن راجہ حیران ہو کر رہ گیا۔ ایک پوری عورت اس کے سامنے کھڑی تھی۔

مگر نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے پاگن کو آدھی سلطنت کے برابر دولت دے کر رخصت کیا اور ماریا کو لوہے کی دیواروں والی ایک تنگ سی کوٹھڑی میں قید کر دیا۔

اس نے حکم دیا کہ صبح منہ اندھیرے اس غیبی عورت کا سر کاٹ کر شمشان بھومی جلا ڈالا جائے۔ یہ خبر ماریا کو بھی مل گئی تھی کہ صبح اس کا سر کاٹ کر جلا دیا جائے گا۔ وہ پریشان ہو گئی اور عنبر ناگ کو یاد کرنے لگی۔ اب اسے افسوس ہوا کہ اس نے ایک غیر شخص پر کیوں اعتبار کیا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ کوٹھڑی کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ شام ہو رہی تھی۔ کوٹھڑی کے دروازے میں چھوٹا سا سوراخ تھا جس میں سلاخیں لگی تھیں۔

ناگ بچھڑ گیا

ناگ اڑتا اڑتا کافی آگے نکل گیا۔

وہاں کوئی دریا نہیں تھا۔ بچاری پاگلن نے تو کہا تھا کہ آگے دریا آئے گا جس کے کنارے راجہ کا محل ہوگا۔

وہاں ماریا سے ملاقات ہو سکے گی۔ مگر یہاں تو کوئی دریا نہیں ہے۔ ناگ اڑتا اڑتا نیچے اتر آیا۔ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔

ناگ انسانی شکل میں آ کر ایک دیہاتی سے ملا اور پوچھا۔

"کیوں بھائی! یہاں راجہ کا محل کہاں پر ہے؟"۔

دیہاتی نے کہا۔

"بھائی راجہ کا محل تو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ وہ یہاں سے دس کوس پیچھے دریا کے کنارے پر ہے"۔

ناگ نے شکریہ ادا کیا اور دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب اس نے دیکھا کہ دیہاتی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے تو وہ پھر سے باز بن کر ہوا میں اڑنے لگا۔

اڑتے اڑتے آخر اس نے نیچے دیکھا تو ایک دریا بہہ رہا تھا۔ دونوں طرف جنگل تھے۔ سمجھ گیا کہ یہی دریا ہے۔

راجہ کا محل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے جنگل کے اوپر چکر لگانا شروع کر دیا۔ آخر بڑے درختوں کے نیچے چھپا ہوا۔

راجہ کے محل کا بڑا دروازہ نظر آ گیا۔ ناگ نیچے اتر آیا۔ وہ راجہ کے محل کے اوپر بیٹھ گیا اور جائزہ لینے لگا۔ دروازے پر چھ سپاہی تلواریں اور بندوقیں اٹھائے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا یہاں کوئی ایسی عورت قید ہے جس کے بارے میں راجہ نے سر کاٹنے کا حکم دے رکھا ہے؟۔

یہ وہ کس سے معلوم کر سکتا تھا؟۔

ناگ نیچے آ گیا۔ اس نے انسانی شکل بنائی اور کھیت میں کام کرتے ایک کسان سے پوچھا۔

’’کیوں بھائی! یہاں شمشان بھومی کہاں ہے‘‘۔

دیہاتی نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’کیا مرنے کا ارادہ ہے؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’ایسی کوئی بات نہیں بھائی۔ اصل قصہ یہ ہے کہ میرا ایک رشتے دار شمشان بھومی میں مردوں کو جلانے کا کام کرتا ہے۔ میں دوسرے گاؤں سے صرف اسے ملنے آیا ہوں‘‘۔

کسان بولا۔

’’پھر ٹھیک ہے۔ تم ایسا کرو کہ یہاں سے کھیتوں کھیت چلے جاؤ۔ وہ جہاں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے ہیں۔ بس اس جگہ شمشان بھومی ہے اور اس جگہ مردے جلائے جاتے ہیں‘‘۔

ناگ نے کسان کا شکریہ ادا کیا اور شمشان بھومی کی طرف چل پڑا۔

درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا آنگن بنا تھا جہاں ایک جگہ

لکڑیاں اکٹھی کی جارہی تھیں۔

دو آدمی کھڑے معائنہ کر رہے تھے کہ سب کام ٹھیک ہو رہا ہے کہ نہیں۔

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”جناب! میں بھوکا ہوں۔ مگر غیرت مند ہوں۔ ہاتھ پھیلا کر بھیک نہیں مانگنا چاہتا۔ کیا آپ مجھے کوئی کام دے سکتے ہیں تاکہ میں محنت مشقت کر کے اپنی روزی کما سکوں؟“۔

ٹھیکیدار بڑا متاثر ہوا ناگ کی باتوں سے بولا۔

”اگر تم چاہو تو یہاں لکڑیاں جمع کرنے کا کام کر سکتے ہو۔ تمہیں شام کو ایک روپیہ مل جائے گا“۔

”بڑی مہربانی جناب کی“۔

اور ناگ نے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔

دوسرے مزدور کا کام کر رہے تھے۔ ایک مزدور سے ناگ نے جو پوچھا کہ یہ کس بدنصیب کی چتا تیار ہو رہی ہے۔ تو مزدور نے کہا۔

”آج راجہ کے محل سے ایک ایسا سر لا کر جلایا جائے گا جو کسی کو نظر نہیں آتا“۔

دوسرے مزدور ہنس پڑے۔

”ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ایسے سر کو کیسے جلایا جائے گا جو نظر ہی نہیں آتا“۔

ایک مزدور کہنے لگا۔

"خاموش ہو کر کام کرو۔ تم کون ہوتے ہیں راجہ کے کام میں داخل دینے والے۔ کسی نے سن لیا تو اس چتا میں تمہاری لاشیں بھی جلا ڈالی جائیں گی"۔

سب ڈر کر چپ ہو گئے اور اپنا اپنا کام کرنے لگے۔

ناگ نے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ معلوم کر چکا تھا۔ ادھر ماریا کا سر کاٹنے کی تیاریاں مکمل کی جا رہی تھیں۔ ماریا کو جال جکڑ دیا گیا تھا اور اس کی گردن کے گرد رسی ڈال دی گئی تھی۔

ناگ نے جب ساری بات معلوم کر لی تو وہاں سے کھسک کر سیدھا محل کی طرف آ گیا۔

پرندہ بن کر رجہ کی چھت پر آ گیا۔ وہاں سے دوبارہ انسانی شکل میں نیچے اترا۔

اب وہ ایک سپاہی کے لباس میں تھا۔ تلوار اس کی کمر کے ساتھ لگی تھی۔ محل کے نیچے آ کر اس نے سپاہی سے پوچھا۔

"بھائی تہہ خانے کو راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"۔

دوسرے سپاہی نے تعجب سے کہا۔

"تم کیسے محل کے سپاہی ہو کہ تمہیں معلوم ہی نہیں کہ تہہ خانے کو راستہ کہاں سے جاتا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"دراصل میں دوسرے شہر میں زیادہ رہا ہوں"۔

محل میں پہلی بار لگایا گیا ہوں۔

سپاہی کو کچھ کچھ یقین آ گیا۔ پھر اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''ادھر سے جاتا ہے راستہ نیچے''۔

ناگ دروازے پر آگیا۔ سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ ناگ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

اب اس نے دیکھا کہ سامنے ایک کوٹھڑی کا دروازہ ہے جس کے باہر چار سپاہی کھڑے ہیں۔ وہ بھی قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''کیوں بھئی اس بدبخت عورت کا سر کب کاٹا جائے گا؟''۔

سپاہی نے ہنس کر کہا۔

''ہمیں تو یہ سب ایک تماشا معلوم ہو رہا ہے''۔

دوسرا سپاہی کہنے لگا۔

''ارے بھائی! کمال ہو گیا۔ عورت نظر نہیں آ رہی مگر میں

نے اس کی گردن پر ہاتھ لگا کر دیکھا ہے۔ بالکل عورت کی گردن ہے۔ نرم نرم''۔

''تیسرا سپاہی کہنے لگا''۔

''افسوس! یہ گردن ابھی تھوڑی دیر بعد کاٹ دی جائے گی''۔

ناگ نے پوچھا۔

''کیسی عورت اندر قید ہے کیا؟''۔

''اور کہاں ہے؟''۔

اندر ہی تو ہے۔ مگر تم کون ہو؟۔

میں نے پہلے تمہیں یہاں کبھی نہیں دیکھا ہے۔

ناگ گھبرا سا گیا۔

پھر بولا۔

"بھائی میں اب تک راجہ کی فوج میں نوکری کرتا رہا ہوں۔ مجھے آج ہی فوج سے نکال کر یہاں قلعے میں لایا گیا ہے۔ اس لیے ان جگہوں سے واقف نہیں ہوں"۔

سپاہی کچھ مطمئن ہو گئے۔ اب ناگ نے سوراخ سے جھانک کر اندر دیکھا۔

اندر چراغ جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں اس نے لوہے کا ایک جال دیکھا جو کونے میں پڑا تھا۔ اس جال میں ماریا کو جکڑ دیا گیا تھا۔

اتنے میں جیل کا داروغہ آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"پرے ہٹ جاؤ۔ میں غیبی عورت کو لینے آیا ہوں۔ سر کاٹنے کا سمے ہو گیا ہے"۔

ماریا کے سر کاٹنے کا وقت بھی راجہ نے جوتشی سے طے کر رکھا تھا۔ یعنی رات کے ٹھیک گیارہ بجے ماریا کا سر کاٹ دیا جانے والا تھا۔

ناگ بھی دوسرے سپاہیوں کے ساتھ پرے ہٹ گیا۔ جیل کا دروازہ کھول دیا گیا سارے سپاہی اندر گئے اور جال میں جکڑی ہوئی ماریا کو گھسیٹ کر باہر لے گئے۔

سپاہی بار بار کہہ رہے تھے۔

"میں نے اس کے سر پر ہاتھ لگا کر دیکھا ہے"۔

"میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھا ہے"۔

کوئی کہہ رہا تھا۔

"میں نے اس کی گردن پر ہاتھ لگایا ہے۔ وہ غیبی عورت

ہے۔ سچ مچ نیک عورت ہے۔ بے چاری آج رات ذبح کر دی جائے گی"۔

"خاموش! تم کون ہوتے ہو راجہ کے کاموں میں دخل دینے والے"۔

اب ناگ زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ لوگ ماریا کو زنجیروں میں جکڑ کر قتل گاہ کی طرف لے جا رہے تھے۔

جہاں اس کا سر کاٹا جانا تھا۔ وہاں راجہ بھی فوج کے ایک دستے کے ساتھ کھڑا تھا۔ ناگ کے لیے وہاں سے ماریا کو نکال کر لے جانا زیادہ مشکل تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ حملہ کر دے کہ سامنے دروازہ آ گیا سپاہی جال گھسیٹ کر کمرے میں لے گئے۔

ناگ بھی ساتھ ہی آ گیا۔ یہاں ایک طرف راجہ تخت پر بیٹھا تھا۔

اس کے محافظ سپاہی ارد گرد تلواریں نکالے کھڑے تھے۔ ناگ نے صرف اتنا کیا کہ جال کے قریب پہنچ کر آہستہ سے اپنی زبان میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں آ گیا ہوں"۔

ماریا نے ناگ کی آواز سنی تو اسے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بے حد خوش ہو گئی۔

زندگی کا چراغ جس کی لو بجھتی نظر آ رہی تھی اب پھر دوبارہ روشن ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ ناگ اسے اس مصیبت سے ضرور بچا کر لے جائے گا۔

مگر عنبر کہاں ہے۔ وہ سوچنے لگی۔

جالی کو چبوترے کے آگے پھینک دیا گیا۔ پاس ہی ایک کالا جلاد کلہاڑا پکڑے کھڑا راجہ کے اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔

اب موت بالکل سامنے تھی۔ مگر ماریا ناگ کو دیکھ رہی تھی۔ اسے بڑا حوصلہ تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔

ناگ پیچھے سے کھسکتا کھسکتا اس طرف آ گیا جہاں جلاد چبوترے پر کلہاڑا لیے کھڑا تھا۔ ناگ نے ایک منٹ کے اندر اندر سانپ کا روپ اختیار کیا اور جلاد کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

جلاد ایک کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے کلہاڑے سمیت زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ سب لوگ اس کی طرف

دوڑے۔

دیکھا کہ وہ تو مر چکا ہے۔ راجہ نے بھی آ کر اسے دیکھا۔

''اسے کس نے مار دیا؟''۔

مگر وہاں تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جس پر شک کیا جا سکتا۔ ناگ سانپ کے روپ میں چبوترے کے نیچے جا چھپا تھا۔

راجہ نے سوچا کہ کہیں معاملہ خراب نہ ہو جائے اور وہ اولاد سے محروم ہی نہ رہے اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اس عورت کا سر کاٹ ڈالنا چاہیے۔

راجہ نے چلا کر کہا۔

''اس عورت کا سر کاٹ دیا جائے''۔

اس حکم کے ساتھ ہی چھ سات سپاہی تلواریں نکال کر اس

مگر عنبر کہاں ہے۔ وہ سوچنے لگی۔

جالی کو چبوترے کے آگے پھینک دیا گیا۔ پاس ہی ایک کالا جلاد کلہاڑا پکڑے کھڑا راجہ کے اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔

اب موت بالکل سامنے تھی۔ مگر ماریا ناگ کو دیکھ رہی تھی۔ اسے بڑا حوصلہ تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔

ناگ پیچھے سے کھسکتا کھسکتا اس طرف آ گیا جہاں جلاد چبوترے پر کلہاڑا لیے کھڑا تھا۔ ناگ نے ایک منٹ کے اندر اندر سانپ کا روپ اختیار کیا اور جلاد کی پنڈلی پر ڈس دیا۔

جلاد ایک کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے کلہاڑے سمیت زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ سب لوگ اس کی طرف

دوڑے۔

دیکھا کہ وہ تو مر چکا ہے۔ راجہ نے بھی آ کر اسے دیکھا۔

"اسے کس نے مار دیا؟"۔

مگر وہاں تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جس پر شک کیا جا سکتا۔ ناگ سانپ کے روپ میں چبوترے کے نیچے جا چھپا تھا۔

راجہ نے سوچا کہ کہیں معاملہ خراب نہ ہو جائے اور وہ اولاد سے محروم ہی نہ رہے اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اس عورت کا سر کاٹ ڈالنا چاہیے۔

راجہ نے چلا کر کہا۔

"اس عورت کا سر کاٹ دیا جائے"۔

اس حکم کے ساتھ ہی چھ سات سپاہی تلواریں نکال کر اس

لوہے کے جال کی طرف بڑھے جس کے اندر ماریا کو جکڑا ہوا تھا۔

اب ناگ بھی میدان میں کود پڑا۔ اس نے ایک بہت اونچے لمبے ہاتھی کا روپ دھار کر سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے چیخ ماری۔

سب کے دل دہل گئے۔ جو سپاہی جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

ہاتھی نے آگے بڑھ کر دو سپاہیوں کو سونڈ پر اٹھایا اور پرے پھینک دیا۔

پھر اس نے ایک پاؤں جال پر رکھ کر سونڈ سے جال کو پکڑ کر توڑ ڈالا۔

ماریا آزاد ہو گئی۔ اور ہاتھی کی سونڈ پر چڑھ کر اس کے اوپر جا بیٹھی۔

راجہ پاگلوں کی طرح ہاتھی کو دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے ناگ کے

کان میں کہا۔

"وہ مکار پجاری کھڑا ہے جو مجھے دھوکے سے یہاں لایا تھا"۔

ہاتھی نے سر ہلایا اور آگے بڑھ کر پجاری کو سونڈ میں جکڑ لیا۔

پھر اسے اوپر اٹھا کر زور سے فرش پر دے مارا۔

پجاری ہلاک ہو گیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ راجہ کی طرف بڑھائی۔ راجہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مہاراجہ! مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے"۔

ہاتھی نے زور سے چنگھاڑ ماری اور ایک دم سے غائب ہو گیا۔ اب ہاتھی کی جگہ وہاں ناگ عام لباس میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ماریا بھی اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"اے راجہ! تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم میرے ہاتھ سے بچ گئے۔ کیا تمہیں خبر نہیں تھی کہ میں دیوتا ہوں۔ ناگ دیوتا ہوں اور جس عورت کا تم سر کاٹنے لگے تھے۔ وہ میری بہن ہے؟"۔

راجہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے ناگ دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو"۔

ناگ بولا۔

"میں نے تمہیں معاف کر دیا"۔

راجہ ناگ کو اپنے محل میں لے گیا۔ اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ اب راجہ نے ناگ کو اپنی ساری پریشانی بیان کی اور کہا کہ یہ سارے جتن وہ اس لیے کر رہا

تھا کہ اس کے ہاں لڑکا نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔

سب سے پہلا کام ناگ نے یہ کیا کہ راجہ کے گھڑ سواروں کا ایک دستہ لے کر گیا اور پیچھے جہاں عنبر کو چھوڑ آیا تھا وہاں سے اسے ساتھ لیا اور واپس راجہ کے محل میں آ گیا۔

عنبر سارا قصہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ ماریا کی جان بچ گئی اور وہ مل بھی گئی۔

راجہ نے عنبر ناگ ماریا کی بڑی خدمت کی۔ آخر اس نے ایک روز ناگ سے کہا۔

"مہاراج! آپ نے کہا تھا کہ میرے دکھ کا علاج بھی آپ کردیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ تجھے اولاد کے نہ ہونے کا دکھ ہے۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا"۔

اسی رات ناگ نے اس علاقے کے شیش ناگ کو طلب کیا اور اس سے کہا۔

تمہارے پاس ایسی دوائی ہے جس کے کھانے سے کسی عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہو جائے۔

شیش ناگ نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"اے ناگ دیوتا! کیا آپ نہیں جانتے کہ خدا نے اس دنیا میں ہر روگ کا علاج جڑی بوٹیوں میں رکھ ہے"۔

اسی راجہ کے جنگل میں اس کے قلعے کے باہر کھائی میں ہرن جوت نام کی ایک بوٹی اگتی ہے۔ اس کے پتوں کے پانچ کنارے ہوتے ہیں۔

اس پر ایک آم کی گٹھلی پر ایسا خشک پھل لگتا ہے۔ اس پھل کے اندر سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں۔ اگر رانی سات روز صبح اٹھ کر دودھ کے ساتھ یہ بیج کھا جائے تو خدا کے حکم سے وہ ایک چاند جیسے لڑکے کی ماں بن جائے گی۔

ناگ نے شیش ناگ کا شکریہ ادا کر کے اسے رخصت کیا۔ اسی وقت راجے کے پاس پہنچا اور کہا۔

"اے راجہ! تمہارے دکھ کا علاج مل گیا ہے"۔

راجہ نے بے صبر ہو کر کہا۔

"کیا آپ سچ کہتے ہیں مہاراج؟"۔

"ہاں بالکل سچ آؤ میرے ساتھ"۔

ناگ نے راجہ کو ساتھ لیا اور قلعے کی کھائی میں آ گیا۔ یہاں شیش ناگ کے کہنے کے مطابق پانچ کناروں کے پتوں کی ایک بوٹی جھاڑیوں کی صورت میں اگی ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ خشک پھل لگا ہوا تھا جو بالکل آم کی گٹھلی کی طرح تھا۔ ناگ نے اس پھل کو لے کر توڑا تو اس کے اندر سے سیاہ رنگ کے بیج نکل آئے۔

ناگ نے بیج راجہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"رانی سے کہو کہ سات روز یہ بیج صبح اٹھ کر پانی کے ساتھ پیا کرے۔ خدا کے حکم سے اس کی مراد پوری ہوگی"۔

راجہ بڑا خوش ہوا۔ مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا علاج کی خاطر اس نے لاکھوں روپے خرچ کر دیئے تھے۔

اب وہ ایک معمولی سی بوٹی کے پھل سے دور ہو جائے گا۔ اس نے جاتے ہی بیج رانی کو دیئے اور تاکید کی کہ ہر روز اسے کھا لیا کرے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ رانی کے ہاں چاند جیسا لڑکا پیدا ہوا۔ راجہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس نے ناگ کے پاؤں پکڑ لیے۔

"اے عظیم دیوتا! میں کیا خدمت کروں آپ کی؟ آپ نے تو ساری زندگی کے لیے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

بس اگر ہماری کوئی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو یہی کرو کہ اپنے محل کے باہر ایک لنگر لگا دو کہ جو کوئی آئے وہاں سے کھانا کھا کر جائے۔

اور جب تک زندہ ہو اور جب تک تمہاری اولادیں زندہ ہیں اور حکومت کرتی ہیں یہ لنگر جاری رہے۔

راجہ نے سر جھکا کر کہا۔

"ایسا ہی ہوگا مہاراج!"۔

اسی روز راجہ نے محل کے سامنے بہت بڑا لنگر کھلوا دیا۔ وہاں صبح شام کھانے پکتے رہتے۔ جو کوئی ادھر سے گذرتا اسے کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیا جاتا۔

ایک سال تک عنبر ناگ اور ماریا اس راجہ کے محل میں رہے۔

جب ان کی ساری تھکاوٹیں دور ہو گئیں اور وہ تازہ دم ہو گئے تو ایک روز انہوں نے راجہ سے اجازت طلب کی اس کی خواہش تو تھی کہ عنبر ناگ ساری زندگی اسی کے ہاں بسر کر دیں۔

مگر ان لوگوں نے ابھی دنیا کی سیریں کرنی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے راجہ سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہو گئے۔

راجہ کے گھوڑ سوار شہر کی سرحد تک ان کے ساتھ آئے۔ سامنے دریا آ گیا۔

عنبر ناگ کو شاہی کشتی میں سوار کر دیا گیا اور شاہی دستہ سلامی دے کر واپس چلا گیا۔ کشتی دریا میں بہتی جا رہی تھی۔

عنبر ناگ اور ماریا کشتی میں آرام کر رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔

''اب کس ملک کو جانے کا خیال ہے؟''۔

عنبر بولا۔

''میرا خیال ہے ملک چین ہی باقی رہ گیا ہے''۔

ماریا نے کہا۔

''اس ملک کی سیر تو ہم نے کر لی تھی''۔

ناگ نے تائید کی۔

''ہاں بھئی اس ملک میں تو ہم جا چکے ہیں''۔

''تو پھر کس ملک کو اپنی منزل بنایا جائے؟''۔

عنبر کے اس سوال پر ماریا نے کہا۔

''میرا تو خیال ہے ہمیں اس دریا کے ساتھ ساتھ آگے سفر کرتے رہنا چاہیے جو کوئی پہلا شہر یا ملک آئے بس اسی زمین پر آباد ہو جانا چاہیے''۔

عنبر نے جھٹ کہا۔

''بھئی ہم لوگ کسی ملک میں آباد ہونے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو سیلانی ہیں مسافر ہیں بس چلتے پھرتے ہی اچھے لگتے ہیں''۔

''چلو ایسا ہی سہی! بس تو پھر یہ طے ہو گیا کہ ہم اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کریں گے''۔

''بالکل طے ہو گیا ہے''۔

سارا دن کشتی دریا میں چلتی رہی۔ شروع میں تو دریا کے کناروں پر جنگل قریب تھے۔

جوں جوں دریا آگے بڑھتا گیا۔ کنارے سے ذرا ذرا دور ہوتے گئے۔

دریا کا پاٹ بھی چوڑا ہو گیا اور اس کی لہروں میں روانی بھی زیادہ آتی گئی۔

ماریا نے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے یہ دریا آگے چل کر کسی سمندر میں مل جاتا ہے''۔

''ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن ادھر جنگل کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ یہ کوئی بڑا پرامن علاقہ ہے''۔

عنبر کے اس خیال پر ناگ کہنے لگا۔

''محسوس ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ علاقہ کون سا

ہے؟ دریا کا پانی بھی گدلا نہیں رہا۔ کچھ صاف ہونے لگا ہے''۔

''اس کا مطلب تو یہی ہے کہ سمندر قریب آ رہا ہے''۔

دیکھتے نہیں ہو کنارے کتنے دور ہو گئے ہیں۔

کنارے بہت دور ہو گئے تھے۔ بلکہ ایک طرف کا کنارہ تو آدھا غائب ہو گیا تھا۔ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ دریا پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ پرندے اڑتے جا رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

ماریا اور ناگ کو نیند آنے لگی۔

''بھئی ہم تو سوتے ہیں۔ تم جاگتے رہنا عنبر بھائی''۔

ماریا نے کہا اور سو گئی۔

ذرا پرے کشتی کے ایک بینچ پر لیٹ کر ناگ بھی سو گیا۔ عنبر

جاگ رہا تھا اور کشتی کے چپو کو سنبھالے ہوئے تھا جس کی وجہ سے سمت درست رکھی جاتی ہے۔

اگر وہ چپو کو چھوڑ بھی دیتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ دریا کا بہاؤ بڑا ہموار تھا اور کشتی آگے کی طرف ایک بچی تلی رفتار کے ساتھ بہہ رہی تھی۔

سورج غروب ہو گیا۔ دریا پر اندھیرا چھانے لگا۔ اب عنبر بھی نیند محسوس کرنے لگا۔

ویسے تو اسے نیند بہت ہی کم آتی تھی اور وہ اگر چاہتا تو کئی کئی راتیں جاگ کر گزارہ کر سکتا تھا۔ لیکن عام حالات میں نہیں۔

یعنی جب کبھی آرام سکون ملتا ہو تو عنبر کو تھکاوٹ کا احساس بھی ہوتا تھا۔ اور اسے نیند بھی خوب آتی تھی۔ وہ نیند کا مزا بھی اٹھاتا

تھا۔

آج بھی اس کی یہی حالت ہو رہی تھی۔ یعنی اسے نیند آنے لگی تھی۔

دوسری طرف ناگ اور ماریا بھی گہری نیند سو رہے تھے۔ اس نے سوچا کشتی تو یونہی چلی جا رہی ہے۔ کیوں نہ تھوڑی دیر کے لیے وہ بھی کمر سیدھی کر لے۔ چنانچہ وہ چپو چھوڑ کر ٹیک لگا اونگھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ بھی گہری نیند میں کھو چکا تھا اور کشتی رات کے اندھیرے میں اکیلی ہی دریا کی لہروں پر بہی چلی جا رہی تھی۔

آدھی رات کو ان کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دریا میں سیلاب آ گیا ہے اور بڑی بڑی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

کشتی ڈول رہی ہے۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ طوفانی بارش، تیز ہواؤں اور لہروں کے شور میں کشتی الٹ گئی اور وہ تینوں اپنی کے اندر غرق ہو گئے۔ ناگ نے پانی کے اندر ہی اپنی جون بدل ڈالی اور سانپ بن کر بڑی تیزی سے پانی کے اوپر آ گیا۔

دریا میں لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ پانی کا ریلا اسے بہائے لیے جا رہا تھا۔ عنبر اور ماریا کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کدھر ہیں اور کس حال میں ہیں۔

ناگ پانی کی لہروں پر بہتا چلا گیا۔

بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بارش ہو رہی تھی۔

رات اندھیری تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ جب صبح

ہوئی تو طوفان تھم گیا۔

ناگ ابھی تک دریا کی لہروں پر تیر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ذرا دور ساحل نظر آنے لگا تھا۔ وہ تیزی سے تیرتا ہوا ساحل پر آ گیا۔

یہاں گھاس دلدل اور کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ ناگ دلدل میں رینگتا ہوا آگے نکل گیا۔

یہاں کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ناگ کھیتوں میں سے گزرتا باہر ایک کھلی جگہ پر آ گیا۔

ایک پگڈنڈی کسی طرف جا رہی تھی۔ چاروں طرف کھیتوں میں بارش کا پانی جمع تھا۔

ناگ پگ ڈنڈی پر رینگتا ہوا آگے چل پڑا۔

دور صبح کی روشنی میں اسے ایک گاؤں کی مسجد کے مینار نظر آئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مسلمانوں کا گاؤں ہے۔

ناگ نے دیکھا کہ آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔

بارش رک گئی تھی۔ ابھی وہ گاؤں سے دور ہی تھا کہ کسی نے بڑے زور سے اس پر پتھر مارا۔ ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔

ایک عورت درخت کے پاس کھڑی سانپ سانپ کہہ کر شور مچا رہی تھی۔

کھیت میں سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا۔ اور اس نے بھی زمین پر سے اینٹ اٹھا کر ناگ پر ماری۔ ناگ پرے ہٹ گیا۔

آدمی کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ وہ لاٹھی لے کر ناگ کی طرف بڑھا۔

ناگ بڑا حیران کہ جب میں انہیں کچھ نہیں کہتا تو پھر یہ کیوں مجھے مارنے پر تلے ہوئے ہیں؟۔

اسے بھلا کیا خبر تھی کہ انسان شروع ہی سے سانپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

ناگ نے پھن پھیلا کر پھنکار ماری۔ آدمی رک گیا۔ مگر پھر لاٹھی لے کر آگے بڑھا۔

اب ناگ کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اس نے حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ آدمی کا انتظار کرنے لگا۔

جونہی وہ آگے آیا اور اس نے لاٹھی اٹھائی ناگ نے اسے ڈس دیا اور گاؤں کی طرف چل دیا۔

گاؤں کے باہر جا کر اس نے انسان کی شکل اختیار کی اور مسجد میں آ کر رک گیا۔

اتنے میں وہاں شور مچ گیا کہ بیوہ عورت مہریں کے اکلوتے بیٹے گوہر کو سانپ نے ڈس دیا ہے۔ عورت کی چیخ و پکار سے آسمان ہل رہا تھا۔

گوہر کی لاش پائی پر ڈال کر مسجد کے باہر رکھ دی گئی۔ اس کی ماں سینہ پیٹ رہی تھی اور بین کر رہی تھی۔

ناگ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا۔

جلدی سے آگے بڑھ کر بولا۔

"اس کو کس قسم کے سانپ نے ڈسا ہے؟"۔

وہی عورت جو وہاں کھیتوں میں موجود تھی بولی۔

"کالا ناگ تھا۔ اس نے پھن پھیلا رکھا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں ماں! تمہارا بچہ اچھا ہو جائے گا"۔

عورت نے ناگ کے پیر پکڑ لیے۔

"خدا کے لیے میرے بچے کو اچھا کر دو۔ میں ساری زندگی تیری جوتیاں سیدھی کرتی رہوں گی تیرے پاؤں دھوتی رہوں گی"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا سے دعا کرو۔ میں کوشش کرتا ہوں"۔

ناگ نے یونہی ایک بجھا ہوا سیاہ کوئلہ منگوایا۔ اس پر کچھ پڑھ کر گوہر کی آنکھوں پر رکھا۔

پھر جھک کر جہاں اس نے خود ہی کاٹا تھا وہاں منہ رکھ کر زہر باہر نکال کر تھوک دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں نوجوان نے آنکھیں کھول دیں۔

''لو ماں! تیرا بیٹا خدا کے فضل سے اچھا ہو گیا''۔

عورت اپنے بیٹے سے لپٹ گئی۔ پھر اس نے ناگ سے کہا۔

''بیٹا خدا تیری عمر لمبی کرے۔ تو نے میرے بیٹے کی جان بچا لی۔ میں حشر کے دن خدا کے آگے تیری بخشش کی سفارش کروں گی''۔

ناگ پاگل خانے میں

ناگ کا سارے گاؤں میں شور مچ گیا۔

ہر کوئی اسے مسجد میں دیکھنے آ رہا تھا۔

دو روز ناگ اس گاؤں میں رہا اسے عنبر اور ماریا کی کوئی خبر نہیں تھی۔

اتنا اسے یقین تھا کہ دونوں ضرور بچ گئے ہوں گے۔ اور اسی علاقے میں کسی جگہ پہنچ چکے ہوں گے۔ ناگ جس گاؤں میں ٹھہرا

ہوا تھا وہ ملک پاکستان کے دریائے سندھ کے کنارے آباد تھا۔

ناگ نے وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا اور ایک روز رات کو وہاں سے نکل کر ایک قریبی ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔

سٹیشن ویران تھا۔ رات ہلکی ہلکی خنک تھی ایک لیمپ جل رہا تھا۔

کافی دیر بعد ٹرین آئی۔ ناگ اس میں سوار ہو گیا۔ ساری رات گاڑی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر رکتی چلی رہی۔

صبح کو گاڑی ایک بڑے شہر پہنچ گئی۔ ناگ نے ایک آدمی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس شہر کا نام ملتان ہے۔ یہ کافی بڑا شہر تھا۔

یہاں سے گاڑی چلی تو ٹکٹ چیک کرنے والا اندر گیا۔ اس نے ناگ سے ٹکٹ مانگا۔

ناگ نے کہا۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں اس لیے ٹکٹ نہیں خریدا"۔

چیکر نے کہا۔

"میں تمہیں ریلوے پولیس کے حوالے کروں گا نہیں تو پیسے نکالو اور جرمانہ کے ساتھ ٹکٹ کے پیسے ادا کرو"۔

ناگ بولا۔

"بھائی کہہ جو دیا کہ پیسے نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو ضرور لیتا ٹکٹ کہاں کوئی ایک ہزار روپے میں آتا ہے"۔

چیکر نے غصے میں آ کر کہا۔

"ایک بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہو اوپر سے دھونس دکھاتے ہو۔ میں اگلے سٹیشن پر تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا"۔

ناگ نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔

"تم مجھے پولیس کے حوالے کرو گے تو میں تمہیں موت کے حوالے کر دوں گا"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے زور کی پھنکار ماری۔

چیکر ڈر کر پرے ہٹ گیا۔ ڈبے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں نے بھی پھنکار سنی۔

اگرچہ ناگ کا چہرہ انسانی تھا مگر اس کی پھنکار بالکل سانپ کی تھی۔

وہ سارے ڈر گئے۔ چیکر اگلے سٹیشن پر چپکے سے اتر گیا۔ ناگ سے پھر کسی نے کوئی بات نہ کی۔ وہ لاہور پہنچ کر گاڑی سے اتر گیا۔

اس شہر کی ناگ نے بڑی تعریف سنی تھی۔ وہ سٹیشن سے باہر آیا تو وہاں بھی چیکر نے اس سے ٹکٹ مانگا۔ ناگ نے وہی جواب دیا کہ پیسے نہیں تھے اس لیے ٹکٹ نہیں خریدا۔

چیکر نے اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔

پولیس والوں نے اس کا چالان کر کے اس حوالات میں بند کر دیا۔

کیونکہ ناگ کے پاس جرمانہ ادا کرنے کے لیے بھی پیسے نہیں تھا۔

ناگ بڑا پریشان ہوا کہ اچھا لاہور کی سیر کرنے کے آئے ہیں کہ آتے ہی جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ اس نے سلاخوں کے پیچھے سے ایک سپاہی کو آواز دی اور کہا۔

"بھائی! مجھے یہاں سے جانے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس وقت بھی پیسے ہوئے میں آ کر جرمانہ ادا کر دوں گا"۔

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بک بک نہ کرو اوئے"۔

ناگ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ سارا دن ساری رات وہ حوالات میں بند رہا۔

وہ تنگ آ گیا۔ جو کوئی بھی آتا اس کا مذاق اڑاتا۔ اسے برا بھلا کہتا۔

دوسری شام کو ناگ نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی شکل بدلی اور سانپ بن کر حوالات سے باہر آ گیا۔

باہر آتے ہی اس نے پھر سے انسان کی شکل اختیار کی اور شہر

کی سڑکوں پر سیر کرنے لگا۔ خدا جانے پیچھے پولیس والوں کا کیا حال ہوا ہو گا۔

بہر حال ناگ شہر کی جگمگاتی سڑکوں پر سیر کر رہا تھا۔ سیر کرتے کرتے وہ ایک بہت عالیشان ہوٹل کے آگے پہنچ گیا۔

ناگ نے سوچا اس شاندار ہوٹل میں رات بسر کرنی چاہیے۔ وہ ہوٹل کے گھومتے ہوئے شیشوں والے دروازے سے نکل کر ہوٹل کر بڑے ہال کمرے میں آ گیا۔

یہاں چند ایک غیر ملکی عورتیں اور مرد بیٹھے تھے۔ بیچ میں ایک سپیرا سانپ کی پٹاری آگے رکھے بین بجا رہا تھا۔

ناگ بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ہوٹل کے ملازم نے جب ناگ کے معمولی سے کپڑے دیکھے تو قریب آ کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کس سے ملنا چاہتے ہو؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"میں اپنے دوست کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس نے مجھے یہاں کا وقت دے رکھا ہے"۔

ہوٹل کا ملازم واپس چلا گیا۔ مگر اس کی تسلی نہ ہوئی تھی۔

اتنے میں سپیرے نے پٹاری کا منہ کھول دیا۔ ایک زبردست پھنیئر سانپ نے پٹاری میں سے منہ باہر نکالا اور جلدی سے پھر اندر ڈال لیا۔

سپیرے نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح سانپ باہر نکلے۔ مگر سانپ باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ کیسے نکلتا باہر۔ باہر تو ناگ بیٹھا اسے تک رہا تھا۔

سپیرا پریشان ہو گیا۔ آخر اس نے پٹاری کو الٹ دیا۔ سانپ قالین پر گرا اور جلیبی بن کر سست کر بیٹھ گیا جیسے مر گیا ہو۔

نہ ہلتا تھا نہ گردن اوپر اٹھاتا تھا۔ سپیرا بڑا حیران تھا کہ آخر بات کیا ہے؟۔

آج سانپ کو کیا ہو گیا ہے۔

لوگ بھی دلچسپی سے تک رہے تھے کہ یہ سانپ کیا کھا گیا ہے کہ ہلتا جلتا ہی نہیں۔

سپیرے نے کھسیانہ سا ہو کر کہا۔

"صاحب! سانپ کو سردی لگ گئی ہے۔ ابھی ہوش میں آ جاتا ہے"۔

اس نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ بین بجانی شروع کر دی۔

وہ ساتھ ساتھ سانپ کو چھیڑے جا رہا تھا۔

مگر سانپ کو جیسے واقعی سانپ سونگھ گیا تھا۔ کیا مجال ہے کہ اپنی جگہ سے ذرا بھی ہل جاتا۔ بس اسی طرح سناٹے میں دم سادھے گم صم پڑا تھا۔

ناگ نے یہ سارا تماشہ بڑے مزے سے دیکھ رہا تھا۔ جب سانپ بالکل اپنی جگہ سے نہ ہلا اور غیر ملکی سیاح بھی اٹھ کر جانے لگے تو ناگ سپیرے سے کہا۔

"تمہارا سانپ میری وجہ سے اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا۔ وہ میرے ڈر کے مارے خوف زدہ ہو گیا ہے"۔

سپیرے نے پہلی بار ناگ کی طرف پلٹ کر دیکھا اور چڑ کر بولا۔

"کیوں تم کوئی ناگ دیوتا ہو؟"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں میں ناگ دیوتا ہوں۔ نہیں تو اپنے سانپ سے پوچھ لو"۔

اب جو سپیرے نے غور سے ناگ کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اسے ایک بڑی پراسرار چمک نظر آئی۔

وہ کچھ گھبرا گیا۔ ناگ اٹھ کر آگے آ گیا۔ وہ قالین پر غیر ملکی سیاحوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے سانپ کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے کہا۔

"اٹھو میری تعظیم کرو"۔

ناگ کا اتنا کہنا تھا کہ سانپ اپنی جگہ سے ہلا اور قالین پر

رینگتا ہوا ناگ کے قریب آیا اور پھر اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔

سیاٹ رنگ رہ گئے۔ سپیرے کے ہاتھ سے بین گر پڑی۔

بیرے اور ہوٹل کے دوسرے لوگ تعجب سے یہ تماشا دیکھنے لگے۔

ناگ نے کہا۔

''اب تمہاری پٹاری کے دوسرے سانپ بھی اسی طرح تجھے آ کر سلام کریں گے''۔

ناگ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سب سانپ آ جائیں''۔

سپیرے کے پاس چھ سات پٹاریاں تھیں۔ ان میں سے سارے کے سارے سانپ نکل کر ناگ کے آگے سر بسجود ہو

گئے۔

یہ تماشا اتنا دلچسپ تھا کہ لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ سپیرے نے ناگ کے پیر پکڑ لیے۔

''مرشد! مجھے بھی کچھ سکھاتا جا''۔

ناگ نے کہا۔

''میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ میں نے تو یونہی سانپوں کو قابو میں کرنے کا کہیں سے فن سیکھ لیا ہے اور بس''۔

وہاں ایک امیر آدمی بھی بیٹھا تھا جو ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ ناگ کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔ اسی نے ناگ کی خدمت کرنی چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

"خدمت کی کوئی ضرورت نہیں مجھے۔ میں صرف اس کمرے میں دو تین راتیں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ"۔

امیر آدمی ہاتھ باندھ کر بولا۔

"حضور! آپ شوق سے یہاں رہیں۔ میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں"۔

ناگ رات کو ہوٹل کے کمرے میں آجاتا۔ صبح کو لاہور شہر کی سڑکوں پر گھوم پھر کر عنبر اور ماریا کی تلاش میں لگا رہتا۔

تیسری رات امیر آدمی نے ناگ سے کہا۔

"حضور! سانپوں کو قابو کرنے کا گر مجھے بھی سکھا دیں"۔

"تم سیکھ کر کیا کرو گے؟

سانپ پالو گے؟"۔

ناگ کے پوچھنے پر وہ کھسیولا۔

"حضور سنا ہے، سانپ دولت کے خزانے پر پہرہ دیتے ہیں۔ میں سانپ کی مدد سے دولت پیدا کرنا چاہتا ہوں"۔

"وہ کس لیے؟ تم پہلے ہی کافی امیر ہو"۔

اس آدمی نے اپنا سر ناگ کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولا۔

میں تباہ ہو چکا ہوں بھائی! میں لاکھوں روپے کے قرضے میں پھنسا ہوا ہوں۔ لاکھوں روپے سرکار کو دینے ہیں۔ کارخانہ گروی پڑا ہوا ہے۔ میری کوٹھی پر بھی بینک والوں کا قبضہ ہے۔ میں اگر دس لاکھ روپے حاصل نہ کر سکا تو میرے بچے

جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں تباہ ہو جائیں گے اور میں خودکشی کر لوں گا۔

ناگ نے کہا۔

”اگر تمہیں دس لاکھ روپے مل بھی جائیں تو پھر تم وہی پرانی زندگی شروع کر دو گے۔ چھ سال بعد پھر تمہاری یہی حالت ہو گی“۔

اس نے کہا۔

”نہیں نہیں! ایسا پھر کبھی نہیں ہوگا۔ میں سارے قرضے ادا کر کے اپنا کارخانہ اور کوٹھی واپس لے لوں گا اور شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کروں گا“۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔

بولا۔

”میں تمہیں تمہارے اسی ملک کے کسی بنک سے دس لاکھ روپے لا کر دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد انہیں سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ کیا تمہیں منظور ہے؟“۔

امیر آدمی بولا۔

”میں سنبھال لوں گا۔ مجھے منظور ہے“۔

ناگ نے اسے کہا۔

”اچھا کل دیکھا جائے گا۔ کل تم اس کمرے سے باہر نہ جانا“۔

دوسرے دن ناگ نے امیر آدمی کو کمرے میں ہی رہنے کو کہا اور خود ہوٹل سے باہر آ گیا۔ وہ سیدھا ایک بینک میں پہنچا۔

اس نے دیکھا کہ خزانچی جنگلے کے پیچھے صندوقوں کے پاس بیٹھا نوٹوں کے بنڈل نکال نکال کر باہر رکھ رہا تھا۔

ناگ تیزی سے اندر چلا گیا۔ چوکیدار نے اسے روکا تو وہ ایکدم سے جون بدل کر شیر کی شکل میں آ گیا اور اس قدر خوف ناک انداز میں دھاڑا کہ بینک خالی ہو گیا۔

کچھ لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ خزانچی بھی بے ہوش پڑا تھا۔

ناگ نے جلدی سے نوٹوں کے بنڈل اٹھائے اور لے کر بینک سے باہر نکل آیا اور پھر ایک بلڈنگ کی چھت پر چڑھ گیا۔

نیچے سارا شہر اکٹھا ہو گیا۔ شور مچ گیا کہ شیر نے بینک پر حملہ کر دیا ہے۔ چڑیا گھر کا شیر آزاد ہو گیا۔

ناگ نے بلڈنگ کی چھت پر سے ہی شکل بدل ڈالی۔ وہ باز بن گیا۔

اس نے نوٹوں کے بنڈل پنجے سے لگا رکھے تھے۔ اور اڑتا ہوا ہوٹل کی چھت پر آ گیا۔ یہاں اس نے پھر سے انسان کی شکل اختیار کی اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

اس کا ساتھی انتظار کر رہا تھا۔

”لو تمہارے روپے۔ اب انہیں سنبھالو“۔

امیر آدمی نے روپے دیکھے تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ خوشی سے رقص کرنے لگا۔

اس نے گنے تو پورے دس لاکھ روپے تھے۔ ناگ اسی روز وہاں سے چلا گیا۔

پولیس بھی ڈاکو کی تلاش میں تھی۔ امیر آدمی نے جونہی ایک نوٹ چلانے کی کوشش کی اسے گرفتار کر لیا گیا۔

اس سے باقی ساری دولت برآمد ہو گئی۔ اس نے عدالت میں بیان کر دیا کہ اس کو یہ نوٹ ایک ایسے آدمی نے لا کر دیئے تھے جو جادو کے زور سے سانپوں پر قبضہ کر لیتا تھا۔

بینک والوں نے بھی کہا کہ بینک میں ایک شیر نے ڈاکہ ڈالا تھا۔ مگر اس شخص سے سارے نوٹ برآمد ہو گئے تھے چنانچہ اسے سزا ہو گئی۔

ناگ کو اس شہر لاہور میں گرمی لگی تو اس نے سوچا شملہ چلا جائے۔ پس وہ ایک سیاحوں کے دفتر میں آ گیا۔

اس نے دفتر کے ڈائریکٹر سے پوچھا۔

''میں شملے جانا چاہتا ہوں۔ کیا کروں؟''۔

ڈائریکٹر نے کہا۔

''آپ کس ملک کے رہنے والے ہیں؟''۔

ناگ نے کہا۔

''ساری دنیا میرا شہر ہے''۔

''آپ کے پاس پاسپورٹ کس ملک کا ہے''۔

ناگ نے کہا۔

''میرے پاس کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں ہے''۔

ڈائریکٹر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کس پاگل سے پالا پڑ گیا ہے۔ سر کھجلا کر بولا۔

تو پھر آپ ایسا کریں کہ یہاں سے ابھی چار نمبر بس گذرے

گی۔

آپ اس میں سوار ہو جائیں وہ آپ کو شملے پہنچا دے گی۔

ناگ بڑا خوش ہوا۔ ڈائریکٹر سے ہاتھ ملا کر باہر آ گیا اور بس سٹاپ پر کھڑے ہو کر چار نمبر بس کا انتظار کرنے لگا۔

اتنے میں بس آ گئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ وہ بھی سوار ہو گیا۔

ٹکٹ چیکر آیا تو ناگ نے کہا۔

"مجھے شملہ جانا ہے۔ کہاں اتروں؟"۔

چیکر سمجھ گیا کہ گرمی کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

اس نے پاگل خانے کے سٹاپ پر ناگ کو اتار دیا اور سامنے پاگل خانے کی بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

یہ ہے شملہ۔

ناگ پاگل خانے کے بڑے گیٹ پر آ گیا۔

چوکیدار سے پوچھا۔

"کیا شملہ یہی ہے؟"۔

چوکیدار نے کہا۔

"تم باہر کیسے چلے گئے شملے سے؟"۔

ناگ بولا۔

"میں تو اندر ہی نہیں گیا کبھی"۔

چوکیدار کہنے لگا۔

"تو پھر آ جاؤ اندر۔ تمہیں شملے کی سیر کرائیں"۔

ناگ پاگل خانے کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ چھ سات

آدمیوں نے اسے زبردستی پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں کر دیا۔

وہ لاکھ چلاتا رہا کہ میں پاگل نہیں ہوں مگر اس کی کسی نے نہ سنی۔

اب اسے پتہ چل گیا کہ یہ شملہ نہیں بلکہ پاگل خانہ ہے اور ان لوگوں نے اسے پاگل جان کر یہاں بند کر دیا ہے۔

ایک پاگل نے ناگ کی چیخ و پکار سنی تو کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ کر بولا۔

"میں بھی پاگل نہیں ہوں۔ میرے رشتے داروں نے میری جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے مجھے زبردستی پاگل بنا کر یہاں قید کروا دیا ہے"۔

ناگ نے غور سے ان نوجوان کی طرف دیکھا۔ خوبصورت

آنکھوں والا نوجوان تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان پاگل نہیں ہیں۔

دونوں کی دوستی ہو گئی۔ وہ واقعی پاگل نہیں تھا۔ اس کی لاکھوں روپے کی جائیداد تھی۔ ماں باپ مر گئے تھے۔

کوئی سگی بہن اور بھائی نہیں تھا۔ لاکھوں روپے کی جائیداد اسے ملنے والی تھی۔ چچا نے اسے زبردستی پاگل ثابت کر دیا۔

ڈاکٹر کو رشوت دے دی اور اسے پاگل بنا کر پاگل خانے بند کر دیا اور اب ساری جائیداد کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد

دو نگا تم دونوں یہاں سے نکل بھاگیں گے"۔

اس نوجوان کا نام الٰہی بخش تھا۔

اس نے کہا۔

"یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے ناگ! کبھی کوئی پاگل یہاں سے بھاگ نہیں سکا"۔

ناگ نے کہا۔

"پاگل نہیں بھاگ سکا ٹھیک ہے۔ مگر ہم تو پاگل نہیں ہیں۔ ہم فرار ہو سکتے ہیں"۔

چنانچہ ایک رات جبکہ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

ناگ نے الٰہی بخش کو جگا کر کہا۔

میں نیچے جا کر دیوار کے اوپر رسہ پھینکوں گا۔ تم اس رسے سے لٹک کر نیچے آ جانا۔

الٰہی بخش نے پوچھا۔

"پاگل تو نہیں ہو گیا؟ تم نیچے کیسے جاؤ گے؟"۔

ناگ کو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ الٰہی بخش یہ سوال ضرور پوچھے گا۔ ناگ نے یونہی کہہ دیا۔

"یار کسی طرح چلا ہی جاؤں گا۔ تمہیں اس سے کیا۔ تمہیں آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گننے سے نہیں۔"

بس تم چھت پر چڑھ کر میرا انتظار کرو۔ میں نیچے سے رسہ پھینکوں گا۔

ناگ برآمدے سے باہر نکل گیا۔ الٰہی بخش سوچنے لگا کہ کہیں

سچ سچ یہ شخص پاگل ہی تو نہیں ہے۔ باتیں تو پاگلوں جیسی ہی کر رہا ہے۔

بھلا یہ نیچے کیسے جائے گا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ناگ تو پاگل خانے کی دوسری منزل سے اتر کر نیچے پہنچ بھی گیا تھا۔

اس نے دفتر کے ایک سٹور روم سے رسا نکالا۔ اس کے آگے آنکڑا پھنسایا اور پاگل خانے کی دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر چھت پر رسا پھینک دیا۔

رسے کا آنکڑا چھت کے دودکش کے ساتھ جا کر اٹک گیا۔

ناگ نے زور لگایا۔ رسا تن گیا تھا۔ اس نے سیٹی بجائی۔

الٰہی بخش تیار چھت پر بیٹھا تھا۔ اس نے رسے کے ساتھ نیچے اترنا شروع کر دیا۔ سمجھ گیا کہ یہ ناگ بلا کا آدمی ہے اور پاگل بالکل نہیں ہے بلکہ دوسروں کو پاگل کرنے والا ہے۔

الٰہی بخش نیچے اتر آیا۔

ناگ نے کہا۔

"اب چلو تمہارے گاؤں کی طرف بھاگتے ہیں"۔

الٰہی بخش بولا۔

"نہیں یار! وہاں جا کر کیا کروں گا۔ وہاں گیا تو میرا چچا مجھے قتل کروا دے گا"۔

ناگ نے کہا۔

اگر تمہارے جاتے ہی تمہارے چچا کو سانپ ڈس لے اور وہ مر جائے تو کیا خیال ہے؟۔

الٰہی بخش کہنے لگا۔

"کیا تم سانپ اس کی طرف چھوڑ دو گے؟"۔

"چاہے جو کچھ کروں۔ تمہیں اس سے کیا۔ بہر حال تمہارے چچا کے قتل کا الزام تم پر نہیں آئے گا"۔

"بھائی چاہے جو کچھ کرو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ بہر حال میں اپنے گاؤں جا کر اپنی زمینوں پر باقی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں"۔

"تو فکر نہ کرو۔ میں اس شخص سے انتقام لینا چاہتا ہوں جس نے ایک شریف انسان کو جائیداد کے لالچ میں زبردستی پاگل بنا کر پاگل خانے بھجوا دیا اور یوں ایک نوجوان کی ساری زندگی برباد کرنے کی کوشش کی"۔

ناگ نے الٰہی بخش کو ساتھ لیا اور سیدھا ریلوے سٹیشن پر آ

گیا۔

یہاں سے اسے بس مل گئی۔ راتوں رات وہ سفر طے کر کے صبح کے وقت اپنے گاؤں کو جانے والی سڑک پر اتر گئے۔

یہاں سے الٰہی بخش کا گاؤں تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح سے نہیں پھیلی تھی۔

کھیتوں میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔

ناگ نے الٰہی بخش سے پوچھا۔

"تم اپنے چچا کے گھر جاؤ۔ اس سے ملو۔ میں اسی جگہ کسی سانپ کو بھیج دوں گا۔ سارے لوگوں کے سامنے تمہارے چچا کو سانپ ڈسے گا اس لیے کسی کو تم پر شک نہیں ہوگا کہ تم نے اسے قتل کیا ہے"۔

''ٹھیک ہے۔ میں چچا کے گھر جاتا ہوں''۔

الٰہی بخش سیدھا اپنے چچا کے گھر چلا گیا۔

چچا نے اسے دیکھ کر تعجب سے کہا۔

''تم پاگل کہاں سے بھاگ آئے ہو؟''۔

الٰہی بخش نے کہا۔

''ڈاکٹر نے لکھ دیا ہے کہ میں پاگل نہیں ہوں اس لیے مجھے چھٹی مل گئی ہے''۔

چچا گھبرا کر اٹھا اور اس نے الٰہی بخش کو مارنا شروع کر دیا۔

''کمینے! تو پاگل ہے۔ تو ہرگز یہاں نہیں آ سکتا میں تجھے مار مار کر ختم کر دوں گا''۔

اتنے میں گاؤں کے دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ انہوں نے چچا کو بہت روکا مگر وہ الٰہی بخش کو مارتا چلا گیا۔

اب ناگ کی باری تھی۔ اس نے درختوں کے نیچے کھڑے کھڑے گہرا سانس لے کر سیاہ چھوٹے سانپ کا روپ بدلا اور الٰہی بخش کے چچا کے پیچھے سے آ کر اسے ڈس دیا۔

لوگوں نے شور مچا دیا۔

''سانپ! سانپ!''۔

مگر ناگ وہاں سے نکل کر غائب ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ناگ انسان کی شکل میں وہاں آ گیا۔

چچا کی لاش چارپائی پر پڑی تھی۔ ناگ نے الٰہی بخش کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

''لو بھائی۔ میں نے اپنا کام کر دیا۔ اب تم جانو تمہارا

کام۔۔۔ میں جا رہا ہوں"۔

اسی روز ناگ وہاں سے چلا آیا۔

اب اس کے دل میں شملہ دیکھنے کی خواہش پھر ابھر آئی۔

اسے پتہ چلا کہ جب تک اس کے پاس ویزا پاسپورٹ نہیں ہوگا اسے بارڈر کراس نہیں دیا جائے گا۔

پاسپورٹ اس کا نہیں بن سکتا تھا ویزا اسے نہیں مل سکتا تھا۔

ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ بغیر پاسپورٹ ویزے کے ہندوستان میں داخل ہو جائے گا اور شملہ ضرور دیکھے گا۔

اس نے ہندوستان کو جانے والی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔

شام ہو گئی تھی۔

ناگ نے سوچا کہ رات اسی جگہ بسر کی جائے اور صبح بارڈر

کراس کیا جائے۔ چنانچہ رات بسر کرنے کے لیے وہ ایک سرحدی گاؤں میں آ گیا۔

یہاں ایک مسجد میں اس نے رات گذاری۔ صبح اٹھ کر اس نے ایک دیہاتی سے پوچھا۔

"میں بھارت جانا چاہتا ہوں۔ بارڈر کہاں سے کراس کروں؟"۔

دیہاتی نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"بغیر پاسپورٹ کے بارڈر کراس کرو گے تو پولیس والے تمہیں گولی مار دیں گے۔ ایسا کرنا جرم ہے"۔

ناگ پہلے تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیا مصیبت آن کھڑی ہوئی ہے پاسپورٹ کی۔

پاسپورٹ تو وہ ساری زندگی نہیں بنوا سکتا۔ تو پھر اڑ کر ہی بارڈر کراس کرنا چاہیے۔

بس وہ وہاں سے چل کر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک نہر بہہ رہی تھی۔

ناگ نے پرندے کا روپ بدلا اور اڑ کر بھارت کی زمین پر پہنچ گیا۔ نیچے ایک سڑک جا رہی تھی۔ ناگ سڑک کنارے اتر آیا اور انسان کی شکل میں آ کر بس میں سوار ہو کر امرتسر شہر پہنچ گیا۔

یہ کافی بڑا شہر تھا۔ ریلوے سٹیشن کے پاس بس کھڑی ہو گئی۔ رش بہت زیادہ تھا۔ ٹکٹ والا اس تک نہ آیا۔

ناگ بس سے نیچے اتر آیا۔ اس نے ایک سکھ سے پوچھا۔

"شملہ کی بس کہاں سے ملے گی سردار جی؟"۔

سکھ نے کہا۔

یہاں سے شملے کوئی بس نہیں جاتی۔ تمہیں ریل گاڑی میں انبالے شہر تک سفر کرنا پڑے گا۔

وہاں سے کالکا جانے والی ٹرین ملے گی۔ کالکا سے شملے کی گاڑی میں سوار ہو جانا"۔

ناگ ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے خیال کیا کہ اس کے پاس ایک تو روپیہ بھی نہیں ہے۔

پھر وہ سفر کیسے کرے گا۔ یہاں تو قدم قدم پر پیسوں کی ضرورت تھی۔

اس نے سوچا کہ پہلے روپوں کا اور کپڑوں کا انتظام ہونا چاہیے۔

وہ ریلوے سٹیشن سے نکل کر شہر میں آ گیا۔ اب وہ کسی ویرانے کی تلاش میں تھا جہاں وہ اس علاقے کے شیش ناگ کو بلوا کر اس سے دولت حاصل کرے اور کچھ کپڑے وغیرہ خریدے۔

ریلوے اسٹیشن والی سڑک پر سے گذر کر شہر میں داخل ہو جاتی تھی۔

ناگ شہر کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ کمپنی باغ کی طرف آ گیا۔

یہاں سے نکل کر وہ ایک ویرانے میں آ گیا۔ اسے دور ایک مندر دکھائی دیا۔

مندر چھوٹا سا تھا۔ ناگ مندر کے دروازے پر آیا تو دیکھا کہ ایک سادھو باہر بیٹھا آنکھیں بند کیے عبادت کر رہا ہے۔

ناگ اس کے قریب سے گذر کر مندر میں آ گیا۔ یہاں کچھ عورتیں بت کے آگے بیٹھی پوجا کر رہی تھیں۔

ناگ مندر کے پچھواڑے سے ہوتا ہوا درختوں کی جانب چلا گیا۔

یہاں دوسرا کوئی شخص نہیں تھا۔ ناگ نے گہرا سانس لے کر سانپوں کی آواز میں شیش ناگ کو پکارا۔

چند لمحوں کے بعد شیش ناگ زمین پر رینگتا ہوا اس کے قریب آ کر جھک گیا اور بولا۔

”کیا حکم ہے میرے آقا“۔

ناگ نے کہا۔

”مجھے کچھ دولت کی ضرورت ہے۔ جلدی سے کہیں سے لا

دو‘‘۔

’’جو حکم میرے آقا‘‘۔

اتنا کہہ کر شیش ناگ واپس چلا گیا۔ جب واپس آیا تو منہ میں ایک سرخ یاقوت لیے ہوئے تھے۔

ناگ یاقوت لے کر شہر کے صراف بازار میں آ گیا۔ ایک دکان پر ایک جوہری بیٹھا تھا۔

ناگ نے اسے جا کر یاقوت دکھایا۔ یاقوت بڑا قیمتی تھا۔ اور امرتسر شہر کے نیچے دفن پرانے بادشاہوں کے زمانے کا تھا۔

جوہری کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ اس یاقوت کو بڑی آسانی سے ایک لاکھ روپے کے عوض فروخت کر سکتا تھا۔

اس نے ناگ کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔ سمجھ گیا کہ چور ہے اور یاقوت کہیں سے چوری کر کے لایا ہے۔

’’کتنے پیسے دے دوں اس کے؟‘‘۔

’’تم ہی بتاؤ‘‘۔

جوہری بولا۔

’’یاقوت اتنا قیمتی نہیں ہے۔ اس قسم کے پتھر آج کل مارکیٹ میں عام ہیں۔ بہر حال میں تمہیں اس کے پانچ ہزار روپے دے دوں گا‘‘۔

’’لاؤ جلدی کرو‘‘۔

جوہری بڑا خوش ہوا۔ بڑا سستا سودا طے ہو گیا تھا۔ ناگ پانچ ہزار روپے لے کر دوسرے بازار میں آ گیا۔

یہاں اس نے نئے کپڑے نئے بوٹ خرید کر پہنے۔ کچھ باقی روپے جیب میں ڈالے اور ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔

راستے میں اسے ایک سکھ مل گیا جس نے اس سے پوچھا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"مصر سے آیا ہوں۔ پردیسی ہوں۔ شملہ جا رہا ہوں"۔

سکھ سی آئی ڈی کا آدمی تھا اور وہ برابر ناگ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

ناگ کی باتوں سے سکھ کو تسلی نہ ہوئی۔

کہنے لگا۔

"تمہیں میرے ساتھ تھانے چلنا ہوگا"۔

"وہ کیوں"۔

ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

سکھ بولا۔

"اس لیے کہ تم مجھے جاسوس لگتے ہو۔ پاکستانی جاسوس"۔

ناگ نے کہا۔

"جاؤ بھائی اپنا کام کرو۔ میں جاسوس نہیں ہوں میں تو ایک سیاح ہوں اور شملہ دیکھنے آ گیا ہوں"۔

"تمہارا پاسپورٹ ویزا کہاں ہے؟ وہ دکھاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ہمارے پاس تو نہ ہی پاسپورٹ ہوتا ہے اور نہ ہی تصویر"۔

"تو پھر چپکے سے میرے ساتھ تھانے چلے چلو۔ اگر بھاگنے

کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا"۔

ناگ نے سوچا کہ یہ کیا مصیبت آ گئی ہے۔ اس نے سکھ سے کہا۔

"بھائی! اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک ہزار روپیہ ابھی دیئے دیتا ہوں اور تم مجھے جانے دو"۔

سکھ نے کہا۔

"دو ہزار لوں گا"۔

"منظور ہے"۔

ناگ نے سکھ کو دو ہزار روپے نکال کر ادا کر دیئے اور ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھ کر انبالے جانے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔

یہ گاڑی وہیں سے تیار ہوتی تھی۔ گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئی۔

دوسرے مسافر دھڑا دھڑ اس میں سوار ہونے لگے۔

ناگ بھی ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔

اس کا ٹکٹ وہ خرید چکا تھا۔ گاڑی سفر پر روانہ ہو گئی۔ امرتسر شہر سے گاڑی آگے نکل گئی۔

بھوپت ڈاکو

امرتسر سے آگے جالندھر شہر آ گیا۔

یہاں سے گاڑی چلی تو لدھیانہ اور پھر انبالہ شہر آ گیا۔

گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچ کر رک گئی۔ ناگ بھی دوسری سواریوں کے ہمراہ نیچے اتر آیا۔

وہ لوگوں کو دیکھتا بھی جاتا تھا کہ شاید کہیں عنبر یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ سٹیشن پر بڑا رش تھا۔

اس نے معلوم کیا کہ کالکا جانے والی کہاں آ کر رکتی ہے؟۔

ناگ وہاں آ گیا۔ یہاں ایک ٹرین پہلے سے تیار کھڑی تھی۔

وہ ٹرین میں سوار ہو گیا۔ کالکا پہنچ کر اس نے چھوٹی لائن والی گاڑی پکڑی اور اس میں سفر کرتے شملہ آ گیا۔

بڑا خوبصورت پہاڑی علاقہ تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ ناگ نے محسوس کیا تھا کہ آدمی جالندھر ریلوے سٹیشن سے اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

جہاں وہ جاتا ہے وہ بھی وہاں آ جاتا ہے۔

اس وقت بھی وہ شخص ناگ کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

شملے کی مال روڈ پر بڑی رونق تھی۔ ناگ سب سے پہلے ایک ہوٹل میں گیا۔

وہاں اس نے کمرہ کرائے پر لے لیا۔ سامان اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ بستر وغیرہ اس کو ہوٹل کی صرف سے مل گیا تھا۔

اس نے کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر سیر کرنے شملے کی وادی میں نکل گیا۔

ایک جگہ پہاڑی کے عقب میں چڑھ کر درختوں کی قطاریں چلی گئی تھیں۔ ناگ بھاگ کر ایک کوٹھی کے برآمدے میں چھپر تلے آ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ آدمی بھی وہاں آ گیا۔

ناگ کی طرف وہ برابر گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ یہاں تنہائی تھی۔

وہ آدمی ناگ کے قریب آ کر بولا۔

”آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟“۔

ناگ مسکرایا۔

”تم کہیں سی آئی ڈی کے آدمی تو نہیں ہو؟“۔

وہ آدمی ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“۔

ناگ بولا۔

مطلب یہ ہے کہ تم جالندھر سے میرا پیچھا کر رہے ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ تمہیں مجھ پر شک ہے اور تم سی آئی ڈی کے آدمی ہو۔ مگر میں خطرناک آدمی نہیں ہوں۔ میں تو ایک سیاح ہوں اور مصر کا رہنے والا ہوں۔ اگر تم مجھ سے پاسپورٹ طلب کرو گے تو وہ میرے پاس

بالکل نہیں ہے۔

سی آئی ڈی والا حیرانی سے ناگ کو تکنے لگا کہ یہ کیسا آدمی ہے کہ ایک غیر ملک میں غیر پاسپورٹ کے سفر کر رہا ہے۔

اس نے کہا۔

"اگر تمہارے پاس پاسپورٹ نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میں بھی بغیر پاسپورٹ کے سفر کر رہا ہوں"۔

اور وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

بارش تھم گئی۔ ناگ نے خیال نہ کیا کہ یہ آدمی بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔

وہ واپس ہوٹل میں آ گیا۔ شام کو اچانک کسی نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔

"دروازہ کھولو۔ جلدی کرو۔ نہیں تو ہم دروازہ توڑ دیں گے"۔

ناگ نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر پولیس کا پورا دستہ بندوقیں لیے کھڑا تھا۔

"اپنا پاسپورٹ دکھاؤ"۔

سکھ تھانیدار نے حکم دیا۔

ناگ نے کہا۔

"پاسپورٹ تو میرے پاس نہیں ہے"۔

"تو پھر ہمارے ساتھ چلو"۔

سپاہی ناگ کو تھانے لے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے اسے حوالات میں بند کر دیا۔

ناگ نے تھانیدار سے کہا۔

"سردار جی! مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں۔ چھوڑ دیں۔ میں تو شملے کی سیر کرنے آیا ہوں۔ سیر کر کے ہی جاؤں گا اور تم لوگ مجھے قید نہیں کر سکتے"۔

تھانیدار نے ناگ کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ ناگ بوکھلا گیا۔

اس کے دانتوں سے خون بہنے لگا۔ وہ پیچھے گر پڑا۔ اسے بے حد غصہ آیا۔ وہ حملہ کرنے ہی والا تھا کہ رک گیا اور اسے تھانیدار کے بچوں پر رحم آ گیا۔

"بکواس بند کرو"۔

رات کو ناگ کو سپاہی ایک ایسے چھوٹے سے کمرے میں لے

گئے۔ جہاں مجرموں کو اذیت دی جاتی تھی۔ ناگ کی قمیض اتروا کر اسے ننگے فرش پر لٹا دیا گیا اور اس کے سینے پر برف کی سل رکھ دی۔

تھانیدار کرسی گھسیٹ کر اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اور بید اس کی گردن پر مار کر بولا۔

"بتاؤ تم کس ملک کے لیے جاسوسی کر رہے ہو"۔

ناگ نے کہا۔

تھانیدار صاحب! مجھے آپ کے بچوں پر ترس آتا ہے۔ آپ نے مجھے جس قدر بھی اس وقت اذیت دی ہے میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ لیکن اگر اس کے بعد مجھے تنگ

کرنے کی کوشش کی تو میں مجبور ہو کر حملہ کر دوں گا۔ میرے حملے سے تم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔

تھانیدار نے اشارہ کیا۔

سپاہی نے ناگ کی گردن پر کافی زور سے ہاتھ مارا۔ ناگ بے ہوش ہو گیا۔

اسے پانی وغیرہ کے چھینٹے دے کر دوبارہ ہوش میں لایا گیا۔

اب اس کی زبان پر جلتے ہوئے سگریٹ لگانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اب ناگ اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دفاع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

تھانیدار کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تمہارے کتنے بچے ہیں؟"۔

"چار۔ مگر تمہیں اس سے کیا؟"۔

ناگ بولا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اگر وہ یتیم ہو گئے تو کیا تم اسے پسند کرو گے؟"۔

"بکواس بند کرو پاگل کے بچے!"۔

تھانیدار نے جوتا اتار کر ناگ کے سر پر دے مارا۔

ناگ یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے تھانیدار کی طرف اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے سامنے ایک زبردست اونچے لمبے پھن والا سانپ بن کر لہرانے لگا۔

تھانیدار کی سیٹی گم ہوگئی۔ دوسرے سپاہی بھی دہشت کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔

سانپ نے تھانیدار کو بھاگنے کی مہلت نہ دی۔ اسے لپک کر ڈسا اور غائب ہوگیا۔

تھانیدار تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ ناگ وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

اسی روز ناگ نے شملہ سے بس پکڑی اور واپس کالکا آگیا۔

کیونکہ ٹرین میں ابھی بہت دیر تھی۔ کالکا سے انبالہ اور وہاں سے ریل میں سوار ہو کر وہ دہلی شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

تھانیدار کی موت کے ساتھ ہی ہندوستان کے سارے تھانوں کو تاریں دیدی گئیں۔

ناگ کا حلیہ بیان کر دیا گیا کہ اس حلیے کے آدمی کو فوراً گرفتار

کر لیا جائے وہ خطرناک قاتل، جادوگر اور جاسوس ہے۔

ناگ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ وہ ریل میں بیٹھا تھا اور ریل دہلی کی طرف اڑی چلی جارہی تھی۔

اب ذرا عنبر اور ماریا کی بھی خبر لیتے ہیں کہ ان کے ساتھ دریا میں طوفان آنے اور کشتی الٹنے کے بعد کیا گذری؟۔

عنبر کو ہوش آیا تو دریا کی لہروں نے اسے کنارے پر پھینک دیا تھا۔

وہ دریا کے کنارے ایک کھیت کی دلدل میں پڑا تھا۔ اٹھ کر اس نے ارد گرد دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے کپڑے کیچڑ میں خراب ہوگئے تھے۔

اس نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ ذرا آگے جا کر ایک

گاؤں آ گیا۔

وہاں وہ نہایا، کپڑے دھوئے اور ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔

اس کے پاس چند ایک روپے تھے۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ ماریا اور ناگ اسے کہیں نہ کہیں ضرور مل جائیں گے۔

ریل آئی وہ اس میں سوار ہو گیا۔ سفر کرتے کرتے وہ بڑودہ شہر پہنچ گیا۔

یہاں ایک رات ہوٹل میں بسر کی۔ دوسرے دن شہر کی سیر کرتا رہا۔

یہاں وہ بالکل اجنبی تھا۔ ایک جگہ اس نے محسوس کیا کہ ایک آدمی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ یہ گنجا آدمی تھا اور سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔

عنبر سے اس نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ مصر شہر کا رہنے والا ہے اور ہندوستان میں سیر کرنے آیا ہے۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟"۔

گنجے نے پوچھا۔

عنبر نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

"دریا میں کشتی الٹ گئی تھی۔ میرا سارا سامان دریا میں بہہ گیا۔ پاسپورٹ بھی اسی میں بہہ گیا ہے"۔

گنجے کو یقین ہو گیا تھا کہ عنبر جھوٹ بول رہا ہے اور ضرور یہ جاسوس ہے اور ہندوستان میں جاسوسی کرنے آیا ہے۔

اس نے تھانے جا کر اطلاع کر دی پولیس آ گئی اور عنبر کو گرفتار

کر کے لے گئی۔

عنبر پریشان ہوا کہ یہ مصیبت جگہ جگہ اس کا انتظار کرتی ہے۔

یہاں بھی تھانیدار نے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ اسے اذیت بھی دی۔

عنبر نے سوائے اس کے کچھ نہ کہا کہ وہ سیر کرنے آیا ہے۔

اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔

اتفاق سے جیل میں اس علاقے کا ایک مشہور ڈاکو بھوپت بھی قید تھا۔

گھنی مونچھیں۔ سرخ آنکھیں۔ خونخوار چہرہ۔ صاف لگتا تھا کہ اس نے کئی آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ بھوپت ڈاکو نے عنبر سے کہا۔

"تم جاسوس کیوں ہو؟ ڈاکو ہوتے تو میں تمہاری قدر کرتا"۔

عنبر نے کہا۔

"میں جاسوس نہیں ہوں۔ ڈاکو بھی نہیں ہوں"۔

بس مسافر ہوں اور سفر کرتا پھرتا ہوں۔

بھوپت ڈاکو سے عنبر کی دوستی ہو گئی۔ عنبر نے اسے بتایا کہ اس کا ایک بھائی ناگ اور بہن ماریا دریا میں طوفان آنے سے بچھڑ گئے ہیں اور وہ ان کی تلاش میں ہے۔

بھوپت نے ہنس کر مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ تم جاسوس ہو اور محض پیسوں کے لالچ میں آ کر ہمارے ملک کے ساتھ غداری کر رہے ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے پیسوں کا لالچ نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی ملک کی جاسوسی نہیں کی۔ میں جس وقت چاہوں اور جتنی چاہوں دولت پیدا کر سکتا ہوں"۔

بھوپت ڈاکو کے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟۔

بھلا ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی جس وقت چاہے اور جتنی چاہے دولت پیدا کر سکے؟۔

عنبر نے کہا۔

"میں کر سکتا ہوں۔ میرے پاس بڑی طاقت ہے تم ان باتوں کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ اب جبکہ تم میرے دوست بن گئے ہو میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"۔

بھوپت بولا۔

"میں یہاں سے فرار ہو کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے فرار ہونے میں مدد دے سکو؟"۔

عنبر مسکرایا۔

"یہ بڑی معمولی بات ہے۔ لیکن ایک شرط ہے"۔

"وہ کیا؟"۔

بھوپت نے پوچھا۔

"پھر تم یہ خیال تو نہیں کرو گے کہ میں جاسوس ہوں؟"۔

بھوپت ہنس پڑا۔

ارے یار! تم بڑے مسخرے ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ پاگل خانے

میں ضرور رہے ہو۔ بھلا اس جیل خانے کی موٹی موٹی سلاخیں توڑ کر سنتریوں کی رائفلوں کی باڑھ سے گذر کر کبھی کوئی فرار ہو سکتا ہے۔

چلو یار! اٹھو! چل کر کھانا کھاتے ہیں۔

عنبر نے بھوپت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

بھوپت! تم نے مجھے دوست کہا ہے۔ یہ بتاؤ کیا تم یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو؟۔

کیونکہ میں جس وقت اور جب چاہوں یہاں سے فرار ہو سکتا ہوں اور تمہیں فرار ہونے میں مدد بھی دے سکتا ہوں۔

بھوپت ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

عنبر کی بات کا اس پر اثر ہوا تھا۔ سوچنے لگا۔ یہ نوجوان ضرور

غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔ جب ہی اس کی بات میں وزن معلوم ہوتا ہے۔

اس نے کہا۔

”عنبر بھائی! تم کس طرح مجھے فرار ہونے میں مدد دے سکتے ہو؟“۔

”آدھی رات کو میرے ساتھ یہاں فرار ہونے کے لیے تیار رہنا“۔

بھوپت بولا۔

”مجھے بندوق کی ضرورت ہوگی“۔

عنبر نے کہا۔

”بندوق تمہیں مل جائے گی“۔

بھوپت ڈاکو شام تک یہی سوچتا رہا کہ یہ عنبر جھوٹ بول رہا ہے کہ سچ؟۔

بہر حال وہ تیاری بھی کرتا رہا کہ کوئی خبر نہیں یہ کوئی ایسا کام کر گذرے کہ وہ فرار ہو جائے۔

لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے شام ہوتے ہی اپنے شک کا اظہار بھی کیا۔

"عنبر! مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا۔ بہتر ہے کہ تم بھی یہاں سے بھاگنے کا ارادہ ترک کر دو"۔

عنبر ہنسا۔

"بھوپت! میں ایک بار جو وعدہ کر لیتا ہوں پھر اسے ضرور پورا کرتا ہوں۔ تم آج آدھی رات کے بعد آزاد ہو گے۔ تیار رہنا"۔

رات گذرنے لگی۔

عنبر جیل کے برآمدے میں دور ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر آرام کر رہا تھا۔

بھوپت ڈاکو بھی سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ دوسرے قیدی سو رہے تھے۔ دروازے کے باہر دو سنتری رائفلیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ جب گھڑیال نے رات کے بارہ بجائے تو عنبر اپنی جگہ سے اٹھ کر بھوپت کے پاس آیا اور اس کے کان میں بولا۔

"وقت آ گیا ہے۔ تیار رہو۔ میں اپنا کام کرنے لگا ہوں۔ جس وقت اشارہ کروں میرے ساتھ آ جانا"۔

بھوپت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص کیسی باتیں کر رہا ہے اور یہ اتنی مضبوط جیل سے اتنے چوکی پہرے سے کس طرح فرار ہوگا۔

وہ کچھ تیرا ابھی تھا اور کچھ تیار نہیں بھی تھا۔ بہرحال وہ تیل دیکھ رہا تھا اور تیل کی دھار دیکھ رہا تھا۔ عنبر خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی سلاخوں کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔

اس نے چوکیدار سے کہا۔

"پیاس لگی ہے۔ اندر پانی ختم ہوگیا ہے"۔

سنتری نے رائفل کا دستہ عنبر کے کندھے پر رکھ کر اسے زور سے پیچھے دھکیل دیا۔

"بدتمیز! پیچھے جا کر مرو۔ پانی نہیں ہے تو ہم کی کریں۔ خبردار جواب دروازے کے پاس آئے"۔

بھوپت نے آنکھیں بند کر لیں۔ سمجھ گیا کہ یہ عنبر کوئی پاگل آدمی ہے اور اپنے ساتھ اسے بھی مروائے گا۔

خواہ مخواہ اس نے عنبر سے بات کی۔ عنبر ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔

اب وہ اندھیرے میں تھا۔ سنتری چکر لگا کر دروازے کے آگے سے گذرنے لگا تو عنبر نے سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر اس کی گردن کے گرد بازو ڈال کر اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ سنتری کی گردن ٹوٹ گئی۔

عنبر نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ پھرکی طرح دوسرا سنتری گذرنے ہی والا تھا کہ عنبر نے ایک ہاتھ سے دروازے کا

تالا پکڑ کر زور سے مروڑا۔

تالا ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

بھوپت یہ سب کچھ حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

عمبر نے دور سے اشارہ کر کے اسے بلا لیا۔

اس نے تو سچ مچ تالا توڑ ڈالا تھا۔ بھوپت حیران ہو گیا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر عمبر کے پاس آ گیا۔

عمبر نے سرگوشی میں کہا۔

”خاموشی سے میرے پیچھے آ جاؤ“۔

انہوں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور ساتھ ہی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرا سنتری راؤنڈ لگاتا وہاں آیا تو اس کو پہلے سنتری کی لاش نظر آئی۔

وہ سیٹی بجانے ہی والا تھا کہ پیچھے سے اچھل کر عمبر نے اس کی گردن میں بازو ڈال کر زور سے جھٹکا دیا اور اسے بھی ختم کر کے زمین پر پھینک دیا۔

ایک بندوق عمبر نے اور دوسری بندوق بھوپت نے اٹھالی۔

ان کی گولیوں کی پٹیاں بھی اتار کر انہوں نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیں۔

”جلدی سے نکلو“۔

بھوپت نے کہا۔

”ابھی دیوار پھلانگنی ہے۔ یہاں سے بائیں طرف سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں“۔

بھوپت کو جیل خانے کا سارا پتہ تھا۔ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر جیل کی چھت پر آ گئے۔ یہاں ہر طرف اندھیرا اور خاموشی تھی۔ ایک سنتری کونے میں چھت کے کنارے پر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر نے بھوپت سے کہا۔

’’تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اس کی خبر لے کر آتا ہوں‘‘۔

عنبر اندھیرے میں آہستہ آہستہ چلتا پہرے دار تک گیا۔

پہرے دار نے پاؤں کی آہٹ سنی۔ پلٹ کر عنبر کو اندھیرے میں دیکھا اور گولی چلانے ہی والا تھا کہ عنبر نے لات مار کر اسے چھت پر گرا لیا اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ آواز نہ نکال سکے۔

’’بھوپت! جلدی کرو‘‘۔

بھوپت بھاگ کر آ گیا۔ انہوں نے پہرے دار کو باندھ کر پھینک دیا۔

’’رسہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم اس چھت سے نیچے نہیں اتر سکتے‘‘۔

عنبر نے کہا۔

’’فکر نہ کرو۔ اس کا بندوبست بھی ہو جائیگا‘‘۔

عنبر نے بھوپت کو اس جگہ کھڑے رہنے کو کہا اور خود واپس سیڑھیاں اتر کر سٹور روم میں آ گیا۔

یہاں سے رسہ لیا اور واپس آ رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اسے دیکھ لیا۔

"کھڑے رہو۔ کون ہو تم۔ بھاگے تو گولی چلا دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"داروغہ جی نے رسہ منگوایا ہے"۔

"اس وقت تمہارا باپ داروغہ کہاں جاگ رہا ہے؟"۔

سپاہی عنبر کے پاس آ گیا۔ بندوق کی نالی اس کے سینے پر رکھ دی۔

"چپ چاپ واپس چلو۔ اگر ذرا ادھر ادھر ہوئے تو گولی مار دوں گا"۔

عنبر کچھ دیر کے لیے پریشان ہو گیا۔ کم بخت نے رنگ میں بھنگ ڈال دی تھی۔

مگر وہ گھبرانے والا نہیں تھا۔ اس کی ہزاروں سالہ زندگی

خطروں سے کھیلتے گذر گئی تھی۔ اس نے پلک جھپکنے میں اچھل کر سپاہی کے جبڑے پر ایسا مکا مارا کہ وہ الٹ کر گرا اور بندوق اس کے ہاتھ سے پرے گر پڑی۔

عنبر نے لپک کر اس کا منہ بند کر دیا۔ سپاہی نے بہت زور لگایا مگر عنبر کی طاقت کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی۔

اسے تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی چٹان اس کے اوپر گر پڑی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی سپاہی بے ہوش پڑا تھا۔

عنبر رسہ لے کر تیزی سے اوپر آ گیا۔ انہوں نے رسہ ایک جگہ باندھ کر دیوار کی دوسری طرف نیچے کھائی میں پھینک دیا۔

پہلے بھوپت ڈاکو نیچے اترا۔ پھر عنبر اتر گیا۔ کھائی میں گھٹنوں

تک پانی تھا۔ وہ پانی میں چلتے کناروں پر چڑھ گئے اور ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

کافی دور تک بھاگنے کے بعد وہ ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔

رات اندھیری تھی۔ گاؤں کے لوگ سو رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں کیوں آ گئے ہو؟"۔

بھوپت بولا۔

"کسی امیر آدمی کے گھر سے گھوڑے چوری کریں گے۔ غریب آدمیوں کو بھوپت نے کبھی کچھ نہیں کہا"۔

ایک مکان گاؤں میں سب سے اونچا تھا اور پختہ بھی تھا، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کسی امیر جاگیردار کا مکان ہے۔

اس کا طویلہ بھی تھا، جہاں گھوڑے بندھے تھے۔ بھوپت نے طویلے کا دروازہ کھول دیا۔

باہر پہرے دار سو رہا تھا۔ اسے کوئی خبر نہ ہوئی۔ کتا اٹھ کر بھونکنے لگا۔

بھوپت نے کتے کے سر پر بندوق کا دستہ اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

لیکن کتے کے بھونکنے سے چوکیدار کی آنکھ کھل چکی تھی۔ اس نے جو دو آدمیوں کو گھوڑے کھولتے دیکھا تو بندوق تان لی۔

"خبردار! اگر اپنی جگہ سے ہلے تو گولی مار دوں گا"۔

عنبر چوکیدار کی بندوق کے سامنے آ گیا۔

"بھوپت گھوڑے کھول کر باہر نکلو"۔

چوکیدار نے عنبر کے سینے کا نشانہ باندھ کر گولی چلا دی۔

بھوپت نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ گولی عنبر کے سینے میں لگی ہے۔

وہ مر گیا ہوگا۔ لیکن وہ بھاگ کر بھوپت کے پاس آیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

بھوپت بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"بھاگو"۔

انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ چوکیدار دوسری بار فائر کرنے ہی والا تھا کہ انہوں نے دھکا دے کر اسے گرا دیا۔

بھوپت نے چوکیدار کے سر پر بندوق سے فائر کیا اور اسے ہلاک کر ڈالا۔ دونوں گھوڑے دوڑاتے حویلی سے باہر نکل گئے۔

حویلی کے لوگ جاگ پڑے تھے۔ مگر بھوپت اور عنبر ہوا سے باتیں کرتے وہاں سے تو دو گیارہ ہو چکے تھے۔

کافی دور گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب وہ دوسرے گاؤں سے بھی آگے نکل آئے تو بھوپت نے عنبر سے پوچھا۔

"گولی تمہارے سینے پر لگی تھی۔ پھر تمہیں کچھ نہیں ہوا۔ نہ زخم آیا۔ نہ خون نکلا"۔

عنبر نے کہا۔

"گولی مجھے نہیں لگی تھی"۔

"مگر میں نے خود دیکھا تھا کہ بندوق کی نالی کا رخ تمہارے سینے کی طرف تھا"۔

عنبر ہنسا۔

"تمہارا وہم ہے۔ اگر مجھے گولی لگتی تو میں مر جاتا۔ ظاہر ہے اگر میں زندہ ہوں تو گولی مجھے نہیں لگی"۔

بھوپت الجھن میں تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر یقین کرنا بھی پڑ رہا تھا۔ کیونکہ عنبر زندہ تھا۔

اگر اسے گولی لگتی تو وہ کیسے زندہ رہتا؟۔

مگر گولی تو اسے لگی تھی!

بھوپت چکر کھا گیا تھا۔ ان کے گھوڑے بہت دور نکل گئے تھے۔

اب آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ کھیتوں میں ہراول لہرا رہی تھی۔

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر نے پوچھا۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟ ہم کدھر جا رہے ہیں؟"۔

بھوپت نے گھوڑا روک کر دائیں طرف دیکھا اور کہا۔

"کوٹ رائے کی پہاڑیوں میں چلیں گے۔ وہاں میرے ساتھی مل جائیں گے۔ کیا تم میرے ساتھ نہ چلو گے؟"۔

"ضرور چلوں گا"۔

سورج نکل رہا تھا کہ دونوں کوٹ رائے کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں ایک جگہ پہنچ کر رک گئے۔

وہاں گھوڑے سے اتر کر بھوپت نے منہ سے جانور کی آواز نکالی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

بھوپت نے دوسری بار آواز نکالی مگر اس کا بھی کوئی جواب نہ

ملا۔ بھوپت ڈایک کھوہ میں اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر آیا تو ایک آدمی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے ہنستے آ رہے تھے۔

اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ میرا یار منجریا ڈاکو ہے۔ اندر سو رہا ہے اور ابھی ایک پٹیل کو پار کر آیا ہے۔ ہاہاہا"۔

اور سن رے منجریا! یہ عنبر ہے۔ میرا جیل میں دوست ہے۔ اس نے جیل کا تالا ایک ہاتھ سے توڑ ڈالا۔

منجریا ڈاکو نے عنبر سے ہاتھ ملایا۔

کہنے لگا۔

"یار بھوپت یہ عنبر تو بڑا نازک سا لڑکا ہے یہ نازک نازک

ہاتھ بھلا جیل کا تالا توڑ سکتے ہیں"۔

بھوپت بولا۔

"میرے سامنے اس نے تالا مروڑ کر توڑ ڈالا تھا۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑو۔

پولیس ہمارے پیچھے لگی ہے۔ اب کدھر کا ارادہ ہے؟"۔

منجریا کہنے لگا۔

"ہمیں اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈ کر اپنا ایک گروہ بنانا چاہیے۔ اکیلے اکیلے ہم کب تک پھرتے رہیں گے۔ اس طرح تو ہم پکڑے بھی جا سکتے ہیں"۔

"تو پھر چلو راجکوٹ کی طرف چلتے ہیں۔ سیوا جی وہیں کسی جگہ چھپا ہوگا"۔

بھوپت نے منجریا اور عنبر کو ساتھ لیا اور راج کوٹ جانے والی سڑک پر چل پڑے۔

یہ چھوٹی سی سڑک تھی جو آگے جا کر بڑی ہوتی گئی۔ اس پر بسیں بھی نظر آنے لگیں۔ بھوپت نے گھوڑے سڑک پر سے اتار لیے اور کھیتوں میں سے ہو کر گزرنے لگے۔

شہر راجکوٹ بھی بہت دور تھا۔ رات کا اندھیرا چھا رہا تھا کہ یہ لوگ شہر سے باہر والی بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں شہر کی عمارتیں روشن نظر آنے لگی تھیں۔

"منجریا! تمہیں سیواجی کے ٹھکانے کا پتہ ہے؟"۔

"کیوں نہیں دادا! رام داس کی کھولی میں رہتا ہے"۔

یہ جگہ راجکوٹ شہر کے باہر ایک محلے میں تھی۔ بھوپت اور منجریا دونوں مفرور ڈاکو تھے۔ پولیس ان کی تلاش میں تھی۔ شہر میں جگہ جگہ ان کے اشتہار لگے تھے ان کی گرفتاری کے لیے حکومت نے ایک ہزار روپے انعام مقرر کر رکھا تھا۔

بھوپت اور منجریا نے بھیس بدل رکھا تھا اور پولیس کی سپاہی کی وردی میں تھے۔ عنبر ان کے ساتھ سفید کپڑوں میں تھا۔

رام داس کی کھولی میں جا کر پتہ چلا کہ سیواجی سوناگاچی گیا ہوا ہے۔

سوناگاچی ایک اڈہ تھا جہاں شہر کے بدمعاش چھپ کر اسلحہ وغیرہ فروخت کرتے تھے۔ پولیس اس علاقے کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھی۔

لیکن چونکہ بھوپت اور منجریا پولیس کی وردی میں تھے اس لیے

وہ بے دھڑک ہو کر سونا گاچی کے علاقے میں آ گئے۔

ایک آدمی نے بتایا کہ سیوا جی فلاں جگہ پر ہے۔ بھوپت اور منجریا اس مکان کے باہر جا کر کھڑے ہوئے۔

اس نے عنبر سے کہا۔

"عنبر یار تم ذرا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور پوچھو کہ سیوا جی کہاں ہے۔ ہم اندھیرے میں ہو جاتے ہیں"۔

عنبر نے دستک دی۔ ایک مونچھوں والے خونخوار سے آدمی نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

"کون ہو بے تم؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

"سیوا جی کہاں ہے؟"۔

"ارے میں ہی سیوا جی ہوں تو کون ہے؟"۔

اتنے میں بھوپت اور منجریا اوٹ سے نکل آئے اور سیوا جی یار، کہتے اس سے لپٹ گئے تھے۔

تینوں دوست خوب گرمجوشی سے ملے۔ عنبر سے بھی ملایا گیا۔

اس قسم کے ڈاکوؤں کے ساتھ عنبر کا پہلا اتفاق تھا۔

سیوا جی ان سب کو اندر لے گیا۔

وہ چار پائیاں کمرے میں بچھی تھیں۔ چھت سے پنکھا چل رہا تھا۔ زمین پر دری بچھی تھی۔ جس پر دو تین خوفناک چہروں والے آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو اندر آتا دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔ اور عنبر کو شک بھری نظروں سے تکنے لگے۔

وہ بھوپت اور منجریا ڈاکو کو تو جانتے تھے لیکن عنبر کو پہلی بار دیکھ

رہے تھے۔

ایک بولا۔

"یہ لونڈا کہاں سے پکڑ لائے ہو منجریا بھیا!"۔

منجریا بولا۔

"یہ تو بھوپت دادا اپنے ساتھ لایا ہے۔ کہتا ہے اس نے جیل کا تالا توڑ ڈالا تھا"۔

"ہاہاہا"۔ ایک بدمعاش نے کہا۔

"ارے اس کے ہاتھ تو عورتوں جیسے ہیں۔ یہ کیسے تالا توڑ سکتا ہے"۔

رام قسم ان ہاتھوں میں چوڑیاں کتنی بھلی لگیں اور باقی بدمعاش بھی قہقہہ مار کر ہنس دیے۔

مرغ کہاں گیا

عنبر کو ان بدمعاشوں کا مذاق بہت برا لگا۔

مگر وہ خاموش رہا۔ وہ مذاق میں آگے بڑھتے گئے۔

انہوں نے عنبر پر فقرے کسنے شروع کر دیے۔ جب بھوپت نے بتایا کہ عنبر ان کے گروہ میں شامل ہو گیا تو ایک بدمعاش نے کہا۔

تو پھر ہماری ناک میں نتھ ڈلوا کر ہمیں گھر بیٹھ جانے دو دادا!

ارے یہ نرم موٹا ترک لونڈا تو ایک روز ہمیں پھانسی پر چڑھا کر رہے گا۔

اس سے ڈاکہ کیا پڑے گا۔ ہاں یہ ہمیں ضرور گرفتار کروا کر دم لے گا۔

بھوپت نے کہا۔

"ارے نہیں گنگو! عنبر بہادر ہے"۔

گنگو بولا۔

"تو پھر مجھ سے دو دو ہاتھ کر کے دیکھ لے اگر بہادر ہے تو"۔

"کیوں عنبر! تم تیار ہو؟"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"ضرور"۔

پھر اس نے گنگو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کس قسم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو تم مجھ سے؟"۔

گنگو نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"ارے کل کا لونڈا! ہم سے پوچھتا ہے کہ مقابلہ کیسا ہونا چاہیے۔ ارے تو جتا کیا چاہتا ہے؟"۔

عنبر نے بھوپت کی طرف دیکھا۔

"بھوپت دادا! اپنا پستول بھر کر مجھے دے دو"۔

بھوپت ٹھٹھک سا گیا۔

"کیا مطلب؟"۔

عنبر نے کہا۔

"تم ذرا پستول تو دو"۔

بھوپت نے پستول عنبر کے حوالے کر دیا۔ عنبر نے اسے کھول کر سب کو دکھایا۔

دیکھ لو۔ اس میں بارہ گولیاں بھری ہوئی ہیں اس کا ایک بھی چیمبر خالی نہیں ہے۔

میں اس پستول کو اپنے ماتھے پر رکھ کر گولی ماروں گا۔

اگر گنگو اسی طرح ماتھے پر پستول رکھ کر گولی کھائے اور زندہ رہے تو میں مقابلہ ہار جاؤں گا۔

سب لوگ سناٹے میں آ گئے۔ بڑی کڑی شرط تھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پستول کی گولی سر میں لگے اور آدمی زندہ رہے؟۔

گنگو بھی کچھ گھبرا سا گیا۔ مگر ہنس کر بولا۔

"پہلے تم سر میں گولی مار دکھاؤ"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے منظور ہے"۔

محفل میں گہری خاموشی چھا گئی۔

بھوپت نے عنبر سے کہا۔

"نہیں نہیں ایسا مقابلہ تم نہیں چاہتے"۔

منجریا نے بھی عنبر کو منع کیا۔ لیکن سب کے دیکھتے دیکھتے عنبر اٹھ کھڑا ہو گیا۔

اس نے پستول اپنے ماتھے سے لگائی اور ٹریگر دبا دیا۔ دھائیں۔ ایک زبردست دھماکا ہوا پستول چلی۔ اس میں سے گولی نکل کر عنبر کے ماتھے پر لگی۔ اور پھر نیچے گر پڑی۔

عنبر اسی طرح کھڑا رہا۔ صرف اس کے ماتھے پر بارود کا سیاہ دھبہ سا لگا رہ گیا۔

وہاں جتنے آدمی بیٹھے تھے سب کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ ایک پل کے لیے کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ پھر بھوپت نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے“۔

عنبر نے بڑے آرام سے پستول گنگو کی طرف پھینک کر کہا۔

”اب تم اپنے ماتھے پر گولی مار کر دکھاؤ“۔

گنگو کا رنگ زرد تھا۔ پستول اس کے آگے پڑا تھا مگر اس میں اسے اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ عنبر نے زوردار آواز میں کہا۔

”اب بولتے کیوں نہیں؟ بڑی بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے

تھے۔ ڈر کیوں گئے؟ اٹھاؤ پستول چلاؤ اپنے سر پر گولی۔ نہیں تو چوڑیاں پہنو میرے سامنے“۔

منجریا ڈاکو نے کہا۔

”گنگو اٹھاؤ پستول اور اپنے سر پر گولی مارو۔ تم اسی لائق ہو“۔

گنگو بدمعاش نے پستول اٹھایا اور اس کا رخ عنبر کی طرف کر کے دھائیں دھائیں پستول کی ساری گولیاں عنبر پر چلا دیں۔

اس کا خیال تھا کہ عنبر تڑپ کر گرے گا اور مر جائے گا۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا اور گولیاں اس کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گرتی رہیں۔

ساری محفل دنگ رہ گئی۔ بھوپت نے آگے بڑھ کر عنبر کی آنکھیں کھول دیں۔

دیکھا کہ کہیں اس نے اندر لوہے کی واسکٹ تو نہیں پہن رکھی مگر اندر کچھ بھی نہیں تھا۔

عنبر نے اتنی دیر میں منجریا کی جیب سے پستول نکالا اور گنگو پر فائر کر دیا۔ گولی اس کی گردن میں لگی۔ خون ابلا۔

گنگو بدمعاش دری پر گرا اور خون میں لت پت ہو کر تڑپنے لگا۔

''اس کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا''۔

سیوا جی نے کہا۔

''یہ کمینہ آدمی تھا۔ اچھا ہوا مارا گیا''۔

مگر عنبر بھائی! تم پر گولی نے اثر کیوں نہیں کیا؟۔

سیوا جی کے اس سوال پر بھوپت اور منجریا نے بھی یہی سوال

کیا اور عنبر کے جسم کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے لگے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''میرا بدن بھی تمہارے جیسا ہی ہے''۔

منجریا بولا۔

''پھر تم پر گولی اثر کیوں نہیں کرتی؟''۔

عنبر نے کہا۔

''مجھ پر آگ اور تلوار بھی اثر نہیں کرتی''۔

بھوپت بولا۔

''کیا تمہارے پاس کوئی جادو ہے؟''۔

''ہاں! تم یہی سمجھ لو کہ میرے پاس کوئی جادو ہے''۔

بھوپت، منجریا اور سیوا جی عنبر سے بڑے مرعوب ہوئے۔

بھوپت نے کہا۔

”اب میرا خیال درست نکلا کہ حویلی کے چوکیدار نے تم پر گولی چلائی تھی مگر اثر نہیں ہوا تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“۔

عنبر نے کہا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو“۔

اسی رات یہ لوگ راجکوٹ سے نکل کر روہی ندی عبور کر کے ضلع کھیر کے جنگل میں آ گئے۔ یہاں ایک پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔

اسی جگہ انہوں نے اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ یہاں ان کے ساتھ چھ سات اور ڈاکو بھی آن ملے۔ اب وہ کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنانے لگے۔

اب ہم ماریا کی طرف جاتے ہیں۔

دریا میں طوفان آیا۔ کشتی الٹی۔ وہ تینوں دریا میں گرے۔

لہروں نے انہیں اٹھا کر نیچے پھینکا۔ وہ دریا کی تہہ میں گئے اور جب ابھرے تو الگ الگ ہو چکے تھے۔

ناگ اور عنبر کا حال ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔ اب ہم ماریا کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ جب وہ دریا سے ابھری تو اس نے ہاتھ چلائے۔ اس کے ہاتھ میں کشتی کا ایک تختہ آ گیا۔

وہ اس کے ساتھ لگ گئی۔ تختے نے اسے لہروں پر بہانا شروع کر دیا۔ طوفان ختم گیا تھا۔ دریا کا پاٹ بڑا چوڑا تھا۔

بارش بھی رک گئی تھی۔ رات ڈھلنے لگی۔ ساری رات ماریا تختے سے لگی بہتی رہی۔

دن کی روشنی ہوئی تو ماریا نے دیکھا کہ تختہ دریا کے کنارے کی طرف جا رہا ہے۔

آخر کنارے کے ساتھ جا کر تختہ لگ گیا۔

ماریا کنارے پر چڑھ کر لیٹ گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔

کتنی دیر وہ گیلی زمین پر لیٹی رہی۔ جب اس کی تھکان دور ہوئی تو اٹھی اور ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔ وہ سب سے پہلے اپنے کپڑے بدلنا چاہتی تھی۔

کیونکہ کپڑے گیلے ہو کر خراب ہو چکے تھے۔ چلتے چلتے اس نے صبح کی روشنی میں درختوں کے جھنڈ کے نیچے چند ایک مکان دیکھے۔

قریب جا کر معلوم ہوا کہ دھوبیوں کے مکان ہیں۔ باہر

تالاب پر دھوبی کپڑے دھو رہے تھے۔ اندر مکان میں دھوبنیں کپڑوں پر استری پھیر رہی تھیں۔

ماریا کو یہی چاہیے تھا وہ ایک مکان میں آ گئی۔ اس نے استری کیے ہوئے عورتوں کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا چپکے سے اٹھایا اور دوسری کوٹھڑی میں جا کر تبدیل کر لیا۔

گیلے کپڑے لا کر اس نے دھوبن کے قریب رکھ دیے۔

دھوبن نے جو گیلے کپڑے دیکھے تو حیران ہو کر بولی۔

”اری میا! یہ گیلے کپڑے کس کے ہیں! یہ کہاں سے آ گئے؟“۔

دوسری دھوبنیں بھی ان کپڑوں کو تعجب سے تکنے لگیں جو نہ صرف یہ کہ گیلے تھے بلکہ ان پر کیچڑ بھی لگا تھا۔

’’اری بھوت آ گیا بھوت!‘‘۔

وہ کوٹھڑی سے بھاگ کر نکلیں۔ بھوت بھوت کا ہر طرف شور مچ گیا۔

مگر ماریا ان کا ایک گدھا کھول کر اس پر سوار ہو وہاں سے جا چکی تھی۔

گدھا بڑے آرام آرام سے چل رہا تھا۔ کچی پگڈنڈی ایک سڑک پر آ گئی۔ یہ سڑک کسی قریبی شہر کو جاتی تھی۔

ماریا کا گدھا بھی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماریا ایک جگہ کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ کس طرف کو چلا جائے وہاں ایک بڈھا بھی کھڑا سڑک پر شاید بس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اتنے میں ماریا کا گدھا ڈھینچوں کرنے لگا۔

بڈھا چونک اٹھا۔ کیونکہ اسے گدھے کے رینگنے کی آواز تو آ رہی تھی مگر گدھا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

ماریا نے شرارت سے کہا۔

’’گھبراؤ نہیں بابا! یہ میرا گدھا بول رہا ہے‘‘۔

اب جو عورت کو آواز سنی تو بڈھے کی گھگھی بندھ گئی کیونکہ عورت کی آواز آ رہی تھی مگر عورت بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

’’بھوت! بھوت!‘‘۔

اتنا کہہ کر بڈھا سڑک پر بھاگنے لگا۔ ماریا کو بڑی ہنسی آئی۔ اس نے گدھے کو وہیں چھوڑ دیا اور خود بس کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر میں بس آ گئی۔ اس میں رش نہیں تھا۔ ماریا اس میں سوار ہو گئی۔ بس آگے چل پڑی۔

ماریا سب سے پچھلی سیٹ پر کھڑکی کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

بس کنڈیکٹر وہاں نہ آیا کیونکہ اسے وہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

بس اس شہر کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ شہر کے پہلے سٹاپ پر جا کر رک گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ راجکوٹ شہر ہے اور اس کا پہلا بس سٹاپ ہے۔ ماریا بس سے نیچے اتر آئی۔

اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے اس نے ایک ہوٹل دیکھا۔ اس کے اندر لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ ماریا نے اندر جا کر بھنا ہوا ایک مرغ تھال میں سے اٹھا لیا۔

باورچی نے ابھی ابھی مرغ وہاں رکھا تھا۔ اب جو تھال خالی دیکھا تو بھونچکا ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

"مرغ کہاں چلا گیا؟"۔

☆ ماریہ کہاں گئی؟۔

☆ اس کی ملاقات عنبر اور بھوت ڈاکو سے کہاں ہوئی؟۔

☆ ناگ بھوت ڈاکو سے کہاں ملا؟

یہ آپ اس ناول کی 72ویں قسط میں پڑھیے۔

کالا ڈاکو

(عنبر ناگ ماریا نمبر 72)

اے حمید

فہرست

انوکھی عورت

کالا ڈاکو

پھانسی گھر

سمندر کے نیچے شہر

شیشے کا گولا

چھپ جاؤ

پیارے بچو!

عنبر ایک جنگل میں سے گزرتا ہے تو اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔

جیل میں اس کی ملاقات مشہور ڈاکو بھوپت سے ہوتی ہے۔

وہ اسے وہاں سے فرار ہونے میں مدد دیتا ہے۔

بھوپت ڈاکو کے ساتھ مل کر عنبر ایک گاؤں پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

عنبر اسے بری عادتوں سے منع کرتا ہے مگر بھوپت کا ایک ساتھی ظلم کرتا ہے۔

عنبر اسے مار ڈالتا ہے بھوپت عنبر سے انتقام لیتا ہے اور ایک

سنیاسی کے کہنے پر اسے بے ہوش کرنے والی دوا دے کر دریا میں پھینک دیتا ہے۔

عنبر بے ہوشی میں سمندر میں چلا جاتا ہے۔ وہاں وہ ایک جزیرے میں پہنچ جاتا ہے۔

جس پر جاپانیوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ دوسری طرف ناگ جوگی کے لباس میں ریل گاڑی میں بیٹھ کر بنگال کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

ماریا بھی عنبر کی تلاش میں پھر رہی ہے۔ عنبر کی ملاقات جزیرے میں ایک مظلوم عورت سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ خود پڑھ لیجیے گا۔

انوکھی عورت

ماریا مرغا لے کر جا چکی تھی۔

وہ بڑے مزے سے کونے والی میز پر بیٹھی بھنا ہوا مرغا کھا رہی تھی۔

کھا پی کر ماریا ہوٹل سے باہر آ گئی۔ بازار میں بڑی رونق تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اتنے بڑے شہر میں وہ عنبر اور ناگ کو

کہاں تلاش کرتی پھرے گی؟۔

رات بسر کرنے کے لیے اس کو اس شہر میں جگہ کی تنگی نہیں تھی۔ وہ کسی بھی گھر میں جا کر کسی کونے میں رات بسر کر سکتی تھی۔

سوال یہ تھا کہ عنبر اور ناگ اسے کہاں مل سکتے تھے؟۔

یہی سوچتے سوچتے وہ فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے ایک آدمی سے ٹکرا گئی۔ وہ آدمی ماریا کو تو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

لیکن اس نے ماریا کے پیچھے آنے والے آدمی کو مارنا شروع کر دیا۔

''اندھے ہو گئے ہو۔ دیکھ کر نہیں چلتے؟''۔

ماریا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ چلتے چلتے وہ ایک جگہ آ گئی۔

جہاں سے ایک بازار بائیں طرف مڑتا تھا۔ ماریا نے دیکھا۔ دور سامنے ایک جگہ آم کے درختوں کا جھنڈ تھا۔

ماریا نے سوچا کہ وہاں چل کر سائے میں کچھ دیر آرام کرتی ہوں۔ پھر آگے چلوں گی۔

آم کے درختوں کے سائے میں ایک ٹوٹی پھوٹی چار دیواری بنی تھی جس کے دروازے کا ایک پٹ کھلا تھا۔

دوسرا دروازہ ٹوٹ کر نیچے گرا ہوا تھا۔ ماریا نے جھانک کر چار دیواری کے اندر دیکھا۔ ایک سبز رنگ کے میلے پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔

سطح پر درخت کے پتے تیر رہے تھے۔ کونے میں ایک گنبد دروازے والا چھوٹا سا مندر تھا۔ جس کی سیڑھیاں تالاب میں اتر

گئی تھیں۔

"یا خدا! یہ مندر ویران کیوں ہے؟"۔

ماریا نے سوچا۔

ویسے تو اس نے اپنی زندگی میں بے شمار ویران مندر دیکھے تھے۔

لیکن اس مندر کو دیکھ کر اس کو خوف سا آنے لگا تھا۔ اس کے باوجود ایک کشش سی تھی جو اسے کھینچے لیے جا رہی تھی۔

وہ چار دیواری کے دروازے میں سے گزر کر تالاب کے کنارے کنارے مندر کی طرف چلنے لگی۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر دروازے تک آئی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے زور لگا کر کھول دیا۔ اندر سے ٹھنڈی

ہوا کا جھونکا باہر آیا۔

اس ہوا میں ایسی بو تھی جیسی بو شہر کے پرانے مکانوں کی کوٹھڑیوں سے آیا کرتی ہے۔

ماریا نے جھرجھری سی لی اور پیچھے ہٹ گئی۔

مندر کا دروازہ ابھی تک کھلا تھا اور جیسے ماریا کو اندر بلا رہا تھا۔

ماریا مندر کے اندر داخل ہو گئی۔ پہلے تو اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا پھر اندھیرا آہستہ آہستہ دور ہوتا گیا۔

کسی جانب اندر روشنی کی ایک سفید پتلی سی کرن آ رہی تھی۔

جس نے اندھیرے کو دور کر رکھا تھا۔ مندر کی چھت اونچی تھی۔

دیواروں پر پتھر کے بت بنے ہوئے تھے۔ مورتیاں بھی تھیں۔ کونے میں چبوترے پر ایک عورت کی بڑی سی مورتی بنی تھی

جس کے گلے میں مالا تھی اور ماتھے پر سیندور ملا ہوا تھا۔

اس عورت کے بال کھلے تھے اور ہاتھ میں اکتارہ پکڑا ہوا تھا۔

یہ مورتی بڑی خستہ ہو رہی تھی۔ ایک ہاتھ کی انگلیاں اور ایک کان بھی ٹوٹا ہوا تھا۔

ماریا مورتی کے پاس آ کر اسے جھک کر غور سے تکنے لگی۔

ایک دم اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مورتی کی شکل ہو بہو اس کی اپنی شکل سے ملتی جلتی تھی۔ وہ بالکل ماریا تھی جو پتھر بنی گلے میں مالا ڈالے، ہاتھ میں اکتارہ لیے کھڑی تھی۔

"یا خدا! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"۔

ماریا نے دل میں سوچا اور مورتی کے عقب میں آ کر غور سے تکنے لگی۔

پیچھے ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ جس کے پٹ بند تھے۔ ماریا کو روز معلوم کرنے کی بڑی عادت تھی۔ اس نے پہلے تو کھڑکی کے پاس کان لے جا کر سنا کہ اندر سے کوئی آواز تو نہیں آ رہی؟۔

پھر اس نے آہستہ سے زور لگا کر کھڑکی کھول دی۔ اندر سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تیزی سے آیا اور ماریا کے چہرے سے ٹکرا کر گزر گیا۔

اچانک اندر سے کسی عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

"بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ"۔

عورت ہونے کے ناطے سے ماریا وہاں نہ ٹھہر سکی۔ وہ بے دھڑک کھڑکی میں سے اندر چلی گئی۔

اندر سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ ایک کھلی جگہ تھی۔ جہاں

چھت سے ایک لوہے کی زنجیر لٹک رہی تھی۔

اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت بندھی ہوئی تھی۔ ایک موٹا کالا بھدا آدمی ہنٹر لے کر پاس کھڑا تھا اور اسے ہنٹر مار رہا تھا۔

عورت کے جسم پر ہنٹر لگتا تو وہ چیخ کر واویلا مچاتی۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک مہنت اپنے ساتھیوں کو لے کر زمین پر بیٹھا کھوئے کے لڈو کھا رہا تھا اور ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"جب تک یہ حرام زادی دیوی کے خزانے کا پتہ نہیں بتاتی اس کی چمڑی ادھیڑ ڈالو مار مار کر"۔

عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"مہنت جی! بھگوان کی قسم لے لو۔ مجھے دیوی جی کے

خزانے کا کچھ نہیں پتہ۔۔۔ میرا باپ دیوی جی کے مندر کا پجاری ضرور تھا پر مرتے سے وہ مجھے کچھ نہیں بتا گیا"۔

"ہاہاہا"۔

مہنت نے قہقہہ لگایا۔

"بکتی ہے تو۔۔۔ ابھی تیرا باپ بھی آ کر بتا دے گا۔ چلاؤ ہنٹر"۔

تڑاخ تڑاخ ہنٹر پڑنے لگے اور عورت کی چیخیں گونجنے لگیں۔

اب تو اس کے جسم پر زخم آ گئے تھے۔ جن میں سے آہستہ آہستہ خون رسنے لگا تھا۔

ماریا کو عورت پر بڑا ترس آیا۔ معاملہ جو کچھ بھی تھا سب سے پہلے تو وہ عورت کو اس ظلم سے نجات دلانا چاہتی تھی۔

چنانچہ وہ لپک کر موٹے کالے جلاد کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ سے ہنٹر کھینچ کر لہرایا اور پوری طاقت سے اس کے منہ پر جڑ دیا۔

موٹے جلاد نے بوکھلا کر ایک چیخ کھائی اور درد سے چلاتے ہوئے نیچے گر پڑا۔

ہنٹر چونکہ ماریا کے ہاتھ میں آ گیا تھا اس لیے غائب ہو چکا تھا۔

مہنت اور اس کے دوسرے ساتھی اپنی جگہ سے اٹھے اور بھاگ کر جلاد کے پاس آئے۔

"کیا ہوا کم بخت۔ تجھے زمین پر کس طرح گر پڑا؟"۔

مہنت نے جلاد کو اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر دیکھا کہ اس کے

چہرے پر گہرا زخم آیا تھا۔

خون مسلسل بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

"اس کا ہنٹر کہاں ہے؟ معلوم ہوتا ہے اس عورت نے ہی ہنٹر چھین کر اس پر حملہ کیا تھا"۔

مہنت نے سنجیدگی سے غور کیا اور بولا۔

"اس عورت کے تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ ہنٹر کیسے چھین سکتی ہے؟ اور ہنٹر تو اس کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے۔ پھر ہنٹر کہاں چلا گیا؟"۔

زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی عورت بھی حیران و ششدر کھڑی تھی۔

وہ منہ سے اشلوک بڑبڑا رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دیوی جی

خود آ گئی ہیں اور انہوں نے ہی اسے ان ظالموں سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

مہنت نے جلاد کو ہوش میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر ماریا کے پورے ہاتھ کا پڑا ہوا ہنٹر بھلا اسے ہوش میں آنے دیتا تھا؟۔

وہ تو یوں لگ رہا تھا جیسے اگلے جہان کو سدھار گیا ہے۔ مہنت کے ساتھیوں میں سے ایک بدمعاش قسم کا آدمی اٹھا۔

اس نے جلاد کو جھک کر غور سے دیکھا اور پھر زنجیروں میں جکڑی عورت کے پاس جا کر بولا۔

"ذلیل عورت! تو نے ہی ہمارے بھائی کو ہلاک کیا ہے۔ میں تمہاری دونوں ٹانگیں کاٹ دوں گا"۔

اور پھر اس بدمعاش نے تلوار کھینچ کر ہوا میں لہرائی۔

قریب تھا کہ وہ بھرپور حملہ کر کے عورت کی دونوں ٹانگیں دھڑ سے الگ کر دے کہ ماریا نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر اس زور کی لات ماری کہ وہ تلوار سمیت اچھل کر منہ کے بل زمین پر گر پڑا وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ دوسرے آدمی نے دوڑ کر عورت کے سینے میں خنجر مارنا چاہا۔

مگر ماریا تو پوری طرح سے چوکس ہو گئی تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مظلوم عورت کو ضرور بچائے گی اس نے زمین پر گری ہوئی تلوار اٹھائی اور بھاگتے ہوئے بدمعاش کے سینے میں اتار دی"۔

ایک چیخ کے ساتھ وہ آدمی زمین پر گرا اور تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا ہو گیا۔

یہ حال دیکھ کر مہنت اور دوسرے لوگ ڈر کر باہر کو بھاگے۔ تھوڑی دیر بعد ماریا اس کمرے میں اکیلی رہ گئی۔

صرف تین لاشیں زمین پر پڑی تھیں اور ایک عورت زنجیر کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں۔ مظلوم عورت اب اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"جے دیوی، مہا سیہ وتی! جے دیوی، مہا سیہ وتی"۔

اسے یقین تھا کہ یہ کام دیوی جی کا ہے۔ وہ خود اس کی مدد کو وہاں آ گئی ہے۔

ماریا بھی اس کے یقین کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر مظلوم عورت کی زنجیر کھول دی۔

وہ عورت ہاتھ باندھ کر سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔ اس کے بازو

پر ہنٹر کے نشان تھے۔ جہاں سے کہیں کہیں خون رِس رہا تھا۔

وہ خوف اور عقیدت سے کانپ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے دیوی یعنی ماریا کے ہاتھوں کو اپنے جسم پر محسوس کیا تھا۔

ان ہاتھوں نے اسے سنبھالا دے کر دیوار کے ساتھ بٹھایا تھا۔ لیکن دیوی اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ دیوی بھاسیتہ وتی ہی ہو سکتی ہے۔

اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"دیوی سیتہ وتی! میرے بھاگ جاگے جو آپ نے آ کر مجھے مصیبت سے نکالا۔ کیا اب مجھے درشن نہ دیں گی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"بہن! میں اگر مجبور نہ ہوتی تو تمہیں ضرور درشن دیتی۔ مگر شوجی کا حکم ہے۔ میں کسی کے سامنے ظاہر نہیں ہو سکتی"۔

عورت نے سر جھکا دیا۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ یہ لوگ تم کو کہاں سے پکڑ کر لائے تھے؟"۔

عورت نے کہا۔

"دیوی سیتہ وتی! آپ کو تو بہت کچھ معلوم ہے۔ پھر آپ کیوں پوچھتی ہیں؟"۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتی ہوں"۔

عورت بولی۔

"دیوی سیتہ وتی! میرا باپ اس مندر کا پجاری تھا"۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ اس مندر کے تہہ خانے میں کسی جگہ ایک جگہ خزانہ دفن ہے جو دیوی کی ملکیت ہے۔

میرا باپ شاید جانتا تھا کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے۔ مگر اس نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا۔ میرا باپ مر گیا تو ان لوگوں نے جو اس مندر کے سادھو سنت تھے مجھے پکڑ کر یہاں قید کر دیا۔

وہ مجھ سے خزانے کا پتہ پوچھتے اور مارتے۔ اگر آج آپ نہ آ جاتیں تو یہ لوگ مجھے آج ختم کر کے ہی دم لیتے۔

ماریا نے کہا۔

''کیا تم نے کبھی یہاں کسی ایسے آدمی کو بھی دیکھا ہے جس کی آنکھیں ناگ کی طرح تھیں؟''۔

ماریا اس عورت سے ناگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

لیکن ایسے لگتا تھا کہ اس عورت کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

کہنے لگی۔

''نہیں دیوی! میں نے ایسے کسی آدمی کو کبھی نہیں دیکھا۔

کیوں دیوی! کیا ایسا آدمی آسمانوں سے یہاں آ گیا ہے؟''۔

میرا باپ کہا کرتا تھا کہ اس مندر میں ایک ایسا آدمی کبھی نہ کبھی آئے گا جس کی آنکھیں سانپ کی آنکھیں ہوں گی۔

جو دیوتاؤں کا دوست ہوگا۔

ماریا نے پوچھا۔

''تمہارے باپ نے کچھ اور بھی بتایا تھا؟''۔

''نہیں دیوی مہاوتی! اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں بتایا

گیا"۔

ماریا نے کہا۔

"کیا اب تم اس مندر میں رہنا پسند کرو گی؟"۔

"نہیں دیوی! اب میرا یہاں کون ہے"۔

"پھر تم کہاں جاؤ گی؟"۔

"میں اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں گی"۔

ماریا نے پوچھا۔

"وہ کہاں رہتا ہے؟"۔

"امبا ضلع کھیر کے گاؤں میں"۔

ماریا نے کہا۔

"کیا تم اکیلی وہاں پہنچ جاؤ گی؟"۔

عورت بولی۔

"دیوی! اس گاؤں کے راستے میں ایک جنگل پڑتا ہے۔ مجھے اس جنگل سے ڈر لگتا ہے"۔

"تو پھر چلو۔ میں تمہیں وہاں تک چھوڑ آتی ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ راستے میں کسی کو میرے بارے میں نہ بتانا کہ دیوی سیتہ وتی تمہارے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے"۔

"بہت بہتر دیوی جی! میں ہرگز ہرگز زبان نہیں کھولوں گی"۔

پس ماریا نے اس خیال سے کہ یہ عورت در بدر نہ ہو جائے اسے ساتھ لیا اور مندر سے باہر نکل آئی۔

"یہاں سے ہمیں کس سواری پر چلنا ہو گا؟"۔

ماریا نے پوچھا۔

عورت نے کہا۔

یہاں سے تین کوس پر ایک گاؤں ہے۔ وہاں پہنچ کر ہمیں گھوڑا گاڑی مل جائے گی جو رتلام ریلوے سٹیشن تک پہنچا دے گی۔

پھر وہاں سے ہمیں ٹرین میں سوار ہو کر کھیر شہر تک جانا ہوگا کھیر سے ایک جنگل بیچ ہمارا گاؤں امبا آتا ہے۔

تین کوس تک ماریا اس عورت کے ساتھ پیدل چلتی گئی۔ ایک گاؤں آ گیا۔

اس گاؤں سے عورت نے گھوڑا گاڑی حاصل کی۔ دونوں اس پر سوار ہو کر رتلام کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے۔

ٹرین چلنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ انہوں نے ٹکٹ لیے اور ایک ڈبے میں بیٹھ گئیں عورت کونے میں بیٹھ گئی۔ ماریا بھی اس کے سامنے خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے اس کی سیٹ خالی نظر آ رہی تھی۔ اتنے میں ایک موٹی توند والا سیٹھ آیا اور سیدھا آتے ہی ماریا جہاں بیٹھی ہوئی تھی وہاں دھم سے بیٹھ گیا۔

اگر ماریا جلدی سے اٹھ کر پرے نہ ہو جاتی تو اس کا اس موٹے سیٹھ کے نیچے دب کر کچومر ہی نکل جاتا۔

عورت کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کیونکہ وہ تو ماریا کو دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بار بار ادھر ادھر تک رہی تھی۔ جیسے معلوم کرنا چاہتی ہو کہ دیوی کہاں ہے؟۔

موجود بھی ہے یا نہیں؟۔

ماریا نے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا اور قریب آ کر کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

''گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں''۔

یہ سن کر عورت کو کچھ تسلی ہوئی۔ ریل نے سیٹی دی اور چل پڑی۔

چھک چھک کرتی ریل پلیٹ فارم کو پیچھے چھوڑ کر کھیتوں میں سے گذرنے لگی۔

ساری رات ٹرین سفر کرتی رہی۔ صبح جا کر وہ کھیر کے ریلوے سٹیشن پر پہنچی۔ عورت ڈبے میں سے باہر نکل آئی۔

اب وہ یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھی۔ کہ دیوی بھی اس کے ساتھ نیچے اتری ہے کہ نہیں۔ ماریا نیچے اتر آئی تھی۔

مگر موٹے سیٹھ کی وجہ سے وہ سارا راستہ ڈبے میں کھڑی کر رہی تھی۔ اسے سیٹھ پر بڑا غصہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ موٹا سیٹھ قلی کے آگے آگے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا چلا جا رہا تھا۔

ماریا نے بھاگ کر سیٹھ کی پیٹھ پر بڑے زور سے ایک ٹانگ ماری۔

موٹا سیٹھ دھڑام سے پلیٹ فارم پر گر پڑا اور قلی کو گالیاں دینے لگا۔

''حرامی! تو نے مجھے دھکا دیا ہے''۔

وہاں عجیب تماشا بن گیا۔ قلی قسمیں کھا رہا تھا کہ میں سیٹھ کو کیسے دھکا دے سکتا ہوں۔ میرے سر پر تو سامان لدا تھا۔

''پھر تیرے باپ نے مجھے لات مار کر نیچے گرایا ہے؟''۔

قلی پریشان تھا۔ ماریا ہنس رہی تھی۔ اس نے قلی کی جان چھڑانے کے لیے آگے بڑھ کر اتنے زور سے موٹے سیٹھ کے منہ پر طمانچہ مارا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

"ہائے میں! مارا گیا"۔

قلی خوف کھا کر پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

"اب کہو سیٹھ کس نے مارا ہے؟"۔

سب لوگ ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے۔ عورت پریشانی سے ادھر ادھر تک رہی تھی۔

ماریا اس کے قریب جا کر آہستہ سے بولی۔

"میں تمہارے پاس ہوں۔ چلو"۔

عورت کے چہرے پر رونق آ گئی۔ سٹیشن سے نکل کر وہ شہر میں آ گئے۔

ماریا نے کہا۔

"جنگل کے سفر کے لیے ہمیں کھانے پینے کے لیے کچھ ساتھ لے چلنا چاہیے"۔

"ہاں دیوی! اس جنگل میں کوئی چشمہ اور پھل دار درخت نہیں ہے"۔

صرف شکار بہت ملتا ہے۔

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم یہیں ٹھہرو۔ میں کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں"۔

عورت کو کھمبے کے نیچے بنچ پر بٹھا کر ماریا سامنے والے بازار

میں آ گئی۔ ایک دکان پر کھانے پینے کی چیزیں بک رہی تھیں۔

ماریا نے ایک ٹوکری پکڑ کر کچھ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اٹھائے اور ٹوکری میں رکھ لیے۔ دوکاندار نے ایک تھال میں سے گوشت کے پارچے غائب ہوتے دیکھے تو حیران ضرور ہوا۔

آنکھوں کو ملا۔ پھر سوچا کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تھال میں رکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑے غائب ہو جائیں۔ دیکھتے میں ماریا نے سوڈا واٹر کی دس بارہ بوتلیں بھی اٹھا کر ٹوکری میں رکھ لیں۔

اب تو دکاندار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ کیسے ہو گیا؟۔

بوتلیں کون اٹھا کر لے گیا۔ ماریا نے اس کی پریشانی دیکھی تو

قریب آ کر اس کے سر پر ایک چپت لگا کر کہا۔

”میں لے گئی ہوں یہ ساری چیزیں“۔

”تم۔۔۔ تم۔۔۔“

دکاندار صرف اتنا ہی کہہ سکا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

ماریا نے یہ ساری چیزیں ایک گدھے پر لاد دیں اور عورت کے ساتھ جنگل میں سے گزرنا شروع کر دیا۔

یہ جنگل سچ مچ بڑا گھنا جنگل تھا۔ دن کے وقت بھی بڑا اندھیرا تھا۔ دوپہر تک وہ جنگل میں سفر کرتی رہیں پھر انہوں نے ایک جگہ درختوں کے نیچے رک کر کھانا کھایا اور عورت نے کہا۔

”میں تھک گئی ہوں۔ کچھ دیر آرام کروں گی“۔

ماریا نے کہا۔

"ضرور ضرور۔ تم سو جاؤ۔ میں تمہاری نگرانی کرتی ہوں"۔

عورت درخت سے ٹیک لگا کر سو گئی۔ ماریا پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور عنبر ناگ کے بارے میں غور کرنے لگی۔

تھوڑی دیر گذری تھی کہ اسے خیال آیا۔ کیوں نہ وہ جنگل میں ذرا چل پھر کر دیکھے۔ ہو سکتا ہے یہاں کوئی ایسا خفیہ مندر ہو جہاں عنبر اور ناگ سے ملاقات ہو جائے۔

چنانچہ ماریا نے اس عورت کو سوتا چھوڑا اور جنگل میں ٹہلتے ٹہلتے ذرا دور نکل گئی۔ اب ایسا ہوا کہ چار ٹھگوں کا ادھر سے گذر ہوا۔

انہوں نے جو ایک جوان عورت کو جنگل میں اکیلی سوتے ہوئے دیکھا تو رک گئے اور سوچا کہ کیوں نہ اسے پکڑ کر لے

جائیں اور آگے چل کر کسی سیٹھ یا پٹیل کے پاس بیچ کر دولت کمائیں؟۔

پس انہوں نے عورت کو بیہوشی کی دوائی سنگھائی۔ اٹھا کر گھوڑے پر ڈالا اور آگے روانہ ہو گئے۔

ماریا نے واپس آ کر عورت کو غائب پایا۔ تو پریشان ہو گئی۔

پھر جب وہاں گھوڑوں کے کھروں کے نشان دیکھے تو ان پر چل پڑی۔ گھوڑوں کے سموں کے نشان اسے جنگل سے باہر ایک کھیت میں لے آئے۔ جس کے آخر میں ایک پرانا مکان تھا۔

ماریا نے یہاں آ کر دیکھا کہ مکان خالی ہے آگے دریا آ گیا۔

ٹھگ اس عورت کو لے کر یہاں کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کر گئے

تھے۔ ماریا بھی کشتی میں سوار ہوئی اور دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر آ گئی۔

یہاں سے دور اسے ایک گاؤں دکھائی دیا۔ سمجھ گئی کہ امبا گاؤں یہی ہو گا۔ مگر سب سے پہلے عورت کو تلاش کرنا ضروری تھا۔

مگر اب ماریا کے لیے گھوڑوں کا سراغ نکالنا بھی محال تھا۔ مجبور ہو کر ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔

ماریا کو یقین تھا کہ ٹھگ اس گاؤں کی طرف نہیں گئے ہوں گے۔

پس وہ گاؤں کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئی۔ اب چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں آ گئیں۔ پھر ایک ندی آ گئی۔

جو خشک پڑی تھی۔ اچانک ماریا نے دیکھا کہ اس ندی میں گھوڑوں کے سموں کے نشان آگے جا رہے تھے۔

ماریا بہت خوش ہوئی۔ عورت کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ ان نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے چلنے لگی۔ خشک ندی کافی دور تک چلی گئی تھی۔

گرمی کافی تھی۔ ماریا کو چلتے چلتے پسینہ آ گیا۔ اس کو پیاس بھی لگ رہی تھی۔ اس کے پاس پینے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

گھوڑوں کے سموں کے نشان ایک جگہ ندی سے باہر نکل گئے۔ ماریا بھی خشک ندی سے باہر نکل آئی۔

سامنے جو دیکھا تو ایک پرانے قلعے کا کھنڈر سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس علاقے کی پہاڑی ٹیکریوں میں چھوٹے چھوٹے پرانے

قلعوں کے کھنڈر بہت تھے۔

ان کھنڈروں میں کہیں ڈاکوؤں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ اور کہیں چمگادڑیں یا الو رہا کرتے تھے۔ راتوں کو کہتے ہیں ان پرانے قلعوں سے عورتوں کے رونے اور کبھی قہقہے لگانے کی آوازیں آتی ہیں۔

آبادی آس پاس کہیں بھی نہیں تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ گھوڑوں کے سموں کے نشان ایک کھنڈر میں چلے گئے ہیں۔

ماریا رک کر اس قلعے کے کھنڈر کو غور سے دیکھنے لگی۔

جس کے دروازے کی اینٹیں جگہ جگہ سے اکھڑ چکی تھیں۔

سامنے والی بالکونی کا چھجہ آدھا گر گیا تھا۔

پیپل کا ایک درخت قلعے کی فصیل میں سے نکل کر سایہ کیے ہوئے تھا۔ ماریا دروازے میں داخل ہو گئی تھی۔

ٹھنڈی ہوا اسے لگی۔ پھر اس نے پانی گرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنی۔ اسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ پانی کی آواز پر ایک ایسے کونے میں پہنچی جہاں پتھروں میں پانی ٹپک رہا تھا۔

یہ ایک قدرتی چشمہ تھا۔ ماریا نے اوک سے پانی پیا۔ پانی بڑا ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔

ابھی ماریا نے پانی پیا ہی تھا کہ اسے کسی عورت کی سسکیوں کی آواز آئی۔

ماریا چونکی۔ یہ ضرور اسی عورت کی آواز تھی۔ وہ ادھر کو لپکی۔

اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کچھ دور جا کر ایک پرانا دروازہ آیا۔ جس کے باہر طاق میں دیا جل رہا تھا۔ ہلکی روشنی کی وجہ سے

ماریا نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور اندر ایک کونے میں وہی عورت زمین پر بال کھولے بیٹھی ہے۔

ارد گرد چار ٹھگ بیٹھے ہنس رہے ہیں۔ اور اس عورت کو گالیاں بک رہے ہیں۔

ماریا سے یہ بے عزت برداشت نہ ہو سکی۔ وہ اس مظلوم عورت کے پاس گئی اور اس کے کان میں کہا۔

"گھبراؤ نہیں میں آ گئی ہوں"۔

عورت کے منہ سے بے اختیار خوشی سے چیخ نکل گئی۔

"دیوی! تم؟"۔

ٹھگ چونکے۔

"کون دیوی؟ کس کو یاد کر رہی ہو بدبخت؟"۔

ٹھگوں کے سردار کے اس جملے پر عورت نے جلدی سے کہا۔

"کچھ نہیں سردار! میں دیوی سے آپ لوگوں کے لیے دعا مانگ رہی تھی"۔

سب ٹھگ قہقہے لگانے لگے۔

سردار نے کہا۔

"شاباش! اس طرح رہو گی تو بڑی خوش رہو گی"۔

اتنے میں ایک ٹھگ اٹھ کر عورت کے پاس آیا اور بولا۔

"سردار! مجھے اجازت ہے کہ میں اس عورت کو ایک ہنٹر مار سکوں؟"۔

سردار نے تلوار لہرا کر کہا۔

"تم میرے جگری دوست ہو۔ تم اگر چاہو تو اس عورت کا سر

قلم کر سکتے ہو"۔

"ہاہاہا! میں اب ایسا ہی کروں گا سردار! میں اس عورت کا سر قلم کروں گا۔ مجھے اس کا بڑا شوق ہے۔ کیا اجازت ہے تمہاری؟"۔

سردار انکار نہیں کر سکتا تھا۔

فوراً بولا۔

"کیوں نہیں۔ تمہیں میری طرف سے اجازت ہے"۔

اس ٹھگ نے تلوار نکال لی اور لہراتا ہوا عورت کے سر پہ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ماریا گھبرا گئی"۔

عورت ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ٹھگ تلوار سے عورت کی گردن اڑانے ہی والا تھا کہ ماریا اس کے سر پر پہنچ گئی۔

اس نے آتے ہی ٹھگ کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور اس کی گردن اڑا دی۔

اپنے ساتھی کی گردن اڑتے دیکھ کر باقی ٹھگ اپنی اپنی جگہوں پر دہشت زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیا ہو گیا سردرا؟"۔

ایک ٹھگ نے کہا۔

سردار خود پریشان تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

کیا یہ کسی بدروح کی کارستانی تھی؟۔

ایک ٹھگ نے کہا۔

"سردار! میں اس عورت سے اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ لوں گا۔ میں اس کا سر قلم کروں گا"۔

اس سے پہلے کہ سردار اسے منع کرتا۔ وہ شخص انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر تلوار سونت کر عورت کی طرف بڑھا۔

چاہتا تھا کہ عورت کا سر اڑا دے کہ ماریا پہلے ہی وہاں تیار کھڑی تھی۔ اس نے تلوار کا بھرپور ہاتھ مار کر دوسرے ٹھگ کی بھی گردن اڑا دی۔

اب باقی ٹھگ وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سردار خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ سردار خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔

ماریا نے بلند آواز میں کہا۔

"ظالم لوگو! اگر تم اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ نہیں تو تمہارا حشر بھی یہی ہو گا"۔

ٹھگوں نے جو ماریا کی غیبی آواز سنی تو دنگ ہو کر رہ گئے۔

کبھی دیواروں کو، کبھی چھت کو تکنے لگے۔ سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے بدروح! ہم ابھی چلے جاتے ہیں"۔

اور باقی ٹھگ وہاں سے نکلنے لگے۔ ماریا نے زوردار آواز میں کہا۔

"دو گھوڑے یہیں چھوڑ جانا"۔

ٹھگ وہاں سے بھاگ گئے۔ جاتی دفعہ وہ دو گھوڑے وہاں

چھوڑ گئے۔ سوچ رہے تھے کہ شاید اس بدروح کو بھوک لگی ہے اور وہ گھوڑے ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔

ماریا نے عورت کے منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے جگایا۔

وہ ہوش میں آتے ہی بولی۔

”دیوی! کہاں ہو؟“۔

ماریا نے کہا۔

”میں تمہارے پاس ہوں۔ ٹھگ کچھ بھاگ گئے۔ جنہوں نے تمہیں مارنا چاہا تھا وہ خود مر گئے۔ چلو اب ہم تمہارے گاؤں چلتے ہیں۔ ہمارے پاس دونوں گھوڑے موجود ہیں“۔

پس ماریا اس عورت کو لے کر گاؤں کی طرف چل پڑی۔

اب ذرا عنبر کی طرف چلتے ہیں۔ عنبر کو ہم منجریا، شیوا جی اور بھوت ڈاکو کے غار میں چھوڑ آئے تھے۔ جہاں ڈاکہ مارنے کا پروگرام بن رہا تھا۔

عنبر نے انہیں کہا۔

”میں چوری ڈاکا قتل وغیرہ کے خلاف ہوں۔ تم لوگوں کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ یہ کام چھوڑ کر عزت کی کمائی کرو“۔

مگر چونکہ تم باز آنے والی جنس نہیں ہو اس لیے میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔

مگر چوری ڈاکے وغیرہ میں شریک نہیں ہوں گا۔ اب اگر کسی نے مجھے تنگ کیا اور مجھ پر حملہ کیا تو پستول چلانے سے باز نہیں آؤں گا۔

بھوت ڈاکو ہنس پڑا۔

'' ارے میرے بھائی عنبر! تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ یار! یہ قتل وغیرہ تو ہم ایسے لوگوں کو کرتے ہیں۔ جو غریبوں کا خون چوستے ہیں''۔

عنبر نے کہا۔

'' پھر بھی تمہیں کسی انسان کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے''۔

شیوا جی ہنسا۔

'' ارے بھائی! تم کیسی دقیانوسی قسم کی باتیں کر رہے ہو''۔

عنبر نے کہا۔

چاہے تم کچھ کہہ لو۔ اتنا ضرور یاد رکھو۔ اگر تم گندم بوؤ گے تو گندم ہی کاٹے گے۔

اگر کسی پر ظلم کرو گے۔ تو قدرت تم سے اس کا ایک نہ ایک دن

بدلہ ضرور لے گی۔

بھوپت ڈاکو نے رائفل ہوا میں لہرا کر کہا۔

'' شاباش عنبر! تم نے بالکل ٹھیک کیا''۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

'' چلو دوستو! آج کی رات ارجن پور جا کر وہاں کے سیٹھ کو لوٹا جائے۔ کیا خیال ہے؟''۔

سب ایک ساتھ بولے۔

'' بڑا اچھا خیال ہے''۔

چاروں ڈاکو بھوپت کی سرداری میں شام ہوتے ہی غار سے نکل کر ارجن پور کی طرف روانہ ہوگئے۔ عنبر بھی ایک گھوڑے پر سوار، منہ پر ڈھاٹا باندھے ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

ارجن پور وہاں سے دس بارہ کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہاں برلا نام کا ایک سیٹھ رہتا تھا جس کا تیل نکالنے کا ایک کارخانہ بھی تھا۔

بھوپت ڈاکو نے سن رکھا تھا کہ وہ بڑا ظالم آدمی ہے اور اپنے مزدوروں اور غریب لوگوں کے ساتھ بڑا ظلم کرتا ہے۔

ان کے جانور اٹھوا کر لے جاتا ہے۔ انہیں مزدوری کم دیتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف بولتا ہے اسے اپنے غنڈوں سے قتل کروا دیتا ہے۔

اب تک وہ کئی لوگوں کو قتل کرا چکا تھا۔ اس سیٹھ نے بھوپت ڈاکو کے ایک رشتے دار کو بھی قتل کروایا تھا۔

کالا ڈاکو

آدھی رات کو دور ارجن پور گاؤں کی روشنی نظر آئی۔

گاؤں سے باہر سیٹھ برلا کا تیل کا کارخانہ تھا جس کی چمنی کے اوپر بجلی کا بلب روشن تھا اور دور سے نظر آ رہا تھا۔

بھوپت نے شیواجی سے کہا۔

”سیٹھ برلا اس وقت کارخانے میں ہی ہوگا کیا خیال ہے؟“

"کارخانے میں چل کر دیکھ لیتے ہیں پہلے"۔

شیوا جی نے مکارانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

کارخانے میں اس وقت سیٹھ برلا کا منشی دن بھر کا حساب کتاب رجسٹر پر چڑھا رہا تھا۔ مزدور جا چکے تھے۔

صرف چوکیدار بندوق لیے دروازے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اتنے میں کھڑاک ہوا۔ منشی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔

سامنے لال لال آنکھوں والا بھوپت ڈاکو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ ایک نے چوکیدار کی گردن پر پستول رکھ دیا تھا۔

منشی تو ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ بھوپت نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت مار کر کہا۔

"بچو! تجوری کی چابیاں کہاں ہیں؟"۔

منشی نے تھرتھراتے ہوئے کہا۔

"وہ تو سیٹھ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں"۔

بھوپت ڈاکو نے بندوق کا کندھا منشی کی گردن پر مارا۔

منشی گر پڑا۔ اٹھا اور جلدی سے چابیاں نکال کر بھوپت کے حوالے کر دیں۔ بھوپت نے تجوری کھول کر سارا مال تھیلے میں بھر لیا۔

پھر بولا۔

"سیٹھ کہاں ہے؟"۔

منشی نے سہمے ہوئے کہا۔

"چلا گیا ہے۔ گھر پر ہے"۔

بھوپت نے کہا۔

"ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ڈرتے کیوں ہو؟"۔

"چلو ساتھیو! ذرا سیٹھ کی خبر لیں"۔

عنبر بھی ان کے ساتھ ہی سیٹھ کے مکان پر آ گیا۔ بھوپت نے دھڑاک سے دروازہ کھول دیا اور آواز دی۔

"سیٹھ برلا! باہر آ جاؤ۔ نہیں تو سارے مکان کو آگ لگا دوں گا"۔

برلا کوٹھے میں ابھی سونے ہی لگا تھا۔ بھوپت کی آواز پر سہم کر رہ گیا۔

جلدی سے نیچے آیا۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا بیٹا وہاں آ گیا۔ بھوپت نے کہا۔

"سیٹھ برلا! ہم تم سے تمہارے ظلم کا بدلہ لینے آئے تھے۔ چلو! سامنے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ"۔

عورتیں شور مچانے لگیں۔

"بھگوان کے لیے انہیں چھوڑ دو"۔

بھوپت نے اشارہ کیا۔

شیواجی نے بندوق چلا دی۔ سیٹھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

شیواجی بولا۔

"سردار! اس سانپ کے بچے کو بھی ہلاک کر دینا چاہیے"۔

بھوپت نے کوئی جواب نہ دیا۔ عنبر نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔

"یہ بچہ معصوم ہے۔ اس کو مت مارو"۔

مگر شیوا جی پستول لے کر اس کی طرف بڑھا۔ عنبر نے بندوق کا نشانہ باندھ کر شیوا جی کے سینے میں گولی اتار دی۔

دھائیں سے شیوا جی زمین پر گرا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

بھوپت غصے سے لال سرخ ہو گیا۔ مگر مجبور تھا۔ عنبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا عنبر! میرے ایک بہترین ساتھی کو ہلاک کر دیا"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ ظالم تھا۔ ظالم لوگوں کو اس زمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔

بھوپت کا ساتھی منجریا آگے آ گیا۔

"تم کون ہوتے ہو انصاف کرنے والے؟"۔

عنبر نے بندوق نال اس طرف موڑ کر کہا۔

میں عنبر ہوں! میں چاہوں تو تمہیں بھی اسی وقت ٹھنڈا کر سکتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو تمہارے سردار بھوپت ڈاکو کو بھی ہلاک کر سکتا ہوں اور تم لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

مگر میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ خبردار! اگر تم میں سے کسی نے آئندہ بے گناہ معصوم لوگوں پر ہاتھ اٹھایا تو تمہارا بھی حشر شیوا جی والا ہوگا۔

بھوپت سمجھدار تھا۔ موقع کو سمجھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"یار عنبر! تم تو ناراض ہو گئے"۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو واپس چلو"۔

سارے ڈاکو واپس غار میں آ گئے۔ وہ کافی روپیہ لوٹ کر لے آئے تھے۔

منجریا ڈاکو کو اپنے ساتھی کی موت کا بڑا افسوس تھا۔ اس نے دوسرے دن بھوپت سے بات کی تو وہ بولا۔

"دکھ تو مجھے بھی بہت ہوا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ہم اس عنبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

منجریا بولا۔

"ہم دیوی ماتا سے جا کر فریاد کرتے ہیں۔ ہم اس کے پجاری ہیں۔ وہ ضرور کوئی راہ سمجھائے گی"۔

"مشورہ تو ٹھیک ہے۔ چلو دیوی ماتا کے مندر میں چلتے ہیں"۔

شام کو بھوپت اور منجریا دیوی ماتا کے مندر میں آ گئے۔

انہوں نے ناریل توڑ کر نذرانہ چڑھایا اور ہاتھ باندھ کر منجریا نے کہا۔

"دیوی ماتا! عنبر نے ہمارے ساتھی کو مار ڈالا ہے۔ ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہمیں کوئی ایسا گر بتاؤ کہ اس شخص کو ہلاک کر سکیں"۔

دیوی کی مورتی میں سے آواز آئی۔

تم نے ظلم کیا ہے۔ تم لوگ ظلم کرتے ہو۔ ناحق انسانوں کا گھر لوٹتے ہو۔ بچوں بڑوں کو مارتے ہو۔ عنبر نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا

ہے۔

تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ امر ہے۔ اس کو بڑے عظیم دیوتاؤں کی دعا ملی ہوئی ہے۔

تم اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اس نے ابھی تک تمہارا لحاظ کیا ہے اور تمہیں کچھ نہیں کہا۔

جاؤ اور آئندہ سے اس کے بارے میں کوئی بات نہ سوچنا۔

بلو پت اور منجر یا ڈر کر دیوی کے مندر سے واپس آ گئے۔

وہ بڑے پریشان تھے اور ڈرے ہوئے بھی۔ کیونکہ دیوی نے بھی عنبر کی حمایت کر دی تھی۔ رات کو انہوں نے پھر آپس میں صلاح مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ بڑے راج گرو سے مشورہ کیا

جائے۔

اگلے روز عنبر کو غار ہی میں چھوڑ کر وہ کسی بہانے شہر کے قریب والے مندر میں راج گرو کے پاس پہنچے اور ساری بات کھول کر بیان کر دی۔

راج گرو بڑا دانا حکیم تھا۔

اس نے کہا۔

”عنبر کو تم لوگ ہلاک تو نہیں کر سکتے۔ مگر بے ہوش کر کے اس کو دریا میں ضرور پھینک سکتے ہو۔ اس طرح سے وہ دریا میں بہتے بہتے سمندر میں جا گرے گا۔ میں تمہیں ایسی دوا دوں گا جس کی وجہ سے وہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گا اور یوں وہ مردہ ہی رہے گا اور تمہارے انتقام کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی“۔

یہ ترکیب سن کر بھوپت اور منجریا بڑے خوش ہوئے۔

انہوں نے راج گرو کو سونے کے سکے پیش کیے اور دوائی لے کر واپس غار میں آ گئے۔ صبح اٹھتے ہی انہوں نے دوائی دودھ میں ڈال کر عنبر کو پلا دی۔ دودھ پیتے ہی عنبر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

بھوپت اور منجریا نے اسے گھوڑے پر ڈالا اور دریائے کھیر میں جا کر پھینک دیا۔

"میرے ساتھی کو ہلاک کرنے والے کا یہی انجام ہوتا ہے"۔

عنبر کو دریا میں پھینک کر دونوں ڈاکو واپس آ گئے اور کسی دوسرے گاؤں میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنانے لگے۔

ادھر ماریا نے اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دیا اور واپس

ہوئی۔

گاؤں میں ماریا نے کپڑے تبدیل کیے۔ غسل کیا۔ کچھ دیر آرام کیا اور تازہ دم ہو کر اپنے ساتھیوں یعنی عنبر اور ناگ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ چلتے چلتے اسے شام ہو گئی۔

وہ گھوڑے پر سوار تھی اور جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ جب شام ہوئی تو وہ جنگل سے باہر آ گئی۔ سامنے کیا دیکھتی ہے کہ دور ایک گاؤں میں روشنی ہو رہی ہے۔

غور سے دیکھا تو یہ روشنی آگ کے شعلوں کی تھی۔ ماریا نے گھوڑے کا رخ اس طرف کر دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکو بھوپت نے گاؤں لوٹ کر آگ لگا دی ہے اور ایک سیٹھ کی جوان لڑکی کو اٹھا کر لے گیا ہے۔

سیٹھ اور اس کی بیوی سر پر خاک ڈال کر رو رہے تھے۔ ماریا کو بڑا دکھ ہوا کہ یہ کیسے ظالم ڈاکو ہیں کہ قتل و غارت بھی کرتے ہیں اور لوگوں کی لڑکیاں بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

ماریا کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھی کہ ڈاکو کدھر گئے ہیں۔ بہر حال وہاں سے اسے صرف اتنا معلوم ہوا کہ ڈاکو سامنے والے جنگل میں گئے ہیں۔

وہیں ان کی کمین گاہ ہے۔ ماریا جنگل کی طرف چل پڑی۔

جنگل میں پہنچتے پہنچتے اسے رات ہو گئی۔ جنگل بڑا گھنا اور بھیانک تھا۔ دور سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

ماریا کے نیچے اس کا گھوڑا کانپنے لگا تھا۔ شیر نے بھی شاید گھوڑے کی بو پا لی تھی۔ وہ گھوڑے کی طرف یعنی ماریا کی طرف

بڑھ رہا تھا۔

ابھی آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔ اور ابھی آواز بالکل قریب آ گئی۔

ماریا کو خوب معلوم تھا کہ جب تک وہ گھوڑے پر سوار ہے گھوڑا شیر کو نظر نہیں آئے گا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیر تو اس کی بو پر چلا آ رہا ہے۔ یہی ہوا ماریا ایک جگہ پہنچی تو اچانک سامنے سے شیر نکل آیا اور غرانے لگا۔

اسے گھوڑے اور انسان دونوں کی بو آ رہی تھی۔ اب ماریا پریشان ہو گئی۔ اس کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ شیر اسے بھی گھوڑے کے ساتھ پھاڑ کر کھا سکتا تھا۔ اس نے اوپر دیکھا۔

ایک درخت کی شاخ لٹک رہی تھی۔ ماریا نے اچھل کر

درخت کی شاخ پکڑی اور اوپر چڑھ گئی۔ اس کے اوپر چڑھتے ہی گھوڑا نظاہر ہو گیا۔

شیر نے جونہی اپنے سامنے گھوڑے کو دیکھا تو زور سے گرجا۔

شیر کئی روز سے بھوکا تھا۔ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر جھپٹا اور اسے چیر پھاڑ کر پھینک دیا اور دھڑ سے لے کر کھانے لگا۔

ماریا درخت پر بیٹھی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

شیر کا جب پیٹ بھر گیا تو وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ماریا درخت پر سے نیچے اتر آئی۔ وہ گھوڑے کی سواری سے ضرور محروم ہو گئی تھی لیکن اس کی اپنی جان بچ گئی تھی۔

اس نے سوچا کہ اسی جگہ جنگل میں پڑ کر رات گذار لینی چاہیے وہ رات بسر کرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ دیکھ رہی تھی

کہ اس نے دو گھوڑ سواروں کو تیزی سے گذرتے دیکھا۔

اندھیرے میں وہ ان کی شکلیں نہ دیکھ سکی۔ دو سائے اس کے آگے سے گھوڑے دوڑاتے گذر گئے۔

ماریا نے سوچا کہ ضرور یہی وہ ڈاکو ہیں جنہوں نے سیٹھ کی بے گناہ لڑکی کو اغوا کر رکھا ہے۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

آدھی رات کے بعد تک ماریا چلتی رہی۔ اب وہ جنگل سے باہر نکل آئی تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

سامنے کالے کالے پہاڑ کھڑے تھے۔ ان کے دامن میں ایک جگہ دور سے ماریا کو گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ ہو نہ ہو ڈاکو اسی جگہ ہوں گے۔ جدھر سے

گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی تھی ماریا ادھر کو چل پڑی۔

کیا دیکھتی ہے کہ پہاڑی کے دامن میں ایک اونچی ترچھی آگے کو ذرا جھکی ہوئی ایک چٹان ہے۔ صبح کی نیلی نیلی روشنی پھیل رہی تھی۔

اس دھندلی روشنی میں ماریا نے چٹان کے پاس جا کر دیکھا کہ ایک راستہ چٹان کے اندر جا رہا ہے۔ ماریا اندر داخل ہوئی۔

اندر سے نم دار ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ ایک بار پھر اندر سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔

"ضرور ڈاکوؤں کا مسکن یہی ہے"۔

ماریا دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی غار کے اندر آ گئی۔

اب اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی۔ وہ

ایک موڑ گھومی تو کیا دیکھتی ہے کہ درمیان میں پتھر پر دیا روشن ہے۔

اردگرد پتھروں پر چار ڈاکو بیٹھے ہیں۔ بندوقیں ان کے آگے رکھی ہیں۔ سامنے بھوپت ڈاکو اور مہتریا ڈاکو اونچی جگہ پر بیٹھے ہیں۔

اور ایک جوان لڑکی رسی سے بندھی ستون کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس کا سر جھکا ہے۔ بال کھلے ہیں اور وہ زار و قطار رو رہی ہے اور ڈاکوؤں سے رحم کی بھیک مانگ رہی ہے۔

بھوپت گرج کر بولا۔

ہم تم پر رحم نہیں کریں گے۔ تمہارے باپ نے ہم سے دس لاکھ روپوں کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے روپے نہیں دیئے۔

ہم تمہیں دوسرے شہر جا کر فروخت کر دیں گے۔

لڑکی ہاتھ باندھ کر بولی۔

"میرے باپ کے پاس جتنے پیسے تھے اس نے تم لوگوں کو دے دیئے۔ اس کے باوجود تم نے سارے گاؤں کو آگ لگا دی"۔

منجریا نے اٹھ کر لڑکی کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ اور اس نے باپ اور ماں کو یاد کیا۔

منجریا نے قہقہہ لگایا۔

"ارے یہ ماں کو یاد کرتی ہے"۔

بھوپت بولا۔

"ایک اور طمانچہ لگاؤ اس کو"۔

منجریا ڈاکو نے لڑکی کا منہ طمانچے مار مار کر سرخ کر دیا۔ لڑکی بے حال سی ہو گئی۔ ماریا سے یہ دردناک منظر نہ دیکھا گیا۔

وہ آگے بڑھی۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ زمین پر سے ایک ڈاکو کی بندوق اٹھائی۔ منجریا کے سر کا نشانہ باندھا اور گھوڑا دبا دیا۔

"دھائیں" ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ سارے ڈاکو اپنی اپنی جگہوں سے اچھل پڑے۔

گولی منجریا ڈاکو کے سر پر لگی اور اس کی کھوپڑی اڑا کر لے گئی۔

منجریا ڈاکو کی لاش زمین پر بے سدھ پڑی تھی اور بھوپت ڈاکو ہوا میں فائرنگ کرنے لگا تھا۔ دوسرے ڈاکوؤں نے بھی مورچے سنبھال لیے تھے۔

وہ یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ پولیس اندر آ گئی ہے۔ ماریا ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر بڑے آرام سے بیٹھی تھی۔

کافی دیر بعد جب کوئی سپاہی نظر نہ آیا تو بھوپت نے پتھر کے پیچھے سے نکل کر ادھر ادھر دیکھا۔

"یہاں تو پولیس کا کوئی سپاہی نہیں ہے پھر یہ گولی کس نے چلائی تھی؟"۔

سارے ڈاکو حیران تھے۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ بھوپت نے منجریا ڈاکو کی لاش کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ لٹا دیا اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔

وہ غصے سے بپھرا ہوا تھا۔

"میرے ساتھی کو ہلاک کرنے والا زندہ بچ کر نہیں جا سکتا"۔

بھوپت ڈاکو بڑا بہادر ڈاکو تھا اور اس نے آج تک کبھی کسی غریب پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ شیوا جی اور منجریا ڈاکو نے اسے غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

اس نے لڑکی کو اسی وقت آزاد کر دیا۔

"دیوی ماتا! مجھ سے ناراض ہے۔ بھگوان نے یہ غیبی اشارہ تھا۔ میں اس لڑکی کو آزاد کرتا ہوں۔ جاؤ لڑکی تم آزاد ہو"۔

پھر اس نے تین ڈاکوؤں کو اس کے ساتھ کرتے ہوئے کہا۔

اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر پہنچا کر آنا۔ خبردار غداری مت کرنا۔ بھوپت بہادر اور دیانتدار ہے۔ آئندہ وہ کسی کے بہلاوے میں نہیں آئے گا۔ اور کبھی کسی کی ماں بہن کے

ساتھ ظلم نہیں کرے گا۔

تینوں ڈاکوؤں نے لڑکی کو ساتھ لیا اور غار سے باہر نکل آئے۔

ماریا نے سوچا کہ یہ ڈاکو کمینے ہیں۔ اور بھوت جیسے بہادر اور بات کے پکے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ان کے ساتھ چلنا چاہیے۔ تاکہ لڑکی کی حفاظت کی جا سکے۔

ماریا بھی ایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور ڈاکوؤں کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ تینوں ڈاکو لڑکی کو ایک الگ گھوڑے پر بٹھائے اس کے پیچھے آ رہے تھے وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔

جنگل گھنا تھا۔ دوپہر تک وہ چلتے رہے۔ ماریا ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ایک جگہ ماریا کا گھوڑا ہنہنایا۔ تینوں ڈاکوؤں نے

پیچھے مڑ کر دیکھا۔

’’یہ گھوڑے کی آواز کہاں سے آئی تھی؟‘‘۔

ایک ڈاکو نے پوچھا۔

دوسرے نے کہا۔

’’آواز تو میں نے سنی تھی‘‘۔

’’مگر گھوڑا کہیں نظر نہیں آ رہا‘‘۔

تیسرا بولا۔

’’میرا خیال ہے ہمارا وہم ہے‘‘۔

’’ایک آدمی کا وہم ہو سکتا ہے۔ لیکن گھوڑے کی آواز تو ہم تینوں نے سنی ہے‘‘۔

لڑکی بھی کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ کیونکہ گھوڑے کے

ہنہنانے کی آواز اس کو بھی آئی تھی۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"ارے بھائی! یہ ہمارے کسی گھوڑے کی آواز ہوگی"۔

"بھائی اگر کسی بھوت نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کر دیا ہے تو پھر ہماری خیر نہیں"۔

تینوں نے قہقہہ لگایا اور لڑکی کی طرف غور سے دیکھا۔

لڑکی کانپ گئی۔ اصل میں ان لوگوں کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ انہوں نے آپس میں مل جل کر فیصلہ کر لیا تھا کہ اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے پاس نہ پہنچایا جائے۔

بلکہ کسی ڈاکو کے پاس لے جا کر فروخت کر دیا جائے اور پیسے کمائے جائیں۔

ان کے دل میں گناہ کا خیال آ چکا تھا۔ لڑکی اس سے بے خبر تھی۔ ماریا برابر پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

رات آ گئی۔ جنگل میں سناٹا چھا گیا۔ کسی وقت دور سے کسی شیر کی ہلکی سی دھاڑ گونج جاتی۔ تینوں ڈاکوؤں نے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جما لیا۔ انہوں نے ایک ڈاکو کو آگے روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ اس ڈاکو کو خبر کر دے جس کے ہاتھ لڑکی کو فروخت کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں کالو ڈاکو بھی آ گیا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مال اچھا ہے۔ میں اس کے پانچ سو روپے دوں گا"۔

ڈاکوؤں نے کہا۔

"منظور ہے۔ تم اس لڑکی کو لے جا سکتے ہو"۔

لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔

"مجھ پر یہ ظلم نہ کرو۔ مجھے میرے ماں باپ کے گھر پہنچا دو"۔

کالو ڈاکو نے لڑکی کے سینے پر پستول کی نالی رکھ کر کہا۔

"اور اب تم میری غلام ہو۔ میں نے تمہاری قیمت ادا کر دی ہے"۔

تینوں ڈاکو لوٹ گن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے کہ اچھا سودا کیا۔

وہ بڑے آرام سے بھوپت کو جا کر بتا دیں گے کہ وہ لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ آئے ہیں۔

کالے ڈاکو نے کہا۔

"میں اس جگہ رات بھر آرام کروں گا۔ صبح اس لڑکی کو لے کر

اپنے ڈیرے پر جاؤں گا"۔

ڈاکوؤں نے کہا کہ وہ ابھی واپس جانا چاہتے ہیں۔

کالو بولا۔

"ٹھیک ہے تم لوگ جا سکتے ہو۔ تم نے مال بیچ دیا ہے۔ میں نے رقم ادا کر دی ہے۔ اب تم آزاد ہو"۔

ماریا یہ ساری کارروائی خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے گھوڑا دور ایک درخت کے پیچھے باندھ رکھا تھا۔

جب اس نے دیکھا کہ تینوں ڈاکو واپس جا رہے ہیں اور کالو ڈاکو نے لڑکی کو وہیں رکھ کر جنگل میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس نے سوچا کہ یہ بڑا اچھا ہوا۔

سب سے پہلے اسے ان تین ڈاکوؤں کو بے ایمانی اور ظلم کا مزا

چکھانا چاہیے۔

جونہی ڈاکو رات کے اندھیرے میں واپس ہوئے ماریا بھی ان کے ساتھ ہی چل پڑی۔ جنگل کے آگے جا کر ماریا دوسری طرف ہو گئی اور کافی آگے جا کر اس پگ ڈنڈی پر جا کر رک گئی جہاں سے ان تینوں ڈاکوؤں کو گزرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکوؤں کی ہنسی مذاق اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔

وہ بڑے خوش تھے۔ انہوں نے آپس میں روپے بانٹ لیے تھے۔ وہ رحم کے قابل نہیں تھے۔

انہوں نے ایک معصوم بچی کی زندگی کا سودا کیا تھا۔ ماریا کے پاس بندوق تھی جس میں ایک ہی گولی باقی رہ گئی تھی۔

وہ اس گولی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ جب ڈاکو تھوڑی دور رہ گئے تو ماریا گھوڑے سے نیچے اتر کر پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

اس کے نیچے اترتے ہی گھوڑا نظر آنے لگا۔ جونہی ڈاکوؤں نے قریب آ کر اکیلا گھوڑا دیکھا وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ گھوڑا اس جنگل میں کہاں سے آ گیا؟۔

ایک ڈاکو نے کہا۔

"یہ وہی گھوڑا ہے جس کے ہنہنانے کی آوازیں جنگل میں آئی تھی"۔

دوسرا قہقہہ لگا کر بولا۔

"چلو یہ گھوڑا بھی مفت میں مل گیا۔ اس کو اسی جنگل میں کسی

جگہ چھپا دیے ہیں۔"

کل شہر لے جا کر اس کی بھی قیمت کھری کر لیں گے۔

تیسرے نے کہا۔

"یار! کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے کہیں!"۔

""کیا مطلب؟"۔

"مطلب یہ کہ کہیں یہ کوئی بھوت پریت نہ ہو اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں؟"۔

"ہاہاہا"۔

ایک ڈاکو قہقہہ لگا کر ہنسا۔

""کیا بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ بھوت پریت ہم ڈاکوؤں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

چلو۔ کھولو اس گھوڑے کو اور لے چلو اپنے ساتھ"۔

ایک ڈاکو بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈاکو آگے بڑھا جو باتیں کر رہا تھا۔

جونہی اس نے گھوڑے کو ہاتھ لگایا۔

ماریا نے پوری طاقت سے بندوق کا دستہ اس کے سر پہ مار دیا۔

"ہائے، کر کے ڈاکو زمین پر گر پڑا۔

دوسرے ڈاکو گھبرا کر گھوڑوں پر چڑھنے لگے تھے کہ ماریا نے دوسرے ڈاکو کی ٹانگ کھینچ لی وہ نیچے گر پڑا۔

تیسرا ڈاکو بھاگنے لگا تو ماریا نے اس پر فائر کر دیا۔ وہ گھوڑے سے گر کر ڈھیر ہو گیا۔

اب جو ڈاکو باقی رہ گیا تھا وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ماریا نے زمین پر گری ہوئی بندوق اٹھائی۔

یہ بندوق بھری ہوئی تھی۔ اس نے فائر کر کے اس ظالم ڈاکو کو بھی جہنم میں دھکیل دیا۔

ادھر کالو ڈاکو نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پستول تھام کر جنگل میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ شاید پیسوں کے معاملے میں تینوں ڈاکوؤں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے اور انہوں نے آپس میں فائرنگ شروع کر دی ہے۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ واپس آ کر اسے بھی ہلاک کرنے کی

کوشش نہ کریں۔ وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

لڑکی بھی اٹھ بیٹھی تھی۔

"خبردار جو تم نے آواز نکالی۔ خاموش بیٹھی رہو"۔

کالو ڈاکو نے رعب سے لڑکی کو کہا۔ لڑکی بے چاری تو پہلے ہی سہمی ہوئی تھی۔

گولیوں کی آوازیں سن کر اور سہم گئی۔ ماریا نے تینوں ظالم ڈاکوؤں کا کام تمام کیا تو بڑے آرام سے گھوڑے پر سوار ہو کر کالو ڈاکو کی طرف آئی۔

تاکہ مظلوم لڑکی کو اس کی قید سے رہائی دلا کر اسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچائے۔ کالو ڈاکو اسی طرح پستول ہاتھ میں لیے چوکس بیٹھا تھا۔

جدھر سے گولیوں کی آواز آئی تھی ادھر دیکھ رہا تھا۔

جنگل میں اب چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

ایک الو کسی درخت پر بولا۔

کالو ڈاکو کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس نے لڑکی کو اپنے پیچھے چھپا لیا تھا اور اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا تھا۔ تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔

ماریا ذرا پرے رک گئی۔ اندھیرے میں کالو ڈاکو کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ماریا گھوڑے پر سے اتر پڑی۔ کالو ڈاکو کو گھوڑا نظر نہیں آیا۔

ماریا نے کالو ڈاکو کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک درخت کے پاس آ کر رکی اور بولی۔

''کالو! تیری موت کا وقت آ گیا ہے''۔

کالو نے جنگل کی خاموشی میں آدھی رات کو ایک عورت کی آواز سنی تو وہ ایک دم سے چونک پڑا۔

''کو۔۔۔ کون ہو تم؟''۔

ماریا نے کہا۔

''تمہاری موت!''۔

اب کالو ڈاکو نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی بھوت پریت ہے۔

اس نے کہا۔

''کیا تم کوئی چڑیل ہو؟''۔

ماریا نے کہا۔

''تمہاری موت ہوں۔ تم نے بے گناہ لڑکیوں پر بڑا ظلم کیا

ہے۔ تم نے ماں باپ کے جگر کے ٹکڑوں کو اٹھا کر فروخت کیا ہے۔ میں تمہارے ظلم کا بدلہ لینے آئی ہوں“۔

کالوڈاکو کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی پولیس کا افسر ہے جو اس کا پیچھا کر رہا تھا اور اب عورت کی آواز نکال کر اسے ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔

کالو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”میں تمہارے جال میں نہیں آؤں گا۔ میں جانتا ہوں تم کوئی پولیس افسر ہو اور مجھے ڈرا کر پھنسانا چاہتے ہو۔ مگر تم اپنی چال میں کامیاب نہیں ہو سکتے“۔

میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں کالوڈاکو ہوں جس کے نام سے اس علاقے کا بچہ بچہ کانپتا ہے۔

ماریا باتیں کرتے کرتے کالوڈاکو کے پیچھے آ گئی۔ اس نے زمین پر سے ایک روڑا اٹھا کر پرے پھینکا۔

آہٹ سن کر کالوڈاکو نے تڑپ کر ادھر پستول چلا دی۔

”ٹھائیں“۔

پستول کی آواز سے سارا جنگل ایک بار پھر گونج اٹھا۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

”تم اپنی موت کو نہیں مار سکتے۔ میں تمہیں مارنے اور اس لڑکی کو تمہارے چنگل سے بچانے آئی ہوں“۔

کالوڈاکو نے اپنا پستول لڑکی کے ماتھے پر رکھ دیا۔

”اگر تم نے مجھے کچھ کہا تو میں اس لڑکی کو گولی مار کر ہلاک کر دوں گا“۔

ماریا نے محسوس کیا کہ اس نے لڑکی کو بچا لے جانے کا کہہ کر بڑی غلطی کی۔

اب اسے بڑی عقلمندی سے کام لینا ہوگا کیونکہ یہ ظالم ڈاکو تو بڑی آسانی سے لڑکی کو گولی مار دے گا۔ کچھ دیر جنگل میں گہری خاموشی چھائی رہی۔

کالو ڈاکو چلایا۔

"کیا فیصلہ کیا تم نے پولیس افسر! کیا یہاں سے واپس جاؤ گے یا اس لڑکی کو گولی مار دوں؟"۔

ماریا نے بھاری آواز بنا کر کہا۔

"تم جیتے۔ میں ہار گیا۔ مجھے اس لڑکی کی زندگی بہت عزیز ہے۔ میں جا رہا ہوں"۔

"ہاہاہاہا!"۔

کالو ڈاکو نے قہقہہ لگایا۔

"خبردار جو مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی میں صبح تک اس لڑکی کو اپنے پستول کی زد میں رکھوں گا"۔

پھانسی گھر

کالوڈاکو نے لڑکی کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔

لڑکی بے چاری کا برا حال ہو رہا تھا۔ پستول اس کی پیشانی پر لگا تھا۔ اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اس کا رنگ زرد تھا اور بدن میں نام کو بھی لہو باقی نہ رہا تھا۔

ماریا ایک طرف درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور موقع کے انتظار میں رہی کہ کب کالوڈاکو ذرا سا غافل ہو اور وہ اس پر حملہ

کر دے۔

وہ ایسی حالت میں تھا کہ اگر ماریا اس پر حملہ کرتی تو وہ پستول چلا کر لڑکی کو ہلاک کر سکتا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ آخر کتنی دیر تک یہ شخص اس حالت میں رہے گا۔ کسی وقت تو ضرور غافل ہو گا۔

کالوڈاکو اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کر رہا تھا۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ جنگل میں خاموشی تھی۔ سکوت تھا۔ کوئی جانور بھی نہیں بول رہا تھا۔

اب اسے بھی کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا کہ پولیس افسر چلا گیا ہے۔ اس نے لڑکی کو الگ کر دیا۔ اور پستول کی نالی نیچے کر لی۔

ماریا اسی لمحے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے بندوق اٹھائی

اور کالو ڈاکو پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے ہلی ہی تھی کہ اچانک جنگل میں شیر کی دھاڑ گونج اٹھی۔ شیر اس قدر قریب آ کر گرجا تھا کہ ماریا بھی اپنی جگہ سے گرتے گرتے بچی۔

گھوڑے نے زور زور سے ہنہنانا شروع کر دیا۔

کالو ڈاکو نے لڑکی کو دبوچ کر چاہا کہ ایک طرف پتھر کی اوٹ میں چھپ جائے کہ اتنے میں شیر نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ شیر شاید اس کی گھات میں بیٹھا تھا۔

وہ چھلانگ لگا کر سیدھا کالو ڈاکو کے اوپر آ گرا۔ لڑکی دور جا پڑی۔

کالو نے پستول کا فائر کر دیا گولی شیر کی گردن میں لگی۔ گولی

کھا کر شیر زیادہ غضب ناک ہو گیا۔

وہ زور سے دھاڑا اور اس نے ایک ہی زوردار پنجہ مار کر کالو ڈاکو کی گردن اڑا دی۔ پھر وہ اسے منہ میں دبوچ کر ایک طرف کو چلا گیا۔

مرے ہوئے کالو ڈاکو کی بے جان ٹانگیں دور تک زمین پر گھسٹتی چلی گئیں۔

لڑکی خوف کے مارے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کا سارا بدن ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ماریا اب آگے بڑھی۔ جو کام اس نے کرنا تھا وہ شیر نے کر دیا تھا۔

ماریا نے لڑکی کے قریب جا کر کہا۔

"بہن! گھبراؤ نہیں۔ میں دیوی ماتا ہوں اور تمہاری مدد کو آئی

ہوں"۔

لڑکی نے ایک عورت کی آواز سنی تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ ماریا پریشان ہو گئی۔

کیا مصیبت ہے۔ اس نے بڑی مشکل سے پانی تلاش کر کے لڑکی کے چہرے پر چھڑکا۔

اسے ہوش آئی تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

کیا میری آواز پر تم ایک بار پھر بے ہوش ہو جاؤ گی؟ سنو! میری بات غور سے سنو!۔

میں دیوی ماتا کی چھوٹی بہن ہوں اور نیک ہوں۔ میں اس

جنگل میں راتوں کو صرف اس لیے پھرا کرتی ہوں کہ بھولی بھٹکی یا مصیبت میں پھنسی ہوئی عورتوں کی مدد کر سکوں۔

میں نے تمہارے رونے کی آواز سن لی تھی۔ اور تمہاری مدد کو آئی تھی کہ اس ظالم ڈاکو کو شیر اٹھا کر لے گیا۔ اچھا ہوا کہ یہ ظالم مر گیا۔

اب تم آزاد ہو اور میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس چھوڑ کر آؤں گی۔

اب لڑکی کو بھی کچھ حوصلہ ہو گیا تھا۔

اسے یقین آنے لگا تھا کہ دیوی ماتا کی بہن سچ مچ اس کی مدد کرنے وہاں آئی ہے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ماتا! میں تمہاری شکر گذار ہوں۔ مجھے میرے ماں باپ

کے پاس چھوڑ آؤ"۔

"چلو! میرے ساتھ چلو"۔

لڑکی گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ دوسرے گھوڑے پر ماریا سوار ہو گئی اور وہ جنگل کی پگ ڈنڈی پر اس طرف چل پڑی جدھر اس لڑکی کا گاؤں تھا۔

صبح ہونے سے پہلے ماریا نے لڑکی کو گاؤں کے کنارے پہنچا کر کہا۔

"اب تم جا سکتی ہو۔ میرے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا خیال ہے؟"۔

لڑکی نے کہا۔

"ماتا! کیا تمہارے درشن نہیں ہو سکتے؟"۔

ماریا نے ہنستے ہوئے کہا۔

درشنوں کی کیا ضرورت ہے؟۔

مجھے دیکھ کر کیا کرو گی؟۔

بس یہی سمجھ لو کہ میری شکل بالکل تمہاری شکل کی طرح ہے۔

ماریا ہنس پڑی۔

لڑکی نے سر جھکا کر سلام کیا اور اپنے گاؤں کی طرف چلنے لگی۔ ماریا اسے گاؤں میں داخل ہونے تک دیکھتی رہی۔ پھر وہ گھوڑے پر بیٹھی ایک طرف کو مڑی۔

اور دور پہاڑوں کی طرف جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئی۔

ادھر ناگ ریل گاڑی میں بیٹھا دہلی کی طرف جا رہا تھا۔

گاڑی تیزی سے اڑی جا رہی تھی۔ انبالہ چھاؤنی سٹیشن پر

گاڑی رکی۔

ناگ نیچے پلیٹ فارم پر اتر کر ٹہلنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایک سکھ کوٹ پتلون پہنے دور کھڑا اسے گھور کر تک رہا ہے۔ ناگ بک سٹال پر جا کر ایک رسالے کے ورق الٹنے لگا۔

وہ سکھ بھی اس کے پاس آ کر رسالے دیکھنے لگا۔

ناگ وہاں سے چل کر ٹرین کر ڈبے میں آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی چلنے لگی تو وہ سکھ بھی جلدی سے اسی ڈبے میں آ کر سوار ہو گیا۔

ناگ دل میں مسکرایا۔ یہ کم بخت بھی سی آئی ڈی پولیس کا آدمی ہے اور اسے ناگ پر شک ہو گیا ہے کہ یہ پاکستانی جاسوس ہے۔

خیر ناگ چپکا اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ٹرین چھکا چھک کرتی

بھاگتی چلی گئی۔

ناگ نے کھڑکی سے باہر سر نکال لیا اور پیچھے کی طرف جاتے کھیتوں کو تکنے لگا۔

اتفاق سے اس ڈبے میں ایک سپیرا بھی انبالہ چھاؤنی میں سوار ہو گیا تھا۔ اس کے پاس ایک پٹاری تھی۔ جس میں سانپ بند تھے۔

ناگ چونکہ اس ڈبے میں سفر کر رہا تھا۔ اس لیے پٹاری میں بند سانپوں نے ناگ دیوتا کی موجودگی کو محسوس کر لیا۔

ان پر خوف سا چھا گیا۔ اور وہ پٹاری کے اندر ہی چکر لگانے لگے۔

اب وہ باہر آنے کو بے تاب تھا تا کہ ناگ دیوتا کے حضور جا

کر سلام کریں۔ اور ناگ دیوتا کو دیکھیں۔ کیونکہ ناگ دیوتا کو دیکھ لینا سانپوں کی خوش قسمتی ہوا کرتی ہے۔

کہتے ہیں جو سانپ ناگ دیوتا کی شکل دیکھ لے وہ سو سال تک زندہ رہتا ہے۔

ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ قریب ہی ایک پٹاری میں کچھ سانپ اس کو سلام کرنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ سپیرا ابھی بڑے آرام سے ڈبے میں بیٹھا اپنی بین کو کپڑے سے چمکانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ پٹارے میں کچھ شور سا مچ رہا تھا۔ کچھ اندر ہی اندر گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اتنے میں چاروں سانپوں نے زور لگا کر پٹاری کا ڈھکنا الٹ دیا۔

سپیرے نے جو سانپوں کو باہر نکلتے دیکھا تو جھٹ سے پٹاری کا منہ پھر بند کر دیا۔

وہ حیران تھا کہ یہ سانپ باہر کیوں نکلتے آ رہے ہیں۔ ادھر سکھ بھی کھسک کر ناگ کے قریب آ گیا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

ناگ سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ کہ وہ اس سے کیا بات پوچھنا چاہتا ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں امرتسر سے آ رہا ہوں"۔

"مگر تم امرتسر کے رہنے والے نہیں لگتے"۔

”پھر کس شہر کے رہنے والے ہو اور امرتسر کیا کرنے آئے تھے؟“۔

ناگ نے بغیر گھبرائے ہوئے کہا۔

”میں ملک افریقہ کا باشندہ ہوں۔ آپ کے ملک کی سیر کرنے آیا ہوں“۔

سکھ نے ناگ کو گھور کر دیکھا۔ مگر جھٹ آنکھیں ہٹا لیں۔ اسے محسوس ہوا کہ ناگ کی آنکھوں سے ایسی تیز روشنی نکل رہی تھی، جس کی وہ تاب نہیں لا سکتا تھا۔

ناگ مسکرایا۔

”سردار صاحب! کیا آپ کو یقین نہیں آیا کہ میں افریقہ کا رہنے والا نوجوان ہوں اور آپ کے ملک میں سیر کرنے آیا

ہوں۔“

سردار ایک دم پھر سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ ڈیوٹی پر ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو گرفتار کر کے تھانے لے جائے جو کسی دوسرے ملک سے ان کے ہاں جاسوسی کرنے آئے ہوں۔

اس نے بڑے سکون سے کہا۔

”تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟ کیا تم مجھے اپنا پاسپورٹ دکھا سکتے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”پاسپورٹ میرا گم ہو گیا ہے میں دہلی جا کر اپنے سفارت خانے سے نیا پاسپورٹ بنانا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں دہلی جا رہا

ہوں"۔

سکھ بولا۔

"مگر اس سے پہلے تمہیں میرے ساتھ تھانے جانا ہوگا۔ تم خود تمہارے ملک کے سفارتخانے والوں سے بات کریں گے"۔

ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ سانپ ایک بار پھر زور لگا کر سپیرے کے پٹارے سے باہر نکل آئے۔

سپیرے نے انہیں پکڑنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ پھن اٹھا کر پھنکارتے ہوئے ناگ کی طرف بڑھے۔

ڈبے میں سارے مسافر ڈر کر ایک طرف اکٹھے ہو گئے۔ سانپ پھن اٹھا کر رینگتے ہوئے ناگ کے سامنے آ کر جھک گئے۔

ناگ نے سانپوں کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ کوئی سپیرا انہیں لے کر سفر کر رہا ہوگا کہ انہیں ناگ کی موجودگی کا احساس ہو گیا اور وہ اسے سلام کرنے آ گئے ہیں۔

سکھ نے جب دیکھا کہ چار کالے سانپ اپنے خوف ناک پھن اٹھائے ناگ کے آگے کھڑے اسے جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں تو وہ خوف کے مارے کانپنے لگا۔

ناگ نے کہا۔

"سردار جی! کیا آپ کو ایک سانپ دے دوں؟"۔

اور ناگ نے ایک سانپ کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر بٹھا لیا۔ سانپ ناگ کی ہتھیلی پر بیٹھ کر اپنا پھن اٹھا کر جھومنے لگا۔

سکھ تو جیسے بے جان ہو گیا۔ ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ دل میں

کہنے لگا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا یہاں سے ایک بار چھٹکارا مل جائے تو پھر ساری زندگی اس شخص کا نام نہ لوں گا۔

ناگ نے پوچھا۔

”کیا آپ کو سانپ پسند نہیں ہے؟“۔

سردار جی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”واہ گورو کے لیے اسے نیچے پھینک دو“۔

ناگ نے کہا۔

”کیا آپ کو پاسپورٹ دکھاؤں؟ یہی میرا پاسپورٹ ہے۔ یہ لیجیے پاسپورٹ اور اسے غور سے الٹ پلٹ کر دیکھ لیں“۔

اور ناگ نے سانپ کو سکھ کی جھولی میں ڈال دیا۔

سردار کی چیخ نکل گئی۔ ناگ نے اپنی زبان میں سانپ کو خبردار کر دیا تھا کہ سکھ کو ڈسنا نہیں۔

سانپ پھن اٹھا کر سکھ کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا۔

اب تو سردار کے بدن سے جان ہی نکل گئی۔

اس کی گھگھی بندھ گئی۔

حلق خشک ہو گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر لرزتی آواز میں کہا۔

”معاف کر دو۔ پھر پاسپورٹ نہیں دیکھوں گا“۔

اتنے میں ٹرین ایک سٹیشن میں داخل ہو گئی۔ ٹرین رکی تو ناگ نے سانپوں کو اشارہ کیا کہ اب انہوں نے سلام کر لیا ہے۔ اس لیے واپس اپنی پٹاری میں چلے جائیں۔

ناگ کا حکم پا کر چاروں سانپ واپس سپیرے کی پٹاری میں چلے گئے۔

لوگوں کی جان میں جان آئی اور وہ جلدی جلدی ڈبے سے باہر نکل گئے۔

سپیرے نے ناگ کو غور سے دیکھا اور صرف اتنا ہی سمجھ سکا کہ یہ کوئی فیشن ایبل سپیرا ہے اور سانپوں کو پکڑنے کا گر جانتا ہے۔

ناگ گاڑی سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا تو سپیرے نے ناگ سے کہا۔

"بابو! تم سانپوں کو پکڑنا جانتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"سانپ اپنے آپ چل کر میرے پاس آ جاتے ہیں۔ مجھے سانپوں کو پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی"۔

سپیرے نے اب غور کیا کہ یہ نوجوان بابو ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سانپ تو اپنے آپ پٹاری میں سے نکل کر اس کی طرف گئے تھے اور انہوں نے دس کے آگے جا کر سلام کیا تھا۔

سر جھکایا تھا تو پھر یہ نوجوان کون ہے؟۔

ہو سکتا ہے اس کے پاس کوئی خفیہ جادو ہو۔ سانپوں کا منتر ہو جس کی مدد سے یہ سانپوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔

سپیرا ناگ سے باتیں کرتا پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔

ادھر سکھ نے بھاگ کر ریلوے پولیس کو اطلاع کر دی کہ ایک افریقہ کا جاسوس باہر کھڑا ہے۔

اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس نے یہ بالکل نہ بتایا کہ جاسوس کے تھیلے میں سانپ بھی ہے۔ ریلوے پولیس اطلاع ملتے

ہیں بندوقیں لے کر ٹرین کی طرف بھاگی۔

گارڈ کو فوراً خبر مل گئی کہ گاڑی نہ چلائی جائے۔

ناگ سپیرے سے باتیں کر رہا تھا کہ اسے ریلوے پولیس نے گھیر لیا۔

ناگ مسکرایا۔

سپیرا بھی حیران ہو گیا۔ ناگ نے سپیرے سے کہا۔

''اچھا دوست پھر ملیں گے''۔

اور وہ ریلوے پولیس کے ساتھ چل دیا۔

پولیس والے بڑے خوش تھے کہ انہوں نے ایک غیر ملکی جاسوس کو گرفتار کر لیا ہے۔

وہ اسے حوالات میں لے گئے اور بند کر دیا۔ اسے کوئی خبر نہیں

تھی کہ جس شخص کو وہ پکڑ کر لائے ہیں وہ کتنی طاقت کا مالک ہے۔

ناگ بھی ان لوگوں کو کچھ تماشا دکھانا چاہتا تھا۔

سپیرا ناگ کے بارے میں بار بار غور کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس نوجوان کے پاس سانپوں کو قبضے میں کرنے کا جو منتر ہے وہ سیکھ لے۔

چنانچہ اس نے معلوم کر لیا کہ ناگ ریلوے پولیس کی حوالات میں ہے۔ وہ اس شہر کا رہنے والا تھا۔ وہ سیدھا اپنے گھر گیا۔ وہاں جا کر کوٹھڑی میں پٹاری رکھی اور واپس ریلوے پولیس والوں کے پاس آ کر بولا۔

''تھانیدار جی! آپ نے جو جاسوس پکڑا ہے میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں''۔

تھانیدار نے شک کی نظر سے سپیرے کو دیکھا اور کہا۔

”تم بھی اس کے ساتھی ہو؟ چلو تم کو بھی حوالات میں بند کرتے ہیں“۔

سپیرے نے کہا۔

”ایسی بات نہیں ہے مہاراج“۔

”تو پھر تم کون ہو اور اس خطرناک جاسوس سے ملنے کیوں آئے ہو؟“۔

سپیرے نے ٹرین کے ڈبے میں سانپوں والی ساری بات کو بیان کر دی۔

تھانیدار نے غور سے سپیرے کی بات سنی پھر بولا۔

تو کیا ہوا اگر یہ شخص سانپوں کو پکڑنا جانتا ہے۔ یہ کام تو افریقہ

کا ہر آدمی کر سکتا ہے۔

چلو بھاگو یہاں سے۔ نہیں تو ابھی تمہیں بھی حوالات میں بند کر دوں گا۔

سپیرا واپس چلا گیا۔

مگر وہ اس تلاش میں رہا کہ ناگ کو یہ لوگ حوالات سے کس جگہ لے جاتے ہیں۔

رات ناگ کو حوالات میں ہی رکھا گیا۔ صبح صبح اسے پولیس کی لاری میں بٹھا کر شہر سے باہر ایک پرانے قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ قلعہ جاسوسوں کو اذیت دینے کے لیے سارے شہر میں بدنام تھا۔ کہتے ہیں کہ یہاں جو قیدی بھی لے جایا جاتا ہے۔ وہ صحیح سالم کبھی واپس نہیں آتا۔

کسی کا بازو ٹوٹ جاتا ہے تو کوئی ٹانگیں تڑوا کر واپس آتا ہے۔

ناگ کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

اس کوٹھڑی کا صرف ایک ہی روشندان تھا۔ جس میں موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔

ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ روشندان میں جالی نہیں لگی تھی۔ پھر اس کا روشندان کے ذریعے سے نکلنا مشکل ہو جاتا۔

بہر حال وہ دروازے سے پھر بھی نکل سکتا تھا۔

لیکن ناگ اپنی مرضی سے یہ سارا کھیل کر رہا تھا۔ اس نے پولیس والوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔

دوپہر کے بعد ناگ سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔

"تم کون ہو؟"۔

"تمہارے ساتھی کہاں کہاں ہیں؟"۔

"تمہارا اصلی نام اور نمبر کیا ہے؟"۔

"تمہیں کس نے جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا ہے؟"۔

"تم نے اب تک کس کس چیز کے فوٹو لیے ہیں؟"۔ وغیرہ وغیرہ۔

ناگ ان کے سارے سوال سنتا رہا۔ اس نے کسی سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

وہ مزے لے لے کر ان کے سوال سن رہا تھا۔ اور مسکرائے جا رہا تھا۔

تھانیدار کو بڑا غصہ آیا کہ آخر یہ شخص اپنے آپ کو کیا سمجھ رہا ہے کہ ان کا ہنس ہنس کر مذاق اڑا رہا ہے۔ انہوں نے آج تک کوئی ایسا دلیر قیدی نہ دیکھا تھا۔

یہ ان کی بے عزتی بھی تھی۔ تھانیدار نے ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔

ناگ غصے سے سرخ ہو گیا۔ قریب تھا کہ اس تھانیدار کو ہلاک کر دے کہ پھر غصے پر قابو پا گیا۔

اور بولا۔

"ویسے میں تمہارے اس تھپڑ کا تم سے بدلہ ضرور لوں گا۔ لیکن ابھی میں تمہیں معاف کرتا ہوں"۔

تھانیدار نے سپاہیوں سے کہا۔

"آج رات اسے کھانا پانی نہیں دیا جائے گا"۔

"جو حکم جناب"۔

تھانیدار اتنا کہہ کر چلا گیا۔

سپاہیوں نے ناگ کو اس کی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اس کا کھانا پینا بھی بند ہو گیا۔

رات کو اسے نہ کھانے کو کچھ ملا۔ نہ پینے کو پانی۔ ناگ کو کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ اگر چاہتا تو کئی روز تک بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر اس نے سوچا کہ پانی ضرور پینا چاہیے۔

چنانچہ آدھی رات کو وہ سانپ بن کر کوٹھڑی کی نالی سے باہر نکل کر کنوئیں پر گیا اور جی بھر کر ٹھنڈا پانی پینے کے بعد واپس اپنی

کوٹھڑی میں آ کر لیٹ گیا۔

ادھر سپیرا ابھی ناگ سے ملنے کو بے تاب تھا۔

اسے یہ خبر مل گئی تھی کہ ناگ قلعے کی کوٹھڑی میں بند ہے۔ اس قلعے میں سپیرے کا ایک رشتے دار سپاہی بھی تھا۔ وہ جھٹ سے اس سے جا کر ملا اور کہا کہ کسی طرح ناگ سے ملا دو۔

سپاہی نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب سپیرے نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ بس ایک دو منٹ میں مل کر واپس آ جاؤں گا تو سپاہی تیار ہو گیا۔

اس نے کہا۔

"تم آدھی رات کو قلعے کے پچھلے دروازے پر آ جانا۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا"۔

آدھی رات ہوئی تو سپیرا قلعے کے پچھلے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔ سپاہی بھی آ پہنچا۔ اس نے اندھیرے میں سرگوشی کی۔

"خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ"۔

سپیرا سپاہی کے پیچھے پیچھے چلا۔ کچھ سیڑھیاں چڑھ کر کچھ دالان عبور کر کے آخر اس کوٹھڑی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جس میں ناگ قید تھا۔

سپاہی نے کہا۔

"دروازہ کھلا ہے۔ چپکے سے اندر جا کر قیدی سے بات کر لو اور جلدی جلدی واپس آ جانا"۔

سپیرا بولا۔

"فکر نہ کرو تم"۔

وہ دروازے میں سے ہو کر اندر آ گیا۔

کوٹھڑی میں ایک ننھا سا دیا جل رہا تھا جس کی دھیمی روشنی میں ناگ سو رہا تھا۔

کوٹھڑی میں آتے ہی سپیرے نے کالے سانپ کی بو محسوس کی۔

"کیا یہاں کوئی کالا سانپ ہے؟"۔

یہاں سانپ کہاں؟۔

سپیرے نے سوچا۔ مگر سانپ کی بو برابر کوٹھڑی میں پھیلی ہوئی تھی۔ سپیرے نے یہ سوچ کر اپنا خیال بدل لیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس پرانے قلعے میں کسی جگہ کوبرا سانپ موجود ہو۔

ناگ چٹائی پر سو رہا تھا۔ سپیرے نے جا کر اسے جگا دیا۔

ناگ نے اٹھتے ہی دیئے کی مدھم روشنی میں سپیرے کو دیکھا تو بولا۔

"تم آدھی رات کو یہاں کیا لینے آئے ہو؟"۔

سپیرے نے کہا۔

"وقت بہت تھوڑا ہے۔ میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے کی ترکیب بتانے آیا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کون سی ترکیب بتانے آئے ہو تم مجھے؟"۔

سپیرے نے جیب سے ریتی نکال کر کہا۔

"یہ ریتی میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ اس کو رگڑ کر تم جیل کی سلاخیں کاٹ سکتے ہو"۔

پھر تم فرار ہو کر سیدھا میرے پاس آ جانا۔ میں تمہیں اس شہر سے باہر نکال دوں گا۔

ناگ مسکرایا۔

پوچھنے لگا۔

”بھائی! تم میرے لیے یہ اتنی بک بک جھک کیوں کر رہے ہو؟“۔

تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟۔

سپیرے نے کہا۔

”اگر میں تمہیں سچ سچ بتا دوں تو تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو جاؤ گے؟“۔

”نہیں۔ بالکل ناراض نہیں ہوں گا۔ تم بولو“۔

سپیرے نے کہا۔

جب سے تمہیں سانپوں کو سلام کرتے دیکھا ہے۔ میرے دل میں پختہ یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے پاس کوئی ایسا خفیہ منتر ہے جس کی مدد سے تم سانپوں کو اپنا غلام بنا لیتے ہو۔

جب مجھے سانپوں کا شوق ہے۔ میں سپیرا ہوں۔ سانپ پکڑتا ہوں۔ انہیں قید کرتا ہوں۔

مگر انہیں غلام نہیں بنا سکتا۔ تم سانپ نہیں پکڑتے مگر سانپ تمہارے غلام ہیں۔

کیا تم مجھے وہ منتر بتا دو گے؟۔

بس میری زندگی کی اب سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ تمہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں اور اس کے بدلے

میں تم سے سانپوں کو غلام بنانے کا منتر سیکھ لوں۔

ناگ مسکرایا۔

اس سپیرے کی سادہ دلی بہت پسند آئی تھی۔ بھلے آدمی نے سارا کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔

ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔

"اچھا میں تیار ہوں"۔

اتنا سن کر سپیرے کی باچھیں کھل اٹھیں۔ بڑا خوش ہوا۔ ناگ نے ریتی لے کر سنبھال کر رکھ لی اور کہا۔

"تمہارا گھر کہاں پر ہے؟"۔

سپیرے نے کہا۔

شہر کے مشرقی دروازے کے اندر جاؤ گے تو تمہیں ایک چھتا ہوا پرانا کنواں ملے گا۔ بس اسی کنوئیں کے ساتھ والا مکان میرا مکان ہے۔

میں تمہارا وہاں انتظار کروں گا۔ تم کس دن آؤ گے؟۔

ناگ بولا۔

میں کل رات تمہارے پاس آ جاؤں گا۔

سپیرے نے ہنس کر کہا۔

"تم اپنی ریتی سے ان سلاخوں کو چھ دن سے پہلے نہیں کاٹ سکو گے۔ اس حساب سے تم سات دن بعد میرے پاس آ سکو گے۔"

بہر حال میں تمہارا آج سے سات روز بعد رات کو انتظار کروں گا۔

ناگ نے سپیرے کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"وہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر میں بھی تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں کل آدھی رات کے بعد تمہارے گھر آ جاؤں گا"۔

باہر سے سپاہی نے سرگوشی میں کہا۔

"بس اب جلدی سے باہر آ جاؤ"۔

سپیرے نے ناگ کو سلام کیا اور یہ کہہ کر کہ میں ہر روز تمہارا انتظار کروں گا کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔

دوسرے دن رات کو وہ کھانا کھا کر آرام سے سونے کے لیے چارپائی پر لیٹ گیا۔

وہ بے فکر تھا۔ اسے یقین تھا کہ ناگ چھ روز سے پہلے نہیں آ سکتا کیونکہ اگر ناگ آج رتی سے سلاخیں کاٹنی شروع کرے تو

سات آٹھ دن کے بعد جا کر کہیں وہ دو سلاخیں کاٹ سکے گا۔ چنانچہ وہ بڑے اطمینان سے ٹھنڈی ہوا میں سو گیا۔

دوسری طرف ناگ شروع رات اپنی چٹائی پر بیٹھا تھا کہ سپاہی نے آ کر کہا۔

"تم کل سے پانی کے بغیر کیوں کر زندہ ہو؟"۔

کھانے کے بعد تو خیر انسان کچھ دن زندہ رہ سکتا ہے مگر پانی کے بغیر ایک دن سے زیادہ زندہ رہنا مشکل ہے۔ پھر تم کس طرح سے زندہ ہو؟۔

ناگ نے کہا۔

"تم یہ باتیں پوچھنے والے کون ہو؟"۔

سپاہی بولا۔

"تمہیں تھانیدار نے بلایا ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں آج رات پھانسی دے دی جائے گی۔ پھانسی گھر بالکل تیار ہے"۔

ناگ مسکرایا۔

"تو گویا تھانیدار کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔

سپاہی نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟ چلو سیدھی طرح سے"۔

سپاہی ناگ کو ایک کوٹھڑی کے احاطے میں لے گیا جہاں بیچ پھانسی تیار پڑی تھی۔

جلاد کھڑا تھا۔ تھانیدار دو سپاہیوں کے ساتھ پھانسی کے پاس کھڑا ناگ کو آتے دیکھ رہا تھا۔

اس نے ناگ کے آتے ہی اعلان کیا کہ اسے عدالت نے جاسوسی کے جرم میں پھانسی کی سزا سنا دی ہے جس پر ابھی عمل کر دیا جائے گا۔

ناگ ہنس پڑا۔

"تھانیدار جی! آپ مجھے پھانسی پر کیا چڑھائیں گے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آج آپ نے اپنے ہاتھوں اپنی موت کا انتظام کر رکھا ہے"۔

"کیا بکتے ہو؟"۔

تھانیدار نے کہا۔

پھر اس نے جلاد کو حکم دیا کہ ناگ کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

ناگ کی طرف جلاد بڑھا تو ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"مسٹر جلاد! کیا تم بھی مرنا چاہتے ہو؟ اگر مرنا چاہتے ہو تو آ ؤ۔ موت تمہارے لیے بھی تیار کھڑی ہے"۔

تھانیدار نے پستول نکال کر کہا۔

"بکواس مت بند کرو اس گستاخ کا ہمیشہ کے لیے"۔

جلاد نے لپک کر ناگ کو قابو میں کر لیا اور اس کی گردن میں ی پھانسی کا پھندا ڈال دیا۔

ناگ اب بھی ہنس رہا تھا۔ اس نے جلاد کو کچھ نہ کہا۔ جب پھندا گلے میں پڑ گیا تو تھانیدار بڑا خوش ہوا۔

حکم دیا۔

"پھانسی دے دو"۔

جلاد تختہ گرانے ہی والا تھا کہ ناگ نے گہرا سانس لیا اور لوگوں نے دیکھا کہ پھانسی کے پھندے میں سے ناگ غائب ہو گیا تھا۔

اور اس کی جگہ ایک سرخ رنگ کی چڑیا اڑ کر روشندان پر جا کر بیٹھ گئی ہے۔ تھانیدار، جلاد اور سپاہی دنگ رہ گئے اور چڑیا کی طرف منہ کھول کر دیکھنے لگے۔

پھر تھانیدار چلایا۔

"یہ جادوگر ہے۔ اس چڑیا کو گولی مار کر ہلاک کر دو"۔

سمندر کے نیچے شہر

سپاہیوں نے گولیوں کی باڑھ ماری۔

چڑیا بھی سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ روشندان سے غائب ہو گئی۔

تھانیدار نے حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ جلاد اپنی جگہ پر دہشت زدہ تھا۔

اتنے میں ایک سپاہی نے چیخ ماری اور فرش پر گر پڑا۔ ابھی اسے سنبھالا نہیں گیا تھا کہ دوسرا سپاہی چیخ مار کر گر پڑا۔ ایک کالا سانپ تیزی سے رینگتا ہوا تھانیدار کی طرف بڑھا۔

تھانیدار بھاگ کر پھانسی کے چبوترے پر چڑھ گیا۔

"اسے مار ڈالو! مار ڈالو!"۔

سپاہی نے بندوق آگے کی مگر سانپ نے اسے بھی مہلت نہ دی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

اب وہاں دو سپاہی، ایک جلاد اور ایک تھانیدار باقی رہ گئے تھے۔

کالا سانپ ان پر مصیبت بن کر نازل ہو گیا تھا۔ جلاد نے تلوار کھینچ کر سانپ کو مارنا چاہا مگر سانپ نے اسے بھی ڈس کر ہلاک کر دیا۔

دوسرے سپاہی بھاگ اٹھے۔ اب وہاں تھانیدار باقی رہ گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ کالا سانپ تھانیدار کے سامنے آ کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

پھر تھانیدار نے سنا۔ سانپ انسان کی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ تم لوگ مجھے پھانسی نہیں دے سکو گے؟ پھر تم کو یقین کیوں نہیں آ رہا تھا؟ اب دیکھ لو۔ میں تمہارے سامنے ہوں اور تمہارے سارے سپاہی ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ اب تمہاری باری ہے"۔

تھانیدار نے ہاتھ باندھ کر کانپتی آواز میں کہا۔

"بھگوان کے لیے مجھے بخش دو۔ شیش دیوتا! مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔ اب میں کبھی ایسی گستاخی نہیں کروں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں! تم ایسی گستاخی ضرور کرو گے۔ اس لیے میں تمہیں اتنی مہلت نہیں دوں گا"۔

یہ کہہ کر کالا ناگ آگے کو جھکا۔ تھانیدار کے پیچھے دیوار تھی۔ تھانیدار پیچھے کو ہٹا۔ ناگ اور آگے ہو گیا۔ اس نے اپنا پھن تھانیدار کے منہ کے سامنے کر دیا۔

تھانیدار کانپ رہا تھا۔ ماتھا پسینے میں شرابور تھا۔ بجلی جیسی تیزی کے ساتھ ناگ نے تھانیدار کو ڈس دیا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھانسی گھر میں اب کوئی بھی نہیں تھا۔

ہر طرف لاشیں بکھری تھیں۔ سانپ رینگتا ہوا حوالات سے باہر آ گیا۔

شہر سنسان تھا۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آ گیا۔

اس نے سپیرے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آدھی رات کو اس کے گھر ضرور آئے گا۔ ایسا ہی ہوا۔

سپیرا ابھی ادھر کچھ کچھ جاگ رہا تھا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ ناگ اتنی جلدی جیل کی سلاخیں نہیں کاٹ سکے گا۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

سپیرا اٹھ کر دروازے تک گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے ناگ کھڑا تھا۔

سپیرا حیران رہ گیا۔

"تم آ گئے؟ کیسے آ گئے؟"۔

ناگ بولا۔

"جیسے آیا کرتے ہیں۔ یعنی اپنے پاؤں پر چل کر آیا ہوں"۔

"لیکن۔ لیکن تم نے اتنی جلدی سلاخیں کیسے کاٹ لیں؟"۔

سپیرے کے اس سوال پر ناگ نے دروازہ بند کر دیا۔

"تم ریتی دے گئے تھے بس اس کی مدد سے سلاخیں کاٹ کر پھینک دیں اور بھاگ کر تمہارے پاس آ گیا۔ اچھا اب مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سوؤں گا"۔

"ضرور آرام کرو تم"۔

اور ناگ سو گیا۔

دوسرے دن سپیرا ناشتہ لینے شہر گیا تو اس نے سنا لوگ کہہ رہے تھے۔

''ارے غضب ہو گیا۔ حوالات سے قیدی بھاگ گیا۔ اس نے تھانیدار اور سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالا''۔

''ارے کچھ اور نہیں سنا تھا؟ کہتے ہیں قیدی نے سانپ بن کر سپاہیوں اور تھانیدار کو ہلاک کیا ہے''۔

''پولیس قیدی کی تلاش میں ہے''۔

''دس ہزار روپے قیدی کے سر کی قیمت رکھی ہے پولیس نے۔۔۔''

جیرے نے یہ باتیں سنیں تو سوچ میں پڑ گیا۔ ناشتہ لے کر جلدی سے واپس آیا۔

ناگ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیرے نے ناگ کو بالکل نہ بتایا کہ شہر میں لوگ اس کے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

دونوں نے ناشتہ کیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

ناگ سارا دن جیرے کے گھر میں رہا۔ جیرے نے اتنا ضرور ناگ کو بتایا۔

''پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ لیکن تم جب تک میرے گھر میں ہو کر تمہیں نہیں پکڑ سکتا۔ تم جب تک جی چاہے میرے گھر میں رہ سکتے ہو''۔

ناگ نے کہا۔

''نہیں نہیں۔ تمہارا شکریہ! میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے اپنی بہن اور بھائی کی تلاش ہے''۔

رات ہو گئی۔

دونوں کھانا کھا کر لیٹ گئے۔ جیرے نے رات کو پورا پورا

انتظام کر رہا تھا۔ اس نے ایسا کیا کہ ناگ کو سالن میں بہت زیادہ نمک کھلا دیا۔ تا کہ رات کو اسے پیاس لگے۔

دوسری طرف اس کی کوٹھڑی سے پانی کی صراحی اٹھا کر باہر رکھ دی۔

ناگ کو خبر نہ ہو سکی کہ سپیرے نے کیا ڈرامہ کر رکھا ہے۔ وہ کوٹھڑی میں جا کر چار پائی پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند میں کھو گیا۔

سپیرے نے باہر سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔

خود اس نے اپنی انگلی پر چھری سے تھوڑا سا زخم لگا لیا تا کہ اسے نیند نہ آ سکے وہ ایک جگہ ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور ناگ کی بند کوٹھڑی کی طرف آنکھیں لگا دیں۔

اب ایسا ہوا کہ نمک کھانے کی وجہ سے ناگ کو بڑی سخت پیاس لگی۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چار پائی سے اتر کر نیچے دیکھا۔ وہاں پانی کی صراحی نہیں تھی۔

شاید سپیرا صراحی اندر رکھنی بھول گیا تھا۔ ناگ نے دروازے کو دیکھا۔ وہ باہر سے بند تھا۔ پیاس کی وجہ سے ناگ کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

اس نے دیکھا کوٹھڑی سے باہر نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔

”یعنی کمرے کی نالی۔“

ناگ اسی لمحے سانپ بن گیا اور کمرے کی نالی میں سے باہر

نکل گیا۔

باہر ذرا اوپر سے صراحی پڑی تھی۔ سانپ نے صراحی کے پاس جا کر اپنا منہ صراحی کے اندر ڈال دیا اور ٹھنڈا پانی پینا شروع کر دیا۔

یہ سارا تماشا سپیرا ستون کے پیچھے بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے سن رکھا تھا کہ کالا کوبرا جب اس دنیا میں اپنی زندگی کے پانچ سو برس پورے کر لیتا ہے تو اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جس کا چاہے روپ دھار لے۔ وہ سانپ اس کے آنکھوں کے سامنے تھا جو انسان بن کر

اندر کوٹھڑی میں سو رہا تھا اور اب سانپ بن کر نالی کے ذریعے باہر آ کر پانی پی رہا تھا۔

سپیرے کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس پر اسے یقین کرنا ہی پڑ رہا تھا۔

اس پر اسے یقین کرنا ہی پڑا تھا۔ ادھر سانپ نے جب صراحی میں سے ٹھنڈا پانی جی بھر کر پی لیا تو وہ صراحی میں سے منہ نکال کر پیچھے کو مڑا اور زمین پر رینگتا ہوا کھرے کی نالی میں سے گزر کر کوٹھڑی میں چلا گیا۔

"یا خدا! یہ تو ناگ ہے۔ شیش دیوتا ہے!"۔

سپیرا چپکے سے چارپائی پر لیٹ گیا۔

باقی رات بھی اسے نیند نہ آ سکی۔ صبح ہوئی ناگ کوٹھڑی سے

باہر آیا۔

وہ آنکھیں مل رہا تھا۔

سپیرے نے کہا۔

”بھائی! مجھے افسوس ہے رات تمہاری کوٹھڑی میں پانی کی صراحی نہ رکھ سکا۔ تمہیں پیاس تو نہیں لگی تھی؟“۔

ناگ نے کہا۔

”نہیں تو۔ بالکل پیاس نہیں لگی۔ میں تو رات بس گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا“۔

سپیرے نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا۔

”شیش دیوتا! میں نے آپ کو سانپ کے روپ میں دیکھ لیا ہے۔ میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں“۔

ناگ نے چونک کر سپیرے کی طرف دیکھا اور سرخ آنکھوں سے گھور کر بولا۔

اگر تم نے میری مدد نہ کی ہوتی اور مجھے اپنے گھر میں پناہ نہ دی ہوتی تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔

اس لیے کہ تم نے رات صراحی کمرے سے باہر رکھ کر میرا امتحان لینا چاہا تھا۔

سپیرے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”معاف کر دو شیش دیوتا! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مگر میں مجبور تھا۔ میں آپ کو سانپ کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ سو میں نے دیکھ لیا“۔

میں ساری زندگی آپ کی خدمت کروں گا۔ اور آپ کے

قدموں میں رہوں گا۔

ناگ بولا۔

تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ لیکن چونکہ تم نے میری خدمت کی ہے۔

مجھے اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔ اس لیے میں تمہارا ایک سوال ضرور پورا کروں گا۔

تم زندگی کی ایک خواہش کا اظہار کرو میں اسے پورا کردوں گا۔ بس میں تمہارے لیے یہی کر سکتا ہوں۔

سپیرے نے کچھ سوچ کر کہا۔

”اے شیش دیوتا! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ میری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ مجھ سے میری خواہش پوچھتے ہیں تو میری خواہش ہے کہ مجھے شیش ناگ کا منکا لا دیں جو سانپ کے کاٹنے کا علاج ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”اپنی آنکھیں بند کرو“۔

سپیرے نے آنکھیں بند کرلیں۔

تھوڑی دیر بعد ناگ نے آنکھیں کھولنے کو کہا اور سرخ رنگ کا شیش ناگ کا منکا سپیرے کو دیتے ہوئے کہا۔

”یہ رہا شیش ناگ کا منکا“۔

سپیرے نے منکے کو دیکھا۔ چوما۔ آنکھوں سے لگایا۔

”شیش دیوتا! میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا“۔

ناگ نے کہا۔

"تم نے میری مدد کی ہے سپیرے! اگرچہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں سلاخیں کاٹے بغیر بھی جیل سے باہر آ سکتا تھا۔

لیکن میں تمہاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

چنانچہ میں نے ریتی لے لی۔ حالانکہ میں نے سلاخیں نہیں کاٹی تھیں۔ بلکہ پھانسی گھر میں تھانیدار اور سپاہیوں کو ختم کر کے باہر نکل گیا تھا۔

پس میں تمہاری ہمدردی کا انعام دینا چاہتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے بھی تمہارے لیے کچھ کیا ہے۔

سپیرے نے منکا اپنی تھیلی میں رکھ لیا۔

ناگ نے کہا۔

"اب مجھے اجازت دو۔ میں اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر کی تلاش میں ہوں جو مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ اب میں جانا چاہتا ہوں"۔

سپیرے نے ماریا اور عنبر کے بارے میں پوچھنا چاہا۔ مگر ناگ نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی اور سپیرے سے اجازت لے کر مکان سے باہر آ گیا۔

وہاں سے وہ سیدھا ریلوے سٹیشن پہنچا اس وقت پولیس وہاں ناگ کی تلاش میں تھی۔

ناگ بھول گیا تھا کہ اسے پولیس پہچان لے گی۔ وہ جلدی

سے ریلوے پلیٹ فارم کے باتھ روم میں گیا اور جب واپس نکلا تو وہ جوگی کے بھیس میں تھا۔

اس بھیس میں کوئی بھی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔

لمبے بال، بدن پر راکھ ملی ہوئی، جسم پر ہرن کی کھال کی لنگوٹی، پاؤں سے ننگا اور ہاتھ میں پانی کا کرمنڈل اور بس۔۔۔

جوگی ناگ پلیٹ فارم پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

گاڑی ابھی نہیں آئی تھی۔ گاڑی آگے جانے والی تھی۔ یعنی بنگال کی جانب۔

ناگ کے پاس ٹکٹ بھی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جوگی لوگوں سے ریلوے والے ٹکٹ نہیں مانگا کرتے۔

پولیس والے پلیٹ فارم پر ناگ کی تلاش میں چکر لگا رہے

تھے۔ ایک ایک کو غور کر تک رہے تھے۔ جس پر شک ہوتا اسے روک لیتے۔

اس سے پوچھ گچھ کرتے اور پھر ناگ کی تلاش شروع کر دیتے۔

ناگ جوگی کے لباس میں تھا۔ اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔

اتنے میں گاڑی آ گئی۔ لوگوں میں ہل چل مچ گئی۔ سب لوگ گاڑی کی طرف لپکے۔ ناگ بھی ایک ڈبے میں جا کر بیٹھ گیا۔

جوگی سمجھ کر لوگوں نے ناگ کی بڑی عزت کی۔ اسے راستہ دیا اور جگہ بھی بنا کر دے دی۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے ناگ کو اسی گاڑی میں چھوڑتے ہیں اور ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کہاں ہے۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر کو بھوت ڈاکو کے ساتھیوں نے دریا میں پھینک دیا تھا۔

عنبر بے ہوش تھا۔ انہوں نے تو اسے اس طرح بے ہوش کیا تھا کہ اب ساری زندگی اسے بالکل ہوش نہیں آئے گا۔ عنبر دریا میں بہتا چلا جا رہا تھا۔

وہ بالکل ایک لاش کی طرح بہا جا رہا تھا۔ ڈاکو سمجھے تھے کہ یہ شخص دریا میں بہہ کر ختم ہو جائے گا۔

لیکن عنبر کو ابھی موت نہیں تھی۔

سارا دن وہ لاش کی طرح بہتا رہا۔

رات آ گئی۔

رات کو بھی وہ بہتا رہا۔ یونہی دو راتیں دو دن گذر گئے۔ اب دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہو گیا تھا۔

تیسری رات دریا آگے جا کر سمندر میں گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی عنبر بھی بے ہوشی کی حالت میں سمندر میں گر گیا۔ سمندر کی لہریں سیاہی مائل تھیں۔

دریا کا گدلا پانی دور تک ویسا ہی چلا گیا تھا۔ آخر وہ سمندر ساتھ مل کر سمندر کے رنگ کا ہو گیا۔

پانچویں رات عنبر کو ہوش آ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ چاروں طرف سمندر پھیلا ہے۔ آسمان پر گہرا بادل ہے۔ تیز ہوا چل رہی ہے۔

حیران ہوا کہ یا اللہ! یہ میں کہاں آ گیا؟ سمجھ گیا کہ ڈاکوؤں نے اسے دریا میں گرا دیا ہوگا۔

سر میں درد ہو رہا تھا۔ ضرور اسے بے ہوش کر کے پانی میں پھینکا گیا ہوگا۔ اب کیا ہو؟۔

عنبر سمندر کی بڑی بڑی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔

دور ایک خونخوار شارک مچھلی نے سمندر میں کسی انسان کے گوشت کی بو سونگھی۔

چوکنی ہو گئی۔ جدھر سے بو آ رہی تھی ادھر کو لپکی۔ قریب آ کر عنبر کو دیکھا کہ سمندر کی لہروں پر بہا جا رہا ہے۔ بڑی خوش ہوئی۔ دو روز سے بھوکی تھی۔

تیزی سے حملہ کیا۔ منہ کھول کر اپنے تیز دانت عنبر کے جسم پر گاڑ دیے۔

لیکن یہ کیا۔ شارک کے کئی ایک دانت ٹوٹ کر گر گئے۔

وہ منہ کو جھٹک کر پیچھے مڑی۔

عنبر خاموش تھا۔ شارک نے دوسری بار حملہ کیا اور عنبر کو ٹکر ماری۔

اس ٹکر سے عنبر کا تو کچھ نہ بگڑا۔ ہاں شارک کی تھوتھنی ضرور زخمی ہو گئی۔

اب تو شارک گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا بلا سمندر میں انسان کی شکل میں تیر رہی ہے۔

بادل زور سے گرجنے لگے۔ تیز ہوا کے ساتھ اب بارش بھی شروع ہو گئی۔

عنبر سمندر کی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسی طرح تیرتے تیرتے شاید وہ کسی جزیرے کے ساحل کے ساتھ لگ جائے۔

پھر وہ وہاں سے واپس ہندوستان جانے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ ناگ اور ماریا بھی ہندوستان ہی میں ہیں۔

اچانک عنبر نے اپنے سامنے سمندر میں ایک گولا سا ابھرتا دیکھا۔

یہ گولا سفید تھا اور ایسے لگتا تھا۔ جیسے شیشے کا بنا ہوا ہو۔ اس کے اندر دور سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

عنبر نے محسوس کیا کہ یہ سفید گولا اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا

ہے۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اب اس نے گولے کے اندر ایک انسانی شکل بھی دیکھی۔

یہ انسان دبلا پتلا سا تھا اور اس کے سر پر بھی گردن تک ایک سفید گولا چڑھا ہوا تھا۔

سفید گولا عنبر کے قریب آ کر رک گیا۔

عنبر نے دیکھا کہ گولا کافی بڑا تھا اور اس کے اندر ایک آدمی کھڑا سامنے گول دیوار میں لگے کل پرزوں کو حرکت دے رہا تھا۔

پھر گولے کی ایک شیشے کی کھڑکی کھلی اور وہ انسان کھڑکی سے قریب آ کر عنبر کی طرف تکنے لگا۔

عنبر نے جان بوجھ کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے۔ یہ

تاثر دینے کے لیے کہ وہ ڈوب رہا ہے۔ اسے بچایا جائے۔ وہ اس آدمی پر ابھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ امر ہے۔ یعنی ابھی مر نہیں سکتا۔

کھڑکی میں سے ایک پلاسٹک کی سیڑھی باہر گری اور انسان نے اشارہ کیا کہ اس سیڑھی پر سوار ہو کر اندر آ جاؤ۔

عنبر نے سیڑھی کو پکڑ کر اس پر چڑھنا شروع کر دیا۔ پھر وہ گولے کے اندر آ گیا۔

اس آدمی نے گولی کی کھڑکی بند کر دی۔ پھر عنبر کے سر پر بھی شیشے کا ایک کالا گولا چڑھا دیا۔

عنبر نے دیکھا کہ گولے کے اندر دیوار پر کئی ایک آلات لگے ہیں۔

بلب بھی ہیں جو کبھی بجھ رہے ہیں۔ کبھی جل رہے ہیں۔

گولا دیکھتے دیکھتے سمندر کے اندر غوطہ لگا گیا۔

اصل حیرانی اب شروع ہوئی جب گولے نے سمندر میں غوطہ لگایا۔

عنبر نے دیکھا کہ گولا بڑے آرام سے سمندر کی تہہ میں نیچے ہی نیچے اترتا چلا جا رہا ہے۔

مچھلیاں ادھر ادھر بھاگ کر پرے ہٹ رہی ہیں۔

"یہ اسے کس دنیا میں لے جا رہا ہے؟"۔

عنبر سوچنے لگا۔

وہ آدمی ایک بٹن دبائے کھڑا تھا اور جھک کر پردوں کو غور سے تک رہا تھا۔

گولا ابھی تک سمندر کے نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔ اس قدر گہرائی میں جا کر سمندر کے پانی کا دباؤ اتنا زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ لوہے کا آدمی بھی اگر ہو تو وہ پچک کر رہ جائے گا۔

مگر اس شیشے کے گولے کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اب عنبر نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف بڑے گھنے درختوں کی قطاریں گذر رہی تھیں۔

یہ سارے درخت سمندر کے نیچے اگے ہوئے تھے۔

اب وہ گولا ایک سڑک پر سے گذر رہا تھا۔ جس پر اسی طرح کے کئی گولے چل پھر رہے تھے۔

عنبر حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا سمندر کے نیچے کافی گہرائی میں یہاں تو ایک شہر آباد تھا۔

مگر لوگ سروں پر شیشے کے خول چڑھائے چل پھر رہے تھے۔

عنبر کا شیشے کا خول ایک بہت بڑی عمارت کے باغ میں داخل ہو گیا۔

یہ عمارت کسی بہت شاندار بحری جہاز سے ملتی جلتی تھی۔ عنبر نے اپنے ساتھی سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ خاموش رہا۔

شیشے کا گولا ایک جگہ جا کر رک گیا۔

دروازہ کھلا اور وہ آدمی عنبر کو ساتھ لے کر عمارت میں داخل ہو گیا۔

شاندار محل کی طرح کی عمارت تھی۔ اوپر چمنیاں بنی ہوئی تھیں۔

جہاز کی طرح مستول بھی بنے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں باغ تھا۔

جس میں بڑے گھنے درخت دھے سمندر کی لہروں میں جھول رہے تھے۔ یہ ساری عمارت، سارا شہر پانی کے اندر بنا ہوا تھا۔ عنبر کو ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔

وہ آدمی چلا گیا۔ عنبر کے سر پر بھی شیشے کا خول چڑھا دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ سانس لے سکے۔

حالانکہ ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ عنبر بغیر آکسیجن کے بھی سانس لے کر زندہ رہ سکتا ہے۔

بہر حال عنبر کمرے میں ایک پلنگ پر لیٹ گیا۔ یہ پلنگ بھی شیشے کا تھا۔

شیشے کا سرہانہ تھا۔ الماریاں بھی شیشے کی تھیں۔ چاندی کے میز پر چاندی کے گلدان رکھے تھے۔ مونگے اور موتیوں کی دیواتیں تھیں۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر آیا۔

اس کے سر پر بھی شیشے کا خول تھا۔

اس کے ہاتھ میں ایک چاندی کی تھالی تھی۔ اس تھالی میں ایک مچھلی رکھی تھی۔

اس آدمی نے تھالی میز پر رکھ دی اور عنبر کی طرف گھور کر دیکھا۔

عنبر شیشے کے بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنے والے انسان سے پوچھا۔

"آپ لوگ کون ہیں؟"۔

مجھے یہاں کس لیے لایا گیا ہے؟۔

"میرا نام بیاتشی ہے۔ میں اس ملک کا بادشاہ ہوں۔ تم ہمارے مہمان ہو"۔

پھر وہ ہنسا اور بڑی مکاری سے شیشے کے خول میں آنکھیں گھما کر بولا۔

"تم یہ مچھلی کھا سکتے ہو"۔

بیاتشی باہر چلا گیا۔ اس کے ساتھ جو دو غلام آئے تھے وہ اسی کمرے میں رہ گئے۔

بیاتشی کے جانے کے بعد دونوں غلاموں نے عنبر کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

عنبر سمجھ گیا کہ وہ قید کر دیا گیا ہے۔ دونوں غلام اسے ساتھ لے کر محل کے مختلف کمروں میں سے ہوتے ایک تہہ خانے میں لے گئے۔

اس کا دروازہ ایک کل کے ذریعے کھلتا تھا۔ دروازہ کھلا۔ عنبر نے دیکھا کہ اس کمرے کے اندر پانی بالکل نہیں تھا۔ پانی کی دیوار باہر دروازے کے آگے پردے کی طرح کھڑی تھی۔

کمرے کی ہوا کے دباؤ کی وجہ سے پانی اندر نہیں جا رہا تھا۔

غلاموں نے عنبر کو اس کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

عنبر نے یہاں آ کر پہلا کام یہ کیا کہ سر پر سے شیشے کا خول اتار کر میز پر رکھ دیا۔

کیونکہ یہاں پانی نہیں تھا اور کمرے میں ہوا موجود تھی۔

عنبر بستر پر لیٹ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ اسے قید کس لیے کیا گیا ہے؟۔

بیا تشی اس کو کیوں کر قید کر کے رکھنا چاہتا ہے۔ ابھی اسے تھوڑی دیر ہی سوچتے گذری تھی کہ اسے کسی کے سسکیاں بھر کر رونے کی آواز سنائی دی۔

عنبر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی؟۔

عنبر نے کان لگا کر غور سے سنا۔

آواز کس عورت کی تھی۔

عنبر نے اٹھ کر جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر کان لگا دیئے۔

آواز دیوار کی دوسری جانب سے آ رہی تھی۔

عنبر نے دیوار پر آہستہ سے دو تین بار ہاتھ مارا۔ دوسری

جانب سے رونے کی آواز بند ہو گئی۔

عنبر نے پھر دیوار پر ہاتھ مارا۔ دوسری طرف سے بھی دیوار پر تین بار ہاتھ مارا گیا۔

اب عنبر نے اونچی آواز میں کہا۔

”تم کون ہو؟ کہاں ہو؟“۔

دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

”میں اس کمرے میں ہوں۔ تمہارے بالکل ساتھ۔ دیوار کے دوسری جانب“۔

”تمہیں کس نے یہاں رکھا ہے؟ تم رو کیوں رہی ہو؟“۔

عنبر کے اس سوال پر عورت نے کہا۔

”اس کا جواب تمہیں پھر دوں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون

ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے سمندر کے اوپر سے یہاں پکڑ کر لایا گیا ہے۔ میرے پاؤں میں زنجیر ہے"۔

عورت نے آواز دی۔

میں سمجھ گئی ہوں۔ تم بیاتش کے شکار ہو۔ کوشش کر کے دیوار میں وہ بٹن دریافت کرو جسے دبا کر تم دروازہ کھول سکتے ہو۔ تمہاری زندگی کا دارومدار اسی بٹن پر ہے۔

کیونکہ میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا راستہ بتا سکتی ہوں۔

عنبر نے کہا۔

"تم کیوں فرار نہیں ہوتیں؟"۔

عورت نے آواز دی۔

میں یہاں کی رہنے والی ہوں۔ میں دوسری دنیا میں نہیں جا سکتی یہ باتیں بعد میں بتاؤں گی۔

اس وقت تم اپنی خیر مناؤ اور کسی طرح دیوار کا دروازہ تلاش کر کے اسے کھول کر میرے پاس آنے کی کوشش کرو۔

عنبر نے دیوار پر وہ بٹن تلاش کرنا شروع کر دیا جسے دبا کر وہ اس دیوار کا خفیہ دروازہ کھول سکتا تھا۔

آخر اس نے ایک جگہ موتی کی طرح کا ایک بٹن دیکھا عنبر نے بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ایک جگہ سے دروازہ کھل گیا۔

چھوٹا سا دروازہ تھا عنبر جلدی سے دوسری طرف چلا گیا۔ اس کے

جاتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔

عنبر نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ کونے میں دیوار کے ساتھ ایک بستر لگا ہے۔

اس بستر پر ایک بڑی خوبصورت نیلی آنکھوں والی لڑکی بیٹھی ہے۔

جس کے سنہری بال اس کے شانوں پر گرے ہیں۔ اس کے ایک پاؤں میں بھی زنجیر بندھی ہے۔ عنبر اس کے قریب گیا اور سٹول پر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے کہا۔

''تم کون ہو اور سمندر میں کہاں پھر رہے تھے کہ یہ لوگ تمہیں پکڑ کر لے آئے؟''۔

عنبر نے کہا۔

''میں ایک مسافر ہوں۔ ہمارا جہاز طوفان کی نذر ہو گیا۔ میں ایک تختے پر تیر رہا تھا۔ کہ ایک آدمی شیشے کے گولے میں میرے پاس آیا اور مجھے سیڑھی لگا کر اندر لے گیا پھر یہاں لا کر قید کر دیا''۔

لڑکی نے آہ بھری اور سر جھکا لیا۔

عنبر نے کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ میں بادشاہ بیا آتشی کا شکار ہوں۔ تمہارا اس سے کیا مطلب تھا؟''۔

لڑکی بولی۔

سنو! میری بات غور سے سنو! میں اس شہر کی ملکہ کی اکلوتی

لڑکی ہوں۔ میرا باپ اس شہر کا بادشاہ تھا۔ وہ مر گیا تو میری ماں تخت پر بیٹھی۔

بیاآتشی ایک ظالم اور کمینہ وزیر تھا۔ اس نے دھوکے سے زہر دے کر میری ماں کو مار ڈالا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔

وہ مجھے بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ مگر دربار کے ایک نجومی نے بتایا کہ ابھی مجھے ہلاک نہ کیا جائے۔

کیونکہ اس طرح سے اس شہر پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ نجومی نے مکار اور ظالم بیاآتشی سے کہا کہ مجھے دو مہینے بعد مار دیا جائے تو شہر پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔

عنبر نے بڑے غور سے لڑکی کی باتیں سنی۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"اب یہ لوگ وقت کا انتظار کر رہے ہیں ایک مہینہ گذر گیا

ہے۔ ایک مہینہ باقی ہے۔ پھر مجھے بھی مار ڈالا جائے گا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے شہزادی؟"۔

لڑکی بولی۔

"میرا نام شہزادی عنی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو میں سمجھ گیا کہ یہ بیاآتشی ایک سنگ دل دھوکے باز وزیر ہے اور تم اس شہر کے اصلی بادشاہ کی بیٹی ہو۔ لیکن میں اس بیاآتشی کا شکار کس طرح سے ہو گیا؟"۔

شہزادی بولی۔

بیاآتشی ایک آدم خور وزیر ہے۔ اس کی عادت ہے کہ یہ ہر ہفتے

کی شام کو ایک انسان کو کھاتا ہے۔

اس کے آدمی شیشے کے گولے میں سوار ہو کر سمندر کے اوپر جاتے ہیں اور وہاں سے کسی نہ کسی انسان کو پکڑ کر لے آتے ہیں۔ پھر اسے پاؤں میں زنجیر ڈال کر رکھا جاتا ہے اور ہفتے کی رات کو بیاتشی اسے مار کر کچا ہی کھا جاتا ہے۔

مجھے تمہاری قسمت پر رونا آتا ہے کہ تم بہت جلد ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو خیر میری قسمت کی بات ہو گی۔ اگر میری قسمت میں یہی لکھا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہ لوگ کون ہیں اور یہ شہر سمندر کے نیچے کیسے آباد

ہے؟"۔

شہزادی نے کہا۔

ایک بہت بڑا شہر ہے۔ ہزاروں سال پہلے یہ شہر سمندر کے باہر آباد تھا۔

اور بڑا ترقی کر چکا تھا۔ پھر ایک روز اچانک ایک بہت بڑا زلزلہ آیا۔ زلزلے کی وجہ سے پہاڑ اور زمین پھٹ گئی۔ سمندر میں ایک ایسا خوفناک آیا۔

ایک بہت بڑی لہر سمندر سے اٹھی اور اس نے سارے شہر کو ڈبو لیا۔ پھر شہر کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور یہ شہر ایک دم سمندر کے نیچے آ گیا۔

شیشے کا گولہ

عنبر بڑی دلچسپی سے شہزادی کی باتیں سن رہا تھا۔

آخر میں شہزادی نے کہا۔

”ہزاروں برس سے ہم لوگ سمندر کے نیچے اس شہر میں زندگی بسر کر رہے ہیں“۔

عنبر نے کہا۔

”کیا یہاں کے لوگ آدم خور بھی ہیں؟“۔

”نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ہم آدم خور نہیں ہیں۔ یہ گھٹیا پیاشی ہی آدم خور ہے۔ یہ دوسری دنیا سے لوگوں کو پکڑ کر لاتا ہے اور ہر ہفتے ایک آدمی کو کھا جاتا ہے“۔

عنبر نے پوچھا۔

”کیا اس شہر میں لوگ اس ظالم بیاتشی کے خلاف بغاوت نہیں کرتے؟“۔

شہزادی نے کہا۔

لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ظالم درباریوں کا ایک پورا ٹولہ ہے۔

یہ لوگ بڑے سنگ دل ہیں اور کسی انسان کو یونہی قتل کر ڈالتے ہیں۔

دربار کے دوسرے لوگ میرے حمایتی ہیں مگر وہ بے بس ہیں۔ مجبور ہیں۔

عنبر خاموشی سے شہزادی کی باتیں سنتا رہا۔ اس لڑکی نے آہ بھر کر کہا۔

مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ کاش میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔ اگر میں تخت پر بیٹھی ہوتی تو تمہیں کبھی یوں اس ظالم آدم خور کی خوراک نہ بننے دیتی۔

مگر میں خود اس سنگ دل کی قید میں ہوں اور ایک مہینے بعد مجھے بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔

میں بھی اپنی موت کا انتظار کر رہی ہوں۔

عنبر نے کہا۔

''شکریہ شہزادی! اگر مجھ سے ہو سکا تو میں اس ہمدردی کا کچھ نہ کچھ بدلہ آپ کو ضرور دوں گا''۔

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تم کتنے اچھے ہو۔ تمہارا دل انسان کی ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ تم نے مجھے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں''۔

عنبر نے کہا۔

''عنبر میرا نام ہے''۔

شہزادی کچھ دیر خاموش رہی۔

پھر بولی۔

''اب تمہیں واپس اپنے کمرے میں چلے جانا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ لوگ واپس آ کر تمہیں یہاں دیکھ لیں اور مجھ پر بھی

کوئی عتاب نازل ہو جائے"۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

عنبر نے بٹن دبایا۔

دروازہ کھلا۔

عنبر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ شہزادی کی جان بچا کر اس کا کھویا ہوا تخت اسے ضرور واپس دلائے گا۔

اب وہ انتظار کرنے لگا کہ کب اسے مارنے کے لیے وقت سے لے جایا جاتا ہے۔

شام کے وقت آخر وہ لوگ آ گئے۔ دروازہ کھلا۔ پانی کی

چادر میں سے گزر کر تین آدمی آئے اور عنبر کو پکڑ کر ساتھ لے گئے۔

عنبر نے انہیں کچھ نہ کہا۔ کوئی اعتراض نہ کیا۔ خاموشی سے ان کے ساتھ چل دیا۔

وہ عنبر کو پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئے۔ اس کی چھت نیچی تھی۔

دیواروں پر شارک مچھلی کے بھیانک جبڑے لگے تھے بیچ میں ایک چبوترہ تھا۔

دو جلاد دیوار کے ساتھ کلہاڑے لیے کھڑے تھے۔ ایک جلاد عنبر کو لے کر چبوترے پر آیا۔ اسے چبوترے پر لٹا کر رسیوں سے باندھ دیا گیا۔

عنبر یہاں بھی خاموش رہا۔

ایک جلاد نے دوسرے جلاد سے کہا۔

”برتن کہاں ہیں جن میں اس نوجوان کا گوشت کاٹ کر ڈالنا ہے؟“۔

دوسرے جلاد نے کہا۔

”اس میز کے نیچے رکھے ہیں۔ فکر نہ کرو۔ اب اس بے چارے کی گردن اڑاؤ اور اس مصیبت سے نجات دلاؤ“۔

پہلے جلاد نے جھک کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

”نوجوان! میں اپنی ڈیوٹی ادا کر رہا ہوں۔ مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ تمہاری جان نہیں بچا سکتا۔ اگر میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو یاتشی مجھے بھون کر کھا جائے گا“۔

عنبر نے کہا۔

”تم شہزادی کو پسند کرتے ہو یا تشی کو؟“۔

میں تو تھوڑی دیر میں مر جاؤں گا۔ تم اپنے دل کی بات بتا دو۔ میں کسی سے ذکر نہیں کر سکتا۔

جلاد نے دوسرے جلادوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

”ہم دو شہزادی کے حامی ہیں۔ وہ ایک ہمارا دشمن ہے۔ مگر اس سے کیا ہو سکتا ہے۔ تمہاری جان تو نہیں بچ سکتی“۔

تیسرا جلاد جو شہزادی کا دشمن تھا۔

غصے میں آ کر بولا۔

”میں بادشاہ سے تمہاری شکایت کروں گا۔ تم میرے بادشاہ کے دشمن ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا“۔

پہلا جلاد بولا۔

"مجھے معاف کر دو بھائی"۔

تیسرے جلاد نے آگے بڑھ کر کہا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس شخص کو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے تم اس کی حمایت کرو گے۔ اور شاید اسے اچھی طرح ہلاک نہ کر سکو گے۔ پرے ہٹ جاؤ"۔

پہلا جلاد پرے ہٹ گیا۔ تیسرا جلاد کلہاڑا لے کر عنبر کے قریب آیا۔

اس نے جھک کر عنبر کو دیکھا اور لال لال آنکھیں گھما کر بولا۔

"تم میرے محبوب بادشاہ کی خوراک ہو۔ میں تمہیں بڑی

تکلیف دے کر ہلاک کروں گا۔ میں تم سے شہزادی کی حمایت کا بدلہ لوں گا۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

عنبر ہنسا۔

کہنے لگا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"۔

جلاد غرایا۔

"تمہیں میرے نام سے کیا مطلب ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں تو مرنے والا ہوں۔ یہ میری خواہش ہے آخری خواہش ہے کہ میں تمہارا نام معلوم کروں"۔

جلاد نے کہا۔

"میرا نام گولاتھ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

گولاتھ! آج کا دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ آج کی شام تمہاری زندگی کی آخری شام ہے۔

آج کے بعد تم زندہ نہ رہو گے۔ موت تمہارے بالکل قریب کھڑی تمہیں گھور کر دیکھ رہی ہے۔

جلاد قہقہہ مار کر ہنسا کہ یہ بد بخت انسان کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

جب کہ یہ خود موت کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ ضرور اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

دوسرے دونوں جلاد بھی جو شہزادی کے حمایتی تھے عنبر کی

حالت پر آنسو بہا رہے تھے۔

انہیں بھی یقین تھا کہ اس بے چارے کا موت کے خوف کی وجہ سے دماغ چل گیا ہے۔

پہلے جلاد نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"عنبر بھائی! جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے۔ اسے تم نہیں موڑ سکتے۔ اب بہادری اور صبر شکر سے اپنی موت قبول کرو۔ ہمیں تم سے ہمدردی ہے۔ مگر تمہاری موت کا وقت آ گیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"شکریہ میرے ہمدرد دوستو! میں تمہارا دل و جان سے شکر گزار ہوں۔ مگر یقین کرو کہ اس جلاد گولاتھ کا وقت اس دنیا میں ختم ہو گیا ہے۔ اس کی موت کو میں اس کے بالکل قریب کھڑے دیکھ

رہا ہوں"۔

گولاتھ جلاد نے چلا کر کہا۔

"بکواس بند کرو! میں تمہارا کام تمام کرنے لگا ہوں"۔

اور جلاد گولاتھ نے کلہاڑا اپنے سر پر سے اونچا اٹھا کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر دے مارا۔

کٹاک کی آواز آئی اور جلاد کا کلہاڑا ٹوٹ کر دور جا گرا۔

گولاتھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"لکڑی کمزور تھی۔ دوسرا کلہاڑا لاؤ"۔

دوسرے جلاد نے فوراً دوسرا کلہاڑا اس کی طرف بڑھایا۔

گولاتھ نے دوسرے کلہاڑے سے وار کیا۔ وہ کلہاڑا بھی عنبر کے جسم سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔

اس طرح تیسرا کلہاڑا بھی ٹوٹ گیا۔ اب تو سارے جلاد پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھنے لگے۔

جو رسیوں سے بندھا چبوترے پر پڑا تھا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔

میں نہ کہتا تھا کہ موت گولاتھ کے لیے یہاں آئی ہوئی ہے۔

سو اب تم لوگوں کو یقین آ گیا ہوگا۔

کہو گولاتھ!

کیا حال ہے تمہارا؟۔

کیا خیال ہے تمہارا؟۔

مجھے تو تم نہیں مار سکتے مگر اب تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔

گولاتھ نے خنجر نکال لیا اور رسیوں سے جکڑے ہوئے عنبر پر

حملہ کر دیا۔

وہ بار بار خنجر اسے مار رہا تھا مگر عنبر پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

سب حیران تھے کہ عنبر پر کیوں اثر نہیں ہوتا؟۔

عنبر نے رسیاں توڑ ڈالیں اور گولاتھ کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔

”میں نے جو کہا تھا وہ اب پورا ہو رہا ہے۔ تمہاری موت کا وقت آ گیا ہے“۔

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے گولاتھ کا کام تمام کر دیا۔

دونوں جلاد تھر تھر کانپ رہے تھے۔

”تم۔۔۔ تم کون ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

”میں تمہاری طرح کا انسان ہوں“۔

جلاد بولا۔

”مگر اب ہمارا کیا ہوگا۔ اگر ہم بیاتشی کے لیے تمہیں ہلاک کر کے نہ لے گئے تو وہ ہمارا کام تمام کر دے گا۔ ہمارے بال بچوں کو مار ڈالے گا“۔

عنبر بولا۔

”اس کا بھی بندوبست کر دیا جائے گا“۔

سنو! اب ہمارا کام سنگ دل ڈھو کے باتہ بادشاہ کو ہلاک کر کے تخت شہزادی کو واپس دلانا ہے۔

جلاد نے کہا۔

”یہ ہم نہیں کر سکتے۔ ہماری طاقت اتنی نہیں ہے“۔

عنبر نے کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گا۔ تم اسی جگہ ٹھہرو"۔

عنبر وہاں سے باہر آ گیا۔ اس نے جادو سے پتہ کر لیا تھا کہ بادشاہ کس جگہ پر اس کی لاش کا انتظار کر رہا ہے۔

وہ سیدھا محل کے اوپر والی منزل میں آ گیا۔

یہاں ایک پہرے دار نے اسے روکا تو عنبر نے اسے اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔

اب وہ محل کے اندر آ گیا۔ بڑے کمرے میں آدم خور بیاتی ایک میز کے آگے چاندی کی کرسی پر بیٹھا اپنی خوراک کا انتظار کر رہا تھا۔

اتنے میں عنبر اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے

حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تم؟ تم یہاں کس طرح آ گئے؟ تم ابھی تک کیسے زندہ ہو؟"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"میں تمہیں ہلاک کر کے شہزادی کو تخت و تاج واپس کرنے کے لیے زندہ ہوں"۔

بادشاہ غضب ناک ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"اسے اسی جگہ ختم کر دو"۔

سپاہی تلواریں سونت کر عنبر کی طرف بڑھے۔

انہوں نے عنبر پر تلواریں برسانی شروع کر دیں۔ مگر عنبر پر تو

کسی تلوار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر نے بھی ایک تلوار چھین لی تھی اور باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تھی۔

عنبر کا ہر وار کاری پڑ رہا تھا۔ سپاہی کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ جبکہ عنبر کے جسم پر جو تلوار پڑتی وہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے سپاہی ڈھیر ہو گئے۔

بادشاہ نے اور سپاہی منگوا لیے۔

ان سپاہیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔

اب ایک اور دستہ سپاہیوں کا آ گیا۔ عنبر نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

اب بادشاہ کو اپنی فکر پڑ گئی۔ عنبر جب سب سپاہیوں کو ختم کر چکا تھا تو تلوار تھام کر بادشاہ کی طرف بڑھا۔

بادشاہ نے کہا۔

”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

میں پانی کا دیوتا ہوں اور تمہاری موت کا پیام لے کر آیا ہوں۔ تم نے شہزادی کا حق مارا ہے اور اس کی ماں اور باپ کو ہلاک کر کے ناجائز طور پر ان کے تخت پر قبضہ کیا ہے۔

میں تخت تم سے چھین کر اسے شہزادی کے حوالے کرنے آیا ہوں۔

درباری سناٹے میں آ گئے۔ بادشاہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس نے عنبر کی طاقت دیکھ لی تھی۔

اسے یقین تھا کہ وہ عنبر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے

ہاتھ باندھ کر کہا۔

''اے دیوتا! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں''۔

عنبر بولا۔

تم نے کئی بے گناہ انسانوں کا خون بہایا ہے۔ انہیں ہلاک کر کے ہڑپ کر لیا ہے۔ میں ان سب بے گناہوں کا تم سے بدلہ لوں گا۔

میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

بادشاہ بھاگنے لگا تو عنبر نے دور سے تلوار پھینکی۔ تلوار کی نوک سیدھی بادشاہ کے سینے میں جا کر لگی اور وہیں گر کر تڑپنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

درباری ایک دم سے عنبر کے ساتھ مل گئے۔

اسی وقت شہزادی کو جیل سے واپس لایا گیا۔ عنبر نے اسے تخت واپس کر دیا اور اس کے سر پر تاج رکھ دیا۔

شہزادی اور درباریوں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی بہادری کی وجہ سے انہیں ایک ظالم بادشاہ سے نجات مل گئی۔

عنبر نے کہا۔

''اب میں واپس اپنی دنیا میں جانا چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ میں تمہاری دنیا میں شہزادی کی مدد کرنے آیا تھا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب مجھے اجازت دی جائے''۔

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ درباری بھی اداس ہو گئے۔

آخر انہوں نے عنبر کو شیشے کے گولے میں بند کیا اور سمندر کے اوپر تک چھوڑنے آئے۔

جب عنبر سمندر کے اوپر آ گیا تو اسے ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار کرا دیا گیا۔ اور عنبر اپنے ہمدرد دوستوں سے رخصت ہو گیا۔

جب تک عنبر کی کشتی سمندر میں نظر آتی رہی شہزادی اور درباری سمندر کی سطح پر شیشے کے گولے میں بیٹھے اسے ہاتھ ہلاتے رہے۔

چھپ جاؤ

عنبر کی کشتی سمندر میں بہی چلی جا رہی تھی۔

تین دن اور دو راتیں سمندر میں بہنے کے بعد عنبر کو شام کے وقت دور روشنی کا ایک دھبا سا نظر آیا۔

یہ روشنی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ عنبر نے کشتی کا رخ اس طرف کو کر لیا۔

آدھی رات کے قریب وہ کنارے کے قریب پہنچ گیا۔ یہ

ایک جزیرہ تھا اور روشنی دور ایک پہاڑ کے اوپر سے آ رہی تھی۔ یہ روشنی آگ کی نہیں تھی۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے پہاڑی کے اوپر کوئی بجلی کا بہت بڑا لیمپ جل رہا تھا۔

عنبر نے کشتی سمندر کے کنارے کھینچ کر ایک طرف جھاڑیوں میں چھپا دی۔

وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ ریت بڑی ٹھنڈی تھی۔ وہ اس پر لیٹ گیا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں اسے نیند آ گئی۔

عنبر صبح تک سویا رہا۔ صبح سورج کی روشنی کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے اٹھ کر جزیرے پر ایک نظر ڈالی۔ یہ ایک سرسبز و شاداب جزیرہ تھا۔

ساحل اس کا دور تک ویران چلا گیا۔

کسی آبادی کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ کوئی ماہی گیر کا جھونپڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ اگر یہ جزیرہ ویران اور بے آباد ہے تو پھر وہ پہاڑی پر روشنی کیسی تھی؟۔

ظاہر ہے کہ جزیرہ بے آباد نہیں۔ بلکہ کوئی قوم یہاں آباد ہے۔

اسے معلوم تھا کہ دوسری جنگ عظیم زوروں پر ہے اور اس جزیرے پر ہو سکتا ہے کہ جاپانیوں نے کوئی زبردست اڈہ بنا رکھا ہو۔

عنبر نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ زمین پر گرا ہوا ایک ناریل توڑ

کر اس کا میٹھا پانی پیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔

جنگل کافی گنجان تھا۔ کافی دور آگے جا کر اسے ایک چھوٹی سی سڑک نظر آئی جو پہاڑی پر بل کھاتی اوپر جا رہی تھی۔

یہی وہ سڑک تھی جو اوپر اس مقام پر جاتی تھی جہاں رات کو روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے اوپر دیکھا۔

پہاڑی کے اوپر ڈھلانی چھتیں نظر آ رہی تھیں۔ پہاڑی زیادہ اونچی بھی نہیں تھی۔

زیادہ سے زیادہ دو اڑھائی سو فٹ اونچی ہو گی۔ عنبر سڑک کے ساتھ ساتھ ذرا ہٹ کر چلنے لگا۔

وہ درختوں کے پیچھے ہو کر چل رہا تھا۔ اس خیال سے کہ اگر کوئی دشمن یہاں پر ہو تو اس پر اس کی نظر نہ پڑ جائے۔

یہاں سورج کی روشنی بہت تھوڑی آ رہی تھی۔ کیونکہ چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا۔

عنبر پہاڑی کے ساتھ ساتھ اوپر چڑھتا چلا گیا۔ کافی اوپر جا کر ایک میدان سا آ گیا۔

یہاں بھی کافی درخت تھے۔ اور ایک طرف ندی بہہ رہی تھی۔ اوپر ایک ٹیلے پر ایک مینار تھا۔

رات کو اسی مینار میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے ایک لمبی بیرک تھی جس کے باہر چھ سات فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ جاپانیوں کا ٹھکانہ ہے اور جزیرے پر جاپانیوں کا قبضہ ہے۔ وہ دوسری طرف ہو کر پیچھے کو اترنے لگا۔

ذرا آگے جا کر ٹیلے کی ڈھلان ختم ہو گئی۔ اس نے دوسری طرف نظر ڈالی تو حیران رہ گیا۔

وہاں ایک لمبا چوڑا میدان تھا جو سمندر کے جنوبی کنارے پر دور تک چلا گیا تھا۔

وہاں چار ہوائی جہاز کھڑے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر تھا۔ پیچھے بڑی لمبی لمبی پکی بیرکیں تھیں۔ جن کے باہر کچھ جاپانی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر گویا ایک طرح سے مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس جا کر کشتی میں بیٹھے اور اس جزیرے سے نکل جائے۔

کیونکہ خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسنا درست بات نہیں ہوتی۔

پس عنبر وہاں سے واپس ہو گیا۔

ان ہی رستوں سے چلتا وہ واپس چل پڑا۔ نیچے جنگل کو جانے والی سڑک پر آ کر اس نے محسوس کیا کہ دور سے قدموں کی آواز آ رہی ہے۔

عنبر ایک طرف درختوں میں چھپ گیا۔ اب قدموں کی آواز قریب سے قریب تر آ رہی تھی۔

عنبر چوکس ہو گیا۔ شاید جاپانی فوجی آ رہے تھے۔ قدموں کی آواز دو تین آدمیوں کی تھی۔

اتنے میں جھاڑیوں کے ہٹانے کی آواز آئی اور تین جاپانی سامنے آ گئے۔

ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ پتلی دبلی لمبے قد کی گوری

چنی عورت تھی۔

جس نے سکول کی استانیوں والی وردی پہن رکھی تھی۔ اس عورت کو یہ جاپانی گرفتار کر کے لا رہے تھے۔ عنبر جھاڑیوں کے اور پیچھے ہو گیا۔

عورت بے چاری نڈھال تھی اور بڑی مشکل سے چل رہی تھی۔

وہ اس کے قریب سے گذر گئے تو عنبر نے واپس جانے کا خیال چھوڑ دیا۔

اس عورت کو جاپانی درندوں کے چنگل سے بچانا اب اس کا فرض بن گیا تھا۔ عنبر نے جاپانیوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ جنگلی راستوں سے ادھر ادھر گذرتے جاپانی اس میدان میں آ گئے

جہاں ہوائی جہاز کھڑے تھے اور سامنے سمندر لہریں لے رہا تھا۔

اس عورت کو ایک بیرک میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ عنبر دور ایک درخت کے پیچھے کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

اب اس نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کو اس عورت کے پاس جانا چاہیے اور اسے یہاں سے چھڑا کر لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عنبر واپس آ کر سمندر کے کنارے اس جگہ کی طرف چلا جہاں اس کی کشتی بندھی ہوئی تھی۔

یہ کشتی اس نے جھاڑیوں میں چھپا رکھی تھی۔ جب وہ کشتی کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جاپانی اس پر جھکا اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

عنبر پیچھے ہٹنے لگا تو اس کے پاؤں سے ٹکرا کر ایک پتھر نیچے گرا۔ جاپانی نے تیزی سے پیچھے دیکھا اور بندوق آگے کر دی۔ سامنے عنبر کھڑا تھا۔ جاپانی سپاہی نے بجلی کی طرح جھپٹ کر سنگین عنبر کے سینے پر مار دی۔

سنگین عنبر کے سینے کے ساتھ لگتے ہی ٹوٹ کر نیچے گر پڑی۔ جاپانی سپاہی سمجھا کہ اس شخص نے سینے کے ساتھ لوہے کا ٹکڑا باندھ رکھا ہوگا۔

اس نے گولی کا نشانہ لے کر عنبر کے سر پر فائر کر دیا۔ گولی چلی اور وہ بھی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

اب عنبر نے جاپانی کو پکڑ کر نیچے گرا لیا۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح سے وہ اس عورت کو نہیں بچا سکتا تھا۔

جاپانی ویسے ہی عنبر سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ عنبر نے اسے ختم کر دیا اور کشتی کو وہاں سے کھینچ کر دوسری جگہ لے جا کر چھپا دیا۔

شام تک عنبر اسی جگہ بیٹھا رہا۔

جب رات کے اندھیرے جزیرے پر چھانے لگے تو عنبر جھاڑیوں میں سے باہر نکلا اور ان بیرکوں کی طرف چل پڑا جہاں وہ مظلوم عورت قید تھی۔

عنبر چھپ چھپ کر چل رہا تھا۔ جزیرہ ویسے بھی غیر آباد تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ ہوائی اڈے کے پاس پہنچ گیا۔ جس بیرک میں وہ عورت قید تھی اس کے باہر چھجے پر ایک ہلکا بلب روشن تھا۔

اس کی روشنی میں عنبر نے ایک جاپانی سپاہی کو دیکھا جو چل کر پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اس پہرے دار سے الجھا تو وہاں شور مچ جائے گا۔ اسے تو یہ لوگ کچھ نہ کہہ سکیں گے لیکن ہو سکتا ہے۔ کہ اس عورت کو یہ لوگ ہلاک کر دیں۔

پس عنبر پیچھے سے ہوتا ہوا بیرک کے عقب میں آ گیا۔

مصیبت یہ ہوئی کہ یہاں کوئی کھڑکی یا روشندان بھی نہیں تھا۔

عنبر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا دوسری طرف آ گیا۔ یہاں جاپانی پہرے دار اسے صاف نظر آ رہا تھا۔

عنبر پیچھے ہٹ گیا۔ شاید جاپانی نے آہٹ سن لی تھی۔ وہ بیرک کے پیچھے آ کر غور کر تکنے لگے۔

عنبر ایک پتھر کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ جاپانی سپاہی نے دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں تو واپس چلا گیا۔ اور دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک پتھر پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔

رات آدھی نہیں ہوئی تھی۔ آدھی رات کو پہرہ تبدیل ہوتا تھا۔ عنبر واپس بیرک کے عقب میں آ گیا۔

اچانک اس کی نگاہ دیوار کی ایک درز پر پڑی۔ یہاں سے لکڑی کی دیوار میں سوراخ تھا۔

عنبر نے آنکھ لگا کر دیکھا۔ اندر وہی عورت خالی زمین پر بیٹھی سر گھٹنوں میں دیئے شاید اونگھ رہی تھی۔ یا شاید سو رہی تھی۔ عنبر نے سوراخ کو دیکھا وہ اوپر تک چلا گیا تھا۔

اصل میں وہاں بھی کھڑکی ہوا کرتی تھی جسے جاپانیوں نے بند

کر کے تختے لگا دیے تھے۔

عنبر نے ایک جگہ انگلی ڈال کر ذرا تختے کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔

اس طرح سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اس آواز پر جاپانی سپاہی ادھر آتا ہے کہ نہیں۔ عنبر پیچھے ہٹ کر ایک پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا۔

کافی وقت گذر گیا جاپانی نہ آیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ تختے کے اکھڑنے کی آواز اس تک نہیں پہنچی۔ اب اس نے دوسرے تختے کو اکھیڑنا شروع کر دیا۔

تھوڑا سا زور لگانے سے دوسرا تختہ بھی اکھڑ گیا۔

اس دفعہ ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ عنبر پھر پتھر کی اوٹ میں چلا گیا۔

جاپانی پھر بھی نہ آیا۔ لیکن قیدی عورت تختے کے اکھڑنے کی آواز سن کر دیوار کے پاس آ گئی اور دیوار کی خالی جگہ میں سے باہر جھانکنے لگی۔

اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ عورت بڑی حیران تھی کہ یہ تختہ یہاں سے کس نے اکھاڑا ہے؟۔

وقت بڑا نازک تھا۔ اگر پہرے دار اس وقت ادھر آ جاتا تو وہ یقیناً اس عورت کو فرار ہونے کے الزام میں پکڑ کر کسی دوسری جگہ لے جا کر قید کر دیتا۔

جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ عنبر نے دل میں کہا۔

قیدی عورت ابھی تک دیوار کے ساتھ لگی حیرانی سے ادھر ادھر تک رہی تھی۔

تختے اکھڑنے سے وہاں صرف اتنی جگہ بنی تھی کہ وہ عورت اپنا تھوڑا سا چہرہ باہر نکال کر دیکھ سکتی تھی۔

عنبر جلدی سے پتھر کی اوٹ سے نکل کر قیدی عورت کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔

عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلنے لگی تھی کہ عنبر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”میں تمہیں بچانے آیا ہوں“۔

عورت کی تعجب سے آنکھیں کھلی تھیں۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

”واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاؤ“۔

عورت کچھ ڈری ڈری سی واپس کونے میں دیوار کے ساتھ

لگ کر بیٹھ گئی۔

اب عنبر نے بڑی تیزی سے کھڑکی کا بڑا تختہ اکھاڑ کر نیچے رکھا۔ کوٹھڑی کے اندر کودا۔ تختے کو اٹھا کر واپس دیوار کے ساتھ اس طرح سے لگایا کہ روشنی باہر نہ جائے اور قیدی عورت کے پاس جا کر بولا۔

”تم کون ہو؟ یہ جاپانی تمہیں کہاں سے پکڑ کر لائے ہیں؟“۔

اس عورت نے کہا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح پہنچے ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

”تم بھی کمال عورت ہے۔ خدا کی بندی میں اپنی جان

مصیبت میں ڈال کر تمہیں یہاں سے نکالنے آیا ہوں اور تم نے میرا انٹرویو کرنا شروع کر دیا ہے''۔

عورت بولی۔

میرا نام ایملی ہے۔ اس جزیرے سے کچھ فاصلے پر ایک دوسرا جزیرہ ہے۔

میں وہاں اسکول میں استانی تھی۔ جاپانیوں نے آج صبح اس جزیرے پر قبضہ کر لیا اور مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں۔ میرے ساتھ میرا خاوند بھی تھا۔

اسے بھی انہوں نے گرفتار کر لیا تھا، مجھے نہیں معلوم کہ اسے کہاں لے جا کر قید کیا ہے ان لوگوں نے۔

عنبر نے کہا۔

''میں اس جزیرے سے واپس جا رہا تھا کہ تمہیں ان لوگوں کی قید میں آتے دیکھا اور فیصلہ کیا کہ تمہیں یہاں سے آزاد کرا کر جاؤں گا''۔

ایملی نے کہا۔

''تم اچھے انسان ہو۔ مگر یہاں جاپانیوں کی زبردست فوج موجود ہے۔ تم مجھے یہاں سے نکال کر کیسے لے جاؤ گے؟ یہ لوگ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے''۔

عنبر نے کہا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ اب ایسا کرو کہ میرے پیچھے پیچھے اس دیوار کے سوراخ میں سے باہر کود چلو۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھ لیں گے''۔

ایملی تعجب سے عنبر کو تک رہی تھی کہ یہ کتنا دلیر نوجوان ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی دیوار کے پاس آ گئی۔

عنبر نے تختے پرے کر دیے۔ سب سے پہلے عنبر کود کر باہر گیا۔

اندھیرے میں اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اس نے ہاتھ سے ایملی کو اشارہ کیا۔

وہ عورت بھی دیوار میں سے کود کر باہر آ گئی۔ عنبر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے لے کر درختوں میں چھپ گیا۔

اب کرنا خدا کا کیا ہوا کہ جاپانی پہرے دار نے ایملی کے باہر کودنے کی آواز سن لی۔

وہ لپک کر دیوار کے پاس آیا۔ اس نے جھاڑیوں میں سایہ بھاگتے دیکھا تو چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں آ گیا۔

اس نے عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بجلی کی تیزی کے تلوار لے کر اس پر کود گیا۔ عنبر کا تو خیر کیا بگڑنا تھا لیکن جاپانی سپاہی اپنی تلوار ہی سے ہلاک ہو گیا۔

عنبر نے ایملی سے کہا۔

"جلدی سے میرے پیچھے پیچھے بھاگ چلو"۔

وہ دونوں جھاڑیوں اور درختوں میں بھاگتے چلے گئے۔ آخر ایک ٹیلے کے نیچے پہنچ کر انہوں نے دم لیا۔

عنبر کو تو کوئی سانس نہیں چڑھا تھا۔ ہاں اس بے چاری عورت کا برا حال ہو رہا تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اسے

آرام کی سخت ضرورت تھی۔

عنبر نے کہا۔

"تھوڑی دیر یہاں آرام کر لو"۔

ایملی گھاس پر لیٹ گئی اور اس نے درخت کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

ادھر ایسا ہوا کہ پہرہ بدلنے لگا تو نئے سپاہی نے آ کر پہلے سپاہی کو غائب پایا۔ اس نے دو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ آیا تو اسے تلاش کرتا کرتا جھاڑیوں میں آ گیا۔

وہاں اس کی لاش پڑی تھی۔ بس پھر کیا تھا۔ جاپانی نے سیٹی بجا دی۔

اسی وقت سپاہی بھاگ کر وہاں پہنچ گئے معلوم ہوا بیرک کی

دیوار ٹوٹی پڑی ہے۔ اور قیدی عورت فرار ہو گئی ہے۔ جزیرے پر خطرے کا سائرن بجا دیا گیا۔

سائرن کی آواز ایملی اور عنبر نے سنی تو پریشان ہوئے۔ سمجھ گئے پتہ چل گیا ہے۔ راز کھل گیا ہے۔

عنبر نے ایملی کو ساتھ لیا اور رات کے اندھیرے میں جھاڑیوں میں سے گزرتا جزیرے کے شمال میں آ گیا۔

دن چڑھا تو ایسے لگا کہ کچھ جاپانی گڑھے کی طرف باتیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد دو جاپانی سپاہی دور سے بندوقیں کندھے سے لٹکائے جھاڑیوں کو جھک جھک کر دیکھتے دکھائی دیئے۔

☆ کیا جاپانی عنبر اور نیلی کو گرفتار کر سکے؟۔

☆ عنبر اس عورت کو لے کر جزیرے سے کیسے نکلا؟۔

☆ ناگ جوگی کے بھیس میں بنگال کیوں کر پہنچا؟۔

☆ ماریہ سے ناگ کی ملاقات کن حالات میں ہوئی؟۔

یہ آپ اس ناول کی 73 ویں قسط میں پڑھیں۔

وحشی جلاد

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 73)

اے حمید

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

فہرست

بھاگو! بھاگو!
کھل جا سم سم
جہاز چلتا رہا
آدم خور
وحشی جلاد
پراسرار جہاز

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پیارے بچو!

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ جوگی کے لباس میں ریل گاڑی پر بیٹھا بنگال کے جنگلوں میں سفر کر رہا ہے۔

دوسری طرف ماریا ایک گھوڑے پر سوار اور ناگ کی تلاش میں جنگل میں سے گذر رہی ہے۔ تیسری طرف عنبر بحر الکاہل کے ایک ایسے جزیرے میں ہے جہاں جاپانیوں کا قبضہ ہے۔

عنبر ایک امریکی قیدی عورت کو جاپانیوں کی قید سے چھڑا کر

اسے سمندر کنارے ایک گڑھے میں چھپا دیتا ہے۔

وہ اس کے خاوند کو بھی رہا کراتا ہے۔ پھر اس جزیرے سے ان دونوں کو لے کر ایک سٹیمر پر فرار ہو جاتا ہے۔ اب وہ سٹیمر پر سوار سمندر میں اکیلے بھٹک رہے ہیں۔ کیونکہ تیل اور کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔ سمندر کی لہریں ان کو اٹھا کر ایک ایسے جزیرے پر پھینک دیتی ہیں جہاں ایک وحشی آدم خور قبیلہ آباد ہے۔ یہ لوگ ایملی اور اس کے خاوند کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ عنبر انہیں چھڑانے کے لیے جاتا ہے تو اسے بھی پکڑ لیا جاتا ہے۔ تورونام کا سپیرا عنبر پر جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ چھوڑتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟۔

یہ آپ خود پڑھئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بھاگو! بھاگو!

گڑھے کے قریب آ کر جاپانی سپاہی رک گئے۔

انہیں وہاں کسی انسان کے موجود ہونے کا شک پڑ گیا تھا۔

ایک جاپانی نے جھک کر زمین کو دیکھا۔

وہاں اسے ایک جھاڑی کی ٹوٹی ہوئی شاخ نظر آئی۔ یہ شاخ ایسی تھی کہ جس طرح اسے کسی انسان نے توڑا ہو۔ اس نے وہ شاخ اٹھا کر اپنے ساتھی کو دکھائی اور جاپانی زبان میں کچھ

کہا۔ دوسرے سپاہی نے شاخ کو غور سے دیکھا اور پھر اسے پھینک کر گڑھے کے منہ پر جو جھاڑیاں رکھی ہوئی تھیں، انہیں غور سے تکنے لگا۔

اب دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک سپاہی نے سنگین مار کر جھاڑیوں کو پرے ہٹا دیا۔

جھاڑیوں کے پرے ہٹتے ہی وہاں ایک سوراخ سا ظاہر ہو گیا۔ ایک جاپانی نے اندر جھانک کر دیکھا۔

اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا۔

دوسرا سپاہی بھی جھک کر غار کے اندر جھانکنے لگا۔

اتنے میں اندر سے ایک سبز رنگ کا سانپ پھنکارتا ہوا باہر کو نکلا۔

دونوں جاپانی جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ سانپ ان کی طرف لپکا۔ ایک سپاہی نے سنگین مار کر اسے کچل دیا۔ انہیں اب یقین ہو گیا تھا کہ اندر کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ جس گڑھے میں سانپ رہتا ہو وہاں کوئی انسان نہیں رہ سکتا۔

اور اگر رہے گا تو پھر زندہ نہیں رہے گا۔ انہوں نے سانپ کو پاؤں سے کچل کر گھاس پر مسل دیا۔ اس کے بعد وہ آگے چل پڑے۔

جب وہ کافی دور پہاڑی کی دوسری جانب چلے گئے تو سوراخ میں سے عمبر نے باہر جھانک کر دیکھا۔

پھر اندر منہ کر کے عورت کو آواز دی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"باہر آ جاؤ۔ وہ لوگ چلے گئے ہیں"۔

امریکی عورت سہمی ہوئی باہر آ گئی۔

اس نے باہر آتے ہی سب سے پہلا سوال عنبر سے یہ کیا۔

"تمہیں سانپ نے ڈسا تھا۔ تم پر زہر کا اثر ہو رہا ہے، پاؤں میری طرف کرو میں کس کر کپڑا باندھوں گی"۔

اندر ایسا ہوا کہ جس وقت انہوں نے جاپانیوں کو گڑھے کے قریب آتے دیکھا تو عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان دونوں جاپانیوں کو اس ترکیب سے مارنے کی کوشش کرے گا کہ نہ تو وہ چیخ مار سکیں اور نہ گولی چلا سکیں تاکہ شور نہ ہو۔

لیکن اچانک اس نے دیکھا کہ گڑھے کے اندر بائیں جانب نیچے ایک لحد سی بنی ہوئی تھی۔

PDF By princepdfdhump@urdufanz.com

یہ مٹی کھود کر بنائی گئی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی ریچھ آرام کرتا ہے۔

عنبر ایملی کو لے کر اس لحد میں اتر گیا۔ جاپانیوں نے جھاڑیاں ہٹا کر اندر جھانکا تو انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

اتنے میں ایک سانپ لحد میں سے اچھل کر باہر کودا اور اس نے عنبر کی ایڑی پر ڈس دیا۔ کم بخت کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر پر زہر کا بالکل اثر نہیں ہوگا۔

سانپ کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ اگر کسی انسان کو ڈس لے تو پھر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ سانپ بھی باہر کو بھاگا۔

باہر جاپانی سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے سانپ کو مار ڈالا

اور یہ سوچ کر آگے چل دیئے کہ جہاں سانپ رہتا ہے وہاں انسان کہاں ہوگا بھلا!۔

ایملی نے عنبر کی ایڑی کو سانپ کو ڈستے دیکھا تھا۔ وہ خوف سے چیخ مارنے ہی والی تھی کہ عنبر نے اس کے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا۔

وہ خاموش ہو گئی۔ باہر نکلتے ہی اس نے عنبر کی ایڑی پر کپڑا باندھنے کو کہا تو عنبر بولا۔

”میرا خون اس قسم کا ہے کہ مجھ پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے تم بے فکر رہو“۔

لیکن ایملی کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ کسی انسان کا خون اتنا علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس پر سانپ کا زہر بھی اثر نہ کرے۔

بہرحال اس کا دل رکھنے کے لیے عنبر نے پاؤں پر پٹی کس کر باندھ لی۔

گڑھے کے باہر ایملی کو بٹھا کر خود اوپر ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا اور سر اوپر اٹھا کر جاپانیوں کو تکنے لگا۔ دونوں جاپانی اب ڈھلان اتر کر اس طرف جا رہے تھے جہاں ہوائی اڈہ تھا۔

عنبر اور ایملی شام تک اس گڑھے کے باہر بیٹھے رہے۔ ذرا آہٹ ہوتی تو ایملی گھبرا جاتا۔ عنبر اسے تسلی دیتا۔ وہ اپنے خاوند کے بارے میں بڑی پریشان تھی۔

اسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ بھوکی بھی تھی۔ عنبر نے پتوں کا ایک پیالہ بنایا اور قریب ہی ایک چھوٹی سی ندی پر جا کر اس میں پانی بھر لایا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

راستے میں اس نے ایک درخت پر سے کچھ جنگلی امرود توڑ لیے۔ ایملی نے پانی پی کر امرود کھائے اور اس کی جان میں جان آئی۔

"بھائی عنبر! میں تمہاری بڑی شکر گزار ہوں تو نے میری بڑی مدد کی ہے اور مدد کر رہے ہو۔ اگر جنگ کے بعد امریکہ گئی تو تمہیں ضرور میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ ایملی بہن!"۔

ایملی نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"نہ جانے میرا خاوند کس حال میں ہوگا؟ ان ظالم جاپانیوں نے ضرور اسے مار ڈالا ہوگا۔ کاش ہم کبھی امریکہ چھوڑ کر ان جزیروں میں نہ آتے"۔

عنبر نے کہا۔

"میرے خیال میں تمہارا خاوند بھی اسی جگہ قید ہوگا۔ میں اسے تلاش کر کے ڈھونڈ نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تم فکر نہ کرو"۔

ایملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیسے فکر نہ کروں۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں"۔

"بہن! ان آنسوؤں کو روکو۔ میں تمہارے خاوند کو ضرور تلاش کر کے تمہارے پاس لے آؤں گا۔ حوصلہ رکھو۔ ہمت نہ ہارو"۔

پہاڑی کی مشرقی جانب بالکل سنسان تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہاں ذرا نیچے جا کر سمندر کا ساحل آ جاتا تھا جس کے ساتھ ساتھ ناریل کے درختوں کے جھنڈ چلے گئے تھے۔

رات کو عنبر نے ایملی کو گڑھے کے اندر رہنے کے لیے کہا اور خود ساحل سمندر پر آ گیا۔

وہ درختوں کے نیچے سے ہو کر چھپتا چھپاتا یہاں تک آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک تھیلا سا بھی لایا تھا۔

یہ تھیلا اسے شام کو پہاڑی کے دامن میں پڑا ہوا مل گیا تھا۔

شاید کوئی جاپانی اسے یہاں رکھ کر بھول گیا تھا۔

عنبر نے گھوم پھر کر یہاں کتنے ہی ناریل اکٹھے کر کے تھیلے میں بھر لیے۔

پھر وہ ساحل کے جنگلوں میں آ گیا۔ اس جگہ جنگلی امرودوں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اور پپیتے کے بے شمار درخت تھے۔ عنبر نے پپیتے اور امرود بھی توڑ کر تھیلے میں بھر لیے۔

تھیلا کافی وزنی ہو گیا تھا لیکن اسے تو بوجھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔

اس نے تھیلا کندھے پر اٹھایا اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ ایملی یعنی اس کی ساتھی امریکی عورت نے جو اس کے پاؤں میں ٹخنے کے پاس پٹی کس کر باندھ رکھی تھی۔

وہ اسے خواہ مخواہ تنگ کر رہی تھی۔ اس کا ایک سرا کھل گیا تھا اور اس کے پاؤں میں آ رہا تھا۔

عنبر نے دوسرے پاؤں کی مدد سے پٹی ٹخنے سے اتار کر پرے پھینک دی۔

جس وقت وہ گڑھے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا کہ وہاں ایملی نہیں تھی۔

اس نے تھیلا اسی جگہ پھینکا اور باہر نکل کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

بے اختیار وہ ایملی کو آواز دینے لگا تھا کہ اس نے آواز حلق سے نکالتے نکالتے دبالی۔

لیکن پریشانی بہت زیادہ تھی۔ آخر یہ عورت کہاں غائب ہو گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جاپانی اسے پکڑ کر لے گئے ہوں؟۔

پھر عمبر کو خیال آیا کہ اگر جاپانی اسے پکڑ کر لے جانے لگتے تو وہ ضرور شور مچاتی۔

کم از کم عمبر کو خبردار کرنے کے لیے ایک چیخ ہی مار دیتی۔

ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پھر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی؟۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ سیر کو نکل گئی ہو؟۔

لیکن سیر کرنے کا بھلا یہ کونسا وقت تھا؟۔

عمبر جھنکیروں کی اوٹ میں سے نکل کر درختوں کے ساتھ ہوتا اس طرف آ گیا جدھر چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔

رات اگر چہ اندھیری تھی مگر تاروں کی ہلکی نیلی چمک میں درختوں کے تنے اور ندی کے پانی دھندلا دھندلا ضرور نظر آ رہا تھا۔

عمبر نے دیکھا کہ ایملی ندی میں بیٹھی نہا رہی ہے۔

وہ ایک ہاتھ سے اپنے سر کو مل رہی ہے اور دوسرے ہاتھ سے اوپر پانی ڈال رہی ہے۔

عنبر نے اطمینان کا سانس لیا اور سر پر ہاتھ مار کر واپس آ گیا کہ یہ عورت کس قدر دلیر بھی ہے اور بزدل بھی۔

جاپانیوں کو دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی تھی اور اب کیا بے فکر ہو کر ایسے ندی میں نہا رہی ہے۔ جیسے یہ مغلپورے کی نہر ہو۔

عنبر واپس گڑھے میں آ کر بیٹھ گیا اور ناریل توڑ کر اس کا میٹھا رس پینے لگا۔

اتنے میں ایملی بھی آ گئی۔ عنبر نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

اگر تم اسی طرح بے خوف ہو کر جنگل میں پھرنے لگیں تو پھر میں تمہارا ذمہ نہیں لے سکتا۔

کیا تمہیں پتہ نہیں کہ یہاں چاروں طرف ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ایملی نے بال جھٹک کر کہا۔

"میں کئی روز سے نہائی نہیں تھی۔ میرا برا حال ہو رہا تھا چلو بھیا! اب نہیں نکلوں گی یہاں سے"۔

عنبر نے اسے کچھ امرود اور ناریل کھانے کو دیئے۔

ایملی نے کہا۔

"یہ تم کہاں سے لے آئے ہو؟"۔

"میں ساحل کی طرف گیا اور درختوں سے توڑ کر لے آیا۔ وہاں بےشمار پھل دار درخت ہیں۔

دو تین دنوں کا راشن لے آیا ہوں۔

ایملی نے کہا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں

گے؟۔

میرا تو یہاں دم گھٹنے لگا ہے۔ مجھے اپنے خاوند کا بھی غم کھائے جا رہا ہے۔

عنبر بولا۔

"سب سے پہلے آج رات میں تمہارے خاوند کی تلاش میں جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے کہ ہمیں یہاں سے کیوں کر نکلنا ہو گا"۔

ایملی نے کہا۔

"تمہارے پاس کشتی موجود ہے۔ ہم اس کشتی میں بیٹھ کر رات کے اندھیرے میں یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔ ہمارا جزیرہ یہاں سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر ہے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

لیکن وہ جزیرہ تو اب جاپانیوں کے قبضے میں آ چکا ہے۔ وہاں ہم فورا گرفتار کر لیے جائیں گے۔

ایملی بولی۔

پھر بھی وہ ہمارا جزیرہ ہے۔ میں نے وہاں برسوں گذارے ہیں۔ ہمارے ملنے جلنے والے مقامی لوگ ہیں۔ ان کے ہاں پناہ مل سکتی ہے۔

پھر ہم کسی روز کسی غیر ملکی بحری جہاز میں سوار ہو کر وہاں سے کوچ کر سکتے ہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

"غیر ملکی جہاز سے تمہارا کیا مراد ہے؟"۔

"میرا مطلب ریڈ کراس والوں کے جہاز سے ہے۔ ریڈ

کر اس کے جہاز دشمنوں کے علاقوں میں بھی جاتے رہتے ہیں"۔

عمبر سوچنے لگا۔

اس نے تھیلا ایک طرف رکھتے ہوئے باہر جھانک کر آسمان کو دیکھا۔

اندر آ کر ایملی سے کہا۔

"رات ابھی کافی باقی ہے۔ میں تمہارے خاوند کی تلاش میں جاپانیوں کی بیرکوں میں جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے تمہارے شوہر کو وہیں قید کر رکھا ہوگا۔ کیا تم مجھے اس کی کچھ نشانی بتاؤ گی؟"۔

ایملی نے کہا۔

"اس کا نام تھامس ہے۔ اس کی گھنی سیاہ مونچھیں اور ماتھے پر

زخم کا نشان ہے۔ بس اس سے زیادہ اور کیا نشانی ہو سکتی ہے"۔

عمبر نے کہا۔

ٹھیک ہے اب میں جاتا ہوں اور صبح ہونے تک پہلے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔

لیکن تم ہرگز ہرگز یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ اگر میں صبح کو بھی کسی وجہ سے نہ آ سکا تو گڑھے کے آگے جھاڑیاں ڈال کر خاموش ہو کر پیچھے بیٹھی رہنا اور میرے آنے تک یہیں رہنا۔ میں ہر حالت میں واپس آ جاؤں گا۔

اتنا کہہ کر عمبر گڑھے سے نکل گیا۔

ایملی نے اسے پہاڑی کی اوٹ میں اندھیرے میں گم ہوتے دیکھا اور گڑھے کے منہ پر جھاڑیاں رکھ دیں اور پیچھے زمین پر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

لیٹ گئی اور اپنے خاوند کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عمبر ٹیلے سے اتر کر دوسرے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر اس نے پرلی جانب جاپانیوں کی بیرکوں اور ہوائی اڈوں کو دیکھا۔

دھیمی دھیمی روشنی کہیں کہیں ہو رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہوائی جہاز رن وے سے ہٹا کر انہیں ایک قطار میں بیرکوں کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر بھی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ گویا ہوائی اڈہ کسی بڑے جہاز کے اترنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

عمبر جھک کر اندھیرے میں ٹیلے سے اترنے لگا۔

وہ سامنے والی بیرکوں کے عقب میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا بیرکوں کے کونے پر ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ جس کی کمزور روشنی صرف ارد گرد کا تھوڑا سا علاقہ روشن کر رہی تھی۔

عمبر سانس روکے وہاں کھڑا رہا۔ ذرا پرے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر رات کی ہلکی نیلی روشنی میں خاموش کھڑے تھے دو جاپانی سپاہی ذرا فاصلے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سمندر کی طرف سے لہروں کے کنارے کے پتھروں سے ٹکرانے کی آواز آ رہی تھی۔

عمبر نے سوچا کہ ہیلی کا خاوند کس جگہ قید ہو سکتا ہے؟۔

رہ رہ کر اس کا خیال بیرک کی طرف ہی جا رہا تھا۔ ضروری تھا کہ ان بیرکوں کی چھان بین کی جائے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ بیرکوں کی چھان بین کیسے کر سکتا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کاش! اس وقت ناگ اس کے پاس ہوتا۔ ناگ بڑی آسانی سے بیرکوں میں جا کر ساری خبریں لا کر اسے دے سکتا تھا مگر ناگ خدا جانے کہاں مارا مارا پھر رہا تھا؟۔

عنبر سرکتا سرکتا بیرک کی دیوار کے ساتھ آ گیا۔ وہاں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا کہ اس میں سے جھانک کر ہی اندر دیکھ لیتا۔

ابھی وہ وہاں کھڑا غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک آہٹ ہوئی اور ایک جاپانی سپاہی نے سنگین سے حملہ کر دیا عنبر نے اچھل کر جاپانی کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا۔

اس نے جاپانی کی گردن اس وقت چھوڑی جب وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ عنبر کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے جلدی جلدی اپنے

کپڑے اتار کر جاپانی سپاہی کے کپڑے پہن لیے اور جاپانی کو اپنے کپڑے پہنا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ اور اوپر گھاس پھونس اور جھاڑیاں ڈال دیں۔

اب وہ خود ایک جاپانی سپاہی لگ رہا تھا۔

عنبر نے بندوق کندھے پر رکھی۔

جاپانی سپاہیوں والی سبز ٹوپی رکھ کر اسکا چھجا آنکھوں پہ ذرا زیادہ جھکا لیا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے اور بیرک کی دیوار کیساتھ ساتھ چلنے لگا۔

رات کے اندھیرے میں تو اسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا لیکن صبح کی روشنی میں وہ پہچانا جا سکتا تھا۔ اس لیے اسے جو کچھ کرنا تھا صبح ہونے سے پہلے پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

PDF By Princeofdhump@urdufanz.com

یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی کہ قدیم مصری بزرگ کی دعا سے وہ دنیا کی ساری زبانیں بول اور سمجھ سکتا تھا۔

چنانچہ وہ جاپانی زبان بھی سمجھ اور بول سکتا تھا۔

عنبر جاپانی سپاہی کے بھیس میں بیرک کی دوسری جانب نکل گیا۔ ادھر ہوائی جہاز کھڑے تھے۔

وہ یوں چل پھر رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ اصل میں وہ عقابی نظروں سے اندھیرے میں بیرکوں کی کھڑکیوں کو کھنگال رہا تھا۔

ان کھڑکیوں میں دو ایک جگہوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر ایک روشن کھڑکی کی طرف چل پڑا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کی طرف آ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے جاپانی زبان میں کہا۔

"ارے لیوکیڈ! کہاں جا رہے ہو؟ کیا آج پہرہ نہیں دو گے؟"۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس کے پہرہ دینے کی جگہ پیچھے ہے اور اسے کھڑکی کی طرف نہیں جانا چاہیے تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک جاپانی سپاہی رائفل کے سہارے کھڑا اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"لیوکیڈ! ادھر آ کر پہرہ دو۔ میں جا رہا ہوں"۔

عنبر نے دور سے ہی جاپانی زبان میں کہا۔

"دوست! تم چلے جاؤ۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔ بیرک میں میری ٹارچ رہ گئی ہے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جاپانی سپاہی بولا۔

"اچھا تو میں جا رہا ہوں۔ جلدی واپس آ جانا۔ کہیں کرنل آ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے"۔

جاپانی سپاہی چلا گیا۔

عنبر کے لیے اب میدان صاف ہو گیا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے ایک پٹ ذرا سا کھول دیا۔ اندر دو جاپانی سو رہے تھے۔

عنبر نے کھڑکی بند کر دی اور بیرک کے دروازے میں سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔

یہ بیرک لمبی تھی اور دیوار کے ساتھ ساتھ چارپائیاں لگی تھیں جن پر جاپانی سپاہی خراٹے لے رہے تھے۔

"یہاں کوئی قیدی نہیں ہو سکتا۔ پھر تھامس یعنی ایملی کا خاوند کہاں ہو گا؟"۔

عنبر نے دیکھا کہ بیرک کے کونے میں ایک سپاہی پہرہ دے رہا ہے اور اونگھ بھی رہا ہے۔ عنبر نے ذرا فاصلے پر جا کر وا سے پہچان بھی نہ سکے آواز دے کر پوچھا۔

"ارے وہ امریکی قیدی کہیں بھاگ تو نہیں گیا؟"۔

جاپانی چونک کر بولا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟ کس نے کہا ہے تمہیں؟ وہ۔۔۔"

پھر وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر پہرہ دینے لگا اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا تم یوکیڈا ہو؟ ارے تم اندر کیا کر رہے ہو؟ وہ امریکی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

قیدی کہاں بھاگ سکتا ہے بھلا۔ مگر تم کیوں پوچھنے لگے؟"۔

عمبر نے ہنس کر دو دوسے ہی جاپانی زبان میں کہا۔

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس لیے کہ تم اونگھ رہے تھے۔ اگر تم اسی طرح پہرہ دیتے رہتے تو سارے قیدی یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں"۔

جاپانی بولا۔

"یوکیڈا! یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قیدی یہاں نہیں ہیں بلکہ دوسری بیرک کی حوالات میں بند ہیں؟"۔

عمبر نے قہقہہ لگایا۔

"ارے میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اچھا اب جاتا ہوں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

شہنشاہ جاپان زندہ باد"۔

"شہنشاہ جاپان زندہ باد!"۔

جاپانی سپاہی حیران ضرور تھا کہ یہ آج یوکیڈا کو کیا ہو گیا ہے؟۔

کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ قیدیوں کی حوالات اس بیرک میں نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ پھر اونگھنے لگا۔

عمبر کو وہ راز مل گیا تھا جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔

وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا دوسری بیرک کی طرف چل پڑا جو وہاں سے تھوڑی دور ہی تھی۔

اس بیرک کے باہر بھی کونے میں ایک مدھم سا لیمپ جل رہا

تھا۔ عنبر صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنا مشن پورا کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا اور وہ ہر قدم جلدی سے اٹھانا چاہتا تھا۔

دوسری بیرک کا دروازہ بند تھا۔

باہر ایک جاپانی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ نیند سے اس کی بھی بری حالت ہو رہی تھی۔ وہ سر جھکائے اونگھ رہا تھا۔

عنبر اس کے عقب میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

جاپانی سپاہی شاید نیند کے عالم میں تھا۔ اس کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ کوئی دوسرا انسان اس کے پاس آ کر کھڑا ہے۔ عنبر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور آگے بڑھ کر آہستہ سے دروازہ کھولا اور بیرک میں داخل ہو گیا۔

یہ بیرک زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس کے اندر آدھے میں کمرے بنے تھے۔

ایک دروازہ کھول کر عنبر نے دیکھا کہ وہ دفتر ہے۔ اس کے عقب میں بھی ایک دروازہ تھا۔

اس کے اوپر جاپانی زبان میں لکھا تھا۔

”حوالات“۔

عنبر یہ بورڈ پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے اندر کی طرف دھکا دیا۔

دروازہ کھل گیا۔ کمال کی بات تھی کہ وہاں کوئی بھی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔

شاید جاپانیوں نے ایک ہی پہرے دار کو کافی سمجھا تھا جو بیرک کے باہر سو رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے عنبر نے ایک کمرہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

دیکھا جس کے دروازے پر سلاخیں لگی تھیں۔

گویا یہی حوالات تھی۔ عنبر نے سلاخوں کے پاس جا کر دیکھا۔

سامنے دیوار کی طرف منہ کیے ایک آدمی سو رہا تھا۔

عنبر کو یقین تھا کہ یہی آدمی ایملی کا خاوند ہے۔ اس کا رنگ گورا تھا۔

سر کے بال لمبے اور میلے کچیلے ہو رہے تھے۔ پتلون اور جیکٹ بھی جگہ جگہ سے میلی ہو رہی تھی۔

دروازے پر بڑا مضبوط تالا لگا ہوا تھا۔ عنبر نے تالے کو ہاتھ میں لے کر ایک زور سے جھٹکا دیا۔ تالا ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

PDF By pinceofdhump@urdufanz.com

اس جھٹکے کے شور سے حوالات میں سوئے ہوئے آدمی کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر حوالات کا دروازہ کھول کر اس قیدی کے پاس چلا گیا اور بولا۔

”تم ایملی کے خاوند تھامس ہو نا؟“۔

تھامس حیرانی سے عنبر کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کون سا آدمی ہے جو اس کا نام، اس کی بیوی کا نام بھی جانتا ہے اور جس نے ایک ہی جھٹکے سے لوہے کا اتنا بڑا تالا کھول دیا۔

عنبر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا تم تھامس ہو؟ ایملی کے خاوند؟“۔

"ہاں"۔

اس قیدی کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ عنبر نے گھومتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ"۔

عنبر تھامس کو لے کر حوالات سے باہر آ گیا۔

اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ تالے کے ٹوٹنے کی آواز سن کر باہر سویا ہوا جاپانی سپاہی بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

وہ رائفل لے کر اندر کی طرف بھاگا۔ حوالات کے سامنے آتے ہی اس نے دیکھا کہ ایک شخص قیدی کو بھگا کر لیے جا رہا ہے۔

وہ چھپ کر ان دونوں کے باہر دروازے کے پاس آنے کا

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

انتظار کرنے لگا۔

جونہی عنبر اور تھامس دروازے کے پاس آئے۔ جاپانی سپاہی نے بندوق دکھا کر کہا۔

"خبردار! آگے بڑھے تو گولی چلا دوں گا"۔

ایملی کے خاوند کا تو خون خشک ہو گیا۔ مگر عنبر پر جاپانی کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر جاپانی کی رائفل کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"اگر چاہتے ہو کہ زندہ رہو تو رائفل نیچے کر لو"۔

عنبر نے یہ جملہ جاپانی زبان میں کہا تھا جسے تھامس بالکل نہ سمجھ سکا۔

ویسے وہ حیران ضرور ہوا کہ یہ نوجوان جاپانی زبان بھی

جانتا ہے۔

جو بڑی مشکل زبان ہوتی ہے۔ جاپانی بھی ایک بار چکر کھا گیا۔ اس دوران میں جاپانی نے گولی چلا دی۔ ایملی کا خاوند تو پتھر کا بت بن گیا۔

کیونکہ اس کے سامنے گولی عنبر کو لگی تھی۔ اور پھر جب ایملی کے خاوند نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ گولی عنبر کی گردن پر لگ کر ٹن کی آواز سے نیچے فرش پر گر پڑی ہے اور اسے کچھ بھی نہیں ہوا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ادھر جاپانی بھی چکرا گیا کہ یا خدا یہ ماجرا کیا ہے؟۔

اس شخص کی گردن پتھر کی ہے کہ اس سے لگ کر گولی نیچے گر پڑی ہے۔ بلکہ ایسا تو پتھر کے ساتھ بھی نہیں ہوتا گولی تو پتھر میں

بھی تھوڑا بہت سوراخ کر دیتی ہے۔

جاپانی کی حیرت کا فائدہ اٹھا کر عنبر نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین کر اسے ہینڈز اپ کرا دیا۔

"خاموشی سے حوالات کے اندر چلے چلو۔ اگر تم نے شور مچانے یا بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی مار کر تمہیں ہلاک کر دوں گا"۔

جاپانی چپ چاپ حوالات کے اندر چلا گیا۔ عنبر نے اسے بند کر کے باہر کنڈی چڑھا دی۔

لیکن گولی چلنے کی آواز حوالات کے باہر بھی گئی تھی اور باہر سے دوسرا سپاہی بھی رائفل لے کر اپنے ساتھی کی مدد کو اندر بھاگا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جونہی عنبر ایملی کے خاوند کو لے کر باہر نکلا تو اس نے رائفل دکھا کر رعب سے کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو"۔

ایملی کے خاوند تھامس نے اسی وقت ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ عنبر نے جاپانی سپاہی سے جاپانی زبان میں کہا۔

میں جاپان میں بارہ سال رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری زبان آسانی سے بول سکتا ہوں۔ رائفل نیچے کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔

نہیں تو اندر چل کر اپنے ساتھی کا انجام دیکھ لو۔ اگر تم نے ہمیں پکڑنے کی کوشش کی تو تمہارا بھی حال تمہارے ساتھی جیسا ہوگا۔

جاپانی سپاہی نے تعجب سے عنبر کو دیکھا۔ کیونکہ عنبر بڑی روانی اور آسانی سے جاپانی زبان میں بات کر رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"میں تم کو گرفتار کر کے رہوں گا۔ اگر بھاگے تو گولی مار دوں گا"۔

عنبر نے سوچا کہ اگر اس بار بھی جاپانی سپاہی کی گولی چلی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے دھماکے سے بیرک میں سوئے ہوئے سارے سپاہی جاگ پڑیں گے۔

کیونکہ اب وہ بیرک کے دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

عنبر نے ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ ہم ہتھیار پھینکتے ہیں"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تھامس نے پریشانی سے عنبر کو دیکھا کہ یہ آدمی کیسا ہے۔ ایک بار جاپانی کو ہلاک کیا اور اب دوسرے سے ہار مان رہا ہے۔

عنبر نے تھامس سے کہا۔

کوئی حرکت نہ کرنا"۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں تھامس نادانی سے جاپانی پر حملہ نہ کر دے۔ جاپانی سپاہی ان دونوں کو لے کر اندر حوالات دروازے پر آ گیا۔ یہاں جاپانی سپاہی نے اپنے ساتھی کو حوالات میں بند دیکھا تو غصے سے اس کا خون کھول اٹھا۔

اس نے تھامس کے کندھے پر رائفل کا دستہ مار کر کہا۔

"آگے چلو الو کے پٹھے۔ صبح تم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔ چلو"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تھامس لڑکھڑا گیا۔ اب عنبر کے حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ جاپانی سپاہی عنبر اور اس کے ساتھی کو حوالات میں قید کرتا عنبر نے پیچھے مڑ کر اچھل کر ایک فلائنگ کک جاپانی کے منہ پر ماری۔

وہ پیچھے کو گر پڑا اور رائفل اس کے ہاتھ سے اچھل کر پرے جا گری۔

عنبر نے لپک کر رائفل پکڑ لی اور جاپانی سپاہی کی طرف تان کر کہا۔

"چلو حوالات کے اندر۔ اگر شور مچایا یا کسی کو مدد کے لیے پکارا تو میں تم دونوں کو گولی مار دوں گا"۔

جاپانی سپاہی بے بس ہو گیا تھا۔

تھامس نے حوالات کا دروازہ کھول کر جاپانی کو دھکا دے کر حوالات کے اندر بند کر دیا۔

عنبر نے رائفل سے اشارہ کیا اور کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے بھاگ چلو یہاں سے"۔

وہ دونوں بیرک سے نکل کر باہر ہوائی اڈے میں آ گئے۔ عنبر نے تھامس کو ہدایت کر دی تھی کہ اس کے پیچھے پیچھے چلے اور ادھر ادھر جانے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر صبح کی ہلکی نیلی جھلک سی نظر آنے لگی تھی۔

تھامس یعنی ایملی کا خاوند، عنبر کے پیچھے پیچھے چلتا، رینگتا، درختوں اور جھاڑیوں کے اندھیرے میں سے گزرتا جنگل میں آ

گیا۔

ابھی وہ جنگل میں داخل ہی ہوا تھا کہ ایکدم سے شور مچ گیا۔ سائرن ہونے لگا۔ یہ خطرے کا سائرن تھا۔ عنبر اور تھامس بھی ایک جگہ دبک گئے۔

اتنے میں امریکیوں کے بمبار جہاز جزیرے کے آسمان پر آ گئے اور انہوں نے بمباری شروع کر دی۔ نیچے سے جاپانیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

کم بختوں کے نشانے اتنے ٹھیک تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے تین جہاز گرا لیے۔

دو جہازوں میں تو آگ لگ گئی۔ وہ فضا میں ہی پھٹ گئے اور ایک جہاز کا ہوا باز چھتری کھول کر نیچے اتر گیا۔ باقی جہاز

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بھاگ گئے۔

ہوائی اڈے کی طرف سے جاپانیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک دو جگہوں پر آگ لگی تھی جسے جاپانی بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کچھ سپاہی جنگل میں اس جگہ سے دوڑتے ہوئے گذرے جہاں عنبر اور ایملی کا خاوند تھامس چھپے ہوئے تھے۔

تھامس نے ڈر کر کہا۔

"یہ کم بخت تو ادھر بھی آ گئے"۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے انہوں نے جنگل میں ضرور کسی جگہ گولہ بارود چھپا رکھا ہوا ہے۔

یہ اسے دیکھنے جا رہے ہیں۔ دونوں خاموشی سے سپاہیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد جاپانی سپاہی بھاگتے ہوئے آئے اور ان کے قریب سے ہو کر گذر گئے۔

تھامس نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ اور میری بیوی کہاں قید ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ میں اپنا تعارف صرف اتنا ہی کراؤں گا کہ میں تم لوگوں کا ہمدرد ہوں"۔

"کیا۔۔۔ کیا ایملی زندہ ہے؟"۔

تھامس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا کا شکر بجا لاؤ۔ تمہاری بیوی زندہ ہے۔ اسی نے مجھے تمہیں نکال لانے کے لیے بھیجا ہے"۔

تھامس نے بے تابی سے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟"۔

عنبر بولا۔

"میں تمہاری بیوی کے پاس ہی لے جا رہا ہوں۔ بس ذرا صبر کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حوالات سے باہر نکلے ہیں تو اب پھر ان جاپانی وحشیوں کے ہتھے چڑھ جائیں"۔

تھامس نے عنبر کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ایک بات بتاؤ گے میرے ہمدرد! میرے بھائی؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے پوچھا۔

"کونسی بات؟ بھلا پوچھو!"۔

تھامس بولا۔

"میری آنکھوں کے سامنے جاپانی کی گولی تمہاری گردن پر لگی تھی مگر تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تمہاری گردن پر ہلکا سا نشان بھی نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم کوئی جادوگر بھی ہو؟۔ کیونکہ صرف جادو کے زور سے ہی انسان موت پر قابو پا سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں! تم یہی سمجھ لو کہ میں جادوگر ہوں۔ مگر ایک بات میں صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ جادو کے زور سے کوئی انسان موت پر قابو نہیں پا سکتا۔

جس کی موت جس وقت لکھی ہے وہ آ کر ہی رہے گی اور کوئی فانی انسان موت سے نہیں بچ سکتا۔

تھامس نے پوچھا۔

پھر تم کیوں نہیں مرے؟

تمہیں موت کیوں نہیں آئی۔ گولی میری آنکھوں کے سامنے تمہاری گردن پر لگی تھی اور لگ کر نیچے گر پڑی تھی۔

ایسا منظر میں نے ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

عنبر مسکرایا اور پچھلے پہر کی نیلی نیلی روشنی میں تھامس کا ہاتھ دبا

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کر بولا۔

"یہ ایک راز ہے جو تم کبھی معلوم نہ کر سکو گے۔ بس اس کے پیچھے اپنا سر نہ کھپاؤ۔ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بھول جاؤ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے بعد تم اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز باتیں دیکھو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"۔

تھامس آنکھیں کھولے عنبر کو تک رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

آخر بولا۔

اچھا دوست! جیسے تمہاری مرضی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کروں گا۔

عنبر نے مسکراتے ہوئے تھامس سے کہا۔

''اب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ راستہ صاف ہے''۔

عنبر آگے آگے چلا۔

تھامس اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ جھک جھک کر چل رہے تھے۔ عنبر اسے ساتھ لے کر ایک ٹیکری پر چڑھنے لگا۔ وہاں سے گذر کر وہ ایک پہاڑی پر آ گیا۔

یہاں سے پھر وہ ڈھلان پر اترنے لگے۔ آخر تھامس نے کھڑے ہو کر دور سمندر کو دیکھا جو ناریل کے درختوں کے جھنڈوں کے پیچھے سے صبح کی ہلکی ہلکی پراسرار روشنی میں شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔

عنبر پہاڑی کے دامن میں گھنی جھاڑیوں کے پاس ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔

''اب تمہیں ایک اور جادو دکھاؤں؟''۔

''ضرور دکھاؤ''۔

عنبر نے آہستہ سے آواز دی۔

''ایملی بہن!''۔

اور ایملی جلدی سے گڑھے میں سے باہر نکل آئی۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ خوشی سے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کی دوبارہ ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو زندہ پایا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کھل جا سم سم

دونوں میاں بیوی اور عنبر گڑھے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

ایملی نے اور اس کے خاوند تھامس نے عنبر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ان کی جان بچائی۔

عنبر نے کہا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنی جان خطرے میں نہیں

ڈالی۔

میری جان کو تو کوئی خطرہ ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر میں کسی کی مدد کر سکوں تو مجھے ضرور کرنی چاہیے۔

ایملی نے کہا۔

”پھر بھی ہم تمہارے شکر گزار ہیں“۔

تھامس کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ جنگل میں گولی چلنے کی آواز گونج اٹھی۔

اس کے ساتھ ہی درختوں پر سوتے ہوئے پرندے شور مچانے لگے۔

عنبر نے جھاڑوں کی درزوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ صبح ہو گئی تھی۔ جنگل میں دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ آسمان پر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پرندوں کے غول اڑ کر دوسری طرف جا رہے تھے۔

"یہ گولی کس نے چلائی ہے؟"۔

تھامس نے بھی باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

ایملی نے کہا۔

"شاید جاپانی ادھر آ رہے ہیں"۔

تھامس نے کہا۔

"وہ ہماری تلاش میں آ رہے ہوں گے۔ حوالات میں جب انہوں نے میری جگہ اپنے دو سپاہیوں کو قید دیکھا ہو گا تو ان کا خون کھول اٹھا ہو گا پس وہ گولیاں چلاتے میری تلاش میں آ رہے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"تم لوگ ایک شے بھول رہے ہو"۔

"وہ کیا؟"۔

ایملی نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

جب امریکی بمبار ہوائی جہاز بمباری کرنے آئے تھے تو دو طیارے فضا میں ہی جل کر تباہ ہو گئے تھے۔

لیکن ہوائی جہاز کا پائلٹ جہاز میں سے پیراشوٹ کے ذریعے کود گیا تھا۔

"ہاں ہاں! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے یاد ہے وہ پیراشوٹ کے ذریعے ہوائی جہاز میں سے کود گیا تھا"۔

تھامس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر بولا۔

"میں یہ جاپانی اسی امریکی پائلٹ کی تلاش میں جنگل میں پھر رہے ہیں"۔

ایملی بولی۔

انہوں نے اس پر کہیں گولی نہ چلا دی ہو۔

"ہاں! ہمیں اس امریکی ہوا باز کو اپنے ہاں پناہ میں لینا چاہیے"۔

تھامس نے بے تاب ہو کر کہا۔

عنبر کہنے لگا۔

"ابھی تو ہمیں اپنی جان بچانی چاہیے۔ کیونکہ جاپانی سپاہی ہوا باز کی تلاش میں نکلے ہیں"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہ جنگل کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اس گڑھے تک پہنچ جائیں گے۔

ایملی سہم کر بولی۔

"خدا نہ کرے"۔

تھامس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ چھپ جانا چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"اس سے مناسب جگہ یہاں اردگرد کے جنگلوں میں اور کہیں نہیں ہے"۔

ایملی بولی۔

"پھر تو اگر وہ آ گئے تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

تھامس کہنے لگا۔

"عنبر بھائی۔ تم تو زندہ رہو گے۔ لیکن ہم دونوں میاں بیوی مر جائیں گے۔ جاپانی ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے"۔

عنبر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں ان درندوں کی گولیوں سے نہیں مرنے دوں گا۔"

تم لوگوں کو اب تک بچاتا آیا ہوں اور میرے خدا نے چاہا تو اس وقت تک بچاتا رہوں گا جب تک تم اپنے گھر تک نہیں پہنچ جاتے۔

تھامس اور ایملی نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔

جنگل میں ایک بار پھر گولی چلی۔ اس دفعہ مشین گن کے چلنے

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

کی آواز آئی تھی۔

تھامس اور ایملی سہم گئے۔ عنبر نے گڑھے کے منہ پر آ کر جھاڑیوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔

"دور کچھ جاپانی ادھر بھاگے آ رہے ہیں"۔

"ہائے! اب کیا ہوگا؟"۔

ایملی نے سہمے ہوئے کہا۔

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔

تم لوگ اسی جگہ چھپے رہو۔ میں باہر جا کر کسی جگہ مورچہ بنا کر بیٹھ جاتا ہوں۔

اگر کوئی خطرہ ہوا تو میں باہر رہ کر تمہاری زیادہ مدد کر سکوں گا۔

تھامس نے کہا۔

"مناسب خیال ہے"۔

عنبر ان دونوں کو گڑھے میں چھوڑ کر خود تیزی سے باہر نکلا اور جھکے جھکے بھاگ کر قریب ہی درختوں کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

جنگل میں مشین گن چلنے کے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اب جنگل میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ اس روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ چار جاپانی مشین گنیں لیے ادھر ادھر کسی کو تلاش کرتے جھاڑیوں میں تلوار چلاتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔

جاپانی اس کے قریب سے گزرنے لگے تو ایک سپاہی بولا۔

"وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟"۔

PDF By princefdhump@urdufanz.com

"آخر پکڑا جائے گا"۔

دوسرے نے کہا۔

"میں تو تھک گیا ہوں بھائیو! اس امریکی ہواباز کے بچے نے ہمارا برا حال کر دیا ہے"۔

تیسرا سپاہی کہنے لگا۔

"ویسے وہ جنگل کے اس حصے میں کسی جگہ چھپا ہوگا"۔

چوتھا بولا۔

"اور کم بخت وہ امریکی قیدی بھی تو آج صبح ہماری حوالات سے بھاگ گیا ہے۔ کم بخت اسے بھی تو ساتھ ہی ساتھ تلاش کرنا ہے"۔

"کوئی ایک مصیبت ہو تو بتائیں"۔

"آؤ دوستو! اس جگہ کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرتے ہیں"۔

عنبر خاموشی سے جھاڑیوں میں چھپا ان جاپانی سپاہیوں کی باتیں سن رہا تھا۔

"چاروں سپاہی پاس ہی درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

عنبر کو یہی فکر تھی کہ کہیں وہ اس گڑھے کی طرف نہ چلے جائیں جہاں ڈیمیلی اور اس کا خاوند تھامس چھپے ہوئے تھے۔ لیکن وہ گڑھے سے آگے گذر گئے۔

عنبر نے اطمینان کا سانس لیا۔

ابھی وہ اٹھ کر واپس گڑھے میں جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ جھاڑیوں میں کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

PDF By princecfdhump@urdufanz.com

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔

وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا۔

عنبر نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی جانور ہوگا جو جھاڑیوں میں بھاگتے بھاگتے رک گیا ہوگا۔

وہ اٹھنے ہی لگا تھا کہ آواز پھر آئی۔

عنبر جلدی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے دیکھا ایک گورا چٹا ناٹے قد کا گول مٹول آدمی ہوابازوں کا لباس پہنے جھاڑیوں میں چھپ چھپ کر آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہی وہ ہواباز ہے۔۔۔ جو جلتے طیارے میں سے کودا تھا اور جس کی تلاش میں جاپانی سپاہی پھر رہے ہیں۔ ہوا

باز جب عنبر کے قریب سے گزرنے لگا تو عنبر نے اٹھ کر کہا۔

"رک جاؤ"۔

ہوا باز نے پستول نکال لیا۔

عنبر نے جلدی سے کہا۔

"پستول مت چلانا۔ میں تمہارا دوست ہوں"۔

عنبر کو ڈر تھا کہ اگر اس نے پستول کا فائر کر دیا تو اس کی آواز سن کر جاپانی سپاہی وہاں واپس آ جائیں گے اور پھر امریکی ہوا باز کی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔

ہوا باز نے پستول اسی طرح عنبر کی طرف تان رکھا تھا اور اسے حیرت سے تک رہا تھا۔

"تم کون ہو؟"۔

تم بڑی روانی سے انگریزی بول رہے ہو۔

عنبر نے کہا۔

"میں اتنی جلدی اپنا تعارف نہیں کروا سکتا۔ بہرحال تمہارے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ میرا نام عنبر ہے۔ میں تمہارا ہمدرد ہوں"۔

یہاں قریب ہی ایک گڑھے میں ایک امریکی جوڑا بھی پناہ لیے ہوئے ہے۔ میں وہاں سے تمہاری تلاش ہی کے واسطے نکلا تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔

امریکی ہوا باز نے پستول جیب میں رکھ لیا اور عنبر کے پیچھے چل پڑا۔

گڑھا پاس ہی تھا۔ عنبر اسے لے کر گڑھے میں آ گیا۔ اس کا

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ایملی اور تھامس سے تعارف کروایا گیا۔

وہ بڑا خوش ہوا کہ اسے پناہ گاہ مل گئی۔ ورنہ وہ تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

کہنے لگا۔

"پھر بھی ہم لوگ ابھی خطرے میں ہیں۔ اس گڑھے میں ہم لوگ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ جاپانی میری تلاش میں ی ہیں اور وہ یہاں بھی پہنچ جائیں گے"۔

تھامس نے پوچھا۔

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ہواباز بولا۔

"یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ چھپ جانا چاہیے"۔

ایملی بولی۔

"کوئی اور جگہ یہاں کونسی ہو سکتی ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

" سمندر کے کنارے ناریل کے درختوں میں ایک جگہ چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ ان میں کہیں چھپنے کو جگہ بنائی جا سکتی ہے"۔

لیکن وہاں بھی جاپانیوں کا خطرہ مستقل لگا رہے گا۔

تھامس نے کہا۔

" لیکن ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتے؟"۔

ہواباز نے کہا۔

PDF By princesdhump@urdufanz.com

"اس جزیرے کے ارد گرد کے سارے سمندروں پر جاپانیوں کا قبضہ ہے۔ ان کے جنگی جہاز دن رات پھرتے رہتے ہیں۔"

اگر ہم کشتی میں سوار ہو کر چل پڑے تو جاپانی جہازوں سے بچ کر نکل جانا بڑا مشکل ہو گا۔

ایملی نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں بھی تو نہیں رہ سکتے"۔

تھامس نے کہا۔

"اس کے لیے ہم غور کریں گے۔ میرا خیال ہے ابھی عنبر کی ہدایت کے مطابق ساحل سمندر کی چٹانوں میں جا کر چھپ جانا ہی بہتر رہے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تو گویا آپ لوگ تیار ہیں کہ ہم ساحلی چٹانوں میں جا کر پناہ لے لیں؟"۔

"بالکل تیار ہیں"۔

ایملی نے جواب دیا۔

"بہت خوب"۔

عنبر بولا۔

"آج شام اندھیرا ہو جانے کے بعد ہمیں وہاں چلے جانا ہو گا"۔

شام ہوئی اور چاروں طرف رات کا شروع شروع کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا تو یہ لوگ گڑھے میں سے نکل کر ایک ایک کر کے

PDF By pincecfdhump@urdufanz.com

آگے پیچھے ہوکر چھپتے چھپاتے سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سمندر تک پہنچنے کے لیے انہیں ایک ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر پھر نیچے اترنا پڑا۔

سامنے دور سمندر کا پانی رات کے اندھیرے میں نظر آرہا تھا۔

ذرا دور جنوب کی طرف بھورے رنگ کی چٹانیں اس طرح ابھری ہوئی تھیں جیسے اونٹ بیٹھے ہوں۔

عنبر نے چٹانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہمیں ان چٹانوں کے درمیان پہنچنا ہے۔ وہاں اس قسم کے غار ہیں کہ پانی دور تک اندر چلا گیا ہے۔ لیکن یہ پانی گھٹنے گھٹنے ہے اور آگے جا کر خشک ہو جاتا ہے۔ کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا کہ اندر کوئی ہوگا“۔

وہ جھاڑیوں، درختوں، ٹیلوں کی اوٹ سے ہوتے ہوئے سمندر کے کنارے ریت پر آگئے۔

اب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل رہا تھا مگر سامنے چاند نکل آیا جس کی روشنی میں سمندر صاف نظر آنے لگا۔

عنبر نے ایک جگہ رک کر کہا۔

”اس روشنی میں خطرہ ہے کہ اوپر کسی پہاڑی سے کوئی جاپانی سپاہی ہمیں نہ دیکھ لے۔ اس لیے ایک ایک کر کے جھک کر بلکہ رینگ کر ریت پر سے گذرنا ہوگا“۔

وہ جھاڑیوں میں رکے کھڑے تھے۔ سامنے چٹانوں کا سلسلہ تھا جو سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف گھوم گیا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بیچ میں ریت کا چھوٹا سا میدان تھا۔ بس یہ میدان انہیں پار کرنا تھا۔

چاندنی نے کام خراب کر دیا تھا نہیں تو یہ میدان اندھیرے میں وہ بڑے آرام سے پار کر جاتے۔ عنبر نے سب سے پہلے ہوا باز کی طرف اشارہ کیا۔

''مسٹر جی! پہلے تو چلو''۔

ہوا باز جی جھاڑیوں میں سے نکلا اور ریت پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور پھر اس نے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل رینگ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

رینگتے رینگتے ہو چٹانوں کے پاس پہنچ گیا۔

اس کے بعد عنبر نے تھامس کو اشارہ کیا۔ تھامس بھی اسی طرح

ریت پر رینگتے رینگتے آخر چٹانوں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر ایملی بھی ریت کا ساحل عبور کر گئی۔

سب سے آخر میں عنبر نے میدان پار کیا۔ وہ لوگ چٹانوں کی اوٹ میں ہو کر کھڑے تھے۔

عنبر نے جا کر انہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا۔ عنبر انہیں چٹانوں میں گھما پھرا کر ایک غار کے سامنے لے گیا۔

اس غار کا منہ نیچا تھا اور اس میں سر جھکا کر جانا پڑتا تھا۔

''یہ غار کافی لمبی ہے''۔

غار میں پانی تھا۔ عنبر پانی میں داخل ہو گیا۔ پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا۔

''فکر نہ کرو۔ پانی آگے جا کر تھوڑا ہو جاتا ہے''۔

PDF By pinceofdhump@urdufanz.com

تھامس، ایملی اور ہوا باز بھی پانی میں داخل ہو گئے۔ سمندر کا پانی ٹھنڈا تھا۔

انہیں لے کر عنبر ذرا آگے گیا تو غار بائیں جانب گھوم گئی اور پانی بھی کم ہو گیا۔ کچھ دور جا کر پانی خشک ہو گیا۔ یہاں روشنی بالکل نہیں تھی۔

عنبر نے کہا۔

"آگے ایک چوکور کمرہ سا بن گیا ہے جس کی چھت اونچی ہے۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں یہاں سمندری ڈاکو پناہ لیا کرتے تھے اور اپنا لوٹا ہوا مال چھپا کر رکھا کرتے تھے"۔

تھامس بولا۔

"یہ تو مجھے علی بابا کا غار لگتا ہے جس کے باہر جا کر وہ کھل جا سم سم کہا کرتا تھا اور غار کا منہ کھل جایا کرتا تھا"۔

عنبر مسکرایا۔

"یہ علی بابا کے غار سے بھی زیادہ خطرناک غار ہیں کیونکہ یہاں جاپانی کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جا کر انہیں ہمارے بارے میں خبر کرے تو۔۔ ورنہ وہ اس جگہ سے واقف نہیں ہیں"۔

ایملی نے کہا۔

"عنبر بھائی تم تو کہتے تھے کہ یہ جگہ بڑی محفوظ ہے"۔

عنبر بولا۔

"صرف اس صورت میں کہ اگر جاپانیوں کو ہمارے بارے میں علم ہو جائے کیونکہ پھر یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آگے سے یہ غار بالکل بند ہو جاتا ہے"۔

تھامس نے کہا۔

"مگر یہاں ہوا تو بڑی تازہ آ رہی ہے؟ یہ ہوا کہاں سے آتی ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"اس چٹان کی چھت میں کسی جگہ کچھ سوراخ پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ تازہ ہوا ان سوراخوں میں سے آتی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں آگے چلنا چاہیے"۔

عنبر ان لوگوں کو لے کر غار کے چوکور کمرے میں آ گیا۔ ہوا باز نے لائٹر جلایا تو معلوم ہوا کہ اس کی چھت اونچی ہے اور دیواروں کے پتھر ابھرے ہوئے ہیں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

فرش پر بھی جگہ جگہ پتھر بکھرے پڑے تھے۔ لائٹر بجھ گیا۔

ہوا باز نے جیب سے ایک سفید رنگ کی نلکیا نکال کر اسے آگ دکھائی۔

یہ نلکیا دیئے کی طرح جلنے لگی۔ اب وہاں ہلکی ہلکی روشنی ہو گئی۔

یہ لوگ گڑھے سے اپنے ساتھ ناریل اور کچھ پھل بھی تھیلے میں بھر کر لے آئے تھے۔

ناریل کا پانی پینے کے لیے تھا۔ کیونکہ سمندر کا پانی کڑوا اور بھاری ہوتا ہے۔ وہ پی نہیں سکتے تھے۔

ہوا باز کے پاس اس علاقے کا نقشہ تھا۔

اس نے جیب میں سے نقشہ نکال کر روشنی میں پھیلا دیا۔ وہ پنسل لے کر بولا۔

"اس نقشے کے حساب سے ہم بحر الکاہل کے جنوب میں ہیں۔ یہاں سے مشرق میں جاپان کے علاقے ہیں۔" مغرب میں کوئی دو ہزار میل کے فاصلے پر آسٹریلیا ہے۔ اگر ہم یہاں سے کسی نہ کسی طرح کشتی پر بیٹھ کر نکل بھی جائیں تو ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں دو ہزار میل کا فاصلہ آسانی سے طے نہیں کر سکیں گے۔

تھامس نے کہا۔

"کیا ہم جنگ ختم ہونے تک یہاں انتظار کریں گے؟"۔

ہوا باز نے کہا۔

"نہیں۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ مگر ابھی ہمارے سامنے کوئی ایسی ترکیب بھی نہیں ہے کہ یہاں سے فرار ہو سکیں"۔

ایملی نے آہ بھری۔

"مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ اس غار میں ہماری قبریں بنیں گی"۔

"ہمیں نا امید نہیں ہونا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لیں گے ہم لوگ۔ آپ گھبرائیں نہیں"۔

ہوا باز بولا۔

"صرف ایک صورت ہماری یہاں سے بچ کر نکلنے کی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم کسی طرح جاپانیوں کا چھوٹا جنگی سیار چرا کر یہاں سے بھاگ نکلیں"۔

تھامس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

”یہ بڑی مشکل بات ہے۔ جاپانی اتنے احمق نہیں ہیں کہ آسانی سے ایک جنگی سٹیمر ہمارے حوالے کر خاموش تماشائی بنے ہمیں دیکھتے رہیں گے“۔

اگر ہم ان کے نرغے سے نکل بھی گئے تو ان کے ہوائی جہاز بم مار مار کر ہمارے سٹیمر کو تباہ کر دیں گے۔

پھر ہماری لاشیں مچھلیاں کھائیں گی۔

ایملی سہم گئی۔

”میرے خدا“۔

عنبر نے کہا۔

”یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں“۔

ہوا باز نے کہا۔

”تم کیا کر لو گے۔ آخر تم بھی ہماری طرح کے انسان ہو۔ بلکہ تم کو تو فوجی باتوں کا مجھ سے زیادہ علم بھی نہیں ہے“۔

عنبر ہنسا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں اور فوجی باتیں بھی تم سے زیادہ نہیں جانتا۔

مگر پھر بھی میں آپ لوگوں کی جو مدد کر سکتا ہوں، وہ آپ نہیں کر سکتے بلکہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

ہوا باز جھلا کر بولا۔

”میں نہیں مانتا۔ تم نے مجھے پناہ دی۔ تمہارا شکریہ۔ مگر تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں“۔

ایملی اور تھامس خاموشی سے ہوا باز کو تک رہے تھے۔ وہ عنبر کو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

غیر معمولی طاقت دیکھ چکے تھے۔

انہیں معلوم تھا کہ عمبر کس قدر طاقت والا انسان ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہوا باز بہت غرور کی باتیں رہا ہے تو تھامس نے کہا۔

"مسٹر جمی! اس بات کو یہیں ختم کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور ہمیں لڑائی جھگڑے کی بجائے آپس میں سلوک سے رہنا چاہیے"۔

عمبر سمجھ گیا کہ تھامس اور ارکلی نہیں چاہتے کہ ہوا باز سے الجھا جائے۔

چنانچہ وہ بھی خاموش رہا۔ رات انہوں نے کچھ سو کر باتیں کر کے گذار دی۔ صبح ہوئی تو کمرے میں چٹان کی چھت میں کہیں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سے ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔

کمرے میں روشنی ہو گئی۔ انہوں نے ناریل کا ناشتہ کیا۔ اب وہ جاپانی سٹیمر کے چرانے کے بارے میں مشورے کرنے لگے۔

ہوا باز نے کہا۔

میں نے ہوائی جہاز میں اس جزیرے پر کئی چکر لگائے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں جزیرے کے جنوبی ساحل پر جاپانیوں کے کچھ چھوٹے جہاز ہر وقت کھڑے رہتے ہیں۔

ان جہازوں پر صرف ایک طیارہ شکن توپ لگی ہوتی ہے۔ اصل میں یہ چھوٹے سٹیمر گھوم پھر کر ہوائی جہاز کو مار گرانے کا کام کرتے ہیں۔

تھامس نے کہا۔

"ان جہازوں پر جاپانیوں کا زبردست پہرہ لگا ہوگا۔ ایسی صورت میں انہیں وہاں سے نکالنا بڑی مشکل بات ہوگی"۔

ہوا باز نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر ہمیں ہر حالت میں ایک سٹیمر وہاں سے چرا لانا ہوگا"۔

ایملی بولی۔

"جب ہم میں سے کوئی سٹیمر دوڑائے گا تو اس کی آواز آئی گی۔ جاپانی ہوشیار ہو جائیں گے"۔

ہوا باز نے کہا۔

"کوشش یہ ہونی چاہیے کہ سٹیمر کو کسی بڑے رسے کی مدد سے کھینچ کر لایا جائے تا کہ انجن چلنے کی آواز نہ آئے اور یہ کام رات

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کے اندھیرے میں کیا جائے"۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے مسٹر جی! تم اس کام کے لیے بالکل ٹھیک رہو گے۔ کیونکہ فوج اور جہازوں کے بارے میں تمہارا علم ہم سے زیادہ ہے۔

ہوا باز نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اتنا مشکل کام اسے سونپا جائے گا۔

تھامس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم سب کو مل کر یہ کام کرنا چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"سارے نہیں کر سکتے۔ صرف ایک آدمی کو یہ کام کرنا ہوگا اور

ہواباز جی سے زیادہ لائق آدمی اس وقت ہمارے پاس کوئی نہیں ہے"۔

ہواباز سمجھ گیا کہ عنبر اسے پھنسانا چاہتا ہے۔

یہ کام میں ضرور کرتا اگر ان سمندروں کے بارے میں میرا کوئی تجربہ ہوتا۔ میں نے ہوائی جہاز میں ضرور یہاں کے چکر لگائے ہیں مگر اس جزیرے پر کبھی نہیں آیا۔

عنبر خاموش رہا۔ ایملی بھی خاموش تھی۔

تھامس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عنبر! یہ کام تم کیوں اپنے ذمے نہیں لے لیتے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ مسٹر جی بہت طاقت اور

تجربہ کار ہیں۔ بھلا ان سے زیادہ بہتر طریقے سے یہ کام دوسرا کون کرسکتا ہے؟"۔

ہواباز نے گردن اونچی کر لی۔ اپنی تعریف سن کر وہ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ ویسے بھی وہ عنبر کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہت بلند خیال کر رہا تھا۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پیچھے سے ایک سرخ رنگ کا لمبا سا سانپ نکل آیا۔

اس کا سر سیاہ تھا اور باقی جسم لال تھا جس پر سبز رنگ کے دھبے پڑے تھے۔

یہ سانپ اس جزیرے کا سب سے زہریلا سانپ تھا۔ کہتے ہیں یہ سانپ اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ ایک منٹ کے اندر اندر مر جاتا ہے اور اس کا سارا جسم سرخ ہو جاتا ہے اور اس پر کالے دھبے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پڑ جاتے ہیں۔

سانپ تھامس کے پیچھے جو پتھر تھا وہاں سے نکلا۔ ادھر اندھیرا تھا۔

تھامس کے پیچھے سے ہو کر سانپ آگے بڑھا تو راستے میں ہی امریکی ہوا باز جمی کا پاؤں آ گیا۔

جمی ہوا باز نے بے خیال میں پاؤں بدلا تو وہ سانپ کی گردن پر پڑ گیا۔ بس پھر کیا تھا سانپ غصے سے پھنکارا۔

اس سے پہلے کہ اس کی پکار سن کر عنبر اسے پکڑتا سانپ نے ہوا باز کی پنڈلی پر کاٹا اور بھاگ کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔

ایملی نے سانپ کو کاٹتے دیکھ لیا تھا۔

"سانپ؟"۔

وہ چیخی۔

ہوا باز پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی جان نکل رہی ہے۔

تھامس نے اس کی پنڈلی پر کپڑا لپیٹ دیا۔ عنبر نے پنڈلی کو دیکھا جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں سے خون نکل رہا تھا۔ عنبر کو ناگ نے ایک منتر سکھا دیا تھا۔

جس کی مدد سے سانپ کے کاٹے کا علاج ہو جاتا تھا۔ بلکہ جو سانپ کاٹتا تھا وہ خود آ کر زہر چوس لیتا تھا۔

ہوا باز نے عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو مسٹر جمی! تم مرو گے نہیں"۔

PDF By pincecofdhump@urdufanz.com

اور پھر عنبر نے پنڈلی کے زخم پر ہاتھ رکھ کر ناگ کا بتایا ہوا منتر پڑھنا شروع کر دیا۔

ہوا باز نا امید ہو چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تھامس اور ایملی کو البتہ کچھ یقین سا تھا کہ عنبر اسے موت کے منہ سے بچا لے گا۔ عنبر منہ ہی منہ میں ناگ کے بتائے ہوئے منتر پڑھ رہا تھا۔

ادھر سانپ سمندر کی طرف غار میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے ایک جھٹکا سا لگا اور پیچھے کو بھاگا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی پیچھے کھینچ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شیش ناگ دیوتا آن کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"واپس جا کر جس شخص کو تم نے کاٹا ہے اس کا زہر چوس لو۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جلدی کرو"۔

سانپ نے شیش ناگ دیوتا کو دیکھا تو کانپنے لگا۔

وہیں سے بجلی کی سی تیزی سے واپس ہو گیا۔ ادھر عنبر ہوا باز کی پنڈلی پر انگلی رکھے منتر پڑھتے جا رہا تھا۔

غار کی ہلکی ہلکی روشنی میں ان لوگوں نے دیکھا کہ سرخ رنگ کا ایک سانپ دوڑا چلا آ رہا ہے۔

ایملی اور تھامس سانپ کو دیکھ کر بھاگ کر دیوار کے ساتھ لگے پتھروں پر جا کر کھڑے ہو گئے۔

ایملی کا رنگ زرد ہو گیا۔ ہوا باز بھی لرز اٹھا کہ یہ پھر اسے ہلاک کرنے آ گیا ہے۔ عنبر خاموش تھا۔ اس نے پنڈلی کے زخم پر سے انگلی اٹھا دی۔

سانپ نے قریب آ کر پھن اٹھایا اور زخم پر منہ رکھ دیا۔

ہوا باز کی چیخ نکل گئی۔

"یہ مجھے مار ڈالے گا"۔

"وحشی! خاموشی سے بیٹھے رہو"۔

عنبر نے کہا۔

سانپ نے زخم پر منہ رکھ کر سارے کا سارا زہر چوس لیا اور پھر عنبر کے آگے سر جھکا کر گویا سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ سانپ کے جانے کے بعد ہوا باز کی حالت بہتر ہونے لگی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ عنبر کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اس کے احسان کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہو۔

اس نے عنبر کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بھائی عنبر! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہارے بارے میں ایسی باتیں کہہ دی تھیں جو مجھے نہیں کہنی چاہیے تھیں۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں"۔

تھامس اور ایملی مسکرا رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں مسٹر جمی! ویسے انسان کو چاہیے کہ وہ کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکالے کہ جس کے لیے اسے بعد میں پچھتانا پڑے"۔

ہوا باز نے کہا۔

"میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ تم نے میری

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جان بچا کر مجھے خرید لیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا"۔

اس کے بعد وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ عنبر ہی ان کے فرار ہونے کا بندوبست کرے گا۔ دوپہر کو انہوں نے پھر ناریل کھائے۔ یوں انہیں غار میں رہتے تین دن ہو گئے۔

ایملی تو سورج کی روشنی اور آسمان دیکھنے کو ترس گئی۔ کھانے پینے کی چیزیں یعنی ناریل بھی ختم ہو گئے تھے۔ ویسے بھی وہ ناریل کھاتے کھاتے تنگ آ گئے تھے اور کمزور ہونے شروع ہو گئے تھے۔

کیونکہ ناریل میں بھلا کتنی طاقت ہوتی ہے۔ چوتھے روز تھامس نے کہا۔

"عنبر بھائی! آخر ہم یہاں کب تک زندہ رہ سکیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے کشتی پر ہی نکل چلنا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ خطرناک بات ہوگی۔ یہاں ہمیں ناریل کا پانی تو مل رہا ہے۔ سمندر میں ہم پیاسے مر جائیں گے"۔

ہوا باز نے کہا۔

"کیا میں کوئی ہوائی جہاز نہیں چرا سکتا؟"۔

عنبر نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"اگر تم ہوائی جہاز چرا بھی لو تو اس کا پیچھا کیا جائے گا اور جاپانی جہاز اسے تباہ کر کے ہی دم لیں گے۔ یہاں جاپانیوں کا باقاعدہ ہوائی اڈہ ہے"۔

تھامس نے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے؟"۔

عنبر بولا۔

میں آج رات پھر ساحل سمندر پر جا کر سٹیمر چرا کر لانے کی کوشش کروں گا۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا۔

آدھی رات کو عنبر غار سے نکل کر سمندر کے کنارے جزیرے کے اس علاقے کی طرف چل پڑا۔

جدھر جاپانیوں نے چھوٹے جنگی سٹیمر کھڑے کر رکھے تھے۔

کوئی دو گھنٹے بعد عنبر وہاں پہنچ گیا۔

اس نے ایک جگہ چھپ کر دیکھا۔ کنارے کنارے تین جہاز کھڑے تھے۔ ایک چھوٹا سٹیمر ذرا فاصلے پر اکیلا کھڑا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ یہ جہاز چرایا جا سکتا ہے۔ مگر کس طرح؟ کیونکہ رسے کی مدد سے اس جہاز کو کھینچ کر لے جانا بچوں جیسی بات تھی۔

عنبر نے سوچا کہ اگر کسی طرح وہ اس جہاز پر پہنچ جائے اور عنبر نے سوچا کہ اگر کسی طرح وہ اس جہاز پر پہنچ جائے اور جہاز کے ڈرائیور کو قابو کر کے اسے کہا کہ جہاز کو آگے لے چلو تو کام بن سکتا ہے۔

بہر حال جہاز پر پہنچنا بہت ضروری تھا۔ عنبر چھپ چھپ کر چلتا

PDF By princefdhump@urdufanz.com

جہازوں کے پاس پہنچ گیا۔

اس کے پاس کوئی پستول وغیرہ نہیں تھا۔ یہاں اندھیرا تھا اور جہاز سمندر میں خاموش کھڑے تھے۔

جہاز چلتا رہا

عنبر دیر تک وہاں کھڑا جہازوں کو دیکھتا رہا۔

بڑے جہاز دور دور تھے۔ ان میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔

تین سٹیمر ایک جگہ کھڑے تھے۔ ایک سٹیمر سب سے الگ ایک جگہ کھڑا تھا۔ عنبر اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ پس وہ ریت پر رینگتا ہوا اس سٹیمر کی طرف رینگنے لگا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آخر وہ سمندر کی لہروں کے پاس پہنچ گیا۔ سمندر سکون میں تھا۔

دور دور سے پانی کی لہریں آ کر ریت پر بچھ جاتیں اور پھر واپس چلی جاتیں۔ عنبر سٹیمر کے پیچھے آ گیا۔

اس نے پانی میں اتر کر سٹیمر کی دیوار کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تیرتے تیرتے وہ سٹیمر کے پاس پہنچ گیا۔

یہ لوہے کی چھوٹی سی سیڑھی تھی۔

عنبر نے سیڑھی کو پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ پاؤں رکھتا اوپر چڑھنے لگا۔

وہ جہاز کے ڈیک تک آ گیا تو اس نے جہاز کی دیوار کے اوپر سے سر نکال کر دیکھا۔ ڈیک پر کوئی بھی نہیں تھا۔ عنبر خاموشی

اور بڑی احتیاط کے ساتھ ڈیک پر چڑھ گیا اور تیزی سے چلتا ایک طرف لنگر ڈالنے والی مشین کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

قریب ہی چھوٹی سی لوہے کی سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ نیچے سٹیمر کا انجن روم تھا۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ ڈیک پر کوئی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ سیڑھی اتر کر نیچے جایا جائے اور پھر سٹیمر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سب سے پہلے وائرلیس سیٹ کو بھی قبضے میں لے لینا یا تباہ کر دینا ہو گا۔ کیونکہ وائرلیس کے ذریعے دوسرے جہازوں کو خطرے سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

عنبر ابھی نیچے اترنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ نیچے سے کسی کے اوپر آنے کی آواز آئی۔

عنبر مشین پر ڈالی ہوئی ترپال کے پیچھے ہو گیا۔ سیڑھی کے جنگلے پر ایک جاپانی نے ڈیک پر آ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ یہی شاید پہریدار تھا جو کسی کام سے نیچے گیا تھا اور اب واپس اپنی ڈیوٹی پر آ گیا تھا۔

عنبر اس کی حرکتوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کچھ دیر چھوٹے سے ڈیک پر ٹہلتا رہا۔

پھر جنگلے پر جھک کر نیچے سمندر کے پانی کو تکنے لگا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر ادھر آ گیا جہاں عنبر بیٹھا تھا۔

"ارے یہ مصیبت کس طرف سے آ رہی ہے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے سوچا۔

جاپانی عنبر کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا۔ عنبر اور جاپانی سپاہی کے درمیان صرف ترپال کا پردہ تھا۔

عنبر کو جاپانی سپاہی کے سانس لینے کی آواز تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اس طرح تو جاپانی سپاہی بھی اس کے سانس لینے کی آواز سن رہا ہوگا۔

عنبر نے کچھ دیر کے لیے سانس روک لیا۔ بدقسمتی سے ایک کالی بلی میاؤں میاؤں کرتی نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر آ گئی۔

جاپانی سپاہی نے اسے پچکار کر اپنے پاس بلا لیا۔

بلی میاؤں میاؤں کرتی جاپانی کے پاؤں میں آ کر لوٹنے لگی۔

اچانک بلی کو کسی دوسرے کی موجودگی کا بھی احساس ہوا۔ اس نے منہ اوپر اٹھا کر گردن چاروں طرف گھمائی۔

میاؤں کیا اور پھر اچھل کر ترپال کی دوسری جانب جہاں عنبر چھپا تھا آ گئی۔ اب بلی بالکل عنبر کے سامنے کھڑی اسے تک رہی تھی اور ہولے ہولے غرانے لگی تھی۔

ایسے لگتا تھا کہ اسے کسی اجنبی کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔

”توشی! توشی! ادھر آؤ“۔

جاپانی سپاہی نے اسے آواز دی۔ بلی تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔

عنبر پریشان سا ہو گیا۔ اب اسے چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جاپانی اس طرف آ سکتا تھا۔

آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ بلی زور سے غرائی۔ اب جاپانی کو بھی خطرے کا احساس ہوا۔

وہ جلدی سے اٹھا اور ترپال کی دوسری جانب آ کر بلی کو دیکھنے لگا۔ مگر بلی پر اس کی نظر بعد میں گئی۔

پہلے اس کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔ وہ ٹھٹکا حیران سا ہوا اور مشین گن چلانے ہی والا تھا کہ عنبر نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی۔ بلی غراتے ہوئے بھاگ گئی۔

جاپانی کی لاش عنبر نے ترپال کے پیچھے چھپا دی۔

پھر اس کی وردی اتار کر خود پہنی۔

سر پر جاپانی ٹوپی پہن کر اس کا چھجا نیچے جھکا لیا کہ کوئی آسانی سے پہچان نہ سکے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جاپانی زبان تو وہ روانی سے بول ہی لیتا تھا۔ مشین گن ہاتھ میں لے کر عنبر سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔

نیچے اسے کوئی انسان دکھائی تو نہ دیا۔ تنگ سا راستہ تھا جس کی دونوں جانب دو کیبن تھے۔

ان کے دروازے بند پڑے تھے۔ عنبر سیدھا انجن روم کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک انجینئر انجن کے پینل کے سامنے بیٹھا سو رہا تھا۔

عنبر نے اس کو دبوچ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ جاپانی انجینئر آنکھیں کھولے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ عنبر انجن چلانا جانتا تھا۔

اب وہ سوچنے لگا کہ انجن چلائے یا نہیں؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کیونکہ انجن چلانے سے وہاں شور پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن عنبر اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس وقت سارے سٹیمر پر اس کا قبضہ تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟۔

پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ کم رفتار پر انجن کو سٹارٹ کر دے تو اس کی آواز زیادہ دور تک نہیں جا سکتی۔

ویسے بھی یہ سٹیمر دوسرے سٹیمروں سے جہازوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

عنبر نے اسی فیصلے پر عمل کیا۔ اس نے انجن کی سپیڈ کو آخری نقطے پر لا کر بٹن دبا دیا۔

بڑی ہلکی ہلکی گرٹ گرٹ کی آواز آئی اور سٹیمر نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔

عمبر نے اسے دائیں طرف موڑ دیا۔ رات کے اندھیرے میں سٹیمر چلتا ہوا سمندر کے اس علاقے میں آ گیا جہاں چٹانیں تھیں اور ایملی وغیرہ چھپے ہوئے تھے۔

انہوں نے غار میں بیٹھے بیٹھے جب سٹیمر کی دھیمی دھیمی آواز سنی تو وہ بھاگ کر غار سے باہر آ گئے۔

سچ مچ ایک چھوٹا سٹیمر سمندر میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

عمبر نے انجن بند کر دیا۔

ایملی، تھامس اور ہوا باز نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتے ہوئے سٹیمر تک آ گئے۔

انہوں نے ڈیک پر عمبر کو دیکھ لیا تھا۔ عمبر نے سیڑھی لٹکا دی۔ یہ سب کے سب سیڑھی پر چڑھ کر اوپر ڈیک پر آ گئے۔

ہوا باز نے عجیب نظروں سے عمبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"عمبر! تم نے کمال کر دیا۔ واقعی کمال کر دیا"۔

عمبر نے کہا۔

"اب جلدی سے نیچے آ جاؤ۔ ڈیک پر جاپانی ہمیں دیکھ لیں گے"۔

سب نیچے آ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک جاپانی سپاہی کو دیکھا جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور منہ پر کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔

ایملی نے پوچھا۔

"اسے یہاں کیوں رکھا ہوا ہے عمبر؟"۔

"اسے ابھی سمندر میں پھینکتے ہیں"۔

جاپانی سپاہی نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ عمبر نے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سٹیمر کا انجن چلا دیا تھا۔

ابھی تک سٹیمر ہلکی رفتار پر چلا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں ساحل سے دور ہو رہے تھے۔

خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ وہ چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ سارا سمندر جاپانیوں کے قبضے میں تھا۔

ہوؤباتر، تھامس اور عنبر کمپاس اور نقشہ لے کر کیبن میں بیٹھے غور کر رہے تھے کہ انہیں کس طرف سے سٹیمر کو بچا کر لے جانا چاہیے۔

ہوؤباتر کہہ رہا تھا۔

"رات تھوڑی سی باقی ہے۔ ابھی کوئی دم میں دن چڑھ جائے

گا۔"

ہمیں دن چڑھنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جانا ہوگا۔ ورنہ صبح کی روشنی میں ہم بڑی آسانی سے پکڑے جائیں گے۔

تھامس نے کہا۔

"سوال یہ کہ ہمیں یہاں سے کتنی دور جانے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہوگا؟"۔

ابھی کوئی سو میل کے فاصلے پر ہم محفوظ ہوں گے۔ لیکن ایک بات کا خیال ہمیں ہر وقت رکھنا ہوگا کہ اس جزیرے پر جاپانیوں کا ہوائی اڈہ بھی ہے۔

جہاں ان کے تین چار جہاز اور ایک ہیلی کاپٹر موجود ہے۔ انہیں صبح پتہ چل جائے گا کہ سٹیمر غائب ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر کے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ذریعے اس کی تلاش میں نکلیں گے۔ چنانچہ وہ سمندر میں کسی مقام پر بھی ہمیں آلیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تو ہم ہر وقت خطرے میں ہوں گے"۔

"بے شک! جاپانی بمبار جہاز سمندر میں سو میل کے فاصلے پر بھی آ کر ہم پر بمباری کر کے ہمیں تباہ کر سکتے ہیں"۔

تھامس نے کہا۔

"چاہے کچھ بھی ہو ہمیں سٹیمر پر ہی سفر کرنا ہوگا"۔

ایملی نے کہا۔

"ہم کو رفتار تیز کر دینی چاہیے"۔

"ہم جتنی بھی رفتار تیز کر لیں، صبح ہوتے تک اس جزیرے سے زیادہ دور نہیں ہوں گے"۔

عنبر نے آخر میں کہا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں انجن کو پوری رفتار پر چھوڑ رہا ہوں"۔

اور اس نے انجن کو پوری رفتار پر کر دیا۔

سٹیمر سمندر کے پانی کو چیرتا ہوا تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اب رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ سٹیمر سمندر میں آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

آخر سورج نکل آیا۔ سمندر پر چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"کاش! اس کی رفتار زیادہ ہو سکتی"۔

تھامس نے کہا۔

"اگر جاپانی جہاز لے کر آ گئے تو ہم طیارہ شکن گولیوں سے انہیں مار گرائیں گے"۔

ہوا باز بولا۔

"تھامس صاحب! جاپانیوں کی توپ سے نکلا ہوا ایک ہی گولہ ہمارے سٹیمر کو سمندر کی تہہ میں بٹھا دے گا"۔

ادھر کی سنیے۔

صبح ہوئی تو جاپانیوں نے دیکھا کہ ایک سٹیمر غائب ہے۔ فوراً خطرے کا الارم بج گیا۔

اسی وقت ہیلی کاپٹر اڑا دیا گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اب خطرے زیادہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کا سٹیمر دوربین کے ذریعے دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ہم جزیرے سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ کم بخت یہاں سے وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں"۔

ہوا باز دوربین لگائے پہلے دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی جاپانی سٹیمر ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا؟ اوپر آسمان پر بھی کوئی ہوائی جہاز نہیں تھا۔

ہوا باز کو ساحل پر جاپانیوں کے بحری جہاز دوربین سے صاف نظر آ رہے تھے۔

اس نے دوربین عنبر کو دیتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے ہیلی کاپٹر کی آواز ایملی نے سنی۔ اس نے شور مچا دیا۔

"جاپانی آ گئے"۔

بندھا ہوا جاپانی یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ کیونکہ اب وہ آزاد ہو جائے گا۔

ہوا باز، عمبر اور تھامس نے ایملی کی چیخ و پکار سنی تو جلدی سے ڈیک پر آ گئے۔

آسمان پر دیکھا تو دور ایک فوجی جاپانی ہیلی کاپٹر ان کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔

"جاپانی آ گئے۔ توپ کا منہ اوپر کر دو"۔

ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے جاپانیوں نے بھی سٹیمر کو دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے رفتار تیز کر دی اور سٹیمر کے سر پر آ کر دو چکر لگائے اور تین بم نیچے گرا دیے۔

خوش قسمتی سے ایک بھی بم سٹیمر پر نہ گرا۔ بم پانی میں گرے جہاں ہلکے ہلکے دھماکے ہوئے اور پانی اچھل کر سٹیمر کے ڈیک پر گرا۔

یہ دستی بم تھا۔

ہیلی کاپٹر سے سٹیمر پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیوں نے سٹیمر کی چھت کے پرخچے اڑا دیے۔

ایک مستول گر پڑا۔ فرش دو جگہوں سے اکھڑ گیا۔ نیچے سے ہوا باز نے طیارہ شکن توپ چلانی شروع کر دی۔

اس گن کی لمبی گولیاں ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں جا کر لگیں

PDF By
princefdhump@urdufanz.com

اور اس میں سوراخ ہو گیا۔

ہیلی کاپٹر اوپر کو اڑا۔ توپ میں سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ اور نکل کر ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں دائیں پہلو پر لگی۔ اس جگہ پٹرول کی ٹینکی تھی۔

ٹینکی پھٹ گئی اور ہیلی کاپٹر کو آگ لگ گئی۔

ہیلی کاپٹر شعلہ بن کر سمندر میں گر پڑا۔

ایملی اور تھامس نے تالیاں بجائیں۔

بندھے ہوئے جاپانی کا منہ لٹک گیا۔ سٹیمر سمندر میں چلتا رہا۔

""آخر ہم نے اسے مار گرا دیا"۔

ایملی نے خوش ہو کر کہا۔

عنبر بولا۔

"وہ پھر آئیں گے۔ اور اس دفعہ وہ ہوائی جہاز لے کر آئیں گے اور ان کے بم بھی بڑے ہوں گے۔ شاید وہ بم اس سٹیمر کو اپنے ساتھ ہی سمندر کے نیچے لے جائے۔ اس لیے ہمیں زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ سوچنا چاہیے کہ کیا کریں؟"۔

ہوا باز نے کہا۔

"عنبر! ہم سوائے سٹیمر کو سمندر میں چلائے رکھنے کے اور کیا کر سکتے ہیں!"۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ سٹیمر چلتا رہنا چاہیے"۔

اور جہاز چلتا رہا۔

لیکن ہیلی کاپٹر کے حادثے کے کوئی آدھ گھنٹے بعد ہی نیلے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آسمان پر ایک جاپانی بمبار طیارہ غوطہ مار کر نکل گیا۔

گڑگڑاہٹ کی زوردار گرج سنائی دی اور جیمز نے ڈیک پر آ کر ہواباز سے کہا۔

"طیارہ شکن توپ تیار رکھو۔ جاپانی طیارہ دوسری بم گرائے گا"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ پہلی بار جاپانی جہاز نے جھک کر غوطہ لگایا تھا اور نشانہ دیکھا تھا۔

اب وہ دوسرے غوطہ لگا کر آیا اور سٹیمر کے اوپر سے گزرتے ہوئے بم گرا کر نکل گیا۔ بم کافی بڑا تھا مگر خوش قسمتی سے سٹیمر سے کافی فاصلے پر جا کر گرا۔

سمندر میں ایک زبردست دھماکہ ہوا اور پانی کئی سوفٹ اچھل کر رہ گیا۔

سٹیمر جھولنے لگا۔

جاپانی جہاز ایک بار پھر آ رہا تھا۔ جیمز نے ایملی اور تھامس کو نیچے پہنچا دیا تھا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

جمی! توپ کا منہ اوپر کرو۔ جہاز آ رہا ہے۔ جانے نہ پائے"۔

جمی ہواباز بننے سے پہلے طیارہ شکن توپ کا کورس بھی پورا کر چکا تھا۔

اس کا نشانہ بڑا درست تھا۔ جاپانی جہاز غوطے میں چلا آ رہا تھا۔ جب وہ سٹیمر کے اوپر سے گزرا تو ہواباز جمی نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

گولیاں سیدھی جہاز کے پروں پر جا کر لگیں اور پٹرول کی ٹنکی میں آگ لگ گئی۔

جاپانی جہاز سیدھا آگ کا شعلہ بن کر سمندر میں غرق ہو گیا۔ ایملی، ہواباز جمی اور تھامس بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم یہ بلا تو دور ہوئی۔

باقی جو کچھ ہو گا اس سے بھی نمٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ جاپانی بمبار جہاز کو گرا لینا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ ورنہ اس کا ایک بم سٹیمر پر پڑ جاتا تو سٹیمر کے ان سب لوگوں پرخچے اڑ جاتے۔ اب ان کا سٹیمر کافی دور کھلے سمندر میں نکل آیا۔

جزیرہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

عنبر نے ہواباز سے اپنے اس خیال کو ظاہر کیا کہ شاید جاپانی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اب تعاقب نہ کریں کیونکہ وہ چھوٹے سٹیمر کے لیے پہلے ہی ایک ہیلی کاپٹر اور ایک جہاز کی قربانی دے چکے ہیں۔

”تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جاپانی جاپانی ہوتے ہیں۔ تم ان کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ وہ ایک سٹیمر کے لیے اپنی ساری نیوی تباہ کرا سکتے ہیں مگر اس سٹیمر کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہاں۔ وہ اپنی مرضی سے اسے چھوڑ دیں تو الگ بات ہے“۔

آدم خور

جزیرہ بہت دور رہ گیا تھا۔

عنبر جی اور تھامس کیبن میں نقشہ لے کر بیٹھے تھے۔ ایملی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔

انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان کے پاس سٹیمر میں ہفتے بھر کی خوراک موجود ہے۔

یعنی اگر وہ دن میں ایک بار کھانا کھائیں اور صبح شام دو دو

PDF By princepfdhump@urdufanz.com

بسکٹ اور پانی پر گزارہ کریں تو چودہ دن بھی نکال سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ دن میں صرف ایک بار یعنی دوپہر کو کھانا کھائیں گے۔

پانی کے دو بڑے ڈرم پڑے تھے۔ یہ پانی بڑی آسانی سے دس پندرہ دن تک کام دے سکتا تھا۔

ایملی کھانا لے کر آئی تو وہ لوگ نقشے پر جھکے ہوئے تھے۔ عنبر کہہ رہا تھا۔

"ہم سوائے آسٹریلیا کے اور کسی طرف نہیں جا سکتے۔ وہی ایک ملک ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے"۔

ہوا باز نے کہا۔

"ہمارا ایک طیارہ بردار جنگی جہاز اس سمندر میں پھر رہا ہے۔

افسوس کہ اس سٹیمر میں وائرلیس سیٹ نہیں ہے۔ ورنہ ہم جہاز سے ملاپ کر سکتے تھے۔ اسی جہاز سے میں اپنا طیارہ لے کر اڑا تھا"۔

تھامس نے کہا۔

"کم بخت اس سٹیمر پر وائرلیس سیٹ کون اٹھا کر لے گیا"۔

عمبر بولا۔

"اب یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس سٹیمر کا وائرلیس سیٹ مرمت ہونے کے لیے گیا ہوا تھا"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک وہ جاپانی سپاہی اندر داخل ہوا جس کی مشکیں کس کر انہوں نے کیبن میں ڈال رکھا تھا۔ اس جاپانی نے کسی طرح سے اپنی مشکیں کھول لی تھیں اور

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پتلون کے اندر چھپایا ہوا خفیہ پستول نکال کر ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

"ہینڈز اپ!"۔

جاپانی نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

عمبر نے خالص جاپانی زبان میں کہا۔

"تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو۔ تم ہم میں سے زیادہ سے زیادہ ایک آدمی کو ہلاک کر سکو گے۔ باقی تم پر قابو پالیں گے اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

جاپانی سپاہی نے چونک کر عمبر کی طرف دیکھا۔

"تم جاپانی جانتے ہو؟ کیسے؟"۔

"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ بہر حال تمہاری بھلائی اسی

میں ہے کہ پستول میرے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تم ہمارے قیدی ہو گے"۔

"جاپانی نے غرا کر کہا"۔

"تم ذلیل دشمن ہو۔ میں خود بھی مر جاؤں گا مگر تم کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تم میں سے ایک کو مار کر مروں گا"۔

عنبر جاپانی کے سامنے آ گیا۔

"تو پھر یہ لو۔ مجھے ہلاک کر لو"۔

عنبر جاپانی کی طرف بڑھتا گیا۔

جاپانی پیچھے ہٹا۔

"رک جاؤ۔ میں گولی مار دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"مارو گولی۔ مارتے کیوں نہیں۔ ذلیل، بزدل، کمینے!"۔

عنبر دراصل جاپانی کو تاؤ دلا رہا تھا۔ اور یہی ہوا جاپانی نے غصہ کھا کر پستول کا فائر کر دیا۔

ہوا باز جمی نے چھلانگ لگا کر جاپانی کو دبوچ لیا۔ اور پستول چھین لیا۔

پھر وہ پریشانی کے عالم میں عنبر کی طرف لپکا۔

"کاش! عنبر تم اپنی جان ہم پر قربان نہ کرتے۔"

آہ! تم نے یہ کیا کر دیا۔

کیونکہ ہوا باز جمی کی آنکھوں کے سامنے جاپانی کے پستول سے نکلی ہوئی گولی عنبر کے سینے میں لگی تھی۔

اب جو وہ دیکھتا ہے تو عنبر اس کے سامنے بڑے سکون سے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کھڑا مسکرا رہا ہے۔

پھر اس نے جھک کر فرش پر گری ہوئی وہ گولی اٹھائی جو اس کے سینے پر لگی تھی اور پھر نیچے گر پڑی تھی۔

ہوا باز جی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ایملی اور تھامس کو حیرانی نہیں تھی۔

کیونکہ اس سے پہلے وہ عنبر کا یہ کرشمہ دیکھ چکے تھے۔ ہوا باز جی نے جاپانی کو کرسی کے ساتھ باندھ دیا۔

جاپانی بھی عنبر کو تعجب کے ساتھ تک رہا تھا کہ اس پر گولی کا اثر کیوں نہیں ہوا۔

ہوا باز جی عنبر کے قریب آ گیا۔ اس نے عنبر کے سینے پر وہ جگہ دیکھی جہاں گولی لگی تھی۔

وہاں یوں لگتا تھا جیسے کہیں گولی لگی ہی نہیں۔ بس قمیض پر ہلکا سا دھبے کا نشان تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بس کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس جاپانی کو سمندر میں پھینک دو۔"

یہ دوبارہ حملہ کرے گا۔ اور ضروری نہیں کہ ہر بار میں ہی اس کی گولی کا نشانہ بنوں۔

ہوا باز نے جاپانی کو کرسی سمیت اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

سٹیمر خاصی رفتار کے ساتھ بہا جا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہوا باز جی نے عنبر سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پھر پوچھا۔

"عنبر مجھے ضرور بتاؤ کہ یہ کیسے ہو گیا کہ تمہیں گولی نہیں لگی۔ کیا تم اپنے سینے میں کوئی لوہے کی چادر چھپا رکھی تھی؟"۔

عنبر مسکرایا۔

"ہاں! میں نے لوہے کی چادر سینے کے ساتھ باندھ رکھی تھی"۔

ہوا باز نے کہا۔

"نہیں نہیں تو جھوٹ بول رہے ہو۔ ایسا نہیں تھا۔ میں نے خود دیکھا تھا۔ تمہاری قمیض کے اندر کچھ نہیں تھا۔ کیا تم مجھ پر یہ راز افشا نہیں کرو گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"یہ ایک راز ہے جی! گہرا راز! میں تم پر اسے ہرگز ہرگز نہیں کھول سکتا۔"

بہتر یہی ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔

ہوا باز بھی خاموش ہو گیا۔

رات آ گئی۔ سمندر پر سکون تھا۔ سٹیمر میں تیل انہوں نے چیک کر لیا تھا۔

تیل زیادہ سے زیادہ تین دن اور چل سکتا تھا۔ انہیں سب سے بڑی پریشانی یہی تھی کہ جب تیل ختم ہو گیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟۔

ظاہر ہے پھر سٹیمر سمندر میں لہروں کے رحم و کرم پر ہوگا اور

لہریں اسے واپس بھی لے جا سکتی ہیں۔

دن نکل آیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ نقشے کے حساب سے وہ بالکل ٹھیک جا رہے تھے۔

دوسرا دن بھی گذر گیا۔ تیل ختم ہونے کا غم برابر بڑھ رہا تھا۔

تیسرا دن گذرنے لگا۔ وہ ڈیک پر کھڑے ہو کر دور دور تک نگاہ دوڑاتے کہ شاید کہیں کوئی اپنا جہاز نظر آ جائے۔ ہوا باز جمی کو امید تھی کہ امریکہ کا طیارہ بردار جنگی جہاز ان سمندروں میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔

کیونکہ وہ اسی سمندر میں گشت لگا رہا تھا۔ سارا دن گذر گیا۔ نہ زمین کا کنارہ دکھائی دیا اور نہ کوئی بحری جنگی جہاز ہی نظر آیا۔

شام کے وقت سٹیمر کے انجن کے جھٹکے کھانے شروع کر

دیئے۔

جمی، تھامس اور عنبر نے ایک دوسرے کی طرف پریشانی سے دیکھا۔

سب کے چہرے پر ایک ہی خیال تھا کہ تیل ختم ہو رہا ہے وہ انجن کے پاس گئے۔

ٹینکی کھول کر دیکھی۔ تیل صرف اتنا رہ گیا تھا کہ وہ سمندر میں زیادہ سے زیادہ چھ سات میل تک جا سکتے تھے۔

اور وہی ہوا۔ ساتویں میل پر جا کر سٹیمر نے غڑاپ غڑاپ کی دو تین آوازیں نکالیں اور اس کا انجن بند ہو گیا۔

انجن کے بند ہوتے ہی سٹیمر کھڑا ہو گیا۔ اور سمندر کی لہروں پر ڈولنے لگا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"یہ تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔ اس کا افسوس کرنا فضول ہے"۔

ہوشباز جمی نے کہا۔

تھامس بولا۔

تمہارا خیال بالکل درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ اب کیا ہو گا۔ اس سٹیمر پر اب ہمارا اختیار نہیں ہے۔ اس پر اب سمندر کی لہریں حکومت کریں گی۔

یہ جس طرف بھی جائے گا۔ ہمیں اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔ اگر ہم اسے اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہیں تو نہیں چلا سکیں گے۔

ایملی بہت غم زدہ تھی۔

اس نے آہ بھر کر کہا۔

"کہیں یہ سمندر ہمیں اپنے اندر گم تو نہیں کر لے گا؟"۔

تھامس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"دل ہلکا نہ کرو ایملی! اگر خدا نے ہماری زندگی ابھی لکھی ہے تو یہ سمندر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

جمی نے دوربین لگا کر سمندر میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی پھر اس نے سر کو دو تین بار نا امیدی سے ہلا کر دوربین عنبر کو تھما دی۔

عنبر نے دوربین لگا کر دیکھا۔

چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ امید کی کوئی کرن کسی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

رات کا کھانا تو وہ کئی روز سے نہیں کھا رہے تھے۔ ایملی نے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بغیر دودھ کے چائے بنائی۔ دو دو بسکٹ ہر ایک کے لیے پلیٹ میں رکھے اور میز پر لا کر رکھ دیے۔

چاروں نے مل کر بڑی بے دلی سے چائے پی اور بسکٹ کھائے سٹیمر سمندر میں لہروں پر ایک طرف بہا چلا جا رہا تھا جمی نے کمپاس یعنی قطب نما جیکٹ کی جیب سے نکال کر دیکھا اور کہا۔

”ہم اصلی راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت ہم قطب شمالی سے تین ڈگری نیچے کی طرف جا رہے ہیں“۔

تھامس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

بھائی چاہے جتنی ڈگری نیچے ہو جائے اب تو ہم ان لہروں کے رحم و کرم پر ہیں۔

یہ جدھر لے جائیں ادھر ہی جانا پڑے گا۔ دعا کرو کہ یہ

ہمیں واپس جاپانیوں کے جزیرے میں نہ لے جائے۔

جمی بولا۔

”ادھر یہ سٹیمر نہیں جا رہا۔ کم ام کم میرا قطب نما تو یہی کہہ رہا ہے“۔

کچھ دیر ڈیک پر بیٹھا سمندری ہواؤں میں زمین کی خوشبو سونگھنے میں ناکام کوشش کرتا رہا۔

پھر وہ نیچے آ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ سٹیمر لہروں پہ جھکولے کھا رہا تھا جس کی وجہ سے ایملی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔

رات آدھی گزر گئی ہو گی کہ عنبر کیبن سے نکل کر اوپر ڈیک پر آ گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

دوربین اس کے پاس تھی۔ اس نے رات کو دوربین میں سے دیکھنے کی کوشش کی۔

اسے کچھ نظر نہ آیا۔ دوربین اس نے گلے میں لٹکائی اور جھک کر سمندر میں تکنے لگا۔

لہریں سٹیمر کو ایک طرف جھکائے بہائے لیے جا رہی تھی۔ عنبر کو اس وقت ناگ اور ماریا کا خیال آ گیا۔ وہ انہیں یاد کر کے اداس ہو گیا۔

ناگ کہاں ہوگا؟۔

ماریا کہاں ہوگی؟۔

کم بخت میں کن لوگوں میں آ کر پھنس گیا ہوں۔ اب ان کو اکیلا چھوڑ ابھی نہیں جا سکتا یہ تو مر جائیں گے۔

یہی سوچتے سوچتے عنبر نیچے آ گیا۔ ایملی کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔

عنبر نے اسے ایک دوائی پلائی جس کے بعد اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

سمندر میں ان کو سفر کرتے دس روز ہو گئے تھے۔ آسمان پر بادل آ گئے اور بارش ہونے لگی۔

انہوں نے پانی کے خالی ڈرم لا کر ڈیک پر رکھ دیئے۔ موسلا دھار بارش نے ڈرم بھر دیئے۔ وہ انہیں اٹھا کر نیچے لے گئے۔

رات کو تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ جن کی وجہ سے سٹیمر نے جھکولے کھانے شروع کر دیئے۔

تھامس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"لنگر پھینک دو۔ رولنگ ختم ہو جائے گی"۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں سمندر بڑا گہرا ہے۔ لنگر کسی جگہ نے ٹک سکے گا"۔

ساری رات طوفان شور مچاتا رہا۔

دن چڑھا تو طوفان تھم چکا تھا۔ دن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ دور ایک کالی لکیر نظر آ رہی ہے۔

جمی نے خوش ہو کر چلا کر کہا۔

"زمین آ گئی! وہ دیکھو سامنے کالی لکیر"۔

عنبر، تھامس اور ایملی نے بھی شوق سے اس کالی لکیر کو دیکھا۔

عنبر بولا۔

"کیا معلوم یہ دشمن کا جزیرہ ہے یا دوست کا!"۔

تھامس نے کہا۔

"نقشے پر اس جزیرے کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ خدا جانے یہ جزیرہ مونگے کا ہے یا چٹانیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ سمندر سے سر نکالے کھڑی ہیں"۔

جواباز جمی کہنے لگا۔

"دوپہر تک ہم اس کالی لکیر کے پاس پہنچ جائیں گے"۔

دوپہر کے وقت لکیر کافی صاف ہو گئی تھی۔ سٹیمر کو لہریں اس جزیرے کی طرف بڑی تیزی سے بہائے لیے جا رہی تھیں۔ اب انہیں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ سٹیمر ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گا۔

سیاہ لکیر اب درختوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یہ کسی جزیرے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کے درخت تھے جو کنارے کنارے دور تک چلے گئے تھے۔

چٹانیں دور پرے رہ گئی تھیں۔ سٹیمر ساحل کے ساتھ ساتھ اگی ہوئی اونچی اونچی دلدلی جھاڑیوں میں جا کر رک گیا۔ وہ ذرا ٹیڑھا ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں اترنے سے پہلے اطمینان کر لینا ہو گا کہ اس جزیرے پر کون لوگ رہتے ہیں"۔

جمی نے کہا۔

"یہ کس طرح معلوم کیا جائے؟ مجھے تو اس کا ویران ساحل دیکھ کر یقین سا ہو رہا ہے کہ یہاں کوئی انسان آباد نہیں ہے"۔

تھامس بولا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"اتنا زرخیز اور درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ کبھی بے آباد نہیں ہو سکتا۔ یہاں آدمی ضرور رہتے ہوں گے چاہے وہ آدم خور ہی کیوں نہ ہوں"۔

"آدم خور!"۔

ایملی نے چیخ مار کر کہا۔

جمی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ایملی بہن! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان علاقوں میں آدم خوروں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ بے فکر رہو"۔

ایملی نے سہم کر کہا۔

"آدم خوروں کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ میں نے پڑھ رکھا ہے کہ

وہ اس قسم کے جزیروں پر ہوتے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کس قسم کے جزیروں پر؟"۔

ایملی ڈرتے ڈرتے بولی۔

"اس قسم کے جزیروں پر کہ جہاں سمندری طوفان کے بعد جہاز کنارے پر لگتا ہے اور وہاں آدم خور نکل کر انہیں ہڑپ کر جاتے ہیں"۔

جمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

تھامس کو اس وقت جمی کا قہقہہ بڑا ناگوار گذرا۔ عنبر نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت جمی کو خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان بے چاروں کی جان پر بنی تھی اور وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ لیکن بعد میں جمی نے بتایا کہ وہ قہقہے لگا کر نفسیاتی طور پر ان کے سر کا بوجھ ہلکا کر رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ہمارا سٹیمر اسی جگہ رہے گا۔ آپ لوگ بھی یہیں ٹھہریں میں جزیرے میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں"۔

خبردار! کوئی شخص سٹیمر سے اترنے کی کوشش نہ کرے۔ میں جلد واپس آؤں گا۔

عنبر سیڑھی سے اتر کر نیچے جھاڑیوں کی دلدل میں سے گذرتا ساحل سمندر پر آ گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جمی کا خیال ٹھیک تھا۔ سمندر کا کنارا بالکل ویران تھا۔ کہیں کوئی چوہا تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

جہاں سمندر ختم ہوتا تھا وہاں سے ریتلا جیسا علاقہ شروع ہوتا تھا جو کچھ دور تک چلا گیا تھا۔

آگے درختوں کی قطاریں تھیں اور پھر گھنا جنگل۔ عنبر بھاگ کر ریتلے ساحل سے گذر گیا۔ اس خیال سے اگر جزیرے پر دشمن نے اپنی چوکی بنا رکھی ہے تو اس کی نظر نہ پڑ جائے۔

درختوں کے نیچے آ کر عنبر کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔

بڑی خاموشی تھی۔ درختوں پر کوئی پرندہ بھی نہیں تھا۔ جنگل میں بہت بڑے بڑے درخت تھے۔ جھاڑیاں جگہ جگہ اگی تھیں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پھولوں والی بیلیں درختوں کے اوپر چڑھ گئی تھیں۔

یا خدا! اس جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے کہ نہیں؟۔

عنبر دل میں یہ سوچتا ہوا جنگل کے کنارے چل نکلا۔

جنگل آگے جا کر صاف ہوتا گیا۔

اب ایک چھوٹا سا میدان نظر آیا جس کے ارد گرد گھنے درخت تھے۔ وہاں کچھ جھونپڑے بنے تھے مگر وہاں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

عنبر ایک درخت کے پیچھے چھپا کھڑا تھا۔ اس نے سوچا ضرور یہ یہاں کے جنگلی لوگ ہیں۔

وہ دوسری طرف سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔ کچھ دور جانے پر اس نے ایک آواز سنی۔ یہ آواز کسی جانور کی تھی۔ عنبر نے کان لگا

کر اس آواز کو دوبارہ سننے کی کوشش کی مگر وہ آواز پھر سنائی نہ دی۔

عمبر جزیرے کی دوسری طرف نکل آیا تھا۔

یہاں سامنے سمندر نظر آنے لگا۔ کنارے کنارے ناریل کے درختوں کے جھنڈ پھیلے تھے۔

عمبر سمجھ گیا کہ یہاں دشمن کا کوئی اڈہ نہیں ہے۔ صرف جنگلی قسم کے لوگ رہتے ہیں جو شکار اور جنگلی پھل پر گذارہ کرتے ہوں گے۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ واپس اس مقام کی طرف چلنے لگا جہاں سٹیمر کھڑا تھا۔

اچانک اسے آسمان پر دھواں سا اٹھتا نظر آیا۔ یہ دھواں کیسا ہے؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

شاید کسی جنگلی نے آگ جلا رکھی ہے۔ مگر دھواں ٹھیک اس جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ جہاں ان کا سٹیمر کھڑا تھا۔

عمبر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ دوڑنے لگا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اصل بات کیا ہے۔

کہیں جنگلی لوگوں نے ان کے سٹیمر کو آگ تو نہیں لگا دی؟۔

اور ایسا ہی ہوا تھا۔ یعنی جب وہ قریب گیا تو دیکھا کہ ان کا سٹیمر سمندر کنارے دھڑ دھڑ جل رہا ہے۔

عمبر بھاگ کر اس جگہ پہنچا جہاں اس نے جمی، تھامس اور ایملی کو چھوڑا تھا۔

تینوں وہاں سے غائب تھے۔ یا خدا یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ کہیں وحشی جنگلی تو اٹھا کر نہیں لے گئے؟ مگر جنگلی لوگوں کو کیا

ضرورت پڑی ہے انسانوں کو اٹھانے کی؟۔

کہیں یہ جنگلی آدم خور تو نہیں؟۔

عنبر اس خیال سے کانپ اٹھا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ بڑی بھیانک بات ہوگی۔

تھامس، اصلی اور جمی کو آدم خوروں سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ عنبر نے جھک کر ریت پر قدموں کے نشان دیکھے یہاں بہت سے انسانوں کے ننگے پاؤں کے نشان تھے۔

سٹیمر جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ اب صرف اس کے بچے کھچے ٹکڑوں سے دھواں نکل رہا تھا۔

عنبر قدموں کے نشان پر چل پڑا۔ یہ نشان جنگل میں چلے گئے تھے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر قدموں کے نشانوں کا سراغ لیتا جنگل میں داخل ہو گیا۔

جنگل میں گھاس کی وجہ سے عنبر زمین پر پاؤں کے نشان پہچان نہ کر سکتا تھا۔

پھر بھی وہ اندازے کے مطابق چلتا رہا۔

اس کا رخ اس میدان کی جانب تھا جہاں درختوں کی گھنی چھاؤں میں اس نے کچھ جھونپڑے دیکھے۔

عنبر کا خیال تھا کہ ضرور آدم خور وحشی اس کے ساتھیوں کو انہی جھونپڑوں میں لے کر گئے ہیں۔

چلتے چلتے جب وہ جھونپڑیوں کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔

جگہ ویسی ہی ویران تھی عنبر نے جھونپڑوں کے اندر جا کر

دیکھا۔

سارے جھونپڑے خالی تھے۔ کہیں کہیں مٹی کے مٹکے پڑے تھے یا زمین پر گھاس کی چٹائی بچھی تھی۔ وہ جھونپڑوں کے باہر آ کر زمین کو دیکھنے لگا۔

یہاں زمین پر بھی کسی جگہ پاؤں کا نشان نہ تھا۔

عنبر جھونپڑوں کے پیچھے سے ہو کر جنگل میں آ گیا۔

وہ سارا دن جنگل میں خاک چھانتا رہا۔ اسے کسی جگہ بھی اپنے ساتھیوں کا سراغ نہ ملا۔

بڑا پریشان ہوا۔ شام ہو گئی۔ جنگل میں اندھیرا پھیل گیا۔

وہاں وہ رہ نہیں سکتا تھا۔

جنگل کے باہر سمندر کے کنارے ایک ایک جگہ ریت پر لیٹ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

گیا اور آسمان پر پھیلے ستاروں کو دیکھ کر ماریا اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟۔

ادھر جمی، تھامس اور ایکی کے ساتھ ایسا ہوا کہ عنبر کے جانے کے بعد ہوا باز جمی نے غیر ذمے داری سے کام لیتے ہوئے اونچی اونچی آواز میں باتیں کرنا شروع کر دیں۔

حالانکہ عنبر انہیں اونچی آواز میں بولنے سے منع کر گیا تھا۔ لیکن جمی نے احتیاط نہ کی۔

اس کی آواز ایک جنگلی نے سن لی جو اتفاق سے جنگل کے اس علاقے میں سے گذر رہا تھا۔

وہ رک گیا۔ جزیرے پر ایک انسان کی آواز کہاں سے آ گئی؟۔

اس نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

سامنے سمندر میں ایک سٹیمر کھڑا تھا اور دو آدمی اور ایک عورت اس کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

وہ بھاگ کر اپنے سردار کے پاس گیا اور ساری کہانی سنا ڈالی۔

تھوڑی دیر بعد ہی جنگلی آدمیوں نے چھپ کر اس جگہ کو گھیرے میں لے لیا۔

جمی، تھامس اور ایملی بڑے مزے سے سٹیمر کے قریب کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے کہ سن کر کے ایک تیر آیا اور جمی کے سینے میں کھب گیا۔

وہ لڑکھڑا کر گرا اور مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی جنگلی بھاگ کر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سامنے آ گئے اور انہوں نے تھامس اور ایملی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں رسیوں سے باندھا اور اپنے ساتھ لے گئے۔

جمی کی لاش کے انہوں نے کئی ٹکڑے کیے اور آپس میں بانٹ دیے۔

تھامس اور ایملی کا دہشت کے مارے برا حال تھا۔ ایملی تو بے ہوش ہو گئی تھی۔

جنگلی آدم خوروں نے جمی کی لاش کے ٹکڑوں کو تو بھون کر کھا لیا اور تھامس اور ایملی کو جنگل میں ایک جگہ لے جا کر قید کر لیا۔

عنبر نے رات بے چینی سے گذاری۔ صبح صبح سورج کی پہلی روشنی کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور جنگل میں ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

وہ جزیرے کے اس علاقے کی طرف آ گیا جہاں وہ پہلے نہیں آیا تھا۔

ادھر چٹانیں اور چھوٹے ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں کے درمیان سمندر کا پانی آتا اور پھر واپس چلا جاتا تھا۔

عنبر ذرا آگے گیا تو ایک چٹان کے سائے میں آگ جل رہی تھی اور دو وحشی بیٹھے کچھ کھا رہے تھے۔

عنبر چھپ کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ آپس میں جنگلی زبان میں باتیں بھی کر رہے تھے۔

چونکہ عنبر ہر زبان سمجھ لیتا تھا اس لیے اس نے کان کھڑے کر کے وحشیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔

ایک وحشی کہہ رہا تھا۔

"سردار اس عورت سے شادی کر رہا ہے"۔

دوسرا بولا۔

"دوسرے آدمی کو مار کر شادی کی دعوت میں پکایا جائے گا"۔

پہلا وحشی بولا۔

"عورت خوبصورت ہے۔ کاش سردار اسے بھی ہلاک کر کے کھا جانے کا حکم دیتا۔ اس کا سفید سفید گوشت بڑا لذیذ ہوگا"۔

"بھائی اس عورت کا ساتھی بھی تو گورا ہے۔ اس کا گوشت بھی شادی والے دن مزے سے کھائیں گے"۔

"جس ساتھی کو ہم نے تیر مار کر ہلاک کیا تھا اس کا گوشت ذرا سخت تھا"۔

"سردار کس روز شادی کر رہا ہے؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"شاید کل۔۔ آج رات عورت کے ساتھی کو ہلاک کر کے اس کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ دیا جائے گا تا کہ دوسرے روز وہ خستہ ہو جائے"۔

عنبر یہ باتیں سن کر کانپ اٹھا۔ تو کیا یہ لوگ سچ مچ آدم خور ہیں؟۔

کیا انہوں نے ایک آدمی کو ہلاک کر کے ہڑپ کر لیا ہے؟۔

وہ کون ہے؟۔

جمی یا تھامس؟۔

ایملی سے سردار شادی کر رہا تھا؟۔

عنبر پریشان ہو گیا۔ اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ لوگ کس جگہ قید ہیں؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے دونوں آدم خوروں کی باتیں سنیں اور یہ پتہ کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھی کس جگہ پر قید ہیں۔ مگر ان کی باتوں سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

آخر وہ آگ بجھا کر اٹھے اور جنگل میں ایک طرف چل پڑے۔

عنبر نے پیچھے پیچھے رہ کر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ یہاں جنگل بڑا پیچیدہ تھا مگر جنگل میں پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آدم خور اس پگ ڈنڈی پر سے اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔

دن کا وقت تھا۔ سورج نکلا ہوا تھا مگر گھنے جنگل کی وجہ سے سورج کی روشنی بہت کم اس جگہ آ رہی تھی۔

اچانک چلتے چلتے ایک وحشی رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عنبر جلدی سے ایک جگہ چھپ گیا۔

دوسرے نے پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“۔

پہلا وحشی تھوتھنی سکیڑ کر فضا میں سانس بھر کر بولا۔

”مجھے کسی اجنبی انسان کی بو آ رہی ہے“۔

دوسرا وحشی ہنسا۔

”ارے ان انسانوں کی بو آ رہی ہوگی جنہیں سردار نے قید کر رکھا ہے۔ چلو چل کر ان کا حال معلوم کرتے ہیں“۔

دوسرا وحشی سر کو جھٹک کر چلنے لگا۔

عنبر نے سوچا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

دیکھو اس کم بخت وحشی آدم خور کی حس کتنی تیز ہے کہ اتنی دور سے گھنے جنگل میں اس نے عنبر کی بو سونگھ لی۔

عنبر نے دوبارہ تعاقب شروع کر دیا۔ مگر اب وہ بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔

چلتے چلتے دونوں وحشی ایک ٹیلے کے دامن میں آ گئے۔ عنبر نے دیکھا کہ یہاں ایک بہت بڑی جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ ضرور اس میں قبیلے کا سردار رہتا ہوگا۔

دونوں وحشی جھک کر جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ پھر کسی طرف سے تین وحشی اور آ گئے اور وہ بھی جھونپڑی میں چلے گئے۔ ایک جانب سے دو عورتیں آ گئیں۔

ان کے ساتھ ایملی بھی تھی۔ عنبر ٹھٹک گیا۔ ایملی کے دونوں

ہاتھ پیٹھ پر لے جا کر رسی سے کس کر باندھ دیے گئے تھے۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ پیچھے پیچھے چار وحشی ہاتھوں میں نیزے لیے پہرہ دیتے چلے آ رہے تھے۔

ڈیملی کو بھی جھونپڑے میں لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے باہر نکالا گیا۔ اور عورتیں اسے لے کر جنگل میں ایک طرف چلی گئیں۔

عنبر سمجھ گیا کہ ڈیملی کو جنگل میں کسی جگہ قید رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح کے خاوند تھامس کو بھی قید کر رکھا ہوگا۔ مگر سوال یہ تھا کہ ان دونوں مردوں میں کون مرا تھا؟۔

جمی یا تھامس؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بس یہی ایک سوال تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔ عنبر واپس چلا گیا۔

اس نے سارا دن جنگل میں ایک ٹیلے کے سائے میں گذارا۔ وہ چاہتا تھا کہ رات کا اندھیرا پھیل جائے تو اپنی مہم شروع کرے۔

آخر خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ پھر رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف پھیل گیا۔

عنبر چھپ چھپ کر چلتا ہوا جنگل کے اس علاقے میں آ گیا جہاں اس کے خیال کے مطابق ڈیملی وغیرہ قید تھے۔

اس نے اندھیرے میں ایک روشنی کو دیکھا۔ وہ اس روشنی کی طرف چلنے لگا۔

جنگل میں یہ روشنی آگے جا کر ایک درخت کے نیچے چھوٹی سی جھونپڑی کے اندر سے آ رہی تھی جہاں شاید کوئی مٹی کا دیا روشن تھا۔

"ضرور وہ ملی اسی جگہ قید ہے"۔

عنبر جھاڑیوں میں سے ہو کر جھونپڑی کے پیچھے آ گیا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس طرح چل رہا تھا کہ چلنے سے پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ نہ ہو۔

لیکن جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے والے جنگلی وحشی بھی جنگل کے رہنے والے تھے۔

وہ دور سے ہر قسم کی آواز سن لیتے تھے۔ ایک وحشی نے کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی تو دوسرے نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"شاید کوئی جنگلی درندہ آ رہا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں اسے مار کر لاتا ہوں"۔

پہلا وحشی پہرہ دیتا رہا۔ دوسرا ادھر بڑھا جدھر عنبر جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ عنبر نے وحشی کو جھک کر آتے دیکھ لیا۔ وہ بھی چوکنا ہو گیا۔

اس نے اپنے جسم کی ساری طاقت کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ وہ پیچھے ہو گیا تا کہ وحشی آگے آ جائے۔

جونہی وحشی عنبر کے آگے سے گزرنے لگا۔ عنبر نے ایکدم سے جھاڑیوں سے نکل کر وحشی کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا منکا ٹوٹ گیا اور بغیر آواز پیدا کیے وہ گرا اور مر گیا۔

عنبر اپنے جھونپڑے کی طرف کھسکنے لگا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو

گیا تھا کہ سردار کے حکم سے ایملی کو اسی جھونپڑے میں رکھا گیا ہے۔

پاس جا کر معلوم ہوا کہ جھونپڑا چھوٹا سا ہے اور اس کے ایک سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی ہے۔

یہ سوراخ دیئے کا دھواں باہر نکلنے کے لیے رکھا گیا تھا۔ عنبر جھونپڑے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کا پاؤں ایک درخت کے گرے ہوئے تنے سے ٹکرا گیا۔

کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی۔ وحشی پہرے دار نیزہ لے کر ادھر کو دوڑا۔

عنبر پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔

وحشی نے عنبر کو سامنے دیکھا تو چیخ مارنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تھوڑی دیر بعد وحشی بے جان ہو کر زمین پر پڑا تھا۔ عنبر نے لاش کو وہیں چھوڑا اور تیزی کے ساتھ جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دیئے کی زرد روشنی میں ایملی ایک جگہ زمین پر بیٹھی ہے۔

اس کے پیر رسی سے بندھے ہیں۔ بال کھلے ہیں اور لباس بے حد میلا کچیلا ہو رہا ہے۔

اس نے عنبر کو دیکھا تو رو پڑی۔

”یہ کیا ہو گیا عنبر بھائی!“۔

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

”تھامس کہاں۔۔۔؟“

اس سے آگے وہ نہ پوچھ سکا۔

ایملی نے کہا۔

اسے ان آدم خوروں نے الگ قید میں ڈال رکھا ہے۔ جمی کو یہ لوگ مار کر کھا گئے ہیں۔

خدا جانے میرے ساتھ اور میرے خاوند کے ساتھ یہ لوگ کیا سلوک کریں گے۔

"یہ آدم خور ہیں عنبر! آدم خور ہیں۔"

عنبر نے ایملی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

فکر نہ کرو ایملی! میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جانے آیا ہوں۔ جمی کا مجھے بے حد افسوس ہے مگر اس نے بڑی غیر ذمے داری سے کام لیا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"بہرحال گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں آ گیا ہوں۔ یہ لوگ تمہارا بیاہ سردار سے کر رہے ہیں اور"۔

"میرا بیاہ؟"۔

ایملی نے حیرانی سے کہا۔

"میرا بیاہ تو ہو چکا ہے"۔

عنبر بولا۔

"یہ لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ کل رات سردار سے تمہاری شادی ہوگی اور تمہارے خاوند کے گوشت کو بھون کر مہمانوں میں تقسیم کیا جائے گا"۔

ایملی نے سر پکڑ لیا۔

"یا خدا! یہ کیا سن رہی ہوں؟"۔

عنبر بولا۔

''میں نے خودان کی باتیں سنی ہیں۔ ایملی''۔

ایملی نے کہا۔

''تم یہاں کیسے آ گئے؟''

باہر تو زبردست پہرہ لگا تھا۔ پہریدار کہاں گئے ہیں؟۔

عنبر بولا۔

''میں نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے۔ چلو میرے ساتھ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے''۔

''مگر عنبر! میں اپنے خاوند کو ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتی''۔

''خاموش ایملی! بچی نہ بنو۔ ہوش سنبھالو۔ تمہیں میرے

ساتھ جانا ہوگا''۔

میں تمہارے خاوند کو بھی ان لوگوں کے چنگل سے نکال لاؤں گا۔ چلو اٹھو یہاں سے بھاگ چلو۔

عنبر نے ایملی کو ساتھ لیا اور جنگل میں سے ہو کر باہر سمندر کے کنارے آ گیا۔

یہاں اس نے ایملی کو ایک کھوہ میں چھپا دیا اور خود آدھی رات کے وقت تھا اس کی خبر لینے نکل گیا۔ وہ پھر سردار کے جھونپڑے کے پاس پہنچا۔ وہاں گہری خاموشی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وحشی جلاد

ابھی عنبر سردار کی جھونپڑی کے پاس ہی پہنچا تھا کہ اچانک چیخ کی آواز بلند ہوئی۔

یہ کسی عورت کی نہیں بلکہ کسی وحشی کی چیخ تھی۔ جس نے عنبر کو دیکھ لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک تیر آ کر عنبر کی گردن سے ٹکرا کر نکل گیا۔

چیخ کی آواز پر سارے وحشی ہوشیار ہو گئے تھے اور انہوں نے عنبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

عنبر نے مقابلہ نہ کیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ گرفتار ہو کر ان لوگوں پر اپنی کرامت ظاہر کرے اور پھر تھامس کو چھڑائے۔ وحشی عنبر کو پکڑ کر سردار کے جھونپڑے میں لے گئے۔

کالا موٹا بدصورت سردار تھا۔

جس کا پیٹ باہر کو نکلا تھا۔ گلے میں ہڈیوں کا ہار تھا۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔

اس نے لال لال آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور گرج کر کہا۔

”یہ ضرورت اس عورت کا ساتھی ہے اسے بھی پکڑ کر قید کر لو“۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اتنے میں کسی نے آ کر بتایا کہ عورت جھونپڑے سے غائب ہے۔

بس پھر کیا تھا۔ سردار غضبناک ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ سارے جزیرے کو کھنگال ڈالا جائے اور وہ عورت جہاں کہیں بھی چھپی ہوئی ہے اسے پکڑ کر لایا جائے۔

وحشی شور مچاتے، نیزے لہراتے جنگل میں پھیل گئی۔ عنبر کو ایک جھونپڑے میں بند کر دیا گیا۔

سردار اپنے جھونپڑے میں اپنے وزیر کے ساتھ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وزیر نے بھی گلے میں ہڈیوں کا ہار ڈال رکھا تھا۔ اس نے کہا۔

”حضور! عورت کو ضرور اسی شخص نے بھگایا ہے“۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سردار نے کہا۔

”دوسرا ساتھی تو نہیں بھاگا؟“۔

وزیر بولا۔

”نہیں حضور! وہ جھونپڑے میں قید ہے“۔

سردار بولا۔

”اگر عورت نہ ملی تو میں قبیلے کے سارے بوڑھوں کو ہلاک کر کے کھا جاؤں گا“۔

وزیر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”حضور! وہ عورت ضرور پکڑی جائے گی۔ ہم نے اندازہ لگا لیا ہے۔ شاہی نجومی نے نجوم کے ذریعے حساب لگا کر بتا دیا ہے کہ وہ جزیرے کے پچھم میں ایک ٹیلے کے کھوہ میں پڑی ہے۔

ہمارے آدمی ابھی اسے نکال کر لاتے ہی ہوں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ صبح ہوتے ہوتے وحشی ایملی کو کھوہ میں سے پکڑ کر لے آئے۔

سردار نے اس کی طرف غصے سے دیکھا اور اپنی زبان میں کہا۔

"بد بخت عورت کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے آدمی تمہیں سمندر کے نیچے سے بھی تلاش کر کے لے آئیں گے۔ تو ہماری بیوی بننے والی ہے۔ بتا تجھے کس نے بھگایا؟"۔

ایملی کو کوئی خبر نہیں تھی کہ عنبر کو بھی ان لوگوں نے گرفتار کر لیا ہے

اس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"میں خود جان بچا کر بھاگی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں بھگایا"۔

سردار نے ایملی کے بال کھینچ کر کہا۔

"بکواس کرتی ہو۔ تمہارا ساتھی ہم نے پکڑ لیا ہے"۔

چونکہ ایملی ان وحشیوں کی زبان نہیں سمجھتی تھی اس لیے خاموش رہی اور رونے لگی۔

سردار نے حکم دیا۔

اسے قید میں ڈال دو اور سخت پہرہ لگا دو۔ اگر اب یہ جاگی تو میں پہرے داروں کو قتل کر دوں گا۔

وہ پہرے دار کہاں مر گئے تھے؟۔

معلوم ہوا کہ دونوں پہرے داروں کی لاشیں جھونپڑے کے پیچھے جنگل میں پڑی مل گئی ہیں۔

سردار کے غصے کی انتہا نہ رہی۔

"اس ذلیل انسان نے میرے دو آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا ہے، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"دن نکلتے ہی اس نوجوان کو سب سے پہلے ہلاک کیا جائے گا اور اس کا گوشت قبیلے میں تقسیم کر دیا جائے گا"۔

وحشی خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ کیونکہ ایک بار پھر انہیں کسی سفید انسان کا گوشت کھانے کو ملنے والا تھا۔ عنبر اپنی جھونپڑی میں قید تھا۔

تھامس دوسری جھونپڑی میں قید تھا اور ایکلی ایک الگ جھونپڑی میں ڈال دی گئی تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے اور تھامس نے وحشیوں کی چیخ و پکار سن لی تھی۔

دن نکل آیا تو سردار کی جھونپڑی کے آگے ایک تخت لا کر ڈال دیا گیا۔

سردار اس تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ سارے وحشی دائرہ بنا کر اردگرد بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے عنبر کو لایا گیا۔

عنبر نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ پہلے اسے لایا گیا تھا۔ اگر تھامس کو لایا جاتا تو وہ اسے نہیں بچا سکتا تھا اور وحشی ضرور اسے مار ڈالتے۔

عنبر نے باہر آ کر دیکھا کہ ایک تماشا لگا ہے۔

سارے وحشی دائرہ بنا کر بیٹھے ہیں۔ سردار اونچی کرسی پر بیٹھا ہے۔

اس کی بیویاں بھی ساتھ بیٹھی ہیں۔ بیچ میں ایک جگہ آگ روشن ہے اور اس پر ایک کڑھاؤ چڑھا ہوا ہے۔

عنبر سمجھ گیا کہ اسے ہلاک کر کے اس کڑھاؤ میں ڈال کر پکوڑے کی طرح تلا جائے گا۔

سردار کے وزیر نے کہا۔

"حضور! اس نوجوان کو زندہ تل دینا چاہیے۔ تاکہ اس کو سخت سزا ملے۔ پھر اس کے گوشت کو کاٹ کر کھایا جائے گا"۔

سردار نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

پھر حکم دیا کہ کڑاؤ میں تیل ڈالا جائے۔ عنبر نے ان کی بات سن لی تھی۔

وہ ان کی زبان جانتا تھا۔ سردار کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"سردار اپنے وزیر کی بات پر یقین نہ کرنا۔ مجھے تل کر نہیں بلکہ تلوار سے ہلاک کیا جائے تو بہتر ہوگا"۔

سردار چونک پڑا کہ یہ نوجوان ان لوگوں کی زبان کیسے سمجھ گیا۔

اس نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ہماری زبان کیسے سمجھ سکتے ہو؟ کیا تم پہلے بھی اس جزیرے میں آچکے ہو؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میں اس سے پہلے کبھی اس جزیرے میں نہیں آیا۔ لیکن میں سارے قبیلوں کی زبانیں جانتا ہوں اس لیے کہ میں دیوتا ہوں جو

PDF By princecofdhump@urdufanz.com

انسانوں کی شکل میں پھر رہا ہوں"۔

وحشی خاموش ہو گئے۔ سردار بھی اس کی طرف خاموشی سے تکنے لگا۔

وزیر نے آگے بڑھ کر کہا۔

حضور! یہ شخص کوئی جادوگر ہے اور چالاک ہے۔ ضرور یہ ہمارے جزیرے میں پہلے رہ چکا ہے۔

جب ہی ہماری زبان جانتا ہے۔ آپ اس کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ جادو کر کے ہمیں پریشان کر سکتا ہے۔

سردار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کی گردن اڑا دی جائے"۔

عنبر کو پکڑ کر درمیان میں کھڑا کر دیا گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر مسکرا رہا تھا۔

ایک وحشی سردار کا اشارہ پا کر تلوار لے کر آگے بڑھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر عنبر کی گردن پر پورے زور سے تلوار ماری۔

تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔

ایسے شور پیدا ہوا جیسے تلوار کسی پتھر سے ٹکرا گئی ہو۔ وحشی جلاد نے دوسری بار تلوار کا وار کیا۔ اس بار بھی تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

وحشی جلاد نے جلدی سے تلوار زمین پر سے اٹھائی اور ایک بار پھر پوری طاقت سے عنبر کے سر پر ماری۔

اب کے تلوار عنبر کے سر سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا وحشی کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا۔ اور دوسرا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔

سردار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

وزیر نے کہا۔

"حضور! یہ جادو ہے۔ یہ شخص جادوگری سے کام لے رہا ہے۔ اسے آگ میں ڈالا جائے"۔

سردار نے حکم دیا۔

"اسے آگ میں ڈال دو"۔

وحشیوں نے آگے بڑھ کر کڑاہا پرے ہٹا دیا۔ نیچے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

جلتی آگ میں اور لکڑیاں ڈالی گئیں اب شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

سردار نے حکم دیا۔

"ڈال دو اسے آگ میں"۔

وحشی عمبر کو لے کر آگے بڑھے۔

عمبر نے کہا۔

"میں خود آگ میں کود جاتا ہوں۔ تم لوگ پرے ہٹ جاؤ"۔

پھر سردار کی طرف دیکھ کر بولا۔

"سردار! میں ایک بار پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس خیال سے باز آ جا۔ کیونکہ آگ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ میں دیوتا ہوں"۔

سردار نے وزیر کی طرف دیکھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وزیر نے مکاری سے کہا۔

”سردار! یہ شخص بکواس کرتا ہے۔ آج تک آگ میں گر کر کوئی شخص زندہ نہیں بچ سکا۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے“۔

اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔

سردار نے اشارہ کیا۔

وحشی عنبر کو لے کر آگ کے الاؤ کی طرف آئے۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

وحشی آگ کی تپش سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ عنبر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بڑے اطمینان کے ساتھ آگ کے شعلوں میں چھلانگ لگا دی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ پھر وحشیوں نے خوشی سے نعرے بلند کیے اور آگ کے گرد رقص کرنے لگے۔

انہیں یقین تھا کہ یہ شخص ابھی جل کر راکھ ہو جائے گا۔ وزیر بھی بڑا خوش تھا۔

سردار بھی مسکرا رہا تھا کہ ایک شیطان سے نجات مل گئی۔

لیکن تھوڑی دیر بعد ہی سب کے رنگ زرد ہو گئے۔

شعلوں میں سے عنبر بڑے آرام سے باہر نکل آیا۔ اس کے جسم پر آگ کا کوئی نشان نہیں تھا۔

کپڑے بھی نہیں جلے تھے۔ سر کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا۔

اس نے سردار کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”سردار! میں نے آگ کی خوب سیر کی ہے۔ ابھی اور سیر

کروں گا کیا تم اپنے وزیر کو اجازت دو گے کہ وہ بھی میرے ساتھ آگ کے باغ کی سیر کرے؟"۔

سردار کی تو آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وزیر کا دم خشک ہو رہا تھا۔

عنبر نے آگے بڑھ کر وزیر کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

سردار نے کہا۔

"تم جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ تم پر آگ نے اثر نہیں کیا"۔

عنبر نے کہا۔

"میں جادوگر نہیں دیوتا ہوں۔ آگ تو جادوگروں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتی ہے"۔

کیا تمہارے قبیلے میں کوئی جادوگر ہے؟۔

اگر ہے تو اسے لاؤ اور اسے کہو کہ آگ میں اس طرح سیر کرے جس طرح میں نے سیر کی ہے۔

سردار نے کہا۔

"کیا تم ایک بار پھر آگ میں کود سکتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں؟"۔

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے آگ میں چھلانگ لگا دی۔

جب عنبر کو آگ میں گئے کافی دیر ہو گئی تو وحشیوں نے نعرہ لگایا۔

"جادوگر مر گیا! جادوگر مر گیا"۔

سردار بھی تخت پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"آخر وہ جل کر راکھ ہو گیا"۔

آگ کے شعلے مدھم پڑ گئے تھے۔ لکڑی کے انگارے دہک رہے تھے۔

اتنی تپش تھی کہ کسی کو قریب جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

اتنے میں سب لوگوں نے دیکھا کہ عنبر بڑے آرام سے اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا ہوا دہکتی آگ کے جہنم میں مسکراتا ہوا باہر نکلا اور بلند آواز میں بولے۔

"دیوتا! دیوتا! ہم پر رحم کر"۔

عنبر نے کہا۔

"اس عورت اور مرد کو لایا جائے جو قید ہیں"۔

اسی وقت ایملی اور تھامس کو باہر نکال کر سامنے لایا گیا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ عنبر نے جزیرے کے سردار اور وحشیوں کو اپنا غلام بنا لیا تو وہ بڑے خوش ہوئے اور ان کے مردہ چہروں پہ رونق آ گئی۔

اب وزیر بھی ہوش میں آ گیا تھا اور ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ مگر بڑی مکاری سے عنبر کو تک رہا تھا۔

اسے اب بھی یقین تھا کہ یہ کوئی جادوگر ہے۔

عنبر نے سردار سے پوچھا۔

"میرے گورے ساتھی کو کس نے ہلاک کیا تھا؟"۔

سردار نے کہا۔

"جن دو آدمیوں نے آپ کے ساتھی کو تیر مار کر مارا تھا۔ وہ آپ کے ہاتھوں پہلے ہی مارے جا چکے ہیں"۔

PDF By princecfdhump@urdufanz.com

عنبر سمجھ گیا کہ جن دو وحشیوں کو اس نے ایسلی کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتے ہوئے مارا تھا وہی تھے جنہوں نے جمی کو ہلاک کیا تھا۔

عنبر اور اس کے ساتھیوں کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔

عنبر نے وزیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا اب بھی تمہیں وہم ہے کہ میں جادوگر ہوں؟"۔

وزیر نے سر جھکا کر کہا۔

"دیوتا! آپ دیوتا ہیں۔ مجھے معاف کر دیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اب تک تم کتنے لوگوں کو مار کھا چکے ہو؟"۔

PDF By princecfdhump@urdufanz.com

وزیر نے کہا۔

"حضور یہاں کبھی کبھار باہر سے مسافر آتا ہے۔ ہمیں ایک مدت ہوگئی ہے کہ کسی انسان کو ہلاک کر کے اس کی دعوت اڑائی ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہ آج تمہیں ہلاک کر کے تمہاری دعوت اڑائی جائے"۔

وزیر کانپ کر عنبر کے قدموں پر گر پڑا۔

"حضور! رحم کریں۔ مجھ پر رحم کریں"۔

عنبر نے کہا۔

"تم نے جانے کتنے انسانوں کو قتل کیا ہے تم پر رحم نہیں کیا

جائے گا"۔

اس نے وحشیوں کو اشارہ کیا۔

"اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دیا جائے"۔

وحشی تو عمبر کو دیوتا سمجھ رہے تھے اور اس سے بہت ڈرتے تھے۔

انہوں نے دیکھتے دیکھتے وزیر کو اٹھایا اور آگ میں ڈال دیا۔

وزیر کی چیخ بلند ہوئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

آگ نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اب عمبر نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سردار! کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ آئندہ اس جزیرے پر کسی انسان کو نہیں مارا جائے گا"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سردار نے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا اور کہا۔

"عظیم دیوتا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد سے اس جزیرے پر کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا جائے گا اور کسی مسافر پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ باہر سے جو بھی یہاں آئے گا، اس کی مدد کی جائے گی"۔

عمبر نے تھامس اور ایملی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کے فضل و کرم سے تمہاری جان بچ گئی"۔

یہ فقرہ عمبر نے انگریزی زبان میں کہا تھا۔

تھامس بولا۔

ہاں! ہم خدا کا شکر بجا لاتے ہیں اور اس کے بعد تمہارا شکریہ

ادا کرتے ہیں۔

اگر خدا تمہارا سبب نہ بناتا تو اس وقت تمہاری ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوتیں۔

عنبر نے کہا۔

بہر حال مجھے جی کا افسوس ہے۔ لیکن غیر ذمے دار آدمیوں کا اس دنیا میں ایسا ہی انجام ہوا کرتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی میں ذمے داری سے کام لینا سیکھے اور زبان کو اپنے قابو میں رکھے۔

دوپہر کو عنبر کی زبردست دعوت کی گئی۔ جزیرے سے ہرن پکڑ کر بھون کر لائے گئے۔

کیلے کے پتوں کا لمبا دستر خوان بچھایا گیا جس پر ہرن، تیتر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اور جنگلی کبوتروں کا بھنا ہوا گوشت اور قسم قسم کے پھل سجائے گئے۔

عنبر، ویلی اور تھامس نے ایک مدت کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر وہ جھونپڑوں میں جا کر سو گئے۔

اس وقت وزیر کے ایک بھائی نے سردار سے کہا۔

”سردار! یہ شخص شیطان کا چیلا ہے اور ہمیں اپنی جادوگری سے دھوکا دے کر دیوتا بن گیا“۔

وزیر کے بھائی کو اپنے بھائی کی موت کا بڑا صدمہ تھا اور وہ عنبر سے بھائی کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

اس شخص کا نام تورو تھا اور یہ سانپوں کا بادشاہ مشہور تھا۔ اس کے پاس جھونپڑے میں بڑے بڑے زہریلے سانپ موجود تھے۔

سردار نے کہا۔

"تم کیا کر سکتے ہو؟"

کیا تم اس شخص کے جادو کا توڑ تلاش کر سکتے ہو؟۔

کیونکہ اگر یہ شخص دیوتا نہیں ہے تو پھر آگ تلوار سے کیوں نہیں مرتا؟۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آگ نے اس پر اثر نہیں کیا اور تلوار اس کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی ہے۔

تورو بولا۔

"حضور! میرے پاس ایک ایسا زہریلا سانپ ہے۔ کہ اگر کسی کو ایک بار ڈس دے تو اس کا جسم پانی بن کر ہڈیوں سمیت بہہ جاتا ہے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آپ حکم کریں۔ پھر دیکھیں میرے سانپ کیا کام دکھاتے ہیں۔

سردار کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر سانپ بھی عنبر کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو پھر سرادار کی بھی خیر نہیں ہے۔ مگر تورو بڑا ہوشیار تھا۔

اس نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے سردار کو راضی کر لیا۔ اس نے سردار سے یہ بھی کہا کہ یہ شخص خوامخواہ یہاں آ کر سردار بن گیا ہے۔

اصلی سردار تو آپ ہیں۔

"اسے ختم کرنے کا حکم دیں تاکہ آپ کی سرداری ایک بار پھر قائم ہو سکے"۔

نہیں تو یہ شخص آپ کو غلام بنا کر قید میں ڈال دے گا اور خود اس جزیرے پر حکمرانی کرے گا۔

سردار مکار تورد کی باتوں میں آ گیا۔

اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں میری طرف سے اجازت ہے کہ ان لوگوں پر اپنے سانپ چھوڑ دو۔ عنبر کے علاوہ اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی سانپ سے ڈسوا دو"۔

تورد مسکرا دیا۔

"حضور! ان کو تو ہم بھون کر کھائیں گے۔ ایک عرصے بعد سفید چمڑی والے ہمارے قابو میں آئے ہیں"۔

سردار نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ مگر دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ نہیں تو یہ شخص پھر کوئی جادوگری کر دے گا اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے"۔

تورد نے کہا۔

"دیکھیں تو سہی میں کس ہوشیاری سے کام کرتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر مکار تورد وہاں سے نکل کر سیدھا اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔

یہاں سے اس نے ایک انتہائی زہریلی سانپ لے کر پٹاری میں ڈالا اور اس جھونپڑی کی طرف چلا جس کے اندر عنبر آرام کر رہا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ جزیرے پر دن ڈھل رہا تھا۔

چھیرے توردنے پٹاری چھپا رکھی تھی۔

عنبر کی جھونپڑی کے پیچھے آ کر اس نے پٹاری کا منہ کھول کر سانپ کو جھونپڑی کے اندر پھینک دیا۔

اس کے ساتھ ہی وہ خود بھاگ گیا۔

سانپ کے جھونپڑے کے باہر نکلنے کا اس سوراخ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔

اسے معلوم تھا کہ سانپ جس راستے سے جاتا ہے اس راستے سے کم ہی باہر نکلتا ہے اور پھر اسے اپنے سانپ کے بارے میں بھی علم تھا کہ یہ آدمی کی بو پر جاتا ہے اور جہاں آدمی ہو وہاں جا کر اسے ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔

عنبر تھک گیا تھا چنانچہ اپنی جھونپڑی میں زمین پر بچھی چٹائی پر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بڑے آرام سے سو رہا تھا۔

سانپ کا رنگ سیاہ اور زرد تھا۔ اس کے جسم پہ لال لال دھاریاں تھیں۔ اس کو دیکھ کر ہی دہشت ہوتی تھی۔

سانپ نے عنبر کی بو پالی تھی۔

سانپ بڑے آرام سے رینگتا ہوا عنبر کے پاس پہنچ گیا۔ عنبر گہری نیند سو رہا تھا۔

سانپ نے قریب جا کر اپنا پھن پھیلا لیا اور عنبر کے منہ پر جھک کر جھومنے لگا۔

پھر اس نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ عنبر کے ماتھے پر ڈس دیا۔ لیکن اسے ایسے لگا جیسے اس نے کسی پتھر کی سل پر منہ مار دیا ہو۔

اس کے ہونٹ اور دانت زخمی ہوگئی۔ سانپ نے غصے میں آ کر دوسری بار ڈسا اس بار پھر اسکا منہ پتھر سے ٹکرایا اور دونوں اگلے دانت ٹوٹ گئے۔

اب عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جاگتے ہی سامنے کالے رنگ کے سانپ کو پھن پھیلائے غضب ناک اور سخت غصے میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ سانپ کس کے لیے پریشان ہے۔ اس نے آگے ہاتھ بڑھایا تاکہ سانپ کو پکڑ سکے۔

سانپ نے زخمی ہونے کے باوجود عنبر کے ہاتھ پر ڈسنے کی کوشش کی۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر نے سانپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور ناگ نے اسے سانپوں کی جو زبان سکھائی تھی اس زبان میں اس نے سانپ سے پوچھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"۔

سانپ نے جو ایک انسان کو اپنی زبان میں باتیں کرتے دیکھا تو اس پر دہشت چھا گئی۔

سمجھ گیا کہ یہ کوئی غیر معمولی انسان ہے۔ تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو رودچیرے نے بھیجا ہے جو وزیر کا بھائی ہے اور اس قبیلے کا سب سے بڑا سپیرا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اس نے تمہیں کیا کہہ کر بھیجا تھا؟"۔

سانپ بولا۔

"اس نے مجھے آپ کو ڈس کر ہلاک کرنے کے لیے یہاں

بھیجا تھا"۔

عنبر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

عنبر نے سانپ کو اپنے گلے میں ڈال لیا اور جھونپڑے سے باہر آ گیا۔

باہر آتے ہی وہ سیدھا سردار کے جھونپڑے کی طرف چلا۔

سردار اپنے جھونپڑے میں بیٹھا بے چینی سے تورد کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آ کر یہ خوشخبری سنائے کہ عنبر کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔

اچانک اس نے دیکھا کہ عنبر زہریلے سانپ کو اپنے گلے میں ڈالے اس سے کھیلتا، باتیں کرتا اندر آ گیا۔

سردار اٹھ کر کھڑا ہوگا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے کہا۔

"تورد نام کا سپیرا کہاں ہے اسے بلایا جائے"۔

سردار سمجھ گیا کہ عظیم دیوتا جیت گیا اور وہ ہار گیا ہے۔ اس نے سجدے میں گرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کر دو عظیم دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔"

آئندہ میں ایسی کبھی جرات نہیں کروں گا۔

عنبر بولا۔

اچھا تو گویا اس خوفناک سازش میں تم بھی شریک تھے؟ لیکن اس سانپ نے مجھے بتایا ہے کہ اسے تورد سپیرے نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے میری جھونپڑی میں بھیجا تھا۔

تورد کو بلاؤ۔ نہیں تو یہ سانپ تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور یہ زخمی ہے۔ غصے میں ہے۔ یہ تمہیں ایک پل میں ختم کر دے گا۔

سردار نے عنبر کے پاؤں پکڑ لیے۔

”ابھی بلاتا ہوں میں تورد کو“۔

عنبر نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”فوراً بلاؤ تورد کو۔ آج ہم اسے ایک تماشہ دکھائیں گے“۔

تورد کو معلوم ہو گیا کہ اس کا وار خالی ہو گیا ہے۔ سانپ عنبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔

وہ سردار کے پاس ہے اور سردار نے تورد کو حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ تورد نے اپنے چھ زہریلے سانپ پٹاری میں رکھے اور سردار کے جھونپڑے میں آ کر بولا۔

”اگر مجھے کسی نے کچھ کہا تو میں یہ سانپ سردار پر پھینک دوں گا“۔

خواہ میں خود مر جاؤں مگر سردار کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ اس سازش میں یہ بھی برابر کا شریک تھا۔

عنبر نے کہا۔

”سردار نے اپنے قصور کو مان لیا ہے اور معافی مانگ لی ہے۔ مگر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، کیونکہ تم اب بھی ہم سب کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے ہو“۔

تورد بولا۔

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس پٹاری میں بڑے زہریلے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سانپ ہیں عنبر!"

ٹھیک ہے یہ تمہیں کچھ نہ کہہ سکیں گے مگر یہاں کے سب آدمیوں کو سردار سمیت ہلاک کر دیں گے۔

عنبر نے کہا۔

"تم سانپ چھوڑ کر دیکھ لو۔ یہ کسی کو کچھ نہ کہہ سکیں گے"۔

توردنے پٹاری کھول کر زمین پر الٹ دی۔ زمین پر الٹتے ہی چھ کے چھ زہریلے سانپ ادھر ادھر بھاگ کر پھن پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر بھی کچھ دیر کے لیے گھبرا گیا کہ کم بختوں نے لوگوں کو ڈس دیا تو وہ ان میں سے کس کس کو بچا سکے گا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اس لیے بہتر یہی ہے کہ سانپ کی مدد حاصل کی جائے۔ عنبر

نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سانپ سے اس کی زبان میں کہا۔

"کیا تم ان سانپوں کو ڈسنے سے منع کر سکتے ہو؟"۔

سانپ عنبر کی بے حد عزت کرتا تھا اور اسے بڑا عظیم انسان سمجھتا تھا۔

کیونکہ سانپ کی زبان ہر ایرا غیرا نہیں جان سکتا۔ سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"کیوں نہیں حضور!"۔

آپ حکم دیں میں ابھی انہیں منع کرتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

"انہیں حکم دو کہ واپس آ جائیں اور کسی کو نہ کاٹیں"۔

تورو نے دیکھا کہ عنبر سانپ سے باتیں کر رہا ہے۔ سردار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

سن رہا تھا اور سانپوں سے سہم کر کھڑا تھا۔ سانپ نے اپنے منہ سے سیٹی کی ایک لمبی سی آواز نکالی۔ اس آواز کو سنتے ہی سارے کے سارے سانپ واپس پٹاری کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے اپنے پھن اکٹھے کر لیے۔

عنبر نے سانپ سے کہا۔

"انہیں کہو کہ چھیرے کو یہاں سے بھاگنے نہ دیں"۔

سانپ نے دوبارہ سیٹی نکال کر سانپوں کو کہا کہ چھیرے تورو کو یہاں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔

اس حکم کو سنتے ہی چھ کے چھ سانپ اپنی جگہ سے بجلی کی تیزی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے لپک کر چھیرے تورو کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا۔

وہ پھن اٹھا کر زمین سے ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ گز اوپر اٹھ کھڑے ہوئے اور جھوم رہے تھے۔

یہ دیکھ کر تورو چھیرے کا برا حال ہو گیا۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

"سردار! کیا اب بھی تم لوگ یقین نہیں کرو گے کہ میں تمہارا دیوتا ہوں؟ دیکھو یہ سانپ میرا حکم مانتے ہیں"۔

سردار تو خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"عظیم دیوتا! میں تمہارا غلام ہوں۔ تورو مکار ہے۔ اس نے

مجھے بھی ورغلا دیا تھا میں اس کی بوٹی کر دوں گا۔ مجھے حکم دیں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں میں اسے کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ کیونکہ سانپوں نے ابھی ابھی مجھے کہا ہے کہ وہ اس کے خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں"۔

تورد نے اتنا سنا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔

ٹانگیں خوف کے مارے پہلے ہی کانپ رہی تھیں۔ اب تھر تھر لڑکھڑانے لگیں۔

سانپ اس کے ارد گرد جھوم رہے تھے۔

روتے ہوئے بولا۔

"عظیم دیوتا! مجھے معاف کر دو"۔

عنبر بولا۔

"تم ایک مکار اور کمینے دشمن ہو اور کمینے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرنا چاہیے"۔

اس لیے اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس کے ساتھ ہی عنبر نے سانپ کے کان میں کچھ کہا۔ سانپ نے ایک خاص سیٹی بجائی جسے سن کر چھ کے چھ سانپ یکدم سے تورد پر ٹوٹ پڑے۔

سب نے باری باری تورد کے جسم پر ڈس کر اس کے خون میں اپنی زہر داخل کر دیا۔

کہاں تو ایک سانپ اور کہاں اکٹھے چھ سانپوں نے تورد کو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ڈس دیا تھا۔

اس کی ٹانگیں کانپیں، رنگ کالا پڑ گیا۔ گرا اور پھر بے حس ہو گیا۔

اب سب کے دیکھتے دیکھتے اس کا جسم پانی بن کر بہنے لگا۔ اس کی ہڈیاں بھی پانی بن کر گل گئیں اور پھر وہاں صرف پانی کا ایک نشان زمین پر رہ گیا۔

لورد کے انجام سے سردار کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔

عنبر نے اپنے گلے والے سانپ سے کہا۔

"اب تم لوگ آزاد ہو۔ جنگل میں جہاں چاہو جا کر رہ سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ کسی بے گناہ انسان کو ہرگز ہرگز نہیں ڈسو گے؟"۔

PDF By princecfdhump@urdufanz.com

سانپ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں عظیم دیوتا"۔

"تو پھر جاؤ آج سے تم آزاد ہو"۔

عنبر نے سانپ کو زمین پر چھوڑ دیا۔ سانپ باقی سانپوں کے پاس گیا۔

ان کے کان میں اپنی زبان میں کچھ کہا اور پھر ساتوں سانپ جھونپڑی میں سے نکل کر جنگل کی طرف گئے اور جھاڑیوں میں گم ہو گئے۔

اب عنبر نے سردار سے کہا۔

"ایملی اور تھامس کو بھی بلایا جائے"۔

اسی وقت ایملی اور تھامس بھی وہاں آ گئے۔ سردار تو ان کے

آگے پیچھے پھر رہا تھا۔

یہ لوگ جزیرے میں چھ دن رہے۔ ان کی زبردست خاطریں ہوئیں۔

سردار نے تو خدمت کرتے کرتے کمال کر دیا۔ صبح اٹھتے ہی عنبر کی خدمت شروع ہو جاتی اور رات گئے تک جاری رہتی۔ عنبر سردار سے بڑا خوش تھا۔

اس نے ساتویں روز سردار سے کہا۔

"ہمارے لیے ایک بڑی کشتی تیار کروائی جائے"۔

سردار نے کہا۔

"کیوں عظیم دیوتا؟ کیا یہاں سے جی بھر گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں جی نہیں بھرا۔ لیکن ہمیں کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔ اس لیے ہم اب یہاں سے جانا چاہتے ہیں"۔

سردار نے کہا۔

"حضور! آپ تو دیوتا ہیں۔ آپ کو کشتی کی کیا ضرورت ہے؟"۔

آپ تو سمندر میں ویسے ہی بڑی آسانی سے تیر سکتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے ضرورت نہیں ہے کشتی کی۔ مگر میرے ساتھی میری طرح سمندر میں نہیں سفر کر سکتے۔ انہیں ایک کشتی کی ضرورت ہے"۔

سردار نے کہا۔

PDF By princecofdhump@urdufanz.com

"جو حکم حضور! میں آج ہی کشتی کی تیاری کا حکم دے دیتا ہوں"۔

سردار نے اپنے خاص آدمیوں کو بلا کر اسی وقت حکم دیدیا کہ مہمانوں کے لیے ایک ایسی کشتی تیار کی جائے جو طوفانی سمندروں میں بھی آسانی سے سفر کر سکے۔

کشتی کی تیاری اسی وقت شروع ہوگئی۔ عنبر نے مس اور ایلی کو بتا دیا کہ کشتی تیار ہو رہی ہے اور وہ بہت جلد اس جزیرے سے روانہ ہونے والے ہیں۔

ایلی نے پوچھا۔

"سوال یہ ہے کہ یہاں ہم کس طرف جائیں گے؟"۔

تھامس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"یعنی ہماری منزل کونسی ہوگی؟ ہمیں تو بالکل علم نہیں ہے کہ اس جزیرے کے ارد گرد دشمن بیٹھا ہے کہ دوست رہتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں آج سردار سے بات کروں گا۔ اسے ضرور معلوم ہوگا کہ یہ جزیرہ سمندر میں کس جگہ واقع ہے"۔

پراسرار جہاز

دوسرے دن عنبر نے سردار سے پوچھا۔

”سردار کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہارا یہ جزیرہ جہاں آباد ہے اس کے اردگرد کونسا سمندر ہے اور وہاں کونسا ملک قریب ہے؟“۔

سردار نے کہا۔

”عظیم دیوتا! ہم صدیوں سے یہاں آباد چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ہمارے پچھم میں ایک جزیرہ ہے جہاں ہماری طرح کے وحشی لوگ رہتے ہیں“۔

ہاں بزرگوں سے ہم نے سن رکھا ہے کہ یہاں سے سات روز کے فاصلے پر دکھن کی طرف ایک ملک ہے جہاں دوسری دنیا کے لوگ رہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں“۔

عنبر نے پوچھا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ دنیا میں اس وقت جنگ ہو رہی ہے۔ شہروں پر بمباری کی جاتی ہے۔ یہ لوگ مر رہے ہیں“۔

سردار نے کہا۔

نہیں عظیم دیوتا! ہمیں جنگ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ ہاں ایک بار ہمارے جزیرے کے اوپر سے سفید رنگ کے چمکدار ستارے سے گذرے تھے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہ دور دکھن سے آئے تھے اور پچھم کی طرف گذر گئے تھے۔

ان ستاروں کی دموں سے سفید رنگ کا دھواں نکل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر ہم ڈر گئے تھے۔

ہم نے آگ جلا کر دیوتا کے حضور بچھڑے کی قربانی پیش کی تھی۔ اس کے بعد کبھی کوئی دھواں دار ستارہ ہمارے جزیرے کے اوپر سے نہیں گذرا۔

عنبر نے یہ ساری باتیں تھامس اور ایملی کو جا کر بتا دیں۔ اب وہ غور کرنے لگے کہ وہ کس مقام پر ہیں اور سات روز کے سفر پر دکھن میں کونسا ملک ہوگا؟۔

تھامس کا نقشہ سٹیمر میں ہی جل گیا تھا صرف اس کے پاس کمپاس تھی جو صرف یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ جنوب مشرق کے

سمندروں میں ہیں۔

ایملی نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں دکھن کی طرف والے ملک کی جانب سفر شروع کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ ملک آسٹریلیا ہی ہو"۔

تھامس نے کہا۔

"اگر کہیں ہم جاپان پہنچ گئے تو پھر ہمارا حشر جو ہوگا ہم وہ خوب جانتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا تھامس! کیونکہ اگر ہم شمال کی طرف نکل گئے تو ہو سکتا ہمارا سفر کبھی ختم نہ ہو اور ہم سمندر میں ہی بھٹکتے رہ جائیں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کیونکہ شمال کی طرف جو بھی ملک ہو گا وہ یہاں سے ہزاروں میل دور ہو گا۔

ان وحشیوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہاں سے سات روز کے فاصلے پر دکھن کی طرف کوئی ملک ہے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی ملک ضرور ہو گا اور اسلی کے خیال کے مطابق میں بھی یہی کہوں گا کہ وہ ملک آسٹریلیا ہی ہو سکتا ہے۔

تھامس نے کہا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ خدا کا نام لے کر ہم دکھن کی طرف ہی اپنا سفر شروع کر دیں گے"۔

دس پندرہ دنوں کے بعد کشتی تیار ہو گئی۔

یہ کشتی کافی بڑی تھی اور دو منزلہ تھی۔ جنگلوں نے بڑی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کاریگری کے ساتھ کشتی تیار کی تھی۔ اس کے اوپر بادبان بھی لگے تھے۔

ایک منزل نیچے تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھر دی گئیں۔

کھانا پکانے کے لیے چولہے بھی بنائے گئے تھے۔ عنبر تھامس اور اسلی کشتی کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔

اب وہ ٹھیک موسم کا انتظار کرنے لگے۔

بارشیں ختم ہونے والی تھیں۔ خدا خدا کر کے برسات کا موسم ختم ہوا۔

آسمان پر سورج چمکنے لگا۔ بادل چلے گئے۔ سمندر میں آنے والا طوفان بھی ختم گیا۔

چنانچہ ایک روز جبکہ موسم بڑا صاف تھا اور ہوا بھی اچھی چل رہی تھی۔ عنبر نے سردار سے اجازت لی اور کشتی میں سوار ہو کر دکھن کی طرف رخ کر کے اپنا سفر شروع کر دیا۔

ایملی نے آٹے کو گوندھ کر روٹی پکائی۔ جو انہوں نے دوپہر کے وقت کشتی کے ڈیک پر بیٹھ کر کھائی۔

بادبانوں میں ہوا خوب بھری ہوئی تھی۔ سمندر میں کشتی ہوا کے زور سے ٹھیک خوب بھری ہوئی تھی۔

تھامس قطب نما نکال کر تھوڑی دیر بعد دیکھ کر تسلی کر لیتا تھا کہ وہ ٹھیک رخ پر جا رہے ہیں۔

اس طرح سفر کرتے کرتے انہیں چار روز ہو گئے۔

سمندر میں کوئی طوفان نہ آیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

موسم خوشگوار ہی رہا۔ پانچویں روز انہیں دور سمندر میں ایک سیاہ سا دھبہ سا نظر آیا۔

ان کے پاس اب دوربین بھی نہیں تھی۔ یہ دوربین بھی سٹیمر کے ساتھ ہی جل گئی تھی۔

اس دھبے کو سب سے پہلے ایملی نے دیکھا اور کہا۔

"وہ دھبہ سا کیا ہے۔ ذرا دیکھو تو ادھر!"۔

تھامس اور عنبر نے بھی اس سیاہ دھبے کو دیکھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دھبہ کیسا ہے۔

تھامس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جزیرہ کبھی دھبے کی شکل میں نظر نہیں آیا کرتا، جزیرہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کی ایک لکیر دکھائی دیا کرتی ہے"۔

ایملی نے پوچھا۔

"تو پھر تمہارے خیال میں کیا ہے عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے دھبے کو غور سے تکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ کوئی جنگی جہاز ہے"۔

"جنگی جہاز؟"۔

ایملی چیخ پڑی۔

"نہیں نہیں۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہو۔ ہم پھر ایک بار جنگ کی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتے"۔

عنبر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے تھامس؟"۔

تھامس بھی دھبے کو غور سے تک رہا تھا جو اب بڑا ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں اور ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"عنبر! تمہارا خیال ٹھیک لگتا ہے"۔

"یعنی؟"۔

ایملی نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

تھامس نے کہا۔

"یعنی یہ کہ دھبہ کوئی جنگی جہاز ہی ہے"۔

ایملی اداس ہو گئی۔ بلکہ پریشان ہو کر کھانے کے برتن اٹھا کر نیچے چلی گئی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اب کشتی کے ڈیک پر صرف تھامس اور عنبر ہی رہ گئے۔ دھبہ صاف ہونے لگا تھا۔

اب وہ بالکل صاف ایک بحری جہاز نظر آ رہا تھا۔

تھامس نے پریشان ہو کر کہا۔

"عنبر! اگر یہ دشمن کا جہاز ہوا تو کیا کریں گے؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کریں گے؟"۔

یہی کہ قیدی بن جائیں گے اور کیا کر سکتے ہیں ہم؟۔

تھامس بولا۔

"ہو سکتا ہے، وہ ہمیں گولی سے اڑا دیں۔ اگر یہ لوگ جاپانی ہوئے تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ویسے تم تو بچ جاؤ گے۔ ہماری خیر نہیں ہے"۔

عنبر کہنے لگا۔

گھبراتے کیوں ہو بھائی؟ میں نے تمہیں پہلے چھوڑا ہے جو اب چھوڑوں گا۔

فکر نہ کرو۔ خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔ زندگی میں مصیبتیں آیا ہی کرتی ہیں اور بہادر مرد اس کو ہنسی خوشی برداشت کر لیا کرتے ہیں۔

دوپہر کے بعد دھبہ صاف ہو گیا۔ وہ ایک بحری جہاز تھا۔

لیکن جنگی جہاز نہیں تھا۔

نہ اس پر کوئی توپ لگی تھی۔ نہ ریڈار لگا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ مسافر جہاز ہے۔

کم بخت انسانوں کی بادبانی کشتی بھی ٹھیک اس جہاز کی طرف چلی جارہی تھی۔

وہ جہاز بھی ادھر ہی آرہا تھا۔ اب انہوں نے دیکھا کہ جہاز کے ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے دوربینوں سے کشتی کو دیکھ رہے ہیں۔

عنبر نے تھامس سے کہا۔

"کوئی مسافر جہاز لگتا ہے۔ زیادہ بڑا نہیں ہے"۔

تھامس بولا۔

"اگر یہ امریکی برطانوی یا آسٹریلوی مسافر بردار جہام ہوا تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ ہم اس پر سوار ہو کر اپنے وطن پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"ذرا اندازہ لگاؤ۔ دور سے یہ لوگ تمہیں کس ملک کے باشندے لگ رہے ہیں"۔

تھامس نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے ان لوگوں کو دیکھا جو جہام کے جنگلے پر کھڑے دوربینوں سے اور بغیر دوربین کے بھی بادبانی کشتی کو بڑے تعجب سے تک رہے تھے۔

کہنے لگا۔

"مجھے تو یورپ کے لوگ لگتے ہیں۔ اب خدا جانے کہیں جرمنی کے لوگ ہی نہ ہوں"۔

"پھر کیا ہوا آخر مسافر بردار جہاز ہے۔ یہ لوگ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اور پھر ہم خود مصیبت زدہ ہیں۔ یہ ہمیں کچھ نہیں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کہیں گے"۔

اب ڈیملی بھی ڈیک پر آ گئی تھی اور خوف و امید کی ملی جلی حالت سے جہاز کو تک رہی تھی۔

جہاز قریب آ کر رک گیا۔ اس کے ڈیک پر سے ایک کشتی سمندر میں اتاری گئی۔ اس کشتی میں تین آدمی سوار تھے۔ ان کے ہاتھ میں رائفلیں بھی تھیں۔

وہ بادبانی کشتی کے اوپر آ گئے اور عنبر سے کہا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

بھائی! ہم لوگ ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ وہ طوفان میں پھنس کر ڈوب گیا۔

ہم کسی طرح سے جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں ایک مہینہ ہمیں وہاں کے باشندوں نے رکھا۔ پھر انہوں نے ہی یہ کشتی بنا کر ہمیں دی اور ہم خدا کا نام لے کر سمندر میں چل پڑے۔۔ کہ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔

آپ بتائیں آپ کا جہاز کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟

جہاز والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

پھر وائرلیس پر پیچھے کہا۔

"سر! یہ کوئی تباہ حال مسافر معلوم ہوتے ہیں"۔

ادھر سے شاید کسی نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"ٹھیک ہے انہیں لے آؤ۔ اور کشتی چھوڑ دو"۔

عمبر، تھامس اور ایملی کو جہاز پر سوار کرا لیا گیا۔ جہاز پر آنے کے بعد بادبانی کشتی اکیلی سمندر میں سفر کرنے لگی۔

کچھ دور جانے کے بعد وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

یہاں جہاز کے کپتان نے عمبر سے ملاقات کی اور پوچھ گچھ کی۔ سب سے پوچھ گچھ کی گئی۔

سب نے ایک ہی جواب دیا۔ جو عمبر نے کہا تھا۔ وہی دہرایا گیا۔

آخر جب کپتان نے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

تو عمبر، تھامس اور ایملی نے یہی کہا۔

"ہم سوئٹزرلینڈ کے باشندے ہیں اور انڈونیشیا جا رہے تھے"۔

ایملی نے بتایا کہ وہ تھامس کی بیوی ہے۔ عمبر نے بتایا کہ وہ انڈونیشیا میں کاروبار کرتا تھا اور جہاز میں ہی اس کی ملاقات اس جوڑے سے ہو گئی تھی۔

کپتان خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر وہ بولا۔ اس نے اپنے میٹ کو اشارہ کیا کہ ان لوگوں کو کیبن میں جا کر بند کر دو۔

ایملی تھامس اور عمبر کو ایک کیبن میں جا کر بند کر دیا گیا وہ قیدی بھی نہیں تھے۔

لیکن انہیں بغیر اجازت کیبن سے نکل کر اوپر آنے کی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اجازت بھی نہیں تھی۔

عنبر نے تھامس سے کہا۔

"ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ جنگی جہاز ہے کہ مسافر جہاز۔۔۔ اگر مسافر جہاز ہے تو پھر اس کی سواریاں کہاں ہیں؟"۔

اگر جنگی جہاز ہے تو توپیں کہاں چلی گئیں؟۔

اگر مال بردار جہام ہے تو مال کس جگہ لدا ہوا ہے؟۔

تھامس بولا۔

"میرا خیال ہے یہ ماہی گیر لوگ ہیں اور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لیے نکلے ہیں"۔

ایملی نے پوچھا۔

"لیکن آخر یہ کس ملک کے ہیں؟ انہوں نے بالکل نہیں بتایا کہ یہ کس ملک کے رہنے والے ہیں۔ وہ کبھی انگریزی زبان ماں باتیں کرتے ہیں۔ کبھی ڈچ زبان بولنے لگتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"ایک دو بار میں نے ڈیک ملاح کو جرمن زبان بولتے بھی سنا تھا"۔

"جرمنڈ کہیں یہ لوگ جرمن تو نہیں ہیں؟"۔

تھامس کی اس بات پر عنبر نے کہا۔

"اگر جرمن ہیں تو پھر ان لوگوں کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

ایملی نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"ہو سکتا ہے، یہ جہاز سمندر میں جاسوسی کرتا پھر رہا ہو اور یہ جرمن ہی ہوں"۔

آخر عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ ہمیں خاموشی سے یہاں رہنا ہوگا اور اندازہ لگانا ہوگا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس مقصد کے واسطے اس سمندر میں گھوم رہے ہیں۔

ویسے مجھے تو یہ کوئی بڑا پراسرار جہاز معلوم ہوتا ہے۔

ان لوگوں کو جہاز کے کیبن سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کھانے پینے کی چیزیں کیبن کے اندر ہی پہنچا دی جاتیں۔

کیبن میں ایک گول سوراخ تھا جس پر موٹا شیشہ لگا تھا۔ اس

شیشے میں سمندر نظر آتا تھا۔

جہاز کی نقل و حرکت کسی وقت بڑی پراسرار ہو جاتی۔ اوپر ڈیک پر لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آتی۔ کسی وقت خاموشی چھا جاتی۔

ایک بار اوپر سے سمندر میں جال پھینکا گیا تا کہ مچھلیاں پکڑی جا سکیں۔ پھر یہ مچھلیوں سے بھرا ہوا جال اوپر ڈیک پر کھینچ لیا گیا۔ دو روز ہو گئے تھے کہ ایک روز جہاز پر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ بھونپو بجنے لگا۔

عنبر نے گول شیشے کے ساتھ منہ لگا کر دیکھا۔

دور ایک جنگی جہاز آگے بڑھ رہا تھا اور اس جہاز پر امریکہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

☆ پراسرار جہاز کا راز کیا تھا؟۔

☆ ماریا ہندوستان کے جنگلوں میں کہاں بھٹک رہی تھی؟۔

☆ ناگ پر جوگی کے لباس میں کیا گزری؟۔

ان کے جواب آپ کو ناول کی 74 ویں قسط میں ملیں گے۔

PDF By princeofthump@urdufanz.com

کشتی اور طوفان

(عنبر ناگ ماریا قسط نمبر 74)

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

اے حمید

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم ہو گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

فہرست

تباہ کن آبدوز
سونے کی مصیبت
خزانے کا ڈاکو
جہاز کی تباہی
آدم خوروں کا جزیرہ
کشتی اور طوفان
بنگال کا جادو

پیارے بچو!

عنبر امریکی جوڑے ایملی اور تھامس کی جان بچا کر انہیں جاپانیوں کی قید سے باہر نکال لایا تھا۔

جزیرے سے فرار ہو کر وہ ایک کشتی میں سوار سمندر میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کس ملک کے ساحل کے ساتھ جا لگیں گے؟۔

لیکن سمندر میں ہی ایک جرمن تباہ کن جہاز سے ان کی مٹھ بھیڑ ہو گئی۔

جرمن ملاحوں نے انہیں اپنے جہاز میں قید کر لیا۔ اس جہاز کو امریکی آبدوز نے حملہ کر کے ڈبو دیا۔ عنبر کو امریکی آبدوز والوں نے اپنی آبدوز میں پناہ دی۔

حالات کے ساتھ ساتھ یہ لوگ ایک جزیرے میں پہنچ گئے۔ جہاں جاپانی سونے کا صندوق دفن کر رہے تھے۔ انہوں نے وہ صندوق چوری کر لیا۔

عنبر کے منع کرنے پر بھی امریکی کپتان نہ مانا۔ یہ لوگ جاپانی خزانہ لے کر جزیرے سے فرار ہو گئے۔

اس کے بعد ان پر کیا گذری؟۔

کیا امریکی کپتان سونے کے صندوق کو امریکہ لے جانے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

میں کامیاب ہو گیا؟۔

کیا عنبر کی ناگ اور ماریا سے ملاقات ہو سکی؟۔

یہ آپ خود اس کتاب میں پڑھیں۔

تباہ کن آبدوز

امریکی جہاز قریب آ گیا۔

عنبر، تھامس اور ایملی نے محسوس کیا کہ امریکی جہاز کو دیکھ کر اوپر کچھ بھاگ دوڑ سی شروع ہو گئی تھی۔

یہ تینوں کیبن میں بند تھے اور انھیں اوپر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

عنبر نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ جہاز مشہور جرمن جہاز سواستیکا ہے جو سمندر میں گھوم پھر کر امریکی جہازوں کو اپنا نشانہ بناتا ہے"۔

تھامس نے کہا۔

"شاید تمہارا خیال درست ہے۔ کیونکہ اوپر ملاح حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔

ایملی نے شیشے والی گول کھڑکی میں سے باہر سمندر میں دیکھ کر کہا۔

"امریکی جہاز دائیں جانب مڑ گیا ہے"۔

سب نے دیکھا۔

جہاز دوسری طرف پہلو بدل کر جا رہا تھا اور اب اس کا پیندا

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بالکل سامنے آ گیا تھا۔

اب اس امریکی جہاز کو بڑی آسانی سے گولے کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

سواستیکا جہاز والوں نے ضرور امریکی جہاز والوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہم تو مال بردار جہاز والے ہیں اور ہم سامان لے کر لندن جا رہے ہیں۔

اسی لیے امریکی جہاز نے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی اور اپنا رخ بدل لیا ہے۔

تھامس نے کہا۔

"دراصل ہمارے جہاز والے جرمن لوگ یہی چاہتے تھے کہ

کسی طرح سے امریکی جہاز اپنا رخ بدل لے اور اس کا پیندا ان کے سامنے آ جائے تاکہ آسانی سے حملہ کیا جا سکے"۔

آخر وہی ہوا جس کا ان لوگوں کو خیال تھا۔ ان کے جہاز کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور عنبر نے ایک دم سے چونک کر کہا۔

"ضرور ہمارے جہاز والوں نے تارپیڈو چھوڑا ہے"۔

وہ سب شیشے والی گول کھڑکی کی طرف لپکے۔ کیا دیکھتے ہیں سمندر میں ایک لمبا تارپیڈو امریکی جہاز کی طرف پانی کے اندر اندر بڑھ رہا ہے۔

"میرے خدایا! یہ تو جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا ہی ہے۔ اب امریکی جہاز کی خیر نہیں"۔

تارپیڈو یعنی سمندری بم بڑی تیزی کے ساتھ سمندر کے اوپر ایک ہلکی سی لکیر ڈالتا آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔

امریکی جہام والوں کی اس طرف توجہ نہیں تھی۔ اور اگر انہیں پتہ بھی چلا ہوگا تو وقت گزر چکا تھا۔

تارپیڈو یعنی سمندری بم ایک زبردست دھماکے کے ساتھ امریکی جہاز سے ٹکرایا اور اس کے اندر گہرا شگاف ڈالتا ہوا گھس گیا اندر جا کر بم پھٹ گیا۔

جہاز تباہ کن دھماکے کے ساتھ دو ٹکڑے ہو کر ڈوبنا شروع ہو گیا۔

ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور کشتیوں پر سوار ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

جرمن جہاز کے اوپر سے اب گولہ باری شروع ہوگئی۔ گولے

PDF By princecdhump@urdufanz.com

ملاحوں کی کشتیوں پر جا کر پھٹتے اور انہیں ہلاک کر کے سمندر میں غرق کر دیتے۔

تھوڑی دیر بعد امریکی جہاز اور اس کے بچے کھچے ملاح سمندر میں ڈوب چکے تھے اور وہاں سمندر کی لہریں ہی لہریں تھیں۔ جیسے وہاں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

عمبر تھامس اور ایملی کھڑکی سے ہٹ کر بیٹھ گئے۔

تھامس نے کہا۔

"ہم دشمن کے جہاز پر سوار ہیں"۔

ایملی نے کہا۔

"یہ جرمن جہاز ہے۔ اس کا کپتان بڑی مکاری سے حملہ کرتا ہے۔ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسے ہمارے بارے میں بھی

پتہ چل چکا ہے کہ ہم امریکی ہیں"۔

عمبر نے کہا۔

توپھر کیا ہوا؟ اب ہم سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر خدا نے آپ لوگوں کی زندگی لکھی ہے تو یہ لوگ آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

سوچنا تو یہ ہے کہ اس جہاز کو تباہ کیوں کر کیا جائے تا کہ اس کی تباہی و بربادیوں سے دوسرے جہاز بچ سکیں۔

تھامس نے کہا۔

"کم بختوں نے ملاحوں پر بھی گولہ باری کر کے انہیں ڈبو دیا"۔

ایملی بولی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

”ہم خود اس جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ پھر بھلا ہم اس جہاز کو کیسے ڈبو سکتے ہیں؟“۔

”یہی بات تو ہمیں سوچنی ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”ابھی یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ ان کے کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک جرمن ملاح نمودار ہوا“۔

اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میرے ساتھ اوپر چلو“۔

عنبر جرمن ملاح کے ساتھ کیبن سے باہر نکل گیا۔ وہ خوش تھا کہ اس کی بجائے تھامس یا ایملی کو نہیں بلایا گیا۔

ملاح عنبر کو ساتھ لے کر اوپر کپتان کے پاس لے گیا۔ کپتان

اپنے کیبن میں کرسی پر بیٹھا میز پر پھیلے ہوئے ایک نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

ملاح نے سلوٹ مار کر کہا۔

”کوئی اور حکم سر؟“۔

”تم جا سکتے ہو“۔

کپتان نے عینک اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

ملاح واپس چلا گیا۔

کپتان نے عنبر کے قریب آ کر کہا۔

”بیٹھ جاؤ دوست!“۔

اس کا لہجہ بڑا نرم تھا۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ شخص میٹھا بن کر اس سے کچھ معلومات حاصل

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کرنا چاہتا ہے۔

عنبر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے کونے والی میز پر ہٹلر کی تصویر پڑی تھی۔ اب کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔ یہ جہاز جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا ہی تھا۔

کپتان نے کہا۔

"یقیناً تم نے ہٹلر کی تصویر دیکھ لی ہو گی اور تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ جہاز مال بردار نہیں ہے۔ تم نے ابھی ابھی اپنے کیبن کی کھڑکی میں سے امریکی جہاز کو سمندر میں غرق ہوتے بھی دیکھ لیا ہو گا۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ؟"۔

کپتان نے کہا۔

"اب تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم بھی صاف صاف بتا دو کہ تم لوگ کون ہو اور بادبانی جہاز میں کہاں سے آ رہے تھے؟ کس مشن پر آ رہے تھے؟"۔

عنبر نے کہا۔

ہم نے جو کہا بالکل سچ کہا تھا۔ ہم ایک مسافر جہاز پر سنگاپور کی طرف جا رہے تھے کہ جہاز غرق ہو گیا۔ ہم کسی طرح جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں کے لوگوں نے ہماری کچھ روز خاطر مدارات کی اور پھر ہمیں ایک بادبانی کشتی میں سوار کروا کر رخصت کر دیا۔

PDF By princeodhump@urdufanz.com

کپتان کیبن میں ٹہل رہا تھا۔ عنبر کے قریب آ کر رک گیا اور جھک کر بولا۔

"تم اتنی عمدہ جرمن زبان کیسے بول لیتے ہیں؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میری ماں جرمنی میں کافی دیر رہی تھی۔ جرمن زبان مجھے میری والدہ نے سکھائی تھی"۔

کپتان نے اچانک بڑے زور کا تھپڑ عنبر کی گال پر جڑ دیا۔

عنبر بے خیالی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ گرتے گرتے بچا۔

کرسی پر دوبارہ سیدھا ہو گیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے بڑے صبر سے کام لیا۔

وہ کپتان پر حملہ کر کے اپنے ساتھی امریکی میاں بیوی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

کپتان نے بلند آواز میں چیخ کر پوچھا۔

"بتاؤ امریکی آبدوز ڈولفن کس سمندر میں سفر کر رہی ہے"۔

عنبر نے بڑے سکون کے ساتھ کہا۔

"ہمیں امریکی آبدوز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہم پر امن لوگ ہیں اور جنگ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

"ہاہاہا"۔

کپتان نے قہقہہ مار کر کہا۔

"تمہارا واسطہ نہیں ہے مگر ہمارا واسطہ ضرور ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم عرب ہو"۔

PDF By primeofdhump@urdufanz.com

شام کے رہنے والے ہو اور امریکی حکومت کے لیے جاسوسی کے مشن پر نکلے ہوئے ہو اور تمہارے ساتھ امریکی جوڑا ہے"۔

پھر اس نے عنبر کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا کہ اٹلس آبدوز کس سمندر میں گشت کر رہی ہے اور اس نے تم لوگوں کو سمندر میں کس جگہ اتارا تھا تو تم سب کو گولی مار کر سمندر میں مچھلیوں کے حوالے کر دیا جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں کسی آبدوز نے سمندر میں نہیں اتارا"۔

کپتان نے ایک اور تھپڑ عنبر کو جڑ دیا۔

مگر اب عنبر اپنے آپ میں سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ کپتان کو یوں لگا جیسے اس نے کسی سخت پتھر پر ہاتھ مار دیا ہو۔ وہ اپنے

ہاتھ کو سہلانے لگا۔

"تمہاری جلد اتنی سخت کیوں ہے؟"۔

اس نے حیرت سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارے احمقانہ سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں جا رہا ہوں"۔

عنبر کیبن سے باہر نکل گیا۔

کپتان نے گھنٹی بجائی۔ جرمن سپاہی اندر آیا۔ کپتان نے حکم دیا کہ امریکی جوڑے کو حاضر کیا جائے۔

ابھی عنبر تھامس اور ایملی کے پاس پہنچا ہی تھا کہ جرمن سپاہی آن نازل ہوا اور تھامس اور ایملی کو پستول دکھا کر اپنے ساتھ اوپر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

لے گیا۔

ویسے عمبر کی آنکھوں کے اشاروں سے وہ سمجھ گئے تھے کہ معاملہ پوچھ گچھ کا ہے۔

تھامس اور ایملی کو دیکھ کر کپتان نے جرمن سپاہی کو اشارے سے باہر جانے کو کہا۔

سپاہی چلا گیا۔ کپتان نے دروازہ بند کیا اور تھامس کی طرف آ کر بولا۔

"تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں تم سے کیا پوچھنے والا ہوں"۔

تھامس نے کہا۔

"ضرور سمجھ گیا ہوں۔ اور میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم امن پسند امریکی شہری ہیں اور ہمارا اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کپتان مسکرایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم یہ تو مان گئے کہ تم امریکی شہری ہو۔ اب تم دوسری باتیں بھی آہستہ آہستہ مان جاؤ گے"۔

کپتان نے گلاس میں شربت ڈال کر ایملی اور تھامس کو دیا۔

"تم کو یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ تم جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا پر سوار ہو"۔

اور اب یہ بھی سن لو کہ ہم امریکی آبدوز ڈلفن کی تلاش میں ہیں جس نے تم لوگوں کو اس سمندر میں اتارا ہے۔ تمہاری بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ ہمیں صاف صاف بتا دو کہ امریکی آبدوز ڈلفن نے تمہیں سمندر میں کہاں اتارا تھا اور وہ کس طرف سفر کر رہی تھی؟۔

تھامس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ احمق کپتان اس سے کیا پوچھ رہا ہے۔

خدا جانے امریکی آبدوز کہاں تھی اور کہاں نہیں تھی۔ اس کی جانے بلا۔ یہ اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔

کپتان نے ایملی کے سرخ بالوں کو پکڑ کر کہا۔

کتنے خوبصورت بال ہیں“۔

پھر تھامس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”مسٹر تھامس کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری بیوی اپنے ان خوبصورت سرخ بالوں کے ساتھ سمندر میں ڈوب رہی ہو اور مچھلیاں اس کی لاش کھا رہی ہوں؟“۔

تھامس نے چونک کر کپتان کی طرف دیکھا۔

کپتان سر ہلا کر بولا۔

یقین کرو اگر تم نے مجھے یہ نہ بتایا کہ امریکی آبدوز اٹلس نے تم لوگوں کو کس جگہ سمندر میں اتارا تھا تو میں تمہاری بیوی کو تمہارے سامنے گولی مار کر سمندر میں پھینک دوں گا۔

ایملی نے کہا۔

”ہمیں کسی آبدوز کے بارے میں کچھ علم نہیں“۔

ہم نے پہلی بار آبدوز اٹلس کا نام تمہاری زبان سے سنا ہے۔ کپتان نے گھوم کر بڑے زور کا طمانچہ ایملی کے گال پر مارا۔ ایملی کی چیخ نکل گئی۔

ہونٹوں کے کنارے سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے تھامس اٹھنے لگا مگر کپتان نے دھکا دے کر اسے کرسی پر گرا دیا۔ کپتان

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

نے پستول نکال کر تھامس کی طرف کر دی۔

ہم زبان کھلوانا جانتے ہیں۔ میں تم لوگوں کو صرف آج کی رات کی مہلت دیتا ہوں۔

اگر کل صبح تم لوگوں نے میرے سوالوں کا جواب نہ دیا تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

واپس آ کر ایملی دیر تک سسکیاں بھرتی رہی۔

تھامس نے اسے تسلی دی۔ اس کے ہونٹ پر سے ٹپکتے خون کو صاف کیا۔ عنبر نے بھی اس کا حوصلہ ٹھیک کیا اور کہا کہ انہیں گھبرانا نہیں چاہیے اور کسی ایسی ترکیب پر عمل کرنا ہوگا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔

تھامس نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"ایسی کوئی ترکیب میری سمجھ میں تو نہیں آ رہی۔ تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

کیونکہ اگر آج کی رات خالی چلی گئی تو صبح یہ لوگ ہم دونوں کو ضرور گولی سے اڑا دیں گے۔ تو تم یقیناً بچ جاؤ گے۔ مگر تمہارے بچنے سے پھر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے"۔

تھامس بولا۔

"اس جہاز سے فرار ہونا چاہیے"۔

"ہم کس طرح فرار ہو سکتے ہیں"۔

ایملی نے کہا۔

"اگر ہم اس جہاز سے فرار نہیں ہو سکتے تو ہمیں چاہیے کہ اس جہاز کے سارے جرمن عملے کو ختم کر کے جہاز پر قبضہ کر لیا جائے"۔

عنبر مسکرا دیا۔

یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یعنی میرے لیے تو آسان ہے مگر اس میں خطرہ ہے کہ یہ لوگ کم از کم تم دونوں کو ضرور مار ڈالیں گے۔

تمہاری جان کا خطرہ بہر حال موجود ہے اور جب تم دونوں مر گئے تو میں خالی جہاز پر قبضہ کر کے کیا کروں گا۔

"پھر تم ہی بتاؤ عنبر کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیوں کہ کل مجھے اپنی اور اپنی بیوی کی موت نظر آ رہی ہے"۔

تھامس سچا تھا۔ جرمنوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے روز اگر یہ کچھ نہ بتائیں تو انہیں گولی سے اڑا دیا جائے۔

عنبر نے کافی سوچ و بچار کے بعد کہا۔

ایک ہی ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے کہ ان لوگوں کو جھوٹ موٹ بتا دیا جائے کہ فلاں سمندر میں امریکی آبدوز نے ہمیں اتارا تھا۔

"اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس سے امریکی آبدوز کا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ کیونکہ خدا جانے وہ کس سمندر میں چکر لگا رہی ہے"۔

"اب آئے ہو تم لوگ سیدھی راہ پر"۔

پھر اس نے تھامس، ایملی اور عنبر کو کافی کے ساتھ بسکٹ پیش کیے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اور کہا۔

"ہم جہاز لے کر تمہاری بتائی ہوئی جگہ کی طرف جائیں گے اگر وہاں کہیں کسی جگہ بھی سمندر میں آبدوز کے آثار نہ ملے تو تمہیں شوٹ کر دیا جائے گا۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جرمن کپتان نے اشارہ کیا۔

سپاہی آگے بڑھے اور ان تینوں کو کیبن سے نکال کر باہر لے گئے۔

اپنے کیبن میں آ کر انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

تھامس کہنے لگا۔

"یہ ترکیب بھی ہماری جان نہ بچا سکی۔ جب جہاز ہماری بتائی

ہوئی جگہ پر پہنچے گا تو ظاہر ہے وہاں پر کسی بھی آبدوز کے نشان نہ ہوں گے۔ اور یہ جرمن ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

عنبر نے جواب دیا۔

"بہر حال دیکھا جائے گا۔ یہ لوگ وہاں تک تو پہنچیں"۔

راتوں رات سمندر میں سفر کرتا یہ تباہ کن جرمن جہاز جنوبی سمندر میں پہنچ گیا۔

ایک جگہ لنگر ڈال کر راڈار کے ذریعے سمندر کے نیچے امریکی آبدوز ڈولفن کی تلاش شروع کر دی گئی۔

ایک گھنٹے تک یہ کھوج جاری رہی۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا اور پھر اچانک راڈار پر ایک نقطہ ظاہر ہوا۔

کپتان اور دوسرے لوگوں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سمندر

PDF By princecardhump@urdufanz.com

کے نیچے کوئی آبدوز آہستہ آہستہ سفر کر رہی ہے۔

کپتان نے حکم دیا۔

"آبدوز کی صحیح پیمائش کی جائے"۔

معلوم ہوا کہ آبدوز دس میل کے فاصلے پر سمندر میں کوئی چھ سو فٹ کی گہرائی میں ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ معلوم کیا جائے کہ یہ آبدوز کس ملک کی ہے؟۔

کیونکہ یہ کوئی جرمن آبدوز بھی ہو سکتی تھی۔ جہاز والے اسے سگنل نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ جرمن آبدوز ثابت ہوئی تو پھر اسے جہاز کے بارے میں علم ہو جائے گا اور وہ بھاگ جائے گی۔ یا جہاز کو تارپیڈو مار کر غرق کر دیگی۔

کپتان نے حکم دیا۔

"جہاز کے انجن بند کر دیئے جائیں اور جہاز پر ہر کوئی خاموشی سے لیٹ جائے اور حرکت نہ کرے"۔

اس طرح سے آبدوز کے راڈار پر جہاز کا کوئی نشان نہیں ابھر سکتا تھا۔

آبدوز والے بڑے سکون سے اوپر ابھر سکتے تھے یا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔

جہاز کی ساری مشینیں بند کر دی گئیں۔ اب راڈار پر آبدوز کا نقطہ پوری طرح صاف شفاف نظر آ رہا تھا۔ مگر آبدوز رکی نہیں تھی بلکہ سفر کر رہی تھی۔

شمال مغرب کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ جب آبدوز دور

PDF By princeoldhump@urdufanz.com

ہو گئی تو کپتان نے جہاز کو چلنے کا حکم دیا۔

جہاز چل پڑا اور کافی پیچھے رہ کر آبدوز کا پیچھا شروع کر دیا۔

جہاز کے راڈار پر سے آبدوز کے چمکیلے نقطے کو اوجھل نہیں ہونے دیا جا رہا تھا۔

نیچے کیبن میں بھی ایملی، تھامس اور عنبر کو معلوم ہو گیا تھا کہ کسی آبدوز کا کھوج مل گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"خدا جانے یہ کونسی آبدوز ہے؟"۔

تھامس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔ ہماری جان بچ گئی"۔

ایملی نے تو ہاتھ باندھ کر، آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر ادا

کیا۔

عنبر نے کہا۔

"ویسے یہ ایک اتفاق ہوا ہے۔ لیکن بڑا دلچسپ اتفاق ہوا ہے کہ عین اسی مقام پر جہاں ہم نے بتایا تھا ایک آبدوز سفر کر رہی ہے۔ پتہ نہیں یہ آبدوز جاپانی ہے یا امریکن یا جرمن آبدوز ہے"۔

جہاز کا کپتان اس بات کی برابر کھوج لگا رہا تھا کہ آبدوز کس ملک سے تعلق رکھتی ہے۔

آخر اس کو ایک ترکیب سوجھی اس نے ایک خاص کوڈ کی زبان میں سمندر کے نیچے ایک سگنل بھیجا۔

اس کوڈ کا مطلب ہوتا ہے کہ اسے سوائے جرمن آبدوز والوں کے دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اگر جرمن آبدوز ہے تو وہ اسی زبان میں واپس سگنل بھیج کر کہہ دے گی کہ ہم دوست ہیں۔

اور اگر کسی دشمن ملک کی آبدوز ہوئی تو یہ سگنل اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

سگنل تیزی سے سمندر کے نیچے جا کر آبدوز کے ریڈار پر ٹکرایا۔

یہ امریکی آبدوز تھی۔ مگر اس کا نام اٹلس نہیں تھا۔ اس کا نام امریکانو تھا۔

انجینئر نے سگنل سن کر کپتان کو بلایا۔

"سر! ابھی میرے ریڈار پر ایک سگنل ملا ہے"۔

آبدوز کے امریکی کپتان نے جھک کر ریڈار کو دیکھا اور کان وائرلیس کے سگنل پر لگا دیئے۔

یہ سگنل چار سیکنڈ تک کئی بار سنائی دیا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

امریکی کپتان نے حکم دیا کہ سگنل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

مگر وہ کسی ایسے کوڈ میں تھا کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل تھا۔

امریکی کپتان نے اپنے ریڈار کا رخ اس کی طرف کر دیا جس طرف سے سگنل کی لہر آئی تھی۔

اس نے کہا۔

"کوئی جہاز سمندر میں ہے"۔

اگر یہ اپنا جہاز ہوتا تو ہماری زبان میں سگنل دیتا۔ ضرور یہ دشمن کا جہاز ہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ریڈار کا رخ دوسری طرف کر کے سگنل پھینکے گئے۔ سگنل نے سمندر کے اوپر سے واپس آ کر ریڈار پر ایک بحری جہاز کے نقطے کو ظاہر کر دیا۔

امریکی کپتان نے حکم دیا۔

”انجن بند کر دیئے جائیں“۔

آبدوز کے سارے انجن بند کر دیئے گئے تاکہ اوپر والے دشمن کے جہاز کو آبدوز کا پتہ نہ چل سکے۔

اوپر جرمن جہاز کا کپتان بھی ریڈار پر جھکا ہوا تھا۔ جب اس کے سگنل کے جواب میں نیچے والی آبدوز نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ سمجھ گیا کہ آبدوز دشمن کی ہے اور وہ بھی اسے غرق کرنے کی کوشش کرے گی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اب جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا امریکی آبدوز امریکا تو کی خاموش جنگ شروع ہو چکی تھی۔

دیکھنا یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے دوسرے کو تارپیڈو مار کر تباہ کرتا ہے۔

جرمن جہاز والوں نے آبدوز کی سمت مقرر کر کے سمندر میں گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ گولے سمندر میں کافی نیچے جا کر پھٹتے تھے۔

گولوں کے پھٹنے سے سمندر میں پانی کئی فٹ اوپر اچھلتا اور نیچے طوفان مچا دیتا۔ امریکی آبدوز سمندر کی تہہ کیساتھ لگا دی گئی تھی۔

اس کے سارے انجن بند تھے تاکہ انجنوں کی معمولی سی آواز

بھی جنگی جرمن جہاز تک نہ پہنچ سکے۔

ملاحوں کو بھی خاموش رہنے کا حکم مل گیا تھا۔

امریکی کپتان خاموش بیٹھا بموں کے دھماکے سن رہا تھا۔ بم ان کی آبدوز سے ذرا فاصلے پر پھٹ رہے تھے۔

جرمن جہاز نے جب دیکھا کہ بمباری کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تو گولہ باری بند کر دی گئی۔

گولہ باری بند ہوئی تو امریکی آبدوز کے کپتان نے خاموش اشارے سے حکم دیا کہ بغیر انجن کے پمپ چلا دائے جائیں اور پانی کے دباؤ سے مدد لے کر آبدوز کو ایک خاص زاویے پر لے جانے کی کوشش کی جائے۔

جرمن جہاز کی گولہ باری سے امریکی کپتان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جہاز کس جگہ پر ہے۔

آبدوز سے پمپ چلا دیئے گئے۔ پانی کے دباؤ سے آبدوز نے ایک خاص سمت کو اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ مگر انجنوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد آبدوز کا ایک انجن چلا دیا گیا۔

آبدوز نے اوپر اٹھنا اور بائیں جانب آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

امریکی کپتان نے پیری سکوپ یعنی آبدوز کی دوربین کو سمندر سے باہر نکال کر دیکھا۔ یہ ایک خطرناک بات بھی تھی۔ کیونکہ جرمن تباہ کن جہاز اسے دیکھ سکتا تھا۔

امریکی کپتان نے ذرا فاصلے پر جرمن جہاز کو دیکھ لیا۔ مگر وہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ایسے زاویے پر چل رہا تھا کہ اس پر تارپیڈو کا گولہ اثر نہیں کر سکتا تھا۔

امریکی آبدوز کے کپتان نے آبدوز کو جہاز کے پہلو میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔

اس میں بڑا خطرہ تھا۔ کیونکہ آبدوز کے انجنوں کی آواز سے جرمن جہاز کو اس کا پتہ لگ سکتا تھا اور وہ گولے پھینک کر آبدوز کو تباہ کر سکتا تھا۔

اس خطرے کو مول لے کر امریکی کپتان آہستہ آہستہ آبدوز کو جرمن جہاز کے پہلو میں لے آیا۔

اب اس نے دوربین سے دیکھا تو جہاز کا پیندا بالکل سامنے تھا۔

اب دیر کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔

امریکی کپتان نے بڑی تیزی سے کہا۔

"نشانہ ستر ڈگری شمال مغرب"۔

تارپیڈو پھینکنے والے نے نشانے کی سمت مقرر کر دی۔

"ریڈی!"۔

یس سر۔

ٹارگٹ ستر ڈگری شمال مغرب۔

یس سر۔

سٹینڈ بائی۔

"فائر"۔

امریکی کپتان نے چیخ کر کہا۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

تارپیڈو پھینکنے والے نے سرخ بٹن دبا دیا۔

شاں کی آواز کے ساتھ آبدوز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور ایک خوفناک دھماکے سے چھٹنے والا تارپیڈو نما لمبا بم آبدوز کے سوراخ میں سے نکل کر جرمن جہاز کی طرف بڑی تیزی سے روانہ ہوگیا۔

اگرچہ یہ بم پانی کے نیچے جا رہا تھا۔ مگر سمندر کی سطح پر اس کی ایک ہلکی سی سفید لکیر بنتی جا رہی تھی۔

جرمن تباہ کن جہاز کا کپتان عرشے پر کھڑا تھا کہ اچانک اس نے ایک سفید لکیر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

اس کا رنگ فق ہوگیا۔ وہ چلا اٹھا۔

"جہاز کو موڑو۔ تارپیڈو!"۔

سارے جہاز پر کھلبلی مچ گئی۔ جہاز کو موڑنے کی بھرپور کوشش شروع ہوگئی۔

مگر اتنے بڑے جہاز کو ایک دم سے موڑنا آسان نہیں تھا۔

تارپیڈو بڑی تیزی سے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

امریکی کپتان نے آبدوز سے دوسرا بم بھی چلا گیا تھا اور وہ بھی سفید لکیر چھوڑتا پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ جرمن جہاز کا کپتان ادھر ادھر بھاگ کر آرڈر دے رہا تھا۔

یہ سب کچھ چند ایک سیکنڈ میں ہوگیا۔

آبدوز کا تارپیڈو ایک دھماکے سے جہاز کے پیندے سے ٹکرایا۔

سارا جہاز کانپ اٹھا۔ جہاز میں تارپیڈو نے سوراخ کر دیا

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اور اندر گھس گیا۔

اندر جا کر وہ ایک اور دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا تارپیڈو بھی جہاز سے ٹکرایا اور پھٹ گیا۔

جہاز کے انجن روم میں آگ لگ گئی۔ اس کے دو حصے ہو گئے اور وہ ڈوبنے لگا۔

عنبر، تھامس اور ایملی اپنے کیبن سے اچھل کر دور جا پڑے۔ جہاز ڈوب رہا تھا۔ جرمن ملاح کشتیوں اور تختوں پر بیٹھے سمندر میں جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کپتان بھی ایک تختے پر سوار تھا۔ عنبر اور تھامس وغیرہ بھی ایک تختے پر جا بیٹھے اور جہاز سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

کیونکہ جہاز ڈوب رہا تھا۔

جس وقت وہ ڈوبتا تو سمندر میں شدید لہریں ابھرنے والی تھیں۔ دوسری طرف سمندر میں سے کچھ فاصلے پر آبدوز نے سر باہر نکالا۔

امریکی آبدوز کا کپتان اور دوسرے ملاح آبدوز کے عرشے پر آ گئے۔

انہوں نے اوپر ایک چھوٹی توپ اور مشین گن لگا دی اور جرمن ملاحوں پر گولہ باری اور مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ دیکھتے دیکھتے ایک گولہ اس تختے پر گرا جس پر کپتان بیٹھا تھا۔

کپتان اور دوسرے ملاحوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔

گولیاں برس رہی تھیں۔ جرمن ملاح مر رہے تھے۔ کل یہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

لوگوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔

آج ان پر گولیاں برس رہی تھیں۔ عنبر اور تھامس نے ایملی کو تختے پر لٹا دیا تھا اور خود تختے کو کھینچتے ہوئے آبدوز کی طرف لے جا رہا تھا۔

تھامس نے قمیض اتار کر ہوا میں لہرانی شروع کر دی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"اسے بتانے کی کوشش کرو کہ ہم دوست ہیں"۔

"کیسے سمجھاؤں؟"۔

تھامس بار بار قمیض لہرا رہا تھا۔ امریکی آبدوز کے کپتان جب ایک آدمی کو قمیض لہراتے اور تختے پر آگے بڑھتے دیکھا تو اس نے گولی بند کرنے کا حکم دیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تختہ آبدوز کے قریب آ گیا تو تھامس نے چلا کر کہا۔

"ہم امریکی جنگی قیدی ہیں"۔

اتنا کہنا تھا کہ امریکی کپتان نے نیچے ایک تختہ سمندر میں اتار دیا۔

عنبر، ایملی اور تھامس تختے پر بیٹھ گئے۔ تختہ انہیں اوپر آبدوز پر لے آیا۔ امریکی کپتان نے انہیں غور سے ایک ایک کر کے دیکھا اور حکم دیا۔

"انہیں نیچے لے جا کر کیبن میں بند کر دو"۔

عنبر، ایملی اور تھامس کو نیچے کیبن میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔

امریکی کپتان ابھی تک آبدوز کے عرشے پر کھڑا جرمن جہاز

کے ڈوبنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔

جب جہاز سمندر کی تہہ میں چلا گیا تو اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور سیڑھیاں نیچے آیا اور حکم دیا۔

"آبدوز سمندر میں اتار دو"۔

سائرن کی آوازیں آئیں۔

سارے ملاح نیچے آبدوز کے اندر آ گئے اور آبدوز نے سمندر میں ڈوبنا شروع کر دیا۔

کافی نیچے سمندر میں جا کر آبدوز رک گئی اور اس نے آگے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

امریکی آبدوز کا کپتان اپنی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جرمن تباہ کن جہاز نے ڈوبتے ڈوبتے

سمندر میں دور اپنے ایک جنگی جہاز کو سگنل دے دیا تھا کہ فلاں جگہ فلاں مقام پہ اس پر امریکی آبدوز نے حملہ کر دیا ہے۔

اس سگنل کو جرمن جنگی جہاز نے وصول کر لیا تھا اور اب امریکی آبدوز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آبدوز کا کپتان اس کام سے فارغ ہو کر عنبر وغیرہ کی طرف متوجہ ہوا۔

اس نے تینوں کو اپنے کیبن میں بلایا اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔ تھامس اور اس کی بیوی کا رنگ گورا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ امریکی ہوں مگر عنبر کا رنگ گندمی تھا۔

کپتان نے اس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے کہا۔

"میں مصر میں پیدا ہوا تھا مگر ساری زندگی باہر سفر میں ہی گزاری ہے۔ میں سنگاپور میں کاروبار کرتا تھا۔ ایک جہاز واپس قاہرہ جا رہا تھا کہ جرمن جہاز نے حملہ کر دیا"۔

امریکی کپتان نے سر جھکا لیا۔ وہ کچھ غور کرتا تھا۔ پھر سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور پوچھا۔

"تم انگریزی بڑے خالص امریکی لہجے میں کیسے بول لیتے ہو؟"۔

"ان لوگوں کے ساتھ رہتے رہتے عادت پڑ گئی ہے۔ ویسے بھی میں دنیا کی ہر زبان کے لہجے کی نقل کر سکتا ہوں"۔

کپتان ہنسا۔

"ٹھیک ہے۔ امید ہے اگر تم جرمن فوج کے ایجنٹ بھی ہو گے تو یہاں شرارت کرنے کی کوشش نہیں کرو گے کیونکہ شرارت کا مطلب ہوگا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہلاک ہو جاؤ گے"۔

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں جناب! میں آپ کا وفادار ساتھی ثابت ہوں گا۔ میں دشمن کا ایجنٹ ہرگز نہیں ہوں۔ اگر ایجنٹ ہوتا تو ان دونوں کو جاپانیوں کی قید سے نہ نکال لاتا"۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو"۔

ادھر جرمن جنگی جہاز نے ایک خاص جگہ رک کر دو بمبار ہوائی جہاز اڑا دیئے تا کہ وہ جرمن آبدوز کو تلاش کر کے اسے تباہ کریں۔ دونوں جہاز دو دو بم لاد کر آسمان پر اڑ گئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہ سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں ان کے اندازے کے مطابق امریکی آبدوز کو ہونا چاہیے۔

ویسے ان کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ سمندر میں جس مقام پر پہنچ کر جرمن بمبار جہازوں نے پہلے دو بم گرائے ٹھیک اس کے نیچے امریکی آبدوز سفر کر رہی تھی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ وہ سمندر میں کافی نیچے تھی اور بموں کی زد سے باہر تھی۔

دونوں بم باری باری آبدوز سے کافی بلندی پر سمندر میں پھٹے تو آبدوز جھکولے کھانے لگی۔

کیوں کہ بموں کے پھٹنے سے سمندر میں طوفان سا آ گیا تھا۔ آبدوز کا کپتان بھاگ کر کیبن سے باہر آیا۔ اس نے آبدوز کی رفتار تیز کرا دی اور اسے اور زیادہ گہرائی میں اتار لیا۔

جرمن بمباروں نے چاروں بم پھینک دیئے تھے۔ اب وہ سمندر کے اوپر چکر لگا کر اندازہ لگا رہے تھے کہ آبدوز بچ گئی ہے کہ نہیں۔

اگر آبدوز تباہ ہو جاتی تو اس کا تیل سمندر کے اوپر آ جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا۔

سمندر کی سطح پر آبدوز کا تیل نہ پھیلا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آبدوز ابھی زندہ ہے۔

ہوائی جہازوں کے پائلٹ ایک بار پھر واپس آ گئے اور بم لے کر واپس آ گئے اور دھڑا دھڑ گرانے شروع کر دیئے۔ ان بموں سے بھی آبدوز کا کوئی نقصان نہ ہو سکا۔

جہاز واپس چلے گئے۔ انہوں نے رپورٹ دی کہ آبدوز غرق

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

نہیں کی جا سکی۔

انہیں دوبارہ زیادہ بم دے کر واپس بھیجا گیا۔ یہ بم انہوں نے باری باری سمندر میں پھینک دیئے۔ مگر آبدوز وہاں سے کافی آگے نکل گئی تھی۔

امریکی کپتان آبدوز کو بچا کر لے گیا تھا۔

یہ آبدوز سمندر میں سفر کرتی رہی اور دشمن کے جنگی جہازوں کو تلاش کر کے تباہ کرتی رہی۔ آخر ایک جگہ سمندر سے باہر نکلی۔ سامنے ایک امریکی تیل بردار جہاز تھا۔

اس جہاز سے آبدوز نے تیل لینا تھا۔ امریکی کپتان نے تھامس اور ایملی کو بحری جہاز کے حوالے کر دیا کیونکہ وہ جہاز امریکہ جا رہا تھا۔

کپتان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ تھامس اور ایملی کو ضرور امریکہ پہنچا دے گا۔ تھامس اور ایملی بڑی گرم جوشی سے عنبر کو ملے۔ اور تیل بردار جہاز پر سوار ہو گئے۔

عنبر امریکہ نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ ہندوستان جانا چاہتا تھا۔ جہاں وہ اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریہ کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔

امریکی آبدوز نے یہاں سے ہو کر بحر ہند میں جانا تھا جہاں اس کا مشن جاپانی بحری جہازوں کو تباہ کرنا تھا۔

آبدوز سمندر سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ ایک پائپ امریکی جہاز سے نکل کر آبدوز کے ٹینک میں تیل ڈال رہا تھا۔ عنبر اور امریکی آبدوز کا کپتان آبدوز کے عرشے پر کھڑے تھے۔

سامنے امریکی تیل بردار جہاز کا کپتان بھی کھڑا تھا۔ دونوں

PDF By princeofthump@urdufanz.com

ایک دوسرے سے ذرا اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں دور سے کسی ہوائی جہاز کی گونج سنائی دی۔

یقیناً یہ دشمن کا جہاز تھا۔ اس سے بڑا خطرہ آبدوز کے لیے نہیں ہو سکتا تھا۔

کپتان نے چلا کر حکم دیا کہ آبدوز نیچے اتاری جائے۔

سونے کی مصیبت

اسی وقت تیل کا پائپ کھینچ لیا گیا۔

اس کی وجہ سے سمندر کے اوپر کافی تیل پھیل گیا جو بڑی خطرناک بات تھی۔

کیونکہ دشمن کا ہوائی جہاز اوپر سے یہ تیل کا دھبہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ اسی جگہ آبدوز سمندر میں اتری ہے۔ وہ اردگرد کے علاقے پر بم برسا کر قیامت برپا کر سکتا تھا۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

تیل بردار جہاز نے پائپ کو سمیٹا اور بڑی تیز رفتاری سے جنوب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ آبدوز بھی سمندر میں اترنے لگی۔

مگر دشمن کا ہوائی جہاز سر پر آ پہنچا تھا۔ اب آبدوز کا سمندر میں اترنا خطرناک تھا۔ کیونکہ سمندر کے اندر آبدوز بے بس تھی اور سمندر کے اوپر وہ کم از کم ہوائی جہاز پر گولیاں ضرور برسا سکتی تھی۔

دشمن کے جہاز نے غوطہ لگایا اور آبدوز پر بم گرا دیا۔ بم آبدوز کے بالکل قریب گرا اور وہ اچھل کر ٹیڑھی ہو گئی۔ دوسرا بم آبدوز کی دم پر گرا۔

دھماکہ ہوا اور آبدوز کی دم کٹ گئی اور آبدوز نے ڈوبنا شروع کر دیا۔

تیسرا بم آبدوز کے اوپر گرا۔ جس سے آبدوز کے پرخچے اڑ گئے۔ عنبر اور کپتان نے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔ اتنے میں چار جرمن جہاز اور آ گئے۔

انہوں نے تیل بردار امریکی جہاز پر بمباری شروع کر دی۔ اس جہاز کے ملاحوں کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ وہ سمندر میں چھلانگیں لگا سکتے۔

اوپر تلے جانے کتنے بم سیدھے بحری جہاز کے اوپر آ کر گرے۔ پھٹے اور تیل کو آگ لگ گئی۔ سارے کا سارا جہاز بم بن کر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹا اور آگ کا گولہ بن کر سمندر میں غرق ہو گیا۔

PDF By princeofchump@urdufanz.com

تھوڑی دیر بعد وہاں سمندر کی سطح پر نہ کوئی آبدوز تھی اور نہ تیل بردار جہاز کوئی ایسی کشتی یا تختہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس پر کوئی ملاح بیٹھا ہوا ہو۔

صرف ایک چھوٹی سی ربڑ کی کشتی تھی جس پر عنبر اور آبدوز کا کپتان جان بچا کر چھپے بیٹھے تھے اور کشتی لہروں پر ڈولتی ایک طرف بڑھی جا رہی تھی۔

جرمن بمباروں نے شاید اس کشتی کو نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ اگر ان کی نظر پڑ جاتی تو وہ گولیاں برسا کر انہیں ضرور ختم کر دیتے۔

جرمن جہاز اپنا کام پورا کر کے واپس چلے گئے۔

کھلے ویران سمندر پر اب صرف عنبر اور کپتان رہ گئے تھے۔

بمباروں کا حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ انہیں جان بچانے کے لیے سمندر میں چھلانگ لگانی پڑ گئی تھی۔

ربڑ کی کشتی جنگلے کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی جس کے چھلانگ لگانے سے پہلے کپتان نے کھینچ کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اس کی انہیں خاص مشق تھی۔

اس کشتی میں چند ایک چھوٹے ٹین کے گول ڈبے تھے۔ ان ڈبوں میں ایک ہفتے کی دو آدمیوں کے لیے خوراک موجود تھی۔ یعنی بسکٹ، تلی ہوئی مچھلی اور پانی۔

یہ خوراک اتنی تھی کہ اگر ایک آدمی چاہے تو اسے دو دن میں ختم کر سکتا تھا۔ لیکن ہنگامی حالات میں اس پر دو آدمی زیادہ سے زیادہ سات دن گذر بسر کر سکتے تھے۔

ابھی تک کپتان کو عنبر کی خفیہ طاقت کا بالکل علم نہیں تھا۔ وہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اسے ایک عام مصری آدمی سمجھتا تھا۔ اور کسی وقت اسے یہ بھی خیال آتا تھا کہ یہ کیا مصیبت اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔

ان کی کشتی سمندر میں بہی جا رہی تھی۔

کپتان نے جیب سے کمپاس نکال کر اندازہ لگایا کہ وہ شمال مغرب کی طرف نہیں بلکہ مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ چونکہ ان کے پاس چپو نہیں تھے اس لیے وہ سمندر کی لہروں پر بے بس تھے۔ جدھر سمندر کی لہریں کشتی کو بہانے لیے جا رہی تھیں ادھر کو وہ بھی جانے پر مجبور تھے۔

عنبر نے پوچھا۔

''کیا اس طرف کوئی جزیرہ وغیرہ موجود ہے کپتان''۔

کپتان نے کہا۔

''اس علاقے میں بہت سے جزیرے ہیں۔ مگر یہ ہے کہ ان جزیروں میں یا تو آدم خور رہتے ہیں اور یا جاپانیوں نے قبضہ کر رکھا ہے''۔

عنبر کہنے لگا۔

''پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ ہم کس قسم کے جزیرے پر اترنا پسند کریں گے؟''۔

کپتان بولا۔

''میں آدم خوروں کا نوالہ نہیں بننا چاہتا۔ اگر جاپانی جزیرے پر جا کر اترے تو کم از کم یہ امید تو ہوگی کہ بچ جائیں گے۔ مگر آدم خور تو ہمیں کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اور بھون کر کھا جائیں گے''۔

PDF By pmicecoldhump@urdufanz.com

عنبر کہنے لگا۔

"یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ خدا جانے تقدیر ہمیں کس قسم کے جزیرے پر پھینک دیتی ہے"۔

کپتان نے جھنجھلا کر کہا۔

"کم بخت میں اپنا پستول بھی نہیں اٹھا سکا"۔

عنبر نے کہا۔

"حملہ بڑا اچانک تھا"۔

کپتان افسوس کے ساتھ بولا۔

"افسوس! میری آبدوز کا سارا عملہ آبدوز کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔ میں ان میں سے کسی ایک کی بھی جان نہ بچا سکا کاش! میں یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہتا"۔

عنبر نے اسے تسلی دی۔

"کپتان! تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے آبدوز کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا"۔

کشتی کو سمندر میں سفر کرتے دو روز ہو گئے تھے۔ اور بڑی عقل مندی سے خوراک استعمال کر رہے تھے۔

کپتان کا اندازہ تھا کہ اگر کشتی کی یہی رفتار رہی تو وہ چار روز کے بعد زمین کے ساتھ جا لگیں گے۔

عنبر نے پوچھا۔

"اگر ہم جاپانیوں کی قید میں چلے گئے تو کیا وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ ہو گا؟"۔

"فرار ہونے سے کیا فائدہ ہو گا۔ پھر اس طرح سمندر میں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بے یارو مددگار سفر کرتا ہو گا۔ میں تو باقی ساری زندگی قید کاٹ دوں گا۔ اس بک بک سے نجات مل جائے گی"۔

وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ کشتی بھی جا رہی تھی۔ دوپہر گزر چکی تھی۔ سورج سمندر میں غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک شارک مچھلی نمودار ہوئی۔

اس نے اپنی لمبی آری جیسی تھوتھنی نکال کر عنبر کو دیکھا اور کشتی پر حملہ کر دیا۔

کپتان نے گھبرا کر کہا۔

"اگر اس نے ربڑ کی کشتی پھاڑ دی تو ہم سمندر میں غرق ہو جائیں گے۔ یہ کشتی ہمارا آخری سہارا ہے عنبر! خدا کے لیے اسے بچاؤ اور شارک کو ہلاک کر دو"۔

عنبر کشتی میں جھک کر شارک کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

شارک ذرا آگے جا کر غضبناک ہو کر واپس مڑی وہ بڑی تیزی سے واپس آ رہی تھی۔

وہ اپنی آری نما تھوتھنی سے کشتی کو پھاڑ کر سمندر میں ڈبو دینا چاہتی تھی۔ کپتان کا رنگ فق ہو گیا۔

اسے موت اپنے سامنے سمندر میں کھڑی نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ اگر کشتی ڈوب جاتی ہے تو ان دونوں کو بیکراں سمندری موت سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

عنبر بالکل تیار ہو گیا۔ کپتان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی انسان کھلے سمندر میں خونخوار شارک کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جونہی شارک کشتی کے قریب پہنچی تو عنبر نے آگے بڑھ کر اسے تھوتھنی سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور اسے ہوا میں دو تین بار لہرا کر زور سے سمندر میں پھینک دیا۔

شارک کی تھوتھنی ٹوٹ کر عنبر کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ اور شارک خون میں نہا کر سمندر میں ڈوب چکی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر امریکی کپتان تو ہکا بکا رہ گیا۔

وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک عام نوجوان کسی اتنی بڑی شارک کو اٹھا کر پھینک سکتا ہے۔ اس نے عنبر کے بازوؤں اور ہاتھوں کو ٹٹول کر دیکھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

عنبر نے پوچھا۔

امریکی کپتان بولا۔

"یہی جو کچھ میں نے دیکھا ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسا ہو جایا کرتا ہے"۔

اس وقت آسمان پر کالے کالے بادل آنا شروع ہو گئے۔ ہوا چلنے لگی۔

کپتان نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شاید طوفان آ رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"بارش کا پانی ہمیں جمع کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ابھی ہمیں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کچھ روز اور سمندر میں سفر کرنا پڑے۔ ہمارا خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے"۔

کپتان خاموش رہا اور آسمان کو تکتا رہا۔ بادل گھر گھر آ رہے تھے۔ گھنگھور گھٹا تھی جو آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی۔ پھر بادلوں میں بجلی چمکنے لگی۔

ہلکی ہلکی گرج سنائی دینے لگی۔ یہ بارش طوفان میں بھی بدل سکتی تھی۔

عنبر نے پوچھا۔

"ان سمندروں کے طوفانوں کے بارے میں تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے کپتان؟"۔

کپتان نے کہا۔

"میں نے زیادہ تر زندگی سمندر کے نیچے سفر کرتے ہوئے گزاری ہے۔ پھر بھی میرا علم کہتا ہے کہ اس سمندر میں بڑے خوفناک طوفان آیا کرتے ہیں"۔

"بہر حال اب ہمیں یہ طوفان برداشت کرنا ہوگا"۔

شام تک بارش ہوگئی۔ اور ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ سمندر کی بڑی بڑی لہریں اٹھ کر کشتی کو ادھر ادھر پھینکنے لگیں۔

کپتان اور عنبر کشتی کے ساتھ چمٹ گئے تھے۔ طوفان نے انہیں بے حال کر دیا تھا۔ ہوائیں چیخ رہی تھیں۔ ساری رات طوفان جاری رہا۔

صبح کی شام ہوئی تو طوفان غائب تھا۔ کپتان کا برا حال تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر ویسے ہی ہوشیار تھا۔

"کم بخت طوفان نے برا حال کر دیا"۔

کپتان نے سر اٹھا کر کہا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک سیاہ لکیر نظر آ رہی تھی۔

"زمین"۔

عنبر نے بھی وہ لکیر دیکھی۔ ضرور کوئی جزیرہ تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ جزیرہ کیسا تھا؟۔

وہاں کون لوگ آباد تھے۔ جاپانی آدم خور؟۔

کشتی کو سمندر کی لہریں جزیرے کی طرف بڑی تیزی سے بہائے لیے جا رہی تھیں۔ دوپہر کے بعد ان کی کشتی جزیرے کے ساتھ جا کر لگ گئی۔

یہ جزیرہ بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ اس علاقے میں جزیرے ہوا کرتے ہیں کنارے کنارے ریت تھی۔

ذرا آگے جا کر درختوں کے جھنڈ شروع ہوتے تھے۔ جو جنگل میں جا کر گھل مل گئے تھے۔ وہ کچھ دیر ریت پر لیٹے آرام کرتے تھے۔ عنبر کی صحت ویسی ہی تھی مگر امریکی کپتان کمزور ہو گیا تھا۔

وہ کافی دیر ریت پر لیٹا رہا۔

پھر اٹھ کر بولا۔

"ناریل کھانے چاہئیں"۔

عنبر جلدی سے جا کر کچھ ناریل توڑ کر لے آیا۔ کپتان نے ناریل کھا کر ان کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا تو اسے کچھ ہوش آئی۔ اب انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے کہ نہیں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے کہا۔

"ہمیں کسی جگہ چھپ کر جگہ بنانی چاہیے تاکہ اگر اس جزیرے پر آدم خور یا جاپانی آباد ہوں تو ان سے بچا جا سکے"۔

"ٹھیک خیال ہے"۔

انہوں نے کنارے کے سامنے ہی جنگل میں پتے اور جھاڑیاں ڈال کر پوشیدہ جگہ بنالی۔

کچھ دیر وہاں آرام کیا اور پھر سوچا کہ جزیرے کا چکر لگا کر دیکھنا چاہیے کہ یہاں کوئی آباد بھی ہے کہ نہیں۔ دونوں جزیرے کے کنارے کنارے روانہ ہو گئے۔

یہ جزیرہ چھوٹا سا تھا۔ بہت جلد انہوں نے جزیرے کا چکر لگا لیا۔ جنگل میں بھی گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں آبادی کے کوئی

آثار نہیں تھے۔

"یہ جزیرہ تو بالکل ہی ویران ہے"۔

کپتان نے کہا۔

عنبر بولا۔

"تعجب کی بات ہے۔ اتنا سرسبز اور ناریل کے درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ کبھی ویران نہیں ہوا کرتا۔ ویران جزیرے تو وہ ہوتے ہیں جہاں سوائے ریتلی چٹانوں کے کچھ نہیں ہوتا"۔

کپتان بولا۔

"ایسے جزیرے اس علاقے میں بہت ہیں۔ انسان آخر کہاں کہاں آباد ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں ہم کب تک پڑے رہیں گے؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ کاش چھوٹا وائرلیس سیٹ ہی میرے پاس ہوتا۔ میں اپنے بحری جہازوں سے ملاپ کر کے انہیں اپنی مدد کے لیے بلا سکتا تھا۔

عنبر مسکرا دیا۔

"کپتان! تم بڑے دلچسپ آدمی ہو۔ بہر حال ہم کوشش کریں گے کہ یہاں سے نکل سکیں۔ ابھی ہمیں آرام کی ضرورت ہے"۔

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے۔ یہاں کوئی نہ کوئی لوگ ضرور رہتے ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت وہ لوگ یہاں نہیں ہیں"۔

"تو پھر کہاں چلے گئے ہیں وہ لوگ؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہاں سے آگے کچھ فاصلے پر کوئی دوسرا جزیرہ ہو اور یہاں کے لوگ وہاں چلے گئے ہوں"۔

کپتان بولا۔

"لیکن ان لوگوں کی جھونپڑیاں وغیرہ تو یہاں ہونی چاہئیں تھیں۔ کیا وہ لوگ جھونپڑیاں بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں؟"۔

عنبر خاموش رہا۔ شام ہو گئی تھی۔ انہوں نے جنگل میں گھوم پھر کر کچھ پھل تلاش کر لیے جو میٹھے تھے اور لذیذ بھی۔ باقی وہ ناریل کو توڑ کر حاصل کر لیتے تھے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

رات کو وہ سو گئے۔ دن چڑھا تو انہیں بحری جہاز کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

کپتان چونک کر اٹھا اور بولا۔

"بحری جہاز آ رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"گھبرانا نہیں ہے بھائی۔ کیا خبر یہ دشمن کا جہاز ہو"۔

دونوں اپنی کمین گاہ سے نکل کر چھپتے چھپاتے جھاڑیوں کے عقب میں آ گئے اور پتے ہٹا کر سمندر کی طرف تکنے لگے۔ وہ حیران رہ گئے۔

سمندر میں ساحل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چھوٹا سا جنگی جہاز کھڑا تھا۔ جس پر جاپان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

"یہ تو جاپانی ہیں!"۔

کپتان نے سہم کر کہا۔

"بدبخت! یہ کہاں آ گئے۔ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"حوصلہ رکھو کپتان! تم تو کہتے تھے کہ میں جاپانیوں کی قید میں جانا پسند کروں گا"۔

کپتان نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ کم بخت یہاں قید نہیں کریں گے۔ یہ ضرور گولی سے اڑا دیں گے"۔

"شی! وہ لوگ کشتی میں آ رہے ہیں"۔

ایک کشتی جہاز سے الگ ہو کر سمندر میں کنارے کی طرف ہی

PDF By princeoddhump@urdufanz.com

چلی آ رہی تھی۔

اس میں چار پانچ جاپانی سپاہی سوار تھے۔ ان کے بیچ میں ایک لکڑی کا صندوق رکھا تھا۔

کپتان نے کہا۔

"یہ لوگ جزیرے پر قبضہ کرنے نہیں آ رہے۔ اگر قبضہ کرنے کا خیال ہوتا تو جہاز کی ساری فوج کشتیوں میں سوار ہو کر یہاں آتی۔"

بلکہ پہلے اس جزیرے پر بم باری کی جاتی۔ معلوم ہوتا ہے یہ کسی خاص کام کے لیے یہاں آ رہے ہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

"کام؟ کیا خاص کام ہو سکتا ہے؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کپتان نے کہا۔

"خدا ہی جانے کیا ہو سکتا ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ کشتی میں صندوق کیسا لا رہے ہیں؟"۔

کشتی سمندر کے کنارے ریت پر آ کر رک گئی۔ جاپانی کشتی میں سے اتر کر ساحل پر آ گئے۔

اب انہوں نے صندوق کو بھی ریت پر رکھ دیا۔ ایک جاپانی افسر باقی جاپانیوں کو حکم دے رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے جنگل کی ایک خاص سمت کو اشارہ کیا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔

اس کی آواز مدھم تھی وگرنہ عنبر جاپانی سمجھ لیتا تھا۔ جاپانی سپاہیوں نے صندوق کندھوں پر اٹھایا اور جنگل میں داخل ہو

گئے۔

کپتان بولا۔

یہ لوگ صرف اس صندوق کو کسی جگہ رکھنے آتے ہیں۔ ضرور اس صندوق میں کوئی خاص راز ہے جیسے یہ لوگ اس گمنام جزیرے میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"بہر حال ہمیں ان کے جانے کا انتظار کرنا پڑے گا"۔

کافی دیر تک جاپانی جنگل میں رہے۔ پھر وہ باہر نکلتے دکھائی دیئے۔

وہ پسینے میں تر تھے۔ صاف لگتا تھا کہ انہوں نے زمین کھود کر صندوق کو دفن کیا ہے۔ وہ سمندر میں ٹھہری ہوئی کشتی میں آ کر

سوار ہو گئے اور کشتی نے جہاز کی طرف سفر شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر میں کشتی جہاز کے ساتھ جا لگی۔ اسے سواریوں سمیت اوپر جہاز پر اٹھا لیا گیا۔ اب جہاز نے آخری وسل دیا اور واپس روانہ ہو گیا۔

جب تک جہاز نظر آتا رہا عنبر اور کپتان جھاڑیوں میں چھپے رہے۔ کیونکہ جہاز پر جاپانی دوربین سے ضرور دیکھ رہے ہوں گے کہ جزیرے پر کوئی شخص موجود تو نہیں ہے؟۔

جاپانی جہاز جب نظروں سے غائب ہو گیا تو عنبر اور کپتان لپک کر جھاڑیوں سے باہر نکلے اور ادھر کو چل دیئے جدھر جاپانی جنگل میں داخل ہوئے تھے۔

چلتے چلتے وہ کافی آگے نکل آئے۔ کسی جگہ کوئی ایسے آثار

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ملے کہ جگہ کھودی گئی ہو۔

کپتان نے کہا۔

یہ لوگ کھدی ہوئی جگہ کو جھاڑیوں سے بڑی اچھی طرح ڈھانپ گئے ہوں گے۔ ہمیں بڑی محنت سے وہ جگہ تلاش کرنی ہو گی۔

عنبر بولا۔

"بائیں طرف چلتے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ ادھر گئے تھے"۔

وہ جنگل میں بائیں طرف مڑ گئے۔ یہاں ایسے درختوں کی بھرمار تھی جن کی شاخیں لمبے لمبے کانٹوں سے بھری ہوئی تھیں۔

اچانک ایک جگہ سے پھنکار کی آواز سنائی دی

کپتان نے ایک طرف اچھلتے ہوئے کہا۔

"سانپ!"۔

مگر اس کے اچھلتے اچھلتے جزیرے کے بے حد زہریلے سانپ نے کپتان کی ٹانگ پر ڈس دیا تھا۔ کپتان پکڑ کر بیٹھ گیا۔ عنبر نے سانپ کو تو کچھ نہیں کہا۔

مگر وہ کپتان کی طرف لپکا۔ کپتان کا سانپ کے زہر سے برا حال ہونے لگا تھا۔ رنگ سبز ہو رہا تھا۔ آنکھیں مردہ ہوتے لگی تھیں۔

عنبر نے فوراً ناگ کا یاد کرایا ہوا منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ منتر کا یہ اثر ہوا کہ سانپ جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا وہ وہاں سے فوراً باہر نکل آیا۔

PDF By princeofdhump@urdutanz.com

بے چین ہو کر وہ بل کھاتا کپتان کی ٹانگ کے پاس آ کر جھک گیا۔

عنبر نے منتر تیز کر دیا۔

سانپ نے جھک کر کپتان کی ٹانگ سے منہ لگایا اور زہر چوسنا شروع کر دیا۔

دیکھتے دیکھتے اس نے سارا زہر چوس لیا اور خاموشی سے عنبر کے آگے سر جھکا کر سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی کپتان اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ اب اور زیادہ حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص کس قسم کی طاقت رکھتا ہے۔ سمندر میں اس نے اتنی طاقتور شارک مچھلی کو الٹا کر رکھ دیا اور اب سانپ کو مجبور کر دیا کہ وہ زہر کو

واپس چوس لے۔

اس نے کچھ کہنا چاہا۔

عنبر نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ ابھی ہمیں جاپانیوں کا صندوق تلاش کرنا ہے"۔

انہوں نے صندوق کی تلاش پھر شروع کر دی۔ ایک جگہ جھاڑیوں میں گھاس پر عنبر کو تازہ کھدی ہوئی مٹی نظر آئی۔

"یہاں دفن ہے صندوق۔ مٹی تازہ ہے"۔

وہ زمین پر جھک گئے۔ انہوں نے ہاتھ سے گھاس پرے ہٹائی تو نیچے سے مٹی نکل آئی۔

انہوں نے مٹی کھودنا شروع کر دی۔ مٹی کھودتے کھودتے وہ

PDF By princeoddhump@urdufanz.com

تھک گئے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد مٹی کی کھدائی پھر شروع کر دی۔

جب کافی مٹی کھد گئی تو نیچے سے وہی صندوق نکل آیا۔ جو جاپانی کشتی میں رکھ کر اپنے ساتھ جزیرے پر لائے تھے۔ صندوق کافی وزنی تھا۔

کپتان نے کہا۔

"اسے باہر نکالنے کی بجائے اسی جگہ کھول کر دیکھا جائے کہ اس میں کیا ہے"۔

انہوں نے ڈھکن کھول کر الگ کر دیا تو نیچے صندوق میں ٹین کی گول گول چھ سات نالیاں رکھی تھیں۔

انہیں اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سونے کی اینٹیں ایک دوسری

کے اوپر سلیقے سے لگائی گئی تھیں۔ سونا دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

عنبر نے کہا۔

"جاپانی اپنا خزانہ یہاں چھپا کر رکھ گئے ہیں"۔

کپتان نے ٹین کی نالی کھول کر دیکھا۔ اندر نیلے رنگ کا موی کاغذ لپٹا ہوا تھا۔

اسے کھولا گیا تو وہ کسی آبدوز کا نقشہ تھا۔ دوسری نالی میں کسی کارخانے کا نقشہ تھا۔ اسی طرح باقی ساری نالیوں میں بھی اسی قسم کے خفیہ نقشے تھے۔ اب انہوں نے سونے کی اینٹوں کو پرکھنا شروع کیا۔

"خالص سونا ہے مسٹر عنبر"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے ایک اینٹ اٹھا کر اسے ہاتھ میں لے کر پرکھا جانچا۔ تولا اور مسکرا کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ خالص سونا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ لوگ اسے یہاں کیوں دفن کر گئے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"کسی قریبی جزیرے پر انہوں نے یہ سونا رکھا ہوگا۔ ضرور وہاں پر امریکی حملے کا خطرہ ہوگا۔ پس یہ لوگ اسے اٹھا کر یہاں لے آئے کہ یہاں محفوظ رہے گا"۔

"یہی خیال غالب لگتا ہے۔ مگر ہمارے لیے تو یہ سونا بے کار ہے کپتان! کاش اس کی جگہ ڈبل روٹیاں صندوق میں بھری ہوتیں"۔

کپتان کی آنکھوں میں دولت کی چمک آ گئی تھی۔ اس نے اینٹ کو چھو کر کہا۔

"ڈبل روٹی کو لے کر کیا کرتے ہم۔ زیادہ سے زیادہ دو دن زندہ رہ سکتے تھے۔ مگر اتنا سونا تو ہم ساری زندگی میں بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے"۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم یہاں آ گئے۔

عنبر نے کہا۔

"مگر ہم اس سونے کو کیا کریں گے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"ہم اسے آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔ اور پھر اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں گے اور امریکہ جا کر کروڑ پتی بن کر زندگی

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بسر کریں گے"۔

ہمارے بے شمار کارخانے ہوں گے۔ ہماری لمبی لمبی کاریں ہوں گی ہمارے بچے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر سکول پڑھنے جایا کریں گے۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"مگر کپتان صاحب! یہ سونے کی اینٹیں یہاں سے ہم لے جائیں گے کیسے؟"۔

کپتان نے کہا۔

اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ سب سے پہلا کام تو ہمیں یہ کرنا ہے کہ اس خزانے کو یہاں سے نکال کر جزیرے میں کسی دوسری جگہ دفن کر دیں تاکہ بعد میں جب ہم یہاں سے جانے

لگیں تو نکال کر لے جائیں۔

کیونکہ ہو سکتا ہے کچھ روز بعد جاپانی یہاں آئیں اور اپنا خزانہ نکال کر لے جائیں۔ کیا خیال ہے؟۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا خیال ہے۔ مگر میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا"۔

"وہ کیوں؟"۔

"اس لیے کہ سونا مصیبت کی جڑ ہوتی ہے"۔

"تو کیا ہم اتنی دولت کو جاپانیوں کے حوالے کر دیں؟"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس صندوق کو اسی جگہ رہنے دینا چاہیے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"تم احمق ہو۔ قسمت نے ہمارے دن پھیرے ہیں تو ہم اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ دولت کو ٹھکرا دیں"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جہاں دولت آئی وہاں تباہی بھی ساتھ ہی آتی ہے"۔

کپتان ہنس دیا۔

"تم بزدل ہو۔ تم سونا نہ لے جاؤ۔ مگر میں ہر حالت میں اسے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کروں گا۔ بلکہ اپنی جان بھی لڑا دوں گا مگر اس سونے کی کان کو جاپانیوں کے حوالے ہرگز ہرگز نہیں کروں گا"۔

عنبر سمجھ گیا کہ سونے کی چمک نے امریکی کپتان کا دماغ الٹا کر دیا ہے۔

وہ دولت کی ہوس میں آ گیا ہے۔ اسے اس لالچ سے اب کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ کپتان نے سونے کی اینٹیں باہر نکالنی شروع کر دیں۔

عنبر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں سونے کی اینٹیں الگ الگ نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ صندوق ہی نکال کر لے جانا چاہیے"۔

"مگر صندوق بڑا وزنی ہے"۔

"تم ایک طرف ہٹ جاؤ"۔

کپتان پرے ہٹ گیا۔ عنبر نے دونوں ہاتھوں کا زور لگا کر صندوق کو بڑے آرام سے گڑھے میں سے باہر نکال لیا۔

PDF By princeodhump@urdufanz.com

اب بتاؤ اسے کہاں لے جا کر رکھنا ہے؟۔

''سمندر کے کنارے جہاں ہم نے پناہ گاہ بنا رکھی ہے۔ میرا خیال ہے وہ جگہ ٹھیک رہے گی''۔

عنبر نے صندوق سر پر اٹھا لیا۔ جیسے وہ بڑا ہلکا پھلکا ہو۔ صندوق لے کر دونوں اس جگہ آ گئے جہاں انہوں نے اپنی کمین گاہ بنا رکھی تھی۔

یہاں انہوں نے زمین کھودنی شروع کر دی۔ گڑھا کھود کر اس میں صندوق دفن کر کے اوپر مٹی ڈال کر گھاس اور پتے بکھیر دیئے۔

دوسرے روز آسمان پر بادل گھر آئے اور بارش ہونے لگی۔ کپتان نے ایک جگہ سے کچھ پودے اکھاڑے اور جہاں صندوق دفن کیا تھا وہاں بو دیئے۔

''دو ایک روز میں یہاں پودے اگ آئیں گے۔ پھر تو جاپانیوں کو کبھی خیال بھی نہیں آئے گا کہ یہاں زمین کھودی گئی ہے''۔

جزیرے پر رہتے ہوئے انہیں چھٹا روز گذر رہا تھا۔ ناریل اور جنگلی پھلوں پر ہی گذارہ ہو رہا تھا۔

کسی طرف سے کوئی جہاز نظر نہیں آیا تھا۔ آٹھویں روز دن چڑھے عنبر اور کپتان پھل کھا کر ناریل کا پانی پی رہے تھے۔ کہ دور سے جہاز کے بھونپو کی آواز آئی۔

وہ چونک پڑے۔ انہوں نے سمندر کی طرف دیکھا۔ دور ایک جہاز جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"کوئی جہاز آ رہا ہے"۔

"خدا کرے امریکی جہاز ہو"۔

کپتان نے کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا"۔

عنبر نے دور سمندر میں غور سے دیکھا۔

پھر وہ تشویش سے بولا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ جاپانی جہاز ہے"۔

"اوہ نہیں۔ نہیں"۔

کپتان نے گھبرا کر کہا۔

لیکن حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ جہاز جاپانی ہی تھا۔ اور سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ تھی کہ وہی جاپانی جہاز تھا جو چھ سات روز پہلے جزیرے پر سونے کا صندوق دفن کر گیا تھا۔

"خدایا!"۔

کپتان نے چلا کر کہا۔

"یہ تو وہی جاپانی جہاز ہے"۔

"ہاں! وہی جہاز ہے۔ یہ کیا لینے آیا ہے یہاں؟"۔

عنبر بھی حیران ہو رہا تھا۔ کپتان کا تو پریشانی کے مارے برا حال تھا۔ مگر اس نے بہت جلد پریشانی پر قابو پا لیا اور چھپ کر جہاز کو جزیرے کی طرف آتا دیکھنے لگا۔

عنبر بھی جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔ جہاز آہستہ آہستہ جزیرے سے کچھ دور آ کر سمندر میں رک گیا۔ وہاں لنگر ڈال دیا گیا۔ کیونکہ جزیرے کے ساحل پر پانی کم گہرا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جہاز وہاں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی دن کی طرح جہاز میں سے ایک کشتی سمندر میں اتاری گئی۔ اس کشتی میں جاپانی سوار تھے۔ انہوں نے مشین گنیں کاندھوں پر لٹکا رکھی تھیں۔

عنبر اور کپتان خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ کپتان زیادہ پریشان تھا۔ کیونکہ اب اس کے سونے کا سوال تھا۔ سونے نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ بلکہ ہلا کر رکھ دیا تھا۔

جاپانی کشتی لے کر کنارے پر اتر گئے۔ کشتی انہوں نے ریت پر کھینچ لی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جہاز کے ڈیک پر جنگلے کے ساتھ لگے کچھ جاپانی سپاہی یا شاید افسر دوربینیں آنکھوں پر لگائے ان لوگوں کو جزیرے پر اترتے دیکھ رہے تھے۔

جاپانی سپاہیوں نے ریت پر کھڑے ہو کر جزیرے پر چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ پھر ان کے افسر نے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ جنگل میں چلو۔ وہ اسی طرف جنگل میں داخل ہوئے جہاں وہ پہلے خزانہ دفن کرنے گئے تھے۔

”کیا یہ لوگ خزانہ واپس لینے آئے ہیں؟“۔

کپتان نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

”معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہاں خزانہ ہو گا تو لے جائیں گے۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے“۔

جاپانی جنگل میں چلے گئے تھے۔

ان کا افسر آگے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں انہوں نے خزانہ دفن کیا تھا تو یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے کہ وہاں زمین کھدی ہوئی تھی۔

مٹی ادھر ادھر پڑی ہے اور گڑھا صندوق سے بالکل خالی ہے۔ جاپانی افسر نے جیب سے پستول نکال کر ہوا میں فائر کر دیا اور چیخ کر کہا۔

”جزیرے کو گھیرے میں لے لو۔ دشمن خزانہ اڑا کر لے گیا ہے۔ مگر وہ بچ کر نہیں جا سکتا“۔

فائر کی آواز عنبر اور کپتان نے بھی سنی اور جہاز پر جاپانیوں نے بھی سنی۔

PDF By princeofthump@urdufanz.com

عنبر سمجھ گیا کہ یہ خطرے کا سگنل تھا۔

دوسری طرف اس فائر کی آواز کا اثر جاپانی جہاز پر بہت زیادہ ہوا۔ وہاں سے اوپر تلے چھ سات فائر ہوئے۔ اور پھر جاپانی سپاہی ایک کشتی میں بیٹھ کر تیزی سے جزیرے کے کنارے پر اتر گئے اور انہوں نے زمین پر لیٹ کر مورچے سنبھال لیے۔

جیسے کوئی خطرناک دشمن جزیرے میں گھس گیا ہو۔ جہاز سے مسلسل گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔

ان مورچہ بند جاپانیوں نے بھی گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ وہ ہوا میں فائر کر رہے تھے۔

گویا کسی خیالی دشمن کو ڈرا رہے تھے۔ اتنے میں جنگل میں سے جاپانیوں کی ٹولی بھی بھاگ کر باہر آ گئی۔ جاپانی افسر نے

وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو بتا دیا کہ خزانہ چوری ہو گیا ہے۔

جہاز کا کپتان بھی پریشان ہو کر جزیرے پر آ گیا۔ انہیں یقین تھا کہ جس شخص نے خزانہ چوری کیا ہے وہ جزیرے پر موجود ہے۔

ایک نے کہا۔

"سر! ہو سکتا ہے ڈاکو بعد میں آئے ہوں اور خزانہ اٹھا کر لے گئے ہوں"۔

"خاموش"۔

جاپانی افسر چلایا۔

"یہاں کبھی ڈاکو نہیں آتے اور پھر انہیں ہمارے خفیہ ٹھکانے کا کیسے علم ہو گیا۔ یہ کسی ایسے آدمی کا کام ہے جو ہمیں خزانہ زمین میں اتارتے دیکھ رہا تھا"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

خزانے کا ڈاکو

جہاز پر سارے ستر اسی سپاہی تھے۔

ان سارے جاپانی سپاہیوں کو جزیرے پر چھوڑ دیا گیا۔ انہیں حکم دیا کہ خزانے کے چور جزیرے پر ہی ہیں انہیں ہر حالت میں تلاش کیا جائے۔

سپاہی مشین گنیں لے کر سارے جزیرے پر پھیل گئے۔ جہاز کا کپتان اور دوسرے دو افسر پستول ہاتھوں میں لیے بے چینی

سے ساحل سمندر پر ٹہل رہے تھے اور وائرلیس پر پیچھے خدا جانے کس سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔

امریکی کپتان کو فکر ہوا کہ جزیرے میں ساحل کے پاس ہی چھپے ہیں کہیں گرفتار نہ ہو جائیں۔

اس نے عنبر سے اپنے ڈر اور خطرے کا اظہار کیا تو عنبر بولا۔

"اب ہم یہاں سے نکل کر دوسری جگہ گئے تو پکڑے جائیں گے۔ ہم اسی جگہ رہنا ہوگا۔"

خدا سے دعا کرو کہ جاپانیوں کی نظر ادھر نہ پڑ جائے۔ ویسے ہم ان کے اتنے قریب اور ساحل کے پاس ہی ہیں کہ انہیں شک نہیں پڑ سکتا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری سونے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کی اینٹیں ہمیں مصیبت میں پھنسا دیں گی۔

"میں نہ کہتا تھا کہ اس خزانے پر لعنت بھیجو اور اسی جگہ رہنے دو۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگتو۔ میرا کیا ہے"۔

امریکی کپتان بولا۔

"کیوں تمہارا کیا ہے؟ تمہیں بھی وہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر مسکرایا۔

"زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ مجھے گولی مار دیں گے۔ ٹھیک ہے۔ بے شک گولی مار دیں گے۔ میں تیار ہوں"۔

وہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے ارد گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی تھیں۔

گھنے درخت بھی تھے۔ سمندر بالکل قریب ہی تھا اور لہروں کی

آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ دونوں جھاڑیوں میں سے جاپانیوں افسروں کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے سمندر کے کنارے ریت پر کیمپ لگا لیا تھا اور اس کے سائے میں دونوں جاپانی افسر کرسیوں پر بیٹھے وائرلیس پر کسی سے باتیں کر رہے تھے۔

جہاز سمندر میں خاموش کھڑا تھا۔ ساحل پر چار کشتیاں بندھی تھیں۔ جاپانی سپاہی جنگل میں ''ڈاکوؤں'' کو تلاش کر رہے تھے۔ ان کے شور مچانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

جاپانیوں نے سارا جزیرہ کھنگال ڈالا۔

مگر ''ڈاکو'' کہیں بھی دکھائی نہ دیے۔ جاپانی کپتان کے لیے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی کہ جاپان کا شاہی خزانہ اور شاہی فوج

کے اہم راز چوری ہو جائیں۔

اس نے رات کو سینے میں تلوار گھونپ کر خودکشی کر لی۔

جزیرے پر اب ایک جاپانی کرنل اور ستر اسی سپاہی اور ایک جہاز کا نائب کپتان رہ گیا۔

یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا تھا۔ صبح عنبر اٹھ کر جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر ذرا دور گرے پڑے ناریل اٹھانے گیا تو اس نے دو جاپانی سپاہیوں کو باتیں کرتے سنا۔

وہ ایک دوسرے سے اپنے افسر کی خودکشی کے بارے میں افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔

عنبر نے جلدی جلدی چھ سات ناریل جھولی میں ڈالے اور واپس آ گیا۔ اس نے امریکی کپتان کو سارا واقعہ سنایا۔ اس نے

PDF By princedhump@urdufanz.com

کہا۔

''ہو سکتا ہے جاپان کی نئی کمپنی یہاں آ جائے۔ ان لوگوں کو ابھی تک یقین ہے کہ خزانہ چرانے والے اسی جزیرے پر موجود ہیں''۔

عنبر سر کھجا کر کہنے لگا۔

''کم بخت ان لوگوں نے تو یہاں چھاؤنی ڈال لی ہے۔ ہمارا باہر نکلنا بند ہو گیا ہے۔ آخر کب تک ہم اس کھوہ میں چھپے بیٹھے رہیں گے؟''۔

امریکی نے کہا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ان کی کوئی کشتی لے کر یہاں سے فرار ہو جائیں؟''۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے کہا۔

ہو تو سکتا ہے لیکن یہ لوگ پیچھا کر کے کشتی غرق کر دیں گے۔ ان کے پاس وائرلیس ہے جس سے یہ پیچھے اطلاع کر کے ہماری کشتی پر سمندر میں بم باری کرا سکتے ہیں۔ ہم کشتی لے کر بھاگے تو یہ سمجھ جائیں گے کہ ڈاکو ہی بھاگ گئے ہیں۔

''یہ تو ٹھیک ہے مگر ہمارا اب ہو گا کیا۔ کیا اسی طرح اس کھوہ والی جھاڑیوں میں پڑے پڑے سوکھ جائیں گے یا یہاں سے کبھی نکلنا بھی نصیب ہو گا۔ پہلے کم از کم اس جزیرے کی سیر تو کر لیا کرتے تھے''۔

عنبر نے کہا۔

یہ مصیبت تم نے خود خریدی ہے۔ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ خزانے کو ہاتھ مت لگاؤ۔

اسے وہیں رہنے دو۔ مگر تم نہ مانے۔ اگر خزانہ وہیں رہتا تو جاپانی آ کر اسے لے جاتے یا دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ اب تو وہ اس جزیرے سے اسی وقت جائیں گے جب چور یعنی ہم پکڑے جائیں گے اور یا کسی طرح انہیں یقین ہو جائے گا کہ ڈاکو اس جزیرے پر نہیں ہیں۔

امریکی کپتان سرد آہ بھر کر دوہرا ہو کر جھاڑیوں میں لیٹ گیا۔ شام ہو رہی تھی۔

سمندر سورج میں ڈوب رہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی جھاڑیوں میں گھومتے پھرتے اس طرف آ نکلا جدھر عنبر اور امریکی چھپے

ہوئے تھے۔

یا تو یہ جاپانی سپاہی بڑا بے وقوف تھا یا بڑا چالاک تھا اور اسے شک پڑ گیا تھا کہ جھاڑیوں میں ضرور کوئی شے چھپی ہوئی ہے۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

سب سے پہلے اس سپاہی پر عنبر کی نظر پڑی۔ اس نے امریکی کو خبردار کیا تو وہ گھبرا گیا۔

اس نے عنبر سے سرگوشی میں کہا۔

"یہ تو سیدھا چلا آ رہا ہے سور کی طرح۔ اب کیا ہوگا؟"۔

"شی"۔

عنبر نے کپتان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

عنبر نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا۔ جاپانی افسر خیمے کے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اندر چلے گئے تھے۔

شاید شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ دو سپاہی دور سمندر کے کنارے جہاز کی طرف منہ کیے پہرہ دے رہے تھے۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔

جہاں جاپانی سپاہیوں نے مورچہ بنا رکھا تھا وہاں بھی سپاہی نہیں تھے۔

شاید دوسرے خیمے میں چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ عنبر نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ جاپانی سپاہی برابر رائفل کی سنگین سے جھاڑیوں کو پرے ہٹاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

اب وہ ان کے بہت قریب آ گیا تھا۔ سپاہی قریب سے آ کر دو قدم آگے ہو کر کھڑا ہو گیا اور منہ اٹھا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے

لگا۔

شاید اس نے کوئی سرگوشی سن لی تھی۔ یا وہ انسانوں کی موجودگی محسوس کر رہا تھا۔ بس یہی سب سے خطرناک وقت تھا۔ جب عنبر نے ایک فیصلہ کیا اور پیچھے سے اچھل کر جاپانی سپاہی کو گردن سے دبوچا اور جھاڑیوں میں گرا لیا۔

یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہو گیا۔ امریکی کپتان بھی حیران سا ہو کر رہ گیا کہ عنبر نے یہ کیا کر دکھایا۔

جاپانی سپاہی عنبر کے پنجے میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ مگر اس کا عنبر کے لوہے جیسے شکنجے سے نکل جانا ناممکن بات تھی۔ عنبر نے جاپانی سپاہی کی گردن دبا رکھی تھی۔

وہ پھڑکا۔ تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر کو جب یقین ہو گیا کہ اب

PDF By princeofthump@urdufanz.com

جاپانی سپاہی میں جان باقی نہیں رہی تو اس نے اسے چھوڑ دیا۔

امریکی نے کہا۔

''تم نے کمانڈوز کو بھی مات کر دیا۔ اب اس کی لاش کا کیا ہو گا؟''۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

''تمہاری جان بچانے کے لیے مجھے یہ بھی کرنا پڑا ہے۔ اب لاش کا بندوبست بھی ہو جائے گا''۔

امریکی بولا۔

''کیا تم نے اپنی جان بچانے کے لیے نہیں کیا؟ آخر تم بھی تو میری طرح ہی مصیبت میں گرفتار ہو۔ تمہاری جان کو بھی تو خطرہ ہے''۔

عنبر کہنے لگا۔

''کپتان صاحب! میری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔

امریکی نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا تم انسان نہیں ہو؟ کیا جاپانی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے؟''۔

عنبر نے کہا۔

وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

اب ان باتوں کو چھوڑو اور یہ دیکھو کہ اس کا کوئی ساتھی تو اس کی تلاش میں ادھر نہیں آ رہا؟۔

امریکی نے جھاڑیوں میں سے جزیرے کی جانب دیکھا۔

PDF By princeoddhump@urdufanz.com

وہاں کوئی نہیں تھا۔

”نہیں۔ کوئی ادھر نہیں آ رہا“۔

عنبر نے کہا۔

”بہر حال بہت جلد انہیں پتہ چل جائے گا کہ ایک جاپانی سپاہی کم ہے۔ پھر وہ اس کی تلاش میں بھی نکلیں گے۔ میں مجبور تھا۔ ایسا کرنا پڑا“۔

انہوں نے جاپانی سپاہی کی لاش کو جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر گھاس پھوس ڈال دیا۔

رات ہو گئی۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ایک سپاہی کم ہے۔ آدھی رات کو عنبر نے امریکی سے کہا۔

”تم یہاں چوکس ہو کر بیٹھنا۔ میں اس جاپانی کی لاش کو

یہاں سے دور سمندر میں پھینکنے جا رہا ہوں۔ جب صبح لاش پانی پر تیرتی ملے گی تو یہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تیرتے ہوئے سمندر میں ڈوب گیا ہے“۔

امریکی نے کہا۔

”ذرا خبردار ہو کر جانا بھائی“۔

”میں خبردار ہو کر ہی جاؤں گا۔ ہاں تم ہوشیار ہو کر بیٹھنا“۔

یہ کہہ کر عنبر نے جاپانی سپاہی کی لاش کندھے پر ڈالی اور اندھیرے میں جھاڑیوں میں سے نکل کر سمندر کی طرف چل دیا۔ وہ جھک جھک کر اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ لاش کا بوجھ تو اسے بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ کافی دور نکل گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہاں کچھ چٹانیں تھیں۔ عنبر نے بڑے اطمینان سے جاپانی کی لاش کو چٹانوں کے بیچ میں سمندر میں گرا دیا۔ اور واپس روانہ ہوا۔

ابھی وہ آدھی راستے میں ہی تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔

عنبر نے مڑ کر ایک گھونسا مارا۔ وہ جاپانی سپاہی تھا۔ اس نے سیٹی بجا دی۔ عنبر اس کی طرف لپکا جاپانی نے مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔

عنبر نیچے جھک گیا۔

وہاں شور مچ گیا۔ ایک دم سے کتنے ہی سپاہی وہاں سے نکل آئے اور انہوں نے عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔ اور مشین گنوں کا

رخ اس کی طرف کر دیا۔

"لے چلو اسے۔ خزانے کا ڈاکو ہے"۔

انہوں نے جاپانی زبان میں ایک دوسرے سے کہا۔ عنبر سمجھ گیا۔

اس نے سوچا کہ امریکی کپتان کی جان اسی طرح بچ سکتی ہے کہ اپنے آپ کو جاپانیوں کے حوالے کر دے اس طرح سے یہ جاپانی جزیرے میں "ڈاکوؤں" کی تلاش میں کام چھوڑ دیں گے اور امریکی کپتان کی جان بچ جائے گی۔

پس عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

جاپانی اسے لے کر اپنے کمانڈر کے پاس آ گئے۔ کمانڈر خوش ہوا کہ آخر خزانے کا چور پکڑا گیا۔ انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کر کشتی میں ڈالا اور جہاز میں لا کر ایک کیبن میں بند کر دیا۔ اب اس سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی کہ بتاؤ خزانہ تم نے کہاں چھپا رکھا ہے۔

یہ پوچھ گچھ جاپانی کمانڈر جو کرنل تھا کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جاپانی نیوی کا افسر بھی تھا۔

عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھی خزانہ لے کر یہاں سے فرار ہو گئے ہیں اور مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں"۔

"وہ تمہیں یہاں کس لیے چھوڑ گئے ہیں؟"۔

"انہیں خطرہ تھا کہ میں لوگوں کو بتا دوں گا"۔

"تمہارے ساتھی کون تھے؟ تم کہاں سے آئے تھے؟"۔

عنبر نے یہاں بھی ایک کہانی بنالی۔ بولا۔

"ہم بحری ڈاکو ہیں۔ ہمارا کپتان ہانگ کانگ کا رہنے والا ہے"۔

اس کا نام میانگ چن ہے ڈاکو مختلف ملکوں کے رہنے والے ہیں۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں اور دولت کمانے کے لالچ میں ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

افسوس! ان لوگوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور مجھے یہاں چھوڑ گئے۔

جاپانی کمانڈر نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ خزانہ اس جزیرے کے جنگل میں دبا ہوا ہے؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے کہا۔

جس وقت آپ لوگ خزانہ لے کر اس جزیرے پر اترے، اس وقت ہم لوگ جزیرے کے دوسرے کنارے پر آرام کر رہے تھے۔

جہاز کی آواز سن کر ہم نے آپ کا پیچھا کیا اور ہمیں پتہ چل گیا کہ آپ لوگ زمین میں کوئی صندوق دبا رہے ہیں۔ بس جس وقت آپ لوگ واپس گئے ہمارے کپتان نے فوراً خزانہ زمین میں سے نکال کر اپنے جہاز پر لادا اور مجھے یہاں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گیا۔

کہانی بڑی پکی تھی۔ جاپانیوں کو یقین کر لینا چاہیے تھا۔ لیکن جاپانی کمانڈر بھی بڑا چالاک تھا۔

اس نے قریب آ کر اچانک عنبر کے منہ پر زور سے مکا مارا۔ اگر کسی دوسرے انسان کے منہ پر ایسا زور سے مکا مارا۔ اگر کسی دوسرے انسان کے منہ پر ایسا زوردار مکا پڑتا تو اس کے اگلے دانت ضرور باہر نکل کر زمین پر گر پڑتے۔

مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا جاپانی کمانڈر کا ہاتھ درد کرنے لگا اور وہ اسے بار بار بغل میں دبا کر سہلانے لگا اور حیرانی سے عنبر کی طرف تکنے لگا کہ اس شخص کا منہ پتھر کا بنا ہے؟۔

جاپانی کمانڈر نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔ یہی سوچا کہ عنبر کی منہ کی ہڈی سخت ہے۔

وہ عنبر کے کندھے پر زور سے پستول کا دستہ مار کر بولا۔

"تم نے اب تک ہمیں جو کچھ بتایا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ سیدھے سیدھے بتا دو کہ تم نے صندوق زمین میں سے نکال کر کس جگہ دفن کیا ہے؟۔"

اور تم کہاں سے اس جزیرے پر آئے ہو؟۔

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم تمہیں وہ اذیت دیں گے کہ تم اپنے آپ بک پڑو گے۔

عنبر نے کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا بالکل ٹھیک کہا ہے۔ خزانے کا صندوق بحری ڈاکو اپنے ساتھ لے گئے ہیں"۔

جاپانی کمانڈر چیخا۔

کمینے! ہم نے سارا پتہ کر لیا تھا اس جزیرے کے ارد گرد میلوں تک اس وقت کوئی بحری جہاز نہیں کھڑا تھا۔

ہمارے پاس تصویریں موجود ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو تم ویسے ہی خزانہ دفن کرتے آ گئے تھے؟۔

میں تمہیں صبح تک کی مہلت دیتا ہوں اگر تم نے صبح سچی بات نہ بتائی تو تمہیں گولی مار دی جائے گی۔

عنبر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھر امریکی کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے گولیاں چلنے اور جاپانیوں کے شور مچانے کی آوازیں سنیں تو سمجھ گیا کہ عنبر پکڑا گیا ہے۔

پھر اس نے ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر کو دیکھا کہ جاپانی اسے کشتی میں بٹھا کر جہاز کی طرف لے جا رہے تھے۔ اب اسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں وہ جاپانیوں کی مار پیٹ سے گھبرا کر سچ نہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

بتادے۔

پھر تو امریکی کی خیر نہیں ہوگی۔ اس نے سوچا کہ اسے جگہ بدل دینی چاہیے۔ تاکہ اگر عمبر بک بھی پڑے تو جاپانی اسے تلاش نہ کر سکیں گے۔

لیکن اسے پھر خیال آیا کہ سونے کا خزانہ تو اسی جگہ دبا ہوا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ جاپانی تو اسے اکھاڑ کر لے جائیں گے۔

پھر۔ پھر کیا کیا جائے؟۔

کیوں نہ سونے کی کچھ اینٹیں جیب میں رکھ کر یہاں سے دوسری جگہ چلا جائے؟۔

کچھ تو سونا اس کے پاس بچ رہے گا۔ اس خیال کے ساتھ ہی

امریکی نے زمین کھود کر صندوق کا ڈھکنا کھولا۔ اس میں سے دو تین سونے کی اینٹیں اٹھا کر اپنے سینے کے ساتھ باندھ رکھیں۔ دو اینٹیں جیب میں ڈالیں اور اندھیرے میں کھوہ میں سے نکل کر جزیرے کے جنگل میں بھاگ اٹھا۔

سونے کی اینٹوں کے وزن سے بھاگنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر وہ جاپانیوں کے خوف سے بھاگتا چلا گیا۔ اس وقت جنگل میں کوئی جاپانی سپاہی نہیں تھا۔

کیونکہ عمبر پکڑا جا چکا تھا اور سب سپاہی اس کی طرف متوجہ تھے۔ امریکی تھک کر ایک جگہ جھاڑیوں میں گر پڑا اور ہانپنے لگا۔

PDF By princeofchump@urdufanz.com

جہاز کی تباہی

عنبر نے صرف امریکی کپتان کی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔

اور امریکی کپتان لالچ کا مارا سونے کی اینٹیں سینے سے لگائے جنگل میں مارا مارا جان بچاتا پھر رہا تھا۔ عنبر کو بھلا کیا ضرورت تھی سونے کی اینٹوں کی؟۔

اسے سونے کی کیا پروا تھی۔ اسے تو صرف امریکی کا خیال تھا

کہ اگر اس نے بتا دیا کہ سونا فلاں جگہ دبا ہوا ہے تو جاپانی وہاں پہنچ جائیں گے اور امریکی کو بھی پکڑ لیں گے کیونکہ امریکی کپتان جہاں تھا وہیں سونا دفن تھا۔

عنبر کو کیا خبر تھی کہ احمق اور لالچی کپتان جان بچا کر اور سونے کی اینٹیں لے کر وہاں سے بھی بھاگ گیا ہے۔

امریکی نے جنگل میں ایک گھنے درخت کے نیچے کھوہ کے اندر اپنے لیے جگہ بنالی اور وہاں چھپ کر ساری رات بسر کر دی۔ صبح اس نے باہر نکل کر دیکھا۔

جنگل میں جاپانی سپاہی کہیں بھی نہیں تھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے درخت پر سے کچھ جنگلی پھل توڑ کر کھائے۔ ایک چھوٹے سے تالاب سے پانی پیا اور کھوہ میں چھپ کر پڑ گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اس کا خیال تھا کہ عنبر کی اگر جان بچ گئی تو وہ اسے تلاش کرتا کرتا وہاں ضرور آئے گا۔ اور جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگا تو وہ اسے آواز دے کر اپنے پاس بلا لے گا۔

دوسری طرف صبح ہوئی تو جاپانیوں نے عنبر کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھے اور جہاز سے اتار کر جزیرے کے ساحل پر لے آئے۔

اسے ایک جگہ زمین پر دوزانو گھٹنوں کے بل بٹھا دیا گیا اور چار جاپانی رائفلوں کی نالی کا منہ عنبر کے سر کی طرف کر کے کھڑے ہو گئے۔

جاپانی کمانڈر نے آخری بار عنبر سے کہا۔

”اگر تم اب بھی خزانے کے بارے میں سچ سچ بتا دو کہ وہ

کہاں ہے تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ نہیں تو یہ ساری گولیاں تمہارے دماغ کے پرخچے اڑا دیں گی“۔

عنبر مسکرایا اور جاپانی زبان میں پہلی بار بولا۔

”کمانڈر! میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا کہ خزانہ کہاں ہے۔ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے خزانہ کہاں ہے“۔

جاپانی کمانڈر نے اسے جاپانی زبان میں باتیں کرتے سنا تو بڑا حیران ہوا۔

آگے بڑھ کر پوچھنے لگا۔

”تم نے اتنی روانی سے جاپانی بولنا کہاں سے سیکھا؟“۔

عنبر اب کھل کر سامنے آ گیا تھا۔

جاپانی کمانڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

PDF By princeodhump@urdufanz.com

"میں دنیا کی ہر زبان بول سکتا ہوں۔ میں وہ زبانیں بھی جانتا ہوں جن کو تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا"۔

جاپانی کمانڈر کو بہت غصہ آیا۔

اس نے پاؤں کا ٹھڈ پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر مارا۔ عنبر نے جسم کو قابو میں کر لیا تھا۔

جاپانی الٹ کر دور جا گرا۔ دوسرے جاپانی بھاگ کر گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو اٹھایا۔

کمانڈر نے حکم دیا۔

"اسے گولی سے اڑا دو"۔

جاپانی سپاہیوں نے رائفلوں کی نالیوں کا رخ عنبر کے سر کی طرف کیا۔ نشانہ باندھا اور فائرنگ کر دی۔

چار رائفلیں بیک وقت چلیں۔ دھماکا ہوا۔ اور چاہیے تو یہ تھا کہ عنبر کے سر کے ٹکڑے اڑ جاتے۔

سر کہیں دکھائی ہی نہ دیتا۔ مگر ہوا یہ کہ چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کی کھوپڑی سے ٹکرا کر ٹن ٹن کی آوازیں پیدا کرتی نیچے ریت پر گر پڑیں۔

عنبر اسی طرح آرام سے ریت پر بیٹھا رہا۔ جاپانی کمانڈر ذرا حیران ہوا۔

پھر سوچا شاید رائفلوں کا نشانہ خطا گیا ہے۔ دوسری بار حکم دیا۔ رائفلیں چلیں اور عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔

جب تیسری بار بھی وہی کھیل ہوا تو جاپانی کمانڈر اور دوسرے سپاہی گھبرا گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ انسان ہے یا کوئی جن

PDF By princecedhump@urdufanz.com

بھوت ؟۔

جاپانی کرنل نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر کو پکڑ کر اسے گھما کر دیکھنا چاہا تھا کہ عنبر نے سر کو جھٹک دیا۔

جاپانی تڑپ کر دور جا گرا۔ عنبر نے جھٹکا مار کر اپنے دونوں ہاتھ رسی تڑا کر آزاد کرا لیے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جاپانی سپاہیوں نے اپنے کرنل کو گرتے دیکھا تو عنبر پر مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔

گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گرتی جا رہی تھیں۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک جاپانی کے ہاتھ سے مشین گن پکڑ لی اور اس کا رخ جاپانیوں کی طرف کر کے گولیاں برسانے لگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی جاپانی لہولہان ہو کر گرے اور

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تڑپنے لگے۔

جاپانی کرنل نے جیب سے دستی بم نکال کر عنبر پر دے مارا۔ دستی بم دھماکے سے پھٹ گیا۔ مگر جب دھواں چھٹا تو عنبر اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا تھا۔

اس کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ عنبر نے مشین گن کا ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔

اس بار جاپانی کرنل بھی گولی لگنے سے مر گیا۔ سارے جزیرے کے جاپانی سپاہی گولیوں کی آوازیں اور بم کے دھماکے سن کر وہاں بھاگے آ رہے تھے۔

عنبر ایک جگہ بڑے سکون سے کھڑا مشین گن چلا رہا تھا۔ جاپانی بھی عنبر پر فائرنگ کر رہے تھے اور دستی بم مار رہے تھے مگر

اس کو کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

البتہ عنبر کی فائرنگ سے جاپانی سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے۔ اور زمین پر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں سارے کے سارے جاپانی سپاہی ڈھیر ہو گئے۔

اب صرف جہاز والے سپاہی رہ گئے تھے۔ ادھر سے بھی مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔

اب ان سپاہیوں نے جب دیکھا کہ جزیرے پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے تو وہ کشتی میں سوار ہو کر جزیرے کی طرف چل پڑے۔

عنبر ایک جگہ مشین گن لے کر چھپ گیا۔ جب کشتی قریب آ گئی

تو اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ پھر ایک ہی وقت دو دستی بم مار دیے۔

جاپانی کشتی سمیت سمندر میں ڈوب گئے۔

ادھر امریکی کپتان بھی جھاڑیوں کی اوٹ سے یہ سارا حیرت ناک ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب اس نے میدان صاف دیکھا تو بھاگ کر جھاڑیوں سے نکلا اور عنبر کے پاس آ گیا۔

عنبر نے چیخ کر کہا۔

"احمق آدمی زمین پر بیٹھ جاؤ فائر آ رہا ہے"۔

امریکی جلدی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ٹھیک اس وقت جہاز کی جانب سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور جاپانی کشتی میں بیٹھ کر

PDF By priceofdhump@urdufanz.com

جزیرے کی طرف آ رہے تھے۔

میدان صاف ہو گیا۔

کسی جگہ ایک بھی جاپانی سپاہی باقی نہ رہا۔ تھوڑی دیر میں ایسا انقلاب آ گیا تھا کہ سارے جزیرے پر قبضہ ہو گیا۔

عنبر کو جاپانی کرنل پر غصہ آ گیا تھا۔ اس نے عنبر کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی تھی۔ عنبر نے ساری زندگی ایسی تباہی کبھی نہیں مچائی تھی۔

جزیرے کا ساحل جاپانیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ عنبر نے مشین گن پھینک کر امریکی سے کہا۔

"ان لاشوں کو سمندر میں پھینک دو"۔

امریکی کپتان بے حد ڈرا ہوا تھا۔ وہ عنبر کو کوئی آسمانی مخلوق یا جن بھوت سمجھنے لگا تھا۔

اس نے عنبر کی کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھیں۔ جلدی سے اس نے عنبر کا حکم تسلیم کیا اور جاپانی لاشوں کو گھسیٹ کر سمندر میں پھینکنے لگا۔

عنبر بھی اس کے ساتھ لگ گیا۔ جب ساری لاشیں سمندر میں گرا چکے تو امریکی نے عنبر کی پیشانی چوم لی اور کہا۔

"تم بہت بڑے دیوتا ہو عنبر! تم نے جاپانیوں کو ختم کر کے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جسے میں ساری زندگی یاد رکھوں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے جسم پر گولی اثر کیوں نہیں کرتی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تم مت پوچھو"۔

امریکی نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے دشمن نابود ہو گیا۔ اب ہم سونے کا خزانہ آپس میں بانٹ کر بڑی آسانی سے یہاں سے نکل جا سکیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے تمہارے سونے کے خزانے کی ضرورت نہیں ہے سونا تم لے جانا میں یہاں سے اپنے بھائی اور بہن کی تلاش میں ہندوستان کی طرف جاؤں گا"۔

امریکی فکر مند ہو کر بولا۔

"لیکن عنبر! میں اس جزیرے سے اکیلا کیسے نکل سکوں گا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

مجھے جاپانی جہاز کی ضرورت ہو گی"۔

عنبر نے کہا۔

"میں جاپانی بحری جہاز میں تمہیں کسی آباد جزیرے میں اتار دوں گا۔ تم وہاں سے امریکہ چلے جانا۔ میں آگے ناگ اور ماریا کی تلاش میں نکل جاؤں گا"۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

جاپانی جنگی جہاز چھوٹا تھا مگر اس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

عرشے پر دو طیارہ شکن توپیں اور ایک تباہ کن توپ بھی لگی تھی جس کا گولہ سامنے آنے والے کسی بھی جہاز کو تباہ کر سکتا تھا۔ اندر وائرلیس سیٹ بھی تھا۔

پٹرول کا بھی بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ گولہ بارود بھی تھا اور خوراک بھی کئی مہینوں کی بھری پڑی تھی۔

امریکی کپتان اور عنبر نے سونے کا خزانہ اور جنگی نقشے کشتی پر لاد کر جہاز پر پہنچا دیے۔

جزیرہ ویران رہ گیا۔

وہاں صرف جاپانی سپاہیوں کی بندوقیں اور دو چار لاشیں ہی بکھری پڑی تھیں۔

عنبر اور امریکی کپتان جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ کپتان نے جہاز کے انجن کو چلا دیا اور کمپاس اور نقشے کی مدد سے جہاز کا رخ جنوبی افریقہ کی بندرگاہ ودغادیش کی طرف کر دیا۔ کیونکہ وہ علاقہ امریکیوں کے قبضے میں تھا۔

امریکی کپتان کا خیال تھا کہ وہ سونے کا خزانہ لے کر وہاں اتر جائے گا اور پھر وہاں سے کسی بہت بڑے اور محفوظ بحری جہاز میں سوار ہو کر واپس امریکہ پہنچ جائے۔

جہاز سمندر میں روانہ ہو گیا۔ جزیرہ آہستہ آہستہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرے روز امریکی کپتان نے عنبر سے کہا کہ خزانے کو آدھوں آدھ بانٹ لینا چاہیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ عنبر کو اس کا حصہ نہ ملے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”میرے لیے تمہارے سونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تمہارے لیے یہ سونا ہے مگر ہمارے لیے سنہری مٹی سے بڑھ کر اور

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کچھ نہیں ہے"۔

اس لیے سارا سونا تم ہی لے لو۔ مجھے اگر میری بھائی بہن مل گئے تو سمجھوں گا کہ سونا مل گیا ہے۔

امریکی کپتان دل میں بڑا خوش تھا کہ چلو اچھا ہوا۔ سارے کا سارا سونا اس کے حصے میں آ گیا۔

اوپر اوپر سے وہ عنبر کو مجبور کرتا رہا کہ نہیں تم بھی اپنا حصہ لے لو۔ جب عنبر نے بالکل ہی انکار کر دیا تو امریکی کپتان نے سونے کی اینٹوں کو دوسرے صندوق میں رکھنا شروع کر دیا۔

اس صندوق کے گرد لوہے کی پتری لپیٹ دی اور اوپر لکھ دیا۔

"گھر کا سامان"۔

یعنی ایسا لگتا تھا کہ امریکی کپتان نے اس صندوق میں گھر کی

ضروریات کا سامان رکھا ہوا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ودعادیش کی بندرگاہ پر کسی کو شک گزرے کہ وہ صندوق میں کروڑوں روپے کا سونا لے جا رہا ہے۔

کیونکہ اس طرح سے حکومت اس کا سارا سونا ضبط کر سکتی تھی۔

صندوق کو اس نے گھسیٹ کر جہاز کے ایک طرف رکھ دیا اور اب بے چینی سے ودعادیش بندرگاہ کا انتظار شروع کر دیا۔

یہ بندرگاہ اس کے حساب کے مطابق وہاں سے چار پانچ روز کے فاصلے پر تھی۔

اس نے کپاس اور نقشے میں دیکھا اور بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔

دوسری طرف ایک جاپانی ہوائی جہاز نے جزیرے پر آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بحری جہاز وہاں پر نہیں ہے اور جزیرے پر کئی

PDF By printcetdhump@urdufanz.com

ایک جگہوں پر جاپانیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ سمندر نے بھی جاپانی لاشوں کو باہر پھینک دیا تھا۔

اس نے پیچھے وائرلیس کر کے ساری صورت حال بتائی۔ پیچھے سے حکم ملا۔

''سمندر میں جہاز کو تلاش کرو''۔

جاپانی ہوا باز ہوائی جہاز لے کر سمندر پر اڑنے لگا۔ اس نے دور دور تک پرواز کی۔

آخر دوربین کے ذریعے اس نے دور سمندر میں ایک بحری جہاز کو دیکھا۔ وہ ہوائی جہاز لے کر جنگی بحری جہاز کے اوپر آ گیا۔

عنبر اور ہمرکی نے جب اپنے اوپر ایک جاپانی ہوائی جہاز کو دیکھا تو گھبرا گئے۔

عنبر نے کہا۔

''مشین گن سنبھالو''۔

اگرچہ بحری جہاز پر سے جاپان کا جھنڈا اتار لیا گیا تھا۔ پھر بھی اس کی ساخت اور بناوٹ سے ہوا باز نے اندازہ لگا لیا کہ یہ ان کا اپنا جہاز ہے۔

نیچے سے اس پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ جہاز کو دشمن کے کمانڈوز نے اغوا کر لیا ہے۔ اس نے بھی اوپر سے فائرنگ شروع کر دی۔

بدقسمتی سے ہوا باز کے پاس کوئی بم نہیں تھا۔ وہ بمباری کرنے تھوڑے آیا تھا۔ وہ تو محض دیکھ بھال کرنے والا جہاز تھا۔ ہاں اس پر ایک مشین گن ضرور لگی تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اس نے نیچے فائرنگ شروع کر دی۔ مگر اس کی فائرنگ سے کچھ نہ بگڑ سکا۔

امریکی کپتان بڑا ماہر نشانے باز تھا۔ اس نے طیارہ شکن توپ کا منہ جہاز کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا۔

ساری گولیاں جہاز کی ٹینکی میں جا لگیں اور جہاز میں آگ لگ گئی اور وہ پیچھے وائرلیس کر دیا کہ جاپانی جہاز سمندر میں فلاں جگہ پر ہے اور اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔

ہوا باز جہاز سمیت سمندر میں گر کر تباہ ہو گیا مگر پیچھے خبر ہو گئی تھی۔

امریکی کپتان نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

"وہ مارا۔۔۔ دشمن کا جہاز گرا دیا"۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی اور جاپانی جہاز آئیں گے اس ہوا باز نے پیچھے ضرور اطلاع کر دی ہو گی"۔

امریکی پریشان ہو کر بولا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم نے اسے وائرلیس کرنے کی مہلت ہی نہیں دی"۔

عنبر بولا۔

"اسے مہلت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ کام تو اس نے یہاں پہنچتے ہی کر دیا ہو گا"۔

"دیکھا جائے گا۔ ہم جہاز کی رفتار تیز کر دیں گے۔ ہم جہاز کا رخ موڑ دیں گے"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"چاہے جو کچھ کرو۔ سمندر میں ہم اکیلے ہیں"۔

عنبر کا خیال سو فیصد ٹھیک تھا۔

جاپانی ہیڈ کوارٹر کو اپنے اغوا شدہ جنگی جہاز کی پوری پوری خبر مل گئی تھی۔ بلکہ انہوں نے اس کو تباہ کرنے کے لیے دو ہوا بازوں کو بم دے کر روانہ کر دیا تھا۔

امریکی کپتان نے جہاز کا رخ موڑ دیا اور اب اس نے آسٹریلیا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

"آسٹریلیا یہاں سے بہت قریب ہے ہم وہاں کل تک پہنچ جائیں گے"۔

سونے کی اینٹوں نے اس امریکی کپتان کو نیم پاگل کر دیا تھا۔ وہ جس آسٹریلیاں کو وہاں سے قریب بتا رہا تھا وہ وہاں سے بارہ

روز کے سفر پر تھا۔

عنبر خاموشی سے امریکی کپتان کی دیوانگی اور پاگل پن کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ خوش ہو رہا تھا کہ جہاز کا رخ آسٹریلیا کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

کیونکہ اسی راستے میں ہندوستان آتا تھا۔ اور ہندوستان میں ہی عنبر نے آخر جانا تھا۔ کیونکہ وہاں اسے ناگ اور ماریا سے ملنے کا یقین تھا۔

دل میں عنبر ایک بات سے ضرور پریشان تھا کہ کم بخت جاپانی بمبار ہوائی جہاز ضرور آ جائیں گے اور اس کے جہاز کو ڈبونے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

ان کے کان ہوائی جہازوں کی آوازوں پر لگے ہوئے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تھے۔ ابھی تک فضا میں کسی ہوائی جہاز کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

اس نے دیکھا کہ امریکی کپتان سونے کے صندوق کو گھسیٹ رہا ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

"اس کو کہاں لے جانے کی کوشش کر رہے ہو؟"۔

امریکی کپتان بولا۔

"میں اسے نیچے لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دینا چاہتا ہوں۔ تا کہ اگر جاپانی بمبار حملہ کریں تو یہ صندوق بچا رہے"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"دولت کی چمک دمک نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ذرا سوچو۔ جب جہاز ہی بمباری سے ڈوب جائے گا پھر تم اس

صندوق کو کیسے بچا سکو گے؟"۔

امریکی کپتان نے سر پر ہاتھ مارا اور روتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسا نہ کہو۔ جہاز نہیں ڈوب سکتا۔ مجھے یہ سارا سونا لے کر امریکہ جانا ہے۔ میں ارب پتی ہوں۔ میں امریکہ کی ساری زمین خرید لوں گا"

میں سارے کارخانے خرید لوں گا۔ میں امریکہ کا بادشاہ بن جاؤں گا ہاہاہا۔

امریکی کپتان کا سچ مچ دماغ خراب ہو گیا تھا۔

عنبر نے اسے سنبھالا اور جھنجھوڑ کر کہا۔

"احمق نہ بنو۔ ہوش کے ناخن لو"۔

امریکی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

PDF By princeoodhump@urdufanz.com

"میں امریکہ کا بادشاہ ہوں۔ میں جارج پنجم ہوں میں ملکہ وکٹوریہ ہوں۔ ہاہاہا"۔

عنبر نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا کہ اسے ہوش آئے امریکی کپتان زور زور سے رونے لگا۔

"تم مجھ سے میرا سونا نہیں چھین سکتے۔ تم مجھ سے میرا خزانہ نہیں چھین سکتے۔ میں بادشاہ سلامت سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ میں تمہاری شکایت کروں گا"۔

اتنے میں دور سے گھوں گھوں کی خطرناک آواز آنے لگی۔ عنبر خاموش ہو کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔

امریکی کپتان بھی چپ ہو گیا اور کام ایک طرف لگا دیے۔ آواز اب صاف ہو گئی تھی۔ یہ ہوائی جہازوں کی آواز تھی۔ امریکی

کپتان نے چیخ ماری۔

"بدبخت جاپانی پھر آ گئے ہیں۔ وہ میرا سونا مجھ سے چھین کر لے جانا چاہتے ہیں۔ میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں انہیں برباد کر دوں گا"۔

امریکی کپتان بھاگ کر طیارہ شکن توپ پر جا کر کھڑا ہوا اور اس کا منہ آسمان کی طرف کر دیا۔

عنبر بھی دوسری مشین گن پر جا کر تیار ہو گیا۔

اتنے میں دور سے آسمان پر دو جاپانی بمبار ہوائی جہاز نمودار ہوئے۔

انہوں نے جاپانی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ ایک ایک کر کے جہازوں نے غوطہ لگایا۔ نیچے آ کر جاپانی جہاز کو غور سے دیکھا اور

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پھر اوپر اٹھتے ہوئے ایک ایک بم گرا دیا۔

دونوں بم جہاز سے کچھ فاصلے پر گرے۔ ان کے پھٹنے سے سمندر میں ایک طوفان آ گیا۔

سمندر کی لہروں نے جہاز کو ایک طرف جھکا دیا۔

عنبر اور امریکی کپتان نے فائرنگ شروع کر رکھی تھی۔

بمبار جہاز دوسری بار غوطے میں آئے۔ عنبر نے گن کا منہ ایک طرف کر کے برسٹ مارا۔

جہاز کے پنکھوں پر گولیاں لگیں۔ پنکھے ٹوٹ گئے۔ جہاز نے ایک جھٹکا کھایا۔

اس کی ناک سے دھواں نکلا اور پھر وہ لڑکھڑا کر سمندر میں بموں سمیت گر پڑا۔ سمندر میں گرتے ہی سارے بم پھٹ گئے

اور جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔

پٹرول میں آگ لگی اور اس کے ساتھ ہی جہاز فضا میں ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔

امریکی کپتان خوشی سے ناچنے لگا اور ناچتے ناچتے ہوئے بے دم ہو کر جہاز کے عرشے پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر اسے اٹھا کر نیچے کیبن میں لے آیا اور بستر پر لٹا دیا۔

ساری رات امریکی کو بڑا تیز بخار رہا۔ خوش قسمتی سے جہاز میں ہر قسم کی دوا موجود تھی۔

صبح امریکی کی حالت قدرے بہتر تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عنبر کا شکریہ ادا کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تم ایک عظیم انسان ہو عنبر! میں نے اگر کوئی بدتمیزی کی ہے تو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

مجھے معاف کر دینا۔ میں ایک دیانتدار لالچی انسان ہو۔ تم ان سے باتوں سے بہت بلند ہو"۔

عنبر نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بھائی۔ انسان کی کمزوریوں سے میں خوب واقف ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم میرا کہا مانو اور فیصلہ کر لو کہ سونے کی یہ ساری اینٹیں تم کسی غریب کے حوالے کر دو گے تا کہ وہ اس دولت کی مدد سے اپنے غریب عوام کی حالت بہتر بنا سکے اور انہیں بھوک سے بچا سکے"۔

امریکی کپتان ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ میں جان کی بازی لگا کر اس دولت کو یہاں تک لایا ہوں میں اسے

کیسے دوسرے کے حوالے کر سکتا ہوں۔ یہ میری دولت ہے اور میں ہی اس کا مالک ہوں"۔

عنبر سمجھ گیا کہ امریکی کپتان کو سمجھانا بے کار ہے۔ وہ اسے بستر پر چھوڑ کر اوپر عرشے پر آ گیا۔

شام ہو رہی تھی۔ رات کا اندھیرا سمندر پر پھیل رہا تھا۔ وہ کچھ دیر عرشے پر ٹھنڈی ہوا میں آرام کرتا رہا۔ پھر جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو نیچے آ گیا۔

اس نے دیکھا۔ امریکی کپتان اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے اس کے کیبن کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے کیبن کی طرف آ گیا۔

اپنے کیبن میں آ کر اس نے بتی گل کی اور بستر پر لیٹ گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اس کے بستر کے ساتھ ہی جہاز کی دیوار پر شیشے کی گول کھڑکی تھی جس میں سے آسمان پر پھیلے ہوئے ستارے صاف نظر آ رہے تھے۔

عنبر نے اپنا چہرہ شیشے کے ساتھ لگا دیا۔ رات ستاروں کے فانوس سے ہلکی ہلکی روشن تھی۔ اس روشنی میں سمندر کی لہریں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

عنبر نے اچانک محسوس کیا کہ دور ایک ستارہ بہت زیادہ چمک رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ ضرور ستارہ مریخ ہے۔ کیونکہ یہی ستارہ آسمان پر بہت زیادہ چمکا کرتا ہے۔

اس نے ستارے کی طرف غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ ستارا بڑا ہو رہا ہے۔ عنبر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور

پوری توجہ سے اس روشنی کو تکنے لگا۔

یہ روشنی بار بار جل بجھ رہی تھی۔ عنبر نے آنکھیں مل کر بڑے غور سے دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ ستارے کی روشنی نہیں ہے، بلکہ کسی بحری جہاز کی روشنی ہے جو بار بار جل بجھ رہی ہے اور جیسے کسی کو سگنل کر رہی ہے۔

عنبر جلدی سے دوربین لے کر ڈیک پر آ گیا۔

اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور روشنی کی طرف دیکھا۔ اب روشنی کے ساتھ ساتھ کسی جہاز کا مستول بھی نظر آنے لگا تھا۔

عنبر جلدی سے نیچے گیا اور امریکی کپتان کو جا کر بیدار کیا۔

”جلدی سے اوپر چلو۔ کوئی جہاز آ رہا ہے“۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

امریکی کپتان ہڑبڑا کر اٹھا اور آنکھیں ملتا گھبرایا ہوا ڈیک پر آ گیا۔

اس نے دوربین لگا کر دیکھا۔ ایک جہاز سمندر میں روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک جہاز کی روشنی بجھ گئی۔ اب ستاروں کی روشنی میں جہاز صرف نظر آنے لگا تھا۔ یہ ایک چھوٹا جہاز تھا۔

"میرا خیال ہے کوئی مسافروں کا جہاز ہے"۔

عنبر نے کہا۔

امریکی کپتان بولا۔

"مسافروں کا جہاز روشنی نہیں پھینکا کرتا"۔

"یہ روشنی کس لیے پھینک رہا تھا؟"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے پوچھا۔

کیونکہ اسے معلوم تھا کہ امریکی کپتان کو بحری جہازوں کے بارے میں زبردست تجربہ ہے۔

امریکی کپتان نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ کوئی جرمن تباہ کن جہاز ہے اور روشنی ڈال کر یہ سمندر کی مچھلیوں کو قریب بلا رہا تھا"۔

"وہ کس لیے؟"۔

امریکی کپتان نے کہا۔

"یہ لوگ جدید آلات کی مدد سے مچھلیوں کے ذریعے سمندر کے نیچے دشمن کی آبدوز کا پتہ چلا لیتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تمہارا اب کیا خیال ہے؟ کیا تمہارا سونے کا صندوق یہ جرمن لے جائیں گے؟"۔

امریکی کپتان غصے میں بولا۔

"ہرگز نہیں۔ میں مقابلہ کروں گا۔ میں اس جرمن تباہ کن جہاز کو نیچے ڈبو دوں گا۔ تباہ کر دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہاری ایک روپ اس جہاز کو سمندر میں ڈبو سکے گی؟"۔

"کیوں نہیں۔ میں نے سمندر کے نیچے ایسے کتنے ہی جہاز تارپیڈو مار کر تباہ کیے ہیں۔ میں ایک ماہر جنگ باز ہوں۔ اب تم میرا کمال دیکھنا"۔

عنبر خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور جنگی جہاز کو قریب سے آتے دیکھنے لگا۔

ابھی جہاز کافی دور تھا۔ اس نے شاید ان کے جہاز کو نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ ایک دو بار پھر اس نے سمندر میں روشنی ڈالی۔ امریکی کپتان ایک دم سے ایک ماہر کپتان کے روپ میں نمودار ہو گیا۔

اس نے توپ کی نشست مقرر کرنے سے پہلے دوربین سے جرمن جہاز کو غور سے دیکھا۔ رجسٹر پر اس کا فاصلہ اور زاویہ لکھ کر اس کا صحیح حساب لگایا۔

اس حساب سے توپ کی نالی کو فٹ کیا۔ اس میں دو سو پونڈ وزنی خوفناک گولہ ڈالا۔ یہ گولہ عام طور پر کسی بہت بڑے جہاز کو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تباہ کرنے کے لیے پھینکا جاتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اتنے بڑے گولے سے توپ پھٹ جائے گی"۔

امریکی نے کہا۔

"تم خاموش رہو دوست! تم نہیں جانتے"۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ جہاز اب قریب آ گیا تھا۔ اب اس جہاز نے بھی جاپانی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔

اس نے دھماکے کے ساتھ ایک گولہ داغ دیا۔ یہ کچھ فاصلے پر سمندر میں پھٹ گیا۔ اس کے بعد جرمن جہاز نے دو تین گولے اوپر تلے پھینک دیئے۔

اس دوران میں چھوٹی مشین گن کا فائر بھی آنے لگا۔

گولیاں عنبر کے آس پاس ڈیک پر تڑا تڑ گرنے لگیں۔

امریکی کپتان کی توپ پر بھی گولیاں لگیں۔ اب وہ توپ کو تیار کر چکا تھا۔ اس نے آخری بار دوربین لگا کر نشانہ دیکھا اور بٹن دبا دیا۔

دھائیں کی آواز کے ساتھ توپ میں سے گولہ نکل کر جہاز کی طرف گیا۔

ہمارا جہاز ایک بار تو گولے کے جھٹکے سے ہل گیا۔ گولے کا نشانہ بالکل درست لگا۔ یہ گولہ جرمن جنگی جہاز کی چھتی کے ٹھیک اوپر جا کر لگا۔ اور اس کے اندر داخل ہو گیا۔

اندر جا کر وہ انجنوں کے درمیان جا کر بھیانک دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس کے پھٹنے سے جہاز کا بوائلر بھی پھٹ گیا۔ بوائلر

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

پھٹنے سے جہاز اچھلا اور اس میں آگ لگ گئی۔

آگ کے لگتے ہی جہاز میں رکھا ہوا گولہ بارود کا ذخیرہ پھٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی سارا جہاز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور سمندر میں غرق ہو گیا۔

اس جہاز کے کسی شخص کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ کشتی میں سوار ہو کر نیچے جان بچا کر اتر سکتا۔

یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا تھا۔ جہاز کو غرق ہوتا اور شعلوں میں بھڑکتا دیکھ کر امریکی کپتان پاگلوں کی طرح اچھلنے اور ناچنے لگا۔

ویسے نشانہ اس نے بڑے کمال کا لگایا تھا۔

یہ اس کی مہارت تھی کہ ایک گولے کو اس نے ایسے زاویے پر پھینکا کہ وہ سیدھا جہاز کی چمنی کے اندر جا کر گرا اور پھٹ گیا۔

PDF By printedfdhump@urdufanz.com

عنبر نے اس کے نشانے کی تعریف کی اور کہا کہ اگر وہ گولہ نہ پھینکتا تو اس کی اور اس کے سونے کی خیر نہیں تھی۔

امریکی کپتان اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ اس نے دیکھتے دیکھتے میدان مار لیا تھا۔ نیچے جا کر اس نے ایک بار پھر سونے کے صندوق کو کھول کر دیکھا۔

سونے کی اینٹوں کو چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور صندوق بند کر کے اس کے گرد ٹین کی پتری چڑھا کر واپس اپنے کیبن میں آ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ کیونکہ اس کا دماغ پریشان تھا۔ وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ کیا وہ اتنا سارا سونا، اتنی ساری دولت لے کر اپنے گھر صحیح سلامت پہنچ سکے گا؟۔

یہ تو خدا کو ہی معلوم تھا کہ وہ گھر پہنچ سکے گا یا نہیں۔ رات گذر گئی۔ دن کی روشنی سمندر میں پھیل گئی۔

رات کو جس جرمن جہاز کو امریکی کپتان نے گولہ باری کر کے غرق کیا تھا اس نے بڑے اطمینان سے پیچھے وائرلیس کر دیا تھا کہ جنوبی سمندر میں اتنی ڈگری اور اتنے فاصلے پر ایک جاپانی چھوٹا جنگی جہاز ہم پر گولہ باری کر رہا ہے۔ ہم اسے غرق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر اس جہاز کی چمنی میں گولہ گرا تو اس نے جلدی جلدی پیغام دیا۔

"ہیلو چارلی! ہیلو چارلی!"۔

"ہمارے جہاز کی چمنی میں بم گرا ہے۔ جہاز غرق ہونے والا ہے۔"

پیچھے جرمن ہیڈ کوارٹر میں جب اس کے بعد کوئی پیغام نہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ ان کا جہاز غرق ہو گیا ہے۔

انہوں نے سمندر کی سمت اور ڈگری نوٹ کر لی تھی۔ بس اسی وقت چار خوفناک قسم کے جرمن بمبار جہازوں کو جاپانی جہاز کی خبر لینے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

جرمن بمباروں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب تک جاپانی جہاز پوری طرح سمندر میں غرق نہ ہو جائے وہ واپس نہ آئیں۔

عنبر اور امریکی کپتان نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ پھر اوپر ڈیک پر آ کر ٹھنڈی ہواؤں میں آرام کرنے لگے۔

امریکی سونے کی باتیں کر رہا تھا۔ عنبر اسے سمجھا رہا تھا کہ سونے کی ہوس میں ہزاروں انسان پاگل ہو گئے اور سر کھپ گئے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

مگر سونا انہیں کبھی نہ مل سکا۔

امریکی ہنس رہا تھا اور یہی بار بار کہتا۔

"تم خدا جانے کن لوگوں کی باتیں کرتے ہو۔ دیکھ لینا میں سارے سونے کے خزانے کو ساتھ لے کر امریکہ پہنچ جاؤں گا"۔

اتنے میں ایک بار پھر عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔

اسے کان لگا کر ہوا میں کچھ سننے کی کوشش کرتا دیکھ کر امریکی کپتان بھی کچھ فکرمند سا ہوا۔

بولا۔

"کیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"وہی جو پہلے تھا"۔

"کیا؟"۔

امریکی کپتان نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہوائی جہازوں کی آواز۔ اس بار آواز زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے زیادہ ہوائی جہاز آ رہے ہیں"۔

امریکی کپتان دوربین لے کر فضا میں تکنے لگا۔

"کیا خبر ہے ہمارے اپنے جہاز ہوں"۔

خدا کرے۔ مگر مجھے امید نہیں۔

عنبر نے کہا۔

"امریکی کپتان نے دوربین آنکھوں سے لگا رکھی تھی۔

اچانک وہ گھبرا کر بولا"۔

"یہ تو جرمن بمبار ہیں۔ ایک دو تین پورے چار"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

عنبر نے اٹھ کر طیارہ شکن گن سنبھال لی۔ امریکی بھی دوسری گن پر جا گیا۔

جرمن بمباروں نے جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے غوطہ لگانے کی بجائے دور سے جہاز پر راکٹ پھینکے۔

ایک راکٹ جہاز کے مستول پر لگا جس نے اس کا اوپر کا حصہ اڑا دیا۔

گن نے ہوا میں گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر قسمت امریکی کپتان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ جرمن بمباروں نے باری باری غوطہ لگا کر ایک ایک بم جہاز پر پھینک دیا۔

جہاز کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور وہ امریکی کے سونے کے صندوق کے ساتھ ہی سمندر میں غرق ہو گیا۔

امریکی کپتان اور عنبر ایک تختے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بمبار واپس چلے گئے۔

اب سمندر میں صرف ایک تختہ تھا۔ جس پر عنبر اور امریکی کپتان گیلے چوہوں کی طرح بیٹھے تھے اور دور دور تک سوائے سمندر کی ابھرتی لہروں کے اور کچھ نہیں تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آدم خوروں کا جزیرہ

ساری رات سمندر میں تختے پر گذر گئی۔

امریکی کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک تو اسے کروڑوں روپے کے سونے کے ڈوب جانے کا غم تھا۔

دوسرے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ کوئی پتہ نہیں تھا اب جان بھی بچتی ہے کہ نہیں۔

عنبر تختے پر خاموش بیٹھا تھا۔

ہزاروں سال سے اس کی زندگی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے گذر رہی تھی۔

وہ مصیبتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ ابھی موت اس کی قسمت میں نہیں ہے۔ اسے تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

وہ ساری زندگی سمندر میں ڈوب کر بھی گزار سکتا تھا۔ امریکی نے آدھی رات کو عنبر سے کہا۔

"کیا ہم لوگ زندہ بچ جائیں گے؟ میرا مطلب ہے کیا میں زندہ بچ جاؤں گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

ہمیں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے زندگی میں

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

مصیبت کا وقت آتا ہی رہتا ہے۔ انسان وہی اچھا ہے جو مصیبت کے دن صبر شکر اور حوصلہ مندی سے کاٹ دے۔

امریکی کپتان نے کوئی جواب نہ دیا۔

یا شاید اس نے کچھ کہا مگر اس کی آواز سمندر کی لہروں کے شور میں دب کر رہ گئی۔

تختہ کافی چوڑا تھا اور اس کو سمندر کی بڑی بڑی لہریں کبھی اوپر اٹھا رہی تھیں اور کبھی نیچے لے جا رہی تھیں۔ سمندر میں طوفان تو نہیں تھا مگر پھر بھی سمندر خاموش اور پرسکون بھی نہیں ہی تھا۔

ساری رات اسی طرح گزر گئی۔

دن چڑھا تو انہوں نے دیکھا کہ دور زمین کا کنارہ نظر آنے لگا ہے۔

امریکی کپتان کے چہرے پر زندگی کے آثار آنے لگے۔ خوش ہو کر بولا۔

"زمین!"۔

عنبر نے بھی دور زمین کے کالے کالے کنارے کو دیکھا۔ ان کا تختہ جزیرے کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کنارے بھورے رنگ کی چٹانیں ہی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔

صرف جزیرے کے بیچ میں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔

یہ درخت کھجوری نما تھے اور نیچے اوپر تک پھیلے چلے گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے اس سمندر سے تو نجات ملی"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

امریکی کپتان نے جزیرے کی طرف نظریں جما رکھی تھیں۔ بولا۔

"خدا جانے ابھی میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔"

کاش! ہم سونا لے کر کسی دوسری طرف سے نکل جاتے۔ ہائے! میرا کروڑوں روپے کا سونا! میں دنیا کا سب سے زیادہ امیر آدمی نہ بن سکا۔

اور پھر وہ سر پر ہاتھ مارنے لگا۔ ایسے لگتا تھا کہ سونے کے چھن جانے سے وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ عنبر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا! ہوش کرو۔ زندگی میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہے"۔

امریکی کہنے لگا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا"۔

"مگر ابھی تو تم زمین کی شکل دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے؟"۔

"ہاں! میں اس لیے خوش ہو رہا تھا کہ میں زمین پر جا کر مرنا چاہتا ہوں۔"

میں سمندر میں ڈوب کر نہیں مرنا چاہتا۔ اب میں آسانی سے جان دے سکوں گا۔

عنبر اس امریکی کی باتیں سن کر عاجز آ گیا۔ کیسا احمق آدمی ہے۔ دولت چھن جانے سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تختہ جزیرے کے ساحل سے جا لگا۔

عنبر نے ساحل کی ریت پر اتر کر امریکی کو بھی سہارا دے کر نیچے اتار دیا۔

دونوں ریت پر لیٹ گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی زمین کے سینے پر لیٹ کر وہ بڑے خوش ہو رہے تھے۔ عنبر اس لیے خوش ہو رہا تھا کہ اسے زمین سے محبت تھی اور امریکی اس لیے کہ وہ سمندر کی موت سے بچنا چاہتا تھا۔

اسے اس خیال سے ہی خوف آتا تھا کہ اس کی لاش کو مچھلیاں کھا رہی ہیں۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عنبر نے اٹھ کر جزیرے کا جائزہ لیا۔ وہاں بھورے رنگ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے دور تک

پھیلتے چلے گئے۔

کنارے پر ایک بھی درخت نہیں تھا۔ امریکی کا پیاس کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ عنبر نے ادھر ادھر پانی تلاش کیا۔ اتفاق سے ایک جگہ چھوٹا سا گڑھا پانی سے بھرا ہوا مل گیا۔

یہ پانی میٹھا تھا۔ اس نے امریکی کو وہاں لے جا کر پانی پلایا۔

امریکی کو ہوش آ گیا۔

عنبر نے کہا۔

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اس جزیرے کا چکر لگا کر دیکھتا ہوں کہ یہاں رہنے کے لیے کونسی جگہ بہتر رہے گی۔ کیونکہ کوئی خبر نہیں ابھی ہمیں کتنے دن یہاں بسر کرنے پڑیں"۔

امریکی نے کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا"۔

عنبر اسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ جب سے سونا غرق ہوا تھا اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ کبھی وہ اپنے آپ ہنسنے لگتا تھا اور کبھی اپنے آپ رونے لگتا تھا۔ مگر جب امریکی نے بہت مجبور کیا تو عنبر اسے ساتھ لے کر جزیرے میں داخل ہو گیا۔

وہ اس طرف چل دیے جدھر درختوں کے جھنڈ تھے۔ زمین ریتلی اور پتھریلی تھی۔ جھاڑیاں کانٹے دار تھیں۔

جہاں درختوں کا ذخیرہ شروع ہوا وہاں زمین پر ہری ہری اونچی اونچی گھاس اگی تھی۔

دونوں گھاس میں داخل ہو گئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جہاں ایک پگ ڈنڈی بنی تھی۔ جو گھاس کے بیچ میں سے بل کھاتی جا رہی تھی۔

عنبر نے رک کر کہا۔

"یہاں ضرور کوئی قبیلہ آباد ہے۔ ورنہ یہ پگ ڈنڈی کبھی نہ ہوتی۔ یہ لوگوں کے آنے جانے سے بنی ہے"۔

امریکی نے کہا۔

"خدا کرے یہ آدم خور لوگ ہوں اور ہم دونوں کو ہڑپ کر جائیں"۔

عنبر نے اسے ڈانٹا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ خاموش رہو"۔

امریکی نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ عنبر نے جلدی

سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے نیچے گرالیا۔ کیونکہ وہ آوازوں سے اس جزیرے کے قبیلے والوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مگر جزیرے میں آباد قبیلے کے ایک چوکیدار کو خبر ہو گئی تھی۔

یہ ایک ننگا آدم خور قبیلہ تھا جو باہر سے آنے والوں کے سر کاٹ کر انہیں بھون کر کھا جاتا تھا۔

یہ ننگا چوکیدار ایک درخت پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے جو ایک انسان کے رونے کی آواز سنی تو چونک کر نیچے دیکھا۔ ذرا فاصلے پر اسے دو انسان نظر آئے۔

اس نے چھلانگ لگا دی اور کمان میں تیر جوڑ کر ان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

عنبر نے امریکی کو بڑی مشکل سے چپ کرایا اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔

اچانک ایک تیر عنبر کی پیٹھ سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ یہ آدم خور ننگے کی بدقسمتی تھی کہ اس نے عنبر کا نشانہ لیا۔

اگر وہ امریکی کو نشانہ بناتا تو وہ اب تک زمین پر گرا تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا ہوتا۔

عنبر نے تڑپ کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدم خور وحشی جس کی کالی جٹائیں گردن تک بڑھی تھیں تیر کمان لیے سامنے کھڑا تھا۔ عنبر نے امریکی سے چیخ کر کہا۔

"زمین پر لیٹ جاؤ"۔

عنبر نے ساتھ ہی اچھل کر آدم خور وحشی کو دبوچ لیا۔ وحشی نے تیر کمان پھینک کر ہاتھ میں خنجر کھینچ لیا تھا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

آدم خور نے خنجر کے کئی ایک بھیانک وار کیے۔

اس کا خیال تھا کہ اتنے خنجر لگنے سے کوئی شخص بھی زندہ نہیں بچ سکتا۔

لیکن جب عنبر کے جسم پر خنجر یوں لگے جیسے پتھر پر لگ رہے ہوں تو وحشی گھبرا گیا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر نے اس کی زبان میں کہا۔

"میں تمہارا دیوتا ہوں"۔

اتنا سن کر آدم خور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے اسی کے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ امریکی نے کہا۔

"تم نے غلطی کی اسے مار ڈالا۔ ہم اس سے پوچھ گچھ کر کے

پتہ کر سکتے تھے کہ باقی کے لوگ کہاں ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اور یہ بڑی آسانی سے چیخ مار کر دوسرے لوگوں کو خبردار کر سکتا تھا۔ میں نے اسے اتنی مہلت ہی نہیں دی۔ اگر اسے یقین ہوتا کہ اس کا خنجر مجھے ہلاک نہیں کر سکے گا تو یہ چلا کر سارے قبیلے والوں کو یہاں جمع کر دیتا اور پھر میرے لیے کم از کم تمہاری جان بچانا بہت مشکل ہو گیا تھا"۔

امریکی نے کہا۔

"کیا یہ لوگ آدم خور ہیں؟"۔

تمہارا کیا خیال ہے؟۔

عنبر بولا۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اتنا میں ضرور کہوں گا کہ ان جزیروں میں بسنے والے سبزی خور نہیں ہوتے۔ وہ گوشت کھاتے ہیں اور وہ بھی انسانوں کا۔ جیتے جاگتے انسانوں کا"۔ امریکی نے کہا۔

"میں ان لوگوں سے مقابلہ کروں گا۔ میں ان سب کو نیست و نابود کردوں گا۔ تاکہ پھر یہ کبھی کسی انسان کو ہڑپ نہ کر سکیں"۔

اتنا کہہ کر امریکی پھر شور مچانے لگا کہ عنبر نے اسے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔

پھر اسے ڈانٹ پلا کر سمجھایا کہ اگر اسے اپنی زندگی عزیز ہے تو ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کرنی چاہیے۔

"اگر پھر تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہاری زندگی کا ذمہ نہیں

لے سکتا۔ اس ڈر سے میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لا رہا تھا"۔

امریکی خاموش ہو گیا۔

وہاں انہیں کوئی آدم خور نہیں ملا۔ درختوں پر پھل لگے تھے اور پانی بھی موجود تھا۔

انہوں نے خوب سیر ہو کر پھل کھائے اور پانی پیا۔ پھر وہیں لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ امریکی بار بار آہیں بھر رہا تھا۔

"خدا نے مجھے سونے دے کر کیوں چھین لیا؟"

آہ! میں ارب پتی بنتے بنتے رہ گیا۔ میرا سارا خزانہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ میں لٹ گیا۔

آہ! میں برباد ہو گیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

امریکی رونے لگا۔ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔ عنبر نے اسے بہت سمجھایا۔ بڑی مشکل سے چپ کرایا۔

رات آدھی گذر رہی تھی۔ آخر امریکی سو گیا۔ عنبر بھی کافی تھکا ہوا تھا۔ اسے بھی نیند آ گئی اور وہ نیند کی دنیا میں گم ہو گیا۔ خدا جانے وہ کتنی دیر سویا ہو گا کہ شاید کسی شے کے گرنے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے دیکھا۔ ایک درخت پر سے ناریل اس کے سرہانے زمین پر گرا تھا اور ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر ناریل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ امریکی وہاں نہیں ہے۔

عنبر پریشان ہو گیا۔ سوچا وہ پاگل ضرور دیوانے پن میں کسی طرف اٹھ کر بھاگ گیا ہو گا اور کسی آدم خور کے ہتھے چڑھ گیا

ہو گا۔

عنبر نے زمین پر جھک کر دیکھا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اسے زمین پر پاؤں کے نشان نظر آئے۔ یہ دو آدمیوں کے پاؤں کے نشان تھے۔

یقیناً امریکی کو کوئی شخص اٹھا کر لے گیا تھا۔ اکیلا آدمی اسے اٹھا کر نہیں لے جا سکتا تھا۔

ضرور اس نے امریکی کو بے ہوش کیا ہو گا۔ عنبر پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ جنگل میں ایک طرف یہ چٹانوں کی جانب نشان نکل گئے تھے۔

ادھر سے یہ پاؤں کے نشان ایک دوسرے جھنڈ میں آ گئے۔ یہاں پہنچ کر عنبر نے فضا میں دھوئیں کی بو سونگھی۔ پھر آہستہ آہستہ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ڈھول بجنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ان کی آوازوں کی طرف بھاگا۔

درختوں میں سے گذر کر جب وہ ایک ٹیلے کے دامن میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کتنے ہی آدم خور آگ کے گرد ناچ رہے ہیں۔

ان کے تیل سے چپڑے بدن آگ کے شعلوں میں چمک رہے ہیں۔ ایکا ایکی اس کی نظر آگ کے اوپر گئی اور اس کی روح کانپ اٹھی۔

آگ کے شعلوں کے اوپر امریکی کپتان کا سر کاٹ کر لٹکا دیا گیا۔ ساتھ ہی اس کا باقی دھڑ بھی لٹک رہا تھا۔ اور شعلے اسے بھون

رہے تھے۔

عنبر کا خون کھول اٹھا۔ ان ظالم سنگدل آدم خوروں نے ایک بے گناہ انسان کو قتل کر دیا تھا اور اب اس کی لاش اور کٹے ہوئے سر کو آگ پر بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ ان لوگوں کو وہ ایسا سبق سکھائے گا کہ یہ ساری عمر یاد رکھیں گے۔

بلکہ ان لوگوں کو اس جزیرے کی زمین سے مٹا دے گا تاکہ پھر کبھی وہ کسی انسان کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک نہ کر سکیں۔

عنبر نے آگ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اب جلدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اسرکی بے چارہ مر چکا تھا۔ اس کی زندگی کو واپس نہیں لایا جا سکتا تھا۔ جب عنبر کافی قریب پہنچا تو اچانک ایک وحشی آدم خور کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔

اس نے کلہاڑی فضا میں بلند کر کے زور سے چیخ ماری اور اپنی زبان میں کہا۔

”انسانی شکار!“۔

سارے آدم خوروں نے گھوم کر عنبر کو دیکھا۔ انہوں نے ناچنا بند کر دیا۔

عنبر بڑی بہادری سے ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ڈھول بند ہو گئے۔ آدم خوروں نے تیر چڑھا لیے۔ کلہاڑیاں اٹھا لیں اور اپنے سردار کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔

عنبر بڑے اطمینان سے آگے چلا آ رہا تھا۔ اچانک سردار نے ہاتھ بلند کر کے چیخ مار کر کہا۔

”شکار کا سر کاٹ دو“۔

یہ حکم سنتے ہی چار آدم خور کلہاڑے لے کر عنبر کی طرف بھاگے۔

انہوں نے چاروں کلہاڑے تاک کر، نشانہ باندھ کر عنبر کی گردن پر پھینکے۔ ان لوگوں کے نشانے بڑے غضب ناک تھے۔ چاروں کلہاڑے عنبر کی گردن پر آ کر لگے اور اچٹ کر جھنجھناتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔

سردار نے سمجھا شاید ان لوگوں کے نشانے خطا ہو گئے ہیں۔ اس نے چلا کر کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"شکار کو تیروں سے چھلنی کر دو"۔

اب دس پندرہ آدم خوروں نے کمانوں میں تیر جوڑ کر ایک ساتھ عنبر کے سینے کا نشانہ باندھ کر چلا دیئے۔

یہ تیر گولی کی طرح سن سے عنبر کے سینے میں آ کر لگے اور لگتے ہی ٹکرا کر نیچے گر پڑے۔

سردار نے دوسری بار حملے کا حکم دیا۔

پندرہ دوسرے آدم خوروں نے تیر چلائے۔ اب تو وہ حیران پریشان ہونے لگے کہ آخر یہ آدمی لوہے کا بنا ہے یا پتھر کا۔

عنبر اب قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے ایک نظر امریکی کی لاش کو دیکھا جو شعلوں کی وجہ سے جل رہی تھی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ہوا میں گوشت کے جلنے کی بدبو پھیلی تھی۔ عنبر کو سارے آدم خور وحشت کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور اپنے سردار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

کشتی اور طوفان

سردار بھی کچھ سہم گیا تھا۔

مگر وہ ایک وحشی آدم خور تھا۔ اس نے کلہاڑا لیا اور خود عنبر پر حملہ کرنے کے لیے اس کی طرف بڑھا۔

عنبر نے اسے حملہ کرنے دیا۔ سردار نے کلہاڑا دونوں ہاتھوں سے تھام کر پوری طاقت سے عنبر کے سر پر دے مارا۔ عنبر کا سر دو ٹکڑے ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔ بلکہ کلہاڑا ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔

اب عنبر کی باری تھی۔

اس نے زبان سے ایک لفظ ابھی تک نہیں نکالا تھا۔ اس نے زمین پر سے ایک کنکر اٹھائی اور اسے ہاتھ میں لے کر ہاتھ کو گھمایا اور پوری طاقت سے ایک آدم خور کے سر پر دے ماری۔

کنکر گولی کی طرح آدم خور کے سر پر لگی اور اس کا سر پاش پاش ہو کر اڑ گیا۔

دوسرے لوگوں نے اپنے ساتھی کو ہلاک ہو کر گرتے دیکھا تو عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر پر کلہاڑیاں، برچھیاں اور تیر چل رہے تھے۔ عنبر کا بال تک بیکا نہیں ہو رہا تھا۔

PDF By
princeofdhump@urdufanz.com

الٹا عنبر کے ہاتھوں ایک ایک کر کے وحشی مرتے چلے جا رہے تھے۔

جب پندرہ بیس آدم خوروں کو عنبر نے اٹھا اٹھا کر زمین پر مارتے ہوئے ہلاک کر ڈالا تو سردار نے دونوں ہاتھ کھڑے کر کے کہا۔

"رک جاؤ"۔

باقی کے آدم خور پیچھے ہٹ گئے۔ اب عنبر نے سردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے اب تک کتنے آدمیوں کو مار کر کھایا ہے؟"۔

سردار کا دماغ چکر کھا گیا۔ کیونکہ عنبر ان کی جنگلی زبان میں ان سے باتیں کر رہا تھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اس نے گھبرا کر عنبر کو دیکھا اور بولا۔

"تم۔ تم ہماری زبان کیسے جانتے ہو؟"۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سردار کے گلے میں پڑا ہوا انسانی ہڈیوں کا ہار نوچا اور اسے توڑ کر نیچے پھینک دیا۔

سارے وحشی آدم خور دہشت سے پکار اٹھے۔

"انتقام"

اور انہوں نے دیوانوں کی طرح عنبر پر ایک بار پھر حملہ کر دیا۔ اب عنبر کے ہاتھ میں بھی ایک کلہاڑا آ گیا تھا۔ اس نے ایسا کلہاڑا چلایا کہ جو کوئی سامنے آتا کٹ کر گر جاتا۔ دیکھتے دیکھتے بیس پچیس آدم خوروں کی لاشیں گر گئیں۔

سردار نے آگے بڑھ کر عنبر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"معافی مانگتا ہوں دیوتا! تم دیوتا ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"میں دیوتا نہیں ہوں۔ مگر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

اور اس نے ایسا ہاتھ کلہاڑے کا مارا کہ سردار کی گردن تن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑی۔

عنبر نے اسے آگ میں پھینک دیا۔ باقی آدم خور آگے بڑھے کہ عنبر پر پھر حملہ کریں مگر عنبر نے تیر چلا دیا اور ایک آدم خور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

باقی آدم خور یہ حالت دیکھ کر چیختے چلاتے وہاں سے بھاگ گئے۔

عنبر اب وہاں اکیلا رہ گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے امریکی

کپتان کا سر اور دھڑ اتار کر اسے زمین میں دفن کیا اور پھر ایک درخت سے ٹیک لگا کر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا۔

باقی رات بھی گذر گئی تھی اور اب جزیرے پر صبح کی روشنی ہو گئی۔

عنبر اٹھا اور ساحل سمندر کی طرف چلا۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے اسے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ رک گیا۔

کان لگا کر سننے لگا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ آواز ایک ٹیلے کی جانب سے آتی ہے۔ عنبر ٹیلے کی طرف ہوا۔

یہاں ایک پتھر کے نیچے سے آواز آ رہی تھی۔ عنبر نے پتھر کو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

زور لگایا تو وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

اس کے پیچھے ایک تنگ سا راستہ اندر کو جاتا تھا۔ عورت کے رونے کی آواز اسی راستے سے اب صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اب کسی مرد کی آواز آ رہی تھی۔ شاید عورت کو اذیت پہنچا رہا تھا۔

عنبر تیزی سے اس تنگ راستے سے گذرتا ہوا آگے بڑھا۔ بائیں جانب گھوما تو سامنے دیکھتا کیا ہے کہ ایک چوڑی سی جگہ پر ایک عورت کو ایک آدم خور وحشی نے زمین پر گرا رکھا ہے اور اسے کوڑوں سے مار رہا ہے۔

عنبر نے پیچھے سے چھلانگ لگا کر اس آدم خور کو جکڑ لیا۔

آدم خور نے خنجر نکال کر عنبر کے پہلو میں مارا۔ مگر عنبر کی گرفت

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سے بھلا اب وہ بدنصیب کہاں بچ کر جا سکتا تھا۔

عنبر نے اس کی زبان میں ہی کہا۔

''دو چار آخری سانس لے لو بدنصیب وحشی؟''۔

وحشی نے گھبرا کر پوچھا۔

''تم تم کون ہو؟''۔

عنبر نے کہا۔

''تمہارے باپ۔ بلکہ تمہارے باپ کا بھی باپ''۔

پھر اس نے ایک ایسا مکا وحشی آدم خور کے سر پر مارا کہ جیسے اس کے سر پر چٹان کا ٹکڑا آ گرا ہو۔

اس کا سر گردن میں دھنس گیا اور وہ آہ کیے بغیر اگلی دنیا میں گیا۔ عنبر نے عورت کو زمین پر سے اٹھا کر بٹھایا اور اس کے سر

پر کپڑا اوڑھ کر کہا۔

"تم کون ہو بہن؟ اور یہاں کس طرح آ گئیں؟"۔

عورت تو عنبر کو فرشتہ رحمت سمجھنے لگی تھی۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ عنبر پر خنجر کے حملے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور اس کے ایک ہی مکے سے وحشی کا سر گردن میں دھنس گیا تھا۔

وہ اسے سچ مچ کوئی دیوتا سمجھنے لگی تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے۔

لباس الجھا ہوا تھا۔ یہ ایک کالی آنکھوں والی جوان عورت تھی۔ اس نے اپنے کپڑے ٹھیک کر کے بال باندھے اور کہا۔

"اے دیوتا! میں ملک بنگال کی رہنے والی ہوں"۔

عنبر نے پوچھا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"اور ان آدم خوروں کے ہاتھ کیسے چڑھ گئی؟"۔

وہ بولی۔

"میرا نام سندری ہے۔"

میں اپنے باپ کی موت کی خبر سن کر جزیرہ سنگلدیپ آئی تھی۔ میرا خاوند بھی میرا ساتھ تھا۔ میرا باپ مر گیا تو خاوند کسی ضروری کام کی وجہ سے پہلے جہاز میں بنگال چلا گیا۔

میں باپ کا کریا کرم کرنے اور دوسری رسمیں پوری کرنے کے بعد واپس جانا چاہتی تھی۔

پس میرے رشتے داروں نے مجھے جہاز میں سوار کرا دیا اور جہاز بنگال کی طرف چل پڑا۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ راستے میں زبردست طوفان آ گیا۔

جہاز سمندر سے نکلی ہوئی ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ سارے مسافر ڈوب گئے۔

میری زندگی ابھی باقی تھی۔ میں ایک تختے پر سوار ہو گئی اور سمندر میں اکیلی سفر کرنے لگی۔ آخر وہ تختہ ایک روز مجھے اس جزیرے پر لے آیا۔

یہاں مجھے ان آدم خوروں نے پکڑ لیا اور اس غار میں بند کر دیا۔

یہ لوگ مجھے مجبور کرتے تھے کہ میں سردار کے ساتھ شادی کر لوں۔ میں انکار کر رہی تھی۔ آخر انہوں نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور آج شاید یہ آدم خور میری جان ہی نکال دیتا کہ اچانک تم نے آ کر اے دیوتا میری جان بچا لی۔

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا"۔

سندری بولی۔

"لیکن میرے دیوتا! یہ جزیرہ آدم خوروں سے بھرا ہوا ہے۔ ان کا سردار بڑا ظالم ہے اور انسان کے سر کو بھون کر بڑے شوق سے کھاتا ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس وقت سردار کا اپنا سر آگ میں بھونا جا رہا ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔

"مطلب یہ کہ میں نے سردار کا سر کاٹ کر آگ میں پھینک دیا تھا جو ضرور اب تک جل کر راکھ ہو گیا ہوگا"۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"اور باقی آدم خور؟"۔

"آدھے سے زیادہ تو ہلاک ہو گئے ہیں اور باقی بھاگ گئے ہیں"۔

"یہ کیسے ہو گیا؟"۔

"جیسے ہوا کرتا ہے۔ میرے پاس جو طاقت ہے اس کو تم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا ہے"۔

اب تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ ان سارے آدم خوروں کو میں نے اکیلے کیوں کر ہلاک کیا ہو گا۔

یہ لوگ ظالم تھے انہوں نے انسانوں کا شکار کیا تھا۔ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو یہ ہڑپ کر چکے تھے۔ ان کو ان کے گناہ کی سزا ملنی ہی چاہیے تھی۔

سمندری نے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بہن سندری! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے عظیم دیوتا مت کہو۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ ہاں تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ضرور ہے کہ مجھ پر ابھی موت حرام کر دی گئی ہے"۔

میں ابھی مر نہیں کر سکتا اور مجھ میں بے پناہ طاقت بھر دی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ خدا کو ابھی تمہاری زندگی منظور تھی۔ بس اس نے میرا بہانہ بنا دیا۔

PDF By princeofthump@urdufanz.com

سندری کی آنکھوں میں شکریہ کے آنسو تھے۔ اس کے جسم پر دو تین جگہوں سے خون رس رہا تھا۔ عنبر نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور غار سے باہر لے آیا۔

یہاں اسے ایک جگہ درخت سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور پھر اس لیے جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرنے نکل گیا۔ اسے جڑی بوٹیوں کی بڑی پہچان تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کچھ جڑی بوٹیاں لے کر واپس آ گیا۔ اس نے پتے سندری کے زخموں پر لگا کر کپڑے سے باندھ دیئے۔

سندری کو آرام محسوس ہونے لگا۔ ان بوٹیوں میں بڑی تاثیر تھی۔

عنبر اب کوئی ایسی جگہ بنانا چاہتا تھا جہاں وہ سندری کو محفوظ

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

رکھ سکے۔ یہ ایک اور ذمے داری اس پر پڑ گئی تھی۔ مگر وہ گھبرایا نہیں تھا۔

اسے انسانوں کی مدد کر کے، ان کے کام آ کر ہمیشہ خوشی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے بہت سوچا لیکن غار سے بہتر اور محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ پس سندری کو کچھ دیر دھوپ اور کھلی ہوا میں رکھنے کے بعد وہ اسے لے کر غار کے اندر آ گیا۔

یہاں اس نے ایک جگہ گھاس وغیرہ بچھا کر نرم بستر بنا دیا جس پر سندری کو آرام کرنے کے لیے کہا۔

شام کو عنبر جنگل سے پھل توڑ کر لے آیا۔ آدم خوروں کی جھونپڑی سے وہ ایک مٹی کا مٹکا پانی سے بھر کر اور دو مٹی کے

پیالے لے آیا۔

سندری کو اس نے جنگلی پھل کھلا کر پانی پلایا اور سلا دیا۔ رات کو عنبر غار کے باہر آ کر پہرہ دیتا رہا۔ کافی دیر پہرہ دینے کے بعد اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

اچانک اس نے آہٹ سنی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدم خور وحشی کلہاڑا تانے اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بڑا نا سمجھ تھا۔

موت کے منہ میں اپنے آپ آ گیا تھا۔ لیکن وحشی تھا۔ اسے کیا خبر تھی، وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ سوچا تھا کلہاڑے سے عنبر کو ہلاک کر کے عورت کو بھگا لے جاؤں گا اور عنبر کی لاش کو بھون کر مزے سے کھا جاؤں گا۔

عنبر نے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں وحشی کو دیکھا تو مسکرا کر اس کی زبان میں کہا۔

"تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں احمق! آخری دو چار سانس آرام سے لے لو۔ موت تمہیں میرے پاس لے آئی ہے"۔

اس اثنا میں وحشی نے پوری طاقت سے کلہاڑا عنبر کے سر پر دے مارا۔

آخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ کلہاڑا عنبر کے سر سے ٹکرا کر یوں ٹوٹ کر گرا جیسے کسی سخت چٹان میں ٹکرا گیا ہو۔ وحشی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

عنبر نے ٹانگ اڑا کر وحشی آدم خور کو نیچے گرا لیا۔ اس نے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ایک بار پھر حملہ کیا اور خنجر عنبر کے سینے پر مارا۔

خنجر کا بھی وہی حشر ہوا جو کلہاڑے کا ہوا تھا۔ لیکن خنجر سے وحشی کا اپنا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا۔ چار انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ کیونکہ عنبر کے سینے سے لگ کر خنجر مڑ گیا اور وحشی کے ہاتھ کو کاٹ گیا۔

عنبر اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے وحشی کا گلا اپنے مضبوط ہاتھوں کے شکنجے میں لے کر دبایا اور تھوڑی دیر بعد وحشی آدم خور مردہ ہو کر اس کے ہاتھوں سے نیچے گر پڑا۔

عنبر نے اس کی لاش پرے ایک گڑھے میں پھینک کر اوپر گھاس ڈال دی۔

اس کے بعد وہ پھر نہ سو سکا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اسے سوتا پا کر کوئی وحشی غار میں گھس کر سندری کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

پس باقی ساری رات وہ پہرہ دیتا رہا۔ صبح سندری اٹھی تو عنبر نے اسے ساری کہانی سنائی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی تک جزیرے پر کوئی آدم خور باقی ہے۔

عنبر نے کہا۔

"آؤ میں تمہیں اس کی لاش دکھاتا ہوں"۔

سندری نے آدم خور کی لاش دیکھی تو بولی۔

"بھگوان جھوٹ نہ بلوائے۔ ابھی اس جزیرے پر کئی آدم خور باقی ہیں"۔

عنبر نے اسے تسلی دی۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں سندری! جب تک خدا نے تمہاری زندگی لکھی ہے اور جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی آدم خور کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

سندری نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر اس کے باوجود ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل جانے کی کوشش کرنی چاہیے"۔

عنبر نے بھی سوچا کہ سندری ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس جزیرے پر رہنا اس لیے بھی خطرناک تھا کہ سندری بے بس عورت تھی اور اسے جنگل سے آیا ہوا کسی بھی وحشی آدم خور کا تیر ہلاک کر سکتا تھا۔ قریب سے حملہ کرنے والے دشمن کے وار سے تو عنبر اسے بچا سکتا تھا لیکن اندھیرے سے آیا ہوا زہریلا تیر سندری کو ضرور ہلاک کر سکتا تھا۔

اس لیے اب وہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہاں سے کیوں کر نکلا جائے؟۔

جزیرے پر سوائے آدم خوروں کی دس بارہ کشتیوں کے اور کچھ نہ تھا۔

یہ کشتیاں چھوٹی اور لمبوتری تھیں اور سمندر میں سفر کے لیے نہیں بلکہ مچھلیاں وغیرہ پکڑنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ کیا اس کشتی پر سندری کو لے جانے کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا؟۔

سمندر خوفناک تھا۔ اس میں طوفان بھی آ سکتے تھے۔ کیا یہ چھوٹی سی کشتی سمندری طوفانوں کا مقابلہ کر سکتی تھی؟۔

PDF By princeoddhump@urdufanz.com

بنگال کا جادو

کافی سوچ بچار کے بعد عنبر نے سندری سے کہا۔

"بہن! اس آدم خوروں کے جزیرے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم ان کی ایک کشتی پر سوار ہو جائیں۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ رکھ لیں اور خدا کا نام لے کر سمندر میں اپنا سفر شروع کر دیں"۔

سندری نے کہا۔

"لیکن ان کی کشتی میں ہم سمندر میں سفر کر سکیں گے؟ کشتی تو چھوٹی سی ہے کیا یہ سمندری لہروں کا مقابلہ کر سکے گی؟ اور پھر اس میں تو کھانے پینے کا سامان بھی تھوڑا آئے گا"۔

"یہی سوچ کر میں خاموش تھا۔ بہر حال ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا تاکہ اس جزیرے سے جتنی جلدی ہو سکے نکل جائیں"۔

سندری نے کہا۔

"یہاں رہنا میرے لیے خطرناک ہے یہ لوگ مجھے ہلاک کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے"۔

عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

آخر سر اٹھا کر بولا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے"۔

"وہ کیا؟"۔

"وہ یہ کہ ایک نئی کشتی بنائی جائے"۔

"نئی کشتی؟"۔

"ہاں۔ ایک بڑی کشتی۔ جس میں سوار ہو کر ہم سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل یعنی بنگال پہنچ سکیں۔ یہ بادبانی کشتی ہوگی۔ اسے ہوائیں سمندر میں چلائیں گی"۔

سندری نے کہا۔

"کیا تم نے کبھی بادبانی کشتی بنائی ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں! دو ایک بار ایسی کشتی پہلے بھی بنا چکا ہوں"۔

"تو پھر شروع کر دو بنانی۔ میں بھی تمہاری مدد کروں گی"۔

"بہتر ہے"۔

عنبر نے آدم خوروں کی جھونپڑیوں میں جا کر ایک کلہاڑا لیا اور درخت کاٹنا شروع کر دیا۔

سارا دن وہ درخت کاٹتا شام کو آرام کرتا۔ رات کو سندری کو غار کے اندر سلا کر خود باہر پہرہ دیتا۔ ایک ہفتے کے بعد اس نے درختوں کے بڑے بڑے تختے بنا لیے۔

لکڑی کی میخیں ٹھونک کر کشتی کا پیندا تیار کر لیا۔ یہ کافی بڑی کشتی تھی اور اس کی ایک نچلی منزل بھی تھی جس میں بارش اور سمندری طوفان میں پناہ لی جا سکتی تھی۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ اس دوران میں دو بار آدم خوروں نے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

سندری پر حملہ کیا اور کشتی کو آگ لگانے کی کوشش کی مگر دونوں بار آدم خور ہلاک کر دیے گئے۔

اب سندری نے بھی تیر کمان چلانا سیکھ لیا تھا۔ مہینے کے بعد کشتی بن کر تیار ہو گئی۔ اس کے ساتھ ناریل کی چھال سے تیار کیے گئے بادبان لگا دیے گئے تھے۔

سندری تو کشتی دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔

”عنبر بھیا! تم نے تو کمال کر دکھایا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کسی کارخانے میں یہ کشتی تیار کی گئی ہے“۔

عنبر ہنسا۔

”انسان جی لگا کر محنت سے کام کرے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے میری اچھی بہن! لو۔ اب کشتی تیار ہے۔ آج کی رات ہم اس میں پانی کے مٹکے اور پھل ذخیرہ کریں گے اور صبح منہ اندھیرے اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے“۔

سندری نے پوچھا۔

”عنبر بھیا! کیا تمہیں سمندری راستوں کا علم ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم سمندر میں بھٹک کر کہیں سے کہیں نکل جائیں گے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ میری ساری زندگی سمندروں میں سفر کرتے گزر گئی ہے۔ ہزاروں سال سے سمندر سفر کر رہا ہوں“۔

سندری نے چونک کر کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"کیا کہا؟ ہزاروں سال سے؟"۔

عنبر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔

سندری کو تو یہ بتانا ہی نہیں ہے کہ وہ ہزاروں برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔

جھٹ بات ٹال کر بولا۔

"میں مذاق کر رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے سمندری سفر کا بڑا تجربہ ہے اور میں سمندروں کے راستے سے خوب واقف ہوں۔ اور پھر میں، جس جہاز پر سفر کر رہا تھا وہ ایک جدید جاپانی جنگی جہاز تھا"۔

اس کے نقشے سے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ہم جنوبی سمندروں میں ہیں یہاں سے جنوب مشرق کی جانب بنگال ہے

اور جنوب مغرب کی جانب افریقہ ہے۔

ہمیں جنوب مشرق کی جانب ذرا اوپر کی طرف ہو کر سفر کرنا ہو گا اس جہاز سے ہم دس بارہ روز کے اندر اندر بنگال کے سمندر میں پہنچ جائیں گے۔

ہاں اگر راستے میں طوفان نہ آیا اور کسی جنگی جہاز نے ہمیں گرفتار نہ کر لیا یا بم کا نشانہ نہ بنا دیا۔ سندری ڈر گئی۔ اسے اب خیال آیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم پورے زوروں پر تھی اور خاص طور پر جنوبی گرم سمندروں میں جاپانیوں نے تباہی مچا رکھی تھی۔

وہ ہر جہاز کو گولہ باری کر کے ڈبو دیتے تھے۔

اس نے سہم کر کہا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

"پھر کیا ہوگا۔ اگر راستے میں ہمیں جاپانیوں نے پکڑ لیا تو ہم تو ساری زندگی اپنے گھر نہ پہنچ سکیں گے"۔

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

پیاری بہن! انسان کو زیادہ اندیشے نہیں کرنے چاہئیں۔ زیادہ وہم اور فکر و وسوسے میں نہیں پڑنا چاہیے بس اللہ کا نام لے کر ہمت سے کام لیتے ہوئے کام شروع کر دینا چاہیے۔

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہمیں کوئی بھی جاپانی جہاز نہ ملے اور کوئی امریکی جہاز مل جائے جو ہمیں اپنے جہاز پر سوار کرا لے اور بڑی حفاظت سے بنگال پہنچا دے۔

"ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے"۔

"بس پھر تیاری کر لو۔ ہم آج ہی صبح منہ اندھیرے اس

جزیرے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے ہیں"۔

"جیسی تمہاری مرضی!"۔

"نہیں جیسے میرے خدا کو منظور"۔

ساری رات عنبر نے کشتی میں پانی سے بھرے ہوئے مٹکے، مچھلی کے اچار کے مرتبان اور پھلوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں رکھنے میں گذار دی۔

وہ بہت تھک گیا تھا۔ منہ اندھیرے کام ختم ہوا تو عنبر نے محسوس کیا کہ بڑی اچھی ہوا چلنے لگی ہے۔

پس اس نے بادبان کھول دیئے اور کشتی کا لنگر اٹھا دیا۔ کشتی سمندر میں پھیل گئی اور ہوا کے زور سے اس نے آہستہ آہستہ سمندر میں جنوب مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

جزیرے پر ابھی اندھیرا تھا۔ صرف آسمان پر ہلکی ہلکی صبح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

جزیرہ دور ہوتا چلا گیا عنبر نے اس جزیرے کو دیکھتے ہوئے امریکی کپتان کو یاد کیا جس کو دولت کی حرص نے پاگل کر دیا تھا اور آخر اسی پاگل پن نے اس کی جان لے لی۔

انسان کو دولت سے اتنا پیار نہیں کرنا چاہیے۔ دولت کا پیار آخر کار انسان کو ایک نہ ایک دن موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

"عنبر بھیا! کیا کشتی اسی رفتار سے چلتی رہے گی؟"۔

سندری کے اس سوال پر عنبر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے بہن! جب ہوا تیز ہو گی تو کشتی کی رفتار زیادہ ہو جائے گی"۔

سندری نے پوچھا۔

"ہوا کب تیز ہو گی؟"۔

عنبر نے کہا۔

"کھلے سمندر میں جا کر ہوا تیز ہو جایا کرتی ہے اور اگر طوفان آ گیا تو ہوا اتنی تیز ہو جائے گی کہ ہمیں بادبان اتارنے پڑیں گے"۔

سندری نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا طوفان سے بچائے"۔

"ہاں ہمیں یہی دعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ سمندری طوفان میں نے دیکھے ہیں۔ میں ان طوفانوں سے گذر چکا ہوں۔ انسان کے

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

ہوش و حواس ایسے طوفانوں میں بڑی مشکل سے سلامت رہتے ہیں"۔

کشتی بڑے سکون کے ساتھ سارا دن سمندر میں چلتی رہی۔

جزیرہ اب نظروں سے غائب ہو گیا تھا۔

سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ آسمان بھی بادلوں سے بالکل صاف تھا۔ ہوا بڑے خوشگوار انداز میں چل رہی تھی۔ عنبر نے شام کو آسمان پہ قطبی ستارے کو تلاش کر کے دیکھا۔

وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ ان کی کشتی ٹھیک سمت کو جا رہی ہے۔ قطبی ستارہ عنبر کو نظر آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ ٹھیک راستے پہ جا رہا تھا۔

چار دن ان کو سمندر میں سفر کرتے گذر گئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وہ پھل کھاتے۔ مچھلی کا اچار کھا لیتے اور پانی پی کر رات کو سو جاتے۔

صبح اٹھ کر سمندری جھاڑو لے کر ساری کشتی کی صفائی کرتی۔

عنبر بادبانوں کو باری باری اتار کر ان کی جانچ پڑتال کرتا۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت ہوتی وہاں مرمت کرتے۔

کشتی کی ساری دیکھ بھال کرتا کہ کہیں کوئی خرابی پیدا تو نہیں ہو رہی۔

ہر شے اپنی جگہ پہ ٹھیک کام کر رہی تھی۔ ایک روز صبح کے وقت ان کے سروں کے اوپر سے کچھ ہوائی جہاز گذر کر نکل گئے۔ عنبر نے غور سے دیکھا اور کہا۔

"یہ جہاز ضرور امریکی ہیں جو جاپانی جزیروں پر بمباری

کرنے کے بعد واپس جا رہے ہیں"۔

سندری نے کہا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا۔ یہ جہاز جاپان کے بھی ہو سکتے ہیں"۔

عنبر ہنسا۔

"شاید تم نے دیکھا نہیں کہ ان جہازوں پر امریکی فضائیہ کا نشان تھا"۔

سندری بولی۔

"پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ان جزیروں کی طرف جا رہے ہیں جن پر جاپانیوں کا قبضہ ہے۔ اس طرح سے تو ہم بڑی آسانی سے جاپانیوں کے ہتھے چڑھ جائیں گے"۔

"تم نے پھر خواہ مخواہ پریشان ہونا شروع کر دیا ہے، ظاہر ہے کہ ہم جنوبی سمندروں کی طرف جا رہے ہیں اور وہاں جاپانیوں نے جنگ شروع کر رکھی ہے"۔

اگر ہم اسی طرح یورپ کی طرف جاتے تو ہمیں جرمنوں سے خطرہ تھا۔ اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تمام خطروں سے بڑی آسانی سے نکل جائیں۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو"۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا"۔

عنبر اور سندری کو سمندر میں سفر کرتے بارہواں روز جا رہا تھا۔ عنبر کچھ فکر مند تھا کہ وجہ کیا ہے ابھی تک انہیں بنگال کا کالا سمندر کیوں نہیں ملا؟۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

اگر یہ کشتی سمندر میں ٹھیک راستے پر جا رہی تھی تو اب تک اسے بنگال کے کالے سمندر میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں؟۔

ایسی بات ہو بھی سکتی تھی۔ کیونکہ عنبر کے پاس راستے کی سمت ٹھیک رکھنے کے لیے کوئی آلہ نہیں تھا۔

اس کے پاس صرف رات کو چمکنے والے ستارے ہی ایک ذریعہ تھے جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی پریشانی کا اظہار سندری سے کیا تو وہ بولی۔

"کہیں ہم ایک ہی چکر میں تو نہیں گھوم رہے"۔

سندری کی بات پر عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ کئی جہازوں کے ساتھ ایسا بھی ہوا تھا کہ وہ کھلے سمندر میں پہنچ کر کسی بہت بڑے گرداب میں پھنس گئے۔

یعنی سو دو سو میل کے دائرے میں انہوں نے چکر لگانا شروع کر دیے۔

وہ یہ سمجھتے کہ جہاز آگے جا رہا ہے لیکن حقیقت میں جہاز ایک بہت بڑے دائرے میں ایک ہی جگہ پر چکر لگا رہا ہوتا۔ یوں کوئی جہاز پانی اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے بچے مسافروں کو ہلاک کر کے سمندر میں شتر بے مہار کی طرح نکل کھڑے ہوئے اور آخر کسی طوفان کی زد میں آ کر ڈوب گئے۔

"یہ بڑی سوچنے کی بات ہے سندری! ایسا ہو سکتا ہے"۔

پھر اس نے غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک دائرے میں چکر نہیں لگا رہے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

کیونکہ اگر ان کی کشتی ایک دائرے میں چکر لگا رہی ہوتی تو شام کا ستارہ انہیں کبھی ایک جگہ نہ ملتا۔

بلکہ ایک رات مشرق میں نظر آتا اور دوسری رات مغرب میں نظر آتا۔ جبکہ عنبر کو ہر روز شام کا ستارہ ایک ہی مقام پر نظر آتا تھا۔

چنانچہ اس نے کہا۔

”ایسا نہیں ہے۔ ہم سیدھے جا رہے ہیں اب یہ نہیں معلوم کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ آیا آسٹریلیا کی طرف جا رہے ہیں یا سیدھے جاپان کی جانب“۔

”ہائے مرگئی! خدا نہ کرے کہ ہم جاپان کی طرف جا رہے ہوں“۔

”بہر حال! ہمیں ہر خطرے کے لیے تیار رہنا چاہیے“۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تیرھویں روز پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ پھل بھی گلنے سڑنے لگے۔ صرف اچار رہ گیا تھا۔ مگر اچار پر سندری گذارہ نہیں کر سکتی تھی۔

عنبر تو بغیر کھائے پیئے بھی زندہ رہ سکتا تھا۔ اسے صرف سندری کی فکر تھی۔ انہوں نے بڑی سوچ سمجھ کر خوراک استعمال کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خوراک کم از کم مہینہ ڈیڑھ مہینہ ضرور جائے گی۔

مگر یہ اندازہ غلط نکلا۔ یا پھر انہوں نے شروع میں پانی اور پھل زیادہ استعمال کر لیے تھے۔ عنبر نے سندری کو ہدایت کر دی کہ اچار زیادہ استعمال نہ کرے۔ مگر پانی کے بغیر گذارہ کیسے ہو سکتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے ہماری کشتی آج نہیں تو کل کسی نہ کسی زمین کے کنارے ضرور جا لگے گی۔ وہاں ہمیں میٹھا پانی بھی ملے گا اور کھانے کو روٹی بھی مل جائے گی"۔

صبح سندری کو پیاس لگی تو اس نے سمندر کا پانی پی لیا۔ جس سے اسے تسلی ہونے لگی۔

عنبر نے اسے اچار کھلایا جس سے اس کی طبیعت سنبھل گئی۔

عنبر نے اسے سمندر کا پانی پینے سے سختی سے منع کیا۔ دوپہر کو سمندر میں کشتی بڑے آرام سے جا رہی تھی کہ دور کسی جہاز کا مستول نظر آیا۔

عنبر اور سندری پریشان نظروں سے اس جہاز کے مستول کو

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

تکنے لگے۔

یہ جہاز کس کا تھا؟۔

دشمن کا تھا یا دوست کا؟۔

کہیں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہی نہ ہو۔ کیونکہ ان سمندروں میں بحری ڈاکو اکثر گھوم پھر کر مسافر بردار جہاز کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ جہاز کا مستول قریب آیا تو عنبر پریشان ہو گیا۔

یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا تھا اس کے مستول کے ساتھ بحری ڈاکوؤں کا کالا جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا نشان تھا۔

☆ بحری ڈاکوؤں نے عنبر اور سمندری کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔

☆ عنبر نے بحری ڈاکوؤں کا کس طرح مقابلہ کیا؟۔

☆ کیا ناگ بھی بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر تھا؟۔

☆ ماریا کہاں تھی؟۔

یہ آپ اسی ناول کی 75 ویں قسط میں پڑھیئے۔

PDF By princeofdhump@urdufanz.com

وحشی جلاد

اے حمید

موت کا تعاقب [illegible]
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

وحشی جلّاد

اے حمید

ملک لائبریری
محلہ توپ خانہ [illegible]
روڈ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

باہتمام شیخ نسیم احمد پرنٹر،
می پرنٹنگ پریس میو ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۶۹ء
قیمت: ۵/۵۰

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
نرلی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

فہرست

○ بھاگو! جاگو!
○ کھل جا سم سم
○ جہاز چلتا رہا
○ آدم خور
○ وحشی جلّاد
○ پُراسرار جہاز

پیارے بچو! پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ جوگی کے لباس میں ریل گاڑی میں بیٹھا بنگال کے جنگلوں میں سفر کر رہا ہے۔ دوسری طرف ماریا ایک گھوڑے پر سوار عنبر اور ناگ کی تلاش میں جنگل میں سے گزر رہی ہے۔ تیسری طرف عنبر بحرالکاہل کے ایک ایسے جزیرے میں ہے جہاں جاپانیوں کا قبضہ ہے۔ عنبر ایک امریکی قیدی عورت کو جاپانیوں کی قید سے چھڑا کر اسے سمندر کنارے ایک گڑھے میں چھپا دیتا ہے۔ وہ اس کے خاوند کو بھی رہا کراتا ہے۔ پھر اس جزیرے سے ان دونوں کو لے کر ایک سٹیمر پہ فرار ہو جاتا ہے۔ اب وہ سٹیمر پر سوار سمندر میں اکیلے بھٹک رہے ہیں۔ کیونکہ تیل اور کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔ سمندر کی لہریں ان کو اٹھا کر ایک ایسے جزیرے پر پھینک دیتی ہیں جہاں ایک وحشی آدم خور قبیلہ آباد ہے۔ یہ لوگ ایمل اور اس کے خاوند کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ عنبر انہیں چھڑانے کے لیے جاتا ہے تو اسے بھی پکڑ لیا جاتا ہے۔ ترونام کا پجاری عنبر پر جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ چھوڑتا ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے۔

بھاگو! بھاگو!

گڑھے کے قریب آ کر جاپانی سپاہی رک گئے۔

انہیں وہاں کسی انسان کے موجود ہونے کا شک پڑ گیا تھا۔ ایک جاپانی نے جھک کر زمین کو دیکھا۔ وہاں اسے ایک جھاڑی کی ٹوٹی ہوئی شاخ نظر آئی۔ یہ شاخ ایسی تھی کہ جس طرح اسے کسی انسان نے توڑا ہو۔ اس نے وہ شاخ اٹھا کر اپنے ساتھی کو دکھائی اور جاپانی زبان میں کچھ کہا۔ دوسرے سپاہی نے شاخ کو غور سے دیکھا اور پھر اسے پھینک کر گڑھے کے منہ پر جو جھاڑیاں رکھی ہوئی تھیں، انہیں غور سے تکنے لگا۔ اب دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک سپاہی نے سنگین مار کر جھاڑیوں کو پرے ہٹا دیا۔ جھاڑیوں کے پرے ہٹتے ہی وہاں ایک سوراخ سا ظاہر ہو گیا۔ ایک جاپانی نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اسے

اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا۔

دوسرا سپاہی بھی جھک کر غار کے اندر جھانکنے لگا۔

اتنے میں اندر سے ایک سبز رنگ کا سانپ پھنکارتا ہوا باہر کو نکلا۔ دونوں جاپانی جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ سانپ ان کی طرف لپکا۔ ایک سپاہی نے سنگین مار کر اُسے کچل دیا۔ انہیں اب یقین ہو گیا تھا کہ اندر کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس گڑھے میں سانپ رہتا ہو وہاں کوئی انسان نہیں رہ سکتا۔ اور اگر رہے گا تو پھر زندہ نہیں رہے گا۔ انہوں نے سانپ کو پاؤں سے کچل کر گھاس پر مسل دیا۔ اس کے بعد وہ آگے چل پڑے۔

جب وہ ٹولی دُور پہاڑی کی دوسری جانب چلے گئے تو سوراخ میں سے عنبر نے باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر اندر منہ کر کے عورت کو آواز دی:

- باہر آ جاؤ۔ وہ لوگ چلے گئے ہیں:

ایک عورت سہمی ہوئی باہر آگئی۔ اُس نے باہر آتے ہی سب سے پہلا سوال عنبر سے یہ کیا۔

- تمہیں سانپ نے ڈسا تھا۔ تم پر زہر کا اثر ہو رہا ہے۔ پاؤں میری طرف کرو میں کس کر کپڑا باندھوں گی:

اندر ایسا ہوا کہ جس وقت انہوں نے جاپانیوں کو گڑھے

کے قریب آتے دیکھا تو عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان دونوں جاپانیوں کو اس ترکیب سے مارنے کی کوشش کرے گا کہ نہ تو وہ چیخ مار سکیں اور نہ گولی چلا سکیں تاکہ شور نہ ہو۔ لیکن اچانک اُس نے دیکھا کہ گڑھے کے اندر بائیں جانب نیچے ایک لحد سی بنی ہوئی تھی۔ یہ مٹی کھود کر بنائی گئی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی ریچھ آرام کرتا ہے۔ عنبر ایلی کو لے کر اس لحد میں اتر گیا۔ جاپانیوں نے جھاڑیاں ہٹا کر اندر جھانکا تو انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

اتنے میں ایک سانپ لحد میں سے اُچھل کر باہر کودا اور اُس نے عنبر کی ایڑی پر ڈس دیا۔ کم بخت کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر پر زہر کا بالکل اثر نہیں ہوگا۔ یہ ایلی کی خوش قسمتی تھی کہ سانپ نے اُسے نہیں ڈسا تھا۔ سانپ کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ اگر کسی انسان کو ڈس لے تو پھر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ سانپ بھی باہر کو بھاگا۔ باہر جاپانی سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے سانپ کو مار ڈالا اور یہ سوچ کر آگے چل دیئے کہ جہاں سانپ رہتا ہے وہاں انسان کہاں ہوگا بھلا!

ایلی نے عنبر کی ایڑی کو سانپ کو ڈستے دیکھا تھا۔ وہ خوف سے چیخ مارنے ہی والی تھی کہ عنبر نے اُس کے منہ پر زور

سے ہاتھ بند دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ باہر نکلتے ہی اُس نے عنبر کی ایڑی پر کپڑا باندھنے کو کہا تو عنبر بولا۔

"میرا خون اس قسم کا ہے کہ مجھ پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے تم بے فکر رہو۔"

لیکن ایلی کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ کسی انسان کا خون اتنا علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُس پر سانپ کا زہر بھی اثر نہ کرے۔ بہر حال اس کا دل رکھنے کے لیے عنبر نے پاؤں پر پٹی کس کر باندھ لی۔ اور گڑھے کے باہر ایلی کو بٹھا کر خود اوپر ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا اور سر ہولے سے اُٹھا کر جاپانیوں کو تکنے لگا۔ دونوں جاپانی اب ڈھلان اُتر کر اس طرف جا رہے تھے جہاں ہوائی اڈہ تھا۔

عنبر اور ایلی شام تک اُس گڑھے کے باہر بیٹھے رہے۔ ذرا آہٹ ہوتی تو ایلی گھبرا جاتی۔ عنبر اُسے تسلی دیتا۔ وہ اپنے خاوند کے بارے میں بڑی پریشان تھی۔ اُسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ بھوکی بھی تھی۔ عنبر نے پتوں کا ایک پیالہ سا بنایا اور قریب ہی ایک چھوٹی سی ندی پر جا کر اُس میں پانی بھر لایا۔ راستے میں اس نے ایک درخت پر سے کچھ جنگلی امرود توڑ لیے۔ ایلی نے پانی پی کر امرود کھائے اور اُس کی جان میں جان آئی۔

"بھائی عنبر! میں تمہاری بڑی شکر گزار ہوں تم نے میری بڑی مدد کی ہے اور مدد کر رہے ہو۔ اگر جنگ کے بعد میں امریکہ

تو تمہیں ضرور میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ ایلی بہن!"

ایلی نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"نہ جانے میرا خاوند کس حال میں ہوگا؟ ان ظالم جاپانیوں نے ضرور اُسے مار ڈالا ہوگا۔ کاش ہم کبھی امریکہ چھوڑ کر ان جزیروں میں نہ آتے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرے خیال میں تمہارا خاوند بھی اسی جگہ قید ہوگا۔ میں اسے تلاش کر کے ڈھونڈ نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

ایلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیسے فکر نہ کروں۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔"

"بہن! ان آنسوؤں کو روکو۔ میں تمہارے خاوند کو ضرور تلاش کر کے تمہارے پاس لے آؤں گا۔ حوصلہ رکھو۔ ہمت نہ ہارو۔"

پہاڑی کی مشرقی جانب بالکل سنسان تھی۔ وہاں ذرا نیچے جا کر سمندر کا ساحل آ جاتا تھا جس کے ساتھ ساتھ ناریل کے درختوں

کے جھنڈ چھ گئے تھے۔ رات کو عنبر نے ایمل کو گڑھے کے اندر رہنے کے لیے کہا اور خود ساحل سمندر پر آگیا۔ وہ درختوں کے نیچے سے ہو کر چھپتا چھپاتا یہاں تک آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک تھیلا سا بھی لایا تھا۔ یہ تھیلا اُسے شام کو پہاڑی کے دامن میں پڑا ہوا مل گیا تھا۔ شاید کوئی جاپانی اُسے یہاں رکھ کر بھول گیا تھا۔ عنبر نے گھوم پھر کر یہاں کتنے ہی ناریل اکٹھے کر کے تھیلے میں بھر لیے۔ پھر وہ ساحل کے جنگل میں آگیا۔ اس جگہ جنگلی امرودوں اور پپیتے کے بے شمار درخت تھے۔ عنبر نے پپیتے اور امرود بھی توڑ کر تھیلے میں بھر لیے۔

تھیلا کافی وزنی ہو گیا تھا لیکن اُسے تو بوجھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے تھیلا کندھے پر اُٹھایا اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ ایمل یعنی اُس کی ساتھی امریکی عورت نے جو اس کے پاؤں میں ٹخنے کے پاس پٹی کس کر باندھ رکھی تھی۔ وہ اُسے خواہ مخواہ تنگ کر رہی تھی۔ اُس کا ایک سرا کھل گیا تھا اور اس کے پاؤں میں آ رہا تھا۔ عنبر نے دوسرے پاؤں کی مدد سے پٹی ٹخنے سے اُتار کر پرے پھینک دی۔

اس وقت وہ گڑھے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آگیا کہ وہاں ایمل نہیں تھی۔ اُس نے تھیلا اُسی جگہ پھینکا اور باہر نکل کر اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ بے اختیار وہ ایمل کو آواز

دینے لگا تھا کہ اُس نے آواز حلق سے نکالتے نکالتے دبالی لیکن پریشانی بہت زیادہ تھی۔ آخر یہ عورت کہاں غائب ہو گئی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جاپانی اُسے پکڑ کر لے گئے ہوں؟ پھر عنبر کو خیال آیا اگر جاپانی اُسے پکڑ کر لے جاتے تو وہ ضرور شور مچاتی۔ کم از کم عنبر کو خبردار کرنے کے لیے ایک چیخ ہی مار دیتی۔

ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔

پھر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ سیر کو نکل گئی ہو؟ لیکن سیر کرنے کا بھلا یہ کونسا وقت تھا؟ عنبر ٹیکریوں کی اوٹ میں سے نکل کر درختوں کے ساتھ ہوتا اُس طرف آگیا جدھر چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ رات اگرچہ اندھیری تھی مگر تاروں کی نیلی نیلی چمک میں درختوں کے تنے اور ندی کا پانی دھندلا دھندلا ضرور نظر آ رہا تھا۔

عنبر نے دیکھا کہ ایمل ندی میں بیٹھی نہا رہی ہے۔

وہ ایک ہاتھ سے اپنے سر کو مل رہی ہے اور دوسرے ہاتھ سے اوپر پانی ڈال رہی ہے۔ عنبر نے اطمینان کا سانس لیا اور سر پہ ہاتھ مار کر واپس آگیا کہ یہ عورت کس قدر دلیر بھی ہے اور بزدل بھی۔ جاپانیوں کو دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی تھی اور اب کیا بے فکر ہو کر ایسے ندی میں نہا رہی ہے

جیسے یہ میٹھے رس کی نہر ہو۔

عنبر واپس گڑھے میں آکر بیٹھ گیا اور ناریل توڑ کر اس کا میٹھا رس پینے لگا۔ اتنے میں ایلی بھی آگئی۔ عنبر نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔

"اگر تم اسی طرح بے خوف ہو کر جنگل میں پھرنے لگیں تو پھر میں تمہارا ذمہ نہیں لے سکتا۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ یہاں چاروں طرف ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں؟"

ایلی نے بال جھٹک کر کہا۔

"میں کئی روز سے نہائی نہیں تھی۔ میرا بُرا حال ہو رہا تھا چھوٹو بھیا! اب نہیں نکلوں گی یہاں سے۔"

عنبر نے اُسے کھجور اور دو اور ناریل کھانے کو دیئے۔ ایلی نے کہا۔

"یہ تم کہاں سے لے آئے ہو؟"

"میں ساحل کی طرف گیا اور درختوں سے توڑ کر لے آیا۔ وہاں بے شمار پھل دار درخت ہیں۔ دو تین دنوں کا راشن لے آیا ہوں۔"

ایلی نے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟ میرا تو یہاں دم گھٹنے لگا ہے۔ مجھے اپنے خاوند کا بھی

غم کھائے جا رہا ہے۔"

عنبر بولا۔

"سب سے پہلے آج رات میں تمہارے خاوند کی تلاش میں جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے کہ ہمیں یہاں سے کیوں کر نکلنا ہو گا۔"

ایلی نے کہا۔

"تمہارے پاس کشتی موجود ہے۔ ہم اس کشتی میں بیٹھ کر رات کے اندھیرے میں یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔ ہمارا جزیرہ یہاں سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر ہے۔"

"لیکن وہ جزیرہ تو اب جاپانیوں کے قبضے میں آچکا ہے۔ وہاں ہم فوراً گرفتار کر لیے جائیں گے۔"

ایلی بولی۔

"پھر بھی وہ ہمارا جزیرہ ہے۔ میں نے وہاں برسوں گزارے ہیں۔ ہمارے ملنے جلنے والے مقامی لوگ ہیں۔ ان کے ہاں پناہ مل سکتی ہے۔ پھر ہم کسی روز کسی غیر ملکی بحری جہاز میں سوار ہو کر وہاں سے کوچ کر سکتے ہیں۔"

عنبر نے پوچھا۔

"غیر ملکی جہاز سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ریڈ کراس والوں کے جہاز سے ہے ـــ

پڑ اس کے جہاز دشمن کے علاقوں میں بھی جاتے رہتے ہیں" عنبر سوچنے لگا۔ اُس نے تھیلا ایک طرف رکھتے ہوئے باہر جھانک کر آسمان کو دیکھا۔ اندر آ کر ایملی سے کہا۔

"رات ابھی کافی باقی ہے۔ مَیں تمہارے خاوند کی تلاش میں جاپانیوں کی بیرکوں میں جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے تمہارے شوہر کو بھی وہیں قید کر رکھا ہو گا۔ کیا تم مجھے اس کی کچھ نشانی بتاؤ گی؟"

ایملی نے کہا۔

"اس کا نام لاس ہے۔ اس کی گھنی سیاہ مونچھیں ہیں اور ماتھے پر زخم کا نشان ہے۔ بس اس سے زیادہ اور کیا نشانی ہو سکتی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب مَیں جاتا ہوں اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔ لیکن تم ہرگز ہرگز یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ اگر مَیں صبح کو بھی کسی وجہ سے نہ آ سکا تو گڑھے کے آگے جھاڑیاں ڈال کر خاموش ہو کر پیچھے بیٹھی رہنا اور میرے آنے تک یہیں رہنا۔ میں ہر حالت میں واپس آ جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر گڑھے سے نکل گیا۔ ایملی نے اسے جھاڑیوں
وند کو بھی

کی اوٹ میں اندھیرے میں گم ہوتے دیکھا اور گڑھے کے منہ پر جھاڑیاں رکھ دیں اور پیچھے زمین پر لیٹ گئی اور اپنے خاوند کو یاد کر کے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عنبر ٹیلے سے اُتر کر دوسرے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر اُس نے پرلی جانب جاپانیوں کی بیرکوں اور ہوائی اڈے کو دیکھا۔ دھیمی دھیمی روشنی کہیں کہیں ہو رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہوائی جہاز رن وے سے ہٹا کر انہیں ایک قطار میں بیرکوں کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر بھی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ گویا ہوائی اڈہ کسی بڑے جہاز کے اُترنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ عنبر جھک کر اندھیرے میں ٹیلے سے اُترنے لگا۔

وہ سامنے والی بیرکوں کے عقب میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ بیرکوں کے کونے پر ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ جس کی کمزور روشنی صرف ارد گرد کا تھوڑا سا علاقہ روشن کر رہی تھی۔ عنبر سانس روکے وہاں کھڑا رہا۔ ذرا پرے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر رات کی ہلکی نیلی روشنی میں خاموش کھڑے تھے۔ دو جاپانی سپاہی ذرا فاصلے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سمندر کی طرف سے لہروں کے کنارے کے پتھروں سے ٹکرانے کی آواز آ رہی تھی۔

عنبر نے سوچا کہ ایل کا خاوند کس جگہ قید ہو سکتا ہے؟ رہ رہ کر اس کا خیال بیرک کی طرف ہی جا رہا تھا۔ ضروری تھا کہ ان بیرکوں کی چھان بین کی جائے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ بیرکوں کی چھان بین کیسے کر سکتا تھا۔ کاش! اس وقت ناگ اُس کے پاس ہوتا۔ ناگ بڑی آسانی سے بیرکوں میں جا کر ساری خبریں لا کر اُسے دے سکتا تھا مگر ناگ خدا جانے کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ عنبر سرکتا سرکتا بیرک کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگیا۔ وہاں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا کہ اس میں سے جھانک کر ہی اندر دیکھ لیتا۔

ابھی وہ وہاں کھڑا غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک آہٹ ہوئی اور ایک جاپانی سپاہی اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ عنبر سوچ بھی نہ سکا اور جاپانی سپاہی نے سنگین سے حملہ کر دیا۔ عنبر نے اُچھل کر جاپانی کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا۔ اُس نے جاپانی کی گردن اُس وقت چھوڑی جب وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ عنبر کو ایک ترکیب سُوجھی۔ اُس نے جلدی جلدی اپنے کپڑے اُتار کر جاپانی سپاہی کے کپڑے پہن لیے اور جاپانی کو اپنے کپڑے پہنا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ اور اوپر گھاس پھونس اور جھاڑیاں ڈال دیں۔

اب وہ خود ایک جاپانی سپاہی لگ رہا تھا۔

عنبر نے بندوق کندھے پر رکھی۔ جاپانی سپاہیوں والی سبز ٹوپی رکھ کر اُس کا چھجا آنکھوں پر ذرا زیادہ جھکا لیا تاکہ اُسے کوئی پہچان نہ سکے اور بیرک کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ رات کے اندھیرے میں تو اُسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ لیکن صبح کی روشنی میں وہ پہچانا جا سکتا تھا۔ اس لیے اُسے جو کچھ کرنا تھا صبح ہونے سے پہلے پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ یہ بھی اُس کی خوش قسمتی تھی کہ قدیم مصری بزرگ کی دعا سے وہ دنیا کی ساری زبانیں بول اور سمجھ سکتا تھا۔

چنانچہ وہ جاپانی زبان بھی سمجھ اور بول سکتا تھا۔

عنبر جاپانی سپاہی کے بھیس میں بیرک کی دوسری جانب نکل گیا۔ اُدھر ہوائی جہاز کھڑے تھے۔ وہ یوں چل پھر رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ اصل میں وہ عقابی نظروں سے اندھیرے میں بیرکوں کی کھڑکیوں کو کھنگال رہا تھا۔ ان کھڑکیوں میں دو ایک جگہوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر ایک روشن کھڑکی کی طرف چل پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کی طرف آ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے جاپانی زبان میں کہا۔

"ارے یوکیڈا! کہاں جا رہے ہو؟ کیا آج پہرہ نہیں دو گے؟"

عنبر سمجھ گیا کہ اُس کے پہرہ دینے کی جگہ پیچھے ہے اور اُسے کھڑکی کی طرف نہیں جانا چاہیئے تھا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک جاپانی سپاہی رائفل کے سہارے کھڑا اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"یوکیڈا! اِدھر آکر پہرہ دو۔ میں جا رہا ہوں۔"

عنبر نے دُور سے ہی جاپانی زبان میں کہا۔

"دوست! تم چلے جاؤ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔ بیرک میں میری ٹوپی رہ گئی ہے۔"

جاپانی سپاہی بولا۔

"اچھا تو میں جا رہا ہوں۔ جلدی واپس آجانا۔ کہیں کرنل آگیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

جاپانی سپاہی چلا گیا۔ عنبر کے لیے اب میدان صاف ہو گیا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس آکر رُک گیا۔ اُس نے ایک پٹ ذرا سا کھول دیا۔ اندر دو جاپانی سو رہے تھے۔ عنبر نے کھڑکی بند کر دی اور بیرک کے دروازے میں سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ بیرک لمبی تھی اور دیوار کے ساتھ ساتھ چارپائیاں لگی تھیں جن پر جاپانی سپاہی خراٹے لے رہے تھے۔

"یہاں کوئی قیدی نہیں ہو سکتا۔ پھر ماسس یعنی ایلی کا

ماؤنڈ کہاں ہوگا؟"

عنبر نے دیکھا کہ بیرک کے کونے میں ایک سپاہی پہرہ دے رہا ہے اور اُونگھ بھی رہا ہے۔ عنبر نے ذرا فاصلے پر جا کر کہ وہ اُسے پہچان بھی نہ سکے آواز دے کر پوچھا۔

"ارے وہ امریکی قیدی کہیں بھاگ تو نہیں گیا؟"

جاپانی چونک کر بولا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟ کس نے کہا ہے تمہیں؟ وہ..."

پھر وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر پہرہ دینے لگا۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا تم یوکیڈا ہو؟ ارے تم اندر کیا کر رہے ہو؟ وہ امریکی قیدی کہاں بھاگ سکتا ہے بھلا۔ مگر تم کیوں پوچھنے لگے؟"

عنبر نے ہنس کر دُور سے ہی جاپانی زبان میں کہا۔

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اِس لیے کہ تم اونگھ رہے تھے۔ اگر تم اِسی طرح پہرہ دیتے رہے تو سارے قیدی یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔"

جاپانی بولا۔

"یوکیڈا! یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قیدی یہاں نہیں ہیں بلکہ دوسری

بیرک کی حوالات میں بند ہیں؟"

عنبر نے قہقہہ لگایا۔ جاپانی سپاہی شاید نیند کے عالم میں تھا۔ اُس کو پتہ ہی نہ چل

"ارے میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اچھا اب دیکھا کہ کوئی دوسرا انسان اُس کے پاس آکر کھڑا ہے۔ عنبر نے

ہوں۔ شہنشاہ جاپان زندہ باد!" ی موقع کو غنیمت جانا اور آگے بڑھ کر آہستہ سے دروازہ کھولا

"شہنشاہ جاپان زندہ باد!" ور بیرک میں داخل ہو گیا۔ یہ بیرک زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس

جاپانی سپاہی حیران ضرور تھا کہ یہ آج یوکیساما کے اندر آدھے حصے میں کمرے بنے تھے۔ ایک دروازہ کھول

کیا ہو گیا ہے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ ادھر عنبر نے دیکھا کہ وہ دفتر ہے۔ اس کے عقب میں بھی ایک

بھی نہیں معلوم کہ قیدیوں کی حوالات اس بیرک میں نیا دروازہ تھا۔ اس کے اوپر جاپانی زبان میں لکھا تھا۔

ہے۔ اس کے بعد وہ پھر اُونگھنے لگا۔ "حوالات"

عنبر کو وہ راز مل گیا تھا جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔ عنبر یہ بورڈ پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے دروازے

وہ لمبے لمبے قدم اُٹھاتا دوسری بیرک کی طرف چل پڑا کو آہستہ سے اندر کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ کمال کی بات

جو وہاں سے تھوڑی دُور رہی تھی۔ اِس بیرک کے باہر تھی کہ وہاں کوئی بھی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔ شاید

کونے میں ایک مدھم سا لیمپ جل رہا تھا۔ عنبر صبح ہونے جاپانیوں نے ایک ہی پہرے دار کو کافی سمجھا تھا جو بیرک

سے پہلے پہلے اپنا مشن پورا کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس کے باہر سو رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے عنبر نے ایک کمرہ

وقت کم تھا اور وہ ہر قدم جلدی سے اُٹھانا چاہتا تھا۔ دوسری دیکھا جس کے دروازے پر سلاخیں لگی تھیں۔ گویا یہی حوالات

بیرک کا دروازہ بند تھا۔ باہر ایک جاپانی سپاہی پہرہ دے رہا تھی۔ عنبر نے سلاخوں کے پاس جا کر دیکھا۔

تھا۔ نیند سے اس کی بھی بُری حالت ہو رہی تھی۔ وہ سامنے دیوار کی طرف منہ کیے ایک آدمی سو رہا تھا۔

نیند سے اونگھ رہا تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ یہی آدمی ایلی کا خاوند ہے۔ اس کا رنگ

عنبر اس کے عقب میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ گورا تھا۔ سر کے بال لمبے اور میلے کچیلے ہو رہے تھے۔ پتلون اور

جیکٹ بھی جگہ جگہ سے میلی ہو رہی تھی۔ دروازے پر بڑا

مضبوط تالا لگا ہُوا تھا۔ عنبر نے تالے کو ہاتھ میں لے کر زوردار جھٹکا دیا۔ تالا ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ جھٹکے کے شور سے حوالات میں سوئے ہوئے آدمی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سر اُٹھا کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر حوالات کا دروازہ کھول کر اس قیدی کے پاس چلا گیا اور بولا۔

"تم ایلی کے خاوند طاسس ہو نا؟"

طاسس حیرانی سے عنبر کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کونسا آدمی ہے جو اُس کا نام، اُس کی بیوی کا نام بھی جانتا ہے اور جس نے ایک ہی جھٹکے سے لوہے کا اتنا بڑا تالا کھول دیا۔

عنبر نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا تم طا ایلی کے خاوند؟"

"ہاں۔"

اس قیدی کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ عنبر نے گھورتے ہوئے کہا۔

"تو چپکے سے پیچھے آجاؤ۔"

عنبر طاسس کو لے کر حوالات سے باہر آگیا۔

اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ تالے کے ٹوٹنے کی آواز سے سویا ہوا جاپانی سپاہی بھی اُٹھ بیٹھا تھا۔ وہ

لے کر اندر کی طرف بھاگا۔ حوالات کے سامنے آتے ہی اُس نے دیکھا کہ ایک شخص قیدی کو جگا کر لیے جا رہا ہے۔ وہ چھپ کر ان دونوں کے باہر دروازے کے پاس آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جونہی عنبر اور طاسس دروازے کے پاس آئے۔ جاپانی سپاہی نے بندوق دکھا کر کہا۔

"خبردار! آگے بڑھے تو گولی چلا دوں گا۔"

ایلی کے خاوند کا تو خون خشک ہوگیا۔ مگر عنبر پر جاپانی کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر جاپانی کی رائفل کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"اگر چاہتے ہو کہ زندہ رہو تو رائفل نیچے کرلو۔"

عنبر نے یہ جملہ جاپانی زبان میں کہا تھا جسے طاسس بالکل نہ سمجھ سکا۔ ویسے وہ حیران ضرور ہُوا کہ یہ نوجوان جاپانی زبان بھی جانتا ہے جو بڑی مشکل زبان ہوتی ہے۔ جاپانی بھی ایک بار چکرا گیا۔ اِس دوران میں جاپانی نے گولی چلا دی۔ ایلی کا خاوند تو پتھر کا بُت بن گیا۔ کیونکہ اُس کے سامنے گولی عنبر کو لگی تھی۔ اور پھر جب ایلی کے خاوند نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ گولی عنبر کی گردن پہ لگ کر ٹن کی آواز سے نیچے فرش پہ گر پڑی ہے اور اُسے کچھ بھی نہیں ہُوا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اِدھر جاپانی بھی چکرا گیا کہ یا خدا یہ ماجرا

کیا ہے؟ اِس شخص کی گردن پتھر کی ہے کیا کہ اس سے ٹک کر گولی نیچے گر پڑی ہے۔ بلکہ ایسا تو پتھر کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ گولی تو پتھر میں بھی تھوڑا بہت سوراخ کر دیتی ہے۔

جاپانی کی حیرت کا فائدہ اُٹھا کر عنبر نے اُس کے ہاتھ سے رائفل چھین کر اُسے ہینڈز اپ کرا دیا۔

"خاموشی سے حوالات کے اندر چلے چلو۔ اگر تم نے شور مچایا یا بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی مار کر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

جاپانی چُپ چاپ حوالات کے اندر چلا گیا۔ عنبر نے اُسے بند کر کے باہر کنڈی چڑھا دی۔ لیکن گولی چلنے کی آواز حوالات کے باہر بھی گئی تھی اور باہر سے دوسرا سپاہی بھی رائفل لے کر اپنے ساتھی کی مدد کو اندر بھاگا تھا۔ جونہی عنبر اپنا کام ختم کر کے باہر نکلا تو اُس نے رائفل دکھا کر رعب سے کہا۔

"ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔"

بیلی کے خاوند طاس نے اسی وقت ہاتھ اوپر اُٹھا لیے۔ عنبر نے جاپانی سپاہی سے جاپانی زبان میں کہا۔

"میں جاپان میں بارہ سال رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری زبان آسانی سے بول سکتا ہوں۔ رائفل نیچی کر کے

یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو اندر چل کر اپنے ساتھی کا انجام دیکھ لو۔ اگر تم نے ہمیں پکڑنے کی کوشش کی تو تمہارا بھی حال تمہارے ساتھی جیسا ہوگا۔"

جاپانی سپاہی نے تعجب سے عنبر کو دیکھا۔ کیونکہ عنبر بڑی روانی اور آسانی سے جاپانی زبان میں بات کر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"میں تم کو گرفتار کر کے رہوں گا۔ اگر بھاگے تو گولی مار دوں گا۔"

عنبر نے سوچا کہ اگر اس بار بھی جاپانی سپاہی کی گولی چلی تو ہو سکتا ہے اس کے دھماکے سے بیرک میں سوئے ہوئے سارے سپاہی جاگ پڑیں۔ کیونکہ اب وہ بیرک کے دروازے کے آگے کھڑے تھے۔ عنبر نے ہاتھ اوپر اُٹھا لیے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ ہم ہتھیار پھینکتے ہیں۔"

طاس نے پریشانی سے عنبر کو دیکھا کہ یہ آدمی کیسا ہے۔ ایک بار جاپانی کو ہلاک کیا اور اب دوسرے سے ہار مان رہا ہے۔ عنبر نے طاس سے کہا۔

"کوئی حرکت نہ کرنا۔"

اُسے ڈر تھا کہ کہیں طاس نادانی سے جاپانی پر حملہ نہ کر دے۔ جاپانی سپاہی اُن دونوں کو لے کر اندر حوالات

کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں جاپانی سپاہی نے اپنے ساتھی کو حوالات میں بند دیکھا تو غصے سے اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے طاؤس کے کندھے پر رائفل کا دستہ مار کر کہا۔

"آگے چلو اِدھر سے پیچھے۔ ورنہ تم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔ چلو۔"

طاؤس لڑکھڑا گیا۔ اب عنبر کے حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ جاپانی سپاہی عنبر اور اس کے ساتھی کو حوالات میں قید کرتا عنبر نے پیچھے مڑ کر اچھل کر ایک فلائنگ کک جاپانی کے منہ پر ماری۔ وہ پیچھے کو گر پڑا اور رائفل اس کے ہاتھ سے اچھل کر پرے جا گری۔ عنبر نے لپک کر رائفل پکڑ لی اور جاپانی سپاہی کی طرف تان کر کہا۔

"چلو حوالات کے اندر۔ اگر شور مچایا یا کسی کو مدد کے لیے پکارا تو میں تم دونوں کو گولی مار دوں گا۔"

جاپانی سپاہی بے بس ہو گیا تھا۔ طاؤس نے حوالات کا دروازہ کھول کر جاپانی کو دھکا دے کر حوالات کے اندر بند کر دیا۔ عنبر نے رائفل سے اشارہ کیا اور کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے بھاگ چلو یہاں سے۔"

وہ دونوں بیرک سے نکل کر باہر ہوائی اڈے میں آ گئے۔ عنبر نے طاؤس کو ہدایت کر دی تھی کہ اس کے پیچھے پیچھے

وہ اِدھر اُدھر جانے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر صبح کی ہلکی نیلی جھلک سی نظر آنے لگی تھی۔ طاؤس یعنی ایل کا خاوند عنبر کے پیچھے پیچھے چلتا، جھکتا، درختوں اور جھاڑیوں کے اندھیرے میں سے گزرتا جنگل میں آ گیا۔ ابھی وہ جنگل میں داخل ہی ہوا تھا کہ ایکدم سے شور مچ گیا۔ سائرن بجنے لگا۔ یہ خطرے کا سائرن تھا۔ عنبر اور طاؤس بھی ایک جگہ رک گئے۔ اتنے میں امریکیوں کے بمبار جہاز جزیرے کے آسمان پر آ گئے اور انہوں نے بمباری شروع کر دی۔ نیچے سے جاپانیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ کم بختوں کے نشانے اتنے ٹھیک تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے تین جہاز گرا لیے۔ دو جہازوں میں تو آگ لگ گئی۔ وہ فضا میں ہی پھٹ گئے اور ایک جہاز کا ہوا باز چھتری کھول کر نیچے اتر گیا۔ باقی جہاز بھاگ گئے۔ ہوائی اڈے کی طرف سے جاپانیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک دو جگہوں پر آگ لگی تھی جسے جاپانی بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر سپاہی جنگل میں اس جگہ سے دوڑتے ہوئے گزرے جہاں عنبر اور ایل کا خاوند طاؤس چھپے ہوئے تھے۔

طاؤس نے ڈر کر کہا۔

"یہ بدبخت تو اِدھر بھی آ گئے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے انہوں نے جنگل میں ضرور کسی جگہ گولہ بارود چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ اُسے دیکھنے جا رہے ہیں۔"

دونوں خاموشی سے سپاہیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد جاپانی سپاہی بھاگتے ہوئے آئے اور ان کے قریب سے ہو کر گذر گئے۔ طامس نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ اور میری بیوی کہاں قید ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ میں اپنا تعارف صرف اتنا ہی کراؤں گا کہ میں تم لوگوں کا ہمدرد ہوں۔"

"کیا۔ کیا ایلی زندہ ہے؟"

طامس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ عنبر نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شکر بجا لاؤ۔ تمہاری بیوی زندہ ہے۔ اُسی نے مجھے تمہیں نکال لانے کے لیے بھیجا ہے۔"

طامس نے بے تابی سے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

عنبر بولا۔

"میں تمہیں تمہاری بیوی کے پاس ہی لے جا رہا ہوں۔ بس ذرا صبر کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حوالات سے باہر نکلے ہیں تو اب پھر ان جاپانی وحشیوں کے ہتھے چڑھ جائیں۔"

طامس نے عنبر کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ایک بات بتاؤ گے میرے ہمدرد! میرے بھائی؟"

عنبر نے پوچھا۔

"کونسی بات؟ بھلا پوچھو!"

طامس بولا۔

"میری آنکھوں کے سامنے جاپانی کی گولی تمہاری گردن پر لگی تھی مگر تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تمہاری گردن پر ہلکا سا نشان بھی نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم کوئی جادوگر بھی ہو؟ کیونکہ صرف جادو کے زور سے ہی انسان موت پر قابو پا سکتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ہاں! تم یہی سمجھ لو کہ میں جادوگر ہوں۔ مگر ایک بات میں صاف کر دینی چاہتا ہوں کہ جادو کے زور سے کوئی انسان موت پر قابو نہیں پا سکتا۔ جس کی موت جس وقت لکھی ہے وہ آ کر ہی رہے گی اور کوئی فانی انسان موت سے نہیں بچ سکتا۔"

طاس نے پوچھا۔

"پھر تم کیوں نہیں مرے؟ تمہیں موت کیوں نہیں آئی۔ دن میں، تیر سب کے سامنے تمہاری گردن پر لگی تھی اور تم گر کر نیچے گر پڑی تھی۔ ایسا منظر میں نے ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔"

مسکرایا اور پچھلے پہر کی نیلی نیلی روشنی میں طاس کا [illegible] ہاتھ دبا کر بولا۔

"ایک راز ہے جو تم کبھی معلوم نہ کر سکو گے۔ بس اس کے پیچھے اپنا سر نہ کھپاؤ۔ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اُسے بھول جاؤ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اِس کے بعد تم اِس سے بھی زیادہ حیرت [illegible] باتیں دیکھو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"

[illegible] آنکھیں پھاڑے عنبر کو تک رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ آخر بولا۔

"اچھا دوست! جیسے تمہاری مرضی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے طاس سے کہا۔

"اب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ راستہ صاف ہے۔"

عنبر آگے چلا۔ طاس اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ

جھک جھک کر چل رہے تھے۔ عنبر اُسے ساتھ لے کر ایک ٹیکری پر چڑھنے لگا۔ وہاں سے گزر کر وہ ایک پہاڑی پر آگیا۔ یہاں سے پھر وہ ڈھلان پر اُترنے لگے۔ آخر طاس نے کھڑے ہو کر دور سمندر کو دیکھا جو ناریل کے درختوں کے جھنڈوں کے پیچھے سے صبح کی ہلکی ہلکی پُراسرار روشنی میں شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ عنبر پہاڑی کے دامن میں گھنی جھاڑیوں کے پاس ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔

"اب تمہیں ایک اور جادو دکھاؤں؟"

"ضرور دکھاؤ۔"

عنبر نے آہستہ سے آواز دی۔

"ایلی جن!"

اور ایلی جلدی سے گڑھے میں سے باہر نکل آئی۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ خوشی سے ان کی آنکھیں جھک گئیں۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کی دوبارا ملاقات ہوئی اور انھوں نے ایک دوسرے کو زندہ پایا۔

کُھل جا سِم سِم

دونوں میاں بیوی اور عنبر گڑھے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

ایلی نے اور اس کے خاوند تھامس نے عنبر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ اُس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ان کی جان بچائی۔ عنبر نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالی۔ میری جان کو تو کوئی خطرہ ہی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر میں کسی کی مدد کر سکوں تو مجھے ضرور کرنی چاہیئے۔"

ایلی نے کہا۔

"پھر بھی ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔"

تھامس کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ جنگل میں گولی چلنے کی آواز گونج اُٹھی۔ اس کے ساتھ ہی درختوں پر سوئے ہوئے پرندے شور مچاتے اُڑنے لگے۔ عنبر نے جھاڑیوں کی درزوں میں

سے جھانک کر باہر دیکھا۔ صبح ہو گئی تھی۔ جنگل میں دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ آسمان پر پرندوں کے غول اڑ کر دوسری طرف جا رہے تھے۔

"یہ گولی کس نے چلائی ہے؟" تھامس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

ایلی نے کہا۔

"شاید جاپانی اِدھر آ رہے ہیں۔"

تھامس نے کہا۔

"وہ ہماری تلاش میں آ رہے ہوں گے۔ رات میں جب انہوں نے میری جگہ اپنے دو سپاہیوں کو قید دیکھا ہو گا تو ان کا خون کھول اُٹھا ہو گا۔ پس وہ گولیاں چلاتے میری تلاش میں آ رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"تم ایک شے بھول رہے ہو۔"

"وہ کیا؟" ایلی نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"جب امریکی بمبار ہوائی جہاز بمباری کرنے آئے تھے تو دو طیارے فضا میں ہی جل کر تباہ ہو گئے تھے۔ لیکن ایک ہوائی جہاز کا پائلٹ جہاز میں سے پیراشوٹ کے ذریعے

کود گیا تھا۔"

"ہاں ہاں! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے یاد ہے وہ پیراشوٹ کے ذریعے ہوائی جہاز میں سے کود گیا تھا۔"

ٹامس نے کہا۔

عنبر بولا۔

"بس یہ جاپانی اسی امریکی پائیلٹ کی تلاش میں جنگل میں پھر رہے ہیں۔"

ایلی بولی۔

"انھوں نے اس پر کہیں گولی نہ چلا دی ہو۔"

"ہاں! ہمیں اِس امریکی ہوا باز کو اپنے ہاں پناہ میں لے لینا چاہیئے۔" ٹامس نے بے تاب ہو کر کہا۔

عنبر کہنے لگا۔

"ابھی تو ہمیں اپنی جان بچانی چاہیئے۔ کیونکہ جاپانی سپاہی ہوا باز کی تلاش میں نکلے ہیں۔ وہ جنگل کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اس گڑھے تک بھی پہنچ جائیں۔"

ایلی سہم کر بولی۔

"خدا نہ کرے۔"

ٹامس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ چھپ جانا چاہیئے۔"

عنبر بولا۔

"اس سے مناسب جگہ یہاں اِرد گرد جنگل میں اور کہیں نہیں ہے۔"

ایلی بولی۔

"پھر تو اگر وہ آگئے تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ٹامس کہنے لگا۔

"عنبر بھائی۔ تم تو زندہ رہو گے۔ لیکن ہم دونوں میاں بیوی مر جائیں گے۔ جاپانی ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔"

عنبر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں ان درندوں کی گولیوں سے نہیں مرنے دوں گا۔ تم لوگوں کو اب تک بچاتا آیا ہوں اور میرے خدا نے چاہا تو اس وقت تک بچاتا رہوں گا جب تک تم اپنے گھر تک نہیں پہنچ جاتے۔"

ٹامس اور ایلی نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ جنگل میں ایک بار پھر گولی چلی۔ اس دفعہ مشین گن کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ ٹامس اور ایلی سہم گئے۔ عنبر نے گڑھے کے منہ پر آکر جھاڑیوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔

"دور کچھ جاپانی ادھر بھاگے آ رہے ہیں۔"

"ہائے! اب کیا ہوگا؟" ایلی نے سہمے ہوئے کہا۔

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ چھپے رہو۔ میں باہر جا کر کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو میں باہر رہ کر تمہاری مدد کر سکوں گا۔"

ڈاسن نے کہا۔

"مناسب خیال ہے۔"

عنبر ان دونوں کو گڑھے میں چھوڑ کر خود تیزی سے باہر نکلا اور جھکے جھکے بھاگ کر قریب ہی درختوں کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جنگل میں مشین گن چلنے کے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اب جنگل میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ اس روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ چار جاپانی مشین گنیں لیے ادھر اُدھر کسی کو تلاش کرتے جھاڑیوں میں تلوار چلاتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ جاپانی اس کے قریب سے گزرنے لگے تو ایک سپاہی بولا۔

"وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ آخر پکڑا جائے گا۔"

دوسرے نے کہا۔

"میں تو تھک گیا ہوں بھائیو! اس امریکی ہوا باز نے ہمارا برا حال کر دیا ہے۔"

تیسرا سپاہی کہنے لگا۔

"ویسے وہ جنگل کے اسی حصے میں کسی جگہ چھپا ہو گا۔"

چوتھا بولا۔

"عجیب کم بخت وہ امریکی قیدی بھی تو آج صبح ہماری حوالات سے بھاگ گیا ہے۔ کم بخت اُسے بھی تو ساتھ ہی ساتھ تلاش کرنا ہے۔"

"کوئی ایک مصیبت ہو تو بتائیں۔"

"آؤ دوستو! اس جگہ کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرتے ہیں۔"

عنبر خاموشی سے جھاڑیوں میں چھپا ان جاپانی سپاہیوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ چاروں سپاہی پاس ہی درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عنبر کو یہی فکر تھی کہ کہیں وہ اس گڑھے کی طرف نہ چلے جائیں جہاں ایلی اور اس کا خاوند ڈاسن چھپے ہوئے تھے۔ لیکن وہ گڑھے سے آگے گزر گئے۔ عنبر نے اطمینان کا سانس لیا۔ ابھی وہ اُٹھ کر واپس گڑھے میں جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ جھاڑیوں میں کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔ عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے اُس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا۔

عنبر نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی جانور ہو گا جو جھاڑیوں میں بھاگتے بھاگتے رک گیا ہو گا۔ وہ اُٹھنے ہی لگا تھا کہ آواز پھر

آئی۔ عنبر جلدی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے دیکھا ایک گورا چٹا ناٹے قد کا گول مٹول آدمی ہوا بازوں کا لباس جھاڑیوں میں چھپ چھپ کر آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ سمجھ گیا کہ یہی وہ ہوا باز ہے . . . جو جلتے طیارے میں کودا تھا اور جس کی تلاش میں جاپانی سپاہی پھر رہے ہیں۔ ہوا باز جب عنبر کے قریب سے گزرنے لگا تو اُٹھ کر کہا۔

"رک جاؤ۔"

ہوا باز نے پستول نکال لیا۔ عنبر نے جلدی سے کہا۔

"پستول مت چلانا۔ میں تمہارا دوست ہوں۔"

عنبر کو ڈر تھا کہ اگر اُس نے پستول کا فائر کر دیا تو اُس آواز سُن کر جاپانی سپاہی وہاں واپس آ جائیں گے پھر امریکی ہوا باز کی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ ہوا نے پستول اُسی طرح عنبر کی طرف تان رکھا تھا اور اُ حیرت سے تک رہا تھا۔

"تم کون ہو؟ تم بڑی روانی سے انگریزی بول رہے ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں اتنی جلدی اپنا تعارف نہیں کروا سکتا۔

بس اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ میرا نام عنبر ہے۔ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ یہاں قریب ہی ایک گڑھے میں ایک امریکی جوڑا بھی پناہ لیے ہوئے ہے۔ میں وہاں سے تمہاری تلاش ہی کے واسطے نکلا تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

امریکی ہوا باز نے پستول جیب میں رکھ لیا اور عنبر کے پیچھے چل پڑا۔

گڑھا پاس ہی تھا۔ عنبر اُسے لے کر گڑھے میں آ گیا۔ اس کا ایلی اور طاس سے تعارف کروایا گیا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ اُسے پناہ گاہ مل گئی۔ ورنہ وہ تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ کہنے لگا۔

"پھر بھی ہم لوگ ابھی خطرے میں ہیں۔ اِس گڑھے میں ہم لوگ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ جاپانی میری تلاش میں ہیں اور وہ یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔"

طاس نے پوچھا۔

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ہوا باز بولا۔

"یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ چھپ جانا چاہیے۔"

ایلی بولی۔

"کوئی اور جگہ یہاں کرشی ہو سکتی ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"سمندر کے کنارے ناریل کے درختوں میں ایک جگہ چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ ان میں کہیں چھپنے کی جگہ بنائی جا سکتی ہے۔ وہاں بھی جاپانیوں کا خطرہ منڈلاتا رہے گا۔"

عاصم نے کہا۔

"لیکن ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتے؟"

جواباً اس نے کہا

"اس جزیرے کے ارد گرد کے سارے سمندروں پر جاپانیوں کا قبضہ ہے۔ ان کے جنگی جہاز دن رات پھرتے رہتے ہیں۔ اور ہم کشتی میں سوار ہو کر چل پڑے تو جاپانی جہازوں سے بچ کر نکل جانا بڑا مشکل ہو گا۔"

ایمل نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں بھی تو نہیں رہ سکتے۔"

عاصم نے کہا۔

"اس کے لیے ہم غور کریں گے۔ میرا خیال ہے ابھی حیدری کی ہدایت کے مطابق ساحل سمندر کی چٹانوں میں جا کر چھپ جانا ہی بہتر رہے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"تو کیا آپ لوگ تیار ہیں کہ ہم ساحل چٹانوں میں جا کر پناہ لے لیں؟"

"بالکل تیار ہیں۔" ایمل نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔" عنبر بولا۔ "آج شام اندھیرا ہو جانے کے بعد ہمیں وہاں چلے جانا ہو گا۔"

شام ہوئی اور چاروں طرف رات کا شروع شروع کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا تو یہ لوگ گڑھے میں سے نکل کر ایک ایک کر کے آگے پیچھے ہو کر چھپتے چھپاتے سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سمندر تک پہنچنے کے لیے انہیں ایک ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر پھر نیچے اترنا پڑا۔ سامنے دور سمندر کا پانی رات کے اندھیرے میں نظر آ رہا تھا۔ ذرا دور جنوب کی طرف بھورے رنگ کی چٹانیں اس طرح ابھری ہوئی تھیں جیسے اونٹ بیٹھے ہوں۔ عنبر نے ان چٹانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں ان چٹانوں کے درمیان پہنچنا ہے۔ وہاں اس قسم کے غار ہیں کہ پانی دور تک اندر چلا گیا ہے۔ لیکن یہ پانی گھٹنے گھٹنے ہے اور آگے جا کر خشک ہو جاتا ہے۔ کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا کہ اندر کوئی ہو گا۔"

وہ جھاڑیوں، درختوں، ٹیلوں کی اوٹ سے ہو کر گزرتے ہوئے سمندر کے کنارے ریت پر آ گئے۔ اب رات کا اندھیرا

چاروں طرف پھیل رہا تھا مگر سامنے چاند نکل آیا جس کی روشنی میں سمندر صاف نظر آنے لگا۔ عنبر نے ایک جگہ رک کر کہا۔

"اس روشنی میں خطرہ ہے کہ اوپر کسی پہاڑی سے کوئی جاپانی سپاہی ہمیں نہ دیکھ لے۔ اس لیے ایک ایک کر کے جھک کر رینگ کر ریت پر سے گزرنا ہوگا۔"

وہ جھاڑیوں میں رکے کھڑے تھے۔ سامنے چٹانوں کا سلسلہ تھا جو سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف گھوم گیا تھا۔ بیچ میں ریت کا چھوٹا سا میدان تھا۔ بس یہ میدان انہیں پار کرنا تھا۔ چاندنی نے کام خراب کر دیا تھا نہیں تو یہ میدان اندھیرے میں وہ بڑے آرام سے پار کر جاتے۔ عنبر نے سب سے پہلے ہوا باز کی طرف اشارہ کیا۔

"مسٹر جمی! پہلے تم چلو"

ہوا باز جمی جھاڑیوں میں سے نکلا اور ریت پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور پھر اس نے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل رینگ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ رینگتے رینگتے وہ چٹانوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے بعد عنبر نے طاس کو اشارہ کیا۔ طاس بھی اسی طرح ریت پر رینگتے رینگتے آخر چٹانوں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر ایلی بھی ریت کا ساحل عبور کر گئی۔ سب سے آخر میں عنبر نے میدان پار کیا۔ وہ لوگ چٹانوں کی اوٹ میں ہو کر کھڑے

تھے۔ عنبر نے جا کر انہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا اور چٹانوں میں گھما پھرا کر ایک غار کے سامنے لے گیا۔ اس کا منہ نیچا تھا اور اس میں سر جھکا کر جانا پڑتا تھا۔

"یہ غار کافی لمبی ہے۔"

غار میں پانی تھا۔ عنبر پانی میں داخل ہو گیا۔ پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا۔

"فکر نہ کرو۔ پانی آگے جا کر تھوڑا ہو جاتا ہے۔"

طاس، ایلی اور ہوا باز بھی پانی میں داخل ہو گئے۔ سمندر کا پانی ٹھنڈا تھا۔ انہیں لے کر عنبر ذرا آگے گیا تو غار بائیں جانب گھوم گئی اور پانی بھی کم ہو گیا۔ کچھ دور جا کر پانی ختم ہو گیا۔ یہاں روشنی بالکل نہیں تھی۔ عنبر نے کہا۔

"آگے ایک چوکور کمرہ سا بن گیا ہے جس کی چھت اونچی ہے۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں یہاں سمندری ڈاکو پناہ لیا کرتے تھے اور اپنا لوٹا ہوا مال چھپا کر رکھا کرتے تھے۔"

طاس بولا۔

"یہ تو بہت علی بابا کا غار لگتا ہے جس کے باہر جا کر وہ کھل جا سم سم کہا کرتا تھا اور غار کا منہ کھل جایا کرتا تھا۔"

عنبر مسکرایا۔

"یہ علی بابا کے غار سے بھی زیادہ خطرناک غار ہے کیونکہ یہاں

چاروں طر

... وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جا کر انہیں ہمارے بارے میں خبر کر دے تو۔ ورنہ وہ اس جگہ سے واقف نہیں ہیں۔"

ایبل نے کہا۔

"جنبہ بھائی تم تو کہتے تھے کہ یہ جگہ بڑی محفوظ ہے۔"

جنبہ بولا۔

"صرف اس صورت میں کہ اگر جاپانیوں کو ہمارے بارے میں علم ہو جائے۔ کیونکہ پھر یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے آگے سے یہ غار بالکل بند ہو جاتا ہے۔"

ٹامس نے کہا۔

"مگر یہاں ہوا تو بڑی تازہ آ رہی ہے؟ یہ ہوا کہاں سے آتی ہے؟"

جنبہ بولا۔

"اس چٹان کی چھت میں کسی جگہ کچھ سوراخ پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ تازہ ہوا ان سوراخوں میں سے آتی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں آگے چلنا چاہیے۔"

جنبہ ان لوگوں کو لے کر غار کے چوکور کمرے میں آ گیا۔ ہوا باز نے لائٹر جلایا تو معلوم ہوا کہ اس کی چھت اونچی ہے اور دیواروں کے پتھر ابھرے ہوئے ہیں۔ فرش پر بھی جگہ جگہ

پتھر بکھرے پڑے تھے۔ لائٹر بجھ گیا۔ ہوا باز نے جیب سے ایک سفید رنگ کی ٹکیا نکال کر اسے آگ دکھائی۔ یہ ٹکیا موم بتی کی طرح جلنے لگی۔ اب وہاں ہلکی ہلکی روشنی ہو گئی۔ یہ لوگ گودام سے اپنے ساتھ ناریل اور کچھ پھل بھی تھیلے میں بھر کر لے آئے تھے۔ ناریل کا پانی پینے کے لیے تھا۔ کیونکہ سمندر کا پانی کڑوا اور بھاری ہوتا ہے۔ وہ پی نہیں سکتے تھے۔

ہوا باز کے پاس اس علاقے کا نقشہ تھا۔ اس نے جیب میں سے نقشہ نکال کر روشنی میں پھیلا دیا۔ وہ پنسل لے کر بولا۔

"اس نقشے کے حساب سے ہم بحرالکاہل کے جنوب میں ہیں۔ یہاں سے مشرق میں جاپان کے علاقے ہیں۔ مغرب میں کوئی دو ہزار میل کے فاصلے پر آسٹریلیا ہے۔ اگر ہم یہاں سے کسی نہ کسی طرح کشتی پر بیٹھ کر نکل بھی جائیں تو ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں دو ہزار میل کا فاصلہ آسانی سے طے نہیں کر سکیں گے۔"

ٹامس نے کہا۔

"کیا ہم جنگ ختم ہونے تک یہاں انتظار کریں گے؟"

ہوا باز نے کہا۔

"نہیں۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہم ابھی [illegible] سامنے

کوئی ایسی ترکیب بھی نہیں کہ یہاں سے فرار ہو سکیں۔"

ایل نے آہ بھری۔

"مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ اس غار میں ہماری قبریں بنیں گی۔"

"ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے" عنبر نے کہا۔ "کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ لیں گے ہم لوگ۔ آپ گھبرائیں نہیں۔"

ہوا باز بولا۔

"صرف ایک صورت ہماری یہاں سے بچ کر نکلنے کی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم کسی طرح جاپانیوں کا چھوٹا جنگی سٹیمر چھین کر یہاں سے بھاگ نکلیں۔"

طامس نے کہا۔

"یہ بڑی مشکل بات ہے۔ جاپانی اتنے احمق نہیں ہیں کہ آسانی سے ایک جنگی سٹیمر ہمارے حوالے کر کے خاموش تماشائی بنے ہمیں دیکھتے رہیں گے۔ اگر ہم ان کے نرغے سے نکل بھی گئے تو ان کے ہوائی جہاز بم مار مار کر ہمارے سٹیمر کو تباہ کر دیں گے۔ پھر ہماری لاشیں مچھلیاں کھائیں گی۔"

ایل سہم گئی۔

"میرے خدا!"

عنبر نے کہا۔

"یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

ہوا باز نے کہا۔

"تم کیا کرو گے۔ آخر تم بھی ہماری طرح کے انسان ہو۔ بلکہ تم کو تو فوجی باتوں کا مجھ سے زیادہ علم بھی نہیں ہے۔"

عنبر ہنسا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں اور فوجی باتیں بھی تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ مگر پھر بھی میں آپ لوگوں کی جو مدد کر سکتا ہوں وہ آپ نہیں کر سکتے بلکہ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

ہوا باز جھلا کر بولا۔

"میں نہیں مانتا۔ تم نے مجھے پناہ دی۔ تمہارا شکریہ۔ مگر تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں۔"

ایل اور طامس خاموشی سے ہوا باز کو تک رہے تھے۔ وہ عنبر کی غیر معمولی طاقت دیکھ چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ عنبر کس قدر طاقت والا انسان ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہوا باز بہت غرور کی باتیں کر رہا ہے تو طامس نے کہا۔

"مسٹر جمی! اس بات کو یہیں ختم کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور ہمیں لڑائی جھگڑے کی بجائے آپس میں سلوک سے رہنا چاہیے۔"

عنبر سمجھ گیا کہ طامس اور ایل نہیں چاہتے کہ ہوا باز

اُلجھا جائے۔ چنانچہ وہ بھی خاموش رہا۔ رات انہوں نے کچھ سو کر کچھ باتیں کر کے گزار دی۔ صبح ہوئی تو کمرے میں چھ[illegible] کی چھت میں کہیں سے ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ انہوں نے ناریل کا ناشتہ کیا۔ اب وہ جا[illegible] سٹیمر کے چرانے کے بارے میں مشورے کرنے لگے۔ [illegible]

سنے کی۔

[illegible] نے ہوائی جہاز میں اس جزیرے پر کئی چکر لگائے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں جزیرے کے جنوبی ساحل پر جاپانیوں کے کچھ چھوٹے جہاز ہر وقت کھڑے رہتے ہیں۔ جہازوں پر صرف ایک طیارہ شکن توپ لگی ہوتی ہے۔ اصل [illegible] یہ چھوٹے سٹیمر گھوم پھر کر ہوائی جہازوں [illegible] گرانے [illegible] ہیں۔

طاس نے کہا۔

یہ جہازوں پر جاپانی ٹھیک [illegible] درست [illegible] ایسی صورت میں انہیں وہاں سے [illegible]نا بڑی مشکل بات

ہوا باز نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے مسٹر [illegible] حالت میں ایک سٹیمر وہاں سے چرا [illegible] ہوگا۔

[illegible] بولی۔

"جب ہم میں سے کوئی سٹیمر اُڑا کر لائے گا تو اس کی آواز آئے گی۔ جاپانی ہوشیار ہو جائیں گے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"کوشش یہ ہونی چاہیے کہ سٹیمر کو کسی بڑے رسّے کی مدد سے کھینچ کر لایا جائے تاکہ انجن چلنے کی آواز نہ آئے اور یہ کام رات کے اندھیرے میں کیا جائے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے مسٹر جمی! تم اس کام کے لیے بالکل ٹھیک رہو گے۔ کیونکہ فوج اور جہازوں کے بارے میں تمہارا علم ہم سے زیادہ ہے۔"

ہوا باز نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ اتنا مشکل کام اسے سونپا جائے گا۔ طاس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم سب کو مل کر یہ کام کرنا چاہیے۔"

عنبر بولا۔

"سارے نہیں کر سکتے۔ صرف ایک آدمی کو یہ کام کرنا ہوگا اور ہوا باز جمی سے زیادہ لائق آدمی اس وقت ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔"

ہوا باز سمجھ گیا کہ عنبر اُسے پھنسانا چاہتا ہے۔ اس نے

"یہ کام میں ضرور کرتا اگر ان سمندروں کے بارے میں میرا کوئی تجربہ ہوتا۔ میں نے ہوائی جہاز میں ضرور یہاں کے چکر لگائے ہیں مگر اس جزیرے پر کبھی نہیں آیا۔"

عنبر خاموش رہا۔ ایل بھی خاموش تھی۔ ٹامس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عنبر! یہ کام تم کیوں اپنے ذمے نہیں لے لیتے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ مسٹر جمی بہت طاقتور اور تجربہ کار ہیں۔ بھلا ان سے زیادہ بہتر طریقے سے یہ کام اور کون کر سکتا ہے؟"

ہوا باز نے گردن اونچی کر لی۔ اپنی تعریف سن کر وہ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ ویسے بھی وہ عنبر کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہت بلند خیال کر رہا تھا۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پیچھے سے ایک سرخ رنگ کا لمبا سا سانپ نکل آیا۔ اس کا سر سیاہ تھا۔ اور باقی جسم لال تھا جس پہ سبز رنگ کے دھبے پڑے تھے۔ یہ سانپ اس جزیرے کا سب سے زہریلا سانپ تھا۔ کہتے ہیں یہ سانپ اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ ایک منٹ کے اندر اندر مر جاتا ہے اور اس کا سارا جسم سُرخ ہو جاتا ہے اور اس پر ہرے دھبے پڑ جاتے ہیں۔

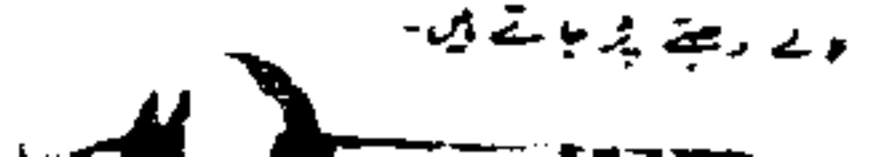

سانپ ٹامس کے پیچھے جو پتھر تھا وہاں سے نکلا۔ ادھر اندھیرا تھا۔ ٹامس کے پیچھے سے ہو کر سانپ آگے بڑھا تو راستے میں امریکی ہوا باز جمی کا پاؤں آگیا۔ جمی ہوا باز نے بے خیالی میں پاؤں ہلایا تو وہ سانپ کی گردن پر پڑ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سانپ غصے میں پھنکارا۔ اِس سے پہلے کہ اس کی پھنکار سُن کر عنبر اسے پکڑتا سانپ نے ہوا باز کی پنڈلی پر کاٹا اور بھاگ کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔

ایل نے سانپ کو کاٹتے دیکھ لیا تھا۔

"سانپ!" وہ چیخی۔

ہوا باز پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ اُسے یوں لگا جیسے اس کی جان نکل رہی ہے۔ ٹامس نے اس کی پنڈلی پر کپڑا لپیٹ دیا۔ عنبر نے پنڈلی کو دیکھا جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں سے خون نکل رہا تھا۔ عنبر کو ناگ نے ایک منتر سکھا دیا تھا جس کی مدد سے سانپ کے کاٹے کا علاج ہو جاتا تھا۔ بلکہ جو سانپ کاٹتا تھا وہ خود آ کر زہر چوس لیتا تھا۔

ہوا باز نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو مسٹر جمی! تم مرو گے نہیں۔"

اور پھر عنبر نے پنڈلی کے زخم پر ہاتھ رکھ کر ناگ کا بتایا ہوا

منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ ہواباز ناامید ہو چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ہاں اور ایل کو البتہ کچھ یقین سا تھا کہ عنبر اُسے موت کے منہ سے بچا لے گا۔ عنبر منہ ہی منہ میں ناگ کے بتائے ہوئے منتر پڑھ رہا تھا۔

اُدھر سانپ سمندر کی طرف غار میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک اُسے ایک جھٹکا سا لگا اور وہ پیچھے کو ہٹنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اُسے زبردستی پیچھے کھینچ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شیش ناگ دیوتا آن کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

”واپس جا کر جس شخص کو تم نے کاٹا ہے اس کا زہر چوس لو۔ جلدی کرو۔“

سانپ نے شیش ناگ دیوتا کو دیکھا تو کانپنے لگا۔ وہیں سے بجلی کی سی تیزی سے واپس ہو گیا۔ اُدھر عنبر ہواباز کی پنڈلی پر اُنگلی رکھے منتر پڑھے جا رہا تھا۔ غار کی ہلکی ہلکی روشنی میں ان لوگوں نے دیکھا کہ سرخ رنگ کا ایک سانپ دوڑا چلا آ رہا ہے۔ ایل اور ماسی سانپ کو دیکھ کر جلدی سے دیوار کے ساتھ لگے پتھروں پر جا کھڑے ہو گئے۔ ایل کا رنگ زرد ہو گیا۔ ہواباز بھی لرز اٹھا کہ یہ پھر اُسے ہلاک کرنے آ گیا ہے۔ عنبر خاموش تھا۔ اس نے پنڈلی کے زخم پر سے اُنگلی اُٹھا لی۔

سانپ نے قریب آ کر اپنا پھن اُٹھایا اور زخم پر منہ رکھ دیا۔

ہواباز کی چیخ نکل گئی۔

”یہ مجھے مار ڈالے گا۔“

”شی! خاموشی سے بیٹھے رہو۔“ عنبر نے اسے کہا۔

سانپ نے زخم پر منہ رکھ کر سارے کا سارا زہر چوس لیا اور عنبر کے آگے سر جھکا کر گویا سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ سانپ کے جانے کے بعد ہواباز کی حالت بہتر ہونے لگی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ عنبر کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اُس کے احسان کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہو۔ اُس نے عنبر کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”بھائی عنبر! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہارے بارے میں باتیں کر دی تھیں جو مجھے نہیں کہنی چاہئیں تھیں۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔“

ماسی اور ایل مسکرا رہے تھے۔ عنبر نے کہا۔

”کوئی بات نہیں مسٹر جمی! دیکھو انسان کو چاہیے کہ وہ کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکالے کہ جس کے لیے اُسے بعد میں پچھتانا پڑے۔“

ہواباز نے کہا۔

”میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ تم نے

میری جان بچا کر مجھے خرید لیا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا۔"

اس کے بعد وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ عنبر ہی ان کے فرار ہونے کا کوئی بندوبست کرے گا۔ دوپہر کو انہوں نے پھر ناریل کھائے۔ یوں انہیں غار میں رہتے تین دن ہو گئے۔ وہ لوگ تو سورج کی روشنی اور آسمان دیکھنے کو ترس گئے۔ کھانے پینے کی چیزیں یعنی ناریل بھی ختم ہو گئے تھے۔ ویسے بھی وہ ناریل کھاتے کھاتے تنگ آ گئے تھے اور کمزور ہونے شروع ہو گئے تھے کیونکہ ناریل میں بھلا کتنی طاقت ہوتی ہے۔ چوتھے روز طاسس نے کہا۔

"عنبر بھائی! آخر ہم یہاں کب تک زندہ رہ سکیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے کشتی پر ہی نکل چلنا چاہیئے۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ خطرناک بات ہو گی۔ یہاں ہمیں ناریل کا پانی تو مل رہا ہے۔ سمندر میں ہم پیاسے مر جائیں گے۔"

ہیرا باز نے کہا۔

"کیا میں کوئی ہوائی جہاز نہیں چرا سکتا؟"

عنبر نے کہا۔

"اگر تم ہوائی جہاز چرا بھی لو تو اس کا پیچھا کیا جائے گا۔ اور جاپانی جہاز اسے تباہ کر کے ہی دم لیں گے۔ یہاں جاپانیوں کا باقاعدہ ہوائی اڈہ ہے۔"

طاسس نے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے؟"

عنبر بولا۔

"میں آج رات پھر ساحل سمندر پر جا کر سٹیمر چرا کر لانے کی کوشش کروں گا۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا۔"

آدھی رات کو عنبر غار سے نکل کر سمندر کے کنارے کنارے جزیرے کے اس علاقے کی طرف چل پڑا۔ جدھر جاپانیوں نے چھوٹے بڑے سٹیمر کھڑے کر رکھے تھے۔ کوئی دو گھنٹے بعد عنبر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ایک جگہ چھپ کر دیکھا۔ کنارے کنارے تین جہاز کھڑے تھے۔ ایک چھوٹا سٹیمر ذرا فاصلے پر اکیلا کھڑا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ یہ جہاز چرایا جا سکتا ہے۔ مگر کس طرح؟ کیونکہ رسّے کی مدد سے اس جہاز کو کھینچ کر لے جانا بچوں ایسی بات تھی۔

عنبر نے سوچا کہ اگر کسی طرح وہ اس جہاز پر پہنچ جائے اور جہاز کے ڈرائیور کو قابو کر کے اسے کہے کہ جہاز کو آگے لے چلو تو

کام بن سکتا ہے۔ بہرحال جہاز پر پہنچنا بہت ضروری تھا۔ عنبر چھپ چھپ کر چلتا جہازوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پاس کوئی پستول وغیرہ بھی نہیں تھا۔ یہاں اندھیرا تھا اور جہاز سمندر میں خاموش کھڑے تھے۔

جہاز چلتا رہا

عنبر دیر تک وہاں کھڑا جہازوں کو دیکھتا رہا۔

بڑے جہاز دُور دُور تھے۔ اُن میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ تین سٹیمر ایک جگہ کھڑے تھے۔ ایک سٹیمر سب سے الگ ایک جگہ کھڑا تھا۔ عنبر اُس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ پس وہ ریت پر رینگتا ہُوا اس سٹیمر کی طرف رینگنے لگا۔ آخر وہ سمندر کی لہروں کے پاس پہنچ گیا۔ سمندر سکون میں تھا۔ دُور دُور سے پانی کی لہریں آکر ریت پر بچھ جاتیں اور پھر واپس چلی جاتیں۔ عنبر سٹیمر کے پیچھے آگیا اور اس نے پانی میں اُتر کر سٹیمر کی دیوار کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تیرتے تیرتے وہ سٹیمر کے پاس پہنچ گیا۔

یہ رسے کی چھوٹی سی سیڑھی تھی۔

عنبر نے سیڑھی کو پکڑ لیا اور آہستہ آہستہ پاؤں رکھتا اوپر چڑھنے لگا۔ وہ جہاز کے ڈیک تک آگیا تو اُس نے جہاز کی دیوار

کے اوپر سے سر نکال کر دیکھا۔ ڈیک پر کوئی بھی نہیں تھا۔ عنبر خاموشی اور بڑی احتیاط کے ساتھ ڈیک پر چڑھ گیا اور تیزی سے چلتا ایک طرف لنگر ڈالنے والی مشین کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ قریب تک چھوٹی سی رستے کی سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ نیچے شپ کا انجن روم تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ ڈیک پر کوئی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ سیڑھی اُتر کر نیچے جایا جائے اور پھر شپ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سب سے پہلے وائرلیس سیٹ کو بھی قبضے میں لے لینا یا تباہ کر دینا ہوگا۔ کیونکہ وائرلیس کے ذریعے دوسرے جہازوں کو خطرے سے آگاہ کیا جا سکتا تھا۔ عنبر ابھی نیچے اُترنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ نیچے سے کسی کے اوپر آنے کی آواز آئی۔ عنبر مشین پر ڈالی ہوئی ترپال کے پیچھے ہو گیا۔ سیڑھی کے جنگلے پر ایک جاپانی سپاہی نمودار ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ عنبر خاموشی سے اُسے تک رہا تھا——

جاپانی نے ڈیک پر آکر ٹہلنا شروع کر دیا۔ یہی شاید پہریدار تھا جو کسی کام سے نیچے گیا تھا اور اب واپس اپنی ڈیوٹی پر آ گیا تھا۔ عنبر اُس کی حرکتوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کچھ دیر تک ڈیک پر ٹہلتا رہا۔ پھر جنگلے پر جھک کر نیچے سمندر کے پانی کو تکنے لگا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر اُدھر آ گیا جہاں عنبر چھپا

ہوا تھا۔

"ارے یہ مصیبت کس طرف آ رہی ہے۔" عنبر نے سوچا۔ جاپانی عنبر کے بالکل قریب آکر بیٹھ گیا۔ عنبر اور جاپانی سپاہی کے درمیان صرف ترپال کا پردہ تھا۔ عنبر کو جاپانی سپاہی کے سانس لینے کی آواز تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اس طرح تو جاپانی سپاہی بھی اُس کے سانس لینے کی آواز سُن رہا ہوگا۔ عنبر نے کچھ دیر کے لیے سانس روک لیا۔ بدقسمتی سے ایک کالی بلی میاؤں میاؤں کرتی نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر آ گئی۔ جاپانی سپاہی نے اُسے پچکار کر اپنے پاس بُلا لیا۔ بلی میاؤں میاؤں کرتی جاپانی کے پاؤں میں آکر لوٹنے لگی۔ اچانک بلی کو کسی دوسرے کی موجودگی کا بھی احساس ہُوا۔ اُس نے منہ اوپر اُٹھا کر گردن چاروں طرف گھمائی۔ میاؤں کیا اور سیدھا اُچھل کر ترپال کی دوسری جانب جہاں عنبر چھپا تھا آ گئی۔ اب بلی بالکل عنبر کے سامنے کھڑی اسے تک رہی تھی اور چھوٹے چھوٹے غرانے لگی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ اُسے کسی اجنبی کی موجودگی کا احساس ہو گیا ہے۔

"ترشی! ترشی! ادھر آؤ۔"

جاپانی سپاہی نے اسے آواز دی۔ بلی تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ عنبر پریشان سا ہو گیا۔ اب اُسے

چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جاپانی اُس طرف آ سکتا تھا۔ آخر وہی ہُوا جس کا اُسے ڈر تھا۔ بلی زور سے غرائی۔ اب جاپانی کو بھی خطرے کا احساس ہُوا۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور ترپال کی دوسری جانب آ کر بلی کو دیکھنے لگا۔ مگر بلی پہ اس کی نظر بعد میں گئی۔ پہلے اس کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔ وہ ٹھٹکا حیران سا ہُوا اور مشین گن چلانے ہی والا تھا کہ عنبر نے اُچھل کر اُس کی گردن دبوچ لی۔ بلی غراتے ہوئے بھاگ گئی۔

جاپانی کی لاش عنبر نے ترپال کے پیچھے چھپا دی۔

پھر اُس کی وردی اُتار کر خود پہنی۔ سر پر جاپانی ٹوپی پہن کر اُس کا چھجا نیچے جھکا لیا کہ کوئی آسانی سے پہچان نہ سکے۔ جاپانی زبان تو وہ روانی سے بول ہی لیتا تھا۔ مشین گن ہاتھ میں لے کر عنبر سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گیا۔ نیچے اسے کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ تنگ سا راستہ تھا جس کی دونوں جانب دو کیبن تھے۔ ان کے دروازے بند پڑے تھے۔ عنبر سیدھا انجن روم کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک انجینئر انجن کے پہیے کے سامنے بیٹھا سو رہا تھا۔ عنبر نے اس کو دبوچ کر اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ جاپانی انجینئر آنکھیں کھولے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ عنبر انجن چلانا جانتا تھا۔

اب وہ سوچنے لگا کہ انجن چلائے یا نہیں؟

کیونکہ انجن چلانے سے وہاں شور پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن عنبر اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس وقت سارے سٹیمر پر اُسی کا قبضہ تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ پھر اُسے خیال آیا کہ اگر وہ کم رفتار پر انجن کو سٹارٹ کر دے تو اس کی آواز زیادہ دُور تک نہیں جا سکتی۔ ویسے بھی یہ سٹیمر دوسرے سٹیمروں سے جہازوں سے کافی فاصلے پر تھا۔ عنبر نے اسی فیصلے پر عمل کیا۔ اس نے انجن کی سپیڈ کو آخری نقطے پہ لا کر بٹن دبا دیا۔

بڑی ہلکی ہلکی گرٹ گرٹ کی آواز آئی اور سٹیمر نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ عنبر نے اُسے دائیں طرف موڑ دیا۔ رات کے اندھیرے میں سٹیمر چلتا ہُوا سمندر کے اس علاقے میں آ گیا جہاں چٹانیں تھیں اور ایلی وغیرہ چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے غار میں بیٹھے بیٹھے جب سٹیمر کی دھیمی دھیمی آواز سُنی تو وہ بھاگ کر غار سے باہر آ گئے۔ سچ مچ ایک چھوٹا سٹیمر سمندر میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

عنبر نے انجن بند کر دیا۔

ایلی، طاس اور ہوا باز نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتے ہوئے سٹیمر تک آ گئے۔ انہوں نے ڈیک پر عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ عنبر نے سیڑھی لٹکا دی۔ یہ سب کے سب سیڑھی پر چڑھ کر اوپر ڈیک پر آ گئے۔ ہوا باز نے عجیب نظروں سے

عنبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنبر! تم نے کمال کر دیا۔ واقعی کمال کر دیا۔"

عنبر نے کہا۔

"اب جلدی سے نیچے آ جاؤ۔ ڈیک پر جاپانی ہمیں دیکھ لیں گے"

سب نیچے آ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک جاپانی سپاہی کو دیکھا جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ ایل نے پوچھا۔

"اسے یہاں کیوں رکھا ہوا ہے عنبر؟"

"اسے ابھی سمندر میں پھینکتے ہیں۔"

جاپانی سپاہی نے یہ سنا تو اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ عنبر نے سٹیمر کا انجن چلا دیا تھا۔ ابھی تک سٹیمر ہلکی رفتار پہ چلا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں ساحل سے دُور ہو رہے تھے۔ خطرہ اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ وہ چاروں طرف سے دشمن سے گھرے ہوئے تھے۔ سارا سمندر جاپانیوں کے قبضے میں تھا۔ ہوا باز، طاسس اور عنبر کمپاس اور نقشہ لے کر کیبن میں بیٹھے غور کر رہے تھے کہ انہیں کس طرف سے سٹیمر کو بچا کر ے جانا چاہیے۔

ہوا باز کہہ رہا تھا۔

"رات تھوڑی سی باقی ہے۔ ابھی کوئی دم میں دن چڑھ آئے

گا۔ ہیں دن چڑھنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جانا ہوگا۔ ورنہ صبح کی روشنی میں ہم بڑی آسانی سے پکڑے جائیں گے۔"

طاسس نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے کتنی دُور جانے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہوگا؟"

"یہی کوئی سو میل کے فاصلے پر ہم محفوظ ہوں گے۔ لیکن ایک بات کا خیال ہمیں ہر وقت رکھنا ہوگا کہ اِس جزیرے پر جاپانیوں کا ہوائی اڈہ بھی ہے جہاں اُن کے تین چار جہاز اور ایک ہیلی کاپٹر موجود ہے۔ انہیں صبح پتہ چل جائے گا کہ سٹیمر غائب ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس کی تلاش میں نکلیں گے۔ چنانچہ وہ سمندر میں کسی مقام پر بھی ہمیں آ لیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تو ہم ہر وقت خطرے میں ہوں گے۔"

"بے شک! جاپانی بمبار جہاز سمندر میں سو میل کے فاصلے پر بھی آ کر ہم پر بمباری کر کے ہمیں تباہ کر سکتے ہیں۔"

طاسس نے کہا۔

"چاہے کچھ بھی ہو ہمیں سٹیمر پر ہی سفر کرنا ہوگا۔"

ایل نے کہا۔

"ہم کو رفتار تیز کر دینی چاہیے۔"

"ہم جتنی بھی رفتار تیز کریں، صبح ہونے تک اس جزیرے سے زیادہ دُور نہیں ہوں گے۔"

عنبر نے آخر میں کہا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں انجن کو پوری رفتار پر چھوڑ رہا ہوں۔"

اور اُس نے انجن کو پوری رفتار پر کر دیا۔

سٹیمر سمندر کے پانی کو چیرتا ہُوا تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اب رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ سٹیمر سمندر میں آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر سورج نکل آیا۔ سمندر پر چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی۔ اب خطرہ زیادہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کا سٹیمر دُوربین کے ذریعے دُور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"ہم جزیرے سے زیادہ دُور نہیں ہیں۔ کم بخت یہاں سے وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔"

ہوا باز دُوربین لگائے پیچھے دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی جاپانی سٹیمر ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا؟ اور آسمان پر بھی کوئی ہوائی جہاز نہیں تھا۔ ہوا باز کو ساحل پر جاپانیوں کے بحری جہاز دُوربین سے صاف نظر آ رہے تھے۔ اُس نے دُوربین

نبر کو دیتے ہوئے کہا۔

"کوشش! اس کی رفتار زیادہ ہو سکتی۔"

طامس نے کہا۔

"اگر جاپانی جہاز لے کر آ گئے تو ہم طیارہ شکن توپوں سے انہیں گرائیں گے۔"

ہوا باز بولا۔

"طامس صاحب! جاپانیوں کی توپ سے نکلا ہُوا ایک ہی گولہ ہمارے سٹیمر کو سمندر کی تہہ میں بٹھا دے گا۔"

اُدھر کی سنیئے۔ صبح ہوئی تو جاپانیوں نے دیکھا کہ ایک سٹیمر غائب ہے۔ فوراً خطرے کا الارم بج گیا۔ اُسی وقت ہیلی کاپٹر اُڑا دیا گیا۔

سب سے پہلے ہیلی کاپٹر کی آواز ایلی نے سُنی۔ اُس نے شور مچا دیا۔

"جاپانی آ گئے۔"

بندھا ہُوا جاپانی یہ سُن کر بڑا خوش ہُوا۔ کیونکہ اب وہ آزاد ہو جائے گا۔ ہوا باز، عنبر اور طامس نے ایلی کی چیخ و پکار سُنی تو جلدی سے ڈیک پر آ گئے۔ آسمان پر دیکھا تو دُور ایک [illegible] جاپانی ہیلی کاپٹر ان کی طرف [illegible] تھا۔

"جاپانی آ گئے۔ توپ [illegible]"

ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے جاپانیوں نے بھی سٹیمر کو دیکھ لیا۔ انھوں نے رفتار تیز کر دی اور سٹیمر کے سر پہ آ کر دو چکر لگائے اور تین بم نیچے گرا دیئے۔ خوش قسمتی سے ایک بھی بم سٹیمر پر نہ گرا۔ پانی میں گرے جہاں ہلکے پھلکے دھماکے ہوئے اور پانی اچھل کر سٹیمر کے ڈیک پر گرا۔ یہ دستی بم تھے۔

ہیلی کاپٹر سے سٹیمر پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیوں نے سٹیمر کی چھت کے پرخچے اڑا دیئے۔ ایک مستول گر پڑا۔ ذتو جگہوں سے اکھڑ گیا۔ نیچے سے ہوا باز نے طیارہ شکن توپ چلانی شروع کر دی۔ اس گن کی لمبی گولیاں ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں جا لگیں اور اس میں سوراخ ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر اوپر کو اڑا۔ توپ میں سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ اور نکل کر ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں دائیں پہلو پر لگی۔ اس جگہ پٹرول کی ٹینکی تھی۔ ٹینکی پھٹ گئی اور ہیلی کاپٹر کو آگ لگ گئی۔

ہیلی کاپٹر شعلہ بن کر سمندر میں گر پڑا۔

ایلی اور طاسس نے تالیاں بجائیں۔

بندھے ہوئے جاپانی کا منہ لٹک گیا۔ سٹیمر سمندر میں چلتا رہا۔

"آخر ہم نے اسے مار گرایا" ایلی نے خوش ہو کر کہا۔

عنبر بولا۔

"وہ پھر آئیں گے۔ اور اس وقت وہ ہمارا جہاز لے کر

دھا ہے ہم بھی بڑے ہوں گے۔ شاید وہ ہمارے اس سٹیمر کو ڈبو ہی سمندر کے نیچے لے جائے۔ اس لیے ہمیں زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ سوچنا چاہیے کہ کیا کریں؟"

ہوا باز نے کہا۔

"عنبر! ہم سوائے سٹیمر کو سمندر میں چلائے رکھنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ سٹیمر چلتا رہنا چاہیے۔"

اور جہاز چلتا رہا۔

لیکن ہیلی کاپٹر کے حادثے کے کوئی آدھ گھنٹے بعد ہی نیلے آسمان پر ایک جاپانی بمبار طیارہ غوطہ مار کر نکل گیا۔ مگر گڑگڑاہٹ کی دور دور تک سنائی دی اور عنبر نے ڈیک پر آ کر ہوا باز سے کہا۔

"طیارہ شکن توپ تیار رکھو۔ جاپانی طیارہ دوسری بار بم گرانے آ..."

اور ایسا ہی ہوا۔ پہلی بار جاپانی جہاز نے جھک کر غوطہ لگایا تھا اور نشانہ دیکھا تھا۔ اب وہ دور سے غوطہ لگا کر آیا اور سٹیمر کے اوپر سے گزرتے ہوئے بم گرا کر نکل گیا۔ بم کافی بڑا تھا مگر خوش قسمتی سے سٹیمر سے کافی فاصلے پر جا کر گرا۔ سمندر میں بہت زبردست دھماکہ ہوا اور پانی کئی سو فٹ اچھل کر رہ گیا۔ سٹیمر

جھٹولے کھاتا جاپانی جہاز ایک بار پھر آ رہا تھا۔ عنبر نے ایلی او
عاسں کو نیچے بٹھا دیا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا

"جمی! توپ کا منہ اوپر کرو۔ جہاز آ رہا ہے۔ جانے نہ پا
جمی ہوا باز بننے سے پہلے طیارہ شکن توپ کا کورس بھی پو
کر چکا تھا۔ اس کا نشانہ بڑا درست تھا۔ جاپانی جہاز غوطے
چلا آ رہا تھا۔ جب وہ سٹیمر کے اوپر سے گزرا تو ہوا باز جمی نے
گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گولیاں سیدھی جہاز کے پروں پر
لگیں اور پٹرول کی ٹینکی میں آگ لگ گئی۔ جاپانی جہاز سیدھا
شعلہ بن کر سمندر میں غرق ہو گیا۔ ایلی، ہوا باز جمی اور عا
بہت خوش ہو گئے۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم یہ
دور ہوئی۔ باقی جو کچھ ہوگا اس سے بھی نپٹنے کی کوشش کی جا
جاپانی جہاز کو گرا لینا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ وگرنہ اس
کا بم سٹیمر پر پڑ جاتا تو سٹیمر کے ان سب لوگوں سمیت پر
اڑ جاتے۔ اب ان کا سٹیمر کافی دور کھلے سمندر میں نکل آیا تھا
جزیرہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ عنبر نے ہوا باز سے اپنے اس
خیال کو کہا۔ "لیا، شاید جاپانی اب تعاقب نہ کریں کیونکہ وہ ایک
چھوٹے سے سٹیمر کے پیچھے ہی ایک جہاز کا بیڑا اور ایک ج
ی تو پانی دے چکے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جاپانی بہ

تے ہیں۔ تم ان کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ وہ ایک
لیے اپنی ساری نیوی تباہ کرا سکتے ہیں مگر اس سٹیمر کو
چھوڑیں گے۔ ہاں — وہ اپنی مرضی سے اسے چھوڑ دیں
بات ہے۔"

⁂

آدم خور

جزیرہ بہت دُور رہ گیا تھا۔

علیہ بھی اور طاسی کیبن میں نقشہ لے کر بیٹھے تھے۔ [illegible] کھانا تیار کر رہی تھی۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے سٹیمر میں پندرہ دن کی خوراک موجود ہے۔ یعنی اگر وہ دن میں بار کھانا کھائیں اور صبح شام دو دو بسکٹ اور پانی پر گزارہ کر تو بیس دن بھی نکال سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہی فیصلہ تھا کہ وہ دن میں صرف ایک بار یعنی دوپہر کو کھانا کھائیں۔ صبح کے وقت اور شام کے وقت صرف دو دو بسکٹ کھائیں پانی کے دو بڑے ڈرم پڑے تھے۔ یہ پانی بڑی آسانی سے پندرہ دن تک کام دے سکتا تھا۔

ابھی [illegible] تو وہ لوگ نقشے پر جھکے ہوئے تھے۔

"ہم سوائے [illegible] کے اور کسی طرف نہیں جا سکتے۔ وہی ایک جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔"

ہوا باز نے کہا

"جو ایک طیارہ بردار جنگی جہاز اس سمندر میں [illegible] افسوس کہ اس سٹیمر میں وائرلیس سیٹ نہیں ہے ورنہ ہم جہاز سے رابطہ کر سکتے تھے۔ اسی جہاز سے میں اپنا طیارہ لے کر تھا۔"

طاسی نے کہا۔

"کم بخت اس سٹیمر پہ وائرلیس سیٹ کون اُٹھا کر لے گیا۔"

عتبہ بولا۔

"یہ تو ہماری بدقسمتی تھی کہ اس سٹیمر کا وائرلیس سیٹ بہت ہونے کے بیچ گیا ہُوا تھا۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک وہ جاپانی سپاہی اندر داخل ہُوا جس کی مشکیں کس کر انہوں نے کیبن میں ڈال رکھا تھا۔ اس جاپانی نے کسی طرح سے اپنی مشکیں کھول لی تھیں اور پتلون کے اندر چھپایا ہُوا چھوٹا پستول نکال کر ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

"ہینڈز اپ:" جاپانی نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا

عتبہ نے خالص جاپانی زبان میں کہا

"تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو۔ تم ہم میں سے زیا
سے زیادہ ایک آدمی کو ہلاک کر سکو گے۔ باقی تم پر قابو پالیں گے
اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

جاپانی سپاہی نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔

"تم جاپانی جانتے ہو؟ کیسے؟"

"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ بہرحال تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ پستول میرے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے تم ہمارے قیدی ہو گے۔"

جاپانی نے غرا کر کہا۔

"تم ذلیل دشمن ہو۔ میں خود بھی مر جاؤں گا مگر تم کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں تم میں سے ایک کو مار کر مروں گا۔"

عنبر جاپانی کے سامنے آ گیا۔

"تو پھر دیر نہ کرو۔ مجھے ہلاک کر دو۔"

عنبر جاپانی کی طرف بڑھتا گیا۔ جاپانی پیچھے ہٹا۔

"رک جاؤ۔ میں گولی مار دوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"مار دو گولی۔ رکتے کیوں نہیں۔ ذلیل۔ بزدل۔ کمینے!"

عنبر دراصل جاپانی کو تاؤ دلا رہا تھا۔ اور یہی ہوا جاپانی نے غصے میں آ کر پستول کا فائر کر دیا۔ ہوا باز جی نے چھلانگ لگا کر

جاپانی کو دبوچ لیا۔ اور پستول چھین لیا۔ پھر وہ پریشانی کے عالم میں عنبر کی طرف لپکا۔

"کاش! عنبر تم اپنی جان ہم پر قربان نہ کرتے۔ آہ! تم نے یہ کیا کر دیا۔"

کیونکہ ہوا باز جی کی آنکھوں کے سامنے جاپانی کی پستول سے نکلی ہوئی گولی عنبر کے سینے میں لگی تھی۔ اب جو وہ دیکھتا ہے تو عنبر اس کے سامنے بڑے سکون سے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ پھر اس نے جھک کر فرش پر گری ہوئی وہ گولی اٹھائی جو اس کے سینے پر لگی تھی اور پھر نیچے گر پڑی تھی۔

ہوا باز جی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ایلی اور طاؤس کو حیرانی نہیں تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ عنبر کا یہ کرتب دیکھ چکے تھے۔ ہوا باز جی نے جاپانی کو کرسی کے ساتھ باندھ دیا۔ جاپانی بھی عنبر کو تعجب کے ساتھ تک رہا تھا۔ اس پر گولی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہوا باز جی عنبر کے قریب آ گیا۔ اس نے عنبر کے سینے پر وہ جگہ دیکھی جہاں گولی لگی تھی۔ وہاں یوں لگتا تھا جیسے یہاں گولی لگی ہی نہیں۔ بس قمیص پر ہلکا سا دھبے کا نشان تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"بس کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس جاپانی کو سمندر میں

پھینک دو، یہ دوبارہ حملہ کرے گا اور ضروری نہیں کہ ہر بار میں ہی اس کی گولی کا نشانہ بنوں۔"

ہوا باز نے جاپانی کو کرسی سمیت اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

سٹیمر خاصی رفتار کے ساتھ بہا جا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہوا باز جی نے عنبر سے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں اور پھر پوچھا۔

"عنبر مجھے ضرور بتاؤ کہ یہ کیسے ہو گیا کہ تمہیں گولی نہیں لگی۔ کیا تم نے اپنے سینے میں کوئی لوہے کی چادر چھپا رکھی تھی؟"

عنبر مسکرایا۔

"ہاں! میں نے لوہے کی چادر سینے کے ساتھ باندھ رکھی تھی۔"

ہوا باز نے کہا

"نہیں نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ایسا نہیں تھا۔ میں نے خود دیکھا تھا۔ تمہاری قمیض کے اندر کچھ نہیں تھا۔ کیا تم مجھ پر یہ راز فاش نہیں کرو گے؟"

عنبر نے کہا

"یہ ایک راز ہے جی! گہرا راز! میں تم پر اسے ہرگز ہرگز نہیں کھول سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس سلسلے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔"

ہوا باز جی خاموش ہو گیا۔

رات آئی۔ سمندر پُرسکون تھا۔ سٹیمر میں تیل انہوں نے چیک کر لیا تھا۔ تیل زیادہ سے زیادہ تین دن اور چل سکتا تھا۔ انہیں سب سے بڑی پریشانی یہی تھی کہ جب تیل ختم ہو گیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟ کشتی ہوتی تو وہ اسے چپوؤں سے بھی چلا سکتے تھے۔ سٹیمر کو تو چپوؤں سے نہیں چلا سکتے تھے۔ ظاہر ہے پھر سٹیمر سمندر میں لہروں کے رحم و کرم پر ہو گا اور لہریں اُسے واپس بھی لے جا سکتی ہیں۔

دن نکل آیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ نقشے کے حساب سے وہ بالکل ٹھیک جا رہے تھے۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ تیل ختم ہونے کا غم برابر بڑھ رہا تھا۔

تیسرا دن گزرنے لگا۔ وہ دُوربین پکڑے ہوئے دُور دُور تک نگاہ دوڑاتے کہ شاید کہیں کوئی اپنا جہاز نظر آ جائے۔ ہوا باز جی کو امید تھی کہ امریکہ کا طیارہ بردار جنگی جہاز ان سمندروں میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔ کیونکہ وہ انہی سمندروں میں گشت لگاتا تھا۔ سارا دن گزر گیا۔ نہ زمین کا کنارہ دکھائی دیا اور نہ کوئی بحری جنگی جہاز ہی نظر آیا۔

شام کے وقت سٹیمر کے انجن نے ہچکولے کھانے شروع کر دیے تھے۔ ماریا اور عنبر نے ایک دوسرے کی طرف پریشانی سے دیکھا۔ سب کے چہروں پر ایک ہی خیال تھا کہ تیل ختم ہو رہا ہے۔ وہ انجن کے پاس گئے۔ ٹینکی کھول کر دیکھی۔ تیل ختم ہو گیا

تھا کہ وہ سمندر میں زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ میل تک جا سکتے ہیں۔

اور وہی ہوا۔ ساٹھویں میل پر جا کر سٹیمر نے خراپ خراپ کی دو تین آوازیں نکالیں اور اس کا انجن بند ہو گیا۔ انجن کے بند ہوتے ہی سٹیمر کھڑا ہو گیا اور سمندر کی لہروں پر ڈولنے لگا۔

"یہ تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔ اس کا افسوس کرنا فضول ہے۔" گھبرا کر جمی نے کہا۔

ٹامس بولا۔

"تمہارا خیال بالکل درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ اب کیا ہو گا۔ اس سٹیمر پر اب ہمارا اختیار نہیں رہا۔ اس پر اب سمندر کی لہریں حکومت کریں گی۔ یہ جس طرف بھی جائے گا، ہمیں اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔"

"اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق جانا چاہیں تو نہیں جا سکیں گے۔"

مینی بہت فکر زدہ تھی۔ اس نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"کہیں یہ سمندر ہمیں اپنے اندر گم تو نہیں کر لے گا؟"

ٹامس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"دل چھوٹا نہ کرو مینی۔ اگر خدا نے ہماری زندگی ابھی لکھی ہے تو یہ سمندر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

جمی نے دوربین لگا کر سمندر میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ پھر اس نے سر کو دو تین بار زور زور سے ہلا کر دوربین عنبر کو پکڑا دی۔ عنبر نے دوربین لگا کر دیکھا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

امید کی کوئی کرن کسی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ رات ہوئی تو وہ کئی روز سے نہیں کھا رہے تھے۔ انہوں نے بغیر دودھ کے چائے بنائی اور دو دو بسکٹ ہر ایک کے لیے پلیٹ میں رکھے اور میز پر لا کر رکھ دیئے۔

چاروں نے مل کر بڑی بے دلی سے چائے پی اور بسکٹ کھائے۔ سٹیمر سمندر میں لہروں پر ایک طرف بہا چلا جا رہا تھا۔ جمی نے کمپاس یعنی قطب نما جیکٹ کی جیب سے نکال کر دیکھا اور کہا۔

"ہم اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت ہم قطب شمالی سے تین ڈگری نیچے کی طرف جا رہے ہیں۔"

ٹامس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"بھائی چاہے جتنی ڈگری نیچے ہو جائے اب تو ہم ان لہروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ جدھر لے جائیں ادھر ہی جانا پڑے گا۔"

"دعا کرو کہ یہ ہمیں واپس جاپانیوں کے جزیروں میں نہ لے جائے۔" جمی بولا۔

"ادھر یہ سٹیمر نہیں جا رہا۔ کم از کم میرا قطب نما تو یہی کہہ رہا ہے۔"

عنبر ڈیک کے جنگلے سے ٹیک لگا کر سمندر میں ستاروں کے عکس دیکھنے لگا۔ پھر اس نے تھک کر کیبن میں چلا گیا۔ جمی اور ٹامس بھی نیچے جا کر لیٹ گئے۔ وہ بہت پریشان تھے کہ

پھر دیر ڈیک پر بیٹھا سمندری ہواؤں میں زمین کی خوشبو سونگھنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ نیچے آگیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ سٹیمر لہروں پر جھکولے کھا رہا تھا جس کی وجہ سے ایل کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔

رات آدھی گزر گئی ہو گی کہ عنبر کیبن سے نکل کر اوپر ڈیک پر آگیا۔ دوربین اُس کے پاس تھی۔ اُس نے رات اندھیرے میں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ نظر نہ آیا۔ دوربین اُس نے گلے میں ڈالی اور جھک کر سمندر میں تکنے لگا۔ لہریں سٹیمر کو ایک طرف جھونکے بہائے لیے جا رہی تھیں۔ عنبر کو اس وقت ناگ اور ماریا کا خیال آگیا۔ وہ انہیں یاد کر کے اداس ہو گیا۔

ناگ کہاں ہو گا؟ ماریا کہاں ہو گی؟

کم بخت میں کن لوگوں میں آ کر پھنس گیا ہوں۔ اب ان کو اکیلا چھوڑ بھی نہیں جا سکتا یہ تو مر جائیں گے۔ یہی سوچتے سوچتے عنبر نیچے آگیا۔ ایل کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ عنبر نے اُسے ایک دوائی پلائی جس کے بعد اسے نیند آگئی۔ وہ سو گئی۔

سمندر میں ان کو سفر کرتے دس دن ہو گئے تھے۔ اب ان کے کھانے کا ذخیرہ بھی ختم ہو رہا تھا۔ کم کھانے کی وجہ سے ایل کمزور ہو گئی تھی۔ ٹامس اپنے حصے کی خوراک بھی اسے کھلا دیتا تھا۔ بارہویں روز پانی بھی ختم ہو گیا۔ مگر خوش قسمتی سے اسی دن

آسمان پر بادل آ گئے اور بارش ہونے لگی۔ انہوں نے پانی کے خالی ڈرم لا کر ڈیک پر رکھ دیئے۔ موسلا دھار بارش نے ڈرم بھر دیئے۔ وہ انہیں اٹھا کر نیچے لے گئے۔

رات کو تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ جن کی وجہ سے سٹیمر نے جھکولے کھانے شروع کر دیئے۔ ٹامس نے کہا۔

"لنگر پھینک دو۔ ورنہ ختم ہو جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"یہاں سمندر بڑا گہرا ہے۔ لنگر کسی جگہ نہ ٹھہر سکے گا۔"

ساری رات طوفان شور مچاتا رہا۔

دن چڑھا تو طوفان ختم ہو چکا تھا۔ دن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ دور ایک کالی لکیر نظر آ رہی ہے۔ جتی نے خوش ہو کر چلا کر کہا۔

"زمین آ گئی! وہ دیکھو سامنے کالی لکیر۔"

عنبر، ٹامس اور ایل نے بھی بڑے شوق سے اس کالی لکیر کو دیکھا۔

عنبر بولا۔

"کیا معلوم یہ دشمن کا جزیرہ ہے یا دوست کا!"

ٹامس نے کہا۔

"نقشے کے اس حصے کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ ...

جانے یہ جزیرہ مونگے کا ہے یا چٹانیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر سمندر سے سر نکالے کھڑی ہیں۔"

[illegible] جمی کہنے لگا۔

"دوپہر تک ہم اس کالی لکیر کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

دوپہر کے وقت لکیر کافی صاف ہو گئی تھی۔ سٹیمر کو لہریں اس جزیرے کی طرف بڑی تیزی سے بہائے لیے جا رہی تھیں۔ اب انہیں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ سٹیمر ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گا۔ ایندھن کے بغیر سٹیمر کسی طرح سے بھی کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا۔ سیاہ لکیر اب درختوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یہ کسی جزیرے کے درخت تھے جو کنارے سے دور تک چلے گئے تھے۔

چٹانیں دور پرے رہ گئی تھیں۔ سٹیمر ساحل کے ساتھ ساتھ اگی ہوئی اونچی اونچی دلدلی جھاڑیوں میں جا کر رک گیا۔ وہ ذرا ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"نیچے اترنے سے پہلے اطمینان کر لینا ہوگا کہ اس جزیرے پر کون لوگ رہتے ہیں۔"

جمی نے کہا۔

"یہ کس طرح معلوم کیا جائے؟ مجھے تو یہ ویران ساحل دیکھ کر یقین سا ہو رہا ہے کہ یہاں کوئی انسان آباد نہیں ہے۔"

پاس ہوتا۔

"یہ اتنا زرخیز اور درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ کبھی بے آباد نہیں ہو سکتا۔ یہاں آدمی ضرور رہتے ہوں گے چاہے وہ آدم خور ہی کیوں نہ ہوں۔"

"آدم خور!" ایلی نے چیخ مار کر کہا۔

جمی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ایلی بہن! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان علاقوں میں آدم خوروں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ بے فکر رہو۔"

ایلی نے سہم کر کہا۔

"آدم خوروں کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ میں نے پڑھ رکھا ہے کہ وہ اسی قسم کے جزیروں پر ہوتے ہیں۔"

عنبر نے پوچھا۔

"کس قسم کے جزیروں پر؟"

ایلی ڈرتے ڈرتے بولی۔

"اسی قسم کے جزیروں پر کہ جہاں سمندری طوفان کے بعد جہاز کنارے پر لگتا ہے اور وہاں آدم خور نکل کر انہیں شکار کر لیتے ہیں۔"

جگی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

عاسس کو اس وقت جگی کا قہقہہ بڑا ناگوار گزرا۔ عنبر نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت جگی کو خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ان بے چاروں کی جان پر بنی تھی اور وہ قہقہے لگا رہا تھا لیکن بعد میں جگی نے بتایا کہ وہ قہقہے لگا کر نفسیاتی طور پر اُن کے سر کا بوجھ ہلکا کر رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ہمارا سٹیمر اسی جگہ رہے گا۔ آپ لوگ بھی یہیں ٹھہریں۔ میں جزیرے میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں۔ خبردار! کوئی شخص سٹیمر سے اُترنے کی کوشش نہ کرے۔ میں جلد واپس آؤں گا۔"

عنبر سیڑھی سے اُتر کر نیچے جھاڑیوں کی دلدل میں سے گ[illegible] ساحل سمندر پر آگیا۔ جگی کا خیال ٹھیک تھا۔ سمندر کا کنارا [illegible] ویران تھا۔ کہیں کوئی جھو[illegible] نظر نہیں آرہا تھا۔ جہاں سمن ختم ہوتا تھا وہاں سے ریتلا ساحل شروع ہوتا تھا جو کچھ دور تک چلا گیا تھا۔ آگے درختوں کی قطاریں تھیں اور پھر گھنا جنگل [illegible] پھلانگ کر ریتلے ساحل سے گزر گیا۔ اس خیال سے کہ اگر [illegible] نے اپنی چوکی بنا رکھی ہے تو اس کی نظر نہ پڑ جائے۔

[illegible]توں کے نیچے آکر عنبر کچھ دیر کے لیے رُک گیا۔ اُس نے دائیں [illegible]ی دیکھا۔ بڑی گہری خاموشی تھی۔ درختوں پر کوئی پرندہ بھی [illegible]ہی تھا۔ جنگل میں بہت بڑے بڑے درخت تھے۔ جھاڑیاں [illegible] اُگی تھیں۔ پھولوں والی بیلیں درختوں کے اوپر چڑھ [illegible]ئی تھیں۔

یا خدا! اس جزیرے میں کوئی آباد بھی ہے کہ نہیں؟

عنبر دل میں یہی سوچتا ہوا جنگل کے کنارے کنارے چل نکلا۔ [illegible]گے جا کر صاف ہوتا گیا۔ اب ایک چھوٹا سا میدان نظر آیا [illegible] ارد گرد گھنے درخت تھے۔ وہاں کچھ جھونپڑے بنے [illegible] وہاں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا۔ عنبر ایک درخت کے [illegible] چھپا کھڑا تھا۔ اُس نے سوچا ضرور یہاں کے جنگلی لوگ [illegible] وہ دوسری طرف سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔ کچھ دور جانے [illegible] نے ایک آواز سنی۔ یہ آواز کسی جانور کی تھی۔ عنبر نے [illegible] لگا کر اس آواز کو دوبارہ سننے کی کوشش کی مگر وہ آواز [illegible] سنائی نہ دی۔

[illegible] جزیرے کی دوسری طرف نکل آیا تھا۔ [illegible] سامنے سمندر نظر آنے لگا۔ کنارے کنارے [illegible] کے جھنڈ پھیلے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہاں دشمن کا کوئی [illegible] نہیں ہے صرف جنگلی قسم کے لوگ رہتے ہیں جو [illegible]

پھل پر گزارہ کرتے ہوں گے۔ وہ سمندر کے ساتھ ساتھ واپس اُس مقام کی طرف چلنے لگا جہاں سٹیمر کھڑا تھا۔ اچانک اُسے سامنے آسمان پر دُھواں سا اُٹھتا نظر آیا۔ یہ دُھواں کیسا ہے؟ شاید کسی جنگلی نے آگ جلا رکھی ہے۔ مگر دُھواں ٹھیک اُس جگہ سے اُٹھ رہا تھا جہاں اُن کا سٹیمر کھڑا تھا۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ ڈرنے لگا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اصل بات کیا ہے۔ کہیں جنگلی لوگوں نے اُن کے سٹیمر کو آگ تو نہیں لگا دی؟

اور ایسا ہی ہوا تھا۔ یعنی جب وہ قریب گیا تو دیکھا کہ اُن کا سٹیمر سمندر کنارے دھڑ دھڑ جل رہا ہے۔ عنبر بھاگ کر اُس جگہ پہنچا جہاں اُس نے جگی، تھامس اور ایلی کو چھوڑا تھا۔ تینوں وہاں سے غائب تھے۔ یا خدا یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ کہیں انہیں جنگلی تو اُٹھا کر نہیں لے گئے؟ مگر جنگلی لوگوں کو کیا ضرورت پڑی ہے انسانوں کو اُٹھانے کی؟

کہیں یہ جنگلی آدم خور تو نہیں؟

عنبر اس خیال سے کانپ اُٹھا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ بڑی خوفناک بات ہوگی۔ تھامس، ایلی اور جگی کو آدم خوروں سے کون بچا سکے گا۔ عنبر نے جھک کر ریت پر قدموں کے نشان دیکھے بہت سے انسانوں کے ننگے پاؤں کے نشان تھے۔ سٹیمر جل کر [illegible] اب صرف اُس کے بچے کچھے ٹکڑوں

رہا تھا۔ عنبر قدموں کے نشان پر چل پڑا۔ یہ نشان جنگل میں تھے۔ عنبر قدموں کے نشانوں کا سراغ لیتا جنگل میں داخل ہو گیا۔ یں گھاس کی وجہ سے عنبر زمین پر پاؤں کے نشان پہچان نہ سکا پھر بھی وہ اندازے کے مطابق چلتا رہا۔

اُس کا رُخ اُس میدان کی جانب تھا جہاں درختوں کی گھنی وں میں اُس نے کچھ جھونپڑے دیکھے تھے۔ عنبر کا خیال تھا کہ ضرور آدم خور وحشی اس کے ساتھیوں کو انہی جھونپڑوں میں لے گئے ہیں۔ چلتے چلتے جب وہ جھونپڑوں کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ جگہ ویسی ہی ویران تھی جیسی پہلے تھی۔ عنبر نے جھونپڑوں کے اندر جا کر دیکھا۔ سارے جھونپڑے خالی تھے۔ کہیں کہیں مٹی کے برتن پڑے تھے یا زمین پر گھاس کی چٹائی بچھی تھی۔ وہ جھونپڑوں کے باہر آ کر زمین کو دیکھنے لگا۔ یہاں بھی بھی کسی جگہ پاؤں کا نشان نہ تھا۔

عنبر جھونپڑوں کے پیچھے سے ہو کر جنگل میں آ گیا وہ سارا دن جنگل میں خاک چھانتا رہا۔ اُسے کسی جگہ بھی اپنے ساتھیوں کا سُراغ نہ ملا۔ بڑا پریشان ہوا۔ شام ہو گئی۔ جنگل میں اندھیرا پھیل گیا۔ وہاں وہ رہ نہیں سکتا تھا۔ جنگل کے باہر سمندر کے کنارے آ کر ایک جگہ ریت پر لیٹ گیا اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتا رہا اور [illegible] کے بارے میں سوچنے لگا کہ

وہ لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟

اُدھر جمی، تھامس اور ایلی کے ساتھ ایسا ہوا کہ عنبر ک
جانے کے بعد ہوا باز جمی نے غیر ذمے داری سے کام لیتے ہو
اُونچی اُونچی آواز میں باتیں کرنی شروع کر دیں۔ حالانکہ عنبر
انہیں اُونچی آواز میں بولنے سے منع کر گیا تھا۔ لیکن جمی نے احتیا
دکی۔ اُس کی آواز ایک جنگلی نے سُن لی جو اتفاق سے جنگل کے
اس علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ وہ رُک گیا۔ جزیرے پر ایک
انسان کی آواز کہاں سے آ گئی؟

اُس نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔
سامنے سمندر میں ایک سٹیمر کھڑا تھا اور دو آدمی اور ایک عو
اس کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھاگ کر اپنے
سردار کے پاس گیا اور ساری کہانی سُنا ڈالی۔ تھوڑی دیر کے
بعد ہی جنگلی آدمیوں نے چھپ کر اس جگہ کو گھیرے میں لے لیا۔
جمی، تھامس اور ایلی بڑے مزے سے سٹیمر کے قریب کھڑے
ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے کہ سَن کر کے ایک تیر آیا اور
جمی کے سینے میں کُھب گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور مر گیا۔ اس کے
ساتھ ہی جنگلی بھاگ کر سامنے آ گئے اور انہوں نے تھامس او
ایلی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں رسیوں سے باندھا اور اپنے
ساتھ لے گئے۔

جمی کو وفی کے انہوں نے کئی ٹکڑے کیے اور آپس میں بانٹ
تھامس اور ایلی کا دہشت کے مارے بُرا حال تھا۔ ایلی
بے ہوش ہو گئی تھی۔ جنگلی آدم خوروں نے جمی کی لاش کو
ں کر تو بھون کر کھا لیا اور تھامس اور ایلی کو جنگل میں
جگہ لے جا کر قید کر لیا۔

عنبر نے رات بے چینی سے گزاری۔ صبح صبح سورج کی پہلی
کرن کے ساتھ ہی وہ اُٹھا اور جنگل میں ایک بار پھر اپنے ساتھیوں
کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ جزیرے کے اُس علاقے کی طرف
یا جہاں وہ پہلے نہیں آیا تھا۔ اِدھر چٹانیں تھیں اور چھوٹے چھوٹے
ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں کے درمیان سمندر کا پانی آتا اور پھر واپس
تا تھا۔ عنبر ذرا آگے گیا تو ایک چٹان کے سائے میں آگ
جل رہی تھی اور دو وحشی بیٹھے کچھ کھا رہے تھے۔

عنبر چھپ کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ آپس میں جنگلی زبان
میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ چونکہ عنبر ہر زبان سمجھ لیتا تھا اس
لیے اُس نے کان کھڑے کر کے وحشیوں کی باتیں سُننے کی کوشش
کی۔ ایک وحشی کہہ رہا تھا

"سردار اس عورت سے شادی کر رہا ہے۔"

دوسرا بولا۔

"دوسرے آدمی کو مار کر شادی کی دعوت میں پکایا جائے گا۔"

پہلا وحشی بولا۔

"عورت خوبصورت ہے۔ کاش سردار اسے بھی ہلاک کر کے کھا جانے کا حکم دیتا۔ اس کا سفید سفید گوشت بڑا لذیذ ہو گا۔"

"بھائی اس عورت کا ساتھی بھی تو گورا ہے۔ اس کا گوشت بھی شادی والے دن مزے سے کھائیں گے۔"

"جس ساتھی کو ہم نے تیر مار کر ہلاک کیا تھا اس کا گوشت ذرا سخت تھا۔"

"سردار کس روز شادی کر رہا ہے؟"

"شاید کل ——— آج رات عورت کے ساتھی کو ہلاک کر کے اس کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ دیا جائے گا تاکہ دوسرے روز وہ خستہ ہو جائے۔"

عنبر یہ باتیں سن کر کانپ اٹھا۔ تو کیا یہ لوگ پکے آدم خور ہیں؟ کیا انہوں نے ایک آدمی کو ہلاک کر کے ہڑپ کر لیا ہے؟ وہ کون ہے؟ جگی یا تھامس؟ ایلی سے سردار شادی کر رہا تھا؟ عنبر پریشان ہو گیا۔ اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ لوگ کس جگہ قید ہیں؟ عنبر نے دونوں آدم خوروں کی باتیں سنیں اور یہ پتہ کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھی کس جگہ پر قید ہیں۔ مگر ان کی باتوں سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

آخر وہ آگ بجھا کر اٹھے اور جنگل میں ایک طرف چل پڑے۔

عنبر نے پیچھے پیچھے رہ کر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ یہاں جنگل گھنا تھا مگر جنگل میں پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا دم خور اس پگ ڈنڈی پر سے اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ کا وقت تھا۔ سورج نکلا ہوا تھا مگر گھنے جنگل کی وجہ سے سورج کی روشنی بہت کم اس جگہ آ رہی تھی۔ اچانک چلتے چلتے ایک وحشی رک گیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ عنبر جلدی سے ایک جگہ چھپ گیا۔

دوسرے نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

پہلا وحشی نتھنے سکیڑ کر فضا میں سانس بھر کر بولا۔

"مجھے کسی اجنبی انسان کی بُو آ رہی ہے۔"

دوسرا وحشی ہنسا۔

"ارے ان انسانوں کی بُو آ رہی ہو گی جنہیں سردار نے قید کر رکھا ہے۔ چلو چل کر اُن کا حال معلوم کرتے ہیں۔"

دوسرا وحشی سر کو جھٹک کر چلنے لگا۔

عنبر نے سوچا۔ دیکھو اس کم بخت وحشی آدم خور کی حس کتنی تیز ہے کہ اتنی دور سے گھنے جنگل میں اُس نے عنبر کی بُو سونگھ لی۔ عنبر نے دوبارہ تعاقب شروع کر دیا۔ مگر اب وہ بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ پیچھے پیچھے دونوں وحشی آگے تھے۔

کے دامن میں آ گئے۔ عنبر نے دیکھا کہ یہاں ایک بہت بڑی جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ ضرور اس میں قبیلے کا سردار رہتا ہوگا۔ دونوں وحشی جھک کر جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ پھر کسی طرف سے تین وحشی اور آ گئے اور وہ بھی جھونپڑی میں چلے گئے۔ ایک جانب سے دو عورتیں آئیں۔ اُن کے ساتھ ایلی بھی تھی۔ عنبر ٹھٹک گیا۔ ایلی کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر لے جا کر رسّی سے کس کر باندھ دیئے تھے۔ اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ پیچھے پیچھے چار وحشی ہاتھوں میں نیزے لیے پہرہ دیتے چلے آ رہے تھے۔ ایلی کو بھی جھونپڑے میں لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے باہر نکالا گیا اور عورتیں اُسے لے کر جنگل میں ایک طرف چل گئیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ ایلی کو جنگل میں کسی جگہ قید رکھا ہُوا ہے۔ اسی طرح اس کے خاوند تھامس کو بھی قید کر رکھا ہوگا۔ مگر سوال یہ تھا کہ ان دونوں مردوں میں سے کون مرا تھا؟ جیتی یا تھامس؟ بس یہی ایک سوال تھا جو اُسے پریشان کر رہا تھا۔ عنبر واپس چلا گیا۔ اُس نے سارا دن جنگل میں ایک ٹیلے کے سائے میں گزارا۔ وہ چاہتا تھا کہ رات کا اندھیرا پھیل جائے تو اپنی مہم شروع کرے۔ آخر خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ پھر رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف پھیل گیا

عنبر چھپ چھپ کر چلتا ہُوا جنگل کے اس علاقے میں آ گیا جہاں اُس کے خیال کے مطابق ایلی وغیرہ قید تھے۔ اُس نے اندھیرے میں ایک روشنی کو دیکھا۔ وہ اُس روشنی کی طرف چلنے لگا۔ جنگل میں یہ روشنی آگے جا کر ایک درخت کے نیچے چھوٹی سی جھونپڑی کے اندر سے آ رہی تھی جہاں شاید کوئی مٹی کا دیا روشن تھا۔

"ضرور ایلی اسی جگہ قید ہے"

عنبر جھاڑیوں میں سے ہو کر جھونپڑی کے پیچھے آ گیا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس طرح چل رہا تھا کہ چلنے سے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ نہ ہو لیکن جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے والے جنگلی وحشی بھی جنگل کے رہنے والے تھے۔ وہ دُور سے ہر قسم کی آواز سُن لیتے تھے۔ ایک وحشی نے کھڑکھڑاہٹ کی آواز سُنی تو دوسرے سے کہا۔

"شاید کوئی جنگلی درندہ آ رہا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُسے مار کر لاتا ہوں"

پہلا وحشی پہرہ دیتا رہا۔ دوسرا اُدھر بڑھا جدھر عنبر جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ عنبر نے وحشی کو جھک کر آتے دیکھ لیا۔ وہ بھی چوکنا ہو گیا۔ اُس نے اپنے جسم کی ساری طاقت کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ وہ تیار ہو گیا کہ وحشی آگے آ جائے [illegible]

وحشی عنبر کے آگے سے گزرنے لگا۔ عنبر نے اکیدم اسے جھاڑیوں سے نکل کر وحشی کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا منکا ٹوٹ گیا اور بغیر آواز پیدا کیے وہ گرا اور مر گیا۔

عنبر اب جھونپڑے کی طرف کھسکنے لگا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ سردار کے حکم سے ایلی کو اسی جھونپڑے میں رکھا گیا ہے۔ پاس جا کر معلوم ہوا کہ جھونپڑا چھوٹا سا ہے اور اس کے ایک سوراخ میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی ہے۔ یہ سوراخ دیئے کا دھواں باہر نکلنے کے لیے رکھا گیا تھا۔ عنبر جھونپڑے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کا پاؤں ایک درخت کے گرے ہوئے تنے سے ٹکرا گیا۔ کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی۔ وحشی پہرے دار نیزہ لے کر اُدھر کو دوڑا۔ عنبر پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔

وحشی نے عنبر کو سامنے دیکھا تو چیخ مارنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اُچھل کر اس کی گردن دبوچ لی۔ تھوڑی دیر بعد وحشی بے جان ہو کر زمین پر پڑا تھا۔ عنبر نے لاش کو وہیں چھوڑا اور تیزی کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دیئے کی زرد روشنی میں ایلی ایک جگہ زمین پر بیٹھی ہے۔ اس کے پیر رسی سے بندھے ہیں۔ بال کھلے ہیں اور لباس بے حد میلا کچیلا ہو رہا ہے۔

اس نے عنبر کو دیکھا تو رو پڑی۔

"یہ کیا ہو گیا عنبر بھائی!"

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"تماس کہاں۔۔۔؟"

اس سے آگے وہ نہ پوچھ سکا۔ ایلی نے کہا۔

"مجھے ان آدم خوروں نے الگ قید میں ڈال رکھا ہے۔ جی کو یہ لوگ مار کر کھا گئے ہیں۔ خدا جانے میرے ساتھ اور میرے خاوند کے ساتھ یہ لوگ کیا سلوک کریں گے۔ یہ آدم خور ہیں عنبر! آدم خور ہیں۔"

عنبر نے ایلی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو ایلی! میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جانے آیا ہوں۔ جی کا مجھے بے حد افسوس ہے مگر اس نے بڑی غیر ذمے داری سے کام لیا تھا۔ بہرحال گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں آ گیا ہوں۔ یہ لوگ تمہارا بیاہ سردار سے کر رہے ہیں اور۔۔۔"

"میرا بیاہ!" ایلی نے حیرانی سے کہا۔ "میرا بیاہ تو ہو چکا ہے۔"

عنبر بولا۔

"یہ لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ کل رات سردار سے تمہاری شادی ہو گی اور تمہارے خاوند کے گوشت کو بھون کر مہمانوں میں تقسیم کیا جائے گا۔۔۔"

ایلی نے سر پکڑ لیا۔

"یا خدا! یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟"

عنبر بولا۔

"میں نے خود ان کی باتیں سُنی ہیں۔ ایلی۔"

ایلی نے کہا۔

"تم یہاں کیسے آ گئے؟ باہر تو زبردست پہرہ لگا تھا۔ پہریدار کہاں گئے ہیں؟"

عنبر بولا۔

"میں نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے۔ چلو میرے ساتھ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔"

"مگر عنبر! میں اپنے خاوند کو ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

"خاموش ایلی! بچی نہ بنو۔ ہوش سنبھالو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔ میں تمہارے خاوند کو بھی ان لوگوں کے چنگل سے نکال لاؤں گا۔ چلو اٹھو یہاں سے بھاگ چلو۔"

عنبر نے ایلی کو ساتھ لیا اور جنگل میں سے ہو کر باہر سمندر کے کنارے آ گیا۔ یہاں اس نے ایلی کو ایک کھوہ میں چھپا دیا اور خود آدھی رات کے وقت تھامس کی خبر لینے نکل گیا۔ وہ پھر سردار کے جھونپڑے کے پاس پہنچا۔ وہاں گہری خاموشی تھی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

وحشی جلاد

ابھی عنبر سردار کی جھونپڑی کے پاس ہی پہنچا تھا کہ اچانک چیخ کی آواز بلند ہوئی۔

یہ کسی عورت کی نہیں بلکہ کسی وحشی کی چیخ تھی۔ جس نے عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیر آ کر عنبر کی گردن سے ٹکرا کر نکل گیا۔ چیخ کی آواز پر سارے وحشی ہوشیار ہو گئے تھے اور انہوں نے عنبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ عنبر نے مقابلہ نہ کیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ گرفتار ہو کر ان لوگوں پر اپنی کرامت ظاہر کرے اور پھر تھامس کو چھڑا لے۔ وحشی عنبر کو پکڑ کر سردار کے جھونپڑے میں لے گئے۔

کالا موٹا بدصورت سردار تھا۔ جس کا پیٹ باہر کو نکلا تھا گلے میں ہڈیوں کا ہار تھا۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے لال لال آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور گرج کر کہا۔

"یہ ضرور اس عورت کا ساتھی ہے۔ اسے بھی پکڑ کر قید کر دو!"

اتنے میں کسی نے آکر بتایا کہ عورت جھونپڑے سے غائب ہے۔ بس پہر کیا تھا۔ سردار غضبناک ہوگیا۔ اس نے حکم دیا۔ سارے جزیرے کو کھنگال ڈالا جائے اور وہ عورت جہاں کہیں بھی چھپی ہوئی ہے اسے پکڑ کر لایا جائے۔ وحشی شور مچاتے ہوئے جنگل میں پھیل گئے۔ عنبر کو ایک جھونپڑے میں بند کر دیا گیا۔ سردار اپنے جھونپڑے میں اپنے وزیر کے ساتھ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وزیر نے بھی گلے میں ہڈیوں کا ہار ڈال رکھا تھا۔ اس نے کہا۔

"حضور! عورت کو ضرور اسی شخص نے بھگایا ہے"

سردار نے کہا۔

"وہ [illegible] ساتھی تو نہیں بھاگا؟"

وزیر بولا۔

"نہیں حضور! وہ جھونپڑے میں قید ہے"

سردار بولا۔

اگر عورت نہ ملی تو میں قبیلے کے سارے بوڑھوں کو ہلاک کر کے کھا جاؤں گا۔"

وزیر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"حضور! وہ عورت ضرور پکڑی جائے گی۔ ہم نے اندازہ [illegible] لیا ہے۔ شاہی نجومی نے نجوم کے ذریعے حساب لگا کر بتا دیا

جزیرے کے پچھم میں ایک ٹیلے کے کھوہ میں پڑی ہے۔ دمی ابھی اُسے نکال کر لاتے ہی ہوں گے۔"

ھیا ہی ہُوا۔ صبح ہوتے ہوتے وحشی ایلی کو کھوہ میں کر لے آئے۔ اُس بے چاری کا خوف کے مارے بُرا حال ردار نے اُس کی طرف غصّے سے دیکھا اور اپنی زبان کہا۔

"بدبخت عورت کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے آدمی تمہیں سمندر کے نیچے سے بھی تلاش کر کے لے آئیں گے۔ تو ہماری ری بننے والی ہے۔ بتا تجھے کس نے بھگایا؟"

ایلی کو کوئی خبر نہیں تھی کہ عنبر کو بھی ان لوگوں نے گرفتار کر لیا ہے اُس نے کہا۔

"میں خود جان بچا کر بھاگی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں بھگایا۔"

سردار نے ایلی کے بال کھینچ کر کہا۔

"بکواس کرتی ہو۔ تمہارا ساتھی ہم نے پکڑ لیا ہے۔"

چونکہ ایلی ان وحشیوں کی زبان نہیں سمجھتی تھی اس لیے خاموش رہی اور رونے لگی۔

سردار نے حکم دیا۔

"اسے قید میں ڈال دو اور سخت پہرہ لگا دو۔ اگر اب یہ بھاگی تو میں پہرے داروں کو قتل کر دوں گا۔ وہ پہرے دار کہاں

مر گئے تھے؟"

معلوم ہُوا کہ دونوں پہرے داروں کی لاشیں جھونپڑے کے پیچھے جنگل میں پڑی مل گئی ہیں۔ سردار کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔

"اِس ذلیل انسان نے میرے دو آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پھر اس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"دن نکلتے ہی اِس نوجوان کو سب سے پہلے ہلاک کیا جائے اور اس کا گوشت قبیلے میں تقسیم کر دیا جائے گا۔"

وحشی خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ کیونکہ ایک بار پھر انہیں کسی سفید انسان کا گوشت کھانے کو ملنے والا تھا۔ عنبر اپنی جھونپڑی میں قید تھی۔ ثماس دوسری جھونپڑی میں قید تھا اور ایلی ایک الگ جھونپڑی میں ڈال دی گئی تھی۔ عنبر نے اور ثماس نے وحشیوں کی چیخ و پکار سُن لی تھی۔

دن نکل آیا تو سردار کی جھونپڑی کے آگے ایک تخت لا کر ڈال دیا گیا۔ سردار اس تخت پہ آ کر بیٹھ گیا۔ سارے وحشی دا بنا کر ارد گرد بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے عنبر کو لایا گیا۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ پہلے اُسے لایا گیا تھا۔ اگر ثماس کو لایا تو وہ اُسے نہیں بچا سکتا تھا اور وحشی ضرور اُسے مار ڈ

نے باہر آ کر دیکھا کہ ایک تماشہ لگا ہے۔

سارے وحشی دائرہ بنا کر بیٹھے ہیں۔ سردار اُونچی کُرسی پر ہے۔ اس کی بیویاں بھی ساتھ بیٹھی ہیں۔ بیچ میں ایک جگہ آگ ہے اور اُس پر ایک کڑھاؤ چڑھا ہوا ہے۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس کڑھاؤ میں ڈال کر پکوڑے کی طرح تلا جائے گا۔

کے وزیر نے کہا۔

ور! اس نوجوان کو زندہ تل دینا چاہیے۔ تاکہ اس کو سخت پھر اس کے گوشت کو کاٹ کر کھایا جائے گا۔"

سردار نے کہا۔

ٹھیک ہے۔"

پھر حکم دیا کہ کڑاؤ میں تیل ڈالا جائے۔ عنبر نے ان کی بات لی تھی۔ وہ اُن کی زبان جانتا تھا۔ سردار کی طرف دیکھ کر

سردار اپنے وزیر کی بات پر یقین نہ کرنا۔ مجھے تل کر نہیں سے ہلاک کیا جائے تو بہتر ہو گا۔"

سردار چونک پڑا کہ یہ نوجوان ان لوگوں کی زبان کیسے سمجھ س نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ہماری زبان کیسے سمجھتے ہو؟ کیا تم پہلے بھی اس جزیرے

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

" میں اس سے پہلے کبھی اس جزیرے میں نہیں آیا۔ لیکن یہ
سارے قبیلوں کی زبانیں جانتا ہوں اس لیے کہ میں دیوتا ہوں جو ان
ن شکل میں چھپ رہا ہے۔ "

وحشی خاموش ہو گئے۔ سردار بھی اُس کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر کہا۔

" حضور! یہ شخص کوئی جادوگر ہے اور چالاک ہے۔ ضرور یہ
ہمارے جزیرے میں پہلے رہ چکا ہے۔ جب ہی ہماری زبان جا
ہے۔ آپ اس کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ جادوگر
ہمیں پریشان کر سکتا ہے۔ "

سردار نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

" اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ "

عنبر کو پکڑ کر درمیان میں کھڑا کر دیا گیا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ ایک وحشی سردار کا اشارہ پا کر تلوار لے کر آگے بڑھا۔ اس
نے پیچھے سے آکر عنبر کی گردن پر پورے زور سے تلوار ماری
تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ ایسے شور پیدا ہوا جیسے تلوار کسی
پتھر سے ٹکرائی ہو۔ وحشی جلاد نے دوسری بار تلوار کا وار کیا۔
اس بار بھی تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ وحشی
جلاد نے جلدی سے تلوار زمین پر سے اُٹھائی اور ایک ہاتھ

قت سے عنبر کے سر پر ماری۔ اب کے تلوار عنبر کے سر سے
کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ ایک ٹکڑا وحشی کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا۔
سرا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔

سردار اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ "

وزیر نے کہا۔

" حضور! یہ جادو ہے۔ یہ شخص جادوگری سے کام لے رہا ہے۔ اسے آگ میں ڈالا جائے۔ "

سردار نے حکم دیا۔

" اسے آگ میں ڈال دو۔ "

وحشیوں نے آگے بڑھ کر کڑاہا پرے ہٹا دیا۔ نیچے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جلتی آگ میں اور لکڑیاں ڈالی گئیں اب شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

سردار نے حکم دیا۔

" ڈال دو اسے آگ میں۔ "

وحشی عنبر کو لے کر آگے بڑھے۔

عنبر نے کہا۔

" میں خود آگ میں کود جاتا ہوں۔ تم لوگ پرے ہٹ جاؤ۔ "

پھر سردار کی طرف دیکھ کر بولا۔

"سردار! میں ایک بار پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس خیال سے باز آجا۔ کیونکہ آگ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ میں دیوتا ہوں۔"

سردار نے وزیر کی طرف دیکھا۔ وزیر نے مکاری سے کہا۔

"سردار! یہ شخص بکواس کرتا ہے۔ آج تک آگ میں گر کر کوئی شخص زندہ نہیں بچ سکا۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔"

سردار نے اشارہ کیا۔ وحشی عنبر کو لے کر آگ کے الاؤ کی طرف آئے۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ وحشی آگ کی تپش سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ عنبر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بڑے اطمینان کے ساتھ آگ کے شعلوں میں چھلانگ لگا دی۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ پھر وحشیوں نے خوشی سے نعرے بلند کیے اور آگ کے گرد رقص کرنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ شخص ابھی جل کر راکھ ہو جائے گا۔ وزیر بھی بڑا خوش تھا۔ سردار بھی مسکرا رہا تھا کہ ایک شیطان سے نجات مل گئی۔

لیکن تھوڑی دیر بعد ہی سب کے رنگ زرد ہو گئے۔ شعلوں میں سے عنبر بڑے آرام سے باہر نکل کر آیا۔ اس کے جسم پر آگ کا کوئی نشان نہیں تھا۔ کپڑے بھی نہیں جلے تھے۔ سر کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا۔ اس نے سردار کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"سردار! میں نے آگ کی خوب سیر کی ہے۔ ابھی اور سیر کروں گا۔ کیا تم اپنے وزیر کو اجازت دو گے کہ وہ بھی میرے ساتھ آگ کے باغ کی سیر کرے؟"

سردار کی تو آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وزیر کا دم خشک ہو رہا تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر وزیر کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

سردار نے کہا۔

"تم جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ تم پر آگ نے اثر نہیں کیا۔"

عنبر نے کہا۔

"میں جادوگر نہیں دیوتا ہوں۔ آگ تو جادوگروں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ کیا تمہارے قبیلے میں کوئی جادوگر ہے؟ ہے تو اسے لاؤ اور اسے کہو کہ آگ میں اس طرح سیر کرے جس طرح میں نے سیر کی ہے۔"

سردار نے کہا۔

"کیا تم ایک بار پھر آگ میں کود سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں!"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے آگ میں چھلانگ لگا دی۔ جب عنبر کو آگ میں گئے کافی دیر ہو گئی تو وحشیوں نے نعرہ لگایا۔

"جادوگر مر گیا! جادوگر مر گیا۔"

سردار بھی تخت پر سے اُتر کر نیچے آ گیا۔

"آخر وہ جل کر راکھ ہو گیا۔"

آگ کے شعلے مدھم پڑ گئے تھے۔ لکڑی کے انگارے دہک رہے تھے۔ اتنی تپش تھی کہ کسی کو قریب جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اتنے میں سب لوگوں نے دیکھا کہ عنبر بڑے آرام سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہُوا دہکتی آگ کے جہنم سے مسکراتا ہُوا باہر نکلا اور سردار کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اب میں تمہارے جزیرے کو آگ میں جلا دوں گا۔"

سردار یکدم عنبر کے قدموں پر گر پڑا۔ سردار کو قدموں پر گرتا دیکھ کر باقی سارے وحشی بھی زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے اور بلند آواز میں بولے۔

"دیوتا! دیوتا! ہم پر رحم کر۔"

عنبر نے کہا۔

"اس عورت اور مرد کو لایا جائے جو قید ہیں۔"

اسی وقت ایلی اور تھامس کو باہر نکال کر سامنے لایا گیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ عنبر نے جزیرے کے سردار اور سارے وحشیوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے اور اُن کے مُردہ چہروں پر بھی رونق آ گئی۔ اب وزیر بھی ہوش میں آ گیا تھا اور ہاتھ باندھے کھڑا تھا مگر بڑی مکاری سے عنبر کو تک رہا تھا۔ اُسے اب

یقین تھا کہ یہ کوئی جادوگر ہے۔ عنبر نے سردار سے پوچھا۔

"میرے گورے ساتھی کو کس نے ہلاک کیا تھا؟"

سردار نے کہا۔

"جن دو آدمیوں نے آپ کے ساتھی کو تیر مار کر مارا تھا وہ آپ کے ہاتھوں پہلے ہی مارے جا چکے ہیں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ جن دو وحشیوں کو اس نے ایلی کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتے ہوئے مارا تھا وہی تھے جنہوں نے جمی کو ہلاک کیا تھا۔ عنبر اور اس کے ساتھیوں کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ عنبر نے وزیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا اب بھی تمہیں وہم ہے کہ میں جادوگر ہوں؟"

وزیر نے سر جھکا کر کہا۔

"دیوتا! آپ دیوتا ہیں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

عنبر نے کہا۔

"اب تک تم کتنے لوگوں کو مار کر کھا چکے ہو؟"

وزیر نے کہا۔

"حضور! یہاں کبھی کبھار باہر سے کوئی مسافر آتا ہے۔ نہیں ایک مدت ہو گئی ہے کہ کسی انسان کو ہلاک کر کے اس کی دعوت اڑائی ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہ آج تمہیں ہلاک کر کے تمہاری دعوت اڑائی جائے۔"

وزیر کانپ کر عنبر کے قدموں میں گر پڑا۔

"حضور! رحم کریں۔ مجھ پر رحم کریں۔"

عنبر نے کہا۔

"تم نے جانے کتنے انسانوں کو قتل کیا ہے تم پر رحم نہیں کیا جائے گا۔"

اس نے وحشیوں کو اشارہ کیا۔

"اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دیا جائے۔"

وحشی تو عنبر کو دیوتا سمجھ رہے تھے اور اس سے بہت ڈرتے تھے۔ انہوں نے دیکھتے دیکھتے وزیر کو اٹھایا اور آگ میں ڈال دیا۔ وزیر کی چیخ بلند ہوئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ آگ نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اب عنبر نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سردار! کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ آئندہ سے اس جزیرے پر کسی انسان کو نہیں مارا جائے گا۔"

سردار نے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا اور کہا۔

"عظیم دیوتا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد سے اس جزیرے پر کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا جائے گا اور کسی مسافر پر ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ جو بھی یہاں آئے گا اس کی مدد

کی جائے گی۔"

عنبر نے تھامس اور ایل کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس کے فضل و کرم سے تمہاری جان بچ گئی۔"

یہ فقرہ عنبر نے انگریزی زبان میں کہا تھا۔ تھامس بولا۔

"ہاں! ہم خدا کا شکر بجا لاتے ہیں اور اس کے بعد تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اگر خدا تمہارا سبب نہ بناتا تو اس وقت تمہاری ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوتیں۔"

عنبر نے کہا۔

"بہرحال مجھے اس کا افسوس ہے۔ لیکن خونریز قسم کے آدمیوں کا اس دنیا میں ایسا ہی انجام ہوا کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ زندگی میں رواداری سے کام لینا سیکھے اور زبان کو اپنے قابو میں رکھے۔"

پھر عنبر کی زبردست دعوت کی گئی۔ جزیرے سے بڑے بڑے پھل چن کر لائے گئے۔ کیلے کے پتوں کا لمبا دسترخوان بچھایا گیا جس پر ہرن، تیتر اور جنگلی کبوتروں کا بھنا ہوا گوشت اور قسم قسم کے پھل سجائے گئے۔ عنبر، ایل اور تھامس نے ایک مدت کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر وہ جھونپڑوں میں جا کر سو گئے۔

اس وقت وزیر کے ایک بھائی نے سردار سے کہا۔

"سردار! یہ شخص شیطان کا چیلا ہے اور ہمیں اپنی جادوگری سے دھوکا دے کر دیوتا بن گیا ہے۔"

وزیر کے بھائی کو اپنے بھائی کی موت کا بڑا صدمہ تھا اور وہ عنبر سے بھائی کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس شخص کا نام تورود تھا اور یہ سانپوں کا بادشاہ مشہور تھا۔ اس کے پاس جھونپڑے میں بڑے بڑے زہریلے سانپ موجود تھے۔

سردار نے کہا۔

"تم کیا کر سکتے ہو؟ کیا تم اس شخص کے جادو کا توڑ تلاش کر سکتے ہو؟ کیونکہ اگر یہ شخص دیوتا نہیں ہے تو پھر آگ، تلوار سے کیوں نہیں مرتا؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آگ نے اس پر اثر نہیں کیا اور تلوار اس کی گردن سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی ہے۔"

تورود بولا۔

"حضور! میرے پاس ایک ایسا زہریلا سانپ ہے کہ اگر کسی کو ایک بار ڈس دے تو اس کا جسم پانی بن کر ہڈیوں سمیت بہہ جاتا ہے۔ آپ حکم کریں۔ پھر دیکھیں میرے سانپ کیا کام دکھاتے ہیں۔"

سردار سوچ میں پڑ گیا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر سانپ بھی عنبر کو کچھ نہ بگاڑ سکے تو پھر سردار کی بھی خیر نہیں ہے۔ مگر

تورود بڑا ہوشیار تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے سردار کو راضی کر لیا۔ اُس نے سردار سے یہ بھی کہا کہ یہ شخص خواہ مخواہ یہاں آ کر سردار بن گیا ہے۔ اصل سردار تو آپ ہیں۔

"اسے ختم کرنے کا حکم دیں تاکہ آپ کی سرداری ایک بار پھر قائم ہو سکے۔ نہیں تو یہ شخص آپ کو غلام بنا کر قید میں ڈال دے گا اور خود اس جزیرے پر حکمرانی کرے گا۔"

سردار مکار تورود کی باتوں میں آ گیا۔ اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں میری طرف سے اجازت ہے کہ ان لوگوں پر اپنے سانپ چھوڑ دو۔ عنبر کے علاوہ اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی سانپوں سے ڈسوا دو۔"

تورود مسکرایا۔

"حضور! ان کو تو ہم بھون کر کھائیں گے۔ ایک عرصے بعد سفید چمڑی والے ہمارے قابو میں آئے ہیں۔"

سردار نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ مگر دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ نہیں تو یہ شخص پھر کوئی جادوگری کر دے گا اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

تورود نے کہا۔

"دیکھیں تو سہی میں کس ہوشیاری سے کام کرتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر مکار توررو وہاں سے نکل کر سیدھا اپنی جھونپڑی میں آ گیا جہاں سے اس نے ایک انتہائی زہریلا سانپ لے کر پٹاری میں ڈالا اور اس جھونپڑی کی طرف چلا جس کے اندر عنبر آرام کر رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ جو ہے سے پہر دن ڈھل رہا تھا۔ پہلے سے توررو نے پٹاری چھپا رکھی تھی۔ عنبر کی جھونپڑی کے پیچھے آ کر اس نے پٹاری کا منہ کھول کر سانپ کو جھونپڑی کے اندر پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود بھاگ گیا۔

سانپ کے جھونپڑی کے باہر نکلنے کا اس سوراخ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سانپ جس راستے سے جاتا ہے اُسی راستے سے کم ہی باہر نکلتا ہے اور پھر اسے اپنے سانپ کے بارے میں بھی علم تھا کہ یہ آدمی کی بو پر جاتا ہے اور جہاں آدمی ہو وہاں جا کر اُسے ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔ عنبر تھک گیا تھا چنانچہ [illegible] زمین پر بچھی چٹائی پر بڑے آرام سے سو رہا تھا۔ [illegible] کا رنگ سیاہ اور زرد تھا۔ اس کے جسم پر لال لال دھاریں [illegible] اس کو دیکھ کر ہی دہشت ہوتی تھی۔ سانپ نے عنبر کی بو [illegible] لی تھی۔

[illegible] سانپ بڑے آرام سے رینگتا ہوا عنبر کے پاس پہنچ گیا۔ عنبر گہری نیند سو رہا تھا۔ سانپ نے قریب جا کر اپنا پھن پھیلا لیا۔ [illegible] عنبر کے منہ پر جھک کر جھومنے لگا۔ پھر اس نے بجلی ایسی تیزی

کے ساتھ عنبر کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ لیکن اسے ایسے لگا جیسے اُس نے کسی پتھر کی سِل پر منہ مار دیا ہو۔ اس کے ہونٹ اور ایک دانت زخمی ہو گئے۔ سانپ نے غصے میں آ کر دوسری بار ڈسا۔ اس بار پھر اس کا منہ پتھر سے ٹکرایا اور دونوں اگلے دانت ٹوٹ گئے۔ اب عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے جاگتے ہی سامنے کالے رنگ کے سانپ کو پھن پھیلائے . . . . . غضب ناک اور سخت غصے میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ سانپ کس لیے پریشان ہے اس نے آگے ہاتھ بڑھایا تاکہ سانپ کو پکڑ سکے۔ سانپ نے زخمی ہونے کے باوجود عنبر کے ہاتھ پر ڈسنے کی کوشش کی۔ جس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر نے سانپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور ناگ نے اُسے سانپوں کی جو زبان سکھائی تھی اس زبان میں اُس نے سانپ سے پوچھا۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

سانپ نے جو ایک انسان کو اپنی زبان میں باتیں کرتے دیکھا تو اس پر دہشت چھا گئی۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی غیر معمولی انسان ہے۔ تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔

"مجھے توررو سپیرے نے بھیجا ہے جو وزیر کا بھائی ہے۔ وہ اس قبیلے کا سب سے بڑا سپیرا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اس نے تمہیں کیا کہہ کر یہاں بھیجا تھا؟"

سانپ بولا۔

"اس نے مجھے آپ کو ڈس کر ہلاک کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا۔"

عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر نے سانپ کو اپنے گلے میں ڈال لیا اور جھونپڑے سے باہر آگیا۔ باہر آتے ہی وہ سیدھا سردار کے جھونپڑے کی طرف چلا۔ سردار اپنے جھونپڑے میں بیٹھا بے چینی سے تورو کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آکر یہ خوش خبری سنائے کہ عنبر کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ عنبر زہریلے سانپ کو اپنے گلے میں ڈالے اس سے کھیلتا باتیں کرتا اندر آگیا ہے۔ سردار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"تورو نام کا سپیرا کہاں ہے اسے بلایا جائے۔"

سردار سمجھ گیا کہ عظیم دیوتا جیت گیا ہے اور وہ ہار گیا ہے اس نے سجدے میں گرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کر دو عظیم دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ آئندہ میں ایسی جرات کبھی نہیں کروں گا۔"

عنبر بولا۔

"اچھا تو گویا اس خوفناک سازش میں تم بھی شریک تھے؟ لیکن
س سانپ نے مجھے بتایا ہے کہ اسے تورو سپیرے نے مجھے ہلاک
نے کے لیے میری جھونپڑی میں بھیجا تھا۔ تورو کو بلاؤ۔ نہیں تو
پ تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور یہ زہریلا ہے۔ غصے
ہے۔ یہ تمہیں ایک پل میں ختم کر دے گا۔"

سردار نے عنبر کے پاؤں پکڑ لیے۔

"ابھی بلاتا ہوں میں تورو کو۔"

عنبر نے سردار کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"فوراً بلاؤ تورو کو۔ آج ہم اسے ایک تماشہ دکھائیں گے۔"

تورو کو معلوم ہو گیا کہ اس کا وار خالی گیا ہے۔ سانپ عنبر کا
نہیں بگاڑ سکا۔ وہ سردار کے پاس ہے اور سردار نے تورو
و حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ تورو نے اپنے چھ زہریلے سانپ
پٹاری میں رکھے اور سردار کے جھونپڑے میں آکر بولا۔

"اگر مجھے کسی نے پکڑا تو میں یہ سانپ سردار پر پھینک
وں گا۔ خواہ میں خود مر جاؤں مگر سردار کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں
۔ کیونکہ اس سازش میں یہ بھی برابر کا شریک تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"ردار نے اپنے قصور کو مان لیا ہے اور معافی مانگ لی ہے

گر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، کیونکہ تم اب بھی ہم سب کو ہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

تورو بولا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس پٹاری میں بڑے زہریلے سانپ والے عنبر! ٹھیک ہے یہ تمہیں کچھ نہ کہہ سکیں گے مگر یہاں کے سب آدمیوں کو سردار سمیت ہلاک کر دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

تم سانپ چھوڑ کر دیکھ لو۔ یہ کسی کو کچھ نہ کہہ سکیں گے

تورو نے پٹاری کھول کر زمین پر اُلٹ دی۔ زمین پر اُلٹتے ہی چھ کے چھ زہریلے سانپ اِدھر اُدھر بھاگ کر پھن پھیلا کھڑے ہوگئے۔ عنبر بھی کچھ دیر کے لیے گھبرا گیا کہ کم بختوں نے لوگوں کو ڈس دیا تو وہ ان میں سے کس کس کو بچا سکے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سانپ کی مدد حاصل کی جائے۔ عنبر نے ا تھ میں پکڑے ہوئے سانپ سے اس کی زبان میں کہا۔

"کیا تم ان سانپوں کو ڈسنے سے منع کر سکتے ہو؟"

سانپ عنبر کی بے حد عزت کرتا تھا اور اُسے بڑا عظیم ان سمجھتا تھا۔ کیونکہ سانپ کی زبان ہر ایسا غیرا نہیں جان سکتا۔ سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"کیوں نہیں حضور! آپ حکم دیں میں ابھی انہیں منع کرتا ہو

عنبر نے کہا۔

"انہیں حکم دو کہ واپس آ جائیں اور کسی کو نہ کاٹیں۔"

تورو نے دیکھا کہ عنبر سانپ سے باتیں کر رہا ہے۔ سردار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سُن رہا تھا۔ اور سانپوں سے سہم گیا تھا۔ سانپ نے اپنے منہ سے سیٹی کی ایک لمبی سی آواز نکالی از کو سنتے ہی سارے کے سارے سانپ واپس پٹاری کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے پھن اکٹھے کر لیے عنبر نے سانپ سے کہا۔

"انہیں کہو کہ سپیرے کو یہاں سے بھاگنے نہ دیں۔"

سانپ نے دو بار سیٹی نکال کر سانپوں کو کہا کہ سپیرے تورو کو ں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔ اس حکم کو سنتے ہی چھ کے چھ سانپ اپنی جگہ سے بجلی کی تیزی کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے لپک کر سپیرے تورو کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا۔ وہ پھن اٹھا کر زمین سے ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ گز اوپر اٹھ کھڑے ہوئے اور جھوم رہے تھے۔ یہ دیکھ کر تورو سپیرے کا بُرا حال ہو گیا۔ عنبر نے سردار سے کہا۔

"سردار! کیا اب بھی تم لوگ یقین نہیں کرو گے کہ میں تمہارا ست ہوں؟ دیکھو یہ سانپ میرا حکم مانتے ہیں۔"

سردار تو خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا

"عظیم دیوتا! میں تمہارا غلام ہوں۔ تورو مکار ہے۔ اُ
نے مجھے بھی ورغلا دیا تھا۔ میں اس کی بوٹی بوٹی کر دوں گا۔ مجھے ح
دیں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں میں اسے کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ کیونکہ سان
نے ابھی ابھی مجھے کہا ہے کہ وہ اس کے خون سے اپنی پیاس بج
چاہتے ہیں۔"

تورو نے اتنا سُنا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ ٹانگیں خو
کے مارے پہلے ہی کانپ رہی تھیں۔ اب تھر تھر ڈولنے
لگیں۔ سانپ اس کے اردگرد جھوم رہے تھے۔ روتے ہو
بولا۔

"عظیم دیوتا! مجھے معاف کر دو۔"

عنبر بولا۔

"تم ایک مکار اور کمینے دشمن ہو اور کمینے دشمن کو کبھی معا
نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لیے اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جا
اس کے ساتھ ہی عنبر نے سانپ کے کان میں کچھ کہا۔ سا
نے ایک خاص سیٹی بجائی جسے سُن کر چھ کے چھ سانپ آگئے۔
تورو پر ٹوٹ پڑے۔ سب نے باری باری تورو کے جسم پر ڈ
[illegible] اس کے خون میں اپنا زہر داخل کر دیا۔ کمال تو ایک سانپ

ٹے چھ سانپوں نے تورو کو ڈس دیا تھا۔ اس کی ٹانگیں
رنگ کالا پڑ گیا۔ گرا اور پھر بے حس ہو گیا۔ اب سب کے
یکھتے اس کا جسم پانی بن کر بہنے لگا۔ اس کی ہڈیاں بھی پانی
اور پھر وہاں صرف پانی کا ایک نشان زمین پہ
گیا۔

تورو کے انجام سے سردار کی بھی آنکھیں کھُل گئیں۔ عنبر نے
پنے گلے والے سانپ سے کہا۔

"اب تم لوگ آزاد ہو۔ جنگل میں جہاں چاہو جا کر رہ سکتے ہو
یکن وعدہ کرو کہ کسی بے گناہ انسان کو ہرگز ہرگز نہیں ڈسو گے۔"

سانپ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں عظیم دیوتا۔"

"تو پھر جاؤ آج سے تم آزاد ہو۔"

عنبر نے سانپ کو زمین پر چھوڑ دیا۔ سانپ باقی سانپوں
کے پاس گیا۔ اُن کے کان میں اپنی زبان میں کچھ کہا اور پھر
ساتوں سانپ جھونپڑی میں سے نکل کر جنگل کی طرف گئے اور
جھاڑیوں میں گم ہو گئے۔

اب عنبر نے سردار سے کہا۔

"ایلی اور تھاسس کو بھی بلایا جائے۔"

اسی وقت ایلی اور تھاسس بھی وہاں آ گئے۔ سردار تو ان کے

آگے پیچھے پھر رہا تھا۔ یہ لوگ جزیرے میں چھ دن رہے۔
کی زبردست خاطریں ہوئیں۔ سردار نے تو خدمت کرتے کرتے
کمال کر دیا۔ صبح اُٹھتے ہی عنبر کی خدمت شروع ہو جاتی اور رات
گئے تک جاری رہتی۔ عنبر سردار سے بڑا خوش تھا۔ اس نے
ساتویں روز سردار سے کہا۔

"ہمارے لیے ایک بڑی کشتی تیار کرائی جائے۔"

سردار نے کہا۔

"کیوں عظیم دیوتا؟ کیا یہاں سے جی بھر گیا ہے!"

عنبر نے کہا

"نہیں جی نہیں بھرا۔ لیکن ہمیں کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔
اس لیے ہم اب یہاں سے جانا چاہتے ہیں"

سردار نے کہا۔

"حضور! آپ تو دیوتا ہیں۔ آپ کو کشتی کی کیا ضرورت
ہے؟ آپ تو سمندر میں ویسے ہی بڑی آسانی سے تیر سکتے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے ضرورت نہیں ہے کشتی کی
مگر میرے ساتھی میری طرح سمندر میں نہیں سفر کر سکتے۔ انہیں ایک
کشتی کی ضرورت ہے۔"

ہادر نے کہا۔

جو حکم حضور! میں آج ہی کشتی کی تیاری کا حکم دیے دیتا ہوں
سردار نے اپنے خاص آدمیوں کو بلا کر اسی وقت حکم دے دیا
ہمانوں کے لیے ایک ایسی کشتی تیار کی جائے جو طوفانی سمندر میں
بھی آسانی سے سفر کر سکے۔ کشتی کی تیاری اسی وقت شروع
گئی۔ عنبر نے   س اور ایلی کو بتا دیا کہ کشتی تیار ہو رہی ہے
ر وہ بہت جلد اس جزیرے سے روانہ ہونے والے ہیں۔

ی نے پوچھا۔

"سوال یہ ہے کہ یہاں سے ہم کس طرف جائیں گے!"

تھامس نے کہا۔

"یعنی ہماری منزل کون سی ہوگی؟ ہمیں تو بالکل علم نہیں ہے
کہ اس جزیرے کے ارد گرد دشمن بیٹھا ہے کہ دوست رہتا ہے"

عنبر نے کہا۔

"میں آج سردار سے بات کروں گا۔ اسے ضرور معلوم ہوگا
کہ یہ جزیرہ سمندر میں کس جگہ واقع ہے۔"

پُراسرار جہاز

دوسرے دن عنبر نے سردار سے پوچھا۔

"سردار کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہارا یہ جزیرہ جہاں آباد ہے اس کے اردگرد کونسا سمندر ہے اور وہاں کونسا ملک قریب ہے؟"

سردار نے کہا۔

"عظیم دیوتا! ہم صدیوں سے یہاں آباد چلے آرہے ہیں ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ہمارے پچھم میں ایک جزیرہ ہے جہاں ہماری طرح کے وحشی لوگ رہتے ہیں۔ ہاں بزرگوں سے ہم نے سُنا ہے کہ یہاں سے سات روز کے فاصلے پر دکھن کی طرف ایک ملک ہے جہاں دوسری دنیا کے لوگ رہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔"

[illegible] کی چیزیں بکھری گئیں۔ کہا؟

عنبر نے پوچھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ دنیا میں اس ز تھامس اور ایلی ہے۔ شہروں پر بمباری کی جاتی ہے۔ یہ لوگ مرر سب موسم کا انتظار"

سردار نے کہا۔

"نہیں عظیم دیوتا! ہمیں جنگ کے بارے میں کچھ نہیں۔ ہاں ایک بار ہمارے جزیرے کے اوپر سے سفید رنگ کے چمکدار ستارے سے گذرے تھے۔ وہ دور دکھن سے آئے تھے اور پچھم کی طرف گذر گئے تھے۔ ان ستاروں کی دُموں سے سفید رنگ کا دھواں نکل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر ہم ڈر گئے تھے اور ہم نے آگ جلا کر دیوتا کے حضور بچھڑے کی قربانی پیش کی تھی۔ اس کے بعد کبھی کوئی دھواں دار ستارہ ہمارے جزیرے کے اوپر سے نہیں گذرا۔"

عنبر نے یہ ساری باتیں تھامس اور ایلی کو جا کر بتا دیں۔ اب وہ غور کرنے لگے کہ وہ کس مقام پر ہیں اور سات روز کے سفر پر دکھن میں کونسا ملک ہوگا؟ تھامس کا نقشہ شپ میں ہی جل گیا تھا صرف اس کے پاس کمپاس تھی جو صرف یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ جنوب مشرق کے سمندروں میں ہیں۔

ایلی نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں دکھن کی طرف والے ملک کی جانب سفر

سا ہے وہ ملک آسٹریلیا ہی ہو۔"

ہم جاپان پہنچ گئے تو پھر ہمارا حشر ہوگا ہم وہ جتے ہیں۔

بولا۔

یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا تھامس! کیونکہ اگر ہم شمال کی طرف نکل گئے تو ہو سکتا ہے ہمارا سفر کبھی ختم نہ ہو اور ہم سمندر میں ہی بھٹکتے رہ جائیں۔ کیونکہ شمال کی طرف جو بھی ملک ہوگا وہ یہاں سے ہزاروں میل دور ہوگا۔ ان وحشیوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہاں سے سات روز کے فاصلے پر دکھن کی طرف کوئی ملک ہے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی ملک ضرور ہوگا اور ایمل کے خیال کے مطابق میں بھی یہی کہوں گا کہ وہ ملک آسٹریلیا ہی ہو سکتا ہے"

تھامس نے کہا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ خدا کا نام لے کر ہم دکھن کی طرف ہی اپنا سفر شروع کر دیں گے۔"

دس پندرہ دنوں کے بعد کشتی تیار ہوگئی۔ یہ کشتی کافی بڑی تھی اور دو منزلہ تھی۔ جنگلیوں نے بڑی کاریگری کے ساتھ کشتی تیار کی تھی۔ اس کے اوپر بادبان بھی لگے تھے

ایک منزل نیچے تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھری گئیں۔ کھانا پکانے کے لیے چولہے بھی بنائے گئے تھے۔ عنبر تھامس اور ایمل کشتی کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اب وہ ٹھیک موسم کا انتظار کرنے لگے۔

بارشیں ختم ہونے والی تھیں۔ خدا خدا کر کے برسات کا موسم ختم ہوا۔ آسمان پر سورج چمکنے لگا۔ بادل چلے گئے۔ سمندر میں آنے والا طوفان بھی ختم ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز جبکہ موسم خوشگوار تھا اور ہوا بھی بڑی اچھی چل رہی تھی۔ عنبر نے سردار سے اجازت لی اور کشتی میں سوار ہو کر دکھن کی طرف رخ کر کے اپنا سفر شروع کر دیا۔ ایمل نے آٹے کو گوندھ کر روٹی پکائی۔ جو انہوں نے دوپہر کے وقت کشتی کے ڈیک پر بیٹھ کر کھائی۔ بادبانوں میں ہوا خوب بھری ہوئی تھی۔ سمندر میں کشتی ہوا کے زور سے ٹھیک سمت کو ہی چل جا رہی تھی۔ تھامس قطب نما نکال کر تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیکھ کر تسلی کر لیتا تھا کہ وہ ٹھیک رخ پہ جا رہے ہیں۔

اس طرح سفر کرتے کرتے انہیں چار روز ہو گئے۔

سمندر میں کوئی طوفان نہ آیا۔ موسم خوشگوار ہی رہا۔ پانچویں روز انہیں دور سمندر میں ایک سیاہ دھبہ سا نظر آیا۔ ان کے پاس اب دوربین بھی نہیں تھی۔ یہ دوربین بھی سٹیمر کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ اس دھبے کو سب سے پہلے ایمل نے دیکھا

"وہ دھبّہ سا کیا ہے۔ ذرا دیکھو تو ادھر!"

تھامس اور عنبر نے بھی اس سیاہ دھبّے کو دیکھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ دھبّہ کیسا ہے۔ تھامس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"جزیرہ کبھی دھبّے کی شکل میں نظر نہیں آیا کرتا۔ جزیرہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کی ایک لکیر دکھائی دیا کرتی ہے۔"

ایلی نے پوچھا۔

"تو پھر تمہارے خیال میں کیا ہے عنبر بھائی؟"

عنبر نے دھبّے کو غور سے تکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ کوئی جنگی جہاز ہے۔"

"جنگی جہاز؟"

ایلی چیخ پڑی۔

"نہیں نہیں۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہو۔ ہم پھر ایک بار جنگ کی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتے۔"

عنبر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے تھامس؟"

تھامس بھی دھبّے کو غور سے دیکھ رہا تھا جو اب بڑا ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں اور ماتھے پر ہاتھ کا چھجا

بنایا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"عنبر! تمہارا خیال ٹھیک لگتا ہے۔"

"یعنی؟" ایلی نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

تھامس نے کہا۔

"یعنی یہ کہ یہ دھبّہ کوئی جنگی جہاز ہی ہے۔"

ایلی اداس ہو گئی۔ بلکہ پریشان ہو کر کھانے کے برتن اٹھا کر نیچے چلی گئی۔ اب کشتی کے ڈیک پر صرف تھامس اور عنبر ہی رہ گئے۔ دھبّہ صاف ہونے لگا تھا۔ اب وہ بالکل صاف ایک بحری جہاز نظر آ رہا تھا۔ تھامس نے پریشان ہو کر کہا۔

"عنبر! اگر یہ دشمن کا جہاز ہوا تو کیا کریں گے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کریں گے؟ یہی کہ قیدی بن جائیں گے اور کیا کر سکتے ہیں ہم؟"

تھامس بولا۔

"ہو سکتا ہے وہ ہمیں گولی سے اڑا دیں۔ اگر یہ لوگ جاپانی ہوئے تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ویسے تم تو بچ جاؤ گے ہماری خیر نہیں ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"گھبراتے کیوں ہو بھائی! میں نے تمہیں پہلے چھوڑا ہے

جو اب اکیلا چھوڑوں گا۔ فکر نہ کرو۔ خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھو، زندگی میں مصیبتیں آیا ہی کرتی ہیں اور بہادر مرد اس کو ہنسی خوشی برداشت کر لیا کرتے ہیں۔"

دوپہر کے بعد دھبّہ صاف ہو گیا۔ وہ ایک بحری جہاز تھا۔ بہت بڑا جہاز بھی نہیں تھا۔ نہ اس پر کوئی توپ لگی تھی۔ نہ ریڈار لگا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ مسافر جہاز ہے۔ کم بخت ملاحوں کی بادبانی کشتی بھی ٹھیک اُس جہاز کی طرف چلی جا رہی تھی۔ وہ جہاز بھی ادھر ہی آ رہا تھا۔ اب انہوں نے دیکھا کہ جہاز کے ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے دوربینوں سے کشتی کو دیکھ رہے ہیں۔ عنبر نے تھامس سے کہا

"کوئی مسافر جہاز لگتا ہے۔ زیادہ بڑا نہیں ہے۔"

تھامس بولا۔

"اگر یہ امریکی، برطانوی یا آسٹریلوی مسافر بردار جہاز ہوا تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ ہم اس پر سوار ہو کر اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"ذرا اندازہ لگاؤ۔ دور سے یہ لوگ تمہیں کس ملک کے باشندے لگ رہے ہیں۔"

تھامس نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے ان لوگوں کو دیکھا جو جہاز کے جنگلے پر کھڑے دوربینوں سے اور بغیر دوربین کے بھی

بادبانی کشتی کو بڑے تعجب سے تک رہے تھے۔ کچھ لوگوں کو ایک کیبن میں

"مجھے تو یورپ کے لوگ لگتے ہیں۔ اب خدا جانے کہیں بحری کے لوگ ہی نہ ہوں۔"

"پھر کیا ہوا آخر مسافر بردار جہاز ہے۔ یہ لوگ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اور پھر ہم خود مصیبت زدہ ہیں۔ یہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

اب ایلی بھی ڈیک پر آ گئی تھی اور خوف و امید کی ملی جلی حالت سے جہاز کو تک رہی تھی۔ جہاز قریب آ کر رک گیا۔ اس کے ڈیک پر سے ایک کشتی سمندر میں اتاری گئی۔ اس کشتی میں تین آدمی سوار تھے ان کے ہاتھ میں رائفلیں بھی تھیں۔ وہ بادبانی کشتی کے اوپر آ گئے اور عنبر سے کہا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"بھائی! ہم لوگ ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ وہ طوفان میں پھنس کر ڈوب گیا۔ ہم کسی نہ کسی طرح جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں ایک مہینے تک ہم وہاں کے باشندوں سے رکے۔ پھر انہوں نے ہی یہ کشتی بنا کر ہمیں دی اور ہم نے خدا کا نام لے کر سمندر میں چل پڑے۔۔۔ کہ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔ آپ بتائیں آپ کا جہاز کہاں سے آ رہا ہے اور

جواب ایک ہے؟"

جہاز والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر وائرلیس پر پیچھے کہا۔

"سر! یہ کوئی تباہ حال مسافر معلوم ہوتے ہیں۔"

اُدھر سے شاید کسی نے کہا۔

"ٹھیک ہے انہیں لے آؤ۔ اور کشتی چھوڑ دو۔"

عنبر، تھامس اور ایلی کو جہاز پر سوار کرا لیا گیا۔ جہاز پر آنے کے بعد بادبانی کشتی اکیلی سمندر میں سفر کرنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ یہاں جہاز کے کپتان نے عنبر سے ملاقات کی اور پوچھ گچھ کی۔ سب سے پوچھ گچھ کی گئی۔ سب نے ایک ہی جواب دیا۔ جو عنبر نے کہا تھا اُسے ہی دہرایا گیا۔ آخر جب کپتان نے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

تو عنبر، تھامس اور ایلی نے یہی کہا

"ہم سوئٹزرلینڈ کے باشندے ہیں اور انڈونیشیا جا رہے تھے۔"

ایلی نے بتایا کہ وہ تھامس کی بیوی ہے۔ عنبر نے بتایا کہ وہ انڈونیشیا میں کاروبار کرتا تھا اور جہاز میں ہی اس کی ملاقات اس جوڑے سے ہو گئی تھی۔ کپتان خاموشی سے ان کی باتیں سنتا

رہا۔ کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے میٹ کو اشارہ کیا کہ ان لوگوں کو ایک کیبن میں جا کر بند کر دو۔ ایلی تھامس اور عنبر کو ایک کیبن میں جا کر بند کر دیا گیا۔ وہ قیدی بھی نہیں تھے۔ لیکن انہیں بغیر اجازت کیبن سے نکل کر اوپر آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ عنبر نے تھامس سے کہا۔

"ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ جنگی جہاز ہے کہ مسافر جہاز — اگر مسافر جہاز ہے تو پھر اس کی سواریاں کہاں ہیں؟ اگر جنگی جہاز ہے تو توپیں کہاں چلی گئیں؟ اگر مال بردار جہاز ہے تو مال کس جگہ لدا ہوا ہے؟"

تھامس بولا۔

"میرا خیال ہے یہ ماہی گیر لوگ ہیں اور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لیے نکلے ہیں"

ایلی نے پوچھا:

"لیکن آخر یہ کس ملک کے ہیں؟ انہوں نے بالکل نہیں بتایا کہ یہ کس ملک کے رہنے والے ہیں۔ وہ کبھی انگریزی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کبھی ڈچ زبان بولنے لگتے ہیں۔"

عنبر نے کہا

"ایک دو بار میں نے ایک ملاح کو جرمن زبان بولتے بھی سنا تھا۔"

"جرمن! کہیں یہ لوگ جرمن تو نہیں ہیں؟"

تھامس کی اس بات پر عنبر نے کہا۔

"اگر جرمن ہیں تو پھر ان لوگوں کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ایلی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ جہاز سمندر میں جاسوسی کرتا پھر رہا ہو۔"

"ورنہ یہ جرمن ہی ہوں۔"

آخر عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں خاموشی سے یہاں رہنا ہوگا اور اندازہ لگانا ہوگا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس مقصد کے واسطے سمندر میں گھوم رہے ہیں۔ ویسے مجھے تو یہ کوئی بڑا پُراسرار جہاز معلوم ہوتا ہے۔"

ان لوگوں کو جہاز کے کیبن سے باہر نکلنے کی بالکل اجازت نہیں تھی۔ انہیں کھانے پینے کی چیزیں کیبن کے اندر ہی پہنچا دی جاتیں۔ کیبن میں ایک گول سوراخ تھا جس پر موٹا شیشہ لگا تھا۔ اس شیشے میں سے سمندر نظر آتا تھا۔ جہاز کی نقل و حرکت کسی وقت بڑی پُراسرار ہو جاتی۔ اوپر ڈیک پر لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آتیں۔ کسی وقت خاموشی چھا جاتی۔ ایک بار اوپر سے سمندر میں جال بھی پھینکا گیا تاکہ مچھلیاں پکڑی جا سکیں۔ پھر مچھلیوں سے بھرا ہوا جال اوپر ڈیک پر کھینچ لیا گیا۔ دو روز گزر

گئے تھے کہ ایک روز جہاز پر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ بھونپو بجنے لگا۔ عنبر نے گول شیشے کے ساتھ منہ لگا کر دیکھا۔

دور ایک جنگی جہاز آگے بڑھ رہا تھا اور اس جہاز پر امریکہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

- پُراسرار جہاز کا راز کیا تھا؟
- ماریا ہندوستان کے جنگل میں کہاں بھٹک رہی تھی؟
- ناگ پر جوگی کے بارے میں کیا گزری؟

ان کے جوابات آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں ملیں گے۔

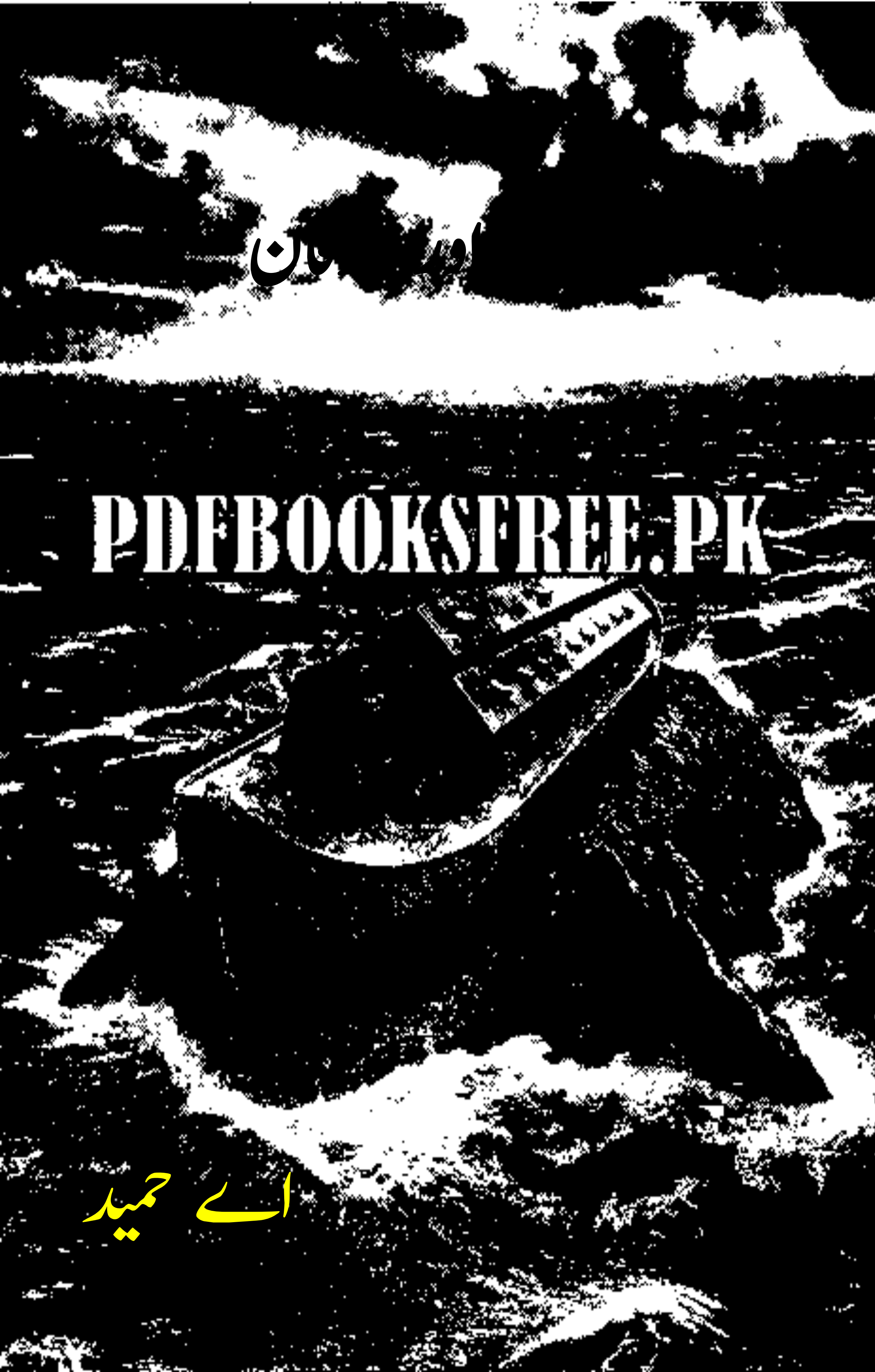

او[illegible]ان

اے حمید

مو
تا

یا جوشہ ایلی اور تھامس کی جان بچا کر انہیں جاپانیوں
باہر نکال لایا تھا۔ جزیرے سے فرار ہو کر وہ ایک کشتی
مندر میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کس
احل کے ساتھ جا لگیں گے؟ لیکن سمندر میں ہی ایک جرمن
جہاز سے ان کی مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ جرمن ملاحوں نے انہیں اپنے
قید کر لیا۔ اس جہاز کو ایک امریکی آبدوز نے تباہ کر کے
یا۔ عنبر کو امریکی آبدوز والوں نے اپنی آبدوز میں پناہ دے
۔ حالات کے ساتھ ساتھ یہ لوگ ایک جزیرے میں پہنچ گئے
ما جاپانی سونے کا صندوق دفن کر رہے تھے۔ انہوں نے
صندوق چوری کر لیا۔ عنبر کے منع کرنے پر بھی امریکی کپتان
مانا۔ یہ لوگ جاپانی خزانہ لے کر جزیرے سے فرار ہو گئے۔
اس کے بعد ان پر کیا گزری؟ کیا امریکی کپتان سونے کا صندوق
کو امریکہ لے جانے میں کامیاب ہو گیا؟ کیا عنبر کی ناگ اور ماریا
سے ملاقات ہو سکی؟

یہ آپ خود اس کتاب میں پڑھیں۔

- تباہ کن آبدوز
- سونے کی مصیبت
- خزانے کا ڈاکو
- جہاز کی تباہی
- آدم خوروں کا جزیرہ
- کشتی اور طوفان
- جنگل کا جادو

تباہ کن آبدوز

امریکی جہاز قریب آ گیا۔

عنبر، ثاقب اور ایلی نے محسوس کیا کہ امریکی جہاز کو دیکھ کر اوپر کچھ بھاگ دوڑ سی شروع ہو گئی تھی۔ یہ تینوں کیبن میں بند تھے اورانہیں اوپر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ عنبر نے کہا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ جہاز مشہور جرمن جہاز سواستیکا ہے جو سمندر میں گھوم پھر کر امریکی جہازوں کو اپنا نشانہ بناتا ہے۔"

ثاقب نے کہا۔

"شاید تمہارا خیال درست ہو۔ کیونکہ اوپر ملاح حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں"

ایلی نے شیشے والی گول کھڑکی میں سے باہر سمندر میں دیکھ کر کہا

"امریکی جہاز دائیں جانب مڑ گیا ہے۔"

سب نے دیکھا۔ جہاز دوسری طرف پہلو بدل کر جا رہا تھا اور

اب اس کا پینڈا بالکل سامنے آ گیا تھا۔ اب اس امریکی جہاز کو بڑی آسانی سے گولے کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا

عنبر نے کہا۔

"سواستیکا جہاز والوں نے ضرور امریکی جہاز والوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہم تو مال بردار جہاز والے ہیں اور ہم سامان لے کر لندن جا رہے ہیں۔ اسی لیے امریکی جہاز نے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی اور اپنا رخ بدل لیا ہے"

تھامس نے کہا۔

"دراصل ہمارے جہاز والے جرمن لوگ یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح سے امریکی جہاز اپنا رخ بدل لے اور اس کا پینڈا ان کے سامنے آ جائے تاکہ آسانی سے حملہ کیا جا سکے"

آخر وہی ہوا جس کا ان لوگوں کو خیال تھا۔ ان کے جہاز کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور عنبر نے ایک دم سے چونک کر کہا

"ضرور ہمارے جہاز والوں نے تارپیڈو چھوڑا ہے"

وہ سب شیشے والی گول کھڑکی کی طرف لپکے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سمندر میں ایک لمبا تارپیڈو امریکی جہاز کی طرف پانی کے اندر اندر بڑھ رہا ہے

"میرے خدایا! یہ تو جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا ہی ہے۔ اب امریکی جہاز کی خیر نہیں"

تارپیڈو یعنی سمندری بم بڑی تیزی کے ساتھ سمندر کے اوپر ایک ہلکی سی لکیر ڈالتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ امریکی جہاز والوں کی اس طرف توجہ نہیں تھی۔ اور اگر انہیں پتہ بھی چلا ہو گا تو وقت گزر چکا تھا۔ تارپیڈو یعنی سمندری بم ایک زبردست دھماکے کے ساتھ امریکی جہاز سے ٹکرایا اور اس کے اندر گہرا شگاف ڈالتا ہوا گھس گیا۔ اندر جا کر بم پھٹ گیا۔ جہاز تباہ کن دھماکے کے ساتھ دو ٹکڑے ہو کر ڈوبنا شروع ہو گیا۔ ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور کشتیوں پر سوار ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ جرمن جہاز کی طرف سے اب گولہ باری شروع ہو گئی۔ گولے ملاحوں کی کشتیوں پر جا کر پھٹتے اور انہیں ہلاک کر کے سمندر میں غرق کر دیتے۔ تھوڑی دیر بعد امریکی جہاز اور اس کے بچے کھچے ملاح سمندر میں ڈوب چکے تھے اور وہاں سمندر کی لہریں ہی لہریں تھیں جیسے وہاں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

عنبر تھامس اور ایملی کھڑکی سے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ تھامس نے کہا

"ہم دشمن کے جہاز پر سوار ہیں"

ایملی نے کہا۔

"یہ جرمن جہاز ہے۔ اس کا کپتان بڑی مکاری سے حملہ کرتا ہے۔ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسے [illegible]

بلاسہ میں بھی پتہ چل چکا ہے کہ ہم امریکی ہیں"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا! اب ہم سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر خدا نے آپ لوگوں کی زندگی لکھی ہے تو یہ لوگ آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ سوچنا تو یہ ہے کہ اس جہاز کو تباہ کیوں کر کیا جائے تاکہ اس کی تباہی و بربادیوں سے دوسرے جہاز بچ سکیں"

تھامس نے کہا۔

"کم بختوں نے ملاحوں پر بھی گولہ باری کر کے انہیں ڈبو دیا"

ایملی بولی۔

"ہم خود اس جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ پھر بھلا ہم اس جہاز کو کیسے ڈبو سکتے ہیں!"

"یہی بات تو ہمیں سوچنی ہے" عنبر نے کہا۔

ابھی یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ ان کے کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک جرمن ملاح نمودار ہوا۔ اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میرے ساتھ اوپر چلو"

عنبر جرمن ملاح کے ساتھ کیبن سے باہر نکل گیا۔ وہ خوش تھا کہ اسی کو بجائے تھامس یا ایملی کو نہیں بلایا گیا۔ ملاح اس کو ساتھ

لے کر اوپر کپتان کے پاس لے گیا۔ کپتان اپنے کیبن میں کرسی پر بیٹھا میز پر پھیلے ہوئے ایک نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

ملاح نے سلوٹ مار کر کہا۔

"کوئی اور حکم سر؟"

"تم جا سکتے ہو"

کپتان نے عینک اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ملاح واپس چلا گیا۔ کپتان نے عنبر کے قریب آ کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ دوست!"

اس کا لہجہ بڑا نرم تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ شخص میٹھا بن کر اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عنبر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے کونے والی میز پر ہٹلر کی تصویر پڑی تھی۔ اب کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔ یہ جہاز جرمن تباہ کن جہاز سونیکا ہی تھا۔ کپتان نے کہا۔

"یقیناً تم نے ہر ہٹلر کی تصویر دیکھ لی ہوگی اور تمہیں یقین ہو گیا ہوگا کہ یہ جہاز مال بردار جہاز نہیں ہے۔ تم نے ابھی ابھی اپنے کیبن کی کھڑکی میں سے امریکی جہاز کو سمندر میں غرق ہوتے بھی دیکھ لیا ہوگا۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں!"

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔"

کپتان نے کہا۔

"اب تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم بھی صاف صاف بتا دو کہ تم لوگ کون ہو اور بادبانی جہاز میں کہاں سے آ رہے تھے، کس مشن پر آ رہے تھے۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم نے جو کہا بالکل سچ کہا تھا۔ ہم ایک مسافر جہاز پر سنگاپور کی طرف جا رہے تھے کہ جہاز غرق ہو گیا۔ ہم کسی طرح جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ہماری کچھ روز خاطر مدارات کی اور پھر ہمیں ایک بادبانی کشتی میں سوار کروا کر رخصت کر دیا۔"

کپتان کیبن میں ٹہل رہا تھا۔ عنبر کے قریب آ کر رک گیا اور جھک کر بولا۔

"تم اتنی عمدہ جرمن زبان کیسے بول لیتے ہو؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میری ماں جرمنی میں کافی دیر رہی تھی۔ جرمن زبان مجھے میری والدہ نے سکھائی تھی۔"

کپتان نے اچانک بڑے زور کا تھپڑ عنبر کے گال پر جڑ دیا۔ عنبر بے خیالی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ گرتے گرتے بچا۔ کرسی پر دراز ٹیڑھا سا ہو گیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے بڑے صبر سے کام لیا۔ وہ کپتان پر حملہ کر کے اپنے ساتھی امریکی میاں بیوی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ کپتان نے بلند آواز میں چیخ کر پوچھا۔

"بتاؤ امریکی آبدوز اٹلس کس سمندر میں سفر کر رہی ہے۔"

عنبر نے بڑے سکون کے ساتھ کہا۔

"ہمیں امریکی آبدوز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہم پرامن لوگ ہیں اور جنگ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"ہا ہا ہا" کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "تمہارا واسطہ نہیں ہے مگر ہمارا واسطہ ضرور ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم عرب ہو، شام کے رہنے والے ہو اور امریکی حکومت کے لیے جاسوسی کے مشن پر نکلے ہوئے ہو اور تمہارے ساتھ امریکی جوڑا ہے۔"

پھر اس نے عنبر کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا کہ اٹلس آبدوز کس سمندر میں گشت کر رہی ہے اور اس نے تم لوگوں کو سمندر میں کس جگہ اتارا تھا تو تم سب کو گولی مار کر سمندر میں مچھلیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"ہمیں کسی آبدوز نے سمندر میں نہیں اتارا"

کپتان نے ایک اور تھپڑ عنبر کو جڑ دیا۔ مگر اب عنبر اپنے آپ میں سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ کپتان کو یوں لگا جیسے اس نے کسی سخت پتھر پر ہاتھ مار دیا ہو۔ وہ اپنے ہاتھ کو سہلانے لگا۔

"تمہاری جلد اتنی سخت کیوں ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارے احمقانہ سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں جا رہا ہوں"

عنبر کیبن سے باہر نکل گیا۔ کپتان نے گھنٹی بجائی۔ جرمن سپاہی اندر آیا۔ کپتان نے حکم دیا کہ امریکی جوڑے کو حاضر کیا جائے۔ ابھی عنبر تھامس اور ایلی کے پاس پہنچا ہی تھا کہ جرمن سپاہی آن نازل ہوا اور تھامس اور ایلی کو پستول دکھا کر اپنے ساتھ اوپر لے گیا۔ ویسے عنبر کی آنکھوں کے اشاروں سے وہ سمجھ گئے تھے کہ معاملہ پوچھ گچھ کا ہے۔ تھامس اور ایلی کو دیکھ کر کپتان نے جرمن سپاہی کو اشارے سے باہر جانے کو کہا۔ سپاہی چلا گیا۔ کپتان نے دروازہ بند کیا اور تھامس کی طرف آگے بڑھا۔

"تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں تم سے کیا پوچھنے والا ہوں"

تھامس نے کہا۔

"ضرور سمجھ گیا ہوں۔ اور میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم امن پسند امریکی شہری ہیں اور ہمارا اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

کپتان مسکرایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم یہ تو مان گئے کہ تم امریکی شہری ہو۔ اب تم دوسری باتیں بھی آہستہ آہستہ مان جاؤ گے"

کپتان نے گلاس میں شربت ڈال کر ایلی اور تھامس کو دیا۔

"تم کو یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ تم جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا پر سوار ہو۔ اور اب یہ بھی سن لو کہ ہم امریکی آبدوز اٹلس کی تلاش میں ہیں جس نے تم لوگوں کو اس سمندر میں اتارا ہے۔ تمہاری بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ ہمیں صاف صاف بتا دو کہ امریکی آبدوز اٹلس نے تمہیں سمندر میں کہاں اتارا تھا اور وہ کس طرف سفر کر رہی تھی؟"

تھامس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ احمق کپتان اس سے کیا پوچھ رہا تھا۔ خدا جانے امریکی آبدوز کہاں تھی اور کہاں نہیں تھی۔ اس کی جانے بلا۔ یہ اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔ کپتان نے ایلی کے سرخ بالوں کو پکڑ کر کہا۔

"تنے خوبصورت بال ہیں۔"

پھر تھامس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مسٹر تھامس کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری بیوی اپنے ان خوبصورت سرخ بالوں کے ساتھ سمندر میں ڈوب رہی ہو اور مچھلیاں اس کی لاش کھا رہی ہوں۔"

تھامس نے چونک کر کپتان کی طرف دیکھا۔ کپتان سر ہلا کر بولا۔

"یقین کرو اگر تم نے مجھے یہ نہ بتایا کہ امریکی آبدوز اٹلس نے تم لوگوں کو کس جگہ سمندر میں اتارا تھا تو میں تمہاری بیوی کو تمہارے سامنے گولی مار کر سمندر میں پھینک دوں گا۔"

ایملی نے کہا۔

"ہمیں کسی آبدوز کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ ہم نے پہلی بار آبدوز اٹلس کا نام تمہاری زبان سے سنا ہے۔"

کپتان نے گھوم کر بڑے زور کا طمانچہ ایملی کے گال پر مارا۔ ایملی کی چیخ نکل گئی۔ اور ہونٹوں کے کنارے سے خون کے قطرے بہنے لگے۔ تھامس اٹھنے لگا مگر کپتان نے دھکا دے کر اسے کرسی پر گرا دیا۔ کپتان نے پستول نکال کر تھامس کی طرف کر دی۔

"ہم زبان کھولنا جانتے ہیں۔ میں تم لوگوں کو صرف

نہیں تھی بلکہ مڑ کر جنوبی اور شمال مغرب کی طرف زمین چل رہی تھی۔ جب آبدوز روانہ ہو گئی تو کپتان نے جہاز کو پیچھے کا حکم دیا۔ جہاز چل پڑا اور کافی پیچھے رہ کر آبدوز کا پیچھا شروع کر دیا۔ جہاز کے راڈار پر سے آبدوز کے چھپے سگنل کو اوجھل نہیں ہونے دیا جا رہا تھا۔ نیچے کیبن میں بھی ایملی، تھامس اور عنبر کو معلوم ہو گیا تھا کہ کسی آبدوز کا کھوج مل گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"خدا جانے یہ کونسی آبدوز ہے؟"

تھامس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے ہماری جان بچ گئی۔"

ایملی نے تو ہاتھ باندھ کر، آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔

عنبر نے کہا۔

"ویسے یہ ایک اتفاق ہوا ہے۔ لیکن بڑا دلچسپ اتفاق ہوا ہے کہ عین اسی مقام پر جہاں ہم [illegible] ایک آبدوز سفر کر رہی ہے۔ پتہ نہیں یہ آبدوز جاپانی ہے یا امریکی یا جرمن آبدوز ہے۔"

جہاز کا کپتان اس بات کی برابر کھوج لگا رہا تھا کہ آبدوز کس ملک سے تعلق رکھتی ہے۔ آخر اس کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک خاص کوڈ کی زبان میں سمندر کے نیچے ایک

سگنل بھیجا۔ اس کوڈ کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسے جرمن آبدوز والوں کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اگر جرمن آبدوز ہے تو وہ اسی زبان میں واپس سگنل بھیج کر دے گی کہ ہم دوست ہیں۔ اور اگر کسی دشمن ملک کی آبدوز ہوئی تو یہ سگنل اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

سگنل تیزی سے سمندر کے نیچے جاکر آبدوز کے سن ٹکرایا۔

یہ ایک امریکی آبدوز تھی۔ مگر اس کا نام الفس نہیں تھا اس کا نام امیکانو تھا۔ انجینئر نے سگنل سن کر کپتان کو بلایا۔

"سر! ابھی ابھی میرے ریڈار پر ایک سگنل ملا ہے۔"

آبدوز کے امریکی کپتان نے جھک کر ریڈار کو دیکھا اور کان وائرلیس کے سگنل پر لگا دیئے۔ یہ سگنل چار سیکنڈ تک سنائی دیا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ امریکی کپتان نے حکم دیا کہ سگنل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ مگر وہ کسی ایسے کوڈ میں تھا کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل تھا۔ امریکی کپتان نے اپنے ریڈار کا رخ اس کی طرف کر دیا جس طرف سے سگنل کی لہر آئی تھی اس نے کہا۔

"کوئی جہاز سمندر میں ہے۔ اگر یہ اپنا جہاز ہوتا تو ہماری زبان میں سگنل دیتا۔ ضرور یہ دشمن کا

جہاز ہے۔"

ریڈار کا رخ دوسری طرف کر کے سگنل بھیجے گئے۔ سگنل نے سمندر کے اوپر سے واپس آ کر ریڈار پر ٹھیک جرمن جہاز کے نقطے کو ظاہر کر دیا۔ امریکی کپتان نے حکم دیا۔

"انجن بند کر دیئے جائیں۔"

آبدوز کے سارے انجن بند کر دیئے گئے تاکہ اوپر والے دشمن کے جہاز کو آبدوز کا پتہ نہ چل سکے۔ اوپر جرمن جہاز کا کپتان بھی ریڈار پر جھکا ہوا تھا — جب اس کے سگنل کے جواب میں نیچے والی آبدوز نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ سمجھ گیا کہ آبدوز دشمن کی ہے اور وہ بھی اسے غرق کرنے کی کوشش کرے گی۔

اب جرمن تباہ کن جہاز سواستیکا اور امریکی آبدوز امیکانو کی خاموش جنگ شروع ہو چکی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے دوسرے کو تارپیڈو مار کر تباہ کرتا ہے۔ جرمن جہاز والوں نے آبدوز کی سمت مقرر کر کے سمندر میں گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ گولے سمندر میں کافی نیچے جا کر پھٹتے تھے۔ گولوں کے پھٹنے سے سمندر میں پانی کئی فٹ اوپر اچھلتا اور نیچے طوفان مچا دیتا۔ امریکی آبدوز سمندر کی تہہ کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔ اس کے سارے انجن بند تھے تاکہ انجنوں کی معمولی سی آواز بھی جرمن جہاز تک نہ پہنچ سکے۔ دونوں

کو بھی خاموش رہنے کا حکم مل گیا تھا۔ امریکی کپتان خاموش بیٹھا بموں کے دھماکے سن رہا تھا۔ بم ان کی آبدوز سے فاصلے پر پھٹ رہے تھے۔

جرمن جہاز نے جب دیکھا کہ بمباری کا کوئی نتیجہ نہیں رہا تو گولہ باری بند کر دی گئی۔ گولہ باری بند ہوئی تو امریکی کے کپتان نے خاموش اشارے سے حکم دیا کہ بغیر انجنوں کے پمپ چلا دیئے جائیں اور پانی کے دباؤ کی مدد سے آبدوز کو ایک خاص زاویے پر سے چلانے کی کوشش کی جائے جرمن جہاز کی گولہ باری سے امریکی کپتان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جہاز کس جگہ پر ہے۔ آبدوز سے پمپ چلا دیئے گئے پانی کے دباؤ سے آبدوز نے ایک خاص سمت کو اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ مگر انجنوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی

کچھ دیر بعد آبدوز کا ایک انجن چلا دیا گیا۔

آبدوز نے اوپر اٹھنا اور بائیں جانب آگے بڑھنا شروع کر دیا امریکی کپتان نے پیری سکوپ یعنی آبدوز کی دوربین کو سمندر سے باہر نکال کر دیکھا۔ یہ ایک خطرناک بات بھی تھی۔ کیونکہ جرمن تباہ کن جہاز اسے دیکھ سکتا تھا۔ امریکی کپتان نے ذرا فاصلے پر جرمن جہاز کو دیکھ لیا۔ مگر وہ ایسے زاویے پر چل رہا تھا کہ اس پر تارپیڈو کا گولہ اثر نہیں کر سکتا تھا۔ امریکی

آبدوز کے کپتان نے آبدوز کو جہاز کے نیچے سے نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس میں خطرہ تھا۔ کیونکہ آبدوز کے انجنوں کی آواز سے جرمن جہاز کو پتا چل سکتا تھا اور وہ گولے پھینک کر آبدوز کو تباہ کر سکتا تھا۔

اس خطرے کو مول لے کر امریکی کپتان آہستہ آہستہ آبدوز کو جرمن جہاز کے پہلو میں لے آیا۔ اب اس نے دوربین سے دیکھا تو جہاز کا پیندا بالکل سامنے تھا۔ یعنی جرمن جہاز بالکل ٹھیک نشانے میں تھا۔ اب دیر کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ امریکی کپتان نے بڑی تیزی سے کہا۔

"نشانہ ستر ڈگری شمال مغرب"

تارپیڈو پھینکنے والے نے نشانے کی سمت مقرر کر دی۔

"ریڈی!"

"یس سر"

"ٹارگٹ ستر ڈگری شمال مغرب"

"یس سر"

"سٹینڈ بائی"

"فائر" امریکی کپتان نے چیخ کر کہا۔

تارپیڈو پھینکنے والے نے سرخ بٹن دبا دیا۔ شاں کی آواز کے ساتھ آبدوز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور ایک خوفناک دھماکے

سے چھٹنے والا تارپیڈو یعنی لمبا بم آبدوز کے سوراخ میں سے نکل کر جرمن جہاز کی طرف بڑی تیزی سے روانہ ہو گیا۔ اگرچہ یہ بم پانی کے نیچے جا رہا تھا۔ مگر سمندر کی سطح پر اس کی ایک ہلکی سی سفید لکیر بنتی جا رہی تھی۔

جرمن تباہ کن جہاز کا کپتان عرشے پر کھڑا تھا کہ اچانک اس نے ایک سفید لکیر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ چلا اٹھا۔

"جہاز کا رخ موڑو۔ تارپیڈو!"

سارے جہاز پر کھلبلی مچ گئی۔ جہاز کو موڑنے کی بھرپور کوشش شروع ہو گئی۔ مگر اتنے بڑے جہاز کو ایک دم سے موڑنا آسان نہیں [illegible] تارپیڈو بڑی تیزی سے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ [illegible] کپتان نے آبدوز سے دوسرا بم بھی چلا دیا تھا اور وہ بھی [illegible] چھوٹا پہلے کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ جرمن جہاز کا کپتان [illegible] بھاگ کر آ [illegible] تھا۔ یہ سب کچھ چند ایک سیکنڈ میں ہو گیا۔ آبدوز کا تارپیڈو ایک دھماکے سے جہاز کے پیندے سے ٹکرایا۔ [illegible] جہاز کانپ اٹھا۔ جہاز میں تارپیڈو نے سوراخ کر دیا اور اندر گھس گیا۔ اندر جا کر وہ ایک اور دھماکے سے پھٹ گیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا تارپیڈو بھی جہاز سے ٹکرایا اور

پھٹ گیا۔

جہاز کے انجن روم میں آگ لگ گئی۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ ڈوبنے لگا۔ عنبر، تھامس اور ایملی اپنے کیبن سے اچھل کر دور جا پڑے۔ جہاز ڈوب رہا تھا۔ جرمن ملاح کشتیوں اور تختوں پر بیٹھے سمندر میں جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کپتان بھی ایک تختے پر سوار تھا۔ عنبر اور تھامس وغیرہ بھی ایک تختے پر جا بیٹھے اور جہاز سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ کیونکہ جہاز ڈوب رہا تھا۔ جس وقت وہ ڈوبتا تو سمندر میں شدید لہریں ابھرنے والی تھیں۔ دوسری طرف سمندر میں سے کچھ فاصلے پر امریکی آبدوز نے سر باہر نکالا۔ امریکی آبدوز کا کپتان اور دوسرے ملاح آبدوز کے عرشے پر آ گئے۔ انہوں نے اوپر ایک چھوٹی توپ اور مشین گن لگا دی اور جرمن ملاحوں پر گولہ باری اور مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ دیکھتے دیکھتے ایک گولہ اس تختے پر گرا جس پر کپتان بیٹھا تھا۔ کپتان اور دوسرے ملاحوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔

گولیاں برس رہی تھیں۔ جرمن ملاح مر رہے تھے۔ کل یہ لوگوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔ آج ان پر گولیاں برس رہی تھیں۔ عنبر اور تھامس نے ایملی کو تختے پر لٹا دیا تھا اور خود تختے کو کھینچتے ہوئے آبدوز کی طرف لے جا رہا تھا۔ تھامس

نے قمیص اتار کر ہوا میں لہرانی شروع کر دی تھی۔ عنبر نے کہا

"اسے بتانے کی کوشش کرو کہ ہم دوست ہیں"

کیسے سمجھاؤں؟"

تھامس بار بار قمیص لہرا رہا تھا۔ امریکی آبدوز کے کپتان نے جب ایک آدمی کو قمیص لہراتے اور تختے پر آگے بڑھتے دیکھا تو اس نے گولی بند کرنے کا حکم دیا۔ تختہ آبدوز کے قریب آگیا تو تھامس نے چلا کر کہا۔

"ہم امریکی جنگی قیدی ہیں"

اتنا کہنا تھا کہ امریکی کپتان نے نیچے ایک تختہ سمندر میں اتار دیا۔ عنبر، ایلی اور تھامس تختے پر بیٹھ گئے۔ تختہ انہیں اوپر آبدوز پر لے آیا۔ امریکی کپتان نے انہیں غور سے ایک ایک کر کے دیکھا اور حکم دیا۔

"انہیں نیچے لے جا کر کیبن میں بند کر دو"

عنبر، ایلی اور تھامس کو نیچے کیبن میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ امریکی کپتان ابھی تک آبدوز کے عرشے پر کھڑا جرمن جہاز کے ڈوبنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب جہاز سمندر کی تہہ میں چلا گیا تو اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور سیٹی بجا کر حکم دیا۔

"آبدوز سمندر میں اتار دو"

سائرن کی آوازیں آئیں۔ سارے ملاح نیچے آبدوز کے اندر آگئے اور آبدوز نے سمندر میں ڈوبنا شروع کر دیا۔ کافی نیچے سمندر میں جا کر آبدوز رک گئی اور اس نے آگے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔ امریکی آبدوز کا کپتان اپنی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جرمن تباہ کن جہاز نے ڈوبتے ڈوبتے سمندر میں دور اپنے ایک جنگی جہاز کو سگنل دے دیا تھا کہ فلاں جگہ فلاں مقام پر اس پر امریکی آبدوز نے حملہ کر دیا ہے۔ اس سگنل کو جرمن جنگی جہاز نے وصول کر لیا تھا اور اب امریکی آبدوز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آبدوز کا کپتان اس کام سے فارغ ہو کر عنبر وغیرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ان تینوں کو اپنے کیبن میں بلایا اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔ تھامس اور اس کی بیوی کا رنگ گورا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ امریکی ہوں مگر عنبر کا رنگ گندمی تھا۔ کپتان نے اس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں مصر میں پیدا ہوا تھا مگر ساری زندگی [illegible] سفر میں گزاری ہے۔ میں سنگاپور میں کاروبار کرتا تھا۔ ایک جہاز پر واپس قاہرہ جا رہا تھا کہ جرمن جہاز [illegible]

کر لیا"

امریکی کپتان نے سر جھکا لیا۔ وہ کچھ غور کرتا تھا۔ پھر سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور پوچھا۔

"تم انگریزی بڑے خالص امریکی لہجے میں کیسے بول لیتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"ان لوگوں کے ساتھ رہتے رہتے عادت پڑ گئی ہے۔ ویسے بھی میں دنیا کی ہر زبان کے لہجے کی نقل کر سکتا ہوں"

کپتان ہنسا۔

"ٹھیک . . . امید ہے اگر تم جرمن فوج کے [illegible] ہو گے تو یہاں شرارت کرنے کی کوشش نہیں کرو گے کیونکہ یہاں شرارت کا مطلب ہوگا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہلاک ہو جاؤ گے"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں جناب! میں آپ کا وفادار ساتھی ثابت ہوں گا۔ میں دشمن کا ایجنٹ ہرگز نہیں ہوں۔ اگر ایجنٹ ہوتا تو ان دونوں کو جاپانیوں کی قید سے نہ نکال لاتا"

"ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو"

ادھر جرمن جنگی جہاز نے ایک خاص جگہ رک کر دو بمبار ہوائی جہاز اڑا دیئے تاکہ وہ جرمن آبدوز کو تلاش کر کے اسے تباہ کریں۔ دونوں جہاز دو دو بم لاد کر آسمان پر اڑ گئے۔ وہ سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں ان کے اندازے کے مطابق امریکی آبدوز کو ہونا چاہیے۔ ویسے ان کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ سمندر میں جس مقام پر پہنچ کر جرمن بمبار جہازوں نے پہلے دو بم گرائے ٹھیک اس کے نیچے امریکی آبدوز سفر کر رہی تھی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ وہ سمندر میں کافی نیچے تھی لہٰذا بموں کی زد سے باہر تھی۔

دونوں بم باری باری آبدوز سے کافی بلندی پر سمندر میں پھٹے تو آبدوز جھکولے کھانے لگی۔ کیوں کہ بموں کے پھٹنے سے سمندر میں طوفان سا آ گیا تھا۔ آبدوز کا کپتان بھاگ کر کیبن سے باہر آیا۔ اس نے آبدوز کی رفتار تیز کرا دی اور اسے اور زیادہ گہرائی میں اتار لیا۔ جرمن جہازوں نے چاروں بم پھینک دیئے تھے۔ اب وہ سمندر کے اوپر چکر لگا کر اندازہ لگا رہے تھے کہ آبدوز پھٹی ہے کہ نہیں۔ اگر آبدوز تباہ ہو جاتی تو اس کا تیل سمندر کے اوپر آ جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا۔ سمندر کی سطح پر آبدوز کا تیل نہ

پھیلنے لگا۔ مطلب یہ تھا کہ آبدوز ابھی زندہ ہے۔

ہوائی جہازوں کے پائلٹ ایک بار پھر واپس گئے اور بم لے کر دوبارہ آ گئے اور دھڑا دھڑ گرانے شروع کر دیئے۔ ان بموں سے بھی آبدوز کا کوئی نقصان نہ ہو سکا۔

جہاز واپس چلے گئے۔ انہوں نے رپورٹ دی کہ آبدوز غرق نہیں کی جا سکی۔ انہیں دوبارہ زیادہ بم دے کر واپس بھیجا گیا۔ یہ بم بھی انہوں نے باری باری سمندر میں پھینک دیئے۔ مگر آبدوز وہاں سے کافی آگے نکل گئی تھی۔

امریکی کپتان آبدوز کو بچا کر لے گیا تھا۔

یہ آبدوز سمندر میں سفر کرتی رہتی اور دشمن کے بحری جہازوں کو تلاش کر کے تباہ کرتی رہتی۔ آخر ایک جگہ سمندر سے باہر نکلی۔ سامنے ایک امریکی تیل بردار جہاز تھا۔ [illegible] سے آبدوز نے تیل لینا تھا۔ امریکی کپتان نے [illegible] کو کرکری جہاز کے حوالے کر دیا۔ یہ سمجھ کر وہ [illegible] امریکی [illegible] لے جانے [illegible] کیا تھا۔ وہ [illegible] قیدی کو [illegible] رکھ کر پہنچا دے گا۔ [illegible] اور ایک بڑی گڑبڑ [illegible] شروع ہو گئی۔ امریکی تیل بردار جہاز پر سوار ہو گئے۔ [illegible] نہیں جا [illegible] تھا۔ وہ [illegible] جانا چاہتا تھا [illegible] جہاز [illegible] [illegible] ساتھ [illegible]

میں جانا تھا جہاں اس کا مشن جاپانی بحری [illegible] کو تباہ کرنا تھا۔

آبدوز سمندر سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ ایک پائلٹ امریکی جہاز سے نکل کر آبدوز کے ٹینک میں تیل ڈال رہا تھا۔ جبکہ امریکی آبدوز کا کپتان آبدوز کے عرشے پر کھڑے تھے۔ سامنے امریکی تیل بردار جہاز کا کپتان بھی کھڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے زور زور اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں دور سے کسی ہوائی جہاز کی گونج سنائی دی۔ یہ دشمن کا جہاز تھا۔ اس سے بڑا خطرہ آبدوز کے لئے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ کپتان نے چلا کر حکم دیا کہ آبدوز نیچے لے جائی جائے۔

سونے کی مصیبت

اس وقت تیل کا پائپ کھینچ لیا گیا۔

اس کی وجہ سے سمندر کے اوپر کافی تیل پھیل گیا جو بڑی خطرناک بات تھی۔ کیونکہ دشمن کا ہوائی جہاز اوپر سے یہ تیل کا دھبہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ اسی جگہ آبدوز سمندر میں اتری ہے۔ وہ اردگرد کے علاقے پر بم برسا کر قیامت برپا کر سکتا تھا۔ تیل بردار جہاز نے پائپ کو سمیٹا اور بڑی تیز رفتاری سے جنوب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ آبدوز بھی سمندر میں اترنے لگی۔ مگر دشمن کا ہوائی جہاز سر پر آ پہنچا۔ اب آبدوز کا سمندر میں اترنا خطرناک تھا۔ کیونکہ سمندر کے اندر آبدوز بچ سکتی تھی اور سمندر کے اوپر رہ کر وہ کم از کم ہوائی جہاز پر گولیاں ضرور برسا سکتی تھی۔

دشمن کے جہاز نے غوطہ لگایا اور آبدوز پر بم گرا دیا۔ بم آبدوز کے بالکل قریب گرا اور ۱۰۰ [illegible] کر [illegible] ہوگئی۔

دوسرا بم آبدوز کی دم پر گرا۔ دھماکہ ہوا اور آبدوز کی دم کٹ گئی اور آبدوز نے ڈوبنا شروع کر دیا۔ تیسرا بم آبدوز کے اوپر گرا۔ جس سے آبدوز کے پرخچے اڑ گئے۔ عنبر اور کپتان نے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔ اتنے میں چار جرمن جہاز اور آ گئے۔ انہوں نے تیل بردار جہاز پر بمباری شروع کر دی۔ اس جہاز کے ملاحوں کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ وہ سمندر میں چھلانگیں لگا سکتے۔ اوپر سے جا نہ سکتے۔ بم سیدھے بحری جہاز کے اوپر آ کر گھسے۔ پھٹے اور تیل کو آگ لگ گئی۔ سارے کا سارا جہاز بم بن کر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹا اور آگ کا گولہ بن کر سمندر میں غرق ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں سمندر کی سطح پر نہ کوئی آبدوز تھی اور نہ تیل بردار جہاز۔ کوئی ایسی کشتی یا تختہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس پر کوئی ملاح بیٹھا ہوا ہو۔ صرف ایک چھوٹی سی ربڑ کی کشتی تھی جس پر عنبر اور آبدوز کا کپتان جان بچا کر چھپے بیٹھے تھے اور کشتی لہروں پر ڈولتی ایک طرف بڑھی جا رہی تھی۔ جرمن بمباروں نے شاید اس کشتی کو نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ اگر ان کی نظر پڑ جاتی تو وہ گولیاں برسا کر انہیں ضرور ختم کر دیتے۔ جرمن جہاز اپنا کام پورا کر کے واپس

بچ گئے تھے۔ وہاں سمندر پر اب صرف عنبر اور کپتان رہ گئے تھے۔

بیچاروں کا [illegible] ہوا تھا۔ انہیں جان بچانے کے لیے سمندر میں عجلت سے چھلانگ لگانی پڑ گئی تھی۔ بڑی کشتی جو جنگلے کے ساتھ لگی ہوئی تھی جسے چھلانگ لگانے سے پہلے کپتان نے کھینچ کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اس کی انہیں خاص مشق کرائی گئی تھی۔ اس کشتی میں چند ایک چھوٹے ٹین کے گول ڈبے تھے۔ ان ڈبوں میں ایک ہفتے کی دو آدمیوں کے لیے خوراک موجود تھی۔ یعنی بسکٹ، ابلی ہوئی مچھلی اور پانی۔ یہ خوراک اتنی تھی کہ اگر ایک آدمی چاہے تو اسے دو دن میں ختم کر سکتا تھا۔ لیکن ہنگامی حالت میں اس پر دو آدمی زیادہ سے زیادہ سات دن تک بسر کر سکتے تھے۔ ابھی تک کپتان کو عنبر کی غیبی طاقت کا بالکل علم نہیں تھا۔ وہ اسے ایک عام مصری آدمی سمجھتا تھا اور کسی وقت اسے یہ بھی خیال آتا تھا کہ یہ کیا مصیبت اس کے ساتھ لگ گئی ہے

ان کی کشتی سمندر میں بہی جا رہی تھی۔

کپتان نے جیب سے کمپاس نکال کر اندازہ لگایا کہ وہ شمال مغرب کی طرف نہیں بلکہ مغرب کی طرف

جا رہا ہے۔ چونکہ ان کے پاس چپو نہیں تھے اس لئے وہ سمندر کی لہروں کے رحم و کرم پر ہی تھے۔ جدھر سمندر کی لہریں کشتی کو بہا کر لے جاتیں ادھر کو وہ بہنے پر مجبور تھے۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا اس طرف کوئی جزیرہ وغیرہ موجود ہے کپتان؟"

کپتان نے کہا۔

"اس علاقے میں بہت سے جزیرے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ان جزیروں میں یا تو آدم خور رہتے ہیں اور یا جاپانیوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"پھر تو بڑی پریشانی ہے۔ ہم کس قسم کے جزیرے پر اترنا پسند کریں گے؟"

کپتان بولا۔

"میں آدم خوروں کا نوالہ نہیں بننا چاہتا۔ اگر جاپانی جزیرے پر جا اترے تو گرفتار ہو جائیں گے۔ امید تو ہوگی کہ بچ جائیں گے۔ مگر آدم خور تو ہمیں کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ہڑپ کر جائیں گے۔"

عنبر کہنے لگا

"یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے [illegible] بات مگر

ہمیں کس قسم کے جزیرے پر پھینک دیتی ہے"

کپتان نے جھنجھلا کر کہا۔

"کم بخت میں اپنا پستول بھی نہیں اٹھا سکا۔"

عنبر نے کہا۔

"حملہ بڑا اچانک تھا"

کپتان افسوس کے ساتھ بولا۔

"افسوس! میری آبدوز کا سارا عملہ آبدوز کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔ میں ان میں سے کسی ایک کی بھی جان نہ بچا سکا کاش! میں یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہتا"

عنبر نے اسے تسلی دی۔

"کپتان! تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے آبدوز کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا"

کشتی کو سمندر میں سفر کرتے دو روز ہو گئے تھے۔ وہ بڑی عقل مندی سے خوراک استعمال کر رہے تھے۔ کپتان کا اندازہ تھا کہ اگر کشتی کی یہی رفتار رہی تو وہ چار روز کے بعد زمین کے ساتھ جا لگیں گے۔ عنبر نے پوچھا۔

"اگر ہم جاپانیوں کی قید میں چلے گئے تو کیا وہاں

سے فرار ہونے کا کوئی راستہ ہوگا؟"

"فرار ہونے سے کیا فائدہ ہوگا۔ پھر اس طرح سمندر میں بے یارو مددگار سفر کرنا ہوگا۔ میں تو باقی ساری زندگی قید میں کاٹ دوں گا۔ ہاں اگر انہوں نے مار دیا تو بھی بہتر ہوگا۔ اس دکھ سے نجات مل جائے گی"

وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ کشتی بہی جا رہی تھی۔ دوپہر گزر چکی تھی۔ سورج سمندر میں غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک شارک مچھلی نمودار ہوئی۔ اس نے اپنی لمبی آری ایسی تھوتھنی نکال کر عنبر کو دیکھا اور کشتی پر حملہ کر دیا۔

کپتان نے گھبرا کر کہا۔

"اگر اس نے ربڑ کی کشتی پھاڑ دی تو ہم سمندر میں غرق ہو جائیں گے۔ یہ کشتی ہمارا آخری سہارا ہے عنبر! خدا کے لئے اسے بچاؤ اور شارک کو ہلاک کر دو"

عنبر کشتی میں جھک کر شارک کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ شارک ذرا آگے جا کر خطرناک ہو کر واپس مڑی وہ بڑی تیزی سے واپس آ رہی تھی۔ وہ اپنی آری نما تھوتھنی سے کشتی کو پھاڑ کر سمندر میں ڈبو دینا چاہتی تھی۔ کپتان کا رنگ فق ہو گیا۔

اسے موت اپنے سامنے سمندر میں کھڑی نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ اگر کشتی ڈوب جاتی ہے تو ان دونوں کو بیکراں سمندر موت سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عنبر بالکل تیار ہو گیا۔ کپتان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی انسان کیسے سمندر میں خونخوار شارک کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

جونہی شارک کشتی کے قریب پہنچی تو عنبر نے آگے بڑھ کر اسے تھوتھنی سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور اسے ہوا میں دو تین بار لہرا کر زور سے سمندر میں پھینک دیا۔ شارک کی تھوتھنی ٹوٹ کر عنبر کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ اور شارک خون میں نہا کر سمندر میں ڈوب چکی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر امریکی کپتان تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک عام نوجوان کبھی اتنی بڑی شارک کو اٹھا کر پھینک سکتا ہے۔ اس نے عنبر کے بازوؤں اور ہاتھوں کو ٹٹول کر دیکھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیا کیسے ہو سکتا ہے۔" عنبر نے پوچھا۔

کپتان بولا۔

[illegible]

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسا ہو جایا کرتا ہے۔"

اس وقت آسمان پر کالے کالے بادل آنا شروع ہو گئے۔ ہوا چلنے لگی۔ کپتان نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"شاید طوفان آ رہا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"بارش کا پانی ہمیں جمع کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ابھی ہمیں کچھ روز اور سمندر میں سفر کرنا پڑے۔ ہمارا خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے۔"

کپتان خاموش رہا اور آسمان کو تکتا رہا۔ بادل گھر گھر کر آ رہے تھے۔ گھنگھور گھٹا تھی جو آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی۔ پھر بادلوں میں بجلی چمکنے لگی۔ بجلی کڑک کڑک کر سنائی دینے لگی۔ یہ بارش طوفان میں بھی بدل سکتی تھی۔ عنبر نے پوچھا۔

"ان سمندروں کے طوفانوں کے بارے میں تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے کپتان؟"

کپتان نے کہا۔

"میں نے زیادہ تر زندگی سمندر کے نیچے سفر کرتے ہوئے گزاری ہے۔ پھر بھی میرا تجربہ کہتا

سب ہے کہ اس سمندر میں بڑے خوفناک طوفان آیا کرتے ہیں"

"بہرحال اب ہمیں یہ طوفان برداشت کرنا ہوگا"

شام تک بارش شروع ہو گئی اور ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ سمندر کی بڑی بڑی لہریں اٹھ کر کشتی کو ادھر ادھر پھینکنے لگیں۔ کپتان اور عنبر کشتی کے ساتھ چپٹ گئے تھے۔ طوفان نے انہیں بے حال کر دیا تھا۔ ہوائیں چیخ رہی تھیں۔ ساری رات طوفان جاری رہا۔ صبح کی روشنی ہوئی تو طوفان غائب تھا۔ کپتان کا بُرا حال تھا۔ عنبر ویسے ہی ہوشیار تھا۔

"کم بخت طوفان نے بُرا حال کر دیا" کپتان نے سر اٹھا کر کہا۔

اس نے ۔ اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک سیاہ لکیر نظر آ رہی تھی۔

"زمین"

عنبر نے بھی وہ لکیر دیکھی۔ ضرور کوئی جزیرہ تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ جزیرہ کیسا تھا؟ وہاں کون لوگ آباد تھے۔ جاپانی یا آدم خور؟ کشتی کو سمندر کی لہریں جزیرے کی طرف بڑی تیزی سے بہائے لئے جا رہی تھیں۔ دوپہر کے بعد ان کی کشتی جزیرے کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ یہ جزیرہ بھی ویسا ہی تھا

جیسا کہ اس علاقے میں جزیرے ہوا کرتے ہیں کنارے کنارے ریت تھی۔ ذرا آگے جا کر درختوں کے جھنڈ شروع ہوتے تھے۔ جو جنگل میں جا کر گھل مل گئے تھے۔ وہ کچھ دیر ریت پر لیٹے آرام کرتے رہے۔ عنبر کی صحت ویسی ہی تھی مگر امریکی کپتان کمزور ہو گیا تھا۔

وہ کافی دیر ریت پر لیٹا رہا۔ پھر اٹھ کر بولا۔

"ناریل کھانے چاہییں"

عنبر جلدی سے جا کر کچھ ناریل توڑ کر لے آیا۔ کپتان نے ناریل کھا کر ان کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا تو اسے کچھ ہوش آیا۔ اب انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے کہ نہیں۔ عنبر نے کہا۔

"ہمیں کسی جگہ چھپ کر جگہ بنانی چاہیے تاکہ اگر اس جزیرے پر آدم خور یا جاپانی آباد ہوں تو ان سے بچا جا سکے"

"ٹھیک خیال ہے"

انہوں نے کنارے کے سامنے ہی جنگل میں پتے اور جھاڑیاں ڈال کر پوشیدہ جگہ بنا لی۔ کچھ دیر وہاں آرام کیا اور پھر سوچا کہ جزیرے کا چکر لگا کر دیکھنا چاہیے کہ یہاں کوئی آباد بھی ہے کہ نہیں۔ دونوں جزیرے کے کنارے کنارے روانہ

ہو گئے۔ جزیرہ چھوٹا سا تھا۔ بہت جلد انہوں نے جزیرے کا چکر لگا لیا۔ جنگل میں بھی گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں آبادی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"یہ جزیرہ تو بالکل ہی ویران ہے" کپتان نے کہا۔

عنبر بولا۔

"عجیب کی بات ہے۔ اتنا سرسبز اور ناریل کے درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ کبھی ویران نہیں ہوا کرتا۔ ویران جزیرے تو وہ ہوتے ہیں جہاں سوائے ریتیلی چٹانوں کے کچھ نہیں ہوتا"

کپتان بولا۔

"ایسے جزیرے اس علاقے میں بہت ہیں۔ انسان آخر کہاں کہاں آباد ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں ہم کب تک پڑے رہیں گے؟ ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ کاش چھوٹا وائرلیس سیٹ ہی میرے پاس ہوتا۔ میں اپنے بحری جہازوں سے ملاپ کر کے انہیں اپنی مدد کے لئے بلا سکتا تھا"

عنبر مسکرایا۔

"کپتان! تم بڑے دلچسپ آدمی ہو۔ بہرحال ہم کوشش کریں گے کہ یہاں سے نکل سکیں۔ ابھی ہمیں

آرام کی ضرورت ہے۔"

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے۔ یہاں کوئی نہ کوئی لوگ ضرور رہتے ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت وہ لوگ یہاں نہیں ہیں"

"تو پھر کہاں چلے گئے ہیں وہ لوگ؟"

عنبر نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہاں سے آگے کچھ فاصلے پر کوئی دوسرا جزیرہ ہو اور یہاں کے لوگ وہاں چلے گئے ہوں"

کپتان بولا۔

"لیکن ان لوگوں کی جھونپڑیاں وغیرہ تو یہاں ہونی چاہییں تھیں۔ کیا وہ لوگ جھونپڑیاں بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں؟"

عنبر خاموش رہا۔ شام ہو گئی تھی۔ انہوں نے جنگل میں گھوم پھر کر کچھ پھل تلاش کر لئے جو میٹھے تھے اور لذیذ بھی۔ پانی وہ ناریل کو توڑ کر حاصل کر لیتے تھے۔ رات کو وہ سو گئے۔ دن چڑھا تو انہیں بحری جہاز کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ کپتان چونک کر اٹھا اور بولا۔

"بحری جہاز آ رہا ہے"

عنبر نے کہا۔

"گھبرانا نہیں ہے بھائی۔ کیا خبر یہ دشمن کا جہاز ہو"

دونوں اپنی کمین گاہ سے نکل کر چھپتے چھپتے جھاڑیوں کے عقب میں آ گئے اور پتے ہٹا کر سامنے سمندر کی طرف تکنے لگے۔ وہ حیران رہ گئے۔ سمندر میں ساحل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چھوٹا سا جنگی جہاز کھڑا تھا جس پر جاپان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

"یہ تو جاپانی ہیں!"

کپتان نے سہم کر کہا۔

"بدبخت! یہ کہاں آ گئے۔ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"

عنبر نے کہا۔

"حوصلہ رکھو کپتان! آپ تو کہتے تھے کہ میں جاپانیوں کی قید میں جانا پسند کروں گا"

کپتان نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ کم بخت یہاں قید نہیں کریں گے۔ یہ ضرور گولی سے اڑا دیں گے"

"شش! وہ لوگ کشتی میں آ رہے ہیں"

ایک کشتی جہاز سے الگ ہو کر سمندر میں کنارے کی طرف ہی چلی آ رہی تھی۔ اس میں چار پانچ جاپانی سپاہی سوار تھے۔ ان

کے بیچ میں ایک لکڑی کا صندوق رکھا تھا۔ کپتان نے کہا۔

"یہ لوگ جزیرے پر قبضہ کرنے نہیں آ رہے۔ اگر قبضہ کرنے کا خیال ہوتا تو جہاز کی ساری فوج کشتیوں میں سوار ہو کر یہاں آتی۔ بلکہ پہلے اس جزیرے پر بمباری کی جاتی۔ معلوم ہوتا ہے یہ کسی خاص کام کے لئے یہاں آ رہے ہیں"

عنبر نے پوچھا۔

"کام؟ کیا خاص کام ہو سکتا ہے؟"

کپتان نے کہا۔

"خدا ہی جانے کیا ہو سکتا ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا"

عنبر نے کہا۔

"یہ کشتی میں صندوق کیسا لا رہے ہیں"

کشتی سمندر کے کنارے ریت پر آ کر رک گئی۔ جاپانی کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گئے۔ اب انہوں نے صندوق کو بھی ریت پر رکھ دیا۔ ایک جاپانی افسر باقی جاپانیوں کو حکم دے رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے جنگل کی ایک خاص سمت کو اشارہ کیا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔ اس کی آواز مدھم تھی ورنہ عنبر جاپانی سمجھ لیتا تھا۔ جاپانی سپاہیوں نے صندوق کندھوں پر اٹھایا اور جنگل میں داخل ہو گئے۔ کپتان بولا۔

یہ لوگ صرف اس صندوق کو کسی جگہ رکھنے آئے ہیں۔ ضرور اس صندوق میں کوئی خاص راز ہے جسے یہ لوگ اس گمنام جزیرے میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔"
عنبر نے کہا۔

"بہرحال ہمیں ان کے جانے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"
کافی دیر تک جاپانی جنگل میں رہے۔ پھر وہ باہر نکلتے دکھائی دیئے۔ وہ پسینے میں تر تھے۔ صاف لگتا تھا کہ انہوں نے زمین کھود کر صندوق کو دفن کیا ہے۔ وہ سمندر میں ٹھہری ہوئی کشتی میں آکر سوار ہوگئے اور کشتی نے جہاز کی طرف سفر شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں کشتی جہاز کے ساتھ جا لگی۔ اسے سواریوں سمیت اوپر جہاز پر اٹھا لیا گیا۔ اب جہاز نے آخری وسل دیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ جب تک جہاز نظر آتا رہا عنبر اور کپتان جھاڑیوں میں چھپے رہے۔ کیونکہ جہاز پر جاپانی دوربین سے ضرور دیکھ رہے ہوں گے کہ جزیرے پر کوئی شخص موجود تو نہیں ہے؟

جاپانی جہاز جب نظروں سے غائب ہوگیا تو عنبر اور کپتان لپک کر جھاڑیوں سے باہر نکلے اور ادھر کو چل دیئے جدھر جاپانی جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ چلتے چلتے وہ کافی آگے نکل آئے۔ کسی جگہ کوئی ایسے آثار نہیں کہ جگہ کھودی گئی ہو۔
کپتان نے کہا۔

یہ لوگ کھدی ہوئی جگہ کو جھاڑیوں سے بڑی اچھی طرح ڈھانپ گئے ہوں گے۔ ہمیں بڑی محنت سے جگہ تلاش کرنی ہوگی۔"

عنبر بولا۔

"بائیں طرف چلتے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ ادھر سے گئے تھے۔"

وہ جنگل میں بائیں طرف مڑ گئے۔ یہاں ایسے درختوں کی بھرمار تھی جن کی شاخیں لمبے لمبے کانٹوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اچانک ایک جگہ سے پھنکار کی آواز سنائی دی۔ کپتان نے ایک طرف اچھلتے ہوئے کہا۔

"سانپ!"

مگر اس کے اچھلتے اچھلتے جزیرے کے بے حد زہریلے
نے کپتان کی ٹانگ پر ڈس دیا تھا۔ کپتان پاؤں
عنبر نے سانپ کو تو کچھ نہیں کہا۔ مگر وہ
کپتان کا سانپ کے زہر سے برا حال ہونے
ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔
یاد کرایا ہوا منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ منتر کا
جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا وہ وہاں سے
ہو کر وہ بل کھاتا کپتان کی ٹانگ کے

عنبر نے منتر تیز کر دیا۔

سانپ نے جھک کر کپتان کی ٹانگ سے منہ لگایا اور زہر چوسنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے سارا زہر چوس لیا اور خاموشی سے عنبر کے آگے سر جھکا کر سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی کپتان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب اور زیادہ حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ شخص کس قسم کی طاقت رکھتا ہے۔ سمندر میں اس نے اتنی طاقتور شارک مچھلی کو اٹھا کر رکھ دیا اور اب سانپ کو مجبور کر دیا کہ وہ زہر کو واپس چوس لے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ عنبر نے کہا۔

" اس کی ضرورت نہیں۔ ابھی ہمیں جاپانیوں کا [illegible]ندوق تلاش کرنا ہے۔"

[illegible] صندوق کی تلاش پھر شروع کر دی۔ ایک جگہ جلد[illegible] عنبر کو تازہ کھدی ہوئی مٹی نظر آئی۔

[illegible]ن سے صندوق۔ مٹی تازہ ہے"

[illegible] گئے۔ انہوں نے ہاتھ سے گھاس پھوس [illegible] مٹی نکل آئی۔ انہوں نے مٹی کھودنا [illegible] مٹی کھودتے کھودتے وہ تھک گئے تھوڑی [illegible] دیر آرام [illegible] مٹی کی کھدائی پھر شروع کر دی۔

جب کافی مٹی کھد گئی تو نیچے سے وہی صندوق نکل آیا جو جاپانی کشتی میں رکھ کر بیٹھے ساتھ جزیرے پر لائے تھے۔ صندوق کافی وزنی تھا۔ کپتان نے کہا۔

" اسے باہر نکالنے کی بجائے اسی جگہ کھول کر دیکھا جائے کہ اس میں کیا ہے"

انہوں نے ڈھکن کھول کر الگ کر دیا تو نیچے صندوق میں ٹین کی گول گول چھ سات نالیاں رکھی تھیں۔ انہیں ہٹایا گیا تو اس کے نیچے سونے کی اینٹیں ایک دوسری کے اوپر سلیقے سے لگائی گئی تھیں۔ سونا دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

عنبر نے کہا۔

" جاپانی اپنا خزانہ یہاں چھپا کر رکھ گئے ہیں۔"

کپتان نے ٹین کی نالی کھول کر دیکھا۔ اندر سفید رنگ کا مومی کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ اسے کھولا گیا تو وہ کسی آبدوز کا نقشہ تھا۔ دوسری نالی میں کسی کارخانے کا نقشہ تھا۔ اس طرح باقی ساری نالیوں میں بھی اسی قسم کے خفیہ نقشے تھے۔

اب انہوں نے سونے کی اینٹوں کو پرکھنا شروع کیا۔

"خالص سونا ہے مسٹر عنبر"

عنبر نے ایک اینٹ اٹھا کر اسے ہاتھ میں لے کر پرکھا۔

جانچا۔ تولا اور مسکرا کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ خالص سونا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ لوگ اسے یہاں کیوں دفن کر گئے؟"

کپتان نے کہا۔

"کسی قریبی جزیرے پر انہوں نے یہ سونا رکھا ہوگا ضرور وہاں پر امریکی حملے کا خطرہ ہوگا۔ پس یہ لوگ اسے اٹھا کر یہاں لے آئے کہ یہاں محفوظ رہے گا۔"

"یہی خیال غالب لگتا ہے۔ مگر ہمارے لیۓ تو یہ سونا بے کار ہے کپتان! کاش اسکی جگہ ڈبل روٹیاں صندوق میں بھری ہوتیں"

کپتان کی آنکھوں میں دولت کی چمک آگئی تھی۔ اس نے اینٹ کو چھو کر کہا۔

"ڈبل روٹی کو لے کر کیا کرتے ہم۔ زیادہ سے زیادہ دو دن زندہ رہ سکتے تھے۔ مگر اتنا سونا تو ہم ساری زندگی میں کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم یہاں آ گئے۔"

عنبر نے کہا۔

"مگر ہم اس سونے کو کیا کریں گے؟"

کپتان نے کہا۔

"ہم اسے آدھا آدھا بانٹ لیں گے اور پھر اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں گے اور امریکہ جا کر کروڑ پتی بن کر زندگی بسر کریں گے۔ ہمارے بے شمار کارخانے ہوں گے۔ ہماری لمبی لمبی کاریں ہوں گی ہمارے بچے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر سکول پڑھنے جایا کریں گے"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"مگر کپتان صاحب! یہ سونے کی اینٹیں یہاں سے ہم لے جائیں گے کیسے؟"

کپتان نے کہا۔

"اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ سب سے پہلا کام تو ہمیں یہ کرنا ہے کہ اس خزانے کو یہاں سے نکال کر جزیرے میں کسی دوسری جگہ دفن کر دیں تاکہ بعد میں جب ہم یہاں سے جانے لگیں تو نکال کر لے جائیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کچھ روز بعد جاپانی یہاں آئیں اور اپنا خزانہ نکال کر لے جائیں۔ کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا۔

" اچھا خیال ہے۔ مگر میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔"

" وہ کیوں ؟"

" اس لیے کہ سونا مصیبت کی جڑ ہوتی ہے"

" تو کیا ہم اتنی دولت کو جاپانیوں کے حوالے کر دیں ؟"

عنبر بولا۔

" میرا خیال ہے ہمیں اس صندوق کو اسی جگہ رہنے دینا چاہیے۔"

" تم احمق ہو۔ قسمت نے ہمارے دن پھیرے ہیں تو ہم اتنے بیوقوف نہیں ہیں کہ دولت کو ٹھکرا دیں۔"

عنبر نے کہا۔

" میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جہاں دولت آئی وہاں تباہی بھی ساتھ ہی آتی ہے۔"

کپتان ہنس دیا۔

" تم بزدل ہو۔ تم سونا نہ لے جاؤ۔ مگر میں ہر حالت میں اسے یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کروں گا۔ بلکہ اپنی جان بھی لڑا دوں گا مگر اس سونے کی

کان کو جاپانیوں کے حوالے ہرگز ہرگز نہیں کروں گا"

عنبر سمجھ گیا کہ سونے کی چمک نے امریکی کپتان کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ وہ دولت کی ہوس میں آگیا ہے۔ اسے اس لالچ سے اب کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ کپتان نے سونے کی اینٹیں باہر نکالنی شروع کر دیں۔ عنبر نے منع کرتے ہوئے کہا۔

" ہمیں سونے کی اینٹیں الگ الگ نہیں کرنی چاہییں یہ صندوق ہی نکال کر لے جانا چاہیے"

" مگر صندوق بڑا وزنی ہے"

" تم ایک طرف ہٹ جاؤ"

کپتان پرے ہٹ گیا۔ عنبر نے دونوں ہاتھوں کا زور لگا کر صندوق کو بڑے آرام سے گڑھے میں سے باہر نکال لیا۔

" اب بتاؤ اسے کہاں لے جا کر رکھنا ہے ؟"

" سمندر کے کنارے جہاں ہم نے پناہ گاہ بنا رکھی ہے۔ میرا خیال ہے وہ جگہ ٹھیک رہے گی۔"

عنبر نے صندوق سر پر اٹھا لیا۔ جیسے وہ بڑا ہلکا پھلکا ہو۔ صندوق لے کر دونوں اس جگہ آگئے جہاں انہوں نے اپنی پناہ گاہ بنا رکھی تھی۔ یہاں انہوں نے زمین کھودنی شروع

کر دی۔ گڑھا کھود کر اس میں صندوق دفن کر کے اوپر ڈال کر گھاس اور پتے بکھیر دیئے۔ دوسرے روز آس پر بادل گھر آئے اور بارش ہونے لگی۔ کپتان نے ایک سے کچھ پودے اکھاڑے اور جہاں صندوق دفن کیا تھا وہاں بو دیئے۔

"دو ایک روز میں یہاں پودے اگ آئیں گے۔ پھر تو جاپانیوں کو کبھی خیال بھی نہیں آئے گا کہ یہاں زمین کھودی گئی ہے"

جزیرے پر رہتے ہوئے انہیں چھٹا روز گذر رہا تھا۔ نا اور جنگلی پھلوں پر ہی گذارہ ہو رہا تھا۔ کسی طرف سے کوئی جہاز نظر نہیں آیا تھا۔ آٹھویں روز دن چڑھے عن اور کپتان پھل کھا کر ناریل کا پانی پی رہے تھے کہ دُور سے جہاز کے بھونپو کی آواز آئی۔ وہ چونک پڑے۔ انہوں نے سمندر کی طرف دیکھا۔ ایک جہاز جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کوئی جہاز آ رہا ہے۔"

"خدا کرے امریکی جہاز ہو" کپتان نے کہا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

عنبر نے بعد سمندر میں غور سے دیکھا۔ جہاز بڑھ

تشویش سے بولا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ جاپانی جہاز ہے۔"

"اوہ نہیں نہیں۔" کپتان نے گھبرا کر کہا۔ لیکن حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ جہاز جاپانی ہی تھا اور سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ تھی کہ یہ وہی جاپانی جہاز تھا جو چھ سات روز پہلے جزیرے پر سونے کا صندوق دفن کر گیا تھا۔

"خدایا!" کپتان نے چلّا کر کہا۔ "یہ تو وہی جاپانی جہاز ہے"

"ہاں! وہی جہاز ہے۔ یہ کیا لینے آیا ہے یہاں؟"

عنبر بھی حیران ہو رہا تھا۔ کپتان کا تو پریشانی کے مارے برا حال تھا۔ مگر اس نے بہت جلد پریشانی پر قابو پالیا اور چھپ کر جہاز کو جزیرے کی طرف آتا دیکھنے لگا۔ عنبر بھی جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔ جہاز آہستہ آہستہ جزیرے سے کچھ دور آ کر سمندر میں رک گیا۔ وہاں لنگر ڈال دیا گیا۔ کیونکہ جزیرے کے ساحل پر پانی کم گہرا تھا۔ وہاں جہاز کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی دن کی طرح جہاز میں سے ایک کشتی سمندر میں اتاری گئی۔ اس کشتی میں جاپانی سپاہی سوار تھے۔ انہوں نے مشین گنیں کاندھوں پر لٹکا رکھی تھیں

جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں انہوں نے خزانہ دفن کیا تھا تو یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے کہ وہاں زمین کھدی ہوئی ہے۔ مٹی ادھر ادھر پڑی ہے اور گڑھا صندوق سے بالکل خالی ہے۔ جاپانی افسر نے جیب سے پستول نکال کر ہوا میں فائر کر دیا اور چیخ کر کہا۔

"جزیرے کو گھیرے میں لے لو۔ دشمن خزانہ اٹھا کر لے گیا ہے مگر وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔"

فائر کی آواز عنبر اور کپتان نے بھی سنی اور جہاز پر جاپانیوں نے بھی سنی۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ خطرے کا سگنل تھا۔ دوسری طرف اس فائر کی آواز کا اثر جاپانی جہاز پر بہت زیادہ ہوا۔ وہاں سے اوپر تلے چھ سات فائر ہوئے۔ اور پھر جاپانی سپاہی ایک کشتی میں بیٹھ کر تیزی سے جزیرے کے کنارے پر اتر گئے اور انہوں نے زمین پر لیٹ کر مورچے سنبھال لئے۔ جیسے کوئی خطرناک دشمن جزیرے میں گھس گیا ہو۔ جانب سے مسلسل گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ ان مورچہ بند جاپانیوں نے بھی گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ وہ ہوا میں فائر کر رہے تھے۔ گویا کسی خیالی دشمن کو ڈرا رہے تھے۔ اتنے میں جنگل میں سے جاپانیوں کی ٹولی بھی بھاگ کر باہر آ گئی۔ جاپانی افسر نے وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو بتا دیا کہ خزانہ چوری ہو گیا

عنبر اور کپتان خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ کپتان بہت پریشان تھا کیونکہ اب اس کے سونے کا سوال تھا۔ سونے نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ بلکہ ہلا کر رکھ دیا تھا۔

جاپانی کشتی لے کر کنارے پہ اتر گئے۔ کشتی انہوں نے ریت پر کھینچ لی۔ جہاز کے ڈیک پر جنگلے کے ساتھ لگے کچھ جاپانی سپاہی یا شاید افسر دوربین آنکھوں پر لگائے ان لوگوں کو جزیرے پہ اترتے دیکھ رہے تھے۔ جاپانی سپاہیوں نے ریت پہ کھڑے ہو کر جزیرے پر چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ پھر ان کے افسر نے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جنگل میں چلو۔ وہ اسی طرف جنگل میں داخل ہوئے جہاں وہ پہلے خزانہ دفن کرنے گئے تھے۔

"کیا یہ لوگ خزانہ واپس لینے آئے ہیں؟" کپتان نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہاں خزانہ ہوگا تو لے جائیں گے۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

جاپانی جنگل میں چلے گئے تھے۔

ان کا افسر آگے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

ہے۔ جہاز کا کپتان بھی پریشان ہو کر جزیرے پر آ گیا انہیں یقین تھا کہ جس شخص نے خزانہ چوری کیا ہے وہ جزیرے پر موجود ہے۔ ایک نے کہا

"سر! ہو سکتا ہے ڈاکو بعد میں آتے ہوں اور خزانہ اٹھا کر لے گئے ہوں"

"خاموش" جاپانی افسر چلایا۔ "یہاں کبھی ڈاکو نہیں آتے۔ اور پھر انہیں ہمارے خفیہ ٹھکانے کا کیسے علم ہو گیا۔ یہ کسی ایسے آدمی کا کام ہے جو ہمیں خزانہ زمین میں اتارتے دیکھ رہا تھا"

◆

خزانے کا ڈاکو

◆

جہاز پر سارے ستر اسی سپاہی تھے۔

ان سارے جاپانی سپاہیوں کو جزیرے پر چھوڑ دیا گیا۔ انہیں حکم دیا کہ خزانے کے چور جزیرے پر ہی ہیں انہیں ہر حالت میں تلاش کیا جائے۔ سپاہی مشین گنیں لے کر سارے جزیرے پر پھیل گئے۔ جہاز کا کپتان اور دوسرے دو افسر پستول ہاتھوں میں لیے بے چینی سے ساحل سمندر پر ٹہل رہے تھے اور واٹر بیس پر بیٹھے خدا جانے کس سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ امریکی کپتان کو فکر ہوا کہ جزیرے میں ساحل کے پاس ہی چھپے ہیں کہیں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اس نے عنبر سے اپنے ڈر اور خطرے کا اظہار کیا تو عنبر بولا

"اب ہم یہاں سے نکل کر دوسری جگہ گئے تو پکڑے جائیں گے۔ ہمیں اسی جگہ رہنا ہو گا۔ خدا سے دعا کرو کہ جاپانیوں کی نظر ادھر نہ پڑ جائے۔ وہ

ہم ان کے اتنے قریب اور ساحل کے پاس ہی ہیں کہ انہیں شک نہیں پڑ سکتا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ جلدی سونے کی اینٹیں ہمیں مصیبت میں پھنسا دیں گی"

"میں نہ کہتا تھا کہ اس خزانے پر لعنت بھیجو اور اسی جگہ رہنے دو۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگتو میرا کیا ہے"

امریکی کپتان بولا۔

"کیوں تمہارا کیا ہے؟ تمہیں بھی وہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر مسکرایا۔

"زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ مجھے گولی مار دیں گے ٹھیک ہے۔ بے شک گولی مار دیں۔ میں تیار ہوں"

وہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے ارد گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی تھیں۔ گھنے درخت بھی تھے۔ سمندر بالکل قریب ہی تھا اور لہروں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں جھاڑیوں میں سے جاپانیوں افسروں کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سمندر کے کنارے ریت پر کیمپ لگا لیا تھا

اور اس کے سامنے میں دونوں جاپانی افسر کرسیوں پر بیٹھے وائرلیس پر کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ جہاز سمندر میں کھڑا تھا۔ ساحل پر چار کشتیاں پڑی تھیں۔ جاپانی سپاہی جنگل میں "ڈاکوؤں" کو تلاش کر رہے تھے۔ ان کے شور مچانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

جاپانیوں نے سارا جزیرہ کھنگال ڈالا۔ مگر ڈاکو کہیں بھی دکھائی نہ دیے۔ جاپانی کپتان کے لیے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی کہ جاپان کا شاہی خزانہ اور شاہی فوج کے اہم [illegible] ہو جاتی۔ اس نے رات کو سینے میں تلوار گھونپ کر خودکشی کر لی۔ جزیرے پر اب ایک جاپانی کرنل اور ستر اسی سپاہی اور ایک جہاز کا نائب کپتان رہ گیا۔

یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا تھا۔ صبح عنبر اٹھ کر جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر ذرا دور گرے پڑے ناریل اٹھانے گیا تو اس نے دو جاپانی سپاہیوں کو باتیں کرتے سنا۔ وہ علیحدہ رہ کر اپنے افسر کی خودکشی کے بارے میں افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔ عنبر نے جلدی جلدی چھ سات ناریل جھولی میں ڈالے اور واپس آگیا۔ اس نے امریکی کپتان کو سارا واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے جاپان کی نئی کمپنی یہاں آجائے۔ ان لوگوں

کو ابھی تک یقین ہے کہ خزانہ چرانے والے اسی جزیرے پر موجود ہیں"

عنبر سر کھجا کر کہنے لگا۔

"کم بخت ان لوگوں نے تو یہاں چھاؤنی ڈال لی ہے۔ بھلا باہر نکلنا بند ہو گیا ہے۔ آخر کب تک ہم اس کھوہ میں چھپ بیٹھے رہیں گے؟"

امریکی نے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ان کی کوئی کشتی لے کر یہاں سے فرار ہو جائیں؟"

عنبر نے کہا۔

"ہو تو سکتا ہے لیکن یہ لوگ پیچھا کر کے کشتی غرق کر دیں گے۔ ان کے پاس وائرلیس ہے جس سے یہ پیچھے اطلاع کر کے ہماری کشتی پر سمندر میں بم باری کرا سکتے ہیں۔ ہم کشتی لے کر بھاگے تو یہ سمجھ جائیں گے کہ ڈاکو ہی بھاگ گئے ہیں"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر بھلا اب ہوگا کیا۔ کیا اسی طرح اس کھوہ والی جھاڑیوں میں پڑے پڑے سو کر جائیں گے یا یہاں سے کبھی نکلنا بھی نصیب ہوگا۔ پہلے کم از کم اس جزیرے کی سیر تو کر لیا کرتے تھے"

عنبر نے کہا۔

"یہ مصیبت تم نے خود خریدی ہے۔ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ خزانے کو ہاتھ مت لگاؤ۔ اسے وہیں رہنے دو۔ مگر تم نہ مانے۔ اگر خزانہ وہیں رہتا تو جاپانی آ کر اسے لے جاتے یا دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ اب تو وہ اس جزیرے سے اسی وقت جائیں گے جب چور یعنی ہم پکڑے جائیں گے اور یا کسی طرح انہیں یقین ہو جائے گا کہ ڈاکو اس جزیرے پر نہیں ہیں"

امریکی کپتان سرد آہ بھر کر دوہرا ہو کر جھاڑیوں میں لیٹ گیا۔ شام ہو رہی تھی۔ سورج سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی جھاڑیوں میں گھومتے پھرتے اس طرف آ نکلا جدھر عنبر اور امریکی چھپے ہوئے تھے۔ یا تو یہ جاپانی سپاہی بڑا بے وقوف تھا یا بڑا چالاک تھا اور اسے شک پڑ گیا تھا کہ جھاڑیوں میں ضرور کوئی شے چھپی ہوئی ہے۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سب سے پہلے اس سپاہی پر عنبر کی نظر پڑی۔ اس نے امریکی کو خبردار کیا تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے عنبر سے سرگوشی میں کہا۔

"یہ تو سیدھا چلا آ رہا ہے سور کی طرح۔ اب کیا ہوگا؟"

"شی" عنبر نے کپتان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

عنبر نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا۔ جاپانی افسر خیمے کے اندر چلے گئے تھے۔ شاید شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ دو سپاہی دور سمندر کے کنارے جہاز کی طرف منہ کئے پہرہ دے رہے تھے۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ جہاں جاپانی سپاہیوں نے مورچہ بنا رکھا تھا وہاں بھی سپاہی نہیں تھے۔ شاید دوسرے خیمے میں چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ عنبر نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ جاپانی سپاہی برابر رائفل کی سنگین سے جھاڑیوں کو پرے ہٹاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

اب وہ ان کے بہت قریب آ گیا تھا۔ سپاہی قریب سے آ کر دو قدم آگے ہو کر کھڑا ہو گیا اور منہ اٹھا کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید اس نے کوئی سرگوشی سن لی تھی۔ یا وہ انسانوں کی موجودگی محسوس کر رہا تھا۔ بس یہی سب سے خطرناک وقت تھا۔ جب عنبر نے ایک فیصلہ کیا اور پیچھے سے اچھل کر جاپانی سپاہی کو گردن سے دبوچا اور جھاڑیوں میں گرا لیا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہو گیا۔ امریکی کپتان بھی حیران سا ہو کر رہ گیا کہ عنبر نے یہ کیا کر دکھایا۔

جاپانی سپاہی عنبر کے پنجے میں پھڑپھڑا رہا تھا۔ مگر اس کا عنبر کے لوہے جیسے شکنجے سے نکل جانا ناممکن بات تھی۔ عنبر نے جاپانی سپاہی کی گردن دبا رکھی تھی۔ وہ پھڑکا۔ تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر کو جب یقین ہو گیا کہ اب جاپانی سپاہی میں جان باقی

نہیں رہی تو اس نے اسے چھوڑ دیا۔ امریکی نے کہا۔

"تم نے کمانڈو کو بھی مات کر دیا۔ اب اس کی لاش کا کیا ہوگا؟"

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"تمہاری جان بچانے کے لئے مجھے یہ بھی کرنا پڑا ہے۔ اب لاش کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

امریکی بولا۔

"کیا تم نے اپنی جان بچانے کے لئے نہیں کیا؟ آخر تم بھی تو میری طرح اس مصیبت میں گرفتار ہو۔ تمہاری جان کو بھی تو خطرہ ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"کیپٹن صاحب! میری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

امریکی نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا تم انسان نہیں ہو؟ کیا جاپانی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اب ان باتوں کو چھوڑو اور یہ دیکھو کہ اس کا کوئی ساتھی تو اس کی تلاش

میں ادھر نہیں آ رہا؟"

امریکی نے جھاڑیوں میں سے جزیرے کی جانب دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

"نہیں۔ کوئی ادھر نہیں آ رہا"

عنبر نے کہا۔

"بہرحال بہت جلد انہیں پتہ چل جائے گا کہ ایک جاپانی سپاہی کم ہے۔ پھر وہ اس کی تلاش میں بھی نکلیں گے۔ میں مجبور تھا۔ ایسا کرنا پڑا۔"

انہوں نے جاپانی سپاہی کی لاش کو جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر گھاس پھونس ڈال دیا۔ رات ہو گئی۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ایک سپاہی کم ہے۔ آدھی رات کو عنبر نے امریکی سے کہا۔

"تم یہاں چوکس ہو کر بیٹھنا۔ میں اس جاپانی کی لاش کو یہاں سے دور سمندر میں پھینکنے جا رہا ہوں۔ جب صبح لاش پانی پر تیرتی ملے گی تو یہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تیرتے ہوئے سمندر میں ڈوب گیا ہے"

امریکی نے کہا۔

"ذرا خبردار ہو کر جانا بھائی۔"

"میں خبردار ہو کر ہی جاؤں گا۔ ہاں تم ہوشیار ہو کر بیٹھنا"

یہ کہہ کر عنبر نے جاپانی سپاہی کی لاش کندھے پر ڈالی اور دبے میں جھاڑیوں میں سے نکل کر سمندر کی طرف چل دیا۔ وہ جھک جھک کر اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ لاش کا بوجھ تو اسے بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کافی دور نکل گیا۔ وہاں کچھ چٹانیں تھیں۔ عنبر نے بڑے اطمینان سے جاپانی کی لاش کو چٹانوں کے بیچ میں سمندر میں گرا دیا۔ اور واپس روانہ ہوا۔

ابھی وہ آدھے راستے میں ہی تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔ عنبر نے مڑ کر ایک گھونسہ مارا۔ وہ جاپانی سپاہی تھا۔ اس نے سیٹی بجا دی۔ عنبر اس کی طرف لپکا جاپانی نے مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ عنبر نیچے جھک گیا۔ وہاں شور مچ گیا۔ ایک دم سے کتنے ہی جاپانی سپاہی وہاں سے نکل آئے اور انہوں نے عنبر کو گھیرے میں لے لیا اور مشین گنوں کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

"لے چلو اسے۔ خزانے کا ڈاکو ہے"

انہوں نے جاپانی زبان میں ایک دوسرے سے کہا۔ عنبر سمجھ گیا۔ اس نے سوچا کہ امریکی کپتان کی جان اسی طرح بچ سکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو جاپانیوں کے حوالے کر دے اس طرح سے یہ جاپانی جزیرے میں "ڈاکوؤں" کی تلاش کا کام چھوڑ دیں گے اور امریکی کپتان کی جان بچ جائے گی۔ پس عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا

جاپانی اسے لے کر اپنے کمانڈر کے پاس آ گئے۔

کمانڈر خوش ہوا کہ آخر خزانے کا چور پکڑا گیا۔ انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر کشتی میں ڈالا اور جہاز میں لا کر ایک کیبن میں بند کر دیا۔ اب اس سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی کہ بتاؤ خزانہ تم نے کہاں چھپا رکھا ہے۔ یہ پوچھ گچھ جاپانی کمانڈر جو کرنل تھا کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جاپانی نیوی کا افسر بھی تھا۔ عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھی خزانہ لے کر یہاں سے فرار ہو گئے ہیں اور مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"وہ تمہیں یہاں کس لئے چھوڑ گئے ہیں؟"

"انہیں خطرہ تھا کہ میں لوگوں کو بتا دوں گا۔"

"تمہارے ساتھی کون تھے؟ تم کہاں سے آئے تھے؟"

عنبر نے یہاں بھی ایک کہانی بنا لی۔ بولا۔

"ہم بحری ڈاکو ہیں۔ ہمارا کپتان ہانگ کانگ کا رہنے والا ہے اس کا نام سیانگ پن ہے ڈاکو مختلف ملکوں کے رہنے والے ہیں۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں اور دولت کمانے کے لالچ میں ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ افسوس! ان لوگوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور مجھے یہاں چھوڑ گئے۔"

جاپانی کمانڈر نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ خزانہ اس جزیرے کے جنگل میں دبا ہوا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"جس وقت آپ لوگ خزانہ لے کر اس جزیرے پر اترے اس وقت ہم لوگ جزیرے کے دوسرے کنارے پر آرام کر رہے تھے۔ جہاز کی آواز سن کر ہم نے آپ کا پیچھا کیا اور ہمیں پتہ چل گیا کہ آپ لوگ زمین میں کوئی صندوق دبا رہے ہیں۔ بس جس وقت آپ لوگ واپس گئے ہمارے کپتان نے فوراً خزانہ زمین میں سے نکال کر اپنے جہاز پر [illegible] اور مجھے یہاں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گیا۔"

کہانی بڑی پکی تھی۔ جاپانیوں کو یقین کر لینا چاہیے تھا۔ لیکن جاپانی کمانڈر بھی بڑا چالاک تھا۔ اس نے قریب آ کر اچانک عنبر کے منہ پر زور سے مکا مارا۔ اگر کسی دوسرے انسان کے منہ پر ایسا زوردار مکا پڑتا تو اس کے اگلے دانت ضرور باہر نکل کر زمین پر گر پڑتے۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا جاپانی کمانڈر کا ہاتھ درد کرنے لگا اور وہ اسے بار بار بغل میں دبا کر سہلانے لگا اور حیرانی سے عنبر کی طرف

تکنے لگا کہ اس شخص کا منہ کیا پتھر کا بنا ہے؟

جاپانی کمانڈر نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔ یہی سوچا کہ عنبر کی منہ کی ہڈی سخت ہے۔ وہ عنبر کے کندھے پر زور سے پستول کا دستہ مار کر بولا۔

"تم نے اب تک ہمیں جو کچھ بتایا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ سیدھے سیدھے بتا دو کہ تم نے صندوق زمین میں سے نکال کر کس جگہ دفن کیا ہے؟ اور تم کہاں سے اس جزیرے پر آئے ہو؟ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم تمہیں وہ اذیت دیں گے کہ تم اپنے آپ بک پڑو گے"

عنبر نے کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا بالکل ٹھیک کہا ہے۔ خزانے کا صندوق بحری ڈاکو اپنے ساتھ لے گئے ہیں"

جاپانی کمانڈر چیخا۔

"بکواس! ہم نے سب پتہ کر لیا تھا اس جزیرے کے ارد گرد میلوں تک اس وقت کوئی بحری جہاز نہیں گھوم رہا تھا۔ ہمارے پاس تصویریں موجود ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو ہم ویسے ہی خزانہ دفن کرنے آ گئے تھے؟ میں تمہیں صبح تک کی مہلت دیتا ہوں اگر تم نے

صبح تک سچی بات نہ بتائی تو تمہیں گولی مار دی جائے گی۔"

عنبر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھر امریکی کا برا حال ہو رہا تھا۔ جب سے گولیاں [illegible] اور جاپانیوں کے شور مچانے کی آوازیں سنیں تو سمجھ گیا کہ عنبر پکڑا گیا ہے۔ پھر اس نے درختوں کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر کو دیکھا کہ جاپانی اسے کشتی میں بٹھا کر جہاز کی طرف جا رہے تھے۔ اب اسے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں وہ جاپانیوں کی مار پیٹ سے گھبرا کر سچ سچ نہ بتا دے۔ پھر تو امریکی کی خیر نہیں ہوگی۔ اس نے سوچا کہ اسے جگہ بدل دینی چاہیے۔ تاکہ اگر عنبر بک بھی بیٹھے تو جاپانی اسے تلاش نہ کر سکیں۔ لیکن اسے پھر خیال آیا کہ سونے کا خزانہ تو اسی جگہ دبا ہوا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ جاپانی تو اسے اکھاڑ کر لے جائیں گے۔

پھر۔ پھر کیا کیا جائے؟

کیوں نہ سونے کی کچھ اینٹیں جیبوں میں رکھ کر یہاں سے [illegible] جگہ چلا جائے؟ کچھ تو سونا اس کے پاس بچ رہے گا۔ اس خیال کے ساتھ ہی امریکی نے زمین کھود کر صندوق کا ڈھکنا کھولا۔ اس میں سے دو تین سونے کی اینٹیں اٹھا کر اپنے ساتھ باندھیں۔ دو اینٹیں جیب میں ڈالیں اور اندھیرے [illegible] کھوہ میں سے نکل کر جزیرے کے جنگل میں بھاگ گیا۔

سونے کی اینٹوں کے وزن سے بھاگنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر وہ جاپانیوں کے خوف سے بھاگتا چلا گیا۔ اس وقت جنگل میں کوئی جاپانی سپاہی نہیں تھا۔ کیونکہ عنبر پکڑا جا چکا تھا اور سب سپاہی اس کی طرف متوجہ تھے۔ امریکی تھک کر ایک جگہ جھاڑیوں میں گر پڑا اور ہانپنے لگا۔

* * *

جہاز کی تباہی

* * *

عنبر نے صرف امریکی کپتان کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولا تھا۔

اور امریکی کپتان لالچ کا مارا سونے کی اینٹیں سینے سے لگائے جنگل میں مارا مارا جان بچاتا پھر رہا تھا۔ عنبر کو بھلا کیا ضرورت تھی سونے کی اینٹوں کی۔ اسے سونے کی کیا پروا تھی۔ اسے تو صرف امریکی کا خیال تھا کہ اگر اس نے بتا دیا کہ سونا فلاں جگہ دبا ہوا ہے تو جاپانی وہاں پہنچ جائیں گے اور امریکی کو بھی پکڑیں گے کیونکہ امریکی کپتان جہاں تھا وہیں سونا دفن تھا۔ عنبر کو کیا خبر تھی کہ احمق اور لالچی کپتان جان بچا کر اور سونے کی اینٹیں لے کر وہاں سے بھی بھاگ گیا ہے۔

امریکی نے جنگل میں ایک گھنے درخت کے نیچے کھوہ کے اندر اپنے لئے جگہ بنائی اور وہاں چھپ کر ساری رات

بسر کر دی۔ صبح اس نے باہر نکل کر دیکھا۔ جنگل میں جاپانی سپاہی کہیں بھی نہیں تھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے درخت پر سے کچھ جنگلی پھل توڑ کر کھائے۔ ایک چھوٹے سے تالاب سے پانی پیا اور کھوہ میں چھپ کر ب اس کا خیال تھا کہ عنبر کی اگر جان بچ گئی تو وہ اسے تلاش ک کرتا وہاں ضرور آئے گا۔ اور جب وہ اس کے قریب سے گز لگے گا تو وہ اسے آواز دے کر اپنے پاس بلا لے گا۔

دوسری طرف صبح ہوئی تو جاپانیوں نے عنبر کے ہاتھ رسی سے پیچھے باندھے اور جہاز سے اتار کر جزیرے کے ساحل پر لے آئے۔ اسے ایک جگہ زمین پر دوزانو گھٹنوں کے بل بٹھا دیا گیا اور چار جاپانی رائفلوں کی نال کا منہ عنبر کے سر کی طرف کر کے کھڑے ہو گئے۔ جاپانی کمانڈر نے آخری بار عنبر سے کہا

"اگر تم اب بھی خزانے کے بارے میں سچ سچ بتا دو کہ وہ کہاں ہے تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ نہیں تو یہ گولیاں تمہارے دماغ کے پرخچے اڑا دیں گی۔"

عنبر مسکرایا اور [illegible] بند ہوا۔

"کمانڈر بیٹا میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا کہ خزانہ کہاں ہے اس لئے کہ مجھے معلوم ہے خزانہ کہاں ہے۔"

جاپانی کمانڈر نے اسے جاپانی زبان میں باتیں کرتے سنا تو بڑا حیران ہوا۔ آگے بڑھ کر پوچھنے لگا۔

"تم نے اتنی روانی سے جاپانی بولنا کہاں سے سیکھا؟"

عنبر اب کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ جاپانی کمانڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"میں دنیا کی ہر زبان بول سکتا ہوں۔ میں وہ زبانیں بھی جانتا ہوں جن کو تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

جاپانی کمانڈر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے پاؤں کا ٹھڈا پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر مارا۔ عنبر نے جسم کو قابو میں کر لیا تھا۔ جاپانی الٹ کر دور جا گرا۔ دوسرے جاپانی بھاگ کر گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو اٹھایا۔ کمانڈر نے حکم دیا۔

"اسے گولی سے اڑا دو"

جاپانی سپاہیوں نے رائفلوں کی نالیوں کا رخ عنبر کے سر کی طرف کیا۔ نشانہ باندھا اور فائرنگ کر دی۔ چار رائفلیں بیک وقت چلیں۔ دھماکہ ہوا۔ اور چاہیے تو یہ تھا کہ عنبر کے سر کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ سر کہیں دکھائی ہی نہ دیتا۔ مگر ہوا یہ کہ چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کی کھوپڑی سے ٹکرا کر ٹن ٹن کی آوازیں پیدا کرتی نیچے ریت پر گر پڑیں اور عنبر اسی طرح آرام سے ریت پر بیٹھا رہا۔ جاپانی کمانڈر ذرا

حیران ہوا۔ پھر سوچا شاید رائفلوں کا نشانہ خطا گیا ہے۔ سو[illegible] بار حکم دیا۔ رائفلیں چلیں اور عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ جب تیسری بار بھی وہی کھیل ہوا تو جاپانی کمانڈر اور دوسرے سپاہی گھبرا گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ انسان ہے یا کوئی جن بھوت؟

جاپانی کرنل نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر کو پکڑ کر اسے گھما کر دیکھنا چاہا تھا کہ عنبر نے سر کو جھٹک دیا۔ جاپانی تڑپ کر دور جا گرا۔ عنبر نے جھٹکا مار کر اپنے دونوں ہاتھ رسی تڑا کر آزاد کرا لیے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جاپانی سپاہیوں نے اپنے کرنل کو گرتے دیکھا تو عنبر پر مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گرتی جاتی تھیں۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک جاپانی کے ہاتھ سے مشین گن پکڑ لی اور اس کا رخ جاپانیوں کی طرف کر کے گولیاں برسانے لگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کئی جاپانی لہولہان ہو کر گرے اور تڑپنے لگے۔ جاپانی کرنل نے جیب سے دستی بم نکال کر عنبر پر [illegible] دستی بم دھماکے سے پھٹ گیا۔ مگر جب دھوئیں [illegible] اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا تھا۔ اس [illegible] بھی [illegible] عنبر نے مشین گن کا ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔

اس بار جاپانی کرنل بھی گولی لگنے سے مر گیا۔ سامنے جزیرے سے جاپانی سپاہی گولیوں کی آوازیں اور بم کے دھماکے سن کر [illegible] بھاگے آ رہے تھے۔ عنبر ایک جگہ بیٹھے سکون سے کھڑا مشین گن چلا رہا تھا۔ جاپانی بھی عنبر پر فائرنگ کر رہے تھے اور دستی بم مار رہے تھے مگر اس کو کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

الٹا عنبر کی فائرنگ سے جاپانی سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے اور زمین پر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں سارے کے سارے جاپانی سپاہی ڈھیر ہو گئے۔ اب صرف جہاز والے سپاہی رہ گئے تھے۔ ادھر سے بھی مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ اب ان سپاہیوں نے جب دیکھا کہ جزیرے پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے تو وہ کشتی میں سوار ہو کر جزیرے کی طرف چل پڑے۔ عنبر ایک جگہ مشین گن لے کر چھپ گیا۔ جب کشتی قریب آئی تو اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ پھر ایک ہی وقت دو دستی بم مار دیئے۔ جاپانی کشتی سمیت سمندر میں ڈوب گئے۔

ادھر امریکی کپتان بھی جھاڑیوں کی اوٹ سے یہ سارا حیرت ناک ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جب اس نے میدان صاف دیکھا تو بھاگ کر جھاڑیوں سے نکلا اور عنبر کے پاس آ گیا۔ عنبر نے چیخ کر کہا۔

"احمق آدمی زمین پر بیٹھ جاؤ فائر آ رہا ہے"

امریکی جلدی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ٹھیک اس وقت جہاز کی جانب سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی اور جاپانی کشتی میں بیٹھ کر جزیرے کی طرف آ رہے تھے۔ میدان صاف ہو گیا۔ کسی جگہ ایک بھی جاپانی سپاہی باقی نہ رہا۔ تھوڑی دیر میں ایسا انقلاب آ گیا تھا کہ سارے جزیرے پر قبضہ ہو گیا۔

عنبر کو جاپانی کرنل پر غصہ آ گیا تھا۔ اس نے عنبر کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی تھی۔ عنبر نے ساری زندگی ایسی تباہی کبھی نہیں مچائی تھی۔ جزیرے کا ساحل جاپانیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ عنبر نے مشین گن پھینک کر امریکی سے کہا۔

"ان لاشوں کو سمندر میں پھینک دو"

امریکی کپتان بے حد ڈرا ہوا تھا۔ وہ عنبر کو کوئی آسمانی مخلوق یا جن بھوت سمجھنے لگا تھا۔ اس نے عنبر کی کرامات اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھیں۔ جلدی سے اس نے عنبر کا حکم تسلیم کیا اور جاپانی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر سمندر میں پھینکنے لگا۔ عنبر بھی اس کے ساتھ لگ گیا۔ جب ساری لاشیں سمندر میں گرا چکے تو امریکی نے عنبر کی پیشانی چوم لی اور کہا۔

"تم بہت بڑے دیوتا ہو عنبر! تم نے جاپانیوں کو ختم کر کے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جسے میں

ساری زندگی یاد رکھوں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے جسم پر گولی اثر کیوں نہیں کرتی؟"

نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مت پوچھو"

مریکی نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے دشمن نابود ہو گیا۔ اب ہم سونے کا خزانہ آپس میں بانٹ کر بڑی آسانی سے یہاں سے لے جا سکیں گے"

بر نے کہا۔

"مجھے تمہارے سونے کے خزانے کی ضرورت نہیں ہے سونا تم لے جانا میں یہاں سے اپنے بھائی اور بہن کی تلاش میں ہندوستان کی طرف جاؤں گا"

ریکی فکر مند ہو کر بولا۔

"لیکن عنبر! میں اس جزیرے سے اکیلا کیسے نکل سکوں گا۔ مجھے جاپانی جہاز کی ضرورت ہو گی"

عنبر نے کہا۔

"میں جاپانی بحری جہاز میں تمہیں کسی آباد جزیرے میں اتار دوں گا۔ تم وہاں سے امریکہ چلے جانا۔ میں

آگے ناگ اور ماریا کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

جاپانی جنگی جہاز چھوٹا تھا مگر اس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ عرشے پر دو طیارہ شکن توپیں اور ایک تباہ کن توپ بھی لگی تھی جس کا گولہ سامنے آنے والے کسی بھی جہاز کو تباہ کر سکتا تھا۔ اندر وائرلیس سیٹ بھی تھا۔ پٹرول کا بھی بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ گولہ بارود بھی تھا اور خوراک بھی کئی مہینوں کی بھری پڑی تھی۔ امریکی کپتان اور عنبر نے سونے کا خزانہ اور جنگی نقشے کشتی پر لاد کر جہاز پر پہنچا دیئے۔

جزیرہ ویران رہ گیا۔ وہاں صرف جاپانی سپاہیوں کی بندوقیں اور دو چار لاشیں ہی بکھری پڑی تھیں۔ عنبر اور امریکی کپتان جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ کپتان نے جہاز کے انجن کو چلا دیا اور کمپاس اور نقشے کی مدد سے جہاز کا رخ جنوبی افریقہ کی بندرگاہ ودنادیش کی طرف کر دیا۔ کیونکہ وہ علاقہ امریکیوں کے قبضے میں تھا۔ امریکی کپتان کا خیال تھا کہ وہ سونے کا خزانہ لے کر وہاں اتر جائے گا اور پھر وہاں سے کسی بہت بڑے اور محفوظ بحری جہاز میں سوار ہو کر واپس امریکہ پہنچ جائے گا۔ جہاز سمندر میں روانہ ہو گیا۔ جزیرہ آہستہ آہستہ نگاہوں سے اوجھل ہوتا گیا۔

دوسرے روز امریکی کپتان نے عنبر سے کہا کہ خزانے کو آدھوں آدھ بانٹ لینا چاہیے وہ نہیں چاہتا کہ عنبر کو اس کا حصہ نہ ملے۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میرے لئے تمہارے سونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تمہارے لئے یہ سونا ہے مگر ہمارے لئے شہر کی مٹی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔ اس لئے سارا سونا تم ہی لے لو۔ مجھے اگر میرے بہن بھائی مل گئے تو سمجھوں گا کہ سونا مل گیا ہے۔"

امریکی کپتان دل میں بڑا خوش تھا کہ چلو اچھا ہوا۔ سارے کا سارا سونا اس کے حصے میں آ گیا۔ اوپر اوپر سے وہ عنبر کو مجبور کرتا رہا کہ نہیں تم بھی اپنا حصہ لے لو۔ جب عنبر نے بالکل ہی انکار کر دیا تو امریکی کپتان نے سونے کی اینٹوں کو ایک دوسرے صندوق میں رکھنا شروع کر دیا۔ اس صندوق کے گرد لوہے کی پتری لپیٹ دی اور اوپر لکھ دیا۔

"گھر کا سامان"

یعنی ایسا لگتا تھا کہ امریکی کپتان نے اس صندوق میں گھر کی ضروریات کا سامان رکھا ہوا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ودنا دیش کی بندرگاہ پر کسی کو شک گزرے کہ وہ صندوق میں کروڑوں روپے کا سونا لے جا رہا ہے۔ کیونکہ اس طرح

سے حکومت اس کا سارا سونا ضبط کر سکتی تھی۔ صندوق کو اس نے گھسیٹ کر جہاز کے ایک طرف رکھ دیا اور اب بے چینی سے وفلادیش بندرگاہ کا انتظار شروع کر دیا۔ یہ بندرگاہ اس کے حساب کے مطابق وہاں سے چار پانچ روز کے فاصلے پر تھی۔ اس نے کمپاس اور نقشے میں دیکھا وہ بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔ کمال دیکھی

دوسری طرف ایک جاپانی ہوائی جہاز نے جزیرے پر آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بحری جہاز وہاں پر نہیں ہے اور جزیرے پر کئی ایک جگہوں پر جاپانیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ سمندر نے بھی جاپانی لاشوں کو باہر پھینک دیا تھا۔ اس نے پیچھے وائرلیس کر کے ساری صورت حال بتائی۔ پیچھے سے حکم ملا۔

"سمندر میں جہاز کو تلاش کرو۔" بکرو مست

جاپانی ہوا باز ہوائی جہاز لے کر سمندر پر اڑنے لگا۔ اس نے دور دور تک پرواز کی۔ آخر دوربین کے ذریعے اس نے دور سمندر میں ایک بحری جہاز کو دیکھا۔ وہ ہوائی جہاز لے کر بحری جہاز کے اوپر آ گیا۔ اللہ تعا [illegible]

عنبر اور امریکی نے جب اپنے اوپر ایک جاپانی ہوائی جہاز کو دیکھا تو گھبرا گئے۔ عنبر نے کہا۔ سمجھ گیا ہے

"مشین گن سنبھالو"

بحری جہاز پر سے جاپان کا ؟ نشان اتار دیا گیا تھا۔ پھر کپتان کی شکل صورت اور بناوٹ سے ہوا باز نے اندازہ لگا لیا کہ یہ [illegible] کا اپنا جہاز نہیں ہے۔ نیچے سے اس پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ جہاز کو دشمن کے کمانڈو نے اغوا کر لیا ہے۔ اس نے بھی اوپر سے فائرنگ شروع کر دی۔ بدقسمتی سے جہاز کے پاس کوئی بم نہیں تھا۔ وہ بمباری کرنے تھوڑے آیا تھا۔ وہ تو محض دیکھ بھال کرنے والا جہاز تھا۔ اس پر ایک مشین گن ضرور لگی تھی۔ اس نے نیچے فائرنگ شروع کر دی مگر اس کی فائرنگ سے کچھ نہ بگڑ سکا۔ [illegible]

امریکی کپتان بڑا ماہر نشانے باز تھا۔ اس نے طیارہ شکن توپ کا منہ جہاز کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا۔ ساری گولیاں جہاز کی ٹنکی میں جا لگیں اور جہاز میں آگ لگ گئی اور وہ ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ جاپانی ہوا باز نے مرتے مرتے پیچھے وائرلیس کر دیا کہ جاپانی جہاز سمندر میں فلاں جگہ پر ہے اور اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔ ہوا باز جہاز سمیت سمندر میں گر کر تباہ ہو گیا مگر پیچھے خبر [illegible] تھی۔

امریکی کپتان نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ [illegible]

"وہ مارا — دشمن کا جہاز گرا دیا"

عنبر نے کہا۔ [illegible]

"فکر نہ کرو۔ ابھی اور جاپانی جہاز آئیں گے اس ہوا باز نے پیچھے ضرور اطلاع کر دی ہوگی"

امریکی پریشان ہوکر بولا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم نے اسے وائرلیس کرنے کی مہلت ہی نہیں دی" نسیم بھی

عنبر بولا۔ مبارک سرور

"اسے مہلت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ کام تو اس نے یہاں پہنچتے ہی کر دیا ہوگا۔"

"دیکھا جائے گا۔ ہم جہاز کی رفتار تیز کر دیں گے۔ ہم جہاز کا رخ موڑ دیں گے" سہیل بھی

"چاہے جو کچھ کرو۔ سمندر میں ہم اکیلے ہیں"

عنبر کا خیال سو فیصد ٹھیک تھا۔ جاپانی ہیڈ کوارٹر کو اپنے اغوا شدہ جنگی جہاز کی پوری پوری خبر مل گئی تھی۔ بلکہ انہو نے اس کو تباہ کرنے کے لیے دو ہوا بازوں کو بم دے کر روانہ بھی کر دیا تھا۔ امریکی کپتان نے جہاز کا رخ موڑ دیا اور اب اس نے آسٹریلیا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

"آسٹریلیا یہاں سے بہت قریب ہے ہم وہاں کل تک پہنچ جائیں گے۔"

سونے کی اینٹوں نے اس امریکی کپتان کو نیم پاگل کر دیا تھا

جس آسٹریلیا کو وہاں سے قریب بتا رہا تھا وہ وہاں سے روز کے سفر پر تھا۔ عنبر خاموشی سے امریکی کپتان کی وانگی اور پاگل پن کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ خوش رہا تھا کہ جہاز کا رخ آسٹریلیا کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ یونکہ اسی راستے میں ہندوستان آتا تھا اور ہندوستان میں ی عنبر نے آخر جانا تھا۔ کیونکہ وہاں اسے ناگ اور ملیا سے لنے کا یقین تھا۔

دل میں عنبر ایک بات سے ضرور پریشان تھا کہ کم بخت جاپانی بمبار ہوائی جہاز ضرور آجائیں گے اور اس کے جہاز کو رونے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ ان کے کان ہوائی ہازوں کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ ابھی تک فضا میں کسی ہوائی جہاز کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مریکی کپتان سونے کے صندوق کو گھسیٹ رہا ہے۔ عنبر نے پوچھا۔

"اس کو کہاں لے جانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

امریکی کپتان بولا۔

"میں اسے نیچے لے جاکر تہہ خانے میں بند کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ اگر جاپانی بمبار حملہ کریں تو یہ صندوق بچا رہے"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"دولت کی چمک دمک نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے ذرا سوچو۔ جب جہاز ہی بمباری سے ڈوب جائے گا پھر تم اس سندوق کو کیسے بچا سکو گے؟"

امریکی کپتان نے سر پر ہاتھ مارا اور روتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسا نہ کہو۔ جہاز نہیں ڈوب سکتا۔ مجھے یہ سارا سونا لے کر امریکہ جانا ہے۔ میں ارب پتی ہوں۔ میں امریکہ کی ساری زمین خرید لوں گا۔ میں سارے کارخانے خرید لوں گا۔ میں امریکہ کا بادشاہ بن جاؤں گا ہا ہا ہا۔"

امریکی کپتان کا سچ مچ دماغ خراب ہو گیا تھا۔ عنبر نے اسے سنبھالا اور جھنجھوڑ کر کہا۔

"احمق نہ بنو۔ ہوش کے ناخن لو۔"

امریکی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں امریکہ کا بادشاہ ہوں۔ میں سعد ہنجر ہوا میں ملکہ وکٹوریہ ہوں۔ ہا ہا ہا ہا۔"

عنبر نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا کہ اسے ہوش آ امریکی کپتان زور زور سے رونے لگا۔

"تم مجھ سے میرا سونا نہیں چھین سکتے۔ تم مجھ

سے میرا خزانہ نہیں چھین سکتے۔ میں بادشاہ سلامت سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ میں تمہاری شکایت کر دوں گا۔"

اتنے میں دور سے گھوں گھوں کی خطرناک آواز آنے لگی۔ عنبر خاموش ہو کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ امریکی کپتان بھی چپ ہو گیا اور کان ایک طرف لگا دیئے۔ آواز اب صاف ہو گئی تھی۔ یہ ہوائی جہازوں کی آواز تھی۔ امریکی کپتان نے چیخ ماری۔

"بدبخت جاپانی پھر آ گئے ہیں۔ وہ میرا سونا مجھ سے چھین کر لے جانا چاہتے ہیں۔ میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں انہیں برباد کر دوں گا۔"

امریکی کپتان بھاگ کر طیارہ شکن توپ پر جا کھڑا ہوا اور اس کا منہ آسمان کی طرف کر دیا۔ عنبر بھی دوسری مشین گن پر جا کر تیار ہو گیا۔

اتنے میں دور سے آسمان پر دو جاپانی بمبار ہوائی جہاز نمودار ہوئے۔ انہوں نے جاپانی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ ایک ایک کر کے جہازوں نے غوطہ لگایا۔ نیچے آ کر جاپانی جہاز کو غور سے دیکھا اور پھر اوپر اٹھتے ہوئے ایک ایک بم گرا دیا۔ دونوں بم جہاز سے کچھ فاصلے پر گرے۔ ان کے پھٹنے

سے سمندر میں ایک طوفان آ گیا۔ سمندر کی لہروں نے جہاز کو ایک طرف جھکا دیا۔

عنبر اور امریکی کپتان نے فائرنگ شروع کر رکھی تھی۔

بمبار جہاز دوسری بار غوطے میں آئے۔ عنبر نے گن کا منہ ایک طرف کر کے برسٹ مارا۔ جہاز کے پنکھوں پر گولیاں لگیں۔ پنکھے ٹوٹ گئے۔ جہاز نے ایک جھٹکا کھایا۔ اس کی ناک سے دھواں نکلا اور پھر وہ لڑکھڑا کر سمندر میں بموں سمیت گر پڑا۔ سمندر میں گرتے ہی سارے بم پھٹ گئے اور جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ دوسرا جہاز بم لے کر غوطے میں آنے ہی لگا تھا کہ امریکی کپتان کا نشانہ ٹھیک لگا۔ گولیاں جہاز کی ٹینکی کے پرخچے اڑا گئیں۔ پٹرول میں آگ لگی اور اس کے ساتھ ہی جہاز فضا میں ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ امریکی کپتان خوشی سے ناچنے لگا اور ناچتے ناچتے وہ بے دم ہو کر جہاز کے عرشے پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر اسے اٹھا کر نیچے کیبن میں لے آیا اور بستر پر لٹا دیا۔ ساری رات امریکی کو بڑا تیز بخار رہا۔ خوش قسمتی سے جہاز میں ہر قسم کی دوا موجود تھی۔

صبح امریکی کی صحت قدرے بہتر تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عنبر کا شکریہ ادا کیا اور اسکا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تم ایک عظیم انسان ہو عنبر! میں نے اگر کوئی بدتمیزی

کی ہے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں ایک دنیادار لالچی انسان ہوں۔ تم ان باتوں سے بہت بلند ہو۔"

عنبر نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بھائی۔ انسان کی کمزوریوں سے میں خوب واقف ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم میرا کہا مانو اور فیصلہ کر لو کہ سونے کی یہ سنہری اینٹیں تم کسی غریب ملک کے حوالے کر دو گے تاکہ وہ اس دولت کی مدد سے اپنے غریب عوام کی حالت بہتر بنا سکے اور انہیں بھوک سے بچا سکے۔"

امریکی کپتان ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ میں جان کی بازی لگا کر اس دولت کو یہاں تک لایا ہوں۔ میں اسے کیسے دوسرے کے حوالے کر سکتا ہوں۔ یہ میری دولت ہے اور میں ہی اس کا مالک ہوں۔"

عنبر سمجھ گیا کہ امریکی کپتان کو سمجھانا بے کار ہے۔ وہ اسے بستر پہ چھوڑ کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ شام ہو رہی تھی۔ رات کا اندھیرا سمندر پر پھیل رہا تھا۔ وہ کچھ دیر عرشے پر ٹھنڈی ہوا میں آرام کرتا رہا۔ پھر جب رات کا اندھیرا پھیلا

گیا تو نیچے آ گیا۔ اس نے دیکھا۔ امریکی کپتان اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے اس کے کیبن کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے کیبن کی طرف آ گیا۔

اپنے کیبن میں آ کر اس نے بتی گل کی اور بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بستر کے ساتھ ہی جہاز کی دیوار پر شیشے کی گول کھڑکی تھی جس میں سے آسمان پر پھیلے ہوئے ستارے صاف نظر آ رہے تھے۔ عنبر نے اپنا چہرہ شیشے کے ساتھ لگا دیا۔ رات ستاروں کے فانوس سے ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس روشنی میں سمندر کی لہریں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ عنبر نے اچانک محسوس کیا کہ دور ایک ستارہ بہت زیادہ چمک رہا ہے۔ اس نے سوچا یہ ضرور ستارہ مریخ ہے۔ کیونکہ یہی ستارہ آسمان پر بہت زیادہ چمکا کرتا ہے۔

اس نے ستارے کی طرف غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ ستارہ بڑا ہو رہا ہے۔ عنبر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور پوری توجہ سے اس روشنی کو تکنے لگا۔ یہ روشنی بار بار جل بجھ رہی تھی۔ عنبر نے آنکھیں مل کر بڑے غور سے دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ ستارے کی روشنی نہیں ہے بلکہ کسی بحری جہاز کی روشنی ہے جو بار بار جل بجھ رہی ہے اور جیسے کسی کو سگنل کر رہی ہے۔

عنبر جلدی سے دوربین لے کر ڈیک پر آ گیا۔

اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور روشنی کی طرف دیکھا۔ اب روشنی کے ساتھ ساتھ کسی جہاز کا مستول بھی نظر آنے لگا تھا۔ عنبر جلدی سے نیچے گیا اور امریکی کپتان کو جا کر بیدار کیا۔

"جلدی سے اوپر چلو۔ کوئی جہاز آ رہا ہے"

امریکی کپتان ہڑبڑا کر اٹھا اور آنکھیں ملتا گھبرایا ہوا ڈیک پر آ گیا۔ اس نے دوربین لگا کر دیکھا۔ ایک جہاز سمندر میں روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک جہاز کی روشنی بجھ گئی۔ اب ستاروں کی روشنی میں جہاز صاف نظر آنے لگا تھا۔ یہ ایک چھوٹا جہاز تھا۔

"میرا خیال ہے کوئی مسافروں کا جہاز ہے" عنبر نے کہا۔

امریکی کپتان بولا۔

"مسافروں کا جہاز روشنی نہیں پھینکا کرتا"

"یہ روشنی کس لیے پھینک رہا تھا؟" عنبر نے پوچھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ امریکی کپتان کو بحری جہازوں کے بارے میں زبردست تجربہ ہے۔ امریکی کپتان نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے یہ کوئی جرمن تباہ کن

جہاز سے اور روشنی ڈال کر یہ سمندر کی مچھلیوں کو قریب بلا رہا تھا۔"

"وہ کس لیے؟"

امریکی کپتان نے کہا۔

"یہ لوگ جدید آلات کی مدد سے مچھلیوں کے ذریعے سمندر کے نیچے دشمن کی آبدوز کا پتہ چلا لیتے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تمہارا اب کیا خیال ہے؟ کیا تمہارا سونے کا صندوق یہ جرمن لے جائیں گے؟"

امریکی کپتان غصے میں بولا۔

"ہرگز نہیں۔ میں مقابلہ کروں گا۔ میں اس جرمن تباہ کن جہاز کو نیچے ڈبو دوں گا۔ تباہ کر دوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہاری ایک توپ اس جہاز کو سمندر میں ڈبو سکے گی؟"

"کیوں نہیں۔ میں نے سمندر کے نیچے ایسے کتنے ہی جہاز تارپیڈو مار کر تباہ کیے ہیں۔ میں ایک ماہر جنگ باز ہوں۔ اب تم میرا کمال دیکھنا"

عنبر خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور جنگی جہاز کو قریب آتے دیکھنے لگا۔ ابھی جہاز کافی دور تھا۔ اس نے شاید ان کے جہاز کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ ایک دو بار پھر اس نے سمندر میں روشنی ڈالی۔ امریکی کپتان ایک دم سے ایک ماہر کپتان کے روپ میں نمودار ہو گیا۔ اس نے توپ کی رخ مقرر کرنے سے پہلے دوربین سے جرمن جہاز کو غور سے دیکھا۔ رجسٹر پر اس کا فاصلہ اور زاویہ لکھ کر اس کا صحیح حساب نکالا۔ اس حساب سے توپ کی نال کو فٹ کیا۔ اس میں دو سو پونڈ وزنی خوفناک گولہ ڈالا۔ یہ گولہ عام طور پر کسی بہت بڑے جہاز کو تباہ کرنے کے لئے پھینکا جاتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اتنے بڑے گولے سے توپ پھٹ جائے گی"

امریکی نے کہا۔

"تم خاموش رہو دوست! تم نہیں جانتے۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ جہاز اب قریب آ گیا تھا۔ اب اس جہاز نے بھی جاپانی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے دھماکے کے ساتھ ایک گولہ داغ دیا۔ یہ کچھ فاصلے پر سمندر میں پھٹ گیا۔ اس کے بعد جرمن جہاز نے دو تین گولے اوپر تلے پھینک دیے۔ اس دوران میں چھوٹی مشین گن کا فائر بھی آنے لگا

گولیاں عنبر کے آس پاس ڈیک پر تڑا تڑ گرنے لگیں۔ امریکی کپتان کی توپ پر بھی گولیاں لگیں۔ اب وہ توپ کو تیار کر چکا تھا۔ اس نے آخری بار دوربین لگا کر نشانہ دیکھا اور بٹن دبا دیا۔

دھماکے کی آواز کے ساتھ توپ میں سے گولہ نکل کر جہاز کی طرف گیا۔ سارا جہاز ایک بار تو گولے کے جھٹکے سے ہل گیا۔ گولے کا نشانہ بالکل درست لگا۔ یہ گولہ جرمن جنگی جہاز کی چمنی کے ٹھیک اوپر جا کر لگا۔ اور اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جا کر وہ انجنوں کے درمیان جا کر بھیانک دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس کے پھٹنے سے جہاز کا بوائلر بھی پھٹ گیا۔ بوائلر کے پھٹنے سے جہاز اچھلا اور اس میں آگ لگ گئی۔ آگ کے لگتے ہی جہاز میں رکھا ہوا گولہ بارود کا ذخیرہ پھٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی سارا جہاز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور سمندر میں غرق ہو گیا۔

اس جہاز کے کسی شخص کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ کشتی میں سوار ہو کر نیچے جان بچا کر اتر سکا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا تھا۔ جہاز کو غرق ہوتا اور شعلوں میں بھڑکتا دیکھ کر امریکی کپتان پاگلوں کی طرح اچھلنے اور ناچنے لگا۔ ویسے نشانہ اس نے بڑے کمال کا لگایا تھا۔ یہ اس کی مہارت تھی کہ

ایک گولے کو اس نے ایسے زاویے پر پھینکا کہ وہ سیدھا جہاز کی چمنی کے اندر جا کر گرا اور پھٹ گیا۔

عنبر نے اس کے نشانے کی تعریف کی اور کہا کہ اگر وہ گولہ نہ پھینکتا تو اس کی اور اس کے سونے کی خیر نہیں تھی۔ امریکی کپتان اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ اس نے دیکھتے دیکھتے میدان مار لیا تھا۔ نیچے جا کر اس نے ایک بار پھر سونے کے صندوق کو کھول کر دیکھا۔ سونے کی اینٹوں کو چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور صندوق بند کر کے اس کے گرد ٹین کی پتری چڑھا کر واپس اپنے کیبن میں آ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ کیونکہ اس کا دماغ پریشان تھا۔ وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ کیا وہ اتنا سونا، اتنی ساری دولت لے کر اپنے گھر صحیح سلامت پہنچ سکے گا؟

یہ تو خدا کو ہی معلوم تھا کہ وہ گھر پہنچ سکے گا یا نہیں۔

رات گذر گئی۔ دن کی روشنی سمندر میں پھیل گئی۔ رات کو جس جرمن جہاز کو امریکی کپتان نے گولہ باری کر کے غرق کیا تھا اس نے بڑے اطمینان سے پیچھے وائرلیس کر دیا تھا کہ جنوبی سمندر میں اتنی ڈگری اور اتنے فاصلے پر ایک جاپانی چھوٹا جنگی جہاز ہم پر گولہ باری کر رہا ہے۔ ہم اسے غرق کرنے کی

کوشش کر رہے ہیں۔ پھر اس جہاز کی چمنی میں گولہ گرا تو اس نے جلدی جلدی پیغام دیا۔

" ہیلو چارلی! ہیلو چارلی!
ہمارے جہاز کی چمنی میں بم گرا ہے۔ جہاز غرق ہونے والا ہے"

پیچھے جرمن ہیڈ کوارٹر میں جب اس کے بعد کوئی پیغام نہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ ان کا جہاز غرق ہو گیا ہے۔ انہوں نے سمندر کی سمت اور ڈگری نوٹ کر لی تھی۔ پس اسی وقت چار خوفناک قسم کے جرمن بمبار جہازوں کو جاپانی جہاز کی خبر لینے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ جرمن بمباروں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب تک جاپانی جہاز پوری طرح سمندر میں غرق نہ ہو جائے وہ واپس نہ آئیں۔

عنبر اور امریکی کپتان نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ پھر اوپر ڈیک پر آ کر ٹھنڈی ہوا میں آرام کرنے لگے۔ امریکی سونے کی باتیں کر رہا تھا۔ عنبر اسے سمجھا رہا تھا کہ سونے کی ہوس میں ہزاروں انسان پاگل ہو گئے اور مر کھپ گئے مگر سونا انہیں کبھی نہ مل سکا۔ امریکی ہنس رہا تھا اور یہی بار بار کہتا۔

"تم خدا جانے کن لوگوں کی باتیں کرتے ہو۔ دیکھ لینا۔ میں اس سارے سونے کے خزانے کو ساتھ

لے کر امریکہ پہنچ جاؤں گا"

اتنے میں ایک بار پھر عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے کان لگا کر ہوا میں کچھ سننے کی کوشش کرتا دیکھ کر امریکی کپتان بھی کچھ فکر مند سا ہوا۔ بولا۔

" کیا ہے!"

عنبر نے کہا۔

" وہی جو پہلے تھا"

" کیا؟" امریکی کپتان نے گھبرا کر پوچھا۔

" ہوائی جہازوں کی آواز۔ اس بار آواز زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے زیادہ ہوائی جہاز آ رہے ہیں"

امریکی کپتان دوربین لے کر فضا میں تکنے لگا۔

" کیا خبر یہ ہمارے اپنے جہاز ہوں"

خدا کرے۔ مگر مجھے امید نہیں"۔ عنبر نے کہا۔

امریکی کپتان نے دوربین آنکھوں سے لگا رکھی تھی۔ اچانک وہ گھبرا کر بولا۔

" یہ تو جرمن بمبار ہیں۔ ایک دو نہیں پورے چار ہیں"

عنبر نے اٹھ کر طیارہ شکن گن سنبھال لی۔ امریکی بھی دوسری گن پر چلا گیا۔ جرمن بمباروں نے جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے غوطہ لگانے کی بجائے دور سے جہاز پر راکٹ پھینکے۔ ایک

راکٹ جہاز کے مستول پر لگا جس نے اسکا اوپر کا حصہ اڑا
گن نے ہوا میں گولیاں برسانی شروع کردیں۔ مگر قسمت
امریکی کپتان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ جرمن بمباروں نے با
باری غوطہ لگا کر ایک ایک بم جہاز پر پھینک دیا۔ جہاز کے
کئی ٹکڑے ہو گئے اور وہ امریکی کے سونے کے صندوق کے
ساتھ ہی سمندر میں غرق ہو گیا۔ امریکی کپتان اور عنبر ایک
تختے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بمبار واپس چلے گئے
اب سمندر میں صرف ایک تختہ تھا۔ جس پر عنبر اور امریکی کپت
گیلے چوہوں کی طرح بیٹھے تھے اور دور دور تک سوائے سمن
کی ابھرتی لہروں کے اور کچھ نہیں تھا۔

آدم خوروں کا جزیرہ

ساری رات سمندر میں تختے پر گذر گئی۔

امریکی کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک تو اسے کروڑوں روپے کے سونے کے ڈوب جانے کا غم تھا۔ دوسرے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ کوئی پتہ نہیں تھا اب جان بھی بچتی ہے کہ نہیں۔ عنبر تختے پر خاموش بیٹھا تھا۔ ہزاروں سال سے اس کی زندگی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے گذر رہی تھی۔ وہ مصیبتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ ابھی موت اس کی قسمت میں نہیں ہے۔ اسے تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ ساری زندگی سمندر میں ڈوب کر بھی گزار سکتا تھا۔ امریکی نے آدھی رات کو عنبر سے کہا۔

"کیا ہم لوگ زندہ بچ جائیں گے؟ میرا مطلب ہے کیا میں زندہ بچ جاؤں گا؟"

عنبر نے کہا۔

ہمیں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے زندگی میں مصیبت کا وقت آتا ہی رہتا ہے۔ انسان وہی اچھا ہے جو مصیبت کے دن صبر شکر اور حوصلہ مندی سے کاٹ دے۔"

امریکی کپتان نے کوئی جواب نہ دیا۔ یا شاید اس نے کچھ کہا مگر اس کی آواز سمندر کی لہروں کے شور میں دب کر رہ گئی۔ تختہ کافی چوڑا تھا اور اس کو سمندر کی بڑی بڑی لہریں کبھی اوپر اٹھا رہی تھیں اور کبھی نیچے لے جا رہی تھیں۔ سمندر میں طوفان تو نہیں تھا مگر پھر بھی سمندر خاموش اور پرسکون بھی نہیں تھا۔ ساری رات اسی طرح گذر گئی۔

دن چڑھا تو انہوں نے دیکھا کہ دور زمین کا کنارہ نظر آنے لگا ہے۔

امریکی کپتان کے چہرے پر زندگی کے آثار آنے لگے۔ خوش ہو کر بولا

"زمین!"

عنبر نے بھی دور زمین کے کالے کالے کنارے کو دیکھا۔ ان کا تختہ جزیرے کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کنارے کنارے بھورے رنگ کی چٹانیں ہی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف جزیرے کے بیچ میں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ

نظر آرہے تھے۔ یہ درخت چھتری نما تھے اور نیچے سے اوپر تک پھیلے چلے گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے اس سمندر سے تو نجات ملی۔"

امریکی کپتان نے جزیرے کی طرف نظریں جمارکھی تھیں۔ بولا۔

"خدا جانے ابھی میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ کاش! ہم سونا لے کر کسی دوسری طرف نکل جاتے۔ ہائے! میرا کروڑوں روپے کا سونا! میں دنیا کا سب سے زیادہ امیر آدمی نہ بن سکا۔"

پھر وہ سر پر ہاتھ مارنے لگا۔ ایسے لگتا تھا کہ دولت کے چھن جانے سے وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ عنبر نے [illegible] دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا! ہوش کرو۔ زندگی میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔"

امریکی کہنے لگا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

"مگر ابھی تو تم زمین کی شکل دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے!"

"ہاں۔ میں اس لیئے خوش ہو رہا تھا کہ میں زمین پر جاکر مرنا چاہتا ہوں۔ میں سمندر میں ڈوب کر نہیں مرنا چاہتا۔ اب میں آسانی سے جان دے سکوں گا۔"

عنبر اس امریکی کی باتیں سن کر عاجز آگیا۔ کیسا احمق آدمی ہے دولت پس جانے سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔

تختہ جزیرے کے ساحل سے جالگا۔ عنبر نے ساحل کی ریت پہ اتر کر امریکی کو بھی سہارا دے کر نیچے اتارا۔ دونوں ریت پر لیٹ گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی زمین کے سینے پر لیٹ کر وہ بڑے خوش ہو رہے تھے۔ عنبر اس لئے خوش ہو رہا تھا کہ اسے زمین سے محبت تھی اور امریکی اس لئے کہ وہ سمندر کی موت سے بچنا چاہتا۔ اسے اس خیال سے ہی خوف آتا تھا کہ اس کی لاش کو مچھلیاں کھا سکتی ہیں۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عنبر نے اٹھ کر جزیرے کا جائزہ لیا۔ وہاں بھورے رنگ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ کنارے پر ایک بھی درخت نہیں تھا۔ امریکی کا پیاس کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ عنبر نے ادھر ادھر پانی تلاش کیا۔ اتفاق سے ایک جگہ ننھا سا گڑھا پانی سے بھرا مل گیا۔ یہ پانی میٹھا تھا۔ اس نے امریکی کو وہاں لے جاکر پانی پلایا۔ امریکی کو ہوش آیا۔ عنبر نے کہا۔

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اس جزیرے کا چکر لگا کر دیکھتا ہوں کہ یہاں رہنے کے لئے کونسی جگہ بہتر رہے گی۔ کیونکہ کوئی خبر نہیں ابھی ہمیں کتنے دن یہاں بسر کرنے پڑیں"

امریکی نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا"

عنبر اسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ جب سے سونا غرق ہوا تھا اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ کبھی وہ اپنے آپ ہنسنے لگتا تھا اور کبھی اپنے آپ رونے لگتا۔ مگر جب امریکی نے بہت مجبور کیا تو عنبر اسے ساتھ لے کر جزیرے کے اندر داخل ہوگیا۔ وہ اس طرف چل دیئے جدھر درختوں کے جھنڈ تھے۔ زمین ریتلی اور بھربھری تھی۔ جابجا کانٹے دار تھیں۔ جہاں درختوں کا ذخیرہ شروع ہوا وہاں زمین پر ہری بھری اونچی گھاس اگی تھی۔

دونوں گھاس میں داخل ہوگئے۔

یہاں ایک پگ ڈنڈی بنی تھی۔ جو گھاس کے بیچ میں سے بل کھاتی جا رہی تھی۔ عنبر نے رک کر کہا۔

"یہاں ضرور کوئی قبیلہ آباد ہے۔ ورنہ یہ پگ ڈنڈی کبھی نہ ہوتی۔ یہ لوگوں کے آنے جانے

سے بنی ہے"

امریکی نے کہا۔

"خدا کرے یہ آدم خور لوگ ہوں اور ہم دونوں کو ہڑپ کر جائیں۔"

عنبر نے اسے ڈانٹا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ خاموش رہو۔"

امریکی نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ عنبر نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے گرا لیا۔ کیونکہ وہ آوازوں سے اس جزیرے کے قبیلے والوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مگر جزیرے میں قبیلے کے ایک چوکیدار کو خبر ہو گئی تھی۔ یہ ایک نانگا آدم خور وحشی تھا جو باہر سے آنے والوں کے سر کاٹ کر انہیں بھون کر کھا جاتا تھا۔ یہ نانگا چوکیدار ایک درخت پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے جو ایک انسان کے رونے کی آواز سنی تو چونک کر نیچے دیکھا۔ ذرا فاصلے پر اسے دو انسان نظر آئے۔ اس نے چھلانگ لگا دی اور کمان میں تیر جوڑ کر ان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

عنبر نے امریکی کو بڑی مشکل سے چپ کرایا اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ایک تیر عنبر کی پیٹھ سے ٹکرا

کر نیچے گرا۔ یہ آدم خور ننگے کی بدقسمتی تھی کہ اس نے عنبر کا نشانہ لیا۔ اگر وہ امریکی کو نشانہ بناتا تو وہ اب تک زمین پر گرا تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا ہوتا۔ عنبر نے تڑپ کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدم خور وحشی جس کی کالی جٹائیں گردن تک بڑھی تھیں تیر کمان لیے سامنے کھڑا تھا۔ عنبر نے امریکی سے چیخ کر کہا۔

"زمین پر لیٹ جاؤ"

عنبر نے ساتھ ہی اچھل کر آدم خور وحشی کو دبوچ لیا۔ وحشی نے تیر کمان پھینک کر ہاتھ میں خنجر کھینچ لیا تھا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ آدم خور نے خنجر کے کئی ایک بھیانک وار کیے۔ اس کا خیال تھا کہ اتنے خنجر لگنے سے کوئی شخص بھی زندہ نہیں بچ سکتا۔ لیکن جب عنبر کے جسم پر خنجر یوں لگے جیسے پتھر پر لگ رہے ہوں تو وحشی گھبرا گیا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے اس کی زبان میں کہا۔

"میں تمہارا دیوتا ہوں"

اتنا سن کر آدم خور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

عنبر نے اسی کے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ امریکی نے کہا۔

"تم نے غلطی کی اسے مار ڈالا۔ ہم اس سے پوچھ گچھ کر کے پتہ کر سکتے تھے کہ باقی کے لوگ

کہاں ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"اور یہ بڑی آسانی سے چیخ مار کر دوسرے لوگوں کو خبردار کر سکتا تھا۔ میں نے اسے اتنی مہلت ہی نہیں دی۔ اگر اسے یقین ہوتا کہ اس کا خنجر مجھے ہلاک نہیں کر سکے گا تو یہ چلا کر سارے قبیلے والوں کو یہاں جمع کر دیتا اور پھر میرے لئے کم از کم تمہاری جان بچانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔"

امریکی نے کہا۔

"کیا یہ لوگ آدم خور ہیں؟ ہ کیا خیال ہے!"

عنبر بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اتنا میں ضرور کہوں گا کہ ان جزیروں میں بسنے والے سبزی خور نہیں ہوتے۔ وہ گوشت کھاتے ہیں اور وہ بھی انسانوں کا۔ جیتے جاگتے انسانوں کا۔"

امریکی نے کہا۔

"میں ان لوگوں سے مقابلہ کروں گا۔ میں ان سب کو نیست و نابود کر دوں گا تاکہ پھر یہ کبھی کسی انسان کو ہڑپ نہ کر سکیں۔"

اتنا کہہ کر امریکی پھر شور مچانے لگا تھا کہ عنبر نے اسے پکڑ کر نیچے گرا لیا۔ پھر اسے ڈانٹ پلا کر سمجھایا کہ اگر اسے اپنی زندگی عزیز ہے تو ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کرنی چاہئے۔

"اگر پھر تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہاری زندگی کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ اس ڈر سے میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لا رہا تھا۔"

امریکی خاموش ہو گیا۔

وہاں انہیں کوئی آدم خور نہ ملا۔ درختوں پر پھل لگے تھے اور پانی بھی موجود تھا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر پھل کھائے اور پانی پیا۔ پھر وہیں لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ امریکی بار بار آہیں بھر رہا تھا۔

"خدا نے مجھے سونا دے کر کیوں چھین لیا؟ آہ! میں ارب پتی بنتے بنتے رہ گیا۔ میرا سارا خزانہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ میں لٹ گیا۔ آہ! میں برباد ہو گیا۔"

امریکی رونے لگا۔ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔ عنبر نے اسے بہت سمجھایا۔ بڑی مشکل سے چپ کرایا۔ رات آدھی گزر رہی تھی۔ آخر امریکی سو گیا۔ عنبر بھی کافی تھکا ہوا تھا۔ اسے بھی نیند آ گئی اور وہ نیند کی دنیا میں گم

ہو گیا۔ خدا جانے وہ کتنی دیر سویا ہوگا کہ شاید کسی شے کے گرنے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا۔ ایک درخت پر سے ناریل اس کے سرہانے زمین پر گرا تھا اور ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر ناریل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ امیکی وہاں نہیں ہے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔

سوچا وہ پاگل ضرور۔ دیوانے پن میں کسی طرف اٹھ کر بھاگ گیا ہوگا اور کسی آدم خور کے ہتھے چڑھ گیا ہوگا۔ عنبر نے زمین پر جھک کر دیکھا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اسے زمین پر پاؤں کے نشان نظر آئے۔ یہ دو آدمیوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یعنی امیکی کو کوئی شخص اٹھا کر لے گیا تھا۔ اکیلا آدمی اسے [illegible] کر کیسے لے جا سکتا تھا۔ ضرور اس نے امیکی کو بے ہوش کیا ہوگا۔ عنبر پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ جنگل میں ایک طرف یہ چٹانوں کی جانب نشان نکل گئے تھے۔ ادھر سے یہ پاؤں کے نشان ایک دوسرے جھنڈ میں آ گئے۔ یہاں پہنچ کر عنبر نے فضا میں دھوئیں کی بو سونگھی۔ پھر آہستہ آہستہ ڈھول بجنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ان آوازوں کی طرف بڑھا۔

[illegible] سے گزر کر جب وہ ایک ٹیلے کے دامن میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کتنے ہی آدم خور آگ کے گرد ناچ رہے ہیں۔ ان کے تیل سے چپڑے بدن آگ کے شعلوں میں چمک رہے ہیں۔ یکایک اس کی نظر آگ کے اوپر گئی اور اس کی روح کانپ گئی۔

آگ کے شعلوں کے اوپر امیکی کپتان کا سر کاٹ کر لٹکا دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس کا باقی دھڑ بھی لٹک رہا تھا اور شعلے اسے بھون رہے تھے۔ عنبر کا خون کھول اٹھا۔ ان ظالم سنگدم آدم خوروں نے ایک بے گناہ انسان کو قتل کر دیا تھا اور اب اس کی لاش اور کٹے ہوئے سر کو آگ پر بھون کر کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ ان لوگوں کو وہ ایسا سبق سکھائے گا کہ یہ ساری عمر یاد رکھیں گے۔ بلکہ ان لوگوں کو اس جزیرے کی زمین سے مٹا دے گا تاکہ پھر کبھی وہ کسی انسان کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک نہ کر سکیں۔

عنبر نے آگ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اب جلدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔ امیکی بے چارہ مر چکا تھا۔ اس کی زندگی کو واپس نہیں لایا جا سکتا تھا۔ جب عنبر کافی قریب پہنچا تو اچانک ایک وحشی آدم خور کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔

اس نے کلہاڑی فضا میں بلند کر کے زور سے چیخ ماری اور اپنی زبان میں کہا۔

"انسانی شکار!"

سارے آدم خوروں نے گھوم کر عنبر کو دیکھا۔ انہوں نے ناچنا بند کر دیا۔ عنبر بڑی بہادری سے ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ڈھول بند ہو گئے۔ آدم خوروں نے تیر چڑھا لیے۔ کلہاڑیاں اٹھا لیں اور اپنے سردار کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔ عنبر بڑے اطمینان سے آگے چلا آ رہا تھا۔ اچانک سردار نے ہاتھ بلند کر کے چیخ مار کر کہا۔

"شکار کا سر کاٹ دو"

یہ حکم سنتے ہی چار آدم خور کلہاڑے لے کر عنبر کی طرف بھاگے۔ انہوں نے چاروں کلہاڑے تاک کر، نشانہ باندھ کر عنبر کی گردن پر پھینکے۔ ان لوگوں کے نشانے بڑے غضب کے تھے۔ چاروں کلہاڑے عنبر کی گردن پر آ کر لگے اور اچٹ کر جھنجھناتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ سردار نے سمجھا شاید ان لوگوں کے نشانے خطا گئے ہیں۔ اس نے چلا کر کہا۔

"شکار کو تیروں سے چھلنی کر دو"

اب دس پندرہ آدم خوروں نے کمانوں میں تیر جوڑ کر

ایک ساتھ عنبر کے سینے کا نشانہ باندھ کر چلا دیئے۔ یہ تیر گولی کی طرح سن سے عنبر کے سینے میں آ کر لگے اور لگتے ہی ٹکرا کر نیچے گر پڑے۔ سردار نے دوسری بار تیر چلانے کا حکم دیا۔ پندرہ دوسرے آدم خوروں نے تیر چلائے۔ ان کے تیر بھی عنبر کے سینے سے ٹکرا کر نیچے زمین پر گر پڑے۔ اب تو وہ حیران پریشان ہونے لگے کہ آخر یہ آدمی لوہے کا بنا ہے یا پتھر کا۔ عنبر اب قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک نظر امریکی کی لاش کو دیکھا جو شعلوں کی وجہ سے جل رہی تھی اور ہوا میں گوشت کے جلنے کی بدبو پھیلی تھی۔ عنبر کو سارے آدم خور وحشت کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور اپنے سردار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

کشتی اور طوفان

سردار بھی کچھ سہم گیا تھا۔

مگر وہ ایک وحشی آدم خور تھا۔ اس نے کلہاڑا لیا اور خود عنبر پر حملہ کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ عنبر نے اسے حملہ کرنے دیا۔ سردار نے کلہاڑا دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوری طاقت سے عنبر کے سر پر دے مارا۔ عنبر کا سر دو ٹکڑے ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ بلکہ کلہاڑا ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے زبان سے ایک لفظ ابھی تک نہیں نکالا تھا۔ اس نے زمین پر سے ایک کنکر اٹھائی اور اسے ہاتھ میں لے کر ہاتھ کو گھمایا اور پوری طاقت سے ایک آدم خور کے سر پر دے ماری۔

کنکر گولی کی طرح آدم خور کے سر پر لگی اور اس کا سر پاش پاش ہو کر اڑ گیا۔ دوسرے لوگوں نے اپنے ساتھی کو ہلاک ہو کر گرتے دیکھا تو عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر پر کلہاڑیاں، برچھیاں اور تیر چل رہے تھے۔ مگر کا بال تک بیکا نہیں ہو رہا تھا۔ الٹا عنبر کے ہاتھوں ایک ایک کر کے وحشی مرتے چلے جا رہے تھے۔ جب پندرہ میں آدھوں کو عنبر نے اٹھا اٹھا کر زمین پر مارتے ہوئے ہلاک کر ڈالا تو سردار نے دونوں ہاتھ کھڑے کر کے کہا۔

”رک جاؤ“

باقی کے آدم خور پیچھے ہٹ گئے۔ اب عنبر نے سردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم نے اب تک کتنے آدمیوں کو مار کر کھایا ہے؟“

سردار کا دماغ چکر کھا گیا۔ کیونکہ عنبر ان کی جنگلی زبان میں ان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر عنبر کو دیکھا اور بولا۔

”تم ۔ تم ہماری زبان کیسے جانتے ہو۔؟“

عنبر نے آگے بڑھ کر سردار کے گلے میں پڑا ہوا انسانی ہڈیوں کا ہار نوچا اور اسے توڑ کر نیچے پھینک دیا۔ سارے وحشی آدم خور دہشت سے پکار اٹھے۔

”اشلمام ——“

اور انہوں نے دیوانوں کی طرح عنبر پر ایک بار پھر حملہ کر دیا۔

ب عنبر کے ہاتھ میں بھی ایک کلہاڑا آگیا تھا۔ اس نے ایسا کلہاڑا چلایا کہ جو کوئی سامنے آتا کٹ کر گرجاتا۔ دیکھتے دیکھتے بیس پچیس آدم خوروں کی لاشیں گر گئیں۔ سردار نے آگے بڑھ کر عنبر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"معافی مانگتا ہوں دیوتا! تم دیوتا ہو"

عنبر نے کہا۔

"میں دیوتا نہیں ہوں۔ مگر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور اس نے ایسا ہاتھ کلہاڑے کا مارا کہ سردار کی گردن تن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑی۔ عنبر نے اسے آگ میں پھینک دیا۔ باقی آدم خور آگے بڑھے کہ عنبر پر پھر حملہ کریں مگر عنبر نے تیر چلا دیا اور ایک آدم خور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ باقی آدم خور یہ حالت دیکھ کر چیختے چلاتے وہاں سے بھاگ گئے۔ عنبر اب وہاں اکیلا رہ گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے امریکی کپتان کا سر اور دھڑ اتار کر اسے زمین میں دفن کیا اور پھر ایک درخت سے ٹیک لگا کر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا۔

باقی رات بھی گذر گئی تھی اور اب جزیرے پر صبح کی روشنی ہو گئی۔

ہوا اٹھا اور ساحل سمندر کی طرف چلا۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے اسے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ رک گیا۔ کان لگا کر سننے لگا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ معلوم ہوا کہ آواز ایک ٹیلے کی جانب سے آتی ہے۔ عنبر ٹیلے کی طرف ہوا۔ یہاں ایک پتھر کے نیچے سے آواز آرہی تھی۔ عنبر نے پتھر کو زور لگایا تو وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے ایک تنگ سا راستہ اندر کو جاتا تھا۔

عورت کے رونے کی آواز اسی راستے سے اب صاف سنائی
دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اب کسی مرد کی
بھی آرہی تھی شاید عورت کو اذیت پہنچا رہا تھا رستے
سے اس تنگ راستے سے گذرتا ہوا آ [illegible] دیا اور [illegible]
گھوما تو سامنے دیکھتا کیا ہے کہ ایک [illegible] بدقسمتی کہ
عورت کو ایک آدم خور وحشی نے زیر کیا۔ جہاز سمندر
اسے کوڑوں سے مار رہا ہے۔ ٹکرا کر پاش پاش
عنبر نے پیچھے سے جا کر چھلانگ لگائی۔ میری زندگی ابھی
جکڑ لیا۔ ہو گئی اور سمندر
آدم خور نے خنجر نکال کر عنبر کے پہلو تختہ ایک رند
کی گرفت سے بھلا اب وہ بدنصیب کہاں بچے ان آدم
عنبر نے اس کی زبان میں ہی کہا۔ بند کر دیا۔

" دو چار آخری سانس لے لو بد نصیب وحشی!"
وحشی نے گھبرا کر پوچھا۔
" تم تم کون ہو!"
عنبر نے کہا۔
" تمہارا باپ۔ بلکہ تمہارے باپ کا بھی باپ"
پھر اس نے ایک ایسا مکا وحشی آدم خور کے سر پر مارا کہ
جیسے اس کے سر پر چٹان کا ٹکڑا گر پڑا ہو۔ اسکا سر
بدن میں دھنس گیا اور وہ آہ کئے بغیر اگلی دنیا میں چلا
عنبر نے عورت کو زمین پر سے اٹھا کر بٹھایا اور اس
اور اس کپڑا دے کر کہا۔
تن سے جدا ہو
بہن! اور یہاں کس طرح آگئیں؟"
میں پھینک دیا۔ باقی تو رحمت سمجھنے لگی تھی۔ پھر اس نے
حملہ کریں مگر عنبر نے خنجر کے حملے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا
پر گر کر تڑپنے لگا۔ باقی کے سے وحشی کا سر گردن میں
وہاں سے بھاگ گئے۔
سے آج کوئی دیوتا سمجھنے لگی تھی۔
بڑی مشکل سے اس بکھرے ہوئے تھے۔ لباس الجھا ہوا
زمین میں دفن کیا آنکھوں والی جوان عورت تھی۔ اس نے
کرنے کی غرض سے کے بال باندھ اور کہا۔
باقی رات بھی گزر
میں ملک بنگال کی رہنے والی ہوں"
روشنی ہو گئی۔

عنبر نے پوچھا۔
" اور ان آدم خوروں کے ہتھے کیسے چڑھ گئیں؟"

وہ بولی۔
" میرا نام سندری ہے۔ میں اپنے باپ کی
موت کی خبر سن کر جزیرہ سنگلدیپ آئی تھی۔
میرا خاوند بھی میرے ساتھ تھا۔ میرا باپ مر گیا
تو خاوند کسی ضروری کام کی وجہ سے پہلے
جہاز میں بنگال چلا گیا۔ میں باپ کا کریا کرم
کرنے اور دوسری رسمیں پوری کرنے کے
بعد واپس جانا چاہتی تھی۔ پس میرے رشتے
داروں نے مجھے جہاز میں سوار کرا دیا اور جہاز
بنگال کی طرف چل پڑا۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ
راستے میں زبردست طوفان آگیا۔ جہاز سمندر
سے نکلی ہوئی ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش
ہو گیا۔ سارے مسافر ڈوب گئے۔ میری زندگی ابھی
باقی تھی۔ میں ایک تختے پر سوار ہو گئی اور سمندر
میں اکیلی سفر کرنے لگی۔ آخر وہ تختہ ایک روز
مجھے اس جزیرے پر لے آیا۔ یہاں مجھے ان آدم
خوروں نے پکڑ لیا اور اس غار میں بند کر دیا۔

یہ لوگ مجھے مجبور کرتے تھے کہ میں سردار کے ساتھ شادی کر لوں۔ میں انکار کر رہی تھی۔ آخر انہوں نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور آج شاید یہ آدم خور میری جان ہی نکال دیتا کہ اچانک تم نے آکر اے دیوتا میری جان بچا لی۔"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا"

سندری بولی۔

"لیکن میرے دیوتا! یہ جزیرہ آدم خوروں سے بھرا ہوا ہے۔ ان کا سردار بڑا ظالم ہے اور انسان کے سر کو بھون کر بڑے شوق سے کھاتا ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس وقت سردار کا اپنا سر آگ میں بھونا جا رہا ہے"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے سردار کا سر کاٹ کر آگ میں پھینک دیا تھا جو ضرور اب تک جل کر راکھ ہو گیا ہوگا"

"اور باقی آدم خور؟"

"آدھے سے زیادہ تو ہلاک ہو گئے ہیں اور باقی بھاگ گئے ہیں"

"یہ کیسے ہو گیا؟"

"جیسے ہوا کرتا ہے۔ میرے پاس جو طاقت ہے اس کو تم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اب تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ ان سارے آدم خوروں کو میں نے اکیلے کیوں کر ہلاک کیا ہوگا۔ یہ لوگ ظالم تھے انہوں نے انسانوں کا شکار کیا تھا۔ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو یہ ہڑپ کر چکے تھے۔ ان کو ان کے گناہ کی سزا ملنی ہی چاہیے تھی۔"

سندری نے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

عنبر نے کہا۔

"بہن سندری! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے عظیم دیوتا مت کہو۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ ہاں تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ضرور ہے کہ مجھ پر ابھی موت حرام کر دی گئی ہے میں ابھی مر نہیں سکتا اور مجھ میں

بے پناہ طاقت بھر دی گئی ہے۔ دوسری بات
یہ ہے کہ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔
خدا کو ابھی تمہاری زندگی منظور تھی۔ پس اس
نے میرا بہانہ بنا دیا۔"

سندری کی آنکھوں میں شکریہ کے آنسو تھے۔ اس کے جسم پر دو تین جگہوں سے خون رس رہا تھا۔ عنبر نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور غار سے باہر لے آیا۔ یہاں اسے ایک جگہ درخت سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور پھر اس کے لیے جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرنے نکل گیا۔ اسے جڑی بوٹیوں کی بڑی پہچان تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ جڑی بوٹیاں لے کر واپس آ گیا۔ اس نے پتے سندری کے زخموں پر لگا کر کپڑے سے باندھ دیئے۔

سندری کو آرام محسوس ہونے لگا۔ ان بوٹیوں میں بڑی تاثیر تھی۔ عنبر اب کوئی ایسی جگہ بنانا چاہتا تھا جہاں وہ سندری کو محفوظ رکھ سکے۔ یہ ایک اور ذمے داری اس پر پڑ گئی تھی۔ مگر وہ گھبرایا نہیں تھا۔ اسے انسانوں کی مدد کرنے کے کام آ کر ہمیشہ خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بہت سوچا لیکن غار سے بہتر اور محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ پھر سندری کو کچھ دیر دھوپ اور کھلی ہوا میں

رکھنے کے بعد وہ اسے لے کر غار کے اندر آ گیا۔ یہاں اس نے ایک جگہ گھاس وغیرہ بچھا کر نرم بستر بنا دیا۔ جس پر سندری کو آرام کرنے کے لیے کہا۔

شام کو عنبر جنگل سے پھل توڑ کر لے آیا۔ آدم خوروں کی جھونپڑی سے وہ ایک مٹی کا مٹکا پانی سے بھر کر اور دو مٹی کے پیالے لے آیا۔ سندری کو اس نے جنگلی پھل کھلا کر پانی پلایا اور سلا دیا۔ رات کو عنبر غار کے باہر آ کر پہرہ دیتا رہا۔ کافی دیر پہرہ دینے کے بعد اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ اچانک اس نے آہٹ سنی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدم خور وحشی کلہاڑا تانے اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بڑا ناسمجھ تھا۔ موت کے منہ میں اپنے آپ آ گیا تھا۔ لیکن وحشی تھا۔ اسے کیا خبر تھی وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ سوچا تھا کلہاڑے سے عنبر کو ہلاک کر کے عورت کو بھگا لے جاؤں گا اور عنبر کی لاش کو بھون کر مزے سے کھا جاؤں گا۔ عنبر نے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں وحشی کو دیکھا تو مسکرا کر اسی کی زبان میں کہا۔

"تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں احمق!
آخری دو چار سانس آرام سے لے لو۔ موت

تمہیں میرے پاس لے آئی ہے۔"

اس اثنا میں وحشی نے پوری طاقت سے کلہاڑا عنبر کے سر پر دے مارا۔ آخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ کلہاڑا عنبر کے سر سے ٹکرا کر یوں ٹوٹ کر گرا جیسے کسی سخت چٹان سے ٹکرا گیا ہو۔ وحشی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عنبر نے ٹانگ اڑا کر وحشی آدم خور کو نیچے گرا لیا۔ اس نے ایک بار پھر حملہ کیا اور خنجر عنبر کے سینے پر مارا۔ خنجر کا بھی وہی حشر ہوا جو کلہاڑے کا ہوا تھا۔ لیکن خنجر سے وحشی کا اپنا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا۔ چار انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ کیونکہ عنبر کے سینے سے لگ کر خنجر مڑ گیا اور وحشی کے ہاتھ کو کاٹ گیا۔ عنبر اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے وحشی کا گلا اپنے مضبوط ہاتھوں کے شکنجے میں لے کر دبایا اور تھوڑی دیر بعد وحشی آدم خور مردہ ہو کر اس کے ہاتھوں سے نیچے گر پڑا۔

عنبر نے اس کی لاش پہلے ایک گڑھے میں پھینک کر اوپر گھاس ڈال دی۔

اس کے بعد وہ پھر نہ سو سکا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اسے سوتا پا کر کوئی وحشی غار میں گھس کر سندری کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ پس باقی ساری

رات وہ پہرہ دیتا رہا۔ صبح سندری اٹھی تو عنبر نے اسے ساری کہانی سنائی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی تک جزیرے پر کوئی آدم خور باقی ہے۔

عنبر نے کہا۔

"آؤ میں تمہیں اس کی لاش دکھاتا ہوں۔"

سندری نے آدم خور کی لاش دیکھی تو بولی۔

"بھگوان جھوٹ نہ بلوائے۔ ابھی اس جزیرے پر کتنے آدم خور باقی ہیں۔"

عنبر نے اسے تسلی دی۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں سندری! جب تک خدا نے تمہاری زندگی لکھی ہے اور جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی آدم خور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

سندری نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر اس کے باوجود ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

عنبر نے بھی سوچا کہ سندری ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس جزیرے پر رہنا اس لیے بھی خطرناک تھا کہ سندری بے بس عورت تھی اور اسے جنگل سے آیا ہوا کسی بھی وحشی آدم خور کا تیر

ہلاک کر سکتا تھا۔ قریب سے حملہ کرنے والے دشمن کے وار سے تو عنبر اسے بچا سکتا تھا لیکن اندھیرے سے آیا ہوا زہریلا تیر سندری کو ضرور ہلاک کر سکتا تھا۔ اس لیے اب وہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہاں سے کیوں کر نکلا جائے؟

جزیرے پر سوائے آدم خوروں کی دس بارہ کشتیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ کشتیاں چھوٹی اور لمبوتری تھیں اور سمندر میں سفر کے لئے نہیں بلکہ مچھلیاں وغیرہ پکڑنے کے لئے بنائی گئی تھیں۔ کیا اس کشتی پر سندری کو لے جانے کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا؟ سمندر خوفناک تھا۔ اس میں طوفان بھی آ سکتے تھے۔ کیا یہ چھوٹی سی کشتی سمندری طوفانوں کا مقابلہ کر سکتی تھی؟

* * *

بنگال کا جادو

* * *

کافی سوچ بچار کے بعد عنبر نے سندری سے کہا۔

"بہن! اس آدم خوروں کے جزیرے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم ان کی ایک کشتی پر سوار ہو جائیں۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ رکھ لیں اور خدا کا نام لے کر سمندر میں اپنا سفر شروع کر دیں۔"

سندری نے کہا۔

"لیکن ان کی کشتی میں ہم سمندر میں سفر کر سکیں گے؟ کشتی تو چھوٹی سی ہے کیا یہ سمندری لہروں کا مقابلہ کر سکے گی؟ اور پھر اس میں تو کھانے پینے کا سامان بھی بہت تھوڑا آئے گا۔"

"یہی سوچ کر میں خاموش تھا۔ بہر حال ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہو گا تاکہ اس جزیرے سے جتنی جلدی

ہو سکے نکل جائیں،"
سندری نے کہا۔

"یہاں رہنا میرے لئے خطرناک ہے یہ لوگ مجھے ہلاک کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔"

عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر سر اٹھا کر بولا۔

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ ایک نئی کشتی بنائی جائے۔"

"نئی کشتی؟"

"ہاں۔ ایک بڑی کشتی۔ جس میں سوار ہو کر ہم سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل یعنی بنگال پہنچ سکیں۔ یہ بادبانی کشتی ہو گی۔ اسے ہوائیں سمندر میں چلائیں گی۔"
سندری نے کہا۔

"کیا تم نے کبھی بادبانی کشتی بنائی ہے؟"
عنبر نے کہا۔

"ہاں! دو ایک بار میں ایسی کشتی پہلے بھی بنا چکا ہوں۔"

"تو پھر شروع کر دو بنانی۔ میں بھی تمہاری مدد

کروں گی۔"

"بہتر ہے۔"

عنبر نے آدم خوروں کی جھونپڑیوں میں جا کر ایک کلہاڑا لیا اور درخت کاٹنا شروع کر دیا۔ سارا دن وہ درخت کاٹتا۔ شام کو آرام کرتا۔ رات کو سندری کو غار کے اندر سلا کر خود باہر پہرہ دیتا۔ ایک ہفتے کے بعد اس نے درختوں کے بڑے بڑے تختے بنا لیے۔ لکڑی کی میخیں ٹھونک کر کشتی کا پیندا تیار کر لیا۔ یہ کافی بڑی کشتی تھی اور اس کی ایک نچلی منزل بھی تھی جس میں بارش اور سمندری طوفان میں پناہ لی جا سکتی تھی۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ اس دوران میں دو بار آدم خوروں نے سندری پر حملہ کیا اور کشتی کو آگ لگانے کی کوشش کی مگر دونوں بار آدم خور ہلاک کر دیئے گئے۔

اب سندری نے بھی تیر کمان چلانا سیکھ لیا تھا۔ مہینے کے بعد کشتی بن کر تیار ہو گئی۔ اس کے ساتھ ناریل کی چھال سے تیار کئے گئے بادبان لگا دیئے گئے تھے۔

سندری تو کشتی دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔

"عنبر بھیا! تم نے تو کمال کر دکھایا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کسی کارخانے میں یہ کشتی تیار کی گئی ہے۔"

عنبر ہنسا۔

" انسان جی لگا کر محنت سے کام کرے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے میری اچھی بہن! لو۔ اب کشتی تیار ہے۔ آج کی رات ہم اس میں پانی کے مشکے اور پھل ذخیرہ کریں گے اور صبح صبح منہ اندھیرے اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔"

سندری نے پوچھا۔

"عنبر بھیا! کیا تمہیں سمندری راستوں کا علم ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم سمندر میں بھٹک کر کہیں سے کہیں نکل جائیں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ میری ساری زندگی سمندروں میں سفر کرتے گزر گئی ہے۔ ہزاروں سال سے سمندری سفر کر رہا ہوں۔"

سندری نے چونک کر کہا۔

"کیا کہا! ہزاروں سال سے؟"

عنبر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔ سندری کو تو یہ بتایا ہی نہیں ہے کہ وہ ہزاروں برس سے زندہ رہا ہے۔ جھٹ بات ٹال کر بولا۔

"میں مذاق کر رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے سمندری سفر کا بڑا تجربہ ہے اور میں سمندروں کے راستوں سے خوب واقف ہوں۔ اور پھر میں جس جہاز پر سفر کر رہا تھا وہ ایک جدید جاپانی جنگی جہاز تھا۔ اس کے نقشے سے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ہم جنوبی سمندروں میں ہیں یہاں سے جنوب مشرق کی جانب بنگال ہے اور جنوب مغرب کی جانب افریقہ ہے۔ ہمیں جنوب مشرق کی جانب ذرا اوپر کی طرف ہو کر سفر کرنا ہو گا اس جہاز سے ہم دس بارہ روز کے اندر اندر بنگال کے سمندر میں پہنچ جائیں گے۔ ہاں اگر راستے میں طوفان نہ آیا اور کسی جنگی جہاز نے ہمیں گرفتار نہ کر لیا یا بم کا نشانہ نہ بنا دیا۔"

سندری ڈر گئی۔ اسے اب خیال آیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم بڑے زوروں پر تھی اور خاص طور پر جنوبی گرم سمندروں میں جاپانیوں نے تباہی مچا رکھی تھی۔ وہ ہر جہاز کو گولہ باری کر کے ڈبو دیتے تھے۔ اس نے سہم کر کہا۔

"پھر کیا ہو گا۔ اگر راستے میں ہمیں جاپانیوں نے پکڑ لیا تو ہم تو ساری زندگی اپنے گھر نہ پہنچ سکیں گے۔"

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"پیاری بہن! انسان کو زیادہ اندیشے نہیں کرنے چاہئیں۔ زیادہ وہم اور فکر و وسوسے میں نہیں پڑنا چاہیے بس اللہ کا نام لے کر ہمت سے کام لیتے ہوئے کام شروع کر دینا چاہیے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں کوئی بھی جاپانی جہاز نہ ملے اور کوئی امریکی جہاز مل جائے جو ہمیں اپنے جہاز پر سوار کرا لے اور بڑی حفاظت سے بنگال پہنچا دے۔"

"ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے"

"بس پھر تیاری کر لو۔ ہم آج ہی صبح منہ اندھیرے اس جزیرے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے ہیں"

"جیسی تمہاری مرضی!"

"نہیں جیسے میرے خدا کو منظور"

ساری رات عنبر نے کشتی میں پانی سے بھرے ہوئے مٹکے، مچھلی کے اچار کے مرتبان اور پھلوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں رکھنے میں گزار دی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ منہ اندھیرے کا س ختم ہوا تو عنبر نے محسوس کیا کہ بڑی اچھی ہوا چلنے لگی ہے۔ پھر اس نے بادبان کھول دیے اور کشتی کا لنگر اٹھا دیا۔ کشتی سمندر میں پھیل گئی اور ہوا کے زور سے اس نے آہستہ آہستہ سمندر میں جنوب مشرق کی طرف چلنا شروع

ر دیا۔

جزیرے پر ابھی اندھیرا تھا۔ صرف آسمان پر ہلکی ہلکی صبح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جزیرہ دور ہوتا چلا گیا۔ عنبر اس جزیرے کو دیکھتے ہوئے امریکی کپتان کو یاد کیا س کو دولت کی حرص نے پاگل کر دیا تھا اور آخر اسی پاگل ن نے اس کی جان لے لی۔ انسان کو دولت سے اتنا پیار نہیں کرنا چاہیے۔ دولت کا پیار آخر کار انسان کو ایک نہ ایک ن موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

"عنبر بھیا! کیا کشتی اسی رفتار سے چلتی رہے گی؟"

ندری کے اس سوال پر عنبر نے چونک کر اس کی طرف دیکھ ہ کر کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے بہن! جب ہوا تیز ہوگی تو کشتی کی رفتار زیادہ ہو جائے گی۔"

ندری نے پوچھا۔

"ہوا کب تیز ہوگی؟"

بر نے کہا۔

"کھلے سمندر میں جا کر ہوا تیز ہو جایا کرتی ہے اور اگر طوفان آ گیا تو ہوا اتنی تیز ہو جائے گی کہ ہمیں بادبان اتارنے پڑیں گے"

سندری نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا طوفان سے بچائے۔"

"ہاں ہمیں یہی دعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ سمندری طوفان میں نے دیکھے ہیں۔ میں ان طوفانوں سے گذر چکا ہوں۔ انسان کے ہوش و حواس ایسے طوفانوں میں بڑی مشکل سے سلامت رہتے ہیں۔"

کشتی بڑے سکون کے ساتھ سارا دن سمندر میں چلتی رہی۔ جزیرہ اب نظروں سے غائب گیا تھا۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ آسمان بھی بادلوں سے بالکل صاف تھا۔ ہوا بڑے خوشگوار انداز میں چل رہی تھی۔ عنبر نے شام کو آسمان پر قطبی ستارے کو تلاش کر کے دیکھا۔ وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ ان کی کشتی ٹھیک سمت کو جا رہی ہے۔ قطبی ستارہ عنبر کو نظر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔

چار دن ان کو سمندر میں سفر کرتے گذر گئے۔

وہ پھل کھاتے۔ مچھلی کا اچار کھاتے اور پانی پی کر رات کو سو جاتے۔ صبح اٹھ کر سندری جھاڑو لے کر ساری کشتی کی صفائی کرتی۔ عنبر بادبانوں کو بڑی بلدہ اتار کر ان کی جانچ پڑتال کرتا۔ جہاں کہیں مرمت کی ضرورت ہوتی وہاں مرمت کرتا۔

کشتی کی ساری دیکھ بھال کرتا کہ کہیں کوئی تریڑ پیدا تو نہیں ہو رہی۔ ہر شے اپنی جگہ پر ٹھیک کام کر رہی تھی۔ ایک صبح کے وقت ان کے سروں کے اوپر سے کچھ ہوائی جہاز گذر کر نکل گئے۔ عنبر نے غور سے دیکھا اور کہا۔

"یہ جہاز ضرور امریکی ہیں۔ جو جاپانی جزیروں پر بمباری کرنے کے بعد واپس جا رہے ہیں۔"

سندری نے کہا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا۔ یہ جہاز جاپان کے بھی ہو سکتے ہیں۔"

عنبر ہنسا۔

"شاید تم نے دیکھا نہیں کہ ان جہازوں پر امریکی فضائیہ کا نشان تھا۔"

سندری بولی۔

"پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ان جزیروں کی طرف جا رہے ہیں جن پر جاپانیوں کا قبضہ ہے اس طرح سے تو ہم بڑی آسانی سے جاپانیوں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔"

"تم نے پھر خواہ مخواہ پریشان ہونا شروع کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم جنوبی سمندروں کی طرف جا

رہے ہیں اور وہاں جاپانیوں نے جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اگر ہم اسی طرح یورپ کی طرف جاتے تو ہمیں جرمنوں سے خطرہ تھا۔ اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تمام خطروں سے بڑی آسانی سے نکل جائیں۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

عنبر اور سندری کو سمندر میں سفر کرتے بارہواں روز جا رہا تھا۔ عنبر کچھ فکر مند تھا کہ وجہ کیا ہے ابھی تک انہیں بنگال کا کالا سمندر کیوں نہیں ملا؟ اگر یہ کشتی سمندر میں ٹھیک راستے پر جا رہی تھی تو اب تک اسے بنگال کے کالے سمندر میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں؟ ایسی بات ہو بھی سکتی تھی۔ کیونکہ عنبر کے پاس راستے کی سمت ٹھیک رکھنے کے لیے کوئی آلہ نہیں تھا۔ اس کے پاس صرف رات کو چمکنے والے ستارے ہی ایک ذریعہ تھے جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی پریشانی کا اظہار سندری سے کیا تو وہ بولی۔

"کہیں ہم ایک ہی چکر میں تو نہیں گھوم رہے!"

سندری کی بات پر عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ کئی جہازوں کے ساتھ ایسا بھی ہوا تھا کہ وہ کھلے سمندر میں پہنچ کر کسی بہت بڑے گرداب میں پھنس گئے۔ یعنی سو دو سو میل کے دائرے میں انہوں نے چکر لگانا شروع کر دیئے۔ وہ یہ سمجھتے کہ جہاز آگے جا رہا ہے لیکن حقیقت میں جہاز ایک بہت بڑے دائرے میں ایک ہی جگہ پر چکر لگا رہا ہوتا۔ یوں کئی جہاز پانی اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اپنے مسافروں کو ہلاک کر کے سمندر میں شتر بے مہار کی طرح نکل کھڑے ہوئے اور آخر کسی طوفان کی زد میں آ کر ڈوب گئے۔

"یہ بڑی سوچنے کی بات ہے سندری! ایسا ہو سکتا ہے۔"

پھر اس نے غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک دائرے میں چکر نہیں لگا رہے۔ کیونکہ اگر ان کی کشتی ایک دائرے میں چکر لگا رہی ہوتی تو شام کا ستارہ انہیں کبھی ایک جگہ نہ ملتا۔ بلکہ ایک رات مشرق میں نظر آتا اور دوسری رات مغرب میں نظر آتا۔ جبکہ عنبر کو ہر روز شام کا ستارہ ایک ہی مقام پر نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔

"ایسا نہیں ہے۔ ہم سیدھے جا رہے ہیں اب

یہ تو نہیں معلوم کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ آیا آسٹریلیا کی طرف جا رہے ہیں یا سیدھے جاپان کی جانب۔"

"ہائے مر گئی! خدا نہ کرے کہ ہم جاپان کی طرف جا رہے ہوں۔"

"بہر حال! ہمیں ہر خطرے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔"

تیرھویں روز پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ پھل بھی گلنے سڑنے لگے۔ صرف اچار رہ گیا تھا۔ مگر اچار پر سندری گزارہ نہیں کر سکتی تھی۔ عنبر تو بغیر کھائے پئے بھی زندہ رہ سکتا تھا۔ اسے صرف سندری کی فکر تھی۔ انہوں نے بڑی سوچ سمجھ کر خوراک استعمال کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خوراک کم از کم ڈیڑھ مہینہ ضرور چلے گی۔ مگر یہ اندازہ غلط نکلا۔ یا پھر انہوں نے شروع شروع میں پانی اور پھل زیادہ استعمال کرنے تھے۔ عنبر نے سندری کو ہدایت کر دی کہ اچار زیادہ استعمال نہ کرے۔ مگر پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے ہماری کشتی آج نہیں تو کل کسی نہ کسی زمین کے کنارے ضرور جا لگے گی۔ وہاں ہمیں میٹھا پانی بہت ملے گا اور کھانے کو روٹی بھی مل جائے گی۔"

صبح سندری کو پیاس لگی تو اس نے سمندر کا پانی پی لیا۔ جس سے اسے تسلی ہونے لگی۔ عنبر نے اسے اچار کھلا دیا جس سے اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ عنبر نے اسے سمندر کا پانی پینے سے سختی سے منع کیا۔ دوپہر کو سمندر میں کشتی بڑے آرام سے جا رہی تھی کہ دور کسی جہاز کا مستول نظر آیا۔ عنبر اور سندری پریشان نظروں سے اس جہاز کے مستول کو تکنے لگے۔ یہ جہاز کس کا تھا؟ دشمن کا تھا یا دوست کا؟ کہیں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تو نہ ہو کیونکہ ان سمندروں میں بحری ڈاکو اکثر گھوم پھر کر مسافر بردار جہازوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ جہاز کا مستول قریب آیا تو عنبر پریشان ہو گیا۔

یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا تھا اور اس کے مستول کے ساتھ بحری ڈاکوؤں کا کالا جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا نشان تھا۔

بحری ڈاکوؤں نے عنبر اور سندری کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

عنبر نے بحری ڈاکوؤں کا کس طرح مقابلہ کیا؟

کیا ناگ بھی بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر تھا؟

ملدیا کہاں تھی؟

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں۔

---

۱۰ سال کے بچوں کے لیے

ہر کتاب ایک روپے میں

- ○ چکر قلم دوات
- ○ دروازہ کھولو
- ○ سونے کا سوار
- ○ ندیا بہتی جائے
- ○ اندھے کنوئیں کا بھوت
- ○ خطرناک ڈاکو
- ○ سمندر کی جادوگرنی
- ○ بھوت اور شہزادی
- ○ لوہے کا پنجرہ
- ○ نیلا مور
- ○ مریخ شہزادہ
- ○ قوس قزح شہزادہ
- ○ پرندوں کا بادشاہ
- ○ کالے جنگل سے فرار
- ○ طوفان کی رات
- ○ بھوتوں کا بادشاہ
- ○ سفید گھوڑا
- ○ گنجوں کا جلوس
- ○ لاڈلا شہزادہ
- ○ اڑنے والا گھوڑا
- ○ سفید کلی سرخ کلی
- ○ انگوٹھی کا جن
- ○ کالا پانی
- ○ ملکہ فیروزہ
- ○ چڑیا رانی
- ○ چھنکو منکو
- ○ مکان کا راز
- ○ سرخ چڑیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عیبی ڈرائیور

کیہ کپتان کے حوالے کر دیتا ہے۔ عنبر بنگالی لڑکی کو
ہوتا ہے۔ دوسری طرف ناگ جوگی کے لباس میں
ملاقات عنبر سے ہو جاتی ہے۔ اب ماریا بھی یسلہ پہنچ
عورت کے بنگلے میں ٹھہر جاتی ہے۔ وہاں بڑے
یل آتے ہیں۔
ہم یہ واقعات بتا کر آپ کا مزا کرکرا نہیں کریں گے۔
کو ی کہانی آپ خود پڑھیں۔

اے حمید

شیخ غلام
لاہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

غیبی ڈرائیور

کے کپتان کے حوالے کر دیتا ہے۔ عنبر بنگالی لڑکی کو
ہوتا ہے۔ دوسری طرف ناگ جوگی کے لباس میں
لاقات عنبر سے ہوجاتی ہے۔ اب ماریا بھی یہیں پہنچ
بوسٹ کے بنگلے میں ٹھہر جاتی ہے۔ وہاں بڑے
پیش آتے ہیں۔

ہم کو یہ واقعات بتا کر آپ کا مزا کرکرا نہیں کریں گے۔
نا کہانی آپ خود پڑھیں۔

اے حمید

شیخ غلام

لاہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

عنبر ایک بنگالی لڑکی سندری کو لے کر کشتی میں سوار بنگال کے سمندر کی طرف جا رہا ہے کہ اُسے اس کے گھر پہنچایا جائے۔ راستے میں سمندری ڈاکو حملہ کر دیتے ہیں۔ وہ عنبر اور سندری کو قید کر لیتے ہیں۔ سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ ایک دوسرے جہاز سے ہو جاتا ہے۔ ڈاکو دوسرے جہاز کو ڈبو کر مسافروں کو پکڑ لیتے ہیں۔ اُنہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہ عنبر ان کی مدد کرتا ہے اور سارے ڈاکوؤں کو ایک ایک کر کے سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ اس جہاز کو وہ دوسرے جہاز کے کپتان کے حوالے کر دیتا ہے۔ عنبر بنگالی لڑکی کو اس کے گھر پہنچا کر واپس ہوتا ہے۔ دوسری طرف ناگ جوگی کے لباس میں بنگال پہنچتا ہے۔ اس کی ملاقات عنبر سے ہو جاتی ہے۔ اب ماریا بھی یہاں پہنچ گئی ہے اور ایک انگریز عورت کے بنگلے میں ٹھہر جاتی ہے۔ وہاں بڑے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں۔

لیکن ہم آپ کو یہ واقعات بتا کر آپ کا مزا کرکرا نہیں کریں گے۔ بہتر ہے کہ ساری کہانی آپ خود پڑھیں۔

اے حمید

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہلا باب ——— پراسرار نیلم
دوسرا باب ——— اڑنے والا قالین
تیسرا باب ——— ریل میں ڈاکا
چوتھا باب ——— کمرے کا بھوت
پانچواں باب ——— کوٹھی نمبر بارہ
چھٹا باب ——— غیبی ڈرائیور

پُراِسرار نیلم

بحری ڈاکوؤں کا جہاز بہت قریب آگیا تھا۔

عنبر اب اُس پر لہراتا ہوا کھوپڑی والا سیاہ جھنڈا صاف دیکھ رہا تھا۔ سُندری کا تو ڈر کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ عنبر بڑی سنجیدگی سے جہاز کو تک رہا تھا۔ جہاز کے ڈیک یعنی جہاز کے عرشے پر رسّوں کے ساتھ لگے کھڑے قسم قسم کی ڈراؤنی شکلوں والے ڈاکو بھی عنبر کی کشتی کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ جہاز قریب آیا تو اس کے کانے کپتان کے حکم سے رسّی پھینک کر کشتی کو جہاز کی طرف کھینچ لیا گیا۔ پھر سیڑھی کے ذریعے عنبر اور سندری کو اوپر لایا گیا۔ کانا کپتان بڑی خوفناک شکل والا تھا۔ اس کو دیکھ کر ہی ڈر آتا تھا۔ ایک آنکھ کانی تھی۔ جس پر کالا غلاف چڑھا تھا۔ سر پر سُرخ رومال بندھا تھا۔ گلے میں سونے کی زنجیر تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں کے نیچے خونخوار دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ننگی تلوار تھی۔ پستول کمر کے ساتھ لگا تھا۔ جہاز پر توپیں لگی تھیں۔ دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اُنہیں گھیر رکھا تھا۔

سب کے چہرے ڈراؤنے اور کرخت تھے۔ عنبر کے لیے یہ کوئی نئے چہرے نہیں تھے، لیکن سندری کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ کانے کپتان نے دانت نکال کر غراتے ہوئے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟"

عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ ایک جزیرے میں طوفان کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ اب وہاں آدم خوروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ کانے کپتان نے انہیں کھانے پینے کو دودھ اور پھل دیے اور نیچے ایک کیبن میں بھجوا دیا۔ ساتھ ہی سختی سے ہدایت کر دی۔

"خبردار! بغیر اجازت اوپر آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر آپ ہمیں کسی قریبی بندرگاہ پر اُتار دیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے، کیونکہ ہمیں جنگل جانا ہے۔"

کانے کپتان نے عنبر کو زور سے دھتکارتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ تیرے باپ کا جہاز نہیں ہے۔ بھاگو نیچے۔"

کیبن میں آ کر سندری نے کہا۔

"عنبر بھیا اب کیا ہوگا؟ یہ نئی مصیبت کیسے کٹے گی؟"

عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں بہن! ہم اس مصیبت کو صبر اور سکون سے کاٹنے کی کوشش کریں گے، لیکن اگر گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا تو ہم اپنے طریقے سے اسے حل کر لیں گے۔ میرے پاس خدا کے فضل سے اس مصیبت کا بھی حل موجود ہے۔"

سندری کچھ دیر اُداس بیٹھی اپنے گھر والوں کو یاد کرتی رہی پھر وہ سو گئی۔ عنبر کیبن کی گول کھڑکی کے شیشے سے لگا باہر سمندر کو تکتا رہا۔ سمندر دُور دُور تک ویران تھا۔ یہ جہاز ڈاکوؤں کا اپنا جہاز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس جہاز پر ڈاکوؤں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کسی زمانے میں یہ جہاز شاید کسی کمپنی کا مسافر بردار جہاز تھا۔ رات کو ایک ڈاکو انہیں کھانے کو روٹی اور دودھ وغیرہ دے گیا۔ عنبر نے سندری سے کہا۔

"ان ڈاکوؤں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سامنے ہی کہے کہ انہوں نے ہمیں قید کر لیا ہے۔"

سندری بولی۔

"مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ خدا جانے یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

عنبر مسکرایا۔

"میں بہت سمندری ڈاکو دیکھ چکا ہوں۔ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ لوگ سنگ دل ضرور ہیں، لیکن یہ بہادر لوگوں کی قدر کرتے ہیں۔"

رات گذر گئی۔

دن چڑھا تو عنبر نے گول شیشے میں سے دیکھا کہ ایک جہاز سمندر میں گذر رہا تھا۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز سے ایک توپ نے گولہ پھینکا جو دوسرے جہاز کو جا کر لگا اور اس کے ایک حصے میں آگ لگ گئی۔ ادھر سے کوئی گولہ نہ آیا۔ شاید وہ کوئی مال بردار جہاز تھا، کیونکہ اس کے عرشے پر مسافر نظر نہیں آتے تھے۔ چھ سات گولے لگنے کے بعد جہاز پر آگ لگ گئی۔ بحری ڈاکوؤں نے اپنے جہاز کو اس کے قریب کر لیا اور اس میں چھلانگیں لگا کر اسے لوٹنے لگے۔ اس کا سارا مال نکال کر

اپنے جہاز پر لے آئے اور کئی لوگوں کو قتل کیا۔ جہاز کے عملے میں سے کچھ کو پکڑ کر اپنے جہاز پر لے آئے۔ سارا دن اوپر ڈیک پر شور مچا رہا۔

ڈاکو شور مچاتے جشن مناتے قہقہے لگاتے رہے۔ انہوں نے کئی قیدیوں کو سمندر میں پھینک کر ہلاک کر دیا۔ تیسرے پہر ایک ڈاکو عنبر اور سندری کو بھی ساتھ لے کر اوپر آ گیا۔ کالے کپتان نے ان دونوں کو اوپر بلایا تھا۔ ڈیک پر دربار سا لگا تھا۔ ڈاکو ارد گرد جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ کالا کپتان اونچی جگہ پر کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں تلوار تھی۔ دوسرے میں پستول تھا۔ ایک تختہ جہاز کے باہر تک گیا تھا۔ کچھ دوسرے جہاز سے پکڑے ہوئے قیدی تھے۔ انہیں اس تختے پر سے نیچے سمندر میں گرایا جا رہا تھا۔ کالے کپتان نے عنبر اور سندری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس لڑکی سے ہم شادی کریں گے۔ اس کے ساتھی کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔"

سندری کانپ کر رہ گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ عنبر نے اسے تسلی دی۔ کالے کپتان نے قیدیوں میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے ایک نوجوان دبلے پتلے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس لڑکے کو سمندر میں پھینک دو۔ یہ بڑا کمزور ہے۔ سمندر میں مچھلیاں اسے جلدی جلدی چٹ کر جائیں گی۔"

اس پر سارے ڈاکو وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ دو ڈاکوؤں نے دبلے لڑکے کو کھینچا تو اس کا بوڑھا باپ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"میرے بچے کو کچھ نہ کہو، اس کی بجائے مجھے سمندر میں پھینک دو۔"

کانے کپتان نے ہنس کر کہا۔

"بڈھے تجھے بھی سمندر میں ضرور پھینکیں گے مگر پہلے ہم تیرے لڑکے کو تو سمندری مچھلیوں کے حوالے کر دیں۔ لے جاؤ اسے۔"

بوڑھے نے روتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیے۔

"اے خدا! اگر تو ہے تو میرے بچے کی جان بچا لے۔ یہ میرا نور نظر میری زندگی کا آخری سہارا ہے۔"

کانے کپتان نے گالی دے کر کہا۔

"ارے بدبخت بڈھے! کس خدا کو آوازیں دے رہا ہے۔ اس سمندر کا خدا میں ہوں۔"

عنبر کو کانے ڈاکو کی بکواس سے آگ سی لگ گئی۔ جیسے اس کو خدا نے کہا کہ اس لڑکے کو ظالموں سے بچا لو۔ عنبر تیزی سے آگے آگیا۔

"خبردار! اگر کسی نے اس لڑکے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس جہاز کو غرق کر دوں گا۔"

ڈاکو ایک دم چپ سے ہو گئے کہ اس نوجوان میں جرأت کہاں سے آ گئی۔ کانے کپتان کی آنکھ پھڑکنے لگی۔ وہ دھاڑا۔

"اس کمینے کی گردن اڑا دو۔"

عنبر نے کہا۔

"ذلیل آدمی! تجھ کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ خدا ہی سب پر غالب ہے اور جس انسان نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ آخر نیست و نابود ہو گیا۔"

دو ڈاکو تلواریں لے کر عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے ان دونوں کو یوں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جیسے وہ مٹی کے چھوٹے چھوٹے کھلونے ہوں۔ عنبر کے اندر ایک زبردست طاقت بیدار ہو چکی تھی۔ اسے جہاز کے سارے ڈاکو چھوٹے چھوٹے کھلونے نظر آ رہے تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کچھ اور ڈاکو آگے بڑھے تو عنبر نے انہیں بھی سمندر میں اچھال دیا۔ اب عنبر پر پستول اور بندوقوں کی فائرنگ شروع ہو گئی، لیکن سارے لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ عنبر پر کسی گولی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ہر گولی اس کے جسم سے ٹکرا کر کھٹ کھٹ کرتی عرشے کے فرش پر گرتی جا رہی تھی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر دو پستول والے ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چلتے پستولوں کو چھین لیا اور پھر فائرنگ کرتے ہوئے چھ سات ڈاکوؤں کو ڈھیر کر دیا۔ کانے کپتان نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً آگے بڑھا۔

اُس نے عنبر کا نشانہ باندھ کر پستول کی ساری گولیاں اُس پر چلا دیں۔ لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ عنبر نے لپک کر کانے کپتان کو کمر سے پکڑا اور اٹھا کر زور سے پٹخ دیا۔ اسے اس زور سے پھینکا گیا تھا کہ گرتے ہی اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ فرش پر گرے گرے تڑپنے لگا۔ ڈاکوؤں نے یہ حال دیکھا تو عنبر پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ مگر تلواروں کے وار بھی عنبر پر کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔ عنبر کے سر گردن اور سینے سے ٹکرا ٹکرا کر تلواریں

ٹوٹ رہی تھیں۔ عنبر نے بھی تلوار لے کر چلانی شروع کر دی۔

وہ ہزاروں سال سے تلوار کا دھنی چلا آ رہا تھا۔ ایسی تلوار چلائی کہ پل بھر میں کئی ڈاکوؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ دوسرے جہاز کے قیدی بھی اب آزاد ہو گئے تھے۔ انہوں نے عنبر کو اپنی مدد کرتے دیکھا تو وہ بھی میدان میں کود پڑے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ ڈاکو مر چکے تھے اور باقی گرفتار کر لیے گئے۔

عنبر نے حکم دیا۔

"ان ڈاکوؤں کو باری باری سمندر میں گرا دیا جائے:

ڈاکوؤں کے ہاتھ پیچھے باندھ دیے جاتے اور انہیں چلا کر تختے تک لایا جاتا۔ وہ چیختے چلاتے شور مچاتے مگر انہیں پیچھے سے دھکا دے کر سمندر میں گرا دیا جاتا۔ سب سے آخر میں کانے کپتان کو اٹھا کر سمندر کی خوفناک لہروں کے حوالے کر دیا گیا۔ جہاز ڈاکوؤں سے پاک ہو گیا تو اس کے بانس پر سے کھوپڑی کی ہڈیوں والا بھیانک جھنڈا اتار لیا گیا۔ دوسرے جہاز کے کپتان کو اس جہاز کا کپتان بنا کر عنبر نے وہ جہاز اس کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ بحری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈاکوؤں نے اس کے جہاز کو ڈبو دیا تھا۔

عنبر نے نئے کپتان سے کہا:

"تم مال لے کر کس ملک کی طرف جا رہے تھے؟"

نئے کپتان نے کہا:

"ہم آسٹریلیا جا رہے تھے۔"

عنبر بڑا خوش ہوا۔

"بڑی اچھی بات ہے۔ اس جہاز کا رُخ آسٹریلیا کی طرف موڑ لو۔ راستے میں ہمیں بنگال کی کسی بندرگاہ پر اتارتے جانا۔"

"بڑی خوشی سے۔" جہاز کے کپتان نے جھک کر کہا۔

جہاز کا رُخ جنوبی سمندروں کی طرف موڑ دیا گیا۔ سنہری نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ بڑی خوش تھی۔ جہاز کے سارے لوگ عنبر کی پوجا کرنے لگے تھے۔ وہ اسے دیوتا سمجھتے تھے۔ عنبر نے ایسا زبردست کام کیا تھا کہ دُنیا کا کوئی انسان نہیں کر سکتا تھا۔ اس اکیلے نے سارے ڈاکوؤں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے حیران کرنے والی بات یہ تھی کہ اس پر نہ تلوار کا وار اثر کرتا تھا اور نہ

پستول کی گولی کوئی اثر کرتی تھی۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔

عنبر کسی کو اپنے آگے جھکنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

اُس نے ہر ایک کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ خبردار کوئی اُس کے آگے نہ جھکے۔

"صرف خدا کی ذات کے آگے جھکنا چاہیے۔ انسان کے آگے کبھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ جھکنا چاہیے۔"

گیارہ روز کے سمندری سفر کے بعد ایک روز کپتان نے بتایا کہ ہم خلیج بنگال میں داخل ہو چکے ہیں۔

"لیکن یہاں جاپانیوں نے دہشت پھیلا رکھی ہے۔ اگرچہ برما کا ملک اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ہے لیکن پھر بھی بنگال کے سمندر میں اُن کی آبدوزیں اتحادی جہازوں کو ڈبوتی پھرتی ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"آپ کس بندرگاہ پر ہمیں اتارنا چاہتے ہیں؟"

کپتان بولا:

"اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو برما کی بندرگاہ رنگون میں اتار سکتا ہوں۔ یہ ملک دوبارا انگریزوں کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قبضے میں آچکا ہے۔ یہاں سے آپ بڑی آسانی سے ہوائی جہاز کے ذریعے بنگال کے دارالحکومت جا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ ہمیں رنگون اُتار دیجیے گا۔"

رنگون کی بندرگاہ پر اترتے وقت کپتان اور دوسرے مسافروں نے عنبر کو گلے لگایا۔ بڑی گرم جوشی سے اسے الوداع کہا۔ عنبر نے سندری کو ساتھ لیا اور رنگون کے ایک عالی شان ہوٹل میں آ کر دو کمرے لے لیے۔ ایک کمرے میں سندری اور دوسرے کمرے میں عنبر رہنے لگا۔ عنبر کے پاس روپے بہت ہی کم رہ گئے تھے۔ اس نے سندری سے ذکر کیا تو وہ بولی۔

"کسی سے قرض لے لو۔ میں گھر جا کر اسے بھجوا دوں گی۔"

عنبر مسکرایا۔

"قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

عنبر اگلے روز شہر سے باہر ایراوتی دریا کے کنارے ایک پرانے مندر کے کھنڈر میں آ گیا۔ اس سے پہلے بھی عنبر اس شہر کی سیر کر چکا تھا۔ اُسے ناگ نے سانپ کو بلانے کے خاص منتر سکھا رکھے تھے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ پرانے مندروں اور قلعوں کے

کھنڈروں میں پرانے خزانے دفن ہوتے ہیں جن پر سانپ پہرا دیا کرتے ہیں۔ اس نے مندر کے پیچھے کھنڈروں میں جا کر منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک سبز رنگ کا سانپ جس کے سر پر سنہری تاج تھا، رینگتا ہوا کھنڈروں کے نیچے سے نکلا اور عنبر کے سامنے آ کر کُنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ عنبر نے سانپوں کی خاص زبان میں اس سے کہا۔

"میں ناگ دیوتا کا بھائی ہوں۔ میں اُس کی اجازت سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اگر اس کھنڈر کے نیچے کوئی خفیہ خزانہ دفن ہے تو مجھ پر ظاہر کر دے۔"

سانپ نے گردن جھکا کر کہا۔

"اے عظیم دیوتا ناگ کے بھائی! اس کھنڈر کے نیچے مہاراجہ راون کے زمانے کا خزانہ دفن ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں سارے کا سارا خزانہ اٹھا کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔"

عنبر نے کہا۔

"نہیں سارے خزانے کی ضرورت نہیں ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تم ایسا کرو کہ صرف اس خزانے میں سے کر
بھی ہار کا ایک موتی نکال کر لے آؤ۔ بس میرے
لیے اتنا ہی بہت ہے۔"

سانپ نے ادب سے کہا:

"جو حکم جناب۔"

اور اس کے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔

عنبر کو وہاں انتظار کرتے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سانپ واپس آگیا۔ اس نے منہ میں ایک نیلے رنگ بے داغ ہیرا اٹھا رکھا تھا۔ یہ ہیرا اس نے عنبر کے قدموں میں ڈال دیا اور کہا۔

"عظیم ناگ کے بھائی! یہ ایک نیلم ہے جو کل نایاب ہے۔ دنیا کی کسی کان میں نہیں ملتا اسے قبول کیجئے۔"

عنبر نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور نیلم لے سیدھا سکاٹ مارکیٹ میں چلا گیا۔ اس مارکیٹ میں ستاروں اور جوہریوں کی دکانیں تھیں۔ ایک بڑ جوہری کی دکان پر جا کر عنبر نے کہا۔

"کیا آپ مجھ سے ایک ہمارا خاندانی نی خریدیں گے؟" عنبر نے نیلم نکال کر جوہری کی ہتھ

پر رکھ دیا۔

"یہ ہمارے گھر کا بڑا پرانا نیلم ہے۔ تنگ دستی کی وجہ سے ہم اسے فروخت کر رہے ہیں۔"

جوہری نے نیلم کو دیکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے آج تک ایسا بے داغ، شفاف اور قیمتی نیلم نہیں دیکھا تھا۔ کبھی وہ نیلم کی طرف دیکھتا اور کبھی عنبر کی طرف تکتا کہ یہ پرانے کپڑوں والا نوجوان اس نیلم کو کہاں سے چرا کر لایا ہوگا۔ اتنا اسے یقین تھا کہ نیلم چرایا گیا ہے۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور کہا۔

"کہاں سے لائے ہو میاں؟"

عنبر نے کہا۔

"میں نے اسے کہیں سے نہیں چرایا۔ یہ ہمارا اپنا گھریلو نیلم ہے۔ حالات سے مجبور ہو کر اسے فروخت کر رہے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کیا دیتا ہے؟"

جوہری مسکرایا۔ مکاری سے دیکھا اور کہا۔

"یار! ہم سے کیا چھپاتے ہو؟ ہم تو یہی دھندا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ روز چوری کا مال خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ وہ جوہری کو مارنے لگا تھا کہ وہ جھٹ سے ہاتھ باندھ کر بولا۔

"بھائی لڑائی جھگڑا کس لیے کرتے ہو۔ چلو ہم تمہیں اس نیلم کے پانچ سو روپے دے دیں گے۔ اگر منظور ہوں تو ابھی لے لو۔"

عنبر کو معلوم تھا کہ نیلم کی قیمت کچھ نہیں تو پچاس ساٹھ ہزار روپے سے بھی زیادہ ہوگی۔ وہ اس کے دس بارہ ہزار روپے بھی لینے پر تیار تھا۔ لیکن یہ جوہری تو اسے بالکل ہی بچہ سمجھ کر یا چور سمجھ کر لوٹ رہا تھا۔ اس نے نیلم جوہری کے ہاتھ سے لے لیا اور آگے چل دیا۔ آگے جا کر ایک جاپانی جوہری کی دکان تھی۔ عنبر نے اسے جا کر نیلم دکھایا اور کہا کہ وہ اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔

یہ جوہری سمگلروں کا بادشاہ تھا اور سمگلنگ کا مال خرید کر فروخت کرتا تھا۔ اس کے آدمی ہانگ کانگ اور چین کے سمندروں میں اپنا ناجائز کاروبار کرتے پھرتے تھے۔ اس نے جو اتنے بڑے اور بے داغ نیلم کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ سچ سچ اس نے پہلے ایسا قیمتی پتھر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کبھی نیلم کو دیکھتا

کبھی عنبر کو۔ سمجھ گیا معاملہ گڑبڑ ہے۔ اس نوجوان نے نیلم کہیں سے اڑایا ہے۔ کہنے لگا۔

"کیا لو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"جو اس پتھر کی قیمت ہے، وہ ادا کر دو۔"

جاپانی جوہری مسکرایا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اندر کو دھنس گئیں۔

"تم اگر میرے گروہ میں شامل ہو جاؤ تو میں تمہیں بڑی سہولتیں دوں گا۔ کمرہ رہنے کو مفت دوں گا۔ کھانا پینا مفت دوں گا اور مہینے میں ایک سو روپیہ بونس بھی ادا کیا کروں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نیلم کا کیا دو گے؟"

جاپانی جوہری نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر جاپانی جوہری نیلم کو وہیں رکھ کر اندر چلا گیا۔ ایک بوڑھا جاپانی عنبر کے پاس آیا۔ اس کی سفید داڑھی کے صرف چھ سات لمبے لمبے بال تھے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جن پر وہ انگلی پھیر رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"بیٹا! تمھارے پاس جو نیلم ہے، وہ برما کے شاہی خاندان کا قدیم پتھر ہے جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ پونڈ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ یہ جوہری تمہیں اس کا کچھ نہیں دے گا۔ اس لیے اپنا نیلم اُٹھا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اس سے بچو۔ یہ شخص بڑا دھوکے باز ہے۔"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ جوہری اندر سے باہر آیا۔ اُس نے نیلم اُٹھا کر کہا۔

"میاں میں اس کے صرف پچاس پونڈ دے سکتا ہوں۔ یہ بڑا معمولی قسم کا نیلم ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اپنے پچاس پونڈ اپنے پاس ہی رکھو۔ مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔"

اور عنبر نے نیلم اُٹھایا اور آگے چل دیا۔ آگے ایک تنگ گلی تھی جس میں سے گذر کر دوسرے بازار میں راستہ نکلتا تھا۔ یہ گلی چھتی ہوئی تھی۔ عنبر جونہی اس گلی میں داخل ہوا ایک جانب سے دو آدمی تیزی سے باہر نکلے اور انھوں نے عنبر کے مُنہ

پر ایک رومال رکھ دیا۔ رومال میں بے ہوش کرنے والی دوائی تھی۔ عنبر اُسی وقت بے ہوش ہوگیا۔ ہوش آیا تو وہ ایک کمرے میں بند تھا۔ ہاتھ پیر بندھے تھے۔ سمجھ گیا۔ جاپانی جوہری کی نیّت خراب ہوگئی۔ اس نے حملہ کروا دیا۔ اس کا نیلم بھی غائب تھا۔

اتنے میں وہی جاپانی جوہری اپنے دو چار بدمعاشوں کے ساتھ اندر آیا۔ وہ عنبر کی طرف دیکھ کر مُسکرایا اور بولا۔

"اگر تم ہمیں یہ بتا دو کہ یہ نیلم تم کہاں سے لائے تھے اور یہ کہ وہاں اس قسم کے اور کتنے نیلم ہیں تو ہم تمہیں ابھی چھوڑ دیں گے نہیں تو تمہیں ہلاک کر کے لاش دریائے ایراوتی میں پھینک دی جائے گی۔"

عنبر پریشان ہوگیا۔ اس خیال سے نہیں کہ لوگ اسے مار ڈالیں گے۔ مار تو وہ اسے سکتے ہی نہیں تھے۔ وہ تو اس خیال سے پریشان ہوا کہ سندری بے چاری ہوٹل میں اس کے لیے پریشان ہو رہی ہوگی۔ اس نے کہا۔

"میں تمھیں ہرگز نہیں بتا سکتا کہ یہ نیلم میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۔ کہاں سے لیا ہے۔ یہ ایک راز ہے جس کو ظاہر کرنے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔"

جاپانی جوہری نے اپنے بدمعاشوں کو اشارہ کیا۔

"اس کا دماغ درست کر دو۔"

بدمعاش آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کی گردن میں رسی ڈال کر مروڑنا شروع کر دی۔ عنبر نے جاپانی جوہری سے کہا۔

"تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ بہتر ہے [illegible] سے [illegible]۔ نہیں تو مجھے اگر غصہ آ گیا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

جاپانی جوہری نے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔" پھر اس نے بدمعاشوں سے کہا۔

"رسی کو اور زور سے کس دو۔"

بدمعاش رسی کو بل دے کر کس رہے تھے، لیکن رسی ایک جگہ پہنچ کر رک گئی تھی، اور ان کے اپنے ہاتھ درد کرنے لگے تھے۔ عنبر کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح بڑے مزے سے بیٹھا تھا۔ جوہری نے کہا۔

"[illegible] نمبر ۲ استعمال کرو۔"

ایک بدمعاش جلدی سے بجلی کے [illegible] اس نے [illegible] وولٹ کی [illegible] بجلی [illegible] کے چھٹکے سے [illegible] بجلی کا [illegible] پھر [illegible] بیٹھے [illegible] سے بیٹھا یہ شخص تو دیکھتا [illegible] پھر کہا۔

"میرا نیلم واپس کر دو اور مجھے جانے دو۔ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔ اس کے بعد میں حملہ کر دوں گا۔"

جوہری نے چڑ کر بدمعاشوں سے کہا۔

"بجلی اور تیز کر دو۔"

بجلی زیادہ کر دی گئی اور نیا تار عنبر کی گردن سے لگا دیا گیا، مگر عنبر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب تو وہ لوگ کچھ پریشان سے ہوئے کہ یہ شخص کیا پتھر کا بنا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ اس پر بجلی اثر نہیں کرتی۔ جوہری نے پستول نکال کر عنبر پر ایک کے بعد دوسری گولی چلا دی۔ گولی عنبر کی گردن اور سر کے ساتھ ٹکرائی اور ٹن ٹن کی آواز سے ٹکرا کر نیچے فرش پر گر پڑی۔

اب جاپانی جوہری اور بدمعاشوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"اب میں وار کرنے لگا ہوں۔ تمھاری موت تمھارے سروں پر آگئی ہے۔ میں نے تمھیں بچانے کی آخری کوشش تک کر کے دیکھ لی مگر تم نہ تو میرا نیلم دیتے ہو اور نہ مجھے چھوڑنے پر رضامند ہو۔ خبردار ہو جاؤ۔"

عنبر نے ایک سیکنڈ میں زور لگا کر رسیاں کاٹ کر رکھ دیں اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے ایک بدمعاش کو پکڑ کر زمین سے اٹھا کر زور سے دوسرے پر دے مارا۔ دونوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ زمین پر ایسے گرے کہ پھر نہ اٹھ سکے۔ عنبر نے اب جاپانی جوہری کو گردن سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ پھر اٹھا کر زور سے دیوار پر مارا۔ جاپانی جوہری بھی ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ عنبر نے

دوسرے بدمعاشوں کو پکڑ لیا اور ایک سے پوچھا۔

"تمھیں معلوم ہے، میرا نیلم کہاں ہے؟ جلدی بتاؤ نہیں تو تمھارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔"

بدمعاش نے کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ابھی پیش کرتا ہوں جناب! مجھے معاف کر دیں، میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"نیلم جلدی سے میرے حوالے کر دو۔ میں تمھیں معاف کرتا ہوں۔"

وہ بدمعاش اسی وقت اندر گیا اور نیلم لا کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ عنبر نے نیلم جیب میں ڈالا اور مکان سے باہر گلی میں آ کر واپس چل دیا۔ ایک دوسرے بازار میں جا کر اُس نے نیلم پچاس ہزار روپے میں فروخت کیا۔ بازار سے کچھ اپنے لیے اور کچھ سندری کے لیے کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور ہوٹل میں آ کر اُسے باقی روپے دے دیے۔ سندری نے روپے دیکھے تو حیرانی سے بولی۔

"اتنے ڈھیر سارے روپے کہاں سے لے آئے؟"

عنبر نے کہا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مت پوچھو۔ بس یہ سمجھ لو کہ نہ تو یہ چوری کے ہیں اور نہ کسی کی امانت میں خیانت کی ہے۔ زمین کا مال ہے اور مجھے ایک دوست نے دے دیا ہے۔ اب ہمیں تیاری کرنی ہے۔ کل صبح صبح ہم یہاں سے کلکتہ روانہ ہو جائیں گے"

اسی روز عنبر نے ہوائی جہاز کے دو ٹکٹ لے لیے۔ رنگون سے کلکتے کی طرف ہفتے میں ایک بار جہاز جاتے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں دو سیٹیں مل گئیں۔ عنبر دوسرے روز سندری کو لے کر ہوائی اڈے پر آ گیا۔ جہاز کے چلنے میں ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ وہ دونوں لاؤنج میں آ کر چائے پینے لگے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ ایک آدمی اُسے غور سے دیکھ رہا ہے۔ عنبر نے کوئی خیال نہ کیا۔ وہ سندری سے باتیں کرتا رہا۔

وہ آدمی کالے کوٹ اور پتلون میں تھا۔ منہ میں سگار تھا۔ آنکھوں پر عینک لگی تھی۔ شکل و صورت سے جنوبی ہندوستان کا لگتا تھا۔ دوسری جانب دیوار کے پاس کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا اور بار بار عنبر اور سندری کو دیکھ لیتا تھا۔ اتنے میں اعلان ہوا۔

"کلکتے جانے والے مسافر برائے مہربانی تشریف

لے چلیں۔ جہاز جانے کو تیار کھڑا ہے"

عنبر نے سندری کو ساتھ لیا اور ہوائی جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ہوائی جہاز میں کافی مسافر تھے۔ سارا جہاز بھرا ہوا تھا۔ عنبر بھی سندری کو ساتھ لے کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ جہاز چلتا ہوا اس جگہ پر آ کر رُک گیا جہاں سے اُس نے اُڑنا تھا۔ جہاز کے سارے انجن کھول دیے گئے۔ پھر وہ تیزی سے رن وے پر بھاگنے لگا اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر ہوا میں اُٹھ گیا۔

نیچے رنگون کا شہر چھوٹا سا لگ رہا تھا۔ دریائے ایراوتی ایک سفید لکیر کی طرح شہر میں بہہ رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہی کالے کوٹ والا پُر اسرار آدمی اس کی پچھلی جانب ایک سیٹ پر بیٹھا اُسے تک رہا تھا۔ خدا جانے اب یہ شخص عنبر کو تک رہا تھا کہ سندری کو گھور رہا تھا۔ بہرحال عنبر خاموش رہا۔ ویسے بھی اُسے کسی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ اپنی اور سندری کی حفاظت کر سکے۔

ہوائی جہاز کلکتے کے ہوائی اڈے پر اُتر گیا۔

راستے میں وہ ایسے علاقے سے اُڑ کر آیا تھا جہاں جاپانی حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ ویسے بھی اب جاپانی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ رنگون پہ انگریزوں نے جاپانیوں کو بھگا کر دوبارہ قبضہ کریں تھا۔ سندری ہوائی اڈے سے باہر نکلی تو کہنے لگی۔

"ہمارا گھر کالی گھاٹ کے علاقے میں ہے۔"

انھوں نے ٹیکسی لی اور کالی گھاٹ پہنچ گئے۔

سندری کے ماں باپ نے اسے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گئے۔ نہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ وہ زندہ واپس آ گئی ہے۔ وہ تو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جہاز غرق ہو گیا۔ سندری دوسرے مسافروں کے ساتھ سمندر میں ڈوب گئی ہوگی۔ اسی وقت سنگل دیپ میں اس کے خاوند کو اطلاع کر دی گئی کہ سندری زندہ ہے اور گھر واپس آ گئی ہے۔ اس کے ماں باپ نے عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ سندری نے انہیں بتایا تھا۔

"عنبر بھائی کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ اگر یہ نہ ملتے تو آج میری لاش بھی سمندر میں مچھلیوں کی خوراک بن گئی ہوتی۔"

عنبر کچھ روز وہاں رہا۔ پھر یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ اُسے اپنی ایک اور بہن ماریا کی بھی تلاش کرنی ہے۔

۴

کلکتے سے وہ ریل میں سوار ہو کر مدراس آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید مدراس میں ناگ یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ مدراس میں جگہ جگہ عنبر نے ماریا اور ناگ کو تلاش کیا۔ مگر وہ اُسے کہیں بھی نہ ملے۔ عنبر کے پاس کافی پیسے تھے۔ وہ ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رُک گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اس شہر میں ماریا اور ناگ سے ضرور ملاقات ہو جائے گی۔

ایک روز آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کسی شے کے گرنے کی آواز آئی تھی جس کی وجہ سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ اچانک اپنے سامنے اس کالے کوٹ والے پُر اسرار آدمی کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ عنبر کے سر پر کھڑا تھا۔

"مسٹر! میرے پاس پستول میں بارہ گولیاں بھری ہوئی ہیں۔ اگر تم نے مجھے یہ نہ بتایا کہ جو نیلم تم نے رنگون میں فروخت کیا تھا وہ کہاں سے لیا تھا تو میں بارہ کی بارہ گولیاں تمہارے سر میں داخل کر دوں گا۔"

عنبر نے پلنگ کے ساتھ اٹھ کر ٹیک لگائی اور بڑی بے نیازی سے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ رنگون پر انگریزوں نے جاپانیوں کو بھگا کر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا۔ سندری ہوائی اڈے سے باہر نکلی تو کہنے لگی۔

"میرا گھر کالی گھاٹ کے علاقے میں ہے۔"

انہوں نے ٹیکسی لی اور کالی گھاٹ پہنچ گئے۔

سندری کے ماں باپ نے اسے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گئے۔ انہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ وہ زندہ واپس آ گئی ہے۔ وہ تو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جہاز غرق ہوگیا۔ سندری دوسرے مسافروں کے ساتھ سمندر میں ڈوب گئی ہوگی۔ اسی وقت سنگل دیپ میں اس کے خاوند کو اطلاع کر دی گئی کہ سندری زندہ ہے اور گھر واپس آ گئی ہے۔ اس کے ماں باپ نے عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ سندری نے انہیں تھا۔

"عنبر بھائی کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ اگر یہ نہ ملتے تو آج میری لاش بھی سمندر میں مچھلیوں کی خوراک بن گئی ہوتی۔"

عنبر کچھ روز وہاں رہا۔ پھر یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ اُسے اپنی ایک اور بہن ماریا کی بھی تلاش کرنی ہے۔

کلکتے سے وہ ریل میں سوار ہو کر مدراس آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید مدراس میں ناگ یا ماریا سے ملاقات ہو جائے۔ مدراس میں جگہ جگہ عنبر نے ماریا اور ناگ کو تلاش کیا۔ مگر وہ اُسے کہیں بھی نہ مل سکے۔ عنبر کے پاس کافی پیسے تھے۔ وہ ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رُک گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اس شہر میں ماریا اور ناگ سے ضرور ملاقات ہو جائے گی۔

ایک روز آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کسی شے کے گرنے کی آواز آئی تھی جس کی وجہ سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ اچانک اپنے سامنے اس کالے کوٹ والے پُر اسرار آدمی کو دیکھ۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ عنبر کے سر پر کھڑا تھا۔

"مسٹر! میرے پاس پستول میں بارہ گولیاں بھری ہوئی ہیں۔ اگر تم نے مجھے یہ نہ بتایا کہ جو نیلم تم نے رنگون میں فروخت کیا تھا وہ کہاں سے لیا تھا تو یہ بارہ کی بارہ گولیاں تمہارے سر میں داخل کر دوں گا۔"

عنبر نے چونک کے ساتھ اٹھ کر ٹیک لگائی اور بڑی بے نیازی سے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اس کھلونے کو جیب میں رکھو اور بھاگ جاؤ یہاں سے ، میں تھکا ہوا ہوں۔ مجھے نیند کی ضرورت ہے"

پر اسرار آدمی نے پستول عنبر کی پیشانی سے لگا دیا۔

"مذاق کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں دس تک گنتی گنوں گا۔ اگر تم نے جواہرات کا ٹھکانہ نہ بتایا تو میں تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا"

عنبر کو بہت غصہ آیا۔ بد بخت نے خواہ مخواہ اس کی نیند خراب کی تھی۔ ادھر وہ پر اسرار آدمی بڑی شان سے گنتی گن رہا تھا جیسے عنبر ڈر جائے گا اور خزانے کا راز بتا دے گا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید بتا بھی دیتا اور ڈر بھی جاتا مگر عنبر پر تو گویا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

---

① [illegible]
② سونے کی صندوقچہ
③ سمندری ڈاکو
④ جہاز کی تباہی
⑤ کشتی اور طوفان

اُڑنے والا قالین

پر اسرار بد معاش گنتی گن رہا تھا۔

"ایک ۔ دو ۔ تین ۔ چار ۔ پانچ ۔ چھ ۔ سات ۔ آٹھ ۔ نو"

دس پر پہنچ کر وہ رُک گیا۔

"اب بھی وقت ہے ۔ میں تمہیں ایک بار مہلت دیتا ہوں ۔ میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے اس جگہ کا پتا بتا دو جہاں سے تم نے نیلم چرایا تھا"

عنبر نے کہا۔

"پستول کو جیب میں ڈالو اور یہاں سے چپکے جاؤ۔ میں بھی تمہیں آخری بار مہلت دیتا ہوں ۔ اس کے بعد تمہاری خیر نہیں ہے"

پر اسرار بدمعاش ہنسا۔

"پستول میرے ہاتھ میں ہے اور دھمکیں تم مجھے دے رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے، تمہارا دماغ ضرور خراب ہو گیا ہے۔ اچھا اب بتا دو نہیں تو میں دس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گن کر پستول چلانے لگا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"تم پستول چلاؤ۔"

پھر اس بد معاش بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسا آدمی ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے اور بالکل نہیں گھبرا رہا۔ مگر وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس ضدّی شخص کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے دس کی گنتی پوری کی اور پستول چلا دی۔ ایک دھماکا ہوا اور گولی عنبر کی پیشانی سے ٹکرا کر بستر پر گر پڑی۔ عنبر نے گولی اٹھا کر اس شخص کی طرف بڑھا کر کہا۔

"یہ گولی تھی تمھاری؟"

پھر اس شخص حیران رہ گیا۔ اس نے اوپر تلے چار گولیاں چلا دیں۔ چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کے ماتھے سے ٹکرا کر بستر پر گریں اور عنبر نے انھیں اٹھا کر دور پھینک دیا۔ پھر بولا۔

"تم وار کر چکے۔ اب میری باری ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔"

عنبر نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس بدمعاش کا پستول دور جا گرا اور اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ وہ درد

سے کراہتے ہوئے فرش پر گرا۔ عنبر نے بستر سے اٹھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور چھت کی طرف اچھال دیا۔ چھت سے ٹکرا کر وہ نیچے فرش پر گرا اور اس کی ٹانگ کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ عنبر نے اسے اٹھایا اور کھڑکی میں سے باہر پھینک دیا۔

پھر اس نے کھڑکی بند کی۔ بتی بجھائی اور سو گیا۔

اب ذرا ماریا اور ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں۔

ماریا ایک گھوڑے پر سوار بنگال کی طرف جنگل جنگل چلی آ رہی تھی۔ دوسری طرف ناگ جوگی کے بھیس میں ریل گاڑی میں بیٹھا تھا اور ریل کلکتے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ کلکتے کے سٹیشن پر اتر کر ناگ کالی گھاٹ کی طرف آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہاں جو بڑا مندر ہے، اس میں جا کر آرام کرے گا اور پھر شہر میں گھوم پھر کر عنبر کو اور ماریا کو تلاش کرنا شروع کرے گا۔ کالی گھاٹ میں ہی سندری کا گھر بھی تھا جس کا خاوند سنگلدیپ سے واپس آ چکا تھا۔

ناگ مندر کے باہر آ کر رک گیا۔

اس نے ایک جگہ آسن جمایا۔ شام تک وہیں بیٹھا رہا۔ لوگ اس کے قدموں میں کھانے پینے کی چیزیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہ کر رکھتے رہے۔ شام کو اٹھ کر ناگ نے دریا میں غسل کیا اور واپس اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ مندر کا پجاری اس کے پاس آیا اور بولا۔

"مہاراج! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ آپ کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں"

ناگ نے کہا۔

"بابا! جوگیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ ایک شہر سے اٹھ کر کسی دوسرے شہر کو چلے جائیں گے"

پجاری نے کہا۔

"میں اس مندر کا پجاری ہوں۔ میری بچی کئی دنوں سے بیمار ہے۔ لوگ آپ کے پاس آ کر اپنے دکھوں کی دوا لیتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس میری بچی کے لیے بھی کوئی دوا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"بچی کہاں ہے۔ مجھے اس کے پاس لے کر چلو"

پجاری ناگ کو ساتھ لے کر بچی کے پاس آ گیا۔ دس بارہ سال کی بچی تھی اور سوکھ کر زرد ہو رہی تھی۔ پجاری کی بیوی پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ ناگ نے بچی کی گردن کو دیکھا تو چونکا۔ اس کی گردن پر سانپ کی

زبان کے نشان تھے۔ یہ نشان صرف ناگ ہی دیکھ سکتا تھا۔ وہ بچی کی بیماری سمجھ گیا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ ہر سنیچر کی رات کو ایک سانپ آ کر اس بچی کی گردن کو سونگھ جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے بدن کی ساری طاقت سانپ کے اندر چلی جاتی تھی اور بچی کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ دو ایک ہفتوں کے بعد بچی مر جائے گی۔ ناگ نے کہا۔

"آج کونسا دن ہے؟"

"شکروار جناب"

"یعنی آج جمعہ ہے اور کل ہفتہ۔ ٹھیک ہے کل میں بچی کے کمرے میں رہوں گا۔ اس کی ماں بھی میرے ساتھ رہے گی۔ کل رات بچی کی بیماری کا علاج ہو جائے گا۔ اس کے بعد بچی صحت مند ہو جائے گی"

پجاری اور اس کی بیوی بڑے خوش ہوئے۔ وہ تو اپنی بچی کی زندگی سے بالکل ہی مایوس ہو گئے تھے۔ دوسرے روز رات کو بچی کے کمرے میں دو کرسیاں ڈال دی گئیں۔ کونے میں ایک کرسی پر چھپ کر ناگ بیٹھ گیا اور دوسری کرسی پر اس نے بچی کی ماں کو بٹھا دیا۔

"میں نے تمہیں اس لیے اس کمرے میں آنے کی اجازت دی ہے تاکہ تم اپنی بیٹی کی بیماری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو۔"

بچوں کی ماں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ جوگی مہاراج بیمار بچی کا کس طریقے سے علاج کر رہے ہیں۔ کہنے لگی۔

"مہاراج! ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں۔"

رات آدھی گزر گئی۔ کمرے میں صرف ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی بچی کے بستر پر پڑ رہی تھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا جہاں ناگ اور بچی کی ماں بیٹھے تھے۔ کی ماں بالکل نہیں سمجھ سکی تھی کہ یہ جوگی کیا ڈرامہ کر رہا ہے۔ بہر حال اسے یقین تھا کہ وہ جو کرے ٹھیک ہی ہوگا۔

آدھی رات کے بعد اچانک سسکار کی آواز سنائی دی۔

بچے کی ماں ڈر سی گئی۔ ناگ نے سرگوشی میں کہا۔

"خبردار! اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا۔ تمہاری بچی کی زندگی کا سوال ہے۔ اس کی بیماری جا رہی ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اتنے میں کمرے کے کونے والی نالی میں سے ایک سفید اور سیاہ رنگ کا لمبا سانپ اپنی لال لال زبان بار بار باہر نکال کر لہراتا اندر آیا اور رینگتا ہوا بچی کی چارپائی کے پاس جا کر رک گیا۔ بچی کی ماں تو ڈر کر کرسی پر سمٹ گئی۔ ناگ نے سانس روک لیا۔ اس کے باوجود سفید سانپ نے کچھ گھبراہٹ سی محسوس کی۔ اسے یوں لگا جیسے کمرے میں کوئی بہت بڑی طاقت کا سانپ موجود ہے۔ وہ پیچھے ہٹا۔ پھر آگے بڑھا۔ پھر پیچھے ہٹا اور خاموشی سے گردن اٹھا کر اپنا پھن پھیلا دیا اور جھومنے لگا۔

وہ کھسکتا ہوا بچی کے چہرے کے پاس اپنا منہ لے گیا۔

بچی کی ماں نے خوف سے چیخ مار دی۔ سانپ ایک دم سے جھنجلایا۔ گردن گھما کر اس نے کونے میں ایک عورت کو بیٹھے دیکھا۔ غصے سے پھنکارا اور لپک کر بچی کی ماں کی طرف دوڑا کہ اسے جا کر ڈس لے گا اور ہلاک کر دے گا۔

ناگ نے زور سے سانس کھینچی۔ اس کی پھنکار سے سفید سانپ جہاں تھا وہیں جیسے پتھر ہو گیا۔ ناگ نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اٹھ کر بتی جلا دی۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ سفید سانپ نے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو اس کا جسم کانپنے لگا۔ پھن سمٹ گیا۔ گردن جھک گئی اور وہ زمین پر لوٹ پوٹ ہونے اور ناگ کے قدموں پر بار بار سر رکھنے لگا۔ بچی کی ماں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ خوف سے پھر بھی اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ ناگ نے غصے سے سانپ کو مخاطب کیا۔

"ایک بچی کی زندگی سے کھیلتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم نے ناگوں کی حکومت کے اصول توڑے ہیں۔ تم نے ایک معصوم جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔ تمہیں زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے تم پھر کسی کی زندگی سے کھیل شروع کر دو۔ کیونکہ تمہیں انسانی خون کی چاٹ لگ گئی ہے۔"

اپنے بارے میں یہ خوفناک فیصلہ سن کر سفید سانپ کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس نے اپنا سر ناگ کے قدموں پر ڈال دیا۔

"ناگ دیوتا! عظیم دیوتا! مجھے معاف کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی کسی انسان کو تکلیف نہیں دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تم نے ایک اصول توڑا ہے۔ تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ہاتھ کا اوپر اٹھنا تھا کہ سفید سانپ فرش سے ایک فٹ اوپر اچھلا اور پھر زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ناگ نے دوسرا ہاتھ بھی اوپر اٹھا دیا۔ اس ہاتھ کے اٹھتے ہی سانپ بے جان ہو کر مر گیا۔ سانپ کے مرتے ہی بچی کو ہوش آ گیا۔ اس کی ماں نے یہ سارا ڈراما اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"بہن! اب تمہاری بچی اچھی ہو گئی ہے۔ یہ سانپ ہر ہفتے کی رات کو آ کر تمہاری بچی کو سونگھ جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے تمہاری بچی کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اب یہ پھر سے صحت مند ہو جائے گی۔"

بیچاری نے ناگ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

دو چار دن میں ہی اُن کی بچی پھر سے بھلی چنگی ہو گئی۔ اس کا رنگ بھی سُرخ ہو گیا اور وہ موٹی ہونے لگی۔

ایک روز ناگ کالی گھاٹ کے محلے میں سے گزر رہا تھا کہ سندری نے مکان سے باہر آ کر کی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مہاراج! ہمارے گھر سے کھیر کھاتے جایئے گا۔"

ناگ نے سندری کی طرف دیکھا اور خوش ہو کر کہا۔

"خدا تم پر اپنا کرم کرے۔"

اور پھر وہ سندری کے گھر میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے خاوند نے سفید خوشبودار کھیر والی تھالی ناگ کے آگے رکھی اور کہا۔

"مہاراج! کھیر کھایئے اور ہمارے حق میں دعا کیجیے۔"

ناگ نے کھیر کھانی شروع کر دی۔ اچانک اس کی نظر ایک رومال پر پڑی۔ اس رومال پر ایک خاص قسم کا نشان تھا جسے صرف ناگ ہی پہچان سکتا تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"بی بی! یہ رومال تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

سندری نے کہا۔

"بابا! ایک بار سمندر میں ہمارا جہاز ڈوب گیا۔ مجھے ایک نوجوان نے بچایا۔ وہ مجھے لے کر میرے ماں باپ کے گھر چھوڑ گیا۔ یہ اس کا رومال ہے۔ وہ جاتے ہوئے بھول گیا تھا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"اس نوجوان کا نام کیا تھا؟"

سندری بولی:

"نام مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کبھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تم نے اس نوجوان میں کوئی خاص بات دیکھی تھی؟"

سندری بولی۔

"کوئی ایک خاص بات ہو تو بتاؤں۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ مر نہیں سکتا تھا۔"

یہ سن کر ناگ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں ہے وہ؟ اسی کی تلاش میں تو میں نکلا ہوں۔ وہ میرا بھائی ہے۔ اس کا نام عنبر ہے۔ وہ کس طرف گیا تھا؟"

سندری نے کہا۔

"وہ ایک روز یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ مدراس کی طرف جا رہا ہے۔ بس اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔"

"شکریہ بہن!"

اتنا کہہ کر ناگ وہاں سے نکل گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ سیدھا ریلوے سٹیشن پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ریل رات کو جائے گی۔ وہ اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہوائی اڈے پر پہنچ گیا۔ اس کے پاس ٹکٹ کے پیسے نہیں تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سادھو جوگی ہے۔ اس سے ہوائی جہاز والے کرایہ نہیں لیں گے۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کرائے کے بغیر وہ سفر نہیں کر سکتا۔ اس نے بہتیرا کہا کہ بھائی میں جوگی ہوں۔ مجھے لے چلو۔ کرائے کے پیسے ہمارے پاس کہاں۔ ٹکٹ والا ہنسا۔

"ارے جوگی صاحب! ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں تو پھر اڑنے والے قالین پر کیوں نہیں سفر کر لیتے؟"

اس پر وہاں کھڑے سارے لوگ ہنس پڑے۔ ناگ کو غصہ آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں اڑن قالین پر ہی سفر کروں گا۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے جہاز کے ساتھ ساتھ ایک قالین اڑتا چلا جا رہا ہوگا۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے زور سے سانس کھینچی اور چڑیا بن کر پھر سے اڑ گیا۔

وہاں جتنے لوگ کھڑے تھے، ہکے بکے رہ گئے۔ ایک آدمی تو غش کھا کر گر پڑا۔ ٹکٹ بابو کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال جہاز مدراس کی طرف اڑ گیا۔ اب ہر کوئی شیشے میں سے جھانک جھانک کر باہر دیکھ رہا تھا کہ جوگی کا اڑن قالین کہاں ہے؟ اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ آسمان پر بادلوں میں سے سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا قالین نکلا جو ہوا میں اڑتا چلا آ رہا تھا اور جس پر وہی جوگی یعنی ناگ بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔

لوگوں کی تو چیخیں نکل گئیں۔ جہاز کے پائیلٹ بھی یہ تماشہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے الف لیلے میں اڑنے والے قالین کی کہانی پڑھ رکھی تھی۔ مگر آج تک کسی کو قالین پر اڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اب جو انہوں نے ایک جوگی کو دیکھا کہ بڑے مزے سے قالین پر اڑتا ہوا جہاز کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے تو حیرت سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پائیلٹ نے فوراً نیچے سگنل دیا۔

"ہیلو! ایک قالین ہمارے ساتھ اڑا چلا جا رہا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے ۔

نیچے سے آواز آئی ۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ؟ یہ کیا کہہ رہے ہو ؟"

پائیلٹ نے کہا ۔

"جو میں دیکھ رہا ہوں وہ سارے مسافر بھی دیکھ رہے ہیں ۔"

نیچے سے آواز آئی ۔

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو وہ ضرور کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے جو اڑن طشتری پر پرواز کر رہی ہے ۔ اس سے بچنے کی کوشش کرو ۔"

پائیلٹ جہاز کو دوسری طرف لے گیا ۔ وہ ناگ کے قالین سے کافی فاصلے پر آگیا ۔ ناگ بڑے مزے سے قالین پر بیٹھا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر مسافروں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا ۔ آخر اس نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا ۔ مدراس کا شہر آگیا ۔ ہوائی جہاز ہوائی اڈے پر اتر گیا ۔ ناگ نے بھی قالین اتار لیا ۔ مسافر اُسے تلاش ہی کرتے رہے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا ۔ قالین اس نے دریا میں پھینک دیا اور خود مدراس شہر میں چکر

لگانے لگا ۔

اب اُدھر ایسا ہوا کہ عنبر نے جس پر اسرار آدمی کو کھڑکی سے باہر پھینکا تھا ۔ اس کے ساتھی آ کر اُسے اٹھا کر ہسپتال لے گئے ۔ ان میں سے ایک نے عنبر سے بدلہ لینے کی قسم کھائی اور عنبر کو رات کو آکر کلورو فارم سنگھا کر رسیوں سے باندھ کر اپنے ساتھ لے گیا اور ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا ۔ یہ کوٹھڑی ایک زمین دوز تہہ خانے میں تھی ۔ عنبر بے ہوش پڑا تھا ۔ ان لوگوں نے بے ہوشی کی دوا زیادہ سنگھا دی تھی ۔ اس حساب سے عنبر کو شاید دو روز تک ابھی ہوش نہیں آسکتی تھی ۔

ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ عنبر سے اپنے ساتھی کا بدلہ اس طریقے سے لیا جائے کہ اس کی مشکیں کس کر سمندر میں پھینک دیا جائے ۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس شخص پہ گولی وغیرہ کوئی اثر نہیں کرتی ۔ وہ عنبر کو کوئی بڑا جادوگر سمجھتے تھے ۔ جس رات انہوں نے عنبر کو سمندر میں پھینکنا تھا اُس رات ناگ بھی عنبر کو تلاش کرتے کرتے سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک جگہ بیٹھ کر آرام کرنے لگا ۔ پھر اُسے نیند آگئی ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ناگ سو گیا۔

رات کو اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ دو چار آدمی ایک آدمی کو کندھے پر اُٹھائے لیے چلے آ رہے ہیں۔ وہ سمندر کے کنارے اونچے گھاٹ پر آ کر رُک گئے۔ ناگ کو عنبر کی خوشبو آنے لگی۔ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ وہاں گیا تو دیکھا کہ سچ مچ عنبر ہی تھا۔ وہ لوگ اُسے سمندر میں پھینکنے والے تھے۔ عنبر بے ہوش تھا۔ ان لوگوں نے ناگ کو دیکھا تو پستول سے فائر کر دیا۔ ناگ دوسری طرف ہو گیا۔ نہیں تو گولی اس کے سینے کے پار ہو جاتی۔

ناگ نے ایک پل کے اندر اندر سانپ کا روپ بدل لیا اور چار میں سے دو کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ ایک آدمی نے سانپ پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ سانپ پتھروں کے پیچھے چھپ گیا۔ اب ناگ نے ایک ہاتھی کا روپ بدل لیا۔ دو آدمی سانپ کو ڈھونڈ رہے تھے کہ انہیں بالکل قریب ہی سے ہاتھی کی بھیانک چنگھاڑ سنائی دی۔ اُن کے رنگ فق ہو گئے۔ بھاگنے والے ہی تھے کہ لمبے لمبے سفید نوکیلے دانتوں والا ایک بہت بڑا پہاڑ ایسا ہاتھی نکل کر سامنے آ گیا۔

ہاتھی نے ایک کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔ دوسرا بھاگنے لگا تو اسے بھی سونڈ سے پکڑا اور دو تین بار گھما کر سمندر کی طرف اچھال دیا۔ اس کے بعد ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اب اس نے عنبر کو ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جلدی سے ناگ جنگل میں جا کر ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی توڑ کر لایا۔ اُسے ہاتھوں میں مسل کر عنبر کے ناک کے قریب کیا۔ اس کی تیز خوشبو سے عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو اس نے خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔

"تم کب آئے ناگ بھائی؟ خدا کا شکر ہے کہ تم سے پھر ملاقات ہو گئی۔"

ناگ نے کہا۔

"میں تو تمہاری شکل دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ بس تم مل گئے ہو۔ اب ماریا بھی مل جائے گی۔"

دونوں بھائی، دونوں دوست وہاں سے اُٹھ کر شہر میں آ گئے۔ اُن کے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ وہ ایک سرائے میں آ کر اُتر گئے۔ سرائے کے مالک سے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہمارے ایک بھائی صاحب آ رہے ہیں۔ ہمارے پیسے ان کے پاس ہیں۔ ان کے آتے ہی ہم آپ کا سارا حساب چکا دیں گے۔"

سرائے کا مالک شریف انسان تھا۔ اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم جب تک چاہو میری سرائے میں رہ سکتے ہو۔"

عنبر اور ناگ سرائے کے مالک کے اخلاق سے بڑے خوش ہوئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس شخص کی ضرور مدد کریں گے۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! اس وقت ہمیں اچھے کپڑوں اور روپوں کی ضرورت ہے۔ آخر تم کب تک جوگی بنے رہو گے۔ اور پھر ہمیں ماریا کی تلاش کے لیے سفر بھی کرنا ہوگا۔ کیا خیال ہے؟"

"بڑا اچھا خیال ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس شہر میں کسی جگہ زمین کے نیچے کوئی خزانہ بھی دبا ہوا ہے کہ نہیں؟ دیکھنا تو یہ ہے۔"

عنبر بولا۔

"میرے خیال میں اس ملک میں جگہ جگہ پرانے بادشاہوں نے خزانے دفن کر رکھے ہیں۔ مگر بخت [illegible] دولت اوپر نہیں ہے جتنی زمین کے اندر ہے۔"

"تو پھر آج ہی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔"

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور مداس شہر سے باہر کھنڈروں کی طرف نکل گئے۔ یہاں انہیں ایک پرانا مندر نظر آیا۔ ناگ نے کہا۔

"میرے اندازے کے مطابق عام طور پر اس قسم کی جگہوں پر ہی بادشاہوں کے خزانے دفن ہوتے ہیں۔ میں یہاں کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔"

اس مندر میں ایک مورتی پڑی تھی۔ قریب ہی پتھر کا ایک سانپ بنا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ان علاقوں میں سانپوں کی پوجا بہت ہوتی ہے۔ میں یہاں کسی سانپ کو بلانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ناگ نے کوشش کی مگر وہاں ارد گرد کوئی سانپ نہیں تھا۔

"یہاں معلوم ہوتا ہے کوئی سانپ نہیں ہے۔ کسی دوسری جگہ چل کر قسمت آزمائی کرتے ہیں۔"

وہ دونوں چلتے پھرتے جھیلوں والے باغ کی جانب آ گئے۔ یہاں غریب لوگوں اور پرانے لوگوں کے جھونپڑے تھے۔ ناگ کو ایک آدمی ملا جس نے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آپ لوگوں کو کس سے ملنا ہے؟"

ناگ اُسے کیا بتاتا۔ یونہی بہانہ بنا کر بولا۔

"سنا تھا۔ یہاں سانپ بڑے ہیں، سوچا کسی ایسے پجاری سے ملیں جو سانپ دکھا دے۔ ہم بھی ان کی پوجا کریں گے۔"

اس آدمی نے کہا،

"وہ سامنے جو مکان ہے، وہاں ایک پجاری رہتا ہے۔ اس کے پاس بڑے سانپ ہیں۔ جب وہ گھر پر نہیں ہوتا تو سانپ اس کے گھر پر پہرہ دیتے ہیں۔ اس سے جا کر مل لو۔"

عنبر اور ناگ پجاری کے جھونپڑے کے باہر آ گئے۔ معلوم ہوا وہ گھر پر نہیں ہے۔ سچ مچ وہ گھر پر نہیں تھا اور کتنے ہی سانپ پھن اُٹھائے اُس کے گھر کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ جھونپڑی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں کچھ لوگ آ گئے۔ انہوں نے ناگ کو منع کیا کہ پجاری گھر پر نہیں ہے۔ اس لیے وہ اندر جانے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ یہ سانپ گھر کے رکھوالے ہیں۔ یہ ڈس لیں گے۔ ناگ مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔ لوگ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ ناگ پرانے مکان کے چبوترے پر

آیا۔ وہاں جتنے سانپ تھے ان پر گویا برف پڑ گئی۔ وہ ایک ایک کر کے زمین کے ساتھ ہی لیٹ گئے اور زور زور سے سانس لینے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر سارے لوگ دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔

"ہائیں! یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یہ سانپ تو بڑے زہریلے ہیں۔"

"ان سانپوں نے تو آج تک کسی اجنبی کو نہیں چھوڑا۔"

"یہ سانپوں کا منتر جانتا ہے۔"

ناگ خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ اس نے ایک سانپ سے پوچھنا شروع کر دیا تھا کہ وہاں کسی بادشاہ کا پرانا خزانہ کہاں دفن ہے۔ سانپ نے ادب سے عرض کی۔

"اے عظیم دیوتا! یہاں سے دس میل شمال مغرب کی جانب سمندر کے کنارے ایک قلعہ ہے۔ اس قلعے میں ایک پرانا خزانہ دفن ہے۔ اس خزانے پر ایک لال سانپ پہرہ دیتا ہے۔ آپ اس سانپ سے جا کر خزانے کے بارے میں پتہ معلوم کر سکتے ہیں۔"

اتنے میں سانپوں کا مالک وہاں آ گیا۔ اس نے جو ناگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو سانپوں سے باتیں کرتے اور سانپوں کو ناگ کے آگے سجدے کرتے دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ وہ ناگ سے جلنے لگا کہ یہ کوئی نیا نیا سانپوں کے منتر سیکھ کر آیا ہے۔ اور لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"تم نے میرے سانپوں کو ضرور کوئی دوا سنگھا دی ہے۔ اگر تم کو اپنے منتر اور جادو پر اتنا مان ہے تو ذرا ٹھہرو میں اندر سے ایک اور سانپ لاتا ہوں۔ اس کو قابو میں کر کے دکھا تو جانوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"ہا ہا! میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ نہ کوئی منتر جنتر جانتا ہوں۔ میں یونہی پیار محبت سے تمہارے سانپوں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تم بھی ان سے محبت کیا کرو تو اچھا ہے۔"

مالک بولا۔

"اب تو تم باتیں بنا کر کے یہاں سے نہیں جا سکتے۔ یا تو میرے سب سے زہریلے سانپ کو قابو کر کے دکھاؤ، نہیں تو میں تمہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ میں تمہیں سانپ سے ڈسوا دوں گا۔" ناگ کو

بڑا غصہ آگیا۔ بولا،

"اچھا چلو لاؤ اپنا زہریلا سانپ۔ اگر مجھ پر اس کا زہر اثر کر جائے تو میں ہار مان لوں گا۔"

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے سانپ کا اثر میرے بھائی پر ہوگیا تو میں بھی ہار مان لوں گا۔ لیکن ہماری بھی ایک شرط ہے۔ یہ سارے لوگ سن رہے ہیں۔ اگر سانپ نے ہم دونوں کو کچھ نہ کہا تو پھر اسی سانپ سے تجھے اپنے آپ کو ڈسوانا ہوگا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

مالک کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ لوگوں نے شور مچا دیا۔

"منتری جی! یہ شرط آپ کو ماننی پڑے گی۔ نہیں تو ابھی ہار مان لیں۔"

مالک نے یونہی شان میں آ کر حامی بھر لی۔ بولا،

"چلو مجھے منظور ہے۔"

وہ اندر گیا اور جا کر ایک چھوٹی سی پٹاری لے آیا۔ سارے لوگ ارد گرد ذرا پرے پرے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ عنبر ناگ اور منتری درمیان میں آ گئے۔ بیچ میں انہوں نے پٹاری رکھ دی۔ منتری نے کوئی منتر منہ ہی منہ میں پڑھا۔ اُسے بھی اپنے جادو منتر پر بڑا مان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ پھر اس نے پٹاری کا ڈھکن اُٹھا دیا۔ شوں آواز آئی اور اندر سے سُرخ رنگ کا ایک خوفناک سانپ باہر نکل کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

لوگ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سانپ کے آگے ہاتھ کر دیا۔ سانپ خاموش کھڑا جھومتا رہا۔ اس کی حرکتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ڈرا ڈرا سا ہے اور کسی سے گھبرا رہا ہے۔ سانپ نے ناگ کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ منتری نے کہا۔

"اب بھی سوچ لو۔ اس سانپ کا کاٹا پانی نہیں

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تم سے پانی نہیں مانگوں گا"

ناگ بولا:

"یہ سانپ خود جا کر پانی لاتے ہیں۔ یہ میرا نوکر۔ غلام ہے۔"

سانپ نے عنبر کے ہاتھ پر نہ ڈسا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سانپ بار بار ناگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب آگے بڑھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

"کیا تجھے ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ میں تمہارا

دیوتا تمہارے سامنے کھڑا ہوں؟"

اتنا کہنا تھا کہ سانپ کی جیسے جان نکل گئی۔ پھن سمٹ گیا اور وہ سر زمین پر رکھ کر ناگ کے قدموں پر آ کر گر گیا۔ سارے لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ منتری پریشان ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"لو اب تم اس سے ڈسواؤ۔"

عنبر نے سانپ کو پکڑ کر منتری کی طرف کر دیا۔ منتری چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے تم لوگوں کو غلط سمجھا تھا۔"

ناگ نے کہا۔

"یاد رکھو! کبھی بڑا بول نہیں بولنا چاہیے اور کبھی کسی کی کامیابی دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہیے۔ اچھا میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب ہم جاتے ہیں۔"

منتری نے بہت کہا کہ کچھ کھا کر جائیں مگر عنبر اور ناگ وہاں سے چلے گئے۔ وہاں سے دونوں بھائی سیدھے شہر کے شمال مغرب میں دس میل کا سفر کر کے سمندر کے کنارے پہنچے۔ وہاں پرانے زمانے کا ایک قلعہ تھا۔ قلعے کی دیواریں آدھی گر چکی تھیں۔ جگہ جگہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"میرے خیال میں اسی جگہ ہمیں سانپ کو بلانا چاہیے"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر ہی منہ میں پڑھا اور پھر آنکھیں کھول کر خزانے کے سانپ کو آواز دی۔ خزانے کا سانپ وہاں سے قریب ہی زمین کے نیچے ایک زمین دوز تہہ خانے میں خزانے کے صندوق پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے جو ناگ دیوتا کا حکم سنا تو جلدی سے صندوق پر سے اترا اور مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ناگ کے پاس آ کر جھک گیا۔ ناگ نے اس سے خزانے کا ایک قیمتی پتھر مانگا۔ سانپ نے ادب سے کہا۔

"عظیم دیوتا! اس خزانے میں سونا ہی سونا ہے۔ قیمتی پتھر ایک بھی نہیں ہے۔ حکم ہو تو بھاری بھاری سونے کی [illegible] اینٹیں لے آؤں؟"

ناگ نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ بس تم ایسا کرو کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے آؤ۔ ہمارے پیسے ختم ہوگئے ہیں اور ہمیں اس دنیا کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے!"

"جو حکم حضور!" سانپ نے کہا اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سانپ سونے کی ایک ڈلی لے کر آ گیا۔ اس نے سونے کی ڈلی ناگ کے حوالے کی اور واپس چلا گیا۔ عنبر اور ناگ سونا لے کر واپس شہر میں آ گئے۔ یہاں انھوں نے سونے کی ڈلی بیچ ڈالی۔ انھیں ڈھیر سارے روپے مل گئے۔ انھوں نے کپڑے اور دوسری ضرورت کی چیزیں خریدیں۔ کچھ روپے سرائے کے مالک کو دیے اور دوبارہ ماریا کی تلاش شروع کر دی۔

ادھر ماریا جنگل جنگل ہوتی خلیج بنگال کی سرحد پر پہنچی تو شام ہو رہی تھی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس جنگل میں ایک بھی پھل دار درخت نہیں تھا۔ گھوڑے سے اتر کر وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

پھر اس نے ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ ذرا دور وادی میں کچھ مکان بنے تھے۔ یہ جھونپڑیوں کی طرز کے تھے۔ کہیں کہیں دھواں اٹھ رہا تھا۔ ماریا گھوڑے پر چڑھ کر ٹیلے سے اتری اور ان مکانوں کے پاس آ گئی۔ اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود ایک جھونپڑی کے دروازے پر آ کر اندر جھانکا۔

اندر ایک عورت بچوں کے لیے چاول ابال رہی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھل کا اچار مٹی کی تھالی میں نکال کر پہلے ہی رکھ

ملیا نے دیکھا کہ ابھی چاول پکنے میں کچھ وقت لگے گا

پس وہ آگے ایک خوبصورت مکان کے پاس آگئی۔ ہوتا تھا کہ یہاں کوئی امیر آدمی رہتا ہے۔ مکان دریا کنارے تھا۔ دریا میں ایک شاندار کشتی بھی کھڑی جس پہ چھت پڑی تھی۔ ملیا مکان کے اندر آ گئی۔ ایک ادھیڑ عمر کا موٹا تازہ آدمی تخت پہ بیٹھا حقہ پی تھا۔ تین چار نوکر نیچے ادب سے بیٹھے تھے۔

"حضور! اس بار غلطی نہیں ہوگی۔" ایک نوکر بولا۔

دوسرا بولا۔

"ہم بچے کو آج ہی اٹھا کر لے آئیں گے۔ ہے جو بھی سلوک آپ اس کے ساتھ کریں۔"

مالک بولا۔

"کمینو! میں اس بچے کو دریا میں ڈبو دوں گا۔ وہ میرے کا بچہ ہے۔ بڑا ہو کر وہ میری ساری جائیداد بن جائے گا۔ اس سے پہلے میں اس کے باپ کر چکا ہوں۔ میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا اگر تم بچے کو اغوا کر کے ابھی نہ لائے تو میں تم نوکری سے نکال دوں گا اور پھر تم بھوکوں مر جاؤ گے!"

"حضور ایسا نہ کریں۔" سارے نوکر گڑگڑائے۔

مالک گرجا۔

"تو پھر ابھی جاؤ اور اس دشمن کے بچے کو اٹھا کر لے آؤ۔ خبردار! کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ تم اغوا رہے ہو۔"

"ہرگز خبر نہیں ہوگی مالک۔" نوکر ہاتھ باندھ کر نکل گئے۔

ملیا نے سوچا کہ اب اس ننھے منے بچے کی جان بچانا اس فرض بن گیا ہے۔ یہ ذلیل اور ظالم شخص بچے کی جان لینا چاہتا ہے۔ اس کو بھی اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے جس بچے کے باپ کو بھی مار چکا ہے۔ مگر سب سے پہلے کچھ کھانا چاہیے۔ ملیا کو بھوک بڑی لگی تھی۔ مکان میں چل پھر کر باورچی خانے میں آگئی۔ یہاں ایک بنگالی نوکر پوڑیاں نکال رہا تھا۔ ملیا نے قریب جا کر تھالی میں سے چھ سات پوڑیاں اٹھائیں اور حلوے کے ساتھ کھانی شروع کر دیں۔ نوکر نے دیکھا کہ ابھی تھالی میں دس بارہ پوڑیاں رکھی تھیں، ان میں سے کچھ کہاں چلی گئیں؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ریل میں ڈاکا

پھ پوڑیاں چٹ کرنے کے بعد باقی بھی نکالیں۔
ب جو باورچی نے باقی پوڑیاں بھی تھال میں سے غ
ہونے دیکھیں تو چیخ مار کر بھوت بھوت بھوت ! چلا
چلاتا وہاں سے بھاگ گیا۔ سیدھا مالک کے پاس پہنچا
اس نے ڈانٹ کر کہا۔

" ابے الو کی دُم ! کیوں ناحق چلّا رہا ہے ؟"

نوکر یعنی باورچی بولا۔

" حضور مائی باپ ! رسوئی میں بھوت گھس آیا ہے۔
اس نے آدھی پوڑیاں اٹھائیں پھر باقی آدھی بھی تو ب
چل کر دیکھ لیجیے سارا تھال خالی پڑا ہے"

مالک نے زور سے ایک تھپڑ باورچی کے منہ پر لگایا

" حرام زادے نمک حرام ! پاگل ہو گیا ہے کیا !
یہاں بھوت کہاں آگیا۔ ساری پوڑیاں خود کھا گئے ہو اور
اب بھوت پہ لگا رہے ہو۔ بھاگ یہاں سے۔ میں
ساری پوڑیوں کے پیسے تمہاری تنخواہ میں سے کاٹوں گا"

باورچی کانپتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ماریا نے پہلے باورچی خانے میں بڑے مزے سے لے کر پوڑیاں کھائیں پانی پیا۔ پھر منہ ہاتھ دھویا۔ ساتھ والے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ بالوں میں کنگھی کی۔ وہ کنگھی میز پہ رکھ رہی تھی کہ اس کا ہاتھ لگ جانے سے گلدان نیچے گرتا دیکھا تو ڈر کر بھاگی۔ اُس نے باورچی سے پہلے ہی سُن رکھا تھا کہ گھر میں بھوت آگیا ہے۔

نوکرانی نے بھی جا کر مالک سے کہا۔

" بھوت نے کمرے میں گلدان توڑ دیا ہے سرکار۔"

" بکتی ہے۔ چل دفع دُور ہو جا یہاں سے !"

نوکرانی بھی بھاگ گئی۔ مگر وہ ڈر رہی تھی بہت۔

ماریا تازہ دم ہو کر اس کمرے میں آ گئی جہاں مکان کا ظالم مالک بیٹھا اب اس الماری میں سے پستول نکال کر اس میں گولیاں بھر رہا تھا۔ گولیاں بھر کر اس نے پستول تکیے کے نیچے رکھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے کھڑکی میں سے باہر دریا میں دیکھا۔ اس کے نوکر کشتی لے کر بجرے کو اغوا کرنے جا چکے تھے۔

دریا میں رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

ماریا بھی کونے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر آرام کرنے لگی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اتنے میں دریا میں دُور لالٹین کی روشنی نظر آئی۔ یہ لالٹین کشتی میں روشن تھی۔ مالک بڑی بے تابی سے دریا کے کنارے گیا۔ کشتی آ کر کنارے لگی۔ ملیا نے دیکھا کہ وہ بچے کو اغوا کر کے لے آئے تھے۔ بھی بھاگ کر وہاں پہنچ گئی۔ سال دو سال کی عمر کا بڑا پیارا سا بچہ تھا جیسے کوئی دوا سنگھا کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ مالک نے بچے کو دیکھ کر چیخ کر کہا۔

" اس بچے کو ، اس سانپ کو دریا کے بیچ میں لے جا کر غرق کردو۔ جلدی کرو "

[illegible] جلدی سے کشتی میں سوار ہو گئی۔ چاروں نوکروں [illegible] کا رُخ دریا کے وسط کی طرف کر دیا۔ کشتی بہتی چلی جا رہی تھی۔ جب کشتی بیچ دریا میں [illegible] نوکر نے کہا۔

" [illegible] اس کو اب پھینک دو "

[illegible] جلدی کرو۔ تم بھی اس مصیبت سے نجات حاصل

[illegible] میں ایک نوکر بڑا نرم دل تھا۔ اس کا نام سانیال [illegible] نے کہا۔

" بھائیو! خدا سے ڈرو۔ اس بچے پہ ظلم نہ کرو۔

آؤ ہم اس کی جان بچاتے ہیں۔ اور اس کو اس کی ماں کے پاس پہنچاتے ہیں "

تینوں نوکروں نے سانیال کو مارنا شروع کر دیا۔

" نمک حرام! ہمیں مروانے کی سوچ رہا ہے؟ خبردار جو پھر ایسی بات کی۔ میں تو جا کر تمہاری شکایت مالک سے کروں گا اور تمہیں نوکری سے نکلوا دوں گا۔ تم نمک حرام ہو "

سانیال خاموش ہوگیا۔ بلکہ الٹا انہیں ہاتھ جوڑنے لگا کر بھائیو مجھے معاف کردو۔ غلطی سے یہ خیال دماغ میں آگیا تھا۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں سوچوں گا۔ ملیا کو سانیال کی بات بڑی اچھی لگی۔ اُسے سانیال پہ ترس بھی آیا کہ نوکروں نے اُسے مارا تھا۔ ایک ہٹے کٹے نوکر نے کیا کیا کہ سانیال کے سر پہ زور سے چپت مار دی۔ سانیال بوڑھا ہو رہا تھا۔ نیچے گر پڑا۔ ملیا کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے فرش پہ سے ڈنڈا اٹھایا اور اس ہٹے کٹے نوکر کے سر پہ دے مارا۔ وہ چکرا کر گر پڑا۔

دوسرے نوکروں نے سانیال کو پکڑ لیا۔

" تم نے ڈنڈا مارا ہے "

" بھائیو! خدا کی قسم! میں نے ڈنڈا نہیں مارا "

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر کس نے مارا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تمھارے سوائے یہاں اور کون ہے جو ڈنڈا مارے۔ اب ہم تمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس بچے کے ساتھ تمھیں بھی دریا میں پھینک دیں گے۔"

وہ ابھی یہ باتیں ہی کر رہا تھا کہ فرش پر سے ڈنڈا اپنے آپ اوپر اٹھا اور بڑے زور سے اس کے ر آن لگا۔ وہ بھی چکرا کر گر پڑا۔ دوسرے نوکر منہ کھو تکنے لگے۔ سانپال نے کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ ڈنڈا اپنے آپ اٹھا تھا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے؟"

"مگر یہ کس نے ڈنڈا مارا؟"

"ضرور کوئی بھوت کشتی میں آ گیا ہے۔"

مدیا نے کہا۔

"ہاں! میں بھوت ہوں اور تمھاری موت بن کر آئی ہوں۔"

مدیا کی آواز سنتے ہی ان سب پر کپکپی طاری ہو گئی۔ خوف کے مارے کانپنے لگے۔ مدیا نے کہا۔

"سوائے سانپال کے سارے نوکر اوپر کشتی کی چھت

پر چلے چلو۔"

نوکر ہچکچائے۔ مدیا نے کہا۔

"اگر تم اوپر نہ گئے تو میرے ہاتھ میں ایک خوفناک قسم کی تلوار ہے۔ میں اس تلوار سے تم سب کی گردنیں اتار دوں گی۔ چلو اوپر اور میرے سامنے دریا میں چھلانگ لگا دو۔"

نوکر ڈرتے ڈرتے اوپر چھت پر چلے گئے۔ مدیا نے انھیں ایک قطار میں کھڑا کر دیا اور پھر سب کو باری باری دریا میں دھکا دے دیا۔ ان ظالم لوگوں کے ساتھ وہ ایسا ہی سلوک کرنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد وہ سانپال کے پاس آ گئی۔ سانپال بھی خوف سے کانپ رہا تھا۔ مدیا نے کہا۔

"بابا! ڈرو نہیں۔ میں بھوت نہیں ہوں ایک دیوی ہوں اور بچے کی جان بچانے آ گئی تھی۔"

سانپال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"دیوی زندہ باد!"

مدیا نے کہا۔

"اب اگر تم خالی کشتی لے کر واپس مالک کے پاس جاؤ گے تو وہ تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے میں

تمھارے ساتھ چلوں گی۔ تم ایسا کرنا کہ اس بچے کو
ں کے حوالے کر آنا۔"

"جو حکم دیوی جی!"

کشتی واپس موڑی گئی۔ دریا پر بستی کشتی واپس کنا
کے ساتھ آ کر لگ گئی۔ مالک بے چینی سے کشتی کا
کر رہا تھا۔ اس نے کشتی کے رکتے ہی اندر جا کر سا
کو دیکھ تو پوچھا۔

"بچہ ڈبو دیا؟"

سانپال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"نہیں جناب! باقی لوگوں کو ڈبو دیا ہے۔"

"کیا بچے پر؟" مالک چیخا۔

سانپال نے کہا۔

"دیوی جی کا یہی حکم تھا۔"

مالک نے جیب سے پستول نکال لیا۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ بچہ کہاں ہے بتاؤ!"

"نہیں بتاؤں گا۔"

[illegible] نے کہا۔

"وہ عورت کشتی میں ہی ہوگا۔ میں ابھی اسے جا

جب پستول لے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے
نے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا۔ مالک منہ کے بل
گرا اور اس کا پستول اچھل کر دور جا پڑا۔ وہ جلدی سے
اٹھا اور پستول پکڑنے ہی والا تھا کہ ماریا نے لپک کر
پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا اور گرج کر کہا۔

"جانے تم کتنے بے گناہ لوگوں کو اب تک مار چکے ہو۔ اب تم بھی ذرا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

مالک تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی بھوت ہے جو اس کے مکان میں آگیا تھا۔ اب یہ بھوت اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ سانپال نے کہا۔

"دیوی جی! اس پر رحم کریں۔"

ماریا بولی۔

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اس نے کتنے لوگوں کو مروا دیا اور رحم نہیں کھایا۔ اب اس پر بھی رحم کیوں کھایا جائے؟"

ماریا نے کہا۔

"سانپال بچے کو لے کر کشتی سے اتر جاؤ؟"

سانپال بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر کشتی سے اتر آیا۔ ماریا بھی کشتی سے اتر کر کنارے پر کھڑی ہو گئی۔ اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے ملاح کو کشتی میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ پھر کشتی
دریا کی لہروں کی طرف دھکیل دیا۔ لیکن دھکیلنے سے پہلے
اس کے پیندے میں سوراخ کر دیا۔ اس سوراخ میں سے
کشتی میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ لہریں کشتی کو آگے
آگے دریا کے پاٹ کی طرف لے گئیں۔ پانی تیزی سے
بھر رہا تھا اور کشتی ایک طرف کو جھکنے لگی تھی۔
کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح سے پانی باہر نکل جائے
م رہا۔ پانی بھر گیا اور کشتی ڈوب گئی۔
ے پر کھڑی ماریا نے دیکھا کہ کشتی آہستہ آہستہ
وں میں غائب ہو گئی ہے۔ اس نے کہا۔
اس کے کئے کی سزا مل گئی۔ سانیال! اب
کو اس کی ماں کے حوالے کر آؤ۔"

حکم دیوی جی!

ل چلا گیا۔

اس گھر میں اکیلی تھی۔ نوکر پہلے ہی بھاگ
رف ایک چوہدری رہ گیا تھا۔ ماریا انتظار کر
سانیال نے آ کر بتایا کہ بچے کو اس کی ماں
حوالے کر دیا گیا ہے۔ ماریا بڑی خوش ہوئی۔ اس نے کہا

"بابا! میں کل یا پرسوں یہاں سے چلی جاؤں گی

نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب میں کچھ دیر آرام
کروں گی اور پھر آگے جاؤں گی۔"

سانیال نے کہا۔

"دیوی جی! آپ مالک ہیں۔ ہم آپ کے خادم ہیں۔"

ماریا دو روز اس گھر میں رہی اور پھر ایک دن وہاں سے
روانہ ہو گئی۔ گھوڑے پر سوار وہ گاؤں میں سے گزر
کر آگے نکل گئی۔ یہاں اس نے ریلوے لائن کے ساتھ
ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ ریلوے اسٹیشن آیا تو وہ گھوڑے
سے اتر پڑی۔ گھوڑے کو اس نے چھوڑ دیا اور خود پلیٹ
فارم پر آ کر ریل گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔

ریل گاڑی میں رش زیادہ تھا۔ ماریا کو یہ بھی خطرہ تھا
اگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی۔ اور کسی کے ساتھ جڑ گئی
تو بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ اس نے دیکھا کہ
فرسٹ کلاس کے ڈبے میں صرف ایک عورت سفر کر رہی
ہے۔ یہ عورت انگریز تھی۔ ماریا بے دھڑک اسی ڈبے میں
داخل ہو گئی۔ وہ ایک طرف آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
انگریز عورت نوجوان تھی اور کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔
اس عورت کو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے ڈبے میں
ایک ایسی عورت آ گئی ہے جو نظر نہیں آتی۔ تھوڑی دیر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بعد ریل گاڑی کلکتے کی طرف روانہ ہو گئی۔ جنگ کا زمانہ تھ
رات کو بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ بجلی ڈبے کے شیشوں
کالے پردے چڑھا دیے گئے تھے۔ اس وجہ سے ڈبے
مدھم بتی جل رہی تھی۔ انگریز عورت کچھ دیر پڑھتی رہی
پھر اُسے نیند آنے لگی۔ پس وہ اپنی سیٹ پر لیٹ
سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ماریا کو بھی نیند آنے لگی تھی۔ وہ بھی دوسری سیٹ
کر نیند کا انتظار کرنے لگی۔ ریل گاڑی اس وقت ایک
گل میں سے گزر رہی تھی۔ ابھی ماریا کو لیٹے زیا
نہیں ہوئی تھی کہ کھڑکی کا شیشہ ایک چھناکے کی
تھ ٹوٹ گیا اور دو نقاب پوش ڈاکو اندر آ گئے۔
تھوں میں پستول تھے۔ آنکھوں پر نقاب تھے۔ انگ
گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے گاڑی کی زنجیر کھینچنے
کی مگر ایک ڈاکو نے اس کے تھپڑ مار کر پیچ
دیا۔

"خبردار اگر ذرا بھی ہلی۔ جتنے روپے پیسے اور زیور
تمہارے پاس ہیں وہ ہمارے حوالے کر دو۔"

دونوں ڈاکو ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں باتیں کر رہے
تھے۔ اُن کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اُن کے پاس ہی ایک نیم

عورت ماریا بیٹھی ان کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھ
رہی ہے۔ انگریز عورت بے چاری آخر عورت تھی۔ خوف
سے کانپنے لگی۔ جھٹ اس نے پرس اور اٹیچی کیس میں سے
سارے پیسے نکال کر اُن کے آگے پھینک دیے۔

ایک ڈاکو نے رعب سے کہا۔

"زیور کہاں ہیں تمہارے؟ وہ بھی دو۔"

انگریز عورت نے کہا۔

"ہم لوگ زیور نہیں پہنا کرتے۔ یہ انگوٹھی ہے لے لو۔"
اور اس نے انگوٹھی اُتار کر پھینک دی۔ دوسرے ڈاکو نے
اٹیچی کیس کو الٹ دیا۔ اندر سے ایک ڈبی گری۔ اُسے
کھولا تو اندر ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ انگریز عورت نے منت
سے کہا۔

"یہ انگوٹھی میری مری ہوئی ماں کی نشانی ہے۔ اسے مت
چھینو مجھ سے۔"

"خاموش۔"

"میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" ایک ڈاکو نے انگریز عورت کو زور
سے دھکا دیا۔ بے چاری کا سر کھڑکی کی تپائی سے لگا اور
خون بہنے لگا۔ عورت نے سسکیاں بھرنی شروع کر دیں اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماتھے پر رومال رکھ دیا۔

ماریا سے اب زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ اس سے زیادہ وہ سنگدل ڈاکوؤں کا ظلم نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اٹھ کر بڑے آرام سے اس ڈاکو کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی جس نے انگریز عورت کو دھکا دیا تھا اور وہ زخمی ہو گئی تھی۔ ڈاکو کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ پستول تانے کھڑا تھا۔ گاڑی کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ [illegible] کے اندھیرے کو چیرتی بھاگی جا رہی تھی۔ انگریز عورت نے [illegible] باندھ لیا تھا۔ پھر بھی اُس میں سے خون رِس رہا تھا۔ دوسرا ڈاکو چوری کا مال باندھ کر بھاگنے [illegible] تھا۔

[illegible] ایک ڈاکو کی گردن پر کسی نے زور سے ہاتھ [illegible] کھا گیا اور اس کا پستول پرے جا گرا۔ [illegible] جلدی سے پستول پکڑ لیا اور اٹھ کر اپنے پیچھے [illegible] کر اسے دھکا کس نے دیا تھا۔ مگر پیچھے تو کوئی [illegible] تھا۔ دوسرا ڈاکو بھی حیران ہوا کہ یہ دھکا دینے والا کون تھا۔

"کیا ہوا تھا؟"

"کسی نے دھکا دیا ہے۔ گردن پر زور سے ہاتھ مارا

ہے۔"

"بکواس کرتے ہو۔ ڈبے میں تو اور کوئی نہیں ہے۔"

"مجھے گردن پر کسی کا ہاتھ لگا ہے۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ چلو یہ گٹھری اٹھاؤ اور زنجیر کھینچ دو تاکہ گاڑی کی رفتار ہلکی ہو تو ہم باہر چھلانگیں لگا کر بھاگ جائیں۔"

ڈاکو نے گٹھری اٹھائی اور وہ زنجیر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے بڑی پُر اسرار اور رعب دار آواز بنا کر کہا۔

"خبردار! زنجیر کو ہاتھ مت لگانا۔"

دونوں ڈاکو اور انگریز عورت نے چونک کر ڈبے میں چاروں طرف دیکھا۔ یہ آواز کہاں سے آئی تھی؟ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ مگر میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ اس عورت کا سامان نیچے سیٹ پر رکھ دو۔ اس عورت کے آگے ہاتھ باندھ کر معافی مانگو۔ پستول بھی نیچے رکھ دو۔"

ڈاکو ہکا بکا ہو کر ادھر ادھر تک رہے تھے۔ انگریز عورت بھی سہم گئی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"میں دیوی درگا ہوں۔ میں اس عورت کی مدد کرنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آئی ہوں اور تمہیں تمھارے ظلم کا بدلہ دینے آئی ہوں۔ میں اس جنگل میں سے گزر رہی تھی کہ اس کی سسکیوں کی آواز مجھے اس کی مدد کو کھینچ لائی۔ جلدی کرو۔ پستول نیچے رکھ دو اور اس عورت سے معافی مانگو۔"

ڈاکو اپنی جگہ پر بت بنے کھڑے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں آواز پر اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ یہ درگا دیوی کی آواز ہے۔ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ شاید اس انگریز عورت نے کہیں ٹیپ ریکارڈ لگا دیا ہے۔ اس پر ماریا کو آگیا۔ اس نے تپائی پر رکھا ہوا شیشے کا گلاس اٹھا قوت سے ایک ڈاکو کے سر پر مارا۔ گلاس ٹوٹ گیا اور جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"معاف کر دو درگا ماتا!"

ماریا نے دوسرے ڈاکو سے گرج کر کہا۔

"تم بھی پستول پھینک دو۔"

اس نے بھی پستول پھینک دیا اور ہاتھ باندھ کر تھر تھر نے لگا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر دونوں پستول اٹھا لیے۔ ل ایک دم سے سیٹ پر سے غائب ہوتے دیکھ کر ڈاکوؤں کی جان ہی نکل گئی۔ سمجھ گئے کہ اب اُن کی خیر نہیں ہے۔ یہ ساری گفتگو بنگالی زبان میں ہو رہی تھی۔ انگریز

عورت کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس بات پر بڑی خوف زدہ تھی کہ کوئی روح اس کے ڈبے میں اس کی مدد کرنے آئی ہے۔ وہ ڈر بھی رہی تھی اور دل میں روح کا شکریہ بھی ادا کر رہی تھی۔ دونوں پستول ماریا کے ہاتھ میں آ گئے تھے۔ اس نے کہا۔

"دروازہ کھول کر تم دونوں ڈاکو ڈبے کے دروازے کے بیچ میں باہر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

دونوں ڈاکو کانپتی آواز میں بولے۔

"درگا ماتا! رحم کرو۔ ہمیں بخش دو۔"

ماریا بولی۔

"تم قاتل ہو۔ بے زبان عورتوں پر ظلم کرتے ہو۔ انہیں لوٹتے ہو۔ مارتے ہو اور جان سے مار دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ تم پر رحم کھانا ناانصافی ہے۔ چلو جلدی کرو نہیں تو میں ابھی گولی چلا کر تم دونوں کو ختم کر دوں گی۔ تمہارے دونوں پستول اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر یقین نہیں آتا تو یہ لو۔"

اور اس کے ساتھ ہی ماریا نے کھڑکی سے باہر دو گولیاں فائر کر دیں۔ گولیوں کی آواز پر ڈاکو سہم گئے۔ سچ مچ درگا دیوی کے ہاتھ میں پستول تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"جلدی کرو۔" ماریا نے چیخ کر کہا۔

دونوں ڈاکو ایک ایک قدم اٹھاتے دروازے کے پار گئے اور وہاں رک گئے۔ ماریا نے کہا۔

"کھولو دروازہ نہیں تو میں گولی چلانے لگی ہوں۔"

ڈاکو نے آہستہ سے کنڈی اُتاری اور دروازہ کھول دیا۔ ہوا کا جھونکا اندر گھس آیا۔ ماریا نے کہا۔

"باہر چھلانگ لگا دو آگے پیچھے۔ چلو۔ نمبر ایک جلدی کرو۔"

گاڑی بڑی تیز رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔ باہر سخت ر تھی۔ درخت بجلی کی طرح پیچھے جا رہے تھے۔ کھٹا کھٹا کھٹ کا شور مچا تھا۔ خدا جانے اس وقت گاڑی یا سے گذر رہی تھی کہ ایسے جنگل میں سے گذر رہی ں شیر اور ہاتھی رہتے تھے۔ ماریا کی آواز پر ایک ڈاکو کھیں بند کر کے باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی اکو بھی باہر کود گیا۔ ان کے باہر کودنے کے ساتھ ہی ماریا وازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور انگریز عورت کے پاس ۔

ریز عورت خوف زدہ تھی۔ اس نے زندگی میں آج تک ایسا ر نہ دیکھا تھا۔ اب ماریا نے انگریزی زبان میں اُسے کہا۔

"بہن! خدا نے تمہاری مدد کی ہے۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں کوئی درگا دیوی نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح کی ایک عورت ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں دکھائی نہیں دے سکتی۔ کیوں کہ آج سے پانچ ہزار برس پہلے مجھے جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا تھا۔"

انگریز عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"پانچ ہزار سال پہلے؟"

"ہاں۔ مگر یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ میں کوئی بھوت پریت نہیں ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہی اس ڈبے میں سوار ہوئی تھی۔ لاؤ میں تمہارے ماتھے پر پٹی باندھوں۔"

"شکریہ! میری بہن! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر تم میری مدد نہ کرتیں تو یہ ڈاکو میری ماں کی آخری نشانی بھی مجھ سے چھین کر لے گئے ہوتے۔ مگر کیا میں تمہیں چھو سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ لاؤ اپنا ہاتھ۔"

ماریا نے انگریز عورت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ماتھے سے لگایا۔ انگریز عورت نے ہاتھ سے ماریا کے جسم کو ٹٹولا۔ اس کا ناک، ہونٹ اور سر کے بال محسوس کئے۔ وہ بالکل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عام عورت کی طرح تھی۔ صرف اس کا ناک لمبا اور ہونٹ خوبصورت تھے۔ مادیا نے کہا۔

"آج سے پانچ ہزار برس پہلے جب میں نے ایک بار تالاب میں اپنا عکس دیکھا تھا تو میری آنکھیں نیلی اور بال سنہری تھے۔ آج بھی میری آنکھیں نیلی اور بال سنہری ہی ہوں گے۔"

"لیکن بہن مادیا! تم غائب کیسے ہو گئیں؟ میرا مطلب ہے کیا اس دنیا میں کوئی ایسا جادو بھی ہے کہ انسان غائب ہو جائے؟"

[illegible] نے کہا۔

"[illegible] اس کی زندہ مثال میں تمہارے سامنے موجود ہوں، لیکن [illegible] باتوں پر بحث نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔ تم ان [illegible] کو نہیں سمجھ سکو گی۔ میں اپنے بھائی عنبر اور ناگ [illegible] ساتھ ہزاروں برس سے زندہ ہوں۔ ہم نے کئی بادشاہوں [illegible] سلطنتیں دیکھی ہیں۔ میرے بھائی عنبر کے پاس ایسی طاقت [illegible] وہ مر نہیں سکتا۔ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے [illegible] ہزار برس تک سانپ بن کر زندہ رہنے کے بعد انسان کے روپ میں آگیا ہے اور جو جب چاہے شکل بدل سکتا ہے۔"

انگریز عورت نے پوچھا۔

"تمہارے بھائی ناگ اور عنبر کہاں ہیں؟"

مادیا نے کہا۔

"میں ان کی تلاش میں ہی نکلتے جا رہی ہوں۔"

"یقین نہیں آتا کہ آج کی سائنسی دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی مر نہ سکے۔ ایک آدمی روپ بدل کر سانپ یا ناگن بن جائے اور ایک عورت غائب ہو جائے۔"

مادیا بولی۔

"اس حقیقت کو جو غائب ہو جاتی ہے تم اپنے پاس محسوس کر رہی ہو۔ اس کی آواز سن رہی ہو۔ لیکن اسے دیکھ نہیں سکتیں۔ اسی طرح میرے دوسرے بھائیوں پر بھی یقین کر لو۔"

انگریز عورت نے کہا۔

"مجھے یقین کرنا ہی پڑے گا۔ کاش میں تمہارے بھائیوں بھائی عنبر اور ناگ سے بھی مل سکتی۔"

مادیا بولی۔

"وہ بھی اسی ملک میں ہیں۔ شاید کبھی تمہاری اُن سے ملاقات ہو جائے۔ اگر کبھی تم اُن سے ملیں تو انہیں کہ [illegible] ان کی بہن مادیا اس شہر میں ان کی تلاش میں ہے۔"

"بہت اچھا۔ میں ضرور ان تک تمہارا پیغام پہنچاؤں گی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گاڑی اب آہستہ ہو گئی تھی۔ کلکتے کا سٹیشن آ رہا تھا۔ ٹرین کے دائیں بائیں دور دور روشنیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ پھر گاڑی کلکتہ شہر کے بہت بڑے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو گئی۔ انگریز عورت نے کہا۔

"ماریا بہن! اس وقت تم کہاں جاؤ گی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر تم میرے ساتھ میرے گھر چلی چلو۔ تم میرے ساتھ ہی رہنا جب تک کہ تم اس شہر میں ہو۔ یہ میرے دل کی خواہش ہے۔ کیا تم منظور کرتی ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ مگر میری ایک شرط ہے۔"

[illegible] "کیا؟"

[illegible] نے کہا۔

"[illegible] تمہارے سوا کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے کہ میں تمہارے [illegible] کس گھر میں رہ رہی ہوں۔"

"[illegible] مجھے منظور ہے۔"

"[illegible] کسی کو میرا راز نہیں بتاؤ گی نا؟"

"ہرگز نہیں بتاؤں گی۔"

"پھر میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

"شکریہ بہن ماریا! بہت بہت شکریہ!"

انگریز عورت کا نام سوزی تھا۔ وہ ایک بڑے امیر انگریز کی بیوی تھی جس کی شہر سے باہر جھیل والے باغ کے کنارے ایک عالی شان کوٹھی تھی۔ سوزی کو لینے اس کا خاوند ایک لمبی خوبصورت کار لے کر سٹیشن پہ آیا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سوزی سے ہاتھ ملایا اور خوش ہو کر بولا۔

"ٹرین ٹھیک وقت پر پہنچی۔"

پھر اچانک اس کی نظر سوزی کے ماتھے پر بندھی پٹی پہ گئی۔ فکر مند ہو کر پوچھنے لگا۔

"یہ کیا ہوا سوزی؟"

سوزی نے مسکرا کر کہا۔

"گر پڑی تھی اپنے ڈبے میں۔"

"خدا کے لیے اپنا خیال رکھا کرو۔ میں ابھی گھر چل کر ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہیری! میں ٹھیک ہوں۔"

ماریا بھی سوزی یعنی اس انگریز عورت کے ساتھ ساتھ تھی۔ گاڑی میں سوزی کا خاوند پچھلی سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھنے لگا تو سوزی نے کہا۔

"ہیری! تم اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں ذرا کھل کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیٹھنا چاہتی ہوں"

"کوئی بات نہیں سوزی! میں آگے بیٹھ جاتا ہوں"

اصل میں پچھلی سیٹ پہ سوزی کے ساتھ ماریا نے بیٹھنا تھا۔ گاڑی بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔ سوزی نے ماریا کے قریب ہو کر کہا۔

"کیا یہ شہر تم نے پہلے دیکھا ہے؟"

سوزی کے خاوند نے پلٹ کر کہا۔

"کیا مجھ سے کچھ کہا تم نے سوزی؟"

"اوہ نہیں نہیں۔ میں . . . ."

"لیکن پھر تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"کسی سے نہیں۔ کسی سے بھی نہیں۔ میں کچھ بڑ بڑا ی۔ شاید مجھے نیند آ رہی ہے"

"تم گھر جاتے ہی سو جانا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے"

"ٹھیک ہے"

ماریا ہنس رہی تھی۔ اس نے سوزی کے کان میں کہا۔

ں میں اس شہر میں پہلے بھی آ چکی ہوں"

ماریا کی سرگوشی ہیری کے کان میں گئی تو اس نے دیکھا۔

یہ کون بول رہا تھا؟"

سوزی نے کہا۔

"ارے بھئی کوئی بھی نہیں۔ تم کو خوامخواہ وہم ہو رہا ہے"

سوزی کے خاوند ہیری نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں نے خود کسی عورت کی ہنسی سنی ہے"

سوزی ہنس کر بولی۔

"دیکھ لو یہاں میرے سوا کوئی عورت نہیں ہے؟"

"یہی تو میں بھی دیکھ رہا ہوں"

گاڑی سوزی کے شاندار بنگلے میں داخل ہو گئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کمرے کا بھوت

سعدی نے ہما کو بچے کا اوپر والا کمرہ دے دیا۔ اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ یہ مشہور تھا۔ بس کر اوپر جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ سعدی ایک ہمانی نٹ کھٹ ہونی چنچل سلطنہ میں۔ بچنے کے بہانے ... تو [illegible] نہ اوپر آ گئی تھی۔ اس نے ہما سے کہا۔

• [illegible] لے اس لیے کمرے کے نیچے ہے [illegible] کوئی نہیں ہوتا تم ڈرتے سکتی ہو تو [illegible] نہیں کرتے گا؟

• [illegible]

• [illegible]۔ میں یہاں سکون سے رہ لوں گی؟

ہما بولی۔

[illegible] کہ میں نہیں یہیں دے جایا کروں گی؟

ہما

[illegible] بھوت ہے۔ میں تو بچی [illegible] کسی بڑ [illegible] کیا کروں گی۔ دیکھے گی [illegible]۔

کرتی ہوں؟

• نہیں ہما! کھانا میں تمہیں خود یہاں پہنچایا کروں گی۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ یہ میرا کام ہوگا۔

ہما کا کمرہ چھوٹا سا تھا۔ کھڑکی باغ کی طرف کھلتی تھی جس میں درخت تھے۔ ایک جھیل تھی۔ ہما نے پلنگ درست کیا۔ کھڑکی کے پاس کرسی رکھ دی تاکہ فرصت کے وقت باغ کی سیر دیکھ سکے۔ سعدی نیچے جا چکی تھی۔ دوپہر کو وہ کھانا لے کر آئی۔ ہما اسے نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے کمرے میں آتے ہی کہا۔

• ہما! تم کہاں ہو؟

ہما بولی:

• میں کھڑکی کے پاس کرسی پہ بیٹھی ہوں۔ بڑا اچھا نظارہ ہے۔

سعدی نے کھانا میز پہ رکھ دیا۔

• کوئی کمی تو نہیں؟

• سعدی! کوئی تکلیف نہیں۔ یہ کمرہ تو اچھا ہے؟

سعدی کہنے لگی۔

• ہما جی! مگر تم نے پہلے آ کر ہم سب کے ساتھ کھانا کھایا کرو۔ سعدی خفا ہو جائے گی۔ یہ تو تم جانتی ہو۔

ہو سکتا ہے یہ راز کھل جائے کہ اس گھر میں ایک ایسی لڑکی بھی رہتی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی "

" ہاں یہ تو ٹھیک ہے "

سوزی جانے لگی تو بولی ۔

" آج میرے خاوند کی بہن اور اس کا خاوند ہمارے ہاں شام کی چائے پر آ رہے ہیں ۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی ہے ۔ لڑکے کا نام فلپ ہے ۔ انجینئر ہے اور ذرا تیز مزاج کا ہے ۔ میرا مطلب ہے شام کو تم اپنے کمرے ہی میں بیٹھی رہنا ۔ میں خود تمہیں آ کر چائے دے جاؤں گی "

[illegible] ۔ ماریا نے کہا ۔

" تم فکر نہ کرو سوزی بہن ! میں یہاں سے باہر نہیں [illegible] ۔ مجھے اس کی ضرورت بھی کیا ہے "

[illegible] چائے پہ سوزی کے خاوند کا چھوٹا بہنوئی فلپ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ آ گیا ۔ بڑا تیز اور شوخ نوجوان تھا ۔ [illegible] سے مذاق اور شوخیاں کرنے لگا ۔ ایک جگہ ٹک کر بیٹھتا ہی نہیں تھا ۔ ابھی اس کمرے میں تو ابھی دوسرے کمرے میں ۔ سوزی کو یہی فکر تھی کہ کہیں یہ اوپر والے کمرے میں نہ چلا جائے ۔ پھر اس نے سوچا کہ بھلا اس کو اوپر سٹور میں جانے کی کیا ضرورت ہے ۔

چائے کے دوران عورتیں آپس میں باتیں کرنے لگیں ۔ سوزی باورچی خانے میں سموسے وغیرہ تیار کر رہی تھی ۔ فلپ کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ دوسری منزل میں آ کر بالکنی میں کھڑا ہو گیا اور باغ کے درختوں کو دیکھ کر خوش ہونے لگا ۔ پھر اس نے سٹور روم کو دیکھا کہ اس میں تالہ نہیں لگا تھا ۔

" سٹور روم آنٹی نے کیوں کھلا رکھ چھوڑا ہے ؟

فلپ نے دل میں خیال کیا اور دروازے کو ذرا سا دھکا دیا تو پٹ کھل گیا ۔ اندر پلنگ بڑے قرینے سے دیوار کے ساتھ لگا تھا ۔ ایک آرام کرسی کھڑکی کے آگے پڑی تھی ۔ تپائی پہ گلدان میں تازہ پھول سجے تھے ۔

" یہ تازہ پھول یہاں کون رکھ گیا ؟ یہ سٹور روم ہے کہ ڈرائینگ روم ۔"

فلپ بڑا حیران ہو رہا تھا کہ سٹور روم کو اتنا سجانے کی کیا ضرورت تھی بھلا ؟

ماریا اس وقت آرام کرسی پہ بیٹھی تھی اور فلپ کو غور سے دیکھ رہی تھی ۔ سوچ رہی تھی ۔

" یہ کم بخت ادھر کہاں آ گیا ؟ سوزی ٹھیک کہتی تھی کہ فلپ بڑا تیز اور منچلا لڑکا ہے ۔ اس کم بخت کو واپس چلے جانا چاہیے "

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فلپ اب کھڑکی کے آگے آ گیا۔ ماریا کرسی پر [illegible]
کے بالکل قریب بیٹھی تھی۔ اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں [illegible]
کرسی پر نہ بیٹھ جائے۔ کیونکہ اگر وہ کرسی پر بیٹھتا تو وہ [illegible]
کے اوپر یعنی اس کی گود میں بیٹھ جاتا۔ اگر ایسا ہو جائے [illegible]
کتنا مزہ آئے۔ فلپ کا کیا بُرا حال ہو؟ ماریا سوچ بھی [illegible]
تھی اور وہاں سے کھسک بھی رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔ [illegible]
نے سوچا کہ ذرا آرام کرسی پر بیٹھ کر باغ کا نظارہ کریں [illegible]
اگر ماریا تیزی سے نہ اٹھتی تو فلپ اس کی گود میں بیٹھ [illegible]
تھا۔

[illegible] بھی اٹھتے اٹھتے ماریا کا پیر تپائی سے ٹکرا گیا [illegible]
نیچے گر پڑا۔ اگر بات یہیں تک ہی رہتی تو [illegible]
بات نہیں تھی۔ لیکن بات اس سے آگے بڑھ گئی
[illegible] جونہی گلدان تپائی پر سے نیچے گرا ماریا نے [illegible]
مطابق جلدی سے اسے فرش پر سے اٹھا کر
[illegible] رکھا اور اس میں گلدستہ پھر سے سجا دیا۔
[illegible] نے جو دیکھا کہ گلدان جو تپائی پر سے گرا
[illegible] فرش سے اٹھ کر تپائی پر آ کر جم گیا اور پھر فرش [illegible]
[illegible] بھی اپنے آپ اٹھ کر گلدان میں چلا
[illegible] تو اس کی آنکھیں پتھرا سی گئیں، ٹھٹک کر رہ گئے

[illegible] کچھ گھبرا سا گیا۔ ماریا کو بھی اپنی طاقت کا احساس
[illegible] چکا تھا۔ مگر جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ اب وہ بھی دلچسپی
[illegible] ساتھ فلپ کو دیکھ رہی تھی کہ یہ اب کیا کرتا ہے۔
فلپ تیزی سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
[illegible] نیچے جاتے ہی اس نے شور مچا دیا کہ اوپر والے کمرے
[illegible] بھوت کا بسیرا ہے۔ پھر اس نے گلدان کے گرنے اور
[illegible] خود بخود تپائی پر چڑھنے کا سارا قصہ تک [illegible]
[illegible] کر سنا دیا۔ سوزی سمجھ گئی کہ ماریا سے ضرور کوئی غلطی
[illegible] ہو گئی ہے۔ سوزی کے خاوند نے کہا۔
[illegible] پہلے تو اوپر کبھی ایسی بات نہیں ہوئی۔ اول تو
[illegible] جاتا ہی کوئی نہیں۔ ہمیشہ تالا لگا رہتا ہے۔
[illegible] کس نے کھول دیا اوپر والے کمرے کا؟
سوزی نے کہا۔
[illegible] وہ اصل میں صبح میں نے صفائی کی تھی، تالا لگانا
[illegible] بھول گئی۔
فلپ بولا۔
[illegible] ابھی اوپر ذرا کمرے کو جا کر دیکھیں وہ سٹور کہاں
[illegible] پورا بیڈ روم بنا ہوا ہے۔ پلنگ لگا ہے۔ تپائی
بچھی ہے۔ کھڑکی کھلی ہے۔ یہ ساری کارستانی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھوت کی ہے :

فلپ کی بیوی ڈر گئی ۔

" ارے ! بھوت ! خدا کا شکر ہے تم بھاگ کر آ گئے

فلپ نے کندھے اچکائے ۔

" ارے بیگم ! بھوت بھلا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے
میں نے اس کا لحاظ کیا ہے ۔ نہیں تو اسی وقت
قلا بازی دیتا کہ بھوت کو نانی یاد آ جاتی ۔

سوزی نے کہا ۔

" یہ تم لوگوں کا خیال ہے فلپ ! بھوت کوئی نہیں
وال ۔ چلو چائے پی لو "

فلپ بولا ۔

" آنٹی ! میں نے اپنی آنکھوں سے گلدان کو ذرا
اٹھ کر تپائی پر جاتے دیکھا ہے ۔ میں نے آپ
ے بھوت کا بڑا لحاظ کیا ہے ۔ ویسے نہیں تو
اس قسم کے بہت سے بھوت دیکھے ہیں جو
ٹ میں میرے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں جو
پ کی بیوی نے بڑی شان سے فلپ کی طرف

ی کا خاوند بولا ۔

" ارے بھئی ! سوال یہ ہے کہ یہ بھوت پر

ی کہیں سے آ گیا ! اب اگر آ گیا ہے تو یہ بھی بڑا
کرے گا ۔ میں تو کہتا ہوں اگر تم نے اس سے پہلے
بھوتوں کو بھگایا ہے تو ذرا ہمارے بھوت کو بھگا دو :

سوزی نے جھٹ کہا ۔

" آپ بھی بچوں ایسی باتیں کرنے لگے ۔ کہاں کا
کہاں کا جادو ٹونہ ؟ چھوڑیں ان باتوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ "

فلپ نے سینے پر ہاتھ مار کر بولا ۔

" آنٹی یہ دیکھیں ۔ خدا کی قسم اوپر والے کمرے میں
ہے ۔ یہ بھوت آپ کو بہت تنگ کرے گا ۔ اس کو
ی بھگا سکتا ہوں "

سوزی کے خاوند نے کہا ۔

" بھائی اوپر چلو اور بھوت کو نکال باہر کرو ۔ نہیں
یہی سمجھوں گا کہ تم محض زبانی باتیں کرتے رہتے
ڈینگیں مارتے رہتے ہو "

فلپ سر اٹھا کر بولا ۔

" چلئے میرے ساتھ اوپر ۔ اگر بھوت وہاں موجود ہوا
ں ابھی اسے کمرے سے نکال کر باغ میں پھینک
گا "

یکی کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں تھی ۔ بھوت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ں وقت اُس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ ملیا کمرے سے
نیچے اتر آئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ آدمی نیچے جا کر
بڑا شور مچائے گا۔ وہ ساری باتیں چپ چاپ ایک
طرف ہٹ کر کھڑی سن رہی تھی۔ اس نے فلپ کو
مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جونہی فلپ نے تم
کے لوگوں کو اوپر آنے کی دعوت دی ملیا نے میز پر سے
ایک چینی کی رکابی اٹھا کر اُس کے سر پہ دے ماری۔
چھن سے رکابی فلپ کے سر سے ٹکرا کر ٹکڑے
ٹکڑے ہوگئی۔

فلپ گھبرا کر ایک طرف گر پڑا۔ اس کی بیوی اور سوزی ا
پریشانی کی حالت میں اُسے تکنے لگے۔ سوزی نے م
ں۔ سمجھ گئی کہ ملیا نیچے آگئی ہے۔ فلپ نے زمین پر
اٹھتے ہوئے کہا۔

• یہ بھوت بھوت آگیا ہے:

یری نے کہا۔

• اسے پکڑ لو۔ پکڑ لو اسے فلپ:

یری بولی۔

• خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چلو فلپ:

فلپ نے سینے پہ ہاتھ مار کر کہا۔ • اور میں بھاگ

؟ کیوں ؟ کیا میں اس بھوت سے ڈر جاؤں گا ؟
تو اس بھوت کو ایسی مار ماروں گا کہ پھر کبھی ادھر آنے
نام نہیں لے گا:

ملیا کو غصہ بھی آ رہا تھا اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔
ری نے سوزی سے کہا۔

• سوزی! تم بڑے آرام سے کھڑی ہو۔ کیا تم نے
پہلے کبھی اس بھوت کو گھر میں دیکھا تھا؟

• نہیں تو۔ ہرگز نہیں۔ پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا
تھا۔ مگر یہ بھوت کہاں سے آگیا؟

• یہ تو اس بھوت سے پوچھیں گے۔• سوزی کا خاوند بولا۔

• ہاں بھئی فلپ! خدا کے واسطے اس بھوت کو جان
سے نکالے بغیر نہ جانا۔ پیچھے یہ بھوت ہمیں زندہ
نہیں چھوڑے گا:

فلپ اندر سے ڈر گیا تھا۔ مگر اوپر اوپر سے بہادری
باتیں کر رہا تھا۔ وہ اتنی ڈینگیں مار چکا تھا کہ اب
شرمندہ ہونے سے گھبرا رہا تھا۔ بولا۔

• چچا آپ فکر نہ کریں۔ میں اس بھوت کی دم کاٹ
کر اسے ٹھنڈا کر کے یہاں سے نکالوں گا۔ ساری عمر
رکھے گا یہ بھوت کہ کسی بہادر جوان سے پالا

پڑا تھا۔

وہ اُٹھ کر ٹائی ٹھیک کرنے لگا۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ کمینہ اس کی دم کاٹنے کی فکر میں تھا۔ وہ کھسکتی ہوئی فلپ کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اُس نے میز پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اُٹھایا۔ فلپ کے کوٹ کا کالر پیچھے انگلی ڈال کر اپنی طرف کھینچا اور اندر ٹھنڈا پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ فلپ نے جو اپنا کالر گردن کے پیچھے سے کھنچتے اور پھر کمر کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے پانی کی آبشار نیچے پتلون تک جاتے اور پھر پتلون کے نیچے سے باہر نکلتے دیکھی تو پہلے [illegible] جہاں کھڑا تھا وہیں خوف کے مارے کھڑا رہ گیا۔ [illegible] بعد اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور [illegible] کر گر پڑا۔

[illegible]ری، سوزی، فلپ کی بیوی اور نوکروں نے بھی اپنی [illegible] سے دیکھ کر فلپ کے کوٹ کے اندر پانی جا رہا ہے [illegible]لون کے پائنچوں سے باہر نکل کر فرش کے قالین [illegible] رہا ہے۔ سبھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ فلپ کی بیوی [illegible] پر فلپ پر گری۔ فلپ کو اُٹھا کر بستر پر لٹا دیا [illegible] بڑی مشکل سے اُسے ہوش آیا۔ ہوش آتے ہی اُس نے [illegible] کی۔

"بیگم! بھاگ یہاں سے؟"

اور ہیری کو لے کر فوراً نو دو گیارہ ہو گیا۔

اب سوزی کے خاوند کو فکر پڑ گئی۔ بولا۔

"بیگم! یہ بھوت کہاں سے آ گیا اس گھر میں؟ یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں آج ہی اس شہر سے کسی [illegible]ے علم والے جوگی کو بلاتا ہوں۔ وہ بھوت کو قابو کرے گا۔"

سوزی اب اُسے کیا کہتی کہ نہ بلاؤ کسی کو! ماریا سے غلطی ہو گئی تھی۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔ پھر بھی کہنے لگی۔

"ارے آپ تو خواہ مخواہ گھبرا رہے ہیں۔ بھوت اگر ہے بھی تو ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔ آخر ہمارے گھر کا بھوت ہے۔"

ہیری بولا۔

"یہ کمال ہے۔ گھر کا بھوت نہ ہوا گھر کی بھینس ہو گئی جیسے نہیں۔۔۔ ابھی نہیں تو ہمارے مہمانوں کو پریشان کرے گا۔ اسے یہاں سے بھگانا ہی پڑے گا۔ میں ابھی کسی جوگی کے پاس جاتا ہوں۔ کالی گھاٹ کے مندروں میں ایسے کئی ہندو جوگی رہتے ہیں؟"

ماریا ہنس رہی تھی۔ سوچا ذرا جوگی کو بھی آ لینے دو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیری کوٹ پہن کر نکل گیا تو سوزی نے نوکروں کو وہاں سے فارغ کیا۔ جب وہ اکیلی رہ گئی تو اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔

"ماریا؟ تم یہاں ہو کیا؟"

"ہاں سوزی! میں اسی کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوں۔"

سوزی سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ تم نے کیا کر دیا ماریا؟ میرے لیے اور اپنے لیے مصیبت کھڑی کر دی ہے تم نے۔"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"[illegible] کوئی بات نہیں سوزی بہن۔ ذرا کھیل تماشا ہی سہی۔ [illegible] کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اور پھر فلپ کو میں سزا دینا چاہتی تھی۔"

اتنے میں نوکر اندر آگیا۔ سوزی کہہ رہی تھی۔

"لیکن ماریا کہیں بات کا بتنگڑ نہ جائے۔"

نوکر نے حیران ہو کر سوزی کو دیکھا۔

"میم صاحب آپ کس سے باتیں کر رہی ہیں؟"

سوزی نے سر جھٹک کر کہا۔

"کسی سے نہیں۔ اس بھوت نے ہم سب کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ تم جلدی سے برتن اٹھا کر بھاگو یہاں سے

نہیں تو بھوت تمہیں بھی پکڑ لے گا۔"

نوکر ہنس کر بولا۔

"میم صاحب! ہم لوگ انڈین ہے۔ ہم خود ایک بھوت ہیں۔"

اور وہ برتن اٹھا کر دوسرے کمرے میں سے ہوتا ہوا باورچی خانے میں آگیا۔ اتنے میں سوزی کا خاوند بیری ایک لمبے بالوں والے جوگی کو لے کر آ گیا۔ جوگی نے اندر آتے ہی ایک نعرہ لگایا۔ اچھل اچھل کر کمرے میں ایک چکر لگایا اور چھت کی طرف منہ کر کے بولا۔

"ارے بھوت! تو جہاں کہیں بھی ہے فوراً میرے سامنے آجا۔ نہیں تو میں تمہیں چبا کر کھا جاؤں گا۔ جلا کر راکھ کر دوں گا۔ بھسم کر دوں گا۔"

سوزی ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور عجیب سی ڈراؤنی شکل والے جوگی کو اچھلتے کودتے دیکھنے لگی۔ سمجھ گئی [illegible] اب یہاں جنگ شروع ہو جائے گی۔ اس کا خاوند بڑا خوش تھا کہ وہ ایک ایسے جوگی کو لے کر آیا ہے جو ابھی بھوت کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دے گا۔

ماریا صوفے پر بڑے آرام سے بیٹھی جوگی کو مسخروں جیسی حرکتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ جوگی کمرے کے بیچ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اونچی آواز میں منتر پڑھنے لگا۔ ماریا نے اسے غور سے دیکھا۔ جوگی کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بڑی عجیب قسم کی حرکتیں کر رہا تھا۔ کبھی ہاتھ سر کے اوپر لے جا کر زور سے جھٹکتا۔ کبھی منہ میں انگلی ڈال کر غوں غوں کی آواز نکالتا۔ کبھی سر کو دائیں بائیں گھمانے لگتا۔ اس کے لمبے لمبے گندے بال ہوا میں کھل جاتے۔ ہیری اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ سوزی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ ماریا کب حملہ [illegible] ہے۔

[illegible] صوفے پر سے اٹھی۔ کونے میں موم بتی اور ماچس [illegible]۔ ماریا نے چپکے سے ماچس اٹھائی۔ جوگی کے [illegible] کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے ماچس جلائی اور جوگی کے [illegible] سلگا دیا۔ جوگی کے ایک طرف کے بالوں کی [illegible] لگ گئی۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور سر پر ہاتھ [illegible] آگ بجھانے اور پانی پانی کا شور مچانے لگا۔ [illegible] کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

[illegible] ہیری چونکا۔

"یہ تو عورت کی آواز ہے؟"

جوگی نے کہا۔

"یہ بھوت نہیں بھوتنی ہے۔ ابھی میں اس کی خبر لیتا ہوں۔"

اور وہ زیادہ زور زور سے منتر پڑھنے لگا۔ سوزی خاموش تھی۔ کیا کہتی۔ کیا کرتی۔ سب کچھ جانتی تھی مگر کسی سے کچھ کہہ سکتی تھی۔ ماریا نے اب ایسا کیا کہ باورچی خانے میں گئی۔ وہاں چولہے کے پاس توا رکھا تھا۔ اس کی سیاہی اپنے ہاتھ پر ملی اور پھر چپکے سے جوگی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ منتر پڑھ رہا تھا۔ بڑے زور شور سے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بڑا اچھا موقع تھا۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر جلدی سے توے کی ساری کالک اس کے منہ پر مل دی۔

"شو شنکر۔ شو شنکر!"

جوگی ہڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ ہیری اور سوزی کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ کیونکہ جوگی کا سارا منہ کالا ہو گیا تھا۔

وہ بار بار پکار رہا تھا۔

"ابھی بھوتنی کو جلا کر بھسم کرتا ہوں۔ ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔ شو شنکر! شو شنکر!"

ماریا نے اب کے پانی سے بھرا ہوا جگ اٹھا کر جوگی کے سر پر الٹ دیا۔ وہ پانی میں شرابور ہو گیا۔

"بھوتنی! میرے قابو میں آ جا۔ نہیں تو میں جادو کر کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمہیں ابھی جلا کر راکھ کر ڈالوں گا۔"

مدیا نے اب کے خالی شیشے کا جگ جوگی کے سر پر دھائیں سے مار کر توڑ دیا۔ بس اب جوگی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس نے اپنی پٹاری اٹھائی اور وہاں سے ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

کوٹھی نمبر بارہ

دوسرے روز سوزی کے خاوند نے بیوی سے کہا۔

" بیگم! اس مکان میں بھوت کا بسیرا ہو گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم یہ بنگلہ چھوڑ دیں اور کسی دوسرے بنگلے میں چلے جائیں؟"

سوزی نے کہا۔

" مگر یہ بھوت ہمیں تو کچھ نہیں کہتا۔ پھر ہمیں مکان بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ہیری بولا۔

" لیکن ہو سکتا ہے کل کو یہ ہمارے بھی خلاف ہو جائے اور ہمیں تنگ کرنے لگے؟"

سوزی بولی۔

" فکر نہ کریں۔ میں اس کا ذمہ لیتی ہوں۔ ویسا کچھ نہیں ہوگا؟"

ہیری نے پوچھا۔

"کیا یہ بھوت تمہارا دوست ہے جو تم اس کا ذمہ لے رہی ہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سوزی بولی۔

"آپ ایسا ہی سمجھ لیں"

سوزی نے یہ ساری باتیں ماریا کو بتائیں تو وہ بہت ہنسی۔ کہنے لگی۔

"سوزی بہن! میں تمہاری بہن ہوں۔ ہو سکا تو کبھی نہ کبھی ضرور تمہارے کام آؤں گی۔ ویسے اب میں چاہتی ہوں کہ یہاں سے کسی دوسرے شہر جا کر اپنے بھائیوں کو تلاش کروں"

سوزی نے کہا۔

"میرا خیال ہے ابھی تم کچھ روز یہیں ٹھہر جاؤ سکتا ہے۔ تمہارے بھائی تمہیں تلاش کرتے کرتے ک ی شہر میں آ نکلیں"

ماریا نے کہا۔

"اچھا اگر تم کہتی ہو تو کچھ روز اور ٹھہر جاتی ہوں"

دونوں اوپر والے کمرے میں باتیں کر رہی تھیں۔ دروازہ تھا۔ اتفاق سے سوزی کے خاوند کا ادھر سے گذ تو اس نے اپنی بیوی کی آواز سنی۔ حیران ہوا کہ وہ اندر کس سے باتیں کر رہی ہے۔ دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہاں سوائے اس کی بیوی کے دوسرا کوئی نہ تھا۔

"ارے بیگم! تم ابھی ابھی کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

سوزی نے کہا۔

"کسی سے بھی نہیں"

"مگر میں نے تو تمہاری آواز اپنے کانوں سے سنی ہے؟"

"ارے آپ کو وہم ہو گیا ہے۔ میں تو یونہی کمرہ صاف کرتے ہوئے اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی"

"بھئی کمال ہے"

جب وہ چلا گیا تو ماریا اور سوزی ہنسنے لگیں۔

دو روز بعد کا ذکر ہے کہ ماریا بنگلے سے نکل کر عنبر اور ناگ کی تلاش میں باہر جانے لگی تو اس نے سوزی کو ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر کچھ اداس اداس بیٹھے دیکھا۔ وہ اس کے پاس آ گئی۔ سوزی اُسے نہ دیکھ سکی۔

ماریا نے کہا۔

"سوزی! کیا بات ہے۔ تم اداس کیوں ہو؟"

سوزی نے چونک کر اوپر دیکھا۔ اُسے نظر تو کچھ نہ آیا مگر سمجھ گئی کہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی ہے۔ کمرے میں وہ اکیلی تھی۔ بولی۔

"ماریا! رات میرے خاوند بیری نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا ایک افسر اس کے خلاف ہو گیا ہے اور اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے ایک لاکھ روپے رشوت طلب کر رہا ہے۔ کہتا ہے اگر تم نے مجھے ایک لاکھ روپے رشوت نہ دی تو میں تمہارے خلاف غبن کا جھوٹا مقدمہ بنا کر قید کرا دوں گا۔"

ماریا نے پوچھا۔

"وہ افسر کہاں رہتا ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟"

سوزی بولی۔

"اس کا نام ہنٹر صاحب ہے اور وہ خضر پور کی کوٹھی نمبر بارہ میں رہتا ہے۔ بڑا بدمعاش انگریز افسر ہے۔ اس نے بہت سے غنڈے پال رکھے ہیں۔ جس کسی کے خلاف چاہتا ہے جھوٹا مقدمہ کھڑا کرنے کی دھمکی دے کر اس سے روپیہ بٹور لیتا ہے۔ رات میرا خاوند بھی بہت پریشان رہا۔ اسے نیند بھی نہیں آئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"سوزی بہن! تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟ آخر میں تمہارے کام نہیں آؤں گی تو پھر اور کون کام آئے گا؟"

"تم کیا کر لو گی بہن ماریا! وہ بڑا بدمعاش انگریز ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر وہ تمہارے خاوند کے گھر آ کر اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگے تو پھر ٹھیک رہے گا؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سوزی نے حیران ہو کر پوچھا۔

ماریا بولی۔

"ایسا ہی ہوگا۔ میں جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟"

ماریا نے کہا۔

"خضر پور کوٹھی نمبر بارہ ہنٹر بدمعاش کے پاس۔"

سوزی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی اور ماریا بنگلے سے نکل گئی۔

باہر آ کر اس نے خضر پور کے علاقے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس نے علاقے کا سارا نقشہ ذہن میں رکھ لیا تھا۔ چوک میں ایک بس کھڑی ہوگئی جس کے ماتھے پر خضر پور لکھا تھا۔ ماریا اس بس میں سوار ہوگئی۔ بس میں رش زیادہ نہیں تھا ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی۔ بس نے ماریا کو خضر پور اتار دیا۔ یہاں دائیں جانب دریا کے کنارے دور تک خوبصورت بنگلوں کی قطار چلی گئی تھی۔ ماریا نے ان بنگلوں کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ آٹھ نو دس گیارہ۔ اور پھر بارہ نمبر کوٹھی آ گئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا تھا۔

"مسٹر ہنٹر بہادر!"

ماریا نے سر ہلایا اور دل میں کہا۔

"اس بدمعاش ہنٹر صاحب کو تو ایسے ہنٹر لگاؤں کہ پھر کسی شریف آدمی کو تنگ نہ کر سکے گا!"

کوٹھی کا لان بڑا کھلا تھا۔ پھول کھل رہے تھے۔ ایک کتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ ایک بنگالی ملازم باہر آ کر دیکھنے لگا۔ اس خیال سے کہ کتا بھونکتا ہے تو ضرور کوئی آیا ہوگا۔ وہاں کوئی نہیں تھا، لیکن کتا برابر بھونکے جا رہا تھا۔ جانور نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ اندر سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا لمبا تڑنگا انگریز ہاتھ میں ہنٹر پکڑے باہر نکل آیا۔

"یہ کیوں بھونکتا ہے۔ کون آیا ہے؟"

بنگالی نوکر نے سلام کر کے کہا۔

"کوئی نہیں آیا ہنٹر صاحب! یہ ویسے ہی بھونک رہا ہے۔"

یہی ہنٹر صاحب تھے۔ ہنٹر نے زور سے گھما کر ایک ہنٹر بنگالی نوکر کو مارا۔ نوکر بے چارہ تڑپ کر رہ گیا۔

"حرامی! اس پاپ کو چپ کراؤ۔"

ہنٹر اندر چلا گیا۔ بنگالی بے چارا بدن سہلاتا ہوا کوٹھی کی دوسری طرف نکل گیا۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ سمجھ گئی کہ ہنٹر بدمعاش کے بارے میں جو سنا تھا ٹھیک ہی سنا تھا۔ اس ظالم بدمعاش کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔ ماریا برآمدے میں سے ہو کر اس کمرے میں آ گئی جس میں ہنٹر صاحب ابھی ابھی داخل ہوا تھا۔ اندر کیا دیکھتی ہے کہ وہی مونچھوں والا بدمعاش ہنٹر ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ سامنے دو بدمعاش بیٹھے ہیں۔ وہ انہیں کہہ رہا ہے۔

"اس بدبخت بیرو کو جا کر کہہ دو کہ اگر کل تک اس نے ایک لاکھ روپے ادا نہ کیے تو نہ صرف اس پر جیل کا مقدر بنا دیا جائے گا بلکہ اس کی بیوی سوہنی کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔"

بدمعاشوں نے سر ہلا کر کہا۔

"ابھی جا کر اُسے کہہ دیتے ہیں سر!"

ہنٹر نے کہا۔

"بعد اس کے اُس بیوہ عورت درگا دتی کے گھر جا کر اسے بھی کہہ دو کہ پرسوں اگر اس نے پچاس ہزار کی رقم ادا نہ کی تو اس کے اکلوتے بیٹے کو قتل کر دیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔"

"جو حکم صاحب!"

دونوں بدمعاش سر جھکا کر باہر نکل گئے۔ ماریا نہیں چاہتی تھی کہ ابھی وہ جائیں۔ چنانچہ وہ دروازے میں کھڑی ہوگئی۔ جب دونوں بدمعاش وہاں سے گزرنے لگے تو ماریا نے قریب ہی میز پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر زور سے ایک بدمعاش کے سر پر مارا۔ وہ چکرا کر گرا۔ دوسرا اس کی طرف لپکا تو ماریا نے اس کی گردن پہ ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہنٹر نے یہ واردات دیکھی تو ان کی طرف بھاگا۔ وہ یہ سمجھا کہ ان دونوں کی آپس میں لڑائی ہوگئی ہے۔ قریب آ کر ہنٹر لہرا کر دھاڑا۔

"حرام زادو! ہر وقت آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہو۔"

ایک بدمعاش تو بالکل بے ہوش تھا۔ دوسرے کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"سرکار! میں نے اس کو کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے میرے سر پہ گلدان دے مارا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے بے ہوش ہوگیا۔ میں نے تو اسے ہاتھ تک نہیں لگایا صاحب؟"

ہنٹر نے کچھ بے یقینی ہو کر اسے دیکھا۔ پھر اسے گالی دے کر بولا۔

"حرام زادے! بکواس کرتا ہے۔ تو نے ہی اسے مارا ہے۔"

اتنے میں دوسرا بدمعاش بھی ہوش میں آگیا۔ اس نے مشکل سے بتایا کہ کسی نے اس کی گردن پہ زور کا ہاتھ مارا تھا۔ ہنٹر صاحب نے کہا۔

"ضرور اسی نے یہ کام کیا ہے۔ اب مکر رہا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہنٹر نے دوسرے بدمعاش کو ہنٹر مارنے شروع کر دیے۔

"ذلیل کمینے! میں آج ہی تیری گردن اتار کر دریا میں پھینک دیتا ہوں۔ میرا کام کرنے کی بجائے تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہو۔"

دوسرا بدمعاش چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"بھگوان کی قسم صاحب! میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں بے گناہ ہوں۔"

"تو پھر اس کی گردن پہ تیرے باپ نے مکا [illegible]؟"

اب ماریا نے دوسرا میز پر رکھا ہوا شیشے کا ایک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جگ اُٹھا لیا۔ جگ اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہوگیا ہنٹر دونوں بدمعاشوں کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ ماریا اس کے پیچھے آگئی۔ اس نے بڑے آرام سے جگ ہنٹر کے سر پر دے مارا۔ ایک چھناکا ہوا۔ جگ ٹوٹ گیا اور ہنٹر بوکھلا کے پیچھے کو مڑا۔ "کون ہے یہ" اس نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اگرچہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ مگر ہنٹر تو اُسے کبھی بھی نہیں دیکھ سکتی تھا۔ اب دوسرے بدمعاش بھی اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ جگ کو ہنٹر کے سر پر لگ کر چکنا چور ہوتے تینوں نے بھی دیکھا تھا۔ ہنٹر کے سر پر گومڑ نی تھی۔ وہ زخمی سانپ کی طرح غصے سے پھنکارنے

یہ کس حرام زادے کی شرارت ہے؟ یہ کس نے پر جگ مارا ہے؟ یہاں کون ہے جو ایسی ر سکتا ہے؟

ہنٹر کی پتلون میں پستول لگا تھا۔ ماریا نے ہاتھ آگے کر پستول نکال لیا۔ ہنٹر نے پتلون سے پستول اپنے آپ نکل کر غائب ہوتے دیکھ تو چونک کر

سمٹ گیا۔

"ہیں! یہ میرا پستول کون لے گیا؟"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"میں لے گئی ہوں تمہارا پستول"

کمرے میں ایک غیبی عورت کی آواز سن کر دونوں معاش اور ہنٹر چونک پڑے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی گئیں۔ ماریا نے کہا۔

"میں تمہاری موت ہوں۔ تم لوگوں کے دن پورے گئے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم تینوں کی جان کے لیے آؤں۔ پس تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ دیوی ہوں تمہاری موت۔ ہا ہا ہا ہا!"

سننا تھا کہ دونوں بدمعاش روتے ہوئے فرش پر پڑے اور گڑگڑانے لگے۔

"ہمیں دیوی جی ہمیں معاف کردو۔ ہمیں نہ مارو۔ ہم توبہ ہیں۔ آئندہ سے کبھی بُرے کام نہیں کریں گے۔ کو قتل نہیں کریں گے۔"

یا نے کہا۔

"مگر تم اب تک جن لوگوں کو قتل کر چکے ہو ان ساب کون دے گا؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہمیں معاف کر دو۔ ہمیں معاف کر دو"

ماریا نے کہا۔

"تم نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں دریا میں پھینکی ہیں"

بدمعاش بولے۔

"میم دیوی! ہمیں اس ہنٹر صاحب نے کہا تھا کہ جا کر بچوں کو قتل کر آؤ"

[illegible] نے کہا۔

"ہنٹر کی بھی میں ابھی خبر لیتی ہوں۔ پہلے تمہیں [illegible]رے ظلم کی سزا دے لوں"

[illegible] کے ساتھ ہی ماریا نے دو فائر کئے اور بدمعاش فرش پر گر کر تڑپنے لگے۔ ہنٹر نے جو یہ کھیل دیکھا تو گھبرا گیا۔ ایک دم سے جو بھاگا تو [illegible]ے سے باہر نکل کر دوسرے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ [illegible] والی منزل میں جا کر ایک الماری کے پیچھے بنے [illegible] تہ خانے میں چھپ گیا۔

ماریا بھلا اسے کب چھوڑنے والی تھی۔ فوراً اس کے پیچھے بھاگی۔ دوسرے کمرے میں آئی تو دیکھا ایک سیڑھی گول چکر کھاتی اوپر چلی گئی ہے۔ وہ بھی اوپر آ گئی۔

یہاں ایک کمرہ تھا جس میں دیوار کے ساتھ ایک الماری تھی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ بدمعاش ہنٹر وہاں کہیں بھی نہ تھا۔ سوچنے لگی کہ ضرور وہ بدمعاش کسی جگہ چھپ گیا ہے۔ لیکن کہاں چھپ ہوگا۔ ماریا نے چھٹی حس سے کام لے کر کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ الماری کے پیچھے سے کسی انسان کی بو آ رہی ہے۔ اُس نے الماری کھولی۔ اندر کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ الماری بند کرنے ہی لگی تھی کہ اس کی نگاہ کپڑوں کے پیچھے سے نظر آتی ایک ہک پر پڑی۔ ماریا نے اُسے اپنی طرف کھینچا تو ایک خفیہ دروازہ کھل گیا۔ ماریا نے دروازے میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ یہ دروازہ چھوٹا سا تھا۔ اندر ایک تنگ کمرہ تھا جس کی چھت بہت نیچی تھی۔ وہاں ایک کرسی رکھی تھی جس پر ہنٹر بیٹھا اپنے دوسرے پستول میں گولیاں بھر رہا تھا۔ ماریا نے اندر جانا مناسب نہ خیال کیا۔ کیونکہ کسی طرح سے وہ گولی لگنے سے زخمی ہو سکتی تھی۔ اس نے آواز دے کر کہا۔

"بدمعاش ہنٹر! اپنے آپ اس تہ خانے سے باہر آ جاؤ نہیں تو میں گولی چلا کر تمہارا سر اڑا دوں گی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم میرے نشانے کی زد میں ہو۔"

بنٹو گھبرا کر کرسی کے پیچھے ہو گیا۔

"تم —— تم کون ہو؟ کیا تم کوئی بد روح ہو؟"

"ہاں! تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک بد روح ہوں اور تمہاری جان قبض کرنے آئی ہوں۔"

"لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم نے بہت کچھ کیا ہے۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم نے کیا کیا ظلم نہیں کیے۔ تمہارے مظالم یر ہوگئی ہے۔ اب تمہاری لاش اس تہہ خانے میں گلتی رہے گی۔ کیونکہ میں تمہیں ہلاک کرنے کے بعد الماری وازہ بند کر دوں گی اور کوئی تمہاری لاش اٹھانے بھی آئے گا۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

بنٹو اب پریشان ہوگیا۔ کہنے لگا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟ میں وہی کردوں گا۔"

یا نے کہا۔

"تم نے سوزی کے خاوند دیری کو دھمکی دی تھی کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دو نہیں تو تمہارے خلاف مقدمہ کھڑا کردوں گا اور تمہاری بیوی کو اغوا کرلوں گا؟"

بنٹو نے کہا۔

"ہاں! میں نے ایسا کیا تھا۔"

نمیا نے کہا۔

"تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اسی وقت ایک لاکھ روپیہ باہر نکال کر میرے حوالے کر دو تاکہ میں وہ سوزی کو کر دوں۔ پھر میں سوچوں گی کہ تمہارے ساتھ کیا کروں۔"

بنٹو نے پریشانی سے کہا۔

"لیکن میرے پاس اتنے روپے کہاں سے آگئے؟"

"کیا تم کبھی یہ سوچتے ہو کہ جن سے تم روپیہ طلب کرتے ہو ان کے پاس روپے کہاں سے آئیں گے؟ تو دوسروں کا خیال نہیں کرتے تو تمہارا خیال کیوں کر کیا جائے گا۔ بس تمہیں صرف دس منٹ کی مہلت دیتی ہوں باہر نکال کر مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دو تاکہ میں اسے سوزی کو جا کر دوں۔"

بنٹو نے ڈر کر کہا۔

"میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔ میں اتنے روپے کہاں سے لاؤں!"

"بکواس بند کر او ذلیل کتے! تو نے کیا سمجھ رکھا ہے میں کون ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھ سے بچ کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چھپے جاؤ گے؟ تم اس شہر کی زمین کے نیچے بھی چھپ جاؤ گے تو میں تمہیں نہ چھوڑوں گی۔ میں جانتی ہوں تم نے ڈرائینگ روم میں قیمتی ہیرے چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ چلو۔ چل کر اپنی ساری دولت میرے حوالے کر دو۔ نہیں تو میں ابھی تمہیں اس تہہ خانے میں بند کر کے ساری کوٹھی کو آگ لگا دوں گی اور تم اس کے اندر جھلس کر جاؤ گے۔"

ہنٹر گھبرا گیا۔ جلدی سے بولا۔

"دیوی! میں ابھی تمہیں ہیرے اور روپے حوالے کرتا ۔ خدا کے لیے مجھے جان سے نہ مارو۔ میری کوٹھی کو مت لگانا۔"

"اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔ چلو۔ باہر نکلو۔"

ہنٹر تہہ خانے سے نکل کر نیچے ڈرائینگ روم میں گیا۔ یہاں اس نے ایک خفیہ جگہ سے ایک بکس نکالا جس میں ہیرے جواہرات رکھے تھے۔ اسی بکس کے دوسرے خانے میں کوئی چھ سات لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ پڑے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے یہ بکس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اے دیوی! میری ساری دولت حاضر ہے۔"

ماریا نے کڑک کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ تمہاری دولت نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کی لوٹی ہوئی دولت ہے۔"

ڈرائینگ روم میں دونوں بدمعاشوں کی لاشوں کے پاس کے نوکر کھڑے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ کو کس نے قتل کر دیا۔ جب ہنٹر خاموشی سے ڈرا ڈرا سہما اوپر سے اتر کر کمرے میں آیا تو اسے دیکھ کر دونوں نوکر وہاں سے رفو چکر ہو گئے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"اب فرش پر دو زانو ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

ہنٹر بدمعاش سمجھ گیا کہ دیوی اسے بھی ہلاک کرنے والی ہے۔ روتے ہوئے بولا۔

"خدا کے لیے مجھے نہ مارو دیوی!"

ماریا نے کہا۔

"تم نے جب دوسروں کے بچوں کو قتل کروایا تھا کیا اس وقت تمہارے دل میں رحم آیا تھا؟ تم ابھی ابھی تو بدمعاشوں کو کہہ رہے تھے کہ فلاں بیوہ سے جا کر کہو اگر اس نے رقم نہ دی تو اس کے بچے کو ہلاک کر کے یا بند کر دیا جائے گا۔ کیا اس وقت تمہارے دل میں ذرا بھی رحم آیا تھا؟ پھر تم پر رحم کس لیے کیا جائے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگر تمہیں زندہ چھوڑا گیا تو تم پھر اپنا گھناؤنا کاروبار شروع کر دو گے۔ بلکہ اب تم دوسروں سے انتقام لو گے اور اپنی ساری لٹی ہوئی دولت دوبارہ پیدا کرنے کی کوشش کرو گے، خواہ اس کے لیے تمہیں دوسروں کے بچوں کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ تم ایک خونی بے رحم سنگ دل قاتل ہو۔ تم پر رحم کرنا غریب لوگوں پر ظلم کرنا ہے اس لیے فوراً دو زانو ہو کر بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو میں اسی جگہ ڑے کھڑے تمہیں گولی مار کر ہلاک کر دوں گی۔"

منٹو کے پسینے چھوٹ گئے۔ لیکن مکار بھی بہت تھ وچا کہ مرنے والا تو ہوں کیوں نہ بد معاش پر بھی گولیاں لا دوں۔ جھٹ پلٹ کر پستول سے فائرنگ شروع کر دی۔ ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ گولیاں اس کے قریب سے کر نکل گئیں اور اسے کوئی گولی نہ لگی۔ ورنہ یہ دو ی کو سیدھی اگلے جہاں کو گئی تھیں۔

اب اس نے دیر نہ کی۔ پستول پہلے ہی ماریا کے ہا تھی۔ اس نے پے در پے چھ سات فائر کر دیے منٹو گولیاں کھا کر رقص کرنے لگا۔ کبھی اچھلتا کبھی جھک اور کبھی پھر اچھل پڑتا۔ آخری گولی کے ساتھ ہی و گیند کی طرح دھم سے فرش پر گر پڑا۔ اس کے

جا کر ماریا نے کہا۔

"ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل گئی۔"

اور پستول میں جو باقی دو تین گولیاں رہ گئی تھیں ماریا نے وہ بھی بدمعاش منٹو کے اوپر چلا دیں۔ ظالم اور قاتل کو اس کی سزا دینے کے بعد ماریا نے ہیرے جواہرات اور نوٹوں سے بھرا ہوا بکس اٹھایا اور بنگلے میں آ گئی۔ یہاں منٹو کے نوکر پریشان و حیران کھڑے تھے کہ اندر سے فائرنگ کی آواز کیسی آئی تھی۔ ایک طرف منٹو کی موٹر کھڑی تھی۔ ماریا موٹر کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ نوکروں نے دیکھا کہ موٹر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا ہے اور بند ہو گیا ہے تو وہ خوف زدہ سے ہو گئے۔ اب موٹر ان کے قریب سے گذر کر بنگلے سے باہر نکل گئی۔ نوکروں نے یہ دیکھا کہ ڈرائیور کوئی نہیں اور گاڑی چل رہی ہے۔ ایک نوکر تو وہیں خوف سے بے ہوش ہو گیا۔

ماریا موٹر کو لے کر دریا کنارے بنگلوں سے نکل کر خضر پور سڑک پر آ گئی۔ یہاں ٹریفک آج بھی تھی۔ چوک میں سے گذرنے لگی تو ایک سپاہی کی اس کی گاڑی پر نظر پڑ گئی۔ دیکھ کر آنکھیں ملنے لگا۔ وہ حیرت سے کہنے لگا۔

"یار اس گاڑی میں ڈرائیور کوئی نہیں اور گاڑی چلی جا رہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"کیا پاگلوں ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

اور دونوں سپاہی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر مدیا کی گاڑی کے پیچھے لگ گئے۔ اگلے چوک میں جا کر وہ اپنا موٹر سائیکل [illegible] کی گاڑی کے برابر لے آئے۔ دوسرے سپاہی نے دیکھ کہ سچ مچ موٹر میں ڈرائیور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا مگر گاڑی سڑک پر بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ بولا۔

"یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟"

"ہاں۔ یہی تو میں تمہیں کہہ رہا تھا۔"

"مگر یہ چکر کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شخص اسے ریڈیو کے ذریعے کنٹرول کر رہا ہے۔"

"اگر ریڈیو کے ذریعے کنٹرول کر رہا ہے تو پھر اس کے ہارن کا گیند کیوں بار بار پچک رہا ہے؟ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی اسے انسانی ہاتھوں سے دبا رہا ہے۔"

اتنے میں چوک میں سرخ بتی کا نشان اُبھر آیا اور مدیا نے کار روک لی۔ دونوں سپاہی موٹر سائیکل لے کر مدیا کی کار کے بالکل ساتھ آ کر رک گئے اور جھک کر اندر دیکھنے لگے۔ مدیا ذرا نیچے ہو گئی۔ ایک سپاہی نے ہاتھ پھیلا کر ڈرائیور کی سیٹ کو ٹٹول کر دیکھنا چاہا تو اس کا ہاتھ مدیا کی گردن سے ٹکرا گیا۔ اس نے مدیا کے بالوں پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ مدیا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دانتوں سے زور سے کاٹ کھایا۔

"آہ مارا گیا۔"

سپاہی چیخ مار کر پیچھے کو گرا۔ دوسرے نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

سپاہی بولا۔ "اندر بھوت ہے۔"

"بھوت۔۔" اور دوسرا سپاہی موٹر سائیکل وہیں چھوڑ کر اٹھ دوڑا۔ پہلا سپاہی بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ پڑا۔ لوگ حیران ہو رہے تھے کہ ان دو سپاہیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ موٹر سائیکل ایک کار کے پاس چھوڑ کر دیوانوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ لوگ موٹر سائیکل کے پاس آ گئے۔ اچانک ایک آدمی چلایا۔

"گاڑی میں ڈرائیور نہیں ہے اور یہ چل رہی ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غیبی ڈرائیور

[illegible] گاڑی کے پیچھے لگ گئی۔

مایا پریشان ہوگئی۔ ڈرائیور نے ایک جگہ [illegible] ٹھہرا دی۔ [illegible] کمرہ سے باہر نکل آئی۔ ٹریفک پولیس کے [illegible] وہ بڑا حیران تھے۔ لوگ بھی دیکھ رہے تھے کہ [illegible] کھڑا ہے۔ مایا نے ایک [illegible] کر دیکھا کہ ایک روز سائیکل اکیلا کھڑا ہے۔ [illegible] سے پیچھے سے باہر نکل آئی تھی اور کسی [illegible] بولی تھی۔ لوگ بھی تک کر کے [illegible] مایا جیسے [illegible] سے روز سائیکل پر بیٹھی تو [illegible] لے کر بھاگ گئی۔ اب لوگوں نے پہلے [illegible] سائیکل کو دیکھا جو بغیر چلانے والے [illegible] کے ساتھ پر بھاگا چلا جا رہا ہے تو زیادہ [illegible] گیا۔ جس سڑک پر سے مایا کی سائیکل گزر جاتی، لوگ دیکھتے کہ سوار [illegible] بیٹھ [illegible] سائیکل [illegible] ہے۔

چوک میں سبز اشارہ ہوگیا تھا اور مایا گاڑی لے کر آگے بڑھا رہی تھی۔ دوسرے لوگوں نے بھی کار کی طرف دیکھا مگر مایا کار لے جا چکی تھی۔ چوک میں جس آدمی نے چیخ چلا کر کہا تھا کہ کار میں ڈرائیور نہیں ہے، وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ مایا جس سڑک پر سے گزرتی وہیں شور مچ جاتا۔

غیبی گاڑی بغیر ڈرائیور کے چل رہی ہے:

اس علاقے میں ایک عجب منظر کھڑا ہوگیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

علاقے میں طوفان مچ گیا۔ لوگ سڑکوں پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ نوجوان کاروں اور سکوٹروں پر ماریا کے سکوٹر کے پیچھے لگ گئے۔ ماریا پریشان ہو گئی۔ کم بخت یہ لوگ تو اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے۔ اس کے پاس ہیرے جواہرات اور کرنسی نوٹوں کا بکس بھی تھا۔ اسے ڈر تھا، کہیں ہجوم میں یہ سب کچھ کھو نہ جائے پس ماریا نے موٹر سائیکل ایک پل پر کھڑی کر دی۔ [illegible] بہہ رہا تھا۔ ماریا نے موٹر سائیکل کو پل پر [illegible] دریا میں دھکیل دیا۔ سب لوگوں نے دیکھ کر موٹر سائیکل دریا میں گر گئی ہے۔ انہوں نے زور سے نعرے لگائے۔ جیسے بد روح جو شہر میں آ گئی تھی، اب [illegible] میں غرق ہو گئی ہے۔

[illegible] پل کی سیڑھیاں اتر کر نیچے دریا کے کنارے پر آ گئی۔

اسے دریا کی دوسری طرف جانا تھا۔ کنارے پر ایک کشتی سواریوں کو لے کر پار جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ کشتی میں کافی جگہ تھی۔ ماریا اس میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ کشتی نے اسے دوسرے کنارے پر جا کر لگا دیا۔ دوسرے کنارے پر غریبوں کی

جھونپڑیاں دور تک چلی گئی تھیں۔ یہ لوگ بے حد غریب تھے۔ محنت مزدوری کر کے اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ پال رہے تھے۔ ماریا وہاں جا کر ایک طرف سے شروع ہو گئی۔ وہ ہر جھونپڑی میں جاتی اور سو سو روپے کے نوٹ اور کچھ ہیرے موتی وہاں پھینک کر اگلی جھونپڑی میں چلی جاتی۔ اس طرح ماریا نے ساری دولت ان غریب لوگوں میں تقسیم کر دی۔ وہاں تو ایک شور مچ گیا۔ غریب لوگوں نے جب اپنے گھروں میں سو سو کے نوٹوں اور ہیرے جواہرات کی بارش ہوتے دیکھی تو دنگ رہ گئے۔ نوٹوں پر وہ بھوکوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ وہاں زیادہ شور ہنگامے کا خطرہ تھا۔ وہ اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں پولیس وہاں آ کر ساری دولت نہ سمیٹ کر لے جائے۔

پس ماریا نے ایک جگہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔

سنو۔ میں درگا دیوی کی داسی بول رہی ہوں۔ درگا دیوی نے مجھے دولت دے کر تمہاری مدد کے لیے بھیجی ہے۔ بس اپنے اپنے حصے میں آئی ہوئی دولت سمیٹ کر اپنی اپنی جھونپڑیوں میں خاموش ہو کر بیٹھ رہو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگر تم لوگوں نے شور مچایا تو درگا دیوی تمہاری ساری دولت غائب کر دے گی۔ درگا دیوی نہیں چاہتی کہ کسی کو پتہ چلے۔ اس لیے خاموش ہو کر اپنے اپنے کام پر چلے جاؤ۔ خبردار کوئی شور نہ ڈالے اور نہ کسی کو بتائے کہ اس کی جھونپڑی میں درگا میّا نے دولت ڈال دی ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی ساری دولت پھر سے واپس چلی جائے گی۔"

[illegible] کی آواز سن کر سارے غریب لوگ ہاتھ باندھ کر [illegible] گئے اور اشلوک پڑھنے لگے۔ انہوں نے سر [illegible] اور کہا۔

"[illegible] میّا سے کہہ دو کہ ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔"

"شاباش! اب میں جا رہی ہوں۔"

ماریا وہاں سے چل پڑی۔ غریب لوگ پیچھے نعرے [illegible] رہ گئے۔

[illegible] سیڑھیاں چڑھ کر دوبارا پل پر آئی۔ یہاں وہ [illegible] پر سے ہو کر روانہ ہوگئی۔ جس جگہ اس نے موٹر سائیکل دریا میں پھینکا تھا، وہاں ابھی تک لوگ کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کچھ پولیس والے بھی وہاں موجود تھے اور کاپی میں کچھ لکھ رہے تھے۔

ماریا پل پر سے اتر کر بائیں جانب کالی گھاٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔ اب اسے سوزی کا بنگلہ دور سے دکھائی دینے لگا تھا۔ ماریا آگے سے ہو کر پھر سامنے آگیا تھا۔ ماریا جب سوزی کے بنگلے میں داخل ہوئی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ سوزی کھانے کی میز پر کھانا لگا رہی تھی۔ اس کا خاوند دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھایا کرتا تھا۔ وہ بس آنے ہی والا تھا۔

ماریا کمرے میں داخل ہو گئی مگر سوزی کو پتا نہ چلا تھا۔ پھر جب سوزی نے ایک جگہ سے کرسی اپنے آپ ہٹ کر دوسری جگہ جاتی دیکھی تو بے تاب ہو کر بولی۔

"ماریا تم آگئیں؟"

"ہاں سوزی۔" ماریا کی آواز آئی۔

سوزی نے جلدی سے پوچھا۔

"منتر کا کیا ہوا؟ کیا وہ ملا؟"

ماریا نے کہا۔

"سب ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب وہ کبھی تمہیں، تمہارے بچوں کو اور تمہارے بچوں کے بچوں کو کبھی تنگ نہ کر سکے گا۔"

"کیا مطلب؟" سوزی نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا۔

"میں نے ہنٹر بدمعاش اور اس کے دونوں بدمعاش ساتھیوں کو ہلاک کر دیا وہ اسی قابل تھے۔"

سوزی صوفے پر گر پڑی: "یہ تم نے کیا کر دیا ماریا بہن؟"

"کیوں پریشان ہوتی ہو۔ الزام تم لوگوں پر تو نہیں [illegible] اس کے قتل کا۔ اور پھر میں نے تمہارے لیے [illegible] بلکہ دوسرے بے گناہ لوگوں کی جان و مال بچانے [illegible] لیے اس بدمعاش قاتل کو ہلاک کیا ہے۔ وہ آج ایک اور [illegible] کے بچے کو قتل کرنے والا تھا۔"

[illegible] سوزی خاموش بیٹھی ماریا کی آواز سُن رہی تھی اور [illegible] سی کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس کے دائیں جانب [illegible] تھی اور جس کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ ماریا اسی [illegible] پر بیٹھی ہوگی۔ ماریا نے کہا۔

[illegible] نے اس کی ساری دولت نکال کر دریا پار رہنے والے غریبوں میں بانٹ دی ہے۔"

"لیکن ماریا! ہو سکتا ہے، ہم پر بھی کچھ الزام وغیرہ؟"

ماریا نے کہا۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ تمہارا اس قتل سے

کوئی تعلق نہیں اور پھر وہاں بنگلے کے نوکروں کو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی بھوت وہاں آ کر ہنٹر پر گولیاں چلا رہا ہے۔"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ سوزی کا خاوند گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کی گھبراہٹ میں خوشی کا پہلو بھی تھا۔

"سوزی سوزی! کچھ سُنا تم نے؟"

"کیا؟" سوزی نے جھوٹ موٹ حیرانی سے پوچھا۔

"ہنٹر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔"

"کس نے قتل کیا؟"

"لوگ کہتے ہیں کسی بھوت نے آ کر انہیں گولی مار دی ہے۔ خدا جانے اصل قصہ کیا ہے۔ میرے تو خیال میں ہنٹر اور اس کے بدمعاش ساتھی جو لوگوں کو ہماری طرح تنگ کیا کرتے تھے، ان میں سے کسی نے آ کر قتل کر دیا ہے۔ لیکن وہاں قاتل کا کوئی ثبوت نہیں۔ کسی نے کسی غیر آدمی کو بنگلے میں جاتے یا نکلتے نہیں دیکھا۔ نوکر کہتے ہیں کہ گیراج سے ایک موٹر کار اپنے آپ بغیر ڈرائیور کے چل پڑی تھی۔ خدا جانے اصل قصہ کیا ہے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سوزی نے کہا۔

"چلو اچھا ہوا بدمعاش اپنے انجام کو پہنچا۔ اس نے ہمارے لیے تو ایک خوفناک مصیبت کھڑی کر دی تھی۔ ذرا سوچو ہم ایک لاکھ روپیہ کہاں سے لا کر دے سکتے تھے۔"

"ہاں بھئی یہ تو کمال ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے، بھوت کو ہم سے بڑی ہمدردی تھی۔"

ماریا پاس ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ ذرا مسکرائی۔ [illegible] بھی کرسی کی طرف دیکھ کر ذرا مسکرائی۔ جیسے وہ [illegible] کو دیکھ رہی ہو۔

"اچھا چلو اب کھانا کھالو۔"

"ہاں اب تو اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔"

[illegible] نے پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ سوزی [illegible]وند نے کہا۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ یہ کام کسی بھوت کا ہے۔ بھلا آج کے سائنس کے زمانے میں بھوت کہاں ہوتے ہیں۔ یہ تو پرانے دقیانوسی زمانے کی باتیں ہیں۔"

سوزی نے کہا۔

"لیکن ہیری! ہو سکتا ہے کوئی پرانے زمانے کا

بھوت ہماری مدد کو آ گیا ہو۔"

ہیری ہنس پڑا۔

"بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے۔ بھوت کہاں اس دنیا میں ہوتے ہیں! یہ سب انسان کا وہم ہوتا ہے۔ ذرا پانی تو پکڑانا۔"

سوزی ہاتھ آگے بڑھا کر پانی کا جگ اٹھانے ہی والی تھی کہ ماریا کو شرارت سوجھی۔ اس نے سوزی کا ہاتھ پہنچنے سے پہلے جگ اٹھایا اور اسے ہیری کی طرف بڑھایا۔ سوزی بغلیں جھانکنے لگی۔ ہیری نے جو دیکھا کہ پانی کا جگ اپنے آپ ہوا میں کھڑا ہے تو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔ اس کا منہ جیسے کا کھلا رہ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ سوزی نے اس خیال سے کہ کہیں اس کے خاوند پر زیادہ اثر نہ ہو جائے جلدی سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں ہیری! یہ وہی ہمارا ہمدرد بھوت ہے۔"

"لیکن — لیکن — یہ کیسے ہو گیا؟"

اب ماریا نے کہا۔

"ہیری بھائی! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمہاری ہمدرد ہوں۔ اگرچہ تم مجھے بھوت ہی کہو گے۔ مگر میں بھوت نہیں ہوں اور تمہاری ہیری سوزی کی سہیلی ہوں؟

ہیری اب بھی ٹکٹکی حیرانی سے جگ کو تک رہا تھا

ماریا نے جگ میز پر رکھ دیا۔ ہیری نے رومال سے چہرے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا اور سوزی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سوزی! کیا ـــ کیا یہ سب ٹھیک ہے کیا ہمارے گھر میں بھی بھوت رہتا ہے؟"

سوزی نے کہا۔

"یہ بھوت نہیں ماریا ہے ہیری ماریا! ہماری دوست ہے۔ یہ ہماری طرح کی ایک عورت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔"

ہیری نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تو کیا ہنٹر اور اس کے بدمعاشوں کو ماریا نے۔۔۔؟"

ماریا کہنے لگی۔

"ہاں ہیری! ان بدمعاشوں کو میں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ لیکن تم لوگوں پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ وہ ظالم اسی قابل تھے کہ انہیں ختم کر دیا جاتا۔ تاکہ لوگ ان کے ظلم سے بچ جائیں۔ میں نے جو کیا ہے، اسے تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

سوزی بولی۔

"اب ان باتوں کو بھول جاؤ ہیری اور کھانا کھاؤ۔ ماریا تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

اس کے بعد کھانے پر سوزی نے اپنے خاوند کو ساری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح ریل گاڑی میں ڈاکا پڑا۔ ڈاکو اسے لوٹ کر مارنا چاہتے تھے۔ پھر کس طرح ماریا نے ان ڈاکوؤں سے اسے بچایا۔

"تم نے ریلوے سٹیشن پر جو میرے ماتھے پہ نشان دیکھا تھا، وہ ایک ڈاکو نے مجھے گرا دیا تھا۔"

ہیری بولا۔

"اب ہمیں ماریا کے راز کو راز ہی رکھنا ہوگا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارے گھر میں ایک ایسی عورت چھپی ہوئی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔"

سوزی بولی۔

"ہمیں کیا ضرورت ہے کسی کو بتانے کی بھلا؟"

ہیری نے کہا۔

"یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ شہر میں یہ خبر بڑی گرم ہے کہ ایک بھوت شہر میں گھوم پھر رہا ہے جس نے ہنٹر اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو میری بھائی! میں کل یا پرسوں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ کیوں کہ اب میں اپنے بھائیوں کو کسی دوسرے شہر میں جا کر تلاش کرنا چاہتی ہوں۔"

اگلے دن صبح صبح ایک پولیس انسپکٹر ہیری کے بنگلے پر آ گیا۔ سوزی اور ہیری پریشان سے ہو گئے۔ مگر انہوں نے اپنی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔ انسپکٹر نے کہا کہ وہ ہنٹر کے قتل کے سلسلے میں اُس کے سارے ملنے جلنے والوں سے مل کر تفتیش کر رہا ہے۔ [illegible] بات نہیں ہے۔ ماریا بھی انسپکٹر کی آواز سن کر نیچے آ گئی۔ انسپکٹر کے ساتھ دو پولیس کے سپاہی بھی تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد انسپکٹر نے ہیری سے پوچھا۔

"کیا ہنٹر صاحب کی آپ سے دشمنی تھی؟"

"جی نہیں۔ وہ ہمارے دفتر میں افسر تھا۔ میری اُس کی بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

ماریا سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ سوزی اپنے خاوند کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ فکر مند تھی۔ انسپکٹر نے کچھ کارروائی لکھی اور پھر یہ کہہ کر چلا گیا کہ کل وہ پھر آئے گا۔

کیا سوزی اور ہیری کو قتل کے الزام میں پکڑ لیا گیا؟
ماریا نے ان لوگوں کی کس طرح مدد کی؟
ناگ اور عنبر ماریا کی تلاش میں کہاں پہنچے؟
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

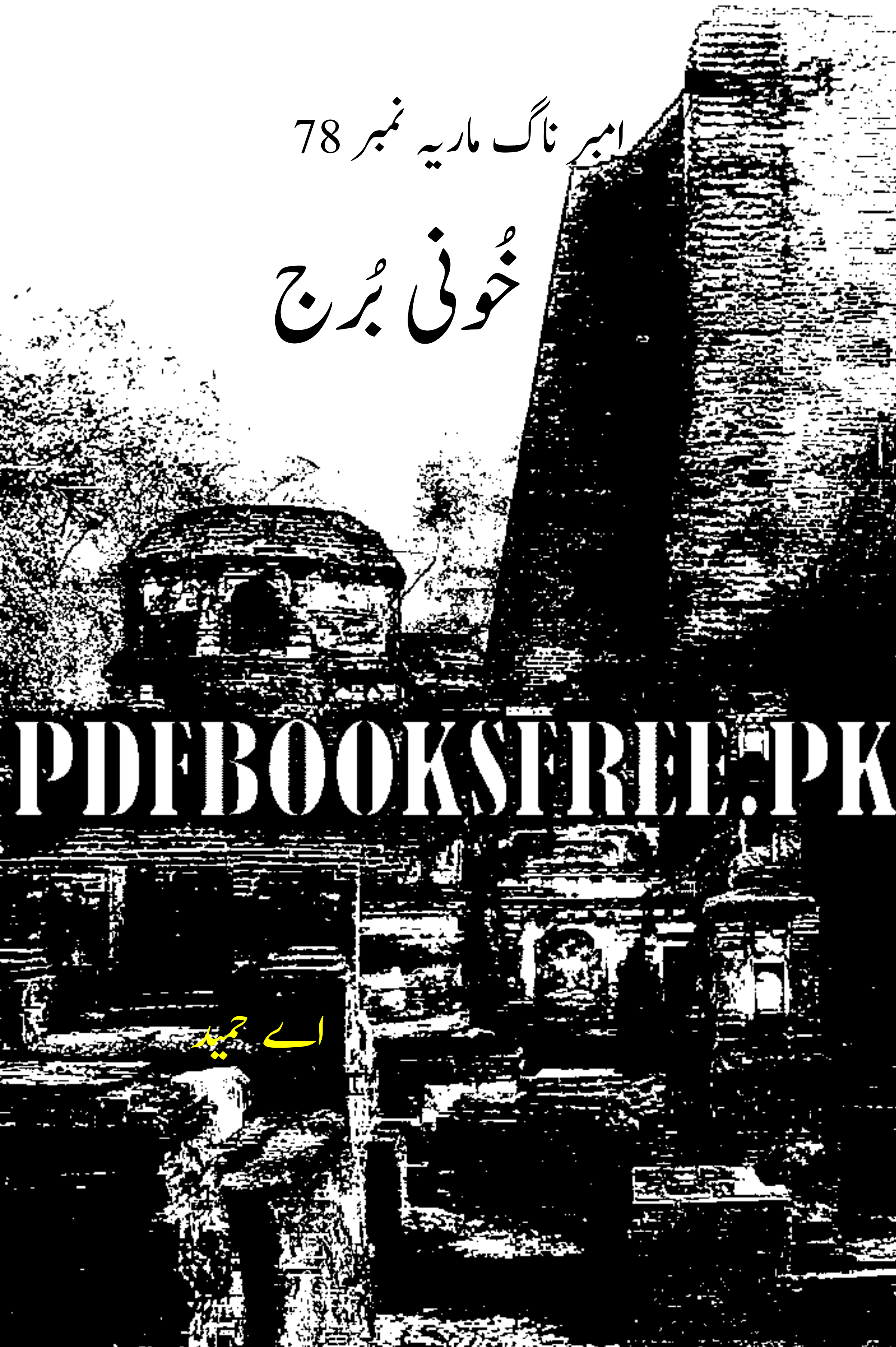

امبر ناگ ماریہ نمبر 78

خُونی بُرج

اے حمید

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خونی برج

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحقِ پبلشر محفوظ

- صندوق میں لاش
- خونی برج
- قلعے سے فرار
- بڑی رانی
- مردے کا بھوت
- سفید سانپ
- شیر کا ڈر
- لاش غائب
- پرانی سرائے
- ناگ مل گیا

طابع: شیخ نیاز احمد،
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

قیمت ۴ روپے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو!

ماریا ناگ پور آ گئی۔ راستے میں ریل گاڑی میں دو آدمی ایک لاش کو صندوق میں بند کر کے لے آئے تھے۔ ماریا کو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نوجوان راجکمار کی لاش لے کر ناگ پور کے راجہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔ ماریا ان کے ساتھ ہو گئی۔ وہ کسی نہ کسی طرح لاش والا صندوق وہاں سے نکال کر ایک ویران کھنڈر کے تہہ خانے میں لے گئی۔ جہاں اس نے لاش کو زمین کے اندر ایک تہہ خانے میں رکھ دیا۔ ادھر عنبر اور ناگ بھی چلے آ رہے تھے۔ ناگ عنبر سے بچھڑ گیا۔ ناگ کی ملاقات ماریا سے ہو گئی۔ انہوں نے لاش کو صندوق سے نکال کر دیکھا۔ اس راجکمار کو سانپ سے ڈسوا کر مارا گیا تھا۔ ناگ نے کہا کہ یہ شخص پھر سے زندہ ہو سکتا ہے۔ اگر وہ سانپ یہاں ہو۔ اس کا زہر چوس لے جس نے اسے ہلاک کیا ہے۔ ناگ نے سانپ کو بلا لیا۔ پھر کیا ہوا۔ یہ آپ خود پڑھیں گے۔

صندوق میں لاش

ماریا کو اب اپنے بھائیوں کی یاد ستانے لگی۔

چنانچہ ایک روز اس نے سوزی کو خدا حافظ کہا اور کلکتے کے ریلوے سٹیشن پر آ گئی۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرف کو جانے والی گاڑی تیار ملے گی وہ اس میں سوار ہو جائے گی۔ سٹیشن پر ناگ پور کو جانے والی گاڑی بالکل تیار تھی۔ گارڈ سیٹی بجا کر جھنڈی ہلا رہا تھا۔ ماریا جلدی سے ایک ڈبے میں سوار ہو گئی۔ یہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ تھا۔ موسم گرمی کا تھا مگر ڈبہ اندر سے ٹھنڈا تھا۔ اس ڈبے میں دو آدمی سوار تھے۔ انہوں نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ایک آدمی کے ماتھے پر زخم کا نشان تھا۔ دوسرا ذرا لنگڑا کر چلتا تھا۔ دونوں ڈبے کے بند شیشے میں سے باہر جھانک رہے تھے۔ گاڑی چلی تو انہوں نے سر پیچھے کر لیے اور لمبا سانس لیا۔

"بھگوان کا شکر ہے گاڑی یہاں سے چلی" لنگڑے نے کہا۔

دوسرا بولا۔ "اب باقی سفر بھی آرام سے کٹ جائے گا۔ فکر نہ کرو۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم زنجیر کھینچ کر بھاگ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جائیں گے۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو! پاگل اگر ہم بھاگ گئے تو اس چیز کا کیا بنے گا۔ جو اس صندوق میں بند ہے؟"

"بھائی اپنی جان بھی تو بچانی ہے۔"

"مگر راجہ سے ایک لاکھ روپیہ بھی تو لینا ہے جا کر۔"

"زندگی خطرے میں پڑ گئی تو میں روپیہ بھی چھوڑ دوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہم بالکل محفوظ ہیں۔"

ان کی باتوں سے ماریا سمجھ گئی کہ کسی راجہ کے لئے ان دونوں نے کوئی کام کیا ہے جس کا تعلق صندوق میں بند ہے۔ اب نہ جانے انہوں نے راجہ کے کہنے پر ایک لاکھ روپے کے بدلے میں کسی کو قتل کر دیا ہے اور لاش صندوق میں ڈال کر کے اب اسے راجہ صاحب کے پاس لے جا رہے ہیں یا کوئی اور بات ہے۔ بہر حال ماریا کے دل میں ایک ہول سا پیدا ہو گیا۔ ایک دلچسپی پیدا ہو گئی کہ دیکھیں اس صندوق میں کیا ہے!

دونوں آدمی بدمعاش لگتے تھے۔ ان کے چہروں پر شرافت بالکل نہیں تھی۔ انہیں ہرگز ہرگز معلوم نہیں تھا کہ ان کے ڈبے میں ایک عورت بھی ان کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ جس نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ ماریا اوپر والی سیٹ پر جا کر لیٹ

گئی اور پہلو بدل کر ان آدمیوں کی باتوں کو بڑے غور سے سننے لگی۔

یہ مفرور قاتل اس لاش کے بارے میں باتیں کرنے لگے جو صندوق میں بند تھی۔

"یار! کم بخت اس راج کمار نے مرتے مرتے بھی میرا دم نکال دی۔"

"ایک گولی کھا کر تو میری طرف دیکھتا رہا۔ آخر تین گولیوں سے مرا کم بخت۔"

"ذرا سونگھو کہیں صندوق میں سے لاش کی بُو تو نہیں آ رہی؟"

دوسرے آدمی نے صندوق کے ساتھ ناک لگا دی۔

"اونہوں! بدبو نہیں آ رہی۔ بھئی چونا وغیرہ لگا دیا ہے۔ لاش سے اب بدبو کہاں سے آئے گی۔"

ایک بار تو ماریا بھی کانپ اٹھی۔ کس قدر ظالم ہیں یہ دونوں بدمعاش! نہ جانے کس بدنصیب ماں کا بیٹا ہو گا یہ جس کو ان ظالموں نے گولی مار کر ہلاک کر ڈالا اور اب اس کی لاش کو راجہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔ نہ جانے اس قتل میں کیا راز ہے! وہ راجہ کون ہے! یہ راجکمار کون تھا! کیا کسی جاگیردار کا بیٹا تھا! معلوم کرنا چاہیئے۔ اس راز پر سے پردہ اٹھانا چاہیئے۔ ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس راز کو کھول کر چھوڑے گی اور معلوم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرے گی کہ اس بے گناہ کو کیوں قتل کیا گیا؟

گاڑی کلکتہ سے دور نکل آئی تھی اور کھیتوں میں بھاگی جا رہی تھی۔ ناگ پور ہندوستان کے درمیان میں ایک مشہور شہر ہے۔ کافی لمبا سفر تھا۔ ماریا نے دل میں سوچا کہ ہو سکتا ہے خدا کو یہی منظور ہو کہ وہ اس گاڑی میں سفر کر کے بے گناہ راجکمار کے قاتلوں سے اس کا بدلہ لے۔ ہو سکتا ہے اس طرح سے اس کی روح عذاب اور آگ سے نجات پا سکے۔

گاڑی تیسرے پہر سے شیشن چھوڑ رہی تھی۔ دوپہر کے وقت ایک بڑا سا سٹیشن آ گیا۔ گاڑی وہاں رکی۔ فرسٹ کلاس ہونے کی وجہ سے بیرا کھانا لے کر آ گیا۔ دونوں مل کر کھانے لگے۔ بیرا چلا گیا۔ ماریا کو بھی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ریل گاڑی سے اتر کر پلیٹ فارم پر آ گئی۔ اس نے دیکھا، ایک ٹی سٹال پر ڈبل روٹی مکھن اور چائے بک رہی تھی۔ چپکے سے وہاں جا کر ایک طرف کھڑی ہو گئی اور ہاتھ بڑھا کر ایک سلائس میں سے آدھی ڈبل روٹی اور مکھن اٹھا کر مکھن سے کھانا شروع کر دیا۔ دکاندار کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس کی ڈبل روٹی غائب ہو گئی ہے۔

پھر اس نے چائے کی ایک پیالی اٹھائی اور پینے لگی۔ چائے پی کر اس نے خالی پیالی رکھی تو وہ نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔ مالک نے اپنے نوکر کے سر پر زور سے دھپ مار کر کہا

”الو کے پٹھے۔ دیکھ کر برتن نہیں رکھتا۔ روز ایک پیالی توڑ دیتا ہے۔“

نوکر سر کو سہلاتے ہوئے حیرانی سے کبھی ٹوٹی پیالی اور کبھی مالک کا منہ تک رہا تھا۔

”صاحب میں نے تو اس پیالی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔“

مالک نے ایک اور طمانچہ مار کر کہا۔

”تو پھر یہ تیرے باپ نے توڑی ہے؟“

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ بدبخت اس بے چارے کو یونہی مار رہا ہے۔ اس نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی چھ پیالیاں ایک ساتھ اٹھائیں اور انہیں مالک کے سر پر دے مارا۔ ساری کی ساری پیالیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ ٹی سٹال کا مالک گھبرا کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

اتنے میں ریل نے سیٹی دی۔ ماریا جلدی سے اپنے ڈبے میں آ کر بیٹھ گئی۔ گارڈ نے جھنڈی ہلائی۔ ریل چھکا چھک کرتی پلیٹ فارم سے باہر نکل گئی اور دوسرے شہر کی طرف تیزی سے چلنے لگی۔ دونوں قاتل کھانا کھا کر صندوق پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے اور راجکمار کے قتل کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔ باتیں کرتے کرتے وہ دونوں سو گئے۔ تیسرے روز شام کے وقت [illegible] میں رکی ہوئی ریل جب دوبارہ چلنے لگی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دونوں قاتل پریشان ہو گئے۔ انھوں نے اٹیچی کیس میں سے خوشبو کی ایک شیشی نکالی اور صندوق کے اوپر انڈیل دی۔ سارے ڈبے میں خوشبو بس گئی جس کی وجہ سے لاش کی بدبو دب گئی۔

دوسرے روز صبح بیرا ناشتہ لے کر آیا تو بولا۔

"صاحب! بڑی خوشبو بسی ہے ڈبے میں۔"

ٹھگنے قاتل نے کہا۔

"تجھے کیا۔ چل بھاگ یہاں سے۔"

بیرا خاموشی سے چلا گیا۔ ماریا کو بھی بھوک لگی تھی۔ وہ ڈبے سے اترنے لگی تو گارڈ نے سیٹی بجا دی۔ اس سٹیشن پر گاڑی دو منٹ کے لیے ہی رکی تھی اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ ماریا ان قاتلوں کے ساتھ ناشتہ کرے۔ وہ قریب آ گئی۔ دونوں قاتل ناشتہ کر رہے تھے۔ تھالی میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے، مکھن، انڈے اور پھل رکھا تھا۔ ماریا نے آنکھ بچا کر دو سلائس اور ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔ دونوں کو پتہ نہ چلا مگر جب انہوں نے ایک پیالی غائب دیکھی تو بڑے حیران ہوئے۔

"یہ! یہ کم بخت بیرا ایک ہی پیالی لایا تھا!"

"نہیں تو۔ میرے سامنے ٹرے میں دو پیالیاں پڑی تھیں۔"

"تو پھر اب دوسری پیالی کہاں ہے؟"

"خدا جانے کہاں چلی گئی۔"

ماریا نے بڑے آرام سے ذرا پرے برتھ پر بیٹھ کر سنگترہ کھایا۔ سینڈوچ کھایا، چائے پی اور خالی پیالی لا کر دونوں کے درمیان رکھ دی۔ غیب سے اچانک پیالی کو اپنے آپ آ کر ٹرے میں گرتا دیکھ کر دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

"یہ۔ یہ کہاں سے آ گئی؟"

دہشت سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ دوسرے نے کہا۔

"تمہارا وہم ہے یار۔ پیالی پہلے سے اسی جگہ پڑی تھی۔"

"بھگوان کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے پیالی کو ہوا میں سے نکل کر ٹرے میں آتے دیکھا ہے۔"

"تمہاری آنکھوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"خاموش بیٹھے رہو۔ ناگ پور آ رہا ہے۔ راجو کار سٹیشن پر ویگن لے کر آیا ہو گا۔"

اب ماریا کو شرارت سوجھی تو اس نے سنگترے کے چھلکے اٹھا کر ٹرے میں پھینکنے شروع کر دیئے۔ چھلکوں کو گرتا دیکھ کر دونوں تھر تھر کانپنے لگے۔ ماریا نے سوچا کہ انہیں زیادہ نہیں ڈرانا چاہیئے کیونکہ اس طرح ہو سکتا ہے یہ بے ہوش ہو جائیں اور اس قتل کا راز نہ کھل سکے۔ پس وہ خاموش ہو کر بیٹھی رہی۔ ریل گاڑی اب ایک چھوٹے شہر میں سے گزر رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک پل آیا جس کے نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ آخر ملک پور کا بہت بڑا ریلوے سٹیشن آ گیا۔ گاڑی چھک چھک کرتی بڑی شان سے پلیٹ فارم میں داخل ہوئی اور پھر کھڑی ہو گئی۔

مسافر ڈبوں میں سے اترنے لگے۔ قلیوں نے شور مچا دیا۔ یہ فسٹ کلاس کا ڈبہ تھا۔ یہاں کوئی مسافر نہ آیا۔ دونوں قاتل بے چینی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک وردی پوش ڈرائیور بھاگا بھاگا ڈبے کے پاس آیا اور پوچھا۔

"راجہ بکرم سنگھ جی کے مہمان اس ڈبے میں سفر کر رہے ہیں کیا؟"

دونوں قاتل جلدی سے باہر نکل آئے۔ "جی ہاں! ہم ہی راجہ صاحب کے مہمان ہیں۔"

"تشریف لایئے۔ گاڑی باہر کھڑی ہے۔"

"یہ صندوق بھی ساتھ ہے ہمارے۔"

"کوئی فکر نہیں۔ میں اسے اٹھوائے دیتا ہوں۔"

صندوق میں سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی جس کی وجہ سے بدبو دب گئی تھی۔ اسی وقت چار قلی منگوائے گئے۔ جنہوں نے صندوق اٹھا کر باہر ویگن میں لا کر رکھ دیا۔ ماریا پہلے سے ویگن میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں قاتل بھی ویگن میں سوار ہو گئے

اور ڈرائیور نے ویگن سٹارٹ کر دی۔ شہر کے مختلف بازاروں سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے ویگن شہر سے باہر کھیتوں کے بیچ والی سڑک پر سے گزرنے لگی۔ اب کھیت بھی پیچھے رہ گئے اور جنگلی درخت اور گھنی جھاڑیاں شروع ہو گئیں۔ سڑک بھی پتلی ہو گئی تھی۔

ماریا کو دور درختوں میں ایک پرانا قلعہ نظر آیا۔

ویگن قلعے کے اندر جا کر کھڑی ہو گئی۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی وہاں پہلے سے کھڑا تھا۔ اس نے چوڑی دار پاجامہ، مخمل کا کوٹ اور سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی جس میں موتی لگے تھے۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور قاتلوں کو ایک طرف سے جا کر ان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ ان سے یہی پوچھ رہا تھا کہ کیا راجکمار کی لاش وہ ساتھ لائے ہیں؟ قاتلوں نے مسکرا کر کہا۔

"سرکار! آپ کا حکم ہو اور ہم اسے پورا نہ کریں۔ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہے۔"

راجہ مسکرایا۔

"لاش دیکھنے کے بعد تمہیں ایک لاکھ روپیہ اسی وقت ادا کر دیا جائے گا۔"

صندوق اٹھا کر قلعے کے پچھواڑے راجہ کے خاص کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ سب نوکر چلے گئے۔ اب کمرے میں دونوں قاتل اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

راجہ رہ گئے۔ یہاں تک ماریا پہلے ہی اس کمرے میں موجود تھی راجہ نے کمرے کی کھڑکیاں بند کر کے آگے پردے کر دیئے۔ بتی جلا دی گئی۔ دونوں قاتل ایک طرف کھڑے تھے۔ راجہ نے صندوق کو کھولا۔ ماریا نے آگے ہو کر جھک کر دیکھا۔ صندوق میں ایک خوبصورت نوجوان کی لاش پڑی تھی۔ جس کے گلے میں ہیروں کا ہار ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا۔ راجہ نے لاش کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور پھر قاتلوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"شاباش۔ تم لوگوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ یہ لاش راجکماری کی ہے؟"

ایک قاتل نے جھک کر کہا۔ "سرکار! اب اپنا وعدہ پورا کر دیجیے۔"

راجہ نے ایک الماری کے درازوں سے ایک لاکھ روپے کے نوٹ نکال کر ان کے حوالے کر دیئے۔

"تمہاری امانت پہلے ہی سے یہاں رکھ دی گئی تھی۔ یہ لو"

"شکریہ!"

انہوں نے اسی وقت آدھے آدھے پیسے بانٹ لیے۔

"اب ہمیں اجازت دیجیے؟"

راجہ نے کہا۔

"تم لوگ سفر کرتے تھک گئے ہو۔ آج رات ہمارے

یہیں آرام کرو۔ کل صبح چلے جانا۔ یہ میری خواہش ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

"سرکار! ابھی کئی دوسرے کام بھی جا کر کرنے ہیں۔ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم چلے جائیں۔"

راجہ نے کہا۔

"دنیا کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ کیا تم لوگ میرے ایک رات کے مہمان بن کر مجھے عزت نہیں بخشو گے؟"

آخر دونوں قاتل راجہ کے اصرار پہ رضامند ہو گئے کہ وہ ایک رات قلعے میں بسر کریں گے۔ بس یہی ان کی بدنصیبی تھی ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا! یہ نہ ان کو کوئی خبر تھی اور نہ ماریا کے وہم و گمان میں بھی تھا۔ لاش والا صندوق اسی کمرے میں بند کر دیا گیا۔ راجہ دونوں قاتلوں کو لے کر قلعے کی دوسری منزل میں ایک کمرے میں آ گیا۔

"آپ لوگ اس کمرے میں آرام کریں۔ نوکر آپ کو ابھی کھانا دے جائے گا۔ شام کے کھانے پہ میں بھی آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اگر کسی دوسری چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجیے گا۔"

"شکریہ، شکریہ!"

راجہ چلا گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل گئی وہ زہر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ راجہ نے یہ قتل کس لیے کر دیا ہے! راجہ اپنے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ وہاں ایک خوبصورت عورت بیٹھی ناخنوں پر پالش لگا رہی تھی۔

راجہ نے جاتے ہی کہا۔

"مہارانی! مبارک ہو۔ اب تمہارا بیٹا ہی راج گدی کا مالک بنے گا۔ تمہارے بیٹے کے راستے میں راجکمار کی جو رکاوٹ تھی اسے ٹھکانے لگا دیا گیا ہے!"

رانی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا سچ کہہ رہے ہیں مہاراج!"

"اگر تمہیں شک ہے تو چل کر صندوق میں پڑی ہوئی لاش دیکھ لو!"

"اب میرا بیٹا راج گدی کا مالک بنے گا۔ یہ سارا قلعہ سارا محل، ساری جائیداد اس کی ہو گی!"

رانی بہت خوش تھی۔ وہ راجہ کے ساتھ قلعہ کی پہلی منزل والے کمرے میں گئی۔ اس نے صندوق کھلوا کر لاش دیکھی۔ راجکمار مرا پڑا تھا۔ رانی نے کہا۔

"مگر ابھی ہمارے راستے میں ایک رکاوٹ باقی ہے۔"

"تمہارا مطلب راجکمار کی ماں سے ہے!" راجہ نے کہا۔

"ہاں۔ راجکمار کے بعد اس کی ماں اس قلعے اور اس کی

ساری جائیداد کا دعویٰ کر سکتی ہے۔"

رانی نے کہا۔

"تو پھر اس کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں بھی آپ نے کچھ سوچا ہے"

راجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رانی! میں بھی گولیاں نہیں کھیلا ہوں۔ میں نے بھی اس کا سارا بندوبست کر رکھا ہے۔ راجکمار کے بعد اب اس کی ماں کی باری ہو گی۔ دوسرے قاتلوں کو میں نے بالکل تیار کر رکھا ہے"

رانی نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر کیا یہ لوگ ہمارا ایک لاکھ روپیہ لے کر چلے جائیں گے"

راجہ نے بڑی مکاری سے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے! کیا کبھی اس قلعے سے میرا مال لے کر جا سکا ہے؟ ان کو آج رات ہی ختم کر دیا جائے گا۔ قلعے میں اتنی جگہ ہے کہ یہاں راجکمار کی لاش کے ساتھ دو اور لاشیں سما سکیں"

"آپ کتنے اچھے ہیں مہاراج! آپ کو ہماری دولت کا کتنا خیال ہے"

راجہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ہا! ہا! ہا! یہ لوگ بھی راجکمار کے قاتل [illegible]

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے بچا کر نہیں جانا چاہیے۔ آؤ اب ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔"

ماریا ان دونوں کی باتیں سن کر کچی کی رہ گئی۔ اس نے بڑے بڑے مکار شخص دیکھے تھے مگر یہ راجہ اور رانی ان سب پر بازی لے گئے تھے۔ بہر حال اسے ایک بات کی خوشی تھی کہ قاتلوں کو ان کے کئے کی سزا ملنے والی تھی۔ یعنی جو کام ماریا خود کرنا چاہتی تھی وہ یہ راجہ رانی کر رہے تھے۔ ماریا اب ان دونوں کا انجام اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔

راجہ بکرم سنگھ نے ان دونوں قاتلوں کے سونے کا بندوبست قلعے کی دوسری منزل کے برج والے کمرے میں کیا تھا۔

خونی برج

اس برج کو خونی برج بھی کہتے تھے۔ غدر کے زمانے میں اس برج میں انگریزوں نے دو سو انوں کو گولیوں سے ہلاک کر ڈالا تھا۔ تب سے اس کا نام خونی برج پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد اس برج میں ایک کمرہ سا بنا دیا گیا جس میں مہمانوں کو ٹھہرایا جانے لگا۔ کیونکہ اس برج کی کھڑکیاں دریا کی طرف کھلتی تھیں اور رات کو بڑی ٹھنڈی ہوا چلا کرتی تھی۔ ماریا سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے بھی خونی برج والے کمرے میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ راجہ کس طریقے سے دونوں قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچاتا ہے۔

رات کا کھانا راجہ نے مہمانوں کے ساتھ کھایا۔ ماریا نے کھانا باورچی خانے میں جا کر کھایا۔ وہاں خانساماں پرانے وقتوں کا تھا۔ سر پر پگڑی باندھے پوریاں تل رہا تھا۔ ایک طرف مرغ روسٹ کیا ہوا رکھا تھا۔ تھال اور طشتریاں پھلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ دوسرے نوکر چاکر بھی ادھر ادھر کام

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرتے پھرتے تھے۔ وہ بڑے مزے سے کھا پی بھی رہے تھے۔ یہاں ماریا کے لیے کھانا اٹھا کر کھا لینا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ چنانچہ اس نے ایک تھالی میں سے روسٹ مرغا اٹھایا، دوسری طشتری میں سے کچھ پھل اٹھائے اور قلعے کی کھڑکی میں آکر بڑے مزے سے کھانے لگی۔

یہاں سے دریا کا منظر بڑا صاف اور دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ دریا میں ایک کشتی چلی جا رہی تھی۔ ماہی گیر گانا گا رہا تھا۔ اس کی ہلکی ہلکی آواز ماریا کے کانوں تک آ رہی تھی مگر لفظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ اب رات کا اندھیرا بڑھتا جو گیا۔ دریا کی طرف سے بڑی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ ماریا ختم کر کے اٹھی اور نیچے خونی برج والے کمرے میں آ گئی۔ دونوں قاتل کھانا کھا کر واپس آ گئے تھے اور اپنے اپنے بستروں پر اپنے اپنے حصے کے نوٹ گن رہے تھے۔

"بھگوان قسم یہ دولت بڑے آرام سے مل گئی۔"

دوسرا قاتل بولا۔

"مگر یار تم نے تو راجکمار کو سانپ سے ڈسوا کر مارا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ تم نے ناگ کو چھوڑا جس نے راجکمار کو جا کر ڈس لیا۔ اور وہ مر گیا۔ پھر تم نے راجہ کو کیوں کہا کہ تم نے اسے گولی ماری تھی؟"

پہلا قاتل ہنسا

"راجہ کو اگر پستول کی گولی نہ بتاتا تو وہ سمجھتا کہ شاید یہ راجکمار کسی وقت پھر سے زندہ ہو کر بھوت کی شکل میں اس کو آ کر تنگ کرے گا۔ کیونکہ ان راجاؤں میں یہ وہم بڑا عام ہے کہ جو لوگ سانپ کے ڈسنے سے مر جاتے ہیں وہ بھوت بن کر دوبارہ اس دنیا میں آ جاتے ہیں۔"

دوسرا قاتل ہنسا

"بڑی عقلمندی سے کام لیا تم نے۔ لیکن تم نے مجھے بھی کیوں اندھیرے میں رکھا؟ کم از کم مجھے تو بتا دیتے کہ تم نے سانپ سے ڈسوا کر راجکمار کو مارا ہے۔ کیونکہ میں نے تو تمہیں چھپ کر سانپ ڈسواتے دیکھ لیا تھا۔"

"میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کسی دباؤ سے مجبور ہو کر راجہ کو بتا دو کہ میں نے گولی نہیں چلائی بلکہ سانپ ڈسوایا ہے۔ میرا خیال تھا کہ واپسی پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ کیونکہ جب تک ہم اس قلعے میں بند ہیں ہمارے ساتھ کوئی بھی حادثہ ہو سکتا ہے۔"

"خاص طور پر اس خونی برج میں تو کوئی بھی حادثہ ہو سکتا ہے۔ یار سنا ہے اس خونی برج میں انگریزوں نے غدر کے زمانے میں لوگوں کو دم گھونٹ کر مروا ڈالا تھا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"بابا ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ دیکھو کہ تمہارے نوٹ پورے پچاس ہزار ہی ہیں! میرے تو پورے ہیں"

"میرے بھی پورے ہیں"

"بس اب صبح کا انتظار ہے۔ ذرا پو پھٹے گی تو ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ خواہ مخواہ راجہ صاحب کے تکلف میں آ گئے ورنہ حق یہ تھا کہ ہمیں آج ہی شام یہاں سے نکل جانا چاہئے"

"میں نے تمہارے سامنے بڑی کوشش کی تھی مگر راجہ نے زبردستی رات رہنے پر مجبور کر دیا"

"چلو خیر! اب تو رات کاٹنی ہی پڑے گی"

ماریا کرنے میں قالین پر نیم دراز یعنی آدھی لیٹی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ بے چارے کیسے سوچ رہے ہیں کہ انہیں آج رات یہاں سے نکل جانا چاہیئے تھا کیونکہ آج رات ان کے قتل کی رات ہے اگر اس وقت بھی معلوم ہو جائے کہ راجہ نے ان دونوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے تو یہ اسی وقت اس کھڑکی سے دریا میں چھلانگ لگا دیں۔

"کیا میں ان لوگوں کو بتا دوں کہ راجہ نے ان کی مو کی سکیم بنائی ہے؟"

ماریا نے سوچا۔ مگر نہیں۔ یہ لوگ قاتل ہیں۔ انہوں راجکمار کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کو مارا ہے۔ ابھی یہ غور کر رہے تھے کہ یہاں سے جا کر انہوں نے کسی دوسرے کو قتل کرنا ہے۔ یہ تو پیشہ ور قاتل ہیں۔ پیسے لے کر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ ان کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔ ان کو قتل کا بدلہ ملنا ہی چاہیے۔

ماریا خاموشی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی رہی۔ وہ بڑی بے چینی سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب ان دونوں قاتلوں کو ان کے کیے کی سزا ملنے والی تھی۔ رات گزرنے لگی۔ دریا کی طرف جو کھڑکی کھلی تھی اس کے باہر اندھیرا تھا۔ دونوں قاتل کچھ دیر تک تو بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنے روپے سرہانوں کے نیچے چھپا کر رکھے اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں ان کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔

شاید ان کے خراٹوں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ جونہی وہ گہری نیند سوئے ماریا نے آہٹ محسوس کی۔ وہ تو جاگ رہی تھی۔ ماریا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگی۔ آہٹ دریا والی کھڑکی کی طرف ہوئی تھی۔ ماریا [illegible] کر دبے پاؤں کھڑکی کے پاس گئی اور نیچے جھانکا۔ یہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کھلا کمند کا ہوا تھا جو کھڑکی پر پیچھے سے پھینکی گئی تھی۔ کمند کا آنکڑا کھڑکی میں پھنس گیا تھا اور نیچے ایک آدمی رسے کو پکڑ کر اوپر چلا آ رہا تھا۔ اس کی پگڑی سیاہ رنگ کی تھی۔

ماریا پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی

اتنے میں کالی پگڑی والا جلاد اوپر آ گیا۔ وہ کھڑکی میں سے کودا اور کھڑا ہو کر قاتلوں کے بستروں کو دیکھنے لگا۔ اس شخص نے منہ پر بھی سیاہ رومال باندھ رکھا تھا۔ اس کے کپڑے بھی کالے سیاہ تھے۔ بالکل کالا بھوت لگ رہا تھا۔ ماریا دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی اس کے پاؤں پر شاید کسی چیونٹی نے کاٹا۔ پاؤں کو اس نے جھٹکا تو تپائی پر رکھی ہوئی گلاب دانی نیچے قالین پر گر پڑی۔ اس کی ہلکی آواز پر کالا قاتل چونکا۔

اس نے خنجر نکال لیا اور جدھر گلاب دانی گری تھی ادھر کو لپکا۔ گلاب دانی زمین پر گر پڑی تھی وہ سوچنے لگا۔ یہ کس نے زمین پر گرا دی۔ زلزلہ بھی نہیں آیا تھا۔ پھر یہاں اور کون ہے! اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ اٹھا اور گلاب دانی کو چھوڑ کر اپنے شکار کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں قاتل بستروں پر بے سدھ سو رہے

تھے۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ موت ان کے سروں پر کھڑی ہے اور بس وہ اس دنیا میں کوئی دم کے مہمان ہیں۔

کالے قاتل نے خنجر تو پہلے ہی نکال رکھا تھا۔

وہ ایک قاتل پر جھکا۔ اس کے منہ پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھ کر اس کے سانس اور آواز کو روکا اور اس کی گردن پر خنجر چلا کر اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ قاتل جاگ پڑا مگر اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی اور آنکھیں کھلتے ہی دوبارا بند ہو گئیں۔ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ ایک کو ختم کرنے کے بعد کالا بھوت دوسرے قاتل کی طرف بڑھا۔ اس کو بھی کالے بھوت نے اسی طرح ختم کر دیا۔

دونوں قاتل اپنے انجام کو پہنچے تو اس نے دونوں کی لاشوں کو باری باری اٹھا کر کھڑکی کے پاس سے جا کر رکھا اور پھر ایک ایک کر کے انہیں نیچے دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ دریا میں لاشوں کے گرنے کی آوازیں آئیں اور پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ کالے بھوت نے اس کام سے فارغ ہو کر ان قاتلوں کے سرہانوں کے نیچے سے ایک لاکھ روپے کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرنسی نوٹ نکال کر جیب میں ڈالے اور جس طرح سے آیا تھا واپس چلا گیا۔

ماریا یہ سارا خونی ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھتی ر اسے خوشی بھی ہوئی کہ ظالم کو ظلم کا بدلہ مل گیا تھا۔ لیکن ابھی ایک ظالم باقی تھا۔ اسے ابھی اس کے ظلموں کا بدلہ ملنے والا تھا۔ وہ تھا راجہ۔ اس نے اپنے بھتیجے راجکمار کو سانپ سے ڈسوا کر ہلاک کروایا تھا اور اب وہ اس راجکمار کی ماں کو ہلاک کروانے کی تیاریاں کر تھا۔ ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ راجکمار کی ماں کو ہرگز نہ مرنے دے گی۔

دوسرے دن صبح ہوئی تو کالے بھوت نے ایک کے نوٹ راجہ کے حوالے کر کے سر جھکا کر کہا۔

"حضور! دونوں قاتلوں کو دریا برد کر دیا گیا ہے"

راجہ نے شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں! میں نے خونی برج سے دونوں کی لاشوں کو دریا میں گرتے دیکھ لیا تھا۔ یہ لو تمہارا انعام۔"

راجہ نے دو ہزار روپے کالے بھوت کے حوالے کر وہ ادب سے جھک کر شکریہ ادا کرتا ہوا وہاں سے چلا

راجہ نے رانی سے کہا

"مہارانی! اب ہمیں راجکمار کی ماتا کو یہاں لا کر اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح کروانا ہو گا۔"

رانی بولی۔

"اس کا یہاں لانا کیوں ضروری ہے بھلا۔ اس کی بھی لاش ہی منگوا لیجیے یہاں"

راجہ بولا

"نہیں! اس عورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کروا کر ہی اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک آدمی کو راجکمار کی ماں کو اغوا کر کے لانے کے لیے روانہ کر دیا ہے۔ وہ آج شام یہاں قلعے میں راجکمار کی ماں کو لے کر پہنچ جائے گا۔"

رانی نے کہا۔

"لیکن راجکمار کی لاش کا کیا بنے گا!"

راجہ بولا۔

"اسے آج شام ہی قلعے کے تہ خانے میں دفن کر دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر اسے جلا کیوں نہیں دیتے"

راجہ نے کہا۔

"اس طرح سے لوگوں کو اور پولیس کو شک پڑ جائیگا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کو یہ تلنے میں کس کی لاش کو جلایا جا رہا ہے۔ یہی بہتر ہے کہ زمین کھود کر صندوق کو دبا دیا جائے گا۔ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔"

مایا یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ راجکمار کو سانپ سے ڈسوا کر مروا دیا گیا ہے جانے کیوں اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر ناگ آ جائے تو اس راجکمار کو پھر سے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ مایا نے راجکمار کی لاش کو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ سانپ کے زہر نے اس کے خون کو جما دیا تھا۔ خدا جانے وہ کس قسم کا سانپ تھا کہ زہر نے خون کو اسی طرح ٹھنڈا کر دیا تھا۔ راجکمار کے چہرے پر بھی سیاہی نہیں آئی تھی۔

مایا نے سوچا کہ صندوق میں سے لاش نکال لے پھر خیال آیا کہ وہ لاش کو کہاں لے جا کر رکھے گی۔ اسی صندوق میں پڑا رہنے دیا جائے۔ اب جب اس نے دیکھا کہ مکار راجہ اسے زمین میں دفن کرنے کے پروگرام بنا رہا ہے تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قبر میں سوراخ کر دے گی تاکہ تازہ ہوا صندوق تک جاتی رہے۔ کیونکہ اس نے ناگ کی زبان سے سن رکھا تھا کہ اگر کسی کو اس قسم

کا سانپ ڈس لے جو اس کے خون کو بہانے کی بجائے جما دے تو اس لاش کو تازہ ہوا ضرور لگتی رہنی چاہیے۔ تاوقتیکہ اس کا علاج نہ ہو جائے۔

اسی رات راجہ نے دو آدمیوں کو ساتھ لیا اور راجکمار کی لاش والا صندوق اٹھوا کر اندھیرے میں شمشان میں پہنچا دیا۔ یہاں ہندو لوگ اپنے مردوں کو جلایا کرتے تھے۔ شمشان یعنی ہندوؤں کے قبرستان میں کیکر کے بے شمار درخت تھے۔ ان درختوں کے پیچھے گہری کھائیاں تھیں۔ ایک کھائی میں قبر کھود کر صندوق اس میں دفن کر دیا گیا۔ راجہ نے کہا۔

"اب تم لوگ یہاں شمال کی طرف چلے جاؤ اور خبردار اس راز کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو تمہاری جائیداد ضبط کر لی جائے گی اور تمہارے سارے رشتہ دار میں قتل کروا دوں گا۔"

دونوں آدمی بولے۔

"سرکار! ہم کبھی کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ آپ نے ہمیں اتنے روپے دے دیئے ہیں کہ ہم بڑے مزے سے کسی دوسرے شہر جا کر کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دونوں اندھیرے میں گم ہو گئے۔ راجہ بھی بگھی میں سوار ہو کر واپس قلعے میں آ گیا۔ ماریا اس بگھی پر بیٹھ کر قبرستان گئی تھی۔ واپسی پر وہ وہیں رہی۔ وہ ایک کدال اپنے ساتھ لیتی گئی تھی۔ جونہی یہ لوگ وہاں سے گئے ماریا نے کدال کو چلانی شروع کر دی۔ مٹی بڑی نرم تھی۔ بڑی جلدی وہاں ایک جانب گہرا سوراخ ہو گیا۔ ماریا نے صندوق کا ڈھکنا بھی کھول دیا۔ سوراخ میں سے تازہ ہوا لاش کو لگنے لگی۔ ماریا نے بہت سی جھاڑیاں اکٹھی کر کے اس سوراخ کو اوپر سے اس طرح سے ڈھانپ دیا کہ کسی کو شک ہی نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہاں کوئی سوراخ بھی ہے۔ ماریا نے سوچا کہ وہ پھر کسی وقت صندوق کو یہاں سے نکلوا کر کسی محفوظ جگہ رکھ دے گی۔ ابھی اس کے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں تھی۔ قلعے میں وہ یہ صندوق نہیں رکھوا سکتی تھی۔

ماریا کو اب ناگ کا شدت سے انتظار تھا۔

اگر اسے راجکمار کی ماں کی آمد کا انتظار نہ ہوتا تو ماریا یہاں سے ناگ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی۔ لیکن وہ راجکمار کی ماں کی جان بچانا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ کیونکہ راجکمار کی ماں بے گناہ اور معصوم تھی۔

قلعے سے فرار

ماریا واپس خونی برج میں آ کر سو گئی

صبح اس کی آنکھ کھلی تو دریا والی کھڑکی میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ پرندے گیت گا رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے دھو کر پھر سے سکھائے اور پہنے۔ ناشتہ کرنے وہ نیچے باورچی خانے میں آ گئی۔ یہاں نوکر چاکر بہت موجود تھے۔ خود بھی ناشتہ کر رہے تھے اور راجہ رانی کا ناشتہ بھی چاندی کے تھالوں میں لگا رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ وہاں وہ کالا بھوت بھی موجود تھا جس نے دونوں تابوتوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اگرچہ رات کالے بھوت نے منہ ڈھانپ رکھا تھا لیکن ماریا نے اس کی آنکھوں سے اسے پہچان لیا۔

کالا بھوت اپنا ناشتہ لے کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے بھی ایک تھالی میں کچھ پوریاں حلوہ وغیرہ رکھا اور کالے بھوت کے پاس آ کر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ کالے بھوت کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک نیک عورت اس کے قریب ہی بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ اگر کوئی اسے دیکھتا بھی تو اسے کبھی یقین نہ آتا۔ ماریا نے سوچ کر جانے اس شخص کا زندہ رہنا انسانوں کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ پیسے لے کر چاہے جسے [illegible] کر سکتا ہے۔ آج اس نے پیسے لے کر راجہ کے کہنے پر دو آدمیوں کو مارا ہے کل یہ کسی دوسرے کے پیسے لے کر کسی دوسرے کو مار ڈالے گا۔

ماریا نے آہستہ سے کالے بھوت کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہا۔

"تم قاتل ہو۔ تم قاتل ہو۔ میں موت ہوں۔ موت کا فرشتہ ہوں۔ تمہاری جان قبض کرنے آیا ہوں۔"

کالے بھوت کی آدھی پوری ہاتھ میں ہی پکڑی رہ گئی۔ وہ گھبرا گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور چیخ مار کر ناشتے کی تھالی وہیں چھوڑ اٹھ بھاگا۔ ماریا نے کھسکتے دیکھا۔ وہ اسے اسی طریقے سے مارنا

چاہتی تھی۔ وہ ناشتہ کرنے کے بعد کالے بھوت کی تلاش میں قصبے میں گھومنے لگی۔ اتنا اسے معلوم تھا کہ وہ قصبے میں ہی رہتا ہے۔ وہ یہاں سے کہیں اور نہیں جاتا۔ چلتے پھرتے آخر اس نے کالے بھوت کو پا لیا۔

وہ ایک درخت کے پاس زمین پر بیٹھا تھا اور شاید کپڑوں کی گٹھڑی سی بنا کر اسے ایک طرف سنبھال رہا تھا۔ ماریا بڑی خوش ہوئی۔ پیچھے سے اس کے پاس پہنچ کر سرگوشی میں بولی۔

"میں موت کا فرشتہ ہوں۔ تم قاتل ہو۔"

کالے بھوت کا رنگ اڑ گیا اس نے ایک زور کی چیخ ماری اور بھاگ گیا۔ ماریا نے پھر اس کا پیچھا شروع کر دیا۔ دوپہر کو یہ خبر راجہ تک بھی پہنچ گئی۔ خود کالا بھوت راجہ کے پاؤں پر گر کر رونے لگا۔

"مہاراج! موت کا فرشتہ میرا پیچھا کر رہا ہے کہتا ہے تو نے دو آدمیوں کو مارا ہے۔ میں تمہاری جان لینے آیا ہوں۔"

راجہ نے اسے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ارے تیرا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا! میں نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سنا تھا کہ تو پاگل ہو گیا ہے اور ایک دم سے چیخ مارنے لگتا ہے۔ اب تمہیں دیکھا۔ تمہاری باتیں سنیں تو یقین ہو گیا کہ تو سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔ تجھے کل ہی میں پاگل خانے بھجوا دوں گا۔ جہاں تیرا علاج ہو گا۔"

کالے بھوت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"حضور! میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں نے خود ایک عورت کی آواز سنی ہے جو میرے کان کے بالکل قریب آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ میں تمہاری جان قبض کرنے آیا ہوں۔ میں موت کا فرشتہ ہوں۔"

راجہ ہنسا۔

"ارے کبھی عورت بھی موت کا فرشتہ ہو سکتی ہے! جو عورت ہے وہ بھلا موت کا فرشتہ کیسے ہو گی! تیرے کانوں میں یونہی آوازیں آتی ہیں۔ جا جا کر آرام کر۔ بلکہ تو یہاں سے اپنے گاؤں کچھ دنوں کے لیے چلا جا۔"

"جو حکم جناب!"

ماریا قریب ہی ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے جو شرارت سوجھی تو اسی سرگوشی میں بولی۔

"سنو راجہ: میں موت کا فرشتہ ہوں۔ تم دونوں نے

خون کیے ہیں۔ میں تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ تم دونوں ہی قاتل ہو۔ ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا۔"

کالا بھوت تو چیخ مار کر وہاں سے سرپٹ بھاگ گیا۔ راجہ حیران پریشان کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ آواز اس نے خود اپنے کانوں سنی تھی۔ کالا بھوت بالکل ٹھیک کہتا تھا۔ آواز عورت کی تھی۔ راجہ بہادر آدمی تھا۔ ڈرا ضرور مگر اس نے اپنے آپ کو پریشان نہیں ہونے دیا۔ بولا۔

"تم۔ تم کون ہو؟"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ راجہ نے پھر کہا۔

"تم کون ہو؟ میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟ سامنے آ کر بات کرو۔ کیا تم بھوت ہو؟ قلعے کا بھوت ہو؟ کیونکہ میں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ اس قلعے میں ایک راجکماری کا بھوت پھرا کرتا ہے جس کو انگریزوں نے قتل کر دیا تھا۔"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ راجہ کو پریشان کرنا چاہتی تھی۔ اس سے سوال جواب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا مقصد وہاں رہ کر راجکماری کی ماں کو موت کے منہ سے بچانا تھا۔ کیونکہ وہ ظالم بڑی زیادتی کر کے کسی وقت بھی اسے نقصان پہنچا سکتے تھے۔ راجہ نے جب دیکھا کہ موت کا فرشتہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوئی جواب نہیں دے رہا تو اس نے اپنے کانوں میں انگلی ڈال کر انہیں صاف کیا اور سوچنے لگا۔

"کہیں یہ میرا وہم ہی تو نہیں تھا؟"

پھر وہ زیر لب ہنسا۔

"کم بخت یہ کالا بھوت مجھ پر بھی اپنا اثر ڈال گیا ہے۔ اس کے تو کان بجتے ہی تھے" مجھے بھی آوازیں آنے لگیں۔"

راجہ وہاں سے اپنے خاص محل میں چلا گیا وہاں اس کی رانی بھی تھی۔ راجہ نے جا کر موت کے فرشتے کی آواز کے بارے میں اسے بھی بتایا اور کہا۔

"دیکھو اس احمق کی مجھ پر بھی اثر ہو گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے کوئی عورت میرے قریب کھڑی آواز دے رہی ہے"

رانی نے فکر مند ہو کر کہا۔

"کہیں یہ آواز سچی نہ ہو مہاراج؟"

راجہ ہنسا۔

"بھئی واہ! مہارانی اس پاگل کا تم پر بھی اثر ہو گیا۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ نیچے چلتے ہیں۔ کھانا لگ گیا ہو گا۔"

رات کے کھانے کے بعد ایک بند بگھی آ کر قلعے کی ڈیوڑھی میں کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ راجہ اور اس کے دو ساتھی وہاں کھڑے تھے۔ بگھی میں سے ایک صندوق کو باہر نکالا گیا۔ راجہ نے اشارہ کیا اور اوپر چلا گیا۔ آدمی صندوق لے کر راجہ کے پیچھے پیچھے چلے اور اس کمرے میں لے جا کر رکھ دیا جہاں پہلے راج کمار کا صندوق رکھا گیا تھا۔ ماریا ساتھ ساتھ تھی۔ آدمی چلے گئے۔ اب راجہ وہاں اکیلا رہ گیا اس کے بعد وہی کالا بھوت وہاں آ گیا۔ راجہ نے کہا۔

"صندوق کو کھولو۔"

صندوق کھول دیا گیا۔ اس کے اندر ایک ادھیڑ عمر کی عورت بیٹھی تھی جس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ راجکمار کی ماں تھی اور بے ہوش تھی۔ کیونکہ ماریا نے روشنی میں جھک کر دیکھا کہ بڑی رانی کی سانس چل رہی تھی۔ اسے کوئی دوا سنگھا کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ راجہ نے کہا۔

"بڑی رانی کو صندوق میں سے نکال کر خونی برج والے کمرے میں پہنچا کر دروازے پر تالا لگا دیا جائے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"جو حکم سرکار۔"

کالے بھوت نے بڑی رانی کو صندوق میں سے نکال کر کندھے پر ڈالا اور قلعے کی خفیہ سیڑھیاں چڑھ کر خونی برج والے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے بڑی رانی کو پلنگ پر لٹا دیا۔ ماریا جلدی سے باہر نکل آئی۔ کیونکہ کالے بھوت نے دروازہ بند کر کے تالا لگانا تھا۔ ماریا اندر بند نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ باہر آ گئی۔ کالے بھوت نے دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا اور چابی لے جا کر راجہ کے حوالے کر دی۔

اتنے میں رانی بھی آ گئی۔ راجہ نے خوش ہو کر کہا۔

"میرا آخری دشمن بھی میرے قبضے میں آ گیا ہے۔"

رانی نے کہا۔

"جب تک بڑی رانی زندہ ہے ہمیں اس سے خطرہ رہے گا۔ اس کا جتنی جلدی ہو سکے کام تمام کر دینا چاہیئے۔"

"فکر نہ کرو۔ کل کسی وقت بڑی رانی کا کام تمام کر کے اس کی لاش دریا میں بہا دی جائے گی۔"

"یہ کام آج رات ہی کیوں نہیں کر دیتے؟"

"آج رات رام نومی کی رات ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ آج کی رات اگر کسی کو ہلاک کیا جائے تو وہ بھوت بن کر چمٹ جاتا ہے۔"

"تو پھر کل رات یہ کام ضرور ہو جانا چاہیئے۔"

"فکر نہ کرو۔ کل یہ کام ہر حالت میں ہو جائے گا۔"

ماریا ان کے کمرے سے باہر آ گئی۔ کچھ دیر وہ قلعے کی اوپر والی چھت پر ٹہلتی رہی اور سوچتی رہی کہ بڑی رانی کی جان کس طرح سے بچائی جا سکتی ہے؟ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ بڑی رانی کو کسی طرح سے ہوش میں لا کر یہاں سے نکال لے جایا جانا چاہیئے۔ کیونکہ محل میں اس کا رہنا خطرناک بات تھی۔ یہ سوچ کر آدھی رات کے بعد ماریا خونی برج کی طرف گئی۔ کمرے کے دروازے پر تالا پڑا تھا۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر تالا کھول کر پھینک دیا اور کمرے میں آ گئی۔ بڑی رانی کو ہوش آ چکا تھا اور وہ بستر سے اٹھ کر کھڑکی میں سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی کہ کہاں سے کہاں آ گئی ہے!

ماریا چپکے سے اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں اس کی آواز سے بڑی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رانی ڈر نہ جائے۔ وہ کس طرح سے اس سے بات کرے؟ ماریا نے گلا صاف کیا تو بڑی رانی نے چونک کر دیکھا۔ کمرے میں دھیمی سی بتی جل رہی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔ بڑی رانی حیران ہوئی کہ یہ ابھی ابھی کون کھنکارا تھا؟

ماریا کے پاس وقت بہت کم تھا۔ آدھی رات باقی تھی اور اس آدھی رات میں ہی اسے بڑی رانی کو یہاں سے بھگا کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچانا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے کہا۔

• بڑی رانی! میری آواز سن کر گھبرائیں بالکل نہیں کیونکہ میں آپ کی ہمدرد بن کر، آپ کی جان بچانے یہاں آئی ہوں۔"

بڑی رانی نے چونک کر پوچھا

• تم — تم کون ہو؟

ماریا نے کہا۔

• میں ... آپ یوں سمجھ لیں کہ میں ایک دیوی ہوں اور آسمان سے آپ کی مدد کرنے آئی ہوں"

بڑی رانی نے جلدی سے کہا۔

• اگر تم میری مدد کرنے آسمانوں سے آئی ہو تو

یہ بتاؤ کہ میرا بیٹا، میرا راجکمار کہاں ہے؟ لوگ کہتے ہیں اس ظالم راجہ نے اسے ہلاک کروا دیا ہے اور اب مجھے ہلاک کرنے کے لیے یہاں اغوا کر کے لے آیا ہے"

ماریا نے کہا۔

• اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ظالم راجہ نے آپ کے راجکمار کو ہلاک کروا دیا تھا مگر......"

• کیا میرا راجکمار مر گیا ہے؟" بڑی رانی نے بلکتے ہوئے پوچھا

ماریا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بڑی رانی جی! حوصلہ رکھیں۔ میری پوری بات تو سنیں۔ اس راجہ نے آپ کے راجکمار کو سانپ سے ڈسوا دیا تھا اور لاش ایک جگہ دفن کر دیا ہے میں نے اس لاش کو محفوظ کر لیا ہے اور بہت جلد میں اسے پھر سے زندہ کر لوں گی۔ آپ میری بات کا اعتبار کریں"

بڑی رانی نے سر پکڑ لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔

• آہ! کبھی سانپ کا ڈسا بھی بچا ہے۔ کبھی مردہ دوبارہ زندہ ہوا ہے؟

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے جوش میں آ کر کہا۔

"کیا کبھی آپ نے ایسی عورت کو بھی دیکھا ہے جو نظر نہ ہوتی ہو! اگر میں آپ کے سامنے کھڑی ہو کر آپ سے باتیں کرتے ہوئے آپ کو نظر نہیں آسکتی تو یقین کریں کہ میں آپ کے راج کمار کو پھر سے زندہ بھی کر سکتی ہوں۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں اس کی لاش کو کبھی محفوظ نہ کرتی۔ اب آپ زیادہ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ وقت پہلے ہی ہمارے پاس کم ہے۔ اس راجہ نے کل رات آپ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ میں اس لیے آپ کے پاس آئی ہوں کہ ابھی میرے ساتھ اس خونی برج سے نکل چلیں۔"

"لیکن ہم کہاں جائیں گی؟"

"یہاں سے تو نکلیں۔ یہ بعد میں سوچا جائے گا۔"

ماریا نے بڑی رانی کو ایک سیاہ چادر اوڑھائی ساتھ لے کر خونی برج سے باہر نکل آئی۔ قلعے کے خفیہ راستوں کا اسے علم ہو گیا تھا۔ اس نے عقبی میں سے نکل کر ایک اندھیری سیڑھیاں عبور کیں اب وہ قلعے کے پیچھے نکل آئیں۔ یہاں گھنی جھا

گھاٹیاں تھیں۔ ماریا نے بڑی رانی کے ساتھ ان جھاڑیوں میں سے گزر کر گھاٹیاں پار کریں اور ایک کچی سڑک پر آ گئی۔ انھوں نے ایک طرف تیز تیز پیدل چلنا شروع کر دیا۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

بڑی رانی

سڑک ایک ویران جگہ پر نکل آئی۔

ماریا نے اس ناگ پور شہر کی سیر کرتے ہوئے ایک کھنڈر دیکھا تھا جو کسی زمانے میں شاید کوئی مندر تھا مگر اب ڈھے کر کھنڈر بن گیا تھا۔ ماریا بڑی رانی کو لے کر اس کھنڈر میں آ گئی۔ یہاں نیچے ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا۔ ماریا نے یہاں گھاس پھوس بچھا کر بڑی رانی کو بٹھا دیا اور کہا۔

"بڑی رانی! آپ یہاں آرام کریں۔"

بڑی رانی نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔

"میرا راجکمار کہاں ہے؟"

"گھبرائیں نہیں بڑی رانی! میں اسے بھی بہت جلد آپ کے پاس لے آؤں گی۔ آپ اس جگہ سے باہر ہرگز ہرگز نہ نکلیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

ماریا بڑی رانی کو کھنڈر میں بٹھا کر فوراً باہر نکل گئی۔ صبح کو محل میں شور مچ گیا کہ بڑی رانی غائب ہے

ہوئے تو ہوش اڑ گئے۔ وہ پریشانی کے عالم میں بھاگا بھاگا رانی کے پاس پہنچا۔

"رانی غضب ہو گیا۔ بڑی رانی غائب ہے۔"

"ہائیں! وہ کہاں چلی گئی! کہاں جا سکتی ہے؟"

"ضرور اسے کسی نے اغوا کر لیا ہے۔"

"مگر یہاں اسے کون اغوا کر سکتا ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔"

راجہ نے اپنے آدمی ساتھ لیے اور سارا شہر چھان مارا مگر بڑی رانی کا کہیں کھوج نہ ملا۔ دوپہر کو وہ تھک ہار کر واپس آ گیا۔ ماریا دوپہر کو بڑی رانی کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر گئی۔ بڑی رانی اپنے بیٹے کے لیے بڑی اداس تھی۔ ماریا نے اسے زبردستی تھوڑا بہت کھلایا۔ وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

"کیا میرا بیٹا اچھا ہو جائے گا؟ کہتے ہیں ناگ کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔"

"خدا نے چاہا تو آپ کا بیٹا ضرور اچھا ہو جائے گا۔"

"آپ ولی ہیں۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں کر سکتیں کہ میرے بیٹے کو پھر سے زندہ کر دیں۔"

"بڑی رانی! اب میں آپ کو کس طرح سے بتاؤں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک میرا بھائی ناگ یہاں نہیں آتا۔ راجکمار کو کوئی بھی زندہ نہیں کر سکتا۔ وہی اسے پھر سے زندہ کر دے گا۔"

بڑی رانی رونے لگی۔ ماریا نے اُسے حوصلہ دیا اور خود باہر نکل کر شہر کے بازاروں میں ناگ اور عنبر کو تلاش کرنے لگی کہ شاید وہ کہیں آتے جاتے نظر آ جائیں۔ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ناگ اور عنبر اسے اسی شہر میں ملیں گے۔ اب ذرا ادھر ناگ اور عنبر کا بھی حال سنیں۔

مدراس شہر میں رہتے جب وہ بیزار ہو گئے تو ایک روز ناگ سے کہا۔

"عنبر! ماریا یہاں نہیں ملے گی۔ میرے خیال میں ہمیں اوپر کی طرف سفر کرنا چاہیئے۔"

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ یہاں سے اب چل دینا چاہیئے۔"

"ہاں بھائی!"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ریلوے سٹیشن چلتے ہیں۔ جو بھی گاڑی ہندوستان کے اوپر والے شہروں کو جانے والی ہوگی اس میں بیٹھ جائیں گے۔"

وہ ریلوے سٹیشن پر آ گئے۔

یہ مدراس کا ایگمور ریلوے سٹیشن تھا۔ کافی بڑا ریلوے جنکشن تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک ریل گاڑی بالکل تیار کھڑی ہے۔ وہ اس میں جا کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے دہلی کے دو ٹکٹ لے لیے تھے۔ گاڑی چل پڑی۔ وہ فسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ اس ڈبے میں ایک کالا صاحب بھی سفر کر رہا تھا۔ جس نے عنبر اور ناگ کو نفرت سے دیکھا کہ یہ کم بخت یہاں کہاں آ گئے۔ کیونکہ ناگ اور عنبر کا لباس بڑا معمولی سا تھا۔ انہوں نے کوٹ پتلون نہیں پہن رکھا تھا۔

ریل سفر کرتی رہی۔ چھک چھک انجن بھاگتا چلا گیا۔

رات گزر گئی۔ عنبر اور ناگ نے اپنی اپنی سیٹ ریزرو کروا رکھی تھی۔ وہ ان پر لیٹی تان کر سو گئے۔ دن چڑھا تو ڈبے میں ایک بیرا آ گیا۔ اس نے کالے صاحب کے آگے ناشتہ رکھ دیا۔ عنبر اور ناگ نے بھی ناشتہ منگوا لیا۔ اتنے میں عنبر کے ہاتھ سے پانی کا گلاس فرش پر گر پڑا۔ اس کے کچھ چھینٹے کالے صاحب کے بستر پر پڑ گئے۔ وہ غصے سے بولا۔

"اندھے ہو گئے ہو۔ نظر نہیں آتا کیا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ کو غصہ تو بہت آیا۔ قریب تھا کہ پھنکار مار کر کالے صاحب کا کام تمام کر دیتا کہ عنبر نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور کالے صاحب سے کہا۔

"معاف کرنا غلطی ہو گئی۔"

"تم جاہل لوگ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جانے کس طرح سے فسٹ کلاس کے ڈبے میں آ کر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے پاس ٹکٹ ہے کہ بغیر ٹکٹ کے سفر کر رہا ہے؟"

عنبر نے ٹکٹ نکال کر دکھائے۔ کالا صاحب بولا۔

"اب ایسا ایسا جاہل لوگ بھی فسٹ کلاس میں سفر کرنے لگا ہے۔ ہم کدھر کو جائے گا؟"

ناگ نے کہا۔

"تم لوگ بڑا غرور کرتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔"

"شٹ اپ یو فول۔"

ناگ کو اب جو غصہ آیا تو اسے عنبر بھی ٹھنڈا نہ کر سکا۔ ریل گاڑی بھاگی جا رہی تھی۔ ناگ نے گھور کر سرخ سرخ آنکھوں سے کالے صاحب کی طرف دیکھا اور ایکدم سے جون بدل کر ایک سیاہ ناگ کی شکل میں آ گیا۔ اس نے اپنا پھن اٹھا کر کالے صاحب کے آگے لہرانا شروع کر دیا۔ کالے صاحب پر جیسے بجلی سی گری اور وہ بے ہوش

ہو گیا۔ ناگ جلدی سے پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔ عنبر نے کہا۔

"یار اسے سنبھالو۔ کم بخت کہیں اگلے جہان کا ٹکٹ لے کر نہ چلا گیا ہو۔"

"جانے دو کم بخت مغرور انسان کو۔"

عنبر نے کالے صاحب کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے۔ تھوڑی دیر بعد اسے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے گھبرا کر ناگ کو دیکھا اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ناگ نے سکڑ کر کہا۔

"اس کالے کا تو کام ختم ہی سمجھو عنبر بھائی۔ اب یہ ہوش میں نہیں آئے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"نہیں یار! یوں ہی کسی کو نہیں مارنا چاہیے۔"

عنبر نے کالے کے منہ پر ٹھنڈے پانی کا گلاس انڈیل دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور خوف زدہ ہو کر بولا۔

"وہ ۔ وہ ناگ ۔ وہ سانپ!"

"ارے بھئی کون سا سانپ! کیا تم نے کوئی خواب نہیں دیکھا؟"

"خواب! نہیں نہیں۔ سانپ تھا۔ ناگ تھا۔ بڑا سا پھن

اٹھائے مجھے لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"ارے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہاں چلتی گاڑی میں سانپ کہاں سے آ سکتا ہے؟"

"نہیں نہیں۔ میں نے تمہیں سانپ میں بدلتے دیکھا ہے۔ میری آنکھیں جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تمہیں سانپ بنتے دیکھا ہے۔"

عنبر اور ناگ زور سے ہنس پڑے۔

"کالے صاحب! تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ دہلی جاتے ہی تم کسی پاگل خانے میں داخل ہو جاؤ اور جم کر اپنا علاج کراؤ۔"

گاڑی ایک جنکشن پہ رکی تو کالا صاحب اپنا سامان اٹھا کر ڈبے سے بھاگ گیا۔ ناگ اور عنبر ہنستے رہے۔

"چلو اچھا ہوا ڈبہ خالی ہو گیا۔ اب آرام سے لیٹ کر سفر کریں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہی کالا صاحب ایک سپاہی اور گارڈ کو لے کر آ گیا۔

"یہ ہے وہ لڑکا جو ابھی ابھی سانپ بن گیا تھا۔"

سپاہی نے ناگ کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں بھئی! تم سانپ بن گئے تھے؟"

ناگ نے کہا۔ "آپ اس پاگل کی بات کو سچ مان رہے ارے سنتری صاحب! بھلا اس زمانے میں کوئی انسان سانپ بن سکتا ہے؟"

گارڈ نے کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر یہ صاحب کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے تمہیں سانپ تے دیکھا ہے۔"

کالا صاحب جھٹ بولا۔ "ہاں ہاں۔ میں نے اپنی سے دیکھا ہے۔"

دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے اور بڑی دلچسپی سے کو تکنے لگے۔ کسی نے کہا۔

"یہ آنکھیں نہیں جھپک رہا۔ ضرور یہ سانپ ہے لے [illegible]! یہ شیطان ہے۔ یہ بھوت ہے۔"

مسافروں میں سے کسی نے پستول کا فائر کر دیا۔ گولی کے قریب سے گزر گئی۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھ

عنبر! اب انہیں کچھ دکھانا ہی پڑے گا۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے گہرا سانس لیا اور یکدم سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سانپ بن کر اس آدمی کی طرف لپکا جس سے نار
تھا۔ سانپ اس آدمی کی گردن سے لپٹ گیا۔ اسے ڈ
اور چڑیا بن کر پھر سے اڑ گیا۔ لوگوں پر خوف چھا گیا
سارے مسافر وہاں سے اٹھ دوڑے۔ کوئی پاؤں تلے کچ
گیا۔ کوئی گر پڑا۔ سپاہی کالا صاحب اور گارڈ بھی اٹھ
بھاگے تھے۔ عنبر وہاں سے چھپ کر پچھلے ڈبے میں
جا کر بیٹھ گیا۔

گارڈ نے جلدی سے سیٹی بجا دی۔ ڈرائیور نے
گاڑی چلا دی۔ ریل گاڑی سٹیشن سے باہر نکل کر بھاگنے
لگی۔ عنبر پچھلے ڈبے میں دوسرے مسافروں کے ساتھ
خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اس کم بخت کالے سانپ
نے سارا کام خراب کیا ہے۔ جانے ناگ اس ٹرین
میں ہے کہ نہیں۔ ویسے اسے یقین تھا کہ ناگ چڑیا
بن کر اسی گاڑی میں کسی نہ کسی جگہ بیٹھا سفر کر رہا
ہوگا۔ عنبر کو ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ گارڈ اسے پہچان
نہ لے اور ناگ کا ساتھی سمجھ کر اسے گرفتار نہ کرے
آخر ناگ نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔
گاڑی ناگ پور کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہو گئی۔
اگلا سٹیشن ناگ پور ہی تھا۔ عنبر نیچے اتر ہی رہا تھا کہ

لپک کر آ گئی اور اسے ہتھکڑی پہنا کر گرفتار
لیا گیا۔
نہیں ایک آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا

عنبر نے کہا۔
لیکن میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔"
تھانیدار نے کہا۔
قتل تمہارے ساتھی نے کیا ہے۔ اس نے سانپ بن
یک مسافر کو مار ڈالا ہے۔ جب تک اس کا پتا نہیں
تمہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔"
پریشان ہو گیا۔ کم بخت ایک تو ناگ بچھڑ گیا
سے انہوں نے ہتھکڑی ڈال کر پریشان کر دیا
اگر چاہتا تو اسی وقت ہتھکڑی توڑ کر فرار ہو
لیکن اس نے سوچا کہ چلو پولیس والوں کے مہمان
گئے۔ آخر شہر میں کوئی نہ کوئی ٹھکانہ تو تلاش کرنا ہی
تھا۔ بہتر ہے کہ پولیس کے جیل میں رہ جائے۔ ناگ
جائے گا۔
پولیس والوں کے ساتھ تھانے آ گیا۔
پہلے اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ حوالات میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

زمین پر ایک چٹائی بچھی تھی۔ ایک اور قیدی وہاں بیٹھا ہ
ی منہ میں کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس نے عنبر کو تیز آنکھوں سے
دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"کسی کو قتل کیا ہے یا چوری کی ہے؟"

عنبر نے آنکھ مار کر کہا۔

"قتل کیا ہے۔"

قیدی بولا۔ "ارے لعنت ہے تم پر۔ تمہیں معلوم نہیں کہ وہ اناڑی ہے جو چوری کی خاطر کسی انسان کی جان لیتا ہے۔ جان تو خدا کی امانت ہوتی ہے۔ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کی جان لینے کا حق نہیں ہے۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

عنبر نے کہا: "بھائی میں نے تو یوں ہی دل لگی کی خاطر ایسا کہہ دیا تھا۔ اصل میں میں نے کسی کو نہیں مارا۔ ہاں میرے دوست کی ایک آدمی سے لڑائی ضرور ہو گئی تھی۔"

قیدی خاموش ہو گیا۔ عنبر نے پوچھا۔

"یہاں کھانے پینے کو کیا ملتا ہے یار؟"

قیدی نے برا سا منہ بنا کر کہا:

"یہ پوچھنے کیا دیں گے بھلا! بس وہی پتلی سڑی دال ا
ایک جلی ہوئی روٹی۔"

"لعنت ہے۔ میں تو یہ نہیں کھاؤں گا۔"

"تو کیا تم بریانی کھاؤ گے؟"

"اگر تم پسند کرو تو میں بریانی بھی پیدا کر سکتا ہوں۔ مگر ذرا میرے دوست کو آ لینے دو۔"

قیدی زور سے ہنس پڑا۔

"ضرور تم بھی کچھ روز پاگل خانے میں رہ کر آئے ہو بہت خوب! بہت خوب! اگر پاگل خانے رہ کر نہیں آئے تو جب یہاں سے نکلو گے تو پاگل خانے پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

اب ناگ کی بھی سنیئے۔ وہ چڑیا بن کر ریل گاڑی کے انجن کو کوئلے والے ڈبے کے اوپر بیٹھا سفر کر رہا تھا۔ گاڑی ناگ پور پہنچی تو اس نے عنبر کی تلاش شروع کر دی۔ جب تک وہ پلیٹ فارم پر آیا پولیس عنبر کو گرفتار کر کے لے جا چکی تھی۔ ناگ نے چڑیا کے روپ میں ادھر ادھر اڑ کر سارے سٹیشن کو دیکھا مگر عنبر کا کہیں نشان نہ ملا۔ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے سارے شہر کی سیر کر لی۔ کبھی اڑ کر کسی باغ میں جاتا کبھی اڑ کر کسی سڑک اور کسی مکان پر جاتا اور عنبر کو ڈھونڈتا۔ لیکن عنبر اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ ناامید ہو کر واپس آ گیا اور ریلوے سٹیشن کے اوپر سے گذر کر شہر سے باہر [illegible] قلعے کی برجی پر جا کر بیٹھ گیا۔ یہ وہی قلعہ تھا جس میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

راجہ اور رانی رہتے تھے اور جہاں سے ماریا بڑی رانی کو بھگا کر قبر سے باہر والے کھنڈر میں لے گئی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ راجہ اور رانی برجی کے کمرے سے باہر نکل رہے ہیں۔ وہ ان کی باتیں سننے لگا۔ راجہ کہہ رہا تھا۔

"کم بخت بڑی رانی کو اس طرح سے اغوا کیا گیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکی۔

باہر تالا لگا تھا۔ کوئی تالا توڑ کر اندر داخل ہوا اور رانی کو بھگا کر لے گیا۔"

"اف! اب کیا ہو گا۔ بڑی رانی کو ڈھونڈنا بہت ضروری ہے۔"

رانی نے کہا۔ "فکر نہ کرو مہاراج! میں نے سارے نوکروں اور سپاہیوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ بڑی رانی کو ہر حالت میں تلاش کر کے لے آئیں۔ خواہ وہ کسی جگہ ہی کیوں نہ چھپی ہو۔"

راجہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"مہارانی! ایسے لگتا ہے کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ بڑی رانی اب ہمارے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"مہاراج فکر نہ کریں۔ بڑی رانی اس شہر سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی۔ میرے آدمی اسے تلاش کر کے ہی رہیں گے۔"

ناگ چڑیا کی شکل میں برجی کے اوپر بیٹھا راجہ اور رانی کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ ویسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ بس وہ اتنا ہی سمجھ سکا کہ کسی بڑی رانی کو اس قلعے سے اغوا کر لیا گیا ہے لیکن اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ برجی کے اوپر سے اڑ گیا۔ اڑتے اڑتے وہ ایک باغ میں آ گیا۔ یہاں درختوں پر بڑے میٹھے لال لال امرود لگے تھے۔ ناگ نے امرودوں کا مزا چکھا اور دوبارہ اڑنے لگا۔

ناگ کو چڑیا بن کر اڑنے میں بڑا مزا آ رہا تھا۔

اس نے سارے شہر کی سیر کر لی۔ یہ کافی بڑا شہر تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ باغ تھے۔ بڑے بڑے مندر تھے۔ گلیاں تھیں۔ گرجے تھے۔ ناگ اس شہر سے بہت خوش ہوا۔ یہ بڑا خوبصورت شہر تھا۔ اڑتے اڑتے ناگ شہر سے نکل گیا اور ایک پرانے کھنڈر پر جا کر بیٹھ گیا۔ یہ وہی کھنڈر تھا جس کے اندر تہہ خانے میں بڑی رانی چھپی ہوئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مُردے کا بھوت

دوپہر کا وقت تھا۔

ماریا بڑی رانی کو کھانا کھلا کر ابھی ابھی شہر میں عنبر اور ناگ کی تلاش میں گئی تھی۔ بڑی رانی تہہ خانے میں بیٹھی اپنے بیٹے کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ ناگ چڑیا کی شکل میں کھنڈر کے اوپر بیٹھا چاروں طرف چونچ گھما کر تکتا رہا۔ چڑیا بن کر اُسے ہر شے بڑی صاف دکھائی دے رہی تھی اسے زمین پہ روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا گرا ہوا نظر آیا۔ وہ سوچنے لگا اس ویران جگہ پر یہ روٹی کا ٹکڑا کہاں سے آ گیا؟

وہ کھنڈر کی چھت پر سے اُتر کر نیچے آ گیا۔ اس نے روٹی کے ٹکڑے کو چونچ ماری تو معلوم ہوا کہ روٹی بالکل تازہ ہے۔

"یہ تازہ روٹی اس کھنڈر میں کہاں سے آ گئی؟"

ناگ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کسی عورت کے سسکیاں بھرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ ناگ چوکنا ہو گیا۔ وہ ایکدم سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ یعنی پھر سے

ناگ بن گیا۔ اس نے اپنے کان عورت کی آواز پر لگا دیئے۔ عورت ہولے ہولے سسکیاں بھر کر رو رہی تھی۔ ناگ دبے پاؤں کھنڈر میں اس طرف کو چل دیا۔ جدھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ایک جگہ وہ رُک گیا۔ رونے کی آواز نیچے زمین کے اندر سے آ رہی تھی۔ ناگ نے سوچا۔ ضرور اس جگہ کوئی تہہ خانہ ہے اور کسی ڈاکو نے کوئی عورت یہاں قید کر رکھی ہے۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد ناگ نے تہہ خانے کو جانے والا راستہ تلاش کر لیا۔ یہ راستہ تنگ تھا۔ ناگ جھک کر راستے سے گزر گیا۔ نیچے جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اور کونے میں ایک موم بتی جل رہی ہے جس کی دھیمی دھیمی روشنی میں ایک عورت گھاس پر بیٹھی دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دے کر رو رہی ہے۔

ناگ کے پاؤں کی آہٹ سن کر بڑی رانی چونکی۔

اس نے اپنے سامنے ایک آدمی کو دیکھا تو چیخ مار کر بولی۔

"نہیں نہیں۔ مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ لے جاؤ۔ میرا راجکمار آنے والا ہے۔ میرا بیٹا آنے والا ہے۔ دیوی نے کہا ہے کہ وہ اسے لے کر آئے گی۔ وہ اسے زندہ کر دے گی۔"

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے بڑی نرمی سے کہا۔

"ماں جی! ڈریں نہیں۔ میں دشمن نہیں دوست ہوں۔ آپ مجھے بھی اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔ میں تو یہاں سے گزر رہا تھا کہ آپ کے رونے کی آواز نے میرے قدم پکڑ لیئے اور میں یہاں چلا آیا۔ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور اس تہہ خانے میں آپ کو کس نے قید کر رکھا ہے؟"

بڑی رانی نے کہا۔

"بیٹا! میں ناگ پور کے شاہی خاندان کی آخری عورت ہوں۔ یہاں کا قلعہ اور اس کے محل سب میری اور میرے بچے کی ملکیت ہیں۔ اس قلعے کا راجہ ایک ڈاکو ہے جس نے اصلی راجہ کو ہلاک کر کے زبردستی اس پر قبضہ جما رکھا ہے۔ اس نے میرے راج کمار کو مروا دیا۔ اب مجھے بھی مروانے والا تھا کہ ایک دیوی مجھے اٹھا کر یہاں لے آئی۔"

"دیوی! وہ دیوی کون ہے ماں جی؟"

"بیٹا ایک نیک دل عورت ہے۔ وہ کہتی تھی کہ میرا راجکمار بھی اچھا ہو جائے گا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"آپ کا راج کمار کہاں ہے؟"

"بیٹا! اسے سانپ سے ڈسلیا گیا تھا۔ اس کی لاش صندل

میں بند شمشان بھومی میں پڑی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ماں جی! بھلا کبھی مرا ہوا بھی دوبارا زندہ ہوا ہے۔"

بڑی رانی بولی۔

"یہی تو میں اس دیوی سے کہتی ہوں۔ مگر وہ کہتی ہے کہ راجکمار کو سانپ نے ڈسا ہے اور اس کا خون سارے کا سارا ویسے ہی سرد ہو کر جم گیا ہے اس لیے میرا بھائی آ کر اسے ٹھیک کر دے گا۔"

ناگ خوشی سے ایک دم اچھل پڑا۔

"میرا بھائی! ماں جی اس دیوی کو آپ نے دیکھا ہے؟"

بڑی رانی نے کہا۔

"یہی تو مصیبت ہے بیٹا! وہ نظر نہیں آتی۔"

ناگ نے خوش ہو کر کہا۔

"ماں جی! وہ دیوی میری بہن ماریا ہے۔ میں ہی وہ ناگ بھائی ہوں جس کا دیوی انتظار کر رہی تھی۔"

بڑی رانی تو خوشی سے نہال ہو گئی۔

"بیٹا تم ہی وہ بھائی ہو جو میرے بیٹے کو دوبارا زندہ کرو گے! بیٹا کیا میرا راج کمار زندہ ہو جائے گا؟ بولو بیٹا! کیا وہ پھر مجھ سے باتیں کرے گا۔ کیا میں اس کو پھر سے چلتا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھرتا دیکھ سکوں گی؟"

ناگ نے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟ اس کی لاش کس جگہ پر ہے؟"

بڑی رانی نے کہا۔

"دیوی نے کہا ہے کہ میرے مہاراج کمار کی لاش ایک صندوق میں بند شہر کے ایک قبرستان میں دفن ہے اصل جگہ دیوی ہی جانتی ہے۔"

"دیوی ماریا کہاں ہے؟"

"تھوڑی دیر ہوئی مجھے کھانا کھلا کر باہر نکل گئی وہ تمہاری ہی تلاش میں پھرتی رہتی ہے۔ کہتی ہے میرے دو بھائی آنے والے ہیں"

ناگ نے کہا۔

"جی ہاں! ہمارا ایک بھائی اس شہر میں پہنچ گیا ہے مگر وہ تھوڑی دیر بعد آئے گا۔"

پھر اس نے کہا۔

"اچھا بڑی رانی! میں خود شہر جا کر اسے تلاش کرتا ہوں۔"

بڑی رانی نے کہا۔

"بیٹا دیوی تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی پھر تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"مجھے اس کی خوشبو آ جائے گی۔"

اتنا کہہ کر عنبر کھنڈر سے باہر آ کر چیل بن کر اڑ گیا اور شہر یں چکر لگانے لگا وہ سڑکوں پر آ کر نیچے نیچے اڑتا اور غوطہ گا کر پھر نکل جاتا مگر اسے کسی جگہ بھی ماریا نظر نہ آئی بھلا وہ ے کہاں نظر آتی کیونکہ ماریا تو اس وقت کھنڈر میں داخل ہو رہی تھی۔

بڑی رانی کو ماریا کے آنے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ پھر اسے ی آواز سنائی دی۔ بڑی رانی نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"میں ہوں دیوی"

بڑی رانی نے جلدی سے کہا

"دیوی! ابھی ابھی تمہارا بھائی نکل کر گیا ہے۔" ماریا نے وشی سے اچھل کر پوچھا۔

"میرا بھائی! یعنی ناگ آیا ہے! تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہ ناگ ہے؟"

بڑی رانی نے کہا۔

"اس نے خود اپنا تعارف ناگ کہہ کر کروایا تھا وہ کہتا تھا کہ میری بہن ماریا ہے اور میں اسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا بے حد خوش ہوئی۔ بڑی رانی نے بے تاب ہو کر پوچھا

"ویری! کیا وہ میرے راج کمار کو پھر سے زندہ کر سکے گی؟"

"ہاں ہاں بڑی رانی! وہ ضرور ایسا کرے گا اور خدا کے حکم سے اس کی اجازت سے ایسا کرے گا۔ میں اس کی تلاش میں جاتی ہوں۔"

بڑی رانی نے جلدی سے کہا۔

"بھگوان کے لیے مجھے نہ چھوڑ کر جاؤ۔ تمہارا بھائی یہیں آ جائے گا۔"

اتنے میں باہر پھڑ پھڑانے کی آواز آئی۔ ماریا نے کہا۔

"میرا بھائی آ گیا۔ مجھے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔"

وہ بھاگ کر باہر گئی۔ ناگ چیل کا روپ چھوڑ کر پھر سے انسان کی شکل میں آ چکا تھا اور تہہ خانے میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئے۔

"خدا کا شکر ہے آج میں اپنی بہن سے ملا۔"

ماریا نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ خدا نے مجھے اپنے بھائی سے ملا دیا۔"

ناگ اندر آ گیا۔ اس نے ماریا سے پوچھا۔

"ماریا کہو۔ کہ لاش کہاں ہے؟"

ماریا نے بتایا۔ "شمشان بھومی یعنی ہندوؤں کے قبرستان میں۔"

"میرا خیال ہے چل کر لاش کو دیکھنا چاہیے۔"

"ہاں ابھی چلو ناگ۔"

بڑی رانی نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

ماریا نے کہا۔ "بڑی رانی بہتر ہے کہ آپ اسی جگہ چھپا نار کریں۔ شہر میں آپ کا جانا ٹھیک نہیں کیونکہ راجہ کے آدمی ہر طرف آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

بڑی رانی کو کھنڈر کے تہہ خانے میں ہی چھوڑ کر ناگ اور ماریا شمشان بھومی کی طرف چل پڑے۔ ماریا نے اس سے عنبر کے بارے میں پوچھا۔

"عنبر بھائی کہاں ہیں؟"

ناگ نے کہا۔ "وہ بھی اسی شہر میں کسی جگہ ہے۔"

اور پھر ناگ نے ساری کہانی ماریا کو سنائی۔ وہ بڑی ہنسی۔ اس طرح باتیں کرتے کرتے وہ شمشان بھومی پہنچ گئے۔ اس وقت لوگ کسی مردے کو جلانے کے لیے لائے تھے۔ ماریا اور ناگ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے مردے کو لکڑیوں کی چتا پر لٹا دیا۔ پھر اس پر گھی کے کنستر انڈیلے۔ پھر آگ لگا دی۔ آگ ایکدم سے بھڑکنے لگی۔ چتا میں مردہ جلنے لگا لوگ لگے۔ مگر مردے کے رشتہ دار اس کی ہڈیاں لینے کے لیے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس جگہ بیٹھے رہے۔

"میرا خیال ہے اس وقت قبر کھود کر راجکمار کی لاش نکالنا بڑا مشکل ہے۔"

ماریا نے کہا۔ ناگ بولا۔

"ہاں! میرا خیال ہے ہمیں رات کو آنا چاہیئے۔"

"رات ہونے میں بھی تو صرف دو تین گھنٹے باقی رہ گئے ہیں"

ناگ اور ماریا واپس آ گئے اور شہر کی سڑکوں پر پھرتے ر

جب رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تو وہ دونوں سب سے پہلے کھنڈر والے تہہ خانے میں گئے۔ وہاں انہوں نے بڑی رانی کو تسلی دی اور کہا۔

"بڑی رانی! ہم راجکمار کی لاش کو یہاں لانے کے لیے رات کے اندھیرے کا انتظار کر رہے تھے۔ اب اندھیرا پھیل گیا ہے ا لاش لے کر آتے ہیں۔"

رانی نے روتے ہوئے کہا۔

"بیٹے اس کی لاش میری آنکھوں کے سامنے نہ لانا اگ وقت دل ہے تو بیٹے مجھے ہلاک کر دو۔ ہاں اگر تم اسے زندہ کر سکتے ہو تو اسے زندہ کر کے اپنے ساتھ لے آنا۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں جی گھبرائیں نہیں۔ خدا کے فضل سے ہم آپ کا شاہ

ہی لے کر آ جائیں گے۔"

ماریا نے تہہ خانے میں موم بتی روشن کر دی تھی جس کی ہلکی روشنی میں بڑی رانی کا چہرہ بڑا اداس لگ رہا تھا۔ ناگ اور ماریا وہاں سے نکل کر شمشان بھومی میں آ گئے۔ یہاں اب ڈرا دینے والا اندھیرا اور خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا کو محسوس ہوا ہے شمشان کے کتے بھونکنے لگے۔ ان کے بھونکنے کی آواز سن کر ایک مہنت بھی جاگ اٹھا۔ وہ لالٹین لے کر جھونپڑے سے باہر نکلا اور کتے کو پچکار کر بولا۔

"ارے کون ہے یہاں! کیوں بھونک رہا ہے تو؟"

ناگ ایک طرف جھاڑیوں میں ہٹ گیا۔ سرگوشی میں بولا۔

"کم بخت یہ کہاں جاگ پڑا اس وقت!"

"جی! وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

مہنت نے شاید ناگ کی سرگوشی سن لی تھی وہ لالٹین لے کر اس طرف بڑھا جہاں ناگ اور ماریا جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔

ناگ نے ماریا کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"اب تمہاری باری ہے۔ اپنا کام دکھاؤ۔"

ماریا نے زور سے چیخ مار کر کہا۔

"میں اس مردے کا بھوت ہوں جو آج یہاں جلایا گیا ہے خبردار، اگر قدم آگے بڑھایا تو کچا کھا جاؤں گا۔"

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

مہنت تھر تھر کانپنے لگا۔ کتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ ماریا نے ایک اور چیخ ماری تو کتا اور مہنت دونوں وہاں سے ایسے بھاگے کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

ناگ نے کہا۔

"اب کام شروع کرتے ہیں۔"

ماریا ناگ کو ساتھ لے کر شمشان کے عقب میں اس مقام پر لے گئی جہاں اس نے زمین میں راجکمار کی لاش کا صندوق دفن کر رکھا تھا۔

سفید سانپ

ناگ نے کدال کی مدد سے قبر کھود ڈالی۔

اندر صندوق نکل آیا۔ ناگ نے ڈھکنا اٹھا کر دیکھا۔ راجکمار مرا تھا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ اسے بڑے خطرناک سانپ نے سا تھا۔ لیکن یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ خون بہا نہیں تھا بلکہ جم ا تھا۔ اس سانپ کے زہر کا اثر ٹھنڈا تھا۔ جس کی وجہ سے ون جم گیا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"یہ بچ جائے گا۔ لیکن اسے یہاں سے اٹھا کر کسی دوسری لے جانا ہوگا۔"

ماریا نے کہا۔ "ناگ! یہاں سے لے جانا بڑا مشکل ہے ایسا انتظام نہیں ہو سکتا کہ اسی جگہ اس کا زہر نکال دیا جائے؟"

ناگ نے کہا۔ "میں کوشش کروں گا۔ اسے سب سے پہلے ایسے سانپ سے کٹوانا ہوگا جس کا زہر گرم ہوگا اس زہر سے اس کا سارا خون پھر سے نیلا ہو جائے گا۔ اس کے بعد نپ کو بلوانا ہوگا جس نے پہلے اسے کاٹا تھا۔"

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

"تو کیا یہ اسی جگہ نہیں ہو سکتا؟" ماریا نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے مگر خطرہ ہے کہ کوئی آدمی یہاں آ کر ہمارا کام خراب نہ کر دے۔"

ماریا نے کہا۔ "یہاں جو بھی آئے گا میں اسے بھگا دوں گی۔ تم کام شروع کر دو۔"

"بہت اچھا۔"

ناگ نے صندوق کے قریب بیٹھ کر منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے دس بارہ منتر ہی پڑھے ہوں گے کہ شمشان یعنی قبرستان میں ایک چیخ بلند ہوئی۔ اس چیخ کی آواز سن کر ماریا تو کانپ گئی۔

"یہ کس کی آواز تھی؟"

ناگ نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کوئی شخص یہاں چھپا ہوا ہے۔"

اتنے میں آواز آئی۔ "تم کون ہو جو مردے کی لاش باہر نکال رہے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "تم کون ہو؟"

آواز نے کہا۔ "میں اس مردے کا بھوت ہوں جسے رات یہاں جلایا گیا تھا۔"

ماریا نے کہا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

بھوت نے کہا۔ "میں اس شخص کا خون پینا چاہتا ہوں

ں لاش کو کھانے آیا ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ یہاں سے ں جاؤ۔ نہیں تو تمہیں ایک بار پھر آگ میں ڈال کر ہمیشہ کے ے بھسم کر دوں گا۔"

بھوت نے قہقہہ لگایا۔ "تمہاری یہ ہمت! اچھا ابھی تمہیں ی گستاخی کا مزا چکھاتا ہوں۔"

اور بھوت نے اس کے ساتھ ہی ایک درخت اکھاڑ کر ں پر پھینک دیا۔

ماریا نے کہا۔ "ناگ بھائی! اس بھوت کو ختم کر دو۔"

ناگ نے بھوت کو مارنے والے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر میں بھوت نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"معاف کر دو۔ مجھے آگ میں نہ جلاؤ۔ ارے مر گیا۔ ارے معاف کر دو۔ اب کبھی یہاں نہیں آؤں گا۔"

ناگ نے کہا۔ "نہیں۔ میں تمہیں بھسم کر کے ہی چھوڑ دوں گا کہ تم یہاں آنے والے لوگوں کو تنگ کیا کرو گے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

بھوت بولا۔ "میں ساری عمر تمہارا غلام بن کر زندہ رہوں گا۔ میں تمہارے بڑے بڑے کام آؤں گا۔ تم مجھ سے جو کام لو گے خوشی سے تمہاری مدد کروں گا۔ بھگوان کے لیے مجھے نہ مارو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تو پھر یہ صندوق قبر سے نکال کر باہر لے آؤ۔"

اسی وقت قبر میں سے صندوق اپنے آپ نکل کر باہر آ گیا۔ ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کام تو بڑا اچھا ہوا ناگ بھیا!"

بھوت نے کہا۔ "یہ کیسی لڑکی ہے جو انسانوں کی طرح باتیں کرتی ہے مگر بھوتوں کی طرح دکھائی نہیں دیتی؟"

ناگ نے کہا۔ "اس کا نام ماریا ہے۔ یہ میری بہن ہے۔ اسے ایک درویش نے آج سے ہزاروں برس پہلے غائب کر دیا تھا۔ یہ تب سے ایسی ہے۔ ہمارا ایک بھائی عنبر ہے۔ وہ اسی شہر میں کسی جگہ ہے۔ ذرا اس کام سے فارغ ہو جائیں۔ پھر تمہیں اس سے بھی ملائیں گے۔"

بھوت نے کہا۔ "اچھا تو مجھے اجازت دیں۔ یہ لیں میری نشانی۔"

بھوت نے ایک انگوٹھی ناگ کی طرف پھینکی۔ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس میں ایک زمرد پڑا تھا۔

"جس وقت آپ کو میری ضرورت پڑے۔ اس انگوٹھی کو کسی شے سے زور سے رگڑ دیں۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

ناگ نے انگوٹھی اٹھا کر انگلی میں ڈال لی اور دوبارہ منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ پندرہ منٹ اسے منتر پڑھتے گزرے تھے کہ اندھیرے میں ایک سانپ نمودار ہوا۔ جس نے آگے آ کر ناگ کے آگے سر جھکا دیا۔ ناگ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سنو! اس لاش کو کاٹو اور واپس چلے جاؤ۔"

سانپ نے سر جھکا دیا۔ پھر اٹھا اور لاش کے ٹخنے پر منہ رکھ کر اسے ڈس دیا اور چپکے سے سر جھکا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کے ڈسنے سے راجکمار کے سارے جسم میں جما ہوا خون پھر سے گردش کرنے لگا۔ لاش کو پسینہ آ گیا۔ ناگ نے دوبارہ زور شور سے منتر پڑھنے شروع کر دیئے اور ایک طرف سے پھنکار کی آواز سنائی دی۔ ماریا ناگ کے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک سفید سانپ اپنا پھن اٹھائے چلا آ رہا ہے۔ ناگ کے قریب آ کر سانپ نے اپنا پھن جھکا کر ناگ کو سلامی دی۔

ناگ نے کہا۔ "اے سنگچور سفید! کیا تو نے اس شخص کو ڈسا تھا؟"

سانپ نے کہا۔ "ہاں ناگ دیوتا! یہ غلطی مجھ سے ہو گئی تھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ آپ کا اپنا آدمی ہے"

ناگ نے کہا۔" تم سے جو غلطی ہونی تھی وہ ہو گئی۔ اب ایسا کرو کہ اس شخص کے جسم سے اپنا سارا زہر واپس کھینچ کر یہاں سے دفعہ ہو جاؤ"

" جو حکم عظیم دیوتا!"

اور سفید سانپ نے اپنا منہ راجکمار کی لاش کی گردن سے لگا کر اس کے خون میں سے زہر چوسنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے سانپ نے راجکمار کے سارے بدن کا زہر چوس لیا۔ پھر اس نے ادب سے کہا۔

" اجازت ہے ناگ دیوتا؟"

" ہاں! بھاگ جاؤ۔ یہاں سے اور پھر کبھی اپنی شکل نہ دکھانا مجھے"

سفید سانپ پیچھے سے دم دبا کر وہاں سے بھاگ گیا۔

ماریا نے کہا۔" ابھی اسے کتنی دیر میں ہوش آئے گا! یہ تو بالکل لاش کی طرح پڑا ہے"

ناگ نے کہا۔" ابھی ہوش آ جائے گا۔ زہر تو اس کے جسم سے سارا نکل چکا ہے"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ راجکمار کے جسم میں حرکت

ہوئی اور اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ماریا نے خوش ہو کر کہا

" یہ زندہ ہو گیا!"

" ہاں! ابھی اسے پوری طرح ہوش آ جائے گا"

راجکمار گہرے گہرے لمبے سانس لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور اوپر دیکھا۔ اسے ناگ کی شکل نظر آئی۔ بڑی کمزور آواز میں بولا۔

" پانی!"

ناگ نے پہلے ہی سے ایک کٹورہ پانی کا بھر کر پاس رکھ چھوڑا تھا۔ اس نے پانی کا کٹورا راجکمار کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ راجکمار سارے کا سارا پانی پی گیا۔ پانی پی کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

" میں کہاں ہوں؟"

ناگ نے کہا۔" تم اپنے ہمدرد کے پاس ہو"

راجکمار نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

" مجھے شاید سانپ نے ڈس دیا تھا"

" ہاں۔ اور اب تم اچھے ہو گئے ہو"

" لیکن۔ لیکن میں اس صندوق میں کیسے آ گیا؟"

ناگ نے کہا" تمہارے دشمنوں نے تمہیں ہلاک کروانے کی کوشش کی تھی اور اس صندوق میں بند کر دیا تھا۔ جب نے منتر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چھو کر تمہیں پھر سے اچھا کر دیا ہے۔ اب تم ہنسی خوشی دوبارا زندگی بسر کر سکو گے۔"

راجکمار نے کہا۔ "میری ماتا جی کہاں ہیں؟"

"وہ بھی اسی شہر میں ہیں اور تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ فکر نہ کرو۔ ہم ابھی تمہیں ان کے پاس لیے چلتے ہیں۔"

اس کے بعد ناگ نے راجکمار کو صندوق میں سے باہر نکال کر پتھروں پر لٹا دیا۔ ماریا نے کہا۔

"راجکمار بھائی! اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

راجکمار نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"یہ کس کی آواز تھی؟ یہ لڑکی کون تھی؟ مجھے تو کہیں دکھائی نہیں دیتی؟"

ناگ نے کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ لڑکی میری بہن ماریا ہے۔ تم اسے دیوی بھی کہہ سکتے ہو۔ یہ جادوگرنی ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ تم صرف اس کی آواز سن سکتے ہو۔ اسی نے تمہاری جان بچائی ہے اور تمہاری ماتا جی کو موت کے منہ سے بچایا ہے۔"

"کیا مطلب؟" راجکمار نے حیرانی سے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔ "سب ناگ پور والے قبیلے کی گدی کا جھگڑا تھا بھائی! یہاں کے سردار راجو نے پہلے تمہیں سانپ سے ڈسوا کر مروانے کی کوشش کی اور پھر تمہاری ماتا جی کو اغوا کر کے قلعے میں ڈال دیا۔ ہماری بہن ماریا کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے تمہاری ماتا کے بین سنے تو انہیں وہاں سے فوراً نکال کر ایک جگہ کھنڈر میں لا کر چھپا دیا۔ اب اسے میری تلاش تھی کیونکہ میں ایسا منتر جانتا ہوں۔ جس کی مدد سے سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ بس میں نے آ کر منتر پڑھا۔ تمہارے اندر پھیلا زہر ختم کر دیا اور اب تم پھر سے بھلے چنگے ہو گئے ہو۔ تمہاری ماتا جی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ۔"

ماریا نے پوچھا۔ "کیا تم چل سکو گے راجکمار؟"

راجکمار نے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ دور تک نہ چل سکا۔ ابھی اس کے بدن میں کافی کمزوری تھی۔ ماریا نے کہا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں سواری لے کر آتی ہوں۔"

"آدھی رات کو تم سواری کہاں سے لاؤ گی ماریا!"

ناگ نے پوچھا۔ ماریا نے کہا: "تم لوگ اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں ابھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرتی ہوں۔"

ناگ نے راجکمار کو پھر سے لٹا دیا۔ ماریا جلدی سے شمشان گھاٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ ذرا دور جا کر اس نے دیکھا کہ ایک پکے مکان کے باہر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ گھوڑا ذرا فاصلے پر بندھا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس گاڑی کو لے چلے۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

پھر خیال آیا کہ کسی غریب آدمی کی گاڑی ہے تو بے چارہ پریشان ہو گا۔ ابھی وہ سڑک پر کھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ اسے دور سے روشنی نظر آئی۔

شاید کوئی موٹر کار یا ٹرک چلا آ رہا تھا۔

بس۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ ماریا روشنی کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد روشنی قریب آ گئی۔ یہ ایک موٹر کار تھی۔ ماریا نے سڑک کے بیچ میں پہلے ہی سے ایک بڑا سا پتھر لا کر رکھ دیا تھا۔ کار قریب آ کر رک گئی۔

"یہ کس بدبخت نے پتھر یہاں پھینک رکھا ہے؟"

اندر سے ایک خوفناک چہرے والے آدمی نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ ایک اور آدمی بھی باہر آ گیا۔ کار میں یہ دونوں خوفناک چہروں والے آدمی ہی بیٹھے تھے۔

"پکڑو اور اٹھاؤ اس پتھر کو۔ ہمیں دیر ہو جائے گی۔ رات گزر گئی تو ہم ڈاکہ نہ ڈال سکیں گے۔ آج کی رات ڈاکے کے لئے بڑی اچھی رات ہے۔"

ماریا سمجھ گئی کہ ڈاکو جیں الاکس کے گھر ڈاکہ ڈالنے جا رہے ہیں۔ پہلا بولا۔

"پتھر الگ کرو گے یا گولی مار دو گے اسے؟"

وہ پتھر ایک طرف ہٹا رہے تھے۔ دوسرا بولا۔

"فکر نہ کرو۔ آج اس شخص کے سارے خاندان کو ہلاک کر دوں گا۔ سونا بھی لوٹ لوں گا اور سب کو ختم بھی کر دوں گا۔"

ماریا نے دل میں کہا کہ ان لوگوں کی گاڑی ضرور چھین لی جانی چاہیے۔ بلکہ انہیں بھی ختم کر دینا چاہیے تاکہ ایک بے چارے خاندان کی زندگی بچ سکے۔ یہ سوچ کر ماریا گاڑی کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ہاتھ کار کے اندر ڈال کر اس کا ہارن بجایا۔ ہارن کی آواز سن کر دونوں ڈاکوؤں نے تعجب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اندر کون ہے؟"

"اندر تو کوئی نہیں۔"

"پھر یہ ہارن کس نے بجایا؟"

"میرا خیال ہے اپنے آپ بج اٹھا ہو گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

ماریا نے ایک بار پھر ہارن بجایا۔ اب دونوں کے ہوش اڑ گئے۔ بھاگ کر کار کے پاس آئے۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

"یہ ہارن کون بجا رہا تھا؟"

دوسرا ڈاکو ڈر کر بولا۔ "آدھی رات کا وقت ہے۔ سنسان علاقہ ہے۔ ضرور یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے۔ بھاگو یہاں سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیکن اب وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ماریا نے پورا بندوبست کر لیا تھا۔ دونوں ڈاکو جلدی سے کار میں سوار ہونے ہی لگے تھے کہ ماریا نے ایک ڈاکو کے سر پر اتنے زور سے پتھر مارا کہ وہ چکرا کر اور بے ہوش ہو گیا۔ دوسرا ڈاکو گھبرا کر ایک طرف بھاگا۔ ماریا نے اس کے پیچھے زور سے پتھر مارا۔ جو اس کے سر میں لگا اور وہ اسی جگہ گر کر بیہوش ہو گیا۔ ماریا نے دونوں کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی اور بڑے بڑے پتھر ڈال دیئے۔

اس کے بعد ماریا نے کار سٹارٹ کی اور نخلستان جھوک کے پاس لے آئی۔ راجکمار اور ناگ ماریا کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ انہوں نے کار کو دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔

ناگ نے کہا۔ "تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ کار کہاں سے اڑائی ہے؟"

ماریا نے ہنس کر کہا۔ "بس اڑا لی کہیں سے۔ اب جلدی سے راجکمار کو اس میں بٹھا دو۔"

دونوں نے مل کر راجکمار کو کار کے پیچھے لٹا دیا۔ ناگ آگے بیٹھا۔ ماریا نے کار سٹارٹ کی اور اسے نخلستان سے لے کر اس کھنڈر کے باہر لا کر کھڑا کر دیا جس کے تہ خانے میں راجکمار کی ماتا اس کا انتظار کر رہی تھی۔

شیر کا حملہ

بڑی رانی نے کار کی آواز سن لی تھی۔

اتنے میں ناگ اندر داخل ہوا۔ اس نے راجکمار کو سہارا ے رکھا تھا۔ اپنے بیٹے کو دیکھ کر بڑی رانی خوشی سے ل ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ اسے گلے لگا کر دیر تک پیار تی اور روتی رہی۔

"میرے لال! تجھے کس کی نظر لگ گئی تھی۔ خدا نے ہم پر ہم پھر سے زندہ ہو گئے۔"

راجکمار نے کہا۔ "ماتا جی! خدا کا شکر ہے کہ پھر سے آپ شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔"

ناگ نے کہا۔ "راجکمار! تم لیٹ کر آرام کرو۔ تمہیں ابھی آرام ضرورت ہے۔"

ماریا نے کہا۔ "اس جگہ آرام نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف راجکمار وجہ سے یہاں بیٹھے تھے۔ راجکمار مل گیا ہے۔ اب ہمیں یہاں سے کسی اچھی جگہ جانا چاہیے تاکہ راجکمار کو زیادہ سے آرام ملے اور یہ پھر سے صحت مند ہو جائے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ نے کہا۔ "تمہارے خیال میں ایسی جگہ کونسی ہو سکتی ہے"

ماریا نے کہا۔ "یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اس شہر میں ہم کسی بڑے اونچے اور اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں بھی ٹھہر سکتے ہیں"

ناگ بولا۔ "بڑا اچھا خیال ہے۔"

بڑی رانی نے کہا۔ "مگر بیٹا اس خبیث راجے کو پتا نہ چل جائے کہیں وہ پھر سے میرے بیٹے کو مروا دے گا۔"

ماریا نے کہا۔ "بڑی رانی! آپ گھبرائیں نہیں۔ راجے کے باپ کو بھی پتا نہیں لگے گا کہ ہم کہاں ہیں"

بڑی رانی نے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم واپس اپنے شہر چلے جائیں؟"

ناگ نے کہا۔ "بڑی رانی! اگر آپ واپس چلے گئے تو راجہ کو فوراً پتہ چل جائے گا۔ اس کے جاسوس آپ کے شہر میں تو آپ کے گھر کا باقاعدہ پہرہ دے رہے ہوں گے۔ جوں ہی آپ وہاں پہنچیں گے۔ راجہ کو اطلاع مل جائے گی اور وہ آپ لوگوں کو کسی نہ کسی طرح ہلاک کروا دے گا۔ اس لیے ماریا کا خیال ٹھیک ہے کہ ہمیں اس شہر کے کسی بڑے اعلیٰ اور دور دراز ہوٹل میں کچھ دن آرام کرنا چاہیے۔"

راجکمار نے کہا۔ "لیکن ہم کب تک راجہ سے ڈرتے رہیں گے۔ اس طرح تو ہم جب بھی اپنے شہر جائیں گے۔ راجہ ہمیں قتل کروا دے گا۔

اس راجہ گدی اور قلعے پر میرا حق ہے۔ مجھے اس سے لڑ کر اپنا حق واپس لینا ہو گا۔"

ماریا نے کہا۔ "تمہیں لڑنے کی ضرورت نہیں راجکمار! آؤ ہم کس لیے ہیں۔ ذرا تم صحت مند ہو جاؤ۔ باقی سارا کام میں اپنے آپ ہی کر لوں گی۔"

ناگ نے کہا۔ "تو پھر صبح صبح ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اس کار کے پیچھے بھی تو پولیس لگ جائے گی۔"

"فکر کی کوئی بات نہیں عنبر بھائی! سب ٹھیک ہو جائیگا۔ میں منہ اندھیرے یہاں سے نکل کر ہوٹل تلاش کروں گی اور پھر تم لوگ وہاں پہنچ جانا۔"

منہ اندھیرے ماریا تہہ خانے والے کھنڈر سے نکل کر گاڑی میں بیٹھی اور اسے سٹارٹ کر کے شہر کے دور دراز علاقوں میں گھومنے پھرنے لگی۔ اب اسے خیال آیا کہ اس نے خود آ کر غلطی کی۔ کیونکہ اسے تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جلدی سے واپس آ گئی۔ ابھی سڑکوں پر اندھیرا تھا اور لوگ نہیں نکلے تھے۔ نہیں تو ابھی گاڑی دیکھ کر جس کا ڈرائیور ہی کوئی نہ ہو سارے لوگ وہاں جمع ہو جاتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور شہر میں تماشہ بن جاتا۔ واپس آ کر ماریا نے ناگ سے کہا۔

"بھائی! میں تو بھول ہی گئی تھی کہ خود کسی سے بات نہیں کر سکتی۔ میں نے کسی ہوٹل والے سے کمرے کا پوچھا تو وہ کمرہ دینے کی بجائے غش کھا کر گر پڑے گا۔"

"ہا ہا ہا" ناگ ہنسا۔ "میں جانتا تھا تم واپس آ جاؤ گی۔"

"اچھا اب ذرا جلدی جاؤ اور کسی اچھی جگہ کا بندوبست کر کے واپس آؤ۔"

"ابھی جاتا ہوں بہن"

اتنا کہہ کر ناگ نے کار سٹارٹ کی اور شہر میں آ گیا۔ اب دن چڑھ آیا تھا۔ وہ گھومتے پھرتے کافی دور نکل گیا۔ یہاں پہاڑیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ناگ نے دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر ایک بڑی خاموش اکیلی سی عمارت بنی ہوئی تھی۔ ناگ نے سوچا۔

"یہ جگہ ٹھیک رہے گی۔ ان لوگوں کے آرام کرنے کے واسطے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ عمارت کوئی ہوٹل ہے یا کیا ہے؟ اگر سرکاری دفتر ہوا تو پھر کیا ہو گا۔ ویسے جگہ بڑی مناسب ہے۔ شہر سے الگ تھلگ ہے بالکل۔"

یہ باتیں سوچتے ہوئے ناگ کار لے کر اس عمارت کے قریب آ کر ایک جگہ رک گیا۔ درختوں کے نیچے اس نے

کار کھڑی کی اور خود اس عمارت کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے باہر ایک بورڈ لگا تھا جس پہ لکھا تھا۔

"رائل ہوٹل"

ناگ بڑا خوش ہوا۔ اس کی دلی مراد بر آئی تھی۔ اس نے ہوٹل کی لابی میں جا کر کاؤنٹر پہ دیکھا کہ ایک خوش پوش کٹے ہوئے بالوں والی لڑکی کھڑی فون پر کسی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔

"جی ہاں نواب صاحب! میں ابھی ابھی ڈیوٹی پر آئی ہوں۔ شکریہ! جی نہیں۔ اس وقت تو ہوٹل میں کوئی کمرہ نہیں ہے۔ بہر حال میں کوشش کروں گی۔ اگلے ہفتے ہونے لگا پورا سیٹ۔"

ناگ خاموشی سے کھڑا رہا۔ اس کا لباس معمولی پتلون اور قمیص تھا۔ پاؤں میں چپل تھی۔ فون بند کر کے لڑکی نے ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ کچھ متاثر نہ ہوئی۔ سوچنے لگی یہ کوئی صفائی وغیرہ کرنے والا ہو گا۔

"جی فرمائیے! میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

ناگ نے کہا: "مجھے ہوٹل میں تین کمروں کا ایک سیٹ چاہیے۔"

لڑکی نے ایک بار پھر ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

اور نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

ناگ نے کہا: "میں اپنے ماں باپ کے ساتھ مدراس سے آیا ہوں۔"

لڑکی نے کہا۔ "تو پھر کسی سرائے میں جگہ نہیں ملی؟"

"کیا مطلب؟" ناگ نے پوچھا۔

لڑکی نے کہا: "میرا مطلب ہے کہ اس شاہی ہوٹل میں اوّل تو جگہ ہی نہیں ہے اور اگر جگہ ہوتی بھی۔ آپ اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ اس ہوٹل میں نواب، راجہ مہاراجہ اور کمشنر اور لارڈ آ کر ٹھہرتے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے اس کے ایک کمرے کا روزانہ کرایہ کیا ہے؟"

"کیا ہو گا؟"

لڑکی نے کہا: "ایک ہزار روپیہ روزانہ۔ کیا آپ دے سکتے ہیں؟"

ناگ نے بڑے آرام سے کہا۔ "جی ہاں میں دے سکتا ہوں۔ کہیے تو ابھی ادا کر دوں؟"

لڑکی سمجھ گئی کہ یہ کوئی چور اچکا ہے یا کوئی فراڈی

یکیں سے مار دھاڑ کر کے سات آٹھ ہزار روپے ے اور اب یہاں ٹھہر کر کوئی دوسرا فراڈ کرنا چاہتا اس قسم کے لوگ اکثر ان کے ہاں آتے رہتے ہیں یہ لوگ کبھی ہوٹل میں جگہ نہیں دیتے تھے۔ لڑکی ے کہا۔

"معاف کیجیے گا۔ ہمارے پاس کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔"

ناگ نے کہا: "دیکھیے مجھے ایک کمرے کی سخت ضرورت میری ماں اور بھائی بیمار ہے۔"

لڑکی نے کہا: "تو پھر آپ انہیں شہر کے کسی دوسرے ل میں جگہ لے دیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ آپ اسی ہوٹل ٹھہرنا چاہتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اصل میں یہ بڑی خوبصورت جگہ ہے مجھے ہے کہ میری ماں اور بھائی اس جگہ بڑی جلدی اچھے وئیں گے۔"

لڑکی جھنجھلا گئی تھی۔ تنگ آ کر بولی۔

"ناب آپ سے کہہ دیا ہے کہ کمرہ نہیں ہے۔ اب تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

اس نے گھنٹی بجا کر بیرے سے کہا۔

"صاحب کو باہر کا راستہ دکھا دو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہیرا آگے بڑھا اور اس نے ناگ کو بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ ناگ نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اپنی ایک جھلک ہیرے کو دکھا دی۔ ہیرے نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک زبردست شیر نمو ہوا۔ اس نے زور سے گرج ماری اور پھر غائب ہو گیا۔ ہیرا دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ لڑکی گھبرا گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہیرے کو اٹھاتی۔ ناگ نے قریب آ کر لڑکی کی آنکھوں میں گھور کر کہا۔

"کیا اب بھی مجھے کمرہ ملے گا کہ نہیں؟"

لڑکی نے کہا: "ہاں۔ ہاں۔"

اور جیسے کسی جادو کے اثر سے دراز میں سے ایک چابی نکال کر ناگ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"دوسری منزل۔ بارہ نمبر کمرہ ہے"

"شکریہ۔"

ناگ چابی لے کر اوپر چلا گیا۔ لڑکی نے دوسرے بیروں کو بلایا اور بے ہوش ہیرے کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ ہوش میں آیا تو لڑکی نے پوچھا

"کیا ہوا تھا تمہیں؟"

ہیرے نے خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ پر ایک شیر نے حملہ کیا تھا۔"

لڑکی نے گہرا سانس لیا۔ دل میں سوچا۔ یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔ ضرور اسے مرگی کا دورہ پڑا ہو گا۔ ہیرا کہے جا رہا تھا۔

"وہ آدمی شیر ہے۔ اس کا چہرہ ایکدم سے شیر بن گیا تھا۔ شیر نے مجھ پہ حملہ کیا تھا۔"

ہیرے اسے اٹھا کر اندر لے گئے۔ لڑکی نے مالک کو فون کر دیا۔ اس نے آ کر سارے حالات سنے اور لڑکی سے کہا

"اگر یہ پاگل ہے تو تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم نے اس شخص کو یونہی چابی تھما دی اور کمرہ دے دیا۔ کیا تم نے اس سے ایڈوانس لیا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

لڑکی نے کہا: "خدا جانے اس کی آنکھوں میں ایسی کشش تھی کہ مجھ پر جیسے کسی نے جادو سا کر دیا۔"

مالک نے سر پکڑ لیا۔ "ارے بند کر دو یہ بک بک اور جاؤ ابھی اوپر جا کر اس شخص سے پندرہ دنوں کا کرایہ ایڈوانس لو۔ نہیں تو میں ابھی تمہیں نوکری سے برخاست کر دوں گا۔"

لڑکی اوپر جانے ہی والی تھی کہ انہیں ناگ سیڑھیاں اترتے نظر آیا۔ جب وہ قریب آیا تو مالک نے آگے بڑھ کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کا راستہ روک لیا۔

"معاف کیجیے گا۔ اگر آپ کو میری کلرک نے کمرہ دے بک دیا ہے تو آپ کو ہمارے اصول کے مطابق پندرہ دنوں کا ایڈوانس یعنی پندرہ ہزار روپے اسی وقت ادا کرنے ہوں گے۔ نہیں تو آپ چابی ہمارے حوالے کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں۔"

ناگ مسکرایا۔ "بس اتنی سی بات ہے۔ جس کے لیے آپ نے شور مچا رکھا ہے۔"

ناگ نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا لفافہ نکالا۔ اسے کاؤنٹر پر رکھا۔ اس میں سے سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر گننے لگا۔ جب پندرہ ہزار روپے پورے ہو گئے تو انہیں مالک کی طرف بڑھا کر بولا۔

"یہ لیجیے پندرہ دنوں کا کمرے کا کرایہ اور کچھ لینا ہو تو بتا دیجیے۔"

مالک خاموش رہا۔ اس نے روپے لے کر الماری میں رکھے اور رسید لکھ کر دے دی۔ وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی چور اچکا ہے۔ کہیں سے ڈاکہ مار کر پیسے لایا ہے اور یہاں رہ کر کسی دوسرے ڈاکے کی تیاریاں کرے گا۔ لیکن بہرحال اسے کمرہ دیا جا چکا تھا۔

ناگ چلا گیا تو مالک نے سب بیروں کو بلا کر کہا۔

"شخص مجھے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آپ لوگ خبردار رہیں۔ ذرا سا بھی کوئی الٹی سیدھی بات دیکھیں تو راً مجھے فون کر دیں۔"

"بہت اچھا جناب۔"

ناگ گاڑی میں بیٹھ کر واپس کھنڈر میں آ گیا۔

"چلو بھئی! بڑی خاموش جگہ پر ایک ہوٹل میں کمرہ مل گیا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

اسی وقت انہوں نے بڑی رانی اور راجکمار کو گاڑی میں ڈالا ی سٹارٹ کر کے رائل ہوٹل والی پہاڑی میں آ گئے۔ کمرہ منزل میں تھا۔ کافی بڑا کمرہ تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ بالکل ل کا کمرہ لگتا تھا۔ قالین بچھے تھے۔ ریشمی پردے پڑے تھے۔ ماریا نے بڑی رانی اور راجکمار کو بستروں پر لٹا دیا۔ ماریا کہا۔

"ناگ! ان کے لیے کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی طاقت ائی چاہیے۔"

"بھی جا کر لے آتا ہوں۔ لیکن پہلے انہیں بہترین کھانا تو نا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔"

ناگ نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلایا اور کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"جتنی جلدی ہو سکے چار آدمیوں کے لیے مرغ کی یخنی رائتہ، بھنا ہوا مرغ، پلاؤ، بریانی، زردہ، باداموں کی برفی، کر اور پھل لے کر آؤ۔"

بیرے نے کہا: "ابھی لایا حضور!" پھر پلٹ کر بولا۔

"مگر حضور آپ تو تین آدمی ہیں۔ چوتھا آدمی کہاں ہے؟"

اب ناگ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ جھٹ بولا۔

"ہمارا ایک مہمان ابھی آنے والا ہے۔"

ایپا کی ہنسی نکل گئی۔ اس ہنسی کی آواز بیرے نے سنی تو چونک ادھر ادھر دیکھا کہ شاید وہ عورت ہنسی ہے جو بستر پر لیٹی ہے مگر بڑی را بالکل خاموش تھی۔ بیرا کچھ پریشان سا ہو کر جلدی سے باہر نکل گیا۔ ماریا نے

"بھئی ناگ بھیا! آپ بھی بڑے سیکڑ ہیں۔ یہ بھی نہ سوچا چوتھا آدمی کہاں سے پیدا کرو گے؟"

راجکمار نے کہا: "میرا خیال ہے۔ بیرے کو کچھ شک پڑ گیا"

"ارے اس قسم کی باتوں کا فکر نہ کریں۔ آپ ڈٹ کر کھانا کھا

بڑی رانی نے کہا: "بیٹا تم اتنے روپے کہاں سے لا کر خر کرو گے؟ اچھا میں اپنے شہر جا کر تمہاری ایک ایک پائی ادا کر دوں

ناگ نے کہا: "بڑی رانی! میں بھی آپ کا بیٹا ہوں۔ بھی تو خدمت کرنے کا موقع دیں۔"

•

لاش غائب

ٹر دوائی لینے چلا گیا۔

کمرے میں راجکمار، بڑی رانی اور ماریا اکیلے رہ گئے۔ کاؤنٹر لی لڑکی کو ایک ٹیلیفون آیا۔ کوئی مرد دوسری طرف بول رہا تھا

"ہیلو! رائل ہوٹل؟"

جی ہاں! فرمائیے!"

لیجئے یہاں کوئی مسافر آ کر ٹھہرے ہیں؟"

یہاں تو ہر روز مسافر آ کر ٹھہرتے ہیں"

نہیں۔ میرا مطلب ہے ان دنوں کوئی ادھیڑ عمر عورت آپ کے ہوٹل میں آ کر ٹھہری ہے؟"

یہاں تو ہر روز کوئی نہ کوئی ادھیڑ عمر عورت آ کر ٹھہرتی ہے"

شکریہ۔"

ٹیلیفون بند کر دیا گیا۔ لڑکی نے سوچا کوئی احمق دوسری طرف بول رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف کوئی احمق نہیں تھا بلکہ بہرام خاص جاسوس جسے راجہ نے بڑی رانی کو ڈھونڈنے کے پر مقرر کیا تھا۔ اس شخص نے بڑی رانی کے شہر

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

والے مکان کے ارد گرد بھی اپنے آدمی پھیلا دیئے تھے تا جونہی بڑی رانی اگر وہاں پہنچے تو اُسے فوراً اطلاع کر دی ج بہرام نے شہر کے سارے ہوٹلوں میں فون کر کے پتہ کرا لیا تھا اب رائل ہوٹل بھی اس نے نوٹ کیا تھا۔

راجہ نے کہا "اتنے اونچے ہوٹل میں اسے ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بڑی رانی اس شہر میں نہیں ہے، وہ ضرور کسی دوسرے شہر جا چکی ہے۔"

بہرام نے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ اسی شہر میں کسی جگہ چھپی ہے اور اس کے ساتھ جو آدمی ہے وہ آپ پر حملہ کر کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

راجہ گھبرا کر بولا "کیا کہا؟ مجھ پر حملہ کرنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ اگر آپ کی راہ میں بڑی رانی ایک رکاو ہے تو اس کی راہ میں آپ سب سے بڑی رکاوٹ اور پ آپ نے تو بڑی رانی کی راج گدی پر قبضہ کیا ہے۔"

"ہوں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پھر اس کا کیا علاج کیا جا

بہرام نے کہا "بس مجھے ذرا پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہے اس کے بعد رانی کو راستے سے ہٹانا کوئی مشکل کام نہیں ہو

"پھر اب تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟"

یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

اتنا کہہ کر بہرام جاسوس باہر نکل گیا۔ یہ بڑا شاہی جاسوس تھا۔ اس نے بڑے بڑے لوگوں کو پکڑا تھا اور اس کی گردن پر کئی لوگوں کا خون بھی تھا۔ ہمیشہ اونچے لوگوں کے لیے کام کرتا تھا اور ہزاروں روپے فیس کے لے لیتا تھا۔ قتل تو ایسی ہوشیاری سے کرتا تھا کہ ذرا سا بھی ثبوت نہیں مل سکتا تھا۔ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ مرنے والے نے خودکشی کی ہے۔ اب وہ بڑی رانی کے پیچھے لگ گیا تھا۔ مگر یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ بڑی رانی کے ساتھ اس وقت لوگ اس کی حفاظت کر رہے تھے جو بہرام ایسے ہزاروں جاسوسوں کو اس سے پہلے ٹھکانے لگا چکے ہیں۔ یعنی ماریا اور ناگ۔!

بہرام بڑا مکار تھا۔ راجہ کا خیال تھا کہ بڑی رانی شہر سے باہر چلی گئی ہے۔ مگر بہرام نے ٹھیک سوچا تھا کہ وہ اسی شہر میں ہے اور کسی اعلیٰ ترین ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ امیر ترین خاندانی عورت ہے۔ روپے خرچ کر سکتی ہے۔ پھر راجہ نے اس کے بیٹے کو بھی مروا دیا ہے۔ اس لیے بڑی رانی راجہ سے بدلہ لینے کی سکیم بنا رہی ہے اور اسی شہر ناگ پور میں بیٹھ کر یہ سکیم تیار کر رہی ہے۔ راجہ نے جاسوس بہرام کو بڑی رانی کی ایک تصویر دے دی تھی تاکہ اُسے پہچاننے میں آسانی ہو

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

بہرام جاسوس ایک روز رائل ہوٹل آ گیا۔

کاؤنٹر پر اس نے بڑی خوش اخلاقی سے لڑکی کو سلام کیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنا تعارف ایک سیاح کی حیثیت سے کرایا جو صوبہ سندھ سے سیر کرنے آیا ہے۔ یونہی باتیں کرتے کرتے اس نے لڑکی کو بڑی رانی کی تصویر دکھائی اور پوچھا۔

• بہن! میں اس عورت کی "تلاش" میں ہوں۔ یہ اصل میں میرے ایک دوست کی ماں ہے۔ بڑی مال دار عورت ہے۔ گھر سے ناراض ہو کر آ گئی ہے۔ کچھ دماغ میں خرابی بھی ہے۔ کہیں یہ اس ہوٹل میں آ کر تو نہیں ٹھہری؟"

لڑکی نے عورت کی تصویر دیکھی تو کہا۔

• اس شکل کی عورت تو آج صبح ہی اوپر والی منزل میں آ کر ٹھہری ہے۔ بارہ نمبر کمرہ ہے اس کا۔"

بہرام جاسوس کی باچھیں کھل گئیں۔

• کیا اس عورت کے ساتھ کوئی آدمی بھی ہے؟"

• کیوں نہیں۔ دو آدمی ہیں۔ ایک تو بڑا پُراسرار آدمی ہے۔ کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اور دوسرا نوجوان سا لڑکا ہے۔ بیمار بیمار سا ہے بے چارا۔"

جاسوس بہرام نے خوش ہو کر لڑکی کو جیب سے ایک سو

پے کا نوٹ نکال کر دیا اور کہا۔

• اچھی بہن یہ میں اپنی خوشی سے تمہیں نذر کر رہا ہوں اللہ کے میرا دل نہ توڑنا۔"

لڑکی نے مسکرا کر سو روپیہ رکھ لیا۔ اصل میں جاسوس اس لڑکی و اپنی سان پہ لگانا چاہتا تھا تاکہ آئندہ بھی اس سے مدد لی سکے۔ بہرام جاسوس کمرے کا نمبر دوبارا پوچھ کر اوپر دوسری میں آ گیا۔ شام ہو رہی تھی۔ کمروں میں روشنی ہو گئی تھی۔ بہرام سوس کی جیب میں بھرا ہوا چھ گولیوں والا ریوالور تھا۔ بارہ نمبر والے رے کے سامنے آ کر وہ رُک گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور یا کسی کام سے ابھی ابھی باہر گئی تھی۔ بہرام جاسوس نے دروازے پہ دستک دی۔

اندر سے راجکمار نے آ کر دروازہ کھولا۔ بہرام جاسوس نے راجکمار زندہ دیکھا تو ایک بار تو وہ بھی لرز گیا۔ ہیں یہ کس طرح سے ہے؟ اس کو تو سانپ نے کاٹ کھایا تھا۔ یہ تو مر گیا تھا ور اسے زمین میں دفن کر دیا گیا تھا۔ راجکمار نے پوچھا۔

• آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

بہرام جاسوس نے دیکھا کہ اندر ایک پلنگ پہ بڑی رانی رہی تھی۔ اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ بہرام نے سر جھکا کر کہا۔

• معافی چاہتا ہوں۔ میں غلط کمرے میں آ گیا ہوں۔"

آنا کہہ کر وہ چلا گیا۔ راجکمار نے دروازہ بند کر دیا۔

اسی وقت بہرام بھاگا بھاگا راجہ کے پاس آیا اور سب کچھ بتا دیا۔ راجہ نے جب یہ سنا کہ راجکمار ابھی زندہ ہے تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اسے اپنی آنکھوں کے سامنے صندوق میں بند کر کے زمین میں دفن کیا تھا۔"

وہ دونوں اس جگہ آئے جہاں انہوں نے لاش کو دفن کیا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ قبر خالی پڑی ہے اور صندوق غائب ہے راجہ نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"وہ شخص بھاگ گیا۔ میرا دشمن زندہ ہے۔ اب کیا ہو گا۔"

پھر جاسوس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بہرام! میری مدد کرو۔ میں تمہیں ابھی دس ہزار روپے دیتا ہوں۔ کم از کم اس راجکمار کو ضرور جا کر قتل کر دو۔"

بہرام نے کہا "مہاراج گھبرائیے مت۔ میں راجکمار کے ساتھ بڑی رانی کو بھی ہلاک کر سکتا ہوں۔ آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سانپ کا ڈسا اور مرا ہوا راجکمار پھر سے کیسے زندہ ہو گیا؟ ضرور کوئی جادوگری ہوئی ہے۔ ہوٹل کی لڑکی نے بھی کہا تھا کہ بڑی رانی اور راجکمار کے ساتھ جو آدمی ہے وہ کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے۔"

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

"جو کچھ بھی ہو۔ تم ان دونوں کو آج ہی رات جا کر ختم کر دو۔ میں پچاس روپے نقد ادا کر دوں گا۔ مجھے تم ان دونوں کے ہٹ کر لا دو۔ میں تمہیں ۲۵ ہزار روپے فی سر کے حساب ے دونوں سروں کے پچاس ہزار روپے اسی وقت ادا کر دوں گا۔"

"ایسا ہی ہو گا مہاراج۔"

اور بہرام جاسوس قلعے سے نکل آیا۔ وہ کار میں سوار ہو کر یدھا اپنے فلیٹ پر گیا۔ اس نے جیب میں بڑا چاقو رکھا۔ ساتھ ر چھلا لیا اور آدھی رات کو رائل ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا اس نے اپنا حلیہ بھی تبدیل کر لیا تھا تاکہ کسی کو شک نہ پڑے ہوٹل کی پچھلی طرف آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اس نے دیکھا اوپر ڈی رانی کے کمرے کی کھڑکی بند تھی اور اندر سے ہلکی ہلکی روشنی رہی تھی۔

جاسوس بہرام نے رسی کے سہارے چڑھنا شروع کر دیا جب ہ کھڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے شیشے میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ اندر بڑی رانی تو سو رہی تھی۔ راجکمار بستر پہ پہلو بدل رہا تھا۔ جاسوس بہرام بڑا خوش ہوا کہ دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کی موت ماریا اسی کمرے میں موجود تھی اور یہ الگ بات ہے کہ وہ کونے میں قالین پر سو رہی تھی بہرام نے ایک کٹر کی مدد سے بڑے آرام سے کھڑکی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا شیشہ آتار کر نیچے گھاس پر پھینک دیا۔ وہ بڑا ماہر تھا ایسے کاموں میں۔ اتنے آرام سے اندر کمرے میں کود گیا کہ راجکمار کو خبر بھی نہ ہوئی۔

جاتے ہی اس نے پستول راجکمار کے سینے پہ رکھ دیا۔

"خبردار! اگر ذرا آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔"

پھر اس نے راجکمار کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور بڑی رانی کی طرف بڑھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دونوں کے سر کاٹنے سے پہلے ان کے منہ بند کر دے تاکہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکیں۔ بڑی رانی سو رہی تھی۔ جاسوس بہرام نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ رانی کی چیخ نکل گئی۔ اس چیخ نے ماریا کو بیدار کر دیا یہ راجکمار اور بڑی رانی کی خوش قسمتی تھی اگر بڑی رانی چیخ نہ مارتی تو بہرام آج بھی بڑی کامیابی سے اپنا کام کر گیا تھا اور دونوں کے سر کاٹ لے گیا تھا۔

ماریا نے اٹھ کر دیکھا کہ ایک ڈاکو قسم کا آدمی چہرے کو کالے کپڑے سے چھپائے بڑی رانی کے منہ میں کپڑا ٹھونس رہا ہے۔ ماریا نے دیکھا کہ راجکمار بھی اپنے پلنگ پر بندھا بے بس پڑا ہے۔ ماریا نے سوچا کہ یہ کوئی راجہ کا بھیجا ہوا آدمی ہے اور بڑی رانی کو اغوا کرنے آیا ہے۔ مگر جب بہرام نے جیب سے چمکتا ہوا خنجر نکال لیا تو ماریا کے تو ہوش اڑ گئے۔

"ارے بدبخت انہیں قتل کر رہا ہے!"

ماریا نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور ایک ایسا ہاتھ بہرام بازو پہ مارا کہ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑا۔ م نے پلٹ کر دیکھا کہ یہ کون تھا۔ اسے کوئی بھی نظر نہ راجکمار اور بڑی رانی نے جب دیکھا کہ ماریا جاگ پڑی ان کی جان میں جان آئی۔ بہرام کو ایک دم لڑکی کی بات کہ ان کے ساتھ ایک جادوگر قسم کا انسان بھی ہے۔ کوئی جادوگر ہی ہے۔ بہرام نے ریوالور نکالا ہی تھا کہ بڑی رانی کو ہلاک کر دے کہ ماریا نے دوسرا ہاتھ کر اس کا دوسرا کندھا بھی اتار دیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے

ماریا نے ریوالور اور خنجر اٹھا کر دراز میں رکھ دیا۔ بہرام ایک کندھا اتر گیا تھا اور وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اسے وہاں ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ پھر ان پر شک تھا۔ اس نے بہرام جاسوس کے سر پر زور سے ایک ڈنڈا وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر اسے اٹھا کر کھڑکی سے نیچے دیا۔

گرتے ہی بہرام کی کھوپڑی اور ہڈیاں سرمہ بن گئیں۔ ہوٹل کے عقب میں بہرام کی لاش ملی۔ لڑکی نے کہا کہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہ شخص اس کے پاس آیا تھا اور بڑی رانی کا پوچھ رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ بہرام ہوٹل کی دوسری منزل کے کمرے میں شیشہ توڑ کر گیا اور ڈاکہ مارنے یا انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ ماریا نے اس کا خنجر بھی نیچے پھینک دیا تھا۔

پولیس لاش اٹھا کر لے گئی۔ راجہ کو جب بہرام کی موت کی خبر ملی تو بڑا پریشان ہوا۔ ناگ نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ ماریا جاگ پڑی تھی۔ ناگ نے کہا۔

• میں ڈرتا تھا کہ راجہ نے قاتل پیچھے لگا چھوڑے ہیں اب ہمیں راجہ کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دینا چاہیئے۔ تاکہ بڑی رانی راج گدی دوبارہ حاصل کر سکے۔"

ادھر راجہ کا پریشانی کے مارے بڑا حال ہو رہا تھا اب وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ رانی سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے کالے بھوت کو بلوا لیا اور کہا۔

• سنو! بڑی رانی اور راجکمار رائل ہوٹل کے کمرہ نمبر بارہ میں ہیں۔ ابھی جا کر ان دونوں کو قتل کر دو۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ دوں گا۔"

کالا بھوت بولا۔ مگر راجکمار کو تو میں ایک بار مار چکا ہوں

• بکواس بند کرو۔ اسے ایک بار پھر مار ڈالو۔ چلو جلدی کرو

• جو حکم سرکار!"

کالا بھوت رائل ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ مگر دل میں وہ جاسوس کے انجام سے ڈر رہا تھا۔ اس کے بیچ آتا ہی نہ کالی تھا کہ راجکمار پھر سے کیسے زندہ ہو گیا تھا؟ آخر وہ بھی رائل ہوٹل آ گیا۔ اس نے بھی آدمی ذات کو بیرے بھیس بدلا۔ جیب میں خنجر رکھا اور بارہ نمبر کمرے پر جا کر دستک دی۔ اندر سے راجکمار نے پوچھا۔

• کون ہے؟"

• جی آپ کا تار آ گیا ہے۔"

• ہمارا تار کہاں سے آ گیا!"

• جی تار پر آپ کا نام لکھا ہے۔ دیکھ لیں آ کر۔"

ناگ بھی اندر ہی تھا۔ اس نے راجکمار کو پیچھے کیا اور خود دروازہ کھولا۔ سامنے کالا بھوت بیرے کی شکل میں کھڑا تھا۔ ناگ نے اسے اندر بلا لیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا کہ وہ سچ سچ بتا دے کہ کون ہے۔ اور آدھی رات کو اسے کس نے بھیجا ہے؟ کالا بھوت پریشان ہو گیا۔ ناگ نے اسے ایک تھپڑ دیا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ راجہ نے راجکمار اور بڑی رانی کو کرنے بھیجا ہے۔

ناگ نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"جا کر راجہ سے کہہ دے کہ اب اپنی جان کی خیر منائے۔ اب اس کی باری ہے۔"

کالا بھوت وہاں سے بھاگ گیا۔ جا کر راجہ کو ساری بات بیان کر دی۔ راجہ نے کالے بھوت کو خوب مارا اور پھر رانی سے مشورہ کر کے ناگ پور سے راتوں رات کار میں سوار ہو کر پہاڑی مقام پر چلا گیا تاکہ وہاں جا کر آرام سے راجکمار اور بڑی رانی کو راستے سے ہٹانے کے بارے میں کوئی اسکیم تیار کر سکے۔

●

پرانی سرائے

عنبر ناگ پور شہر کی حوالات میں بند تھا۔

اس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ اتفاق سے ی قتل ہوا تھا۔ اس کا ایک رشتے دار عدالت میں جج تھا اس نے بڑی تیزی سے مقدمے کی کارروائی پوری کر کے پھانسی کی سزا سنا دی۔ عنبر نے سپریم کورٹ میں اپیل کی ضرورت ہی نہ محسوس کی۔ عنبر کو جیل کی کال کوٹھڑی کر دیا گیا۔ اس نے ایک روز جیل کے وارڈن سے کہا

"بھائی! آپ لوگ خواہ مخواہ میرا اور اپنا وقت ضائع رہے ہیں۔ نہ آپ مجھے مار سکتے ہیں نہ میں مر سکتا ہوں۔ افسروں سے کہو کہ مجھے چھوڑ دیں۔"

وارڈن نے نفرت سے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ تم قاتل ہو۔ تمہیں پھانسی کی سزا ملنے ہے۔ پرسوں صبح صبح تمہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائیگا۔"

عنبر بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تم پرسوں مجھے پھانسی سکو گے۔ ابھی میرے مرنے کا حکم نہیں آیا۔ تم دیکھو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لینا۔ تم لوگوں کو شرمندگی ہو گی اور میں پھانسی کے تختے سے زندہ سلامت اتر آؤں گا۔"

"چلو چلو پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ اور خدا کو یاد کرو۔"

وارڈن نے جا کر جیل کے افسر کو بتایا کہ پھانسی کا مجرم یہ کہتا تھا۔ افسر بھی ہنسا اور بولا۔

"سبھی پھانسی پانے والے یہی کہا کرتے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ پھانسی گھر کی صفائی شروع کروا دو۔"

"جو حکم جناب۔"

عنبر کی ساتھ والی کوٹھڑی میں ایک نوجوان لڑکا قید تھا۔ اس کو بھی پھانسی کی سزا ملنے والی تھی۔ مگر ابھی اس کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی تھی۔ وہ دبلا پتلا سانولا لڑکا تھا۔ ہر وقت سر جھکائے خاموش بیٹھا رہتا۔ کسی وقت اپنی ماں کو یاد کر کے رونا شروع کر دیتا۔ عنبر نے لوہے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر ایک روز اس سے پوچھا۔

"تم نے جب ایک انسان کو قتل کیا ہے تو پھر اب روتے کیوں ہو؟"

اس لڑکے کا نام مورتی تھا۔ کہنے لگا۔

"میں نے خون نہیں کیا۔ خون میرے ایک رشتے دار نے کیا تھا جو بھاگ کر غیر علاقے میں چلا گیا ہے۔ انھوں نے

مجھے اس مقدمے میں پھنسا دیا تھا۔ جھوٹی گواہیاں ڈال کر مجھے پھانسی کی سزا ملوا دی۔ میری ماں بوڑھی ہے۔ اگر مجھے پھانسی ہو گئی تو میری ماں بھی مر جائے گی۔"

عنبر خاموش رہا۔ دوسرے روز مورتی کی بوڑھی ماں اسے ملنے آئی وہ بہت رو رہی تھی اور اپنے بچے کے سر پہ ہاتھ پھیر پھیر کر بین کر رہی تھی۔ عنبر کے دل میں اس کی ماں کے بین کا بڑا اثر ہوا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکا واقعی بے گناہ ہے۔ اس کے ایک بوڑھے رشتے دار نے بھی عنبر کو بتایا کہ مورتی نے خون نہیں کیا اور یہ بے گناہ مارا جا رہا ہے۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ مورتی کو بچا کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اس نے مورتی سے کہا۔

"مورتی! تم اپنی ماں سے کہو کہ اس شہر سے کہیں دور چلی جائے۔"

"وہ کیوں عنبر بھائی؟"

"میں تمہیں یہاں سے بھگا دوں گا۔ پھر تم اپنی ماں کے پاس شہر سے دور چلے جانا تاکہ پولیس تمہیں دوبارہ گرفتار نہ کر سکے۔"

مورتی کے چہرے پر اداس مسکراہٹ آئی۔

"بھائی عنبر! تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ! اب تو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میری قسمت میں پھانسی کا پھندا لکھا جا چکا ہے۔"

مورتی نے سوچا۔ بھلا یہ نوجوان جسے خود ایک روز بعد پھانسی ملنے والی ہے اس کی کیا مدد کر سکے گا۔ بہر حال اس کی ہمدردی کا مورتی نے بہت شکریہ ادا کیا اور سر جھکا کر آنسو بہانے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ کیا اس ملک میں کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں تم اپنی ماں کے ساتھ پولیس کی نگاہوں سے بچ کر رہ سکو؟"

مورتی نے کہا۔" بھائی! ایسی ایک جگہ بندھیا چل کے پہاڑوں میں ایک گاؤں ہے جہاں میری ماں کا ایک چھوٹا بھائی کھیتی باڑی پر گزارہ کرتا ہے۔ مگر میں تو اب زندگی میں کبھی اس گاؤں کو نہیں دیکھ سکتا۔ اُسے یاد کرنے کا فائدہ ہی کیا؟"

عنبر نے کہا" میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سنو! میں آج رات تمہیں اپنے ساتھ یہاں سے نکال کر لے چلوں گا۔ پھر تم اپنی ماں کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جانا۔"

مورتی نے عنبر کو دیکھا۔

"شکریہ بھائی! لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ کل صبح تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔ اس قسم کی باتیں کرنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے خدا کو یاد کرو۔ تمہارا آخری وقت ہے۔"

عنبر ہنسا۔" مورتی! تمہیں ابھی میری باتوں پر یقین نہیں تھا۔ لیکن آدھی رات کو جب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ میں تمہیں کس طرح یہاں سے نکال کر لیے جا رہا ہوں تو پھر تمہیں یقین آ جائے گا۔"

اتنے میں وارڈن نے زور سے آواز لگائی۔

"باتیں بند کرو تم لوگ۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

عنبر نے سرگوشی میں مورتی سے کہا۔

"آج رات تیار رہنا۔" اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح تین بجے عنبر کو پھانسی ملنے والی تھی۔ مورتی کو عنبر کی موت کا بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ عنبر کا موت کے قریب پہنچ کر دماغ چل گیا ہے جو اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

"آہ بے چارہ عنبر! کل اس کی لاش دریا کے کنارے دفن کر دی جائے گی!"

یہ سوچ کر مورتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کی دو ایک روز میں تاریخ مقرر ہونے والی تھی۔ پھر اُسے بھی پھانسی کے تختے پہ لٹکا دیا جائے گا۔ رات گزرتی چلی گئی ادھر پھانسی گھر میں پھانسی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں رتا بڑھتا جا رہا تھا۔ عنبر اپنی کوٹھڑی میں فرار ہونے کے لیے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بالکل تیار تھا۔ اس نے مورتی کی دیوار سے منہ لگا کر کہا۔

" مورتی تیار ہو جاؤ۔"

مورتی جاگ رہا تھا۔ عنبر کی آواز سن کر سوچنے لگا۔ بے چارہ موت کو سامنے دیکھ کر دیوانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ بھلا جس شخص کو ایک گھنٹے بعد پھانسی ملنے والی ہو وہ بھی جیل سے فرار ہو سکتا ہے؟

ابھی مورتی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے سلاخوں کے ٹیڑھا ہونے کی ہلکی سی آواز آئی۔ مورتی لپک کر جنگلے کے ساتھ لگ کر دیکھنے لگا۔ اس نے جو دیکھا وہ اسے حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عنبر ایک ہاتھ سے کوٹھڑی کی لوہے کی مضبوط سلاخوں کو ٹیڑھا کر رہا ہے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ برآمدے میں اندھیرا تھا۔ صرف ذرا دور کونے میں ایک لیمپ جل رہا تھا۔

مورتی پھٹی پھٹی نظروں سے عنبر کو دیکھتا چلا گیا۔

عنبر نے دیکھتے دیکھتے سلاخوں کو دوہرا کر دیا اور خود باہر نکل آیا۔ اسی طرح اس نے مورتی کی کوٹھڑی کی سلاخوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا اور کہا۔

" جلدی سے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

مورتی کچھ دیر کھڑا رہا اور سوچتا رہا کہ جائے یا نہ جائے۔ عنبر نے پلٹ کر زور سے سرگوشی کی۔ "کیا سوچ رہے ہو احمق! بھاگو میرے ساتھ!"

مورتی ایک دم کوٹھڑی سے نکلا اور عنبر کے پیچھے پیچھے جھک کر چلنے لگا۔ برآمدے میں سے گزر کر وہ دوسرے برآمدے میں آئے تو انہیں ایک سپاہی نے دیکھ لیا وہ سیٹی بجانے ہی لگا تھا کہ عنبر نے اس کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ قلابازیاں کھا کر دور جا گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ عنبر نے مورتی کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا جیل کی دیوار کے نیچے آ گیا۔ یہاں ذرا فاصلے پر دیوار کے اوپر ایک بلب جل رہا تھا جس کی روشنی چاروں طرف پڑ رہی تھی۔ عنبر نے مورتی سے کہا

" اس دیوار کے مغربی کونے میں ایک گول سیڑھی اوپر برج تک جاتی ہے۔ ہمیں اس برج میں پہنچ کر دوسری طرف چھلانگ لگانی ہو گی۔ گھبرانا بالکل نہیں!"

مورتی نے آہستہ سے کہا۔

" برج پر تو دو سپاہی مشین گنیں لے کر ہر وقت پہرہ دیتے ہیں۔"

" یہ بات تم مجھ پر چھوڑ دو۔ آؤ میرے ساتھ!"

عنبر اور مورتی آگے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر چلنے لگے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ جھک کر چل رہے تھے۔ رات کی وجہ سے وہاں زیادہ پہرے دار نہیں تھے۔ اوپر برج پر سرچ لائٹ بھی رکھی تھی۔ اور اب دو سپاہی مشین گنیں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ مگر ان کا منہ دوسری طرف تھا۔ یہ ان کی غلطی تھی۔ کم ازکم ایک سپاہی کا منہ پیچھے کی طرف ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ عنبر اور موتی برج کے گول سیڑھیوں والے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا تھا۔ عنبر نے موتی کو ساتھ لیا اور دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اُسے کہا۔

"تم میرے پیچھے پیچھے رہنا اور ہرگز ہرگز کوئی آواز نہ دینا۔ میں جو کروں اس کو خاموشی سے دیکھنا"

"بہت اچھا"

موتی گھبرایا ہوا سا تھا۔ مگر اسے اب عنبر پر بھروسہ ہو رہا تھا۔ اس نے عنبر میں غیر معمولی طاقت دیکھ لی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عنبر کوئی عام قسم کا انسان نہیں ہے۔ عنبر خاموشی سے دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔ اس نے دروازے کی اوٹ سے دیکھا کہ دونوں پہرے دار سپاہی کھڑے نیچے جھانک رہے تھے۔ دیوار کافی اونچی تھی۔ نیچے ایک کھائی تھی عنبر نے سیٹی کی ہلکی سی آواز پیدا کی۔ سپاہی چونکے۔

"یہ آواز کس کی تھی؟"

سیڑھیوں ہی سے آئی تھی۔

در اصل میں انہیں سیڑھیوں کے اندر لانا چاہتا تھا تاکہ لی بھی چلے تو اس کی آواز گول سیڑھیوں میں دب جائے ایسا ہی ہوا۔ دونوں سپاہی سیڑھیوں کی طرف لپکے۔ عنبر کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں کھڑا ہو گیا۔ جب دونوں قریب آئے تو ایک نے چیخ کر کہا۔

"یہ پھانسی کا قیدی ہے"

دوسرے سپاہی نے جھٹ سے فائر کر دیا۔ مشین گن سے سات گولیاں نکل کر عنبر کے سینے سے ٹکرائیں اور سیڑھیوں میں ئیں۔ سپاہی کا خیال تھا کہ قیدی ابھی زمین پر گر پڑے گا تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ گولیوں کی آواز نیچے کھڑے تی نے بھی سنی اور اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"عنبر بھائی کو گولی لگ گئی"

اس نے سوچا اور بھاگنے ہی والا تھا کہ عنبر کی آواز نے کے قدم روک لیے۔

"موتی وہیں کھڑے رہو"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ایک سپاہی کے سر پر مکا اُسے ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ دوسرے نے فائر کھول گن کی نالی کا رخ عنبر کی چھاتی کی طرف تھا اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گولیاں تڑا تڑ کرتیں اس سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے سیڑھیوں میں گر رہی تھیں۔ ایک بار تو سپاہی کا سر بھی چکرا کر رہ گیا کہ یہ شخص انسان ہے کہ کوئی جن ہے کہ اس پر گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ عنبر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ خطرہ تھا کہ گولیوں کی آواز پر دوسرے سپاہی بھاگ کر نہ آ جائیں۔ اس طرح سے مورتی کی زندگی پھر خطرے میں تھی۔

عنبر نے برستی گولیوں میں ہاتھ آگے بڑھا کر سپاہی کی مشین گن چھین لی۔ پھر اس کے سر پر بجلی سی ضرب لگائی۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

"جلدی سے اوپر آ جاؤ"

مورتی عنبر کے ساتھ بھاگ کر اوپر آ گیا۔ برج میں باقاعدہ مورچہ بنا ہوا تھا۔ ابھی تک جیل میں کسی کو خبر نہ ہوئی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ رسی کی ایک سیڑھی وہاں پڑی تھی۔ وہ رسی کی سیڑھی کی مدد سے نیچے اتر رہے تھے کہ جیل میں شور پڑ گیا۔ سائرن چیخ رہے تھے۔ پتہ چل گیا تھا کہ پھانسی کے دو قیدی بھاگ گئے ہیں۔

"جلدی اترو مورتی"

دونوں کھائی میں سے اتر کر سامنے ایک درختوں کے جھنڈ میں آ گئے۔ ادھر جیل کے دروازے میں سے سپاہی

پ سے کر قیدیوں کی تلاش میں بھاگے۔ اس کے بعد ایک دستہ کتوں کو لے کر باہر کو لپکا۔ کتے بھونک رہے تھے۔ انہیں مورتی اور عنبر کے کپڑوں کی بو سنگھا دی گئی تھی۔ عنبر کہا۔

"یہ کتے سیدھے ہماری طرف ہی آئیں گے۔ چلو سامنے تالاب میں چھپ جاتے ہیں"

انہوں نے تالاب میں چھلانگ لگائی اور ناک تک پانی میں ڈوب کر بیٹھ گئے۔ کتے بھونکتے ہوئے تالاب تک آ گئے۔ انہیں قریب آتا دیکھ کر عنبر نے مورتی کو اشارہ کیا۔ دونوں نے گہرا سانس کھینچا اور تالاب میں ڈبکی لگا دی۔ کچھ دیر تالاب کے اندر رہنے کے بعد انہوں نے پانی کی سطح سے سر باہر نکالا تو دیکھا کہ کتوں کی آواز دور سڑک کی جانب سے آ رہی تھی۔

"چلے گئے۔" مورتی بولا۔

عنبر نے کہا۔ "یہاں سے نکل جانا چاہیے"

"بھائی عنبر! تمہیں گولیاں لگی تھیں؟"

عنبر نے کہا "اگر لگتیں تو میں زندہ کہاں ہوتا"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا"

"ان باتوں کو چھوڑو اور یہاں سے گھر کی طرف بھاگو"

"لیکن میرے گھر پر تو پولیس موجود ہو گی"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر یہاں سے کسی ویرانے کی طر نکل چلتے ہیں۔"

انہوں نے تالاب کی دوسری طرف پہنچ کر اس جانب بھا شروع کر دیا جہاں چھوٹے ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں میں آکر انہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کتوں نے ان کی بو پھر پالی تھی اور اب سپاہیوں کو لے کر ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"یہ کتے پھر آ رہے ہیں۔"

"کوئی فکر نہ کرو مورتی! ہم انہیں مار بھگائیں گے۔"

ٹیلے میں ایک جگہ انہیں کسی سرائے کا پرانا کھنڈر نظر آیا۔ وہ اس کھنڈر میں آ کر چھپ گئے۔ کتوں کی آوازیں قریب سے قریب تر ہو رہی تھیں۔ سرائے میں ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھڑی تھی۔ جس کی آدھی چھت گری پڑی تھی۔ عنبر نے مورتی کو کونے میں چھپ جانے کو کہا اور خود کوٹھڑی کے ٹوٹے دروازے کی اوٹ میں چھپ کر سپاہیوں کا انتظار کرنے لگا۔

●

سپاہی کتوں کو لے کر قریب آ گئے۔ کتے بھونک رہے تھے جب کتے بہت قریب آ گئے تو عنبر اوٹ سے باہر نکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے کتوں نے جو اپنے شکار یکھا تو اس پر جھپٹ پڑے۔ عنبر نے زمین پر سے کچھ ر اٹھائے اور پوری طاقت سے گھما کر ان پر مارے یہ پتھر لیوں کی طرح کتوں کو لگے اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ نوں کتے زمین پر پڑے تھے اور تڑپ رہے تھے۔ سپاہیوں عنبر کو دیکھا تو اس پر گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ بر کو تو خیر کچھ بھی نہ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی دوق چھین لی اور ہوا میں فائر کر کے گرج کر کہا۔

م دیکھ رہے ہو کہ تمہاری گولیاں مجھ پر کوئی اثر نہیں ہی ہیں۔ میں تمہارا دیوتا ہوں۔ اگر تمہیں جان پیاری ہے تو یہاں سے بھاگ جاؤ نہیں تو تمہارا حال بھی ان کتوں ہو گا۔"

سپاہی پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ اب جو عنبر نے سامنے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آ کر یہ باتیں کیں تو وہ سر پہ پاؤں رکھ کر دوڑ گئے جب میدان صاف ہو گیا تو عنبر نے واپس آ کر مورتی سے کہا۔

"میدان صاف ہے۔ اب چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔"

مورتی نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بڑا حیران تھا کہنے لگا۔

"میں گھر نہیں جاؤں گا۔ سپاہی میرے گھر چھپ کر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم جا کر میری والدہ کو کسی طرح ساتھ لے آؤ۔ ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے کسی طرف"

"ٹھیک ہے۔ مگر یہاں رہنا بھی مناسب نہیں۔ سپاہیوں نے اس جگہ کو دیکھ لیا ہے۔"

"دریا پار ایک پرانا قلعہ ہے۔ وہاں چل کر چھپ جاتے ہیں۔ ماں آ سکے گی تو دریا پار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"آؤ میرے ساتھ"

عنبر مورتی کو ساتھ لے کر دریا پر آ گیا۔ یہاں ایک کشتی کھڑی تھی۔ عنبر نے مورتی کو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرایا اور چپو چلانے شروع کر دیئے۔ بیچ دریا میں جا کر مورتی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا

"عنبر بھائی! تم پہ گولی نے اثر کیوں نہیں کیا"

عنبر نے ہنس کر کہا۔ "مجھے تو گولی لگی ہی نہیں تھی۔"

"تم میری آنکھوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میں نے نی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ گولیاں تمہارے جسم سے ٹک ر نیچے گر رہی تھیں۔"

عنبر زور سے ہنسا۔ "تم نے ضرور خواب دیکھا ہو گا مورتی!"

"نہیں بھائی! میں دن میں خواب نہیں دیکھا کرتا"

"تو پھر آج تم نے ضرور خواب دیکھا ہے۔"

عنبر نے مورتی کو اپنے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ وہ ں باتیں کرتے رہے۔ عنبر مورتی کی باتوں کو ٹالتا رہا۔ پار ہو گیا۔ کشتی کنارے کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ عنبر دیکھا دریا پار ایک پرانے سے قلعے کی عمارت کھڑی ے۔ یہ کسی مندر کی عمارت لگ رہی تھی۔ مورتی نے کہا۔

"کبھی میرا باپ مجھے اس مندر میں لایا کرتا تھا۔ یہ میرے کی بات ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں آتا۔ مندر ویران گیا ہے۔"

"چلو اس کے اندر چلتے ہیں۔"

اس قلعے کے مندر میں ایک بڑی مورتی بیل کی بنی ہوئی ی۔ مورتی کے پاس تک ایک سیڑھی اوپر جاتی تھی وہ اوپر چ گئے۔ اوپر ایک تنگ سی کوٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی میں پھر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک سیڑھی تھی جو دوسری طرف ایک ہال کمرے میں اتر گئی تھی۔ یہاں نیچی چھت کے کمرے میں فرش پر جگہ جگہ ٹوٹے پھوٹے بتوں کے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ سورتی نے کہا۔

"میں اپنے باپ کے ساتھ یہاں آیا کرتا تھا۔"

عنبر بولا۔ "کیا تم میرے واپس آنے تک یہاں ٹھہر جاؤ گے؟"

"کیوں نہیں۔ تم جا کر میری والدہ کو لے آؤ۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔"

عنبر کو سورتی نے اپنے گھر کا پورا پتا بتا دیا تھا۔ عنبر دریا پار کر کے شہر کے اندر آ گیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر وہ سورتی کے گھر پہنچ گیا۔ اس کی ماں اداس بیٹھی تھی۔ اس نے سن لیا تھا کہ اس کا بیٹا جیل سے فرار ہو گیا ہے۔ عنبر نے جا کر اسے خوش خبری سنائی کہ سورتی اس کے پاس ہے اور اپنی ماں کا انتظار کر رہا ہے۔

"شاید باہر سی آئی ڈی والے بیٹھے ہوں ماں۔ اس لیے میں اندھیرا ہو جانے پر آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

عنبر مکان سے باہر آ کر شہر میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔

جب شام کا اندھیرا پھیل گیا تو وہ ایک فقیر کا بھیس بدل کر سورتی کے گھر آ گیا۔ اس نے سورتی کی ماں کو بھی فقیرنی کا لباس پہنایا اور ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل گیا۔ دریا کنارے کشتی تیار کھڑی تھی۔ دونوں اس میں بیٹھ کر دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

یہاں سے عنبر سورتی کی والدہ کو لے کر پرانے مندر میں آ گیا۔

اس نے سورتی کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ وہ حیران ہوا کہ سورتی کہاں چلا گیا۔ اس نے تو تاکید کی تھی کہ اسی جگہ رک کر انتظار کرنا۔

ماں نے کہا۔ "کہیں وہ لوگ میرے بیٹے کو گرفتار کر کے تو نہیں لے گئے؟"

عنبر نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہوگی تو میں اسے پھر چھڑا کر لے آؤں گا۔

ماں: تم بالکل فکر نہ کرو۔"

سورتی کو پولیس والے وہاں سے پکڑ کر لے گئے تھے۔ اسے پھر سے پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا اور پھانسی دینے کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ عنبر نے سورتی کی ماں کو دریا پار پہاڑوں میں اس کے رشتے داروں کے ہاں پہنچایا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور خود شہر میں آ گیا تاکہ موری کو پھانسی گھر سے چھڑایا جائے۔ شہر میں گھومتے پھرتے عنبر لال ہوٹل کے قریب آ گیا یہ وہی ہوٹل تھا جس میں ناگ اور ماریا بڑی رانی اور راجکمار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت ماریا اور ناگ باہر تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اس جگہ سے فون کر کے جیل سے پتہ کر لینا چاہیے کہ موری کو پھانسی کس وقت دی جا رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دیر کر دے اور موری کو پھانسی دے دی جائے۔

وہ لال ہوٹل میں آ گیا۔ اس نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی سے کہا۔

"کیا میں فون استعمال کر سکتا ہوں؟"

لڑکی نے عنبر کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اس کے کپڑے ٹھیک نہیں تھے۔ لڑکی نے اسے دھتکار کر کہا۔

"چلو چلو بھاگو یہاں سے۔ کہاں سے فقیر لوگ اندر آ جاتے ہیں۔ بیرا! اس پاگل لڑکے کو یہاں سے نکال دو"

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ یہ بڑی بدتمیز لڑکی ہے جس کو اتنا بھی احساس نہیں کہ ایک انسان سے کس طرح بات کی جاتی ہے؟ اتنے میں بیرا آ گیا۔ وہ بڑا ہٹا کٹا تھا۔ پورا بھینسا [illegible] تھا۔ عنبر اس کے مقابلے میں بالکل نوجوان دبلا سا لگتا تھا۔

اس نے آتے ہی عنبر کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ عنبر اب اپنے آپ میں آ گیا تھا۔ بیرے نے عنبر کو کھینچا تو اسے یوں لگا جیسے وہ کسی پہاڑ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ بیرا عنبر کی طرف کھنچ آیا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے بیرے کو گردن سے پکڑ کر جو دھکا دیا تو وہ ایک [illegible] سے ٹکراتا ہوا سیدھا لڑھکتا لڑھکتا دروازے سے باہر نکل کر لان کی گھاس پر جا پڑا۔

لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا۔ "محترمہ میں بھوت ہوں"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے دانت نکال کر منہ بنایا۔

لڑکی نے سہم کر کہا۔

"فون کر لو"

عنبر فون کرنے لگا۔ اتنے میں بیرا وہاں آیا اور ڈرتے ڈرتے وہاں سے کھسک گیا۔ عنبر نے معلوم کر لیا کہ موری کو آج رات [illegible] بجے پھانسی دی جا رہی ہے۔ اچانک عنبر کو ناگ کی خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ چونکا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔

"کیا یہاں ناگ رہتا ہے؟"

"کون ناگ؟" لڑکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اوہ! تم نہیں سمجھ سکو گی" عنبر نے کہا اور اب جو پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو سامنے ناگ کھڑا تھا۔ دونوں بھائی بھاگ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے یہ منظر دیکھا تو سر ہلا کر چپ ہو گئی۔ سوچا کہ یہ بھوت اس شبر کے چہرے والے کو بھی مل سکتا تھا۔ ناگ نے عنبر کو ساری کہانی سنائی۔ یہ بھی بتایا کہ ماریا بھی اسی جگہ پر ہے۔ وہ اُسے اوپر بڑی رانی کے پاس لے گیا۔ عنبر کا تعارف بڑی رانی اور راجکمار سے کرایا۔

اتنے میں ماریا کی آواز آئی۔

"بھائی عنبر!"

"ماریا! بہن!"

ماریا نے خود عنبر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کیونکہ عنبر تو ماریا کے ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماریا سے مل کر عنبر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ عنبر نے کہا۔

"اب ضرورت مورتی کو بچانے کی ہے۔ اُسے آج رات پھانسی دی جا رہی ہے۔ اس کی بوڑھی ماں دریا پار ایک پہاڑی بستی میں بیٹھی اپنے بچے کی راہ دیکھ رہی ہے۔ وہ بالکل بے گناہ ہے"

ناگ نے کہا: "یہ کونسی مشکل بات ہے۔ ہم دونوں چل کر اسے پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال لاتے ہیں۔"

بڑی رانی نے کہا: "بیٹا! اگر تم پسند کرو تو ہم اُسے اپنے

گھر لے چلیں گے۔"

عنبر نے کہا: "نہیں بڑی رانی! ان کا اپنا پرانا مکان شہر سے بہت دور ایک جنگل میں ہے۔ وہاں اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ ان کا قبیلہ ان کے ساتھ ہے اور وہ لوگ ان پر اپنی جان قربان کرتے ہیں۔"

ماریا نے پوچھا: "کیا میری ضرورت تو نہیں ساتھ چلنے کی؟"

ناگ نے کہا: "نہیں۔ بڑی رانی کی حفاظت کے لیے یہاں بھی تو کسی کو رہنا چاہیئے۔"

"آپ لوگ کس وقت تک آ جائیں گے؟" راجکمار نے پوچھا۔

ناگ نے کہا: "میرے خیال میں رات گذر جائے گی۔ پیچھے پھر آئیں گے۔ بہرحال تمہارے پاس ماریا موجود ہے۔ تم بے فکر ہو کر سو جانا۔"

بڑی رانی نے کہا۔ "بیٹے عنبر! بھگوان تمہاری رکھوالی کرے۔ اپنا خیال رکھنا۔"

عنبر بولا: "آپ کی دعا چاہیے ماں جی!"

ناگ اور عنبر سیڑھیاں اتر کر ہوٹل سے نکلنے لگے تو وہی بیرا وہاں کھڑا تھا۔ عنبر نے اس کی طرف دیکھ کر ذرا سا منہ بنایا۔ بیرا وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی! اس کو تم نے کیا کہہ دیا عنبر بھائی؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر ہنسا۔ اور ناگ کو ساری بات سنائی۔ ناگ نے کہا۔

"شروع شروع میں میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا مگر اب سیدھی راہ پر آ گئے ہیں۔"

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ لوگ شہر کے چوک میں آ گئے۔ اب رات ہو گئی تھی۔ شہر کی عمارتوں اور مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں ٹیکسی لے لینی چاہیئے۔"

"اچھا خیال ہے۔"

اتنے میں ایک ٹیکسی ان کے قریب سے گزری۔ عنبر نے اسے روک لیا۔ دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

"بھائی جیل خانے چلو۔"

"جی؟" ڈرائیور نے چونک کر پوچھا۔

"بھائی میرا مطلب ہے جیل کے دروازے تک چلو ہمیں ایک افسر سے ملاقات کرنی ہے۔"

"جی اچھا۔"

ٹیکسی نے انہیں جیل سے دور اتار دیا۔ ناگ نے اسی جگہ اترنا مناسب خیال کیا تھا۔ ٹیکسی کو کرایہ دیا۔ وہ چلی گئی۔ عنبر نے کہا۔

"ہمیں جیل کی پچھلی دیوار سے اندر جانا ہوگا۔ لیکن میرا خیال ہے میں اسی جگہ تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ تم اندر جا کر مورتی کو لے کر جنوبی برج پر آ جانا۔ اس برج پہ تمہیں رسی کی سیڑھی مل جائے گی۔"

ناگ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

عنبر نے ناگ کو ساتھ لیا اور جنوبی برج کے سامنے درختوں میں ایک جگہ چھپ گیا۔ ناگ نے اسی وقت سانپ کا روپ بدلا اور گھاس پر رینگتا ہوا کھائی میں پہنچ گیا۔ یہاں سے وہ جیل کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اوپر سے ہو کر وہ جیل کے اندر آ گیا۔ عنبر نے اسے پھانسی کی کوٹھڑی اور مورتی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ دیواروں سے ہوتا ہوا اس بلاک میں آ گیا جہاں پھانسی کی کوٹھڑیاں تھیں۔ ساری کوٹھڑیاں خالی تھیں۔ صرف ایک کوٹھڑی میں اسے مورتی نظر آیا۔ دیا جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی میں اس نے مورتی کو دیکھا۔ بالکل وہی حلیہ تھا جو عنبر نے اسے بتایا تھا۔ بے چارہ بے حد اداس اور پریشان ہو کر بیٹھا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا دیوار کے اوپر سے ہو کر پھانسی کی کوٹھڑی کے سامنے آ گیا۔ یہاں سخت پہرہ تھا۔ دو سپاہی رائفلیں لیے یہاں پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ کے پاس

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

وقت نہیں تھا۔ اس نے آتے ہی دونوں سپاہیوں کو باری باری ڈس کر بے ہوش کر دیا۔ اس نے سپاہیوں میں بس اتنا زہر داخل کیا تھا کہ وہ صرف کچھ عرصے کے لیے بیہوش رہ سکے۔ وہ کوٹھڑی کے اندر چلا گیا اور جاتے ہی پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ مہدی حیران ہو کر اسے تکنے لگا۔ ناگ نے اسے بتایا کہ حیران ہونے کی نہ ضرورت ہے اور نہ وقت ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں عنبر کا بھائی ناگ ہوں۔ جادو کے زور سے ہر شکل اختیار کر سکتا ہوں۔

"چلو میرے ساتھ!"

●

کیا ناگ مہدی کو پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کرے گی؟

راجہ نے بڑی ناگن اور مانجھار سے کس طرح انتقام لیا!

عنبر اور ماریا کے ساتھ کیا گزری!

یہ آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیے۔

●

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

انوارا [illegible] ری
تغلق روڈ [illegible] ملتان

باہتمام شیخ نسیم احمد پرنٹرز
جمعہ پرنٹنگ پریس میو ہسپتال روڈ لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

۱۹۸۰ء

SH. GHULAM ALI &
00 پانچ روپے
SONS (PVT) LAHORE

مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

انوار الادب لائبریری

تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

- سانپ انسان
- چڑیل کی چیخ
- ناگ پھنس گیا
- سپیرے کی تلاش
- کالا پھن
- ہوائی جہاز میں بھوت
- خانم سہیل۔

ناگ نے مورتی کو پھانسی کے پھندے سے بچا کر اسکی ماں کے گھر پہنچا دیا۔ ناگ لوگ واپس ماریا کے پاس جانے والے تھے کہ ایک سپیرے کی نظر ناگ پر پڑ جاتی ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص سانپ ہے اور انسان کی شکل میں پھر رہا ہے۔ وہ اس کو پھانسنے کے لئے پیچھے لگ جاتا ہے۔ ایک روز وہ ناگ کو بے ہوش کرکے اپنی جھونپڑی میں لے جاتا ہے۔ وہ اس کا گلا کاٹنا چاہتا ہے کہ اچانک اس کے گورو کی روح نمودار ہوتی ہے اور سپیرے سے کہتی ہے کہ اس ناگ کو انگوٹھی کے نگینے میں قید کر اور اس سے زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے حاصل کر۔ سپیرا ناگ کو نگینے میں بند کرکے اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ ادھر عنبر ناگ کی تلاش میں پہاڑ پر آتا ہے۔ اسے خبر ملتی ہے کہ ایک سپیرا ناگ کو بے ہوش کرکے لے گیا تھا۔ عنبر ماریا کو شہر میں چھوڑ کر ناگ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے آپ خود پڑھیں۔

●

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

اقرا الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹ تولیخان۔ ملتان

سانپ انسان

●

پھانسی کی کوٹھڑی کے باہر گہری خاموشی تھی۔

مورتی کچھ دیر تو ناگ کا منہ تکتا رہا۔ یہ شخص یہاں تک یہاں کیوں کر آ گیا؟ اس نے پہریداروں کو کیسے بے ہوش کر دیا؟ یہ کیسے ہر شکل بدل لیتا ہے؟ کیا یہ جادوگر ہے یا کوئی آسمانی شئے ہے؟ کہیں یہ بھوت تو نہیں؟ ناگ نے مورتی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ اگر تم اسی طرح کچھ دیر اور سوچتے رہے تو وہ لوگ پھانسی کا پھندا تمہارے گلے میں ڈال دیں گے۔"

اب مورتی چونکا۔ اس نے ناگ کا ہاتھ تھام کر کہا

"کیا تم مجھے یہاں سے بچا کر لے جا سکو گے؟"

ناگ بولا۔

"میں آیا کس لئے ہوں؟ میرے ساتھ جلدی سے نکل چلو۔"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

عنبر باہر ہمارا انتظار کر رہا ہے"

مورتی ناگ کے پیچھے پیچھے پھانسی کی کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ جب وہ زمین پر پڑے ہوئے بے ہوش پہرہ داروں کے قریب سے گذرا تو اس کے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ یہ لوگ اسے پھانسی کے تختے پر لے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی انسان اسے پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر بھی لے جا سکتا ہے۔ مگر اس شخص ناگ نے یہ ان ہونی بات کر کے دکھا دی تھی۔ ناگ اسے لے کر اب جیل کی سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر آ گیا۔

یہاں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ چھت کے بیچ میں ایک کمزور سی روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ اندھیری دیواروں پر جیسے سائے رینگ رہے تھے۔ کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"شی"

مورتی کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آ رہا تھا۔

ناگ نے مورتی کو اپنے پیچھے دیوار کے ساتھ کر لیا۔ سامنے سے دو آدمی اندھیرے میں چلے آ رہے تھے۔ ان

میں سے ایک جیل کا ڈاکٹر تھا اور دوسرا وارڈن۔ یہ لوگ مورتی [illegible] پھانسی دینے کے لئے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر نے پھانسی کے بعد سرٹیفکیٹ دینا تھا کہ مورتی مر گیا ہے اور وارڈن نے مورتی کو پھانسی کے تختے پر چڑھانا تھا۔ ان کی شکلیں دیکھ کر مورتی کے جسم میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ دونوں قریب سے گذرے تو بلب کی دھیمی روشنی ان کے چہروں پر پڑی تھی۔

جب وہ نیچے سیڑھیاں اتر گئے تو ناگ نے کہا۔

"اب وقت بالکل کم ہے۔ یہ لوگ تمہاری کوٹھڑی کی طرف جا رہے ہیں۔ جب انہیں پتہ چلا کہ تم فرار ہو چکے ہو تو جیل کے سائرن چیخ اٹھیں گے۔ جلدی سے بھاگو۔"

دونوں چھت پر سے دوڑ کر برج کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ دروازہ کھلا تھا۔ ناگ پہلے اندر گیا۔ یہ ایک ڈیوڑھی تھی جو برج کے مینار پر نکل جاتی تھی۔

وہاں ایک سپاہی مشین گن لئے کھڑے ہو کر پہرہ دے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ تھک گیا ہے اور اپنی جگہ پر آنے والے دوسرے سپاہی کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ بار بار جمائیاں لے رہا تھا۔

ناگ نے دروازہ بند کر کے دوسری طرف پاؤں رکھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو سپاہی نے جمائی لے کر کہا۔

"شیر سنگھ! آ گئے تم؟"

ناگ نے کھانس کر کہا۔

"ہاں بھائی آ گیا ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو"

ناگ سپاہی کے سامنے آ گیا۔ سپاہی زندگی میں پہلی بار ناگ کو دیکھ رہا تھا۔

اسے جس سپاہی کا انتظار تھا یہ وہ تو بالکل نہیں تھا۔

"تم —— تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"میں سانپ ہوں"

اور دوسرے لمحے ایک زبردست پھن والا سانپ پہریدار سپاہی کے آگے کھڑا ہو گیا اور اپنا پھن لہرانے لگا۔ سپاہی کا خون سرد ہو گیا۔ چیخ اس کے حلق سے نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر برج کے فرش پر گر پڑا۔ ناگ جلدی سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے مورتی سے کہا۔

"میرے ساتھ نیچے اتر چلو"

ناگ نے رسی کی سیڑھی دوسری طرف کھائی کی جانب پھینک دی۔ نیچے عنبر کھڑا تھا۔ اس نے جانور کی بولی بول کر ناگ کو خبر کر دی کہ میں آ گیا ہوں۔

سب سے پہلے ناگ نے مورتی کو نیچے اتارا اور پھر خود بھی اترنے لگا۔ ابھی وہ آدھے رستے میں تھا کہ ایک دم سے شور مچ گیا۔ جیل کے سارے بھونپو زور زور سے چیخ کر قیدی کے فرار ہو جانے کا اعلان کرنے لگے۔ ناگ نے زمین پر چھلانگ لگا دی۔ مورتی گھبرا رہا تھا۔ اسے عنبر نے سنبھال لیا اور اسے ساتھ بھگا کر جنگل کے درختوں میں گم ہو گیا۔ ناگ بھی ان کے پیچھے بھاگا۔ وہ کھائی سے باہر نکل رہا تھا کہ سامنے سے ایک جیپ بڑی تیزی سے بھاگی آئی۔ اس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔

ناگ جھک کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ جیپ میں پولیس سوار تھی۔ وہ مفرور قیدی کی تلاش میں نکلے تھے۔ جب وہ جیپ دور چلی گئی تو ناگ جھاڑیوں سے نکل کر جنگل کیطرف بھاگا۔ عنبر اور مورتی ایک جگہ چھپے اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔

"دریا کی طرف نکل چلو"

انہوں نے جنگل میں اس سمت کو بھاگنا شروع کر دیا جس طرف کچھ فاصلے پر دریا بہہ رہا تھا۔ جنگل کی جھاڑیوں درختوں میں سے گزرتے آخر تینوں دریا کنارے آ کر رک گئے۔ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔ اندھیرے نے

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

سارے جنگل کو ڈھانپ رکھا تھا۔ دریا کے اوپر گہرے نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"موری! تمہاری ماں دریا پار والی پہاڑیوں میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ ہم تمہیں تمہاری والدہ کے پاس چھوڑ کر آئیں گے۔ فکر نہ کرو لیکن اگر پولیس والے تمہاری تلاش میں وہاں بھی پہنچ گئے تو پھر کیا کرو گے؟"

"میرے قبیلے کے لوگ بڑے خطرناک قاتل مشہور ہیں۔ وہاں کبھی کسی پولیس والے نے داخل ہونے کی جرأت نہیں کی۔ ایک بار اگر میں اپنے قبیلے میں والدہ کے پاس پہنچ گیا تو پھر میں محفوظ ہوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"وہاں تمہیں ضرور پہنچا دیں گے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"لیکن دریا پار کس طرح سے کریں گے؟ کیا یہ بھی سوچا ہے عنبر بھائی؟"

عنبر بولا۔

"آج تک ہزاروں دریا پار کئے ہیں۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔ اللہ نے چاہا تو یہ دریا بھی پار کریں گے۔"

ناگ مسکرایا۔

"میں تو اڑ کر بھی دریا پار کر لوں گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ دریا کے پار کس طرح پہنچتے ہو۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی تیرنا نہیں جانتا۔"

عنبر بھی ہنسا۔

"میں اور موری تم سے پہلے دریا پار پہنچ جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک کشتی قریب سے گزری۔ شاید کوئی مچھیرا پچھلی رات کو دریا پر مچھلیاں پکڑنے نکلا تھا۔ وہ بڑے مزے کوئی گیت بھی گا رہا تھا۔

عنبر نے اسے آواز دی۔

"ارے بھائی! ہمیں دریا پار کرا دے۔ منہ مانگا انعام دوں گا۔ ارے او بھائی مچھیرے! ذرا ادھر تو آنا۔"

مچھیرا کشتی لے کر کنارے پر آ گیا۔

"کیوں بھائی! کہاں جانا ہے تمہیں؟" مچھیرے نے پوچھا۔

ناگ بولا۔

"بھائی دور پردیس سے آئے ہیں۔ دریا پار ہمارا پہاڑوں میں گاؤں ہے وہاں جانا ہے۔"

مچھیرا بولا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"دو دو روپیہ ایک سواری سے لوں گا۔"

"تم دس دس روپیہ لے لینا بے شک"

"تو پھر جلدی سے سوار ہو جاؤ میری کشتی میں"

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"کیوں بھائی صاحب! دیکھا۔ کر دیا نا سواری کا انتظام!"

ناگ مسکرایا۔

"اب جلدی سے سوار ہو چلو یار"

تینوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ مچھیرے نے کشتی کھینچنا شروع کر دی۔ وہ پوچھنے لگا۔

"بابو جی! اس وقت آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

ناگ بولا۔

"بھائی کہہ تو دیا تاکہ دوسرے گاؤں سے آئے ہیں اور اپنے گاؤں جا رہے ہیں"

"بابو جی! رات کو شہر میں سونے کو جگہ نہیں ملی کوئی؟"

"بالکل نہیں" عنبر نے کہا۔

مچھیرا ہمدردی کے انداز میں بولا۔

"سچ کہتے ہو بابو جی! شہر والوں میں تو ذرا مروت نہیں رہی۔ بڑے پتھر دل ہو گئے ہیں بابو جی"

"ہاں بھائی بڑے پتھر دل ہو گئے ہیں شہر والے! پر ہم

کیا کریں۔ ہمارا تو گاؤں میں اپنا گھر ہے۔ سوچا کیوں نہ وہاں چل کر آرام کریں"

"بالکل ٹھیک سوچا بابو جی! اپنے گھر سے اچھی جگہ بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ سنا نہیں۔ بزرگ کہہ گئے ہیں۔

جو مزا اپنے چوبارے
وہ نہ بلخ نہ بخارے"

اسی قسم کی باتیں کرتے کرتے کشتی دریا پار کر گئی۔ دوسرے کنارے پر جا کر عنبر نے مچھیرے کو تیس روپے نکال کر دیئے۔

"یہ لو تمہارا انعام اور معاوضہ"

مچھیرے نے دس دس روپوں کے تین نوٹ دیکھے تو خوش ہو کر بولا۔

"بابو جی! میں تو آپ سے مذاق کر رہا تھا۔ آپ نے تو سچ مچ اتنے روپے دے دیئے"

عنبر نے کہا۔

"بھائی وہ دولت کس کام کی کہ جو دوسرے انسانوں کے کام نہ آئے۔ اچھا خدا حافظ!"

"خدا آپ کو خوش رکھے جناب"

تینوں نے دریا سے ہٹ کر دور پہاڑیوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ مورتی ان کے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کیونکہ اسے ہی راستے کا پتہ تھا۔ اب آسمان پر دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ دن نکلنے والا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"ہمیں دن کی روشنی میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔"

مورتی بولا۔

"اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے عنبر بھائی! ہم لوگ اپنے علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ہمیں ہمارے قبیلے کے لوگ ملنا شروع ہو جائینگے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی وہ وادی میں داخل ہی ہوئے تھے کہ سامنے سے کچھ لوگ دوڑ کر آئے اور انہوں نے مورتی کو کاندھوں پر اٹھا لیا اور خوشی سے رقص کرنے لگے۔ یہ جنگلی قسم کے لوگ تھے۔ رنگ زردی مائل سفید تھا۔ جسم پر پتوں کا لباس تھا۔ ایک نے بھاگ کر مورتی کی والدہ کو خبر کر دی کہ مورتی بابو آ گیا ہے۔ بے چاری ماں کہاں تو اپنے لخت جگر کی موت سے خوف زدہ تھی اور کہاں یہ کہ اسے اپنے بیٹے کے آنے کی خوشخبری مل گئی۔

وہ اپنے پہاڑی مکان سے نکل کر بھاگی بھاگی آئی۔

سامنے اس کا بیٹا چلا آ رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ تھے۔ مورتی نے آگے بڑھ کر پیر چھو لیے۔ ماں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو سینے سے لگا لیا۔ مورتی نے کہا۔

"ماں! مجھے ان دوستوں نے بچایا ہے۔ اگر ان کی مدد نہ ملتی تو میں اس وقت پھانسی کے پھندے کے ساتھ لٹک رہا ہوتا۔"

بوڑھی ماں نے آگے بڑھ کر عنبر اور ناگ کے ماتھے چومے اور کہا۔

"میرے بچو! تم نے مجھے میرا بیٹا واپس دلا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم نے ماں کے کلیجے میں ٹھنڈ ڈالی ہے۔ میری روح بھی تمہیں دعائیں دیتی رہے گی۔"

عنبر نے کہا۔

"ماں جی! یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کیا۔"

ناگ بولا۔

"ماں جی! اگر ہمارے اختیار میں نہ ہوتا تو ہم یہ کام ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو خدا نے ہمیں اتنی طاقت دی کہ ہم آپ کے بچے کو پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر آپ کے پاس لے آئے۔"

عنبر نے کہا۔

"اور پھر ہمیں معلوم تھا کہ مورتی بے گناہ ہے۔ اس نے خون نہیں کیا ہے۔ اسے زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہا ہے"

"خدا تمہارا بھلا کرے میرے بچو!"

باقی رات عنبر اور ناگ نے سو کر گزار دی۔ صبح سویرے قبیلے کے لوگوں نے دونوں کے منہ ہاتھ دھلائے اور گھاس پر کیلے کے پتے بچھا کر اوپر ناشتہ چن دیا۔ ناشتہ کیا تھا۔ بس پھل تھے اور دودھ۔ قسم قسم کے میٹھے پھل کاٹ کر رکھ دیئے گئے۔ ناشتہ کرنے کے بعد عنبر اور ناگ نے مورتی اس ی بوڑھی ماں اور قبیلے والوں سے اجازت لی اور وہاں سے چل پڑے۔ قبیلے کے لوگ اور مورتی انہیں الوداع کہنے وادی میں دور تک آئے۔

دریا کنارے پہنچ کر عنبر نے کہا۔

"اب دریا پار کیسے کیا جائے؟ یہاں تو کوئی مچھیرا بھی نظر نہیں آ رہا۔"

دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہاں آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بارش ہوگی۔ ناگ ہنس کر کہنے لگا۔

"ابھی کوئی نہ کوئی کشتی والا آ جائے گا۔ اور اگر نہ آیا تو میں ہاتھی بن جاؤں گا۔ تم میرے اوپر بیٹھ جانا اور ہم دریا پار کر جائیں گے۔"

اتنے میں ایک کشتی دوسرے کنارے سے آتی نظر آئی۔ عنبر اور ناگ ایک جگہ بیٹھ کر اس کشتی کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ کشتی دریا کنارے آ کر لگی تو اس میں ایک مچھیرا بھی بیٹھا تھا۔ جانے کیوں مچھیرے نے ناگ کو بڑے غور سے دیکھا۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص انسان نہیں سانپ ہے۔ ناگ نے بھی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ کشتی مسافروں سے خالی ہو گئی۔ ناگ نے کشتی والے سے کہا۔

"بھائی ہمیں دریا پار کرا دو۔ کتنے پیسے لو گے؟"

مچھیرا بولا۔

"بابو جی! کشتی میں بیٹھ جاؤ۔ جب دوسرے مسافر بھی آ جائیں گے تو دریا پار کرا دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"تم کتنی دیر یہاں انتظار کرو گے؟"

"جب تک کشتی مسافروں سے بھر نہیں جاتی۔"

"عام طور پر کتنی دیر میں کشتی مسافروں سے بھر جایا کرتی ہے؟"

"کبھی دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ کبھی شام بھی ہو جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"نہیں بھائی ہم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے"

چھیرا بولا۔

"تو پھر تیر کر دریا پار کر لو بھائی۔ مجھے تو اپنے بال بچوں کے لیے روزی کمانی ہے میں تم دونوں کے دو روپے لے کر کیا کروں گا"

عنبر نے کہا۔

"ہم تمہیں سارے مسافروں کے پیسے دے [illegible] تم ہمیں لے کر اسی وقت دریا میں روانہ ہو جاؤ"

چھیرے نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔

"کیا تم پچاس روپے دے سکتے ہو بابو جی؟"

ناگ بولا۔

"ہم تمہیں سو روپے دے دیں گے۔ یہ لو سو روپے"

ناگ نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالنا چاہا تو اس کے ساتھ ہی ایک ہیرا نکل کر زمین پر گر پڑا۔ چھیرا ابھی تک قریب کھڑا ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا اور ناگ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ہیرے پر پڑی تو چونکا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ ہیرا کسی ایسے زمین تلے دبے خزانے سے نکالا گیا ہے جس پر سانپوں کا بادشاہ پہرہ دیتا ہے اور یہ کام سوائے سانپ کے دوسرا

کوئی نہیں کر سکتا۔ اب اسے پکا یقین ہو گیا کہ یہ شخص انسان بالکل نہیں ہے۔ سانپ ہے اور انسان کی شکل میں گھوم پھر رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ناگ کا پیچھا کریگا۔ پس جونہی ناگ اور عنبر کشتی میں سوار ہوئے۔ چھیرا بھی وہاں آ گیا اور بولا۔

"بابو جی! مجھے بھی واپس لے چلو"

ناگ نے کہا۔

"مگر بابا ابھی ابھی تو تم کشتی میں دریا پار کر کے آئے ہو۔ تمہیں واپس جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

چھیرا بہانہ بناتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہاں پہنچ کر مجھے یاد آیا کہ میں اپنی ہرن کی چھال تو مندر ہی میں بھول آیا ہوں۔ بس وہ واپس لینے جا رہا ہوں"

ناگ نے کچھ نہ کہا۔ عنبر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تم بھی آ جاؤ ہمارے ساتھ"

چھیرا بھی خوش ہو کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی دریا میں روانہ ہو گئی۔ راستے میں چھیرے نے ناگ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ناگ نے جو ٹکٹکی باندھی تو چھیرا گھبرا گیا۔ آنکھیں جھپک کر نظریں جھکا لیں۔ اسے اپنے سر میں درد ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اسے شک ہو رہا تھا کہ وہ ناگ کی آنکھوں

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

کو زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ناگ کے سانپ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ ناگ کو اس جوگی پر کچھ شک سا پڑا تھا کہ شاید وہ اسے پہچان گیا ہے مگر پھر اسے خیال آیا کہ یہ معمولی سا جوگی سپیرا بھلا اسے کہاں پہچان سکتا ہے۔ یہی ناگ کی بھول تھی۔ اس نے دشمن کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اسے چھوٹا سمجھا تھا،

یہ سپیرا بڑا ہوشیار، چالاک اور تجربہ کار سپیرا تھا۔ اس نے پہاڑوں میں جا کر سانپ مندر میں بیٹھ کر دس بارہ سال تک ریاضت کی تھی۔ تب کہیں جا کر اس کو یہ طاقت ملی تھی کہ وہ ایسے انسان کو پہچان سکے جو حقیقت میں سانپ ہو اور انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہو۔ اس نے تو ناگ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ سپیرے کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اس میں بھی اتنی طاقت آ جائے کہ وہ اپنی جون بدل کر جس کسی جانور کی شکل چاہے اختیار کر سکے۔ ایسا تبھی ہو سکتا تھا کہ وہ سانپ مندر میں بیٹھ کر بارہ برس تک ریاضت کرے۔ آدھی آدھی رات کو اٹھ کر دریا میں کھڑے ہو کر منتر پڑھے اور پھر جب اسے ایسا کوئی انسان نظر آئے جو سانپ کی شکل میں زندہ چل پھر رہا ہو تو وہ اسے فوراً پہچان لے گا۔ پھر

اسے چاہیئے کہ وہ اس سانپ انسان کو کسی طریقے سے پکڑ کر قابو کرے اور چاند کی چودھویں رات کو ٹھیک سات کے بارہ بجے اس کے سینے میں خنجر مار کر اسے ہلاک کر ڈالے۔ اس کے مر جانے سے سپیرے میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ وہ جس کی شکل چاہے اختیار کرے گا۔

سپیرے کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا کہ اسے ناگ نظر پڑ گیا تھا اور اب وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

دوسری طرف ناگ نے سپیرے کے بارے میں غور کرنا چھوڑ دیا اور عنبر سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ کشتی دوسرے کنارے پہ جا لگی۔ عنبر نے رقم ادا کی اور کشتی سے اتر کر ایک طرف چل پڑے۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

چڑیل کی چیخ

●

پیپیرا عنبر اور ناگ دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ عنبر آگے آگے چل رہا تھا۔ ناگ اس سے ذرا پیچھے تھا وہ ایک کچے راستے پر چلے جا رہے تھے جو دریا کنارے کے جنگل سے گزرتا تھا۔ پیپیرا بڑا ہوشیار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ کو صرف ایک ہی صورت میں قابو کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح سے اسے بے ہوش کر دیا جائے۔ لیکن ناگ کو بے ہوش کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ پیپیرے نے اگرچہ ایک دوائی میں کپڑا بھگو کر جیب میں ڈال رکھا تھا یہ بے ہوش کرنے والی دوائی تھی۔ اس کے لئے وہ کسی موقع کی تلاش میں تھا۔

عنبر اور ناگ جنگل میں سے نکل کر پکی سڑک پر آ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور مائل ہوٹل پہنچ گئے۔ پیپیرا برابر ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ راجکمار اور بڑی رانی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا بھی اب پریشان

ہو رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"سورتی کو اس کے گھر پہنچا دیا گیا ہے۔ اب یہ لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ ایسے قبیلے کے درمیان پہنچ چکا ہے جو اس کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر سورتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے"

اسی رات سب نے بیٹھ کر سوچا کہ اب آگے کون سا قدم اٹھانا چاہیئے۔ ناگ کا خیال تھا کہ راجہ ایک چور اچکا ہے۔ اس نے زبردستی "راجکمار کی گدی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس لئے فوراً اسے ختم کر کے محل پر قبضہ کر لیا جائے۔

عنبر نے کہا۔

"اگر قانون راجکمار کے ساتھ ہے تو ہم ایسا کر سکتے ہیں"

راجکمار بولا۔

"قانونی طور پر میں ہی راج گدی کا مالک ہوں راجہ نے جعلی دستاویزیں بنوا رکھی ہیں اصلی دستاویزیں ہمارے پاس موجود ہیں جن میں میں ہی محلے اور محل کا وارث ہوں"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر آپ نے راجہ پر دعوے کیوں نہیں کیا؟"

بڑی رانی بولیں۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"ہمیں اپنی زندگیوں کا خطرہ تھا۔ راجہ نے ہمیں کسی کے ہاتھ کہلوا بھیجا تھا کہ اگر ہم عدالت گئے تو وہ راجکمار کو قتل کروا دے گا"

ناگ نے کہا۔

"یہ کوشش تو وہ اب بھی کر بیٹھا ہے"

راجکماری نے کہا۔

"اس لئے کہ اب اسے احساس ہو گیا ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں اس کے لئے راستہ ہموار نہیں ہو سکتا۔"

"پھر اب کیا کرنا چاہیئے؟"

عنبر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"وہی جو میں کہہ رہا ہوں۔ راجہ کو ابھی جا کر ختم کر دینا چاہیئے۔ تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔"

سب خاموش ہو گئے۔ بڑی ماں نے کہا۔

"راجہ تو محل میں نہیں ہے۔ سنا ہے کہ وہ اپنی رانی کو لے کر پہاڑی مقام پر چلا گیا ہے"

ناگ بولا۔

"چاہے جہاں چلا جائے۔ اس کو ختم کرنا میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تم اس کام کو کر ڈالو"

سب سے مشورہ لیا گیا۔ آخر یہی طے پایا کہ اس بک بک کو ختم کیا جائے۔

راجہ ایک قاتل ہے۔ اس کے ہاتھ کئی بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ اسے جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دینا چاہیئے۔

"تو پھر یہ کام بھی تمہیں ہی کرنا ہو گا ناگ!"

ناگ نے سر جھکا کر کہا۔

"میں حاضر ہوں"

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم آج ہی سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے لئے یہ معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ راجہ کس جگہ ٹھہرا ہے"

"یہ میں معلوم کر لوں گا۔ آپ لوگ میرا اسی ہوٹل میں انتظار کریں"

ماریا نے کہا۔

"تم راجہ کو ختم کرنے کی اطلاع ہمیں تار کے ذریعے دے دینا۔ ہم اسی وقت محل پر جا کر قبضہ کر لیں گے"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بالکل ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر ناگ ہوٹل سے چل پڑا۔ پیپرا بھی باہر بیٹھا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جونہی ناگ نکلا وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ناگ نے کلچے میں جا کر ایک جگہ سے معلوم کر لیا کہ راجہ ایلورا نامی پہاڑی مقام پر گیا ہوا ہے۔ یہ بات پیپرے نے بھی سن لی۔ یعنی پیپرے کو پتہ چل گیا کہ ناگ ایلورا پہاڑی پر جانے والا ہے۔ اس پہاڑ پر جانے کے لئے شہر کے ریلوے اسٹیشن سے بسیں جاتی تھیں۔ ناگ سٹیشن کی طرف جانے کی بجائے دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ پیپرا سمجھ گیا کہ ناگ کسی پرندے کے روپ میں سفر کرنے والا ہے۔ وہ ناگ کو اپنی آنکھوں کے سامنے پرندہ بنتا دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اس کا رہا سہا شک بھی دور ہو جائے۔

ناگ دریا کنارے جا کر رک گیا۔

سامنے وہ پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں جن کے درمیان سب سے اونچی چوٹی والی پہاڑی ایلورا تھی جہاں راجہ اپنی رانی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا اور راجکمار کو قتل کرانے کی سکیم بنا رہا تھا۔ ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور انسان سے ایک خوبصورت عقاب بن کر اڑ گیا۔

پیپرے کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

اسے۔ آخر میرا خیال ٹھیک نکلا۔ تم سانپ انسان ہو۔ کوئی بات نہیں۔ اب تم میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

پیپرا ریلوے سٹیشن آ کر بس میں سوار ہوا اور بس ایلورا کی جانب روانہ ہو گئی۔ یہ راستہ پہاڑیوں میں سے ہو کر گزرتا تھا اور کافی پیچ دار تھا۔ ویسے سارا سفر کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔ پیپرا دوپہر کے بعد ایلورا پہنچ گیا۔

اب اسے ناگ کی تلاش تھی۔ دن بھر پیپرا سفید عقاب کو آسمانوں پر تکتا رہا۔ اسے سفید عقاب کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ رات کو تھک ہار کر پیپرا ایک جگہ پڑ کر سو گیا۔ دن چڑھا تو وہ پھر ناگ کی تلاش میں نکلا۔

ادھر ناگ سفید عقاب کے بھیس میں پہاڑ پر آ چکا تھا۔

وہ پہاڑ کے سب سے اعلیٰ ہوٹل کے قریب درختوں میں اتر آیا۔ درخت سے اتر کر وہ گھاس پر آ کر بیٹھ گیا اور پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ وہ سیدھا ہوٹل میں گیا۔ یہاں اس نے معلوم کر لیا کہ راجہ اور رانی اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر دس میں آ کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ناگ نے

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

بھی اسی ہوٹل میں کمرہ لے لیا۔ شام کو اس نے کمرہ کی تلاش شروع کی اور دیکھا کہ کمرے کے باہر ایک گر پہرہ دے رہا ہے۔

اس گورکھے کا بندوبست راجہ نے خود کر رکھا تھا۔

ناگ نے سوچا کہ اندر کس طرح جایا جائے۔ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی رات کو کھانے سے پہلے وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے بیرے کا بھیس بدلا اور کمرے میں کافی رکھ کر کمرے کے باہر آ گیا۔

گورکھے نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"دیکھتے نہیں میں ہوٹل کا بیرا ہوں۔ راجہ صاحب سے کھانے کا آڈر لینے جا رہا ہوں"

گورکھے سپاہی نے اوپر سے نیچے تک ناگ کو دیکھا۔ پھر سر ہلا کر کہا۔

"اچھا جاؤ"

ناگ چپکے سے اندر چلا گیا۔ اندر جا کر دیکھتا ہے کہ راجہ ایک آدمی سے باتیں کر رہا ہے۔ رانی آرام کرسی پر بیٹھی کافی پی رہی ہے۔ ناگ ابھی پردے کے پیچھے ہی تھا

اسے راجہ کی آواز آئی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے سنگرام سنگھ!"

سنگرام سنگھ کا چہرہ ڈراؤنا تھا۔ آنکھیں لال تھیں اور سامنے کے دو دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ بولا۔

"راجہ صاحب! فکر ہی نہ کریں۔ دو دن کے اندر اندر میں راجکمار اور اس کی ماں کے سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا"

"شاباش!" راجہ نے خوش ہو کر کہا۔ "میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا"

اب ناگ ذرا کھانس کر سامنے آ گیا۔ راجہ اور سنگرام سنگھ نے چونک کر دیکھا۔

"کیا بات ہے؟"

ناگ نے ادب سے کہا۔

"حضور! رات کے کھانے پہ آپ کیا نوش فرمائیں گے۔ یہی پوچھنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"

راجہ نے غصے میں آ کر کہا۔

"ابھی ابھی تو ایک بیرا پوچھ کر گیا ہے۔ تم کیوں آ گئے ہو؟"

ناگ سمجھ گیا کہ ہوٹل کا بیرا کھانے کا آرڈر لے جا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چکا ہے۔ پھر بھی اس نے جھک کر کہا۔

"حضور! مینجر صاحب نے کہا ہے کہ آپ کے لئے ہ
نے جنگلی ہرن کے کباب خاص طور پر تیار کروائے ہیں۔ کی
آپ کھانا پسند فرمائیں گے؟"

رانی نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور ہرن کے کباب تو میں بڑے شوق سے
کھاتی ہوں"

ناگ نے راجہ کی طرف دیکھا۔ راجہ نے کہا۔

"ہاں ہاں ہرن کے کباب ضرور لاؤ۔ اب تم دفع ہو
جاؤ یہاں سے"

ناگ نے دل میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تم لوگوں کے ایسے کباب بناؤں گا کہ
ساری زندگی یاد کرو گے"

اوپر سے بولا۔

"جو حکم جناب!"

اور ناگ ٹرے ہاتھ میں لیے کمرے سے باہر آ گیا۔
باہر آتے ہی اسے برآمدے میں ہوٹل کا مینجر ملا۔ اس نے
ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"ارے تم کون ہو! تم کہاں سے آ گئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"دیکھتے نہیں اندھے ہو گیا؟ میں اس ہوٹل کا بیرا ہوں"

ناگ کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ شخص ہوٹل کا مینجر ہے اور
سارے بیروں کو جانتا ہے۔ اس نے ناگ کو گریبان سے
پکڑ کر جھنجوڑا اور کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟ کون ہو تم؟"

ناگ نے مینجر کو آنکھ مار کر کہا۔

"میں سرکاری جاسوس ہوں۔ گورنمنٹ کے سی آئی ڈی
کے محکمے نے مجھے راجہ اور رانی کی نگرانی کرنے کے
لئے بھیجا ہے"

مینجر ایک دم ٹھٹھک گیا۔

"اوہ! ٹھیک ہے۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا"

مینجر آگے نکل گیا۔ ناگ نے جلدی سے اپنے کمرے
میں آ کر لباس تبدیل کیا۔ نقلی مونچھیں اتار کر پھینکیں اور
داخل ہوٹل میں اسی وقت عنبر کو فون پہ خفیہ اشاروں میں
بتایا کہ راجہ نے ایک آدمی سنگرام کو اس کام پہ لگایا ہے
کہ وہ راجکمار اور رانی کو جا کر ختم کر دے۔

"بہرحال فکر کی بات نہیں۔ میں راجہ رانی اور اس شخص
سنگرام تینوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر رہا ہوں۔ نہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر دو۔ وقت بہت کم ہے۔"

"میں آج ہی اس کام سے فارغ ہو کر کل تم لوگوں کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ ماریا کو میرا سلام کہنا۔"

"خدا حافظ!"

"خدا حافظ"

ناگ اپنے کمرے سے باہر نکل رہا تھا کہ اس نے سنگرام سنگھ کو دیکھا کہ منہ لپیٹے ہوٹل کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ ناگ نے اس کا پیچھا کیا۔ سنگرام سیڑھیوں سے اتر کر ہوٹل سے باہر آ گیا۔ یہاں ایک گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اس میں سوار ہو کر چل دیا۔ ناگ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ٹیکسی پاس ہی کھڑی تھی۔ ناگ نے ڈرائیور سے جانے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ ناگ نے بہت کہا مگر ٹیکسی ڈرائیور نہ مانا۔ آخر ناگ کو غصہ آ گیا۔ بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اڑ کر چلے جاتے ہیں"

ڈرائیور ہنسا۔

"مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ تم پاگل ہو۔ چلا اڑ کر تو دکھاؤ"

"یہ لو میں اڑنے لگا ہوں"

اتنا کہہ کر ناگ سفید عقاب بن کر پھڑ پھڑ کرتا اڑ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا اور پھر غش کھا کر گر پڑا۔

ناگ سفید عقاب کے بھیس میں سنگرام سنگھ کی کار کے بالکل اوپر اڑا جا رہا تھا۔ رات کا اندھیرا پہاڑوں پر پھیل گیا تھا۔ جس سڑک پر سنگرام کی کار جا رہی تھی اس پر بجلی کے کھمبے لگے تھے جن پر بلب روشن تھے۔ ناگ کو کار صاف جاتی نظر آ رہی تھی۔ وہ کار کے اوپر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ کار ایک کوٹھی کے اندر داخل ہو گئی۔ عقاب درخت پر بیٹھ گیا۔ کار میں سے سنگرام باہر نکلا۔ دروازہ بند کر کے کوٹھی میں چلا گیا۔

ناگ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اندر وہ کیا کر رہا ہے۔ کیونکہ سنگرام اب راجکمار اور بڑی رانی کو قتل کرنے کے لئے جانے ہی والا تھا۔ ناگ درخت سے اتر کر پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور اندھیرے میں درختوں کے پیچھے سے کھسکتا کوٹھی کے برآمدے میں آ کر شیشے کے ساتھ لگ کر اندر دیکھنے لگا۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ کھڑکی پہ پردہ گرا تھا۔ اس میں سے ناگ

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

نے سنگرام کو دیکھا کہ وہ پستول میں گولیاں بھر رہا تھا۔ گولیاں بھرنے کے بعد سنگرام نے ایک لمبا سا خنجر اپنے کوٹ کی اندر والی جیب میں چھپایا۔ سر پر کالا ہیٹ پہنا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ ناگ جلدی سے پیچھے ہٹا اور جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کا پاؤں برآمدے کے چھجے کے گملے سے ٹکرا گیا۔ گملا فرش پر گر پڑا۔

"کون ہے؟"

سنگرام نے پستول نکال کر آواز دی۔ کوئی نہ بولا۔ گہری خاموشی۔ سنگرام نے جھاڑیوں میں حرکت دیکھی تو پستول کی گولی چلا دی۔ سنگرام بھاگ کر جھاڑیوں کے پاس آیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے درختوں میں ایک سائے کو سرکتے دیکھا۔

"رک جاؤ"

سنگرام نے اوپر تلے چار فائر کر دیئے۔ درخت کی چھال اڑ گئی۔ سنگرام بھاگ کر درخت کے پاس آیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک پھنکار کی آواز سنائی دی۔ سنگرام نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ سانپ زمین سے دو فٹ اوپر اٹھا پھن پھیلائے اسے گھور رہا تھا۔ سنگرام نے پستول کا نشانہ لے کر فائر کیا۔ گولی سانپ

پھن کے قریب سے ہو کر نکل گئی۔ ناگ جھک کر پرے گیا۔

سنگرام نے سانپ کو بچتے دیکھا تو کوٹ کی جیب خنجر نکال لیا۔ سانپ جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ سنگرام نے دیکھا کہ سانپ بھاگ گیا ہے تو وہ کار میں آ کر گیا اور کار کا رخ ناگ پور شہر کی طرف کر دیا۔ راجکمار اور بڑی رانی کو قتل کرنے جا رہا تھا۔

اس وقت آسمان پر کالے بادل چھانے لگے۔ چاند دلوں میں چھپ گیا۔ رات زیادہ اندھیری ہو گئی۔ سردی پڑ رہی تھی۔ سنگرام نے کار کے سامنے شیشے بند ہوئے تھے۔ پھر بھی اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ پہاڑ پر زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے۔ کار پہاڑی سڑک پر کھاتی چلی جا رہی تھی۔ اتنے میں بجلی چمکی۔ بوندا باندی شروع ۔ کار کے شیشے پر بارش کے قطرے گرنے لگے۔ سنگرام بٹن دبایا تو کار کے وائپر چلنے لگے

ار کی روشنی میں سڑک پر بارش کی بوندیں گرتی صاف ر آ رہی تھیں۔

سنگرام آدھی رات شہر پہنچ کر صبح ہونے سے پہلے کمار اور بڑی رانی کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا۔ رانی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے اپنا پستول پھر سے بھر لیا تھا۔ اس پستول میں
چھ گولیاں تھیں۔ کار سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ ایک طر
پہاڑ تھے۔ دوسری طرف گہری گھاٹیاں تھیں۔

سڑک بل کھاتی جاتی تھی۔

سڑک کا ایک موڑ مڑتے ہوئے بادل زور سے
گرجا۔ ایک کڑاکا ہوا۔ جیسے جنگل میں کسی جگہ بجلی گری
اس کے ساتھ ہی روشنی ہوئی۔ سنگرام کی کار چمک ا
پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔ اور بارش تیز ہو گئی۔

سنگرام بڑی ہوشیاری سے کار چلا رہا تھا۔

ایک موڑ مڑتے ہی وہ کیا دیکھتا ہے کہ اچانک سا
کوئی جنگلی جانور آن کھڑا ہوا ہے۔ سنگرام نے ایک د
بریک لگائی۔ جنگلی جانور کار کی روشنی میں چھلانگ لگا
کار کی چھت پر آ گیا۔ سنگرام نے کار کی رفتار تیز کر
دی۔ اس جانور کی شکل ریچھ سے ملتی جلتی تھی۔ سنگرام نے
کار کو ایک دم تیز کر دیا تاکہ دھچکا لگنے سے جنگلی جانو
نیچے سڑک پر گر پڑے۔

کوئی شے چھت پر سے نیچے گر پڑی۔ سنگرام بڑا
خوش ہوا کہ مصیبت ٹل گئی۔ اب اس نے کار کی رفتا
تیز کر دی۔ وہ جلدی شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ تاکہ رات ک

ی ہی وہ لوگوں کا کام تمام کر دے۔ بارش زور سے
ی لگی۔ بادل بار بار گرجتا۔ بجلی رہ رہ کر چمکتی۔ بجلی کی کڑک
جنگل اور پہاڑ گونج اٹھتے۔

ب جگہ سڑک کا موڑ بڑا چھوٹا تھا۔
سامنے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ سنگرام کار کو موڑنے لگا
ایک پتھر لڑھک کر سڑک پر آن گرا۔ ایکدم کار کو بریک
ر اس نے کار روک دی۔ اگر وہ ذرا دیر کر دیتا تو پتھر
گر کر اسے کچل کر رکھ دیتا۔ اب سڑک بند ہو
سنگرام نے کار سے اتر کر پتھر کو ہٹانے کی کوشش
ر وہ اس قدر بھاری تھا کہ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔
سنگرام بارش میں بھیگ گیا۔ وہ کار میں آ کر بیٹھ گیا اور
لگا کہ کیا کرنا چاہیے۔ کیا وہ واپس چلا جائے؟
یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بجلی چمکی۔ اس کے ساتھ ہی
زور سے گرجا۔

تیز جنگل میں سنائی دی۔ سنگرام کے رونگٹے کھڑے
کیونکہ آواز بڑی ڈراؤنی تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے
چڑیل رو رہی ہے۔

سنگرام نے کار کے شیشے چڑھا لیے اور پستول نکال کر ہاتھ
پکڑ لی۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بارش کا شور ہی شور
پہاڑ کی نالے دھڑ دھڑاتے ہوئے گر رہے تھے
شور سے بہہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جنگل میں
چڑیل کے رونے کی آواز سنائی دی۔

اب یہ آواز بڑی قریب سنائی دی۔ جیسے چڑیل
قریب ہی آ گئی ہو۔

سنگرام کا دل دھڑکنے لگا۔ سخت سردی میں بھی
پسینہ آ گیا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ یہاں چڑیل کہاں سے
[illegible] سوچنے لگا۔

دھپ کی آواز آئی۔ سنگرام نے چونک کر شیشے
سے باہر دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر اندھیرے میں
دکھائی نہ دیا۔ آواز گاڑی کے قریب سے آئی تھی۔ جیسے
کچھ اوپر سے چھلانگ لگا کر سڑک پر گرا ہو۔ سنگرام
کار کی بتی روشنی بجھا دی تھی۔ ایک چیخ کی دل ہلا دینے والی
آواز گونجی۔ آواز اتنی قریب تھی کہ سنگرام کی بھی چیخ نکل
اس کے ساتھ ہی اس نے کار کی روشنی جلا دی۔

سڑک پر روشنی پڑی تو جو کچھ اسے نظر آیا اس کو
دیکھ کر سنگرام کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اس نے دیکھا کہ سامنے سڑک پر ایک قوی ہیکل اونچا
لمبا بہت لمبے دانتوں اور خوفناک سیاہ سونڈ والا ہاتھی کھڑا
جھول رہا تھا اور سونڈ اٹھا کر چنگھاڑ رہا تھا۔ سنگرام نے
سامنے والا شیشہ توڑ کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ ہاتھی
ایکدم سے پرے ہٹ گیا۔ اب وہ اندھیرے میں آ گیا
تھا۔ سنگرام نے کھڑکی کا شیشہ بھی تھوڑا سا توڑ ڈالا تاکہ
گولی چلا سکے۔

نیلو ہاتھی کار کے پیچھے آ گیا تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ سنگرام نے محسوس کیا کہ کسی شے نے
کار کو سڑک پر سے اوپر اٹھا لیا ہے۔ کار سڑک پر سے
اوپر اٹھتی چلی گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ ہاتھی نے کار کو سونڈ میں
لے کر اوپر اٹھایا ہوا ہے۔ سنگرام نے دروازہ کھول کر
باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کے چھلانگ لگاتے ہی ہاتھی
نے کار کو وہیں پھینک کر اپنی سونڈ سنگرام کی طرف
بڑھائی۔ سنگرام ایک طرف بھاگا لیکن ہاتھی کی سونڈ وہاں
پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

سنگرام اب ہاتھی کی سونڈ میں تھا۔

ہاتھی نے سنگرام کو سونڈ میں جکڑ کر اوپر اٹھایا اور
دو تین بار ہوا میں جھلا کر پوری طاقت سے نیچے گہری

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

گھاٹیوں میں اچھال دیا۔ سنگرام کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور پھر گہری گھاٹیوں کے اندھیرے اور بارش کے شور میں گم ہو کر رہ گئی۔ سنگرام گھاٹی کے پتھروں پر گر کر چکنا چور ہو چکا تھا۔

اب ہاتھی نے سونڈ میں کار کو اٹھایا اور اسے بھی سنگرام کے پیچھے ہی گھاٹی میں پھینک دیا۔ کار ایک دھماکے سے پتھروں سے ٹکرائی اور اسے آگ لگ گئی۔ جتنی دیر اس کے اندر پٹرول رہا آگ کار کو جلاتی رہی۔ پھر وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ ہاتھی جھومتا ہوا واپس پہاڑی کے اوپر جانے والی سڑک پر چل پڑا۔

کافی دور جا کر اسے دور سے ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ ہاتھی ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ گاڑی قریب سے گزر گئی۔ ہاتھی نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ ایودا کا پہاڑی مقام اب تھوڑی دور رہ گیا تھا۔ ہاتھی پہاڑی بنگلوں کے آس پاس درختوں میں آیا تو بارش ختم ہو گئی تھی۔ لوگ مکانوں میں لحاف اوڑھے مزے سے سو رہے تھے۔ کہیں کہیں کسی مکان میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہاتھی ایک مکان کے پیچھے آ کر گیراج کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ ہلکی بوندا باندی پھر شروع ہو گئی تھی۔

ب جیسا ہوا کہ اس گیراج کے ساتھ ہی ایک کوٹھڑی یک بنگلے کا چوکیدار سو رہا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر باہر آیا تو اپنے سامنے گیراج میں ایک ہاتھی کو کھڑا دیکھ کر اس نے چیخ ماری اور بھاگ کر کوٹھڑی میں گھس کے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ کھڑکی کی سوراخ سے کر گیراج میں تکنے لگا۔ ہاتھی گیراج میں سے نکل کر بنگلے کے پیچھے چلا گیا۔

چوکیدار کی چیخ کی آواز سن کر گھر کے لوگ جاگ پڑے۔

"کیا ہوا؟ تم نے چیخ کیوں ماری تھی؟"

چوکیدار نے مالک مکان کو بتایا کہ اس نے ابھی ابھی گیراج میں ایک ہاتھی کو دیکھا ہے۔ مالک مکان نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔

"جاؤ جا کر سو جاؤ۔ اس پہاڑی مقام پر آج تک کبھی کسی نے ہاتھی نہیں دیکھا۔ ضرور تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"

"سرکار! سچ کہتا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ہاتھی کو گیراج میں کھڑے دیکھا ہے۔"

مالک بولا۔

"تمہارا دماغ چکر کھا گیا ہے۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

چوکیدار بولا۔

"سرکار! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہاں ابھی خوفناک ہاتھی کھڑا جھول رہا تھا۔"

مالک نے پوچھا۔

"تو وہ اب کہاں چلا گیا ہے؟"

"سرکار! وہ گیراج میں سے نکل کر کوٹھی کے پیچھے چلا تھا۔ آپ میرے ساتھ چل کر ہاتھی کے پاؤں کے نشان لیں۔"

مالک مکان نے سوچا کہ وہاں چل کر ہاتھی کے قدموں کے نشان دیکھنے چاہئیں۔ اس میں آخر کیا حرج ہے؟ جب وہ لالٹین لے کر گیراج کے سامنے آئے تو مالک مکان دنگ رہ گیا۔ کیونکہ زمین پر ہاتھی کے بڑے بڑے پیروں کے نشان کیچڑ میں صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ گیراج کے پیچھے گئے۔ وہاں کوئی ہاتھی نہیں تھا۔

* * *

ناگ پھنس گیا

ہاتھی اس میں ناگ تھا۔

کوٹھی کے پیچھے جا کر وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور دور اوپر پہاڑی پر جا کر ایک پرانے گرجا گھر کے ٹوٹے ہوئے گیراج میں جا کر لیٹ گیا اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں ایک گھاس پھوس کا بستر سا بچھا ہوا تھا۔ ناگ کو اس گرم گرم بستر پر نیند آ گئی۔ صبح اس کی آنکھ کھل گئی

بادل ابھی تک پہاڑوں پر چھائے ہوئے تھے۔ سردی کافی پڑ رہی تھی۔

ناگ اٹھ کر باہر آ گیا۔ گرجا گھر خاموش تھا۔

ناگ پیچھے سے ہو کر اوپر والی سڑک پر چڑھ آیا اور بسوں کے اڈے کی طرف چل پڑا۔ یونہی اس کا دل چاہتا تھا کہ اڑ کر واپس عنبر اور ماریا کے پاس جانے کی بجائے بس میں سیر کرتا جائے۔ ابھی بس کا اڈہ کافی دور تھا۔ ناگ ایک میں پتلی سی سڑک پر سے گزر رہا تھا جو پیدل چلنے

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

والوں کے لیے بنائی گئی تھی اور جیپ کی دونوں جانب گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

رات بھر کی بارش کے بعد درختوں اور جھاڑیوں میں پانی ٹپک رہا تھا ناگ کو بالکل پتہ نہیں چل سکا تھا کہ سپیرا اس کا پیچھا کرتا چلا آ رہا تھا۔

سپیرا صبح صبح ہی ناگ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ وہ اتفاق سے گرجا گھر کی طرف آ رہا تھا کہ اس نے ناگ کو چڑھائی چڑھ کر چھوٹی سڑک کی طرف آتے دیکھا۔ خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ شکار خود بخود اس کے پھندے میں چلا آ رہا تھا۔ سپیرا ایکدم جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ ناگ جب سڑک پر چڑھ آیا تو سپیرے نے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

سپیرے کو معلوم تھا کہ ناگ پہاڑی شہر کے چوک کی طرف جا رہا ہے جہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وار اسی وقت کر دینا چاہیے تھا۔ ورنہ اس کے بعد اسے کبھی ایسا سنہری موقع ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔ بے ہوش کرنے والی دوائی سپیرے کی جیب میں تھی۔

ناگ بڑے آرام سے ٹہلتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"ارے بیٹا ذرا میری بات تو سن"

ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا سیاہ دبلا پتلا انسان سڑک پر لنگڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ناگ جلدی سے اس کے پاس پہنچ کر بولا۔

"بابا! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

یہ سپیرا تھا جس نے ٹانگ میں درد ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ سپیرے نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"یا خدا! اس نوجوان کو ساری زندگی سکھی رکھنا۔ یہ برخوردار میری مدد کرنے والا ہے"

ناگ نے پوچھا۔

"بابا! آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

سپیرا بڑی مکاری سے بولا۔

"بیٹا! میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ میں پہاڑی پر گر پڑا تھا مجھے ذرا سہارا دے دو۔ بس اگلے چوک تک ہی مجھے جانا ہے۔ وہاں میرا بیٹا رہتا ہے۔"

"ضرور ضرور بابا! آپ کی خدمت کر کے مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

ناگ نے سپیرے کو سہارا دیا۔ سپیرے نے ایک ہاتھ ناگ کی گردن میں ڈال دیا اور دوسرا ہاتھ جیب میں رکھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیا۔ اسی جیب میں سپیرے نے وہ رومال رکھا تھا جو بے ہوش کرنے والی تیز دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔ ایک جگہ بہت سی جھاڑیاں آ گئیں جنہوں نے آدھی سڑک کو ڈھانپ رکھا تھا۔ سپیرے نے کہا۔

"بیٹا! ذرا رکنا میں پہلو بدل لوں"

"ضرور ضرور بابا جی!"

سپیرے نے اب کمال کی پھرتی دکھائی۔ اس نے ایک ہاتھ ناگ کی گردن میں ڈال کر دوسرا ہاتھ جیب سے نکالا اور بڑی تیزی سے بے ہوش کرنے والی دوا میں بھیگا ہوا رومال ناگ کی ناک پر جما دیا۔ سپیرے نے رومال ناگ کے منہ پر زور سے جمانے کے واسطے اپنا سارا زور لگا دیا۔ دوائی اس قدر تیز تھی کہ ناگ نے ایک ہی سانس لیا تھا کہ اس کا دماغ جواب دے گیا اور وہ سپیرے کی بانہوں میں بیہوش ہو گیا۔ سپیرے نے اسی وقت ناگ کو سڑک کنارے لٹا دیا۔ پھر اس نے رومال گلے میں ڈال کر رونا شروع کر دیا۔ اس نے سامنے سے دو ایک آدمیوں کو آتے دیکھ لیا تھا۔ یہ آدمی قریب آ گئے۔ انہوں نے سپیرے سے پوچھا۔

"بابا! کیوں رو رہے ہو؟ یہ کون ہے؟"

سپیرے نے روتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! کیا بتاؤں یہ میرا لڑکا ہے۔ اس کو مرگی کی بیماری ہے۔ میرے ساتھ پہاڑ پر آیا تھا کہ دورہ پڑ گیا اور بیہوش ہو گیا۔ میں غریب آدمی ہوں۔ اسے کیسے نیچے ناگ پور کے ہسپتال میں لے جاؤں گا؟"

ایک نے کہا۔

"فکر نہ کرو بابا! آخر انسان کو خدا نے کس لئے بنایا ہے! اس لئے کہ وہ دوسرے دکھی انسان کے کام آئے۔ تم یہیں ٹھہرو میں ابھی اپنی گاڑی لے کر آتا ہوں اور تمہیں اور تمہارے بیمار بچے کو ناگ پور کے ہسپتال میں چھوڑ کر آؤں گا۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے بیٹا!"

مکار سپیرا بے ہوش ناگ کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ وہ آدمی کار لینے چلا گیا۔ سپیرے نے ناگ کو اور زیادہ دوائی سنگھا دی۔ اب ناگ کے دماغ میں اتنی دوائی چلی گئی تھی کہ وہ رات تک ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ شریف آدمی کار لے کر آ گیا۔ اس نے ناگ کو اٹھا کر کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ سپیرا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور کار نے شہر ناگ پور کی طرف سفر شروع کر دیا۔ دوپہر کے وقت سپیرا بے ہوش ناگ کو لے کر ناگ پور پہنچ گیا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

اس آدمی نے کہا۔

"بابا! وہ ہسپتال کہاں ہے جہاں تم اپنے بیٹے کو کے لئے لے جانا چاہتے ہو؟"

پیرا بولا۔

"بیٹا! تم مجھے پہلے میرے گھر چھوڑ دو۔ میں اس کی ماں ساتھ لے کر ہسپتال جاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی!"

پیرا شہر سے باہر ایک پرانے مندر کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں ٹھہرا رہتا تھا۔

کار نے اسے کوٹھڑی کے پاس اتار دیا۔ پیرے نے اس آدمی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور ناگ کو چارپائی پر لٹا دیا۔ جب کار چلی گئی تو پیرا خوشی سے ناچ اٹھا۔ شکار اس کے قبضے میں تھا۔

اب وہ اس ناگ کی گردن کاٹ کر اس کا خون اپنے ماتھے پر لگانے سے خود ناگ بن جائے گا۔ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور جس جانور اور درندے کی چاہے شکل اختیار کر سکے گا۔

مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ ناگ کو ہوش میں لایا جائے۔

اسے معلوم تھا کہ ناگ آدھی رات سے پہلے ہوش میں نہیں ئے گا۔ پیرے نے پہلا کام یہ کیا کہ ناگ کو رسیوں سے جکڑ دیا۔ اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا۔ جب رات کا ندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو پیرے نے خنجر نکال کر اسے تیز کیا۔ اب وہ ناگ کی گردن کاٹنے کے لئے گے بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک دھماکہ سا ہوا اور پیرے کا گرو جو کہ مر چکا تھا سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

پیرے نے اپنے گرو کی روح کو دیکھا تو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔

"گرو مہاراج! کس لئے آپ نے تکلیف کی؟"

گرو کی روح نے ڈانٹ کر کہا۔

"احمق یہ کیا کرنے والا تھا؟"

پیرا بولا۔

"مہاراج! یہ ناگ عنبر ہے اور کئی ہزار سال سے زندہ ہے۔ میں اسے مار کر خود بھی امر ہو جانا چاہتا ہوں۔"

روح نے کہا۔

"احمق! یہ تجھے کس الو کے پٹھے نے بتا دیا کہ اس ناگ کو مار ڈالنے سے تو امر ہو جائے گا۔ اگر تو نے اس شخص کو ہلاک کر دیا تو اس کے ساتھ ناگ کا جادو بھی ختم

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

ہو جائے گا اور تیرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

پیرا حیران ہو کر بولا۔

"مہاراج! پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

روح نے کہا۔

"سن! میری بات غور سے سن! اس شخص کو ہرگز ہرگز ہلاک نہ کر۔ تمہیں اپنی چارپائی کے نیچے ایک لوٹا ملے گا۔ اس لوٹے میں پانی ہوگا۔ میرے جانے کے بعد یہ پانی اس ناگ پہ چھڑک دینا۔ اس پانی کی وجہ سے یہ شخص سمٹ کر ایک بے ہوش سانپ بن جائے گا۔ پھر یہ سانپ ایک سبز رنگ کے ہیرے میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ ہیرا اٹھا کر تو اسے اپنی انگوٹھی میں جڑوا کر اپنے پاس رکھ لے۔ اس سبز ہیرے کی وجہ سے یہ ناگ تیرے قابو میں آ جائے گا۔ پھر تو بھی نہیں مر سکے گا۔ تجھے جتنی دولت کی ضرورت ہو اس انگوٹھی کے ہیرے کو کسی شے سے رگڑنا۔ یہ ناگ سانپ کی شکل میں تیرے سامنے آ جائے گا اور تجھے جتنی دولت اور جس کام کی اس سے ضرورت ہوگی یہ اسے اسی وقت پورا کر دے گا لیکن۔ اس سے زیادہ تجھے اور کیا چاہیئے؟ مگر یاد رکھ اگر تو نے اسے مار ڈالا تو پھر تو کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔"

پیرے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"گورو مہاراج! جیسا آپ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔"

گورو کی روح غائب ہو گئی۔ پیرے نے چارپائی کے نیچے لالٹین کی روشنی ڈال کر دیکھا۔ سچ مچ وہاں ایک پیتل کا چھوٹا سا لوٹا پڑا تھا۔ پیرے نے جلدی سے لوٹا باہر نکالا۔ اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ پیرے نے خنجر اسی وقت پھینک دیا۔ لوٹے میں سے پانی چلو میں لے کر ناگ پہ چھڑکا۔ پانی کا چھڑکنا تھا کہ ناگ چارپائی سے ایک فٹ اوپر اچھل پڑا اس کے بعد وہ سمٹنا شروع ہو گیا اور سکڑتے سکڑتے ایک سانپ بن گیا جو بے ہوش تھا۔

پیرے نے دوسری بار سانپ پر پانی چھڑکا تو سانپ نے بھی سکڑنا شروع کر دیا۔

سانپ سکڑتے سکڑتے ایک سبز رنگ کا ہیرا بن گیا۔

پیرے کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی۔ اس نے گورو نے جو کہا تھا وہی ہوا۔ اگر وہ بے سمجھی میں آ کر ناگ کو ہلاک کر ڈالتا تو ساری زندگی اس دولت سے محروم رہتا۔

پیرے نے جلدی سے ہیرا اٹھا کر جیب میں ڈالا اور چارپائی پر لیٹ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

دن چڑھا تو پیرا ہیرا لے کر بازار میں آ گیا جہاں اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے ایک چاندی کی سفید انگوٹھی خریدی اور ہیرا اس میں جڑوا کر اپنی انگلی میں پہن لیا۔ پیرا اس طرح خوش تھا کہ جیسے اسے سار دنیا کی طاقت مل گئی ہے۔ سارا دن وہ پہاڑوں میں گھومتا ر تیسرے پہر وہ نک پور شہر آ گیا چونکہ وہ پرانا تجربے کار پیرا تھا اسے معلوم تھا کہ اس پرانے شہر میں بادشاہوں کے محل کہاں کہ ہیں۔ اسے یقین تھا کہ ان محلوں میں بادشاہوں کے خزانے کہیں ن کہیں ضرور دفن ہوں گے۔

ایک پرانے محل کے کھنڈر میں جا کر پیرے نے انگوٹھی ا سبز نگینہ ذرا سا رگڑا۔ رگڑنے کے ساتھ ہی ناگ سانپ کی شکل میں پیرے کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ ناگ کی آنکھیں سرخ تھیں صاف لگ رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے مگر چونکہ وہ پیرے کے قابو میں تھا اس لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ پیرے کو کاٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اور پیرے کے درمیان لوہے کی ایک دیوار کھڑی ہے جس کے پار وہ نہیں جا سکتا۔

پیرے نے سانپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے ناگ! جلدی اس محل کے نیچے جا اور جہاں کہیں خزانہ دبا ہے اس خزانے میں سے ہیرے جواہرات کے ہار لا کر مجھے دے دے۔"

ناگ نے سر جھکایا اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ناگ آیا تو اس کے گلے میں سونے اور جواہرات کے ہار تھے۔ ہار لا کر اس نے پیرے کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔

پیرے نے انگوٹھی کے نگینے کو دوبارہ رگڑا تو ناگ غائب ہو گیا۔ اتنے جواہرات والے سونے کے ہار دیکھ کر پیرے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اتنی دولت اس نے ساری زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اسی وقت پیرے نے سارے ہار گٹھڑی میں لپیٹ کر اپنی کمر کے گرد باندھ لئے اور واپس اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔

دوسرے دن اس نے شہر کے ایک جوہری سے بات کی اور کہا کہ اس کے پاس کچھ تاریخی ہار اور جواہرات ہیں۔ جوہری نے کہا۔

"کہاں ہیں۔ مجھے دکھاؤ۔ میں تمہیں اس کی پوری پوری قیمت دوں گا۔"

پیرا جوہری کو اپنے جھونپڑے میں لے گیا۔ جوہری نے ہار دیکھے تو دنگ رہ گیا۔ کیونکہ وہ بڑے ہی قیمتی ہار تھے۔ ہاروں اور جواہرات کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس نے پیرے سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"تم ان ہاروں کا کیا لو گے؟"

سپیرے نے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

"واہ! تم جانتے ہو کہ میں سپیرا ہوں۔ ساری زندگی سانپوں سے کھیلتا رہا ہوں۔ انسانوں سے کھیلنا بھی جانتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میرے سانپ تمہیں تمہارے گھر جا کر بھی ہلاک کر دیں گے۔ اس لیے جو ان ہاروں اور جواہرات کی اصل قیمت ہے اس کا تیسرا حصہ تم رکھ لو اور باقی مجھے دے دو۔ میں تمہارے ساتھ رعایت کر رہا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ ڈنڈی مارنے کی کوشش نہ کرنا۔"

جوہری ڈر گیا۔ اسے معلوم تھا کہ سپیرا بڑا مکار جوگی ہے۔ اس کے پاس ایسے سانپ بھی ہیں جو انسان کا پیچھا کرتے ہیں اور وہ جہاں کہیں بھی ہو اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور ڈس کر مار ڈالتے ہیں۔ جواہرات اور ہار بڑے قیمتی تھے۔

جوہری نے کہا۔

"بابا! فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا۔ اپنا منافع رکھ کر جتنی رقم مناسب ہوگی تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"تو پھر بتاؤ۔ تم کیا دو گے؟" سپیرے نے پوچھا۔

جوہری نے کہا۔

"سپیرے بھائی! میں اپنا منافع جو تم نے خود مجھے دینے کا فیصلہ کیا ہے رکھ کر تمہیں پندرہ لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ میں ایک پائی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ تمہاری مرضی ہے۔ تم بے شک کسی دوسرے جوہری کو جا کر دکھا سکتے ہو۔"

سپیرے کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی وہ زندگی میں پندرہ لاکھ روپے بھی کما سکتا ہے۔ اس نے جھٹ کہا۔

"منظور ہے۔"

جوہری نے کہا۔

"تو پھر میرے ساتھ گھر آؤ۔ میں روپے گھر پر ہی رکھتا ہوں۔"

سپیرے نے کہا۔

"دیکھنا! اگر میرے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تو میرے سانپ تمہیں اور تمہارے سارے گھر والوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

جوہری نے کہا۔

"بابا! کیوں بدگمانی کرتے ہو۔ تمہارے ساتھ جو سودا ہوا ہے میں اس پر پابند رہوں گا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تم میرے ساتھ بے دھڑک میرے گھر چلے چلو۔ اور ہار دے کر اپنی رقم سنبھالو"

جوہری نے پھیرے کو ساتھ لیا اور شہر کی مختلف گلیوں بازاروں سے ہوتا ہوا اپنے مکان پر آگیا۔ وہ پھیرے کو مکان کے تہہ خانے میں لے گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ جوہری نے بتی روشن کی۔ پھیرے نے دیکھا کہ دیوار میں لوہے کی ایک بڑی الماری لگی تھی۔ جوہری نے چابیاں لگا کر نمبر ملا کر الماری کا ایک پٹ کھولا۔ اور اندر سے نوٹوں کے بنڈل نکال کر باہر رکھ دیئے۔

"تم اپنے پندرہ لاکھ روپے گن کر الگ کر لو"

پھیرے نے کہا۔

"یہ کام تم ہی کرو تو اچھا ہے"

"جیسے تمہاری مرضی!"

جوہری نے پندرہ لاکھ روپے کے نوٹ گن کر الگ رکھ دیئے۔

"اسے کسی تھیلے میں ڈال دو"

نوٹوں کا تھیلا بغل میں دبا کر پھیرا جوہری کے گھر سے باہر آگیا۔ یہاں سے وہ سیدھا شہر کے ایک بینک میں گیا اور مینیجر سے کہا۔

"جناب میں نے اپنی ایک باپ دادا کے وقتوں کی ویلی فروخت کی ہے۔ اس کی جو رقم ملی ہے وہ میں بینک میں جمع کرانا چاہتا ہوں"

مینیجر نے سوچا کہ یہ غریب سا آدمی ہے۔ بھلا کیا جمع کرائے گا۔ اس نے پھیرے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بس یونہی پوچھا۔

"کتنے پیسے جمع کرانے آئے ہو بابا؟ ہم تھوڑے پیسے جمع نہیں کرتے"

پھیرے نے پوچھا۔

"بابو جی! آپ کم از کم کتنے پیسے جمع کر لیتے ہیں"

مینیجر نے کہا۔

"بھئی اور کچھ نہیں تو کم از کم ایک ہزار روپیہ تو ہو"

پھیرے نے تھیلا میز پر الٹ کر کہا۔

"بابو جی! غریب آدمی ہوں۔ صرف پندرہ لاکھ روپے جمع کرانے لایا ہوں۔ گن لیجئے۔ پوری کی پوری رقم ہے"

پندرہ لاکھ کے نوٹ میز پر دیکھ کر مینیجر کے ہاتھ سے لم چھوٹ کر میز پر گر پڑا۔

"یہ — یہ اتنے سارے نوٹ! آپ تشریف رکھیں۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

آپ کھڑے کیوں ہیں۔ ارے کوئی ہے؟ سیٹھ صاحب کے لئے ٹھنڈا لاؤ۔ چائے لاؤ۔ آپ کیا پینا پسند کریں گے سیٹھ صاحب؟"

منیجر نے ہیرے کی خوشامد کرنی شروع کر دی۔ وہ سارا کام بھول گیا۔

ہیرا بڑا ہنسا۔ بولا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں بابو جی! بس یہ میرے روپے جمع کر کے مجھے رسید اور چیک بک دے دیں کیونکہ میں کچھ رقم کاروبار میں لگانا چاہتا ہوں"

"ضرور ضرور"

منیجر تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے فوراً ہیرے کے سارے پیسے جمع کروا کر رسید اور چیک بک دے دی۔ ہیرے نے فوراً ایک چیک لکھوا کر اس پر اپنے دستخط کئے۔

"یہ رقم نکلوا دیں"

ہیرے نے پانچ ہزار روپے نکلوا لئے اور وہاں سے سیدھا ایک ریڈی میڈ کپڑے بیچنے والے کی دکان پر آ گیا۔ دکان میں بڑی رونق تھی۔ امیر لوگ قیمتی کپڑے خرید رہے تھے اور وہیں پہن رہے تھے۔ دکان کے مالک نے

ایک غریب پھٹے پرانے کپڑوں والے ہیرے کو دکان میں داخل ہوتے دیکھا تو اسے دھتکارتے ہوئے بولا

"ارے بابا! معاف کرو۔ پھر کسی وقت آنا دیکھتے نہیں میں اس وقت کام میں مصروف ہوں ——— توبہ! ان فقیروں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہر پانچ منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی فقیر بھیک مانگنے آ جاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے یہ ملک ہندوستان تو فقیروں کا ملک بن کر رہ گیا ہے"

دکان دار دوسرے گاہک کی طرف منہ کر کے بولا۔

"فرمائیے مہاراج! آپ کو کون سی شے دکھاؤں؟"

ہیرے کو اس دکاندار پر بڑا غصہ آیا۔ مگر غصے کو پی کر بولا۔

"سیٹھ صاحب! میں فقیر نہیں ہوں۔ بلکہ گاہک ہوں اور آپ کے ہاں کپڑے خریدنے آیا ہوں"

سیٹھ نے طنز سے ہنس کر کہا۔

"ارے بابا! کیوں ناحق پریشان کر رہے ہو۔ صبح صبح بوہنی کا وقت ہے۔ پھر کسی وقت آنا۔ ہمارے پاس کم قیمت کے سستے کپڑے نہیں ہوتے"

ہیرے نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"گر یہ تو مہنگے کپڑے خریدنے آیا ہوں۔ سب سے مہنگا سوٹ مجھے دکھاؤ۔"

سیٹھ ہیرے کا منہ تکنے لگا۔ دوسرے گاہک بھی دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ سیٹھ نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ الماری والا سوٹ دیکھ لو۔ اگر پسند ہے تو خرید لو___"

ہیرے نے کہا۔

کیا دام ہیں اس سوٹ کے؟

سیٹھ بولا۔

"دو سو روپے کا ایک سوٹ ہے۔ خرید سکو گے بابا؟"

ہیرے نے کہا۔

"اس قسم کے چھ سوٹ باندھ کر الگ رکھ دو اور ریشمی قمیص بھی دکھاؤ اور ولایتی ٹائیاں اور رومال جرابیں بھی دکھاؤ"

اس کے ساتھ ہی ہیرے نے تھیلی میں سے دو دو سو روپے ایک سوٹ کے حساب سے بارہ سو روپے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیئے۔ اب تو دکاندار کی آنکھیں کھل گئیں۔ پریشان سا ہو گیا اور ہیرے کے آگے جھک کر بولا۔

"معاف کر دیں سیٹھ صاحب! غلطی ہو گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آج کل بھی راجے مہاراجے بھکاریوں کے بھیس میں شہر کی سیر کو نکل آتے ہیں"

ہیرا ہنسا۔

"اچھا بکواس بند کرو اور مجھے ریشمی قمیص دکھاؤ"

●

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

پپیرے کی تلاش

●

پپیرا دکان سے نکلا تو بہترین کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ ایک حجام کی دکان میں جا کر اس نے بالوں کو خضاب لگا کر کالا کر لیا۔ نہا دھو کر نیا لباس پہنا تو وہ نوجوان راجہ معلوم ہو رہا تھا۔ صرف اس کا رنگ کالا تھا اور جسم کمزور تھا۔ مگر اسے یقین تھا کہ اچھا کھانے پینے سے اس کا جسم بھی موٹا ہو جائے گا اور رنگ بھی سفید ہو جائے گا۔ پپیرے نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بمبئی شہر میں جا کر جائیداد خریدے گا۔ اور کاروبار میں رقم لگائے گا

تین روز وہ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بمبئی شہر آ گیا۔

اب ذرا ادھر عنبر اور ماریا کی بھی سنو۔

سنگرام کی موت کے بعد راجہ اور رانی پریشان ہو گئے۔ راجہ نے خود راجکمار کو مارنے کی سکیم بنا ڈالی اور ایک رات پہاڑی شہر سے بھیس بدل کر سیدھا نائل ہوٹل آ گیا اور ایک سیٹھ کی شکل میں وہاں ٹھہر گیا۔

جلد ماریا تو ناگ کے لئے پریشان تھے۔

ابھی تک ناگ واپس کیوں نہیں آیا؟ اس نے سنگرام کو ڈالا اور خود کہاں غائب ہو گیا ہے؟

ماریا نے کہا۔

میرا خیال ہے کسی خاص وجہ سے رک گیا ہوگا۔ آنے ہی والا ہوگا۔

ماریا کے اس جواب سے عنبر کو کچھ حوصلہ ہوا۔ دراصل رجاری رانی بھی ناگ کے لئے پریشان تھی۔ لیکن وہ سوائے کا انتظار کرنے کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ شام کو عنبر نے ایک ڈاڑھی والے بوڑھے سیٹھ کو دیکھا کہ رسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے۔ عنبر قریب سے گزرنے لگا تو سیٹھ نے جھک کر سلام کیا۔

حضور کو دیکھ کر مجھے اپنا بھائی یاد آ گیا۔ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں حضور؟ میرا خیال ہے اگر برا محسوس نہ فرمائیے تو آپ ضرور ملک مصر کے رہنے والے ہیں۔

عنبر اس بوڑھے ڈاڑھی والے سیٹھ کی عقل مندی پر بڑا خوش ہوا۔

مگر آپ کو سیٹھ صاحب کیسے پتہ چلا کہ میں مصر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا رہنے والا ہوں؟

سیٹھ ہنسا۔ یہ سیٹھ اصل میں راجہ تھا جو راجکمار اور بڑی رانی کو قتل کرنے کی غرض سے اس ہوٹل میں آکر ٹھہرا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"حضور! میں علم نجوم کا بھی ماہر ہوں۔ اگر آپ اپنا ہاتھ دکھائیں تو دیکھ کر معلوم کر لوں گا کہ آپ کی شادی کب ہو گی! دلہن کیسی ہو گی"

عنبر نے ہاتھ آگے کر دیا۔

سیٹھ نے کہا۔

"حضور یہاں نہیں۔ یا میرے کمرے میں تشریف لائیں یا خود مجھے اپنے دولت خانے پر بلائیں۔ بڑے سکون سے قسمت کا سارا حال بتا دوں گا"

عنبر نے کہا

"بارہ نمبر کمرے میں آ جانا"

"شکریہ!"

راجہ یہی تو چاہتا تھا کہ اس کمرے میں جا کر خود اپنی آنکھوں سے راجکمار اور بڑی رانی کو دیکھ لے اس کا موقع خود عنبر نے اسے مہیا کر دیا۔ شام کے بعد تو راجہ کمرہ نمبر بارہ میں آ گیا۔ عنبر نے اسے اندر

بلا کر راجکمار اور رانی سے ملایا۔

"نجومی صاحب ہیں۔ قسمت کا حال بتا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ کمرے میں آکر میری والدہ اور بھائی کی قسمت کا حال بھی بتا دو۔"

بڑی رانی نے گہری نظر سے نجومی کو دیکھا۔ راجکمار بھی غور سے۔ دراصل یہ ان لوگوں کو ہر اجنبی سے ڈر لگتا تھا۔ ورنہ ایسی بات نہیں تھی کہ انہوں نے راجہ کو پہچان لیا ہے۔ نہیں۔ راجہ نے اتنا مکمل اور زبردست بھیس بدلا ہوا تھا کہ اسے اس کی رانی بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"نجومی سیٹھ! ہمارے بھائی کا ہاتھ دیکھو"

راجہ سیٹھ جب اپنی آنکھوں سے رانی اور راجکمار کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا ایک مرحلہ تو طے ہو گیا تھا۔ اب انہیں گولی سے مارنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ پستول اس نے اپنے کمرے کی الماری میں رکھ دیا تھا۔ یہی اس سے غلطی ہو گئی، نہیں تو وہ اسی وقت ان تینوں کو مار سکتا تھا۔ ماریا بھی پاس ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھی تھی جس کی راجہ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ مگر ماریا اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہی تھی۔ اس نے ابھی تک منہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

ایک اجنبی کے سامنے بولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ بجومی راجہ بھی ہی کرتا ہوا راجکمار کے بستر کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر غور سے دیکھنے لگا اور بولا۔

"بھگوان کی دیا سے قسمت میں تخت لکھا ہے۔ بڑی دولت ہے۔ بڑی کھلی قسمت ہے۔ مگر کچھ پریشانیاں ہیں۔ بھگوان دور کر دے گا۔ ضرور دور کر دے گا"

رانی ماں نے جب دیکھا کہ بجومی ٹھیک ٹھیک قسمت کا حال بیان کر رہا ہے تو وہ بڑی متاثر ہوئی بولی۔

"بابا! یہ بتاؤ کہ ہمیں کب تخت ملے گا؟"

عنبر چونکا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ رانی ماں اس سے یہ بات کھول کر پوچھے۔

مگر بڑی رانی پوچھ ہی بیٹھی تھی۔ راجہ نے کہا۔

"بہن! تخت اس لڑکے کو مل کر رہے گا"

دل میں راجہ نے کہا۔

"میں تو اس کمینے کی ہڈی پسلی توڑ ڈالوں گا۔ یہ تخت کیا اس کو قبر کا تختہ دوں گا"

اوپر سے مسکرا کر بولا۔

"بھگوان کی مرضی سے تخت ضرور ملے گا۔ بڑی جلدی

ملے گا۔ اسی سال میں ملے گا۔ ضرور ملے گا۔ ہی ہی ہی ہی۔!"

عنبر کے کان کے قریب آ کر ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

"مجھے یہ کوئی دھوکے باز لگتا ہے۔ ذرا اس کو تنہائی کا موقع دو۔ میں اس کی نگرانی کر کے معلوم کروں گی کہ یہ اصل میں کون ہے"

عنبر نے بجومی سے کہا۔

"ساتھ والے کمرے میں میں تمہیں ایک نقشہ دکھانا چاہتا ہوں۔ ذرا دیکھ کر معلوم کرو کہ یہ کیسا نقشہ ہے"

"ضرور ضرور۔ چلو بیٹا چلو"

عنبر راجہ بجومی کو لے کر ساتھ والے کمرے میں آگیا۔ یہاں اس نے دراز میں سے ایک پرانا سا نقشہ نکال کر اس کے آگے رکھ دیا۔

"یہ دیکھو کہ یہ کیا شے ہے؟"

بجومی راجہ نے نقشے کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اسے مصروف دیکھ کر عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو کہہ آؤں ابھی آیا"

عنبر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی راجہ نے بڑی مکار آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اٹھ کر اس نے کھڑکی کے پٹ کھول

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر دیکھے۔ وہ رات کو ادھر ہی سے آ کر رانی وغیرہ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ ماریا اس کی یہ حرکت دیکھ رہی تھی۔ راجہ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ ماریا کو راجہ کی حرکتیں پراسرار لگ رہی تھیں۔ راجہ نے منہ سے کچھ نہ کہا اور وہ بار بار کھڑکی میں سے نیچے جھانک رہا تھا۔ گویا یہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جب وہ رات کو وہاں آئے گا تو اسے کسی قسم کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ماریا یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ اتنے میں عنبر اندر آ گیا نجومی راجہ جلدی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"کچھ پتہ چلا کہ نقشہ کس شے کا ہے؟"

راجہ بولا۔

"بیٹا! پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"آیئے ساتھ والے کمرے میں چل کر چائے پی لیں۔ پھر یہ نقشہ بھی دیکھ لیں گے۔"

ساتھ والے کمرے میں میز پر چائے کے ساتھ کھانے کی چیزیں رکھی تھیں۔

نجومی کو راجکمار کے ساتھ بٹھا کر عنبر اکیلے کمرے

میں آ گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی آ گئی۔ اس نے پوچھا۔

"کیوں ماریا کیا خیال ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"بڑا خطرناک آدمی لگتا ہے۔ خیال ہے آج رات اس کمرے کی گلی والی کھڑکی سے یہ حملہ کرے گا۔ میں آج کی رات اسی کمرے میں سوؤں گی۔"

"یہ بات ہے؟"

"ہاں! بڑی پراسرار حرکتیں کر رہا تھا یہ شخص کبھی کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھتا۔ کبھی کھڑکی کی کنڈی کا اندازہ کرتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات ہے تو تم اسی کمرے میں رہنا۔ میں دوسرے کمرے میں چوکس رہوں گا۔ یہ بدبخت یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"لگتا ہے اسے سابر نے بھیجا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس وقت تو ہم اسے کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن رات کو دیکھ لیں گے۔"

راجہ نجومی اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

کمرے میں آ کے [illegible] زنبیل نکال کر اسے صاف

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

گیا اور اس میں گولیاں بھر دیں گولیاں بھر کر وہ نیچے او
آ گیا اور ادھر ادھر گھوم پھر کر وقت گذارنے لگا۔ جب
گہری ہو گئی تو وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہاں اس نے لبا
تبدیل کیا۔ پستول اپنی جیب میں رکھا۔ چہرے پر سیاہ کپ
باندھا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے نل
نیچے گلی میں آ گیا۔ اوپر تیسری منزل میں راجکمار کی کھڑکی
راجہ نے کمند نکال کر زور سے اوپر پھینکی۔ کمند اڑ گئی۔ را
نے اسے کھینچ کر دیکھا۔ مضبوطی سے کمند اڑ چکی تھی۔

راجہ نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

کھڑکی کے پاس آ کر اس نے کھڑکی کے پٹ کو ہا
لگایا تو وہ کھل گیا۔

راجہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے سوچا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے کھڑکی کھلی ہوئی ملی۔ بدنصیب لوگ کھڑکی کو اندر سے چٹخنی لگانا بھول گئے تھے۔"

اسے کیا معلوم تھا کہ عنبر نے جان بوجھ کر کھڑکی کھلی رکھ
تھی۔ گویا پنجرے کا دروازہ کھول دیا گیا تھا تاکہ راجہ آ
اور پنجرے میں آ کر پھنس جائے۔ راجہ کھڑکی میں سے کمر
میں کود گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ کرنے والا مدھم تیل لیمپ جل ر

تھا۔ راجہ نے کمرے میں گھوم پھر کر جائزہ لیا کہ وہاں کوئی ہے تو نہیں۔ اس کے خیال میں وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر ماریا کونے میں کھڑی اس کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ جونہی راجہ نے جیب سے پستول نکال کر روشنی میں اسے کھول کر دیکھا کہ گولیاں ٹھیک ٹھاک ہیں تو ماریا ہوشیار ہو گئی۔

اس کا خیال ٹھیک نکلا تھا۔ یہ شخص قاتل تھا اور راجہ نے اسے راجکمار اور بڑی رانی ماں کو ہلاک کرنے کے لئے بلا بھیجا تھا۔ راجہ نے پستول میں گولیاں وغیرہ دیکھ کر اسے بند کر کے ہاتھ میں لیا اور ہولے ہولے قدم اٹھاتا دروازے کی طرف بڑھا تاکہ دوسرے کمرے میں جا کر راجکمار وغیرہ کا کام تمام کر دے۔ ماریا چوکس ہو چکی تھی۔ جونہی راجہ دروازے کے پاس آیا ماریا نے پیچھے سے ایک زوردار مکا اس کی گردن پر مارا۔

راجہ بوکھلا کر فرش پر گرا اور پستول چلا دی۔

فائرنگ کی آواز سے سارا کمرہ گونج اٹھا۔ دوسرے کمرے سے عنبر بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے بتی روشن کر دی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی بوڑھا نجومی منہ پر سیاہ کپڑا لپیٹے فرش پر پستول لیے پڑا ہے۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے پستول تان دیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہینڈز اپ۔ خبردار۔ اگر ذرا ہلے تو گولی چلا دوں گا"

بد نصیب کو کیا خبر تھی کہ وہ دونوں طرف سے گھرا ہے۔ اس کی ایک جانب ماریا کھڑی ہے اور دوسری طرف عنبر۔ جس پر گولی اثر ہی نہیں کر سکتی۔

عنبر ذرا نہ گھبرایا۔ بولا۔

"تم کون ہو؟ اگر سچ سچ بتا دو گے تو میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا۔ کیا تمہیں راجہ نے بھیجا ہے کہ راجکمار اور بڑی رانی کو گولی مار کر ہلاک کر دو؟"

نجومی راجہ ہنسا۔

"تم کتنے بھولے ہو کہ پستول میرے ہاتھ میں ہے اور دھمکی تم دے رہے ہو۔ ارے! میں اگر چاہوں تو ابھی گو مار کر تمہیں ہلاک کر سکتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"تم اگر گولی بھی چلا دو تو مجھے نہیں مار سکتے۔ بہر حال میں سمجھ گیا ہوں۔ تم راجہ کے آدمی ہو۔ اب تم یہاں سے زندہ نہیں جاؤ گے۔ جیسا حشر راجہ کے پچھلے آدمیوں کا ہوا ہے ویسا ہی حشر تمہارا ہوگا"

راجہ نے پستول کا فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے سینے میں لگی اور لگ کر فرش پر گر پڑی۔ راجکمار گولی کی آواز سن کر اٹھ گ

یا تو عنبر نے چیخ کر کہا۔

"خبردار۔ اندر مت آنا۔ ذرا ہٹ کر کھڑے رہو"

راجکمار جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ ماریا نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو؟"

راجہ نے جو ایک ایسی عورت کے قہقہے کی آواز سنی جو نظر ہی نہیں آ رہی تھی تو وہ بڑا حیران ہوا۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر راجہ کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا۔ اس کا پستول چھوٹ کر دور جا گرا۔ عنبر نے پستول اٹھانے کی بالکل کوشش نہ کی۔ راجہ نے آگے بڑھ کر پستول اٹھانا چاہا تو ماریا نے پیچھے سے آ کر اسے دھکا دیا۔ وہ لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔ راجہ بڑا پریشان تھا کہ یہ اسے کون دھکے دے رہا ہے۔ عنبر آرام سے کھڑا تھا۔ راجہ اٹھنے لگا تو ماریا نے پستول اٹھا لیا۔ دیکھتے دیکھتے پستول فرش پر سے غائب ہو گیا۔

راجہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ گھبرا گیا۔ سمجھ گیا کہ جادوگروں کے پاس پھنس گیا ہے۔ اتنے میں ماریا نے پستول کی گولی چلا دی۔ گولی راجہ کے پاؤں کے پاس فرش پر لگی۔ وہ اچھلا۔ عنبر نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"ماریا! اس کو ختم کر دو۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں"

راجہ بوکھلا گیا۔ اور تو اسے کچھ نہ سوجھا۔ دوڑ کر کھ میں سے باہر کود گیا۔ وہ یہ بھول ہی گیا کہ وہ تین منزلوں سے نیچے کود رہا ہے۔

سچ ہے جب مصیبت آتی ہے تو آدمی کی عقل کام نہیں کرتی۔ نیچے گلی میں گرتے ہی اس کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ عنبر لپک کر نیچے آیا۔ جھک کر دیکھا تو کھوپڑی کا کھل گیا تھا اور داڑھی جو نقلی تھی اتر چکی تھی۔

"ارے! یہ تو راجہ ہے"

ماریا نے کہا۔ "جلدی سے اوپر آ جاؤ۔"

عنبر اور ماریا اوپر کمرے میں آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے راجکمار اور بڑی رانی کو یہ خوش خبری سنائی کہ راجہ مر چکا ہے۔

"اب ساری جائیداد اور گدی تمہاری ہے۔ تم لوگ جس وقت چاہو جا کر قبضہ کر سکتے ہو"

راجہ کی لاش اٹھا کر پولیس لے گئی۔ دوسرے روز اخباروں میں خبر چھپی کہ راجہ ایک ہوٹل کی گلی میں مردہ پائے گئے۔ خیال ہے کہ کسی نے انہیں ڈنڈے مار مار کر ہلاک

کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے سر کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔

تین روز بعد گدی پر راجکمار اور بڑی رانی نے قبضہ کر لیا۔ اب عنبر اور ماریا ان سے رخصت لے کر واپس رائل ہوٹل میں آ گئے اور سوچنے لگے کہ ناگ کے ساتھ کیا گزری جو وہ ابھی تک نہیں پہنچا!

"میرا خیال ہے عنبر! وہ ضرور کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ نہیں تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ سنگرام کو موت کے منہ میں پہنچانے کے بعد وہ سیدھا یہاں نہ آتا"

عنبر بولا۔

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں پہاڑ پر چل کر خود ناگ کو تلاش کرنا چاہیئے"

عنبر نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر تم اسی ہوٹل میں ٹھہرو۔ میں خود جا کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ناگ کے ساتھ ہی غائب ہو جاؤ اور میں یہاں اکیلی رہ جاؤں"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

عنبر نے کہا۔

"نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تم میرا انتظار کرنا میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا"

"جیسے تمہاری مرضی"

رات آرام کرنے کے بعد اگلے روز صبح عنبر نے گرم کپڑے ساتھ لیے اور ایورسا پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایک ٹیکسی کار میں سفر کر رہا تھا۔ ماریا پیچھے رہ گئی تھی۔ عنبر نے ہوٹل کی کاؤنٹر گرل کو بتایا تھا کہ وہ کچھ روز کے لئے پہاڑ پر جا رہا ہے۔ اس دوران میں کمرہ بند رہے گا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہو گی

لڑکی نے کہا۔

"مگر جناب! صفائی وغیرہ کا کیا ہو گا؟ آخر کمرے کی صفائی بھی تو کرنی ہوتی ہے"

عنبر نے کہا تھا۔

"ہرگز نہیں۔ کمرے کی صفائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں دو ایک روز میں واپس آ رہا ہوں"

"ٹھیک ہے جناب"

پہاڑ پر پہنچ کر عنبر نے پہاڑی ہوٹل میں کمرہ لیا جاتے ہی اس نے گرم پانی سے غسل کیا۔ کھانا کھایا اور کپڑے بدل

کر ایورسا پہاڑی شہر کی سڑکوں پر گھوم پھر کر ناگ کی تلاش شروع کر دی۔ مگر اس طرح ناگ کو تلاش کرنا بے فائدہ تھا۔ کیونکہ وہاں کوئی بھی ناگ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ پھر ناگ کسی ہوٹل میں بھی نہیں ٹھہرا تھا۔ سارا دن عنبر سڑکوں پر ادھر ادھر تلاش کرتا پھرا۔ شام کو تھک ہار کر کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

رات کے کھانے کے لئے وہ نیچے ڈائننگ ہال میں آیا تو وہاں شہر کے کچھ لوگ جمع تھے۔

عنبر نے دیکھا۔ کچھ لوگ ایک جگہ تاش کھیل رہے تھے۔ عنبر اکیلا ایک میز پر بیٹھا تھا۔ ایک آدمی نے آ کر کہا۔

"اگر برا نہ مانیں تو کیا آپ ہمارے ساتھ تاش کھیلنا پسند کریں گے؟"

عنبر بھی بڑا بور ہو رہا تھا۔ بولا۔

"شکریہ میں ضرور پسند کروں گا"

عنبر ان کے ساتھ بیٹھ کر تاش کھیلنے لگا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے عنبر سے پوچھا۔

"معاف کیجئے گا آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا یہاں کیا آپ پہاڑ پر موسم کا مزا لینے آئے ہیں یا کسی کاروباری کام کی وجہ سے؟"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ ان لوگوں سے ناگ کے بارے میں پوچھا جائے۔ شاید یہ کچھ بتا دیں۔

عنبر نے کہا۔

"اصل میں میرا ایک چھوٹا بھائی یہاں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی کہ کہاں گیا؟ میں اس کی تلاش میں آیا ہوں"

ایک آدمی نے پوچھا۔

"اس کا حلیہ کیا تھا؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے پاس اس کی تصویر موجود ہے"

اور عنبر نے تصویر نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔

اتفاق سے ان لوگوں میں وہ نیک دل آدمی بھی بیٹھا تھا جس نے بے ہوش ناگ کو اپنی گاڑی میں ڈال کر بسوں کے اڈے تک پہنچایا تھا۔ اس نے ناگ کی تصویر کو دیکھتے ہی اسے پہچان لیا۔

"ارے اس کو تو میں جانتا ہوں"

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ نے اسے دیکھا ہے؟"

وہ آدمی بولا۔

"کچھ دن ہوئے میں پہاڑ کی اوپر والی سڑک سے گزر رہا

ں کہ ایک بوڑھے سیاہ فام دبلے پتلے آدمی نے پیچھے سے دے کر روکا۔ میں مڑا تو اس آدمی نے ایک نوجوان کو زمین پر لٹا رکھا تھا۔ وہ نوجوان وہی تھا جس کی آپ نے تصویر دکھائی ہے۔ وہ بے ہوش تھا۔ وہ بوڑھا بولا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ ے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے میری مدد کرو۔ میں گھر جا کر گاڑی لایا اور اس میں دونوں کو بٹھا کر بس کے اڈے پر چھوڑ گیا"

"پھر؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ میں گھر واپس آ گیا۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کو کبھی نہیں دیکھا"

عنبر ناگ کے بارے میں یہ سن کر پریشان ہو گیا کہ ایک سیاہ فام قسم کا بوڑھا اسے بے ہوش کر کے کہیں لے جا رہا تھا۔ آخر وہ کون تھا؟ عنبر ساری رات سوچتا رہا۔ اس آدمی نے چہرے کا صرف اتنا حلیہ اور بتایا تھا کہ اس بوڑھے کے انوں میں سوراخ تھے اور چاندی کی بالیاں پڑی تھیں۔ عنبر نے سوچا کہ وہ شخص کون ہو سکتا ہے اور وہ ناگ کو بے ہوش کر کے کہاں لے جا رہا تھا؟ ظاہر ہے اس نے ناگ کو کوئی دوائی سنگھا کر بے ہوش کیا ہوگا۔

ست اتنی مہلت بھی نہیں دی ہوگی کہ ناگ اپنا بچاؤ کر سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بڑا چالاک بوڑھا ہوگا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

دوسرے اس بوڑھے کو ناگ کی اصلیت کا پتہ ہو گا۔ ورنہ کسی عام شخص کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ ناگ کو بے بس کرنے کی مصیبت مول لیتا پھرے۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر وہ ضرور کوئی سپیرا ہو گا۔ سپیرے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تو پھر یہاں سپیروں کو تلاش کر کے ناگ کے بارے میں تفتیش کرنی چاہیئے۔

دوسرے روز عنبر پہاڑوں کے اردگرد سپیروں کی تلاش میں گھومتا پھرا۔ اسے کوئی سپیرا نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر وہ ایک جگہ بیٹھا ہی تھا کہ اسے بین بجانے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا اور بین کی آواز پر چل پڑا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک بوڑھا سپیرا بین بجا کر بچوں کو خوش کر رہا ہے۔

عنبر بھی اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ جب سپیرا بین بجا کر فارغ ہوا تو بچوں نے اسے کچھ پیسے دیئے۔ پھر جب وہ اکیلا رہ گیا تو ادھر ادھر کی باتوں کے بعد عنبر نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے کسی ایسے سپیرے کو بھی دیکھا ہے جو سب سے زیادہ تجربہ کار ہو اور جسے کسی ایسے سانپ کی تلاش ہو جس کو قابو میں کر کے وہ امیر ہو جائے۔

سپیرا بولا۔

"بابو جی! ایسی باتیں تو قصے کہانیاں بن کر رہ گئی ہیں۔ بھلا

ب ایسے سانپ کہاں جو انسان بن کر ہماری طرح رہیں؟"

"پھر بھی کبھی تم نے کسی ایسے سپیرے کا ذکر سنا ہے جس کو اس قسم کے سانپ والے انسانوں کو تلاش کرنے کی فکر ہو؟"

سپیرے نے دماغ پر زور دے کر کہا۔

"ہمارے قبیلے میں ساور کر نام کا ایک ہی سپیرا تھا جس کو ہر وقت اس قسم کی باتوں کی ٹوہ رہتی تھی۔"

"کہاں ہے وہ سپیرا ساور کر؟"

"سنا تھا کئی روز ہوئے یہاں سے چلا گیا ہے۔"

"کہاں؟"

"یہ معلوم نہیں۔ قبیلے والے کہتے تھے کہ اسے کوئی زمین میں چھپا ہوا خزانہ مل گیا ہے اور آج کل شاید وہ بمبئی شہر میں مزے کر رہا ہے۔"

"خزانہ؟"

"جی ہاں۔"

اتنا کہہ کر سپیرا چلا گیا۔

عنبر کو کافی کھوج مل گیا تھا۔ ظاہر ہے ساور کر سپیرے کو ناگ ہی ملا تھا۔ یہی وہ بوڑھا سپیرا ہے جس نے ناگ کو بے ہوش کر کے کسی عمل سے قابو میں کر لیا ہے اور اس کی مدد سے زمین کے اندر کے خزانے حاصل کر رہا ہے۔ تو

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

گویا اب اسے بمبئی جانا پڑے گا۔ اس نے اسی وقت سامان باندھا اور ناگ پور آگیا۔

ساری باتیں ماریا کو بیان کیں اور دوسرے روز ہوائی جہاز میں سوار ہو کر بمبئی کی طرف روانہ ہو گیا۔

●

کالا پھن

سپیرے نے بمبئی شہر میں سمندر کے کنارے اپنا دفتر بنا لیا تھا۔

بڑا شاندار دفتر تھا جس میں شیشے لگے تھے۔ ناگ کو اس نے انگوٹھی میں قابو کر رکھا تھا۔ اس سے ہر دوسرے تیسرے وہ خزانے کی دولت منگوا لیتا اور عیش کرتا تھا۔ کتنے لوگ اس نے نوکر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی ایک سیکرٹری مس کیتی تھی۔ ادھر عنبر بھی بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔ ہوائی اڈے سے وہ سیدھا شہر کے اندر ایک شاندار ہوٹل میں پہنچا۔ وہاں ایک کمرہ کرائے پر لیا اور شہر کی سیر کو نکل کھڑا ہوا۔ عنبر کو اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ سپیرے کا نام ساورکر ہے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ سپیرے نے یہاں اپنا نام ایس مکرجی رکھا ہوا تھا۔

ہوٹل میں واپس آکر سب سے پہلا کام عنبر نے یہ کیا کہ منیجر سے پوچھا کہ شہر میں ساورکر نام کا کوئی

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

کاروباری آدمی رہتا ہے؟
منیجر نے ہنس کر کہا۔

"مسٹر! یہ ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں ہزاروں ساورکر نام کے لوگ رہتے ہیں۔ تم کیسے اس کو تلاش کر سکو گے؟ یہ بتاؤ کہ وہ کام کیا کرتا ہے؟"
عنبر نے کہا۔

"سنا ہے کوئی اعلیٰ کاروبار کرتا ہے۔ امیر آدمی ہے"
عنبر کو معلوم تھا کہ سپیرے نے ناگ کی مدد سے کافی دولت حاصل کر لی ہوگی اور بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہا ہوگا۔ منیجر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اس کے لئے بہتر ہے کہ ہم ٹیلی فون ڈائریکٹری میں دیکھتے ہیں کہ ساورکر نام کی کوئی کمپنی ہے؟"
منیجر نے ڈائریکٹری دیکھنا شروع کر دی۔ آخر تنگ آ کر بولا۔

"مسٹر! یہ کتاب تم لے جاؤ اور کمرے میں بیٹھ کر دیکھو کہ ساورکر نام کی کوئی کمپنی ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ شکریہ"
عنبر کتاب لے کر کمرے میں آ گیا۔ سارا دن وہ کتاب

پڑھتا رہا۔ ساورکر نام کی کوئی فرم نہیں تھی۔ صرف ایک رم تھی جس کا نام میں کمرچی لکھا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں فون کر کے پتہ کرتے ہیں۔ اس نے فون کیا تو دوسری طرف سے سیکرٹری لیڈی بولی۔

"ہیلو، ایس کمرچی اینڈ کمپنی"

"دیکھیں محترمہ! یہ بتائیں کہ کیا اس کمپنی کے مالک کا نام ساورکر ہے؟"

"جی ہاں! مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
عنبر کو صرف اتنا ہی معلوم کرنا تھا۔ اس نے لیڈی کو کوئی جواب نہ دیا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ اس نے پتہ دیکھا۔ میں روڈ پر اس فرم کا دفتر سمندر کے کنارے تھا۔ عنبر وہاں پہنچ گیا۔ یہ فرم بڑی بڑی بلڈنگیں بنانے کا ٹھیکہ لیتی تھی۔ عنبر نے سیدھا اندر جا کر سیکرٹری لیڈی سے ملاقات کی اور کہا۔

"محترمہ! میرا نام گل خان ہے میں پشاور سے آیا ہوں۔ میں اپنے شہر میں ایک کارخانہ بلڈنگ بنانا چاہتا ہوں۔"
سیکرٹری نے کہا۔

"آپ منیجر صاحب سے جا کر مل لیں۔"
اس نے فون کر کے منیجر کو بتایا کہ ایک گاہک پشاور سے آیا ہے۔ اس نے کہا۔ اندر بھیج دو۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

عنبر نے مینجر سے جا کر ہاتھ ملایا۔ اس نے بڑی عزت سے بٹھایا اور چائے منگوائی۔ عنبر نے وہی بات دہرائی کہ وہ پشاور میں ایک عمارت بنوانا چاہتا ہے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں عنبر نے معلوم کر لیا کہ مالک کا نام ساورکر ہے اور اس نے ابھی ابھی لاکھوں روپے کا کاروبار شروع کیا ہے اور وہ خود وہاں سے دس میل دور سمندر کنارے ایک خوبصورت بنگلے میں رہتا ہے۔

عنبر کو یقین تھا کہ یہ ساورکر وہی پھیرا ہے جس نے کسی طرح سے ناگ کو قابو میں کر رکھا ہے۔ اس نے مینجر سے کہا۔

"کیا آپ کے ساورکر صاحب دبلے پتلے سانولے ہیں؟"

"ہاں بالکل ویسے ہی ہیں۔ بڑے اچھے انسان ہیں۔ کہتے ہیں انہیں ورثے میں لاکھوں کی جائیداد ملی تھی۔"

"بہت خوب! اچھا تو میں پھر حاضر ہوں گا۔"

"ضرور۔ ہم تو خدمت کے لیے حاضر ہیں۔"

"شکریہ"

عنبر دفتر سے نکل کر باہر آ گیا۔ ٹیکسی میں بیٹھا اور جو

پتہ مینجر نے بتایا تھا اس طرف روانہ ہو گیا۔ دس بارہ میل سمندر کنارے سڑک پر سفر کرنے کے بعد اسے دور پہاڑی پر ایک سفید بنگلہ نظر آیا۔

"ڈرائیور! گاڑی اس بنگلے کی طرف لے چلو"

"ٹھیک ہے صاحب!"

تھوڑی دیر بعد عنبر ساورکر کے بنگلے سے تھوڑی دور گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔ اکیلا ایک درخت کے پیچھے کھڑے ہو کر بنگلے کے باغ کو تکنے لگا۔ باغ میں ہری بھری گھاس میں دھوپ کھلی تھی اور دو تین آرام کرسیاں رکھی تھیں۔ اتنے میں ایک عورت ہاتھ میں ٹرے لئے آئی اور میز پر شربت کا گلاس رکھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ایک دبلا پتلا سفید سوٹ والا سانولا سا آدمی کمرے سے نکل کر باغ میں آیا اور آرام کرسی پر بیٹھ کر شربت پینے لگا۔

عنبر نے اسے غور سے دیکھا اور سمجھ گیا کہ یہی وہ پھیرا ہے۔ سوچنے لگا اب اس سے ملاقات کیسے کی جائے! کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کوٹھی کے دروازے پر آیا اور گھنٹی بجائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گھنٹی کی آواز پر ایک وردی والا نوکر بھاگتا ہوا گیٹ پر آیا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"کس سے ملنا ہے؟"

"ساورکر صاحب سے ملنے حاضر ہوا ہوں۔"

"تشریف لایئے"

نوکر عنبر کو لے کر بانگا میں آگیا۔

"آپ سے ملئے"

عنبر نے ساورکر کو سلام کیا۔ ساورکر نے نوکر کو رخصت کرتے ہوئے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک غور سے دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عنبر نے کہا۔

"جناب کی بہت تعریف سنی تھی۔ خیال ہے کہ پشاور شہر میں ایک شاندار تجارتی عمارت آپ کی فرم سے بنواؤں"

پیرے نے کہا۔

"تو پھر اس کے لئے آپ کو میرے منیجر صاحب سے ملنا چاہیئے تھا"

"جی وہ تو میں مل چکا ہوں۔ اس وقت تو میں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں"

پیرے کا لہجہ دیہاتی اور ان پڑھ لوگوں ایسا تھا کہنے لگا۔ "معاف کیجئے گا۔ میرا وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ آپ

پھر کسی وقت تشریف لائیں"

عنبر نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو پریشان کیا"

پیرے نے کہا۔

"پریشان تو میں پہلے ہی تھا مگر آپ نے آ کر زیادہ پریشان کر دیا ہے"

"خیریت تو ہے، آپ پریشان کیوں تھے؟"

پیرے نے کہا۔

"میری بیوی سخت بیمار ہے۔ ابھی ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر آ رہا ہوں۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اسے کہاں جا کر دکھاؤں؟"

عنبر دل میں بڑا خوش ہوا کہ اس شخص سے دوستی کرنے کا طریقہ اپنے آپ نکل آیا ہے۔

اس نے کہا۔

"ایسی کون سی بیماری ہے کہ جس کا علاج ڈاکٹر بھی نہیں کر سکتے؟ کیا میں بھابی صاحبہ کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟"

پیرے نے کہا۔

"کیا آپ بیماروں کا علاج کرتے ہیں؟"

عنبر بولا۔

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"میرے پاس کچھ باپ دادا کے وقتوں کے نسخے ہیں۔ میرے والد صاحب دوائیوں کا کام کرتے تھے۔ میں بھی ایک عرصے تک جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا رہا ہوں۔"

"بہت خوب! خدا کرے کہ میری بیوی آپ کے اثر اچھی ہو جائے۔ میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں گا۔"

سپیرا عنبر کو لے کر بیوی کے کمرے میں آگیا۔ عنبر نے دیکھا کہ نہایت شاندار پلنگ پر ایک کالی کلوٹی عورت بڑا قیمتی کمبل اوڑھے لیٹی تھی۔ بستر پر دوائیوں کی بے شمار شیشیاں رکھی تھیں۔ عنبر نے جاتے ہی سپیرے کی بیوی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر نبض دیکھی اور پوچھا۔

"رات کو نیند کم آتی ہے؟"

"ہاں۔ کم آتی ہے۔"

"بھوک آدھی رات کو محسوس ہوتی ہے؟"

"ہاں۔ آدھی رات کو بڑی بھوک لگتی ہے۔"

"دوپہر کو بخار تیز ہو جاتا ہے نا؟"

"جی ہاں! دوپہر کو بخار تیز ہو جاتا ہے۔"

عنبر کی ساری باتیں ٹھیک نکل رہی تھیں۔ سپیرا ساورکر بھی بڑا حیران تھا کہ عنبر اس کی بیوی کی بات جو پوچھ رہا ہے وہی ٹھیک نکل رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"بھائی! میری بیوی کو اچھا کر دو۔ میں تمہارا منہ موتیوں ے مر دوں گا۔ دنیا میں یہی ایک میرا ساتھی ہے۔ اس کے پر تو مجھے ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ساورکر صاحب! آپ کے پاس تو کروڑوں روپے کی دولت ہے۔ آپ کو غمگین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ساورکر نے کہا۔

"میری دولت کس کام کی اگر میری بیوی زندہ نہ رہی۔ ں نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو کچھ ہو جائے۔"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو بھائی! میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی بیگم صاحبہ جلدی سے جلدی اچھی ہو جائیں۔"

پھر اس نے کہا۔

"اس وقت شیشم کے پتے، آلوچے کے سوکھے تربوزہ کا چھلکا اور دو پیاز لائے جائیں۔"

بھلا وہاں کس چیز کی کمی تھی۔ ساورکر سپیرے نے اشارہ کیا۔ اسی وقت یہ ساری چیزیں لا کر عنبر کے سامنے رکھ دی گئیں۔ عنبر نے دوسرے کمرے میں جا کر اپنی نگرانی میں انہیں پسوایا۔ پھر دیگچے میں ڈال کر جوش دلایا۔ پھر ٹھنڈا

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

کرکے اس کی ایک خوراک سپیرے کی بیوی کو پلا دی۔ تھوڑی دیر بعد دوسری خوراک پلا دی۔ آدھ گھنٹے بعد سپیرے کی بیوی کا بخار جاتا رہا۔ جسم بالکل ٹھیک ہو گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سپیرا بے حد خوش ہوا۔ عنبر جانے لگا تو وہ بولا۔

"خدا کے لیئے تم ابھی نہ جاؤ بھائی! ابھی میرے پاس ہی رہو۔ جب تک میری بیوی اچھی نہیں ہو جاتی تم میرے پاس ہی رہو۔ میری آدھی کوٹھی میں تم آرام سے رہو۔"

اس کے ساتھ ہی سپیرے نے دس ہزار روپے کا چیک کاٹ کر عنبر کو دیا۔

"یہ تمہارا انعام ہے۔ تمہاری فیس اس وقت ادا کر دوں گا جب میری بیوی بالکل ٹھیک ٹھاک ہو کر چلنے پھرنے لگے گی"

عنبر نے کہا۔

"میرے لیئے یہ چیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کی بیوی اچھی ہو جائے۔ بس میرا یہی سب سے بڑا انعام ہے۔"

سپیرا بڑا خوش ہوا۔ عنبر جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہا تھا۔ تاکہ سپیرے کے دل میں اپنی جگہ پیدا کرے۔ سپیرا بولا۔

"بھائی گل! میں تمہارے خلوص سے بڑا متاثر ہوا ہوں ری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ اسی کوٹھی میں کچھ ر کرو۔ یہ میں تم سے درخواست کروں گا۔"

عنبر اور کیا چاہتا تھا۔ بولا۔

"اگر آپ کی اتنی زبردست خواہش ہے تو میں اسے یسے ٹھکرا سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں کچھ روز آپ کے ہاں ٹھہر جاؤں گا۔"

عنبر نے سپیرے کی کوٹھی میں رہائش اختیار کر لی۔ یہ کمرہ اسے دے دیا گیا۔ جس کی کھڑکی جنگل کی طرف کھلتی تھی۔ سپیرے کی بیوی بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔ سپیرا ہر روز عنبر کے ساتھ سیر کرنے جاتا۔ کھانا بھی اسی کے ساتھ کھاتا۔ ایک روز عنبر نے کہا۔

"آپ بڑے درد دل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے گی میں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔"

سپیرا مسکرایا۔

"بھائی گل! میں نے ایک غریب خاندان سے ترقی ت کرتے یہ جگہ حاصل کی ہے۔"

عنبر بولا۔

"بڑی محنت ہے آپ کی۔"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

پھر سپیرے کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ انگوٹھی بڑی خوبصورت ہے۔ یہ سبز نگینہ آپ نے کہاں سے لیا تھا؟"

سپیرے نے کہا۔

"یہ میرے ایک دوست نے مجھے تحفہ دیا تھا"

عنبر کو بھی انگوٹھی پر کوئی شک نہیں پڑا تھا اور سپیرے نے بھی ویسے ہی بے نیازی سے جواب دے دیا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ دونوں کوٹھی کے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک جھاڑیوں میں سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل کر سامنے آگیا۔ اس نے پھن اٹھا رکھا تھا اور عنبر کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ عنبر مصنوعی گھبرا گیا۔

سپیرے نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں کل! یہ سانپ بچ کر نہیں جا سکتا تم اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا"

سپیرے کو کیا معلوم تھا کہ عنبر کو سانپ اگر کاٹ بھی لے تو اسے کچھ نہیں ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ سپیرا ابھی کچھ منتر پڑھ کر سانپ کے آگے کپڑا کر رہا تھا کہ سانپ نے دور سے پھن مار کر عنبر کے

پاؤں پر ڈس دیا۔ عنبر جھوٹ موٹ ہائے کر کے اپنے پاؤں کو دبانے لگا۔ سپیرا پریشان ہو گیا۔ اس نے سانپ کو گردن سے پکڑ کر مروڑ ڈالا اور پھر جلدی سے عنبر کے پاؤں کو دیکھنے لگا۔

"زہریلا سانپ تھا۔ سنگ چور تھا۔ فکر نہ کرو۔ ابھی دم کرتا ہوں۔ مجھے یہ سارا کام آتا ہے۔"

اس نے اسی وقت عنبر کے پاؤں اور ٹانگ پر کس کر کپڑا باندھ دیا اور منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ عنبر جھوٹ موٹ ہائے ہائے کر رہا تھا۔ پھر بولا۔

"اب آرام آ گیا ہے"

سپیرے نے خوش ہو کر کہا۔

"میرا منتر کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔"

عنبر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ کو سانپوں کا بڑا تجربہ ہے۔"

عنبر اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص سچ مچ سپیرا بھی ہے۔

سپیرے نے کہا

"میں نے دس سال جنگلوں میں سانپوں کے ساتھ بسر کیے ہیں۔ اصل میں مجھے شوق چڑھا تھا سانپوں کو پکڑنے کا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اب یہ کام میں نے چھوڑ دیا ہے"

سپیرے نے عنبر کی ٹانگ سے کپڑا کھول دیا۔ اس نے جو زخم دیکھا تو کچھ حیران ہوا کیونکہ عنبر کے پاؤں پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا خون بالکل نہیں نکلا تھا۔ بلکہ اس جگہ تو زخم کا نشان بھی نہیں لگا تھا۔ حیران ہو کر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے سانپ نے بالکل نہیں کاٹا"

عنبر جلدی سے بولا۔

"نہیں تو۔ سانپ نے کاٹا تھا۔"

"پھر یہاں زخم کیوں نہیں ہوا"

عنبر کچھ گھبرا گیا۔

وہ سپیرے پر اپنا راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بولا۔

"شاید میرا وہم تھا۔ سانپ نے معلوم ہوتا ہے نہیں کاٹا۔"

سپیرا کچھ پریشان سا ہو گیا۔ گردن کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیکن سانپ نے منہ تو میرے سامنے مارا تھا اور یہ ناگ تھا۔ پھن والا ناگ۔ ایسا سانپ جب منہ مارتا ہے تو کاٹے بغیر ہرگز نہیں رہتا۔"

"پھر زخم کیوں نہیں ہوا؟ ظاہر ہے اس کا نشانہ خطا

گیا۔ وہ کاٹ نہیں سکا۔"

"شاید"

لیکن سپیرے کو کچھ شک سا ہو گیا کہ یہ شخص جو اپنا نام ل خان بتاتا ہے کوئی عجیب سا آدمی ہے۔ بہر حال وہ عنبر کے ساتھ پھر اسی طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگا۔

ہفتہ گذر گیا۔ ایک روز سپیرے نے کہا۔

"ل بھائی! یہاں جنگل میں ہرن اور تیتر کا شکار بہت ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے کسی روز شکار پر نہ چلا جائے؟"

عنبر نے کہا۔

"اگر آپ کی خواہش ہے تو کسی روز چلے چلتے ہیں۔ میں بھی گھر میں بیٹھے بیٹھے کچھ بور ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر چلو کل ہی نکل چلتے ہیں۔ یہاں کون سی دیر ہے"

دوسرے روز شکار پر روانہ ہو گئے۔ جنگل کافی بڑا تھا اور سمندر کے ساتھ ساتھ دور تک چلا گیا تھا۔ سپیرا اور عنبر جیپ پر بندوقیں لئے بیٹھے تھے۔ سپیرا جیپ چلا رہا تھا۔ وہ جنگل میں شکار کرتے کافی آگے نکل گئے۔ انہوں نے ایک ہرن مارا۔ کچھ بٹیر اور مرغابیاں شکار کیں۔ دوپہر کے بعد ایک جگہ وہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ یہ جگہ جنگل میں درختوں کے درمیان تھی۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بچ کر جنگل میں کسی درندے کی آواز آئی۔ پیرے نے آ لگا دیئے۔ آواز دوبارہ آئی تو پیرے نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی ریچھ ہے۔ اس جنگل میں شیر تو نہیں ہیں لیکن کبھی کبھی کوئی ریچھ ادھر آ نکلتا ہے۔"

عنبر نے بھی بندوق سنبھال لی اور وہ درختوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ کالا اونچا لمبا خونخوار ریچھ سامنے آ گیا۔ اس کے لمبے لمبے ناخن بڑے تیز تھے اور چھریوں کی طرح تھے۔ پیرے نے بندوق چلا دی۔ مگر وہ کوئی اچھا نشانے باز نہیں تھا۔ نشانہ خطا گیا۔ ریچھ نے بندوق کی آواز سنی تو غضب ناک ہو گیا۔ اس نے پیرے کو درخت کی اوٹ میں دیکھ لیا تھا۔ وہ غراتا ہوا آیا اور پیرے پر جھپٹ پڑا۔

یہ حملہ اس قدر تیزی سے ہوا تھا کہ پیرا سنبھل نہ سکا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ریچھ نے پیچھے سے آ کر اسے اپنی باہوں میں لے لیا۔

پیرے نے چیخ کر کہا۔

"عنبر بھائی! مجھے بچاؤ۔ گولی چلا دو"

مگر ریچھ نے کچھ اس طرح سے پیرے کو جکڑ رکھا تھا کہ

عنبر گولی چلاتا تو وہ سیدھی پیرے کو جا کر لگتی۔ اس نے بندوق پھینک دی اور ریچھ کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پیرا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ریچھ قلابازی کھا کر دور جا گرا۔ وہ اٹھا اور اب عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر نے بازو آگے کر دیا۔ ریچھ نے عنبر کا بازو اپنے منہ میں لے کر چبانے کی کوشش کی۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے اپنے منہ میں پتھر ڈال لیا ہے۔ ریچھ نے گھبرا کر بازو چھوڑ دیا۔ عنبر نے ریچھ کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچا اور اچھال کر زمین پر پٹخ دیا۔

ریچھ بلبلا کر اٹھا اور اس نے اپنے چھریوں جیسے تیز پنجوں سے عنبر کے پیٹ کو پھاڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر عنبر کے پیٹ کو کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر نے ریچھ کو گردن سے پکڑ کر دبانا شروع کر دیا۔ ریچھ کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں اور اس کے حلق سے خرخر کی آواز نکلنے لگی۔ پیرا حیران کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بندوق اٹھا کر فائر کرنا چاہا۔

عنبر نے آواز دی۔

"بندوق نہیں چلانا۔"

عنبر نے ریچھ کو اس وقت چھوڑا جب وہ مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چھیرے نے عنبر کے جسم کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"زخم تو نہیں آئے؟"

"بچ گیا ہوں معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن حیرانی کی بات ہے کہ میرے سامنے ریچھ نے تم پر زبردست حملے کیے۔ اس نے تیز ناخنوں سے تمہارے پیٹ کو پھاڑنے کی کوشش کی مگر کمال ہے کہ تمہارے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

عنبر نے صرف اتنا کہا۔

"خدا جانے کیا بات ہے کہ مجھے کوئی زخم نہیں آیا"

مگر چھیرا سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی انسان ہے۔ چھیرا گل خان یعنی عنبر سے زیادہ دوستی کرنے لگا۔ وہ عنبر سے اس کی طاقت کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ دولت اس کے پاس آ چکی تھی مگر اب وہ چاہتا تھا کہ صحت بھی ایسی حاصل کرے کہ کبھی نہ مرے۔ ادھر عنبر بھی اسی ٹوہ میں تھا کہ کسی طرح سے ناگ کا راز معلوم کرے۔ ایک روز عنبر کو ساتھ لے کر چھیرا اپنے کمرے کی بالکونی میں بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ پھر عنبر سے پوچھ بیٹھا۔

"گل بھائی! معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس کوئی ایسا راز ہے جس کی وجہ سے تم پر نہ تو سانپ کے کاٹنے کا اثر ہوتا

ے اور نہ کوئی زخم لگتا ہے۔ کیا تم یہ راز مجھے بتاؤ گے؟ یں اس کے عوض تمہیں اتنا بڑا خزانہ دوں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے"

خزانے کا نام سن کر عنبر چونکا۔ خزانہ سوائے ناگ کے دوسرا کوئی نہیں لا سکتا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ ناگ ضرور اسی شخص نے قابو کر رکھا ہے ور یہ ذات کا چھیرا ہے۔ اس نے کہا۔

"ساورکر بھائی! میں راز تو تمہیں ضرور بتا دوں گا مگر مجھے شک ہے کہ تم خزانہ نہ لا سکو گے۔"

چھیرے نے اچھل کر کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو آج رات ہی میرے ساتھ چلو میں تمہیں خزانہ دکھا دوں گا۔ پھر تو تم مجھے اپنا راز بتا دو گے؟"

عنبر نے دیکھا کہ یہ شخص اپنے جال میں آ کر خود بخود ہی پھنس رہا ہے۔ بولا۔

"اگر تم مجھے خزانہ دکھا دو تو میں تمہیں اپنی صحت اور زندگی کا قیمتی راز بتا دوں گا"

چھیرے نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں خزانہ صرف دکھاؤں گا۔ خزانہ دوں گا ی وقت جب تم اپنا راز مجھے بتا دو گے۔"

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

"تو مجھے منظور ہے۔"

"تو پھر ابھی میرے ساتھ آؤ۔"

سپیرے نے عنبر کو ساتھ لیا اور کار جنگل کے ساتھ ساتھ جانے والی سڑک پر ڈال دی یہ سڑک آگے جا کر ایک کھنڈر کی طرف مڑ گئی تھی جو سمندر کے کنارے کھڑا تھا۔ سپیرے نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ عنبر کو معلوم نہیں تھا کہ سپیرے نے جاتے ہوئے ایک بڑا ہی زہریلا سانپ اپنی جیب میں رکھ لیا تھا کہ اگر عنبر کی نیّت خراب ہو گئی تو وہ اس زہریلے سانپ سے اسے ڈسوا کر مروا دے گا۔ یہ اس کا خیال تھا۔ یہ بھی وجہ اس کے دل میں تھا کہ ہو سکتا ہے عنبر پر سانپ کے زہر کا اثر نہ ہو۔

ہوائی جہاز میں بھوت

دونوں کھنڈر میں داخل ہو گئے۔

سپیرے نے عنبر کو ایک جگہ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"تم اسی جگہ ٹھہرو گے۔ دیکھنا ہرگز ہرگز میرے پیچھے آنے کی کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو سارا خزانہ مٹی میں مل جائے گا۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ سپیرا اندر جا کر کوئی منتر پڑھے گا اور شاید ناگ کو حاضر کرے اس لئے اس نے بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ سپیرے کا پیچھا کرے گا۔ جونہی سپیرا کھنڈر میں داخل ہوا عنبر بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

کھنڈر کے اندر ایک جگہ گہرا غار تھا۔ سپیرا غار میں چلا گیا۔ وہاں اندھیرا تھا سپیرے نے ٹارچ روشن کر کے ایک جگہ پتھر پر رکھی اور انگوٹھی کو گھس دیا۔ گھسنے کے ساتھ ہی ناگ بھی غائب سے حاضر ہو گیا۔ سپیرے نے کہا۔

"خزانہ کس جگہ ہے؟"

ناگ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ناگ کو عنبر کی خوشبو

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

آ رہی تھی۔ وہ کچھ بے چین سا ہونے لگا۔ سپیرے نے جو ناگ کو ادھر ادھر بل کھاتے دیکھا تو جلدی سے انگوٹھی کو پتھر سے رگڑ دیا۔ ناگ غائب ہو گیا۔ اب اس نے دیوار کو اس جگہ سے ہٹایا جہاں ناگ نے اشارہ کیا تھا۔ اس کے ہٹنے سے دیوار کی اینٹیں گر پڑیں سپیرے نے ٹارچ کی روشنی ڈالی تو سامنے دیوار میں ایک صندوق کھلا پڑا تھا جس میں سے ہیرے جواہرات کے قیمتی ہار باہر لٹک رہے تھے سپیرے کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے واپس مڑ کر عنبر کو دیکھا کہ کہیں وہ تعاقب تو نہیں کر رہا۔

عنبر جلدی سے باہر نکل گیا تھا۔

سپیرا اسے ساتھ لے کر اندر آ گیا اور خزانہ دکھا کر بولا۔

"یہ دیکھو خزانہ! یہ میں نے خاص طور پر یہاں جمع کر رکھا ہے کہ اگر کبھی کاروبار میں مجھے نقصان ہوا تو اس دولت سے اپنا نقصان پورا کر لوں گا۔"

عنبر نے خزانے کو دیکھا اور خاموش رہا۔ سپیرا بولا۔

"اب بتاؤ۔ اگر تم مجھے اچھی زندگی کا قیمتی راز بتا دو تو یہ خزانہ سارے کا سارا تمہیں دے دوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے جس سانپ کو حاضر کیا تھا وہ کون تھا؟"

اس سوال پر سپیرے نے چونک کر عنبر کو دیکھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے سانپ کو حاضر کیا تھا؟"

عنبر نے کہا۔

"سنو سپیرے! اب زیادہ بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے ایک ایسے ناگ کو قابو کر رکھا ہے۔ جو میرا بھائی ہے۔ میں اسی کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا اور میں نے اسے پا لیا ہے۔ اگر تم نے مجھے یہ راز نہ بتایا کہ تم ناگ کو کس طرح حاضر کرتے ہو تو میں تمہیں اسی جگہ ہلاک کر کے ٹھیک دفن کر دوں گا۔"

سپیرا گھبرا گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ جلدی بتاؤ تم نے ناگ کو کس جگہ قابو کیا ہوا ہے؟ اور تم اسے کس طرح حاضر کرتے ہو؟ میں جانتا ہوں تم ایک معمولی سپیرے ہو اور ناگ کی دولت پر عیش کر رہے ہو۔"

سپیرا سمجھ گیا کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ اس نے جھٹ جیب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے زہریلا سانپ نکلا اور عنبر پر اچھال دیا۔ عنبر ذرا پیچھے ہٹا۔ سانپ اس کی گردن پر گرا اور اس نے دوبارہ عنبر کی گردن پر کاٹا۔ مگر عنبر پر تو کچھ اثر نہ ہوا۔ عنبر نے سانپ کو ہاتھ سے جھاڑا تو وہ اچھل کر سپیرے کی گردن سے چمٹ گیا۔ چمٹتے ہی سانپ نے سپیرے کی گردن پر بھی کاٹ دیا۔ سپیرا چکر کھا کر گرا۔ سانپ کا زہر اتنا خطرناک تھا کہ سپیرے کی گردن کی رگیں بند ہو گئیں۔ اس کا گلا خشک ہو گیا اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکل سکا۔ وہ منتر بھی نہ پڑھ سکا۔

عنبر اس پر جھک گیا۔

"بتاؤ۔ ناگ کو تم نے کہاں قید کر رکھا ہے؟
تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

مگر سپیرا مر رہا تھا۔ زہر نے اپنا اثر کر دیا تھا۔ سپیرا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل رہی تھی اور دیکھتے دیکھتے اس نے انگوٹھی والا بازو کھڑا کیا اور پھر نیچے گر پڑا۔ سپیرا مر چکا تھا۔

عنبر پریشان ہو کر پرے ہٹ گیا۔

"یا خدا! یہ کیا ہوا۔ کم بخت ناگ کا راز بتائے بغیر ہی مر گیا۔ اب کیا کروں؟"

عنبر کو ذرا بھی خیال نہ آیا کہ سپیرے نے مرتے وقت

اپنا انگوٹھی والا ہاتھ کیوں بلند کیا تھا! وہ عنبر کو بتانا چاہتا تھا اس انگوٹھی میں ناگ کا راز ہے۔ مگر عنبر کو کوئی خیال نہ آیا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ سپیرا کوئی منتر پڑھ کر ناگ کو حاضر کرتا ہے۔ وہ اس سے منتر ہی پوچھتا رہا اور سپیرا مر گیا۔ [illegible] خاموش ہو گیا۔ عنبر کے لئے وہ ساری دولت اور جائیداد بے کار تھا۔ اس نے سپیرے کی لاش کو اسی جگہ رہنے دیا۔ خزانے میں سے جواہرات کا ایک ہار نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ باقی خزانہ پڑا رہتا ہے اور کار میں بیٹھ کر واپس روانہ ہو گیا۔

یہ قسمت کا عجیب چکر تھا کہ عنبر اپنے بھائی ناگ کی زندگی کا سب سے بڑا راز اس کھنڈر میں چھوڑ کر واپس جا رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرا سا وہم بھی نہ ہوا کہ وہ سپیرے کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لے۔ شہر میں آ کر اِس نے کار ایک پارک میں کھڑی کی اور سیدھا ہوٹل چلا گیا۔ اپنا سامان اٹھایا اور ہوائی اڈے پر آ کر بیٹھ گیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد ناگ پور جانے والا جہاز آیا اور وہ اس میں سوار ہو کر [illegible] ماریا کے پاس پہنچ گیا۔

ماریا کا کمرہ اسی طرح بند تھا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے بتایا "جناب ہم نے آپ کے حکم کے مطابق کمرے ویسے

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

بالکل صفائی نہیں کی۔ اگر آپ آج نہ آتے تو کل ہم تالا توڑ کر اندر صفائی کروانے والے تھے۔ کیونکہ اس سے زیادہ دیر تک ہم کمرہ بند نہیں رکھ سکتے۔"

"ٹھیک ہے اب میں آ گیا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد کسی آدمی کو بھجوا دیں کہ صفائی کر جائے۔"

"بہت اچھا"

عنبر تالہ کھول کر کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں صفائی وغیرہ بالکل نہیں ہوئی تھی۔ عنبر کا خیال تھا کہ پیچھے ماریا کو چھوڑ گیا ہے وہ ضرور جھاڑ پونچھ کرتی رہی ہوگی۔ مگر۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میز کرسیوں پہ گرد جمی ہوئی تھی۔ اس نے آہستہ سے ماریا کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ آیا۔ بڑا پریشان ہوا۔ دوسرے کمرے میں جا کر دیکھا۔ غسل خانہ دیکھا۔ پھر آوازیں دیں۔ باہر بالکونی میں جا کر دیکھا۔ مگر ماریا کہیں بھی نہیں تھی۔

عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماریا کو وہ چھوڑ گیا تھا کہاں چلی گئی۔ اتنے میں صفائی کرنے والا آ گیا۔ وہ صفائی کرنے لگا۔ عنبر نے یونہی اس سے پوچھا

"تم نے کبھی یہاں کوئی آواز تو نہیں سنی تھی؟"

نوکر نے کہا۔

"جناب کیا عرض کروں۔ کل شام میرے ساتھ ایسا ہوا

اس کمرے کے قریب سے گزر رہا تھا کہ دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ پھر بند ہو گیا۔ میں تو ڈر کر بھاگ گیا۔ منیجر کو جا کر بتایا۔ وہ ساتھ لے کر آیا مگر دیکھا کہ دروازہ بند تھا اور تالا لگا تھا۔ سب میرا مذاق اڑانے لگے۔ مگر صاحب! قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے ان آنکھوں سے دروازہ خود بخود کھلتے اور پھر اپنے آپ بند ہوتے دیکھا ہے۔"

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ نوکر چلا گیا تو عنبر نے سوچا نوکر ٹھیک کہتا ہے۔ ماریا ضرور کسی کام سے گئی ہوئی ہے۔ نوکر تو کہتا ہے کہ کل شام دروازہ اپنے آپ کھلا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل شام ماریا کمرے سے نکلی تھی اور اب تک واپس نہیں آئی۔ وہ کہاں چلی گئی؟ عنبر ساری رات پریشان رہا اور دیر تک جاگتا رہا۔ انتظار کرتا رہا کہ شاید ماریا واپس آ جائے۔ مگر بالکل واپس نہ آئی۔ عنبر ابھی اس ہوٹل کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہی ایک ملنے کی جگہ تھی۔ اسے یقین تھا کہ ماریا اگر واپس آئی تو اسی ہوٹل میں واپس آئے گی۔

اب ذرا یہ بھی سنیئے کہ ماریا کے ساتھ کیا ہوا۔

عنبر کے آنے سے ایک روز پہلے شام کے وقت ماریا کمرے میں بیٹھے بیٹھے سخت بور ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ شہر کی سیر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ چپکے سے دروازے کو تالا لگا کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے دروازہ کھولا اور باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی اس کی نظر ایک نوکر پر پڑی جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو خود آپ بند ہوتے اور تالے میں چابی لگتے دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے آہستہ سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

نوکر نے جب دروازہ بند ہوتے دیکھا تو وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ ماریا چپکے سے ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر نیچے ہال کمرے میں آ گئی۔ یہاں لوگ بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے۔ کچھ کافی پی رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ بڑی رونق تھی۔ ماریا کا دل کچھ بہل گیا۔ یہاں سے نکل کر وہ ہوٹل سے باہر آ گئی۔ اتفاق سے باہر ایک بڑی خوبصورت بس کھڑی تھی۔ ماریا نے سوچا۔ "کیوں نہ اس بس میں سوار ہو کر ذرا شہر کی سیر کی جائے"

وہ بس میں سوار ہو گئی۔ اس میں رش بالکل نہیں تھا۔

وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور آ کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے وہم میں بھی یہ بات کبھی نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ایسی عورت بیٹھی ہے جو اسے رات کو تو خیر کیا نظر آتی مگر دن کو بھی نظر نہیں آنے گی۔ بس روانہ ہو گئی۔ بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

ماریا بڑی خوش ہو رہی تھی۔ بس ہوائی اڈے پر جا کر رک گئی۔ ماریا بھی دوسری سواریوں کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ اسے

کوئی دیکھ تو سکتا نہیں تھا۔ وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ دور سامنے ایک سرخ اور نیلے رنگ کا بڑا دلکش ہوائی جہاز کھڑا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ ذرا جہاز کے اندر جا کر بھی سیر کی جائے۔ اور کچھ نہیں تو جہاز والوں کی کھٹی میٹھی گولیاں ہی اڑا کر کھائی جائیں۔ ماریا گیٹ میں سے ہوائی اڈے پر آ گئی۔

اسے کسی نے بھی نہ پوچھا۔ حالانکہ دوسرے مسافروں کی زبردست چیکنگ ہو رہی تھی۔ ماریا ہوائی جہاز کے پاس آ کر اسے دیکھنے لگی۔ بڑا خوبصورت جہاز تھا اور کافی بڑا تھا۔ سیڑھی لگی تھی۔ نیچے سیڑھی کے پاس دو آدمی کھڑے مسافروں کا ٹکٹ چیک کر رہے تھے۔ اوپر دو ایئر ہوسٹس کھڑی مسکرا مسکرا کر مسافروں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

ماریا بڑے آرام سے دونوں چیکنگ کرنے والوں کے آگے سے ہو کر سیڑھی چڑھنے لگی۔ اسے بڑا مزا آ رہا تھا جب وہ اس طرح گزر جاتی اور کوئی اسے نہ پوچھتا۔ مگر اسے افسوس ہوا جب کہ اوپر ایئر ہوسٹسوں نے اسے خوش آمدید مسکرا کر نہ کہا۔ کیونکہ ابھی تو ماریا نظر ہی نہیں آتی تھی۔ بہرحال ماریا جہاز میں آ گئی۔

جہاز اندر سے خوبصورت اور آرام دہ تھا۔ سیٹوں پر

www.pdfbooksfree.pkپیشکش

مدلیے پڑے تھے۔ میزوں پر انگریزی۔ رسالے بھی تھے۔ مسافر بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ بعض باتیں کر رہے تھے۔ ماریا سیدھی باورچی خانے میں چلی گئی۔ یہاں ٹرے کھانے پینے کی چیزوں سے بھرے پڑے تھے۔ ماریا نے ایک ٹرے اٹھایا اور باہر دور کونے میں ایک خالی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی اور مزے سے لے کر بھنا ہوا مرغ اور سینڈوچز کھانے لگی۔

اس کے بعد وہ دوبارہ باورچی خانے میں آئی اور اس نے ایک ٹرے میں سے کافی کا کپ اٹھا کر پینا شروع کر دیا۔ ایک بڑی نازک سی گوری گوری ایئر ہوسٹس اس کے قریب کھڑی ٹرے میں کرنیاں سجا رہی تھی۔ اتفاق سے اس کا ماریا سے ہاتھ ٹکرا گیا۔ وہ چونکی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سوچنے لگی۔ اس کا ہاتھ کس کے ساتھ ٹکرایا تھا۔ ہاتھ آگے بڑھا کر جگہ ٹٹولی۔ ماریا پرے ہٹ گئی تھی۔ ایسا کرتے ہوئے ماریا میز پر رکھے ایک کپ سے جا لگی۔ کپ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ ایئر ہوسٹس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ کیا؟"

اتنے میں ایک دوسری ایئر ہوسٹس بھی اندر آ گئی۔

"خانم! کیا بات ہے۔ تمہارا رنگ کیوں زرد ہے؟"

"میں تو چار روز بعد واپس چلی جاؤں گی۔"

"تو بس پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گی۔"

وہ باتیں کر رہی تھیں کہ اتنے میں ایک مسافر نے کرسی کے پیچھے سے گردن اٹھا کر دیکھا اور کہا۔ "آپ لوگ اپنی باتیں بند نہیں کر سکتیں۔ مجھے تم عورتوں کی باتوں سے بالکل نیند نہیں آ رہی۔" اس سے پہلے کہ خانم کوئی جواب دیتی مسافر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ اس نے دیکھا کہ پیچھے صرف ایک عورت یعنی ایئر ہوسٹس بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"محترمہ! کیا آپ اکیلی باتیں کر رہی تھیں؟" خانم نے کہا۔

"نہیں تو" مسافر نے پوچھا۔ "تو پھر دوسری عورت کہاں ہے؟"

"دوسری عورت کوئی بھی نہیں ہے" یہ سن کر مسافر بے ہوش ہو کر اپنی سیٹ پر جھک گیا۔ ماریا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی پر کئی مسافروں نے چونک کر دیکھا مگر وہاں خانم خاموش بیٹھی نظر آئی۔

●

خانم کے ساتھ ماریا نے کیا احسان کیا؟
ماریا کی عنبر سے کن حالات میں ملاقات ہوئی؟
ہیرے کا نگینہ والی انگوٹھی کا کیا بنا؟
کیا ٹمک ہیرے کے جادو سے چھٹ سکا؟
یہ سب اگلی قسط میں پڑھیے۔

●

[illegible] لائبریری
تغلق روڈ، کوٹ تولیان۔ ملتان

بن مانس کا دماغ

اے حمید

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موت کا تعاقب
تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

بَن مانس کا دماغ

[illegible]

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹرز
غلام علی پبلشرز نے ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل :
قیمت : ۴/۵۰

مقامِ اشاعت :
غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
مدنی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

- الف لیلے کا شہر ۵
- انوکھا آپریشن ۲۰
- بن مانس کا دماغ ۳۹
- پہلی کہانی ۷۰
- گیدڑ کی پری ۸۱
- قبرستان میں ۹۵

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو: راجکمار اور اس کی والدہ کو ان کا شاہی قلعہ واپس دلا کر عنبر اور ناگ واپس آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماریا غائب ہے۔ ایسا ہوا کہ ماریا یونہی سیر کرتے کرتے ہوائی اڈے پہنچ گئی۔ وہاں ایک ہوائی جہاز کھڑا تھا۔ ماریا سیر کرنے اس میں داخل ہو گئی۔ اتنے میں ہوائی جہاز کا دروازہ بند ہو گیا اور ہوائی جہاز آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ ماریا بڑی پریشان ہوتی ہے مگر اب باہر نہیں نکل سکتی۔ یہاں اس کی دوستی ایک ایئر ہوسٹس خانم سے ہو جاتی ہے جو اُسے بغداد لے جاتی ہے۔ یہاں وہ ایک دیسی لڑکی کو بچاتی ہے جس کا دماغ نکال کر اس میں بن مانس کا دماغ ڈالا جا رہا تھا۔ اس لڑکی کے بیمار باپ کے لیے ماریا نقش سلیمانی لینے کے واسطے افریقہ کے ایک گھنے جنگل میں جاتی ہے جہاں تازہ جلے ہوئے مُردے کی راکھ کی مدد سے وہ ایک مُردے کی روح سے ملتی ہے۔ مردہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے! یہ آپ خود پڑھیں

الف لیلے کا شہر

ہوائی جہاز بغداد کے ہوائی اڈے پر اتر گیا

ایئر ہوسٹس خانم اس سیٹ پر گئی جو خالی نظر آ رہی تھی مگر اصل میں جہاں ماریا بیٹھی ہوئی تھی۔ خانم نے آہستہ سے کہا۔

"ماریا میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ"

ماریا نے خانم کا یہ فقرہ سن لیا۔ اتفاق سے یہ فقرہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے سن لیا تھا وہ پہلے تو بڑا حیران ہوا کہ یہ نوجوان ایئر ہوسٹس اُسے اپنے پیچھے پیچھے آنے کے لیے کیوں کہہ رہی ہے۔ پھر اس نے سوچا۔ شاید یہ لڑکی اُسے کوئی خاص راز کی بات بتانا چاہتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا بریف کیس سنبھالا اور خانم کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ دوسری طرف ماریا بھی خانم کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔ خانم ایئرپورٹ کی بس میں سوار ہوئی تو ماریا کے ساتھ ہی ساتھ وہ نوجوان بھی بس میں سوار ہو گیا۔ خانم نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ماریا ہے یا نہیں؟ پھر وہ خود بخود ہی ہنس پڑی۔ اپنی بیوقوفی پر۔ کیونکہ ماریا تو اُسے نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔ نوجوان یہ سمجھا کہ خانم اس کی طرف دیکھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر ہنسی ہے۔ وہ بھی جواب میں ہنس پڑا۔

خانم کو بڑا عجیب سا لگا کہ یہ نوجوان اس کی طرف دیکھ کر کیوں مسکرایا ہے! بس ایک چوک میں جا کر فٹ پاتھ کے کنارے رک گئی۔ خانم اتر گئی۔ ماریا بھی ساتھ ہی اتر گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ نوجوان بھی اتر گیا۔ سڑک پہ زیادہ آمدورفت نہیں تھی۔ فٹ پاتھ بھی خاموش تھا۔ خانم نے دیکھا کہ وہ نوجوان اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ ابھی تک ماریا نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور خانم سوچ رہی تھی کہ ماریا کہاں تک چل گئی۔

اتنے میں وہ نوجوان اس کے قریب آ کر بولا۔

"محترمہ! میں تمہارے ساتھ ساتھ آ رہا ہوں"

خانم نے ڈر کر پوچھا۔

"تم میرے ساتھ ساتھ کیوں آ رہے ہو؟"

نوجوان مسکرایا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"اب مذاق چھوڑو اور مجھے وہ راز بتا دو جو تم مجھے بتانا چاہتی تھیں!"

خانم حیران ہوئی۔

"کونسا راز؟ تم کون ہو؟"

نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں اپنا ہی آدمی ہوں۔ بے دھڑک اپنا راز مجھے بتا دو"

"تم کیا بکواس کر رہے ہو!"

نوجوان نے ذرا ٹھٹھک کر کہا۔

"محترمہ! تم نے خود ہی تو مجھے کہا تھا کہ میرے ساتھ آؤ!"

اب خانم کو اصل بات کا علم ہو گیا تھا۔ جو فقرہ اس نے ماریا سے کہا تھا اس فقرے کو اس نوجوان نے بھی سن لیا تھا۔ ہنس کر بولی۔

"میں نے تمہیں ساتھ آنے کو نہیں کہا تھا"

نوجوان ہنسا۔

"تو پھر کس کو کہا تھا؟ وہاں تو میرے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا"

ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ خانم نے کہا۔

"وہاں میری ایک سہیلی بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا"

نوجوان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

"مگر وہاں تو میرے سوا اور کوئی نہیں تھا"

خانم نے کہا۔

"جاؤ اپنا راستہ لو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ وہاں میری ایک سہیلی بیٹھی تھی میں نے اسے اپنے پیچھے آنے کو کہا تھا"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نوجوان نے قہقہہ مار کر کہا۔

"تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتیں محترمہ! وہاں تمہاری کوئی سہیلی نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو مجھے دکھائی نہ دیتی؟"

اب ماریا سے رہا نہ گیا۔ جھٹ بول اٹھی۔

"جہاز کی سیٹ پر میں بیٹھی تھی"

نوجوان نے ایک دوسری لڑکی کی آواز سنی تو چونک کر جدھر سے آواز آئی تھی۔ ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی لڑکی نہیں تھی۔ صرف خانم ایئر ہوسٹس اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا یہ تمہاری آواز تھی محترمہ؟"

خانم نے کہا۔

"نہیں۔ میری آواز نہیں تھی۔ میری سہیلی کی آواز تھی جو اب بھی میرے ساتھ ہے"

ماریا نے کہا۔

"ہاں: میں خانم کی سہیلی ہوں اور خانم کے ساتھ ہوں"

نوجوان کے ہاتھ سے سگریٹ گر پڑا۔ آواز بالکل صاف آ رہی تھی اور یقیناً یہ کسی دوسری لڑکی کی آواز تھی۔

"تم۔۔ تم۔۔ کون ہو؟"

ماریا نے کہا

"میں بھوت ہوں۔۔"

اور اس کے ساتھ ہی ماریا نے ہاتھ بڑھا کر نوجوان کے سر سے ہیٹ اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا۔ نوجوان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"بھوت۔ بھوت۔ بھوت!"

اور وہ ہیٹ وہیں سڑک پر چھوڑ کر ایک طرف ایسا بھاگا کر پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔ ماریا اور خانم دیر تک ہنستی رہیں۔

"کم بخت یہ تو میرے پیچھے ہی لگ گیا تھا"

ماریا نے کہا۔

"میں ذرا اس کو ڈھیل دے رہی تھی"

خانم نے کہا۔

"چلو ہوسٹل چلتے ہیں۔ بالکل سامنے ہے"

خانم جس ہوسٹل میں رہتی تھی وہ ایک بلڈنگ کی تیسری منزل پر تھا۔ خانم نے ماریا کو ساتھ لیا۔ لفٹ میں سوار ہو کر تیسری منزل پر آ گئی کمرے کا تالا کھولا اور ماریا کو اندر لے گئی۔ اس فلیٹ میں دو کمرے تھے۔ خانم نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم ساتھ والے کمرے میں آرام کر سکتی ہو"

"ہم یہاں سے واپس کس روز چلیں گے؟ میں بغداد میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ مجھے واپس بھی جانا ہے"

خانم نے ہنس کر کہا۔

"کیا بھوتوں کو بھی کسی کام کی جلدی ہوتی ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے کہا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔ اگر بھوت ہوتی تو مجھے بھی جلدی ہو سکتی تھی"۔

خانم بولی۔

"تم جو کچھ بھی ہو میری بہن ہو اور تم سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے"

ماریا نے کہا

"شکریہ! یقین کرو مجھے بھی تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ میں بھی تمہیں اپنی بہترین سہیلی سمجھتی ہوں۔ لیکن اس وقت مجھے بڑی بھوک لگی ہے"

"اوہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم یہاں ٹھہرو۔ میں ابھی بازار سے کچھ کھانے کو لاتی ہوں"

خانم جانے لگی تو پلٹ کر بولی۔

"اوہ ہاں! میں باہر سے دروازے کو تالا لگا جاؤں گی۔ تم گھبرانا بالکل نہیں"

ماریا نے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔

"یہ تم مجھے کہہ رہی ہو! فکر نہ کرو۔ میں کبھی نہیں گھبرایا کرتی۔ میں آدم خوروں کے جنگلوں سے آدھی آدھی راتوں کو اکیلی گزری ہوں۔ میں گھبرانا نہیں جانتی"

خانم باہر سے تالا لگا کر بازار چلی گئی۔ ماریا نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے۔ اس نے ماریا کا ایک سوٹ پہن لیا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ انہیں جوڑے میں باندھا اور بڑے آرام سے صوفے پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر میں خانم آ گئی۔ اس نے کھانے پینے کی چیزوں سے بھرا ہوا لفافہ اٹھایا ہوا تھا۔ اس میں پھل تھے۔ جام مکھن ڈبل روٹی انڈے اور مچھلی تھی۔ خانم کو آتے دیکھ کر ماریا نے کہا۔

"میں نے تمہارا ایک سوٹ پہن لیا ہے۔ تم برا تو نہیں مانو گی!"

خانم نے کہا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ میرے سارے کپڑے تمہارے ہیں۔ کاش میں تمہیں دیکھ سکتی کہ تمہارے جسم پہ میرا سوٹ کیسا لگتا ہے!"

ماریا نے کہا۔

"ہاں کاش ایسا ہو سکتا۔ مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اور تو اور میں خود بھی اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی"

"کتنی عجیب بات ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میرے کمرے میں ایک ایسی لڑکی بھی میرے ساتھ ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تو کوئی یقین نہیں کرے گا اور جو یقین کرے گا وہ حیران ہو کر پاگل سا ہو جائے گا"

ماریا نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ویسے میں نے تمہارا نیلے رنگ کا سوٹ پہنا ہے تم الماری میں جا کر دیکھ سکتی ہو۔"

خانم نے الماری کھول کر دیکھا۔ سچ مچ اس کا نیلے رنگ کا سوٹ غائب تھا۔ وہ ہنسی۔

"یقین نہیں آتا۔ ابھی تک یقین نہیں آتا۔"

"کس بات کا خانم بہن یقین نہیں آتا؟"

"یہی کہ تم میرا سوٹ پہن کر غائب ہو گئی ہو۔"

"ہا ہا ہا!" ماریا نے قہقہہ لگایا۔ "کسی کو بھی یقین نہیں آ سکتا!! ویسے میں تمہیں اس کے بدلے بڑا عمدہ سوٹ لا دوں گی۔"

"نہیں نہیں ماریا بہن! مجھے نئے سوٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری طرف سے تمہیں تحفہ ہے۔ میں جانتی ہوں تم اگر چاہو تو اس بغداد شہر کی بڑی سے بڑی دکان پر سے قیمتی سوٹ اٹھا کر لا سکتی ہو۔"

"مگر میں ایسا نہیں کیا کرتی خانم! اب میں جہاں سے کوئی چیز اٹھاتی ہوں وہاں اس کے دام ضرور رکھ دیتی ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے ماریا بہن! آؤ کھانا تیار ہے۔ بس یہاں جوشش میں تو یہی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"یہی غنیمت ہے بہن! اور پھر انڈے تو تم نے بڑے خوبصورت بنائے ہیں۔"

خانم نے کہا۔

"ہمیں اس قسم کے پکوان بنانے کی خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے۔ مزے دار ہیں ناں؟"

"بہت" ماریا نے انڈہ کھاتے ہوئے کہا۔

نے گی

خانم بولی۔

"میں تو تمہیں کھاتے بغداد کے لوگ نہیں دیکھ سکتی۔ بس [illegible] پلیٹ سے اٹھتا دکھائی دیتا ہے پھر وہ [illegible] جا کر غائب ہو جاتا ہے۔"

ماریا نے خانم کی ایک

"وہ میرے منہ کے دروازے سے اندر جا کر غائب ہو جاتا ہے۔"

سچ مچ خانم کے لیے یہ منظر دلچسپ تھا کہ پلیٹ میں سے ایک آ[illegible] اپنے آپ اٹھتا ہے اور اوپر جا کر غائب ہو جاتا ہے۔ پھر ٹوسٹ کسی نے اٹھا لیے۔ ان پر مکھن لگایا اور وہ بھی غائب ہو گئے۔

کھانا کھانے کے بعد خانم نے کافی بنا کر میز پر رکھ دی۔ اس نے ماریا کے لیے کافی بنائی اور پیالی اس کے آگے کر دی۔ خانم نے دیکھا کہ پیالی پلیٹ میں سے اپنے آپ اٹھ کر اوپر گئی اور پھر ذرا ٹیڑھی ہو گئی مگر کافی نیچے نہیں گری۔

وہ کافی ماریا کے ہونٹوں سے لگ کر اس کے حلق میں جا رہی تھی۔

"ماریا بہن! کیا میرے ساتھ شہر کی سیر کو چلو گی۔ یہ بغداد ہے اسے الف لیلے کا شہر کہتے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے کہا۔

"خانم بہن! میں نے ان کھنڈروں کی اس وقت سیر کی تھی جب یہاں ہارون الرشید کی حکومت تھی اور سڑکوں پر فوارے چلا کرتے تھے اور رات کو شاہی محل پر چراغاں ہوا کرتا تھا۔"

یقیناً شافعی ماریا بہن تم نے ہارون الرشید کو دیکھا ہے؟

ماریا نے ہنس کر کہا۔ "ہاں!

میں نے بہت کچھ دیکھا ہے خانم بہن! میں تمہیں اتنے تھوڑے وقت میں کیا کیا بتا سکتی ہوں بس تم بھی کر لو یقین کہ کئی ہزار برس سے زندہ چلی آ رہی ہوں۔" [illegible]

خانم نے کہا۔

"کمال ہے ماریا بہن! تم کس قدر خوش قسمت ہو کہ تم نے زمانوں کے بادشاہوں اور شہزادیوں کو دیکھا ہے۔"

ماریا بولی۔

"ویسے میں آج کے بغداد شہر کی سیر بھی ضرور کروں گی اور ہم اکٹھے ہی سیر کرنے چلیں گے۔"

اتنے میں خانم نے کہا۔

"میں ہوائی اڈے سے ایک ضروری ٹیلیفون کر کے ابھی آتی ہوں۔ مجھے یاد آ گیا ہے کہ فون کرنا تو بہت ضروری ہے۔ میں بس ابھی پانچ منٹ میں آتی ہوں۔"

"کیا یہاں فون نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ٹیلیفون نیچے لاؤنج روم میں لگا ہوا ہے۔"

اتنا کہہ کر خانم فون کرنے کے لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس بار خانم نے باہر سے دروازے کو تالا نہیں لگایا بلکہ اسے بند کر گئی۔ سوچا تالے کی کیا ضرورت ہے وہ تو ابھی واپس آ جائے گی۔ اس کے جانے کے بعد ماریا نے بغداد کا ایک انگریزی اخبار اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

اتفاق سے خانم کی ایک سہیلی رانی جو اس کے ساتھ ہی ہوائی جہاز پر کام کرتی تھی دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ دروازہ کھلا ہے تو خانم ضرور اندر ہی ہو گی۔ اس نے اندر آتے ہی آواز دی۔

"خانم! خانم! بھئی ذرا اپنی تاش دینا۔"

خانم اندر تھی ہی نہیں تو آواز کون دیتا۔ اچانک رانی نے ایک عجیب و غریب شے دیکھی۔ اس کو دیکھ کر پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے آنکھیں دو تین بار ملیں۔

کیا دیکھتی ہے کہ اس کے قریب ہی میز کے پاس کرسی رکھی ہے اور ایک انگریزی کا اخبار کرسی پر سے ذرا اوپر اٹھا ہوا فضا میں لٹکا ہے اور اس انداز سے ہوا میں لٹکا ہوا ہے جیسے کوئی اسے پڑھ رہا ہے۔ رانی گھبرا کر باہر کو نکل گئی۔ اب ماریا نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھی محسوس کیا کہ اسے اخبار میز پر رکھ دینا چاہیئے تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ خانم کے ہوسٹل میں کوئی تماشہ بنے۔ ادھر رانی بھاگ کر اپنے کمرے میں گئی۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا۔ چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے جاتے ہی اپنی سہیلی شیمی کو بتایا کہ ساتھ والے خانم کے کمرے میں کوئی بھوت آ کر اخبار پڑھ رہا ہے۔

"کیا بے معنی باتیں کر رہی ہو"

شیمی نے بیزاری سے کہا۔ رانی بولی۔

"خدا کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اخبار اوپر اٹھا ہوا ہے مگر اخبار پڑھنے والا کوئی نہیں ہے۔ کرسی خالی پڑی ہے؟"

شیمی نے ناخن پر پالش لگاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے"

"تو پھر میرے ساتھ آؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا"

"چلو۔ دکھاؤ۔ اگر نہ دکھایا تو میں تم پہ دس روپے جرمانہ کر دوں گی"

"مجھے منظور ہے۔ آؤ میرے ساتھ"

اور رانی شیمی کو لے کر پیچھے سے خانم کے کمرے میں آ گئی۔ اخبار میز پہ پڑا تھا۔ شیمی نے رانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاؤ دس روپے شرط کے۔ اخبار تو میز پہ رکھا ہوا ہے"

رانی کبھی اخبار کو دیکھ رہی تھی اور کبھی کرسی کو۔ حیران تھی کہ ابھی ابھی تو اس نے اخبار کو میز سے دو فٹ بلند دیکھا تھا اب یہ واپس میز پر کیسے آ گیا۔ یہ شرارت ماریا نے کی تھی، وہ اس وقت بھی کمرے میں ہی تھی۔

رانی نے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں شیمی کہ میں نے اخبار کو میز سے اوپر اٹھے ہوئے دیکھا تھا"

"تو پھر اب یہ میز پہ کیوں رکھا ہے؟ تم شرط ہار گئی ہو۔ دس روپے جرمانے کے دے دو جلدی سے"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خانم فون کر کے واپس آ گئی۔

"ارے شیمی! ارے رانی! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

رانی نے سارا واقعہ خانم کو سنا دیا۔ خانم نے ایک بلند قہقہہ لگایا

"شیمی ٹھیک کہتی ہے۔ تم نے ضرور جاگتے میں کوئی خواب دیکھا ہے۔ ہاں رانی! بغداد شہر میں کہتے ہیں آج کل یہ بیماری بڑی عام ہے"

"کون سی بیماری؟" رانی نے پوچھا

"یہی کہ یہاں کبھی کبھی انسان جاگتے میں خواب دیکھنے لگ جاتا ہے"

رانی نے کہا۔

"خدا کے لیے تم لوگ میری بات کا اعتبار کیوں نہیں کرتیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں کہ میں نے....."

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شیمی نے اس کا منہ بند کر کے کہا۔

"بس بس اب چھوڑو یہ بحث اور سیدھی طرح سے دس روپے نکالو۔ پرس میں ہے۔"

خانم نے کہا۔

"ہاں بھئی تم شرط ہار گئی ہو۔ تمہیں دس روپے دینے ہی پڑیں گے۔"

آخر رانی کو دس روپے دینے پڑے اور دونوں سہیلیاں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی خانم نے دروازہ بند کر دیا اور پلٹ کر بولی۔

"کیا بات تھی ماریا؟"

ماریا بہت ہنسی۔

"بس بات کیا ہونی تھی۔ تم دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھیں۔ میں اخبار پڑھ رہی تھی کہ رانی اندر آ گئی۔ ظاہر ہے اخبار اسے میز پر سے اوپر نظر آیا۔ میں اسے نظر آ نہیں سکتی تھی۔ وہ پریشان ہو کر باہر کو بھاگی اور شیمی کے ساتھ شرط لگا کر اسے یہاں لے آئی۔ پھر میں نے اخبار میز پر رکھ دیا تھا۔"

"بہت خوب!"

ماریہ نے کہا۔

"کیا بغداد شہر کی سیر کو نہیں چلو گی؟"

خانم بولی۔

"ماریا بہن! کیا کروں۔ ابھی فون کرنے گئی تو دفتر والوں نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہوائی اڈے آ جاؤ۔ ایک ضروری کام ہے۔ میں تمہیں یہی کہنے آئی تھی کہ میں آج سیر کو نہ جا سکوں گی۔ شاید دفتر سے رات کو واپسی ہو۔ تم بے فکر ہو کر یہاں آرام کرو۔ میں باہر سے تالہ لگا جاؤں گی۔"

ماریا نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ تم ایسا کرو کہ چابی مجھے دے جاؤ۔ میں تالا لگا کر اکیلی شہر کی سیر کو چلی جاؤں گی اور پھر کچھ دیر سیر کرنے کے بعد واپس آ کر آرام کروں گی۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے۔"

خانم جاتے ہوئے ماریا کو چابی دیتی گئی۔

ماریا کچھ دیر تک کتابیں وغیرہ دیکھتی رہی۔ پھر اٹھی اور دروازے کو تالا لگا کر باہر نکل گئی۔ جب وہ رانی اور شیمی کے کمرے کے آگے سے گزری تو اسے شرارت کرنے کا خیال آیا۔ شیمی نے رانی کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ ماریا نے سوچا ذرا شیمی کو یقین دلایا جائے کہ رانی سچ کہہ رہی تھی۔ پس یہ سوچ کر اس نے دروازے کو ذرا کھٹکھٹایا۔ کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔

اندر سے رانی نے آواز دی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔

یہ لڑکیوں کا ہوسٹل تھا اور رانی کو معلوم تھا کہ اس کی کوئی سہیلی بھی ہو سکتی ہے۔ ماریا نے پھر دستک دی۔ اب اندر سے تیز آواز آئی۔

"بھئی اندر آ جاؤ نا دروازہ کھلا ہے؟"

ساتھ والے کمرے میں شیمی کتاب پڑھ رہی تھی بولی۔

"ارے الو کی دم! میں نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولو۔ شاید خانم ہو گی۔"

رانی بڑبڑ کرتی اٹھی۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے مجھے کہ دروازہ بند ہے"

رانی نے کنڈی کھول کر دروازہ کھول دیا۔

"کون ہے"

باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ رانی کو بڑا غصہ آیا کہ کوئی کم بخت سہیلی اس کے ساتھ مذاق کر کے آگے چل دی ہے۔ اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ اس دوران میں ماریا اندر کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ شیمی نے اپنے کمرے سے آواز دی۔

"کون تھا رانی؟"

رانی نے غصے میں کہا۔

"وہی بھوت تھا تمہارا"

"کیا مطلب؟"

شیمی نے پوچھا۔

رانی بولی۔

"مطلب یہ کہ کسی لڑکی نے شرارت سے دروازہ کھٹکھٹایا اور بھاگ گئی۔ کیسی بھونڈی بات ہے یہ۔ ان لڑکیوں کو مذاق بھی نہیں کرنا آتا"

دوسرے کمرے سے شیمی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ رانی بستر پر لیٹ کر پھر سے جاسوسی ناول پڑھنے لگی۔ ماریا نے کمرے کو دیکھا۔ بالکل خانم کے کمرے ایسا ہی تھا۔ پلنگ۔ میز کرسی۔ تپائی۔ ڈریسنگ ٹیبل اور الماری۔ دیوار کے ساتھ پلنگ لگا تھا اور اس پر رانی بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔

●

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انوکھا اپریشن

مایا شیمی کے کمرے میں آ گئی۔

یہ کمرہ بھی ویسا ہی تھا جس طرح رانی کا تھا۔ دروازے پر پردہ گرا تھا۔ شیمی آرام سے پلنگ پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ تپائی پر اس نے پاس ہی پلیٹ میں مونگ پھلی رکھی تھی جسے وہ دانہ دانہ کر کے منہ میں ڈال کر چبا رہی تھی۔ نگاہیں کتاب پر تھیں۔ ہاتھ اپنے آپ پلیٹ کی طرف آتا۔ ایک دانہ اٹھاتا اور منہ میں ڈال لیتا۔ مایا نے سوچا کہ اس جگہ شرارت کی جا سکتی ہے۔

وہ تپائی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے چپکے سے آرام سے مونگ پھلی والی پلیٹ اٹھا لی اور ذرا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور تماشہ دیکھنے لگی۔ شیمی نے کتاب پڑھتے پڑھتے پہلے کی طرح مونگ پھلی والی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ پلیٹ کی بجائے میز سے ٹکرا گیا۔ اس نے دوسری طرف ہاتھ کیا کہ شاید پلیٹ ذرا پرے ہو۔ وہاں بھی اس کا ہاتھ خالی گیا۔ اب اس نے گردن ٹیڑھی کر کے تپائی یعنی چھوٹی میز کو دیکھا۔ اس کا جسم ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔ تپائی پر سے پلیٹ غائب تھی۔ وہ کتاب پرے رکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی اور میز کو غور سے دیکھنے لگی۔ مونگ پھلی کی پلیٹ وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔

شیمی پلنگ پر سے اتر کر نیچے آ گئی۔

اس نے جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ پھر وہ ہنس پڑی۔ بھلا پلنگ کے نیچے پلیٹ کیسے جا سکتی تھی! جب وہ پلنگ کے نیچے جھانک رہی تھی تو مایا نے پلیٹ واپس تپائی پر رکھ دی۔ شیمی نے پلنگ کے نیچے سے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ پلیٹ وہیں تپائی پر پڑی ہے۔ بڑی حیران ہوئی۔ آنکھیں ملنے لگی کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی؟ وہ دوبارہ پلنگ پر بیٹھ گئی اور کتاب پڑھنے لگی مگر اس کا دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ پلیٹ گم کیسے ہو گئی تھی؟

مایا نے ایک بار پھر پلیٹ اٹھا لی اور ذرا دور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی۔ شیمی کا ہاتھ ایک دفعہ پھر خالی میز سے ٹکرا گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ یااللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا کہ پلیٹ غائب ہے۔ اٹھ کر جو دیکھا تو پلیٹ ڈریسنگ میز پر پڑی ہے۔

"رانی!"

وہ چیخ کر رانی کے کمرے میں بھاگ گئی۔ رانی نے اٹھ کر شیمی کو تسلی دی۔

"کیا ہوا شیمی! تم گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ اندر کیا کوئی سانپ نکل آیا ہے!"

شیمی نے مونگ پھلی کی پلیٹ کی ساری کہانی سنا ڈالی۔ رانی نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اب تمہیں پتہ چلا ہوگا کہ میں ٹھیک کہہ رہی تھی۔"

"تو کیا ہوسٹل میں کوئی بھوت آ گیا ہے؟"

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"نہیں نہیں۔ میں مر جاؤں گی۔ مجھے بھوتوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

رانی نے کہا "پہلے میرے دس روپے تو نکالو۔"

شیمی بولی "خدا کے لئے تم دس چھوڑ کر سو روپیہ لے لینا۔ لیکن مجھے آج کی رات اپنے پلنگ پر سونے کی اجازت دے دو۔"

رانی نے کہا "اری چل کر دیکھو تو سہی کہ مونگ پھلی کی پلیٹ کہیں وہیں تپائی پر تو نہیں رکھی ہوئی ہے۔"

شیمی ڈرتے ڈرتے اندر گئی تو دیکھا کہ مونگ پھلی کی پلیٹ وہیں تپائی پر پڑی تھی۔

رانی نے کہا "اری! اب تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ضرور تم نے خواب دیکھا ہے۔ دیکھو۔ پلیٹ تو وہیں میز پر پڑی ہے۔"

شیمی بولی "خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پلیٹ پہلے غائب ہو گئی اور پھر ڈریسنگ ٹیبل پر جا کر پڑی تھی۔"

رانی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے بھی بھوت کو اخبار پڑھتے دیکھا تھا۔ اتنے میں غسل خانے میں نلکے میں سے پانی گرنے کی آواز آنے لگی۔ شیمی رانی کے ساتھ ڈر کر لگ گئی۔

"اندر کون ہے؟"

"کون ہو سکتا ہے۔" رانی بھی ڈر گئی تھی۔

کمرے میں ان دونوں کے سوا تیسرا کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر غسل خانے میں پانی کا نلکا کس نے کھول دیا تھا! ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ غسل خانے سے غرارے کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

اب تو رانی اور شیمی چیخ مار کر کمرے سے بھاگ گئیں۔

ماریا غسل خانے سے چپکے سے نکلی۔ تولیے سے منہ صاف کیا اور بڑے آرام سے کمرے سے باہر آ گئی۔ کمرے کے باہر دو چار لڑکیاں کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ رانی اور شیمی سہمی ہوئی کھڑی تھیں اور انہیں بتا رہی تھیں کہ ان کے کمرے میں بھوت آ گیا ہے۔ اتنے میں ہوسٹل کی وارڈن آ گئی۔ وہ ادھیڑ عمر کی کرخت چہرے والی ظالم قسم کی عورت تھی۔ آتے ہی ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

"یہ کیا بک بک لگا رکھی ہے تم لڑکیوں نے! کیا بات ہے! کیسا شور ہے؟"

ایک لڑکی نے کہا۔

"میڈم! رانی کے کمرے میں بھوت آ گیا ہے۔"

وارڈن نے نفرت سے ناک چڑھایا اور غصے میں بولی۔

"کہاں کا بھوت! کیسا بھوت!"

دوسری لڑکی نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میڈم! ہشمی کی مرغ پلاؤ کی پلیٹ غائب ہو گئی ہے"

"تیسری نے کہا: ان کے غسل خانے سے خراٹے کرنے کی آوازیں آتی ہیں"

میڈم چلائی: "بک بک بند کرو۔ آؤ دکھاؤ کہاں ہے بھوت! ابھی اس کا خاتمہ کرتی ہوں جا کر"

ماریا خود کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ وارڈن کی بات پر اُسے سخت غصہ آیا۔ اُس نے کمرے کے باورچی خانے میں جا کر دو انڈے لے اور باہر آ گئی۔ وارڈن تھل تھل کرتی باہر کھڑی بھوت کے خلاف تقریر کر رہی تھی کہ ماریا نے پیچھے سے اس کے سر پر مار کر ایک انڈا توڑ دیا۔ وارڈن ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔

"یہ کس کی شرارت ہے؟" اس نے چیخ ماری۔

ساری لڑکیاں پیچھے پیچھے ہٹ گئیں۔ ماریا نے دوسرا انڈا بھی اس کے سر پہ مار کر توڑ دیا۔ اُس کا سر لتھڑ گیا۔ وہ زخمی شیرنی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"یہ کون بدتمیز ہے!"

ماریا نے کہا۔

"ہوسٹل کا بھوت!"

اس کی آواز سن کر سناٹا چھا گیا۔ ماریا کی گرجدار آواز سب نے سنی تھی مگر شکل کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بعد

لڑکیاں چیخیں مارتی اپنے اپنے کمروں کی طرف بھاگ گئیں۔ ماریا بہت ہنسی۔ کیونکہ وارڈن بھی ڈر کر سر کو کپڑے سے صاف کرتی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

ماریا ہوسٹل کی بلڈنگ سے نکل آئی۔

وہ بغداد کی سڑکوں پر سیر کرنے لگی۔ یہ شہر اُس نے تین ہزار سال پہلے دیکھا تھا۔ اب بالکل ہی بدل گیا تھا۔ یہ ایک بالکل ہی نیا شہر تھا۔ جنگ کی وجہ سے یہاں امریکی اور انگریزی فوجیں چھاؤنی ڈالے ہوئے تھیں۔ رات کو بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ مگر دن کو شہر میں چہل پہل ہوتی تھی۔ ہوٹلوں میں گانے ہوتے تھے۔ بازاروں میں لوگ گھومتے پھرتے خرید و فروخت کرتے نظر آتے تھے

ماریا سیر کرتی کرتی ایک ایسے علاقے میں آ گئی جہاں پرانی حویلیاں اور باغ تھے۔ ان باغوں میں انار، انگور اور ناشپاتی کے باغ تھے۔ ایک حویلی کے دروازے پر دربان کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی امیر عرب کا مکان ہے۔ حویلی کی چاردیواری قلعے کی طرح تھی۔ ماریا کا دل چاہا کہ وہ حویلی کے اندر جا کر ذرا سیر کرے۔ وہ دربان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اس نے ماریا کو بالکل نہ دیکھا

اندر ایک باغ شروع ہو گیا۔ کھجور، انگور، ناشپاتی اور انجیر کے درخت تعداد میں آگے تھے۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا راستہ تھا جو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سامنے ایک تین منزلہ مکان کو جاتا تھا۔ اس مکان کی ڈیوڑھی پر بھی ایک حبشی دربان کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ باغ بڑا خوشگوار اور خوبصورت تھا۔ بیچ میں ایک فوارہ تھا جس میں سے چاندی ایسا شفاف پانی اُبل رہا تھا۔ ماریا باغ کے راستے پر سے گزرتی گئی۔ اُسے پرانا زمانہ یاد آ گیا جب وہ عنبر اور ناگ کے ساتھ مصر اور ایران کے بادشاہی محلوں کی سیریں کیا کرتی تھی۔ وہ تین منزلہ مکان کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ یہ بڑا خوبصورت مکان تھا۔

اوپر بارہ دریاں تھیں جن کے اوپر گنبد بنے ہوئے تھے۔ کسی پرانے عرب سوداگر کی حویلی معلوم ہوتی تھی۔ ڈیوڑھی میں ایک کالا حبشی ہاتھ میں بندوق لئے پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا مکان کے اندر داخل ہونے کی بجائے اس کے پیچھے آ گئی کہ ذرا ادھر کی بھی سیر کریں اور دیکھیں کہ ادھر کیا ہے! دوسری طرف مکان کی پہلی منزل کی کھڑکیاں تھیں۔ ان کھڑکیوں پر لوہے کی جالیاں لگی تھیں ان پہ کسی جگہ پھولوں بھری بیل چڑھی تھی اور کسی جگہ جالی خالی خالی تھی۔ ماریا نے جھانک کر دیکھا۔ جالی کے پیچھے لکڑی کی کھڑکی تھی جس کا پٹ نہ تھا۔ ایک جگہ سیڑھی اوپر کو جاتی تھی۔

ماریا ذرا آگے گئی تو ایک درخت پر انگور کی بیل چڑھی تھی وہ درخت کی طرف جانے ہی والی تھی کہ اُسے اچانک کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ وہ رک گئی۔ آواز جالی دار کھڑکی کے

اندر سے آ رہی تھی۔ ماریا نے جالی کے ساتھ کان لگا دیئے۔ آواز اندر ہی سے آ رہی تھی۔ یہ کسی لڑکی کی آواز تھی جو رو رہی سسکیاں بھر کر رو رہی تھی۔ ماریا ایک دم ہوشیار ہو گئی۔ سوچنے لگی اس عورت کی مدد کرنی چاہیئے۔ یہ کون ہو سکتی ہے ! یہ کیا راز ہے !

آواز آتی رہی۔ پھر رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر رونے کی آواز آنے لگی۔ ماریا پیچھے سے جالی کے ساتھ لگی سنتی رہی۔ کوئی دکھی لڑکی سسکیاں بھر بھر کر رو رہی تھی۔ ماریا کا دل ہل گیا۔ ماریا کا دل اس لڑکی کی مدد کرنے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ جالی دار کھڑکی اندر سے بند تھی۔ سیڑھی جو دیوار کے ساتھ جاتی تھی وہ اوپر جا کر بند ہو گئی تھی ادھر سے اوپر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

ماریا نے بے اختیار ہو کر کھڑکی پہ آہستہ سے انگلی مار کر اُسے بجایا۔

اُس کے کھڑکی بجانے سے آواز اچانک بند ہو گئی۔ ماریا نے ایک بار پھر انگلی ماری اور اسے بجایا۔ ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی کوئی سسکی بھرتے بھرتے ایک دم سے رک گیا۔

ماریا نے اپنا منہ کھڑکی کے ساتھ لگا کر کہا۔

"تم کون ہو ! کیوں رو رہی ہو ! مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہمدرد ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ کسی نے کوئی آواز نہ دی۔ ماریا نے ایک بار پھر کھڑکی پر انگلی مار کر کہا۔

"آواز دو۔ کون ہو تم! میں تمہاری ہمدرد ہوں۔ مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔"

خاموشی۔ وہی خاموشی چھا گئی۔ پھر ماریا کو ہلکی سی کمزور آواز سنائی دی۔ جیسے کسی کنوئیں سے آ رہی ہو۔

"میں بیٹی ہوں۔ میری مدد کرو۔ یہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"اندر آنے کا راستہ کون سا ہے!"

اندر سے کمزور آواز آئی۔

"بڑا سخت پہرہ ہے۔ تم کیسے آ سکتی ہو۔ تم عورت ہو یہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔"

ماریا نے کھڑکی کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"مجھے راستہ بتاؤ۔"

اندر کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر آواز آئی۔

"اگر تم اندر آ سکتی ہو تو پھر اندر آنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ ڈیوڑھی میں سے گزر کر غلام گردش آئے گی۔ بائیں کو مڑ جانا۔ وہاں سے ایک سیڑھی اوپر کو جائے گی۔ اس پر سے ہو کر بالکونی میں آ جانا۔ وہاں سے سیڑھی نیچے اترے گی۔ تمہیں ایک دروازہ ملے گا جہاں پہرہ ہو گا۔ یہ دروازہ میرے کمرے کا ہو گا۔"

ماریا نے کہا: "میں آ رہی ہوں۔"

اندر سے آواز آئی: "تمہیں قدم قدم پر پہرہ ملے گا۔ بندوقیں اور سنگینیں ملیں گی۔ کیا تمہارے پاس پستول ہے! کاش! تم میرے پاس آ سکو مگر تم نہیں آ سکو گی۔ خدا کے لئے تم مت آؤ۔ میرے ساتھ اپنی جان نہ گنواؤ۔ یہ لوگ تمہیں بھی مار ڈالیں گے۔ واپس چلی جاؤ۔ واپس چلی جاؤ۔"

ماریا نے کہا: "میرا انتظار کرو۔ میں آ رہی ہوں۔"

اتنا کہہ کر ماریا حویلی کی ڈیوڑھی کی طرف نکل گئی۔ ڈیوڑھی میں ایک سیاہ رنگ کا حبشی ہاتھ میں تلوار لئے پہرہ دے رہا تھا۔ وہ بند دروازے کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ اگر دروازہ کھلا ہوتا تو بھی ماریا اس کے ساتھ لگے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ ماریا سوچنے لگی کہ اس دیو حبشی کو وہاں سے کیسے ہٹایا جائے۔ آخر اس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے دیکھا۔ ڈیوڑھی کے کونے میں ایک ستون بنا تھا۔ اس کے اوپر ایک صراحی رکھی تھی۔

ماریا نے کونے میں جا کر صراحی کو نیچے گرا دیا۔ صراحی ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ حبشی نے چونک کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کونے میں دیکھا اور جھک کر اُدھر گیا۔ اُس کے اُدھر جانے کی دیر تھی کہ ماریا نے دروازہ ذرا سا کھولا اور اندر داخل ہو کر دروازہ پھر سے بند کر دیا۔ حبشی بڑا حیران ہوا کہ یہ صراحی اپنے آپ طاق سے کیسے نیچے گر پڑی۔ بہرحال اس نے صراحی کو دوبارہ طاق پر رکھا اور واپس آ کر پہرے پہ کھڑا ہو گیا۔

اب وہ ایک غلام گردش میں داخل ہو گئی جس کی چھت کے ساتھ ایک تانبے کا فانوس لٹک رہا تھا۔ غلام گردش میں اندھیرا تھا جسے فانوس کی دھیمی دھیمی روشنی نے اور زیادہ پراسرار بنا دیا تھا۔ ماریا بڑی حیران تھی کہ یہ لوگ ایک لڑکی کو قید کر کے اس کے ساتھ کس قسم کا سلوک کر رہے ہیں! اور یہ لوگ کون ہیں! جیسا لیلیٰ نے بتایا تھا وہ غلام گردش میں آگے جا کر بائیں طرف کو گھومی تو اُسے ایک تنگ سی پتھریلی سیڑھی اوپر جاتی نظر آئی۔ آگے ایک بالکونی تھی۔

اس گیلری میں دو حبشی مشین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ اب کیا ہو گا؟ دروازہ بند تھا۔ حبشی چاق و چوبند ہو کر کھڑے تھے۔

ماریا وہاں کھڑی ہو کر سوچتی رہی کہ ان سے کس طرح بچ کر اندر چلا جائے۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ سامنے سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ اندر سے ایک آدمی سفید ڈاکٹروں ایسے لباس میں باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مشین گن تھی اسے دیکھتے ہی حبشی پرے ہٹ گیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ شخص اندر جائے گا۔

ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر داخل ہوا تو ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی۔ اندر ایک اور سیڑھی تھی۔ یہاں چھت پر ایک اور فانوس لٹک رہا تھا۔ سامنے ایک اور کمرے کا دروازہ آ گیا۔ یہاں بھی دو حبشی مشین گنیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر انہوں نے بھی دروازہ کھول دیا اور ماریا اس ڈاکٹر کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہو گئی۔ یہ ایک ہال کمرہ تھا جو زیادہ بڑا بھی نہیں تھا اور زیادہ چھوٹا بھی نہیں تھا۔ چھت پہ بڑے بڑے بلب روشن تھے۔ بیچ درمیان میں لوہے کی دو آپریشن والی میزیں بچھی تھیں۔ ایک میز پہ حبشی لیٹا تھا۔ اسے زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم کے ساتھ مختلف تاریں اور نلکیاں لگی تھیں۔ جو مختلف مشینوں کے ساتھ جا کر پیوست ہو گئی تھیں۔ ساتھ والی میز پہ ایک خوبصورت نازک لڑکی کو لٹایا گیا تھا۔ یہ بھی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور اس کے سر اور جسم کے ساتھ لگی ہوئی نلکیاں مشینوں میں جا کر فٹ ہو گئی تھیں۔

یہی لڑکی لیلیٰ تھی جس نے ماریا کو اندر بلایا تھا۔

ماریا سمجھ گئی۔ اس کے سرہانے کی جانب وہی کھڑکی تھی جس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہاں سے ماریا نے لیلیٰ کے رونے کی آواز سنی تھی۔ اور اُسے جلایا تھا۔ کھڑکی اندر سے بند تھی اور اس میں قفل لگا تھا۔ ہال کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کئی قسم کی مشینیں لگی تھیں۔ ان میں ڈائیل تھے۔ تاریں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی بہت بڑا اپریشن ہونے والا ہے۔ بن مانس بے ہوش پڑا تھا۔ صرف لڑکی لیلیٰ ہوش میں تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دیوار کا ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا۔

اندر سے دو ڈاکٹر سفید لباس میں باہر نکلے۔ وہ ایک میز گھسیٹ کر بن مانس اور لیلیٰ کی میزوں کے درمیان لے آئے۔ اس میز پہ اپریشن کرنے کی چھریاں اور آریاں رکھی تھیں۔ اس میز کو دیکھ کر لیلیٰ کے منہ سے ایک دبی دبی بھیانک چیخ نکل گئی۔

ایک ڈاکٹر نے کہا۔

”اسے بے ہوش کیوں نہیں کیا گیا؟“

دوسرا ڈاکٹر جلدی سے آگے بڑھا۔ اس نے لیلیٰ کو بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیا۔ لیلیٰ بے ہوش ہو گئی۔ اب بڑے ڈاکٹر نے دستانے چڑھائے اور بن مانس کے سر کے بیچ میں ایک برمے سے سوراخ نکال دیا۔ اس کے سر سے خون نکل کر بہنے لگا۔ دوسرے ڈاکٹر نے جلدی سے خون والی رگیں بند کر دیں۔ بن مانس کی کھوپڑی کے سوراخ میں ایک چاندی کا چھوٹا سا سکہ ڈال دیا گیا۔ بن مانس

کے پھیپھڑوں میں ہوا بھرنے والی مشین چل پڑی۔

ایک ڈاکٹر مشینوں کے ڈائیل کے پاس کھڑا تھا اور ان پہ سے دیکھ دیکھ کر کاپی پر لکھتا جا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ یہ لوگ کوئی بھیانک تجربہ کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر بولا

”اگر ہمارا تجربہ کامیاب ہو گیا تو ہم اس دنیا میں انقلاب لے آئیں گے۔ لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے کہ ایک بن مانس انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے اور ایک عورت بن مانس بن گئی ہے۔ اور وہ زمین پر چار پاؤں سے چل رہی ہے۔“

دوسرا ڈاکٹر مکروہ طریقے سے ہنسا۔

”ہم اس دنیا کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو بن مانس بنا دیں گے اور جنگل کے سارے بن مانسوں کو انسان بنا کر شہروں میں بھیج دیں گے۔“

ماریا یہ سن کر کانپ گئی۔ یہ لوگ تو شیطانی کام کر رہے ان کو تباہ کرنا بڑا ضروری تھا۔ ماریا نے سوچا کہ جو کچھ بھی جلدی سے کر گزرنا چاہیئے۔ اگر انہوں نے لیلیٰ کے دماغ میں سوراخ ڈال دیا تو وہ دوبارہ زندہ نہ ہو سکے گی۔ ماریا نے سب پہلے یہ کام کیا کہ اس مشین کو آف کر دیا جو بن مانس جسم میں بجلی داخل کر رہی تھی۔

مشین ایک دم بند ہوئی تو ڈاکٹروں نے گھبرا کر اُس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

طرف دیکھا۔

"اسے کیا ہو گیا۔ بند کیوں ہو گئی! اسے چلاؤ۔"

تیسرا ڈاکٹر جو مشینوں کے پاس کھڑا ڈائیلوں پر سوئی کے چلنے کی حرکات دیکھ رہا تھا جلدی سے مشین کی طرف بڑھا اور بٹن دبانے لگا۔ مگر ماریا نے تو وہ بٹن ہی توڑ ڈالا تھا۔ اس نے ایک کر دوسرا بٹن اون کر دیا مشین چلنے لگی۔ ماریا نے دوسری طرف جا کر بجلی کے اس سوئچ کی تاریں باہر کھینچ لیں، جس کی وجہ سے مشینوں کو بجلی ملتی تھی۔

ساری مشینیں ایک دم سے خاموش ہو گئیں۔ تینوں ڈاکٹروں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بڑا ڈاکٹر چلایا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے!"

"ضرور کوئی سازش ہوئی ہے۔"

"مشین کی بجلی اون کرو۔"

ایک شخص بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا۔

"جناب کسی نے ساری تاریں باہر کھینچ کر برباد کر ڈالی ہیں۔"

ڈاکٹر نے چیخ کر کہا۔

"اندر کون آ سکتا ہے۔ یہ ضرور تمہاری شرارت ہے۔"

"جناب! میں بے قصور ہوں۔ میں نے کسی کو اندر آتے نہیں دیکھا۔"

"پھر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا! جلدی سے دوسرا جنریٹر چلاؤ۔"

انجینئر ایک کمرے کی طرف بھاگا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی گئی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جب تک مشینوں کی بجلی بند رہے گی لیلیٰ کی جان بچی رہے گی۔ اگر ایک بار بجلی چل پڑی تو پھر لیلیٰ کی جان نہ بچائی جا سکے گی۔ انجینئر نے اندر جا کر دوسری مشین کا سوئچ اون کرنا چاہا مگر ماریا نے پیچھے سے اسے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ ایک طرف گرا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ دیوار کے ساتھ ایک کلہاڑا لگا تھا۔

اس نے کلہاڑا اٹھایا اور بجلی کی مشین سے نکلنے والی ساری تاریں کاٹ ڈالیں۔ مشین کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ وہ دو روز تک بھی پھر سے درست نہیں ہو سکتی تھی۔ جب مشین نہ چلی تو ایک ڈاکٹر شور مچاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کہاں مر گئے ہو؟ مشین کیوں نہیں چلائی بدبخت؟"

کیا دیکھتا ہے کہ انجینئر اندر بے ہوش پڑا ہے اور مشین کی ساری تاریں کٹی پڑی تھیں۔ بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ کوئی دشمن اندر آ گیا ہے اور مشین کو تباہ کر کے انجینئر کو ہلاک کر گیا ہے۔ یہ ڈاکٹر باہر کو بھاگنے ہی والا تھا کہ پیچھے کھڑی ماریا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر کہا۔

"کیا حال ہے پیارے؟"

ڈاکٹر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی بھی نہ تھا۔ ڈاکٹر کا رنگ زرد ہو گیا۔ ماریا نے اس کی گردن پر ایک ہاتھ مارا۔ وہ چکر کھا کر فرش پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی ماریا باہر کو نکلی۔ باہر سے اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اب وہ ہال کمرے میں آ گئی۔ دونوں ڈاکٹر انتظار کر رہے تھے کہ بجلی آئے تو وہ لیلی کا اپریشن شروع کریں۔ مگر بجلی نہ آئی۔ دونوں ڈاکٹر پریشان ہوئے۔ بڑے ڈاکٹر نے چھوٹے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ جا کر دیکھے کہ مشین کیوں نہیں چلائی گئی؟

*

بن مانس کا دماغ

ڈاکٹر نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔

وہ دروازہ کھول کر اندر گیا تو معلوم ہوا کہ انجینئر بے ہوش پڑا ہے اور مشین کی ساری تاریں برباد ہو چکی ہیں۔ وہ بھاگم بھاگ کمرے سے باہر نکل کر اپریشن روم میں آیا تو یہاں ایک اور ہی نقشہ تھا۔ بڑا ڈاکٹر فرش پر اوندھے منہ پڑا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا ہوا آپ کو؟"

اس نے جھک کر ڈاکٹر کا سر اٹھایا۔ ڈاکٹر مر چکا تھا۔ اس کی گردن پر کسی شے کی ضرب کا گہرا نشان تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ماریا کا تھا جو قریب ہی کھڑی تھی۔ اب ماریا نے دوسرے ڈاکٹر کی گردن پر پستول رکھ کر کہا۔

"اس لڑکی کو ہوش میں لاؤ۔ نہیں تو ابھی تمہیں بھی ہلاک کئے دیتی ہوں۔"

"تم..... تم..... تم کون ہو!"

ماریا نے پستول کی نالی اس کی گردن میں چبھو کر کہا۔

"میں بھوت ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ڈاکٹر نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر پہلے ڈاکوؤں کے اوپر گر پڑا۔

کم بخت: یہ بھی بے ہوش ہو گیا۔ اب لیلیٰ کو ہوش کیسے آئے گا؟"

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ لیلیٰ کے ایک گہرا سانس لینے کی آواز آئی۔ ماریا نے پلٹ کر دیکھا۔ لیلیٰ سر کر جا رہی تھی۔ ماریا نے جلدی جلدی اس کے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی سا زنجیریں کھول کر فرش پہ پھینک دیں اور لیلیٰ کے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیلیٰ بہن! ہوش کرو"

لیلیٰ نے آنکھیں کھولیں اور حیران ہوئی کہ یہ آواز جس عورت کی آ رہی ہے وہ نظر نہیں آ رہی۔ ماریا فوراً سمجھ گئی کہ اس پر اپنا راز ظاہر کر دینا چاہیے نہیں تو لیلیٰ گھبرا جائے گی۔ لیلیٰ ماریا کے ہاتھوں اور ہتھیلیوں کو اپنے سر پر محسوس کر رہی تھی۔

تم۔ تم کون ہو! تم نظر کیوں نہیں آ رہی!"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"لیلیٰ میں وہی لڑکی ہوں۔ جس نے تمہارے رونے کی آواز سن کر تم سے بات کی تھی۔ تمہیں حوصلہ دیا تھا۔

لیلیٰ نے کہا: تم نظر کیوں نہیں آتیں! دکھائی کیوں نہیں

دیتیں!

ماریا بولی: خدا کے لئے یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ اس وقت یہ باتیں نہ پوچھو۔

"تم یہاں کس طرح پہنچ گئی۔ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ وہ لوگ یہاں نہیں ہیں۔ چلو میرے ساتھ۔ کیا تم چل سکتی ہو؟"

"کوشش کروں گی۔ مگر باہر پہرہ ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔ ہم اس کھڑکی سے کود جائیں گے۔"

ماریا نے آگے بڑھ کر لیلیٰ کو اٹھایا اور پھر کھڑکی کا کنڈا توڑ کر کھڑکی کھول دی۔ یہ کھڑکی حویلی کے پچھلے باغ میں کھلتی تھی۔ لیلیٰ اب پوری طرح ہوش میں آ چکی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ تم کہاں ہو؟

ماریا نے کہا: میں تمہیں ساتھ ساتھ لے کر چلوں گی۔ جدھر میں کہوں ادھر کو چلے آنا۔ اب میں اس کھڑکی سے کودوں گی۔ تم بھی میرے ساتھ کود جانا۔"

اور لیلیٰ کھڑکی سے باہر کود گئی۔ ماریا پہلے ہی کود چکی تھی۔ ابھی وہ باہر باغ میں کودی ہی تھیں کہ اندر پتہ چل گیا کہ لیلیٰ بھاگ گئی ہے اور ڈاکٹر بے ہوش ہیں جن میں سے ایک ڈاکو مر گیا ہے۔ پہرے داروں نے حویلی کی ناکہ بندی کر لی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مایا نے کہا۔

"تم یہیں کسی جگہ چھپ جاؤ۔ میں ان لوگوں کو سنبھال لوں۔"

"خدا کے لئے اپنی حفاظت کرو۔ ان کے پاس بندوقیں ہیں۔ وہ گولی چلا دیں گے۔ کیا تم مر نہ سکو گی؟"

مایا نے کہا: "اگرچہ میں غائب ہوں لیلیٰ مگر مجھے گولی لگ سکتی ہے۔ کیونکہ میرا ایک جسم ہے۔ جس میں سے گولی گزر سکتی ہے۔"

"پھر سب سے پہلے تم اپنی حفاظت کرو۔"

"نہیں نہیں۔ تم باغ کے اس جھنڈ میں جا کر چھپ جاؤ۔ وہ لوگ اِدھر آ رہے ہیں۔ جلدی کرو۔"

لیلیٰ بھاگ کر فوراً ایک جگہ درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں جا کر چھپ گئی۔ پہرے دار اور کچھ دوسرے لوگ مشین گنیں لئے اس کھڑکی کی طرف آ رہے تھے۔ جہاں سے مایا اور لیلیٰ باہر کودی تھیں۔ مایا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک آدمی نے کھڑکی میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ مایا نے اس کی کمر پر لات ماری۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ مایا نے اس کی مشین گن اٹھا لی۔ مشین گن مایا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔

اس کے ساتھی آگے بڑھے۔ انہوں نے پہرے دار کو اٹھایا۔ معلوم ہوا کہ مشین گن غائب ہے۔ بڑے حیران ہوئے۔

"مشین گن کہاں چلی گئی!"

"ابھی میرے ہاتھ میں تھی۔" دوسرا بولا۔

اتنے میں مایا نے مشین گن کا بٹن دبا دیا۔ گولیاں تڑ تڑ تڑ تڑ کر کے اس کی گن سے نکل کر پہرے داروں پر پڑنے لگیں۔ دیکھتے دیکھتے کتنے ہی پہرے دار حبشی گر کر تڑپنے لگے۔

"یہ مشین گن کون الو کا پٹھا چلا رہا ہے!"

"ارے روکو! ارے روکو! یہ کون ہے!"

سب چیخ رہے تھے مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ مشین گن کی گولیاں کدھر سے آ رہی ہیں! گولیاں چلنے کی آواز سے حویلی میں سے کچھ دوسرے لوگ نکل کر باغ کی طرف دوڑے۔ مایا کی مشین گن نے انہیں بھی ڈھیر کر دیا۔ اتنے میں ایک حبشی کی نظر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی لیلیٰ پر پڑ گئی۔ اس نے پیچھے سے آ کر اسے دبوچ لیا۔ ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا جس کی وجہ سے وہ چیخ بھی نہ سکی۔

حبشی لیلیٰ کو اٹھا کر حویلی کے چور دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر ایک جیپ کھڑی تھی۔ حبشی کو معلوم تھا کہ یہ لڑکی بہت قیمتی ہے اور اس پر ڈاکٹر آدھے تجربے کر چکے ہیں اور وہ اگر اسے دوسرے ڈاکٹروں کے پاس فروخت کر دے تو اسے بہت دولت مل سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حبشی نے لیلیٰ کا منہ باندھ کر اٹھا لیا اور اسے جیپ میں ڈال کر بغداد کے باہر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صحرا کی طرف روانہ ہو گیا۔

ماریا نے جب جھاڑیوں میں آ کر دیکھا تو وہاں لیلیٰ نہیں تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ لیلیٰ کہاں چلی گئی، اس نے تو اسے اسی جگہ ٹھہرنے کو کہا تھا۔ پھر وہ وہاں سے کیوں بھاگ گئی! مگر وہ خود نہیں جا سکتی۔ ضرور اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔ یہ سوچ کر ماریا نے زمین کی طرف دیکھا۔ اس جگہ قدموں کے نشان تھے۔ یہ نشان چار تھے۔ صاف لگتا تھا کہ کسی نے زبردستی لیلیٰ کو اغوا کر لیا ہے۔

وہ حویلی سے باہر نکلی تو باہر کوئی نہیں تھا۔ کچے راستے پر کسی جیپ کے نشان تھے۔ تو کیا لیلیٰ کو کوئی شخص جیپ میں اغوا کر کے لے گیا ہے؟ ماریا نے دور ہوتی جیپ کی آواز سنی۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بس جانے کو تیار ہے۔ ماریا اس کی چھت پر بیٹھ گئی۔ بس روانہ ہو گئی۔ یہ بس خالی تھی اور کافی رفتار سے جا رہی تھی۔ کافی دور جا کر جب سڑک ایک طرف گھومنے لگی تو ماریا وہاں اتر پڑی۔ یہاں ایک دوراہا تھا۔

ایک راستہ کچا ریتلا سامنے صحرا کی طرف جاتا تھا۔ اس راستے پر جیپ کے پہیوں کے نشان تھے۔ ماریا نے سوچا کہ ہو نہ ہو وہ شخص اسی راستے سے لیلیٰ کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ دن نکل آیا تھا اور دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ صحرا کی ریت

گرم ہو کر شعلہ سا ہو گئی تھی۔ ماریا کے لئے دھوپ میں ریت پر چلنا مشکل تھا۔ اس نے سوچا کہ کیا کرنا چاہیئے

ایک طرف کھجور کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ ماریا وہاں چھاؤں میں جا کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک فوجی جیپ وہاں آ کر رکی۔ جیپ کو ایک فوجی چلا رہا تھا۔ یہ کوئی انگریز فوجی افسر تھا اور کھجوروں کے جھنڈ میں جو پانی کا چھوٹا سا تالاب تھا اس میں سے پانی لے کر جیپ میں ڈالنے کے لئے رک گیا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ اس جیپ میں سوار ہو کر باقی راستہ طے کرنا چاہیئے۔ لیلیٰ کو ضرور اسی راستے سے لے جایا گیا ہے۔ انگریز افسر نے ڈبے میں پانی بھر کر جیپ کی موٹر میں ڈالا اور پھر گاڑی سٹارٹ کر کے آگے کو بڑھا۔

اس عرصے میں ماریا جیپ میں سوار ہو چکی تھی۔

وہ جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ فوجی کو اس کی کوئی خبر تھی۔ جیپ صحرا میں آگے بڑھنے لگی۔ ریت پر وہ کافی رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔ صحرا شروع ہو گیا تھا۔ ارد گرد ریت ہی ریت تھی۔ ماریا نے باہر گردن کر کے دیکھا۔ اغوا کرنے والے جیپ کے نشان ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ذرا آگے جا جیپ کے نشان ایک طرف کو گھوم گئے۔ ماریا کو یہاں اتر جانا چاہیئے تھا۔ مگر فوجی اپنی دھن میں گاڑی کو پوری رفتار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر دوڑائے لئے جا رہا تھا۔

— ماریا نے سوچا کہ گاڑی کو کیسے رکوائی جائے!

اس نے کیا کیا کہ جیپ کے پیچھے لوہے کی چادر پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ دھپ دھپ کی آوازیں سن کر انگریز لڑکی نے پیچھے دیکھا۔ جیپ خالی تھی۔ سوچا کہ شاید پہیئے میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ بس اس نے وہیں بریک لگا کر گاڑی روک لی۔ ماریا یہی چاہتی تھی۔ اس نے چھلانگ لگا دی اور جیپ سے اتر کر اس راستے پر روانہ ہو گئی جدھر جیپ کے پہیوں کے نشان جاتے تھے۔

دھوپ کافی تیز ہو گئی تھی۔ لیکن جس راستے پر ماریا جا رہی تھی اس پر کہیں کہیں کھجوروں کے درخت اگے ہوئے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ دور ایک نخلستان تھا۔ یعنی درختوں کے جھنڈ تھے۔ ان درختوں میں ماریا کو ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت بھی نظر آئی۔ جیپ کے نشان اسی نخلستان کی طرف جا رہے تھے۔ ماریا چلتے چلتے اس نخلستان میں پہنچ گئی۔

یہاں بڑی ٹھنڈی چھاؤں تھی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ایک چھوٹا سا چشمہ بھی تھا۔ ماریا نے بڑے آرام سے ہاتھ منہ دھویا۔ تر و تازہ ہو کر اب اس نے پہیوں کے نشان دیکھے کہ اسی ٹوٹی پھوٹی عمارت کی طرف جا رہے

تے۔ ماریا درختوں کے نیچے سے ہو کر اس عمارت کے پاس آ گئی۔ یک دم وہ رک گئی۔ عمارت کے پیچھے درختوں میں ایک جیپ کھڑی تھی۔ تو گویا جس کسی نے بھی لیلیٰ کو اغوا کیا ہے وہ اسے یہاں لے آیا ہے۔ ماریا عمارت میں داخل ہوئی۔

یہ ایک پرانی عمارت تھی۔ جیسے کوئی پرانی سرائے ہو جو گردش زمانہ کی وجہ سے ویران ہو گئی ہو۔ اجڑ گئی ہو۔ اندر ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور نمی کی ہلکی ہلکی بو تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ کہیں کوئی آواز تو نہیں آ رہی؟ اندر گہری خاموشی تھی۔ لیلیٰ کو کس جگہ رکھا گیا ہو گا؟ ماریا کے ذہن میں بس ایک ہی خیال چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اسے کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

ماریا ایک طرف ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی سے اس کی ٹکر ہو جائے۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بھاری بھرکم سیاہ فام شخص کندھے میں سٹین گن لٹکائے باہر کو چلا آ رہا ہے۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ شاید اسی نے لیلیٰ کو اغوا کر کے کہیں رکھا ہے! ماریا نے پہلے سوچا کہ اس شخص کو جک کر جانے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پھر خیال آیا کہ اس سے لیلیٰ کے بارے میں پوچھا جائے۔ لیکن ماریا کی آواز سنا سے گی۔ شاید یہ احمق بے ہوش ہو جائے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہ ملک مصیبت کھڑی کر دے گا۔ اس لئے اسے گزر جانے دیا جائے۔ آخر لیلیٰ کو اس نے اسی عمارت میں کہیں چھپایا ہے۔ ملیا نے سوچا کہ وہ اُسے ضرور تلاش کرے گی۔ یہ ملیا نے تیول کی۔ کیونکہ اس حبشی نے لیلیٰ کو ایک عجیب و غریب جگہ چھپایا لگتا تھا۔ حبشی جیپ پر بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی ملیا نے لیلیٰ کی تلاش شروع کر دی۔

پہلے تو اس نے آوازیں دیں۔ لیلیٰ نے کسی بھی آواز کا جواب نہ دیا۔ ملیا بڑی پریشان ہوئی کہ یا خدا! یہ چھوٹی سی عمارت میں لیلیٰ کو کہاں گم کر دیا گیا ہے! اس نے کونہ کونہ چھان مارا مگر لڑکی کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔ ملیا تھک ہار کر ایک دروازے کی دہلیز پر بیٹھ گئی۔ اس دروازے کے پٹ غائب تھے۔ ملیا جس پتھر پر بیٹھی تھی اس کی ایک جانب سے پودا باہر کو نکلا ہوا تھا۔

ملیا نے پودے کو اپنی طرف کھینچا تو وہ بڑے آرام سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ پودا زمین میں لگا ہوا نہیں تھا بلکہ کسی نے ویسے ہی وہاں اڑا دیا تھا۔ ملیا کو شک سا ہوا۔ اس نے پتھر کو ہلایا تو وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ نیچے ایک گڑھا سا تھا۔ ملیا نے گڑھے میں جھک کر دیکھا۔ وہاں ایک اور پتھر پڑا تھا۔

اس نے بڑی کوشش کے ساتھ وہ پتھر اٹھا کر باہر نکالا تو نیچے ایک صندوق کا ڈھکن نکل آیا۔

ملیا نے ڈھکن اٹھایا تو نیچے ایک تنگ سا راستہ جا رہا تھا۔ ملیا کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے کیونکہ راستہ اندھیرا تھا اور چھوٹا بھی تھا۔ شاید یہ کوئی پرانے زمانے کا راستہ ہے اور اب کوئی یہاں سے نہیں گزرا۔ مگر یہ پودا کس نے پھنسا دیا تھا؟ یہ تو پرانا نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے حال ہی میں اسے یہاں اڑا دیا تھا۔ ملیا کو لیلیٰ کی کھوج تھی وہ ہر حالت میں اس مظلوم لڑکی کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ پس وہ تنگ راستے میں اتر گئی۔ آگے بالکل ہی اندھیرا تھا۔

ملیا نے محسوس کیا کہ جہاں وہ کھڑی ہے وہاں سیڑھیاں ہیں۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ چھ سات سیڑھیاں اترنے کے بعد غار کا راستہ سیدھا ہو گیا۔ اندر عجیب سی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ اندھیرا اب کچھ کم ہو گیا تھا۔ ملیا آگے بڑھتی گئی۔ غار بائیں طرف کو گھوم گیا۔ ملیا بھی اُدھر کو مڑ گئی۔

غار کی چھت اونچی ہو گئی تھی۔ آگے جا کر وہ ایک پتھروں سے بنے ہوئے تہہ خانے میں آ گئی۔ جس کی دیواروں پہ بت بنے ہوئے تھے۔ یہاں کسی جانب سے ہلکی ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ ملیا نے گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں لیلیٰ کے کوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آمد نہیں تھے۔ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک اسے باہر کسی جیپ کی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی آیا تھا۔ ماریا نے کان لگا دیئے۔ جیپ رکنے کی آواز آئی۔ پھر کچھ لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں۔ ماریا نے محسوس کیا کہ تین آدمی باتیں کر رہے ہیں۔

پھر جیسے کسی نے چونک کر کہا۔

"یہ پتھر کس نے اٹھایا ؟"

"کوئی اندر گیا ہے۔"

"پستولیں نکال کر اندر اترو۔"

ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور ان لوگوں کے اندر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہال کمرے میں ایک حبشی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا آ رہا تھا۔ پہلے اس نے سر نکال کر تہہ خانے میں چاروں طرف دیکھا۔ پھر آواز دی۔

"جو کوئی بھی اندر ہے ہتھیار پھینک کر سامنے آ جائے کیونکہ ہم تین آدمی ہیں اور تینوں کے پاس پستولیں ہیں۔"

وہاں کوئی ہوتا تو اس کے سامنے آتا۔

ماریا خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔ حبشی نے دوبارا آواز دی۔

"سامنے آؤ۔ تم کون ہو؟"

اندر سے کسی نے آواز نہ دی۔ اس نے پیچھے گھوم کر کہا۔

"اندر کوئی نہیں ہے۔"

پیچھے سے کسی نے کہا۔ "پھر غار کا پتھر کس نے ہٹایا تھا۔ ضرور کوئی شخص اندر چھپا ہوا ہے۔"

حبشی اب تہہ خانے میں آ گیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر پستول ہاتھ میں لئے قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ اتنے میں باقی دو آدمی بھی اندر آ گئے۔ یہ بھی سانولے سانولے ادھیڑ عمر آدمی تھے اور چہروں سے ڈاکو لگ رہے تھے۔ انہوں نے تہہ خانے میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف ماریا تھی اور وہ انہیں نظر نہیں آ سکتی تھی۔

ماریا یہ سب تماشہ دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموش اس لئے تھی کہ معلوم کرنا چاہتی تھی یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اب وہ تینوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ انہوں نے پستول ابھی تک ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ حبشی نے کہا۔

"حیرانی کی بات ہے کہ پتھر کس نے اٹھایا۔ ڈھکن بھی کھلا تھا۔ صاف لگتا ہے کہ اندر کوئی اترا ہے۔"

دوسرا بولا۔ "مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی اندر ہوتا تو وہ اسی جگہ ہوتا۔ کیونکہ اس کے آگے وہ نہیں جا سکتا تھا۔ دیوار والا دروازہ بند ہے اور اسے کھولنے ہمارے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوسرا کوئی نہیں کھول سکتا۔ کسی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ کس طرح سے کھلتا ہے۔"

تیسرے نے کہا۔ "اور دروازہ بند ہے۔"

حبشی بولا۔ "اسے بھی کھول کر دیکھنا چاہیئے۔ کہیں کوئی اسے کھول کر اندر نہ چلا گیا ہو!"

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ دروازے کے تالے کا راز سوائے ہمارے اور کوئی نہیں جانتا۔"

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے!"

"اچھا۔ یاقوت! جا کر کھولو۔"

یاقوت حبشی کا تہم تھا۔ وہ اٹھا اور وہ تہہ خانے کی ایک دیوار کے آگے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا تھا۔ دیوار کی طرف منہ کر کے اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور ایک جگہ پتھر پر زور سے ہاتھ مارا۔ ہاتھ کے لگتے ہی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ گھڑگھڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ظاہر ہو گیا۔

"اندر جا کر معلوم کرو کہ ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے؟"

"بہت اچھا سر!" حبشی اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے باہر آ کر کہا۔ "ہر شے ٹھیک ٹھاک ہے جناب۔"

"ویری گڈ! اب چلو۔ اپنا کام شروع کرتے ہیں۔"

حبشی کے ساتھ دونوں آدمی اندر داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ دوبارہ بند کرتے ماریا بھی جلدی سے ان کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی۔ اندر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے بڑے صاف ستھرے اپریشن تھیٹر میں کھڑی ہے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ مشینیں لگی ہیں۔ ایک میز درمیان میں بچھا ہے جس پر ایک انسان پڑا ہے۔ اس کا سارا بدن سفید چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ چھت کے ساتھ فانوس لٹک رہا ہے۔ الماری میں اپریشن کرنے کے خطرناک اوزار رکھے ہوئے ہیں۔ ماریا بڑی حیران ہوئی کہ اس ویران سرائے کے نیچے ان لوگوں نے کس مقصد کے لئے یہ اپریشن کا کمرہ بنا رکھا ہے! پھر اسے خیال آیا کہ یہاں یہ لوگ بن مانس اور انسان کا اپریشن کرنے والے ہوں گے۔

ماریا ایک مشین کے پاس جھک کر اسے دیکھنے لگی۔ اچانک اس کا ہاتھ لگنے سے ایک شیشے کی چھوٹی سی بوتل فرش پر گر کر ٹوٹ گئی۔ ایک آدمی نے چونک کر دیکھا۔ دوسرے نے بھی دیکھا اور بولا۔

"یہ شیشی کس نے گرائی ہے!"

"معلوم ہوتا ہے خود بخود گر پڑی ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"خود بخود کوئی شیشی نہیں گرا کرتی۔"

"تو پھر میں نے تو نہیں گرائی۔"

"میرا خیال ہے یہاں کوئی ہے۔"

"ہاہاہا! ہمارے سوا بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی کوئی غیر انسان یہاں نظر نہیں آ رہا۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ یہاں کوئی ہے۔"

"تمہارا دل تو یوں ہی گھبرایا گھبرایا رہتا ہے۔ اگر یہاں کوئی ہوتا تو ہمیں دکھائی نہ دیتا؟"

"بعض چیزیں موجود ہوتی ہیں مگر دکھائی نہیں دیا کرتیں۔"

"اچھا اب ان فضول باتوں کو چھوڑو اور اپریشن شروع کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"بہت بہتر! بن مانس کا دماغ لایا جائے۔"

حبشی آگے بڑھا۔ اس نے ایک الماری کھول کر اس میں سے ایک مرتبان نکالا جس کے اندر دوائی میں ڈوبا ہوا بن مانس کا دماغ رکھا تھا۔

"لڑکی کا دماغ نکالنے کی تیاری کی جائے۔"

دونوں اوزار پکڑ کر میز کی طرف بڑھے۔ حبشی نے کپڑا ہٹایا تو ماریا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ لیلیٰ تھی جو بے ہوش پڑی تھی۔

"سر پر چاک سے نشان لگاؤ اور اس کے سارے بال اتار دو۔"

"یس سر۔"

حبشی نے چاک سے سر پر نشان لگایا اور مشین چلا کر لیلیٰ کے بال اتارنے کے لئے سر کی طرف جھکا۔ لیلیٰ کے سنہری بال بڑے لمبے لمبے اور خوبصورت تھے۔ ماریا کو یہ کبھی گوارا نہ تھا کہ اس کے اتنے پیارے بال اتار دیئے جائیں۔ وہ ہوشیار ہو گئی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا ہوشیار ہو گئی تھی۔

جونہی حبشی بال کاٹنے والی مشین لے کر بیلی کی طرف آیا ماریا نے پیچھے سے ایک جھٹکے کے ساتھ تار کھینچ لیے۔ مشین حبشی کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری حبشی اور دونوں ڈاکٹر بکے بکے ہو کر اسے تکنے لگے۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ مشین کیوں پھینک دی؟"

حبشی بولا۔

"جناب! میں نے نہیں پھینکی۔"

"پھر کس نے پھینکی ہے؟"

"جناب! کسی نے میرے ہاتھ کو جھٹکا دے کر مشین دور پھینک دی ہے۔"

"کیا بیکار باتیں کر رہے ہو"

"جناب ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے ہاتھ کو جھٹکا محسوس ہوا ہے۔"

"ہٹاؤ ادھر۔ ہٹو۔ میں بال کاٹتا ہوں۔ ہٹو مجھے دے دو مشین۔"

اور ایک ڈاکٹر نے مشین زمین پر سے اٹھائی اور اسے مضبوطی سے ہاتھ میں تھام کر بے ہوش بیلی کی طرف بڑھا۔ ماریا دوسرے حملے کے لئے بالکل تیار تھی۔ جونہی ڈاکٹر نے مشین کو بیلی کی کھوپڑی کے اوپر رکھا۔ ماریا نے پیچھے سے ایک ایسا ہاتھ ڈاکٹر کی گردن پر مارا کہ اس کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ لڑھکتی ہوئی گردن کے ساتھ خم کھا کر فرش پر گر پڑا۔

دوسرے ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔

"اسے شاید دورہ پڑ گیا ہے"

حبشی نے کہا۔

"جناب ڈاکٹر کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

"مگر یہ تو زمین پر کندھے کے بل گرا تھا"

"جناب! گردن کی ہڈی زمین پر گرنے کے پہلے ہی ٹوٹ گئی تھی"

ڈاکٹر نے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو"

حبشی بولا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس تہہ خانے میں کوئی ایسی قوت

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ہمارے درمیان موجود ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ چلو ڈاکٹر کو اٹھا کر دوسری میز پر رکھو۔ میں اسے ٹیکہ لگاؤں گا۔"

"مگر جناب جس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو اسے بھلا ٹیکے سے کیوں کر زندہ کیا جا سکتا ہے۔"

اب جو ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو حبشی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور وہ مر چکا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا! کیسے ہو گیا؟"

دوسرے ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔

"اسے کسی نے دھکا دے کر مار ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گردن پر کسی شئے کی ضرب ماری گئی ہے۔ لیکن یہاں کون تھا؟"

"کون ہو سکتا ہے جناب سوائے بھوت کے۔"

"بکواس بند کرو۔"

حبشی خاموش ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"سر! اب کیا حکم ہے؟"

"کس کے بارے میں؟"

"لڑکی یلی کے آپریشن کے بارے میں۔"

"ہاں ـــ بال مت کاٹو۔ صرف شگاف کرنے والی جگہ پر سے تھوڑے سے بال کاٹ دو۔"

"ٹھیک ہے سر"

حبشی نے ایک سوراخ ڈالنے والا برما اٹھایا اور یلی کے سر کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ ڈر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ بے ہوش یلی کی روح وہاں موجود ہے اور وہ اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس نے برمے کی سوئی ابھی یلی کے سر پر رکھی ہی تھی کہ کسی نے اسے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ حبشی کے منہ سے چیخ نکل گئی وہ سہم کر پیچھے جا گرا۔ برما اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا گرا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر میز پر سے چاقو اٹھایا اور ہاتھ اوپر اٹھا کر یلی کی کھوپڑی میں مارنے ہی والا تھا کہ ماریا نے ایک ایسی لات اس کے پیٹ میں ماری کہ وہ بلبلا کے پرے جا گرا۔ اب ماریا نے گونج دار آواز میں کہا۔

"تم شیطان کے چیلے کہاں سے آ مرے ہو۔ اور یہ کیا آپریشن کرتے ہو؟"

اس کی آواز سن کر حبشی اور ڈاکٹر کی گھگھی بندھ گئی۔ حبشی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اے روح! مجھے معاف کر دینا۔ یہ لوگ مجھے زبردستی یہاں لے آئے تھے۔"

حبشی نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تم نے لیلیٰ کو اغوا کیوں کیا؟"

"یہی میری غلطی تھی۔ میں ان لوگوں کی باتوں میں آگیا تھا۔ یہ سنگدل لوگ ہیں۔ یہ انسانوں کو بھی مانس بنانے کا پروگرام بنا رہے تھے"

"میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی تاکہ یہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ پھر کبھی یہ ظلم نہ کر سکیں"

ڈاکٹر نے کہا۔

"تم کون ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"تمہاری موت!"

ڈاکٹر کچھ سہم گیا تھا۔ پھر بھی بڑے حوصلے سے بات کر رہا تھا

"تم کہاں سے آئی ہو؟"

"میں لیلیٰ کی روح ہوں جس کو تم ہلاک کرنے والے تھے اب میں تمہیں ہلاک کر کے چھوڑوں گی"

ڈاکٹر گھبرا گیا۔ تیزی سے اٹھا اور باہر کو بھاگا۔ لیکن پہلے ہی وہاں جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے دروازہ بند دیا ڈاکٹر نے دروازے کو دونوں ہاتھ مارے۔ مگر پتھرا ست بالکل نہ ہلا۔

ماریا نے اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ مارا۔ ڈاکٹر

اور وہ فرش پر گر کر راہی ملک عدم ہوا۔ جبکہ یہ سارا ڈرامہ

تھا اور کانپ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

تمہیں اس شرط پر معاف کر سکتی ہوں کہ لیلیٰ کو ہوش میں

اور آئندہ سے توبہ کرو کہ پھر کبھی ایسے ذلیل کام میں

پڑو گے"

ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اے روح! میں وعدہ کرتا ہوں کہ باقی ساری زندگی انسانوں کی خدمت کرتا رہوں گا۔ مجھے معاف کر دو"

"تو پھر لیلیٰ کو ہوش میں لاؤ"

نے ایک الماری میں سے کوئی شیشی نکالی۔ اس میں سے دو

روئی پر ڈالے اور لیلیٰ کی ناک کے ساتھ روئی لگا دی۔

بعد لیلیٰ نے آنکھیں کھول دیں، ماریا نے کہا۔

براؤ نہیں لیلیٰ! اب تم محفوظ ہو"

خدا کا شکر ہے"

کو دیکھ کر چیخ پڑی۔

مجھے جیپ میں اغوا کر کے لایا تھا۔ اسے زندہ

چھوڑو"

ہاتھ باندھ کر کہا۔

بیٹی! میں نے توبہ کر لی ہے۔ آج سے تم میری بیٹی ہو"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا بولی۔

"یہ شخص قید ہو چکا ہے ماریا۔ اب یہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر کبھی اس نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اسی جگہ آ کر اسے ختم کر دوں گی"

لیلیٰ اور حبشی کو ساتھ لے کر ماریا غار سے باہر آ گئی۔

باہر جیپ کھڑی تھی۔ ماریا نے پوچھا۔

"لیلیٰ! تمہارا گھر کہاں ہے؟"

لیلیٰ بولی۔

"میرے گھر میں میرا باپ ایک عجیب مصیبت میں گرفتار ہے۔ چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں اس سے ملاتی ہوں"

حبشی کو نخلستان میں چھوڑ دیا گیا۔ لیلیٰ ماریا کو ساتھ لے کر گھر آ گئی۔ یہ گھر شہر سے دور ایک پہاڑی کے دامن میں تالاب کے کنارے پر تھا۔ ایک کمرے میں لیلیٰ کا باپ بستر پر پڑا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ لیلیٰ نے کہا۔

"آج سے دو برس پہلے میرا باپ یہاں سے دو میل دور ایک کھنڈر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ کسی آسیب نے اسے پکڑ لیا۔ یہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ تب سے لے کر آج تک یہ بے ہوش پڑا ہے۔

بہت علاج کرائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر ایک درویش نے بتایا کہ اگر کسی طرح سے نقش سلیمانی مل جائے تو اس کی زندگی بچ سکتی ہے۔ نہیں تو یہ تین برس کے بعد مر جائے گا۔ اس بات کو دو برس گزر گئے ہیں۔ صرف ایک برس باقی ہے۔ اگر اس ایک برس میں نقش سلیمانی نہ ملا تو میرا باپ مر جائے گا"

یہ کہہ کر لیلیٰ رونے لگی۔ ماریا نے کہا۔

"لیلیٰ! رو نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس درویش نے یہ بھی بتایا تھا کہ نقش سلیمانی کہاں سے ملے گا؟"

لیلیٰ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اس نے کہا تھا کہ یہاں سے ایک ہزار میل نیچے تک افریقہ کے ایک جنگل میں کافر لوگ رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مردوں کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے قبرستان میں جا کر کسی تازہ جلے ہوئے مردے کی راکھ لے کر اسے کھا جائے تو اس پر نقش سلیمانی کا راز کھل سکتا ہے"

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں لیلیٰ بہن! یہ کام میں کروں گی۔ میں آج ہی ملک افریقہ کو روانہ ہو جاتی ہوں۔ جہاں کہیں بھی وہ کافر لوگ رہتے ہوں گے وہاں جاؤں گی اور نقش سلیمانی لے کر تمہارے پاس آؤں گی"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیا تم ایسا کر سکو گی بہن؟"

"میں پوری پوری کوشش کروں گی۔ تم میرا انتظار کرنا"

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اب وہ سیدھی ہوٹل میں آ گئی۔ وہ خانم کی مدد چاہتی تھی۔ اس نے خانم سے پوچھا کہ ملک افریقہ کی طرف کون سا ہوائی جہاز کب جاتا ہے۔ خانم نے تعجب سے کہا۔

"ماریا بہن! تم افریقہ کیا لینے جا رہی ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"نقشِ سلیمانی کی تلاش میں جا رہی ہوں"

خانم نے پوچھا۔

"کیا آج کے زمانے میں بھی نقشِ سلیمانی دنیا میں موجود ہے؟"

"کیوں نہیں۔ اگر مجھے مل گیا تو میں تمہیں بھی لا کر دکھاؤں گی۔ تم صرف مجھے اس جہاز تک سوار کرا دو جو افریقہ کی طرف جا رہا ہو"

"افریقہ کی طرف جانے والا جہاز یہاں سے کل رات کے بارہ بجے روانہ ہوگا۔ میں تمہیں اس میں سوار کرا دوں گی۔ لیکن وعدہ کرو کہ تم میری اچھی سہیلی بن کر رہو گی اور مجھے بھلاؤ گی نہیں۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں خانم بہن! کہ میں ساری زندگی تمہاری

اچھی سہیلی بن کر رہوں گی اور اگر مجھے نقشِ سلیمانی مل گیا تو میں ایک بار تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔"

دوسرے روز رات کے گیارہ بجے خانم نے ماریا کو ساتھ لیا اور ایئرپورٹ پر دور کھڑے ایک شاندار جہاز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ وہ جہاز ہے جو افریقہ کو جا رہا ہے"

ماریا نے کہا۔

"بس اب تم جا سکتی ہو۔ میں اپنے آپ جہاز میں سوار ہو جاؤں گی"

خانم بولی۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہاز کے اندر تک پہنچا سکتی ہوں"

ماریا ہنسی۔

"وہ تو میں خود بھی کر سکتی ہوں۔ بھلا مجھے کون دیکھ سکے گا اور روکے گا"

"ہاں یہ تو ہے۔ خانم بھی ہنس پڑی۔

خانم سے رخصت ہو کر ماریا سیدھی جہاز کی طرف آ گئی۔ جہاز پر سیڑھی لگ چکی تھی اور مسافر اس میں سوار ہو رہے تھے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ کر جہاد میں آ گئی۔ اس جہاز میں بہت مسافر تھے۔ ساری نشستیں بھر چکی تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ کونے میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک جگہ خالی تھی۔ وہ وہاں جاکر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس جگہ پر بھی ایک مسافر آنے والا تھا۔

یہ مسافر ایک بھاری بھرکم موٹی توند والا حبشی تھا جس نے سوٹ بوٹ پہن رکھا تھا۔ اگر ماریا جلدی سے نہ اٹھتی تو وہ کم بخت اس کے اوپر ہی بیٹھ جاتا اور ماریا کا ایک بار تو کومر نکل دیتا۔ ماریا کونے میں جاکر کھڑی ہو گئی۔ موٹا حبشی آرام سے سیٹ پر کھل کر بیٹھ گیا اور مزے سے کافی پینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز چل پڑا۔ رن وے پر کچھ دیر دوڑنے کے بعد وہ ایک دم سے اوپر کو اٹھا اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

ماریا کچھ دیر تو کھڑی رہی۔ پھر تھک گئی۔ اس نے جہاز میں نظر ڈالی۔ دور فسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں ایک جگہ بالکل خالی تھی۔ ماریا آرام سے وہاں جاکر بیٹھ گئی۔ ساری رات جہاز سفر کرتا رہا۔ صبح ہونے والی تھی کہ جہاز افریقہ کے ایک شہر کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ خانم نے اسے شہر کا سارا نقشہ بتا دیا تھا۔ ماریا ائرپورٹ سے نکل کر شہر سے باہر چل گئی۔ یہاں سے جنگل شروع ہو جاتے تھے۔ سارا دن وہ سفر کرتی رہی۔ شام کو ایک ایسے مقام پر پہنچی جہاں ایک جھیل کے کنارے ایک مکان بنا تھا۔ اس مکان میں ایک بوڑھا کسان رہتا تھا۔ ماریا نے اسے [illegible] بتایا اور بڑے آرام سے وہاں رات بسر کر لی۔

دوسرے روز وہ پھر جنگل میں روانہ ہو گئی۔

آخر وہ ایک ایسے پہاڑ کے دامن میں آ گئی جہاں وہی کافر قبیلہ آباد تھا۔ ماریا نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ ان کا قبرستان کہاں ہے۔ یعنی وہ اپنے مردے کس جگہ جلاتے ہیں۔ وہ قبرستان میں جاکر بیٹھ گئی اور کسی مردے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسرے روز قبیلے کا ایک نوجوان مر گیا۔ وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے اور چتا پر لٹا کر اس کے ارد گرد لکڑیاں رکھیں اور آگ لگا دی۔ پھر وہ لوگ چلے گئے۔ ماریا وہاں بیٹھی رہی۔ آدھی رات کو مردہ جل کر راکھ ہو گیا۔

جب مردے کی راکھ ٹھنڈی ہو گئی تو ماریا نے تھوڑی سی پکڑ لی اور اسے منہ میں ڈال کر نگل لیا۔ اس کے ساتھ ہی ماریا کو چکر آنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہے اور درخت کی ٹہنی پر ایک مردہ رسی سے بندھا ہوا لٹک رہا ہے۔ ماریا نے اسے دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہو؟ اور تمہیں کس نے اس عذاب میں پھنسا رکھا ہے"

مردے نے کہا۔

"ماریا! میں ایک سو برس سے اس عذاب میں پھنسا ہوا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھول۔ میں نے اپنے ماں باپ کی خدمت نہیں کی تھی، ہمیشہ انہیں برا بھلا کہتا تھا۔ اس کے بدلے میں مجھے اس درخت پر لٹکا دیا گیا۔ کہا گیا کہ اگر کبھی کوئی شخص یہاں آکر حاتم طائی کی کہانیاں سنائے تو اس درخت کا آسیب وہ کہانیاں سن کر خوش ہوگا اور تمہاری جان اس عذاب سے چھوٹ جائے گی۔ اے میری بہن! خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آ گئی ہو۔ یہ بتاؤ۔ کیا تم حاتم طائی کی کہانیاں سنا سکتی ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"کہانیاں میں ضرور سنا دوں گی مگر مجھے اپنی ایک بہن لیلیٰ کے باپ کے لئے نقش سلیمانی کی بھی تلاش ہے۔ وہ مجھے کہاں سے ملے گا؟"

مردے نے کہا۔

"جب تم کہانیاں سنا چکو گی اور میں اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لوں گا تو پھر میں تمہیں اس جگہ لے جاؤں گا جہاں نقش سلیمانی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا تم وعدہ کرتے ہو؟"

مردے نے کہا۔

"میں افراسیاب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ تم کہانی سنانی شروع کرو۔ تاکہ میری مصیبت کم ہونی شروع ہو جائے"

ماریا نے کہا۔

"اچھا تو پھر سنو"

اور اس کے بعد ماریا نے حاتم طائی کی پہلی کہانی یوں شروع کی

آج کی شام بڑی بوجھل ہے
آج کی رات بڑی قاتل ہے۔
اور آج کی شام ڈھلے گی مگر
ہاں آج کی رات کٹے گی مگر
آس سے آگ بجھے گی دل کی
مجھے یہ آس بھی جی لینے دو
ابھی ذرا 6 لیول لو، جی لینے دو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پہلی کہانی

●

کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں یمن میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ طے اس کا نام تھا۔ اس کی شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ نے اسے ایک بیٹا دیا کہ خوبصورتی میں چاند سورج کو ماند کرتا اور شرماتا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا تو دور دور سے حکیم، منجم، رمال اور پنڈت طلب کئے گئے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کہ اپنے اپنے علم سے شہزادے کے نصیب کا حال معلوم کرکے ہمیں بتاؤ۔ سب نے سوچ بچار کیا اور بتایا: "صاحب زادہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگا۔ تمام عمر بندگانِ خدا کا کام کرے گا اور اس کا نام خورشید کی طرح قیامت تک جلوہ گر رہے گا۔" بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بے شمار مال و جواہر نثار کیا اور حاتم اس کا نام رکھا۔ پھر ساری مملکت میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ آج کے دن ساری مملکت میں جتنے لڑکے پیدا ہوں وہ سب محل میں پہنچا دیئے جائیں۔ ان کی پرورش بادشاہ کے سایہ میں ہوگی۔ اس دن ساری سلطنت میں چھ ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب محل میں آگئے اور ہر ایک پر ایک

پہلی کھلائی نوکر رکھ دی گئی۔ چار دائیاں حاتم کے لئے بھی نوکر کی گئیں۔

لیکن ایک عجیب بات ہوئی جس سے بادشاہ، وزیر اور سبھی سب پریشانی کے عالم میں مبتلا ہو گئے۔ دائیاں کھلائیاں لاکھ کوشش کرتیں مگر حاتم طائی کسی طرح دودھ نہ پیتا۔ بادشاہ نے جب نجومیوں اور پنڈتوں کو بلایا تو وہ کہنے لگے: "جہاں پناہ! یہ حاتم تنہا کبھی دودھ نہ پیئے گا۔ پہلے ان کو پلوائے گا۔ پیچھے آپ پیئے گا۔ جب تک جیتا رہے گا۔ نہ تنہا کھائے گا نہ پیئے گا۔" غرض جب سب بچے دودھ پی چکے تو اس نے بھی پیا۔ اور ساری زندگی اس کا یہی طریقہ رہا۔ اس کی ساری عمر دوسروں کا دکھ درد بٹانے میں گئی۔

بچپن ہی سے اسے شکار کا شوق ہوا۔ لیکن جب جانور کو پکڑتا جیتا چھوڑ دیتا۔ اتفاقاً ایک دن شکار کو گیا۔ ایک شیر غراتا ہوا سامنے آیا۔ اس نے دل میں سوچا اگر اسے خنجر مارتا ہوں تو بیچارہ مفت میں مارا جاتا ہے۔ اگر چھوڑتا ہوں تو خود جان سے جاتا ہوں۔ آخر یہ طے کیا کہ یہی بہتر ہے کہ یہ میرا گوشت کھا کر اپنا پیٹ بھرے۔ یہ سوچ کر شیر کے پاس گیا اور بولا "اے شیرِ صحرائی! میرا اور میرے گھوڑے کا گوشت حاضر ہے تو اپنا پیٹ بھر۔ جدھر کو چاہے راہ لے۔" شیر نے یہ بات سنی تو حاتم کے قدموں پر لوٹنے لگا اور تھوڑی دیر بعد جدھر سے آیا تھا اسی طرف کو چلتا ہوا۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ خراسان میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسی ملک میں برزخ نامی ایک سوداگر رہتا تھا کہ بے شمار مال اسباب اس کے پاس تھا۔ اس کے ایک لڑکی تھی۔ اس کا نام حسن بانو تھا۔ ابھی اس کی عمر بارہ برس کی تھی کہ سوداگر کی موت کا وقت آ پہنچا۔ اس نے لڑکی کو بادشاہ کے سپرد کیا اور اس دنیا سے رخصت ہوا۔ چند دن بعد جب حسن بانو بڑی ہو گئی تو بادشاہ نے اس کی ساری دولت اس کے سپرد کر دی لیکن حسن بانو دل کی بڑی نیک تھی۔ دل میں سوچا کہ اتنی دولت لے کر میں کیا کروں گی بہتر ہے کہ اسے مستحقوں کے نام لٹا کر اپنی زندگی اللہ کی یاد میں بسر کر دوں۔ یہ بات اس نے اپنی دائی سے کہی تو وہ بلائیں لے کر کہنے لگی! تمہاری عمر دنیا سے منہ موڑنے کی نہیں۔ اگر چاہتی ہو کہ زندگی کا کوئی ایسا ساتھی ملے کہ دن اچھی طرح کٹ جائیں تو اپنے دروازے پر سات سوال لکھ کر لگا دو۔ جو کوئی ان سات سوالوں کا جواب لا دے سمجھو کہ جوہر فرد ہے اس سے شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی کے دن گزارو۔

حسن بانو کو دائی کی یہ بات پسند آئی اور اس کے کہنے سے سات سوال لکھ کر اپنی ڈیوڑھی پر لگا دیئے اور اس انتظار میں دن کاٹنے لگی کہ کوئی جوہر فرد آئے اور ان سوالوں کو حل کرے۔

حسن بانو دن رات خدا کی یاد میں لگی رہتی تھی۔ جب فرصت پاتی اپنے کوٹھے پر بیٹھ کر بازار کا تماشا دیکھنے لگتی۔ ایک دن اسی طرح

کوٹھے پر بیٹھی تھی کہ ایک عجیب تماشا نظر آیا۔ دیکھتی کیا ہے کہ ایک نہایت بزرگ صورت سامنے سے گزر رہا ہے۔ چالیس خادم اس کے ساتھ ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی سونے کی اینٹیں ہیں۔ وہ باری باری یہ اینٹیں زمین پر رکھتے ہیں اور فقیر ان پر پیر رکھ کر آگے بڑھتا ہے۔ زمین پر قدم نہیں رکھتا۔ دائی کو بلا کر یہ تماشا دکھایا تو وہ بولی۔ بیٹی۔ یہ بزرگ بادشاہ کا پیر ہے۔ دور دور اس کمال کا ملک دیکھنے میں نہیں آیا۔ حسن بانو کے دل میں بزرگ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے بڑے ادب سے اس کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر آپ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری بڑی عزت بڑھے۔ نے حسن بانو کی دعوت قبول کر لی اور اگلے دن مقررہ وقت پر سونے چاندی کی اینٹوں پر پاؤں دھرتا اپنے چالیس خادموں سمیت بانو کی حویلی میں آ گیا۔

حسن بانو نے اس دعوت کا ایسا انتظام کیا تھا کہ کوئی بادشاہ بھی اس سے بہتر نہ کر سکتا۔ دروازے سے مسند تک زربفت کا مسند کے لیے زرد جواہر کی کشتیاں۔ سونے چاندی کے برتنوں انواع و اقسام کے میوے، پھل، مٹھائیاں اور کھانے۔ جڑاؤ سونے کے اور گنگا جمنی آفتابے اور سلفچیاں۔ شاہ صاحب نے یہ ساز و سامان دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا۔ تھوڑا تھوڑا کھا کر کھانے سے ہاتھ کھینچا اور حسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہوئے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اب سنو مزے کی بات۔ یہ شاہ صاحب بڑے مکار تھے۔ رات کو بھیس بدل کر اپنے چالیسوں خادموں کو ساتھ لے کر حسن بانو کے گھر پر چھاپہ مارا اور اس کا بہت سا زر و جواہر لوٹ لائے۔ حسن بانو نے پہچان بھی لیا کہ یہ ڈاکو تو وہی دلی والے بزرگ اور ان کے ساتھی ہیں۔ لیکن اس وقت کچھ نہ بولی۔ صبح کو البتہ فریاد لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بادشاہ کو رات کی ساری روداد سنائی تو وہ بہت خفا ہوا اور کہا کہ ایسے بزرگ پر الزام رکھتے تجھے شرم نہیں آتی۔ غصہ میں حسن بانو کو یہ سزا دی کہ اس کا سارا مال و اسباب چھین کر شہر سے باہر نکلوا دیا۔ اس حال میں بس بوڑھی دائی کے سوا اس کا کوئی مونس و غمخوار نہ تھا۔

یہ دونوں روتے دھوتے اور خدا کا شکر کرتے جنگل میں ادھر ادھر پھرنے لگے۔ آخر حسن بانو تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اپنی حالت پر غور کرتے کرتے نیند آ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بزرگ سفید کپڑے پہنے اور سبز عصا ہاتھ میں لیے سامنے آئے۔ حسن بانو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے "بیٹی! تو کسی طرح کا غم نہ کر۔ اللہ تیرے ساتھ ہے۔ جس درخت کے سایہ میں تو لیٹی ہے اس کے نیچے سات بادشاہت کی دولت گڑی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے چھپا رکھی ہے۔ اٹھ اور اس خزانہ کو اپنے خرچ میں لا۔"

حسن بانو یہ خواب دیکھ کر چونک پڑی۔ بوڑھی دائی کو ساری بات سنائی۔ دونوں نے مل کر زمین کھودی تو نیچے سے اتنی اشرفیاں وہ اتنا سونا نکلا کہ آنکھیں کھل گئیں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور خزانہ جوں کا توں بند کر دیا۔ اور دائی کے مشورہ سے اسی جنگل میں عالی شان محل تعمیر کرا کر اپنے سارے عزیزوں اور رشتہ داروں کو جو اس کی خانہ بربادی کے سبب در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ے وہیں بلوا لیا۔ اور سب پھر ہنسی خوشی رہنے لگے جیسے پہلے ہتے تھے۔ اللہ نے ایک بار پھر سب کے دن پھیرے۔

تھوڑے دنوں بعد حسن بانو نے سوداگر کا بھیس بدلا اور بہت ے تحفے تحائف لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رض کی کہ جہاں پناہ! میں فلاں شہر کے سوداگر کا ہوں۔ میں ور میرے والد سوداگری کا مال لے کر آپ کے شہر کی طرف ہے تھے۔ راستہ میں قبلہ گاہی کا انتقال ہو گیا۔ جس جنگل میں انتقال ہوا ہے، میری خواہش ہے کہ وہاں ایک شہر بسا کر پ کے نام پر اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔ بادشاہ یہ بات ن کر بہت خوش ہوا اور شہر بسانے کی اجازت دے دی اور ن بانو کا نام ماہرو شاہ رکھا۔

شہر بنا شروع ہو گیا۔ اس دن سے ماہرو شاہ برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ دربار میں حاضر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا کہ بادشاہ کے وہی پیر صاحب جنہوں نے حسن بانو کے گھر میں ڈیرا ڈالا تھا۔ بادشاہ سے ملنے آئے۔ بادشاہ اور درباری سب تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں مسند پر بٹھایا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ باتوں باتوں میں بادشاہ نے ماہروشاہ کی ملاقات شاہ صاحب سے کرادی۔ ماہروشاہ تو انہیں پہلے ہی پہچان گیا تھا ظاہر میں شاہ صاحب سے مل کر بہت خوش ہوا اور ان سے عرض کی کہ اگر حضور اس غریب کے گھر تشریف لائیں تو میرے لیے عین سعادت کا باعث ہو۔ شاہ صاحب نے دعوت قبول کر لی۔ دعوت کا وقت اور دن مقرر ہو گیا۔ اس دن کے لئے۔ ہروشاہ نے بادشاہ سے برزخ سوداگر کی وہی حویلی مانگ لی جس میں ایک دفعہ شاہ صاحب کی دعوت ہوئی تھی۔ بادشاہ نے وہ حویلی ہمیشہ کے لیے ماہروشاہ کو دے دی۔ اور اس نے اس کی مرمت کروا کے اسے دعوت کے لیے خوب اچھی طرح سجایا۔ دعوت کا دن آیا تو دعوت کا انتظام پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ خوبی سے کیا اور ایسا ساز و سامان مہیا کیا کہ اس مرتبہ شاہ صاحب اسے دیکھ کر دنگ ہی رہ گئے لیکن اپنے دل میں سوچتے تھے کہ تھوڑی دیر کی کسر ہے۔ رات کو یہ سارا سامان میرا ہو گا۔

حسن بانو بھی شاہ صاحب کے دل کا حال جانتی تھی۔ اس

ہی نے اپنے سارے نوکروں سے ہوشیار رہنے کو کہا اور شہر کو اطلاع کرادی کہ آج میرے گھر میں ڈاکہ پڑنے کا ہے۔ کوتوال نے اطلاع پائی تو دو سو سپاہیوں کو لے کر آدلہ ی سے حویلی کے مختلف حصوں میں جا چھپا۔ ابھی آدھی رات یتی تھی کہ شاہ صاحب اور ان کے چیلے آ پہنچے اور لوٹ مار شروع کر جب سب نے سامان کی بڑی بڑی گٹھڑیاں باندھ کر تیار کر لیں ل کے سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے اور سب کو رسیوں سے جکڑ صبح ہوتے ہی یہ سب بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے تو شاہ پر پیر صاحب کا ڈھونگ کھلا۔ انہیں اور ان کے چیلوں کو لمبی سزائیں دیں اور یہ سوچ کر افسوس کرنے لگے ہ پاجیوں کی خاطر میں نے برزخ سوداگر کی بیٹی کو شہر بدر کیا۔ خ سوداگر کی بیٹی تو ماہروشاہ کے بھیس میں وہاں موجود ہی تھی۔ اٹھ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی اور اپنا سارا حال سنایا۔ شاہ حال سن کر بہت خوش ہوا اور حسن بانو سے اپنے قصور کی مانگی۔ حسن بانو نے بادشاہ سے عرض کی کہ جو زر و جواہر اللہ جھے دیا ہے وہ میں لے کر کیا کروں گی۔ مجھے تو بس اتنا ہے کہ روکھی سوکھی کھاؤں اور اللہ کو یاد کروں۔ اس لئے میرے پاس ہے اسے لے کر شاہی خزانہ میں داخل کر بادشاہ نے کہا، "جو تمہاری خوشی" عرض دو تین دن کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بعد بادشاہ و حسن بانو کے شہر میں گئے۔ لیکن جونہی شاہی آدمی اشرفیوں کے کھتوں کے پاس پہنچے۔ ساری اشرفیاں سانپ بچھو بن گئیں۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو بولے "حسن بانو! اللہ کی مرضی یہی ہے کہ اس نے سارے خزانہ کی مالک تم رہو، اللہ تمہیں مبارک کرے۔ اسے جس طرح چاہو۔ اپنے خرچ میں لاؤ"

بادشاہ تو یہ کہہ کے رخصت ہوئے اور حسن بانو نے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دی۔ جو مسافر اس شہر میں آتا اسے مسافر خانہ میں ٹھہرایا جاتا۔ اس کی ہر طرح خاطرداری ہوتی اور جب جانے لگتا تو اسے نقد و جنس سے مالا مال کرکے رخصت کرتے۔ حسن بانو کی سخاوت کا شہرہ دور دور ہوا۔ ملک ملک کے لوگ اس کا حال دیکھنے آتے اور جو کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے زیادہ دیکھ کر جاتے۔ ہوتے ہوتے حسن بانو کی سخاوت کی شہرت شہر خوارزم میں پہنچی۔ منیر شاہ یہاں کے بادشاہ کا بیٹا تھا۔ اس نے جو حسن بانو کے حسن سخاوت کا حال سنا تو بن دیکھے اس کا مشتاق ہوا اور ماں باپ سے چھپ کر فقیروں کے بھیس میں شاہ آباد کی طرف چلا۔ ایک مدت کے بعد مصیبتیں جھیلتا وہاں پہنچا اور جا کر سرائے میں ٹھہرا۔ حسن بانو کے آدمیوں نے کھانے پینے کو کہا تو کچھ نہ کھایا۔ یہ خبر حسن بانو تک پہنچی تو اس نے شہزادے

اور پوچھا کہ اے بابا! تجھے کیا غم ہے کہ کھانا پینا چھوڑا تجھے جو کچھ چاہیئے ہمارے خزانے سے لے اور رخصت سی بات کا غم نہ کر۔ شہزادے نے جواب دیا۔ اے شہزادی! ود ایک ملک کا شہزادہ ہوں مال و دولت کا محتاج نہیں۔ وں کا بھیس تمہاری خاطر بنایا ہے اور تمہارے شہر میں زو لے کر آیا ہوں کہ تم مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لو۔

ن بانو نے شہزادے سے کہا "اے شہزادے! ہم نے تیری بات لی ہم مجبور ہیں کہ شادی صرف اس شخص سے کریں گے ے ت سوالوں کا جواب ہمیں لا کر دے۔ اگر تم مجھے نا چاہتے ہو تو ان سوالوں کو حل کرو۔ اس کے بعد میں تمہاری جاؤنگی" شہزادہ نے یہ بات سنی تو غم سے رونے لگا۔ ب یہ دیکھا کہ رونے دھونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا تو نو سے پوچھا "اے حسن کی ملکہ! اپنے سوال بتاؤ۔ اس پر نو نے کہا۔

یک شخص ہے جو برابر یہ کہتا رہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دیکھنے کی ہوس ہے، بتاؤ، یہ شخص کون ہے، کہاں ہے اور بات کہتا ہے"

ر شاہ سخت حیران تھا کہ اس سوال کا جواب کہاں لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ حسن بانو سے سال بھر کا وعدہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرکے روتا پیٹتا وہاں سے رخصت ہوا۔ جہاں جاتا لوگ یہ کہتے کہ نہ جانے کتنے شہزادوں اور وزیر زادوں نے اسی سوال کی کھوج میں اپنی جان دی۔ کیوں مفت میں اپنی جان کھوتا ہے لیکن منیر شامی دھن کا پکا تھا۔ کسی کی نہ سنی اور ایک شہر سے دوسرے شہر، جنگل، پہاڑ اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر ایک دن ایسے جنگل میں جا نکلا جہاں حاتم شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے منیر شامی کے رونے کی آواز سنی تو گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچا۔ جا کر دیکھا تو ایک حسین جوان رو رو کر جان کھو رہا ہے۔ حاتم نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو شہزادے نے اپنی دکھ کی کہانی سنائی۔ حاتم نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ یوں رو رو کر اپنی جان مت دے۔ اللہ نے چاہا تو تیری آرزو پوری ہو گی

شہزادے کو لے کر حسن بانو کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا۔ اے نیک شہزادی! یہ شہزادہ میرا دوست ہے۔ تمہاری محبت میں رو رو کر جان دے رہا ہے۔ اس لئے میں اسے تمہارے سپرد کر کے تمہارے سوال کا جواب لینے جاتا ہوں۔ جب تک نہ لوٹوں اس کی خاطر داری میں کمی نہ کرنا حاتم تو یہ کہہ کر رخصت ہوا اور منیر شامی سرائے میں انتظار کی گھڑیاں کاٹنے لگا۔

گیدڑی پری

حاتم گھر سے نکلا تو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائے ر نہ جائے۔ اسی ادھیڑ بن میں جنگل جنگل مارا مارا پھرتا اور اللہ سے دعا مانگتا تھا۔ کہ یا اللہ اپنی رحمت سے مجھے ے۔ ایک دن ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ میدان میں ہرنی چر رہی تھی۔ ایک طرف سے ایک بھیڑیا آیا۔ قریب تھا بھینچے اور چیر پھاڑ کے برابر کر دے کہ حاتم نے للکار کر کہا" اے نابکار! کیا کرتا ہے۔ کیوں ناحق اس بچہ جان لیتا ہے۔" بھیڑیا للکار سن کر رکا اور حاتم سے کہنے م شاید حاتم ہو جو تمہیں اس ہرنی پہ اتنا رحم آیا۔" حاتم ا۔ "تم نے کیسے جانا؟" بولا" حاتم کے سوا اور کون ایسا بے زبان جانوروں پر یوں ترس کھائے۔ مگر ذرا یہ میں ہرنی کو نہ کھاؤں تو اپنا پیٹ کس طرح بھروں؟ کہا۔" تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارا پیٹ تو کسی طرح بھرنا ئے۔" یہ کہہ کر میان سے خنجر نکالا اور اپنی ران سے گوشت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا ایک لوتھڑا کاٹ کر اس کے آگے ڈال دیا۔ بھیڑیئے نے سیر ہو کر کھایا اور جنگل کی راہ لی۔ ہرنی بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں حاتم کا شکریہ ادا کرتی اپنے گھر کو سدھاری۔ یہ دونوں چلے گئے تو حاتم بھی ایک طرف کو چلا۔ لیکن ران کا زخم چلنے نہ دیتا تھا۔ اس لیے لاچار ہو کر ایک پیڑ کے نیچے پڑا رہا۔ حاتم درد سے بیتاب تھا اور پڑا کراہ رہا تھا کہ ادھر سے گیدڑ کا ایک جوڑا گزرا۔ مادہ نے حاتم کو دیکھا تو نر سے کہنے لگی۔

"نہ جانے یہ آدم زاد کون ہے اور اسے کیا دکھ ہے کہ پڑا کراہ رہا ہے" گیدڑ نے جواب دیا۔

"اے مادہ جو کچھ میں نے بزرگوں کی زبانی سنا ہے اس کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوجوان حاتم ہے" مادہ نے کہا: "مجھے اس کا کچھ اور حال بتاؤ۔" گیدڑ نے حاتم کی سخاوت، جواں مردی اور بہادری کا سارا حال اور بھیڑیئے اور ہرنی کا سارا قصہ مادہ کو سنایا۔ مادہ نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی "کیا ہم اس بہادر کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟" گیدڑ نے کہا "دشت مازندراں میں ایک جانور ہے۔ اس کے سر کا بھیجا اس کے زخم کو فوراً اچھا کر دے گا۔ لیکن وہاں آنے جانے میں پورا ایک ہفتہ لگے گا۔ اگر تو وعدہ کرے کہ ایک ہفتہ تک حاتم کی پوری دیکھ بھال کرے گی تو میں اس جانور کا

لے آؤں" مادہ بولی "میں بڑی خوشی سے آٹھ دن یہ خدمت انجام دوں گی" "تم فوراً جا کر اس جانور کا بھیجا لاؤ۔ اس طرح گی بھر انسان پر حیوان کا احسان رہے گا۔"

گیدڑ گیدڑی سے رخصت ہو کر مازندراں کی طرف چلا اور گیدڑی حاتم کی خدمت میں مصروف رہی۔ آٹھ دن برابر دن اور رات کو رات نہ سمجھا اور ہر طرح حاتم کی خبرگیری آٹھ دن پورے ہوئے تو گیدڑ اس جانور کا بھیجا لے آ پہنچا۔ بھیجا حاتم کے زخم پر لگا تو زخم دیکھتے دیکھتے بھر یا۔ حاتم بھلا چنگا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور گیدڑ اور گیدڑی سے کہنے لگا۔ "تم دونوں نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اسے ندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ اب تم اگر کوئی خدمت مجھ سے و مجھے بڑی خوشی ہو۔" گیدڑ کہنے لگا "اے حاتم! سارے زمانہ تیرے احسان ہیں، ایک احسان ہم پر بھی کرو۔"

حاتم بولا "بتاؤ" گیدڑ نے کہا۔ "یہاں سے تھوڑی دور پر ایک یا رہتا ہے۔ وہ ہر سال ہمارے بچوں کو کھا جاتا ہے اور ہم کا کچھ نہیں کر سکتے۔" حاتم نے کہا۔ "تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔ اپنی کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

گیدڑ نے حاتم کو بھیڑیئے کا گھر بتا دیا۔ حاتم بھیڑیئے کے پہنچا اور اس سے بولا: "اے اللہ کے بندے تو ہر سال گیدڑ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے بچے کیوں کھا جاتا ہے" بھیڑیئے نے غرا کر کہا "تم میرے معاملہ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟ جاؤ۔ اپنی راہ لو، ورنہ گیدڑ کے بچوں کی طرح تمہیں بھی مزا چکھا دوں گا۔"

حاتم نے بھیڑیئے کو بہت سمجھایا بجھایا جب اس نے ایک نہ سنی تو لپک کر اس کی گردن پکڑ لی۔ کچھ دیر کشتی ہوتی رہی آخر حاتم نے بھیڑیئے کو پچھاڑ لیا۔ اپنے خنجر سے اس کے سارے دانت اور ناخن توڑ ڈالے اور چھوڑ دیا۔ بھیڑیا حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور رو کر کہنے لگا "اے نوجوان! یہ تو نے کیا کیا؟ اب میں اپنا شکار کس طرح کروں گا اور کس طرح اپنا پیٹ بھروں گا" پاس ہی گیدڑ کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے بھی بھیڑیئے پر ترس آیا۔ کہنے لگا: "اے حاتم! تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اس کے بدلے میں میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیتے جی بھیڑیئے کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ جس طرح اپنا پیٹ بھروں گا اس کا کھانا بھی روز اس کے پاس پہنچاؤں گا۔" حاتم کو یہ بات سن کر اطمینان ہوا۔ اور وہ بھیڑیئے کو تسلی دے کر گیدڑ کے ساتھ چلا آیا۔

راستہ میں گیدڑ نے حاتم سے کہا "اے حاتم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو کس کام سے گھر سے نکلا ہے۔ مجھے میرے بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ جس آواز کی تلاش میں تو نکلا ہے وہ دشتِ

سے آتی ہے۔ حاتم نے پوچھا "دشتِ ہویدا یہاں سے کتنی دور ہے؟" گیدڑ نے کہا "یہاں سے بہت دور ہے اور اس کے دو راستے ہیں ایک راستہ دور کا ہے۔ دوسرا نزدیک کا۔ پاس کے راستے میں خطرے بہت ہیں۔ دور کا راستہ ان خطروں سے خالی ہے۔" حاتم نے کہا۔

"اے گیدڑ! میں اپنی منزل پر بہت جلدی پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس لیئے اللہ کا نام لے کر پاس والا راستہ اختیار کروں گا۔" یہ کہہ کر گیدڑ سے رخصت ہوا اور گیدڑ کے بتائے ہوئے راستہ پر ہو لیا۔ بہت دن چلنے کے بعد ایک چوراہا ملا۔ وہاں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ کدھر جاؤں۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ڈیڑھ دو سو ریچھ نظر آئے۔ وہ آ کر حاتم کے پاس رک گئے اور بولے۔ "اس جنگل میں ریچھوں کی بادشاہت ہے۔ تم یہاں کدھر آ نکلے۔ چلو ہمارے بادشاہ کے پاس چلو۔" حاتم نے کہا "چلو" وہ ریچھ حاتم کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم کو دیکھ کر ریچھوں کے بادشاہ نے اس کا حال پوچھا۔ حاتم سب حال بتا چکا تو کہنے لگا۔ "تم خوب آئے۔ میری ایک بیٹی ہے۔ میں مدتوں سے اس کی فکر میں ہوں۔ بھلا تم سے اچھا شوہر اسے کہاں سے ملے۔ ہم تمہاری اور اس کی شادی کر دوں۔"

حاتم ریچھ کی باتیں سن کر بڑا گھبرایا۔ سوچا کہ کہاں میں اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہاں ریچھ کی لڑکی۔ اب کیا کروں؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ریچھ اٹھا اور حاتم کو اپنے گھر میں لے گیا۔ وہاں جاکر حاتم نے دیکھا کہ ریچھ کی لڑکی تو سچ مچ کی شہزادی ہے اور حسن میں کسی طرح پریوں سے کم نہیں۔ حاتم نے اپنے دل میں سوچا کہ جس کی شادی اس پری سے ہو اس کی قسمت پر رشک کرنا چاہیے۔ لیکن میں تو منیر شامی کے کام نکلا ہوں اگر بیاہ رچا کر بیٹھ رہوں تو اس غریب پر بڑا ظلم ہے۔ یہ سوچ کر طے کر لیا کہ وہ شادی ہرگز نہیں کرے گا۔ اس لیے جب ریچھوں کے بادشاہ نے شادی کی بات چھیڑی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ریچھ نے لاکھ سمجھایا، نہ مانا۔ ریچھ نے غصہ میں آکر اسے ایک غار میں قید کروا دیا۔ کئی دن تک قید رکھ کر اپنے پاس بلوایا اور پوچھا کہ "اب کیا ارادہ ہے؟" حاتم نے کہا۔ "مجھے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب کیا ارادہ ہے؟" حاتم نے کہا۔ "مجھے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب جو تمہاری مرضی" ریچھوں کے بادشاہ نے یہ سنا تو حاتم کو پھر قید میں ڈلوایا۔ اس مرتبہ حاتم نے خواب دیکھا کہ اس سے ایک بزرگ کہہ رہے ہیں:

"حاتم! نادان نہ بن۔ جب تک تو شادی نہیں کرے گا تیری رہائی مشکل ہے۔ اس لئے شادی کر لے اور خوشی سے دن بعد اپنی بیوی کی مدد سے منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کر۔" حاتم

نے یہ خواب دیکھا تو اس کے دل کو ڈھارس بندھی۔ اس مرتبہ جب ریچھوں کے بادشاہ نے اسے اپنے پاس طلب کیا اور شادی کا ذکر کیا تو حاتم راضی ہو گیا اور اسی دن اسکا بیاہ ریچھوں کی شہزادی سے ہو گیا۔ حاتم کچھ دن شہزادی کے ساتھ رہا۔ آخر ایک دن اس سے کہنے لگا۔

"شہزادی تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے گھر سے کس کام سے نکلا ہوں یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے زندگی کی ہر راحت حاصل ہے۔ لیکن بے چارہ منیر شامی انتظار کی گھڑیاں گن گن کر کاٹ رہا ہو گا۔ اس لئے اگر تم اجازت دو تو اب دشت ہویدا جا کر وہ خدمت انجام دوں جس کے لیے یہ سفر اختیار کیا ہے۔

شہزادی بولی: "مجھے آپ کے جانے سے رنج ہو گا لیکن آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ضرور جائیے۔ میں ابا جان سے پوچھ کر آپ کے سفر کا سامان تیار کئے دیتی ہوں۔" شہزادی یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئی اور حاتم کو جانے کی اجازت دلوا دی۔ اور چلتے وقت ایک مہرہ اس کی پگڑی میں باندھ دیا۔ اس کی تاثیر یہ تھی کہ جس کے پاس وہ مہرہ ہو نہ آگ اثر کرے نہ پانی اور نہ کسی طرح کا زہر۔

حاتم یہاں سے رخصت ہو کر جنگل بیابانوں میں سے گزرتا دشتِ ہویدا کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ایک دن وہ ایک ایسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ریگستان میں پہنچا۔ جہاں دور دور تک پانی کا نشان نظر نہ آتا تھا۔ شام ہو چکی تھی بھوک، پیاس سے حاتم کا برا حال تھا کہ سامنے سے ایک پیر مرد آیا۔ اس نے حاتم کو دو روٹیاں دیں اور ایک آبخورہ پانی۔ حاتم نے روٹیاں کھائیں اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ حاتم کئی دن تک اس ریگستان میں سفر کرتا رہا۔ ہر روز شام کو وہی پیر مرد روٹیاں اور ایک آبخورہ پانی کا دے جاتا اور حاتم سیر ہو کر خدا کا شکر ادا کرتا۔ اسی طرح حاتم کو اس ریگستان میں کئی دن گزر گئے۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک اژدہا منہ پھاڑے چلا آ رہا ہے۔ اژدہا قریب آیا تو اس نے زور سے سانس لیا کہ حاتم کھنچ کر اس کے پیٹ میں پہنچ گیا۔ اندر پہنچ کر حاتم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور عاجزی سے خدا سے کہا۔ اے میرے خدا تیری مرضی ہے جیسے چاہے جلائے اور جسے چاہے مارے۔ حاتم تو یہ دعا کر کے خاموش ہو رہا۔ اب خدا کی کرنی دیکھو۔ ریچھوں کی شہزادی نے حاتم کو جو مہرہ دیا تھا۔ اس کی تاثیر سے اژدہے کے زہر نے حاتم پر کوئی اثر نہ کیا۔ تین دن تک اژدہے کے پیٹ میں ادھر سے ادھر گھومتا پھرا۔ اژدہا بڑا گھبرایا اور سوچنے لگا کہ میں نے یہ کیا بلا کھائی کہ کسی طرح ہضم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ کہا اب بہتر تو یہی ہے کہ اسے اگل دوں۔ یہ سوچا اور حاتم کو منہ کھول کر باہر اگل دیا۔ حاتم زندہ سلامت باہر نکلا۔ خدا کا شکر

کیا۔ دھوپ میں کھڑے ہو کر اپنے کپڑے سکھائے اور آگے چل پڑا۔

حاتم ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سامنے ایک تالاب نظر آیا۔ پیاسا تھا۔ اس لیے دوڑ کر تالاب کے کنارے جا بیٹھا۔ ابھی اسے وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک عجیب و غریب مچھلی پانی سے نکلی۔ اس کا آدھا نچلا دھڑ تو مچھلی کا سا تھا اور اوپر کا آدھا انسان کا۔ حاتم خدا کی یہ صنعت دیکھ کر عش عش کرنے لگا۔ اتنے میں مچھلی اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی اسے تالاب کے اندر لے گئی۔ وہاں لے جا کر اس کی بہت خاطر تواضع کی۔ اسے تین چار دن اپنا مہمان رکھا اور پھر لا کر تالاب کے کنارے چھوڑ دی۔ حاتم نے دوبارہ اپنے کپڑے دھوئے دھوپ میں سکھائے اور پھر آگے چل دیا۔ اسی طرح چلتا رہا۔ آخر ایک ایسے پہاڑ پر پہنچا جہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا اور ہزاروں سایہ دار درخت پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے کھڑے تھے۔ حاتم کا جی اس جگہ کو دیکھ کر یہ چاہا کہ پڑ کر سو رہے۔ ایک پیڑ کے نیچے بیٹھتے ہی نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پاس ہی ایک بزرگ بیٹھے ہیں کہ چہرے سے نور ٹپکتا ہے۔ حاتم نے دیکھتے ہی ان کو سلام کیا۔ بزرگ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اے نوجوان! تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟" حاتم نے اپنا سارا حال سنایا تو بزرگ نے کہا۔

"اے نوجوان! مجھے تیرے حال پر ترس آتا ہے۔ دشتِ ہویدا تک جا کر کوئی آج تک جیتا نہیں لوٹا۔ تو کیوں ناحق اپنی جان گنواتا ہے؟" حاتم نے کہا۔

"اے بزرگ! میں نے یہ سفر کسی دوسرے کی خاطر اختیار کیا ہے۔ اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔ آگے اللہ کی مرضی۔"

بزرگ نے حاتم کی یہ باتیں سنیں تو کہا "اے نوجوان عزیز تو حاتم ہے جو دوسرے کے لئے یوں اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالتا ہے جا اللہ ضرور تیری مشکل آسان کرے گا۔ لیکن کچھ باتیں میری یاد رکھ۔ اگر ان پر عمل کرے گا تو ہر خطرے سے محفوظ رہے گا۔" حاتم نے کہا۔ "اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ جو نصیحتیں کریں گے ان پر عمل کروں گا۔ فرمایئے!" بزرگ نے کہا جب وقت تو دشت ہویدا کے قریب پہنچے گا۔ بہت سی پریاں آئیں گی اور تجھے اپنے ساتھ لے جائیں گی۔ جہاں وہ تجھے لے جائیں۔ ان کے ساتھ چلے جانا لیکن خبردار! ان کی طرف توجہ مت کرنا اور ایک ہفتہ تک ان میں سے کسی سے کسی کام کو مت کہنا ورنہ ساری عمر کے لیے اس طلسم میں پھنس کر رہ جائے گا۔"

حاتم نے بزرگ کی باتیں بڑے دھیان سے سنیں اور اسے

ا کر کے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ کئی دن سفر کرنے یک خوبصورت تالاب کے کنارے پہنچ کر کنارے بیٹھ کر نے لگا۔ اتنے میں ایک بڑی خوبصورت عورت پانی سے حاتم کا ہاتھ پکڑا اور پانی میں غوطہ مارا۔ تھوڑی دیر میں ایک ہرے بھرے شاندار باغ میں جا پہنچے۔ حاتم ابھی ا حسن دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ سامنے سے پریوں کا ایک غول نظر آیا۔ سب سر سے پیر تک گہنوں سے دی تھیں اور ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر را سا بنا رکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ پریاں حاتم کے ں۔ ہر ایک نے اسے اپنی طرف کھینچا لیکن حاتم کو بزرگ ت یاد تھی۔ اس نے کسی کی طرف دھیان نہ دیا۔ پریوں تم کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور اسے ایک مکان میں ں جو سارا کا سارا قیمتی جواہرات کا بنا ہوا تھا۔ بیچ میں ایک تخت بچھا ہوا تھا اور دیواروں پر قد آدم تصویریں نقش ں۔ حاتم کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ دیواروں کی تصویروں ان پڑ گئی اور دیکھتے دیکھتے وہ تصویریں پریاں بن گئیں۔ حاتم کو گھیر کر لائی تھیں، وہ سب کی سب دیوار سے ب ہو کر تصویریں بن گئیں۔ حاتم یہ سارا طلسم کا کارخانہ حیرت رہا تھا۔ اسی حیرت کے عالم میں کھڑے کھڑے اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مرصع تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ایک پر
تمام پریوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ تخت کے
آ کھڑی ہو گئی اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ حاتم نے چاہا کہ
کر اس کے سر سے نقاب الٹ دے اور اس طلسم کا بھید پو
لیکن بزرگ کی نصیحت یاد کر کے وہیں بیٹھا رہا۔ تین دن اور تی
راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ جب رات ہوتی، سارا محل کافوری شمعو
سے جگمگا اٹھتا۔ ہر طرف سے گانے بجانے کی آوازیں آنے لگتیں
دلدار کا نقش بنی ہوئی ہزاروں پریاں وہاں سے نکل کر ناچنے لگت
وہ پری جو سب میں حسین تھی اور بظاہر ان پریوں کی سر
معلوم ہوتی تھی، اسی طرح تخت کے ساتھ کھڑی مسکراتی رہتی
حاتم تین دن رات اس طرح ایک جگہ بیٹھے بیٹھے تنگ آگیا
چوتھے دن صبح کو اٹھ کر اس پری کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے
ہی تخت کے نیچے سے ایک اور پری نکلی اور اس نے
زور سے حاتم کے ایک لات دھائی کہ وہ کہیں کا کہیں جا
ہوش ٹھکانے ہوئے تو دیکھا کہ نہ وہ باغ ہے نہ محل نہ وہ
ہے اور نہ وہ طلسمات کا عالم۔ بس ایک لق و دق میدان ہے
ہے۔ سمجھ گیا کہ دشت ہویدا ہے۔ اتنے میں ایک طرف سے د
آواز آئی جسے ملنے کے لئے اتنی مصیبتیں جھیلی تھیں۔ جدھر سے
آواز آئی تھی، دوڑتا ہوا ادھر کو گیا تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک

بیٹھا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر میں چلا کر یہ بات زبان سے نکالتا
ایک بار دیکھا ہے۔ دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے"

حاتم اس فقیر کے سامنے گیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ فقیر نے سلام
ب دیا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟ حاتم نے
سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ فقیر نے کہا "اے نوجوان
ی ہمت والا ہے جو اتنی مصیبتیں جھیل کر یہاں پہنچا۔ لے میں تجھے
حال سناتا ہوں" یہ کہہ کر اپنی داستان اس طرح سنائی۔

"اے نوجوان! میں گھر سے سفر کے ارادہ سے نکلا تھا۔ سیر
کرتے ایک تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ اس کی خوبصورتی دیکھ
کی خاطر تھوڑی دیر کو بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک پری آئی اور مجھے
ب میں کھینچ کر لے گئی۔ تالاب کے اندر جا کر جو باغ، جو محل جو
یاں دیکھیں انہیں اچھی طرح دیکھنے نہ پایا تھا کہ ایک پلک کی
کی کہ اس دشت میں آ پڑا۔ اب جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ
وہ ساری بہار دیکھوں۔"

حاتم فقیر کی باتیں سن کر سمجھ گیا کہ اس پر بھی وہی کچھ گزری ہے
ے ساتھ پیش آئی تھی۔ اس لئے اسے دلاسا دے کر کہنے لگا
ؤ نہیں تمہیں وہ سیر ایک بار پھر دکھا دوں" یہ کہہ کر اسے اٹھا
کے کنارے لے گیا جہاں چند دن پہلے خود جا کر بیٹھا تھا اور
ے کہنے لگا "دیکھو یہ وہی تالاب ہے جو چند دن پہلے تم دیکھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چکے ہو۔ اس کے کنارے بیٹھ جاؤ۔ ابھی کوئی پری آکر تمھیں تالاب میں کھینچ کر لے جائے گی اور وہ سارا سماں پھر تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ جسے دیکھنے کی ہوس تمھارے دل میں ہے۔" فقیر نے حاتم کو بہت بہت دعائیں دیں اور حاتم اسے تالاب کے کنارے چھوڑ کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔

واپسی میں فقیر سے ملا۔ دو چار دن مچھلی کا مہمان رہا۔ کچھ دن ریچھوں والی شہزادی کے یہاں رہا۔ اور پھر گیدڑوں سے ملتا ہوا چند روز میں شاہ آباد پہنچ گیا۔

حاتم شاہ آباد پہنچا تو لوگ اسے فوراً حسن بانو کے پاس لے گئے حسن بانو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پوچھا کہ اے حاتم! ہمارے سوال کا کیا جواب لایا۔ حاتم نے جو کچھ دیکھا تھا۔ شروع سے آخر تک سے سنا دیا۔ حسن بانو اور اس کی دائی نے حاتم کی ہمت پر ہزار آفرین کی اور کہا کہ اب تم کچھ دن ستا لو۔ پھر دوسرا سوال بتاؤں گی۔

حاتم سلام کر کے سرائے گیا وہاں جاکر منیر شامی سے ملا اور اسے سارا حال سنایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: "اے حاتم! تیرے اس احسان کا بدلہ ساری عمر نہ چکا سکوں گا۔"

●

قبرستان میں

●

تین چار دن آرام کر کے حاتم حسن بانو کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اب بتاؤ تمھارا دوسرا سوال کیا ہے۔ حسن بانو نے کہا۔ "ایک شخص نے اپنے دروازے پر لکھ کر لگا رکھا ہے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال، اس کا کیا مطلب ہے": حاتم نے پوچھا: "کیا بتا سکتی ہو کہ وہ شخص کون ہے۔ اور کہاں رہتا ہے؟" حسن بانو نے کہا "میں نے اپنی دائی سے سنا ہے۔ کہ وہ شخص یہاں سے شمال کی طرف رہتا ہے"۔ یہ بات پوچھ کر اللہ کا نام لے کر شمال کی طرف چل کھڑا ہوا کئی دن تک بھیانک جنگلوں میں چلتا رہا۔ آخر وہ ایک درخت کے نیچے ستانے بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پاس سے کسی کے اس طرح رونے کی آواز آئی کہ حاتم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حاتم آواز کی طرف چلا۔ تھوڑی دور جاکر دیکھا کہ ایک نوجوان زمین پر بیٹھا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ حاتم نے حال پوچھا تو وہ سرد آہ بھر کے بولا "اے مسافر اپنا حال تجھے کیا سناؤں۔ یہاں سے بارہ کوس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے فاصلہ پر ایک عالی شان شہر ہے۔ وہاں حارث نامی ایک سوداگر رہتا ہے۔ اس کے ایک لڑکی ہے۔ جو حسن میں حور و پری سے بڑھ کر ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے سوچا ہے کہ یوں ہی اس جنگل میں رو رو کر جان دے دوں" حاتم نے کہا،

"اے جوان! تو اتنا مایوس نہ ہو۔ ممکن ہے اللہ کوئی صورت پیدا کرے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرتی" نوجوان نے کہا لڑکی کے تین سوال ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ جو کوئی ان تین سوالوں کا جواب دے گا۔ اسی سے شادی کریگا۔"

حاتم نے کہا" اگر بات صرف اتنی ہی ہے تو غم مت کرو چلو میرے ساتھ اس سوداگر کی حویلی تک چلو" غرض حاتم اور وہ نوجوان حارث سوداگر کی حویلی کی طرف چلے۔ چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ گئے۔ نوجوان کو تو حاتم نے سرائے میں ٹھہرایا اور خود سوداگر کے دروازے پر جاکر پیغام بھیجا کہ ایک شخص شادی کرنے آیا ہے۔ لڑکی نے حاتم کو اندر بلا لیا اور خود پردہ کے پیچھے بیٹھ گئی۔ حاتم نے اس سے کہا" اے نیک بخت! تیرے سوال کیا ہیں؟" اس نے کہا میرے تین سوال ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ" اس شہر کے قریب ایک غار ہے اس کا حال کسی کو نہیں معلوم میں چاہتی ہوں کہ اس غار کا پورا حال معلوم ہو"

دوسرا سوال یہ ہے کہ" جمعہ کی رات کو جنگل میں سے ایک آواز آتی ہے کہ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ یہ آواز کس کی ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ سانپ کے منہ میں ایک مہرہ ہے وہ مجھے لا دے۔"

حاتم نے کہا" اے سوداگر کی بیٹی! اللہ نے چاہا تو تیرے سوالوں کا جواب لاؤں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جواب لانے کے بعد مجھے تم پر پورا اختیار ہوگا۔ چاہوں خود تم سے شادی کروں یا کسی اور سے بیاہ دوں" سوداگر کی بیٹی نے کہا" ہاں یہ شرط مجھے منظور ہے۔ حاتم یہ قول قرار کرکے سرائے میں آیا نوجوان کو دلاسا دیا اور شہر کے کچھ لوگوں کے ساتھ غار کی طرف چلا۔ شہر کے باہر جاکر لوگوں نے حاتم کو وہ غار دکھا دیا۔ اس کا منہ ایک چوڑے کنوئیں کی طرح تھا۔ حاتم نے اللہ کا نام لیا اور اس غار میں کود پڑا۔ ایک دن اور ایک رات تک اس میں چکر کھاتا رہا تب کہیں جاکر زمین پر پیر ٹکے۔ حاتم نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو سامنے ایک صاف شفاف تالاب نظر آیا۔ تالاب کے دوسری طرف ایک دیوار کھڑی تھی کہ جہاں تک نظر جاتی تھی اس کی لمبائی اور اونچائی کا کوئی اور چھور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم دیوار کی طرف چلا۔ پاس جاکر دیکھا تو اس میں ایک دروازہ نظر پڑا۔ حاتم اس دروازے میں داخل ہوگیا۔ دیکھا تو ایک بستی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جس کے مکان سب کے سب عالی شان ہیں۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ سامنے سے ہزاروں دیو آتے دکھائی دیئے۔ وہ سب کے سب حاتم کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کی بوٹیاں کر کے کھا جائیں۔ ایک دیو نے کہا "یارو یہ آدم زاد ہے اس کا گوشت بڑا مزے دار ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ہم اسے مار کر کھا گئے تو بڑی سخت سزا دے گا۔ دیووں نے یہ بات سنی تو حاتم کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ حاتم وہاں سے آگے بڑھا تو ایک اور بستی میں پہنچا اندر گیا تو پتہ چلا کہ بستی بھی دیووں کی ہے۔ یہاں بھی دیو اسے کھانے کو بڑھے۔ لیکن ایک دیو نے کہا "دوستو! یہ آدم زاد ہے اسے مت کھاؤ۔ ہمارے بادشاہ کی بیٹی بیمار ہے۔ اسے وہاں لے چلو شاید اس کے علاج سے اچھی ہو جائے" یہ بات سب کو پسند آئی۔ اور سب حاتم کو لے کر اپنے سردار کے پاس پہنچے۔ سردار نے حاتم سے کہا: "اے نوجوان! میری بیوی کی آنکھوں میں سخت تکلیف ہے۔ کسی طرح دور نہیں ہوتی۔ حاتم نے فوراً مہرہ اپنی پگڑی سے کھولا اسے پانی میں ڈال کر پانی سردار کی بیوی کی آنکھوں میں لگا دیا۔ فوراً آنکھوں کا درد جاتا رہا۔ سردار بہت خوش ہوا۔ وہ اسے لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسکی بہت تعریف کی۔ اے شخص! مجھے مدتوں سے پیٹ کے درد کی شکایت ہے۔

بہت علاج کئے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگر تو میرا علاج کر دے زندگی بھر تیرا احسان نہ بھولوں" حاتم نے بادشاہ سے پوچھا "اے دیووں کے بادشاہ! شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن میں اپنی تسلی کر کے دیکھتا ہوں پہلے مجھے یہ بتایئے کہ آپ کے کھانا کھانے کا کیا طریقہ ہے؟ بادشاہ نے کہا "میں سب امیروں وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں" حاتم نے کہا۔ بہت اچھا! آج جس وقت آپ کھانا کھائیں مجھے بھی حاضر رہنے کی اجازت دیجئے" بادشاہ نے کہا۔ بڑی خوشی سے۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو" حاتم بادشاہ کے ساتھ ہو لیا۔ اندر پہنچے تو دسترخوان بچھا۔ اور اس پر بیسیوں قسم کے کھانے چنے گئے۔ بادشاہ نے کھانے چنے گئے۔ بادشاہ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حاتم نے اسے روک دیا۔ اور کہا کہ ذرا سی دیر توقف فرمایئے" بادشاہ رک گیا حاتم نے ایک قاب سے سرپوش اٹھایا اور دسترخوان پر جتنے لوگ بیٹھے تھے انہیں ایک نظر دکھا کر پھر ڈھک دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ قاب کھولی تو کھانے کی بجائے کیڑوں سے بھری پڑی تھی۔ بادشاہ یہ بات دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ حاتم نے کہا" بادشاہ سلامت! اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں یہی لوگوں کی نظر کا اثر ہے جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر آپ اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا کریں تو آپ کے پیٹ کو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ساری تکلیف جاتی رہے۔ اگلے دن بادشاہ نے یہی کیا اور دو تین دن میں اس کے پیٹ کا درد بالکل اچھا ہو گیا۔ حاتم کو گلے لگا کر کہنے لگا کہ "اے نوجوان! بول کیا انعام مانگتا ہے" حاتم نے کہا۔

"اے بادشاہ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے مجھے کچھ نہیں چاہیئے میں اتنا چاہتا ہوں کہ جو آدم زاد تیرے قیدی ہیں انہیں رہا کر دے" بادشاہ نے فوراً حکم دیا۔ سارے قیدی حاضر کئے گئے بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم دیا اور خلعت اور اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد حاتم سے کہنے لگا۔ "اے نوجوان! تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا جو میرے پیٹ کا درد اچھا کر دیا۔ اب ایک مہربانی اور کر۔ میری لڑکی مدتوں سے بیمار ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ اگر اسے بھی دیکھ کر اس کے اچھا کرنے کی کوئی تدبیر کرو تو عمر بھر کے لئے تمہاری غلامی قبول کروں" حاتم نے کہا۔ "چلیئے! لڑکی کو دکھایئے! بادشاہ حاتم کو محل میں لے گیا۔ حاتم نے اسے بھی مہرے کا پانی پلایا۔ اسی طرح ہفتہ بھر وہ پانی پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل اچھی ہو گئی۔ اور اس کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔" اور حاتم بادشاہ سے اجازت لے کر غار کے باہر آیا۔ بادشاہ تے چلتے وقت بے شمار زر و جواہر اس کے ساتھ کئے۔

حاتم حارث سوداگر کی بیٹی کے پاس آیا اور اسے غار کا سارا حال سنا کر اس آواز کی کھوج میں چلا جو ہر جمعرات کو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ حاتم بہت دنوں بعد ایک گاؤں میں پہنچا دیکھا کہ وہاں کا ہر شخص رو رہا ہے۔ لوگوں سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ ہر مہینے کی سات تاریخ کو یہاں ایک بلا آتی ہے اور ایک آدمی کو کھا جاتی ہے۔ اس مرتبہ ہمارے سردار کے لڑکے کی باری ہے۔ اس لیے ہم سب رو رہے ہیں۔" یہ بات سن کر حاتم رئیس کے پاس گیا۔ اور اسے دلاسا دے کر کہنے لگا کہ اس مرتبہ تمہارے بیٹے کی جگہ میں اس بلا کے پاس جاؤں گا لیکن مجھے بتاؤ کہ وہ کتنی بڑی ہے۔ اور اس کی شکل صورت کیسی ہے۔ رئیس نے اس کی تصویر کھینچ کر دکھا دی۔ حاتم نے کہا۔ "جو میں کہوں وہ کرتے جاؤ تو انشاء اللہ اس بلا سے چھٹکارا پاؤ گے۔ رئیس نے کہا "جو تمہارا حکم ہو گا بجا لائیں گے۔ تم کہو۔"

حاتم نے رئیس سے کہہ کر سو گز لمبا اور سو گز چوڑا ایک آئینہ بنوایا اسے لے کر اس میدان میں رکھ دیا جہاں بلا آیا کرتی تھی۔ اس پر ایک چادر ڈھک دی اور جب اس بلا کے آنے کا وقت ہوا تو چھپ کر آئینے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ آدھی رات کو بلا آئی۔ حاتم نے چپکے سے چادر آئینہ پر سے سرکا دی۔ بلا نے آئینہ میں جو اپنا عکس دیکھا تو اس زور سے چلائی کہ بستی کے سارے آدمی ڈر گئے۔ اس نے غصہ میں آ کر بچھڑنا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شروع کیا۔ یہاں تک کہ ذرا سی دیر میں اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پیٹ پھٹنے کی آواز اتنی بھیانک تھی کہ شہر کے سب لوگ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے اور پتہ چلا کہ بلا مر گئی تو سب خوشی خوشی حاتم کے پاس آئے۔ رئیس حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور کہا" صاحب مجھے زر و مال نہیں چاہیے۔ میں تو جس کام سے نکلا ہوں اس کی دھن سوار ہے" رئیس نے پوچھا وہ کیا کام ہے تو حاتم نے اپنا قصہ بتایا۔ رئیس بولا یہ آواز تو ہم بھی ہر رات سنتے ہیں۔ لیکن حال اس کا کسی کو نہیں معلوم" حاتم نے کہا میں آج کی رات یہاں ٹھہر کر وہ آواز سنوں گا۔"

غرض حاتم رات کو اس بستی میں رہا۔ آدھی رات کو آواز اس کے کان میں آئی۔ کوئی بڑے درد بھرے طریقہ سے کہہ رہا تھا۔ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" حاتم نے آواز سنی وہ اسی طرف کو چلا۔ کئی دن رات چلتے چلتے ایک قبرستان میں پہنچا۔ بڑی صاف ستھری جگہ تھی۔ سوچا کہ رات کو یہیں آرام کروں گا۔ اینٹوں کا تکیہ بنایا اور ایک کونے میں پڑ رہا۔ آدھی رات کے قریب عجیب طرح کا تماشا نظر کے سامنے آیا۔ ایک ایک کر کے سب قبروں کے منہ کھلے۔ ہر ایک میں سے ایک سفید پوش بزرگ نکلا۔ ایک نے نکل کر میدان میں چاندنی کا فرش کر دیا۔ سب سفید پوش بزرگ اس فرش پر آ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ایک ٹوٹی ہوئی قبر سے نکلا۔ اس کے کپڑے دوسروں کی طرح اجلے نہ تھے۔ چہرے سے بھی رنج و غم ٹپک رہا تھا۔ وہ بھی آ کر چاندنی سے الگ خاک پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں قہوہ کا دور چلا جب کسی نے قہوہ کا پیالہ اسے نہ دیا تو اس نے بڑی حسرت سے کہا" افسوس! میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" اتنے میں غیب سے خوان آنے شروع ہوئے ہر ایک میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کوزہ ٹھنڈے پانی کا تھا۔ جو پیالہ اس آدمی کے سامنے آیا۔ اس میں سنگریزے تھے کوزہ پانی کی جگہ خون اور پیپ سے بھرا ہوا تھا۔

حاتم یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بزرگ نے اسے بھی کھیر کا پیالہ اور پانی کا کوزہ لا کر دیا۔ حاتم نے اس بزرگ سے کہا۔

" اے پیر مرد! تمہاری مہربانی کہ میرے لیے کھیر اور ٹھنڈا پانی لائے لیکن اس غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ اسے کھیر کی جگہ کنکر اور اور پانی کی جگہ پیپ کھانے کو دیتے ہو۔ بزرگ نے کہا" اے نوجوان۔ اس کا حال ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم۔ بہتر ہے کہ تم اسی شخص سے جا کر پوچھو۔"

حاتم نے یہ بات سنی تو اٹھ کر اس میلے کچیلے آدمی کے پاس

گئے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گیا سلام کرکے اس کے پاس بیٹھ گیا اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کا حال اس سے پوچھا۔ حاتم کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رو رو کر حاتم سے کہنے لگا۔

"اے جوان مرد! میرا نام یوسف سوداگر ہے۔ اور ان سب لوگوں کا سردار ہوں جو سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے زندگی میں لاکھوں روپیہ کمائے۔ لیکن اللہ کے نام پر ایک کوڑی بھی صرف نہ کی۔ لوگوں نے مجھے جو نیکی کی بات سمجھائی اس پر کبھی کان نہ دھرا۔ ایک دن ہم لوگ مال تجارت لے کر اس جنگل سے گزر رہے تھے کہ ڈاکو ہم پر آ پڑے۔ ہم سب کو مار کر یہاں دفن کر دیا۔ اور مرنے کے بعد میرا یہ حشر ہوا اور میرے سرداروں کو ان کی نیکی کے سبب یہ مرتبہ ملا۔ اے نوجوان! میرا وطن چین ہے۔ اور میری اولاد کا یہ حال ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہے۔"

حاتم نے سوداگر کی روداد سنی تو اسے بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگا "اے یوسف! کیا ایسی کوئی ترکیب ہے کہ تیرا یہ دکھ دور ہو؟" سوداگر بولا۔

"ہاں ایک صورت میری نجات کی ہے۔ اور وہ یہ کہ میری بے شمار دولت ایک جگہ دفن ہے۔ اگر کوئی وہاں پہنچ کر اس میں سے تھوڑی سی میری اولاد کو دے اور باقی اللہ کی راہ میں بانٹ دے تو امید ہے کہ مجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اور میرے

ے دن ختم ہوں۔"

حاتم نے کہا "اے عزیز! میں آج ہی تیرے دکھ جانے کی ترکیب کرتا ہوں۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اللہ نے چاہا تو اسے پورا کروں گا۔" یہ کہہ کے اللہ کا نام لیا اور ملک چین کی طرف چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا۔ سامنے کنواں نظر آیا۔ ایک آدمی پانی بھر رہا تھا۔ چاہا کہ اس سے مانگ کر پانی پئے اتنے میں ایک سانپ نے کنوئیں سے منہ نکالا۔ اور اس آدمی کی کمر پکڑ کر کنوئیں میں کھینچ لیا۔ حاتم نے جو دیکھا تو آنکھیں بند کر کے جھٹ کنوئیں میں کود پڑا جب پیر زمین پر آکر ٹکے تو حاتم نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ ایک وسیع میدان میں کھڑا ہے۔ چاروں طرف ہرے بھرے درخت ہیں اور سامنے ایک عالی شان محل کھڑا ہے۔ محل کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حاتم اس میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ بلور کے تخت پر ایک شخص سو رہا ہے۔ اتنے میں وہی سانپ حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے لپک کر دونوں ہاتھوں سے اس زور سے دبایا کہ چیخ اٹھا۔ اس کی چیخ سے تخت پر سوتا ہوا آدمی جاگ اٹھا۔ اور کہا

"اے عزیز! کیا کرتا ہے سانپ کو چھوڑ دے" حاتم نے کہا۔ "خدا کی قسم! اگر اس نے مسافر کو نہ چھوڑا تو اسے جیتا نہ چھوڑوں گا" حاتم نے ابھی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ سانپ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے نہ جانے کیسے حاتم کو نگل لیا"۔ حاتم اس کے پیٹ میں پہنچا تو کسی کو کہتے ہوئے سنا۔

"اے حاتم! یہ طلسم بہت بڑا ہے تو اس میں سے اس طرح نکل سکتا ہے کہ اپنے خنجر سے اس سانپ کا پیٹ پھاڑ ڈال۔" حاتم نے ایسا ہی کیا۔ ایسا کرتے ہی زمین سے ایک چشمہ ابلنے لگا۔ وہ حاتم اس میں تیرنے لگا۔ دو تین غوطے کھا کر ایک وسیع صحرا میں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی کھڑے ہیں۔ جو سوکھ کر کانٹا ہو رہے ہیں۔ ان میں وہ مسافر بھی ہے جسے سانپ نے ابھی پکڑا تھا۔ حاتم نے سب سے پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ ان سب کو بھی سانپ ہی پکڑ کر لایا تھا۔ حاتم نے کہا:

"اے دوستو! خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہیں اس طلسم سے باہر نکالا اور اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔" وہ سب حاتم کو دعا دیتے ہوئے کوئی ادھر اور کوئی ادھر چل دیئے اور حاتم پھر ملک چین کی طرف چل پڑا۔ چند دن میں ایک عالی شان شہر کے وسط میں پہنچا لوگ اسے پکڑ کر فوراً بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ کو دیکھ کر حاتم غصہ سے کہنے لگا۔

"اے بادشاہ! تیرے شہر کا نرالا دستور ہے کہ مسافر کو آرام دینے کی جگہ اسے یوں پکڑوا کر بلاتے ہو۔" بادشاہ حاتم کی بات سن کر رونے لگا اور کہا۔ "اے مسافر تیری بات ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سب ایک جو [illegible] میں گرفتار ہیں۔" حاتم نے پوچھا۔ "وہ جو کچھ ی ہے؟" بادشاہ نے کہا

"وہ جو خود میری لڑکی ہے۔ جو نہ جانے کس طلسم میں گرفتار ہے کہ جو مسافر اس شہر میں آتا ہے، اس سے وہ سوال کرتی ہے۔ جو سوال کا جواب نہیں دے سکتا اور مارا جاتا ہے۔ اسی لئے اس شہر کا نام میں نے بدل کر عدل آباد سے بیدادنگر رکھ دیا ہے۔"

حاتم نے کہا: "مجھے بھی اپنی لڑکی کے پاس لے چلو۔" بادشاہ نے کہا "چلو۔" حاتم محل میں پہنچا تو دیکھا کہ تخت پر ایک شہزادی بیٹھی ہے۔ حوروں اور پریوں جیسی صورت ہے۔ حاتم اس کے پاس بیٹھ گیا۔ شہزادی نے بھی اس سے بڑی اچھی اچھی باتیں کیں۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ رات ہو گئی کھانا آیا۔ سب نے ہنسی خوشی کھایا اور پھر باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے کرتے آدھی رات ہو گئی۔ آدھی رات ہوتے ہی سب آدمی محل سے باہر نکل گئے۔ حاتم اور شہزادی کے سوا وہاں کوئی نہ رہا۔ دیکھتے دیکھتے شہزادی دیوانوں کی طرح کودنے لگی اور حاتم کے پاس آ کر بولی۔

"اے مسافر! کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں تھی جو یہاں آیا؟" حاتم نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر شہزادی کہنے لگی "اچھا جاتے کا جواب دے یہ سمجھ لے کہ تیری موت تجھے یہاں لائی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے۔" حاتم بولا "تیرے سوال کیا تھا۔"

شہزادی نے کہا "پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون سا میوہ ہے جو میووں سے زیادہ میٹھا ہے" حاتم نے کہا۔

"اولاد" شہزادی بولی "اچھا بتا وہ کیا چیز ہے جو ہر ایک کو کھا لیتی ہے" حاتم نے جواب دیا "شہزادی وہ چیز موت ہے" یہ جواب سنتے ہی لڑکی کی آنکھیں بند ہو گئیں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

شہزادی کے گرتے ہی ایک کالا سانپ اس کے بدن میں سے نکلا اور حاتم کی طرف لپکا حاتم نے جھٹ وہ مہرہ جو اس کی پگڑی میں بندھا ہوا تھا۔ منہ میں رکھ لیا۔ جوں ہی سانپ نے اس پر حملہ کیا اس نے اس کی گردن پکڑ کر ایک ہنڈیا میں بند کر دیا۔ اور ہنڈیا زمین میں گڑھا کھود کر گاڑ دی۔ اور خود جا کر لڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ رہا صبح ہوتے ہوتے لڑکی ہوش میں آئی۔ حاتم کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر بولی کہ "اے نوجوان تو کون ہے اور میرے محل میں کیسے آیا۔؟"

حاتم نے اپنے محل میں آنے، اس کے پاگل ہو کر اس سے سوال کرنے پھر بے ہوش ہونے، سانپ کے نکلنے اور مارے جانے کی ساری داستان اسے سنائی۔ لڑکی نے فوراً اپنی دائی کو آواز دی۔ وہ آئی اور بائیں سے کر کہنے لگی کہ "کہو کیا حکم ہے؟" لڑکی نے حاتم کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے پوچھو حاتم نے

کر دے دی۔ باقی تین پوشاکیں غریبوں کو خیرات کر دیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر عدل آباد آیا چند دن وہاں رہ کر یوسف سوداگر کی قبر پر آیا۔ جمعہ میں دو دن باقی تھے۔ اس نے وہاں رہ کر انتظار کیا۔

جمعہ کے دن وہی سب کچھ ہوا جو حاتم اس سے پہلے دیکھ چکا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس مرتبہ یوسف سوداگر نے بھی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اسے بھی فرش پر بیٹھنے کو جگہ ملی اور اس کے لیے بھی کھانے کو کھیر کا پیالہ آیا۔ یوسف نے حاتم کو دیکھا تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور کہا "

"اے جواں مرد! تیری بدولت میں اس عذاب سے چھوٹا۔"

حاتم کو بھی یوسف کو سدھری ہوئی حالت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور وہ یوسف سے رخصت ہو کر آگے چلا۔

ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک بڑھیا ایک جگہ بیٹھی نظر آئی۔ حاتم نے غریب جان کر اپنی الماس کی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی بڑھیا نے دعائیں دیں۔ اور حاتم آگے بڑھ گیا۔ حاتم تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بڑھیا نے چلا کر کہا۔ "اکے دکے پنچھی پردیسی کا مال لوٹ لیں خدا حافظ!" اس آواز کے سنتے ہی سات گبرو جوان جنگل میں سے نکلے اور حاتم کے ساتھ ہو لیے۔ بات دراصل یہ تھی کہ یہ مشٹنڈے اس مکار بڑھیا کے بیٹے تھے۔ اور جنگل میں اکیلے دکیلے مسافر کو لوٹنا ان کا پیشہ تھا۔ بڑھیا اسی لیے وہاں بیٹھی تھی کہ کوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دے کر لڑکوں کو بتا دے کہ ایک سونے کی چڑیا ادھر سے گزر رہی ہے۔ تھوڑی دور چل کر ساتوں نے حاتم پر حملہ کیا۔ اس کے سارے قیمتی جواہر چھین لیے اور زخمی کر کے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ حاتم تین دن وہاں پڑا تڑپتا رہا۔ آخر مہرہ گھس کر زخموں پر لگایا تو آرام ملا۔ اور آنکھ جھپک گئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ کہہ رہے ہیں۔

"اے حاتم! اس جگہ قسمت تجھے لائی ہے یہاں بہت بڑا خزانہ دفن ہے۔ کل صبح دو آدمی یہاں آئیں گے اور تجھے یہاں سے نکالیں گے"۔ حاتم یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح ہوئی تو دو آدمی کنوئیں پر آئے انھوں نے حاتم کو آواز دی اور ایک رسی کے ذریعہ اسے کنوئیں سے باہر نکالا۔ حاتم نے کنوئیں سے نکل کر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے دل میں سوچا "اگر اس وقت وہ سات چور میرے پاس ہوتے تو انھیں یہ سب مال و دولت دے کر کہتا کہ چوری سے توبہ کر لیں" یہ سوچ کر ان کی تلاش میں نکلا۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دور چل کر وہ بڑھیا مل گئی۔ اور اس کے آواز لگانے پر وہ ساتوں جوان باہر نکل کر آ گئے۔ حاتم نے ان سے کہا۔

"اے عزیزو! اگر ایک بات میری مانو تو کہوں" چوروں نے کہا کہو" حاتم بولا "تم جو یوں مسافروں کو لوٹ کر یہ عذاب مول لیتے ہو اس سے توبہ کر لو تو بہت بڑا خزانہ دوں۔" وہ بولے "ہم تو پیٹ کی خاطر یہ برا کام کرتے ہیں۔ اگر تم اتنی دولت دے دو تو ضرور توبہ کر لیں گے۔ ٹھیک ہے پہلے وہ دولت دکھا دو" حاتم انھیں اندھے کنوئیں تک لے گیا۔ خزانہ دکھایا اور ان سے عہد کیا کہ اب کبھی کسی مسافر کو نہ لوٹیں گے۔

حاتم چوروں سے یہ قسم لے کر آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک خوبصورت سا کتا ہانپتا ہوا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ پیاس کے مارے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ حاتم کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اسے گود میں اٹھا لیا۔ پاس ہی ایک گاؤں تھا۔ وہاں لے جا کر اسے خوب جی بھر کر پانی پلایا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دیکھا تو اس کے سر میں ایک کیل ٹھکی ہوئی ہے۔ حاتم نے وہ کیل اس کے سر سے نکال لی۔ کیل نکالتے ہی وہ کتا ایک خوبصورت جوان بن گیا۔ حاتم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ "اے جوان اپنا حال بتا۔" اس نے کہا۔

اے عزیز! میرا مختصر حال یہ ہے کہ میں شہر سورت کا رہنے والا ہوں تجارت کرتا ہوں۔ میری بیوی جادوگرنی ہے۔ اس نے میرے سر میں یہ کیل ٹھونک کر مجھے کتا بنا دیا تھا۔ میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہاں سے میں اسی حال میں مہرو کا پیاسا پھر رہا تھا کہ اللہ نے مجھے مجھ پر مہربان کیا۔ اور تو نے وہ کیل میرے سر سے نکال کر مجھ پر یہ احسان کیا۔ اب میری خوشی یہ ہے کہ چند دن میرے ساتھ رہ کر مجھے خدمت کا موقع دے۔"

حاتم نے خوشی سے اس کی دعوت قبول کی تین دن اس کا مہمان رہا۔ پھر اس سے رخصت ہو کر حارث سوداگر کی بیٹی کے پاس آیا اور اسے اپنے سفر کا سارا حال سنا دیا۔ سوداگر کی بیٹی نے کہا: تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم نے بھی بہت دن سے وہ آواز نہیں سنی۔ جو جنگل کی طرف آتی تھی۔ اب میرا ایک سوال اور رہ گیا ہے۔ اگر وہ بھی پورا ہو گیا تو میں تیری کنیز ہوں۔"

سوداگر کی بیٹی سے رخصت ہو کر حاتم سرائے میں آیا۔ وہاں سوداگر بچہ بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی گلے سے لگا لیا۔ حاتم نے سفر کا سارا حال سنایا اور کہا: اے نوجوان تو اطمینان رکھ اللہ نے چاہا تو جلد ہی تیرا سوال بھی پورا کر کے تیری شادی سوداگر کی بیٹی سے کرا دوں گا۔ سوداگر بچہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور حاتم کا شکریہ ادا کیا۔

اگلے دن حاتم پری شاہ کے مہرو کی تلاش میں چلا۔ اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اس کا پتہ دیوؤں کے بادشاہ سے چلے گا اسی غار کے پاس پہنچا جس کے راستے سے دیوؤں کے ملک

ٹرین میں قتل

اے حمید

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موت کا تعاقب ۸۱
تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی داستان

ٹرین میں قتل

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

○ رات کو دستک
○ آخری گولی
○ خوفناک کیس
○ ٹرین میں قتل
○ زندہ لاش
○ صحرا میں موت

رات کو دستک

مردہ لاش ماریا کے آگے آگے جا رہی تھی۔ نقشِ سلیمانی سامنے پہاڑوں کے کسی غار میں تھی۔ مردہ لاش نے ماریا کو یہی بتایا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ لاش ماریا کو دیکھ سکتی تھی کافی دیر سفر کرنے کے بعد لاش اور ماریا جنگل میں سے نکل کر پہاڑوں کے پاس آ گئے۔ یہ پہاڑ کافی اونچے تھے اور سب جنگل سے ڈھکے ہوئے تھے۔ مردہ لاش نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"دن نکلنے سے پہلے پہلے ہمیں پہاڑوں کے غار میں پہنچ جانا ہو گا۔ کیونکہ دن کی روشنی میں میں غائب ہو جاؤں گی۔"

ماریا نے پوچھا۔

"کیا ہم صبح ہونے سے پہلے پہلے غار میں پہنچ جائیں گے؟"

"کیوں نہیں! میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لاش جھاڑیوں میں سے گزرتی چلی جا رہی تھی۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ آخر وہ ایک پہاڑ کے پاس پہنچ گئے۔ مورت نے کہا۔

"اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ ہمیں اس میں جانا ہے۔ تم ڈرنا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں کوئی خوفناک بلا ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے۔"

ملیا نے کہا۔

"میں نہیں گھبراؤں گی۔"

اب ان کے سامنے ایک تاریک غار تھا۔ لاش غار میں داخل ہو گئی۔ ملیا بھی اس کے ساتھ ساتھ اندر چلی گئی۔ اندر جاتے ہی جیسے کسی کی زبردست پھنکار [illegible] ایک اژدہا تھا جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ لاش نے آگے بڑھ کر اژدہا کے منہ میں ہاتھ ڈال دیا۔ ایک خوفناک چیخ کی آواز گونجی اور اژدہا نے تڑپنا شروع کر دیا۔ اژدہا کے منہ میں ہاتھ ڈال کر لاش نے ایک منکا نکال کر ملیا کو دیا اور کہا۔

"اس کو سنبھال کر رکھنا۔ جب تک یہ تمہارے پاس ہے تم پر سانپ، آگ، پانی اثر نہیں کرے گا۔"

ملیا نے منکا لے کر جیب میں ڈال لیا۔ آگے گئے تو ایک موڑ پر ک جن انسان جیسے لمبے نوکیلے دانت نکالے کھڑا تھا۔ اس نے لاش ا

میں جاتے۔ یہ سوچ کر ماریہ سیدھی ہوائی اڈے پر آ گئی۔ اژدہا کے منہ سے نکالا ہوا منکا ملیا کی جیب میں تھا۔ ہوائی اڈے سے معلوم ہوا کہ ایک جہاز آسٹریلیا جا رہا ہے اور وہ راستے میں ہندوستان کے شہر بمبئی میں بھی رکے گا۔ ماریا نے سوچا کہ وہ اس جہاز میں سوار ہو کر [illegible] چلی جائے گی۔

ملیا جہاز میں سوار ہو گئی۔

جہاز ٹھیک وقت پر فضا میں بلند ہو گیا اور اس نے ہندوستان کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ جہاز میں کافی لوگ سوار تھے۔ ماریا کھڑکی میں ایک جگہ اکیلی بیٹھی تھی۔ جس وقت جہاز ہوائی اڈے سے اڑا تھا اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور تیز آندھی چل رہی تھی۔ ہوائی جہاز کے پائلٹ کا خیال تھا کہ وہ جہاز کو بادلوں کی تہہ اوپر تک چلی گئی تھی اور ہر طرف بادل ہی بادل تھے۔

جہاز نے نیچے اترنے کی کوشش کی مگر اب نیچے اترنا بھی مشکل تھا۔ پائلٹ جہاز کو کافی اوپر لے گیا۔ اب اس نے ایک طرف کو اڑنا شروع کر دیا۔ یہاں بجلی چمک رہی تھی اور بادل گرج رہے تھے۔ اصل میں جہاز راستہ بھول گیا تھا اور ایئرپورٹ والوں کے ساتھ اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ مسافر پریشان ہونے لگے۔ ایئر ہوسٹس نے آ کر کہا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں۔ جہاز اگرچہ راستہ بھول گیا ہے،

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مگر ہم کسی نہ کسی شہر میں اترنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جلد ہی طوفان تھم جائے گا اور ہم کسی شہر میں ضرور اتر جائیں گے۔

مگر طوفان پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا۔ جہاز نے ہوا میں ڈولنا شروع کر دیا۔ مسافر شور مچانے لگے۔ جہاز کا عملہ بھی پریشان ہو گیا۔ بجلی زور سے چمکی اور جہاز کے ایک انجن پر گری۔ دھماکہ ہوا اور جہاز کا ایک انجن ٹوٹ کر نیچے فضا میں گر پڑا۔ مسافروں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ پائیلٹ نے جہاز کو باقی تین انجنوں سے چلانا شروع کیا اور وہ جہاز کو نیچے لے آیا۔ اس خیال سے کہ وہ کسی نہ کسی جگہ اسے زبردستی اتارے گا۔ لیکن جہاز کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ نیچے سمندر تھا۔

جونہی جہاز نیچے آیا دیکھا کہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ جہاز میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ پائیلٹ جہاز کو اونچا لے گیا۔ اوپر جاتے ہی جہاز کا دوسرا انجن بھی جہاز سے الگ ہو گیا اور اس میں آگ لگ گئی۔ پائیلٹ کے لئے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ جہاز کو سمندر میں اتار دے۔ جہاز اپنے آپ بھی نیچے کو آ رہا تھا۔

ماریا بھی پریشان تھی مگر اسے یقین تھا کہ اژدہا کا منکا اسے پانی سے بچائے گا۔ منکا نکال کر اس نے گلے میں ڈال لیا تھا۔ جہاز ایک زوردار دھماکے کے ساتھ سمندر کی موجوں سے ٹکرا گیا۔ ماریا کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کے

اوپر پایا۔ موجیں اسے بہاتے لئے جا رہی تھیں۔ کبھی اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتیں اور کبھی دوسری طرف لے جاتیں۔ ہوائی جہاز کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ اژدہا کا منکا ماریا کے گلے میں تھا۔ اسی کی وجہ سے وہ ڈوب نہیں رہی تھی۔

سمندر میں زبردست طوفان تھا۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ ماریا کو موجیں لئے جا رہی تھیں۔ خدا جانے کب تک ماریا سمندر کے طوفان میں پھنسی رہی۔ آخر خدا خدا کر کے طوفان تھما۔ بادل چھٹے اور دھوپ نکلی۔ بارش رک گئی۔ آندھی کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ ماریا سمندر کی لہروں پر بہی جا رہی تھی۔ اتنے میں ایک شارک مچھلی ماریا کے سامنے آ گئی۔

شارک مچھلی انسان کو زندہ نگل جاتی ہے۔ ماریا گھبرا گئی۔ شارک مچھلی کو ماریا نظر نہیں آ رہی تھی مگر اسے انسانی گوشت کی بو آ رہی تھی۔ وہ اس بو کے سراغ پہ ماریا کے قریب آ گئی۔ ماریا خوف سے کانپنے لگی۔ مگر منکا یہاں بھی کام آیا۔ اس کی وجہ سے شارک مچھلی کو جیسے بڑے زور کا جھٹکا لگا اور وہ تڑپ کر بھاگ گئی۔

سارا دن ساری رات اور پھر اگلا سارا دن ماریا سمندر میں تیرتی رہی۔ شام کے قریب ماریا نے دور ایک جہاز کو دیکھا جو شاید طوفان کی وجہ سے سمندر میں رک گیا تھا۔ ماریا نے اس جہاز کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ قریب جا کر ماریا نے دیکھا کہ وہ ایک آبدوز تھی جو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سمندر سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ جہاز کا کپتان دوربین سے دور سمندر میں دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے کسی دوسرے جہاز کا انتظار تھا۔ ماریا جہاز کی لوہے کی سیڑھی سے ہو کر آبدوز کے اوپر چڑھ گئی۔ اسے کسی نے نہ دیکھا۔ وہ آبدوز کے کونے میں بیٹھ گئی اور لمبے لمبے سانس لے کر آرام کرنے لگی۔

یہ آبدوز ایک جرمن آبدوز تھی اور سمندر کے بیچ میں وہ پٹرول لینے کے لئے کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک جرمن پٹرول والا جہاز وہاں آ گیا۔ لمبا پائپ ڈال دیا گیا اور آبدوز میں تیل بھرنا شروع ہو گیا۔ دونوں جہازوں کے کپتان ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔ آبدوز کے فوجی ملاح بھی اوپر آ کر جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ پٹرول والا جہاز واپس جرمنی جا رہا تھا اور آبدوز ہندوستان کے سمندروں میں جاپانی جہازوں کی تلاش میں جا رہی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ وہ آبدوز میں ہی رہے گی۔ اس میں سفر کر کے کم از کم وہ ہندوستانی سمندر میں تو پہنچ جائے گی۔ پھر وہاں سے وہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ آبدوز کا گول ڈھکن اٹھا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے لوہے کی سیڑھی نیچے آبدوز میں اترتی تھی۔ ماریا خاموشی سے آبدوز کے اندر اتر گئی۔ یہ آبدوز کافی لمبی تھی۔ اندر اس کے چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ ماریا ایک کونے میں جا کر آخری کیبن میں آ گئی۔ اس کیبن میں کھانے پینے کے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ ماریا کو معلوم تھا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا۔ بس یہ ایک سٹور ہے۔ جس میں ماریا بغیر کسی کی مداخلت کے بڑے سکون سے سفر کرے گی۔ آبدوز نے پٹرول لے لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی سارے ملاح کپتان سمیت آبدوز کے اندر آ گئے اور آبدوز میں بھونپو کی آواز گونجی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آبدوز سمندر کے اندر اترنے والی ہے۔ آہستہ آہستہ آبدوز نے سمندر کے اندر اترنا شروع کر دیا۔ جب آبدوز کافی نیچے اتر گئی تو اس نے آگے کو سفر شروع کر دیا۔

جس سٹور میں ماریا آرام کر رہی تھی اس کے ساتھ والا کیبن کپتان کا تھا۔ اندر کپتان وائرلیس پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی آواز ماریا کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ کپتان کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ پندرہ ڈگری جنوب مشرق کی جانب۔ سوا سو میٹر آگے۔ برطانوی جہاز آ رہا ہے۔ پندرہ ڈگری جنوب مشرق۔ ہوشیار۔"

اس کے بعد کپتان نے حکم دینے شروع کر دیئے کہ آبدوز کو ایک خاص زاویئے پر لے آؤ۔ کپتان نے پیری سکوپ میں سے باہر سمندر کی سطح پر دیکھا۔ نشانے پر ایک برطانوی جنگی جہاز چلا جا رہا تھا۔ اس سے بہتر نشانہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑا اچھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شکار مل گیا تھا۔ جرمن کپتان نے حکم دیا۔

"پندرہ ڈگری پر پہلا تارپیڈو تیار کرو۔"

تارپیڈو توپ میں بھر دیا گیا۔ کپتان نے پیری سکوپ دوربین میں سے دیکھتے ہوئے ایک دم حکم دیا۔

"فائر۔"

آبدوز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا۔ تارپیڈو آبدوز میں سے نکل کر پانی کے اندر ہی اندر سے برطانوی جہاز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ برطانوی جہاز کے کپتان نے جہاز کا رخ موڑ دیا۔ تارپیڈو جہاز کو لگنے کی بجائے اس کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ کپتان جہاز کے ڈیک پر کھڑا تھا۔ اس نے جو ایک سفید لکیر جہاز کے قریب سے ہو کر سمندر میں گزرتے دیکھی تو اس کا دم خشک ہو گیا۔ یہ تارپیڈو تھا جو اگر برطانوی جہاز کو لگ جاتا تو جہاز کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور وہ آن کی آن میں ڈوب جاتا۔ خطرہ آس پاس ہی تھا۔ اس نے چیخ کر حکم دیا۔

"گولہ باری شروع کی جائے۔ یہاں آبدوز ہے۔"

جہاز کی توپوں نے سمندر میں چار میل کے اندر اندر زبردست گولے پھینکنے شروع کر دیے۔ یہ گولے سمندر کے اندر جا کر پھٹنے لگے۔ یہ گولے خاص طور پر سمندر کے اندر آبدوزوں کو تباہ کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ ان گولوں نے سمندر میں چار میل کے اندر طوفان مچا دیا۔ آبدوز کے سر کے اوپر آ کر گولے پھٹنے لگے۔ آبدوز میں کھلبلی مچ گئی۔ ملاح اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ کپتان آبدوز کو نیچے لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن برطانوی جہاز نے گولہ باری بند نہ کی۔

دھماکے کے ساتھ ایک گولہ آبدوز کے اوپر آ کر پھٹا۔

آبدوز کے اوپر سوراخ ہو گیا اور پانی اندر داخل ہونے لگا۔ یہ آبدوز کی موت تھی۔ اب آبدوز کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ دوسرا گولہ آبدوز کے پہلو سے آ کر ٹکرایا اور پھٹ گیا۔ آبدوز کی لوہے کی دیوار پھٹ گئی اور پانی اندر آ گیا۔ سمندر کا پانی اس قدر تیزی سے اندر آیا کہ ملاح کچھ بھی نہ کر سکے۔ آبدوز پانی سے بھر گئی اور تھوڑی دیر بعد ملاحوں کی لاشیں تیر رہی تھیں۔

ماریا جس کیبن میں تھی وہ بھی پانی سے بھر گیا۔ ماریا پانی میں ڈوبی ہوئی تھی اور آبدوز کی دیوار کو زور سے دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اژدہا کا منکا یہاں بھی اس کی جان بچا گیا۔ اس نے منکا آگے کر کے دیوار کے ساتھ رگڑا تو لوہے کی دیوار ٹوٹ گئی۔ ماریا آبدوز سے نکل کر سمندر میں آ گئی۔ پانی اسے اٹھا کر سمندر کی سطح پر لے آیا۔

سمندر کے اوپر آ کر دیکھا کہ دھوپ چمک رہی تھی اور برطانوی جہاز قریب ہی کھڑا آبدوز کی تباہی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ سارے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ملاح جہاز کے ڈیک پر کھڑے نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے جرمن آبدوز کو ڈبو دیا تھا اور اب خوشی منا رہے تھے۔ ماریا تیرتی ہوئی برطانوی جہاز کے قریب آ گئی۔ جہاز کے عقب میں جہاز کا لنگر لوہے کی موٹی زنجیر کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ ماریا اس زنجیر کی مدد سے جہاز کے اوپر چڑھ آئی۔

وہ تھک گئی تھی۔ ڈیک پر جنگلے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ جہاز کے انگریز ملاح خوشی سے نعرے لگا رہے تھے اور جہاز کے بھونپو بھی بج رہے تھے۔ یہ مسرت کا اظہار تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن پر فتح پا لی گئی ہے۔ ماریا کو کسی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ سکون سے ڈیک پر نیم دراز تھی۔ اور گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ دھوپ نے اس کے جسم کو سکون دیا۔ اب اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔

یہ سوچ کر کہ جہاز میں کافی کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی وہ ڈیک پر سے گزرتی اس دروازے کی طرف آ گئی جو نیچے جاتا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ جہاز کے نیچے آئی تو بائیں جانب کیبنوں کی قطار چلی گئی تھی۔ ایک طرف سے انجن کے تیل اور بھاپ کی بو آ رہی تھی۔ دوسری طرف سے ماریا نے ایک ملاح کو ہاتھ میں کافی پیالیاں لے آتے دیکھا۔

"ضرور باورچی خانہ ادھر ہوگا"

ماریا نے سوچا اور اس طرف کو چل دی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد باورچی خانہ آ گیا۔ یہ جہاز کا بڑا خوبصورت اور کافی بڑا باورچی خانہ تھا۔ ماریا اندر داخل ہو گئی۔ کچھ ملاح میزوں پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ چائے پی رہے تھے۔ کونے میں سنگ مرمر کے، بجلی کے چولہوں کے اوپر بڑے بڑے المونیم کے دیگچے چڑھے تھے۔ ایک میز پر کیک سنے کے تھال بھرے پڑے تھے۔ کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ ماریا نے ایک پلیٹ اٹھا کر اس میں چوزے کا گوشت، مچھلی اور کچھ کباب اور ڈبل روٹی رکھی اور ایک خالی میز پر بیٹھ کر مزے سے کھانے لگی۔

کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کمرے میں ایک عورت بھی بیٹھی مفت کھانا کھا رہی ہے۔ ماریا کھانا کھا چکی تو سوچا کہ کافی بھی پینی چاہیے۔ مگر کافی ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ آخر اس نے چائے کی ایک پیالی پی اور باورچی خانے سے باہر نکلنے لگی۔ اتفاق سے جب وہ باہر نکلنے لگی تو ایک بدھنوں ملاح جھومتا جھامتا اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ ماریا سے ٹکرا گیا۔ ماریا دھکا لگنے سے سامنے میز سے ٹکرائی جس پر سے ایک شیشے کا گلاس گر کر ٹوٹ گیا۔

موٹا ملاح تو بھونچکا رہ گیا کہ یہ اس سے کس کا جسم ٹکرایا ہے؟

باورچی نے پوچھا۔

"یہ گلاس تم نے کیسے توڑ دیا؟"

موٹا ملاح ٹھٹک کر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ یہ کون ابھی ابھی مجھ سے ٹکرایا ہے ؟"

"کوئی بھوت ہوگا۔"

"بھوت اگر میرے سامنے آجائے تو میں اس کا کچومر نکال دوں۔"

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ کم بخت نے ایک تو مجھے دھکا دے دیا اور اوپر سے میری بے عزتی بھی کر رہا ہے۔ اس نے دوسری میز پر سے پانی کا ایک جگ اٹھایا اور قریب آکر اس کا سارا پانی موٹے ملاح کے سر کے اوپر انڈیل دیا۔ موٹا ملاح دم بخود ہو کر رہ گیا۔ جتنی دیر اس کے سر کے اوپر پانی گرتا رہا وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ جب جگ کا پانی ختم ہوگیا تو وہ گردن گھما کر بولا۔

"بھوت! یہ بھوت کا کام ۔۔۔"

اور وہ کانپنے لگا۔ ماریا نے زور سے جگ اس کے سر پر دے مارا۔ چھن کی آواز کے ساتھ ہی جگ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ موٹا ملاح بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا باہر نکل گئی۔ اب اسے کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں وہ کپڑے بدل کر آرام کر سکے اور کوئی اسے پریشان نہ کرے۔ ایک کیبن کھلا تھا۔ ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا۔ شاید یہ کپتان کی بیوی کا کیبن تھا۔ وہ اندر داخل ہوگئی۔ فرش پر قالین بچھا تھا۔ الماری میں کپڑے سجے تھے۔ ماریا نے

الماری میں سے اپنی پسند کا ایک سادہ سا لباس نکال کر پہن لیا۔ پرانے کپڑے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیئے۔ بال بنائے کنگھی کی۔ کندھوں پر شال اوڑھی۔ پاؤں میں جوتا پہنا اور کسی ایسی جگہ کو تلاش کرنے لگی۔ جہاں اسے کوئی پریشان نہ کر سکے اور وہ آرام سے سو جائے۔

ماریا جہاز کے اندر گھومتے پھرتے نچلی منزل میں چلی گئی جہاں گودام تھے۔ سٹور بنے تھے جن کے دروازوں پر لوہے کے بڑے بڑے قفل پڑے تھے۔ ایک جگہ ماریا گھومنے لگی تو اسے یوں لگا جیسے کسی شے کے گرنے کی آواز آئی ہے۔ وہ رک گئی۔ اور کان لگا کر سننے لگی۔ آواز نہیں آئی۔ وہ چلنے لگی تو آواز پھر آئی۔ یہ آواز ایک ایسے لوہے کے دروازے کی دوسری جانب سے آرہی تھی جس کے باہر تالا پڑا تھا۔

ماریا نے لوہے کے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اندر کوئی کسی شے سے ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔ جیسے کوئی کسی شے کو بڑی آہستگی سے توڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ماریا حیران ہوئی کہ یہ کون ہے جو تالے کے اندر پڑا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟ ماریا نے دروازے پر ہاتھ سے ٹھک ٹھک کی۔ اندر کی آواز رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد ماریا نے پھر ٹھک ٹھک کی۔ اندر سے بھی کسی نے ٹھک ٹھک کی۔ ماریا نے آواز دے کر پوچھا۔

"اندر کون ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ ماریا نے دوبارہ آواز دی۔

"اندر کون ہے؟"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر کسی مرد کی آواز اندر سے آئی۔

"تم کون ہو؟"

اس کا جواب ماریا کیا دیتی؟ اس نے کہا۔

"میں کون ہوں یہ مت پوچھو۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

اندر سے آواز آئی۔

"اگر تم اس جہاز کی کوئی عورت ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں جرمن قیدی ہوں اور ڈوبے جہاز الفریڈ کا کپتان شمل ہوں۔"

ماریا سمجھ گئی کہ جرمن قیدی ہے جس کو اس برطانوی جہاز والوں نے اس کا جہاز ڈبونے کے بعد قید کر لیا ہے۔ تو کیا اسے اس کپتان کی مدد کرنی چاہیے! ماریا نے سوچا۔

"ہاں ضرور مدد کرنی چاہیے۔ قیدی کسی بھی ملک کا ہو— وہ قیدی ہوتا ہے۔ بے بس اور مجبور ہوتا ہے کسی ملک کو حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے ملک کے انسان کو اپنی قید میں ڈال کر بے بس کر دے۔"

یہ سوچ کر ماریا نے کہا۔

"کپتان شمل! میری بات غور سے سنو۔ میں اس جہاز پر ضرور سفر کر رہی ہوں مگر میرا تعلق اس جہاز سے نہیں ہے اور نہ میں برطانوی عورت ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ مجھ سے یہ ہرگز ہرگز مت پوچھو کہ میں کون ہوں۔ تمہارے لئے اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر تم میری کیا مدد کر سکتی ہو۔ اگر تم نے مجھے اس قید سے نکال بھی دیا تو میں دوبارہ کر لیا جاؤں گا۔ میں اس جہاز سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ مگر میں کوشش کروں گی کہ تمہیں اس جہاز سے فرار کرانے میں تمہاری مدد کروں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام ماریا ہے۔"

"تم اس جہاز پر کیا کرتی ہو؟"

"تم پھر وہی سوال کر رہے ہو جس سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔ بہرحال آج رات کو میں پھر آؤں گی۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جرمن جہاز کا کپتان شمل ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کا جہاز برطانوی [illegible] نے ڈبو دیا تھا۔ اسے تارپیڈو مار دیا گیا تھا۔ اس کے مسافر اور عملے کے آدمی جہاز کے ساتھ ہی غرق ہوگئے تھے۔ صرف کپتان ایک کشتی پہ بیٹھا فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا اسے آج ساتواں روز گزر رہا تھا۔ وہ ایک روشندان کو توڑ کر باہر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ماریا نے اس کی آواز سن لی۔ کپتان شمل بڑا حیران ہو رہا تھا۔ کہ یہ کون عورت تھی جو اس کی مدد کرنا چاہتی ہے اور جس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آدھی رات کو پھر آئے گی؟

اس نے سوچا کہیں یہ دشمن کی کوئی جاسوس تو نہیں ہے؟ لیکن وہ تو دشمن کی قید میں ہے۔ اسے کیا پڑی ہے کہ اس کے پیچھے لگائے؟ کیپٹن شمل سارا دن شام تک یہی سوچتا رہا۔ شام کو ایک انگریز ملاح اسے اندر کھانے کا ڈبہ پھینک کر چلا گیا۔ کھانا کیا تھا بس تھوڑی سی مچھلی اور ڈبل روٹی۔ کیپٹن شمل نے زہر مار کی اور آدھی رات کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی اور سمندر کی موجوں کا شور صاف سنائی دینے لگا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"میں ماریا ہوں کپتان!"

آخری گولی

کپتان نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر جلدی سے کہا

"تم آگئیں ماریا؟"

"ہاں! میں آگئی ہوں۔ میں دروازہ کھولنے لگی ہوں۔"

"کیا تمہارے پاس چابی ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر تم لوہے کا اتنا مضبوط تالا کس طرح کھولو گی؟"

"میں اسے توڑ دوں گی۔"

"شور مچے گا۔"

"میں بڑے آرام سے اسے ہیل کر دوں گی۔"

"یہ کیسے ہو سکے گا؟"

"تم خاموش ہو کر تماشا دیکھتے رہو اور ہاں ایک بات میں اور تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا بات ہے بیٹی؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تم نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ اب سمجھ لو کہ میں بیٹی بن کر تمہاری مدد کروں گی۔ مگر۔ مگر میں تمہیں نظر نہیں آؤں گی۔"

"کیا؟"

"تم مجھے دیکھ نہ سکو گے۔"

"یہ۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں کیپٹن۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو دکھائی نہ دے جبکہ دونوں آنکھیں ٹھیک ہوں۔"

"اس میں ایک راز ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ میں اس جہاز پر کسی کو دکھائی نہیں دے رہی۔ میں تمہیں بھی نظر نہیں آؤں گی۔"

"تو کیا۔ تو کیا تم کوئی بھوت ہو؟"

"نہیں۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر مجھ میں ایک خاص بات ہے۔ اور وہ یہ کہ میں کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"جب میں تمہارے سامنے آجاؤں گی تو تمہیں بھی یقین آجائے گا۔"

اس کے بعد ماریا نے اژدہے کے بچے کو گلے سے اتار کر تالے کے ساتھ رگڑا۔ تالا ایک دم سے کھل گیا۔ ماریا نے منکا دوبارہ گلے میں ڈالا اور تالا کھول کر دروازے کو ذرا سا دھکیلا اور اندر آگئی۔ کیپٹن شمل نے دروازے کو ذرا سا کھلتے دیکھا۔ پھر دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ دروازہ کھلا بھی اور بند بھی ہو گیا۔ تو کیا ماریا ٹھیک کہتی تھی کہ میں دکھائی نہیں دوں گی؟ وہ ضرور اندر آچکی ہے۔ ماریا نے دیکھا کہ یہ ایک تنگ سا کیبن تھا جس میں سوائے ایک پرانی کھاٹ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

کیپٹن شمل دروازے کے آگے کھڑا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"کیپٹن! میں اندر آچکی ہوں۔"

"تم — تم کہاں ہو بیٹی ماریا؟"

"یہاں ہوں۔ ادھر۔"

"کہاں؟"

"اس طرف۔"

اور ماریا نے بوڑھے کپتان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے چارپائی کی طرف موڑ دیا۔ کپتان شمل زندگی میں پہلی بار یہ تجربہ کر رہا تھا کہ ایک عورت کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا مگر وہ عورت اسے نظر نہیں آسکتی تھی۔ ایک بار تو اسے پسینہ آگیا۔ اس کا سارا بدن لرز گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"بیٹی ماریا! تم نے جو کہا ٹھیک نکلا۔"

"ہاں کیپٹن! میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اِدھر آکر بیٹھ جاؤ۔"

کیپٹن چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے آزاد کرانے کی پوری کوشش کروں؟"

کیپٹن بولا۔

"بیٹی! جب تک یہ جہاز کسی بندرگاہ کے ساتھ نہیں لگ جاتا میں آزاد ہو کر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم نے مجھے اس کیبن سے باہر بھی نکال دیا تو یہ آزادی میرے لئے بیکار ہو گی۔ کیونکہ برطانوی ملاح مجھے پھر پکڑ کر قید کر دیں گے۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آدھی رات کو تم کشتی سمندر میں اتار کر فرار ہو جاؤ؟"

"یہ بھی خطرناک بات ہو گی۔ میں اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں کہ اب سمندر کے طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو یہی بہتر ہے کہ جب یہ جہاز کسی بندرگاہ پر جا کر رکے تو تم مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دو۔ میں فرار ہو کر دوبارہ برطانیہ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا خبر یہ لوگ کب کسی بندرگاہ پر جا کر ٹھہریں کیونکہ

تم ہی کہہ رہے تھے کہ سات روز سے یہ لوگ سمندر میں سفر کر رہے ہیں۔"

"تو پھر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔"

ماریا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس جہاز پر قبضہ کر لو؟"

کپتان چونک پڑا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میں اکیلا اتنے بڑے جنگی جہاز پر کیسے قبضہ کر سکتا ہوں؟"

ماریا نے کہا۔

"ہر بات اگر سوچ سمجھ کر کسی منصوبے کے ساتھ شروع کی جائے تو اس میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"اس کے لئے ضروری ہے کہ میرے ساتھی بھی یہاں ہوں۔"

"ساتھی تو سارے غرق ہو گئے تھے۔"

کیپٹن بولا۔

"مگر کسی طرح سے مجھے وائرلیس مل جائے تو میں اپنی زبان میں یعنی اپنے کوڈ میں کسی جرمن جہاز یا آبدوز کو اس طرف بلا سکتا ہوں۔ مگر اس میں بھی خطرہ ہے کہ یہ جہاز گولہ باری کر کے اسے غرق کر سکتا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے کہا۔

" اگر تم کہو تو میں تمہیں وائرلیس لا کر دے سکتی ہوں اور میں تو اس جہاز کے سارے عملے کو ہلاک کر سکتی ہوں مگر میں اتنا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔ یہ بہتر ہے کہ تم وائرلیس کے ذریعے اپنے کسی جنگی جہاز کو بلاؤ اور اندر سے ہم بغاوت کر دیں اور یوں یہ جہاز تمہارے قبضے میں چلا جائے۔"

کیپٹن نے کہا۔

" سکیم بڑی اچھی ہے ماریا بیٹی! اب تم کوشش کر کے مجھے کسی طرح سے ایک وائرلیس سیٹ لا کر دے دو۔"

" میں کوشش کروں گی۔ بلکہ کوشش میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔"

اتنا کہہ کر ماریا واپس آ گئی۔ وہ کونے والے ایک کیبن میں جا کر لیٹ گئی۔ اس کیبن میں بھی کسی کا گزر نہیں تھا اور جہاز کا پرانا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ صبح ہو کر اس نے ناشتہ کیا اور پہلا یہ کام کیا کہ جہاز کی مشینری والے کمرے میں آ گئی اور جائزہ لینے لگی۔ یہاں کئی قسم کی پیچیدار مشینیں بڑے کام کر رہی تھیں۔ ساتھ والے کمرے میں وائرلیس سیٹ لگے تھے جن پر ملاح بیٹھے دوسرے جہازوں کے لئے پیغام نشر کر رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک وائرلیس سیٹ

پر کوئی ملاح نہیں تھا۔ وہ واپس اپنے کیبن میں آگئی۔

رات کو جب جہاز پر بلیک آؤٹ ہو گیا تو وہ خاموشی سے اپنے کیبن سے نکل کر وائرلیس روم میں آگئی۔ اب تقریباً چھ سات وائرلیس سیٹ خالی پڑے تھے۔ صرف ایک سیٹ پر کوئی ملاح پیغام نشر کر رہا تھا۔ ماریا نے خاموشی سے آگے بڑھ کر کونے والے وائرلیس سیٹ کو اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ وائرلیس سیٹ پہلے تو نظر آ رہا تھا مگر ماریا کے کندھے پر آتے ہی غائب ہو گیا۔ اس وجہ سے ملاح کو شک ہی نہ پڑا کہ کوئی وائرلیس سیٹ اٹھائے لیے جا رہا ہے۔ ماریا بڑے آرام سے وائرلیس روم سے باہر نکل گئی۔ سیٹ بھاری تھا اور ماریا کو بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ تیزی سے چل دی۔

کیپٹن شمل بے چینی سے ماریا کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ وہ آدھی رات کو آئے گی۔ جونہی دروازے کے قفل کھلنے کی آواز آئی کیپٹن چوکس ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور اپنے آپ بند ہو گیا۔

" یہ تم ہو ماریا بیٹی؟"

" ہاں کیپٹن شمل! میں ہوں۔"

" کیا وائرلیس سیٹ مل گیا ہے؟"

" مگر مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔"

" ابھی میرے کندھے پر ہے۔ میرے ساتھ وہ بھی غائب ہے جب اسے زمین پر رکھوں گی تو تم اسے دیکھ سکو گے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"یہ لو۔ رکھ دیا میز پر۔"

کیپٹن شمل نے دیکھا کہ ایک جدید قسم کا بڑا اعلیٰ وائرلیس سیٹ میز پر رکھا ہوا ہے۔ اس نے سب سے پہلے اندر سے دروازہ بند کیا اور وائرلیس سیٹ پر آ کر اسے اون کیا اور ٹک ٹک شروع کر دی۔

"شاباش ماریا! تم نے بڑا کام کیا ہے۔"

"یہ میرا فرض تھا کیپٹن! میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

کیپٹن نے اپنی خفیہ زبان میں سگنل نشر کرنے شروع کر دیے۔

"ہیلو چارلی! دو سو تین۔ آٹھ سو چھ۔ چارلی۔ سمندر میں خرگوش۔ درخت مچھلی بندر۔ ہیلو چارلی! دو سو تین۔ آٹھ سو چھ چارلی۔"

کیپٹن نے کتنی بار آہستہ آہستہ آواز میں یہ سگنل دہرایا۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ جب کیپٹن تھک گیا تو اس نے ماریا سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں کل پھر کوشش کروں گا۔ معلوم ہوتا ہے آج کی رات کسی کے پاس وائرلیس نہیں ہے۔"

"کیا دن کو کوشش نہیں ہو سکتی؟"

"دن میں وہ لوگ وائرلیس کے روم میں آئے۔ اس نے جنوبی ہند کے لیے سنگاپور ہیڈ کوارٹر کوئی پیغام نشر

کرتا رہا۔ اچانک اس کی نگاہ کونے والی میز پر پڑی۔ اس میز کا وائرلیس سیٹ غائب تھا۔ کپتان کا ماتھا ٹھنکا۔

"یہ وائرلیس سیٹ کہاں ہے؟"

ملاح نے گھوم کر دیکھا تو میز خالی تھی۔

"سر! ابھی یہاں پر تھا۔"

کپتان نے چیخ کر کہا۔

"مگر اب کہاں ہے؟"

سارے جہاز پر شور مچ گیا کہ ایک وائرلیس سیٹ چوری ہو گیا ہے۔ تمام ملاحوں سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ ہر جگہ تلاش کیا گیا۔ جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا مگر وائرلیس سیٹ کہیں نہ ملا۔ کپتان نے اعلان کرا دیا۔

"خبردار! جہاز پر کوئی خطرناک جاسوس آن گھسا ہے۔ اسے جہاں دیکھا جائے پکڑ لیا جائے یا گولی مار دی جائے۔"

مگر جاسوس ماریا ہی تھی اور وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ کیپٹن شمل پر کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اس نے وائرلیس سیٹ چھپا رکھا ہے۔ وہ تو قیدی تھا اور کیبن میں بند تھا۔ وہ کہاں سے جا کر وائرلیس سیٹ چرا سکتا تھا۔

کیپٹن شمل نے دوسری رات پھر کوشش شروع کر دی۔ ماریا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کے پاس بیٹھی تھی۔ سگنل نشر ہونے شروع ہو گئے۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ سگنل دوسری طرف پہنچ نہیں رہے۔ اس نے ماریا سے کہا۔

"آخر کیا بات ہے کہ سگنل دوسری طرف نہیں پہنچ رہے ہو"

ماریا نے پوچھا۔

"کیا سیٹ ٹھیک ہے؟ اس میں تو کوئی خرابی نہیں ہے؟ ذرا غور سے دیکھو۔"

کیپٹن شمل نے پوری طرح سے سیٹ کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اسکی ایک بیٹری کا سیل ناقص ہے اور کمزور پڑ گیا ہے۔ اس نے ماریا سے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک تھا۔ اس کا ایک سیل بے حد کمزور ہو چکا ہے جس کی وجہ سے سگنل پوری طاقت سے نشر نہیں ہو رہے۔"

"پھر کیا کرنا ہوگا ڈیڈی؟" ماریا نے پوچھا۔

کیپٹن بولا۔

"بیٹی ماریا! تمہیں کسی دوسرے وائرلیس سیٹ سے بیٹری کا ایک طاقتور سیل اتار کر لانا ہوگا۔"

"ابھی کوشش کرتی ہوں۔"

ماریا باہر نکل گئی۔ جاتے ہوئے وہ باہر قفل پھر سے لگا گئی۔ ادھر ماریا وائرلیس کی طرف بڑھی ادھر جہاز کا سیکورٹی افسر

چھان بین کرنے قید خانے میں آ گیا۔ یہ کیپٹن شمل کی خوش نصیبی تھی کہ اس نے سیکورٹی افسر کے قدموں کی آواز سن لی تھی۔ اس نے جلدی سے وائرلیس سیٹ کو چارپائی کے نیچے کپڑوں کے اندر میں چھپا دیا اور خود چارپائی پر لیٹ گیا اور ہائے ہائے کرنے لگا۔

سیکورٹی افسر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے گھور کر قیدی کیپٹن کو دیکھا۔ پھر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ کیبن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر گرج دار بارعب آواز میں بولا۔

"کیا بات ہے؟ ہائے ہائے کیوں کر رہے ہو؟"

جہاز کے کپتان نے خاص طور پر سیکورٹی افسر کو جرمن قیدی کے پاس بھیجا تھا کہ جاکر معلوم کرے کہ کہیں جاسوس کا تعلق اس کے ساتھ تو نہیں ہے؟ جرمن قیدی نے کہا۔

"پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ ہائے۔ ہائے۔"

"بکواس بند کرو۔ یہاں تمہارا علاج کرنے کے لئے ہم نہیں بیٹھے۔ اگر تم درد کی وجہ سے مر گئے تو تمہاری لاش سمندر میں پھینک دی جائے گی۔"

جرمن کیپٹن نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے بس ایک ہی فکر تھا کہ کہیں سیکورٹی افسر کی نگاہ چارپائی کے نیچے پڑے ہوئے پرانے کپڑوں کے ڈھیر پر نہ پڑ جائے۔ سیکورٹی افسر قریب ایک کھونٹے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک خطرناک جاسوس اس جہاز میں سوار ہو گیا ہے۔ اس نے ہمارا ایک وائرلیس سیٹ غائب کر لیا ہے۔ اگر تم ہمیں اس کے بارے میں کچھ بتا سکو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے۔"

کیپٹن شمل نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرا کسی جاسوس سے کیا کام ہو سکتا ہے۔ میں تو مصیبت کا مارا قید میں پڑا درد سے بے حال ہو رہا ہوں۔"

سیکورٹی افسر چنگھاڑا۔

"لیکن جاسوس تم سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ تم دشمن ہو، اور دشمن سے ہمیں کبھی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بولو! کیا تمہیں جاسوس ملنے آیا تھا؟"

کیپٹن نے کہا۔

"میں نے کہہ دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو تم لوگوں کی قید میں بے بس ہو کر پڑا ہوں۔ باہر قفل لگا رہتا ہے۔ پھر کوئی جاسوس اندر کیسے آ کر مجھ سے مل سکتا ہے؟"

سیکورٹی افسر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اٹھ کر کیبن میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ وہ اس ڈنڈے سے دیواروں کو ٹھوک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ جیسے معلوم کرنا چاہتا ہو کہ کہیں وائرلیس سیٹ یا کوئی جاسوس تو نہیں چھپا ہوا! جرمن کیپٹن کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہیں یہ شخص چارپائی کے نیچے کپڑوں کو نہ دیکھنا شروع کر دے۔

آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ سیکورٹی افسر نے جھک کر چارپائی کے نیچے نگاہ ڈالی اور ڈنڈے سے پرانے کپڑوں کے انبار کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

جرمن کیپٹن کا رنگ زرد ہو گیا۔ پھر بھی سنبھل کر بولا۔

"پرانے کپڑے اور کمبل پڑے ہیں۔"

اس دوران میں کپڑوں کو ہلاتے ہوئے سیکورٹی افسر کا ڈنڈا کسی سخت شے سے ٹکرایا۔ وہ ٹھٹکا۔ اس نے کپڑوں کو جلدی سے ہٹایا تو نیچے وائرلیس سیٹ پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور مونچھیں پھڑکنے لگیں۔

"تو یہ کام تمہارا تھا۔ مگر تم یہاں قید ہو۔ ضرور جاسوس نے تمہیں لا کر دیا ہے یہ وائرلیس سیٹ۔ بولو۔ وہ کہاں ہے؟"

جرمن کیپٹن سمجھ گیا کہ اب اس کی موت آ گئی۔ اس نے کہا۔

"تم میری جان بھی لے لو گے تو میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ یہ وائرلیس سیٹ مجھے کس نے دیا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سیکورٹی افسر نے زور سے ڈنڈا بوڑھے کپتان کی چاندی پر مارا اور پھر اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"حرام خور! تم کیا، تمہارا باپ بھی ہمیں بتائے گا کہ یہ واٹر پیس سیٹ تمہیں جہاز پر سے کس نے چوری کر کے دیا ہے۔ ہم تمہاری زبان کاٹ دیں گے۔ تمہارے کان اور ناک کاٹ دیں گے۔ تمہیں اذیت دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔ تمہارے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ کر کے بہا دیں گے۔ آخر تمہیں بتانا پڑے گا کہ کون جاسوس تمہارے پاس آیا ہے؟"

سیکورٹی افسر نے جیب سے پستول نکال کر تان لیا۔

بولو! نہیں تو ابھی اسی گولی تمہارے سر سے پار کر دوں گا۔"

جرمن کپتان گھبرا گیا۔ وہ واقعی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کیا جواب دے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ملیا کے بارے میں بتائے۔ وہ مر سکتا تھا مگر ملیا کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ سیٹ کس نے لا کر یہاں رکھ دیا ہے۔"

"بکواس کرتے ہو"

سیکورٹی افسر نے زور سے ایک مکا کیپٹن کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

جرمن بوڑھے کیپٹن کا سر چارپائی سے ٹکرا گیا اور وہ گر پڑا۔ سیکورٹی افسر نے اس کے سفید بال پکڑ کر اسے جھنجھوڑ کر کہا۔

"بولو! یہ سیٹ تمہیں کس نے لا کر دیا ہے؟"

اتنے میں ملیا واٹر پیس سیٹ کے لئے طاقتور بیٹری کا سیل لے کر اندر آ گئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے کوئی اور ہی نقشہ دیکھا۔ سیکورٹی افسر پستول تانے کھڑا تھا۔ واٹر پیس سیٹ اس کے آگے زمین پر رکھا تھا اور جرمن بوڑھا کپتان زمین پر بری حالت میں پڑا تھا۔ وہ ایک دم ساری بات سمجھ گئی۔ اس نے آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

سیکورٹی افسر نے دروازہ اپنے آپ بند ہوتے دیکھا تو چونکا اور بولا

"باہر کون ہے!"

اس کا خیال تھا کہ باہر سے کسی ملاح نے دروازہ بند کیا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ اندر سے کسی نے کنڈی بھی چڑھا دی تھی۔ جرمن کپتان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ ملیا اندر آ چکی تھی۔ اسے پوری امید تھی کہ اب اس کی جان بچ جائے گی۔ سیکورٹی افسر کا کیا ہو گا؟ اس کی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔

سیکورٹی افسر جھک کر دروازے کی کنڈی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ملیا نے اس کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور کونے میں جا پڑا۔ ملیا نے لپک کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پستول اٹھا لیا۔ پستول اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہوگیا۔ سیک
افسر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا
رہا ہے؟ اور یہ کون سا بھوت کمرے میں آن گھسا ہے۔ ماریا
کہا

" اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ وائرلیس سیٹ کو ن لایا ہے؟"

سیکورٹی افسر کی زبان کو جیسے تالا لگ گیا تھا۔ اس کی بو
کی طاقت ختم ہو چکی تھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطر
تھے۔ ماریا نے زور سے کہا۔

" تم نے اس بوڑھے کپتان کو مار کر اس کے بڑھاپے کی توہین کی ہے۔ تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ اور غور سے سنو۔ اس جہاز کی جاسوس میں ہوں۔ میں۔ میرا نام ماریا ہے اور میں اس جہاز پر قبضہ کرنے آئی ہوں۔ میں جرمن ہوں۔ اور تمہاری دشمن ہوں۔"

سیکورٹی افسر کبھی اِدھر دیکھتا کبھی اُدھر۔ اسے آواز آ رہی تھی۔ شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ایک دم سے دروازے کی طرف بھاگا کہ کنڈی اتار کر فرار ہو جائے۔ مگر ماریا اسے کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ ان کے لیے تباہی کا باعث بن سکتا تھا۔ ماریا

نے پیچھے سے فائر کر دیا۔ گولی سیکورٹی افسر کے سر میں لگی اور اچھل کر گرا اور ذرا سا تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

خطرناک کھیل

○

جرمن کیپٹن اپنی جگہ سے جلدی سے اٹھا۔

"اب اس کی لاش کا کیا بنے گا ماریا؟ کہیں کوئی اس سے بڑی مصیبت نہ پڑ جائے؟"

ماریا نے کہا۔

"فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس کی لاش کو ابھی ٹھکانے لگائے دیتی ہوں۔ اس کا مرجانا ہی اچھا تھا۔ نہیں تو یہ باہر جاکر وائرلیس سیٹ کا راز فاش کر دیتا اور تم کبھی زندہ نہ بچ سکتے تھے۔"

"تم اکیلی اس کی لاش لے کر کہاں جاؤ گی؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جا رہی ہوں۔ یہ لو بیٹری کا سیل۔ یہ بالکل نیا اور طاقتور سیل ہے۔ تم اس کو سیٹ میں لگا کر سگنل دینے کی کوشش کرو۔ میں ابھی واپس آنے کی کوشش کروں گی۔ اگر مجھے دیر ہو گئی تو پھر کل رات کو آؤں گی۔"

اتنا کہہ کر ماریا نے سیکورٹی افسر کی لاش کو گھسیٹ کر کیبن سے باہر راہداری میں رکھا۔ کیبن کا دروازہ بند کر کے پھر سے تالا لگایا اور سوچنے لگی کہ لاش کو کہاں لے جائے! لاش کو سمندر میں پھینکنے کے لیے اسے دوسری منزل سے گزر کر اوپر تیسری منزل پہ ڈیک تک جانا تھا۔ خطرناک ہو سکتا تھا۔ اور مشکل کام بھی تھا۔

"کیوں نہ اس کی لاش کو دوسری منزل میں کسی جگہ ڈال دیا جائے؟"

ماریا نے سوچا۔ کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔ ماریا نے اندھیرے میں سیکورٹی افسر کی لاش کو گھسٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے سیڑھیوں پر سے لے کر اوپر والی منزل میں آ گئی۔ آدھی رات کی وجہ سے یہاں بالکل سناٹا تھا۔ کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا۔ صرف سیڑھیوں کے اوپر ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ ماریا نے لاش کو اسی جگہ چھوڑا اور خود جا کر دیکھنے لگی کہ لاش کو کس جگہ ڈالا جا سکے۔ ایک کیبن کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا کہ کیبن میں پرانے لکڑی کے صندوق پڑے تھے۔ یہ جگہ اسے پسند آئی۔

واپس آ کر اس نے لاش کو گھسیٹ کر کیبن میں ڈالا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ماریا نے راہداری میں سے لاش کے کھینچنے کے سارے نشانات مٹا دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

والے کیبن میں جا کر بیٹھ گئی۔ ادھر جرمن قیدی کیپٹن نے وا گرتے ہوئے خون کے سامنے دھبے صاف کر دیئے۔ وائرلیس سیٹ میں نیا سیل لگایا اور خفیہ زبان میں سگنل نشر کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد سگنل ملنا شروع ہو گئے۔

"ہیلو [illegible]!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

جرمن کیپٹن نے اپنی خفیہ زبان میں پوچھا کہ کون بول رہا ہے۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہم جرمن آبدوز یو بوٹ ۱۹ سے بول رہے ہیں۔ [illegible]"

جرمن کیپٹن نے کہا

"میں جرمن بحری جہاز [illegible] کا کپتان شل بول رہا ہوں۔ یہ د بہت بڑے سمندر میں اس وقت برطانوی جہاز کوین میری میں قید ہوں۔ کسی طرح سے میرے ہاتھ یہ وائرلیس سیٹ لگ گیا ہے۔"

ادھر سے آواز آئی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

جرمن کیپٹن نے کہا۔

"میں نے اس جہاز پر قبضہ کرنے کے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ مجھے صرف پندرہ بیس جانباز کمانڈوز کی ضرورت ہے۔ کیا تم کمانڈوز کو بحر الکاہل کے سمندر میں

[illegible] ڈگری پر پہنچ سکتے ہو؟"

سگنل پر ادھر سے آواز آئی۔

"[illegible] ہو سکتا ہے کہ [illegible] ایک زبردست بحری جنگی جہاز پر قبضہ کر لیں۔"

جرمن کیپٹن نے کہا۔

"تم [illegible] کی فکر نہ کرو۔ میں تمہیں [illegible] کوشش کے بعد [illegible] بحری جنگی جہاز پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ [illegible] پندرہ بیس ہوتے کمانڈوز [illegible] ڈگری پر آبدوز [illegible] جہاز کو [illegible] [illegible] خوش قسمتی!"

"ٹھیک ہے کیپٹن! میں کل رات تمہیں جہاز کو [illegible] لے کر سگنل دوں گا۔"

"او کے۔"

دوسرے دن سیکنڈ آفیسر کی گمشدگی کی خبر سارے جہاز میں پھیل گئی۔ جہاز کا کپتان اپنا قید خانے میں جرمن کیپٹن کے پاس آیا۔ کیونکہ اس نے سیکنڈ آفیسر کو جرمن کیپٹن کے پاس پوچھ گچھ کے لئے بھیجا تھا۔ جرمن کیپٹن صاف مکر گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"یہاں کوئی سکورٹی افسر نہیں آیا جناب! میں تو کل سے پیٹ کے درد میں مر رہا ہوں۔ کسی نے مجھے نہیں پوچھا۔ برائے مہربانی مجھے دو اسپرو کی ٹکیاں ہی دے دیں۔"

"شٹ اپ!"

کپتان نے کیبن کو چاروں طرف دیکھا۔ وہاں روشنی بہت کم تھی جس کی وجہ سے اگر فرش پر کوئی خون کا دھبہ رہ بھی گیا ہوتا تو اسے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مگر جرمن کیپٹن نے خون کے دھبے کمال ہوشیاری سے صاف کر دیئے تھے۔ جہاز کا کپتان باہر نکل گیا۔ سارے جہاز میں سکورٹی افسر کی تلاش شروع ہو گئی۔ آخر دوپہر کو اس کی لاش سٹور میں پڑی مل گئی۔

جہاز میں دہشت سی پھیل گئی۔ پہلے وائرلیس سیٹ غائب ہوا اب سکورٹی افسر قتل کر دیا گیا تھا۔ جہاز میں دشمن کا جاسوس اپنا کام برابر کر رہا تھا اور کوئی اسے پوچھنے والا نہ تھا۔ جہاز کے کپتان نے لاش کے زخم کا معائنہ کرایا۔ معلوم ہوا کہ گولی سیکورٹی افسر کے پستول سے چلا کر اسے ہلاک کیا گیا ہے۔

"کہیں اس نے خودکشی تو نہیں کی؟" ایک نوکر نے کہا۔

کپتان بولا۔

"گولی کا نشان سر کے پیچھے ہے اور کوئی خودکشی کرنے والا پیچھے گولی چلا کر خودکشی نہیں کیا کرتا۔ اسے کسی نے قتل کیا ہے اور قاتل میرے جہاز پر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون تیسری واردات کرتا ہے یا ہم اسے پہلے پکڑتے ہیں؟"

"ہم اسے ضرور پکڑ لیں گے کیپٹن! وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"[illegible] وہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہے اسی جہاز میں ہے اور نظر نہیں آ رہا۔"

ایک بار پھر جہاز کے ایک ایک ملاح کو بلا کر پوچھ گچھ اور پڑتال کی گئی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پستول بھی کہیں نہیں مل رہا تھا۔ پستول میں آخری گولی تھی جسے چلا کر ماریا نے اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ وہ بھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور ہنس رہی تھی کہ کتنے بے وقوف ہیں یہ لوگ! بھلا اسے کبھی پکڑ سکتے ہیں جو انہیں دکھائی ہی نہیں دے رہی؟ جہاز کے ہر کیبن کی پھر سے تلاشی لی گئی۔ جہاز کی تینوں منزلوں کی سیڑھیوں پر کڑا پہرہ لگا دیا گیا۔ جہاز اب بحر اکاہل کو چھوڑ کر اوقیانوس کے سمندر میں داخل ہو گیا۔

دوسری رات کو بارہ بجے ماریا بھی جرمن قیدی کیپٹن کے کیبن میں آ گئی۔ انہوں نے ٹھیک بارہ بجے وائرلیس آن کر دیا۔ اور جرمن [illegible] سے سگنل کا انتظار کرنے لگے۔ بارہ بج کر تیس سیکنڈ پر سگنل آیا۔

"ہیلو راجر! میں یو بوٹ ۴۲ سے بول رہا ہوں [illegible]"

"ہیلو چارلی! میں جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ جیفکو اترنے کی [illegible] کے بارے میں کیا کہا ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ادھر سے جواب آیا۔

"کیپٹن! ہیڈ کوارٹر نے اجازت دے دی ہے۔ پرسوں رات میری آبدوز پندرہ کمانڈوز کے ساتھ ۳۰ ڈگری بحرالکاہل میں نمودار ہوگی۔"

جرمن کیپٹن نے جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ہمارا جہاز کوئین میری اب اوقیانوس کے سمندر میں آچکا ہے۔ پرسوں رات تم لوگ ۲۰ درجے جنوب مغرب کی طرف آنا۔"

"اوکے۔ ہمیں نشانی کیا ملے گی؟"

جرمن کپتان نے کہا۔

"جہاز کے عقب میں ٹارچ سے تین بار وقفوں کے ساتھ روشنی کی جائے گی۔ اس روشنی کو دیکھتے ہی تم لوگ چلے آنا۔ باقی سارا بندوبست ہو چکا ہوگا۔ اوکے۔"

"اوکے۔"

جرمن کپتان نے وائرلیس بند کر دیا۔ اگرچہ یہ ساری گفتگو خفیہ اشاروں اور ہندسوں کے ساتھ ہو رہی تھی پھر بھی اسے ڈر تھا کہ کہیں ان کے سگنل جہاز والے وائرلیس روم میں نہ سن لیں۔

وائرلیس روم میں ان کے سگنل سن لیے گئے تھے۔ ایک انجینئر اوپریٹر وائرلیس پر جھکا بیٹھا تھا کہ اسے سگنلوں کی آواز سنائی دی۔

سگنل خفیہ زبان میں نشر کیے جا رہے تھے۔ اس نے انہیں سمجھنے کی بہت کوشش کی مگر نہ سمجھ سکا۔ جب اس نے یہ سراغ لگایا کہ سگنل کہاں سے آ رہے ہیں تو یہ دیکھ کر اس نے کپتان کو بلا لیا کہ سگنل اس کے اپنے جہاز سے نشر ہو رہے تھے۔

کپتان نے آتے ہی کان لگا دیئے۔ سگنل نشر ہونا بند ہو گئے تھے۔

"جہاز کے کس حصے سے سگنل کیے جا رہے تھے؟ کیا تم یہ بتا سکتے ہو؟"

آپریٹر نے کہا۔

"سر! میرا اندازہ ہے کہ جہاز کے پچھلے حصے کی طرف سے کوئی سگنل دے رہا تھا۔"

"غضب ہو گیا۔ دشمن ہمارے جہاز میں بیٹھا ہمیں احمق بنا رہا ہے۔ جہاز کو تلاش کیا جائے۔"

آدھی رات کو ایک بار پھر سارے ملاح پستولیں لے کر جہاز کی تلاشی لینے نکل کھڑے ہوئے۔ جرمن کپتان نے یہ عقل مندی کی تھی کہ وائرلیس سیٹ ملیا کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اسے سمندر میں پھینک دے۔ ملیا نے اسی وقت وائرلیس سیٹ کو لے جا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔ اب چاہے جتنی مرضی تلاشی ہو۔ ملاح جرمن کپتان کے کیبن میں بھی گئے۔ انہوں نے ایک ایک شے کی تلاشی لی۔ مگر کوئی وائرلیس سیٹ کیا اس کا ایک پرزہ بھی نہ ملا۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

کوئی میری" جہاز کا انچارج کپتان چکر میں آ گیا تھا۔ اگر وہ ہیڈ کوارٹر کو اطلاع کرے تو یہ اس کی ناکامی تھی کہ اس کے جہاز پر دشمن کا جاسوس چھپا ہے اور وہ اسے گرفتار نہیں کر سکا۔ اس طرح سے اس کی ترقی رک سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے ہیڈ کوارٹر کو بالکل اطلاع نہیں کی تھی اور اپنے طور پر جہاز کی تلاشیاں لے رہا تھا۔ جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایک دن گزر گیا۔ دوسری رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن ماریا چھپ کر جرمن کپتان کے کیبن میں گئی اور جا کر کہا

"آج رات کے بارہ بجے جرمن آبدوز کو سمندر سے ابھرنا ہے۔"

کپتان نے کہا۔

"ہاں! تم نے ٹارچ کا بندوبست کر لیا ہے کیا؟"

ماریا نے ایک ٹارچ جیب سے نکال کر چارپائی پر رکھ دی۔ کیونکہ ماریا کے ہاتھ میں جرمن کپتان کو ٹارچ نظر نہیں آ سکتی تھی۔ چارپائی پر رکھتے ہی جرمن کپتان نے ٹارچ کو دیکھ لیا۔ اس نے اسے اٹھا کر بٹن دبایا۔ ٹارچ روشن ہو گئی۔

"شاباش میری بیٹی! تم نے بڑا کام کیا ہے۔ اگر ہم اس برطانوی جنگی جہاز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہماری سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔ میں تمہیں جرمن ہائی کمان کی طرف سے بہادری کا سب سے بڑا اعزاز [illegible] دلواؤں گا۔"

ماریا ہنس دی۔

"شکریہ کیپٹن! مجھے کسی اعزاز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں اپنے طور پر کر رہی ہوں۔ کیونکہ میں کسی کو قیدی نہیں دیکھ سکتی۔"

"اچھا اب تم ہوشیار رہنا۔ آج رات ٹھیک بارہ بجے یو بوٹ ۲۹ آبدوز سمندر کی سطح پر ابھرے گی اور اس میں سے پندرہ کمانڈوز نکلیں گے۔ تمہیں انہیں تین بار وقفوں کے ساتھ ٹارچ کی روشنی کا سگنل دینا ہو گا اس کے بعد وہ جہاز کے عقب تک پہنچ جائیں گے۔ پھر کیا ہو گا؟ تم نے کیا بندوبست کر رکھا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"میں نے ایک رسی کی سیڑھی حاصل کر لی ہے۔ وہ سیڑھی میں جہاز کے عقب میں پھینک دوں گی کمانڈوز اس سیڑھی پر سے چڑھ کر اوپر آ جائیں گے۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ جس وقت کمانڈوز آ جائیں گے میں تمہیں یہاں سے آزاد کرا کر جہاز کے عقب میں لے جاؤں گی۔ تم انہیں اپنے ساتھ یہاں لے آؤ گے بعد یہاں سے ساحل کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سکیم تیار کی جائے گی۔ لیکن ان لوگوں کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتانا ہوگا"

"بہت اچھا۔ میں تیار رہوں گا۔"

ملریا چلی گئی۔ اب وہ رات کا انتظار کرنے لگی۔

ادھر جرمن خطرناک آبدوز یو ۲۹ اوقیانوس کے سمندر میں پہنچ چکی تھی اور ۴۵ ڈگری جنوب مغرب کی جانب آگے بڑھ رہی تھی۔ آپریشن روم میں ان کے راڈار پر جہاز کا کپتان جھکا ہوا دیکھ رہا تھا کہ برطانوی جہاز کوئین میری کس مقام پر ہے۔ آخر راڈار نے جہاز کی سمت ظاہر کر دی۔ جہاز کوئین میری، وہاں سے تین میل جنوب مغرب میں سفر کر رہا تھا۔ کپتان نے دوسرے کمرے میں جا کر سرخ لائٹ اون کر دی۔ پندرہ بیٹھے ہوئے جرمن کمانڈوز وہاں آرام کر رہے تھے۔ یہ بڑے بے خوف تھے اور تجربہ کار کمانڈوز تھے اور انہوں نے بڑے بڑے زبردست کے کام کئے تھے۔ کپتان نے انہیں ہوشیار کرتے ہوئے کہا۔

"تیار ہو جاؤ۔"

کمانڈوز ایک دم سے ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے ربڑ کے سیاہ لباس پہن لئے اور چہروں پر سیاہ روغن مل لیا۔ تاکہ اندھیرے میں وہ نظر نہ آ سکیں۔ ربڑ کی کشتیاں نکال کر رکھ دی گئیں۔ ٹھیک بارہ بجے آبدوز نے سمندر میں ابھرنا شروع کر دیا۔ جب آبدوز سمندر کے اوپر آ گئی تو اس کا ڈھکنا کھول دیا گیا۔ سب سے پہلے کمانڈر باہر آیا۔ اس کے بعد پندرہ کمانڈوز ربڑ کی کشتیاں لے کر عرشے پر آ کر بیٹھ گئے آبدوز کے کمانڈر نے جیب سے سرخ رنگ کی ٹارچ نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی اور گھڑی کو تکنے لگا۔

ٹھیک بارہ بجے اس نے خاص زاویے کی جانب رخ کر کے ٹارچ کو جلا کر ایک بار لہرایا اور ٹارچ بجھا دی۔ تین میل کے فاصلے پر سمندر کے اندھیرے میں ایک سیاہ سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ اسی وقت اس سیاہ سائے پر تین بار ٹارچ کی روشنی ہوئی۔ پھر وقفہ ہوا۔ اس کے بعد پھر تین بار روشنی چمکی۔ اسی طرح تیسری بار جب ٹارچ کی روشنی چمک کر بجھی تو کمانڈر نے آہستہ سے کہا۔

"سمندر میں اتر جاؤ۔"

کمانڈوز نے سمندر میں ربڑ کی کشتیاں ڈال دیں اور ان کے ساتھ ہی خود بھی چھلانگ لگا دی۔ وہ کشتیوں میں سوار ہو کر اندھیرے میں جہاز کوئین میری کی طرف بڑھنے لگے۔ دوسری طرف ملریا ٹارچ لے کر جہاز کے عقب میں کھڑی تھی۔ جب اس نے اندھیرے میں دور سمندر کی سطح پر تین سیاہ دھبے اپنی طرف بڑھتے دیکھے تو وہ جلدی سے نیچے آ گئی اور سیدھی قیدی کپتان کے کیبن کا تفل کھول کر اندر گئی۔

"وہ لوگ آ رہے ہیں۔ جلدی سے میرے ساتھ چلو"

قیدی کپتان ملریا کے ساتھ کیبن سے باہر آ گیا۔ انہوں نے کیبن کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دروازہ باہر سے بند کر دیا اور سیڑھیوں میں سے بلیوں کی طرح چلتے ہوئے جہاز کے عقب میں آ گئے۔ جرمن کپتان نے دیکھ کر رسی کی سیڑھی نیچے گری ہوئی تھی اور تھوڑی سی پانی میں بھی ڈوبی ہچکولے کھا رہی تھی۔ کیونکہ جہاز آگے کو چلا جا رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"تم میری فکر نہ کرنا اور نہ مجھے آواز دینا کپتان! میں تم لوگوں کے ساتھ ساتھ رہوں گی اور تمہاری خفیہ مدد کروں گی۔ تمہارا راستہ صاف کروں گی۔"

"ٹھیک ہے ماریا جی! تمہارا شکریہ!"

ماریا وہاں سے چلی گئی۔

جرمن کپتان چھپ کر جہاز کے عقب میں کھڑا تھا۔ جہاز پر مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایک پہرہ دار سپاہی رائفل سنبھال کر پہرہ دے رہا تھا۔ جرمن کپتان کو صرف اس کی طرف سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ سارا کھیل نہ بگاڑ دے۔ ادھر کمانڈوز کی کشتیاں جہاز کے قریب پہنچ چکی تھیں اور اب جہاز کے پیچھے پیچھے آگے کو بڑھ رہی تھیں۔ کمانڈوز نے جہاز پر سے گری ہوئی رسی کو دیکھ لیا تھا۔

کمانڈوز نے اندھیرے میں جانوروں کی آوازیں نکال کر ایک دوسرے کو خفیہ اشارے کئے اور ایک کمانڈو نے کشتی پر سے کود کر سمندر میں چھلانگ لگا کر پیچھے کو جاتی رسی کی سیڑھی کو پکڑ لیا۔

اس کے ساتھ ہی باقی کمانڈوز بھی سمندر میں کود گئے اور انہوں نے سیڑھی پر سے جہاز پر چڑھنا شروع کر دیا۔

ٹھیک جس وقت کمانڈو سیڑھی پر چڑھ رہے تھے پہریدار کو کچھ شک سا پڑ گیا۔ وہ چکر لگاتا جہاز کے عقب کی طرف آ گیا۔ یہاں جرمن قیدی کپتان چھپ کر کھڑا کمانڈوز کے اوپر آنے کا نظارہ کر رہا تھا۔ اچانک پہریدار نے عقب میں جھانک کر دیکھا تو سیاہ رنگ کے کچھ سائے اسے جہاز پر چڑھتے نظر آئے۔ اس نے رائفل کا سیفٹی کیچ کر کے اونچی آواز میں کہا۔

"ہالٹ!"

کام خراب ہونے والا تھا۔ اگر پہریدار نے دوسری آواز نکالی تو جہاز کے سارے ملاح چوکس ہو جائیں گے اور اگر اس نے گولی چلا دی تو سارا جہاز بیدار ہو جائے گا اور سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ ماریا بھی بھاگ کر آ گئی۔ اس نے بھی پہرے دار کی آواز سن لی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ماریا وہاں پہنچے جرمن قیدی کپتان نے اپنا کام کر دیا۔ اس نے پیچھے سے پہریدار کو دھکا دیا اور وہ سمندر میں گر گیا۔ کم بخت نے گرتے گرتے گولی چلا دی۔ ایک دھماکہ ہوا اور رات کی خاموشی میں ایک شگاف پیدا ہو گیا۔

کمانڈوز اب جہاز کے عرشے پر چڑھ آئے تھے۔ جرمن کپتان نے انہیں سرگوشی میں کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"یہاں اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ کہیں گولی کی آواز پر نیچے سے کوئی آ نہ جائے۔"

کمانڈوز ایک دم نیچے ہو کر اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آٹومیٹک مشین گن تھی جو ایک منٹ میں ایک ہزار گولی فائر کرتی تھی۔ ماریا ذرا فاصلے پر کھڑی تھی اور یہ دیکھ رہی تھی کہ کہیں گولی کی آواز سن کر جہاز کے ملاح اوپر تو نہیں آتے؛

جرمن کپتان بھی اندھیرے میں ایک مشین کے پیچھے چھپا غور سے ڈیک کے دروازے کو تک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ گولی کی آواز نیچے کسی نے نہیں سنی تھی۔ لیکن دوسرا، جو ملاح پہرہ دے رہا تھا وہ بھاگتا ہوا ادھر آ گیا۔ اس نے گولی کی آواز سن لی تھی۔ اس نے پہلے پہریدار کو آواز دی۔

"جیک! ہیلو جیک! تم کہاں ہو؟"

مگر جیک کہیں بھی نہیں تھا۔ پہریدار نے دوسری بار آواز دی۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تو اس نے سوچا کہ بھاگ کر نیچے کپتان کو اطلاع کرنی چاہیے۔ وہ بھاگتا ہوا ڈیک کی دیوار کے پاس آیا۔ یہاں ٹیلی فون طاق میں رکھا تھا۔ ماریا قریب ہی کھڑی تھی۔ پہریدار نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

جرمن کپتان یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ کمانڈوز بھی یہ سب کچھ

دیکھ رہے تھے۔ جرمن کپتان نے جب پہریدار کو ٹیلی فون بوتھ کی طرف لپک کر جاتے دیکھا تو وہ بھی ایک بار ڈر گیا تھا کہ اگر اس نے نیچے خطرے کا الارم کر دیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ لیکن عین موقع پر ماریا نے اپنا کام دکھا دیا۔ ایک کمانڈو نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ شخص کیسے لڑکھڑا کر گر پڑا؟ کیا میں جا کر اسے چاقو سے ہلاک کر دوں؟"

جرمن کپتان کو یقین تھا کہ ماریا نے اس کا کام تمام کر دیا ہو گا۔ جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک میں نہ کہوں ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔"

اتنے میں ماریا نے ٹارچ کو جلا کر 'سب ٹھیک ہے' کا سگنل دے دیا۔ جرمن کپتان نے کمانڈوز کو اشارہ کیا۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

ماریا آگے آگے راہداری میں جا رہی تھی۔ راستہ بالکل صاف تھا۔ اس نے ایک پہریدار کو دیکھا جو سو رہا تھا۔ پیچھے پیچھے جرمن قیدی کپتان اور کمانڈوز خرگوشوں کی طرح آواز نکالے بغیر آرام سے قدم بڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ آخر ایک ایک کر کے سارے جرمن کپتان کے کیبن میں آ گئے۔ ماریا باہر ہی کھڑی رہی اور پہرہ دیتی رہی۔ اندر جا کر جرمن کپتان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حسنے کہا۔

” سنو! تم میں سے دو آدمی جہاز کے کپتان کے کیبن میں جا کر اسے گرفتار کریں گے۔ اگر کپتان نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو اسے فوراً گولی مار کر ہلاک کر دینا۔ پانچ کمانڈوز جہاز کی دوسری منزل پر جا کر بارود اور اسلحہ خانے پر قبضہ کریں گے۔ باقی چھ آدمی تمام سوئے ہوئے ملاحوں کو چھرے چاقوؤں سے ہلاک کر دیں گے۔ خبردار پستول اور مشین گن صرف اس وقت چلانا جب تمہیں اپنی زندگی خطرے میں نظر آئے۔ باقی آدمی نیچے انجن روم میں جا کر قبضہ کریں گے اور جہاز کو روک دیں گے۔ ٹھیک ہے؟“

” ٹھیک ہے “ کمانڈوز نے سرگوشی میں کہا۔

” کوئی سوال؟ “

” کوئی نہیں۔ “

” جہاز کا نقشہ تمہیں سپلائی کر دیا گیا ہوگا اور تم سب کو معلوم ہوگا کہ اسلحہ خانہ، انجن روم اور کپتان کا کیبن کہاں ہے؟ “

” سب معلوم ہے سر! “

” او کے۔ ایک منٹ ٹھہرو۔ “

جرمن کپتان دبے پاؤں باہر نکل گیا۔ اسے یقین تھا کہ ماریا وہاں ضرور

کھڑی ہوگی اور اسے دیکھ کر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ یہی ہوا۔ ماریا باہر پہرہ دے رہی تھی۔ اس نے جرمن کپتان کو باہر آتے دیکھا تو آہستہ سے قریب آ کر بولی۔

” رات گزر رہی ہے کیپٹن! جلدی سے حملہ شروع کرا دو۔ تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ “

جرمن کپتان نے کہا۔

” بس میں تمہاری موجودگی کا یقین کرنا چاہتا تھا۔ تم ساتھ ساتھ رہنا۔ میں نے ساری سکیم کمانڈوز کو سمجھا دی ہے۔ پہلا دستہ کپتان کے کیبن میں جا کر اسے گرفتار کرے گا۔ دوسرا دستہ انجن روم میں جا کر جہاز کو روکے گا اور انجن پر قبضہ کرے گا۔ تیسرا بھاری دستہ ملاحوں کو ختم کر دے گا۔ اور چوتھا دستہ جہاز کے اسلحہ خانے اور گولہ بارود پر قبضہ کرے گا۔ یہ چوتھا دستہ پہلے جا رہا ہے۔ “

” ٹھیک ہے۔ جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ “

” او کے۔ “

اتنا کہہ کر جرمن کپتان اندر گیا اور اس نے سرگوشی میں کمانڈوز کے چاروں دستوں کو باہر نکل کر حملہ شروع کرنے کا اشارہ کیا۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

چاروں دستے ایک کے بعد ایک کرکے نکلے اور جہاز کی راہداری کے اندھیرے میں گم ہو گئے۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ جہاز کا کپتان اپنے کیبن میں میز پہ جھکا کوئی ضروری کاغذات دیکھ رہا تھا کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ انگریز کپتان نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا ہی تھا کہ دو جرمن کمانڈوز بجلی ایسی تیزی کے ساتھ چھلانگ لگا کر اس کے سر پہ آ گئے اور مشین گنیں اس کی گردن سے لگا دیں۔

"آواز نکالی تو ساری گولیاں گردن سے باہر ہو جائیں گی۔"

ابھی انگریز کپتان سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ جرمن کمانڈوز نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں کرسی کے پیچھے باندھ دیئے۔ ایک کمانڈو وہیں کھڑا پہرہ دیتا رہا۔ دوسرا باہر نکل گیا۔ انجن روم میں دونوں انگریز انجینئر مشینوں کے [illegible] رے مزے سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک کسی نے پیچھے سے انہیں دبوچ لیا۔ کمانڈوز نے بڑے سکون کے ساتھ انہیں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور لاشیں کونے میں پھینک دیں۔ یہ دونوں کمانڈوز انجینئر تھے۔ انہوں نے اسی وقت جہاز کی مشینیں بند کر دیں۔

جہاز کا انجن خاموش ہو گیا اور جہاز رک گیا۔

تین کمانڈوز جرمن کپتان کے ساتھ ڈیک پر گئے۔ انہوں نے لنگر سمندر میں پھینک دیا۔ جہاز اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ چوتھے دستے نے اسلحہ اور بارود خانے پر جا کر قبضہ کر لیا۔ وہاں پہرے داروں نے گولی چلا دی

مگر کمانڈوز نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔ گولی کی آواز سن کر کچھ ملاح جاگ پڑے۔

تیسرے دستے نے ملاحوں پر مشین گنیں لے کر حملہ کر دیا۔ ملاح کچھ جاگے کچھ سو رہے تھے کہ گولیوں کی زد میں آ گئے۔ اگر کمانڈوز فائرنگ نہ شروع کرتے تو ملاحوں نے گولیاں چلانی شروع کر دینی تھی۔ کمانڈوز نے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ جرمن کپتان نے وائرلیس روم میں جا کر جرمن آبدوز کو سگنل کر دیا کہ جہاز پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ آبدوز سمندر میں سے باہر نکل آئی اور اس نے انگریزی جہاز کوئین میری' کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن جرمن کپتان اور کمانڈوز کو بالکل خبر نہیں تھی کہ انگریز ملاحوں کا ایک پورا بیس آدمیوں کا دستہ ایک جگہ رائفلیں لئے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے کمانڈر نے سپاہیوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ انگریز فوجی رائفلیں لے کر باہر نکل آئے اور کمانڈوز پر فائرنگ کرنے لگے۔ چھ کمانڈوز اسی وقت مارے گئے۔ جرمن کپتان نے باقی کمانڈوز کو چیخ کر کہا۔

"آڑ میں چھپ کر فائرنگ کرو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ٹرین میں قتل

۵

جہاز پر ایک دوسرے پر گولیاں چلنے لگیں۔

جرمن کپتان پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اس کے صرف سات آٹھ کمانڈوز باقی زندہ رہ گئے تھے اور انگریز فوجیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ جرمن آبدوز ابھی کافی دور تھی۔ اس نے اونچی آواز میں ماریا کو آواز دے دی۔ کیونکہ اب زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ ماریا ہوشیار ہو گئی تھی۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں انگریز فوجیوں کے مورچوں کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ ان کے پیچھے آگئی۔ اسے کسی نے بھی نہ دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھی جس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ ماریا نے ایک ایک کر کے فوجیوں کو مارنا شروع کر دیا۔ جب چھ سات انگریز فوجی ماریا کی گولیوں سے ہلاک ہو گئے تو باقیوں کو ہوش آیا۔ انہوں نے دیکھا کوئی پیچھے سے فائر کر رہا ہے۔ انہوں نے مشین گن پیچھے کر کے فائرنگ شروع کر دی۔ ماریا بال بال بچ گئی۔ اگر وہ نیچے نہ بیٹھ جاتی تو مشین گن کی گولیاں اس کے جسم سے پار ہو جاتیں۔ اب اس کا

وہاں ٹھہرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

اتنے میں آبدوز جہاز کے قریب آکر کھڑی ہو گئی اور اس میں سے جرمن سپاہی مشین گنیں لے کر انگلش جہاز "کوئین میری" پر کود آئے۔ گولیوں کی آوازیں وہ بھی سن رہے تھے۔ انہوں نے ڈیک پر آتے ہی انگریز فوجیوں پر فائر کھول دیا۔ تھوڑے سے مقابلے کے بعد کچھ فوجی مارے گئے اور باقی چار انگریز فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب پورے جہاز پر جرمن فوجیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ پیچھے ہیڈ کوارٹر کو سگنل دے دیا گیا کہ جہاز فتح کر لیا ہے۔

برطانوی جہاز "کوئین میری" کے کپتان کو جنگی قیدی بنا کر آبدوز میں بھیج دیا گیا۔ جرمن کپتان شمل کو اس نئے جہاز کا کپتان بنا دیا گیا۔ دوسرے روز دوپہر کو جرمن آبدوز اپنے کسی شکار کی تلاش میں چلی گئی۔ شام کو ماریا نے جرمن کپتان سے کہا۔

"میں بھی جلدی سے جلدی ہندوستان پہنچنا چاہتی ہوں وہاں میرے دو ساتھی میری راہ دیکھ رہے ہیں۔"

کپتان نے کہا۔

"بیٹی ماریا! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک تو مجھے انگریزوں کی قید سے آزاد کرایا اور اس کے بعد مجھے اس جہاز کا کپتان بنا دیا گیا تو ارادہ تمہیں ساتھ لے کر جرمنی جانے کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا تاکہ ہٹلر سے تمہیں ملواؤں اور تمہیں جرمنی کا سب سے بڑا جنگی تمغہ آئرن کراس دلواؤں"

ماریا کہنے لگی۔

"شکریہ کپتان! مگر میرا ہندوستان جانا بہت ضروری ہے۔ کیا تم مجھے ہندوستان پہنچا سکتے ہو؟"

جرمن کپتان بولا۔

"اگرچہ ہندوستان کے سمندر میں انگریزوں کا سخت خطرہ ہے مگر میں تمہیں ہندوستان کی کسی بندرگاہ پر پہنچانے کی پوری کوشش کروں گا"

نیا جہاز ہندوستان کے سمندر کی طرف روانہ ہوگیا۔

ایک ہفتے کے سفر کے بعد یہ جہاز ایک رات ہندوستان کے ساحل سے پچاس میل دور سمندر میں ایک جگہ رک گیا۔ کپتان نے ماریا سے کہا۔

"اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔ اگر تم پسند کرو تو میں خود تمہیں ایک کشتی میں بیٹھ کر ہندوستان کے ساحل پر چھوڑ آتا ہوں"

ماریا کہنے لگی۔

"نہیں کپتان! تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے کشتی دے دو۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ سمندر میں طوفان نہیں ہے۔ میں اپنی منزل پر پہنچ جاؤں گی۔"

جرمن کپتان نے ماریا کو آدھی رات کے وقت اندھیرے میں ایک کشتی میں سوار کرا دیا۔ ماریا جہاز سے اتر کر سمندر میں اکیلی چل پڑی۔ اس کی کشتی بڑی طاقتور تھی۔ کچھ دور تک اسے ستاروں کی روشنی میں جرمن کپتان کا جہاز نظر آتا رہا پھر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اب ماریا اکیلی کشتی میں سوار ساحل کی طرف جا رہی تھی۔

ہندوستان کا ساحل رات کے اندھیرے میں نظر آنے لگا تھا۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر جا کر اترے گی۔ ابھی وہ ساحل سے کوئی دو میل دور ہوگی کہ ایک گشتی کشتی نے اسے دیکھ لیا اور وہ تیزی سے اس کے پاس آکر رک گئی۔ اس کشتی میں کچھ سپاہی سوار تھے جو رات کو ساحل کے آس پاس گشت لگایا کرتے تھے اور دیکھا کرتے تھے کہ کہیں دشمن کی کوئی آبدوز تو نہیں ابھری۔ انہوں نے جو دیکھا [illegible] خالی کشتی ساحل کی طرف بہی جا رہی ہے تو بڑے حیران ہوئے کہ یہ کشتی کہاں سے آگئی؟ ماریا تو کسی کو نظر آ ہی نہیں سکتی تھی۔

[illegible] اسی سپاہی تھے۔ ان میں ایک انگریز افسر تھا۔ اس نے کہا۔

"کشتی کو قابو میں کر لو"

سپاہیوں نے کشتی کو اپنی کشتی کے ساتھ باندھ لیا اور کھینچتے ہوئے ساحل پر لے آئے۔ یہاں انہوں نے کشتی کو ایک طرف کھڑا کر دیا اور وہ پھر رات کی گشت پر روانہ ہوگئے۔ ماریا چپکے سے کشتی میں سے اتر آئی۔ اس نے دیکھا کہ ساحل پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ دور اندھیرے میں اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک مکان کا سایہ ابھرا ہوا نظر آیا۔ شاید یہاں سپاہیوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ماریا اس کی طرف چل پڑی۔

یہ سچ مچ گشتی سپاہیوں کا دفتر ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں وہ رہتے بھی تھے۔ ایک سپاہی یہاں پہرہ دے رہا تھا اور اونگھ بھی رہا تھا۔ رات ختم ہو رہی تھی اور صبح کا ہلکا ہلکا نیلا نیلا اجالا پھیل رہا تھا۔ ماریا ایک کمرے میں آ گئی۔ یہاں بستر بچھا تھا۔ ساتھ ہی باورچی خانہ تھا۔ ماریا نے اندر جا کر منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھایا۔ نلکے سے پانی گرنے کی آواز سن کر پہرے دار اندر آ کر دیکھنے لگا کہ یہ کس نے کھولا ہے؟

اس نے دیکھا کہ نلکے میں سے پانی گر رہا ہے مگر اندر کوئی نہیں ہے۔ ماریا نے جلدی سے پانی بند کر دیا۔ پہرے دار آنکھیں ملنے لگا۔ کیونکہ ابھی پانی گر رہا تھا اور ابھی اپنے آپ بند ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ باہر نکل گیا۔ باہر جا کر وہ دوبارہ پہرہ دینے اور اونگھنے لگا۔ تازہ دم ہو کر ماریا نے غور کیا کہ وہ یہاں سے کس طرف جائے؟ اس نے دفتر کے ایک رجسٹر میں دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ مدراس شہر سے دو سو میل دور ہے اور جہاں یہ دفتر بنا ہوا ہے اس کا نام منڈولا ہے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ سب سے پہلے اسے یہاں سے نکل کر مدراس شہر پہنچنا تھا۔ جہاں سے ٹرین میں سوار ہو کر وہ بڑی آسانی سے مدراس جا سکتی تھی۔ دن نکل آیا۔ گشتی ٹیم واپس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد انگریز افسر ایک ٹرک میں سوار ہوا اور بولا۔

"ہم بڑے دفتر جا رہا ہے۔ دوپہر کے بعد آئے گا۔"

ماریا ٹرک کے پیچھے سوار ہو گئی۔ سوچا یہاں سے تو نکلے۔ آگے جا کر دیکھا جائے گا۔ ٹرک روانہ ہو گیا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ٹرک ایک چھوٹے سے قصبے میں جا کر رک گیا۔ یہاں ماریا اتر پڑی۔ معلوم ہوا کہ مدراس یہاں سے [illegible] میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن بھی بنا ہوا تھا۔ ماریا ریلوے سٹیشن پر آ کر بنچ پر بیٹھ کر ریل گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ریل گاڑی آ گئی۔ اس پر مدراس شہر کا نام لکھا ہوا تھا۔ ماریا [illegible] پر سوار ہو گئی۔ دوپہر کے بعد ریل گاڑی نے ماریا کو مدراس شہر پہنچا دیا۔ وہ اس سے پہلے بھی اس شاندار شہر میں آ چکی تھی۔ اب اسے بھوک لگنے لگی تھی۔ آخر وہ ایک شاندار ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ یہاں اس نے [illegible] میں جا کر خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ [illegible]۔ کسی نے اسے نہ دیکھا۔ ہاں باورچی ضرور حیران ہوا۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بریانی کی پلیٹ غائب ہو گئی تھی۔

باورچی کو آنکھوں پہ یقین نہ آیا اور وہ آنکھیں مل کر رہ گیا۔

ماریا نے ریلوے سٹیشن پر آ کر ٹائم ٹیبل دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ مدراس جانے والی گاڑی شام کے چار بجے پلیٹ فارم نمبر آٹھ سے روانہ ہوگی۔ ماریا پلیٹ فارم نمبر آٹھ پر جا کر گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔ تین بجے ٹرین آ کر پلیٹ فارم پہ لگ گئی اور مسافر اس میں سوار ہونا شروع ہو گئے۔ ماریا فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں بیٹھ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ٹھیک جا بیٹھی تو ٹرین چل پڑی۔

مدراس کے قصبے میں کوئی دوسری سواری نہیں تھی۔ ملیا تھوڑی دیر سے سیٹ پر لیٹ کر سو گئی۔ گاڑی چھک چھک کرتی اپنی منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ رات کو ایک بہت بڑا سٹیشن آیا۔ ٹرین وہاں رک گئی۔ ملیا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ نیچے اتر آئی اور پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگی۔ چونکہ [illegible] وجہ سے بہت کم روشنی ہو رہی تھی۔ ملیا نے ایک فرسٹ کلاس ریفرشمنٹ روم میں داخل ہو گئی۔ یہاں اس نے کچن میں جا کر چائے کی ایک پیالی منگائی اور باہر آ کر بیٹھ گئی۔

مصیبت یہ تھی کہ وہ کسی کو بھی کھانا تو نہیں دے سکتی تھی۔ چائے پی کر اس نے پیالی میز پر رکھی اور باہر نکل آئی۔ پلیٹ فارم پر کافی چہل پہل تھی۔ ساڑھی والی عورتیں چل پھر رہی تھیں۔ لوگ ٹرین میں سوار ہو رہے تھے۔ ملیا اپنے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں آ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کی سیٹ پر ایک سانولی سی رنگت والی دبلی پتلی معصوم سی لڑکی بیٹھی ہے جس نے ریشمی دلہنوں والی ساڑھی پہن رکھی ہے اور زیور سے لدی پھندی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نوجوان دلہا بیٹھا ہے۔ ملیا سمجھ گئی کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ ان کے ماں باپ دونوں کو چھوڑنے آئے ہوئے تھے۔ ٹرین چلنے لگی تو ماں باپ بڑی گرم جوشی سے انہیں ملے اور ٹرین پلیٹ فارم سے باہر نکل گئی۔ دلہن شرمیلی سی تھی۔ دلہا نے دلہن کے لیے سیٹ پر نرم نرم گدیلے دو سے کمبل کر بچھا دیا اور ایک ڈبے میں سے مٹھائی نکال کر بہت پیار سے اس کے سامنے رکھ دی۔

"رادھا! مٹھائی کھاؤ۔ شرماؤ نہیں۔ اب تو ہم ساری زندگی کے لئے ایک دوسرے کے ہو گئے ہیں۔"

دلہن رادھا نے شرما کر کہا۔

"مجھے شرم آتی ہے۔"

دلہا بولا۔

"ایسے شرم کرو گی تو بھوکی رہ جاؤ گی۔ لو اب کھاؤ۔ دیکھو میں بھی کھاتا ہوں۔"

"نہیں نہیں مجھے شرم آتی ہے۔"

"تو پھر میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

"پھر تھوڑی سی مٹھائی کھاؤں گی۔"

"چلو تھوڑی سی ہی کھا لو۔"

اور دلہن نے بڑی مشکل سے گوٹے کناری والی ریشمی ساڑھی سے ہاتھ نکالا اور برفی اٹھا کر کھانے لگی۔ دونوں بڑے بھولے بھالے بچوں کی طرح ایک دوسرے سے شرما شرما کر باتیں کر رہے تھے۔ ملیا ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی اور انہیں دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

ٹرین اب بڑی تیزی کے ساتھ جنگلوں میں سے گزر رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مدراس شہر بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ صبح پانچ بجے اس ٹرین کو ناگ پور شہر پہنچنا تھا۔ اب کیا ہوا کہ دو ڈاکو اس دلہن کے زیورات کے پیچھے لگے ہوئے اور وہ ساتھ والے ڈبے میں سفر کر رہے تھے انہوں نے دلہن کے زیور لوٹنے کی سکیم بنا رکھی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ دلہا دلہن ڈبے میں اکیلے سفر کر رہے ہیں اور وہ بڑی آسانی سے انہیں لوٹ لیں گے۔

جس وقت گاڑی بھورے جنگل میں پہنچی تو دونوں ڈاکو ساتھ والے ڈبے سے باہر نکلے اور ایک ڈبے کے پائیدان پر پاؤں رکھ کر دوسرے ڈبے کے پائیدان پر آ گئے۔ دلہا دلہن اپنی خوشی میں ڈبے کی چٹخنی چڑھانا بھول گئے تھے۔ ایک ڈاکو نے دروازے کو زور سے لات ماری۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ پستول تان کر اندر آ گیا۔

"خبردار! اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو گولی مار دوں گا۔"

ساتھ ہی دوسرا ڈاکو بھی پستول تان کر اندر آ گیا۔ دلہن کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ ایک ڈاکو نے اس کے بالوں کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"خاموش رہو۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

دلہن بے چاری چپ ہو گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ دلہا کا برا حال تھا۔ وہ دبلا پتلا سا نوجوان لڑکا تھا۔ ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر گھبرا گیا۔ ڈاکو نے اسے دھکا دے کر پرے گرا دیا۔

"دلہا! اس جگہ بیٹھے رہو۔ اگر حرکت کی تو [illegible] ڈبے سے باہر پھینک دوں گا۔"

پھر انہوں نے بڑے آرام سے دلہن کے زیور اتارنے شروع کر دیے۔ یہ دلہا دلہن کی خوش قسمتی اور دونوں ڈاکوؤں کی بدقسمتی تھی کہ اس ڈبے میں ماریا بھی سفر کر رہی تھی۔ ماریا خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں دلہا نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"بھائی! ہمیں معاف کر دو۔"

ایک ڈاکو نے زور سے اس کے سر پہ مکا مارا۔

"چپ! چپکے بیٹھے رہو۔ بتاؤ۔ باقی زیور اور روپے کہاں ہیں۔"

دلہا نے جیب سے چابی نکال کر ڈاکو کو دے دی۔ ڈاکو نے اٹیچی کیس کھولا اور اس میں سے روپے نکالنے شروع کر دیے۔ کوئی دو چار ہزار روپے تھے جو شاید اس دلہا دلہن نے ہنی مون منانے کے لئے تھے۔ دلہن سسکیاں بھر بھر کر روئے جا رہی تھی۔ ڈاکوؤں نے لوٹ ایک بٹوے میں ڈال کر بٹوہ جیب میں ڈال لیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"یار! اس دلہن کو بھی ساتھ لیتے جانا چاہیے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں اس سے شادی کروں گا۔"

"اور اس دلہا میاں کا کیا کرو گے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اس کو گولی مار دیں گے۔"

اس پر دلہن نے چیخ مار کر ہاتھ باندھ کر کہا۔

"بھگوان کے لیے مجھے لے جاؤ مگر میرے خاوند کو کچھ نہ کہنا۔"

ڈاکو گرج کر بولا۔

"بک بک بند کر حرام کی اولاد!"

اور دوسرے ڈاکو نے دلہن کی گردن پر زور سے مکا مار دیا۔ [illegible] بے چاری سیٹ سے نیچے گر پڑی۔ آب ماریا سے یہ ڈرامہ نہ دیکھا گیا۔ اب معاملہ اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے [illegible] اور جس ڈاکو نے دلہن کو مکا مارا تھا اس کے پاس آ کر کھڑی ہو [illegible] ٹرین چھکا چھک کرتی بھاگی جا رہی تھی۔ بڑا گھنا جنگل گزر رہا تھا۔

ماریا نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے اس ڈاکو کی گردن پر ہاتھ مار دیا۔ دھم کی آواز آئی اور ساتھ ہی اس ڈاکو کی گردن ٹوٹ کر بائیں جانب کو جھک گئی اور ڈاکو منہ کے بل آگے کو گرا اور مر گیا۔ مر تو وہ چکا ہی تھا۔ دوسرا ڈاکو ہڑبڑا کر [illegible] اس کی لاش پر جھک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کے ساتھی کو اچانک کیا ہو گیا ہے کہ گردن ایک طرف کو ڈھلکا کر گر پڑا ہے۔ "دھم" کی آواز اس نے بھی سنی تھی۔ دولہا اور دلہن بھی تعجب سے یہ سارا ماجرا تکنے لگے۔ ڈاکو نے سوچا کہ شاید اس کے [illegible]

کو کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔ اس نے اسے آوازیں دیں۔ اپنا پستول ابھی تک اس نے دولہا کی طرف کر رکھا تھا۔ مرے ہوئے ڈاکو نے کوئی آواز نہ دی۔

جب ڈاکو نے مردہ ڈاکو کی گردن اٹھائی تو وہ اپنے آپ اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔

"ہائے یہ تو مر گیا!"

اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ پھر وہ خون بھری آنکھیں نکال کر دولہا کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم [illegible] سے میرے ساتھی کی جان گئی ہے۔"

دلہن تڑپ کر اٹھی اور روتے ہوئے اپنے دولہا کے آگے کھڑی ہو گئی۔

"بھگوان کے لیے اسے کچھ نہ کہو۔ یہ میرا سہاگ ہے۔"

ڈاکو نے کھینچ کر دلہن کو پرے پھینک دیا۔

"تم سے تو میں شادی کروں گا اور تمہارے دولہا کو گولی کا نشانہ بنا کر گاڑی سے باہر پھینک دوں گا۔"

[illegible] بے چارے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ خوف سے کانپ رہا تھا کہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے اور ابھی کیا سے کیا ہو گیا [illegible] سے پڑ گئے۔ موت اسے اپنے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ [illegible] اس کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ مگر وہ اسے دیکھ نہیں سکتا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ ڈاکو نے پستول والا ہاتھ اٹھایا۔ وہ فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ نے پیچھے سے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔ پستول ڈاکو کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ ماریا نے جھک کر دونوں ڈاکوؤں کے پستول اٹھا لیے۔ ڈاکو تیزی سے اٹھا اور دیکھا کہ پستول کہیں نہ سوچا شاید گاڑی کے دھچکے کی وجہ سے نیچے گرا ہوگا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال لیا اور دلہا پر حملہ کرنے لگا۔ دلہن نے چیخ ماری۔ ماریا نے پیچھے سے ڈاکو کو گردن سے پکڑا اور دیوار کی طرف دھکیل دیا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے چاقو گر اور اس کا سر دیوار سے ٹکرایا۔ وہ سیٹ پر گر پڑا۔ اب ماریہ نے پستول اس کی کھوپڑی کے ساتھ لگا دیا۔ پستول کی ٹھنڈی ٹھنڈی نالی ڈاکو نے اپنے سر کے ساتھ محسوس کی ہی تھی کہ ماریا کی سرگوشی آئی۔

" کیا خیال ہے؟ تمہیں گولی مار کر باہر پھینکوں یا اسی طرح کھڑکی سے نیچے پھینک دوں۔ میرا خیال ہے جب گاڑی دریا پر سے گزرے گی تو پھر تمہیں کھڑکی سے پھینک دیا جائے گا۔"

ڈاکو تھر تھر کانپنے لگا۔ حیران ہوا کہ یہ سرگوشی کہاں سے آ رہی ہے۔ پستول اس کی کھوپڑی کے ساتھ لگا تھا۔ دلہا اور دلہن ایک دوسرے سے چپٹے کانپ رہے تھے۔ سرگوشی کی آواز انہوں نے بالکل نہیں سنی تھی کیونکہ گاڑی کا بھی شور ہو رہا تھا۔

ڈاکو اٹھ کر دوسری طرف کو چھلانگ لگا گیا۔ اب اس نے چاقو دلہن

کی مدد کو آسمان پر اڑتی ہوئی جا رہی تھی کہ راستے میں تم دونوں کو ڈاکوؤں کے نرغے میں گھرے ہوئے دیکھا۔ پس تمہاری مدد کو آگئی۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری دوست ہوں۔"

دلہا اور دلہن ابھی تک ایک دوسرے سے لگے ہوئے بیٹھے تھے۔ ماریا نے کہا۔

" میں اس لاش کو بھی اٹھا کر ڈبے سے باہر پھینک رہی ہوں تم ڈرو نہیں بچو۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ تمہاری ماں ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں اور چلی جاؤں گی۔ اپنا خوف دل سے نکال دو۔"

ب دلہا اور دلہن کا خوف کچھ دور ہو گیا۔

دلہا نے کہا۔

" ما! تم نے ہم دونوں کی جان بچائی۔ ہم تمہارے داس ہیں۔ تمہیں سلام کرتے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

" اس کی کوئی ضرورت نہیں بیٹا!"

دلہن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ ماریا نے کہا۔

" دلہن بیٹی! اپنے زیور اٹھا کر صندوقچی میں سنبھال کر رکھ لو اور آنسو پونچھ کر سنگھار پھر سے کر لو۔ تم تو نئی نویلی دلہن ہو تمہارا روپ خراب نہیں ہونا چاہیے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ننھی لاش

رات کے پچھلے پہر گاڑی ایک چھوٹے سے سٹیشن پر رکی۔ دلہا نے کہا۔

"ماتا! ہم یہاں اتر جائیں گے۔ یہ میرے ماں باپ کا گھر ہے"

ماریا انہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا کہنے لگی۔

"خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔"

دلہا بولا۔

"ماتا! تم نے ہم پر جو احسان کیا ہے اسے ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"ایسی بات نہ کرو۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"ماتا! کیا پھر بھی کبھی ملاقات ہوگی؟"

"اگر قسمت کو منظور ہوا تو۔"

"خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

دونوں دلہا دلہن اپنا سامان لے کر جب پلیٹ فارم پر اتر گئے تو ماریا خود بھی اتر کر آگے چل پڑی۔ [illegible] پل کے سیڑھیوں سے بہت شور ہو رہا تھا۔ [illegible] تھا اور سب [illegible] بیٹھے۔ ماریا نے دیکھا کہ [illegible] ایک شخص [illegible] ٹوکریوں کے پیچھے بیٹھا تھا۔ ماریا نے ایک سنگترہ اٹھا کر کھایا۔ چھلکا اس کے سر پر رکھ دیا۔

"ارے ارے یہ چھلکا کہاں سے آ گیا؟"

موٹا لالہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ماریا نے قہقہہ لگا کر کہا

"تمہاری ماں نے پھینکا ہے یہ چھلکا۔"

موٹا لالہ بھونچکا سا ہو کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ ماریا کا شرارت کرنے کو دل چاہ رہا تھا [illegible] کر دی۔ موٹا لالہ پریشان ہی تھا کہ ماریا ریلوے سٹیشن کے گیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ٹکٹ بابو مسافروں کے ٹکٹ دیکھ کر انہیں باہر نکلنے کی اجازت دے رہا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ بابو کے ایک ہاتھ میں ٹکٹ کی گڈی پکڑی تھی۔ ایک ہاتھ میں ٹکٹ میں سوراخ ڈالنے والا پلاس تھا۔

مسافر کا ٹکٹ لے کر وہ نشان ڈال کر دوسرے ہاتھ میں رکھ لیتا اور مسافر کے لئے دروازہ کھول دیتا۔ ماریا نے قریب جا کر اس کے دوسرے ہاتھ سے ٹکٹ چھین لئے۔ بابو پریشان ہو کر تکنے لگا کہ [illegible] کے ٹکٹ کون لے گیا [illegible] کہ بابو کے ہاتھ میں ٹکٹوں کی گڈی غائب ہو گئی تھی۔ مسافر بھی حیران

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سنتے کہ ابھی ابھی تو ٹکٹ بابو کے ہاتھ میں گڈی پکڑی ہوئی تھی۔

بابو نے ایک مسافر کو گردن سے پکڑ کر تھپڑ مار کر کہا۔

"کمینے! بتا میرے ٹکٹ کہاں ہیں؟ تو اٹھائی گیرا ہے۔ تو نے ہی میرے ٹکٹ چوری کئے ہیں۔"

مسافر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"حضور! میں چور نہیں ہوں۔ میں نے آپ کے ٹکٹ ہرگز ہرگز نہیں چرائے۔"

بابو نے ایک اور تھپڑ مار کر کہا۔

"ابھی تمہیں پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ پولیس کے سامنے جا کر تو سب کچھ بک دے گا۔"

ماریا کو اس مسافر پہ ترس آ گیا۔ اس نے ٹکٹوں کی گڈی بابو کے سر رکھ کر کہا۔

"یہ ٹکٹ بابو! تمہاری گڈی میں نے لی تھی۔ اب اسے تمہاری کالی ٹوپی پر رکھ دیا ہے۔ اور سنو! اس مسافر کو اگر پھر تم نے کچھ کہا تو میں تمہاری گردن اکڑ دوں گی۔ تم نے اسے دو تھپڑ مارے ہیں۔ اس کا بدلہ تمہیں مل کر رہے گا۔"

اور ماریا نے دھڑ دھڑ کر کے ٹکٹ بابو کو دو تھپڑ مارے اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ مسافروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سب لوگ بھوت بھوت کا شور مچاتے وہاں سے بھاگ گئے۔ ٹکٹ بابو تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اسے

دیکھ کر جو مسافر بغیر ٹکٹ کے تھے وہ جلدی سے باہر کو نکل گئے۔

ماریا وہاں سے سیدھی رائل ہوٹل پہنچی۔ وہ اس کمرے میں آئی جو کرایہ پر لے رکھا تھا اور جہاں وہ عنبر کو چھوڑ گئی تھی۔ معلوم ل کوئی دوسرے مسافر اپنے بچوں کے ساتھ آ کر رہنے لگے ہیں۔ پریشان ہو گئی کہ عنبر کہاں چلا گیا؟ اس نے سوچا عنبر ضرور کسی کمرے ے کوئی پیغام چھوڑ گیا ہوگا۔ اس نے کمروں میں گھوم ادھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس وقت صرف ایک بوڑھا آدمی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ماریا کمروں کی تلاشی لے رہی تھی کہ ایک س کا ہاتھ لگنے سے نیچے گر پڑا۔ شور سن کر بوڑھے نے آواز

"کون ہے اندر؟"

کسی نے جواب نہ دیا۔ بوڑھا اٹھ کر اندر آیا۔ دیکھا کہ ٹیبل لیمپ فرش پر گرا پڑا ہے۔ بڑا حیران ہوا۔

"یہ کس نے گرا دیا؟ میرا خیال ہے ضرور بھونچال کا جھٹکا آیا ہوگا۔ مگر مجھے تو بھونچال محسوس نہیں ہوا۔"

ا ہوا وہ ٹیبل لیمپ کو پھر سے میز پہ رکھ کر واپس پلنگ پر جا کر بیٹھ ا اخبار پڑھنے لگا۔ ایک بار ماریا کا ہاتھ ایک کتاب کو لگا۔ کتاب گرنے ماریا نے اسے سنبھال لیا۔ اس سے ذرا سا کھڑاک پیدا ہوا تب بوڑھا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"شاید پھر بھونچال آرہا ہے؟"

مگر وہ پلنگ پر بیٹھا رہا۔ ماریا کو تلاشی لیتے لیتے آخر ایک جگہ ایک چٹان کے نیچے عنبر کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط مل گیا۔ اس پر عبرانی زبان میں جو ہزاروں سال پرانی زبان تھی لکھا تھا۔

"ماریا! میں نے تمہارا بہت انتظار کیا تم نہ آئیں۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارا بھائی ناگ بمبئی کے ایک غار ایلورا میں کسی جگہ قید ہے۔ اسے ایک سپیرے نے پنجرے میں قید کر رکھا تھا۔ مجھے دیو نے بتایا ہے کہ سپیرا مر گیا ہے مگر ناگ بے ہوش ہے۔ وہ سانپ کی شکل میں بے ہوش ہے اور انگوٹھی جس میں نگینہ لگا ہے وہیں پڑی ہے۔ میں بمبئی کے ایلورا غار میں ناگ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر تم آؤ تو سیدھی بمبئی کے لیے روانہ ہو جانا۔ میں تمہیں بمبئی شہر کے ہوٹل تاج محل میں ملوں گا۔

تمہارا بھائی عنبر"

اس زبان کو سوائے ماریا کے دوسرا کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ماریا نے خط پڑھ کر اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور وہاں سے نکل کر سیدھی ریلوے سٹیشن پہنچ گئی۔ دیوار پر گاڑیوں کا بورڈ لگا تھا۔ اس نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ بمبئی کو ایک گاڑی طوفان میل رات کو دس بجے ناگ پور سٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر آٹھ سے روانہ ہوگی۔ ماریا نے سوچا کہ اس طرح تو بڑی دیر لگ جائے گی۔ کیوں نہ ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کیا جائے۔

بس وہ وہاں سے سیدھی ہوائی اڈے پہنچ گئی۔

ایک جہاز ایران جانے والا تھا۔ اس نے بمبئی رکنا تھا۔ ماریا اس جہاز میں سوار ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ان کی ملاقات خانم ایئر ہوسٹس سے ہو جائے۔ مگر خانم اس جہاز پہ سفر نہیں کر رہی تھی۔ ہوائی جہاز ٹھیک وقت پہ فضا میں بلند ہو گیا اور بمبئی شہر کی طرف اس نے پرواز شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ بمبئی پہنچ گیا۔ ماریا ایئر پورٹ سے نکل کر سیدھی تاج محل ہوٹل میں آ گئی۔ اس نے ایک ایک کمرہ چھان مارا۔ عنبر کسی کمرے میں نہیں تھا۔

"اگر وہ یہاں نہیں تو کہاں چلا گیا ہے؟"

ماریا نے سوچا اور شہر سے باہر نکل کر ایلورا نامی غار میں آ گئی۔ یہ غار بڑی تاریخی غار تھی۔ پتھروں میں بت تراشے گئے تھے۔ یہاں بھی کسی جگہ اسے عنبر نہ ملا۔ تھک ہار کر رات کو ماریا واپس تاج محل ہوٹل میں آ گئی۔ یہاں اس نے اس کمرے میں رہنا شروع کر دیا۔ رات کو وہ واپس کمرے میں آ کر سو جاتی اور دن کو عنبر کو تلاش کرتی پھرتی۔ بہت بڑا شہر تھا۔ پھر بھی ماریا نے اسی جگہ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر جہاں کہیں بھی ہے وہ واپس اسی ہوٹل میں آئے گا۔

اب ذرا عنبر کا بھی حال سنیں۔

جونہی اسے پتہ چلا کہ ناگ ایلورا نامی غار کے اندر سانپ کے روپ میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بے ہوش پڑا ہے۔ اور وہ انگوٹھی بھی پاس ہی ہے جس کے نگینے میں ناگ قابو ہے تو وہ ناگ پور کے ہوٹل میں ماریا کے نام خط لکھ کر سیدھا بمبئی آ گیا۔ ایلورا غار میں آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے ساری غار کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر وہاں اسے کہیں ناگ یا انگوٹھی کے نگینے کا سراغ نہ ملا۔

عنبر پریشان ہو کر اِدھر اُدھر غار میں چل پھر رہا تھا کہ اچانک اس کے پاؤں تلے سے پتھر کھسکا اور وہ دھڑام سے نیچے کسی اندھیرے کنوئیں میں گر پڑا۔ کنوئیں میں ایک عجیب قسم کی گیس نکلنا شروع ہو گئی۔ اس گیس کی وجہ سے عنبر بے ہوش ہو گیا۔ اتنے میں دو آدمی چہروں پر گیس کے نقاب پہنے آئے اور انہوں نے عنبر کی مشکیں کس کر اسے کنوئیں کے ایک خفیہ دروازے سے باہر نکال کر لے گئے۔

اصل میں یہ لوگ بردہ فروش تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف شہروں سے نوجوانوں کو اغوا کر کے باہر مصر کے ملک میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے۔ مصر میں ایک بہت بڑا بند بن رہا تھا جہاں مزدوروں کی بڑی مانگ تھی۔ وہاں کا ٹھیکیدار ایسے خریدے ہوئے غلاموں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ان سے کام لیتا تھا اور بہت ظلم کرتا تھا۔

راتوں رات یہ لوگ عنبر اور چند ایک دوسرے بے ہوش نوجوانوں کو ایک بڑے سے بکس میں بند کر کے ہوائی جہاز کے ذریعے مصر لے گئے۔

وہ قاہرہ کے شہر سے ایک ہزار میل دور لے جا کر ایک ویران ریگستان میں ایک جھونپڑے کے پاس کنوئیں کے اندر ڈال کر اوپر پہرہ لگا دیا۔ عنبر کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو کنوئیں کے اندر ہی پایا۔ مگر یہ کنواں خشک تھا اور اس میں ریت ہی ریت تھی۔

اس کے ساتھی دو نوجوانوں کو بھی ہوش آ گیا۔

دوپہر کو اوپر سے رسی کے ذریعے انہیں کھانا دیا گیا جو صرف چھ سات خشک باسی روٹیاں تھیں، ساتھ ایک لوٹا پانی کا تھا اور بس۔ عنبر کو سب معلوم ہو گیا کہ اسے بمبئی کے غار سے اغوا کر کے یہاں ملک مصر میں لایا گیا ہے۔ اور یہاں ایک خرکار ان سے بیگار لے گا۔ عنبر اس خیال سے پریشان ہوا کہ ماریا اسے تاج ہوٹل میں تلاش کر رہی ہو گی۔ دو روز اسے کنوئیں میں رکھا گیا۔ تیسرے روز ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور کنوئیں سے باہر نکال کر مٹی کھودنے پر لگا دیا۔

خرکار بڑا ظالم انسان تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ ماریا بھی تاج ہوٹل میں نہیں اور ناگ بھی ایلورا غار سے غائب تھا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کچھ روز اسی جگہ کام کرے۔ جو خدا کو منظور ہو گا ہو جائے گا۔ شاید اسی جگہ ناگ سے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے۔ عنبر نے خرکاروں کی نگرانی میں بند پر کام کرنا شروع کر دیا۔

اب ناگ کا حال بھی سنیے۔

بیچارا مر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے انگوٹھی چھوٹ کر دور جا پڑی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ سانپ کے روپ میں کونے میں بے ہوش پڑا تھا۔ یہ ایک مشہور تاریخی غار تھی جس کو دیکھنے کے لئے لوگ دوسرے ملکوں سے بھی آیا کرتے تھے۔ سیاح یہاں آ کر دیواروں میں تراشے ہوئے بت دیکھتے۔ ان کی تصویریں اتارتے اور یادگار بنا کر ساتھ لے جاتے۔

اتفاق سے ایک جنگی بحری جہاز بمبئی کی بندرگاہ میں آ کر لگا تھا۔ یہ ایک فرانسیسی جہاز تھا جو انگریزوں کے ساتھ مل کر جرمنوں کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا اور صرف دو روز کے لئے تیل لینے کے لئے بمبئی کی بندرگاہ پر آ کر رک گیا تھا۔ اس جہاز کے کپتان کی بیوی گارشیا تھی جس کی عمر چالیس سال کے قریب ہو گی۔ بڑی باوقار خاتون تھی۔ سر کے بال سنہری تھے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ وہ اپنے بوڑھے ملازم کے ساتھ غار کی سیر کرتی پھر رہی تھی کہ اتفاق سے غار کے اس حصے میں آ گئی جہاں فرش پر سپیرے کی لاش پڑی تھی۔

لاش اب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی تھی۔ گارشیا نے لاش کا ڈھانچہ دیکھا تو ڈر کر پرے ہٹ گئی۔

"یہ کس کا ڈھانچہ ہے؟"

نوکر نے کہا۔

"مادام! معلوم ہوتا ہے کئی سال پہلے یہاں کوئی حادثہ ہوا ہو گا جس میں یہ شخص مارا گیا۔ اس کی لاش اسی جگہ پڑے پڑے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی۔"

۵

"یہاں سے نکل چلو پیری!"

پیری بوڑھے نوکر کا نام تھا۔ وہ وہاں سے چلنے ہی والے تھے کہ گارشیا کی نظر فرش پر گری ہوئی انگوٹھی پر پڑ گئی۔ اس کا سرخ نگینہ چمک رہا تھا۔

"یہ تو کوئی قیمتی پتھر معلوم ہوتا ہے۔"

گارشیا نے جھک کر انگوٹھی اٹھائی۔ نگینے کو غور سے دیکھ کر کہا۔

"تاریخی انگوٹھی معلوم ہوتی ہے۔ میں اسے پہنوں گی۔"

بوڑھے ملازم پیری نے کہا۔

"مادام! میری مانیں تو اس انگوٹھی کو اسی جگہ پھینک دیں۔ میں نے سن رکھا ہے کہ ہندوستان میں جادو ٹونا بڑا عام ہے۔ ایسی جگہوں پر اکثر آسیب رہا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس انگوٹھی پر بھی کسی نے جادو کر رکھا ہو اور آپ کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

گارشیا بڑی روشن خیال خاتون تھی اور پڑھی لکھی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"پیری! میں جادو ٹونے کو نہیں مانتی۔ یہ ایک خوبصورت انگوٹھی ہے اور اس کا مالک کوئی نہیں۔ پس میں اسے ضرور پہنوں گی اور پیرس جا کر اپنی سہیلیوں کو بڑی شان سے دکھاؤں گی۔ میری کسی سہیلی کے پاس ایسی خوبصورت انگوٹھی نہیں ہو گی۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بی دشمن کی بمباری سے تباہ ہو جاتے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ کپتان ابھی ابھی کنٹرول روم سے نکل کر ڈیک کے جنگلے کے ساتھ لگا پائپ پی رہا تھا اور اپنی تجربہ کار نظروں سے سمندر میں دور آسمان پر نظر آنے والے سیاہ دھبے کو تک رہا تھا۔ یہ دھبہ کیا ہو سکتا ہے!

اس کی بیوی مادام گارشیا اپنے بیڈ روم میں آرام سے سو رہی تھی۔ انگوٹھی اس کی انگلی میں تھی۔ اچانک ایک ہلکی سی سیٹی کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنا شروع کیا۔ بیڈ روم میں صرف کونے والا دھیما بلب جل رہا تھا جس کی بہت ہلکی ہلکی روشنی بیڈ روم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک مادام کی رگوں میں خون خوف سے جم گیا۔

کیا دیکھتی ہے کہ ایک لاش اس کی طرف الماری کے پیچھے سے نکل کر بڑھ رہی ہے۔ لاش کسی سیاہ آدمی کی ہے۔ گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی ہے اور منہ سے خون بہہ رہا ہے۔ لاش نے دونوں ہاتھ آگے کو پھیلا رکھے ہیں اور وہ مسلسل مادام کو گھورے جا رہی ہے۔ پھر اسے ایسی آواز آئی جیسے کسی کا گلا غرغر کر رہا ہو۔

"واپس دے دو۔ واپس دے دو۔"

مادام کے منہ سے ایک بلند چیخ نکل گئی۔

باہر جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے کپتان نے مادام کی چیخ کی آواز سنی تو گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے پائپ چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔

و بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا کیبن میں آیا اور دیکھا کہ مادام بستر یے ہوش پڑی ہے۔ اس نے منہ پہ پانی کا چھینٹا ملا۔ مادام کو ل آیا تو اس کے کپتان خاوند نے پوچھا۔

"کیا بات تھی گارشیا؟ کیا تم خواب میں ڈر گئی تھیں؟"

ام گارشیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے کیبن میں رکھی الماری کی طرف ور رہی تھیں۔

"وہ — وہ — لاش —"

"لاش؟" کپتان نے جھک کر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو گارشیا؟ کس کی لاش؟ کہاں ہے لاش۔"

ر کو کافی پلائی گئی۔ جب اس کے حواس درست ہوئے تو ا نے اپنے خاوند کو بتایا۔

"اس الماری کے پیچھے سے ایک لاش میری طرف بڑھ رہی تھی۔ کسی ہندوستانی سپیرے کی لاش لگتی تھی۔ اس کی گردن ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔"

"ہا ہا ہا!" کپتان ہنسا۔ "تم نے ضرور خواب دیکھا ہے۔"

"نہیں نہیں۔ وہ لاش تھی۔ زندہ لاش تھی۔ وہ مجھے گھور رہی تھی۔ میری طرف اشارہ کر کے بڑھ رہی تھی۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

“پہلی بات تو یہ ہے گارشیا کہ لاش کبھی زندہ نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس جہاز پر آج تک کبھی کوئی لاش سوار نہیں ہوئی۔ دیکھ لو۔ اب بھی جا کر دیکھ لو۔ اس کیبن میں لاش کہاں ہے؟ کہیں بھی نہیں ہے۔”

مادام گارشیا بار بار یہی کہتی رہی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس کا خاوند کپتان اپنی بیوی کو پھر سے بستر پر لیٹا کر کھڑکیوں پر پردے ڈال کر بتی جلا کر باہر نکل گیا۔

اس کی سب سے بڑی پریشانی وہ سیاہ دھبہ تھا جو سمندر میں دکھائی دے رہا تھا۔ کپتان نے دوربین نکال کر اس دھبے کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش کی۔ اب وہ دھبہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

“کہاں چلا گیا وہ دھبہ؟”

کپتان نے نیچے آپریشن روم میں فون پر حکم دیا۔

“راڈار کو چیک کرو۔ ہمارے اردگرد کوئی دشمن کی آبدوز تو نہیں ہے!”

انجینئروں نے اردگرد سمندر میں چیکنگ شروع کر دی۔ انہیں بھی جگہ دشمن کی آبدوز کہیں نہیں ہے۔ سمندر خالی ہے۔”

“او کے۔ ہوشیار ضرور رہنا۔”

“یس سر۔”

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ آسمان پر ہلکے بادل جمع ہو گئے تھے۔

سمندر پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ نہر سویز وہاں سے کافی دور
کپتان دوربین آنکھوں سے لگائے یونہی عادت کے مطابق سمندر
ادھر دیکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی دشمن کا جہاز تو نہیں آ رہا۔
روم، بحیرہ عرب میں دو دفعہ پہلے ایک جرمن جہاز نے
پار کی تھی۔ سمندر پر سکون تھا۔ کپتان بڑا مطمئن ہو گیا کہ ہر طرف
ہے۔ اور اس کا جہاز سلامتی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف
جا رہا ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ جہاز کی زندگی بس چند منٹوں کی
تھی۔

خوفناک طاقت والا تارپیڈو سمندر کے نیچے ہی نیچے اس جنگی
طرف بڑھ رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صحرا میں موت

۵

کپتان نے جو سیاہ دھبہ دیکھا وہ جرمن آبدوز تھی۔

راڈار کی سکرین پر جرمن آبدوز اس لیئے دکھائی نہیں دی تھی
انہوں نے آبدوز کے سامنے انجن بند کر کے اسے سمندر کی تہہ سے
ساتھ لگا دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے سگنل راڈار پر دکھائی نہیں
دے رہے تھے۔ اور انجینئر دھوکہ کھا گئے تھے۔ اس کے بعد جرمن آبدوز نے
سمندر کی تہہ سے تھوڑا سا اوپر اٹھ کر فرانسیسی جنگی جہاز کے پیندے کا نشانہ
لیا اور ایک طاقت ور تارپیڈو چھوڑ دیا۔ اس کے ایک منٹ بعد دوسرا
تارپیڈو بھی چھوڑ دیا گیا۔

دونوں تارپیڈو اس حساب سے چھوڑے گئے تھے کہ جب جہاز
[illegible] بہتا ہوا ایک خاص مقام پر آتے تو دونوں تارپیڈو اس کے
اس کے ساتھ ٹکرا کر اسے تباہ کر دیں۔ یہ تارپیڈو بم سیدھے پانیوں
نیچے ہی نیچے آگے بڑھ رہے تھے۔ کپتان جھٹکے پر کھڑا چیک کر
رہا تھا۔ اسے کوئی خبر نہ تھی کہ تھوڑی دیر بعد اس کے جہاز پر تباہی

پھر ایسا ہی ہوا۔ اچانک کپتان کی نظر سمندر کی سطح پر گئی تو
ایک سفید ۔ ہلکی سفید سی لکیر کو اپنے جہاز کی طرف بڑھتے دیکھا
پیچھے ایک اور لکیر آگے بڑھ رہی تھی۔ کپتان کے ماتھے پر خوف
پسینہ آ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ جہاز کی موت چلی آ رہی ہے۔ اس نے
نا کی چیخ کر کہا۔

"جہاز کا رخ موڑ دو۔ دائیں جانب!"

کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کپتان نے اچانک جہاز کو دائیں جانب
کا حکم کیوں دے دیا ہے۔ کیونکہ جہاز کو اچانک موڑنا بڑی مشکل
اور جہاز کے ایک طرف کو جھک کر غرق ہو جانے کا خطرہ
اور یہ تو بہت بڑا جنگی جہاز تھا۔ کپتان کی بلند دھاڑ ایک بار
[illegible]

"جہاز کو موڑ دو۔ جلدی، جلدی!"

نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور جہاز کا رخ موڑنے کے
کے سنہری ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ایک ایسی آواز گونجی
آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو۔ انجینئروں کی آنکھوں میں ایک
چمک گئی اور وہ انجن روم میں گرتے ہی مر گئے۔ دھماکے کی
ان کے دماغ پاش پاش کر دیئے تھے۔
تارپیڈو بم جہاز سے ٹکرا گیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جہاز کے آدھے حصے میں آگ لگ چکی تھی۔ ایک منٹ بعد دوسرا جہاز سے آن ٹکرایا اور رہی سہی کسر اس نے پوری کر دی۔ ڈوبنے لگا۔ کشتیاں سمندر میں پھینک دی گئی تھیں۔ کچھ ملاح سوار ہو کر لہروں سے مقابلہ کر رہے۔ جس وقت پہلا تارپیڈو اچھل کر فضا میں بلند ہوا اور پھر اتنی زور سے جھٹکے کی ساتھ ٹکرا کر اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

دوسری طرف کیبن میں سوئی ہوئی مادام گارشیا کو یوں لگا۔ جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بستر سمیت اچھل کر کیبن سے باہر آ گئی اور سیدھی سمندر میں جا گری۔ اس کا بستر فوم کا تھا یعنی کھوکھلے ربڑ کا جس کی وجہ سے وہ پھر سمندر کی لہروں پر تیرتی رہی۔ پھر اسے کسی نے کشتی میں کھینچ لیا۔ اس کشتی میں چار ملاح سوار تھے۔

مادام گارشیا کو جب خبر ملی کہ اس کا خاوند اور جہاز کے تقریباً سبھی ملاح ہو گئے ہیں تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ سمندر میں اندھیرا تھا۔ بے چارے ملاحوں نے مادام کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی۔ آخر انہوں نے اسے بے ہوش ہی رہنے دیا اور خود کشتی کو چلاتے ہوئے ڈوبتے جہاز سے دور۔ بہت دور لے گئے۔

اب ان ملاحوں کی بدقسمتی دیکھیں کہ ٹھیک اس وقت جب نے اندھیرے میں سمندر میں سے سر باہر نکالا اور اس کے

ہوئی مشین گن چلا کر ایک جرمن سپاہی نے ان ملاحوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ چاروں ملاح سمندر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گولیاں ان کے جسموں میں سے گزر گئیں اور وہ سمندر میں ایسے گرے کہ پھر نہ مادام گارشیا بے ہوش ہو کر کشتی میں پڑی تھی۔ اگر وہ بیٹھی ہوتی تو اس کی بھی خیر نہیں۔

کشتی مادام کو لے کر سمندر میں رات کے اندھیرے میں اپنے آپ بہتی رہی تھی۔ رات گزر گئی۔ دن چڑھا تو دھوپ کی وجہ سے مادام کو ہوش آ گیا۔ اٹھ کر اس نے دیکھا کہ کشتی میں وہ اکیلی ہے ملاح غائب ہیں۔ اس نے کشتی میں خون کے دھبے دیکھے۔ گئی کہ شاید دشمن نے ان پر فائرنگ کی ہو گی۔

اس کے ارد گرد چاروں طرف گہرا نیلا سمندر تھا اور کشتی اپنے سمندر کی لہروں کے ساتھ ہی چلی جا رہی تھی۔ مادام کو کچھ خبر تھی کہ وہ کدھر جا رہی ہے اور اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس کشتی میں دیکھا۔ بڑے جنگی جہازوں کی کشتی میں ایک کٹ ضرور ہوتی ہے جس میں کم از کم سات آدمیوں کے لیے دس دن کا راشن رہتا ہے۔ اور پانی کی ایک چھاگل بھی ہوتی ہے۔

یہ دیکھ کر مادام کو تسلی ہوئی کہ کشتی میں راشن کی کٹ موجود اس میں بسکٹ، خشک میوے، ڈبل روٹی کے ٹکڑے، خشک موجود تھا۔ پانی کی چھاگل بھی قریب ہی پڑی تھی۔ مادام

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے مشک سے پیٹ بھر پانی پیا اور پھر کشتی میں لیٹ گئی۔ دھوپ بڑی تیز تھی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کے لیے ایک چھوٹی سی ترپال اٹھا کر اسے کشتی کے آدھے حصے پر ڈال دیا اور پھر اس کے نیچے سائے میں پڑ کر لیٹ گئی۔

اسے اپنے خاوند کے مر جانے کا بے حد دکھ تھا۔ اس کا سب کچھ ہی تباہ ہو گیا تھا۔ اب وہ یہی چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے پیرس پہنچ جائے تاکہ باقی زندگی وہیں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر بسر کرے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسکندریہ کی بندرگاہ پر اس کا بھائی بھی ضرور آئے گا۔ اسے تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جنگی جہاز غرق ہو گیا ہے۔ مادام گارشیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ دیر تک روتی رہی۔

اس کی نظر اپنی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی پر پڑ گئی۔ کہیں یہ سب نحوست اس کی وجہ سے تو نہیں آئی؟ مادام نے سوچا۔ وہ انگوٹھی سمندر میں پھینکنے ہی والی تھی کہ پھر کچھ سوچ کر وہ رک گئی اور اپنے خاوند کو یاد کر کے آنسو بہانے لگی۔

شام کو اس نے تھوڑا سا گوشت کھایا۔ دو ٹکڑے ڈبل روٹی کے کھائے اور تھوڑا سا پانی پی کر لیٹ گئی۔ اسے نیند آ گئی۔ وہ سوئی رہی اور کشتی سمندر میں بہتی چلی گئی۔ شام سے رات ہو گئی۔ سمندر میں اندھیرا پھیل گیا۔ آسمان پہ ستارے نکل آئے۔ رات گہری ہو گئی۔

ک مادام کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے کانوں میں وہی تیز سیٹی کی ز گونجی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی ایک دم سے اس کی چیخ نکل گئی۔

اس نے دیکھا کہ اس کی کشتی کے ساتھ ساتھ وہی روشنی آگے ھ رہی ہے۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے۔ منہ سے ون بہہ رہا ہے۔ گردن ڈھلکی ہوئی ہے اور غرغراہٹ کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک آواز سنائی دیتی ہے۔

" واپس ۔ واپس ۔ کھا جاؤں گا۔

کشتی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

مادام چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔

ھر جب اسے ہوش آیا تو کشتی ساحل کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وں رات کشتی ساحل کے ساتھ لگ چکی تھی۔ یہ علاقہ ریتیلا تھا۔ ادام نے دیکھا کہ سامنے ریت ہی ریت ہے۔ شاید یمن کا جنوبی تھا۔ کیونکہ اگر افریقہ کا جنوبی ساحل ہوتا تو اتنا ویران نہ تا۔ وہاں سبزہ ضرور ہوتا ہے۔ مادام نے کشتی کو ساحل کی ریت پر کھینچ لیا۔ سورج نکل رہا تھا۔ ہلکی ہلکی دھوپ میں صحرا کی ریت ک رہی تھی۔ جنگ کے دن ہونے کی وجہ سے مادام گارشیا کو امید کہ کوئی نہ کوئی فرانسیسی یا برطانوی ہوائی جہاز ادھر سے ضرور گزرے گا اور وہ اسے مدد کے لیے بلا سکے گی۔ مگر کیسے حالات اس کا انتظار رہے تھے؟ یہ اسے خبر نہیں تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوپہر کو جب سورج آسمان کے بیچ میں آ گیا تو بڑی سخت گرمی پڑنے لگی۔ سمندر کی طرف سے بھی بھاپ کی طرح کی گرم ہوا آنا شروع ہو گئی تھی۔ مادام کشتی میں جا کر ترپال کے نیچے بیٹھ گئی یہاں سائے میں کچھ ٹھنڈک تھی۔ اسی طرح مادام کو یہاں کشتی میں رہتے ہوئے چار روز گزر گئے۔ یہاں تھوڑا بہت کھا پی کر وہ کشتی میں ہی پڑی رہتی اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہتی۔

اس عرصے میں ایک بھی ہوائی جہاز اس کے اوپر سے نہیں گزرا تھا۔ خدا جانے یہ صحرا کا کونسا علاقہ تھا کہ کبھی کوئی پرندہ بھی اڑ کر ادھر نہیں آیا تھا۔ جب ہفتہ گزر گیا تو مادام تنگ آ گئی۔ اسی رات اس نے ایک بار پھر لاش کو دیکھا کہ صحرا کی ریت پر کھڑی ہے۔ دونوں ہاتھ مادام کی طرف پھیلا رکھے ہیں اور اسے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ وہ چیخ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

لاش غائب ہو چکی تھی۔

ساری رات مادام نے جاگ کر گزار دی۔ اب مادام وہاں سے کسی طرف کو نکل جانا چاہتی تھی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ کشتی کو سمندر میں ڈال کر ایک طرف نکل جائے۔ اس صحرا میں مرنے سے تو سمندر میں سفر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کے پاس صرف چار دن کی خوراک باقی رہ گئی ہے اور پانی تو بڑی مشکل سے دو روز تک چلے گا۔ اس اعتبار سے سمندر کا سفر ٹھیک نہیں تھا۔ صحرا میں چلتے چلتے ہو سکتا ہوا وہ کسی نخلستان میں پہنچ جائے۔

اس امید کے ساتھ مادام فرطبا نے ہمت سے کام لیا۔ کٹ کر اسے پشت پر باندھا اور سمندر کے کنارے کنارے شمال کی چلنا شروع کر دیا۔ دوپہر تک وہ آرام آرام سے سفر کرتی رہی۔ پر دھوپ بھی زیادہ تیز نہیں چلا جاتا۔ اس کی کشتی بہت پیچھے اب وہ اسے نظر نہیں آتی تھی۔ سمندر کا کنارہ یہاں ہی تھا۔ آگے اسے دور تک ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔ رات کو وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ کٹ اتار کر اس نے ریت دی اور چھاگل سے پانی نکال کر پیا۔ کچھ بسکٹ اور خشک کے ٹکڑے ڈبل روٹی کے ساتھ کھائے اور کٹ کا سرہانہ بنا کر پر سو گئی۔ ابھی اسے سوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک کی آواز نے اسے جگا دیا۔

کیا دیکھتی ہے کہ ایک صحرائی سانپ پھن اٹھائے اس کی طرف رہا ہے مگر آگے نہیں بڑھ رہا۔ مادام نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے منہ پر رکھا۔ جیسا کہ انسان گھبراہٹ میں کرتا ہے۔ انگوٹھی نگینے کا رخ سانپ کی طرف ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سانپ یوں اچھل کر زمین پر گرا جیسے کسی نے اس پر گرم گرم پانی ڈال دیا ہو۔ نے دیکھا کہ وہی سانپ جو ایک منٹ پہلے پھن اٹھائے اسے رہا تھا اب ریت پر تڑپ رہا ہے۔ مادام نے پرے ہو کر اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

غور سے تکنا شروع کیا۔ سانپ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ مادام کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے؟

وہ ریت پر پھر لیٹ گئی۔

رات کے پچھلے پہر پھر لاش نظر آئی۔ مگر اس بار وہ کافی دور صحرا میں کھڑی اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ مادام ڈری ڈری آنکھوں سے اسے دور ہی تکتی رہی۔ کچھ دیر تک مادام کو بلانے کے بعد لاش صحرا میں ہی غائب ہو گئی۔ دوسرے دن صبح کی بجائے مادام نے رات کو سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ دن کو بڑی گرمی ہو جاتی تھی۔ رات کو صحرا میں موسم بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔

سارا دن مادام نے آرام کیا۔ رات کو اس نے بچا کھچا کھانے کا خشک سامان اٹھایا اور آگے کو روانہ ہو گئی۔ آدھی رات تک وہ سفر کرتی رہی۔ پھر تھک کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ پھر چل پڑی۔ یوں صبح ہو گئی۔ صبح کو وہ سو گئی۔ سو کر دوپہر کو اٹھی۔ دیکھا کہ چھاگل میں پانی صرف تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے۔ اسے بڑی فکر ہوئی کہ پانی ختم ہو گیا تو وہ کیا کرے گی؟

وہ اٹھ کر چھوٹے سے ریت کے ٹیلے کے سائے میں جا رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ریت پر کسی ٹرک کے پہیوں کے نشان آگے کو جا رہے ہیں۔ وہ چونکی۔ اسے خوشی ہوئی۔ آگے ضرور کوئی آبادی ہو گی۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ ٹرک کسی دشمن کا تو نہیں تھا؟ جو کچھ بھی ہو

وہ مرنے سے دشمن کی جنگی قیدی بن جانا بہتر ہے گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ رات کو وہ ٹرک کے پہیوں کے نشانوں کے ساتھ آگے بڑھے گی۔ جب رات ہوئی تو اس نے ٹرک کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے سفر شروع کر دیا۔

ساری رات وہ سفر کرتی رہی۔

صبح کی روشنی میں کیا دیکھتی ہے کہ دور کچھ درخت نظر آ رہے ہیں۔ کھجور کے درختوں کے جھنڈ تھے جو ابھی کافی دور تھے۔ مادام کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔ لباس پھٹ چکا تھا۔ سر کے بالوں میں ریت بھری تھی۔ چہرہ دھوپ اور سفر کی وجہ سے گہرا سانولا ہو کر خشک ہو گیا تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ کو دیکھ کر اس کے جسم میں امید اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ موت سے بچ گئی تھی۔

کھجوروں کے جھنڈ میں اسے ہلکی ہلکی سی ایک عمارت کی جھلک بھی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ اسے آرام کرنے کی بجائے سفر کرتے رہنا چاہیے تاکہ جلد سے جلد کھجوروں کے جھنڈوں میں پہنچ جائے اور پناہ حاصل کرے۔ مگر وہ بے حد تھک چکی تھی۔ اس کی ٹانگیں چل چل کر تھکن سے چور ہو رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔"

اس نے چھاگل میں سے پانی کے آخری چند گھونٹ پیے۔ کچھ کھائے اور ریت کے ٹیلے سے ٹیک لگا کر سونے کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوشش کرنے لگی۔ اچانک کسی شے کی کھوں کھوں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چونکی۔

یہ کیسی آواز ہے؟ اس نے سوچا۔ بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ یہ کسی ٹرک کی آواز ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر دیکھنے لگی۔ پیچھے سے ایک ٹرک اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اصل میں ایسی جگہ کھڑی تھی جو صحرا میں آنے جانے کے لیے ایک راستہ تھا۔

ٹرک جب قریب آیا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔

کیونکہ ٹرک پہ جرمن نشان بنا تھا۔ گویا یہ ٹرک جرمنوں کا تھا۔ وہ اب دشمنوں کی قید میں جانے والی تھی۔ ٹرک میں دو فوجی بیٹھے تھے۔ انہوں نے بھی اس عورت کو دیکھ لیا تھا۔ شکل صورت سے وہ صاف یورپ کی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹرک اس کے قریب آ کر رک گیا۔ اس میں سے دونوں فوجی باہر نکل آئے۔ انہوں نے پستول نکال لیے تھے۔

"کون ہو تم؟" ایک جرمن نے اپنی زبان میں پوچھا۔

مادام نے فرانسیسی زبان میں کہا۔

"میں مادام گارشیا ہوں۔ جنگی جہاز پیرس کے کپتان کی بیوی۔ ہمارا جہاز غرق ہو گیا تھا میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچی ہوں۔"

مادام نے بڑی غلطی کی تھی کہ اپنے بارے میں صاف صاف سب کچھ بتا دیا تھا۔ جرمن بڑے خوش ہوئے کہ ایک بہت بڑے فرانسیسی جنگی جہاز کے کپتان کی بیوی ہاتھ لگی۔ اس سے وہ بہت سی معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے مادام کو گرفتار کر لیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹرک میں ڈال لیا اور آگے چل پڑے۔ جہاں مادام کو کھجور کے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے تھے وہاں جرمن فوجوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہ سارا علاقہ جرمنوں کے قبضے میں تھا اور وہ یہاں سے آگے ایک بہت بڑے حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مادام گارشیا کو ہیڈ کوارٹر کی پرانی سی عمارت کے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔

یہ عمارت ایک کھنڈر سا تھا۔ جرمن فوجی چاروں طرف پہرہ دے رہے تھے۔ مادام کو نیا لباس دے دیا گیا۔ اس نے نہا کر نیا لباس پہنا۔ اسے کھانے کو شوربہ اور ڈبل روٹی دی گئی۔ شام کو جرمن کمانڈر نے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

"تمہارا خاوند جہاز لے کر کس طرف جا رہا تھا؟"

مادام نے کہا۔

"مجھے اس نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ اس نے ضرور تم سے بات کی ہوگی۔ بتاؤ گی نہیں تو ہم سختی کریں گے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مادام نے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرا خاوند جہاز لے کر کس طرف جا رہا تھا۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ وہ اٹلی کی کسی بندرگاہ کا نام لیتا تھا کہ وہاں وہ حملہ کرنے کا پلان بنا رہا ہے۔"

"اس بندرگاہ کا نام کیا تھا؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

ایک جرمن فوجی نے مادام کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ مادام کے آنسو نکل آئے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ جرمن سپاہی عورت کا احترام نہیں کرتے۔ میں ایک اعلیٰ خاندان کی عورت ہوں اور میرا خاوند ایک بہت بڑے جنگی جہاز کا کپتان تھا۔ تمہیں مجھ سے تہذیب سے پیش آنا چاہیئے۔"

اسی جرمن سپاہی نے مادام کو ٹھڈا مار کر کہا۔

"تم ایک دشمن عورت ہو اور ہماری قیدی ہو۔ بتاؤ تمہارا خاوند کس بندرگاہ کی طرف جہاز لے جا رہا تھا؟"

مادام نے یونہی جان بچانے کے لئے کہہ دیا۔

"سائز نیکا کی طرف۔"

"جھوٹ بکتی ہو۔"

"تو پھر میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں؟"

"تم صرف سچ سچ بتاؤ۔ اگر ایسا نہیں کرو گی تو ہمارے پاس سچ اگلوانے کے بڑے طریقے ہیں۔"

"مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے بتا دیا ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے جو چاہتے ہو سلوک کرو۔"

کمانڈر نے مادام گارشیا کی طرف گھور کر دیکھا۔ پھر اٹھ کر اس دام گارشیا کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے۔ مادام کی چیخیں گئیں۔

"اپنے خاوند کے جنگی جہاز کے بارے میں ہمیں وہ سب کچھ بتاؤ جو تمہیں معلوم ہے اور جو تم ہم سے چھپا رہی ہو۔"

نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے آپ لوگو کو بتا دیا ہے۔"

نڈر نے حکم دیا۔

"اس کو تہہ خانے میں پھینک دو۔ بہت جلد اس کا دماغ درست ہو جائے گا۔"

جرمن سپاہی لے گئے اور انہوں نے اسے ایک تہہ خانے میں دیا۔ یہ ایک تنگ سا گڑھا تھا جس کے اوپر لوہے کا پنجرہ ڈال گیا۔ مادام رونے لگی اور اس وقت کو کوسنے لگی جب اس نے سے میں صاف صاف بتا دیا تھا۔ دوپہر کو اسے کھانے کو کچھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہ دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد دو جرمن سپاہی آ گئے۔ اوپر جنگلے پر سے انہو نے ایک لمبا سبز رنگ کا سانپ نیچے تہہ خانے میں پھینک دیا۔ اصل میں یہ سانپ صرف مادام گارشیا کو ڈرانے کے لئے پھینکا گیا تھا اور اس کا زہر نکال دیا گیا تھا۔

مادام گارشیا نے سانپ کو تہہ خانے میں گرتے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ سانپ بڑا خوفناک تھا۔ وہ گرتے ہی ریت پر پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور مادام کی طرف لال لال زبان نکال کر گھورنے لگا۔ مادام نے خوف زدہ ہو کر ہاتھ اوپر اٹھایا ہی تھا کہ انگوٹھی کا نگینہ سا منے آ گیا۔ سانپ پر نگینے کی روشنی پڑی تو وہ اچھل کر ریت پر گرا اور تڑ تڑپ کر رہ گیا۔

اوپر جنگلے پر کھڑے جرمن سپاہی یہ سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو سانپ کو تڑپ کر مرتے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیوں کر ہو گیا؟ انہوں نے دوسرا سانپ لا کر نیچے پھینک دیا۔ اس کے ساتھ بھی وہی ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے کوئی ایک فٹ اچھلا اور پھر زمین پر گر کر تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ خود مادام کو بھی ابھی تک نہیں معلو تھا کہ یہ کیا راز ہے؟

جرمن سپاہیوں نے سارا واقعہ جرمن کمانڈر کو جا کر بتا دیا۔

اس نے کہا۔

۔ اس عورت کا کھانا پینا بند کر دیا جائے۔

ری رات اور دوسرے دن بھی مادام کو کچھ نہ ملا۔ صرف شام کو ایک ٹی کا کٹورہ پانی کا ملا جسے وہ پی گئی۔ پانی پینے سے اسے کچھ ہوش آیا سانپ اس کے سامنے پڑے تھے۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا کوئی اور ہوتا تو مردہ سانپ کھا جاتا مگر مادام ایک اونچے کی عورت تھی۔ وہ بھوکی مر سکتی تھی مگر اب کیا خدا کا کیا ہوا کہ رات کا اندھیرا پھیلا تو مادام کا پیاس سے برا حال ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ مٹی کے کٹورے میں شاید پانی بچا ہو۔ اس کو دیکھنا چاہیے۔ س نے کٹورہ اٹھانے کے لئے اندھیرے میں ہاتھ آگے بڑھایا و اس کا ہاتھ مٹی کے کٹورے سے ٹکرا کر آگے نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی انگوٹھی کا نگینہ بھی کٹورے سے گھس گیا تھا۔ گھستے ہی جن سانپ کے روپ میں تہہ خانے میں حاضر ہوا۔ اور بولا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟"

مادام نے جو ایک سیاہ رنگ کا بھیانک سانپ پھن پھیلائے اندھیرے اسے گھورتے دیکھا تو اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کے علاوہ سے آواز بھی سنائی دی۔ آواز کسی نوجوان انسان کی تھی۔ وہ خوب سے کانپنے لگی کہ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے؟

نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں اس انسان کا خادم ہوں جس کے پاس یہ نگینہ ہے۔ میں قیدی کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

اب مادام سب کچھ سمجھ گئی کہ یہ جادو کی انگوٹھی ہے اور اس میں یہ ناگ قید ہے۔ وہ جھٹ بولی۔

"کیا تم مجھے یہاں سے نکال سکتے ہو؟"

سانپ نے کہا۔

"میں تمہیں نکال نہیں سکتا مگر یہاں تم جو کہو کھانے پینے کو لا سکتا ہوں۔"

مادام نے کہا۔

"سب سے پہلے تو مجھے کچھ کھانے کو دو۔ پھر کوئی بات کروں گی۔"

"جو حکم۔"

اتنا کہہ کر سانپ غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی تہہ خانے میں ایک خوان آ کر بچھ گیا۔ مادام نے دیکھا کہ اس خوان میں بھنا ہوا مرغا، بھنا ہوا مور، بھنا ہوا تیتر اور پھل رکھے ہیں۔ ٹھنڈے پانی کی ایک صراحی بھی پڑی ہے۔ مادام نے جی بھر کر کھانا کھایا اور پھر انگوٹھی کے نگینے کو ہاتھ سے رگڑ کر کہا۔

"مسٹر سانپ! ذرا سامنے تو آنا۔"

سانپ یعنی ناگ نگینے کے رگڑتے ہی سامنے آ گیا۔

"مسٹر، یہ برتن تو واپس لے جاؤ۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ ابھی چلے جائیں گے۔"

نے ایک پھونک ماری اور برتن غائب ہو گئے۔

"اور کوئی حکم؟"

نے کہا۔

"میں یہاں سے کیسے باہر نکل سکتی ہوں؟ مجھے یہ بتاؤ۔"

"میں تمہیں یہاں سے خود نہیں نکال سکتا ہاں ایک سیڑھی لا کر اس تہہ خانے کی دیوار سے لگا سکتا ہوں۔"

"اگر میں باہر گئی تو پکڑی جاؤں گی۔ کیونکہ باہر تو جگہ جگہ جرمن سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔"

تم کہو تو میں پہرے دار کو جا کر ہلاک کر دیتا ہوں۔" سانپ نے کہا۔

کہنے لگی۔

کس کس کو ہلاک کرو گے؟"

"جیسے تمہاری مرضی ہو ویسے حکم دو۔ میں بجا لاؤں گا۔"

نے کہا۔

اچھا تم ایسا کرو کہ باہر سپاہی پہرہ دے رہا ہے اسے ک کر دو اور یہاں ایک سیڑھی لا دو۔"

جو حکم۔"

غائب ہو گیا۔ باہر ایک جرمن سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سنے دیکھا کہ ایک سانپ اچانک سامنے آیا اور اس نے بڑی تیزی سے لپک کر اس کی گردن پر ڈس لیا۔ سپاہی کا ایک دم سے گلا خشک ہوگیا اور وہ بول بھی نہ سکا اور زمین پر گر کر مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی تہہ خانے کے اندر اپنے آپ سیڑھی لگ گئی۔

مادام سیڑھی پر چڑھ کر اوپر آئی۔ اس نے لوہے کا ڈھکن اوپر اٹھایا اور تہہ خانے سے باہر نکل آئی۔ اس نے دیکھا کہ سانپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ پہرے دار مرا پڑا تھا۔ اب وہ یہ چاہتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے کوئی سواری لے کر بھاگے۔ کیوں کہ صحرا میں پیدل چلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سواری بھی کوئی جیپ ہو اور اس میں پٹرول بھی کافی ہو۔

جیپ تو مل جائے۔ پٹرول کا انتظام بھی ہو جائے گا؟

مادام نے دیکھا کہ ذرا فاصلے پر درخت کے نیچے ایک جیپ کھڑی ہے۔ وہ دبے پاؤں چلتی وہاں پہنچی۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے کسی نے اسے نہ دیکھا۔ جیپ کے پاس پہنچ کر مادام زمین پر بیٹھ گئی اور رینگ رینگ کر آگے بڑھنے لگی۔ جیپ کے قریب ہی ایک جرمن سپاہی گہری نیند سو رہا تھا۔ مادام کو معلوم تھا کہ جب جیپ سٹارٹ ہوگی تو اس کا شور بلند ہوگا اور سب کو پتہ چل جائے گا۔ وہ چاہتی تھی کہ شور بھی نہ ہو اور جیپ لے کر وہاں سے بھاگ بھی جائے۔ اس نے انگوٹھی کو رگڑ کر سانپ کو حاضر کیا اور کہا۔

"مسٹر سانپ! کیا تم ایسا کوئی انتظام کر سکتے ہو کہ جیپ یہاں سے چل بھی پڑے اور اس کا شور بھی نہ ہو۔"

سنے کہا۔

"مادام! میں ایک نئی جیپ یہاں حاضر کر سکتا ہوں۔ اس جیپ کو غائب کر سکتا ہوں۔ اگر یہ سٹارٹ نہ ہوتی ہو تو اسے سٹارٹ کر سکتا ہوں۔ مگر اس کا شور بند نہیں کر سکتا۔"

سنے سرگوشی میں کہا۔

"تو پھر میں اس جیپ کو یہاں سے کیسے لے کر بھاگوں! اس کے شور سے تو سارے لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔"

سنے کہا۔

"یہ تو ہوگا پھر۔"

"آخر تم کس مرض کی دوا ہو؟"

"مادام! میں بعض جگہ مجبور بھی ہوں۔ کیا میں جاؤں؟"

نے کہا۔

"ذرا ٹھہرو۔ اس کم بخت سوتے ہوئے سپاہی کا تو کچھ انتظام کر جاؤ۔ یہ جاگ پڑے گا۔"

"کیا اسے ہلاک کر دوں؟"

"نہیں نہیں۔ خواہ مخواہ کسی کی جان لینا اچھی بات نہیں۔ ایسا کرو کہ اسے بے ہوش کر دو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سانپ سے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔"

اور سانپ نے جا کر سوتے ہوئے سپاہی کے منہ پر ہلکا سا ڈنگ مارا اور سپاہی بے ہوش ہو گیا۔ سانپ غائب ہو گیا۔ مادام جیپ میں بیٹھ گئی۔ اب وہ اسے سٹارٹ کرتے گھبرا رہی تھی کہ جونہی اس نے انجن سٹارٹ کیا سارے لوگ بیدار ہو جائیں گے۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ مادام ہر حالت میں یہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ آخر اس نے انجن سٹارٹ کر دیا اور ایک دم سے گیئر لگا کر جیپ کو صحرا میں ایک طرف بھگانا شروع کر دیا۔

جیپ کے شور سے ہیڈ کوارٹر سے نکل کر دو سپاہی باہر آ گئے۔ انہوں نے جو جیپ کو صحرا کی طرف جاتے دیکھا تو سوچا کہ یہ کون بغیر اجازت کے اس وقت گیا ہے؟ انہوں نے یونہی تہہ خانے کے جنگلے کے قریب جا کر پہرے دار سپاہی کی لاش دیکھی تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ اب جو جھانک کر نیچے تہہ خانے میں ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تو قیدی عورت غائب تھی۔ انہوں نے خطرے کی سیٹی بجا دی۔

ہیڈ کوارٹر میں شور مچ گیا۔ اسی وقت ایک ٹرک فرار ہونے والی مادام کے تعاقب میں روانہ کر دیا گیا۔ ٹرک پر مشین گن لگی تھی۔

جونہی جیپ سامنے آئی جرمنوں نے مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی۔ تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں۔ کئی گولیاں مادام گلارشیا کے سر کے اوپر سے ہو کر گزر گئیں۔ اس نے جلدی سے انگوٹھی [illegible] سانپ کو بلایا اور کہا۔

"[illegible] ان لوگوں کا کچھ بندوبست کرو۔ نہیں تو یہ مار کر ہی دم لیں گے۔"

نپ نے کہا۔

"میں ان کی چلتی ہوئی مشین گن کو بند نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر کیا کر سکتے ہو تم؟"

"میں مشین گن غائب کر سکتا ہوں۔"

"تو جلدی کرو۔ کیا سوچ رہے ہو۔"

ادھر جرمن سپاہی مشین گن چلا رہا تھا۔ ایک دم سے پیچھے گر پڑا۔ کیونکہ مشین گن اس کے ہاتھ سے نکل کر غائب ہو گئی تھی۔ دوسرے جرمن سپاہی بھی آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگے کہ مشین گن کدھر چلی گئی! انہوں نے سوچا کہ شاید پیچھے کہیں گر پڑی ہے۔

"پستول سے فائرنگ کرو۔ جیپ کو روکنا ہے۔"

پستول سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ ناگ نے ان کے پستول بھی غائب کر دیئے۔ جرمن سپاہی گھبرا گئے کہ یہ کیا جادو ہو رہا ہے۔ مگر ٹرک جیپ کے قریب آ رہا تھا۔ مادام نے کہا۔

"ان کے ٹرک کے پہیئے بھی غائب کر دو۔"

[illegible] ٹرک کے چاروں پہیئے غائب ہو گئے اور ریت میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دھنس کر ایک طرف کو الٹ گیا۔ جرمن ریت پر ادھر ادھر گر پڑے۔ جیپ اتنے میں کافی دور نکل گئی تھی۔ سانپ یعنی ناگ اپنا فرض پورا کرنے کے بعد غائب ہو چکا تھا۔ مادام گارشیا جیپ کو صحرا میں پوری سپیڈ پر چلا رہی تھی۔ صحرا میں فوجی ٹرکوں نے ایک کچا راستہ بنا دیا تھا جس پر اس کی جیپ جا رہی تھی۔ مادام کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ راستہ اسے کہاں لے جائے گا۔ وہ ایک جرمن جیپ پر سوار تھی۔ راستے میں کسی جگہ بھی پکڑی جا سکتی تھی۔ اس کے باوجود اسے فرار ہونا ہی تھا۔ صحرائی راستے پر کافی دور سفر کرنے کے بعد اسے دور ایک اونچا چوکور مینار سا نظر آیا۔ ایک ہیلی کاپٹر اس کے اوپر سے ہو کر گزر گیا۔ شاید وہ کسی کام پر جا رہا تھا۔ مادام کو یہ بھی خدشہ تھا کہ ٹرک والے جرمن سپاہیوں نے وائرلیس پر آگے اطلاع کر دی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ آگے جا کر وہ کسی جرمن چوکی پر گرفتار ہو جائے دن کافی نکل آیا تھا اور صحرا میں دھوپ کی وجہ سے گرمی بڑھنے لگی تھی۔ جوں جوں مادام کی جیپ مینار کے قریب پہنچ رہی تھی مادام کو فکر ہو رہی تھی کہ خدا جانے وہاں اس کے ساتھ کس قسم کے حالات پیش آئیں۔ اتنے میں ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا فوجی جہاز آسمان پر نمودار ہوا اور سیدھا مادام کی جیپ کے اوپر سے ہو کر آگے گزر گیا۔ ذرا دور جا کر جہاز نے ایک چکر لگایا اور واپس دوبارہ مادام کی جیپ کی طرف غوطہ مارا۔

سیاہ ہوائی جہاز میں کون تھا؟
عنبر پر بیگا کیمپ میں کیا گزری؟
ملیا بیتی سے کس طرف روانہ ہوئی؟
ناگ انگوٹھی کی قید سے کیوں کر آزاد ہوا؟
ان سوالوں کا جواب آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں ملے گا۔

ڈاکو
اور سوداگر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موت کا تعاقب ۸۲
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

تین ڈاکو اور سوداگر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحقِ پبلشرز محفوظ

طابع: شیخ نیاز احمد
مطبع: [illegible] پرنٹرز، [illegible]
[illegible] شائع کیا

فہرست

- تین ڈاکو اور سوداگر ۵
- مُردہ سمندر ۲۵
- اندھا کنواں ۴۶
- خطرناک سکیم ۶۴
- آئرلینڈ میں بغاوت ۸۶
- انوکھا سفر ۱۰۵
- اندھیرے میں حملہ ۱۱۷

SH. GHULAM ALI &
SONS (PVT) LAHORE

ناشر:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز،
[illegible] مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو!

ناگ ایک انگوٹھی کے نگینے میں قید ہے۔ یہ انگوٹھی مادام گارشیا کے پاس ہے۔ وہ ین کے صحرا میں جرمنوں کی قید سے فرار ہو کر جیپ پر بھاگی جا رہی ہے کہ ایک جرمن جہاز اُس پر حملہ کرتا ہے۔ مادام گارشیا ناگ کو حاضر کرتی ہے اس کی مدد سے وہ سمندر کے کنارے پہنچتی ہے جہاں اس کی ملاقات ایک مفرور انگریز کمانڈر سے ہوتی ہے۔ راستے میں ایک فرانسیسی ہوا باز پیراشوٹ کے ذریعے صحرا میں چھلانگ لگاتا ہے۔ وہ بھی مادام کے ساتھ مل جاتا ہے۔ ادھر عنبر مصر کے بیگار کیمپ سے فرار ہو جاتا ہے مگر ایک شخص جالوت اُسے بیہوش کر کے مُردہ سمندر کے کنارے ایک کنوئیں میں قید کر دیتا ہے۔ یہ لوگ وہاں پہنچتے ہیں تو انہیں کنوئیں کے اندر سے عنبر کی آواز آتی ہے۔ وہ عنبر کو باہر نکالتے ہیں۔ مادام کی وہ انگوٹھی صحرا میں گر کر گم ہو چکی ہے جس کے نگینے میں ناگ قید ہے۔ مادام عنبر کو انگوٹھی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔ ایک رات اچانک سمندر میں ایک آبدوز اُترتی ہے پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھئے۔

تین ڈاکو اور سوداگر

ہوائی جہاز جیپ کی طرف آ رہا تھا۔ مادام نے گھبرا کر جیپ کو بائیں طرف گھما لیا۔ ادھر ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ جیپ گڑھے میں پھنس گئی۔ جہاز جیپ کے اوپر سے گزر گیا اور ساتھ ہی ایک دھماکے کی آواز آئی۔ اس دھماکے سے سارا صحرا گونج اٹھا۔ جہاز نے جیپ پہ ایک راکٹ مارا تھا جو ریت پہ پھٹا تھا۔ اگر مادام جیپ کو بائیں جانب نہ گھماتی تو راکٹ بالکل اس کے اوپر آ کر پھٹتا اور وہ جیپ کے ساتھ ہی اڑ جاتی۔ جہاز دوبارا حملہ کرنے کے لیے آیا۔ مادام پریشان ہو کر جیپ کے پہلو میں ریت میں گھسی ہوئی تھی۔ جہاز نے دوسرا راکٹ بم فائر کیا جو گڑھے کے کنارے پہ پھٹا۔ خوفناک دھماکے کے ساتھ ریت کا طوفان اُٹھ کر جیپ اور مادام کے اوپر گرا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ جرمن لڑاکا ہوائی جہاز ہے اور اُسے مارنے کے لیے آیا ہے مادام کو ایکدم سے انگوٹھی کا خیال آگیا۔ اُس نے انگوٹھی رگڑ کر سانپ سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"خدا کے لیے مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ جہاز میں آگ لگا دو۔"

سانپ جو حکم کہہ کر غائب ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے جہاز تیسری بار حملہ کرنے کے لیے مادام کے اوپر غوطہ لگا رہا تھا کہ اچانک اس کی پٹرول کی ٹینکی میں آگ لگ گئی۔ ایک دھماکا ہوا اور جہاز شعلوں میں جلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پائلٹ نے پیرا شوٹ کے ذریعے چھلانگ لگا دی اور وہ صحرا میں کافی آگے جا کر اُتر گیا۔

اس کا مادام کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جہاز کی مصیبت سے جان چھوٹی اور جیپ کو گڑھے میں سے نکال کر صحرائی سڑک پر چڑھ کر بینار کی طرف چل پڑی۔ صحرا میں اترا ہوا پائلٹ کافی فاصلے پر اپنے پیرا شوٹ کو لپیٹ کر ٹیلے کے نیچے ریت میں چھپا رہا تھا۔ یہ جرمن پائلٹ تھا۔ اس کے ماتھے پر آگ کے جلنے کے نشان تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پٹرول کی ٹینکی میں آگ کس طرح سے لگی؟ اس نے جیکٹ کے ساتھ بندھی ہوئی دوربین آنکھوں سے لگا کر صحرا میں دیکھا۔ دور مادام گارشیا کی جیپ بھاگی چلی آ رہی تھی۔ جرمن پائلٹ کو خیال آیا کہ ضرور اس عورت نے

میرے جہاز کی ٹینکی میں گولی ماری ہو گی۔ اسے جرمن ہائی کمانڈ سے حکم بھی ملا تھا کہ اس مفرور فرانسیسی قیدی عورت کو زندہ یا مردہ گرفتار کیا جائے۔ کیوں کہ یہ جرمنوں کی بڑی بے عزتی تھی کہ دشمن کے ایک جنگی جہاز کے کپتان کی بیوی اُن کی قید سے بھاگ جائے۔

جرمن پائلٹ کے ریت کے ٹیلے کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ مادام گارشیا کی جیپ کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور اب اپنے شکار یعنی مادام گارشیا کی جیپ کا انتظار کر رہا تھا۔ اُدھر مادام اپنے دشمن کی گھات سے بے خبر صحرائی راستے پر اس خیال سے جیپ بڑھائے چلے آ رہی تھی کہ اب اسے کوئی نئی مصیبت راستے میں نہیں ملے گی۔ مگر ایک تازہ مصیبت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی اس کی جیپ ریت کے ٹیلے کے سامنے سے گزری۔ جرمن پائلٹ نے فائر کر دیا۔

ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی گولی جیپ کے شیشے کے کنارے پر لگی اور اُسے توڑ کر آگے نکل گئی۔ مادام نے جلدی سے سر نیچے کر لیا۔ خدایا نئی مصیبت کہاں سے آ گئی؟ اتنے میں ایک گولی اور آئی۔ اور جیپ کا ایک ٹائر پھٹ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیا۔ جیپ ایک طرف کو بیٹھ گئی۔ پھر دوسری اور تیسری گولی آئی اور جیپ میں آگ لگ گئی۔ مادام گارشیا چھلانگ لگا کر ریت پر گری اور بھاگ کر ایک چھوٹے سے گڑھے میں چھپ گئی۔

جرمن پائلٹ نے پستول پھر سے بھر لیا تھا اور وہ فائرنگ کرتا اس گڑھے کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں مادام چھپی ہوئی تھی۔ مادام نے اپنے آپ کو مصیبت میں گھرے دیکھا تو فوراً سانپ کو یعنی ناگ کو طلب کر لیا۔ اور اسے کہا۔

"اس نئی بلا کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ تو پستول لے کر میرے سر پر آ گیا ہے۔"

"جو حکم!"

سانپ گڑھے میں سے باہر نکل کر غائب ہوا اور جرمن پائلٹ کے پیچھے نکل آیا۔ اُس نے لپک کر جرمن پائلٹ کی گردن پر ڈس دیا۔ زہر اتنا زبردست تھا کہ پائلٹ کھڑے کھڑے گرا اور ریت پر تھوڑا سا تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ مادام گڑھے میں سے باہر نکل آئی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"اب میرا یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی انتظام کرو۔"

سانپ نے کہا۔

"میں آپ کو غائب کر سکتا ہوں۔ لیکن دوبارہ ظاہر نہیں

کر سکتا۔"

مادام نے سہم کر کہا

"خدا کے لیے مجھے ایسا سودا منظور نہیں ہے۔ میں غائب نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے تو تم کوئی سواری پیدا کر کے دے دو۔"

"جو حکم"

سانپ یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی ایک اونٹ سامنے آ گیا۔ اس پر بڑی خوبصورت عماری رکھی تھی جس پر پردے گرے تھے۔ مادام نے اونٹ کو بڑی مشکل سے بٹھایا۔ اونٹ پہ سوار ہو کر اُسے بڑی مشکل دوبارہ اٹھایا۔ اونٹ نے آہستہ آہستہ صحرائی راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ چوکور مینار اب بالکل سامنے آ گیا تھا۔ مادام نے دیکھا کہ یہ ایک پانی کی ٹینکی ہے۔ اور نیچے کچھ فوجی بیرکیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ یقیناً جرمنوں کی چھاؤنی تھی۔

ایک بار تو مادام کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ مادام نے ایک بارک کے اوپر جرمنوں کا جھنڈا لہراتا دیکھ لیا تھا۔ مارے گئے؟ اب کیا ہو گا جس چیز سے ڈر کر بھاگی تھی وہی اب سامنے آ گئی تھی۔ اس نے اونٹ کو دوسری طرف موڑ کر تیزی سے چلانا شروع

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر دیا۔ مادام گارشیا شاید زندگی میں پہلی بار اونٹ کی سواری کر رہی تھی۔ اُسے اونٹ کو تیز چلانا بالکل نہیں آتا تھا۔ چنانچہ اونٹ بڑے مزے سے صحرائی راستے پر جگالی کرتا چلا جا رہا تھا۔

اور ہمارے خیال میں یہی بات مادام کے حق میں چلی گئی۔ کیونکہ اگر وہ اونٹ کو بھگانے کی کوشش کرتی تو جرمن سپاہیوں کو اس پر شک پڑ سکتا تھا۔ اس جرمن چھاؤنی کے کمانڈر کو پیچھے سے یہ تار ملا تھا کہ ایک عورت جیپ لے کر بھاگ گئی ہے اسے ہر حالت میں گرفتار کیا جائے۔ اب جرمن سپاہیوں نے جو دور سے ایک اونٹ کو دیکھا کہ صحرا میں چلا جا رہا ہے تو وہ یہ سمجھے کہ کوئی عرب مسافر ہے اور اگلے گاؤں جا رہا ہے۔ پس انہوں نے مادام گارشیا کی طرف نہ کوئی گاڑی دوڑائی اور نہ کوئی فکر کیا۔

مادام گارشیا اس جرمن چھاؤنی سے آگے نکل گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک بار پھر جرمنوں کے چنگل سے نکل گئی۔ لیکن اب اس کے سامنے پھر وہی بھیانک صحرا پھیلا ہوا تھا۔ گرمی تھی۔ پیاس تھی اور صحرا تھا۔ خدا جانے اس کا انجام کیا ہونے والا تھا۔ نہ جانے اس کی

موت اب صحرا میں کھڑی تھی کہ بھوک پیاسی کسی جگہ گر کر مر جائے گی۔ مادام اس خیال سے ڈر گئی۔ جرمنوں کی قید سے بلکہ موت سے تو وہ بچ گئی تھی نہ معلوم اب صحرا کی موت سے بھی بچ سکے گی یا نہیں!

اونٹ شام تک صحرا میں سفر کرتا رہا۔

مادام نے عماری کے پردے میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے دور تک کسی شہر یا گاؤں کا نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ مادام کو پیاس لگ رہی تھی۔ اب بھوک بھی اُسے لگنے لگی تھی۔ مگر پیاس نے اُس کا بُرا حال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے دوپہر سے پانی نہیں پیا تھا۔ اور صحرا میں بہت جلد پیاس چمک اٹھتی ہے۔ اُس نے ایک جگہ اونٹ کو روک لیا اور انگوٹھی رگڑ کر ناگ کو بلایا اور اُس سے پانی اور کچھ کھانے کو مانگا۔ ناگ اسے پانی سے بھری ہوئی چھاگل اور کھانے پینے کے لیے کچھ سامان دے کر غائب ہو گیا۔

مادام نے اونٹ کو روک دیا

یہ جگہ ریت کے ایک ٹیلے کے سائے میں تھی۔ ویسے بھی شام ہو رہی تھی۔ گرمی کم ہو گئی تھی اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صحرا میں سورج کی سنہری کرنیں مغرب میں ڈوب رہی تھیں۔ مادام نے ریت پر چھاؤں میں کمبل بچھایا بڑے مزے سے چھاگل میں سے پانی نکال کر پیا پھر کچھ خشک گوشت اور ڈبے میں سے پھل نکال کر کھائے۔ اس کی جان میں جان آئی اور پھر جو کمبل پر لیٹی تو گہری نیند سو گئی۔

آدھی رات کو وہاں سے تین ڈاکوؤں کا گزر ہوا۔ انہوں نے جو چاندنی رات میں ایک عماری والا اونٹ بیٹھے دیکھا تو سوچا کہ ضرور یہ کوئی امیر سوداگر ہے جو صحرا میں سفر کر رہا ہے۔ اس کے پاس مال و دولت ہو گی۔ چل کر لوٹا جائے۔ یہ سوچ کر تینوں ڈاکو گھوڑے دوڑاتے اس مقام پر آئے جہاں مادام گارشیا کمبل پر سوئی ہوئی تھی۔ ڈاکو مادام کو غور سے دیکھنے لگے۔ ایک نے کہا۔

"یہ تو کوئی یورپ کی میم معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر اکیلی کیوں سفر کر رہی ہے؟"

"جہنم میں جائے چاہے کسی کے ساتھ سفر کرے۔ ہمیں تو مال دولت سے غرض ہے۔ دیکھو اس کے پاس کچھ مال بھی ہے کہ نہیں؟"

ڈاکوؤں نے اونٹ پر رکھی عماری کی تلاشی لی۔ وہاں سوائے پانی کی چھاگل اور کھانے پینے کے تھوڑے سے بہت سامان کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" ایک ڈاکو بولا

"تو پھر یہ کون ہے؟ کہیں جرمن کیمپ سے بھاگی ہوئی کوئی قیدی عورت تو نہیں؟"

تیسرا کہنے لگا۔

"جہنم میں جائے چاہے جرمن قیدی ہو چاہے روسی قیدی ہو۔ ہمیں تو مال چاہیے۔ اسے اٹھا کر پوچھو مال کہاں ہے؟"

انہوں نے ٹھوکر مار کر مادام گارشیا کو جگا دیا۔ اس نے جو آنکھیں ملتے ہوئے اپنے سامنے تین خوفناک چہروں والے آدمیوں کو دیکھا تو سمجھ گئی کہ ضرور یہ چور ڈاکو ہیں اور اس کی خیر نہیں۔ ہر ایک ڈاکو نے کمر کے ساتھ پستول اور خنجر لگا رکھا تھا۔ کاندھے کے ساتھ رائفل بھی بندھی تھی۔ ایک ڈاکو نے عربی میں پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

مادام عربی بالکل نہیں جانتی تھی۔ اس نے یونہی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں مصیبت کی ماری فرانسیسی عورت ہوں۔ میرا خاوند جنگ میں مارا گیا ہے۔ اب اکیلی گھر کو جا رہی ہوں۔"

ایک ڈاکو اردو سمجھتا تھا۔ کہنے لگا۔

"تم فرانس جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ وہاں میرے بہن بھائی رہتے ہیں۔"

تیسرا ڈاکو گرج کر بولا۔

"جہنم میں جائیں تیرے بہن بھائی۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی مال بھی ہے کہ نہیں؟"

مادام نے کہا

"میری جیب میں اس وقت صرف ایک ہزار روپے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے حوالے کئے دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے لاؤ ادھر۔" پہلا ڈاکو بولا۔

اس نے مادام سے ایک ہزار روپے چھین کر اپنی جیب میں ڈال لئے۔

جب وہ جانے لگے تو مادام نے پوچھا:

"یہ تو بتاتے جاؤ کہ یہاں سے آبادی کتنی دور ہے؟"

دوسرا ڈاکو ہنسا

"تمہارے اونٹ کو سب معلوم ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آگے کی

طرف چلے گئے۔ کچھ دور چاندنی رات میں مادام کو ان ڈاکوؤں کے سائے جاتے نظر آئے پھر وہ بھی غائب ہو گئے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پہ صبح کی ہلکی ہلکی نیلی سی روشنی ابھرنا شروع ہو گئی تھی۔ صحرا میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مگر مادام کو اب نیند نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ ڈاکو اس کا سب کچھ چھین کر لے گئے تھے۔

اچانک اسے ناگ کا خیال آیا۔ اس نے انگوٹھی رگڑ کر اسے حاضر کیا اور کہا کہ ڈاکوؤں سے میرے روپے چھین کرے آئے۔ ناگ غائب ہو گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے ایک ہزار روپے کی تھیلی اس کے آگے پھینک دی۔

"یہ تمہاری امانت ہے مادام۔"

"اور ڈاکو کہاں ہیں؟"

"وہ جا رہے تھے کہ میں نے یہ رقم نکال لی۔"

"شاباش! یہ میری امانت تھی۔ جو میرے پاس واپس آ گئی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

مادام اب آرام سے سو گئی۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کی کرنیں صحرا میں پھیل ہوئی تھیں۔ اس نے اٹھ کر کچھ کھایا پیا اور اونٹ پہ سوار ہو کر پھر اپنے سفر پر چل نکلی۔ وہ جس صحرائی راستے پہ چل رہی تھی، اسے امید تھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں مصیبت کی ماری فرانسیسی عورت ہوں۔ میرا خاوند جنگ میں مارا گیا ہے۔ اب اکیلی گھر کو جا رہی ہوں۔"

ایک ڈاکو اردو سمجھتا تھا۔ کہنے لگا۔

"تم فرانس جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ وہاں میرے بہن بھائی رہتے ہیں۔"

تیسرا ڈاکو گرج کر بولا۔

"جہنم میں جائیں تیرے بہن بھائی۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی مال بھی ہے کہ نہیں؟"

مادام نے کہا

"میری جیب میں اس وقت صرف ایک ہزار روپے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے حوالے کئے دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے لاؤ ادھر" پہلا ڈاکو بولا۔

اس نے مادام سے ایک ہزار روپے چھین کر اپنی جیب میں ڈال لئے۔

جب وہ جانے لگے تو مادام نے پوچھا۔

"یہ تو بتاتے جاؤ کہ یہاں سے آبادی کتنی دور ہے؟"

دوسرا ڈاکو ہنسا

"تمہارے اونٹ کو سب معلوم ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آگے کی

طرف چلے گئے۔ کچھ دور چاندنی رات میں مادام کو ان ڈاکوؤں کے سائے جاتے نظر آئے پھر وہ بھی غائب ہو گئے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی نیلی سی روشنی ابھرنا شروع ہو گئی تھی۔ صحرا میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مگر مادام کو اب نیند نہیں آ رہی تھی۔ کیوں کہ ڈاکو اس کا سب کچھ چھین کر لے گئے تھے۔

اچانک اسے ناگ کا خیال آیا۔ اس نے انگوٹھی رگڑ کر اسے حاضر کیا اور کہا کہ ڈاکوؤں سے میرے روپے چھین کر لے آئے۔ ناگ غائب ہو گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے ایک ہزار روپے کی تھیلی اس کے آگے پھینک دی۔

"یہ تمہاری امانت ہے مادام"

"اور ڈاکو کہاں ہیں؟"

"وہ جا رہے تھے کہ میں نے یہ رقم نکال لی۔"

"شاباش! یہ میری امانت تھی۔ جو میرے پاس واپس آ گئی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

مادام اب آرام سے سو گئی۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کی کرنیں صحرا پر پھیل ہوئی تھیں۔ اس نے اٹھ کر کچھ کھایا پیا اور اونٹ پر سوار ہو کر پھر اپنے سفر پر چل نکلی۔ وہ جس صحرائی راستے پر چل رہی تھی، اسے امید تھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہ وہ کسی نہ کسی بستی میں ضرور پہنچے گی۔ اسی امید پر وہ سفر کر رہی تھی۔ دوپہر تک وہ صحرا میں سفر کرتی رہی۔

دوپہر کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں کھجوروں کے چند ایک درخت اُگے ہوئے تھے۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا تالاب بھی تھا۔ مادام نے اونٹ کو وہاں پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ جی بھر کر پانی وغیرہ پی لے۔ خود بھی سائے میں لیٹ کر اپنی زندگی کے انقلاب پر غور کرنے لگی۔ کہ کہاں سے کہاں پہ آ گئی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ فرانس کے سب سے اعلیٰ جنگی جہاز میں بڑے ٹھاٹھ سے سفر کر رہی تھی اور آج صحرا میں بے یار و مددگار پڑی ہے۔

دھوپ بڑی تیز ہو گئی تھی۔ اس نے باقی ساری دوپہر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ اب زیادہ گرمی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں میں ہی اس کا رنگ گہرا سانولا پڑ گیا تھا۔ سنہری بال بھی گہرے براؤن ہو گئے تھے۔

شام کے بعد جب رات کے ٹھنڈے سائے صحرا میں پھیل گئے تو مادام نے اپنا سفر پھر سے جاری کر دیا۔ اگرچہ اُسے اپنی منزل سامنے بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی اُسے امید تھی کہ وہ کسی نہ کسی بستی میں ضرور

پہنچ جائے گی۔ اور پھر وہاں سے کسی لاری وغیرہ میں سفر کر کے کسی بڑے شہر پہنچ جائے گی۔ صحرا میں چلتے چلتے آدھی رات گزر گئی۔ اچانک مادام کو چاندنی رات میں ایک جگہ دور صحرا میں آگ دکھائی دی۔ اُس نے سوچا کہ ضرور یہاں کوئی بستی ہو گی۔ پس اُس نے اونٹ کی مہار موڑ دی۔

جب وہ آگ کے قریب پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ دو تین خیمے لگے ہیں جس میں سے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ مادام جلدی سے اونٹ پر سے اتر کر خیمے کے اندر گئی۔ کچھ کچھ ویرانی باہر بھی برس رہی تھی۔ اندر جا کر دیکھا کہ ایک بوڑھی عرب عورت اور ایک بوڑھا عرب مرد پریشان بیٹھے ہیں۔ عورت رو رہی ہے۔ مادام نے جا کر پوچھا۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں بڑی اماں؟

عورت اسی طرح روتی رہی۔ مرد نے ایک آہ بھر کر کہا۔

بیٹی کیا بتاؤں۔ ابھی ابھی ڈاکو یہاں آئے تھے۔ انہوں نے ہماری ساری پونجی لوٹ لی اور جاتے ہوئے ہماری جوان بیٹی کو بھی اغوا کر کے ساتھ لے گئے ہیں"

مادام نے پوچھا۔

"کیا وہ تین ڈاکو تھے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہاں بیٹی تین ہی تھے۔ بڑے ظالم تھے۔ ان کو ہم لوگوں کے بڑھاپے پر بھی رحم نہ آیا!"

مادام کو ان ظالم ڈاکوؤں پر سخت طیش آیا۔ کہنے لگی "بابا آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ آپ کی لڑکی ابھی آپ کے پاس ہو گی اور آپ کی ساری پونجی بھی جسے ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔"

عرب بوڑھے نے تعجب سے مادام کارشیا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بیٹی تم اکیلی ان خونخوار ڈاکوؤں کا کیسے مقابلہ کرو گی؟"

مادام نے کہا "یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کوئی گھوڑا ہے؟"

"ہاں۔ ایک گھوڑا خیمے کے پیچھے بندھا ہے۔"

بوڑھا اسی وقت گھوڑا کھول کر لے آیا۔ مادام نے اپنا اونٹ اسی جگہ چھوڑا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرف چل دی جدھر تینوں ڈاکو گئے تھے۔ کافی دور صحرا میں گھوڑا دوڑانے کے بعد مادام نے چاندنی رات میں دور ایک جگہ سیاہ دھبے سے دیکھے۔ وہ سمجھ گئی کہ یہی وہ تینوں ڈاکو ہیں۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی ان ڈاکوؤں کے عقب میں پہنچ گئی۔ ڈاکوؤں نے عرب لڑکی کو گھوڑے

پہ ڈال رکھا تھا اور آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ڈاکو مادام کو نہ دیکھ سکے۔ مادام نے گھوڑے کو روک لیا اور انگوٹھی رگڑ کر ناگ کو حاضر کر کے کہا۔

"میری مدد کرو۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہاری مدد کروں یا ان عرب ماں باپ کی جس کی بیٹی کو یہ ڈاکو بھگا کر لئے جا رہے ہیں؟"

مادام بولیں۔

"ہاں ہاں ان لوگوں کی ہی مدد کرو۔ تم خدا کے لیے کچھ کرو۔"

ناگ نے کہا۔

"میں یہی کر سکتا ہوں کہ ان ڈاکوؤں کے نیچے سے گھوڑے نکال کر غائب کر دوں۔"

"اس طرح سے تو لڑکی گھوڑے سے گر کر زخمی ہو جائے گی۔"

ناگ نے کہا: "تو پھر کیا کر سکتا ہوں؟"

مادام بولیں: "تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے تو ان ڈاکوؤں کے پستول اور خنجر غائب کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"جو حکم۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اتنا کہہ کر ناگ یعنی سانپ غائب ہو گیا۔ ادھر تینوں ڈاکو گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے کہ اچانک انہیں محسوس ہوا کہ ان کے پستول اور خنجر غائب ہیں۔ انہوں نے گھوڑے روک لیے۔

"میرا خنجر اور پستول کہاں گیا؟" ایک ڈاکو نے کہا۔

دوسرا بولا۔ "میرے ہتھیار بھی غائب ہیں۔"

تیسرے نے کہا۔ "مجھے بھی اپنا خنجر اور پستول نظر نہیں آتا!"

"یہ کیا جادوگری ہے؟"

غریب لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

"میرا خدا میری مدد کرے گا۔ تم ظالم ہو اور خدا ظالموں کو اُن کے ظلم کی سزا ضرور دیتا ہے۔"

"خاموش لڑکی! نہیں تو ابھی گلا گھونٹ کر ہلاک کر دوں گا۔" بڑے ڈاکو نے چیخ کر کہا۔

اب مادام گارشیا نے دوبارہ ناگ کو حاضر کیا اور کہا۔

"ان کے گھوڑے غائب کر دو۔"

"جو حکم!"

ناگ غائب ہو گیا۔ ڈاکو اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھے ایک جگہ رُکے ہوئے تھے کہ ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور

دھڑام سے ریت پر گر پڑے۔ ان کے نیچے سے ان کے گھوڑے غائب ہو چکے تھے۔ وہ بڑے ڈرے۔ یہ معاملہ کیا ہے۔

"یہاں کوئی خطرناک آسیب ہے۔ یہاں سے بھاگ چلو!"

"اس لڑکی کو کاندھے پر اٹھا لو۔"

"چھوڑ دو۔ چھوڑ دو مجھے۔" لڑکی چلانے اور ہاتھ پیر مارنے لگی۔

ایک ڈاکو نے زور سے اس کی گردن پر مکا مارا۔

لڑکی بے ہوش ہو گئی۔

"اس بدبخت کو اٹھا کر کندھے پر رکھ لو۔"

انہوں نے لڑکی کو کندھے پر رکھا اور صحرا میں بھاگنے لگے۔ ادھر مادام گارشیا نے ناگ کی مدد سے ایک بندوق حاصل کر لی۔ اُسے گولیوں سے بھر لیا اور گھوڑا دوڑاتی ڈاکوؤں کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈاکوؤں نے حیرانی سے مادام کو دیکھا۔

"یہ تو وہی عورت ہے۔"

مادام نے کہا! "ہاں! میں وہی عورت ہوں اور اب تمہاری موت بن کر آئی ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کے ساتھ ہی مادام نے گولی چلا کر ایک ڈاکو وہیں ڈھیر کر دیا۔

"اس غریب لڑکی کو زمین پر لٹا دو۔"

دونوں ڈاکو خوفزدہ تھے۔ بے ہوش غریب لڑکی کو پر لٹا دیا گیا۔ مادام نے کہا "اب منہ دوسری طرف کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہمیں معاف کر دو۔"

"تم ڈاکو اور قاتل ہو۔ اگر تمہیں زندہ چھوڑا گیا تو خدا جانے ابھی کتنے غریب لوگوں کو لوٹو گے اور قتل

ایک ڈاکو نے چھلانگ لگا کر اچانک مادام کا رشیا اوپر اپنا آپ گرا دیا۔ مادام گھوڑے سے گر پڑی۔ بندو دور جا پڑی۔ ڈاکو نے لپک کر بندوق پکڑ لی اور مادام طرف بندوق تان کر بولا۔

"اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ گھوڑے میرے حوالے کر دو۔"

مادام نے چپکے سے انگوٹھی کو رگڑ دیا۔ سانپ سامنے آ گیا۔ مادام کی یہ غلطی تھی۔ اسے اس وقت سانپ کو حاضر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ ڈاکو کے ہاتھ میں بندوق تھی اور وہ گولی چلا کر سانپ کو ہلاک کر سکتا تھا

ہی فوراً سمجھ گیا کہ اس عورت نے غلطی کی ہے اور اس کی اپنی جان خطرے میں ہے۔ اس نے چھلانگ لگائی اور ریت کے ٹیلے میں چھپ گیا۔ ڈاکو نے سانپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے فائر کیا۔ نشانہ خطا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی صحرائی سانپ تھا جو اتفاق سے وہاں آ گیا تھا اور اب گولی کی آواز سے ڈر کر بھاگ گیا ہوگا۔ مگر یہ سانپ نہیں بلکہ ناگ تھا اور وہ ریت کے ٹیلے سے کھسکتا ہوا ڈاکوؤں کے عقب میں آ گیا تھا ایک ڈاکو نے مادام کے ہاتھ باندھ دیئے۔ دوسرے نے بندوق تان کر کہا۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے میرے ایک بہترین ساتھی کو گولی سے مار ڈالا ہے۔ میں تمہیں بھی جہنم میں پہنچا کر ہی دم لوں گا۔"

ڈاکو نے فائر کر دیا۔ خوش قسمتی سے گولی خطا گئی۔ سانپ بندوق والے ڈاکو کے پیچھے آ چکا تھا۔ جونہی ڈاکو دوسرا فائر کرنے لگا سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر حملہ کر دیا۔ وہ ایک سیکنڈ میں اُسے ڈس کر ریت میں غائب ہو گیا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے بندوق گر پڑی اور وہ ریت پر مردہ ہو کر گر پڑا۔ مادام کے ہاتھ بندھے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھے۔ دوسرے ڈاکو نے اپنے ساتھی کو گرتے دیکھا تو وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے بندوق کو زمین پر سے اٹھانا چاہا۔ مگر اس کی بدنصیبی کہ اُسی جگہ سانپ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سانپ نے اس کی کلائی پر ڈس دیا۔ اور یہ ڈاکو بھی جہنم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد سانپ غائب ہو چکا تھا۔ مادام نے عرب لڑکی کو ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جب اُسے ہوش آیا تو بولی۔

"تم کون ہو؟"

مادام نے کہا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی پہلے میرے ہاتھ کی رسیاں کھولو۔"

* * *

مُردہ سمندر

مادام کارستیا عرب لڑکی کو لے کر اس کے ماں باپ کے پاس آ گئی۔

انہوں نے اپنی بچی کو دیکھا تو خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنی بچی سے لپٹ گئے۔ ان کی پونجی بھی انہیں واپس مل گئی تھی۔ وہ مادام کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ مادام نے کہا۔

"یہ میرا انسانی فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ اب مجھے اجازت دیں تاکہ اپنے سفر پہ جاؤں۔"

عرب بولا۔ "بیٹی! ابھی کچھ دیر میں دن نکل آئے گا۔ پھر گرمی بڑھ جائے گی اور تم صحرا میں سفر نہ کر سکو گی۔ بہتر ہے کہ آج کا دن ہمارے خیمے میں ٹھہرو۔ جب شام ہو گی تو تم سفر پر چل دینا۔"

بات معقول تھی۔ کیوں کہ مادام کو تجربہ ہو چکا تھا کہ دن کے وقت صحرا میں سفر کرنا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا وہ خیمے میں ٹھہرنے پر رضامند ہو گئی۔ صبح

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کو مادام کے لئے عرب بوڑھے نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا گوشت بھون کر اسے کھلایا۔ عرب لڑکی اور بھی مادام کی بڑی خاطرداری کر رہی تھیں۔ کھانے کے عرب بوڑھے نے پوچھا۔

"بیٹی! تم مجھے یورپ کی کوئی عورت لگتی ہو۔ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہی ہو؟"

مادام نے اپنی ساری دُکھ کہانی انہیں سنادی۔ وہ یہ سُن کر بڑے حیران ہوئے کہ جو عورت ان کے سامنے بیٹھی ہے ایک فرانسیسی بحری کمانڈر کی بیوی ہے اور جرمنوں کی قید سے بھاگ کر اکیلی صحرا میں سفر کر رہی ہے۔

"تم ایک بہادر خاتون ہو مادام! میں تمہاری بہادری سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ لیکن ڈاکوؤں کا تم نے کس طرح سے مقابلہ کیا"

مادام نے کہا۔ "بس اتفاق سے میرے ہاتھ ان کی بندوق آگئی تھی اس لئے وہ میرے سامنے نہ ٹھہر سکے۔"

اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ عرب نے اسے بتایا

"مادام! تم جس صحرائی راستے پر سفر کر رہی ہو وہ سیدھا ذب مذہب کو جاتا ہے۔ یہ شمالی یمن کا ایک قصبہ ہے اور آج کل یہاں جرمنوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر تم وہاں پہنچیں تو جرمن تمہیں گرفتار کر لیں گے۔"

مادام نے کہا۔

"اور کیا یہاں سے دوسرا کوئی راستہ مصر کی طرف نہیں جاتا۔ کیوں کہ مصر پر جرمنوں کا قبضہ نہیں ہے؟"

"مادام! یہاں سے مصر بہت دور ہے۔ اور پھر کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر تم یہاں سے مغرب کی طرف چلنا شروع کر دو تو چار روز کے سفر کے بعد بحر مردار کے کنارے پہنچ جاؤ گی۔ یہاں ایک بڑا بڑا پہاڑ دکھائی دے گا۔ اگر کسی طرح سے تم اس پہاڑ کی دوسری طرف پہنچ جاؤ تو وہاں ایلات نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس قصبے پر اٹلی کی فوجوں نے قبضہ کیا تھا مگر سنا ہے کہ اب وہاں سے اٹلی کی فوجوں کو بھگا کر انگریزوں نے دوبارا قبضہ کر لیا ہے۔ بس اگر کسی طرح تم وہاں پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں پناہ مل جائے گی۔ اور تمہارا واپس جانے کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔"

عرب بوڑھے نے مادام کی پوری پوری راہنمائی کی تھی۔ سارا دن اُس نے ان لوگوں کے ساتھ سیر کی۔ شام کو انہوں نے مادام کے اونٹ پر سات دن کا پانی اور خوراک رکھ دی۔ مادام نے ان کی مہمان نوازی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور عرب بوڑھے کے بتائے ہوئے راستے پر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صحرا میں اپنا سفر پھر سے شروع کر دیا۔

مادام کا اونٹ ساری رات نئے راستے پر چلتا رہا۔ اس نے کئی چھوٹے بڑے ٹیلے عبور کیے۔ ابھی تین راتوں کا سفر باقی تھا۔ اس کے بعد اسے بحرِ مردار کے کنارے پر پہنچنا تھا۔ وہاں سے پہاڑ کی دوسری جانب ایلات نامی قصبے میں جانا تھا۔ مادام سفر کرتی گئی اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ تیسرے روز صحرا میں زبردست طوفان آ گیا۔ آندھی چلنے لگی اور ریت کے جھکڑوں نے قیامت برپا کر دی۔

مادام نے کمبل اوڑھ لیا اور اونٹ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ کوئی چار گھنٹے کے بعد طوفان تھما۔ مادام نے اٹھ کر کمبل جھاڑا۔ کتنی ہی ریت اس کے اوپر سے گری۔ اونٹ بھی آدھا ریت میں دھنس چکا تھا۔ باقی دن مادام نے اسی جگہ ٹیلے کی چھوٹی سی چھاؤں میں گزار دیا۔ ابھی شام ہونے والی تھی اور سورج صحرا میں غروب ہو رہا تھا کہ مادام نے ایک ہوائی جہاز کی آواز سنی۔ اس نے آواز پر کان لگا دیے۔

آواز قریب آ رہی تھی۔ پھر مادام نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا جہاز آسمان پر جھکا جھکا نیچے آ رہا ہے اور اس کی دم سے دھواں نکل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مادام نے دیکھا کہ ایک آدمی نے ہوائی جہاز میں سے چھلانگ لگا دی۔ اس کا پیراشوٹ کھل گیا۔ کچھ دیر ہوا میں تیرنے کے بعد وہ صحرا میں کافی فاصلے پر آ اترا۔ مادام کا دل دھک سے رہ گیا۔ کم بخت یہ بھی ضرور کوئی جرمن ہواباز ہو گا۔ اب اس سے بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔

یہ سوچ کر مادام نے بوریا بستر باندھا اونٹ پر سوار ہوئی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ پھر رات ہو گئی۔ مادام کا اونٹ ٹھنڈے صحرا میں ایک ہی تُلی رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ کہ اچانک پیچھے سے کسی نے گولی چلا دی۔ گولی مادام کے سر کے اوپر سے ہو کر آگے نکل گئی۔ مادام نے اونٹ روک لیا اور نیچے اتر کر ریت کی اوٹ میں چھپ گئی۔ اور جدھر سے گولی آئی تھی اُدھر دیکھنے لگی۔

ذرا فاصلے پر اُس نے ایک لمبے تڑنگے آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہواباز ہے جو پیراشوٹ سے اترا تھا۔ مادام نے لمبا سانس بھر کر دل میں کہا۔

"آخر یہ کم بخت بھی یہاں پہنچ گیا۔ ضرور کوئی جرمن یا اطالوی ہے۔ پھر اس سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ انگوٹھی رگڑ کر سانپ کو حاضر کرنے ہی لگی تھی کہ ہوا باز نے قریب آ کر کہا۔

"میں فرانسیسی ہوا باز ہوں۔ تم کون ہو؟"

اس نے مادام کو دیکھ لیا تھا کہ یہ کوئی یورپ کی عورت ہے۔ عرب عورت نہیں ہے۔ ہوا باز کی زبان سے فرانسیسی کا لفظ سن کر مادام کا سارا فکر دور ہو گیا بڑی خوش ہوئی کہ مدت کے بعد اپنے وطن کا کوئی شخص ملا ہے جلدی سے ریت کے ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ گئی اور فرانسیسی زبان میں بولی۔

"میں فرانسیسی جنگی جہاز کے کپتان کی بیوی مادام گارشیا ہوں۔ میں جرمنوں کی قید سے فرار ہو کر ایلات کی طرف جا رہی ہوں۔ تم یہاں کیسے پہنچے ہو؟"

فرانسیسی ہوا باز نے جب دیکھا کہ اس کے سامنے ایک بڑے فرانسیسی افسر کی بیوی کھڑی ہے تو اس نے جھک کر اسے سلام کیا اور کہا۔

"مادام! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ ہم نے سنا تھا کہ ہمارا بہترین جنگی جہاز جرمن آبدوز نے غرق کر دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جہاز کا کپتان اور اس کی بیگم بھی ڈوب گئی ہیں۔"

مادام نے اداس آواز میں کہا۔

"میرا خاوند مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہو گئی۔ بڑی مشکل سے کنارے پر پہنچی۔ جرمنوں نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ وہاں سے بھاگی۔ دوبارا قید ہوئی۔ پھر بھاگی اور اب بحر مردار کی طرف جا رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ ایلات قصبے پر اٹلی والوں کا قبضہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں مادام! ایلات پر ہم نے دوبارا قبضہ کر لیا ہے ہماری منزل اس وقت وہی ہو سکتی ہے۔ ایلات پہنچ کر ہی ہم محفوظ ہوں گے۔ اس سارے صحرا میں جرمنوں کا قبضہ ہے۔ میں ایلات کے ہوائی اڈے سے اڑا تھا کہ راستے میں ایک جرمن لڑاکا جہاز نے مجھے آ گھیرا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ میں نے جرمن جہاز کو نشانے میں لے کر تباہ کر دیا مگر جرمن ہوا باز نے مرتے مرتے ایک گولہ میرے جہاز کی دم پر مار دیا۔ جس سے میرے جہاز میں بھی آگ لگ گئی۔"

مادام نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم اب ایلات کی طرف ہی چلیں گے۔"

ہوا باز نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ماوام! کیا آپ کے پاس پانی اور خوراک ہے؟" بھورے باز

"تو سوائے بسکٹوں کے ایک پیکٹ کے اور کچھ بھی نہیں ہے" ماوام نے کہا۔

"فکر نہ کرو میرے پاس پانی بھی ہے اور خوراک بھی"

"یہاں سے ایلات کتنی دور ہوگا ماوام؟"

ماوام بولیں: "عرب بدو نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اگر اس کا حساب درست ہے تو پھر ایلات یہاں سے ایک رات کے سفر پر ہے۔"

"عرب بدوؤں کے حساب بڑے درست ہوتے ہیں۔"

ماوام: "یقیناً ایلات یہاں سے ایک رات کے سفر پر ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں آج کی رات بھی سفر کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہم کل رات بحرِمردار کے کنارے پہنچ جائیں۔"

پس انہوں نے سامان باندھ کر اونٹ پر رکھا۔ دونوں اونٹ پر سوار ہو گئے اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ ساری رات ان کا سفر جاری رہا۔ صبح کے وقت وہ ایک علاقے میں آ گئے جہاں زمین سخت ہو گئی تھی اور ہوا میں سمندر کی نمی کی بو تھی۔ انہوں نے اندازہ لگایا کہ اب بحرِمردار ایک رات کے سفر پر ہی ہے۔ دن

پھر انہوں نے صحرا میں آرام کیا۔ شام ہوئی تو پھر سفر پر چل پڑے۔ ساری رات سفر کرتے رہے۔ اگلے دن وہ بحرِمردار کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔

بحرِمردار ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ بلکہ ایک جھیل ہے لیکن بالکل سمندر کی طرح ہے۔ کیوں کہ اس کا کنارا نظر نہیں آتا۔ اس سمندر میں نمک اتنا زیادہ ہے کہ وہ زہر بن گیا ہے اور اس میں کوئی مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی۔ پانی میں نمک زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ بھاری ہو گیا ہے اور اگر کوئی اس میں گر پڑے تو وہ ڈوبتا نہیں ہے بلکہ اوپر اوپر تیرتا رہتا ہے۔ چوں کہ اس سمندر میں کوئی مچھلی نہیں ہوتی اس لیے یہاں پرندے بھی نظر نہیں آتے۔

بحرِمردار کا سبز اور مٹیالا پانی دھوپ میں شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس سمندر کے کنارے کنارے مغرب کی طرف ایک سیاہ رنگ کا بڑا بڑا پہاڑ کھڑا ہے۔ بھورے باز نے کہا۔

"ایلات کا قصبہ اسی پہاڑ کی دوسری جانب ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اسی وقت وہاں پہنچنا چاہیئے رات کا انتظار کون کرے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مادام نے کہا: "گرمی بڑی شدید ہے اور سمندر کی طرف سے بھی سخت گرم ہوا آ رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں دن بھر آرام کریں اور رات کو سفر کریں۔"

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ دن کو سفر نہ کیا جائے۔ سارا دن وہ سمندر کے کنارے ایک جگہ کھجوروں کے درختوں کے سائے میں بیٹھے رہے۔ جب دھوپ ڈھلی اور ذرا خنک یعنی ٹھنڈک ہوئی تو انہوں نے پہاڑ کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ آدھی رات کو وہ پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ انہوں نے پہاڑ کے اوپر پہنچ کر دوسری طرف دیکھا۔ رات اندھیری تھی۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ انہیں سوائے ایک اندھیری وادی کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

مادام نے کہا

"ایلات کا قصبہ تو یہاں کہیں نہیں دکھائی دے رہا۔"

ہما باز بولا۔ "ہو سکتا ہے اسی وادی میں ہو۔ جنگ کی وجہ سے بلیک آؤٹ ہے۔ قصبے کی ساری روشنیاں بجھی ہوئی ہیں۔"

"کیا خیال ہے۔ نیچے اترا جائے؟"

"میرا تو خیال ہے۔ آپ یہاں آرام کریں۔ میں نیچے جا کر پتہ کرتا ہوں کہ وادی میں ایلات کس جگہ پہ ہے۔ پھر

مادام اگر آپ کہیں تو جاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

ہما باز نے مادام گارشیا کو پہاڑ کی چوٹی پر چھوڑا اور خود پیدل ہی وادی کی طرف اترنے لگا۔ پہاڑ کی اترائی زیادہ نہیں تھی۔ ہما باز وادی میں پہنچ گیا۔ مگر یہاں اسے کسی قصبے کا نشان نہ ملا۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا کچھ دور جا کر اس کی نظر ایک پرانے سے قلعے پر پڑی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے۔ اس قلعے کی دوسری جانب قصبہ ہو۔ ہما باز رات کے اندھیرے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب وہ قلعے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جس کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں اور دروازہ آدھا کھلا تھا اور آدھا دروازہ بند تھا۔ اندر ایک اندھیرا راستہ جا رہا تھا۔ ہما باز نے سوچا کہ اندر جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ قلعے کی دوسری جانب چلا جائے۔

وہ قلعے کی پرانی دیوار کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ جب وہ قلعے کی دوسری جانب پہنچا تو اسے ایلات نیچے کے کچے مکان اندھیرے میں نظر آئے۔ ہما باز خوش ہو گیا کہ آخر وہ منزل پر پہنچ گیا۔ وہ خوشی خوشی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

قصبے میں ؟ گیا اچانک کسی نے رائفل کی نال اس کی گردن پر رکھ دی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

یہ الفاظ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ادا کیے گئے تھے۔ ہوا باز سمجھ گیا کہ یہ انگریز یا فرانسیسی نہیں بلکہ کوئی جرمن یا اطالوی سپاہی ہے۔ تو کیا اس قصبے پر پھر سے جرمن یا اطالوی قابض ہو گئے ہیں؟ یہ سوچ کر ہوا باز کو پسینہ آ گیا۔ وہ دشمن کا قیدی نہیں بننا چاہتا تھا۔ اُس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"آگے آگے چلو"

اور وہ سپاہی اُسے لے کر قلعے کے دروازے پر آ گیا۔

"اندر چلو۔"

اصل بات یہ تھی کہ ایلات پر انگریزوں کا ہی قبضہ تھا۔ لیکن یہ سپاہی جو ہوا باز کو قلعے میں لے آیا تھا ایک جرمن کمانڈو تھا۔ اس کے دوسرے کمانڈو ساتھی قلعے میں چھپے ہوئے تھے۔ انہیں خاص طور پر ایلات میں انگریزوں کے ذخیروں کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان کمانڈوز نے فرانسیسی ہوا باز کو رسیوں سے

باندھ کر ایک طرف پھینک دیا اور وہ آپس میں جرمن زبان میں باتیں کرنے لگے۔ فرانسیسی ہوا باز کچھ کچھ جرمن زبان جانتا تھا۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنے ساتھی کمانڈو کا انتظار کر رہے ہیں۔

اتنے میں آسمان پر ایک ہوائی جہاز کی گونج سنائی دی۔ جرمن کمانڈو بھاگ کر باہر گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئے تو ان کے ساتھ چھ کمانڈوز اور تھے۔ یہ کمانڈوز پیراشوٹ کے ذریعے جرمن ہوائی جہاز سے کودے تھے۔

اب انہوں نے ایلات میں انگریزوں کے گولہ بارود کو آگ لگانے کی سکیم پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ دو جرمن کمانڈوز انہوں نے فرانسیسی ہوا باز کے پاس رکھے اور باقی دستی بم اور ڈائنامیٹ لے کر قصبے کی طرف چلے گئے۔

انہوں نے رات کے اندھیرے میں بڑی چابکدستی سے جا کر قصبے کے اندر جگہ جگہ ڈائنامیٹ بچھا دیئے اور پھر ٹھیک وقت پر بٹن دبا دیا۔ ایکدم سے خوفناک دھماکے شروع ہو گئے۔ قصبے میں آگ لگ گئی۔ انگریز فوج مشینگنیں لے کر باہر نکل آئے۔ مگر جرمن کمانڈوز نے دستی بم مار مار کر انہیں بھون ڈالا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک گھنٹے کے اندر اندر جرمن کمانڈوز نے قصبے پر قبضہ کر لیا۔ تقریباً سبھی انگریز فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے وائرلیس پر پیچھے اطلاع کر دی کہ دشمن کے قصبے پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ اس سگنل کے ساتھ ہی چار پانچ جرمن ہوائی جہاز فضا میں نمودار ہوئے اور انہوں نے چھاتہ فوج اتار دی۔ ان جہازوں سے بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک بھی نیچے اتار دیے گئے۔ دیکھتے دیکھتے سارا قصبہ پھر سے جرمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس علاقے کے انگریز کمانڈر کو قید میں ڈال دیا گیا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ ہوا باز کو اس کی امید نہیں تھی۔

پہاڑ پر بیٹھے بیٹھے یہ ساری جنگ مادام نے دور سے دیکھی۔ بڑی حیران ہوئی کہ یہ جنگ کس کے درمیان ہو رہی ہے؟ اور اب قصبے پر کس کا قبضہ ہے؟ ہوا باز کہاں ہے؟ ان سوالوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اب پہاڑ سے اترتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ کیا جانے قصبے پر پھر سے جرمنوں نے قبضہ کر لیا ہو۔ وہ فرانسیسی ہوا باز ساتھی کا انتظار کرنے لگی۔

ساری رات وہ انتظار کرتی رہی۔

دن نکل آیا۔ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی میں مادام نے قصبے کے سب سے اونچے مکان پر جو جھنڈا لہرا دیکھا وہ جرمنوں کا تھا۔ اس کا دل بیٹھ گیا سب کیا ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ فرانسیسی ہوا باز جو اب تک اس کے پاس واپس نہیں آیا تو وہ گرفتار ہو چکا ہوگا۔ مادام نے سوچا کہ انگوٹھی والے ناگ کو بلا کر اس سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اس نے انگوٹھی رگڑنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا تو وہ دنگ ہو کر رہ گئی۔

انگوٹھی اس کی انگلی سے غائب تھی۔

"انگوٹھی کہاں چلی گئی؟"

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پہاڑ پر ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر اسے انگوٹھی نہ ملی۔ انگوٹھی کے گم ہو جانے سے وہ سخت پریشان ہو گئی تھی۔ اب وہ اپنے آپ کو مصیبت میں گھرا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اب اسے ہر مصیبت کا تنہا مقابلہ کرنا ہوگا۔ بلکہ اب ہو سکتا ہے وہ کسی بھی مصیبت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ پہاڑ پر ہی بیٹھی رہے گی اور فرانسیسی ہوا باز کا کچھ دیر تک انتظار کرے گی۔

ادھر فرانسیسی ہوا باز کے ساتھ ہی قلعے میں ایلات

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے انگریز کمانڈر کو بھی قید میں ڈال دیا گیا۔ مگر ان سب کو الگ قید میں رکھا گیا تھا۔ دو روز گزر گئے۔ پہاڑ کی چوٹی پر مادام انتظار کرتے کرتے تنگ آ گئی۔ اس نے اونٹ کو پہاڑ کے اوپر ہی باندھا اور خود رات کے اندھیرے میں پہاڑ کے نیچے اتر آئی۔ قلعے کے پاس آ کر اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کہ دروازے پر ایک جرمن سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

اب جو کچھ بھی کرنا تھا مادام کو اپنی ذمے داری پر کرنا تھا۔ یہاں اس کی مدد کرنے والا اب سانپ نہیں تھا۔ اس کے پاس صرف ایک لمبا خنجر تھا جو زہر میں بجھا ہوا تھا اور جسے ہوا باز اسے اپنی حفاظت کے لیے دے گیا تھا۔ مادام ایک بہادر عورت تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فرانسیسی ہوا باز اس قلعے میں قید ہو گا۔ مادام رات کے اندھیرے میں جھک کر آگے بڑھنے لگی جب وہ ٹھیک جرمن پہرے دار کے پیچھے پہنچ گئی تو رک کر سانس درست کرنے لگی۔ خنجر اس نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

جرمن پہرے دار ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔ شاید وہ تھک

گیا تھا۔ اس کی پیٹھ مادام کی طرف تھی۔ مادام نے اب زمین پر رینگنا شروع کر دیا۔ ریت کی وجہ سے اس کے رینگنے کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ رینگتے رینگتے وہ جرمن سپاہی کے قریب آ گئی۔ اب جرمن سپاہی کو کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے جونہی پلٹ کر دیکھا۔ مادام کارنیتا نے ایک شیرنی کی طرح اچھل کر اس کی پشت میں خنجر گھونپ دیا۔ خنجر کے گہرے زخم اور زہر نے فوراً اثر کیا اور جرمن پہرےدار کوئی آواز نکالے بغیر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

مادام نے اس جرمن سپاہی کی وردی پہن کر سٹین گن ہاتھ میں لی اور قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔ کچھ دور اندر جا کر اس نے دیکھا کہ سیڑھیاں نیچے اتر رہی ہیں وہ نیچے آئی تو ایک جرمن سپاہی اسے آتے ہوئے ملا۔ یہاں ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ مادام نے لوہے کا ٹوپ ماتھے پر آگے کو کر لیا تھا۔ جرمن نے قریب سے گزرتے ہوئے جرمن زبان میں اس سے کہا۔

پہرہ چھوڑ کر یہاں کیا کرنے آ گئے ہو؟

مادام کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے یونہی مسکراتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی جرمن میں کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ٹھیک ہے"

سپاہی کو شک سا پڑ گیا۔ وہ واپس پلٹا اور مادام کے پاس آ کر بولا۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟"

اس سے پہلے کہ جرمن سپاہی پستول نکالتا، مادام نے مشین گن کی باڑھ مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ گولیوں کی آواز انگریز کمانڈر اور ہوا باز نے بھی سنی۔ وہ اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں قید تھے۔ ہوا باز نے اونچی آواز میں کمانڈر سے انگریزی میں کہا۔

"یہ گولیوں کی آواز کہاں سے آئی ہے؟ ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے"

"ہو سکتا ہے" انگریز کمانڈر نے کہا۔

اتنے میں مادام نے آواز دی۔

"فرانسیسی ہوا باز! تم کہاں ہو؟"

ہوا باز کا چہرہ کھل اٹھا اس نے بلند آواز میں جواب دیا۔

"مادام! میں اس طرف ہوں"

اور پھر اپنے ساتھ والے انگریز قیدی سے کہا۔

"کمانڈر! یہ ہماری دوست ہے۔ اس نے جرمن پہرے داروں

ہلاک کر دیا ہے۔ وہ ہمارے پاس پہنچ گئی ہے"

اتنے میں مادام وہاں آ گئی۔ اس نے گولی مار کر دونوں کوٹھڑیوں کے تالے توڑ ڈالے۔ ہوا باز اور انگریز کمانڈر آزاد ہو گئے۔ مادام نے کہا۔

"جلدی سے پہاڑی پر پہنچو۔ یہاں سخت خطرہ ہے"

تینوں قلعے میں سے نکل کر پہاڑی پر چڑھنے لگے اوپر پہنچ کر انہوں نے سوچا کہ اب کدھر کو چلنا چاہیئے۔ انگریز کمانڈر نے کہا۔

"اگر ہم بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ سفر کریں تو وہاں سے آگے ہمیں ایک لمبا سفر طے کرنا ہوگا"

"کیا اس کے آگے ہمیں کوئی اپنا علاقہ مل جائے گا؟"

"ہاں! ہم بحیرہ احمر کے کنارے پہنچ سکتے ہیں۔ وہاں سے ہمیں اپنے آدمی مل جائیں گے۔ بحیرہ احمر کے مغربی کنارے پر ہمارا قبضہ ہے"

"تو پھر ہمیں اسی وقت یہ سفر شروع کر دینا چاہیئے"

یہ مادام کا خیال تھا۔ ہوا باز نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا۔ مگر انگریز کمانڈر نے کہا۔

"شاید آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ جس سفر کی میں بات کر رہا ہوں۔ وہ بڑا کٹھن سفر ہے۔ راستہ بڑا تکلیف دہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے۔ بحر احمر تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک ہفتہ سفر کرنا ہوگا۔ یہ صحرا کا سفر ہوگا۔ جہاں ہمیں نہ پانی ملے گا نہ کچھ کھانے کو ملے گا۔ اور ہمارے پاس ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس تین گھوڑے یا تین اونٹ ہونے چاہئیں۔ پھر پانی اور کھانے کا اتنا ذخیرہ ہونا چاہیئے کہ ایک ہفتے تک ہمارا ساتھ دے سکے۔ اگر ہم نے ان چیزوں کے بغیر سفر شروع کر دیا تو بہت جلد کسی نہ کسی صحرا میں ہماری لاشیں پڑی ہوں گی اور گدھ انہیں کھا رہے ہوں گے۔"

بات بڑی معقول تھی۔ ہوا باز نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ پہلے ہمیں یہاں سے تو نکل چلنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہاں رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ جرمنوں کو صبح ہوتے ہی ہمارے فرار ہونے کا علم ہو جائے گا۔ اور انہیں اپنے سپاہیوں کی لاشیں بھی مل جائیں گی۔ وہ ہماری تلاش تک کتوں کو لے کر اس پہاڑی پر ضرور آئیں گے اور ہمیں گرفتار کر لیں گے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

مادام نے پوچھا۔ انگریز کمانڈر بولا۔

"مناسب بات یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔

ہم کسی نہ کسی طرح بحر مردار کے کنارے پہنچ کر کسی جگہ چھپ جائیں۔ پھر وہاں سوچیں گے کہ ہمیں آگے سفر کس ذریعے سے کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک بات ہے۔" ہوا باز نے کہا۔

اس کے بعد انہوں نے اونٹ کو ساتھ لیا۔ اونٹ پر مادام گارشیا کو سوار کرایا اور یہ تینوں مفرور قیدی پہاڑی سے نیچے دوسری طرف اترنے لگے۔ اب رات کافی ڈھل چکی تھی۔ صبح ہوتے ہوتے وہ بحر مردار کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں کہیں کہیں جنگلی کانٹے دار درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ تھے۔ کمانڈر نے کہا۔

"ہمیں اس جگہ کہیں مورچہ کھود کر مشین گن لے کر بیٹھ جانا ہوگا۔"

ہوا باز نے کہا: "کمانڈر صاحب! اگر جرمن ہمیں تلاش کرتے کرتے یہاں پہنچ گئے تو ہماری مشین گن کب تک ہمارا ساتھ دے گی؟ جرمن ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" مادام نے پوچھا۔

ہوا باز نے کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ ہمیں چھپتے رہنا چاہیئے۔"

◆

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اندھا کنواں

آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا اور آگے چل دیئے۔

جوں جوں وہ آگے جا رہے تھے۔ بحر مردار یعنی مردہ سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا گرم ہوتی جا رہی تھی۔ دھوپ بھی خوب تیز پڑنے لگی تھی۔ صرف مادام اونٹ پر سوار تھی۔ دونوں ساتھی سخت ریتلی زمین پر پیدل چل رہے تھے۔ دوپہر تک وہ کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے سفر کرتے رہے۔ دوپہر کے بعد گرمی اور تپش نے انہیں نڈھال کر دیا اور وہ رُک گئے۔ یہاں کھجوروں کا ایک پرانا جھنڈ تھا۔ وہ اس کے سائے میں بیٹھ گئے۔ پیاس نے بُرا حال کر دیا تھا۔ اونٹ بھی پیاس سے بلبلانے لگا۔ پھر اچانک اونٹ نے ایک طرف گردن اٹھا کر سونگھنا شروع کر دیا۔ کمانڈر نے کہا۔

"اونٹ کو کھلا چھوڑ دو۔ صحرا میں اونٹ پانی کی بُو سونگھ لیتا ہے۔ ضرور اس کو پانی کی بُو آ رہی ہے۔"

ای وقت اونٹ کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ دس بارہ قدم چلنے کے بعد اونٹ نے ایک جگہ ریت میں منہ مارنا شروع کر دیا۔ کمانڈر نے کہا۔

"ضرور یہاں پر پانی موجود ہے۔"

انہوں نے زمین کھودنی شروع کر دی۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ دس بارہ فٹ ریت کھودنے کے بعد پانی نکل آیا تھا۔ یہ پیا ہوا ٹھنڈے میٹھے تازہ پانی کا چشمہ تھا۔ انہوں نے خود بھی جی بھر کر پانی پیا اور اونٹ کو بھی پلایا۔ جھنڈ بیٹھ کر انہوں نے کھجوریں کھائیں۔ پیٹ بھرا تو اب سوچنے سمجھنے کی طاقت بھی آ گئی۔

انہیں تعجب تھا کہ جرمن سپاہی ان کے پیچھے نہیں ئے تھے۔ شاید وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے پہاڑ ی دوسری سمت نکل گئے تھے۔ دوپہر تک ان لوگوں نے اسی جگہ آرام کیا۔ چشمے پر سے انہوں نے پانی کی چھاگل بھری کھجوریں توڑ کر اس کی گٹھڑی بنا کر اونٹ پہ رکھ لی اور شام ہوتے ہی دوبارا سفر شروع کر دیا۔ ات کو وہ بڑے سکون سے سفر کرتے رہے۔ کسی وقت کمانڈر اونٹ پر سوار ہو جاتا اور کسی وقت ہرا یازسوار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جو کر اپنی تھکن دُور کر لیتا۔

اس طرح سفر کرتے کرتے وہ بحیرہ احمر تک پہنچ گئے۔

یہاں انہیں دور سے ایک جہاز سمندر کے کنارے کھڑا دکھائی دیا۔ اس وقت تھکن سے وہ چُور ہو چکے تھے کم پانی اور کم خوراک نے انہیں بے حد کمزور کر دیا تھا۔ کمانڈر اور ہوا باز کے پاؤں چل چل کر زخمی ہو گئے تھے۔ وہ ایک جگہ رُک گئے اور غور کرنے لگے کہ یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے؟ کمانڈر نے کہا۔

"اس علاقے میں ضرور انگریزی فوج کا قبضہ ہے اور یہ جہاز سوائے انگریزی جہاز کے اور کوئی نہیں ہو سکتا"

فرانسیسی ہوا باز نے کہا۔ "آپ لوگ یہاں انتظار کریں۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ جہاز کس کا ہے"

ہوا باز ساحل سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ رات ڈھل رہی تھی۔ آسمان پر ہلکی ہلکی صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ جوں جوں ہوا باز سمندر کے قریب ہو رہا تھا اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے جہاز دُور ہٹتا جا رہا ہے۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جس جہاز کا پتہ کرنے وہ آیا تھا وہ کنارے سے کافی دُور جا چکا تھا۔ اندھیرے

[illegible] دیکھ سکا کہ [illegible] تھا۔

[illegible] آگے نکل گیا [illegible] جہاز [illegible] جاتے جہاز سمندر میں [illegible]

[illegible] کے بعد خالی اور ویران ہو گیا [illegible]

ہوا باز نے واپس جا کر کمانڈر [illegible] بتایا کہ جہاز وہاں سے جا چکا ہے۔ جہاز [illegible] سمندر میں غائب ہوتے [illegible] کمانڈر نے پوچھا۔

"کنارے پر کوئی فوجی بارک یا بندرگاہ [illegible]"

"بالکل نہیں"

"تو پھر یہ جہاز یہاں کس [illegible]"

"میرا خیال ہے شاید کسی خاص مقصد [illegible] یہاں آیا تھا اور وہ مقصد [illegible] چلا گیا ہے"

"سوال یہ ہے کہ یہ جہاز [illegible]" [illegible] نے کہا۔

کمانڈر بولا۔

"سانپ کی لکیر پیٹنے [illegible] معلوم کرنا چاہیے [illegible] علاقہ [illegible] سمجھنے میں [illegible]

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہاں چلو۔ وہاں چلتے ہیں۔"

سمندر کے کنارے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ دور ایک کوٹھ سی بنی تھی۔ ہوا باز نے کہا۔

"یہ کوئی دفتر معلوم ہوتا ہے۔"

دن کی روشنی اب چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ انہوں نے غور کر کے دیکھا۔ کوٹھڑی پر کوئی جھنڈا نہیں لہرا رہا تھا۔ وہ کوٹھڑی کے پاس آ گئے۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ انہوں نے ہوا باز کو اشارہ کیا۔ ہوا باز نے مشین گن اپنے ہاتھ میں تھامی اور دروازے پہ زور سے پاؤں مار کر اسے دھڑاک سے کھول دیا۔

دروازہ کھلا تو انہوں نے دیکھا کہ اندر کوئی بھی نہیں کوٹھڑی خالی پڑی ہے۔ صرف کونے میں مٹی کی ایک صراحی رکھی ہوئی تھی۔ سب سے پہلا کام انہوں نے کیا کہ صراحی میں سے پانی نکال کر پیا۔ پانی پی کر ان کی جان میں جان آئی۔ اب غور کرنے لگے کہ اگر یہاں کوئی نہیں رہتا تو یہ پانی کی صراحی کس نے رکھی ہے؟ پانی کی صراحی اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ یہاں کوئی ضرور رہتا ہے۔ پانی تازہ تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اسے ایک دن پہلے بھرا ہے۔ یہ پانی کہاں سے

آیا؟ ضرور یہاں کہیں قریب ہی کوئی تازہ پانی کا چشمہ ہے؟ [illegible] کوٹھڑی میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ فضا کچھ ٹھنڈی تھی۔ ہوا باز بھی قریب ہی بیٹھ گیا۔ مادام کارشیا نے اونٹ سامنے کھڑا کر دیا۔ کمانڈر بولا۔

"ہمیں یہاں اس طرح ٹھکانا کر کے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے دشمن یہاں کہیں چھپا ہو۔ اگر اس نے اچانک فائرنگ شروع کر دی تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔"

مادام کارشیا نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے دور ہو کر دشمن کا انتظار کرنا چاہیے۔"

ہوا باز بولا۔ "ہو سکتا ہے۔ یہاں جو شخص رہتا ہے وہ دشمن نہ ہو بلکہ ہمارا دوست ہو۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے نا۔ ہمیں برے سے برے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک ہلکی سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی

"یہ آواز تم لوگ سن رہے ہو؟"

سب سے پہلے یہ آواز کمانڈر نے سنی۔ اس نے دوسروں [illegible]۔ اب سب نے کان کھڑے کر لیے اور آواز سننے کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوشش کرنے لگے۔ آواز بڑی ہلکی ہلکی تھی۔ ایسے لگ
تھا جیسے کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔ انہوں
غور کیا تو محسوس ہوا کہ آواز کوٹھڑی کے اندر سے
رہی ہے۔

"آواز اس کوٹھڑی سے آ رہی ہے۔"

"لیکن کوٹھڑی تو خالی ہے۔"

"ضرور یہاں کوئی تہہ خانہ ہے۔" انگریز کمانڈر نے
"اسے تلاش کرنا چاہیے۔"

آواز کسی مرد کی تھی۔ وہ جلدی سے کوٹھڑی کے
آ کر دیواروں کو ٹٹولنے لگے۔ اچانک ہوا باز کا پاؤ
زمین میں دھنس گیا۔

"ضرور اس جگہ تہہ خانہ ہے۔"

انہوں نے اس جگہ فرش پر جھک کر سنا۔ آواز
جگہ سے آ رہی تھی۔ اب آواز صاف صاف سنائی دے
رہی تھی۔ یہ کسی مرد کی آواز تھی جو کہہ رہی تھی۔

"مجھے باہر نکالو۔ مجھے اس کنوئیں سے باہر نکالو۔"

یہ لفظ انگریزی، عربی اور فرانسیسی زبان میں ادا
رہے تھے۔ کمانڈر نے کہا۔

"یہ کوئی بڑا چالاک جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ ٹھیک و

ائی جاتی ہے۔"

باز نے کہا۔ "جو کوئی بھی ہے ہمیں اس کی مدد
ہے۔ شاید وہ ہمارے کام آ سکے۔"

ڈر نے کہا۔ "تم لوگ تہہ خانہ تلاش کرو۔ میں مشین گن
لے تیار رہتا ہوں۔ مگر اس نے ایسی ویسی کوئی حرکت
اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔"

ب انہوں نے مل کر زمین کی ریت اور گھاس
س پھوس ہٹایا تو نیچے سے ایک لکڑی کا ڈھکن
یا ہوا۔ لکڑی کا ڈھکنا اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ایک
ہ کنواں تھا۔ یہ لوگ ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ اب
واز صاف سنائی دی۔

"مجھے اندر سے نکالو۔"

کمانڈر نے جھک کر اندھیرے میں کہا۔

"تم کون ہو؟ تمہیں یہاں کس نے بند کیا ہے؟"

یہ انگریزی زبان میں اس نے کہا۔ نیچے سے آواز آئی۔

"میں ایک انسان ہوں۔ یہ شخص جس نے مجھے یہاں
قید کیا ہے غلاموں کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ نوجوان انسانوں
کو پکڑ کر دوسرے شہروں میں جا کر فروخت کر دیتا ہے۔"

کمانڈر نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"یہ تم کسی ملک کے جاسوس ہو؟"
کنوئیں سے آواز آئی۔

"ہرگز نہیں!"

"پھر تم اتنی زبانیں کیسے جانتے ہو؟"
کنوئیں سے آواز آئی۔ "میں مصر کے ایک پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں کئی زبانیں پڑھ چکا ہوں۔ مجھے زبانیں پڑھنے کا شوق ہے۔ ایک رو گھر سے باہر صحرا تک سیر کر رہا تھا کہ ایک آدمی مجھے بے ہوش کر کے لے گیا اور فروخت کر ڈالا۔ وہاں سے بھاگا تو اس شخص نے مجھے دوبارا پکڑ کر اس کنوئیں بے ہوش کر کے قید کر دیا۔"
ہوا باز نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ کوئی مظلوم نوجوان ہے۔ ہمیں کی مدد کرنی چاہیے۔"

مادام بولی: "ہوا باز کا خیال درست ہے کمانڈر! ہمیں اس نوجوان کو قید سے رہائی دلانی چاہیے۔"

انگریز کمانڈر اس بات کے حق میں نہیں تھا۔ کہنے
"مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ہم کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جا
یہ نوجوان ہمارے لیے کسی نئی مصیبت کا باعث نہ بن جا

ہوا باز نے کہا: "یہ تمہارا وہم ہے کمانڈر! ہمیں اس
ی کنوئیں سے نکالنا چاہیے۔"

ہوا باز نے کنوئیں میں منہ لے جا کر کہا۔
"فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں باہر نکال رہے ہیں۔ مگر تمہارا نام
یا ہے؟"

کنوئیں کے اندر سے آواز آئی۔
نبر: میرا نام عنبر ہے۔"

ہاں یہ ہمارے ناول کا ہیرو عنبر تھا۔ جو مصر کے صحرا میں ایک ڈیم پر خرکاروں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی تھی اور اس سے بیگار لی جاتی تھی۔ آپ اس کا حال پڑھ چکے ہیں۔ عنبر وہاں اس لیے رک گیا تھا کہ شاید مصر کے صحرا میں اس کی ملاقات ماریا یا سے ہو جائے۔ جب کئی روز گزر گئے اور ناگ یا ریا اسے نہ مل سکی تو عنبر نے وہاں سے فرار ہونے فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ایک رات اس نے بڑے آرام سے پاؤں کی زنجیر توڑ ڈالی اور اپنے پہریدار سے کہا۔
"میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر لو۔"
پہریدار ہنسا کہ یہ کیسا احمق قیدی ہے جو اپنے منہ سے کہہ کر فرار ہو رہا ہے وہ اس بات پر حیران ضرور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوا کہ عنبر نے اتنی موٹی اور مضبوط زنجیر کیسے توڑ ڈالی تھی۔ اس نے بندوق تان کر کہا۔

"اگر تم نے ایک قدم بھی اٹھایا تو گولی مار دوں گا۔"

دشمن کو کیا خبر تھی کہ عنبر پر کوئی چیز اگر اثر کرتی ہے تو وہ صرف بے ہوش کر دینے والی گیس ہے۔ گیس کے سامنے عنبر بے بس ہو جاتا تھا اور بے ہوش ہو جاتا تھا۔ یا اُسے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیا جائے تو باہر نکلنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ پہریدار کی بندوق کو اس نے ایک ہاتھ سے پرے کر دیا اور کہا۔

"نہیں میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔ اس لیے میرے معاملے میں دخل نہ دو۔ پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور مجھے جانے دو۔ میں نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب ـ ـ، تمہارا آقا اگر اپنی ساری فوج کو بھی لے آئے تو مجھے نہیں روک سکتا۔"

پہریدار نے بندوق کی نالی عنبر کی چھاتی کے ساتھ لگا دی۔

"خبردار! ایک قدم آگے مت بڑھانا۔"

عنبر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے تم باز نہیں آؤ گے۔ تمہاری موت آگئی ہے۔ لیکن میں اب بھی تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

عنبر نے بندوق کی نال ہاتھ سے پرے ہٹا دی اور یک طرف کو چل پڑا۔ پہریدار نے پیچھے سے گولی چلا ی۔ گولی عنبر کی پیٹھ پر لگی مگر وہ چلتا چلا گیا۔ پہریدار نے بندوق میں جتنی گولیاں تھیں، ساری کی ساری عنبر پر چلا دیں۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ صحرا کی رات یں خاموشی سے چلتا رہا۔ اب تو پہریدار کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی بڑا کمال کا انسان ہے۔ بھاگ ر اس کے آگے پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حضور! آپ کوئی بڑے کمال کے درویش ہیں۔ میری خطا معاف کر دیں۔ لیکن اگر آپ اس طرح چلے گئے تو س خونخوار کیمپ کا مالک میرے بال بچوں کو بڑی بیدردی سے ذبح کر دے گا۔"

عنبر رک گیا۔ پہریدار کی طرف دیکھ کر مسکرایا

"اچھا اگر یہ بات ہے تو فکر نہ کرو۔ پہلے میں تمہارے ظالم آقا کی خبر لیتا ہوں۔ تم مجھے پکڑ کر اس کے پاس لے چلو۔"

چنانچہ پہریدار نے ایسا ہی کیا۔ اس نے عنبر کو پکڑ لیا ور لے کر مالک کے کیمپ کی طرف چل پڑا۔ گولیوں کی آواز سن کر کیمپ کا مالک اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہریدار کو دیکھا تو چیخ کر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کو کہاں سے پکڑ کر لا رہے ہو؟

پہریدار نے کہا۔

حضور! یہ بھاگ رہا تھا۔ میں نے اسے پکڑ لیا ہے!

مالک کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے ہنٹر لے کر عنبر کو مارنا شروع کر دیا۔ لیکن بھلا عنبر پر اس کا کیا اثر ہوتا۔ ہاں اب عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دوسرے سارے غلاموں کو آزاد کر دے گا۔ باقی سارے غلام بھی وہاں دور کھڑے یہ افسوسناک منظر دیکھ رہے تھے ان کے پاؤں میں زنجیریں تھیں اور چہرے بھوک اور بیماری سے زرد پڑ چکے تھے۔ انہیں اپنے ساتھی پر ظلم ہوتے دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا۔

مالک نے گرج کر کہا۔

کمینے! تمہاری یہ جرأت کہ زنجیر توڑ کر بھاگنے کی کوشش کرو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ میرا نام جابر ہے۔ میں زمین کے اندر سے بھی اپنے غلاموں کو ڈھونڈ کر نکال لاتا ہوں!

عنبر نے آگے بڑھ کر ہنٹر جابر کے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا۔ عنبر کی گرفت میں اتنی طاقت تھی کہ جابر ایسا چھ فٹ کا دیو بھی نیچے گر پڑا۔ عنبر نے اسے ہنٹروں سے

منہ ٹراٹ کر دیا۔ عنبر کے دو ہنٹروں نے ہی جابر کی لال ادھیڑ دی اور خون نکل آیا۔ یہ حال دیکھ کر سامنے رکے پہ ٹوٹ پڑے۔ مگر اُن کے لیے عنبر کا ایک ہاتھ کافی تھا۔ اس نے جس کی گردن پہ ہاتھ مارا اس کی گردن ٹوٹ کر ڈھلک گئی اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ جابر نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

گولیاں برساؤ!

جابر نے بھی پستول نکال کر عنبر پر گولی چلا دی۔ دوسرے آدمی بھی بندوق سے عنبر پر فائرنگ کرنے لگے۔ مگر عنبر بڑے سکون کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ گولیاں اس کے سینے، سر اور گردن سے ٹکرا کر نیچے ریت پر گرتی رہیں۔ سامنے لوگ ششدر ہو کر رہ گئے۔ عنبر نے جھک کر ایک ٹانگ جابر کی ران پر رکھی اور دوسری ٹانگ اس کی چھاتی پہ اور پھر اس کے ہاتھ سے پستول چھین کر کہا۔

تم نے بے شمار نوجوان اغوا کر کے یہاں قید کئے اُن پر ظلم کیا۔ انہیں بھوکا پیاسا رکھا۔ جب وہ کمزور ہو گئے تو تم نے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ تم میرے ساتھ بھی یہی سلوک کر رہے تھے۔ لیکن تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیوں کہ تمہیں زندہ چھوڑنا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انسانیت کے خلاف بہت بڑا جرم ہو گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے اس کی چھاتی سے پاؤں اٹھا لیا اور پھر اس پر پستول کی ساری گولیاں چلا ڈالیں۔ جابر تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ مگر عنبر نے ان سب کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ اب اس نے ان تمام نوجوانوں کو آزاد کر دیا۔ جنہیں جابر نے اٹھا کر کے وہاں زبردستی بیگار پر لگا رکھا تھا۔ ان کی زنجیریں توڑ دی گئیں۔ انہیں جابر کے خاص باورچی خانے میں لے جا کر خوب اچھی طرح سے کھلایا پلایا گیا۔ پھر انہیں اونٹوں پر سوار کروا کر آزاد کر دیا گیا۔ خود عنبر نے بھی ایک اونٹ لیا۔ پرندوں سے ملے۔ اور شہر قاہرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ عنبر کا کبھی اپنا وطن ہوا کرتا تھا۔ وہ اسی سرزمین کی فضاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اب حالات بہت بدل گئے تھے۔ سوائے اہرام مصر کے وہاں پرانے زمانے کی کوئی بھی چیز باقی نہیں تھی۔ اور اہرام مصر کو بھی کافی نقصان پہنچایا گیا تھا۔ ان دنوں سب سے بڑے فرعون توتنخ آمون کے مقبرے کی تلاش جاری تھی۔ گویا ڈاکو اب اس نیک دل بادشاہ کے مقبرے کو بھی لوٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ویسے عنبر کو اب صحرا کے پرانے راستے بھی یاد نہیں رہے

تھے۔ اس نے صحرائی راستے پہ سفر تو شروع کر دیا تھا لیکن اسے اچھی طرح یقین نہیں تھا کہ وہ جس راستے پہ جا رہا ہے وہ سیدھا قاہرہ کو ہی جاتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جابر کا ایک چھوٹا بھائی اس اندھا دھند فائرنگ سے بچ گیا تھا اور عنبر سے بدلہ لینے کے لیے اس کے پیچھے لگ چکا تھا۔ کچھ فاصلے پر وہ بھی ایک گھوڑے پہ سوار عنبر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

اس شخص کا نام جالوت تھا۔ یہ بھی اپنے وقت کا بڑا ظالم شخص تھا اور بیگار کیمپ میں کئی لڑکوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ اسے اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص عنبر اگر قابو میں آ سکتا ہے تو اس صورت میں کہ اسے کسی طریقے سے بے ہوش کر دیا جائے۔ چنانچہ جالوت نے کلوروفارم کی ایک پوری شیشی تھیلے میں رکھ لی تھی اور عنبر کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

عنبر صحرا میں جا رہا تھا کہ راستے میں رات ہو گئی۔ اب عنبر کو راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اس نے سوچا کہ کسی جگہ رات کو آرام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد صبح کی روشنی میں سفر شروع کیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ ایک جگہ کھجور کے درخت کے ساتھ اونٹ کو باندھ کر خود بھی لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پہلو بدلتا اور ماریناگ کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر نیند آ گئی۔

جالوت قریب ہی چھپا اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا جونہی اس نے دیکھا کہ اس کا شکار سو گیا ہے، وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ قریب جا کر وہ ریت پر لیٹ گیا اور سانپ کی طرح رینگتا ہوا عنبر کی طرف کھسکنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ شکار بے حد ہوشیار ہے۔ اگر ایک بار اس کی آنکھ کھل گئی تو وہ جالوت کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ قریب آ کر اس نے تھیلے میں سے کلوروفارم کی شیشی نکالی۔ ایک رومال کو اس دوائی سے خوب اچھی طرح سے تر کیا۔ تھیلا اور کلوروفارم کی شیشی اس جگہ ریت میں رکھی اور رینگتا ہوا عنبر کے سرہانے کی طرف آ گیا۔

عنبر سچ مچ سو رہا تھا۔ جالوت کے لیے یہ ایک بڑا سنہری موقع تھا۔ اس نے بڑی تیزی کے ساتھ کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال عنبر کی ناک پر رکھ کر ہاتھ سے دبا دیا۔ اس کا ایک ہی سانس کافی تھا۔ عنبر نے ایک ہی سانس لیا اور اتنا زیادہ کلوروفارم اس کے اندر چلا گیا جو اسے چوبیس گھنٹوں تک بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔ عنبر بے ہوش ہو چکا تھا۔ جالوت نے جلدی سے عنبر کو گھسیٹ کر اونٹ پہ ڈالا خود گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کلوروفارم کی شیشی اور تھیلا اس نے ساتھ لے لیا تھا۔ اس نے یمن کی طرف سفر شروع کر دیا۔

جالوت یمن میں مردہ سمندر کے پاس لے جا کر عنبر کو ایک یہودی بردہ فروش کے پاس بڑے مہنگے داموں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایسے طاقتور انسان کی یہودی بہت زیادہ قیمت دے گا۔ راستے میں جب وہ دیکھتا کہ بے ہوشی کی دوائی کا اثر کم ہو رہا ہے تو جالوت عنبر کو پھر سے دوائی سنگھا کر دوبارہ بے ہوش کر دیتا۔

یوں وہ اسے لے کر منزلوں پہ منزلیں طے کرتا مردہ سمندر کے پاس آ گیا۔ یہاں اس کو ایک کوٹھڑی کے بارے میں علم تھا جہاں اس کا بھائی جابر غلام خرید کر انہیں کوٹھڑی کے اندر بنے ہوئے کنوئیں میں رکھا کرتا تھا۔ تاکہ پولیس کو پتہ نہ چل سکے۔ جالوت نے بھی مردہ سمندر کے کنارے عنبر کو لا کر کوٹھڑی کے کنوئیں میں رسی سے لٹکا کر اندر پھینک دیا اور اس کا اوپر سے منہ بند کر کے خود یہودی کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا جو وہاں سے دس کوس کے فاصلے پہ تھا۔

• ختم عنبر کی کہانی ——— انگریز کمانڈو، ہوا باز اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مادام گارشیا نے مل کر عنبر کو کنوئیں میں سے باہر کھینچ انھوں نے عنبر کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک خوش شکل ہے جس کا لباس پھٹا ہوا ہے۔ بال بکھرے ہیں مگر چہرے پر ابھی تک شرافت کی چمک ہے۔ آنکھوں میں حیا اور نور ہے۔ ہوا بانر اور مادام اس سے متاثر ہوئے مگر انگریز کمانڈر کو ابھی تک عنبر پر شک تھا۔ اس نے پستول نکال کر کہا

"سچ سچ بتاؤ۔ تم کون ہو۔ نہیں تو تمہیں گولی مار کر کنوئیں میں پھینک دی جائے گی۔"

* * *

خطرناک سکیم

عنبر نے سوچا کہ یہ بڑا احمق انگریز ہے۔ اس نے کہا۔ "مسٹر! میں تمہارا نام نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے پستول کی گولی میرے لیے بیکار ہے اور دوسرے یہ کہ میں کسی ملک کا بھی جاسوس نہیں ہوں۔ بلکہ تم لوگ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

کمانڈر نے پستول آگے کر دیا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

عنبر مسکرایا: "میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ میرا نام عنبر ہے۔ مجھے ایک شخص جابر نے قید کر کے بیگار کیمپ میں ڈال رکھا تھا۔ وہاں سے بھاگ کر میں نکلا تو اس کے بھائی نے مجھے بے ہوش کر کے بے بس کر دیا اور اس کنوئیں میں لا کر ڈال دیا میرا خیال ہے کہ وہ کہیں میرا سودا کرنے گیا ہوا ہے اور ضرور اسی جگہ واپس آئے گا۔ بس یہ ہے میری کہانی۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کمانڈر نے کہا۔

"اور تم یہ کیا کہہ رہے تھے کہ گولی تمہارے لیے بیکار ہے۔ کیا تم جادوگر ہو؟"

عنبر نے کہا: "تم یہی سمجھ لو کہ میں جادوگر ہوں کیونکہ جب تم نے میری کرامت دیکھی تو پھر بھی تم اسے جادو کے نام سے یاد کرو گے۔ اب پستول پرے ہٹاؤ اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

انگریز کمانڈر نے پستول کی نالی عنبر کے سینے سے لگا کر کہا۔

"جب تک تم اپنے بارے میں سچ سچ نہیں بتاؤ گے میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

اس پر مادام گارشیا نے کہا۔

"کمانڈر! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شخص ہماری کچھ مدد کر سکے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"ہاں کمانڈر! تم برائے مہربانی اپنا پستول جیب میں رکھ لو۔"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دور سے ایک گھوڑا ان کی طرف آتا نظر آیا۔

عنبر نے کہا۔

"جالوت آ رہا ہے۔ تم لوگ یہیں کہیں چھپ جاؤ اور یہ تماشہ دیکھو۔"

گھڑ سوار قریب آ رہا تھا۔ ہوا باز، کمانڈر اور مادام ایک طرف ہو کر درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ عنبر بھی کوٹھڑی سے باہر آ کر ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ جالوت گھوڑے سے اترا۔ کوٹھڑی کے باہر ایک اونٹ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یہ کون یہاں آ گیا ہے۔ لپک کر اندر گیا تو کوٹھڑی کا تہہ خانہ خالی تھا۔ اس کا ڈھکنا دور پڑا تھا۔ سمجھ گیا کہ شکار نکل گیا ہے۔ کوٹھڑی سے باہر آ کر پستول نکال کر چیخا۔

"تم مجھ سے بچ کر نہ جا سکو گے عنبر! تم نے میرے بھائی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

عنبر درخت کے پیچھے سے نکل کر ایکدم سامنے آ گیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ کمانڈر، ہوا باز اور مادام دم بخود ہو کر رہ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص ضرور کوئی پاگل ہے جو نہتا ہو کر پستول کے سامنے چلا گیا ہے۔ عنبر نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"جالوت! تمہارا بھائی قاتل تھا۔ اس نے کئی ڈاکروں ک خون کیا تھا۔ اس کی یہی سزا تھی۔ تمہارے ہاتھ بھی بیگن کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ تمہارا بھی انجام یہی ہو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اور عنبر نے جالوت کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ہوا باز، کمانڈر اور مادام حیران ہو کر عنبر کو تکنے لگے۔ "خواہ مخواہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔" مادام نے کمانڈر سے کہا۔

"اس شخص پر گولی چلا دو۔"

یہ آواز عنبر نے بھی سن لی۔ اس نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"نہیں نہیں۔ اس پر گولی چلانے کا تم لوگوں کو کوئی حق نہیں۔ یہ میرا شکار ہے۔ اس کو میں ختم کروں گا۔"

جالوت نے عنبر پر اوپر تلے تین فائر کر دیئے۔ مادام کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کیوں کہ تینوں کی تینوں گولیاں عنبر کے سینے پر آ کر لگی تھیں۔ ہوا باز نے کمانڈر کے ہاتھ سے پستول چھین کر جالوت پر گولی چلا دی۔ گولی جالوت کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اس پر عنبر نے پلٹ کر غصے سے کہا۔

"میں نے کہا نہیں کہ اس کو میں ہلاک کروں گا۔ یہ شکار ہے۔ فائرنگ بند رکھو۔ مجھے تمہاری گولیوں کی ضرورت نہیں۔"

اب مادام، کمانڈر اور ہوا باز دم بخود تھے کہ عنبر پر ن نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ کمانڈر نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یقیناً اس شخص کو کوئی گولی یں لگی۔"

مادام نے کہا۔

"میں نے خود دیکھا تھا کہ گولی اس کے سینے میں تھی۔"

ہوا باز بولا۔

"ہاں! میں نے بھی دیکھا تھا۔ تینوں کی تینوں گولیاں ں کے سینے پر آ کر لگی تھیں۔ مگر نہ خون نکلا نہ س پر کوئی اثر ہوا۔ ضرور یہ کوئی جادوگر ہے۔"

عنبر جالوت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے پستول کی باقی گولیاں بھی عنبر پر فائر کر دیں۔ پھر پستول پھینک دیا۔ اب ہوا باز، مادام اور کمانڈر بھی درختوں کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گئے۔ عنبر جالوت کو دھکا دے کر جھونپڑی کے اندر لے گیا۔ پھر اس نے اسے دونوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہاتھوں سے اٹھا کر کوٹھڑی کے کنوئیں میں گرا دیا۔

"اب تم بھی اس وقت تک یہاں پڑے سڑتے رہو گے جب تک کوئی راہ گیر تمہاری آواز سن کر یہاں نہیں آ جاتا۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ عنبر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے کمانڈر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بتاؤ اب تمہارا کیا خیال ہے میرے بارے میں؟"

انگریز کمانڈر نے منہ بنا کر کہا۔

"مجھے تم کوئی جادوگر لگتے ہو۔ تمہارے پاس کوئی ایسا جادو ہے جس کی وجہ سے تم پر گولی اثر نہیں کرتی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"انگریز شک پرست قوم ہے۔ لیکن یاد رکھو دنیا میں ایسا کوئی جادوگر نہیں دیکھو گے جس پر پستول سے نکلی ہوئی گولی اثر نہ کرے۔ بہرحال۔"

عنبر نے ماوام کی طرف رخ کر کے کہا۔

"اب آپ لوگ مجھے اپنے بارے میں بتائیں کہ آپ یہاں کس طرح آ گئے؟ معاف کرنا مجھے تم لوگ کسی جنگی کیمپ سے بھاگے ہوئے قیدی لگتے ہو۔"

ہونے کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہم جنگی کیمپ سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں۔"

اور پھر ماوام کارشیا نے شروع سے لے کر آخر تک عنبر کو اپنی ساری سرگزشت سنا ڈالی۔ عنبر خاموشی سے سنتا رہا۔ اس دوران ماوام نے ایک [illegible] عنبر کو ناگ والی انگوٹھی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اصل میں وہ انگوٹھی کا راز کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ موقع ملتے ہی وہ خود مصر میں جا کر انگوٹھی تلاش کر لے گی۔ عنبر نے ساری کہانی سن کر کہا۔

"لیکن مصر پر ابھی کسی ملک کا قبضہ نہیں ہوا ہے۔ ہاں سنا ہے کہ یہاں کبھی کبھی کسی نہ کسی ملک کی [illegible] صحرا میں اپنے کمانڈوز اتارا کرتی ہے۔"

کمانڈر نے پوچھا۔

"اس صحرا میں کمانڈوز اتارنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟"

عنبر نے کہا۔ "سنا ہے کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک کان ہے جس میں سے یورینیم نکلتا ہے۔ ہر ملک کی کوشش ہے کہ وہاں سے یورینیم نکال کر لے جائے۔ سنتے ہیں جرمن لوگ کوئی زبردست بم بنا رہے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بنا رہے ہیں۔ جس کے لیے انہیں یورینیم کی ضرورت ہے۔ ادھر ایسا ہی ملک یا بم امریکہ بھی بنا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی آبدوز اپنے کمانڈوز یہاں اتارنے کی کوشش کرتی ہے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے ملک کی آبدوز کا یہاں رہ کر انتظار کرنا ہوگا؟"

"سوائے اس کے اور کوئی علاج بھی نہیں ہے۔" مادام نے کہا۔

عنبر نے کہا۔

"مادام ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کیوں کہ آپ لوگ اگر یہاں سے پیدل یا گھوڑوں یا اونٹوں پہ بھی جائیں تو صحرا عبور نہیں کر سکتے۔ یہ بڑا دشوار گزار صحرا ہے۔ آج تک کسی نے اس صحرا کو عبور نہیں کیا بہتر یہی ہے کہ یہاں رہ کر اپنے ملک کی آبدوز کا انتظار کریں۔"

ہوا باز نے کہا۔ "خدا جانے آبدوز کب آئے؟ اور پھر کیا خبر ہمارے ملک کی آبدوز کب آئے؟"

عنبر کہنے لگا: "یہ انتظار تو آپ کو کرنا ہوگا نہیں

یہ صحرا میں جا سکتے ہیں؟"

باز بولا: ٹھیک ہے۔ ہم انتظار کریں گے۔ لیکن ب خطرہ یہ بھی ہے کہ کہیں پیچھے سے جرمن ہمیں زل کرنے یہاں نہ پہنچ جائیں؟"

نبر نے کہا۔ "ان کو میں سنبھال لوں گا۔ گھبراؤ نہیں انڈوز: ان کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔"

انہوں نے کوٹھڑی میں جگہ بنا لی اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ وہیں سے وہ چشمہ بھی مل گیا جہاں ے جالوت پانی کی صراحی بھرا کرتا تھا۔ یہ ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ تھا۔ عنبر نے کھجوروں کے جھنڈ بھی تلاش کر لیے۔ وہاں سے تازہ اور میٹھی کھجوریں آ گئیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اونٹ کو بھی ذبح کر دیا۔ کیوں کہ اس کی خوراک کا ان لوگوں کے پاس کوئی انتظام نہیں تھا اور اونٹ بیمار پڑ گیا تھا۔ گوشت کو انہوں نے صاف کر کے ٹھنڈی ریت کے نیچے دبا دیا۔ اور کچھ پکا پکا کر کھا لیا انہیں وہاں رہتے تین روز گزر گئے تھے۔ کوٹھڑی کے کواڑوں کے پیچھے سے دو روز تک جالوت کی آوازیں آتی رہی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اب وہ آوازیں بھی بند ہوگئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ ہواباز ہر صبح اور شام کو سمندر کے کنارے جاکر دیکھ آتا کہ کہیں کوئی آبدوز تو سمندر سے نہیں نکل رہی۔ اس طرح انہیں دس پندرہ روز گزر گئے۔ اونٹ کا گوشت بھی ختم ہوگیا۔ اب ان لوگوں کا کھجوروں اور چشمے کے پانی پر گزارہ تھا۔ یہ سب بڑے حیران تھے کہ عنبر کچھ نہیں کھاتا تھا۔ نہ کھجوریں کھاتا تھا اور نہ پانی پیتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی پانی ضرور پی لیتا تھا۔ کیوں کہ پانی کافی تھا۔ کھجوریں اس لیے نہیں کھاتا تھا کہ کم نہ پڑ جائیں اور اس کے ساتھی بھوکوں نہ مر جائیں۔ اسے کھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک روز شام کو کمانڈر نے پوچھا۔

"مسٹر عنبر! تمہیں بھوک کیوں نہیں لگتی؟"

عنبر نے کہا: "مجھے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔"

مادام بولیں: "کیا تمہیں کمزوری محسوس نہیں ہوتی؟"

"بالکل نہیں۔"

ہواباز نے پوچھا۔ "مسٹر عنبر! کیا تم اپنا جادو مجھے سکھا

سکتے ہو؟

مرنا جادو؟

یہی کہ تمہاری طرح مجھ پر بھی گولی اثر نہ کرے؟"

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ یہ جادو اب اس دنیا ہی میں نہیں ہے۔"

"تم نے یہ جادو کہاں سے حاصل کیا تھا عنبر؟"

ملوسم کے اس سوال پر عنبر نے سر کھجا کر کہا۔

"یوں سمجھ لیں کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے اسی علاقے مصر میں ایک عورت نے مجھے یہ جادو سکھایا تھا۔"

سب کھل کھلا کر ہنس دیے۔ کمانڈر نے کہا۔

"تم آدمی بڑے مذاقیہ ہو۔ خوب ہنسنے ہنسانے کی باتیں کرتے ہو۔ لیکن میں لندن جاکر تمہارا کسی ماہر ڈاکٹر سے بلکہ پورے میڈیکل بورڈ سے معائنہ کرانا چاہتا ہوں کہ معلوم کیا جائے تم پر گولی اثر کیوں نہیں کرتی؟"

عنبر نے کہا

"مجھ پر تو خنجر اور آگ بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر مجھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہر پہاڑ یا کوئی بلڈنگ بھی گر پڑے تو میں پھر بھی اسی طرح بیٹھا رہوں گا اور مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

"مگر ایسا کیوں ہے؟" مادام نے پوچھا۔
عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا۔ کسی خاص وقت تک کے لیے مجھ سے موت دُور کر دی گئی ہے۔"

اس پر ہم سارے کے سارے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

"مسٹر عنبر! تم بڑی مزیدار باتیں کرتے ہو۔"
مادام نے کہا اور اپنے سر میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ عنبر نے کہا۔

"تم لوگوں کے لباس کافی پھٹ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ سب سے پہلے کپڑوں کا بندوبست ہونا چاہیئے۔"
کمانڈر نے سر جھٹک کر کہا۔

"میاں کھانے کو کچھ نہیں مل رہا اور تمہیں ہمارے کپڑوں کی فکر پڑی ہے۔ بھائی اگر کچھ روز اور اسی طرح کھجوریں کھاتے رہے تو میں تو کھجور کا درخت بن جاؤں گا۔"

ہوا باز نے مسکرا کر کہا۔

یک تو خود کھجور کا درخت بن چکا ہوں؟"

ی طرح باتیں کرتے کرتے رات کا اندھیرا گھ
ے چاروں طرف صحرا میں پھیل گیا تھا اور سمندر کی
نب سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی تھی۔ اچانک کمانڈر نے
ھ اوپر اٹھا کر ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ
یہ سب خاموش ہو کر کمانڈر کو تکنے لگے۔ ہوا باز
ے سرگوشی میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"
کمانڈر نے کہا۔

"مجھے سمندری لہروں کی کچھ عجیب و غریب آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔"

ہوا باز بولا۔ "کیا مطلب؟"

"شش۔ غور سے سننے کی کوشش کرو۔"

ان سب نے کان لگا دیئے۔ سمندری لہروں کی ایسی آواز آ رہی تھی جیسے وہ کسی چیز سے ٹکرا رہی ہوں۔ کمانڈر نے کہا۔

"ضرور سمندر میں کوئی آبدوز ابھر رہی ہے۔"
سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہوا باز نے کہا۔
"میں جا کر پتہ لگاتا ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں"، کمانڈر نے خواہش ظاہر کی۔

"نہیں نہیں۔ آپ لوگ اسی جگہ رہیں۔ میں ابھی پتہ لگا کر واپس آ جاؤں گا۔ ہم سب کا جانا ٹھیک نہیں۔ کیا خبر دشمن کی آبدوز ہو۔"

رات اندھیری تھی لیکن صحرا میں ستاروں کی بڑ دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی ہواباز سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دائیں طرف سے ہو کر جا رہا تھا۔ اس طرف ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ ہواباز سمندر کے پاس جا کر ان ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سمندر کی جانب تکنے لگا۔ کمانڈر کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اس کے سامنے سمندر میں سے ایک سیاہ آبدوز کا سایہ ابھر رہا تھا۔

ہواباز بڑے غور سے ستاروں کی ہلکی روشنی میں اس آبدوز کو دیکھنے لگا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جلدی جلدی یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ آبدوز کس ملک کی ہے۔ مصیبت یہ تھی کہ آبدوز جب سمندر سے ابھرتی ہے تو اس پہ کوئی جھنڈا وغیرہ نہیں لگا

ہوتا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ فلاں ملک کی ہے۔ آبدوز سمندر سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہواباز نے دیکھا کہ آبدوز میں سے کچھ سیاہ لباس میں ملبوس آدمی اترے اور ربڑ کی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے کی طرف بڑھنے لگے۔

یہ خطرناک مرحلہ تھا۔ ہواباز کے خیال میں اب ان کی پہچان صرف ایک ہی طریقے سے ہو سکتی تھی، کہ وہ قریب جا کر ان کی باتیں سنے کہ وہ کس زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں خطرہ بھی تھا کہ اگر وہ دشمن کے کمانڈوز ہوئے تو ہواباز کو اس مرحلے پہ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اُسے گرفتار کرنے کی مصیبت مول نہیں لے سکتے اس لیے اُسے ہلاک کر ڈالیں گے۔ ٹھیک ہے دو ایک کمانڈوز کو وہ بھی مار سکتا تھا مگر آخر اسے بھی مرنا ہی تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب یہ کیوں کر معلوم کیا جائے کہ یہ کمانڈوز دشمن کے ہیں یا کسی اپنے دوست ملک کے؟

یہ مسئلہ ان کمانڈوز نے خود ہی حل کر دیا۔ شاید ایک کمانڈو پیچھے رہ گیا تھا۔ [illegible]

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوئے ایک کمانڈو نے پیچھے رہ جانے والے کمانڈو کو آواز دے کر بلایا اور جلدی آنے کو کہا۔ یہ الفاظ جرمن زبان میں ادا کئے گئے تھے۔ ہوا باز اب تیزی سے واپس ہوا اور رات کے اندھیرے میں ریت کے ٹیلوں کی اوٹ سے ہوتا ہوا واپس کوٹھڑی میں گیا۔ عنبر، کمانڈر اور مادام اس کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہوا باز سے آتے ہی پوچھا۔

"کون تھے یہ لوگ؟"

"جرمن!"

اتنا سن کر سب کے چہروں پر ادس پڑ گئی۔ کمانڈر نے سر جھکا لیا اور بولا۔

"کم بخت یہ لوگ یہاں بھی آ گئے۔"

مادام پریشان ہو گئی تھی۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ اگر وہ یہاں آ گئے تو بڑا سخت مقابلہ ہوگا۔ ہمارے پاس تو اسلحہ بھی نہیں ہے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"وہ شاید ادھر نہیں آئیں گے۔ وہ آگے کسی خاص ٹارگٹ کو تباہ کرنے جا رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ کب واپس آئیں گے؟"

کمانڈر نے کہا۔

"اگر تو آبدوز سمندر میں واپس چلی جائے گی۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کمانڈوز نے بہت آگے جانا ہے اور آبدوز ان کا انتظار نہیں کرے گی۔ اور اگر آبدوز سمندر میں کھڑی رہی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کمانڈوز کسی قریبی ٹارگٹ پر جا رہے ہیں اور وہ جلد واپس آ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"بہرحال وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہاں کب تک بیٹھے رہیں گے؟"

عنبر نے

"میرے ذہن میں ایک سکیم آئی ہے۔"

"وہ کونسی سکیم ہے؟ تم بھی بتا دو۔" کمانڈر نے بیزاری سے کہا

عنبر بولا۔ "اگر آبدوز سمندر میں کھڑی رہے تو کیوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہ ہم اس پر قبضہ کریں؟"

اس بات پر سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہوا باز نے سر جھٹک کر کہا۔

"خواب کی باتیں کر رہے ہو مسٹر عنبر تم۔"

مادام بولیں۔

"ہم نہتے ہیں۔ آبدوز پر پورا عملہ ہو گا اور ان کے پاس گولہ بارود کی کمی نہیں ہو گی۔ وہ تو ہمیں آبدوز میں داخل ہوتے ہی بھون کر رکھ دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"ہاں آپ لوگوں کو بھون سکتے ہیں مگر مجھے وہ نہیں بھون سکیں گے۔ آپ یہ نہ بھولیں۔"

اس پر کمانڈر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"عنبر! تم نے بڑی کمال کی سکیم بنائی ہے۔ یہ تو ہم بھول ہی گئے تھے کہ تم پر کوئی بم گولہ اثر نہیں کرتی۔ ہاں ہم آبدوز پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ اگر تم ہماری رہنمائی کرو۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "میں تم لوگوں کے لیے اس کام کے لیے تیار ہوں۔"

ہوا باز نے کہا: "مگر تم اکیلے وہاں جا کر کیا کرو گے؟"

"آبدوز پر قبضہ کروں گا اور کیا کروں گا؟" عنبر نے کہا۔

ہم رہیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آبدوز سمندر میں کھڑی ہو۔ کمانڈر اٹھ کر کوٹھڑی میں ٹہلنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم انتظار کریں گے۔ اگر صبح تک آبدوز سمندر میں ہی ہو گی تو ہم اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

ہوا باز نے کہا۔

"ہمارا ایکشن کیا ہو گا؟ کیا عنبر اکیلا آبدوز پر حملہ کرے گا؟"

کمانڈر نے کہا۔ "ہماری رہنمائی عنبر ہی کرے گا۔ یہ ہمیں وہاں جا کر اشارہ دکھائے گا۔ پھر ہم بھی حملہ کر دیں گے۔ لیکن یہ کام ہمیں کمانڈوز کے واپس آنے سے پہلے پہلے کر دینا ہو گا۔"

مادام نے کہا۔ "پہلے یہ تو پتہ کر لیا جائے کہ آبدوز وہاں ہے بھی کہ نہیں؟"

"صبح اس کا پتہ بھی چل جائے گا۔"

اب وہ بڑی بے تابی سے صبح کا انتظار کرنے لگے۔

جب صحرا میں دن چڑھا تو انہوں نے کوٹھڑی سے باہر نکل کر ٹیلے کے اوپر جا کر سمندر کی طرف دیکھا۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آبدوز سمندر میں کھڑی تھی۔ وہ سمندر سے باہر تھی اور اس پر ایک سپاہی رائفل لئے پہرہ دے رہا تھا۔ کمانڈر نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ مسٹر عنبر! ہمارے اس مشن کی کامیابی کا دار و مدار صرف تم پر ہے۔ بتاؤ تم کیا کر سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔ "میں آبدوز پر جا کر قبضہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور جب قبضہ کر لیا تو تین فائر کر کے تم لوگوں کو اشارہ کروں گا۔ تم میرا اشارہ ملتے ہی آ جانا۔"

کمانڈر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تمہارے اشارے کا انتظار کریں گے مگر تم کس لباس میں آبدوز کے پاس جاؤ گے؟ کیا تم سمندر میں تیر کر جاؤ گے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ اب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جانوں اور میرا کام جانے۔ تم لوگ کوٹھڑی میں جا کر چھپ جاؤ اور میرے تین فائروں کا انتظار کرو۔"

ان لوگوں کو کوٹھڑی میں چھوڑ کر عنبر ٹیلے کی

دوسری جانب سے ہو کر سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سمندر اتنا زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ بمشکل دو تین سو گز کا فاصلہ ہو گا۔ عنبر نے یہ فاصلہ طے کر لیا آبدوز کچھ فاصلے پر سمندر میں کھڑی تھی۔ اس کی پشت عنبر کی طرف تھی۔ عنبر بڑے آرام سے سمندر میں اتر گیا اور اس نے آہستہ آہستہ آبدوز کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔

* * *

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آبدوز پر بغاوت

عنبر پیچھے کی طرف سے تیرتا ہوا آبدوز کے عقب میں پہنچ گیا۔

وہ بالکل ایک مردہ لاش کی طرح تیر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے سمندر میں کسی قسم کی لہریں پیدا نہیں ہو رہی تھیں۔ آبدوز کے اوپر جرمن سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے پیچھے سے ایک شخص سمندر میں تیر کر آبدوز پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عنبر آبدوز کے پیندے کے ساتھ لگ کر بے حس ہو گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں سپاہی کو شک تو نہیں پڑ گیا۔ صحرا تک اور سمندر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی گرم ہوا چل رہی تھی۔ دن کی روشنی میں سمندر کی پُرسکون سطح شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ جب عنبر کو یقین ہو گیا کہ ہر طرف معاملہ ٹھیک ہے تو اب اس نے آبدوز کے

ڑھنے کی کوشش شروع کر دی۔

آبدوز کا آدھا پیندا سمندر کے اندر ڈوبا ہوا تھا۔ جو باہر تھا اس پر پھسلن تھی۔ عنبر تیرتا ہوا ذرا آگے نکل گیا۔ ادھر پیندے کے ساتھ کنڈے سے بنے ہوئے تھے۔ عنبر ان کو پکڑ کر آبدوز کی دیوار پر آ گیا۔ اب اس نے سر اوپر نکال کر دیکھا کہ پہرے دار کہاں پر کھڑا ہے۔ جرمن پہرے دار ڈیک پر اُس جگہ کھڑا تھا۔ جہاں آبدوز کے اندر جانے کا گول سوراخ ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ عنبر کی طرف تھی۔ عنبر نہیں چاہتا تھا کہ وہاں شور مچ جائے۔ پہرے دار اسے دیکھ کر گولی چلا دے۔ وہ مر تو نہیں سکتا تھا لیکن گولی کی آواز پر آبدوز کا عملہ ہوشیار ہو سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ آبدوز وہاں سے روانہ ہو جاتے۔

عنبر آبدوز کے ڈیک یعنی عرشے پر لیٹ گیا اور اس نے سانپ کی رفتار سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ وہ پہریدار کے عقب میں پہنچ گیا۔ پہرے دار بڑے مزے سے کھڑا سمندر کی لہروں کو ساحل کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ عنبر چھلانگ لگانے کے لیے اٹھا تو کھٹکا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوا۔ پہریدار نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ایک بجلی سی چمکی اور عنبر دوسرے لمحے پہریدار کی گردن سے چمٹا ہوا تھا۔ پہریدار نیچے گر پڑا تھا اور آخری سانس لے رہا تھا۔

جب عنبر کو یقین ہو گیا کہ پہرے دار بے جان ہو چکا ہے تو اس نے اس کی جرمن وردی اتار کر پہن لی اور ہاتھ میں رائفل پکڑ کر اس کی لاش کو بڑے آرام سے آبدوز کے پیچھے سمندر میں لڑھکا دیا۔ عنبر خاموش کھڑا پہرہ دیتا رہا۔ اور نیچے جانے کے بارے میں سوچتا رہا۔ آبدوز کے گول سوراخ کا ڈھکنا اٹھا ہوا تھا۔ عنبر نے جھانک کر دیکھا۔ نیچے لوہے کی سیڑھی جا رہی تھی۔ عنبر ابھی نیچے اترنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کسی کے کھنکارنے اور جرمن زبان میں باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں سوراخ میں سے ایک جرمن فوجی باہر نکلا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر انگڑائی لی اور جرمن زبان میں پہریدار سے یوں مخاطب ہوا۔

"کمانڈوز کے حملے کے لئے بڑا خوبصورت موسم ہے"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دوسری طرف منہ کر کے

جرمن فوجی نے کہا۔

"کیا بات ہے تم بولتے کیوں نہیں؟ کیا دانت درد ہے؟" اور پھر وہ ہنستا ہوا عنبر کے سامنے یہاں بھی وہی ڈرامہ دہرایا گیا۔ جونہی دونوں کی آنکھیں ملیں۔ جرمن فوجی پر یہ راز کھل گیا کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس نے کہا۔

"کون ہو تم۔ تم...؟"

ابھی کچھ لفظ جرمن فوجی کے حلق میں ہی تھے کہ عنبر نے اس کو بھی گلے سے پکڑ لیا۔ اور اس وقت چھوڑا وہ مر چکا تھا۔ جلدی سے عنبر نے اس کی لاش بھی آبدوز کے عقبی حصے میں سے جا کر سمندر میں لڑھکا دی۔ اس کے بعد وہ پھر اپنی جگہ پر آکر اپنی ڈیوٹی پر کھڑا ہو گیا۔ دو دشمن بالکل ایک مشین کی طرح ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ شاید عنبر اب کسی تیسرے دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ اچانک آبدوز پہ خطرے کا ہارن بج اٹھا۔ شاید آگے گئے ہوئے کمانڈوز نے سگنل کر کے انہیں کہا تھا۔ کہ وہ آبدوز کو سمندر کے اندر لے جائیں خطرہ ہے۔ پس ہارن کے ساتھ ہی آبدوز نے سمندر میں اترنا شروع کر دیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر جلدی سے سوراخ کے اندر اتر گیا۔ اس کے اترتے ہی سوراخ کا ڈھکنا بند ہو گیا۔ سیڑھی اتر کر عنبر نے جو پہلی چیز محسوس کی وہ یہ تھی کہ آبدوز میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں ایک دوسرے کی شکلیں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔ عنبر کے لیے یہ بات بڑی اچھی تھی۔ وہ سر جھکائے ایک طرف کو نکل گیا۔

آبدوز کے راستے بڑے تنگ تھے۔ بیچ میں دو جرمن افسر سمندری دوربین پر جھکے سمندر میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سامنے دیواروں پر مختلف قسم کے شیشے کے ڈائیل لگے تھے جن میں سرخ اور سیاہ سوئیاں حرکت کر رہی تھیں۔ آبدوز ابھی تک سمندر کے نیچے جا رہی تھی۔ آخر وہ ایک جگہ پہنچ کر رک گئی۔ آبدوز کے کپتان نے وائرلیس پر کہا۔

"ہیلو کی ٹڈونز! ہیلو کنڈونز! نمبر پندرہ سولہ نمبر پندرہ سولہ ہزار۔ موسم کیسا ہے؟ کیا بارش ہو گئی؟"

دوسری طرف سے سگنل آنا شروع ہو گئے۔ جرمن کپتان نے بڑی تیزی سے سگنل لکھنا شروع کئے۔ سگنل بند ہوتے تو اس نے کاغذ اٹھا کر اپنے ساتھی سے کہا۔

ٹینڈز ٹارگٹ پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سمندر کی جانب دشمن کے بمبار جہاز آنے والے ہیں۔"

پھر جرمن کپتان نے ایک جگہ نشان لگا کر کہ

"آبدوز کو بائیں طرف سولہ ڈگری پر لے جاؤ۔"

آبدوز کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ خدا جانے سمندر کے اندر ہی اندر کس مقام پر جا کر رک گئی۔ مشین چلنا بند ہو گئی تھی۔ سامنے انجن رک گئے تھے۔ جرمن کپتان نے گھڑی دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"میں اپنے کیبن میں جاتا ہوں۔ ابھی ان لوگوں کو واپس آتے ایک گھنٹہ اور لگے گا۔"

عنبر نے سوچا کہ گویا اب اس کے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کنڈوز کو ہر حالت میں واپس اپنی آبدوز پر آ جانا تھا اور آبدوز کو آگے چل دینا تھا۔ عنبر آبدوز کے کونے میں ایک جگہ اکیلا کھڑا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے؟ کپتان اپنے کیبن میں جا چکا تھا۔ باقی افسر اپنے اپنے کام میں تھے۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک بھی نہیں سکتا تھا۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے نیچے انجن روم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہی جا کر انجینئروں کو قابو کیا جائے۔ وہ چپکے سے تہ راہداری سے ہوتا ہوا ایک لوہے کے دروازے کی اتر کر نیچے انجن روم کے سامنے آ گیا۔ انجن روم کا درو آدھا کھلا ہوا تھا۔ عنبر نے چونکہ جرمن سپاہی کی وردی پہنی ہوئی تھی اس لیے کسی نے بھی اس کو شک کی نظر سے نہ دیکھا۔ اس نے آہستہ سے انجن روم میں جھانک کر دیکھا۔

تین انجینئر اندر بیٹھے اپنے کام میں لگے تھے اُن کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔ عنبر نے ایک پل کے لیے سوچا۔ اس کا دل یونہی انہیں ہلاک کرنے کو نہ چاہا۔ وہ کچھ سوچ کر دوبارا اوپر چلا گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ دوبارا راہداری میں آیا اور یہاں سے سیدھا باورچی میں آ گیا۔ باورچی خانے میں اس وقت صرف ایک باورچی اکیلا چولہے پہ جھکا شاید کافی تیار کر رہا تھا۔ کے کھانے کی سبزی میز پہ پڑی تھی۔

عنبر اندر چلا گیا۔ باورچی نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر منہ دوسری طرف کر کے اپنا کام کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ آبدوز کا کوئی سپاہی ہوگا۔ عنبر نے قریب جا کر اس کے کان میں کہا۔

نہیں گرفتار کرنے آیا ہوں۔

نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ عنبر نے اس کے کا کندہ مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک طرف رکھی۔ باورچی کے منہ پہ کپڑا اور گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا۔ وہاں ایک تھا جس کا آبدوز کے اندر ہر کمرے میں اسی فون پہ باورچی سب کو کھانے پینے کی کرتا تھا۔ عنبر نے فون اٹھا کر سب سے پہلے روم میں فون کیا۔

ہیلو! میں کیپٹن بول رہا ہوں۔ ایک فوری میٹنگ ہے سے کانفرنس روم میں پہنچ جاؤ۔

فون رکھ کر وہ وہاں سے نکل کر سیدھا کانفرنس روم دروازے پہ آ گیا۔ یہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔ اس ایک لمبی میز بچھی تھی۔ کیپٹن کا حکم پا کر تینوں انجینئر کام چھوڑ کر جلدی سے کانفرنس روم میں آ گئے۔

دروازے پہ انہوں نے عنبر کو دیکھا۔

کیا کیپٹن اندر ہے؟

عنبر نے تیز تیز جرمن زبان میں کہا۔

جی نہیں۔ وہ ابھی تو سب یہیں۔ سنا ہے کرنل میٹنگ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہونے والی ہے۔

تینوں انجینئر اندر چلے گئے۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر دوسری بار آپریشن روم میں فون کر کے انجی کو کانفرنس روم میں جلدی آنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے وائرلیس اور ریڈار روم میں فون کیے اور انہیں حکم دیا کہ جلدی کانفرنس روم میں جمع ہو جاؤ۔ اب آبدوز کا تقریباً سارا سٹاف کانفرنس روم میں پہنچ چکا تھا۔ صرف کچھ سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ جو تار پیڈو روم میں تھے۔ عنبر لپک کر کانفرنس روم میں آیا۔ یہاں سارا سٹاف جمع تھا۔ عنبر نے اندر منہ کر کے کہا

"کیپٹن ابھی آ رہے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے ہٹا اور باہر جو فون کی تاریں اوپر کیپٹن کے کیبن میں جاتی تھیں انہیں کاٹ دیا۔ پھر وہ تار پیڈو روم میں گیا۔ وہاں چار سپاہی بڑے چوکس ہو کر تار پیڈو کی گن کے آگے بیٹھے تھے۔ عنبر نے اندر جاتے ہی کہا۔

"دوستو! جلدی سے کانفرنس روم میں چلو۔ کیپٹن ابھی ابھی کوئی میٹنگ کر رہے ہیں۔"

ایک سپاہی نے کہا۔

کیپٹن کا فون نہیں آیا:

عنبر نے غصے میں کہا۔

بکواس بند کرو جانگلی؟ کیپٹن کانفرنس روم میں جا رہا ہے۔ جلدی پہنچو:

میں سرا

اور تینوں تار پیڈو سپاہی وہاں سے نکل کر سیدھے کانفرنس روم میں آ گئے۔ یہاں پہلے ہی سے آبدوز کے سارے لوگ جمع تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ کیپٹن ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ ضرور کوئی اہم میٹنگ ہو گی۔

ایک نے کہا

"میرا خیال ہے شاید ہمیں گولہ باری کا حکم ملنے والا ہے۔"

دوسرا بولا: میرا تو خیال ہے کہ ہمیں جلدی حملہ کرنے کے لیے کہا جائے گا۔"

تیسرے نے کہا: "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ بہرحال کیپٹن ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

"میرا خیال ہے فون کر کے معلوم کرنا چاہیے۔"

"اچھا تو پھر تم خود ہی کیپٹن کو فون کرو۔"

"نہ بھائی تم کرو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

”اچھا لاؤ یار میں کرتا ہوں۔“

چیف انجینئر نے فون اٹھا کر نمبر ڈائیل کیا۔ دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ اس نے فون کو ہلا جلا کر دیکھا۔ پھر بھی کوئی آواز نہ آیا۔ سر ہلا کر بولا۔

”معلوم ہوتا ہے فون خراب ہے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فون تو کبھی خراب نہیں ہوا۔ تھوڑی سی تو لائن اوپر جاتی ہے۔ اس میں کیا خرابی ہو سکتی ہے۔“

ایک بولا: ”میں اوپر جا کر خود معلوم کرتا ہوں۔ کیپٹن نے کبھی اتنی دیر نہیں کی۔ آخر وجہ کیا ہے؟“

ٹھیک اس وقت عنبر نے باہر سے کانفرنس روم کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ لوہے کا چھوٹا سا دروازہ تھا جس میں سے جھک کر گزرنا پڑتا تھا۔ یہ دروازہ بڑا مضبوط تھا اور کسی طرح سے بھی نہیں کھل سکتا تھا۔ عنبر نے باہر سے دروازہ بند کر کے چابی لگا دی اندر بیٹھے ہوؤں میں سے کسی ایک نے اٹھ کر دروازے کو دھکا دے کر کہا۔

”کون ہے باہر؟ دروازہ کس نے بند کر دیا ہے؟“

باہر سے کسی نے آواز نہ دی۔ اب تو وہ لوگ

ے۔ بہرحال دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ حالات پُراسرار
ے تھے۔ انھوں نے دروازے کو باہر کی طرف
ھینا شروع کر دیا۔ دروازہ تو باہر سے پوری طرح
ز سے قفل لگا دیا گیا تھا۔ وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے
رنا چاہا۔ صاف معلوم ہو گیا کہ فون کی تار کسی نے
ہرے کاٹ دی ہے۔ چیف انجینئر نے اٹھ کر کہا۔
بدوز میں بغاوت ہو گئی ہے“

دوسرے انجینئر نے کہا۔

”بغاوت کس نے کرنی تھی؟ آبدوز کا سارا سٹاف تو
یہاں پر موجود ہے۔ کیا باورچی نے بغاوت کر دی ہے؟“

تیسرا کہنے لگا۔

”بہرحال اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم بے بس اور
قیدی بن کر رہ گئے ہیں۔“

دوسری طرف عنبر بڑے سکون سے اب کیپٹن کے
کیبن کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے میں سے جھانک
کر دیکھا۔ جرمن کیپٹن میز پر کچھ لکھ رہا تھا۔ عنبر نے
دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔“

عنبر نے دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ کیپٹن نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

اس کا خیال تھا شاید چیف انجینئر ہو گا۔ کیونکہ صرف وہی اس کا دروازہ اس طرح کھٹکھٹا سکتا تھا باقی کسی کو اندر آنے کی کبھی جرات نہ ہوتی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"سر! میں آپ کو گرفتار کرنے آیا ہوں"

جرمن کپتان جیسے اچھل پڑا۔ قلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور ہاتھ خود بخود میز کی دراز میں سے پستول نکال لایا۔ یہ سب کچھ کیپٹن نے بڑی تیزی سے کر دیا اور عنبر پہ گولی داغ دی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی باغی سپاہی ہے اور گولی لگنے سے اب کبھی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران بلکہ پریشان ہو گیا کہ گولی کھا کر بھی عنبر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیپٹن نے دوسری گولی بھی فائر کر دی۔

اب عنبر نے جرمن کیپٹن کو گردن سے پکڑ کر نیچے پھینک دیا۔ فرش پر سے اٹھ کر کیپٹن نے ایک زوردار مکا عنبر کو رسید کیا۔ عنبر نے کیپٹن کے سر پر زور سے مکا مارا۔ کیپٹن اس مکے کی تاب نہ لا سکا

ہوش ہو کر گر پڑا۔ عنبر نے کیپٹن کو گھسیٹ کر نے میں ڈال دیا اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیئے۔

ڑائی کی آواز کانفرنس روم میں بھی سنی گئی تھی۔ ب لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ گرمی سے ن کے چہرے پسینے سے بھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں یں خوف تھا۔

"ضرور کسی نے کیپٹن کو ہلاک کر دیا ہے؟"

وسرا بولا: "ہو سکتا ہے کیپٹن نے باغی کو ہلاک کر دیا ہو؟"

کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ کانفرنس روم میں گرمی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ عنبر اب اس خاص کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں دس یارہ کے قریب سپاہی گولہ بارود کے صندوقوں پہ پہرہ ے رہے تھے۔ یہاں معاملہ نازک تھا اور بڑی احتیاط ضرورت تھی۔ کیونکہ اگر غلطی سے کسی نے بارود میں گولی چلا دی تو ساری آبدوز کے دھماکے سے پھٹ جانے کا خطرہ تھا۔

عنبر نے جاتے ہی کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہیل ہٹلر!"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ہیل ہٹلر!"

عنبر کو معلوم تھا کہ جرمنی کے سپاہی ہٹلر سے بڑا پیار کرتے ہیں اور پھر ۔ اسے کوئی خاص طور پر پہچانتا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی ایک سپاہی نے کہا۔

"تم کو پہلے نہیں دیکھا؟"

عنبر نے آنکھ مار کر سرگوشی میں کہا۔

"میں کمانڈوز کے ساتھ خفیہ طور پر آیا ہوں۔ خبردار میری خبر کسی کو نہ ہونے پائے۔"

سپاہی اسے دلچسپی سے تکنے لگے۔ عنبر نے کہا۔

"میں یہاں پہرہ دینے کے واسطے آیا ہوں تم لوگ جلدی سے باورچی خانے میں پہنچ جاؤ۔ آج کیپٹن کی سالگرہ ہے۔ وہاں اس کی سالگرہ پر کیک بانٹا جا رہا ہے۔ کیپٹن نے تمہیں وہاں بلایا ہے۔"

کیک کا سن کر سارے سپاہیوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ رائفلیں رکھ کر جلدی جلدی ہنستے قہقہے لگاتے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد عنبر بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔ کچن ۔ کا دروازہ بند تھا۔

باہی ایک ایک کر کے ہنستے مسکراتے اندر داخل ہو گئے۔ جا کر انہوں نے وہاں دیکھا کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کیک بجہ میز پر پیاز اور بینگن کی ترکاری پڑی تھی۔ وہ ایک وسرے کا منہ تکنے لگے۔

"بھئی کیک کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے شاید کیپٹن نے ہمیں اپنے کمرے میں بلایا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو کیپٹن کے کمرے میں چلتے ہیں"

سب باورچی خانے سے باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف لپکے۔ انہوں نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ دھکا دیا۔ دروازہ بالکل نہ کھلا۔ سب نے مل کر دروازے کو دھکیلا۔ لیکن لوہے کا مضبوط ترین دروازہ کبھی ٹوٹ سکتا تھا بھلا! عنبر نے دروازہ باہر سے بند کر کے قفل لگا کر چابی جیب میں رکھ لی تھی۔ سارے سپاہی پریشان ہو گئے۔

"ضرور کسی نے دھوکہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی خطرناک سازش کی جا رہی ہے۔"

"کیپٹن کو فون کرو۔ جلدی۔ جلدی!"

فون اٹھایا۔ معلوم ہوا باہر سے کسی نے تار کاٹ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ڈالے ہیں۔ ترن بالکل مردہ ہو کر رہ گیا تھا۔

"آبدوز پر بغاوت ہو گئی ہے"

"بغاوت کس نے کی ہے؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے۔ ایک بچوں کی پستول تک نہیں ہے اب کیا ہوگا؟ یہیں کر بیٹھ کر سبزی ترکاری پکائیں اور کھائیں"

اتنے میں کسی کی نظر باورچی پر پڑ گئی جو بے ہوش پڑا تھا۔ اسے جلدی سے کھولا گیا۔ اس نے گھبراہٹ میں کہا۔

"وہ کوئی سپاہی تھا۔ مجھے گرفتار کرنے آیا تھا اور بے ہوش کر کے باندھ کر نکل گیا!"

سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"یہ صاف صاف بغاوت ہے۔ اسی سپاہی کی کارستانی ہے جس نے ہمیں آنے کو کہا تھا۔"

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ اس سپاہی کو پہلے کہیں نہیں دیکھا"

"اب کیا کرنا چاہیئے؟"

وہی سپاہی بولا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں چاہیئے کہ

سبزیاں کاٹ کر پکائیں اور کھائیں کیوں کہ اس کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

عنبر نے آبدوز کے تقریباً سارے عملے کو دو کمروں یعنی کانفرنس روم اور باورچی خانے میں قید کر دیا تھا۔ کیپٹن اپنے کمرے میں بندھا پڑا تھا اس کا نشہ آدھا کم ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سے آبدوز کے باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے ہوا میں پستول بلند کر کے تین بار فائر کیا۔

"ڈز۔۔۔ڈز۔۔۔ڈز"

دور ریت کے ٹیلے کے پاس کوٹھڑی میں بیٹھے ہوئے ہوا باز، کمانڈر اور مادام نے پستول کے تین فائر سنے تو ان کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔

"عنبر نے آبدوز پر قبضہ کر لیا ہے" مادام نے خوش ہو کر کہا۔ کمانڈر بولا۔

"یہ کمال کا آدمی ہے"

"اب ہمیں جلدی سے وہاں پہنچنا چاہیئے۔"

ہوا باز نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ تینوں باہر کی طرف بھاگے۔ وہ صحرا میں بھاگتے چلے جا رہے تھے سامنے سمندر آ گیا۔ دھوپ میں آبدوز سمندر میں کھڑی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صاف نظر آ رہی تھی۔ آبدوز کے اوپر عنبر کھڑا زور زور سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔"

انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ مادام بھی سمندر میں کود گئیں۔ وہ بڑی اچھی تیراک تھیں۔ تیرتے تیرتے یہ تینوں آبدوز کے پاس پہنچ گئے۔ عنبر نے سیڑھی نیچے لٹکا رکھی تھی۔ تینوں باری باری سیڑھی پر چڑھ کر اوپر آ گئے۔

"سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ آبدوز کا سارا عملہ دو کمروں میں قید کر دیا گیا ہے۔ میرے ساتھ آئیں۔"

عنبر انہیں لے کر آبدوز کے اندر چلا گیا۔

* * *

انوکھا سفر

کمانڈر نے ساری آبدوز کا معائنہ کیا۔ ہر شے اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک تھی۔ صرف وہاں عملے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ کمانڈر کو عنبر کیپٹن کے کمرے میں لے گیا۔ جرمن کیپٹن اب ہوش میں آ چکا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا اور ہاتھ بندھے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"کیا خیال ہے کیپٹن کو ختم کر دیا جائے؟"

کمانڈر نے کہا۔

"اس سے بہت سی باتوں کا پتہ کرنا ہے اگر اس نے نہ بتائیں تو ختم کر دیں گے۔"

ہوا باز بولا۔

"سب سے پہلے تو یہاں سے نکل جانا چاہئے کیوں کہ کمانڈوز کے واپس آنے کا وقت ہو چکا ہو گا۔"

"اوپر چلو۔ انجن روم میں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کمانڈر کو آبدوز چلانے کا تجربہ تھا۔ وہ ایک بار بحیرہ روم میں ایک آبدوز کا سفر کر چکا تھا۔ اس نے جاتے ہی سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ آبدوز کو سمندر کے نیچے لے جانا شروع کر دیا۔ ایک خاص سطح تک لے جا کر انہوں نے انجن چلا دیئے اور نقشے کے مطابق آبدوز کا رخ بحیرہ روم کی طرف کر دیا۔ اب انہوں نے کیپٹن کے پاس آ کر اس سے بات چیت شروع کر دی۔ کانفرنس روم اور کچن میں کچھ آبدوز کے عملے نے جب آبدوز کو چلتا ہوا محسوس کیا تو گھبرا کر اٹھے۔

"آبدوز چل پڑی ہے۔ خدا جانے ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

"بڑی زبردست سازش کی گئی ہے۔"

"ہم اپنی موت کی طرف جا رہے ہیں۔"

جرمن کیپٹن نے کچھ بھی نہ بتایا۔ اس کو بے حد مجبور کیا گیا۔ اس پر تشدد بھی کیا گیا ہے۔ اس کے جسم پر جلتی ہوئی دیاسلائی بھی لگائی گئی مگر وہ بالکل نہ بولا۔ آخر کمانڈر نے تنگ آ کر کہا۔

"اس شخص کو ختم کر دو۔"

اور جرمن کپتان کو اسی وقت ہلاک کر کے اس کی لاش تارپیڈو گن کے ذریعے باہر سمندر میں پھینک دی گئی۔ اب کپتان کے کمرے میں کمانڈر، جانباز، ناصر اور حبیب بیٹھ کر صلاح مشورہ کرنے لگے کہ کس طرف جایا جائے؟

"سب سے زیادہ خطرہ ہمیں ان جہازوں سے ہے جو آبدوزوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور موقع ملتے ہی آبدوز کو غرق کر دیتے ہیں۔"

جانباز نے کہا

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم غلطی سے اس سمندر میں آ جائیں جہاں بارودی سرنگیں بچھا دی گئی ہیں اور ہماری آبدوز ان سے ٹکرا کر غرق ہو جائے۔"

ناصر نے کہا۔

"کیا راڈار پر ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس علاقے میں بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں؟"

"مگر بارودی سرنگوں کے سگنل ہم نہیں سمجھ سکتے۔ یہ بڑا ٹیکنیکل کام ہے۔"

"بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ ہمیں بحیرہ روم کے سمندر کے درمیان میں رہ کر سفر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرتے رہنا چاہیئے اور اس دوران میں کسی جرمن بحری جہاز سے رابطہ قائم کر کے اس پر سوار ہو جانا چاہیئے"

"بڑا نیک خیال ہے۔ مگر اس سے پہلے کوئی امریکی جہاز سمندر میں ہمارا نشان ڈھونڈ کر گولہ باری سے ہمیں تباہ بھی کر سکتا ہے"

مادام نے کہا۔

"یہ جو اتنے سارے لوگ آپ نے آبدوز کے کمروں میں قید کر رکھے ہیں۔ یہ کہیں ہمارے لیے مصیبت نہ بن جائیں"

"کیا مصیبت بن سکتے ہیں؟"

"یہی کہ کہیں دروازے توڑ کر کسی وقت باہر نہ نکل آئیں۔ ہمیں اسلحہ روم کو لاک کر دینا چاہیئے"

عنبر نے کہا۔

"مادام! فکر نہ کریں۔ اسلحہ روم بالکل لاک کر دیا گیا ہے اور جن کمروں میں یہ لوگ قید ہیں ان کے دروازوں کے باہر قفل لگے ہیں اور یہ دروازے لوہے کے ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں کہ اگر سارے مل کر بھی زور لگائیں تو اسے نہیں توڑ سکتے"

لیکن عنبر کو یہ نہیں معلوم تھا کہ کانفرنس روم میں

لوگ قید ہیں ان میں انجینئر بھی ہیں جو بڑے ماہر [illegible] ہوتے ہیں۔ جس وقت سے وہ کانفرنس روم میں قید تھے وہ یہی سوچ رہے تھے کہ کمرے کا ہے کا دروازہ کس طرح سے توڑا جا سکتا ہے۔ ں میں کوئی شک نہیں تھا کہ دروازہ بے حد ضبوط تھا اور دوہرے لوہے کی چادر سے بنا ہوا ۔ ایک انجینئر نے کہا۔

"اسے صرف ویلڈنگ سے ہی کھولا جا سکتا ہے"

ویلڈنگ کا نام سن کر سب کی توجہ ایک طرف ہو گئی۔

"بڑی معقول بات کہی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ویلڈنگ کا سامان کہاں سے لایا جائے۔ ویلڈنگ کی مشین تو یہاں سے مل ہی نہیں سکتی۔ یہ کانفرنس روم ہے کوئی ویلڈنگ ورکشاپ نہیں ہے"

دوسرا انجینئر کچھ سوچ کر بولا۔

"ایک ترکیب ہو سکتی ہے"

"وہ کیا؟ ذرا جلدی بتاؤ"

"اس کانفرنس روم میں آکسیجن سلنڈر تو ضرور ہو گا"

"ہاں ضرور ہے"

"تو ہم اسے اگر کسی پائپ سے دیوار کے ساتھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گزار کر دروازے کے تالے والی جگہ پر شعلہ ماریں تو دروازے کا قفل والا حصہ پگھل سکتا ہے۔ یا پھر ہم دروازے میں گول سوراخ کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہاں سے آزاد ہو سکتے ہیں۔"

سارے لوگ اس ترکیب پر خوش ہوئے مگر سوال یہ تھا کہ آکسیجن کے سلینڈر کو کس طرح سے ویلڈنگ مشین تک تبدیل کیا جائے۔

"اس کے شعلے کو کس چیز میں سے دباؤ کے ساتھ گزارا جائے؟ سوال تو یہ ہے۔"

آخر ایک انجینئر نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ اس نے منہ ہاتھ دھونے والے ٹینک کی ٹونٹی کھول کر اسے آکسیجن کے سلنڈر کے منہ کے آگے فٹ کر دیا۔ پھر اسے ایک طرف جھکا کر آکسیجن گیس خارج کی۔ جونہی گیس باہر کو نکلی اسے دیا سلائی سے آگ لگا دی گئی۔ آگ لگنے سے گیس تیزی سے باہر کو نکلی۔ جس تیزی سے گیس باہر نکل رہی تھی اتنی تیزی سے جل رہی تھی۔ اس کی وجہ سے پیچھے سے گیس کا دباؤ شدید ہو گیا اور نلکی پر گیس کا شعلہ نیلا پڑ گیا اور تیز ہو گیا۔ سب کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔

"اب جلدی سے دروازہ کھولو۔"

"کوشش شروع کر رہا ہوں۔"

انجینئر نے گیس کا نیلا شعلہ دروازے پر اس جگہ پھینکنا شروع کر دیا۔ جہاں باہر کی جانب قفل لگا تھا۔

اس طرف یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف باورچی خانے میں جو سات سپاہی قید تھے وہ سچ مچ باورچی کی مدد سے ترکاری پکا رہے تھے۔ اور تیسری بار چائے پی رہے تھے۔ باورچی بولا۔

"باقی لوگ بھی ضرور کسی جگہ قید ہیں۔ انہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ کاش! میں انہیں کھانا پہنچا سکتا۔"

"اب تو ان کا کھانا بھی ہم ہی کھائیں گے۔"

ایک سپاہی نے خوش ہو کر کہا۔ دوسرا بولا۔

"ہمیں شرم آنی چاہیے۔ آخر وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔"

پہلا سپاہی کہنے لگا۔

"جنگ میں کوئی کسی کا بھائی نہیں ہوتا۔ میری ماں [illegible] میرے باپ نے کہا تھا۔ یہ زمانہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا میں اچھے لوگ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

باقی نہیں ہیں۔ تم اپنا منہ بند رکھو۔ کاش! ہمیں معلوم ہو جاتا۔ کہ ہمارے ساتھی کس جگہ قید ہیں۔ پھر ہم انہیں روٹی پانی تو پہنچا سکتے:

یہ ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ عنبر ہوا باز مادام اور کمانڈر بھی یہی سوچ رہے تھے کہ ان قیدیوں کو کھانے پینے کا سامان کس طرح سے پہنچایا جائے۔ قید تو انہیں بڑے آرام سے کر لیا گیا تھا مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ مسئلہ بھی بعد میں پیدا ہوگا۔

ہوا باز نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ان لوگوں کو کشتی میں بٹھا کر کھلے سمندر میں چھوڑ دیا جائے؟"

کمانڈر ہاتھ میز پر مار کر بولا۔

"بالکل ٹھیک خیال ہے۔ اس طرح سے آبدوز میں آکسیجن گیس اور کھانے پینے کی چیزیں بھی بچ جائیں گی۔ خدا معلوم ابھی ہمیں کتنے دن سمندر کے اندر رہنا پڑے:"

مادام نے کہا۔

"مگر ہمیں چاہیئے کہ کشتی میں کھانے پینے کا کچھ سامان بھی رکھ دیں:"

"بے شک یہ سامان ضرور رکھ دیا جائے گا۔

عنبر نے پوچھا

"ان لوگوں کو کشتی میں یا کشتیوں میں کس طریقے سے سوار کیا جائے گا؟ آبدوز میں صرف چھ کشتیاں ہیں جن میں دو کشتیاں کمانڈوز ساتھ لے گئے تھے۔ باقی چار کشتیاں رہ گئی ہیں۔ ان میں سے ہم زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو دو کشتیاں دے سکتے ہیں؟

"ان کشتیوں میں کتنے آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں؟

ہوا باز نے کہا۔

"آٹھ آدمی اس میں آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہم انہیں تین کشتیاں دے دیں گے۔"

مادام نے کہا

"ہمارے لیے ایک کشتی کافی ہے۔"

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ ان سب لوگوں کو ایک ایک کر کے نکال کر کشتیوں میں سوار کروا کر سمندر میں چھوڑ دیا جائے۔ اس کے لیے سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ آبدوز کو سمندر سے نکال کر سطح کے اوپر لے آئے۔ پھر انہوں نے تینوں کشتیوں میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پانی کی بوتلیں اور کھانے کا خشک سامان رکھ دیا گیا۔ کشتیاں باہر سمندر میں ڈال دی گئیں۔ اب عنبر سب سے پہلے کانفرنس روم کی طرف آیا۔ یہاں آ کر اس نے قفل کھولنا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ دروازہ گرم ہے۔ اس نے کان لگایا۔

معلوم ہوا کہ اندر گیس کا ویلڈر جل رہا ہے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اس نے دروازے کو ایک زور دار دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ ویلڈنگ کرنے والا دور جا گرا۔ گیس کا شعلہ بجھ گیا۔ عنبر کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"اگر کسی نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو اسے اسی جگہ بھون کر رکھ دیا جائے گا۔ ایک ایک کر کے آبدوز سے باہر ڈیک پہ آ جاؤ۔"

مشین گن دیکھ کر سارے چپ ہو گئے۔ انہوں نے ایک قطار بنائی اور باہر نکلنا شروع کر دیا۔ عنبر مشین گن دکھا کر انہیں آبدوز کے اوپر چھت پر لے آیا۔ یہاں نادر اور ہوا باز بھی مشین گن لئے کھڑے تھے۔

"سیڑھی سے اتر کر نیچے کشتیوں میں بیٹھ جاؤ۔"

سارے لوگ سیڑھی سے اتر کر کشتی میں سوار ہو گئے

ے بعد عنبر باورچی خانے میں گیا۔ اس کے دروازے
ں اور چابیوں کو آگے لگا کر آبدوز کی چھت پہ لے
نبر بھی کشتی میں سوار کرا دیا گیا۔ تینوں کشتیوں
ٹکا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سیڑھی اوپر اٹھا لی
نبر نے بلند آواز سے کہا۔

تم لوگ آزاد ہو۔

اب آبدوز نے نیچے سمندر میں اترنا شروع کر دیا۔
آبدوز کے عملے نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر عنبر اور دوسرے
ملے کو برا بھلا کہا۔ مگر وہ بے بس تھا۔ ان کی قسمت
اب سمندر کا ایک طویل سفر لکھا تھا۔ جس میں نہ جانے
کیا حشر ہو؟

آبدوز نے سمندر کے نیچے ہی نیچے آگے کی طرف
شروع کر دیا۔ دوسری طرف ذرا کمانڈر کا بھی حال
کہ ان کے ساتھ کیا گزری؟ وہ اپنا مشن مکمل کر کے
واپس سمندر کے کنارے آئے تو یہ دیکھ کر پریشان
کہ آبدوز غائب تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ہو سکتا
کسی خطرے کی وجہ سے آبدوز کچھ دیر کے لیے
ر کے نیچے چلی گئی ہو۔ وہاں ریت کے ٹیلوں تک
کر وہ آبدوز کے دوبارہ سطح سمندر پہ آنے کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انتظار کرنے لگے۔ دن ڈوب گیا۔ شام ہو گئی مگر
دوبارہ سمندر کی سطح پہ نہ ابھری۔ انہوں نے یہی سو
کہ خطرہ زیادہ شدید ہو گا اس لیے آبدوز یہاں سے
جا چکی ہے۔ اب انہیں پیدل ہی واپس جانا ہو
لیکن وہ پیدل کس طرف جاتے؟ ہر طرف دشمن ہی
دشمن تھا۔

کافی سوچ بچار کے بعد سارے کمانڈوز نے فیصلہ کیا
کہ سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ ٹریپولی کے علاقے
کی طرف سفر شروع کر دیا جائے۔ ساری رات وہ سفر
کرتے رہے۔ صبح ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں عرب
بدوؤں کی منڈی لگی تھی۔ باقی کمانڈوز پیچھے رہے۔ ایک
گاؤں میں گیا۔ وہاں اُس نے کچھ عرب لباس خریدے اور
واپس آ گیا۔ انہوں نے عرب بدوؤں کا لباس پہن لیا
دو تین اونٹ خریدے اور ان پہ سوار ہو کر اپنی نامعلوم
منزل کو روانہ ہو گئے۔

* * *

اندھیرے میں حملہ

پراسرار آبدوز سمندر میں چلی جا رہی تھی۔
عبداللہ کمانڈر نے پٹرول وغیرہ چیک کیا تو انہیں
چلا کہ آبدوز میں صرف اتنا تیل ہے کہ وہ چار
تک سمندر میں سفر کر سکتی ہے اتنے ہی دنوں
خوراک اور پانی وہاں جمع تھا۔ کمانڈر نے کہا۔
ہمیں جلد سے جلد کسی بندرگاہ پر جا لگنا چاہیے اور
بندرگاہ بھی کسی دوست ملک کی ہو۔
ہوا باز نے کہا۔ کیا ہم سپین کے ساحل پہ نہیں
جا سکتے؟

کمانڈر نے کہا: سپین بہت دور ہے۔ ہم زیادہ سے
جبرالٹر کے ساحل تک جانے کی کوشش کر سکتے
کیوں کہ وہاں اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔
وہ یہاں سے کتنی دور ہو گا؟ ملاح نے پوچھا۔
کمانڈر بولا۔
دور تو زیادہ نہیں ہے مگر خطرناک راستہ بہت ہے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

راستے میں دشمن کے سمندر سے گزرنا پڑے گا۔ کا ڈر ہے اور ہو سکتا ہے کہ جرمن جنگی جہاز سے پالا پڑ جائے۔"

"مگر یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ ہم آبدوز کا رخ جبرالٹر کی ط کئے دیتے ہیں۔"

"کمانڈر نے اسی وقت آبدوز کا رخ جبرالٹر کی ط موڑ دیا۔ آبدوز کی رفتار زیادہ نہیں ہوتی۔ تیل زیاد خرچ ہوتا ہے اور فاصلہ کم طے ہوتا ہے۔ آدھی رات کو آپریشن روم میں سگنل آنے شروع ہو گئے۔ یہ سگ خفیہ کوڈ زبان میں تھے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آ تھے۔ کمانڈر نے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیا ہی مناسب خیال کیا۔ یہ سگنل ایک جرمن جنگی جہاز طرف سے آ رہے تھے جنہوں نے اس آبدوز کمانڈوز مشن پر روانہ کیا تھا۔

جرمن جنگی جہاز والوں نے جب دیکھا کہ آبدوز طرف سے کوئی پیغام نہیں آ رہا۔ جبکہ سگنل باقاعد جا رہے تھے۔ اُن کا راڈار سکرین بتا رہا تھا کہ آب روم کے سمندر میں ایک طرف چلی جا رہی ہے تو

بلے بیدار ہوئے۔ کیپٹن نے حکم دیا کہ ایک ہوا باز کو اڑایا جائے۔ وہ جا کر معلوم کرے کہ آبدوز کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ گیا ہے؟

اسی وقت جنگی بحری جہاز کے ڈیک پر سے ایک جہاز اڑ گیا۔ جہاز کی رفتار بڑی تیز تھی وہ بہت جلد روم کے سمندر کے اوپر آ گیا۔ اس نے آبدوز کو سگنل دے کر جرمن زبان میں پوچھا۔

"ہیلو! میں جرمن ہوا باز ہوں۔"

یہ سگنل جب آپریشن روم میں عنبر ہوا باز اور کمانڈر نے سُنا تو سوچ میں پڑ گئے۔

"یہ لوگ ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پہلا سگنل جرمن بحری جہاز سے آیا تھا۔ انہوں نے ہمیں اپنی سکرین پر دیکھ لیا ہے اور اب یہ جہاز انہوں نے ہماری تلاش میں روانہ کیا ہے۔"

ہوا باز سے کہا۔

"کیا اسے جواب دیا جائے؟ یہ کوڈ میں بات نہیں کر رہا ہے۔ ہم اسے جرمن زبان میں جواب دے سکتے ہیں۔"

کمانڈر نے کہا۔ "ہاں! میرا خیال ہے۔ اسے غلط راستے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر ڈال دیا جائے۔"

اس نے خود وائرلیس پر کہا۔

"ہیلو! میں آبدوز ۲۲۰ کا کیپٹن بول رہا ہوں۔ سب کچھ ٹھیک ہے کمانڈوز مشن کامیاب رہا!"

جرمن ہوا باز نے پوچھا۔

"پھر تم ادھر کس طرف جا رہے ہو؟"

کمانڈر نے کہا۔

"یہاں سے کچھ دور ایک امریکی آبدوز کا سراغ ملا ہے۔ میں اسے ڈبونے جا رہا ہوں۔ خطرہ ہے کہ اگر اسے نہ ڈبویا گیا تو وہ ہمارے بڑے جنگی جہاز پر حملہ کر دے گی:"

"ٹھیک ہے۔ ہیل ہٹلر!"

"ہیل ہٹلر"

"جہاز واپس مڑ گیا۔ کمانڈر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خطرہ ٹل گیا ہے"

مگر ایک بہت بڑا خطرہ اُن کے آگے آ رہا تھا۔

اور یہ ایک جرمنوں کا تباہ کن بحری جہاز "وارسا" تھا۔

"وارسا" جہاز نے اس علاقے میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اس نے اب تک کتنے ہی امریکی، اطالوی اور برطانوی جہاز

مندر میں ڈبو دیئے تھے اور پھر بھی کسی کے ہاتھ نہیں تا تھا۔ وارسا جہاز کا پانی بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اسے ینے کے لیے پانی کی ضرورت تھی۔ اُسے سگنل پر طلاع دی گئی کہ جرمن آبدوز تمہارے قریب ہی ہے س سے وقتی طور پر پینے کا پانی لے لو۔ چنانچہ جرمن تباہ کن جہاز "وارسا" سکرین پر جرمن آبدوز کا نشان ڈھونڈ کر اس کے قریب اوپر سمندر میں آ گیا اور سگنل پر کہا۔

"ہیلو! میں وارسا ہوں۔ مجھے پانی چاہیئے"

کمانڈر نے جب یہ سگنل خالص جرمن زبان میں سنا تو سوچ میں پڑ گیا۔ وارسا جرمن تباہ کن جہاز اس کے بالکل اوپر تھا۔ اب وہ فرار بھی نہیں ہو سکتے تھے اور کوئی بہانہ بھی نہیں بنا سکتے تھے۔ وارسا جہاز کو ٹھیک اطلاع مل گئی کہ جرمن آبدوز فلاں جگہ سمندر تک سفر کر رہی ہے۔ منیر نے کہا۔

"کیا ہم بھاگ نہیں سکتے؟"

ہوا باز نے کہا۔ "بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔"

کمانڈر نے کہا۔ "اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کیوں نہ ہم یہی ظاہر کریں کہ ہم جرمن آبدوز کے آدمی ہیں۔ اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پھر جرمن تباہ کن جہاز کو تھوڑا سا پانی دے کر پیچھا چھڑا لیں۔"

"بڑی اچھی سکیم ہے۔"

اتنے میں "وارسا" جہاز نے دوبارا سگنل دیا۔

"ہیلو راجر! ہیلو راجر! میں وارسا کا کمانڈر بول رہا ہوں۔ مجھے پانی چاہیئے۔ تم لوگ کہاں ہو؟ جواب دو۔ ہیڈ کوارٹر نے مجھے تم سے پانی لینے کو کہا ہے۔"

کمانڈر نے کہا: "دیکھا۔ جرمن ہیڈ کوارٹر ہماری آبدوز کو سمندر میں برابر دیکھ رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس بلا کو پانی دے کر پیچھا چھڑا لیا جائے۔"

کمانڈر نے جلدی سے جرمن زبان میں کہا۔

"ہیلو چارلی! میں سیکنڈ کمانڈر آبدوز سے بول رہا ہوں۔ ہمیں ہائی کمانڈ کا پیغام مل گیا ہے۔ ہم پانی لے کر اوپر آ رہے ہیں۔ مگر ہمارے پاس بہت کم پانی ہے۔"

تباہ کن جہاز نے دوبارا کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں صرف ایک دن کا پانی چاہیئے۔ ہم آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

کمانڈر نے کہا۔

"ہم آ رہے ہیں۔"

اس نے وائرلیس آپریٹر رکھ دیا اور بولا۔

"اب اس میں خیریت ہے کہ آبدوز اوپر لے چلو۔ عنبرا تم پانی کا ڈرم لے کر چھت پر آ جانا۔ میں خود کو نائب کمانڈر ظاہر کروں گا۔ یہی کہنا ہے کہ آبدوز کا کمانڈر بیمار ہے اور آرام کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اور اگر دوسرے عملے کا پوچھا گیا تو کیا جواب دیں گے؟"

"اس کا جواب میں خود دے دوں گا۔"

آبدوز سطح سمندر کے اوپر آ گئی۔ جرمن جہاز قریب ہی کھڑا تھا۔

سطح سمندر پر آنے کے کچھ ہی دیر بعد آبدوز کی چھت کے سوراخ کا ڈھکن اوپر اٹھا اور اندر سے انگریز کمانڈر جرمن وردی میں باہر نکلا اس نے وارسا جہاز کے کپتان کو سلام کیا جو اپنے جہاز کے ڈیک پر کھڑا تھا۔ دونوں نے گرمجوشی سے ایک دوسرے کو سیلوٹ کیا اور ہیل ہٹلر کہا۔ اتنے میں ہاباز اور عنبر بھی جرمن سپاہی کی وردیوں میں پانی کا بڑا ڈرم لے کر اوپر آ گئے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ جرمن جہاز کا کمانڈر جہاز کو آبدوز کے قریب لے آیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کی چھت پر آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر انگریز کمانڈر سے ہاتھ ملایا اور جرمن زبان میں ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ دوسرے سپاہی پانی کے ڈرم کو کشتی میں رکھنے لگے۔ جرمن کمانڈر نے کچھ تعجب سے پوچھا

"آبدوز کے باقی ملاح کہاں ہیں؟"

انگریز کمانڈر ذرا کھنکار کر بولا۔

"نیچے اپنی اپنی ڈیوٹی پر ہیں" پھر ہنس کر کہنے لگا۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے۔ یہ علاقہ دشمن سے گھرا ہوا ہے۔ ہمیں ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے:"

جرمن کمانڈر مسکرایا۔

"ٹھیک ٹھیک بالکل ٹھیک"

"پھر وہ بولا۔ "کپتان بھی اوپر نہیں آیا"

انگریز کمانڈر نے کہا۔ "کپتان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اپنے کیبن میں آرام کر رہے ہیں"

"اوہ! انہیں آرام ہی کرنے دیں۔ آج کل جنگ کے زمانے میں اتنا بھی آرام مل جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے"

ہواباز اور عنبر نے پانی کا ڈرم کشتی میں رکھ کر کہا

"پانی رکھ دیا ہے سر!"

"تھینک یو میرین! تھینک یو"

جرمن کمانڈر نے جرمن زبان میں ہواباز اور عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے بڑی گرمجوشی سے انگریز کمانڈر سے ہاتھ ملایا اور کشتی میں بیٹھ کر واپس اپنے جہاز کے پاس گیا اور سیڑھی چڑھ کر اوپر ڈیک پر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی کمانڈر، ہوا باز اور عنبر کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے فوراً آبدوز کے سوراخ میں سے گزر کر اس کا ڈھکنا بند کیا اور آبدوز کو سمندر کے نیچے اتارنا شروع کیا۔

دوسری جانب تباہ کن جرمن جہاز کا کمانڈر جب اپنے جہاز میں پہنچا تو اس کے سیکنڈ کمانڈر نے اطلاع دی کہ وائرلیس پر اس کے لیے ایک خاص پیغام ہے۔ وہ تیزی سے آپریشن روم میں گیا۔ دوسری طرف سے جرمن طیارہ بردار جنگی جہاز سے پیغام آ رہا تھا۔

"جس آبدوز سے تم نے ابھی ابھی پانی لیا ہے وہ دشمن کے قبضے میں ہماری آبدوز ہے۔ اسے فوراً تباہ کر دیا جائے یا پکڑنے کی کوشش کی جائے"

یہ پیغام بڑا حیران کر دینے والا تھا۔ وارسا کے کمانڈر کو اب معلوم ہوا کہ آبدوز کا نائب کمانڈر کیوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس سے باتیں کرتے ہوئے گھبرا رہا ہے اور بہانہ بنا رہا تھا کہ کمانڈر بیمار ہے۔ اس نے ایک پل کے اندر اندر سوچا کہ اس آبدوز کو کس طرح سے قابو میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر وہ اس کا تعاقب کرے اور انتظار کرے کہ اس کا پانی اور راشن ختم ہو اور وہ اوپر آنے پر مجبور ہو جائے تو آبدوز اس کو تارپیڈو مار کر تباہ بھی کر سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے گولہ باری سے غرق کر دیا جائے۔

آبدوز زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ جرمن کمانڈر نے اسی وقت گولہ باری کا حکم دے ڈالا۔ جہاز کی توپوں نے نشانہ لے کر جہاں آبدوز سمندر میں اُتری تھی وہاں ایک دائرے کی شکل میں گولے برسانے شروع کر دیئے یہ گولے گول کنستروں کی شکل کے ہوتے ہیں جو سمندر میں گرتے ہی نیچے اترنا شروع ہو جاتے ہیں اور ایک خاص گہرائی میں اتر کر دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں۔ یہ دھماکہ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ اس کے آس پاس جو شے بھی ہو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔

ہوا باز، انگرڈ کی بیٹی، عنبر اور مادام کارفیا اپنی طرف سے پہلے مطمئن ہو گئے تھے کہ شکر ہے بلا سر سے ٹلی۔

وہ آبدوز کو ایک خاص گہرائی میں اتارنے کے بعد بے سکون سے آگے کی طرف معائنہ کر چکے تھے کہ اچانک ایک بھیانک دھماکہ ہوا اور آبدوز اپنی جگہ سے اچھل کر پرے ہو گئی۔ یہ لوگ ایک دوسرے پر گر پڑے۔ کمانڈر نے بلند آواز سے کہ

جرمن جہاز نے حملہ کر دیا ہے۔ فوراً آبدوز کو اور نیچے گہرائی میں لے جاؤ۔"

اب آبدوز کے اردگرد دھماکے شروع ہو گئے۔ گولے پھٹنے لگے۔ عنبر اور ہوا باز نے بڑی مشکل سے آبدوز کو گہرائی تک پہنچا دیا۔ اب گولے اُن سے کافی اوپر آ کر پھٹ رہے تھے۔ اگرچہ آبدوز کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا مگر ہر دھماکے پر اس میں بھونچال سا آ رہا تھا۔ کمانڈر نے کہ۔

"ہمارا راز ان پر فاش ہو گیا ہے۔ اب یہ کم بخت جرمن کمانڈر ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اور ہم زیادہ دیر تک اس گہرائی میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ ہمارے پاس آکسیجن کی پہلے ہی کمی ہے۔"

مادام نے کہا۔ "پھر کیا کیا جائے؟"

ہوا باز نے کہا۔ "ہم اس جرمن جہاز کو تارپیڈو مارتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کی کوشش کریں گے۔"

کمانڈر بولا۔ "یہ خطرناک بات ہو گی۔ جہاز کو تارپیڈو مارنے کے لیے ہمیں اوپر آنا پڑے گا اور اوپر تباہ کن گولے پھٹ رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "جب گولہ باری بند ہو جائے گی تو ہم اوپر آ کر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں لڑنا ہی ہو گا۔ نہیں تو یہ جہاز ہمیں تباہ کر کے ہی چھوڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم حملہ کریں گے۔ چیمبر میں تارپیڈو ڈال دیئے جائیں۔"

عنبر اور ہوا باز نے اس وقت تارپیڈو روم میں جا کر دونوں چیمبرز یعنی آبدوز کی توپوں میں دو تارپیڈو ڈال دیئے اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔ کمانڈر پیری سکوپ یعنی دوربین کے پاس کھڑا تھا۔ مادام ایک خاص آلے کو دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر تک گولہ باری ہوتی رہی کمانڈر نے مادام سے کہا۔

"ہم جرمن تباہ کن جہاز کو دھوکہ دیں گے۔ تھوڑا سا تیل چھوڑ دیا جائے۔ جب یہ تیل سمندر کے اوپر سطح پر پہنچے گا تو جرمن یہ سمجھیں گے کہ انہوں نے آبدوز کو غرق کر دیا ہے۔ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم حملہ کریں گے۔

بڑی اچھی سکیم تھی۔ کمانڈر نے ایک خاص پائپ کھولنے کا حکم دیا۔ مادام نے جا کر پائپ کھول دیا۔ پانچ منٹ کے بعد کمانڈر نے پائپ بند کرنے کا حکم دیا۔ پائپ بند کر دیا گیا۔ پانچ منٹ بعد یہ تیل سمندر کے اوپر پہنچ گیا۔ جب جرمن تباہ کن جہاز کے کمانڈر اور دوسرے ملاحوں نے سمندر کے اوپر تیل کا ایک بہت بڑا دھبہ دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ آبدوز کو غرق کر دیا گیا ہے۔ لیکن جرمن کمانڈر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ مکار لوگ ہمیں دھوکہ دے رہے ہوں اس لیے ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا۔"

گولہ باری بند کر دی گئی تھی۔ جرمن تباہ کن جہاز ہوشیار ہو گیا تھا۔ سمندر کے نیچے آبدوز والے بھی چوکس تھے۔ اب وہ حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کمانڈر نے آبدوز کو بڑے سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ سمندر کی گہرائیوں سے نکال کر اوپر لانا شروع کر دیا۔ وہ بڑی آہستگی سے آبدوز کو اوپر لا رہا تھا۔ تاکہ پانی میں کسی قسم کا شور نہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بجے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف سمندر تک پھیل رہا تھا۔ اس اندھیرے میں انگریز کمانڈر نے آبدوز کی وہ نال سمندر سے باہر نکالی جس کے آگے شیشہ لگا ہوتا ہے اور جس کی مدد سے جہاز کا رخ دیکھا جاتا ہے کمانڈر پیچھے آبدوز میں دوربین کے ساتھ آنکھیں لگا کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اسے کچھ فاصلے پر رات کے اندھیرے سمندر میں جرمن تباہ کن جہاز دکھائی دیا۔ اس نے چلا کر کہا۔

"۲۰ ڈگری شمال مغرب کی طرف نشانہ لیا جائے۔"

جواباد نے تارپیڈو کا رُخ ۲۰ ڈگری شمال مغرب پر کر دیا۔

◆ ◆ ◆

جرمن تباہ کن جہاز کا کیا حشر ہوا؟
ناگ جو صحرا میں انگوٹھی میں قید پڑا تھا، اس کا کیا ہوا؟
عنبر یہاں سے کس ملک کو نکل گیا؟
ماریا کو حالات بمبئی شہر سے کہاں لے گئے؟
یہ آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھئے گا۔

⁂

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

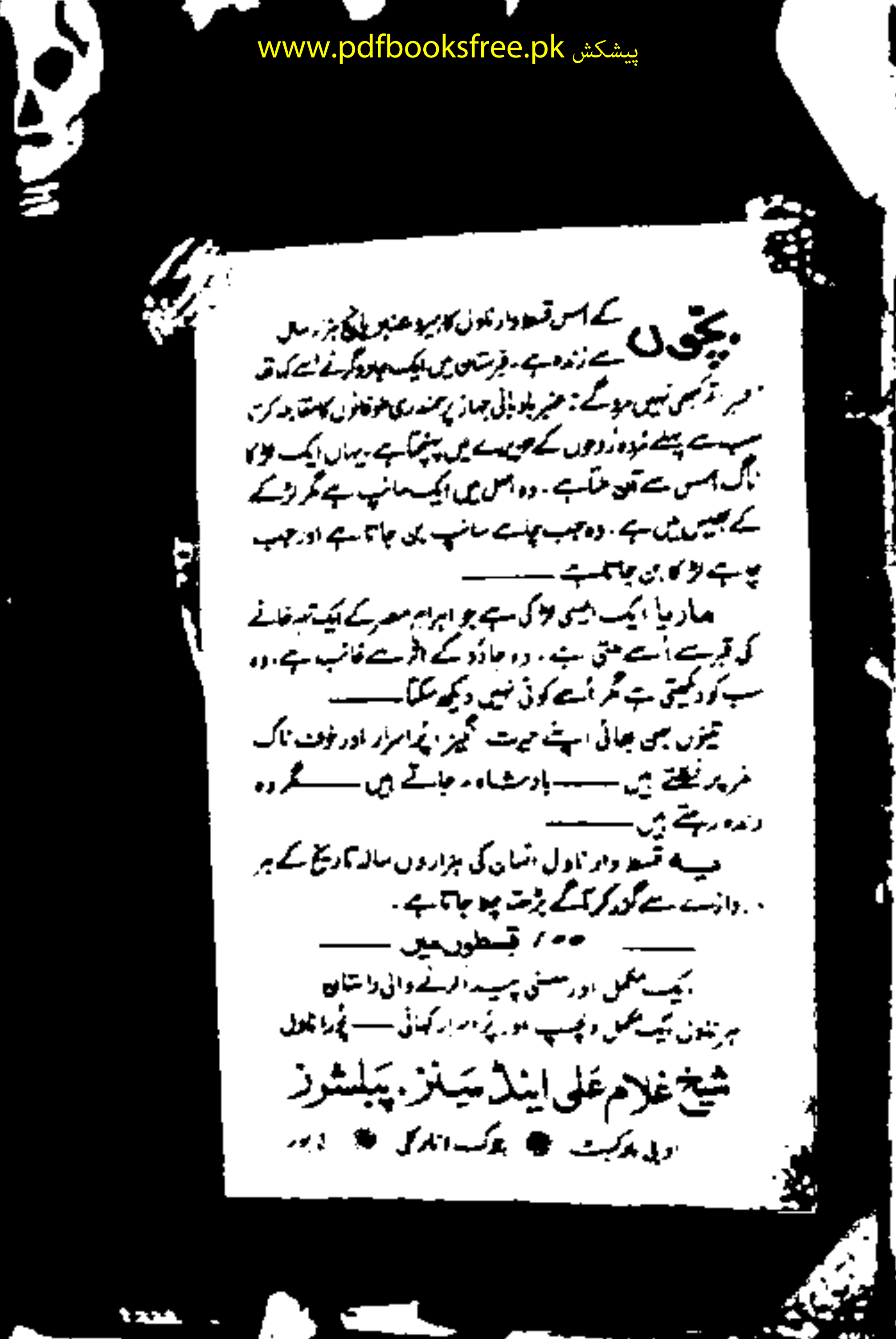

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "ہزار برس تک نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے نمودزدوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک بوڑھا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ــــــ

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ــــــ

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں ــــ بادشاہ مر جاتے ہیں ــــ مگر وہ زندہ رہتے ہیں ــــــ

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دور سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

ــــــ ۱۰۰ قسطوں میں ــــــ

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی ــــ پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز

اردو مارکیٹ ● چوک انارکلی ● لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موت کا تعاقب ۸۳

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

وحشی لڑکی

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحقِ پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس مٹھ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

○ جنم کی آگ ۵
○ جنگل کی طرف ۲۲
○ میں بھوت ہوں ۴۲
○ باغی ملاح ۶۲
○ وحشی لڑکی ۸۷
○ جزیرے پر حملہ ۱۰۸

اشاعت اول، ۱۹۶۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو!

عنبر ایک آبدوز میں سمندر کے نیچے سفر کر رہا ہے کہ اس پر ایک جرمن جہاز حملہ کرتا ہے۔ اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جرمن بمبار آ کر عنبر کی آبدوز کو غرق کر دیتے ہیں۔ عنبر ایک کشتی پر سمندر پر ابھر آتا ہے۔ جرمن جہاز والے اسے اٹھا لیتے ہیں۔ یہاں سے وہ ایک لڑکے کے ساتھ جرمنی پہنچ جاتا ہے۔ جنگ ختم ہو رہی ہے۔ جرمنی ہار رہا ہے۔ عنبر روسیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ وہ اسے خلائی جہاز میں بٹھا کر آسمان پر پھینک دیتے ہیں۔ عنبر خلائی جہاز میں زمین کے گرد چکر لگانے شروع کر دیتا ہے۔ ادھر ماریا ایک جزیرے پر پہنچ جاتی ہے۔ جاپانی جہاز جنگ سے بھاگا ہوا ہے۔ یہ لوگ جزیرے پر آباد ہونے کے لئے آتے ہیں۔ ایک رات کو جزیرے کی طرف سے ایک بھیانک آواز آتی ہے۔ سب کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ماریا اس آواز کی تلاش میں جزیرے کے جنگل میں نکل جاتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ رات کے اندھیرے میں لمبے بالوں والی کوئی بدروح تالاب پر آ کر منہ کے بل جانوروں کی پانی پینے لگتی ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

○

جہنم کی آگ

۱

○

انگریز کمانڈر آبدوز کی دوربین پر جھکا نشانہ لے رہا تھا۔ اوپر سمندر میں اگرچہ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ لیکن اب چاند مشرق سے ابھرنے لگا اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ یہ ان لوگوں کے لئے بڑا اچھا ہوا۔ اب انہیں جرمن تباہ کن جہاز 'وارسا' سمندر میں بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ جونہی جہاز کا جھنڈا آبدوز کی توپ کی زد میں آیا، انگریز کمانڈر نے چیخ کر حکم دیا۔

"فائر!"

جوان تارپیڈو روم میں کمانڈر کے اس حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ حکم سنتے ہی اس نے بٹن دبا دیا۔ شوں کی آواز آئی۔ آبدوز کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور اس میں سے ایک بڑا خطرناک تارپیڈو نکل کر سمندر کے نیچے ہی نیچے تباہ کن جرمن جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت جرمن جہاز کا کپتان اپنے کیبن میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ آدھی رات تک کام کرتا رہا تھا اور اب بڑا تھک گیا تھا۔ جہاز کا عملہ بھی آرام کر رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

صرف انجن روم اور ڈیک پر کچھ لوگ جاگ رہے تھے۔

کپتان تکیے کو ٹھیک کرکے اپنے بستر پر لیٹنے ہی والا تھا کہ ایک بھیانک دھماکہ ہوا۔ اور کپتان اچھل کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ جہاز پر گویا زبردست بھونچال آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا دھماکہ ہوا۔ جہاز کے ساتھ دوسرا تارپیڈو ٹکرا گیا تھا جس نے جہاز کے پیندے میں بہت بڑا سوراخ کر دیا اور سمندر کا پانی جہاز میں داخل ہونا شروع ہو گیا۔ جہاز ایک طرف کو جھک گیا اور اس کے آدھے حصے میں آگ لگ گئی۔ تیسرا تارپیڈو لگا تو جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے اور کسی کو اتنی مہلت تک نہ ملی کہ وہ سمندر میں کشتی پھینک کر اس میں سوار ہوتا اور اپنی جان بچاتا۔

کچھ ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہیں خونخوار شارک مچھلیاں ہڑپ کر گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ سارا کھیل ختم ہو گیا۔ جہاز ڈوب گیا۔ سمندر میں لہروں کا بھنور پیدا ہوا اور پھر چاروں طرف یوں خاموشی چھا گئی جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ سمندر جہاز کو نگل چکا تھا۔ لیکن جرمن جہاز کا سدر کپتان ڈوبتے ڈوبتے ایک سگنل کے ذریعے جرمن ہائی کمانڈ کو اپنی تباہی کی خبر اور آبدوز کا محل وقوع بتا گیا تھا۔

ادھر ہواباز، عنبر، مادام اور انگریز کمانڈر بڑی خوشیاں منا رہے تھے کہ انہوں نے جرمن تباہ کن جہاز کو غرق کر دیا ہے۔

انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ جبرالٹر سے تھوڑی دور ایک شہر کی فوجی ایئرپورٹ سے چھ جرمن بمبار طیارے ان کی آبدوز کو تباہ کرنے کے لیے اُڑ چکے ہیں اور بڑی تیزی سے اس مقام کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سمندر میں آبدوز سفر کر رہی تھی۔

انگریز کمانڈر نے ہواباز کو مبارک باد دی۔

"تمہارا نشانہ غضب کا ہے۔ تینوں تارپیڈو ٹھکانے پر جا کر لگے تھے۔"

"شکریہ جناب!"

عنبر نے کہا۔

"ہم نے ایک بہت بڑے جرمن جہاز کو غرق کیا ہے۔"

مادام بولی۔

"میں فرانس جا کر حکومت سے سفارش کروں گی کہ تم لوگوں کو بہادری کا سب سے بڑا انعام دیا جائے۔"

رات ڈھل رہی تھی۔ صبح کی روشنی سمندر پہ چھلکنے لگی تھی۔ آبدوز سمندر کے نیچے ہی نیچے روم کے مغربی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹھیک اس وقت انگریز کمانڈر نے کہا۔

"ہمیں ذرا سمندر کی سطح پر ابھر کر تازہ ہوا کھانی چاہیے۔"

مادام بولی۔

"میرا خیال ہے ابھی ہمیں اوپر نہیں جانا چاہیے کیونکہ میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سنے اپنے خاوند سے سن رکھا ہے کہ آبدوز جب کسی جہاز کو نشانہ بناتی ہے تو پھر کچھ دیر تک باہر نہیں نکلتی"
ہوا باز ہنسا۔

"مادام! آپ نے غلط سنا ہے۔ دشمن ختم ہو چکا ہے بھلا اب سمندر پر جانے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے ہم تو ٹھنڈی اور تازہ ہوا کھائیں گے"
عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مادام ٹھیک کہتی ہیں۔ ابھی ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے"

"ہا ہا ہا ہا" انگریز کمانڈر ہنسا "تم لوگ بوڑھے ہو گئے ہو میں ایک تجربہ کار فوجی افسر ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے زیادہ معلوم ہے کہ کب باہر نکلنا اور کب سمندر میں غوطہ لگانا چاہیے"

پھر اس نے آبدوز کے کمانڈر کی حیثیت سے حکم دیا کہ آبدوز کو سمندر کے اوپر لایا جائے۔ بس یہی اس شخص کی سب سے بڑی غلطی تھی جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ یعنی یہی وہ وقت تھا جب جرمن بمبار طیارے آبدوز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہوا باز نے حکم سنتے ہی مسکراتے ہوئے خوشی خوشی ایک بٹن کو نیچے دبایا۔ اس کے ساتھ ہی آبدوز کے پانی کے ٹینک خالی ہونا شروع ہو

گئے اور آبدوز سمندر کی سطح کی طرف اوپر اٹھنے لگی۔

آبدوز سطح سمندر پر آ گئی۔ آبدوز کا ڈھکن کھول دیا گیا چاروں آبدوز کے ڈیک پر آ کر لمبے لمبے گہرے سانس لینے لگے۔ ایک زبردست فتح کے بعد سمندر کی تازہ ہوا انہیں بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ دن کا اجالا چاروں طرف سمندر پر پھیل گیا تھا۔ وہ بڑے خوش تھے اور ڈیک پر ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے اور چہل قدمی بھی کر رہے تھے۔ اتنے میں سب سے پہلے عنبر کے کان کھڑے ہوئے۔

"یہ آواز کیسی ہے؟"

"کونسی آواز؟" انگریز کمانڈر نے چونک کر پوچھا۔

"یہی۔ کیا تم نہیں سن رہے؟"

اب مادام اور ہوا باز نے بھی فضا میں اس آواز کو سننے کی کوشش شروع کر دی جو گھوں گھوں گھوں کی طرح تھی۔ انگریز کمانڈر ایک بار تو سہم گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں سے کہا۔

"یہ تو ہوائی جہاز کی آواز معلوم ہوتی ہے؟"
عنبر نے کہا۔

"مجھے تو بہت سے ہوائی جہازوں کی آواز لگتی ہے"
ہوا باز نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنبر ٹھیک کہتا ہے یہ چار نہیں تو تین جہاز ضرور ہیں اور ہیں بھی بمبار"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مادام پریشانی سے بولی۔

"ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

انگریز کمانڈر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے جرمن جہاز کا کمانڈر مرتے مرتے پیچھے جرمن ہائی کمان کو سگنل دے گیا تھا۔ بہرحال اب ہمیں خدا ہی بچا سکتا ہے۔ نیچے آجاؤ سب"

ہوا باز نے غصے میں کہا۔

"آپ نیچے لے جا کر ہمیں مروانا چاہتے ہیں! آبدوز ایک بار نیچے چلی گئی تو پھر کبھی اوپر نہ ابھر سکے گی"

کمانڈر نے کہا۔

"آبدوز سطح کے اوپر رہی تو بمبار اس کے پرخچے اڑا دیں گے"

عنبر بولا۔

"اور اگر نیچے چلی گئی تو کیا ہم بچ جائیں گے؟ جہاز تارپیڈو بم پھینکیں گے جو سمندر میں دور نیچے جا کر پھٹیں گے۔ میں تو بچ جاؤں گا آپ لوگ اپنا بندوبست کر لیں"

مادام نے کہا۔

"ہمیں لائف جیکٹ پہن لینے چاہئیں"

سامنے کے سارے بھاگ کر نیچے گئے۔ آبدوز کا ڈھکنا بند کر دیا گیا۔ اور آبدوز سمندر میں اترنے لگی۔ مگر اسے سمندر میں غائب ہوتے ایک جرمن ہوا باز نے اوپر اپنے طیارے سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی ہوا بازوں کو وہ جگہ بتا دی جہاں انہیں بم پھینکنے تھے۔ ٹارگٹ دیکھ لیا گیا تھا۔ نشانہ باندھ لیا گیا تھا۔ آبدوز سمندر میں غائب ہو چکی تھی۔ بمباروں نے غوطہ لگایا۔ وہ سمندر میں اس جگہ آئے جہاں تھوڑی دیر پہلے آبدوز غائب ہوئی تھی۔ اوپر سے گزرتے ہوئے بمبار جہازوں نے کتنے ہی تارپیڈو بم سمندر میں گرا دیئے۔

یہ بم سمندر میں گرتے ہی پھٹے نہیں بلکہ نیچے ہی نیچے اترتے چلے گئے۔ ایک خاص گہرائی پر جا کر انہوں نے پھٹنا شروع کر دیا۔ ان کے دھماکوں سے سمندر میں اندر ہی اندر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ پانی ایک آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح باہر کو اچھلا اور سینکڑوں مردہ مچھلیاں سمندر میں بکھر گئیں۔ آبدوز ذرا فاصلے پر تھی مگر دھماکوں سے وہ بھی اپنی جگہ ڈولنے لگی۔

بمبار ابھی اوپر ہی اڑ رہے تھے۔ وہ دوسری بار غوطہ لگا کر آئے۔ انہوں نے سمندر میں پہلی جگہ سے ذرا آگے جا کر ایک بار پھر تارپیڈو بم گرائے۔ یہ بم آبدوز کے دائیں بائیں اور ایک بم اس کے اوپر جا کر پھٹ گیا۔ ان بموں نے آبدوز کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سمندر کے اوپر آبدوز کا تیل پھیل گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جرمن ہوابازوں نے خوشی سے سمندر پہ غوطے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ آبدوز غرق ہو چکی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ آبدوز میں سے کوئی ملاح باہر نہ آ سکے گا۔ کیونکہ پانی کے دباؤ کی وجہ سے ملاح نیچے ہی سمندر کی لہروں میں پس کر رہ جاتے ہیں۔

لیکن وہ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ جہاں آبدوز ڈوبی تھی وہاں سے ایک آدمی ابھرا اور سمندر میں تیرنے لگا۔ اس نے لائف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ یعنی ربڑ کی صدری جو انسان کو پانی میں اوپر اٹھائے رکھتی ہے اور ڈوبنے نہیں دیتی۔ جرمن ہواباز نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ آبدوز کا کپتان لگتا ہے۔ میں اس پر مشین گن کی گولیاں برسانے لگا ہوں"

آبدوز غرق ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی انگریز کمانڈر، مادام گرشیا اور ہواباز بھی سمندر کی تہہ میں جا کر ہمیشہ کی نیند سو گئے تھے۔ عنبر بچا تھا جو سمندر کی سطح پر ابھر آیا تھا۔ چنانچہ جونہی جرمن ہواباز کی نگاہ عنبر پر پڑی، وہ اسی پر گولیاں برسانے کے لیے غوطے میں آیا۔ آخر ان لوگوں نے جرمنوں کا ایک بہت بڑا جہاز غرق کر دیا تھا۔ وہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہائی کمانڈ نے حکم دیا تھا کہ آبدوز کو غرق کر کے اس کے سارے عملے کو بھی ختم کر دیا جائے۔

عنبر نے دیکھا کہ ہوائی جہاز اس کی طرف غوطہ لگا کر آ رہا ہے۔ سمجھ گیا کہ وہ نیک نیت سے نہیں آ رہا۔ اور یہی ہوا۔ یعنی جرمن ہواباز اس کے اوپر سے گولیاں برساتا آگے گزر گیا۔ مشین گن کی گولیاں عنبر کے سر بازو اور کمر سے ٹکرا کر سمندر میں گر پڑیں۔ جرمن ہواباز اوپر اٹھ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ جس انسان پر اس نے سینکڑوں گولیاں چلائی تھیں وہ ابھی تک پانی میں تیر رہا ہے۔

کچھ حیران ہوا کہ نشانہ تو بالکل ٹھیک تھا یہ شخص ابھی تک زندہ کس طرح سے ہے۔ بہرحال وہ ایک بار پھر غوطے میں آیا اور اس نے دوسری بار گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ اس بار جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو عنبر ابھی تک زندہ تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہواباز ساتھیوں کو حکم دیا۔

"اس شخص پر سارے مل کر گولیاں برساؤ"

دونوں جہاز غوطے میں آئے اور عنبر کے سر پر تڑا تڑ گولیاں ختم کر دیں مگر عنبر پھر بھی زندہ رہا اور سمندر میں بڑے مزے سے تیرتے ہوئے ہاتھ ہلا کر انہیں ہیلو ہیلو کرتا رہا۔ جرمن ہواباز نے کہا۔

"اس پر بم گرا دو"

جہازوں نے اپنے باقی بچے ہوئے سارے بم عنبر کے سر پر چھوڑ دیئے۔ ایک کے بعد ایک۔ کئی ایک دھماکے ہوئے۔ سمندر کا پانی اوپر تک اچھلا۔ ایک طوفان سا آ گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب سمندر پرسکون

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ عنبر اسی طرح سمندر میں تیر رہا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں ہیلو کہہ رہا تھا۔ جرمن ہوا باز گروپ کیپٹن تھا۔ اس نے دوربین لگا کر دیکھا۔ عنبر پر زخم کا کوئی نشان نہ تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔

گروپ کیپٹن نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ کوئی عجیب و غریب انسان ہے۔ اسے گرفتار کیا جائے گا"

گروپ کیپٹن نے جہازوں کو واپسی کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہیلی کوپٹر ڈویژن کو وائرلیس حکم دیا کہ سمندر میں فلاں فلاں مقام پر ایک عجیب و غریب جنگی قیدی تیر رہا ہے اسے زندہ گرفتار کیا جائے۔

عنبر نے دیکھا کہ تینوں جرمن بمبار جہاز واپس چلے گئے۔ وہ خاموشی سے سمندر کی لہروں پر تیرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہاں کوئی نہیں آئے گا اور وہ اکیلا ہی نہ جانے کب تک سمندر میں تیرتا رہے گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ فضا میں ایک ہیلی کاپٹر نمودار ہوا۔ یہ چکر کھاتا ہوا اس کے اوپر آ گیا اور پھر اس نے ایک سیڑھی پھینکی اور ہیلی کاپٹر سے کسی لاؤڈ سپیکر پر کہا۔

"تم ہمارے جنگی قیدی ہو۔ ہم تمہیں بچانے آئے ہیں سیڑھی پکڑ کر اوپر آ جاؤ"

عنبر کو یہی چاہیے تھا۔ سیڑھی جب اس کے سر کے پاس آ کر

جھولنے لگی تو اس نے اسے پکڑ لیا اور اس پر چڑھتا ہوا ہیلی کاپٹر کے اندر آ گیا۔ یہاں دو جرمن سارجنٹ پستول لئے پہلے سے بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"خاموشی سے کونے میں بیٹھ جاؤ"

عنبر خاموشی سے کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پائلٹ نے کہا۔

"قیدی کو اگر سردی لگ رہی ہے تو اس کو کمبل دے دیا جائے"

عنبر نے کہا۔

"شکریہ! مجھے سردی نہیں لگتی"

سارجنٹ نے پوچھا۔

"کیا تم جرمن زبان جانتے ہو؟"

کیونکہ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے جرمن زبان میں حکم دیا تھا اور عنبر نے بھی جرمن زبان میں ہی اس کے حکم کا جواب دیا تھا۔ اب سارجنٹ کی بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔

"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے یوگنڈا اور نیوگنی کے آدم خور قبیلوں کی زبان میں بات کرو گے؟"

دونوں جرمن سارجنٹ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ کیسا قیدی تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیا تم مصری ہو؟"

"ہاں میں مصر کا رہنے والا ہوں" عنبر نے جواب دیا۔

جرمن سارجنٹ نے پوچھا۔

"اس آبدوز میں تم کس طرح سے آ گئے تھے؟"

عنبر بولا۔

"آبدوز کا کپتان میرا واقف تھا۔ میں اس کے ساتھ بحیرہ روم عبور کر کے جبرالٹر جا رہا تھا"

دوسرے سارجنٹ نے کہا۔

"تم آبدوز سے بچ کر کیسے باہر آ گئے؟ سمندر میں تو پانی کا اتنا شدید دباؤ ہوتا ہے کہ کوئی جاندار زندہ نہیں بچ سکتا"

عنبر نے مسکرا کر کہا

"جس کو خدا رکھے اس کو کوئی نہیں مار سکتا"

سارجنٹ خاموش ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر سمندر کے اوپر اڑتا رہا۔ کافی دور جانے کے بعد عنبر نے کھڑکی میں سے دور ایک بحری جہاز کو دیکھا تو سمندر کی سطح پر ایک کھلونا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سارجنٹ سے پوچھا۔

"یہ جہاز کس کا ہے؟"

"شٹ اپ!" سارجنٹ نے اسے جھاڑ دیا۔ خاموش

رہو۔ تمہیں ہمارے جہازوں کے بارے میں بات کرنے کی ہرگز اجازت نہیں"

عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"شکریہ! تم نے خود ہی بتا دیا کہ یہ جہاز تمہارا ہے"

یہ ایک جرمن میڈیم بمبار جنگی جہاز تھا۔ ہیلی کاپٹر اسی جہاز سے اڑ کر آیا تھا۔ ہیلی کاپٹر اس جہاز کے ہیلی پیڈ پر اتر گیا۔ عنبر کو جہاز کے ایک نچلے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ یہ کوٹھڑی حوالات ہی تھی۔ کیونکہ دروازے پر موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ عنبر نے کسی سے کچھ نہ کہا اور بڑے آرام سے حوالات کے کونے میں جا کر تخت پر چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز کا کمانڈر اس کے پاس آیا۔ یہ ایک بارعب جرمن بوڑھا تھا جس کی داڑھی میں سفیدی زیادہ تھی۔ آنکھوں میں بڑی خونخواروں والی چمک تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانے کتنے آدمی بڑے سکون سے ہلاک کر چکا ہے۔ اس نے آتے ہی عنبر سے پوچھنا شروع کر دیا۔

"تم کون ہو؟ آبدوز کس طرح اغوا کی؟ تمہارے ساتھی کون تھے؟ وہ لوگ کہاں جا رہے تھے؟ تم کس مشن پر گھر سے چلے تھے؟ بحیرہ روم میں اتحادیوں کے اڈے کہاں کہاں ہیں؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہ ایسے سوال تھے جن کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہ تھا مگر ایک سوال کا جواب تھا کہ تم کون ہو؟ عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ انگریز کمانڈر نے آبدوز کہاں سے اغوا کی؟ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ وہ میرا واقف بن گیا تھا اور سکندریہ کی بندرگاہ سے میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا کیونکہ میں جبرالٹر جانا چاہتا تھا کہ تمہارے ہوائی جہازوں نے ہماری آبدوز غرق کر دی۔"

جرمن کمانڈر نے کرخت آواز میں کہا۔

"لیکن تم لوگوں نے ہمارے ایک بڑے قیمتی جنگی جہاز کو تارپیڈو مار کر غرق کر دیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"جی ہاں! اگر ہم اسے غرق نہ کرتے تو وہ ہماری آبدوز کو غرق کر دیتا"

"بکواس بند کرو۔"

پھر اس نے حکم دیا۔

"اس شخص کو سوائے پانی کے اور کچھ نہ دیا جائے۔"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"بے شک میرا پانی بھی کمانڈر کو دے دیا جائے۔ میں پانی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں"

کمانڈر نے غصے میں آکر عنبر کے سر پہ مکا مار دیا۔ عنبر تو اپنی جگہ پر کھڑا رہا مگر کمانڈر کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی پتھر کی سل پر ہاتھ مار دیا ہو۔ اس کی دو انگلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اسی وقت کمانڈر کو جہاز کے ہسپتال میں لے جا کر انگلیاں جوڑ کر ان پر پلاستر چڑھا دیا گیا۔ یہ خبر سارے جہاز میں پھیل گئی کہ جو نیا مصری قیدی جہاز پر آیا ہے اس کا سر لوہے کا ہے۔

کمانڈر نے عنبر کے سر کا ایکسرے کروانے کا حکم دیا۔ ایکسرے میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ عنبر کو واپس حوالات میں بند کر دیا گیا۔ دو تین روز بعد ایسا ہوا کہ جہاز پر اتحادی بمبار جہازوں نے حملہ کر دیا۔ ہوائی جہاز بمباری کر کے چلے گئے۔ جہاز کے انجن روم کے ایک حصے میں آگ لگ گئی تھی۔ جہاز پر ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ انجن روم میں ایک ایسی مشین لگی تھی جس کے اگر ہینڈل کو نیچے گرا دیا جاتا تو جہاز کی چھت پر سے سفید گیس کی بارش شروع ہو جاتی جس سے آگ ایک منٹ میں بجھ جاتی۔

مگر انجن روم کو جانیوالا راستہ آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہاں سے گزر کر مشین کے ہینڈل تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آگ زور پکڑ رہی تھی۔ عنبر کو حوالات میں یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اپنے پہرے دار سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کپتان سے کہو مجھے آزاد کر دے۔ میں مشین روم میں جاکر ہینڈل گرا سکتا ہوں"

پہلے تو پہرے دار نے کوئی توجہ نہ دی۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کپتان کو پیغام بھجوایا۔

کپتان نے حکم دیا۔

"اگر وہ شعلوں میں سے گزر سکتا ہے تو اسے فوراً رہا کیا جائے۔ مگر یاد رکھو اس کی لاش آگ میں سے نکالنا ضروری ہے"

عنبر کو اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا گیا جہاں سے آگ کے شعلوں کا سفر شروع ہوتا تھا۔ جہاز کے لوگ اس سے مذاق کر رہے تھے۔

"اب ذرا اندر چل کر دکھاؤ۔ آگ تمہیں پکوڑا نہ بنا دے تو میرا نام بدل دینا"

"ارے اس الّو کی دم کو یہاں کیوں لے آئے ہو؟"

"ارے اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دو۔ اس نے ہم سے مذاق کرنے کی کوشش کی ہے"

جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر عنبر بڑے سکون سے کھڑا تھا اور شعلوں کو دیکھ رہا تھا جو قیامت کی طرح لہرا لہرا کر اٹھ رہے تھے۔ آخر اس نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں آگ کے سمندر میں جا رہا ہوں۔ کسی کو آنا ہو تو

میرے پیچھے پیچھے آ جائے"

اور عنبر لوگوں کے دیکھتے دیکھتے آگ کے شعلوں میں داخل ہو گیا۔ ہر ایک کے منہ سے دہشت کے مارے ایک چیخ نکل گئی۔ کئی تو عنبر کے انجام پر افسوس کرنے لگے۔

"یار اس نوجوان کی جوانی پر رحم کھانا چاہیے تھا ہم کو اسے روک لینا چاہیے تھا۔"

"خدا اس کی روح کو تسکین دے۔ خوبصورت نوجوان تھا"۔

"اب تک تو جل کر پکوڑا بن گیا ہوگا"

"اس کا تو پکوڑا بھی جل کر سیاہ ہو چکا ہوگا"

آگ کے قریب جانے کی کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جہاز کے کپتان کو بھی اطلاع کر دی گئی۔ اس نے کہا۔

"ایسے بڑ بولے نوجوان کا یہی انجام ہونا تھا۔ بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں اتنی شدید آگ کے جہنم میں سے تو اس کی ہڈیاں بھی پگھل کر سرمہ بن چکی ہوں گی۔ خدا اس کی روح کو معاف کرے"

جہازی عنبر کے انجام پر افسوس ہی کر رہے تھے کہ اچانک جہاز کی چھت اور دیواروں میں لگے فواروں سے ایک دم گیس اچھل اچھل کر گرنے لگی اور آگ بجھنا شروع ہو گئی۔ پھر دیکھتے دیکھتے آگ کے شعلے بجھ گئے اور سفید دھوئیں کے اندر سے عنبر نمودار ہوا۔

◆

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جنگل کی طرف

عنبر بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ اتنی خوفناک آگ نے اسے کچھ نہ کہا تھا۔

اس کے سر کا ایک معمولی سا بال بھی نہیں جلا تھا۔ اس کا لباس ویسے کا ویسا تھا۔ جہازی تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک انسان اتنی زیادہ آگ میں زندہ رہ سکتا ہے۔ بلکہ اس کے اندر پندرہ بیس منٹ رہ کر اپنا کام کر کے پھر واپس بھی آ سکتا ہے کہ اس کا ایک بھی سر کا بال نہ جلا ہو۔ جہاز کے ملاحوں نے نعرے لگا کر عنبر کا استقبال کیا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ جہاز کے کپتان کو اس خبر کا پتہ چلا تو وہ بھاگا بھاگا عنبر کے پاس آیا۔ دیکھا تو وہ بڑے آرام سے کرسی پر بیٹھا کوکا کولا پی رہا ہے اور جہاز کی آگ پوری طرح بجھ چکی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کے جسم کو چھوا۔ کھال کو ہاتھ لگایا۔ بالوں کو ہلا جلا کر دیکھا۔ آگ کا کسی جگہ بھی کوئی اثر نہیں تھا۔ بڑا حیران ہوا۔ وہ عنبر

کو ساتھ لے کر جہاز کے ڈاکٹر کے کیبن میں آ گیا۔ ڈاکٹر نے جسم کو ٹول کر اس کا پوری طرح سے معاینہ کیا۔ اس کی جلد دیکھی۔ ٹیمپریچر لیا۔ ہر چیز ٹھیک ٹھاک تھی۔ کپتان نے کہا۔

"ڈاکٹر! میرا خیال ہے اس کا خون ٹیسٹ کر کے دیکھو۔"

عنبر اٹھ کر جانے لگا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" اس نے کہا۔ وہ دراصل خون ٹیسٹ کرواتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیونکہ اس کی رگوں میں خون تو تھا ہی نہیں۔ کپتان نے کہا۔

"میں حکم دیتا ہوں کہ تمہارا سرکاری طور پر خون ٹیسٹ کیا جائے۔ چپکے سے لیٹ جاؤ۔"

عنبر نے کہا۔

"کپتان! میرا خون ٹیسٹ نہ ہی کروائیں تو اچھا ہے۔"

ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آخر تمہارا خون کیوں نہ ٹیسٹ کیا جائے؟"

عنبر بولا۔

"اس لئے کہ میرے جسم میں خون نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اور کپتان عنبر کا منہ تکنے لگے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"آپ خود ٹیسٹ کر کے دیکھ لیں۔ آپ کو ناامیدی ہوگی۔"

ڈاکٹر نے عنبر کو لٹا کر اس کی انگلی میں سوئی چبھوئی۔ سوئی نے انگلی کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔ ایسے لگا جیسے سوئی کسی پتھر میں چبھونے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر کے ہاتھ سے سوئی نیچے گر پڑی۔ کپتان کی عینک ناک پر کھسک گئی۔ دونوں حیرت کے سمندر میں گم ہو گئے کہ اس کے سامنے یہ کون شخص لیٹا ہے؟ آیا یہ کوئی انسان ہے یا کوئی آسمانی مخلوق؟ ڈاکٹر نے عنبر کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر نے بھی اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں مریخ ستارے سے آیا ہوں"

ڈاکٹر چونک کر پیچھے ہٹ گیا اور جہاز کے کپتان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیپٹن! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا"

جرمن کپتان نے عنبر کے جسم کو اچھی طرح ٹٹولا۔ وہ اسے پتھر کی طرح سخت محسوس ہوا۔

"کیا۔ کیا واقعی تم مریخ ستارے سے آئے ہو؟"

جرمن نے سرگوشی میں کہا۔

"ہاں! میں مریخ سے آیا ہوں۔ لیکن میں نے سوائے تم دونوں کے کسی دوسرے کو ابھی تک یہ راز نہیں بتایا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ میرے راز کو اپنے تک ہی رکھو گے تو میں تمہیں عجیب عجیب باتیں بتاؤں گا"

کپتان نے کھنکار کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ڈاکٹر! میرا خیال ہے اس شخص کا دماغ چل گیا ہے۔

"شکریہ! میں اسے دوبارہ حوالات میں بند کرانے جا رہا ہوں"

اور کپتان عنبر کو لے کر سیدھا اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے کرسی کھینچ کر عنبر سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ"

پھر کافی کے دو کپ بنا کر ایک کپ عنبر کو دیا۔ دوسرا خود لیا۔ دوسری کرسی پر عنبر کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم مریخ سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"کیا یہ ثبوت تمہارے لئے کافی نہیں کہ ابھی ابھی میں آگ کے جہنم سے صحیح سلامت باہر آ گیا ہوں؟"

کپتان نے کہا۔

"کیا مریخ والوں پر آگ اثر نہیں کرتی؟"

"بالکل نہیں۔ اور اس راز کا ابھی دنیا والوں کو بالکل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

علم نہیں ہے۔ امریکہ والے مریخ کے بارے میں بڑی تحقیق کر رہے ہیں۔ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔"

کپتان نے کپ میز پر رکھ دیا۔ اٹھ کر ہاتھ پیچھے رکھ کر کیبن میں ٹہلنے لگا۔ پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور بڑے جوش کے ساتھ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"اوہ میرے خدا! میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ مریخ کا راز میں نے دریافت کر لیا ہے"

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مسٹر عنبر! آج سے ہم آپس میں گہرے دوست ہیں میں تمہارا راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مگر تم بھی وعدہ کرو کہ مجھے مریخ کی سیر کراؤ گے!"

عنبر سوچنے لگا اس کم بخت کو میں مریخ کی سیر کروانے کہاں لے جاؤں گا؟ پھر بولا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی میری اڑن طشتری مجھے لینے آئے گی تو میں تمہیں اپنے ساتھ مریخ سیارے پر لے جاؤں گا"

کپتان نے جلدی سے کہا۔

"لیکن میں وہاں رہ نہیں سکتا۔ میں واپس اپنے بچوں میں آنا پسند کروں گا"

عنبر مسکرایا۔

"فکر نہ کرو کپتان! تمہیں میں اسی اڑن طشتری پر واپس زمین پر بھجوا دوں گا"

"اچھا یہ بتاؤ مسٹر عنبر کہ مریخ پر سارے لوگ تمہاری طرح کے ہیں؟ کیا وہاں لوگوں پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا؟"

عنبر بولا۔

"بالکل اثر نہیں ہوتا ان پر آگ کا۔ انہیں بھوک پیاس بھی نہیں لگتی۔ ان پر گولی خنجر بھی اثر نہیں کرتا"

کپتان منہ کھولے عنبر کی باتیں سن رہا تھا۔

"مسٹر عنبر! میں نے سنا ہے، بلکہ پڑھا ہے کہ مریخ پر ہیرے جواہرات پتھروں کنکریوں کی طرح سڑکوں پر پڑے رہتے ہیں۔ کیا یہ درست بات ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"مریخ میں تو بچے جواہرات، عقیق اور لعل اپنی ٹوپیوں میں لگاتے ہیں"

"کیا مریخ کے بچے ٹوپیاں بھی پہنتے ہیں؟ کیسی ہوتی ہیں وہ ٹوپیاں؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر بولا۔

"سرخ رنگ کی کالے پھندنے والی ٹوپیاں ہوتی ہیں۔ جیسی ترکی میں رومی ٹوپی ہوتی ہے۔"

"اچھا مسٹر عنبر! یہ بتاؤ کہ وہاں کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں؟"

"عورتیں؟"

"ہاں مائیں۔ بہنیں بیٹیاں۔ ان کی شکل کیسی ہوتی ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"بالکل جیسی ہمارے ہاں مائیں بہنیں بیٹیاں ہوتی ہیں"

"کوئی فرق نہیں ہوتا؟"

"کوئی نہیں"

"کیا ان پر بھی آگ اثر نہیں کرتی؟"

"بالکل اثر نہیں کرتی"

"عنبر! خدا کے لیے مجھے مریخ کی سیر ضرور کروانا۔ میں واپس آ کر وہاں کی تصویریں اخباروں میں دوں گا۔ کیا میں وہاں تصویریں کھینچ سکوں گا؟"

"کیوں نہیں۔"

کپتان اٹھ کر بے تابی سے کیبن میں ٹہلنے لگا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ اسی وقت اس نے عنبر کو جہاز کا ایک خوبصورت کیبن دے دیا۔

عنبر وہاں رہنے لگا۔ کپتان ہر روز شام کو چائے عنبر کے ساتھ پیتا اور مریخ سیارے کی باتیں کرتا رہتا۔ وہ روز اس سے پوچھتا کہ مریخ سے اڑن طشتری کب آ رہی ہے؟ عنبر ہر روز اسے یہ جواب دیتا۔

"اڑن طشتری میرے خشکی پہ پہنچنے کے بعد کسی وقت بھی آ سکتی ہے"

"کیا خشکی کے بغیر اڑن طشتری کسی جگہ نہیں اتر سکتی؟"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ وہ تو سمندر کیا بلکہ آگ میں بھی اتر سکتی ہے۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس زمین پر یورپ کے علاقے کی مٹی کا نمونہ لینے آیا ہوں۔ جب میں وہاں کی مٹی کا نمونہ حاصل کر لوں گا تو مریخ والوں کو خود بخود علم ہو جائے گا۔ پس وہ اسی وقت اڑن طشتری روانہ کر دیں گے جس میں سوار ہو کر ہم مریخ پر پہنچ جائیں گے"

کپتان نے خوشی خوشی کہا۔

"تو پھر میں بہت جلد جہاز کو خشکی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہوں"

اور کپتان نے ایسا ہی کیا۔ حالانکہ اسے سمندر میں چل پھر کر دشمن

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے جہازوں کو تباہ کرنا تھا مگر مریخ کے شوق نے اسے نیم پاگل بنا رکھا تھا۔ وہ بحیرہ روم سے نکل کر یورپ کے سمندر میں آگیا۔ یہاں جرمنی کی ایک بندرگاہ میں آکر اس نے اپنے بحری جہاز کو لنگر انداز کر دیا اور عنبر کو ساتھ لے کر بندرگاہ سے کار میں سوار ہو کر ایئر پورٹ کی طرف چل دیا۔ وہ عنبر کو اپنے گھر لے جا رہا تھا جو دوسرے شہر یعنی ڈرلسیڈن میں واقع تھا۔ ایئر پورٹ پر بحریہ کا ایک ہوائی جہاز تیار کھڑا تھا۔ کپتان اور عنبر اس میں سوار ہو گئے۔

دو گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز ڈرلسیڈن پہنچ گیا۔ کپتان عنبر کو اپنے گھر لے گیا۔ شہر سے باہر ایک پرفضا باغ میں یہ ایک پرسکون مکان تھا یہاں جرمن کپتان کی ادھیڑ عمر بیگم رہتی تھی۔ کپتان نے اپنی بیوی سے عنبر کا تعارف کروایا اور پھر اسے اندر لے جا کر کہا۔

"جانتی ہو یہ نوجوان کس دنیا سے آیا ہے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کی بیوی نے ذرا تعجب سے پوچھا۔

کپتان دونوں ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے جوش سے بولا۔

"یہ نوجوان سیدھا مریخ سے آیا ہے"

"کیا تمہارے ہوش تو ٹھکانے ہیں؟" اس کی بیگم نے

ذرا چلا کر کہا۔

"شی! آہستہ بولو بیگم! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ نوجوان جس کا نام عنبر ہے مریخ سے اڑن طشتری میں آیا ہے اور اب مجھے بھی سیر کرانے اڑن طشتری پر بٹھا کر مریخ لے جائے گا"

کپتان کی بیوی نے اپنے خاوند کی آنکھوں میں جھک کر دیکھا۔ پھر ٹیلی فون اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کسی نے پوچھا

"ہیلو؟"

بیگم نے کہا۔

"ڈاکٹر! کیا تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ہاں آ سکتے ہو؟"

"کیا بات ہے بیگم صاحبہ؟ خیریت تو ہے؟"

کپتان کی بیگم نے اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے خاوند کا دماغ خراب ہو گیا ہے"

کپتان نے آگے بڑھ کر فون بند کر دیا۔

"کیا کر رہی ہو بیگم۔ خدا کے لئے میری بات پر یقین کرو۔ اچھا اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک ایسا تماشہ دکھاتا ہوں جسے دیکھ کر تمہیں یقین آ جائے گا کہ یہ نوجوان مسٹر عنبر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو یا مریخ سیارے سے آیا ہے؟"

اور کپتان اپنی ادھیڑ عمر جرمن بیوی کو ہاتھ سے پکڑ کر اس کمرے میں لے گیا جہاں عنبر آرام کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر لہراتے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

کپتان نے کہا۔

"عنبر! میری بیوی کو یقین نہیں آ رہا کہ تم مریخ سیارے سے آئے ہو۔ خدا کے لئے اسے کسی طرح یقین دلاؤ اس نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے"

عنبر نے جرمن کپتان کی بیوی کی طرف دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"مادام! میں سچ مچ سیارے مریخ سے آیا ہوں یقین کرو"

مادام بولیں۔

"مگر۔ مگر۔ اف! تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب تمہیں بھی ڈاکٹر کو دکھانا ہو گا"

عنبر نے کہا۔

"میڈم اگر میں آپ کو کوئی مریخ والوں کی بات بتاؤں تو آپ یقین کریں گی؟"

"کیا مطلب ہے" میڈم نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"مطلب یہ کہ مریخ والوں پر آپ کی زمین کی آگ اثر نہیں کرتی۔ ان پر گولی کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ آپ دیکھیں گی کہ مجھ پر بھی گولی اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر تو آپ مان لیں گی نا کہ میں مریخ سے آیا ہوں؟"

کپتان نے تالی بجا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ بیگم! اب تم خاموش رہو"

پھر کپتان نے عنبر کے سامنے ایک موم بتی لا کر رکھ دی۔ اسے ماچس سے جلایا۔ عنبر نے اپنی کلائی پر سے کپڑا ہٹایا اور کلائی جلتی ہوئی موم بتی کے شعلے کے اوپر رکھ دی۔ موم بتی جلتی گئی۔ شعلہ بلند ہوتا گیا۔ شعلہ عنبر کی کلائی کو چاٹتا رہا مگر عنبر کی کلائی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر موم بتی ختم ہو گئی۔ دہشت سے کپتان کی بیگم کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اس قسم کا تماشہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آگ گوشت کو جلانے سے انکار کر دے۔ جرمن کپتان نے اسے سنبھالا اور کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ عنبر مریخ سیارے سے آیا ہے؟ اب کہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ اس پر آگ کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا"

عنبر نے کلائی پر لگی ہوئی دھوئیں کی ہلکی سی کالک رومال سے صاف

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کی اور بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کے خاوند ٹھیک کہتے ہیں بیگم! میں مریخ کا رہنے والا ہوں۔ میں آپ کو بھی مریخ کی سیر کرا سکتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میرا راز کسی پر ظاہر نہ کریں"

میڈم دھک سے رہ گئی تھی۔ کھلی آنکھوں سے عنبر کو تک رہی تھی۔ پھر اس نے اسی وقت ڈاکٹر کو دوبارہ فون کیا اور کہا۔

"ڈاکٹر! آنے کی تکلیف نہ کریں۔ میرا خاوند ٹھیک ہو گیا ہے"

رات کو عنبر دیر تک کپتان اور اس کی بیوی سے باتیں کرتا رہا۔ کپتان کی بیوی تو سونے چلی گئی۔ عنبر اور کپتان باتیں کرتے رہے۔ کپتان نے کہا۔

"جرمن بحریہ میں میرا ایک دشمن ہے جس کی وجہ سے مجھے ترقی نہیں مل رہی۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے جس کہ میں اس سے بہتر عہدہ حاصل کر سکوں؟"

عنبر نے پوچھا۔

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے دشمن کو ہلاک کر دیا جائے؟"

"نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دوں کہ ہٹلر اسے میجر بنا

دے اور بس"

عنبر نے کہا۔

"آپ کس قسم کا کارنامہ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے ہماری آبدوز کو تو ڈبو دیا۔ کیا اس سے آپ کو ترقی نہیں ملے گی؟"

کپتان نے کہا۔

"میں اس سے بھی بڑھ کر کوئی کارنامہ کرنا چاہتا ہوں"

عنبر کہنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ نے میری ایک بہن مادام گارشیا کو بھی آبدوز کے ساتھ ہی غرق کر دیا ہے۔ مجبور ہوں"

جرمن کپتان خاموشی سے چھت کو دیکھنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ عنبر پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ اسے کوئی کام زبردستی کرنے پر مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ سر جھکا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ عنبر اس جرمن کپتان کے ساتھ ایک ہفتہ جرمنی کے اس قصبے میں رہا۔ ان ہی دنوں جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جرمن فوجیں محاذوں پر پسپا ہونے لگیں۔ اٹلی کی فوجیں بھی پیچھے بھاگنے لگیں۔ عنبر جرمن کپتان کے ساتھ سمندروں میں سفر کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا روس اور اتحادی فوجیں برلن کی طرف بڑھنا شروع ہو گئی ہیں۔ اور ہٹلر اٹلی سے فرار ہوتے ہوئے قتل کر دیا گیا ہے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک روز اس جہاز کو بھی غرق کر دیا گیا جس میں عنبر سفر کر رہا عنبر کو انگریزوں نے گرفتار کر کے قیدیوں کے کیمپ میں بھیج دیا۔ کیمپ لندن سے ایک سو میل دور ایک جنگل میں بنا ہوا تھا۔ عنبر یہاں دوسرے جرمن اور اطالوی قیدیوں کے ساتھ بڑی بُری زندگی گزا لگا۔ ایک روز عنبر تنگ آ گیا۔ اس نے سوچا کہ میں کس لئے اس قید خانے میں پڑا ہوں۔ اس نے فرار کا منصوبہ بنایا۔ اس کے ساتھ ایک جرمن لڑکا ہومر بھی قید تھا۔ یہ جرمن نیوی میں ملاح تھا۔ اس کی عمر مشکل بیس برس کی ہوگی۔ بڑا بھولا سا نوجوان تھا۔ عنبر نے اسے بھی فرار ہونے پر تیار کر لیا۔ وہ ڈر رہا تھا۔ عنبر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہومر! میرے بھائی کیا تم آزاد ہونا نہیں چاہتے؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ اپنے گھر جا کر اپنے ماں باپ سے ملو؟"

ہومر اداس ہو کر بولا۔

"خدا جانے میرے ماں باپ کس حال میں ہوں گے؟ سنا ہے روسی فوجیں برلن کی طرف بڑھ رہی ہیں"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

ہومر نے کہا۔

"ہمارا گھر جرمنی کی سرحد میں داخل ہوتے ہی پچاس میل

پر ایک قصبے میں ہے"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا کر آؤں گا۔ بولو! کیا میرے ساتھ چلو گے؟ اگر تم نہیں تیار ہو گے تو میں پھر بھی آج رات بارہ بجے اس قیدی کیمپ سے فرار ہو رہا ہوں"

ہومر نے پوچھا۔

"کیا تمہارے پاس پستول ہے؟ اس کے بغیر یہاں سے ہم یہاں کیسے نکل سکیں گے۔ پہرہ بڑا سخت ہے۔ شاید ایک دو کو مارنا پڑے گا۔ نہیں تو ہم خود ہلاک ہو جائیں گے"

عنبر نے مسکرا کر بولا۔

"یہ سب کچھ میں کر دوں گا۔ کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں! میں تیار ہوں۔"

"بس پھر آدھی رات کو میں تمہارے پاس آؤں گا اپنی بارک کے پچھلے دروازے پر تیار رہنا۔"

"اوکے!"

اگلی رات کو ٹھیک بارہ بجے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ بڑی سردی تھی۔ عنبر آہستہ سے اپنی بارک میں سے نکل کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

باہر برآمدے میں آگیا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے بارک کے کو میں ایک ڈھکا ہوا دھیما سا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی مد وہیں پڑ رہی تھی۔ دونوں جانب ایک ایک انگریز سپاہی پہرا دے رہا تھا۔ عنبر نے کالے رنگ کی سموری جیکٹ اور کالی پتلون پہن رکھی تھی۔ سر پہ کالی ٹوپی تھی۔ اندھیرے میں وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ چلتا وہ آگے بڑھا۔ کسی دوسرے راستے سے وہ نکل نہیں سکتا تھا۔

ہر حالت میں ہومر کی بارک کے پیچھے پہنچنے کے لئے ان پہرے داروں کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ عنبر ایک جگہ رک گیا۔ پہریدار ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے تھوڑی سی جگہ تھی جہاں اندھیرا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے لومڑی کی طرح زمین پر جھکے جھکے ان پہرے داروں کے عقب سے ہو کر نکل گیا۔ اب وہ ہومر کی بارک کے پیچھے آگیا تھا۔

ادھر ہومر بھی کالی جیکٹ اور پرانی سی براؤن پتلون پہنے بارک کے پچھلے دروازے کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہاں بھی اندھیرا تھا۔ عنبر نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ ہومر جلدی سے باہر نکل آیا۔ اندھیرے میں دونوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں ایک دوسرے سے ملیں۔ ایک مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے ہومر کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"گھبرانا نہیں نوجوان! بہادر بنے رہنا۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ وہ ہمیں ہر مصیبت سے نکال لے گا۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

قیدی کیمپ انہوں نے شام ہی کو ایک جگہ دیکھ رکھی تھی۔ عنبر اس جگہ سے باہر فرار ہونا چاہتا تھا۔ یہاں سے دیوار زیادہ بلند نہیں تھی۔ لیکن مصیبت صرف یہ تھی کہ یہاں دیوار کے اوپر ایک برجی میں چوکیداروں نے پہرہ لگا رکھا تھا۔ عنبر نے ہومر کو ساتھ لیا اور اس دیوار کے نیچے آگیا۔

"تم ایک طرف ہو کر انتظار کرو۔ جب تک میں اوپر سے اشارہ نہ کروں ہرگز باہر نہ نکلنا۔"

اتنا کہہ کر عنبر ایک طرف سے درخت پر چڑھ کر دیوار پر آگیا۔ وہ جنگلی چیتے کی طرح دیوار پر جھک کر چلتا ہوا مورچے کی برجی کے پاس آگیا۔ اس نے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر موم بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں تین انگریز سپاہی بیٹھے تھے۔ ایک اونگھ رہا تھا۔ باقی دو تاش کھیل رہے تھے۔ عنبر کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا اور کسی ترکیب پر غور کرتا رہا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اسے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے۔ وقت بہت کم تھا۔ رات بیت رہی تھی۔ عنبر نے جان بوجھ کر باہر پاؤں سے ایسا شور پیدا کیا جیسے کوئی چل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہا ہے۔ اس آواز پر برجی کے اندر پہرے دار سپاہی چونکے۔ ایک سپاہی رائفل تان کر اندھیرے میں آ کر دیکھنے لگا۔ عنبر ایک طرف چھپ گیا تھا۔ جونہی سپاہی اس کے قریب سے گزرا، عنبر نے بازو اس کی گردن میں ڈال کر اسے اتنے زور سے بھینچا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔

عنبر نے اسے ایک طرف ڈال دیا۔ مورچے میں جب انہوں نے دیکھا کہ باہر گیا ہوا سپاہی ابھی تک واپس نہیں آیا تو ایک سپاہی باہر نکلا۔ عنبر نے اسے بھی بے ہوش کر کے پھینک دیا۔ اسی طرح تیسرا سپاہی بھی بے ہوش کر دیا گیا۔ اب مورچہ خالی تھا۔ عنبر نے سیٹی بجا کر ہومر کو بلایا۔ ہومر اندھیری جھاڑیوں میں سے نکل کر دیوار کے نیچے آ گیا۔

”جلدی سے اوپر چڑھ آؤ۔ درخت کی شاخیں پکڑ کر جلدی کرو۔“

ہومر درخت کی شاخوں شاخوں سے ہوتا دیوار پر آ گیا۔ دوسری طرف ایک کھائی بنی تھی جس میں پانی تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ برجی کے پاس سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ وہ ان سیڑھیوں پر سے ہو کر نیچے اتر گئے۔ کھائی کے کنارے کنارے چلتے وہ دفعہ نکل گئے۔ یہاں گول روشنی کا دائرہ گھوم رہا تھا۔ یہ سرچ [illegible] تھی جو اوپر قیدی کیمپ کے مینار سے ڈالی جا رہی تھی

عنبر نے کہا۔

”اس روشنی سے خبردار رہنا۔ میرے ساتھ آؤ۔“

جب روشنی کا دائرہ دور چلا گیا تو عنبر نے ہومر کو ساتھ لے کر ایک جگہ سے کھائی عبور کر لی۔ اب وہ ایک اندھیری سڑک پر آ گئے۔ اس سڑک پر درختوں کا سایہ تھا اور بائیں طرف کو جنگل کی طرف گھوم گئی تھی۔ دونوں دور تک سڑک پر چلتے گئے۔ یہ سڑک چوڑی تھی۔ انہیں دور سے کسی ٹرک کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ یہ ٹرک فوجی تھا۔ وہ گزر گیا۔ اس کے بعد ایک جیپ آئی۔ وہ بھی گزر گئی۔ اس کے بعد پھر انہوں نے چلنا شروع کر دیا۔ ہومر نے عنبر کو بتلایا کہ وہ لندن کی سڑکوں سے واقف ہے۔ یہ سڑک لیور پول کو جاتی ہے۔ وہاں سے ہمیں کوئی کشتی مل جائے تو ہم فرانس بھاگ سکتے ہیں۔ عنبر نے کہا۔

”کشتی ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں فرانس کی بجائے کسی ہوائی جہاز میں سوار ہو کر سیدھا جرمنی جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرانس سے تو جرمن فوجیں بھاگ رہی ہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں بھوت ہوں

صبح ہوگئی۔

دن کے اجالے میں اب انہیں پکڑے جانے کا ڈر تھا۔ انہوں نے قیدیوں والے کپڑے پہن رکھے تھے جو دور سے پہچانے جاتے تھے۔ ہومر نے عنبر سے کہا۔

"اب سڑک پر چلنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیمپ میں ہمارے فرار کا پتہ چل گیا ہوگا۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں ہوں گے۔ یہ قیدیوں کی وردی ہمیں پکڑوا دے گی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔"

عنبر بولا۔

"ایسا کرتے ہیں جنگل میں جاکر چھپ جاتے ہیں میں قصبے میں جاکر کہیں سے دوسرے کپڑے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا۔"

ہومر جنگل میں ایک جگہ چھپ گیا۔ عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا قریب والے قصبے میں گیا۔ وہاں کھیتوں کے کنارے ایک مکان تھا جس کے صحن کے پیچھے والے حصے میں کچھ مردانہ کپڑے سکھانے کے لئے ڈال دیئے گئے تھے۔ عنبر نے وہ کپڑے اتارے اور واپس چلا آیا۔ جنگل میں ہی بیٹھ کر انہوں نے کپڑے تبدیل کرلئے اور لیورپول شہر کو جانے والی سڑک پر آگئے۔ صبح کی روشنی میں ہر شے صاف نظر آرہی تھی۔ کہیں کہیں بمباری سے کھیتوں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی سڑک پر سے فوجی گاڑیاں گزر جاتی تھیں۔

جب کوئی فوجی گاڑی گزرتی تو دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ہوجاتے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ ریلوے لائن پر آگئے۔ اب انہوں نے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ دس میل چلنے کے بعد ایک ریلوے سٹیشن آگیا۔ پلیٹ فارم پر فوجی اپنا سامان رکھے گاڑی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"یہاں ہمیں پہچانا جا سکتا ہے۔ ضرور کیمپ کے جاسوس ہماری تلاش میں یہاں موجود ہوں گے۔"

"تو پھر ہم کدھر جائیں؟"

"میرا خیال ہے ہمیں پلیٹ فارم کی دوسری طرف

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جاکر لیور پول جانے والی ٹرین کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے"

وہ پلیٹ فارم کی دوسری طرف آ گئے۔ یہاں فوجی پولیس کے آدمی نہیں تھے۔ اب انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ عنبر کے پاس کچھ روپے تھے۔ انہوں نے کونے میں ایک جگہ بیٹھ کر چائے اور ڈبل روٹی سے پیٹ کی آگ بجھائی اور ایک آدمی سے ٹرین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

"لیور پول جانے والی ٹرین ایک گھنٹے میں آئے گی۔"

عنبر باہر جاکر لیور پول کے دو ٹکٹ لے آیا۔ اب وہ ایک جگہ چھپ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔ خدا خدا کرکے ٹرین آکر پلیٹ فارم پر رک گئی۔ عنبر اور ہومر پلیٹ فارم کی دوسری طرف سے ٹرین کے ایک ڈبے میں سوار ہوگئے۔ کچھ فوجی بھی اس ڈبے میں آکر بیٹھ گئے۔ عنبر نے ہومر کو اشارہ کیا کہ ہوشیار رہے۔ ہومر نے منہ کھڑکی سے باہر کر لیا۔ عنبر نے بھی کھڑکی سے باہر منہ کر لیا۔ ٹرین کچھ دیر رکنے کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔

سارا دن ریل گاڑی چلتی رہی۔ راستے میں کسی جگہ تھوڑی دیر کو رکتی اور پھر روانہ ہو جاتی۔ اس دوران میں دو بار ٹکٹ چیک کرنے والا آیا اسے ہومر اور عنبر پر کوئی شک نہ ہوا۔ خدا خدا کرکے

ٹرین لیور پول کے سٹیشن میں داخل ہوئی۔ یہ بہت بڑا سٹیشن تھا۔ ہر پلیٹ فارم پہ فوجی بیٹھے گاڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری سواریوں کے ساتھ عنبر اور ہومر بھی سٹیشن سے باہر نکل آئے۔

شام ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"پہلے کھانا کھایا جائے"

انہوں نے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر ایک سستے سے ہوٹل میں کمرہ لیا نہا دھو کر تازہ دم ہوئے اور بندرگاہ کی طرف جائزہ لینے نکل گئے۔ وہاں سخت پہرہ لگا تھا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ بندرگاہ کے اندر قدم رکھ سکیں۔ انہوں نے دور سے کچھ جنگی جہازوں کو دیکھا۔

ہومر نے کہا۔

"یہ امریکی جنگی جہاز ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اتحادی فرانس کے ساحل سے کوئی زبردست حملہ کرنے تیاریاں کر رہے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایئر پورٹ پر جاکر قسمت آزمانی چاہیے"

ہومر ہنس کر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"مسٹر عنبر! تم عجیب باتیں کرتے ہو۔ بھلا ہم کسی ہوائی جہاز میں کیسے سوار ہو سکتے ہیں یہاں سے صرف فوجی جہاز فوجیوں کو لے کر ہی جاتے ہیں۔ ہم کیسے جا سکتے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں میری باتیں عجیب لگتی ہیں لیکن جب تم نے میرے کمال دیکھے تو پھر تمہیں یقین آئے گا۔ تم ایسا کرو کہ ہوٹل کے کمرے میں جاکر آرام کرو۔ میں اکیلا ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں"

ہومر ہوٹل میں چلا گیا۔ عنبر وہاں سے سیدھا فوجی ایئر پورٹ پر آگیا۔ یہاں بھی سخت پہرہ لگا تھا۔ عنبر نے ایک فوجی سے پوچھا۔

"بھائی میں بیکار ہوں۔ کیا یہاں کوئی کام مل سکتا ہے؟"

"تم کہاں سے آئے ہو؟ کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ ایک عرصے سے لندن شہر میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ اب وہاں کام نہیں رہا۔ یہاں آگیا ہوں۔ اگر کوئی کام مل جائے تو دو وقت کی روٹی تو مل جائے گی"

فوجی کو عنبر پر ترس آگیا۔ اس نے کہا۔

"کل صبح آنا۔ میں کوئی انتظام کردوں گا"

دوسرے دن عنبر کو فوجی ہوائی اڈے پر کام مل گیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جو ہیلی کاپٹر یا جہاز آکر رکتے ہیں ان کی صفائی وغیرہ کی جائے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر عنبر نے معلوم کرلیا کہ کون سا جہاز کس وقت جاتا ہے اور کون سا ہیلی کاپٹر کس جگہ پر رات کو کھڑا ہوتا ہے۔ پندرہ بیس دن کی نوکری کے بدلے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ ایک دن اس نے ہومر سے کہا۔

"آج رات میرے ساتھ چلنا"

"کہاں؟" ہومر نے پوچھا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ہم جرمنی جائیں گے"

"وہ کیسے؟"

"شی! تم سوال کرنے بند کردو۔ بس جیسے میں کہتا ہوں ویسے ہی کرتے جاؤ۔"

دوسرے دن آدھی رات کو عنبر نے ہومر کو ساتھ لیا اور ہوائی اڈے کے پیچھے سے ہوکر ایک جگہ سے اندر داخل ہوگیا۔ یہاں بڑے بڑے ہینگر بنے تھے جن کے اندر چھوٹے ہوائی جہاز رکھے ہوئے تھے۔ ایک خالی رنگ کا چھوٹا جہاز کونے میں کھڑا تھا۔ عنبر نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس جہاز میں دن کے وقت ہی کافی پٹرول وغیرہ بھر لیا ایک فوجی وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے ہومر سے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو۔ میں اشارہ کردوں تو آجانا"

عنبر اس فوجی کے پاس گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ فوجی نے پوچھا۔

"تم رات کے وقت ادھر کیا کر رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"آج میری ڈیوٹی رات کی لگی ہے۔"

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد موقع دیکھ کر عنبر نے پہرے دار فوجی کی گردن پر ایک مکا مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر سیٹی بجائی۔ ہومر بھاگ کر آگیا عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھ جہاز میں آجاؤ"

دونوں جہاز میں سوار ہو گئے۔ عنبر نے جہاز کا انجن چلا دیا اسے رن وے پر چلاتا ہوا اس مقام پر لے گیا جہاں سے پوری رفتار سے چلتا ہوا ہوا میں بلند ہو جاتا ہے۔ کنٹرول والوں نے وائرلیس پر پوچھا۔

"اس جہاز کو کون چلا رہا ہے؟"

عنبر ساری باتیں جانتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں راجہ ہوں! ہیلو میں فوجی دیکھ بھال کے لیے اڑنے والا ہوں۔ موسم کیسا ہے مجھے بتایا جائے۔ ہیلو! ہیلو؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو راجہ! موسم ٹھیک ہے۔ مگر تمہاری فلائیٹ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ایمرجنسی فلائٹ پر جا رہا ہوں۔"

"اوکے تم اڑ سکتے ہو۔"

کنٹرول والوں نے سوچا کہ کوئی اپنا فوجی افسر ہی ہوگا جو جہاز کو اڑانے والا ہے۔ کسی دوسرے آدمی کی اتنی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ عنبر نے انجن کو پوری طاقت سے کھول دیا۔ جہاز نے بڑی تیزی سے رن وے پر اترنا شروع کر دیا۔ ایک خاص جگہ پر جا کر جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔ فضا میں بلند ہوتے ہی ہومر نے اطمینان کا سانس لیا۔ عنبر نے کہا۔

"نقشہ نکال کر سامنے رکھ دو۔"

ہومر نے نقشہ نکال کر سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے نقشے کے مطابق جہاز کا رخ ایک طرف کو کر دیا۔ رات ہو گئی تھی۔ نیچے بلیک آؤٹ کی وجہ سے اندھیرا تھا۔ اب وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نقشے کے مطابق ہی آگے پرواز کر رہے تھے۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد وہ فرانس کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ فرانس پر اتحادیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور جرمن فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔ یہاں پیرس کے کنٹرول ٹاور نے اس سے پوچھا۔

"ہیلو! تم کون ہو اور کدھر جا رہے ہو۔"

عنبر نے وائرلیس پر کہا۔

"ہیلو راجہ! میں چھ سات آٹھ فلائیٹ پر ہوں۔"

یہ نمبر خفیہ ایئر فورس والوں کا تھا اور ان جہازوں کو اجازت تھی کہ وہ جس وقت چاہیں فضا میں اڑ سکتے تھے اور اپنے علاقوں سے بے روک ٹوک گزر سکتے تھے۔ مگر جب ان کا جہاز فرانس کی سرحد پار کر کے جرمنی یعنی دشمن کی سرحد میں داخل ہوا تو نیچے سے طیارہ شکن توپوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ عنبر جہاز کو اور اوپر لے گیا۔ گولیاں اندھیرے میں اس کے جہاز قریب سے گزر رہی تھیں۔

"جہاز کا رخ شمال مشرق کی طرف کر دو عنبر؟"

"خاموش بیٹھے رہو۔"

"شمال مشرق کی سمت ہمارا علاقہ شروع ہوتا ہے۔"

"میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔ تم فوراً پیرا شوٹ باندھ کر تیار ہو جاؤ۔"

عنبر نے بھی پیراشوٹ باندھ لیا۔ اب انہوں نے دیکھا کہ دو ہاز ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے راکٹ پھینکے۔ ایک کٹ عنبر کے بالکل سر کے اوپر سے ہو کر گزر گیا۔ ان کے پاس کوئی شین گن یا راکٹ گن نہیں تھی۔ ان کا جہاز بھی کمزور اور چھوٹا سا تھا۔ دونوں جہاز جرمن ایئر فورس کے لڑاکا ہوائی جہاز تھے۔ ہوں نے عنبر کے جہاز پہ گولیاں اور راکٹ برسانے شروع کر دیئے۔ ایک راکٹ جہاز کی دم میں لگا اور آگ کا شعلہ بھڑک ٹھا۔ عنبر نے چیخ کر کہا۔

"ہومر! چھلانگ لگا دو۔"

پہلے ہومر نے چھلانگ لگائی۔ اس کے بعد عنبر جہاز میں سے باہر فضا میں کود پڑا۔ ان کے پیرا شوٹ کھل گئے اور وہ ہوا میں تیرتے ہوئے نیچے کھیتوں میں آ کر گر پڑے۔ جلدی جلدی انہوں نے اپنے آپ کو پیراشوٹ کی رسیوں سے الگ کیا اور ایک رف، بھاگے۔ آگے انہیں دور شہر کی دھیمی روشنی ظر آئی۔ جو تھوڑی دیر بعد بجھ گئی۔ دونوں ایک جگہ رک کر سانس درست کرنے لگے۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہم کس مقام پر گرے ہیں؟"

ہومر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں سے ہمارا قصبہ کوئی دس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پندرہ میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ مگر ـــ مگر مجھے اپنے قصبے کی طرف آگ کے شعلے نظر آرہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"دس پندرہ میل کے فاصلے پر سے آگ کے شعلے کبھی نظر نہیں آسکتے۔"

"لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ادھر آگ لگی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"ادھر ضرور کوئی پٹرول کا ذخیرہ تباہ ہوا ہے۔"

ہومر بولا۔

"ہمیں رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکل جانا چاہیے"

"کیا تمہیں راستے کا علم ہے؟"

"ہاں! ایسے لگتا ہے کہ میں ان راستوں کو پہچانتا ہوں"

"تو پھر چلو۔"

ہومر نے عنبر کو ساتھ لیا اور وہ اندھیرے میں کھیتوں سے گزرتے ایک چھوٹے سے جنگل میں آگئے۔ یہاں سے نکلے تو پھر کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اب انہیں سامنے ایک بلند مینار نظر آیا جو رات کے اندھیرے میں ایک سائے کی طرح لگ رہا تھا۔

ہومر نے خوش ہوکر کہا۔

"یہ ہلال ٹاور ہے۔ یہاں سے دو میل دور میرا گاؤں ہے۔"

"بہت خوب۔ جلدی چلو۔ دن کی روشنی نکلنے سے پہلے پہلے ہمیں گاؤں پہنچ جانا چاہیے۔"

جوں جوں وہ گاؤں کے قریب آرہے تھے، انہیں توپوں کی آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ دور آسمان پر اندھیرے میں گولوں کی چمک بھی پڑ رہی تھی۔

ہومر نے کہا۔

"یہ ضرور روسی فوجوں کی گولہ باری ہے۔ روسی فوجیں ہمارے ملک میں کافی آگے آچکی ہیں۔ خدا کرے کہ میرے ماں باپ گھر پر ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"جلدی جلدی چلو۔"

گاؤں پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی۔ دن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا گاؤں بمباری کی وجہ سے تباہ ہوگیا ہے۔ مکان گرے پڑے ہیں۔ کہیں کہیں سے دھواں نکل رہا ہے۔ ان کا اپنا مکان گر چکا تھا۔ ہومر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"خدا جانے میرے ماں باپ اور بہن بھائی کدھر ہوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گے۔ زندہ بھی ہوں گے کہ نہیں۔

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”حوصلہ رکھو میرے بھائی! کسی شخص سے پوچھتے ہیں۔“

”مگر یہاں تو کوئی انسان نظر نہیں آ رہا۔“

انہوں نے گاؤں کے کھنڈروں میں چل پھر کر دیکھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی دکان کے پاس ایک بڈھا بیٹھا تھا۔ ہومر نے اسے پہچان لیا۔

”انکل! میں ہومر ہوں۔ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟“

انکل نے بوڑھی پلکیں اٹھا کر ہومر کو دیکھا۔ اسے پہچان لیا۔ پھر اداس آواز میں کہا۔

”سب کچھ ختم ہو گیا بیٹا ہومر!“

”کیا میرے ماں باپ ۔ ۔ ۔ ۔“

اس سے آگے ہومر نہ کہہ سکا۔ انکل نے کہا۔

”تمہارے ماں باپ مرنے سے بچ گئے ہیں مگر انہیں روسی لے گئے ہیں۔ وہ روس میں کہیں قیدی بن کر رہ رہے ہوں گے۔ روسی قید سے تو موت بہتر تھی۔“

ہومر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کے ماں باپ زندہ تھے۔

اس نے بہترا کریدا مگر انکل سوائے اس کے کچھ نہ بتا سکا کہ اس کے ماں باپ اور ایک بہن اور ایک بھائی کو روسی ایک ٹرک میں بٹھا کر پیچھے لے گئے تھے۔ ہومر نے انکل کا شکریہ ادا کیا اور عنبر سے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ لوگ میرے ماں باپ کو کہاں لے گئے ہوں گے؟“

عنبر نے کہا۔

”یہ تو کسی روسی فوجی سے ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان کا قیدی کیمپ کس جگہ پر ہے؟“

قصبے میں صرف انکل کا مکان بچ گیا تھا۔ انکل ان دونوں کو اپنے گھر لے گیا۔ وہاں انہوں نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کئے۔ کھانا کھایا اور سو گئے۔ سو کر اٹھے تو دوپہر گزر چکی تھی۔ اب انہوں نے تازہ دم ہو کر سوچنا شروع کر دیا کہ کیا کرنا چاہیے؟

عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تم اسی قصبے میں انکل کے پاس ٹھہرو میں تمہارے ماں باپ کی تلاش میں نکلتا ہوں۔“

ہومر بولا۔

”نہیں نہیں میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔“

عنبر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہومر ایسی باتیں نہ کرو۔ تم انکل کے پاس رہ کر میرا انتظار کرو۔ ہاں مجھے اپنے ماں باپ کی کوئی نشانی بتا دو۔ جس سے میں انہیں پہچان جاؤں کہ وہ تمہارے ماں باپ ہیں۔"

انکل نے کہا۔

"میرے پاس ان کی ایک تصویر ہے جس میں ہومر بھی کرسی پر بیٹھا ہے۔"

"ضرور لاؤیں وہ تصویر" عنبر نے کہا۔

انکل نے تصویر لا کر دکھائی اس میں ہومر کے ماں باپ اور ہومر بیٹھے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور بہت جلد میں تمہارے ماں باپ کا سراغ لگا کر بلکہ انہیں ساتھ لے کر کسی محفوظ جگہ پہنچا کر تمہارے پاس آؤں گا۔ تم اس جگہ سے کہیں مت جانا"

عنبر نے انکل سے اس علاقے کا سارا نقشہ معلوم کر لیا تھا۔ وہ سیدھا روسی فوجوں کی توپوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھی رات کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں روسی توپیں گولہ باری کر رہی تھیں۔ عنبر عام شہریوں کے لباس میں تھا اور سانولی رنگت کی وجہ سے انڈین لگتا تھا۔ اور انڈین فوج روسیوں کی حمایت میں لڑ رہی تھی۔ جب

وہ توپوں کے علاقے میں آیا تو اسے ایک سپاہی نے پستول دکھا کر پکڑ لیا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا۔

"میں انڈین فوجی ہوں اور راستہ بھول کر ادھر آن نکلا ہوں"

روسی نے کہا۔

"مگر انڈین فوج یورپ کے محاذ پر بالکل نہیں لڑ رہی۔"

یہ بات عنبر کے وہم گمان میں بھی نہیں تھی کہ انڈین فوج صرف شمالی افریقہ اور جاپان کے محاذ پر ہی لڑ رہی تھی۔ یورپ میں ایک بھی انڈین فوجی نہیں تھا۔ روسی سپاہی نے اسے اسی وقت گرفتار کر لیا اور ایک ٹرک میں بٹھا کر پیچھے بھجوا دیا۔ باقی آدھی رات ٹرک جرمنی کے کھیتوں اور سڑکوں میں چلتا رہا۔ یہاں سے عنبر نے اندازہ کیا کہ جرمن فوجیں کافی آگے بڑھ آئی تھیں۔ روسیوں نے عنبر کو بہت پیچھے روسی سرحد کے اندر ایک ویران سے علاقے میں جا کر ایک کیمپ میں قید کر دیا۔ اس کیمپ میں بہت تھوڑے قیدی تھے۔ عنبر بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ آسانی سے ہومر کے ماں باپ کا پتہ لگا سکے۔

عنبر کو ایک کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا جہاں کسی نے اس کی خبر نہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رات کو اسے صرف ایک سوکھی ڈبل روٹی اور تھوڑا سا پانی دیا گیا۔ دوسرے روز اس سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ عنبر ویسے اس میں سے کئی بار گزر چکا تھا۔ روسیوں نے عنبر کے بازو رسی سے کرسی کے پیچھے باندھ دیئے۔ وہ بار بار پوچھتے کہ تم کس کے لئے جاسوسی کر رہے ہو اور تمہارے ساتھی کہاں کہاں ہیں؟ عنبر بار بار یہی کہتا کہ وہ جاسوس نہیں ہے۔ مگر اس کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس کی قمیص اتار دی گئی اور ایک روسی نے جلتا ہوا سگریٹ لے کر عنبر کے سینے پر لگایا۔

عنبر بھی چاہتا تھا کہ ایسا کچھ ہو تاکہ اس کی طاقت ظاہر ہو جائے۔ روسی نے اپنی طرف سے یہ سوچ کر سگریٹ لگایا تھا کہ عنبر درد سے تڑپ اٹھے گا۔ مگر وہاں یہ ہوا کہ جونہی روسی نے جلتا ہوا سگریٹ عنبر کے ننگے جسم پر لگایا سگریٹ بجھ گیا اور عنبر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ روسی نے سگار سلگا کر عنبر کے جسم پر لگایا۔ سگار بھی بجھ گیا۔ دونوں روسی جھک کر عنبر کے جسم کو تکنے لگے۔

"کیا بات ہے؟ اس قیدی نے جسم پر مینڈک کی چربی تو نہیں ملی ہوئی۔ کیونکہ مینڈک کی چربی ملنے سے آگ جسم پہ اثر نہیں کرتی۔"

دوسرے روسی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ماچس جلا کر اس کے کان پر لگاؤ۔ ساری مینڈک کی

چربی پگھل جائے گی۔"

دوسرے روسی نے ماچس جلائی۔ اس کا شعلہ نکلا۔ عنبر چپ چاپ بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ روسی نے ماچس کا شعلہ عنبر کے کان کے نیچے رکھ دیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تڑپ کر چیخ مارتا مگر عنبر بڑے سکون سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس پر آگ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ ماچس ساری کی ساری جل کر بجھ گئی اور عنبر مسکراتا رہا۔ اب تو روسی بڑے حیران ہوئے کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ شخص تو کوئی بھوت معلوم ہوتا ہے کہ اس پر آگ کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

دونوں روسی اندر گئے۔ اب ان کے ساتھ ایک گنجا روسی ڈاکٹر بھی آ گیا۔ گنجے ڈاکٹر نے عنبر کے جسم کو چیک کیا اور بولا۔

"بالکل نارمل جسم ہے پھر اس پر آگ کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟"

عنبر نے روسی زبان میں کہا۔

"تم اگر مجھے دہکتی آگ میں بھی ڈال دو گے تو میں زندہ باہر نکل آؤں گا۔"

تینوں روسی چونکے۔

"تم روسی زبان جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں دنیا کی ساری زبانیں جانتا ہوں۔ میں وہ زبان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھی جانتا ہوں جس زبان میں پرندے آپس میں باتیں کرتے ہیں۔"

روسی ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر بگنجے ڈاکٹر نے عنبر کے جسم میں سے ایک سرنج کے ذریعے خون نکالنا چاہا مگر سرنج ٹوٹ گیا سوئی اس کے بدن میں داخل نہیں ہو رہی تھی۔ روسی ڈاکٹر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے دوسری بار سوئی داخل کرنے کی کوشش کی۔ اس بار بھی سوئی ٹوٹ کر گر پڑی۔ عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں مجھ پر چاقو خنجر اور گولی تک اثر نہیں کرتی یہ چھوٹی سی سوئی کیا کرے گی بھلا۔"

روسی ڈاکٹر نے عنبر کو گھور کر تکتے ہوئے کہا۔

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

عنبر نے بھی ڈاکٹر کو گھور کر تکتے ہوئے کہا۔

"میں بھوت ہوں۔"

اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اور ذرا سا جھٹکا لگا کر اس نے اپنے ہاتھوں کی رسی توڑ ڈالی۔ روسی پرے ہٹ گئے۔ ایک نے پستول نکال کر عنبر پر فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے بازو سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر نے زمین پر سے گولی اٹھا کر روسی سے کہا۔

"اسے سنبھال کر رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گی۔"

○

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

باغی ملاح

روسی تو دنگ ہو کر رہ گئے۔

انہوں نے ساری زندگی ایسا انسان نہیں دیکھا تھا جو مر نہ سکے جس پہ کوئی آگ اثر نہ کرے۔ اسی وقت اوپر اطلاع کی گئی۔ ایک روسی جنرل نے عنبر کو طلب کیا اور کہا۔

"اگر تم ٹینک لے کر آگے آگے بڑھو تو کیا تم دشمن کے گولوں میں زندہ رہ سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"بالکل زندہ رہوں گا۔ مگر گولے لگنے سے ٹینک تباہ ہو جائے گا۔ اسے تباہ ہونے سے نہ بچا سکوں گا۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

جنرل نے اسی روز میٹنگ کی اور فیصلہ کیا کہ عنبر کو اس خلائی جہاز میں بھیجا جائے جو روسی زمین کے گرد چھوڑنے والے تھے۔ انہوں نے عنبر سے کہا۔

"میری صرف ایک شرط ہے۔"

"کونسی شرط ہے؟ بتاؤ۔"

عنبر نے ہومر کے ماں باپ کی تصویر دکھا کر کہا کہ ان لوگوں کو فوراً رہا کر کے جرمنی میں ان کے گھر پہنچایا جائے۔ روسی جنرل نے تصویر دیکھ کر حکم دیا کہ ان قیدیوں کو فوراً رہا کر کے ان کے گھر پہنچایا جائے۔ اسی وقت ہومر کے ماں باپ کو رہا کر دیا گیا۔ عنبر ان سے ملا اور ہومر کے بارے میں بتایا کہ وہ انکل کے گھر میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔ ہومر کے ماں باپ بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا اور ایک ٹرک میں بیٹھ کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

جنگ ختم ہو رہی تھی۔ جرمنی ہار گیا تھا۔ روسی فوجیں برلن میں داخل ہو چکی تھیں۔ ایک مہینے بعد روسیوں نے ایک خلائی جہاز سپوتنک خلا میں چھوڑنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس میں انہوں نے عنبر کو خلائی لباس پہنا کر بٹھا دیا۔ اسے کہا گیا تھا کہ وہ خلا میں جا کر انہیں زمین پر ضروری معلومات روانہ کرے۔ عنبر بے بس ہو گیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو وہاں سے نکل کر بھاگ سکتا تھا۔ مگر پھر بڑی تباہی ہوتی۔ کئی بے گناہ لوگ مارے جاتے۔ یہ بات عنبر کو گوارا نہیں تھی۔ پس اس نے خلائی جہاز میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

عنبر نے سوچا کہ وہ خلائی جہاز میں بیٹھ کر ناگ اور ماریا کا بھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پتہ چلا سے گا کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔ کیونکہ خلائی جہاز کے اندر ایک ایسی دوربین لگی تھی جس میں سے زمین کی ایک ایک شے نظر آ جاتی تھی۔ عنبر کو خاموشی سے ایک خاص ہوائی جہاز میں سوار کروا کر روس کے علاقے سائبیریا کے ایک خاص ہیلی پیڈ پر لے جایا گیا۔ یہاں اسے لیبارٹری کے خفیہ کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ روس والے نہیں چاہتے تھے کہ دوسرے ملک کے جاسوسوں کو یہ پتہ چلے کہ وہ خلا میں ایک ایسے نوجوان کو بھیج رہے ہیں جس پر آگ وغیرہ کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔ ایک ہفتے تک عنبر کو خاص ٹریننگ دی جاتی رہی۔ عنبر بہت جلد سب کچھ سیکھ گیا۔ دوسرے ہفتے اس کو خلا میں گھومنے پھرنے کی مشق کرائی گئی۔ تیسرے ہفتے رات بارہ بجے اسے خلائی لباس پہنا کر خاص گاڑی میں بٹھا کر اس مقام پر لایا گیا جہاں اسے راکٹ کے اوپر لگے ہوئے خلائی جہاز میں سوار کرانا تھا۔

یہ راکٹ جس کا نام سپوتنگ تھا ایک دریا کے کنارے بہت بڑے ہیلی پیڈ پر کھڑا تھا اور اس کے اوپر ایک خلائی جہاز رکھا ہوا تھا۔ الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی اور جس وقت عنبر کی خفیہ گاڑی وہاں آ کر رکی اس وقت چھ سو پچاس تک گنتی پہنچ چکی تھی۔ عنبر کو ایک خاص کمرے میں لے جا کر آخری چیکنگ کی

ئی۔ اس کا وزن کیا گیا اور پھر اسے ایک لفٹ میں سوار
ر دیا گیا۔ یہ لفٹ بٹن دبانے سے اوپر روانہ ہو گئی۔ راکٹ کے
نچ کر لفٹ خلائی جہاز کے دروازے پر جا کر رک گئی۔ عنبر لفٹ
یں سے نکل کر خلائی جہاز میں داخل ہو گیا۔ اس جہاز میں بے شمار
ب لگے تھے۔ عنبر کو جہاز کی کرسی پر بٹھا دیا گیا اور اس کی
باندھ دی گئی۔

فٹ نیچے چلی گئی۔ راکٹ اوپر اٹھنے کے لئے تیار تھا۔ ہر
کٹ سے کافی دور کر دی گئی۔ گنتی چالیس تک آ گئی۔
ام سائنس دان اور ڈاکٹر لیبارٹری میں ٹیلی ویژن کی بڑی سکرین
ے آگے بیٹھ گئے اور غور سے راکٹ کو دیکھنے لگے۔ راکٹ کے
نے میں اب صرف چند سیکنڈ ہی باقی رہ گئے تھے۔ گنتی اب اونچی
ز میں لاؤڈ سپیکر پر بھی سنائی دینے لگی۔

یارہ — دس — نو — آٹھ — سات
چھ — پانچ — چار — تین — دو۔

ر جب سپیکر پر ایک، کی آواز گونجی تو اس کے ساتھ ہی
ٹ کے ایندھن کو آگ لگ گئی۔ اس کے نیچے سے نارنجی
ر سبز رنگ کا آتشیں لاوے کا ایسا شعلہ نکلا جو زبردست
ں میں تبدیل ہو گیا۔ خوفناک شور بلند ہوا اور راکٹ نے اپنے
کو اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ ٹی وی سکرین پر روسی سائنس دان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بڑے غور سے راکٹ کو خلائی جہاز کے ساتھ اوپر اٹھتا دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوشی اور مسرت کے جذبات تھے۔

راکٹ زبردست شعلہ پیچھے چھوڑتا اوپر ہی اوپر رات کی تاریکی میں اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ اس شعلے کی وجہ سے وہاں رات میں بھی دن کی روشنی پھیل گئی۔ عنبر کو خلائی جہاز کے اوپر اٹھتے ہی ایک زبردست دھچکا سا لگا۔ وہ بھی سکرین پر زمین کو دیکھ رہا تھا۔ راکٹ کے اوپر اٹھتے ہی زمین کی عمارتیں اوجھل ہونے لگی تھیں۔ نیچے سے وائرلیس پر آوازیں آنے لگی تھیں۔

"ہیلو نمبر سیون! ہیلو نمبر سیون! کیا تم ٹھیک ہو؟ کیا ساری مشینیں ٹھیک کام کر رہی ہیں؟"

عنبر کا خلائی نام نمبر سیون رکھا گیا تھا۔ عنبر نے جواب دیا۔

"ہیلو سپوتنک مشن! نمبر سیون بول رہا ہوں۔ ہر شے بالکل ٹھیک ٹھاک کام کر رہی ہے۔"

"کیا تمہیں چکر تو نہیں محسوس ہو رہے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تم چودہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر اٹھ رہے ہو نمبر سیون! یہ رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔ اب تم بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر جا رہے ہو۔"

"یس سپوتنک مشن! میں سوئیوں پر اپنی رفتار کو پڑھ

رہا ہوں۔ میٹر تیس میل کی بلندی ظاہر کر رہا ہے۔"

"ہیلو سیون! تم اس وقت زمین سے پچاس میل اوپر جا چکے ہو۔"

"یس سپوتنک مشن!"

"نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے نوے میل کی بلندی پر جا چکے ہو اور تمہاری رفتار بائیس ہزار میل فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔"

"یس!"

"کیا تم اپنے آپ کو ٹھیک محسوس کر رہے ہو؟"

"بالکل ٹھیک محسوس کر رہا ہوں۔"

"نمبر سیون! تمہاری رفتار اس وقت پندرہ ہزار میل فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔ تم خلا کے قریب پہنچ رہے ہو، اس لئے تمہاری رفتار کم ہو گئی ہے۔ تمہارا آخری راکٹ اب جل رہا ہے۔ یہ راکٹ جلنے کے بعد تمہیں اچھال کر خلا میں پھینک دے گا۔"

"اوکے سپوتنک مشن۔"

"نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے ایک سو بیس میل کے فاصلے پر ہو اور تمہاری رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ کر دی گئی ہے کیونکہ یہاں زمین کی کشش بے حد

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کم ہو گئی ہے۔"

"یس۔ یس۔ اوکے۔"

" نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر آ چکے ہو۔ تم اب خلا میں داخل ہونے والے ہو۔ ہر ایک شے چیک کرو۔"

عنبر سکرین میں سے نیچے زمین کا نظارہ کر رہا تھا۔ وہ جس وقت زمین سے چلا تھا وہاں آدھی رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اب اسے زمین ایک بہت بڑے گولے کی شکل میں نظر آ رہی تھی جس کا آدھا حصہ سیاہ اور اندھیرا تھا اور دوسرا آدھا حصہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ زمین کا آدھا حصہ وہ ہے جہاں اس وقت رات ہے اور دوسرا آدھا حصہ وہ ہے جہاں اس وقت دن ہے اور سورج چمک رہا ہے۔ ستارے زمین پر اسے جھلمل جھلمل کرتے نظر آتے تھے۔ یہاں بجلی کے بلب بن کر چمک رہے تھے جو جھلملا نہیں رہے تھے۔ کیونکہ وہ زمین کی ذرات والی فضا سے اوپر آ چکا تھا۔ آسمان جو زمین پر نیلا دکھائی دیتا تھا یہاں بالکل سیاہ نظر آ رہا تھا۔

" ہیلو نمبر سیون! تم خلا میں جانے والے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر کو ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے کرسی سمیت پکڑ کر اوپر کو اچھال دیا ہو۔ یہ راکٹ کی بڑی کوشش تھی۔ راکٹ اب اس سے الگ ہو چکا تھا اور ھم کا خلائی جہاز سپوتنک اب خلا میں آ گیا تھا اور اس نے زمین کے گرد گردش کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ڈیڑھ سو میل کی بلندی پر سے زمین کے اوپر سے گزرنے لگا تھا۔ زمین پر اسے ہر شے دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاں دن تھا وہاں کی ہر شے رنگدار یعنی بھوری نیلی اور سفید نظر آ رہی تھی۔ جب وہ رات والے حصے سے نکل آسمان کے دن والے حصے میں داخل ہونے لگا تو آسمان پر نارنجی نیلی زرد اور سرخ روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

" ہیلو سپوتنک مشن! آسمان پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے ہیں۔"

" نمبر سیون! تمہارے جہاز کا کیمرہ رنگین تصویریں ہمیں بھیج رہا ہے۔ ہم تمہیں بھی دیکھ رہے ہیں اور آسمان کے رنگ بھی دیکھ رہے ہیں۔ ایک بار پھر اپنی مشین چیک کرو اور ہمیں رپورٹ دو۔"

عنبر نے ساری مشینیں چیک کیں۔ ہر شے ٹھیک کام کر رہی تھی۔ اس نے نیچے گراؤنڈ مشن کو رپورٹ کر دی۔ انہوں نے پوچھا۔

" تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

" بالکل ٹھیک ٹھاک محسوس کر رہا ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیا تمہارا سر تو نہیں چکرا رہا؟"

"بالکل نہیں۔ میں بڑے مزے میں ہوں۔"

"کیمرہ نمبر چھ اور راڈار نمبر آٹھ کا رخ ۵۰ ڈگری زاویہ کی طرف کر دو۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ امریکہ کی ایٹمی آبدوز سمندر کے کس حصے میں سفر کر رہی ہے۔"

عنبر نے کیمرے اور راڈار کا رخ خاص زاویے پر کر دیا۔ امریکہ نے ایک زبردست ایٹمی آبدوز بنائی تھی جو سمندر کے نیچے بڑی گہرائی میں کئی روز تک سفر کر سکتی تھی۔ روس کو امریکہ کی طرف سے خطرہ تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ امریکی آبدوز کس سمندر میں سفر کر رہی ہے۔ راڈار نے فوراً گراؤنڈ مشن والے روسیوں کو بتا دیا کہ امریکہ کی ایٹمی آبدوز بحرالکاہل کے سمندر میں کافی گہرائی میں جنوب مشرق کی طرف جا رہی ہے۔

خلائی جہاز کے راڈار نے روسیوں کو ایٹمی آبدوز کا پورا علاقہ بتا دیا۔ روسی بڑے خوش ہوئے۔ سارا دن خلائی جہاز [illegible] کر زمین کے گرد چکر لگاتا رہا۔ اس نے ابھی چھ روز تک خلا میں رہنا تھا۔ عنبر نے تیسرے دن ایک خاص کیمرہ اٹھا اس کی شعاع زمین پر ڈالی اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ ما اور ناگ کس جگہ پر ہیں۔ اس کیمرے کے ذریعے ایک سکرین پر زمین کی ہر شے صاف صاف نظر آنے لگی تھی۔ جس طرح کہ

ٹیلی ویژن پر تصویریں نظر آتی ہیں۔ خلائی جہاز اس وقت آسٹریلیا کے اوپر سے گزر رہا تھا۔

عنبر نے آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں لوگوں کو سڑکوں پر چلتے پھرتے دیکھا۔ اب سمندر آ گیا اور پھر خلائی جہاز کی سکرین پر برما اور ہندوستان کے شہروں کی تصویریں آ گئیں۔ عنبر نے سوچا کہ اگر تو ماریا سڑک پر ہوئی تو وہ اسے ضرور دیکھ لے گا۔ اگر کسی ہوٹل یا عمارت کے اندر ہوئی تو پھر وہ اسے نظر نہ آ سکے گی۔ عنبر نے کیمرے کا رخ اور نیچے کر دیا۔ اب خلائی جہاز ہندوستان کے شہروں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ دہلی، متھرا، جھانسی، گوالیار، اندور، جل گاؤں، ناسک، پونا اور پھر بمبئی شہر آ گیا۔ عنبر نے ماریا سے کہا تھا کہ وہ بمبئی کے تاج ہوٹل میں اس کا انتظار کرے۔ شاید ماریا اسی ہوٹل میں ہوگی۔

خلائی جہاز بمبئی کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ نیچے سمندر کے کنارے کنارے بمبئی کے مشہور علاقے میرین ڈرائیو کی اونچی عمارتیں کھڑی تھیں۔ خلائی جہاز نے اب اسے بمبئی کا تاج ہوٹل دکھایا۔ عنبر نے غور سے دیکھا۔ تاج ہوٹل کے باہر دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ عنبر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماریا کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اب اس کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

خلائی جہاز بمبئی کے ساحل کو پیچھے چھوڑ کر بحیرہ عرب میں داخل ہو رہا تھا۔ یعنی ہندوستان کا ساحل پیچھے رہ گیا تھا۔ اچانک عنبر نے دیکھا کہ ایک کشتی پر ماریا کی شعاعیں ابھر رہی ہیں۔

عنبر کو معلوم تھا کہ وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتا مگر خلائی جہاز میں جو زبردست کیمرہ لگا تھا اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ نظر نہ آنے والی شے کی شعاعیں اوپر پھینک دیتا تھا۔ عنبر نے ماریا کا عکس دیکھا۔ بالکل سفید کرنوں کا ایک خاکہ سا بنا ہوا تھا جو ہو بہو ماریا سے ملتا تھا۔ یہ ماریا تھی جو کشتی میں سوار سمندر کی سیر کر رہی تھی۔ عنبر نے سکرین پر دیکھا کہ کشتی میں دوسرے مسافر بھی تھے۔ خدا جانے ماریا کیا سوچ رہی تھی اور کہاں جا رہی تھی؟ کاش وہ عنبر کا سگنل سن سکتی!

خلائی جہاز ماریا کے اوپر سے گزر گیا۔ نیچے سے عنبر کا خلائی جہاز بالکل ایک ستارہ دکھائی دیتا تھا جو آہستہ آہستہ آسمان پر آگے جا رہا تھا۔ ماریا نے ستارے کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ نیچے سے روسیوں نے کہا۔

"ہیلو نمبر سیون! تم کدھر کھو گئے ہو! کیا دیکھ رہے ہو! کیا تم ہماری آواز سن رہے ہو؟"

"یس! سن رہا ہوں۔"

"ہم کب سے تمہیں بلا رہے ہیں۔"

اپنے خیال میں لگا تھا۔ ادھر روسی زمین پر سے اسے کئی بار سگنل دے کر بلا چکے تھے۔ عنبر نے نیچے اطلاع دی کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور خلائی جہاز کا ایک ایک پرزہ ٹھیک کام کر رہا ہے۔ روسیوں نے کہا۔

"ابھی تمہیں چار روز تک اسی طرح زمین کے گرد چکر لگانے ہیں۔ کیا تم بور تو نہیں ہو گئے ہو؟"

"بالکل نہیں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خوش باش ہوں۔"

"شاباش!"

ادھر عنبر خلائی جہاز میں زمین کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ ادھر ماریا اسے بمبئی میں تلاش کرتے کرتے تنگ آ گئی تھی۔ جس وقت عنبر کا خلائی جہاز اس کے سر کے اوپر سے گزرا تھا تو وہ بور ہو کر کشتی میں سمندر کی سیر کرنے نکلی تھی۔ اسے ٹکٹ لینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بس ایک کشتی میں دوسرے مسافروں کے ساتھ سوار ہو گئی اور کشتی سمندر میں سیر کرانے لگی۔ بمبئی کا سمندر پُر سکون اور نیلا نیلا تھا۔ اچانک ایسا ہوا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ لہروں میں بھی جوش آ گیا۔ مانجھی نے کشتی کا رخ ساحل کی طرف پھیر دیا۔ مگر سمندر میں طوفان آ چکا تھا۔ اور کشتی ڈوبنے لگی۔

مسافروں نے چلانا شروع کر دیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مانجھی نے بڑی کوشش کی کہ وہ کشتی کو سنبھالے مگر کشتی نہ سنبھالی گئی۔ کشتی الٹ گئی اور ماریا بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ سمندر میں گر پڑی۔ خدا جانے دوسرے مسافروں پر کیا گزری۔ مگر ماریا سمندر کے نیچے سے اوپر ابھر آئی۔ طوفان میں سمندر کی لہریں اسے اٹھا کر دور سے دور لے جا رہی تھیں۔ ماریا سمندر میں بہتی بہتی بہت دور نکل گئی تھی۔ وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی جس کی وجہ سے اگر وہاں کوئی ہوتا بھی تو اسے بچا نہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ نظر آتی تو کوئی اسے سمندر سے باہر نکالتا۔ اس اثنا میں عنبر کا خلائی جہاز زمین کا ایک چکر پورا کر کے ایک بار پھر ہندوستان کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ عنبر نے پھر غور سے زمین کو دیکھا۔ زمین پر ماریا نہیں تھی۔

جونہی وہ سمندر کے اوپر سے گزرا اس کے راڈار نے سکرین پر ماریا کی تصویر شعاعوں میں بنا کر پیش کر دی۔ عنبر نے دیکھا کہ ماریا کی شعاعیں سمندر میں تیر رہی ہیں اور ایک بہت بڑی شارک اس کے گوشت کی بو پا کر اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ عنبر ایک دم ہوشیار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ طوفان میں کشتی الٹ گئی ہو گی۔ اس نے ماریا کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک خونخوار شارک اپنا منہ کھولے اس کی طرف آتی ہے اور پھر قریب سے ہو کر گزر جاتی ہے۔ شارک ماریا دیکھ تو نہیں سکتی تھی مگر اسے ماریا کے جسم کی بو اس کی طرف کھینچے لئے جاتی تھی اور وہ اس کے قریب سے ہو کر نکل جاتی تھی۔ ماریا پریشان تھی کہ خدا جانے کب یہ شارک مچھلی اسے ہڑپ

عنبر بھی خلائی جہاز میں شارک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی تباہ کن شعاعی گن کا رخ شارک کی طرف کر دیا۔ نشانہ باندھ کر اس نے ایک انچ کے ہزارویں حصے کے ذریعے اسے کمپیوٹر پر درست کیا اور پھر ایٹم کے بٹن دبا دیا۔ خلائی جہاز کے نیچے سے سرخ رنگ کی ایک شعاع نکلی جو بجلی ایسی تیزی کے ساتھ نیچے سمندر میں گئی اور شارک پر گرتے ہی ایک دھماکے کے ساتھ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر دیا۔

ماریا نے شارک پر بجلی گرتے اور اسے تباہ ہوتے دیکھا تو بڑی خوش ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ آسمان پر بادل بھی نہیں ہیں پھر یہ بجلی کہاں سے گر پڑی! عنبر اس بات سے خوش ہوا کہ ماریا کی جان بچ گئی۔ مگر وہ ماریا کو سمندر سے بچانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ماریا سے اتنی دور تھا کہ اپنی خواہش کے باوجود اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

یہی سوچتے سوچتے اس کا خلائی جہاز ماریا کے اوپر سے گزر گیا۔ ماریا نے بھی آسمان پر ایک ستارے کو گزرتے دیکھا تو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بڑی حیران ہوئی کہ یہ دن کے وقت کونسا ستارہ آسمان پ چکر لگا رہا ہے؟ مگر وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔ ستارہ اس کی آنکھو سے اوجھل ہو چکا تھا۔

ماریا سمندر میں بہتی چلی جا رہی تھی۔ سمندر میں اسے بہتے بہتے د دن دو راتیں ہو گئیں۔ ایک روز اس نے سمندر کی لہروں کے او سفید مرغابیوں کو اڑتے دیکھا۔ اس نے سوچا کہ ضرور زمین آ ہے۔ ماریا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک جہاز سمن میں لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ ماریا نے جہاز کی طرف تیرنا شروع کر د

یہ جہاز ایک جاپانی جنگی جہاز تھا۔ جو شکست کا سن کر سمندر میں اسی جگہ لنگر ڈال کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جاپان کو جنگ میں شکست ہو چکی تھی۔ اس جہاز کے کپتان نے سوچا کہ اب واپس جاپان جان کا مطلب یہ ہوگا کہ امریکی اسے گرفتار کر لیں گے تو پھر کیوں نہ کچھ روز سمندر میں ہی بسر کئے جائیں۔ یہ سوچ کر سمندر میں ہی اس نے اپنے جہاز کو روک دیا۔ جہاز کا سارا عملہ جاپانیوں کا تھا۔ ماریا تیرتے تیرتے جہاز کے پاس آ گئی۔ اس وقت جہاز پر دس کا جاپانی باورچی کھڑا سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ سے سمندر میں پانی اچھل رہا ہے اور یہ اچھلتا ہوا ان اس کے جہاز کی طرف بڑھ رہا ہے۔

یہ ماریا سمندر میں تیرتی ہوئی جہاز کی طرف آ رہی تھی۔

دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لہریں اچھل اچھل رہی ہیں۔ سوچا کہ ضرور یہاں سمندر میں مچھلیاں اچھل کود ہیں۔ جہاز کے پاس آ کر لہروں کی اچھل کود ختم ہو گئی۔ ڈا سہارا لے کر رک گئی۔ اب وہ لنگر کے ذریعے جہاز کے آ گئی۔ وہ سخت تھک گئی تھی۔ عرشے پر آتے ہی وہ گئی اور دیر تک اسی جگہ پڑی آرام کرتی رہی۔ جب تازہ دم ہوئی تو اٹھ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک جاپانی جہاز پر توپیں لگی ہیں۔

کے کپڑے گیلے بھی ہو گئے تھے اور جگہ جگہ سے پھٹ ۔ وہ جہاز کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ یہاں اس نے میں کسی عورت کی آواز سنی جو بچے کو بلا رہی تھی۔ یہ کپتان کی بیوی کا کیبن تھا۔ ماریا دروازے میں سے ر کیبن میں آ گئی۔ کیبن بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ لباس سب سے پہلے کپڑے تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سامنے الماریوں میں جاپانی عورت کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ آرام سے آگے بڑھ کر ایک جوڑا نکالا اور غسل خانے لباس تبدیل کر لیا۔ باہر نکل کر وہ جہاز کے باورچی خانے کھانے پینے کو آ گئی۔ یہاں اس نے دیکھا کہ سانپ اور سے نکلے جا رہے تھے۔ ماریا نے منہ دوسری طرف

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر لیا اور باورچی خانے سے باہر آ گئی۔ وہ واپس جہاز کے کپتان کی بیوی کے کمرے میں آ گئی۔ یہاں ایک الماری میں بسکٹ وغیرہ رکھے تھے اور دودھ بھی گلاس میں پڑا تھا۔ ماریا نے بڑے سکون سے دودھ اٹھا کر پی لیا اور خالی گلاس میز پر رکھ دیا۔ یہ دودھ کپتان کی بیوی نے اپنے بچے کے لئے رکھا تھا جو قریب ہی فرش پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔

کپتان کی بیوی نے جب خالی گلاس دیکھا تو بچے کو کہا۔

"دودھ تم نے پی لیا؟ شاباش!"

بچے نے کہا۔

"مما! میں نے نہیں پیا۔"

"تو پھر کس نے پیا ہے بیٹے؟ گلاس تو خالی ہے۔"

"مما! مجھے نہیں معلوم۔"

کپتان کی بیوی کچھ حیران ضرور ہوئی لیکن پھر سوچا کہ بچہ بھول گیا ہوگا۔ ماریا نے جی بھر کر بسکٹ کھائے۔ اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ ڈیک پر آ کر لیٹ گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو رات گہری ہو گئی تھی۔ اور نیچے جہاز کے کیبن سے بھنے ہوئے گوشت کی گرم گرم خوشبو آ رہی تھی۔ ماریا کو سخت بھوک محسوس ہوئی۔ وہ نیچے آ گئی۔ جہاز کے باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر بڑی میز پر بھنے ہوئے گوشت کا تھال رکھا تھا اور ساتھ

بے ہوئے چاول بھی رکھے تھے۔ ماریا نے ایک خالی پلیٹ میں ابلے ہوئے چاول ڈالے اس کے اوپر گوشت کی عمدہ قسم کی بوٹیاں رکھیں اور کونے والی کرسی پر پالتی ر کر بیٹھ گئی اور مزے مزے سے کھانا شروع کر دیا۔

وب سیر ہو کر کھانے کے بعد ماریا نے جہاز کا ایک چکر ا۔ وہ سونے کے لئے کوئی اچھی سی جگہ تلاش کر رہی تھی۔ ریب ایک خالی کیبن مل گیا۔ یہاں لوہے کا ایک پلنگ رکھا س پر گھاس پڑا تھا۔ ماریا اس پر لیٹ گئی اور تھوڑی عد اسے گہری نیند آ گئی۔

ن جہاز کا جاپانی کپتان بڑا نیک دل انسان تھا۔ وہ جنگ ف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جنگ سے دور ایک پرامن جا کر لنگر انداز ہو گیا تھا۔ اب تو ویسے بھی جاپان جنگ ہار ۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں کوئی امریکی یا برطانوی جہاز لہ نہ کر دے۔ اس نے جاپان کے امریکی فوجی افسروں سے قائم نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی بیس پچیس ملاح پانی کپتان کا خیال تھا کہ کسی گمنام سے جزیرے پر اپنی باقی زندگی گزار دے گا اور پھر کبھی شہروں کا رخ یں کرے گا جہاں انسان ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ یکن ملاحوں میں ایک بدمعاش ملاح ملا کا نام کا تھا۔ وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جاپانی کپتان کو قتل کر کے اس کے جہاز پر قبضہ کر کے خود کپتان بننا چاہتا تھا۔ اس نے سکیم بنا رکھی تھی کہ رات کو جاپانی کپتان، اس کی بیوی اور بچی کو ہلاک کر کے جہاز پہ اپنے کپتان ہونے کا اعلان کر دے گا۔ اتفاق سے جس کیبن میں ماریا گھاس کے بستر پہ سو رہی تھی اسی کیبن میں آدھی رات کو بدمعاش ملاح نے میٹنگ رکھی تھی۔ ماریا بڑے سکون سے سو رہی تھی۔

جب رات آدھی گزر گئی تو آہٹ ہوئی۔ ماریا نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ ماریا کو فوراً خیال آیا کہ شاید یہ لوگ پلنگ پر نہ بیٹھیں وہ جلدی سے اٹھ کر پرے ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ یہ کون لوگ ہیں اور اندر کیا کرنے آتے ہیں۔

یہ کل چار ملاح تھے۔ ان کا سردار وہی بدمعاش تھا جس کے گال پر چاقو کے لمبے زخم کا نشان تھا۔ اس کا نام ملاکا تھا۔ سب اندر آ گئے تو ملاکا نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پلنگ پر بیٹھ کر بولا۔

"کل رات ہماری سنہری رات ہو گی۔ کل رات ہم کپتان اور اس کی بیوی بچی کو قتل کر کے جہاز پر قبضہ کر لیں گے۔ کپتان کے وفادار ملاحوں کو رائفل کی نوک پر قابو میں کر لیا جائے گا۔ اگر کسی نے بغاوت کرنے

ی کوشش کی تو اسے اسی وقت گولی مار دی جائے گی۔ سمجھ گئے۔"

"بالکل سردار۔"

ے بعد وہ اپنی سکیم پر غور کرتے رہے۔ ماریا کے لئے یہ شکل بات نہیں تھی کہ یہ لوگ باغی ہیں۔ جہاز کے کپتان اور اس کے خاندان کو مار کر جہاز پہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں ر کوئی دوسرا کپتان ہوتا تو ماریا کوئی پروا نہ کرتی اور بڑے ے ان لوگوں کے جانے کے بعد سو جاتی۔ لیکن جاپانی بوڑھا نیک دل انسان تھا اور ماریا کو وہ بڑا اچھا لگتا تھا۔ ت یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ یہ بدمعاش باغی نہ صرف جاپانی کپتان الیں بلکہ اس کی پیاری بیوی اور پھول ایسی معصوم بچی کو وت کے گھاٹ اتار دیں۔

ماریا کو ان باغیوں پہ بڑا غصہ آیا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کہ وہ ان لوگوں کو مزہ چکھائے گی۔ پہلے تو اس نے سوچا ر جاپانی کپتان کو بغاوت سے خبردار کر دے۔ پھر خیال آیا کہ کپتان کو کس طرح جا کر کہے گی۔ وہ تو اسے دیکھ ہی نہیں

"نہیں نہیں۔ سارا کچھ مجھے ہی کرنا ہو گا۔ میں خود ن بدمعاشوں سے نمٹ لوں گی۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ملیا یہ سوچ کر ان بدمعاشوں کے جانے کے بعد آرام سے گھاس کے بستر پر لیٹ گئی اور کل رات کے بارے میں غو
کرنے لگی۔

دوسرے دن وہ ڈیک پر ادھر ادھر چلتی پھرتی رہتی ک
وہ باورچی خانے میں جاکر کھا لیتی۔ ہیڈ باورچی ویسے دو روز
کچھ پریشان پریشان سا تھا۔ اسے شاید وہم ہوگیا تھا کہ اس ک
تھالوں میں سے چاول اور گوشت کے ٹکڑے چرائے جا رہے
پھر وہ سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہتا۔

"ارے بابا یہاں کون چوری کرے گا۔ ہم سب اتنی زیادہ کھانے کو مل جاتی ہے۔"

لیکن اس کے بعد بھی وہ سر کو جھٹک کر کہتا۔

"پھر بھی ایسے لگتا ہے کہ کوئی تھال میں سے کھانے کی چیزیں اڑا لیتا ہے۔"

رات کے پچھلے پہر ملیا جاپانی کپتان کے کیبن میں آگئی۔

کپتان اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ بیٹھا کھانے کے بعد قہوہ پی رہا تھا۔ پھول ایسی بچی سفید فراک پہنے بالوں میں زرد ربن لگائے لکڑی کے گھوڑے سے کھیل رہی تھی۔ جاپانی کپتان کسی گہری سوچ میں تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ اداس نظر آتے ہیں؟"

جاپانی کپتان نے بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بیگم! میں ایک طرح سے بھگوڑا ہوگیا ہوں۔ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اس سمندر میں پڑا ہوں۔"

بیوی نے کہا۔

"بھگوڑا کون ہوتا ہے۔ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔ اب ہر فوجی کو حق حاصل ہے وہ جہاں چاہے جاکر اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے۔"

"مگر اپنا وطن بہت یاد آتا ہے۔"

"وطن میں امریکی فوجیں جاپانی کمانڈروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گولیاں مارتی ہیں۔ وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

نی کپتان نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہاں! تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ میرے لیے یہی مناسب ہے کہ ہم کسی اجنبی جزیرے میں چلے جائیں اور باقی
ندگی خوبصورت درختوں اور نیلی جھیلوں کے درمیان
ر کر دیں۔"

با[illegible] کہا۔

"کیا سارے ملاح ہمارے ساتھ وفادار رہیں گے؟"
پانی کپتان نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیوں نہیں۔ وہ سب میرے وفادار ہیں۔ مجھ پر اپنی جان چھڑکتے ہیں۔ وہ بھلا میرے ساتھ کیوں نہیں جائیں گے؟"

بیوی بولیں۔

"جانے کیوں مجھے ملاکا پر بھروسہ نہیں ہے ضرور دھوکا دے گا۔"

جاپانی کپتان مسکرایا۔

"یہ تمہارا وہم ہے بیگم! ملاکا دیکھنے میں کرخت ضرور ہے مگر اندر سے بہت نرم ہے۔ اس کا دل انسان کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔"

کپتان کی بیوی نے کہا۔

"تم دیکھ لینا۔ ایک دن میری بات یاد کرو گے مجھے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے دشمنی نظر آئی ہے۔"

جاپانی کپتان ہنسا اور اپنی بچی کو پیار کرنے لگا۔ ماریا نے سوچا کہ اس سیدھے سادے شریف کپتان کی بیوی کس قدر ہوشیار اور عقل مند ہے۔ وہ دوست اور دشمن کو سمجھ سکتی ہے۔

اس کا خیال بالکل درست تھا۔ جاپانی بدمعاش ملاح ملاکا ان سب کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا۔ اور جاپانی کپتان اسے اپنا ہمدرد سمجھ رہا تھا۔ ماریا کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کپتان

کو خبردار کر دے کہ خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہی کہ وہ خود ہی ان لوگوں کے سر پر سے لٹکتے ہوئے خطرے کو ختم کر دے گی۔

ماریا باہر نکلنے لگی تو اس کی ٹھوکر لگ کر میز پر رکھا گلدان گر پڑا۔ جاپانی کپتان اور اس کی بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا جہاز ڈول رہا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر یہ گلدان کیوں گر پڑا؟"

"شاید جہاز کے ساتھ کوئی لہر ٹکرا گئی ہو۔"

"مگر ہمیں تو محسوس نہیں ہوا۔"

وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور ماریا مسکراتی ہوئی کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس نے جہاز میں گھوم پھر کر بدمعاش ملاح کو تلاش کیا۔ وہ اپنے پانچ ساتھیوں کے درمیان ڈیک پر بیٹھا رسیاں بٹ رہا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے بھی کر رہا تھا۔

"آج رات بارہ بجے تیار رہنا۔"

"اوکے باس!"

"ہر دوست کے پاس ایک ایک خنجر ہونا ضروری ہے کپتان کے خاندان کو خنجر سے قتل کیا جائے گا۔ لیکن پستول

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھی ساتھ ہوں گے۔ تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو فائرنگ شروع کر کے سب کو ختم کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے باس! ہمارے پاس خنجر بھی ہوں گے اور پستول بھی۔ بلکہ ہم مشین گنیں قمیصوں کے اندر چھپا لے جائیں گے۔"

"بڑا مناسب خیال ہے۔ اب اپنے اپنے کام پر چلے جاؤ۔ آدھی رات کو ٹھیک بارہ بجے میں ایک پرندے کی آواز نکالوں گا۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس پرندے کی آواز ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی تم لوگوں کو میرے پاس آ جانا ہے اور پھر ہم کپتان کے کیبن پر حملہ کر دیں گے۔"

○

وحشی لڑکی

○

رات کے بارہ بجے ماریا پہلے ہی کپتان کے کیبن میں پہنچ گئی۔ جاپانی کپتان کی بیوی اور بچی نے رات کا کھانا مل کر کھایا۔ بچی تو کھانا کھانے کے بعد سو گئی۔ کپتان اور اس کی بیوی کچھ دیر شطرنج کھیلتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر اس کی بیوی بھی سو گئی اور جاپانی کپتان پلنگ پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔ اس وقت گھڑی رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ حملے کا وقت ٹھیک رات کے بارہ بجے رکھا گیا تھا۔ ماریا کیبن کے کونے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھی بڑے سکون سے انتظار کر رہی تھی۔ پونے بارہ بجے جاپانی کپتان نے اٹھ کر پانی پیا اور پھر پلنگ پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔ گھڑی نے رات کے بارہ بجائے تو ماریا آرام کرسی پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جہاز پر چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لہروں کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ خاموشی ہی خاموشی تھی۔ اتنے میں باہر راہداری میں جگ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سی آہٹ ہوئی۔

ملیا ہوشیار ہوگئی۔

جاپانی کپتان نے اس آہٹ کو بالکل محسوس نہ کیا۔ وہ کتاب پڑھنے میں لگا تھا۔ اتنے میں کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔ کپتان نے لیٹے لیٹے پوچھا۔

"کون ہے باہر!"

باہر سے آواز آئی۔

"سر میں ہوں آپ کا خادم ملاکا!"

کپتان نے کتاب ایک طرف رکھ کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ملاکا! آدھی رات کو کون سی ضرورت پڑ گئی تمہیں!"

باہر سے ملاکا نے کہا۔

"سر! ایک ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔ ایک نئی مصیبت آن پڑی ہے۔ شاید دور سے کوئی امریکی جہاز ادھر آرہا ہے۔"

کپتان نے دروازہ کھولا تو ملاکا پستول لیے کھڑا تھا۔ جاپانی کپتان بالکل بوکھلا گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملاکا جس پر وہ اتنا بھروسہ کرتا تھا یوں بغاوت کر دے گا۔ اسے اپنی بیوی کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ وہ ٹھیک کہتی تھی۔ کاش وہ اپنی عقلمند بیوی کے کہنے پر عمل کرتا

آزادی نہ دیتا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایرانی زبان میں کہا جاتا ہے کہ وہ مکا جو جنگ کے بعد اسے اپنے منہ پر مار لینا چاہیے۔ جاپانی کپتان کا بھی یہی اسے اب خیال آرہا تھا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے کہنے پر تو آج اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

لیکن ابھی اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ بدبخت کپتان کی بیوی اور پیاری بچی کو ہلاک کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ اسے اور کی بیوی بچی کو قید کر دے گا اور بس خود جہاز پر قبضہ کر اسے کسی جزیرے کی جانب لے جائے گا اور یا کسی شہر میں رات فروخت کر دے گا۔ کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ ختم ہو چکی ہے اور اب اس جنگی جہاز کا کوئی فائدہ نہیں بدمعاش ملاکا نے پیچھے اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر ہاتھوں میں خنجر لیے اندر آگئے۔ کپتان کے خاندان کو ہلاک کرنے آئے تھے۔

ملیا ہوشیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ یہی وقت کچھ کر گزرنے کا کیونکہ اگر ایک بار ان لوگوں نے حملہ شروع کر دیا تو وہ کسی کو بچا نہ چھوڑیں گے۔ بس یہ سوچ کر ملیا اٹھی اور بدمعاش ملاحوں کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ ملیا کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ملاحوں کے خنجر سے کر انہی خنجروں سے انہیں ہلاک کر ڈالے گی۔ بدمعاش ملاکا نے کپتان کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا اور حکم دیا۔

" سب سے پہلے اس بڈھے کپتان کی بیوی اور بچی کو ہلاک کر دو۔"

بدمعاش اس کی بیوی اور بچی کے پلنگ کی طرف بڑھے۔ اتنے میں اس کی بیوی بھی جاگ پڑی تھی۔ اس نے ملاکا اور اس کے بدمعاش ساتھیوں کو کیبن میں خنجر لئے گھستے اور اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو سارا معاملہ سمجھ گئی۔

اس نے چیخ کر کہا۔

" بے شک مجھے مار ڈالو لیکن میرے خاوند اور میری بچی کو کچھ نہ کہو۔"

بدمعاش ملاکا کہنے لگا۔

" اسے ختم کر دو۔ یہ چیخ کر کوئی نئی مصیبت کھڑی کر دے گی۔"

ایک ملاح خنجر تان کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے خاوند نے بے بسی کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ماریا کپتان کی بیوی کے پاس پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ جونہی جاپانی ملاح خنجر لئے کپتان کی بیوی کے پاس آیا۔ ماریا نے اس کی کمر پہ ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ

اس کی کمر کی ہڈی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ خنجر اس کے ہاتھ سے پرے جا گرا اور وہ خود فرش پہ ایسا گرا کہ پھر اٹھ نہ سکا۔ بدمعاش ملاکا نے یہ سمجھا کہ شاید وہ ٹھوکر کھا کر گرا ہے۔

اس نے دوسرے ملاح کو حکم دیا۔

" آگے بڑھ کر ختم کر دو اسے۔"

دوسرا ملاح آگے بڑھا تو اس کی گردن پر ماریا نے ہاتھ مارا۔ اس کی گردن ایک طرف کو لوٹ کر ڈھلک گئی اور وہ بھی اگلے جہان چلا گیا۔ کیبن میں سبھی حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جاپانی کپتان دم بخود تھا۔ اس کی بیوی گم صم تھی۔ بدمعاش ملاکا نے خنجر ہوا میں لہرایا کہ خود کپتان کو ختم کر دے۔ ٹھیک اسی وقت ماریا نے ایک ایسا بھرپور ہاتھ ملاکا کی کمر پہ مارا کہ اس کی کمر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

وہ تڑپ کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

باقی ملاح جو بچا تھا وہ بھاگنے لگا ماریا نے اسے بھی ختم کر دیا۔

اب وہاں گہری خاموشی تھی اور بدمعاش ملاکا اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں فرش پر پڑی تھیں۔ کپتان اور اس کی بیوی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہو گیا۔

" میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" کپتان نے کہا۔

اس کی بیوی بولی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ شاید ہمارے ماں باپ کی روحوں نے ہمیں اک بدمعاش کے ہاتھوں ہلاک ہونے سے بچا لیا۔"

ماریا خاموش رہی۔ کپتان نے کہا۔

"ان لاشوں کو اسی طرح پڑے رہنے دو۔ میں اپنے وفادار ساتھیوں کو بلاتا ہوں۔"

اسی وقت کپتان نے خطرے کی گھنٹی بجادی۔ ماریا کیبن سے باہر چلی گئی۔ سارے ملاح کپتان کے کیبن میں پہنچ گئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ بدمعاش ملاکا نے کپتان کے خاندان کو ہلاک کر کے جہاز پر قبضہ کرنے کی سکیم بنائی تھی تو وہ انہوں نے کپتان کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ بغاوت دور کر دی گئی تھی۔ باقی رات کپتان نہ سو سکا اور اپنے وفادار ساتھیوں سے باتیں کرتا رہا اور انہیں چائے وغیرہ پلاتا رہا۔

دوسرے روز باقی ملاحوں کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔ اسی روز کپتان نے فیصلہ کیا کہ جہاز کو لے کر کسی جزیرے پر چلا جانا چاہیئے۔ تاکہ وہاں نئی زندگی شروع کی جائے۔ اس نے نقشے میں دیکھا۔ وہاں سے کوئی چار سو میل کے فاصلے پر اسے نقشے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دے رہا تھا۔

"شاید اس جزیرے پر ہم خوش و خرم زندگی بسر کر سکے

ہاں۔"

[illegible]ی نے کہا۔

"کیا اس جزیرے پر امریکیوں کا قبضہ نہیں ہوگا؟"

"میرا خیال ہے جنگ اس علاقے میں ابھی نہیں آئی ہے یہ جزیرہ غیر آباد ہوگا۔"

"مگر یہاں پر آدم خور جنگلی رہتے ہوں تو پھر کیا ہوگا۔"

"آدم خود جنگلی اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں بیگم۔ اب تو یہ صرف کہانیوں میں ملتے ہیں۔"

[illegible] کی بیوی نے کہا۔

"[illegible] حال آپ لوگوں کو سوچ سمجھ کر اس جزیرے کی طرف چلنا ہوگا۔ کیونکہ اس جزیرے میں خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"فکر نہ کرو بیگم! ہمارے پاس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے بندوقیں، توپیں اور دستی بم موجود ہیں۔"

[illegible] روز صبح صبح جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اور اس نے سمندر [illegible] کی جزیرے کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا جو نقشے پر موجود [illegible] سارا دن اور ساری رات جہاز سمندر میں چلتا رہا پھر اگلا [illegible] اگلی رات بھی سمندری سفر میں گزر گئے۔ چوتھے روز صبح

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سمندر میں ایک سیاہ لکیر دکھائی دی۔ ملاحوں نے خوشی سے شور مچا دیا۔

"زمین! زمین! زمین!"

جاپانی کپتان نے دوربین لگا کر سیاہ لکیر کو دیکھا اور بولا۔

"جزیرے میں بڑے سرسبز و شاداب درخت نظر آ رہے ہیں۔ یقیناً یہ بڑا بھرا آباد جزیرہ ہے۔"

جہاز کے انجینئر نے کہا۔

"کیپٹن! کہیں اس جزیرے پر امریکیوں کا قبضہ نہ ہو۔"

"نہیں بھائی! جنگ ادھر نہیں لڑی گئی۔ یہ علاقہ جنگ کے علاقے سے بہت دور ہے۔ پھر یہاں امریکی کہاں سے آئیں گے؟"

ماریا نے بھی ڈیک پر کھڑے کھڑے اس سیاہ لکیر کو دیکھا جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ جہاز سارا دن اور ساری رات جزیرے کی طرف بڑھتا رہا۔ دن نکلا تو اس کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ سامنے ایک بڑے ہی ہرے بھرے جزیرے کا کنارہ تھا۔ کنارے پر کہیں کہیں بھورے رنگ کی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ جہاز سمندر کی کھاڑی میں داخل ہو گیا۔ واقعی اس جزیرے کے کنارے سرسبز تھے اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ

رے تھے۔ ان پر پکے ہوئے میٹھے رس والے ناریل لگے ے۔ ملاح ان کو دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے اور خوشی ے نعرے لگا رہے تھے۔

کپتان نے کھاڑی کے اندر ایک جگہ پہنچ کر جہاز کو کھڑا رنے کا حکم دے دیا۔ یہاں وہ درختوں کی اوٹ میں تھے اور ے سمندر سے جہاز بالکل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جاپانی کپتان ہی چاہتا تھا کہ باہر سے اگر کوئی ہوائی جہاز یا کبھی کوئی ری جہاز گزرے تو اسے یہ جاپانی جہاز نظر نہ آ سکے۔

لنگر ڈال دیا گیا۔ جہازی ملاح نیچے کنارے پر اتر آئے ر ایک دوسرے سے ہنسنے کھیلنے اور مذاق کرنے لگے۔ وہ ھیلے اٹھا اٹھا کر ناریل کے درختوں پر مارنے لگے۔ ناریل نیچے تے تو وہ انہیں توڑ کر خوشی خوشی پیتے۔ جہاز کے ملاح س گیارہ باقی رہ گئے تھے۔ کپتان نے حکم دیا۔

"کوئی ملاح میرے حکم کے بغیر جنگل میں جہاز سے دور نہ جائے۔ بس جہاز کے آس پاس ہی رہا جائے۔"

س کے بعد کپتان بھی اپنی بچی اور بیوی کے ساتھ کنارے ر اتر آیا اور وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ لگا کر اندر بستر وغیرہ لگا یے گئے۔ کپتان کی بیوی اپنی بچی کو لے کر آرام کرسی پر خیمے سے باہر بیٹھ گئی۔ دھوپ بڑی چمکیلی تھی اور فضا میں حبس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ ملاح ذرا پرے ہٹ کر گر بڑے درختوں کے درمیان بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے بھی ایک خاکی رنگ کا خیمہ لگا لیا تھا۔ آگ جلا لی تھی اور اس پر چائے بنانے لگے تھے۔ چائے بنا کر انہوں نے کپتان کو بھی دی۔ اور بڑے مزے میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔
ایک مدت کے بعد وہ زمین پر آئے تھے اور بہت خوش تھے۔

ماریا بھی جہاز سے اتر آئی تھی اور ان لوگوں سے دور ایک درخت کے نیچے پتھر پر بیٹھی غور کر رہی تھی کہ وہ کہاں سے کہاں آ گئی ہے۔ جانے عنبر اور ناگ کس حال میں ہوں گے؟ کہاں ہوں گے؟ اب دوبارہ کب ملاقات ہوگی؟ وہ یہی سوچ کر کچھ اداس سی ہو گئی۔ پھر وہ اٹھ کر درختوں میں سیر کرنے لگی۔ سیر سے اس کا دل کچھ بہل گیا۔ چلتے چلتے وہ ذرا آگے نکل گئی۔

یہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ درختوں پر کہیں کہیں کوئی پرندہ نظر آ جاتا تھا۔ ایک بندر درخت پر پھدکتا ہوا دور نکل گیا۔ شاید اس نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ ماریا نے ایک بڑا موٹا درخت کا تنا دیکھا جو زمین پر گرا ہوا تھا۔ ماریا اس پر آرام کرنے کو بیٹھ گئی۔ اس کے قریب ہی

یک درخت تھا جس پر امرود کی قسم کا کوئی پھل لگا تھا۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر ایک پھل توڑا اور اسے چکھا۔ س کا ذائقہ بالکل امرود کی طرح تھا۔ ماریا نے دو تین امرود ڑے اور پھر ایک امرود ہاتھ میں لے کر اسے کھاتی واپس پڑی۔ شام کو ملاحوں نے باہر ہی کھانا پکایا اور مل بیٹھ کر کھایا۔ رات کو ملاح جہاز کے عرشے پر جا کر سو گئے۔ کپتان، اس کی بیوی اور بچی باہر خیمے کے اندر جا کر سو گئیں۔ ماریا ان سے ذرا پرے جہاز کے عرشے پر سو گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ بھئی یہ جزیرہ تو بالکل ہی سنسان ہے۔ لیکن وہ اس بات پر حیران تھی کہ اتنا سرسبز و شاداب زیرہ بھلا بے آباد کیسے ہو سکتا ہے؟
ہیں کہیں نہ کہیں آبادی ضرور ہوگی!

یہی سوچتے سوچتے ماریا کو نیند نے آ لیا۔ جزیرہ آدھی ت کو بے حد سنسان اور بھیانک ہو گیا تھا۔ اتنی گہری ی تھی کہ سمندر میں سے اگر کوئی مچھلی باہر کو نکلتی تو اس ے پانی کی آواز جو پیدا ہوتی وہ بھی سنائی دیتی تھی۔ آسمان دھی رات کو ہلکے ہلکے بادل آنا شروع ہو گئے اور چاند لوں میں چھپ گیا۔ جزیرے پر چاندنی غائب ہو گئی اور ا اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک پرندہ چیختا ہوا جہاز کے اوپر سے گزر گیا۔ جس کی وجہ سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ماریا پھر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ابھی وہ اونگھ ہی رہی تھی کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ابھی ابھی ایک آواز اس نے سنی تھی۔ وہ آنکھیں مل کر غور سے آواز سننے لگی۔

مگر پھر آواز نہ آئی۔ ماریا نے سوچا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ وہ دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی تو وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ یہ آواز جزیرے کے درمیانی جنگل سے آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے کان اس آواز پر لگا دیئے۔ آواز ایک لمبی سی چیخ تھی۔ وہ چیخ بھی نہیں تھی اور کسی کو بلانے کی آواز بھی نہیں تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی درد و غم کی وجہ سے آسمان کی طرف منہ کر کے پکار رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔

آواز ایک بار پھر آئی۔

یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ لمبی اور مسلسل آ رہی تھی پھر رک گئی۔ اس کے بعد دیر تک آواز سنائی نہ دی۔ اس وقت صرف ماریا ہی جاگ رہی تھی۔ کسی دوسرے نے وہ

آواز نہ سنی۔ ماریا نے سوچا کہ چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ یہ کس کی آواز ہے اور کون ایسی بدقسمت عورت ہے جو اس گمنام جزیرے میں آدھی رات کو رونے والی آوازیں نکال رہی ہے۔

ماریا جہاز کے عرشے سے اتر کر نیچے آ گئی اور اس نے جزیرے کے جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ جنگل میں کافی آگے نکل آئی۔ یہاں درندہ کوئی نہیں تھا۔ درختوں پر پرندے سو رہے تھے۔ ماریا کے قریب سے گزرنے پر وہ کسی انسان کی بو پا کر بیدار ہو کر تھوڑا سا بولتے اور پھر سو جاتے۔ ماریا نے زرد اور سبز رنگ کا ایک بہت بڑا سانپ دیکھا جو ایک درخت سے الٹا لٹکا جھول رہا تھا شاید وہ آرام کر رہا تھا۔

ماریا اس کے قریب سے ہو گزر گئی۔

بادل گرجا۔ ماریا نے سوچا کہ اگر بارش شروع ہو گئی تو اس کے کپڑے بھیگ جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ واپس چلی جائے۔ وہ واپس مڑنے ہی والی تھی کہ اسے وہی درد بھری اور کسی حد تک ڈراؤنی آواز پھر سنائی دی۔ اب یہ آواز قریب سے آ رہی تھی۔ ماریا نے رک کر غور کیا۔ یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ اس میں درد و غم تھا۔ فریاد تھی۔ اور کچھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہ ہی تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بے چین قیدی روح فریاد کر رہی ہے۔

جدھر سے آواز آئی تھی ملیا اس طرف چلنے لگی۔

جنگل ایک بار پھر گونجا۔ درختوں پر پرندے اس آواز کے خوف سے بے چین ہو گئے۔ ملیا نے محسوس کیا کہ ہلکی ہلکی آواز آ رہی ہے۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی جھاڑیوں میں چل رہا ہو۔ پودوں اور شاخوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی اس میں شامل تھی۔ ملیا ایک طرف درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

پھر قدموں کی آواز قریب آ گئی۔ ملیا جس جگہ درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ وہاں سے ذرا دور ناریل کے درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بن گیا تھا۔ یہاں پانی زمین کے اندر سے رِس رہا تھا اور تالاب میں سے ایک پتلی نالی کی شکل میں آگے جا رہا تھا۔ ملیا نے محسوس کیا کہ کوئی قریب آ رہا ہے۔ وہ سانس روک کر کھڑی ہو گئی اور جس طرف سے آواز آتی تھی ادھر دیکھنے لگی۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل رہا تھا اور ہلکی ہلکی چاندنی نے جنگل کو تھوڑا تھوڑا روشن کر دیا تھا۔ مگر یہ روشنی بڑی پُراسرار تھی اور ہر شے اپنی اصل سے زیادہ بڑی یا چھوٹی لگ

رہی تھی۔ ملیا کا دل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ چیخ کی آواز بالکل اس کے قریب سے بلند ہوئی تھی۔ یہ وہی لڑکی کی آواز تھی مگر قریب سے بلند ہونے کی وجہ سے وہ ایک بھیانک چیخ لگ رہی تھی۔

ملیا درخت کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی لمبی زندگی میں بڑے بڑے خطرناک جنگلوں میں راتوں کو سفر کیا تھا۔ شیروں اور ہاتھیوں سے مقابلہ کیا تھا۔ مگر آج کی رات وہ بڑا خوف محسوس کر رہی تھی۔

آواز ایک دم رک گئی۔ ملیا نے ہلکی ہلکی چاندنی میں دیکھا کہ ایک سایہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے نکل کر اس تالاب کی طرف آیا جو درختوں کے درمیان بنا ہوا تھا۔

ملیا نظر تو نہیں آ رہی تھی مگر ایسے لگتا تھا کہ سائے نے بھی ملیا کی موجودگی کو محسوس کر لیا ہے۔ سایہ ذرا سا رک گیا۔ ملیا نے غور سے دیکھا۔ یہ ایک لڑکی کا سایہ تھا۔ اس کے بال لمبے تھے۔ بال ایڑیوں تک پہنچ رہے تھے۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔ یہ ایک جنگلی یا وحشی لڑکی تھی۔ ملیا گھور گھور کر اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ لڑکی ـــ جنگلی وحشی لڑکی ایک پل کے لئے رکی۔ اس نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے سر کے بالوں کا گچھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر سے پیچھے ہٹا لیا اور سر کو گھما کر اس طرف ماریا کھڑی تھی۔ ایک دفعہ تو ماریا کو بھی پسینہ آگ جنگلی وحشی لڑکی اسے دیکھ رہی ہے؟ مگر کیسے د ہے؟ اسے تو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لڑکی ہے چڑیل ہے؟ وہ بالکل چڑیل لگ رہی تھی جو جزیرے جنگل میں کسی کا خون پینے آ گئی ہو۔ ماریا اسے جیس کھڑی تک رہی تھی۔

وہ جنگلی لڑکی یا چڑیل مسلسل اس درخت کو گ رہی تھی جس کے نیچے ماریا کھڑی تھی۔ ماریا کو محسوس ہوا کہ دھندلی چاندنی میں اس لڑکی یا چڑیل کی آنکھیں چراغوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ جنگلی لڑکی نے گردن طرف پھیر لی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی تالاب کے پاس گئی۔ پ زمین پر اوندھے منہ لیٹ گئی اور اپنے ہونٹ تالاب کے کنارے لگا کر پانی پینے لگی۔ جس طرح جنگلی جانور پیا کرتے ہیں۔

ماریا خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔ جنگلی لڑکی پانی پی کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک لمبے قد کی نوجوان لڑکی یا عورت تھی۔ اس کے سیاہ بال اس کی ایڑیوں کو چھو رہے وہ کچھ دیر تالاب کے پاس کھڑی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ

چلتی جنگل میں درختوں کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد دور جنگل سے پھر وہی چیخ بلند ہوئی۔

ماریا اپنی جگہ پر کھڑی کھڑی کانپ سی گئی۔ کافی دیر تک وہ کھڑی رہی۔ پھر درخت کے نیچے سے نکل کر واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس جنگلی لڑکی کا پیچھا کرے لیکن جانے کیوں وہ اس لڑکی کا پیچھا نہ کر سکی اور واپس اپنے جاپانی جہاز پر آ گئی۔ جہاز پر اور جہاز سے باہر خیمے میں لوگ غافل پڑے سو رہے تھے۔ ماریا جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ڈیک پر آ گئی اور جنگلے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اس جنگلی لڑکی پر غور کرنے لگی۔

آخر یہ لڑکی کون ہے؟ کیا یہ سچ مچ کی لڑکی ہے یا کوئی آسیب ہے؟ یا پھر اس جزیرے کی بدروح ہے؟ یا کوئی چڑیل ہے؟ یا کوئی بے چین روح ہے جو انسان کا خون پیتی ہے؟ کچھ دیر تک وہ غور کرتی رہی اور پھر اسے نیند آ گئی۔

جزیرے کی صبح بڑی سہانی تھی۔ ماریا کچھ تھکی تھکی سی اٹھی تھی لیکن جزیرے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے اسے ترو تازہ کر دیا۔ رات کے واقعات اسے خواب لگ رہے تھے۔ کیا اس نے کہیں خواب تو نہیں دیکھا؟

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ٹھیک خواب نہیں تھا۔ اس نے چیخ سنی تھی اور اس لڑکی کو بھی دیکھا تھا جو تالاب پر اوندھے منہ لیٹ کر جن کی طرح پانی پی سکتی تھی اور جس کے بال اس کی ایڑیوں کو چھو رہے تھے۔

اس عورت کی چیخ کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔

ماریا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دن کی روشنی میں وہ جگہ دیکھے جہاں رات کو اس نے جنگلی لڑکی کو دیکھا تھا۔ ماریا جہاز کی سیڑھیاں اترنے لگی۔ نچلی سیڑھی پر سے ابھی اتر رہی تھی کہ موٹا باورچی اوپر چڑھنے لگا۔ اب ماریا گھبرا گئی کہ کیا کرے؟ اگر سیڑھی پر کھڑی رہتی ہے تو موٹے جاپانی باورچی سے ٹکر ہو جاتی ہے۔ کیوں نہ وہ چھلانگ لگا دے۔ وہ چھلانگ لگانے ہی لگی تھی کہ موٹا جاپانی اوپر آ گیا اور اوپر چڑھتے ہوئے ماریا سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھ ٹکراتے ہی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ سارے ملاح اس کی طرف دوڑے۔ جاپانی کپتان بھی اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔

“کیا ہوا؟ کیا بات ہو گئی ہے؟”

موٹے باورچی نے کہا کوئی سیڑھی اتر رہا تھا۔ مجھ سے ٹکرا گیا۔ کپتان نے پوچھا۔

“یہ کون تھا؟”

“میں نے نہیں دیکھا۔”

“کیا مطلب ہے تمہارا؟”

“یہ کوئی بھوت تھا یا شاید کوئی چڑیل تھی۔”

سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ باورچی سر کو ہلاتا ہوا چلا گیا۔ بے چارہ سچا تھا مگر اس کی بات پر کسی نے اعتبار نہ کیا۔

ماریا اسے وہیں حیران چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ درختوں کے نیچے نیچے سے ہوتی جھاڑیوں کو پیچھے ہٹاتی آخر اس مقام پر آ گئی جہاں درختوں کے نیچے پانی کا چھوٹا سا تالاب تھا اور جہاں رات کو وہ وحشی لڑکی پانی پی رہی تھی۔ ماریا نے جھک کر دیکھا۔ ہاں۔ رات خواب نہیں دیکھا تھا اس نے۔ زمین پر کسی عورت کے جسم کا پورا پورا نشان تھا۔ تالاب کے کنارے جہاں اس نے اپنی ہتھیلیاں رکھی تھیں وہاں اس وحشی عورت کی ہتھیلیوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے نشان بالکل ایک عام لڑکی کے پاؤں اتنے تھے۔ اگر وہ نشان بڑے ہوتے یا الٹے ہوتے تو وہ یہ سمجھتی کہ شاید وہ چڑیل تھی۔ کیونکہ چڑیل کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔ یہ نشان سیدھے پیروں کے تھے۔ یہ نشان جنگل میں اندر کی جانب جا رہے تھے۔ ماریا اپنے آپ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہی ان نشانوں کے ساتھ ساتھ جنگل میں چل پڑی۔ آگے ب
کر نشان بائیں جانب گھوم گئے۔ ادھر بڑی گھنی جھاڑیاں تھیں
اور درختوں کی شاخیں نیچے لٹک کر زمین کو چھو رہی تھیں۔
ماریا جھک کر ان درختوں کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ اب
پیروں کے نشان اسے بالکل نظر نہیں آ رہے تھے۔

ماریا اندازے سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ذرا آگے جا کر
درخت پرے پرے ہٹ گئے۔ ایک تھوڑی سی کھلی جگہ
آ گئی جہاں ماریا نے دیکھا کہ جھاڑیاں صاف کر کے کسی نے کیلے
کے پتوں کا بستر سا بنا رکھا ہے۔ ماریا دیر تک اس کیلے کے
پتوں کے بستر کو دیکھتی رہی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ اس وحشی لڑکی
کی خواب گاہ ہے۔ یعنی یہاں وہ رات کو آرام کرتی ہے۔ اس
وقت وحشی لڑکی وہاں نہیں تھی۔ پاس ہی کچھ ناریل پڑے
تھے۔ ان میں کچھ پورے ثابت تھے اور کچھ ٹوٹے ہوئے تھے۔

ماریا اس وحشی عورت کو ملنا چاہتی تھی۔ لیکن ایک طرح کا
خوف بھی اس کے دل میں تھا کہ خدا جانے وہ کوئی بدروح
ہی نہ ہو۔ اس نے دور درختوں میں جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آہٹ
سنی۔ ماریا جلدی سے دوسری طرف درختوں میں جا کر چھپ گئی۔

پھر ایک بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

یہ ایک خوفناک چیخ تھی۔ بھیانک چیخ۔ جس میں نفرت

و نفرت تھی جیسے کوئی درندہ حملہ کرنے سے پہلے چیختا ہو۔
ریا درخت کے ساتھ کھڑی کھڑی ایک بار تو ہل گئی۔ اس کو یوں
سوس ہوا جیسے اس وحشی عورت نے دور سے اسے اپنی
واب گاہ میں کھڑے دیکھ لیا ہو اور اسے برا محسوس ہوا ہو کہ
وہ بغیر اجازت اس کے بستر کے پاس کیوں آئی ہے؟

ایک بات پہ ماریا بڑی حیران تھی کہ اس وحشی عورت کو
اس کی موجودگی کا احساس ہو جاتا تھا۔ بے شک وہ ماریا کو
دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن اسے دور ہی سے پتہ چل جاتا تھا کہ
کوئی انسان اس کے جنگل میں یا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو
گیا ہے۔ شاید یہ اس وحشی لڑکی کی چھٹی حس تھی جو اسے
خبردار کر دیتی تھی۔ ماریا اس وحشی عورت کو ایک نظر دیکھنا چاہتی
تھی۔ وہ دیر تک اس جگہ کھڑی رہی مگر وہ جنگلی عورت نہ آئی۔
تھک ہار کر ماریا واپس ہوئی۔ جب وہ جہاز کے پاس آئی تو
وہاں سارے ملاح، کپتان کے گرد کھڑے باتیں کر رہے تھے۔
ان کے چہروں پہ کچھ تجسس تھا۔ کیونکہ جنگل سے آنے والی
بھیانک چیخ کی آواز ان لوگوں نے بھی سن لی تھی۔

○

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جزیرے پر حملہ

○

جاپانی کپتان کو بتایا گیا کہ کبھی کبھی راتوں کو جزیرے کے درمیانی جنگل سے ایک بھیانک چیخ کی آواز آیا کرتی ہے۔ یہ آواز دو ایک جاپانی ملاحوں نے بھی سنی تھی۔ خاص طور پر جو ملاح رات کو پہرہ دیتا تھا اس نے صاف صاف یہ آواز سنی تھی۔ جاپانی کپتان نے حکم دے دیا کہ آدھی رات کو کوئی بھی ملاح جزیرے کے اندر نہ جائے اور دن میں بھی جہاز سے قریب رہنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ جاپانی کپتان نے ایک خاص خفیہ سراغرساں کو جزیرے کے جنگل میں یہ معلوم کرانے کے لئے بھیج دیا کہ راتوں کو خوفناک آواز کس کی آتی ہے؟ یہ عورت کون ہے؟ جاسوس شام کو ہی جزیرے کے جنگل میں چلا گیا۔ یہ ایک بڑا کاریگر اور ماہر جاسوس تھا اس نے کئی ایک کارنامے کئے تھے۔ کپتان کو اس پر بڑا بھروسہ تھا کہ وہ بھیانک

یخ کا راز ضرور حل کرے گا۔

ملیا کو بھی جاسوس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکا۔

ے بھی اس روز پتہ چلا جب جنگل سے جاپانی جاسوس کو زخمی ٹی اٹھا کر جہاز پر لائے۔ اسے جہاز کے عرشے پر لٹا دیا گیا۔ جاپانی کپتان اور دوسرے ملاح وہاں موجود تھے۔ اس کی سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے نکھیں کھول کر کپتان کو دیکھا اور کانپتے ہونٹوں سے کہا۔

" وحشی عورت۔ چڑیل۔ بدروح۔ خون پینے آئی تھی۔ "

اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی اور وہ مر گیا۔ س کی موت کا سارے جہاز پر ایک سوگ سا چھا گیا۔ لوگ پتان سے پوچھ رہے تھے کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے۔ خر کپتان کو بتانا پڑا کہ وہ جنگل میں بھیانک چیخ کا راز حل کرنے یا تھا۔ اب تو ہر کوئی جنگل میں جانے سے ڈرنے لگا۔ کچھ روز ر گئے۔ رات کو کسی چیخ کی آواز نہ آئی۔ کپتان نے حکم دے دیا جزیرے کے کنارے پر لکڑیاں کاٹ کر مکان تعمیر کئے جائیں سارے ملاح درخت کاٹنے پر لگ گئے۔ انہوں نے لکڑیں تختے چیرے اور ان کی کھڑکیاں دروازے بنانے شروع کر لیئے۔ بڑی رونق ہو گئی تھی۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں لگا ا۔ ملیا اس عرصے میں کئی بار رات کو جنگل میں سیب کے لئے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گئی۔ اس نے وہ جگہ بھی جاکر دیکھی جہاں وحشی لڑکی نے اپنے سونے کیلے کے پتوں کا بستر بچھا رکھا تھا مگر وحشی لڑکی اسے وہاں نہ ملی۔ خدا جانے وہ کہاں چلی گئی تھی؟ ویسے وہ اس جزیرے میں ہی تھی۔ ایک دن کیا ہوا کہ جاپانی کپتان کی ننھی سی بچی پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں سے کھیلتی جنگل میں ذرا آگے نکل گئی۔ ایک تتلی اس کے آگے آگے جا رہی تھی۔ بچی تتلی کو پکڑنے کی کوشش میں اس جگہ آ گئی جہاں زمین میں دلدل شروع ہوتی تھی۔ یہ اس قدر خوفناک دلدل تھی کہ اس میں اگر ہاتھی بھی اترے تو ایسا ڈوبے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ویسے زمین پر گھاس اگی تھی اور دیکھنے پر کسی کو ذرا بھی خیال نہ آتا تھا کہ یہاں دلدل ہو سکتی ہے۔

تتلی دلدل کے اوپر اڑتی چلی گئی۔

بچی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ بس دو ایک قدم کے فاصلے پر دلدل شروع ہو جاتی تھی۔ مگر وہ ایک قدم اور اٹھا لیتی تو دلدل اس پھول سی بچی کو ہڑپ کر لیتی کہ اتنے میں ایک زرد آنکھوں والی سیاہ رنگ کی لمبی وحشی عورت جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے بچی کو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا اور گود میں اٹھا کر واپس لے گئی۔

بچی نے جونہی خوفناک چہرے والی وحشی عورت کو دیکھا تو

اس نے رونا شروع کر دیا۔ وحشی عورت اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سے چپ کرائے؟ دوسری طرف جب کپتان کی بیوی کسی کام سے خیمے سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ بچی غائب ہے۔ اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ مگر بچی کہیں نظر نہ آئی۔

اس نے شور مچا دیا۔ کپتان اور دوسرے ملاح پریشان ہو گئے۔ انہوں نے جنگل میں گھس کر بچی کی تلاش شروع کر دی۔ کپتان بھی بہت گھبرا گیا تھا کہ خدا جانے بچی کہاں گم ہو گئی ہے۔ تلاش کرنے والے جنگل میں کافی آگے تک نکل گئے مگر انہیں کہیں بچی نظر نہ آئی۔ ماں کا غم کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ کپتان بھی پریشان تھا۔ اتنے میں بچی کے رونے کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔

سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ آواز ایک بار پھر آئی۔

"بچی کے رونے کی آواز ہے۔"

یہاں شور مچ گیا اور سب کے سب آواز کی طرف دوڑے۔ جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ بچی گھاس پر بیٹھی رو رہی ہے اور اس کے اردگرد کسی نے درخت کی شاخوں کا ایک پنجرہ سا بنا رکھا ہے تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ کیونکہ آگے دلدل شروع ہوتی تھی۔ ماں نے بچی کو سینے سے لگا لیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کپتان نے اسے جی بھر کر پیار کیا۔ بچی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سب بڑے حیران تھے کہ اس کے اردگرد حفاظت کی دیوار کس نے بنائی تھی؟

بچی بے چاری کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔

سب واپس آئے تو جہاز پر شور مچ گیا کہ بچی کو جنگل کی کسی ہستی نے دلدل میں گھسنے سے بچا لیا ہے۔ وگرنہ وہ دلدل میں غرق ہو چکی ہوتی۔ ماریا نے یہ سنا تو سمجھ گئی کہ یہ کام صرف وحشی لڑکی نے ہی کیا ہے کیونکہ اس کے سوا وہاں اور کوئی اس بچی کو موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جاپانی ملاحوں میں بھی یہ بات پھیل گئی کہ جنگل کی روح نے بچی کی جان بچائی ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ شام کے وقت ایک جاپانی بڑھئی ملاح درخت کاٹتا ہوا جنگل میں ذرا دور نکل گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے گھر کے میز کرسیوں کے لئے کسی اچھے درخت کی لکڑی حاصل کرے۔ اس لالچ میں وہ جنگل میں کافی دور آ گیا۔ جب اسے اپنی پسند کی لکڑی کا درخت نظر نہ آیا اور ویسے بھی شام کے سائے جنگل میں پھیلنے لگے تو وہ واپس ہوا۔ ابھی اس نے واپس قدم اٹھائے ہی تھے کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی گردن میں پھندا ڈال کر کسنا شروع کر دیا۔ جاپانی ملاح

بے ہوش ہو گیا۔

اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ ایک جگہ زمین پر رسیوں کے ساتھ کھونٹیوں سے بندھا ہوا ہے اور کچھ وحشی لوگ اس کے اردگرد رقص کر رہے ہیں اور منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ رہے ہیں۔ جاپانی ملاح سمجھ گیا کہ وہ جزیرے کے آدم خوروں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ اور اب اسے خدا ہی چاہے تو بچا سکتا ہے۔

جب منتر پڑھ چکے تو ایک بوڑھا آدم خور نیزہ لے کر آگے بڑھا اور اس نے نیزے سے جاپانی ملاح کے دل کی طرف اشارہ کیا۔ شاید وہ دوسروں کو حکم دے رہا تھا کہ سب سے پہلے اس ملاح کا دل سینے سے نکال کر دو تاکہ میں اسے کچا چبا جاؤں۔ جاپانی ملاح کا تو رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے موت سامنے نظر آنے لگی۔ اس نے بہتیرا شور مچایا مگر ایک تو اس کی جاپانی زبان وہاں کون سمجھتا تھا۔ دوسرے وہ تو اسے پکڑ کر ہی اس لئے لائے تھے کہ مزے سے بھون کر ہڑپ کریں گے۔ پھر وہ اس پر رحم کیسے کھاتے؟

ایک آدم خور ہاتھ میں نیزہ لے کر جاپانی ملاح کی طرف بڑھا۔ جاپانی نے آنکھیں بند کر لیں اور نیزے کے زخم کا درد محسوس کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اچانک جنگل میں وحشی لڑکی کی

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ اس چیخ پر جاپانی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے دیکھا کہ آدم خور وحشی چیخ کی آواز سنتے ہی ایک دم جس جگہ کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ دوسری بار چیخ قریب سے سنائی دی۔ آدم خور جلتی ہوئی آگ کے قریب آ کر دوزانو بیٹھ گئے۔

اتنے میں آگ کے الاؤ کی روشنی میں وحشی لڑکی جنگل میں جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر آئی اور خاموش کھڑی ہوگئی۔ سارے آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ وحشی عورت نے ہاتھ اوپر اٹھا کر جاپانی ملاح کی طرف اشارہ کیا۔ آدم خور اسی وقت اٹھے اور انہوں نے جاپانی کو کھول کر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد وحشی لڑکی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی اور جنگل کے اندھیرے میں جدھر سے آئی تھی ادھر ہی کو غائب ہوگئی۔

وحشی لڑکی کے غائب ہوتے ہی آدم خور وہاں سے چلے گئے۔

کسی نے جاپانی ملاح کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ جاپانی ملاح نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جان بچ گئی۔ اب وہ بھاگم بھاگ واپس اپنے جہاز پر پہنچا تو اس نے ساری کہانی لوگوں کو سنائی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنے ٹخنوں اور ہاتھوں پر رسیوں کے نشان دکھائے اور کہا کہ بے شک صبح

چل کر وہ جگہ دیکھ لیں جہاں آدم خوروں نے اسے زمین پر باندھا تھا۔

اس واقعے کے دو اثر ہوئے۔ پہلا اثر تو یہ ہوا کہ لوگوں کو جنگل سے آنے والی وحشی عورت کی آواز سے ہمدردی ہوگئی کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ اس عورت نے جاپانی ملاح کی جان بچائی تھی۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ جزیرے پر آدم خور قبیلہ آباد تھا اور یہ بڑی پریشانی کی بات تھی۔ جاپانی کپتان نے سب ملاحوں کو بلا کر میٹنگ کی۔ اس نے کہا۔

"ہمارے ایک ملاح نے آکر بتایا ہے کہ اسے جزیرے میں آدم خوروں نے پکڑ لیا تھا۔ وہ اسے ذبح کرنا چاہتے تھے کہ جنگل کی وحشی چیخ والی عورت نے سامنے آکر اس کی جان بچائی۔ ہمیں اس عورت سے ہمدردی پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارے لئے یہ بڑی تشویش ناک بات ہے کہ جس جزیرے پر ہم نے آباد ہونے کا فیصلہ کیا تھا اس جزیرے پر ایک آدم خور وحشی قبیلہ پہلے سے رہ رہا ہے۔"

انجینئر نے کہا۔

"سر! ہمیں اس جزیرے پر آتے ہی سب سے پہلے چاہیے تھا کہ ہم جزیرے کی پوری طرح سے چھان بین

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کسنے دیکھتے کہ کیا یہاں رہنا ٹھیک ہوگا؟ کہیں اس جزیرے پر وحشی درندے یا آدم خور قبیلے تو آباد نہیں ہیں؟ یہ ہم نے نہیں کیا۔ اب ہم پریشان ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم نے یہاں پر آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ مشین گنوں کی مدد سے ان تمام آدم خور وحشیوں کو ہلاک کر کے جنگل صاف کر دیں۔"

جاپانی کپتان نے کہا۔

"میں کسی پر یونہی ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اگر یہ وحشی عورت ہمارے ساتھ ہے اور جیسا کہ ہمارے ملاح کے واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے تو میرا خیال ہے کہ اس وقت تک ہمیں خوف نہیں کھانا چاہیے۔ یہ آدم خور وحشی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

دوسرا جاپانی بولا۔

"سر! ہم کس طرح سے ایک وحشی عورت پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے یہ عورت ہی کسی وقت بگڑ کر آدم خور بن جائے اور ایک ایک کر کے ہمارے بچوں کو کھانا شروع کر دے۔ اب ہم ہر وقت تو اپنے بچوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

کپتان نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ عورت ہمارے ساتھ وفاداری کرے گی۔ چلو اگر وہ وفادار نہیں بھی رہتی جب بھی ہم ہر وقت پستول وغیرہ ساتھ رکھیں گے اور اگر کسی وحشی نے حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

چوتھا جاپانی بولا۔

"سر! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ وحشی لوگ [illegible] کر تو حملہ نہیں کرتے۔ جو ہم ان کا پستول سے مقابلہ کر سکیں گے۔ یہ تو پیچھے سے بھی حملہ کرتے ہیں اور اکثر ان کے تیر جسم کے پار ہو جاتے ہیں اور آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔"

جس ملاح کو آدم خوروں نے پکڑ لیا تھا وہ بولا۔

"مجھے تو انہوں نے گردن میں پھندا ڈال کر پکڑ لیا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ یہ بات بھی ثابت کرتی ہے کہ وہ آدم خور ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو انہوں نے کھانا ہوتا ہے اسے زہریلے تیر سے ہلاک نہیں کرتے۔ کیونکہ پھر انسان کا سارا گوشت زہریلا ہو جاتا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کپتان نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پھر آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ جو آپ فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔"

سب یک زبان ہو کر بولے۔

"آدم خوروں کا قتل۔"

"کیا مطلب؟" کپتان نے عینک ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

ایک ملاح نے اٹھ کر کہا۔

"جناب ہمارے پاس اسلحہ کی کمی نہیں ہے توپیں، رائفلیں، مشین گنیں اور دستی بم۔ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک روز خاموشی سے جنگل میں جائیں اور جہاں جہاں آدم خور نظر آتے اسے ختم کر دیں۔ پھر ہم اس جزیرے پر سلامتی کے ساتھ اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں گے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو آج ہی یہاں سے لنگر اٹھا کر کسی دوسرے جزیرے کی طرف روانہ ہو جائیں۔"

کپتان یہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہاں سے دوسرے جزیرے پر جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں سخت خطرہ تھا کہ راستے میں وہ کسی امریکی جہاز کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ اس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

سارے ملاح خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ انہیں لو۔ سیکیورٹی گارڈ کے انچارج نے کہا۔

"کل حملے کا پلان تیار کیا جائے گا۔"

جان بچا کر بھاگ کر آتے ہوئے جاپانی ملاح کی اطلاع کی روشنی میں آدم خوروں پر حملے کی سکیم تیار کی گئی۔ ملاح زیادہ نہیں تھے۔ کل تعداد بارہ تیرہ انسانوں کی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو مشین گنوں وغیرہ سے لیس کیا اور سیکورٹی گارڈ کپتان کی کمانڈ میں جنگل میں ایڈوانس شروع کر دیا۔ وہ تین طرف سے جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ ان سب نے اس جگہ جا کر مل جانا تھا جہاں بھاگتے ہوئے ملاح نے بتایا تھا کہ آدم خوروں کا ڈیرہ ہے۔ دوپہر کے وقت یہ سارے ملاح مشین گنیں اور دستی بم لے کر اس جگہ جا کر آپس میں مل گئے۔

جنگل میں گرمی اور حبس تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ آدم خوروں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں مگر وہاں ایک بھی جنگلی آدم خور نہیں ہے۔ جھونپڑیوں کی تلاشی لی گئی وہاں سے سوائے مٹی کے برتنوں کے کچھ بھی نہ نکلا۔ نیزے اور تلواریں اور تیر کمان آدم خور ساتھ ہی لے گئے تھے۔ ایک جھونپڑی کا دروازہ کھولا گیا تو اندر انسانی پنجروں اور ہڈیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ اس ڈھیر کو دیکھ کر وہ ڈر گئے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اتنے ڈھانچے لوگ یہ کہاں سے لے آتے تھے؟"

"ان سب کو یہ آدم خور ہڑپ کر گئے ہیں۔"

"جھونپڑیوں کو آگ لگا دو۔"

اسی وقت ساری جھونپڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ یہ لوگ جو ان جھونپڑیوں میں رہتے تھے آدم خور نہیں تھے۔ بلکہ اگر کبھی کوئی سفید چمڑی والا ملاح بھولا بھٹکا وہاں آ نکلتا تھا اور ان کے ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ اپنے دیوتا کے آگے اس کا دل نکال کر پیش کرتے تھے۔ اور جھونپڑی میں جو انسانی پنجر پڑے تھے وہ ان کے مردہ ساتھیوں کے پنجر تھے جنہیں وہ قبروں سے نکال کر سنبھال کر رکھ لیتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جس مردے کا پنجر قبر سے نہ نکالا جائے وہ بھوت بن کر آ جاتا ہے۔ جاپانی ملاحوں نے جھونپڑیوں کو آگ لگا دی۔

جنگل میں دھواں اٹھا تو پرندے درختوں پر سے شور مچاتے اڑ گئے۔ جنگلی وحشی دور درختوں میں چھپے اپنی جھونپڑیوں کو جلتا دیکھ رہے تھے۔ آخر انہوں نے جاپانیوں پر بلہ بول دیا۔ جاپانیوں نے گولیوں اور دستی بموں کی بارش کر دی۔ جنگل مشین گن کی آوازوں اور دستی بموں کے دھماکوں سے گونج اٹھا۔ کتنے ہی جنگلی مارے گئے باقی بھاگ گئے۔

شام کو جاپانی خوشی خوشی اپنے جہاز پہ آ گئے۔ انہوں نے سو ڈیڑھ سو جنگلی وحشیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔۔۔ بڑے خوش تھے کہ آدھے آدم خور مارے جا چکے ہیں اور باقیوں کا دوسرے روز صفایا کر دیا جائے گا۔ اس رات جنگل کی طرف سے وحشی لڑکی کی بھیانک چیخ بار بار سنی گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ وحشی لڑکی اپنے جنگل والے ساتھیوں کی موت پر بین کر رہی ہے۔ ماریا جنگل کے رہنے والوں سے خوب واقف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اب ان جاپانیوں کی خیر نہیں ہے۔ جنگل کے لوگ ان سے اپنے ساتھیوں کا ضرور بدلہ لینے آئیں گے۔

ماریا نے صرف اتنا کیا کہ جہاز پر رات کو سونا بند کر دیا۔ اب وہ جہاز سے دور ایک درخت کے نیچے سویا کرتی تھی۔ اس کو جاپانی کپتان، اس کی بیوی اور اس کی بچی سے بھی بڑی ہمدردی تھی۔ وہ ان کو جنگلی وحشیوں کے انتقام کی آگ سے بچانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک دن ایک خط لکھا اور جاپانی کپتان کی بیوی کی میز پر رکھ دیا۔ اس عورت نے میز پر اپنی زبان میں خط لکھا دیکھا تو اٹھا کر پڑھنے لگی۔ پھر وہ اسے لے کر اپنے خاوند کے پاس آ گئی۔ اس نے بھی خط پڑھا۔ لکھا تھا۔

"عزیز بہن! یہ خط میں تم کو ایک تباہی سے بچانے کے لئے لکھ رہی ہوں تمہارے آدمیوں نے جنگلی لوگوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا قتل عام کر کے اچھی بات نہیں کی۔ تم اپنے خاوند اور بچی کو لے کر اس جہاز سے دور کسی نئے خیمے میں رات کو سویا کرو۔ امید ہے تم میری اس نصیحت پر ضرور عمل کرو گی۔

تمہاری ایک ہمدرد۔"

کپتان نے تعجب سے کہا۔

"یہ کون عورت ہو سکتی ہے؟ یہاں تو تمہارے سوا کوئی بھی عورت نہیں ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ یہ خط جنگل کی وحشی عورت یا بدروح نے لکھ دیا ہو؟"

کپتان کی بیوی بولی۔

"وہ تو بدروح ہے۔ بدروح خط نہیں لکھا کرتیں۔"

"پھر یہ کس نے خط لکھا ہے؟"

"جس نے بھی لکھا ہے۔ ہماری بھلائی کے لئے لکھا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اور اپنی بچی کی زندگی کی خاطر رات کو جہاز سے دور سویا کریں۔"

کپتان نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

اسی روز کپتان نے خیمے میں سونا شروع کر دیا۔ یہ خیمہ جہاز سے ذرا فاصلے پر درختوں کے درمیان لگا تھا۔ ملاح بھی دور دور اپنی نئی بنی ہوئی جھونپڑیوں میں سوتے تھے۔ کپتان کے لئے ایک

خوبصورت سی جھونپڑی تیار کی جا رہی تھی۔

جزیرے کے آسمان پر صبح ہی سے بادل چھائے ہوئے تھے۔ شام کو بادل اور زیادہ کالے سیاہ ہو گئے۔ بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ بادل اتنے زور سے دھماکے کے ساتھ گرجتا کہ سارا جزیرہ دہل جاتا۔ سمندر میں بھی بڑی بڑی لہریں اٹھنے لگی تھیں جو اندر کھاڑی میں آ کر جہاز کو اپنی جگہ سے ہلا رہی تھیں۔ سارے ملاح اپنی اپنی جھونپڑیوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ ملیا بھی ایک خالی جھونپڑی میں بیٹھی تھی۔ اچانک بوندا باندی شروع ہو گئی۔ بوندا باندی نے بہت جلد شدید اور موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔

بارش۔ چمک۔ گرج۔

سارے جزیرے کے درخت تیز ہوا اور بارش میں مدہوش ہو رہے تھے۔ پرندے طوفان سے سہم کر اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے ملیا کی جھونپڑی ٹپکنے لگی۔ وہ اٹھی اور اس نے جگہ بدلی سامنے والی دیوار کے پاس آ کر بنچ پر لیٹ گئی۔ اسے باہر ایسی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی اس کی جھونپڑی کے آگے سے گزر رہا ہو۔ ملیا نے اٹھ کر جھونپڑی کی کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اسے تو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑی آزادی سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سر باہر نکالے جھانک رہی تھی۔ اس نے دو نیم برہنہ جنگلیوں کو نیزے ہاتھوں میں لئے دبے پاؤں ایک جھونپڑی کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ جنگلیوں نے جوابی حملہ شروع کر دیا ہے۔ وہ خاموش رہی۔ اسے صدمہ تھا کہ جاپانی ملاحوں نے جنگلیوں کا قتل عام کر دیا تھا۔ جب کہ انہوں نے ان کے کسی آدمی کو کچھ نہیں کہا تھا۔ دونوں جنگلی ملاحوں کی جھونپڑی میں گھس گئے۔

ٹھیک اس وقت بادل زور سے گرجنے لگا۔ اور جنگل کی طرف سے وحشی عورت کی بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور سارا جنگل اس آواز کے خوف سے کانپ اٹھا۔ ماریا نے بھی کھڑکی بند کر دی اور دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی جو حالات آگے آنے والے تھے ان پر غور کرنے لگی۔

صبح جھونپڑی میں دو ملاحوں کی لاشیں پائی گئیں۔ ان کے سینوں میں نیزے گڑے تھے اور دونوں کے سر غائب تھے۔

○

جزیرے پر کیا قیامت گزری؟
عنبر خلائی جہاز میں کہاں نکل گیا؟
ماریا اس جزیرے سے کس طرح نکل سکی؟
اور ناگ پر کیا گزری؟
اس کا حال آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں۔

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

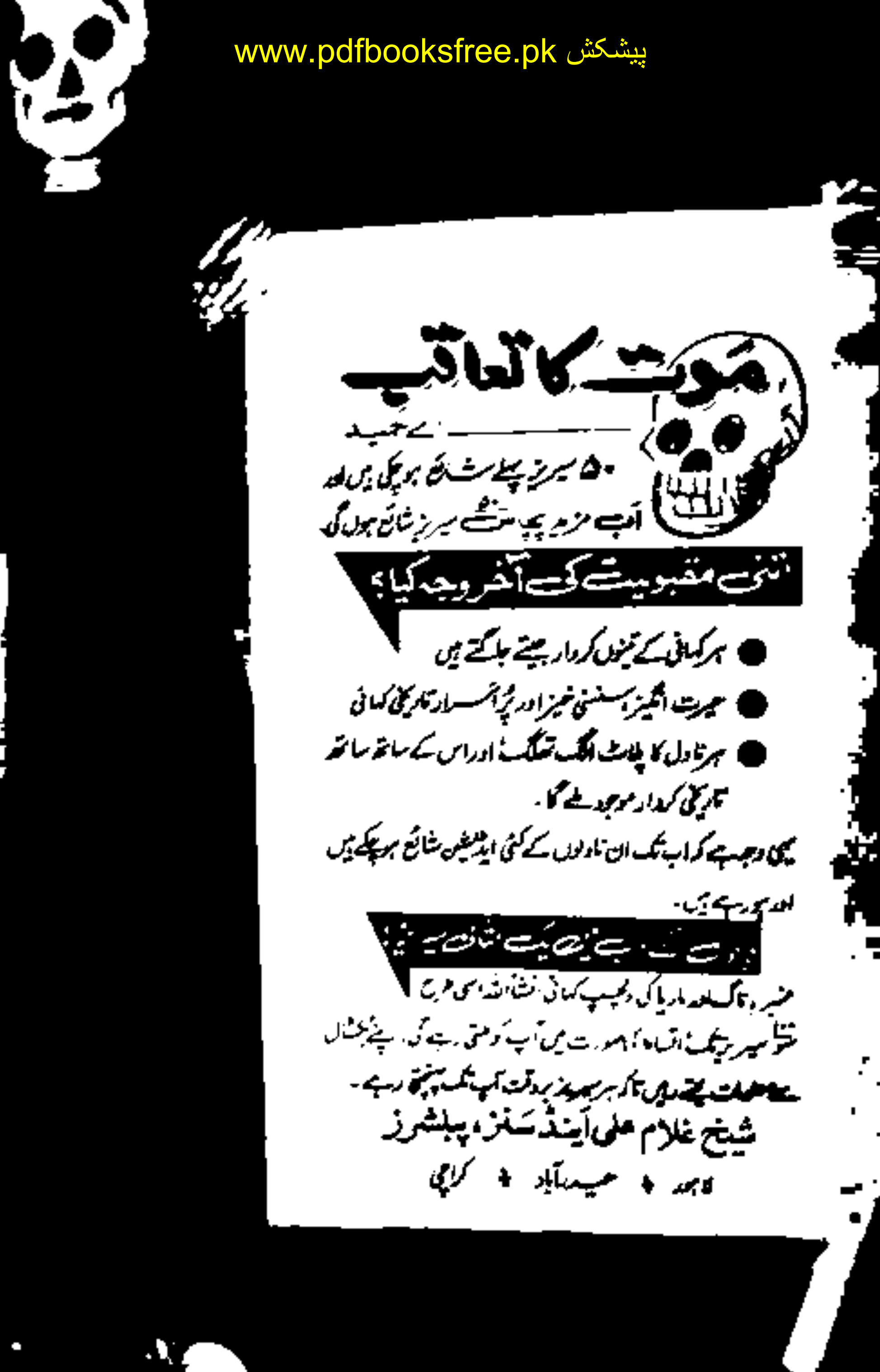

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس سیریز شائع ہوں گی

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

[illegible]

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح
تواتر سے [illegible] آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک اسٹال
سے معلومات کرتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ◆ حیدرآباد ◆ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

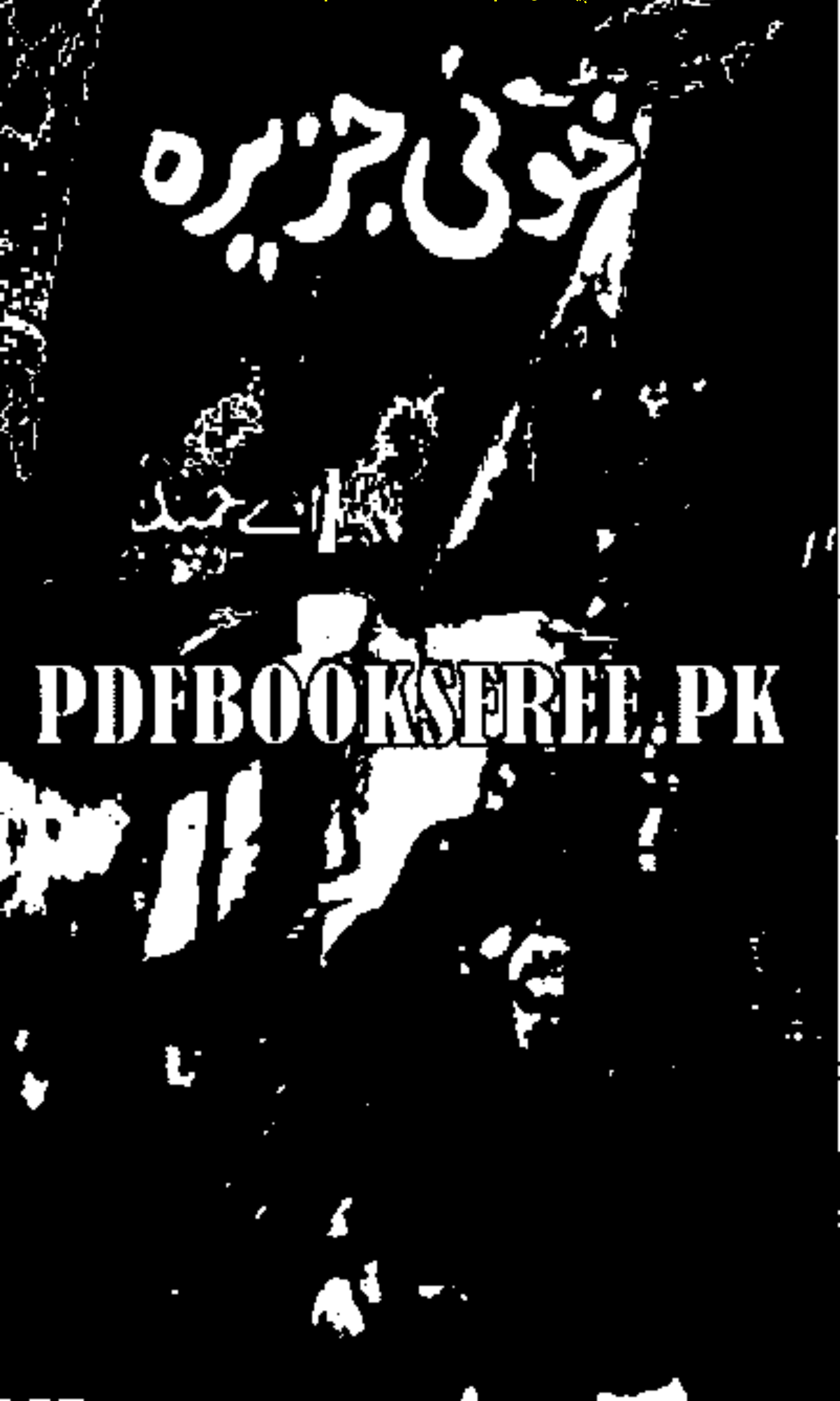

خونی جزیرہ

اے حمید

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موت کا تعاقب ۲۴
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خونی جزیرہ

اے حمید

[illegible] الادب [illegible]
[illegible] روڈ۔ [illegible]۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

ناشر: شیخ نیاز احمد۔
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔
SH: GHULAM ALI &
SONS (PVT) LAHORE

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

- خونی جزیرہ ۵
- منا کو ڈاکو ۲۷
- رتنا ۴۳
- جہاز سے فرار ۶۰
- دو لاشیں ۷۷
- خلائی سگنل ۹۹

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو: جاپانی کمانڈر اپنے جہاز کو لے کر جزیرے کی کھاڑی میں آجاتا ہے۔ یہاں اس کے ملاح جنگل میں جا رہے ہوتے ہیں کہ انہیں جزیرے کے وحشی پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ماریا جہاز پر رہتی ہے۔ اسی رات۔۔۔ آدھی رات کے بعد جبکہ جزیرے پر خاموشی چھائی ہوتی ہے۔ ماریا جزیرے کی جانب سے آتی ہوئی کسی لڑکی کی چیخ کی آواز سنتی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں جاتی ہے۔ اس کے بعد جاپانی جہاز وہاں سے چلا جاتا ہے اور ماریا جزیرے پر اکیلی رہ جاتی ہے۔ وہ پریشان ہے کہ اب اس جزیرے سے کس طرح باہر نکلے گی۔ ایک دن وہ وحشی لڑکی کی تلاش کرتے کرتے جزیرے میں دور نکل جاتی ہے۔ جب واپس آتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ جزیرے کی کھاڑی میں ایک بحری جہاز کھڑا ہے۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑتا ہے۔ اب وہ جزیرے سے نکل سکے گی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ بحری جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا کالا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس کے بعد کا حال آپ خود پڑھیے۔

انوار الادب لائبریری
محقق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

خونی جزیرہ

●

ملاحوں کی لاشوں نے خوف و ہراس پھیلا دیا۔

دونوں لاشوں کے سر غائب تھے۔ کپتان نے اسی وقت سب کو بلا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے جزیرے کے آدم خور بدلے لے رہے ہیں۔ ہمیں خبردار ہو جانا چاہیے۔ آج سے دو آدمی بندوقیں لے کر رات کو پہرہ دیا کریں گے۔"

پہرے سے کیا ہوتا تھا۔ جزیرے کے جنگلی لوگ بڑے ہوشیار تھے اور وہ جنگل میں سانپ کی طرح رینگ کر بھی اپنے دشمن پر حملہ کر سکتے تھے۔ پس دو راتیں چھوڑ کر تیسری رات بھی دو ملاحوں کی لاشیں ان کی جھونپڑیوں میں پڑی تھیں۔ ان کے بھی سر غائب تھے۔ سارے ملاح گھبرا گئے۔ اگر اتنے سخت پہرے میں بھی دشمن ان کے کیمپ میں گھس کر انہیں ہلاک کر سکتا ہے تو پھر وہاں کسی کی بھی جان محفوظ نہیں تھی۔ کپتان خود پریشان تھا۔ اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پنی بیوی اور بچی کی جان کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب ملاح جھونپڑیاں چھوڑ کر جہاز پر چلے جائیں اور جہاز کو کھاڑی کے اندر کنارے سے دور کھڑا کر دیا جائے۔ جہاز کو پانی میں کنارے سے دور لے جایا گیا۔ سارے ملاح اس کے اوپر آ گئے تھے۔ کپتان اور اس کی بیوی بچی بھی اپنے کیبن میں آ چکے تھے۔ رات کو کیبن کو اندر سے تالا لگا دیا گیا۔ جہاز کے عرشے پر زبردست پہرہ لگا دیا گیا۔

مگر جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ دو روز بعد صبح کے وقت جہاز کے عرشے پر دو پہریداروں کی لاشیں پڑی تھیں اور ان کے سر غائب تھے۔ اب صرف چار ملاح باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے کپتان سے اجازت لیے بغیر اپنے ساتھیوں کی موت کا بدلہ لینے کے لئے توپوں کا رخ جزیرے کی طرف کر کے گولہ باری شروع کر دی۔ دھائیں دھائیں جزیرے میں بڑے چھوٹے پرندے شور مچاتے درختوں سے اڑ گئے۔ درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ کئی جھونپڑیوں پر آگ لگ گئی اور دھواں اٹھنے لگا۔

بڑی مشکل سے کپتان نے خود جا کر گولہ باری بند کرائی۔ اسے لگتا تھا کہ چاروں ملاح اپنے ساتھیوں کی موت کی وجہ سے دیوانے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کپتان سے کہا۔

"ہمارے ساتھیوں کا بدلہ لیا جائے۔ جزیرے کو تباہ کر دیا جائے۔ یا پھر ہماری حفاظت کی ضمانت دی جائے"

کپتان نے کہا۔

"میرے بچو! میں خود تمہاری کشتی میں سوار ہوں۔ میں کسی کی جان کی کیا ضمانت دے سکتا ہوں۔ خود میری اور میرے بیوی بچوں کی زندگی خطرے میں ہے۔"

ماریا یہ سارا تماشہ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا اسے معلوم تھا کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ان ملاحوں نے بڑی بے دردی سے جنگلی لوگوں کا قتل عام کیا تھا۔ اب اگر وہ بدلہ لے رہے تھے تو اس میں حیرانی کی کون سی بات تھی؟

جاپانی کپتان نے تو اپنے کیبن میں اپنے بال بچوں کو بند کر لیا تھا۔ باقی جو چار ملاح رہ گئے تھے انہوں نے پہرے داری کر رکھی تھی۔ انہیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ تھا۔ دن کی روشنی میں وہ ادھر ادھر کے کاموں میں لگے رہتے مگر جونہی رات آتی وہ مشین گنیں لے کر چوکس ہو کر اپنے اپنے کیبن اندر سے بند کر کے بیٹھ جاتے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آدھی رات تک تو وہ جاگتے رہتے مگر اس کے بعد انہیں نیند آجاتی اور وہ اونگھنے لگتے۔

موت کے خوف نے ان سے نیند کا مزہ بھی چھین لیا تھا۔

ماریا بھی جہاز پر آ گئی تھی اور رات کو اکثر جاگتی رہا کرتی تھی۔ کئی روز سے وہ جنگل میں بھی نہیں گئی تھی جس رات ان ملاحوں نے جزیرے پر گولہ باری کی تھی اس روز رات کے پچھلے پہر وحشی لڑکی کی آواز تھوڑی دیر کے لئے سنائی دی تھی۔ اس بھیانک آواز نے گولہ باری کے بعد تباہ شدہ علاقے کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ اس آواز کو کسی دوسرے ملاح نے نہیں سنا تھا۔

سب سے زیادہ پریشان جاپانی کپتان کی بیوی تھی۔ اسے اپنے خاوند اور اپنی بیٹی کی فکر تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے کہا۔

"یہاں سے چلے چلو۔ ہماری اور ہماری بچی کی جان یہاں خطرے میں ہے اب ہمیں یہاں رہ کر کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی ایک ایک کرکے مارے جا رہے ہیں۔ ایک روز ہماری باری بھی آ جائے گی۔ ابھی وقت ہے۔ ہم

جہاز یہاں سے نکال کر لے جاتے ہیں اور کسی دوسرے جزیرے کو تلاش کرتے ہیں۔"

جاپانی کپتان نے کہا۔

"بیگم سارے جزیرے ایسے ہی ہیں۔ اگر ہم کسی دوسرے جزیرے پر چلے بھی گئے تو وہاں بھی آدم خور آ جائیں گے۔"

"تو پھر واپس جاپان چلے چلو۔ ہم امریکیوں کے قیدی بن کر باقی زندگی گذار لیں گے مگر میں اس ویران جزیرے پر اپنی بچی اور اپنے خاوند کو مرتے نہیں دیکھ سکتی۔"

کپتان گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کسی حد تک اس کی بیوی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ یہاں سے انہیں چلے جانا چاہیے۔ جزیرے کے جنگلی لوگ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ لیکن کپتان جائے بھی تو کہاں جائے؟ دوسرے جزیروں پر بھی آدم خوروں کا ڈر تھا۔ کھلے سمندر میں بمباری کا خطرہ تھا اور جاپان میں امریکی ہتھکڑیاں لے کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے باوجود اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی بیوی اور بچی کی زندگی کی خاطر اسے بہت جلد جزیرے سے کوچ کر جانا چاہیے

اسی رات جہاز پر آدھی رات کے وقت جزیرے کے جنگلی دبے پاؤں آئے اور انہوں نے سب سے پہلے تو عرشے پر پہرہ دینے والے دو ملاحوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹے اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پھر نیچے کیبن میں جا کر باقی سوئے ہوئے دو ملاحوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ صبح ان کی لاشیں سمندری کھاڑی میں ڈال دی گئیں۔ اب کپتان اور اس کی بیوی بچی بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ اس کی بیوی تو رونے لگی "خدا کے لئے یہاں سے جہاز چلو۔ ابھی اسی وقت۔ میں اپنی بچی کی زندگی کی دشمن نہیں ہوں یہ خونی جزیرہ ہے۔ اسے چھوڑ دو"

جاپانی کپتان اب خود وہاں سے چلے جانا چاہتا تھا مگر مصیبت یہ تھی کہ کھاڑی میں پانی اتر گیا تھا اور جہاز نیچے کیچڑ میں دھنس چکا تھا۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ سمندر کی طرف سے پانی کھاڑی میں داخل ہو۔ پانی جہاز کو اوپر اٹھائے اور وہ پھر وہاں سے چل کر سمندر میں آ جائے۔

"ہمیں سمندر کے پانی کا انتظار کرنا پڑے گا جب تک پانی کی لہر کھاڑی میں نہیں آتی ہم یہاں سے نہیں جا سکتے" بیوی نے کہا۔

"اس جہاز کو یہیں چھوڑ دو۔ ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے چلے جاتے ہیں"

"کشتی میں سوار ہو کر ہم کھلے سمندر میں کہاں جائیں گے؟ یہ تو سیدھی موت کی طرف جانے والی بات ہوگی۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور کچھ وقت انتظار کرو مجھے یقین ہے یہ جنگلی

لوگ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم دیکھ لینا وہ اب اس جہاز کو آگ لگائیں گے۔"

لیکن کپتان کا خیال ٹھیک تھا۔ جنگلی لوگوں کو ان سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ جانے کیسے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ جزیرے پہ گولہ باری کپتان کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ چار پانچ روز گزر گئے اور کوئی جنگلی جہاز پر نہ آیا۔ اب کھاڑی میں سمندر کا پانی داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ابھی اتنا پانی نہیں آیا تھا کہ جہاز کیچڑ میں سے نکل سکتا۔ کپتان کی بیوی وہاں نہ رہنے کی ضد کر چکی تھی۔

ایک روز رات کو ماریا نے کچھ جنگلی پھل کھانے اور جنگل کی طرف سیر کرنے نکل گئی۔ جہاز پر خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ مگر جنگلی پھل اور تازہ پانی کافی تھا۔ ان کا گزارہ اب پھلوں پر ہو رہا تھا۔

کپتان کا خیال جزیرے پر کھیتی باڑی کا تھا لیکن دوسروں کے بغیر وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک جنگل میں سیر کرنے کے بعد ماریا جہاز پر آ گئی۔ اس روز گرمی تھی۔ کپتان اور اس کی بیوی تو ڈر کے مارے کیبن کے سوتے تھے۔ ماریا جہاز کے اوپر عرشے پر سوتی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھی۔

آدھی رات تک ماریا عرشے پر بیٹھی آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتی اور عنبر ناگ کے بارے میں سوچتی رہی پھر وہ اونگھنے لگی۔

ابھی وہ پوری طرح سوئی نہیں تھی کہ اسے جزیرے میں دور سے وحشی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم سے ہوشیار ہو گئی۔ رات کی خاموشی میں یہ آواز بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ اس نے جزیرے کی خاموشی کو زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ دوسری بار آواز نہ آئی۔ ماریا نے سوچا کہ شاید وحشی لڑکی سو گئی ہے۔ چنانچہ وہ بھی سو گئی۔

اب ایسا ہوا کہ کپتان کی بیوی اپنے کیبن میں بچی کو سلا کر کتاب پڑھنے لگی۔ اس کا خاوند کپتان بھی سو گیا تھا۔ بیگم کو خوف کے مارے رات کو بہت کم نیند آتی تھی۔ وہ زیادہ تر دن میں سوتی رہتی تھی۔

اچانک کپتان کی بیگم نے آہٹ کی آواز سنی، اس کے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ کتاب پر سے نظر ہٹا کر کیبن کی گول کھڑکی کے شیشے کو تکنے لگی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی کھڑکی پر پڑ رہی تھی۔ اسے کھڑکی میں کوئی شکل نظر نہ آئی۔ بیگم نے اپنی بچی کو ساتھ لگا لیا اور اسے تھپکنے لگی۔

اتنے میں جیسے کسی نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا۔ اب تو کپتان کی بیوی کی جان ہی نکل گئی۔ اس نے جلدی سے کپتان کو جگا دیا اور آہستہ سے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"کوئی دروازے پر ہے۔"

کپتان آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور بیوی کی بات سن کر عینک لگا کر بڑے غور سے دروازے کو دیکھنے لگا جس پر تالا پڑا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟ میرا خیال ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے"

"وحشی!"

دروازہ پھر اندر کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ کپتان نے پستول نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ اس نے پستول کا رخ دروازے کی طرف کر کے بلند آواز سے کہا۔

"کون ہے؟"

اس کے ساتھ ہی دروازے پر جیسے کسی نے زور سے ہاتھ مارا اور پھر وہی جزیرے کے جنگل والی وحشی لڑکی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی جس کو سن کر کپتان کی بیوی ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ کپتان نے جلدی سے اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سنبھالا۔ چیخ کی آواز نے ماریا کو بھی جگا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔

اس نے دیکھا کہ ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں وہی جنگل والی وحشی لڑکی عرشے پر جنگلے کے پاس کھڑی ہے۔ اس کے لمبے سیاہ بال سمندر کی طرف سے آنے والی ہواؤں میں لہرا رہے تھے۔ وحشی لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ماریا کی موجودگی کا پتہ چل گیا ہے۔ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تھوڑے فاصلے پر ایک لڑکی کھڑی ہے۔ جو عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتی۔ ماریا بھی ٹھٹھک گئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی۔ جب وہ قریب پہنچی تو وحشی لڑکی نے جنگلے پر سے کود کر کھاڑی میں چھلانگ لگا دی۔

ماریا جلدی سے جنگلے پر آئی اور جھک کر نیچے دیکھنے لگی۔

وحشی لڑکی کھاڑی کے پانی میں تیرتی ہوئی دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔ جزیرے میں رات کے اندھیرے میں وہ تھوڑی دور تک تیرتی ہوئی نظر آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔ اتنے میں کپتان بھی پستول ہاتھ میں لئے اوپر آ گیا۔ نیچے اس کی بیوی کی رونے کی آواز آ

رہی تھی۔ کپتان نے سمندر کی طرف گولیاں چلا دیں۔ ماریا نے سوچا کہ یہ وحشی لڑکی جہاز پر کیا لینے آئی تھی؟ کیا اسے کسی شے کی ضرورت تھی؟ مگر اسے کس شے کی ضرورت ہو سکتی ہے؟

ساری رات ماریا یہی سوچتی رہی۔ وحشی لڑکی اس کے لئے ایک معمہ بن چکی تھی۔ دن نکل آیا۔ کھاڑی میں کافی پانی آ گیا تھا اور جہاز کیچڑ میں سے نکل آیا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ جنگل میں چل کر آج اس پراسرار وحشی لڑکی کا راز حل کرنا چاہیے پتہ کرنا چاہیے کہ یہ لڑکی کون ہے؟ اور اس جنگل میں اسے کون چھوڑ گیا ہے!

ماریا جہاز کی سیڑھی پر سے نیچے اتری اور پانی میں سے ہو کر جزیرے کے کنارے آ گئی۔ یہاں سے اس نے جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ادھر کپتان کی بیوی اور کپتان نے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ملاحوں نے سیڑھی اوپر اٹھا لی۔ کپتان نے انجن چلا دیئے۔ انجن ذرا گرم ہوئے تو کپتان نے لیور کھول کر آگے کو دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے بڑی آہستگی سے بائیں جانب یعنی سمندر کی طرف گھومنا شروع کر دیا۔ کھاڑی میں جہاز کی رفتار تھوڑی تھی وہ بڑھے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آرام سے بائیں جانب درختوں میں گھوم گیا۔ کھاڑی میں کافی پانی آ گیا تھا۔ کچھ دور تک وہ ہلکی رفتار سے چلتا رہا اور پھر سمندر میں داخل ہو گیا۔ کپتان کی بیوی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خونی جزیرے سے اس کی جان چھوٹی۔

ادھر ماریا کو کوئی خبر نہیں تھی کہ جہاز وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ جنگل میں اس کھوہ کی طرف چلی جا رہی تھی جہاں اس نے وحشی لڑکی کا بستر دیکھا تھا۔ یعنی جہاں کیلے کے پتوں کا بستر لگا تھا۔ وہ جگہ خالی تھی۔ وحشی لڑکی وہاں نہیں تھی۔ ماریا جنگل میں دوسری طرف نکل گئی۔ ایک جگہ اس نے کچھ جھونپڑیاں دیکھیں۔ گولہ باری نے اس علاقے کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ کئی درخت ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے۔ زمین میں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے۔ کہیں کہیں درخت جل کر سیاہ ہو چکے تھے۔ ماریا ان جھونپڑوں کے پاس گئی۔

ان جھونپڑوں کے پیچھے درختوں کے نیچے کچھ عورتیں بیٹھی چٹائیاں بنا رہی تھیں۔ ان کے بچے گھاس پر کھیل رہے تھے۔ دو ایک جوان لڑکیاں ناریل کی چھال اتار رہی تھیں۔ ماریا ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ مرد یہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ امن پسند لوگ تھے۔ ماریا یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی

کہ یہ لوگ آدم خور ہوں گے۔ جاپانی ملاحوں نے ان کے گاؤں پر گولہ باری کر کے اور ان کے مردوں کو گولیوں سے اڑا کر بڑی زیادتی کی تھی۔ خیر ان لوگوں نے بھی بدلہ لے لیا اور ایک ایک کر کے سارے جاپانی ملاحوں کو ختم کر دیا۔

ذرا فاصلے پر ماریا نے ایک درخت دیکھا جس کی شاخوں سے انسانی سر لٹکے ہوئے تھے۔ ماریا قریب گئی تو معلوم ہوا کہ یہ سارے کے سارے سر جاپانی ملاحوں کے ہیں۔ یہ سر ناریل کی رسیوں سے لٹکائے گئے تھے۔ پھر ایک جانب درختوں سے کچھ وحشی وہاں آئے اور انہوں نے تیر چلا کر ان سروں پر نشانہ بازی شروع کر دی۔ یہ لوگ اس قدر ماہر نشانہ باز تھے کہ دور سے بھی تیر آ کر ٹھیک نشانے پر لگتا تھا۔

ماریا یہ نشانہ بازی کچھ دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر وہ بائیں طرف کو جنگل میں آ گئی۔ یہاں بڑی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ درختوں کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں۔ ان وحشی لوگوں نے یہاں جھاڑیاں کاٹ کر پگ ڈنڈی سی بنا رکھی تھی۔ اس پگڈنڈی پر چلتی ماریا ایک ندی کے پاس آ کر رک گئی۔ یہ بڑی خوبصورت ندی تھی۔ صاف شفاف پانی بڑے سکون سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بہہ رہا تھا۔ ماریا نے جھک کر پانی پیا۔ بڑا ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا۔ ماریا نے منہ ہاتھ دھویا اور وہاں بیٹھ کر آرام کرنے لگی۔

اسے جس کی تلاش تھی وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ماریا اٹھ کر ندی کے کنارے کنارے چل دی۔

اب اسے کچھ آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ان آوازوں کی طرف لپکی کہ شاید کوئی راز مل جائے۔ آگے جا کر درختوں کے درمیان کچھ وحشی بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک اونچی جگہ بنی تھی جس پر وہی وحشی لڑکی کیلے کے پتوں کا لباس پہنے خاموش کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ بال نیچے لہرا رہے تھے۔ اس کے سر پر سرخ پھول سجا ہوا تھا۔ وہ خاموش کھڑی وحشی لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنگلی مرد اس وحشی لڑکی کے آگے بڑے ادب سے کچھ سہمے سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ وہ اس کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اسے کوئی آسمانی دیوی سمجھتے ہوں۔

ماریا اس وحشی لڑکی کو اچانک ان وحشی مردوں کے بیچ میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بڑی خاموشی سے ایک درخت کے ساتھ لگ کر یہ منظر دیکھنے لگی۔ اچانک وحشی لڑکی نے فضا میں نتھنے پھلا کر کچھ سونگھا اور پھر ہاتھ اوپر اٹھا کر اس درخت کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ لگ کر ماریا کھڑی تھی۔ وحشی لوگوں نے ایک دم سے کمانوں پر تیر چڑھا لیے اور درخت کی طرف نشانہ کر کے تیر چھوڑ دیے۔

مگر ماریا پھرتی سے کام لے کر وہاں سے دوسری طرف نہ ہٹ جاتی تو آج اسے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ سارے کے سارے زہر میں بجھے ہوئے تیر اس کے جسم میں کھب جاتے۔

ماریا گھبرا گئی۔ اس کم بخت وحشی لڑکی کو تو پتہ چل جاتا ہے کہ ماریا کہاں کھڑی ہے۔ ماریا تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگی اور ذرا فاصلے پر جا کر جھاڑیوں میں چھپ کر انہیں تکنے لگی۔ اب شاید وحشی لڑکی کو ماریا کی بو نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے وحشیوں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

اب انھوں نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ وحشی لڑکی بالکل خاموش رہی۔ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ صرف اشاروں سے جواب دے رہی تھی۔ جنگلی لوگ کیلے کے پتوں پہ پھل، مچھلی یا بکری کا گوشت رکھ کر وحشی لڑکی کے سامنے لے جاتے۔ وحشی لڑکی اس پر ہاتھ رکھتی اور وہ واپس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ ماریا کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔ وحشی لڑکی ان جنگلی لوگوں کی دیوی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ محفل ختم ہو گئی۔ وحشی لڑکی سب سے پہلے اس چبوترے سے اتر کر پچھلی طرف جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ اس کے بعد وحشی لوگ بھی ایک ایک کر کے اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف چلے گئے۔

ماریا نے اب دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس پراسرار وحشی لڑکی سے ضرور ملے گی۔ وہ واپس ہوئی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ جہاز پر جا کر کچھ پھل کھائے گی۔

جونہی وہ کھاڑی کے کنارے آئی تو یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ وہاں جہاز نہیں تھا۔ اس نے کھاڑی کے کنارے کنارے بھاگ کر آگے تک دیکھا۔ جہاز کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ آخر کپتان کی بیوی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اور جاپانی کپتان جہاز کو کھاڑی میں سے نکال کر لے گیا ہے۔

اب ماریا کو فکر ہوئی۔ کیونکہ وہ جزیرے پر بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ پہلے اسے کم از کم یہ تسلی ضرور تھی کہ جاپانی جہاز کھاڑی میں تھا اور وہ اس پر سوار ہو کر جزیرے سے واپس جا سکتی تھی۔ مگر اب تو اس جزیرے سے نکلنے کی آخری امید بھی ختم ہو چکی تھی۔ جس جاپانی جہاز پر بیٹھ کر وہ جزیرے سے جا سکتی تھی وہ بھی اب وہاں نہیں رہا تھا۔ ماریا ایک جگہ بیٹھ کر غور کرنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔

یہ بات تو بالکل صاف تھی کہ جب تک اس جزیرے پر پھل اور پانی والا تھا، وہ یہاں رہ سکتی تھی مگر سوال یہ تھا کہ وہ کب تک وہاں پڑی رہے گی۔ بہت کم امید تھی کہ اس جزیرے پر کوئی جہاز آ کر لگے۔ ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے جنگل میں گھوم پھر کر کچھ پھل توڑ کر کھائے۔ چشمے پر جا کر پانی پیا اور شاخوں کی بنی ہوئی لکڑی کی ایک جھونپڑی میں جا کر لیٹ گئی۔

لیٹے لیٹے اسے نیند آ گئی۔ شام کو اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے پھر کچھ پھل کھائے پانی پیا۔ ندی پر جا کر غسل کیا۔ کپڑے دھو کر پھر پہنے اور جزیرے کی گرم ہوا میں چل پھر کر گیلے کپڑے سکھانے لگی۔ گھومتے پھرتے رات ہو گئی۔ جزیرے پر چاند نکل آیا۔ چاندنی میں جزیرے کے درخت خوبصورت دکھائی دینے لگے اور کھاڑی کا پانی شیشے کی طرح چمکنے لگا۔

ماریا سیر کرتے کرتے تھک گئی تو اپنی جھونپڑی میں آ کر لیٹ گئی۔ کچھ دیر اس نے وقت بیکار کرنے میں گزار دیا۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

آدھی رات کو اسے پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ابھی وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ ٹھٹک کر وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ جھونپڑی کی کھلی کھڑکی میں سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ کھڑکی میں وحشی لڑکی کا سر دکھائی دے رہا ہے۔ اس کے بال کھلے ہیں۔ اور چاندنی میں سونے کے تار چمک رہے ہیں۔ وہ کھڑکی میں سے اندر دیکھ رہی تھی۔ شاید ماریا کو سوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ماریا نے کنکھیوں سے اسے تکنا شروع کر دیا۔ سوچنے لگی۔ یہ وحشی لڑکی وہاں کیا کرنے آئی ہے؟ کیا اسے ہلاک کرنے آئی ہے؟

مگر اسے ماریا کو مارنے کی کیا ضرورت ہے؟

ویسے بھی وہ ماریا کے خلاف نہ تھی۔ مگر ہاں جنگل میں ایک بار اس نے وحشی لوگوں کو اس پر تیروں کی بارش کا حکم دے دیا تھا۔ جہاں ماریا کے دل میں عجیب کشمکش جاری تھی۔ کبھی وہ سوچتی کہ یہاں سے بھاگ جائے۔ کبھی وہ سوچتی کہ یونہی جھوٹ موٹ نیند کا بہانہ بنا کر سوتی رہے اور دیکھے کہ یہ وحشی لڑکی کیا کرتی ہے؟ اگر اس نے ماریا کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو وہ بڑی آسانی سے اسے گرا دے گی۔

اتنا سوچ کر ماریا نے آنکھیں بند کر لیں اور وحشی لڑکی کا انتظار کرنے لگی۔ وحشی لڑکی نے جب دیکھا کہ ماریا بے سدھ سو رہی ہے تو وہ جھونپڑی کی کھڑکی سے اندر آ گئی۔ ماریا نے تھوڑی سی آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ وہ بالکل اس کے سرہانے کھڑی تھی اور اپنی زرد زرد چمکیلی آنکھوں سے اسے تک رہی تھی۔ پھر وہ ماریا پر جھک گئی۔

ماریا بڑی حیران تھی کہ یہ کم بخت اس کو کیسے دیکھ رہی ہے؟ اصل میں وحشی لڑکی ماریا کو دیکھ نہیں رہی تھی بلکہ اسے اپنی چھٹی حس کے ذریعے احساس ہو رہا تھا کہ اس بستر پر کوئی عورت آرام کر رہی ہے۔ وحشی لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر ماریا کے جسم کو چھوا۔ جونہی اس کا ہاتھ ذرا سا ماریا کے جسم سے ٹکرایا وہ اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ یہ بات اس وحشی لڑکی کے لئے بھی بڑی عجیب تھی کہ بستر خالی ہو۔ مگر اس پہ ایک لڑکی لیٹی ہو اور وہ کسی کو نظر نہ آ رہی ہو مگر جب ہاتھ لگایا جائے تو اس کا جسم چھو جائے۔

ماریا نے اب دیر سے کام نہ لیا۔ جونہی دوسری بار وحشی لڑکی نے اپنا ہاتھ ماریا کے جسم کو لگانا چاہا ماریا نے لپک کر اس وحشی لڑکی کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔ عورت کی وہی بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ اس نے بے حد زور لگایا مگر ماریا نے اسے بالکل نہ چھوڑا۔ وحشی لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ ماریا کی گرفت لوہے کی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے کہا۔

"تم کون ہو؟ تم میری تلاش میں کیوں ہو؟
تم مجھے کس طرح دیکھ رہی ہو؟"

ماریا نے دو تین سوال اوپر تلے کر دیئے۔ وحشی لڑکی اپنی وحشی زرد زرد آنکھوں سے ماریا کو گھور رہی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماریا نے اسے بالکل نہ چھوڑا۔ وحشی لڑکی کی کلائی کافی مضبوط تھی اور اب اس نے زور لگانا چھوڑ دیا تھا۔ ماریا نے پھر کہا۔

"سنو! میرا نام ماریا ہے۔ میں کوئی بھوت نہیں ہوں۔ کوئی بد روح نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر جادو کے زور سے مجھے غائب کر دیا گیا ہے۔ میں کوشش بھی کروں تو ظاہر نہیں ہو سکتی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم میری زبان سمجھ رہی ہو؟"

وحشی لڑکی ماریا کو دیکھے جا رہی تھی۔ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بھی نہیں جھپکی تھیں۔ اس کے لمبے بال ماریا کے بازو پر گرے ہوئے تھے۔ وحشی لڑکی کے بالوں سے جنگل کے پھولوں اور سبزے کی مہک آ رہی تھی۔ ماریا نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"تم اگر جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔ مگر مجھ سے ڈرو نہیں۔
میں تمہاری بھی مدد کروں

گی۔ بولو! کیا تم میری زبان سمجھ رہی ہو؟"

وحشی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ شیرنی کی طرح اپنی جگہ سے اچھلی اور کھڑکی میں سے کود کر باہر جنگل میں غائب ہو گئی۔

●

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مناکوڈاکو

●

ماریا نے جھونپڑی سے باہر نکل کے دیکھا۔

چاندنی رات سنسان تھی۔ وحشی لڑکی کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا۔ پہلے تو پھر کبھی کسی جاپانی ہٹ یا کپتان کی بچی کی آواز آ جاتی تھی اب جزیرے پر اتنی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ایک بار تو ماریا کو اپنے سانس کی آواز بھی صاف صاف سنائی دینے لگی۔ ماریا کو اب اس جزیرے میں اس وقت تک رہنا تھا جب تک کہ کوئی بھولا بھٹکا جہاز وہاں کنارے سے پھر نہیں آ لگتا۔ اس لئے وہ وحشی لڑکی کا راز معلوم کرنے پر تل گئی تھی۔ اور اسے کوئی کام نہیں تھا۔

رات کو اس وحشی لڑکی کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ کیونکہ جنگل میں وہ بڑی آسانی سے چھپ جاتی تھی۔ دن نکل آیا۔ ماریا نے ندی پر جا کر غسل کیا۔ کپڑے دھو کر پھر پہنے۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھایا۔ چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور جنگل میں سیر کرنے لگی۔ جزیرے میں رہتے ماریا کو کئی روز گذر گئے تھے۔ اس رات کے بعد وحشی لڑکی پھر ماریا کو نظر نہیں آئی تھی۔ ماریا

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف بھی گئی کہ شاید وہاں مل
لیکن وہاں بھی وحشی لڑکی نظر نہ آئی۔ رات کو ماریا پیچھے سے
بار وحشی لڑکی کے کیلے کے پتوں والے بستر پر بھی گئی۔ مگر
بھی وہ نہیں تھی۔

یا خدا وہ کہاں چلی گئی! کہیں وہ بیمار تو نہیں پڑ گئی!
اگر بیمار پڑتی تو یہ جنگلی لوگ ضرور اسے اپنے کسی نہ کسی
جھونپڑے میں لے آتے اور اس کی دوا دارو کرتے۔ وقت
گزرنے لگا۔ وحشی لڑکی کو دیکھے پندرہ دن ہو گئے کہ ایک رات
اچانک ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ جھونپڑے میں سے وحشی لڑکی
چیخ کی آواز آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آواز کمزور
سی تھی۔ جیسے کوئی بین کر رہا ہو۔ ماریا سے نہ رہا گیا وہ
بستر سے اٹھی اور جس طرف جنگل سے آواز آ رہی تھی ادھر
کو دوڑ پڑی۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں وحشی لڑکی کا بستر تھا۔
کیا دیکھتی ہے کہ وہ کیلے کے پتوں کے بستر پر پڑی ہے
اس کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ ماریا اس کے قریب آ گئی ہے
ماریا نے جھک کر اسے دیکھا۔ اس کا جسم بخار سے پھک
تھا۔ ماریا نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وحشی لڑکی نے
جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔ اور ماریا

مگر آج اس کی آنکھوں میں بخار کی وجہ سے وہ چمک نہیں
تھی ماریا نے کہا۔

"بہن! تمہیں بخار ہے۔ میں تمہارا علاج کروں گی"

سیکڑوں سال سے جنگلوں میں رہتے رہتے ماریا کو [illegible]
جڑی بوٹیوں کا تجربہ ہو گیا تھا۔ باقی عنبر نے بھی اسے یہ
نہ سکھا دیا تھا اور بعض جڑی بوٹیوں کی پہچان کرا دی تھی۔
جنگل میں گئی اور ایک خاص جھاڑی کے تازہ پتے توڑ کے
اپنے رومال میں باندھا اور وحشی لڑکی کے پاس سے
پھر اس نے پتھروں سے پتوں کو کچل دیا اور اس میں
سے جو پانی کے چند قطرے نکلے وہ کپڑے کے ذریعے وحشی
لڑکی کے حلق میں ٹپکا دیئے۔ وحشی لڑکی کو بہت تیز بخار تھا
وہ کچھ نیم بے ہوش ہو چکی تھی۔

ماریا ایک بار پھر جھاڑیوں میں سے پتے توڑ کر لائی۔ انہیں
اور اس کے سبز قطرے وحشی لڑکی کے حلق میں گرائے۔
ساری رات ماریا وحشی لڑکی کے پاس بیٹھی اسے دوا پلاتی
ندی کے پانی سے رومال بھگو بھگو کر اس کا ماتھا ٹھنڈا
تی۔

صبح کے وقت وحشی لڑکی کا بخار ٹوٹ گیا تھا اور وہ
تھی۔ جنگل میں ہلکی ہلکی دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وحشی لڑکی نے بڑی ہمدردی اور شکریے کے ساتھ ماریا کی طرف دیکھا۔ وہ اسے نظر تو نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی انگلیوں سے ماریا کے چہرے کو چھوا۔ ماریا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ وحشی لڑکی کے ناخن جانوروں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔

اب ماریا اس لڑکی کو پہلی بار دن کی روشنی میں قریب سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ چہرے کی جلد کھردری تھی اور سارے جسم پہ جگہ جگہ کانٹوں کے نشان تھے۔ اس نے درختوں کی چھال کا لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

ماریا نے ایک بار پھر اس سے باتیں کرنے، اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ تم یہاں کب سے ہو؟"

مگر وحشی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس اس کی طرف سے دیکھتی رہی اور اپنے ہاتھ کی کھردری انگلیاں ماریا کے چہرے پہ پھیرتی رہی۔

پھر جیسے اسے نیند آنے لگی۔ ماریا نے اس کی آنکھوں پہ رکھ دیا۔ اور وحشی لڑکی سو گئی۔ ماریا اسے آرام دینے کے سے وہاں سے اٹھ آئی۔ اسے بھی نیند آ رہی تھی۔ وہ ساری

تھکی ہوئی تھی۔ جنگل سے نکل کر وہ سیدھی کھاڑی کے کنارے اپنی جھونپڑی میں آ کر لیٹ گئی۔

جب وہ اٹھی تو دوپہر ہو چکی تھی۔

جزیرے پر سورج چمک رہا تھا۔ اسے وحشی لڑکی کا خیال آ گیا سوچنے اس کا کیسا حال ہوگا؟ ماریا نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور سیدھی جنگل میں وہاں آ گئی جہاں وحشی لڑکی کو رات کو سوتا چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کی سونے کی جگہ خالی تھی۔ ماریا نے اردگرد چل پھر کر اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔

واپس آتے آتے آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا گئی اور ٹھنڈی تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ بادل بڑے گہرے تھے۔ سمندر کی طرف سے جو ہوا آ رہی تھی اس میں کسی طوفان کی بو تھی۔ ماریا جانتی تھی کہ اس قسم کے بادل طوفانوں کو اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ وہ جلدی سے اپنی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔ اس کے پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ رات کو بارش تیز ہو گئی۔ طوفانی ہواؤں کی تیزی بڑھ گئی۔ جزیرے پر تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ کھاڑی میں سمندر کا پانی لبالب بھر گیا۔ سمندر کے کنارے جو چٹانیں کھڑی تھیں ان کے ساتھ سمندری موجیں ٹکراتیں تو ایک بھیانک شور اٹھتا۔

خدا خدا کر کے طوفان تھما۔ دن چڑھا۔ ماریا نے اٹھ کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کھاڑی بھی دیکھا۔ سمندر کے پانی سے کھاڑی بھری ہوئی تھی، کئی جگہوں پر درخت گرے پڑے تھے۔ ہواؤں نے پتھروں کو اپنی جگہ سے دور دور تک پھینک دیا تھا۔ سمندر کھاڑی کی اوٹ میں آگیا تھا۔ سمندر تک پہنچنے کے لئے کھاڑی کا موڑ گھومنا پڑتا تھا۔ اس لئے سمندر کا کیا حال تھا؟ یہ ماریا کو معلوم نہ تھا۔

سمندر کا یہ حال تھا کہ وہاں طوفان میں بھٹک کر راتوں رات ایک بحری جہاز آکر ٹھہر گیا تھا۔ یہ بحری جہاز ایک بڑے خونخوار بحری ڈاکو مناکو کا تھا۔ شاید دوسری جنگ عظیم کے بعد یہی ایک بحری ڈاکو آخری نشانی کے طور پہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس ڈاکو کی خونخواری، لوٹ مار اور سنگدلی کے ہزاروں قصے اس سمندر کے آس پاس کے ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے یہ بحری جہاز ایک تجارتی جہاز کا پیچھا کر رہا تھا اور اس پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ طوفان نے آگھیرا۔

طوفان اچانک آگیا اور اس قدر خوفناک طوفان تھا کہ مناکو کا بحری جہاز موجوں میں ڈولنے لگا، تجارتی جہاز تو خدا جانے ڈوب گیا یا بپھری ہوئی سمندری موجیں اسے بہا کر جانے کہاں سے کہاں لے گئیں۔ لیکن بحری ڈاکو مناکو کا جہاز بھی راستے سے بھٹک گیا۔ مناکو ایک تجربہ کار جہاز ران تھا۔ اس نے اس وقت جہاز میں رکھے ہوئے زیتون کے تیل سے بھرے ہوئے ڈرم ایک طرف سے ہٹا کر جہاز کے پیندے کے درمیان میں کر دیئے جس کی وجہ سے جہاز کا توازن کچھ درست ہو گیا۔ یہ ایک جدید قسم کا بحری جہاز تھا۔ مناکو بحری ڈاکو نے ایک ولندیزی چھوٹے جنگی جہاز پر حملہ کر کے اسے قابو کر لیا تھا۔ یہ وہی جنگی ولندیزی جہاز تھا۔

اس پہ مناکو ڈاکو اب سمندروں میں ڈاکے مارتا پھرتا تھا۔ اس کی مار دور دور تک تھی۔ یعنی فلپائن سے لے کر چین کے ساحل تک وہ کسی بھی تجارتی جہاز کو نہ چھوڑتا تھا۔ اس کے جہاز پر چھ انچ دہانے کی بارہ توپیں لگی تھیں۔ جہاز کو لوٹ کر وہ سارے ملاحوں کو قتل کر ڈالتا۔ سامان اپنے جہاز پر لاد دیتا اور پھر اپنے آدمیوں کی مدد سے سارے سامان کو سنگاپور یا ہانگ کانگ کی بندرگاہوں پر فروخت کر ڈالتا۔ جس سامان کی اسے ضرورت ہوتی وہ اپنے لئے رکھ لیتا۔

پس اس رات سمندری طوفان میں پھنس کر مناکو ڈاکو جہاز کو قریبی ساحل کی طرف لے آیا۔ یہ ساحل اسی جزیرے کا ساحل تھا جس کے ایک جھونپڑے میں ماریا رہتی تھی۔ مناکو ڈاکو نے جہاز کو سمندر کنارے کھڑا کر دیا۔ مگر سمندری موجوں کی ہلچل بڑھ رہی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں جہاز ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا نہ جائے۔ مناکو ڈاکو نے ڈیک پر کھڑے ہو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ر حکم دیا۔

"جہاز کو کھاڑی کے اندر سے جایا جائے۔"

اسی وقت جہاز کا رخ سمندر کی کھاڑی کی طرف موڑ دیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ماریا جھونپڑی سے نکل کر جزیرے کے اندر وحشی لڑکی کی خیر خیریت معلوم کرنے جا رہی تھی۔ اگر وہ کچھ دیر وہاں رک جاتی تو مناکو ڈاکو کا بحری جہاز اس کے سامنے کھاڑی میں داخل ہو جاتا۔ ماریا جزیرے کے اندر جا چکی تھی کہ سمندر ڈاکوؤں کا جہاز کھاڑی میں نمودار ہوا اور چکر کاٹ کر کھاڑی میں ایک جگہ لنگر ڈال کر رک گیا۔

مناکو ڈاکو نے سر پر نیلے رنگ کا رومال باندھ رکھا تھا اس کے کانوں میں سونے کے رنگ پڑے تھے۔ گھنگریالے بکھرے ہوئے بال رومال کے کناروں سے کانوں کے اوپر گچھوں کی طرح نکلے ہوئے تھے۔ اس نے برجس اور ریشمی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ مناکو ڈاکو کی عمر پچاس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رنگ سمندری طوفانوں کی مار کھا کھا کر گہرا سانولا اور تانبے ایسا ہو گیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں بڑی بے رحمی تھی۔

کمر کے ساتھ پستول لگے تھے۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس کو پیٹ کر مناکو ڈاکو نے ہتھیلی میں تھام رکھا تھا۔ وہ دونوں ٹانگیں پھیلائے بڑی شان سے جہاز کے ڈیک پہ کھڑا

حکم دے رہا تھا۔

"خبردار! کوئی شخص جزیرے میں اندر تک نہ جائے۔ سب کنارے پر ہی رہیں۔ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی کنارے سے ہٹ نہ جائے"

ڈاکو کشتیوں میں بیٹھ کر کنارے پر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا جزیرے میں کھاڑی کے کنارے چھ سات لکڑی کے تختوں وغیرہ سے جھونپڑیاں بنی تھیں جو اب ویران ہو چکی تھیں۔ کچھ کی چھتیں رات کے طوفان نے اڑا دی تھیں۔ ڈاکو حیران ہوئے کہ یہاں کس نے جھونپڑیاں بنائی تھیں۔ کیا یہاں کوئی لوگ آباد تھے جو اب یہاں سے چلے گئے یا مر کھپ

مناکو نے بھی کنارے پہ اتر کر ان جھونپڑیوں کو دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے دوسری جنگِ عظیم میں یہاں جاپانیوں کا قبضہ تھا۔ کیونکہ مجھے خوراک کے خالی ڈبے نظر آ رہے ہیں۔ ان پر جاپان کی مہریں لگی ہیں"

ایک ڈاکوؤں نے خوش ہو کر کہا۔

"سردار! تم بہت عقل مند ہو۔ کاش یہاں ہمیں کچھ سامان

کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہمیں کچھ روز اس جزیرے پر قیام کرنا ہوگا تاکہ جہاز کی پوری صفائی کی جائے۔ یہ جگہ کھاڑی میں اندر آکر ہے اور بڑی محفوظ ہے۔"

ایک ڈاکو ملاح بولا۔

"سردار! ایک جہاز ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کا ہمیں بہت افسوس ہے۔"

مناکو ڈاکو نے خنجر ہوا میں پھٹکار کر کہا۔

"یہاں سے نکلیں گے تو بہت تجارتی جہاز ملیں گے۔ کسی وقت دو جہازوں کو لوٹ کر ان کا سامان سمیٹ کر ہی ہانگ کانگ کا رخ کریں گے۔"

ڈاکو ملاحوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

"زندہ باد مناکو! مناکو زندہ باد"

ان کی ہلکی سی آوازیں ماریا کو دور جزیرے کے اندر جنگل میں سنائی دیں۔ مگر پھر اس نے یہ سوچ کر خیال دوسری طرف لگا لیا کہ اس ویران جزیرے میں بھلا اتنے لوگوں کی آوازیں کہاں سے آسکتی ہیں! یہ ضرور اس کے کانوں کی شرارت ہوگی۔ یہ دور جنگل میں کہیں کسی درخت پر بہت سے پرندے اکٹھے بول رہے ہوں گے۔ اکثر بعض پرندوں کی آوازیں انسانوں سے ملتی ہیں۔ مناکو ڈاکو کے جہاز میں کچھ ولندیزی قیدی تھے جو اس نے

ایک جہاز کو لوٹتے ہوئے پکڑے تھے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ وہ کسی طرح سے قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔

یہ کل سات افراد تھے۔ ان میں ایک ڈوبے ہوئے جہاز کا بوڑھا ولندیزی انجینئر بھی تھا۔ مناکو ڈاکو نے حکم دیا کہ ان سارے قیدیوں کو گولی مار کر کھاڑی کے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ سارے قیدی لائن میں کھڑے کر دیئے گئے۔ بے چارے قیدی منہ سے کچھ بول بھی نہ سکے کہ ڈاکوؤں نے گولیاں مارنی شروع کر دیں۔ جب آخری قیدی بوڑھے ولندیزی انجینئر کو مارنے کے لئے لایا گیا تو مناکو نے ہنس کر کہا۔

"اس بڈھے کو رہنے دو۔ یہ ہمارے جہاز کی مشینوں کی صفائی کرے گا۔"

پھر قیدیوں کی خون آلود لاشوں کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ بوڑھے کی جان بخشی کر دی گئی اور اسے نیچے مشین روم میں پہنچا دیا گیا جہاں انجن کی مشینوں کی صفائی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ادھر ماریا نے جزیرے میں کافی دور تک اپنی بلی کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملی۔ ماریا نے سوچا کہ وہ کہیں کسی جگہ طوفان سے پناہ لئے پڑی آرام کر رہی ہو گی۔ البتہ واپسی پر اس نے کئی جنگلی وحشیوں کی لاشیں دیکھیں جو [illegible] گرنے سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ماریا واپس اپنے جھونپڑے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کی طرف جا رہی تھی۔

ماریا جنگل میں ایک موڑ گھوم کر کھاڑی کی طرف آئی تو دھک سے جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے سامنے ایک بحری جہاز سمندر کی کھاڑی میں کھڑا تھا۔

"یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے؟ اس پر کوئی جھنڈا نہیں لگا ہوا" جہاز پر جھنڈا لگا ہوا تھا مگر وہ جہاز کی دوسری طرف پہلی منزل کی چمنی کے ساتھ لگا تھا۔ یہ جھنڈا بحری ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا تھا جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا بھیانک نشان بنا ہوا تھا۔ ایک اعتبار سے ماریا خوش بھی ہوئی کہ جہاز آخر جزیرے میں آگیا۔ خواہ وہ کسی ملک کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اب وہ اس جزیرے سے غلامی حاصل کر سکے گی۔ ماریا سمجھ گئی کہ جنگل میں جو اس کے کانوں میں بہت سے لوگوں کی آوازیں آئی تھیں وہ اس جہاز کے ملاحوں کی آوازیں تھیں۔

ماریا جلدی جلدی کھاڑی کنارے جہاز کے پاس آگئی۔ اچانک اس کی نظر جہاز کی پہلی منزل کے جھنڈے پر پڑی۔

"ارے! یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے"

"خیر مجھے کیا ہے۔ مجھے تو اس جہاز کا ایک فائدہ ہو گا کہ میں اس پر بیٹھ کر اس جزیرے سے نجات حاصل کر سکوں گی"

جہاز کے عرشے پر ملاح صفائی وغیرہ میں لگے تھے۔ کچھ

ملاح کنارے پہ آگ جلا کر رات کا کھانا تیار کر رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ جہاز سے ایک کشتی میں اتر کر ایک بھاری بھرکم بڈھا کنارے پر آیا تو سب ملاحوں نے اسے سلام کیا وہ سمجھ گئی کہ یہی ان کا سردار ہے۔ وہ ہر ایک سے پوچھ رہا تھا کہ کسی شے کی ضرورت تو نہیں ہے! ماریا نے دیکھا تھا اور اس کا سیکڑوں برس کا تجربہ بتاتا تھا کہ بحری ڈاکو یعنی بحری قزاقی کے جہازوں کے سردار اپنے ڈاکو ملاحوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ ویسے بھی ان ملاح۔ ڈاکوؤں کو بڑی آزادی تھی۔

یعنی لوٹ مار میں سوائے جواہرات اور سونے کے بڑے بڑے زیوروں کے باقی ہر شے ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ ہاں سردار کی جانب سے ان پر کسی جزیرے میں پہنچ کر کچھ قانون لاگو ہو جاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ بستی میں نہیں جائیں گے۔ وہاں کنارے کے جنگلوں تک ہی رہیں گے وغیرہ وغیرہ ماریا نے دیکھا کہ اس کے جھونپڑے میں کچھ بکرے بندھے ہیں۔ یہ جہاز سے اتار کر یہاں ہوا بدلی کے لئے رکھے گئے تھے۔ جہاز کا سردار ڈلکومنا کو وہاں آ کر ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ دو ملاح اس کے شانے دابنے لگے۔ ماریا نے دیکھا کہ سردار کے کانوں میں سونے کے بندے تھے اور اس کے چہرے سے سنگدلی اور خونخواری ٹپکتی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے ان لوگوں کی باتوں سے معلوم کر لیا کہ ابھی ایک ہفتہ سے پہلے جہاز وہاں سے نہیں چلے گا۔ کیونکہ جہاز کی پوری صفائی کی جا رہی تھی۔ مستری ملاحوں نے مشینوں کے بڑے بڑے پرزے انجنوں سے نکال کر اوپر ڈیک پر رکھ دیئے تھے اور انہیں صاف کر رہے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ جہاز پر کچھ توپیں ایک طرف اور کچھ توپیں دوسری طرف لگی ہیں۔ صورت شکل سے یہ ایک جنگی جہاز لگتا تھا۔ جس پر اس ڈاکو نے قبضہ کر لیا تھا۔ جو ملاح زمین پر آگ جلا کر گوشت پکا رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب سے گزری۔ سردار یعنی ڈاکوؤں کے سرغنہ مناکو کو ماریا نے غور سے دیکھا۔ صورت شکل سے ہی بڑا ظالم آدمی معلوم ہوتا تھا۔

ماریا نے جہاز پر نظر ڈالی۔ کافی مضبوط جہاز تھا۔ یقیناً یہ طوفان میں بھٹک کر یہاں آ گیا تھا اور اب یہ لوگ موقع غنیمت جان کر اس کی صفائی وغیرہ کرنے لگے تھے۔ اتنے میں شام کا اندھیرا چھا گیا۔ جزیرے میں کھاڑی کے کنارے ملاحوں نے گیس روشن کر کے بانس پر لٹکا دیا۔ گیس کی روشنی کافی تھی۔ وہ گھاس پر قالین بچھا کر کھانا کھانے لگے۔ ماریا نے بھی ایک خالی تھالی سے کر گوشت کا ٹکڑا اٹھانے کی کوشش کی۔ آج ایک عرصے بعد اسے بھنا ہوا گوشت اور ڈبل روٹی مل رہی تھی۔ اسکو

بے حد خوشی ہو رہی تھی۔

ملاحوں نے دیکھتے دیکھتے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی اپنی تھالیوں میں ڈال لئے تھے اور بیٹھ کر مزے سے کھانے لگے تھے۔ ماریا نے ایک ملاح کی تھالی میں سے بکرے کی آدھی ران اٹھا کر اپنی تھالی میں رکھ لی۔ ڈاکو نے اپنی تھالی سے بکرے کی ران غائب ہوتے دیکھی تو دہشت سے چیخ اٹھا۔

"میری ٹانگ غائب ہو گئی"

ملاح اس کی طرف دوڑے اور اس کی ٹانگ کو دباتے ہوئے بولے۔

"ارے الو کی دم! تمہاری ٹانگ تو تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے"

ڈاکو نے کانپتے ہوئے کہا۔

"میری تھالی کی ٹانگ غائب ہوئی ہے"

"ارے احمق بھلا تھالی کی بھی کبھی ٹانگ ہوتی ہے"

"خدا کے لئے مذاق نہ کرو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری تھالی میں جو بکرے کی بھنی ہوئی آدھی ٹانگ رکھی تھی وہ غائب ہو گئی ہے"

سارے ڈاکو اس کا مذاق اڑانے لگے۔ بات سردار یعنی مناکو تک پہنچی تو وہ بھی بہت ہنسا اور بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کو سور کی ٹانگ بھون کر دے دو۔ یہ خود سور کا بھائی ہے۔ سب ملاح قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ماریا نے بڑے مزے لے لے کر بھنا ہوا گوشت اور ڈبل روٹی کھائی۔ پانی پیا اور اپنی جھونپڑی کے ساتھ والی ایک خالی جھونپڑی میں جا کر لیٹ گئی۔ آدھی رات تک اسے ملاحوں کے قہقہے اور شور و غل سنائی دیتا رہا۔ پھر اسے نیند آ گئی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے باہر نکل کر دیکھا کہ جہاز کھاڑی کے پانی میں کھڑا تھا۔ مگر ملاح کوئی نہیں تھا۔ صرف جہاز کے اوپر عرشے پر ایک سفید بالوں والا بوڑھا دھندیڑی مشین کے کسی پرزے کو صاف کر رہا تھا۔

●

ترنا

●

ماریا سمجھ گئی کہ یہ بوڑھا قیدی ہے۔

اس کے ایک پاؤں میں لوہے کی زنجیر بندھی تھی۔ بحری ڈاکو اپنے قیدیوں کو لوہے کی زنجیر پاؤں میں ڈال کر رکھتے تھے۔ یہ زنجیر اتنی لمبی ہوتی تھی کہ قیدی عرشے پر ادھر ادھر گھوم پھر سکتا تھا۔ ماریا کو اس بوڑھے پر بڑا ترس آیا کہ اس بے چارے کو ان ڈاکوؤں نے جانوروں کی طرح قید کر رکھا ہے۔ ابھی ماریا یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اتنے میں عرشے کے [illegible] پر ایک ملاح نمودار ہوا۔ وہ پیچھے چوکیداری کر رہا تھا۔ اس کی ایک کانی آنکھ پر نقاب چڑھا تھا۔ ہاتھ میں ہنٹر تھا۔

اس کانے نے آتے ہی تاڑ تاڑ کر کے بڈھے کو دو تین ہنٹر مار دیئے۔

بوڑھا جھلا اٹھا۔ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور کچھ نہ بولا۔

بدمعاش بڈھے! ٹھیک طرح سے کام کیوں نہیں کرتا۔ یاد

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رکھو تجھے بھی تمہارے ساتھیوں کی طرح قتل کر کے کھاڑی میں پھینک دوں گا۔"

ماریا کو اس کانے ڈاکو پر بے حد غصہ آیا۔ وہ کھڑکی کے عقب سے ہو کر جہاز کے اوپر آ گئی۔ کانا ڈاکو بوڑھے پر خنجر برسانے کے بعد نیچے چلا گیا تھا۔ ماریا اس سے بوڑھے ولندیزی کی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اس نے نیچے جا کر اس کی تلاش شروع کر دی۔ آخر وہ اسے ایک جگہ مل گیا۔ وہ ایک کیبن میں میز پر رکھے کچھ چاندی کے سکے گن رہا تھا۔ اس کا خنجر سامنے دیوار سے ٹنگا ہوا تھا۔ ماریا کیبن کے اندر آ گئی۔

کانے ڈاکو کو پتہ نہ چل سکا۔ ماریا نے اندر آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ کانے ڈاکو نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور تالا لگا تھا۔ یہ کس نے تالا لگا دیا؟ دروازہ شاید کسی نے باہر سے بند کر دیا ہے۔ اس نے آواز دی۔

"کون حرام خور باہر ہے؟"

پھر اسے خیال آیا کہ تالا تو کسی نے اندر سے لگا دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اندر سے کون تالا لگا سکتا ہے؟ اس نے کیبن میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں

تھا۔ ماریا اسے زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہتی تھی۔ اس نے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر دیوار سے خنجر اتار لیا۔ کانے ڈاکو نے خنجر غائب ہوتے دیکھا تو اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اسے وہ کہانیاں یاد آنے لگیں

چڑیلوں کی جو بدروحیں جہاز پر آ کر ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا کرتی تھیں۔ اس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ چڑیلوں کی [illegible] کھلے ہی آتی ہیں۔ پھر ہتھیار سے ایک تیز دھار خنجر لے کر [illegible] کس گیا۔ [illegible] بڑی تعداد تھی۔ ماریا نے [illegible] چیخ شروع کر دی۔ کانا ڈاکو ڈر سے [illegible] تھا [illegible] یہ دہشت چھا گئی تھی کہ یہ خنجر اسے کوئی چڑیل ہی مار سکتی ہے۔ اس کا سارا بدن پسینے میں تر بتر ہو گیا تھا۔ ماریا نے کہا

"تم نے اس بوڑھے کو مارا ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے۔"

کانے ڈاکو نے بند خالی کیبن میں جب ایک بدروح کی آواز سنی تو وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں اس جزیرے کی دیوی ہوں۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔"

کانا ڈاکو ہاتھ باندھ کر فرش پر دو زانو ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"معاف کر دو دیوی! مجھے معاف کر دو"
ماریا نے کہا۔

"نہیں۔ تم قاتل ہو۔ تم نے بوڑھے کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

اب اس کانے ڈاکو نے گھبراہٹ میں ایسی حرکت کی کہ اگر ماریا جلدی سے فرش پر نہ لیٹ جاتی تو وہ ضرور ہلاک ہو گئی تھی۔ کانے ڈاکو کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس نے کمر سے پستول نکال کر دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دی۔ جب وہ پستول کی گولیاں ختم کر چکا تو ماریا نے اس کے پیچھے سے آ کر ایک زبردست ڈنڈا مارا اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ لڑکھڑا کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔

ماریا نے اس کی پیٹی سے دوسرا بھرا ہوا پستول کھول کر اپنے پاس رکھ لیا ڈنڈا پھینکا اور کیبن سے باہر نکل گئی۔ اوپر جہاز کے عرشے پر بوڑھا دلندیزی اسی طرح بیٹھا شیشہ کا پرزہ صاف کر رہا تھا۔ گو وہ پستول کی آواز سن کر کچھ پریشان سا ضرور تھا۔ پھر اس نے خیال کیا کہ پستول کی گولیاں تو یہاں چلتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی ڈاکو جہاز کے نیچے نشانہ بازی کی مشق کر رہا ہو گا۔

تھوڑی دیر بعد مناکو ڈاکو اور دوسرے ملاح بھی جنگل سے پھل اور پانی لے کر واپس آ گئے انہوں نے جو کیبن میں کانے ڈاکو کی

لاش دیکھی تو بڑے حیران ہوئے کہ اسے کون مار گیا۔ کیبن کی دیواروں پر گولیوں کے نشان بھی تھے۔ مناکو ڈاکو غصے میں چلایا۔

"اس پر کسی نے حملہ کیا تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

جہاز پر صرف دلندیزی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا۔

"میں اپنے کام میں لگا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ نیچے کیا ہو رہا تھا۔ ہاں میں نے گولیاں چلنے کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔ پھر سوچا کہ شاید کوئی نشانہ بازی کر رہا ہے۔"

ڈاکو مناکو نے بوڑھے کو ایسی لات ماری کہ وہ لڑکھڑا کر پرے جا گرا۔

"حرام خور بڈھے دلندیزی کو نیچے قید میں ڈال دو اور کل صبح سویرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔" یہ حکم دے کر مناکو ڈاکو نے کانے ڈاکو کی لاش کو صندوق میں بند کر کے جزیرے میں قبر کھود کر دفن کر دیا۔

ماریا یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بوڑھے کو پھانسی کا حکم مل گیا تھا۔ وہ صرف ایک رات کا مہمان تھا۔ ماریا نے اسے بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کو جب اندھیرا سارے جزیرے پر چھا گیا تو وہ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ یہاں دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب سے ہو کر نکل گئی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سیڑھیاں جو نیچے جاتی تھیں اس کا دروازہ بند تھا۔ ماریا نے قریب جا کر آہستہ سے اسے دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا یہاں اندھیرا تھا۔ اس لئے پہرے داروں نے دروازہ کھلتا نہ دیکھا۔ ماریا چپکے سے سیڑھیاں اتر کر جہاز کی دوسری منزل میں آ گئی۔ یہاں ساری خاموشی اور سنسان تھی۔ کونے میں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا۔ اس کے مٹی کے تیل کی بو پھیل ہوئی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ بوڑھا کس جگہ قید ہو گا؟

اسے خیال آیا کہ نچلی منزل میں ایک سٹور روم ہے۔ شاید بوڑھے کو وہاں رکھا گیا ہو۔ وہ نچلی منزل میں اتر گئی۔ یہاں حبس اور گھٹن تھی۔ اس نے ذرا آگے ایک کمرے کے باہر ایک ڈاکو کو رائفل لئے پہرہ دیتے دیکھا۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ بوڑھا اسی جگہ قید ہو گا۔ وہ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی بالکل کمرے کے سامنے آ گئی پہرے دار ڈاکو دوسری طرف سے راؤنڈ لگا کر آیا اور پہریدار سے بولا۔

"ہوشیار۔ رہنا! کہیں بڈھا بھاگ نہ جائے"

پہرے دار ڈاکو نے ہنس کر کہا۔

"بھاگ نہیں سکتا۔ ہاں اندر سے غائب نہ ہو جائے"

ماریا سمجھ گئی کہ بوڑھا اندر ہی ہے۔ اب وہ اسے باہر نکالنے کی سکیم پر غور کرنے لگی۔ زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ رات ڈھل چکی تھی اور صبح صبح ہی بے چارے بوڑھے کو گولی سے اڑا دیا جانا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ راؤنڈ والا ڈاکو اوپر والی منزل پر چلا گیا ہے اور وہاں اب کوئی نہیں رہا تو اس نے ایک دم آگے بڑھ کر پہرے دار ڈاکو کے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔ پہرے دار ڈاکو لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ماریا نے اس کی جیب سے چابی نکال کر کمرے کا تالا کھولا اور اندر چلی گئی۔ اندر ایک دھیما سا لیمپ جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی میں بوڑھا کونے میں فرش پر بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تو گردن پھیر کر بولا۔

"کیا میرا آخری وقت آ پہنچا ہے؟"

ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"بابا! میری آواز سن کر گھبرانا نہیں۔ آپ میری شکل نہیں دیکھ سکیں گے۔ مگر میں آپ کی لڑکی کی طرح ہوں۔ انسان ہوں اور خدا نے مجھے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ جلدی سے اٹھئے اور میرے ساتھ یہاں سے نکل چلیے۔"

بوڑھا انجینئر پہلے تو ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا کہ یہ روح کہاں سے آ گئی ہے!

پھر جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹی تم کون ہو؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے کہا "بابا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے ڈر جائیں گے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ ذرا بے ہوش نہیں ہوئے۔ اس لئے اب وقت ضائع نہ کریں۔ یہ باتیں میں بعد میں بتادوں گی۔"

بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"یہاں تو قدم قدم پر پہرہ ہوگا۔ ہم کس طرح فرار ہوں گے؟"

ماریا نے پستول بوڑھے کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

"آپ اسے اپنے پاس رکھیں۔ باقی میں سنبھال لوں گی اور ہاں۔ جدھر سے میری سیٹی کی آواز آپ کو آئے آپ ادھر کو آ جائیں۔ کیونکہ آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے۔"

ماریا بوڑھے انجینئر کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر آ گئی اس نے دوسری منزل بھی عبور کر لی۔ اب وہ ڈیک پر آنے کو تو سیڑھیوں میں وہی راؤنڈ لگانے والا ڈاکو مل گیا۔ جونہی اس نے بوڑھے قیدی کو فرار ہوتے دیکھا تو رائفل کندھے سے اتار کر فائر کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر اپنا خوفناک ہاتھ مارا۔ رائفل پرے جا گری اور اس کے اوپر ڈاکو بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا نے سیٹی بجا کر بوڑھے انجینئر کو ساتھ لیا اور عرشے پر آ گئی۔

رات خاموش تھی۔ ستارے چمک رہے تھے۔ جزیرے کی رن سے کسی الّو کے بولنے کی بار بار آواز آ رہی تھی۔

"بیٹی! میرے پیچھے پیچھے آؤ بابا! ادھر سیڑھی لگی ہے اور نیچے کشتی بھی ہے۔"

ماریا بوڑھے انجینئر کو جہاز کے پیچھے لے گئی۔ یہاں ایک رسے کی سیڑھی نیچے ایک خالی کشتی میں جا رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"جلدی سے سیڑھی اتر جاؤ بابا! میں تمہارے بعد میں اتروں گی۔ جلدی کرو۔"

بوڑھا انجینئر سیڑھی اتر کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ماریا بھی کشتی میں آ گئی۔

"کشتی کو کھاڑی کے ساتھ ساتھ آگے جنگل میں لے چلو۔"

بوڑھے نے چپو چلانے شروع کر دیئے۔ ایک طرف سے ہستہ چلنے لگی۔ کشتی کھاڑی کے کنارے کنارے دور ہونے لگی اور جہاز ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ماریا نے کہا۔

"کشتی کنارے پر چھوڑ دو۔ جلدی۔"

بوڑھے نے کشتی کنارے کے ساتھ لگا دی اور کنارے پر اتر گیا۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دو بابا۔"

ماریا نے بوڑھے کا ہاتھ تھام لیا اور جزیرے کے جنگل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یں چلنا شروع کر دیا۔ جزیرے میں گہری خاموشی اور اندھیرا تھ ماریا جنگل میں کافی اندر نکل آئی تھی۔ یہاں اس نے ایک چٹان کے نیچے ایک گہری کھوہ دیکھی۔ وہ بوڑھے کو لے کر اس کھوہ میں آ گئی کھوہ اندر جا کر چوڑی ہو گئی تھی۔ ماریا نے یہاں کیلے کے پتے توڑ کر بستر بنا دیا اور بوڑھے انجینئر سے کہا۔

"بابا! تمہیں یہاں آرام کرنا ہو گا۔ میں صبح آؤں گی اور اس جب تک میں نہ آؤں آپ یہاں سے بالکل باہر نہ نکلیں۔"

ماریا نے قریب ہی درختوں سے کچھ جنگلی امرود اور پپیتا توڑ کر بوڑھے انجینئر کے پاس رکھ دیا اور اسی راستے سے ہو کر واپس کنارے پر آ گئی۔ یہاں وہ کشتی میں بیٹھی اور کھاڑی میں آ کر کشتی کو جہاز کے قریب چھوڑا اور خود اپنی جھونپڑی میں جا کر لیٹ گئی۔

دن چڑھا تو جہاز پر شور مچ گیا کہ بوڑھا انجینئر فرار ہو گیا ہے۔ اس نے پہرے دار کی گردن توڑ ڈالی ہے۔ ڈاکو غصے میں تھے۔ سانگو ڈاکو بحری قزاقوں کا سردار تو غصے میں پھنکارتا پھر رہا تھا۔ اور جو کوئی سامنے آتا اس پر جھلّانے لگ جاتا تھا۔

"حرام زادہ! تم لوگ حرام کی کھاتے ہو۔ تمہاری غفلت کی وجہ سے قیدی بھاگ گیا ہے۔ پھر وہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔

اسی جزیرے میں ہو گا۔ میں اسے شیر کے منہ سے بھی نکال لاؤں گا۔"

اس کے حکم سے ڈاکوؤں نے جزیرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ مگر اتنے بڑے جزیرے کی تلاشی بھلا کہاں لے سکتا تھا۔ شام تک وہ جنگل کے ایک ہی حصے میں بوڑھے کو تلاش کرتے رہے۔ اس دوران میں دو ڈاکوؤں کو سانپوں نے کاٹ کھایا اور وہ مر گئے۔ دو ڈاکو دلدل میں پھنس کر غرق ہو گئے۔ سانگو ڈاکو کے غصے کی انتہا نہیں تھی۔ ایک تو اس کے آدمی مارے گئے تھے دوسرے قیدی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس نے چار خاص ڈاکوؤں کو حکم دیا۔

"رات کو تم لوگ جزیرے میں نکل جاؤ اور قیدی کو جہاں کہیں وہ ہو تلاش کر کے لاؤ۔ قیدی اکثر آدھی رات کو خوراک کی تلاش میں نکلا کرتے ہیں۔ اگر تم ناکام واپس آئے تو میں چمڑی ادھیڑ گا۔"

چاروں ڈاکو پستولیں اور خنجر لگا کر جزیرے میں نکل گئے۔ ماریا کو اس کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ اپنی جھونپڑی میں آرام کر رہی تھی۔

صبح کو بوڑھے انجینئر کو کھانے پینے کا سامان دے آئی تھی اور اس کے پاس بیٹھی باتیں بھی کرتی رہی تھی۔ بوڑھے انجینئر نے کہا تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہ اگر ان ڈاکوؤں کو کسی طرح غائب کر دیا جائے تو وہ جہاز لے کر وہاں سے نکل سکتا ہے۔ ماسیا رات کو یہی سوچتے سوچتے سو گئی تھی کہ اس جہاز پر کیسے قبضہ کیا جا سکتا ہے!

ادھر چاروں ڈاکو جنگل میں پیچھے جا رہے تھے۔ آدھی رات تک وہ بوڑھے انجینئر کو ڈھونڈتے رہے۔ مگر وہ انہیں کہیں نظر نہ آیا۔ اتنے میں انہیں جنگل میں ایک لڑکی کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ یہ اسی وحشی لڑکی کی آواز تھی۔ ماسیا سو رہی تھی۔ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

چیخ کی ہلکی ہلکی سی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ ایک ڈاکو بولا۔

"ضرور کوئی لڑکی مصیبت میں ہے۔ چلو اس کی مدد کریں"

دوسرا ڈاکو کہنے لگا۔

"کیا خبر یہ کوئی بھوت ہو، کوئی بدروح ہو، ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے"

تیسرا ڈاکو بولا۔

"ارے یار تم سب ڈرپوک ہو۔ چلو میرے ساتھ۔ اگر بدروح ہو گی تو میں دیکھ لوں گا۔ آؤ میرے ساتھ"

وہ چاروں ڈاکو اس طرف چل پڑے جدھر سے لڑکی کی چیخ کی آواز آئی تھی۔ وہ جنگل میں کافی آگے نکل گئے۔ چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ اسی آواز کی طرف بھاگے۔ ایک جگہ وہ رک کر

ہو گئے اور درختوں میں جھک کر ندی کنارے ایک لڑکی کو دیکھنے لگے۔ چاندنی رات میں ندی پر وحشی لڑکی انہیں صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ ندی کنارے کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال ہوا میں ہل رہے تھے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر آہستہ سے ایک چیخ ماری اور ندی میں چھلانگ لگا دی۔

"وہ خودکشی کر رہی ہے۔ اسے پکڑو"

ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر ندی کی طرف بھاگے اور انہوں نے ندی میں چھلانگیں لگا کر وحشی لڑکی کو قابو کر لیا۔ وحشی لڑکی ڈاکوؤں کی گرفت میں مچھلی کی طرح تڑپی مگر ڈاکوؤں نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔ وہ چلائی۔ ایک ڈاکو نے اس کے منہ میں رومال ٹھونس دیا۔

"اسے واپس جہاز پر لے چلو سردار کو پیش کریں گے۔ وہ بڑا خوش ہو گا"

"ٹھیک ہے۔ چلو واپس"

وحشی لڑکی کو ان ڈاکوؤں نے بے بس کر دیا۔ اور اسے کندھوں پر اٹھا کر واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ پو پھٹ رہی تھی۔ صبح کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ جب یہ ڈاکو وحشی لڑکی کو لے کر جہاز کے پاس پہنچے تو وہاں شور مچ گیا۔ ہر کوئی ڈاکو لڑکی کو حیرت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے پوچھ رہا تھا کہ یہ وحشی لڑکی کہاں سے پکڑ لائے ہیں۔

شور کی آواز پر ماریا بھی جاگ پڑی۔ جنگلی لڑکی ڈاکوؤں نے پکڑ رکھا تھا۔ اس کے منہ میں رومال ٹھنسا تھا اور وہ زور زور سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو حیرانی سے بولا۔

"اس جل پری کو کہاں سے پکڑ لائے ہو؟"

"حضور! یہ جنگل کی رانی ہے۔ اسے ہم آپ کے لئے پکڑ کر لائے ہیں"

مناکو ڈاکو نے آگے بڑھ کر غور سے وحشی لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے ایک زوردار طمانچہ لڑکی کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

"اس خبیث لڑکی کو جہاز میں لے جا کر قید کر دو۔ اس پر دو آدمیوں کا پہرہ لگاؤ اگر یہ فرار ہوئی تو میں دونوں پہرے داروں کو گولی سے اڑا دوں گا"

ڈاکو وحشی لڑکی کو کھینچتے ہوئے جہاز میں لے گئے اور انہوں نے اسے نچلی منزل میں لے جا کر قید میں ڈال دیا اور باہر دو ڈاکو، پستولیں نکال کر پہرہ دینے لگے۔ ماریا جھونپڑی کے باہر کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھتی رہی۔ اس وقت وہ کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وحشی لڑکی کو تم رات کے وقت

ہوگا کہ اسے فرار کرانا ہوگا۔ دن نکلا تو وہ جزیرے کے ایک بوڑھے انجینئر کے پاس گئی اور اسے ساری کہانی سنا دی۔ لڑکی شاید اس جنگل میں ایک وحشی شکل رہتی تھی اور اسے اب ڈاکو اٹھا لے گئے ہیں۔ بوڑھے انجینئر نے کہا

"کیا یہ وحشی لڑکی اسی جزیرے میں پیدا ہوئی تھی؟"

ماریا نے کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتی۔ مجھ سے بھی اس نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ ہاں اس جزیرے کے جنگلی لوگ اسے شاید اپنی دیوی مانتے ہیں"

انجینئر بولا۔

"پھر تو یہاں کے لوگوں کو ڈاکوؤں کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی دیوی ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں"

ماریا نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے۔ مگر کم بخت ڈاکوؤں کے پاس بڑا اسلحہ ہے۔ شاید جزیرے کے لوگ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکیں"

انجینئر نے کہا۔

"ہم باتوں پر غور نہیں کیا کرتے۔ تمہیں چاہیئے کہ جزیرے کے لوگوں کو بھڑکا دو اور بس۔ باقی جو ہوگا دیکھا جائے گا"

ماریا نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں ان لوگوں کو چکما دوں گی۔ مگر میں چاہتی تھی کہ وحشی لڑکی کو اغوا کر کے یہاں سے آؤں۔"

کیونکہ اگر جزیرے کے لوگوں نے جہاز پر حملہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکو غصے میں آ کر وحشی لڑکی کو ہلاک کر دیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر ایک خیال ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو فرار کروا کر یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ یہاں سے کیسے اور کہاں فرار ہوا جائے۔"

پھر کچھ سوچ کر بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"مجھے شک پڑتا ہے کہ شاید یہ میرے ایک دوست کی لڑکی ہے جو آج سے بیس برس پہلے کھو گئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

انجینئر نے کہا۔

"آج سے بیس سال پہلے میرا ایک ڈاکٹر دوست اپنی بیوی اور ایک سال کی بچی کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ان ہی سمندروں میں کسی جگہ جہاز ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ میاں بیوی تو بچ گئے مگر ان کی بچی سمندر میں غرق ہو گئی۔ بعض مسافر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بچی کو ڈولفن مچھلی کے اوپر سوار دیکھا تھا جو اسے لے کر جزیرے کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وہی میرے ڈاکٹر دوست کی لڑکی ہے جسے ڈولفن مچھلی اٹھا کر اس جزیرے کے ساحل پر چھوڑ آئی۔ پھر شاید اسی مچھلی نے اسے کھلا پلا کر بڑا کیا ہو گا۔ کیونکہ ڈولفن مچھلی انسان کی بڑی ہمدرد ہوتی ہے۔ مرجان! جہاں تک مجھے یاد ہے میرے ڈاکٹر دوست نے بچی کی پیدائش کے موقع پر یادگار کے طور پر بچی کی کلائی پر اس کا نام کھدوایا تھا۔ یہ نام انڈونیشی زبان میں تھا۔ بچی کا نام رتنا تھا۔"

ماریا یہ کہانی سن کر بڑی حیران ہوئی۔

"اب اس کی کلائی دیکھ کر ہی فیصلہ ہو گا کہ یہ لڑکی ڈاکٹر کی بچی رتنا ہے یا کوئی اور لڑکی ہے۔ تمہارا دوست ڈاکٹر اور اس کی بیوی کہاں ہیں آج کل؟"

انجینئر نے کہا۔

"جکارتا میں رہتے ہیں۔ بچی کا غم انہیں ابھی تک نہیں بھولا۔"

ماریا نے اب دل میں پکا فیصلہ کر لیا کہ وہ اس وحشی لڑکی کو ڈاکوؤں کے چنگل سے آزاد کروا کر اس کے ماں باپ سے ضرور ملوائے گی۔ خدا کرے کہ یہ وہی لڑکی ہو اور اس کی کلائی پر رتنا لکھا ہو۔

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

جہاز سے فرار

●

ماریا شام تک اپنی جھونپڑی میں آرام کرتی رہی۔

جب رات گہری ہو گئی تو وہ جھونپڑی سے نکل کر سیدھی کھاڑی میں ذرا فاصلے پر کھڑے جہاز کی طرف چل پڑی۔ جہاز تک پہنچنے کے لئے کشتی کی مدد ضروری تھی۔ کشتی دور کنارے پر کھڑی تھی۔ ماریا وہاں گئی اور رسی کھول کر کشتی میں بیٹھ کر اسے آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں جہاز کی طرف لے جانے لگی۔ آج رات اندھیرا ہی اندھیرا تھا چاند کہیں پیچھے کو جا کر نکلتا تھا۔ ماریا کشتی کو کھاڑی کے دوسرے کنارے کی طرف لے گئی۔ ادھر اندھیرا تھا اور کشتی پر کسی پہریدار کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

ماریا کشتی کو جہاز کی دوسری جانب لے آئی۔ ایک سیڑھی ادھر بھی لٹک رہی تھی۔ ماریا نے کشتی کو اس سیڑھی کی رسی کے ساتھ باندھ دیا اور خود سیڑھی چڑھ کر اوپر ڈیک یعنی عرشے پر آ گئی۔ رات کی تاریکی میں جہاز کا عرشہ بالکل سنسان

تھا۔ خاموش تھا۔ کھاڑی میں سمندر کا پانی بھی بالکل خاموش تھا۔ میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ ہاں کبھی کبھی کوئی مچھلی اچھلتی اس کی آواز سنائی دے جاتی۔ پہریدار چاق و چوبند پہرہ دے رہا تھا۔ مگر وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماریا عرشے پر چل کر نیچے والی سیڑھی کے دروازے پر آ گئی۔

اس نے سوچا پہلے اس چوکیدار ڈاکو سے نمٹ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ بعد میں اسے تنگ کرے گا اور ہو سکتا ہے اس کے شور مچانے سے سارا بنا بنایا کام خراب ہو جائے۔ ماریا پہرہ دینے والے ڈاکو کے قریب سے ہو کر سیڑھی اتر گئی۔ نیچے جا کر اس نے سیڑھی پر آہستہ سے دو تین پاؤں مارے۔ شور پیدا ہوا تو اوپر سے پہرے دار ڈاکو نے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"کون حرام خور ہے ادھر؟"

ماریا نے درد بھری آواز بنا کر کہا۔

"مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ"

پہرے دار ڈاکو نے کسی لڑکی کی آواز سنی تو فوراً اس کا خیال جلدی سے پکڑ کر لائی گئی لڑکی کی طرف چلا گیا۔ کہیں اسے ڈاکو تنگ نہیں کر رہا؟ وہ سیڑھیوں میں آ گیا۔ ماریا بھی چاہتی [illegible] کہ اوپر ڈیک پر شور نہ پیدا نہ ہو۔ نیچے آتے ہی ماریا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے اس کی کمر پر ایسی لات ماری کی وہ ڈاکو بغیر آواز نکالے اوندھے منہ فرش پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

ماریا نے اسے گھسیٹ کر ایک اندھیرے کونے میں ڈال دیا۔

اب وہ قید خانے کی طرف بڑھی جہاں اس کے خیال میں وحشی لڑکی کو قید میں رکھا ہوا تھا۔ ماریا اس جہاز کی ساری منزلوں سے واقف ہو گئی تھی۔ وہ ایک تنگ راہداری سے نکل کر نیچے جانے لگی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جہاں بوڑھا انجینئر قید تھا اسی کوٹھڑی میں وحشی لڑکی کو قید کیا گیا ہوگا۔ اچانک اس کی نظر ایک کیبن کے دروازے پر پڑی۔ وہاں دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وحشی لڑکی اسی کیبن میں رکھی گئی تھی۔ ماریا سوچنے لگی کہ ان ڈاکوؤں کو یہاں سے کیوں کر بھگایا جائے۔ اس نے ذرا پیچھے اندھیرے میں جا کر سیٹی بجائی۔ یہ سیٹی بحری ڈاکوؤں کے جہازوں پر اس وقت بجائی جاتی ہے جب کوئی خطرہ ہو۔

سیٹی کی آواز سنتے ہی دونوں ڈاکو ماریا کی طرف بھاگے۔ ماریا تو ان کو دکھائی نہ دی البتہ وہ ایک خالی پیپے سے ٹکرا کر اندھیرے میں گر پڑے۔ ابھی وہ فرش پر سے اٹھ ہی رہے تھے کہ ماریا نے اوپر سے دونوں کو باری باری ایک ایک

ہاتھ ایسا زبردست طریقے سے مارا کہ ان کی گردنوں کے منکے ٹوٹ گئے اور دونوں فرش پر بے جان ہو کر پڑ گئے۔ ماریا نے بڑی آسانی کے ساتھ ان دو ڈاکوؤں سے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ وہاں سے بھاگی اور سیدھی کوٹھڑی کے پاس آئی جس کے اندر وحشی لڑکی قید تھی۔

اس کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا۔ ماریا نے ایک ہی جھٹکے سے توڑ دیا۔ دروازہ کھول کر وہ تیزی کے ساتھ اندر گئی تو دیکھا کہ کونے میں لیمپ جل رہا تھا اور وہی وحشی لڑکی زمین پر لیٹی تھی۔ ماریا اس کے قریب جا کر جھکی اور بولی۔

"میرے ساتھ چلو رتنا"

اس نام نے کچھ عجیب سا اثر کیا اس وحشی لڑکی پر۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماریا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وحشی لڑکی ہاتھ کی انگلیاں بڑھا کر ماریا کے چہرے پر پھیرنے لگی۔ ماریا نے کہا۔

"رتنا! چلو میرے ساتھ۔ میرے ساتھ چلو جلدی سے اٹھو یہ ڈاکو تمہارے دشمن ہیں۔"

اور ماریا نے وحشی لڑکی کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ اب سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ماریا قدم قدم پر وحشی لڑکی کے ساتھ چل رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی آواز نہ نکال دے یا ادھر

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

ادھر بھٹک نہ جائے۔ وہ اس وحشی لڑکی کو لے کر جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر لے آئی۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ میدان خالی پا کر ماریا نے وحشی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے عرشے پرے جنگلے کی طرف لے گئی۔ یہاں ایک سیڑھی نیچے کشتی تک لٹک رہی تھی۔

ماریا نے وحشی لڑکی کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"آواز بالکل نہ نکالنا۔ یہ سیڑھی اترو چلو جلدی کرو۔"

وحشی لڑکی نے ایک پل کے لیے اندھیرے میں ماریا کو غور سے دیکھا۔ ماریا کو خیال آیا کہ کہیں یہ عین وقت پہ اڑ نہ جائے۔ اگر اس نے جانے سے انکار کر دیا اور ضد کرنے لگی تو مصیبت آ جائے گی۔ مگر وحشی لڑکی سیڑھی اتر کر نیچے کھاڑی میں ڈولتی کشتی میں بیٹھ گئی۔ ماریا بھی جلدی جلدی سیڑھی اتر کر کشتی میں آئی اور اس نے رسی کھول کر پرے ہٹا دی اور کشتی کے چپو چلاتی اسے کھیتی ہوئی کھاڑی کے دوسرے کنارے کی طرف آ گئی۔ اس کنارے پر ابھی تک اندھیرا تھا۔ اگرچہ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا اور جزیرے کے عقب سے چاند درختوں کے اوپر آنے لگا تھا۔

درختوں کے پیچھے سے چاند کی زرد روشنی کا غبار سا چھن

یا تھا۔ ماریا کشتی کو بڑی تیزی سے چلا رہی تھی۔ وہ جہاں سے جانا چاہتی تھی۔ جب وہ کھاڑی کا موڑ گھوم گئی تو اس نے کشتی کو ایک طرف کنارے سے لگا دیا اور وحشی لڑکی کا کر اسے ساتھ لیے چٹان کی کھوہ کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہ وحشی لڑکی کو جزیرے کے جنگلی لوگوں سے بھی چھٹکارا دلانا چاہتی تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ وحشی لڑکی انگلونیشیا کے ڈاکٹر کی لڑکی رتنا ہی ہے۔

وحشی لڑکی اپنی مرضی سے ماریا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اگر اس کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ بڑی آسانی سے ماریا کا ساتھ چھوڑ کر جنگل میں گم ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار ماریا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو پھر بھی وحشی لڑکی اس کے پیچھے پیچھے آتی گئی تھی۔ ماریا مختلف پگڈنڈیوں، ندیوں اور جنگل میں درختوں کے ذخیروں سے ہوتی آخر اس چٹان کے سامنے میں پہنچ گئی جس کی کھوہ میں غار تھا۔

ماریا وحشی لڑکی کو لے کر کھوہ کے اندر آ گئی۔ اس نے جاتے ہی بوڑھے انجینئر کو آواز دی۔

"بابا؟"

انجینئر موم بتی بجھا کر کونے میں آرام کر رہا تھا۔ ماریا کی آواز سن کر اس نے ماچس جلائی اور موم بتی کو روشن

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر دیا۔ وحشی لڑکی کو ماریا کے ساتھ دیکھ کر بوڑھا انجینئر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وحشی لڑکی کی کلائی کو روشنی تک لے جا کر دیکھا۔ اس کے منہ سے خوشی کی ایک چیخ نکل گئی۔ وحشی لڑکی کی کلائی پر انڈونیشی زبان میں چھوٹا سا 'لفظ' رتنا کھدا ہوا تھا۔

"ماریا: یہ میرے ڈاکٹر دوست کی بیٹی رتنا ہے"

وحشی لڑکی انجینئر کو خاموش نظروں سے تک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی اثر نہیں تھا۔ پھر اس نے غار کی چھت کو دیکھا۔ فضا میں کچھ سونگھا اور جلدی سے ماریا اور انجینئر کو پرے دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی پرے ہٹ گئی۔ ایک دم سے چھت پر سے ایک سبز رنگ کا بہت موٹا سانپ تڑپ سے فرش پر اس جگہ گر پڑا جہاں تھوڑی دیر پہلے یہ سب لوگ کھڑے تھے۔

سانپ نے زور سے پھنکار ماری۔ وحشی لڑکی نے سانپ کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ اس کے پاؤں میں اتنی طاقت تھی کہ سانپ کی گردن کٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ماریا نے بھی سانپ کی گردن پر زور سے دو تین ہاتھ مارے اور اس کی گردن الگ کر دی۔ پہلی بار وحشی لڑکی ماریا کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ انجینئر نے کہا۔

"ماریا: مجھے لگتا ہے جیسے یہ تمہیں دیکھ رہی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل نہیں دیکھ رہی۔"

ماریا نے کہا۔

"H: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس وحشی لڑکی رتنا کی شاید آنکھوں میں جو ہے۔ یہ میری موجودگی کو محسوس کر لیتی ہے۔ یہ مجھے دیکھ نہیں رہی مگر میرے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو پورے طور پر محسوس کر لیتی ہے اور پھر جہاں میں کھڑی ہوئی ہوں ادھر کو دیکھنے لگتی ہے دوسرے کو یوں لگتا ہے جیسے یہ مجھے دیکھ رہی ہے۔"

بوڑھا بولا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ جنگل میں اتنے سال رہنے کی وجہ سے اس کی ساتویں حس بیدار ہو گئی ہے۔ اب یہ بہت سے خطرے پہلے ہی بھانپ لیتی ہے۔ جیسا کہ اس نے ہمارے ڈسنے والے سانپ کے خطرے کو پہلے سے ہی محسوس کر لیا تھا۔ حالانکہ ہمیں ذرا بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔"

بوڑھے انجینئر نے رتنا کی طرف دیکھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"بیٹی! تمہارا نام رتنا ہے۔ تم ڈاکٹر جاگور کی بیٹی ہو۔ تمہارے ماں باپ جکارتا میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ آج بھی تمہارے غم میں نڈھال ہیں۔ کیا تم سمجھ رہی ہو؟

وحشی لڑکی رتنا بوڑھے انجینئر کی طرف دیکھتی رہی۔ بلبوں کی روشنی میں اس کی آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ماریا نے کہا۔

"بابا! یہ دنیا کی شاید کوئی زبان نہیں سمجھتی۔ میں نے اس کے ساتھ کئی بار باتیں کی ہیں مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا"

"پھر بھی کوئی نہ کوئی زبان تو یہ بولتی ہوگی" انجینئر نے کہا۔

ماریا کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے شاید یہ جانوروں کی بولی بولتی ہو اور ان ہی کی بولی سمجھتی ہو۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ میں نے اس کی باتوں کو صرف ایک بھیانک چیخ ہی سنی ہے۔ اس کے سوا مجھے اس کی آج تک دوسری آواز سنائی نہیں دی"

انجینئر نے کہا۔

"تم نے بڑا کمال کیا میری بچی ماریا کہ اس لڑکی کو ڈاکوؤں کے جنگل سے چھڑا لائی ہو۔ یہ میرے دوست کی نشانی ہے جب میں اس بچی کو جا کر ان کے حوالے کروں گا تو خوشی سے وہ نہال ہو جائیں گے"

ماریا نے پوچھا۔

"کیا وہ اپنی بچی کو پہچان لیں گے؟"

"بچی ایک ڈیڑھ سال کی تھی جب جہاز سمندر میں غرق ہوا۔ بلکہ سب سے بڑی پہچان تو اس کا نام ہے جو ڈاکٹر نے میرے سامنے شہر کے ایک دکاندار سے اس کی کلائی پر کھدوایا تھا"

وحشی لڑکی اس عرصے میں کمرے میں جا کر بوڑھے انجینئر کے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شاید وہ سو گئی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"ویسے لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ انہوں نے جہاز کے غرق ہونے کے بعد ایک ڈولفن مچھلی کو دیکھا ہے جو ایک ننھے سے بچے کو سر پہ اٹھائے سمندر میں جا رہی تھی"

بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"بیٹی! ڈولفن مچھلی انسانوں کی بڑی دوست ہوتی ہے۔ یہ انسان کے بڑے کام آتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جنگ میں کوئی ہوا باز سمندر میں گر پڑا۔ شارک مچھلیاں حملہ کرنے آئیں مگر ڈولفن نے بیچ میں آ کر اسے بچا لیا۔ پھر اسے اپنے اوپر سوار کرایا اور سمندر میں اسے لئے پھرتی رہی۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے جہاز یا کسی جزیرے پہ لا کر اتار دیا۔ رتنا کے معاملے میں بھی یہی ہوا ہوگا۔ یہ بچی منہ کے بل گری تو کسی ڈولفن نے اسے دیکھ لیا پھر وہ سمندر کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نیچے سے اسے اٹھا لائی اور اس جزیرے پر لا کر ڈال دیا۔"

ماریا نے کہا۔

"حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ اس مچھلی نے پھر اس چھوٹی سی بچی کی دیکھ بھال بھی کی۔"

"ہاں ڈولفن بچوں کو پال کر خوش ہوتی ہیں، وہ ضرور سمندر سے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لا کر اسے کھلاتی رہی ہو گی اور کوئی عجیب بات نہیں کہ اسے دودھ بھی پلاتی رہی ہو۔ پھر جب رتنا ذرا بڑی ہو گئی تو ڈولفن نے اسے چھوڑ دیا اور یہ لڑکی اس جنگل میں ہی چل پھر کر جوان ہو گئی۔"

بوڑھا انجینئر بولا۔

"تعجب اس بات پر ہے کہ اس جزیرے کے جانگلی لوگ اسے اپنی دیوی سمجھنے لگے۔"

"ہاں بابا! وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔"

"اور یہ جانگلی لوگ آدم خور بھی نہیں ہیں۔"

"بالکل نہیں ہیں۔"

انجینئر نے گہرا سانس لیا۔

"اب پھر تمہارا کیا ارادہ ہے بیٹی ماریا؟"

ماریا نے کہا۔

"بابا! ہماری سکیم یہی ہے کہ کسی طریقے سے ڈاکوؤں کے

جہاز پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر سب سے پہلا کام یہ کیا جائے کر رتنا کو ساتھ لے کر انڈونیشیا جا کر اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے۔"

"بڑا نیک خیال ہے ماریا بیٹی! مگر سوال یہ ہے کہ ان وحشی ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کس طرح کیا جا سکے گا؟"

"اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تو اس لڑکی رتنا اور پ کر ان کی آنکھوں سے بچانا ہے۔ چھپانا ہے کیونکہ ڈاکو اب بڑی شدت سے رتنا کو تلاش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کم بخت ڈ ڈھونڈتے اس چٹان کے آس پاس بھی پہنچ جائیں۔ اس لئے ہمیں بے حد چوکس رہنا ہو گا۔"

بوڑھا انجینئر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔

"بیٹی ماریا! تم بھی بیٹھ جاؤ اور آرام کرو۔ تم بھی بے حد تھک گئی ہو گی ـــــ رتنا تو شاید سو گئی ہے۔"

ماریا بولی۔

"بابا! مجھے اتنے آرام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں جب چاہوں آرام کر لیتی ہوں۔"

انجینئر نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ ڈاکو بڑی گرم جوشی اور غصے کے ساتھ اس لڑکی کو تلاش کریں گے۔ وہ میری تلاش

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں بھی ہوں گے۔ مناکو بڑا سنگدل ڈاکو ہے۔ اس نے جزیرے پر آتے ہی میرے سات ساتھیوں کو گولی سے اڑا دیا تھا میری قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا۔ اگر میں انجینئر نہ ہوتا تو ان کے ساتھ مجھے بھی گولی مار دی جاتی...... بہرحال وہ اگر سارے جزیرے کو کھنگال ڈالیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس چٹان کی کھوہ تک وہ بہت مشکل سے پہنچ سکیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں میرا مطلب ہے دو ایک روز تلاش کریں اور پھر تھک ہار کر یہاں سے چل دیں۔ وہ تو صرف اس جزیرے پر پھل اور پانی کا ذخیرہ لینے کے لئے ٹھہرے ہیں۔"

انجینئر نے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ ہمیں جہاز پر جلد سے جلد قبضہ کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔"

"بابا! تم اس سلسلے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟"

انجینئر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ جہاز پر ڈاکوؤں کی تعداد پچاس سے کسی طرح کم نہیں ہو گی۔ اتنی بڑی تعداد کو ختم کرنا آسان کام نہیں ہے۔"

ماریا کہنے لگی۔

"پھر آپ نہ کہیں۔ میرے لئے ان لوگوں کو ٹھکانے لگانا مشکل بات نہیں ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں ایک ایک کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔ اور جب بہت ڈاکو مر جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ مناکو یہاں سے جہاز لے کر رفوچکر ہو جائے۔"

"تو پھر...... اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"کسی طرح سے کوئی ایسی بات ہو جائے کہ سارے ڈاکو جہاز سے اتر کر جزیرے میں آ جائیں اور ہم پیچھے جہاز سے فرار ہو جائیں۔"

"بڑا مناسب خیال ہے۔ اس کے لئے سوچنا پڑے گا۔"

انجینئر کے اس خیال پر ماریا نے کہا۔

"بابا! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جزیرے کے بیچ میں آگ لگا دی جائے۔ ڈاکو آگ کو دیکھ کر ضرور ادھر آئیں گے۔ اس عرصے میں ہم جہاز پر پہنچ جائیں اور اسے لے کر بھاگ جائیں۔"

انجینئر ہنسا۔

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ پہلی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بات تو یہ ہے کہ جس وقت ڈاکو جزیرے کی طرف آگے بڑھ کر آئیں تو اس وقت ہمارا جہاز پر ہونا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے"

"مگر اتنی جلدی یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"میں کر کے دکھا دوں گی آپ تیار رہیں"

ماریا نے انجینئر کو تاکید کی کہ کسی حالت میں بھی وحشی لڑکی رتنا کو وہاں سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ ماریا صبح سے پہلے پہلے واپس اپنے جھونپڑے میں آ گئی۔ صبح کو جب وحشی لڑکی کی گمشدگی کا پتہ چلا تو وہاں ایک شور مچ گیا۔ منا کو ڈاکو نے دونوں پہرے داروں کو اپنے ہاتھوں سے گولی مار دی۔ ماریا خوش ہوئی کہ چلو دو ڈاکو اور کم ہو گئے۔ جزیرے کی ایک بار پھر تلاشی شروع ہو گئی۔

ماریا نے دیکھا کہ سارے کے سارے ملاح تلاش کو نکلے ہوئے ہیں۔ جہاز پر صرف ڈاکوؤں کا سردار اور چند ایک پہریدار رہ گئے تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ ان لوگوں کو ختم کر کے جہاز پر قبضہ کر لیا جائے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ دن وقت وہ وحشی لڑکی رتنا اور بوڑھے انجینئر کو جزیرے سے جا کر نہیں لا سکتی تھی

چاہیئے تو یہ کہ ان دونوں کو کھاڑی کے دوسرے کنارے محفوظ جگہ لے کر چھپا دیا جائے اور جونہی ایسا کوئی موقع ے تو فوراً انہیں جہاز پر سوار کروا دیا جائے اور جہاز ے کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں۔

ماریا جزیرے میں نکل کھڑی ہوئی۔ اسے ڈر تھا کہ ہیں غلطی سے وحشی لڑکی غار سے باہر نہ نکل آئے۔ راستے یں ماریا نے ڈاکوؤں کو دیکھا کہ وہ وحشی لڑکی اور بوڑھے نجینئر کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ جھاڑیوں کو کنگال رہے تھے اور درختوں میں گولیاں چلا رہے تھے۔ ذرا بھی شاخ میں کوئی پرندہ پھڑپھڑاتا تو یہ گولی چلا دیتے ور پھر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگتے۔ ماریا جلدی جلدی کھوہ میں پہنچ گئی۔ ابھی تک اس علاقے میں کوئی ڈاکو نہیں یا تھا۔

ماریا نے اندر جا کر دیکھا کہ بوڑھا انجینئر اور وحشی لڑکی موجود تھے اور کونے میں چھپے بیٹھے تھے۔ وحشی لڑکی تو ابھی تک سو رہی تھی۔

"یہ اچھی بات ہے اس کا سوتے رہنا ہی اچھا ہے۔"

ماریا نے کہا اور پھر بوڑھے انجینئر کو بتایا کہ ان کی خوش یہ ڈاکو جزیرے میں گھوم پھر رہے ہیں اور درختوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر گولیاں چلا رہے ہیں۔" انجینئر نے کہا۔

"گولیوں کی آواز مجھے بھی آئی تھی۔"

"ہاں۔ وہ خواہ مخواہ گولیاں ضائع کر رہے ہیں۔ بابا! میں نے سوچا ہے کہ آپ دونوں کو آج رات یہاں سے نکال کر جہاز کے قریب کھاڑی کے دوسرے کنارے کسی جگہ چھپا دیا جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جہاز کے زیادہ سے زیادہ قریب رہیں تاکہ وقت آنے پر جہاز میں سوار ہونے میں آسانی ہو۔"

"کیا وہاں کوئی محفوظ جگہ ہے؟"

"یہ میں آج معلوم کر لوں گی۔ بلکہ کل تک کوئی محفوظ جگہ بنا لوں گی۔"

تھوڑی دیر وہاں رہ کر ماریا واپس آ گئی۔ وہاں سے وہ سیدھی کھاڑی کے دوسرے یعنی سامنے والے کنارے پر پہنچی کافی تلاش کے بعد آخر اس نے ایک جگہ ڈھونڈ لی۔ یہ ایک گڑھا تھا جس میں گھاس پھونس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ اس گڑھے کے پہلو میں ایک چھوٹا سا غار زمین کے اندر چلا گیا تھا۔ ماریا نے کچھ گھاس کاٹ کر وہاں زمین پر بچھا دیا اور شام کا اندھیرا [illegible] ہی وحشی لڑکی اور بوڑھے انجینئر کو [illegible] جنگل میں چل دی۔

●

دو لاشیں

●

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔

ماریا چٹان کے دامن میں کھوہ کے اندر پہنچ گئی۔ بوڑھا انجینئر اور وحشی لڑکی وہیں تھے۔ وحشی لڑکی خاموش کونے میں بیٹھی تھی اور چھت کو تک رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"چلو بابا! میں نے ایک جگہ دیکھ لی ہے وہاں سے ہم بہت جلدی جہاز پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"کیا وہاں بحری ڈاکوؤں کا خطرہ تو نہیں؟ کیونکہ اس طرح سے ہم خطرے سے بھی بہت قریب ہو جائیں گے۔"

"نہیں بابا! میں نے ہر شے اچھی طرح دیکھ بھال لی ہے۔ [illegible] لوگ میرے ساتھ چلے چلیں۔ جنگل میں اندھیرا ہے۔ ہم گھپ اندھیرے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ رتنا نے [illegible] بات کی؟"

"بالکل ٹھیک۔ وہ اس وقت سے خاموش ہے اور یہ بھی [illegible] کھاتی ہے۔ کسی وقت اٹھ کر باہر جاتی ہے اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پھر اندر آ کر بیٹھ جاتی ہے۔"

ماریا نے پوچھا

"کیا جنگل کے وحشی اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں نہیں آئے؟"

"ابھی تک ادھر تو کوئی نہیں آیا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ انہیں رتنا کی تلاش ضرور ہوگی۔ کیونکہ یہ ان کی دیوی ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔ اب آپ لوگ جلدی سے اٹھیں اور میرے ساتھ چلیں"

ماریا نے وحشی لڑکی رتنا کے پاس جا کر اس کا ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"اچھی بہن! میرے ساتھ چلو۔ آؤ"

رتنا نے ماریا کی طرف خاموش نظروں سے دیکھا اور پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ماریا کی زبان سمجھنے لگی ہے۔ ماریا بڑی خوش ہوئی اس نے انجینئر سے کہا۔

"بابا! اب یہ میری بات سمجھنے لگی ہے۔ دیکھو میں نے اسے اٹھنے کے لئے کہا اور یہ اسی وقت اٹھ کر کھڑی ہو گئی ہے۔"

ماریا بڑی خوش تھی۔ انجینئر نے کہا۔

"آہستہ آہستہ یہ ہماری ایک ایک بات سمجھنے لگے گی۔ تم اپنے ہاتھ میں ایک رسی تھام لو۔ میں اس رسی کو پکڑ کر

تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا۔ کیونکہ تم مجھے دکھائی تو دیتی ہی ہو۔"

ماریا نے وہاں سے گھاس کی ایک رسی اٹھا کر ہاتھ میں پکڑی اور اس کا ایک سرا بوڑھے انجینئر کو پکڑا دیا۔ بوڑھے انجینئر نے ایک ہاتھ سے وحشی لڑکی کے ہاتھ کو تھاما اور ماریا کے پیچھے پیچھے غار سے باہر نکل آیا۔ تینوں باہر نکل کر بائیں جانب گھوم گئے اور انہوں نے ندی کے ساتھ ساتھ پیچھے مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جنگل میں سناٹا تھا۔ جھینگر بول رہے تھے۔ دور الو کی آواز بھی آ رہی تھی۔ وہ ندی کنارے آ گئے۔ ماریا انہیں ندی کے اوپر سے [illegible] کے جنوب سے ہوتی ہوئی کیمپ گاہ تک لانا چاہتی تھی۔

وہ دیودار کے گھنے درختوں کے نیچے سے ہو کر گزر رہی تھی کہ اسے آہٹ سنائی دی وہ رک گئی۔ اس نے سرگوشی میں انجینئر سے کہا۔

"درخت کے پیچھے ہو جاؤ۔"

اور پھر ماریا نے وحشی لڑکی کو بھی ہاتھ سے پکڑ کر درخت کی اوٹ میں کر لیا۔

آہٹ قریب آ رہی تھی۔ اب انہیں دو آدمیوں کے باتیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کھنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا:

"جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ جلدی کرو۔ یہ بحری ڈاکو ہیں اور تم لوگوں کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔"

وحشی لڑکی اور بوڑھا انجینئر ایک دم سے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں رات کے اندھیرے میں ابھر دو سائے آتے دکھائی دیئے۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں ان کے کانوں کی مندریاں چمک رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے اور کمر کے ساتھ پستول لٹک رہے تھے۔ ماریا دم بخود کھڑی تھی۔ اس نے انجینئر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کیونکہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بوڑھا انجینئر کھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر پھر بھی انجینئر کی ہلکی سی کھانسی کی آواز نکل ہی گئی۔

اس آواز پر دونوں ڈاکو ایک دم سے رک گئے۔

وہ جنگل میں چاروں طرف دیکھنے لگے۔

"تم نے کچھ سنا؟"

"ہاں۔ جیسے کسی کے کھانسنے کی ہلکی سی آواز تھی"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے بھی سنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا شکار اسی جگہ کہیں چھپا ہوا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو میں اس علاقے کا چکر لگاتا ہوں۔"

ایک ڈاکو پستول ہاتھ میں تھام کر وہیں کھڑا ہو گیا اور دوسرا پستول نکالے ان درختوں اور جھاڑیوں کی طرف آیا جہاں انجینئر اور ماریا چھپے ہوئے تھے۔ ماریا اب پوری طرح سے ہوشیار ہو چکی تھی۔ یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ کیونکہ ڈاکو بالکل ان کی سیدھ میں آ رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اگر اس نے ایک گولی بھی چلا دی تو جزیرے پر پھیلے ہوئے سارے ڈاکو یہاں پہنچ جائیں گے۔

ماریا جھاڑیوں سے باہر نکل کر کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اب رات کے اندھیرے میں بھی ڈاکو کو صاف صاف دیکھ رہی تھی جو سر پر سرخ رومال باندھے۔ کانوں میں گولڈن چھلے ڈالے ہاتھ میں پستول تھامے جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کم بخت نے آواز ٹھیک سنی تھی۔ بالکل آواز جہاں سے آئی تھی اس کی سیدھ میں آگے بڑھ رہا تھا۔

ماریا بھی تیار کھڑی تھی۔ وہ اس ڈاکو کو کچھ اس طریقے سے قابو کرنا چاہتی تھی کہ ذرا سی بھی آواز پیدا نہ ہو۔ اسے یہ خطرہ تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ میں پستول ہے۔ کہیں وہ اسے چلا نہ دے۔

ڈاکو ماریا کے قریب سے گذر گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا اب اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ڈاکو جھاڑیوں کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ ان جھاڑیوں میں وحشی لڑکی اور بوڑھا انجینئر چھپے ہوئے تھے۔ ڈاکو رک گیا اور سانس روک کر جھاڑیوں میں سے آتی شاید بوڑھے انجینئر کے سانس لینے کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ جونہی اس نے ہاتھ بڑھا کر جھاڑیوں کو ہٹایا اور بوڑھے انجینئر اور وحشی لڑکی کو دیکھا پیچھے سے ماریا نے اس کی گردن پر ہاتھ مار دیا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے پستول گر پڑا۔ گردن کی ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی اور وہ لڑکھڑا کر پھر کبھی نہ اٹھنے کے لئے گر پڑا۔

گردن کی ہڈی کے ٹوٹنے سے ڈاکو کے ہاتھ سے پستول چلانے کی طاقت جاتی رہی تھی۔ ماریا بھی یہی چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پوری طاقت سے ہاتھ مارا تھا۔ انجینئر اور وحشی لڑکی خاموشی سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ ماریا نے لاش کو گھسیٹ کر جھاڑیوں میں چھپا دیا اور انجینئر سے سرگوشی میں کہا۔

"اسی طرح بیٹھے رہو۔ میں دوسرے ڈاکو کی خبر لیتی ہوں"

ماریا جھاڑیوں سے نکل کر درخت کی دوسری جانب وہاں آ گئی جہاں دوسرا ڈاکو کھڑا اپنے پہلے ساتھی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اسی طرح درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ

ں بھی پستول تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ساتھی کو دیر ہو گئی ہے تو ں نے آہستہ سے آواز دی۔

"کارلو! کہاں چلے گئے کارلو؟"

کارلو تو اگلے جہان پہنچ چکا تھا اسے کہاں سے جواب دینا۔ ماریا یہ سب کچھ پاس ہی کھڑی سن رہی تھی۔ کارلو کا ساتھی پریشان سا ہو گیا کہ ابھی تو وہ اس کے پاس گیا ہے پھر واپس کیوں نہیں آ رہا؟ آخر کہاں جا کر کھو گیا؟ اس نے ایک بار پھر آواز دی۔

"کارلو بھائی! جواب کیوں نہیں دیتے؟"

کارلو کی لاش جھاڑیوں میں بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اسے جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ ڈاکو خود ہی آگے کی طرف چلا کہ چل کر خود ہی معلوم کرتا ہوں بات کیا ہے۔ ماریا اس کے راستے میں کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جب ڈاکو جھک کر سراغ رسانوں کی طرح پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ماریا کے قریب آیا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ زور سے ہاتھ مار کر ڈاکو کا پستول گرا دیا۔ ڈاکو بوکھلا اٹھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"کارلو! کارلو!"

ڈاکو نے بلند آواز میں دہشت سے کانپتے ہوئے اپنے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ساتھی کو پکارا۔ ماریا کو خطرہ تھا یہ اونچی شور مچانا شروع کر دے۔ ایسی صورت میں سارے ڈاکو یہاں پہنچ کر انجینئر اور وحشی لڑکی کو ہلاک کر سکتے تھے۔ ماریا کس کس سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ پس اس نے دوسری آواز نکالنے سے پہلے ہی ایک ہاتھ مار کر ڈاکو کی گردن کا منکا توڑ دیا۔ پھر وہ بوڑھے انجینئر اور وحشی لڑکی کے پاس آ کر کہنے لگی۔

"میدان صاف ہو چکا ہے جلدی یہاں سے نکل چلو"

ماریا ان کو لے کر جنگل جنگل، درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتی آخر ندی کے دوسری جانب پہاڑی کے مشرقی کنارے والے کھوہ میں لے آئی۔ بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"یہاں ہمیں کتنی مدت تک رہنا ہوگا ماریا؟"

"بابا! اس پر کل بات ہوگی۔ اب تم لوگ آرام کرو"

وحشی لڑکی بھی بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ماریا بھی وہاں سے نکلی اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر سو گئی۔ دوسرے روز مناکو ڈاکو کو جب اپنے دو ساتھیوں کی لاشیں ملیں تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"جزیرے میں گولہ باری شروع کر دو"

پھر توپوں کے منہ جزیرے کے وسط کی طرف کر دیئے گئے۔

پھر گولہ باری کے دھماکے شروع ہو گئے۔ جنگلی لوگ پہلی گولہ باری کے بعد وہاں سے دور چلے گئے تھے۔ اس لئے کسی کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ صرف نیچے کچھ درخت ٹوٹ کر گر پڑے اور کہیں آگ بھی لگ گئی۔ مناکو ڈاکو کو بھی پتہ تھا کہ جانی نقصان کسی کا نہیں ہوا۔ بس وہ اپنی شرمندگی اور غصہ نکالنا چاہتا تھا۔

"بند کر دو یہ بک بک"

مناکو ڈاکو نے گولہ باری کے دھماکوں سے تنگ آ کر کہا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ گولے ختم ہو رہے تھے اور خواہ مخواہ میں اسلحہ پھونکا جا رہا تھا۔ گولہ باری کے دھماکے انجینئر، وحشی لڑکی اور ماریا بھی سنتے رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ڈاکو اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے جنگلی لوگوں پر گولے برسا رہے ہیں جن کا کہ اب کوئی فائدہ نہیں کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ جنگلی لوگ آگے نکل گئے ہیں۔

دوپہر کے وقت ماریا ایک تھیلے میں پھل لے کر وحشی لڑکی اور انجینئر کے پاس گئی۔ وحشی لڑکی کو ماریا نے بڑی محبت سے پاس بیٹھ کر پھل کھلائے۔ پانی پلایا اور اس کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔

"رتنا! میری بات غور سے سنو۔ تم اردو سمجھتی ہو۔ یہ بڑی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اچھی بات ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے ہرگز ہرگز باہر نہ نکلو۔ جب تک میں اشارہ نہ کروں تم یہاں سے ہرگز باہر نہ نکلنا کیونکہ اب ڈاکو ادھر آئیں گے۔ ان کے ساتھیوں کی لاشیں ملی ہیں۔ وہ غصے سے پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔"

رتنا نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ یہ بڑی تسلی کی بات تھی کہ اب یہ وحشی لڑکی ماریا کے کہنے میں آ گئی تھی۔ وہ اسے جو ہدایت دیتی تھی وحشی لڑکی اس پر خاموشی سے عمل کرتی تھی۔

اس کے بعد ماریا نے بوڑھے انجینئر سے مشورہ کیا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ ڈاکو اب جزیرے سے کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک اس غار میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"میرا خیال ہے میں جزیرے کے بیچ میں جا کر شور مچاتا ہوں۔ ڈاکو میری آواز سن کر ادھر بھاگیں گے۔ اس عرصے میں تم جہاز پر رتنا کو لے کر سوار ہو جانا۔ پھر میں بھی کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں گا"

ماریا مسکرائی۔

"اور اس کے ساتھ ہی ڈاکو بھی جہاز پر آ جائیں گے اور تم دونوں کو قابو میں کر لیں گے۔ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

خوفناک بات ہو گی۔"

"پھر تم ہی بتاؤ۔ میرا دماغ اس طرف کام نہیں کرتا میں مشین کو چلا سکتا ہوں۔ اس قسم کی باتیں نہیں سوچ سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"میں کچھ نہ کچھ کروں گی۔ تم یہاں ہر وقت تیار رہنا۔ شاید رات یا کل کسی وقت ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے"

"ٹھیک ہے۔ ہم تیار رہیں گے۔ مگر تم کیا کرو گی؟ یہ ڈاکو بڑے خطرناک ہیں اور جہاز سے سارے کے سارے الگ نہیں ہو سکتے۔"

"میں خود سوچ لوں گی۔ اب تم یہاں آرام کرو اور رتنا کو کسی حالت میں بھی باہر نہیں جانے دینا۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کی طرف سے پریشانی رہتی ہے کہ کہیں یہ کسی وقت باہر نکل کر ہماری ساری سکیم تباہ نہ کر دے"

"فکر نہ کرو میں اس کی حفاظت کروں گا"

ماریا غار سے نکل کر واپس آ گئی۔

جھونپڑی میں آ کر اس نے دیکھا کہ ڈاکو جہاز پر سامان لادنے لگے۔ بڑے بڑے مٹکے اور ناریل اور پھلوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے لاد رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہاں سے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ماریا فکر مند ہو گئی۔ وقت بہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پھر آن پہنچا تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ ابھی کرنا چاہیئے تھا۔ ورنہ اس کے بعد شاید وہ لوگ کبھی اس جزیرے سے باہر نہ نکل سکیں گے۔

خدا جانے پھر کب کوئی جہاز وہاں آئے!

آخر ماریا کو ایک ترکیب سوجھی۔

وہ جھونپڑے سے نکل کر سیدھی ڈاکوؤں کے جہاز پر پہنچی۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کا سردار ڈاکو مناکو اپنے کیبن کے باہر کرسی پر بیٹھا ناریل توڑ کر کھا رہا تھا اور دوسرے ڈاکوؤں کو گالیاں دے دے کر کہہ رہا تھا۔

"حرام خورو! جلدی جلدی سامان لادو۔"

ماریا کو اب کاغذ اور قلم دوات کی تلاش تھی۔ وہ سیدھی ڈاکو کے کیبن میں داخل ہو گئی۔ یہاں کافی تلاش کے بعد اسے ایک کاپی اور ایک کالی پنسل مل گئی۔ اس نے کاغذ پر ایک رقعہ لکھا۔

"سردار! میں اس جزیرے کے جنوب میں ایک غار میں ہوں۔ مجھے یہاں کے جنگلی وحشیوں نے قید کر رکھا ہے۔ یہ خط میں ایک بوڑھے جنگلی کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ جنگلی بہت ہمدرد ہے۔ میری بات غور سے سنو! میں جس جگہ پر قید ہوں وہاں غار میں سونے کا خزانہ موجود ہے۔ یہ جنگلی اس سونے

بزرگ رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے سونا ہے۔ اس وقت میرے سامنے صندوقوں میں سونے کی بھری پڑی ہیں۔ اگر یہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک تے تو میں تمہیں کبھی خط نہ لکھتا۔ مگر یہ لوگ مجھے دیوی پر کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لئے جس طرح ہو ے جلدی سے میرے پاس اپنے سارے آدمی لے کر پہنچو۔ مجھے اکیلے مت آنا۔ سب کو لے کر آنا۔ کیونکہ سونے کے صندوق بہت زیادہ ہیں۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ جیسا کرنا جزیرے میں ایک ندی آئے گی اس ندی کے دوسرے کنارے چلتے آنا۔ پھر ایک پہاڑی آئے گی۔ اس پہاڑی کے جنوب میں ناریل کے درخت ساتھ ساتھ اگے ہوئے ہیں۔ ان دو درختوں کے نیچے سے ایک دروازہ ہے۔ اس دروازے کے اندر سونے کے صندوق پڑے ہیں۔ فقط۔ انجینئر"

ماریا نے خط لکھ کر مناکو ڈاکو کے کیبن کے دروازے پر ڈال دیا اور پھر دروازے میں کھڑی ہو کر زور سے [illegible] دیا۔ مناکو ڈاکو نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"[illegible] بدتمیز شور مچا رہا ہے؟"

سے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا نے سوچا کہ [illegible] نہیں اٹھے گا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے اندر

کر ایک گلاس اٹھایا اور دروازے کے بیچ میں و
زور سے زمین پر مار دیا۔ گلاس کے شور سے ڈاکو اٹھ ک
دروازے میں آیا۔

"یہ کس الو کے پٹھے نے پھینکا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی اسے فرش پر خط نظر آیا۔ اس نے
اسے اٹھا لیا۔

"یہ پرچہ یہاں کون پھینک گیا ہے؟"

ڈاکو مناکو نے پرچہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ماریا کو معلو
تھا کہ مناکو صرف چینی زبان لکھنی پڑھنی جانتا ہے۔ اس
نے یہ خط چینی زبان میں ہی لکھا تھا۔ جوں جوں ڈاکو منا
خط پڑھتا جاتا تھا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جاتا
خط پڑھ کر اس نے زور سے فرش پر اپنا پاؤں مار
اور نعرہ لگا کر کہا۔

"وہ مارا ——"

اس نے اپنے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چھوڑ دو اس کام کو پھینک دو ان نوکروں کو
جگہ اور میرے ساتھ آؤ"

وہ سارے ملاحوں کو ساتھ لے کر جہاز سے اتر

یک خاص ساتھی نے پوچھا۔

سردار! کیا بات ہے؟ جہاز کو خالی چھوڑنا ٹھیک

ناکو نے خط اسے پکڑا دیا۔ خط پڑھ کر مناکو کا ساتھی

بھے تو اس میں کوئی سازش کی بو محسوس ہوتی ہے۔
ی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے"

"ہا ہا ہا" مناکو ڈاکو قہقہہ مار کر ہنسا۔ میرے دوست
ے ساتھ کوئی کیا سازش کر سکتا ہے۔ میرے پاس
وں بھی ہے۔ توپ بھی ہے۔ دستی بم بھی ہے اور مشین گن
ت۔ تم پروا مت کرو۔ آؤ میرے ساتھ۔ سونے
تنے صندوق ہمیں ساری زندگی نہیں مل سکتے۔"

"مگر سردار! یہاں اتنا سونا کہاں سے آ گیا؟"

مناکو ڈاکو بولا۔

"میرے دادا نے ایک بار کہا تھا کہ بحرالکاہل میں ایک
اپو ہے جہاں کیپٹن کڈ کے دادا نے لوٹا ہوا خزانہ چھپا
تھا شاید یہ وہی جزیرہ ہو اور یہ خزانہ بھی وہی ہو۔
گر میرے ساتھ"

"پھر بھی سردار ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا۔ میری مانو تو ساتھ

لوگ اپنے ساتھ مت لے جاؤ۔ یہاں کچھ لوگوں کو جہاز
کے لیے بھی چھوڑ جاؤ۔"

ماریا پاس ہی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ کم بخت یہ
کا ساتھی سارا کام خراب کر رہا تھا۔ اگر سردار نے
کی بات مان لی تو خاصی مشکل پیش آئے گی۔ منا گو ڈاکو ا
ساتھی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ تم اپنے چھ آدمی لے کر یہاں
جہاز پہ پہرہ دو اور ہم خزانہ لینے جاتے ہیں"

"جو حکم سردار!"

ماریا ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ کوئی بات
اگر اس سردار کے ساتھی کی موت
کے ہاتھوں لکھی ہے تو دیکھا جائے گا۔ سردار نے چھ ڈاکو
جہاز پہ پہرہ دینے کے لئے رکھے اور باقی سارے
لے کر نقشے کی ہدایت کے مطابق جزیرے کے
داخل ہو گئے۔ ماریا کا خیال تھا کہ کم بخت ڈاکو شاید خزانہ
ہونے کے بعد وہاں سے روانہ ہوں اور اسے اندھیرے
میں انجینئر اور وحشی لڑکی کو جہاز پہ پہنچانے کا موقع مل
جائے مگر یہ تو اسی وقت چل پڑا تھا۔

اب ماریا کو بھی جلدی کرنی چاہیے تھی۔ نہیں تو خطرہ

ڈو واپس آ جائیں اور غصے میں ہوں اور اگر انجینئر
پہنچ گیا تو وہ اس کے ٹکڑے اڑا دیں۔
جہاز سے اتر کر انجینئر اور وحشی لڑکی کی کھوہ کی طرف
ہو گئی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ سورج غروب ہو رہا
جھاڑی میں ابھی دن کی روشنی باقی تھی۔ ماریا نے کھوہ
اپنے ہی ساری کہانی بوڑھے انجینئر کو سنا دی۔ اس نے

ماریا دن کی روشنی میں ہمارا جہاز پر جانا خطرناک
پڑے گا کو جو جہاز پہ پہرہ دے رہے ہیں ہمیں پکڑ

یہ تو میں بھی جانتی ہوں"

تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

میں چاہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے جہاز پہ پہنچ جاؤ
اس وقت سردار اپنے کافی ڈاکوؤں کے ساتھ وہاں
گیا ہے۔ ہمیں اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ نہیں
مشکل ہو جائے گی"

چھ ڈاکو جہاز پہ پہرہ دے رہے ہیں ان کا کیا
اس کے ہاتھوں میں تو بندوقیں ہوں گی وہ بڑی تیزی
گولیاں برسانا شروع کر دیں گے اور جو بھی جزیرے میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گوریوں کی آوازیں گونجیں ادھر سے منا کو ڈاکو بھی چپ [illegible] کو لے کر جہاز پر پہنچ جائے گا"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ یہ خطرہ ہمیں مول لینا پڑ [illegible] خطرے کے بغیر کبھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ تم [illegible] یہاں سے نکل کر کھاڑی کے کنارے جھاڑیوں میں آ جاؤ۔ میں ج [illegible] پر جا کر میدان صاف کرتی ہوں۔ جونہی میں نے اونچی آوا [illegible] میں سیٹی بجائی تم لوگ کھاڑی میں رکھی کشتی میں سوار ہو [illegible] جہاز پر پہنچ جانا"

پھر ماریا نے وحشی لڑکی ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا

"بہن رتنا! ہم یہاں سے آزاد ہو کر جا رہے ہیں [illegible] طرح بوڑھا انجینئر بھی اسی طرح کرنا۔ ٹھیک ہے؟"

رتنا نے خاموش نظروں سے ماریا کی طرف دیکھا اور آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"شاباش میری بہن! آزادی میں۔ اب تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا ہے"

اور ماریا وہاں سے جلدی سے چلی گئی۔ وہ سیدھی جہا [illegible] پر آئی۔ وہاں چاروں طرف دو ڈاکو چل پھر کر پہرہ دے [illegible] تھے۔ دو ڈاکو نیچے دوسری منزل کی بالکونی میں توپ [illegible] کھڑے تھے۔ دو ڈاکو مشین روم میں تھے۔ سردار کا [illegible] از کے خاص کیبن میں دوربین لے کر بیٹھا کھڑکی [illegible] ے جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنے [illegible] وں کی نقل و حرکت دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماریا [illegible] سے پہلے مشین روم میں گئی۔

دونوں ڈاکو میز پر ٹانگیں رکھے بیٹھے جنگلی پھل کھا رہے [illegible] اور آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ ماریا پیچھے سے اندر داخل ہو کر ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ وقت بہت کم تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ بس اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیٹھے تو ایک زوردار ہاتھ ایک ڈاکو کی گردن پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔ دوسرا ڈاکو [illegible] اس طرف آیا۔

"کیا ہوا بھئی؟"

اسی وقت ماریا نے دوسرا ہاتھ دوسرے ڈاکو کی گردن پر مار دیا۔ اس کی گردن بھی ڈھلک گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ماریا ان دو ڈاکوؤں کی طرف گئی جو دوسری منزل کی بالکونی میں توپوں کے پاس کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ [illegible] ماریا نے پیچھے سے آواز دی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہائے میں مرگئی۔ ذرا ادھر آنا"

ڈاکوؤں نے ایک عورت کی آواز سنی تو چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ عورت کی آواز کہاں سے آگئی؟"

"میں نے بھی سنی ہے" دوسرا ڈاکو بولا۔

"شاید ہمارا وہم ہے۔ یہاں عورت کہاں سے آسکتی ہے"

ماریا نے پھر آواز دی۔

"آہ! میری مدد کرو۔ میری مدد کرو"

اب تو دونوں ڈاکو اچھل پڑے۔

"آواز آ رہی ہے"

دونوں میں سے ایک ڈاکو پیچھے کو آگیا۔ پیچھے راہداری میں اندھیرا تھا۔ جب کافی دیر ہوگئی اور ڈاکو کا ساتھی واپس نہ آیا تو اس نے آواز دی۔

"کہاں ہو تم؟"

دوسری طرف سے آواز نہ آئی تو وہ توپ پر سے ہٹ کر پیچھے آیا۔ پیچھے اس کی موت کھڑی تھی۔ ایک ضرب پہلے کے لیے کافی ہوئی اور ایک ضرب اس کے لیے بھی کافی تھی۔ ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد ماریا اوپر آگئی۔ یہاں دو ڈاکو جہاز کے عرشے پر پہرہ دے رہے تھے۔ سردار کا ساتھی اپنے

ے کیبن میں ہی تھا۔ ماریا نے عرشے پر آکر دیکھا کہ ون ڈاکو اپنی اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ ایک جہاز کے اگلی طرف کھڑا تھا۔ دوسرا ڈاکو جہاز کی پچھلی طرف بندوق لیے کھڑا تھا۔

یا سب سے پہلے شمال کی طرف کھڑے ڈاکو کے پاس نے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر انگلی ماری۔ نے چونک کر اپنے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پلٹ کر دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ سوچا شاید یہ اس کا وہم ہو۔ مگر ماریا کے پاس اس قسم کے مذاق کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ڈاکو گردن سے پکڑ کر گلا دبا دیا۔ وہ چیخ مار کر گرا۔ اس کی آواز دوسرا ڈاکو اس کی طرف بھاگا۔ جب تک وہ اس کے یا ماریا نے پہلے کا کام تمام کر دیا تھا۔

دوسرے ڈاکو نے پیچھے کو بلایا۔

"کیا ہو گیا تمہیں؟"

اس سے پہلے کہ دوسرا ڈاکو بھاگ کر نیچے کسی کو اطلاع ماریا نے اسے بھی گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا اور کو کنپٹی اس زور سے مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر وہیں گیا۔ ماریا نے ان کی لاشوں کو وہیں چھوڑا اور اب سردار کے کیبن کی طرف چلی۔ کیونکہ سردار کا ساتھی سناکر کے کیبن کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اوپر سے آتی ہوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آواز اس نے بھی کچھ کچھ سنی تھی۔ اور سوچ رہا تھا کہ یہ کس کی آواز تھی؟ شاید جنگل کا کوئی جانور بولا تھا۔ کیونکہ جزیرے میں بعض ایسے جانور بھی تھے جن کی آوازیں انسانوں سے ملتی جل تھیں۔

اتنے میں ماریا اس کے کیبن میں داخل ہو چکی تھی۔ اتفاق سے ماریا کا پاؤں ایک کرسی سے لگا اور کرسی فرش پر گر پڑی۔ ماریا وہیں کھڑی ہو گئی۔ سردار کے ساتھی نے پلٹ کر کرسی کو دیکھا۔ اس نے پستول نکال لیا۔

"کون ہے؟"

مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پستول کی وجہ سے پرے ہٹ گئی۔

سردار کا ساتھی بھاگ کر کیبن سے باہر نکل گیا۔ اسے کچھ شک پڑ گیا تھا۔ اس نے جہاز پر خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں دونوں پہرہ داروں کی لاشیں پڑی تھیں۔

●

خلائی سگنل

●

سردار کے ساتھی نے ہوا میں فائرنگ شروع کر دی۔ وہ جزیرے میں سردار اور دوسرے ساتھیوں کو خبردار کرنا چاہتا تھا کہ خطرہ ہے۔ جلدی واپس آؤ یا ہوشیار ہو جاؤ۔ ماریا پریشان ہو گئی۔ کیونکہ اب بازی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اب ایک ایک منٹ قیمتی تھا کیونکہ فائرنگ کی آواز سنتے ڈاکوؤں کو واپس بھاگنا تھا۔ ماریا نے پہلا کام تو یہ کیا کہ مرے ہوئے پہریدار کی رائفل اٹھا کر سردار کے ساتھی کا نشانہ باندھا اور اسے گولی سے اڑا دیا۔

اس کے بعد ماریا نے اونچی آواز میں سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سے پہلے ہی بوڑھا انجینئر فائرنگ کی آواز سن کر کھوہ سے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے سیٹی کی آواز سنی تو فوراً کھوہ میں واپس جا کر رتنا کو ساتھ لیا اور کشتی کی طرف بھاگا۔ کشتی کھاڑی میں ذرا دور کھڑی تھی۔ وحشی لڑکی بھی اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی۔ وہ آگے آگے تھی۔ انجینئر بوڑھا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتا تھا۔ آخر وہ کشتی تک پہنچ گئے۔ وحشی لڑکی رتنا اور بوڑھا انجینئر کشتی میں سوار ہو گئے۔ رسی کھول دی گئی۔ کشتی کا رخ جہاز کی طرف کر دیا گیا اور کشتی جہاز کی طرف چل پڑی۔

ادھر مناکو کو سردار ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تھک گیا مگر اسے نہ خزانہ ملا اور نہ وہ ناریل کے درخت جس کے نیچے کھوہ میں سونے کے صندوق دفن تھے۔ وہ پہلے ہی گالیاں دے رہا تھا اور سخت غصے میں تھا کہ اوپر سے اسے پستول کی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ یہ خطرے کا نشان تھا۔ سردار کے نائب نے اس انداز سے فائرنگ کی تھی کہ جس میں سخت خطرے کا اشارہ تھا۔ بس یہ اشارہ ملتے ہی مناکو ڈاکو نے بھی ہوا میں فائرنگ کر کے جواب دیا کہ میں آ رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھیوں سے کہا۔

"جہاز پر خطرہ ہے واپس بھاگو۔"

ڈاکو تیزی سے جہاز کی طرف دوڑنے لگے۔

ادھر بوڑھا انجینئر اور وحشی رتنا کشتی لے کر جہاز کی سیڑھی کے پاس پہنچ گئے۔

اوپر سے ماریا نے آواز دی۔

"جلدی کرو۔"

سب سے پہلے وحشی لڑکی رتنا سیڑھی پر چڑھ کر اوپر آ گئی۔ پھر بوڑھا انجینئر رسی کی سیڑھی چڑھنے لگا۔ وہ رک رک کر آ رہا تھا۔ ماریا اوپر کھڑی اسے بار بار آواز دے رہی تھی۔

"ابا! جلدی۔ جلدی۔"

آخر بوڑھا انجینئر بھی جہاز پر آ گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"لنگر اٹھا دو اور مشین چلا دو ابا۔ وقت کم ہے ڈاکو ادھر بھاگے آ رہے ہیں۔"

بوڑھے انجینئر نے عرشے پر لگی لنگر کھینچنے والی مشین کا ہینڈل گھما دیا۔ اس کے ساتھ ہی مشین چلنے لگی اور لنگر پانیوں سے اوپر آنے لگا۔ لنگر اوپر آ رہا تھا — ماریا نے انجینئر سے کہا۔

"اب جتنی جلدی ہو سکے نیچے جا کر مشین چلا دو تاکہ جہاز روانہ ہو جائے۔"

بوڑھا انجینئر انجن روم میں گیا۔ وہاں دو ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی تھیں۔ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے اس نے ہینڈل گھمانے اور بٹن دبانے شروع کر دیئے۔ جہاز کا انجن زبردست آواز کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے دوسرا انجن بھی چلا دیا۔ یہ انجن ڈیزل سے چلتے تھے۔ چنانچہ آگ پکڑتے ہی پسٹن چلنے کے جواب تیار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہو گئی اور جہاز کو ہلکا سا دھچکا لگا اور اس نے کھاڑی پر چلنا شروع کر دیا۔ ماریا نے اوپر سے آواز دی۔

"رفتار تیز کر دو بابا۔ میں ڈاکوؤں کو ادھر آتے دیکھ رہی ہوں۔"

جہاز بڑی آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور ابھی بڑی مشکل سے کنارے سے ذرا ہٹا ہی تھا۔

ادھر مناکو ڈاکو نے جب دیکھا کہ کھاڑی میں کشتی الٹی پڑی ہے ......

جہاز کا لنگر اٹھا ہوا ہے اور وہ حرکت کر رہا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"جہاز پر فائرنگ شروع کرو۔ کوئی اسے اغوا کر کے لیے جا رہا ہے"

ڈاکو بھاگتے بھی چلے آ رہے تھے اور جہاز پر گولیاں بھی برسا رہے تھے۔

اب ان کا ایک دستہ کھاڑی کے کنارے پر آ گیا تھا۔ وہاں کشتی کوئی نہیں تھی۔ سردار نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"چھلانگیں لگا دو سمندر میں اور جہاز پر قبضہ کر لو"

ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ ماریا بھاگ کر گولہ بارود والے کمرے میں گئی۔ اس نے انجینئر کو ساتھ لیا اور وہاں

سے دستی بم اور مشین گنیں اٹھا لائی۔ دونوں مورچے پر آ کر بیٹھ گئے اور بڈھے کے ساتھ مشین گنیں لگا کر فائرنگ شروع کر دی۔ ماریا نے دستی بم کا پن نکال کر سمندر میں تیرتے ہوئے ڈاکوؤں پر پھینکا۔ سمندر کے پانی میں گرتے ہی دستی بم پھٹا اور اس نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو زخمی کر دیا۔ ماریا نے اوپر تلے بم مارنے شروع کر دیے۔

انجینئر مشین گن کی بوچھاڑیں مار رہا تھا۔ مناکو ڈاکو کنارے پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ چلا رہا تھا اور بڑی حسرت کے ساتھ اپنے جہاز کو آہستہ آہستہ کھاڑی کے پانیوں میں جزیرے سے دور ہوتے دیکھ رہا تھا۔

ماریا نے انجینئر سے مشین گن لے لی اور کہا۔

"بابا! تم انجن کے پاس جاؤ اور رفتار تیز کر دو۔ ان ڈاکوؤں کو میں سنبھال لوں گی۔"

بڑھا انجینئر نیچے چلا گیا۔ کھاڑی میں کچھ ڈاکو مر گئے تھے باقی تیزی سے جہاز کی طرف تیرتے چلے آ رہے تھے۔ ماریا تاک تاک کر انہیں نشانہ بنا رہی تھی۔ کنارے پر سے سردار پستول کی فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ بے حد غصے میں تھا اور جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ اڑنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا جہاز اغوا کیا جا رہا تھا اور وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ جہاز ذرا آگے چلا گیا تو اس نے توپ میں گولہ بھرا اور اس کا رخ کنارے ڈاکوؤں اور اس کے سردار کی طرف کر دیا۔

پھر اس نے بٹن دبا دیا۔

بجلی کی چمک کے ساتھ دھماکہ ہوا اور گولہ توپ سے سیدھا کنارے پر کھڑے ڈاکوؤں میں جا کر گرا اور گرتے بھیانک آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔ ماریا نے دوسری توپ سے دوسرا گولہ داغ دیا۔ یہ بھی اسی نشانے پر جا کر پھٹا۔ دھواں ہٹا تو ماریا نے جہاز پر سے دیکھا کہ کنارے پر سوائے قاتل اور ظالم ڈاکوؤں کی لاشوں کے اور کچھ بھی نہیں اب وہ نیچے گئی۔ بوڑھا انجینئر مشینوں کے پاس کھڑا جہاز کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھا رہا تھا۔ ماریا کے آنے کی اسے کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ بولی۔

"ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جہاز ہم نے فتح کر لیا ہے"

انجینئر نے مسکراتے ہوئے پیچھے سر گھما کر کہا۔

"ہاں بیٹی! خدا کا شکر ہر حالت میں بجا لانا چاہیئے اب سوال یہ ہے کہ ہم کدھر کا رخ کریں گے؟"

ماریا نے کہا۔

"منا کہاں ہے؟"

انجینئر نے کہا۔

"وہ کپتان کے کیبن میں سو رہی ہے"

ماریا بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے بابا کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیئے؟"

"میں تو چاہتا ہوں کہ انڈونیشیا کی طرف چلا جائے تاکہ اس بچی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ ہمارے پاس میرے دوست کی امانت ہے"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم یہاں سے انڈونیشیا کا رخ کریں گے"

انجینئر نے کہا۔

"انڈونیشیا یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر ہے اور راستہ خطرناک بھی ہے۔ خدا جانے جنگ ختم ہو گئی ہے کہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ جاپان ہار ہے اور انڈونیشی سمندر میں اب امریکیوں یا انگریزوں کا ہو گا"

"ہمیں اپنے جہاز پر سے ڈاکوؤں کا جھنڈا اتار دینا

ماریا نے کہا۔

انجینئر نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"وہ تو اتار دیں گے مگر سوال یہ ہے کہ ہم کس ملک کا جھنڈا لہرائیں گے؟ ہمارے پاس تو کسی بھی ملک کا جھنڈا نہیں ہے"

ماریا بولی۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ بہرحال انڈونیشیا کے سمندر تک پہنچ کر ہم اپنے آپ کو تجارتی جہاز ظاہر کریں گے۔ تم اس جہاز کے کیپٹن بنو گے"

"اور باقی جہاز کا عملہ کہاں سے لائیں گے؟"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم جہاز کو انڈونیشیا کی حدود سے چالیس میل پیچھے کھلے اور آزاد سمندر میں کھڑا کریں گے تاکہ ہم سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ ہو"

انجینئر بولا

"وہاں سے ہم کیسے بندرگاہ تک پہنچیں گے؟"

"جہاز میں ابھی تین کشتیاں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے ایک کشتی میں سوار ہو کر رتنا کو ساتھ لے کر بندرگاہ پر چلے جائیں گے"

انجینئر نے سر جھکا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہو گا"

جہاز جزیرے کی کھاڑی سے نکل کر سمندر میں آگیا تھا۔

اب جزیرہ دور ہونے لگا تھا۔ سورج غروب ہو گیا۔ سنہری تھال سمندر میں مغرب کی طرف ڈوب گیا اور آسمان پر نیلے ستارے چمکنے لگے۔ انجینئر بڑا ماہر تھا۔ اس نے جہاز کا رخ انڈونیشیا کے سمندر کی جانب موڑ دیا اور اس کی رفتار مقرر کر دی۔ جہاز نے کھلے سمندر میں پہنچتے ہی اپنا سفر شروع کر دیا۔

رتنا کو نچلی منزل میں ایک کیبن دے دیا گیا تھا۔ اس جہاز کا سیاہ جھنڈا اتار کر سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ جہاز میں لوٹ مار کا کافی سامان پڑا تھا۔ اس میں عورتوں کے لباس بھی تھے۔ ماریا نے وحشی لڑکی رتنا کا جنگلی لباس اتروا کر اسے شہری عورتوں کا لباس پہنا دیا۔ ماریا دن میں دو بار رتنا کے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش کرتی۔ اب وہ بھی کچھ کچھ بولنے لگی تھی۔ وہ ماریا کا نام لیتی تھی۔ پندرہ دنوں کی مشق کے بعد وہ دو ایک فقرے بھی اپنی زبان میں بولنے لگی۔ یہ عجیب بات تھی کہ دوسری زبانوں کی بجائے اس نے انڈونیشی زبان بہت جلدی سیکھ لی تھی۔ انجینئر بھی اس سے اسی زبان میں بات کرتا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہ اس کی مادری زبان تھی۔

جہاز کو سمندر میں سفر کرتے سولہواں دن جا رہا تھا کہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دن کے وقت جب کہ دھوپ خوب چمک رہی تھی ماریا کو دور ایک جہاز اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ بوڑھے انجینئر نے دوربین لگا کر دیکھا تو کچھ گھبرا کر بولا۔

"مجھے تو یہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز نظر آتا ہے۔"

ماریا نے دوربین لے کر خود دیکھا۔ بوڑھے انجینئر نے ٹھیک کہا تھا۔ جہاز پر سیاہ ڈاکوؤں کا جھنڈا لہرا رکھا ہے۔

بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"تمہارا خیال کچھ ٹھیک ہی لگتا ہے۔ کیونکہ ریڈیو پر امریکہ کے ریڈیو اسٹیشن سے کئی بار یہ اعلان ہو چکا ہے کہ بعض جرمن جرنیل گرفتاری سے بچنے کے لئے بھاگے ہوئے ہیں اور انہوں نے جہازوں پر سمندروں کی طرف رخ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اسی قسم کا کوئی جہاز ہو۔ بہرحال ہمیں تیار ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہوا تو وہ ہمارے جہاز پر گولہ باری کریں گے اور اسے ڈبونے کی کوشش کریں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمارے جہاز پر بہترین جنگی توپیں لگی ہیں۔ یہ ایک جنگی جہاز ہے۔ ہم دشمن کے جہاز کو ہر حالت میں ڈبو دیں گے۔"

اس نے رتنا کو بھی اوپر بلا لیا اور اسے کہا۔

"رتنا! تم دوسری طرف توپ پر موجود ہو گی سمجھ گئی ہو نا!"

"ہوں"

"جب میں اشارہ کروں تمہیں گولہ بھر کر یہ بٹن دبا دینا ہو گا"

"ہوں ماریا!"

ماریا بڑی خوش ہوئی۔ رتنا سب کچھ سمجھتی تھی مگر ابھی اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ اب جہاز قریب آ گیا تھا۔ ماریا نے دوربین سے دیکھا کہ جہاز پر ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا اور کچھ ڈاکو عرشے پر بندوقیں لیے کھڑے ماریا کے جہاز کو دوربینوں سے دیکھ رہے تھے۔

ماریا نے انجینئر سے کہا۔

"بابا! جہاز کا رخ اس طرف کرنا کہ جدھر سے ہمیں دشمن کے جہاز کے پیندے پر گولے پھینکنے میں آسانی رہے"

انجینئر نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو ماریا! میں کئی جہازوں سے لڑائی کر چکا ہوں۔ میں جہاز کو بائیں جانب ۴۵ درجے پر رکھوں گا۔ تم عرشے سے اپنی طرف کی چھ توپوں کے گولے ایک ہی وقت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں دشمن کے جہاز پر مار سکوں گی"

بوڑھا انجینیر نیچے چھپ گیا۔ ماریا نے دونوں طرف کی توپوں کے گولے بھر لیے۔ رتنا بھی دوسری توپوں کے پنجرے میں کھڑی ہو گئی۔ ماریا تین توپوں پر تھی اور اس کے ساتھ والی تین توپیں رتنا کے سپرد تھیں۔ ماریا تو خیر کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن چونکہ اسے گولی لگ سکتی تھی۔ اس لیے اس نے رتنا کو بھی نیچے بیٹھ جانے کو کہا اور خود بھی توپوں کے درمیان گولوں کے صندوق کے ساتھ بیٹھ گئی۔

یہاں وہ چھوٹے سوراخوں سے دشمن کے جہاز کو آگے بڑھتا دیکھ رہی تھیں۔ ایک دوربین رتنا نے بھی لگا رکھی تھی۔

دوسری جانب بحری ڈاکوؤں کے جہاز پہ ڈاکوؤں کا سردار اور دوسرے ڈاکو حیران تھے کہ یہ کیسا جہاز ہے کہ جس پہ توپیں بھی لگی ہیں۔ سمندر میں سفر بھی کر رہا ہے مگر عرشے پہ کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

"مجھے تو یہ بھوتوں کا جہاز معلوم ہوتا ہے"

"بکواس بند کرو"

اس کے بعد کپتان نے بھی حکم دے دیا۔

"جہاز پر گولہ باری شروع کرو"

گولے اچانک ماریا کے جہاز کے نزدیک ہی سمندر میں آ کر گرے۔ دھماکا ہوا اور پانی بڑے زور سے اچھلا۔ ماریا کو پتہ تھا کہ دشمن کے پاس بڑی پرانی قسم کی توپیں ہیں اور یہ جہاز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ماریا نے انجینیر کو خبردار کیا۔

"میں گولہ باری کرنے لگی ہوں۔ ہوشیار"

پھر اس نے دیکھا کہ جہاز دشمن کے بائیں پہلو پہ آ گیا اب ماریا کے جہاز کی توپوں کا رخ دشمن کے جہاز کے پیندے کی جانب ہو گیا۔ دشمن کے جہاز والوں نے یہ دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے سر کھجا کر کہا۔

"کمال ہے۔ اس جہاز پر تو کوئی ماہر توپچی معلوم ہوتا ہے اپنے جہاز کو بچاؤ۔ اس کا رخ پیچھے دائیں جانب کرو۔"

مگر اس سے پہلے کہ ڈاکوؤں کا جہاز اپنا رخ بدلتا۔ ماریا کے جہاز سے ایک ہی وقت میں چھ گولے اپنی بہترین جنگی توپوں سے نکلے اور ایک بھیانک دھماکے کے ساتھ ڈاکوؤں کے جہاز سے آ کر ٹکرائے۔ یہ بڑے خطرناک گولے تھے۔ اس کے ساتھ ہی چھ اور گولے آ کر جہاز کو لگے۔ اس کے بعد اور چھ گولے توپوں سے نکلے اور دشمن کے جہاز سے ٹکرائے ان گولوں نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ یہ ایسے گولے تھے جو نشانے پر لگ کر جہاز کی چادر پھاڑ کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

س کے اندر جا کر بیٹھتے تھے۔ ڈاکوؤں کا جہاز کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر سمندری لہروں پر چکرانے اور ڈوبنے لگا۔ ڈاکو غوطے کھانے لگے۔

ماریا نے ڈوبتے جہازوں کے اوپر بھی چھ گولے فائر کر دیئے

ان گولوں نے ڈاکوؤں کے اوپر پھٹ کر انہیں اگلے جہان پہنچا دیا۔ کچھ دیر بعد جہاز سمندر میں غرق ہو چکا تھا۔ سمندر پر سکوت ہو گیا تھا۔ ایک بھی ڈاکو باقی نہ بچا تھا۔ ماریا نے خوش ہو کر رتنا سے کہا۔

"یہ ڈاکو تھے۔ رتنا۔ قاتل تھے۔ ظالم تھے۔ آخر ان کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔"

بوڑھا انجینئر بھی نیچے سے اوپر آ گیا۔ اس نے دوربین لگا کر دیکھا اور کہا

"سمندر پر تو دشمن کے جہاز کا نشان تک باقی نہیں رہا"

"پچیس گولے فائر کئے تھے ہم نے ماریا۔ بھلا اتنے گولے کھا کر کوئی جہاز باقی رہ سکتا ہے؟"

"ماریا! یقین کرو۔ اگر اس وقت ہمارے جہاز پر توپیں نہ لگی ہوتیں تو یہ ڈاکو ہمارے جہاز کو آگ لگا دیتے اور ہمیں بھی قتل کر دیتے۔ ان کے گولے آگ لگانے والے گولے

تھے"

ماریا نے کہا۔

"خدا نے ہمیں بچا لیا۔ اب ہمیں اپنے سفر پر نکلنا ہو گا۔ جہاز کا رخ اپنی منزل کی طرف پھیر دو"

جہاز کا رخ دوبارہ انڈونیشیا کے سمندروں کی طرف کر دیا گیا ــــ چودہ دنوں کا سفر باقی تھا۔ یہ سفر بڑے سکون کے ساتھ گزر گیا۔ تیرھویں دن یعنی سفر کے آخری روز انہوں نے دور سے ایک لائٹ ہاؤس کی روشنی ستارے کی طرح چمکتی دیکھی۔ رات کا وقت تھا۔

انجینئر نے کہا۔

"یہ انڈونیشیا کے پہلے جزیرے کا لائٹ ہاؤس ہے"

ماریا نے کہا۔

"تو کیا خیال ہے۔ ہمیں اسی جگہ جہاز کا لنگر ڈال دینا چاہیئے یا آگے جانا ہو گا؟"

انجینئر نے کہا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے اور چھوٹا سا ہے۔ یہاں صرف ایک لائٹ ہاؤس ہے جو آنے والے جہازوں کو سمندر کے اندر چھپی ہوئی چٹانوں سے خبردار کرتا ہے"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تو پھر ہم آگے جا کر کہاں رکیں گے؟"

"اس سے آگے جزیرہ کوموجا آتا ہے یہ انڈونیشیا کا پہلا آباد جزیرہ ہے اور یہاں ہمیں کسٹم پولیس سے سابقہ پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جزیرے کوموجا سے دور ہی جہاز کو سمندر میں کھڑا کر دینا ہوگا۔ وہاں سے ہم کشتی میں سوار ہو کر جزیرے پر جائیں گے"

ماریا کا جہاز لائٹ ہاؤس کے قریب سے گزر گیا۔

لائٹ ہاؤس والوں نے وائرلیس پر ان سے پوچھا کہ ان کے جہاز کا نام کیا ہے اور وہ کہاں سے آ رہا ہے؟

بوڑھے انجینئر نے انڈونیشی زبان میں کہا

"ہمارے جہاز کا نام "کوئین آف جاوا" ہے اور ہم افریقہ سے گرم مسالے لے کر آ رہے ہیں"

"ٹھیک ہے کوئین آف جاوا تم جا سکتے ہو"

ماریا بڑا ہنسی۔

"بابا! اس جہاز کا نام کوئین آف جاوا کب سے ہوگیا؟"

انجینئر نے کہا۔

"ابھی ابھی میں نے رکھا ہے یہ نام۔ اور اب ماریا بیٹی اس جہاز کا نام یہی رہے گا۔"

"بالکل یہی رہے گا"

ٹ ہاؤس پیچھے رہ گیا تو جہاز پر سے انڈونیشیا کے پہلے آباد جزیرے کوموجا کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ انجینئر اور رتنا جہاز کے عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ ماریا بھی پاس ہی تھی۔ رتنا کے چہرے پر عجیب سا نور تھا۔ گویا اسے اپنے ماں باپ کے وطن پہنچ کر قدرتی طور پر ایک روحانی خوشی ہو رہی تھی۔ جزیرے کی روشنیاں ابھی دور ہی تھیں کہ انجینئر نے کہا۔

"جہاز یہاں روک لیا جائے گا"

چنانچہ انجینئر نے مشین بند کر دی۔ انجن روک دیے اور سمندر میں لنگر ڈال دیا۔ جہاز کھڑا ہو گیا۔ رات کافی گزر گئی تھی۔ پھر بھی جزیرے پر دور سے کافی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ انجینئر نے کہا۔

"ہم ایک بڑے بارونق ملک میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ جزیرہ کافی بڑا جزیرہ ہے۔ بہت آبادی ہے اور دنیا کی ہر آسائش یہاں دستیاب ہے۔ ہر شے بڑی آسانی سے مل جاتی ہے۔ یہاں ٹیلی فون بھی ہے اور ہیلی کاپٹر کا ایک اڈہ بھی ہے"

ماریا نے کہا۔

"کیا ہمیں رتنا کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انجنیئر نے کہا۔

"نہیں۔ سب سے پہلے میں جاؤں گا۔ ہم اس جہاز کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ میں یہاں سے اکیلا جاؤں گا اور جکارتا میں اپنے ڈاکٹر دوست کو فون کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر فون مل گیا تو اسے یہاں بلواؤں گا تمہاری کیا مرضی ہے؟"

ماریا بولی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن میرا خود زمین پر اتر کر سیر کرنے کو دل چاہتا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ ہم تینوں جکارتا جاتے ہیں"

"اور جہاز کس کے حوالے کر کے جائیں گے؟"

"یہ سمندر میں اتنی دور کھڑا ہے۔ یہاں کون اسے لوٹنے آئے گا؟"

انجنیئر نے ہنس کر کہا۔

"تم اس علاقے کے سمندری لٹیروں سے واقف نہیں ہو۔ یہ ہمارے آنے تک اس جہاز کا ایک ایک پرزہ کشتیوں میں ڈال کر لے جا چکے ہوں گے"

"تو پھر تم رتنا کو ساتھ لے کر جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گی۔ اسے یہاں چھوڑنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

انجنیئر بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی"

چنانچہ دوسرے دن صبح کو انجنیئر نے رتنا کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو کر جزیرہ کوموجا کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتی دفعہ رتنا ماریا کو گلے لگ کر ملی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا نے انجنیئر سے کہا۔

"بابا! اگر رتنا کے ماں باپ نہ مل سکے تو اسے ساتھ لیتے آنا"

"ٹھیک ہے ماریا بیٹی"

"اور سنو بابا! تم بھی کہیں اپنے وطن میں ہی نہ رہ جانا۔ واپس ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی"

"فکر نہ کرو بیٹی! میرے وطن میں اب میرا کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ میرا وطن اب یہ جہاز ہی ہے"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"اور اب یہ جہاز تمہارا ہی ہے بابا میں تو اس جہاز پر مہمان ہوں۔ اب جلدی سے رتنا کو لے جا کر اس کے ماں باپ سے ملاؤ بلکہ ان کے حوالے کرو"

"شکریہ میری بچی شکریہ! میں جلد آؤں گا میرا انتظار کرنا"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بوڑھا انجینئر وحشی لڑکی رتنا کو کشتی میں لے کر جزیرے کی طرف روانہ ہوگیا۔ لائٹ ہاؤس کی دھندلی روشنی میں سمندر کی لہروں پر کچھ دور تک ماریا کی کشتی نظر آتی رہی پھر وہ غائب ہوگئی۔ سارا دن ماریا اپنے جہاز پر ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف رہی۔ شام کو وائرلیس روم میں سگنل آیا۔ ماریا نے سگنل سنا۔ دوسری طرف سے بوڑھا انجینئر بول رہا تھا۔ اس نے ماریا کو بتایا کہ وحشی لڑکی رتنا کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ میرے ڈاکٹر دوست کی ہی بیٹی تھی۔ ماریا نے پوچھا۔

"آپ کب واپس آ رہے ہیں؟"

بوڑھے انجینئر نے جواب میں کہا کہ وہ دو ایک روز میں واپس پہنچ جائے گا۔ سگنل بند ہوگئے۔ ماریا باورچی خانے میں جا کر اپنے لیے شام کی چائے بنانے لگی۔

ٹھیک اس وقت عنبر کا خلائی جہاز ماریا کے جہاز کے اوپر سے گذر رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ سمندر میں ایک جہاز کھڑا ہے جس کے عرشے پر کوئی بھی ملاح نہیں ہے۔ اس نے نیچے اس جہاز کو سگنل دیا۔

"ہیلو راجہ! ہیلو راجہ! کیا اس جہاز پر کوئی نہیں ہے؟"

ماریا نے سگنل سنا تو وائرلیس روم میں آ کر ریسیور اٹھایا۔

ں نے سوچا کہ جواب دے دینا چاہیئے تاکہ کسی کو شک ہ پڑے۔ اس جواب میں کہا

"یلو! میں کوئین آف جاوا، جہاز سے بول رہا ہوں۔ میں ں جہاز کی مالک ہوں۔ تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے و؟"

عنبر خوشی سے اچھل پڑا۔ مگر خلائی جہاز میں چونکہ زمین کی شش نہیں تھی اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی اچھل گیا اور اس ر جہاز کی چھت سے ٹکرا گیا۔

عنبر نے ماریا کی آواز پہچان لی تھی۔

"ماریا! کیا یہ تم بول رہی ہو؟"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! مگر تم۔ تم کون ہو؟"

"ارے میں عنبر ہوں۔ کمال ہے تم نے میری آواز ہی نہیں پہچانی۔ میں نے تمہیں پہچان لیا تھا"

"عنبر بھائی!"

ماریا خوشی سے نہال ہوگئی۔

"تم کہاں ہو؟ کس جہاز پر ہو؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ روسی خلائی جہاز پر ہے اور اس وقت زمین کے گرد اپنا آخری چکر پورا کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا خدا حافظ!"

روسیوں نے عنبر کی گفتگو سن لی تھی اور اسے وائرلیس پر خبردار کیا تھا کہ اگر اس نے ماریا نامی عورت سے گفتگو بند نہ کی تو وہ اس کے جہاز کو زمین کے مدار سے ہٹا دیں گے اور پھر وہ رہتی دنیا تک خلا میں چکر لگاتا رہے گا اور کبھی واپس زمین پر نہ آسکے گا۔ روسی سائنس دان نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خلا باز زمین یا سمندر پر کسی دوسرے شخص سے بات کرے۔ عنبر ابھی تک ان کی گرفت میں تھا اس نے ماریا کو خدا حافظ کہہ دیا۔ لیکن خفیہ اشارے سے اتنا بتا گیا کہ وہ روس کے علاقے سائبریا میں ایک خلائی اسٹیشن سے اڑا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسی جگہ واپس جائے گا۔ چنانچہ ماریا کو یہ خبر مل گئی تھی کہ عنبر روس کے علاقے سائبیریا گیا ہے۔ اب ماریا بڑی شدت سے بوڑھے انجینئر کا انتظار کرنے لگی کہ وہ آئے اور روس جانے کے لئے جہاز کو جاپان کی طرف روانہ کیا جا سکے۔

جہاں اس وقت ماریا کا جہاز رکا ہوا تھا وہاں روس جانے کا سمندری راستہ جاپانی سمندر سے ہو کر جاتا ماریا کی سکیم یہ تھی کہ وہ جاپان کے شمال میں جہاز

سمندر میں کھڑا کرکے وہاں سے کسی نہ کسی ذریعہ روس پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ ماریا بڑی خوش تھی کہ آخر اسے بھائی عنبر کا سراغ مل ہی گیا۔ مگر وہ سوچ رہی تھی کہ عنبر خلائی جہاز میں کیسے پہنچ گیا؟ کیا روسی سائنس دان اسے استعمال کر رہے ہیں؟ کیا انہوں نے عنبر کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے اور اسے بلیک میل کر رہے ہیں؟

ماریا عنبر کے بارے میں قسم قسم کی باتیں سوچتی رہی۔ رات کو اس نے جہاز کی اوپر والی منزل کی بتیاں مدھم کیں اور اپنی خواب گاہ میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بار بار اس کا خیال عنبر اور پھر ناگ کی طرف چلا جاتا تھا۔

نہ عنبر نے ناگ کے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ اس نے ہی عنبر سے پوچھا تھا کہ ناگ کہاں ہے؟

ماریا نے خواب گاہ کی روشنی بجھا دی۔ کھڑکی میں سے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آنے لگی۔ سمندر بالکل خاموش اور پرسکون تھا۔ گول کھڑکی کا شیشہ ماریا نے کھول رکھا تھا جس کی وجہ سے سمندری ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اندر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آ رہی تھی۔ اس ہوا میں ماریا کو نیند آنے لگی۔ ابھی اس نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ اسے یوں لگا جیسے کسی نے جہاز کے اوپر تختے پر چھلانگ ماری ہو۔

ماریا نے آنکھیں کھول دیں اور کان اوپر سے آنے والی آواز پر لگا دیئے۔ اب اسے عرشے پر چند قدموں کے چلنے کی آوازیں آئیں، معلوم ہوا کہ اوپر ایک سے زیادہ آدمی چل پھر رہے ہیں۔ ماریا کو انجینئر کی بات یاد آگئی کہ یہاں کے چور سارے جہاز کو بیچ کر کھا جاتے ہیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ چور جہاز کو اکیلا سمجھ کر اوپر آ گئے ہیں۔ وہ اٹھی اور کیبن سے باہر نکل کر اوپر جانے والی سیڑھی چڑھنے لگی۔

●

جہاز کی اوپر والی منزل پر کون لوگ تھے؟
عنبر پر خلائی جہاز میں کیا گذری!
کیا ماریا عنبر اور ناگ سے مل سکی!
ان سوالوں کے جواب آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں ملیں گے۔

●

انوار الادب لائبریری
تختی روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

لاش زندہ ہو گئی
دلچسپ
سیریز

اے۔ حمید

دو ڈاکٹروں نے قبرستان سے ایک لاش نکالی اور اسے اپنے کمرے میں سٹریچر پر باندھ دیا
ایک رات
بادل گرجے — بجلی کڑکی — کمرے میں اندھیرا تھا اور پھر — اچانک لاش نے لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی — لاش سب سے پہلے اپنی قبر پر آئی — اور پھر یہاں سے لاش نے سفر شروع کیا — دونوں دوستوں نے لاش کو قابو میں کیا — لیکن وہ پھر نکل گئی اور بستی میں تباہی مچانی شروع کر دی۔
لاش ہمیشہ آدھی رات کو حملہ کرتی تھی — آخر جب پولیس لاش تک پہنچی — تو — وہاں کیا تھا؟
ایک پراسرار کہانی
تین حصوں میں
• حصہ اول [illegible] • حصہ دوم [illegible] • حصہ سوم [illegible]
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔ حیدرآباد۔ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۸۹

تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی داستان

دمشق کا چور

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

ناشر: شیخ نیاز احمد،
مطبع: عاشق پرنٹرز، شرقیہ پارک، نیو پور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

- بھٹکتا جہاز ۵
- برف گرتی رہی ۲۳
- دمشق کا چور ۴۱
- بچہ اور سانپ ۷۰
- خونی تماشہ ۸۶
- دوست دشمن ۱۰۴

انوارالادب لائبریری
تغلق روڈ، کوٹلہ تولیخان، ملتان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو!

ماریا بحری جہاز پر اکیلی رہ گئی تھی۔ انجینئر نے وحشی لڑکی کو ساتھ لیا اور اس کے ماں باپ کے گھر کی طرف چلا گیا۔ آدھی رات کو ماریا نے محسوس کیا کہ جہاز کی چھت پر کسی نے چھلانگ لگائی ہے۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر اندھیرے میں اوپر آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دو تین آدمی ہاتھوں میں پستولیں لیے دبے دبے اس کے کیبن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ ڈاکو ہیں اور اُسے لوٹ کر ہلاک کرنے آئے ہیں؟ ماریا نے انھیں کچھ نہ کہا اور نیچے کیبن میں جا کر ان کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر جہاز پر خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ راہداری میں قدموں کی آواز اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ماریا بستر پر سے اُٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ دروازے پر آ کر قدموں کی آواز رُک گئی۔ ماریا نے سانس روک لیا۔ دروازے کے تالے میں چابی گھمانے کی ہلکی سی آواز آئی۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ ہی کیبن کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھولا گیا۔ ماریا نے دیکھا۔ سامنے ایک سیاہ چہرہ اندھیرے میں اُبھر رہا تھا۔

اس کے بعد آپ خود پڑھیے گا۔

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

بھٹکتا جہاز

ماریا جہاز کی چھت پر آ گئی۔

اُس نے دیکھا کہ تین آدمی ہاتھوں میں چھُرے لیے دبے پاؤں بڑھ رہے ہیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ چور ہیں۔ چوری کرنے جہاز پر آئے ہیں اور ضرورت پڑنے پر دوسرے کو قتل بھی کر دیتے ہیں۔ ماریا نیچے جانے والے دروازے میں کھڑی تھی وہ پرے ہٹ گئی۔ چوروں نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک چور باہر کھڑا رہا۔ دو چور چھُرے لیے نیچے اُتر گئے۔ ماریا پریشان ہو گئی کہ یہ کیا مصیبت آن کھڑی ہوئی ہے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا تھا۔ عرشے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ جس کی ہلکی روشنی میں ایک چور دروازے سے ہٹ کر کونے میں بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے اسے کچھ نہ کہا اور نیچے اُتر گئی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دونوں چور جہاز کے بڑے کیبن میں پہنچ کر چیزوں کو الٹ پلٹ رہے تھے۔

ایک چور نے کہا۔

"سارا جہاز خالی پڑا ہے۔ معلوم ہوتا تو ہم ایک بڑی کشتی ساتھ لاتے تاکہ یہ سارا سامان اس میں لاد کر لے جاتے۔"

دوسرے نے کہا۔

"حیران کی بات ہے یہ جہاز خالی کیوں ہے؟ مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔"

پہلا چور بولا۔

"یار تم دال میں کالا کالا دیکھتے رہو۔ میں تو یہ دونوں چاندی کے گلدان اٹھانے لگا ہوں۔"

دوسرے نے کہا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ذرا صبر کرو۔ پہلے دوسرے کیبن بھی دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو کہا گیا تھا کہ اس جہاز میں ڈالر ہوں گے۔ وہ کہاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے کپتان کے کیبن کی سیف میں رکھے ہوں گے آؤ کپتان کا کیبن دیکھتے ہیں۔"

دوسرا چور کچھ پریشان تھا۔

"میری سمجھ میں اب بھی یہ بات نہیں آ رہی کہ جہاز کا عملہ اور کپتان وغیرہ کہاں چلے گئے ہیں۔ اس طرح کا خالی جہاز تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

پہلے نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ جزیرے پر سیر و تفریح کرنے گئے ہیں شاید صبح کو آ جائیں۔"

"مگر یہاں کسی کو پہرے پر تو چھوڑ جاتے۔ پہرے دار بھی نہیں ہے اور جہاز بھی جنگی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرف چھ چھ توپیں لگی ہیں۔"

دوسرا چور بولا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ چوری کیے بغیر واپس چلے جائیں۔"

"ارے نہیں نہیں۔ بلکہ اب تو اس جہاز کی ایک ایک چیز اٹھا کر لے جائیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس جہاز پر جو کشتیاں لگی ہیں ان میں سے ایک کشتی سامان کی بھر کر لے چلیں گے۔ تم ایسا کرو کہ کپتان کے کیبن کو تلاش کرو۔ میں یہاں کی ضروری قیمتی چیزوں سمیٹتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر!"

دوسرا چور مسکرا کر سلام کر کے آگے بڑھا۔ یہ لوگ جہازوں میں چوری کرنے کے عادی تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کپتان کا کیبن، مشین روم اور وائرلیس روم کہاں کہاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرا چور سیدھا دوسری منزل کے آخر میں کپتان کے کیبن

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کیبن کا دروازہ بند تھا۔ چور نے اسے اندر دھکیلا۔ دروازہ کھل گیا۔ اصل میں ماریا نے کسی بھی کیبن کو تالا نہیں لگایا تھا۔ چور کیبن میں داخل ہو گیا۔ کونے میں الماری پڑی تھی۔ چور نے اسے کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ الماری کو مضبوط تالا لگا تھا۔

اس نے بھاگ کر پہلے چور کو اطلاع کی کہ الماری مل گئی ہے۔ ڈالر اسی الماری میں ہوں گے۔ دونوں چور الماری کے تالے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ ماریا کیبن کے اندر ہی کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

ایک چور نے کہا۔

"بھائی! تالہ بعد میں توڑ لیں گے۔ پہلے کشتی کو سمندر میں اتارو اور دوسرا قیمتی سامان اوپر پہنچاؤ۔"

"احمق! سب سے پہلے کرنسی نوٹ قبضے میں کرنے چاہئیں۔"

اور پھر تالا کھل گیا۔ اندر ایک خانہ نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں چوروں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"مال ہی مال۔ آج مال۔"

"وارے نیارے ہو گئے۔"

"جلدی سے اسے کسی تھیلے میں ڈال لو۔"

انہیں ایک میز کے نیچے پڑا ہوا تھیلا مل گیا۔ تھیلے میں نوٹ بھرے جانے لگے۔ ماریا نے سوچا کہ فوراً کچھ کرنا چاہئے۔ نہیں تو یہ لوگ تو سارا مال سمیٹ کر لے جائیں گے۔ وہ اب تک تماشہ دیکھتی رہی تھی۔ وہ بڑے سکون سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اس نے کیبن کا آہنی دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ چور بڑی خوشی خوشی نوٹ تھیلے میں ڈال رہے تھے۔ اچانک جو انہوں نے دروازہ بند ہونے اور باہر سے تالا لگنے کی آواز سنی تو چونکے۔

"یہ کس نے دروازہ بند کر دیا؟"

"میرا خیال ہے جہاز میں کوئی ہے۔"

وہ بھاگ کر دروازے کے پاس گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ اسے اپنی طرف پورا زور لگا کر کھینچا مگر لوہے کا دروازہ بہت مضبوط تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ ہلا۔ اب تو چور پریشان ہو گئے کہ بُرے پھنس گئے۔

"اب کیا کریں استاد؟ یہاں کوئی عقل لڑاؤ۔"

استاد نے کہا۔

"خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔"

مگر سوچنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دروازہ لوہے کا تھا اور باہر سے بند تھا۔ اُن کے پاس صرف ایک ہتھوڑا تھا۔ اس ہتھوڑے سے دروازہ توڑنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ ہتھوڑا لکڑی کے دستے سے الگ ہو گیا بلکہ لکڑی کا دستہ ٹوٹ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیا۔ چوروں کو پسینے آ گئے تھے۔

ایک چور نے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر کہا۔

"اب کیا کریں استاد؟ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھ بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ ہمیں جال میں پوری چالاکی سے پھنسایا گیا ہے۔"

"اس جہاز پر ضرور کوئی ہے جس نے ہمیں یہاں آتا دیکھ کر کچھ نہیں کہا جب اسے یقین ہو گیا کہ اب ہم کیبن میں آ چکے ہیں اور باہر نہیں جا سکتے تو اس نے باہر سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔"

"استاد کچھ کرو! ہمیں تو یہاں سے چھٹکارا نظر نہیں آتا۔"

استاد چور بھی بے بس ہو گیا تھا۔ ویسے وہ کیبن میں اِدھر اُدھر پھر کر دیواروں کو ٹٹول رہا تھا کہ شاید کہیں سے باہر جانے کا کوئی رستہ ہو مگر یہ کپتان کا کیبن تھا اور بے حد مضبوط تھا اس میں سے نکل کر جا سکنے یا اسے توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ان چوروں کو کیبن میں چھوڑ کر ماریا سیدھی اوپر گئی۔ تاکہ اوپر جو چور پہرہ دے رہا تھا اس کی خبر لی جائے۔ اوپر والا چور بڑا تابعدار قسم کا چور تھا۔ جہاں اس کے ساتھی چھوڑ گئے تھے اُسی جگہ کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کو پہلے تو اس پر بڑا ترس آیا۔ مگر جب اُس کے ہاتھ میں لٹکتا ہوا چھرا دیکھا

تو ایک بار تو وہ بھی کانپ گئی۔ کم بخت مصیبت پڑنے پر یہ بھی دوسرے کی گردن کاٹنے سے باز نہیں رہے گا۔

رات گذر رہی تھی۔ ماریا اُس پر حملہ کرنے والی ہی تھی کہ چور اپنی جگہ سے ہلا۔ وہ سیڑھیوں والے دروازے کی طرف بڑھا۔ اصل میں وہ بھی پریشان ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھی اتنی دیر سے نیچے گئے ہوئے ہیں ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے۔ اُس نے دروازے میں کھڑے ہو کر نیچے جھانکا۔ نیچے اندھ تھا۔ وہ سیڑھی سے اتر کر راہداری میں آ گیا۔ یہ علاقہ بھی سنسان تھا صرف چھت پر ایک دھیما سا بلب جل رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا وہ بھی حیران ہوا کہ اتنی خاموشی کیوں ہے؟ جہاز کے لوگ ک چلے گئے؟ اگر وہ سو رہے ہیں تو پہرے دار کہاں ہیں؟ اس قسم کے جنگی جہازوں پر تو رات کو پہریداروں کی پوری پلٹن پہرہ د کرتی ہے۔

ذرا آگے جا کر اُس نے آواز دی۔

"کہاں ہو تم لوگ؟"

اُس نے آواز دی۔ کپتان کے کیبن میں دونوں چوروں نے اپنے ساتھی کی آواز سنی تو جلدی سے چلا کر کہا۔

"باہر سے کسی نے تالا لگا دیا ہے۔ تالا توڑ کر ہمیں باہر نکالو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"وہ ابھی توڑتا ہوں استاد!"

باہر والے چور نے دیکھا کہ تالا بے حد مضبوط اور فولاد کا تھا۔ اسے توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ پھر بھی چور نے اُسے توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ کم بخت یہ تو دروازے کو خراب کر دے گا۔ ماریا نے سوچا اور اس سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ چور کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ چور نے چھرا فرش پر رکھ دیا تھا۔ ماریا نے چھرا اُٹھا لیا۔

چور نے چھرا غائب ہوتے دیکھا تو حیران ہُوا کہ چھرا کہاں چلا گیا؟ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر چھرا رکھ کر کہا۔

"اوپر چلو۔ جلدی۔"

چور کو پسینہ آ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی عورت اس کے پیچھے کھڑی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کنکھیوں سے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا مگر چھرے کی نوک اسے برابر اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ میں سمندروں کی دیوی ہوں۔ یہ جہاز میرا ہے۔ میں تمہیں ہلاک کر سکتی ہوں۔ مگر ایسا نہیں

کروں گی۔ صرف یہی کہہ دیتی ہوں کہ اوپر جاؤ اور سمندر میں چھلانگ لگا دو اور تیر کر بھاگ سکتے ہو تو نکل جاؤ۔"

چور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ڈیک پر آ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"اب سمندر میں چھلانگ لگا دو۔"

چور گھبرا گیا تھا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس نے بھاگ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی اور ساحل کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ ماریا نے چھرا بھی اس کے پیچھے ہی سمندر میں پھینک دیا۔ اس چور سے فارغ ہو کر ماریا نیچے آ گئی۔ کیبن کے اندر دونوں چور قید تھے اور اپنے اُس ساتھی کو آوازیں دے رہے تھے جو سمندر میں چھلانگ لگا کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

ماریا خاموشی سے اپنے کیبن میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ اسے نیند آ گئی۔ جب وہ سو کر اُٹھی تو دن نکل آیا تھا۔ سمندر پر دھوپ پھیلی تھی۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر اپنے لیے چائے بنائی اور پھر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کپڑے تبدیل کیے کیپٹن کے کیبن میں دروازے کے قریب جا کر اندر قید چوروں کی گفتگو سننے کی کوشش کی۔ ماریا نے سوچا کہ ان دونوں کو بھوک لگی ہو گی۔ چنانچہ باورچی خانے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یں اچانک اُس نے کھانے پینے کا سامان ٹوکری میں رکھا اور ایک خفیہ گول کھڑکی میں سے یہ ٹوکری اندر رکھ کر کھڑکی بند کر لی۔

دونوں نے جو ٹوکری میں کھانے پینے کا سامان دیکھا تو حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔

"یہ کوئی پُراسرار آدمی ہے جو ہمیں یہاں قید رکھنا چاہتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی ہم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔"

"مگر ہمارا ساتھی بدبخت کہاں چلا گیا؟"

"اس کی تو پھر آواز تک سنائی نہیں دی۔"

"آخر کہاں چلا گیا؟"

"میرا خیال ہے کہ اسے اس پُراسرار آدمی نے بھگا دیا ہوگا۔"

"خدا جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ بڑی منحوس گھڑی تھی جب ہم نے اس جہاز کا رُخ کیا تھا۔ اب تو اس جیل خانے سے چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا۔"

"بہرحال ابھی تو یہ ناشتہ زہر مار کرو بعد میں دیکھا جائے گا۔"

وہ ناشتہ کرنے لگے۔ اُدھر وائرلیس پر سگنل کی آواز آئی۔ ماریا نے سگنل سُنے۔ اُدھر سے بوڑھا انجینئر بول رہا تھا۔

"ہیلو ماریا بیٹی! میں یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔"

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

"بڑی اچھی بات ہے۔ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ ہمیں اب یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔"

انجینئر نے ہنس کر کہا۔

"کدھر کا ارادہ ہے بیٹی؟"

"روس جائیں گے۔"

"ارے روس کس لیے جائیں گے؟"

ماریا نے کہا۔

"جب آپ آئیں گے تو آپ کو بتاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج شام تک پہنچ جاؤں گا۔"

سگنل بند ہو گئے۔ ماریا کو حبشہ کے سگنل کا بھی انتظار تھا مگر وہ نہ آیا۔ شام کو انجینئر بھی پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر دوست نے اپنی بیٹی کو قبول کر لیا ہے۔ ماں بیٹی کے ملنے کا منظر بڑا دردناک تھا۔ دونوں گلے لگ کر دیر تک روتی رہیں۔ انہوں نے شاید ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

"چلو اچھا ہوا۔ ماں باپ کو ان کی بچھڑی بیٹی مل گئی۔"

انجینئر نے پائپ سلگا کر کہا۔

"اب روس کا پروگرام کیسے بن گیا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا نے اسے عنبر کے سگنل کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

انجینئر نے کہا۔

"جیل یہاں سے روس جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ جاپان کے سمندر سے ہو کر قطب شمال کے مشرقی علاقے یعنی بزسک کے برف پوش میدانوں کے پاس برفانی سمندر میں جہاز کو کھڑا کر دیا جائے۔ اور خود وہاں سے سائبیریا کے میدانوں کو عبور کر کے ماسکو پہنچا جائے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں ماسکو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عنبر نے کہا ہے کہ وہ سائبیریا کے علاقے میں کسی جگہ ہمیں مل جائے گا۔"

"کسی جگہ سے کیا مراد ہے؟ سائبیریا تو بڑا وسیع علاقہ ہے۔"

"سائبیریا پہنچ کر ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ خلائی سٹیشن کہاں ہے۔ کیونکہ عنبر کو اسی جگہ خلائی جہاز سے اتار کر رکھا جائے گا۔"

انجینئر نے کہا۔

"ماریا بیٹی! یہ تو بڑی خطرناک جاسوسی کرنی پڑے گی۔ خلائی سٹیشن کے اردگرد کسی غیر ملکی کا بغیر اجازت پہنچنا بہت بڑا جرم ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں ہر حالت میں وہاں تک جانا اور عنبر کو وہاں سے

نکال کر لانا ہوگا۔"

"تم تو بڑی آسانی سے پہنچ جاؤ گی کیونکہ تم کسی کو دکھائی نہیں دیتیں۔ ہاں البتہ میں ضرور پکڑا جاؤں گا۔"

ماریا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر ایسا کریں گے کہ تم جہاز میں ہی رہنا۔ میں اکیلی خلائی سٹیشن پر جا کر عنبر کو اغوا کر کے لے آؤں گی۔"

"مگر بیٹی تم اکیلی یہ کام کر سکو گی؟"

"بابا! میں نے بڑے بڑے کام اکیلے کیے ہیں۔ میں یہ کام بھی بڑی آسانی سے کر گزروں گی۔ یہ تو میرے اپنے بھائی کا معاملہ ہے۔"

"بہتر ہے۔ ہم کل صبح یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

ماریا باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے لگی اور انجینئر منہ ہاتھ دھو کر کپتان کے کیبن کی طرف آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے تالا لگا دیکھا تو چابی لینے کے لیے واپس مڑا ہی تھا کہ اسے اندر سے آواز آئی۔

"کم بخت! بُرے پھنسے یہاں۔ بھوک سے میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔"

"میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

انجینئر بھاگ کر ماریا کے پاس گیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیبن میں دو چور آگئے ہیں۔"

ماریا ہنس دی۔ اور پھر اُس نے ساری کہانی سُنا ڈالی۔ انجنیئر نے ہنس کر کہا۔

"بیٹی! انھیں خوامخواہ قید رکھنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ انھیں چھوڑ دینا چاہیئے۔"

"چھوڑ دیں جا کر۔ یہ لیں چابی۔"

انجنیئر چابی لے کر کیبن کی طرف گیا۔ احتیاطاً ماریا بھی اُس کے پیچھے پیچھے گئی۔ اِس خیال سے کہ کہیں چور انجنیئر کو اکیلا دیکھ کر حملہ نہ کر دیں۔ انجنیئر نے کیبن کا تالا کھول کر دروازہ کھول دیا۔ چوروں نے بوڑھے انجنیئر کو سامنے دیکھا تو ایکدم دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور چھُرے تان لیے۔

"خبردار! جو آگے بڑھے۔"

انجنیئر نے کہا۔

"بکواس بند کرو اور یہاں سے بھاگو۔ میں نے تمھاری جان بخشی کرائی ہے۔"

چوروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر انجنیئر پر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ ماریا نے ایک چور کی کمر پر لات مار کر اسے گرا دیا۔ دوسرے چور کو گردن سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا۔

"بدبختو! میں نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا اور تم میرے انکل کو مارنے لگے تھے۔ اب تمھاری یہی سزا ہے کہ یہاں سے نکل کر اوپر ڈیک پر چلو اور سمندر میں کود جاؤ۔"

چور ایک ایسی لڑکی کی آواز سُن رہے تھے جو انھیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ان کے لیے یہی بات کافی پریشان کر دینے والی تھی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

ماریا نے ایک کی گردن پر ہاتھ مار کر کہا۔

"جلدی چلو اوپر۔"

دونوں چور سر جھکا کر اوپر ڈیک پر آ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"سمندر میں کُود جاؤ۔"

دونوں سمندر میں کُود گئے۔ ماریا اور انجنیئر کچھ دُور تک انھیں سمندر میں تیرتے دیکھتے رہے۔ پھر وہ نیچے بڑے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے کھانا کھایا اور کافی پیتے ہوئے اپنے نئے سفر اور نئی منزل کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ انجنیئر کہہ رہا تھا۔

"سفر کافی لمبا ہے۔ ہمیں سنگاپور سے جہاز میں تیل ڈلوانا ہوگا۔ ضروری سامان بھی وہیں سے خریدنا ہوگا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا بولی۔

"بہتر ہے ایسا ہی کریں گے۔"

"اندازہ ہے کہ ہمیں سائبیریا کی سرحدوں تک پہنچتے پہنچتے دو مہینے لگ جائیں گے۔"

"اُف! یہ تو بڑی دیر ہو جائے گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا بابا کہ ہم اس سے پہلے عنبر کے پاس پہنچ جائیں؟"

"پھر تو ہمیں ہوائی جہاز پر سفر کرنا ہوگا۔ وہ بھی ہمیں ماسکو پہنچائے گا۔ پھر وہاں سے خلائی سٹیشن کا پتہ معلوم کر کے وہاں جانا پڑے گا۔ اِس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنے بحری جہاز میں ہی اوپر سے ہو کر سائبیریا کے میدانوں میں پہنچ جائیں۔"

"ہاں اسی طرح سے اچھا بھی لگتا ہے۔ اب کہاں میں ہوائی اڈوں اور ہوائی جہازوں میں ماری ماری پھروں گی۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں کہ کونسا جہاز کس جگہ سے جاتا ہے۔"

انجینئر نے کہا۔

"اور پھر روس میں داخل ہونا اور داخل ہو کر باہر نکلنا بڑا مشکل کام ہے۔ بہر حال تمہارے لیے اس لیے آسانی ہوگی کہ تم غائب عورت ہو۔"

"تو کیا خیال ہے ہم آج کی رات یہاں سے کُوچ نہ کر جائیں؟ آخر ہم صبح کا انتظار کس لیے کریں؟"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹی! مَیں تیار ہوں۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔ آج رات ٹھیک بارہ بجے ہم جاپانی سمندر کی طرف سفر شروع کر دیں گے۔"

"اوکے۔"

رات کو ٹھیک بارہ بجے انجینئر نے جہاز کے دونوں انجن چلا دیئے۔ جہاز کا لنگر پہلے ہی اٹھا دیا گیا تھا۔ جہاز نے سمندر میں واپس گھوم کر اپنا رُخ سنگاپور کی طرف کر لیا۔

اُدھر ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں۔

عنبر روسی خلائی جہاز میں زمین کے گرد آخری چکر لگا رہا تھا کہ اُس نے خلا میں ایک تیز روشنی اپنی طرف بڑھتی دیکھی۔ اس نے جہاز کی شیشے والی گول کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ ایک عجیب سا جہاز اُس کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اچانک اُسے آواز سُنائی دی۔

"ہیلو! روسی خلائی جہاز! ہیلو۔"

عنبر نے وائرلیس پر رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو! مَیں روسی خلائی جہاز سے عنبر بول رہا ہوں۔ تم کون ہو۔ جلدی بتاؤ۔"

دوسرے جہاز سے آواز آئی۔

"مَیں امریکی خلائی جہاز سے بول رہا ہوں۔ میرا جہاز راستہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھٹک گیا ہے۔ میں ایک مہینے سے یہاں بھٹک رہا ہوں۔ میرے پاس کھانے کو بھی اب کچھ نہیں رہا۔ کیا تم مجھے اپنے جہاز میں اتار سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"چونکہ تم تکلیف میں ہو اس لیے تمہیں اپنے جہاز میں لانا ہی پڑے گا۔ میں تمہارے جہاز کے دروازے کے ساتھ اپنا دروازہ ملانے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔"

عنبر نے اپنے خلائی جہاز کا رُخ امریکی خلائی جہاز کی طرف پھیر کر اس کے دروازے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ کافی محنت کے بعد عنبر اپنے جہاز کے دروازے کو امریکی خلائی جہاز کے دروازے کے ساتھ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ بیچ میں سے دونوں دروازے اُٹھا دیئے گئے اور امریکی خلا باز اندر آ گیا اس کے اندر آتے ہی عنبر نے اپنے جہاز کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے جہاز کو امریکی خلائی جہاز سے الگ کر کے دُور لے گیا۔ اب وہ اپنا آخری چکر پورا کر چکا تھا۔ اور نیچے روس سے سگنل آنا شروع ہو گئے تھے۔

برف گرتی رہی

امریکی ایک نوجوان خلا باز تھا۔

اندر آتے ہی دونوں نے ہاتھ ملائے۔ امریکی نے کہا۔

"میرا نام جیری ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔"

جیری بولا۔

"تمہارا رنگ سانولا ہے۔ تم یورپ کے نہیں لگتے۔ تم روسی بھی نہیں ہو۔ پھر تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے بھائی! یہ مت پوچھو کہ میں کون ہوں! بس اتنا کہوں گا کہ میں روسی سائنس دانوں کی طرف سے خلائی تحقیق کے لیے خلا میں آیا ہوں اور اب واپس روسی سرزمین

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پہ جانے والا ہوں۔"

امریکی خلاباز جیری پریشان ہوگیا۔

"یہ تو بڑی بُری بات ہوئی۔ مَیں تو آسمان سے گِر کر کھجور میں اٹک گیا ہوں۔ روس والے تو مجھے نیچے اُترتے ہی گرفتار کریں گے۔ اور پھر کبھی مجھے نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"خلاء میں بھٹک بھٹک کر مرجانے سے تو بہتر ہے کہ تم روس پہنچ جاؤ۔ کم از کم زمین پر رہوگے تو کھانے پینے کو ملتا رہے گا اور پھر تم کسی وقت فرار بھی ہوسکتے ہو۔"

امریکی خلاباز جیری خاموش ہوگیا۔ وہ پھنس چکا تھا۔ اب خلاء سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اُسے مجبوراً عنبر کے ساتھ ہی روس کی سرزمین پر اُترنا تھا۔ نیچے سے سگنل آنے لگے تھے۔ اور عنبر کو اُترنے کے لیے تیار کیا جارہا تھا۔ عنبر نے نیچے والوں کو بتا دیا تھا کہ اُس کے ساتھ ایک امریکی مہمان بھی ہے۔ روسی سائنس دان تو پریشان ہوگئے۔

"مہمان؟ امریکی مہمان؟ کیسا مہمان؟ کہاں سے آگیا ہے یہ؟"

عنبر نے بتایا کہ وہ خلاء میں راستہ بھول گیا تھا اور بھٹک رہا تھا کہ میں نے اُسے اپنے جہاز پر پناہ دی۔ میں انسانی ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہوگیا تھا۔ اب نیچے سے کسی

نے کوئی بات اُس امریکی جہاز کے بارے میں نہ کی۔ بہرحال انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جونہی وہ نیچے آئے گا اُسے گرفتار کرلیا جائے گا۔ اپنی اس بدقسمتی کا امریکی خلاباز جیری کو بھی علم تھا۔ مگر اُس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ خلاء میں بھٹک بھٹک کر مرجانے سے بہتر تھا کہ وہ روسی قیدخانے میں چلا جائے۔ کم از کم یہاں فرار ہونے کی امید تو تھی۔

آخری چکر پورا کرتے ہوئے عنبر جب جاپان کے قریب سے گزرا تو اُس نے سنگاپور کے سمندر میں ماریا کے بحری جہاز کو دیکھا۔ عنبر کو اگرچہ روسی سائنس دانوں نے سختی سے منع کیا ہوا تھا وہ نیچے کسی کو سگنل نہیں کرے گا مگر ماریا کے جہاز کو دیکھ کر وہ نہ رہ سکا اور اس نے اوپر سے گزرتے ہوئے ماریا کو سگنل پر کہہ دیا کہ وہ خلائی سٹیشن پر اُتر رہا ہے۔ ماریا نے بھی کہہ دیا کہ وہ آرہی ہے۔

خلائی سٹیشن روس کے دور دراز علاقے سائبیریا سے ایک ہزار میل دُور ایک ویران علاقے میں تھا۔ روسی سائنسدانوں نے بڑی مہارت سے عنبر کا خلائی جہاز زمین پر اُتار لیا۔ عنبر کے ساتھ امریکی خلاباز جیری بھی باہر نکلا۔ جیری کو اُسی وقت گرفتار کرکے پیچھے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔ عنبر کو خلائی سٹیشن میں رات بھر آرام کرنے دیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوسرے روز اسے بھی پیچھے سنسانی گراؤ کے ایک تربیتی لیبارٹری میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں اُس پر تجربے شروع ہو گئے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ ماریا اس کی تلاش میں سائبیریا کے خلائی سٹیشن پر آئے گی۔ اس لیے وہ بھی پہنچنا چاہتا تھا مگر روسی سائنس دانوں کے تجربے ختم نہیں ہو رہے تھے بلکہ تجربے لمبے ہو رہے تھے۔ آخر ایک روز عنبر نے وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ اُس کا وہاں سے نکلنا مشکل تھا۔

پھر بھی آدھی رات کو اُس نے اپنے کمرے کی ایک کھڑکی کو توڑ ڈالا۔ برآمدے میں ایک روسی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے پیچھے سے اُس کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عنبر نے اُس کی وردی پہن کر مشین گن ہاتھ میں پکڑی اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ پھر موقع پا کر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر لفٹ کے پاس آ گیا۔ یہاں لفٹ خالی پڑی تھی۔ عنبر اس میں سوار ہو گیا۔

لفٹ نے اُسے عمارت کی پہلی منزل پر پہنچا دیا۔ عنبر کو ایک سپاہی نے دیکھا تو اُسے روسی سمجھ کر کچھ نہ کہا۔ صرف قریب سے گزرتے ہوئے سلام کیا جس کا جواب عنبر نے بھی روسی زبان میں دیا اور عمارت کے صدر دروازے سے باہر آ گیا۔

یہاں اُس نے سڑک پر دیکھا۔ سڑک سخت سردی میں سنسان تھی۔ [illegible] بادلوں سے بھری ہوئی تھی اور ایسے لگتا تھا کہ ابھی برف گرنا شروع ہو جائے گی۔

عنبر عمارت سے باہر آ گیا۔

اُس کے پاس روسی روپے تھے جس کو روبل کہتے ہیں۔ وہ یہاں سے ریلوے سٹیشن جانا چاہتا تھا۔ وہ سڑک کے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ اتنے میں برف گرنا شروع ہو گئی۔ برف کے نرم نرم سفید سفید روئی کے گالے آسمان سے شہر کی عمارتوں اور سڑکوں پر برسنا شروع ہو گئے۔ ایک ٹیکسی عنبر کے قریب سے گزری تو اُس نے ہاتھ سے اُسے روک لیا۔ اُس میں سوار ہو کر عنبر نے کہا۔

"ریلوے سٹیشن۔"

ریلوے سٹیشن پر زیادہ رش نہیں تھا۔ کچھ مسافر یہاں وہاں آرام کر رہے تھے۔ عنبر نے ریلوے ٹائم ٹیبل پڑھا۔ معلوم ہوا کہ وہ ریل گاڑی جو سائبیریا کی طرف جاتی ہے کوئی تین گھنٹے بعد آئے گی۔ عنبر ویٹنگ روم میں جا کر کونے میں بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اُسے دیکھا اور یہ سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے کہ روسی سپاہی ہے۔

خدا خدا کر کے تین گھنٹے گزر گئے۔ ریل گاڑی پلیٹ فارم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر آگرون گئی۔ عنبر ایک ڈبے میں سوار ہوا اور کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد انجن نے سیٹی بجائی اور چھک چھک کرتی ریل گاڑی پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی۔ سائبیریا تک کا سفر بڑا لمبا تھا اور اس گاڑی نے چار روز کے بعد سائبیریا کے ایک ویران سے سٹیشن پر پہنچنا تھا۔ عنبر یہ سفر کرنے پر مجبور تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ماریا اُس کے علاقے سٹیشن کے اردگرد ہی پہنچے گی۔

سفر کرتے کرتے اُسے دو روز ہو گئے۔ دوسری طرف اُس کے فرار کا علم ہو چکا تھا۔ اس کی تصویر جگہ جگہ چھپا دی گئی تھی اور لوگوں کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ ایک خطرناک جاسوس قید سے بھاگ گیا ہے۔ اُسے جہاں کہیں بھی پاؤ فوراً گرفتار کر لو۔

عنبر نے ایک سٹیشن پر اُتر کر اخبار میں اپنی تصویر دیکھی تو منہ کے آگے ہیٹ کا چھجا کر کے وہاں سے دوسری طرف چلا گیا۔

یہ بڑی خطرناک بات ہوئی تھی۔ اس کی تصویر اخباروں میں چھپ گئی تھی۔ اُسے کسی جگہ پر بھی گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ ٹھیک ہے اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ لیکن اُس کا سفر کھوٹا ہو سکتا تھا۔ وہ پریشان ضرور ہو سکتا تھا اور ماریا سے دور بھی ہو سکتا تھا۔ اب گاڑی سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں داخل ہو چکی تھی۔ یہاں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ دور جب کوئی چھوٹا

سٹیشن آتا۔ گاڑی سخت سردی میں تھوڑی دیر کو رکتی اور پھر گے روانہ ہو جاتی۔ یہاں کوئی سٹال بھی نہیں تھا۔ اخبار بھی نہیں تھے۔ مسافر بھی غریب قسم کے تھے۔ ان کو کوئی خبر نہیں تھی کہ ایک جاسوس قید سے بھاگ گیا ہے بلکہ وہ عنبر کی وردی دیکھ کر کچھ مرعوب سے ہو جاتے تھے۔ عنبر کا سانولا رنگ دیکھ کر بھی تعجب کرتے تھے۔ ویسے سٹیشن ماسٹر نے پوچھ ہی لیا کہ وہ کون ہے؟

نے کہا۔

"اندھے ہو گئے ہو کیا؟ دیکھ نہیں رہے کہ میں روسی سپاہی

"

وہ بولا!

"لیکن تمہارا رنگ روسیوں کی طرح گورا نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا

"میں مشرقی روس کا رہنے والا ہوں جہاں گرمی پڑتی ہے۔ پھر میں زیادہ عرصہ مصر میں رہا ہوں۔ روسی سفارت خانے میں اب سمجھے تم کہ میرا رنگ سانولا کیوں ہے؟"

سٹیشن ماسٹر نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن آپ وردی میں اس علاقے میں کیا کر رہے ہیں؟"

"شٹ اپ۔" عنبر نے رعب سے کہا۔ "میں خاص ڈیوٹی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر ہوں۔"

خاص ڈیوٹی کی روس میں بڑی دہشت تھی۔ جب کوئی یہ کہتا کہ میں خاص ڈیوٹی پر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ خفیہ فوج کا آدمی ہے اور جس کو چاہے گرفتار کروا سکتا ہے۔ سٹیشن ماسٹر نے کوئی بات نہ کی۔ عنبر اپنے ڈبے میں جا کر سوار ہو گیا۔ ٹرین وہاں سے بھی روانہ ہو گئی۔ چوتھے روز عنبر سائبیریا پہنچ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی سرد اور بڑا ہی ویران علاقہ تھا۔ دُور دُور تک برف ہی برف تھی۔ برف کے میدان جہاں نظر جاتی تھی وہاں تک چلے گئے تھے۔ سردی اس قدر زیادہ تھی کہ اگر عنبر کے جسم میں خون ہوتا تو وہ ضرور جم کر برف بن جاتا۔

عنبر کو زیادہ سردی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ سٹیشن کے ویٹنگ روم میں چلا گیا۔ اُس نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے۔ یہ کپڑے ایک عام روسی مزدور قسم کے تھے جو اُس نے راستے میں ایک سٹیشن سے خریدے تھے۔ لمبا گرم کوٹ، گرم ٹوپی، سوری اور گرم پتلون—— اس طرح سے اُس پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن روسی حکومت عنبر کی تلاش میں تھی اور اُس نے جگہ جگہ اُس کے فرار کی اطلاع کر دی تھی۔ سائبیریا کے خلائی سٹیشن پر بھی اطلاع آ چکی تھی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ اگر

وہ اسی سٹیشن میں چلتا پھرتا رہا تو ضرور پکڑا جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ روسی سائنس دان اُسے گیس سنگھا کر بے ہوش کر دیں اور وہ بے بس ہو جائے۔

خلائی سٹیشن یہاں سے پانچ سو میل دُور ایک ایسے علاقے میں تھا جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ وہاں تک صرف ایک چھوٹی سی سڑک جاتی تھی جس پر کبھی کبھی کوئی ٹرک آتا جاتا نظر آ جاتا تھا۔ خلائی سٹیشن کا عملہ زیادہ تر ہیلی کاپٹروں سے آتا جاتا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ اپنی منزل پر وہ پیدل تو پہنچ نہیں سکتا—— ہیلی کاپٹر یہاں کہیں نظر نہیں آتا۔ ٹرک اگر کوئی مل جائے تو اس پر سوار ہو کر وہ راستہ طے کر سکتا تھا۔ اس نے برف کے میدان میں جاتی پتلی سی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ اُسے اُمید تھی کہ راستے میں اُسے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ عنبر کو چلتے چلتے رات پڑ گئی اور نہ کوئی ٹرک ملا اور نہ کوئی بھولی بھٹکی جیپ یا چھکڑا ہی ادھر سے گزرتا ملا۔

عنبر بڑا پریشان ہوا کہ خدا جانے اُسے کب تک اسی طرح پیدل چلنا ہوگا۔ آخر اُسے رات کے اندھیرے میں دُور ایک ٹمٹماتی روشنی دکھائی دی۔ اُس نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی قصبہ وغیرہ ہوگا۔ جہاں سے وہ اور کچھ نہیں تو کوئی گھوڑا وغیرہ ہی خرید سکے گا۔ روشنی قریب آتی گئی تو وہ ایک قصبے میں تبدیل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوگئی۔ ایک چوکور اک منزل میں کی چھت والی عمارت تھی جس کے سامنے کھمبے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ عنبر تھک گیا تھا۔ اُس کو اب آرام کی ضرورت تھی۔

عمارت کا دروازہ آدھا برف میں دھنسا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ کسی نے عرصہ ہوا اسے نہیں کھولا تھا۔ تو پھر یہ بلب کون روشن کر گیا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ بجلی کی تار زمین کے اندر چل رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بجلی پیچھے سے آ رہی تھی۔

عنبر نے دروازے کو غور سے دیکھا۔ وہ آدھا برف میں دبا ہوا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ برف آدھے دروازے سے ذرا نیچے تک اوپر چڑھ آئی تھی۔

عنبر نے پیچھے جا کر دیکھا کہ شاید کہیں کوئی راستہ مل جائے اندر جانے کا۔ وہاں صرف ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ عنبر نے اُسے دھکا دیا تو وہ کھل گئی۔ عنبر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ کھڑکی سے کود کر اندر چلا گیا۔ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ عنبر نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی۔ اُسے سامنے کارنس پر ایک لمبی موم بتی نظر آئی۔ اسے روشن کیا گیا تو یہ چھوٹا سا ٹھنڈا کمرہ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے بیدار ہو گیا۔

کمرے میں زمین پہ ہرن کی ایک کھال بچھی تھی۔ بیچ میں

گول میز اور اِرد گرد چار لکڑی کی کرسیاں تھیں۔ سامنے دروازہ تھا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ عنبر نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔ دوسری طرف اندھیرا تھا۔ عنبر نے کارنس سے موم بتی اٹھائی اور اس کی روشنی اندر ڈالی۔ ایک بار تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے دوبارہ روشنی اندر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر ایک مریل سا ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہے۔

عنبر نے موم بتی کارنس پر رکھ دی اور اُس ڈھانچے پر جھک گیا۔ یہ ایک عورت تھی جو موت کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عنبر نے جلدی سے اپنے تھیلے میں سے پانی نکال کر اس کے حلق میں ٹپکایا۔ عورت نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ عنبر نے اُسے کھانے کو ڈبل روٹی اور بسکٹ دیا۔ تھوڑا سا کھا کر عورت کو ہوش آ گیا۔ اس عورت کے پاؤں زنجیر کے ساتھ ایک کھمبے سے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے زنجیر توڑ کر عورت کو آزاد کیا اور پوچھا۔

"بہن! تم کون ہو؟"

عورت نے کہا۔

"میرا نام سمرینا ہے۔ میں بخارا کی رہنے والی ہوں۔ روسیوں نے مجھے اور میرے بھائی کو جاسوسی کے الزام میں یہاں قید کر رکھا ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

سمرینا نے کہا۔

"اسی عمارت کے ایک تہہ خانے میں۔ وہ۔۔۔ وہ سامنے دیوار میں سے ایک راستہ نیچے جاتا ہے۔"

عنبر جلدی سے نیچے گیا۔ یہاں بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ عنبر نے موم بتی روشن کی تو دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا زنجیروں سے بندھا فرش پر پڑا تھا۔ وہ بھی مرنے ہی والا تھا۔ عنبر نے اُسے کھانے پینے کو دیا تو اُسے ہوش آیا۔ عنبر اُسے اُوپر لے آیا۔ دونوں بہن بھائی آزاد ہوئے تو اُنہیں کچھ ہوش آیا۔ عنبر وہاں چار روز تک رہا۔ دونوں کی جان میں جان آگئی۔ وہ کئی روز کے بھوکے پیاسے تھے۔ لڑکے کا نام عمر تھا۔ ایک ہفتے کے بعد دونوں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ تو عنبر نے کہا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں چھوڑ دیا جائے؟"

سمرینا بولی۔

"اس ملک سے باہر کہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ یہاں یہ لوگ ہمیں پھر پکڑ لیں گے اور اب کے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں خود آگے جا رہا ہوں۔ یہاں سے تمہیں کس مقام سے بارڈر کراس کرا سکتا ہوں۔"

لڑکا بولا۔

"یہاں سے ایک ہفتے کی راہ پر چین کا بارڈر ہے۔ اگر ہم چین پہنچ جائیں تو وہاں ہمارے کچھ مسلمان رشتہ دار رہتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم پیدل یہ راستہ طے نہیں کر سکتے۔ کسی سواری کا انتظام کرنا پڑے گا اور سواری دُور دُور تک نظر نہیں آتی۔ خوراک بھی میرے تھیلے میں صرف ایک دن کی باقی رہ گئی ہے۔"

سمرینا نے کہا۔

"ہمیں خدا پر بھروسہ ہے۔ وہی ہماری مدد کرے گا۔ تم صرف ایک روز اور ٹھہر جاؤ۔"

دوسرے روز دوپہر کے بعد ایسا ہُوا کہ باہر کسی ٹرک کے ہارن کی آواز آئی۔ سمرینا اور لڑکا ڈر گئے۔

"شاید روسی سپاہی آ گئے ہیں؟"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔"

عنبر یہ کہہ کر باہر آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک فوجی ٹرک عمارت کے سامنے سڑک پر رُکا کھڑا ہے اور اُس میں سے دو موٹے موٹے روسی سپاہی نیچے اُتر کر عمارت کی طرف آ رہے تھے۔ عنبر نے جلدی سے اندر آ کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تمہارا خیال ٹھیک نکلا۔ دو سپاہی ادھر آ رہے ہیں۔"

"اب کیا ہوگا؟" سمرینا کانپنے لگی۔ عنبر نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں نیچے چلے جاؤ۔ جلدی کرو۔"

سمرینا اپنے بھائی کو لے کر نیچے تہ خانے میں چلی گئی۔ دوسری طرف کھڑکی سے نکل کر باہر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں روسی مشین گنیں کندھوں سے لٹکائے باتیں کرتے سردی سے ہاتھ رگڑ رگڑ کر گرم کرتے اندر آ گئے۔ عنبر کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے پاس آگیا۔ اور پھر اُس نے باہر جا کر ٹرک کو دیکھا۔ اس میں بہت سا سامان بھرا ہوا تھا۔ شاید یہ سپاہی خلائی سٹیشن والوں کے لیے سامان خوراک لے جا رہے تھے۔

عنبر کو فکر ہوا کہ کہیں وہ دونوں سپاہی سمرینا اور اُس کے بھائی کو ڈھونڈ کر گولی مار دیں۔ پس وہ جلدی سے عمارت کی طرف لپکا۔ اُس نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ دونوں سپاہی گول میز کے آگے کرسیوں پر بیٹھے آرام کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک سپاہی نے اُچھل کر کہا۔

"مجھے ایسے لگ سا ہے جیسے یہاں کوئی انسان چھپا ہوا ہے۔"

"کیسے؟ کہاں؟"

"مجھے کسی انسان کی بُو آ رہی ہے۔"

"انسان تو میں بھی ہوں۔"

"نہیں وہ ٹھہرو۔"

اور وہ سپاہی دیوار کے پاس آیا۔ یہاں سے ایک راستہ نیچے تہ خانے کو جاتا تھا۔ اُس نے پاؤں مار کر دروازہ کھول دیا۔ نیچے گیا اور تھوڑی دیر میں سمرینا اور اس کے بھائی کو گھسیٹ کر اوپر لے آیا۔ دوسرا سپاہی بھی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"ارے! یہ تو بخارا کی جاسوس عورت ہے اور اس کا ساتھی بھائی ہے۔ انہیں تو جلاوطن کیا گیا تھا۔"

"ہاں اور یہ اس تہ خانے میں پڑے ہیں۔ چلو انہیں باہر لے جا کر گولی مار دیتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے باہر لے کر چلو۔ انہیں ٹرک کے ساتھ باندھ دو۔ میں گولی چلاؤں گا۔"

عنبر ہوشیار ہوگیا۔ جونہی دونوں سپاہی سمرینا اور اُس کے بھائی کو لے کر عمارت سے باہر نکلے۔ عنبر نے ایک سپاہی کو [illegible] کر گرا دیا اور اس کی مشین گن اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر اس دوران میں دوسرے سپاہی نے عنبر پر مشین گن کی [illegible] ماری اور جانے کتنی گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر برف پر گر پڑیں۔ عنبر مسکرایا اور اس نے مشین گن سیدھی کر کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

باڑھ ماری تو سپاہی برف پر گر کر تڑپنے لگا۔

دوسرے سپاہی نے سمرینا پر گولی چلانی چاہی مگر پستول اُس کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا اور وہ بھی مشین گن کی باڑھ سے اگلے جہان چلا گیا۔

عنبر نے کہا۔

"جلدی سے ٹرک پر آ جاؤ۔"

سمرینا، اس کا بھائی اور عنبر ٹرک پر چڑھ گئے۔ انہوں نے بکس اور تھیلے کھول کر دیکھے۔ کھانے پینے کا بے شمار سامان بھرا پڑا تھا۔ گرم سموری صدریاں اور کوٹ بھی تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے تو خوب پیٹ بھر کر خشک گوشت کھایا، دودھ پیا، چپس اُڑائے اور پھر گرم سمور کی صدریاں اور گرم کوٹ پہن لیے۔ عنبر نے پٹرول دیکھا تو وہ بہت کافی تھا۔ اُس نے کہا۔

"سمرینا! تم لوگ ٹرک میں سوار ہو جاؤ۔ خدا نے تمہاری دُعا سُن لی ہے۔ یہ ٹرک تمہیں چین کی سرحد تک بڑی آسانی سے چھوڑ سکتا ہے۔ کیا تم ٹرک چلا لیتی ہو؟"

"ہاں"

"بس پھر مجھے تم راستے میں خلائی سٹیشن کے علاقے میں اُتار دینا اور خود یہ ٹرک لے کر چین کی سرحد کی طرف نکل جا

ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں۔ شکریہ آپ کا۔ آپ نہ ہوتے تو آج ہم اس دنیا میں نہ ہوتے۔"

"خدا نے آپ کی مدد کی ہے۔ آپ لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔"

"ہم خدا تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں۔"

تینوں ٹرک میں سوار ہو گئے۔ ٹرک عنبر چلا رہا تھا۔ ساری رات وہ چھوٹی سی سڑک پر سفر کرتے رہے۔ ٹرک میں ایک کتاب پر اُس علاقے کا سارا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس نقشے نے ان کی بہت بڑی رہ نمائی کی۔ نقشے پر صاف چین کا بارڈر نظر آ رہا تھا اور خلائی سٹیشن بھی بنا ہوا تھا۔

دو دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے ایک سڑک خلائی سٹیشن کی طرف جاتی تھی اور دوسری سڑک چین کی سرحد کی طرف جا رہی تھی۔ عنبر ٹرک سے نیچے اُتر پڑا۔ اُس نے سمرینا اور اس کے بھائی سے کہا۔

"کیا تم لوگ آسانی سے بارڈر کراس کر جاؤ گے؟"

سمرینا بولی۔

"فکر نہ کریں۔ بارڈر کراس کر جائیں گے۔ ہم اس سے پہلے کئی بار بارڈر کراس کر چکے ہیں۔ اور پھر اس بارڈر پہ زیادہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فورس بھی نہیں ہے۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

عنبر نے خدا حافظ کہہ ٹرک چین کی سرحد کی طرف چل پڑا اور عنبر خلائی سٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔ دن کی تھوڑی تھوڑی سرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سورج برف کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ابھی برف گرنی شروع ہو جائے گی۔ جس سڑک پر عنبر چلا جارہا تھا وہ چھوٹی سی تھی اور برف توڑ کر بنائی گئی تھی۔ اس سڑک پر ایک ایک میل کے فاصلے پر کھمبے لگے تھے جن کے ساتھ شاید ٹیلی فون کی تار جارہی تھی۔ عنبر کھمبوں کی نشانی بنا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

دمشق کا چور

اب ذرا واپس صحرا میں چل کر ناگ کی خبر لیتے ہیں۔

ناگ انگوٹھی کے نگینے میں قید ہے اور یہ انگوٹھی مادام گارشیا کی اُنگلی سے صحرا میں گری پڑی ہے۔ اِس صحرائی راستے سے بہت کم قافلے گذرتے تھے۔ صرف ایک معمولی سا راستہ تھا جس پر سے جرمن فوجی گاڑیاں گذرا کرتی تھیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد یہاں امریکیوں کا قبضہ ہوگیا اور اب وہ بھی اپنا سامان اُٹھا کر واپس چلے گئے اور یہ جگہ اُجاڑ ہو کر رہ گئی۔ انگوٹھی صحرا میں پڑی رہی اور اُس کے اُوپر ریت گرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ایک ریت کے چھوٹے سے ٹیلے میں دب گئی۔

دو مہینے گذر گئے تھے۔ عنبر اس وقت سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں خلائی سٹیشن کی طرف جارہا تھا اور ماریا اپنے ساتھی بوڑھے انجینئر کے ساتھ بحری جہاز میں سوار جاپان کے سمندر کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

طرف بڑھ رہی تھی کہ اتفاق سے ایک غریب مصری مسافروں کا قافلہ گدھوں اور اونٹوں پر سوار صحرا میں سے گزرا۔ جس وقت وہ ناگ کی انگوٹھی والے ٹیلے کے پاس پہنچا تو اچانک ریت کا طوفان چلنے لگا۔ صحرا میں اندھیرا چھا گیا۔ قافلہ رُک گیا۔ اُونٹ بیٹھ گئے اور مسافروں نے اُونٹوں کی آڑ بنا کر کمبل اُوپر کر لیے اور طوفان رُکنے کا انتظار کرنے لگے۔

اس قافلے میں مصر کے ایک غریب خاندان کا نوجوان لڑکا احمد بھی شامل تھا۔ اس کے ماں باپ کو مصر کے ایک ظالم جاگیردار نے قید میں ڈال رکھا تھا کیونکہ ان کے پاس اپنی زمین چھڑوانے کو روپے نہیں تھے۔ احمد سے اپنے ماں باپ کا دُکھ نہ دیکھا گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یمن جا کر محنت مزدوری کرے گا اور اپنے ماں باپ کی وہ رقم ادا کر کے جو انہوں نے جاگیردار سے قرض لی تھی اپنے ماں باپ کو قید سے نجات دلائے گا۔

قافلے والوں نے احمد کو اس شرط پر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا کہ راستے میں وہ ان سب کی خدمت کرے گا اور اونٹوں کو چارہ بھی کاٹ کر ڈالے گا۔ احمد کی عمر سولہ سترہ سال تھی۔ وہ بڑا شریف اور کم بولنے والا بھولا بھالا نوجوان تھا۔ اس وقت قافلے والوں کے ساتھ وہ بھی کمبل سر کے اوپر ڈالے صحرا کی

طوفانی ریت سے بچنے کے لیے اُونٹ کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔

طوفان تھما تو قافلے کے مالک نے احمد سے کہا۔

”تم نمک حرام ہو۔ جلدی سے اُٹھو اور سارے اونٹوں کے کجاوے صاف کرو اور سامان پر سے ریت جھاڑ دو۔“

”بہتر حضور“

اتنا کہہ کر احمد بے چارہ اُٹھا اور کام میں لگ گیا۔ ذرا اس نے سستانے کے لیے ٹیک لگائی ہی تھی کہ قافلے کے مالک نے اُسے زور سے ہنٹر مارا اور وہ تڑپ اُٹھا۔

”حرام خور! کام تیرا باپ کرے گا“

احمد کو اپنے غریب اور محبت کرنے والے ماں باپ یاد آ گئے۔ اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ قافلے کے ظالم مالک نے احمد کو روتے دیکھ کر غصے میں آ کر اور زیادہ پیٹنا شروع کر دیا۔ احمد نے ہاتھ جوڑے کہ مجھے مت مارو مگر مالک کو ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اُس نے احمد کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ قافلہ آگے جانے کی تیاری کر چکا تھا۔ مالک نے بے ہوش احمد کو وہیں صحرا میں پھینکا اور آگے بڑھ گیا۔

قافلہ دُور نکل گیا تو گرمی کی وجہ سے احمد کو ہوش آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہ صحرا میں بھوکا پیاسا اکیلا رہ گیا ہے۔ قافلے کا مالک اُسے صاف موت کے حوالے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر گیا تھا۔ کیونکہ تپتے صحرا میں ایک عام انسان دو دن سے بھی زیادہ نہیں کاٹ سکتا۔ بھوک اور پیاس بہت جلد اسے اپنا لقمہ بنا لیتی ہے۔ احمد کو سخت پیاس لگ رہی تھی اور اس کا سارا جسم دُکھ رہا تھا۔ دھوپ اُس کے سر پر چمک رہی تھی۔ گرمی سے اُس کا جسم نڈھال ہو رہا تھا۔ اُس کو اپنے غریب مصیبت زدہ ماں باپ یاد آ گئے اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے وہیں ریت پر خدا کے آگے سجدہ کر دیا اور رو رو کر کہا۔

"اے ربّ العالمین! تُو نے ہمیشہ غریبوں کو اور دُکھی انسانوں کو سہارا دیا ہے۔ ظالم قافلے والے نے مجھے مارنے کے بعد بے سہارا کر کے موت کے حوالے کر دیا ہے۔ تُو اپنی رحمت سے میری مدد کر اور مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ میں تیرا گنہگار بندہ ہوں۔ اپنے حبیبؐ کے صدقے مجھ پر رحم فرما۔"

دُعا مانگتے ہوئے احمد کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو گرتے رہے۔ پھر اُس کے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ اُس نے سجدے سے سر اُٹھایا تو اسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کے سر سے ایک بہت بھاری بوجھ اُتر گیا ہے۔ جیسے خدا نے اُس کی فریاد سُن لی ہے۔ وہ اُٹھا اور اُس نے چلنا شروع کر دیا۔ کمزوری کی وجہ سے وہ جب اس چھوٹے سے ٹیلے کے پاس پہنچا جس کے اندر ناگ والی انگوٹھی دفن تھی تو وہ گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد اس کو یوں محسوس ہُوا کہ اُس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں اور اگر اُسے تھوڑی دیر اور پانی نہ ملا تو وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔

اس نے ریت کو ذرا سا کھودا تو اسے نمی محسوس ہوئی۔ جیسے نیچے پانی ہو۔ احمد نے جلدی جلدی ٹیلے کو کھودنا شروع کر دیا۔ نیچے سے پانی تو نہ نکلا لیکن ایک انگوٹھی نکل آئی۔ احمد نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا۔ اُس کا نگینہ چمک رہا تھا۔ احمد نے انگوٹھی ہاتھ میں پکڑی اور روتے ہوئے کہا۔

"یہ انگوٹھی اگر سونے کی بھی ہو تو مجھے کیا؟ یہ میرے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی پیدا نہیں کر سکتی۔"

احمد نے غصّے میں آ کر زور سے انگوٹھی کو ریت پر پھینکا۔ ایسا کرنے سے انگوٹھی ریت سے رگڑ کھا گئی۔ رگڑ کھاتے ہی ناگ ایک سانپ کے رُوپ میں اُس کے سامنے آ گیا۔ صحرا کی دھوپ میں اپنے سامنے ایک سیاہ کالے ناگ کو پھن لہراتے دیکھ کر احمد بیچارے کو پسینہ آ گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ سمجھ گیا کہ بس اب موت آ گئی۔ اُس نے دل میں اپنے ماں باپ کو یاد کیا اور آنکھیں بھر آئیں۔ اتنے میں اُسے آواز آئی جیسے سانپ کہہ رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیا حکم ہے میرے مالک؟"

احمد اُسے بُت بنا تکتا رہا۔ جیسے اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک سانپ بھی بول سکتا ہے۔ ناگ نے پھر کہا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں احمد میاں! میں ناگ ہوں۔ سانپوں کا دیوتا ناگ اور اس انگوٹھی میں قید کر دیا گیا ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟"

اب احمد کو وہ پُرانی کہانیاں یاد آ گئیں جو اُسے اُس کی والدہ سُنایا کرتی تھی اور جس میں الٰہ دین اپنے چراغ کو رگڑتا تھا تو جن سامنے آ جاتا تھا۔ اب احمد ذرا سنبھلا اور اپنے آنسو پونچھ کر بولا۔

"تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"
ناگ نے کہا۔

"تم جو کہو گے میں اُسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"
احمد نے کہا۔

"سب سے پہلے تو مجھے ٹھنڈا میٹھا پانی پلاؤ۔ پیاس سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔"

ناگ نے اسی وقت ایک چاندی کی صراحی لا کر رکھ دی جس میں ٹھنڈا برف لگا میٹھا شربت تھا جس میں سے الائچی کی مہک آ رہی تھی۔ احمد نے جی بھر کر شربت پیا۔ اُس کی جان میں جان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

نی تو اس سے ناگ نے پوچھا۔

"مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کس طرح سے پھنس گئے۔ ویسے میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں کہ تم نے مجھے ریت کے نیچے سے نکالا۔ اگر تم نہ آتے تو شاید میں اسی جگہ مدت تک دفن رہتا۔"

احمد نے ناگ کو اپنی ساری دُکھ بھری کہانی سُنائی۔ ناگ کو اس قافلے کے مالک پر سخت غصہ آیا جس نے ایک غریب معصوم بچے کو اتنی بے دردی سے مار کر صحرا میں موت کے حوالے کر دیا تھا۔ ناگ نے کہا۔ تم اِسی جگہ ٹھہرو۔ میں ذرا اِس ظالم قافلے کے مالک کی خبر لے کر ابھی واپس آتا ہوں۔ اتنا کہہ کر ناگ غائب ہو گیا۔ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں قافلہ سفر کر رہا تھا۔

قافلے کا مالک بڑے مزے سے اُونٹ پر بیٹھا سیب کھاتا ہُوا گنگناتا ہُوا اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کالا سانپ آ گیا۔ موٹے مالک کے ہاتھ سے سیب نیچے گر پڑا۔ اُس نے بندوق اُٹھائی اور گولی چلا کر سانپ کو ہلاک کرنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے اُس کی گردن پر ڈس دیا۔ وہ ڈسنے کے ساتھ ہی لڑکھڑایا اور تپتی ریت پر گر کر اپنے انجام کو پہنچا۔ سچ ہے ظالم کا انجام ہمیشہ عبرت ناک ہوتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہاں سے ناگ واپس احمد کے پاس آگیا اور بولا۔

"میں نے تمہارے ظلم کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب بتاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کیا کر سکتا ہوں؟"

احمد نے کہا۔

"مجھے بھوک بھی لگی ہے اور گرمی بھی بہت لگ رہی ہے۔ کوئی ایسا انتظام کرو کہ میں اس بھوک اور گرمی سے نجات حاصل کر سکوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے لیے انشاء اللہ سب کچھ کروں گا۔"

ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور اس کے ساتھ ہی ہوا میں ایک ٹرک آن کھڑا ہوا جس کی چھت بنی تھی۔ احمد ٹرک کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔

ناگ نے کہا۔

"دیکھو احمد! آج سے تم میرے چھوٹے بھائی ہو لیکن یاد رکھو میری باتوں پر حیران کبھی نہ ہوا کرو۔ میں تو ایسی ہی باتیں کیا کروں گا۔ پھر تم کب تک حیران ہوتے رہو گے؟ اب اس ٹرک پر سوار ہو جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم ٹرک چلانا جانتے ہو۔"

احمد ٹرک پر سوار ہو گیا۔ ناگ بھی سانپ کی شکل میں

اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس ٹرک میں کھانے کا ایک خوان بھی پڑا تھا جس میں بڑے لذیذ کھانے رکھے تھے۔ احمد نے کھانا مزے سے کھایا اور ٹرک چلا کر صحرا میں ایک طرف روانہ ہو گیا۔

سانپ نے کہا۔

"سنو احمد! اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ایسا کرو مجھے اس انگوٹھی کے نگینے سے آزاد کر دو۔ پھر میں سانپ کی شکل سے انسان کی شکل میں آ جاؤں گا اور تمہارا دوست بن کر تمہارے ساتھ سفر کروں گا اور تمہاری مدد بھی کرتا رہوں گا۔"

احمد نے کہا۔

"میرے دوست! تم جیسا کہتے ہو میں ویسا ہی کرتا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہیں اس انگوٹھی کی قید سے کیوں کر رہائی سکتا ہوں۔"

سانپ بولا۔

"اس انگوٹھی کے نگینے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریت پر پھینک دو۔ پھر میں اس کے جادو سے آزاد ہو جاؤں گا اور تمہارے ساتھ ایک دوست بن کر سفر کروں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی میرے دوست۔"

احمد نے انگوٹھی میں سے نگینہ نکالا۔ اُسے ٹرک پر رکھ اور ایک ہتھوڑی لے کر اُسے توڑ کوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کردیا اور پھر اسے صحرا میں پھینک دیا۔ انگوٹھی کے ختم ہو ہی سانپ ایکدم سے انسان کی شکل میں آگیا اور احمد نے کہ اس کی ساتھ والی سیٹ پر ایک خوش شکل نوجوان بیٹھا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور وہ اپنی پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ ناگ نے احمد سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"احمد! میرا نام ناگ ہے۔ مَیں تمہارا احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ تم نے مجھے اُس خبیث مداری کے جادو سے نجات دلائی تھی۔ اگر تم انگوٹھی کے نگینے کو تباہ نہ کرتے تو نہ جانے ابھی کتنے دن اور میں اسی قید میں زندگی بسر کرتا اور اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر سے شاید پھر کبھی نہ مل سکتا۔"

احمد نے پوچھا۔

"کیا تمہارے بہن بھائی بھی ہیں؟"

ناگ بولا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ تمہیں پھر کبھی سُناؤں گا۔ اب ایسا کرو کہ ٹرک کی سپیڈ زیادہ کر دو۔"

احمد نے سپیڈ اسی میل تک کر دی مگر ریت کی وجہ سے گاڑی مشکل سے چالیس میل فی گھنٹہ تک چل رہی تھی۔ احمد نے کہا۔

"ناگ بھائی! ہم کدھر کو جا رہے ہیں؟"

ناگ نے کہا۔

"اس وقت ہم شہر الموت جا رہے ہیں۔ وہاں سے ہم ایک بس میں بیٹھ کر خنا آئیں گے۔ جہاں ایک ہوائی اڈہ ہے اور ایک چھوٹا ہوائی جہاز ہمیں دمشق پہنچا دے گا۔ دمشق سے ہم تمہارے وطن مصر پہنچیں گے۔"

احمد نے کہا۔

"مگر احمد بھائی ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی نہیں ہے پھر ہم کرایہ کہاں سے لائیں گے؟"

ناگ مسکرایا اور اُس نے ایک تھیلی نکال کر احمد کو دی۔ احمد نے تھیلی کھول کر دیکھا تو اس میں ڈالر ہی ڈالر تھے۔

"یہ کتنے ڈالر ہیں ناگ بھائی؟"

"یہ پانچ ہزار ڈالر ہیں۔ اگر زیادہ کی ضرورت پڑی تو زیادہ بھی آجائیں گے۔"

"مگر یہ کہاں سے آئے ہیں؟" احمد نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"تم آم کھانا چاہتے ہو یا پیڑ گننا چاہتے ہو؟ اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ میرا کام ہے تم بالکل فکر نہ کرو۔"

گاڑی رات کو شہر الموت پہنچ گئی۔ انہوں نے ٹرک ہوا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے باہر ہی چھوڑ دیا۔

"اس ٹرک کا کیا بنے گا ناگ بھائی؟"

ناگ ہنسا۔

"تم نے پھر پیٹر گھٹنے والی بات کی ہے۔ فکر نہ کرو۔ اس ٹرک کو کچھ نہیں ہوتا۔ جس کا جی چاہے گا اسے لے جائے گا۔ اب یہ ساری انسانی قوم کی ملکیت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ ہم بسوں کے اڈے پر چلتے ہیں۔ وہاں ساری رات بسیں حما شہر کے لیے چلتی رہتی ہیں۔"

احمد مسکرایا اور ناگ کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں شہر میں بسوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اڈے پر زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک بس حما شہر کو جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس میں بہت تھوڑے مسافر بیٹھے تھے۔ ناگ نے ڈالر کا نوٹ دے کر ٹکٹ لیا تو کونے میں بیٹھا ہوا ایک مسافر انہیں غور سے تکنے لگا۔ کیونکہ وہاں ڈالر بہت کم لوگوں کے پاس دیکھنے میں آتے تھے۔ ناگ اور احمد نے اس آدمی کو نہ دیکھا۔ اصل میں یہ آدمی شہر دمشق کا ایک بہت بڑا چور تھا اور چوری کرتے ہوئے کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکا تھا۔

بس روانہ ہو گئی۔ ڈالروں کی تھیلی احمد نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔ دونوں سفر کے تھکے ہوئے تھے۔ بس آرام دہ تھی۔

رات کا وقت تھا۔ صحرا کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دونوں دیکھتے دیکھتے سو گئے۔ ساری رات بس صحرا میں سفر کرتی رہی۔ دوسرے روز بس دمشق کے شہر میں جا پہنچی۔ ناگ اور احمد نے اتر کر ایک ٹیکسی لی اور سیدھا ہوائی اڈے کا رخ کیا۔ وہ دمشق کا چور بھی پیچھا کر رہا تھا۔

اس نے بھی ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور ناگ کا پیچھا شروع کر دیا۔ ہوائی اڈے پر دمشق جانے والا طیارہ رن وے پر کھڑا تھا۔ ابھی اس کے اڑنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہ ایک دو انجنوں والا فوکر جہاز تھا۔ ناگ نے دو ٹکٹ لیے اور جہاز میں آ کر بیٹھ گئے۔ دمشق کا چور بھی ٹکٹ لے کر ان کی سیٹ کے پیچھے والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

جہاز مصر کے شہر قاہرہ کی طرف اڑنے لگا۔ آسمان صاف تھا۔ موسم خوشگوار تھا اور دھوپ چمک رہی تھی۔ ناگ اور احمد خاموش بیٹھے نیچے دیکھتے رہے۔ ان کے پیچھے دمشق کا چور برابر ان کی ایک ایک حرکت کو تک رہا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر ناگ نے کہا۔

"سب سے پہلے تو ہم کسی اعلیٰ دکان پر چل کر لباس خرید کر پہنتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے لباس میں ہمیں کوئی زیادہ سے زیادہ چور ہی سکے گا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ٹھیک ہے ناگ! مگر مجھے یہاں سے میرے ماں باپ کی مہک آنے لگی ہے۔ وہ یہاں سے ڈیڑھ سو میل دُور ایک گاؤں میں جاگیردار کی قید میں ظلم و ستم کے دن گزار رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم کپڑے پہن کر یہاں آج کی رات بسر کریں گے اور کل صبح اپنی نئی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

شہر کی ایک بڑی دکان میں جاکر انہوں نے نیا لباس خرید کر پہنا اور پھر ایک ہوٹل میں آکر کمرہ کرائے پر لے لیا۔

ناگ نے کہا۔

"احمد بھائی! تم اس کمرے میں رہو۔ میں ذرا بازار سے ہوکر ابھی آتا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں میری بہن ماریا اور بھائی عنبر تو اس شہر میں نہیں ہیں۔"

احمد نے کہا۔

"تم اتنے بڑے شہر میں انہیں کیسے تلاش کرتے پھرو گے؟"

ناگ بولا۔

"میں شہر کے سب سے بڑے چوک میں جاکر کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنے بہن بھائیوں کی خوشبو لینے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ اس شہر میں ہوئے تو مجھے ان کی خوشبو آجائے گی۔"

احمد نے کہا۔

"جلدی آجانا بھائی ناگ! میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر ناگ چلا گیا۔ ناگ نے غلطی کی تھی۔ اُسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ دمشق کا چور تو ان دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور وہ اس ہوٹل تک بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں [illegible] ہوا تھا۔ جونہی ناگ گیا۔ چور نے دیکھا کہ میدان خالی ہے۔ احمد جو کہ ایک معصوم لڑکا تھا، تنہا رہ گیا تھا۔ چور نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ احمد نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

چور نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں اپنے بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اصل میں اس چور نے ناگ کی اتنی بات سُن لی تھی کہ وہ اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کی تلاش میں ہے۔ احمد نے عنبر کا نام سُنا تو جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ اس کے سامنے ایک خوفناک شکل و صورت والا آدمی کھڑا تھا۔

"کیا آپ ... آپ کا نام عنبر ہے؟"

"ہاں۔" ہنسا تو اس کے ٹوٹے ہوئے کالے کالے دانت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نظر آنے لگے۔

"ہاں۔ میں عنبر ہوں۔"

"اندر آجاؤ۔"

چور نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔ اور احمد کی طرف گھور کر دیکھا۔ احمد گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار؟ کیا مجھے کچھ کافی وغیرہ نہ پلاؤ گے؟"

احمد نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ مگر ناگ باہر گیا ہے۔ میرا مطلب ہے آپ کا بھائی باہر گیا ہے۔ وہ بہت جلد آجائے گا۔ کہتا تھا کہ ابھی واپس آجاؤں گا۔"

چور نے کہا۔

"مگر مجھے تو اس کے آنے سے پہلے پہلے اپنا کام ختم کر دینا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ—" اور چور نے پستول نکال لیا۔ احمد کی تو جان ہوا ہو گئی۔

"ڈالروں کی تھیلی میرے حوالے کر دو اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ کہاں سے ڈالر لیتے ہو؟"

احمد نے کہا۔

"تم ڈالر لے لو۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ میرا بھائی کہاں سے یہ دولت لاتا ہے۔"

"تمہارا باپ بھی بتائے گا کہ یہ دولت کہاں سے آتی ہے۔"

اتنا کہہ کر اس چور نے پستول چلا دی۔ پستول میں سے گولی کی بجائے ایک سوئی نکل کر احمد کے بازو میں جا لگی۔ اس کے لگتے ہی احمد بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ چور نے اسی وقت احمد کو کندھے پر اُٹھایا اور ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس نے بے ہوش احمد کو ایک بوری میں بند کر کے صندوق میں ڈالا اور فون پر نوکر کو بلا کر کہا۔

"میرا سامان نیچے ٹیکسی میں رکھ دو۔ میں جا رہا ہوں۔ یہ لو تمہارا انعام۔"

نوکر نے خوش ہو کر چور کا صندوق اٹھایا اور نیچے جا کر ایک ٹیکسی میں رکھوا دیا۔ چور ٹیکسی لے کر قاہرہ شہر کے جنوبی گنجان علاقے میں آگیا۔ یہاں اس نے ٹیکسی چھوڑ دی اور ایک مزدور کے سر پر صندوق اُٹھوا کر ایک تالاب کے کنارے اپنے گھر میں لے آیا۔

"یہ لو تمہارا انعام۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے مزدور کو ایک روپیہ دیا۔ مزدور خوش ہو کر چلا گیا۔ اس پُراسرار گھر میں چور صندوق کو پچھلی کوٹھڑی میں لے گیا۔ وہاں اس نے صندوق کو کھول کر احمد کو باہر نکالا اور اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اُسے زمین پر لٹا دیا۔ احمد ابھی تک بے ہوش تھا۔

ادھر ناگ جب واپس آیا تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور احمد غائب ہے۔ بڑا حیران ہُوا کہ میں نے تو اُسے یہاں انتظار کرنے کو کہا تھا پھر وہ کہاں چلا گیا؟ ہوٹل والوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی خبر نہیں ہے۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ دل میں خیال آیا کہیں کسی شخص نے احمد کے ساتھ دشمنی نہ کی ہو۔ کیونکہ اس کے ماں باپ جاگیردار کے ہاں قید تھے۔ معلوم ہُوا کہ وہ تھیلی بھی احمد کے ساتھ ہی ہے جس میں ڈالر تھے۔ کہیں کسی نے چوری کے خیال سے احمد کو اغوا تو نہیں کر لیا؟

اب ناگ کو بہت فکر ہُوا۔ اُس نے ہوٹل کے ایک ملازم سے پوچھا کہ ابھی ابھی کوئی مسافر یہاں سے ہوٹل چھوڑ کر تو نہیں گیا؟ اس نے کہا۔

"کوئی گھنٹہ بھر ہُوا ایک مسافر کمرہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"اس کے پاس کوئی سامان بھی تھا؟"

"ہاں۔ ایک صندوق تھا۔ میرا ساتھی وہ صندوق اٹھا کر ٹیکسی تک لے گیا تھا۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ کیا تم مجھے اُس سے ملوا سکتے ہو؟"

"ابھی ملوائے دیتا ہوں۔"

ناگ نے اس آدمی سے مل کر پوچھا کہ صندوق کس قسم کا تھا؟ تو اس نے کہا۔

"صندوق ویسا ہی تھا جیسے ہُوا کرتے ہیں۔"

ناگ نے پوچھا۔

"تم کو اس میں کوئی خاص شے نظر آئی تھی کیا؟"

وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی۔ ہاں ایک بات مجھے ضرور عجیب لگی تھی۔"

"وہ کیا؟" ناگ نے بے چینی سے کہا۔

"وہ یہ کہ وہ زیادہ ہی بھاری تھا۔ میں نے اُس کے مالک سے پوچھا بھی تھا کہ اس میں کیا ہے جو یہ اتنا بھاری ہے۔ کیونکہ اس قسم کے صندوقوں میں عام طور پر کپڑے ہوتے ہیں جو اتنے بھاری نہیں ہُوا کرتے۔"

ناگ نے جلدی سے پوچھا۔

"تو اُس نے کیا کہا تھا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اُس نے کہا تھا کہ اس میں گرم کپڑے ہیں۔ مگر جناب مجھے یقین ہے کہ اس میں گرم کپڑے نہیں تھے۔ مجھے ساری عمر گذر گئی ہے لوگوں کا سامان اُٹھاتے ہوئے۔ میں نے اس قسم کا صندوق اتنا بھاری کبھی نہیں دیکھا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس آدمی کا حُلیہ کیا تھا؟"

"بڑا عجیب تھا۔ جیسے بیلے کا سے دانت تھے۔ لمبی طوطے کی چونچ ایسی کالی ناک تھی۔ سر پر لال ٹوپی تھی۔ آنکھیں خوفناک تھیں۔"

اچانک ناگ کو خیال آیا کہ اس حُلیے کا آدمی اُس نے ہوائی جہاز میں بھی دیکھا تھا۔ اور ہاں — یہ آدمی بس میں بھی بیٹھ کر اُس کے ساتھ شہر الموت تک آیا تھا۔ تو کیا اس شخص نے دولت کے لالچ میں آ کر احمد کو اغوا تو نہیں کر لیا؟ مگر دولت احمد سے چھین کر وہ اُسے چھوڑ سکتا تھا؟ اُس نے احمد کو اغوا کیوں کیا؟

ناگ نے اُس آدمی سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اُس ٹیکسی کا نمبر یاد ہے جس میں یہ آدمی سوار ہوا تھا؟"

"نمبر تو میں نے نہیں دیکھا مگر اتنا یاد ہے کہ اس ٹیکسی کے شیشے پر مور کا پر لگا تھا جو یہاں قاہرہ میں کسی ٹیکسی پر نہیں"

دفعہ

اسی وقت شہر میں نکل گیا اور سیدھا ٹیکسی والوں کے اڈے پر آگیا۔ اُس نے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ وہ اس تلاش میں تھا جس کے شیشے پر مور کا پر لگا ہو۔ وہاں بہت سی ٹیکسیاں کھڑی تھیں مگر مور کا پر کسی ٹیکسی پر نہیں تھا۔ ایک ڈرائیور نے ناگ کو بتایا۔

"جناب شہر کے دوسرے اڈے پر جائیں۔ میرا خیال ہے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پوچھیں۔ وہ شوقین مزاج ڈرائیور ضرور اس نے ٹیکسی پر مور کا پر لگایا ہوگا۔"

ناگ وہاں سے شہر کے دوسرے اڈے پر آگیا۔ یہاں بھی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ناگ نے ڈرائیوروں سے مور کے پنکھ والی ٹیکسی کے بارے میں پوچھا۔ ایک بوڑھے ڈرائیور نے کہا۔

"مور کے پر والی ٹیکسی کے ڈرائیور کا نام عامر ہے وہ ابھی آتا ہوگا۔ آپ یہاں بیٹھیں۔"

ناگ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک ٹیکسی اڈے میں داخل ہوئی جس کے شیشے پر مور کا پنکھ لگا تھا۔ ناگ اس کے ڈرائیور سے جا کر ملا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اُس سے پوچھا کہ وہ ہوٹل سے بیچ جو صندوق والی سواری لے کر گیا تھا وہ کہاں جا کر اُتری تھی؟

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ڈرائیور نے کہا۔

"صندوق والی سواری شہر کے جنوبی گنجان علاقے میں اُتری تھی۔ آپ چلیں گے وہاں؟"

"ہاں۔ مجھے لے چلو۔"

ڈرائیور ہنسا۔

"جناب اس کے دام لگیں گے؟"

"یہ لو۔"

ناگ نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔

"آئیے میرے ساتھ۔"

ڈرائیور ناگ کو ٹیکسی میں بٹھا کر سیدھا اس گلی کی نکڑ لے گیا جہاں اُس نے دمشق کے چور کو صندوق کے ساتھ اُتارا تھا۔

"یہاں اُترا تھا وہ شخص۔ صندوق اُس نے ایک مزدور کے سر پہ اُٹھوایا تھا۔"

اتنا کہہ کر ڈرائیور ٹیکسی لے کر چلا گیا۔ ناگ وہاں اکیلا رہ گیا۔ کچھ لوگ اپنی دکانوں اور عورتیں اپنے مکان کی کھڑکیوں سے ناگ کو دیکھنے لگیں۔ ناگ گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ گلی آگے جا کر ایک تالاب کے کنارے نکل گئی جہاں کھجوروں کے چند درخت اُگے تھے۔ ناگ نے ایک دکاندار کو چور کا حلیہ بتا کر

پوچھا تو اُس نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ سامنے والے مکان میں اس قسم کا آدمی کبھی کبھی آیا کرتا ہے۔"

ناگ نے اُس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ مگر دمشق کا چور اتنا احمق نہیں تھا کہ وہاں ناگ کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ وہ احمد کو لے کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ ناگ نے مکان کے اندر جا کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُس کی ساری محنت ضائع گئی تھی۔ اب تو ناگ کو بھی اُلجھن ہونے لگی کہ یہ شخص احمد کو کہاں لے گیا ہو گا۔ خالی مکان میں اُسے وہ صندوق بھی مل گیا جس میں بند کر کے وہ احمد کو ساتھ لایا تھا۔ جاتی دفعہ وہ صندوق وہیں چھوڑ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ احمد کو کسی اور طریقے سے لے گیا تھا۔ ناگ نے صندوق کو غور سے دیکھا۔ اس کے اندر سے وہ خالی تھیلی مل گئی جس میں ناگ نے ڈال رکھ کر امرود دیئے تھے۔ ناگ نے تھیلی کو غور سے دیکھا اور ایک دم سے سانپ بن کر اُسے سونگھا۔ اُس میں سے احمد کی بُو آ رہی تھی ناگ سانپ بن کر اس بُو کے سراغ میں جا سکتا تھا مصیبت یہ تھی کہ اگر سانپ بن کر جاتا ہے تو راستے میں لوگ اُس پر حملہ کر کے اُسے ہلاک کر دیں گے۔ اگر سانپ بن کر نہیں جاتا تو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

احمد کا سُراغ نہیں لگا سکتا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر وہاں سے جانے گا۔ وہ مکان کی چھت پر چڑھ کر ایک کرنے میں بیٹھ گیا اور شام پڑنے کا انتظار کرنے لگا۔ خدا خدا کرکے شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ ناگ نے سانپ کا روپ اختیار کیا اور مکان سے باہر نکل کر گلی میں آگیا۔

گلی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُسے احمد کی بُو برابر آ رہی تھی جس طرف اُسے بُو لے جا رہی تھی وہ اُدھر ہی کو جا رہا تھا۔ یہ بُو اُسے شہر سے باہر ایک ایسے راستے پر لے گئی جو ویران تھا اور صحرا کی طرف جاتا تھا۔ سانپ ریت پر رینگ رینگ کر چل رہا تھا۔ اب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا اور آسمان سے ستارے نکل آئے تھے۔ ناگ ریت پر چلتا گیا۔ کافی دُور جانے کے بعد اس نے ایک جگہ ٹھہر کر اپنی دو شاخوں والی زبان نکال کر سُونگھا۔ احمد کی بُو مغرب کی طرف سے آ رہی تھی۔

سانپ نے اُدھر کو چلنا شروع کر دیا۔

آگے جا کر سامنے ایک اہرام آگیا یہاں سے احمد کی بُو بھی تیز آ رہی تھی۔ سانپ نے ناگ کی شکل اختیار کر لی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ جگہ کون سی ہے۔ انسان کی شکل میں آتے ہی احمد کی بُو ختم ہو گئی۔ لیکن ناگ کو علم تھا کہ احمد اسی جگہ

ہے۔ اس نے دیکھا کہ اہرام بہت خستہ اور شکستہ تھا۔ اس کے ٹوٹے پتھروں پر کہیں کہیں کھجوروں کی ری تھیں اور پھر گھٹی ہوئی رات کے اندھیرے میں روں کی ہلکی ہلکی روشنی میں نظر آ رہی تھیں۔

گ اہرام کے قریب چلا گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا یہاں کوئی دروازہ بھی ہے کہ نہیں؟ آخر اس نے چاروں رف گھوم پھر کر معلوم کیا کہ ایک جگہ پتھروں کی پرانی دیوار کی ڈھے گئی ہے۔ ناگ نے اسی وقت پھر سے سانپ کا پ بدلا اور اہرام کے شگاف میں سے اندر داخل ہو گیا۔ سے احمد کی بُو بڑی تیز آ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر بائیں جانب مُڑتے ہی اُسے ایک سیڑھی نظر آئی۔ ھی بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ اور مصر کے ون کے زمانے کی تھی۔

سانپ سیڑھیوں پر سے نیچے کھسکنے لگا۔ نیچے گہرا اندھیرا س نے زبان نکال کر فضا میں بُو سونگھی۔ احمد کی بُو دائیں جانب رہی تھی۔ وہ اسی طرف کو گھوم گیا۔ اب اس کے نے ایک دیوار تھی جس میں سے پتھر نکلے ہوئے تھے۔ نپ نے اس دیوار میں سے دوسری طرف دیکھا۔ یا دیکھتا ہے کہ اونچے پتھروں کی چھت کا ایک کمرہ ہے

جس میں طاق میں ایک دھیما سا لیمپ جل رہا ہے۔ وہ
ساتھ احمد زنجیروں سے جکڑا فرش پہ پڑا سو رہا ہے
اس کے قریب ہی ایک مٹی کا پیالہ پانی سے بھرا
ہے۔ سانپ پیالے کے قریب جا کر پیالے میں دیکھنے لگا
پیالے میں پانی تھا۔ احمد سو رہا تھا یا شاید بے ہوش تھا۔
ناگ نے اسی وقت انسان کا روپ بدلا اور احمد کے منہ پہ
پانی کا چھینٹا مارا۔ وہ جاگ پڑا۔ اُس نے اپنے سامنے
ناگ کو دیکھا تو حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔ پھر درد
سے کراہ کر بولا۔

"خدا کے لیے مجھے ان زنجیروں سے رہائی دلاؤ۔ میں
درد کے مارے مرا جا رہا ہوں۔"

ناگ نے اسی وقت احمد کی زنجیریں کھول دیں۔

"تمہیں یہاں کون لایا تھا؟"

احمد نے ساری کہانی سُنائی۔ ناگ سمجھ گیا کہ وہ ہی وحشی
لاچار احمد کو اغوا کر کے لایا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہیں اسی کھنڈر میں گیا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔"

ناگ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر میں تمہیں پھر زنجیروں میں ڈال دیتا ہوں۔ میں معلوم

چاہتا ہوں کہ وہ کیا کرے گا؟"

بولے گا۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرو۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

ناگ ہنسا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا نہ کر سکے گا۔ زندگی موت اللہ کے
ہاتھ میں ہے۔"

ناگ نے احمد کے پاؤں اور ہاتھوں میں پھر سے زنجیریں
ڈال دیں اور اس خیال سے باہر جانے لگا کہ وہ احمد کے سامنے
سانپ کا روپ نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ احمد
ڈر جائے گا۔ جب وہ باہر نکلنے لگا تو احمد نے سہم کر کہا۔

"آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی آ جاؤں گا۔"

"خدا کے لیے جلدی آنا۔ نہیں تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"تم گھبراؤ نہیں احمد! میں یہاں پر ہی ہوں کہیں باہر نہیں
جا رہا۔"

ناگ باہر نکلا ہی تھا کہ وہ چودھری آ گیا۔ اس نے آتے ہی
احمد کی گردن پہ پاؤں رکھ دیا اور بولا،

"کیا تم جاؤ گے کہ نہیں؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"مجھے کچھ نہیں پتہ۔"

"بکواس مت کرو۔ جلدی بتاؤ کہ جس خزانے سے تم نے اتنے ڈالر اٹھائے تھے وہ خزانہ کہاں ہے؟"

احمد بولا۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

چور نے کہا۔

"ابھی تم بتاؤ گے۔"

اب احمد پریشان ہو رہا تھا کہ اس کا ساتھی ناگ کہاں چلا گیا ہے۔ چور نے جیب سے خنجر نکال لیا اور اسے پتھر پر تیز کرنے لگا۔ ایک خیال احمد کو یہ بھی آیا کہ دو تو کھلا ہے۔ زنجیریں تو ویسے ہی باندھی گئی ہیں۔ پھر اُسے احمد کی بات یاد آ گئی کہ بھاگنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرنا نہیں تو چور تم پر وار کر دے گا اور پھر میں تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ مگر اس طرح بھی تو وہ اس پر وار کرنے والا تھا۔ اب ناگ کو آ جانا چاہیئے۔ چور نے خنجر تیز کر لیا تو احمد کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تم نے خزانے کا پتہ نہ بتایا تو میں تمہیں قتل کر کے لاش اسی جگہ کیڑے مکوڑوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دوں گا۔"

احمد تھر تھر کانپنے لگا۔ بیچارے کو موت بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔ ناگ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ ناگ سانپ کے روپ میں اندر داخل ہو چکا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چور اور سانپ

سانپ رینگتا ہوا چور کے پیچھے آ کر پھن اُٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ احمد نے چور کی گردن کے پیچھے سانپ کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"ناگ! تم آ گئے؟"

اس پر چور نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے سانپ کو لہراتے ہوئے پایا۔ چور نے خنجر اس پر مارا۔ سانپ پرے ہٹ گیا۔ اب چور اور سانپ کی لڑائی شروع ہو گئی۔ احمد کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے ناحق ناگ کو آواز دے دی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب وقت گزر گیا تھا۔ اس چھوٹے سے ابہام میں سانپ اور چور کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ چور نے جیب سے پستول نکال کر سانپ پر فائرنگ شروع کر دی۔ اب تو ناگ بھی گھبرایا کہ اس بدبخت کی ایک گولی بھی

اُسے لگ گئی تو اُس کا کام تمام ہو جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں چور غصے یا انتقام میں آ کر احمد پر ہی گولیاں نہ چلا دے۔ ناگ کے دماغ نے سوچنا شروع کر دیا۔ اگر وہ کسی بڑے جانور یا درندے کی شکل میں بھی آ جائے تو پھر اُسے گولی لگ سکتی تھی اور وہ زخمی ہو سکتا تھا۔

سب سے اچھا طریقہ یہی تھا کہ وہ کسی طرح سے چور کے پستول کی ساری گولیاں ختم کروا دے۔ پس سانپ نے اِدھر اُدھر پھرتی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ چور برابر گولیاں چلا رہا تھا۔ سانپ نے اُسے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ وہ احمد کی طرف منہ پھیر کر اُس پر گولی چلاتا۔ آخر چور نے ایک بار پستول چلائی تو ٹھک کی آواز کے بعد اس میں سے کوئی گولی نہ نکلی۔ پستول خالی ہو چکا تھا۔

اب سانپ نے حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ چور کے ہاتھ میں خنجر اس وقت بھی موجود تھا۔ چور تو اُٹھ چل جاتا مگر سانپ نہیں چاہتا کہ احمد کو ہلاک کیا جائے تو وہ ضرور احمد کی گردن پر خنجر رکھ کر کہتا۔

"خبردار! اگر تم نے مجھے ڈسنے کی کوشش کی تو میں اس لڑکے کو ہلاک کر دوں گا۔"

مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہ جو سانپ اس کے سامنے کھڑا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہا ہے۔ اصل میں انسان ہے اور احمد کا ساتھی ہے۔ اور اُس کی مدد کرنے کے لیے وہاں آیا ہے۔ چور نے تاک کر سانپ پر خنجر مارا۔ مگر خنجر سانپ کے اوپر سے گزر کر دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ اب چور بالکل نہتا تھا۔ سانپ نے تڑپ کر ایک چھلانگ لگائی اور چور کی گردن پر آ گیا۔ چور تھر تھر لرزنے لگا۔ مگر اب سانپ اپنے دشمن کو مہلت نہ دینا چاہتا تھا اُس نے بڑی تیزی سے چور کی گردن پر ڈس دیا۔ اور خود نیچے اُتر گیا۔

ناگ کا زہر بھلا کون برداشت کر سکتا تھا؟ اِدھر ناگ نے چور کو کاٹا اُدھر وہ کھڑے کھڑے دھڑام سے فرش پر گر پڑا اور ایڑیاں رگڑنے لگا۔ پھر اُس نے ایڑیاں رگڑنی بھی بند کر دیں اور اگلے جہان کو چلا گیا۔ سانپ اسی وقت انسان کی شکل میں واپس آ گیا۔ اور احمد کی زنجیریں کھول کر بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ دشمن سے نجات ملی۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو یہ ہم دونوں کو ہلاک کر دیتا۔"

احمد نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ ناگ اُسے لے کر اہرامِ مصر کے کھنڈر سے باہر آ گیا۔ اس نے احمد سے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے، تمہارا؟"

وہ بولا "میں اپنے ماں باپ کو ظالم جاگیردار کی قید سے

ہ دلانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو مجھے بتاؤ کہ جاگیردار کا گاؤں ہاں سے کتنی دُور ہے اور کس طرف ہے؟"

احمد اِس علاقے کا رہنے والا تھا۔ اُسے راستے معلوم ے۔ وہ ان ہی جگہوں پر کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔

"یہاں سے جاگیردار کا گاؤں چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ہم پیدل نہیں جا سکتے۔ ہاں اگر شہر جائیں تو وہاں سے کوئی سواری مل سکتی ہے۔"

"تو پھر شہر کی طرف چلو۔"

رات ڈھل رہی تھی کہ دونوں قاہرہ شہر میں آ گئے۔ ایک ڈے پر انہیں ٹیکسی مل گئی۔ اس میں سوار ہو کر وہ جاگیردار ے گاؤں کے باہر پہنچ گئے۔ صبح ہو چکی تھی۔ دھوپ خوب ری تھی۔ ٹیکسی کو پیسے دے کر رخصت کر دیا گیا۔ احمد نے گاؤں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"یہ ہے اس ظالم کا گاؤں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ماں باپ کو اس شخص نے کس جگہ قید کر رکھا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں۔ مگر اتنا پتہ ہے کہ اِس قاتل نے اپنی حویلی کے نیچے ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے۔ اِس تہ خانے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں یہ اپنے بدترین دشمنوں کو قید میں ڈال دیتا ہے جہاں و ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر تم میرے ساتھ گئے تو وہ تمہیں بھی پکڑ لے گا۔ اس لیے تم کسی محفوظ جگہ پر ٹھہرو۔ میں خود جا کر پتہ کرتا ہوں اور تمہارے ماں باپ کو چھڑا کر لاتا ہوں۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ تم اکیلے یہ کام کر لو گے؟"

"انشاء اللہ!"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔ یہاں پہاڑیوں میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ وہاں ہم بچپن میں لکن میٹی کھیلا کرتے تھے۔"

احمد نے ناگ کو ساتھ لیا اور خشک قسم کے ٹیلوں سے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک غار سا بنا ہوا تھا جس کا منہ صحرائی جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"تم اس غار میں جا کر چھپ جاؤ۔ اور میرا انتظار کرو۔ اگر مجھے دیر ہو گئی تو خبردار یہاں سے کہیں نہیں جانا۔ اور ر حالت میں میرا انتظار کرنا۔"

احمد بولا۔

"میں انتظار کروں گا بھائی جان۔"

جب ناگ جانے لگا تو احمد نے کہا۔

"میرے ماں باپ کا رنگ سانولا اور بال کچھ کچھ سفید ہیں۔"

ناگ کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں یہ سب کچھ وہاں جا کر معلوم کروں گا۔"

ناگ غار سے باہر نکل رہا تھا کہ احمد نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان! اگر یہاں کوئی سانپ بچھو نکل آیا تو میں کیا کروں؟ کیا یہیں بیٹھا رہوں؟"

ناگ ہنسا۔

"اس کا علاج میں کیے دیتا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے جیب سے اپنا سیاہ رومال نکال کر احمد کو دیا اور کہا۔

"اس رومال کو اپنی جیب میں رکھو۔ اگر کوئی سانپ، بچھو یا کوئی اور درندہ اس طرف آ جائے تو اس کے آگے یہ رومال کر دینا۔"

"بہت بہتر۔"

احمد نے چھوٹا سا سیاہ رومال لے کر جیب میں رکھ لیا اور غار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس چھوٹا سا تھیلا بھی تھا جس میں کچھ خشک میوے اور ایک پانی کی تھرمس تھی۔ ناگ وہاں سے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ گاؤں چھوٹا سا تھا۔ پندرہ بیس گھر تھے اور جیسا کہ احمد نے بتایا تھا سامنے کے سامنے مکان جاگیردار کے اپنے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہی تھے۔ بیچ میں جاگیردار کی اونچی برجی والی حویلی صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ نے راستے میں ایک آدمی سے جاگیردار کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں بھائی! وہی حویلی جاگیردار کی ہے مگر تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"میں پردیسی ہوں اور جاگیردار کی شہرت سن کر اس سے ملنے آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔ جاگیردار اس وقت اپنی حویلی میں ہوگا۔"

ناگ حویلی کے پاس آ گیا۔ اس نے چوکیدار کو دیکھا کہ مشین گن لیے پہرہ دے رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"بھائی! میں جاگیردار صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا

"میں ایک سیاح ہوں۔ مصر کی سیاحت کر رہا تھا کہ جاگیردار کی حویلی دیکھی۔ سوچا کہ اس حویلی میں رہنے والوں سے بھی ملتا جاؤں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

چوکیدار ناگ کو جاگیردار کے کمرے میں لے گیا۔ جاگیردار کالا حبشی قسم کا موٹا کالا آدمی تھا۔ بالکل بھینسا ... اپنے چار پانچ ڈاکو قسم کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا بھنا گوشت کھا رہا تھا۔ اس نے ناگ کو دیکھا تو چوکیدار سے غرا کر پوچھا۔

"کون ہے یہ بدتمیز؟"

چوکیدار نے کہا۔

"جناب یہ آپ سے ملنے کا شوق لے کر آیا ہے۔ کہتا ہے میں آپ کی حویلی دیکھ کر ادھر آ گیا ہوں۔"

جاگیردار نے ناگ کی آنکھوں میں گھور کر دیکھا اور بولا:

"کیوں۔ تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟"

ناگ نے چوکیدار والی بات دہرا دی۔

"جناب میں ہند کا رہنے والا ایک سیاح ہوں اور اس علاقے کی سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ آپ کی تاریخی حویلی [illegible] ادھر کھینچ لایا اور آپ کے دیدار ہو گئے۔"

جاگیردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ایک ساتھی بولا۔

"مجھے یہ شخص کوئی جاسوس لگتا ہے۔"

جاگیردار نے پستول نکال لیا اور حکم دیا۔

"اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اسی وقت ناگ کو پکڑ کر رسی سے اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ ناگ کچھ پریشان بھی ہوا کہ یہ اچھے لوگ ہیں۔ پردیسیوں سے ایسا سلوک کرتے ہیں۔ اُسے خیال آیا کہ احمد ٹھیک کہتا تھا۔ یہ تو بڑا سنگدل اور قاتل قسم کا آدمی ہے۔ اُس نے کہا۔

"جناب میں کوئی جاسوس نہیں ہوں۔ میں تو ایک معمولی سیاح ہوں۔ گھر سے سیر سپاٹے کرنے نکلا ہوں۔ مجھے چھوڑ دیں۔"

جاگیردار نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی تلاشی لی جائے۔"

ناگ کی تلاشی لی گئی تو اس کی جیب سے کچھ ڈالر اور ایک چھوٹا سا چاقو نکلا۔ جاگیردار نے کہا۔

"یہ چاقو مجھے دکھاؤ۔"

جاگیردار چاقو دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک عام آدمی پٹارا لے کر آگیا۔ جاگیردار نے چاقو ایک طرف پھینک دیا اور اب وہ اُس آدمی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لے آئے میری شے؟"

"جی حضور"

"زہریلا ہے نا؟"

"حضور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ دریائے نیل کے [illegible]ں سے پکڑ کر لایا ہوں۔ کہتے ہیں جس سانپ نے وزیرہ کو ہلاک کیا تھا وہ اس سانپ کے باپ داداؤں میں سے تھا۔

"بہت خوب۔ اسے کھول کر دکھاؤ۔"

سارے آدمی پرے پرے ہٹ گئے۔ ناگ سمجھ گیا کہ اس شخص نے اپنے کسی قیدی پر ظلم و ستم کرنے کے لیے دریائے نیل کے کنارے سے کوئی خطرناک سانپ منگوایا ہے۔ نوکر نے پٹاری زمین پہ رکھ دیا اور پھر ہاتھ میں بین لے کر بجانی شروع کردی۔ بین کی میٹھی دھن کچھ دیر تک بجتی رہی پھر اچانک اس میں سے ایک سیاہ سانپ باہر نکلا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا رکھا تھا اور وہ بین کی دھن پر آہستہ آہستہ جھوم رہا تھا۔ ناگ نے سانپ کی طرف دیکھا۔ سانپ ذرا اوپر آگیا تھا اور اب پٹاری میں سے نکل کر باہر فرش پر آکر رقص کرنا چاہتا تھا۔

اچانک جیسے سانپ پر بجلی سی گر پڑی اور وہ سمٹ کر جلدی سے پٹاری کے اندر چلا گیا۔ سب حیران ہو گئے۔ جاگیردار نے کہا۔

"اسے باہر نکالو بدبخت!"

"نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں جناب"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سپیرے نے کر سنے بہتیری کوشش کی۔ بار بار بین بجائی۔ پٹاری پر ہاتھ مارے۔ اُسے رومال دکھائے۔ مگر سانپ باہر نہ آیا۔ ناگ جانتا تھا کہ سانپ صرف اُسے دیکھ کر باہر نہیں آ رہا۔ اُس نے کچھ کہا۔ خاموش رہا۔ پھر سوچا کہ اس شخص پر اعتماد حاصل کرنے اور اسے دوست بنانے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ جھٹ بولا۔

"جناب میں اسے باہر نکال سکتا ہوں۔"

سپیرے نے نفرت سے ناگ کو دیکھا۔

"تم کون ہوتے ہو اتنے زہریلے سانپ کو باہر نکالنے والے؟"

ناگ نے کہا "تو پھر اگر تم ساری زندگی کوشش کرتے رہوگے تو اس پٹاری سے باہر لانے میں کامیاب نہ ہو سکوگے۔ چلو کوشش کرکے دیکھ لو۔"

سپیرے نے ایک بار پھر کوشش شروع کر دی۔ بار بار بین بجائی۔ پٹاری کو ہلایا جُلایا مگر سانپ بالکل نہ نکلا۔ جاگیردار نے غصے میں آکر کہا۔

"بدبختو! پٹاری کو فرش پر اُلٹ دو۔"

سپیرے نے پٹاری اُلٹ دی۔ سانپ فرش پر مُردہ سا ہو کر زمین پر لیٹا رہا۔ وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔

نے کہا۔

"جناب! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سانپ اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہیں کر رہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سپیرا اسے اٹھانے یں ناکام رہا ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں وشش کرکے اسے جنگل کی طرف بھگا دوں گا۔"

جاگیردار نے کہا۔

"کیا تم سانپوں کا فن جانتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"جی ہاں۔ تھوڑا تھوڑا جانتا ہوں۔"

جاگیردار نے اپنے آدمی کو پہرے سے ہٹانے کا حکم دیا اور ناگ سے کہا۔

"تم اگر اسے اٹھا سکتے ہو تو اٹھاؤ مگر یاد رکھو۔ اگر تم بھی ناکام رہے تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا تمہیں یہ شرط منظور ہے؟"

"جی ہاں منظور ہے۔"

"اس کی رسیاں کھول دو" جاگیردار نے حکم دیا۔

اسی وقت ناگ کے ہاتھ کی رسیاں کھول دی گئیں۔ ناگ نے اپنی زبان میں آنکھیں بند کرکے سانپ سے کہا۔

"میرے حکم سے اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کا اتنا کہنا تھا کہ سانپ پھن اٹھا کر زمین سے اوپر کھڑا ہو گیا۔ سارے لوگ حیران رہ گئے۔ جاگیردار نے تالی بجا کر کہا۔

"تم تو کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ تم نے یہ علم کس سے سیکھا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک بینی سپیرے سے سیکھا تھا۔"

جاگیردار نے دیکھا سانپ بھی ڈرا رہا تھا۔ پہلا سپیرا شرمندہ سا ہو گیا۔ اس نے اتنی کوشش کی تھی اور سانپ پل کے بعد بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا۔ اور اس شخص نے ایک ذرا سی بات کر کے سانپ کو اپنی جگہ پر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے دل میں آئی کہ اس شخص کو ذلیل کرنا چاہیے۔ اس نے کہا۔

"میرے پاس ایک سانپ ہے۔ اگر تم اس سے ڈسوا کر زندہ رہ گئے تو میں مان جاؤں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

جاگیردار بولا۔

"بہت خوب! ہم یہ دلچسپ تماشہ ضرور دیکھیں گے۔"

ناگ نے سانپ کو حکم دیا کہ وہ واپس پٹاری میں چلا جائے۔

سانپ نے اپنی زبان میں ناگ سے کہا

"اے ناگ دیوتا! اگر آپ حکم دیں تو میں اس سانپ کو جا کر کھا جاؤں جو آپ کو ڈسنے آ رہا ہے۔"

ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا

"اس میں بھلا اتنی جرأت ہو سکتی ہے۔ یہ تو میں خود مدوں کو کہ مجھے ڈسے۔ تاکہ ان لوگوں پر بھی اپنا لازوال ظاہر کروں۔ اب تم پٹاری میں چلے جاؤ۔"

"جو حکم ناگ دیوتا!"

سانپ واپس پٹاری میں چلا گیا۔ پٹاری بند کر دی گئی۔

سپیرے نے جاگیردار سے کہا۔

"حضور! یہ شخص کوئی معمولی شعبدہ باز ہے۔ سانپ سے باتیں کر کے آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حالانکہ آج کی سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے اور وہ کوئی بھی آواز نہیں سن سکتا۔"

جاگیردار نے کہا

"وہ سانپ نکالو تم۔ اور سنو اگر تمہارے سانپ کے زہر نے اس نوجوان پر کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہیں اسی سانپ سے ڈسوا دوں گا کیا تمہیں منظور ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سپیرے نے سوچا کہ یہ شخص تو سانپ کے ڈسے سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔ پھر اُس کے ڈسنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس اُس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے جناب عالی"

جاگیردار نے حکم دیا۔

"سانپ کو لایا جائے"

وہاں لوگوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ایک دائرے کی شکل میں فرش پر بیٹھ گئے۔ جاگیردار کرسی پر بیٹھا تھا۔ سپیرا اور ناگ بیچ میں آمنے سامنے زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھے تھے۔ سپیرے نے اپنے تھیلے میں ایک چاندی کی چھوٹی سی ڈبی نکالی۔ اسے ہاتھ میں لے کر جاگیردار سے کہا۔

"حضور! اس میں بالشت بھر کا ایک بڑا ہی خطرناک زہریلا سانپ ہے۔ کہتے ہیں یہ سانپ اگر کسی پتھر پر منہ مار دے تو پتھر پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔ میں ایک بار پھر اس نوجوان کی جوانی پر ترس کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ اگر یہ اب بھی اپنی ہار مان کر میرے آگے ہاتھ جوڑ دے تو میں اسے معاف کر دوں گا اور سانپ پٹاری میں رکھ لوں گا۔"

جاگیردار نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں نوجوان! کیا خیال ہے تمہارا؟ اب بھی سوچ لو۔"

رت ہے۔"

ن بڑے سکون سے بولا۔

میں نے سوچ لیا ہے جناب! میں سانپ سے اپنا
ڈسوانے کو تیار ہوں۔ لیکن مجھے ایک بات کی ضمانت
ن جائے کہ اگر سانپ نے مجھے کچھ نہ کہا یعنی مجھ پر اس
زہر کا اثر نہ ہوا تو پھر اس سپیرے کو ضرور اس سانپ
سے ڈسوایا جائے گا۔"

جاگیردار نے مکہ میز پر مار کر کہا۔

"ہم اس گاؤں کے بادشاہ ہیں۔ ہمارا کہا پتھر پر لکیر
ہے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ عمل
وع کیا جائے۔"

"جو حکم حضور۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

خونی تماشہ

سپیرے نے چاندی کی ڈبی ناگ کے آگے زمین پہ رکھ دی۔

"اسے کھولو اور سانپ کو ہاتھ میں پکڑ لو۔"

سپیرے کو معلوم تھا کہ جونہی ڈبی کھول کر ناگ نے سانپ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا سانپ نے اُچھل کر اُس کے ہاتھ پر ڈس لے گا اور پھر ناگ کا سارا بدن گوشت اور ہڈیوں کے ساتھ پانی بن کر ریت پہ بہہ جائے گا۔ چنانچہ اُس نے جاگیردار اور دوسرے ساتھیوں سے کہا۔

"جناب! آپ لوگ اپنی زندگی کا ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ نے کبھی کسی انسان کو پانی بن کر بہتے نہیں دیکھا ہوگا۔"

سب لوگ دم بخود بیٹھے تھے۔ جاگیردار بھی گھبرا گیا

ے یہ کھیل دیکھ رہا تھا جو واقعی زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ ے بھی یقین تھا کہ یہ نوجوان ناگ سانپ کے ڈسنے سے ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ مگر اُس نے جو اس کی یہ کرامت دیکھی تھی کہ ناگ کے حکم سے سانپ نے پٹاری سے نکلنے سے انکار کر دیا تھا تو سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ ناگ جیت جائے اور سپیرے کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بہرحال مقابلہ بڑا خطرناک تھا بلکہ خونی تھا۔

ناگ نے چاندی کی ڈبی کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ سپیرے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بولا۔

"اگر تمہاری کوئی آخری خواہش ہے تو بتا دو۔ کیونکہ ڈبی کے کھلنے کے بعد تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

ناگ نے سپیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر تمہاری زندگی کی کوئی آخری خواہش ہے تو اسے پورا کرو۔ کیونکہ اس کے بعد تمہاری باری آ رہی ہے۔"

ناگ نے ڈبی کو کھول دیا۔ اندر واقعی ایک بڑا ہی خوبصورت اور پتلا سانپ اپنا چھوٹا سا پھن اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ سارے لوگ سانس روکے بیٹھے تھے۔ جاگیردار آنکھیں نہیں جھپکا رہا تھا۔ سپیرے نے کہا۔

"اب اسے پکڑ کر باہر نکالو۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ نے بڑے آرام سے ڈبی کے اندر دو انگلیاں ڈالیں۔ سفید سانپ نے ایکدم محسوس کر لیا تھا کہ اس کے سامنے سانپ کا عظیم دیوتا بیٹھا ہے۔ اس نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور اپنی زبان میں کہا۔

"عظیم ناگ دیوتا کو سلام!"

"تمہیں بھی سلام سفید سانپ" ناگ نے کہا۔

سفید سانپ نے اپنی زبان میں پوچھا۔

"عظیم دیوتا! یہ لوگ آپ کی آزمائش کر رہے ہیں؟"

ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا۔

"ہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ سفید سانپ مجھے ڈس لے گا اور میں پانی بن کر بہہ جاؤں گا۔"

سفید سانپ نے ایک پھنکار ماری اور غصے میں کہا۔

"عظیم دیوتا! ان کی یہ جرأت؟ آپ حکم دیں تو میں ان سب کو ایک ایک کر کے ہلاک کر ڈالوں۔ میرے اندر اتنا زہر ہے کہ میں سارے گاؤں کو مار سکتا ہوں"

پھنکار کی آواز سپیرے اور جاگیردار نے بھی سنی۔ سپیرا بولا۔

"اب ڈرتے کیوں ہو؟ ہمت سے تم مرد بن کر سانپ کو پکڑ کر باہر نکالو"

سپیرے اور جاگیردار کو یقین ہو گیا تھا کہ ناگ اب بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ سفید سانپ کی پھنکار بڑی دہشت ناک تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے اور ناگ کو کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"صبر کرو۔ میں اسے باہر نکال رہا ہوں۔"

اور دوسرے ہی لمحے ناگ نے سفید سانپ کو دو انگلیوں کی مدد سے چاندی کی ڈبیا سے نکال کر اپنی ہتھیلی پر بٹھایا اور سفید سانپ کو حکم دیا۔

"پھن اٹھا کر لاؤ۔"

اس حکم کے ساتھ ہی سفید سانپ نے پھن اٹھایا اور ناگ کی ہتھیلی پر بڑے مزے سے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اور پھن لہرانے لگا۔ سپیرا، دوسرے لوگ اور جاگیردار بت بنے یہ خوفناک تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سپیرے کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سفید سانپ نے ناگ کو کچھ نہیں کہا۔ ناگ نے سفید سانپ کو ہتھیلی سے اٹھا کر اپنی گردن میں اس طرح لٹکا لیا کہ سانپ کا پھن ناگ کے آگے اٹھا ہوا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"جاگیردار صاحب کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا شرط

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے مطابق اب سپیرے کو اس سانپ کو نہیں پکڑنا چاہیے۔"
جاگیردار نے کہا۔

"ضرور — شرط پوری ہو کر رہے گی"

سپیرے کی جان ہوا ہو رہی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا کاٹو تو اس کے بدن میں لہو نہیں تھا۔ اُس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"معاف کر دو مجھے"
جاگیردار نے کڑک کر کہا۔

"شرط پوری ہو کر رہے گی۔ یہی ہمارا اصول ہے۔ سانپ سپیرے کو دیا جائے"

ناگ نے سانپ چاندی کی ڈبیا میں رکھ دیا اور ڈبی سپیرے کی طرف بڑھا کر کہا۔

"اب شرط کے مطابق تم اس ڈبی کو کھول کر سانپ باہر نکالو۔"

سپیرا کانپ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ خوف کے مارے خشک ہو رہے تھے۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے نوجوان! میں اس ملک کا ایک پرانا سپیرا ہوں۔ ساری زندگی سانپوں سے کھیلتا رہا ہوں۔ میں تم سے اپنی گستاخی کی معافی مانگتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ

مجھے معاف کر دیا جائے۔ مجھے
کبھی بڑا بول نہیں بولوں گا۔
معاف کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سانپ میری زندگی
ے کر رہے گا۔"

ناگ کے دل پر سپیرے کی اس فریاد کا اثر ہو گیا۔ اس نے جاگیردار سے کہا۔

"جناب! میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سپیرے کی جان بخشی کر دی جائے اور اس کے بڑھاپے پر رحم کیا جائے۔"

جاگیردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

انہوں نے سپیرے کی طرف دیکھا جو تھر تھر کانپ رہا تھا اور ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ سب کو اس کے بڑھاپے پر ترس آ گیا۔ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے اس بوڑھے پر رحم کیا جائے۔ اسے معاف کر دیا جائے۔"

جاگیردار نے کہا۔

"ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ دفع ہو جاؤ میرے گاؤں سے۔"

پھر اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اے نوجوان! آج سے تم میرے خاندان کے سپیرے ہوگئے۔ ہمارے خاندان میں ایک نہ ایک سپیرا ضرور رہا ہے۔ اگر تم قبول کرو تو میں تمہیں ایک ہزار روپے مہینہ تنخواہ دوں گا اور کھانے اور رہائش کا انتظام بھی میں ہی کروں گا۔"

ناگ یہی چاہتا تھا کہ اسے اس حویلی میں رہنے کا موقع ملے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ احمد کے ماں باپ کس تہہ خانے میں قید ہیں۔ اس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے جناب! آپ نے میری جو قدر کی ہے، اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"شاباش! آج سے تم ہمارے خاندانی سپیرے ہوگئے اور ہم جس قسم کا سانپ کہیں تمہیں صحرا سے پکڑ کر لانا ہوگا۔"

"ایسا ہی ہوگا جناب۔"

"مگر تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

ناگ نے کہا "میرا نام ناگ ہے۔"

جاگیردار بولا۔

"بڑا دلچسپ نام ہے۔ بالکل سانپوں جیسا نام ہے۔"

پھر اس نے حکم دیا کہ ناگ کو حویلی کی سب سے اوپر والی منزل میں لے جا کر ایک کمرہ دے دیا جائے۔

ناگ اپنے کمرہ میں آگیا۔ چھوٹا سا کمرہ تھا مگر آرام کی ہر شے

موجود تھی۔ ناگ نے آتے ہی سب سے پہلے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کیے۔ کھانا کھایا۔ کچھ کھانا ایک مٹی کے برتن میں ڈال کر ساتھ لیا۔ اور سیدھا گاؤں سے نکل کر اس ٹیلے پر آگیا جس کے غار میں احمد انتظار کر رہا تھا۔

احمد نے ناگ کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ ناگ نے اسے ساری داستان سنائی۔ پھر اسے کھانا کھلایا۔ وہ اس کے لیے کپڑے اور قالین کا ایک ٹکڑا بھی لایا تھا۔ قالین کا ٹکڑا اس نے زمین پر بچھا دیا اور کہا۔

"تم یہاں اطمینان سے آرام کرو۔ میں آج ہی رات تمہارے ماں باپ کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔ انشاءاللہ تمہیں ایک دن سے زیادہ اس غار میں نہیں رہنا پڑے گا۔ اچھا اب تم کھانا کھا چکے ہو آرام کرو۔ میں رات کا کھانا بھی چھوڑے جا رہا ہوں۔ پانی بھی تمہارے پاس صراحی میں موجود ہے۔ میں کل دن میں آؤں گا اور خدا نے چاہا تو اپنا کام ختم کر کے آؤں گا۔"

ناگ شام ہونے تک ہی واپس حویلی میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ شام کا کھانا اسے ایک نوکر دینے آیا۔ اس نے نوکر سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ احمد کے ماں باپ کس جگہ قید ہیں؟

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اُس نے نوکر سے کہا۔

"بڑی شاندار حویلی ہے۔ مَیں نے ایسی حویلی کہیں نہیں دیکھی۔"

نوکر نے کہا۔

"ہمارا مالک کروڑ پتی ہے۔ مالک ہے اس سارے علاقے کا۔"

ناگ نے کہا۔

"مَیں نے سُنا ہے کہ اِس علاقے کے لوگ اپنے گھروں کے نیچے تہہ خانے ضرور بناتے ہیں۔ کیا اِس حویلی میں بھی کوئی تہہ خانہ ہے؟"

نوکر کچھ رُکا۔ پھر بولا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

نوکر نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ مَیں نے یہاں کبھی کوئی تہہ خانہ نہیں دیکھا۔"

اور نوکر جلدی سے باہر نکل گیا۔ نوکر اپنے مالک کا بڑا وفادار تھا۔ اُس نے جاتے ہی جاگیردار سے جا کر ساری بات

کر دی کہ ناگ اُس سے کُرید کر تہہ خانے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جاگیردار کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے ماتھے پر بَل ڈال کر پوچھا۔

"کوئی اور بات بھی پُوچھی تھی اس سپیرے نے؟"

نوکر بولا۔

"نہیں حضور! بس یہی پوچھ رہا تھا کہ اِس حویلی میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کہ نہیں؟"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

جاگیردار نے اپنے خاص آدمی یاقوت کو بُلا کر کہا۔

"مجھے اِس سپیرے ناگ پر کچھ شک سا پڑ گیا ہے۔ وہ ہمارے حویلی کے تہہ خانے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ دوستی ڈال کر پتہ کرو کہ یہ شخص کون ہے اور یہاں کیا کرنے آیا ہے؟"

"جو حکم سردار!"

یاقوت چلا گیا۔ اُس نے وہاں سے ناگ کی حویلی کا رُخ کیا۔ ناگ شام کے کھانے کے بعد آرام کر رہا تھا اور احمد کی ماں اور اُس کے باپ کے بارے میں سوچ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہا تھا کہ یاقوت نے اندر آ کر کہا۔

"بھائی ناگ کیا کر رہے ہو؟"

اور وہ ناگ کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ایک آہ بھر کر بولا۔

"تم خدا جانے کیا سوچ کر یہاں آ گئے ہو۔ خدا کی قسم میں تو اِس گاؤں میں رہتے ہوئے تنگ آ گیا ہوں۔"

ناگ نے پوچھا۔

"کیا تم اِس ملک کے نہیں ہو؟"

یاقوت بولا۔

"نہیں بھائی! میں تو ملک سوڈان کا ہوں۔ میرے بیوی بچے بھی سوڈان میں رہتے ہیں۔ جب سے آیا ہوں یہاں پھنس کر رہ گیا ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تم اپنے بچوں کو اپنے پاس کیوں نہیں بُلا لیتے؟"

یاقوت نے کہا۔

"آہ! یہ جاگیردار بڑا ظالم ہے۔ نہ مجھے جانے دیتا ہے نہ بچوں کو یہاں بُلانے کی اجازت دیتا ہے۔"

پھر ناگ کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"خدا کے لیے میری بات جاگیردار کو نہ بتانا۔ نہیں تو

یری گردن مار دے گا۔ میں نے تمہیں اپنا بھائی سمجھ کر پنے دل کا حال بیان کر دیا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

ناگ نے سوچا کہ اس شخص کو اپنا رازدار بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ جاگیردار کے خلاف ہے۔ ناگ اِس شخص کے قریب میں آ گیا تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"یہ شخص کام کیا کرتا ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

"کیا کام کرتا ہے۔ بس لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے جیل خانے بھی بناتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو پکڑ کر قید ں ڈال دیتا ہے جہاں وہ سسک سسک کر تے ہیں۔"

ناگ نے پوچھا۔

"سُنا ہے اِس نے اپنے تہہ خانے میں کچھ لوگوں کو قید کر رکھا ہے۔"

یاقوت بولا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں... کہ اس نے خاص تہہ خانہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کام کے لیے بھجوایا ہے۔"

اب ناگ نے سوچا کہ اس سے احمد کے ماں باپ کے بارے میں بھی پوچھ لینا چاہیے۔ اُس نے کہا۔

"کیا یہاں کسی تہ خانے میں کوئی بوڑھے میاں بیوی بھی قید ہیں؟"

یاقوت خبردار ہو گیا۔ جاگیردار کا شک بالکل ٹھیک تھا۔ اُس نے سوچا۔ یہ سپیرا ناگ تو جاسوس ہے۔ یاقوت نے جھوٹ موٹ ڈرتے ہوئے کہا۔

"ناگ بھائی! پہلے وعدہ کرو کہ تم کسی سے بات نہیں کرو گے۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو جاگیردار میری کھال کھنچوا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"میں نے کہہ جو دیا کہ کسی سے بات نہیں کروں گا۔ تم بے فکر ہو کر بتاؤ مجھے۔"

یاقوت بولا۔

"ہاں! اُس نے ایک میاں بیوی کو تہ خانے میں قید رکھا ہے اور انہیں دو ایک دن میں مروا ڈالے گا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"ان کے ساتھ جاگیردار کی کیا دشمنی ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

"جاگیردار نے اُن کی زمین اپنے قبضے میں کر لی ہے اور اب انہیں ختم کر کے زمین اپنے نام لکھوانا چاہتا ہے۔"

"لیکن سُنا ہے کہ ان لوگوں کا ایک لڑکا احمد بھی ہے۔ کیا وہ اپنی زمین پر دعوے نہیں کر دے گا؟"

یاقوت چونکا۔ اس ناگ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اُس نے کہا۔

"تم نے ٹھیک سُنا ہے ناگ بھائی، احمد ایک لڑکا ہے ان کا۔ جاگیردار اس کی تلاش میں لگا ہے۔ مگر اس کا کہیں پتہ نہیں چل رہا۔ اس نے احمد کو مروانے کی کوشش کی تھی مگر معلوم ہوا کہ احمد بچ کر نکل گیا۔ بعد میں صحرا میں کسی طرف نکل گیا ہے۔ لیکن جاگیردار کا خیال ہے کہ وہ صحرا میں بھٹک کر مر گیا ہوگا۔"

ناگ نے کہا۔

"وہ زندہ ہے۔"

یاقوت تو دنگ رہ گیا کہ یہ ناگ تو بڑا خاص آدمی ہے اور خاص مشن پہ آیا ہے۔ اس نے پوچھا۔

"کیا سچ کہتے ہو کہ احمد زندہ ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ہاں! مگر میں بتاؤں گا نہیں کہ وہ کہاں ہے!"

یاقوت نے سوچا کہ ناگ کے ساتھ دوستی جتا کر ہی پتہ کیا جا سکتا ہے کہ احمد کہاں ہے۔ اُس نے کہا۔

"ناگ بھائی! بے شک نہ بتاؤ۔ خدا نے چاہا تو احمد بچ جائے گا۔ مگر یہ جاگیردار بڑا ظالم ہے۔ کم بخت کے جاسوس سارے ملک میں پھیلے ہیں۔ یہ ضرور پتہ کروا کر چھوڑے گا کہ احمد کہاں ہے اور پھر اسے مروا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"نہیں۔ احمد ایسی جگہ پر ہے کہ اس جاگیردار کا باپ بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔"

یاقوت نے کہا

"میں کہتا ہوں کہ اگر احمد زمین کے اندر بھی ہوگا تو یہ جاگیردار اسے نکلوا لے گا۔ تم اسے نہیں سمجھتے۔ میں اسے جانتا ہوں کہ اس کے وسیلے بڑے ہیں۔"

اصل میں یاقوت ناگ کو گرمی اور تاؤ دلا کر اس کے منہ سے یہ نکلوانا چاہتا تھا کہ احمد فلاں جگہ پر ہے۔ ناگ آخر اس کے فریب میں آ ہی گیا۔ یاقوت نے سرگوشی میں کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

"ہم دونوں اِس جاگیردار سے خوش نہیں ہیں۔ تم نئے نئے آئے ہو۔ کچھ دن رہو گے تو تمہاری زندگی بھی یہاں حرام ہو جائے گی۔ اِس لیے میرے ساتھ مل جاؤ۔ ہم اِس جاگیردار کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے اکیلے مل جانے سے کام نہیں بنتا۔"

یاقوت نے جلدی سے کہا۔

"اِس کی فکر نہ کرو۔ سارے لوگ اندر سے جاگیردار کے خلاف ہیں۔ وہ صرف اِس کے منہ پر ایسا نہیں کہتے اور پھر انہیں معلوم ہے کہ یہاں اُن کا ساتھی کوئی نہیں ہے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہم بھی باغی ہیں تو وہ سارے کے سارے ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔"

ناگ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میدان صاف ہو رہا تھا اور وہ اپنی منزل پر پہنچنے والا ہے۔ اُسے نہیں خبر تھی کہ وہ یاقوت بلکہ جاگیردار کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔ ناگ نے کہا۔

"ہاں اگر سب ہمارے ساتھ مل کر حملہ کریں تو ہم اس محل پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"

یاقوت نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم کسی جگہ چھپ کر اپنی طاقت کو اکٹھا کریں اور پھر حملہ کریں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں ہم چھپ کر حملے کی تیاری کر سکیں۔"

ناگ نے کہا۔

"میرے پاس ایک جگہ ہے۔"

"کیا تم مجھے دکھا سکتے ہو؟"

ناگ نے کچھ سوچا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ یہ بے چارا تو خود جاگیردار کے ظلم سے تنگ آیا ہوا ہے اس پر بھروسہ کر لینا چاہیئے بلکہ اس سے مل کر ہی ہم جاگیردار کو ختم کر کے تہہ خانے سے احمد کے ماں باپ کو نکال سکتے ہیں۔ ناگ نے کہا

"ہاں! آدھی رات کو میرے ساتھ چلنا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ابھی سوائے تمہارے اس خاص جگہ کی کسی کو خبر نہ ہو۔"

یاقوت نے کہا۔

"کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

یاقوت نے سلام کیا اور کوٹھڑی سے نکل کر سیدھا جاگیردار کے پاس آ گیا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اس نے ناگ

کا سارا راز اگلوا لیا ہے۔ جب جاگیردار کو پتہ چلا کہ یہ ناگ محل میں جاسوس ہے اور اس کی حویلی کو تباہ کرنے اور اس کے دشمن احمد کے ماں باپ کو فرار کروانے آیا ہے تو غصے سے اُس کی لال آنکھیں اور لال ہو گئیں۔ اُس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ابھی میرا ایک دشمن مفرور ہے۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ ناگ کو ضرور معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ بس تم اس کے ساتھ میٹھا بن کر پتہ کرو کہ وہ کہاں پر قید ہے۔ ابھی ناگ کو اپنے اعتماد میں ہی رکھنا۔"

"ٹھیک ہے جناب! ایسا ہی ہوگا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوست دشمن

ناگ اپنے بھولپنے سے جال میں پھنس گیا تھا۔

آدھی رات کو یاقوت چپکے سے ناگ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ناگ نے اُسے اندر بُلا کر بٹھایا اور کہا۔

"اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میری باتیں کسی کو نہیں بتاؤ گے اور تہہ خانے سے احمد کے ماں باپ کو نکلوانے میں میری مدد کرو گے تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ بلکہ اس گاؤں کا جاگیردار بنا دوں گا۔"

یاقوت نے کہا۔

"میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے تمہاری باتوں کا ذکر نہ کروں گا۔ ویسے بھی بھائی ناگ! میں بھلا کسی کو بتا سکتا ہوں کہ ہم مل کر جاگیردار کے ظلم کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے چند ایک ساتھیوں سے بات کی تھی۔"

"پھر وہ کیا کہنے لگے؟" ناگ نے پوچھا۔

"وہ بڑے خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس جاگیردار سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ناگ سے کہو کہ ہماری راہنمائی کرے۔"

ناگ بڑا خوش ہوا۔ بولا۔

"ہم بہت جلد اس ظالم جاگیردار کا تختہ اُلٹ دیں گے۔"

یاقوت نے کہا۔

"مگر بھائی ناگ! ہمیں کوئی ایسی خفیہ جگہ چاہیے جہاں ہم چھپ کر گولہ بارود جمع کر سکیں اور پھر تیاری کر کے ایک دن گاؤں پر حملہ کر دیں اور اس ظالم جاگیردار کو ختم کر کے لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں۔"

ناگ نے کہا۔

"جگہ میرے پاس بڑی اچھی ہے۔ ابھی چل کر تمہیں دکھاتا ہوں۔ وہاں تم ایک دوست کو دیکھ کر خوش ہو گے۔"

"کونسا دوست؟ کیا وہاں ہمارا کوئی ساتھی پہلے سے موجود ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یاقوت کے اس سوال پر ناگ نے کہا۔

"تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جاگیردار کا دشمن نمبر ایک احمد بھی اس غار میں چھپا ہوا ہے۔"

یاقوت واقعی خوشی سے اُچھل پڑا۔ یہی تو وہ معلومات تھی جسے حاصل کرنے کے لیے جاگیردار سے اُسے ناگ کے پاس بھیجا تھا۔ اُس نے کہا۔

"تو پھر جلدی چلو۔ مجھے احمد سے مل کر بڑی خوشی ہوگی"

ناگ نے پھر تاکید کی۔

"مگر ایک بات کا وعدہ کرنا ہوگا کہ یہ راز سوائے ہمارے آپس کے آدمیوں کے دوسرے کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔"

"نہیں بھائی۔ بھلا ہم اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار سکتے ہیں؟"

"کہیں جاگیردار کے آدمیوں میں کوئی ان کا جاسوس تو نہیں ہے؟ ہمیں اس کا بھی بہت خیال رکھنا ہوگا۔ کیونکہ ایک جاسوس ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے۔"

یاقوت بولا۔

"توبہ کرو ناگ بھائی! سارے آدمیوں کو میں اچھی

جانتا ہوں۔ وہ سارے کے سارے جاگیردار کے ستائے ہوئے ہیں۔ بڑے غریب اور لوگ ہیں۔ وہ کبھی جاگیردار کے لیے جاسوسی نہیں سکتے۔"

ناگ نے کہا۔

"بہرحال تمہیں خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں کب کوئی آدمی جاسوس بن جائے۔ جاسوس ے نہیں آیا کرتے اپنے اندر ہی سے بنائے جاتے ہیں۔"

"نہیں بھائی ہمارے آدمیوں میں کوئی جاسوس نہیں ہے۔ اب ایسا کرو کہ جلدی سے مجھے چل کر وہ جگہ دکھا دو تاکہ کل سے وہاں اسلحہ جمع کرنا شروع کر دیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔ ہمیں حویلی کے کسی خفیہ راستے سے باہر نکلنا ہوگا۔" ناگ نے کہا۔ "کیا یہاں کوئی خفیہ جہاں سے داخل ہوتے اور واپس آتے ہوئے ہمیں کوئی نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ میں اس حویلی کے جاسوسوں پوری طرح باخبر رہنا چاہتا ہوں۔"

یاقوت نے کہا۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں جاسوس ہوں؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ نے کہا۔

"ارے نہیں توبہ کرو۔ یاقوت بھائی تم پر تو میں زندگی میں کبھی شک کر ہی نہیں سکتا۔ میں تو ایک اصول کی بات کر رہا تھا کہ ہمیں جاسوسوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی خفیہ راستہ ہے؟"

یاقوت بولا۔

"ہاں! میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

یاقوت نے ناگ کو ساتھ لیا اور حویلی کی پہلی منزل پر آکر ایک دروازے میں داخل ہوا۔ اس کے اندر ایک راہداری تھی جہاں اندھیرا تھا۔ یہاں سے گزرے تو سامنے ایک دروازہ آگیا۔ یاقوت نے آگے بڑھ کر دروازے کا تار کھول کر کیواڑ کھولا تو سامنے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا۔ ناگ نے پوچھا۔

"کیا یہاں سے باہر راستہ جاتا ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

"شی! خاموش رہو۔ پہرے دار نے سُن لیا تو ابھی ہماری گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ ہاں۔ یہاں سے باہر کو راستہ جاتا ہے۔"

یاقوت نے ناگ کو حویلی سے باہر پہنچا دیا۔ یہاں سے

ایک چھوٹا سا ویران رستہ باہر صحرائی میدانوں کی طرف جاتا تھا۔ کہیں کہیں کھجوروں کے خوبصورت جھنڈ بھی تھے جو رات کو بڑے پُراسرار سے لگ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے دو تین جن بال کھولے کھڑے ہوں۔

"اب بتاؤ کہ ہمیں کس طرف جانا ہے۔" یاقوت نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"یہاں سے تھوڑی دور ایک خشک ٹیلا ہے ہمیں اُس ٹیلے تک جانا ہوگا۔"

"ایک ٹیلہ تو وہ سامنے نظر آرہا ہے۔"

"ہاں وہی ہوگا میرے خیال میں۔ وہاں چل کر معلوم کرتے ہیں۔"

دونوں ٹیلے کے پاس پہنچے تو رات کے اندھیرے میں ٹیلے کو غور سے دیکھنے کے بعد ناگ نے کہا۔

"یہی وہ ٹیلہ ہے۔ اب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ یہاں ایک غار کا دروازہ ہے۔ ہمیں اس دروازے تک پہنچنا ہے۔"

دونوں ٹیلے کا چکر لگانے لگے۔ اندھیرے میں بہت کم نظر آرہا تھا۔ آسمان پر چاند بھی نہیں تھا۔ آخر ناگ نے غار کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"دروازہ تلاش کر لیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے جھاڑیاں پرے ہٹائیں اور یاقوت کو ساتھ لے کر غار کے اندر چلا گیا۔ اندر احمد سو رہا تھا۔ اس کے پاس ہی پتھر پر ایک موم بتی دھیمے دھیمے جل رہی تھی۔ وہاں اس کی ہلکی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یاقوت احمد کو پہچانتا تھا۔ اسے اپنے سب سے بڑے دشمن کو پتھروں پر سوتا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ اس پر جھک گیا۔

"کہیں یہ مر تو نہیں گیا؟"

ناگ ہنسا۔

"نہیں یہ ابھی نہیں مر سکتا۔ یہ زندہ ہے اور جاگیردار کو مارنے کے لیے ہمارے ساتھ زندہ رہے گا۔"

ناگ نے احمد کو اٹھا دیا۔ اس نے آنکھیں مل کر روشنی میں یاقوت کو دیکھا تو چیخ مار کر بولا۔

"ناگ بھائی! یہ تو جاگیردار کا آدمی ہے۔ اس کو تم کہاں سے لے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں بھائی احمد۔ یہ شخص اب ہمارا ساتھی ہے۔ یہ خود تمہاری طرح جاگیردار کے ظلم سے

تنگ آیا ہوا ہے۔"

احمد بولا۔

"مجھے اس شخص سے خوف آتا ہے۔ کیونکہ اسی نے میرے ماں باپ کو گھسیٹ کر تہہ خانے میں پھینکا تھا۔"

یاقوت نے جلدی سے گڑگڑا کر کہا۔

"بھائی احمد! تم جانتے ہو کہ میں ایک غریب انسان ہوں۔ میں تو حکم کا غلام ہوں۔ اگر میں نے تمہارے ماں باپ کو قید میں ڈالا تھا تو میں مجبور تھا۔ حکم کا بندہ تھا۔ مگر اب مجھے ہوش آگیا ہے۔ اب میں بھی تمہاری طرح جاگیردار سے بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ اب تم مجھے اپنا دوست اور جاگیردار کا دشمن سمجھو۔"

احمد آخر ایک بچہ تھا۔ اگر ناگ ایسا سمجھدار آدمی مکار یاقوت کی چال میں آ سکتا تھا تو احمد بھی آ سکتا تھا۔ احمد کو بھی یقین ہو گیا کہ یاقوت واقعی جاگیردار کا دشمن اور ان کا دوست ہے۔ اس نے کہا۔

"کیا میرے ماں باپ زندہ ہیں؟"

یاقوت بولا۔

"بالکل زندہ ہیں اور میں انہیں چھپ کر کھانے پینے کو دے دیا کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے اب انسانوں پر ظلم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوتا نہیں دیکھا جاتا۔"

احمد نے کہا۔

"تو پھر میرے ماں باپ کو چھڑا کر یہاں سے آؤ۔"

یاقوت بولا۔

"اسی کے لیے تو ہم یہ سارا کچھ کر رہے ہیں۔ ہمیں تمہارے ماں باپ کو بھی رہا کرانا ہے۔ دوسرے قیدیوں کو بھی رہا کرانا ہے جو موت کا انتظار کر رہے ہیں اور جاگیردار کو بھی ٹھکانے لگا کر حویلی پر قبضہ کرنا ہے۔"

احمد بڑا خوش ہوا۔

"ہمیں یہ سب کچھ بہت جلدی کرنا چاہیے۔"

یاقوت نے کہا۔

"بس کل پرسوں تک حملہ کر دیں گے۔"

ناگ بولا۔

"میں یاقوت کو یہ جگہ دکھانے لایا تھا۔ ہم کل سے یہاں بھاری اسلحہ جمع کر رہے ہیں۔ پرسوں ہم حویلی پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے ماں باپ کو بھی چھڑا کر لے آئیں گے۔"

احمد خوش تھا۔ یاقوت بھی خوش تھا کہ اُسے اپنے مالک جاگیردار کے آگے سرخرو ہونے کا موقع ملا۔ اب وہ اس کا

وہ یہ بھی کر رہے گا اور جاگیردار اُس کی ترقی بھی کر دے گا۔

نے ناگ سے کہا۔

"بھائی ناگ! اب ہمیں چلنا چاہیے تاکہ رات ہی رات میں دوسرے ساتھیوں سے بھی بات طے کر لوں۔ اور کل سے ہم چوری چھپے حویلی سے گولیاں اور بندوقیں لا کر یہاں جمع کرنا شروع کر دیں۔"

"ٹھیک ہے آؤ چلتے ہیں۔ احمد تمہیں کسی شے کی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں بھائی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کھانے کو بھی ہے اور پانی بھی موجود ہے۔ بس اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں اور پرسوں میرے ماں باپ خیر خیریت سے یہاں بیٹھے ہوں گے۔"

"انشاء اللہ!" ناگ نے کہا۔

دونوں رات کے اندھیرے میں ہی غار سے نکل گئے۔ حویلی میں آکر ناگ اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا اور یاقوت سیدھا جاگیردار کی خواب گاہ میں آیا اور اس نے آتے ہی سارا کچھ اسے بتا دیا۔ جاگیردار تو حیران رہ گیا کہ یہ ناگ ایک زبردست سازش کرنے والا آیا تھا۔ اس نے [illegible] کرا کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں ابھی جا کر احمد کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔"

یاقوت نے کہا

"میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے"

"ہرگز نہیں۔ میں ابھی جا کر اپنے دشمن کے خون سے پیاس بجھاؤں گا۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ کو ختم کروں گا۔ چلو اٹھو چلو میرے ساتھ غار کی طرف۔"

یاقوت نے جاگیردار کو ساتھ لیا اور ڈھلتی رات کے اندھیرے میں ستاروں کی دھیمی روشنی کا سہارا لیتے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب اُدھر ایسا ہوا کہ ناگ کے جاتے ہی احمد نے سونے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہ سوچ کر وہ بڑا خوش ہو رہا تھا کہ دو ایک دنوں میں وہ اپنے پیارے ماں باپ کے پاس ہوگا۔ اتنے میں اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے پھنکار ماری ہو یہ ایک صحرائی سانپ کی آواز تھی۔ احمد اس آواز سے واقف تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ موم بتی کی روشنی میں ایک سفید سانپ جس کے سر پر زرد داغ تھے، پھن پھیلا کر س کے سامنے آ گیا اور احمد کو ڈسنے کی تیاریاں کرنے لگا

احمد نے جلدی سے جیب سے ناگ کا رومال نکال کر

پ کے آگے پھینک دیا۔ رومال نے تو گویا جادو کا کام کیا۔ ی کے گرتے ہی سانپ نے پھن سکیڑ لیا اور جھک کر رومال کو سجدہ کیا اور پھر احمد کے گرد چکر لگانے لگا۔ جیسے اس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا ہو۔ احمد نے کہا۔

"کیا تم مجھے کچھ نہیں کہو گے نا!"

سانپ نے سامنے آ کر احمد کے آگے سر جھکا دیا۔ احمد وش ہوا۔ سانپ نے احمد کے گرد چھ سات بار چکر گائے اور پھر اس ایک کونے میں جا کر پہرہ دینے لگا۔ وہ ھیرے میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف احمد کو اس کا سایہ کھائی دے رہا تھا۔

اتنے میں جاگیردار کو لے کر یاقوت بھی غار کے دروازے پر پہنچ گیا۔ احمد نے آہٹ سنی تو آواز دی۔

"ناگ بھائی! کیا یہ تم ہو!"

اور پھر اُس کے سامنے جاگیردار اور یاقوت ہاتھوں میں خنجر لیے کھڑے تھے۔ جاگیردار نے گرج کر کہا۔

"بدنصیب! اب ناگ کو بھول جاؤ۔ اپنے ماں باپ کو بھی بھول جاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری گھڑی ہے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

احمد سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ سازش ہوئی ہے۔ آہ!

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اُس کا خیال درست تھا کہ یاقوت جاگیردار کا ساتھی ہے اور اس نے ساتھ مل کر سازش کر رہا ہے۔ آخر ناگ اس سازش میں پھنس گیا اور اس نے اُسے بھی اپنے ساتھ پھنسا لیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر شے ٹوٹ چکی تھی۔ زندگی کی شمع ٹمٹمانے لگی تھی۔

جاگیردار نے یاقوت کو حکم دیا۔

"یاقوت آگے بڑھو۔ احمد کی گردن کاٹنے کی خوشی تم حاصل کرو۔"

"جو حکم حضور۔"

اور یاقوت خنجر ہاتھ میں لے کر احمد کی طرف بڑھا۔ احمد خود بھی اس بات کو بھول گیا تھا کہ ناگ کے دیوتا ہونے کی وجہ سے سفید سانپ پر فرض ہو گیا تھا کہ جس کے پاس ان کے دیوتا کا رومال ہے اُس کی جان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ سانپ کونے میں کنڈلی مار کر بیٹھا احمد کی حفاظت کر رہا تھا اور یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

جب سفید سانپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ناگ دیوتا کے بھائی کی طرف خنجر لے کر بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ وہیں سے چھلانگ لگا کر اُچھلا اور یاقوت کی گردن پر آکر ڈس دیا۔ اس کے زہر نے حیرت انگیز کام کیا

وت کا سارا جسم ایک دم سے سُن ہو گیا۔ اُس کے ہاتھوں پیروں سے طاقت چلی گئی اور وہ کھڑے درخت کی طرح مین پر گر پڑا۔

یہ دیکھ کر جاگیردار نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی کہ بھاگتے بھاگتے وہ احمد کے سینے پر خنجر پھینک جائے۔ مگر سانپ بھلا اُسے کب مہلت دے سکتا تھا۔ اپنے عظیم دیوتا کے بھائی کی جان بچانا تو اس کا مقدس فرض تھا۔ پس یاقوت سے فارغ ہوتے ہی سانپ نے دوسری چھلانگ لگائی اور جاگیردار کے تھے پر آکر ڈس دیا۔

جاگیردار کے ماتھے پر سانپ کی زبان لگی۔ بس اُسے یہی محسوس ہوا جیسے ماتھے پر زبان لگی ہے۔ اصل میں پ نے دانتوں کے ذریعے اپنا باقی کا سارا خطرناک زہر بھی جاگیردار کے خون میں داخل کر دیا تھا۔ جاگیردار کا ہاتھ لرزا۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پھر سارا جسم لرزنے لگا اور پھر اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اور وہ دھڑام سے رش پر گر پڑا۔ احمد اُٹھ کر دونوں لاشوں کے قریب آیا۔ اس نے سانپ کی طرف تشکر کے انداز میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیکھی اور پھر کہا۔

"میرے محسن! اب اپنے عظیم دیوتا ناگ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ میرے پاس آئے اور اپنے دوست دشمن کا حال دیکھے۔"

احمد نے ناگ کا دیا ہوا رومال سانپ کو سُنگھا دیا۔ رومال کو سُونگھتے ہی سانپ غار سے باہر نکل گیا۔ اب اُسے صاف صحرا میں ناگ دیوتا کی بُو آ رہی تھی۔ سانپ تیزی سے صحرا میں بھاگتا چلا گیا۔ آخر صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ حویلی کی اوپر والی منزل پر آگیا کیونکہ یہاں سے بڑی تیز بُو آ رہی تھی۔ ناگ اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے کوئی اُس کے دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر دروازے کے قریب ہو کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

دوسری طرف سے سفید سانپ نے اپنی زبان میں کہا

"اے عظیم ناگ دیوتا! میں ہوں آپ کا غلام۔"

ناگ بڑا حیران ہوا کہ صحرا کا سانپ یہاں اس وقت کیسے آگیا؟ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک سفید سانپ نے سر جھکا دیا۔ ناگ نے اُس کی زبان میں

وہاں رات کو آنے کا مقصد پوچھا۔ سفید سانپ نے ساری کہانی بیان کر دی۔ اب ناگ کی آنکھیں کھلیں۔ سانپ نے کہا۔

"آپ کے چھوٹے بھائی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"چلو میرے ساتھ۔"

ناگ نے اُڑن سانپ کا رُوپ دھارا اور سفید سانپ کو کندھے پر اُٹھا کر اُڑتا ہوا غار والے ٹیلے کے پاس آگیا یہاں اُس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کی اور غار کے اندر جا کر احمد سے ملا۔ احمد نے کہا۔

"آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ یاقوت جاگیردار سے مل کر ہم سب کو مروانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

اس کا ثبوت یاقوت اور جاگیردار کی لاشیں تھیں جو اندر پڑی تھیں اور موم بتی کی روشنی میں ان کا بُرا حال صاف نظر آ رہا تھا۔ ناگ نے شرمندگی سی محسوس کی کہ وہ عقل مند ہوتے ہوئے ایک مکار شخص کی مکاری میں آگیا۔ کہنے لگا۔

"احمد! میں مانتا ہوں کہ مجھ سے حماقت ہو گئی۔ دشمن پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ دشمن کا ساتھی بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔"

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

احمد نے پوچھا۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ ظاہر ہے دوسرے لوگ بھی جاگیردار کے ساتھی ہیں اور ہمارے دشمن۔ میرے ماں باپ کب میرے پاس آئیں گے؟"

ناگ نے گردن اٹھا کر کہا۔

"احمد! گھبراؤ نہیں۔ اب میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔ تمہارے ماں باپ کو میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

احمد نے کہا۔

"مگر تم اکیلے ہو بھائی جان!"

"میں ان ظالموں کے لیے اکیلا ہی کافی ہوں۔"

ناگ نے اتنا کہہ کر سفید سانپ کو اپنے ساتھ لیا اور غار سے نکل کر حویلی کی طرف چل پڑا۔ اس وقت دن کی چلچلاتی روشنی میں جاگیردار کی بھیانک حویلی کی برجی دور سے صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا کر بھی احمد کے ماں باپ کو قید سے رہا کروا کر ہی لائے گا۔

- کیا احمد کے ماں باپ رہا ہو سکے؟
- برفانی صحراؤں میں عنبر پر کیا گزری؟
- ماریا جاپانی سمندر میں کہاں تک گئی؟

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اقرا الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیروں کی چوری

اے حمید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

80/

موت کا تعاقب ۴۶

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ہیروں کی چوری

مکمل

اے حمید

ملک بک سنٹر اینڈ لائبریری
[illegible]

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس ۶ علا ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اول، ۱۹۷۹ء
قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

فہرست

ممی کا تابوت

⁂ ممی کا تابوت ۵
⁂ کون روتا ہے ؟ ۲۳
⁂ ہیروں کی چوری ۴۴
⁂ دوسرا ڈاکہ ۶۱
⁂ سانپ کی پھنکار ۸۱
⁂ صحرا میں چیخ حمید ۱۰۰

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پیارے بچو!

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ نے سفید سانپ کو ساتھ لیا تھا اور وہ جاگیردار کی پرانی حویلی کی طرف چل پڑا تھا تاکہ احمد کے ماں باپ کو تہہ خانے سے چھڑا دیا جائے۔ یہاں وہ کامیاب ہوا اور پھر اُسے ایک ایسی گلی سے گزرنے کا اتفاق ہوا جہاں اُسے ایک عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ناگ نے اندر جا کر بدنصیب عورت کی دُکھ بھری کہانی سُنی تو وہ اُسی وقت اس کی مدد کرنے کے لیے صحرا کی جانب نکل گیا۔ یہاں ایک پہاڑی کے نیچے جرمن جرنیلوں نے ایک زبردست خزانہ دفن کر رکھا تھا جس پر ایک سفید کلغی والا سانپ پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے اس سانپ کو حاضر کیا اور کہا کہ وہ ایک بدنصیب عورت کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ سفید کلغی والے سانپ نے کہا کہ وہ ہر قسم کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ پس ناگ نے کلغی والے سانپ کو ساتھ لیا اور تہہ خانے میں اُتر گیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیئے گا۔

وقت ہی ضائع کرد۔

[illegible]

جاگیردار کی حویلی میں بڑا سخت پہرہ تھا۔

ناگ کو کسی نے نہ روکا۔ کیونکہ اس کو وہاں کے پہریدار اپنا آدمی سمجھتے تھے۔ سفید سانپ ناگ کی جیب میں تھا۔ حویلی کے بڑے کمرے میں پہنچتے ہی ناگ نے سفید سانپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ناگ سیدھا تہہ خانے کو جانے والی سیڑھیوں پر آ گیا۔ یہاں ایک آدمی بندوق لئے پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کدھر جا رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "جاگیردار نے حکم دیا ہے کہ قیدیوں سے جا کر کچھ پوچھ گچھ کروں۔"

"ٹھیک ہے۔"

اُن لوگوں کو معلوم تھا کہ ناگ جاگیردار کا اپنا آدمی ہے۔ ناگ نیچے اُتر گیا۔ آگے ایک تنگ راستہ تھا۔ یہاں روشنی کم تھی۔ اس راستے کے آگے ایک موڑ آیا جس کے بعد ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے پر تالہ پڑا تھا اور دو پہرے دار رائفلیں لئے پہرہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دے رہے تھے۔ ناگ کو دیکھ کر وہ دونوں ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے رائفلوں کا رُخ [illegible]

"کیا بات ہے؟ [illegible] ے ہو؟"

ناگ نے یہاں بھی ہنس کر کہا۔

"بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تو جاگیردار کا دوست ہوں اُسی نے حکم دیا ہے کہ میں قیدیوں سے کچھ باتیں پوچھوں۔"

ایک پہرے دار نے کہا۔

"ہمیں جاگیردار نے کچھ نہیں کہا۔ ہم تمہیں اندر نہیں جانے دیں گے۔"

ناگ نے بہتیرا کہا کہ اس کا اندر جانا بہت ضروری ہے مگر دونوں پہرے دار بالکل راضی نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے رائفلیں آگے کر کے کہا۔

"اگر تم واپس نہ گئے تو گولی چلا دیں گے۔"

ناگ نے سوچا کہ خیریت اسی میں ہے کہ واپس چلا جائے اور کوئی ترکیب سوچ کر حملہ کیا جائے۔ وہ واپس مڑ رہا تھا کہ اس نے سفید سانپ کو دیکھا۔ وہ دیوار سے اُتر کر نیچے آ رہا تھا۔ اس نے دونوں پہرے داروں کو باتوں میں لگانا چاہا اور کہا۔

"اچھا دوستو! میں جاگیردار کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔ پھر تو تم کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا نا؟"

"بالکل نہیں اعتراض ہو گا۔"

"ویسے تم میرا وقت ہی ضائع کرو گے۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں کی بھلائی اسی میں تھی کہ مجھے جانے دیتے۔"

"بکواس بند کرو اور بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

اس دوران میں سفید سانپ نے لپک کر ایک پہریدار کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے جھکا کہ اُس کو کس شے نے کاٹا ہے۔ جونہی وہ جھکا ناگ نے دوسرے پہرے دار کو دھکا دے کر گرا دیا اور اس کی رائفل چھین لی۔ پہلا پہرے دار ایسا جُھکا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ سفید سانپ کے زہر سے بچنا محال تھا۔ دوسرے پہرے دار نے شور مچانا چاہا تو ناگ نے سفید سانپ کو اشارہ کیا۔ اُس نے پہرے دار کے گلے پر ڈس دیا جس سے اُس کی آواز بند ہو گئی اور پھر وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ناگ نے جلدی جلدی پہرے داروں کی جیبیں ٹٹول کر چابی نکالی۔ تالا کھول کر اندر گیا۔ دیکھا کہ دو انسان بے حد خراب حالت میں زمین پر لیٹے ہیں۔ اندر فضا گندی ہو رہی ہے۔ وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ بڑی مشکل سے انہوں نے ناگ کو سر اٹھا کر دیکھا۔ ناگ قریب جا کر بولا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"مجھے آپ کے بیٹے احمد نے آپ کو لینے بھیجا ہے۔" اپنے بچے کا نام سُن کر دونوں کے چہروں پر چمک سی آ گئی۔ باپ نے نقاہت سے پوچھا۔

"کیا میرا بیٹا زندہ ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "اللہ کے فضل و کرم سے وہ زندہ ہے اور یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

ماں نے خوش ہو کر کہا۔ "خدا میرے بچے کو سلامت رکھے!"

باپ بولا۔ "بیٹا تم کون ہو؟ یہاں سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔ تم اپنی جان بچا کر چلے جاؤ اور ہمارے بیٹے کو کہیں کہ وہ افریقہ کی طرف نکل جائے۔ ہم تو مرنے کے قریب ہیں۔"

ناگ بولا۔ "ہمت نہ ہاریں۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اٹھیے اور میرے ساتھ چلیے۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔"

ناگ کے بہت دیر تک سمجھانے کے بعد آخر احمد کے ماں باپ وہاں سے نکل جانے پر راضی ہو گئے۔ ابھی وہ باہر نکلنے کے لئے اٹھ ہی رہے تھے کہ باہر شور سا ہوا۔ جاگیردار کو پتہ چل گیا تھا کہ پہرے دار مار دیئے گئے ہیں اور ناگ قیدیوں کو بھگا کر لے جانے کی تیاری

کر رہا ہے۔ اس نے دروازے پر آتے ہی بندوق سے فائر کر دیا۔ ناگ نے خاموش آواز سے سفید سانپ کو آواز دی۔

"میں حاضر ہوں عظیم دیوتا!" سفید سانپ کی باہر سے آواز آئی۔ ناگ نے کہا۔

"باہر جو دشمن ہیں اُن کی خبر لو۔"

"بہت بہتر حضور!"

سفید سانپ تنگ راہداری میں آ گیا۔ اندر احمد کے ماں باپ پریشان ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی اور ناگ کی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ باپ نے ناگ سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

"کاش! تم ہمیں بچانے یہاں نہ آتے۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ موت کی آغوش میں سُلا دیئے جاؤ گے۔"

ناگ نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے محترم! ابھی آپ دیکھیں گے کہ ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا ملے گی اور آپ لوگ ہمارے ساتھ خیریت کے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے۔"

باپ بولا۔ "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم کوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرامت کرو گے؟ کوئی جادو کرو گے؟"

"ہاں میرے محترم! کرامت ہی ہوگی۔ آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

اتنے میں باہر سے ایک بھیانک چیخ کی آواز آئی۔ ناگ نے کہا۔ "پہلی کرامت ہو گئی ہے۔ یہ چیخ کی آواز جاگیردار کی تھی۔ آپ پہچانتے ہیں نا اس کی آواز؟"

"ہاں" احمد کا باپ بولا۔ "یہ تو اُسی کی آواز تھی۔ اُسے کیا ہو گیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "وہ موت کی آغوش میں چلا گیا ہے۔ اب وہ لوگوں پر ظلم کرنے کے لئے زندہ نہیں ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

ناگ نے احمد کے ماں باپ کو ساتھ لیا اور تہہ خانے کی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آگیا۔ نیم روشن تنگ راستے میں جاگیردار کی لاش کے ساتھ ہی دو تین اور لاشیں پڑی تھیں۔

"یہ کیسے ہو گیا؟" احمد کی ماں نے حیرت سے کہا۔

ناگ بولا۔ "جلدی سے آجایئے۔ وقت بہت کم ہے۔"

یہ لوگ حویلی کے بڑے کمرے میں آئے تو وہاں جتنے پہرے دار اور جاگیردار کے آدمی تھے سارے کے سارے سفید سانپ نے ٹھکانے لگا دیئے تھے۔ باہر ایک ٹانگہ کھڑا تھا۔ ناگ نے احمد کے ماں باپ کو اس میں سوار کروایا اور خود تانگہ کے آگے بیٹھ کر گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ تانگہ ہوا سے باتیں کرتا سیدھی سڑک پر صحرا کی جانب روانہ ہو گیا۔

ٹیلے کے باہر جا کر ناگ غار میں گیا اور احمد کو وہاں سے لے کر باہر آگیا۔ ماں باپ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو خوشی کے ساتھ اُس سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ناگ نے کہا۔

"اب آپ کی جائیداد پر کوئی شخص ڈاکہ نہیں مار سکے گا۔ جایئے اپنی زمینوں پر جا کر آرام اور سکون کی زندگی بسر کریں۔ اگر کبھی میری ضرورت پڑی تو انشاء اللہ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں گا۔ خدا حافظ

احمد نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ناگ بھائی! میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں اتار سکوں گا۔"

ناگ نے کہا۔ "کیسی باتیں کرتے ہو بھیا! یہ احسان کی بات نہیں ہے۔ یہ تو میرا انسانی فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ میں نے ہمیشہ زمین پر ظلم و ستم کرنے والوں اور بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے والوں کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اور مظلوم و غریب لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس میں میری کوئی بڑائی نہیں ہے۔ آپ لوگ جائیں۔ خدا آپ کو نئی زندگی مبارک کرے۔"

احمد اپنے ماں باپ کو لے کر تانگے میں سوار ہو کر اپنے گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ احمد نے جاتے جاتے ناگ سے پوچھا۔

"ناگ! تم اب کہاں جاؤ گے؟"

ناگ نے کہا۔ "جہاں خدا لے جائے گا۔ مجھے بھی اپنے ایک بھائی اور ایک بہن کی تلاش ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی مجھے مل جائیں۔"

"خدا کرے کہ جس طرح مجھے میرے ماں باپ ملے ہیں اُسی طرح تیرے بہن بھائی بھی تجھے مل جائیں۔"

ناگ غار کے باہر اکیلا رہ گیا تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ ماریا اور عنبر کی تلاش میں اب وہ کس طرف کا رُخ کرے؟ بہرحال وہاں سے تو اُسے کسی طرف چلنا ہی تھا۔ پس ناگ نے اللہ کا نام لیا اور قاہرہ شہر کی طرف چل پڑا۔

جنگ کے بعد اس شہر میں پھر سے نئی زندگی پیدا ہو رہی تھی۔ کاروبار پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ بازاروں میں بڑی

رونق تھی۔ ناگ شہر میں آ کر ایک سڑک پر جا رہا تھا۔ اُسے بھوک محسوس ہوئی۔ اُس کے کپڑے بھی ٹھیک نہیں تھے۔ اُس کے پاس خزانے میں سے صرف ایک موتی باقی بچا تھا۔ سوچا کہ کسی دکان پر یہ موتی فروخت کر کے کچھ کپڑے خریدے جائیں اور کھانا کھایا جائے۔

وہ شہر کے اندر ایک دکان پر آ گیا۔ یہ ایک عرب جوہری کی دکان تھی۔ ناگ نے جوہری کو موتی دکھایا تو وہ حیران ہوا کہ ایک بھکاری قسم کے نوجوان کے پاس یہ اتنا قیمتی موتی کہاں سے آ گیا؟ اُس نے ناگ سے پوچھا۔

"تم نے یہ موتی کہاں سے لیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "تمہیں اس سے کیا۔ تم یہ کہو کہ اس کے کتنے پیسے لو گے؟"

جوہری بولا۔ "میں تمہیں اس موتی کے پانچ سو روپے دے سکتا ہوں۔"

"لاؤ جلدی لاؤ۔"

جوہری نے ناگ کو پانچ سو روپے ادا کر دیئے۔ جوہری نے اپنے ایک خاص جاسوس کو فون کر کے بتایا کہ ایک نوجوان موتی لے کر آیا ہے جو یقیناً ہٹلر کے خفیہ خزانے کا موتی ہے۔ فوراً آ جاؤ۔ جوہری نے اتنی دیر تک ناگ کو شربت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وغیرہ پلا کر باتوں میں لگائے رکھا۔

قصہ اصل میں یوں تھا کہ جنگ میں جب جرمنی کو اپنی شکست سامنے نظر آ رہی تھی تو ہٹلر نے خودکشی کر لی اور دوسرے جرنیلوں نے آپس میں مل کر جرمنی میں جتنا سونا اور خزانہ بنکوں میں جمع تھا سارے کا سارا بائیس صندوقوں میں جمع کیا اور انہیں ایک خاص ہوائی جہاز میں لاد کر کسی نہ معلوم مقام پر لے جا کر چھپا دیا۔ اس خفیہ خزانے کے بارے میں ساری دنیا کے ملکوں میں لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کہتا کہ جھیل جنیوا میں یہ خزانہ چھپا ہے۔ کوئی کہتا کہ اہرامِ مصر میں کسی جگہ خزانہ چھپا دیا گیا ہے۔

روس، امریکہ اور انگریزوں نے اپنے اپنے طور پر خزانے کی تلاش شروع کر دی تھی مگر کسی کو اس خزانے کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں مل رہا تھا۔ اب جو جوہری نے ناگ کے پاس موتی دیکھا تو سوچا کہ یہ موتی ضرور ہٹلر کے خزانے کا ہے۔ اُس نے بھی اپنے طور پر کچھ لوگوں کو خزانے کی تلاش پر لگا رکھا تھا۔ بس عرب جوہری نے جھٹ فون کر کے اپنے جاسوس کو دکان پر بلوا لیا۔ اس جاسوس کا نام لوقا تھا یہ ایک یہودی تھا اور بڑا مکار اور چالاک شخص تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے ہٹلر کا چھپایا ہوا خزانہ تلاش کر کے باقی عمر آرام و عیش سے بسر کرے۔

اُس نے جوہری کی دکان میں ناگ کو شربت پیتے دیکھا تو جوہری نے ناگ سے اُس کا تعارف کروایا۔

”یہ ہیں مسٹر ناگ! یہ ہمارے گاہک ہیں۔“

لوقا نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور دل میں سوچا کہ یہ ایک غریب سا نوجوان جس کے بدن پر کپڑے بھی ڈھنگ کے نہیں ہیں، کیسے ہٹلر کے خزانے تک پہنچ سکتا ہے؟ ضرور یہ کوئی چور ہے جس نے موتی کسی کے گھر سے چرایا ہے۔ اُس نے ناگ سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ آخر ناگ اُٹھ کر چلا گیا۔ تو جوہری سے لوقا نے کہا۔

”یہ تو ایک غریب سا لڑکا ہے۔ پس اس کے پیچھے گھوم پھر کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔“

جوہری نے کہا۔ ”خدا کے لئے ایسا نہ کہو۔ تم اس کا تعاقب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ہٹلر کے خزانے کا علم ہے۔“

”تم کہتے ہو تو میں تعاقب کرتا ہوں۔“

اور لوقا نے ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ ناگ وہاں سے سیدھا ایک کپڑوں کی دکان پر گیا۔ وہاں اُس نے نئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کپڑے خریدے۔ پھر گرم حمام میں جا کر نہایا۔ نئے کپڑے پہنے اور ایک ہوٹل میں آکر کھانا کھانے لگا۔ لوقا بھی وہاں آ گیا۔ اُس نے مسکرا کر ناگ سے کہا۔

"میں بھی کھانا کھانے اسی ہوٹل میں آتا ہوں۔"

اور پھر وہ بھی ناگ کی میز پر آ کر بیٹھ گیا۔

"مسٹر ناگ! تم نے تو بڑے اچھے اچھے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ یہ نئے خریدے ہیں کیا؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں! میں نے موتی اس لئے فروخت کیا تھا کہ نئے کپڑے خرید سکوں۔"

لوقا نے کہا۔ "یہ موتی تم نے کہاں سے لیا تھا؟"

ناگ نے سخت لہجے میں کہا۔

"بھائی لوقا! چاہے میں نے جہاں سے لیا ہو تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

"اوہو بھائی تم تو ناراض ہو گئے۔ اچھا چلو میں تم سے اب کبھی موتی کے بارے میں نہیں پوچھوں گا۔"

باتوں ہی باتوں میں لوقا نے ناگ سے دوستی کر لی اور اُسے کہا کہ وہ ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے اس کی کوٹھی میں چل کر ٹھہر جائے۔ ناگ نے کہا۔ "شکریہ بھائی! لیکن میں ہوٹل میں ٹھہرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

ناگ نے ایک ہوٹل میں آکر کمرہ لے لیا۔ وہ اس شہر میں کچھ روز رہ کر عنبر اور ماریا کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اُدھر لوقا نے بھی ناگ کا پیچھا شروع کر دیا۔ مگر ناگ اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ ناگ کی پُراسرار حرکتوں سے لوقا کو اب یقین ہو گیا تھا کہ اس شخص کو ہٹلر کے خزانے کے راز کا علم ہے۔

پس اُس نے ناگ کو اغوا کر کے اُس سے پوچھ گچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ناگ عنبر اور ماریا کی تلاش میں شہر سے باہر نکل گیا۔ رات پڑ گئی۔ اندھیرا ہو گیا۔ اب ناگ نے سوچا کہ واپس چلا جائے۔ ابھی وہ واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ کھجور کے ایک درخت کے پیچھے سے لوقا تیزی سے نکلا اور اُس نے ناگ کے منہ پر کلوروفارم سے بھرا ہوا رومال رکھ دیا۔ ناگ نے ایک سانس لیا ہی تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اُسے ہوش آیا تو وہ ایک پتھریلے فرش پر پڑا تھا۔ اُس کا سر بھاری بھاری تھا۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر ابھی تک اُس کے سر میں تھا۔ اُس نے اٹھ کر دیکھا کہ اُس کا ایک پاؤں زنجیر میں بندھا تھا۔ جس کوٹھڑی میں اُسے قید کیا گیا تھا اُس کا کوئی روشندان نہیں تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چھت نیچی تھی۔ صرف ایک دروازہ تھا جو بند تھا اور اُس میں ذرا سا سوراخ بھی نہیں تھا کہ جہاں سے وہ سانپ بن کر ہی نکل جاتا۔

ناگ نے سوچا کہ اُسے کون اغوا کر کے یہاں لا سکتا ہے؟ پھر اس کا خیال لوقا کی طرف چلا گیا۔ وہی اُسے اغوا کر سکتا تھا۔ بہر حال اب وہ قید میں تھا اور جب تک کوئی شخص اندر نہیں آتا وہ باہر نہیں جا سکتا تھا اور اُسے معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے کس شخص نے قید کیا ہے۔ ناگ صرف بے ہوشی کی دوا کے آگے بے بس تھا۔ یہی حال عنبر کا تھا۔ عنبر بھی بے ہوشی کی دوا کے آگے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

کافی دیر بعد اُسے باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اب ناگ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اُس کے سامنے وہی یہودی یعنی لوقا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔ ناگ کا خیال درست تھا لوقا نے ہی اُسے اغوا کیا تھا۔ لوقا ناگ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

”بشر ناگ! شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے تمہیں کس لئے اغوا کیا ہے؟“

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے لوقا کو تکتا رہا۔ لوقا بولا۔ ”اگر تم اپنے آپ مجھے ہٹلر کے خزانے کا پتہ بتا دو تو تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔ تمہیں تو تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔“

اب ناگ سارا معاملہ سمجھ گیا۔ موتی دیکھ کر ان لوگوں کو شک پڑ گیا تھا۔ کہ اُس نے یہ موتی ہٹلر کے خفیہ خزانے سے حاصل کیا ہے۔ ناگ نے کہا۔

”بھائی! تم نے بیوقوفی کی ہے جو مجھے اغوا کر کے یہاں لے آئے ہو۔ اول تو مجھے ہٹلر کے خزانے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ دوسرے اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو میں خزانے کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ کیونکہ ہٹلر کے خزانے سے ایک کروڑ گنا زیادہ بہتر خزانہ میں حاصل کر سکتا ہوں۔“

”بکواس بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ ہٹلر کا خزانہ کس جگہ دفن ہے۔“

ناگ نے سوچا کہ اس لالچی شخص کے ساتھ شرارت کی جائے۔ اُس نے لوقا سے کہا۔

”میں تمہیں اس شرط پر ہٹلر کے خزانے کے پاس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لے چلوں گا کہ اس میں سے آدھی دولت مجھے دی جائے۔"

"منظور ہے۔" لوقا نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔"

لوقا نے پستول کا رُخ ناگ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھنا اگر تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑے جاؤ گے۔ اس پستول نے آج تک سینکڑوں انسانوں کا خون کیا ہے۔"

ناگ بولا۔ "ہرگز دھوکہ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں ہٹلر کے خزانے کے اوپر لے جاؤں گا۔ تم چلو تو سہی۔"

ناگ نے لوقا کو ساتھ لیا اور تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ لوقا نے ناگ کے دونوں ہاتھ رسّی سے پیچھے باندھ رکھے تھے۔ باہر ایک کار کھڑی تھی۔ یہ کار بند تھی۔ اس کے شیشوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ لوقا نے ناگ کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر باندھ دیا۔ ناگ نے کہا۔

"مجھے باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھاگ تو نہیں جاؤں گا۔"

لوقا نے راستے میں وائرلیس پر اپنے ساتھیوں کو بھی بلالیا۔ ایک کار لوقا کی کار کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

اس دوسری کار میں لوقا کے چار ساتھی جاسوس پستولیں لئے بیٹھے تھے۔ ناگ کو فکر ہوئی کہ خواہ مخواہ وہ مصیبت میں پھنس گیا۔ اُس نے کہا۔

"کاریں مصر کے پہلے اہرام کی طرف لے چلو۔"

دونوں کاروں کا رُخ اہرام مصر کی طرف کر دیا گیا۔ ناگ ان لوگوں کو ایک ایسے اہرام کے سامنے لے گیا جس کا دروازہ ڈھے چکا تھا۔ کاروں میں سے سارے بدمعاش پستولیں لے کر اُتر پڑے اور انہوں نے ناگ کو گھیر لیا۔ لوقا نے ناگ سے کہا۔

"یاد رکھو اگر تم نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو ہم تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسی اہرام مصر کے اندر دفن کر دیں گے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں اب یہاں سے سیدھا اس جگہ لے چلو جہاں خزانہ دفن کیا گیا ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "تم لوگ میرے ہاتھوں کو تو کھول دو۔ تاکہ میں آرام سے چل سکوں۔"

لوقا نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ انہوں نے اشارہ کر دیا کہ ٹھیک ہے اس کے ہاتھ کھول دو۔ یہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اسی وقت ناگ کے ہاتھوں کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رسّیاں کھول دی گئیں۔ ناگ آگے آگے چلتا اہرام کے غار نما دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لوقا نے ٹارچ روشن کر دی۔ ناگ انہیں لے کر ایک پرانے سے خستہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں پُرانے بُت کھڑے تھے۔ فرش پر ایک چبوترہ تھا جس پر ایک ممی کا تابوت رکھا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

کون روتا ہے؟

۴

●

ناگ، تابوت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

لوقا اور اس کے ساتھیوں نے ناگ کو گھیر لیا۔ لوقا نے پوچھا۔

"کیا خزانہ اس تابوت کے نیچے دفن ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں! اسے کھود دو۔"

لوقا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اسی وقت کدالیں اور پھاوڑے چلانے شروع کر دیئے۔ ناگ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں صرف وہاں روشنی ہو رہی تھی جہاں ٹارچ کی روشنی ڈالی جا رہی تھی۔ باقی جگہ پر اندھیرا تھا۔ ناگ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ یہ کیسے احمق لوگ ہیں۔ ایک بدمعاش پستول ہاتھ میں لئے ناگ کے سر پر کھڑا پہرہ دے رہا تھا

ناگ نے سوچا کہ اب ان لوگوں کو اسی جگہ چھوڑ کر چلا جانا چاہیے۔

اُس نے لوقا سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اگر تم لوگوں کو فرض کیا کہ خزانہ نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟"

لوقا سامنے پتھر پر بیٹھ اپنے ساتھیوں کو پھاوڑے کدالیں چلاتے دیکھ رہا تھا۔ ناگ کے جملے نے اس کے چہرے پر ناگوار اثر کیا۔ اُس نے ناگ کی طرف غصّے سے دیکھ کر کہا۔

"اگر خزانہ نہ ملا تو اس خالی گڑھے میں تمہیں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔"

ناگ نے کہا۔ "اگر فرض کر لو کہ میری جگہ تمہیں دفن ہونا پڑ گیا تو تم کیا کرو گے؟"

لوقا کا پارہ چڑھ گیا۔ "بکواس بند کرو نہیں تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

ناگ ہنسا۔ "نہیں تمہیں مجھے گولی نہیں مارنی چاہیے۔ ابھی تمہیں مجھ سے بڑا کام ہے۔"

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "لوقا! تم ایک لالچی انسان ہو اور ایک دوسرے انسان کے مال پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہونا چاہیے۔"

لوقا نے جھلاّ کر کہا۔ "تم یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ خاموش ہو کر بیٹھے رہو۔"

اتنی دیر میں زمین کافی کھودی جا چکی تھی۔ اس میں سے ابھی تک کچھ نہیں نکلا تھا۔ لوقا کو یقین ہونے لگا کہ ناگ نے اُن کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ اُن کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ خزانہ وہاں نہیں ہے۔ اُس نے ناگ کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہ پستول لے کر اس کے پاس آیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ خزانہ کس جگہ دبا ہوا ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "اسی جگہ دفن ہے خزانہ۔ ذرا اور کھودو گے تو خزانے کا صندوق نکال آئے گا۔"

لوقا نے ناگ کے سر پر زور سے مکا مار دیا۔ ناگ پرے گر پڑا۔ اُسے سخت طیش آ گیا۔ اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور لوقا سے کہا۔

"اب تم اور تمہارے ساتھی میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچ سکتے۔"

اس سے پہلے کہ لوقا ناگ پر پستول کا فائر کرتا اُس نے دیکھا کہ ناگ بیٹھے بیٹھے ایک دم سے غائب ہو گیا ہے وہ تو خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ ــــ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

اب لوقا کے ساتھیوں کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انہوں نے بھی ناگ کو غائب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ایک بدمعاش ڈری ڈری آواز میں بولا۔

"لوقا! اب کیا ہوگا۔ ہمیں بُری روحوں نے گھیر لیا ہے۔ یہ شخص بھی ایک بدرُوح تھا۔"

لوقا نے کمرے میں اوپر تلے چھ سات فائر کر دیئے۔ مگر ناگ تو ایک بہت ہی زہریلے مگر چھوٹے سے کالے سانپ کی شکل میں اہرام کے اندھیرے کونے میں موجود تھا۔ ناگ ان لوگوں کو ضرور سزا دینا چاہتا تھا۔ خاص طور پر لوقا نے اس کے سر پر مُکا مار کر اس کی توہین کی تھی وہ اس بیہودی سے ضرور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

ابھی یہ بدمعاش پریشانی کے عالم میں وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ سانپ نے اندھیرے کونے سے رینگنا شروع کر دیا۔ دو بدمعاش غار کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ناگ نے ان دونوں کو باری باری ایسا ڈسا کر وہ دونوں چیخ مار کر "سانپ سانپ" کرتے باہر کو بھاگے اور تھوڑی دُور جا کر گر پڑے اور تڑپنے لگے۔ دوسرے بدمعاش بھی باہر کو لپکے لیکن راستے میں ناگ نے اُن کی بھی خبر لی۔

لوقا نے سانپ پر فائرنگ شروع کر دی۔

اُس کی پستول کی ساری گولیاں ختم ہوگئیں مگر سانپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اب ناگ نے ایک پھنکار ماری اور دوسرے لمحے لوقا کے سامنے ایک اونچا لمبا ہاتھی کھڑا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کار کی طرف بھاگا۔ اُسے بے بسی سے بھاگتے دیکھ کر ناگ کو اس پر ترس آگیا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر زوردار چنگھاڑ ماری اور لوقا کو جانے دیا۔ لوقا کار میں بیٹھ کر بھاگ گیا۔

ہاتھی پھر سے ناگ یعنی انسان کی شکل میں آگیا۔ اس نے دیکھا کہ تین بدمعاش پتھروں کے پیچھے دبکے بیٹھے اُسے دیکھ کر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ناگ نے انہیں کہا۔

"تم لوگوں کے لئے اتنی ہی سزا کافی ہے کہ یہاں سے اب پیدل شہر واپس آؤ۔"

اور اتنا کہہ کر ناگ کار میں بیٹھ گیا۔ کار سٹارٹ کی اور شہر کی سمت روانہ ہوگیا۔ شہر میں پہنچ کر وہ سیدھا اپنے ہوٹل میں آگیا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اُس نے کھانا کھایا اور سو گیا۔ صبح سویرے ناگ کی آنکھ کھل گئی اور وہ یونہی ذرا سی سیر کرنے دریائے نیل کے کنارے آگیا۔ سیر کرتا وہ دُور نکل گیا۔ آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ یہاں دریا کنارے اگے ہوئے سرکنڈے تھے۔ ناگ ان سرکنڈوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اُس نے ایک مصری عورت کو دیکھا جو دریا پر کپڑے دھو رہی تھی۔ اُس کا بچہ پاس ہی دریا کی مٹی سے کھیل رہا تھا۔

ناگ نے دیکھا کہ اچانک سرکنڈوں میں سے ایک سیاہ سانپ نکلا اور اُس نے بچے کو ڈس دیا۔ بچے نے چیخ ماری۔ اس کی ماں نے سانپ کو بھاگتے دیکھا تو سر پیٹ کر رونے لگی۔

"میرا بچہ میرا بچہ! ہائے بچاؤ بچاؤ۔"

ناگ بھاگ کر اُس کے پاس گیا۔ اُس نے خاموش سیٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے وہی کالا سانپ سرکنڈوں میں سے نکل کر ناگ کے سامنے آ گیا۔ کالے سانپ نے اپنے سامنے عظیم ناگ دیوتا کو دیکھا تو اُسے پسینہ آ گیا۔ ایک دم سے سر کو جھکا دیا اور زمین پر لیٹ گیا۔ ناگ نے اُسے حکم دیا۔

"بدبخت! تُو نے ناحق اس بچے کو ڈسا۔ اُس نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ جلدی سے اس کا سارا زہر چُوس لے۔ پھر میں تجھ سے بات کروں گا۔"

کالے سانپ نے بچے کے ڈسے ہوئے زخم پر منہ لگا دیا۔ اور سارا زہر دیکھتے دیکھتے چُوس لیا۔ بچے کو ہوش آ گیا۔ ماں نے اُسے کلیجے سے لگا لیا اور ناگ کا شکریہ

ادا کرنے لگی۔ ناگ نے کہا۔

"بہن! خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کر کہ اُس نے مجھے یہاں بھیج دیا۔ نہیں تو یہ ظالم سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔"

اب ناگ نے سانپ کی طرف غصّے سے دیکھ کر کہا۔

"اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

کالے سانپ نے گردن زمین پر رکھ دی اور کہا۔

"عظیم دیوتا! معاف کر دو۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی تھی، وعدہ کرتا ہوں۔ اب اگر کسی انسان نے مجھے تنگ بھی کیا تو اُسے ہرگز ہرگز نہیں ڈسوں گا۔"

ناگ نے پوچھا۔ "تُو کہاں رہتا ہے؟"

سانپ نے کہا۔ "ناگ دیوتا! مَیں یہاں سے دس میل دُور صحرا میں ایک اہرام کے اندر رہتا ہوں۔"

ناگ نے پوچھا۔ "یہاں تو کیا کرنے آیا ہے؟"

سانپ بولا۔ "ناگ دیوتا! یہاں دریا کنارے وہ جو ٹیلہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہاں میرا ایک بھائی خزانے پر پہرہ دیتا ہے۔ مَیں اُس سے ملنے آیا تھا۔"

ناگ نے خزانے کا نام سُنا تو بولا

"وہ کس کا خزانہ ہے جس پر تمہارا بھائی پہرہ دے رہا ہے؟"

سانپ نے کہا۔ "دیوتا! وہ جبٹلر کا خزانہ ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا ہٹلر کا خزانہ اس پہاڑی میں دفن ہے؟"

کالا سانپ کہنے لگا۔ "ہاں عظیم دیوتا!"

ناگ نے کہا۔ "چلو! میں تمہارے بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جو حکم حضور!"

کالا سانپ ناگ کو لے کر ٹیلے کے اندر آ گیا۔ یہاں غار بنے ہوئے تھے۔ ان میں بھول بھلیاں سی تھیں۔ کہیں چھت اُونچی تھی، کہیں اتنی نیچی کر رینگ کر گزرنا پڑا۔ غاروں کے اندر ایک سیڑھی بنی تھی۔ ناگ سیڑھی اُتر کر ایک تہہ خانے میں آ گیا۔ یہاں زمین پر پتھر پڑا تھا۔ سانپ نے کہا۔

"عظیم دیوتا! اس پتھر کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ آپ چونکہ سانپ بن کر میرے ساتھ اندر آئے ہیں اس لئے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ نہیں تو اس پہاڑ کے اُوپر اور غاروں کے اندر خفیہ جگہوں پر ہٹلر کے وفادار سپاہی مشین گنیں لئے ہر وقت بیٹھے اس خزانے پر پہرہ دیتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اپنے بھائی کو بلاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد سانپ کا بھائی بھی آ گیا۔ اُس کے سر پر سبز رنگ کی کلغی بنی ہوئی تھی۔ اُس نے ناگ دیوتا کو دیکھا اور جُھک کر سلام کیا اور ادب سے سر زمین پر رکھ کر بولا:

"میرے اتنے اچھے بھاگ کہاں کر عظیم ناگ دیوتا میرے گھر خود تشریف لے آئے۔"

ناگ نے کہا۔ "تم کو یقین ہے کہ یہ ہٹلر کا خفیہ خزانہ ہے؟"

کلغی والا سانپ بولا۔ "ہاں میرے آقا! آج سے دو برس پہلے جنگ ختم ہونے کے بعد ایک رات میں یہاں بیٹھا آرام کر رہا تھا کہ کچھ فوجی اس خزانے کو یہاں دفن کرنے آ گئے۔ وہ اسے گاڑ رہے تھے اور چھ سات مشین گنوں والے فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا تھا کہ یہ ہٹلر کا خزانہ ہے اور جب تک جرمنی کا ملک اپنے پاؤں پر پھر سے کھڑا نہیں ہو جاتا یہ خزانہ اسی جگہ دفن رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

ناگ وہاں سے سیدھا اپنے ہوٹل آ گیا۔

اب ہم آپ کو خزانے کی اصل کہانی سناتے ہیں۔ جنگ ہرنے لگی تو جرمن جرنیلوں نے سوچا کہ کوئی دم میں دشمن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہمارے ملک پر قبضہ کر لے گا۔ اور جرمنی کا سارا سونا ساری دولت سارے جواہرات اس کے ہاتھ آ جائیں گے۔ کیوں نہ اُسے بچایا جائے تاکہ بعد میں جب جرمنی کو اپنی ترقی کے لئے دولت کی ضرورت ہو یا دشمن پر حملہ کرنا پڑے تو اس دولت کو کام میں لایا جائے۔ یہ سوچ کر ان جرنیلوں نے ایک رات خزانے کی ساری دولت صندوقوں میں بند کر کے ٹرک میں لادی اور ایک خفیہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دو جرنیل تھے اور دس جرمن سپاہی ساتھ تھے۔

انہوں نے اپنے ٹرک پر انگریزی فوج کا نشان بنا دیا اور خود بھی انگریزی جرنیلوں کی وردی پہن لی۔ اب یہ لوگ ٹرک لے کر بے فکری اور بڑی آسانی سے قاہرہ شہر میں آ گئے۔ یہاں سے وہ شہر کے باہر اہرام کے قریب سے گذر کر ویران جگہ پہ موجود پہاڑی کے دامن میں آ کر رک گئے۔ جرمن جرنیلوں نے یہ جگہ پہلے سے تاڑ رکھی تھی۔

ٹرک سے اُتر کر جرنیلوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ٹرک پر سے دولت کے صندوق اٹھا کر غار کے اندر پہنچائے جائیں۔ جرمن سپاہی جلدی سے ٹرک پر سے اترے اور ایک ایک کر کے انہوں نے سارے صندوق غار کے اندر

ڈبے تہہ خانے میں لے جا کر رکھ دیئے۔ جرنیلوں نے حکم دیا کہ زمین میں گڑھا کھدوا جائے۔

جرمن سپاہی کدالوں سے گڑھا کھودنے لگے۔ جب گڑھا کافی گہرا کھد گیا تو سارے کے سارے صندوق اس گڑھے میں لگا دیئے گئے۔ پھر اُن کے اوپر ترپال ڈال دی گئی۔ اینٹیں چنی گئیں۔ پتھر رکھے گئے اور پھر مٹی ڈال کر زمین کو برابر کر دیا گیا۔ اب ایک چبوترہ جوڑ پتھر کا بڑا سا شہتیر تھا اس جگہ نشانی کے طور پہ رکھ دیا گیا۔ ابھی دس کے دس جرمن سپاہی اندر کام کر رہے تھے کہ دونوں جرنیل غار سے باہر آ گئے۔ ایک جرنیل نے دوسرے سے کہا:

یہ خزانہ ہماری قومی دولت ہے۔ ہم نے اسے قوم کی امانت کے طور پر زمین میں دفن کیا ہے تاکہ جرمنی کو دشمن کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے جب دولت کی ضرورت پڑے تو اس دولت کو کام میں لایا جائے۔ اس سے گولہ بارود اور اسلحہ خریدا جائے۔

دوسرے جرنیل نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔“

پہلا جرنیل بولا۔ ”اس لئے اس دولت کی حفاظت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہت ضروری ہے۔ تاکہ کوئی اسے لوٹ کر نہ لے جا سکے۔“

”بالکل دُرست ہے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ جرنیل نمبر ایک نے کہا۔

”قوم کے اس خفیہ خزانے کا راز ان دس سپاہیوں پر کُھل چکا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ خزانہ اس پہاڑی کے اندر غار میں دفن ہے۔ ان میں سے کسی کی نیت کسی وقت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ یا وہ مرتے وقت اپنے بچے کو کہہ سکتا ہے کہ خزانہ فلاں جگہ دفن ہے جا کر کھود لو۔ اس طرح سے ہماری یہ دولت لوٹی جا سکتی ہے۔“

دوسرا جرنیل بولا۔ ”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں قوم کی اس امانت کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ ان سپاہیوں کو اسی جگہ گولی مار کر ختم کر دیا جائے تاکہ یہ راز اسی جگہ دفن ہو کر رہ جائے اور یہ باہر جا کر کسی کو نہ بتا سکیں۔“

”ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

دونوں جرنیل اندر گئے۔ سامنے دس کے دس جرمن سپاہی پتھر کو زمین پر ٹھیک طرح سے جما رہے تھے۔ دونوں جرنیلوں نے ایک دم سے اپنی خطرناک مشین گنیں اٹھا

کر اُن کا رُخ سپاہیوں کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیئے۔ دھماک ے ساتھ تڑ تڑ تڑ گولیاں مشین گن میں سے بارش کی وچھاڑ کی طرح نکلنے لگیں اور سپاہی اُچھل اُچھل کر گرنے ور گر کر تڑپنے لگے۔ دسوں کے دسوں سپاہی مارے گئے تھے۔

جرمن جرنیلوں نے اُن کی لاشیں اٹھا کر گہری خندقوں میں ینک دیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر وہ غار سے باہر آ گئے اور ٹرک کی طرف بڑھے۔ ایک جرنیل آگے تھا اور ایک جرنیل اُس کے پیچھے تھا۔ اچانک پیچھے والے جرنیل نے مشین گن کو سیدھا کیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک برسٹ شین گن میں سے نکلا اور ساری کی ساری گولیاں آگے آگے جانے والے جرنیل کے سینے میں سے نکل کر دوسری طرف کل گئیں۔ وہ اوندھے منہ ریت پر گرا اور تڑپنے لگا۔ رنیل مشین گن لے کر قریب گیا۔

اس نے ساری گولیاں تڑپتے جرنیل پر ختم کر دیں۔ اب وہ ہٹلر کے سارے خزانے کا مالک تھا۔ اُس نے مشین گن رے پھینک کر زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ دیر ک ناچتا اور ہنستا رہا۔ پھر اُس نے مرے ہوئے جرنیل کی ش کو ریت کے نیچے دبا دیا۔ ٹرک سٹارٹ کیا اور شہر یں آ گیا۔ یہاں آ کر اُس نے اپنے آپ کو آثارِ قدیمہ کا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

باہر مشہور کر دیا۔ اُس نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ وہ شہر کے باہر والے ٹیلے میں تاریخی نوادرات تلاش کر رہا ہے۔ اُس نے پانچ چھ مصری پرانے سپاہی نوکر رکھ لئے۔ انہیں یہ کہا کہ وہ ان غاروں کے اندر تلاش کئے جانے وال چیزوں کی حفاظت کے لئے انہیں ملازم رکھ رہا ہے اور انہیں دن میں اور رات میں باری باری چھ چھ گھنٹے غار کے باہر ٹیلے پر پہرہ دینا ہوگا تاکہ کوئی چور یا لٹیرا غار کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ اس جرمن جرنیل نے گیٹ کے اوپر والی میں ایک خفیہ ٹیلی فون بھی لگوا رکھا تھا۔ پہرے داروں کو تھا کہ اگر وہاں کوئی خطرہ ہو تو اُسے فون کر دیا جائے۔

اب یہ صورتِ حال تھی کہ ناگ واپس اپنے میں آکر سو گیا۔ وہ دوپہر کو اٹھا اور شہر میں عنبر اور ماریا کی تلاش میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ وہ شہر کے ایک پا کے محلے کے قریب سے گزرا تو اُسے ایک گھر سے رون کی آواز آئی۔ ناگ رُک گیا۔ آواز عورت کی تھی۔ ناگ جدھر سے آواز آ رہی تھی اُدھر کو گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ایک منزلہ کچا مکان تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ناگ نے کان لگائے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک بچہ رو رہا ہے اور کوئی مرد اُسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا ہے

گ نے دل میں سوچا کہ بے چاروں پر نہ جانے کونسی یبت پڑی ہوئی ہے کہ رو رہے ہیں۔ اُس نے ان لوگوں مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ناگ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے مرد کی واز آئی۔

"بابا معاف کرو۔"

ناگ دل میں ہنسا کہ ان لوگوں نے اُسے کوئی فقیر سمجھا ہے۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار اندر خاموشی ہو گئی۔ عورت کے رونے کی آواز بند ہوگئی اور پھر ایک مرد نے زہ کھولا۔ یہ مرد کمزور اور بیمار سا لگتا تھا۔ چہرے پر بھوک اور غریبی کا اثر تھا۔

"فرمایئے کیا بات ہے؟"

ناگ نے کہا۔" میرے بھائی! میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ مجھے اندر سے کسی خاتون کے رونے کی آواز آئی۔ میرے قدم آگے نہیں اٹھ رہے۔ میں اس بہن کی کوئی مدد کرنا چاہتا ہوں جو مصیبت میں مبتلا ہے۔ مجھے آپ بھی اپنا بھائی ہی سمجھیں۔"

وہ مرد پہلے تو ناگ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"شکریہ! مگر آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ دروازہ بند کرنے لگا تھا کہ ناگ نے ہاتھ سے رُ
کر کہا۔

"ذرا ٹھہریئے۔ ایسی کونسی مصیبت آپ پر آ پڑی
کہ جسے دُور کرنے میں مَیں بھی آپ کی کوئی مدد نہ
کر سکتا؟ آپ مجھے بتائیں تو سہی۔"

اس مرد نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔" تو پھر اند
جائیں۔" اُس نے ناگ کو اندر ایک لکڑی کی کُرسی پر بٹھا
یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کچھ سامان سجا ہُوا تھا۔ وہ
بولا۔

"بھائی جان! اگر آپ ضرور میری دُکھ بھری کہانی سُننا
چاہتے ہیں تو سُنیئے۔ میرا نام مُراد ہے۔ میرے ماں باپ
فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے میرے لئے ایک ٹکڑا زمین
چھوڑا تھا۔ میں نے اُسے بیچ کر کاروبار شروع کیا۔
ایک حصے دار بھی تھا۔ پانچ سال کے بعد ہمیں کارو
میں زبردست نقصان ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ میر
حصے دار نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اپنے نقص
کے حصے کے دس لاکھ روپے ادا نہ کئے تو وہ میری بی
اور بچے کو قتل کرا دے گا۔ وہ بڑا بدمعاش ہے
اس سے پہلے کئی لوگوں کو قتل کرا چکا ہے۔ بس میں

میری بیوی اسی لئے پریشان ہیں کہ ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ ہم اتنی بڑی رقم کہاں سے پوری کریں گے؟ میری بیوی اور بچہ صبح سے رو رہے ہیں اور میں انہیں چپ کرانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب بتائیے۔ کیا میں ٹھیک نہیں کہتا تھا کہ آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے؟"

ناگ نے ساری داستان سُن کر کہا۔

"یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔ دس لاکھ روپے میں آپ کو دے دوں گا۔ آیئے میرے ساتھ۔"

مُراد ناگ کا منہ تکنے لگا کہ یہ شخص کیسی باتیں کر رہا ہے۔ بھلا ایسا کون شخص ہو گا جو اُن کو دس لاکھ روپے بطور قرض ہی ادا کر دے۔ اُس نے ناگ سے کہا۔

"بھائی جان! ہم مصیبت زدہ ہیں۔ ہمارے ساتھ مذاق کچھ اچھی بات نہیں ہے۔"

وہ سمجھا کہ ناگ مذاق کر رہا ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ شاید یہ کوئی پاگل نوجوان ہے اور شہر کے پاگل خانے سے بھاگ کر آ گیا ہے۔ ناگ نے جواب دیا۔

"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں آپ سے مذاق نہیں کر رہا۔ آپ ایک تھیلا لے کر میرے ساتھ چلیے اور میں دس لاکھ روپے کی رقم آپ کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حوالے کر دوں گا۔ پھر آپ اس سے اپنا قرض ادا کر دیجئے

اتنے میں اس مصیبت زدہ مراد کی بیوی بھی پردے کے پیچھے آ گئی اور بولی۔

"خدا نے کوئی فرشتہ ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔ آپ ان کے ساتھ چلے جائیں۔"

مراد ڈر گیا تھا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی دھوکہ نہ کیا جا رہا ہو اور اُسے باہر ویرانے میں لے جا کر قتل نہ کر دیا جائے۔ اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان! میں باہر نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ میری کوئی مدد کرنا چاہتے ہیں تو یہیں کر دیجئے۔"

ناگ نے کہا "میں آپ کی بیوی کی آہ و زاری نہیں دیکھ سکا۔ اب میں نے اُسے اپنی بہن کہہ دیا ہے تو اس کی ضرور مدد کروں گا۔ آپ ایسا کریں کہ مجھے اس کمرے میں تنہا چھوڑ دیں اور دروازہ بند کر دیں اور ہاں۔ دروازے کے سوراخ میں سے بھی ادھر دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔"

"بہت بہتر۔"

مراد نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسری طرف جا کر اپنی بیوی سے بولا۔

"مجھے تو یہ کوئی پاگل لگتا ہے۔"

عورت نے کہا۔ "نہیں مجھے کوئی نیک فرشتہ لگتا ہے جسے خدا نے ہماری مدد کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ تم دیکھنا۔ وہ ہمارے لئے روپوں کا ضرور انتظام کرے گا۔"

"مگر ایک خالی کمرے میں بیٹھ کر وہ دس لاکھ روپے کہاں سے پیدا کرے گا؟"

"اگر خدا کی مرضی ہوئی تو ایسا ہو کر رہے گا۔"

ادھر ناگ نے آنکھیں بند کر کے اپنی پُراسرار آواز میں خزانے پر پہرہ دینے والے سانپ کو طلب کیا۔ سفید کلغی والا سانپ حاضر ہو کر بولا "کیا حکم ہے ناگ دیوتا!"

ناگ نے کہا "جس خزانے پر تم پہرہ دے رہے ہو اس میں کیا کچھ ہے؟"

سانپ بولا "حضور! اس خزانے میں جواہرات ہیں۔ سونے کی اینٹیں اور سلاخیں ہیں اور کچھ نایاب موتی ہیں۔"

ناگ نے کہا "تم ایسا کرو کہ کچھ قیمتی جواہرات لے کر فوراً یہاں آ جاؤ۔"

"جو حکم حضور!"

سانپ غائب ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس نمودار ہوا تو اس نے اپنے منہ میں ایک تھیلی اٹھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رکھی تھی۔ تھیلی سانپ نے ناگ کے آگے ڈال دی ا
کہا۔

"جواہرات حاضر ہیں عظیم دیوتا۔"

ناگ نے تھیلی کھول کر الٹ دی۔ سرخ و سبز قیمتی جواہرات اندھیرے میں ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔ اُس نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ غائب ہوگیا۔ اب ناگ نے سارے جواہرات تھیلی میں ڈالے اور آواز دی۔

"میری بہن اور بھائی اندر آ جاؤ۔"

مصیبت زدہ مُراد اور اس کی بیوی دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

"بیٹھو یہاں۔"

دونوں بیٹھ گئے۔ وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ شاید اُن کے ساتھ کوئی دردناک ڈرامہ کیا جا رہا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی تھوڑی دیر کے لئے دروازہ بند کرے اور پھر دس لاکھ روپے پیدا کر دے؟ ناگ نے کمرے کی بتی جلا دی۔ روشنی ہوگئی۔ اُس نے جواہرات کی تھیلی اُن کے آگے میز پر الٹ دی۔ قیمتی اور بے حد

چمکیلے جواہرات میز پر بکھر گئے۔ مُراد اور اُس کی بیوی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ناگ بولا۔

"یہ انتہائی قیمتی ہیرے جواہرات ہیں۔ چلو میرے ساتھ انہیں بازار میں چل کر فروخت کرتے ہیں اور جتنی رقم ملے گی اس سے تم اپنا قرض ادا کر دینا۔"

ناگ نے مُراد کو ساتھ لیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیروں کی چوری

•

مراد ایک نیک دل ایماندار جوہری کو جانتا تھا۔ وہ ناگ کو اُس کی دکان پر لے گیا۔ یہ ایک امیر کبیر حاجی تھا جس کی بہت بڑی دکان تھی۔ مراد نے ناگ کا تعارف کروایا اور کہا۔

"یہ میرے دوست ہیں۔ کینیا میں ہیرے جواہرات کا کاروبار کرتے ہیں۔ کچھ جواہرات آپ کے لیئے لائے ہیں۔ یہ قاہرہ میں بھی کاروبار کرنا چاہتے ہیں جس کے واسطے کچھ جواہرات فروخت کر رہے ہیں۔"

حاجی جوہری نے خندہ پیشانی کے ساتھ ناگ سے کہا۔

"دکھائیے برادر عزیز کونسے جواہر ہیں۔ اگر ہمارے مطلب کے ہوئے تو ہم ضرور خرید لیں گے۔"

ناگ نے تھیلی حاجی صاحب کے آگے شیشے پر اُلٹ دی۔ حاجی جوہری کی نظر ہیرے جواہرات پر پڑی تو وہیں دھک سے رہ گئے۔ بس جواہرات کی چمک دمک میں کھو گئے۔ انہوں نے آج تک اتنے بڑے اور اتنی قیمتی جواہرات

کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک ایک جواہر اور موتی کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے اور تعریف کرتے۔ پھر بولے۔

"برادر عزیز! فرمایئے آپ اس کے کیا دام لگاتے ہیں؟"

ناگ نے کہا۔ "یہ تو اگر آپ ہی بتائیں تو ہمیں بڑی سہولت ہوگی۔ بس اتنا بتا دیجئے کہ آپ اس کے عوض کتنی رقم دے سکتے ہیں؟"

حاجی جوہری نے کہا۔

"میں آپ کو دیانتداری کے ساتھ اپنا منافع لگا کر ان تمام جواہرات کے پچاس لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔"

پچاس لاکھ روپوں کا سُن کر مراد کو تو غش سا آنے لگا۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ خوشی سے اُس کے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ مگر ناگ پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ دولت کی ناگ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی اور دوسرے اس لئے کہ وہ کروڑوں روپے میں کھیلا تھا اور جس وقت چاہے دولت پیدا کر سکتا تھا۔

کہنے لگا۔

"ہمیں یہ سودا منظور ہے۔"

"بہت بہتر۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حاجی جوہری مُراد اور ناگ کو اندر لے گیا۔ اُن کے لئے سنگتروں کا شربت منگوایا گیا۔ ساتھ ہی خزانچی ایک بکس لے کر آگیا اور اُس نے نوٹ گن کر ناگ کے سامنے رکھ دیئے۔

"پورے پچاس لاکھ ہیں۔ گن لیجئے۔"

ناگ نے نوٹوں کو ایک تھیلے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"حاجی صاحب! ہمیں آپ پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

گھر واپس پہنچ کر ناگ نے سارے روپے مراد اور اس کی بیوی کے حوالے کر دیئے اور کہا۔

"ان روپوں میں سے اپنا قرض ادا کیجئے اور ایک نیا مکان بنوا کر اپنا الگ کاروبار شروع کیجئے۔"

مراد اور اس کی بیوی کی تو آنکھیں کھُل گئی تھیں۔ وہ ناگ کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"میں نے بہن کہا ہے تو اب میرا فرض تھا کہ میں آپ کی مدد کرتا۔ اور میں آپ کی مدد کر سکتا تھا۔ پس میں نے آپ کی مدد کر دی۔ اب خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر ناگ مکان سے باہر نکل آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ جس وقت ناگ مکان سے باہر نکلا تو ایک پُر اسرار کالی ٹوپی اور لمبے چغے والا سانولا سا آدمی، دُور کھجور کے درخت کی اوٹ میں کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ ناگ شہر کی طرف چلا

اس کالی ٹوپی والے نے بھی اُس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

یہ کالی ٹوپی والا پُراسرار انسان جرمن جرنیل کا ایک خاص جاسوس تھا جس کو خاص طور پر جرمن جرنیل نے شہر میں چھوڑ رکھا تھا کہ وہ جوہریوں کی دکانوں پر چل پھر کر پتہ کرتا رہے کہ کوئی بڑے ہی قیمتی قسم کے جواہرات تو فروخت نہیں کر رہا۔ یہ کالی ٹوپی والا جاسوس حاجی جوہری کی دکان پر کھڑا تھا کہ ناگ نے جواہرات کا سودا کیا۔ اتنا بڑا سودا اُس جاسوس نے بھی پہلے ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پس اُس نے ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جب ناگ واپس اپنے ہوٹل میں پہنچا تو جاسوس نے اُسی وقت جرنیل کو جا کر اطلاع کر دی۔

جرنیل نے کہا۔ "کیا تم نے جواہرات دیکھے تھے؟"

"ہاں جناب! دیکھے تھے۔"

"کس قسم کے تھے وہ؟"

"جناب! کافی بڑے سائز کے تھے اور بے حد چمک رہے تھے۔"

جرنیل نے عام شہریوں ایسا لباس پہن رکھا تھا اور وہ کافی پی رہا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ یہاں اتنے بڑے سائز کے قیمتی جواہرات ایک عام آدمی کے پاس نہیں ہو سکتے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جو بازار میں سے جا کر انہیں فروخت کرتا پھرے۔ ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ جرنیل نے لباس تبدیل کیا۔ جیب میں پستول رکھا۔ اور جاسوس کو رخصت کرنے کے بعد سیدھا حاجی جوہری کی دکان پر پہنچ گیا جرنیل نے جرمنی کے کاروباری آدمیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ حاجی کے پاس جا کر جرنیل نے اپنا تعارف یوں کرایا۔

"میرا نام بولز ہے۔ میرا آسٹریا میں ہیرے جواہرات کا کاروبار ہے۔ میں مشرق وسطیٰ میں نایاب ہیروں کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا آپ مجھے کوئی نفیس قسم کے نایاب ہیرے دکھا سکتے ہیں؟ میں بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

حاجی صاحب بڑے خوش ہوئے کہ ابھی اصلی جواہرات خریدے تھے اور ابھی اس کا گاہک بھی آ گیا۔ انہوں نے وہی تاگ والی تھیلی جرمن جرنیل کے سامنے ایک شیشے کی قیمتی اور نازک پلیٹ میں الٹ دی اور کہا۔

"یہ جواہرات میں نے آج ہی خریدے ہیں' بڑے نایاب ہیں۔ کہیے آپ کو پسند ہیں؟"

جرمن جرنیل کی نظر جونہی جواہرات پر پڑی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یہ اس کے خزانے کے جواہرات

تھے۔ کسی نے نمار میں نقب لگا کر جواہرات چوری کر لئے تھے۔ جرنیل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ یہ جواہرات دکاندار سے واپس خرید سکتا۔ اس نے کہا۔

"شکریہ! بڑے نایاب جواہرات ہیں۔ میں کل حاضر ہوں گا۔"

جرمن جرنیل واپس اپنی چھوٹی سی کوٹھی میں آ گیا جو اس نے شہر سے دور دریائے نیل کے کنارے بنوا رکھی تھی۔ اس نے اپنے خفیہ کمرے میں جا کر ارجن ٹینا کے ایک قصبے میں رہنے والے دوسرے جرمن جرنیل کو وائرلیس پر کہا کہ کچھ جواہرات کسی چور نے نقب لگا کر چوری کر لئے ہیں۔ دوسری طرف سے جرنیل نے کہا۔ "جس نے چوری کئے ہیں اس کا پتہ لگا کر فوراً ہلاک کر دو۔ اس کو خزانے کا پتہ لگ گیا ہے۔ اس کو زندہ نہیں رہنا چاہیے۔"

"ایسا ہی ہو گا جناب!"

"اور سنو! چوری کئے ہوئے ہیرے کسی طرح واپس لے کر خزانے میں جمع کرانے کی کوشش کرو۔"

"جناب! ان کی رقم بہت بڑی ہے۔ میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"تم بھی انہیں چوری کرو۔ اگر نہیں کر سکتے تو میں یہاں سے کر تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یس سر! ایسا ہی ہوگا۔"

جرنیل نے وائرلیس رکھ دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ حاجی جوہری کی دکان سے اپنے جواہرات جاسوسوں کی مدد سے اڑا لے گا اور جس نے خزانے میں نقب لگائی ہے اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔

جرنیل نے اُسی وقت ٹیلی فون کرکے ایک بڑے ہی سنگدل اور بدمعاش قسم کے جاسوس کو بلایا۔ اس کا نام چنگیز تھا اور اُس نے کئی خون کئے ہوئے تھے۔ اس کے پاس ہر وقت جیب میں پستول رہتا تھا اور وہ بڑی بے دردی سے گولی چلا کر انسان کو یوں مار ڈالتا تھا جیسے وہ کوئی مرغی یا جانور ہو۔ چنگیز فون ملتے ہی آگیا۔ اس کا قد اونچا لمبا تھا اور ماتھے پر زخم کا نشان تھا۔

"کیا حکم ہے باس؟"

جرنیل نے اس کی طرف دس ہزار روپے کا چیک بڑھا کر کہا۔

"میں تمہیں تمہارا انعام دس ہزار روپے پہلے ادا کر رہا ہوں۔ ایک نوجوان جس کا رنگ سانولا اور چہرہ صاف ہے

قاہرہ کے اہرام ہوٹل کے کمرہ نمبر بارہ میں رہتا ہے۔ اُسے جا کر ختم کر دو۔ بس یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔"

چنگیز نے پستول پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"باس! مجھے اس کی شکل دکھا دو تو بہتر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا آدمی قتل ہو جائے۔"

جرنیل نے کہا۔ "تم اسی وقت کالی ٹوپی سے جا کر ملو۔ وہ تمہیں ہمارے چور کی شکل دکھا دے گا۔"

"ٹھیک ہے باس!"

چنگیز اسی وقت کالی ٹوپی کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے چنگیز کو ناگ کی تصویر دے دی۔ یہ تصویر کالی ٹوپی نے چلتے وقت خفیہ کیمرے سے اتاری تھی۔ چنگیز نے ناگ کی تصویر کو غور سے دیکھا پھر تھوک کر بولا۔

"اس کی خیر نہیں۔ آج رات اس کی آخری رات ہے۔"

چنگیز وہاں سے سیدھا اہرام ہوٹل میں آگیا۔ اس ہوٹل کے کمرہ نمبر بارہ میں ناگ ٹھہرا ہوا تھا۔ ناگ ابھی اپنے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ عنبر اور ماریا کی تلاش میں شہر کے علاقے میں چکر لگا رہا تھا۔ چنگیز نے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور ہوٹل کے دروازے میں ایک طرف کھڑے ہو کر ناگ کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ کی تصویر اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی جیب میں تھی۔ رات کے دس بجے کے قریب چنگیز نے ایک ایسے سانولے سے نوجوان کو ٹیکسی سے اُتر کر ہوٹل کی طرف آتے دیکھا جس کی صورت تصویر سے بہت ملتی تھی چنگیز نے اُسی وقت جیب سے ناگ کی تصویر نکال کر دیکھا۔ ہو بہو وہی شکل تھی۔ اُس کا شکار اُس کے سامنے تھا چنگیز کی انگلیاں جیب کے اندر پستول کے ساتھ کھیلنے لگیں۔ ناگ ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے کمرے کو اندر سے بند کر لیا اور لباس بدل کر تاریخ کی ایک پرانی کتاب پڑھنے لگا۔

وہ ایک جگہ سے کھانا کھا کر آیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر کتاب پڑھ رہا تھا اور باہر چنگیز بے تابی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ ذرا رات گہری ہو اور وہ دروازہ توڑ کر اندر جائے اور ناگ پر گولیاں چلا کر اس کا کام تمام کر دے۔ ناگ کو چائے کی ضرورت محسوس ہوئی اُس نے فون پر چائے کا آرڈر دیا اور کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"چائے سر!"

"آتا ہوں۔"

ناگ اُٹھ کر گیا تو اُسے دروازے کے باہر دو آدمیوں کے

ذرا تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ناگ نے دروازہ کھولا تو بیرا چائے لے کر کھڑا تھا اور ایک اونچے لمبے آدمی سے اُلجھ رہا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"کیا بات ہے بیرا؟"

بیرے نے کہا۔ "سر! یہ آدمی کتنی دیر سے آپ کے کمرے کے آگے ٹہل رہا ہے۔ میں نے اسے یہاں سے جانے کو کہا تو مجھے گالیاں دینے لگا ہے۔"

ناگ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اُس نے چنگیز کو غور سے دیکھا اور کہا۔

"کیوں بھائی! آپ یہاں کس لئے ٹہل رہے ہیں؟" چنگیز نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"بس ذرا کھانا کھا کر ٹہل رہا تھا۔ چلا جاتا ہوں اگر آپ کو بُرا لگتا ہے تو۔"

اور چنگیز وہاں سے چلا گیا۔ بیرا چائے میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"سر! جنگ کے بعد اس شہر میں چوریاں بہت ہونے لگی ہیں۔ ذرا ہوشیار رہیے گا۔"

ناگ ہنس کر بولا۔ "شکریہ شکریہ! ارے بھائی ہمارے پاس کیا ہے جو چور لے جائیں گے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بیرا بولا۔ "نہیں جناب! یہ چور لوگ کسی کو جان سے مارنے سے بھی نہیں ڈرتے۔"

"کوئی بات نہیں میاں۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

بیرا چلا گیا اور ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ دروازے کو اندر سے بند کر کے تالہ لگا دیا پھر کمرے کی بتی بجھا کر ٹیبل لیمپ جلایا اور خاموشی سے چائے پینے لگا۔ چائے پی کر اُس نے ٹیبل لیمپ بھی بجھا دیا۔ اب کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔

باہر چنگیز قاتل ایک طرف کونے میں چھپ کر کھڑا تھا اور کمرے میں اندھیرا ہونے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ جونہی ناگ نے روشنی گُل کی تو چنگیز قاتل آگے بڑھا۔ اُس نے دروازے کے قریب جا کر ایک بجلی کی چھوٹی سی ریتی نکال کر دروازے کے اندر ڈالی اور بٹن دبا دیا۔ بغیر کسی آواز کے بجلی کی ریتی نے چلنا شروع کر دیا اور دروازے کی کنڈی اندر سے کٹ گئی۔ اس کے بعد چنگیز قاتل نے تالے میں ایک چھوٹی سی سلائی ڈال کر اُسے خاص طریقے سے گھمایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازے کا تالا کھل گیا۔

قاتل نے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا۔ دروازہ کھلا تھا۔

قاتل اندر کمرے میں آ گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ کھڑکی جو دوسری طرف بازار کی جانب کھلتی تھی اُس پر پردہ گرا تھا۔ قاتل نے دروازہ بند کر دیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر خاموشی سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کھڑکی میں سے بازار کی ہلکی روشنی پردے کے پیچھے سے اندر آ رہی تھی۔ اس دھیمی روشنی میں کمرے کی چیزیں معمولی سی نظر آ رہی تھیں۔ قاتل نے جیب سے پستول نکال لیا۔

اُس نے دیکھا کہ بستر پر کوئی شخص اوپر کمبل لپیٹ کر سو رہا ہے۔ چنگیز قاتل نے پستول کے آگے فولاد کا سائیلنسر چڑھا دیا۔ اس کی وجہ سے پستول چلنے کی آواز بالکل نہیں آتی تھی۔

اب چنگیز قاتل قدم قدم ناگ کے بستر کی طرف بڑھا۔ اُس کا شکار اُس کے سامنے پڑا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ بس قریب جا کر پستول کا ٹریگر ہی دبانا ہو گا اور شکار کا کام تمام ہو جائے گا۔

قاتل ناگ کے بستر کے قریب جا کر رُک گیا۔

وہ دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے پستول کی نالی ناگ کے سر پر سرہانے کے اوپر لگا دی۔ ناگ کا سر کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ چنگیز قاتل نے ٹریگر دبا دیا۔ "ٹھک" کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی پستول کی نالی میں سے نکل کر کمبل کے اندر گھس گئی۔ قاتل نے اس کے بعد دوسری گولی بھی چلا دی۔ پھر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تیسری گولی چلا دی۔ کمبل میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اس کا شکار ختم ہو چکا تھا۔

قاتل نے کمبل پرے پھینک دیا تاکہ وہ اپنے قاتل کی شکل دیکھ کر دل کو تسلی دے لے کہ وہ مر چکا ہے۔ جونہی اُس نے کمبل پرے ہٹایا اندر سے ایک سرہانہ لڑھک کر اس کے پاؤں میں آگرا۔ چنگیز قاتل کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اُس نے دیکھا کہ بستر پر سرہانے لگے تھے جن پر اس طرح کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ معلوم ہو کوئی سو رہا ہے۔ شکار بھاگ نہیں سکتا۔ وہ ضرور کمرے میں ہی کہیں ہوگا۔ اُس کو پتہ چل گیا تھا شکار نے بڑی مکاری سے کام لیا ہے مگر وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا اور اب تک وہ اسی کمرے میں ہے۔ یہاں سے کوئی بھی باہر نہیں نکلا۔ قاتل نے کمرے میں شکار کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر کمرہ سارے کا سارا خالی تھا۔ تو کیا وہ کھڑکی میں سے کود گیا ہے؟

قاتل نے پردے ہٹا کر کھڑکی کو دیکھا۔ کھڑکی بند تھی اور اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ وہ کچھ خوف زدہ سا بھی ہو گیا۔ کیونکہ ایک زندہ انسان اُس کی آنکھوں کے سامنے کمرے میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ وہ کچھ پریشان سا

ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ سانپ بن کر دیوار کے اوپر چپکا ہوا تھا۔ جونہی اُس نے قاتل کو باہر جاتے دیکھا۔ وہ دیوار سے اُترا اور اُس کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔

قاتل ہوٹل سے باہر آگیا۔ باہر رات تھی۔ ہوٹل کی روشنیاں چمک رہی تھیں۔ اتنے میں ایک ٹیکسی آ کر رُکی۔ قاتل اس میں سوار ہو گیا۔ ناگ بھی سانپ کی شکل میں ٹیکسی کے پیچھے چڑھ کر چھت سے لگ گیا۔ ٹیکسی روانہ ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ شہر ے باہر نکل گئی۔ قاتل اس وقت جرمن جرنیل کے پاس جا کر سارے حالات اُسے بتانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی شہر سے باہر آئی تو اس نے دریا کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ دریا رات کے اندھیرے میں خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ یہاں علاقے ویران تھے۔ دریا کنارے لمبے لمبے سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ دُور صحرا میں کسی قافلے کے گزرنے کی ہلکی ہلکی گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جب ٹیکسی کافی آگے نکل گئی اور ویران میدان آگیا تو ناگ نے ٹیکسی کی چھت پر بیٹھے بیٹھے ایک دم سے شیر کی شکل بدل لی اور زور سے دھاڑ مار کر چھت پر پنجہ مارا۔ ٹیکسی کے ڈرائیور نے شیر کی دل ہلا دینے والی آواز

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے ساتھ ہی چھت پر دھپ کی آواز سُنی تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ سمجھا کہ شیر نے حملہ کر دیا۔ اُس نے بریک لگا دی۔ ٹیکسی رُک گئی۔ شیر کی دھاڑ قاتل نے بھی سُنی تھی اور چھت پر شیر کے گرنے کی آواز بھی آئی تھی۔ اُس کو بھی خوف سے پسینہ آ گیا۔ وہ چیخ کر بولا۔

"ٹیکسی کیوں روک دی؟ بھاگو بھاگو صحرائی شیر نے حملہ کر دیا ہے۔"

مگر ٹیکسی ڈرائیور کانپ رہا تھا۔ اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ گاڑی چلا سکے۔ وہ سیٹ پر لیٹ گیا تھا۔ قاتل نے پستول ہاتھ میں لیا اور ڈرتے ڈرتے ٹیکسی سے باہر نکلا۔ باہر دیکھا وہاں کوئی شیر نہیں تھا۔ سمجھ گیا کہ شیر ٹیکسی پر سے چھلانگ لگا کر صحرا میں بھاگ گیا ہے۔

اُس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے چاہا کہ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس جا کر اُسے حوصلہ دے کہ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر دی اور بھاگ گیا۔ قاتل اس ویرانے میں دریا کے کنارے اکیلا رہ گیا تھا۔ اُس نے دیکھا۔ ذرا فاصلے پر جرمن جرنیل کی کوٹھی کی روشنی آ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اُسے پہلے ہی جلدی جلدی جرنیل کے ہاں پہنچ جانا چاہیے۔ قاتل دریا کے ساتھ ساتھ تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

اندر اندر وہ بھی ڈر گیا تھا۔ پستول کو اُس نے جیب میں نہیں رکھا تھا۔ ہاتھ میں ہی پکڑے ہوئے تھا۔ ابھی وہ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے کسی درندے کے پنجوں کی آواز آئی۔ قاتل رُک گیا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ اُس کی جان ہی نکل گئی۔ اس کے پیچھے چند قدم پر ایک شیر منہ پھاڑے کھڑا اُسے لال لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ قاتل نے ایک دم سے گولی چلا دی۔

مگر شیر اُچھل کر دُور چلا گیا تھا۔

اب جو قاتل نے دیکھا تو شیر غائب ہو چکا تھا۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ مگر ذرا حوصلے والا آدمی تھا۔ دریا کنارے چلتا چلا گیا۔ ایک جگہ وہ سرکنڈوں کے قریب سے گزرا تو اس کی نظر سرکنڈوں پر پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک اونچا لمبا ہاتھی سونڈ اُٹھائے اُسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر ہاتھی نے ایک چنگھاڑ ماری جس سے قاتل کا دل دہل گیا۔

وہ دنگ رہ گیا کہ یہاں ہاتھی کہاں سے آ گیا؟

اور وہ شیر کہاں چلا گیا؟ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟

اُس نے پستول چلائی مگر اس میں سے کوئی گولی باہر نہ نکلی۔ پستول کی ساری گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ بھاگا تو ہاتھی بھی اُس کے پیچھے بھاگا۔ وہ گر پڑا۔ موت اُسے سامنے نظر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اُٹھنے لگی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی ہاتھی نہیں تھا۔ وہ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے ایک سیاہ کالا ناگ اپنا خوفناک پھن پھیلائے اُس کے سامنے لہرا رہا ہے۔ قاتل نے بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتا گیا۔ بھاگتا گیا۔ آخر وہ جرنیل کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اور اس کے برآمدے میں دھڑام سے گر پڑا۔

سانپ غائب ہو چکا تھا۔

جرمن جرنیل اپنی خواب گاہ میں مطالعے کے بعد سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اُس نے برآمدے میں کسی کے گرنے کی آواز سُنی۔ وہ جلدی سے گاؤن پہن کر باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ برآمدے کی روشنی میں چنگیز قاتل بے ہوش پڑا ہے۔ وہ اُسے اٹھا کر اندر لے گیا اور پانی کے چھینٹے مار کر اُسے ہوش میں لایا۔ ہوش میں آ کر چنگیز نے ساری کہانی سنائی۔

دوسرا ڈاکہ

●

جرمن جرنیل نے چنگیز کو بہت ڈانٹا:

"تم اتنے بڑے اور تجربہ کار ہو کر واہمات سے ڈر گئے۔ آخر وہ انسان ہے کوئی جن بھوت نہیں ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ اگر تم نے اُسے قتل نہ کیا تو میں تمہیں گولی سے اُڑا دوں گا۔"

●

چنگیز نے کہا:

"جرنیل! یقین کرو وہ انسان نہیں کوئی جن بھوت ہے۔"

"بک بک بند کرو۔ یہ لو نیا پستول اور ابھی میری جیپ میں بیٹھ کر واپس ہوٹل جاؤ اور ہمارے دشمن کو ہلاک کر کے مجھے ٹیلی فون پر ہی خوش خبری سناؤ۔ اور یاد رکھو میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ ایک بار پھر تم ڈر گئے ہو۔"

"او کے سر!"

اور قاتل چنگیز بھرا ہوا پستول جیب میں ڈال کر جیپ میں سوار ہوا اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جیپ دریا کے کنارے کنارے اُڑی چلی جا رہی تھی۔ رات آدھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گزر چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی۔ صحرا بھی ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ قاتل اندر سے سہما ہوا تھا مگر اپنی جان بچانے کیلئے جیپ دوڑاتے لیے جا رہا تھا۔

مگر راستے میں ناگ بھی ہاتھی کا روپ بدل کر ایک جگہ سرکنڈوں میں چھپا اپنے قاتل کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی چنگیز کی جیپ سرکنڈوں کے پاس سے گزری۔ ہاتھی سرکنڈوں میں سے چنگھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس نے لپک کر جیپ پر اپنی کئی من وزنی سونڈ ماری۔ جیپ کی چھت پچک گئی اور وہ ایک طرف کو لڑھک گئی۔ قاتل چنگیز اچھل کر باہر جا گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا۔

وہ پستول کی طرف لپکا ہی تھا کہ ہاتھی اس کے سر پر آ گیا۔ قاتل زمین پر پڑا تھا اور ہاتھی اس کے اوپر سونڈ لٹکائے جھول رہا تھا۔ اس کی جان ہوا ہو گئی۔ موت سر پر کھڑی تھی۔ اتنے میں ہاتھی نے اپنا پاؤں اٹھا کر قاتل کی گردن پر رکھ دیا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ میں قاتل کو اٹھایا اور دریا میں لے جا کر ڈال دیا۔ پھر اسے کافی دیر تک، پانی کے اندر رکھا اور سونڈ باہر نکال کر اسے پھر پانی میں ڈال دیا۔ تین چار بار ایسا کرنے کے بعد جب ہاتھی کو

یقینی ہو گیا کہ اس کا شکار مر چکا ہے تو اسے دریا کے کنارے پھینک کر چنگھاڑتا ہوا صحرا کی طرف بھاگ گیا۔

دوسرے روز دریا کنارے چنگیز کی لاش ملی۔ اس کی جیپ ریت پر الٹی اور پچکی ہوئی تھی۔ زمین پر ہاتھی کے پاؤں کے نشان تھے۔ اخباروں میں شور مچ گیا کہ دریائے نیل کے کنارے کہیں سے ایک خونخوار ہاتھی آ گیا ہے۔ لوگ گھروں میں بیٹھے خوف زدہ ہو گئے۔ کیوں کہ دریا شہر کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ شام ہی کو لوگوں نے اپنے بچوں کو گھروں سے باہر نکالنا بند کر دیا۔

جرمن جرنیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ کوئی جادوگر ناگ کی مدد کر رہا تھا۔ لیکن ناگ کا قتل ہونا بہت ضروری تھا۔ اس نے جرمنی کے قومی خزانے کا سراغ لگا لیا تھا اور یہ راز اب فاش ہو گیا تھا۔ جرمنی جرنیل کو جرمنی کی خفیہ ہائی کمانڈ کی جانب سے حکم ملا تھا کہ ملک اور ملت کے نام پر اس شخص کو ہلاک کر دیا جائے جو ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرے۔

"اس شخص کو مارنا ایک قومی فرض ہے جس نے ہمارے قومی خزانے میں چوری کی ہے اور جس کو ہمارے خزانے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی خفیہ جگہ معلوم ہو گئی ہے

جرمن جرنیل کو اوپر سے یہ حکم مل چکا تھا۔ اُس نے ناگ کو قتل کرنے کے لیئے جس تجربہ کار قاتل کو مقرر کیا تھا وہ خود ہلاک ہو چکا تھا۔ اب اُس نے ایک دوسرے تجربہ کار اور بڑے تیز قسم کے قاتل کو چُنا۔ یہ شخص سارے علاقے کا سرغنہ تھا اور بڑا نامی گرامی قاتل تھا۔ اس کا نام ہی خونی تھا۔ خونی کو جرمن جرنیل نے ناگ کی تصویر دے کر کہا۔

”اسے آج ہی، ابھی جا کر ختم کر دو۔ جب آؤ گے تو دس ہزار روپے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

خونی نے جیب سے خنجر نکال کر اُسے چُوما اور کہا۔

”مجھے اس خنجر نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔“

خونی چلا گیا تو جرمن جرنیل نے شب خوابی کے کمرے میں جا کر ادجن ٹینا میں وائرلیس کرنا شروع کر دیا۔ ابھی اُسے سگنل نہیں مل رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے سامنے ناگ کھڑا ہے۔ جرنیل تو بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اُسے میاود کے سارے قصے یاد آنے لگے۔ اُس نے دراز میں سے پستول نکالنے کی کوشش کی ہی تھی کہ ناگ نے اپنی جیب سے پستول نکال کر اُس کا رُخ جرنیل کی طرف کر دیا۔

ہاتھ باہر کھینچ لو۔ نہیں تو میں گولی چلا دوں گا۔“

جرنیل نے ہاتھ باہر نکال لیا اور ناگ سے کہا:

”تم کیا چاہتے ہو؟“

”جو تم مجھ سے چاہتے ہو۔“

”کیا تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟“

”ہاں! اس لئے کہ تم مجھے ہلاک کروانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”تم میرے دشمن ہو۔ ہماری قوم کے دشمن ہو۔ تم نے ہمارے قومی خزانے میں چوری کی ہے۔“

”میں تو اگر چاہوں تو تمہارا سارا خزانہ اپنے قبضے میں کر سکتا ہوں۔“

”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”میں ایسا کر کے رہوں گا۔“

ناگ ہنسا۔ ”میں جانتا ہوں تم نے ایک اور خونی کو میرے قتل پر لگا دیا ہے۔ مگر یاد رکھو اس کا بھی حشر وہی ہوگا جو تمہارے پہلے آدمی چنگیز کا ہوا ہے۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔“

اتنا کہہ کر ناگ غائب ہو گیا اور ایک سانپ بن کر جرمن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جرنیل کی گردن سے لپٹ گیا۔ جرنیل پر لرزہ طاری ہو
سانپ نے بڑے سکون سے اُس کی گردن پر ڈس دیا۔
اس کے ساتھ ہی جرمن جرنیل کا گلا بند ہو گیا۔ ہاتھ پیر
جان نکلنے لگی اور وہ دھڑام سے کرسی پر سے گر پڑا۔
کمرے سے باہر آگیا۔ باہر آ کر اُس نے دیکھا کہ ایک
کار گیراج میں کھڑی تھی۔ ناگ انسان کی شکل میں آگیا۔
اُس نے گیراج میں سے کار نکالی اور اُسے سٹارٹ
کرکے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے جرمن لیڈر
کو ہلاک کر دیا تھا۔ اب وہ اُس خونی کی تلاش میں تھا جو ناگ
کی تلاش میں ہوٹل ابرام پہنچ چکا تھا۔ ہوٹل ابرام کے باہر
جا کر ناگ نے کار ایک طرف کھڑی کر دی اور سیڑھیاں چڑھ
کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اُس نے کھانا کھایا اور بستر پر
لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔

ناگ کو معلوم تھا کہ خونی نام کا ایک اور قاتل اس کی
تلاش میں ہے۔ ناگ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے
روشنی بجھا دی اور بستر پر سے اُٹھ کر سانپ کی شکل میں
دروازے کے اوپر دیوار سے لگ کر قاتل کے آنے کا انتظار
کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کسی نے باہر سے
کھولا۔ پھر وہی جرنیل کا بھیجا ہوا خونی ہاتھ میں خنجر لئے

ر آگیا۔

اُس نے ٹارچ روشن کر کے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔
بستر خالی تھا۔ خونی نے بتی جلا دی۔ کمرہ خالی تھا۔ سوچا ناگ
کہیں باہر گیا ہے پس آ رہا ہوگا۔ اُس نے بتی پھر سے
بجھا دی اور کونے میں ایک جگہ چھپ کر ناگ کا انتظار
کرنے لگا۔ ناگ تو سانپ بن کر دیوار کے ساتھ چپکا ہوا
تھا۔ سانپ نے دیوار پر کھسکنا شروع کر دیا۔ رینگتا ہوا اس
جگہ آگیا۔ جہاں ستون کے پیچھے خونی چھپا ہوا تھا۔ اسکے
ہاتھ میں خنجر تھا۔ ناگ کو خطرہ تھا کہ اگر اُس نے خونی پر
چھلانگ لگا دی تو وہ اُس پر خنجر سے وار کر سکے گا۔
پس ناگ نے دوسری طرف رینگنا شروع کر دیا۔ دوسری
بات یہ تھی کہ ناگ اِس شخص کو اپنے کمرے میں ہلاک نہیں
کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے شہر سے باہر لے جا کر دریا میں غرق
کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ناگ رینگتا ہوا دروازے تک آ
گیا۔ پھر اُس نے گہرا سانس لیا اور ایک دم سے انسان کی
شکل میں آگیا۔

کونے میں کھڑے خونی نے دیکھا کہ ناگ دروازے
ہر نمودار ہوا۔ اُس نے اندر جھانکا اور پھر باہر نکل گیا۔
خونی جلدی سے ناگ کے پیچھے پیچھے لگ گیا۔ ناگ تیزی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے ہوٹل سے باہر آگیا۔ اس نے ایک ٹیکسی لی اور اُس پر سوار ہو کر آگے چل پڑا۔ خونی نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ شہر سے باہر دریا کنارے جاکر ناگ نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ خونی نے بھی جو کہ بہت پیچھے تھا ٹیکسی چھوڑ دی۔

وہ ناگ کا پیچھا برابر کر رہا تھا۔ ناگ دریا کنارے ہوئے ایک جگہ سرکنڈوں میں چھپ گیا۔ خونی نے پہنچ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں اُسے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ خونی نے مُڑ کر سرکنڈوں میں دیکھا اُس کا ایک بار تو خون خشک ہو گیا۔ اُس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک بھیانک دانتوں اور لمبی اژدھا کی طرح لہراتی سونڈ والا ہاتھی کھڑا اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

خونی کے ہاتھ میں خنجر تھا جو کانپنے لگا اور پھر زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھی نے ایک زبردست چنگھاڑ ماری اور خونی پر حملہ کرنے کے آگے بڑھا۔ خونی پیچھے ہٹا۔ ہاتھی اُس کے سر پر آگیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ آگے بڑھائی اور خونی کو سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھا لیا۔ ہاتھی اُسے لے کر دریا کنارے آگیا۔ خونی نے سونڈ سے نکلنے کی

بڑی کوشش کی لیکن گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ اس سے آزاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہاتھی نے سونڈ کو پانی میں ڈبو دیا اور ایک غوطہ دے کر باہر نکال لیا۔ خونی زور زور سے چیخنے لگا۔ پانی اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسرے غوطے میں اُدھ موا سا ہو گیا۔ ناگ نے اُسے زمین پر لٹا دیا اور خود ہاتھی سے پھر انسان کی شکل میں آگیا۔ خونی نے جب ایک ہاتھی کو انسان بنتے دیکھا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس قسم کا تماشہ اور جادو اُس نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔ ناگ نے کہا:

"تم مجھے مارنے آئے تھے نا؟"

خونی چپ رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے ناگ کو تک رہا تھا۔

ناگ نے پھر کہا:

"اب میں تمہیں مارنے والا ہوں۔ کیا خیال ہے؟ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم نے اب تک کتنے آدمیوں کو قتل کیا ہے؟"

خونی کی زبان نہیں ہل رہی تھی۔ خوف کے مارے اس کی زبان پتھر کی بن گئی تھی۔ ناگ نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا:

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا تم جواب نہیں دو گے؟ تم نے کتنے انسانو خون کیا ہے؟"

خونی بولا:

"پندرہ ـــــــ میں پندرہ انسانوں کو قتل کر چکا ہوں۔"

"بہت خوب! آج میں ان پندرہ بے بس انسانو خون کا تم سے بدلہ لینے یہاں آیا ہوں اور تمہیں بھی لایا ہوں۔"

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟"

ناگ نے کہا:

"کیا تم نے اُن پندرہ میں سے کسی ایک کو معا تھا جن کو تم ہلاک کر چکے ہو؟"

"نہیں"

"تو پھر تمہارا انجام بھی وہی ہونا چاہیے جو میں چا ہوں۔"

ناگ باتیں کر رہا تھا اور خونی وہاں سے فرار ہونے ترکیب پر غور کر رہا تھا۔ جونہی اُس نے ناگ کو باتوں میں مص پایا تو اُس نے ایک دم سے ناگ کو پرے دھکا دیا اُٹھ کر ایک طرف کو بھاگ پڑا۔ رات کے اندھیرے وہ بہت جلدی غائب ہو گیا۔ ناگ اُسے زندہ نہیں چ

یا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور خونی کے پیچھے بھاگا۔ کافی چے آ کر ناگ نے دیکھا کہ خونی دور دریا کنارے بڑی تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ ناگ مسکرایا کہ پاگل کو کیا معلوم کہ موت س کے سر پر اُس کے ساتھ ساتھ اُڑی چلی جا رہی ہے۔ ناگ اُسی وقت ایک عقاب بن گیا اور ایک ہی اُڑان میں خونی کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس نے جھپٹ کر خونی کے سر پر حملہ کیا اور اتنی زور سے چونچ خونی کے سر پر ری کہ اُس کی چیخ نکل گئی۔ عقاب اوپر گیا اور غوطہ لگا کر جیٹ ہوائی جہاز کی طرح ناگ پر حملہ آور ہوا اور اس بار چھ اتنی زور سے چونچ اور پنجہ مارا کہ خونی کی کھوپڑی کی ھال ایک جگہ سے بالوں سمیت اُتر گئی۔ خونی زخمی ہو کر گر پڑا اور عقاب نے اُسے ہلاک کر دیا۔

پہاڑی کے غار میں دفن شدہ خزانے کا اب وہاں کوئی ک نہیں تھا۔ جو مصری سپاہی وہاں پہرہ دے رہے تھے نہیں خزانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ جرنیل جب وہاں نہ آیا تو وہ بھی پہاڑی غار کا پہرہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس خزانے کا مالک صرف ایک ہی جرنیل تھا جو ارجنٹینا میں بیٹھا تھا۔ اس کا نام گومز تھا۔ یہ بھی ایک بھگوڑا جرمن جرنیل تھا۔ اُس نے کئی روز تک مصر میں مقیم جرنیل کو وائرلیس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہوگا۔ چنانچہ جرنیل گومز نے خود آ کر تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ چونکہ بھگوڑا تھا اور اُسے گرفتاری کا ڈر تھا۔ اس لئے جرنیل گومز نے ایک عرب تاجر کا لباس پہنا۔ ڈاڑھی بڑھائی اور کچھ تجارت کا سامان لے کر قاہرہ پہنچ گیا۔ وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرا اور رات کو جرنیل کی کوٹھی پر گیا۔ یہاں کوٹھی خالی پڑی تھی اور جرنیل غائب تھا۔ سامان پر گرد پڑی تھی۔ کچھ سامان لوگ لوٹ کر لے گئے تھے۔

جرنیل گومز سمجھ گیا کہ جرنیل کو کسی نے مار ڈالا ہے۔

وہ عقل مند تھا۔ اس کوٹھی میں رہنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ہوٹل سے نکل کر شہر کے دوسرے کنارے پر ایک مکان کرائے پر لے لیا اور وہاں رہنے لگا۔ اب اُس نے اپنے ساتھی جرنیل کی کھوج کا کام چھوڑ کر خزانے کے معائنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک رات جب اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو ٹارچ لے کر اپنی سیاہ رنگ کی جیپ میں سوار ہو کر گھر سے نکلا اور سیدھا خزانے کی پہاڑی پر آ گیا۔ اُسے خزانے کے نقشے کا سارا علم تھا۔

اُس نے پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ اس خیال سے کہ جن لوگوں نے اس کے ساتھی جرنیل کو ہلاک کیا

ہے۔ کہیں انہوں نے خزانے پر بھی قبضہ نہ کر لیا ہو۔ وہ غار میں اتر گیا اور سیدھا سیڑھیاں طے کرتا تہہ خانے میں اُس چبوترے کے سامنے آ کر رُک گیا جس کے نیچے خزانہ دفن تھا۔ گومز نے جیب سے ایک ایسا چھوٹا سا آلہ نکالا جو زمین کے اندر گڑے ہوئے خزانے کا پتہ بتا دیتا تھا۔ گومز نے آلے کو زمین کے ساتھ لگایا تو اس کی سُوئی نے حرکت شروع کر دی۔ جرنیل گومز کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ زمین کے اندر خزانہ موجود تھا۔

گومز نے زمین کو چاروں طرف سے اچھی طرح دیکھا۔ وہاں کسی قسم کی کھدائی کے آثار نہیں تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ خزانے کو کسی نے بھی کھودنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تو پھر اس کے ساتھی کو کیوں ہلاک کر دیا گیا تھا؟ شاید ڈاکوؤں نے اس کے گھر پر ڈاکہ ڈالا ہو۔ جرنیل نے گولی چلا دی ہو اور ڈاکوؤں نے اُسے مار ڈالا ہو۔

بہرحال وہ غار سے خوش خوش باہر نکلا کہ ...... جرمنی کا نہایت قیمتی کروڑوں روپے کا نایاب خزانہ محفوظ تھا۔ کوٹھی آ کر اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور تجارتی سامان فروخت کر کے واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ خزانے کا نقشہ اُس نے اپنے اٹیچی کیس میں رکھ لیا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آدھی رات کو ایسا ہوا کہ اس کے مکان میں ایک چور داخل ہوا۔ وہ دبے پاؤں کمرے میں آکر قیمتی چیزیں تلاش کرنے لگا۔ لیکن اور تو کچھ نہ ملا۔ میز کے نیچے جرنیل گومز کا اٹیچی کیس پڑا تھا۔ چور نے اُسے اٹھایا اور مکان سے باہر نکل کر بھاگ گیا۔ گھر جا کر چور نے اٹیچی کیس کھول کر اس کی تلاشی لی تو اندر کچھ روپے کچھ کاغذات اور ایک چمڑے کی جلد والا نقشہ نکل آیا۔ چور کو سخت ناامیدی ہوئی کہ اتنی محنت بھی کی اور سوائے چند روپوں کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

چمڑے کی جلد والے نقشے کو وہ غور سے دیکھنے لگا کہ یہ کس چیز کا نقشہ ہے؟ پہلے تو اُسے یوں لگا جیسے کسی زمین کا نقشہ ہے۔ پھر غور کیا تو ایسے لگا جیسے کسی جگہ کانوں کی تلاش کے لئے نقشہ بنایا گیا ہے۔ چور کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اُس نے اگلے دن اپنے ایک ساتھی کو وہ نقشہ دکھایا۔ اس کا ساتھی بھی چور تھا اور کئی بار جیل جا چکا تھا۔

یہ چور سیانا تھا۔ اُس نے نقشہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ معاملہ کسی خفیہ خزانے کا ہے۔ اپنے دوست سے بولا:

"یار یہ تو کسی پرانی زمین کا نقشہ ہے۔ جہاں کبھی کسی نے بکریوں کا باڑہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو بے کار شے ہے۔"

پہلا چور بولا:

"میرا بھی یہی خیال تھا۔"

دوسرا چور نقشہ جیب میں ڈال کر گھر آگیا۔ گھر آتے ہی اُس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور موم بتی جلا کر نقشے پر غور شروع کر دیا۔ جوں جوں وہ غور کرتا جاتا تھا نقشے کی گتھیاں سلجھتی جا رہی تھیں۔ اس کو معلوم ہوا کہ نقشے پر ایک صحرا دکھایا گیا ہے۔ ایک دریا بھی ساتھ ہی ہے۔ دریا کے کنارے کنارے آگے جا کر ایک راستہ صحرا میں چلا گیا ہے۔ پھر کوئی پہاڑی کا نشان بنا تھا۔ اس پہاڑی پر تیر کی شکل بنا کر ایک غار کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس کے آگے ایک چوکور پتھر بنا تھا۔ چور آدھی رات تک غور کرتا رہا۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ دریا مصر کا دریائے نیل ہے۔ اس دریا کے ساتھ ساتھ آگے چل کر ایک راستہ مغرب کو صحرا میں جاتا ہے۔ اس صحرا میں ایک پہاڑی ہے۔ پس وہاں تک پہنچنا چاہیے۔

دوسرے روز چور نے نقشہ لیا اور خاموشی سے دریا کنارے آگیا۔ یہاں وہ کنارے کنارے چلتا چلا گیا۔ کافی دور جا کر اُس نے دیکھا کہ ایک راستہ بائیں طرف صحرا کی جانب گھوم گیا ہے۔ چور نے اُس راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ آسمان پر بادل تھے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جس کی وجہ سے فضا میں گرمی نہیں تھی۔ مگر حبس بہت تھا۔
چور اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ وہ گدھے پر سوار تھا اور گدھے کو صحرا میں ہنکانے لئے جا رہا تھا۔ جونہی وہ ریت کے ایک ٹیلے سے آگے آیا۔ اُس کے سامنے ایک چھوٹی سی پتھریلی پہاڑی کھڑی تھی۔

چور نے نقشہ نکال کر دیکھا۔ بالکل نقشے والی پہاڑی تھی۔ اور نقشے پر بھی یہی پہاڑی دکھائی گئی تھی۔ چور کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔

”اگر تو یہاں کوئی خزانہ دفن ہے تو مَیں دنیا کا امیر ترین اور خوش قسمت ترین انسان بننے والا ہوں۔“

چور تے سوچا۔ اُس نے ٹھیک سوچا تھا۔ کیونکہ نقشے کے مطابق وہ ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اب اس نے ٹیلے کے اردگرد ایک چکر لگایا۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ جس جگہ نقشے میں تیر کا نشان لگایا گیا ہے وہ جگہ کہاں پر ہے؟ آخر اُسے وہ جگہ مل گئی۔ پہاڑی کے دامن میں جھاڑیوں میں سے ایک جانور پھڑپھڑا کر اڑا۔ چور نے اُس طرف دیکھا تو اُسے زمین پر سگریٹ کے بُجھے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کوئی انسان بیٹھا تھا۔ اُس نے سگریٹ پی کر اسے وہاں بجھایا تھا۔

چور نے اُسی جگہ غار کے دروازے کی تلاش شروع کر دی۔ آخرکار وہ کامیاب ہوگیا۔ بائیں طرف پتھروں کے نیچے، جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس کو ایک پتھر سے بند کر دیا گیا تھا۔ چور نے اس پتھر کو ہٹایا تو دوسرے پتھر بھی گر پڑے۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بن گیا تھا۔ چور تے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک تنگ سا راستہ نظر آیا جو آگے جا کر دائیں طرف گھوم گیا تھا۔

چور کو یقین ہوگیا کہ یہی وہ راستہ ہے جو خزانے تک جاتا ہے۔ وہ سوراخ کے ذریعے غار کے اندر داخل ہوگیا۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ دائیں طرف گھوما تو اچانک ایک جگہ سیڑھی ملی جو نیچے جاتی تھی۔ یہاں چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ چور کچھ گھبرایا بھی مگر پھر خزانے کے شوق میں سیڑھی اُتر گیا۔ نیچے ایک دالان سا آگیا جسکی چھت اُونچی تھی۔ دیواریں تنگ تھیں اور درمیان میں ایک چبوترے پر ممی کا تابوت پڑا تھا۔

چور ڈر کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ خدا جانے ممی کے تابوت میں لاش نہ جاگ پڑے۔ اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس قسم کے اہرام میں ممی کی روحیں گھوما کرتی ہیں اور آدھی رات کو ممی بھی تابوت سے نکل کر سیر کرنے جاتی ہے۔ اُس نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ٹارچ کی روشنی میں تابوت کو اور اُس کے چبوترے کو غور سے دیکھا۔ یہ کوئی زیادہ پُرانا تابوت نہیں لگتا تھا۔

چور نے نقشے پر روشنی ڈالی تو نقشے میں تیر کے نشان پر یہی چبوترہ چوکور پتھر کی شکل میں دکھایا گیا تھا اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ ضرور خزانہ اسی چبوترے کے نیچے دفن ہوگا۔ چور نے سوچا کہ اُسے کھدائی کا سامان ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔ پس وہ جلدی سے غار سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر اُس نے غار کا منہ پتھروں اور جھاڑیوں سے اس طرح بند کیا کہ دیکھنے پر کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی غار ہے۔

چور واپس شہر آیا۔ اُس نے ایک کدال خریدی۔ رات کو جب چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تو وہ گدھے پر بیٹھا۔ کدال اور بوری اس پر لادی اور تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں صحرا میں پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوئی گھنٹے کے بعد وہ پہاڑی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے گدھے کو ایک طرف جھاڑیوں میں باندھا۔ کدال اور بوری اٹھائی اور غار میں داخل ہو گیا۔ یہاں بہت ہی اندھیرا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ بہت جلد ممی کے تابوت والے چبوترے پر پہنچ گیا۔ اب مرحلہ کھدائی کا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہاں کوئی بڑا

ہی قیمتی خزانہ دفن ہے جس کا خاص طور پر نقشہ بنایا گیا تھا۔ اگر خزانہ دفن نہ ہوتا تو نقشہ بنانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ چور نے تابوت کو بڑی مشکل سے اتار کر فرش پر رکھ دیا۔

اُس نے تابوت کو کھولا تو اُس کے اندر لاش کی بجائے پتھر اور ریت بھری ہوئی تھی۔ سمجھ گیا کہ خزانہ دفن کرنے والوں نے دھوکہ دینے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ س کا حوصلہ بڑھ گیا۔ لاش تابوت میں نہیں تھی۔ لاش کا خوف بھی اُس کے دل سے نکل گیا۔ اُس نے چبوترے کے پتھر کی دیوار کے ساتھ ہی کدال چلا کر زمین کھودنی شروع کر دی۔ وہاں زمین نرم اور ریتلی تھی۔

ایک گھنٹے کی محنت سے وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ لیکن اُس نے کافی زمین کھود دی تھی۔ وہ گڑھے میں اتر گیا تھا۔ اب وہ اسقدر تھک گیا کہ اُس نے کام دوسری رات کے لئے ملتوی کر دیا۔ وہ غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے غار کے منہ کو جھاڑیوں اور پتھروں سے بند کیا اور گدھے پر بیٹھ کر واپس گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُدھر آدھی رات کو جرمن جرنیل گومز خزانے کے معائنے کے لئے گھر سے نکلا۔ جیپ میں سوار ہوا اور سیدھا پہاڑی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے دامن میں پہنچ گیا۔ جیپ کھڑی کر کے وہ غار میں داخل ہو گیا۔ اُسے ان سارے رستوں کا پتہ تھا۔ وہ جب سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانے میں آیا اور ٹارچ کی روشنی ڈالی تو یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ ممی کا تابوت چبوترے سے نیچے پڑا تھا اور گڑھا کُھدا ہوا تھا۔ وہ لپک کر گڑھے کے پاس گیا۔ گڑھا کافی گہرا تھا۔ جرنیل کو یقین ہو گیا کہ ڈاکو خزانہ لے گئے ہیں۔ اُس نے خنجر نکال کر زمین کھودنی شروع کر دی۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ چوری تو نہیں ہوا؟

سانپ کی پھُنکار

●

جرمن جرنیل گومز کا خنجر کسی صندوق سے ٹکرایا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ خزانہ زمین کے اندر ہی تھا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹانے پر نیچے سے صندوق نکل آیا۔ اس قسم کے کتنے ہی صندوق اُس نے خود اپنے سامنے اس زمین میں دفن کرائے تھے۔ جرنیل نے صندوق کا ڈھکنا کھولا تو اچانک اُسے پھُنکار کی آواز سنائی دی۔ وہ پیچھے کو ہٹا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سفید کلغی والا سانپ پھَن پھیلائے لہرا رہا تھا۔

جرنیل کا دم خشک ہو گیا۔ مگر آخر جرنیل تھا۔ جنگ میں بڑے بڑے بہادروں کے کام کر چکا تھا۔ اُس نے آنکھیں سانپ کی آنکھوں میں ڈالے رکھیں اور آہستہ آہستہ جیب سے پستول بھی نکالنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ موت بالکل اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ آخر وہ جیب سے پستول نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ پستول چھوٹا تھا۔ جرنیل کا نشانہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہت اچھا تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھانے بغیر جیب کے پاس ہی پستول کا رُخ سانپ کے سر کی طرف کیا۔ نشانہ باندھا۔ آنکھیں سانپ کی آنکھوں میں ڈالے رکھیں اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ گولی پستول سے نکل کر سیدھی سانپ کے سر کو لگی اور اس کی گردن اور پھن کے پرزے اُڑ گئے۔

سانپ مر گیا۔ جرنیل نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اطمینان کا سانس بھر کر ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ پھر اُس نے خزانے کے جواہرات کو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اوپر سے کچھ جواہرات اُڑا لئے ہیں۔ پھر سوچا اگر کوئی ڈاکو یہاں تک آتا تو اُسے چند ایک جواہرات لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کم از کم آدھا صندوق تو بھر کر لے جاتا۔

جرنیل نے صندوق کا ڈھکنا بند کیا۔ گڑھے سے باہر نکل کر اس میں مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ اُس نے یہی سوچا کہ ڈاکو آیا ہوگا زمین کھود کر اگلے روز آنے کے لئے چلا گیا ہوگا۔ بہرحال اب جرنیل کو چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔

مجھے اس پر پہرہ دینا ہوگا۔ دیکھنا ہوگا کہ یہ ڈاکو کون ہے جو آدھی زمین کھود کر چلا گیا؟

دن نکل رہا تھا کہ جرنیل غار کا منہ ڈھانپ کر واپس اپنی جی پر آگیا۔ آتے ہی اُس نے ایک ہٹے کٹے حبشی کو بلا کر ی ڈیوٹی لگائی کہ وہ رات کو غار کے دروازے پر جا کر ہرہ دے۔ جرنیل نے اُس کو پستول اور گولیاں دے کر کہا:

"اگر تم سوائے میرے کسی اور کو غار میں داخل ہوتے پاؤ تو اسی وقت گولی چلا دینا۔ خبردار! کوئی شخص بھی اندر جانے کی کوشش نہ کرے۔ اس غار میں میرے ماں باپ کی قبریں ہیں۔ میرا ایک دشمن ان قبروں کو کھود کر میرے ماں باپ کی لاشیں اٹھا لے جانے کی کوشش میں ہے۔"

حبشی نے کہا:

"میں اس شخص کا کچومر نکال دوں گا۔ آپ بالکل بے فکر ہیں۔ جب تک میں اس غار کے باہر پہرہ دے رہا ہوں۔ کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی نے کوشش کی تو میں اُسے گولی مار دوں گا۔"

"ایسا ہی کرنا۔ اب تم جلدی سے وہاں جاؤ اور غار کے پر کسی جگہ اپنے لئے جگہ بنا لو اور پہرہ دینا شروع کر دو۔"

حبشی اسی وقت چلا گیا۔ اُس نے پہاڑی کے اوپر ایک جگہ پتھروں کو چن کر اپنے لئے ایک مورچہ سا بنا لیا اور اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ ایک سوراخ اس میں رکھا تھا جہاں سے وہ باہر کا سارا منظر دیکھ سکتا تھا۔ جرنیل نے اُسے کھانے پینے کی ہر شے ساتھ کر دی تھی اور کہا تھا کہ اسے وہاں دنیا کی ہر نعمت باقاعدہ پہنچتی رہے گی۔

دوسری طرف دن گزارنے کے بعد جب رات آئی تو چور نے بھی غار کی طرف چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ آکا اُس نے بھی اپنا نیا پستول جو اُس نے چھاؤنی کے ایک فوجی افسر کا چرایا تھا، بھرا۔ گدھے پر تھیلا لادا اور پانی کی چھاگل ساتھ رکھ کر اس پر سوار ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ صحرا میں رات کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

وہ گدھے پر سوار ٹیلوں کی طرف سے ہو کر جا رہا تھا۔ دل میں بڑا خوش تھا کہ آج اُسے خزانہ مل جائے گا اور دنیا کا امیر ترین آدمی بن جائے گا۔ پھر وہ چوری چھوڑ دے گا اور بہت سی زمین خرید کر ایک محل بنائے گا اور اس میں بادشاہوں کی طرح باقی زندگی بسر کرے گا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ ابھی وہ پہاڑی سے دور ہی تھا کہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں رک گیا۔

چونکہ وہ چور تھا اس لئے یہ اس کی عادت تھی کہ جس جگہ بھی چوری کرنے جاتا وہاں پہلے کسی بہانے یہ معلوم کر لیتا کہ گھر کے باہر کوئی چوکیدار تو پہرہ نہیں دے رہا؟ چنانچہ یہاں پہنچ کر بھی اُسے یہی خیال آیا۔ اُس نے ایسا کیا کہ خود تو ٹیلے کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور گدھے کو غار کے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

گدھا سیدھا پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔

وہاں صرف اُس جگہ گھاس اور جھاڑیاں تھیں جہاں غار کا دروازہ تھا۔ گدھا وہاں آ گیا اور جھاڑیوں میں منہ مارنے لگا۔ حبشی پہرے دار اوپر پتھروں میں مورچہ بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے جو ایک لاوارث گدھے کو جھاڑیاں چرتے دیکھا تو یونہی اُس سے کھیلنے کے لئے نیچے اُتر آیا اور اس نے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

چور نے دُور سے جو ایک ہٹے کٹے حبشی کو دیکھا کہ پہاڑی کے اوپر سے اُتر کر نیچے آیا ہے تو بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص کہاں سے آ گیا؟ فوراً خیال آیا کہ ضرور خزانے والوں نے پہرے دار بٹھا رکھا ہے۔ اپنی عقل مندی پر خوش ہوا۔ اگر وہ پہلے گدھے کو آگے نہ بھیجتا تو حبشی سے اس کی ضرور مڈھ بھیڑ ہو جاتی۔

اب کیا کرنا چاہیے۔ اتنے میں حبشی نے یونہی کھیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کیبل میں ہی خوشی میں آکر ہوا میں فائر کر دیا۔ فائر چ
آواز پرچور بھی چوکنا ہوگیا اور گدھا بھی بدک کر وہاں سے بھا
اور سیدھا اُس ٹیلے کی اوٹ میں آگیا جہاں اُس کا مالک
یعنی چور چھپا ہوا تھا۔ چور نے بھی پستول نکال لیا ک
اگر وہ حبشی ادھر آئے گا تو وہ اُسے گولی سے اڑا دے
گا۔ اب اُسے پکا یقین ہوگیا تھا کہ یہ حبشی پہرے د
ہی ہے جسے خزانے کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔
خزانے کے مالک نے اس کا کھدا ہوا گڑھا ضرور دیکھ لیا ہ
اُسے پتہ چل گیا ہے کہ کسی شخص نے خزانے کو چرانے
کی کوشش کی ہے۔ چور ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

مگر حبشی ٹیلے کی طرف گدھے کے پیچھے نہ آیا۔ رات
گزرتی جا رہی تھی۔ چور نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ
کم بخت حبشی تو برابر پستول لئے پہرہ دے رہا ہے
اگر سامنے سے اُس نے غار میں داخل ہونے کی کوشش
کی تو وہ گولی سے اُسے ہلاک کر دے گا۔ پھر کیا کیا جائے
آخر چور اسی فیصلے پر پہنچا کہ پہلے اس حبشی کو ہلاک کر
ہوگا۔ کیونکہ وہی خزانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہ
چور سوچنے لگا کہ وہ کس طرف سے جا کر حملہ کرے۔ اس نے
دیکھا کہ اگر وہ ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے ہو کر پہاڑی

کے عقب میں آجائے تو اوپر چڑھ کر حملہ کر سکتا ہے۔ چور
نے وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ ٹیلوں کے عقب سے
ہو کر ریت پر جھک کر چلتا ہوا پہاڑی کے پیچھے آگیا۔
پہاڑی خشک پتھریلی تھی۔ وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔
اوپر آکر اُس نے جھک کر دیکھا۔ سامنے چوٹی کے
پرلے کنارے پر ایک مورچہ سا بنا ہوا تھا۔

یہی اُس حبشی کا مورچہ تھا۔ چور نے پستول نکال کر ہاتھ
میں لے لیا اور پہاڑی پر سانپ کی طرح رینگتا ہوا مورچے
کی طرف چلا۔ اندھیرے کی وجہ سے اُسے فائدہ ہو رہا تھا۔
ویسے بھی وہ چور تھا۔ اُسے اس قسم کی وارداتوں کا تجربہ تھا۔
رینگتا ہوا وہ مورچے کے قریب آگیا۔ وہاں گہری خاموشی
تھی۔ ٹیلے کی طرف سے گدھے کے زور زور سے رینگنے کی
آواز آئی۔

اس آواز کے ساتھ ہی حبشی نے مورچے میں سے نکل
کر ٹیلے کی طرف دیکھا کہ جہاں گدھا بول رہا ہے کہیں ادھر
کوئی آدمی تو نہیں آگیا؟ اُس نے مورچے میں سے آدھا
دھڑ باہر نکالا ہوا تھا۔ چور کے لئے یہی موقع بڑا موزوں
تھا۔ اُس نے اندھیرے میں ہی نشانہ باندھا اور گولی چلادی۔
دھائیں کی آواز کے ساتھ صحرا گونج اٹھا۔ گولی مورچے کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پتھروں سے ٹکرا گئی۔

حبشی ایکدم سے مورچے میں چھپ گیا۔

اب وہ بھی خبردار ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے۔ یہ گدھا یونہی وہاں نہیں آیا تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی دشمن تھا جو جرتیل کے ماں باپ کی لاشیں نکالنے وہاں آیا تھا۔ حبشی نے سوچا اور مورچے میں سے گھوم کر پیچھے پہاڑی کی چوٹی پر دیکھا۔ یہاں اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ چور تو زمین کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

اس دوران میں چور رینگتا ہوا مورچے کی دوسری جانب آ گیا تھا۔ وہ مورچے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اُسے حبشی کا سر ایک بار دکھائی دیا جو جلدی سے نیچے ہو گیا۔ چور ذرا آگے رینگتا گیا۔ اب وہ پتھروں کی دیوار کی اوٹ میں تھا۔ اُس وقت اگر حبشی اٹھ کر فائر کرتا تو چور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وقت بڑا نازک تھا۔

چور کو جو کچھ کرنا تھا اسی وقت کر لینا چاہیے تھا۔ اب اُسے جرأت سے کام لینا چاہیے تھا۔ یہی ایک سنہری موقع تھا۔ پس چور نے پستول کو ہاتھ میں اچھی طرح

دبایا اور اُٹھ کر مورچے کی دیوار کے اُوپر آ گیا۔ اس کے اُٹھنے سے ایک پتھر لڑھکتا ہُوا نیچے گرا۔ اُس کے شور کی وجہ سے حبشی نے اوپر دیکھا اور گولی چلا دی۔ اُسے چور نظر آ گیا تھا۔

چور نے بھی اوپر تلے چھ سات فائر کر دیئے۔

اب حبشی کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ مورچے کے اندر بیٹھا تھا اور باہر نکل کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ چور کے لئے وہ بڑا آسان شکار تھا۔ چھ کی چھ گولیاں حبشی کے جسم سے پار ہو گئیں۔ وہ مورچے کے اندر ہی ٹیڑھا میڑھا ہو کر پڑ گیا اور دو تین سانس لینے کے بعد مر گیا۔

جب چور کو یقین ہو گیا کہ حبشی پہرے دار ختم ہو گیا ہے تو اُس نے مورچے میں داخل ہو کر حبشی کی تلاشی لی۔ اُس کی جیب میں گولیوں سے بھرا ہُوا ڈبہ تھا۔ پستول اُس کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا تھا۔ چور نے اس کے پستول کو بھر کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور تھرمس سے پانی پی کر پہاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ وہ بھاگ کر ٹیلے کی طرف گیا۔ اس کا گدھا ایک جگہ کھڑا حیرانی سے صحرا کی رات میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

چور اُسے ہانک کر غار کے دروازے پر لے آیا۔ اُس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے گدھے کو جھاڑیوں میں باندھا اور خود غار کے اندر چلا گیا۔ تہہ خانے میں جا کر دیکھا کہ گڑھا مٹی سے دوبارہ بھر دیا گیا تھا۔ ساری بات سمجھ گیا۔ کہ خزانے کا مالک آیا ہوگا۔ اُس نے گڑھا کھدا دیکھا۔ اور پھر اُسے دوبارہ بھروا کر ایک حبشی پہرے دار کو باہر کھڑا کر دیا کہ اب اگر کوئی شخص خزانہ چرانے آئے تو اسے ہلاک کر دیا جائے۔

لیکن بدقسمتی سے وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔

مصیبت یہ تھی کہ آج چور کدال ساتھ نہیں لایا تھا۔ اُسے تو یہ معلوم تھا کہ گڑھا کھدا ہوا ہوگا۔ اب کیا کیا جائے؟ زمین کس طرح سے کھودی جائے؟ اُس نے ہاتھوں سے مٹی کھودنے کی کوشش کی مگر تھوڑی دیر بعد ہی اُس کے ہاتھ تھک گئے۔ انگلیاں شل ہوگئیں اور مٹی بھی بہت تھوڑی کھدی۔

اب ایک ہی علاج تھا کہ وہ شہر جائے۔ گھر سے پھاوڑا اور کدال لائے اور زمین کو پھر سے کھودے۔ چور جلدی سے غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے گدھے کو کھولا۔ اُس پر بیٹھا اور اُسے دوڑاتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر گدھا آخر کتنی تیز بھاگ سکتا تھا۔ شہر آتے آتے کافی رات گذر گئی اور جب وہ کدال اور پھاوڑا لے کر باہر نکلا

تو سورج کی روشنی پھیل چکی تھی

دن کے وقت وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ چور نے سوچا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ جس شخص نے ایک حبشی کو وہاں پہرے پر بٹھایا ہے وہ ضرور اُس کی خیریت معلوم کرنے دن کے وقت وہاں آئے گا۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ یہی ہو سکتا تھا کہ ایک بار پھر رات پڑنے کا انتظار کیا جائے۔

اُدھر جرنیل نے بھی دن کے بارہ بجے کے قریب جیپ پکڑی اور عرب تاجر کے لباس میں پہاڑی کی طرف نکل آیا۔ یہ معلوم کرنے کہ خزانے کی پہاڑی پر رات کیا گذری؟ کیا ڈاکو خزانہ چرانے آئے؟ کیونکہ اُنہوں نے تو آدھا خزانہ کھود رکھا تھا۔

جرنیل نے پہاڑی کے پیچھے جیپ کھڑی کی۔ اور چلتا ہوا پہاڑی کے پاس آ گیا۔ اب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی بڑی معمولی تھی۔ پہاڑی بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اُسے بڑا تعجب تھا کہ اس کی جیپ کی آواز پر بھی حبشی مورچے سے باہر نہیں نکلا۔ اُس نے حبشی کو آواز دی۔ اس کی آواز پر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اب اُس کا ماتھا ٹھنکا کہ کوئی بات ضرور ہے۔ آخر یہ جواب کیوں نہیں دے رہا؟

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اُس نے اپنا پستول نکال لیا اور جُھک کر مورچے کی طرف چلنے لگا۔ اُسے جنگ کا زمانہ یاد آ گیا جب وہ دشمن کے مورچے کی طرف حملہ کرنے جایا کرتا تھا۔ مورچے کے قریب جا کر وہ پتھروں پر لیٹ گیا۔ اب وہ تھوڑا تھوڑا آگے رینگنے لگا۔ دوپہر کی روشنی میں اُسے مورچہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُس نے آہستہ سے ایک بار پھر حبشی کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ سمجھ گیا کہ بدبخت حبشی شہر چلا گیا ہے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مورچے میں آ کر جھانکا۔

جونہی اس کی نظر مورچے کے اندر پڑی وہ دھک سے رہ گیا۔ اندر پتھروں میں حبشی کی اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔ جرنیل نے جلدی سے مورچے میں اُتر کر حبشی کی لاش کو دیکھا۔ اس کے جسم پر گولیوں کے چھ نشان تھے۔ اس کی کھوپڑی سے بھی ایک گولی گذر گئی تھی۔ دشمن نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ جرنیل نے دیکھا کہ حبشی کا پستول اور گولیاں بھی غائب تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکو اس کی پستول بھی لے گئے تھے۔

اب اُسے خزانے کی فکر ہوئی کہ اگر ڈاکوؤں نے خزانے کے پہرے دار کو ہلاک کیا ہے تو وہ خزانے کو بھی ضرور لے گئے ہوں گے۔ وہ بڑی تیزی سے پہاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ غار میں داخل ہو کر بھاگ کر تہہ خانے میں پہنچا۔ ٹارچ روشن کی تو اس کی جان میں جان آئی۔ خزانے کا چبوترہ ویسے ہی تھا۔ ممی کا تابوت بھی ویسے ہی تھا اور زمین کسی نے تھوڑی سی کھود کر چھوڑ دی تھی۔

جرنیل نے ٹارچ کی روشنی میں زمین پر پاؤں کے نشان دیکھے۔ یہ نشان باہر سے اندر آ رہے تھے۔ چبوترے کے پاس آ کر رک گئے تھے۔ دائیں بائیں گھومنے کے نشان تھے۔ پھر یہی نشان واپس چلے گئے تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ڈاکو زیادہ نہیں ہیں۔ وہ کوئی ایک شخص ہے۔ اس نے حبشی کو ہلاک کیا۔ نیچے آیا۔ زمین کو ذرا سا کھودنے کی کوشش کی اور پھر ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ تو کیا وہ پھر آئے گا؟

وہ ضرور آئے گا۔ اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں خزانہ دفن ہے۔

جرنیل نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جس پہرے دار کو اس نے رکھا تھا وہ بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ ڈاکو کوئی بڑا مکار شخص لگتا ہے۔ کیا وہ خود وہاں پہرہ دے؟ یہ بھی وہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کب تک خشک و بنجر گرم پہاڑی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر پڑا رہے گا؟ پھر کیا کیا جائے؟ جرنیل نے سوچا کہ فوراً واپس چل کر کسی دوسرے پہرے دار کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ غار سے باہر نکلا۔ جیپ میں بیٹھا اور بڑی تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر میں اُسی حبشی کا ایک دوست بھی رہتا تھا جو جرنیل سے مل چکا تھا۔ اس کا نام ہلاکو تھا۔ ہلاکو بڑا سنگدل اور ظالم شخص تھا۔ قتل کے الزام میں دس سال سزا بھگت چکا تھا۔ جرنیل نے ہلاکو کو کوٹھی پر بلوایا۔ اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اُسے خوب گوشت پلاؤ کھلایا۔ اُسے روپے بھی دیئے اور وہی کہانی اُسے سنائی کہ غار میں اس کی ماں باپ کی قبریں ہیں اور اس کے دشمن ان قبروں کو کھود کر لاشیں نکال لے جانے کی کوشش میں ہیں۔

"اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر پہرہ دو۔"

ہلاکو راضی ہو گیا۔

"بس تم آج شام ہی وہاں چلے جانا۔ پہاڑی پر ایک پتھروں کا پرانا مورچہ بنا ہوا ہے۔ جو شاید جنگ کے زمانے کا ہے۔ تم کو وہاں رہ کر پہرہ دینا ہو گا۔ کوئی بھی غار کے اندر داخل نہ ہونے پائے۔ تمہیں وہاں ضرورت کی ہر شے پہنچ جایا کرے گی۔ اس کے عوض میں تمہیں ایک سو روپے

مہ دیا کروں گا۔'

جنگ کے زمانے میں یہ رقم بہت تھی۔ ہلاکو راضی ہو گیا اور شام کو پہاڑی پر جانے کے لئے کہہ کر چلا گیا۔ ے جاتے ہی جرنیل نے پہلا کام یہ کیا کہ جیپ لے کر بھاگم بھاگ پہاڑی پر پہنچا۔ حبشی کی لاش کو مورچے سے نکال کر ایک جگہ ریت کھود کر دفن کیا۔ اس کی چھاگل اور دوسری چیزیں جیپ میں رکھیں اور واپس اپنی کوٹھی آ گیا۔

شام ہوئی، پھر رات کا اندھیرا پھیلا تو چور نے سوچا کہ گدھے سے کام نہیں چلے گا۔ کسی کی جیپ چرانی چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ ایک کوٹھی کے صحن میں گیا۔ وہاں ایک جیپ کھڑی تھی۔ چور نے جیب سے نقلی چابی نکال کر جیپ سٹارٹ کی اور اُسے لے کر سیدھا پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کدال اور بیلچہ وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ رات کے اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس دھندلی روشنی میں وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر پہاڑی دکھائی دینے لگی۔ اُس نے کافی فاصلے پر ایک جگہ ٹیلے کی اوٹ میں جیپ کھڑی کی اور بیلچہ کندھے پر ڈال کر ٹیلوں کے پیچھے پیچھے سے ہوتا ہوا پہاڑی کے عقب میں آ گیا۔

اُسے معلوم تھا کہ آج بھی اوپر مورچے پر کوئی نہ کوئی پہرے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر ضرور موجود ہوگا۔ اس لئے وہ بڑا ہوشیار تھا اور ہر طرف سے چوکس ہو کر چل رہا تھا۔ پستول اُس نے بھی نکال کر ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور اور تجربہ کار چور تھا۔ وہ کسی صورت بھی خزانے سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ ہر قیمت پر خزانہ حاصل کرنے کا فیصلہ کرکے آیا تھا۔ لیکن خزانے تک پہنچنا مشکل بھی ہو گیا تھا۔ اس میں اب جان کا خطرہ تھا۔ دشمن بھی ہوشیار ہو گیا تھا۔

چور جب پہاڑی کی دوسری طرف سے اوپر چڑھا تو مورچے میں بیٹھے ہوئے ہلاکو کو آہٹ سنائی دی۔ وہ چوکنا ہوگیا۔ اُس نے مورچے کے سوراخ میں سے پیچھے کی طرف دیکھا۔ اُسے رات کے اندھیرے میں ایک سایہ رینگتا ہوا نظر آیا۔ سمجھ گیا کہ ڈاکو آگیا ہے۔ اُس نے پستول نکال کر سوراخ کے ساتھ لگا دیا۔ پھر نشانہ باندھ کر گولی چلا دی۔ ہلاکو اتنا اچھا نشانے باز نہیں تھا اور پھر رات کے اندھیرے میں وہ اچھی طرح سے نشانہ بھی نہ باندھ سکا تھا۔ گولی چور کے سر کے اوپر سے ہو کر نکل گئی۔

چور زمین پر لیٹ گیا۔ اُس نے فوراً پیچھے کھسک کر اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ اب وہ دوسری طرف سے پہاڑی پر چڑھنے

مغرب کی طرف پہاڑی کے اوپر کچھ بڑے بڑے پتھر پڑے تھے۔ چور اُن پتھروں کے پیچھے ہو کر قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ اُدھر ہلاکو مورچے میں پریشان تھا کہ ڈاکو کہاں ہے۔ کدھر چلا گیا؟ اور کس طرف سے حملہ کرے گا۔ اُسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکو آگیا ہے اور وہ ہوشیار ہے۔

چور کھسکتا کھسکتا مورچے کی مغربی جانب نکل آیا۔ اس طرف ہلاکو کی پیٹھ تھی۔ چور کی ساری خوبی یہ تھی کہ وہ سانپ کی طرح رینگتا چلا آرہا تھا۔ اس کے رینگنے کی ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ رینگتے رینگتے آخر مورچے کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کا دم پھول گیا تھا۔ ایک پل کے لئے وہ زمین کے ساتھ چمٹا پڑا رہا اور سانس ٹھیک کرتا رہا۔ جب وہ تازہ دم ہو گیا تو اُس نے پھر رینگنا شروع کر دیا۔

ایک پرندہ اُڑتا ہوا پہاڑی کے اُوپر سے گزر گیا۔ اس کی ہلکی سی آواز فضا میں پیدا ہوئی۔ بدقسمتی سے ہلاکو نے مورچے میں سے سر نکال کر پرندے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ بس اُسی لمحے ماہر نشانہ باز چور نے ہلاکو کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز آئی اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گولی بلاکو کے سر کو چھیدتی ہوئی آگے گزر گئی۔ وہ خاموشی سے مورچے میں گرا اور ختم ہو گیا۔

چور کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ شاید مورچے میں کوئی دوسرا شخص بھی بیٹھا ہو اور وہ حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے۔ مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ چور نے اُٹھ کر مورچے کا معائنہ کیا۔ بلاکو کی لاش مورچے میں پتھروں پر پڑی تھی۔ مورچے میں اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ چور نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر پہاڑی کے نیچے نظر ڈالی۔ کسی جگہ بھی کوئی شخص نہیں تھا۔

چور پہاڑی سے نیچے اُتر کر غار میں داخل ہو گیا۔ اُس نے تہہ خانے میں پہنچ کر زور لگا کر تابوت کو نیچے اتارا اور زمین کھودنی شروع کر دی۔ پہلے کُھدی ہوئی زمین کو کھودنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ زمین میں سے مٹی باہر پھینکنے لگا۔ کافی گہرا گڑھا ہو گیا تو نیچے سے صندوق دکھائی دیا۔ چور نے جلدی سے ڈھکنا اٹھایا۔ تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ صندوق بڑے قیمتی ہیرے جواہرات سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

چور کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ ناچنے لگا۔ پھر اچانک اپنی جگہ پر رُک گیا۔ پتھر سا بن گیا۔ اُسے

کسی چیز کی پھنکار سنائی دی تھی۔ یہ کس کی پھنکار تھی؟ چور نے آہستہ سے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کی جان خشک ہو گئی۔ اس کے پیچھے ایک سیاہ اور سبز رنگ کا سانپ پھن اٹھائے کھڑا اُسے لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا اور بار بار اپنی دو شاخوں والی زبان باہر نکال رہا تھا۔

چور کے جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ پستول جیب سے نکال کر اُس پر حملہ کرے۔ سانپ نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ اس کا خوفناک پھن آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ چور کی آنکھوں میں سانپ نے آنکھیں ڈال رکھی تھیں۔ چور نے آخر اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ آہستہ جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کی انگلیاں ٹھنڈے پستول سے ٹکرائیں۔ اُس نے بڑے سکون کے ساتھ مگر کانپتے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ پستول باہر نکال لیا۔ یہ زندگی اور موت کی گھڑی تھی۔

اگر اُس نے فائر ضائع کر دیا تو سانپ اُسے کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ چور نے پستول کو سیدھا کیا۔ ہاتھ کو نیچے رکھے ہوئے سانپ کے پھن کا نشانہ باندھا اور گولی چلا دی۔ افسوس! نشانہ چُوک گیا تھا اور سانپ ایک سیکنڈ میں غائب ہو چکا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صحرا میں چیخ

●

چور خوف زدہ ہو گیا تھا۔

زہریلا سانپ تہہ خانے میں موجود تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اگر سامنے ہوتا تو وہ مقابلہ بھی کرتا۔ اب کس سے مقابلہ کرے؟ سانپ کسی جگہ سے بھی کسی وقت نکل کر اُس پر حملہ کر سکتا تھا۔ چور نے ٹارچ روشن کر لی تھی اور دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر ٹارچ کی گول گول روشنی کو دائیں بائیں دیواروں اور زمین پر ڈال رہا تھا۔ وہاں سانپ کہیں نہیں تھا۔ کچھ دیر تک روشنی میں سانپ کو تلاش کرتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ شاید سانپ پستول کی گول سے ڈر کر بھاگ گیا ہے۔

یہ اُس کی بھول تھی۔

کیونکہ وہ خزانے کا سانپ تھا۔ ایسا ویسا عام سانپ نہیں تھا۔ سانپ اُسی جگہ تھا مگر موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ چور نے جب دیکھا کہ آدھا گھنٹہ گزر گیا ہے اور

سانپ وہاں نہیں آیا تو اُس نے ٹارچ کو زمین پر اس طرح سے رکھا کہ اس کی روشنی خزانے کے گڑھے پر پڑے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ تھیلا کھول کر اس میں جواہرات بھرنے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی تیزی سے یہ کام کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے جلدی تھیلا بھر کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ تھیلا جواہرات سے بھر گیا تو اُس نے اس کا منہ بند کیا۔ بیلچہ وغیرہ اُسی جگہ چھوڑا۔ تھیلے کو کندھے پر ڈالا اور ٹارچ کی روشنی میں تہہ خانے کے فرش اور دیواروں کو چاروں طرف سے دیکھا۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ سانپ وہاں کہیں بھی نہیں ہے تو وہ آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کے سامنے اندھیری غار تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ قدم قدم باہر کی طرف چلا۔ غار میں کسی جگہ اُسے سانپ نہ ملا۔ چور خوش بھی تھا اور ڈر بھی رہا تھا۔ خوش اس لئے تھا کہ اُسے کروڑوں روپوں کے خزانے کا سراغ مل گیا تھا اور ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں کسی جگہ سے اچانک سانپ نکل کر سامنے نہ آ جائے۔

اب وہ غار کے منہ پر آ گیا۔ باہر اُسے آسمان نظر آیا جس پر ستارے چمک رہے تھے۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے ایک ہی چھلانگ لگائی اور وہ غار سے باہر تھا۔ باہر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آتے ہی اُس نے ریت پر اُس ٹیلے کی طرف بھاگنا شروع کر دیا جہاں اس کی جیپ کھڑی تھی۔ جیپ ابھی تک ویسے ہی اسی جگہ کھڑی تھی۔ اُس نے تھیلے کو جیپ میں رکھا۔ ایک بار پھر اس کا منہ کھول کر جواہرات اور ہیروں کا معائنہ کیا۔ رات کے اندھیرے میں ہیرے جواہرات ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ دمک رہے تھے۔ یہ بڑے ہی قیمتی جواہرات تھے۔

چور کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ باقی ساری زندگی بادشاہوں کی طرح بسر کرے گا۔ اُس نے تھیلے کو جیپ میں رکھا اور خود آگے بیٹھ گیا تاکہ جیپ کو سٹارٹ کر کے وہاں سے بھاگ جائے۔ ابھی اُس نے جیپ سٹارٹ ہی کی تھی کہ انجن بند ہو گیا۔ وہ اُتر کر انجن کو دیکھنے لگا۔ شاید انجن میں پانی ختم ہو گیا تھا۔ اُس نے چیک کیا تو پتہ چلا کہ پانی موجود تھا۔ وہ جھک کر نیچے تکنے لگا۔ جیپ کے نیچے اُسے ستاروں کی ہلکی روشنی میں ریت پر ایک بڑا گیلا ٹکڑا دکھائی دیا۔

چور نے سونگھا تو وہ پٹرول تھا۔ جیپ کی کوئی نلکی اندر سے ٹوٹ گئی تھی اور سارا پٹرول بہہ کر ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ چور نے اپنا سر پیٹ لیا۔ مگر وقت بہت کم تھا۔ بلکہ سوچنے کے لئے بھی اُس کے پاس وقت

نہیں تھا۔ اُس نے جواہرات کا تھیلا کندھے پر اٹھایا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ ریت میں اُس کے پاؤں دھنس رہے تھے۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا ریت زیادہ نرم ہوتی جا رہی تھی۔ چور نے راستہ بدلنے کی کوشش کی اور ذرا ایک طرف کو ہو کر آگے چلنے لگا۔

اندھیرے میں وہ راستہ بھول گیا تھا اور ٹیلوں کے بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ پھر وہاں اچانک تیز ہوا چلنے لگی۔ چاروں طرف گرد و غبار کا بادل چھا گیا۔ پہلے ہی وہاں رات کا اندھیرا تھا۔ اب رہی سہی کسر آندھی نے پوری کر دی۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا۔ ایک گز کے فاصلے پر کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ چور رُکا نہیں وہ چلتا گیا۔ ریت میں اس کے پیر دھنس رہے تھے مگر وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر وہ وہیں رُک جاتا تو شاید بچ جاتا۔ لیکن وہ بڑھتا چلا گیا۔

یہی اُس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

ساری رات وہ چلتا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ٹھیک سمت کو جا رہا ہے اور صبح کی روشنی پھیلنے پر وہ شہر کے قریب پہنچ جائے گا۔ مگر جب صبح ہوئی اور آندھی تھمی اُس نے دیکھا کہ اُس کے چاروں طرف صحرا ہی صحرا پھیلا ہوا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رات کی آندھی نے کئی ریت کے ٹیلوں کو اڑا کر دُور پھینک دیا تھا۔ کئی چھوٹے چھوٹے ریت کے نئے ٹیلے بن گئے تھے۔ صحرا کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ وہ صحرا ہی نہیں تھا جسے اُس نے شام کے وقت دیکھا تھا۔ چور کو یہ بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ شمال کدھر ہے اور جنوب کدھر ہے۔ مشرق کس طرف ہے اور مغرب کس طرف۔ صرف سورج نے نکل کر اُسے بتایا کہ مشرق اس طرف ہے۔ اس حساب سے اُس نے مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اُس کے اندازے کے مطابق شہر کو مشرقی علاقے کی طرف ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر چور نے مشرق کو ایک ایسے ٹیلے کی اوٹ سے دیکھا تھا جس کا رُخ جنوب کی طرف تھا۔ دوپہر تک وہ چلتے چلتے تھک گیا۔ اس نے جواہرات کا تھیلا بھی اٹھا رکھا تھا۔ تھیلے کا بھی بوجھ تھا۔ پیاس سے چور کی زبان خشک ہو رہی تھی۔ وہ ریت پر پڑ گیا۔ تھوڑا سا دم لے کر اُس نے دُور ایک ٹیلہ اور ایک درخت دیکھا اور اُس کی طرف چل پڑا۔ قریب جا کر اُس نے ٹیلے کے پاس اُگے ہوئے کھجور کے درخت کو خنجر سے تھوڑا سا کاٹ کر اس کی نمی سے حلق تر کیا۔ اُس کے تنے کا گودا کھا لیا۔ ذرا اُسے ہوش آیا تو اُس نے ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ کر سوچنا شروع کیا کہ وہ کہاں نکل آیا ہے؟

وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا مگر اس صحرا میں کبھی نا آگے نہیں آیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اس صحرا میں بغیر کسی گائیڈ یا نقشے کے سفر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ کیونکہ اس صحرا میں اگر آدمی ایک بار راستہ بھول جائے تو پھر وہ کبھی واپس نہیں آ سکتا تھا۔ پس وہیں س کی لاش گدھ کھاتے تھے۔ کئی ایسے مسافر جو اکیلے بغیر ی گائیڈ کے صحرا میں گئے پھر واپس نہیں آئے تھے۔

شام تک چور اسی ٹیلے کی تھوڑی سی چھاؤں میں پڑا رہا۔ پھر جب شام کی ٹھنڈی ہوا چلی تو اُس نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ اب اُس نے ایک اندازہ لگایا اور چلنا شروع کر دیا۔ اپنے خیال کے مطابق وہ شہر کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ صحرا کے اندر ہی اندر آگے ہی آگے چلا جا رہا تھا۔ موت اور ہلاکت کی وادی میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ساری رات وہ گرتا پڑتا ریت پر قدم قدم چلتا گیا۔ صبح کے وقت وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر ریت پر گر پڑا۔ اس کا جواہرات سے بھرا ہوا تھیلا بھی پاس ہی ریت پر پڑا تھا۔ پیاس سے اس کی زبان ہونٹوں سے باہر ئی تھی۔ بھوک سے آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جسم میں اتنی بھی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ ایک قدم اٹھا سکتا۔ اوپر سے سورج نے چمکنا شروع کر دیا۔ وہاں سایہ بھی نہیں تھا۔ صحرا کی دھوپ بڑی قیامت کی ہوتی ہے۔ آسمان سے آگ برسنے لگی تھی۔ گرم ہوا چل رہی تھی۔ ریت انگاروں کی طرح تپ رہی تھی۔

چور کے جسم سے جان نکلنے لگی۔ اس نے دھوپ کی شدت سے بچنے کے لئے جواہرات کا تھیلا اپنے منہ کے اوپر کر لیا۔ وہ دھوپ کی شدت سے تو بچ گیا مگر حبس نے اس کا دم گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس کا سانس بند ہونے لگا۔ چور نے جلدی سے جواہرات کے تھیلے کو پرے پھینک دیا۔ تھیلا منہ سے ہٹا تو اس کو سانس آیا۔

پیاس نے اس کے ہونٹوں پر کانٹے ڈال دیئے تھے۔ اس کے منہ اور ناک میں ریت دھنسنا شروع ہو گئی تھی۔ اور ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ آنکھوں، منہ اور ناک سے ریت ہی نکال کر باہر پھینک سکے۔ سارا دن چور گرم ریت پر تیز دھوپ میں پڑا جلتا رہا۔ اس کی کھال جل کر سیاہ ہو گئی۔ آنکھیں اندر کو دھنس کر چھوٹی ہو کر سکڑ گئیں۔ سر کے بال جل کر گرنے لگے تھے۔ منہ میں ریت بھرنا شروع ہو گئی۔

آخر رات کے پچھلے پہر اس نے پیاس اور گرمی کی شدت سے اس نے دم توڑ دیا۔ اب صبح کا سورج طلوع ہوا تو اس کی روشنی نے ایک عبرت ناک منظر دیکھا۔ صحرا کی تپتی ریت پر ایک سوکھی جلی ہوئی س پڑی تھی۔ جس کے منہ آنکھوں، کان اور بالوں ریت پھنسی تھی۔ اور اس کے قریب ہی کروڑوں روپے، ہیرے، ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھیلا رکھا تھا۔ اس میں اتنی قیمت کے ہیرے تھے کہ اگر وہ شہر میں ہوتا تو اسے کر اور شہر کی ساری آبادی کو پچاس سال تک ٹھنڈے شربت کی بوتلیں پلا سکتا تھا اور کھانا کھلا سکتا تھا۔ لیکن وہ ا راتت میں مر کر ساری دولت، سارے جواہرات اس کے سر ہی پڑے رہ گئے اور اسے پانی کی ایک بوند بھی نہ ملی۔ پسو

پھر دن چڑھا تو گدھ کھول اس کی لاش کے اوپر منڈلانا شروع کر دیا۔ وہ اتر باتیں کی کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئیں اور مزے لے لے کے انہوں نے چور کی لاش کا بچا کھچا گوشت نوچ کھسوٹ کر کھانا شروع کر دیا۔ شام تک گدھوں نے اس کی لاش کا سارا گوشت ہضم کر لیا تھا اور اب صرف اس کی سفید ہڈیاں ریت پر پڑی تھیں۔ یہ سفید ہڈیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ہیتم کو ادھر سے دو اونٹ سوار گزرے۔ انہوں نے ریت پر ایک انسانی پنجر اور کھوپڑی دیکھی تو رُک گئے پھر آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ اچانک ان کی نگاہ ایک تھیلے پر پڑی۔ دونوں اپنے اپنے اونٹوں سے اتر آئے۔ نیچے نکلتے تھیلے کے پاس گئے۔ جونہی اُسے کھولا۔ دونوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اتنے بڑے اتنے حسین اور اتنے قیمتی جواہرات انہوں نے ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ششدر رہ گئے۔ وہ دونوں سمگلر قسم کے آدمی تھے اور سرحدوں پہ ریشم الیکٹرانکس کے سامان کی سمگلنگ کرتے تھے۔

اب جو انہوں نے اتنی ڈھیر ساری دولت ہیرے جواہرات کی شکل میں دیکھی تو خوشی سے ان کے منہ کے کنول کھل گئے۔

"یہ ضرور کوئی سمگلر ہوگا جو یہ ہیرے سمگل کرنے آیا اور صحرا میں راستہ بھول کر یہیں ریت میں ہی سما گیا۔"

دوسرا بولا:

"کوئی اناڑی لگتا ہے ورنہ تو یہاں کے تمام سمگلروں کو صحرائی راستوں کا علم ہے۔"

"یہ تو بہت زیادہ جواہرات ہیں۔ میرا خیال ہے ان کی قیمت کروڑوں روپے تک ہوگی۔"

"بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس میں جو یاقوت اور زمرد

ہیں وہ بڑے سائز کے ہیں اور بے حد قیمتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی سے آدھوں آدھ اسے پس میں بانٹ لینا چاہیے تاکہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔"

ان دونوں سمگلروں نے ہیرے جواہرات کو آدھا آدھا پس میں بانٹ لیا اور اپنے اپنے حصے کے جواہرات پنے اپنے تھیلوں میں ڈال کر اونٹ پر بیٹھے اور شہر ی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی شہر کافی دُور تھا اور انہیں ستے میں ہی رات آگئی۔ رات کو وہ سفر ضرور کرتے ن کے اونٹ تین دن کے سفر سے تھک گئے تھے اور نہیں بھوک بھی لگ رہی تھی۔ پس وہ اونٹوں سے اُترے۔ ریت پر دری بچھا کر کھانا کھول کر کھانے لگے۔ کھانے ے بعد انہوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کر دیں ن دونوں کے درمیان دولت کے آتے ہی ایک خاموش نگ شروع ہو گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ ان کے پاس جواہرات آتے وہ دونوں ک دوسرے کے بڑے اچھے دوست تھے۔ مگر اب ایک وسرے پر شک کرنے لگے تھے۔ ہر ایک یہی سوچتا تھا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کر اگر وہ سوگیا تو دوسرا اُسے سویا ہوا پاکر ہلاک کر دے گا اور اس کی دولت پر قبضہ کرلے گا۔ اس وجہ سے دونوں میں سے کوئی بھی نہیں سو رہا تھا۔ انہیں نیند آ رہی تھی مگر وہ جاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور یونہی اِدھر اُدھر کی بیکار باتیں کئے جا رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے کی نیّت کو بھانپ گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خیالات پڑھ لئے ہیں۔ مگر ظاہر کوئی بھی نہیں کر رہا تھا۔ ظاہر دونوں یہی کر رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے سچے دوست ہیں اور یونہی جاگ رہے ہیں۔

"یار میں تو سوتے سوتے تھک گیا ہوں۔ آج تو مجھے بالکل ہی نیند نہیں آ رہی۔"

دوسرا بولا:

"پتہ نہیں کیا بات ہے آج میں بھی اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کر رہا ہوں۔ میری آنکھوں میں بھی نیند بالکل نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے آج کی رات ہمیں باتیں کرتے گذار دینی چاہیے۔ سو لیا بہت ہم نے۔"

"ہاں بڑا نیک خیال ہے۔"

اور انہوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کر دی۔ لیکن نیند اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی۔ کئی بار کسی ایک کو اونگھ آتی تو اس کی گردن اپنے آپ ایک طرف کو ڈھلک جاتی۔ وہ جلدی سے چونک کر گردن کو اُوپر اٹھاتا اور کھسیانا سا ہو کر کہتا:

"یونہی اونگھ آگئی تھی۔ نیند تو مجھے بالکل نہیں آ رہی۔"

اسی طرح دوسرے کو اونگھ آتی تو وہ بھی جلدی سے سنبھل کر بیٹھ جاتا اور ذرا مسکرا کر آنکھیں ملتے ہوئے کہتا:

"میں بھی یونہی اُونگھ گیا تھا۔ وگرنہ نیند تو مجھے بھی بالکل نہیں آ رہی۔"

"میرا خیال ہے قہوہ بنانا چاہیے۔"

انہیں نے آگ جلا کر قہوہ بنا کر پیا۔ گرم گرم قہوے نے انہیں تھوڑی دیر کے لیے ہوشیار کر دیا۔ لیکن ایک گھنٹے کے بعد پھر نیند نے حملہ کر دیا۔ نیند ایک قدرتی شئے ہے۔ اور قدرتی چیز کوئی نہیں روک سکتا۔ نیند تو کہتے ہیں کہ سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں ستمگر دوستوں کو بھی نیند نے پوری طرح اپنی مُٹھی میں لے لیا اور وہ بار بار اونگھنے اور بار بار ڈھلکی ہوئی گردن اوپر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا کر ایک دوسرے سے معذرت کرنے لگے۔ مگر کب تک؟ آخر نیند نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی سمجھوتہ کر لیں۔ ایک سمگلر بولا:

"یار! اصل بات یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی دوسرے پر بھروسہ نہیں ہے۔"

"ہاں یار تم ٹھیک کہتے ہو۔ کم بخت دولت نے آتے ہی ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے۔"

"پھر اس کا علاج تو ہے۔"

"وہ کیا؟"

"دیکھو بھائی۔ ہماری نیت پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ ہم ایک دوسرے کے وفادار ہیں۔ لیکن پھر بھی بندہ بشر ہیں۔ دل میں کوئی ایسا ویسا خیال آ بھی سکتا ہے اس لئے میں نے ایک بات سوچی ہے۔"

"وہ کونسی ترکیب ہے؟"

"یہی کہ پہلے میں سو جاتا ہوں تم پہرہ دو۔ پھر تم سو جاؤ اور میں پہرہ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے مگر پہلے تم سوؤ اور میں پہرہ دوں گا۔"

"نہیں۔ پہلے تم سوؤ۔ میں پہرہ دوں گا۔"

آپس میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ کوئی بھی پہلے سونے پر

تیار نہ ہوا۔ ہر ایک کو یہی ڈر تھا کہ اگر میں پہلے سو گیا تو دوسرا مجھے سوتے میں ہلاک کر کے میرے حصے کی دولت پر قبضہ کر لے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں جاگتے کی کوشش کرتے رہے اور دونوں بار بار اونگھتے رہے۔

آخر ایک سمگلر کی موت آ گئی تھی۔ اُسے ایک بار ایسی اونگھ آئی کہ وہ سو گیا اور جلد ہی خراٹے لینے لگا۔ دوسرا سمگلر بھی اونگھ رہا تھا اور بڑی مشکل سے اپنی بار بار ڈھلکتی گردن کو سنبھالا دے رہا تھا۔ اب جو اُس نے خراٹوں کی آواز سنی تو ہوشیار ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا ساتھی خوابِ غفلت میں سو رہا ہے۔ وہ شاید اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ بڑا سنہری موقع مل گیا تھا۔

اُس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا۔ کمر کے گرد لگا ہوا خنجر نکال کر کھسکتا ہوا دوسرے ساتھی کے پاس گیا اور آن کی آن میں اُس کے دل میں خنجر گھونپ دیا۔ دوسرا بے چارہ چیخ بھی بلند نہ کر سکا اور وہیں لڑھک گیا اور ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ اِس کا ساتھی بڑا خوش ہوا۔ اُس نے اپنے مرے ہوئے ساتھی کے جواہرات بھی اپنے تھیلے میں ڈالے۔ اپنے اونٹ پر بیٹھا اور اُسے لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔

آدھی رات باقی رہ گئی تھی۔ سمگلر جواہرات کا تھیلا اونٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر رکھے بڑا خوش جا رہا تھا۔ وہ کروڑ پتی بن گیا تھا۔ اُسے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ راتوں رات کروڑ پتی بن جائے گا۔ چلتے چلتے صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اُس پہاڑی کے قریب سے گذرا جہاں سے یہ خزانہ چُرایا گیا تھا۔

اُدھر ایسا ہوا کہ آدھی رات کو جرنیل کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے سوچا کہ ذرا خزانے کی پہاڑی پر چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ کہیں ڈاکو نے آ کر نئے چوکیدار بلاکو کو بھی قتل تو نہیں کر دیا۔ اُس نے جیپ پکڑی اور پہاڑی کے دامن میں آ گیا۔ جیپ ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی کر کے وہ پہاڑی پر سیدھا اُس مورچے میں آیا جہاں بلاکو پہرہ دے رہا تھا۔

وہاں جو آیا تو اُس نے بلاکو کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ کچھ گھبرایا۔ جلدی سے مورچے کے اندر جھانکا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس پہرے دار کو بھی ڈاکو نے ہلاک کر دیا تھا۔ جلدی سے نیچے غار میں آیا کہ جا کر دیکھے خزانہ موجود ہے کہ نہیں۔ وہاں جا کر جو دیکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ صندوق آدھا خالی ہے۔ اس میں سے آدھے جواہرات غائب ہیں۔ کچھ باہر گرے پڑے ہیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو جلدی میں تھا اور جواہرات تھیلے میں ڈال کر بھاگ گیا۔

یہ نہ صرف خزانے کا نقصان تھا بلکہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ڈاکو نے خزانے کا ٹھکانہ دیکھ لیا تھا اور اب وہ باقی خزانہ بھی چُرا کر لے جا سکتا تھا۔ جرمن جرنیل کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ خزانے کے سارے صندوق وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرتا۔ یہ بہت بڑا کام تھا اور اکیلا جرنیل یہ کبھی نہیں کر سکتا تھا۔

جرنیل آگ بگولا ہو گیا تھا۔ غصے سے کانپ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جرمن قوم کی قومی دولت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اب کسی وقت بھی اس خزانے کو لوٹا جا سکتا تھا۔ پریشان ہو کر غار سے باہر نکلا اور پہاڑی کے اوپر آ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس خیال سے کہ شاید ڈاکو کہیں قریب ہو تو نظر پڑ جائے۔

اتفاق سے اسی وقت سمگلر اونٹ پر سوار پہاڑی کے قریب سے گزرا۔ جرمن جرنیل نے اُسے دیکھا تو ایک دم چھپ گیا۔ ابھی اُسے یقین نہیں تھا کہ یہی ڈاکو ہو گا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ سمگلر اونٹ کو بھگائے لئے جا رہا ہے تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ اُس نے پہاڑی سے تیزی کے ساتھ اترنا شروع کر دیا۔ جب وہ نیچے آیا تو اُس وقت اونٹ سوار سمگلر اس کے قریب سے گزر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

رہا تھا۔ صبح کی روشنی ابھی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ جھٹپٹے کا سماں تھا۔ اونٹ سوار سمگلر نے بھی ایک سایہ اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ وہ اور تیز ہو گیا۔

اُسے تیز ہوتا دیکھ کر جرمن جرنیل کو پکا یقین ہو گیا کہ یہی وہ ڈاکو ہے۔ پس اُس نے زمین پر گھٹنے ٹیک کر نشانہ باندھا اور پستول سے فائر کر دیا۔ گولی آگے نکل گئی۔ سمگلر نے گولی کی آواز سُنی تو گھبرا کر اونٹ کو اور تیز بھگانے کے واسطے مارنا شروع کر دیا۔ اونٹ نے جب دیکھا کہ اُس کا مالک اُسے مار رہا ہے تو وہ غصے میں آ گیا۔ وہ رُک گیا اور اُس نے دائرے کی شکل میں گھومنا شروع کر دیا۔ سمگلر نے اُسے آگے نکالنے کی بہت کوشش کی مگر اونٹ دائرے میں چکر لگاتا رہا۔ آخر اونٹ نے ایک زور دار دھچکا دے کر سمگلر کو اوپر سے گرا دیا۔ اتنے میں جرمن جرنیل بھی قریب آ چکا تھا۔ جونہی اُس نے اونٹ سوار کو نیچے گرتے دیکھا پستول سے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ سمگلر کے پاس پستول نہیں تھا صرف خنجر تھا۔ وہ خنجر تان کر جرنیل کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک گولی سیدھی سامنے سے آ کر اُس کے سینے میں لگی اور وہ گر پڑا۔ اوپر سے جرنیل نے دو گولیاں اور مار دیں۔

سمگلر مر گیا۔ جرنیل نے اونٹ کے پاس گرا ہوا تھیلا دیکھا۔ اُس میں جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ جرنیل نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا۔ وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی لمحے اونٹ نے جرنیل کو غصے بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ اُس نے اُس کے مالک کو ہلاک کر دیا تھا۔ اونٹ نے آگے بڑھ کر جرنیل کی گردن اپنے منہ میں دبوچ لی۔

کیا جرمن جرنیل کو اونٹ نے کھا لیا ہے؟
جرمن خزانے کا کیا بنا؟
ٹاگ قاہرہ سے کہاں گیا؟
ماریا جاپانی سمندر میں کب پہنچی؟
اور عنبر پر برفانی طوفانوں میں کیا گزری؟
یہ آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

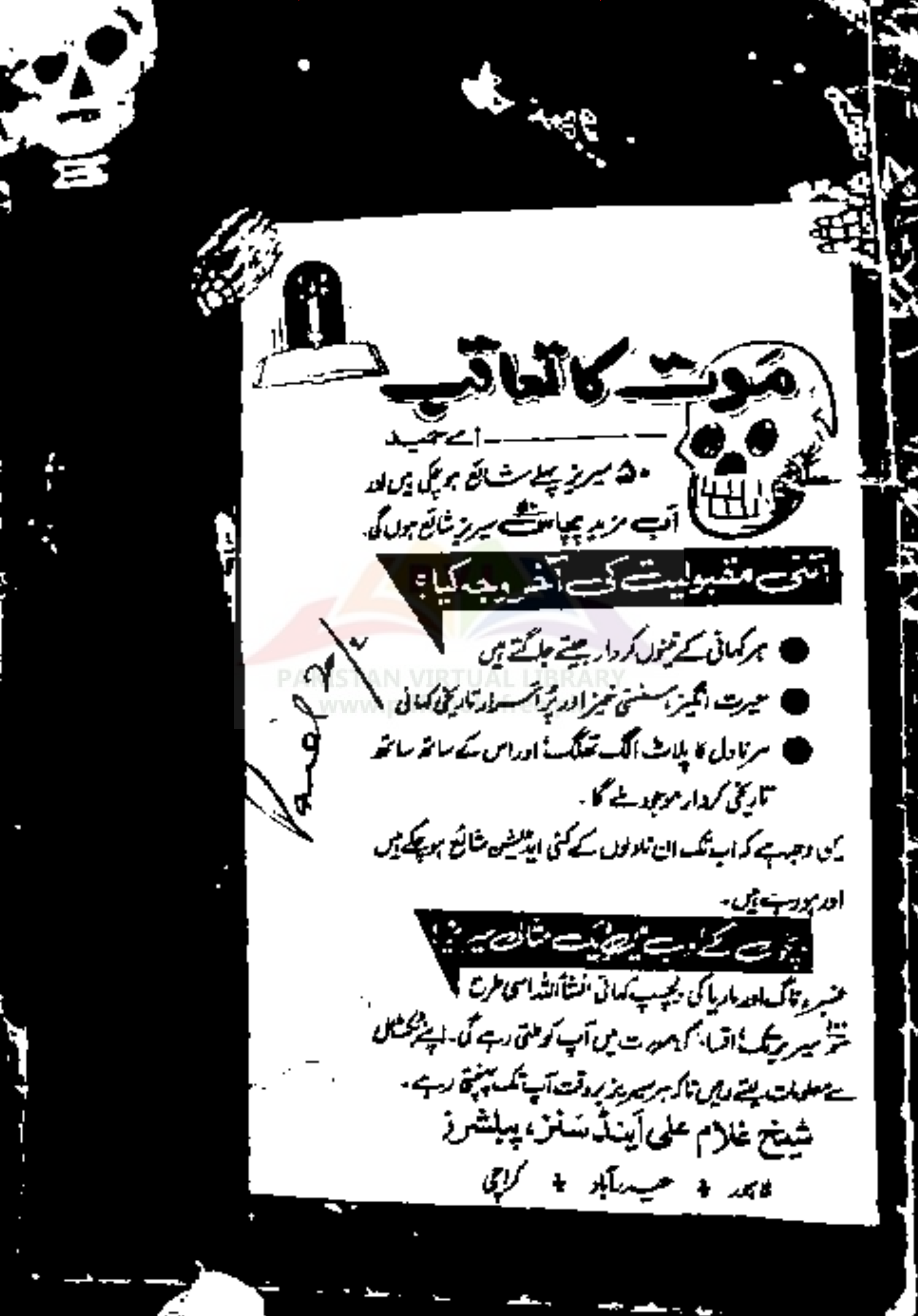

موت کا کاتب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس نئے سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ● ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- ● حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ● ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ؛ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے لیے ایک بے مثال سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی عجیب کہانی انشاءاللہ اسی طرح خوبصورت سیریز؛ اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک سٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ✦ حیدرآباد ✦ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

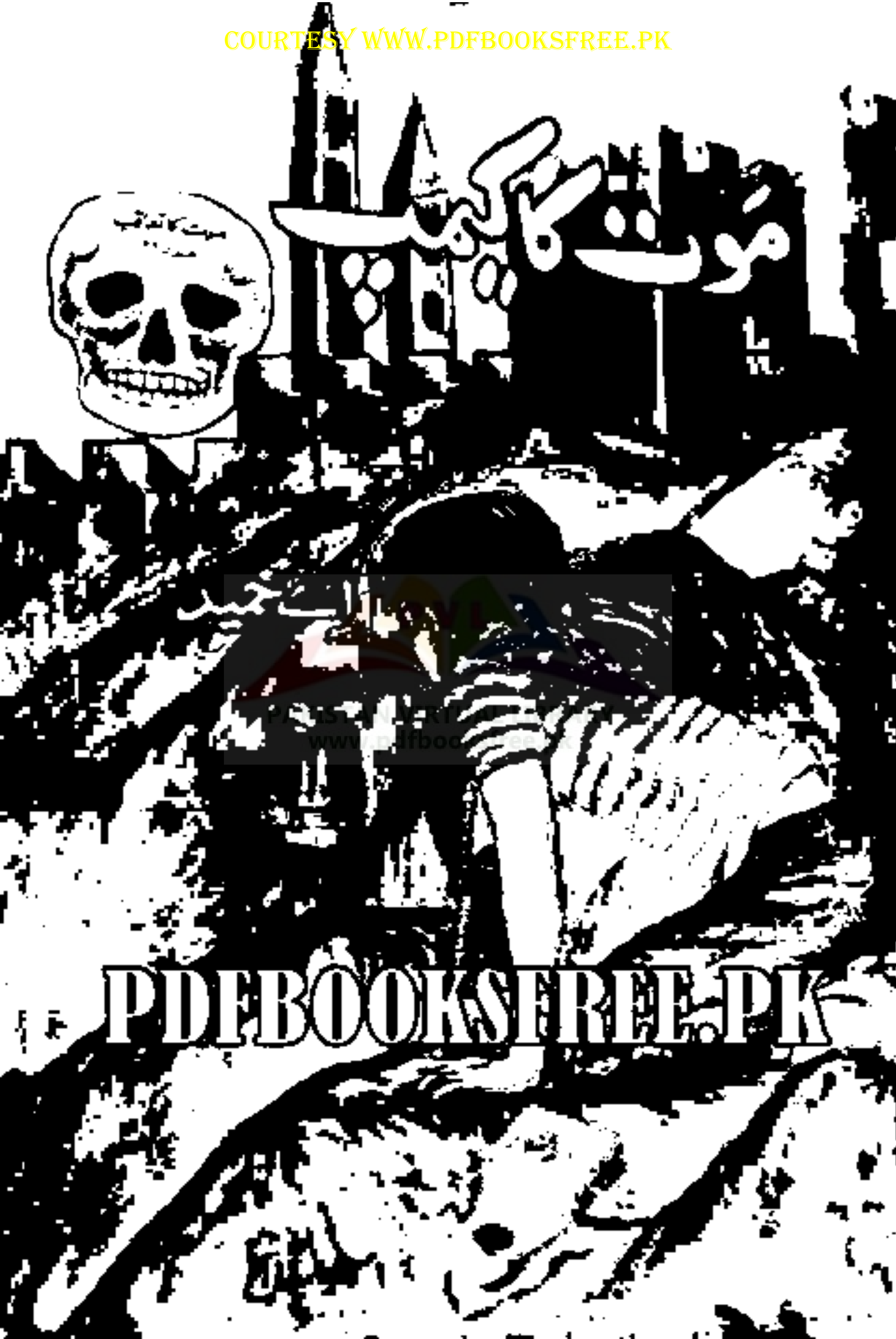
موت کا کھیل
اے حمید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

موت کا تعاقب ۸۴
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

موت کا کیمپ

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

- جاگ چلو ۵
- دریا کی طرف ۳۵
- جادوئی کبوتر ۶۵
- تہہ خانے میں لاش ۹۳
- موت کا کیمپ ۱۲۵

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع: شیخ نیاز احمد،
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

SH; GHULAM ALI & SONS (PVT) LAHORE
قیمت Rs10.00

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز
اُردو مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پیارے بچو! پچھلی قسط میں جرمن جرنیل غار کے دروازے پر تھا۔ اور اونٹ نے اُس کی گردن دبوچ لی تھی۔ اب ایسا ہوا کہ اونٹ نے جرنیل کو ہلاک کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جرمن جرنیل کو علم تھا کہ جس غار میں خفیہ خزانہ دفن ہے وہاں ڈائنامیٹ یعنی بارود بھی لگا دیا گیا تھا تاکہ مصیبت کے وقت بارود سے پہاڑی کو اڑا دیا جائے۔ پس جرمن جرنیل نے قربانی دیتے ہوئے پہاڑی کو بارود سے اڑا دیا۔ خود بھی مرگیا اور اپنے قومی خزانے کو بھی بچا لیا۔ ناگ قاہرہ سے روس کے میدانوں کی طرف نکل جاتا ہے۔ راستے میں اس کی ملاقات ایک ایسی لڑکی سے ہوتی ہے جو زار روس کی پوتی ہے اور جس پر شبہ کیا گیا ہے کہ اس کو اپنے نانا کے خزانے کا پتہ ہے کہ وہ کہاں دبا ہوا ہے۔ روسیوں نے اُسے قید میں ڈال رکھا ہوا تھا۔ ناگ ماسکو میں اس لڑکی کو قید سے فرار میں مدد دیتا تھا۔ اور اسے لے کر چین کی سرحد کی جانب اپنا جان جوکھوں کا سفر شروع کرتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ عنبر بھی سائبیریا کے برفانی میدانوں میں اس کی تلاش میں گھوم پھر رہا ہے۔

اس کے بعد کا حال آپ خود پڑھیے گا۔

◆

انجم لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

بھاگ چلو

اونٹ نے جرمن جرنیل کو جھنجھوڑ کر پھینک دیا۔ جرنیل کی گردن میں اونٹ کے دانت دھنس گئے تھے اور گردن کی ایک جانب سے خون جاری ہو گیا تھا۔ اونٹ دوسری بار بڑھا تو جرنیل نے اٹھ کر غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ خون ابھی اتنا نہیں نکلا تھا کہ جرنیل بھاگ نہ سکتا۔ پھر بھی وہ غار کے پاس پہنچ کر ریت پر گر پڑا۔ کمزوری بڑھنے لگی تھی۔ خون گردن کی کٹی ہوئی رگوں سے پرنالے کی طرح بہہ رہا تھا۔ اونٹ بھی اس کے سر پر آ گیا۔ اونٹ نے اس دفعہ جرنیل کی ران پر منہ مارا۔ اور گوشت میں دانت گاڑ کر اوپر اٹھایا۔ ہوا میں اسے دو تین زوردار جھٹکے دیئے اور پھر پہلے کی طرح زمین پر پٹخ دیا۔

اب کہ اونٹ ران کا گوشت ہی اڑا کر لے گیا تھا۔ جرنیل کی پتلون خون میں نچڑ گئی۔ خون زیادہ بہہ جانے سے اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ گردن اور ران میں درد کی زبردست ٹیسیں پڑ رہی تھیں جیسے کوئی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہاں کلہاڑے سے چلا رہا ہو۔ ران کا گوشت تو پتلون کے کپڑے سمیت وہاں سے اڑ گیا تھا۔ جرنیل نے غار کے اندر کی جانب اٹھ کر دوڑنے کی کوشش کی۔ زخم گرم گرم ہونے کی وجہ سے اسے کچھ معلوم نہ ہوا اور وہ ایک ٹانگ سے لنگڑاتا ہوا غار کے اندر آگیا۔ اندر جاتے ہی وہ گر پڑا۔

اونٹ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اونٹ کا غصہ مشہور ہے۔ وہ جرنیل سے اپنے مالک کے خون کا بدلہ لے رہا تھا۔ غار کے اندر آکر اونٹ نے گردن ٹیکا کر۔ تھی۔ جرنیل کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ اب وہ خزانے کو ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ جس روز خزانہ اس پہاڑی میں دفن کیا گیا تھا اسی روز وہاں خزانے کے ارد گرد زمین کھود کر پہاڑی دیواروں کے ساتھ ساتھ بارود کی تھیلیاں دبا دی گئی تھیں۔ تاکہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ سارے کا سارا خزانہ ہاتھ سے جاتا دکھائی دے تو بٹن دبا کر پہاڑی کو اڑا دیا جائے۔

اب وقت آگیا تھا۔ بارود کے بموں کا ایک

بٹن غار کے باہر پہاڑی سے دور ایک ٹیلے کی اوٹ میں رکھا گیا تھا۔ دوسرا بٹن غار کے اندر تھا۔ کہ اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو اپنی جان پر کھیل کر بٹن دبا دیا جائے۔ تاکہ پہاڑی اڑ جائے اور خزانہ ہمیشہ کے لئے اس میں دب کر رہ جائے۔

جرنیل ٹیلے والے بارودی بٹن سے آگے نکل آیا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح غار کے اندر والے بٹن کو دبا دیا جائے۔ وہ تو مر ہی رہا تھا۔ اب وہ اونٹ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے کر مرنا چاہتا تھا۔ جرنیل نے بٹن کی طرف رینگنا چاہا مگر کمزوری اور درد کی شدت کی وجہ سے وہ بڑی مشکل سے ایک انچ آگے سرک سکا۔ بٹن ابھی اس کی پہنچ سے چھ قدم کے فاصلے پر تھا۔

جرنیل نے اپنے جسم کا پورا زور لگا کر ہاتھ آگے بڑھائے۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ ٹانگوں میں سے جیسے جان نکل چکی تھی۔ گردن کا سارا خون نکل گیا تھا۔ اور وہ ایک طرف کو ڈھلک چکی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اونٹ اس بار پھر بلبلاتا ہوا جرنیل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے اوپر آ گیا۔ اونٹ نے گردن جھکا رکھی تھی۔ کیونکہ غار کی چھت نیچی تھی۔

اونٹ نے زور سے بلبلاتے ہوئے گردن کو جھکایا اور مرتے ہوئے جرنیل کو کمر سے اٹھا لیا۔ اس بار جرنیل کا کولہا اونٹ نے اپنے جبڑوں میں دبا رکھا تھا اس کے دانت کولہے کے گوشت میں دھنسے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ جرنیل کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اس چیخ میں بے بسی اور کرب تھا۔ اونٹ جرنیل کو زیادہ اونچا نہیں لے جا سکتا تھا۔ اوپر چھت تھی۔ اونٹ نے اپنی پھیلی ہوئی ٹانگوں میں دبا کر ہی جرنیل کو آخری بار جھنجھوڑا اور جھکولا دیکر آگے پھینک دیا۔ جرنیل کی ایک ٹانگ کولہے سے کٹ کر اونٹ کے منہ میں رہ گئی تھی۔ جرنیل خوش قسمتی سے بارود کے بٹن کے قریب گرا۔

بٹن وہاں سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر تھا۔ جرنیل پر نزع کا عالم طاری تھا۔ اس نے ہاتھ لمبا کیا۔ ابھی دو چار انچ کا فرق تھا۔ جرنیل نے گھسٹنے کی کوشش کی شاید مرتے وقت انسان کی زندگی کا شعلہ ایک بار بھڑکتا ہے۔ اس میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی اور اس نے دونوں کہنیوں کے بل پر اپنے جسم کو آگے گھسیٹ کر بٹن کے اوپر گرا دیا۔

جسم کے اوپر گرتے ہی غار میں ایک ہولناک دھماکہ ہوا۔ صحرا میں ذرا فاصلے پر سفر کرتے ایک اونٹ سوار دھماکے کی وجہ سے لرز اٹھا۔ سمجھا کر زمین پھٹ گئی ہے۔ پھر جو اس نے دیکھا کر ایک پہاڑی پھٹ کر اُبل رہی تھی۔ اس میں سے آگ کے شعلے اور دھواں نکل رہا تھا۔ کیا یہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے؟ اس نے اونٹ کو بھگانا شروع کر دیا۔ اور توبہ توبہ کا ورد کرتا وہاں سے نکل گیا۔

پہاڑی پھٹ کر ایک بار اپنے پتھروں اور مٹی کے ملبے سمیت اوپر فضا میں اٹھی اور پھر نیچے گر پڑی اور ایک بار پھر ملبے اور ریت کا ڈھیر بن گئی۔ اس میں سے دھواں نکل رہا تھا اور خزانہ اپنے مالک جرمن جرنیل اور اونٹ کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کروڑوں من ریت اور پتھروں کے نیچے دفن ہو گیا تھا۔

غار سے دور ٹیلے کے پاس سمگلر کا تھیلا ریت پر پڑا تھا۔ جس میں جواہرات اور ہیرے موتی تھے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دھماکے کے ساتھ ہی فضا میں گرمی پیدا ہو گئی۔ اور ہوا چلنے لگی۔ اس جھکڑ میں ریت بھی تھی۔ ریت نے جواہرات کے تھیلے کو صحرا میں چھپا لیا۔ رات گذر گئی دن نکل آیا۔ سورج کی روشنی میں لوگوں نے وہاں سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ پہاڑی کی شکل ہی بدل چکی تھی۔

اگلے روز قاہرہ کے اخباروں میں پہاڑی کی تصویر کے ساتھ خبر چھپی کہ جنگ کے زمانے کا بارود پھٹ گیا جس سے پہاڑی بیٹھ گئی۔ ناگ نے بھی اخبار دیکھا اور سمجھ گیا کہ جرمن جرنیل نے بارود سے پہاڑی اڑا دی ہو گی۔ ناگ اب قاہرہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ عنبر اور ماریا کی تلاش سے وہ مایوس ہو گیا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ دونوں کم از کم قاہرہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں کہیں نہیں ہیں۔

سوال یہ تھا کہ اب وہ کدھر جائے؟ ایک رات وہ سوچتا رہا۔ آخر صبح کو اس نے فیصلہ کیا کہ اسے روس کے شہروں کی طرف نکل جانا چاہئے۔ اب اس نے قاہرہ سے نکل جانے کے پروگرام پر غور کرنا شروع کر دیا۔ روپے اس کے پاس کافی تھے

ہوائی کمپنی سے اس نے معلوم کیا کہ روس کے شہر کو ہوائی جہاز کس وقت جاتا ہے۔ ایک جہاز رات کے بارہ بجے ماسکو کی طرف روانہ ہوتا تھا۔ ناگ نے اس جہاز میں اپنی ایک سیٹ بک کرا لی۔

دوسرے دن رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ ہوائی جہاز میں سوار ہو کر ماسکو کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ ایک سیاح کی حیثیت سے ماسکو جا رہا تھا۔ اس کے پاسپورٹ پر ٹورسٹ ویزا لگا تھا۔ اسے پہلے ہی ماسکو کے سفارت خانے سے یہ ہدایت مل چکی تھی کہ ماسکو جا کر وہ ان علاقوں سے باہر جانے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے جہاں جانے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ ہوائی جہاز صبح کے دھندلکے میں ماسکو پہنچ گیا۔

ماسکو شہر سخت سردی کی لپیٹ میں تھا اور دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے برف پڑ چکی تھی۔ عمارتوں کی چھتوں، سڑک کے فٹ پاتھوں اور ٹنڈ منڈ درختوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ جہاز ایئرپورٹ پر کھڑا تھا اور ناگ دوسرے مسافروں کے ساتھ اپنے سامان کی چیکنگ کروا رہا تھا۔ اس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کے پاس صرف ایک بریف کیس تھا جس میں ضرورت کی چند ایک چیزیں تھیں۔ ناگ نے گرم لمبا اوور کوٹ اور سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ایک ایسا پُراسرار نوجوان ہے جو اصل میں۔ انسان نہیں بلکہ سانپ ہے۔ اور کئی سو سال سے اس زمین پر زندہ ہے۔

ناگ ایئرپورٹ سے باہر نکلا تو اسے ایک سرکاری بس میں سوار ہونا پڑا۔ اس بس میں دوسرے سیاح بھی تھے۔ جو مختلف ملکوں سے روس کے شہروں کی سیر کرنے آئے تھے۔ ناگ نے کئی جگہیں دیکھیں۔ عجائب گھر، چڑیا گھر، لائبریری، موم کے پتلوں کا عجائب گھر، باغ، لینن کا مقبرہ۔

ناگ نے محسوس کیا کہ ہر جگہ پر ان سب سیاحوں کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ کسی کو بھی اِدھر اُدھر ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ناگ نے ایک جگہ جھیل کے دوسرے کنارے پر ایک سُرخ چھت والی خوبصورت عمارت دیکھی۔ اس نے گائیڈ سے پوچھا۔

"کیا میں کشتی میں اس جھیل کی سیر کر سکتا ہوں؟"

"جی نہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو وہی جگہیں دیکھنی ہوں گی جن کی اجازت دی گئی ہے"

"میں اس شاندار عمارت کی سیر کرنا چاہتا ہوں"

"افسوس آپ ایسا نہیں کر سکتے" گائیڈ نے صاف انکار کر دیا۔

ناگ خاموش ہو گیا۔ اس نے کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس عمارت کی سیر کر کے رہے گا اور اسے معلوم تھا کہ اگر وہ سیر کرنے کا ارادہ کر لے تو ایک گائیڈ کیا سارے ملک کے گائیڈ اس کا راستہ نہیں روک سکتے تھے۔ ناگ نے وہاں اپنا نام زبید لکھوایا تھا۔ سیاح اس وقت ایک تاریخی باغ کی سیر کر رہے تھے۔ اور جنگ میں مرنے والے سپاہیوں کی یادگاریں دیکھ رہے تھے۔

ناگ موقع پا کر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا۔ یہاں تنہائی ملی تو اس نے سانپ کی شکل

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اختیار کر لی اور جھیل کی طرف گھاس میں رینگ شروع کر دیا۔ جھیل کنارے پہنچ کر وہ پانی میں اترا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ کنار پر آکر اس نے دیکھا سامنے ایک پرانے باغ کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ وہ رینگتا ہوا ان درختوں میں آگیا۔ ان درختوں میں وہ سرخ چھت والی اک منزلہ عمارت کھڑی تھی۔ ا عمارت کے اوپر ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا ت جس میں کسی کا بت رکھا تھا۔

ناگ ابھی انسان کی شکل میں نہیں آنا چاہ تھا۔ اس نے سانپ ہی کی شکل میں باغ کا ا سا رستہ عبور کیا اور عمارت کی سیڑھیوں پر آ رک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی انسا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آس پاس ویرا چھائی ہوئی تھی۔ عمارت کا دروازہ بند تھا۔ با دروازے پر ایک پرانا موٹا سا زنگ لگا تالا تھا۔

ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ ا نے ایک جگہ سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپر دیوار

دو کھڑکیاں تھیں۔ ان کے پٹ بھی بند تھے۔ سانپ دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کسی کھڑکی میں کوئی چھوٹی سی درز بھی نہیں تھی۔ وہ چھت پر آ گیا۔ چھت سرخ ڈھلانی تھی اور اینٹیں پرانی اور اکھڑی ہوئی تھیں۔ پھر بھی کہیں کوئی ایسا سوراخ نہ مل سکا کہ جہاں سے اندر جایا جا سکے۔

سانپ اب عمارت کی دوسری جانب آگیا۔ یہاں اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے اور پھر ایک آدمی کے قہقہہ لگانے کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی بیل کے پتوں میں چھپ چھپ کر نیچے باغ میں اتر آیا۔ اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چل دیا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ درختوں کے پیچھے بنا تھا۔ باہر پتھر کا ایک بنچ تھا۔ جس پر دو آدمی بیٹھے آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔

انہوں نے سرخ رنگ کی وردی پہن رکھی تھی ان کی مشین گنیں پاس ہی پڑی تھیں۔ ناگ گھاس میں چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ سانپ بن کر ان کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آوازیں تو سن سکتا تھا مگر ان کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہاں اگر وہ انسان کے روپ میں آ جائے تو پھر ان کی زبان سمجھ سکتا تھا، کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ سانپ نے اپنے آپ کو ایک جھاڑی میں اچھی طرح سے چھپا لیا اور انسان کی شکل میں آ کر دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں سپاہی یا پہرے دار روسی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔

"سردی بہت ہے آج۔"

"چائے گرم کر دوں؟"

"نہیں بھائی! چائے گرم ہے۔ مگر آج تو ہمیں اندر کمرے میں جا کر آگ جلا کر بیٹھنا چاہیے تھا۔"

"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری ڈیوٹی کتنی سخت ہے۔ ہمیں باہر رہ کر دس گھنٹے کے لیے پہرہ دینا ہوتا ہے۔"

"یار اس لڑکی اولگا کو کس لیے قید کر رکھا ہے ہماری حکومت نے؟ اسے مار کیوں نہیں دیتے؟ بک بک ہی ختم ہو۔ بے چاری دو

ماہ سے قید میں پڑی ہے۔"

"یہ تو حکومت جانے اور اس کے کام۔ ہم بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔"

"ہاں بھائی یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ شاید حکومت اس اولگا سے زار کے کسی خفیہ خزانے کا پتہ پوچھنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ جب ہی تو اوپر سے ہر دوسرے روز دو افسر آ کر اس سے پوچھ گچھ کرتے ہیں اور بےچاری کو اذیت دیتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ایک ہی سخت ہڈی ہے خزانے کا پتہ ہی نہیں بتاتی۔"

"کیا یہ واقعی زار کی پڑپوتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔ شاہی شجرے میں اس کا پورا نام اور حلیہ درج ہے۔ آخر حکومت پاگل تو نہیں ہے۔"

ناگ کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ اس عمارت میں ایک لڑکی قید تھی جس کا نام اولگا تھا اور جو روس کے شاہی خاندان کے سربراہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

زار روس کی پڑپوتی تھی۔ جسے معلوم تھا کہ زار کا خفیہ خزانہ روس میں کس جگہ دفن کیا گیا تھا۔ حکومت اس سے پوچھ گچھ کر رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ اس لڑکی سے ملاقات کرنی چاہیئے۔

اچانک ناگ کو چھینک آ گئی۔ اس نے بہت روکنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا مگر چھینک نہ رُک سکی۔

"آچھو"

اس آواز کے ساتھ ہی دونوں روسی سپاہی ایک دم یوں اچھل پڑے جیسے انہیں کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ کھایا ہو۔ وہ مشین گنیں تان کر جس جھاڑی سے کسی انسان کی چھینک کی آواز آئی تھی اُدھر کو دوڑے۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ بڑی تیزی سے پھر سانپ بن کر وہاں سے کھسک چکا تھا۔

"یہ کسی انسان کی چھینک کی آواز تھی۔"

"ہاں ہاں۔ میں نے بھی سنی تھی۔ بڑی صاف

آواز تھی۔"

"مگر وہ انسان کہاں چلا گیا؟"

"یہی تو میں حیران ہوں۔"

"ضرور یہیں کہیں چھپا ہو گا۔"

"تم اُدھر جاؤ۔ میں اِدھر تلاش کرتا ہوں۔"

دونوں سپاہی تلاش کر کر کے تھک ہار گئے۔ مگر بھلا ناگ کہاں ان کے ہاتھ آ سکتا تھا۔ مایوس ہو کر واپس اپنی جھونپڑی کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے اور بڑے غور سے چوکنے ہو کر باغ میں اِدھر اُدھر نگاہیں ڈالنے لگے۔

ناگ سانپ کی شکل میں اب عمارت کے چکر لگا رہا تھا اور اندر جانے کا کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا۔ آخر اسے ایک پرنالا مل گیا وہ اس پرنالے میں داخل ہو گیا۔ پرنالا دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک جگہ سے اندر چلا گیا تھا۔ سانپ بھی اندر چلا گیا۔ وہ ایک ایسی جگہ آ گیا۔ جہاں اندھیرا تھا۔ اس نے اندھیرے میں ہی دیکھا کہ یہاں سردی بہت زیادہ تھی اور یہ ایک معمولی سا غسل خانہ تھا۔ نلکے کے نیچے ایک ٹب

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پانی سے بھرا پڑا تھا۔ سردی کی وجہ سے پانی کی سطح جم گئی تھی۔

سانپ نے غسل خانے سے باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنی شروع کی۔ ایک جگہ دروازے میں سوراخ تھا۔ سانپ اس سوراخ میں سے دوسری طرف نکل گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سب سے پہلی جو چیز دیکھی وہ ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جو ایک ٹوٹے ہوئے پلنگ کے پرانے گدّے پر بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا اور خاموش تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا سرد ویران ٹھنڈا یخ کمرہ تھا۔ لڑکی نے پرانا گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔ جس میں وہ ٹھٹھر رہی تھی۔ سانپ کونے میں ایک بالٹی کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا اور لڑکی کو تکنے لگا۔ یہی لڑکی اولگا ہو گی۔ اس نے سوچا اب وہ کیا کرے؟ اپنا آپ اس لڑکی پر کس طرح سے ظاہر کرے؟ کہیں وہ ایک انسان کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائے۔ لیکن آخر اسے اس کے سامنے آنا ہی تھا۔

پس ناگ نے ایک ہلکی سی پھنکار مار کر انسان کی شکل اختیار کر لی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اولگا سر ہاتھوں میں تھامے خاموش بیٹھی تھی۔ جونہی اس نے نظر اوپر اٹھائی اس کے سامنے ایک نوجوان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ ایک دم سے ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی کا سارا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

- ”گھبراؤ نہیں اولگا! میں تمہارا دوست بن کر آیا ہوں۔“

ناگ کا ہاتھ ابھی تک اولگا کے منہ پر تھا۔ وہ ہاتھ اس وقت تک نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ جب تک اسے تسلی نہ ہو جاتی کہ اولگا اب چیخ نہیں مارے گی۔ پھر ناگ نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اولگا ایک نوجوان دبلی سی لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ برس ہو گی۔ آنکھیں ہلکی نیلی تھیں اور بال سنہری تھے رنگ گورا اور سرخ تھا مگر خوف، اذیت اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پانی سے بھرا پڑا تھا۔ سردی کی وجہ سے پانی کی سطح جم گئی تھی۔

سانپ نے غسل خانے سے باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنی شروع کی۔ ایک جگہ دروازے میں سوراخ تھا۔ سانپ اس سوراخ میں سے دوسری طرف نکل گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سب سے پہلی جو چیز دیکھی وہ ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جو ایک ٹوٹے ہوئے پلنگ کے پرانے گدے پر بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا اور خاموش تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا سرد ویران ٹھنڈا تنگ کمرہ تھا۔ لڑکی نے پرانا گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔ جس میں وہ ٹھٹھر رہی تھی۔ سانپ کونے میں ایک بالٹی کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا اور لڑکی کو تکنے لگا۔ یہی لڑکی اولگا ہو گی۔ اس نے سوچا اب وہ کیا کرے؟ اپنا آپ اس لڑکی پر کس طرح سے ظاہر کرے؟ کہیں وہ ایک انسان کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائے۔ لیکن آخر اسے اس کے سامنے آنا ہی تھا۔

پس ناگ نے ایک ہلکی سی پھنکار مار کر انسان کی شکل اختیار کر لی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اولگا سر ہاتھوں میں تھامے خاموش بیٹھی تھی۔ جونہی اس نے نظر اوپر اٹھائی اس کے سامنے ایک نوجوان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ ایک دم سے ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی کا سارا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں اولگا! میں تمہارا دوست بن کر آیا ہوں۔"

ناگ کا ہاتھ ابھی تک اولگا کے منہ پر تھا۔ وہ ہاتھ اس وقت تک نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ جب تک اسے تسلی نہ ہو جاتی کہ اولگا اب چیخ نہیں مارے گی۔ پھر ناگ نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اولگا ایک نوجوان دبلی سی لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ برس ہو گی۔ آنکھیں ہلکی نیلی تھیں اور بال سنہری تھے رنگ گورا اور سرخ تھا مگر خوف، اذیت اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

قید کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ گال سوکھ رہے تھے۔ ہونٹ خشک تھے۔ اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم اولگا ہو نا؟"

اولگا نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ صرف سر ہلا کر کہا کہ ہاں میں اولگا ہی ہوں۔ ناگ نے پھر سوال کیا۔

"کیا تم زار روس کی پڑپوتی ہو؟"

اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے ناگ کو تک رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"اولگا بہن! مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ تم نے میرے سانولے رنگ سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں روسی نہیں ہوں۔ بلکہ ایشیا کا رہنے والا ہوں۔ مجھے حکومت کے محکمہ جاسوسی نے بھی تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ میں تو سیر کرتے کراتے اس باغ میں آ نکلا تھا کہ باہر دو پہرے دار سپاہیوں کی باتیں سنیں تو معلوم ہوا کہ تمہیں حکومت نے یہاں قید میں ڈال رکھا

ہے اور تم سے زار روس کے خفیہ خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔"

اولگا نے رُک رُک کر کہا۔

"مگر تم بڑی آسانی سے روسی زبان بول رہے ہو۔"

اب ناگ کو خیال آیا کہ سچ مچ وہ بڑی روانی کے ساتھ اولگا کی مادری زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ اس پر اولگا کو شک ہو سکتا تھا کہ شاید میں جاسوسی کے محکمے کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ اس نے کہا۔ "یہ زبان میں نے قاہرہ میں سیکھی تھی۔ مجھے روس دیکھنے کا شوق تھا۔ اس لئے یہاں کی زبان بھی سیکھ لی۔"

اولگا بولی۔ "مگر — مگر تمہارا لہجہ بھی روسی ہے"

ناگ نے کہا۔ "خدا کے لیے میری بات پر یقین کرو میں تمہارا ہمدرد بھائی ہوں اور میرا تعلق حکومت کے محکمے سے نہیں ہے۔ میں سیاح کی حیثیت سے اس ملک میں آیا ہوں۔"

اولگا نے سر جھکا لیا۔ پھر بولی۔

"تم اندر کیسے آ گئے؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اب ناگ مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس اولگا کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اسے کس طرح کہہ سکتا تھا کہ وہ غسل خانے کی نالی میں سے اندر آیا ہے؟ کچھ سوچ کر بولا۔

"میں... میں غسل خانے کی کھڑکی میں سے اندر آیا تھا۔"

"غسل خانے کی کھڑکی تو بند ہے۔"

"نہیں اس کی کنڈی اندر سے کھلی تھی۔ بہرحال بہن اولگا تم ان باتوں کو چھوڑو۔ میرے پاس وقت کم ہے اور تمہارے پاس بھی وقت کم ہو گا۔ یہ لوگ تمہیں بہت جلد اذیتیں دے دے کر مار ڈالیں گے۔ اس لئے میری بات کا جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ یہاں سے بھاگ چلو گی؟

●

دریا کی طرف

اولگا مصیبت کی ماری لڑکی تھی۔

وہ روس کے محکمہ جاسوسی کی اذیتیں سہہ سہہ کر تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھا۔ ناگ کی آنکھوں میں اسے بھائی کا پیار اور خلوص کی چمک دکھائی دی۔ اس نے ناگ کا ہاتھ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"وعدہ کرو کہ تم مجھے روسی جاسوسوں کے حوالے نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں اس سرد جہنم سے باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ یہاں سے بھاگ چلنے پر راضی ہو؟"

"ہاں! مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔"

پھر سر جھکا کر بولی۔

"لیکن تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکو گے مجھے کوئی بھی یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ یہ ایک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

خطرناک سنگین جنم ہے۔ یہاں چڑیا بھی پر نہیں ما سکتی۔ تم مجھے کیسے نکال سکو گے؟"

پھر اس نے ناگ کے آگے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اگر تم نے مجھے اپنی بہن کہا ہے تو میرے پیارے بھائی۔ میں ایک بہن کی حیثیت سے کہوں کہ خدا کے واسطے اپنی جان بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔ میری خاطر تم اپنی زندگی موت کے حوالے کرو۔ یہ لوگ مجھے تو خیر ماریں گے ہی مگر... تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے اولگا کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہن اولگا! ہم ایشیائی ہیں اور بہن سے بہت پیار کرتے ہیں۔ میں تمہارے سر پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ لئے بغیر یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گا۔"

اولگا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ناگ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

"مگر میرے بھائی! تم مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے؟ کہاں لے جاؤ گے؟ روس ایک وسیع ملک ہے۔ ہم بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ ہم جہاں

بھی ہوں گے روسی جاسوس ہمیں پکڑ کر مار ڈالیں گے۔"

"یہ کام تو مجھ پہ چھوڑ دو۔ کیا تم میرے ساتھ جانے پر تیار ہو؟"

"ہاں" اولگا نے ہاں کہہ دی۔

"تو پھر میری ایک بات بڑے غور سے سنو"

اب ناگ نے ضروری سمجھا کہ اولگا پہ اپنا آپ ظاہر کر دیا جائے۔ کیونکہ اب قدم قدم پہ اسے کبھی سانپ، کبھی ہاتھی اور کبھی خدا جانے کون کون سا جانور بننا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ بار بار اولگا چیخ مارتی پھرے اور ڈر کر بیہوش ہو۔ اس نے کہا۔

"سنو میری بہن! تم نے ابھی تک مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔ میں تم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ میرا نام ناگ ہے۔ میں قاہرہ کا رہنے والا ہوں۔ اور میں نے افریقہ میں بڑے چلّے کاٹے ہیں۔ وہاں مجھے ایک ایسا جادوگر مل گیا جس سے میں نے کالا جادو سیکھا اور اس میں ماہر ہو گیا۔ اب مجھ میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نسا انسان سے جس جانور یا درندے کا چاہوں روپ بدل سکتا ہوں۔ تم نے مجھے پوچھا تھا کہ میں اندر کیسے آگیا؟ میں نے یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ میں غسل خانے کی کھڑکی سے آیا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں سانپ بن کر نالی کے ذریعے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اتنا سننا تھا کہ اولنگا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ ڈر کر سہم سی گئی۔ ناگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ڈرو نہیں بہن! میں سانپ نہیں ہوں۔ صرف جادو کے زور سے سانپ، شیر، ہاتھی بن جاتا ہوں۔ ویسے میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ بولو۔ کیا اب تم مجھ سے ڈرو گی تو نہیں نا؟"

اولنگا کچھ دیر خاموشی سے ناگ کو تکتی رہی۔ پھر بولی۔

"نہیں بھائی۔"

"شاباش!"

ناگ نے اولنگا کے سر پہ پیار کیا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہاں حکومت کے افسر تم

سے پوچھ گچھ کرنے کب آتے ہیں؟ اور یہاں سے اگر ہم نکلیں تو کدھر جائیں؟

اولنگا نے کہا۔

"ہفتے میں دو تین بار وہ لوگ آتے ہیں اور مجھ پر تشدد کرتے ہیں۔ مجھ سے میرے پڑدادا کے خزانے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ویسے پچھلی بار وہ کہہ گئے تھے کہ اس دفعہ اگر میں نے خزانے کا ٹھکانا نہ بتایا تو وہ مجھے گولی سے اڑا کر میری لاش جھیل میں پھینک دیں گے۔

ناگ نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اگر ہم یہاں سے نکل بھاگیں تو ہمیں کس طرف کو سفر کرنا چاہیئے کہ کسی آزاد ملک میں پہنچ سکیں؟"

اولنگا نے کہا۔ "اگر ہم کسی طرح یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہماری راہ میں بڑی رکاوٹیں آئیں گی۔ ہمارے لئے ایک ہی راہ ہے کہ ہم کسی طرح یہاں سے نکل کر سائبیریا کے برفانی میدانوں کی طرف نکل جائیں۔ وہاں سے ہم ملک چین میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر سائبیریا سے زندہ سلامت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہنچ کر نکل جانا بڑا مشکل ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر خدا نے ہماری زندگی لکھی ہے تو ہم زندہ رہیں گے اور یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کے دروازے کا تالا کھلنے کی آواز آئی۔ ناگ ایک دم چپ ہو گیا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"شی! میں سانپ بن کر غسل خانے میں جا رہا ہوں۔ گھبرانا نہیں۔"

اور دوسرے لمحے اونگا نے دیکھا کہ ابھی جو نوجوان انسان کی شکل میں اس کے پاس کھڑا تھا ایک دم سے سانپ بن کر رینگتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔ اونگا کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ ایسا منظر اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے الف لیلیٰ کی کہانیوں میں پڑھا تھا کہ جادوگر جادو کے زور سے شیر، بکری، ہاتھی بن جاتے ہیں۔ آج اس نے یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

اتنے میں دروازہ دھڑاک سے کھل گیا۔ اور دونوں سپاہی جو باہر پہرہ دیا کرتے تھے مشین گنیں تانے اندر آ گئے۔ اندر آتے ہی انہوں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر دیکھا اور پھر اونگا کے سر پر مشین گن کی نالی رکھ کر ایک سپاہی گرجا۔

"ابھی ابھی تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

اونگا تھر تھر کانپنے لگی۔

"نہیں۔ میں کسی سے باتیں نہیں کر رہی تھی۔"

"بکواس مت کرو۔ سچ سچ بتاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

"تم خود دیکھ لو۔ یہاں کون ہو سکتا ہے؟ یہاں کوئی بھی نہیں۔ دروازہ تو تم نے خود کھولا ہے۔"

دوسرے سپاہی نے بھی جب دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے اور وہ بالکل خالی ہے تو اپنے ساتھی سے بولا۔

"یار یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

دوسرا بولا۔ "تو پھر اندر سے کس کی آواز آ رہی تھی؟ میں نے اپنے کانوں سے کسی مرد کے باتیں کرنے کی آواز سنی ہے۔"

"شاید تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ بھلا اگر اندر کوئی مرد ہوتا تو کہاں جاتا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"یہ غسل خانہ دیکھو۔ وہ ضرور غسل خانے میں کہیں چھپا ہوگا؟"

سپاہی اسی وقت غسل خانے میں چلا گیا۔ غسل خانہ چھوٹا سا تھا۔ اس نے چاروں طرف اچھی طرح سے دیکھا۔ ٹب کے اندر بھی پانی میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ سانپ اس وقت غسل خانے کی چھت پر اینٹوں کی درز میں چھپا ہوا تھا۔ سپاہی باہر آکر بولا۔

"بھائی اندر بھی کوئی نہیں ہے۔ چلو باہر چل کر ایک بار پھر تلاش کرتے ہیں اس بد بخت کو جس کی موت یہاں کھینچ لائی ہے۔"

"چلو"

دونوں سپاہی پہرے دار باہر نکل گئے۔ دروازہ بند کر کے انہوں نے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ تالے کے لگتے ہی سانپ غسل خانے سے نکل کر اولگا کے پاس آگیا۔ اولگا سانپ کو دیکھ کر ڈر کر پلنگ کے اوپر ہو گئی۔ سانپ پیچھے ہٹ گیا اور دیوار کے پاس جا کر رکا اور دوسرے ہی لمحے وہاں ایک انسان کھڑا تھا۔ ناگ نے مسکرا کر سرگوشی میں کہا۔

"وعدہ کرو اولگا بہن کہ آئندہ تم مجھے دیکھ کر نہیں ڈرو گی۔ کیونکہ ابھی تم نے میرے ساتھ ایک بڑا لمبا سفر طے کرنا ہے۔"

اولگا کا خوف ناگ کو انسان کی شکل میں دیکھ کر کچھ دور ہوا اور وہ بولی۔

"وعدہ کرتی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "اب میں جاتا ہوں۔ شام کو آؤں گا۔"

اتنا کہہ کر ناگ دوبارہ سانپ بن کر وہاں سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد اولگا دیر تک ناگ کے بارے میں سوچتی رہی کہ خدا نے شاید یہ بھائی اس کی مدد کو ہی بھیجا ہے۔ شام کو اولگا کے کمرے میں ایک چینی کا ڈبہ اور تھالی رکھ دی گئی۔ ڈبے میں کالی بغیر دودھ کے چائے تھی اور تھالی میں دو ٹکڑے خشک ڈبل روٹی کے۔ اولگا بھوک سے بے تاب تھی۔ بے چاری نے زہر مار کر لی اور ناگ کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ناگ بھی غسل خانے کے راستے آگیا۔

اس نے باسی ڈبل روٹی دیکھ کر کہا۔

"یہ لوگ تمہیں بھوکوں مار رہے ہیں۔ میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہت جلد اس کا بھی انتظام کر لوں گا۔ ابھی بھ یہ سوچنا ہے کہ کس روز یہاں سے کوچ کیا جائے

اولگا بولی۔ "تین چار روز کے بعد چاند رات ک نہیں نکلا کرے گا۔ راتیں اندھیری ہوں گی۔ اس لئے اندھیری راتوں کو سفر کرتے ہوئے ہمیں کوئی دیکھ سکے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں آج سے چار روز بعد یہاں سے فرار ہونا چاہیے۔"

"ہاں"

ناگ نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر ہمیں کس طرف جانا ہوگا؟"

"یہ تمہارا ملک ہے۔ میں اس ملک کے راستوں سے واقف نہیں ہوں۔"

اولگا نے کہا۔ "سب سے پہلے ہمیں جھیل پار کرنی ہو گی اور جنوب کی طرف جو پہاڑی ہے اسے عبور کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ایک دریا آئے گا۔ ہمیں دریا کو رات کے وقت پار کرنا ہو گا۔ دریا کی دوسری طرف ایک ریلوے سٹیشن ہے۔ وہاں سے رات کے پچھلے پہر ایک گاڑی مشرق کی طرف

اتی ہے۔ یہ گاڑی ہمیں وارشکا پہنچانے گی وارشکا میں میری ایک خالہ رہتی ہے۔ پولیس نے اسے بے گناہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ ہم رات یا ایک دن اس کے ہاں آرام کر سکتے ہیں۔ وہیں سے ہم سائبیریا کے سفر کے واسطے ضروری انتظام بھی کر سکتے ہیں۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ہم اپنی خالہ سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ کیونکہ مجھے اتنا ہی معلوم تھا جو میں نے بتا دیا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم خدا کا نام لے کر آج سے ٹھیک چوتھے روز رات کے وقت نکل چلیں گے۔"

اولگا کے چہرے پر کچھ سوال تھے۔

"لیکن ناگ بھائی! یہاں سے کیوں کر فرار ہوں گے؟"

ناگ مسکرایا۔ "یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

ناگ چلا گیا۔ دوسرے روز بھی وہ اولگا کے پاس آیا اور فرار کے منصوبے پر غور کرتا رہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تیسرے روز کم بخت حکومت کے جاسوس آ گئے۔ ناگ جب غسل خانے کی راہ سے اولگا کے کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ دو قاتل قسم کے پتھریلے چہروں والے روسی پولیس افسر اولگا کے دائیں بائیں بیٹھے اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ جب اولگا نے ان کی مرضی کے مطابق کوئی جواب نہ دیا تو انہوں نے اولگا پر تشدد شروع کر دیا۔ اس کے بال کھینچے۔ اس کی گردن پر جلتا ہوا سگریٹ لگایا۔ اس کے ناک میں پانی ڈالا۔

اولگا یہ سب کچھ صبر سے برداشت کرتی رہی۔ ناگ بھی برداشت کرتا رہا۔ کیونکہ وہ ان دونوں پولیس افسروں کو اس کمرے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے ان کے فرار کے منصوبے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی۔ جب دونوں پولیس افسر اولگا کو اذیتیں دے کر تنگ آ گئے تو وہ اٹھے۔ باہر گئے۔ باہر سے تالا لگایا اور پہرے داروں کے پاس آ گئے۔

"صبح سورج نکلنے سے پہلے اس لڑکی کو گولی سے اڑا دیا جائے۔"

یہ حکم دے کر وہ مڑے۔ سپاہیوں نے سیلوٹ مار کر کہا۔

"جو حکم سر! ایسا ہی ہو گا۔"

یہ بڑا بھیانک قسم کا حکم تھا۔ اسے ناگ نے بھی سن لیا تھا جو اس وقت جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں آج ہی رات فرار ہو جانا چاہیے تھا۔ فرار ہونے سے پہلے ناگ اپنی بہن اولگا کے ساتھ ظلم کرنے کا بدلہ ان دونوں پولیس افسروں سے ضرور لینا چاہتا تھا۔ پس وہ سانپ بن کر روسی پولیس افسروں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

دونوں روسی افسر جھیل کنارے جا کر بیٹھ گئے اور اپنی کشتی کا انتظار کرنے لگے۔ سانپ ان کے عقب میں آ گیا تھا۔ سانپ نے دیکھا کہ وہاں گھنی اور اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ یہ جگہ بدلہ لینے کے لیے بڑی اچھی تھی۔ سانپ نے ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور دوسرے لمحے ایک اونچا لمبا ہیبت ناک شیر بن کر دونوں روسی افسروں کے پیچھے سے نمودار ہو کر سامنے آ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شیر نے کوئی گرج کی آواز نہ نکالی۔ دونوں ن اپنے سامنے بنگال کا زرد دھاریوں والا آدم خ قسم کا شیر دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ و کسی جگہ سے اچانک شیر نکل کر ان کے سامنے جائے گا۔

ان کے اس خوف سے شیر نے فائدہ اٹھا ہوئے دونوں کی گردنوں پر ایک ایک پنجہ ایسا کہ ان کی گردنیں ٹوٹ کر ڈھلک گئیں اور دون لڑھک کر جھیل میں جا گرے۔ کسی کو کانوں کان نہ ہوئی اور شیر نے خاموشی سے پھر سانپ کا رو بدل لیا اور پہرے دار سپاہیوں کی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔

سرخ وردیوں والے دونوں روسی پہرے دار کوٹھڑ میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ افسروں کے جا کے بعد وہ آرام کے موڈ میں تھے۔ ناگ کو خیال کہ اگر وہ کوٹھڑی میں گیا تو ہو سکتا ہے اس پر حملہ دیا جائے۔ سپاہیوں کے پاس مشین گنیں تھیں ج خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ اس کے ذہن میں

ایک ترکیب آئی۔ وہ واپس جھاڑیوں میں چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے انسان کا روپ بدلا اور ایک پتھر اٹھا کر کوٹھڑی کی دیوار پر کھینچ مارا۔ اس کے ساتھ ہی خود غائب ہو کر دوبارہ سانپ بن گیا۔ پتھر کی آواز سن کر دونوں سپاہی مشین گنیں لیے کمرے سے باہر آ گئے اور چوکنے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

"یہ پتھر کس نے مارا ہے؟"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"یہاں کون آ سکتا ہے؟"

"اولگا کو آج رات پھانسی دی جانے والی ہے۔ شاید کوئی اس کا ساتھی اسے چھڑانے آ گیا ہو؟"

"سب سے پہلے میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔ تم اس طرف پہرہ دو۔ میں جھاڑیوں میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر ایک سپاہی اسی جگہ مشین گن سنبھالے کھڑا رہا اور دوسرا جھک کر قدم قدم چلتا جھاڑیوں میں آ گیا۔ اس نے شاخوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اچانک اسے اپنی پنڈلی پر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کسی شے کے کاٹنے کا درد سا محسوس ہوا۔ اس نے جھک کر پتلون اوپر کر کے پنڈلی کو دیکھا۔ وہاں تو کے دو ننھے ننھے قطرے اُبھر آئے تھے۔

"سانپ!"

اس کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ مگر سانپ وہاں نہیں تھا۔ اندھیرے میں وہ ٹارچ جلا وہاں سے بھاگا۔ مگر ناگ کا زہر اتنی مہلت نہیں دیا کرتا۔ وہ گرا اور سب سے پہلے اس کا گلا بند ہوگیا تھا اور وہ کوئی آواز نہ نکال سکتا تھا۔

سانپ دوسرے سپاہی کی خبر لینے کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا بڑھا چلا آرہا تھا۔ دوسرا سپاہی دیوار کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کا ساتھی کافی دیر سے جھاڑیوں میں گیا ہوا ہے تو آواز دی۔ آواز کا کوئی جواب نہ آیا۔ وہ خود اس کی تلاش میں آگے بڑھا۔

مگر اس عرصے میں سانپ اپنا کام کرچکا تھا۔

دوسرا سپاہی جھکا اور اپنی پنڈلی کو دیکھنے لگا۔ اسے ایک سانپ جھاڑیوں میں گھستا دکھائی دیا۔ ایک دم سمجھ گیا کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ وہیں

مشین گن کی بوچھاڑ ماری۔ سانپ ایک درخت پر چڑھ چکا تھا۔ دوسری بار مشین گن چلانے کی مہلت ہی نہ مل سکی اور دوسرا سپاہی بھی پہلے سپاہی کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔

سانپ درخت سے نیچے اُتر آیا اور انسان کی شکل میں آکر تیزی سے اولگا کی کوٹھڑی کی طرف بڑھا۔ گولیوں کی آواز اولگا نے بھی سُنی تھی۔ وہ پلنگ پر لیٹی تھی۔ اس کی گردن پر سگریٹ لگانے سے جلن ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ گولیاں کون چلا رہا ہے؟ اتنے میں ناگ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ تالے کی چابی اس نے پہرے دار کی حیثیت سے حاصل کر لی تھی۔

"تم آگئے ناگ بھائی!"

ناگ نے کہا۔ "وہ لوگ تمہیں آج رات گولی سے اڑا دینے کا حکم دے کر جا رہے تھے میں نے ان سے نمٹ لیا ہے۔ چلو۔ اب یہاں سے نکل چلو۔"

"پہرے داروں کا کیا بنے گا؟"

"ان کا جو کچھ بننا تھا میں نے بنا دیا ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"کیا مطلب؟"

"مطلب کچھ نہیں۔ بس جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ رات آدھی گذر گئی ہے۔ اس اندھیرے میں ہی ہمیں دور نکل جانا ہوگا۔"

"میں تیار ہوں۔"

ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور عمارت سے باہر نکل آیا۔

پہرے داروں کی لاشیں کوٹھڑی سے باہر پڑی تھیں۔ ناگ نے ان کی ایک مشین گن اپنے کندھے سے لٹکا لی۔

"راستے میں شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

"ایک مشین گن میں بھی لے لیتی ہوں۔"

"نہیں اولگا! ایک ہی کافی ہے۔ آؤ بھاگ چلیں"

دونوں عمارت کو پیچھے چھوڑ کر جھاڑیوں اور درختوں میں سے ہوتے ہوئے جھیل کے کنارے آ گئے۔ یہاں ذرا دور ایک جگہ چھوٹی سی گھاٹ بنی تھی۔ وہاں ایک کشتی کھڑی تھی۔ وہ اس کشتی میں جا کر بیٹھ گئے۔ کشتی کا بوڑھا محافظ اپنی کوٹھڑی میں گرم گرم لحاف میں دبکا سو رہا تھا۔ اس کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ حکومت کی سب سے خطرناک جاسوسہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

کشتی میں موٹر بھی لگی تھی اور چپو بھی پڑے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"ہم موٹر نہیں چلائیں گے۔ چپوؤں کی مدد سے جھیل کی دوسری طرف جائیں گے۔"

جھیل کا پانی رات کے اندھیرے میں دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ بڑی خاموشی سے کشتی نے چپوؤں کی مدد سے دوسرے کنارے کی طرف کا سفر شروع کر دیا۔ کشتی جھیل کے دوسرے کنارے پر جا کر رک گئی۔ اولگا نے سرگوشی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے یہاں کوئی چوکی پہرہ لگا ہو۔ اس لئے اندھیرے میں سے ہو کر آگے بڑھنا ہوگا۔ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

اولگا ان راستوں سے باخبر تھی۔ وہ ناگ کو لے کر رات کے اندھیرے میں جھیل کنارے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی جھاڑیوں اور درختوں کے جھنڈوں میں سے ہوتی آگے چل پڑی۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی آ گئی۔ اس پہاڑی پر ایک چوکی تھی۔ جس میں چار سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ رات کو تین سپاہی گہری نیند سو رہے تھے اور ایک سپاہی باہر سٹول پر بیٹھا درخت سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ کمال کی بات یہ ہوئی تھی کہ اس نے کشتی کو جھیل میں آتا نہیں دیکھا تھا۔ نہیں تو اگر وہ اونگھ نہ رہا ہوتا تو اوپر سے جھیل میں تیرتی کشتی صاف نظر آ جاتی۔ اولگا کو شک تھا کہ پہاڑی پر ضرور کوئی پہرے دار موجود ہو گا۔

پس وہ ناگ کو لے کر پہاڑی کے ساتھ ساتھ جھاڑیوں میں جھکے جھکے گذرتی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ دریا اس خطرناک علاقے کی آخری حد تھی۔ وہ ایک پگ ڈنڈی کا موڑ مڑنے لگی تو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہالٹ! جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

جادوئی کبوتر

آواز سنتے ہی ناگ وہیں دبک گیا۔

اولگا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک روسی سپاہی پہرے دار ہاتھ میں مشین گن تانے سامنے کھڑا تھا۔ اولگا نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ ناگ کو اس سپاہی نے نہیں دیکھا تھا۔ سپاہی نے قریب آ کر اولگا کے منہ پر ٹارچ کی روشنی پھینکی۔ وہ اسے پہچان گیا۔

"تم ... اولگا؟ تم فرار ہو رہی تھیں؟"

سپاہی نے جیب سے خطرے کی سیٹی نکال کر بجانی چاہی تو پیچھے سے ناگ نے چھلانگ لگا کر سپاہی کی گردن دبوچ لی۔ اولگا نے اس کے ہاتھ سے مشین گن کھینچ کر پرے پھینک دی۔ ناگ نے سپاہی کو نیچے گرا دیا۔ اور پھر مشین گن اس کے سینے سے لگا کر کہا۔

"خبردار اگر ذرا بھی ہلے تو گولی مار دوں گا۔" پھر اس نے اولگا سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ ڈالو۔ خدا جانے اس شخص کو مارنے کو کیوں دل نہیں چاہتا ... جلدی کرو۔"

اولگا نے اسی سپاہی کی جیب سے رومال لے کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اور پاؤں بھی مشین گن کے فیتے سے جکڑ دیئے۔ اب وہ ہلنے جلنے اور شور مچانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"اس کو اب یہیں پڑا رہنے دو اور یہاں سے نکل چلو۔"

دونوں وہاں سے آگے نکل گئے۔ سامنے دریا تھا۔ اب رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ ستارے آسمان پر پھیکے پڑتے جا رہے تھے۔ اولگا نے کہا۔

"اگر ہم نے بغیر کسی رکاوٹ کے دریا پار کر لیا تو ہمیں ورشکا کو جانے والی ٹرین سٹیشن پر مل جائے گی۔"

"دریا خالی ہے۔ کشتی کہاں سے ملے گی؟"

"چل کر دیکھتے ہیں۔"

دریا کا کنارہ سنسان تھا۔ دریا خاموشی سے بہہ

رہا تھا۔ اس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ کنارے کنارے دور تک جانے کے بعد انہیں ایک جگہ چھوٹی سی سرخ رنگ کی ایک کشتی نظر آئی۔ شاید یہ کافی دیر سے اسی جگہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کا آدھا پیندا کیچڑ میں دھنس گیا تھا۔ ناگ نے زور لگا کر کشتی کو کیچڑ سے باہر نکالا اور دریا میں ڈال دی۔ اولگا بھی اس میں سوار ہو گئی۔

کشتی نے دریا میں بہنا شروع کر دیا۔ اس میں صرف ایک ہی چپو تھا۔ جس کی مدد سے ناگ اسے دوسرے کنارے پر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کشتی میں ایک سوراخ تھا۔ جس میں سے پانی اندر داخل ہونے لگا۔ اولگا نے چلو بھر بھر کر پانی باہر دریا میں پھینکنا شروع کیا۔ سردی کی وجہ سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"تم چپو چلاؤ۔ میں پانی دریا میں پھینکتا ہوں۔"

آخر بڑی مشکل کے ساتھ وہ دریا کے دوسرے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کشتی دریا میں ہی چھوڑی اور کنارے پر چھلانگیں لگا کر دوسری

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اب سامنے میدان تھا۔ جس میں اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اولگا ناگ کے آگے آگے جا رہی تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ وہ کبھی بھاگتے اور کبھی تیز تیز چلنے لگتے۔

"سٹیشن کہاں ہے اولگا؟"

"بس قریب ہی ہے۔"

تھوڑی دُور جا کر انہیں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں بجلی اور ٹیلی فون کے تار دکھائی دینے لگے۔ پھر دُور سے ریل کے انجن کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ اولگا نے خوش ہو کر کہا۔

"گاڑی آ رہی ہے۔"

"جلدی جلدی چلو۔"

آخر وہ گرتے پڑتے، بھاگتے، تیز تیز چلتے ریلوے سٹیشن پر پہنچ ہی گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا غیر آباد ریلوے سٹیشن تھا۔ اور یہاں سے مال گاڑیاں ہی گذرا کرتی تھیں یا پھر ایسی گاڑی گذرتی جس میں مزدور بھرے ہوتے جو دُور ایک بند پر کام کر رہے تھے۔ پلیٹ فارم پر صرف دو تین دیہاتی ہی نظر آئے۔ جنہوں نے

سمور کے پرانے کوٹ اور ٹوپیاں پہن رکھی تھیں اور سردی میں بنچوں کے کونوں میں دبکے دبکے بیٹھے تھے۔

اتنے میں ریل گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر رُک گئی۔ یہ ایک مال گاڑی تھی جس کے پیچھے آخر میں ایک بوگی مسافروں کی بھی لگی تھی۔ اندر کچھ مسافر سو رہے تھے اور کچھ اٹھ کر سامان سمیٹتے اور باہر نکل رہے تھے۔

اولگا نے ناگ کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"کونے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ڈبہ تقریباً مسافروں سے خالی ہو گیا تھا۔ صرف تین چار مسافر لمبی تان کر گرم ہو کر سو رہے تھے۔ ڈبے کی کھڑکیاں گرا دی گئی تھیں جس کی وجہ سے اندر سردی زیادہ نہیں تھی۔ اولگا اور ناگ نے بھی اپنے پرانے گرم سموری کوٹوں کے کالر اوپر کر لیے اور سموری ٹوپیاں کانوں پر کھینچ لیں۔ اب انہیں پہچاننا مشکل تھا۔ وہ بھی مزدور ہی لگ رہے تھے۔ انجن نے سیٹی بجائی۔

اور پھر گارڈ نے سبز روشنی دکھا دی۔ گاڑی پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی۔ سٹیشن سے باہر نکل کر ٹرین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی رفتار تیز ہو گئی اور ورشکا قصبے کی طرف چل لگی۔ اولگا نے ناگ سے کہا۔

”سب سے بڑی مشکل ہمیں اس وقت پیش آئے گی جب ہم سے ہمارا شناختی کارڈ طلب جائے گا۔“

ناگ نے کہا۔ ”شناختی کارڈ کس جگہ چیک جائے گا؟“

اولگا بولی۔ ”ورشکا سٹیشن سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا جائے گا۔ کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ تم فکر نہ کر“

اولگا نے پوچھا۔ ”کیا تم جادو کے ذریعے شناخ کارڈ نہیں بنا سکتے؟“

ناگ مسکرایا۔ ”نہیں۔ مگر میں کوشش کروں گا۔“

سورج نکل آیا تھا مگر دھند کی وجہ سے دھوپ بہت پھیکی پھیکی تھی۔ آسمان پر ایسا لگتا تھا جیسے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کہرا پھیلا تھا اور سرد ہوا ہڈیوں کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ ڈبے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ مگر پھر بھی اندر سردی تھی۔ سارا دن ٹرین سفر کرتی رہی۔ راستے میں دو ایک سٹیشن آئے۔ وہاں گاڑی

رُکی۔ مگر اندر کوئی مسافر نہ آیا۔ بلکہ جو چند ایک مسافر اندر سو رہے تھے وہ بھی چلے گئے۔ گاڑی شہر سے دُور ویرانوں میں نکل آئی تھی۔ تیسرے پہر شام کے قریب جا کر گاڑی ورشکا سٹیشن پر آ گئی۔

اولگا نے ناگ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ ورشکا سٹیشن آ رہا ہے۔

”ہمیں یہاں سے الگ ہو کر باہر نکلنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ کیونکہ شناختی کارڈ کے نہ ہونے سے ہم گرفتار ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی میرے فرار کا اس وقت تک سب کو معلوم ہو گیا ہو گا اور سارے ملک کی پولیس ہوشیار ہو کر میری تلاش میں لگی ہو گی۔“

ناگ نے کہا۔ ”ہم کس جگہ سے باہر نکلیں گے؟“

اولگا بولی۔ ”سٹیشن کی دوسری جانب ایک چھوٹا سا جنگل ہے۔ میں لائن پار کر کے اس جنگل میں جانے کی کوشش کروں گی۔ تم بھی اُدھر ہی آ جانا۔ وہاں ہم چھُپ کر اندھیرا ہونے کا انتظار کریں گے۔ جب اندھیرا ہو جائے گا تو پھر وہاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے نکل کر میں تمہیں اپنی خالہ کے گھر لے جاؤں

ٹرین پلیٹ فارم پر رُک گئی۔

اولگا ڈبے کے دوسرے دروازے سے اُلٹی طرف سے ریلوے لائن پر اُتر گئی۔ اترنے سے پہلے اس نے ناگ کو وہ چھوٹا سا جنگل دکھا د تھا جہاں جاکر انہیں ایک دوسرے سے ملنا تھ اولگا بڑی تیزی سے ریلوے لائن عبور کر گئی اد جنوبی پلیٹ فارم پر چڑھ کر دوسری طرف ڈھلان پر اُتر گئی۔

ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اولگا کو تو کسی نے نہ پوچھا۔ لیکن جب ناگ دوسرے پلیٹ فارم پر آیا اور ڈھلان اُتر کر سٹیشن کی دیوار کی جانب بڑھا تو ایک چیکر نے اسے گھیر لیا

"ٹکٹ کہاں ہے تمہارا؟"

ناگ نے مسکرا کر روسی زبان میں کہا۔

"دوست! ٹکٹ میرا میری بیوی کے پاس ماسکو میں ہی رہ گیا ہے۔ تم مجھ سے ٹکٹ کے پیسے جرمانے کے ساتھ وصول کر سکتے ہو۔"

چیکر نے گھور کر ناگ کو دیکھا۔

"تم ایشیا کے رہنے والے ہو؟"

"ہاں دوست! میں قاہرہ میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اری زندگی ماسکو میں رہا ہوں۔ یہاں سیر و سیاحت رنے آ گیا تھا۔"

"تمہارا شناختی کارڈ میں دیکھ سکتا ہوں؟"

بس یہاں ناگ خاموش ہو گیا۔ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ چیکر کو شک پڑ گیا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ناگ کی طرف اس کا رُخ کر دیا۔

"سیدھا میرے آگے آگے چلو۔"

ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ کیا مصیبت پڑ گئی۔ آگے لگ کر چلنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ آگے آگے چلنے لگا۔ چیکر اسے لے کر سٹیشن کے پیچھے ال گودام کے ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ یہاں ایک عارضی جیل بنی ہوئی تھی۔ جہاں شک میں پکڑے ہوئے لوگوں کو رکھا جاتا تھا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں جاسوسوں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ جو روسیوں کے میزائیلوں کا کھوج لگانے کی فکر میں ہوتے تھے۔ یہ میزائیل روسی جرمنی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے لائے گئے۔

چیکر نے ناگ کو جیل میں بند کر کے پیچھے والوں کو فون کر دیا کہ اس نے سٹیشن سے ایک مشکوک ایشیائی کو پکڑا ہے جس کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے۔ سیکیورٹی والے اسی وقت ماسکو سے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر چل پڑے۔

ادھر ناگ جونہی جیل میں اکیلا ہوا۔ اس نے اسی وقت سانپ کی شکل بدلی اور سلاخوں میں سے رینگ کر باہر آگیا۔ ایک سپاہی نے سانپ دیکھ کر شور مچا دیا۔ سٹیشن کے لوگ لاٹھیاں اور پستول لے کر اس کے پیچھے بھاگے۔ ناگ قریبی کھیتوں میں گھس گیا۔ کھیت پر گولیاں برسائی جانے لگیں۔ جیلر نے جو دیکھا کہ مشکوک جاسوس جیل سے بھاگ گیا ہے تو وہ سخت حیران ہوا۔ کیونکہ جیل کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ تالا بھی اسی طرح لگا ہوا تھا۔ پھر وہ کیسے بھاگ گیا؟

سانپ کھیتوں کھیت بہت دُور نکل گیا۔ کھیت کی مینڈھ پر آ کر اس نے سفید

کبوتر کی شکل بدلی اور آسمان میں درختوں کے اوپر سے اڑتا ہوا اس چھوٹے سے جنگل میں آ گیا جہاں اولگا نے چھپنے کے لیے کہا تھا۔ نیچے آ کر دیکھا کہ اولگا ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپی بیٹھی ناگ کا انتظار کر رہی ہے۔ ناگ کبوتر کی شکل میں اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اور غٹرغوں کرنے لگا۔ اولگا نے جو ایک سفید کبوتر دیکھا تو حیران ہوئی۔ کیونکہ روس میں اس قسم کے سفید کبوتر عام طور پر گرمیوں میں آیا کرتے ہیں۔

سفید کبوتر نے گردن دو بار دائیں بائیں ہلائی اور پھر ایک دم سے اولگا کے سامنے ناگ بیٹھا تھا۔

"ناگ بھائی! تم آ گئے؟ تم کتنے خوبصورت کبوتر بنے ہوئے تھے۔ کیا تم اُڑ کر یہاں آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں اُڑ کر بھی آیا ہوں اور رینگ کر بھی۔"

پھر اس نے اولگا کو پکڑے جانے کا سارا قصہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ سیکیورٹی والوں کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وائرلیس کر دیا گیا ہے اور وہ لوگ اس علاقے میں پہنچنے ہی والے ہیں۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب اس سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا جائے گا۔ کیونکہ تم جیل سے بھاگ آئے ہو۔ اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم واقعی جاسوسی کرنے اِدھر آئے ہو۔"

"دیکھا جائے گا.... اب یہ بتاؤ کہ تمہاری خالہ کے ہاں کب جانا ہو گا؟"

"اندھیرا ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"کیا اسی جگہ رہنا ہو گا؟ میرا مطلب ہے اگر تم اس جگہ بیٹھی رہیں تو ہو سکتا ہے سیکورٹی والے اس جگہ کی بھی تلاشی لینے آ جائیں۔"

اولگا کچھ پریشان ہو گئی۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہاں سے چلے چلیں؟ کیونکہ پولیس میری تلاش میں بھی ہو گی۔"

"سوال یہ ہے کہ کہاں جائیں؟ کیونکہ میں تو اس علاقے سے بالکل ہی واقف نہیں ہوں۔"

اولگا سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"اگر ہم کسی طریقے سے بھیس بدل سکیں تو پھر ہم یہاں سے نکل کر اپنی خالہ کے گھر تک بغیر گرفتار ہوئے پہنچ سکتے ہیں۔"

"بھیس کس طرح بدلیں؟"

"یہی تو سوال ہے جو میں تم سے کرنے والی تھی۔"

ناگ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں کوئی بندوبست کر کے ابھی آتا ہوں۔"

اولگا نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ میں انتظار ہی کرتی رہ جاؤں۔"

"نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

اتنا کہہ کر ناگ وہاں سے ایک بار پھر کبوتر بن کر اُڑ گیا اور ریلوے سٹیشن کے اوپر آ کر منڈلانے لگا۔ پھر وہ عمارت کے اوپر بیٹھ گیا۔ اس نے جیل کے ساتھ والے کمرے میں ایک پولیس کے آدمی کو وردی تبدیل کرتے دیکھا تھا۔ اس کی ترکیب یہ تھی کہ کسی طرح سے اس کمرے میں پہنچ کر پولیس کی وردیاں اڑائی جائیں۔ اس میں سب سے بڑا خطرہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

یہ تھا کہ وہ چیکر اسے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر سکتا تھا۔ لیکن یہ خطرہ اسے مول لینا ہی پڑا۔

ناگ عمارت سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اور جیل کے ساتھ والے کمرے میں آ کر ایک الماری کے اوپر بیٹھ گیا۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شاید سارے پولیس والے جیل سے بھاگے ہوئے مفرور کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔

ناگ الماری سے اتر کر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ جلدی سے انسان کے حلیے میں آیا۔ ایک الماری کھول کر پولیس کی وردی نکال کر پہنی۔ ایک وردی لفافے میں ڈال کر بغل میں دبائی۔ اور چپکے سے پستول کمر کے ساتھ لٹکائے کمرے سے باہر آ گیا۔ پلیٹ فارم پر کچھ دیر ٹہلتا رہا۔

کسی نے اس پر شک نہ کیا۔ سب اس کو پولیس کا افسر ہی سمجھ رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ دوسرے پلیٹ فارم کی ڈھلان اتر کر جنگل کی طرف چلنے لگا۔ اچانک پیچھے سے اسے کسی نے آواز دی۔

"ہیلو! تم کہاں جا رہے ہو ایلکی؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

ناگ سمجھ گیا کہ کوئی دوسرا پولیس افسر ہے جس نے اسے ایلکی سمجھا ہے اور اسی کے نام سے پکارا ہے۔ ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ اس سے کوئی دس پندرہ قدم کے فاصلے پر پلیٹ فارم کے پاس ایک پولیس افسر کھڑا تھا۔ جونہی اس کی نظر ناگ پر پڑی وہ سمجھ گیا کہ کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ایلکی کہاں چلا گیا ہے؟ تم کون ہو؟"

ناگ نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر کہا۔

"میں ایلکی کا بھائی ہوں۔ اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ میں آ گیا ہوں۔"

"مگر وہ تو ابھی ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔"

"تو وہ ابھی ابھی بیمار ہوا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ صاف صاف بتاؤ تم کون ہو؟"

ناگ نے پستول نکال کر پولیس افسر کی گردن پر رکھ دیا اور کہا۔

"چپ چاپ میرے آگے آگے چلو۔"

پولیس آفیسر گھبرا گیا۔ سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرناک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جاسوس کے پیچھے چڑھ گیا ہے۔ خاموشی سے آگے آگے چل پڑا۔ ناگ اسے لے کر پلیٹ فارم کی ڈھلان اُترا کر جنگل میں لے آیا۔ یہاں اولگا نے پولیس آفیسر کو دیکھا تو بھاگنے ہی والی تھی کہ ناگ نے کہا۔

"یہ میرا قیدی ہے اولگا! گھبراؤ نہیں۔"

ناگ نے پولیس آفیسر کو ایک جگہ درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا، اور آنکھوں پر کس کر پٹی باندھ دی، پھر اولگا نے پولیس آفیسر کی وردی پہنی اور دونوں پولیس افسروں کے لباس میں جنگل سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی دوسری طرف آ گئے۔ یہاں ایک ملٹری ٹرک کھڑا تھا جس میں سامان لادا جا رہا تھا۔ ناگ اور اولگا پولیس کی وردی میں بڑے آرام سے قصبے سے باہر نکل گئے ناگ نے کہا۔

"اب بتاؤ تمہاری خالہ کا گھر کہاں ہے؟"

اولگا نے کہا۔ "یہاں سے دو میل دور ایک جگہ آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی میری خالہ ایک پرانے سے کاٹج میں رہتی ہے۔ تھوڑی سی زمین ہے جس کو اس نے کرائے پر دے رکھا ہے۔ بس اسی میں

گذارہ کر رہی ہے بے چاری۔"

کھیتوں میں سے گذرتے آخر وہ دونوں ندی پر آ گئے۔ ندی کی دوسری جانب سفیدے کے ٹنڈ منڈ درخت کھڑے تھے۔ کہیں کہیں ابھی تک برف جمی تھی۔ ان درختوں کے قریب ہی ایک چھوٹا سا اک منزلہ کاٹج بنا تھا۔ جس کی چھت پر خشک ٹہنیوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

"یہ ہے میری خالہ کا مکان۔ تم یہیں ٹھہرو میں اندر جاتی ہوں۔"

ناگ درختوں کے پاس رُک گیا۔ اولگا مکان کے دروازے پر آ گئی۔ اس نے دستک دی۔ اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نکلی جس نے سر پہ نیلا رومال باندھ رکھا تھا۔ اس نے جو اولگا کو دیکھا تو خوشی سے چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"اولگا! تم؟ میری پیاری بیٹی!"

●

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تہہ خانے میں لاشیں

"یہ تم نے پولیس کی وردی کیوں پہن رکھی ہے میری بچی؟ میں پہلے تو ڈر ہی گئی تھی۔ مگر تیری شکل پہچان لی۔ آہ! میں تو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ میری بہن کی نشانی کو ان درندوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ آؤ۔ اندر چل کر بیٹھو۔ ضرور پولیس تمہارے پیچھے لگی ہو گی۔ مگر میں تمہیں ایسا چھپاؤں گی کہ ان کا باپ بھی تمہیں نہ تلاش کر سکے گا۔"

اولگا کی خالہ باتیں کرتی اندر جانے لگی تو اولگا نے کہا۔

"خالہ! میرے ساتھ میرا ایک ساتھی بھی ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"اسی نے مجھے موت کی کال کوٹھڑی سے فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو شاید آج میں مر چکی ہوتی۔"

"ضرور بیٹی! اسے بھی اندر بلاؤ۔"

ناگ اندر آ گیا۔ اولگا نے اپنی خالہ سے ناگ کا تعارف کرایا۔ انہوں نے اسی وقت پولیس کی وردیاں اتار کر دوسرے معمولی سے گرم کپڑے پہن لئے۔ خالہ نے اسی وقت قہوہ گرم کر کے پلایا۔ تھوڑی دیر بعد رات ہو گئی۔ اولگا اور ناگ نے گرم پانی سے غسل کیا اور دوسرے گرم کپڑے پہنے۔ خالہ نے کھانا تیار کیا۔ پھر کھانا کھا کر وہ چائے کا سماوار میز پر رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور گفتگو شروع ہو گئی۔ اولگا نے کہا۔

"خالہ! یہ تو تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ میرا یہاں رہنا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ روسی حکومت نے خدا جانے کیا سوچ کر تمہیں معاف کر دیا ہے۔ ورنہ انہوں نے ہمارے خاندان کا ایک بھی آدمی زندہ سلامت نہیں چھوڑا۔ یہ لوگ میری تلاش میں روس کا کونہ کونہ چھان ماریں گے اور مجھے تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں بھی آئیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ تم میری خالہ ہو اور تم مجھے یہاں سے فرار ہونے میں مدد دے سکتی ہو۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس لیے یہ ضروری ہے کہ میں اور ناگ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ اب یہ بتاؤ خالہ! کہ تمہارے خیال میں ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ اس ملک سے خیریت کے ساتھ نکل کر چین میں داخل ہو جائیں۔"

خالہ نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"بیٹی تم میری مرحوم بہن کی آخری نشانی ہو۔ اگر دیکھا جائے تو ہمارے زار خاندان کی صرف تم ایک بچی زندہ رہ گئی ہو۔ میں تو کبھی بھی نہیں چاہوں گی کہ تمہیں اپنے سے الگ کردوں۔ مگر بیٹا اگر تم یہیں رہی ہو یہ لوگ تمہاری تلاش میں یہاں بھی آئیں گے تو پیاری اولگا! خطرہ تو ہے۔ اس کے باوجود میرے اس کاٹیج کے نیچے ایک خفیہ تہہ خانہ ہے جہاں میں اناج وغیرہ گودام کیا کرتی ہوں۔ میں تمہیں وہاں چھپا دوں گی۔ یہ لوگ تمہیں کبھی نہ پا سکیں گے۔ میں تو یہی کہتی ہوں کہ تم میرے پاس اسی گھر میں رہو۔ جب کبھی ان لوگوں کی حکومت بدلی اور ہماری پسند کے لوگ آ گئے تو تم آزادی سے چل پھر سکو گی۔"

اولگا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"خالہ! ان باتوں کو بھول جاؤ۔ اب ہماری پسند کے لوگ شاید کبھی نہ آئیں گے اور باقی رہی تمہارے تہہ خانے کی بات تو یہ روسی سراغ رساں اتنے بھولے نہیں ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے تمہارے تہہ خانے کو تلاش کریں گے۔ پھر میرے ساتھ وہ تمہیں بھی گولی کا نشانہ بنا ڈالیں گے۔ اور یہ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ میرے ساتھ تم بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہماری یہاں سے فرار ہونے میں رہ نمائی کرو۔"

ناگ نے کہا۔ "اولگا ٹھیک کہتی ہے خالہ! روس میں رہنا اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہاں یہ ضرور پکڑی جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے فرار ہو کر کسی طریقے سے ملک چین میں داخل ہو جائیں۔ میں اس کے ساتھ رہوں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ملک چین کی سرحد کے اندر محفوظ ہاتھوں میں پہنچا کر واپس آؤں گا۔"

خالہ بولی۔ "اگر تم دونوں کا خیال یہاں سے چلے جانے کا ہے اور تم اسی میں اپنی بہتری سمجھتے ہو تو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

میں کون ہوتی ہوں تمھیں روکنے والی۔ باقی رہی بات یہاں سے فرار ہونے کی۔ تو بیٹی! راستہ بڑا خطرناک اور طویل طویل ہے۔ بڑا لمبا سفر ہے۔ بڑا مشکل کٹھن سفر ہے۔ سائبیریا کوئی میدان نہیں ہے۔ بلکہ برف سردی اور موت کا ایک صحرا ہے۔ تمھیں اس صحرا میں سے گذرنا ہو گا۔"

اولگا بولی۔ "زندگی بچانے کے لیے ہم اس صحرا سے بھی گذر جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ خالہ جان کہ یہاں سے ہمیں کس سمت کو سفر شروع کرنا ہو گا؟"

"یہاں سے تمھیں رات کے اندھیرے میں نکل کر پچاس میل دور ورشکا سے اگلے سٹیشن تک جانا ہو گا وہاں سے ہر رات تین بجے پچھلے پہر ایک مال گاڑی ادباشک کی طرف جاتی ہے۔ جو یہاں سے دو ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مال گاڑی راستے میں دو تین جگہوں پر ہی ٹھہرتی ہے۔ اوباشک سے تمھیں باتیک جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہونا ہو گا جو وہاں سے کافی لمبا سفر ہے۔ باتیک ریلوے سٹیشن سے سائبیریا کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سائبیریا کے علاقے میں تمھیں

گاڑی پر سفر کرنا ہو گا۔ اگر تم راتوں کو سفر کرتے رہے تو ایک نہ ایک دن سنکیانگ کی سرحد پر پہنچ جاؤ گے۔ جو چین کا ایک صوبہ ہے۔ بس یہ ہے تمھارا طویل سفر جس میں ہر قدم پر موت تمھارے ساتھ ساتھ سفر کرے گی۔ کاش اتنے لمبے سفر میں میں تمھاری کوئی مدد کر سکتی۔"

اولگا نے کہا۔ "خالہ تمھاری اتنی مدد ہی بہت ہے کہ تم ہماری رہ نمائی کر رہی ہو اور تم نے ہمیں یہاں پناہ دی ہے۔"

خالہ بولی۔ "بیٹی تمھارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔ کیا تم نے واقعی اس مصیبت سے بھرے ہوئے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟"

اولگا کہنے لگی۔ "خالہ! اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ سفر کرنا ہی پڑے گا۔ ناگ میرا بھائی میرے ساتھ ہو گا اور اس کے پاس بہت سی خوبیاں ہیں۔"

خالہ نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ بے چارہ تو مجھے بڑا شریف اور نازک سا نوجوان لگ رہا ہے۔ خدا کرے کہ اس مصیبت زد

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سفر کی تکلیفیں یہ بھی سہہ جائے۔"

ناگ ہنسا۔ "خالہ! تم فکر نہ کرو۔ میں نے بڑے بڑے سفر کیے ہیں۔ خدا نے چاہا تو ہم اس مصیبت کے سفر میں سے بھی خیر خیریت سے گزر جائیں گے۔"

خالہ نے تشویش بھری آواز میں کہا۔

"مگر میرے بچو! اس سفر میں جس شے کی تمہیں سب سے زیادہ ضرورت ہو گی وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ بس یہی ایک فکر مجھے کھائے جاتا ہے۔ کہ اس چیز کے بغیر تم یہ سفر کس طرح طے کر سکو گے؟"

اولگا نے کہا۔ "میں جانتی ہوں خالہ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے اور روپے کے بغیر ہم چین کی سرحد کیا سائبیریا تک بھی نہ پہنچ سکیں گے۔"

خالہ کہنے لگی۔ "بیٹی تمہیں ہر قدم پر روپے کی ضرورت پڑے گی۔ سائبیریا کے برفانی سفر کے لیے تمہیں کتا گاڑی خریدنی پڑے گی۔ جس کی قیمت اس وقت دس ہزار روپے سے کم نہیں ہے۔ پھر تمہیں کئی گائیڈوں کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔ جو تم سے ایک ہزار روپے سے کم کوئی بھی نہیں لے گا۔ پھر خوراک کی ضرورت پڑے گی۔ میری بچی! تم اتنے پیسے کہاں سے لاؤ گی؟ میرے پاس تو بڑی مشکل سے کھانے پینے کا خرچ چل رہا ہے۔ کاش! میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔"

اولگا نے اداس ہو کر سر جھکا لیا۔

"خالہ! کاش! اس وقت ہمارے پڑدادا زار روس کے دشمنوں کا خزانہ ہمارے پاس ہوتا۔ پھر ہمیں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔"

"کاش بیٹی! ایسا ہو سکتا۔ مگر خزانے کی تو ہمیں بھی خبر نہیں ہے۔" خالہ نے کہا۔

ناگ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا جب وہ دونوں خاموش ہو گئیں تو ناگ نے کہا۔ "خالہ روپوں کا بندوبست کر لیا جائے گا۔"

خالہ نے حیران ہو کر ناگ کی طرف دیکھا۔ اولگا بھی ناگ کا منہ تکنے لگی۔

"تم .... تم کہاں سے کرو گے اتنی رقم کا بندوبست؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "جادو کے زور سے۔"

خالہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہا؟ جادو کے زور سے؟"

اولگا نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں خالہ! یہ تو میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تمہیں بتانا ہی بھول گئی تھی کہ ناگ بھائی کو کالا جادو بھی آتا ہے۔"

خالہ بولی۔ "تو بیٹا پھر فوراً جادو کے زور سے روپے پیدا کر لو۔ کیونکہ روپے کے بغیر میری بیٹی یہ سفر کبھی طے نہیں کر سکے گی۔"

ناگ بولا۔ "اس وقت کوئی ایک لاکھ روپے تو میرے پاس موجود ہیں۔"

اور اتنا کہہ کر ناگ نے اپنی جیب میں سے ایک لاکھ روپے کی مالیت کے چار ہیرے نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ لیمپ کی روشنی میں ہیروں کی چمک دمک نے خالہ اور اولگا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ خالہ نے ایک ہیرے کو اٹھا کر ہاتھ میں لیا، اور اسے شوق بھری نگاہوں سے تکتے ہوئے بولی،

"بیٹے! اتنا بڑا ہیرا تمہیں کہاں سے مل گیا؟ خدا بخشے میری نانی کے پاس ایسے ہیرے ہوا کرتے تھے۔ کہا کرتی تھی کہ زار روس کے گھر جاتی ہوں تو وہ دو چار ہیرے دے دیتا ہے۔"

اولگا نے بھی ہیروں کی بڑی تعریف کی اور پوچھا، "مگر یہ ہیرے تمہارے پاس کہاں سے آ گئے؟"

ناگ ہنسا اور بولا۔ "بس آ گئے جہاں سے آنے تھے۔ اب میرا خیال ہے کہ ان کو کسی جگہ فروخت کرنا چاہیے۔"

اولگا کہنے لگی۔ "یہ تو بڑی مشکل بات لگتی ہے میرا خیال ہے یہاں انہیں کون خریدے گا اور ہم کہاں بیچنے جائیں گے؟"

خالہ نے کہا۔ "ایسی مشکل بات نہیں ہے یہ، میری ایک جاننے والی ہے۔ اس حکومت میں آ کر نئی نئی امیر ہوئی ہے۔ ویسے مجھ سے بڑی محبت سے ملتی ہے۔ اس نے ایک بار مجھے کہا تھا کہ تانیا! اگر کبھی تمہارے پاس اپنے خاندانی جواہرات کہیں سے آ گئے تو سیدھی لے کر میرے پاس آ جانا۔ میں انہیں اسی وقت خرید لوں گی۔"

اولگا نے پوچھا۔ "کیا اس کے پاس اتنی رقم ہوگی؟"

خالہ نے جواب دیا۔ "اری وہ تو اگر چاہے تو ساری دنیا کے ہیرے جواہر خرید لے۔ کہہ جو دیا نئی نئی امیر ہوئی ہے۔ جنگ کے دنوں میں تو اس کے خاوند نے کروڑوں کمائے ہیں۔ کسی کو بتاتے نہیں کہ ان کے پاس اتنی دولت ہے۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ نے کہا۔ "تو پھر خالہ آج ہی اس کے ہاں لے جاؤ یہ ہیرے۔ تاکہ ہم کل شام کو یہاں سے کُوچ کر جائیں۔"

"بہت اچھا بیٹے! مَیں آج ہی جاتی ہوں اس امیر زادی کے گھر۔"

شام کے وقت اولگا کی خالہ نے ان دونوں کو اپنے تہہ خانے میں ایک جگہ چھپا دیا اور خود مکان کو باہر سے تالا لگا کر ہیرے تھیلی میں ڈال اس امیر زادی کی طرف روانہ ہو گئی۔

دوسری طرف سارے ملک میں جاسوسوں کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ خطرناک جاسوس عورت اور ایک مرد چھ سات سرکاری آدمیوں کا خون کر کے جیل سے فرار ہو چکے تھے۔ اولگا کی تلاش میں ساری خفیہ پولیس ہوشیار ہو گئی تھی اور جگہ جگہ ہر شہر میں چھاپے مارے جا رہے تھے۔ خفیہ اور دوسری پولیس کو معلوم تھا کہ ورشکا قصبے میں اولگا کی خالہ تانیا رہتی ہے جو اگرچہ حکومت کی طرف سے لگائے گئے الزامات سے بَری ہو چکی ہے مگر آخر زار روس کے خاندان سے ہے۔ اور اولگا ضرور اس کے پاس آ سکتی ہے۔

پس پولیس نے تانیا خالہ کے گھر کی نگرانی شروع کر رکھی تھی۔

خوش قسمتی یہ ہوئی کہ جس روز نگرانی شروع ہوئی۔ اس سے ایک روز پہلے ناگ اور اولگا اس گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سمجھدار خالہ ان دونوں یعنی ناگ اور اولگا کو گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتی تھی۔ خالہ کے گھر کی نگرانی دو جاسوس کر رہے تھے۔ جس وقت خالہ امیر زادی کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو انہوں نے اسے جاتے اور گھر کو تالا لگاتے دیکھا۔ وہ چلی گئی تو ایک جاسوس نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ عورت کافی ہوشیار ہے۔ یہ ہمیں اپنی چال ڈھال سے کبھی پتہ نہیں چلنے دے گی کہ اس کے دماغ میں اور اس کے گھر کے اندر کیا ہے؟"

دوسرا بولا۔ "تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میرا تو خیال ہے کہ اس کے گھر کی تلاشی لینی چاہیے۔ مجھے کچھ یقین سا ہونے لگا کہ اس خالہ آفت کی پڑیا نے اولگا اور دوسرے جاسوس کو گھر کے تہہ خانے میں کہیں چھپا رکھا ہے۔ آخر دوسرا جاسوس اسی قصبے کے ریلوے سٹیشن پر گم ہوا تھا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"تو پھر چلو چل کر تلاشی لے لیتے ہیں۔ تالا کھولنے میں تو میں ماہر ہوں۔"

"چلو۔"

دونوں جاسوس کمین گاہ سے نکلے اور سیدھے خالہ کے مکان پر آ گئے۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ ایک جاسوس نے جیب سے نکال کر تالے کے سوراخ میں کچھ اس طرح سے گھمائی کہ کلک کی آواز کے ساتھ تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ دروازہ کھول کر مکان میں داخل ہو گئے۔ سادہ سا کمرہ تھا۔ سماوار اور چائے کی پیالیاں الماری میں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ کونے میں پردے کے پیچھے بستر لگا تھا۔ دیوار میں کپڑے کی الماری تھی۔ جو بند تھی۔ بائیں جانب باتھ روم تھا۔

سارا گھر خالی تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"یار! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ تمہارا تہہ خانہ کہاں ہے جس کے بارے میں تمہارا شبہ ہے کہ دونوں مفرور وہیں چھپے ہوں گے؟"

"وہ تہہ خانہ اگر ہو گا تو پچھلے کمرے کے نیچے کسی جگہ ہو گا۔"

ایک چھوٹا سا کمرہ پیچھے بنا ہوا تھا۔ اصل میں اسی کمرے کے نیچے تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں اولنگا اور ناگ چھپے بیٹھے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ جونہی انہوں نے اوپر کسی کے چلنے کی آواز سنی تو چپ ہو گئے۔ اولنگا سمجھی کہ شاید خالہ آ گئی ہے۔ وہ آواز دینے ہی لگی تھی کہ ناگ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شی! کیا معلوم کوئی دشمن ہو اور ہماری تلاش میں آیا ہو۔"

اولنگا کا دل دشمن کا نام سن کر دھمک سے رہ گیا۔ اسے ایک بار پھر جیل کی کوٹھڑی اور اذیت کے لمحے یاد آنے لگے۔ کمرے میں دونوں جاسوس تہہ خانے کے خفیہ راستے کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھا تم نے؟ یہ خالہ نہیں ہے۔ دو آدمی اوپر چل پھر رہے ہیں۔ وہ تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ ضرور یہ سرکاری جاسوس ہیں۔ تم اس کونے والی بوری کے پیچھے چھپ جاؤ۔ اگر ان لوگوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو راستہ مل گیا تو میں ان کا مقابلہ کروں گا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ اوپر راستہ تلاش کرتے کرتے آخر ایک جاسوس نے کونے میں بچھائی ہوئی دری اٹھائی تو نیچے لکڑی کا ایک تختہ دکھائی دیا۔

"مل گیا! گریگوری دروازہ مل گیا۔"

دوسرا جاسوس لپک کر ادھر آیا۔ لکڑی کا تختہ اٹھایا تو سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ایک جاسوس نے سرگوشی میں کہا۔

"تم اوپر ٹھہرو میں نیچے جاتا ہوں۔ دونوں مفرور اسی تہہ خانے میں ہیں۔"

ایک جاسوس پستول نکال کر باہر کھڑا ہو گیا۔ اور دوسرے جاسوس نے پستول نکال کر ہاتھ میں تھاما اور نیچے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلنے اور سیڑھیوں پر جاسوس کے قدموں کی آواز ناگ اور اولگا نے بھی سن لی تھی۔ اولگا کونے میں بوری کے پیچھے چھپ کر بیٹھی تھی۔ اور ناگ سانپ کی شکل بن کر سیڑھیوں کے ساتھ ہی اندھیرے میں چھپا جاسوس کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔

جاسوس سیڑھی اتر کر تہہ خانے میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی اور اس کی روشنی تہہ خانے کے چھوٹے سے کمرے میں ڈالی۔ اسے ایک بوری کے پیچھے کچھ شکل سی نظر آئی۔ وہ لپکا اور اس نے اولگا کو باہر نکال لیا اور پستول اس کے سینے پر رکھ دی۔

"خاموشی سے اوپر چلو۔ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ جاسوس نے اسے زور سے تھپڑ مار دیا۔ اولگا بے چاری نیچے گر پڑی۔ جاسوس نے اوپر آواز دی۔

"اولگا گرفتار کر لی گئی ہے۔ میں آ رہا ہوں۔"

"جلدی اوپر لاؤ۔"

اوپر والے جاسوس نے خوش ہو کر کہا۔ یہ ان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے پر انہیں زبردست ترقی ملنے کی امید تھی۔

جاسوس نے اولگا کو آگے لگا لیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ سانپ اسی وقت کا انتظار کر رہا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھا۔ اولگا بھی حیران تھی کہ ناگ کہاں چلا گیا ہے؟ آخر وہ خاموش کیوں ہے؟ ناگ تہہ خانے کی چھت کے ساتھ چپکا ہوا تھا اور اپنے زہریلے دانت تیار کر رہا تھا۔

جونہی جاسوس سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب آیا۔ اس نے لپک کر اس کی گردن کو دبوچ لیا اور ساتھ ہی ڈس دیا۔ جاسوس کے جسم پر ناگ کے حملے کا پہلا اثر یہ ہوا کہ اس کی گردن کی رگیں بند ہو گئیں اور وہ آواز نہ نکال سکا۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اگر ہاتھ میں ہوتا بھی تو وہ سانپ پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ کیونکہ سانپ اس کی گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ اس طرح سے وہ خود بھی مر سکتا تھا۔

اب زہر نے اثر کرنا شروع کیا۔ یہ سب کچھ ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا اور جاسوس سیڑھی پر سے لڑھک کر تہہ خانے میں گر پڑا۔ اس کے گرنے کی آواز اوپر بھی گئی۔ دوسرا جاسوس چونک کر نیچے جھانکنے لگا۔

”کیا بات ہے؟ اوپر کیوں نہیں آتے؟“

نیچے سے کوئی جواب نہ آیا تو اوپر والے اسوس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے سوچا کہ نیچے ضرور کوئی حادثہ ہو گیا ہے اس کے ساتھی کے ساتھ۔ بس وہ پستول ہاتھ میں لے کر نیچے اُتر آیا۔ نیچے ہی اس نے ٹارچ کی روشنی ڈالی تو فرش پر اس کے ساتھی کی لاش پڑی تھی۔ وہ اس پر جھکا ہی تھا کہ پیچھے سے ناگ نے سانپ کی شکل میں اس کی گردن بھی دبوچ لی۔ تھوڑے ہی وقت کے بعد دوسرا جاسوس بھی اگلے جہان کی سیر کر رہا تھا۔

سانپ انسان کی شکل میں آ گیا۔

اولگا بھی ایک طرف سے نکل کر سامنے آ گئی۔ تہہ خانے میں دو لاشیں پڑی تھیں۔ اوپر چھت کا تختہ ہٹا ہوا تھا۔ ناگ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اوپر جا کر مکان کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر تہہ خانے میں آ کر بیٹھ گیا۔ اولگا نے کہا۔

”یہ کم بخت لاشیں کہاں جا کر جمع کرائیں گے؟“

ناگ نے ہنس کر کہا۔ ”فکر نہ کرو۔ انہیں ایسی جگہ جا کر دفن کریں گے کہ ساری زندگی ان کی پولیس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کھوج نہ لگا سکے گی۔"

یہ دونوں خالہ کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر خالہ جب امیرزادی کے گھر پر پہنچی تو اس نے بڑی آؤ بھگت کی۔ امیرزادی جانتی تھی کہ میں تو نئی نئی امیر ہوئی ہوں۔ لیکن خالہ خاندانی امیرزادی ہے اور زار روس کے شاہی خاندان میں سے ہے۔ اس لیے وہ اس کی بڑی عزت و احترام کیا کرتی تھی۔ خالہ کے لیے امیرزادی نے قہوہ منگوایا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر کے پوچھا کہ خالہ کیسے آئی ہو؟ خالہ نے دائیں بائیں دیکھ کر اطمینان کیا کہ وہاں کوئی غیر نہیں ہے تو تھیلی میں سے دونوں بڑے ہیرے نکال کر سامنے رکھ دیے۔ امیرزادی نے اتنے حسین، دلکش اور بڑے ہیرے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بڑی خوش ہوئی۔ خالہ نے بتایا کہ اس کی ایک رشتے دار عورت یہ لے کر آئی ہے۔ بس خاندان کی ایک ہی نشانی یہ دو ہیرے رہ گئے تھے۔ اسے روپوں کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اس لیے فروخت کر رہی ہے۔ امیرزادی نے کہا۔

"خالہ! کوئی بات نہیں ہے۔ میں خریدنے کو یار ہوں۔ ہیرے بھی بڑے خاندانی لگ رہے ہیں۔ ئے روپے مانگ رہی ہے وہ خاتون؟"

خالہ نے حساب لگا کر کہا۔

"اسے اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپوں کی اشد ضرورت ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اگر یہ ہیرے بازار یں لے جا کر فروخت کروں تو دو لاکھ سے کم نہیں لیں گے۔ مگر بہن! تم تو جانتی ہو کہ وہ بازار میں اسے فروخت نہیں کر سکتی۔ پولیس پوچھے گی کہ ہیرے کہاں ہیں؟"

"ہاں خالہ میں سمجھتی ہوں۔ اچھا ایسا کرو کہ اس وقت تو میں ایک لاکھ روپے سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اگر منظور ہو تو لے جاؤ۔"

خالہ تانیا کو اور کیا چاہیے تھا۔ جلدی سے کہنے لگی۔

"تم ایک لاکھ ہی دے دو بی بی۔ میں اسے راضی کر لوں گی ایک لاکھ پر۔ یہ لو اپنے ہیرے۔"

خالہ تانیا نے ہیرے امیرزادی کے حوالے کیے۔

امیرزادی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ گن کر نکالے اور خالہ کے حوالے کر دیئے۔ خالہ نے نوٹ تھیلی میں ڈالے اور سلام کر کے امیرزادی کے گھر سے رخصت ہوئی۔

مکان پر آ کر اس نے تالا ٹوٹا پڑا دیکھا تو ماتھا ٹھنکا۔ پھر دروازے کو دھکیلا تو اندر سے بند پایا۔ خالہ تانیا پریشان ہو کر پیچھے کو ہٹی کہ معلوم کرے اندر کون ہے؟ وہ باتھ روم والی کھڑکی کے پاس آ گئی۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ اس نے کھڑکی کو اندر کی طرف دھکیلا۔ وہ بند تھی خالہ واپس دروازے کی طرف آئی۔ اس نے زور سے آواز دی۔

"اندر کون ہے؟"

ناگ نے آواز سُنی تو اولگا کو بھیجا۔ اولگا دروازہ کھول کر خالہ کو اندر لے گئی۔ ناگ نے اسے سارا واقعہ سنایا۔ نیچے جا کر سرکاری جاسوسوں کی لاشیں بھی دکھا دیں۔ خالہ تو حیران بھی ہوئی اور خوش بھی ہوئی کہ ایک بلا گھر پر نازل ہوئی تھی جو ٹل گئی۔ کیونکہ اگر ان دونوں

ے کوئی ایک بھی بچ کر نکل جاتا تو اس گھر بت نازل ہو سکتی تھی۔ خالہ نے کرسی پر ہوئے کہا۔

"تہہ خانے والی لاشوں کا کیا بنے گا اب! ان کون ٹھکانے لگائے گا۔"

ناگ نے پوچھا۔ "خالہ یہ تو بتاؤ کہ جس کام کے تم گئی تھیں اس کا کیا بنا؟"

"وہ ہو گیا ہے۔ یہ لو ایک لاکھ روپے لے ہیں۔"

ناگ نے کہا: "خالہ فکر نہ کرو۔ میں آج ہی شام دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ اب یہ تاؤ کہ ان روپوں میں سے تمہیں کتنے دے کر جائیں؟"

"ارے بیٹا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تو تمہارے لیے ہیں۔ راستے میں تمہیں اُن کی اشد ضرورت پڑے گی۔"

اولگا بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں آج ہی شام اندھیرا ہونے کے بعد یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ اور شام کے بعد ان لاشوں کو بھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ٹھکانے لگانا ہو گا۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" ناگ نے کہا اور تہ
میں سے باہر نکل کر وہ سب اوپر آ گئے ا
شام کے اندھیرے کا انتظار کرنے لگے۔

موت کا کیمپ

شام ہوتے ہی ناگ نے دونوں لاشیں تہہ خانے
اندر ہی زمین کھود کر دفن کر دیں۔ باہر وہ
یں اس لیے نہ لے کر آیا کہ جاسوس باہر پہرہ
ے رہے تھے۔ خطرہ تھا کہ انہیں پتہ چل جائیگا
غار پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ آخر یہی فیصلہ
گیا کہ تہہ خانے میں ہی گڑھا کھود کر لاشوں
ٹھکانے لگا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اب ناگ اور اولگا کو وہاں سے نکلنا تھا
رات کے اندھیرے میں اس طرح سے فرار ہونا
تاکہ باہر جو جاسوس نگرانی کر رہے تھے انہیں
ان کان خبر نہ ہو۔ ناگ نے اپنے اور اولگا
کے لیے سیاہ رنگ کے گرم اوور کوٹ بنوا رکھے
تھے جن کی ٹوپیاں بھی سیاہ تھیں۔ تاکہ اندھیرے
میں وہ نظر نہ آئیں۔ جب رات گہری ہو گئی
اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو ناگ اور

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اولگا نے خالہ تانیا سے اجازت لی اور مکا کی پچھلی کھڑکی سے باہر کھیت میں کود گئے۔ وہ جھک کر کھیتوں کھیت چلتے باغ کی جھاڑیوں میں آ کر دم سادھے بیٹھ گئے۔ وہ یہ پتہ کر چاہتے تھے کہ کوئی جاسوس ان کے پیچھے تو نہیں ہے؟ رات خاموش تھی اور سخت سردی تھی گو ہوا نہیں چل رہی تھی مگر سردی ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ ناگ نے لیٹے لیٹے گردن اٹھا کر جھاڑیوں سے باہر دیکھا۔ فضا سنسان تھی۔ اندھیرے میں تاروں کی ہلکی سی روشنی تھی۔ جس میں دُور تک کھیت ویران تھے۔ آگے جا کر ایک ٹیلہ کھڑا تھا انہیں اس ٹیلے کے پار ایک چھوٹے سے سٹیشن تک جانا تھا۔ یہ سفر پچاس میل کا تھا۔ اور ان دونوں کو پیدل ہی طے کرنا تھا۔ ناگ اس سفر کو پیدل طے کرنے کے خلاف تھا۔ مگر وہاں انہیں کوئی سواری نہیں مل سکتی تھی۔

اولگا نے سرگوشی سے پوچھا۔

"کوئی ہے کیا؟"

"نہیں۔ دُور دُور تک میدان صاف ہے۔"

نے کہا۔

"تو پھر آگے بڑھو۔"

اولگا بولی۔

ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور کھیتوں کھیت پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ تیز تیز چل رہے تھے۔ تاکہ صبح کی روشنی سے پہلے پہلے کافی فاصلہ طے کر لیں۔ تیز چلنے سے سردی کا احساس بھی کم ہو گیا تھا۔ پھر بھی پچاس میل کا فاصلہ بڑا فاصلہ ہوتا ہے اور پیدل طے کرنا خاص طور پر ایک عورت کے لیے بڑی مشکل بات تھی۔ ناگ اِدھر اُدھر سواری کے لیے بھی نظر دوڑائے جا رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد تک انہوں نے کوئی دس ایک میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اولگا اب تھک کر چُور ہو گئی تھی۔ رات ڈھلنے لگی تو انہوں نے ذرا فاصلے پر اندھیرے میں ایک مکان کی چھت ابھرتی دیکھی۔ یہ شاید مویشی خانہ تھا۔ ناگ کی آنکھوں میں امید کی کرن چمکی۔ اس نے اولگا سے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اس مکان میں جا کر دیکھتا ہوں۔ شاید کوئی سواری مل جائے۔"

اولگا کھیتوں کی مینڈھ کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ چھپتا چھپاتا مویشی فارم کی طرف گیا۔ یہ اک منزلہ گودام سا تھا جس کا دروازہ یونہی لکڑی کے کھٹکے سے باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ ناگ نے کھٹکا ہٹا کر دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ اندر دو سیاہ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ناگ نے بڑے خاص طریقے سے بڑے پیار کے ساتھ دونوں گھوڑے کھولے اور انہیں قدم قدم چلاتا باہر کھیتوں میں ادلگا کے پاس لے آیا۔

یہاں لا کر اس نے ادلگا سے کہا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ سواری مل گئی۔"

انہوں نے اسی جگہ کھڑے ہو کر گھوڑوں پر زین کسی اور پھر سوار ہو کر پہاڑی کی جانب روانہ ہو گئے۔ گھوڑے بے چارے بڑے شریف تھے۔ یا شاید حال ہی میں خریدے گئے تھے کہ سر جھکا کر آگے آگے چل پڑے۔ کافی آگے جانے کے بعد میدان شروع ہو گیا۔ یہاں انہوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ فاصلہ بڑی تیزی سے طے ہو رہا تھا۔ پہاڑی اب بالکل قریب آ گئی تھی۔

چنانچہ جب دن نکلا تو وہ پہاڑی کے دامن

ہاں پہنچ چکے تھے۔ سورج دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے روشنی اتنی تیز نہیں تھی۔ پھر چاروں طرف سردی کی وجہ سے کہرا پھیل گیا۔ یہ ان دونوں کے فرار کے لیے ایک اچھی بات تھی۔ پہاڑی کے پہلو سے نکل کر جب ان کے سیاہ گھوڑے دوسری طرف پہنچے تو انہیں دور سے ریل کی چیخ کی آواز آئی۔

"ریلوے سٹیشن آ گیا ہے۔"

"اب ہمیں گھوڑوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ گھوڑوں کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے گا۔"

اور وہ دونوں گھوڑے سے اُتر آئے۔ اور گھوڑوں کا منہ پیچھے کی طرف کر کے انہیں بھگا دیا۔

"یہ اب سیدھے واپس اپنے تھان پر پہنچ جائیں گے۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ ادلگا بولی۔

"گھوڑے تو اپنے تھان پر پہنچ ہی جائیں گے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہم اپنے ریلوے سٹیشن کدھر سے جائیں گے؟“

ناگ نے کہا۔ ”فکر نہ کرو۔ خالہ تانیا نے کہا تھا کہ ریلوے سٹیشن پہاڑی کے پار ہے اور ابھی ابھی ہم نے ریل کی آواز بھی سنی تھی۔ ضرور قریب ہی ہو گا۔“

اولگا اور وہ چل پڑے۔

”کم بخت اس دھند کی وجہ سے دس گز سے آگے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔“

”بہرحال فکر کی بات نہیں۔ ریلوے سٹیشن یہاں سے ایک آدھ فرلانگ پر ہی ہو گا۔“

جدھر سے ریل کی آواز آئی تھی انہوں نے اندازے سے ادھر چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد انہیں دھند میں ریلوے سٹیشن کے سگنل نظر آ گئے۔ اب ایک تکونی چھت دکھائی دی۔ یہ ریلوے سٹیشن تھا۔ خالہ تانیا کے بیان کے مطابق یہاں سے انہیں ادبالشک جانے والی مال گاڑی رات کو ملنی تھی۔

”ہم سارا دن کہاں گذاریں گے؟ ریلوے سٹیشن پر خطرہ ہو گا۔ ہمارے فرار کی اطلاع

پیچھے خفیہ محکمے کو مل گئی ہو گی۔“

اولگا کا یہ خدشہ درست تھا۔ ناگ نے کچھ سوچ کر کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی جگہ کہیں رک کر رات پڑنے کا انتظار کرنا ہو گا۔“

اولگا نے کہا۔ ”دھند چھٹ گئی تو ہم یہاں دور سے دیکھے جا سکیں گے۔“

”تو پھر اس سے بہتر ہے کہ ریلوے سٹیشن پر ہی چلے چلیں۔ وہاں چل کر شاید چھپنے کے لیے کوئی اچھی جگہ مل جائے۔“

ناگ کے اس خیال کے ساتھ اولگا نے اتفاق نہ کیا۔

”ریلوے سٹیشن ایک کھلی جگہ ہے وہاں ہمارے پکڑے جانے کا خطرہ ہر وقت ہو گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہیں کہیں ٹھہر کر رات کا انتظار کیا جائے۔“

وہ اسی جگہ رک گئے۔ اب سورج کے اوپر آنے کے ساتھ ساتھ دھند چھٹنے لگی تھی۔ کھیتوں کا منظر صاف نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ سٹیشن

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ذرا فاصلے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اچانک ناگ نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ عمارت کیسی ہے؟"

اولگا نے دیکھا کہ ذرا فاصلے پر کھیتوں میں ایک ڈھلانی چھت والی عمارت کھڑی تھی عمارت کیا کوئی گودام معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بولی۔

"یہ کوئی فارم ہے۔ میرا خیال ہے کسان یہاں گندم اور بھوسہ وغیرہ سٹور کیا کرتے ہیں۔ یہ جگہ خوب رہے گی۔ بشرطیکہ یہاں کوئی چوکیدار نہ ہو"

"میرے ساتھ آؤ۔ دیکھا جائے گا۔"

ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور اس فارم کے باہر آ کر رُک گیا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا۔ ناگ نے دروازہ کھولا۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر جگہ جگہ بھوسے کے ڈھیر لگے تھے۔ یہ مویشیوں کا چارہ تھا جو سردیوں کے لیے جمع کر لیا جاتا ہے۔ ناگ نے ایک جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ جگہ بڑی خوب رہے گی۔ ہم بڑے آرام سے رات کا انتظار کر سکتے ہیں۔ اُدھ

کھانا کھا لیتے ہیں۔"

انہوں نے خالہ کا دیا ہوا تھیلا کھولا۔ اس میں سے ڈبل روٹی اور پنیر نکال کر ناشتہ کیا۔ ایک چھاگل میں سے پانی پیا اور آپس میں آئندہ کے سفر کی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ باتیں کرتے کرتے دوپہر ہو گئی۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی اسی جگہ کھایا۔ پھر اولگا کو نیند آ گئی۔ اور وہ سو گئی۔ ناگ جاگتا رہا۔ پھر جانے کیا ہوا کہ ناگ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ ایک کھٹکا سا ہوا۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ باڑے میں ایک روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ اولگا اور ناگ کونے میں خشک گھاس کے ایک گٹھے کے پیچھے آرام کر رہے تھے۔

ناگ نے سر اونچا کر کے گٹھے کے اوپر سے دیکھا۔

ایک کسان بیلچے کی مدد سے گھاس کا ایک گٹھا اٹھا کر باہر لے جا رہا تھا۔ ناگ خاموش بیٹھا رہا۔ کسان نے گٹھا باہر نکال کر گھوڑے پر لادا اور گودام کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اس کے دل میں خواہش ہوئی کہ ذرا باہر چل کر چہل قدمی کی جائے۔ پس وہ اٹھا اور گودام کی پچھلی کھڑکی سے باہر کود گیا اور کھیتوں میں سیر کرنے لگا۔ کھیتوں میں فصل اونچی تھی۔ ناگ اس میں چھپ گیا تھا۔ وہ سیر کرتے کرتے دور نکل گیا۔ پھر اسے اولگا کا خیال آیا کہ گودام میں وہ اکیلی ہے۔ اس کے پاس چلنا چاہیے۔ اب سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا اور دن کی دھندلی روشنی روپوش ہونے لگی تھی۔ ناگ جب کھیتوں میں فصل کے اندر واپس آ رہا تھا تو اسے کسی جیپ کے رکنے اور پھر سٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ شاید کوئی شکاری تیتر بٹیر کا شکار کرتا پھر رہا ہو۔ لیکن جب وہ گودام کے اندر پہنچا تو جیپ کا راز کھل گیا۔ اولگا وہاں نہیں تھی۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ اولگا کہاں چلی گئی تھی؟ یقیناً اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ جیپ پولیس یا خفیہ محکمہ کی تھی۔ وہ لوگ اولگا اور ناگ کی

تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے اور آخر انہوں نے گودام پر چھاپہ مار کر اولگا کو گرفتار کر ہی لیا۔ وہ لوگ ضرور ریلوے سٹیشن کی طرف گئے ہونگے ناگ نے زمین پر جیپ کے پہیوں کے نشان دیکھے۔ یہ نشان ریلوے سٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ ناگ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر سفید کبوتر میں اپنے آپ کو تبدیل کیا اور اڑتا ہوا سٹیشن کی چھت پر آ گیا۔ چھت سے اڑ کر وہ پلیٹ فارم کے سامنے ایک ٹیلی فون کے کھمبے پر بیٹھ کر نیچے دیکھنے لگا۔

یہ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن تھا۔ صرف ایک ہی پلیٹ فارم تھا۔ ناگ کھمبے سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سٹیشن کے تین چار کمرے تھے جو بالکل سامنے تھے۔ ناگ نے جب سٹیشن کے کونے میں ایک طرف سرخ اور نیلے رنگ کی جیپ کھڑی دیکھی تو اسے اطمینان ہو گیا کہ اولگا سٹیشن کی عمارت کے اندر ہی ہے۔

اب اس نے کھمبے سے اتر کر پلیٹ فارم پر پھڑ پھڑا کر کمروں کے اندر جھانکنا شروع کر دیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اسے اولگا اور پولیس کے سپاہی کہیں بھی نظر نہ آئے ناگ پریشان ہو گیا۔ کبوتر کی شکل میں وہ زیادہ تلاش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی کمروں میں جا کر اندر سے کی تلاشی نہیں لے سکتا تھا۔ تو پھر وہ کیا کرے؟

اچانک اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ریلوے کے ملازم کا بھیس بدل لے اور یوں کمروں میں گھوم پھر کر اولگا کو تلاش کرے۔ بڑا اچھا خیال تھا۔ مگر ریلوے ملازم کی وردی کہاں سے مل سکتی تھی؟

ناگ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبوتر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ وہ ریلوے سٹیشن کے پیچھے جو کوارٹر بنے تھے وہاں آ گیا۔ ایک کوارٹر کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ناگ نے دروازہ پر دستک دی۔

اس کا خیال تھا کہ روپیہ دے کر وہ یہاں سے کوئی وردی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ روپیہ ہی منہ بند کرا سکتا تھا۔ اور ناگ کے پاس کافی روپیہ تھا۔

اندر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ کا حوصلہ بڑھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ بالکل خالی پڑا تھا۔ ناگ

نظریں وردی تلاش کر رہی تھیں۔ کیونکہ اسے علوم تھا کہ یہ ریلوے کے کسی ملازم کا کوارٹر ہے۔ اس لیے یہاں کوئی نہ کوئی وردی ضرور ہو گی۔ آخر ے ایک صندوق میں رکھی نیلے رنگ کی وردی ل گئی۔ شاید یہ وردی قلی کی تھی۔ کیونکہ سینے پر ے کا نمبر بھی لگا تھا۔

ناگ نے جلدی سے وردی پہن لی اور کوارٹر ے چپکے سے نکل آیا۔ وہ سیدھا ریلوے سٹیشن آ گیا۔ ر اگر تھا تو یہی کہ دوسرے قلی اسے پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔ اور جب وہ اس سے پوچھیں گے کہ وہ کون ہے تو وہ کیا جواب دے گا؟

”دیکھا جائے گا۔“

یہ سوچ کر ناگ نے سارے خدشوں کو سر سے جھٹک دیا اور پلیٹ فارم پر آکر اولگا کی تلاش شروع کر دی۔ یہاں سارے چار کمرے تھے۔ ناگ نے نیلی وردی پہن رکھی تھی۔ سر پر نیلی کشتی نما ٹوپی تھی۔ اسے سامنے سے ایک قلی آتا نظر آیا۔ ناگ جلدی سے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ جائے۔ مگر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کمرے میں ایک اور مصیبت اس کا انتظار ک رہی تھی۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا ایک موٹی توند والے اکھڑ قسم کے بھاری بھر کم بھالو ایسے آدمی نے غرّا کر اسے اپنی طرف بلایا۔

"حرامی بچے! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ ادھر آؤ۔"

معلوم ہوا کہ وہ سٹیشن ماسٹر تھا اور بڑا ہی سخت قسم کا انسان تھا۔ قلیوں پر وہ بڑا ظلم کرتا تھا۔ ہر ایک کی اس سے جان جاتی تھی۔ ناگ اس کے پاس آ گیا۔ سٹیشن ماسٹر نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور پھر پوچھا۔

"تم کون بدتمیز ہو؟ کہاں سے آ گئے؟ پہلے کیوں دکھائی نہیں دیئے؟"

ناگ نے ہوش و حواس برقرار رکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"جناب! میں کل ہی نیا نیا بھرتی ہوا ہوں۔ میرا نام ورشکا ہے۔ آپ کو سلام کرنے صبح آیا تو تھا۔ آپ بھول گئے ہیں شاید۔"

ناگ نے یونہی اندھیرے میں تیر چلا دیا۔ جو اتفاق سے ٹھیک نشانے پر لگا۔ سٹیشن ماسٹر ذہین آدمی تھا۔ سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے نیا قلی آیا ہو۔ پھر اسے گرج کر حکم دیا۔

"الماری سے الف لیلیٰ کی کتاب نکالو اور لیے کوئی کہانی پڑھ کر سناؤ۔"

ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ کیا بیٹھے بٹھائے بلائے ناگہانی سر پر آن پڑی ہے۔ اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ گڑبڑا کر بولا۔

"جناب کونسی الماری؟"

سٹیشن ماسٹر نے ڈانٹ کر کہا۔

"حرامی! تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ میں ہر روز شام کی چائے پر الف لیلیٰ کی ایک کہانی سنا کرتا ہوں اور الف لیلیٰ کی کتاب ہمیشہ ٹکٹوں والی الماری میں پڑی رہتی ہے؟"

"جانتا ہوں جناب! ابھی کہانی سناتا ہوں۔"

ناگ نے سامنے والی الماری کھولی تو اس میں الف لیلیٰ کی کتاب رکھی تھی۔ سٹیشن ماسٹر چائے کا بڑا پیالہ میز پر رکھ کر آرام کرسی پر لیٹ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیا اور آنکھیں بند کر کے بولا۔

"ہاں سناؤ کہانی۔ شروع کرو الف لیلیٰ کی داستان!"

ناگ نے کتاب کھول کر سیف الملوک کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ جب وہ اس جگہ پر پہنچا، جہاں ایک جن سیف الملوک کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر سیف الملوک کو ایک پری سانپ بن کر ملتی ہے تو سٹیشن ماسٹر نے گول پیٹ پر ہاتھ پھیر کر اچھلتے ہوئے پوچھا۔

"کیا پریاں بھی سانپ بن جاتی تھیں؟"

ناگ نے کہا۔ "الف لیلیٰ کی کہانیوں میں تو ایسا ہی ہوتا تھا۔"

سٹیشن ماسٹر نے غرا کر کہا۔

"ارے حرامی کے بچے! یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ الف لیلیٰ میں آدمی سانپ بن جاتے تھے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا پریاں بھی سانپ بن جاتی تھیں؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں جناب! بن جایا کرتی تھیں"

"کیا اب بھی ایسا ہوتا ہے؟"

ناگ بولا۔ "جی ہاں جناب! آج کل بھی لوگ سانپ بن جاتے ہیں۔"

سٹیشن ماسٹر نے غصے میں غراتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آجکل کے سائنسی دور میں لوگ سانپ بن جائیں؟"

ناگ کو ایک شرارت سوجھی۔ کہنے لگا۔

"جناب! میں بھی سانپ بن سکتا ہوں"

"کیا؟" سٹیشن ماسٹر نے کرسی پر اچھلتے ہوئے کہا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا

"میں سانپ ہوں۔ کیا میں آپ کو سانپ نظر نہیں آ رہا؟"

اور اس دوران میں ناگ نے گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو سیاہ پھن والے سانپ میں بدل لیا تھا۔ جونہی سٹیشن ماسٹر نے اپنے سامنے قلی کی جگہ ایک سیاہ ناگ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ کرسی سے گر پڑا۔ ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں واپس آ گیا۔ سٹیشن ماسٹر نے اس کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

" تم ۔ ۔ ۔ ۔ تم کون ہو؟"

ناگ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا

" سنو! میں ایک بہت بڑا جادوگر ہوں۔ میں تمہیں ہیرے جواہرات سے مالا مال کر دوں گا۔ صرف میرا ایک کام کر دو۔"

" کیا کام ہے وہ؟"

سٹیشن ماسٹر نے جیسے اپنے آپ ہی پوچھا۔

ناگ نے کہا۔ " میری ایک بہن کو یہاں کی پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ وہ تمہارے سٹیشن میں کسی جگہ موجود ہے۔ اگر تم اس کا پتہ لگا کر مجھے بتا دو تو میں تمہیں ایسا جادوگر بناؤں گا کہ تم زمین کے اندر کے خزانوں کے مالک بن جاؤ گے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو میں تمہیں رات کو آ کر ڈس دوں گا۔ اور تم مر جاؤ گے۔"

سٹیشن ماسٹر ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

" نہیں نہیں۔ میں ابھی تمہاری بہن کا کھوج لگا کر تمہیں بتاتا ہوں۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

سٹیشن ماسٹر اسی وقت کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے ہی کتنے تھے بھلا۔ چھوٹا سا ریلوے تھا۔ لیکن کسی کمرے میں کوئی بھی اس حلیے عورت نہیں تھی۔ جو حلیہ ناگ نے اسے بتایا تھا۔ وہ ایک سٹور روم کے آگے سے گذر رہا تھا اس نے دو خفیہ جاسوسوں کو دیکھا جن کے درمیان زمین پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ سٹیشن ماسٹر وہاں سے سیدھا واپس ناگ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ سٹور روم میں اولگا موجود ہے۔

" اس کے ساتھ کون ہیں؟"

" دو خفیہ آدمی ہیں۔ مگر بڑے خطرناک ہیں۔ ان کے پاس پستول بھی ہیں اور زہر بھرے ٹیکے بھی ہیں اگر وہ شکار ہاتھ سے جاتا دیکھیں گے تو خفیہ ٹیکا لگا کر اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔"

" میں انہیں اتنی مہلت نہیں دوں گا۔ اور ہاں میرے بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا۔ اگر تم نے کسی سے ذکر کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"

سٹیشن ماسٹر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

" کبھی نہیں۔ کبھی ذکر نہیں کروں گا۔"

ناگ کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ سٹور روم میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ خفیہ جاسوسوں کے پاس اس کا حلیہ بھی موجود ہے اور وہ اسے بھی دیکھتے ہی پکڑ لیں گے۔ اور اگر ناگ نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ جاسوس کھیل بگڑتا دیکھ کر خفیہ ٹیکہ لگا کر اولگا کا کام تمام کر دیں۔ ویسے وہ ناگ کو بھی ٹیکہ لگا سکتے تھے۔ وہ پلیٹ فارم سے نکل کر سٹیشن سے باہر آ گیا۔ اور ایک طرف دیوار کی اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جاسوس اولگا کو لے کر باہر نکلیں گے تو وہ ان کا تعاقب کرے گا اور راستے میں اولگا کو ان سے چھڑا لے گا۔

مگر وہ باہر نہ آئے۔ اتنے میں وہ گاڑی آ گئی۔ جس میں بیٹھ کر ناگ اولگا کو ادبالشک شہر تک جانا تھا اور جو وہاں سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ گاڑی کچھ جلدی آ گئی تھی یا شاید اس کا ٹائم بدل گیا تھا۔ اب ناگ کو فکر ہوئی کہ کہیں جاسوس اولگا کو لے کر گاڑی پر نہ سوار ہو جائیں۔ وہ قلی کے لباس میں تو تھا ہی اور سٹیشن ماسٹر اس کا فرمانبردار بن چکا تھا۔ پس وہ پلیٹ فارم

پر آ گیا۔ بریج گاڑی کے ساتھ مال کے ڈبے لگے تھے۔ پیچھے صرف ایک بوگی ایسی لگی تھی جس میں چند ایک مزدور قسم کے لوگ سوار تھے۔ شاید انہیں بیگار میں پکڑ کر سائبیریا کے کسی کیمپ میں لے جایا جا رہا تھا۔ ان کی حالت بڑی پتلی ہو رہی تھی۔ ناگ نے ایک طرف کھڑے ہو کر سٹور روم کی جانب دیکھا۔ دونوں جاسوس اولگا کو بازو سے پکڑے ریل کی طرف لیے آ رہے تھے۔

پھر وہ بوگی کے ساتھ لگے گارڈ کے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گئے۔ ناگ بھی ساتھ والی بوگی میں سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرین چل پڑی۔ رات کے اندھیرے میں ٹرین بھاگتی چلی گئی۔ ساری رات گذر گئی اور ریل کسی جگہ پر بھی نہ ٹھہری۔ ناگ نے سوچا خالہ تانیا ٹھیک ہی کہتی تھی کہ یہ ریل گاڑی بڑے لمبے سفر پہ جائے گی اور راستے میں بس دو ایک سٹیشنوں پر ہی ٹھہرے گی۔

دن نکلا تو ناگ نے دیکھا کہ ریل خشک میدانوں سے گذر رہی تھی۔ دور کہیں کہیں ٹیلوں پر برف جمی نظر آ رہی تھی۔ بڑی سخت سرد ہوا چل رہی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھی۔ اگرچہ ڈبے کی کھڑکیاں بند تھیں اور شیشے چڑھے تھے۔ لیکن اندر سخت سردی تھی۔ ناگ نے گرم سموری پرانے قسم کا نیلا کوٹ پہن لیا تھا۔ اب وہ یہ چاہتا تھا کہ سٹیشن آئے تو یہ پتہ کرے کہ اولنگا کس حال میں ہے اور یہ جاسوس اسے کہاں لیے جا رہے ہیں؟ شاید یہ لوگ اسے سائبیریا کی کسی جیل میں جا کر قید کرنے لیے جا رہے ہیں؟

ریل سارا دن چلتی رہی۔

کسی جگہ بھی نہ رکی۔ چھوٹے چھوٹے دو ایک سٹیشن آئے اور گذر گئے۔ ٹرین وہاں بھی نہ رکی۔ آخر شام کے وقت جب کہ میدانوں میں برف ہی برف نظر آنا شروع ہو گئی تھی ٹرین کی رفتار آہستہ ہو گئی۔ میدانوں میں ہلکا ہلکا سرمئی اندھیرا پھیل گیا تھا اور سردی اور دھند کی وجہ سے شام جلدی آ گئی تھی۔ ناگ نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ دور ایک سرخ بتی چمک رہی تھی۔ کوئی سٹیشن آ رہا تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ کچھ مسافر نیچے اترنے کو تیار ہو رہے ہیں۔ اس

نے روسی زبان میں ایک مزدور سے پوچھا۔

"کونسی جگہ آ رہی ہے؟"

ایک روسی مزدور نے فرش پر تھوک کر کہا۔

"جہنم"

دوسرے مزدور نے پوچھا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ ٹرانسکی کیمپ آ رہا ہے؟ جہاں روسی غداروں کو زمین دوز تہہ خانوں میں تڑپا تڑپا کر مار دیا جاتا ہے۔"

ناگ نے گردن ہلا کر کہا۔ "اوہ سمجھ گیا۔ اصل میں میں سوار تھا۔ خیال ہی نہیں آیا کہ ہم ٹرانسکی پہنچ رہے ہیں۔"

اندر سے ناگ سمجھ گیا کہ اولنگا کو اسی کیمپ میں لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر قریب آئے سٹیشن کی عمارت کو دیکھا۔ عمارت کے اوپر ایک بلب روشن تھا۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی مسافر نہیں تھا انتہائی سخت سردی میں کچھ پولیس والے ریل کی طرف بڑھے۔ ناگ بھی نیچے اتر آیا۔ اور پرے جا کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نگاہیں گارڈ کے ڈبے پر لگی تھیں۔

اتنے میں وہ دونوں جاسوس اولگا کو لے کر نیچے اترے۔

دو پولیس والے آگے بڑھے۔ انہوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں اور اولگا کو ساتھ لے کر سٹیشن سے باہر آ گئے۔ دونوں جاسوس دوبارہ ریل میں سوار ہو گئے۔ وہاں سے پولیس والوں نے اولگا کا چارج لے لیا۔ اور اولگا کو ریلوے سٹیشن سے باہر کھڑی ایک جیپ میں لے جا کر بٹھایا اور ٹرانسکی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ناگ بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً کبوتر کا بھیس بدلا اور جیپ کے اوپر اوپر پرواز شروع کر دی۔ وہ ذرا ہٹ کر آسمان میں اُڑ رہا تھا۔ اسے اولگا دونوں سپاہیوں کے بیچ میں بیٹھی صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک دو بار اولگا نے بھی اوپر منہ اٹھا کر کبوتر کو دیکھا اور دل میں سوچنے لگی کہ ضرور یہی ناگ ہو گا اور جادو کے زور سے کبوتر بن کر اس کے ساتھ ساتھ اُڑ رہا ہے۔

ٹرانسکی کیمپ وہاں سے تقریباً اکیس میل کے

اصلے پر برہج کے ایک ویران ٹنڈ منڈ جنگل کے پیچھے تھا۔ کیمپ کیا تھا بس ایک جگہ میدان کے ارد گرد چھ چھ مرد اونچی کانٹے دار تاروں کی باڑھ کھڑی کر دی گئی تھی۔ چاروں کونوں پر برج بنے تے جن میں سپاہی چوبیس گھنٹے سٹین گنیں لیے پہرہ یتے تھے۔ دروازے پر ایک اونچا لمبا کرخت لہجے والا نڈر ہر ایک کی چیکنگ کر رہا تھا۔ سپاہی اولگا لے کر گیٹ کی طرف بڑھے۔

دروازے پر پہرے داروں نے چیکنگ کی۔ اور ندر جانے کی اجازت دے دی۔ اولگا کو کیمپ مانڈر کے حوالے کر کے سپاہی واپس چلے گئے۔ کیمپ مانڈر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اولگا کو ایک کے اندر بنے ہوئے تہہ خانے میں بند کر کے س کے سلاخوں والے دروازے پر تالا لگوا دیا۔ ر حکم دیا کہ اس لڑکی کو سوائے گرم کافی کے اور کچھ دیا جائے۔

رات ہو گئی تھی۔ سرد برفانی علاقے میں ہر طرف اموشی چھائی ہوئی تھی۔ ناگ کبوتر کے روپ میں مپ کی ایک دیوار کے اوپر بیٹھا اندھیرا ہونے کا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انتظار کر رہا تھا۔ جب ہر طرف تاریکی پھیل گئی تو وہ دیوار سے نیچے اترا اور اس مقام پر آ گیا جہاں کیمپ کے برآمدے میں ایک دروازہ بنا تھا۔ اور ایک فوجی وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور اس نے ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل بدل لی۔ اس لیے کہ رات کے اندھیرے میں سیاہ سانپ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

ناگ فرش پر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا دروازے کے اوپر آ گیا اور پہرہ دینے والے کے سر کے اوپر سے ہو کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ سانپ رینگتا گیا۔ کچھ فاصلے پر پہنچ کر روشنی دکھائی دی۔ یہ ایک معمولی سے بلب کی روشنی تھی۔ یہاں سے ایک زمین دوز تہہ خانے کو راستہ جاتا تھا۔ جس کے اندر اولگا قید تھی۔

اولگا کوٹھڑی کے کونے میں گھاس پھوس کے بستر پر پڑی تھی۔ اس نے دو موٹے گرم کمبل اوپر ڈال رکھے تھے۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی دوپہر سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ صرف دو پیالی کڑوی کافی ہی اسے دی گئی تھی۔ وہ ناگ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں بھی پریشان تھی۔ کیونکہ یہاں سے وہی اسے نکال سکتا تھا۔ کسی دوسرے کی ہمت نہیں تھی کہ یہاں پَر بھی مار سکے۔

اتنے میں اولگا کو اپنے قریب ہی سرسراہٹ سنائی دی۔

اس نے گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں اسے ایک کالا چھوٹا سا سانپ گھاس پر کنڈلی مارے بیٹھا نظر آیا۔ پہلے تو وہ ڈر گئی۔ کہ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟ پھر اس کا خیال ناگ کی طرف چلا گیا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"ناگ بھائی! یہ تم ہو نا؟"

سانپ نے آہستہ سے پھنکار ماری اور پھر زمین پر رینگتے ہوئے سلاخوں والے دروازے کے پاس جا کر دیکھا۔ وہاں جو پہرے دار تھا وہ سٹول پر نیم دراز دیوار سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ سانپ واپس آیا اور کونے میں جا کر اس نے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ اولگا اپنے بھائی ناگ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل نظر آئی۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مَیں تو نا امید ہو گئی تھی۔"

ناگ نے کہا۔ "مَیں تمہارا برابر پیچھا کر رہا تھا۔ مَیں تو اسی ٹرین میں تھا جس میں تم سفر کر رہی تھیں۔ بہرحال اب میں آگیا ہوں اور تم بہت جلد یہاں سے آزاد ہو جاؤ گی۔"

●

اولگا نے بتایا کہ وہ بھوک سے پریشان ہے۔

ناگ نے کہا۔ "مَیں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

یہ کہہ کر ناگ سانپ کا روپ بدل کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ کھانے کی خوشبو سونگھتے سونگھتے وہ کیمپ کے باورچی خانے کے پاس آگیا۔ یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ اولگا کیلیے یہاں سے کھانا لے کر کیسے جائے گا؟ بہرحال وہ آدمی کی شکل میں آگیا۔ اس نے باورچی خانے میں داخل ہو کر دیکھا کر فرج بھُنے ہوئے بطخ کے گوشت سے بھرے پڑے ہیں۔ اس نے ایک لفافے میں بطخ کے گوشت کے کچھ ٹکڑے ڈالے اور انہیں لے کر انسان ہی کی شکل میں واپس چل پڑا۔ سانپ کی شکل میں وہ گوشت لے کر نہیں جا سکتا تھا۔

اب وہ کیمپ کے پچھواڑے آگیا۔ یہاں اس نے ایک دیوار پھاندی اور کیمپ کے اندر آیا۔ اب ضروری تھا کہ تہہ خانے تک پہنچنے کے لیے پہرے دار سے مٹھ بھیڑ ہو۔ پس اس نے گوشت

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا تھیلا ایک طرف برآمدے میں رکھا۔ سانپ بن کر پہرے دار کے پاس آیا۔ پہرے دار سنگین اٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ نے اسے ڈس دیا۔ وہ تیورا کر گر پڑا۔ ناگ نے واپس آ کر تھیلا اٹھایا اور کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں سے آگے وہ دروازہ تھا جس کے باہر والا پہرے دار سو رہا تھا۔

ناگ اس کے پاس آ کر رُک گیا۔ پہلے تو وہ سانپ بن کر اندر چلا گیا تھا۔ وہ سلاخوں میں سے داخل ہوا تھا اور اسے تالا کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اسے تالا کھولنے کی ضرورت تھی۔ پہرے دار کو سوتے دیکھ کر ناگ نے قریب جا کر اس کے سر پہ زور سے ایک ہاتھ مارا اور پہرے دار بوکھلا کر اٹھا ہی تھا کہ ناگ نے دوسرا وار کر دیا۔ وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔

اولگا کوٹھڑی میں بیٹھی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگ اندر آ گیا۔

"یہ لو کچھ گوشت۔ تم تھوڑا بہت کھا کر پیٹ کی آگ بجھاؤ۔ میں باہر جا کر یہاں سے فرار ہونے کا انتظام کرتا ہوں۔"

گوشت کا تھیلا اولگا کے پاس چھوڑ کر ناگ باہر کو بھاگا۔ اصل میں وہ کوئی جیپ یا ٹرک وغیرہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ابھی سفر کافی پڑا تھا۔ اس نے گھوم پھر کر دیکھا۔ کیمپ کے گیراج میں ایک جیپ جو کہ چاروں طرف سے بند تھی پڑی تھی۔ ناگ نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا اور واپس اولگا کے پاس آ کر بولا۔

"جلدی سے نکل چلو۔ جیپ مل گئی ہے۔"

اولگا کو لے کر ناگ باہر آیا۔ وہ جیپ میں سوار ہو گئی۔ اور ناگ نے جیپ کو سٹارٹ کیے بغیر آگے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جیپ کے سٹارٹ ہونے کی آواز سے کیمپ کے سوئے ہوئے سپاہی جاگ پڑیں۔ وہ کافی دور تک جیپ کو گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ کیمپ سے وہ کافی فاصلے پر آ گیا ہے تو وہ ڈرائیور کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور جیپ کو آہستہ سے سٹارٹ کر دیا۔ جیپ بڑی اعلیٰ قسم کی تھی۔ اس کی مشین نے زیادہ آواز پیدا نہ کی۔ وہ جلدی سے سٹارٹ ہو گئی۔ ناگ نے جیپ کو ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ڈال دیا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ان کی منزل اب اوبالشک تھی جو وہاں سے ابھی کافی دُور تھی۔ ساری رات جیپ لائن کے ساتھ ساتھ برفانی میدان میں بھاگتی رہی۔ پھر سڑک ریلوے لائن سے دور ہو گئی۔ پھر بھی ناگ نے ریلوے کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں کا حساب رکھا اور وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جیپ میں فالتو پٹرول بھی تھا۔ وہ اگلے روز بھی سفر کرتے رہے۔ شام کو انہوں نے ایک جگہ رُک کر کچھ کھانا وغیرہ کھایا۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ رات بھی سفر میں گذر گئی۔

پیچھے ٹرانسکی کیمپ والوں نے آگے وائرلیس کر دیا تھا کہ ایک خطرناک جاسوسہ اولگا اپنے ساتھی کے ہمراہ کیمپ سے فرار ہو گئی ہے۔ اوبالشک کا چھوٹا سا فوجی شہر اب زیادہ دور نہیں تھا۔ ناگ اور اولگا کو بھی معلوم تھا کہ ان کے فرار کی اطلاع آگے کر دی گئی ہو گی اور وہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں شہر اوبالشک کے پہلو سے ہو کر نکل جانا چاہیے۔“

اولگا بولی۔ ”ہماری جیپ دُور سے دیکھی جا سکے گی۔ بہتر ہے کہ ہم جیپ کو یہاں چھوڑ دیں۔“

ناگ نے کہا۔ ”جیپ کے بغیر ہم باتیک تک آسانی کے ساتھ سفر نہ کر سکیں گے۔ اس لیے جیپ کو یہاں چھوڑ دینا حماقت ہو گی۔“

بہرحال اسی قسم کی باتیں کرتے وہ باتیک کے شہر کے قریب پہنچ گئے۔ صبح ہو رہی تھی اور اس کی سرد دھندلی روشنی میں چھوٹے سے شہر کی مخروطی عمارتیں سامنے دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شہر سے کافی دور ہو کر آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ سارا علاقہ برفانی اور میدانی تھا۔ دور دور تک کوئی ٹیلہ یا پہاڑ نہیں تھا۔ وہ بہت دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

”دعا کرو کہ یہ لوگ شہر کی عمارت سے ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ کم بختوں کے پاس دوربینیں بھی ہوں گی وہ بڑی آسانی سے ہمیں دیکھ سکیں گے۔“

اولگا نے کہا۔ ”میرا خیال ہے ہمیں اب جیپ کو اسی جگہ پھینک کر پیدل ہی آگے بڑھنا چاہیے۔“

”خدا پر بھروسہ رکھو اولگا! جو ہو گا دیکھا جائے گا“

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ کے اس جملے نے اگرچہ اولگا کی ڈھارس بندھائی تھی مگر وہ دل میں بڑی پریشان تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی اس پر گولی چلائی جا سکتی ہے۔ اوبالشک کا شہر دور ہو رہا تھا۔ وہ چکر کاٹ کر آگے جا کر پھر سڑک پر چڑھ آئے۔ یہ سڑک برف کے درمیان بنی ہوئی تھی۔ اور چھوٹی سی تھی۔

اس سڑک پر پہلے ہی سے ٹرک کے پہیوں کے نشان تھے۔ جیپ اس راستے پر اڑی چلی جا رہی تھی۔ اچانک جیپ کے انجن نے ایک جھٹکا سا کھایا اور اس میں سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔ جیپ کی رفتار میں کمی آ گئی۔

"کم بخت اسے کیا ہو گیا ہے؟" اولگا نے پوچھا۔

ناگ بولا۔ "معلوم ہوتا ہے انجن جواب دے گیا ہے۔"

اس نے جیپ روک کر انجن کو اچھی طرح سے دیکھا۔ دوبارہ سٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ انجن کو اچانک آگ لگ گئی۔ آگ اتنی تیزی سے پھیلی کہ پوری جیپ بھڑکنے لگی۔ ناگ اور اولگا بڑی مشکل سے جان بچا کر جیپ میں سے باہر کود ے اور بھاگ کر دور برف پر لیٹ

گئے۔ جیپ کے اندر پٹرول بھی تھا۔ انہیں دھماکے کا انتظار تھا۔ پھر ایک دھماکہ ہوا اور جیپ پھٹ گئی۔

ناگ نے اولگا کو برف پر سے اٹھایا۔

"چوٹ تو نہیں لگی اولگا؟"

"چوٹ تو نہیں لگی مگر پریشان ضرور ہو گئی ہوں کہ اب کیا ہو گا۔ ہم باتیک ٹیک کا راستہ پیدل کس طرح سے طے کریں گے؟"

ناگ خاموش تھا۔ بولا۔

"اس وقت تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہاں سے پیدل ہی آگے کو روانہ ہوں۔"

اور وہ پیدل ہی روانہ ہو گئے۔

دوپہر تک وہ پیدل ہی چلتے رہے۔ اب برف کا میدان ختم ہو گیا تھا۔ اور اس کی جگہ زرد رنگ کے خشک گھاس والے میدان نے لے لی تھی۔ کہیں کہیں ٹیکری آ جاتی جس پر دو چار درخت بھی نظر آتے۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ کر درخت کے نیچے بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔ ان کے پاس اب کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ ناگ کے پاس روپے ضرور تھے مگر پانی تھا نہ گوشت روٹی۔

"اب کیا ہو گا ناگ بھائی؟ یہاں تو دور دور تک

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

ناگ نے کہا۔ "تم بہت جلد حوصلہ ہار دیتی ہو اولگا! ہم ایک لمبے اور مصیبت زدہ سفر پر ہیں۔ آخر کوئی پک نک منانے تو نہیں جا رہے۔ کچھ نہ کچھ تکلیفیں تو ضرور آئیں گی۔ ہمیں صبر سے یہ تکلیفیں برداشت کرنی ہوں گی۔"

اولگا نے کہا۔ "لیکن پانی کے بغیر تو ہم یہ سفر نہ طے کر سکیں گے۔ پانی تو کہیں نہ کہیں سے آنا چاہیے۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کا بندوبست بھی ابھی کرتا ہوں۔"

ناگ نے خاموش ہو کر آنکھیں بند کیں۔ کچھ منتر منہ ہی منہ میں پڑھے اور پھر چاروں طرف چار پھونکیں ماریں۔

اولگا نے پوچھا۔

"کیا تم جادو کے زور سے پانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ ایسا ہی کر رہا ہوں۔ مگر تم گھبرانا نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہارے پاس اس علاقے کا سب سے بھیانک اور خوفناک سانپ ابھی یہاں آ جائے۔"

"اوئی میرے خدا! سانپ؟"

"اری! تو تو ابھی سے گھبرانے لگی۔"

وہ ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ دور سے ایک خوفناک پھنکار کی آواز آئی۔ ایسی پھنکار کہ جیسے کسی بلا نے زور سے سانس لیا ہو۔ اولگا ڈر کر ناگ کے ساتھ لگ گئی۔

"یہ کس کی آواز تھی بھیا؟"

ناگ نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ میں نے اس علاقے کے سب سے بڑے اور سب کے سردار سانپ کو طلب کیا ہے۔"

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اژدہا جس کے چار منہ تھے اور ہر منہ میں سے دو دو زبانیں نکل نکل کر لہرا رہی تھیں رینگتا ہوا گردن اٹھائے ناگ کے سامنے آ کر ٹیکری پر رک گیا اور تین بار گردن جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔

پھر اژدہا نے اپنی آواز میں سسکار سی بھر کر پوچھا۔

"اے عظیم دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے علاقے میں تشریف لائے۔ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

یہ بات اولگا نے نہیں سنی تھی۔ اس نے صرف اژدہا کے منہ سے نکلتی ہوئی سسکار ہی سنی تھی۔ ناگ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے کہا۔

"اے برفانی اژدہا! ہم ایک لمبے سفر پر ہیں۔ ہمارے پاس نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو پانی ہے۔ میری بہن کو سخت بھوک اور پیاس لگی ہے۔ کیا تم ان دونوں چیزوں کا انتظام کر سکتے ہو؟"

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"کیوں نہیں عظیم دیوتا! آپ حکم کریں تو میں اپنی جان بھی آپ پر قربان کر دوں۔ اس سے بڑھ کر ہماری اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں ابھی آپ کی خدمت میں کھانے پینے کو پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر برفانی اژدہا واپس ٹیکری سے اتر گیا۔ اولگا کی ایسی حالت ہو گئی تھی جیسے وہ ابھی غش کھا کر گر پڑیگی۔ اژدہا وہاں سے غائب ہوا تو اولگا کی جان میں جان آئی۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔ ناگ نے ہنس کر کہا۔

"کہو اب تو تمہیں اطمینان ہو گیا کہ ہم بھوکے پیاسے نہیں مریں گے۔ دیکھ لو خدا نے ہمارا کوئی نہ کوئی انتظام کر ہی دیا ہے۔"

اولگا بڑی مشکل سے گلا صاف کر کے بولی۔

"یہ اتنا بڑا اژدہا کہاں سے آ گیا؟"

"ہمارے سانپ اور اژدہا دنیا کی ہر زمین میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور ہر وقت ہماری مدد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"کیا وہ واپس آئے گا؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"مگر وہ کیا لائے گا؟ یہاں تو دور دور تک کچھ بھی کھانے پینے کو نظر نہیں آ رہا۔ وہ بے چارہ کیا لائے گا ہمارے لیے؟"

ناگ نے کہا۔ "کچھ نہ کچھ تو لائے گا ہی۔ ہمیں اس کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔"

تھوڑی دیر گذری تھی کہ انہوں نے کئی ایک پھنکاروں کی آوازیں سنیں۔ اولگا نے پلٹ کر دیکھا تو ٹیکری پر وہی اژدہا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے چار اور اژدہا تھے۔ ہر اژدہا نے اپنے سر پر ایک ایک خوان اٹھا رکھا تھا جو سرپوشوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ قریب آ کر چاروں اژدہوں نے اپنے اپنے خوان ناگ کے قدموں پر لا کر رکھ دیئے اور خود ایک طرف ادب سے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ بڑے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سردار اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

”عظیم دیوتا! ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اسے قبول کیجئے اور ہماری عزت بڑھائیے۔“

ناگ نے آگے بڑھ کر چاروں خوانوں کے سرپوش اٹھائے تو کیا دیکھا کہ ایک خوان میں بکرے، بیل اور مرغ کا بھنا ہوا گوشت بھرا ہے۔ دوسرے میں پلاؤ ہے۔ تیسرا پھلوں سے بھرا ہوا ہے اور چوتھے میں پانی سے بھری ہوئی چھاگل ہے۔ اولگا تو حیران ہو رہی تھی۔ ناگ نے کہا۔

”برفانی اژدہا! میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو۔“

پانچوں اژدہوں نے جھک کر چار بار ناگ کو سلام کیا اور ٹیکری سے اتر کر غائب ہو گئے۔ اولگا بڑی خوش تھی۔

”تم نے تو کمال کر دیا ناگ بھیا! مگر یہ جادو تم نے کہاں سے سیکھا تھا؟“

”افریقہ کے ایک جادوگر سے سیکھا تھا۔ خیر اب جادوگری کی باتیں چھوڑو اور آؤ ذرا جلدی سے پیٹ کی

ب بجھائیں۔“

انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ چھاگل سے نڈا پانی پیا۔ بچا ہوا کھانا ایک تھیلے میں ڈالا۔ پانی ی چھاگل اپنے پاس رکھ لی اور چلنے کی تیاریاں کرنے ئے۔ دوپہر ڈھل رہی تھی جب وہ ایک ایسے علاقے ں پہنچے جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہو گئیں۔ زمین پر کہیں کہیں ہری بھری گھاس کے قطعے بھی ل جاتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ضرور آبادی ہو گی۔ ہمیں ب ہوشیار رہنا ہوگا۔“

اولگا بولی۔ ”مجھے تو اردگرد کچھ بھی دکھائی نہیں ے رہا۔“

”میں آبادی کی بُو سونگھ رہا ہوں اولگا!“

شام کے وقت وہ ایک پہاڑی کی دوسری طرف آئے ر سامنے وادی میں کچھ فوجی بیرکیں بنی ہوئی تھیں جن کی چمنی سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

”دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ آبادی آ رہی ہے۔ یہ بیرکیں روسی فوجیوں کی ہیں۔ یہ سرحدی فوج ہو گی اور انہیں بھی ضرور ہمارے بارے میں خبردار کر دیا گیا ہوگا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بہت ممکن ہے کہ ان کے پاس تمہاری تصویر بھی پہنچ گئی ہو۔"

"میرے خدا! اب کیا کریں ہم؟"

"کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔"

ناگ نے دیکھا کہ آگے سفر جاری رکھنے کے لیے اس وادی میں سے گذرنا ضروری تھا۔ ایک ہی چھوٹی سی سڑک تھی۔ جو وادی میں سے گذر کر ان فوجی بیرکوں کے بالکل قریب سے ہو کر گذرتی تھی۔ ارد گرد پہاڑ تھے۔ اونچے اونچے پہاڑ۔ جن کو عبور کرنا بے حد دشوار تھا۔ چڑھائی ان کی بالکل سیدھی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"رات ہو رہی ہے۔ ہمیں اسی جگہ رات کو پڑاؤ ڈالنا چاہیے۔ میں آگے جا کر معلوم کرتا ہوں کہ ہم کس طرح سے یہ سڑک عبور کر سکتے ہیں؟"

"کیا میں اکیلی یہاں رہوں گی؟" اولگا نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا اور پھر میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔"

"پچھلی بار بھی تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے تو دشمن کے جاسوسوں نے مجھے قابو میں کر لیا تھا۔ خدا کے لیے دیر نہ کرنا۔ جلدی واپس آ جانا۔ تم جب تک واپس نہیں آؤ گے مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"گھبراؤ نہیں اولگا بہن! میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا اور پھر میں کوئی دور نہیں جا رہا۔ یہ تمہارے سامنے ہی تو ہوں گا۔"

اندھیرا ہوتے ہی ناگ نے اولگا کو پہاڑی پر ایک محفوظ جگہ پر چھوڑا اور خود وادی میں اتر گیا۔ وہ اس سڑک پر چل رہا تھا جو سیدھی نیچے سرحدی فوج کی بیرکوں میں چلی گئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو بیرکوں کے درمیان سے ہو کر آگے جاتی تھی ناگ نسانی شکل میں ہی جا رہا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ اس کا رنگ سانولا ہے۔ وہ کسی طرح سے بھی روسی نہیں لگتا۔ اگر اسے کسی نے دیکھ لیا تو مصیبت پڑ جائے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا حلیہ بدل لے۔ پس اس نے اپنے آپ کو ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی سی روسی چڑیا میں تبدیل کر لیا اور ڑتی ہوئی نیچے آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ جہاں سے سڑک بیرکوں کے آگے سے گذرتی تھی۔ وہاں ایک گیٹ بنا ہوا تھا۔ ایک چوکی بنی تھی۔ دو سپاہی سنگینیں کندھوں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر رکھے پہرہ دے رہے تھے۔ بیرکوں میں فوجی رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ آگے جا کر ایک دوسرا گیٹ آتا تھا۔ یہ گیٹ بھی لکڑی کا تھا اور یہاں صرف ایک فوجی پہرہ دے رہا تھا۔ اس گیٹ کے آگے ایک برآمدہ سا بنا تھا۔ اوپر چھپر پڑا تھا۔ یہاں ایک فوجی ٹرک کھڑا تھا۔

ناگ نے ذہن میں ایک سکیم تیار کر لی۔

وہ اڑتا اڑتا واپس بیرک میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک فوجی باہر کھڑا شاید زمین پر کچھ ڈال رہا تھا ناگ چڑیا کی شکل میں اس کے پیچھے آ کر اتر گیا۔ یہاں اس نے سانپ کا روپ بدلا اور زمین پر رینگتا ہوا اس سپاہی کے پاس آ کر اس کی پنڈلی پر کچھ اس طرح سے ڈسا کہ وہ مرے نہ بلکہ بے ہوش ہو جائے۔ سپاہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس سپاہی کا رنگ بھی سانولا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایشیائے کوچک کا منگول ہے۔ ناگ نے انسانی شکل میں آ کر اس سپاہی کی وردی پہن لی اور سر پر سموری کھال کی ٹوپی اس طرح سے اوڑھ لی کہ اس کا آدھا چہرہ اس میں چھپ گیا تھا۔

ناگ نے سپاہی کی سٹین گن کمر کے ساتھ لگائی اور بڑے بڑے بوٹوں کے ساتھ چلتا دوسرے گیٹ کے پاس آ گیا۔ یہاں کھڑے پہرے دار کو اس نے ہنس کر یوں سلام کیا جیسے وہاں کا اپنا آدمی ہو۔ پہرے دار نے کہا۔

"گریگوری کہاں چلے؟"

ناگ سمجھ گیا کہ اس پہرے دار نے اسے گریگوری سمجھا ہے جو یہاں کا کوئی سپاہی ہو گا اور اس کی شکل ناگ سے ضرور ملتی جلتی ہو گی۔ ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ٹرک لے کر کمانڈر کے پاس جا رہا ہوں شاید اس نے اگلے شہر سے کچھ منگوانا ہو گا۔"

"ارے رات کو وہاں کیا کرنے جاؤ گے؟"

"کیا کروں بھائی! کمانڈر کا آرڈر جو ہوا۔"

پہرے دار نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔

"گریگوری تمہاری آواز کیوں بدلی ہوئی ہے؟"

اب ناگ کو پسینہ آ گیا۔ اس نے کہا۔

"یار کیا کہوں۔ صبح سے گلا خراب ہے اور زکام ہو رہا ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پہرے دار بولا۔ "اوہ! میں بھی سوچ رہا تھا کہ یہ آواز تو ہمارے یار گرگوری کی نہیں ہے۔ مگر چال ڈھال اس کی ہے۔"

"بس یار زکام لے بیٹھا ہے مجھے۔"

اس دوران میں ناگ نے برآمدے میں جا کر ٹرک کو سٹارٹ کر لیا تھا۔ وہ اسے واپس موڑ کر لایا۔ پہرے دار نے گیٹ کھول دیا۔ ناگ ٹرک کو واپس دوسرے گیٹ پر لے آیا۔ اس کے پہرے داروں نے بھی اپنا ٹرک سمجھ کر گیٹ کھول دیا۔ اب ناگ نے ٹرک کو فوجی بیرکوں کے آگے سے نکالا اور سڑک پر اوپر پہاڑی کی طرف چلانا شروع کر دیا۔

پہاڑی پر اولگا نے ٹرک کی آواز سنی تو ایک طرف جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ ناگ نے ٹرک قریب ہی کھڑا کر دیا۔ اولگا نے جب اس ٹرک میں سے ایک روسی فوجی کو باہر نکلتے اور اس کی کمر سے مشین گن لٹکتے دیکھی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ناگ نے بھاگ کر اولگا کو تھام لیا۔

"اولگا! ہوش کرو۔ یہ میں ہوں۔"

اولگا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ کو پہچان لیا۔

پھر خشک سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہائے میرے خدا تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ یہ فوجی وردی کہاں سے لی؟"

ناگ نے کہا۔ "تم تو جانتی ہو کہ جب خدا کی مدد ساتھ ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ چلو اب میرے ٹرک میں بیٹھو۔ ہر قسم کا انتظام ہو گیا ہے۔ ہم اس ٹرک میں بیٹھ کر اس فوجی گاؤں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ سب کچھ تم نے کہاں سے لیا؟"

"ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ تم ٹرک میں بیٹھو۔ وقت بہت کم ہے۔ ہمیں راتوں رات یہاں سے دور نکل جانا ہے۔"

اولگا ٹرک میں بیٹھ گئی۔ یہ ٹرک چاروں طرف سے ترپالوں کے ساتھ ڈھکا ہوا تھا۔ ناگ فوجی وردی میں ملبوس خود ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرک کو سٹارٹ کر دیا اور فوجی شہر کی طرف آ گیا۔ گیٹ پر پہرے داروں نے اسے روک لیا۔ ناگ بڑا حیران ہوا کہ جاتی مرتبہ تو انہوں نے بالکل نہیں روکا تھا ویسے ہی گزار دیا تھا۔ اب کیا بات ہے کہ اسے روک دیا گیا ہے۔ دونوں سپاہیوں میں سے ایک سپاہی ناگ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کی طرف آیا۔

"شناختی کارڈ پلیز!"

ناگ بوکھلا گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"بھائی یہاں سے جاتے وقت تو تم نے شناختی کارڈ نہیں مانگا تھا اب کیوں مانگ رہے ہو؟"

سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

"تم سپاہی ہو کر ہمارے اصولوں کو نہیں جانتے کہ جب کوئی گاڑی یہاں سے آگے سرحد کی طرف جانے لگتی ہے تو اس کے ڈرائیور سے شناختی کارڈ ضرور مانگا جاتا ہے۔ تم سپاہی ہو تمہیں شناختی کارڈ دکھانے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے؟"

ناگ ہنسا۔ "میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ اصل میں میں کل ہی ماسکو سے آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے قانون کا علم نہیں ہے۔"

پہرے دار خاموش تھا اور ناگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گیٹ کی چوکی پر لیمپ روشن تھا جس کی روشنی میں پہرے دار کی بھوری آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"دوست! میرا شناختی کارڈ پیچھے ٹرک کے اندر

میرے صندوق میں ہے۔"

"مگر کارڈ تو ہر سپاہی کو اپنی جیب میں رکھنا ہوتا ہے۔ تم کیسے سپاہی ہو کہ کارڈ صندوق میں رکھ چھوڑا ہے۔"

ناگ بولا۔ "میری جیب پھٹ گئی تھی۔ آؤ میں تمہیں دکھا دیتا ہوں یار۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری ہے۔ آخر ہم بھی تمہارے بھائی ہیں۔"

یہ باتیں اولگا نے بھی ٹرک کے اندر بیٹھے بیٹھے سن لی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ سپاہی کو اندر لا کر کچھ کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ جلدی سے ٹرک کے کونے میں رکھے ترپالوں کے ڈھیر کے نیچے چھپ گئی۔ اتنے میں ٹرک کے پچھلے دروازے کا پردہ ہٹا۔ ناگ اندر آ کر یونہی ایک خالی صندوق میں شناختی کارڈ تلاش کرنے لگا۔ پھر بولا۔

"یہ لو یار دیکھ لو۔ اندر آ جاؤ بے شک۔"

پہرے دار سپاہی اچھل کر ٹرک کے اندر آ گیا بس ناگ اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر ناگ نے سانپ کی شکل بدلی اور اسی سیکنڈ کے اندر اندر روسی سپاہی کی گردن کو جکڑ کر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ڈس دیا۔ پہرے دار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ بھونچکا سا ہو کر ٹرک کے اندر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اتنے میں دوسرا پہرے دار بھی وہاں آ گیا۔ اس نے پوچھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ ناگ نے کہا۔

"اندر آ جاؤ یار ذرا۔ تمہارا ساتھی شاید بے ہوش ہو گیا ہے۔"

ناگ اور اولنگا وہاں سے کیوں کر فرار ہوئے؟
آگے جا کر ناگ اور عنبر کی ملاقات کہاں ہوئی؟
ماریا کن دلچسپ حالات میں ان دونوں سے ملی؟
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیے گا۔

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

لاش زندہ ہو گئی (تین حصوں میں)
اے۔ حمید
دو ڈاکٹروں نے قبرستان سے ایک لاش نکالی اور اُسے
اپنے کمرے میں سٹریچر پہ باندھ دیا
ایک رات
بادل گرجے بجلی کڑکے کمرے میں اندھیرا تھا
اور پھر اچانک لاش نے لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالیں
اور اٹھ کر بیٹھ گئی لاش سب سے پہلے اپنی قبر پر آئی
اور پھر یہاں سے لاش نے سفر شروع کیا دونوں دوستوں
نے لاش کو قابو میں کیا لیکن وہ پھر نکل گئی اور بستی میں تباہی
مچانی شروع کر دی لاش ہمیشہ آدھی رات کو حملہ کرتی تھی
آخر جب پولیس لاش تک پہنچی تو وہاں کیا تھا؟
ایک پُر اسرار سچی کہانی (تین حصوں میں)
• حصہ اول: ۴/۵۰ روپے • حصہ دوم: ۴/۵۰ روپے • حصہ سوم:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

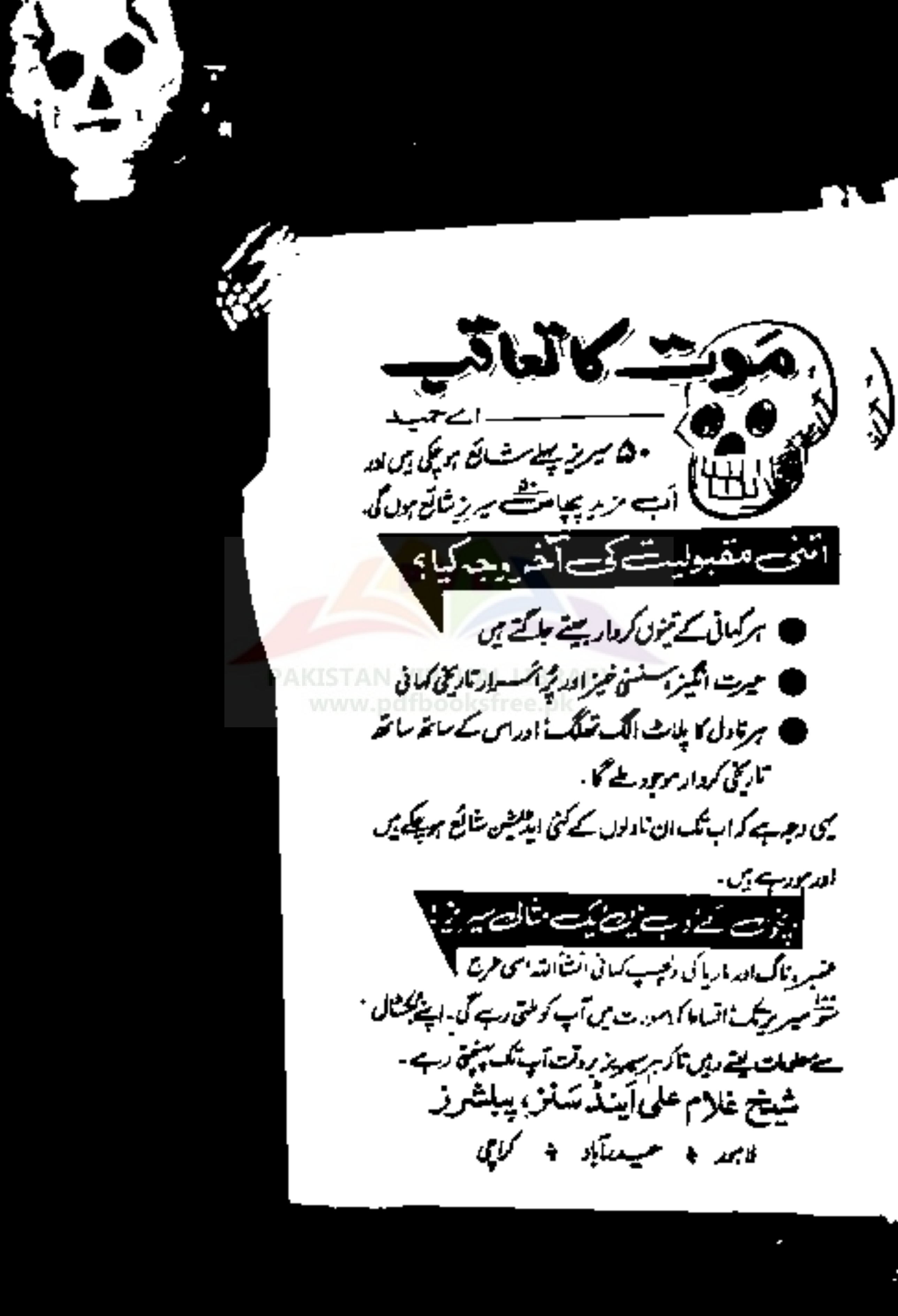

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس نئے سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح نئی سیریز کی اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک اسٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ◆ حیدرآباد ◆ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

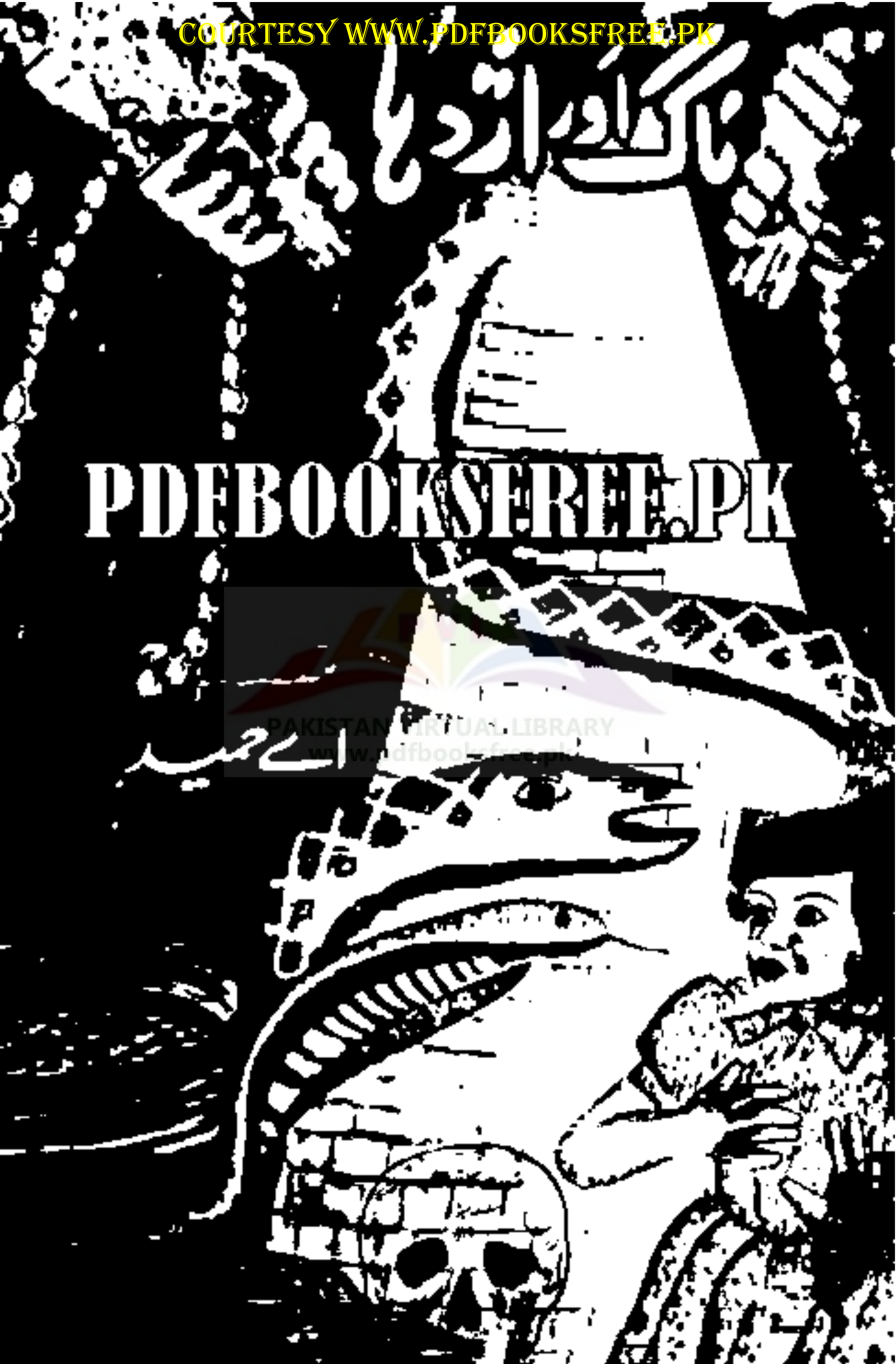

ناگ اور اژدہا

اے حمید

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

803

موت کا تعاقب ۸۸

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ناگ اور اژدہا

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹرز
علمی پرنٹنگ پریس، [illegible] ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

- جواہرات کا صندوق ۵
- ناگ اور اژدہا ۲۳
- نہان کے روپ میں ۵۲
- راکٹ میں ۷۰
- چاند سے بھی آگے ۸۶

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پیارے بچو!

ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور سائبیریا کی جانب آخری سرحدی چوکی کے پاس آکر رُک گیا۔ اُس نے روسی سپاہی کی وردی پہن رکھی تھی۔ اولگا ٹرک کے اندر چھپی ہوئی تھی اور ایک روسی سپاہی کی لاش بھی ٹرک کے اندر پڑی تھی۔ ناگ نے دوسرے سپاہی کو اندر بُلا لیا اور اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ یہاں سے وہ سائبیریا کی سرحد سے نکل کر زارِ روس کے خزانے کی تلاش میں چین کے صوبے سنکیانگ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ زارِ روس کا خزانہ ایک ڈاکو نے اُڑا لیا تھا۔ ناگ نے فقیر کا بھیس بدلا اور چین کے سرحدی شہر کی گلیوں میں صدا لگا کر بھیک مانگنے لگا۔ اصل میں وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کس کے گھر میں ہے؟

اس کے بعد کیا ہُوا؟ یہ آپ خود پڑھیے گا۔

جواہرات کا صندوق

سپاہی نے ٹرک میں پیچھے سے آکر جھانک کر دیکھا۔ اُسے اپنا ساتھی ٹرک میں بے ہوش پڑا دکھائی دیا۔

"ارے اسے کیا ہو گیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ ذرا اندر آکر دیکھو کہ یہ کیوں بے ہوش ہو گیا؟"

سپاہی ٹرک کے اندر چڑھ آیا۔ وہ جھک کر اپنے ساتھی کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے اپنی گردن پر کسی سانپ کے رینگنے کا احساس ہُوا۔ اُس نے چونک کر گردن پر ہاتھ ارا۔ مگر سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔ یہ سپاہی بھی بے ہوش کر ٹرک میں گر پڑا۔ اولگا سے ناگ نے کہا۔

"پردہ گرا کر ٹرک کے اندر ہی پڑی رہو۔ میں دوسرے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گیٹ سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔"

ناگ سرحدی پولیس کی وردی میں ملبوس اسی طرح ٹرک سے کود کر باہر آگیا۔ پھر وہ ٹرک کی اگلی طرف آکر سیٹ پر بیٹھ گیا اور گیٹ میں سے آگے نکل گیا۔ اب اس فوجی سرحدی شہر باتیک کی آخری اور دوسری چیک پوسٹ آرہی تھی۔ یہاں بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور یہی چیکنگ بھی کرتے تھے۔ انھوں نے ناگ کے ٹرک کو ہاتھ سے روک دیا۔ ناگ اگرچہ ان ہی کی وردی میں تھا۔ لیکن شناختی کارڈ چیک کرنا ان کی ڈیوٹی تھی۔ چنانچہ پہریدار نے ہاتھ سے اگلی کھڑکی کو بجا کر کہا۔

"کامریڈ شناختی کارڈ ؟"

اور پھر خود ہی ہنسا۔ جیسے کہہ رہا ہو کامریڈ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس شناختی کارڈ ہو گا۔ کیونکہ تم ہماری ہی رجمنٹ کے سپاہی ہو مگر پھر بھی ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم تم سے شناختی کارڈ طلب کریں۔ بس ایک جھلک اس کی دکھا دو اور گذر جاؤ۔ ناگ نے بڑے آرام سے ٹرک میں سے باہر نکل آیا۔ اس نے ایک نظر ادھر اُدھر ڈالی۔ کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ ناگ نے کہا۔

"یار! ذرا کمرے میں آؤ۔ مجھے پانی بھی پینا ہے او

شناختی کارڈ بھی دکھاتا ہوں۔"

ناگ نے جھوٹ موٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا اور آگے آگے چیک پوسٹ پر بنے ہوئے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سپاہی بھی مسکراتا اور کہتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

"کامریڈ چھاؤنی سے نکلتے ہی پیاس لگ گئی۔ اتنی سردی میں تو ہمیں دو دو دن پیاس نہیں لگتی۔"

"ہا ہا ہا" ناگ ہنسا۔ "کامریڈ! میں روس کے گرم علاقے کا ہوں نا اس لیے مجھے جلدی پیاس لگ جاتی ہے۔"

ایک سپاہی باہر گیٹ پر پہرہ دیتا رہا اور دوسرا ناگ کو ساتھ لے کر کمرے میں آگیا۔ تاکہ اسے پانی پلائے۔ اندر کونے میں میز پر ایک جگ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا۔ سپاہی نے لکڑی کا گلاس لیا اور جگ میں سے پانی ڈالنے کے لیے جھکا۔ ناگ نے پیچھے سے اُسے سانپ بن کر ڈس دیا۔ گلاس سپاہی کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ بھی فرش پر دھڑام سے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ باہر لے سپاہی نے آواز سنی تو کہا۔

"کیا ہوا کامریڈ ؟"

اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ ناگ دوسرے سپاہی کو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی اندر آنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ دوسرا سپاہی اندر آیا تو اس نے اپنے ساتھی کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھا۔ وہ لپکا۔

"کیا ہوا کامریڈ؟"

جونہی وہ اپنے کامریڈ پر جھکا ناگ نے اُسے بھی پہلے سپاہی کے اوپر گرا دیا۔ ناگ بھاگ کر باہر آگیا۔ وہ اب جلدی سے جلدی . . . یہ بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ ٹرک کی اگلی سیٹ پر چڑھ گیا۔ ٹرک سٹارٹ کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ چھاؤنی سے دُور ہونے لگا۔ یہ چھوٹی سی سڑک اُسے چھاؤنی سے بہت دُور لے گئی تو اُس نے ٹرک کھڑا کیا۔ اندر جا کر اونگا کو باہر نکالا۔

"ہانیک کی چھاؤنی سے تو ہم خیریت سے نکل آئے ہیں" ناگ نے کہا۔

اونگا نے ہنس کر کہا۔

"خیریت سے کہاں نکل آئے ہیں۔ دو بے ہوش سپاہی ٹرک کے اندر پڑے ہیں دو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"یہ دو بے ہوش بھی یہیں چھوڑ کر جائیں گے۔"

اور انہوں نے ٹرک میں سے دونوں بے ہوش کامریڈوں

کو نکال کر سڑک کے کنارے ایک جگہ ڈال دیا۔ اور ٹرک سٹارٹ کر کے وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ دن کا کچھ حصہ اور ساری رات ان کا ٹرک میدانوں میں بھاگتا رہا۔ رات کے آخری حصے میں وہ سو گئے۔ دن چڑھے اُٹھے تو دیکھا کہ ٹرک میں پٹرول بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اونگا نے کہا۔

"یہاں سے سائبیریا کا علاقہ شروع ہو رہا ہے۔ آگے برفانی میدانوں کے سوا ہمیں کچھ نہ ملے گا۔ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ اس ٹرک میں زیادہ سے زیادہ رستہ طے کر لیا جائے۔"

"بہتر خیال ہے۔ مگر جب آگے جا کر پٹرول ختم ہو جائے گا تو پھر کیا کریں گے؟"

اونگا کہنے لگی۔

"ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ سائبیریا کے کسی گاؤں تک پہنچ جائیں تاکہ وہاں سے ہم کُتا گاڑی حاصل کر سکیں۔"

"کوشش کرتے ہیں۔"

ٹرک ایک بار پھر روانہ ہو گیا۔ اب وہاں برفانی میدان شروع ہو گیا تھا۔ زمین پر دُور تک برف ہی برف نظر آ رہی تھی۔ یہ برف بڑی سخت تھی اور ٹرک نے اس پر پھسلنا شروع کر دیا تھا۔ پہیے برف کو اچھی طرح

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

سے نہیں پکڑ رہے تھے۔ جوں جوں ٹرک برفانی میدان میں آگے بڑھ رہا تھا۔ برف میں پہیے دھنس رہے تھے۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر ٹرک کا پٹرول ہی ختم ہو گیا۔

"یہ لو۔ اب تو ہم ایک اینچ بھی آگے نہیں جا سکتے۔"

ناگ اور اودنگا ٹرک سے اُتر آئے۔ سردی بڑی سخت تھی انہوں نے خوب گرم کپڑے پہن رکھے تھے مگر سردی پھر بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔ ناگ نے ٹرک کے اوپر کھڑے ہو کر مشرق کی طرف دیکھا۔ دُور دُور تک کسی گاؤں کا کوئی نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اودنگا بہن! ایسا لگتا ہے کہ ہم برف کے صحرا میں آ گئے ہیں۔ شاید ہم ساری زندگی اسی جگہ بھٹکتے رہیں گے۔"

اودنگا نے کہا۔

"تم سائبیریا کو نہیں جانتے ناگ بھائی! یہاں اسکیمو لوگوں کے گاؤں ضرور ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہمیں گاڑی مل جائے گی۔"

ناگ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ پیچھے روسی پولیس نے ہمارے تعاقب میں کسی کو بھی نہ روانہ کیا ہو گا؟ کسی وقت بھی روسی سیکورٹی پولیس والوں کا ہیلی کاپٹر ہمارے سروں

پر نمودار ہو کر گولیاں برسا سکتا ہے۔"

اودنگا نے بھی آسمان کو دیکھا جہاں دھند کی وجہ سے سورج کی چمک صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کہو ناگ بھائی!"

ناگ بولا۔

"میں تو حیران ہوں ابھی تک روسی پولیس ہمارے تعاقب میں کیوں نہیں آئی۔ انہیں ہمارے فرار کا علم ہو گیا ہو گا اور چیک پوسٹ پر بے ہوش سپاہی بھی اب تک ہوش میں آ چکے ہوں گے۔"

اودنگا پریشان ہو گئی۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ ان سپاہیوں کو تم ٹھکانے لگا دیتے۔"

ناگ نے کہا۔

"نہیں اودنگا بہن! میں خوا مخواہ کسی کو مارنے کے حق میں نہیں ہوں۔ بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہمیں آگے چلنا ہے۔"

انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں کا تھیلا اُٹھایا اور ٹرک کو برف کے میدان میں دھنسا ہُوا چھوڑ کر برفانی میدان میں مشرق کی طرف چل پڑے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اولگا نے کہا۔

"یہ ٹرک ہماری نشانی بن گیا ہے۔ یہ پیچھے ہماری تلاش میں آنے والے روسی پولیس افسروں کو ہمارے بارے میں بتا دے گا کہ ہم کس سمت کو گئے ہیں؟"

ناگ نے کہا۔

"اگر ہم اس کو آگ بھی لگا دیں تب بھی اس کا جلا ہوا ڈھانچہ ہماری مخبری کر دے گا۔ اس لیے کوئی فائدہ نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور آگے چلو۔"

دوپہر تک وہ برفانی میدان میں چلتے رہے۔ ان کی رفتار بڑی سست تھی۔ بس قدم قدم چل رہے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس برف پر چلنے والا پورا سامان نہیں تھا۔ نہ اُن کے پاس چمڑے تلوؤں والے بوٹ تھے اور نہ ہاتھ میں پکڑنے والی چھڑیاں تھیں۔ کافی دور چلنے کے بعد وہ تھک گئے اور ایک جگہ برف میں انہیں اسکیمو کا خالی گھر مل گیا۔ یہ گول چھت والا گھر برف کی سلوں کو آپس میں جوڑ کر بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔ اندر سے بالکل خالی تھا۔

اولگا نے کہا۔

"یہ لوگ اسی طرح گھر بناتے ہیں۔ وہاں کچھ دیر رہتے ہیں اور پھر خالی چھوڑ کر آگے چلے جاتے ہیں۔"

مکان کے اندر کچھ سکون تھا۔ اولگا اور ناگ اندر دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اولگا نے چھاگل بیگ سے پانی نکال کر کیتلی میں ڈالا اور سپرٹ لیمپ جلا کر قہوہ بنایا۔ انہوں نے خشک گوشت کے ساتھ گرم گرم قہوہ پیا تو انہیں کچھ طاقت اپنے جسموں میں محسوس ہوئی۔ شام کو انہوں نے ایک بار پھر قہوہ پیا۔ دو چار بسکٹ کھائے اور برف پر پوستین بچھا کر لیٹ گئے۔

ناگ نے اولگا سے پوچھا۔

"اولگا بہن! کیا سچ مچ تم زارِ روس کی پوتی ہو؟"

اولگا نے کہا۔

"پوتی نہیں مگر پڑپوتی ضرور ہوں۔"

ناگ بولا۔

"کیا تمہیں واقعی معلوم ہے کہ تمہارے دادا یا نانا یعنی روس کے شہنشاہ زار نے اپنا خزانہ کسی جگہ دفن کیا تھا؟"

اولگا مسکرائی۔

"ناگ بھیا! انہوں نے خزانہ کسی بھی جگہ دفن نہیں کیا تھا۔ انہیں دفن کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ دوسرے ملکوں میں ایسے بینک موجود تھے جن میں وہ اپنی دولت جمع کرا سکتے تھے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کمرے میں بند کر دیا گیا۔ باہر روسی سپاہیوں کا پہرہ لگ گیا۔ پھر شام کے وقت جب اندھیرا سارے علاقے میں پھیل گیا تو دو سپاہی مشین گنیں لے کر اندر آ گئے اور بولے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ابھی تم لوگوں کو ٹرک میں بٹھا کر واپس ماسکو بھجوا دیا جائے گا۔ ہم لوگ بڑے خوش ہوئے کہ واپس اپنے شہر جا رہے ہیں نانا نے کہا تھا کہ یہ اچھا ہُوا کہ ہمیں واپس ماسکو لے جایا جا رہا ہے۔ اُب مَیں وہاں جا کر کامریڈ لینن سے ملنے اور اپنے بال بچوں کے لیے خود رحم کی اپیل کروں گا جو ضرور منظور کر لی جائے گی۔ ہم نے جلدی جلدی گرم کوٹ اور بُوٹ پہن لیے۔ ہم تیار ہی ہوئے تھے کہ اچانک باہر ٹرک کا انجن سٹارٹ کر دیا گیا۔ یہ اس لیے سٹارٹ کر دیا گیا تھا کہ ہماری چیخوں کی آوازیں اس کے شور میں دب کر رہ جائیں۔ ہمیں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ ٹرک ہمیں ماسکو لے جانے کے لیے سٹارٹ کیا گیا ہے۔ اتنے میں وہی دونوں سپاہی دروازہ کھول کر اندر آئے اور بولے۔ تیار ہو جاؤ اور پھر انہوں نے مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ میرے دیکھتے

دیکھتے میری خالہ پھوپھی اور بھائی بہنیں اور زارِ روس اور زارینہ اور دوسرے لوگ گولیاں کھا کھا کر ہلاک ہو گئے۔ مَیں خوف کے مارے ان کی لاشوں میں ہی دب کر رہ گئی تھی۔ پھر ایک سپاہی آیا اور اس نے لاشوں کو غور سے دیکھا۔ میرے اوپر جُھکا تو مَیں رونے لگی۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور روسی زبان میں کہا۔ خاموش! خدا نے تمہیں بچا لیا ہے۔ مَیں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ پھر اُس رحم دل روسی سپاہی نے مجھے سیاہ کمبل اوڑھا کر جیپ میں چھپا دیا اور راتوں رات وہاں سے نکال کر دُور ایک گاؤں میں لے گیا اور وہاں جا کر ایک جھونپڑی میں چھپا دیا۔ مَیں کئی روز وہاں چھُپی رہی۔ وہ نیک دل سپاہی میری دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر ایک روز آدھی رات کو وہ مجھے ایک ٹرک میں بٹھا کر روبانسک شہر لے گیا جہاں میری خالہ تانیا رہتی ہے۔ اس نے مجھے میری خالہ کے پاس چھوڑ دیا۔ کئی برس بعد جب زار کے خزانے کی تلاش شروع ہوئی تو ہمارے خاندان کے بچے کھُچے دو تین افراد کو پکڑ لیا گیا۔ ان میں مَیں بھی تھی۔ باقی تو روسی پولیس کی اذیت سہتے ہوئے مر گئے۔ خالہ کو چھوڑ دیا گیا اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مجھے اس جگہ قید کر دیا گیا۔ جہاں سے تم مجھے نکال کر لے گئے تھے۔ یہ ہے میری کہانی!"

ناگ بڑے غور سے اور بڑی دلچسپی سے اولگا کی خوفناک کہانی بلکہ اس کی آپ بیتی سن رہا تھا۔ جب اولگا نے کہانی ختم کی تو ناگ نے کہا۔

"اولگا بہن! تم بڑی بہادر لڑکی ہو جو اتنی مصیبتیں سہہ کر بھی زندہ ہو۔"

اولگا آہ بھر کر بولی۔

"افسوس اپنے بڑے بوڑھوں کا ہے، جو مارے گئے۔"

ناگ نے کہا۔

"جب انقلاب آتا ہے تو ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ بہرحال اوکیشیا پہنچ کر زارِ روس کے چھپے ہوئے جواہرات کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔"

اولگا نے کہا۔

"وہ تم کیسے معلوم کرو گے؟"

ناگ بولا۔

"یہ تم اوکیشیا پہنچ کر خود دیکھ لو گی۔ اگر جواہرات نکل آئے تو پھر وہ تمہاری امانت ہو گی اور تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ اس دولت کی مدد سے تم یورپ کے کسی بھی شہر میں جا کر آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکو گی۔"

اولگا زور سے ہنس پڑی۔

"ناگ بھیا! تم شیخ چلی کی طرح کی باتیں کر رہے ہو۔"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا اور کمبل اوڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اولگا نے بھی کمبل اوپر کر کے چربی والے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا اور نیند کی دنیا میں پہنچ گئی۔ دوسرے روز اٹھ کر انہوں نے ناشتہ کافی کی پیالی اور بسکٹوں سے کیا۔ پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ تیسرے پہر وہ اسکیموؤں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہاں برفانی لوگوں نے انہیں حیرانی سے دیکھا کہ یہ لوگ اتنا لمبا برفانی سفر کیوں کر پیدل طے کر کے آ رہے ہیں۔

ناگ کے پاس کافی پیسے تھے۔ اس نے گاؤں کے لوگوں میں کچھ رقم تقسیم کر کے انہیں اپنا دوست بنا لیا۔ پھر دس ہزار روپے خرچ کر کے ایک ایسی برف پر گھسٹنے والی گاڑی لی جسے بارہ کتے چلاتے تھے۔ ساتھ ایک گائیڈ بھی تھا جس کا کام ان دونوں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو چین کی سرحد پر پہنچاتا تھا۔ ناگ اور اولگا نے چار روز اس گاؤں میں قیام کیا اور پھر وہ آگے روانہ ہوگئے۔

ناگ اور اولگا گاڑی پر بیٹھے تھے۔ گائیڈ کی سیٹ پیچھے تھی۔ وہ راستے میں کہیں اُتر کر کتّوں کو درست راستے پر ڈالتا۔ انہیں کچھ دُور تک ہنکاتا اور پھر خود بھی گاڑی پر سوار ہو جاتا۔ اس طرح دن کو سفر کرتے اور رات کو آرام کرتے وہ چین کی سرحد تک پہنچ گئے۔

ناگ نے گائیڈ سے کہا۔

"ہمیں تم اوکیشیا کے گاؤں تک پہنچا دو۔ اس کے بعد تم بے شک واپس چلے جانا۔"

گائیڈ نے کہا۔

"جناب! اوکیشیا کا گاؤں یہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف ہے۔"

اولگا نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم چلے جاؤ۔ ہم خود ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔"

پھر اولگا نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! مجھے اوکیشیا کا گاؤں معلوم ہے۔ میں تمہیں لے کر وہاں پہنچ جاؤں گی۔ بہتر ہے کہ ہم گائیڈ کو یہاں سے رخصت کر دیں۔"

اولگا نہیں چاہتی تھی کہ کبھی دوسرے کو خزانے کے بارے میں تھوڑا سا بھی علم ہو۔ چنانچہ گائیڈ کو کتّا گاڑی سمیت انعام دے کر رخصت کر دیا گیا۔ اب اولگا اور ناگ نے اس گاؤں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جہاں ان دونوں کے خیال میں کسی جگہ زارِ روس کے جواہرات کا صندوق دفن کیا گیا تھا۔ اولگا کو کچھ کچھ یہ علاقہ یاد آرہا تھا۔ اس نے دُور سے ایک بھورے رنگ کا اونچا ٹیلا دیکھا تو ناگ سے کہا۔

"مجھے یاد ہے اسی قسم کا ایک ٹیلا تھا جس کے پاس ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں نے ایک صندوق چھکڑا گاڑی سے اتارا تھا۔"

یہاں اب برف کا میدان ختم ہو گیا تھا اور اونچی نیچی زمین پر زرد گھاس اور خشک جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ناگ نے ٹیلے کو دور سے دیکھ کر کہا۔

"چلو وہاں چلتے ہیں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ اور اژدہا

ٹیلہ ویران اور بنجر تھا۔

اس کی ڈھلانوں پر خشک گھاس اور جھاڑیاں اُگی تھیں۔ اولگا نے ناگ سے پوچھا کہ وہ اس ٹیلے کے اندر سے خزانے کو کیوں کر تلاش کرے گا؟ ناگ نے ایک جگہ رُکتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے ایک دوست کو بُلا کر سارا حال معلوم کروں گا۔"

"کونسا دوست؟" اولگا نے سوال کیا۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

"میرے کئی دوست ہیں۔ تم ابھی دیکھ لوگی کہ اس بار کونسا دوست آئے گا۔"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے کچھ منتر پڑھے اور اپنے

چاروں طرف پھونک ماری۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں خاموشی چھا گئی۔ اولگا خاموشی سے ناگ کو دیکھ رہی تھی کہ اس بار وہ کیا جادو کرے گا! تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ اچانک ٹیلے کے اوپر سے کچھ پتھر لڑھک کر نیچے گر پڑے۔ اولگا ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کی نگاہ اپنے آپ ٹیلے کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ یہ دیکھ کر سکتے میں آ گئی کہ ایک زرد اور سبز رنگ کا کافی بڑا اژدہا نیچے اُتر رہا تھا۔

ناگ نے اولگا کی پریشانی کو بھانپ کر کہا۔

"اپنی جگہ سے ہلنا مت اولگا۔ یہ تمہیں کچھ نہ کہے گا میں اس سے زارِ روس کے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ اس سانپ کو زمین کے اندر کے سارے خزانوں کا پتہ ہے۔"

اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑی رہی۔ اب اژدہا نیچے آ چکا تھا۔ وہ سیدھا اس طرف آیا جہاں ناگ کھڑا تھا۔ اژدہا نے ناگ کے سامنے آ کر ادب سے سر جھکایا اور پھر گردن زمین کے ساتھ لگا دی۔ ناگ نے اپنی زبان میں اُس سے بات شروع کی۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

"اے اژدہا! میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لیے اس جگہ طلب کیا ہے۔"

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں اے عظیم دیوتا! آپ حکم کیجیے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس ٹیلے کے آس پاس کچھ برس پہلے ایک خزانہ دفن کیا گیا ہے۔ یہ جواہرات کی شکل میں ہے اور ایک صندوق میں بند ہے۔ کیا تمہیں اس کا کچھ پتہ ہے؟"

اژدہا نے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! یہ خزانہ زارِ روس کا ہے اور اسی ٹیلے کے نیچے جنوب کی جانب ایک جگہ دفن ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"بہت خوب! ہمیں اس جگہ لے چلو۔"

اژدہا آگے آگے چل پڑا۔ پیچھے ناگ تھا اور اس کے پیچھے اولگا چل رہی تھی۔ اژدہا ان دونوں کو اس جھاڑی کے پاس لے گیا جس کے نیچے خزانہ دفن تھا

اژدہا بولا۔

"عظیم دیوتا! خزانہ یہاں دفن ہے"

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اس خزانے میں سے کچھ لا کر ہمیں دکھا سکتے ہو؟"

اژدہا نے کہا۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔"

اژدہا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس نے اپنے منہ میں ایک بڑا خوبصورت قیمتی ہار اٹھا رکھا تھا جس میں لاجواب ہیرے اور موتی تھے۔

اولگا نے ہار دیکھا تو خوش ہو کر بولی۔

"یہی ہمارے خاندان کا نولکھا ہار ہے۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔"

ناگ نے ہار کو دیکھا اور کہا۔

"بہت خوب۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ خزانہ اسی جگہ دفن ہے۔"

اولگا نے کہا۔

"لیکن ہم اس جگہ کو کیسے کھودیں گے اور خزانہ کیسے نکالیں گے؟"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ نے کہا۔

" اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

اس کے بعد ناگ نے اژدہا سے کہا۔

"خزانے کے پاس جانے کا سب سے آسان راستہ کونسا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس خزانے کو کھودنے کے اوزار نہیں ہیں۔"

اژدہا نے کہا۔

"خزانہ بہت بڑا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں آپ کو اس کے سارے قیمتی ہار باہر نکال کر لائے دیتا ہوں۔"

ادنگا بولی۔

"اس طرح سے تو باقی کا خزانہ سارے کا سارا اندر زمین میں ہی رہ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے خاندان کا سارا خزانہ ہمارے پاس آجائے۔"

اژدہا سے ناگ نے کہا۔

"تم ہمیں وہ جگہ بتاؤ جہاں سے ہم آسانی سے خزانے کے صندوق تک پہنچ سکتے ہیں۔"

اژدہا نے کہا۔

"میرے ساتھ آیئے عظیم دیوتا۔"

اور اژدہا ناگ اور ادنگا کو لے کر ٹیلے کے پیچھے آگیا۔ یہاں بہت سی خاردار جھاڑیوں کا ایک جھنڈ تھا۔ اس جھنڈ کو اژدہا نے صاف کر دیا۔ وہاں سے ایک گہرا سوراخ نکل آیا۔ اژدہا بولا۔

"عظیم دیوتا! اس سوراخ کے اندر اگر آپ چلے جائیں تو آپ خزانے تک پہنچ جائیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم ایسا کرو کہ اس علاقے میں جتنے سانپ موجود ہیں ان کی ڈیوٹی لگا دو کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس سوراخ کو غار میں بدل دیں تاکہ ہم اس میں سے گذر کر خزانے میں پہنچ جائیں۔ ہم رات ادکیشیا گاؤں میں بسر کریں گے۔ اور صبح آئیں گے۔ ہر کام تیار ملنا چاہیئے۔"

"ایسا ہی ہوگا جناب" اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

ناگ نے ادنگا کو ساتھ لیا اور ادکیشیا گاؤں میں آگیا۔ یہ ایک بڑا چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ایک ٹیلے پر چند ایک مکان بنے تھے۔ یہاں کی آبادی رلی ملی تھی۔ کچھ چینی لوگ تھے۔ کچھ روسی اور کچھ یارقندی اور سنکیانگ کے تاجر تھے جو یہاں آکر آباد ہوگئے تھے۔ ناگ اور ادنگا نے یہاں ایک مندر کے پجاری سے کہا کہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

وہ رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی جگہ مل جائے گی؟

پُجاری نے سر سے پاؤں تک ناگ اور اولگا کو دیکھا پھر کہا۔

"ایک کمرہ مل جائے گا مگر ایک رات کے پانچ ہزار روپے ہوں گے۔"

"مَیں دے دوں گا۔ یہ لو دو ہزار روپے ایڈوانس۔"

پُجاری کی تو آنکھیں کُھل گئیں۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی سمگلر جوڑا ہے جو چین کی سرحد پر ناجائز مال کی سمگلنگ کرتا ہے۔ اس نے کہا۔

"حضور! تشریف لے چلیے۔"

پُجاری انہیں ایک تنگ سے مکان میں لے گیا۔ جہاں سخت نمی اور سردی تھی۔ اندھیرا بھی ہو رہا تھا۔

"آپ کریں ابھی آگ جلانے کے لیے لکڑیاں بھجوائے دیتا ہوں۔ اور ہاں کھانا چائے وغیرہ بھی ابھی آ جائے گا۔"

پُجاری چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی ایک لنگڑا نوکر کھانا اور چائے کی بھری ہوئی کیتلی لے کر آ گیا۔ آتش دان میں آگ جلی تو کمرہ گرم ہُوا۔ کھانا وغیرہ کھا کر اولگا اور ناگ آرام کرنے لگے۔ پُجاری نے جاتے ہی اپنے ایک خاص دوست کیٹو ڈاکو کو بُلا بھیجا۔ اس

ڈاکو کے ساتھ مل کر پُجاری مسافروں کو لُوٹا کرتے تھے۔ اور ان کا مال آدھوں آدھ کر لیا کرتے تھے۔ کیٹو نے آتے ہی اپنی بڑی بڑی سیاہ مُونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور تھوک کر بولا۔

"کیوں بے موٹے پیٹ والے چُوہے! کس لیے بُلوایا ہے مجھے؟ کیا کوئی تازہ شکار نظر آیا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ تم بیٹھو تو سہی۔"

پُجاری نے کیٹو ڈاکو کو قریب ہی بٹھا لیا اور کہا۔

"ایک سمگلر ایک عورت کے ساتھ آ کر مکان میں ٹھہرا ہے۔ اُن کے پاس کافی دولت معلوم ہوتی ہے ہاتھ صاف کرنے کا بڑا سنہری موقع ہے۔"

کیٹو کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔

"کیا تم نے دیکھا ہے کہ اُن کے پاس دولت ہے؟"

"ارے کیوں نہیں؟ ہر بات پَرکھ کر تم سے بات کرنے لگا ہوں۔ انہوں نے ایکدم سے پانچ ہزار روپے پہ مکان ایک رات کی رات لے لیا ہے اور یہ دیکھو دو ہزار روپے پیشگی بھی ادا کر دیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑے اونچے پیمانے کے سمگلر

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ہیں۔ ضرور ہیرے جواہرات کی سمگلنگ کرتے ہیں!" کیٹو نے کہا۔

" ٹھیک بات ہے۔ آج رات ہی معلوم کر لوں گا۔"

اس رات کیٹو کو پجاری نے ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔ یہاں سے ڈاکو، ناگ اور اودلنگا کی بات چیت بڑی آسانی سے سن سکتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد اودلنگا نے ناگ سے کہا۔

" ہم خزانے کو سرحد پار کیسے لے جائیں گے؟"

ناگ بولا۔

" یہاں سے ایک گدھا لے کر خزانہ اس پر لادنا پڑے گا۔"

" گدھا یہاں سے مل جائے گا؟"

" گدھا نہیں ملے گا تو کوئی خچر خرید لیں گے۔ بہرحال اتنا بڑا صندوق ہم اٹھا کر نہیں لے جا سکتے۔"

خزانے کے صندوق کا نام سن کر تو کیٹو ڈاکو کی باچھیں کھل گئیں۔ خوشی سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ساری زندگی اس نے کبھی اتنی دولت کا ذکر نہیں سنا تھا۔ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ اگر کسی طرح سے

یہ صندوق اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ ساری زندگی کے لیے چوریوں اور ڈاکے سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اودکیشیا میں ایک شاندار محل بنائے گا اور نوکروں کے جھرمٹ میں باقی ساری زندگی آرام سے بسر کر دے گا۔

اس نے کان لگا دیئے۔ ناگ کہہ رہا تھا۔

" بس اب آرام کرو اودلنگا بہن! صبح اٹھتے ہی خزانے کی طرف چلنا ہے۔ خچر کا بندوبست وہاں سے آ کر کریں گے۔"

اودلنگا بولی۔

" میرا تو خیال ہے کہ خچر کا انتظام ہمیں صبح کو ہی کر لینا چاہیئے۔"

" ارے بھئی اتنی صبح صبح یہاں کون ہمیں خچر لا کر دے گا۔ پہلے چل کر خزانہ دیکھ آئیں گے۔ اس کے بعد آرام سے آ کر خچر خریدیں گے اور اس پر صندوق لاد کر آگے روانہ ہو جائیں گے۔ یہاں بھلا کون ہمیں دیکھ رہا ہو گا۔"

" جیسے تمہاری مرضی؟ شب بخیر!"

" شب بخیر!"

ڈاکو کیٹو تو خوشی سے لال پیلا ہو کر وہاں سے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نکلا۔ اس نے پجاری کو بھی ساری بات بیان نہ کی۔ بس اس کے پاس آکر اتنا ہی کہا۔

"اتنی موٹی آسامی نہیں ہے۔ بس یہی چھ سات ہزار روپے ان لوگوں کے پاس ہیں۔ ارے موٹے! اتنے تھوڑے پیسوں کے لیے میں کسی کو قتل نہیں کیا کرتا تمہیں معلوم ہے۔"

پجاری بولا۔

"کیٹو میاں! قتل نہیں کرنا تو کم از کم ان سے چھین کر ساری رقم مجھے ہی دلوا دو۔"

"بک بک بند کرو۔ نہیں تو ابھی روسی ایجنٹ سے جا کر تمہاری شکایت کر دوں گا۔ جانتے نہیں وہ میرا گہرا دوست ہے۔"

پجاری ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

"اچھا بھائی معاف کر دے۔ میں نے تو تمہاری بھلائی کے لیے ہی تمہیں بلایا تھا۔"

کیٹو نے پجاری کے سر پر ایک دھپ ماری اور یہ کہہ کر چل دیا۔

"تمہاری بھلائی کا شکریہ موٹے!"

ڈاکو کیٹو وہاں سے سیدھا اپنے مکان پر گیا۔

اس نے ایک چھرا ایک پستول اپنے کوٹ کے اندر چھپایا۔ سر پر گرم مفلر لپیٹا۔ اور پلنگ پر اس طرح سوگیا جیسے صبح صبح اسے کسی ڈیوٹی پر جانے کے لیے جلدی اٹھنا ہو۔ ساری رات اُس نے آنکھوں میں گذار دی۔ خدا خدا کرکے صبح ہوئی۔ مگر دن کی روشنی بادلوں کی وجہ سے پھیکی اور دھندلی تھی۔ کیٹو ڈاکو مکان سے نکل کر سیدھا ایک ایسی جگہ پر آگیا جہاں سے اُسے ناگ کے مکان کا دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہی مکان کا دروازہ کھلا اور ناگ اور لنگا کو لے کر باہر نکلا۔ وہ سخت سردی میں گرم کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ڈاکو کیٹو نے اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ کافی فاصلے پر تھا اور ناگ اور لنگا کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ٹیلے کے پاس پہنچ کر وہ دونوں ڈاکو کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ ڈاکو بھاگ کر ٹیلے کے پاس پہنچا۔

"کہاں غائب ہوگئے یہ لوگ؟"

اتنا قیمتی شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر ایک بار تو ڈاکو کو پسینہ آگیا۔ اس نے ٹیلے کا چکر لگایا۔ پیچھے کی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جانب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ جھاڑیاں صاف کردی گئی ہیں اور وہاں ایک تازہ سُرنگ کھُدی ہوئی ہے۔ یہ سُرنگ راتوں رات علاقے کے سارے سانپوں نے مل کر کھود ڈالی تھی اور اس میں سے ایک آدمی تھوڑا جھک کر گذر سکتا تھا۔ ڈاکو نے جھک کر سُرنگ کے اندر دیکھا۔ اندر اندھیرا تھا۔

ٹھیک اسی وقت ناگ اور اولگا خزانے کے صندوق کے پاس پہنچ گئے تھے اور سانپ ان دونوں کو منزل پر پہنچا کر واپس چلے گئے تھے۔ ڈاکو نے سوچا کہ ضرور دونوں اندر ہی خزانہ لینے گئے ہیں۔ اُس نے باہر چھپ کر دونوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ٹیلے پر جھاڑیوں میں ایک ایسی جگہ چھُپ گیا جہاں سے وہ غار کے منہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ اور اگر وہاں کوئی بات کرے تو وہ سُن بھی سکتا تھا۔

اندر ناگ نے صندوق کا منہ کھولا تو اولگا کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ صندوق قیمتی اور انمول ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"کیا تم اپنے دادا کے خزانے کو پہچانتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔ اس صندوق پر ہمارے خاندان کا نشان بنا ہوا ہے یہ دیکھو۔ سُرخ رنگ کا نشان!"

ناگ ہنسا۔

"ارے میں نے تو تم سے مذاق کیا تھا۔ یہ زارِ روس کا خزانہ ہی ہے۔ یہ خزانے کے اوپر زارِ روس کا خط پڑا ہوا ہے۔"

اولگا نے جلدی سے خط لے کر پڑھنا شروع کر دیا لکھا تھا۔

"جس شخص کو یہ خزانہ ملے اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خزانہ روس کے آخری شہنشاہ زار کا خزانہ ہے۔ اگر اس نے کوشش کر کے اس خزانے کو اس کی پوتی یا پوتوں تک پہنچا دیا تو وہ چوتھائی خزانے کا حق دار ہوگا اور میری روح اسے دعا دے گی۔ اگر اس نے سارا خزانہ خود ہی ہضم کر لیا تو میری روح اُس سے بدلہ لے گی اور اسے ساری زندگی پریشان کرتی رہے گی۔"

دستخط، زارِ روس

اولگا نے خط کو چوما۔

"میرے دادا کی تحریر ہے یہ۔"
ناگ نے کہا۔

"مگر میں چوتھائی خزانہ تم سے نہیں لوں گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ادرنگا بولی :

" مگر ناگ بھائی : چوتھائی خزانہ تو تمہارا حق ہے۔ تو
اسے کیوں نہیں قبول کرتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

" ادرنگا ! تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مجھے خزان
کی کمی نہیں ہے۔ میں اگر چاہوں تو زمین کے اندر چھ
ہوئے سارے خزانے یہاں ڈھیر کروا سکتا ہوں۔ مگر مجھ
اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

ادرنگا۔ بھائی۔ میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا
کروں؟ تم نے نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے سارے خاند
پر احسانِ عظیم کیا ہے

ناگ۔ ادرنگا ! تم نے تو تکلف کرنا شروع کر دیا
چلو اب شہر چل کر خچر کا بندوبست کرتے ہیں جس پر
یہ صندوق لادا جائے گا۔ اور ہاں ایک کپڑا بھی خریدنا
ہے جو اس خزانے کے اوپر ڈالا جا سکے گا

دونوں غار سے باہر نکل آئے۔

ڈاکو غار کے اوپر جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس
نے دونوں کو خالی ہاتھ غار سے نکلتے دیکھا تو چوکس ہوگیا
ناگ نے ادرنگا سے کہا۔

" اگر ہم خزانے کو خچر پر لاد کر آج ہی یہاں سے روانہ
ہو جائیں تو میرا خیال ہے کہ شام تک یا رات تک کسی
وقت چین کی سرحد میں داخل ہو کر سنکیانگ پہنچ جائیں
گے۔"

" ہاں ! چین کی سرحد یہاں سے دس میل کے فاصلے
پر ہی ہے۔"

" اب خچر جلدی مل جانا چاہیئے۔"

" اس کا انتظام پجاری کر دے گا۔"

دونوں شہر کی طرف چل دیئے۔ ڈاکو سوچ میں پڑ گیا
اب اسے ان لوگوں سے پہلے کسی گھوڑے کو لا کر خزانہ
وہاں سے نکال کر بھاگ جانا تھا۔ خزانہ غار کے اندر ہی
تھا۔ ڈاکو وہاں سے ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ ٹیلے سے
کچھ فاصلے پر اس نے ایک جگہ ایک خچر کو جھاڑیوں
میں چرتے دیکھا۔ ڈاکو نے خچر کو پکڑا اور اسے غار کے
منہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ غار کے اندر گیا تو کیا دیکھتا
ہے کہ ایک جگہ زمین پر صندوق پڑا ہے۔ صندوق کو
کھولا تو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اتنے ہیرے جواہرات
اس نے خواب میں بھی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ڈاکو خوشی
سے ناچنے لگا۔ پھر اس نے ہوش میں واپس آتے ہوئے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صندوق کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھنا چاہا مگر ایسا نہ ہو
خچر کو اندر لانا ہوگا۔"

یہ سوچ کر وہ غار سے باہر آگیا۔ وہ خچر کو لگام سے پکڑ کر کھینچتا ہوا غار کے اندر لے آیا۔ خزانے کے قریب لاکر اس نے خچر کی دُم کھینچ کر اُسے زمین پر بٹھا دیا۔ بڑی ترکیب کے ساتھ خزانے والے صندوق کو اُٹھا خچر کے اوپر رکھا۔ اسے رسیوں سے کس کر باندھا اور خچ کو اٹھا کر باہر لے آیا۔

دن کی روشنی دھندلی تھی اور کہر بھی چھا رہی تھی۔ اور اولگا ابھی وہاں نہیں آئے تھے۔ دونوں شہر میں خچ تلاش کر رہے تھے۔ کہ ڈاکو نے خزانے سمیت خچر کو اپ ساتھ لیا اور سنکیانگ کی سرحد کی طرف نکل گیا۔ سنکیانگ کے سرحدی شہر میں اس کا ایک دوست رہتا تھا۔ جس کا نام چینگو تھا۔ چینگو خود بڑا قاتل اور سمگلر ڈاکو تھا۔ کیٹو ڈاکو کو معلوم تھا کہ اس کی مدد کے بغیر وہ اکیلا اتنا بڑا خزانہ ہضم نہیں کر سکے گا۔ اسے چینگو کی مدد لینی پڑے گی اور اس کے لیے چینگو کو آدھا حصہ دینا پڑے گا۔

"سارا دھن جاتا دیکھیو تو آدھا دیجیو بانٹ۔"

کیٹو ڈاکو نے اس مثال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ خچر پر سوار اسی سرحد کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُدھر دوپہر کے وقت جاکر کہیں ناگ نے خچر کا بندوبست کیا۔ وہ خچر کو لے کر واپس غار میں آیا تو اندر جاکر یہ دیکھ کر ان دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے کہ وہاں خزانے کا صندوق نہیں تھا۔ اولگا تو غش کھاتے کھاتے رہ گئی۔ اس کے خاندان کا قیمتی اور نادر خزانہ چوری ہو گیا تھا۔ ناگ سے کہنے لگی

"ضرور اسے کسی نے چرا لیا ہے۔ کوئی شخص ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں غار میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ ہماری باتیں بھی سنیں اور اب ہم سے پہلے خزانہ لے کر رفو چکر ہو گیا۔ ہائے میرے خدا! اب کیا کروں؟ اتنی دولت جو ہمارے خاندان کی امانت تھی ہاتھ سے نکل گئی۔"

ناگ کسی گہری سوچ میں تھا۔ وہ غور کر رہا تھا کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے جس نے خزانہ یہاں سے چوری کر لیا؟ غار سے باہر آکر اس نے زمین پر خچر کے پاؤں کے نشان دیکھے۔ اِن کے ساتھ ہی ایک آدمی کے پاؤں کے نشان بھی تھے۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ناگ نے اودلگا سے کہا۔

"اودلگا! کوئی شخص ہمارا خزانہ خچر پر لاد کر لے گیا ہے۔ یہ دیکھو ان دونوں کے پاؤں کے نشان! ہم دونوں کا تعاقب کریں گے۔"

اودلگا بولی۔

"ناگ بھیا! میں اس قابل نہیں ہوں کہ اب تمہارے ساتھ چل سکوں۔ مجھے تو تم یہاں ہی چھوڑ جاؤ تو اچھا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم نے تو یونہی حوصلہ ہار دیا ہے۔ اری پگلی۔ مصیبت کے وقت حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔ تم میرے ساتھ تو چلو ہم اپنے چور کو ضرور تلاش کریں گے۔"

اودلگا نے کہا۔

"آخر اس خشک زمین پر ہمیں کہاں تک پاؤں کے نشان ملیں گے؟ آگے جا کر دریا آتا ہے اس کے پاس ضرور یہ نشان غائب ہو جائے گا۔"

ناگ بولا۔

"تم چلو تو سہی اودلگا! میں تمہیں اکیلی کو یہاں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

بڑی مشکل سے ناگ نے اودلگا کو خچر پر بٹھایا۔ خود اس کی مہار تھامی اور زمین پر نظر آنے والے پاؤں کے نشانوں کے پیچھے پیچھے آگے بڑھا۔ یہ نشان آگے سرحد کی طرف جا رہے تھے۔ اس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکو خزانہ لے کر سرحد پار کر لے گا اور صوبہ سنکیانگ میں ہی ہو گا۔ دوپہر کے بعد بیچ بیچ ایک دریا آ گیا جس کے کنارے پہنچ کر پاؤں کے نشان غائب ہو گئے۔ اودلگا نے بے دلی سے کہا۔

"میں نہ کہتی تھی آگے دریا آئے گا۔ اور پھر ہمیں پاؤں کے نشان نظر نہیں آئیں گے۔ اب ہم کیا کریں گے؟"

"کیا کرنا ہے اودلگا! دریا پار کریں گے۔"

ناگ نے خچر کو دریا میں ڈال دیا اور خود سانپ بن کر دریا کی سطح پر تیرنے لگا۔ دریا پار کر لیا گیا۔ دوسری طرف کنارے پہنچے تو ڈاکو کے پاؤں اور خچر کے کھروں کے نشان پھر سے شروع ہو گئے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو آگے آگے جا رہا ہے اور خزانہ اسی کے پاس ہے۔

اودلگا نے کہا۔

"ناگ بھائی! تم آگے اڑ کر کیوں نہیں جاتے؟

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جا کر معلوم کرو کہ ڈاکو خزانہ لے کر جا بھی رہا ہے کہ نہیں" ناگ نے کہا۔

"ارے ہاں! یاد آیا۔ میں تو اُڑ کر بھی اسے دیکھ سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں۔ تم خچر پر اسی طرف آتی رہو۔ کسی دوسری طرف کو مت ہو جانا۔" "نہیں۔ فکر نہ کرو۔ میں اسی راستے پر آ رہی ہوں۔"

ناگ نے باز کا روپ بدلا اور اُڑان مار کر آسمان کی بلندیوں پر جا پہنچا اور وہاں سے سرحد کی جانب پرواز شروع کر دی۔ نیچے میدان بالکل خالی تھا۔ سرحد وہاں سے دُور نہیں تھی۔ کہیں کہیں کھیت آ گئے۔ ان کھیتوں میں چند ایک کچے مکان تھے۔ ایک جگہ ایک کسان اونٹ آگے جوتے ہل چلا رہا تھا۔ یہ منگولیا کا اونٹ تھا۔ جس کی گردن پر گھنے بادامی رنگ کے بال تھے۔

سامنے سنکیانگ کی سرحدی چوکی آ گئی۔

ڈاکو اور خزانے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ باز نے نیچے آ کر اُڑنا شروع کر دیا۔ وہ سرحد کی لکیر کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب پرواز کر رہا تھا، یہ دیکھنے کے لیے کہ ڈاکو نے کہاں سے سرحد پار کی ہو گی۔ آخر ایک جگہ اس نے دیکھا کہ خچر کے پاؤں کے نشان سرحد

کے اندر جا رہے تھے۔ باز نیچے آ گیا۔ خچر کے کھُروں کے ساتھ ساتھ ڈاکو کے پاؤں کے نشان بھی تھے۔ گویا ڈاکو نے اس جگہ سے سرحد پار کی تھی۔ باز نے اوپر اُٹھ کر سرحد کی دوسری جانب جا کر دیکھا۔ صوبے سنکیانگ کے سرحدی شہر کی آبادی شروع ہو گئی تھی۔ یہاں سے اس طرح ڈاکو کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ ناگ نے واپسی کا فیصلہ کیا اور اونگا کے پاس آ کر زمین پر اُتر آیا۔ اُترتے ہی وہ دوبارا انسان کی شکل میں آ گیا اور اونگا سے کہنے لگا۔

"اونگا! ڈاکو ہمارے خزانے سمیت سرحد عبور کر کے سنکیانگ کے سرحدی شہر میں داخل ہو گیا ہے۔"

اونگا نے گہرا سانس بھرا۔

"تو پھر اب اُسے ہم کیسے اور کہاں تلاش کریں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"جس طرح تلاش کیا جانا چاہیے، ہم اسی طرح انہیں تلاش کریں گے۔ تم گھبراؤ نہیں اونگا! تمہارا خزانہ ضرور مل جائے گا۔ اگر وہ سات سمندروں کے نیچے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھی ہُوا تو مَیں اسے وہاں سے نکال کر تمہارے حوالے کر دُوں گا۔"

ناگ نے اورنگا کے خچر کی لگام تھامی اور سرحد کی طرف روانہ ہوگیا۔ سرحد زیادہ دُور نہیں تھی۔ پھر بھی خچر ہولے ہولے چل رہا تھا اور انہیں سرحد عبور کرتے کرتے رات ہوگئی۔ جس وقت وہ چینی صوبہ سنکیانگ کے سرحدی شہر میں داخل ہوئے تو رات پڑ چکی تھی۔ یہ ایک مختصر سا شہر تھا جس میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک منزلہ نکونی چھتوں والے مکان تھے جن کے اندر تیل کے چراغ روشن تھے۔

"سب سے پہلے ہمیں سرائے تلاش کر کے شب بسری کا انتظام کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔"

ناگ نے پوچھتے پوچھتے ایک سرائے کو تلاش کر ہی لیا۔ اور سرائے کے مالک سے رات بسر کرنے کی درخواست کی۔ سرائے والے نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے جیب سے کچھ روپے نکال کر سرائے کے مالک کے حوالے کر دیئے اور کہا۔

"ہم تمہارے دوست ہیں اور سیر کرنے تمہارے شہر میں آئے ہیں۔"

روپے کی تھیلی پکڑ کر سرائے کے مالک کی باچھیں کھل گئیں۔ جھک کر بولا۔

"مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ناگ نے کہا۔

"فی الحال تو یہی خدمت کیجئے کہ ہمیں رات بسر کرنے کے لیے ایک کمرہ دے دیں۔ پھر صبح آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"جو حکم جناب۔"

سرائے کے مالک نے سرائے کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت کمرہ انہیں دے دیا۔ اندر انگیٹھی میں آگ روشن کروا دی اور گرم گرم بکرے کا شوربہ اور چاول بھی بھجوا دیئے۔ ناگ نے ہنس کر کہا۔

"دیکھا اورنگا! پیسے نے کس قدر کام کیا ہے۔"

اورنگا بولی۔

"کاش! اب جس کام کے لیے یہاں ٹھہرے ہیں وہ بھی پورا ہو جائے۔"

"ہو جائے گا پورا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ ظاہر ہے جو

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

شخص یہاں ہمارا خزانہ چُرا کر لایا ہے وہ ڈاکو اور سمگ
ہوگا۔ یہ ایک سرحدی شہر ہے اور ایسے شہروں میں
سمگلنگ عام ہوتی ہے۔ سمگروں سے اس سرائے کا مالک
ضرور واقف ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ یہاں کے
بڑے بڑے بدنام سمگروں کے نام بتائے اور اُن کے ٹھ
بھی بتائے۔"

اولنگا نے کہا۔

"کاش! اِس شخص کو معلوم ہو کہ ہمارا خزانہ کس کے
پاس ہے۔"

ناگ ہنسا۔

"گھبراتی کیوں ہو اولنگا۔ اگر اس سرائے کے مالک کو
نہ بھی خبر ہوئی جب بھی میں تمہارا خزانہ تلاش کر کے
ضرور اسے تمہارے حوالے کردوں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

رات کا کھانا کھا کر دونوں اپنے اپنے بستروں پر
کمبل لحاف اوڑھ کر سو گئے۔

ادھر ڈاکو کیٹو خزانے کا صندوق لے کر سیدھا اپنے
دوست سمگر چینگو کے ڈیرے پر پہنچا۔ خچر صندوق سمیت
ڈیوڑھی میں ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کی اور خود
چینگو کو جا کر بُلا لایا۔

"اس صندوق کو کھولو۔"

چینگو نے ہونٹوں کو آستین سے صاف کرتے ہوئے
کیٹو کو دیکھا اور غرّا کر کہا۔

"حرامزادے! اپنے باپ سے مذاق کر رہے ہو
کیا؟"

کیٹو نے کہا۔

"دوست ذرا صندوق کو کھولو تو سہی۔"

چینگو نے کہا۔

"اس میں ضرور چرس ہوگی۔"

کیٹو نے آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکن کھول دیا۔

"چرس تو گھٹیا لوگ پیا کرتے ہیں۔ ذرا دیکھو یہ اس
میں کیا ہے؟"

صندوق میں ہیرے جواہرات اندھیرے میں بھی
ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ چینگو تو بس وہیں
بیٹھ گیا اور صندوق کے جواہرات کو تکتا ہی رہ گیا۔
ایک ایک ہار کو اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتا۔ اُن کے موتیوں
اور زمرّدوں کو چومتا۔ پھر کیٹو کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ... یہ اتنا بڑا خزانہ تمہارے پاس کہاں سے
آگیا؟ کیا کسی بادشاہ کو ہلاک کیا ہے؟ کسی بادشاہی پیس

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ڈاکہ ڈالا ہے؟ مگر بادشاہ تو آج کل کوئی بھی نہیں ہے پھر۔۔۔ پھر اتنی دولت تمہیں کہاں سے ہاتھ لگ گئی"

کیٹو ہنسا۔

"بس ایک جگہ سے ہاتھ لگ گئی۔ تم کو اتنا تم گ کہتا ہوں کہ اس کے لیے مجھے کسی کا خون نہیں کرنا پڑا۔ کم بخت دس دس روپے کے لیے بھی میں نے لوگوں کو ہلاک کیا ہے مگر اتنی دولت بڑے آرام سے مل جائے گی یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

چینگو نے ایک ہار اپنے گلے میں ڈال لیا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو میرے دوست کیٹو؟"

کیٹو نے کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ اس دولت کا فائدہ اٹھایا جائے اسے بڑے آرام سے کھایا جائے۔ اور ہم دونوں میں سے کوئی بھی اکیلا رہ کر اس کو نہیں کھا سکتا۔ اس لیے میں خود یہ دولت سے بھرا ہوا صندوق لے کر تمہارے پاس آگیا ہوں تاکہ ہم اسے آدھوں آدھ کریں اور پھر بڑے آرام سے کسی جگہ چھپا کر اسے استعمال کریں۔ خواہ چین کے اندر شہر پیکن میں جا کر اسے فروخت کرکے اس کے عوض بہت بڑا محل خریدیں اور تجارت کریں اور یا اسے کسی

بینک میں جمع کروا کر باقی ساری زندگی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر گزار دیں۔"

اتنی شاندار زندگی کا سن کر چینگو کی تو آنکھیں کھل گئی تھیں۔ سر کو خوشی سے بار بار ہلا رہا تھا اور زبان ہونٹوں پر پھیر رہا تھا۔ اور گلے میں پڑے ہوئے ہار کو جھک کر دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔ کیٹو کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی ہوگا۔ چلو اب اس صندوق کو اندر چل کر کسی جگہ چھپا دیں۔"

دونوں نے بڑی مشکل سے صندوق اٹھایا اور اسے مکان کے پچھلے کمرے میں لے جا کر کونے میں رکھ دیا۔ چینگو نے کہا۔

"چلو چل کر پہلے کھانا کھا لیں۔ اس کے بعد اس خزانے کو آدھا آدھا کریں گے۔"

چینگو نے بکرے کو ذبح کرکے اسے بھونا۔ آج وہ بڑا خوش تھا۔ اس لیے نہیں کہ اسے آدھا خزانہ مل گیا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ دوسرے خزانے پر قبضہ کرنے والا تھا اور اس نے کیٹو کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ کیٹو ۔۔۔ اس کا دوست بھوکا نہ مرے۔ پیٹ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

بھرا ہُوا ہو تو وہ اسے مار سے۔

دونوں دوست — دونوں دشمن کمرے میں لکڑی کی میز کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ چھنگو نے کہا۔

" خوب پیٹ بھر کر کھاؤ دوست ! آج ہم بہت خوش ہیں۔ ہماری بہترین اور شاندار زندگی شروع ہونے والی ہے۔ ہم اپنی اس زندگی کی ابتداء کا جشن منا رہے ہیں۔ ہا ہا ہا۔ خوب کھاؤ۔ پیٹ بھر کر کھاؤ۔"

ڈاکو کیٹو بڑا خوش تھا۔ اس لیے کہ واقعی اسے بہت بڑی دولت ہاتھ لگی تھی۔ اس کی بادشاہوں ایسی زندگی شروع ہونے والی تھی۔ اُس نے بُھنا ہُوا بکرے کا گوشت خوب مزے لے لے کر کھایا۔ آخر جب وہ سیر ہو گیا تو اس نے کوٹ سے ہاتھ پونچھ لیے۔ چھنگو نے کہا۔

"یار اور کھاؤ نا۔ ابھی تو سارا گوشت ویسے ہی پڑا ہے۔"

" نہیں یار اب نہیں۔ بھوک نہیں رہی۔ بہت کھا لیا میں نے تو ساری زندگی اتنا کبھی نہیں کھایا۔"

چھنگو نے دل میں کہا۔

" بدنصیب کھا لو۔ اور کھا لو۔ یہ تو تمہاری زندگی کا آخری کھانا ہے۔"

چھنگو نے کھانے میں چپکے سے بے ہوش کرنے

والی دوائی ملا دی تھی۔ جس کی وجہ سے کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر بعد ہی کیٹو نے کہا۔

"یار میرا سر چکرانے لگا ہے۔"

چھنگو ہنسا۔

" بیٹے ! ابھی تو سر چکرا رہا ہے۔ آگے آگے دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

کیٹو ایکدم سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

" تو کیا — تو نے مجھے زہر دے دیا ہے ؟"

چھنگو زور سے ہنسا۔ کیٹو ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ہی تھا کہ وہ لڑکھڑا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چھنگو نے پستول کی گولیاں اس کی کھوپڑی پر ماریں اور وہ اگلے جہان کو سدھار گیا۔ کیٹو نے کتنے ہی انسانوں کو بے گناہ مار ڈالا تھا۔ آخر وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مہمان کے روپ میں

چنگو نے کیتو ڈاکو کی لاش اپنے مکان میں دبا دی۔ پھر وہ چراغ جلا کر اپنی پچھلی کوٹھڑی میں گیا اور جا کر خزانے کو ایک بار پھر دیکھا۔ یہ تو کسی شاہی خاندان کا خزانہ معلوم ہوتا تھا۔ چنگو بے حد خوش تھا۔ اس نے صندوق بند کر کے کوٹھڑی کے باہر تالا لگایا۔ اس کی چابی جیب میں رکھی اور وہیں دروازے پر لیٹ کر سو گیا۔

اُدھر صبح ہوئی تو ناگ نے اولگا کو اُٹھایا۔ دونوں نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا۔ ناگ نے کہا۔

"میں سرائے کے مالک کے پاس جا کر خزانے کی ٹوہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو۔"

ناگ نے سرائے کے مالک سے اِدھر اُدھر کی

باتیں شروع کر دیں۔ آخر میں اُس سے پوچھا کہ اس علاقے میں کون کون سے سمگلر ہیں؟ سرائے کا مالک ایکدم چوکنا ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ حکومت کے جاسوس سمگلروں کا پتہ لگانے کے لیے سرحدی شہروں کا دورہ کیا کرتے ہیں اور بھیس بدل کر ان کے ٹھکانوں کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک بار ایک آدمی نے کسی سمگلر کا پتہ بتا دیا تھا۔ وہ سمگلر تو پکڑا گیا مگر اس سمگلر کے ساتھی نے اُس آدمی کے سارے خاندان کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔

اس وجہ سے سرحدی شہروں کے لوگ خوف زدہ ہو گئے تھے اور اب وہ کبھی کسی کے آگے سمگلروں کا نام نہیں لیتے تھے۔ سرائے کے مالک نے بھی کہا۔

"سمگلر تو یہاں کوئی نہیں ہے جناب!"

ناگ نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرحدی شہر ہو اور یہاں کوئی سمگلر نہ ہو۔"

سرائے کا مالک بولا۔

"اگر کوئی ہو گا جناب تو مجھے اس کا علم نہیں۔"

ناگ نے سرائے کے مالک کو روپے پیسے کا بھی

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لالچ دیا۔ مگر اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ ناگ نا امید ہو کر اٹھا اور شہر میں گھومنے پھرنے نکل آیا۔ یہ معمولی سا شہر تھا۔ بلکہ گاؤں تھا۔ صرف ایک بازار تھا جہاں سمور کی کھالیں، نقلی پتھر اور گرم مسالے بک رہے تھے۔ ایک طرف پھل والے بیٹھے تھے۔ اتنے میں یہاں کے بڑے پجاری کی سواری آئی۔ پجاری کرسی پر بیٹھا تھا۔ کرسی ایک تخت پر رکھی تھی۔ تخت غلاموں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

پجاری کا سر منڈا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ سر کے اوپر چھتری تنی ہوئی تھی جس پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ پجاری نے ناگ کے قریب سے گزرتے ہوئے گھور کر ناگ کو دیکھا۔ ناگ نے بھی بڑے غور سے پجاری کو دیکھا۔ پجاری کی سواری آگے نکل گئی۔ ایک شخص سے پوچھنے پر اس نے ناگ کو بتایا کہ یہ بڑے مندر کا پجاری ہے۔

ناگ واپس اپنے مکان میں آگیا۔ اولگا نے پوچھا۔

”کچھ پتہ چلا؟“

ناگ نے سر ہلا دیا۔ ”کچھ پتہ نہیں چلا۔“

”اب کیا ہوگا؟“

ناگ نے کہا۔

”فکر نہ کرو۔ میں اپنے جادو کے زور سے خزانے کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔“

ناگ نے منتر پڑھ کر سانپ کو بلایا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سانپ کی مدد سے خزانے کے ٹھکانے کا پتہ چلائے گا۔ اس نے کئی بار منتر پڑھ کر پھونک ماری کوئی سانپ نہ آیا۔ آخر اسے سانپ کی آواز آئی۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ آواز بڑی دور سے آ رہی ہے۔ جیسے سانپ کسی دور دراز جگہ پر بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔

وہ کہہ رہا تھا۔

”اے عظیم دیوتا! اس شہر میں داخل ہونے کی ہمیں اجازت نہیں۔ اس مندر کے بڑے پجاری نے ہم کو اِدھر آنے سے منع کر رکھا ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ ایک بار ایک سانپ اِدھر آیا تھا تو پجاری کے جادو سے وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

”اگر تم ادھر نہیں آ سکتے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہمارا خزانہ اس وقت کہاں ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ خزانہ اسی سرحدی شہر میں کسی جگہ پر ہے۔“

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر دُور سے سانپ کی آواز آئی۔

"عظیم دیوتا! میں اس وقت صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ آپ کا قیمتی خزانہ اسی شہر میں ہے۔"

"کس مقام پر ہے؟ کیا تم یہ بتا سکتے ہو؟"

سانپ نے دُور سے آواز دے کر کہا۔

"عظیم دیوتا! میں صرف اندازے سے اتنا بتا سکتا ہوں کہ خزانہ شہر کے شمال مغرب میں کسی مکان کے اندر اس وقت موجود ہے اور یہ جگہ آپ سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں پتہ کر لوں گا۔"

ناگ کو اب خیال آیا کہ بڑے مندر کے پجاری نے اُس کی طرف گھور کر کیوں دیکھا تھا۔ اس شہر میں سانپوں کا داخلہ ممنوع ہے اور شاید پجاری اپنے جادو کے زور سے سمجھ گیا تھا کہ یہ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے بلکہ سانپوں کا دیوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ اُسے صرف اتنا ہی شک پڑا ہو کہ ناگ آنکھیں کیوں نہیں جھپک رہا کہیں یہ سانپ تو نہیں ہے!۔

ادلگا نے بے تابی سے پوچھا۔

"کچھ پتہ چلا؟ سانپوں نے کچھ بتایا؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک عجیب بات ہوئی ہے ادلگا۔ اس شہر میں ایک بڑا مندر ہے۔ اس مندر کا پجاری بھی جادوگری جانتا ہے۔ اس کو شاید سانپوں سے نفرت ہے۔ چنانچہ اس نے جادو کی مدد سے اس شہر کے اردگرد ایک ایسا خط کھینچ رکھا ہے کہ جس کے اندر سانپ داخل نہیں ہو سکتا۔ سانپ اندر داخل ہوتے ہی مر جاتا ہے۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ابھی ابھی ایک سانپ اس شہر سے باہر کھڑا ہو کر مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ خزانہ اسی شہر میں ہے۔"

ادلگا نے خوش ہو کر پوچھا۔

"کہاں ہے؟"

ناگ بولا۔

"ذرا صبر کرو۔ ابھی بتاتا ہوں۔ سانپ نے مجھے بتایا ہے کہ خزانہ اسی شہر میں ہے اور شہر کے شمال مغرب میں کسی مکان میں موجود ہے اور وہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مکان یہاں سے قریب ہی سہے۔"

اودلگا نے سر جھکا لیا۔

"یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ وہ مکان کہاں ہے۔ اب ہم ایک ایک مکان کی تلاشی تو نہیں سکیں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں ایک ایک مکان کی تلاشی بھی سکتا ہوں۔"

اور اسی وقت ناگ نے ایک چڑیا کی شکل بدلی شہر کے مکانوں کے چکر لگانے شروع کر دیا۔ اک ایک ایک مکان کے آنگن میں جا کر غور سے اندر باہ وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ شاید ان کے ہاں خزا کا سراغ لگ سکے۔ مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ خود سانپ بنتے ہوئے اس لیے گھبرا رہا تھا کہ کہی پجاری کا جادو اُسے جلا کر بھسم نہ کر دے۔ خدا جا پجاری کے جادو میں اتنی طاقت تھی بھی کہ نہیں مگر ناگ یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ایک بار وہ سانپ بن گیا اور پجاری کا جادو طاقت ور نک تو وہ اسی وقت جل جائے گا۔

ناگ نے دوسرے سارے طریقے آزما لیے مگر خزانے کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ تنگ آ کر وہ واپس اودلگا کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔

"اب تو مجھے اس شہر کے سمگلروں کو تلاش کر کے ان سے دوستی کرنی پڑے گی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

اودلگا بولی!

"دوستی تم سے کون کرے گا بھائی! تم اس شہر میں اجنبی ہو اور سمگلر کبھی کسی اجنبی کے ساتھ اتنی جلدی دوستی نہیں کیا کرتے۔"

"پھر میرا خیال ہے میں بھکاری بن کر اس شہر کے ایک ایک مکان پر جا کر دستک دوں گا۔ آخر کچھ نہ کچھ تو سراغ مل ہی جائے گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی! ویسے مجھے تو ایسے لگ رہا ہے کہ خزانہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔"

"ایسا نہیں ہو گا اودلگا"

شام کو ناگ نے ایک فقیر کا بھیس بدلا اور شہر کے گلی کوچوں میں چل پھر کر بھیک مانگنے لگا۔ وہ ہر گھر کے دروازے پر جا کر اندر جھانکتا اور پھر آواز

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

لگاتا۔ کہیں سے خیرات ملتی۔ کہیں سے کوئی خیرات
دیتا۔ آخر صدا لگاتے لگاتے ناگ ایک ایسے مکان
کے دروازے پر آیا۔ جہاں ایک عورت رو رہی
ناگ نے آواز لگائی۔

"خدا کے نام پہ کچھ خیرات مل جائے۔"

عورت نے روتے روتے آنکھیں اُٹھا کر ناگ
دیکھا اور کہا۔

"میں خدا کو نہیں مانتی۔"

ناگ نے کہا۔

"ایسی بات نہ کرو بہن! خدا تو ہر جگہ موجود ہے
ہاں تمہاری آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ اچھا یہ
بتاؤ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تم پر کونسی مصیبت
آن پڑی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے جب
کبھی کسی انسان پر مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ خدا
کے خلاف ہو جاتا ہے اور جب خدا اس کی مصیبت
دُور کر دیتا ہے تو وہ معافی مانگتا ہے اور خدا کے
آگے جُھک جاتا ہے۔"

عورت نے کہا۔

"تم تو خود فقیر ہو۔ بھکاری ہو۔ لوگوں کے مکانوں
جا کر بھیک مانگتے ہو۔ تم میری کیا مدد کرو گے؟"

نے کہا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ مگر پھر بھی اپنی مصیبت بیان
کرو۔ شاید میں تمہیں کوئی مشورہ ہی دے سکوں۔
سے تمہاری مصیبت دُور ہو جائے۔"

عورت بولی۔

میرا خاوند مر گیا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا
جو دوسرے ملک گیا ہُوا ہے۔ میرے پاس تھوڑی سی
ن تھی جس پر گزارہ کر رہی تھی۔ اُس پر بھی ساہوکار
قبضہ کر لیا ہے۔ اِس لیے کہ میں نے قرض لے رکھا
۔ اب میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"تمہاری زمین کتنی رقم میں رہن ہے؟"

عورت نے کہا۔

"رہن کہاں ہے بیٹا! ساہوکار نے اس پر قبضہ کر لیا
۔ وہ کہتا ہے کہ میں اسے چھ لاکھ روپے لا کر دوں تو
زمین واپس کرے گا۔ ایک لاکھ قرض تھا جس پر
لاکھ ساہوکار نے سود ڈال دیا ہے۔ میرے پاس
انے کو کچھ نہیں۔ میں چھ لاکھ روپے کہاں سے لاؤں گی"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو اس کے جی میں جانے کیا آئی کہ مکان سے باہر نکل اور ایک طرف چل پڑا۔ شہر سردی میں خاموش تھا سو رہا تھا۔ گلیاں اور بازار سنسان تھے۔

اس نے ایک آواز سنی جیسے کوئی زمین میں پھاوڑا چلا رہا ہو۔ وہ اس آواز کی طرف لپکا۔ یہ آواز اسے ایک گلی میں لے آئی۔ آواز ایک مکان کے اندر سے آ رہی تھی۔ ناگ نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سنا۔ اندر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی زمین کھود رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آواز آنی بند ہو گئی۔ پھر جیسے کوئی دروازے کی طرف چلا آ رہا تھا۔ قدموں کی آواز کے ساتھ ہی ناگ پرے ہٹ کر چھپ گیا۔ دروازہ کھلا اور چنگو ڈاکو نے باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر اس نے دروازے کو باہر سے تالا لگایا اور ایک طرف چلا گیا۔ ناگ نے سوچا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ زمین کسی خزانے کو دبانے کے لیے تو نہیں کھودی جا رہی تھی؟ ناگ نے سانپ کا روپ دھارا اور نالی کے راستے سے مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ مکان میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ ایک دیا طاق میں جل رہا تھا۔ ناگ نے دائیں بائیں گھوم کر دیکھا۔ سوائے ایک چارپائی اور چند ایک پرانے برتنوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اسے ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آیا۔ یہ ایک کوٹھڑی تھی۔ ناگ اس کے اندر بھی گیا۔ اندر ایک چراغ روشن تھا۔ زمین ہموار تھی۔ کسی جگہ سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ جگہ کھودی گئی ہے اور اس کے اندر خزانہ دفن کیا گیا ہے۔

ناگ باہر آ رہا تھا کہ مکان کا دروازہ کھلا اور چنگو اندر آیا۔ ناگ چپکے سے بائیں طرف نالی میں سے گزر کر باہر نکل گیا۔ ناگ کو اس آدمی پر شک سا پڑ گیا تھا۔ اگر اس شخص کے پاس خزانہ نہیں ہے تو کم از کم اسے ضرور معلوم ہے کہ خزانہ کس کے پاس ہے اور کس جگہ ہے۔ ناگ نے سوچا کہ اس شخص سے مل کر دوستی کرنی چاہیئے اور خزانے کا سراغ لگانا چاہیئے۔ ناگ دوسرے دن چنگو کے مکان پر آیا اور دستک دی۔ چنگو نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "میں اس شہر میں مسافر ہوں۔ میرے پاس سونے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کا سنا کہ آپ بڑے اچھے آدمی ہیں سو آپ کے پاس چلا آیا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چنگو نے غصے میں کہا۔

"شہر میں سرائے نہیں ہے کیا جو میرے پاس آگئے
ہو چلو۔ بھاگو یہاں سے۔"

ناگ نے کہا۔

"جناب! میں ایک کھاتے پیتے گھرانے کا
نوجوان ہوں۔ کبھی سرائے میں نہیں رہا
میں آپ کی نذر ایک ہیرا پیش کرتا ہوں"

اور ناگ نے جیب سے ایک قیمتی ہیرا نکال کر چنگو
کو پیش کیا۔ چنگو نے ہیرے کی چمک دمک دیکھی تو
دنگ رہ گیا۔ پھر ناگ کو دیکھا۔ ناگ اچھے قیمتی لباس
میں تھا۔ سمجھ گیا کہ کوئی امیر خاندان کا چشم و چراغ
ہے اس کو گھر میں مہمان رکھ لینا چاہیئے۔

"مگر تم نے یہ ہیرا کہاں سے حاصل کیا دوست؟"

"حاصل کیا؟" ناگ نے کہا۔ "بھائی! یہ میں نے
زادِ راہ کے لیے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ یہ میں آپ
کی نذر کر رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے آپ کی دوستی پر
بھروسہ ہے۔"

چنگو نے سوچا کہ اس نوجوان کے پاس اس قسم

ا اور میرے بھی ہوں گے۔ اس لیے اسے ضرور
مان رکھ لینا چاہیئے۔ بس چنگو لالچ میں آگیا۔ اس

نے کہا۔

"اچھی بات ہے تم میرے ہاں ٹھہر سکتے" ہوں۔
ہیں صرف آدھی رات کو میرے ہاں آنے کی اجازت
ہوگی۔ اس سے پہلے تم شہر میں گھومتے پھرتے رہو گے
کیونکہ آدھی رات تک میرے گھر والے میرے پاس
ہوتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ اپنے دوسرے
گھر چلے جاتے ہیں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

"مجھے منظور ہے۔"

چنگو چاہتا تھا کہ یہ مہمان نوجوان کم سے کم اس گھر
میں رہے تاکہ اُس کو خزانے کے بارے میں ذرا سا بھی
شک نہ پڑ سکے۔ ادھر ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا
کہ اسے اس شخص کے گھر میں آنے کی اجازت تو
لی۔ اب وہ کم از کم اپنے شک کو تو دُور کر سکتا تھا
ناگ نے واپس گھر جا کر اولگا کو ساری بات بتائی۔ اولگا
ہنسی۔

"یہ تو تم کھسیانی بلّی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہو۔
ناگ بھائی! ان باتوں سے اب کچھ نہیں ہوگا۔ ویسے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر تم وقت ضائع کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ مجھے آگے جانے کی اجازت دو اور تم واپس روس جاکر اپنے دوست کی تلاش شروع کردو۔"

ناگ ہنسا۔

"کوئی بات نہیں اولگا بہن! ایک وقت آئے گا کہ تم ہی کہو گی ناگ بھائی! تم ٹھیک کہتے تھے۔ اور یہ وقت بہت جلد آئے گا۔ بس مجھے صرف چار روز کی اور مہلت دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے بھلا کب اعتراض ہے۔ تم دس روز چاہو تو میں یہاں ٹھہرنے کو تیار ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یہ کہو کہ دیکھو اولگا نے مجھے کوشش نہیں کرنے دی —"

ناگ دوسرے روز شام کے وقت گھر سے نکلا اور شہر میں گھومتا پھرتا رہا۔ آدھی رات کے بعد چنگو ڈاکو کے گھر گیا۔ وہ ناگ کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ نے اسے پھر کچھ روپے دیئے۔ چنگو نے اسے کھانا اور پھل کھانے کو دیا۔ ناگ نے کہا۔

"پھل کھاؤں گا بھائی! کھانا تو میں کھا چکا ہوں۔"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد ناگ سوگیا۔ اصل میں وہ سویا ہوا نہیں تھا بلکہ جھوٹ موٹ پڑا تھا اور اگ رہا تھا۔ وہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص آدھی ت کے بعد کوئی حرکت تو نہیں کر رہا؟ ناگ انتظار رتے کرتے سونے ہی لگا تھا کہ اس نے دیکھا کہ چنگو بتر سے اُٹھ کر اندر والی کوٹھڑی میں گیا ہے۔ ناگ بھی ٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے ٹھک ٹھک کی آوازیں آنے لگیں۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ سانپ کی شکل میں اندر چلا جائے۔ پھر خیال آیا کہ کوٹھڑی چھوٹی سی ہے اور چراغ بھی روشن ہے سانپ اسے نظر آجائے گا اور وہاں سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی وہ غور ہی کر رہا تھا کہ چنگو ڈاکو باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جواہراتی ہار تھا جس کے ہیرے اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے۔

راکٹ میں

ناگ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔

اس نے یوں آنکھیں بند کرلیں جیسے سو رہا ہو۔ جھنگو ڈاکو نے ناگ کی چارپائی کے قریب آکرا جھک کر دیکھا۔ یہ تسلی کرنے کے لیے کہ کیا وہ سو رہا ہے؟ ناگ نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کر دی تھوڑی دیر تک جھنگو ڈاکو جواہرات کے ہار کو بڑ سے دیکھتا اور چومتا رہا۔ پھر اندر کوٹھڑی میں گیا اسے کسی جگہ چھپا کر واپس آگیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ وہ جاگ رہا تھا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا جس کی وجہ سے ناگ کو مہلت نہ مل سکی کہ وہ اندر جاسک اتنے میں دن چڑھ آیا۔ ناگ یونہی انگڑائی لے کر اُٹھا۔

"بھائی! آج تو بڑی گہری نیند آئی۔"

جھنگو ڈاکو ہنسا۔

"اچھا! میں بھی خوب سویا۔"

ایک طرح سے ڈاکو کو تسلی ہوگئی کہ اس شخص نے رات کچھ بھی نہیں دیکھا۔ جھنگو ڈاکو کی عادت ہوگئی تھی کہ وہ ہر رات اُٹھ کر جواہرات کے ہار کو دیکھتا اور چومتا تھا۔ وہ دولت کا بڑا لالچی ہوگیا تھا۔

ناگ کو اب یقین ہوگیا تھا کہ خزانہ اسی شخص کے پاس ہے۔ اب اُس سے یہ خزانہ نکلوانا تھا۔ اس نے خزانے کو کسی جگہ دفن کر رکھا تھا۔ ناگ سانپ بن کر خود معلوم نہیں کرسکتا تھا۔ اتنا تو اسے معلوم ہوگیا تھا کہ اس پر بڑے پجاری کا جادو کام نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ رات کو سانپ بن کر بھی زندہ رہا تھا۔ اب ایک ہی طریقہ تھا کہ کسی سازش کے ذریعے اس ڈاکو سے پتہ کیا جائے کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے؟ ناگ سوچتا رہا۔ آخر اُسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک رات آتے ہی جھنگو ڈاکو سے کہا۔

"بھائی! کل رات میں نہیں آسکوں گا۔ کیونکہ مجھے سرحد پر جاکر اپنے ایک دوست کا انتظار کرنا ہوگا۔"

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

جو روس سے آرہا ہے۔"

چُنگمو نے کہا۔

"بہت اچھا۔ میں کل رات دروازہ اندر سے بند کرکے سوؤں گا۔"

دوسری رات ناگ وہاں نہ آیا اور اپنے گھر پر ہی رہا لیکن جب آدھی رات ہوئی تو وہ چپکے سے گھر سے نکلا اور ڈاکو کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے اندھیرے میں گلی بازار سنسان تھے۔ ڈاکو کے گھر کے پاس جاکر ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور ایک سوراخ میں سے چُنگو ڈاکو کے گھر میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ڈاکو اپنے بستر پر سو رہا ہے۔

شاید ابھی آدھی رات نہیں گذری تھی۔ شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا جب وہ کوٹھڑی میں جاکر اپنی خفیہ دولت کو نکال کر پیار کرتا تھا۔ سانپ ایک کونے میں ٹک کر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکو نے بستر پر لیٹے لیٹے حرکت کی۔ سانپ ہوشیار ہو گیا۔ وہ بستر پر سے اٹھا اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ آج وہ اکیلا تھا۔ ناگ وہاں نہیں تھا۔ اس لیے وہ بے فکر ہو گیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی بھی

ضرورت نہ سمجھی۔ کوٹھڑی میں جاتے ہی چراغ روشن کردیا۔ کوٹھڑی چھوٹی تھی جس کی وجہ سے چراغ کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ سانپ کو بس صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں ڈاکو کی نظر اس پر نہ پڑ جائے کیونکہ اگر ڈاکو اس پر حملہ کردیتا تو پھر وہاں سے نکلنا بہت مشکل تھا۔ ناگ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اس کے باوجود سانپ کا اندر جاکر خفیہ خزانے کا راز معلوم کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ سانپ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کوٹھڑی کی چھت پر آگیا اور کونے میں تھوڑا اندھیرا تھا وہاں لگ کر چمٹ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ڈاکو نے فرش پر سے دری پرے ہٹائی۔ نیچے لکڑی کا ایک چوکھٹا لگا تھا۔ اسے بھی اٹھا دیا۔ نیچے وہی صندوق تھا جس کی ناگ اور اولگا کو ضرورت تھی۔ یعنی زار روس کے خزانے کا صندوق جسے اڑا لیا گیا تھا۔

سانپ کو تسلی ہوئی کہ خزانہ مل گیا۔ اب وہ اولگا کے سامنے بڑے فخر سے سر اونچا کر سکے گا۔ ڈاکو نے صندوق کا ڈھکن اٹھا کر اس میں سے جواہرات کا ایک جڑاؤ ہار نکالا۔ اسے گلے میں ڈالا۔ دوسرے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

ار کو اُٹھا کر غور سے دیکھا۔ اسے آنکھوں سے لگایا چُوما اور جھُومنے لگا۔

اس قسم کا دولت پرست لالچی اور حریص آدمی سانپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سانپ چھت کے کونے سے چمٹا یہ سارا منظر بڑے غور سے اور بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ جب حریص ڈاکو کا جی بھر گیا تو اس نے صندوق کا ڈھکنا بند کیا۔ اس کے اوپر لکڑی کا تختہ رکھا۔ پھر دری بچھائی اور کوٹھڑی سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ جانے کس طرح اس کی نظر چھت کے کونے میں لگے سانپ پر پڑ گئی۔ سانپ کو دیکھتے ہی اس نے چراغ زمین پر رکھا اور کونے میں سے بندوق اٹھا کر فائر کر دیا۔ گولی سانپ کے قریب ہی چھت پر لگی جس کی وجہ سے چھت ہل گئی اور اس کے ہلنے سے سانپ چھت سے نیچے گر پڑا۔ نیچے گرتے ہی وہ ڈاکو کی طرف لپکا مگر ڈاکو نے دوسرا فائر کر دیا۔ خدا کا شکر بجا لایا ناگ کہ گولی ایک بار پھر اسے نہ لگی۔ نشانہ چُوک گیا۔ سانپ نے اب کے اُسے نہ چھوڑا۔

سانپ نے ڈاکو کے پاؤں پر ڈس دیا۔ اس نے

ڈاکو کے جسم میں بس اِتنی ہی زہر داخل کی تھی کہ جس سے وہ بے ہوش ہو جائے اور مَرے نہ۔ ڈاکو کے جسم پر پہلے لرزہ طاری ہُوا۔ اس کے ہاتھ سے بندوق گر پڑی۔ اُس نے بھاگنا چاہا مگر اُس کے پاؤں سُن ہو کر من من کے ہو گئے۔ وہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہ ہل سکا اور فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے کوٹھڑی کو بند کر کے تالا لگایا اور وہاں سے نکل کر سیدھا اودنگا کے پاس پہنچا۔ اسے ساری کہانی سنائی اور کہا۔

„چلو اب یہاں سے نکل چلنا ہو گا۔"

ناگ اودنگا کو ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ سرائے کی ڈیوڑھی میں ایک گھوڑا بندھا ہُوا تھا۔ ناگ نے اُسے کھول کر ساتھ لے لیا۔ مکان سے دُور سڑک پر جا کر اُس نے اودنگا کو گھوڑے پر بٹھایا اور ڈاکو کے مکان پر آ گیا۔ اُس کے مکان کا دروازہ کھُلا تھا۔

„اس مکان کے اندر تمہارا خزانہ پڑا ہے آؤ میرے ساتھ۔"

اندر جا کر ناگ نے اودنگا کو صندوق دکھا دیا۔ اودنگا

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

صندوق دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی —— اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا جو خزانہ اس سے چھین لیا گیا تھا وہ دوبارہ اسے کیسے مل سکتا تھا؟ مگر ناگ نے ٹھیک کہا تھا۔ خزانہ اس کے سامنے زمین کے اندر پڑا تھا۔

"یقین نہیں آ رہا ناگ بھائی۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھ لو خزانہ تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اب اسے اٹھا کر گھوڑے پر رکھتے ہیں اور تم اپنی منزل کی طرف چلو اور میں واپس روس جا کر اپنے بھائی اور بہن ماریا کی تلاش شروع کرتا ہوں۔"

ناگ اور اولگا نے صندوق اٹھا کر گھوڑے پر لادا۔ ناگ نے کہا۔

"اور ہاں۔ اس میں سے ایک جڑاؤ ہار مجھے دے دو۔ میں نے ایک مصیبت زدہ بیوہ عورت کی مدد کرنی ہے۔"

"ناگ بھائی! تم سارا خزانہ لے کر رکھ سکتے ہو۔"

ناگ نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کوئی خزانہ چاہیے۔ صرف ایک جڑاؤ ہار لوں گا وہ بھی بیوہ ورت کی امداد کے لیے۔ اس سے میں نے وعدہ کیا تھا"

س نے کہا

اگ نے ہار لے کر جیب میں رکھا اور اولگا کو خزانے کے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے کہا۔

"اب تم اپنے سفر پر جا سکتی ہو۔"

اولگا نے کہا۔

"ناگ بھائی! چونگنگ اپنی پھوپھی کے گھر تک کا سفر دو دن ایک رات کا سفر ہے۔ میں اکیلی ہوں راستے میں اگر ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا تو پھر کیا ہوگا۔ میری تو مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔"

ناگ سوچنے لگا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں تو یہی چاہتی ہوں کہ تم چونگنگ تک میرے ساتھ چلو۔ میں تمہاری بڑی احسان مند ہوں گی۔"

ناگ نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے تم ٹھیک کہتی ہو۔ تمہارا اکیلے جانا مناسب نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ لیکن ایک منٹ کے لیے واپس اپنے مکان

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

پر چلو۔ میں یہ ہار اُس بیوہ عورت کو دے کر آتا ہوں۔"

ادلگا اپنے مکان کی طرف چل پڑی اور ناگ بیوہ عورت کے دروازے پر آگیا۔ اس نے دروازے کو دستک دی۔ اندر سے کچھ دیر بعد بیوہ عورت کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"وہی بھکاری جس نے تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

دروازہ ایکدم سے کھل گیا۔ بیوہ عورت سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ناگ کو اچھے کپڑوں میں دیکھا تو حیران سی ہو کر بولی۔

"کیا تم وہی فقیر ہو جو گلیوں میں بھیک مانگا کرتا تھا؟"

ناگ نے کہا۔

"ہاں! میں ہی وہ فقیر ہوں۔ مگر وہ ایک راز تھا۔ اُس راز پر سے میں پردہ نہیں ہٹا سکتا۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔"

"کیسی مدد؟" عورت نے پوچھا۔ "کیا تم مجھ سے اق کر رہے ہو؟"

"نہیں میری بہن! میں مذاق نہیں کر رہا۔"

اور پھر اُس نے جیب سے جڑاؤ ہار نکال ر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لو ہار۔ اِس کو بیچ کر تم اپنا قرض ادا کر کے زمین واپس لے سکتی ہو۔"

بیوہ عورت نے ہار دیکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ تم کہاں سے لائے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ چوری کا نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا ہار ہے اور س پر کسی کا حق نہیں ہے۔ تم اِسے بے فکر ہو کر روخت کر سکتی ہو۔ اچھا اب خدا حافظ!"

ناگ بیوہ عورت کو خوش خوش اور کچھ حیران بھی چھوڑ کر واپس ادلگا کے پاس آگیا۔ اب انہوں نے ایک دوسرے گھوڑے کا بندوبست کیا اور دونوں شہر میچونگ کی جانب روانہ ہو گئے۔

جتنی رات باقی رہ گئی تھی وہ انہوں نے سفر میں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گذار دی۔

ہمارا خیال ہے کہ اولگا اور ناگ کو اس جگہ چھوڑ کر اب ہم ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر سائبیریا کے شمال مغرب کی جانب ایک لیبارٹری اور راکٹ لانچر کے بیس کیمپ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اس کیمپ میں جا کر کسی طیارے کے ذریعے یہاں سے اُڑ جانا چاہتا تھا تاکہ جاپان کے سمندر میں جا کر ماریا کو تلاش کیا جائے۔ اس نے جاپانی سمندر میں ماریا کو جہاز پر دیکھا تھا۔

عنبر جس وقت راکٹ کیمپ میں پہنچا۔ صبح ہو چکی تھی یہ ایک پُر اسرار اور خفیہ کیمپ تھا جہاں حکومت چھپ کر تجربے کرتی تھی۔ عنبر کے بارے میں اس کیمپ کو اطلاع مل چکی تھی کہ اسے جہاں اور جس حالت میں بھی دیکھا جائے فوراً گرفتار کر لیا جائے اور چونکہ وہ کسی طاقت ور شئے سے بھی گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے بے ہوش کر کے گرفتار کیا جائے اور کیمپ کے تہہ خانے میں قید کر لیا جائے۔

عنبر اس حکم سے بے خبر تھا۔ وہ جس وقت کیمپ میں پہنچا تو اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ پہریداروں اور سپاہیوں

خاص احکام مل چکے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ مہربانی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ کمانڈر نے عنبر ے ہاتھ ملایا اور کہا۔

”ہیڈ کوارٹر نے ہمیں آپ کی خدمت کے لیے خاص طور پر مقرر کیا ہے۔“

عنبر پہلے تو حیران ہوا۔ سوچنے لگا کہ ان لوگوں نے کوئی جال تو نہیں پھیلا رکھا؟ پھر خیال آیا کہ بھلا ہیں جال پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو تو معلوم ہی ہے کہ عنبر کے پاس خفیہ طاقت ہے اور وہ ان کے قابو میں آ ہی نہیں سکتا۔

”شاید یہ لوگ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔“

عنبر دل ہی دل میں ہنس پڑا کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے میں نے یہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ میں تو کسی ہوائی جہاز کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ جونہی میری پسند کا ہوائی جہاز نظر آیا میں اس میں بیٹھ کر نو دو گیارہ ہو جاؤں گا۔

کمانڈر عنبر کو ایک طرف لے جا کر بولا۔

”ہیڈ کوارٹر نے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ آپ کو اپنا ایک خاص راکٹ دکھایا جائے۔ یہ راکٹ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

حکومت بڑے خفیہ طریقے سے تیار کر رہی ہے۔ کیا
آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں ضرور دیکھوں گا۔"

عنبر کے دل میں ایک پل کے لیے بھی خیال نہ آ
کہ یہ لوگ اسے راکٹ کے خاص مضبوط ترین لو
کے کمرے میں لے جا کر بے ہوش کرنا چاہتے ہیں
لیکن ان لوگوں کو بھی خبر نہ تھی کہ قسمت اُن کے سا
بھی کھیل رہی ہے۔ عنبر کمانڈر کے ساتھ چلا
کمانڈر اسے لے کر ایک راکٹ لانچر پیڈ پر آ گیا
یہاں ایک مصنوعی ستارہ کھڑا تھا جسے چاند پر اتارنے
کے لیے تیار رکھا گیا تھا۔ یہ ستارہ کچھ دنوں بعد
آسمان کی طرف پرواز کرنے والا تھا۔ کمانڈر نے یہ
سکیم تیار کی تھی کہ اس راکٹ کے اندرونی کمرے میں
لے جا کر گیس چھوڑ کر عنبر کو بے ہوش کر دیا جائے
گا۔

کمانڈر عنبر کو لے کر راکٹ کے اوپر رکھتے ہوئے
مصنوعی ستارے کے خاص کمرے میں آ گیا اور عنبر
سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں کمانڈر
پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عنبر کو اس بات کا احساس ہی نہ ہوا

ندر اسے سازش میں اُلجھا رہا ہے۔ اُس کے
وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔
کمانڈر نے موقع دیکھتے ہی دروازے سے باہر
چھلانگ لگا کر بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی کمرے
کا فولادی دروازہ یک لخت بند ہو گیا۔ یہ دروازہ
اس قدر مضبوط تھا کہ دو ہاتھی مل کر ہی اسے توڑ سکتے
تھے۔ پھر بھی عنبر کے پاس اتنی خفیہ طاقت تھی کہ
وہ اسے توڑ سکتا۔ مگر مصیبت یہ ہوئی کہ کمانڈر نے
باہر آتے ہی اشارہ کیا۔ نیچے سے ایک دوسرا بٹن
دبا دیا گیا۔ اس بٹن کے دبنے سے عنبر کے کمرے میں
گیس پھیل گئی۔ یہ گیس اس قدر طاقت ور تھی کہ ایک
ہی سانس نے عنبر کو بے ہوش کر دیا اور وہ گر پڑا۔

بدنصیبی یہ ہوئی کہ عنبر بے ہوش ہو کر سامنے ایک
مشین کے اوپر گر پڑا۔ اور اُس کے گرنے سے راکٹ
کے ایندھن میں آگ لگ گئی۔ کمانڈر سیڑھی سے اُتر کر
زمین پر آیا ہی تھا کہ ایکدم سے مصنوعی ستارے کا
راکٹ ایک بھیانک شور کے ساتھ آگ اُگلنے لگا۔
سارے کیمپ کے لوگ بھاگ کر اپنے کمروں سے
باہر نکل آئے۔ اُن کے سامنے مصنوعی ستارہ آہستہ

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

آہستہ لانچنگ پیڈ سے اوپر اُٹھ رہا سب لوگ بے بسی کے عالم میں اُسے دیکھ رہے تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ کمانڈر نے پیچھے سگنل دے دیا کہ غلطی سے راکٹ شوٹ ہو گیا ہیڈ کوارٹر والوں نے اُسی وقت ایک تیز رفتار جیٹ جہاز کو کیمپ کی طرف روانہ کر دیا۔ مگر جب یہ جہاز ہیڈ کوارٹر کے افسروں اور انجینئروں کو لے کر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ مصنوعی سیارہ دُور آسمان کی وسعتوں میں گُم ہو رہا تھا۔ وہ سر پیٹ کر رہ گئے۔

اسی وقت کمانڈر کو دس ہزار روپے جرمانے کی سزا سنادی گئی۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں اُن کا جہاز اغوا کیا گیا تھا۔ مصنوعی سیارہ یا راکٹ آسمان کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا۔ عنبر اندر گیس کے اثر کی وجہ سے بے ہوش پڑا تھا۔ کافی دیر بعد عنبر پر گیس کا اثر ختم ہُوا۔ اُسے ہوش آیا اُس نے آنکھیں کھول کر اپنے اِرد گرد دیکھا — چھوٹے سے گول کمرے کی ہر شے ویسی ہی پڑی تھی۔ مگر ایک بات دیکھ کر عنبر ذرا گھبرایا۔ راکٹ کی

ی مشینیں ہلکی ہلکی آواز کے ساتھ چل رہی تھیں اور ہوئے چھوٹے نقطے جگہ جگہ روشن ہو رہے تھے۔ کیا یہ ٹ چل چکا ہے اور آسمانوں میں اُڑ رہا ہے؟ عنبر نے ل میں سوچا پھر سر کو جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ مشینوں پرزوں کو غور سے تکنے لگا۔ اس کے اندر چھپا ہُوا عنبر بیدار ہو رہا تھا۔ اس نے جونہی گول شیشے میں سے ہر جھانکا اس کو چکر آ گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔

راکٹ خلا میں پرواز کر رہا تھا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

چاند سے بھی آگے

آسمان کا رنگ سیاہ تھا۔

ستارے سفید سورجوں کی طرح چمک رہے تھے۔ دُور زمین نظر آ رہی تھی۔ آدھی اور بالکل گول سنگترے کی طرح۔ عنبر کا راکٹ زمین سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ ان لوگوں نے اُسے کس مصیبت میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ نیچے والوں نے جان بُوجھ کر اُسے راکٹ میں بٹھا کر خلا میں چھوڑ دیا ہے۔ اب ایک مصیبت یہ ہوئی کہ خدا جانے کس وجہ سے وائرلیس سے زمین کے ساتھ راکٹ کا رابطہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ گول کمرے میں سناٹا تھا بس مشینوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کسی وقت کمپیوٹر کی آواز آتی اور پھر رک جاتی۔

ر کوئی احساس نہیں تھا کہ وقت کیا ہے۔ اس کی گھڑی رہ بجا رہی تھی۔ خدا جانے یہ رات کے گیارہ تھے یا دن گیارہ تھے۔ کیونکہ وقت صرف زمین پر ہوتا ہے یں سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ خلاء ں کوئی وقت نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں کونسا سورج طلوع ہوگا اور غروب ہوگا؟

اس راکٹ کو اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ اندر زمین کشش سے کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ عنبر اپنا وزن اتنا محسوس کر رہا تھا جتنا وزن وہ زمین پر محسوس کیا کرتا تھا۔ اس نے گول شیشے والی کھڑکی سے منہ لگا دیا اور باہر ستاروں اور سیاروں کا منظر تکنے لگا۔

سیاہ آسمان میں دُور تک ستارے اور سیارے موتیوں کی طرح — سفید موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ کوئی آواز، کوئی سرگوشی تک نہ تھی۔ کوئی دوسری شے وہاں نہ تھی۔ عنبر نے وائرلیس پر کئی بار نیچے والوں کو پکارا۔ کئی بار نیچے زمین کو سگنل بھیجے۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کا رابطہ پوری طرح دنیا کے ساتھ کٹ چکا تھا۔

پہلی بار تو اُس نے راکٹ میں سوار ہو کر زمین کے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

گرد چکر لگائے تھے۔ مگر اب تو وہ زمین سے دور ہی دور ہوتا جا رہا تھا۔ کیا وہ چاند پر جا رہا ہے؟ کیا یہ راکٹ چاند پر اتارنے کے لیے رکھا گیا تھا؟ عنبر کرسی پر سے اٹھ کر سیاہ صوفے پر لیٹ گیا۔ اس نے بھوک محسوس کی۔ دوسرے چھوٹے سے گول کمرے میں گیا۔ یہاں کھانے پینے کے کچھ ڈبے پڑے تھے جن میں خشک خوراک تھی۔ پانی کی بوتلیں بھی تھیں۔ عنبر نے تھوڑی سی خوراک کھائی۔ پانی پیا اور لیٹ کر سو گیا۔

کافی دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔

کھڑکی سے سر لگا کر باہر دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ زمین بہت دور پیچھے رہ گئی تھی۔ بالکل ایک چمکتا ہوا بسنتی رنگ کا لیموں معلوم ہو رہی تھی۔ دوسری طرف چاند پہلو میں سے ہو کر گزر گیا ہے اور اس کے راکٹ سے دور ہوتا جا رہا تھا؟ تو کیا وہ چاند پر بھی نہیں اترے گا؟ کیا وہ چاند سے بھی دور ——— چاند سے بھی آگے جا رہا ہے؟

اب عنبر پریشان ہو گیا۔

کیونکہ راکٹ اس کے اختیار میں نہیں تھا اور وہ چاند سے آگے کسی نہ معلوم سیارے یا ستارے کی طرف جا رہا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو وہ کسی ستارے

کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ اور یا پھر کسی ستارے کے سورج کی کشش کی وجہ سے اس کے جہنم میں داخل ہو کر جل بھن کر گیس بن جائے گا۔

عنبر کو اس راکٹ میں چھوڑ کر ذرا نیچے زمین پر آتے ہیں۔

ماریا اپنے بحری جہاز میں سوار جاپان کے سمندر کو پیچھے چھوڑ کر آ چکی تھی اور ایک جزیرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ جزیرہ برف آلود تھا اور بے آباد۔ روس کے ساحل کے بالکل ساتھ تھا۔ انجنیئر نے ماریا سے کہا۔

“بیٹی! یہاں ہمارا اترنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا کیونکہ یہاں روس نے اپنی خفیہ تجربہ گاہیں بنا رکھی ہیں اور کبھی کبھی یہاں ایٹم بم کے دھماکے بھی کیے جاتے ہیں۔”

ماریا نے پوچھا۔

“تو کیا تمہارے خیال میں اس کے علاوہ کوئی ایسا ساحل ہے جہاں ہم اتر سکیں۔”

انجنیئر نے کہا۔

“میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ ہمیں روس کی بجائے چین کی کسی بندرگاہ پر جہاز لگانا چاہیے تھا۔”

ماریا بولی۔

"نہیں۔ میں چین نہیں جانا چاہتی۔ وہ روس سے دُور پڑے گا اور میرا یقین ہے کہ عنبر اور ناگ اسی روس کے علاقے میں ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ماریا بیٹی تم روس کی خفیہ پولیس کو نہیں جانتی ہو۔ خیر تم تو غائب رہتی ہو تمہیں تو کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور بچ جاؤ گی مگر مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے وہ لوگ۔ پکڑ کر جاسوس ہونے کا الزام لگا کر سائبیریا کے کسی کیمپ میں ڈال دیں گے اور پھر وہیں میری موت واقع ہو جائے گی۔"

ماریا نے کہا۔

"میں اپنے ساتھ تمہیں بھی بچا لوں گی انکل!"

انجنیئر مسکرایا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس علاقے میں ہر وقت خطرات کا سامنا رہے گا۔"

"کیا مطلب؟" ماریا نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہ روس کا وہ علاقہ ہے جہاں اکثر ایٹمی دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ ایٹم بم وہ شے ہے کہ اس کی ہلاک کر دینے والی شعاعوں سے تم بھی زندہ نہ بچ

سکو گی۔ تم بے شک غائب ہو گی ایٹمی شعاعیں تمہیں غیبی حالت میں ہی گیس بنا کر بھک سے دوسری دنیا میں پہنچا دیں گی۔ اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے تو حقیقت تمہارے سامنے بیان کر دی ہے۔ اب تم جو کہو گی مجھے منظور ہو گا۔"

ماریا سوچ میں پڑ گئی۔ انجنیئر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آخر وہ سوچ کر بولی۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

انجنیئر نے کہا۔

"میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ یہاں سے جاپان کے شمال میں چین کی کسی بندرگاہ یا ساحل پر اُترا جائے اور پھر وہاں سے منگولیا اور تبت کی جانب سے روس میں داخل ہُوا جائے۔ یہ سفر محفوظ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں جہاز کو واپس موڑ لو۔"

جہاز کا رُخ سمندر میں جاپان کے شمالی علاقوں میں چین کی جانب کر دیا گیا۔ دو روز کے سفر کے بعد ان کا جہاز ایک ایسے علاقے میں پہنچ گیا جس کے بارے میں نقشہ دیکھ کر انجنیئر نے بتایا کہ یہ علاقہ شمالی چین

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کا ہے اور یہاں سے تبت کی سرحد زیادہ دُور نہیں ہے۔"

" تو کیا ہم قطب شمال کی طرف نکل آئے ہیں؟"

" قطب شمالی یہاں سے کافی دُور ہے۔ ابھی ہم گرم سمندروں میں ہیں۔"

" ٹھیک ہے جہاز کو چین ہی کے ساحل پر لگا دیا جائے۔"

جہاز کو ساحل کے ساتھ ایک جگہ لنگر پھینک کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ شمالی چین کا بے آباد علاقہ تھا۔ چین میں ابھی انقلاب نہیں آیا تھا اور جاگیر دارانہ نظام تھا اور بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کی وجہ سے کوئی خاص نگہداشت نہیں کی جا رہی تھی۔ ہر طرف رشوت ستانی اور چوری ڈاکہ عام تھا۔ ڈاکو جگہ جگہ لُوٹ مار مچاتے پھر رہے تھے۔

جہاز سے کشتی سمندر میں ڈال دی گئی۔

اس کشتی میں سوار ہو کر انجینئر اور ماریا کنارے پر آ گئے۔ کنارے پر آ کر ماریا کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنے ساتھ اس بوڑھے بے چارے کو کیوں گھسیٹ رہی ہے؟

اس نے انجینئر سے کہا۔

" انکل! میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ تم جہاز پر ہی رہو۔ مَیں آگے جاتی ہوں اور اپنے بھائیوں کو تلاش کرتی ہوں۔ تم میرے ساتھ کیوں مصیبت اٹھاتے پھرو گے۔"

انجینئر بولا۔

" ایسی کوئی بات نہیں بیٹی! تمہاری حفاظت کرنے والا کوئی ہونا چاہیئے۔"

ماریا ہنسی۔

" انکل! تمہیں میری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں اپنی حفاظت خود کروں گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس جہاز پر ہی رہو۔ آخر اس جہاز کی حفاظت کرنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیئے۔"

انجینئر نے سَر جُھکا کر کہا۔

" جیسے تمہاری مرضی بیٹی۔ مَیں ویسے بھی تیار رہوں۔ ارادہ تو میرا یہی تھا کہ تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

" نہیں انکل! تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ مَیں یہ سفر اکیلی کروں گی۔"

پس ماریا نے بوڑھے انجینئر کو وہیں سے واپس کر دیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اس نے کچھ روپے پانی کی ایک چھاگل اور کچھ خشک گوشت تھیلے میں بھر کر ساتھ لیا اور انجینئر کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق آگے بڑھ گیا۔

انجینئر کچھ دور تک ماریا کو میدان میں جاتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی میں سوار ہو کر واپس اپنے جہاز پر آگیا۔ ماریا نے اسے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ واپس نہیں آتی وہ اسی جگہ رہے۔ ہاں اگر اسے بہت عرصہ گزر جائے اور وہ نہ آئے تو انجینئر کو چاہیے کہ وہ جہاز لے کر اپنے ملک انڈونیشیا چلا جائے۔"

"میں وہاں آکر تم سے کسی نہ کسی طرح ا کبھی نہ کبھی ل لوں گی۔"

انجینئر نے جہاز کے اوپر آکر کشتی کو اوپر کھینچ لیا۔ خود جہاز کے کیبن میں گیا۔ قہوے کی ایک پیالی پی اور لیٹ کر سو گیا۔

دوسری طرف ماریا سفر کر رہی تھی۔ اسے سارا دن گزر گیا۔ شام کے قریب وہ ایک گاؤں کے پاس پہنچی۔ یہاں چند ایک جھونپڑے بنے تھے اور غریب چینی کسان کاشت کر رہے تھے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ وہ بے حد غریب ہیں اور ان کے بچے گندے

ہیں۔ ماریا کو بڑا ترس آیا۔ اس کے پاس کوئی ایک ہزار چینی سونے کے سکے تھے۔

ماریا نے ساری جھونپڑیوں کے اندر جا کر دس دس بیس بیس سونے کے سکے پھینک دیے اور آگے روانہ ہوگئی۔ کچھ دیر بعد چینی لوگوں نے سونے کے سکے دیکھے تو خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔ ماریا انہیں دور سے دیکھتی رہی اور خوش ہوتی رہی۔ اس گاؤں سے آگے اسے ایک ٹیلے کے دامن میں ایک چھوٹا سا حویلی نما اک منزلہ پکا مکان نظر آیا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ اس علاقے کے جاگیردار چینی نواب کا گھر ہے اور یہ چینی کاشتکار اسی نواب کے لیے اپنا خون پسینہ بہا رہے تھے۔

ماریا کے لیے یہ ایک اچھی آرام گاہ تھی۔ اس حویلی میں وہ آرام بھی کر سکتی تھی اور یہاں سے اپنے لیے سواری کا بندوبست بھی کر سکتی تھی۔ اسے آگے ابھی بڑا لمبا سفر کرنا تھا۔ ماریا حویلی کے دروازے پر آگئی۔ شام ہو چکی تھی۔ حویلی پر لیمپ جلا دیا گیا تھا۔ ایک ہٹا کٹا آدمی بندوق لیے پہرہ دے رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اندر کس طریقے سے داخل ہو کہ پہرے دار کو بھی خبر نہ ہو۔ اتنے میں کسی نے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

اندر سے باہر آنے کے لیے دروازہ کھولا۔ ماریا کے لیے یہ سنہری موقع تھا۔

وہ دوبارا بند ہونے سے پہلے پہلے اندر داخل ہوگئی۔ ایک چھوٹا سا رستہ باغ میں سے ہوکر سامنے ایک چھوٹے سے محل کے برآمدے کو جاتا تھا۔ اس برآمدے میں ایک فانوس جل رہا تھا۔ پنجروں میں قید بلبلیں شور مچا رہی تھیں۔ ایک جانب بڑا سا کتا زنجیر کے ساتھ بندھا تھا۔ اس نے ایک غائب عورت کی موجودگی کو محسوس کرتے ہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ماریا کی بو سونگھتے ہی اُٹھ کر زور زور سے بھونکنا شروع کردیا

ماریا اس کے بھونکنے سے ایک بار تو سہم گئی۔ کُتا ماریا کی طرف منہ کرکے زور زور سے بھونک رہا تھا۔ اسے بھونکتے" اور بہت بُری طرح سے بھونکنے کی آواز سُن کر اندر سے ایک گول مٹول سا چینی جاگیردار باہر آیا۔ اُس نے ریشم کا لباس پہن رکھا تھا۔

اس نے آتے ہی کُتے کو پُچکار کر کہا۔

"موتی! کیوں بھونک رہے ہو؟ یہاں کون ہے؟ کس پر بھونک رہے ہو۔ بس اب چُپ ہو جاؤ۔ بڑی ہوگئی۔ کیا اب مجھے آرام کرنے دوگے کہ نہیں؟"

مگر کُتا بھونکے ہی جا رہا تھا۔ اس کا منہ برابر ماریا کی طرف تھا۔ جاگیردار نے اُس طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے یہ اس طرف کون ہے جس پر تُو اِس بُری طرح سے بھونک رہا ہے؟"

اور پھر جاگیردار نے خود اُس طرف جاکر دیکھا جدھر ماریا کھڑی تھی۔ ماریا اُسے دیکھ کر جلدی سے پرے ہٹ گئی۔ جب کُتا پھر بھی بھونکنے سے باز نہ آیا تو جاگیردار نے تالی بجا کر نوکر کو بلایا۔

"اِس کم بخت کو یہاں سے لے جاؤ۔"

بیٹے سے نوکر نے زنجیر کھولی اور کُتے کو گھسیٹتا ہُوا وہاں سے لے گیا۔ کُتا اس قدر زور میں تھا کہ نوکر کے قابو میں ہی نہیں آرہا تھا۔ جاگیردار نے اطمینان کا سانس لیا اور واپس اپنی آرام گاہ میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کردیا۔ ماریا نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کُتے سے نجات ملی۔ کم بخت اگر کُھلا ہوتا تو ضرور ماریا کو کاٹ کھاتا۔

ماریا نے حویلی کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھا۔ پچھلی جانب اصطبل تھا جہاں تین سیاہ رنگ کے بڑے

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

عمدہ گھوڑے گھاس وغیرہ کھا رہے تھے۔ پاس ہی ایک بگھی بھی تھی۔ ماریا نے ان میں سے ایک گھوڑے کو اپنے لیے پسند کرلیا۔

" آج کی رات اس حویلی میں گزارنے کے بعد کل اسی گھوڑے پر سوار ہوکر آگے سفر کیا جائے گا۔"

یہ سوچ کر ماریا واپس حویلی کے دروازے پر آگئی وہ اپنے رات بسر کرنے کا "ٹھکانا" تلاش کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس حویلی کے اندر کسی کمرے کے آرام دہ بستر پر لیٹ کر اور اچھی خوراک کھا کر رات بسر کی جائے تاکہ اگلے روز وہ "تازہ دم" ہوکر اُٹھے۔

اندر جانے کا صرف وہی ایک راستہ تھا جس کے دروازے میں سے گول مٹول جاگیردار نمودار ہُوا تھا۔ اور وہ دروازہ اب بند ہوگیا تھا۔ ماریا کچھ دیر برآمدے میں ٹہلتی رہی۔ پھر اُسے بھوک نے "تنگ" کیا اور اندر سے بڑے اعلیٰ قسم کے گرم گرم کھانے کی خوشبو آئی۔

ماریا نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد اسی جاگیردار نے دروازہ کھول کر سر باہر نکالا اور حیرانی سے پوچھا۔

" کون ہے؟"

جب اسے کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا جس نے دروازے پر دستک دی ہو تو وہ سخت غصے میں آگیا اور برآمدے میں آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر اپنے آپ سے بولا۔

" یہ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا؟ کون بدتمیز ہوسکتا ہے کہ دروازے پر دستک دے کر غائب ہوگیا؟"

پھر خود ہی سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

" کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے مجھے یونہی آواز آئی ہوگی وگرنہ یہاں کون آسکتا ہے بھلا؟"

اتنا کہہ کر جاگیردار دوبارہ اندر چلا گیا۔

ماریا اس سے پہلے اندر داخل ہوچکی تھی۔ ماریا نے اندر داخل ہوتے ہی دیکھا کہ سجا سجایا ڈرائنگ روم تھا جس کے فرش پر ریشمی قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر ریشمی پردے لٹکے تھے۔ آرام دہ نرم صوفے دیواروں کے ساتھ رکھے تھے۔ بیچ میں چھت کے ساتھ ایک سنہری فانوس لٹک رہا تھا۔ شاید اس پر سونے کا پانی چڑھا تھا۔

ماریا نے پہلے سوچا کہ اسی جگہ رات بسر کی جائے۔ پھر خیال آیا کہ یہاں آنا جانا لوگوں کا لگا رہے گا۔ وہ بے چین ہوگی۔ اس لیے بہتر ہے کہ حویلی کے پچھواڑے سے کوئی پُرسکون کمرہ تلاش کیا جائے۔ ویسے بھی اسے بھوک لگی تھی اور وہ سب سے پہلے تو حویلی کے باورچی خانے میں جانا چاہتی تھی جہاں سے مسالے دار گرم گرم پلاؤ کی خوشبو آرہی تھی۔

ماریا ایک دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف آئی تو اُدھر سامنے ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہ باورچی خانہ تھا۔ پلاؤ کی خوشبو اسی کمرے سے آرہی تھی۔ باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ ماریا اندر چلی گئی۔ ایک موٹا چینی باورچی کھانا لگا کر باہر سے جانے والا تھا۔ ماریا نے اسے باہر چلے جانے دیا۔ باورچی چلا گیا تو ماریا نے دیکھا کہ دیگچے قسم قسم کے کھانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ گوشت بھنا ہوا تھا۔ پکا ہوا تھا۔ اُبلا ہوا تھا۔ پلاؤ تھا۔ بریانی تھی اور سوّیاں تھیں اور پھل تھا۔ ماریا نے جی بھر کر سب کچھ کھایا۔ پھر سیب ہاتھ میں لے کر اُسے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھاتی باہر نکل رہی تھی کہ باورچی سامنے سے آتا نظر آیا۔

ماریا دروازے سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ سے سیب نکل کر فرش پر لڑھکتا ہوا آگے چلا گیا۔ باورچی اپنی جگہ پر دھک سے رہ گیا کہ یہ اندر سے باہر کس نے سیب اٹھا کر پھینکا ہے کیونکہ وہ تو باورچی خانے کو خالی چھوڑ کر گیا تھا۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"اندر کون ہے؟"

اندر کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔ اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔ باورچی جھک کر سیب اُٹھانے ہی لگا تھا کہ اس سے پہلے ماریا نے جھک کر فرش پر سے سیب اٹھالیا۔ باورچی زمین پر جھکے کا جھکا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سیب غائب ہوگیا تھا۔ اس نے خود سیب کو فرش پر دیکھا تھا اور اب اس کے سامنے اچانک وہ غائب ہوگیا تھا۔ یہ کیا ہورہا ہے؟ اس نے اٹھ کر چاروں طرف ڈر ڈر کر دیکھا خالی طشت اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ جاگیردار کی میز پر کھانا رکھ کر آرہا تھا۔

"یہ کیا کوئی خواب تھا؟ کیا یہاں کوئی آسیب

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نہیں ہے؟"

باورچی نے سوچا۔ پھر سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"تُو نے آج ضرور بھنگ کے پکوڑے کھالیے ہوں گے۔"

وہ اپنے آپ پر زور سے ہنسا اور باورچی خانے میں داخل ہوا۔ ماریا نے اب اُس سے شرارت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہاں سے چل کر ایک اور کمرے کی طرف آگئی۔ کیونکہ اب اسے نیند آرہی تھی۔ وہ جلد سے جلد کسی کمرے میں جا کر سوجانا چاہتی تھی۔

اچانک ایک کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے اُسے کسی لڑکی کی آواز آئی۔ آواز میں درد اور فریاد سی تھی۔ جیسے کوئی کسی سے فریاد کر رہی ہو۔ ماریا کے قدم وہیں رُک گئے۔ وہ جس کمرے سے آواز آئی تھی اس کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر سُننے کی کوشش کرنے لگی۔

پھر کوئی آواز نہ آئی۔ کچھ دیر وہاں گہری خاموشی چھائی رہی۔ ماریا نے سوچا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیے

کہ یہ آواز کس لڑکی کی تھی؟ کہیں وہ کوئی مظلوم عورت نہ ہو۔ اور اسے ماریا کی مدد کی ضرورت ہی نہ ہو! ماریا نے اس کمرے کا دروازہ تلاش کر لیا۔ اندر دروازے کے آگے پردہ گرا تھا اور نیچے سے ہلکی ہلکی روشنی کی کرنیں باہر آرہی تھیں۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بڑے آرام سے دروازے پر دستک دے دی۔ تھوڑی دیر بعد وہی جاگیردار نمودار ہوا۔ بڑا سخت غصے میں تھا۔ باہر نکلتے ہی چیخ کر دھاڑا۔

"کون اُلّو کا پٹھا تھا یہ؟ کون ہے؟ کون ہے؟"

ماریا اس کی چیخ دھاڑ سے گھبرا سی گئی۔ مگر وہ اس عرصے میں کمرے کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک نازک دبلی پتلی سی لڑکی کھانے کی میز پر بیٹھی آنکھوں پر ہاتھ رکھے سسکیاں بھر بھر کر رو رہی ہے۔ جاگیردار نے واپس کمرے میں آتے ہی دروازہ زور سے بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی اور دستک دے کر بھاگ جانے والے کو گالیاں دیتا اُس مظلوم لڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اُسے تسلیاں دینی شروع کر دیں۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

“تم خوامخواہ رو رہی ہو۔ تمہارے ماں باپ کے پاس بھلا سوائے غریبی کے کیا ہے؟ وہ تمہیں سوائے بھوک کے اور کیا دے سکتے ہیں۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔ کس چیز کی کمی ہے بھلا؟ میں تمہیں سونے اور ہیرے موتیوں سے لاد دوں گا۔ میرے پاس شادی کر کے رہو گی تو میں تمہیں اس گھر کی مالکہ بنا دوں گا۔ بس اب رونا دھونا بند کرو۔”

لڑکی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

“خدا کے لیے مجھے میرے ماں باپ کے گھر چھوڑ آؤ۔ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔”

جاگیردار نے کہا۔

“پھر وہی احمقوں والی باتیں کرنے لگی ہو۔ تم کو تمہارے ماں باپ نے میرے پاس فروخت کر دیا ہے اب وہ تمہیں واپس کس طرح لے سکتے ہیں؟”

لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

“تم نے ان کی بھوک سے فائدہ اُٹھا کر مجھے خرید لیا ہے۔ میں جانتی ہوں تم نے ان کو صرف دس سیر چاول دے کر مجھے خریدا ہے۔ میں تمہارے پاس نہیں ہوں گی۔ میں اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں گی۔”

جاگیردار کو سخت غصہ آگیا۔ اُس نے زور سے لڑکی کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ طمانچہ اتنا زوردار تھا کہ اس کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ اور لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ وہ کرسی پر سے نیچے قالین پر گر پڑی۔ اس کے منہ سے ایک طرف سے خون نکلنے لگا۔

جاگیردار نے دیوار کے ساتھ لگا ہُوا ہنٹر اُتارا اور لڑکی کو مارنا شروع کر دیا۔ لڑکی نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ اب وہ اپنے ماں باپ کا پھر کبھی نام نہیں لے گی۔ مگر ظالم جاگیردار اسے برابر ہنٹر سے مارے جا رہا تھا۔

اب ماریا کے لیے تماشہ دیکھتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے پیچھے سے آکر میز پر پڑا ہُوا گلدان اُٹھایا اور زور سے جاگیردار کے سر پر دے مارا۔ جاگیردار چکر کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اسے گرتے اور بے ہوش ہوتے دیکھ کر بے چاری چینی لڑکی اور زیادہ زور سے رونے اور چلّانے لگی کہ یہ مر گیا ہے اور اب اس کے سارے خاندان پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔

اس کا احساس ماریا کو بھی ہو گیا تھا مگر جاگیردار

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

کو سبق سکھانا بھی ضروری تھا۔ جاگیردار کو بےہوش چھوڑ کر اس نے چینی لڑکی کے پاس جاکر کچھ کہنا چاہا۔ پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ غریب سی لڑکی ہے اس کی آواز سن کر ڈر جائے گی۔

اتنے میں جاگیردار کو ہوش آگیا۔ اس نے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ابھی تک جہاں گلدان لگا تھا وہاں گومڑ پڑ گیا تھا اور درد ہو رہی تھی۔ جاگیردار نے خون بھری آنکھوں سے لڑکی کی طرف دیکھا اور گرج کر کہا۔

"یہ گلدان تم نے میرے سر پہ مارا تھا۔ اگر میں مرجاتا تو کیا ہوتا؟ ہاں اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے تالی بجائی۔ دو غلام اندر آگئے۔ انہوں نے سر جھکایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

"اس لڑکی کو کتوں کے آگے ڈال دو۔"

"جو حکم آقا۔"

لڑکی کے منہ سے دلدوز چیخ نکل گئی۔

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میرے غریب ماں باپ پر رحم کھاؤ۔ وہ میرے ساتھ ہی مرجائیں گے۔"

جاگیردار نے چیخ کر کہا۔

ے جاؤ اس کمینی لڑکی کو اور ڈال دو جاکر بھوکے توں کے آگے۔"

دونوں غلاموں نے لڑکی کو پکڑ لیا اور اُسے ھاکر کمرے سے باہر لے گئے۔ ماریا بڑی تیزی ے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ معاملہ خطرناک تھا۔ وہ لوگ اس مسکین سی بھولی لڑکی کو کتوں کے آگے ڈالنے جارہے تھے اور یقیناً ان کے آگے ڈالنے ہی والے تھے۔ دونوں غلام لڑکی کو لے کر باغ کی طرف چلے اور دُور ایک کوٹھڑی کے باہر آکر رک گئے اندر سے بھوکے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں

ایک غلام نے کہا۔

"یار! نہ جانے آج تک ہم کتنے بے گناہ آدمیوں اور عورتوں کو ان کتوں کے آگے ڈال چکے ہیں۔"

دوسرا غلام بولا۔

"تمہیں معلوم نہیں ہے کہ بعض لوگ اسی لائق ہوتے ہیں کہ انہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔"

پہلا غلام بولا۔

"نہیں یار پھر بھی انسان کا احترام کرنا چاہیے۔ کہاں

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

انسان اور کہاں سکتے !" میں تو کہتا ہوں کہ اس غریب لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں اور مالک سے جا کر کہتے ہیں کہ ہم نے لڑکی کو کتوں کے آگے پھینک دیا ہے۔"

دوسرا غرّا کر بولا۔

"نمک حرام ! تو امانت میں خیانت کرتا ہے۔ میں ابھی جا کر مالک سے تمہاری شکایت کرتا ہوں۔ دیکھنا میں تمہیں اس غداری کا پورا پورا مزا چکھاؤں گا۔"

پہلا غلام ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

"بھائی مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب آئندہ کبھی ایسی بات نہ کروں گا۔ میں تمہیں سونے کے دو سکے دینے کو تیار ہوں۔ تم میری شکایت نہیں لگاؤ گے نا؟"

دوسرا غلام بولا۔

"ٹھیک ہے سونے کے دو سکے میرے حوالے کر دو۔ چنانچہ میں مالک سے تمہاری شکایت نہیں کروں گا۔ لاؤ اب اس لڑکی کو کتوں کے آگے ڈال دیتے ہیں۔"

لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ پہلا غلام ہچکچا رہا تھا۔ دوسرا بڑا ظالم تھا۔ اس نے لڑکی کے پاؤں رسّی سے باندھنے شروع کر دیئے۔ ابھی وہ اٹھا ہی تھا اور

لڑکی کو اٹھا کر کتوں کے گڑھے میں پھینکنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اسے دھکا دے دیا۔ ایک بھیانک چیخ کی آواز کے ساتھ دوسرا ظالم غلام بھوکے کتوں کے درمیان جا کر گرا۔ کتوں کو انسانوں کو چیر پھاڑ کر کھا جانے کی عادت ہی تھی۔ وہ کئی روز سے بھوکے تھے۔ بس غلام پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ہڈیاں تک ہضم کر گئے۔

اس دوران میں پہلا غلام یہی سمجھتا رہا کہ شاید اس کے ساتھی کا پاؤں پھسل گیا تھا کہ وہ کتوں کے گڑھے میں گر پڑا۔ مگر اب لڑکی کو سنبھالنے کا کام درپیش تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اس غلام پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیے یہ ایک نیک دل انسان ہے۔ اس کی مدد سے ہی لڑکی کو چھپایا جا سکتا تھا۔ ادھر غلام نے سوچا کہ جاگیردار کبھی یہ نہیں مانے گا کہ غلام کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں نے لڑکی کی خاطر اسے دھکا دے دیا تھا۔ پھر کیا کروں؟ کیا اس لڑکی کو ساتھ لے کر یہاں سے بھاگ چلوں۔ مگر کہاں جاؤں گا؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"سنو ! میں چین کے پڑانے سمندر کی ایک نیک دل

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

دیوی ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکو گے۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ اس مظلوم لڑکی کی چیخیں اور فریاد مجھے یہاں کھینچ لائی ہیں۔ اس ظالم غلام کو میں نے ہی دھکا دیا تھا۔"

غلام تو ہکا بکا ہو کر جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر تکنے لگا۔ اسے کوئی عورت نظر نہیں آ رہی تھی مگر عورت کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

"ڈرو نہیں۔ میرا نام ماریا ہے۔"

[redacted]

- ماریا اس مظلوم لڑکی کو لے کر کہاں گئی؟
- عنبر کا مصنوعی سیارہ کس طرف کو نکل گیا؟
- ناگ اور نگا کو لے کر چونگ کیسے پہنچا؟

یہ سارے واقعات آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھئے!

[redacted]

طلسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

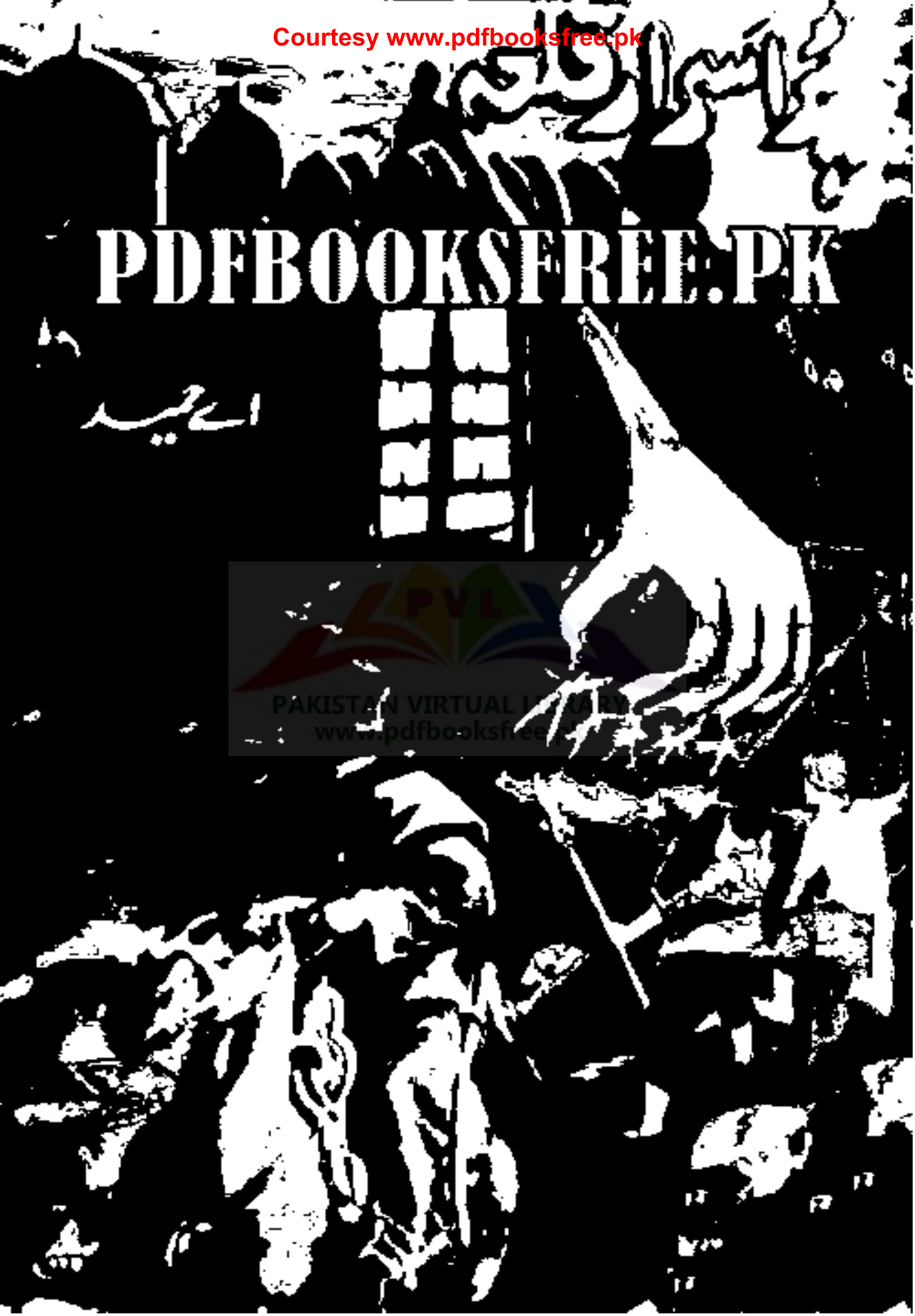

اے حمید

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

[illegible] 8.04
4.8. [illegible] Gohi

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

پُراسرار قلعہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس ۱۵ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

● مندر کی دیوی ۵
● عجیب سیارہ ۲۴
● پراسرار قلعہ ۴۴
● موت کا حکم ۶۵
● وزیر نائب ۸۴
● دشمن آگیا ۱۰۲

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ نے روس کے بادشاہ کا خز ساتھ لیا ہے اور وہ اس کی پوتی کے ہمراہ چین کی سرحدوں طرف سفر کر رہا ہے دوسری طرف ماریا بھی عنبر اور ناگ کی تلاش میں روس کے برف پوش میدانوں میں سفر کر رہی ہے عنبر سائبیریا کے سرد برفانی علاقوں میں راکٹ کے اڈے تلاش میں ہے۔ عنبر ایک راکٹ میں سوار ہو کر خلا کی طرف کر جاتا ہے۔ خلا میں وہ کروڑوں میل زمین سے دور نکل جاتا ہے اسکا راکٹ سورج کی طرف جا رہا ہے جہاں سوائے دوزخ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اچانک ایک طشتری اس کے راکٹ کے اوپر آکر رک جاتی ہے۔ اسے آواز آتی ہے کہ راکٹ سے نکل کر اڑن طشتری میں سوار ہو جاؤ۔ عنبر راکٹ چھوڑ کر اڑن طشتری کا آ جاتا ہے۔ یہ اڑن طشتری اسے ایک ایسے سیارے میں لے جاتی جہاں کے لوگوں کے چہرے تکونے ہیں اور وہ ایک ٹانگ پر رہتے ہیں۔ ان کے ہونٹوں سے سیٹی کی آواز نکلتی ہے۔ وہ عنبر کو ایک شیشے کے کمرے میں ڈال دیتے ہیں۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے۔

مندر کی دیوی

غلام نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔

آواز ایک عورت کی تھی۔ اس نے خود اپنے کانوں سے آواز سنی تھی مگر اسے کوئی عورت ارد گرد دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا کے پاس صبر کے لئے وقت نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ کہا۔

"سنو! میری بات پر غور کرو۔ میں چین کے پرانے مندر کی دیوی ہوں۔ میں تمہیں نظر نہیں آؤں گی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لڑکی کو اٹھا کر یہاں سے نکل چلو"

چینی غلام اس زمانے میں روحوں پر اعتقاد کیا کرتے تھے۔ پرانے چین کے لوگوں کا ایمان تھا کہ روحیں اس دنیا میں آ کر انسانوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ سچ مچ کی کوئی روح ہے۔ جلدی سے بولا۔

"نیک روح! میں اسے اٹھا کر کہاں لے جاؤں گا؟ حویلی کے چپے چپے پر جاگیردار کے آدمیوں کا پہرہ ہے!" ماریا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خواہ کہیں سے جاؤ مگر یہاں سے نکل چلو"

غلام کے دل میں اپنے گھر کا خیال آ گیا۔ کہنے لگا

"میں اسے اپنے گھر لیئے جاتا ہوں۔ جو ہو گا دیکا جائے گا۔ میں اس غریب لڑکی کو کتوں کے حوالے نہیں سکتا۔"

ماریا غلام کے اس نیک خیال سے بڑی خوش ہوا

"تم اسے لے کر چلو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی"

غلام نے بے ہوش لڑکی کو اٹھایا اور حویلی کے دروازے سے نکل کر رات کے اندھیرے میں ایک کو روانہ ہو گیا۔ غلام کا کچا مکان حویلی سے کچھ دور جگہ شاہی قبرستان کے کونے میں تھا۔ یہ اجاڑ قبرستا تھا جہاں کی قبریں ڈھے چکی تھیں اور دن کے و بھی کوئی نہیں آتا تھا۔ غلام اپنے کچے گھر میں اکیا تھا۔ بے ہوش لڑکی کو اس نے کوٹھڑی میں لٹا دیا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ لڑکی ابھی تک بے ہوش تھی

ماریا نے کہا۔

"اس لڑکی پر میرا راز ظاہر نہ کرنا۔ نہیں تو یہ ڈر جائے گی"

غلام کہنے لگا۔

"اس لڑکی کو ابھی ہم اس کے گھر نہیں پہنچا سکتے۔ جاگیر دار کے آدمی اسے تلاش کرتے ہوئے وہاں ضرور جائیں گے"

ماریا نے کہا۔

"وہ تمہارے گھر بھی آ سکتے ہیں۔ تم بھی یہاں محفوظ نہیں ہو۔ تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے"

غلام نے کہا۔

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس لڑکی کی مدد کرنا میرا فرض تھا۔ سو میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

ماریا نے کہا۔

"تمہاری مدد کے لئے مجھے خدا نے یہاں بھیجا ہے۔ تم اگر چاہو تو میں تمہیں اس علاقے کا جاگیر دار بنا سکتی ہوں۔ اس سارے علاقے کے تم مالک ہو گے"

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

"تم وعدہ کرو کہ غریبوں پر ظلم نہیں کرو گے"

"میں خود غریب ہوں میں غریبوں پر ظلم کیسے کر سکتا ہوں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر خاموشی سے دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے"

ادھر جب دیر ہو گئی اور غلام واپس آئے تو جاگیردار نے ملازموں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کتے ابھی تک کیوں بھونک رہے ہیں؟ میں نے تو ان کے لیے چینی لڑکی کو خوراک بنا کر بھیجا تھا۔ ملازموں نے آکر بتایا کہ کتوں کے گڑھے میں بڑے غلام کا سر پڑا ہے اور کچھ ہڈیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے وہاں دیکھے گئے ہیں۔

"نہ کسی لڑکی کی کھوپڑی وہاں پر ہے اور نہ کسی لڑکی کے کپڑے ہی وہاں نظر آ رہے ہیں"

یہ سن کر جاگیردار اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے نوکر نے لیمپ ہاتھ میں اٹھا لیا اور جاگیردار کے آگے آگے کتوں کے غار کی طرف چلا۔ جاگیردار نے وہاں جا کر وہی کچھ دیکھا جو اس کے نوکروں نے بیان کیا تھا۔ بجائے اس کے کہ چینی لڑکی کی کھوپڑی اور کپڑے وہاں ملتے وہاں اس کے ایک غلام کے کپڑے پڑے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ چینی لڑکی کو ساتھ لے کر دوسرا غلام وہاں سے بھاگ گیا۔ جاگیردار نے کڑک کر کہا۔

"اس نمک حرام کو جہاں کہیں بھی ہو پکڑ کر لاؤ۔ اور ان بھوکے کتوں کے آگے پھینک دو"

جاگیردار کے چار سپاہی بندوقیں اور تلواریں لے کر گھوڑوں پر سوار راتوں رات حویلی کے اردگرد کے علاقوں میں نکل گئے۔ غلام اور لڑکی کو تلاش کرتے وہ شاہی قبرستان میں بھی پہنچ گئے۔ دوسری طرف ماریا۔ غلام اور چینی لڑکی قبرستان کے مکان میں نہیں تھے۔ ماریا مکان کے باہر ایک درخت کے نیچے چبوترے پر بیٹھی تھی اور غلام چینی لڑکی کے ساتھ ایک پرانی قبر کی اوٹ میں اگے گھاس میں چھپے تھے۔

انہوں نے سپاہیوں کے گھوڑوں کی آواز سن لی تھی۔

سپاہیوں کو یقین تھا کہ غلام نے چینی لڑکی کو ضرور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہو گا۔ وہ سیدھے غلام کے مکان میں آ گئے۔ گھوڑے باہر کھڑے کر کے انہوں نے پوری طرح تلاشی لی۔ غلام کے گھر کی ساری چیزیں باہر نکال کر پھینک دیں۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک سپاہی کھوج لگاتا اتفاق سے اس قبر کے پاس آ گیا جہاں غلام چینی لڑکی کے ساتھ گھاس میں چھپا ہوا تھا۔

ماریا درخت کے چبوترے پر بیٹھی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ سپاہیوں نے لیمپ تھام رکھے تھے جن کی روشنی میں وہ قبرستان میں "تلاشی لے رہے تھے۔ قبر کے پاس سپاہی کو ایک آدمی کا سر نظر آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے چیخ کر کہا۔

"ادھر آؤ۔ کوئی یہاں چھپا ہے"

اس کے ساتھ ہی سپاہی نے بندوق تان لی۔ اب ماریا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جلدی سے ادھر کو لپکی۔ دوسرے تینوں سپاہی بھی قبر کے پاس آ گئے۔ پہلے والے سپاہی نے چینی لڑکی اور غلام کو قبر کے پیچھے سے نکال کر جلدی سے پکڑ لیا۔ وہ خوش تھے دشمن گرفتار ہو گیا تھا۔ اب وہ جاگیردار سے انعام و اکرام پائیں گے۔ انہوں نے غلام اور چینی لڑکی کے ہاتھ رسی سے باندھ دیئے۔۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر قبرستان کے دروازے کی طرف چلے۔

غلام بڑا حیران تھا کہ چینی مندر کی روح کہاں چلی گئی ہے؟ وہ اس کی مدد کے لیئے کیوں نہیں آ رہی؟

ماریا قبرستان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ سپاہیوں کا انتظار کر رہی تھی کہ سپاہی دروازے کے قریب آئیں اور وہ حملہ کرے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی پہلا سپاہی گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرنے لگا۔ ماریا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی اٹھا کر پوری طاقت سے سپاہی کی کمر پر ماری۔ وہ الٹ کر دہرا ہوا اور نیچے گر پڑا۔ دوسرے سپاہی گھوڑے بھگا کر اس کے پاس پہنچے۔ وہ حیران تھے

کہ اسے کس نے گھوڑے پر سے گرا دیا۔ سپاہی کی کمر ٹوٹ چکی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ چینی لڑکی اور غلام بندھے ہاتھوں پیچھے کھڑے تھے۔ سپاہیوں نے بندوقیں تان لیں اور قبرستان میں نظر نہ آنے والے دشمن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

لیکن اگر وہ ساری زندگی بھی قبرستان میں تلاش کرتے رہتے تو ماریا انہیں کبھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔ غلام سمجھ گیا کہ ماریا حرکت میں آ گئی ہے۔ سپاہی کے کمانڈر نے حکم دیا۔

"قیدیوں کو فوراً لے جاؤ"

اس کے ساتھ ہی دونوں کو ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ ماریا انہیں پکڑتی ہی رہ گئی اور دو سپاہی انہیں لے کر وہاں سے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکل گئے۔ اس کے بعد کمانڈر بھی وہاں سے نکل بھاگا۔ گرے ہوئے بے ہوش سپاہی کا گھوڑا اکیلا کھڑا تھا۔ ماریا اس پر سوار ہوئی اور سیدھا حویلی کی طرف بھاگی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سپاہی قیدیوں کو لے کر حویلی کی طرف ہی گئے ہوں گے۔

سپاہیوں نے جاگیردار کے سامنے جا کر قیدی پیش کر۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیئے۔

وہ انتظار کر رہا تھا۔ دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

اس نے غلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ میرے ملازم کو کتوں کے آگے ڈال کر میرے قیدی کو بھگا کر لے جاؤ۔ اب اپنے انجام کے لیئے تیار ہو جاؤ۔ میرے بھوکے کتے تیرے جسم کی بوٹیوں کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں"

پھر اس نے حکم دیا۔

"ان دونوں کو اسی وقت لے جا کر کتوں کے غار میں پھینک دو"

اب تو غلام کے پسینے چھوٹ گئے۔ روح کہاں چلی گئی!

وہ روح یعنی ماریا کا انتظار کر رہا تھا اور جاگیردار کے جلاد اسے کتوں کے آگے ڈالنے کے لیئے غار کی طرف لیے جا رہے تھے۔ زندگی اور موت کے درمیان بہت ہی تھوڑا فاصلہ رہ گیا تھا۔ غار کے کنارے پر جا کر جلادوں نے دونوں کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دیں۔ دو جلاد آگے بڑھے۔ ابھی وہ انہیں گرانے ہی والے تھے کہ اچانک جیسے کسی نے پیچھے سے دھکا دیا اور دونوں جلاد کتوں کے

غار میں گر پڑے۔

ان کی بھیانک چیخوں کی آواز گونجی۔

کتے ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ ماریا نے اب آگے بڑھنے والے دو اور سپاہیوں کی گردنوں پر اس زور سے ہاتھ مارے کہ ان کی گردنیں ٹوٹ کر لڑھک گئیں۔ یہ حال دیکھ کر باقی ملازم پیچھے کو بھاگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ سمجھے کہ حویلی میں کوئی بھوت آ گیا ہے جو انہیں چن چن کر ختم کر رہا ہے۔ چیخ و پکار کی آوازیں جاگیردار تک بھی پہنچ گئیں۔

وہ کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ سپاہی اس کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

"حضور! کوئی بد روح حویلی میں گھس آئی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ کہاں ہے بد روح؟"

ماریا اس عرصے میں غلام اور چینی لڑکی کو ایک گھوڑے پر سوار کروا کر ایک بار پھر قبرستان کی طرف بھگا چکی تھی:

"قبرستان کے جنوبی کونے میں میرا انتظار کرنا"

چینی لڑکی نے ماریا کی آواز سنی تو چونک کر غلام کو دیکھا کہ یہ کون بول رہی ہے جس کی شکل دکھائی نہیں دیتی؟

غلام نے اسے کھینچ کر گھوڑے پر بٹھایا اور قبرستان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف گھوڑا بھگا دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ چینی لڑکی کو روح کے بارے میں بتاتا۔

جاگیردار نوکروں کے ساتھ کتوں کے غار کے پاس آیا۔ کتے ابھی تک اس کے دو جلادوں کی ہڈیاں بھنبھوڑ رہے تھے۔ جاگیردار کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا۔

"یہ اسی حرامی کی شرارت ہے۔ اسے تلاش کرو۔ تم بزدل ہو کر وہ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر میرے دو نوکروں کو کتوں کے آگے ڈال کر بھاگ گیا۔ اسے پکڑ کر لاؤ۔ اس کا سر کاٹ کر لاؤ نہیں تو میں تم سب کے سر کاٹ ڈالوں گا"

حویلی میں اب صرف دس پندرہ سپاہی اور نوکر رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لیا تھا اور وہ ڈر گئے تھے۔ نوکر تو حویلی سے نکلتے ہی بھاگ گئے۔ سپاہیوں نے ذرا ہمت کی اور مفرور قیدیوں کو تلاش کیا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ اس کی روشنی میں قبرستان کے درخت صاف نظر آنے لگے تھے۔

ماریا نے قبرستان میں پہنچ کر غلام اور چینی لڑکی کو تلاش کر لیا۔ اس عرصے میں غلام نے لڑکی کو سمجھا دیا تھا کہ چین کے پرانے سمندر کی دیوی کی روح ہماری مدد کر

جیسے

رہی ہے۔

ماریا ان کے پاس آئی تو وہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔

"سنو! تم لوگ یہاں کسی پرانی قبر کے اندر چھپ جاؤ اور جب تک میں نہ آؤں اندر سے باہر ہرگز نہ نکلنا"

بہتر اسے نیک روح!"

ماریا چلی گئی۔ غلام نے ایک ایسی پرانی قبر تلاش کر لی جس کے اندر سوراخ ہو گیا تھا اور ایک چھوٹی سی غار بن گئی تھی۔ غلام لڑکی کو لے کر قبر کے اندر چھپ گیا۔

ماریا وہاں سے سیدھی حویلی میں آگئی۔ سپاہی ان کی تلاش میں جا چکے تھے۔ جاگیردار اپنے حویلی کے تین چار خاص خدمت گاروں کے ساتھ اپنے کمرے میں ہاتھ پیٹھ پر رکھے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہ خبر سننا چاہتا تھا کہ غلام اور چینی گرفتار کر لیے گئے ہیں۔

اتنے میں ماریا اندر آئی۔ اس نے اب فیصلہ کر لیا تھا کہ اس ظالم جاگیردار کو ختم کر دے گی۔ اور اس علاقے کے غریب لوگوں کو اس سنگدل قاتل شخص کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر رہے گی۔ ماریا کمرے میں آ کر ایک طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ جاگیردار سخت غصے اور طیش

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت میں تھا۔ نوکر ہاتھ باندھے دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

"بدبختو! تم سب نمک حرام ہو۔ تمہارے ہوتے ہوئے میرا دشمن یہاں سے بھاگ جائے گا یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ جی چاہتا ہے کہ تم سب کو ایک ایک کرکے پھانسی پر لٹکا دوں۔ فکر نہ کرو۔ میں ایسا ہی کروں گا۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں سے۔"

چاروں نوکر سر جھکا کر ہاتھ باندھے کمرے سے چلے گئے۔

جاگیردار اکیلا رہ گیا۔ اس نے صراحی میں سے پانی نکال کر پیا اور پھر اس کرسی کی طرف آیا جس پر ماریا بیٹھی تھی۔ اسے کرسی خالی نظر آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر پرے ہٹ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے جاگیردار اسی کرسی پر بیٹھنے والا ہے۔ اور واقعی جاگیردار اسی آرام کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اٹھ کر مٹھیاں بھینچ لیں اور ٹہلنے لگا۔ غصے کے مارے وہ کھول رہا تھا۔ وہ اپنے آپ بولنے لگا۔

"بدروح! بدروح آ گئی ہے حویلی میں! ہونہہ!

چین میں بھی تو دیکھوں کہ کون سی بدروح ہے۔"

اس نے ماریا کو بھی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ کم بخت سر پر ہی چڑھا جا رہا ہے۔ جاگیردار پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پاس ہی میز پر صراحی رکھی تھی۔ ایک گلاس بھی رکھا تھا۔ جاگیردار نے پانی پینے کے لئے صراحی اٹھائی۔ گلاس اٹھانے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گلاس میز پر سے غائب ہو گیا۔

جاگیردار نے دو تین بار آنکھیں جھپکائیں۔ بار بار میز کو دیکھا۔ پھر صراحی کو دیکھا۔ پھر صراحی کو میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

جھک کر میز کے نیچے دیکھا کہ کہیں گلاس نیچے تو نہیں گر پڑا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوچنے لگا۔ شاید میز پر گلاس نہیں تھا۔ وہ الماری میں سے دوسرا گلاس لینے کے لئے گیا۔ واپس آیا تو میز پر سے صراحی بھی غائب تھی۔

جاگیردار حیرانی سے وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے سامنے جو کچھ ہو رہا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک منٹ کے اندر اندر اس کے سامنے سے گلاس اور صراحی غائب ہو گئی تھی۔

"کیا بدروح یہاں بھی تو نہیں آ گئی؟"

اس نے دل میں سوچا۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں نہیں۔ یہاں کوئی بد روح نہیں آ سکتی۔ یہ میرا وہم ہے"

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس خیال سے کہ نوکر کو آواز دے کہ وہ پانی کی نئی صراحی بھر کر لے آئے۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ دھڑاک سے دروازہ بند ہو گیا اور خود بخود اندر سے چٹخنی لگ گئی۔

اب تو جاگیر دار کو پسینہ آ گیا۔

وہ لڑکھڑا کر کرسی پہ گر پڑا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ بد روح کمرے میں موجود ہے۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ماتھے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسے آواز آئی۔

"ظالم انسان! کاش یہ رعشہ تمہارے جسم پر اس وقت طاری ہوتا جب تم زندہ انسانوں کو بھوکے درندوں کے آگے ڈالا کرتے تھے"

آواز عورت کی تھی۔ جاگیردار کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

بد روح کمرے میں بول رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"آج تک تم نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو۔ اب تم اپنے انجام سے نہ بچ سکو گے"

جاگیردار اٹھ کر دروازے کی طرف لپکا کہ چٹخنی کھول کر باہر بھاگ جائے۔ مگر ماریا نے اپنی ٹانگ اس کے آگے کر دی جس سے ٹکرا کر جاگیردار منہ کے بل فرش پہ گر پڑا۔ ماریا نے کہا۔

"تم زمین کے اندر بھی چلے جاؤ گے تو میں تمہیں وہاں سے نکال لاؤں گی۔ اس دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تمہارے انجام سے نہیں بچا سکتی۔"

جاگیردار نے ایک دم بلند آواز سے نوکروں کو بلانا شروع کر دیا۔ ماریا اس کی چیخ و پکار سن کر پرے ہٹ گئی۔ نوکروں نے جاگیردار کی آوازیں مدد مدد پکارتی سنیں تو دروازے کو توڑ کر اندر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جاگیردار فرش پر پڑا کانپ رہا تھا۔

"بد روح! بد روح! اندر بد روح ہے۔ مجھے لے جاؤ۔ یہاں سے لے جاؤ"

نوکروں نے جاگیردار کو اٹھایا اور کمرے سے باہر لے گئے۔

"مجھے تہہ خانے میں بند کر دو۔ جلدی کرو"

جاگیردار نے اپنی حویلی میں زمین کے اندر ایک خاص تہہ خانہ بنا رکھا تھا جہاں زندگی کی ساری چیزیں موجود تھیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی وقت اسے نوکر تہہ خانے میں لے گئے۔ یہ چھوٹا مگر آرام دہ کمرہ تھا۔ جاگیردار کو گدیلے والے پلنگ پر لٹا دیا گیا۔

"ایک آدمی میرے سرہانے اور ایک آدمی تہہ خانے کے باہر پہرہ دے۔"

ماریا تہہ خانے میں نہیں گئی تھی۔ اس نے حویلی سے نکل کر سیدھا قبرستان کا رخ کیا۔ حویلی کے باورچی خانے سے وہ کھانے کی چیزوں کا تھیلا بھر کر ساتھ لے چلی تھی۔ قبرستان میں پہنچ کر وہ اس قبر کے پاس آ گئی جس کے اندر غلام اور چینی لڑکی چھپی ہوئی تھی۔ ماریا نے آواز دی۔

"میں آ گئی ہوں۔ یہ لو۔ کھانا کھا لو باہر آ کر۔"

اور ماریا نے کھانے کا تھیلا غار کے باہر رکھ دیا۔ غلام اور لڑکی قبر کے اندر سے نکل آئے۔ ان کے بالوں پہ قبر کی مٹی لگی تھی۔ غلام نے کہا۔

"اے نیک دل روح! کیا جاگیردار اپنے انجام کو پہنچ گیا؟"

"نہیں مگر وہ پہنچ جانے گا۔"

لڑکی نے کہا۔

"اے نیک روح! مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔"

غلام بولا۔

"جب تک جاگیردار اور اس کے کتے زندہ ہیں تم اپنے

ماں باپ کے گھر چین سے نہ بیٹھ سکو گی۔ جاگیردار کے کتے تمہیں تمہارے گھر میں آ کر ہلاک کر جائیں گے اور تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔"

غلام بولا۔

"جب اس زمین پر جاگیردار اور اس کے کتے باقی نہیں رہیں گے۔"

لڑکی نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ جاگیردار بڑا طاقت ور ہے۔ اسے کوئی نہیں ہلاک کر سکتا۔"

اس پر ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ظالم کو ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا۔ انسان دوسروں پر ظلم کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے انجام سے بے خبر ہوتا ہے لیکن ایک وقت آخر آ جاتا ہے جب ظلم کی تلوار اس کے سر پر گرتی ہے اور اسے ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ جاگیردار نے بے گناہ انسانوں پر اتنے ظلم کئے ہیں کہ اب ظلم کی تلوار اس کے سر پر گرنے ہی والی ہے۔"

جب غلام اور لڑکی کھانا کھا چکے تو ماریا نے کہا۔

"اب تم آرام کرو۔ میں بہت جلد جاگیردار کو اس کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ظلم کی سزا دے کر تمہارے پاس واپس آؤں گی۔ پھر تم اس حویلی کے مالک ہو گے

ماریا چلی گئی۔ غلام اور لڑکی چپ چاپ بیٹھے رہے اور ماریا کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہو رہی تھی کہ ماریا جاگیردار کی حویلی میں دوبارا پہنچ گئی۔ حویلی کے باہر سخت پہرہ تھا۔ دو سپاہی بندوقیں اٹھائے پہرہ رہے تھے۔ حویلی کا دروزاہ بند تھا۔ ماریا پچھلی طرف آ گئی۔ یہاں ایک کھڑکی تھی۔ یہ کھڑکی بھی بند تھی۔

ماریا سمجھ گئی کہ جاگیردار کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہیں اور اب وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے۔ ماریا نے بھی اس خطۂ زمین کو ظالم کے وجود سے پاک کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ ماریا حویلی کے دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ دونوں پہرے دار بڑے خاموش کھڑے ہیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ سخت بور ہو رہے ہیں اور وہاں پہرہ دینا نہیں چاہتے مگر مجبور ہیں۔ ماریا کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ انہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ ان سے ماریا کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ماریا صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ کسی طرح سے دروازے پر سے ہٹ جائیں تاکہ وہ

حویلی کے اندر داخل ہو سکے۔

مگر دونوں پہرے دار وہاں جم کر کھڑے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل رہے تھے۔ حویلی کے دروازے پر بھی باہر سے تالا لگا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کی چابی بھی ان سپاہیوں میں سے کسی ایک کے پاس ہو گی۔ ان سے چابی حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ ماریا نے سوچا کہ کسی طریقے سے ان دونوں کو یہاں سے بھگا دینا چاہیئے۔ جب ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ ماریا کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے ایک سپاہی کے پیچھے سے آ کر اس کے کان کو زور سے کھینچا۔

سپاہی اچھل کر پرے ہو گیا۔

"ارے! یہ تم نے میرا کان کیوں کھینچا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عجیب سیّارہ

●

دوسرے سپاہی نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے تمہارا کان نہیں کھینچا بھائی۔ میں تو تم سے پانچ قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوں"

پہلا سپاہی کان سہلا رہا تھا۔ بولا۔

"پھر میرا کان کس نے پکڑ کر کھینچا تھا؟"

دونوں سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اب ماریا نے دوسرے سپاہی کا کان پکڑ کر زور سے کھینچا۔ دوسرا سپاہی بھی اچھل کر پرے ہو گیا۔

"ہائیں۔ یہ اب میرا کان کس نے کھینچا ہے؟"

دونوں گھبرا گئے۔ ماریا نے ایک سپاہی کے سر پہ ہاتھ مار کر اس کی نیلی پگڑی نیچے گرا دی۔ وہ پگڑی اٹھا ہی رہا تھا کہ دوسرے سپاہی کی پگڑی بھی نیچے گر پڑی۔ وہ جھکا تو ماریا نے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔ پہلا سپاہی پریشان ہو کر بولا۔

روازے پر دستک دی۔

ماریا اے سپاہی نے بلند آواز سے پوچھا۔

پُراسرار آواز ہے؟"

"میں اس حویلی کی بد نہ دیا۔ بلکہ ایک بار پھر دستک

تمہاری ہڈیوں کی یخنی پی جاؤں بلند آوز سے گرجا۔

غیبی آواز کا سننا تھا کہ دونوں سپاہی سرپہ پاتھ مار کر بھاگ اٹھے۔

اب ماریا کو خیال آیا کہ چابی تو وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ لیکن دونوں سپاہی خوف زدہ ہو کر اتنی تیز بھاگے تھے کہ اپنی پگڑیاں اور بندوقیں بھی وہاں پھینک گئے تھے اور کھیتوں میں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ ماریا نے میدان صاف پا کر حویلی کے دروازے پر لگے تالے کو دیکھا۔ پھر ایک ہی جھٹکے سے تالا توڑ کر پھینک دیا۔ دروازہ کھل گیا۔

ماریا حویلی میں داخل ہو گئی۔

حویلی میں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔

وہ سیدھی جاگیردار کے کمرے میں گئی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ سمجھ گئی کہ جاگیردار اپنے خفیہ تہہ خانے میں جا کر چھپ گیا ہے۔ وہ راہ داریوں اور کمروں سے ہوتی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۱۰،

یب کہا،

بندوق تھی،ا

عجیب سیارہ

یت سی کہ ماریا اس کے بالکل قریب

ماریا نے قریب آ کر سپاہی کی بندوق چھین لی۔ سپاہی ہڑبڑا کر دیوار کے ساتھ لگ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیم اندھیرے میں ادھر ادھر تکنے لگا۔ اس کی بندوق اس کے ہاتھ سے ایکدم غائب ہو گئی۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"بھاگ جاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گی۔ میں اس حویلی کی بد روح ہوں۔"

سپاہی نے جونہی بدروح کی آواز سنی اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ ماریا نے ایک لات اس کی کمر پہ مار کر کہا۔

"بھاگو!"

سپاہی کو جیسے کسی نے چابی دے دی۔ وہ اچھلا اور ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا۔ ماریا نے اب آہستہ

ے دروازے پر دستک دی۔

اندر والے سپاہی نے بلند آواز سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ایک بار پھر دستک دی۔ اب کے اندر سے جاگیردار بلند آواز سے گرجا۔

"کیا بات ہے بدتمیز؟ کیوں دروازے پر ہاتھ مار رہے ہو؟"

ماریا خاموش رہی۔ اندر بھی خاموشی چھا گئی۔ جاگیر دار نے سپاہی سے سرگوشی میں کہا۔

"دروازہ ہرگز نہ کھولنا۔ دال میں کچھ کالا کالا ہے۔"

سپاہی بھی گھبرا گیا تھا۔ جاگیردار کو خوف اور دہشت سے پسینہ آنے لگا تھا۔

حویلی میں بدروح کی موجودگی سے وہ کانپ رہا تھا۔

دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔ پھر ماریا نے بڑی ڈراؤنی چڑیلوں ایسی آواز میں کہا۔

"دروازہ کھولو۔ میں کھیر لائی ہوں۔

کھیر کھا لو اور سو جاؤ۔"

یہ آواز اس قدر بھیانک اور ڈرا دینے والی تھی کہ جاگیردار اور سپاہی دونوں کی گھگھی بندھ گئی۔ رنگ زرد پڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ سپاہی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"بد۔۔۔ب۔۔۔ب۔۔۔بدروح!"

اور اس کے ساتھ ہی سپاہی غش کھا کر گر پڑا۔

جاگیردار نے سپاہی کو گرتے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے دروازے کو غور سے دیکھا دروازہ بند تھا۔ تالا بھی لگا تھا۔ اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ بدروح اندر آ جائے گی۔

پھر اچانک دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ ماریا اندر

جاگیردار اسے دیکھ نہیں سکتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بدروح اس کے کمرے میں آ گئی ہے۔ ماریا دروازے کے قریب کچھ دیر کھڑی رہی۔ اور غور سے جاگیردار کو تکتی رہی۔ میں سوچنے لگی۔ یہ وہ شخص ہے جس نے آج تک نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال ہے۔ یہ ایک بے حد ظالم انسان ہے۔ اگر یہ زندہ رہا تو ابھی نہ جانے اور کتنے انسانوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔

ماریا نے کہا۔

"میں کھیر لائی ہوں تمہارے لئے۔ کھاؤ گے؟"

یہ آواز ماریا نے بڑی بنا کر نکالی تھی اور جاگیردار

اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے روح! مجھے معاف کر دے۔ یہ کھیر واپس لے جا۔"

ماریا نے چیخ مار کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ موت کے فرشتے نے یہ کھیر دوزخ میں تمہارے لئے بھیجی ہے۔ تمہیں یہ کھیر کھانی ہو گی"

جاگیردار کانپ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"چلو کمرے سے باہر نکلو۔ اس طرف چلو۔ جہاں تم نے گڑھے میں بھوکے آدم خور کتے پال رکھے ہیں"

جاگیردار کے خوف سے دانت بجنے لگے۔ وہ سمجھ گیا روح اسے مارنا چاہتی ہے۔

جلدی سے ہاتھ باندھ کر بولا۔

"معاف کر دو۔ اے روح! میں معافی مانگتا ہوں"

ماریا نے گرے ہوئے بے ہوش سپاہی کی بندوق اٹھا اور اس کی نالی جاگیردار کی گردن کے ساتھ لگا کر

"چپ چاپ کتوں کے غار کی طرف چلو۔ اگر ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا کر اڑا دوں گی"

جاگیردار سہما سہما آگے چل پڑا۔ ماریا اسے توڑ چکا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گڑھے کے کنارے پر سے آتی۔ کتے ابھی تک بھوکے
انہوں نے اوپر انسان کو دیکھا تو چیخنے اور بھونکنے لگے
وہ بھوک سے بے تاب ہونے لگے۔ گویا بھونک بھو
کر کہہ رہے ہوں۔ جلدی سے ہمیں ایک اور آدمی د
ہمیں بھوک لگی ہے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ آج ان کا مالک ہی ان کی بھ
مٹانے کے لئے ان کے پاس آ رہا ہے۔

ماریا نے جب دیکھا کہ جاگیردار گڑھے کے کنا
پر پہنچ گیا ہے تو اس نے اسے دھکا دے دیا۔ ای
چیخ کے ساتھ جاگیردار بھوکے کتوں کے درمیان گرا
اس کی چیخیں کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں گم ہو
ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل رہی تھی۔

ماریا وہاں سے سیدھی قبرستان پہنچی۔ غلام اور چین
کو ساتھ لیا۔ چینی لڑکی کو اس کے ماں باپ کے
پہنچایا اور حویلی غلام کے حوالے کر دی۔ غلام نے
کا مالک بنتے ہی سارے غلام آزاد کر دیئے
چینی لڑکی سے شادی کرکے خوش خوش زندگی بسر
گا

یہ آ
یا وہاں سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار

بڑھی۔

اب ہم عنبر کی خبر لیتے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر ایک خلائی جہاز میں سوار
ہے جو اسے لے کر زمین سے کروڑوں بلکہ اربوں میل
آگے خلا میں نکل گیا ہے۔ عنبر کو زمین ایک لیموں کی
طرح دکھائی دے رہی ہے۔ چاند بھی اس کے بہت
پیچھے رہ گیا ہے اور اب ایک ستارے کی طرح چمک
رہا تھا۔ عنبر اس خیال سے پریشان تھا کہ یہ راکٹ آخر
کہاں جا کر رکے گا۔

ایک بات ظاہر تھی کہ کسی نہ کسی ستارے کی کشش
اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور یہ ستارہ کوئی نہ کوئی سورج
ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خلا میں جتنے ستارے ہیں وہ سب
سورج ہیں اور ان میں اتنی زبردست آگ جل رہی ہے بلکہ
گیسیں جل رہی ہیں کہ اگر انسان ان کے ایک کروڑ میل بھی
قریب جائے تو جل کر بھسم ہو جائے۔

عنبر نے مشینوں کی سوئیوں کی طرف دیکھا۔ ساری سوئیاں
بے کار ہو گئی تھیں اور حیرت انگیز رفتار ظاہر کر رہی تھیں۔
نیچے زمین والوں کے ساتھ وائرلیس پر بات کرنے کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ زمین سے عنبر کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے سنا کر وائرلیس سیٹ میں عجیب قسم کے سگنل آ رہے تھے۔ یہ سگنل ٹو ٹو ٹو کی آواز تھی جو تھوڑی دیر کے بعد غائب ہو جاتی۔ عنبر نے اس پر غور کرنا شروع کر دی کہ یہ سگنل کسی سیارے کے تو نہیں ہیں؟

کیونکہ سیارے پر زندگی ہو سکتی تھی۔ مگر وہاں قریب قریب کوئی بھی سیارہ نہیں تھا۔ شہاب ثاقب یعنی ٹوٹے ہوئے ستاروں کے ٹکڑے عنبر کے راکٹ سے ٹکراتے تو راکٹ زبردست دھچکا کھاتا۔ عنبر کی زندگی کا یہ ایک بالکل ہی انوکھا سفر تھا۔ وہ کئی ہزار سالوں سے زندہ چلا آ رہا تھا اس نے کئی بادشاہوں کے دور دیکھے تھے۔ ہزارہا دشوار گذار سفر کئے تھے مگر یہ سفر ان سب سے مختلف تھا۔ نیا اور پر خطرناک ترین تھا۔

جوں جوں وقت گذر رہا تھا عنبر کی پریشانی بڑھ ر تھی۔ اس لئے کہ اسے ڈر تھا اگر یہ خلائی جہاز کسی سورج کے بھڑکتے الاؤ میں داخل ہو گیا تو وہ بھی اس کے سا ہی بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ خدا جانے اس دفعہ و زندہ رہ سکے یا نہ رہ سکے۔ زمین پر تو اسے ہمیشہ زند رہنے کے لئے کہہ دیا گیا تھا اور ہمیشہ سے زندہ تھا۔ لیک یہ آسمان تھا۔ خلا تھا۔ کیا خبر یہاں کس قسم کے حالات پیش

آ جائیں۔ اور پھر زمین کا قانون یہاں لاگو ہوتا ہو نہ ہوتا ہو!

ابھی عنبر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وائرلیس پر پھر سگنل سنائی دینے لگے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ عنبر، ماریا اور ناگ۔۔ ان تینوں کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ سکتے تھے۔ بلکہ ایسی زبان بھی سمجھ لیتے تھے جس کا تعلق ستاروں سے ہو۔ چنانچہ عنبر نے غور کیا تو سگنل پر اسے کہا جا رہا تھا۔

"تم کون ہو؟ کدھر جا رہے ہو؟"

عنبر نے جواب میں سگنل پر کہا۔

"میرے راکٹ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے وہ میرے قابو میں نہیں رہا۔ تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

سگنل آیا۔

"تم ایک ایسے ستارے کی طرف بڑھ رہے ہو جس کی دہکتی ہوئی آگ تمہیں کروڑوں میل دور ہی سے بھسم کر کے رکھ دے گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟ کیا تم میرے راکٹ کو ٹھیک کر سکتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ایک بھدی سی مشین ہے۔ بہرحال ہم تمہیں اپنا راکٹ بھیج رہے ہیں۔ تم ہمارے راکٹ پر سوار ہو جانا۔"

اس کے بعد سگنل آنا بند ہو گئے۔ عنبر نے سوچا یہ لوگ کس ستارے پر آباد ہیں؟ وہاں کیا ہوگا؟ کس کے لوگ ہوں گے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اتنا اسے علم ہو گیا تھا کہ جس ستارے سے اسے سگنل آ رہے تھے وہ کوئی ایسی مخلوق آباد ہے جو سائنس میں بہت ترقی کر چکی ہے۔ جب ہی تو وہ اس کے جدید ترین راکٹ کو بھدی مشین کہہ رہے تھے۔ عنبر نے گول کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔

آسمان سیاہ تھا۔ دور دور ستارے انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ نہ وہ جھلملا رہے تھے۔ نہ چمک رہے تھے۔ کیونکہ جھلملاہٹ اور چمک تو فضا کے ذرّوں کی وجہ سے آتی ہے اور خلا میں نہ فضا ہوتی ہے اور نہ ذرّے ہوتے ہیں۔ عنبر نے سامنے دیکھا تو ایک دہکتا ہوا سورج اس کے راکٹ کے قریب آ رہا تھا۔ یہی وہ سورج تھا۔ جس کے بارے میں ستارے کی مخلوق نے سگنل پر اسے خبردار کیا تھا۔

باہر خلا میں یقیناً گرمی تھی۔ سخت گرمی تھی۔ راکٹ کے

اندر ابھی گرمی نے اثر دکھانا نہیں شروع کیا تھا۔ اتنے میں عنبر نے ایک عجیب قسم کی سیٹی کی آواز سنی۔ اس نے راکٹ کی پچھلی کھڑکی سے دیکھا تو اسے آسمان پر ایک گول طشتری سی گھومتی ہوئی نظر آئی۔ یہ طشتری قریب رہی تھی۔ اس کے پیچھے سے روشنی نکل رہی تھی۔

ایک دم سے سگنل بول اٹھا۔

"راکٹ چھوڑ کر اس طشتری میں آنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر پہلے ہی سے تیار تھا۔ اب طشتری اس کے راکٹ کے بالکل اوپر آ کر رک گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کے راکٹ کی چھت میں سوراخ ہو گیا اور ایک چمکتی ہوئی چاندی ایسی سیڑھی نیچے اتری۔ عنبر اس سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ طشتری کا پیندا راکٹ کی چھت کے بالکل ساتھ مل گیا تھا عنبر طشتری میں داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی سیڑھی واپس آ گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک گول کمرے میں ہے جس کی چھت پر نیلے رنگ کے شیشوں کے تکونے اور چوکور ٹکڑے لگے ہیں۔ کمرہ روشن تھا مگر بلب وغیرہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ گول دیواروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمپیوٹر قسم کی چند ایک مشینیں لگی تھیں۔ کمرے میں ایک گو شیشے کا سلنڈر رکھا ہوا تھا۔

اسے آواز آئی۔

"اس سلنڈر کے اندر داخل ہو کر دروازہ اچھی طر سے بند کر لو۔"

عنبر ذرا ہچکچایا۔ مگر اب وہ ان طشتری والوں کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ شیشے کے سلنڈر میں داخل ہو گیا۔ اندر سے اس نے دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے لمحے اس کی آنکھیں تیز قسم کی نیلی روشنی سے چکا چوند ہو گئیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک سلنڈر کے اندر..... اسے یوں لگا جیسے اس کا جسم ہوا بن کر خلا میں اڑ رہا ہے۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو خلا میں اڑتا دیکھے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ خلا میں اڑ نہیں رہا تھا بلکہ اسی سلنڈر میں تھا۔

مگر کمرہ وہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ طشتری سے تحلیل ہو کر اوپر سیارے پر آ گیا تھا۔

سلنڈر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔

عنبر سلنڈر سے باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ کمرہ گول نہیں تھا۔ تکونا تھا۔ چھت پر سرخ شیشے کے ٹکڑے

لگے تھے۔ بیچ میں ایک گول میز تھا جو سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر محسوس کیا کہ فضا میں کسی خاص دوا کی خوشگوار سی مہک چھپی ہوئی تھی۔ اتنے میں اسے پھر سگنل ہوا۔

"یہاں سے سیدھا کمرے کے کونے کی طرف چلو"

عنبر کونے کی طرف بڑھا۔ دیوار کے قریب آیا تو ایک دروازہ کھل گیا۔ عنبر دروازے میں سے گزر کر ایک دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہ ایک کھلا ہال کمرہ تھا۔ درمیان میں سونے کا ایک تخت بچھا تھا۔ اردگرد سونے کی کرسیاں رکھی تھیں جن پر بڑے بڑے سرخ یاقوت اور لعل جڑے ہوئے تھے۔ عنبر نے قریب جا کر دیکھا۔ دیواروں پر بھی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ سارے کے سارے اصلی جواہرات تھے۔ معلوم ہوا کہ اس سیارے پر جواہرات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اتنے میں ایک دیوار شق ہوئی۔ اور دو آدمی نمودار ہوئے۔

عنبر کو وہ آدمی ہی لگے۔ مگر غور سے دیکھا تو ان کے چہرے تکونے تھے۔ کان غائب تھے۔ ماتھے پر صرف ایک آنکھ تھی۔ ٹانگ بھی ایک تھی۔ ناک آدھی ایسی تھی اور منہ کی جگہ ایک سوراخ تھا۔ قد عنبر سے چھوٹا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دونوں بازوؤں کے آگے ہاتھوں کی جگہ ایک ایک انگلی لگی ہوئی تھی۔ عنبر اس عجیب مخلوق کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔ عنبر کو ان کے جسموں سے نکلتی عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی۔ اس کے بعد اسی دروازے سے ایک اسی طرح کا آدمی نکلا۔ اس کے تکونے سر پر ایک تاج تھا جس میں ایریل لگا تھا۔ ایریل پر زمرد اور ہیرے لگے ہوئے تھے۔ آ کر سونے کے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ ان کی ایک ٹانگ تھی اس لئے وہ یوں چلتے تھے جس طرح کہ مو چلتی ہے۔

عنبر خاموش کھڑا اس تاج والے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی اکلوتی آنکھ بھی عنبر کو اوپر سے نیچے تک دیکھ رہی تھی۔ پھر اس آنکھ میں سے ایک شعاع نکلی اور عنبر کے جسم پر پڑی۔

عنبر کو یوں لگا جیسے کوئی اسے بیٹھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ عنبر بیٹھ گیا۔ تاج والا بولا۔

"تم ہماری زبان کس طرح سمجھ لیتے ہو؟"

یہ بات اس آدمی نے منہ سے سیٹی کی آواز نکال کر

کی تھی۔ عنبر اس سیٹی کے معنی سمجھ گیا تھا۔ عنبر نے اسے بتایا کہ زمین پر اسے قدرت نے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے کہ وہ دنیا اور خلا کی ہر مخلوق کی زبان سمجھ لیتا ہے۔

تاج والے آدمی نے کہا۔

"تم زمین والے خلا میں اپنے جو چھوٹے چھوٹے کھلونے بھیجتے رہتے ہو ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ مگر ان کھلونوں سے ہمیں چونکہ کوئی خطرہ نہیں اس لئے تم لوگوں کو ہم نے کبھی کچھ نہیں کہا"

عنبر نے پوچھا۔

"آپ لوگ اس سیارے پر کب سے آباد ہیں اور آپ کی شکل ہم لوگوں سے مختلف کیوں ہے؟"

اس نے کہا۔

"یہ ہمارے سیارے کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ ہم لوگ اس سیارے پر اربوں سال سے آباد ہیں"

عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ مجھ سے کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں؟"

تاج والا بولا۔

"تم نے ہماری زبان میں بات کر کے ہمارے دل موہ لئے ہیں۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ تم بھی ہم میں سے ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لئے اب ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ویسے بھی تمہارا زمین کا کوئی انسان پہلی بار ہمارے سیارے پر آیا ہے ہم تمہیں اپنے عجائب گھر میں رکھیں گے۔"

عنبر کانپ اٹھا۔ یہ کم بخت کیا سوچ رہا ہے۔ یہ تو اسے عجائب گھر کی کسی شیشے کی الماری میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ اس نے کہا

"کیا آپ مجھے قید کر رہے ہیں؟"

تاج والا آدمی سیٹی بجا کر ہنسا اور بولا۔

"نہیں — تمہیں عجائب گھر میں چلنے پھرنے کی اجازت ہوگی۔ مگر تم اس عجائب گھر سے باہر نہیں نکل سکو گے اگر تم نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو تمہیں گیارہ کروڑ دولٹ بجلی کا ایسا جھٹکا لگے گا جو تمہیں جلا کر راکھ کر دے گا۔ مگر ہم تمہاری بڑی اچھی طرح سے دیکھ بھال کریں گے۔ تمہیں تمہاری زمین کے مطابق کھانے کو دودھ اور پھل دیں گے۔ ہمارے ایک فارم میں تمہاری زمین کے مطابق پھل اگائے جاتے ہیں اور بکریاں دودھ بھی دیتی ہیں۔"

عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ تاج والے نے ہاتھ کھڑا کر کے انگلی ہلائی۔

دونوں آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو بڑی آسانی سے یوں اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا جیسے عنبر کوئی لکڑی کا ہلکا سا کھلونا ہو۔ وہ اسے لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔ یہاں ایک شیشے کی چھوٹی سی موٹر کھڑی تھی۔ عنبر کو اس میں بٹھا کر اس کا بٹن دبا دیا گیا۔ موٹر بجلی کی تیزی کے ساتھ ایک سرنگ میں سے گزرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد یہ موٹر ایک ہال کمرے میں آ گئی۔

یہاں اسی قسم کے ایک آدمی نے عنبر کو موٹر میں سے نکال کر ہاتھ پر اٹھا لیا۔ خدا جانے ان لوگوں میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ انہیں عنبر کا کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ شاید اس سیارے پر زمین کے مادے کا معمولی وزن تھا۔ یا پھر اس سیارے کی مخلوق میں طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ زمین کے دو تین من وزن کو آسانی سے ایک ہاتھ سے بلکہ ایک انگلی سے اٹھا لیتے تھے بہرحال یہ تجربہ عنبر کے لیئے بالکل نیا تھا۔ وہ آدمی عنبر کو اٹھائے ایک شیشے کی دیواروں والے کمرے میں لے آیا۔

"تم یہاں رہو گے"

اور عنبر کو عجائب گھر کے اس کمرے میں چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ شیشے کی دیواروں والے اس کمرے کے پہلو میں ایک میز کرسی رکھی تھی۔ کونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سونے کے تاروں والا بھاری پردہ گرا تھا۔ عنبر نے پردہ اٹھا کر دیکھا۔ یہ سونے کا کمرہ تھا۔ فرش پر چاندی کا تخت بچھا تھا جس پر ربڑ کی قسم کا سبز رنگ کا گدا اور سرہانہ رکھا تھا۔ ساتھ ہی باتھ روم تھا۔ میز پر کھانے کو پھل اور دودھ پڑا تھا۔ عنبر نے پھلوں کا غور سے دیکھا۔ یہ دور سے سنگترے لگتے تھے۔ قریب گیا تو معلوم ہوا کہ آم کی قسم کا کوئی پھل ہے۔ عنبر نے اسے چوسنا چاہا مگر گودا اس کے اندر سے نہ نکلا۔ عنبر نے چھری سے کاٹا۔ کھایا تو ذائقہ بالکل سیب ایسا تھا۔ بے حد لذیذ اور طاقت بخش تھا۔ عنبر کو بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ ایک سیب کھا کر اس نے دودھ پیا۔ دودھ کا ذائقہ بالکل ہمارے ہاں کی بکری کے دودھ ایسا تھا۔ عنبر بستر پر بیٹھنے لگا تو اسے ایک جھٹکا لگا۔ اور بستر نے اٹھا کر اسے دور پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی سیٹی کی آواز آئی جس کا مطلب تھا۔

"ابھی سونے کا وقت نہیں ہے۔ تمہیں کمرے میں جا کر بیٹھنا ہے تاکہ عجائب گھر میں آئے ہوئے لوگ تمہیں دیکھ کر خوش ہوں"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ ان لوگوں کی کمال کی مشینری ہے۔

وہ باہر شیشے کے کمرے میں آ گیا۔ عنبر کی ڈیوٹی ختم گئی کہ وہ صبح سے شام تک عجائب گھر میں اس سیارے کی مخلوق کا دل بہلاتا رہے۔ وہاں کی ایک آنکھ ایک ٹانگ والی مخلوق اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ آتی اور عنبر کو دیکھ کر لطف اٹھاتی۔ وہ آپس میں باتیں بھی کرتے۔ عنبر ان کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ ان کے لئے عنبر کوئی جانور تھا۔ کسی دوسرے سیارے کا۔

رات کو عنبر کی خواب گاہ کی ایک کھڑکی کھلتی۔ اس میں سے ایک طشت اپنے آپ اندر آ جاتا جس میں پھل اور دودھ ہوتا۔ اسی طرح عنبر کے دن وہاں گذرنے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پراسرار قلعہ

●

حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس سیارے پر وقت کوئی نہیں تھا۔

عجائب گھر میں بھی گھڑی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ عنبر کی اپنی کلائی کی گھڑی بھی اس کے اپنے راکٹ میں رہ گئی تھی۔ یہاں دن چھوٹا ہوتا تھا۔ سورج نکلتا اور کچھ دیر کے بعد ہی شام ہو جاتی۔ پھر جو رات آتی تو گزرنے کا نام نہ لیتی۔ خدا جانے یہاں کی مخلوق وقت کا کیا حساب رکھتی تھی۔ ابھی تو عنبر کو ان لوگوں سے گھل مل کر بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ عنبر نے دن رات کا یہ حساب رکھا کہ وہ پنسل سے ایک نوٹ بک میں لکھ لیتا۔ ایک مہینہ گزرنے کے بعد اس نے نوٹ بک پر دن کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا۔

اس کے بعد نہ جانے کتنے روز گزر گئے تھے کہ عنبر ایک روز تنگ آ گیا۔ اس نے وہاں سے فرار

ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ عجائب گھر کے باہر بجلی کی بڑی طاقت ور رو چھوڑ دی گئی تھی جو اس سیارے میں رہنے والوں کو کچھ نہیں کہتی تھی مگر عنبر کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ ایک دن عنبر بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لوگ عجائب گھر سے جا چکے تھے۔ عجائب گھر کے برقی دروازے اپنے آپ بند ہو گئے تھے۔ عنبر نے اپنے بستر سے اٹھ کر پردہ ہٹا کر دیکھا۔ ہال کمرہ خالی تھا۔ چھت میں لگے شیشے کے ٹکڑوں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ عنبر ہال کمرے میں آ گیا۔ پھر وہ دیوار کے ساتھ کھسکتا ایک برقی دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ وہاں کوئی دروازہ بنا ہوا نہیں تھا مگر اس کا اندازہ تھا کہ ہر روز دروازہ اسی جگہ سے کھلتا ہے۔

اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کسی خفیہ کیمرے کی آنکھ اسے دیکھ نہ رہی ہو۔ عنبر نے دروازے والی جگہ پر دیوار پر ہاتھ پھیرا۔ اسے ایک چھوٹا سا بٹن دیوار میں لگا محسوس ہوا۔ عنبر نے بٹن کو دبایا تو دروازہ بغیر کسی آواز کے کھل گیا۔ عنبر نے چوکس ہو کر اردگرد دیکھا۔ ہال میں گہری خاموشی چھا رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عنبر دروازے میں سے گزر گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر ایک گیلری سی تھی جس کی گول چھت کے ساتھ فانوس لٹک رہے تھے۔ یہ نجانے بوسٹے تھے۔ یا خدا جا کیا شے تھے۔ عنبر گیلری کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا بڑھا۔

کافی آگے جا کر ایک سنگ مرمر کا سفید دالان آگیا کے آگے تین چار سیڑھیاں تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اتر گیا۔ تنگ سا راستہ شروع ہو گیا جس نے عنبر کو ایک دیو پاس پہنچا دیا۔ دیوار نے راستہ بند کر دیا تھا۔ عنبر کو یقی تھا کہ یہاں کہیں دروازہ ضرور ہے کیونکہ یہ راستہ یوں اچا بند نہیں ہو سکتا۔ اس نے دیوار کو ٹٹولا۔ ایک جگہ خفیہ مل گئی۔ عنبر نے میخ کو ذرا سا دبایا۔ دیوار میں ایک بن گیا۔

عنبر اندر گیا تو دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ عنبر کے اندر جاتے ہی وہ جگہ روشن ہو گئی۔ عنبر دنگ سا ہو کر رہ گیا۔

اس کے سامنے ایک اڑن طشتری کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

"ضرور یہ ان لوگوں کا لانچنگ پیڈ ہے۔ یعنی اس جگہ سے اڑن طشتریاں آسمان کی طرف پرواز کرتی ہیں۔"

عنبر کے دل میں خیال آیا۔ یہاں سے اسی وقت فرار ہو جانا چاہیئے۔ اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ یہ سوچ کر عنبر نے اڑن طشتری کے دروازے کا بٹن دبا کر اسے کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ اسے معلوم تھا کہ جب وہ یہاں سے اڑا تو سیارے کی مخلوق یقیناً اس کا پیچھا کرے گی۔ بلکہ اس پر حملہ بھی کرے گی۔ اس کے باوجود عنبر وہاں کی بے رس اکتا دینے والی زندگی سے اس قدر بیزار ہو گیا تھا کہ وہ مر جانا زیادہ پسند کرتا تھا بہ نسبت اس کے اس غیر انسانی دنیا پر رہے۔

عنبر طشتری کے اندر آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور مشین کو غور سے تکنے لگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ان لوگوں کی زبان سے واقف تھا۔ مختلف آلات کے بٹنوں پر مختلف اشارے لکھے تھے جنہیں عنبر بخوبی سمجھ رہا تھا۔ پہلے اس نے ایک بٹن دبایا ہی تھا کہ کمرے کے اوپر کی اوپر کی چھت بیچ میں سے کھل گئی۔ گویا اڑن طشتری اب اس میں سے گزر سکتی تھی۔

عنبر نے آلات پر لکھی ہدایات کے مطابق دوسرا بٹن دبایا۔ کچھ روسی سائنس دانوں نے راکٹ اور خلائی جہازوں کی مشینری کے بارے میں عنبر کو معلومات مہیا کر دی تھیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے بٹن کے دباتے ہی اڑن طشتری میں ہلکی ہلکی گونج سی پیدا ہونے لگی۔ گویا طشتری کی مشینیں چالو ہو گئی تھیں۔ عنبر نے آلات کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک چھوٹے سے چاندی کے ہینڈل کو اپنی طرف کھینچا ہی تھا کہ طشتری کمرے کے فرش سے اوپر اٹھنا شروع ہو گئی۔

پھر وہ کمرے کی چھت میں سے نکل کر اوپر کھلی فضا میں آ گئی۔ عنبر نے دوسرے ہینڈل کو کھینچا تو اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اب جو اس نے طشتری کی گول شیشہ لگی کھڑکی میں سے باہر دیکھا تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ خدا جانے ایک سیکنڈ میں وہ کتنے میل اوپر آسمان میں اڑ چکا تھا کہ اسے وہ سیارہ چھوٹا سا دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں ایک سیکنڈ پہلے وہ قید کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

اتنی تیزی سے اس نے کبھی سفر نہ کیا تھا۔ اڑن طشتری تو سیارے کی فضا سے بالکل ایسے اوپر نکل گئی تھی جس طرح پستول میں سے گولی نکلتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ۔

خدا جانے کیا بات ہوئی تھی کہ سیارے کی مخلوق کو عنبر کے فرار کی کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی۔ شاید رات کے

وقت وہ لوگ بہرے ہو جاتے تھے۔ اندھے ہو جاتے تھے کہ ان کے کمپیوٹروں نے عنبر کے فرار کا ایک بھی سراغ نہ دیا۔ بہرحال عنبر خوش تھا کہ وہ سیاروں کی مخلوق کی قید سے نکل آیا تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ جا کہاں رہا ہے؟ یہ اڑن طشتری اسے کہاں لئے جا رہی ہے؟ کیا اسے کسی دوسرے سورج میں تو جا کر نہیں ڈال دے گی؟

کچھ ہی دیر بعد سیارہ ایک چھوٹی سی گیند کی طرح نظر آنے لگا۔

اڑن طشتری سیاروں اور ستاروں کو پیچھے چھوڑتی کسی نہ معلوم منزل کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اس کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اڑن طشتری کی منزل کون سی ہے؟ وہ کہاں جا کر رکے گی؟ کب رکے گی؟ رکے گی بھی کہ نہیں! اور کیا خبر کہ اچانک کسی سورج کے سامنے جا کر اس کے شعلوں میں گر کر خاک ہو جائے بلکہ بھاپ بن کر اڑ جائے۔

خلا میں رات ہی رات تھی۔ باہر خلا میں گہرا سیاہ اندھیرا تھا جس میں ستارے دور دور انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ نہ وہ ٹمٹما رہے تھے، جھلملا رہے تھے۔ تسلی کی بات یہ تھی کہ سامنے کوئی سورج بھی نہیں تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو طشتری کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو اور جس کی وجہ سے پریشانی ہو۔ طشتری میں کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان موجود تھا۔ عنبر کو جب نیند آتی سو جاتا جب نیند ختم ہو جاتی تو اٹھ کر بیٹھ جاتا۔

اس طرح خدا جانے کتنی راتیں کتنے دن گزر گئے تھے کہ ایک روز یا ایک رات اچانک اڑن طشتری کی سکرین پر ایک سیارے کی تصویر ابھری۔ اس کی شکل لبوتری تھی اور اس میں اونچے اونچے پہاڑ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ طشتری اپنے آپ اس سیارے کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے طشتری کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ طشتری بڑی تیزی سے اس لبوترے سیارے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

عنبر کو نیند آ گئی۔ وہ سکرین پر سیارے کو قریب سے قریب آتے دیکھ کر تھک گیا تھا۔ وہ سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ پہلی بات جو اس نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ طشتری کی گول شیشے والی کھڑکیوں میں سے چاندنی کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

عنبر شیشے والی کھڑکی کے ساتھ لگ گیا اور باہر تکنے لگا۔ ایک بار تو وہ دھوکا کھا گیا کہ اپنی زمین پر ہے۔ کیونکہ باہر اسے اونچے اونچے گھنے درخت اور گھنی جھاڑیاں نظر رہی تھیں۔ اڑن طشتری اس لبوترے سیارے کے کسی نگل میں راتوں رات آ کر اتر گئی۔ اس کی مشین اپنے آپ ند ہو گئی تھی۔ اندر صرف چھت کی دھیمی روشنی جل رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ کیا وہ طشتری سے باہر نکلے؟

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ باہر کی فضا کیسی ہے؟ اس ئے سیارے کی فضا میں آکسیجن ہے یا نہیں؟ آکسیجن اور نائٹروجن کے بارے میں تو اسے یقین ہو گیا کہ اس سیارے یں ضرور ہو گی۔ کیونکہ درخت وہیں ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں گیسیں موجود ہوتی ہیں۔ اگر اس سیارے پر آکسیجن گیس ہے تو پھر وہ بے دھڑک باہر نکل سکتا تھا۔

عنبر نے طشتری کی روشنی بجھا دی۔ اپنا پستول اور لیوں کی پیٹی باندھی اور طشتری کا دروازہ کھول دیا۔ ہوا ٹھنڈا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا تو اس کی طبیعت بشاش ہو گئی۔ یہ بالکل اس کی اپنی زمین کی ہوا تھی۔ پھر اس ے محسوس کیا کہ وہ ایک کنوئیں کے اندر ہے۔ یعنی اڑن شتری کسی گہرے کنوئیں کے اندر اتر گئی تھی۔ سامنے کنوئیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی گول دیوار تھی۔ عنبر نے طشتری کے اندر سے سفید پل دھات کی بنی آٹومیٹک سیڑھی باہر نکالی اور طشتری پر رکھ کر کنوئیں کی دیوار سے لگا دی۔ بٹن کے دبتے ہی اوپر اٹھنے لگی اور کنوئیں سے باہر نکل گئی۔

عنبر سیڑھی پر چڑھ کر کنوئیں سے باہر آگیا۔

اس نے بٹن دبا کر سیڑھی دوبارا نیچے بھیج دی۔ خود اردگرد نگاہ دوڑائی جنہیں وہ درخت اور جھاڑیاں سمجھا تھا وہ سبز بیلیں تھیں جو کنوئیں کے اندر تک اتر گئی تھیں۔ باہر اس کو واقعی اپنے سامنے اونچے گھنے درخت اور جھاڑیاں نظر آئیں۔ چاندنی درختوں سے چھن کر نیچے کنوئیں میں بھی جا رہی تھی۔ اسی چاندنی کی روشنی عنبر کو اپنی طشتری کی کھڑکیوں پہ دکھائی دی تھی۔

عنبر نے بڑے غور سے اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ ہوا کو سونگھا۔ ہوا میں سبزے کی مہک تھی۔ بالکل اپنی زمین کی طرح۔ درخت بھی اپنی زمین ہی کی طرح تھے۔ ایک بار تو وہ دھوکا کھا گیا کہ شاید دوبارا اپنی زمین پر واپس آ گیا ہے۔ مگر طشتری کی سکرین پہ اس نے اس سیارے کو بلوتز دیکھا تھا جب کہ اس کی اپنی زمین ایسی نہیں تھی۔

عنبر نے ادھر ادھر سے لمبی لمبی ٹہنیوں والی جھاڑیاں توڑ

کنوئیں کے اوپر اس طرح ڈال دیں کہ طشتری بالکل چھپ اب وہ درختوں کے نیچے سے ہو کر آگے کو چلا۔ درختوں کے جھنڈ ختم ہو گئے۔ اب اسے چاندنی میں سامنے وادی نظر آئی یہاں اردگرد اونچے اونچے کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ ایک ندی اس کے قریب سے گزر رہی تھی۔ عنبر نے جھک کر پانی کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا۔ پھر اسے چکھا۔ بڑا میٹھا اور صاف پانی تھا۔

اس سیّارے پر بالکل اپنی زمین کی طرح کی فضا تھی۔

عنبر ندی کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ آگے جا کر ندی بائیں جانب کو مڑ گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی گھوم گیا۔ اب اس نے دور ایک ٹیلے پر ایک چھوٹے سے قلعے کو دیکھا جس کا سیاہ خاکہ چاندنی رات میں صاف نظر آ رہا تھا۔ قلعے کی اوپر والی منزل کی دائیں جانب کسی جگہ سے دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر رک کر سوچنے لگا کہ یہ کون سی زمین ہے؟ کون سا ملک ہے؟ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟ وہ کس دنیا میں آ گیا ہے؟

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک عورت کی سسکیاں لے لے کر رونے کی آواز آئی۔ عنبر آواز کی طرف بڑھا۔ یہ آواز ایک چٹان کے پیچھے سے آ رہی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ عنبر نے چٹان کی اوٹ میں ہو کر دوسری طرف نگا
چاندنی پھیلی ہوئی تھی جس میں سارا منظر صاف نظر آر
کیا دیکھتا ہے کہ ایک اونچا لمبا آدمی ہے جس نے سر
ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کلہاڑا ہے۔
پاس ہی ایک گھوڑا کھڑا ہے۔

ایک لمبے بالوں والی عورت دو زانو ہو کر زمین پر دونوں ہاتھ منہ پر رکھے رو رہی ہے۔ عنبر حیران ہ
کر یہ منظر تکنے لگا۔

اس عورت نے روتے روتے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"رب مردوخ کے لیے میرا سر نہ کاٹو۔ میں تمہیں اکلوتے بچے کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھ پر رحم کرو"

اونچے لمبے آدمی نے کہا۔

"تمہارا سر کاٹ کر مجھے تمہارے بچے کو بھی آگ ڈالنا ہے۔ شہنشاہ بابل سیاکریب کے حکم پر تمہیں قتل جا رہا ہے"

عنبر ایک بار تو اپنی جگہ سے ہل گیا۔ یہ وہ کیا سن
تھا۔ چونکہ تاریخ کے ہر پرانے دور میں سے گزر کر آ
تھا اس لیے اسے تمام پرانی تہذیب کی زبانوں
واقفیت تھی۔ وہ عورت اور آدمی آج سے تین ہزار

پہلے کی اشوری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ تو کیا وہ بابل کے بادشاہ سیناکریب کے عہد میں آ گیا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر سب کچھ ہو سکتا تھا۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ اور ابھی بہت کچھ ہونے والا تھا۔

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس عورت کی جان بچانے کی تھی۔ عنبر نے اپنی دنیا کا ماڈرن لباس پہن رکھا تھا۔ یعنی ایک پتلون، چمڑے کی جیکٹ، پاؤں میں فل بوٹ اور کمر کے ساتھ پستول لگا تھا جو گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔

پیٹی میں فالتو گولیاں بھی لگی تھیں۔ عنبر ایک دم سے سامنے آ گیا۔

اسے دیکھ کر جلاد نے چلا کر کہا۔

"تم کون ہو؟ چلے جاؤ۔ میں اس قلعے کے حاکم کی طرف سے اس عورت کا سر کاٹ رہا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"اس عورت کو چھوڑ دو"

اب وہ عورت بھی رحم طلب اور کچھ حیران حیران نظروں سے عنبر کو تک رہی تھی۔ چاندنی میں عنبر کا لباس صاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر آ رہا تھا۔ عورت اور جلاد اس کے لباس کو دیکھ ک
تعجب کر رہے تھے کہ یہ کس ستارے کی مخلوق وہاں آ
گئی ہے؟ جلاد نے کہا۔

"میں تمہیں بھی ہلاک کر دوں گا۔ تم کون ہو۔ لباس تمہارا ک
دوسرے ستارے کی مخلوق کا ہے مگر تم زبان ہماری بو
رہے ہو"

عنبر نے کہا۔

"میں کون ہوں؟ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا میں آخر
بار تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ نہیں
تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا"

جلاد طیش میں آ گیا۔ اس نے کلہاڑے سے عنبر پر ح
کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ عورت سے پہلے اس نئی مخلوق
کو ختم کر دے۔ کلہاڑے کا وار عنبر کے بازو پر لگا
ٹکرا کر اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا۔ جلاد پریشان ہوا کہ یہ
آدمی ہے کہ پتھر؟ عنبر نے کہا۔

"اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تم پر وار
کرنے لگا ہوں"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پستول کا نشانہ لے کر
فائر کر دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور گولی سیدھی جلاد کے

سینے میں جا کر لگی۔ وہ ٹوٹے ہوئے درخت کی طرح گرا
اور تڑپ کر مر گیا۔ گولی کے دھماکے اور پھر اچانک جلاد
کے زمین پر گرنے اور تڑپ کر مر جانے سے وہ عورت
خوف زدہ ہو گئی اور اس نے عنبر کے آگے سجدہ کر دیا۔

"عظیم مردوخ دیوتا! تم نے مجھے بچا لیا۔"

عنبر نے عورت کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہن اٹھو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ تمہیں مردوخ
دیوتا نے نہیں بلکہ میرے خدا نے بچایا ہے"

عورت نے سر اوپر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور کانپتے
ہونٹوں سے کہا۔

"تم ——— تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو کہ میں کون ہوں اور کہاں سے
آیا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور میں تمہارے
کس کام آ سکتا ہوں؟"

اس عورت نے ڈرتے ڈرتے عنبر کے ہاتھ میں
پکڑے ہوئے پستول کو دیکھا اور کہا۔

"یہ کیا چیز ہے جس میں سے آگ کا ہلکا سا شعلہ
نکلا دھماکہ ہوا اور جلاد گر کر مر گیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"ان تمام سوالوں کا جواب میں پھر کبھی دوں گا۔ تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور میں تمہیں کہاں چھوڑ آؤں کر ظالموں کے پنجے سے آزاد ہو سکو؟"

عورت نے کہا

"میرا نام عبیلا ہے۔ میں اس قلعے کے حاکم کی لونڈی ہوں۔ حاکم نے ایک خوبصورت عورت سے کر لیا ہے اور اب مجھے مروانا چاہتا ہے وہ میر اکلوتے بچے کو بھی آگ میں ڈالنا چاہتا ہے"

"تمہارا بچہ کہاں ہے؟"

"وہ قلعے میں بڑی کنیز کے پاس قید ہے۔"

"تم کہاں جانا چاہتی ہو؟"

عنبر نے پوچھا۔

عبیلا نے کہا۔

"میں اپنا بچہ واپس لے کر یہاں سے دریا پار غریب ماں کے پاس واپس جانا پسند کروں گی"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا بچہ تمہیں لا کر واپس کر

"قلعے میں قدم قدم پر سخت پہرہ ہے۔ تم اندر نہ سکو گے۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر ٹھہرا کر خود تمہارے بچے کو لینے جاؤں گا۔ تمہارے خیال میں یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم سکون سے بیٹھ کر میرا انتظار کر سکو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مجھے وہاں بچہ واپس حاصل کرنے میں کچھ وقت لگ جائے"

عبیلا نے کہا۔

"یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں پناہ لے سکوں ہاں البتہ قریب ہی ایک چٹان کے اندر چھوٹا سا غار ہے۔ میں بچپن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں کھیلا کرتی تھی۔ اس غار میں چھپ کر میں تمہارا انتظار کروں گی"

عنبر نے عبیلا کو ساتھ لیا اور چٹان کے غار میں آ گیا۔

"تمہارے کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو گا؟"

عبیلا نے کہا۔

"میں جنگل کے پھل اور ندی کا پانی پی کر گزارہ کر لوں گی۔ تم میرے بچے کو جلدی سے میرے پاس لے آؤ۔ ظالم حکمران کہیں اسے آگ میں نہ ڈال دے"

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی جاتا ہوں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر اس مظلوم ماں کو غار میں چھوڑ کر خود رات کی خاموشی میں ہی قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے عبیلا سے بڑی کنیز کا نام پوچھ لیا تھا۔ اس کا نام تھا اور وہ حاکم کی بڑی منہ لگی چہیتی کنیز تھی اور عبیلا کی دشمن بھی تھی۔ اسی کی سازش سے عبیلا بے چاری کی گردن کاٹی جا رہی تھی۔

عنبر کو بڑی حیرت تھی کہ وہ ایک دم سیناکرب کے اشوری عہد میں کیسے آ گیا؟ کیونکہ تاریخ کا یہ دور تو اس کی زمیں پر گزر چکا تھا۔ تو کیا تاریخ اس انوکھے سیارے میں اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی تھی؟ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو سال پہلے کے زمانے میں کیسے آ جاتا؟

یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا جس میں سے عنبر ایک بار پھر گزر رہا تھا۔

رات کے سناٹے میں وہ قلعے کے قریب آ گیا۔ قلعے پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بائیں جانب والی منزل میں ایک کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر سائنس کی دنیا سے ایک دم ایک بار پھر پرانے زمانے کی دنیا میں آ گیا تھا جہاں نہ موٹر تھی، نہ ریل گاڑی، نہ

بجلی کے قمقموں کی روشنی، نہ راکٹ، نہ ٹیلی ویژن اور نہ ریڈیو۔

قلعے کی کھڑکی میں بڑی مدھم روشنی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ موم بتی یا مشعل کی روشنی ہے۔

عنبر چلتے چلتے قلعے کے قریب آ کر رک گیا۔

قلعے کا بڑا دروازہ بند تھا۔ بہت بڑا دروازہ تھا جو زنجیروں کی چرخی گھمانے سے کھلتا تھا۔ ایک چھوٹا طاق بھی تھا جو بند تھا۔ اس طاق کے کھلنے سے اس میں سے آدمی بڑی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ قلعے کی دونوں جانب دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان کی وردی پرانے زمانے کے سپاہیوں ایسی تھی۔ انہوں نے ہاتھوں میں نیزے تھام رکھے تھے۔ وہ چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قلعے کے اوپر والے پہرے دار کی آواز آتی۔ وہ اشوری زبان میں کہتا۔

"ہوشیار! خبردار!"

اس کے جواب میں نیچے کے پہرے دار بھی باری باری کہتے۔

"فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر سوچتا رہا کہ قلعے کے اندر کیسے داخل ہو۔ وہ سامنے والے دروازے سے اندر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ قلعے کے اردگرد کھائی بنی تھی جس میں پانی چھوڑا ہوا تھا۔ عنبر کو معلوم تھا کہ پرانے زمانے میں اس قسم کے قلعوں کے اردگرد گہری کھائیاں ہوتی تھیں جن کا پانی بڑا ڈونگا ہوتا تھا۔

عنبر نے ذرا پرے ہٹ کر کھائی کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ وہ قلعے کے پیچھے آ گیا۔ یہاں پہریدار کوئی نہیں تھا۔ مگر قلعے کے اوپر سے کبھی کسی سپاہی کی آواز آ جاتی تھی۔

"ہوشیار، خبردار!"

قلعہ تین منزلہ تھا۔ بہت اونچا تھا۔ عنبر اس کھڑکی کے نیچے آ گیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ قلعے کی تیسری منزل تھی۔ اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کوئی ایسا درخت بھی نہیں تھا جس کی شاخیں قلعے کے اوپر تک گئی ہوں۔ عنبر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک کھڑکی میں سے کسی نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ عنبر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا اور کھڑکی کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ چاندنی رات میں اسے کھڑکی میں

ایک عورت کا خاکہ نظر آیا۔ پھر اچانک اس عورت نے رسی کی ایک سیڑھی نیچے لٹکا دی۔

عنبر یہ ڈرامہ دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ عورت پیچھے ہٹ گئی۔ اب ایک آدمی گود میں ایک چھوٹی سی گٹھڑی سنبھالے ایک ہاتھ سے سیڑھی کی رسی پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔ اب وہی عورت پھر کھڑکی میں آ گئی۔ آدمی نیچے اتر رہا تھا۔ جب وہ آدھے راستے میں آیا تو اوپر سے عورت نے آشوری زبان میں کہا۔

"بچے کو جنگل میں لے جا کر ہلاک کرنا اور وہیں دبا دینا۔ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ کہیں یہ عبیلا کا بچہ تو نہیں؟ ضرور یہ کھڑکی والی عورت کنیز جنتری ہے اور یہ بچہ عبیلا کا بچہ ہے جس کو یہ آدمی شاہی کنیز جنتری کے حکم سے خفیہ طور پر ہلاک کرنے جا رہا ہے۔ وہ آدمی اب قلعے کی دیوار سے اتر چکا تھا۔ اس نے ایک جگہ سے کھائی عبور کی اور بچے کو بغل میں دبا کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔

عنبر کو اسی بچے کی تلاش تھی۔ پس وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر وہ آدمی رک گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے گٹھڑی زمین پر رکھی۔ اسے کھولا تو بچہ رونے لگا۔ اس آدمی نے خنجر نکال لیا۔ عنبر دیر نہیں کر سکتا تھا۔ خنجر کے نکلتے ہی وہ ایک دم سے آدمی کے سامنے آگیا۔ وہ شخص رات کے وقت جنگل کی تنہائی میں ایک عجیب لباس والے انسان کو اپنے سامنے دیکھ کر ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ عنبر نے اسی کی زبان میں کہا۔

"اگر تمہیں زندگی عزیز ہے تو یہ خنجر اور بچہ میرے حوالے کر دو اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

آدمی اونچا لمبا اشوری سپاہی تھا۔ اس نے گھور کر عنبر کو دیکھا۔ خنجر ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"کون ہو تم؟"

●

موت کا حکم

●

عنبر نے کہا۔

"میں اس بچے کی جان بچانے آیا ہوں۔ تمہارے لیے بس اتنا جان لینا ہی کافی ہے۔ اب یہ مت پوچھو کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ کیا تم بچہ میرے حوالے کر رہے ہو؟"

وہ آدمی غصے سے پھنکار کر بولا۔

"تم مجھے کوئی قبیلی لگتے ہو۔ تم ہمارے دشمن ہو اور عجیب لباس پہن کر ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"

وہ خنجر تان کر عنبر کی طرف بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر نہتا ہے وہ ایک پل میں اسے خنجر مار کر ہلاک کر دے گا۔ جونہی وہ شخص عنبر کی طرف بڑھا عنبر نے جیب سے پستول نکال کر نالی کا رخ دشمن کی طرف کر دیا۔ وہ آدمی عنبر کے ہاتھ میں تلوار کے دستے ایسی کوئی لوہے کی نالی دار شے دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹک گیا۔ پھر اسے خیال آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ تلوار کا ٹوٹا ہوا دستہ اس کا کیا بگاڑ سکے گا۔ پس اس نے خنجر لہرایا اور عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر نے بڑے سکون سے دشمن کو قریب آنے دیا۔ خنجر عنبر کے سینے پر پوری طاقت سے لگا۔ مگر جیسے چٹان سے ٹکرا کر مڑ گیا۔

عنبر کے پستول کی نالی حملہ آور کے سینے پر لگ چکی تھی۔

عنبر نے لبلبی دبا دی۔ ایک دھماکا ہوا۔ گولی دشمن کے سینے سے پار ہوئی اور وہ عنبر کی طرف اور پستول کی طرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا، سینے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے زمین پر گرا اور تھوڑی دیر تڑپ کر مر گیا۔

دھماکے کی آواز چٹان کی غار میں عبیلا نے بھی سنی تھی۔ وہ دل تھام کر رہ گئی۔ اسی قسم کا دھماکہ ہوا تھا جس کے بعد جلّاد مر گیا تھا۔ عبیلا سمجھ گئی کہ عنبر نے ضرور کسی کو ہلاک کیا ہے۔ وہ غار کے دروازے پر آ کر چاندنی رات میں جنگل کی طرف تکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اسے دور سے ایک سایہ اپنی طرف آتا نظر آیا۔ یہ عنبر تھا۔ اس نے عبیلا کا بچہ لا کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

"اپنی امانت سنبھالو بہن!"

عبیلا نے اپنے بچے کو سینے سے لگا لیا اور عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ عنبر نے کہا کہ اب وہ کہاں جانا چاہتی ہے؟ عبیلا

نے کہا۔

"میں اس شہر کی حدود سے نکل جانا چاہتی ہوں۔ یہاں سے ایک دن کے فاصلے پر شہر کی حد آتی ہے۔ وہاں سے افریقہ کا ملک شروع ہو جاتا ہے میں افریقہ میں اپنی بہن کے پاس چلی جاؤں گی"

"تم اکیلی نہیں جا سکو گی۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا"

عنبر نہیں چاہتا تھا کہ ایک بے چاری ماں اپنے بچے کو لے کر خطرناک سفر اکیلی طے کرے۔

عبیلا نے سر جھکا کر کہا۔

"بھائی! تمہارے پہلے ہی مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میں تمہیں اور تکلیف نہیں دینا چاہتی"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ چلو میرے ساتھ۔ ہم کسی نہ کسی جگہ سے گھوڑے لے لیں گے یا کسی قافلے میں شامل ہو جائیں گے۔"

وہ جنگل سے باہر نکل کر شہر کے باڈر کی طرف جانیوالی کچی سڑک پر آ گئے۔ اب دن کی روشنی پھیل رہی تھی عبیلا نے عنبر سے کہا۔

"بھائی! اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور کس دنیا سے آئے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

" اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں اور اپنی ایک بہن کی تلاش میں یہاں آیا ہوں "

" کہاں ہے تمہاری بہن ؟"

" مجھے خود معلوم نہیں "

عبیلا نے کہا۔

" تم جس دنیا سے بھی آئے ہو میرے بھائی ہو۔ میں تمہیں مشورہ دوں گی بھائی کہ یہ اپنا لباس تبدیل کر لو۔ یہاں کے لوگ تمہیں اس لباس میں دیکھ کر تعجب کریں گے اور ہو سکتا ہے تمہیں حاکم شہر کے حکم سے گرفتار بھی کر لیا جائے"

عنبر بولا۔

" حاکم شہر کے ہاتھوں پکڑے جانے کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔ ہاں اس بات کا خیال ضرور ہے کہ مجھے لوگ اس لباس میں خوا مخواہ گھور گھور کر دیکھیں گے۔ میں لباس بدلنے کی کوشش کروں گا"

باتیں کرتے کرتے وہ کچی سڑک کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک ندی کا پل آ گیا۔ اس

پل کے نیچے گھاس پر کسی اشوری کی لاش پڑی تھی۔

عنبر نے کہا۔

" یہ کون مرا پڑا ہے ؟"

عبیلا نے کہا۔

" اس ملک میں کسانوں کی آپس میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ضرور اسے کسی دشمن نے مار دیا ہو گا "

عنبر بولا۔

" لباس تبدیل کرنے کا بڑا اچھا موقع ہے "

عنبر نے پل کے نیچے جا کر اپنے کپڑے اتار کر ندی میں پھینک دیئے اور اشوری کسان کے کپڑے پہن لیے۔ ہاں پستول اور گولیوں کی پیٹی اس نے کپڑوں کے اندر اپنی کمر کے ساتھ باندھ لی۔ عبیلا نے اسے دیکھ کر کہا۔

" اب تمہیں کوئی غیر نہیں سمجھے گا"

دن چڑھے وہ ایک سرائے میں آ گئے۔ یہاں انہوں نے ناشتہ کیا۔ بچے کو دودھ پلایا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک گھوڑا گاڑی مل گئی۔ یہ ایک لمبے رستے والی گاڑی تھی اور ملک افریقیہ کو جارہی تھی۔ عنبر نے عبیلا کی خواہش پر اسے ایک بوڑھی عورت کے حوالے کیا اور خود واپس سرائے میں آ گیا۔ عبیلا کو لے کر گھوڑا گاڑی چلی گئی تھی۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے دوپہر کا کھانا بھی سرائے میں کھایا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

وہ آرام کرنے کے بعد وہ جنگل میں اس جگہ آیا جہاں کنوئیں میں اس نے اڑن طشتری چھپائی ہوئی تھی۔ کنوئیں کے اوپر جھاڑیاں پڑی تھیں اور نیچے کنوئیں کی تہہ سے لگی اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔

عنبر یہاں سے اپنا اطمینان کرنے کے بعد جنگل میں اس مقام کے قریب سے گزرا جہاں رات کو اس نے جلاد کو ہلاک کیا تھا۔

جلاد کی لاش ذرا دور گھاس پر پڑی تھی۔

یونہی عنبر لاش کو دیکھنے اس کے قریب آ گیا۔ لاش پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ سینے میں گولی نے سوراخ کر دیا تھا جس کے منہ پر خون جم رہا تھا۔ عنبر جھک کر سینے کے سوراخ کو دیکھ رہا تھا کہ اسے اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو چھ سات گھوڑ سوار سپاہی نیزے تلواریں لگائے اس کے ارد گرد آ کر رک گئے۔ گھوڑے گردن اٹھا اٹھا کر پھنکار رہے تھے۔

یہ اشوری حکمران کا شاہی دستہ تھا جو ملکہ کے حکم سے یہ معلوم کرنے نکلا تھا کہ وہ جلاد ابھی تک محل میں واپس کیوں

نہیں آیا جس کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ عبیلا کا سر قلم کر کے لائے۔ یہاں شاہی دستے نے جلاد کی لاش اور اس پر جھکے ہوئے عنبر کو دیکھا تو کمانڈر نے حکم دیا۔

"اس اشوری کو پکڑ لو۔ اسی نے ہمارے خاص جلاد کو قتل کیا ہے"

چھ سات سپاہی ایک دم آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو پسلیوں میں جکڑ کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔ شاہی دستہ جلاد کی لاش اور عنبر کو لے کر محل میں آ گیا۔ ملکہ اور حکمران کو خبر کر دی گئی کہ جلاد کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ "قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔ حکمران نے عنبر کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ دربار میں شاہی کنیز جنتری اور ملکہ بھی موجود تھیں۔ اس سپاہی کی لاش بھی مل گئی جسے جنتری نے عبیلا کے بچے کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ شاہی کنیز نے ملکہ کے ساتھ مل کر عبیلا کی گردن اڑانے اور اس کے بچے کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی جو ناکام ہو گئی۔

نہ عبیلا کا سر کٹا اور نہ اس کا بچہ مارا جا سکا۔

عبیلا بھی بچ کر فرار ہو گئی اور بچہ بھی ساتھ لے گئی۔ الٹا شاہی قلعے کے دو سپاہی ہلاک ہو گئے۔ شاہی کنیز اور ملکہ کو بے حد غصہ تھا۔ شاہی کنیز نے ملکہ سے کہا۔

"یہ کوئی خطرناک قاتل ہے اس کو شاید ہماری سازش کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ چل گیا ہے۔ اب اس کو سولی پر چڑھانا بڑا ضروری ہو گیا ہے"

ملکہ نے کہا۔

"یہ شخص یقیناً ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں حاکم سے سفارش کروں گی کہ وہ اسے سولی پر لٹکا دے کیونکہ یہ ہمارے دو سپاہیوں کا قاتل بھی ہے۔"

شاہی کنیز نے کہا۔

"ایک سپاہی کی لاش پر تو یہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔"

قلعے کا حاکم تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ دربار لگ گیا۔ دونوں جانب چاندی کی کرسیوں پر درباری بیٹھ گئے ملکہ حاکم کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھی تھی۔ شاہی کنیز جنتری پیچھے کھڑی مورچھل ہلا رہی تھی اور عنبر کے خلاف ملکہ کے کان بھی بھر رہی تھی۔

حاکم نے وزیر سے کہا۔

"قاتل پیش کیا جائے۔"

اسی وقت عنبر کو دربار میں پیش کر دیا گیا۔ اس کو زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ عنبر اگر چاہتا تو زنجیریں توڑ سکتا تھا۔ لیکن وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کیا دربار لگا ہے اور یہ کس دور سے تعلق رکھتے ہیں؟ عنبر نے دربار میں

آتے ہی ارد گرد غور سے دیکھا۔ سامنے حاکم اور اس کی ملکہ تخت پر بیٹھی تھی۔ ملکہ کا لباس، حاکم کا لباس اور داڑھی، بالکل اشوری بادشاہوں ایسی تھی۔ کیا یہ سب کچھ خواب ہے کہ حقیقت؟ عنبر نے سوچا۔

اس نے اپنے بازو پر چٹکی لی۔ اس کی نیند نہ کھلی۔ ظاہر ہوا کہ یہ حقیقت تھی خواب نہیں تھا۔ یقیناً وہ ایک ایسے سیارے پر آ گیا تھا جہاں تاریخ کے پرانے دور پھر سے دہرائے جا رہے تھے۔ وہی لوگ وہی عورتیں دوبارہ سامنے آ کر........ پھر سے کھیل رہی تھیں۔ وزیر نے بلند اور با ادب آواز سے کہا۔

"ہو عالی جاہ! اس شخص نے ہمارے ایک سپاہی کو ضرور قتل کیا ہے کیونکہ یہ اس کی لاش پر جھکا ہوا تھا"

عنبر نے کہا۔

"جناب! میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"

حاکم نے کہا۔

"خاموش رہو۔ تمہیں صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائیگا"

وزیر نے کہا۔

"چونکہ اس شخص نے ہمارے ایک سپاہی کو ہلاک کیا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ دوسرے سپاہی کا قاتل بھی یہی ہے"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقی درباریوں نے سر ہلاتے کر بالکل ٹھیک کہا۔ حاکم نے عنبر سے کہا۔

"تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں سپاہیوں کو میں نے ہی قتل کیا ہے مگر یہ دونوں سپاہی دو بے گناہ جانوں کو مارنے لگے تھے، اگر میں انہیں نہ ہلاک کرتا تو وہ ایک معصوم بچے اور ایک بے گناہ لڑکی کو قتل کر دیتے"

حاکم نے کہا۔

"کون تھی وہ عورت اور بچہ؟"

اس موقع پر شاہی کنیز نے ملکہ کو ٹہوکا دیا۔ ملکہ نے جھٹ حاکم کے کان میں کہا کہ یہ شخص مکار اور فریبی ہے اور جھوٹ بول کر اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔

"اس لیے آپ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں تو اسے سولی پر چڑھانے کی سزا سنا دیں"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوگا"

بادشاہ نے اپنی ملکہ کی باتوں میں آ کر عنبر کو مردوخ کے مندر میں آگ کے گڑھے میں ڈال کر بھسم کر دینے کا حکم

دے دیا۔ مردوخ ان اشوری لوگوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ ہی کا سب سے بڑا بت بابل کے شہر میں تھا۔ اس کا ایک چھوٹا ت یہاں ہیکلے کے اندر بھی تھا جس کے آگے کافی گڑھا کھودا گیا تھا۔ اس گڑھے میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی۔ یہ گ اتنی تیز تھی کہ اس کے قریب کھڑے ہونا اپنی موت کو دعوت دینا تھا کوئی شخص بھی اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ یہ آگ کئی سالوں سے جل رہی تھی۔ ہر روز صبح و شام اس میں کھوں من لکڑیاں ڈالی جاتی تھیں۔

درباریوں نے حاکم کے فیصلے پر اپنی منظوری بھی دے دی۔ دوسرے روز سورج نکلنے کے ساتھ ہی عنبر کو آگ میں ڈال دینا تھا۔ عنبر بالکل پریشان نہیں تھا، ملکہ اور شاہی کنیز بڑی خوش تھیں کہ ان کی سازش کامیاب رہی تھی۔ ان کا ایک ایسا دشمن ہمیشہ کے لئے جل کر بھسم ہو رہا تھا جس کو ان کی سازش کا پتہ چل چکا تھا۔ عنبر نے جب موت کا حکم سنا تو کہا۔

"اے شہر کے حاکم! تو مجھے نہ مار سکے گا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اپنا فیصلہ واپس لے لے"

حاکم شہر نے غصے سے عنبر کو دیکھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس گستاخ کو لے جا کر قید میں ڈال دو اور صبح جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سورج نکلے تو اس کو مردوخ کے نام پر آگ میں ڈال دیا جاتا عنبر کو سپاہی پکڑ کر لے گئے اور قید میں ڈال دیا۔

رات بھر عنبر سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے ماریا اور ناگ کے یہاں ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ظاہر ہے وہ مر تو سکتا نہیں تھا۔ کل بھی وہ زندہ ہی رہے گا۔ بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ حالات کیا شکل اختیار کرنے والے تھے؟ اس کا عنبر کو کچھ علم نہ تھا۔

رات گزر گئی۔ دن نکل آیا۔

عنبر کو جیل سے باہر قلعے کے اندر لوگوں کا شور و غل سنائی دینے لگا۔ سمجھ گیا کہ اس کی موت کا منظر دیکھنے کے لیے لوگ آ رہے ہوں گے۔ اتنے میں قید خانے کا دروازہ کھلا اور دو لمترنگ پہلوان قسم کے آدمی سیاہ نقاب پہنے اندر آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو زنجیروں میں جکڑا اور باہر لے آئے۔ باہر ایک چھکڑا کھڑا تھا جس کو ایک خچر کھینچ رہا تھا۔ عنبر کو چھکڑے پر بٹھا کر مردوخ دیوتا کے مندر میں لے جایا گیا۔

یہ مندر ایک کھلے میدان میں تھا جس کے اردگرد سٹیڈیم کی طرح سیڑھیاں بنی تھیں۔ ان سیڑھیوں پر لوگ بیٹھے شور مچا رہے تھے۔ مردوخ کا بہت اونچا بت ایک چبوترے پر

رہا تھا۔ اس کے آگے ایک گہرا گڑھا تھا جس میں آگ جل رہی تھی۔ یہ آگ بہت بلند شعلوں والی تھی اور لوگ اس سے ہٹ کر دور دور بیٹھے تھے۔ حاکم شہر اس کی ملکہ، شاہی نجومی اور دوسرے درباری بھی سامنے بیٹھے تھے۔ عنبر کو حاکم شہر کے آگے پیش کیا گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”مردوخ کے دشمن کو آگ میں پھینک دیا جائے“ اس نے مردوخ کے دو خدمت گاروں کو قتل کیا ہے"

عنبر مسکرا رہا تھا۔ اس کی ہمت پر لوگ کچھ کچھ حیران بھی تھے۔ اور آپس میں مسکرا بھی رہے تھے۔ عنبر نے اپنی موت کا آخری بار فیصلہ سن کر کہا۔

”اے حاکم شہر! اے ناسمجھ بادشاہ! میں اب تم پر اپنا آپ ظاہر کرتا ہوں۔ دیکھ! میں آسمانوں کا دیوتا ہوں اور مجھے زمین پر ظالموں کو سزا دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ آگ مجھے نہ جلا سکے گی۔“

اس پر حاکم شہر طیش میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

”مردوخ سے بڑھ کر کوئی دیوتا نہیں۔ سپاہیو! اس گستاخ کو جتنی جلدی ہو سکے آگ میں ڈال دو۔“

لوگوں نے چیخ چیخ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آگ میں ڈالو! آگ میں ڈالو!"

عنبر نے سوچا کہ وہ اسی پرانے وحشی زمانے میں پہنچ گیا ہے۔ سپاہی اسے لے کر آگ کی طرف بڑھے۔ الاؤ شعلوں میں بھڑک رہا تھا۔ اس کے قریب جانے کے لیے خاص سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے جسموں پر گیلے کپڑے لپیٹ رکھے تھے۔ انہوں نے عنبر کو اوپر اٹھا لیا اور آگ کے الاؤ کے قریب ایک چبوترے پر جا کر اسے آگ میں پھینک دیا۔ عنبر اتنی بڑی آگ میں تربوز کی طرح گر پڑا۔

آگ کے شعلوں نے عنبر کو نگل لیا۔

آگ میں گرتے ہی عنبر کے پاؤں دہکتے ہوئے سرخ انگاروں پر جا لگے۔ خدا جانے یہ آگ کب سے جل رہی تھی۔ اندر سرخ دہکتے کوئلوں کا گہری تہہ والا فرش بن چکا تھا۔ عنبر شعلوں میں کھڑا تھا۔ اس کے ارد گرد آگ کا بھیانک شور تھا۔ شعلے اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکے تھے۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ ہاں مگر شعلوں کا بے پناہ شور تھا۔

عنبر نے آگ میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہ آگ کے الاؤ کے کنارے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اس گڑھے میں ایک غار سا بنا تھا، جس میں سے تازہ لکڑیاں آگ میں ڈالی جاتی تھیں۔

عنبر آگ میں چلتا رہا۔ آخر وہ اس سوراخ کے پاس پہنچ گیا۔ اس سوراخ میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ عنبر اس ن سے گزرنے لگا۔ اب اسے باہر سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آگ سے نکل چکا تھا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ غار سے باہر نکل کر آگ کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"لوگو! میں نے کہا تھا کہ میں آسمانوں سے آیا ہوا دیوتا ہوں۔ مجھ پہ آگ اثر نہیں کرے گی۔ دیکھ لو۔ میں آگ سے زندہ سلامت باہر نکل آیا ہوں"

عنبر کو آگ سے باہر کھڑے دیکھ کر لوگ دہشت کے مارے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگ ایک دوسرے کے اوپر گرنے لگے۔ اور عنبر کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کسی کا زندہ رہنا مشکل تھا۔

حاکم شہر ملکہ اور درباریوں نے عنبر کو زندہ آگ میں سے باہر آتے دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بھی فرط حیرت سے اپنی اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عنبر ان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گیا اور بولا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں اے حاکم شہر کہ میں آسمانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آیا ہوا دیوتا ہوں۔“

حاکم شہر نے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔ دوسرے درباریوں اور ملکہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ عنبر کے کپڑے بھی اسی طرح تھے۔ ذرا سا جلنے کا کہیں نشان نہ تھا۔ جب کہ آگ اتنی زیادہ تھی کہ اگر اس میں پتھر بھی ڈالا جاتا تو پگھل جاتا اور بھاپ بن کر اڑ جاتا۔ عنبر نے سوچا کہ اب اس اصلی قاتل عورت کو اس کے بدعمل کی سزا ملنی چاہیئے۔ اس نے جنتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اے حاکم شہر اگر تم اپنے شہر کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو اس شاہی کنیز کو فوراً آگ میں ڈال دو۔ یہ مردوخ کا حکم ہے۔“

حاکم شہر نے سر جھکا کر کہا۔

”میں آپ کے حکم کے آگے سر جھکاتا ہوں“

اور حاکم شہر کے حکم پر اسی وقت سپاہیوں نے مکار کنیز جنتری کو اٹھا کر آگ میں ڈال دیا۔ وہ ایک لکڑی کی طرح جل کر بھاپ کی طرح اڑ گئی۔ حاکم شہر کی ملکہ اندر سے کانپ رہی تھی۔ اسے اپنے انجام سے خوف آ رہا تھا کیونکہ وہ بھی کنیز کی سازش میں شریک تھی۔ مگر عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ حاکم شہر نے آگے بڑھ کر عنبر کے پاؤں پر سر

رکھنا چاہا۔ مگر عنبر نے اسے روک دیا اور کہا۔

”سجدہ صرف خدا کو کیا جاتا ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

عنبر کو تخت پر بٹھا کر قلعے کے اندر شاہی محل میں لے جایا گیا۔

سارے شہر میں اس رات چراغاں کیا گیا۔ عنبر کو شہر کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس کے رہنے کے لئے ایک خاص محل دے دیا گیا۔

ایک ہفتے بعد آدھی رات کو عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں اس کنوئیں پر گیا جس کے اندر اڑن طشتری چھپائی گئی تھی۔

اس نے جھاڑیوں کو ہٹا کر دیکھا۔

نیچے اڑن طشتری اسی طرح پڑی تھی۔ عنبر واپس آ گیا۔ اب اسے شہر کی ملکیت مل گئی تھی۔ وہ جو کچھ چاہے کر سکتا تھا۔ مگر وہ تو بے غرض تھا۔ اسے کوئی لالچ نہیں تھا۔ اسے تو اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کی تلاش تھی۔ قسمت کا چکر اسے ایک سیارے سے اڑا کر اس عجیب و غریب دنیا میں لے آیا تھا۔ جہاں ”تاریخ“ ایک بار پھر دہرائی جا رہی تھی۔

کبھی کبھی عنبر آدھی رات کو کنوئیں میں اتر کر اڑن طشتری میں جاتا اور واٹرلیس پر سگنل دینے اور سگنل سننے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوتی۔ ایسے لگتا تھا کہ اس سیارے کے اوپر آسمان بالکل خالی ہے۔ وائرلیس سیٹ پر کسی قسم کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی۔

ایک بار تو عنبر نے سوچا کہ اڑن طشتری یہاں سے نکال کر قلعے کی چھت پر لے جائے۔ مگر اس خیال سے ایسا نہ کر سکا کہ کہیں کوئی اس کا دشمن اسے توڑ پھوڑ کر نہ رکھ دے۔

دربار میں اس کا سب سے بڑا دشمن وزیر تھا جسے عنبر سے پہلے شہر کی گورنری کا بھی رتبہ حاصل تھا۔ اس وزیر کو بڑی سخت خار تھی کہ عنبر نے اس کی گورنری چھین کر اسے نقصان پہنچایا تھا۔ وہ عنبر سے بدلہ لینے کی سازش کرتا رہا تھا۔ مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ وہ اس کی غیر معمولی طاقت سے خوف زدہ بھی تھا۔ آخر اس نے اپنے خاص نجومی کو بلا کر اس سے عنبر کے بارے میں زائچہ بنا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے!

نجومی نے زائچہ بنایا اور اسے دیکھ کر بولا۔

" اے وزیر! یہ نوجوان ایک عام انسان ہے میرے زائچے کے حساب سے اس نے

جسم پر مینڈک کی چربی میں کوئی خاص دوائی ملا کر مل رکھی تھی جس کی وجہ سے اس پر آگ نے اثر نہیں کیا۔"

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزیر غائب

●

نجومی کی باتیں سن کر وزیر شیر بن گیا۔ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ شخص دھوکے باز مکار ہے اور اس نے حاکم شہر سے فریب کھیلا ہے۔ چلو میرے ساتھ ہم ابھی بادشاہ سے جا کر اس مکار کا بھانڈا پھوڑتے ہیں"

نجومی نے کہا۔

"حضور! ایسا نہ کریں۔ عنبر آپ کا دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بادشاہ کو باتوں میں لگا کر آپ کے خلاف کر دے کیونکہ بادشاہ پر اس کا بڑا اثر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ بادشاہ آپ ہی کو قتل کروا دے"

وزیر خاموش ہو گیا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

نجومی بولا۔

"وہی جو میں آپ کو کہوں، سنئے! میں نے اکثر دیکھا ہے کہ یہ شخص کبھی کبھی آدھی رات قلعے سے باہر جنگل میں جاتا ہے۔ آپ تلوار لے کر اس کا پیچھا کریں اور جنگل میں جا کر اسے ہلاک کر دیں۔ صبح جب اس کی لاش ملے گی تو آپ پر الزام بھی نہیں آئے گا اور اس کا کام بھی تمام ہو جائے گا"

وزیر کو نجومی کی یہ ترکیب پسند آئی۔ اس نے نجومی کی ڈیوٹی لگا دی کہ عنبر اب جب آدھی رات کو قلعے سے باہر جائے تو فوراً اسے خبر کی جائے۔ آخر ایک رات آ پہنچی جب عنبر اپنی اڑن طشتری میں سگنل وغیرہ کرنے قلعے سے باہر نکلا۔ اس نے سیاہ لباس پہنا۔ گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

نجومی نے اسی وقت جا کر وزیر کو خبر کر دی۔

وزیر سے دو سپاہی ساتھ لیے اور عنبر کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ وہ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ نیزے بھالے، تلواریں اور تیر کمان ان کے ساتھ تھے۔ قلعے سے تھوڑی دور جا کر ہی انہوں نے عنبر کو دیکھ لیا۔ چاندنی رات تھی۔ عنبر سیاہ لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار جنگل میں چلا جا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزیر بھی اس کے پیچھے لگا رہا۔ جنگل کے بیچ
کنویں کے پاس پہنچ کر عنبر رک گیا۔ تھوڑے سے
اور کنویں کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ وزیر نے
سے اشارہ کیا۔ اس کے دونوں سپاہی بھی رک گئے۔
یہ لوگ بھی گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور غور
دیکھنے لگے کہ عنبر وہاں کیا کر رہا ہے۔ درختوں میں
چھن چھن کر آتی چاندنی عنبر پر پڑ رہی تھی۔ انہوں نے
کہ عنبر کنوئیں میں اتر گیا ہے۔ وزیر نے کہا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو میں آگے جا کر دیکھتا ہوں
یہ شخص وہاں کیا کر رہا ہے۔ اگر مجھ پر حملہ ہو گیا تو
میری مدد کو پہنچ جانا۔

دونوں سپاہیوں نے سر جھکا کر کہا۔

"ایسا ہی ہو گا حضور!"

وزیر سپاہیوں کو اسی جگہ درختوں کے درمیان چھوڑ کر
چھپ چھپ کر چلتا کنوئیں کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گیا اور
جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ اسے نیچے جھاڑیوں کے بیچ میں
ایک چمکتی ہوئی کوئی گول گول چھت سی نظر آئی۔ بڑا حیر
ہوا کہ یہ کیا شے ہے چند روز پہلے تو یہاں کچھ بھی
تھا۔ اب وہ اس ٹوہ میں تھا کہ عنبر اس چھت کے

نیچے جا کر کیا کر رہا ہے؟

اسے کنوئیں کے اندر سے ہلکی ہلکی ٹوں ٹوں ٹِک ٹِک کی
لمبی لمبی سیٹی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسے بھلا کیا
معلوم تھا کہ یہ آوازیں سگنل کی تھیں جو اڑن طشتری کے
اندر اب آنا شروع ہوئی تھیں۔ عنبر وائرلیس سیٹ پر بیٹھا
سگنل وصول کر کے انہیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ان
سگنلوں میں کوئی پیغام نہ تھا۔ وزیر نے نیچے اترنے کا فیصلہ کیا۔
وہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص کہیں بادشاہ کے خلاف
کوئی بہت بڑی توپ تو نہیں بنا رہا؟ کوئی سازش تو نہیں
کر رہا؟ اس طرح سے اسے بادشاہ کو اس کے خلاف بھڑکانے
میں بڑی مدد مل سکتی تھی۔ کنوئیں کی منڈیر کے ساتھ رسی کی
سیڑھی لٹک رہی تھی۔ وزیر اس سیڑھی کی مدد سے نیچے
اتر گیا۔

اب اس کے سامنے ایک گول بارہ دری سی بنی جس کی
دیواریں، چاندی کی طرح چمک رہی تھیں مگر جس میں کوئی دروازہ
نہیں تھا۔ صرف ایک ذرا سی کھڑکی کھلی تھی۔ وزیر اس میں
سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے جو جدید سائنسی
مشین ڈائل چمکتے بجھتے سرخ نیلے پیلے بلب اور کمپیوٹر دیکھے
تو ایسا چکرایا کہ گرتے گرتے بچا۔ دیوار کے ساتھ لگ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیرت سے درو دیوار کو دیکھنے لگا۔ کہ وہ کس دنیا میں آ گیا ہے؟

اچانک اس نے ایک جگہ عنبر کو چمکیلی سی شے پر جھک کر بیٹھے دیکھا۔ عنبر کو ہلاک کرنے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ وزیر نے تلوار نکال لی اور عنبر کی طرف رینگنے لگا۔ پھر قریب آکر اس نے پیچھے سے وار کر دیا۔ تلوار اٹھا کر پوری طاقت سے عنبر کے سر پہ ماری۔ تلوار عنبر کی کھوپڑی پہ پڑتے ہی دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی۔ عنبر نے پلٹ کر وزیر کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں آتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ لیکن چاہتا تھا کہ تم اپنے دل کی حسرت پوری کر لو۔ اور تم پر یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ تم مجھے مار نہیں سکتے۔ کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ میں دیوتا ہوں؟"

وزیر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں مان گیا ہوں کہ تم دیوتا ہو۔ مجھے معاف کر دو۔"

عنبر نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے کبھی اپنے دشمن کو معاف نہیں کیا۔ خاص طور پر جب وہ مجھے قتل کرنے کی نیت لے کر آیا ہو"

وزیر کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اب اسے زندہ نہیں

چھوڑے گا۔ اس نے زور سے چیخ ماری۔ چیخ کی آواز کنوئیں سے نکل کر سارے جنگل میں گونج اٹھی۔ اس آواز کو سن کر دونوں سپاہی تلواریں سونت کر کنوئیں کی طرف بھاگے اور پھر سیڑھی پر سے اتر کر اڑن طشتری میں آ کر حیرت زدہ سے ہو کر اس کی دیواروں اور چھت کو تکنے لگے۔ ان کے سامنے فرش پہ وزیر کی لاش پڑی تھی۔

اب عنبر ان کے سامنے نکل آیا۔

"تم نے اپنے آقا کا حال دیکھ لیا ہے۔ تمہارا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ یہاں سے کوئی اڑن طشتری کا راز لے کر باہر نہیں جا سکتا۔"

عاشوری سپاہیوں کو بھلا کیا معلوم تھا کہ وہ کس انسان سے بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آقا کی لاش دیکھی اور عنبر کی باتیں سنیں، تو حملہ کر دیا۔

انہوں نے اپنے انداز پہ ایک گھٹنا ٹیک کر کمان میں تیر جوڑے اور عنبر کے سینے پر چھوڑ دیئے۔ ظاہر ہے تیر عنبر کے سینے سے ٹکرا کر ٹوٹ کر گر پڑے۔ دوسرے حملے میں بھی تیروں کا یہی حشر ہوا۔

سپاہیوں نے سمجھا کہ اس شخص نے سینے کے ساتھ لوہے کی تھالی باندھ رکھی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اٹھے اور نیزہ تان کر عنبر کی گردن پر وار کیا۔ نیزہ دوہرا ہو گیا۔ اب وہ گھبرائے۔ کہ کہیں سچ مچ یہ شخص آسمانی دیوتا تو نہیں ہے؟ وہ پیچھے کو بھاگے۔ مگر عنبر نے انہیں مہلت نہ دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اڑن طشتری کا راز اس کنوئیں سے باہر جائے۔

سپاہی کنوئیں میں طشتری سے باہر نکل رہے تھے کہ عنبر نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔

اس کے بعد وہ وائرلیس پر سگنل سننے کی کوشش کرتا رہا مگر کہیں سے کوئی آواز نہ آئی۔ عنبر رات کے پچھلے پہر کنوئیں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور واپس محل میں آ گیا۔ اگلے روز شور مچ گیا۔ وزیر اور دو سپاہی غائب ہیں۔ سارے ملک میں انہیں تلاش کیا گیا مگر کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

دربار کے نجومی کو عنبر پر شک تھا کہ اس شخص نے وزیر اور دونوں سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے بادشاہ سے جا کر شکایت کر دی۔ بادشاہ نے کہا۔

"اگر تمہارا خیال ٹھیک بھی ہے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ شخص آسمانی دیوتا ہے"

نجومی بولا۔

"حضور انور! یہ شخص دیوتا وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ جھوٹا

جعلساز ہے"

بادشاہ نے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ کیا تم نے اس روز دیکھا نہیں کہ وہ آگ میں گرنے کے بعد بھی صحیح سلامت باہر نکل آیا تھا۔ اس حالت میں کہ اس کے سر کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا"

نجومی کہنے لگا۔

"حضور! اس جعل ساز نے اس روز اپنے جسم پر ایک ایسی دوائی کی مالش کر رکھی تھی کہ جس پر آگ کا اثر نہیں ہوتا"

"پھر اس کے کپڑے کیوں نہ جل گئے؟ آخر کپڑوں پر تو اس نے مالش نہیں کی تھی"

نجومی سر جھکا کر کہنے لگا۔

"حضور! اس دنیا کے جنگل میں کئی ایسی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں کہ اگر وہ آپ کی جیب میں بھی ہوں تو آپ کے لباس پر آگ اثر نہیں کرے گی"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹہلنے لگا۔ رات کو سونے سے پہلے اس نے اپنی ملکہ سے نجومی کے خدشہ کا اظہار کیا۔ ملکہ تو پہلے ہی عنبر کے خلاف تھی۔ اس نے جھٹ نجومی کی طرف داری کی اور کہا۔

"سرتاج! میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ شخص کوئی دھوکے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانہ ہے۔ ضرور اس نے بدن پر کوئی دوا مل رکھی ہوگی۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی آگ کے شعلوں میں گھر کر بھی نہ جلے"

بادشاہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بولا۔

"اگر یہ بات درست ثابت ہوئی تو پھر میں اس پاکھنڈی کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گا"

ملکہ نے جلدی سے کہا۔

"مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ یہ شخص آدھی رات کو کبھی کبھی قلعے سے باہر جاتا ہے"

"وہ کیوں؟" بادشاہ نے غضب سے پوچھا۔

ملکہ نے کہا

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنگل میں کوئی قبیلہ رہتا ہے یہ شخص ان کے ساتھ سازباز کر کے آپ کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے"

بادشاہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"اس کی یہ جرأت؟ اگر یہ بات سچ نکلی تو میں اسے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دوں گا"

ملکہ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

"آپ خود اس کی تصدیق کروا سکتے ہیں تاکہ دودھ کا

دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے"

"ٹھیک ہے۔ ہم خود اس کی تفتیش کریں گے"

اب بادشاہ نے عنبر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی شروع کر دی۔

ایک رات عنبر اپنی عادت کے مطابق اڑن طشتری پر جانے کے لئے محل سے نکلا۔ بادشاہ اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ بھی سیاہ لبادہ اوڑھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور عنبر کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ جنگل میں خاموشی اور اندھیرا تھا۔ بادشاہ کچھ دور رہ کر عنبر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ عنبر کنوئیں کے پاس جا کر گھوڑے سے اترا۔ گھوڑا ایک درخت سے باندھا اور خود کنوئیں میں اتر گیا۔ بادشاہ بھی اب وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ذرا فاصلے پر درختوں میں گھوڑے کو باندھا اور کنوئیں کے پاس آ کر نیچے جھانکنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید رنگ کی گنبد والی کوئی شے ہے جس کے اوپر سرخ روشنی کبھی جل رہی ہے کبھی بجھ رہی ہے۔ بادشاہ نے ساری زندگی اس قسم کی روشنی نہیں دیکھی تھی۔

وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ کنوئیں کی منڈیر پر آ کر نیچے جھانکنے لگا۔ حیران ہوا کہ یہ کیا شے ہے؟ اور یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شخص اس کے اندر جا کر کیا کر رہا ہے؟ بادشاہ نے ذرا غور سے دیکھا تو اسے ایک رسی کی سیڑھی لٹکتی نظر آئی۔ وہ نیچے اتر گیا۔ اڑن طشتری کا دروازہ تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا۔

بادشاہ بے دھڑک طشتری کے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی عنبر کو پتہ چل گیا کہ کوئی شخص اندر داخل ہوا ہے، اس نے ٹی وی کی سکرین کو اون کیا تو وہاں بادشاہ کی تصویر ابھر آئی۔ عنبر مسکرایا۔

اچھا تو اب بادشاہ بھی میرا پیچھا کر رہا ہے؟ اس نے مائیکروفون پر کہا۔

"بادشاہ سلامت، خوش آمدید! اگر آپ اچھی نیت سے آئے ہیں تو میں کچھ نہیں کہوں گا اگر بری نیت سے آئے ہیں تو پھر یہاں سے آپ کی لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

بادشاہ نے عنبر کی بھاری آواز گونجتی سنی تو چکر کھا گیا۔ اوپر نیچے دائیں بائیں تکنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ آواز پھر آئی۔

"تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ میں خود تمہارے پاس آ رہا ہوں"

اور دوسرے لمحے بادشاہ نے دیکھا کہ سامنے کی چمکتی ہوئی چاندنی ایسی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور عنبر باہر

آگیا۔ بادشاہ کچھ دیر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ میرا پیچھا کرتے یہاں کیوں آئے ہو؟"

بادشاہ نے کہا۔

"مجھے خبر ملی تھی کہ تم جنگلی قبائل کو میرے خلاف بغاوت پر اکسا رہے ہو۔ میں اس کی تصدیق کرنے آیا تھا۔"

عنبر نے پوچھا۔

"تو پھر اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

بادشاہ چاروں طرف دیکھ کر بولا۔

"یہاں میں کچھ اور ہی دنیا دیکھ رہا ہوں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ تمہارے پاس وہ دوائی کہاں سے آئی ہے جسے بدن پر ملنے سے آگ اثر نہیں کرتی"

عنبر ہنسا۔

"اس دنیا میں ایسی کوئی دوائی نہیں ہے"

"پھر تم پر آگ نے اثر کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ میں دیوتا ہوں۔ آسمانی دیوتا ہوں"

بادشاہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یقین نہیں آ رہا کہ تم دیوتا ہو۔ تم ہماری طرح کے ایک انسان ہو۔ کیا تم نے ہی میرے وزیر کو قتل کیا ہے؟"

عنبر بولا۔

"ہاں!"

"وہ کس لیے؟"

"وہ میرا پیچھا کر رہا تھا، وہ مجھے ہلاک کرنے آیا تھا"

"پھر؟"

"پھر وہی ہوا جو دو دشمنوں کی لڑائی میں ہوا کرتا ہے۔ طاقت ور جیت گیا۔ کمزور مارا گیا۔"

بادشاہ فرش پر ٹہلنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"تم کیا کر سکتے ہو؟" بادشاہ نے پوچھا۔

عنبر نے قریب آ کر کہا۔

"سنو بادشاہ سلامت! تم جس آدمی کے سامنے کھڑے بات کر رہے ہو وہ ایک غیر معمولی انسان ہے"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ہزاروں سالوں سے اس دنیا میں زندہ ہوں جس عہد سے تم آج گذر رہے ہو، اس عہد سے میں ایک بار گذر چکا ہوں"

بادشاہ پریشان سا ہو کر عنبر کو تکنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"تم ان باتوں کو نہ سمجھ سکو گے۔ میرے ساتھ آؤ"

اور عنبر بادشاہ کو لے کر دوسرے بڑے گول کمرے میں آ گیا۔ یہاں دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑی پیچیدہ اور مختلف قسم کی مشینیں لگی تھیں۔ بتیاں جل بجھ رہی تھیں، ڈائیل کی سوئیاں کمپیوٹر کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ بادشاہ تو دنگ رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں، جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا اس کا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کبھی اس قسم کی چیزیں نہ دیکھی تھیں۔

عنبر نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بادشاہ! اور میری بات کو غور سے سنو!"

بادشاہ ایک جدید قسم کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے ایک بٹن دبایا اور سکرین پر بادشاہ کے قلعے کا منظر آ گیا۔ بادشاہ کھلی آنکھوں سے چھوٹے سے پردے پر قلعے کے سین کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پہلے اس نے سمجھا کہ شاید یہ ساکت تصویر ہے۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ قلعے کے دروازے کے باہر آگ جل رہی ہے اور دو سنتری چل پھر کر پہرہ دے رہے ہیں وہ دم بخود سا ہو کر بولا۔ "یہ ـــــ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ٹی وی کیمرے کی کرامت ہے جو طشتری کے باہر ایک سلاخ کے ساتھ لگا ہے۔"

بادشاہ نے سر پکڑ لیا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے کیا کہا ہے"

عنبر بولا۔

"تم سمجھ بھی نہیں سکو گے۔ سنو! میں ایک ایسے سیارے سے اس اڑن طشتری میں بیٹھ کر آسمانوں میں اڑتا ہوا اس دنیا میں آیا ہوں کہ جہاں کے لوگ سائنس میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ تم لوگ گھوڑوں اور رتھوں پہ سوار ہو کر جنگ کرتے ہو۔ وہ لوگ راکٹ فائر کرتے ہیں۔ ایک بٹن دباتے ہیں اور دشمن کے شہر میں ایک دھماکا ہوتا ہے اور وہ غائب ہو جاتا ہے"

بادشاہ ماتھے کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

عنبر ہنسا۔

"ٹھہرو۔ میں تمہیں اپنی دنیا کی کچھ تصویریں دکھاتا ہوں"

اس کے بعد عنبر نے بادشاہ کو رنگین تصویروں کا ایک البم دکھایا۔ اس میں دوسری جنگ عظیم کی ہولناک تباہیوں کی تصویریں بھی تھیں اور مسجد قرطبہ اور تاج محل کی تصویریں

تصویر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
ہی تھیں۔ بادشاہ ایک ایک
پھر اس نے البم میز پہ رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ عنبر نے اسے پانی کے ساتھ ایک سفید گولی کھانے کو دی جسے کھا کر بادشاہ کی طبیعت ایکدم سے ہشاش ہو گئی۔

"یہ کیسی دوائی تھی کہ جس نے ایک پل میں مجھے ہلکا پھلکا اور صحت مند کر دیا؟"

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کی ہزاروں دوائیاں میری دنیا میں موجود ہیں اور میرے پاس بھی ہیں"

پھر عنبر نے بادشاہ کو اپنا پستول اور گولیاں دکھائیں۔ وہ دیر تک پستول کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھتا بھالتا رہا۔ جب عنبر نے اسے بتایا کہ اس میں سے سیسے کی ایک گولی نکلتی ہے۔ جو دشمن کے سینے سے پار ہو جاتی ہے تو بادشاہ کو یقین نہ آیا۔

"آپ قلعے میں اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ مگر کسی ایسے انسان پر جس کو پھانسی کی سزا ملنے والی ہو"

بادشاہ نے پستول کو میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ میں تمہیں اپنا آقا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مالک مانتا ہوں۔ تم مجھ سے زیادہ عظیم اور طاقت ور ہو۔ لیکن اگر تمہاری یہ چیزیں میرے کسی کام نہیں آسکیں تو پھر ان کا کیا فائدہ؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ ملک یونان کا ظالم بادشاہ ینی بال میرے قلعے پر حملہ کرنے کے لئے اپنی بے پناہ فوج لے کر آرہا ہے۔ میری فوج اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اگر اس نے قلعے کا محاصرہ کرلیا تو ہمارے پاس زیادہ دنوں کے لیے خوراک نہیں ہے۔ تمہیں بہت جلد قلعے کے دروازے دشمن پر کھولنے پڑ جائیں گے اور وہ ہمارے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ شہر کے مکانوں کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے گا"

عنبر نے کہا۔

"ینی بال کی فوج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے"

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"سچ! کیا تم تیار ہو؟"

عنبر بولا۔

"اس کے لئے ایک شرط ہے"

"وہ کیا؟"

عنبر نے کہا۔

"میں صرف ایک صورت میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور تمہیں ینی بال سے نجات دلا سکتا ہوں کہ تم اپنے ک کے تمام غلاموں کو آزاد کر دو۔ یتیموں کے وظیفے لگوا دو۔ بیوہ عورتوں کی شادیاں کرا دو غریبوں میں ساری زمین تقسیم ردو اور ہر بچے بوڑھے کے لئے کھانا پینا مفت کرنے کا علان کر دو"

بادشاہ نے کہا۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے"

"ایک بار پھر سوچ لو"

"میں نے سوچ سمجھ کر اس شرط کو منظور کیا ہے"

"تو پھر ینی بال کا سر تمہارے پاؤں میں ہوگا"

بادشاہ نے عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ہلکا سا دھچکا لگا۔ سر چکرایا اور بے ہوش ہو گئی۔

پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ اکیلی، بغیر گھوڑے کے شیشے کے ایک سیلنڈر میں کرسی پر بیٹھی تھی۔

اس کے ارد گرد نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ حیران سی ہو کر چاروں طرف تکنے لگی کہ اچانک کہاں سے کہاں آ گئی ہے۔ لیکن دوسرے ہی پل ماریا کی حیرانی بے حد خوشی میں بدل گئی۔ کیونکہ عنبر ایک دم سے سامنے آ گیا۔ سلنڈر کا دروازہ کھل گیا اور اس کا بھائی عنبر ماریا کے سامنے کھڑا تھا۔ ماریا بھائی کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔

"اب میں کبھی اپنے بھیّا سے الگ نہ ہوں گی"

عنبر نے ماریا کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے میری بہن پھر مل گئی"

ماریا نے پوچھا۔

"یہ اڑن طشتری کیسی ہے؟ یہ کون سا سیارہ ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ ساری باتیں بعد میں بتاؤں گا پہلے مجھے ناگ کو بھی اوپر سے آنے دو"

"ناگ؟"

"ہاں! وہ بھی میری شعاعوں کی زد میں ہے"

اور تھوڑی دیر بعد ناگ بھی اڑن طشتری میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔

تینوں بہن بھائی ایک مدت کے بعد ملے تھے۔ خوب باتیں ہوئی۔ اپنی اپنی کہانیاں ایک دوسرے کو بیان کی گئیں۔ آخر میں بر نے اپنی اڑن طشتری کی کہانی سنائی۔ عنبر کی کہانی سب ے زیادہ دلچسپ اور ولولہ انگیز تھی۔

ناگ بولا۔

"یہ سیارہ عجیب لگتا ہے کہ دنیا کی تاریخ یہاں ایک بار پھر دہرائی جا رہی ہے"

تب ماریا بولی۔

"ایسا لگتا ہے کہ دنیا کی روشنی یہاں اب پہنچ رہی ہے اور اپنے ساتھ نیچے کی دنیا میں گزرے ہوئے سارے واقعات کی تصویریں اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ وہی تصویریں یہاں واقعات حادثات بن کر ایک بار پھر سے کھیل کھیل رہی ہیں"

عنبر نے ماریا کے خیال پر مسکرا کر کہا۔

"ماریا بہن! تم نے بڑی ٹھیک بات کہی ہے۔ اس کائنات کے ہر ستارے کی روشنی اس سیارے پر ہونے والے حادثات

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی مکمل فلم لے کر خلا میں سفر کر رہی ہے۔ جس کسی سیارے پر اس کی روشنی پہنچتی ہے وہاں وہی حادثات پھر سے دکھائی دینا شروع ہو جاتے ہیں"
ناگ نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی سیارے پر جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پہلے کی تاریخ کے واقعات ہو رہے ہیں یہ محض تصویریں ہیں حقیقت نہیں ہے"
عنبر کہنے لگا۔

"تم اسے خیالی تصویریں بھی کہہ سکتے ہو اور حقیقت بھی۔ بہر حال خیال اور حقیقت میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے"
ماریا نے کہا۔

"بھئی یہ خشک بحث چھوڑو اور یہ بتاؤ اب پروگرام کیا ہے؟"
عنبر بولا۔

"دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم تینوں ایک ایسے سیارے کی زمین پر اکٹھے ہوئے ہیں جہاں سے ہم اس وقت تک اڑن طشتری میں آگے سفر نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہماری طشتری یہاں سے اڑ کر خلا میں کسی سورج میں جا کر بھسم نہیں ہو جائے گی۔"

ماریا نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی نامعلوم مدت تک ہمیں اسی دنیا پر رہنا ہو گا"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ کم از کم ابھی ہمیں اسی سیارے کی زمین پر رہنا ہو گا"
پھر عنبر نے کہا۔

"اس ملک کے بادشاہ نے میری شرطیں مان لی ہیں۔ ہمیں اس کی مدد کرنی ہے۔ اس کے ملک پر ایک ظالم سپہ سالار بادشاہ ہینی بال اپنی ہلاکت خیز فوج لے کر حملہ کرنے آ رہا ہے"

"ہینی بال؟" ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں — وہی ہینی بال جس کے عہد میں ہم ایک بار دنیا میں زندگی بسر کر چکے ہیں"
ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہم ایک ہی فلم کا دوسرا شو دیکھ رہے ہیں"

"بالکل ایسا ہی ہے"
ماریا نے کہا۔
عنبر کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صبح آپ لوگ میرے ساتھ قلعے میں چلیں گے وہاں میرا ایک شاندار محل ہے۔ میں تمہارا تعارف بادشاہ سے کراؤں گا"

ماریا نے کہا۔

"میرا تعارف کیسے کراؤ گے؟ میں تو اسے نظر ہی نہیں آؤں گی۔"

عنبر کہنے لگا۔

"میں تمہاری آواز کا تعارف کراؤں گا"

اس پر تینوں ہنس پڑے۔

رات گزر گئی۔ تینوں بیٹھے شوق سے باتیں کرتے رہے۔ اتنی دیر بعد ملے تھے انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کب رات گزر گئی اور کنوئیں کے باہر دن نکل آیا۔ اس کی ہلکی ہلکی روشنی اُڑن طشتری کی چھت پر سے اندر آنے لگی۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیئے۔ لیکن ناگ! تمہیں لباس بدلنا ہو گا۔ تمہارا لباس زمین والوں کا جدید لباس ہے۔"

عنبر نے ناگ کو ایک اشوری سپاہی کی لاش کا لباس اتار کر پہنایا اور ان دونوں کو ساتھ لے کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔ اُڑن طشتری کو جھاڑیوں وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا۔ باہر گھوڑا ایک ہی تھا۔ عنبر نے گھوڑا اسی جگہ چھوڑ دیا اور یہ لوگ پیدل

جنگل میں سے گزرنے لگے۔ سورج نکل آیا تھا۔ ہر طرف روشنی پھیل رہی تھی۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہاں دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اور رات لمبی!

اس طرح باتیں کرتے کرتے تینوں بہن بھائی قلعے کے دروازے پر آ گئے۔ یہاں پہرے داروں نے عنبر کو دیکھا تو بگل بجا کر اس کے آنے کا اعلان کیا۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے عنبر بھائی نے یہاں اپنا کافی رعب ڈال رکھا ہے"

عنبر نے کہا۔

"ذرا قلعے کے اندر چل کر دیکھنا ہماری شان!"

وہ کھائی کے اوپر بنے ہوئے لکڑی کے پل پر سے گزر کر پرانے قلعے کے دروازے میں سے گزر کر سیدھے بادشاہ کے محل کی طرف آ گئے۔ بادشاہ اپنے خاص کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ عنبر نے اس وقت بادشاہ سے ملنا مناسب نہ سمجھا اور ناگ ماریا کو اپنے محل میں لے گیا۔ اس کا عالی شان محل دیکھ کر دونوں ناگ اور ماریا بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے انہیں ایک ایک شاندار اور آرام دہ کمرہ دے دیا۔ انہوں نے غسل کیا۔ پھل اور دودھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیا اور کچھ دیر آرام کیا۔

دوپہر کے بعد عنبر ان دونوں کو لے کر بادشاہ کے محل میں آ گیا۔

بادشاہ نے عنبر کے ساتھ ایک سانولے سے نوجوان کو دیکھا تو پوچھا۔

"عنبر! یہ نوجوان کون ہے تمہارے ساتھ؟"

عنبر نے کہا۔

"میں اسے ملوانے کے لیے ہی آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس سے ملیئے۔ یہ میرا بھائی ناگ ہے۔"

بادشاہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ناگ سے ہاتھ ملایا۔ پھر پوچھا۔

"کل تک تو یہ یہاں نہیں تھا"

عنبر نے کہا۔

"میں نے آج ہی اسے زمین پر سے بلایا ہے۔"

بادشاہ نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ تم نے اسے کیسے بلا لیا زمین سے جو کہ کھربوں میل دور ہے؟ پھر اسے کچھ خیال آیا تو مسکرا کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں بھائی! تم سب کچھ کر سکتے ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"ابھی میں آپ کو اپنی بہن سے بھی ملوانے والا ہوں"

بادشاہ نے کہا۔

"اچھا اچھا تو تمہاری پیاری بہن بھی تمہاری زمین سے آئی ہے؟ چلو ہم ملکہ کو لے کر خود اس کی طرف چلتے ہیں۔ وہ یقیناً تمہارے محل میں آرام کر رہی ہو گی"

عنبر نے کہا۔

"جی نہیں۔ وہ اس وقت یہیں موجود ہے"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ میری بہن ماریا اسی جگہ موجود ہے یعنی آپ کے سامنے اور میرے ساتھ کھڑی ہے اور آپ جھ رہی ہے"

بادشاہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر عنبر سے کہا۔

"عنبر میاں! تم تو پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان میرے سامنے کھڑا ہو اور مجھے نظر آئے؟"

عنبر نے کہا۔

"ایسا ہو سکتا ہے اور ایسا ہو رہا ہے۔"

پھر عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن۔ بادشاہ کو سلام کرو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا۔

"آداب عرض!"

بادشاہ نے جو ایک ایسی عورت کی اور سنی جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی تو وہ ایک بار تو کانپ کر پرے ہٹ گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا ہنس پڑے۔

بادشاہ شہ نشین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"میرے عزیز مہمانو تم بھی بیٹھو اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دو"

اتنے میں وہاں پھل وغیرہ آ گئے۔ بادشاہ نے کہا۔

"عنبر میاں! تم لوگوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ میں کل سے جو کچھ دیکھ رہا ہوں مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا۔

ناگ بولا۔

"ابھی آپ نے میری جادوگری نہیں دیکھی"

"کیا مطلب؟ کیا ابھی کچھ اور بھی دیکھنے کو باقی ہے؟"

"جی ہاں! بہت کچھ باقی ہے" ناگ نے کہا۔

عنبر کہنے لگا۔

"آپ جس شخص یعنی ناگ کو اپنے سامنے بیٹھا پھل کھاتا دیکھ رہے ہیں اصل میں یہ انسان نہیں ہے"

بادشاہ حیرت سے اچھل کر بولا۔

"انسان نہیں ہے؟ تو پھر —— تو پھر یہ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "یہ سانپ ہے"

بادشاہ تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔

"کیا کہا، سانپ؟"

"ہاں بادشاہ سلامت سانپ! چونکہ میں نے خود اپنے بہن بھائیوں کا آپ سے تعارف کرانا چاہا تھا اس لیے میں نے آپ سے کوئی پردہ نہیں کیا اور ان دونوں کی خفیہ طاقتیں آپ پر ظاہر کر دی ہیں۔ اس لیے کہ ہم آپ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنے ملک کی رعایا کے لیے بڑے نیک کام کریں گے"

بادشاہ نے جھک کر کہا۔

"عظیم انسان عنبر! میں تمہارا ادب کرتا ہوں۔ تمہاری قدر کرتا ہوں۔ تم نے میری بہت بڑی پریشانی کو اپنے سر لے لیا ہے۔ اگر تم میرے پاس نہ ہوتے تو میں ہینی بال کے حملے کی خبر سن کر یہاں اپنے محل میں آرام سے نہ بیٹھا ہوتا"

عنبر بولا۔

"ہینی بال منہ کی کھائے گا اور اپنی ساری فوج مروا کر بھاگ اٹھے گا"

بادشاہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"اس کی میں ذمے داری نہیں لیتا۔ میدان جنگ گرم ہوگا۔ آگ برس رہی ہوگی۔ کیا خبر وہ اسی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے۔"

بادشاہ بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی عنبر!"

جب ناگ عنبر اور ماریا وہاں سے جانے لگے تو بادشاہ نے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ اتنا دبلا پتلا خوبصورت نوجوان انسان نہیں بلکہ سانپ ہے"

عنبر مسکرایا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی اس کا اصلی روپ دیکھ لیجئے"

پھر اس نے ناگ سے کہا۔

"اپنی کرامت دکھاؤ ناگ تاکہ بادشاہ کو یقین آجائے"

ناگ نے کہا

"بہت بہتر"

بادشاہ ٹکٹکی باندھے ناگ کو تک رہا تھا کہ دیکھیں یہ نوجوان کس طرح سے انسان سے سانپ بن جاتا ہے؟

ناگ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور بادشاہ کے دیکھتے دیکھتے انسان سے ایک سرخ اور سبز بڑا سانپ بن کر محل کے فرش پر کنڈلی مار کر پھن اٹھا کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ سناٹے میں آگیا۔

"یہ — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

عنبر ہنس کر بولا۔

"بادشاہ سلامت! ابھی آپ بہت کچھ دیکھیں گے۔ صرف اتنی سی بات پر آپ کیوں حیران ہو گئے؟ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!"

●

بادشاہ، عنبر، ماریا اور ناگ کو ہم ان کے محل میں چھوڑ کر ذرا وہاں سے چار سو میل جنوب کی طرف شمالی افریقہ کے ایک میدان میں چلتے ہیں جہاں اس زمانے کے جابر حکمران ہنی بال کا ایک لاکھ کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ رات کا وقت ہے۔ سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے خیمے سارے میدان میں پھیلے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ روشنیاں ہو رہی ہیں۔ سپاہی کہیں کھا پی رہے تھے۔ کہیں شور مچا رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ انہیں خوشی اس بات کی تھی کہ وہ بابل کے شہر پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ جہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں لوٹ مار کا بے شمار سامان اور مال دولت ملنے والی تھی۔

انہیں اپنی فتح کا یقین تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بابل کے بادشاہ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ بینی بال کے ایک لاکھ کے لشکر کا مقابلہ کر سکے۔

بینی بال کے خیمے میں فانوس جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ ظالم سپہ سالار جو شیر کا خون پی جاتا تھا سونے کے تخت پر بیٹھا اپنے جرنیلوں سے بابل کے قلعے کو فتح کرنے کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ ایک دولت مند شہر اپنے خزانے اور مال و دولت لے کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس کے سامنے طشت میں بھنا ہوا ثابت مور پڑا جس کے تکّے وہ کھا رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک جرنیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سنتا ہے بابل شہر کا قلعہ بڑا مضبوط ہے"

جرنیل نے کہا۔

"حضور! ہماری پتھر پھینکنے والی منجنیقوں کے آگے وہ ایک پل بھی نہ ٹھہر سکے گا"

"ہا ہا ہا ہا" بینی بال ہنسا۔ "میں قلعے کی اینٹ سے

اینٹ بجا دوں گا۔ میں بابل شہر کے مکانوں کو اکھاڑ کر زمین کے برابر کر دوں گا۔ میں وہاں کے لوگوں کے سر ٹ کر ان کا ایک مینار بناؤں گا"

"ایسا ہی ہو گا سرکار!"

سارے جرنیل جابر بینی بال کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ خوف ناک شخص جو کہتا ہے وہ کر دیا کرتا ہے۔ بابل کے ساتھ کیا ظلم و ستم ہونے والا تھا؟ اس سے یہ سارے جرنیل پوری طرح با خبر تھے۔

بینی بال نے تخت پہ پاؤں مار کر کہا۔

"ہم صبح ہونے سے پہلے پہلے کوچ کر جائیں گے"

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی دن کی روشنی ظاہر نہیں ہوئی تھی بینی بال کا ایک لاکھ کا لشکر میدان سے روانہ ہو گیا۔ آگے ہاتھی سواریوں کے دستے تھے۔ ان کے پیچھے گھڑ وار تھے۔ ان کے پیچھے پیدل فوج رتھوں پہ چلی آ رہی ی۔ بیچ میں ایک شاندار ہاتھی پہ بینی بال اپنے جرنیلوں ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد اس کے جانثاروں جمگھٹا تھا۔

ابھی اس زبردست لشکر نے چار سو میل کا فاصلہ طے نا تھا۔ اس زمانے میں یہ فاصلہ بڑا زیادہ ہوا کرتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارا دن لشکر سفر کرتا رہا۔ رات کو اس نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ساری رات آرام کرنے کے بعد اگلے روز پھر یہ لشکر روانہ ہو گیا۔ اسی طرح سات راتیں اور آٹھ دن آرام کرنے اور سفر کرنے کے بعد یہ لشکر ایک ایسے میدان میں پہنچا جہاں اسے دور سے بابل شہر کے قلعے کی برجیاں دکھائی دیں۔

ایک سپاہی نے چیخ کر اعلان کیا۔

"دشمن کا قلعہ نظر آ گیا۔ ہم منزل پر پہنچ گئے۔"

سارے لشکر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خاص ایلچی نے لپک کر سپہ سالار اعظم ہینی بال کو یہ خوش خبری سنائی۔

"حضور انور! دشمن کا قلعہ دکھائی دے گیا ہے۔"

ہینی بال نے خوش ہو کر اس ایلچی کو اپنے گلے سے موتیوں کی قیمتی مالا اتار کر انعام میں بخش دی اور بلند آواز سے کہا۔

"بابل شہر کو اتنا لوٹنا کہ اس کے مکانوں میں ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے۔"

دوسری طرف عنبر ناگ، ماریا اور بادشاہ بھی قلعے کے سب سے اوپر والے مینار پر کھڑے ہو کر ہینی بال کے لشکر کو وادی میں داخل ہوتا دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں کا ایک سیلاب تھا جو وادی میں بڑھتا ہی چلا آ رہا تھا۔ زرہ پوش انسانوں کا ایک سمندر تھا جس نے ساری وادی کو اپنے اندر سما لیا تھا۔ بابل کا بادشاہ ایک بار تو خوف سے کانپنے لگا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ عنبر اور ناگ بیچارے کیا کر سکیں گے۔ ناگ سانپ بن کر کتنے سپاہیوں کو ڈس لے گا اور عنبر کتنے سپاہیوں کو اپنے پستول سے ہلاک کر سکے گا؟

اس نے دیوتا مردوخ کے سامنے آگ کا نیا الاؤ روشن کرایا۔ اور اس کی تعریف کے گیت گائے۔ ساری رات مردوخ کے مندر میں دیوتاؤں کی پوجا ہوتی رہی۔ بکرے قربان کئے جاتے رہے۔ ملکہ کا بھی خوف سے برا حال تھا۔ شہر کے لوگ غم سے آدھے ہو گئے تھے۔ موت انہیں اپنے سامنے نظر آ رہی تھی۔ بابل کے بادشاہ کے پاس زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار سپاہی تھے جن میں لڑنے والوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی اور مقابلہ ہینی بال کے ایک لاکھ سپاہیوں سے تھا جن کے پاس ہاتھی بھی تھے اور قلعے کی دیوار توڑنے والی منجنیق بھی تھی۔

آدھی رات کو بادشاہ نے عنبر کو اپنے خاص محل میں بلوایا۔ عنبر بادشاہ کی خواب گاہ میں آیا تو وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عنبر کو آتے دیکھ کر اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عنبر! کیا ہم لوگ ہینی بال کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا"

"کوشش؟" بادشاہ نے چیخ کر کہا۔ "آہ! کوشش تو ناکام ہو جائے گی میرے بچے!"

عنبر نے کہا۔

"کوشش کامیاب بھی ہو سکتی ہے بادشاہ سلامت!"

ملکہ اداس بیٹھی تھی۔ عنبر کی طرف نفرت سے منہ کر کے بولی۔

"جب سے تم یہاں آئے ہو، ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ بھلا تم اکیلے کیوں کر ہینی بال کی اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکو گے۔ تم نے بادشاہ کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔"

عنبر نے ملکہ کی تلخ باتوں کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ ملکہ نے بادشاہ کی طرف منہ کر کے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے میری بات اب بھی مان لیں اور ہینی بال کے پاس ایلچی بھیج کر صلح کی بات چیت کریں۔ یہ شخص اس شہر اور اس محل کی اینٹ سے اینٹ بجا

دے گا۔"

بادشاہ نے عنبر کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔

عنبر نے بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے شہر کے یتیم بچوں کی سرپرستی کریں گے اور زمین غریبوں میں تقسیم کر دیں گے؟"

"عنبر میں وعدہ کرتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں"

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"پھر دس ہزار ہینی بال بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دشمن کو آنے دیں۔ اس قلعے کے سامنے والے میدان میں دشمن کی لاشوں کا قبرستان بنے گا"

اور عنبر بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہنی بال کے لشکر نے کس طرف سے حملہ کیا؟
سپہ سالار نے کیا چال چلی؟
رات کے اندھیرے میں ملکہ کے لیے خفیہ قاصد کیا پیغام لایا؟
ناگ نے کیا قیامت مچائی؟
یہ سب حالات اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

PDFBOOKSFREE.PK

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

اردو مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اڑن طشتری کی لاش

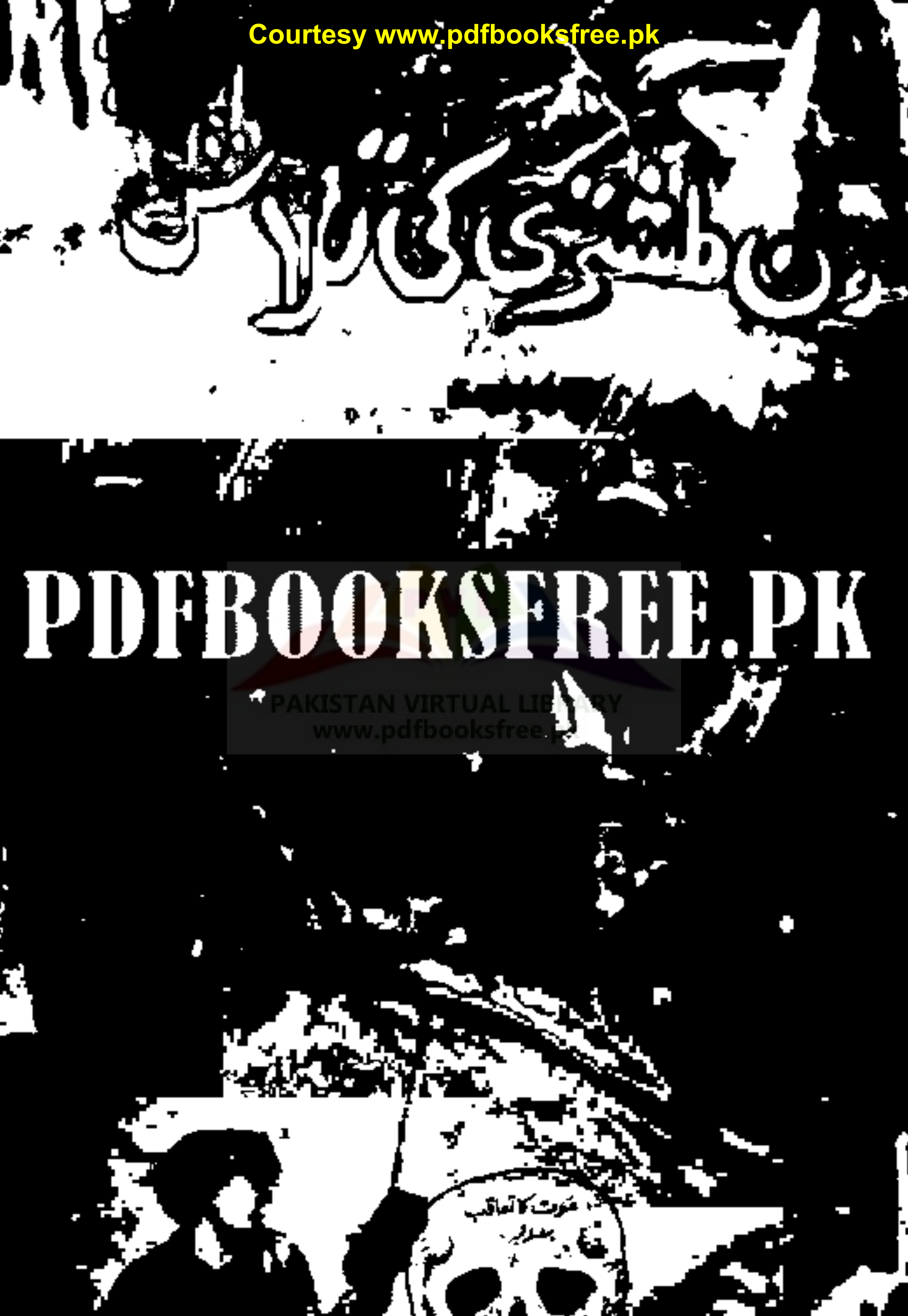

موت کا تعاقب
مظہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

805

موت کا تعاقب ۴۵

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

اُڑن طشتری کی تلاش

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۸ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اول: ۱۹۶۹ء
قیمت: چار روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

فہرست

- رات کی خاموشی میں ۵
- خونی سازش ۱۸
- اڑن طشتری کی تلاش ۳۳
- دو جاسوس ۴۶
- پُراسرار لوگ ۶۲
- ملکہ فرار ہوگئی ۸۰

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

آدھی رات کو جبکہ قلعے کی دیواروں پر اندھیرا چھایا ہوا ہے ایک پُراسرار سایہ قلعے کی دیوار کی طرف بڑھتا ہے۔ کمند ڈال کر فصیل کے اوپر چڑھتا ہے اور چھپتا چھپاتا ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ ملکہ کے آگے ہینی بال کی ایک سازش اور ایک تجویز کا انکشاف کرتا ہے۔ ملکہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے اور وعدہ کرتی ہے کہ آدھی رات کو جب ہینی بال کی فوجیں حملہ کریں گی تو وہ قلعے کا دروازہ کھلوا دے گی۔ اتفاق سے یہ باتیں ماریا سُن لیتی ہے۔ وہ عنبر اور ناگ کو خبردار کر دیتی ہے۔ رات گہری ہو گئی ہے۔ قلعے کے سامنے ہینی بال کا ایک لشکر رینگتا ہوا آ کر چھپ جاتا ہے وہ انتظار کر رہا ہے کہ قلعے کا دروازہ کب کھلے گا؟ اتنے میں قلعے کی برجی کے اوپر روشنی ہوتی ہے۔

یہ روشنی کیا تھی؟ کیا قلعے کا دروازہ کھلا؟ یہ آپ خود پڑھیں گے۔

●

۵

رات کی خاموشی میں

●

ہینی بال کے زبردست لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے دروازے بند کرنے کے بعد کھائی کے اوپر پڑا ہوا پُل اُٹھا لیا گیا تھا۔ ناگ، عنبر اور ماریا بھی قلعے میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ شہر میں کھانے پینے کا سامان اتنا موجود تھا کہ لوگ چھ مہینے تک گذارا کر سکتے تھے۔ ہینی بال کے جاسوسوں نے بھی اُسے خبر دے دی کہ شہر میں کھانے پینے کا کافی سامان موجود ہے۔ ہینی بال نے اپنے خیمے میں اپنے وزیروں کو بُلا کر اجلاس کیا۔ ہینی بال نے کہا۔

"بابل کے بادشاہ کے پاس کافی خوراک موجود ہے۔ میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ شہر کے لوگ چھ مہینے سے لے کر ایک برس تک گزارہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے مشکل بات پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ ہم اتنی دیر تک انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس اتنی خوراک نہیں ہے کہ ہم ایک برس تک، اس میدان میں رہ کر اپنے گھوڑوں، ہاتھیوں اور سپاہیوں کو زندہ رکھ سکیں۔"

ایک وزیر نے کہا۔

"ہمیں پتھر مشینوں سے قلعے پر حملہ کر دینا چاہیئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا وزیر بولا۔

"قلعے کی کھائی کا پاٹ بہت چوڑا ہے۔ ہماری مشینوں کے پتھر اتنی تیزی اور اتنے زور سے قلعے کی دیوار کو نہ لگ سکیں گے کہ وہ ٹوٹ سکے۔"

تیسرے وزیر نے کہا۔

"ہمیں آگ برسانے والے تیروں سے شہر میں آگ لگا دینی چاہیئے۔"

"اور پھر ہمارے سپاہی سیڑھی لگا کر شہر کی دیوار پر چڑھ جائیں گے اور اندر جا کر قلعے کا دروازہ کھول دیں گے۔"

ہینی بال ان سب کی باتیں سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ بابل کے بلند قلعے کی دیوار پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنا اتنا آسان نہیں ہے جبکہ اوپر سے کھولتا ہوا تیل پھینکا جائے گا۔ آگ لگانے والے تیر بھی پتھر کی دیواروں کو آگ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور وہ ایک برس تک اپنی فوج کو میدان بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے پاس خوراک کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میدانوں میں فصل بھی نہیں اگی ہوئی تھی۔ جو تھوڑے سے بہت گندم کے کھیت تھے انہیں فوج کے گھوڑوں، ہاتھیوں نے روند ڈالا تھا۔

ہینی بال غور کر رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

اُس نے وزیروں کا دربار برخاست کر دیا۔ جب اُس کا خیمہ خالی ہو گیا تو اُس نے تالی بجا کر اپنے خاص غلام کو بلا کر کہا۔

"بانو کو بلاؤ"

بانو ہینی بال کا خاص آدمی تھا۔ دبلا پتلا تیز طرار اور بڑا چالاک تھا۔

طرابلس کا رہنے والا تھا اور اپنی ذہانت اور مکاری کی وجہ سے سپاہی سے ترقی کرتا کرتا ہینی بال کا خاص دوست بن گیا تھا۔ غلام بانو کو بلا کر لے آیا۔ خیمے کے اندر بانو نے جھک کر ہینی بال کو سلام کیا اور ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خیمے میں شاندار ریشمی قالین بچھے تھے۔ چاندی کے گلدان رکھے تھے۔ چھت سے ایک سنہری سونے کا فانوس لٹک رہا تھا۔ تخت پر خشک اور دوسرے میووں سے لدے ہوئے طشت پڑے تھے۔ ہینی بال نے بانو کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ پھر اُس کے قریب جا کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بانو! میرے دوست! میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے بلایا ہے۔"

بانو نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"غلام اپنے آقا کے لئے اپنا سر بھی کٹوانے کو تیار ہے۔"

ہینی بال کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم میری خاطر اپنا سر کٹوا سکتے ہو۔ مگر مجھے اس وقت تمہارے سر کی ضرورت نہیں ہے۔"

بانو نے ہینی بال کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور کہا۔

"میں اپنی اولاد بھی آپ پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔"

ہینی بال مسکرایا۔

"مجھے تمہاری اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

بانو نے کہا۔

"تو پھر میں اپنے عظیم بادشاہ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہینی بال نے کہا۔

"میری بات غور سے سنو۔"

اور وہ بانو کو لے کر خیمے کے کونے میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا اور سرگوشی میں اُس سے باتیں کرنے لگا۔ بانو بڑے غور سے ہینی بال کی باتیں سنتا رہا۔ وہ ساتھ ساتھ اپنے سر کو آہستہ آہستہ ہلاتا جاتا تھا۔ جب ہینی بال اپنی بات ختم کر چکا تو بانو نے اٹھ کر ہاتھ سینے پر رکھ کر جھک کر ادب سے سلام کیا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ہینی بال نے اپنی ملکہ کو بلوا کر کہا۔

"میں نے ایک تیر رات کے اندھیرے میں چھوڑا ہے۔"

ملکہ نے مسکرا کر کہا۔

"اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر کبھی اپنے نشانے پر نہیں بیٹھتا۔"

ہینی بال نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بعض نشانے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر اندھیرے میں چھوڑے ہوئے تیر بھی جا کر لگتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ملکہ نے پوچھا۔

ہینی بال نے کہا۔

"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔"

اور وہ تخت پر بیٹھ کر طشت میں سے تازہ سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ کچھ سوچ کر مسکرا بھی رہا تھا۔

دوسرے دن کی تاریک رات!

ہینی بال کے سپاہی اپنے خیموں میں خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کہیں کہیں لشکر میں خیموں کے سامنے آگ روشن تھی جس کی روشنی میں پہرے دار سپاہی چکر لگا کر پہرہ دے رہے تھے کہ کہیں دشمن شب خون نہ مارے۔ دور قلعے کی فصیل پر گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اس اندھیرے اور خاموشی میں لشکر کے دور تک پھیلے ہوئے خیموں میں سے ایک خیمے کا پردہ آہستہ سے ہٹا اور ایک پُراسرار سایہ باہر نکل کر غائب ہو گیا۔ یہ سایہ چند ایک خیموں کے پیچھے سے ہوتا ہوا جب الاؤ کے قریب سے گزرا تو ایک پہرے دار نے زور سے آواز لگائی۔

"رُک جاؤ نہیں تو نیزہ مار دوں گا۔"

پُراسرار سایہ وہیں رُک گیا۔ سپاہی تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھا۔ پُراسرار سائے نے اپنا ہاتھ سیاہ لبادے سے باہر نکال کر سپاہی کو دکھایا ہی تھا کہ سپاہی نے جھک کر کہا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔"

پُراسرار سایہ آگے بڑھ گیا۔ آخری خیمے کے پاس ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا بندھا کھڑا تھا۔ پُراسرار سایہ گھوڑے پر بیٹھ گیا اور اس کا رُخ رات کے اندھیرے میں شہر اور قلعے کی طرف کر دیا۔ رات بڑی اندھیری تھی۔ آسمان پر نیلے ستارے چمک رہے تھے۔ اُن کی مدھم روشنی میں پُراسرار سایہ گھوڑے پر سوار اُسے بھگائے لئے جا رہا تھا۔ کچی مٹی کے میدان میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز زیادہ نہیں ابھر رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب قلعے کی کھائی قریب آگئی تو پُراسرار سائے نے گھوڑے کا رُخ مشرق کی طرف کر دیا۔ اب گھوڑے کو کھائی سے کافی پرے ہٹ کر آہستہ آہستہ لئے جا رہا تھا۔ جب وہ کافی آگے نکل گیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور زمین پر رینگتا قلعے کی کھائی کی طرف بڑھا۔ کھائی کے کنارے پر جا کر اُس نے پہلی بار سر پر سے کپڑا پرے کھسکا کر اردگرد دیکھا تو پتا چلا کہ یہ ہینی بال کا خاص دوست مکار بانو ہے۔ بانو ایک خاص کام پر اُدھر آیا تھا۔ پتا کرتے ہیں کہ یہ کس مقصد کو لے کر آدھی رات کو خیمے سے نکل کر یہاں پہنچا ہے۔

قلعے کی اونچی دیوار کھائی کے پار کھڑی تھی۔

کھائی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اُس کا پاٹ کافی چوڑا تھا اور یہ قلعے کے ساتھ ساتھ گول چکر لگاتی چلی گئی تھی۔ قلعے کی فصیل پر اس طرف کوئی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔ بانو آہستہ سے کھائی کے پانی میں اُتر گیا اور سانپ کی طرح بڑی خاموشی سے تیرتے ہوئے کھائی کے دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

وہ کمال ہوشیاری سے تیر رہا تھا کہ پانی میں ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ویسے بھی اُس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ اوپر سے اُس نے جسم کو سیاہ لبادے میں لپیٹ رکھا تھا۔ بڑے سکون سے کھائی کے پانی میں تیرتے تیرتے وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ کھائی سے باہر نکل کر وہ کنارے کی جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گیا۔ اُسے دو تین سپاہیوں کے زرہ بکتر کی آواز آئی۔

یوں لگا جیسے پہرے دار سپاہی آ رہے تھے۔ بانو جھاڑیوں میں گھس کر لیٹ گیا۔ اتنے میں قلعے کی فصیل کے باہر کھائی کے ساتھ ساتھ چکر لگا کر پہرہ دینے والے سپاہی نمودار ہوئے۔ انہوں نے تلواریں اور نیزے لگا رکھے تھے۔ ڈھالیں اُن کی پیٹھ پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

"رات بڑی اندھیری ہے۔"

"ہاں! ہینی بال کا لشکر شاید دو ایک روز تک حملہ کر دے۔"

"نہیں! وہ ایسی غلطی ابھی نہیں کرے گا۔ اُس کا خیال ہے کہ شہر کے لوگوں کے پاس خوراک کم ہے وہ اپنے آپ قلعے کا دروازہ کھول دیں گے۔"

"یہ اُس کا وہم ہے۔ ہم لوگ دو برس تک شہر میں بند رہ سکتے ہیں۔"

"ہینی بال کے جاسوس اُسے ایک ایک پل کی خبر دے رہے ہیں۔"

"مگر اُس کے جاسوس قلعے کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟ ہم تو ہر وقت یہاں پہرہ دیتے رہتے ہیں۔"

"تم ہینی بال کو نہیں جانتے۔ وہ بڑا ہوشیار جرنیل ہے۔ اُس کے جاسوس اندھیرے میں سایہ بن کر اندر داخل ہو جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہینی بال کے جاسوس بڑے چالاک ہیں۔"

"کیا اس وقت بھی تو اس کا کوئی جاسوس ہمارے ساتھ ساتھ سایہ بن کر نہیں چل رہا۔"

"ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس وقت دونوں سپاہی بانو کے قریب سے گزر رہے تھے۔ بانو نے سوچا کہ اگر ان سپاہیوں نے جھاڑیوں کی تلاشی لے لی تو وہ پکڑا جائے گا۔ اُس نے اپنی کمر میں چھپایا ہوا خنجر نکال کر ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ ایک سپاہی کو مار کر مرنا چاہتا تھا۔ مرنا تو اُسے بہرحال تھا ہی۔ وہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر ایک بڑے اہم مقصد کو لے کر دشمن کے گھر کے باہر آگیا تھا۔

لیکن اُس کی قسمت اچھی تھی اور بابل والوں کی قسمت بُری تھی کہ سپاہی آگے نکل گئے اور بانو ان کے ہاتھوں سے بچ گیا۔ اگر وہ سپاہی عقل سے کام لیتے ہوئے ذرا جھاڑیوں میں جھانکتے تو ہیں بابل کا خاص جاسوس بانو وہاں انہیں مل جاتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

سپاہی آگے نکل گئے۔ کچھ دور تک ان کے لوہے کے زرہ بکتر اور قدموں کی آواز سنائی دی پھر وہ بند ہو گئی اور وہاں ایک بار پھر رات کی گہری خاموشی چھا گئی۔ بانو جھاڑیوں میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے اپنے کپڑے نچوڑ کر دوبارہ پہنے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ سپاہی قلعے کی فصیل کے گرد آدھا چکر لگا کر آئیں گے۔ اس کے حساب سے انہیں کافی دیر بعد واپس اُدھر سے گزرنا تھا۔ اس دوران میں بانو نے جو کچھ کرنا تھا کر لینا تھا۔

وہ تیزی سے لپک کر قلعے کی فصیل کے پاس آگیا۔

اُس نے لبادے کے اندر سے ایک گٹھڑی سی نکال کر زمین پر رکھی اُسے کھولا اور اُس کے اندر سے گو باہر نکالی۔ گو ایک بڑے گرگٹ کی طرح کا جانور ہوتا ہے جو جس جگہ رُک جائے وہاں اپنے پنجے گاڑ دیتا ہے اور اُسے کوئی

وہاں سے نہیں ہلا سکتا۔ یہ گو جو بانو نے گٹھڑی سے نکالا خاص طور پر سدھایا ہوا تھا۔ اُس کی کمر کے ساتھ ایک پتلی مگر بڑی مضبوط رسی بندھی تھی۔ بانو نے گو کو قلعے کی دیوار پر چھوڑ کر اُس کی دُم پر ذرا سا کاٹ دیا۔ گو ایک چھوٹے سے مگرمچھ کی طرح دیوار پر بڑی تیزی سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ بانو نے رسی ڈھیلی کر دی۔ گو قلعے کی فصیل کے اوپر جا کر دوسری طرف اتر گیا۔ اب بانو نے نیچے سے رسی کو آہستہ سے کھینچا۔ دوسری جانب گو دیوار کے ساتھ چمٹ گیا۔ بانو نے رسی کو زور سے کھینچا۔ گو دیوار کے ساتھ زیادہ زور سے چمٹ گیا۔

"کمند تیار ہے۔ اب مجھے اوپر چڑھنا چاہیئے"

اور بانو رسی کے سہارے قلعے کی دیوار پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی آسان نہیں تھی۔ مشکل چڑھائی تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ سپاہی واپس نہ آجائیں۔ مگر بانو کے حوصلے بلند تھے۔ وہ رسی کے سہارے اوپر ہی اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ دور سے دیکھنے پر ایک سیاہ دھبہ لگتا تھا جو قلعے کی دیوار پر اوپر کی جانب رینگ رہا تھا۔

آخر وہ قلعے کی فصیل پر پہنچ گیا۔

قلعے کی فصیل پر پہنچ کر بانو اسی جگہ فصیل کے پتھروں سے چمٹ گیا۔ اُس نے رسی اوپر کھینچ لی تھی اور اُسے گو کے ساتھ لپیٹ کر کپڑے میں باندھا اور فصیل کے اندر ایک سوراخ میں چھپا دیا۔ اب اُس نے فصیل پر لیٹے لیٹے سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا۔ فصیل پر دور دور تک کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ جس دیوار پر وہ چمٹا ہوا تھا وہ تھوڑی سی اونچی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو آہستہ سے کود کر فرش پر آگیا۔ خاموشی۔ پُراسرار خاموشی اور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ قلعے کا یہ فرش کافی چوڑا تھا اور فصیل کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برجیاں بنی تھیں جن کے اندر سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور فصیل کے اوپر بڑے بڑے کڑاہوں میں تیل کھول رہا تھا کہ اگر آدھی رات کو بھی دشمن سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اس پر کھولتا ہوا تیل ڈال کر اُسے تباہ کر دیا جائے۔

لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ ایک خطرناک شخص دیوار کے اوپر پہنچ چکا تھا۔ بانو ایک ایسا شخص تھا کہ اس شہر کے تمام علاقے کو جانتا تھا۔ وہ اس سے پہلے دو تین بار اس قلعے میں آ چکا تھا اور شاہی محل کی سیر بھی کر چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہی محل میں برقہ نام کی ایک حبشی کنیز کسی زمانے میں بانو کی بیوی رہ چکی تھی۔ برقہ ملکہ کی خاص کنیز تھی۔

بانو فصیل کی دیوار سے اُتر کر چھت پر آیا۔ یہاں سے وہ ایک پرنالے کے ذریعے دوسری چھت پر آگیا۔ یہ شاہی محل کی وہ چھت تھی جس کے نیچے برقہ کنیز کا کمرہ تھا۔ دیوار کے پہلو میں اس کمرے کی کھڑکی تھی۔

بانو نے اوپر سے جھک کر دیکھا۔ کھڑکی میں اندر جلنے والی شمع کی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

"کیا برقہ جاگ رہی ہے؟ کہیں اُس کے پاس کوئی دوسرا شخص تو نہیں؟"

خطرے کا یہ خیال بانو کے دل میں پیدا ہوا۔ چھت کی منڈیر سے جنگلی پھولوں والی ایک بیل رسے کی طرح نیچے جا رہی تھی۔ یہ بیل برقہ کی کھڑکی کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی۔

بانو نے بیل کے رسے کے ذریعے آہستہ آہستہ دیوار پر نیچے اُترنا شروع کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا اور بیل کے پتوں میں چھپا ہوا تھا۔ جب وہ کھڑکی کے قریب آیا تو اُس نے ذرا آگے بڑھ کر کھڑکی کے باہر نکلے ہوئے کھلے پٹ کو ایک ہاتھ سے تھام لیا اور ذرا آگے جُھک کر اندر دیکھا۔

اُس کی پہلی بیوی برقہ کنیز اکیلی تھی۔

وہ ایک چوکی پر بیٹھی کسی کپڑے پر کوئی کڑھائی کر رہی تھی۔ کپڑے کو لکڑی کے چوکھٹے میں لگا رکھا تھا اور گرم رنگدار دھاگے سے اس پر بڑے بڑے پھول بنا رہی تھی۔ بانو یہ دیکھ کر بڑا مطمئن ہوا کہ برقہ کمرے میں اکیلی تھی۔ اُس نے کھڑکی کے اندر چھلانگ لگا دی۔

جونہی وہ دھم سے فرش پر کودا برقہ کنیز کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بانو نے چیتے کی طرح لپک کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر اپنے چہرے کا کپڑا کھول کر کہا۔

"برقہ! میں ہوں۔ تمہارا پہلا شوہر۔"

برقہ نے بانو کو پہچان لیا۔ وہ اور بانو حبشہ میں ایک ساتھ کھیلے کودے تھے بڑے ہوئے تو اُن کی شادی ہو گئی۔ لیکن بعد میں برقہ بابل کی ملکہ کے ہاں چلی گئی اور اُس نے بانو کو چھوڑ دیا۔ بانو نے برقہ کو ہمیشہ گھر میں خوش رکھا تھا اور کبھی کوئی تکلیف نہیں دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ برقہ اُس کی بڑی عزت کرتی تھی۔

"بانو تم؟ تم یہاں کہاں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو نے کہا۔

"پہلے یہ کھڑکی بند کر کے شمع گل کر دو اور کوئی مدھم روشنی والا چراغ جلاؤ۔"

برقہ سمجھ گئی کہ بانو اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر کسی خاص کام کے لئے یہاں آیا ہے۔ اُسے یہ خبر مل چکی تھی کہ بانو ہینی بال کا خاص آدمی بن چکا ہے۔ اس حساب سے وہ دشمن کا سپاہی تھا جو بابل کے شاہی محل میں آدھی رات کو گھس آیا تھا۔ اندر سے برقہ خوف زدہ بھی ہو گئی تھی۔

اُس نے شمع گل کر دی اور دھیما چراغ جلا دیا۔

کمرے میں چراغ کی مدھم روشنی بڑی پُراسرار لگنے لگی۔ برقہ بانو کے قریب آ گئی اُس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔ اُس نے سہمی ہوئی سرگوشی میں پوچھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔"

برقہ نے کہا۔

"کیا تم مجھے یہاں سے لے جانے آئے ہو؟"

بانو مسکرایا۔

"احمق عورت! یہ تم نے کیوں کر سوچ لیا؟ نہیں ——— میں ایک دوسرا مقصد لے کر یہاں آیا ہوں۔"

"وہ کیا ہے؟" برقہ نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔"

برقہ قالین پر بیٹھ گئی۔ بانو بھی اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اُس نے گہرا

سانس لے کر برقہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں ——— میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خونی سازش

•

"ملکہ بابل سے میری ملاقات کرا دو۔"

برقہ حیرانی سے بانو کا منہ تکنے لگی کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ بانو نے کہا۔

"میں ملکہ کو ہینی بال کا ایک خاص پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ ہینی بال نے مجھے اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ میرا یہ کام تمہارے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

برقہ نے کہا۔

"تمہاری نیت نیک نہیں ہے۔"

بانو کہنے لگا۔

"میں بری نیت لے کر نہیں آیا۔ یہ لو میرا خنجر تم اپنے پاس رکھ لو۔"

اور بانو نے لبادے کے اندر سے خنجر نکال کر برقہ کے آگے پھینک دیا۔ برقہ نے دیکھا۔ چراغ کی مدہم روشنی میں بھی خنجر کی تیز دھار چمک رہی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ بانو نے خنجر اٹھا کر برقہ کی طرف بڑھا کر کہا۔

"یہ لو۔ ڈرو نہیں برقہ۔ اسے سنبھال کر رکھ لو۔ جاتی دفعہ میں تم سے لے لوں گا۔"

برقہ نے خنجر لے کر صندوق میں ڈال دیا۔ پھر وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

"تم ملکہ سے کیا بات کہنا چاہتے ہو؟ ہینی بال کا پیغام کیا ہے؟ کیا وہ صلح کرنا چاہتا

ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو اسے دن کی روشنی میں اپنے سفیر کو بھیجنا چاہیئے تھا۔ تم رات کی روشنی میں چوروں کی طرح چھپ کر کیوں آئے ہو؟"

بانو نے کہا۔

"اس لئے کہ یہ پیغام ہی ایسا ہے کہ صرف میں ہی ملکہ تک پہنچا سکتا ہوں۔"

برقہ کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ قالین سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بانو بھی اس کے پاس آ گیا کہنے لگا۔

"سنو برقہ! یقین کرو کہ میں بڑی نیک نیت کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں اور میں نے اس مقصد کے لئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔ میں تمہاری ملکہ سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم یوں ہی سمجھ لو کہ یہ صلح کا پیغام ہی ہے۔ اس کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کا کشت خون رک جائے گا۔ یہ شہر تباہی و بربادی سے بچ جائے گا۔ بس تم ایک بار مجھے ملکہ سے ملوا دو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

بانو نے کچھ اس قسم کی باتیں کیں کہ برقہ تیار ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"تم آج کی رات اسی کمرے میں رہو۔ میں صبح تمہاری ملاقات ملکہ سے کرا دوں گی۔"

بانو نے برقہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

رات گزر گئی۔ دن نکلا تو برقہ سیدھی ملکہ کی خواب گاہ میں گئی۔ اس نے چنگ و بربط پر گیت گا کر ملکہ کو خواب سے بیدار کیا۔ پھر اسے غسل کروایا۔ اسے چوزوں کی یخنی بادام ڈال کر پلائی۔ جب ملکہ غسل سے فارغ ہو کر تیار ہو گئی تو اس نے اسے بانو کے بارے میں بتایا کہ ہینی بال نے اپنا ایک خاص آدمی اس کے لئے ایک خصوصی پیغام دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر بھیجا ہے۔ ملکہ نے چونک کر پوچھا۔

"کیا کہا! ہمارے دشمن کا ایک آدمی ہمارے محل میں آگیا ہے؟"

برقہ نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی میرا خاوند رہ چکا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ہینی بال کا ایک ایس پیغام لے کر آیا ہے جس کی وجہ سے یہ شہر برباد ہونے سے بچ جائے گا۔"

ملکہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کہاں ہے وہ آدمی؟"

"اگر آپ حکم دیں تو میں اُسے ابھی حاضر کئے دیتی ہوں۔"

"ہاں۔ اُسے حاضر کرو۔ لیکن کسی دوسرے انسان کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا ملکہ عالم!"

برقہ نے بانو کو محل کے خاص پہرے دار کا لباس پہنایا اور لے کر سیدھا ملکہ کے کمرے میں آگئی۔ بانو نے اندر آکر جھک کر ملکہ کو سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے تالی بجا کر برقہ سے کہا۔

"تم جا سکتی ہو۔"

برقہ چلی گئی۔ جب خواب گاہ میں ملکہ اور بانو رہ گئے تو ملکہ نے کہا۔

"بانو! برقہ ہماری پیاری کنیز ہے۔ اُس نے ہمیں بتایا ہے کہ تم اُس کے خاوند رہ چکے ہو اور ہینی بال ہمارے دشمن کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو۔"

بانو نے جھک کر کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے ملکہ عالم!"

ملکہ نے کہا۔

"کیا پیغام لائے ہو؟"

بانو نے کہا۔

"ملکہ عالم! میری بات غور سے سنیئے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہینی بال ایک زبردست طاقت کا نام ہے۔ یہ ایک سیلاب ہے جس نے ہزاروں شہروں کو تباہ برباد کر دیا ہے۔ اُس کے آگے بڑے سے بڑا بادشاہ بھی نہیں ٹھہر سکا۔ اُس کے لشکر نے بڑے بڑے لوہے کے بنے ہوئے قلعوں کے دروازے پاش پاش کر کے اُن کے حکمرانوں کے سر کاٹ ڈالے ہیں۔ اس کے آگے آپ کا قلعہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر آپ دو برس تک بھی قلعے کے دروازے بند رکھیں تو ہینی بال کے لشکر آپ کا انتظار کریں گے۔ بلکہ ہینی بال کو معلوم ہے کہ آپ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں گزار سکتے۔ اس کے علاوہ ہینی بال کے لشکر کے پاس ایسی مشینیں ہیں جن کے بڑے بڑے پتھر اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔"

ملکہ نے برہم ہو کر کہا۔

"کیا تم ہمیں ہینی بال سے خوفزدہ کرانے آئے ہو؟"

بانو نے جلدی سے کہا۔

"نہیں ملکہ عالم! ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

بانو نے صاف صاف لفظوں میں کہا۔

"ملکہ عالم! ہینی بال کو معلوم ہے کہ آپ کے بادشاہ کا ایک بیٹا بھی ہے جو آپ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا نہیں بلکہ آپ کی پہلی ملکہ کا بیٹا ہے۔ بادشاہ اُسے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہے ایک بیٹا آپ کا بھی ہے۔ اگر آپ ہینی بال کے ساتھ مل جائیں تو اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کو اس شہر کا تخت دے کر اُسے بابل کا بادشاہ بنا دے گا۔"

ملکہ نے چہرہ اٹھا کر بانو کو دیکھا۔

"ہینی بال کیا چاہتا ہے؟"

بانو نے کہا۔

"وہ وعدہ کرتا ہے کہ اس شہر کا بادشاہ آپ کا اپنا بیٹا ہوگا۔ سوتیلا بیٹا نہیں۔"

ملکہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ہینی بال ایک زبردست جرنیل ہے اور وہ اس کے ملک کو فتح کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس نے کتنے شہروں کو فتح کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا سوتیلا بیٹا بابل کا بادشاہ بن کر بیٹھ جائے اور اُس کا اپنا بیٹا ساری عمر اُس کی غلامی میں گزار دے۔ ہینی بال کی پیش کش بُری نہیں تھی۔ ملکہ نے بانو سے کہا۔

"کیا ہینی بال اپنے وعدے پر قائم رہے گا؟"

بانو نے تیر نشانے پر لگتا دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"ملکہ عالم! ہینی بال ایک بہادر جرنیل ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اُس نے آج تک کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر آپ کے پاس نہ آتا۔ یقین کریں کہ اگر آپ ہینی بال کے ساتھ مل گئیں تو اس شہر کے تخت پر آپ کا بیٹا راج کرے گا۔ نہیں تو وہ ساری زندگی ایک غلام بن کر

زندگی بسر کر دے گا اور اُسے کبھی بابل کا تخت نصیب نہیں ہوگا۔"

ملکہ نے پوچھا۔

"ہینی بال مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

بانو نے کہا۔

"صرف ایک بات کہ ـــ کہ آپ اپنے خاص غلام کو ہدایت کر دیں کہ وہ پرسوں آدھی رات گزرنے کے بعد قلعے کا دروازہ اندر سے کھول دیں۔ بس اس کے بعد آپ کا [illegible] بابل کا حکمران ہوگا۔"

ملکہ ٹہلنے لگی۔ پھر بانو کے قریب آ کر بولی۔

"مجھے منظور ہے۔ مگر یہ راز کسی دوسرے پر ہرگز ہرگز ظاہر نہ ہو۔"

"کبھی نہیں ملکہ عالم! کبھی نہیں!"

اتنا کہہ کر بانو ملکہ بابل کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔ ربیقہ اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اُسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا تم کامیاب ہوئے؟"

"ہاں! مگر ایک خاص حد تک۔"

اصل میں بانو ربیقہ کو ساری بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔"

"مگر دن کی روشنی میں تمہارا جانا خطرناک ہوگا۔ بہتر ہے تم رات کے اندھیرے کا انتظار کرو۔"

"ٹھیک ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو نے سارا دن برقر کے کمرے میں گزار دیا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو وہ خاموشی سے نکلا اور برقر کی مدد سے سیڑھیاں چڑھ کر قلعے کی چھتوں سے ہوتا ہوا اُس جگہ پر آ گیا جہاں اُس کا جانور گو اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ گو کی مدد سے وہ قلعے کی فصیل سے نیچے آ گیا۔ کھائی عبور کرنے کے لئے وہ جھاڑیوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک سپاہی نے اُس کی گردن پکڑ لی۔

"کون ہو تم؟"

بانو نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک ہی پہرے دار تھا۔ اُس نے خنجر نکال کر پہرے دار پر حملہ کر دیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ پہرے دار سنبھل نہ سکا اور خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وہ گرا اور تڑپ کر مر گیا۔ بانو نے اُس کی لاش کو وہیں چھوڑا اور کھائی میں کود پڑا۔ کھائی کو تیر کر پار کرنے کے بعد وہ اُس مقام پر آیا جہاں اُس نے گھوڑا باندھ رکھا تھا۔ گھوڑا وہاں نہیں تھا شاید دن میں اُسے کوئی کھول کر لے گیا تھا۔ بانو نے پیدل ہی اپنے لشکر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔

اُس نے پچھلے پہر ہینی بال سے ملنا مناسب نہ سمجھا۔ باقی رات اُس نے آرام کیا۔ دن نکلا تو وہ ہینی بال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُسے ملکہ بابل کے ساتھ کی گئی ساری بات سنا دی۔

ہینی بال بڑا خوش ہوا کہ اُس کی سازش کامیاب رہی۔ اُس نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا اور بانو کی طرف ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"تم میرے بہترین دوست ہو۔"

پھر اُس نے گلے میں سے قیمتی موتیوں کا ہار اتار کر بانو کو دے دیا اور کہا۔

"کل آدھی رات کو ہم بابل شہر میں داخل ہو جائیں گے۔"

بانو نے کہا۔

"مگر حضور! کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ ملکہ بابل اپنے وعدے سے پھر جائے گی؟"

ہینی بال زور سے ہنسا۔

"احمق! ہم نے بڑا کاری تیر لگایا ہے۔ یہ ماں کی ممتا کا معاملہ ہے۔ ملکہ بابل اپنے بیٹے کو بابل کا بادشاہ دیکھنا چاہتی ہے وہ کبھی اپنے وعدے سے نہیں پھرے گی۔"

بانو نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"حضور! کیا آپ اُس کے سوتیلے بیٹے کو بابل کا بادشاہ بنا دیں گے؟"

ہینی بال نے فلک شگاف قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم اُس کے سوتیلے بیٹے کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کریں گے۔ جو ماں اپنے بیٹے کے لئے اپنے خاوند کو دھوکہ دیتی ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُس پر رحم کیا جائے۔"

بانو نے کہا۔

"مگر حضور! اُس کا بیٹا تو اُس کا اپنا بیٹا ہے۔"

ہینی بال نے کہا۔

"مگر اُس کا خاوند بھی تو اُس کا اپنا خاوند ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو سوچنے لگا کہ ہینی بال نے بڑی گہری بات کہہ دی تھی۔

اب وہ اگلی رات کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ بابل کی ملکہ اپنے خاص غلام کی مدد سے قلعے کا دروازہ کھلوا دے گی۔ مگر ہینی بال کو پکا یقین تھا کہ آدھی رات کو بابل کے دروازے کھل جائیں گے اور اُس کی فوجیں شہر کے اندر داخل ہو جائیں گی۔

ملکہ بابل دل میں بہت خوش تھی کہ ہینی بال کے ساتھ اُس کی سازش مکمل ہو گئی ہے اور اب اُس کا بیٹا بابل کے تخت پر بیٹھے گا۔ اُس نے آدھی رات کو قلعے کا دروازہ کھلوانے کے لئے اپنے خاص غلام کو بلوایا۔ غلام آیا۔ اُس نے جُھک کر سلام کیا۔ ملکہ نے اُسے کہا۔

"میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اپنے آدمیوں کے ساتھ مل کر آج رات قلعے کا دروازہ کھول دینا۔"

جس وقت یہ باتیں ملکہ کی خواب گاہ میں ہو رہی تھیں ٹھیک اُس وقت ماریا عنبر کی شاہی خواب گاہ سے نکل کر یونہی محل کا چکر لگا رہی تھی۔ اُس نے ملکہ کی خواب گاہ میں آوازیں سُنیں تو وہاں آگئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ماریا کو چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑی آسانی سے اندر آگئی۔ اُس نے ملکہ بابل کو اپنے خاص غلام کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ وہ ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی اور ان کی باتیں سننے لگی۔ ملکہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں جو کچھ کہا ہے تم نے غور سے سُن لیا ہے نا؟"

غلام نے سر جُھکا کر کہا۔

"سُن لیا ہے ملکہ عالم! آج آدھی رات گزرنے کے بعد قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔"

"بس میں یہی تم سے کہنا چاہتی تھی۔ قلعے کا دروازہ ہر حال میں کھول دینا ہے۔"

غلام نے کہا۔

"ملکہ عالم! کیا ہینی بال کی فوجیں آج رات بابل کے شہر میں داخل ہو جائیں گی؟"

ملکہ نے غصے کے عالم میں اُسے جھڑک کر کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟ تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے۔ خبردار! اگر پھر ایسا سوال کیا تو تمہاری زبان کھینچ دوں گی۔"

غلام نے سر جُھکا کر کہا۔

"معاف کر دیں حضور! غلطی ہو گئی۔"

"بس جاؤ۔ اور آج رات قلعے کا دروازہ کھول دینا۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ!"

غلام ملکہ کی خواب گاہ سے نکل گیا۔ ماریا نے یہ گفتگو سُنی تو حیران رہ گئی کہ معاملہ تو الٹ گیا ہے۔ فوراً وہاں سے بھاگ کر عنبر کے کمرے میں آئی جہاں ناگ اور عنبر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں ساری بات سنائی تو وہ پریشان ہو گئے۔

"یہ تو معاملہ ہی الٹ رہا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔"

"اب کیا ہو گا؟" ناگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گھبراؤ نہیں یار۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر میں اتفاق سے ٹہلتی ٹہلتی ملکہ کی خواب گاہ کی طرف نہ نکل جاتی تو یہ راز راز ہی رہتا اور کل جب ہم سو کر اٹھتے تو اس شہر پر ہینی بال کا راج ہوتا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" ناگ نے کہا۔

عنبر نے ماریا اور ناگ سے کہا۔

"یہ اب تم دونوں کا کام ہے کہ شہر کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

عنبر اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ ماریا اور ناگ آدھی رات کے وقت قلعے کی ڈیوڑھی میں آ گئے۔ ماریا نے اس غلام کو پہچان لیا جو قلعے کا دروازہ کھلوانے کے لئے ڈیوڑھی میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے اس خطرناک سازش میں ڈیوڑھی کے دونوں پہرے داروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ غلام کو دیکھ کر دونوں پہرے دار کوٹھڑی سے نکل کر سامنے دروازے کے پاس آ گئے۔

دوسری طرف ہینی بال کی فوجیں حملہ کرنے کے لئے اندھیرے میں رینگتی ہوئی قلعے کی کھائی کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے ساتھ کھائی کو عبور کرنے کے لئے ہوا سے پھولے ہوئے مشکیزے اٹھا رکھے تھے۔ وہ قلعے کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے غلام کو دیکھ کر ناگ سے کہا۔

"یہ لوگ دروازہ کھولنے والے ہیں ناگ۔"

"گھبراؤ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

ناگ نے اسی وقت سانپ کا روپ بدل لیا۔ ماریا پہرے داروں کے پاس آ گئی۔ غلام نے پہرے داروں سے کہا۔

"وقت آ گیا ہے۔ دروازہ کھول دو۔"

دونوں پہرے دار آگے بڑھے۔ ابھی انہوں نے قلعے کے دروازے میں چابی گھمائی ہی تھی کہ شوکر کی آواز آئی اور ایک دس فٹ لمبا سانپ پھن اٹھا کر ان کے سامنے آ گیا۔ پہرے دار ڈر کر پیچھے ہٹے۔ غلام نے تلوار نکالی اور سانپ کو ہلاک کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ پیچھے سے ماریا نے غلام کے سر پر تلوار کا وار کیا وہ چیخ مار کر گرا اور تڑپنے لگا۔

ناگ نے ایک پہرے دار کو ڈس لیا۔ دوسرا پہرے دار پیچھے کو دوڑا۔ ماریا نے اسے بھی گرا دیا۔ سانپ نے اس کے گرتے ہی ڈس دیا۔ ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

"ماریا! واپس چلو قلعے کے اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔"

دونوں قلعے کے اوپر والے برج میں آ گئے۔ یہاں پہرے دار سپاہی سو رہے تھے شاید اس مکار غلام نے انہیں کوئی بے ہوشی کی دوا پلا دی تھی۔ کیونکہ ناگ کے بار بار جگانے پر بھی وہ ہوش میں نہ آئے۔ ماریا نے کہا۔

"اندھیرے میں سامنے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ ہینی بال کی فوجیں ضرور کھائی کی دوسری طرف حملہ کرنے کے لئے آ گئی ہوں گی۔"

ناگ نے کہا۔

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے عقاب کا روپ بدلا اور اڑتا ہوا کھائی کے پار چلا گیا۔ وہ نیچی پرواز کرتے کرتے میدان میں آیا تو اُسے زمین کے ساتھ لگے ہوئے بے شمار سپاہی نظر آئے جو قلعے کے دروازے کے کھُلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور اُن کے پاس چھوٹے بڑے مشکیزے بھی تھے۔ ہینی بال کا جرنیل ایک طرف جھاڑیوں میں جھک کر بیٹھا قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عقاب واپس آ گیا۔ اُس نے ماریا کو آ کر ساری صورتِ حال بیان کر دی۔ ماریا نے کہا۔

"کہیں یہ لوگ سچ مچ ہی قلعے پر حملہ نہ کر دیں۔"

"اس وقت معلوم ہوتا ہے شاہی فوج سو رہی ہے۔"

ادھر ہینی بال کے جرنیل نے دیکھا کہ وقت گزر رہا ہے اور قلعے کا دروازہ اسی طرح بند ہے تو وہ پریشان ہو کر واپس ہینی بال کے خیمے میں گیا اور ساری بات بیان کی۔ ہینی بال غصے میں آ گیا۔ زمین پر پاؤں پٹخ کر گرجا

"ملکہ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا۔ ہم اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

پھر اُس نے خیمے سے باہر آ کر بلند آواز سے کہا۔

"قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔"

اُسی وقت جنگ کا بگل بجا دیا گیا۔ خیموں میں سوئے ہوئے فوجی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے اور اپنے اپنے ہتھیار لے کر صفوں میں آن کھڑے ہوئے۔ پتھر پھینکنے والی مشینیں تیار کر دی گئیں۔ کھائی کے کنارے چھپے ہوئے دستے کو حکم دیا گیا کہ جونہی پتھروں سے قلعے میں شگاف پڑے وہ کھائی کو تیر کر پار کریں اور قلعے میں داخل ہو جائیں۔

ماریا اور ناگ قلعے کی فصیل پر کھڑے تھے کہ ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی بڑا سا پتھر پہاڑی سے گرا ہو۔ پھر ایک بہت بڑا پتھر ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور دھماکے کے ساتھ قلعے کی دیوار سے ٹکرایا۔ ماریا اور ناگ پریشان ہو کر بولے۔

"دشمن نے رات کو حملہ کر دیا ہے۔"

دونوں وہاں سے نکل کر سیدھے عنبر کے پاس آئے اور حملے کی خبر دی۔ اس وقت تک بادشاہ اور دیگر اُمرا وزرا کو بھی حملے کا پتا چل گیا تھا۔ فصیل پر پہرہ دیتی فوجیں بے ہوش تھیں۔ فوراً اُس کی جگہ دوسری فوجیں بلائی گئیں۔ بڑے بڑے پتھر ہوا میں اُڑتے ہوئے آتے اور قلعے کی دیوار سے ٹکراتے۔ ایک دھماکہ ہوتا اور قلعے کی دیوار ٹوٹ جاتی۔ معاملہ خطرناک تھا۔ فصیل سے ہینی بال کی فوج پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن اس کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فوج کے ایک دستے نے مشکیزوں سے کھائی عبور کر لی تھی اور اب بڑی بڑی ڈھالیں اپنے سروں پر رکھے قلعے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

قلعے کے اوپر سے گرم کھولتا ہوا تیل اُن پر ڈالا گیا۔ کئی فوجی مر گئے۔ پتھروں نے قلعے کی دیوار میں شگاف ڈال دیا۔ دشمن کی فوج کا ایک دستہ اُس شگاف سے شہر میں داخل ہو گیا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ بادشاہ کو ایک ایک پل کی خبر مل رہی تھی۔ وہ پریشان تھا۔ اُسے پتا چل گیا تھا کہ دشمن کی فوج شہر میں داخل ہو گئی ہے۔ اُس نے عنبر سے کہا۔

"ہینی بال آگے بڑھتا آ رہا ہے۔ شاید اب ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہمارے پاس اتنی فوج نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"گھبرائیں نہیں بادشاہ سلامت! میں وحشی ہینی بال کی بربریت سے اس شہر کو تباہ نہیں ہونے دوں گا۔"

بادشاہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"تم آسمانی دیوتا ہو۔ میرے شہر کے امن پسند لوگوں کو ہینی بال کے ظلم سے بچا ہم جنگ نہیں چاہتے۔ مگر ہینی بال ہمارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجانے، ہما بچوں کو قتل کرنے آ رہا ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر عنبر محل سے نکل کر قلعے کے اوپر آگیا۔ وہاں ماریا اور ناگ بھی کھ تھے۔ عنبر نے کہا۔

"میں اڑن طشتری کی طرف جا رہا ہوں۔ اس شہر کو تباہ نہیں ہونے جائے گا۔ میں اس شہر کے بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہیں ہونے دوں گا۔"

جنگ بڑے زوروں پر تھی۔ پتھر قلعے کی فصیل کو توڑ رہے تھے۔ جلتے ہوئے تیر رات کے اندھیروں کو چیرتے ہوئے قلعے کے اندر گر رہے تھے۔ شگافوں میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے شور مچا تھا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ عنبر نے ایک برج سے رسّا نیچے گرا دیا۔

●

اڑن طشتری کی تلاش

●

عنبر رسّے کی مدد سے قلعے سے نیچے اترنے لگا۔

قلعے کے دروازے بند تھے۔ شگافوں میں خونیں لڑائی ہو رہی تھی۔ سوائے برج سے رسّی کے ذریعے نیچے اترنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ قلعے کے سپاہیوں نے عنبر کو نیچے اترتے دیکھا تو چیخ کر کہا۔

"کیوں خودکشی کر رہے ہو؟"

عنبر رسّی کی مدد سے نیچے اتر رہا تھا۔ دشمن کے تیر اُس پر آ آ کر گر رہے تھے مگر اُس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر عنبر نیچے اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے [illegible] کھائی میں چھلانگ لگا دی اور رات کے اندھیرے میں کھائی پار کر گیا۔ اس طرف لڑائی زیادہ نہیں ہو رہی تھی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے ہوتا کنوئیں والے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ لڑائی کا شور مچا تھا۔ ہاتھی قلعے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گھوڑے زور سے ہنہنا رہے تھے۔ سپاہی نعرے لگاتے قلعے پر تیر اور پتھر پھینک رہے تھے۔

ہینی بال اپنے خیمے کے باہر گھوڑے پر کھڑا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ رات ڈھل رہی تھی اور دن کی ہلکی روشنی ظاہر ہو رہی تھی۔ عنبر گھمسان کی جنگ سے بچتا بچاتا ساتھ والے جنگل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ہینی بال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چار سپاہی نکل آئے۔ انہوں نے عنبر کے سینے پر نیزہ رکھ دیا۔

"دشمن کے جاسوس ہو؟ کیا کرنے آ رہے ہو؟"

عنبر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ان وحشی سپاہیوں کے ساتھ بح اُس نے نیزہ ہاتھ سے پرے پھینک دیا۔ سپاہی کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اُ نے تلوار نکال کر دوسرے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس جاسوس کو یہیں ختم کر چاروں سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن بھلا عنبر کا وہ کیا بگاڑ سکتے تھے بس اس سے کہ عنبر کا وقت ضرور ضائع کر رہے تھے۔ کیونکہ اُدھر ہینی بال کی فوج کا ایک حصہ شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کرنے اور آگ لگانے میں مصروف تھا۔

عنبر نے ایک نیزہ کھینچ لیا اور اس میں دو سپاہیوں کو پرو ڈالا۔ دوسر سپاہی دہشت زدہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس شخص پر تلوار کے وا بیکار جا رہے ہیں۔ دونوں ڈر کر بھاگ گئے۔ وہ یہی سمجھے کہ آدھی رات کو بھوت آ گیا ہے۔ عنبر وہاں سے بھاگتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا۔ پھر اُس کنوئیں کے کنا آ گیا جس میں اُس کی اُڑن طشتری پڑی تھی۔

وہ رسّی کی سیڑھی سے اُتر کر اُڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔

اُس نے اندر داخل ہوتے ہی بٹن دبایا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو چکا تھا بٹن دبانے سے اُڑن طشتری کنوئیں کی تہہ سے اوپر اٹھنا شروع ہو گئی جب کن سے باہر نکل آئی تو عنبر نے سیٹ پر پینل کے آگے بیٹھتے ہوئے ہینڈل کو پیچھے کر دیا۔

طشتری ذرا ٹیڑھی ہو کر جنگل کے درختوں سے اوپر اٹھی اور پھر وہ میدا جنگ کی طرف پرواز کرنے لگی۔ اُس کے نیچے سے بڑی تیز روشنی نکل کر ایک بہت بڑ

دائرے کی شکل میں زمین پر پڑ رہی تھی۔ میدان جنگ میں بڑے زوروں پہ لڑائی ہو رہی تھی۔ ہاتھیوں گھوڑوں اور سپاہیوں کا ایک شور مچا تھا قلعے کا دروازہ آدھا توڑ دیا گیا تھا۔ بادشاہ کے سپاہی جان کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے۔ مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔ ہینی بال کے سپاہی بے شمار تھے۔

دن کی روشنی ہو رہی تھی قلعے کی دیوار کے نیچے سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں اچانک ہینی بال نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے دور سے ایک عجیب سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ایسی گونج کی آواز اُس نے زندگی میں کبھی نہیں سُنی تھی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟"

اُس نے اپنے وزیروں سے کہا جو گھوڑوں پر سوار اُس کے پاس ہی کھڑے تھے۔ سب کے سب آسمان کی طرف تکنے لگے۔ دُور آسمان پر ایک گول چاندی کی تھالی سی آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی جس کے نیچے سے بڑی تیز نیلی روشنی نکل رہی تھی

"یہ کیا شے چلی آ رہی ہے؟" ہینی بال نے کہا۔

سب کے رنگ فق ہو رہے تھے۔ ہینی بال بھی اس آسمانی بلا کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ انہوں نے سوائے پرندوں کے دنیا کی اور کوئی شے اُڑتے ہوئے نہیں دیکھی تھی۔ اُڑن طشتری ایک زناٹے کی طرح اُن کے سروں پر سے گزر کر آگے میدان کی طرف نکل گئی جہاں ہینی بال کی فوجیں لڑ رہی تھیں۔

ہینی بال نے چیخ کر تلوار لہرائی۔

"خدائے زیوس! یہ بلائے ناگہانی کیا ہے؟"

کئی وزیر گھوڑوں پر سے گر پڑے۔ ہاتھیوں نے روشنی دیکھی تو ڈر کر ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو جالگے۔ گھوڑے بدک گئے اور سوار نیچے گر پڑے۔ پتھر پھینکنے والی مشینیں قلعے کی دیوار پر برابر پتھر پھینک رہی تھیں۔ اڑن طشتری اُن کے اوپر آ کر رک گئی پھر اُس میں سے سرخ رنگ کی ایک تیز شعاع دھماکے کے ساتھ نکل اور مشین پر گری ایک پٹاخہ سا پھٹا اور مشین جل کر بھسم ہو گئی۔ اسی طرح دوسری مشین پر سرخ شعلہ گری اور وہ بھی جل کر بھسم ہو گئی۔ ساتھ ہی سپاہی بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اڑن طشتری نے ساری مشینوں کو جلا کر خاک کر دیا۔

ہینی بال گھوڑا بھگانے لگا۔ سواروں نے اُسے روک دیا۔

"حضور! وہاں جانا خطرناک ہوگا۔"

اڑن طشتری اب دشمن کے سپاہیوں کے اوپر گھوم رہی تھی اور بار بار سرخ شعاع نیچے پھینک رہی تھی۔ اس شعاع سے دشمن کے سپاہی ہاتھی اور گھوڑے جل کر خاک ہو رہے تھے۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ قلعے کے اوپر کھڑے بادشاہ کے سپاہی بھی اس طشتری کو دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے جو اُن کی مدد کر رہی تھی اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک کر رہی تھی۔ بادشاہ نے جب سُنا کہ آسمان سے کوئی طشتری اُن کی مدد کو آگئی ہے تو وہ بھی قلعے کی فصیل پر آگیا اور بُرج میں سے اڑن طشتری کی تباہی کا تماشہ دیکھنے لگا۔

وہ خوش بھی تھا اور حیران بھی تھا۔ اُس کے وزیر بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کا دشمن تباہ ہو رہا تھا۔ سپاہی، ہاتھی، گھوڑے اور پتھر پھینکنے والی مشینیں جل کر راکھ ہوتی جا رہی تھیں۔ ماریا اور ناگ بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ نے ناگ

سے کہا۔

"یہ ضرور ہمارا دیوتا عنبر ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"اُس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟"

بادشاہ کے چہرے پر دہشت بھی تھی۔ اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کہیں یہ طشتری ہمارے قلعے کی فصیل کو تباہ برباد کر دے۔"

ناگ نے کہا۔

"عنبر احمق نہیں ہے۔ وہ دوست اور دشمن میں تمیز کر سکتا ہے۔"

ہینی بال بھی خیمے کے باہر ایک ٹیلے کی چوٹی پر گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کی تباہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر خیمے میں آگیا اور اپنے دیوتا زیوس کے بُت کے آگے جھک کر بولا۔

"عظیم دیوتا! میری مدد کرو۔ دشمن کے دیوتاؤں نے میرے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ میری فوج کو تباہ برباد کر رہے ہیں۔ میری مدد کو آؤ۔ نہیں تو تمہارا نام لینے والا اس دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔"

مگر ایک مٹی کا بُت ہینی بال کی کیا مدد کر سکتا تھا بھلا۔ عنبر کی اڑن طشتری جدید سائنس کی روشنی میں تیار کی گئی تھی۔ اُسے تو کوئی سائنس کی رُو سے ہی شکست دے سکتا تھا لیکن ہینی بال کے زمانے میں سائنس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔

ہینی بال خیمے سے باہر آگیا اور خوفزدہ نگاہوں سے اڑن طشتری کو دیکھنے لگا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غوطے لگا لگا کر اُس کے فوجیوں کو چُن چُن کر ہلاک کر دیا تھا۔ میدان میں جگ
آگ لگی تھی۔ ہاتھی گھوڑے چیختے شور مچاتے بھاگ رہے تھے۔ ہر طرف
اور موت کا کھیل شروع تھا۔ لشکر کے سپاہی جدھر منہ اُٹھا بھاگ رہے
ہینی بال کے سپہ سالار نے آگے بڑھ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حضور! فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیں نہیں تو ایک بھی سپاہی زندہ نہیں بچے گا۔"

ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر پسپائی کا حکم دیا اور پاؤں زور زور سے زمین پر
مارتا اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اُسی وقت فوجوں کی پسپائی کا بگل بجا دیا گیا۔ یہ تو
ایک رسم پوری کی گئی تھی ورنہ فوج تو پہلے ہی بھاگ رہی تھی۔ بگل کی آواز سُن کر
جو بچے کھچے سپاہی بچے ہوئے تھے اور اُڑن طشتری کے حملوں سے محفوظ تھے
بھی بھاگ اُٹھے۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان خالی ہو گیا۔ سوائے سپاہیوں کے جلے ہو
ڈھانچوں اور ہاتھی گھوڑوں کی سیاہ ہڈیوں کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا
کے جو سپاہی قلعے کے اندر داخل ہو چکے تھے انہیں گرفتار کر کے قیدی بنا لیا
ہینی بال اپنے وزیروں، سپہ سالاروں اور کمانڈروں کو لے کر برق رفتار گھوڑوں
پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ بادشاہ، ناگ، ماریا اور دوسرے درباری قلع
فصیل سے دشمن کی تباہی اور ہینی بال کے فرار کا سارا منظر دیکھ رہے تھے
میدان بالکل ویران ہو گیا۔

میدان میں ہاتھی، گھوڑوں اور سپاہیوں کی جلی ہوئی لاشیں تھیں اور

بکھری پڑی تھیں۔ جگہ جگہ سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ عنبر نے اپنا کام ختم کر کے اُڑن طشتری کو دوبارہ واپس جنگل کی طرف موڑا اور کنوئیں میں لے جا کر چھپا دیا پھر وہ کنوئیں سے باہر نکلا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر واپس قلعے میں آ گیا۔ قلعے میں سپاہیوں، درباریوں، امیروں، وزیروں اور شہریوں نے اس کا نعرے لگا لگا کر پُر جوش خیر مقدم کیا۔ اُس پر پھولوں کی بارش کی گئی۔

بادشاہ اور ملکہ نے بھی آگے بڑھ کر عنبر کا استقبال کیا۔ ملکہ بھی عنبر کی زبردست طاقت کی قائل ہو گئی تھی۔ مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو چکی تھی۔ اب اُس کا بیٹا تخت کا وارث نہیں بن سکتا تھا۔ اُسی رات فتح کی خوشی میں شاہی محل میں ایک شاندار دعوت دی گئی۔ ہر طرف خوشیاں برس رہی تھیں۔ ماریا، ناگ اور عنبر ایک الگ بارہ دری میں بیٹھے پھل وغیرہ کھا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ماریا کو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں بادشاہ عنبر کے پاس آیا اور بڑے ادب اور عقیدت سے بولا۔

"عظیم دیوتا! میرے اُمرا اور وزیروں کی خواہش ہے کہ آپ دونوں بھائی اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کریں۔"

عنبر نے کہا۔

"انہیں یہاں بلا لیں۔"

بادشاہ نے کہا۔

"وہ تو خود حاضری دینے کو تیار تھے لیکن میں نے اس خیال سے روک دیا کہ کہیں یہ گستاخی نہ خیال کی جائے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ انہیں یہاں بلوا لیں۔"

بادشاہ تھوڑی دیر میں اپنے درباریوں کے ساتھ آکر عنبر اور ناگ کے پاس چاندی کی آرام کرسیوں پر بیٹھ گیا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ اُن میں اُشتر نام کا ایک امیر بھی تھا جو اندر سے ملکہ کے ساتھ ملا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ بادشاہ کا تختہ اُلٹ کر ملکہ کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔ اُشتر کو ملکہ نے خاص طور پر اس کام پر لگایا تھا کہ وہ عنبر کی طاقت کا راز معلوم کرے تاکہ اُسے شکست دی جا سکے۔

اُشتر نے عنبر سے باتیں شروع کر دیں اور باتوں باتوں میں اڑن طشتری کا راز معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

عنبر نے کہا۔

"اڑن طشتری ایک آسمانی طاقت ہے۔ اس راز کو سوائے میرے اور کوئی نہیں جان سکتا اور آپ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ اڑن طشتری کے بارے میں آپ سوچنا چھوڑ دیں۔ آپ کا چھوٹا دماغ اڑن طشتری کے بھید کو نہ سمجھ سکے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔

"عنبر دیوتا ٹھیک کہتا ہے۔ ہمیں اس موضوع پر دوبارہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن عنبر اور ناگ سمجھ گئے کہ اُشتر اڑن طشتری کا بھید کیوں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ انہیں شک ہوا کہ یہ شخص ملکہ کا آدمی ہو سکتا ہے۔ عنبر کو اتنا پتا چل چکا تھا کہ ملکہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتی ہے جس کی وجہ سے وہ بادشاہ کے بھی خلاف ہے اور اپنے بیٹے کو تخت کا وارث بنانے کی خاطر وہ بادشاہ کو بھی ہلاک کروا سکتی ہے۔

اسی رات ملکہ کی خوابگاہ میں امیر اُشتر اندھیری راہداری سے ہوتا ہوا آیا اور اس نے ملکہ کو ساری صورت حال سے باخبر کیا۔ ملکہ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اس طریقے سے ہم اڑن طشتری کے راز کو نہ پا سکیں گے لیکن میں سوچتی ہوں کہ ہمیں راز کو معلوم کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس اڑن طشتری کو تباہ کر دیا جائے۔ کیونکہ یہی بادشاہ کی طاقت ہے۔ سب سے بڑی طاقت ہے اور یہی ہمارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

اُشتر بولا۔

"مگر اُسے کس طریقہ سے تباہ کیا جائے؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"یہ شخص اڑن طشتری کو لے کر گیا کہاں تھا؟"

"یہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اُس نے ضرور اڑن طشتری کو کسی نہ کسی جگہ رکھا ہوگا۔ تم یہ معلوم کرو کہ عنبر نے اڑن طشتری کس جگہ رکھی ہوئی ہے۔ پھر اُسے ہر طریقے سے تباہ کر دو۔ تاکہ بادشاہ کا سب سے زیادہ طاقتور بازو ٹوٹ جائے اور ہم تخت پر قبضہ کر لیں۔"

اُشتر بولا۔

"میں صبح اڑن طشتری کی کھوج میں اپنے خاص آدمی روانہ کر دوں گا۔"

ملکہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آدمی بھروسے کے ہونے چاہئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی ہمارا راز فاش ہو جائے۔"

اُشتر مسکرایا۔

"ملکہ عالم! اُشتر نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ میرے آدمی خاص آدمی ہیں۔ وہ مر جائیں گے مگر اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ صبح اُٹھتے ہی پہلا کام یہی کرو اور پھر مجھے یہ خوشخبری سناؤ کہ تم نے اڑن طشتری کو برباد کر دیا ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

اُشتر چلا گیا۔

ملکہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے خواب دیکھنے لگی۔

دوسرے روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور دن نکلتے ہی ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ماریا، ناگ اور عنبر اپنے محل میں بیٹھے ناشتے سے فارغ ہو کر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ناگ نے عنبر سے کہا کہ وہ بادشاہ کو کہے کہ غریب رعایا میں دولت تقسیم کرے اور ان کو زمینیں مفت دی جائیں۔

ماریا بولی۔

"بادشاہ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔"

عنبر مسکرایا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ بادشاہ نے کل رات ہی یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام غریب کسانوں میں زمین مفت بانٹ دی جائے اور ہر غریب آدمی کو دس اشرفی

ماہانہ وظیفہ حکومت کی طرف سے ملے گا۔"

ماریا اور ناگ خوش ہو کر بولے۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ دس اشرفی ماہانہ بڑا کافی وظیفہ ہے اس طرح سے تو اس شہر کے سارے غریب خوشحال ہو جائیں گے۔"

"ہمارا مقصد بھی یہی تھا کہ اس شہر کے غریب خوشحال ہو جائیں اور کوئی بے چارہ فاقہ کشی کی زندگی بسر نہ کرے۔"

ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے ہینی بال اپنی شکست کا بدلہ لینے ضرور آئے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"جب تک اس کے جاسوس اسے خبر دیتے رہیں گے کہ ہم یہاں ہیں وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ جس دن ہم اڑن طشتری لے کر یہاں سے چلے گئے اس کے دوسرے دن ہینی بال اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس اعتبار سے تو ہمیں یہاں سے کبھی بھی نہیں جانا چاہیئے۔"

ماریا بولی۔

"یہ تو ناممکن بات ہے۔ ہمیں یہاں سے واپس اپنی دنیا میں بھی جانا ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم واپس اپنی دنیا میں کیسے جائیں گے۔ خدا جانے یہ کون سیارہ ہے جس کی زمین پر ہم آگئے ہیں۔ خدا جانے ہماری زمین یہاں سے کتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟ اور ہم اپنی اڑن طشتری پر وہاں پہنچ بھی سکیں گے کہ نہیں؟"
ناگ نے کہا۔

"بہرحال ہمیں کوشش تو کرنی ہوگی۔ ہم اپنے سائنس کے زمانے میں رہنا چاہتے ہیں۔ اس پرانے زمانے میں ہم کب تک زندگی بسر کر سکیں گے؟"
عنبر بولا۔

"ٹھیک خیال ہے۔ کوشش کریں گے ضرور کریں گے اور میرا خیال ہے کہ ہم کامیاب بھی ہو سکتے ہیں۔ خلا میں پہنچ کر ہمارا رابطہ کسی نہ کسی سیارے سے ضرور ہو جائے گا۔ وہ ہماری رہنمائی کر سکے گا لیکن یہاں بیٹھ کر تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ سیارہ ہمارے زمانے سے بہت پیچھے ہے ہزاروں سال پیچھے ہے۔"
ماریا بولی۔

"تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر وقت کیوں ضائع کریں؟ ہمیں یہاں سے اب نکل چلنا چاہیے۔"

"ماریا کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔" ناگ نے کہا۔ "ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"
عنبر نے کہا۔

"بہتر ہے۔ اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں تو ہم دو ایک دن میں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ اس اڑن طشتری میں اتنی طاقت ہے کہ وہ خلا میں ہمیں کسی سمت بھی لے جا سکتی ہے۔"

ادھر کوچ کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ملکہ کا خاص آدمی اشتر اپنے خاص آدمیوں کو اڑن طشتری کی تلاش میں روانہ کر رہا تھا۔ یہ [illegible] سراغ رساں اشتر کے بڑے ماہر سراغ رساں تھے اور اڑتی چڑیا کے پر گن لیا کرتے تھے۔ اشتر نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ساری بات کو راز میں رکھیں اور ہر حالت میں اڑن طشتری کے ٹھکانے کو تلاش کرنے کے بعد اسے اسی جگہ تباہ کر کے واپس آئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو جاسوس

•

دونوں جاسوس اس طرف کو چل پڑے جدھر انہوں نے جنگل کے اندر اڑن طشتری کو جاتے دیکھا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ جدھر اڑن طشتری آخری بار جاتی دیکھی گئی تھی ادھر ہی کہیں عنبر نے اسے چھپا کر رکھا ہوگا۔ ویران میدان سے گزر کر آگے جنگل آ گیا جو ندی کے ساتھ ساتھ دور تک چلا گیا تھا۔ اس جنگل میں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بھی تھے جن پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہینی بال کے زمانے کے یہ بڑے مکار اور مشہور جاسوس تھے وہ گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھ کر بتا دیا کرتے تھے کہ یہ کس نسل کا گھوڑا ہے اور اس کا وزن کتنا ہے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ اڑن طشتری کے پاؤں کے نشان نہیں تھے۔ وہ تو آسمان پہ اڑتی ہوئی جنگل میں کسی جگہ غائب ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ پوری طرح کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح سے انہیں اڑن طشتری کا سراغ مل جائے۔ آج سے تین ہزار سال پہلے کے انسان تھے۔ اندر سے ڈرتے بھی تھے کہ کہیں اچانک آسمان سے اڑن طشتری نمودار ہو کر ان کو بھسم نہ کر ڈالے۔ وہ قدم قدم پر ادھر ادھر دیکھتے آگے بڑھتے گئے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی اب رک گئی تھی۔ آسمان اسی طرح بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ دونوں جاسوس کمر کے ساتھ تلواریں لگائے ہوئے تھے اور بڑے چوکس تھے ایک ایک خنجر انہوں نے ہاتھوں میں بھی پکڑ رکھا تھا کہ ذرا کہیں خطرہ ہو تو فوراً حملہ

کر دیں۔ وہ زمین کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کہ اڑن طشتری کے نیچے اترنے سے کہیں ہوا کے دباؤ کی وجہ سے جھاڑیاں جھکی ہوئی تو نہیں ہیں۔ اتنا انہیں بھی معلوم تھا کہ یہ شے جہاں کہیں بھی اتری ہوگی وہاں ہوا کا دباؤ بڑھ گیا ہوگا اور گھاس پھوس ادھر ادھر اڑی ہوگی۔

ایک جاسوس اچانک رک گیا اور ایک جھاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اسے غور سے دیکھو!"

دوسرے جاسوس نے جھاڑی کو دیکھا۔ بارش میں بھیگی ہوئی جھاڑی اپنی جگہ سے اکھڑ کر دور جا گری تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تیز ہوا کا کرشمہ تھا۔ جبکہ صبح سے وہاں تیز ہوا بالکل نہیں چلی تھی۔ دوسرا جاسوس کہنے لگا۔

"ہمارا دشمن یہیں کہیں ہے"

انہوں نے ارد گرد کی زمین کو کھنگالنا شروع کر دیا۔

جاسوس واقعی عقابی نظریں رکھتے ہیں۔ انہوں نے ٹھیک جگہ تلاش کر لی تھی۔ اُن سے تھوڑی دور ہی وہ کنواں تھا جس کے اندر اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر وہ تلاش کرتے اور کھوج لگاتے اس کنوئیں کے پاس پہنچ گئے۔ کنواں جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے جھانک کر نیچے دیکھا تو انہیں اڑن طشتری تہہ کے ساتھ لگی ہوئی صاف نظر آ گئی۔

"وہ مارا!" ایک جاسوس نے خوش ہو کر خنجر ہوا میں لہرایا۔

"آخر ہم نے دشمن کو تلاش کر لیا۔ اب ہم اشتر سے بھاری انعام حاصل کریں گے۔"

دوسرے جاسوس نے جلدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خاموش! ہو سکتا ہے اس خوفناک بلا کے اندر کوئی ہماری باتیں سن ہو۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اسے کس طریقے سے تباہ کیا جائے؟"

وہ دیر تک کنارے کی جھاڑیوں میں بیٹھے غور کرتے رہے۔ آخر ایک بولا۔

"ہمیں نیچے اتر کر اس بلا کے اندر جانا چاہیئے۔"

دوسرا بولا۔

"اس میں ہماری جان کا خطرہ ہے۔"

"تو پھر کیا کریں؟"

"میرا خیال ہے ہم کنوئیں میں گھاس پھونس اور خشک لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دیتے ہیں۔"

"یہ ترکیب اچھی ہے۔"

انہوں نے اِدھر اُدھر سے خشک گھاس اور خشک لکڑیاں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ کافی دیر بعد انہوں نے بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر لیں اور انہیں کنوئیں میں پھینکنا شروع کر دیا۔ اڑن طشتری کی چھت ایک ایسی دھات کی بنی ہوئی تھی کہ اگر اس پر بڑے بڑے پتھر بھی پوری طاقت سے [illegible] جاتے تو کوئی اثر نہ پڑتا۔ اپنے خیال کے مطابق جب وہ کافی لکڑیاں او [illegible] گھاس کنوئیں میں پھینک چکے تو انہوں نے دو پتھروں کو رگڑ کر آگ کی چنگاری سے خشک گھاس کے گٹھے میں آگ لگائی اور کنوئیں میں پھینک دی۔

کنوئیں میں خشک گھاس نے آگ پکڑ لی لیکن پھر ایسا ہوا کہ آسمان پر بادل زور سے گرجے اور تیز بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے کنوئیں میں جلتی آگ

بجھ گئی۔ دونوں پریشان ہوئے کہ اب کیا کریں؟

"ہمیں نیچے اتر کر اس بلا کے اندر جا کر آگ لگانی چاہیئے۔"

"سوچ لو۔ کیا اس میں خطرہ نہیں ہے؟"

"اگر خطرے کی بات ہوئی تو اوپر آ جائیں گے۔"

"تو پھر چلو۔"

دونوں ایک رسی کی مدد سے کنوئیں کے اندر اتر گئے۔

اڑن طشتری کا دروازہ بند تھا۔ انہوں نے اس کے گرد ایک چکر لگایا۔ کوئی جگہ اندر جانے کی نہیں تھی۔ اچانک ایک جاسوس کی نگاہ ایک سیاہ بٹن پر پڑ گئی۔ کہنے لگا۔

"ضرور اس سیاہ بٹن میں کوئی بات ہے۔"

اور اس نے بٹن دبا دیا۔ دوسرے جاسوس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا شاید کوئی دھماکہ ہو۔ گو بٹن دبانے سے اڑن طشتری کا دروازہ کھل گیا۔ ان کے سامنے اندر کا منظر تھا۔ کمپیوٹر، مشینیں، ڈائیل اور چمکتی ہوئی چاندی ایسی چھت۔ دونوں نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر دھڑکتے دلوں کے ساتھ اندر کی مشینوں کو تعجب سے تکنے لگے۔

ان کے چہرے پر دہشت سی تھی۔ وہ خوف زدہ تھے کہ یہ کیا شے ہے جہاں وہ آ گئے ہیں۔ پھر ایک جاسوس خشک لبوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"یہ سب کیا ہے؟"

دوسرے نے سر ہلایا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیوتاؤں کو ہی معلوم ہوگا۔"

تھوڑی کی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کمرے میں مشینوں کے پاس جا کر انہیں غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک جاسوس نے یونہی کسی لال بٹن کو دبا دیا۔ اس کے دبتے ہی سامنے سکرین پر ستاروں کا منظر ابھر آیا اس مشین میں ریکارڈ کی ہوئی ٹیپ تھی جو سکرین پر چلنے لگی۔ آسمان پر ستاروں کو چکر لگاتے اور چمکتے دیکھ کر وہ سہم کر پرے ہٹ گئے۔

"بٹن پھر سے دبا دو نہیں تو آسمان زمین پر آ جائے گا۔"

اس جاسوس نے جلدی سے بٹن دبا دیا۔ پروجیکٹر رک گیا اور سکرین پر سے منظر غائب ہو گیا۔

"ان باتوں کو چھوڑو۔ جتنی جلدی ہو سکے اس بلا کو تباہ کر کے یہاں سے بھاگ چلو۔"

دوسرا جاسوس بولا۔

"یہاں آگ کیسے لگائیں۔"

"میں پتھر اور گھاس ساتھ لایا ہوں۔"

اس نے جلدی سے پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کی اور خشک گھاس کو لگا کر اسے مشینوں پر پھینک دیا۔ مگر آگ یہاں کیا کر سکتی تھی؟ گھاس جل کر بجھ گئی۔

"ایک بار پھر کوشش کرو۔ اس دفعہ آگ وہاں لگاؤ۔"

سامنے ایک شیشے کا سلنڈر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کوئی ریشمی پردہ ہے انہوں نے سلنڈر پر آگ پھینکی تو اچانک حرارت کی وجہ سے کمپیوٹر کی ٹیپ نے چلنا شروع کر دیا۔ کمرے میں آواز گونجی۔

"ہیلو ہیلو چارلی! ہیلو چارلی! کاسمک ۷۱ ڈگری ۴۵°
ہیلو چارلی! میں خلا سے بات کر رہا ہوں۔ ہیلو۔۔۔"

اس آواز پر دونوں خوفزدہ ہو کر دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ ایک جاسوس دیوار سے کچھ اس طرح سے ٹکرایا کہ ایک ٹائیل پر گر پڑا۔ اس کے گرنے سے ایک خفیہ بٹن دب گیا اور اڑن طشتری کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بھاگے۔ انہوں نے اسے کھولنے کی بہت کوشش کی مگر دروازہ تو بالکل دیوار بن گیا تھا۔ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"اب کیا کریں۔ ہم تو یہاں قید ہو گئے ہیں۔ اب ہم نے یہاں آگ لگائی تو ہم بھی ساتھ ہی جل مریں گے۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"کیا کوشش کر سکتے ہیں؟"

انہوں نے اڑن طشتری کے گول کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں کوئی ایسی شے نہیں تھی جس سے دروازہ توڑا جا سکتا۔ آخر انہوں نے اپنی تلواریں نکال کر دروازے کو کوٹنا شروع کر دیا۔ مگر تیسرے چوتھے وار پر ہی ان کی تلواریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ خالی دستے ان کے ہاتھ میں رہ گئے۔ طشتری کی دیواریں مضبوط سٹیل کی بنی ہوئی تھیں۔ ان پر تلوار کا ذرا سا نشان بھی نہ بن سکا۔

"اب کیا ہو گا؟"

یہ دونوں جاسوس جنہیں ملکہ کے خاص آدمی اشتر نے اڑن طشتری کو تباہ کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے بھیجا تھا اڑن طشتری میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔ دوسری طرف عنبر ناگ کو ساتھ لے کر کنوئیں پر آ گیا کہ اڑن طشتری کو روانگی کے لئے تیار کیا جائے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ کنوئیں پر آ کر جو عنبر نے جھانک کر نیچے دیکھا تو پریشان ہو کر بولا۔

"یہ لکڑیاں اور گھاس کس نے نیچے پھینک دیں؟"

ناگ نے کہا۔

"اس میں آگ بھی لگائی گئی تھی جو بارش کی وجہ سے بجھ گئی۔"

عنبر نے کہا۔

"سوائے ملکہ کے اور کسی کی شرارت نہیں ہو سکتی۔ ملکہ نے اڑن طشتری کو تباہ کروانے کی کوشش کی ہو گی۔ وہ ہینی بال سے مل کر اپنے بیٹے کو تخت کا وارث بنانا چاہتی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہاں تک آگ لگانے والے کیسے پہنچے؟ اور اب وہ کہاں ہیں؟"

عنبر بولا۔

"پہنچ تو سکتے تھے۔ آخر تلاش کرتے کرتے یہاں تک آ گئے ہوں گے انہوں نے آگ لگانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے سوال دوسرا بڑا اہم ہے کہ وہ لوگ اب کہاں ہیں؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے آگ لگانے میں ناکام ہو کر یہاں سے بھاگ گئے ہوں گے۔"

"کم بختوں نے ہماری اڑن طشتری کا ٹھکانہ تلاش کر لیا۔ یہ بُری بات ہوئی ہے۔"

"وہ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"پھر بھی یہ راز راز ہی رہتا تو اچھا تھا۔"

"بہرحال نیچے چل کر دیکھتے ہیں کہ اڑن طشتری کو اندر سے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

دونوں کنوئیں سے نیچے آ گئے۔ بٹن دبا کر دروازہ کھولا اور اندر چلے گئے۔ اندر کی فضا کچھ بدلی ہوئی تھی۔ فضا میں گھاس کے دھوئیں کی بو تھی۔ عنبر نے سونگھ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اندر بھی کسی نے آگ لگانے کی کوشش کی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"مگر وہ لوگ اندر کیسے آ سکتے تھے؟"

"کیا پتہ بٹن کو تلاش کر کے دروازہ کھول کر اندر آ گئے ہوں۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ وہ اب بھی اندر ہی ہوں گے۔"

"نہیں۔ بھاگ گئے ہوں گے۔"

"انہیں تلاش کیا جائے۔"

عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ سلنڈر کے پاس گئے تو انہیں فرش پر سوکھا گھاس ملا جو تھوڑا سا جل کر بجھ گیا تھا۔

"یہ دیکھو۔ یہاں آگ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”کمال ہے بھائی! یہ کوئی بڑا بہادر اور مکار آدمی معلوم ہوتا ہے بھلا

”فرش پہ دو آدمیوں کے پاؤں کے نشان ہیں۔ یہاں دو آدمی ہیں“

انہوں نے اڑن طشتری کی تلاشی لینے کی بجائے ایک بٹن دبا کر کمپیوٹر کو حکم دیا کہ وہ بتائے وہاں اور کون کون ہے؟ کمپیوٹر کی بتی جلی اور پھر آواز آئی۔

”سلنڈر کے پیچھے دو آدمی چھپے ہوئے ہیں۔“

عنبر اور ناگ لپک کر سلنڈر کے پیچھے گئے۔ وہاں دونوں جاسوس سہمے بیٹھے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ عنبر اور ناگ سر پر آ گئے ہیں تو انہوں نے خنجر نکال کر اُن پر حملہ کر دیا۔ ہینی بال کے زمانے کے لوگ تلوار بازی اور خنجر بازی میں بڑے ہوشیار اور پھرتیلے ہوا کرتے تھے۔ اس اچانک حملے سے ناگ گھبرا گیا۔ کیونکہ اسے نقصان پہنچ سکتا تھا وہ پیچھے ہٹا۔ بھاگ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ ایک جاسوس خنجر لے کر اس کی طرف بھاگا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور ایکدم سے چڑیا بن کر اڑن طشتری کی چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے راڈ پر بیٹھ گیا۔

ناگ کو ایکدم غائب ہوتا اور پھر چڑیا کے رُوپ میں بدلتا دیکھ کر جاسوس کے اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں پکڑا ہی رہ گیا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چڑیا کو تکنے لگا۔ دوسرے جاسوس نے عنبر پہ خنجر سے بھرپور وار کر دیا تھا۔ خنجر عنبر کے سینے میں لگا تھا مگر اُچٹ کر جاسوس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ وہ دوبارا خنجر

اٹھانے کے لئے جھکا تو عنبر نے اُس کی گردن پہ ایک ہاتھ مارا۔ اس ہاتھ نے جاسوس کی گردن کو ٹکڑوں میں بدل دیا۔ جاسوس کی لاش فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ دوسرے جاسوس نے اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھا تو گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ پھر کچھ سوچ کر خنجر لہراتا ہوا عنبر پہ حملہ آور ہوا۔ عنبر نے اسے بازو سے پکڑ کر زور سے کھینچا۔ جاسوس سامنے والی دیوار سے جا کر زور سے ٹکرایا اور گر پڑا۔

عنبر اس کے سر پہ جا پہنچا اور گردن پاؤں پہ رکھ کر بولا۔

”تمہیں کس نے بھیجا تھا؟“

اسی اثنا میں ناگ بھی انسان کی شکل میں وہاں آ گیا تھا اور جاسوس اُسے ٹک ٹک تک رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”مجھے نہ مارو۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔“

”جلدی بولو۔“

”ہمیں ـــ ہمیں ملکہ کے خاص وزیر آختر نے اس چیز کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔“

عنبر نے ناگ کی طرف رُخ پھیر کر کہا۔

”میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ یہ ساری سازش ملکہ کی ہے۔“

پھر وہ جاسوس کی طرف منہ کر کے بولا۔

”تمہارے ساتھی کی لاش باہر کنوئیں میں پھینک دی جائے گی مگر تمہیں ہم معاف کر دیں گے تاکہ تم ملکہ کو جا کر بتا سکو کہ پھر کبھی ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلاف کوئی سازش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ وگرنہ اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو تمہارے ساتھی کا ہوا ہے۔"

جاسوس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ عظیم دیوتا ہیں۔ آپ میری جان بخشی کر کے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا پیغام ملکہ تک پہنچا دوں گا۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔"

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"یہ اڑن طشتری کے سارے راز کو فاش کر دے گا۔"

عنبر مسکرایا۔

"پھر کیا ہوگا۔ اب یہ راز راز نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمیں اپنی طاقت سب کو دکھانی چاہیئے۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

انہوں نے جاسوس کو کنوئیں سے باہر نکال کر بھگا دیا۔

اس کے بعد وہ دیر تک اڑن طشتری کی مشینوں اور ڈائیلوں کو صاف کرتے اور چیک کرتے رہے۔ ہر شے بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب یہاں سے کوچ کرنا چاہیئے۔ یہاں رہنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"کیا ملکہ کو اس کی مکاری کا مزا نہ چکھایا جائے؟"

ناگ بولا۔

"اس کا بادشاہ کو صدمہ ہوگا۔ اگرچہ وہ ایک سازشی مکار عورت ہے مگر بادشاہ کی بیوی ہے۔" تھی

"اگر ہم نے اسے یونہی چھوڑ دیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ بعد میں بھی بادشاہ کو نقصان پہنچائے۔"

"تو پھر یہ اس کی قسمت ہے۔ بادشاہ کو اتنا احمق بھی نہیں ہونا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آج رات یہاں سے نکل چلیں گے۔"

یہ فیصلہ کر کے عنبر اور ناگ کنوئیں سے نکل کر سیدھے محل پہنچے اور ماریا کو جا کر اپنے فیصلے کی خبر دی۔ ماریا بولی۔

"میں تمہارے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتی۔"

"وہ کیوں؟" عنبر نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"وہ اس لیئے کہ آپ لوگ ہوا میں تیر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خلا میں ہر قدم پر خطرہ ہے۔ کیا معلوم ہماری اڑن طشتری خلا میں سفر کرتی کسی سورج کی کشش کی زد میں آ کر بھسم ہو جائے۔ اور پھر ہمیں یہ بھی یقین نہیں کہ ہمیں دوبارا خلا میں کوئی اس زمین کی طرح کا پرامن سیارہ ملے گا کہ نہیں۔"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" ناگ نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہمیں اس پرسکون دنیا کو چھوڑ کر بغیر کسی وجہ کے خلا میں پرواز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیا خبر خلا میں یہ اڑن طشتری کب تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارا ساتھ دے؟ کیا معلوم ہم کسی ایسی فضا میں پہنچ جائیں جہاں یہ اڑن طشتری تباہ ہو جائے اور شہاب ثاقب کی طرح آگ بگولا ہو کر فضا میں راکھ بن جائے۔ اس طرح سے ہم بے شمار خطروں کو دعوت دے رہے ہیں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ ہمیں اس دنیا میں رہ کر اپنی دنیا سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگرچہ ہم پرانے دور میں آگئے ہیں۔ پھر بھی ہم اپنی دنیا کے سگنل اپنے سیٹ پر ضرور وصول کر سکتے ہیں۔ جبکہ خلا میں ایسا کرنا دشوار ہوگا کیونکہ خلا میں فضا نہیں ہے۔“

ماریا کی باتیں عقلمندی کی باتیں تھیں۔ دونوں عنبر اور ناگ سوچ میں پڑ گئے۔ ماریا کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ناگ نے سر اٹھا کر کہا۔

”ماریا کی باتیں غور طلب ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلا میں بے شمار خطرے ہیں۔ ہم ایک اچھی بھلی دنیا کو چھوڑ کر خلا کے خطرات مول لے رہے ہیں۔“

عنبر نے کہا۔

”لیکن ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے؟“

ماریا کہنے لگی۔

”یہاں ہم اپنی دنیا سے رابطہ پیدا کریں گے۔ اس کے بعد ہم یہاں سے راستے کی سمت مقرر کر کے روانہ ہوں گے تو بہتر ہوگا۔ یونہی خلا میں نکل جانا اچھا نہیں ہے۔ خلا تو ایک وسیع و بے کراں سمندر ہے۔ خدا جانے ہم کہاں جا کر بھٹک جائیں اور پھر ہمیں یہ

دنیا بھی دیکھنی نصیب نہ ہو۔“

ناگ نے کہا۔

”مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ماریا کی باتیں سو فیصد سچی ہیں اور ہمیں اس کے مشورے پہ عمل کرنا چاہیئے اور پھر کوئی خبر نہیں کہ یہی ہماری اصلی دنیا ہو۔“

”کیا مطلب؟“ عنبر نے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے ہم اپنی دنیا میں تین ہزار سال پیچھے آگئے ہوں۔ کیونکہ آپ سب جانتے ہیں کہ وقت کوئی شے نہیں ہے۔ اور اس دنیا میں ہزاروں برس پہلے گزرے ہوئے واقعات اس دنیا کی فضا میں زندہ ہیں۔ انسان اگر چاہے تو واپس اس زمانے میں جا سکتا ہے جو زندہ زمانہ ہے اور جہاں ایک بار پھر پرانا کھیل دہرایا جا رہا ہے۔“

عنبر نے سر کھجا کر کہا۔

”بات تمہاری بھی بڑی معقول ہے ناگ! کچھ کچھ مجھے بھی لگتا ہے کہ یہ وہی ہماری دنیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم تین ہزار برس پیچھے آگئے ہیں۔“

ماریا نے کہا۔

”ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس صورت میں بھی ہمارا اسی زمین پر رہنا بہتر ہے۔ اگر ایک بار ہم خلا میں نکل گئے تو پھر واپس کسی پُرسکون سیارے پہ اُترنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔“

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسی صورت میں ہمیں اس زمین پر بھی اپنے زمانے کے انتظار کے لئے تین ہزار برس تک زندہ رہنا ہوگا۔"

ناگ بولا۔

"یہاں زندہ رہنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم خلا میں جا کر ختم ہو جائیں۔ یا کسی ایسے سورج کے گرد گھومنا شروع کر دیں جہاں ہماری کبھی نجات نہ ہو سکے اور ابد تک اس کے گرد ہی گردش کرتے رہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس دنیا کے کسی خطے میں کوئی ایسا انقلاب آجائے کہ ہم ایک بار پھر اپنے سائنسی زمانے میں پہنچ جائیں میرا مطلب ہے کہ کسی ایسے دروازے سے گزر جائیں جس کی دوسری جانب ہماری سائنسی دنیا آباد ہو۔"

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ جیسے اُسے ماریا کا خیال پسند آیا ہو۔

"بہتر ہے۔ ہم اسی کرۂ ارض پر اسی زمین پر رہیں گے۔ لیکن ہمیں اس شہر سے نکل جانا ہوگا۔ یہاں ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس کا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ کسی کو اُس جگہ کا علم ہو جائے جس جگہ ہماری اڑن طشتری محفوظ ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمارے لئے یہاں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ ہمارے لئے تو اس دنیا کا ہر خطہ ایک جیسا ہے۔ میری طرف سے آج رات ہی یہاں سے نکل چلو۔"

ناگ بولا۔

"ہم کس طرف جائیں گے؟"

ماریا بولی۔

"یہاں سے نکل کر سوچا جائے گا۔ یہ دنیا بھی بڑی وسیع ہے۔"

بابل شہر سے کوچ کر جانے کا ارادہ کر کے تینوں بہن بھائی شاہی محل میں آگئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اُسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ بادشاہ بڑا پریشان ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ناگ اور عنبر اُسے چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر عنبر نے بتایا کہ اُن کا جانا بہت ضروری ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُراسرار لوگ

●

ملکہ بڑی خوش ہوئی کہ عنبر وغیرہ وہاں سے جا رہے ہیں۔

کیونکہ اس کے راستے میں یہ لوگ ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ عنبر کو اب ملکہ کی سازش سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جانے اور اس کا کام۔ بادشاہ کو دوسری شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اگر اُس نے کر لی تھی تو اب سوتیلے بیٹوں کی پریشانیوں کو بھگتے۔ عنبر ماریا اور ناگ کو اور بھی کام تھے۔ سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ وہ اپنی سائنس کی ترقی یافتہ دنیا میں واپس جانا چاہتے تھے۔ ان کی سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہزاروں سال پرانی تہذیب میں آ کر وہ دوبارہ اپنی تہذیب میں کیوں کر واپس جائیں گے؟

آدھی رات کو انہوں نے بادشاہ سے رخصت لی اور اڑن طشتری میں بیٹھ کر بابل شہر کے اوپر سے اڑتے ہوئے گذر گئے۔ شہر کے لوگوں نے سہمی سہمی نظروں اور ڈرے ہوئے چہروں سے انہیں جاتے دیکھا۔ اڑن طشتری ابھی زمین سے تھوڑی ہی اوپر اڑ رہی تھی۔ اُس میں سے نیلے رنگ کی روشنی نکل کر نیچے زمین پر پڑ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"ہمیں اڑن طشتری کو کافی بلندی پر لے جانا چاہیئے نیچی پرواز کی

ہ سے یہاں کے لوگ پریشان ہوں گے۔"

چنانچہ اڑن طشتری کافی بلندی پر پہنچا دی گئی۔ دن نکلا تو عنبر نے دیکھا کہ نیچے ایک سمندر پھیلا ہوا تھا جس میں بادبانی جہاز چل رہے تھے۔ ناگ نے اپنی زمین کا نقشہ پھیلا کر دیکھا اور بولا۔

اس نقشے کے حساب سے ہم بحر الکاہل پر سے گذر رہے ہیں مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ ہم اپنی ہی زمین پہ ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

عنبر بولا۔

"تو پھر ایکدم سے ہم چار ہزار سال پیچھے کس طرح آ گئے؟ ہمارا سائنسی زمانہ کدھر چلا گیا؟"

ناگ نے کہا۔

"پرانی کتابوں میں کہیں لکھا ہے کہ گزرا ہوا وقت زندہ رہتا ہے اور انسان کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے۔ نئے اور پرانے زمانے کے بیچ میں ایک دیوار ہوتی ہے۔ اگر انسان وہ دیوار پھاند جائے تو ہزاروں برس پرانے زمانے میں پہنچ جاتا ہے اور اگر ہزاروں برس پرانے زمانے کا کوئی شخص یہ دیوار پھاند لے تو وہ نئے دور میں آ جائے گا۔"

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ بات درست ہو۔ اس حساب سے ہم دیوار پھاند

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر پرانے زمانے میں آگئے ہیں۔"

"بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔" ناگ نے جواب دیا۔

ماریا آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کس جگہ سے دیوار پھلانگیں کہ نئے زمانے میں داخل ہو سکیں؟"

"بس اب اسی دیوار کی تلاش ہے۔"

عنبر نے کہا اور ہنس پڑا۔ پھر وہ اڑن طشتری کے گول سوراخ میں سے نیچے دیکھنے لگا۔

"اب ہم پہاڑوں کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔ یہ تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ میرا خیال ہے جاوا سماٹرا فلپائن کے جوالا مکھی پہاڑ ہیں۔"

ماریا اور ناگ بھی نیچے تکنے لگے۔

"ایسا ہی لگتا ہے۔ ابھی ان میں سے کئی پہاڑوں کو پھٹنا ہے۔ کمال ہے۔ ہمیں ان تمام باتوں کا پہلے سے علم ہو گیا ہے جو ابھی ہونے والی ہیں۔" ناگ ہنسا۔

"ہم دنیا والوں کے سامنے بڑی کامیاب پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔"

عنبر نیچے تک رہا تھا۔

"اب پھر سمندر آگیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ بحر ہند ہے۔ شاید ہم یونان کی طرف جا رہے ہیں۔"

"مگر ابھی تو یونان کی تہذیب کا بچپن ہوگا۔ ابھی تو اُر اور مصر کی تہذیب کا عروج ہے۔"

ناگ اور ماریا بھی اڑن طشتری کے سوراخ میں سے نیچے تکنے لگے۔ پھر عنبر نے ایک خاص سوئچ اون کیا اور سامنے سکرین پر نیچے زمین کی ساری رنگین تصویر آنے لگی۔ وہ زمین سے کافی بلندی پر تھے۔ زمین پر سے اگر کوئی انسان اڑن طشتری کو دیکھنے کی کوشش کرتا تو اسے وہ ایک دھندلا سا دائرہ معلوم ہوتی جو ہولے ہولے آگے کو حرکت کر رہا ہو۔ اس زمانے میں اتنی آبادی ہی نہیں تھی کہ لوگ کھیتوں اور میدانوں میں جمع ہوتے۔ سیکڑوں میلوں کے بعد کوئی چھوٹا سا شہر یا گاؤں آتا تھا۔

"عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے ہم اپنے آبائی ملک مصر کے اوپر سے گزر چکے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"ہاں اب بحیرہ روم کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔"

ماریا سکرین پر نظریں جمائے بولی۔

"اس سے پہلے بھی ہم اس دور سے گزر چکے ہیں۔ اب ایک بار پھر اس دور میں سے گزر رہے ہیں اس بار کا تجربہ بڑا دلچسپ ہے۔ پہلے تو ہم خود اس دور کے ساتھ ساتھ گزر رہے تھے۔ ہمیں بالکل علم نہیں تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آگے کیا ہوگا کیونکہ ہم ایک بار یہ زمانہ گزار چکے ہیں۔ مثلاً ہمیں معلوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ پومپی کا آتش فشاں پہاڑ پھٹے گا اور پومپی آئی کا شہر نیست و نابود ہو جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ نیرو روم کو آگ لگا دے گا ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قلوپیٹرا خودکشی کر لے اور انطونی قتل کر دیا جائے گا بڑا دلچسپ معاملہ بن گیا ہے۔"

عنبر اور ناگ ہنس پڑے۔ عنبر نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں آنے والے حالات کا علم ہو چکا ہے لیکن ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ہمیں تاریخ کے واقعات کی زنجیر کو توڑنا نہیں ہوگا۔ مگر ہم نے انطونی کو کہہ دیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا اس لئے یہاں سے بھاگ جائے۔ اگر وہ بھاگ گیا تو تاریخ کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمیں خاموش رہنا ہوگا اور تاریخ کے بڑے بڑے واقعات میں دخل نہیں دینا ہوگا۔"

ماریا بولی

"یہ تو بڑی مشکل بات ہوگی۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ پوم پی آئی کا پہاڑ پھٹنے والا ہے۔ تو کیا ہم لوگوں کو اس تباہی سے آگاہ نہیں کریں گے؟ تاکہ لوگ اس کی بربادی سے بچ جائیں۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم لوگوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے انہیں خبردار کر سکتے ہیں مگر پہاڑ کو پھٹنے سے نہیں روک سکتے۔ پہاڑ کا معاملہ دوسرا ہے کیونکہ اگر ہم کوشش بھی کریں تو پہاڑ کو پھٹنے سے نہیں روک سکتے۔ مگر انطونی

اگر ہم نے اُس کی موت سے خبردار کر دیا تو ہو سکتا ہے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جائے۔ یوں تاریخ کا سلسلہ خراب ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں اس قسم کے واقعات میں دخل نہیں دینا ہوگا۔ ہاں آسمانی تباہیوں مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان اور جوالا مکھی کے پھٹنے سے ہم لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں تاکہ جتنے آدمی ہماری بات مان کر بچ سکیں بچ جائیں۔"

ناگ نے کہا۔

"ویسے ہماری بات کوئی مانے گا نہیں اور یوں تاریخ کا تقاضا پورا ہو کر رہے گا۔"

عنبر بولا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ لوگ اگر ہماری بات نہیں مانیں گے تو بے شک نہ مانیں اور مر جائیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

ماریا نے سکرین پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کس قدر گہرا نیلا سمندر ہے! جس سائنسی دور سے ہم نکل کر آئے ہیں اُس دور میں تو یہاں بڑے بڑے جنگی جہاز کھڑے تھے۔ دوسری جنگ عظیم لڑی جا رہی تھی۔ جرمنوں کے بمبار جہاز وہاں پر بمباری کر رہے تھے اور سمندر کے کنارے آباد شہروں میں لمبی لمبی چمنیوں والے کارخانے تھے۔"

عنبر بولا۔

"ہاں! مگر اب دیکھو کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے کسی کو معلوم نہیں کہ چار ہزار سال بعد یہاں ایٹمی آبدوزیں گھوم رہی ہوں گی اور جرمنوں کے جیٹ

VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھیار ہم برسا رہے ہوں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ اترنا چاہیئے۔ یہ علاقہ بڑا حسین اور خوشگوار موسم والا علاقہ ہے۔"

"معلوم نہیں کہ اس علاقے میں کون لوگ حکومت کرتے ہیں؟"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں کے حکمران حکومت کر رہے ہوں گے۔ اس زمانے میں تو ہر شہر کا ایک الگ بادشاہ ہوتا تھا۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں اسی جگہ کسی پہاڑی کے دامن میں اتر جانا چاہیئے۔ یہاں ہمیں اڑن طشتری کو چھپانے کے لئے اچھی خفیہ جگہ مل جائے گی۔"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی۔"

رات کا وقت تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ عنبر نے اڑن طشتری کے تھراٹل کو آگے کی طرف کھینچا اور اڑن طشتری نے ذرا ٹیڑھی ہو کر ایک چکر کاٹا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اس اڑن طشتری کی آواز بہت کم تھی۔ وہ ٹیڑھی ہو کر ایک غوطہ لگاتے ہوئے بلند پہاڑوں کے درمیان میں آگئی۔ پہاڑ پیچھے جا رہے تھے۔ یہ ایک درّہ تھا جس میں سے اڑن طشتری گزر رہی تھی۔ پھر ایک چھوٹی سی وادی آگئی۔ یہ وادی ایک پیالے کی طرح تھی۔ اس کے دونوں جانب پہاڑیاں تھیں۔

ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں وادی میں اگے ہوئے درخت صاف نظر آ رہے ے۔ عنبر نے اپنی نظریں سامنے سکرین پر جما رکھی تھیں۔ وہ اترنے کے لئے پہاڑیوں میں کوئی موزوں جگہ تلاش کر رہا تھا۔ آخر اس کی نگاہ ایک غار پر ڑی۔ یہ غار کافی کشادہ تھی اور ایک پہاڑی میں واقع تھی۔

"میں اس غار میں اڑن طشتری کو لے کر جا رہا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا اندر سے غار خالی ہو گا؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے غار خالی ہی ہو گا۔"

عنبر بولا۔

"میں اندر لے جا رہا ہوں۔ اس سے بہتر اور محفوظ جگہ اس ساری وادی میں کہیں نہیں ملے گی۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے اڑن طشتری کی رفتار بہت ہلکی کر دی۔ اب اڑن طشتری غار کے منہ پر آگئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ غار کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ غار کافی کشادہ تھا اور اندر چمگادڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ اڑن طشتری کے اندر جانے سے روشنی ہو گئی اور شور مچا جس کی وجہ سے چمگادڑیں چیختی ہوئی غار سے نکل کر اڑ گئیں۔ آگے جا کر غار بائیں جانب کو گھوم گئی تھی۔ اڑن طشتری بھی ادھر کو مڑ گئی۔ سامنے ایک کھلی جگہ تھی۔ یہاں پہاڑی کی چھت بھی اونچی تھی۔ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بڑے سکون کے ساتھ اڑن طشتری اس کھلی جگہ پر اتار دی۔ زمین کے ساتھ لگتے ہی اڑن طشتری کی مشین رک گئی۔ باہر کی روشنی بجھ گئی۔ عنبر نے کوئی ایک بٹن دبا کر دوسری مشینوں کو بھی بند کر دیا۔ پھر اس نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"آخر تو ہم آ گئے ہیں اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ماریا ساتھ والے چھوٹے سے گول کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"میں تھک گئی ہوں۔ ابھی آدھی رات باقی ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

کمرے کا دروازہ کھلا۔ ماریا اندر گئی۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے عنبر تم بھی کچھ دیر آرام کر لو۔ میں باہر جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہاں کے حالات کیا ہیں؟ کون لوگ آباد ہیں اور کونسا بادشاہ حکومت کرتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کے لئے ہمیں دن کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے رات کے اندھیرے میں تم زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکو گے۔ کیا خیال ہے؟"

ناگ آرام کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

اس کے بعد عنبر بھی ایک طرف آرام کرسی پر لیٹ کر سو گیا۔ ناگ بھی آنکھیں بند کر کے آرام کرنے لگا۔

یہ شہر جس کی پہاڑی غار میں عنبر اور ناگ وغیرہ اڑن طشتری سے ئے تھے ارونا تھا۔ اس پر ایک ظالم بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام ڈوسار تھا۔ یہ پہلے فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ اس نے ارونا شہر کے نیک دل بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی تھی۔ ڈوسار نے ان دونوں شہزادہ اور شہزادی کو قتل کرنے کے لئے سپاہیوں کو بھیجا۔ دونوں بہن بھائیوں کو ایک وفادار سپاہی نے خبردار کر دیا۔ دونوں شہزادہ اور شہزادی اپنے محل کی پچھلی کھڑکی سے رستے کی مدد سے اتر کر پہاڑیوں میں فرار ہو گئے۔

جس رات عنبر کی اڑن طشتری اس علاقے کے ایک پہاڑی غار میں آکر اتری تھی اسی رات اس شہر کے سپہ سالار ڈوسار نے بغاوت کر کے بادشاہ کو قتل کر دیا تھا اور تخت پر قبضہ کر کے شہزادی اور شہزادے کو ہلاک کرنے کے لئے سپاہی بھیجے تھے۔ سپاہیوں نے آ کر بتایا کہ دونوں شاہی بہن بھائی بھاگ گئے ہیں۔ ڈوسار کا غصہ انتہا تک پہنچ گیا۔ اس نے طیش میں آکر شہزادے اور شہزادی کے محل کے پہریداروں کی گردنیں اڑا دیں اور اپنے خاص دستے کو حکم دیا۔

"دونوں کو تلاش کر کے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ میں خود ان کے سر قلم کروں گا۔ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"

رات کی تاریکی میں دونوں بہن بھائی یعنی شہزادی اور شہزادہ محل کی کھڑکی سے کود کر بھاگے اور سیدھے پہاڑی وادی میں آ گئے۔ وہ ایک پہاڑی کے پہلو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک ویران گڑھے میں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور دیوتا ڈر کو یاد کر کے دعائیں مانگنے لگے۔ شہزادی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ظالم ڈوسار نے میرے پیارے باپ کو ہلاک کر دیا۔"

شہزادہ اُسے تسلی دینے لگا۔

"صبر کرو میری بہن! تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ وقت آئے گا اور ہم ظالم ڈوسار سے اپنے باپ کا انتقام لیں گے اور اُس سے اپنا تخت حاصل کر لیں گے۔"

شہزادی نے کہا۔

"کاش! میرے بابا جان کی زندگی بچ سکتی۔"

شہزادے نے کہا۔

"قسمت کو یہی منظور تھا۔"

اُدھر شاہی فوج کا ایک خاص دستہ شہزادی اور شہزادے کی تلاش میں قلعے سے نکلا۔ اُن کے ساتھ کتے بھی تھے۔ کتوں کو شہزادی اور شہزادے کے کپڑوں کی بو سنگھا دی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ سپاہیوں کے گھوڑوں کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ یہ لوگ ان کتوں کو وادی کی پہاڑیوں کی جانب سے آ رہی تھی۔ اُدھر شہزادے نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی تو وہ گھبرا کر بولا۔

"اُن کے ساتھ کتے بھی ہیں۔ وہ ضرور اس گڑھے تک پہنچ جائیں گے۔"

"اب کیا ہوگا؟ ہم پکڑے جائیں گے۔" شہزادی نے پریشان ہو کر کہا۔

شہزادہ پریشان تھا۔ اُس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ چھپنا چاہیئے جہاں سے ہمارے کی بو کتوں تک نہ پہنچ سکے۔"

دونوں بہن بھائی گڑھے سے نکل کر پہاڑی کی طرف بھاگے۔ وہ پہاڑیوں میں بھاگتے بھاگتے درے سے گزر کر اس جگہ آ گئے جہاں انہیں ایک پہاڑی غار نظر آیا۔ شہزادے نے غار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس غار میں چلو۔"

شہزادی اور شہزادہ بھاگ کر غار میں داخل ہو گئے۔

یہ وہی غار تھا جس میں اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔

شہزادہ اپنی بہن شہزادی کو لے کر غار میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اب کتوں کی آوازیں وادی میں قریب سے سنائی دے رہی تھیں۔ شہزادی نے کہا۔

"کتے یہاں بھی آ جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم چھپنے کی کوشش کریں گے۔"

"مگر یہاں تو کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جو ہمارے کپڑوں کی بو کو چھپا سکے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے جب غار کا موڑ گھوم کر کھلی جگہ پہنچے تو دم بخود ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ چاندی کی طرح چمکتی ہوئی ایک عجیب و غریب گول گول سی شے جو ایک منزلہ عمارت جتنی تھی ان کے سامنے زمین پر کھڑی تھی۔ اُس کے گول گول سوراخوں سے نیلے رنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی دھیمی روشنی نکل رہی تھی۔ شہزادی نے شہزادے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ شہزادہ بھی حیرانی کے سمندر میں گم تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ زندگی میں کبھی بھی اُس نے ایسی شے نہیں دیکھی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ غار کے باہر پہنچ رہے ہیں۔

"اب کیا ہوگا؟ وہ تو غار کے منہ پر پہنچ گئے ہیں۔"

شہزادہ چونکا۔ بولا۔

"یہ کیا شے ہے۔ کیا ہم کسی طرح اس کے اندر نہیں جا سکتے؟"

کتوں کی آوازیں قریب آنے لگیں۔ کتوں نے شہزادے اور شہزادی کے کپڑوں کی بُو سونگھ لی تھی اور وہ غار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شہزادے نے گھوم کر اڑن طشتری کا جائزہ لیا۔ اُس وقت اڑن طشتری کے اندر عنبر، ماریا اور ناگ آرام کر رہے تھے۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی اڑن طشتری کی دیوار کو ہاتھ سے تھپتھپا رہا ہے۔ اُس نے باہر لگے ہوئے ٹی وی کیمرے کا بٹن دبا کر آن کیا اور سکرین پر شہزادے اور شہزادی کی تصویر آگئیں۔

ناگ نے دیکھا کہ رومن شہزادوں اور شہزادیوں کے لباس میں ایک خوب صورت نوجوان اور ایک لمبے سنہری بالوں والی رومن لڑکی سہمے ہوئے گھبرائے ہوئے اڑن طشتری کی دیوار کو تھپتھپا رہے ہیں۔ ناگ نے جلدی سے بٹن دبا کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلا دیکھ کر شہزادی

اور شہزادہ بغیر یہ سوچے کہ کہیں اندر جانے میں کوئی خطرہ تو نہیں بھاگ کر اندر آگئے۔ وہ ڈوسار ظالم جرنیل کے سپاہیوں سے اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔

اندر آکر انہوں نے جو ایک چمکیلی سٹیل کی چھت، دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے کمپیوٹر، ڈائیل اور پینل دیکھے تو اور زیادہ گھبرا گئے۔ باہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ جونہی اڑن طشتری کا دروازہ بند ہوا ان دونوں کی بُو آنی بند ہوگئی۔ بُو آنی بند ہوئی تو کتے پہاڑی کے قریب آکر رک گئے اور واپس وادی کی طرف بھاگ گئے۔ شاہی سپاہیوں نے کتوں کو دوسری طرف بھاگتے دیکھا تو وہ بھی اُسی طرف روانہ ہوگئے۔ یوں یہ لوگ غار کے اندر آکر عنبر کی اڑن طشتری کی زیارت نہ کر سکے۔

ناگ مشین کنٹرول روم سے نکل کر شہزادی اور شہزادے کے سامنے آگیا۔ ناگ کا لباس وہی اپنے سائنسی زمانے کا تھا یعنی سیاہ پتلون، تنگ سفید ٹی شرٹ اور کلائی کے ساتھ گھڑی بندھی تھی۔ پاؤں میں سفید بوٹ تھے۔ شہزادی اور شہزادہ گم سم ہو کر ناگ کو دیکھ رہے تھے اور دیوار کے ساتھ لگ کر یوں کھڑے تھے جیسے ابھی ان دونوں کو قتل کیا جانے والا ہو۔ دل میں دونوں بہن بھائی یہی سوچ رہے تھے کہ وہ ایک مصیبت سے بچ کر دوسری مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ وہ کبھی ناگ کے لباس کو تکتے کبھی اس کی کلائی پر بندھی سنہری گھڑی کو تکتے اور کبھی گول چمکیلی دیواروں سے لگی مشینوں کو دیکھتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر ناگ نے سنجیدگی سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمہیں اندر بلا لیا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ تم کسی سے جان بچا کر بھاگے ہوئے ہو۔ اب بتاؤ تم لوگ کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے یہ الفاظ اشوری زبان میں ادا کیے تھے کیونکہ یہ ایک ایسی زبان تھی جو سارے علاقے میں سمجھی جاتی تھی۔ شہزادہ اور شہزادی اس کی زبان کو زیادہ نہ سمجھ سکے۔ شہزادے نے رومن زبان میں کہا۔

"ہم دونوں بہن بھائی ہیں اور اس ملک کے بادشاہ کے بیٹے ہیں۔"

ناگ نے اب رومن زبان بولنی شروع کر دی اور اپنا پہلے والا سارے کا سارا سوال رومن زبان میں دہرایا اور ان سے پوچھا کہ وہ کس سے جان بچا کر بھاگ رہے تھے؟ شہزادے نے ناگ کو اپنی ساری بپتا سنا دی۔ ناگ ان کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے سنتا رہا۔ جب انہوں نے اپنی کہانی ختم کی تو ناگ نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم لوگ یہاں ہماری پناہ میں ہو۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے۔"

شہزادی نے پوچھا۔

"آپ ۔۔۔ آپ لوگ کون ہیں؟"

اتنے میں عنبر بھی دوسرے کمرے سے آگیا۔ ناگ نے شہزادی اور شہزادے کا عنبر سے تعارف کروایا کہ یہ میرا بھائی عنبر ہے اور میرا نام

ی ہے۔"

"اور اس سے زیادہ آپ کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ہمارے نے پر بھی آپ کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔ بلکہ زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔ یں یہ کہوں کہ یہ ایک سائنسی دور کی انتہائی ترقی یافتہ اڑن طشتری ے جو آسمانوں میں چکر لگاتی اور سیر کرتی ہے تو تمہارے کچھ پلے نہ پڑے گا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"تمہارے لیے اتنا جاننا ہی بہت ہے کہ تم لوگ ہماری پناہ میں ئے ہو۔ تمہیں یہاں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

پھر عنبر اور ناگ نے دونوں شاہی مہمانوں کو ساتھ والے کمرے ے جا کر بٹھایا اور انہیں کھانے کو پھل دیئے۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"اب ہمیں بتاؤ کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟"

شہزادے کا خوف اب کافی حد تک دور ہو چکا تھا۔ شہزادی کی بھی ل ہو گئی تھی۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کیا شے ہے جس ھا اندر وہ بیٹھے ہیں اور یہ لوگ کس دنیا سے وہاں آ کر غار کے اندر اگزیں ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ ان کی طرح کے انسان تھے اور ان سے ن کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ شہزادے نے کہا۔

"ہم رومن قوم کے شاہی افراد ہیں۔ ہمارا باپ اس شہر کا بادشاہ ھا۔ دوسار ہمارے باپ کا سپہ سالار تھا مگر اس نے دھوکے کے اتھ ہمارے باپ کو قتل کر دیا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ ہم دونوں بہن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھائی جان بچا کر بھاگے۔ فوج کا دستہ کتے لے کر ہماری تلاش میں نکلا۔ اگر آپ ہمیں اس چھپے مکان میں پناہ نہ دیتے تو فوج کے دشمن سپاہی ہمیں گرفتار کر کے لے جاتے اور ظالم ڈوسار ہمارے سر کاٹ کر قلعے کی فصیل کے ساتھ لٹکا دیتا۔"

عنبر نے گہرا سانس لیا اور بولا۔

"تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری والدہ یعنی شاہی ملکہ کہاں ہے؟"

شہزادی نے کہا۔

"ہماری والدہ کو ڈوسار نے پہلے ہی قید میں ڈال رکھا تھا اور مشہور کر دیا تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ ہم ڈر کے مارے کسی سے بات نہیں کرتے تھے کہ ہم نے اپنی والدہ شاہی ملکہ کو قلعے کے تہہ خانے میں دیکھا ہے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"کیا بادشاہ کو بھی اپنی ملکہ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟"

شہزادے نے کہا۔

"بادشاہ کو بھی معلوم تھا مگر وہ بھی ڈوسار سے ڈرتا تھا۔ اسے اچھی طرح احساس تھا کہ ڈوسار نے سارے فوجی افسروں اور درباریوں کو اپنے ساتھ کر رکھا ہے۔ وہ بے بس تھا۔ مجبور تھا۔"

عنبر بولا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" شہزادے نے کہا۔

عنبر بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ تم دونوں اب کیا سوچ رہے ہو؟"

شہزادے نے کہا۔

"ہم مناسب وقت ملنے پر یہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے ملک میں جا کر پناہ حاصل کر لیں گے۔ اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ فرار ہوگئی

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اپنے ملک کا بادشاہ نہیں بننا چاہتے ہو؟"

شہزادی اور شہزادے نے چونک کر ناگ اور عنبر کی طرف دیکھا

"یہ ــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر بولا۔

"ہم تمہیں تمہارا کھویا ہوا تخت واپس لے دیں گے۔ تمہاری والدہ کو آزاد کرائیں گے اور ظالم ڈوسار کو اس کے انجام تک پہنچائیں گے۔"

شہزادے نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی ہمدردیوں کا شکریہ! لیکن اچھا ہوتا کہ اگر آپ ایسا مذاق میرے ساتھ نہ کرتے کیونکہ ہمارے دل پہلے ہی دکھی ہیں۔"

عنبر نے شہزادے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شہزادے! یہ مذاق نہیں ہے۔ ہم تمہیں تمہارا تخت ایک دن میں واپس لے کر دے دیں گے۔"

شہزادے کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی چھپکلی ئے میں بیٹھے دو انسان کس طرح سے ایک زبردست اور ظالم فوج کا مقابلہ کر سکیں گے۔

اس نے کہا۔

"ڈوسار کے پاس بڑی زبردست فوج ہے۔ ہاتھی ہیں، گھوڑے ہیں، دس ہزار لشکریوں کا تیر انداز دستہ ہے۔ دس ہزار بہترین تلوار باز ہیں، بیس ہزار نیزہ باز ہیں اور چالیس ہزار جنگی رتھ ہیں۔ تم کس طرح سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرو گے؟"

ناگ مسکرایا۔

"یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

ماریا بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ چکی تھی اور ساری باتیں ایک طرف کھڑی سن رہی تھی۔ بے خیالی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

"شہزادی کے بال کتنے خوب صورت ہیں۔"

ایک عورت کی آواز سن کر شہزادہ اور شہزادی چونک پڑے۔ ان کے سامنے اس وقت صرف دو مرد کھڑے تھے۔ پھر وہ حیران تھے ایک لڑکی کی آواز کہاں سے آئی؟ عنبر اور ناگ ادھر ادھر تکنے لگے ماریا کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور ذرا ذرا مسکرانے لگی۔

عنبر نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"شہزادے! تمہاری بہنا نے ہمیں بڑا متاثر کیا ہے۔ ہم ضرور تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدد کریں گے۔"

شہزادی نے کہا۔

"مگر آپ کس طرح سے ہماری مدد کریں گے؟ آپ کے پاس تو کوئی فوج وغیرہ نہیں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ ہم کس طریقے سے تمہاری مدد کرتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"اب تم دونوں شہزادہ اور شہزادی یہاں آرام کرو اور جب تک ہم نہ کہیں کمرے سے باہر مت نکلنا!"

شہزادہ بولا۔

"کیا ہمیں قید کیا جا رہا ہے؟"

ناگ ہنسا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ مطلب کہنے کا یہ تھا کہ ہو سکتا ہے یہاں کی بعض باتیں دیکھ کر تم لوگ زیادہ حیران ہو جاؤ۔ ویسے اگر تم چاہو تو باہر نکل کر ہمارے راکٹ میں گھوم پھر سکتے ہو۔"

"راکٹ؟ یہ کس زبان کا لفظ ہے؟"

شہزادی کے سوال پر عنبر نے کہا۔

"یہ ہماری زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ یہ تم لوگ جھ سکو گے!"

شہزادی اور شہزادہ ایک الگ گول کمرے میں جا کر آرام کرنے

جب وہ چلے گئے تو عنبر نے کہا۔

"تخت اس کا اور اس کی ماں کا حق ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی ہئے۔ کیا خیال ہے ماریا اور ناگ؟"

دونوں نے عنبر کے خیال کو پسند کیا۔ ناگ بولا۔

سب سے پہلے مجھے قلعے کے اندر جا کر ڈوسار کی طاقت کا اندازہ لگانا ہوگا پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کی فوج کے ہاتھی اور رتھ وغیرہ ں ہوتے ہیں؟"

ماریا نے کہا۔

"اس کے لئے تم ابھی جا کر معلوم کر آؤ تو اچھا ہے۔ تاکہ ہم قلعے پر ر سکیں۔"

عنبر نے بھی ماریا کے خیال کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے ناگ! تم ابھی جا کر سراغ رسانی شروع کر دو اور شام ب واپس پہنچ جانا۔"

"ضرور ضرور۔"

یہ کہہ کر ناگ اڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔

غار سے باہر آ کر اس نے وادی اور نیلے آسمان کو دیکھا۔ بحیرہ روم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساحلوں کی وادی کا ہے۔ درخت ہرے بھرے تھے۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ دُور ایک اونچے سے ٹیلے پر ڈوسار جرنیل کا قلعہ نظر آرہا تھا قلعے کی برجیوں پر چاندی سونے کے کلس چمک رہے تھے۔ ناگ نے رو قوم کے ایک عام آدمی کا لباس پہن رکھا تھا یعنی لمبا سا لبادہ جو کندھے پر اکٹھا ہو گیا تھا۔ سر پر رومال بندھا تھا اور پاؤں میں چپل تھی جس کے تسمے پنڈلیوں تک بندھے تھے۔ وہ اس لباس میں بھی قلعے کے اندر نہیں جا سکتا تھا۔

بس وہیں سے اُس نے ایک سفید کبوتر کی شکل اختیار کی اور اڑتا اڑتا قلعے کے اوپر پہنچ کر ایک برجی میں بیٹھ گیا۔ کبوتر بن کر وہ قلعے کے اوپر تو پہنچ سکتا تھا مگر نیچے جا کر لشکر کی تعداد اور دوسری باتوں کی جاسوسی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کام کے لئے ضروری تھا کہ وہ انسان کی شکل اختیار کرے چنانچہ ناگ اڑتا اڑتا قلعے کے اندر آگیا۔ یہ قلعہ شہر کے کونے پر تھا۔ باقی تمام شہر پھیلا ہوا تھا۔

کافی بڑا شہر تھا۔ اک منزلہ مکان دُور تک چلے گئے تھے۔ چوڑی چوڑی سڑکیں تھیں۔ دکانیں کھلی تھیں۔ کہیں رتھ گزر رہا تھا۔ کہیں کسی امیر کی سواری جا رہی تھی۔ ایک امیر پالکی میں بیٹھا تھا۔ غلاموں نے پالکی کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں پر پردے گرے تھے۔ کہیں غلام عورتیں پانی کے مٹکے سروں پر رکھے حویلیوں کی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہی تھیں۔

عنبر کو شہر سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ وہ قلعے کے اندر جا کر فوج کے

یں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ شہر کا چکر لگا کر واپس ے اندر آگیا اور ایک طرف باغ کے گوشے میں اُتر کر انسانی شکل یار کر لی۔ وہ ایک عام رومن شہری معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ عام رومن شہری کسی کام کی وجہ سے ہی قلعے کے اندر آسکتا ہے۔ اس ضروری ہے کہ وہ کسی مزدور کی شکل اختیار کرے۔ ناگ نے ایک کٹے ئے درخت کی کچھ لکڑیاں کندھے پر رکھیں اور سامنے قلعے کے شاہی ل کی طرف روانہ ہو گیا۔

شاہی محل کے ساتھ ہی لشکریوں کی بارکیں بنی ہوئی تھیں جن کے ندر فوجی رہتے تھے۔ ساتھ ہی بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں ہاتھی بند تھے گھوڑوں کے اصطبل بھی وہیں تھے گویا اس جگہ سے اسے اس شہر ی فوجی طاقت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ وہ چلتے چلتے فوجی بارکوں کے پاس گیا۔ ایک سپاہی نے اُسے روک کر کہا۔

"کدھر جا رہے ہو یہ لکڑیاں؟"

ناگ نے کہا۔

"جناب! بارک کے باورچی خانے ہیں۔"

سپاہی نے ایک ہنٹر اس کی پیٹھ پر مار کر کہا۔

"بدبخت! جلدی کرو۔ معلوم نہیں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے"

ناگ کو تکلیف تو بڑی ہوئی مگر وہ پی گیا۔ اس کے سوا کیا کر سکتا تھا لکڑیوں کا گٹھا لے جا کر اُس نے باورچی خانے کے باہر ڈال دیا اور چوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چوری آنکھوں سے باورچی خانے کے اندر تکنے لگا۔ بڑے بڑے چولہوں پر بکرے کے شوربے کے دیگچے چڑھے تھے۔ ایک موٹی توند والا آدمی باو دیگچوں میں باری باری کفگیر پھیر رہا تھا۔ بھاپ اور گرمی سے اُس کی گنجی کھوپڑی پر پسینہ چمک رہا تھا۔ ناگ نے کانی آنکھ سے دیکھا کر ذرا پرے ہاتھیوں کے اصطبل تھے۔ ناگ نے قریب ہی سے گھاس کا ایک گٹھا اٹھایا اور ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس آکر گھاس ہاتھیوں کے آگے ڈالنے لگا۔

وہ ہر ہاتھی کے پاس جا کر تھوڑی سی گھاس ڈال دیتا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اندازہ بھی لگا رہا تھا کہ ہاتھیوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ اچانک ایک آدمی نے اُس کی گردن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"تم کون ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"جناب میں کل ہی بھرتی ہوا ہوں۔ میرا باپ ہاتھیوں کا مہاوت تھا۔ وہ مر گیا تو مجھے یہ نوکری مل گئی۔"

"ٹھیک ہے۔ بک بک بند کرو اور میری چپل کے تسمے کس دو جلدی کرو۔"

ناگ نے جلدی جلدی جھک کر تسمے کسنے شروع کر دیئے۔ رومن سپاہی نے خوش ہو کر کہا۔

"تم بڑے اچھے اردلی بن سکتے ہو۔ چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا۔"

ناگ بھلا کیسے انکار کرتا۔ اُس کے ساتھ چل پڑا۔ دل میں ایک خیال

ہی تھا کہ شاید اس رومی سپاہی سے ہی فوج کی صحیح تعداد کی سراغرسانی ہو جائے۔ رومن سپاہی ناگ کو اپنی بارک میں لے گیا اور وہاں سے جا کر اُس نے ناگ کو اپنے گھوڑے کی مالش پہ لگا دیا۔ ناگ نے خرخرا لے کر گھوڑے کی مالش شروع کر دی۔ دل میں سوچنے لگا کہ یہ اچھا کام ملا۔ کم بخت زندگی میں کبھی گھوڑے کی مالش بھی نہیں کی تھی۔

دوپہر کے کھانے پر اُسے دو موٹی روٹیاں اور بکرے کی ایک چھوٹی سی ران مل گئی۔ شام ہوئی تو ناگ نے سوچا کہ واپس جا کر عنبر اور ماریا کو اطلاع کرنی چاہیئے۔ پس وہ اپنے آقا سے اجازت لے کر باہر نکلا اور کبوتر بن کر اڑا اور سیدھا پہاڑی کے غار میں آگیا۔ اُس نے عنبر اور ماریا کو سارے واقعات سنائے اور کہا کہ وہ دو ایک دن میں سارے لشکر کی سراغ رسانی کر کے واپس آجائے گا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں۔ لشکریوں کے صحیح ٹھکانے کا علم ہو گیا تو ہمیں بڑی آسانی ہوگی۔"

شہزادہ بھی وہیں موجود تھا۔ اُس نے عنبر سے کہا۔

"اگر کسی طریقے سے ہماری والدہ قلعے کے تہہ خانے سے نکال لی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ حملے کے وقت ظالم جرنیل ڈرسار میری ماں کو انتقام کی آگ میں جل کر ہلاک نہ کر ڈالے۔"

شہزادی نے بھی منت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہماری ماں کو ضرور نکلوا کر یہاں پہنچا دو ہم تمہارا یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسان ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔"

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک ماں کو مصیبت سے نکالنا ہمارا فرض ہے۔"

عنبر بولا۔

"تو پھر یہ کام بھی تم ہی کر سکتے ہو۔ جس طرح سے ہو سکے ملکہ کو تہہ خانے سے نکال کر یہاں لے آؤ۔ اگر ہماری ضرورت پڑی تو ہمیں اطلاع کر دینا۔ میں بھی تمہاری مدد کو آ جاؤں گا اب جب تک ملکہ کو ہم حفاظت سے یہاں نہیں لے آتے حملہ نہیں کریں گے۔"

"بہتر ہے۔ اب اجازت دیں۔ میں پوری کوشش کروں گا۔ اگر مدد کی ضرورت پڑی تو اطلاع کر دوں گا۔"

جاتے جاتے ناگ رکا اور شہزادے کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"ملکہ مجھ پر کیسے اعتماد کرے گی کہ مجھے اس کے بیٹے اور بیٹی نے بھیجا ہے؟"

شہزادی نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھو بھائی ناگ! جب تم یہ انگوٹھی میری ملکہ ماں کو دکھاؤ گے تو وہ سمجھ جائے گی کہ تمہیں ہم نے بھیجا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ یہاں آنے پر تیار ہو جائے گی اور تم پر شک نہیں کرے گی۔"

ناگ نے انگوٹھی چھپا کر رکھ لی اور غار سے باہر آ گیا۔ اس وقت رات چھا گئی تھی۔ قلعے کی طرف مشعلیں جل رہی تھیں۔ ناگ کبوتر بن کر قلعے کی جانب اڑ گیا۔ قلعے کے اندر جا کر وہ پھر سے رومن غلام بن گیا اور سیدھا اپنے رومی آقا کی بارک میں آ کر جھک کر سلام کر کے بولا۔

"حضور معاف کر دینا۔ میری ماں بیمار تھی اس کی تیمارداری کرتا رہا۔"

رومن سپاہی نے ناگ کی کمر پر زور سے لات مار کر کہا۔

"حرامی! مفت کی روٹیاں توڑنے آ گیا ہے۔ اگر دوبارہ اتنی دیر کی تو میں تمہارے ساتھ تمہاری ماں کو بھی ختم کر دوں گا۔ چل بھاگ اور جا کر میری وردی پالش کر۔"

"جو حکم سرکار۔"

ناگ ڈیوڑھی میں آ کر رومن سپاہی کی تانبے کی زرہ بکتر کو پالش کر کے چمکانے لگا۔ دوسرے روز اس نے ایک دوسرے غلام سے دوستی گانٹھ لی اور باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ قلعے کے اس تہہ خانے کو کونسا راستہ جاتا ہے جہاں ملکہ قید ہے۔ آدھی رات کو جب سارے سپاہی سو گئے۔ قلعے میں خاموشی چھا گئی تو ناگ اپنی بارک کی ڈیوڑھی سے باہر نکلا اور باغ میں آ کر اس نے سیاہ رنگ کے چھوٹے سے سانپ کی شکل اختیار کر لی۔ اب اس نے رومی غلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ وہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قلعے کی ایک بارہ دری میں آگیا۔

اس بارہ دری کی دوسری جانب قلعے کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔

یہاں سے ایک راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ ناگ رینگتا رینگتا قلعے کے دروازے پر آگیا۔ یہاں دیوار کے ساتھ دو مشعلیں روشن تھیں۔ ایک رومن سپاہی چاق و چوبند کھڑا ہاتھ میں نیزہ لئے پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے ناگ کو بالکل نہ دیکھا۔ ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا قلعے کے دروازے میں داخل ہوگیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اندھیرے میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ سانپ سیڑھیاں اترنے لگا۔

سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک دالان آگیا۔ یہاں پھر ایک دروازہ تھا جس کے باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ اس دروازے میں سے بھی گزر گیا۔ آگے پھر سیڑھیاں تھیں۔ یہ سیڑھیاں اُتر کر سانپ نے دیکھا کہ سامنے ایک دروازہ تھا جس میں سلاخیں لگی تھیں۔ سانپ نے اندر جھانک کر دیکھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔

سانپ سلاخوں میں سے ہو کر اندر چلا گیا۔ اندر ایک تنگ سا کمرہ تھا جس کے کونے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ سانپ دیئے کے قریب آیا تو دیکھا کہ گھاس پھونس کے بستر پر ایک عورت لیٹی ہوئی تھی۔ یہی ملکہ تھی۔ سانپ پرے ہٹ گیا۔ اُسے خطرہ تھا کہ اگر اُس نے اچانک سانپ سے انسانی شکل اختیار کی تو ملکہ ڈر جائے گی اور اُس کے منہ سے چیخ نکل کر پہرے داروں کو خبردار کر دے گی۔

عنبر کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔

پھر اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور انسان کی شکل میں آگیا۔ انسانی شکل اختیار کرتے ہی وہ دبے پاؤں ملکہ کے پاس گیا اور اس کو آہستہ سے جگایا۔ ملکہ نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ سمجھی کہ رومی جلاد اسے قتل کرنے کے واسطے لے جانے کے لئے آیا ہے۔ بولی۔

"میں تیار ہوں جلاد! میں ملکہ ہوں۔ اور تم دیکھو گے کہ میں ملکہ کی شان کے ساتھ جان دوں گی۔"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! میں جلاد نہیں ہوں۔"

"تو پھر تم کون ہو؟ کیا کرنے آئے ہو؟"

ملکہ نے پوچھا تو ناگ نے کہا۔

"ملکہ! میری بات غور سے سنو! سب سے پہلے تو یہ ایک نشانی دیکھ لو تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔"

ناگ نے جیب سے شہزادی کی انگوٹھی نکال کر ملکہ کے آگے رکھ دی۔

ملکہ نے انگوٹھی دیکھی تو ایکدم سے چونک پڑی۔

"یہ — یہ تو میری بیٹی کی انگوٹھی ہے۔ تم نے کہاں سے لی؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ انگوٹھی مجھے تمہاری بیٹی نے دی ہے۔"

"کیا — کیا وہ زندہ ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔"

"اور میرا بیٹا؟ میرا شہزادہ! وہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی زندہ ہے۔"

"کہاں ہیں میرے جگر کے ٹکڑے؟"

ناگ نے کہا۔

"وہ ایک محفوظ جگہ پر ہیں اور میں تمہیں بھی اُن کے پاس پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔"

"تم کون ہو؟ اور اندر کیسے آ گئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے میں تمہارا ہمدرد ہوں اور میرے ساتھ میرے ساتھی بھی ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ظالم ڈوسارے سے تخت و تاج چھین کر تمہارے بیٹے کو دلایا جائے اور تمہیں بادشاہ کی ملکہ ماں بنا کر تمہارا شاہی راج پھر سے بحال کر دیا جائے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" ملکہ نے کہا۔

ناگ نے کہا

"یقین کریں ملکہ! ایسا ہی ہو گا۔"

ملکہ نے کہا۔

"تم مجھے یہاں سے کیسے نکال سکو گے! یہاں تو قدم قدم پر جلاد پہرہ دے رہے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"جس طرح میں یہاں زندہ سلامت آ گیا ہوں اُسی طرح میں آپ کو بھی یہاں سے زندہ سلامت واپس لے جاؤں گا۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"آپ تیار رہیں۔ کل رات میں آؤں گا اور آپ کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔"

ملکہ ناگ کا منہ تک رہی تھی کہ یہ تنہا اور اکیلا نوجوان اتنا خطرناک کام کیسے کرے گا۔ ناگ نے کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔ تم سو جاؤ۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ ملکہ منہ دوسری طرف کر کے آنکھیں بند کر لے تاکہ وہ ناگ کو سانپ بنتے نہ دیکھ سکے۔ مگر ملکہ نے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ تم جاؤ۔ میں ابھی سے تمہارا انتظار کرنے لگوں گی۔"

ناگ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ باہر کیسے جائے۔ اتنے میں پہرہ دینے والا سپاہی چکر لگاتا وہاں آ گیا۔ اُس نے مشعل کی روشنی اندر ڈال کر دیکھا۔ ناگ ایکدم سے گھاس کے اندر چھپ گیا۔ پہرے دار نے اُسے نہ دیکھا تھا۔ اُس نے ملکہ کو جاگتے دیکھا تو کڑک کر کہا۔

"او بوڑھی عورت تو کیوں جاگ رہی ہے۔ جلدی سے منہ دیوار کے ساتھ کر کے سو جا۔ تیری زندگی کی آج آخری رات ہے۔ کل اس وقت تجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھانسی مل جائے گی۔"

ملکہ نے منہ دوسری طرف کر لیا اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر لیں ناگ نے اتنی مہلت ہی غنیمت جانی اور گھاس کے ڈھیر میں لیٹے لیٹے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور رینگتا ہوا دروازے کی سلاخوں سے باہر نکل گیا۔ اسی طرح سارا راستہ عبور کر کے ناگ سانپ کی شکل میں قلعے کی بارہ دری میں آ گیا۔ وہ بارہ دری سے اتر کر بارک کی طرف رینگ رہا تھا کہ ایک رومی سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی۔

"سانپ!" وہ چلایا۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی نے نیزہ مارا۔ اگر سانپ اچھل کر پرے نہ ہٹ جاتا تو وہ نیزے میں پرو دیا گیا تھا۔ کم بخت کا نشانہ بڑے غضب کا تھا اس سے پہلے کہ سپاہی دوسرا حملہ کرتا ناگ نے ایک سیاہ چمگادڑ کی شکل بدلی اور پھڑ پھڑ کرتا اڑ گیا۔ سپاہی نے سانپ کی جگہ پر سے ایک سیاہ چمگادڑ کو اڑتے دیکھا تو کچھ حیران سا ہوا۔ جھک کر سانپ کو تلاش کرنے لگا سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے چمگادڑ کو تکنے لگا۔ چمگادڑ بھی وہاں نہیں تھا سر کو جھٹک کر آگے چل دیا۔

ناگ چمگادڑ کی شکل میں اڑتا اڑتا اپنی بارک کی ڈیوڑھی میں آنے کی بجائے سیدھا قلعے سے نکل کر غار میں پہنچ گیا۔ انسانی شکل بدل کر اس نے عنبر کو جگایا اور ساری صورت حال بتائی۔ عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کل ملکہ کو پھانسی دینے والے ہیں۔"

"ہاں! اگر اتفاق سے پہرے دار راؤنڈ لگاتا وہاں نہ آ جاتا تو مجھے یہ خبر کبھی نہ ہوتی۔"

"پھر تو ملکہ کو ہر حالت میں کل شام تک نکال لانا چاہیئے۔"

"یہی کہنے کے لئے تو میں یہاں آیا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا ساتھ جانا بیکار ہے۔ ماریا کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ غائب تم بھی ہو سکتے ہو۔ بلکہ تم غائب ہو کر شکل بھی بدل سکتے ہو۔ اڑن طشتری میں اس لئے لے جا کر ملکہ کو اغوا کرنا نہیں چاہتا کہ اس طرح سے وہاں شور مچ جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ ملکہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم رات کے اندھیرے میں کسی طرح سے پہریداروں کو ہلاک کرتے ہوئے ملکہ کو لے کر قلعے سے باہر آ جاؤ۔ وہاں میں گھوڑے لے کر تمہارا انتظار کروں گا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم ایسا کر سکو گے تو ٹھیک ہے وگرنہ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی عنبر! میں اکیلا ہی یہ سارا کام کر لوں گا۔"

عنبر نے پوچھا۔

"تمہیں قلعے کے کسی خفیہ راستے کا علم ہے جہاں سے تم ملکہ کو باہر نکال سکو گے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ بولا۔

"ہاں! پچھمی دیوار کی جانب ایک دروازہ ہے اگرچہ وہاں پر پہرہ رہتا ہے مگر میں وہاں سے ملکہ کو نکال کر لے آؤں گا۔ تم کل آدھی رات گزرنے سے پہلے اُس دروازے والی دیوار کی دوسری طرف گھوڑے لے کر میرا انتظار کرنا۔ میں اسی جگہ سے ملکہ کو لے کر نکلوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اچھا اب میں جاتا ہوں۔ وہ بدبخت میرا آقا اگر جاگ پڑا تو میری جان کو کھا جائے گا۔"

"کون آقا؟" عنبر نے پوچھا۔

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔" ناگ نے ہنس کر کہا اور اُڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ غار سے باہر نکل کر وہ ایک بار پھر کبوتر بن کر قلعے کی طرف اُڑنے لگا۔ راتوں رات وہ اپنی بارک کی ڈیوڑھی میں آکر سو گیا۔ اُس کی قسمت اچھی تھی۔ اُس کے رومن آقا کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔

دوسرے دن ناگ نے قلعے کی پچھمی دیوار کا چکر لگا کر ہر شے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ اُس نے معلوم کیا کہ دیوار کا دروازہ چھوٹا ہے مگر لوہے کی سلاخوں سے بند ہے اور پیچھے لوہے کی چادر لگی ہے اور باہر سے کچھ نظر نہیں آتا۔ پہرے دار تلواروں تیروں کے ساتھ وہاں برابر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ واپس آگیا۔ اُس کی بارک میں رومن آقا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کم بخت کہاں مر گیا تھا تو؟"

"حضور! آپ کے لیے گلاب کے پھول تلاش کر رہا تھا۔ یہ دیکھیے یہ پھول آپ کے لیے لایا ہوں۔"

"الو کی دم! گلاب کے پھول لانے سے تو بہتر تھا کہ باغ سے میرے لیے کچھ سنگترے ہی توڑ لاتا۔"

"حضور! غلطی ہو گئی۔۔۔ ابھی جا کر سنگترے توڑ لاتا ہوں۔"

"اب بک بک بند کر اور میرے سر کی مالش کر۔"

رومی آقا نے ڈانٹ کر ناگ سے کہا۔ اور ناگ زیتون کا تیل لے کر اس رومن سپاہی کے سر کے گھنے بالوں کی مالش کرنے لگ گیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دل میں نقشہ بنا رہا تھا کہ اُس نے رات کو کس جگہ سے کس بھیس میں تہہ خانے میں پہنچنا ہے اور کس طرح سے ملکہ کو ساتھ لے کر وہاں سے باہر نکلنا ہے۔

اُدھر ملکہ بھی پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ اُس کا ہمدرد جانے آئے یا نہ آئے۔ ملکہ کو معلوم تھا کہ رات کو اُس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی مگر اُس کے دل میں صرف ایک خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے اپنے بیٹے اور بیٹی کی شکل دیکھ لے۔

رات ہو گئی۔ قلعے میں جگہ جگہ مشعلیں روشن ہو گئیں۔ پھانسی گھر میں ملکہ کی گردن کاٹنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جلاد نے کلہاڑا تیز کر کے دیوار سے لگا کر رکھ دیا۔ وہ ٹوکری بھی لا کر رکھ دی گئی جس میں ملکہ کے سر کو کٹ کر گرنا تھا۔ اُدھر ناگ اندھیرا ہوتے ہی اپنی ڈیوڑھی سے باہر نکلا۔ ابھی وہ دو قدم ہی گیا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے رومن آقا نے پیچھے سے کڑک کر کہا۔

"او بدبخت! کہاں جاتا ہے اس وقت؟"

ناگ نے رک کر کہا۔

"جناب! ذرا اپنی والدہ کی خبر لینے جا رہا ہوں۔"

رومن آقا نے گالی دے کر کہا۔

"خبردار! اگر ایک قدم بھی اٹھایا۔ واپس آ۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اٹھ کر ناگ کو رسی سے باندھ لیا اور کہا۔

"اب میں تمہیں قید کروں گا۔ رات بھر قید رکھوں گا پھر تمہیں بغیر اجازت یہاں سے جانے کا مزہ مل جائے گا۔"

ناگ اب یہ دیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے رومن آقا کی گردن پکڑ کر کہا۔

"احمق کہیں کے! تیرا باپ بھی مجھے نہیں روک سکتا۔"

رومن آقا نے اپنے غلام کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو ایک بار تو کانپ گیا۔ پھر غصے میں لرزا اور کمر سے خنجر نکال کر ناگ کے سینے میں گھونپنے ہی والا تھا کہ ناگ نے گہرا سانس لیا اور کبوتر بن کر پھڑ پھڑ کرتا اڑ گیا۔ رسی اس کے بازو سے نکل کر نیچے گر گئی۔ خنجر رومی سپاہی کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا جہاں اندھیرے میں کبوتر گم ہو گیا تھا۔

پھر وہ چکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ناگ بارہ دری کے پار جا کر ایک درخت پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ تہ خانے کے پہلے دروازے پر دونوں سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور دیوار

کے ساتھ لگی مشعلیں جل رہی تھیں۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور درخت پر سے رینگتا ہوا اتر کر نیچے آ گیا۔ اب اس نے رینگتے ہوئے دروازے کی طرف چلنا شروع کیا۔ وہ اندر جانے سے پہلے ان پہریداروں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا تاکہ واپسی پر یہ رکاوٹ نہ ڈالیں۔ یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں تھا۔ ناگ نے باری باری ان دونوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ پھر ایک سپاہی کی چمڑے کی تھیلی سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور اندر جا کر دروازے کو اسی طرح بند کر دیا۔

یہی کام اس نے نیچے جا کر دوسرے دروازے کے پہریداروں کے ساتھ کیا۔ وہاں سے بھی دروازہ کھول کر وہ سیدھا ملکہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے ساتھ لے کر پہلے دروازے سے گزر کر دوسرے دروازے کی طرف جا رہا تھا کہ سامنے سے دو سپاہی آتے نظر آئے۔ یہ ایک تنگ سی راہ داری تھی۔ دونوں سپاہی ایک موڑ پر سے اچانک اس کے سامنے آ گئے تھے۔ سپاہیوں نے ملکہ کو فرار ہوتے دیکھا تو تلواریں نکال کر حملہ کر دیا۔

ناگ نے دیکھا کہ معاملہ خطرناک ہو چکا ہے۔ زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ بس اسی وقت ایک خونخوار شیر کا روپ بدل کر زور سے گرجا اور ایسا پنجہ مارا کہ دونوں سپاہیوں کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ ملکہ نے یہ عالم دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ناگ انسان کی شکل میں آ گیا مگر پریشان تھا کہ اب ملکہ کو کس طرح سے ہوش میں لائے۔ مجبوراً اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے آخری دروازے میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ مشعلیں جل رہی تھیں اور دونوں سپاہیوں کی لاشیں وہاں زمین پر پڑی تھیں۔ ناگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

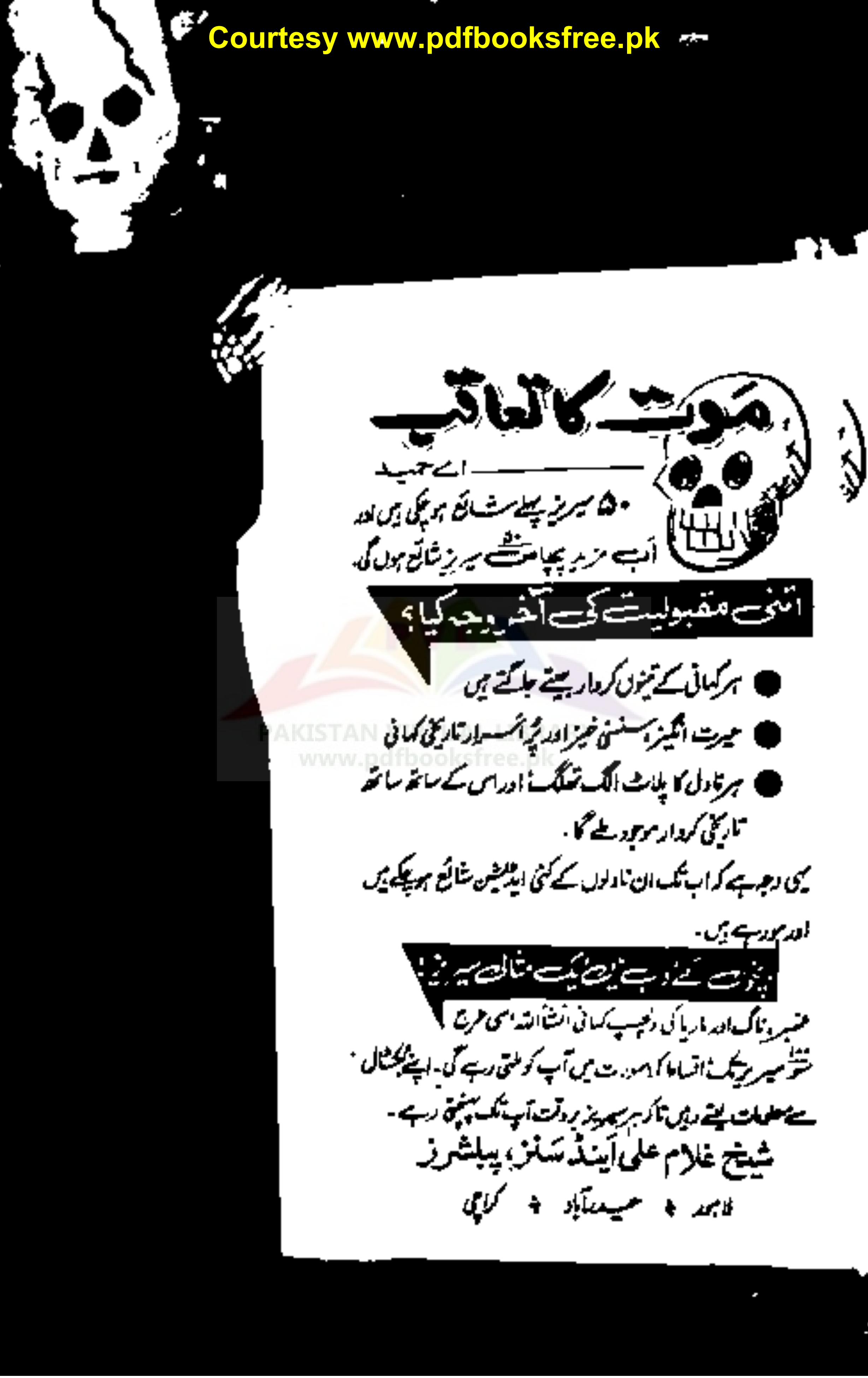

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس نئے سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح نئے سیریز کی اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک سٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ● حیدرآباد ● کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتش فشاں وادی

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۹۱
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

آتش فشاں وادی

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخاں۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

SH: GHULAM ALI &
قیمت
SONS (PVT) LAHORE

انوار ادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور۔۲/ ۵۴۰۰۰

- شعلے ہی شعلے
- موت کی روشنی
- قیدی ملکہ
- رومن درندے
- آتش فشاں وادی
- سیاہ پوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

ناگ، عنبر اور ماریا بابل میں آ گئے ہیں۔ وہاں بادشاہ ڈوسار ایک ظالم اور سنگدل حکمران ہے جس نے ملکہ کو قید کر کے اس کے بچوں کی گرفتاری کا حکم دے رکھا ہے۔ شہزادہ اور شہزادی کسی طرح سے بھاگ کر عنبر کے پاس آ جاتے ہیں۔ عنبر انہیں اپنی اڑن طشتری میں پناہ دیتا ہے اور بابل کے بادشاہ پر حملہ کر کے اس کے ملک کو ملکہ کے حوالے کر کے بحیرہ روم کے نیلے سمندروں میں ایک جگہ چٹانوں میں اتر جاتا ہے۔ آدھی رات کو اندھیرے میں ایک سپاہی جو کہ پرمپیائی شہر کا پہریدار ہے چٹانوں میں آتا ہے تو اڑن طشتری کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے، عنبر کو معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی ملکہ قید کر کے رومن شہر میں لائی گئی ہے اور کل اسے بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جائے گا۔ ناگ ملکہ کو بچانے کے لئے قلعے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

اشتیاق کتب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

شعلے ہی شعلے

●

آخری دروازہ بالکل سامنے تھا۔

ملکہ ہوش میں آ چکی تھی۔ ناگ نے اسے ساتھ لیا اور رات کے ڈھلتے اندھیرے میں فصیل کے دروازے کی طرف بڑھا۔ یہاں صرف ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس پہرے دار کو کوئی خبر نہیں تھی کہ قلعے میں ملکہ کے فرار کا شور مچ گیا ہے۔ وہ اونگھ رہا تھا۔ ناگ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر پہرے دار پر حملہ کر کے اسے گرا دیا۔ پہرے دار نے اٹھتے ہی تلوار سونت لی مگر ناگ پہلے ہی خبردار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہاتھی کا روپ بدل لیا تھا اور پہرے دار کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر دور گڑھے میں پھینک دیا۔ پھر اس نے ٹکر مار کر دروازہ توڑ ڈالا۔ ملکہ نے پہلے ناگ کو شیر بنتے دیکھا تھا اب وہ مست ہاتھی کی شکل بھی دیکھ رہی تھی اور اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

ہاتھی نے دوبارہ انسان کی شکل بدل لی اور ملکہ کو کہا۔

"جلدی میرے ساتھ آئیں ملکہ! یہ وقت حیران پریشان ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا نہیں"

ملکہ ناگ کے پیچھے چل دی اور وہ قلعے کی فصیل کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے نکل کر باہر آ گئے۔ باہر عنبر گھوڑے لئے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے ملکہ کو گھوڑے پر سوار کروایا اور رات کی تاریکی میں پہاڑیوں کی طرف نکل گئے۔

غار میں پہنچ کر ملکہ نے اپنے بچوں کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ مگر سب سے زیادہ حیرانی اسے اڑن طشتری کو دیکھ کر ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

"ملکہ! ابھی آپ کئی ایک چیزیں دیکھیں گی جس پہ آپ کو بڑی حیرانی ہو گی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ حیران نہ ہوں اور خاموش رہیں۔ بہرحال یہ اب ہمارا فرض بن گیا ہے کہ آپ کے بیٹے کو اس کا تخت واپس دلایا جائے۔ کیونکہ آپ کا بیٹا ہی اس تخت کا جائز حق دار ہے۔"

ملکہ نے کہا۔

"ڈوسار کی فوج بے شمار ہے۔ آپ لوگ اکیلے اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ کیا آپ کے پاس فوج کا لشکر ہے؟"

ناگ بولا۔

"ہمارے پاس کئی لشکر ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

شہزادے نے کہا۔

"امی جان! اب آپ آرام کریں۔ باقی صبح دیکھا جائے گا۔"

دوسری طرف ڈوسار کو جب خبر ملی کہ ملکہ فرار ہو گئی ہے تو وہ غصے سے کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ سب سے پہلے تو اس نے زندہ بچے پہریداروں کو قتل کر دیا۔ پھر حکم دے دیا کہ شہزادہ اور شہزادی، ان تینوں میں سے جو کوئی، جہاں کہیں بھی ملے اسی جگہ مار ڈالا جائے اور اس کا سر میرے حضور پیش کیا جائے۔ سر پیش کرنے والے کو ایک لاکھ اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی سپہ سالار بادشاہ ڈوسار خود بھی ایک دستہ فوج کا لے کر صبح صبح قلعے سے باہر نکل کھڑا ہوا۔

یہ بادشاہ ڈوسار کی بڑی بے عزتی تھی کہ اس کے تینوں شاہی قیدی راتوں رات قلعے کی جیل سے فرار ہو گئے تھے اور اس کے سپاہی کچھ نہ کر سکے تھے۔ غصے سے وہ آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ملکہ، شہزادی اور شہزادے کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ آگے آگے اس کا خاص وزیر گھوڑے پہ جا رہا تھا۔ اس نے ڈوسار سے کہا۔

"آخر یہ لوگ بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟ یہیں کہیں چھپے ہوں گے۔"

بادشاہ ڈوسار نے کہا۔

"میں اس بات پر حیران ہوں کہ ملکہ کو فرار کراتے ہوئے فصیل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا دروازہ ہاتھی نے کیسے توڑا؟................؟ یہ ہاتھی شاہی فیل خانے سے کیسے لایا گیا؟"

وزیر نے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ قلعے میں ہاتھی چڑا کر اس کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ فیل خانہ تو ساری رات بند رہتا ہے۔ پہرے داروں کا کہنا ہے کہ رات کو کوئی بھی ہاتھی باہر نہیں دیکھا گیا۔

ڈوسار بولا۔

"مگر میرے خاص سپاہی نے ہاتھی دیکھا ہے۔ جس نے فصیل کے دروازے کو ٹکر ماری تھی۔

وزیر بولا۔

"دیوتا ہی بہتر جانتے ہیں"

بادشاہ ڈوسار نے چلا کر کہا۔

"ہمیں کیوں معلوم نہیں؟ یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ آخر میرے آدمی کس مرض کی دوا ہیں؟ میرے پہرے داروں نے ساری دنیا میں مجھے بدنام کر دیا ہے۔ میرے شاہی قیدی فرار ہو جائیں اور میں کچھ نہ کر سکوں"

وزیر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم ان لوگوں کو بڑی جلدی گرفتار کر لیں گے۔ وہ سات ہی رات میں کہاں جا سکتے ہیں؟ فصیل کے باہر گھوڑوں

کے کھروں کے نشان وادی کی طرف جاتے ہیں۔"

"اس وادی کو گھیرے میں لے کر اس کے چپے چپے کی تلاشی کی جائے۔ یہ میرا حکم ہے۔" اور اس کے بعد بوگیر کتوں کو لایا جائے۔ ہم کتوں کی مدد سے ملکہ اور اس کے بچوں کو تلاش کر کے چھوڑیں گے۔ وہ ان پہاڑیوں میں کسی جگہ چھپے ہوں گے۔"

دن چڑھے تک فوج نے ساری وادی چھان ماری۔ پہاڑیوں کا بھی چپہ چپہ دیکھا گیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ اصل میں عنبر اور ناگ کو معلوم تھا کہ لشکری سپاہی ملکہ، شہزادی اور شہزادے کی تلاش میں پہاڑیوں میں ضرور نکلیں گے۔ پس انہوں نے سب سے پہلے اس بات پر غور کیا کہ کسی طریقے سے اس غار کے منہ کو چھپا دیا جائے۔ وقت کم تھا۔ انہوں نے مل کر دن نکلنے سے پہلے پہلے غار کے منہ کے آگے بے شمار جھاڑیاں لا کر اس طریقے سے ڈال دیں کہ کسی کو شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی غار بھی ہے۔ یہی لگتا تھا کہ بے شمار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔

جس وقت بادشاہ اپنی فوج کے ساتھ وہاں آیا تو اسے سوائے جنگلی جھاڑیوں کے وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ ڈوسار نے گھوڑا روک لیا اور جھاڑیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ان جھاڑیوں میں تیروں کی بارش کر دو۔ اگر میرے دشمن یہاں چھپے ہوں گے تو ان کے جسم چھلنی ہو جائیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں نے کمانوں میں تیر جوڑے اور ایک ساتھ چھوڑ دیئے۔ بے شمار تیر جھاڑیوں میں گھس گئے۔ اسی طرح تیروں کی ایک اور باڑ جھاڑیوں پر پڑی۔ کافی تیر پھینکنے کے بعد جب جھاڑیوں میں سے کسی انسان چیخ کی آواز سنائی نہ دی تو وزیر نے کہا۔

"حضور! ان جھاڑیوں میں ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں ندی کے پار والے جنگل میں چل کر انہیں تلاش کرنا چاہیے۔"

فوج کا دستہ ندی کے پار والے جنگل میں آ گیا۔ اس جنگل کا ایک ایک درخت کھنگالا گیا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بادشاہ ذوسار واپس محل میں آ گیا۔ اس نے وزیر سے غصے میں کہا۔

"تم اپنے ساتھ بوگیر کتے اور کچھ سپاہی لے جا کر وادی میں ایک بار تلاش کرو۔ کتے ملکہ کی بو پہ ضرور جائیں گے۔ کتوں کو ملکہ کے لباس کا کوئی ٹکڑا سنگھا دیا جائے"

وزیر نے جھک کر کہا۔

"جو حکم حضور!"

اسی وقت چھ بوگیر کتوں کو ملکہ کا ایک پرانا لباس لا کر سنگھا دیا گیا۔ بو سونگھ کر کتے بھونکنے لگے۔ انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا۔ کتے وادی کی طرف بھونکتے ہوئے بھاگنے لگے۔ وزیر کے ساتھ چھ سات سپاہی تھے۔ انہوں نے کتوں کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ کتے اب وادی میں پہنچ گئے تھے۔ ان بدبختوں کو ملکہ کی بو ہوا میں برابر آ رہی تھی اور وہ بو کی سمت کو جا رہے تھے۔ یہ بو ایک پہاڑی کی طرف سے آ رہی تھی جو دور کھڑی تھی۔ بو بڑی ہلکی تھی مگر کتے اسے برابر سونگھ رہے تھے اور بھونکتے ہوئے بھاگے جاتے تھے۔

وزیر نے اپنے خاص سپاہی سے کہا۔

"کتے ٹھیک سمت کو جا رہے ہیں۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ چوکس رہیں"

"بہت بہتر جناب"

اس نے سپاہیوں کو خبردار کر دیا کہ کتے ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ ہوشیار رہنا اور چلتے چلے جانا۔

غار کے اندر ناگ، ماریا اور عنبر کنٹرول روم کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھے قلعے پر حملے کے بارے میں سکیم بنا رہے تھے کہ انہوں نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں شہزادی اور شہزادے نے بھی سن لی تھیں۔

ملکہ ساتھ والی آرام کرسی پر سو رہی تھی۔ ابھی ابھی انہوں نے ناشتہ کیا تھا۔ ملکہ بہت تکلیفیں برداشت کر چکی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی اس لئے وہ سو گئی تھی۔ شہزادے نے سب سے پہلے کتوں کی آواز سنی۔ یہ آوازیں دور وادی سے آ رہی تھیں اور بڑی مدھم مدھم تھیں۔ اس نے چونک کر شہزادی کو دیکھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ لوگ ملکہ کے تعاقب میں کتے لے کر نکل آئے ہیں"
شہزادی بھی پریشان ہو گئی۔

"اب کیا ہو گا؟"

شہزادے نے کہا۔

"عنبر اور ناگ نے بڑا اچھا کیا جو غار کا منہ جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا۔ اب وہ لوگ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔"

"مگر کتے تو غار کے باہر کھڑے ہو کر بھونکتے رہیں گے انہیں اندر سے ہماری بو آ رہی ہو گی۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہرگز نہیں ہلیں گے۔ بس اس طرح سے سپاہیوں کو شک ہو گا اور وہ جھاڑیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھیں گے اور انہیں غار کا دروازہ مل جائیگا۔"

شہزادی کی اس بات پر شہزادہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"بات تو ٹھیک لگتی ہے۔ چلو عنبر اور ناگ سے چل کر بات کرتے ہیں"

وہ عنبر اور ناگ کے کمرے میں آ گئے۔ عنبر اور ناگ پہلے ہی کتوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ ماریا قریب ہی بیٹھی تھی۔ انہیں خیال تھا کہ کہیں وہ ماریا کی بات نہ سن لیں، یا کم از کم ان کے ہوتے ہوئے ماریا بات نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے شہزادی اور شہزادے کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا۔

"تم فکر نہ کرو، واپس کمرے میں جا کر ملکہ کا خیال رکھو۔

اگر وہ اٹھ کر پریشان ہو گئیں تو ان کی خبرگیری کون کرے گا۔ تم چلو۔ باقی یہ ہم سنبھال لیں گے۔"

شہزادی اور شہزادہ واپس کمرے میں آ گئے۔ اب ملکہ بھی اٹھ چکی تھی۔ اس نے بھی کتوں کی آوازیں سن لی تھیں جو اب صاف صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ پریشان ہوئی تو شہزادی اور شہزادے نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ وہ لوگ اس گھر کے اندر نہیں آ سکتے۔ آپ بے فکر رہیں۔

باہر کتوں نے غار کے آگے جھاڑیوں کے قریب آ کر زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ وزیر اپنے سپاہیوں کے ساتھ گھوڑے روک کر وہاں کھڑا ہو گیا۔

"ان جھاڑیوں میں تلاش کرو۔ ہو سکتا ہے ملکہ اور شہزادہ اسی جگہ چھپے ہوئے ہوں"

سپاہیوں نے گھوڑوں سے اتر کر جھاڑیوں میں نیزے مار مار کر ملکہ اور شہزادے شہزادی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ جھاڑیاں قدرتی تو تھی نہیں۔ بس اِدھر اُدھر سے کاٹ کر ڈھیر سا لگا دیا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جھاڑیاں چھٹ گئیں اور پیچھے غار کا دروازہ نظر آ گیا۔

وزیر گھوڑے سے اتر کر غار کے منہ کو غور سے تکنے لگا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی چمک آ گئی۔ کتے غار میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

وزیر نے کہا۔

"ضرور ہمارے قیدی اسی غار میں ہیں۔ کتوں کو چھوڑ دیا جائے"

کتے رسیوں کے کھلتے ہی غار میں لپکے۔ وزیر اور سپاہی غار کے باہر کھڑے رہے اُدھر عنبر اور ناگ اڑن طشتری کے دروازے پر کھڑے تھے اور انہوں نے کتوں کے استقبال کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ جونہی کتے غار کا موڑ گھوم کر اڑن طشتری کے سامنے آئے عنبر نے اڑن طشتری کی دیوار سے لگا ایک بٹن دبایا۔ باہر کے رخ سے ایک نیلی شعاع نکل کر کتوں پر گری اور ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ کتوں کو جلا کر راکھ کر گئی۔

وہاں اب کتوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ بند کر لیا۔ ناگ نے کہا۔

"سپاہی ضرور کتوں کی تلاش میں اندر آئیں گے۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ کم بختوں نے غار کا دروازہ دریافت کر لیا ہے۔ ہماری اڑن طشتری کا راز ان پر ظاہر ہو جائیگا"

عنبر نے کہا۔

"انہیں بھی یہاں سے واپس نہیں جانے دیا جائے گا۔"

جب کتوں کو غار میں گئے دیر ہو گئی اور ان کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں تو وزیر کو تشویش ہوئی۔ اس نے سپاہیوں سے کہا۔

"اندر جا کر معلوم کرو۔ کتے کہاں جا کر سو گئے؟ ان کی آوازیں بھی نہیں آ رہی ہیں۔ پتہ کرو کہ کیا وجہ ہے؟"

چھ کے چھ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے غار کے اندر قدم رکھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ وہ پرانے زمانے کے سپاہی تھے اور اندر جدید ترین دور کی اڑن طشتری کی بنفشی ہلاکت خیز شعاعیں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ سپاہی آگے پیچھے اندر جا رہے تھے۔ موڑ گھومتے ہی انہیں سامنے چاندی کی طرح چمکتی ایک بڑی بڑی گول طشتری دکھائی دی۔ وہ ڈر کر وہیں رک گئے اور حیرت سے طشتری کو تکنے لگے۔

طشتری میں سے لال رنگ کی روشنی اوپر کو اٹھ رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

وہ واپس جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک طشتری کی دیوار میں سے بنفشی رنگ کی ایک تیز شعاع لپکی اور سپاہیوں کے اوپر آ کر گری۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور چھ کے چھ سپاہی غائب ہو گئے۔ غار میں ایک بار پھر گہرا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سناٹا چھا گیا۔ جیسے وہاں کبھی کوئی سپاہی تھا ہی نہیں۔

وزیر غار کے باہر کھڑا تھا۔ سپاہی بھی اندر جا کر گم ہو گئے تھے۔ وہ پریشان ہو کر غار میں داخل ہوا۔ اس کا گھوڑا باہر ہی تھا۔ آدمی چالاک تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا اور غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ جونہی وہ موڑ گھوما تو اسے سامنے ایک عجیب سی شے دکھائی دی۔ رُکا اور تیزی سے واپس بھاگا۔ باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعے کی طرف اٹھ دوڑا۔

وزیر کو غار سے باہر بھاگتے عنبر نے بھی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے اسی وقت آپس میں مشورہ کیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

"وزیر نے یقیناً اُڑن طشتری دیکھ لی ہو گی۔ وہ ہماری اُڑن طشتری دیکھ کر ہی بھاگا ہے"

ماریا نے کہا۔

"اگر وہ ہماری اُڑن طشتری دیکھ بھی لیں تو اس سے ہمیں کیا فرق پڑے گا؟"

ناگ بولا۔

"فرق تو کچھ نہیں پڑے گا۔ لیکن ان کے پاس ہمارا راز وقت سے پہلے چلا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ غار کے منہ پر زبردست آگ لگا کر ہمارے لیے

بہت سی پریشانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ آگ سے بچنا ہمارے لیے بھی بڑی مشکل بات بن جائے گی"

ماریا نے پوچھا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا ہم یہاں سے نکل جائیں؟"

عنبر نے کہا۔

"یہاں سے نکل کر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ کیا اس سارے علاقے میں اس قسم کی غار ہمیں مل جائے گی جہاں ہم اپنی اُڑن طشتری رکھ سکیں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ تو یہاں سے نکل کر ہی پتہ چل سکے گا"

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہم یوں ہی اتنی فکر و پریشانی کر رہے ہیں۔ ہمیں اسی غار میں رہنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں تو اب باہر نکل کر قلعے پر حملہ کر دینا چاہیئے آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟"

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ جیسے پوچھ رہے ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ ہمیں حملہ کر دینا چاہیئے، ماریا نے ایک بار پھر زور دے کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

" حملے کا وقت آگیا ہے۔"

عنبر بولا۔

" میرا خیال ہے کہ ہم آج رات حملہ کر دیں گے۔ ٹھیک ہے۔ اب ہمیں مزید انتظار کی ضرورت نہیں۔ ہم آج آدھی رات گذرنے کے بعد حملہ کریں گے۔"

ادھر حملے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور دوسری طرف وزیر بھاگم بھاگ قلعے میں آیا اور سیدھا بادشاہ ڈودسار کے محل میں جا کر اسے ساری کہانی سنا ڈالی کہ پہلے کتے غائب ہوئے پھر سپاہی گم ہو گئے۔

" اور جب میں نے آگے جا کر دیکھا تو غار کے اندر ایک عجیب گول سی شے بیٹھی تھی جس کے سر میں سے لال رنگ کی روشنی باہر نکل رہی تھی۔"

بادشاہ ڈودسار نے اتنا سنا تو تلوار نکال کر لہرائی۔

" دیوتا زیوس کی قسم! جس بھوت نے میرے قیمتی کتے اور سپاہی ہضم کئے ہیں، میں خود اسے جا کر ہلاک کر دوں گا"

وہ یہ سمجھا کہ غار کے اندر کوئی بھوت یا اژدھا قسم کی شے ہو گی۔ وزیر نے کہا۔

" حضور! وہ نہ تو کوئی اژدھا ہے اور نہ کوئی شے نہ کبھی پہلے دیکھی نہ کبھی سنی"

بادشاہ نے کہا

" ہم اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر چلیں گے اور اس شے کو غار کے اندر ہی ختم کر دیں گے"

وزیر نے بادشاہ کو بہتیرا منع کیا مگر وہ نہ مانا اور فوج کا ایک دستہ لے کر غار کے دروازے پر آگیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

" اندر جا کر بھوت پر حملہ کر دو"

سپاہی تلواریں اور نیزیں اور ڈھالیں سنبھال کر اندر گھس گئے۔ مگر بھلا بنفشی ایٹمی شعاؤں کے آگے انکی تلواریں اور نیزے کیا کر سکتے تھے۔ جونہی وہ اڑن طشتری کے سامنے آئے اس میں سے بنفشی شعاع نے نکل کر ان سب کو آگ کا شعلہ بنا کر غائب کر دیا۔

جب سارے سپاہی باری باری غار کے اندر بھسم ہو گئے تو بادشاہ پریشان ہو گیا۔ وزیر نے کہا۔

" حضور! بھاگ چلیں۔ یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

بادشاہ نے کڑک کر کہا۔

" میں خود اپنے دشمن کا مقابلہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے ملکہ اور شہزادہ اسی غار میں پناہ لئے ہوئے ہیں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزیر نے کہا۔

"حضور! وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ دیکھتے نہیں کہ غار کے جو بھی گیا جل کر بھسم ہو گیا۔ آپ کی زندگی رعایا کے لیے بڑی ہے۔ آپ یہاں سے قلعے میں واپس چلے چلیں۔ وہاں جا کر حملے کی کوئی نئی ترکیب سوچتے ہیں"

بادشاہ کسی صورت وہاں سے جانے پر راضی نہ تھا۔ مگر وزیر اسے زبردستی وہاں سے لے گیا۔ محل میں جا کر بادشاہ نے شاہی نجومی کو بلا کر کہا۔

"حساب لگا کر بتا۔ یہ کیا آفت غار کے اندر آ کر بیٹھ گئی ہے"

شاہی نجومی نے ستاروں کا حساب لگایا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"حضور انور! میرے حساب سے یہ کسی عجیب و غریب ستارے سے آیا ہوا بھوت ہے جس کی آنکھوں سے ہلاک کرنے والی شعاعیں نکلتی ہیں"

بادشاہ نے غصے میں آ کر کہا۔

"کیا اس کا کوئی توڑ نہیں ہے؟"

نجومی نے کہا۔

"حضور پر نور! اس کا توڑ میرے حساب کے مطابق کوئی نہیں ہے"

بادشاہ نے غصے میں گرج کر کہا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے تم بھی"

بادشاہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"ہم اس بھوت کو ختم کر کے دم لیں گے۔ ہم کیا کریں؟"

وہ رک کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم غار میں آگ لگا دیں گے"

اس نے حکم دے دیا کہ قلعے میں جس قدر رال اور تارپین کا تیل ہے غار میں لے جا کر بہا دیا جائے اور آگ لگا دی جائے۔ یہ حملہ عنبر اور ناگ کی اڑن طشتری کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ سپاہیوں نے رال اور تارپین کے تیل کے بڑے بڑے مٹکے سروں پر اور ریڑھوں پر رکھے اور غار کے منہ پر لے گئے۔ اتفاق سے شہزادہ باہر کھڑا تھا۔ اس نے بھاگ کر عنبر کو اطلاع دی کہ بادشاہ کے سپاہی غار میں تیل ڈال کر آگ لگانے والے ہیں۔ ناگ اور عنبر نے جلدی سے انہیں اڑن طشتری میں بٹھایا۔ دروازہ بند کیا اور تھراٹل آگے بڑھا دی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ اڑن طشتری اپنی جگہ سے اٹھی اور تیزی سے غار سے باہر نکل گئی۔ کیونکہ آگ لگنے کی صورت میں ان کی اڑن طشتری تباہ ہو سکتی تھی۔

سپاہی باہر رتھوں اور ریڑھوں پر سے رال کے مٹکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف نکل آئے تھے۔ شہزادی، شہزادہ اور ملکہ اڑن طشتری کے گول شیشوں میں سے نیچے زمین کو تک رہے تھے۔ ملکہ کو تو چکر آ گیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار پہاڑیوں اور وادیوں کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ انہیں یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ ناگ نے سکرین پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنبر! ان پہاڑیوں میں ایسا کوئی غار نہیں ہے جس کے اندر ہم اپنی اڑن طشتری چھپا دیں۔"

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں کسی پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی پر اسے کھڑا کر دینا چاہیئے۔"

ناگ بولا۔

"ماریا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں اپنی طشتری پہاڑی کے اوپر رکھ دینی چاہیئے۔ اس طرح سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ پہاڑی کے اوپر آ کر فوج بھی ہماری طشتری کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسے روکنے لگا ہوں۔"

عنبر نے اتنا کہہ کر عقرائل نیچے کر دیا۔ اڑن طشتری ذرا ایک طرف جھکی اور نیچے پہاڑی کی چوٹی پر آ کر ٹک گئی۔ یہ پہاڑی خاصی اونچی تھی اور چوٹی پر ایک چوڑا تختہ تھا۔ اس جگہ طشتری دور

سے صاف نظر آتی تھی اور دھوپ میں وہ چمک رہی تھی۔ قلعے کی فصیل پر سے زجیوں نے اور محل کی چھت پر سے بادشاہ ڈوسار اور وزیر نے اڑن طشتری کو پہاڑی کی چوٹی پر چمکتے دیکھ لیا تھا۔ وزیر نے کہا۔

"یہ بھوت پہاڑ کے اوپر آگیا ہے"

ڈوسار اندر سے کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ اگر بھوت غار کے اندر ہوتا تو وہ آگ لگا کر اسے نقصان پہنچا سکتا تھا مگر پہاڑی کی چوٹی پر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا۔

"اس دشمن کو ہم کس طرح سے تباہ کر سکتے ہیں؟"

وزیر بولا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کم بخت اس نے ہمارے کئی ایک سپاہی ہلاک کر ڈالے ہیں۔ یہ بھوت اپنے اندر سے کوئی نیلی روشنی پھینکتا ہے جس سے ہر شے بھسم ہو جاتی ہے۔"

بادشاہ بولا۔

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کو تباہ کیوں کر کیا جائے؟ شہزادی شہزادے اور ملکہ نے اسی بھوت کے اندر پناہ لے رکھی ہے۔ مجھے تو یہ کوئی اڑن کھٹولا لگتا ہے عجیب شے ہے۔ بڑی تباہی پھیلا سکتا ہے یہ اڑن کھٹولا"

وزیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کا کیا خیال ہے حضور؟ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟"

"تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

وزیر بولا۔

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ہمیں آدھی رات کو چھپ کر یہاں پر ہلہ بول دینا چاہیئے تاکہ بے خبری میں اس اڑن کھٹولے کو آگ لگا کر تباہ کر دیں"

بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اچھا خیال ہے۔ لیکن اگر اس اڑن کھٹولے والوں کو ذرا پتہ چل گیا تو ہمارے سپاہیوں کی خیر نہیں"

"پھر آپ کیا سوچتے ہیں؟"

بادشاہ بولا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے یہ اڑن کھٹولا اپنے آپ یہاں سے دفع ہو جائے"

قلعے میں محل میں اور شہر میں لوگوں میں ایک ہراس پھیل گیا تھا کہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق آ گئی ہے۔ اس مخلوق کے پاس چاندی کا اڑن کھٹولا ہے جس میں سے شعاع نکلتی ہے یہ موت کی شعاع ہے۔ جس پر گرتی ہے بھسم ہو جاتا ہے۔ سپاہیوں پر بھی دہشت چھا رہی تھی۔

ادھر ناگ، عنبر اور ماریا نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے

ماریا نے کہا کہ حملہ کر دیا جائے۔ عنبر نے کہا۔

"حملہ کرنے سے بہت سے بے گناہ لوگ بھی مر جائیں گے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ بادشاہ ڈوسارے سے بات چیت کی جائے۔ اگر وہ پر امن طور پر تاج و تخت اس کے جائز وارث شہزادے کو دینے پر راضی ہو جائے تو اتنی بربادی پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟"

ناگ بولا۔

"وہ کبھی راضی نہیں ہو گا۔"

عنبر نے کہا۔

"میں اس کے پاس جا کر اسے منانے کی کوشش کروں گا۔"

ماریا بولی۔

"عنبر بھائی! تم اپنا وقت ضائع کرو گے"

عنبر کہنے لگا۔

"مجھے بے گناہ لوگوں کو تباہی سے بچانے کے لئے اس بادشاہ سے بات چیت کرنی ہی ہو گی تم لوگ میرا انتظار کرو وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ میں جاتا ہوں"

اپنے اس فیصلے سے عنبر نے شہزادے اور ملکہ کو بھی آگاہ کر دیا۔ انہوں نے بھی اس فیصلے کو پسند کیا۔ دوپہر کے بعد عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہاڑی سے اٹھ کر قلعے کی طرف چل پڑا۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ اوپر پہرے دار تیر اٹھائے کھڑے تھے۔ انہوں نے عنبر کو دیکھا تو ایک تیر اس کے پاؤں کے قریب مار کر کہا۔

"خبردار! آگے نہ بڑھنا۔ کون ہو تم؟"

عنبر نے منہ اوپر اٹھا کر کہا۔

"میں تمہارے بادشاہ سے صلح کی بات چیت کرنے آیا ہوں۔ مجھے اڑن کھٹولے والوں نے بھیجا ہے"

عنبر کو پتہ چل چکا تھا کہ شہر اور قلعے میں ان کی اڑن طشتری کو اڑن کھٹولے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اوپر سے پہرے دار نے کہا۔

"انتظار کرو۔ ہم بادشاہ کو اطلاع بھجوا رہے ہیں جواب آنے پر تمہیں بتا دیا جائے گا۔"

عنبر اسی جگہ کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کے دروازے کی چھوٹی کھڑکی کھل گئی اور ایک سپاہی نے عنبر کو بلا کر کہا

"میرے ساتھ آؤ"

وہ عنبر کو لے کر محل میں آگیا۔ بادشاہ محل کی شاہی بارہ دری میں تخت پر بیٹھا تھا۔ وزیر اور امرا بھی اس کے آس پاس تھے۔ سپاہی تلواریں لئے اس کی حفاظت کے لئے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ بادشاہ نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور اپنے وزیر

سے سرگوشی میں کہا۔

"کم بخت! یہ تو بالکل ہم انسانوں کی طرح ہے"

وزیر نے کہا۔

"کوئی پتہ نہیں اس نے بھیس بدل رکھا ہو"

"کیا مطلب؟" بادشاہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

وزیر بولا۔

"مطلب یہ کہ کوئی خبر نہیں یہ اندر سے کوئی بھوت ہو اور انسان کے روپ میں چل پھر رہا ہو"

بادشاہ نے کہا۔

"میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ میں اس کا بھوت نکال کر باہر پھینک دوں گا۔ تم دیکھتے رہو"

پھر بادشاہ نے عنبر کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"کون ہو تم؟ کیا کہنے آئے ہو یہاں؟"

عنبر نے دل میں سوچا۔ بڑا احمق بادشاہ ہے۔ اس کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ یہ ضرور لوگوں کا خون کر دیتا ہوگا۔ پھر وہ بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میرا نام عنبر ہے"

بادشاہ نے مذاق سے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"پھر میں کیا کروں؟ یہ بتاؤ کہ تم کس لئے آئے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"سنو بادشاہ سلامت! ہم ایک دوسری دنیا سے آئے ہیں اور اس دنیا میں بے انصافی اور ظلم کو نہیں دیکھ سکتے۔ آپ کے ملک کے تخت کا حق شہزادے اور اس کی ماں کو ہے جن کو آپ نے قید میں ڈال رکھا تھا اور جو اب ہماری پناہ میں ہیں"

بادشاہ کو غصہ آ گیا۔ تخت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں یہ کہنے آیا ہوں کہ اس ملک یا شہر کا تخت اس کے جائز وارث کے حوالے کیا جائے اور ہم سے جنگ نہ لڑی جائے۔ کیونکہ جنگ کی صورت میں زبردست تباہی پھیلے گی اور ہزاروں لوگ مر جائیں گے"

بادشاہ نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تم جانتے ہو کس کو دھمکی دے رہے ہو؟"

عنبر بولا۔

"بادشاہ سلامت! میں دھمکی نہیں دے رہا۔ میں تو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے ہماری یہ بات نہ مانی تو پھر ہم حملہ کر دیں گے اور خطرہ ہے کہ آپ کی ساری فوج اور یہ قلعہ نیست و نابود ہو جائیں گے"

بادشاہ غصے سے کانپنے لگا۔ ہاتھ اٹھا کر کڑک کر بولا۔

"گرفتار کر لو اس گستاخ کو اور اسی وقت دیوتا نیپس کے آگے لے جا کر اس کا سر قلم کر دو"

سپاہی تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو زنجیریں ڈال دیں۔

عنبر مسکرایا۔

"بادشاہ سلامت! ان باتوں سے کچھ نہیں ہو گا۔ آپ خوا مخواہ کھیل کو خراب کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کی بھلائی کی بات کی تھی۔ آپ اپنے ملک میں تباہی اور موت کو آوازیں دے رہے ہیں ابھی وقت ہے۔ سوچ لیں۔ جب تیر کمان سے نکل گیا تو پھر آپ کو موت کے منہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔"

بادشاہ نے اپنی تلوار جلاد کی طرف پھینک کر کہا۔

"اس گستاخ کا سر میرے سامنے اتار دو۔ یہ تمہیں میرا حکم ہے"

موٹی گردن والے جلاد نے آگے بڑھ کر بادشاہ کی تلوار سنبھال لی اور عنبر کی گردن پر مارنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ جلاد نے تلوار لہرائی اور عنبر کی گردن پر بڑے زور سے ماری۔ تڑاخ کی آواز آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جلاد کے ہاتھ سے تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔ سب درباری حیران رہ گئے کہ یہ کیوں کر ہو گیا۔ بادشاہ نے چیخ کر کہا۔

" اسے نیزے میں پرو ڈالو"

جلاد نے نیزہ اٹھایا اور عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ مگر نیزہ عنبر کے سینے سے ٹکرا کر ٹیڑھا ہو گیا۔ اب تو سارے لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے کہا۔

" یہ کوئی جادوگر ہے۔ اسے آگ میں ڈال دو"

اب عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

" بادشاہ! وقت ضائع مت کرو۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہاری تلوار اور نیزہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ آگ بھی مجھ پر اثر نہیں کر سکے گی۔ اس لئے اب بھی وقت ہے کہ میری بات مان لو اور اپنے شہر کے لوگوں اور سپاہیوں کو برباد ہونے سے بچا لو"

بادشاہ بڑا ہٹ دھرم اور ضدی تھا۔ اس نے تلوار خود تھامی اور عنبر کے پاس آ کر بولا۔

" میں خود تمہارے جادو کو توڑ دوں گا"

اور تلوار کے بار بار وار عنبر پر کرنے لگا۔ تیسرے وار میں ی تلوار ٹوٹ گئی۔ اب عنبر نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکا دیا اور اس کے جسم سے بندھی ہوئی زنجیریں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔

بادشاہ پیچھے ہٹ گیا۔ جلاد نے عنبر پر تیر چلایا۔ بادشاہ نے تیر اندازوں کی طرف حملہ کا اشارہ کیا۔ ایک دم سے پچاس سپاہیوں نے کمانوں میں سے تیر چھوڑے۔ پچاس کے پچاس تیر عنبر کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گر پڑے۔ اب عنبر کی باری تھی۔

اس نے اپنے لبادے کی اندرونی جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ ایک سپاہی کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔

ٹھاہ کی آواز آئی اور گولی سپاہی کے سینے سے پار ہو کر دوسرے سپاہی کو لگی دونوں خون میں لت پت زمین پر گر کر تھوڑا سا تڑپے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔

دربار پر سناٹا چھا گیا۔ سب حیرت اور دہشت سے عنبر اور سپاہیوں کی لاشوں کو تکتے رہے تھے۔

" یہ کیسے ہو گیا؟ یہ کیوں ہو گیا؟"

یہ جملہ ہر ایک کی زبان پر تھا۔ عنبر نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا اور بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

" یہ ہماری دنیا کا ایک معمولی سا ہتھیار ہے۔ ہمارے پاس ایسے ایسے ہتھیار ہیں کہ ہم ایک سیکنڈ میں کتنے ہی سپاہیوں کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔ کیا اب بھی تم ہتھیار نہیں ڈالو گے؟"

بادشاہ نے کہا۔

" ٹھیک ہے۔ ہم جنگ نہیں کرتے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تاج و تخت شہزادے کے حوالے کر دو"

بادشاہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تم لوگ اسے ساتھ لے کر کل آ جاؤ۔ میں تخت اس حوالے کر دوں گا"

اتنا کہہ کر بادشاہ چلا گیا۔ درباری اپنی جگہ کھڑے عنبر تعجب سے تکتے رہے۔

عنبر وہاں سے واپس آ گیا۔ پہاڑی پر آ کر اس نے سار بات ناگ، ملکہ، شہزادی، شہزادے اور ماریا کو بتا دی۔ مار عنبر کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"مجھے اس کی نیت پر شک ہے۔ بادشاہ ضرور کوئی چال والا ہے۔"

عنبر بولا۔

"وہ کیا کر سکتا ہے۔ اس نے میری طاقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اب وہ میرے خلاف کوئی سازش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"تم اس مکار بادشاہ کی باتوں پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ شہر میں جا کر معلوم کرتی ہوں کہ وہ کوئی سازش تو نہیں کر،

"جیسے تمہاری مرضی"

ماریا آدھی رات کو پہاڑی سے اتر کر سیدھا قلعے کے دروازے پر آ گئی۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ چھوٹا دروازہ بھی بند تھا۔ ماریا کسی دوسری جگہ کو تلاش کرنے کے لئے دوسری طرف جانے ہی والی تھی کہ قلعے کا چھوٹا دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سپاہی نکل کر باہر کو گیا۔ ماریا کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ وہ بھی جلدی سے قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

وہ سیدھی بادشاہ کے محل میں آ گئی۔ رات کی خاموشی تھی۔ بادشاہ کی خواب گاہ میں روشنی تھی۔ ماریا خواب گاہ کے دروازے پر آ گئی۔ وہاں سخت پہرہ تھا۔ مگر ماریا کے لئے اندر جانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ جونہی اندر سے ایک کنیز خشک میوؤں کا طشت لئے باہر نکلی ماریا بھی اندر چلی گئی۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ بادشاہ میز پر چمڑے کا نقشہ پھیلائے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا وزیر جنگ اور سپہ سالار بھی اس کے ساتھ تھا۔

ماریا ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے سپہ سالار سے کہا۔

"جس وقت صبح وہ شخص عنبر شہزادے کو لے کر محل میں آئے تمہارا کام یہ ہو گا کہ اژدہ گھونسے والی پہاڑی کے ارد گرد آگ لگا دو۔ یہ آگ اتنی زیادہ ہونی چاہیئے کہ پہاڑ کی چوٹی پر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا ہوا اڑن کھٹولا جل کر راکھ ہو جائے۔"

سپہ سالار نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا بادشاہ سلامت! ہمارے پاس رال یا تیل کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اس کے شعلے سارے کے سارے پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔"

"شاباش!" بادشاہ نے کہا۔

پھر وہ اپنے وزیر جنگ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے خاص تیر انداز سپاہیوں کو چھپا کر رکھو۔ جونہی عنبر شہزادے یا ملکہ کو لے کر محل میں داخل ہو۔ تمہارے سپاہی شہزادے پر تیروں کی بارش کر کے اسے ہلاک کر دیں گے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!"

وزیر جنگ بولا۔

"میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے بادشاہ سلامت۔ میں ابھی خفیہ جگہوں پر اپنے سپاہیوں کو چھپائے دیتا ہوں۔ میرے خاص سپاہیوں کے نشانے اتنے صحیح ہیں کہ وہ اڑتی چڑیا کو تیر مار کر گرا سکتے ہیں۔"

"شاباش!"

پھر بادشاہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ٹہلتے ہوئے بولا۔

"اب دیکھوں گا۔ یہ اڑن کھٹولے والے کس کو میرے

تخت پر بٹھائیں گے؟ میں ان سے ایسا انتقام لوں گا کہ اپنی دنیا ل جا کر ساری زندگی میرے نام سے ڈرتے رہیں گے۔"

بادشاہ نے کہا۔

"میں ان کی ساری جادوگری نکال کر باہر رکھ دوں گا۔ پہلی بار ان کا پالا ایک بہادر اور ہوشیار بادشاہ سے پڑ رہا ہے۔"

ماریا یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کا خیال درست نکلا تھا۔ بادشاہ بڑی خطرناک سازش کر رہا تھا۔ عنبر اور اڑن طشتری کو تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا مگر شہزادے کی زندگی خطرے میں تھی۔ اگر ماریا جاسوسی کرنے وہاں نہ آتی تو یہ لوگ شہزادے کو ضرور ہلاک کر دیتے۔

ماریا بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر نکلی تو اس کا ہاتھ ایک تپائی پر پڑ گیا۔ تپائی پر ایک سونے کا بڑا چراغ دان رکھا تھا۔ وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ بادشاہ۔ سپہ سالار اور وزیر جنگ نے پلٹ کر دیکھا۔

"یہ کس نے گرا دیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

سپہ سالار نے کہا۔

"میرا خیال ہے زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا آیا تھا"

وزیر جنگ نے کہا۔

"ہاں حضور! جھٹکے کو میں نے بھی محسوس کیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بادشاہ بولا۔

"مگر میں نے محسوس نہیں کیا۔ بہرحال! اب تم لوگ جا کر اپنی اپنی تیاری کرو۔ پہاڑی پر صبح صبح ہی آگ لگ جانی چاہیے اور سورج نکلنے تک اڑن کھٹولا مجھے پہاڑی کی چوٹی پر نظر نہیں آنا چاہیے"

سپہ سالار نے مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔

"حضور انور! دن نکلنے کے بعد آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر اڑن کھٹولے کی راکھ اڑتی نظر آئے گی"

بادشاہ نے خوش ہو کر اپنے گلے کا ہار اتار کر سپہ سالار کو دے دیا۔

"شاباش! یہ تیرا پہلا انعام ہے۔ اصل انعام تمہیں پہاڑی والے اڑن کھٹولے کو تباہ کرنے کے بعد ملے گا۔"

سپہ سالار خوش ہو کر باہر نکل گیا۔ اب وزیر جنگ اور بادشاہ دوبارہ چمڑے کے نقشے پر جھک گئے جہاں انہوں نے اس پہاڑی پر لال جھنڈا لگا رکھا تھا جس کی چوٹی پر اڑن طشتری رکی کھڑی تھی۔

ماریا نے قلعے کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ پہرے دار پہرہ دے رہا ہے۔ اب وہ باہر کس طرح سے جائے۔ چابیاں پہرے دار کی جیب میں تھیں۔ ماریا کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ انتظار کر سکتی۔ اس نے پیچھے سے آ کر پہرے دار کی گردن پر ایک ہاتھ مارا۔ پہرے دار منہ کے بل گر پڑا۔ ماریا نے

اس کی جیب سے چابی نکال کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھولا اور باہر آ گئی۔ ڈیوڑھی سے اس نے ایک گھوڑا بھی پکڑ لیا۔ گھوڑے پہ سوار ہو کر وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتی پہاڑی کی چوٹی پہ آ گئی اور ساری سازش عنبر اور ناگ پہ بے نقاب کر دی۔ دونوں بادشاہ کی مکاری پر بڑے حیران ہوئے۔ انہیں سخت غصہ بھی آیا کہ کیسا مکار اور بد دیانت شخص ہے۔ عنبر نے کہا۔

"یہ شخص اپنی موت کو آوازیں دے رہا ہے ناگ بھائی! اس کا کوئی علاج نہیں ہے"

ناگ بولا۔

"ان کے سپاہیوں کو آگ کا سامان لے کر آنے دو۔ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیدی ملکہ

●

آدھی رات کے بعد پہاڑی کے ارد گرد اچانک آگ بھڑک اٹھی۔

آگ کے شعلے ابھی پہاڑی کے دامن میں تھے۔ ناگ نے ان شعلوں کو دیکھ کر عنبر سے کہا۔

"کم بخت سپہ سالار نے آگ کا کھیل شروع کر دیا ہے۔"

ملکہ، شہزادی اور شہزادہ بھی اپنے کمرے کے سوراخوں میں سے پہاڑی کے دامن میں بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھنے لگے۔ ملکہ پریشان ہو گئی۔ اسے وہم ہو گیا تھا کہ یہ آگ اڑن طشتری کو ان کے ساتھ ہی جلا ڈالے گی۔ ماریا نے عنبر کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"اب ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ وقت آ گیا ہے کہ اس بدکردار مغرور بادشاہ ڈوسار کو سبق سکھایا جائے۔"

عنبر نے بٹن دبا کر اڑن طشتری کو پہاڑی سے اوپر اٹھا لیا۔ اڑن طشتری میں بیٹھے ہوؤں نے دیکھا کہ پہاڑی کے اردگرد رال

چھینک کر آگ لگائی گئی تھی۔ عنبر اڑن طشتری کو پہلے اوپر لے گیا جب وہ اڑن طشتری کو نیچے سپہ سالار کے سر کے اوپر لے آیا سپہ سالار نے بھاگنے کا حکم دیا مگر اڑن طشتری سے بچ کر وہ کہاں بھاگ سکتے تھے۔ اسمیں سے بنفشی شعاعیں نکلیں اور دھماکہ ہوا۔ اسکے بعد زمین پر سوائے راکھ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

اڑن طشتری نے وادی کا ایک چکر لگایا اور قلعے کے اوپر آ گئی۔ قلعے کے اندر شاہی محل میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اڑن طشتری میں سے شعاعیں نکلیں اور قلعے کے دروازے پر پڑیں۔ اچانک ایک دھماکا ہوا اور قلعے کا دروازہ بھسم ہو کر رہ گیا۔ کئی سپاہی جو وہاں پہرہ دے رہے تھے ہلاک ہو گئے۔ اب اڑن طشتری نے محل کے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے۔ محل کے اوپر دائیں جانب چھت پر ایک بارہ دری تھی جہاں بادشاہ نے اپنا ایک تخت بچھا رکھا تھا۔ یہاں وہ بیٹھ کر گرمیوں کی راتوں کو دربار لگایا کرتا تھا۔

طشتری میں سے ایک شعاع نکلی اور یہ بارہ دری غائب ہو گئی۔

شہر میں شور مچ گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی کہ قیامت آ گئی ہے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اڑن طشتری نے محل کے ایک اور کمرے کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ایک فوجی بارک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھیوں کے لیے گھاس جمع کر کے رکھی گئی تھی۔

اڑن طشتری نے اس کو بھی آگ لگا دی۔ اب طشتری شہر کے اوپر چکر لگا رہی تھی۔

اتنے میں دن نکل آیا۔ طشتری لوگوں کے مکانوں کے اوپر نیچی پرواز کرتے گزر جاتی۔ لوگ سجدوں میں گر پڑے۔ دیوتاؤں کو یاد کرنے لگے اور رونے لگے۔

شاہی بت خانہ قلعے کی دائیں جانب ٹیلے پر تھا۔

اڑن طشتری نے اب اسے نشانہ بنایا۔ شعاع پڑتے ہی بت خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ لوگوں نے جب اپنے دیوتاؤں کو جل کر راکھ ہوتے دیکھا تو ان کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ گھروں سے نکل کر محل کے آس پاس جمع ہو گئے اور بادشاہ سے فریاد کرنے لگے کہ اڑن کھٹولے والوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔

بادشاہ بھی خوف زدہ ہو گیا تھا۔

وہ بھی شاہی محل سے باہر آ گیا۔ اس نے دوبارہ محل پر کھڑے ہو کر صلح کا سفید جھنڈا لہرا دیا۔ عنبر نے اس جھنڈے کو دیکھا تو مسکرا کر ناگ سے کہا۔

"بادشاہ سیدھی راہ پر آ گیا ہے۔"

ناگ بولا۔

"وہ بڑا مکار ہے۔ ہم اسے ہرگز معاف نہیں کریں گے۔"

شہزادے نے کہا۔

"وہ دل سے ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس نے ڈر کر ہار مانی ہے۔"

عنبر بولا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا پورا پورا بندوبست کر دیا جائے گا۔"

اڑن طشتری محل کی چھت پر اتر آئی۔

اس میں سے عنبر، ناگ، شہزادہ، شہزادی اور ملکہ نکل کر باہر آ گئے اور بادشاہ نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا۔

"میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں اور تخت شہزادے اور ملکہ کے حوالے کرتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ سب ٹھیک ہے مگر تمہیں جلا وطن ہونا پڑے گا۔ اگر تم جلا وطنی منظور نہ کرو گے تو پھر تمہیں خودکشی کرنی ہوگی۔ بولو۔ تمہیں دونوں میں سے کون سی سزا پسند ہے؟"

بادشاہ کانپ اٹھا۔ وہ پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اب کوئی راستہ فرار کا نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں جلا وطن ہونے کو زیادہ پسند کروں گا۔"

اسی روز تخت اور تاج شہزادے کو دے دیا گیا۔ رات

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اگلے روز عنبر ناگ اور ماریا نے اجازت لی۔ بادشاہ کو اڑن طشتری میں بٹھایا اور اس شہر سے چل دیئے۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ بادشاہ کو کسی دور دراز علاقے میں چھوڑ دے گا جہاں سے وہ ساری زندگی دوبارا اس شہر کا رخ نہ کر سکے۔ دو روز کے سفر کے بعد انہیں شاید قطب شمالی کے علاقے میں ایک برف پوش جزیرہ دکھائی دیا۔ بادشاہ کو اس جزیرے میں اتار کر اڑن طشتری آگے روانہ ہو گئی۔

تین راتیں تین دن تک آسمانوں میں سیر کرنے کے بعد چوتھے روز اڑن طشتری ایک ایسے سمندر کے اوپر پہنچی جس کا پانی گہرا نیلا تھا اور جہاں کئی ایک ہرے بھرے جزیرے تھے۔ ان میں ایک جزیرے میں وادی کی شکل ایک پیالے کی طرح بنی ہوئی تھی اور درمیان میں ایک بہت اونچا پہاڑ کھڑا تھا۔

عنبر نے سکرین پر پہاڑ کو دیکھا اور کہا۔

"راکٹ کو پہاڑ کے اوپر لاؤ۔"

اڑن طشتری پہاڑ کے اوپر آئی تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر چوٹی میں ایک گہرا اور چوڑا شگاف ہے جس میں سے سرخ سرخ آگ بہت نیچے دہک رہی ہے اور ہلکا ہلکا

دھواں بھی اٹھ رہا ہے۔ عنبر نے جلدی سے کہا

"یہ تو یو پی کا شہر ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس نے آج سے کئی ہزار برس پہلے پھٹ کر اس شہر کو راکھ میں ملا کر تباہ کر دیا تھا۔"

ناگ نے کہا۔

"بالکل وہی پہاڑ ہے۔ اور شہر کو دیکھو۔ ساری وادی میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تو پرانا یو پی آئی کا شہر ہے۔"

ماریا بھی دلچسپی سے سکرین پر پہاڑ کو دیکھنے لگی جو آتش فشاں پہاڑ تھا اور جس کے شگاف میں آگ بہت نیچے تھی۔ یہ آگ کئی سو سالوں سے دھیمے دھیمے سلگ رہی تھی، پہاڑ کبھی نہیں پھٹا تھا۔ دن ابھی نہیں نکلا تھا۔ یو پی آئی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔ سارے شہر پر اندھیرا پھیلا تھا۔ صرف شہر کی فصیل میں جو چار دروازے تھے ان کے اوپر ایک ایک مشعل جل رہی تھی۔ شہر کے دروازے بند تھے اور پہرہ لگا تھا۔

اڑن طشتری کو کسی نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی آواز بند کر دی گئی تھی اور روشنیاں بھی بجھا دی گئی تھیں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔

ناگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے ابھی یہ پہاڑ پھٹا نہیں ہے"

عنبر بولا۔

"ہاں۔ ابھی نہیں پھٹا۔ جب ہی تو سارے کا سارا شہر آباد ہے۔"

ماریا نے ایک کمپیوٹر کو چالو کر دیا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس پہاڑ کو پھٹنے میں ابھی کتنے سال باقی رہتے ہیں"

کمپیوٹر نے ایک دو سیکنڈ کے اندر اندر ایک کارڈ نکال کر سامنے ڈال دیا۔

ماریا نے کارڈ اٹھا کر پڑھا اور پھر عنبر کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی دلچسپ خبر ہے۔ لو خود پڑھ لو"

عنبر اور ناگ نے کارڈ پڑھنا شروع کیا تو اچھل کر رہ گئے۔ کارڈ پر لکھا تھا۔

"پومپیائی۔ پہاڑ آتش فشاں۔ لاوے کا دباؤ ایک لاکھ پونڈ فی انچ مکعب۔ پھٹنے میں صرف ایک ماہ باقی ہے"

ناگ نے جلدی سے کہا۔

"کیا؟ گویا ایک مہینے بعد یہ پہاڑ پھٹ کر اس سارے شہر کو تباہ کر دے گا؟"

عنبر بولا۔

"کمپیوٹر نے یہی بتایا ہے"

ماریا بولی۔

"یہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"ہمیں اس شہر میں اتر کر لوگوں کو بتا دینا چاہیے کہ یہاں سے چلے جائیں، یہ آتش فشاں پھٹنے کر ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا یہ قدرت کے معاملات میں دخل اندازی تو نہیں ہو گی؟ میرا مطلب ہے اس طرح سے کہیں ہم تاریخ کے واقعات کی زنجیر کو خراب تو نہیں کر دیں گے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ناگ نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"تاریخ میں یہ واقعہ ایک بار ہو گیا ہے کہ اس پہاڑ نے پھٹ کر اس شہر کو تباہ کر دیا تھا۔ جس زمانے سے ہم آئے ہیں وہاں اس شہر کے کھنڈرات برآمد ہو چکے ہیں۔ تو اب اگر ہم نے اس شہر کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی تو تاریخ کی کڑیوں کو پریشان کرنے والی بات ہو گی جس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاریخ کا دھارا تہس نہس ہو جائے گا“

عنبر نے کہا۔

”ٹھیک ہے مگر انسانوں کی جانیں تو بچ جائیں گی“

ناگ بولا۔

”مگر جو لوگ اس زمانے میں مر گئے تھے انہیں آپ کس طرح سے زندہ کریں گے؟“

عنبر نے کہا۔

”وہ تاریخ کے صفحات پر مرے تھے۔ اب تو زندہ ہیں“

ماریا بولی۔

”میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو آنے والے خطرے سے خبردار کر کے کچھ نہ کچھ لوگوں کی جانیں تو بچا سکتے ہیں“

ناگ نے کہا۔

”ہم کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کریں گے اور یوں تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا“

ماریا نے کہا۔

”ہم کوشش ضرور کریں گے۔ جتنے لوگ بھی ہماری بات مان کر جان بچا لیں اتنا ہی اچھا ہے“

عنبر نے کہا۔

”یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں مگر اس وقت یہ بتاؤ کہ ہم اپنے راکٹ کو کس مقام پر اتاریں؟“

ناگ نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس وادی میں تو کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ ویسے بھی یہاں اندھیرا ہے“

ماریا مسکرا کر بولی۔

”اگر آتش فشاں پہاڑ پر اتار دیں تو کیا خیال ہے؟“

عنبر بھی ہنسا۔

”مجھے تو کچھ نہیں ہو گا۔ تم لوگ اپنی خیر مناؤ“

وہ اڑن طشتری کو کچھ اوپر لے گئے۔ شہر پوپی آئی کے باہر آگے جا کر سمندر تھا۔ سمندر پہ ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں انہیں کئی ایک چٹانیں دکھائی دیں جو سمندر میں سے نکلی ہوئی تھیں۔

”میرا خیال ہے ان چٹانوں میں ضرور کوئی ایسی جگہ مل جائے گی جہاں ہم اپنی اڑن طشتری اتار سکیں گے“

”اچھا خیال ہے“ ماریا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناگ اور عنبر کی نگاہیں سکرین پر تھیں۔ چھوٹی چھوٹی نوکدار چٹانیں سمندر میں سے ابھر کر دور تک چلی گئی تھیں۔ آخر انہوں نے ایک جگہ پسند کر لی۔ یہ دو چٹانوں کے درمیان خشکی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ٹکڑا تھا جو چٹانوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔

"یہ جگہ ٹھیک رہے گی۔ دن نکلنے والا ہے۔ میں یہاں اڑن طشتری اتارنے لگا ہوں"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے ہتھالی دبا کر پیچھے کو کر لی۔ اڑن طشتری نے بائیں پہلو پر جھک کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ پھر وہ ڈھلتی رات کے اندھیرے میں سمندر کے درمیان دو چٹانوں کے بیچ سنگلاخ زمین پر آ کر ٹک گئی۔ مشین بند کر دی گئی۔ ناگ نے کمپیوٹر سے موسم کا حال پوچھا۔ کمپیوٹر نے بتایا کہ باہر موسم خوشگوار ہے۔ نہ گرمی ہے نہ سردی ہے۔ کمپیوٹر نے پورا پورا ٹمپریچر بھی بتا دیا۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور نیلے سمندر پر صبح کی روشنی پھیل گئی۔ عنبر، ناگ اور ماریا اڑن طشتری سے باہر آ گئے۔ انہوں نے تازہ فضا میں گہرا سانس لیا۔ ہوا میں سمندر کی نمی تھی۔ سمندر کا رنگ نیلا تھا۔ اس کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا کر جھاگ پیدا کر رہی تھیں۔

"اب یہاں سے خشکی پر کیسے جائیں گے؟" ماریا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"یہ چٹانوں کا سلسلہ ضرور خشکی تک جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم سب کو یہاں سے نہیں جانا چاہیئے"

ناگ بولا۔

"میں شہر میں جا کر پتہ کرتا ہوں کہ وہاں کس کی حکومت ہے اور کون لوگ رہتے ہیں"

ماریا نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے ہم دونوں کو اسی جگہ رہنا چاہیئے اور ک جا کر حالات معلوم کرے"

ناگ نے کہا۔

"میرا بھی یہی مشورہ ہے"

ماریا بولی۔

"لیکن میں تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ پھر میرے جانے سے بلا کیا فرق پڑے گا؟"

عنبر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی تم کسی خطرے میں پھنس تی ہو۔ ناگ تو کبوتر بن کر بھی اڑ سکتا ہے تم کیا کرو گی؟"

ماریا لاجواب سی ہو گئی۔ مگر اس کا دل اس نئے شہر کی رکو بے حد چاہ رہا تھا۔ اس نے دل میں طے کر لیا کہ ضرور سیر کرنے جائے گی۔ اور کسی کو نہیں بتائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"تم شہر جا کر معلوم کرو کہ یہاں کس قسم کے لوگ رہتے ہیں اور کون سا بادشاہ حکومت کر رہا ہے۔ یہ ساری خبریں جتنی جلدی ہو سکے مجھے لا کر دو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے"

"میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا"

یہ کہہ کر ناگ چٹانوں کے بیچ میں سے چلتا ہوا سمندر کے کنارے پر آ گیا۔ اس کا لباس عام رومن شہری کی طرح تھا۔ صورت سے یہی لگتا تھا کہ وہ ایک مسافر ہے کسی رومن شہر اور وہاں سیر و سیاحت کے لئے آیا ہے۔ دور سے شہر کی اور اس کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ یہ شہر وادی میں تھا اور آ فشاں پہاڑ کے بالکل دامن میں تھا۔

ناگ سوچ رہا تھا کہ ایک ماہ بعد جب آتش فشاں پہاڑ پھٹے گا تو شہر تو سارے کا سارا کھولتے ہوئے لاوے میں ڈوب جائے گا۔ وہ اس خیال سے کانپ اٹھا کہ اس دہکتے لاوے میں کے بچے بوڑھے اور عورتیں بھی بھسم ہو جائیں گی۔ اس نے دل میں سوچ لیا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے یہاں کے لوگوں کو آنے والے خطرے سے خبردار کرنے اور تباہی سے بچانے کی کوشش کرے گا۔

دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی خوشگوار گرمی تھی۔

سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

شہر کا دروازہ کھلا تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ بڑے جوان، اور صحت مند لوگ تھے عورتوں کے زیادہ تر بال سنہری اور آنکھیں نیلی تھیں۔ بچے بھی گورے گورے اور خوبصورت تھے۔ ناگ شہر میں داخل ہو گیا۔ دو تین آدمیوں اور عورتوں نے ناگ کو ذرا تعجب سے دیکھا۔ کیونکہ ناگ ذرا سانولے رنگ کا تھا اور اتنا خوبصورت نہیں تھا۔ ناگ شہر کے ایک باغ میں آ گیا۔ یہاں بچے کھیل رہے تھے۔ کچھ نوجوان ورزش کر رہے تھے۔ سرو کے درختوں کے پاس سنگ مرمر کی بنچ پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔ نوجوان اس کے سامنے گھاس پر بیٹھے تھے اور وہ انہیں درس دے رہا تھا۔

شہر کے درمیان میں بادشاہ کا محل تھا۔ بڑا خوبصورت محل تھا۔ چار برج تھے جن پر سونے کا پانی چڑھا تھا۔ یہ برج دھوپ میں چمک رہے تھے۔ بازار چوڑے تھے سڑکیں پتھر کی بنی تھیں۔ رتھ اور ریڑھے گزر رہے تھے۔ ایک امیر آدمی کو غلام تخت پر اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ اس آدمی نے اپنے سر پر سونے کے پتوں کی زیتون کی شاخ باندھ رکھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک چوک میں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ناگ آگے ہوا ت چلا کر ایک شخص سانپوں کا تماشہ دکھا رہا ہے۔ جونہی نا آگے بڑھا۔ سانپ اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گئے۔ انہوں اپنی گردنیں زمین کے ساتھ لگا دیں۔ سپیرے نے بین بجا کر انہیں اٹھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو ناگ کو معلوم تھا کہ سانپ اس کی وجہ سے سر نہیں اٹھا وہ سپیرے کا کھیل خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پس وہ آ بڑھ گیا۔

ایک جگہ فٹ پاتھ پر لکڑی اور پتھر کے بنچ رکھے تھ لوگ وہاں بیٹھے شربت وغیرہ پی رہے تھے۔ مزدور کاٹ رہے تھے۔ اچانک بازار میں ایک طرف سے شور لوگ بھاگ کر سڑک کے کنارے ہو گئے۔ ناگ نے ای آدمی سے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اس آدمی نے کہا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مصر کی ملکہ افروشی کو زنجیروں می کر قلعے کو لے جایا جا رہا ہے؟"

معلوم ہوا کہ رومن بادشاہ نے مصر کے ایک شہر کو کر کے وہاں کی حکمران ملکہ افروشی کو قید کر لیا ہے اور

ات قلعے کی طرف لے جایا جا رہا ہے جہاں اسے بھوکے شیر کے آگے ڈالا جائے گا۔ رومن بادشاہ بڑے ظالم ہوا کرتے تھے اور اپنے دشمنوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال کر خود ان کی دردناک موت کا تماشہ دیکھا کرتے تھے ناگ بھی سڑک سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں رومن فوج کا ایک آہن پوش دستہ نمودار ہوا۔ آگے آگے رومی سپاہی تھے جنہوں نے نیزے اٹھا رکھے تھے۔ ڈھالیں کندھوں پر تھیں۔

ان کے پیچھے پیدل ایک دستہ تھا۔ درمیان میں ایک لوہے کا بڑا سا پنجرہ ریڑھے پر لادا گیا تھا جس میں ایک نازک سی خوبصورت ملکہ زنجیروں میں جکڑی بند تھی۔ یہ مصر کی ملکہ افروشی تھی۔ اس کے سیاہ بال کھلے تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ناگ کے قریب سے ملکہ کا پنجرہ گذرا تو ناگ نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔ مصر کی ملکہ کے چہرے پر غم کے گہرے بادل چھا رہے تھے۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

ناگ کو بڑا غصہ آیا کہ یہ رومن بادشاہ کس قدر ظالم ہے! اور اس نے دل میں ملکہ کی زندگی بچانے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ وہ جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر قلعہ کس مقام پر ہے تاکہ رات کو وہاں آ کر ملکہ کو بچانے کا کوئی بندوبست کر سکے۔ قلعہ ایک ٹیلے پر تھا۔ رومی سپاہی قیدی ملکہ کو لے کر قلعے میں داخل ہو گئے۔

ناگ وہاں سے واپس آ گیا۔ سمندر کے کنارے آ کر وہ چٹانوں کی طرف چل پڑا۔

ماریا اور عنبر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ناگ نے جا کر ساری باتیں انہیں بیان کر دیں اور کہا کہ شہر پہ ایک ظالم رومی بادشاہ حکمران ہے اور خاص بات یہ ہے کہ کل ایک ایسی بے گناہ عورت کو بھوکے شیر کے آگے ڈالا جائے گا جو مصر کی ملکہ ہے۔ مصر عنبر کا وطن تھا۔ اس نے یہ سنا تو وطن کی محبت سے دل مچل اٹھا۔ بولا۔

"میں اپنے وطن کی بے گناہ ملکہ کو ضرور بچاؤں گا یہ ظالم لوگ میرے وطن کی ایک ملکہ کو قتل نہ کر سکیں گے"

ناگ نے کہا۔

"یہ فیصلہ میں بھی کر چکا ہوں۔ تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو۔ میں خود ملکہ کو لے کر یہاں آ جاؤں گا"

عنبر نے کہا۔

"تم اکیلا یہ کام شاید نہ کر سکو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا"

ناگ ہنسا۔

"میرے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی کافی ہوں گا۔ تمہیں ساتھ جانے کی ضرورت نہیں"

عنبر بولا۔

"ارے بھئی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا"

"جیسے تمہاری مرضی!"

جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو عنبر نے ماریا کو راکٹ میں ہی ٹھہرے رہنے کی تاکید کی اور ناگ کو ساتھ لے کر راکٹ سے نکل کر چٹانوں میں سے گزرتا سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ دونوں دوست شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ ٹھیک آدھی رات کے وقت شہر کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ آدھی رات سے پہلے پہلے ملکہ مصر کو قید سے چھڑا کر شہر سے فرار ہو جانا چاہتے تھے۔ لیکن جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے شہر کے دروازے اس روز جلدی بند کر دیئے گئے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"اب کیا کریں۔ اس بدبخت بادشاہ نے تو شہر کا دروازہ بند کروا دیا ہے"

عنبر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کسی دوسرے طریقے سے اندر جانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ صرف آج کی رات ہے۔ صبح تو ملکہ کو شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا"

دونوں شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ فصیل کافی اونچی تھی اور کسی جگہ اوپر جانے کو راستہ نہیں تھا۔ کم بخت کہیں سے ایک اینٹ بھی اکھڑی ہوئی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا

"ناگ! تم نے تو قلعہ دیکھا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ تاکہ ہم اس جگہ جا کر رکیں جہاں قلعہ نزدیک ہو"

ناگ عنبر کو لے کر شہر کے جنوبی علاقے میں آ گیا۔ پھر ایک جگہ رک کر بولا۔

"یہاں سے قلعہ بالکل سامنے ہے۔ وہ ٹیلہ یہاں سے قریب ہی ہے جس پر قلعہ واقع ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"بس اسی جگہ سے ہم فصیل کی دیوار پھاندنے کی کوشش کریں گے۔"

ناگ نے اوپر دیکھا۔

دیوار کافی اونچی تھی۔ اس نے کہا۔

"صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میں اڑ کر دیوار کی دوسری طرف جاتا ہوں اور وہاں سے تمہیں اوپر کھینچنے کا کوئی جتن

کرتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"مگر میرے دوسری طرف جانے اور دیوار پھاندنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کسی طرح ملکہ کو نکال لاؤ۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ ہنسا۔

"میں تو یہی کہہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ تو آنے کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال ہو سکتا ہے کوئی مصیبت پڑ جائے۔ اس لئے تم اسی جگہ ٹھہرو۔"

عنبر نے کہا۔

"بھائی وقت بہت کم ہے۔ جلدی سے دیوار کی دوسری جانب جاؤ۔ خدا جانے آگے کیا مشکلات پیش آئیں۔ زیادہ دیر نہ لگاؤ"

"بس جا رہا ہوں بھائی!"

اتنا کہہ کر ناگ پرندہ بن کر اڑا اور دیوار کی دوسری جانب سے ہو کر اڑتا ہوا شاہی قلعے کے اندر پہنچ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ ساتھ کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ جہاں دو ایک جگہوں پر وردی سپاہی نیزے تھامے پہرہ دے رہے تھے۔ کچھ پتہ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چل رہا تھا کہ ملکہ کس مقام پر قید کر کے رکھی گئی ہے۔ اچانک عنبر نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک طشت تھا جس میں قینچی رکھی تھی اور درمیان میں موم بتی جل رہی تھی۔

ناگ کو یہ کچھ عجیب سا لگا۔ وہ سپاہی کے اوپر اڑنے لگا۔

ایک سپاہی قریب سے گزرا تو پہلے سپاہی نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ وہ ملکہ مصر کے سر کے بال کاٹنے جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کی بیوی کو کسی نجومی نے کہا ہے کہ اگر وہ کسی ایسی عورت کے بال کاٹ کر قبرستان میں دفن کر دے جس کو پھانسی ملنے والی ہو تو اسکے گھر لڑکا پیدا ہو گا۔ دوسرا سپاہی ہنسا۔

"پھر تو تمہارے پوڑ بارہ ہیں یار! اب تو ضرور لڑکا پیدا ہو گا"

"دیوتاؤں کو منظور ہوا تو"

سپاہی آگے بڑھا تو ناگ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسے ملکہ مصر کے پاس جانے کا سراغ مل گیا تھا۔

* * *

رومن درندے

قلعے کی دیوار کے کونے میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں یہاں دو سپاہی نیزے لئے کھڑے تھے۔ طشت والا سپاہی ان سے بھی دو ایک باتیں کر کے سیڑھیاں اتر گیا۔ ناگ نے دیوار پر بیٹھ کر سانپ کی شکل اختیار کی اور رینگتا ہوا نیچے آگیا اور دیوار کے پیچھے سے ہو کر سیڑھیاں اتر گیا۔

سیڑھیاں ٹھنڈے اور تاریک برآمدے میں چلی گئی تھیں۔ یہاں فضا میں نمی تھی اور ٹھنڈک تھی۔ دور روشنی سی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ وہی سپاہی تھا جو طشت میں موم بتی جلائے قیدی ملکہ کے بال کاٹنے جا رہا تھا۔ سانپ رینگتا ہوا سپاہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ اندھیرا راستہ ایک لکڑی کے دروازے کے آگے جا کر ختم ہو گیا۔

اس دروازے میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ دروازے کے باہر ایک اونچا لمبا رومن پہرہ دے رہا تھا۔ ڈھال اس کے کندھے پر تھی اور ہاتھ میں نیزہ تھا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے زمین پر تنکا رکھا تھا۔ دروازے پر ایک مشعل جل رہی تھی۔ سپاہی نے پہرے دار سے کوئی بات کی۔ رومی سپاہی نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو ساتھ ہی ناگ بھی سانپ کی شکل میں اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ باہر کی مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس روشنی میں سانپ نے دیکھا کہ وہی نازک سی خوبصورت ملکہ مصر کونے میں بیٹھی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال اس کے کندھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ ملکہ نے سپاہی کو دیکھا تو اپنی مصری زبان میں کہا۔

"کیا میرا وقت پورا ہو گیا ہے! میں مرنے کے لئے تیار ہوں"

رومی سپاہی نے کہا۔

"نہیں ملکہ! ابھی نہیں۔ تمہیں صبح ہونے سے ذرا پہلے شیروں کے آگے ڈالا جائے گا۔ میں تو صرف تمہارے سیاہ لمبے بال کاٹنے آیا ہوں"

ملکہ نے کہا۔

"بے شک کاٹ لو۔ اب میرے یہ بال میرے کسی کام کے نہیں"

سانپ نے یہ ساری باتیں سنیں تو دل میں سوچا کہ اتنی پیاری ملکہ کے اتنے خوبصورت لمبے بال ہرگز نہیں کاٹے جانے

چاہئیں۔ وہ پتھریلے فرش پر رینگتے ہوئے سپاہی کے پاس گیا اور بڑے آرام سے اس کی پنڈلی پر ڈس کر اس کے اندر صرف اتنا زہر ڈالا کہ وہ دو تین گھنٹے تک بے ہوش رہے۔ رومن سپاہی کا سارا جسم ایک دم سن ہو گیا اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

اسے گرتا دیکھ کر ملکہ ڈر کر پرے ہٹ گئی۔ باہر پہرہ دیتے ہوئے رومن سپاہی نے آواز سنی تو جلدی سے اندر آ گیا اور جھک کر بے ہوش سپاہی کو تکنے لگا۔ "اسے کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے ملکہ سے پوچھا اور پھر جیل کی کوٹھڑی میں ادھر ادھر تکنے لگا۔ سانپ کونے میں چھپا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ملکہ کو یہاں سے نکالنے کے لئے اس رومن پہرے دار کو بے ہوش کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ بس وہ پیچھے سے آیا اور پہرے دار کو بھی ڈس دیا۔ وہ بھی پہلے والے سپاہی کے اوپر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب تو ملکہ پریشان ہو گئی۔ وہ اٹھ کر کونے میں جا گی۔ سامنے قید کا دروازہ کھلا تھا۔ مگر وہ باہر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ کمزور تھی اور باہر قلعے میں جگہ جگہ پہرہ لگا تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سانپ باہر نکل گیا اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راہداری میں جا کر اس نے انسان کی جون بدلی۔ وہ ملکہ کے سامنے ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس خیال سے کہ وہ ڈر نہ جائے۔ اندر آکر اس نے ملکہ سے کہا۔

"ملکہ! جلدی کرو میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔"

ملکہ مصر نے حیرت سے ناگ کو دیکھا اور بولی۔

"تم ——— تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"میں کون ہوں؟ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ تم اس وقت میرے ساتھ یہاں سے چلو"

ناگ نے ملکہ کو ساتھ لیا اور کال کوٹھڑی سے باہر نکل کر راہداری میں آگیا۔ یہاں سے گزرتے ہوئے وہ دوسرے دروازے پر آگئے۔ یہاں باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے ملکہ کو ایک طرف اندھیرے میں کھڑا کیا اور کہا۔ "ملکہ! یہاں کھڑی رہو۔ میں ابھی آتا ہوں"

وہاں اندھیرا تھا۔ ناگ جلدی سے دوسری طرف نکل کر سانپ بن کر دیوار پر رینگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ دونوں پہرے دار کچھ پریشان تھے کہ سپاہی کو اندر گئے دیر ہو گئی ہے وہ واپس کیوں نہیں آیا؟ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی اور بھوک کے شیروں کو پنجروں سے کھینچ کر

قلعے کے میدان میں اس جگہ لایا جا رہا تھا جہاں انہیں ملکہ مصر پر چھوڑا جانا تھا۔ شیروں کی گرج دار آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ ملکہ مصر کا دل ان کی گرج اور بھوک کی دھاڑیں سن کر لرز رہا تھا۔

سانپ نے اس دوران میں ایک سپاہی کو ڈس کر گرا دیا۔ دوسرا پہرے دار اس کو دیکھنے کے لئے جھکا تو سانپ نے اسے بھی ڈس دیا۔ اب میدان صاف تھا۔ سانپ نے دوبارہ انسان کی جون بدلی اور جلدی سے ملکہ کے پاس آکر بولا۔

"آؤ ملکہ ——— جلدی"

ملکہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ناگ ملکہ کو لے کر قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا فیل خانے کے عقب میں آگیا یہاں ہاتھیوں کو باندھنے کے لئے رسے پڑے تھے۔ ناگ نے ایک رسے کا گچھا اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور ملکہ کو لے کر قلعے کی فصیل پر اس جگہ آگیا جہاں دوسری طرف عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے رسے کو فصیل کے برج کے ساتھ باندھ دیا اور پھر ملکہ سے کہا۔

"شاید تم یہ کام نہ کر سکو۔ مگر تمہیں اس رسے کی مدد سے ہی نیچے اترنا ہو گا۔"

ملکہ نے نیچے جھک کر دیکھا۔ نیچے اندھیرے میں سے ایک نوجوان ہاتھ ہلاتا دکھائی دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کون ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ ہمارا ساتھی ہے۔ گھبراؤ نہیں اور جلدی سے نیچے اترنا شروع کر دو۔ رومن سپاہی آ گئے تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔"

ملکہ ڈر رہی تھی۔ اس کی ساری زندگی شاہی محل میں گزری تھی۔ وہ کبھی رستے سے نہیں اتری تھی۔ مگر شیروں کے آگے پڑنے سے بہتر تھا کہ وہ رسی سے اترتے ہوئے گر پڑے۔ ملکہ نے رسے کو تھاما اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔ ناگ نے اوپر سے رسے کو تھام رکھا تھا۔ تاکہ وہ دیوار کے ساتھ نہ ٹکرائے۔ آخر ملکہ نیچے اترنے میں کامیاب ہو گئی۔

عنبر نے ملکہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ابھی ناگ نیچے اترنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی گردن میں رسی کی کمند ماری اور وہ فصیل سے لڑکھڑایا۔ اگر اسی وقت ناگ سنبھل کر اپنی جون نہ بدلتا تو وہ گر کر ہلاک ہو چکا ہوتا۔ نیچے کھڑے رومن سپاہیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی شخص ملکہ کو فرار کروانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ بھاگ کر قلعے کی فصیل کے پاس آ گئے ....

.... تو انہوں نے ناگ کو فصیل کے اوپر دیکھا۔ اسی وقت اس پر کمند پھینک دی گئی جو ناگ کے گلے میں جا پڑی۔

نیچے کھڑے رومن سپاہیوں نے شور مچا دیا کہ اسے پکڑ لو۔ ر جانے نہ پائے۔ ابھی انہوں نے رسی کھینچی ہی تھی کہ کمند میں سے ناگ غائب ہو گیا۔ اور رسی نیچے گر پڑی۔ ے سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے۔ ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

ں نے کمند سے نکل کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی ہے۔ باہر جا کر پکڑ لیا جائے۔ ملکہ بھی اس کے ساتھ ہی ہو گی"

پاہی گھوڑوں پر سوار دروازے کی طرف دوڑے۔ مگر ناگ عقاب بن کر ان سے پہلے عنبر کے پاس پہنچ گیا تھا جو رومن ں کے ہوشیار ہو جانے اور ان کا شور سننے کی وجہ سے ملکہ لے کر ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ناگ نے عقاب انسان کی شکل بدل لی تھی۔

کم بختوں کو پتہ چل گیا ہے"

اگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

'وہ قلعے سے گھوڑوں پر سوار باہر آ رہے ہیں۔ فکر کی کوئی نہیں۔ ہم اسی جگہ چھپے رہیں گے"

'مگر کب تک عنبر۔ جو دن نکل آیا تو ہمارا اڑن طشتری تک مشکل ہو جائے گا"

'دیکھا جائے گا۔ اس وقت بھی ملکہ کی جان خطرے میں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر ہم نے بھاگنے کی کوشش کی تو رومن تیر اندازوں کا ایک ہی تیر ملکہ کو ہلاک کر سکتا ہے اور تم بھی زخمی ہو سکتے ہو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسی جگہ چھپ کر وقت کا انتظار کیا جائے "

رات کا پچھلا پہر تھا۔ مشرق سے زرد زرد چاند ابھرنے لگا۔ جس کی ہلکی زرد روشنی پھیل گئی۔ عنبر ناگ اور ملکہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ملکہ پریشان تھی۔ کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اگرچہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھی مگر ابھی اس کی زندگی خطرے سے باہر نہیں ہوئی تھی۔

رومی سپاہیوں کا ایک دستہ قلعے سے نکل کر ارد گرد کے جنگل میں پھیل گیا۔ انہوں نے جھاڑیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کمانڈر نے بلند آواز میں کہا۔

" وہ لوگ ابھی دور نہیں گئے ہوں گے۔ ضرور اسی جگہ کہیں چھپے ہوں گے۔ انہیں تلاش کرو۔"

رومن سپاہی نیزے اور تلواریں لے کر جھاڑیوں اور درختوں میں گھس گئے۔ گھوڑوں نے اپنی ٹانگوں سے جھاڑیوں کو تباڑنا شروع کر دیا۔ اب تو عنبر اور ناگ بھی کچھ گھبرائے کہ کم بخت یہ تو سر پہ ہی پہنچ گئے ہیں۔ رومی سپاہی قریب آ رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں میں نیزے مار رہے تھے اور بلند آواز میں باتیں بھی

ر رہے تھے۔ ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ملکہ نے کہا۔

"میری قسمت میں تو موت لکھی ہی تھی۔ آپ لوگوں نے اپنی زندگیاں کیوں خطرے میں ڈالیں؟"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! ہم جو کچھ کر رہے ہیں اپنی مرضی سے کر رہے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

ناگ نے ملکہ سے کہا۔

" ابھی شاید تم اپنی زندگی کا سب سے عجیب و غریب منظر دیکھو گی۔ مگر تمہیں خاموش رہنا ہو گا اور ڈر کر چیخ نہیں مارنی ہو گی۔ کیا وعدہ کرتی ہو؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ناگ نے کہا۔

" میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تم دیکھو کہ میں ہاتھی بن گیا ہوں تو ہرگز ہرگز ڈر کر چیخ نہیں مارنی ہو گی۔ کیا وعدہ کرتی ہو کہ تم گھبراؤ گی نہیں؟"

ملکہ نے سمجھا کہ موت کو سامنے دیکھ کر یہ شخص دیوانہ ہو گیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ بولی۔

"نہیں گھبراؤں گی"

ملکہ کو ناگ پر ترس آ رہا تھا کہ بے چارہ جوان ہی مارا جا گا اور موت کے خوف نے اسے مرنے سے پہلے ہی پاگل کر ہے۔ ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"عنبر بھائی! ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہیں ملکہ کو لے کر میرے پیچھے جھاڑیوں میں آنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں"

ملکہ نے سوچا کہ دونوں بے چارے موت کے ڈر سے پاگل گئے ہیں۔ اسے اپنی موت تو بالکل سامنے دکھائی دے رہی مگر اس کے ساتھ ہمدردی کرنے والے ان دونوں جوانوں کی مو کا اسے بہت افسوس تھا۔ کاش بے چارے اس کی جان بچانے نہ آتے اور موت سے بچ جاتے۔

رومی سپاہیوں کی آوازیں بہت قریب آ گئی تھیں۔ ایک نیزہ بالکل قریب جھاڑی میں آ کر لگا۔ ملکہ سمٹ کر عنبر کے سا جا لگی۔ پھر واقعی اس نے اپنی زندگی کا ایک انوکھا اور حیرت ناک منظر دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا نوجوان ناگ گہرا سانس لینے لگا۔ پھر وہ ایک دم سے غائب ہو گیا اور اسک جگہ ایک بہت بڑا ہاتھی سامنے آ گیا جس کی سونڈ اٹھی ہوئی

اور لمبے لمبے نوکیلے دانت باہر کو نکلے تھے۔ ملکہ کے منہ سے چیخ نکلنے ہی لگی تھی کہ عنبر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہاتھی نے سونڈ لہرا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور وہ رومی سپاہیوں پر دیوانہ وار لپکا۔ اس نے دو سپاہیوں کو سونڈ اٹھا کر دور پھینک دیا۔ باقی سپاہیوں نے سامنے خونخوار ہاتھی کو دیکھا تو اس پر نیزے پھینک کر پیچھے کو بھاگے۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا ان کے پیچھے لپکا۔ عنبر بھی ملکہ کو لے کر ہاتھی کے پیچھے پیچھے جھاڑیوں میں چلا۔ ہاتھی نے وہاں افراتفری مچا دی تھی۔

رومی سپاہی جھاڑیوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ مگر اب ایسا ہوا کہ پیچھے سے بھی رومی سپاہیوں نے ہاتھی پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ چاند کی چاندنی میں کافی روشنی ہو گئی تھی اور دن بھی نکلنے والا تھا۔ اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔ ہر شے نظر آ رہی تھی۔ عنبر گھبرا سا گیا۔ کیونکہ وہ رومی سپاہیوں میں گھر گئے تھے، اس نے چیخ کر کہا۔

"ناگ! سمندر کی طرف بھاگو"

ہاتھی نے عنبر کی آواز سن لی تھی۔ وہ سمندر کی طرف گھوما۔ عنبر بھی ملکہ کو لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن سامنے بھی رومی سپاہیوں کا دستہ کھڑا تیر برسا رہا تھا۔ اب خطرہ سر پہ آ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیروں اور نیزوں کی اس بارش سے عنبر بچ سکتا تھا۔ مگر ناگ اور ملکہ کے شدید زخمی ہونے کا ڈر تھا۔ یہ لوگ مر بھی سکتے تھے۔ کیونکہ سپاہی بارش کی طرح ہاتھی پر تیر برسا رہے تھے۔ ہاتھی رک گیا۔ ملکہ خوف سے زرد ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ناگ! کوئی دوسری ترکیب سوچو۔ نہیں تو ملکہ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

ہاتھی نے ایک پل کے لئے اپنی سونڈ اوپر لہرائی اور پھر غائب ہو گیا۔ ملکہ یہ سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ اب ہاتھی کی جگہ ایک رومن سپہ سالار کھڑا ہے۔ سر پر تانبے کا چمکدار ہلمٹ ہے۔ کندھے پر ریشمی سرخ مخمل لہرا رہی ہے۔ کمر کے ساتھ تلوار بندھی ہے۔ پنڈلیوں پر تسمے بندھے ہیں۔ ہاتھ میں چاندی کا ہنٹر ہے۔ ناگ نے ایک رومن سپہ سالار کی شکل بدل لی ہے۔

ناگ جھاڑیوں سے باہر آ گیا اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"الو کے پٹھو! ہاتھی کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ ملکہ کو تلاش کرو نہیں تو میں تم سب کو ملکہ کی جگہ بھوکے شیروں کے آگے ڈال دوں گا"

رومن سپاہیوں نے جو اپنے سامنے رومن سپہ سالار کو دیکھا تو ایک دم ادب سے اٹین شن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ تیر کمانوں

بکے رہ گئے۔ تلواریں نیام میں آ گئیں۔ ناگ گرجا۔

"ارے احمقو! میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ ملکہ ادھر قلعے کی فصیل کی طرف ابھی ابھی بھاگ کر گئی ہے۔

ات پک کر گرفتار کرو اور میرے سامنے لاؤ"

سپاہی فصیل کی طرف گھوڑے دوڑاتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"اب تم لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ"

ناگ رومن سپہ سالار کی وردی میں عنبر اور ملکہ کو لے کر سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس آ گیا۔ یہاں انہیں کسی نے نہ دیکھا۔ اب سورج نکل آیا تھا اور ہر طرف روشنی ہو گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی چٹانوں کے ساتھ ساتھ چلتے اس جگہ آ گئے جہاں ان کی اڑن طشتری کھڑی تھی۔ ملکہ نے اڑن طشتری کو دیکھا تو ڈر کر وہیں رک گئی۔

"تم لوگ اصل میں کون ہو اور مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو"

"ہوش کرو ملکہ! تم زندگی کو چھوڑ کر موت کے منہ میں جا رہی ہو۔ ہم تمہارے بھائی ہیں"

عنبر نے کہا۔

"میں مصری ہوں۔ میں مصر میں پیدا ہوا۔ یہیں دریائے نیل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کنارے پلا بڑھا۔ مجھ پر یقین کرو۔ یہ ناگ ہے ہ
بھائی ہے۔ اندر ہماری بہن ماریا بھی ہے۔ تم اس کے
پاس رہو گی"

ملکہ رک گئی اور کبھی عنبر اور کبھی ناگ کا منہ تکتی ا
کبھی حیرت سے اڑن طشتری کو تکتی کہ یہ کیا بلا کھڑی ہے
عنبر نے ماریا کا اس لئے نام لے لیا تھا کہ ہو سکتا ہے
ملکہ کسی عورت کی موجودگی کا سن کر اڑن طشتری میں جانے
پر راضی ہو جائے۔ ناگ سوچنے لگا کہ اندر جا کر ملکہ نے ما
سے ملنے پر اصرار کیا تو وہ کیا کریں گے؟ کیا ماریا سے ملکہ کو
ملوا دیں گے؟

مگر وہ تو اسے نہ دیکھ سکے گی!

ملکہ ان کے ساتھ جانے پر راضی ہو گئی۔ اڑن طشتری کو وہ
پھر بھی شک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اندر جاتے
ہوئے گھبرا رہی تھی۔ عنبر نے بٹن دبایا۔ اڑن طشتری کا
دروازہ کھل گیا۔ اندر ماریا بھی شیشے کے گول سوراخ سے
لگی یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ملکہ مصر اڑن طشتری کے
اندر جاتے ہی دہشت بھری نظروں سے گول چمکتی دیواروں
پر چمکتی شیشے ایسی چھت اور کمپیوٹروں اور ڈائیلوں اور مشینوں
کو تکنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ایک بالکل ہی

نئی دنیا میں آ گئی ہے۔

ناگ نے ملکہ مصر سے کہا۔

"ملکہ! آپ اندر جا کر آرام کریں"

ملکہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپ کی بہن کہاں ہے؟"

اب ناگ کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ اس نے اسے یہ
کیوں کہہ دیا کہ اندر اس کی بہن بھی ہے۔ ناگ نے عنبر کی طرف
دیکھا اور عنبر نے کہا۔

"ہماری بہن ماریا ابھی سو رہی ہے۔ آپ آرام کریں۔
جب وہ اٹھے گی تو اسے آپ سے ملا دیں گے"

ملکہ مصر ضد پر اڑ گئی

"نہیں۔ جب تک مجھے یہ نہیں پتہ چلے گا کہ آپ کی بہن
بھی یہاں ہے میں اندر نہیں جاؤں گی"

ناگ نے اپنی خاص زبان میں عنبر سے کہا۔

"اب کیا کریں؟"

عنبر نے کہا۔

"سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ماریا سے اسکا تعارف
کروا دو۔ یہ ضدی ملکہ ہے ہمیں اس کی جان بچانی ہے۔ یہ
تو اپنی حماقت سے ایک بار پھر اپنی جان خطرے میں ڈال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گی۔"

"بہتر ہے"

ملکہ مصر بیچ میں بول اٹھی۔

"تم لوگ یہ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو؟ کیا باتیں کر رہے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"سنو ملکہ مصر! بات اصل میں یہ ہے کہ ہم نے آپ سے اپنا تعارف کروانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ آپ سے ہم اپنا تعارف کروا دیں لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ حیران نہ ہوں اور ہماری باتیں سن کر اپنے ہوش و حواس میں رہیں۔ میرا نام ناگ ہے۔ میں اصل میں سانپ ہوں اور سو برس زندہ رہنے کے بعد مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ میں جو چاہوں شکل اختیار کر سکتا ہوں۔ میں پانچ ہزار برس سے اس دنیا میں زندہ ہوں"

ملکہ منہ کھولے ناگ کی باتیں سن رہی تھی۔ اب عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں آج سے چھ ہزار برس پہلے مصر کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے آباؤ اجداد اہرام مصر کے مقبروں میں سو رہے ہیں۔ مجھے ایک بزرگ نے دعا یا بدعا دی کہ میں کبھی نہیں مروں گا۔ بس میں چھ برس سے زندہ ہوں۔ اور اب میں تمہارا تعارف اپنی بہن ماریا سے کرواتا ہوں جو اس وقت تمہارے قریب ہی کھڑی ہے"

ملکہ نے چونک کر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ناگ نے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ملکہ! ماریا ہماری بہن غائب ہے۔ وہ ہم سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا یہ اسے بھی کسی کی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گی اور غائب رہے گی"

پھر عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! ملکہ مصر کے ساتھ ہاتھ ملاؤ"

ملکہ مصر نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا۔ کیونکہ اسے کوئی بھی عورت اپنے قریب نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اس کا ہاتھ کسی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ہاتھ نرم اور نازک تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ کسی لڑکی کا ہاتھ ہے۔ ماریا نے ملکہ مصر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر کہا۔

ملکہ! امید ہے آپ نہیں گھبرائی ہوں گی۔ میرا تعارف تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے بھائی نے آپ سے کروا دیا ہے۔ میرا نام ماریا ہے اور
میں غیبی عورت ہوں۔ آپ مجھے نہیں دیکھ سکیں مگر میں آپ
کو دیکھ سکتی ہوں"

ملکہ مصر نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا تھا اس پر سوائے
حیران ہونے کے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ ایک عام سی
جاہل لڑکی ہوتی تو شاید اس وقت تک کئی بار غش کھا کر گر
چکی ہوتی۔ لیکن چونکہ وہ شاہی خاندان کی عورت تھی۔ مصر کی ملکہ تھی۔
پڑھی لکھی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہوش و حواس میں تھی۔ اس نے
کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ بولا۔

"اب ہم نے اپنا سارا راز آپ پر ظاہر کر دیا ہے اب تو
آپ کو ہم پر اعتبار آ گیا ہوگا کہ ہم آپ کے ہمدرد ہیں۔"

ملکہ مصر نے پہلی بار زبان کھولی۔

"میں جو کچھ رہی ہوں۔ سن رہی ہوں۔ ایسا میں نے نہ کبھی
سنا نہ کبھی دیکھا۔ جو کچھ بھی ہے۔ میں اسے جادوگری ہی کہوں
گی۔ کیونکہ میرے دربار کے کاہن اعظم نے کہا ہے کہ دنیا میں
صرف جادو کے زور سے ہی انسان آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔
ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے اور غائب ہو سکتا ہے"

عنبر نے کہا۔

"آپ یہی سمجھیں ملکہ مصر! بالکل یہی سمجھیں کہ ہم جادوگر

اور جادو کے زور سے ہی ماریا غائب ہے اور ناگ نے شکل
لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زیادہ اس موضوع پر
کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"کیا خیال ہے ملکہ مصر؟"

لکہ نے کہا۔

"آپ نے یہ اڑن کھٹولا کہاں سے لیا؟ اس کی خاص بات
ہے؟"

ماریا نے کہا

"یہ آسمانوں میں اڑ سکتا ہے۔ ہم آسمانوں سے اڑتے ہوئے
دنیا میں آئے ہیں"

"کیا آپ کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہے؟" ملکہ نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"اصل میں ہم اس دنیا کے رہنے والے ہیں مگر ایک حادثے
وجہ سے یہاں سے اڑ کر ایک دوسرے سیارے میں چلے گئے۔
س وقت اس دنیا سے گئے تو یہاں دنیا ترقی کر چکی تھی۔
س کا بالکل نیا زمانہ تھا اور لوگ ہوائی جہازوں میں سیر
تے تھے۔ اور بمبار جہازوں سے بمباری کرتے تھے۔ ٹیلی ویژن
تے تھے اور ٹیلی فون پر ایک دوسرے سے ہزاروں میلوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گفتگو کرتے تھے۔ اور آپ لوگوں کا زمانہ گذرے کئی سو سال بیت چکے تھے۔ لیکن جب ہم ایک دوسرے حادثے کی وجہ سے واپس آئے تو ہم ایک بار پھر تاریخ کے پرانے زمانے میں تھے۔ یعنی ایک بار پھر مصر کے پرانے عہد سے گذر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اسے زیادہ نہ سمجھ سکیں گی اور آپ کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیئے۔"

ناگ بولا۔

"اب آپ یہ بتایئے کہ ہم آپ کو واپس مصر میں جا کر چھوڑیں یا آپ کسی اور جگہ جانا چاہتی ہیں؟"

ملکہ مصر نے آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں مصر کی ملکہ ہوں۔ میرے ملک پر رومن درندوں نے حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ میرے ماں باپ کو قتل کر کے میرے بھائیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا۔ میں ان درندوں سے اس ظلم کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ میں اپنا ملک ان رومن ڈاکوؤں سے واپس لینا چاہتی ہوں۔ یہ درندے مجھے بھی بھوکے شیروں کے آگے ڈالنا چاہتے تھے۔ اگر آپ لوگ میری مدد کو نہ آتے تو آج میں بھی ان رومن درندوں کے ظلم کا شکار ہو چکی ہوتی۔"

ناگ نے کہا۔

"آپ کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ ہم آپ کو آپ کا لک ان درندوں سے واپس لے کر دیں گے"

ملکہ نے پوچھا۔

"مگر آپ کے پاس تو کوئی فوج نہیں۔ آپ رومی لشکر ا کس طرح سے مقابلہ کریں گے؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"یہ آپ دیکھ لیں گی"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتش فشاں وادی

●

اسی رات عنبر اور ناگ نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے ناگ نے کہا۔

"اگر ہم نے اس وقت مصر جا کر وہاں حملہ کر دیا تو یہاں پومپیائی سے رومن لشکر اپنے ساتھیوں کی مدد کو روانہ ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے ہمیں ایک بار پھر رومنوں سے جنگ کرنی پڑے گی"

عنبر بولا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے"

ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں سب سے پہلے پومپیائی کے بادشاہ کو قابو میں کرنا چاہیئے تاکہ جب ہم مصر پر حملہ کریں تو یہ اپنی فوج کی کوئی مدد نہ کر سکے۔"

"سب سے پہلے تو ہمیں ان سپاہیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا جو ملکہ مصر کی تلاش میں اس طرف بھی آئیں گے۔"

ں کا مقابلہ ہم بڑی آسانی سے کر لیں گے۔ لیکن ہو سکتا
ر وہ ادھر کا رخ نہ کریں"
ومن ان پہاڑیوں کی تلاشی ضرور لیں گے۔ وہ ملکہ مصر
ش کرنے میں اپنی ساری کوششیں لگا دیں گے ملکہ
ملنا اور بھاگ جانا ان کے لئے سب سے بڑی
ا باعث ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ روم کا بادشاہ
ی اس شہر کے بادشاہ کو معزول کر دے"

تمہارا خیال درست ہے۔ تو پھر اس اعتبار سے ہمیں
شتری کو رومن سپاہیوں سے چھپانے کی کوشش
چاہیئے"

ر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف اڑن طشتری
یک کمرے میں ماریا ملکہ مصر کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی
ات کا کھانا انہوں نے مل کر کھایا تھا۔ ملکہ مصر کے
ایک عجیب تجربہ تھا کہ وہ ایک ایسی عورت کے
تھ کھانا کھا رہی ہے جو اسے نظر نہیں آ رہی طشت
اپنے آپ چل غائب ہونے کے بعد پھر میز پر
جاتا۔

مصر نے مسکرا کر کہا۔

ریا! کیا تمہیں عجیب نہیں لگتا کہ تمہیں خود اپنا آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر نہیں آ رہا ؟ یا کیا تم اپنا آپ دیکھ لیتی ہو؟

ماریا نے کہا۔

"بات تو بڑی عجیب ہے مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں سارا جسم نظر آ جاتا ہے۔ ہاں مجھے دوسرا کوئی شخص نہ دیکھ سکتا۔"

ملکہ نے کہا۔

"کیا تم لوگوں نے پرانے مصر میں ہمارے باپ داداؤں دیکھا ہے؟"

ماریا بولی "ہاں! ہم نے بڑے فرعون حکومت کرتے پھر اہرام مصر کی قبروں میں جا کر سوتے دیکھے ہیں۔ مگر اب نہیں رہا کہ کس کا کیا نام تھا اور اس کی شکل کیسی

ملکہ مصر نے اڑن طشتری کے کمرے کی شیشے ایسی چھت دیکھ کر کہا۔

"یہ کس قسم کا اڑن کھٹولا ہے؟ اور بڑے کمرے کے میں جو گول شیشے کا گلاس سا کھڑا تھا وہ کیا ہے؟"

"تمہارا مطلب سلنڈر سے ہے؟"

"ہاں وہی"

ماریا نے کہا۔ "وہ ایک ایسی مشین ہے کہ اس میں انسان داخل ہو جائے اور باہر سے ایک بٹن دبایا جائے

ئب ہو جاتا ہے اور پھر جہاں چاہے ظاہر ہو جاتا ہے"

ملکہ نے تعجب سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

ماریا نے کہا۔ "یہ ایک ایسا سوال ہے جو تم ہر ایک بات پر کرو گی کیونکہ تم ایسی بے شمار باتیں دیکھو گی کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا اور تم سوچنے لگو گی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر ہم جس سائنسی دور سے آ رہے ہیں وہاں سب کچھ ہو رہا ہے وہاں ہزاروں میل پر بیٹھ کر خبریں سنانے والے آدمی کی شکل ہم ایک ٹی وی سکرین پر دیکھ سکتے ہیں وہاں انسان چاند پر پہنچ کر واپس آ چکا ہے"

ملکہ مصر ہنس پڑی۔ "تم جادوگروں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ انسان چاند پر پہنچ کر پھر وہاں سے واپس بھی آ جائے؟ یہ ناممکن ہے"

ماریا نے کہا۔ "میں تمہیں سچ کہہ رہی ہوں۔ آؤ میں تمہیں چاند کی، چاند پر پہنچے ہوئے انسانوں کی اور وہاں سے نظر آنے والی اپنی زمین کی فلم دکھاتی ہوں"

ماریا ملکہ کو ساتھ لے کر پروجیکشن روم میں لے گئی۔ یہاں وی سی آر پڑا تھا۔ ماریا نے ایک خاص ٹیپ چڑھا کر بٹن دبایا تو سکرین پر ایک راکٹ اڑتا دکھائی دیا۔ جو چاند پر پہنچ کر رک گیا۔ پھر اس راکٹ میں سے دو امریکی خلا باز باہر نکلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور انہوں نے تھوڑا تھوڑا اچھل کر چاند پر چلنا شرو دیا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ ملک امریکہ کے دو خلا باز ہیں جو زمین سے ایک میں بیٹھ کر چاند پر پہنچے تھے۔ اب یہ چاند پر اچھل کر اس لیے چل رہے ہیں کہ چاند پر ہماری زمین مقابلے میں کشش بہت کم ہے۔ چاند پر فضا اور ہوا بھی ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ انہوں نے چاند پر جو ایک جھنڈا ہے وہ بالکل نہیں پھڑپھڑا رہا بلکہ ساکت کھڑا ہے۔ اسی وجہ سے ہے کہ یہاں پر ہوا نہیں ہے۔"

ملکہ مصر منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے وی سی آر سکرین پر ایک بھیانک مگر بڑا دلچسپ خواب سا دیکھ تھی۔ اس کے سامنے چاند کی زمین تھی۔ بھوری بھوری۔ اور ویران بے آباد اور اس زمین پر دو پھولے ہوئے سفید لباس میں ملبوس انسان چہل قدمی کر رہے تھے۔ پھر اس نے چاند پر سے زمین کو دیکھا جو دور خلا میں اٹکی ہوئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" ملکہ نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔ "یہ ہماری زمین ہے جس پر اس وقت ہم اور ہم بیٹھے ہیں۔"

"یہ گول ہے؟"

"ہاں زمین گول ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور یہ سورج کے گرد گھومتی ہے"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہو رہا ہے میری پیاری ملکہ مصر! ہماری زمین سورج کے گرد گھومتی ہے"

ملکہ نے کہا۔ "تو پھر ہمارے دادا سچے تھے جو سورج کی پوجا کرتے تھے۔"

"نہیں۔ سورج بھی اپنے اردگرد گھوم رہا ہے اور یہ بھی اپنی روشنی کے لئے ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس کا محتاج ہے۔ اگر یہ دو گیسیں نہ ہوں تو سورج بھی تاریک ہو جائے۔ بجھ جائے"

ملکہ مصر نے سر تھام لیا۔ "تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں"

ماریا ہنسی۔ اور اس نے بٹن بند کر کے وی سی آر بند کر دیا۔

"ہماری باتیں تمہاری سمجھ میں آ بھی نہیں سکتیں کیونکہ تم ہم سے ہزاروں برس پیچھے ہو"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور باہر رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ ملکہ مصر کو نیند آنے لگی۔ ماریا نے اسے آرام دہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بستر پر سلا دیا وہ اطمینان سے سو گئی اور ماریا بھی ساتھ والے بستر پر لیٹ کر نیند کا انتظار کرنے لگی۔ ناگ بھی سو گیا تھا۔ صرف عنبر جاگ رہا تھا اور ایک مشین پر جھکا اس کے پرزوں کو دیکھ رہا تھا۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ چاند رات کے پچھلے پہر نکلتا تھا۔

پومپیائی کے بادشاہ پر مصیبت پڑی ہوئی تھی۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ پومپیائی کے سارے شہر اور شہر کے باہر کے جنگل اور وادی کو گھیرے میں لے لیا جائے اور جس طرح سے بھی ہو سکے مفرور ملکہ کو تلاش کر کے واپس قلعے میں لایا جائے۔

ابھی روم کے بادشاہ سیزر کو یہ خبر نہیں پہنچی تھی کہ ملکہ مصر قلعے سے بھاگ گئی ہے۔ پومپیائی کا بادشاہ اس سے پہلے کہ روم کے بادشاہ کو خبر ہو ملکہ کو تلاش کر لینا چاہتا تھا۔ رومی سپاہی ملکہ کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہے تھے۔ وہ وادی اور جنگل میں ملکہ کو تلاش کر رہے تھے۔

چار سپاہیوں کا ایک دستہ ملکہ کو تلاش کرتے کرتے سمندر کے کنارے ان چٹانوں کی طرف آ گیا جدھر اڑن طشتری چھپائی گئی تھی۔ دو سپاہی آگے آگے تھے۔ یہ سمندری چٹانوں میں داخل ہو گئے اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک سپاہی نے پیچھے سے آواز دے کر کہا۔

"بھائی ادھر تمہیں سوائے سمندری گھونگھوں کے بھلا اور کیا ملے گا؟"

آگے والے سپاہی نے پیچھے منہ کر کے کہا۔

"چلو مصر کی ملکہ نہ سہی کچھ سنہری گھونگے ہی پکڑ کر لے جائیں گے"

دونوں پیچھے والے سپاہی قہقہہ مار کر ہنسے۔ آگے والے سپاہی ایک چٹان کے قریب سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ جونہی وہ اس چٹان کا موڑ گھوم کر آگے آئے تو جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ اس مشعل کی روشنی میں انہیں آگے ایک عجیب سی گول بہت بڑی طشتری سی دکھائی دی جو چٹانوں کے درمیان خالی زمین پر ٹکی ہوئی تھی۔

پیچھے والے دو سپاہی بھی آگے آ گئے تھے۔ وہ بھی حیرت سے اڑن طشتری کو دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جیسے پوچھ رہے ہوں کہ یہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ چٹانوں کی اوٹ میں ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ کیا شے یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا"

"میں زندگی میں پہلی بار اس قسم کی شے دیکھ رہا ہوں۔"

"کہیں دیوتا زیوس تو آسمان سے نہیں اتر آیا؟"

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیئے۔ یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"نہیں —— ہمیں آگے بڑھ کر معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ کیا چیز ہے؟ آخر ہم مرد میدان ہیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔"

یہ رومن سپاہی باقیوں سے ذرا جرأت والا تھا۔ اس نے دوسروں کا بھی حوصلہ بڑھایا اور کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے کہ دشمن کے سپاہیوں نے یہاں چھپ کر ایک قلعہ بنا رکھا ہے۔ ہمیں اس قلعے کی پوری جاسوسی کرکے بادشاہ کو خبر کرنی چاہیئے تاکہ وہ ہمیں انعام دے اور ترقی بھی ملے"

یہ بات باقی تینوں کے دل میں اتر گئی۔ اگرچہ اندر سے وہ ڈر ضرور رہے تھے اور اڑن طشتری کی طرف جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ جو سپاہی ان میں سے ذرا حوصلہ مند تھا۔ اس نے کہا۔

"ایسا کرتے ہیں کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں آگے جا کر معلوم کرتا ہوں کہ دشمن اپنے قلعے میں کیا کر رہا ہے؟ کہیں جاگ تو

نہیں رہا"

وہ یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ اڑن طشتری دشمن کا ایک قلعہ ہے جو اس نے لوہے کی چادروں سے راتوں رات بنا ڈالا ہے۔ اس زمانے میں ہر بادشاہ دوسرے کا دشمن ہوا کرتا تھا۔ وہ سپاہی باقی تینوں سپاہیوں کو چٹان کی اوٹ میں چھپا کر اڑن طشتری کی طرف بڑھا۔ جاتے جاتے وہ یہ کہہ گیا کہ اگر میں نے بلند آواز میں چیخ ماری تو تم میری مدد کو آ جانا۔ انہوں نے مشعل بجھا دی تھی۔ سپاہی اب اڑن طشتری کے دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔

وہ اندر سے خوف زدہ بھی تھا۔

اندھیرے میں سفید اڑن طشتری بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔

اندر ناگ، ماریا اور ملکہ مصر سو رہی تھیں۔ صرف عنبر جاگ رہا تھا جو پچھلے کنٹرول روم میں ایک مشین کو صاف کر رہا تھا۔ دوسری طرف رومن سپاہی نے آگے بڑھ کر اڑن طشتری پر ہاتھ رکھ دیا۔ اندر مشین روم میں ایک سرخ بتی اچانک جلنے بجھنے لگی۔ عنبر نے بتی کو جلتے بجھتے دیکھا تو لپک کر بڑے ہال کمرے میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ شیشے کے گول گول سوراخوں میں سے باہر اندھیرے کے سوا کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی نہ دیتا تھا۔

عنبر ایک سوراخ کے شیشے سے لگ کر باہر دیکھنے لگا۔

اسے دروازے کے پاس ایک رومن سپاہی کھڑا نظر آیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور چھرا کمر کی پیٹی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ رومن سپاہی ملکہ مصر کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔ ضرور اس کے ساتھی بھی ہوں گے۔ وہ اکیلا یہاں تک نہیں آ سکتا۔ عنبر ایک جگہ چھپ گیا اور اس نے خفیہ بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اڑن طشتری کا دروازہ کھل گیا۔

رومن سپاہی نے دروازے کو کھلتے دیکھا تو ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ دروازے کے اندر اندھیرا اندھیرا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے؟ اندر جائے یا نہ جائے؟ اس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ اس کے ساتھی چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ سپاہی نے دل میں خیال کیا کہ اسے خاموشی سے اندر جا کر دشمن پر شب خون مار کر اسے ختم کر دینا چاہیئے۔ اس طرح سے بادشاہ اسے انعام و اکرام دیگا اور اس کی ترقی بھی ہو جائے گی۔

پس یہ سوچ کر رومن سپاہی اڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔

جونہی وہ اندر آیا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ سپاہی

نے تیزی سے پیچھے گھوم کر دروازے کو دیکھا اور اسے کھولنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دشمن نے اسے دھوکے سے اندر بلا کر قید کر لیا ہے۔ اس نے نیزہ دروازے پر مارا۔ دروازہ ساکت رہا۔ پھر وہ خنجر نکال کر دروازے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر دروازہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ رومن سپاہی نے گول شیشے کے سوراخ سے منہ لگا کر باہر دیکھا۔ باہر اندھیرا تھا۔

اتنے میں چھت کا ایک کونا روشن ہو گیا جس کی چمک میں ہال کمرے کی ساری مشین اور کنٹرول کے ڈائیل صاف نظر آنے لگے۔ رومن سپاہی کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے ششدر سا ہو کر مشینوں اور کمپیوٹروں کو تکنے لگا۔ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے؟ اس نے خنجر پیٹی میں لگا کر زور سے آنکھیں ملیں وہ خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ اسے نظر آ رہا تھا وہ حقیقت تھی۔ رومن سپاہی ایک کمپیوٹر کے پاس آ کر اسے غور سے تکنے لگا۔ پھر اس نے ایک بٹن پر انگلی رکھ کر دبایا تو اچانک مشین میں سے ٹک ٹک کی آوازیں آنے لگیں اور پھر ایک کارڈ باہر نکل آیا۔

رومن سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب اسے آواز سنائی دی۔

"خوش آمدید رومن قوم کے سپاہی!"

سپاہی نے چاروں طرف گردن گھما کر دیکھا اور نیزہ تان لیا۔ "خبردار! آگے بڑھے تو نیزے سے چھلنی کر دوں گا"

اب عنبر اس کے سامنے آ گیا۔ رومن سپاہی نے اپنے سامنے ایک نوجوان کو دیکھا جو اشوری قوم کے لباس میں ملبوس تھا۔ وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تم کون لوگ ہو؟ یہاں یہ قلعہ تم نے بنایا ہے؟"

عنبر مسکرایا۔ "ہاں! کیا خیال ہے؟ تمہیں پسند آیا؟"

رومن سپاہی نے نیزہ پوری طاقت سے عنبر کے سینے کی طرف اچھال دیا۔

نیزہ سیدھا عنبر کے سینے پر ٹھیک دل کی جگہ پر لگا۔ رومن سپاہی ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور کئی جنگوں میں بہادری کے کارنامے سرانجام دے چکا تھا۔ اس کا نشانہ کبھی نہیں چوک سکتا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر وہ اور زیادہ حیران ہو گیا کہ نیزہ عنبر کے سینے سے لگ کر مڑ گیا اور نیچے گر پڑا۔

عنبر مسکرایا اور بولا۔

"تم اگر ایک ہزار نیزے بھی پھینکو گے تو ان کا یہی حشر ہو گا۔"

رومن سپاہی اب خنجر نکال کر عنبر پر حملہ آور ہوا۔ اس نے پوری طاقت سے حملہ کیا تھا۔ اگر عنبر کی جگہ ناگ ہوتا یا کوئی اور شخص ہوتا تو وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ رومن سپاہی کا خنجر سیدھا عنبر کے پیٹ پر آ کر لگا۔ اگر عنبر کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا نہ لکھا ہوتا تو یہ خنجر اس کے پیٹ میں گھس کر دوسری طرف سے نکل کر اس کا کام تمام کر چکا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ خنجر بھی عنبر کے پیٹ سے لگ کر مڑ گیا اور رومن سپاہی اپنے ہی زور پر خنجر چھوڑ فرش پر گر پڑا۔

سپاہی جلدی سے اٹھا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"تم دو بار مجھ پر حملہ کر چکے ہو۔ کیا مجھے اتنی اجازت نہیں دو گے کہ اب ایک بار میں بھی تم پر وار کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ مگر نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے تم پر اور تمہارے بچوں پر ترس آتا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اگر تم میرے وار سے مر جاؤ گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

رومن سپاہی نے دہشت زدہ نظروں سے عنبر کو تکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟ کیا تم دیوتا ہو؟"

عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم کوئی جادوگر ہو۔ کیونکہ تمہاری شکل دیوتاؤں کی طرح نہیں ہے"

عنبر ہنسا۔ "تم نے ٹھیک کہا۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔ مگر میں جادوگر بھی نہیں ہوں"

"پھر — پھر تم کون ہو؟" رومن سپاہی ہکلاتے ہوئے بولا۔

عنبر نے ہال کمرے کی مشینوں کی طرف نگاہیں گھما کر کہا۔

"یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، جادوگری نہیں ہے بلکہ سائنس کی کرامات ہے۔ لیکن تم سائنس کے معنی نہیں سمجھ سکو گے۔ بہرحال تم ہمارے مہمان ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"نہیں نہیں۔ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں"

رومن سپاہی اب سچ مچ ڈر گیا تھا اور اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟"

رومن سپاہی نے کہا۔ "میرے ساتھ تین سپاہی اور ہیں"

"انہیں بھی اندر لے آؤ۔ کیونکہ اب تم یہاں سے جا نہیں سکتے۔ تم ہمارے ہاں رہو گے ایک خاص وقت تک۔ ہم اپنے راز کو ابھی فاش کرنا نہیں چاہتے"

رومن سپاہی گھبرا گیا۔ بولا۔

"میرے سپاہی جا چکے ہوں گے۔ انہوں نے اتنی دیر میرا انتظار نہیں کیا ہو گا"

رومن سپاہی نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی جان بچانا چاہتا تھا تاکہ وہ چلے جائیں اور جا کر سپہ سالار کو اڑن طشتری کے بارے میں بتا دیں اور وہ لشکر لے کر حملہ کر سکے۔ عنبر سب سمجھ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"وہ نہیں جا سکتے۔ میں انہیں ابھی تمہارے پاس لا کر کھڑا کر دیتا ہوں۔ فکر نہ کرو"

رومن سپاہی عنبر کا منہ تکنے لگا۔ عنبر نے ایک کمپیوٹر کا بٹن دبایا۔ نیلی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری کے کونے میں لگے ہوئے سلنڈر میں گہری نیلی روشنی ہو گئی۔ سلنڈر اس قدر روشن ہوا کہ رومن سپاہی نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب دوبارہ اس نے آنکھیں کھولیں تو اس سلنڈر میں اس کے تینوں ساتھی کھڑے حیرت سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ عنبر نے انہیں سلنڈر سے باہر نکالا تو وہ بھی خنجر تان کر عنبر پر حملہ آور ہوئے۔ وہ یہ سمجھے کہ ان کے ساتھی کو عنبر نے گرفتار کر رکھا ہے۔

عنبر کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے اپنی پیٹی سے لگی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹی سی گن نکال کر اس میں سے سرخ شعاع ان تینوں پر ڈالی۔ تینوں ایک شعلے میں بدل کر اسی جگہ بھسم ہو کر غائب ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

"اب یہ کبھی واپس اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تمہارا انجام بھی ان جیسا ہو؟"

رومن سپاہی خوف سے کانپنے لگا۔

"نہیں ——— میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں۔ میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں"

عنبر نے آگے بڑھ کر رومن سپاہی کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

"کیٹولیس"

عنبر بولا۔ "کیٹولیس! آج سے تم میرے بھائی ہو۔ آؤ میں تمہیں اپنے بھائی ناگ سے ملاتا ہوں۔ اور سنو! حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے ملکہ مصر بھی ہمارے پاس ہے۔ کیا تم بھی ہمارا بھائی بننا پسند کرو گے؟"

کیٹولیس نے کہا۔

"مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ لیکن میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں واپس اپنے بیوی بچوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی بیوی اور بچوں سے بڑی محبت ہے۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا"

عنبر نے کہا۔ "کیٹولیس! مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے بچوں اور بیوی سے محبت کرتے ہو۔ میں ایسے لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور سنو! ہم ملکہ مصر کو اس کا تخت واپس دلا رہے ہیں اور اگر تمہارے بادشاہ نے مقابلہ کرنا چاہا تو ہم پومپیائی کو بھی فتح کر لیں گے اور ہمیں تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ پھر بھی ہم تمہاری مدد کریں گے۔ کیونکہ تم ایک شریف اور ذمہ دار بہادر فوجی ہو اور اپنے بیوی بچوں سے پیار کرتے ہو۔"

اتنے میں ناگ اور ماریا بھی وہاں آ گئی۔ عنبر نے اپنی خاص زبان میں رومن سپاہی کیٹولیس کا پورا حال بیان کیا اور ماریا کو خبردار کیا کہ وہ آواز نہ نکالے کیونکہ اس نے ماریا کے بارے میں رومن سپاہی کو کچھ نہیں بتایا۔ ناگ نے کیٹولیس سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر"

کیٹولیس نے بھی مسکرا کر کہا۔

"مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی ہے مسٹر ناگ"

اتنے میں دن چڑھ آیا۔ ملکہ مصر بھی جاگ پڑی تھی۔ عنبر نے اسے بھی کیٹولیس سے ملایا۔ کیٹولیس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں آپ لوگوں کا دوست اور بھائی بن چکا ہوں اور ساری زندگی آپ کا دوست اور بھائی ہی رہوں گا۔ لیکن میرا یہاں سے جانا اور اپنے لشکر سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

عنبر نے کہا: "ہم تمہیں ایک شرط پر یہاں سے جانے دیں گے کہ تم ہماری اڑن طشتری کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔"

کیٹولیس بولا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گا۔"

"پھر تم جا سکتے ہو۔"

کیٹولیس نے سب سے ہاتھ ملایا اور اڑن طشتری سے نکل کر واپس قلعے میں آگیا۔ اپنے تین ساتھی سپاہیوں کے بارے میں اس نے یہی کہا کہ وہ ملکہ مصر کی تلاش میں جانے کہاں نکل گئے ہیں۔ اس رومن سپاہی نے اپنے وعدے کا ایک بہادر آدمی کی طرح خیال رکھا اور کسی سے اڑن طشتری کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

●

سیاہ پوش

●

پومپیائی کا رومن بادشاہ ایک رات خود ملکہ مصر کی تلاش میں نکلا۔ اس نے اپنے ساتھ گیارہ سپاہیوں کا ایک دستہ لیا اور قلعے کے باہر کے جنگل اور پہاڑیوں میں آگیا۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں شعلیں تھیں جن سے وہاں روشنی ہو رہی تھی۔ بادشاہ کو ملکہ مصر کے فرار ہو جانے کا شدید صدمہ تھا۔ وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا تھا وہ ہر حالت میں ملکہ مصر کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ گھومتے پھرتے آخر یہ دستہ سمندر کنارے کی پہاڑی چٹانوں میں بھی آگیا۔ بادشاہ آگے آگے تھا جس کے ساتھ ایک سپاہی گھوڑے پر سوار جلتی ہوئی مشعل لئے چل رہا تھا۔

اچانک چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر بادشاہ کی نظر اڑن طشتری پر پڑی۔ جو مشعل کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ بادشاہ وہیں رک گیا۔ سپاہیوں کا دستہ بھی رک گیا۔ ہر ایک شخص حیرت سے اڑن طشتری کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا شے یہاں آگئی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "بادشاہ سلامت! یہ کوئی بلا ہے واپس چلے چلیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بادشاہ نے کہا۔

"یہ ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم ایک بلا سے ڈر کر واپس چلے جائیں۔ ہم اس بلا کا مقابلہ کریں گے"

بادشاہ نے حکم دیا کہ اڑن طشتری کی بلا پر تیروں اور نیزوں کی بارش کر دی جائے۔ سپاہیوں نے اڑن طشتری پر تیروں کی ایک باڑ ماری۔ اڑن طشتری میں سب لوگ سو رہے تھے۔

اچانک شور ہوا تو سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"یہ کیا ہے؟" ملکہ مصر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"شاید وہ احمق لوگ اڑن طشتری پر حملہ کر رہے ہیں۔ تم لوگ بیٹھو۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

ناگ نے عنبر اور ماریا کو ساتھ لیا اور بڑے کمرے میں آ کر بٹن دبایا اور باہر والا ٹی وی کیمرہ اون کر دیا۔ کیمرہ اون ہوتے ہی اندر کی سکرین پر باہر کی ساری تصویر آنے لگی۔ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ لوپیپائی" اپنے سپاہیوں کے ساتھ اڑن طشتری پر تیر اور نیزے برسا رہے تھے۔ عنبر مسکرایا۔

"بے وقوف بادشاہ۔ اسے سبق سکھانا چاہیئے۔"

یہ کہہ کر عنبر نے ایک بٹن دبایا۔ اڑن طشتری سے ایک نیلے رنگ کی گہری شعاع نکلی اور اس نے آگے آتے ہوئے

چھ سپاہیوں کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ اور دوسرے سپاہی ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ وہ حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے چھ سپاہی جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان کی ہڈیاں تک جل چکی تھیں۔ بادشاہ کو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر پھر کہا کہ واپس چلے چلو۔ بادشاہ نے نیزہ لہرا کر کہا۔

"میں اس بلا پر حملہ کرنے جا رہا ہوں"

بادشاہ نیزہ لہراتا، گھوڑا دوڑاتا اڑن طشتری کی طرف بڑھا۔ اسے بڑھتا دیکھ کر باقی سپاہی بھی پیچھے لپکے۔ بادشاہ نے نیزہ اڑن طشتری پر اچھالا عنبر نے اندر سے بٹن دبا کر پیچھے کے سپاہیوں کو بھسم کر دیا۔ بادشاہ کو اس نے بچا لیا۔ بادشاہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے باقی سپاہی بھی جل چکے تھے۔ اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ مگر وہ گھبرایا نہیں بلکہ اس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر اڑن طشتری پر حملہ کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"بڑا دلیر بادشاہ ہے۔ اسے کچھ نہیں کہنا چاہیئے"

"اسی لئے میں نے اس پر موت کی روشنی نہیں پھینکی"

"میرا خیال ہے اسے اندر بلا کر اس سے بات چیت کی جائے تاکہ جنگ نہ ہو اور شہر کی آبادی اور دوسرے بیگناہ سپاہی تباہ ہونے سے بچ جائیں"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں"

عنبر نے مائیکرو فون کے ساتھ منہ لے جا کر کہا۔

"اے پوم پی آئی کے بادشاہ! ہم کوئی بلا نہیں ہیں۔ اور تم لوگ اپنے لشکر کے سارے نیزے اور سارے تیر بھی چلا لو تو ہمارے راکٹ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ کیا تم ہماری بات سن رہے ہو؟"

ایک بھاری آواز گونجتی سن کر بادشاہ دھک سے رہ گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ کسی آدمی کی اتنی بلند آواز اس نے کبھی نہیں سنی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم تمہیں اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس آؤ۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ کیا خیال ہے؟"

بادشاہ نے کہا

"میں تم لوگوں پر کس طرح اعتبار کر لوں کہ تم میرے دوست ہو۔ تم نے میرے سپاہیوں کو بھسم کر دیا ہے"

عنبر نے کہا۔

"ایسا کرنا ضروری تھا۔ سپاہی مرنے مارنے کے لئے ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمہیں دکھانے کے لئے تھا کہ ہم

ر چاہیں تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ اندر آ جاؤ"

اور عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اڑن کٹورے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر نے ایک بار پھر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم وعدے کے بڑے پکے ہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے"

بادشاہ اڑن طشتری میں آ گیا۔ اندر داخل ہو کر وہ تعجب سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگ اور عنبر نے آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ عنبر نے اسے آرام کرسی پر بٹھایا اور کہا۔

"عکہ مصر ہماری پناہ میں ہے"

یہ سن کر بادشاہ غصے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"وہ میری دشمن ہے۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گا وہ میری قیدی ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو"

ناگ نے کہا۔

"وہ ہماری پناہ میں ہے اور اپنی پناہ میں آئے ہوئے کسی شخص کو ہم کسی دوسرے کے حوالے نہیں کیا کرتے"

بادشاہ نے خنجر نکال کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھرتی سے پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر اس کے سینے میں گھس گیا تھا۔ عنبر نے بادشاہ کے سامنے آ کر کہا۔

"بادشاہ! میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں اگر اب تم نے ایسی حرکت کی تو تمہاری زندگی کی میں ذمے واری نہیں لے سکتا"

بادشاہ نے عنبر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ہمارے قیدی کو پناہ دینے کا کیا حق ہے؟"

"ملکہ مصر پر ظلم ہوا ہے۔ تمہارے گورنر نے مصر پر حملہ کر کے ملکہ کے سارے خاندان کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ وہاں کی بے گناہ آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے؟ ملکہ مصر کو دنیا کی کوئی طاقت ہم سے نہیں چھین سکتی۔ میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اگر تم اپنے شاہی خاندان اور رعایا کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنے گورنر کو مصر سے واپس بلا کر مصر کا تخت ملکہ مصر کو واپس کر دو۔ نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہو گا۔"

بادشاہ طیش میں آ گیا۔

"میں پومپائی کا بادشاہ ہوں۔ کوئی بھکاری نہیں ہوں۔ کر ڈر جاؤں گا۔ میں خود ختم ہو جاؤں گا مگر اپنا فتح کیا ہوا ملک واپس نہیں کروں گا"

ناگ نے عنبر سے اپنی زبان میں کہا۔

"یہ ایک بہادر بادشاہ ہے، یہ بادشاہوں کی طرح جواب دے رہا ہے۔ اس کی عزت کرنی چاہیئے۔ اسے جانے دو"

عنبر نے کہا۔ "تم جا سکتے ہو بادشاہ سلامت!"

بادشاہ نے غصے سے کہا۔

"میں بہت جلد تم پر حملہ کر کے اپنا قیدی تم سے چھین کر لے جاؤں گا"

"دیکھا جائے گا" عنبر نے کہا۔

بادشاہ اڑن طشتری سے نکل کر واپس قلعے میں آ گیا اور اس نے اڑن طشتری پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شہر میں شور مچ گیا کہ چٹانوں میں کوئی آسمانی بلا آ کر اتری ہے اور بادشاہ اس پر چڑھائی کرنے والا ہے۔

دوسری طرف مصر میں جس رومن گورنر کو مقرر کیا گیا تھا اس نے طاقت کے نشے میں پومپیائی کے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی اور حملے کا حکم دے دیا۔ ادھر پومپیائی کا بادشاہ اڑن طشتری پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ جاسوسوں نے اسے آ کر خبر دی کہ مصر کا رومن گورنر ایک لاکھ کا لشکر لے کر پومپیائی پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گورنر مصر کا لشکر دوسرے دن ہی پومپیائی کے قلعے کے سامنے آ کر جمع ہو گیا۔ بڑا زبردست لشکر تھا۔ ایک لاکھ سپاہی ہاتھی گھوڑے اور جنگی رتھ تھے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے قلعے کے دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔

گورنر مصر کی فوج نے قلعے پر حملہ کر دیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی۔ گورنر کی فوجیں دیوار توڑ کر قلعے میں جانے کی کوشش کرتی رہیں مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ پھر بھی انہوں نے ایک جگہ دیوار کمزور کر دی۔

رات ہو گئی۔ لڑائی بند ہو گئی۔ بادشاہ محل میں پریشان چکر لگانے لگا۔ اس کے وزیر بھی پریشان تھے۔ کل گورنر مصر کی فوجیں ضرور قلعے میں داخل ہو جائیں گی۔ سب کے دماغ میں یہی بات تھی۔ اب کیا کیا جائے؟ اچانک بادشاہ کے ذہن میں اڑن کھٹولے یعنی اڑن طشتری والوں کا خیال آ گیا۔ اس نے اسی وقت لباس بدلا۔

سیاہ لبادہ اوڑھا اور قلعے کے خفیہ راستے سے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلا اور جنگل کے پیچھے ہوسنے راستے سے ہوتا ہوا سیدھا اڑن طشتری کے پاس آ گیا۔ عنبر اور ناگ جاگ رہے تھے۔ انہوں نے بڑی سکرین پر ایک سیاہ پوش کو دیکھا تو اس

نے آگے شعاع پھینکی۔

زمین پر سے ایک شعلہ دھماکے کے ساتھ اٹھا۔

بادشاہ نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔

ناگ نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ سیاہ پوش بادشاہ ہے"

عنبر نے مائیک پر کہا۔ "کیا تم پومپیائی کے بادشاہ ہو؟"

"ہاں! میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں"

"اندر آ جاؤ" عنبر نے جواب دیا۔

اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بادشاہ نے گھوڑا باہر باندھا اور خود اندر آ گیا۔ اس نے آتے ہی عنبر سے کہا۔

"میرے شہر پر گورنر مصر نے حملہ کر دیا ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ اس نے بغاوت کر دی ہے اس کے ساتھ لاکھوں کا لشکر ہے"

عنبر نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے۔ لشکر کو ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کل سارا دن لڑائی ہوتی رہی ہے۔ کیا اب تمہیں یقین آ گیا کہ ہم تمہارے دوست ہیں اور اس وقت سوائے ہمارے اور کوئی دوست تمہارے کام نہیں آ سکتا"

بادشاہ نے کہا۔ "اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں"

ناگ نے کہا۔ "ہم ایک شرط پر تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر فتح کی صورت میں تمہیں مصر کا ملک اس کی ملکہ کے حوالے کرنا ہو گا۔"

بادشاہ کو اپنا سارا ملک، سلطنت اور تخت و تاج جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کہا۔

" مجھے منظور ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مصر کا ملک ملکہ کے حوالے کر دوں گا "

عنبر نے کہا۔

" ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ صبح ہم تمہارے دشمن پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دیں گے اور اگر تم اس کے بعد اپنے وعدے پر قائم نہ رہے تو تمہارا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔

"میں ایک بادشاہ ہوں اور ایک بادشاہ کا عہد کر رہا ہوں "

بادشاہ چلا گیا۔

عنبر اور ناگ اور ماریا نے ملکہ مصر کو ساری کہانی سنائی۔

وہ خوش ہوئی اور بولی۔

" مگر میں گورنر مصر کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔

میں اس سے اپنے ماں باپ اور اپنی رعایا کے قتل کا بدلہ لوں گی۔ ضرور بدلہ لوں گی"

عنبر نے کہا۔

" تمہیں اختیار ہو گا "

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا۔ روشنی ہوئی تو گورنر مصر کی فوجوں نے ایک بار پھر لومپیائی کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑیں اور گھوڑوں کی آوازیں اور سپاہیوں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ گورنر مصر کی فوجیں حملہ کر کے آگے بڑھ رہی تھیں۔ قلعے کی دیوار ٹوٹنے ہی والی تھی کہ گورنر کی فوج نے دیکھا کہ پیچھے آسمان پر ایک اڑن طشتری آگے بڑھ رہی تھی۔

اس طشتری کو بادشاہ بھی اپنے محل کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے اڑن طشتری اڑتے ہوئے آگے بڑھتی دیکھی تو حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ سارے وزیر اور امرا اور پومپیائی کے شہری بھی اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اڑن طشتری کو ایک آسمانی بلا سمجھتے ہوئے اسے خوف اور حیرت کے ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اڑن طشتری گورنر مصر کی فوجوں کے اوپر آ کر ہوا میں رک گئی۔ گورنر مصر کی فوجیں بھی اڑن طشتری کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا بلا ہے جو آسمان سے ان کے سروں کے اوپر نازل ہو گئی ہے۔

عنبر نے ٹارگٹ باندھ کر بٹن دبا دیا۔

اڑن طشتری کے نیچے سے ایک ہی وقت میں کتنی ہی شعاعیں نکل کر فوجیوں پر دھماکے کے ساتھ گریں۔ شعلے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں فوجی اور گھوڑے ہاتھی چٹ ہو کر بھسم ہو گئے۔ اڑن طشتری نے آگے بڑھ کر مصر کی باغی فوجوں کو برباد کرنا شروع کر دیا۔

گورنر مصر بھی خیمے سے باہر آ کر دہشت زدہ ہو کر اڑن طشتری کو تکنے لگا۔ اڑن طشتری نے اس کی آدھی سے زیادہ فوج کو دیکھتے دیکھتے ہلاک کر ڈالا۔ پھر اڑن طشتری زمین پر اتر آئی۔

فوجی اسے دیکھ کر بھاگ اٹھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر کو ہی فرار ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ اڑن طشتری گورنر مصر کے خیمے کے بالکل سامنے آ کر رکی تھی۔ گورنر مصر اپنے سالاروں اور وزیروں کے ساتھ خوف سے زرد ہو کر کھڑا تھا۔ اڑن طشتری میں سے عنبر باہر نکلا۔

وہ سیدھا گورنر مصر کے پاس آیا اور بولا۔

"میں تمہیں ملکہ مصر کے حکم سے گرفتار کرتا ہوں اور ساتھ ہی تمہارے تمام سپہ سالاروں اور وزیروں کو بھی گرفتار کرتا ہوں۔"

مصر کا رومن گورنر عنبر کی زبان سے یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ساری فوج تباہ و برباد ہو گئی تھی اور جس آسمانی بلا نے اس کی فوج کو تباہ کیا تھا اس کا مالک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گورنر نے کہا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"بے کار باتوں کے جواب کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

عنبر نے ناگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ناگ ان لوگوں کو رسیوں سے باندھ ڈالو"

ناگ رسی لے کر آگے بڑھا تو ایک سپہ سالار نے تلوار سے حملہ کر دیا۔ ناگ کے ہاتھ میں چھوٹی پستول تھی اس نے پستول چلا دی۔ سپہ سالار کے سینے میں گولی لگی اور وہ گر کر تڑپا اور مر گیا۔ ناگ نے بلند آواز میں کہا۔

"اگر پھر کسی نے حرکت کی تو اس کا بھی یہی انجام ہو گا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے آگے بڑھ کر گورنر مصر اور اس کے تین سپاہ اور تین وزیروں کے ہاتھ ان کی پشت پر رسیوں سے باند دیا انہیں دھکیل کر اڑن طشتری کے اندر داخل کر دیا اندر کا حصہ دیکھا تو سے سن ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے زندگی میں کبھی ایسی نہ دیکھی تھی۔ گول ہموار چمکیلی چھت اور دیوار کے ساتھ لگی کی مشینیں۔ وہ کونے میں بیٹھے تھے اور ٹکر ٹکر ان سب چیز کو دیکھ رہے تھے۔

عنبر اور ناگ بھی اندر آ گئے۔ میدان صاف تھا انہ نے اڑن طشتری کو اوپر اٹھا یا اور طشتری محل کی طرف پرواز کرنے لگی۔ اندر بیٹھے ہوئے گورنر مصر اور اس ساتھیوں نے شیشے میں سے دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے تو حیران رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"یہ تو آسمان کی طرف جا رہی ہے"

ایک وزیر خوف سے چلا اٹھا۔

"ہم مر جائیں گے"

اتنے میں دیوار کے ساتھ لگے لاؤڈ سپیکر میں سے آ آئی۔

"خاموش بیٹھے رہو۔ تم کو آسمانوں پر نہیں لے جا تم کو محل کے اندر لے جا رہے ہیں"

دیوار سے آتی بلند آواز کو سن کر گورنر مصر اور اس کے اور زیادہ پریشان ہو گئے اور دبک کر کونے میں بیٹھ

اڑن طشتری سیدھا محل کی چھت پر جا کر رک گئی۔ وہاں اہ اور اس کے وزیر عنبر کا انتظار کر رہے تھے۔ شہر کے نے ایک اڑن کھٹولے کو ان کی مدد کرتے اور پھر محل چھت کی طرف جاتے دیکھا تو خوشی سے نعرے لگائے۔

"دیوتا زندہ باد! دیوتا زندہ باد"

ن یہ سمجھ رہے تھے کہ آسمان سے دیوتا ان کی مدد لے آئے ہیں۔

بادشاہ نے بھی اپنے وزیروں امیروں اور درباریوں کو یہی کہا تھا سمانوں سے دیوتا ان کی مدد کرنے آ گئے ہیں۔ بادشاہ نے اپنے داروں امیروں اور سپہ سالاروں سے عنبر اور ناگ کا تعارف کروایا عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے عین وقت پر مدد کر کے سلطنت اور جان و آبرو کو بچا لیا۔

رات کو محل میں زبردست دعوت ہوئی۔ ملکہ مصر بھی مہمان تھی شاہ نے سب کے سامنے اعلان کیا۔

"آج سے ملکہ مصر کو ان کا ملک، اسکا تاج و تخت اور سلطنت پس دی جاتی ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں نے تالیاں بجا کر اس علان کا خیر مقدم کیا۔

دوسرے روز عنبر ناگ اور ماریا نے ملکہ مصر کو ساتھ لیا اور اسے طشتری میں بٹھا کر واپس مصر لے گئے۔ مصر کے لوگوں نے اپنی ملکہ کا شاندار استقبال کیا۔ عنبر نے اڑن طشتری شہر سے باہر دریائے نیل کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں اتار دی تھی اور ملکہ کو ایک رتھ پر سوار کروا کر محل کی طرف لے گیا تھا۔ ملکہ کی رسم تاج پوشی کی گئی۔ شہر میں اس خوشی میں چراغاں کیا گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا نے گھوم پھر کر اپنے وطن کی گلیوں اور اہرام مصر کو دیکھا۔ ہر شے اسی طرح تھی۔ دریا کنارے عنبر کا پرانا مکان گر چکا تھا اور اس کی جگہ ایک نیا مکان کھڑا تھا جس میں ایک حکیم رہتا تھا۔

عنبر اس حکیم سے جا کر ملا۔ حکیم کو اس نے یہ نہ بتایا کہ وہ کبھی اس گھر میں رہا کرتا تھا۔ دو روز وہاں رہنے کے بعد عنبر ناگ اور ماریا واپس پومپیائی آ گئے۔ کیونکہ اب پوم پی آئی کے آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اور وہ جلدی سے جلدی جا کر وہاں کے بادشاہ اور شہر کے لوگوں کو اس پہاڑ سے ہونے والی تباہی سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

پوم پی آئی پہنچ کر اڑن طشتری کو محل کی چھت پر اتار دیا گیا۔

رات کو عنبر اور ناگ نے بادشاہ سے کہا۔

"اب ہم آپ کو ایک ایسی بات بتانے والے ہیں جس کی آپ میں سے کسی کو کوئی خبر نہیں ہے"

"وہ کیا بات ہے عنبر بھائی؟"

بادشاہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچانے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میری بات کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں"

"میں سن رہا ہوں عنبر! تم بتاؤ۔ میں اس پر ضرور عمل کروں گا"

عنبر نے کہا۔

"آپ کے شہر کے باہر وادی میں بہت بڑا آتش فشاں پہاڑ ہے"

"ہاں کوہ وسی ویوس اس کا نام ہے"

"یہ آتش فشاں ہے"

"ہاں! مگر کئی سو سال سے یہ خاموش ہے اس نے کبھی آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں اگلی"

بادشاہ کے اس جواب پر عنبر نے کہا۔

"اب یہ آگ اگلنے والا ہے۔ بہت بڑی آگ اگلنے والا ہے۔ اتنی بڑی آگ کہ یہ ساری وادی سارے شہر، سارے محل اور ایک ایک شے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ یہ وادی سارے شہر کے ساتھ دہکتے ہوئے، کھولتے ہوئے لاوے سے بھر جائے گا جس طرح کہ ایک پیالہ کھولتے ہوئے پانی سے بھر جاتا ہے"

بادشاہ کا چہرہ دہشت سے زرد ہو گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے دوست"

ناگ بولا۔

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں"

بادشاہ نے کہا۔

"مگر یہ آتش فشاں پہاڑ تو کبھی نہیں گرم ہوا۔ اس نے کبھی آگ نہیں اگلی۔ بلکہ کتابوں میں لکھا ہے اور دانا لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ پہاڑ اب مر چکا ہے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور کبھی آگ نہیں اگل سکتا"

عنبر نے کہا۔

"آپ کے دانا لوگ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں۔ ہم جو کہہ رہے ہیں بالکل حقیقت ہے۔ سچ ہے۔ آج سے ٹھیک دس روز بعد آدھی رات کے بعد یہ پہاڑ پھٹ پڑے گا اور اتنی زبردست تباہی پھیلائے گا کہ تاریخ اس تباہی کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ لوگ اس تباہی کی کہانیاں سنایا کریں گے اور آنے والی نسلیں اس تباہی کو یاد کر کے کانپ جایا کریں گے"

بادشاہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اسے عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے، بلکہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہوں گے۔ کیونکہ انہیں آسمانی باتوں کی بھی خبر ہے۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور بولا۔

"کیا یہ ہو کر رہے گا؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں! یہ بات مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا"

بادشاہ نے کہا۔

"میں آج ہی شہر میں منادی کروا دوں گا کہ لوگ شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو چھوڑ کر محفوظ جگہوں پر چلے جائیں کیونکہ شہر پر تباہی نازل ہونے والی ہے"

دوسرے روز بادشاہ نے شہر میں منادی کروادی کہ شہر پر ایک ہفتے کے بعد تباہی آنے والی ہے اس لیے شہر کو چھوڑ دیا جائے۔ لوگوں نے پہلے تو غور سے منادی کرنے والے کو سنا۔ پھر اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے۔ کئی ایک نے تو منادی کرنے والے کو پیٹ بھی ڈالا۔

"بکواس کرتا ہے۔ بھلا بادشاہ کو کیسے پتہ چل گیا کہ شہر پر تباہی آنے والی ہے"

"بادشاہ کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے"

بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ لوگ شہر چھوڑ کر چلے جائیں مگر لوگوں نے بادشاہ کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ پھر بھی کچھ لوگ اپنے اپنے مکان چھوڑ کر چلے گئے۔ جانے والوں سے لوگوں نے مذاق کیا۔ کئی ایک کا اسباب بھی پھینک کر توڑ دیا کہ تم لوگ شہر والوں کو دغا دے کر جا رہے ہو۔

آتش فشاں کے پھٹنے میں دو روز باقی رہ گئے تھے۔

بادشاہ نے اپنے سارے وزیروں، درباریوں اور شاہی خاندان کو اڑن طشتری میں بٹھایا اور اڑن طشتری انہیں لے کر شہر سے دور سمندر میں ایک جزیرے میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر بادشاہ نے ایک محل بنوا رکھا تھا۔ بادشاہ یہاں آ گیا۔ اس محل کی چھت پر سے پوم پی آئی شہر، اس کی وادی اور آتش فشاں پہاڑ دور سے صاف دکھائی دیتا تھا۔

آتش فشاں پھٹنے میں صرف ایک روز باقی رہ گیا۔ شہر میں لوگ بادشاہ اس کے وزیروں اور درباریوں کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے کہ وہ انہیں دھوکا دے گئے ہیں۔ شہر میں سے جو لوگ چلے گئے تھے۔ لوگوں نے غصے میں آ کر ان کے مکان جلا کر راکھ کر ڈالے۔

آخر وہ رات بھی آ گئی کہ جب آدھی رات کے بعد آتش فشاں پہاڑ کو پھٹنا تھا اور تباہی مچانی تھی۔

رات بڑی پرسکون تھی۔ آسمان پر نیلے ستارے چمک رہے تھے۔ شہر کے لوگ کچھ سو رہے تھے اور کچھ چائے خانوں کے باہر اور اندر بیٹھے چائے پی رہے تھے اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آدھی رات گزر چکی تھی کہ اچانک زمین آہستہ سے ہلی۔ لوگوں نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ اس طرح کے زلزلے کبھی کبھی پوم پی آئی میں آیا ہی کرتے تھے۔ ایک جھٹکا اور آیا۔ پھر ایک شدید جھٹکا لگا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہی پہاڑیں سے گونج اٹھی۔

اب لوگ کچھ گھبرائے اور مکانوں سے بھاگے۔ سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر ادھر ادھر بھاگے۔ مگر آتش فشاں نے انہیں مہلت نہ دی۔

آتش پہاڑ قیامت کے دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا اس دھماکے نے شہر کو زمین کے اندر جڑوں تک ہلا کر رکھ دیا۔ بے شمار عمارتیں زلزلے کی وجہ سے گر پڑیں۔ چیخ و پکار مچ گیا۔ لوگ مرنے لگے۔

اس کے ساتھ ہی آتش فشاں پہاڑ میں سے دہکتا ہوا لاوا ایک دریا کی طرح بہہ نکلا اور اس نے شہر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاوا شہر میں داخل ہو گیا اور لوگ اس میں جل کر بھسم ہونے لگے۔ لاوے نے کسی کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر دوسرے مکان تک ہی پہنچ سکے۔ آخر۔۔۔۔۔ کی خبر پہنچ نکلی۔

خوش قسمت تھے وہ لوگ جو ایک دو روز پہلے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

لوگ پچھتا رہے تھے مگر لاوا انہیں پچھتانے کا زیادہ موقع نہیں دے رہا تھا۔ وہ انہیں بھسم کر کے رکھ بنا رہا

تھا۔

بادشاہ اور درباری جزیرے کی پہاڑی پر سے یہ عبرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے اور غم زدہ ہو رہے تھے۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کاش اس کے شہر والے اس کی بات مان لیتے۔ عنبر اور ناگ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ بادشاہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم لوگ نہ آتے تو آج میرا اور میرے بال بچوں کا بھی یہی حشر ہوتا"

* * *

ناگ ماریا اور عنبر اس کے بعد کہاں گئے؟
کیا پومپی آئی شہر میں کوئی بچ سکا؟
پھر کیا ہوا؟
یہ آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

* * *

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور اب مزید پچاس نئے سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سسپنس خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثال ہے!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح نئی نئی سیریز کی اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک سٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

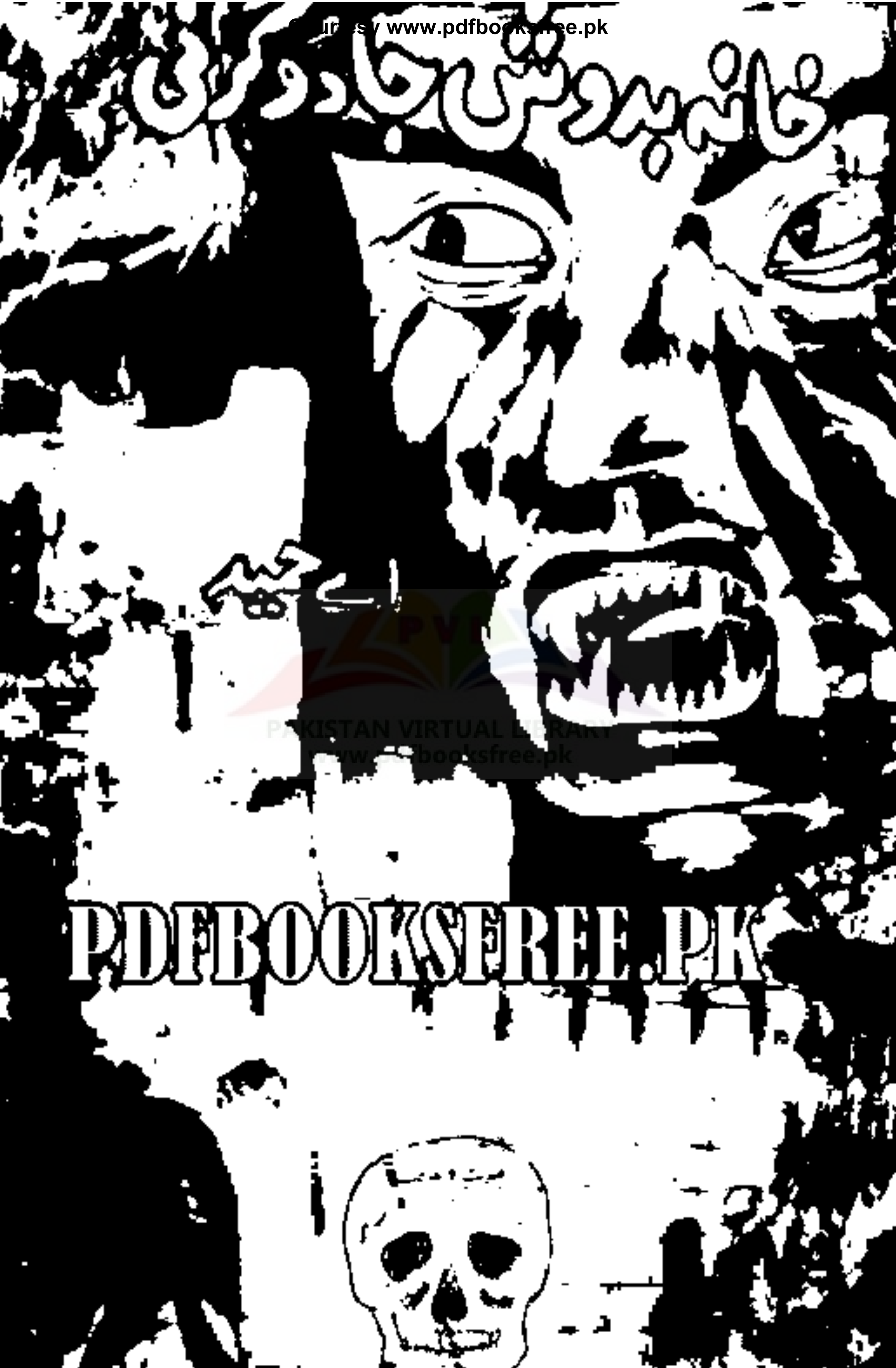

خانہ بدوش جادوگرنی

اے حمید

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ج 507

۹۲

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خانہ بدوش جادوگرنی

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولےخان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹرز
علمی پرنٹنگ پریس، میو ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۶۹ء
قیمت: پانچ روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

سفید لڑکی

●

پومپائی شہر تباہ ہو گیا

سارا شہر گرم دہکتے ہوئے لاوے میں اس طرح سے ڈوب گیا جس طرح پیالہ پانی سے بھر جاتا ہے۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ تاریخ میں ایسے ہی لکھا ہے، عنبر ماریا اور ناگ کا لوگوں کو خبردار کرنا بھی انہیں نہ بچا سکا۔ صرف بادشاہ اور اس کے خاندان کے لوگ بچ گئے۔ یہ سب کے سب عنبر کے کہنے پر اس کی اڑن طشتری میں سمندر کے اندر پہاڑی کے اوپر آ گئے تھے۔ قدرت نے انہیں بچا لیا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ شہر کی تباہی پر بہت اداس تھے عنبر نے کہا۔

"یہ تباہی اس شہر کے مقدر میں لکھی گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ لوگ گناہ کی دلدل میں ڈوب چکے تھے۔ خدا نے اس شہر کو الٹ کر رکھ دیا، اب اس تباہی پر افسوس کرنا بے کار ہے۔"

ناگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے بادشاہ! اب آپ دوسری وادی میں ایک نیا شہر آباد کریں اور لوگوں کو نیک اور پاک زندگی بسر کرنے کی ہدایت کریں۔ گناہ کی زندگی کا انجام آپ نے دیکھ لیا ہے۔"

بادشاہ بولا۔

"میں سب سے پہلے تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میری اور میرے خاندان کی تمہاری وجہ سے جان بچی۔ اس کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرے نئے شہر میں لوگ نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔ میں اپنے ملک میں کوئی گناہ نہیں ہونے دوں گا اور ایک خدا کی عبادت کروں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"اے بادشاہ! تمہیں اب بھی خداوند کریم کا ہی شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس نے تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان بچائی۔ تمہارے اندر نیکی باقی تھی جو تمہارے کام آئی۔"

بادشاہ نے وادی کے دوسری جانب ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ بچے کچھے لوگ نئے مکان بنانے لگے۔ عنبر ناگ اور ماریا نے بادشاہ سے اجازت لی اور اُڑن طشتری میں سوار ہو کر اُڑ گئے۔

اڑن طشتری زمین سے کافی بلندی پر اُڑ رہی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک روز آسمان پر دھوپ خوب چمک رہی تھی، موسم بڑا خوشگوار تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"کمپیوٹر پر معلوم کرو کہ ہم کس جگہ پر ہیں۔"

ناگ نے کمپیوٹر چلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک کارڈ کمپیوٹر سے باہر آ گرا۔ اُسے پڑھ کر ناگ نے کہا۔

"ہم اس وقت ایک ایسے سمندر کے اوپر سے گزر رہے ہیں جو دو براعظموں کے درمیان واقع ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم بحرالکاہل کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔"

عنبر نے پوچھا

"یہ زمانہ کونسا ہے؟"

ناگ نے پڑھ کر کہا۔

"کمپیوٹر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ زمانہ حضرت عیسے علیہ السلام کی پیدائش سے دو سال پہلے کا ہے۔"

ماریا نے تعجب سے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ ہمارا کمپیوٹر ہمیں ٹھیک ٹھیک زمانہ بتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی حضرت عیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے کے لیے زمین کو دو سو برس تک انتظار کرنا ہوگا۔"

عنبر بولا۔

"ہاں ماریا! بڑی عجیب بات ہے۔"

اتنے میں ناگ نے شیشے کے گول سوراخ میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھو عنبر! کس قدر خوبصورت جزیرہ نظر آ رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ بادلوں میں گھرا ہوا کوئی زمرد سمندر کے بیچ میں رکھا ہے۔"

ماریا اور عنبر نے بھی شیشے کی کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔ واقعی ایک بے حد خوبصورت کافی لمبا چوڑا جزیرہ تھا جو سرمئی بادلوں میں لپٹا ہوا تھا۔ مگر اس کے ہرے بھرے درخت اور جنگل پھر بھی صاف بادلوں کے بیچ میں سے نظر آ رہے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کیوں نہ اس حسین جزیرے میں کچھ روز سیر و تفریح کی جائے۔"

"اچھا خیال ہے۔" ناگ نے مسکرا کر کہا۔

عنبر نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

اور وہ ایک بٹن دبا کر اڑن طشتری کو دور سمندر کی طرف لے گیا۔ طشتری نے بادلوں کے اندر ہی ایک چکر لگایا اور بڑے سکون کے ساتھ آواز پیدا کیے بغیر ہی جزیرے کے جنوب میں ایک جگہ اُتر گئی۔ یہاں اردگرد اونچے اونچے گھنے درخت تھے۔ سیاہ بلند چٹانیں کھڑی تھیں جن پہ سبز بیلیں چڑھی تھیں اور پتھروں پر سبز کائی جمی تھی۔ عنبر ماریا اور ناگ اُڑن طشتری سے باہر آ گئے۔ ہوا ٹھنڈی اور صاف تھی۔

"بڑی اچھی فضا ہے یہاں کی۔" عنبر نے کہا

ناگ اور ماریا گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ ہوا میں درختوں کے پتوں اور جنگلی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ آسمان پہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کبھی کبھی ہلکی ہلکی بجلی چمک جاتی تھی، جنگل میں سیر کرتے کرتے وہ کچھ دور تک نکل گئے۔

"میرا خیال ہے بارش ہونے والی ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

ناگ کے اس خیال پہ عنبر نے درختوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جانے سے پہلے یہ زرد کیلے اپنے ساتھ لے جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیں۔ دیر بعد افریقہ کے زرد کیلے نظر آئے ہیں۔"

درختوں پر زرد کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ انہوں نے چند ایک گچھے توڑ کر ساتھ رکھ لیے اور واپس اڑن طشتری میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہو گئی۔ ہلکی ہلکی بارش دیر تک ہوتی رہی، عنبر نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت دوپہر کے چار بج رہے تھے۔ انہوں نے کافی بنا کر پی اور زرد کیلے کھائے۔ پھر بارش رک گئی۔ عنبر اور ناگ آرام کرنے لیٹ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میں ذرا جنگل کی سیر کرنے جا رہی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"ضرور جاؤ۔ مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ نیا نیا جزیرہ ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ یہاں کوئی آدم خور قبیلہ آباد ہو۔"

ماریا مسکرائی۔

"فکر نہ کرو ناگ بھیا۔ میں بھی آدم خوروں کی ماں ہوں۔"

عنبر اور ناگ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور ماریا اڑن طشتری سے باہر آ گئی۔ اس نے ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو بارش میں اُسے بچا سکتے تھے۔ پاؤں میں گھٹنوں تک چمڑے کے بوٹ تھے تاکہ وہ سانپ کے

کاٹنے سے بچ سکے۔ جیب میں ایک چھوٹا سا جرمن ریوالور تھا جس کے میگزین میں بارہ گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ ماریا جب جنگل میں کافی آگے نکل آئی تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور محسوس کیا کہ وہ جیبی سائز کا ٹرانسمیٹر اپنے ساتھ نہیں لائی۔ اس ٹرانسمیٹر سے وہ اڑن طشتری میں عنبر اور ناگ سے باتیں کر سکتی تھی۔ اتفاق سے یہ ٹرانسمیٹر اس کے دوسرے کوٹ میں پڑا رہ گیا تھا۔

"مجھے ٹرانسمیٹر کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" ماریا نے سوچا اور جنگل میں آگے بڑھتی گئی۔ بارش کے بعد جنگل کا سبزہ اور ہرے بھرے درخت دھل گئے تھے۔ بڑے گھنے درخت تھے۔ کئی درختوں کے پتے بڑے چوڑے اور گہرے نیلے تھے۔ جھاڑیوں میں جگہ جگہ سرخ رنگ کے جنگلی پھول کھلے تھے۔ درختوں پر پرندے میٹھے چہچہا رہے تھے۔ ایک لنگور نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر کے زور سے چیخ ماری اور شاخ پر جھول کر دوسری جانب نکل گیا۔

لنگور ماریا کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ مگر اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھٹی حس نے اُسے ایک انسان کی موجودگی سے خبردار کر دیا تھا۔ ماریا اِس لنگور کی پریشانی کو دیکھ کر ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی کی آواز پر ایک جنگلی طوطا گردن جھکا کر نیچے دیکھنے لگا۔ اس نے ہنسی کی آواز صاف سُنی تھی۔ مگر اُسے نیچے کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ طوطے نے انسانی ہنسی کی نقل اتاری۔ ماریا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ وہ طوطے سے کھیل رہی تھی۔

طوطے نے بھی ایسا ہی قہقہہ لگایا۔ ماریا نے کہا

ہیلو!"

طوطے نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ اس کی گول گول آنکھیں پھیل گئیں، نیچے کوئی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یہ عورت کی آواز کہاں سے آئی تھی؟ طوطے کا حیوانی ذہن یہ معمہ حل نہ کر سکا اور وہ اُڑ گیا۔ ماریا ہنس پڑی۔ طوطے سے مذاق کر کے وہ بڑا خوش ہوئی تھی۔ اب ماریا جنگل میں ایک کھلی جگہ پر نکل آئی تھی اچانک کھٹاک سے ایک تیر اس کے قریب ہی ایک درخت کے تنے میں آ کر کھب گیا۔ ماریا جلدی سے پرے ہٹ کر درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ ایسے لگتا تھا کہ کسی نے اسے دیکھ کر نشانہ باندھ کر تیر چلایا تھا۔ تو کیا کوئی اُسے دیکھ رہا تھا۔

ماریا کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اگر کسی نے اِسے دیکھ لیا ہے تو اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس نے جلدی سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔

مگر اُسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ صرف اس کے قہقہے کی آواز سن کر جزیرے کے وحشی نے آواز کی طرف تیر چلا دیا تھا۔ ان لوگوں کا نشانہ اس قدر اچھا تھا کہ جہاں تھوڑی دیر پہلے کھڑے ہو کر ماریا نے طوطے کو تنگ کرتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا تیر ٹھیک اُسی جگہ آ کر درخت سے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ماریا کو شک ہو گیا تھا کہ کسی نے اُسے دیکھ لیا ہے۔

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ درخت کی اوٹ میں ریوالور لیے کھڑی تھی اور آنے والے کا انتظار کر رہی تھی۔ اتنے میں اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ دو آدمی جنگلی زبان میں آپس میں باتیں کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ ماریا میں بھی یہ طاقت تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اس کے بعد ماریا نے دیکھا کہ دو وحشی جنہوں نے ایک موٹا سا کپڑا کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا ہاتھوں میں تیر کمان پکڑے جھاڑیوں میں سے باہر نکلے۔ اُن کے سروں پر اس قدر گھنے بال تھے کہ لگتا تھا جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں۔ ان کے نقش ذرا چپٹے تھے اور رنگ زیادہ کالے نہیں تھے۔ دونوں وحشی پھونک پھونک کر قدم رکھتے جھاڑیوں میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اس جگہ آ کر رُک گئے جہاں درخت کے تنے میں ان کا تیر کھبا ہوا تھا۔

دونوں وحشی آنکھیں سکیڑ کر بڑے غور سے اردگرد دیکھ رہے تھے۔

"آواز یہاں سے آئی تھی نا؟"

"ہاں! ٹھیک اسی جگہ سے آئی تھی۔"

"عورت کی آواز تھی۔"

"ہاں! عورت کی آواز تھی۔"

"مگر اب وہ کہاں ہے؟"

"بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اسی جنگل میں کہیں چھپی ہو گی۔ ہم اُسے تلاش کر کے رہیں گے۔"

"مگر یہ کون عورت ہے؟"

"جو بھی ہے۔ ہم اُسے زندہ پکڑیں گے اور سردار کے پاس لے جائیں گے۔ سردار ہمیں انعام دے گا، کوئی عجب نہیں کہ دیوی کے آگے اِس کی قربانی پیش کی جائے۔"

"چلو اسے تلاش کرتے ہیں۔"

ماریا نے سوچا کہ اس بات کا فیصلہ کر ہی لینا چاہیے کہ یہ لوگ اُسے دیکھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ پس وہ ریوالور تھام کر اچانک دونوں کے سامنے آ گئی۔ دونوں وحشی اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماریا نے ہاتھ ان کی طرف لہرایا۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی ماریا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے پستول جیب میں رکھ لیا اور وحشیوں کے پیچھے پیچھے چل دی۔ یوں ہی وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ اور دراصل میں یہ لوگ کون ہیں؟

دونوں وحشی ایک کھلی جگہ جا کر گھوم گئے۔

یہاں ماریا نے دیکھا کہ درختوں کے نیچے جگہ جگہ کتنی جھونپڑیاں بنی ہیں اور وحشی لوگ چل پھر رہے ہیں۔ سب نے تیر کمان کندھوں پر ڈال رکھے ہیں۔ کہیں کہیں وحشی لوگ عورتیں بھی دکھائی دے رہی تھیں جو جھونپڑیوں کے آگے کام کاج کر رہی تھیں۔ ان لوگوں میں ماریا کو کوئی آدم خوروں والی بات نظر نہ آئی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ اسس قبیلے کے سردار کی جھونپڑی ہے بلکہ محل ہے۔

ماریا کا جی چاہا کہ وہ اندر جا کے اس جھونپڑی کو دیکھے۔ باہر دو وحشی پہرہ دے رہے تھے مگر ماریا کے لیے ان کے بیچ میں سے ہو کر گزر جانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ جھونپڑی اندر سے ایک چھوٹے سے محل کی طرح خوب صورت اور سجی ہوئی تھی۔ فرش پر شیر کی کھالیں بچھی تھیں۔ ایک تخت تھا جس پر ہرن اور شیر کی کھالیں سجی ہوئی تھیں۔ اس پر ہاتھی دانت کی ایک کرسی رکھی تھی جس پر لمبے بالوں اور لمبے کانوں والا سیاہ فام قبیلے کا سردار بیٹھا تھا۔ اسس کے ایک ہاتھ میں مور کے پنکھوں کا گچھا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک چھرا تھا جس کے دستے پر نیلم اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ سامنے فرش پر ہاتھ باندھے ایک سفید داڑھی والا وحشی بوڑھا کھڑا تھا۔

یہ شاید قبیلے کا پجاری تھا۔ وہ دونوں آپس میں قبیلے کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جسے ماریا بڑی آسانی سے سمجھ رہی تھی۔

سردار کہہ رہا تھا

"میرا فیصلہ اٹل ہے، میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا

پجاری:۔ سردار آپ مالک ہیں، بادشاہ ہیں۔ جو چاہے کر سکتے ہیں۔ مگر میں اسس قبیلے کے آتش فشاں اگنی دیوتا کا پجاری ہوں۔" میں آپ کو اسس راہ پر نہیں جانے دوں گا۔ جو تباہی کی طرف جاتی ہے۔

سردار:۔ (مور چھل ہلا کر)

میں تباہی کی راہ پر کیسے جا رہا ہوں

پجاری

وہ سفید لڑکی جس سے آپ شادی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اگنی دیوتا کی قربانی کے لیے رکھی گئی ہے۔

سفید لڑکی کے ذکر پر ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔

سردار!

میں نے اُسے پہلے ہی اپنے لیے چن لیا تھا۔ اگنی دیوتا کو معلوم ہے۔

پجاری:۔

سردار آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہمارا صدیوں سے رواج چلا آتا ہے کہ ہر سال پہلے مہینے کے پندرہ دنوں میں جو بھی اجنبی اس جزیرے پر آتا ہے وہ اگنی دیوتا کی امانت ہوتی ہے۔ یہ سفید لڑکی اسی سال کے شروع مہینے کے پہلے ہفتے میں جزیرے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کے پاس بے ہوش پائی گئی تھی۔ اس لیے دستور کے مطابق یہ اگنی دیوتا کی امانت ہے اور اسے اگنی دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جائے گا۔ نہیں تو مجھے ڈر ہے کہ اس جزیرے پر اگنی دیوتا کا غضب نازل ہو گا۔

سردار:۔

تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ سفید لڑکی پچھلے سال کے آخری ہفتے میں جزیرے پر پائی گئی تھی۔ اس اعتبار سے مجھے اس کے ساتھ شادی رچانے کا حق حاصل ہے۔

پجاری:۔ (سر جھکا کر)

اگر آپ کی ضد یہی ہے تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔

سردار:۔ (غصے میں)

یہ میری ضد نہیں میرا حق ہے۔

پجاری (سر جھکا کر)

جو حکم سردار! آپ کا فیصلہ درست ہے۔

سردار:۔ (خنجر والا ہاتھ ہلا کر)

شادی کی تیاری کی جائے۔ پرسوں چاند رات کو ہم سفید لڑکی سے شادی کریں گے

پجاری (سر جھکا کر) بہت بہتر۔

پجاری باہر نکل گیا۔ سردار بھی کرسی پر سے اُٹھ کر پردہ اٹھا کر جھونپڑی کی دوسری طرف چلا گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ والی جھونپڑی میں آ گئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ سفید لڑکی کس جگہ پر قید ہے۔ اس جھونپڑی میں ایک عورت بیٹھی بانس کے چوکھٹے میں کپڑا لگائے اس پر کچھ کاڑھ رہی تھی، سردار کو دیکھ کر بولی۔

"آخر تم نے سفید لڑکی سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

سردار:۔ میں اس جزیرے کا بادشاہ ہوں جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہوں۔

عورت:۔ اگنی دیوتا تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اس کی امانت میں خیانت کر رہے ہو۔

سردار! میں ایسا نہیں کر رہا۔

عورت:۔ اگنی دیوتا غضب میں آ جائے گا۔ آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔ جزیرے پر قیامت آ جائے گی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

سردار:۔ بک بک بند کرو۔

اور سردار باہر نکل گیا۔ عورت خاموش بیٹھی کڑھائی کرتی رہی۔ ماریا اس کے قریب ہی ایک مونڈھے پر بیٹھی یہ ساری باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی، صاف معلوم ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا کہ یہ عورت سردار کی بیوی ہے اور اسے گوارا نہیں کہ سردار کسی دوسری عورت سے شادی کرے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ سفید لڑکی کون ہے۔ اس جزیرے میں کیونکر آگئی ہے۔ اور اب کس جگہ قید ہے؟

ماریا یہ باتیں سوچ ہی رہی تھی کہ اس عورت نے قریب ہی لٹکتی ہوئی ایک رسی کھینچی۔ باہر ایک گھنٹی بجی۔ ایک سیاہ فام کنیز اندر آگئی۔

"کیا حکم ہے ملکہ صاحبہ"

عورت:۔ شاہی جادوگر کو بلاؤ۔

کنیز:۔ بہتر ملکہ صاحبہ!

کنیز باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کالا بھجنگ سیاہ سوکھا سا زرد آنکھوں والا آدمی اندر آگیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھوپڑی تھی اور گلے میں شاید انسانی ہڈیوں کی مالا تھی۔ آتے ہی جھک کر بولا۔

"کیا حکم ہے ملکہ؟"

پھر اچانک فضا میں کچھ سونگھ کر بولا۔

"اس فضا سے مجھے ایک اور عورت کی بو آرہی ہے" ملکہ نے چونک کر جادوگر کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہاں میرے سوا تو کوئی دوسری

عورت نہیں ہے"

جادوگر نے چوڑے بدصورت نتھنے سکیڑ کر کہا

"مجھے ایک عورت کی بو برابر آرہی ہے۔"

پھر اس نے کھوپڑی والا ہاتھ آگے پھیلا کر جھونپڑی میں چکر لگانا شروع کر دیا۔ ماریا کچھ پریشان ہو گئی۔ وہ جھونپڑی کے کونے میں جاکر کھڑی ہو گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ بدشکل جادوگر اپنے جادو کے زور سے اسے سچ مچ دیکھ ہی نہ لے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جادوگر میں ابھی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ غائب ماریا کو دیکھ سکتا، کھوپڑی کی مدد سے اس نے جھونپڑی کی ہر چیز کو ٹٹولا مگر ماریا کو نہ پاکر ملکہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"میں اس اجنبی عورت کو دیکھ نہیں سکا مگر مجھے اس کی بو ابھی تک آرہی ہے"

"یہ تمہارا وہم ہے" ملکہ نے کہا۔

پھر ملکہ نے آہستہ سے جھک کر کہا۔

"میں نے تمہیں اس وقت ایک ضروری کام کے لیے بلایا ہے۔ تم میرے راز دار ہو۔ تم ہمیشہ میرے کام آئے ہو۔"

جادوگر:۔ (ادب سے سر جھکا کر) میں نے آپ کا نمک کھایا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکہ! میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ حکم کیجیے۔

ملکہ۔ تم تو جانتے ہو کہ بادشاہ سفید لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

جادوگر۔ جانتا ہوں۔

ملکہ۔ بلکہ بادشاہ فیصلہ کر چکا ہے اور پرسوں شادی بھی ہے۔

جادوگر۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟

ملکہ۔ سفید لڑکی اگنی دیوتا کی امانت ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ بادشاہ پر کوئی عذاب نازل ہو۔ یا اس جزیرے پر قیامت ٹوٹ پڑے۔ اس لیے کیا تم ایسا جادو نہیں کر سکتے کہ بادشاہ کی نیت بدل جائے؟

جادوگر۔ کوشش کر کے دیکھوں گا۔ ویسے بادشاہ کے دماغ پر اثر ڈالنا بڑی مشکل بات ہے۔

ملکہ۔ بہرحال تم کوشش کرو۔ اور ہاں۔ یہ بات سو تمہارے اور کسی کو معلوم نہ ہو۔

جادوگر۔ ہرگز نہیں ملکہ۔ آپ کا راز میرے سینے میں امانت بن کے رہے گا۔

ملکہ۔ اب تم جا سکتے ہو۔

جادوگر سر جھکا کر جانے لگا تو ناک سکیڑ کر بولا۔

"کسی غیبی عورت کی بو ابھی تک آ رہی ہے۔"

ماریا کو اس کمینے کالے بھجنگ جادوگر پر بڑا غصہ آیا کم بخت اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔ جب وہ جھونپڑی سے باہر نکلا تو ماریا بھی اس کے پیچھے گئی باہر جاتے ہی ماریا نے زمین پر سے ایک بانس کا ٹکڑا اٹھایا اور جادوگر کے سر پر دے مارا۔ بانس کھوکھلا تھا۔ چوٹ زیادہ نہیں لگی مگر جادوگر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے پیچھے دیکھا۔

"کون ہے؟ کس نے مارا ہے یہ بانس؟"

وہاں کوئی بھی نہیں تھا ماریا ہنس پڑی۔ جادوگر کا رنگ اور کالا ہو گیا۔

"تم۔۔۔ تم کون ہو؟"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اور چپکے سے جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اڑن طشتری میں جا کر اس نے عنبر اور ناگ کو ساری کہانی سنا ڈالی۔ سفید لڑکی کے بارے میں عنبر اور ناگ نے زیادہ دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ بہرحال ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سفید لڑکی کا سراغ لگا کر رہے گی۔ اور اسے اگنی دیوتا سے ضرور بچائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھی رات کو اچانک جزیرے کی زمین ہلنے لگی۔

بھونچال آ گیا تھا۔ پھر آتش فشاں پہاڑ میں ایک دھماکہ ہوا اور سرخ لاوا اچھل کر باہر گر پڑا۔ جزیرے کے سارے وحشی خوف سے کانپنے لگے۔ وہ سجدے میں گر پڑے اور اگنی دیوتا کی تعریف میں بھجن گانے لگے۔ عنبر اور ناگ اور ماریا بھی جاگ پڑے۔ بھونچال کے جھٹکے بند ہو گئے تھے۔ عنبر اور ناگ پھر سو گئے۔ ماریا جاگتی رہی اور سفید لڑکی کے بارے میں سوچتی رہی، اُسے معلوم تھا کہ اب اُسے ضرور اگنی دیوتا پر قربان کر دیا جائے گا۔ کیونکہ پجاری اعلان کر دے گا کہ دیوتا کی امانت میں خیانت کی وجہ سے اگنی دیوتا کا غضب جزیرے پر نازل ہونے والا ہے۔

اسی وقت بادشاہ اور پجاری جھونپڑی محل سے باہر آ کر سجدے میں گر پڑے تھے۔ زلزلے کے جھٹکے رک گئے تھے مگر آتش فشاں پہاڑ کی جانب سے ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز کسی وقت سنائی دے جاتی تھی۔ پجاری نے اعلان کیا۔

"اگنی دیوتا غصے میں ہے اس کی قربانی دی جائے۔"

بادشاہ نے اسی وقت ہاتھ باندھ کے کہا۔

"میں معافی مانگتا ہوں اگنی دیوتا سے۔ اے اگنی دیوتا—! تمہاری امانت تمہارے پاس حاضر کر دی جائے گی۔"

ڈھول کی تھاپ پر پجاری نے اعلان کیا۔

"کل شام کو چاند نکلتے ہی سفید لڑکی اگنی دیوتا پر قربان کر دی جائے گی۔ اُسے آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی سے کھولتے لاوے میں گرا دیا جائے گا۔"

ماریا کو صبح اس کی خبر ملی کہ سفید لڑکی کو شام کے وقت آتش فشاں پہاڑ میں گرایا جا رہا ہے۔ اب وہ بڑی بے تابی سے سفید لڑکی کی تلاش میں تھی۔ کیونکہ وقت بہت کم تھا اس روز آسمان پر آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے نکلنے والے سیاہ دھوئیں سے آسمان پر اندھیرا چھا گیا تھا اور سورج چھپ گیا تھا۔ جزیرے پر گہری دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی، عنبر اور ناگ اس کی مرمت کر رہے تھے۔ ماریا سیر کے لیے کہہ کر وہاں سے نکل آئی اور سیدھی وحشیوں کی بستی میں آ گئی۔

یہاں قربانی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

وحشی عورتیں بھجن گاتی پھولوں کے ہار تیار کر رہی تھیں۔

ایک تخت بنایا جا رہا تھا جس پر بٹھا کر سفید لڑکی کو آتش فشاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہاڑ کے کنارے تک لے جانا تھا۔ وہ جلد سے جلد سفید لڑکی تلاش کر کے اسے بچانا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ دو عورتیں پھولوں کے ہار ٹوکری میں ڈال کر ایک طرف جا رہی تھیں۔ ماریا کو خیال آیا کہ شاید یہ عورتیں سفید لڑکی کے پاس جا رہی ہیں۔ وہ ان کے پیچھے چل پڑی۔

دونوں عورتیں جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر رک گئیں۔ سامنے پہاڑ کے دامن میں ایک جھونپڑی بنی تھی۔ باہر دو ہٹے کٹے وحشی نیزے اور تیر کمان لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ اسی جگہ سفید لڑکی قید ہے۔ دونوں عورتیں جھونپڑی میں چلی گئیں۔ ماریا بھی اُن کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئی۔ اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک سفید نازک سی لڑکی جس کے سر کے بال سُرخ ہیں۔ زنجیر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور ایک بوریے پر سر جھکائے بیٹھی ہے۔ عورتوں کو دیکھ کر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔

اس کا چہرہ اداس تھا۔ بے حد اترا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک کر گالوں پر خشک نشان پڑ گئے تھے۔ عورتوں نے بھجن گانے شروع کر دیئے۔ پھر سفید لڑکی کو پھولوں کے ہار پہنائے اور اپنی زبان میں کہا۔

"اگنی دیوتا! قربانی مبارک ہو"!

اور باہر نکل گئیں۔ وحشی پہرے داروں نے باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ اب ماریا اور سفید لڑکی جھونپڑی میں اکیلی رہ گئیں۔

عورتیں سفید لڑکی کے پاس ایک ٹوکری میں کچھ پھول رکھ گئی تھیں۔ جس کی طرف لڑکی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ماریا غور سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یورپ کے کسی ملک کی لگ رہی تھی۔ اس کا لباس اگرچہ پرانا اور میلا ہو گیا تھا مگر معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے کی لڑکی ہے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اس لڑکی کو آتش فشاں پہاڑ میں پھینکنے کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں باہر میدان میں ایک منڈپ تیار کیا جا رہا تھا جس میں پھولوں سے سجا ہوا تخت رکھا تھا۔ اس تخت پر سفید لڑکی کو بٹھا کر آتش فشاں پہاڑ کے کنارے پر لے جانا تھا اور پھر اسے تختے سمیت کھولتے ہوئے لاوے کے کنوئیں میں پھینک دینا تھا۔ اس کے خیال ہی سے ماریا کا دل لرز گیا۔ وہ جلدی سے جلدی اس لڑکی کو یہاں سے نکال کر لے جانا چاہتی تھی۔ پہاڑ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھواں برابر اُٹھ رہا تھا۔

کسی وقت گرج سنائی دے جاتی اور وحشی اونچی اونچی آواز میں بھجن گانے لگتے۔ جزیرے پر دھواں پھیل گیا تھا جس کیوجہ سے دن کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ سب سے پہلے باہر پہرہ دینے والوں سے نپٹنا چاہیئے تاکہ فرار کا راستہ صاف ہو جائے۔

پس ماریا دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا اور کنڈی لگی تھی۔ ماریا نے دروازے پر دستک دی۔ دستک کی آواز پر باہر پہرہ دینے والے وحشی اور سفید لڑکی نے چونک کر دیکھا۔ سفید لڑکی کو ماریا نظر نہ آئی۔ پہرہ دار سمجھے کہ شاید سفید لڑکی کوئی چیز مانگ رہی ہے۔ اگنی دیوتا کی بھینٹ ہونے کی وجہ سے انہیں حکم تھا کہ سفید لڑکی جو کھانے کو مانگے اسے دے دیا جائے۔

ایک پہرے دار نے کنڈی کھول کر اندر جھانکا۔

"کیا بات ہے؟"

یہ الفاظ اس نے اپنی جنگلی زبان میں کہے تھے۔ جنہیں سفید لڑکی بالکل نہ سمجھی۔ وہ پہرے دار کو پھٹی پھٹی نظروں سے تک رہی تھی۔ اسے اپنا المناک انجام

صاف نظر آ رہا تھا۔ پہرے دار نے دیکھا کہ لڑکی کچھ نہیں کہہ رہی۔ اس نے غصے میں دروازہ بند کر دیا اس دوران میں ماریا جھونپڑی سے باہر نکل چکی تھی۔

باہر جاتے ہی ماریا نے ایک پہرے دار کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"میں اگنی دیوتا کی بیوی ہوں۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔" کسی غیبی عورت کی آواز سن کر پہرے دار خوف سے سفید پڑ گیا۔ دوسرے وحشی نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ وہ بھی تھر تھر کانپنے لگا۔ ماریا نے تیر نشانے لگتا دیکھ کر پھر اسی آواز میں اور ان لوگوں کی جنگلی زبان میں کہا۔

"بھاگ جاؤ۔ نہیں تو میں تمہیں کھا جاؤں گی۔"

دونوں پہرے دار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بکرے کا سر

اب سفید لڑکی کو وہاں سے نکالنا تھا۔

ماریا کچھ سوچ کر جھونپڑی کی طرف بڑھی۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ سفید لڑکی سمجھ گئی کہ اس کی موت کا وقت آگیا ہے۔ اِس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا، پھر بند ہو گیا۔ مگر اندر کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ سفید لڑکی ڈری کہ یہ کیا بات ہے؟ دروازہ کھول کر اندر کون آیا ہے؟ پھر اُس نے سوچا۔ شاید ہوا نے دروازہ کھول دیا ہو گا۔ لیکن دروازہ تو باہر سے کنڈی چڑھا کر بند کیا گیا تھا۔ اور ہوا بھی نہیں چل رہی۔ پھر یہ کیا راز ہے؟ اب ماریا اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی، وقت بہت نازک تھا۔ اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا ابھی کر لینا چاہیے تھا۔

ماریا نے خاص قسم کی رعب والی آواز بنا کر کہا۔

"سنو اے لڑکی! میں اگنی دیوتا کی بیوی ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔ تمہارا وقت آگیا ہے۔ میں تمہیں قربانی کے لیے لینے آئی ہوں"

سفید لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ آواز اگنی دیوتا کی بیوی کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"اُٹھتی کیوں نہیں؟ جلدی کرو۔ نہیں تو میں تمہیں اِسی جگہ ہلاک کر دوں گی۔"

سفید لڑکی جیسے اپنے آپ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ"

ماریا سفید لڑکی کو لے کر جھونپڑی سے باہر آگئی اس نے جھونپڑی کے پیچھے کی طرف جنگل والے علاقے میں چلنا شروع کر دیا۔ سفید لڑکی رُک گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اگنی دیوتا کی بیوی اُس کے ساتھ نہیں ہے۔ ماریا نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"خبردار اگر اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جلدی چلو۔ آگے آگے چلو۔"

سفید لڑکی کا خون خشک ہو رہا تھا۔ اگنی دیوتا کی بیوی اس کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ کانپتے ہوئے آگے آگے چل دی ماریا نے دیکھا کہ لڑکی کے ٹخنوں پر اس زنجیر کا نشان پڑ گیا تھا۔ جس کے ساتھ اسے جھونپڑی میں باندھ کر رکھا گیا تھا اور جسے ماریا نے کھول دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنے میں جنگلیوں کی جھونپڑیوں کی طرف شور اُٹھا، پہرے داروں نے جا کر بتا دیا تھا کہ اگنی دیوتا کی بیوی نے انہیں بھگا دیا ہے۔ بادشاہ اور دوسرے لوگ بھاگ کر جھونپڑی میں آئے تو دیکھا کہ سفید لڑکی غائب ہے۔ ایک شور مچ گیا۔ بادشاہ نے ہاتھ اُٹھا کر چیخ مار کر کہا۔

"وہ بھاگ نہیں سکتی اسے پکڑ کر لاؤ"

جنگلی نیزے لے کر للکارتے ہوئے جنگل کی طرف لپکے ماریا نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو سفید لڑکی کو گھسیٹ کر ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر اُس کے کان میں کہا۔

"خاموش بیٹھی رہو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے"

سفید لڑکی کچھ نہ سمجھ سکی کہ جب اُسے قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے تو پھر اگنی دیوتا کی بیوی اُسے جنگلی لوگوں سے کیوں بچا رہی ہے؟ یہ کیا راز ہے؟ وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ جنگلی اس کے آگے سے بھاگ کر نکل گئے۔ ماریا نے کہا۔

"بائیں طرف ندی ہے ادھر بھاگو۔"

سفید لڑکی ندی کی طرف بھاگی۔ پھر وہ ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ تھی۔

اس نے سفید لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ وہ لوگ شاید ادھر آ رہے ہیں۔"

سفید لڑکی چھپ کر بیٹھ گئی۔ ندی میں ایک کشتی آ رہی تھی۔ جس میں جنگلی سوار تھے اور نیزے ہلا ہلا کر اگنی دیوتا کے نعرے لگا رہے تھے۔ کشتی اُن کے قریب ہی کنارے پر آ لگی۔ جنگلی چھلانگیں لگا کر اُترے اور جنگل میں گھس گئے۔ سب سے آخر میں ایک جنگلی نے جھاڑیوں میں کچھ حرکت دیکھی تو رُک گیا۔ پلٹ کر جھاڑیوں کو تکنے لگا۔ ماریا چوکس ہو گئی۔ اس نے سفید لڑکی کا کندھا دبایا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ اب ہلنا نہیں۔

جنگلی نیزہ تانے جھاڑی کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ ماریا پیچھے سے ہو کر جنگلی کے عقب میں آ چکی تھی وہ یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھی کہ جنگلی سفید لڑکی کو دیکھ کر چیخ مار کر اپنے ساتھیوں کو بھی خبردار کر دے اور وہ لوگ سفید لڑکی پر ٹوٹ پڑیں۔ جنگلی جھک کر نیزے سے جھاڑیوں کو پیچھے ہٹانے لگا اچانک اس کی نظر سفید لڑکی پر پڑی جو جھاڑیوں میں خرگوش کی طرح سہمی بیٹھی تھی۔

جنگلی چیخ مارنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے اُس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سر پر زور سے ایک پتھر مار دیا۔ چوٹ شدید تھی۔ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے اُس نیزہ اُٹھا لیا اور سفید لڑکی سے کہا۔

"جلدی سے اس کشتی میں سوار ہو جاؤ"

ماریا بھی کشتی میں بیٹھ گئی اور اسے زور زور س کھیتی ہوئی جنگل میں دائیں جانب مڑ گئی۔ سفید لڑکی ا حیران تھی کہ اگنی دیوتا کی بیوی اُسے جنگلیوں سے بچا رہی ہے۔ کشتی جنگل میں آگے نکل گئی۔ ندی گھنے درختوں میں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ ایک کنارے پر پتھر کی سیڑھیاں بنی تھیں۔ ماریا نے کشتی سیڑ کے ساتھ لگا دی۔

"اُتر چلو"، ماریا نے سفید لڑکی سے کہا۔

ماریا اسے لے کر جنگل میں سے گزر رہی تھی کہ ا تیر شائیں کر کے اس کے قریب سے نکل کر درخ میں کھب گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔ نیچے بیٹھ جاؤ" ماریا چلائی

سفید لڑکی بیٹھ گئی۔ ماریا اُسے وہیں چھوڑ کر جدھ سے تیر آیا تھا اُس طرف کو بھاگی۔ ذرا فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے دو جنگلی کھڑے تھے۔ وہ سفید لڑک

کو دیکھ چکے تھے۔ نیزے لے کر اس کی طرف بھاگے۔ ماریا ان کے راستے میں کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ جنگلی سفید لڑکی تک پہنچیں ماریا نے ان دونوں کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ سفید لڑکی کو لے کر ایک طرف بھاگی۔ سامنے درختوں کا جھنڈ تھا۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں اڑن طشتری کھڑی تھی۔ سفید لڑکی نے درختوں میں جا کر جو اچانک ایک عجیب سی گول گول عمارت کو دیکھا تو وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"ڈرو نہیں بہن! اب تم ان جنگلیوں سے بچ گئی ہو"

سفید لڑکی کے دل میں اطمینان کی ایک لہر پہلی بار دوڑ گئی۔ لیکن اُس کی سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ غائب عورت کون ہے؟ کیا یہ کوئی بھوت ہے؟ سفید لڑکی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پہلی بار پوچھا۔

"تم کون ہو؟ — یہ کیا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ آگے بڑھو۔ اندر جا کر سب کچھ بتا دوں گی۔ بہرحال اب تمہیں فکر نہیں کرنا چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفید لڑکی ڈرتے ڈرتے اڑن طشتری کی طرف بڑھی ماریا نے بٹن دبا کر اس کا دروازہ کھول دیا، سفید لڑکی اندر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی کہ خدا جانے یہ بھوت گھر اندر سے کیسا ہو اور اس کے ساتھ وہاں جا کر کیسا سلوک ہو؟ ماریا نے بڑی محبت سے کہا۔

"بہن آ جاؤ گھبراؤ نہیں۔ میں بھوت نہیں ہوں۔ تمہاری طرح ایک عورت ہوں۔ بس تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔ ان میرے ساتھ اندر آ جاؤ۔"

سفید لڑکی اڑن طشتری میں داخل ہو گئی، اندر جا کر وہ اور زیادہ حیران ہو گئی۔ اندر اُسے حیران کرنے کے لیے بہت کچھ موجود تھا۔ مشینیں۔ ڈائیل۔ جلتی بجھتی سرخ سبز روشنیاں۔ کمپیوٹر اور قسم قسم کے سوئچ اور پینل پر لگے ہوئے بٹن۔ عجیب سی گول گول کرسیاں۔ گول چھت جو چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ سفید لڑکی آنکھیں پھاڑ حیرت سے تک رہی تھی، اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مرنے کے بعد آسمان کی کسی بستی میں آ گئی ہے ماریا نے سفید لڑکی کا عنبر اور ناگ سے تعارف کرایا۔ ناگ اور عنبر نے سفید لڑکی سے ہاتھ ملایا اور بڑی محبت سے مسکرا کر دیکھا۔ پھر ماریا سے پوچھا۔

ماریا۔ "آخر تم اس لڑکی کو جنگلی لوگوں سے بچا لائیں شاباش تم نے بہت اچھا کیا۔"

ماریا بولی۔ "میں بھلا ایک بھولی بھالی لڑکی کو ان درندوں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ کر آ سکتی تھی۔ وہ لوگ تو اس بے چاری کو آج شام آتش فشاں پہاڑ میں جھونکنے والے تھے۔"

سفید لڑکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"آپ —— آپ کون لوگ ہیں؟"

سفید لڑکی عنبر اور ناگ کے لباس کو بھی حیرت سے تک رہی تھی۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"اگر تم نے ماریا کے غائب ہونے کو برداشت کر لیا ہے تو تمہاری طرف سے حیرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہم تو تمہاری طرح کے انسان ہیں تم دیکھ رہی ہو۔"

سفید لڑکی اپنی جان بچ جانے کی وجہ سے خوش تھی اور کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ لوگ آسمانوں سے آئے ہیں کیا؟"

عنبر بولا

"ان باتوں کو نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم تمہارے ہمدرد ہیں۔ ماریا ہماری بہن ہے۔ اسی طرح تم بھی ہماری بہن ہو۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم اس آدم خوروں کے جزیرے میں کیسے آ گئیں؟"

سفید لڑکی نے کہا۔ "پہلے مجھے پانی پلاؤ۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" اسی وقت اسے ساتھ والے کرے میں لے جایا گیا۔ اُسے بہترین ہرن کا گوشت اور روٹی کھلائی گئی۔ پانی پلایا گیا۔ ماریا نے اُسے گرم پانی سے نہلا کر نئے کپڑے پہنائے۔ اُس کے بالوں میں کنگھی کی اور گرم گرم قہوہ پلایا۔ تازہ دم ہو کر سفید لڑکی کی جان میں جان آ گئی۔ اس کا چہرہ نکھر آیا تھا۔ اب اس نے عنبر ناگ اور ماریا کو اپنی کہانی سنائی۔

"میں روم کے ایک سوداگر کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میرا نام ماریانہ ہے۔ میرا باپ بڑا امیر آدمی ہے۔ اس کی لاکھوں کی جائیداد ہے۔ لیکن میرا چچا اس کا دشمن ہو گیا۔ اس نے سازش کر کے مجھے اور میرے باپ کو سوداگری کے بہانے ایک جہاز میں سوار کرایا اور چھ روز کے سمندری سفر کے بعد ایک جزیرے پر چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہاں سے دو روز کے فاصلے پر ایک جزیرہ

ہے جہاں میرے باپ اکیلے رہ گئے۔ اُس جزیرے پر ہمیں ایک دن ہی گزرا تھا کہ اس جزیرے کے وحشی مجھے ایک رات اٹھا کر یہاں لے آئے اور اگنی دیوتا پر بان کرنے والے تھے کہ آپ نے مجھے بچا لیا۔"

ماریا نے پوچھا۔

"تمہارا باپ ابھی تک اُسی جزیرے میں ہے۔"

ماریانہ نے کہا۔

"ضرور وہ وہیں ہو گا اور میرے لیے پریشان ہو گا۔ خدا جانے اُس پر کیا گزری ہو گی۔"

عنبر نے پوچھا

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ جزیرہ یہاں سے دو روز کے فاصلے پر ہے؟"

"ہاں۔" ماریانہ نے کہا۔ "یہ وحشی جب مجھے وہاں سے اٹھا کر لائے تو کشتی سمندر میں دو روز تک سفر کرتی رہی تھی۔"

ناگ نے کہا۔ "ماریانہ بہن! فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جائیں گے۔"

ماریانہ نے رو کر کہا۔ "مجھے جلدی میرے باپ کے پاس لے چلو۔ خدا جانے اس جزیرے میں آدم خوروں نے اُسے پکڑ لیا ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر بولا۔

"گھبراؤ نہیں ماریانہ! ہم کل صبح یہاں سے نکل چلیں گے اب تم آرام کرو۔"

اُدھر جب سفید لڑکی کہیں نہ ملی تو جنگلیوں کے بادشا نے غضبناک ہو کر ان دونوں پہرے داروں کو مروا دیا جو جھونپڑی کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے، سارے جزیرے میں سفید لڑکی کی تلاش شروع ہو گئی۔ شام ہو رہی تھی اندھیرا پھیل رہا تھا۔ آتش فشاں پہاڑ سے اب دھماکے ک ہو گئے تھے۔ بادشاہ پریشان تھا کہ دیوتا اُس پر نا ہو کر کسی وقت بھی عذاب نازل کر دیں گے،

جنگل میں ماریانہ کو تلاش کرتے کرتے وحشیوں کی ایک ٹولی اُڑن طشتری کے پاس بھی نکل آئی۔ انہوں نے جو اُڑن طشتری میں سے روشنی نکلتی دیکھی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کچھ پیچھے کو بھاگے۔ بادشاہ اور شاہی جادوگ اور جنگلیوں کو خبر ہو گئی۔ وہ بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے۔ ان اُڑن طشتری کے سامنے کھڑے ہو کر اسے حیرت سے تکنے لگے

بادشاہ نے شاہی جادوگر سے کہا۔

"یہ کیا چیز ہے؟ بتاؤ۔"

جادوگر نے غور سے اڑن طشتری کو دیکھا اور بولا۔

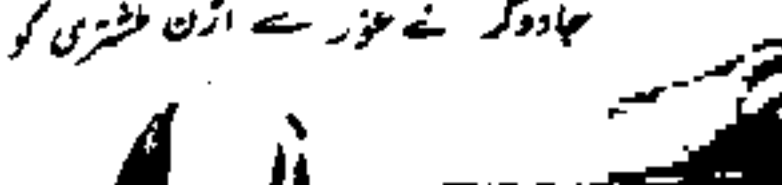

"بادشاہ سلامت! یہ تو کوئی بھوت ہے۔ اس پر حملہ کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے حملے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت اُڑن طشتری پر تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ ناگ عنبر ماریا اور ماریانہ نے شور سنا تو کھڑکیوں سے دیکھا کہ باہر شعلوں کی روشنی میں وحشی کھڑے تھے اور بادشاہ بھی ساتھ تھا اور اُڑن طشتری پر تیر برسائے جا رہے تھے ماریانہ گھبرا گئی۔

"اب کیا ہو گا۔ یہ لوگ تو یہاں بھی پہنچ گئے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"انہیں ان کی موت یہاں کھینچ لائی ہے۔"

ناگ نے ایک بٹن دبا دیا۔ اُڑن طشتری میں سے روشنی کی ایک تیز شعاع نکل کر جنگلی لوگوں پر گری۔ اس کے گرتے ہی دھماکہ ہوا اور کچھ جنگلی جل کر بھسم ہو گئے، دوسرے پیچھے ہٹے۔ بادشاہ نے گرج کر کہا۔

"شاہی جادوگر! اپنا جادو کرو اور اس بھوت کو موت کی نیند سلا دو۔"

شاہی جادوگر نے آگے بڑھ کر ایک کنکر پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکا اور اُسے اُڑن طشتری پر پھینک دیا۔ اُڑن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طشتری کو کچھ بھی نہ ہوا۔ عنبر نے دوسرا بٹن دبایا۔ ایک اور شعاع نکلی اور جادوگر پر بجلی بن کر گری۔ وہ بھی بھسم ہو گیا۔ اب دوسرے جنگلی بادشاہ کا حکم پاکر آگے بڑھے۔ اڑن طشتری میں سے ایک ہی وقت میں چھ سات تیز شعاعیں نکلیں اور آدھے سے زیادہ جنگلی جل کر خاک سیاہ ہو گئے۔ دوسرے حملے میں اور جنگلی جل مرے۔

اب بادشاہ وہاں سے اُٹھ دوڑا۔ میدان صاف ہو گیا ماریانہ کی جان میں جان آئی۔ آدھی رات کو ایک بار پھر جنگلی لوگوں نے اڑن طشتری پر حملہ کیا، صرف ناگ جاگ رہا تھا۔ ایک جنگلی اڑن طشتری کے دروازے تک آگیا۔ اُس نے زور سے نیزہ اڑن طشتری پر مارا۔ ناگ نے اُس پر شعاع پھینکی۔ وہ پھک سے اُڑ گیا۔ باقی بھاگ گئے۔

دن نکلا تو عنبر نے اڑن طشتری کو اُڑنے کے لیے تیار کر دیا۔ پھر اُس کے نیچے سے تیز روشنی نکلی اور اُڑن طشتری ہوا میں اوپر کو اُٹھنے لگی۔ وہ درختوں کے اوپر آگئی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر درختوں کے اوپر ایک چکر لگایا اور وحشیوں کے جھونپڑوں کے اوپر آگئی، وحشی جھونپڑوں سے باہر نکل آئے۔ وہ ڈر گئے تھے۔ انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور سجدوں میں گر گئے۔

عنبر مسکرایا۔

"آخر جنگلی لوگ ہیں مگر بہادر بہت ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"ماریانہ! ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں۔ اب تم ہمیں راستہ دکھانا کہ جزیرہ کس طرف ہے۔"

ماریانہ نے کہا۔

"یہاں سے مشرق کی طرف چلو۔ آگے جاکر ذرا جنوب کی طرف گھوم جائیں گے۔ وہاں سے دو روز کے سفر کے بعد جزیرہ آجائے گا۔"

عنبر ہنسا

"دو روز تو کشتی میں لگے تھے۔ اری پگلی! ہم تو تھوڑی دیر میں جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

ماریانہ نے حیرانی سے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"کیا یہ اڑن کھٹولا اتنا تیز اُڑتا ہے؟"

"تم خود دیکھ لینا" ماریا نے ہنس کر کہا

اڑن طشتری کی کھڑکی کے شیشے میں سے ماریانہ نے نیچے زمین اور سمندر دیکھا تو اُسے چکر آگیا۔ اُس نے زندگی میں کبھی زمین اور سورج کو بلندی سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کبھی ہوا میں نہیں اُڑی تھی۔ اُس کا سر چکرانے لگا۔ عنبر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے کاؤچ پر لٹا دیا۔

"تم آرام کرو ماریانہ! جزیرہ آئے گا تو انہیں بتا دیا جائے گا!"

اڑن طشتری سمندر کے اوپر اُڑی جا رہی تھی اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عنبر نے دور ایک جزیرے کے ساحل کو دیکھا۔ اُس نے اڑن طشتری کو نیچے کر دیا۔ وہ جزیرے پر خاموشی سے اترنا چاہتا تھا تاکہ اگر ماریانہ کا باپ آدم خوروں کی قید میں بھی ہو تو آدم خوروں کو اُن کے آنے کی خبر نہ لگے۔ ماریانہ نے کھڑکی میں سے دیکھ کر کہا۔

"یہی وہ جزیرہ ہے"

اُڑن طشتری بڑی خاموشی سے جزیرے کے جنوبی ساحل ریت پر اتار دی گئی۔ یہاں سے آگے اس قدر گھنا جنگل تھا کہ وہاں اڑن طشتری کے اتارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ریت پر ایک بہت بڑی چٹان تھی۔ اس چٹان کی اوٹ میں اڑن طشتری کھڑی تھی عنبر نے ناگ سے کہا

"تم باہر جا کر پتا کرو کہ اس جزیرے پر ماریانہ کا باپ کس جگہ پر ہے۔"

"بہت بہتر"

ناگ اُڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ جنگل میں جا کر اس نے سیاہ عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر جزیرے پر اُڑنا شروع کر دیا جزیرہ کافی لمبا چوڑا تھا۔ مگر بالکل بے آباد لگ رہا تھا۔ ناگ اڑتے اڑتے جزیرے کے شمال کی جانب آیا تو اُسے کچھ جھونپڑے نظر آئے۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی وہ کچھ ننگ دھڑنگ وحشی آگ کے گرد بیٹھے تھے، ناگ وہاں اتر پڑا اور ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ کر وحشیوں کو تکنے لگا۔ ایک وحشی کی نظر بھی درخت پر پڑ گئی اس نے تیر کمان اٹھا کر کہا۔

"عقاب"

اور پھر اِس کی کمان سے ایک تیر سَن کی آواز کے ساتھ نکلا اور ناگ کی قسمت اچھی تھی کہ نشانہ چوک گیا۔ تیر اس کی گردن کے قریب سے ہو کر نکل گیا، ناگ پھڑپھڑا کر اڑ گیا اور دوسرے درختوں میں جا کر بیٹھ گیا اور نیچے تکنے لگا۔ وحشیوں نے اسے یہاں بھی دیکھ لیا۔ اور اس پر تیروں کی بارش کر دی، ناگ کو اُن وحشیوں پر بڑا غصہ آیا کہ کم بخت اس کی جان کے دشمن ہو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہر حال اپنی جان بچانا بھی اس کا پہلا فرض تھا وہ درخت سے اڑ گیا۔ اس نے جزیرے کا ایک چ لگایا۔ وہ بہت نیچی اڑان کر رہا تھا، جزیرہ کافی تھا۔ سوائے ان وحشیوں کے جو آگ جلا کر بیٹھے تھے کو اور کوئی انسان وہاں نظر نہ آیا۔ اچانک ناگ کی نظ چٹان پر پڑی۔ اس چٹان کے اوپر ایک بکرے کا بانس پر ٹنگا تھا۔

انوکھا جزیرہ

●

ناگ اس چٹان پر اتر آیا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے درختوں کے جھنڈ میں سے کچھ وحشی لوگ تلواریں لیے چٹان کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ناگ عقاب کی شکل میں چٹان کے اوپر بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ وحشی چٹان کے قریب آکر رک گئے۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر چٹان میں کسی جگہ کوئی پتھر ہٹایا۔ وہاں ایک چھوٹا سا غار نکل آیا۔ سارے وحشی غار کے اندر داخل ہو گئے۔

ناگ کو شک ہوا کہ ہو نہ ہو سفید لڑکی کا باپ اسی غار میں قید ہے۔ اب وہ اندر کس طرح سے جائے۔ اگر سانپ بن کر گیا تو خطرہ تھا کہ وحشی اسے تلواریں مار مار کر ٹکڑے کر دیں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ باہر کھڑا انتظار کرتا رہے اور اندر وحشی لڑکی کے باپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر اسے کڑاہ میں ڈال کر چٹ کر جائیں۔ ناگ ابھی سوچ ہی رہا تھا کیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے؟ کیا نہ کرے؟ کہ غار میں سے وحشی لوگ باہر نکلنا شرو ہو گئے۔ سب سے آگے آگے ایک وحشی تھا۔

اس وحشی کے ہاتھوں میں بالوں کا گچھا تھا۔ ضرو یہ لوگ لڑکی کے باپ کے بالوں کو کاٹ کر لے آئے تھ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ لڑکی کے باپ کا سر کاٹ کر نہیں لے آئے۔ جب یہ لوگ جنگل میں درختو کے پیچھے گم ہو گئے تو ناگ چٹان کے اوپر سے نیچے ا آیا۔ اس نے سوچا کہ انسان کی شکل میں اندر جانا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اندر کوئی وحشی پہرہ دے رہا ہو۔ اس لیے ناگ نے یہی مناسب خیال کیا کہ وہ سانپ کی شکل میں اندر جا کر پہلے حالات کا جائزہ لے۔

پس وہ اسی وقت سانپ بن گیا اور غار کے منہ رکھے ہوئے پتھر کے پیچھے ایک سوراخ سے غار میں دا ہو گیا۔ غار کے اندر اندھیرا تھا۔ راستہ تنگ تھا، بس ایک آدمی جھک کر گزر سکتا تھا۔ آگے جا کر غار کھلا ہو گیا سانپ رینگتا چلا گیا۔ غار دائیں جانب مڑ گیا۔ سامنے ایک کوٹھری سی بنی تھی جس کے آگے مشعل جل رہی تھی اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ کوٹھری کا دروا نہیں تھا۔

اس کے باہر ایک وحشی تلوار ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ ضرور لڑکی کا قیدی باپ اس کوٹھری میں ہوگا۔ یہ سوچ کر ناگ نے دیوار پہ آگے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ اب آگے روشنی تھی اور وہ دیوار پر رینگتا ہوا نظر آ سکتا تھا۔ وحشی بڑا چوکس ہو کر پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ چھت کی طرف ہو گیا اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کوٹھری کے اندر داخل ہوا۔ کوٹھری کے اندر اندھیرا تھا۔ مگر باہر جلتی مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی اندر بھی آ رہی تھی۔

ناگ نے غور سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ ایک کونے میں ایک انسان کا سمٹا ہوا سایہ نظر آیا ناگ رینگتا ہوا کونے میں آگیا۔ اوپر دیوار سے اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی جس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے رسیوں کے ساتھ ایک پتھر سے بندھا سکڑا بیٹھا تھا اس کے سر کے بال کٹے ہوئے تھے۔ ضرور یہی ماریانہ کا باپ ہوگا۔ یہ سوچ کر ناگ واپس آگیا۔

اب وہ سب سے پہلے باہر پہرہ دیتے ہوئے وحشی سے نپٹنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر آکر کونے میں سمٹ کر غور سے پہرے دار کو دیکھنا شروع کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہرے دار کی گردن اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ سر کے لمبے باز
گردن پر پڑے تھے تلوار کندھے پر رکھی تھی اور ر
مشعل کی روشنی میں وہ چاروں طرف گھور گھور کر
دیکھ رہا تھا۔ شاید اس نے اپنے ارد گرد سانپ کی
خاص قسم کی بو سونگھ لی تھی، جنگلی لوگ بڑے ہوشیار ہوتے
ہیں اور انہیں جانوروں کی بو آجاتی ہے

اس وحشی نے بھی سانپ کی خاص قسم کی بو کو محسوس
کر لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ چوکنا ہو کر اِدھر اُدھر
دیکھ رہا تھا۔ ناگ کچھ حیران سا ہوا کہ یہ وحشی چاروں طرف
طرف گھور گھور کر کیا دیکھ رہا ہے۔ کہیں وہ اسے تلاش
تو نہیں کر رہا؟ اتنے میں وحشی کی نظر سانپ پر پڑ چکی تھی
اس نے سانپ کو دیوار کے ساتھ کونے میں ایک جگہ سمٹ
کر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔

بس پھر کیا تھا وحشی نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر
کر اپنی تلوار سانپ کی طرف اچھال دی۔ اگر ناگ چرتی
دکھاتا تو آج اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ تلوار اس کے
قریب آ کر پتھروں سے لگ کر اچھلی اور دور جا گری۔ وہاں
سے پتھروں میں سے چنگاریاں سی چھوٹیں اور پتھر کے ٹکڑے
اڑ کر ناگ کے جسم کو لگے۔ اب ناگ نے اپنا بچاؤ شروع

کیا۔ کیونکہ وحشی نے زمین پر رکھا ہوا تیر کمان اٹھا لیا تھا۔
اور نشانہ باندھ کر ناگ پر دو تیر چلا چکا تھا، یہ دونوں تیر
ناگ کے دائیں بائیں آکر لگے تھے۔

ناگ اچھل کر چھت کی طرف بھاگا۔ مگر مکار وحشی کی نظریں
اس کا برابر پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کے پاس کافی تیر تھے
اور وہ ایک کے بعد دوسرا تیر پھینکے جا رہا تھا، ناگ کی جان
عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اب اس کے پاس سوائے
اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی ایسی شے بن کر وحشی
کے سامنے آئے کہ جس پر اس کے تیروں کا زیادہ اثر
ہو سکے۔

وحشی کمان میں جوڑ جوڑ کر تیر چلا رہا تھا، اچانک کیا
ہوا کہ اس کے سامنے اندھیرے سے نکل کر ایک لمبی
سونڈ اور لمبے نوکیلے دانتوں والا خوفناک ہاتھی چنگھاڑتا
ہوا بڑھا۔ وحشی کی جان ہوا ہو گئی۔ اس نے پہلے کبھی
ان ہاتھی نہ دیکھا تھا۔ جزیرے پہ کوئی ہاتھی نہیں تھا
وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ تیر کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔
وہ باہر کی طرف بھاگا مگر ناگ نے اسے مہلت نہ دی
اور سونڈ بڑھا کر اسے لپیٹ لیا۔

ناگ نہیں چاہتا تھا کہ وہ باہر جا کر دوسرے وحشیوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرے سے آگاہ کردے۔ اُس نے وحشی کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھایا اور پھر زور سے زمین پر پٹخ وحشی کی ہڈی پسلی ایک ہوگئی اور وہ اگلی دنیا کی طر نکل گیا۔۔۔ کچھ شور اندر بیٹھے ماریانہ کے باپ نے سن لیا تھا۔ اور حیران تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ پھر اُ نے مشعل کی روشنی میں ہاتھی کی ایک جھلک دیکھی تو دنگ گیا کہ یہ ہاتھی غار میں کہاں سے آگیا؟ پہلے تو وہ سمجھا جزیرے کے آدم خوروں نے ہاتھی کسی جگہ چھپا کر رکھ تھا جیسے وہ اب سامنے لے آتے ہیں اور شاید اس ہا بٹھا کر وہ اسے لینے آتے ہیں تاکہ بڑی شان سے اُسے آگ میں پکایا جائے۔ لیکن پھر اچانک خموشی چھا گئی پھر کسی ہاتھی کی آواز آئی اور نہ اس کے بعد کوئی خود ہی اندر آیا۔

ماریانہ کا باپ کمزور نظروں سے باہر دیکھنے کی کو کر رہا تھا۔ اچانک اندھیرے میں اسے ایک نوجوان دیا۔ جس نے شہر کے لوگوں ایسے کپڑے پہن رکھے بڑا حیران ہوا کہ یہ نوجوان اس جزیرے میں اور پھ غار میں کہاں سے آگیا؟ ابھی وہ اس طرف حیرانی دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگ نے قریب آکر پوچھا

"کیا آپ ماریانہ کے باپ ہیں؟"

"ہاں۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر تم کون ہو؟ کیا تم میری بیٹی کو جانتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"نہ صرف جانتا ہوں بلکہ وہ اس جزیرے میں اِس وقت موجود ہے۔ اور ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

ماریانہ کا باپ سر پہ ہاتھ مار کر بولا۔

"یہ تم نے میرے ساتھ کیا ظلم کر دیا کہ میری بیٹی کو بھی اس جزیرے پر لے آئے۔ میں تو مرنے والا ہی تھا لیکن میری بیٹی کو موت کے منہ میں کیوں دھکیل رہے ہو۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ اِن آدم خوروں کی بستی میں میری بچی کو بھی لے آؤ۔"

ناگ مسکرایا۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ کی بچی بڑی محفوظ جگہ پر ہے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہم آپ کو بھی اس جگہ لے جا رہے ہیں۔"

ماریا کا باپ سر جھکا کر بولا۔

"اس جزیرے پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو ان ظالم آدم خوروں کی نظروں سے بچی ہوئی ہو۔ جو کوئی بھی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باراس جزیرے پر آگیا اِن آدم خوروں کی خوراک بن کر رہا
ناگ نے کہا۔

"اِن باتوں کو چھوڑیئے اور میرے ساتھ چلنے کے لیے
تیار ہو جائیں۔"

اور ناگ نے ماریانہ کے باپ کے پاؤں اور ہاتھوں
بندھی ہوئی رسّیاں کھولنا شروع کر دیں۔ ماریانہ کا باپ
بولا۔

"ابھی ابھی میں نے غار میں ایک ہاتھی دیکھا تھا۔
ہاتھی کہاں سے آگیا تھا۔؟"

ناگ نے کہا۔

"آپ کا وہم ہوگا۔ یہاں ہاتھی کس طرح سے آسکتا

ناگ ماریانہ کے باپ کی رسیاں کھول رہا تھا اور اسے
بالکل خبر نہیں تھی کہ آدم خور اپنے شکار کو لینے آ رہے
ہیں۔ آدم خور تلواریں لہراتے غار کے دروازے پر
آکر رک گئے۔ انہوں نے پتھر ہٹایا اور غار میں داخل ہو
گئے۔ اندر آکر انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش دیکھی
شور مچا دیا۔

اس کا شور سن کر ناگ اور ماریانہ کا باپ پریشان
ہو گئے۔

ماریانہ کا باپ تو نیم بے ہوش ہوگیا۔ اسے اپنی موت
سامنے نظر آنے لگی تھی۔ ناگ بھی پریشان ہوا کہ پندرہ
بیس آدم خوروں کا مقابلہ کس طرح سے کیا جائے گا؟"
ناگ نے جلدی سے آخری رسی کھولتے ہوئے ماریانہ
کے باپ سے کہا۔

کرنے کے پتھروں کے پیچھے چھپ جاؤ اور خبردار اپنی جگہ
سے نہیں ہلنا۔"

ماریانہ کا بوڑھا باپ جلدی سے پتھروں کے پیچھے
چھپ گیا۔ وحشی کوٹھڑی کی طرف تلواریں لہراتے ہوئے
بڑھے کہ دیکھیں اُن کا شکار اندر ہے کہ نہیں؟ اس
دوران میں ناگ نے ایک بھیانک چہرے والے ایک
بہت بڑے اژدہا کا روپ دھار لیا اور اس کے
منہ سے آگ نکلنے لگی۔ اس آگ کی پچکاری نے دیکھتے
دیکھتے چھ سات آدم خوروں کو جلا کر بھسم کر دیا۔
اپنے سامنے ایک خوفناک اژدہا کو دیکھ کر جس کے
منہ سے آگ نکل رہی تھی آدم خور ڈر کے پیچھے کو
بھاگے۔ اژدہا ان کے پیچھے لپکا۔ آدم خور غار سے باہر
نکل کر چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اب انہوں نے اژدہا پر
تیر چلانے شروع کر دیے۔ یہ حملہ ناگ کے لیے خطرناک ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا تھا۔ وہ واپس غار میں گھس گیا۔ اس نے ایک بار پھر انسان کی شکل اختیار کی اور بھاگ کر ماریانہ کے باپ کے پاس آیا۔ وہ پتھروں کے پیچھے سہما بیٹھا تھا۔ شاید اس نے اژدہا کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کر یہ ہاتھی کے بعد اژدہا غار میں کہاں سے آگیا۔ ناگ نے آتے ہی کہا۔

"جلدی سے باہر نکل چلو۔ میرے ساتھ آؤ"

وہ اٹھ کر ناگ کے پیچھے پیچھے چلا۔ ناگ نے غار کے منہ پر آکر باہر دیکھا۔ آدم خور تیر کمانوں میں جوڑے ہوئے غار کی طرف بڑھ رہے تھے ناگ نے واپس پلٹ کر کہا۔

"میرے کندھے پر بیٹھ جاؤ"

ماریانہ کا باپ اس کا منہ تکنے لگا۔

"مگر تم مجھے لے کر کیسے دوڑو گے۔ قدم قدم پر آدم خور تیر کمان لیے کھڑے ہیں؟"

ناگ نے غصے میں آکر کہا۔

"باتیں نہ بناؤ جلدی کرو بیٹھو میرے کندھے پر"

ماریانہ کا باپ چپ چاپ ناگ کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ ناگ اسے لے کر غار کے دروازے پر

آیا۔ پھر ماریانہ کے باپ نے دیکھا کر وہ کسی انسان کی بجائے ایک بہت بڑے راج ہنس کے کندھے پر بیٹھا ہے۔ یہ راج ہنس کسی گھوڑے کی طرح بڑا تھا اور وہ غار سے باہر نکل کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اڑا اور پلک جھپکنے کے ساتھ چٹانوں اور درختوں کے اوپر آگیا۔ آدم خور پہلے تو حیران ہو کر پیچھے ہٹے پھر انہوں نے راج ہنس پر تیر برسانے شروع کر دیئے مگر راج ہنس ان کی زد سے باہر تھا اور آسمان پر اُڑ رہا تھا۔

ماریانہ کا باپ سہما ہوا راج ہنس کے کندھوں سے چمٹا بیٹھا تھا اور نیچے زمین کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہوا میں اڑا تھا اور نیچے درختوں اور چٹانوں کو چھوٹا ہوتا دیکھ دیکھ کر گھبرا رہا تھا سب سے زیادہ تو اسے اس بات کی حیرانی تھی کر ایک انسان اچانک راج ہنس کیسے بن گیا، ہو نہ ہو یہ شخص جادوگر ہے اور یہی ہاتھی بنا تھا۔

راج ہنس اڑتے اڑتے اس جگہ پر آگیا جہاں سمندر کے کنارے چٹان کے پاس اڑن طشتری کھڑی تھی۔ وہ نیچے اتر آیا زمین پر اُترتے ہی ناگ پھر سے انسان بن گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ماریانہ کے باپ نے دیکھا کہ وہ اسی طرح انسان کے کندھوں پر بیٹھا ہے۔ ناگ نے اسے نیچے اتار دیا۔ ماریانہ کا باپ کبھی اڑن طشتری کو اور کبھی ناگ کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اڑن طشتری میں سے ماریا اور عنبر نے ناگ کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ ناگ ماریانہ کے باپ کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ماریانہ کا باپ اندر داخل ہو کر اڑن طشتری کی مشینوں کو دیکھ کر اور پاگل ہو گیا۔ عنبر نے اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بہرحال آپ کی پیاری بیٹی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔"

اس نے ماریانہ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے سے نکل کر آئی اور اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ ماریانہ کے باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ دیر تک اپنی بیٹی کے سر پہ ہاتھ پھیرتا رہا۔ بھوک پیاس اور مصیبتوں نے ماریانہ کے باپ کو ادھ موا کر رکھا تھا۔ اسی وقت سے نہلا کر نئے کپڑے دیے گئے۔ اسے بہترین کھانا

کھلایا گیا اور پھر وہ سو گیا۔ شام کو سو کر اٹھا تو عنبر سے پوچھنے لگا۔

"میرے بیٹے آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ کیا شے ہے۔ میں نے اس قسم کی شے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اس بارے میں سوال نہ کریں، بس یہ سمجھ لیں کہ ہم آپ کی مدد کے لیے آئے تھے۔ ماریانہ ہماری بہن ہے اور ہم اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔"

ماریانہ نے کہا۔

"پاپا! خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ مل گئے۔ یہ لوگ بڑے ہمدرد انسان ہیں انہوں نے مجھے بھی موت کے منہ سے بچایا ہے۔"

ماریانہ کا باپ بولا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان دیکھتے دیکھتے راج ہنس بن جائے؟"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ابھی آپ بہت سی باتیں دیکھیں گے کہ جن پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ حیران ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ کیونکہ اب ہم آپ کو لے کر آپ کے شہر روم جا رہے ہیں جہاں آپ کے سوتیلے بھائی سے آپ کی جائیداد اور محل واپس لے کر آپ کو دینا ہے۔"

"تو آپ نے میری ساری کہانی سن رکھی ہے۔"

"ہمیں آپ کی بیٹی نے سب کچھ بتا دیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم رات آرام کریں گے اور صبح اس جزیرے سے روم شہر کی طرف اڑ جائیں گے۔"

"ماریانہ کے باپ نے تعجب سے پوچھا۔

"اڑ جائیں گے"

ماریانہ نے کہا۔

"ہاں پاپا! یہ مکان ایک اڑن کھٹولہ ہے اور ہوا میں اڑتا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ماریانہ کا باپ بولا

"آپ کل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے"

آدھی رات کو جبکہ اڑن طشتری میں سوائے ناگ کے سب لوگ سو رہے تھے۔ جزیرے کے آدم خور وحشی اپنے شکار کو تلاش کرتے کرتے ساحل سمندر پر بھی آگئے۔ انہوں

نے مشعلیں جلا رکھی تھیں اور نیزے ہاتھوں میں تھے۔ اب جو انہوں نے ایک چٹان کے پاس ایک چمکتی ہوئی گول گول اڑن طشتری دیکھی تو اپنی جگہ پر ایک پل کے لیے بت بن کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا شے ہے اور یہاں کیسے آگئی؟

ناگ بھی اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ آدم خور اڑن طشتری کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے اڑن طشتری پر تیر چلا دیا جو اس کی مضبوط سطح سے ٹکرا کر اچٹ کر دور جا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آدم خوروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور شور مچانا شروع کر دیا۔

شور کی آواز سن کر ماریانہ۔ ماریا، عنبر اور ماریانہ کا باپ بھی جاگ پڑے۔ انہوں نے آدم خوروں کو حملہ کرنے دیکھا تو ماریانہ کا باپ اور ماریانہ گھبرا گئی۔

"اب کیا ہوگا؟ یہ لوگ ہمارے اڑن کھٹولے کو آگ لگا دیں گے"

عنبر نے کہا۔

اگر یہ خود آگ میں جل کر بھسم جائیں تو پھر تم کیا کہو گی"

ماریانہ کے باپ نے پریشان ہو کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ خود کیسے جلیں گے وہ تو اڑن کھٹولے کو آگ لگانے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ ہمیں زندہ جلا کر راکھ کر دیں گے"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"عنبر کیا خیال ہے۔ ان آدم خوروں کو سبق سکھا دیا جائے؛ خدا جانے ان ظالموں نے کتنے انسانوں کو ہلاک کر کے پکا کے کھایا ہو گا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ ان آدم خوروں کو ان کے گناہوں کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔"

عنبر نے کہا۔

"ضرور ملنی چاہیئے"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے پینل پر بیٹھ کر بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اڑن طشتری میں سے آگ کا ایک شعلہ سا نکل کر آدم خوروں کی طرف لپکا۔ اس آگ کے دھماکے میں کتنے ہی آدم خور بھک سے اڑ گئے۔ خوف زدہ ہو کر باقی آدم خور پیچھے کو دوڑے۔ پھر رک کر آگے بڑھے۔ ناگ نے ایک حملہ اور کیا۔ اس بار بھی کتنے ہی آدم خور بھسم ہو گئے۔ اب میدان صاف تھا۔

ماریانہ کی حویلی

باقی رات آرام سے کٹ گئی۔

کسی آدم خور نے دوبارہ اڑن طشتری پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ صبح ہوئی جزیرے میں روشنی پھیل گئی تو عنبر نے روم کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ناگ پینل پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لیور دبا کر سٹک آگے کو کر دی۔ اڑن طشتری کے نیچے سے ایک بھبکے سے شور کے ساتھ روشنی خارج ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری اوپر اٹھی اور درختوں کے اوپر آگئی۔ ناگ نے ایک دوسرا بٹن دبایا اور وہ جزیرے پر اڑنے لگی۔

آدم خوروں نے جب اڑن طشتری کو جزیرے کے اوپر اڑتے دیکھا تو خوف سے پاگل ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اڑن طشتری نے جزیرے پر ایک چکر لگایا اور پھر سمندر کے اوپر آکر مغرب کی طرف روانہ ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

ماریانہ کا باپ یہ سارا نظارہ حیرت سے دیکھ رہا تھا تجارت کے سلسلے میں اس نے کئی بار بادبانی بحری جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں سمندر میں سفر کیا تھا مگر ہوا میں سفر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہ اڑن طشتری کے ایک ایک پرزے۔ ایک ایک بٹن کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سمندر کی لہریں چھوٹی چھوٹی لگ رہی تھیں اور اڑن طشتری اس کے اوپر تیزی سے اڑی جا رہی تھی۔ عنبر نے راستے کا نقشہ سیٹ کر دیا تھا اور وہ نقشے کے مطابق جا رہے تھے۔

روم کا ملک وہاں سے کافی دور تھا۔ مگر راڈار اور نقشہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت اڑن طشتری کی سکرین پر ناگ عنبر ماریانہ اور ماریانہ نے دور سمندر میں ایک ہرے بھرے ملک کو ابھرتے ہوئے دیکھا۔ نقشہ بتا رہا تھا کہ یہی ملک روم کا ملک ہے۔ ماریانہ کے باپ نے بھی اپنے ملک کو پہچان لیا اور کہا۔

"یہی میرا وطن ہے"

اڑن طشتری اب اٹلی کے جنگلوں اور پہاڑوں پر اڑ رہی تھی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ روم کی وادی میں آ گئے۔ ماریانہ کے باپ نے خوشی سے اچھل کر کہا

"یہ میرا وطن ہے روم — میرا شہر ہے، وہ دیکھو سامنے

دالی پہاڑی پر دیوی کا مندر ہے۔ اس کے عقب میں شہر
ں شمالی سمت میں میرا مکان ہے"

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اڑن طشتری کو کسی محفوظ جگہ پر آتار دو۔ اسے شہر
یں لے جانا ٹھیک نہیں۔"

اڑن طشتری کافی اونچی اڑ رہی تھی — آسمان پر
بادل چھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے شہر کے لوگ اسے نہیں دیکھ سکے تھے۔ ناگ نے بادلوں کے اندر ہی اندر اڑن طشتری کو گھما کر ۵، ڈگری پر موڑ دیا۔ سکرین پر اب ان کے سامنے ایک پہاڑی ڈھلان تھی۔ جہاں او نچے درخت کھڑے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"ان درختوں میں کسی جگہ اڑن طشتری کو آتار دو" ناگ نے کہا۔

"درخت بڑے گھنے ہیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ مجھے اترنے کے لیے کوئی محفوظ جگہ مل جائے"

آخر ایک جگہ نظر آگئی جہاں درختوں کے درمیان ایک چھوٹا سا زمین کا خالی ٹکڑا تھا جہاں گھنی جھاڑیاں اگی تھیں اور اردگرد اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں یہاں اتارنے لگا ہوں۔"

ناگ نے اڑن طشتری کو گھمایا اور بڑے سکون کے ساتھ اُسے اتار دیا۔ مشین بند ہو گئی۔ ناگ نے بٹن اوف کر دیے۔ انہوں نے شیشے کی گول کھڑکیوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ آسمان پر گھرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ ایک دو بار بادل زور سے گرجا اور پھر بارش شروع ہو گئی، بارش بڑی موسلا دھار تھی۔ اڑن طشتری میں بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ صرف چھت پر بارش گرنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

عنبر نے کافی بنائی۔ سب نے پی۔ ماریا کا تعارف ابھی ماریانہ کے باپ سے نہیں کرایا گیا تھا۔ اس خیال سے کہ وہ اور زیادہ حیران ہو جائے گا۔ ماریانہ نے عنبر سے کہہ دیا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے

عنبر نے ماریانہ سے کہا

"ماریانہ اب تمہیں ہماری رہنمائی کرنی ہو گی۔"

ماریانہ نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ یہ میرا شہر

ہے۔ میں اس کے چپے چپے سے واقف ہوں"

بنر مسکرایا۔ ناگ نے کہا۔

"نہیں ماریانہ! تمہیں ہمارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بس تم صرف ہمیں اپنے مکان کا پتہ بتا دو اور اپنے سوتیلے چچا کا حلیہ بیان ر دو۔"

ماریانہ کا باپ بولا۔

"یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں،"

پھر اس نے بتایا کہ اس کا حویلی نما شہر کے مغرب ـ پہاڑی میں واقع محلے میں سمندر کے ـ ہے۔ اس کی چھت کے اوپر ایک سنگِ رمر کا بت لگا ہے۔ یہ عورت کا بت ہے جس نے ہاتھ میں بربط تھام رکھا ہے۔

"میرے سوتیلے بھائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے محروم ہے۔ اس نے بائیں آنکھ پر سیاہ چمڑا چڑھا رکھا ہے۔ اس کا نام اناطوق ہے۔"

عنبر نے کہا

"بس ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے یا یہ چاہتے ہو کہ اُسے پکڑ کر تمہارے سامنے پیش کیا جائے؟"

ماریانہ کے باپ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جس طرح اس نے مجھے اور میری بیٹی کو بے یارو مددگار آدم خوروں کے جزیرے پر چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسے بھی آدم خوروں کے جزیرے پر چھوڑ دیا جائے۔"

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔"

بارش ابھی موسلا دھار ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"اگر ہم نے بارش کے رکنے کا انتظار کیا تو دیر ہو جائے گی کیونکہ بارش رکنے والی نہیں ہو رہی بادل بڑے گھنے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"میں نکل جاتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں یہاں کے لوگوں ایسا لباس پہننا ہوگا تاکہ تمہیں اجنبی نہ خیال کیا جائے۔"

پھر عنبر نے اڑن طشتری کے خاص کمرے میں سے ناگ کو رومن لباس لاکر دیا جو چمڑے کی جیکٹ. ایک لمبے چغے اور چپل پر مشتمل تھا۔ ناگ نے بارش سے بچنے کے لیے سر پر ایک لمبا سا اوورکوٹ نما کمبل ڈال لیا اور وہ اڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ نکلنے سے پہلے اس نے رومن قوم کا سکہ اور ایک ریوالور جیب میں رکھ لیا تھا جس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ پہاڑی کی ڈھلان پر سے آنے لگا۔ بارش خوب ہو رہی تھی کیچڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں پھسل جاتا تھا۔ ناگ نے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ایک گہرا سانس لیا اور عقاب بن کر اڑنا شروع کر دیا۔ وہ پہاڑی سے اتر نیچے وادی میں آگیا۔ اڑتے اڑتے وہ بھیگ گیا۔ مگر وہ پروں کو زور سے جھٹک دیتا تھا جس سے بارش کے قطرے گر جاتے تھے۔ آخر اس نے ایک کچی سڑک دیکھی جو شہر روم کی طرف جا رہی تھی وہ اس سڑک پر آکر ایک جگہ درخت کے سائے میں اتر گیا۔

یہاں وہ پھر سے انسان کی شکل میں آگیا۔

ابھی اُسے کھڑے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک بوڑھا آدمی بھی وہاں آکر کھڑا ہو گیا اور اپنی موٹی فرغل جھاڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رومن زبان میں بولا۔

"بڑی بارش ہو رہی ہے۔ روم میں ایسی بارشیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ہاں! ایسی بارشیں بہت ہوتی ہیں"

ناگ کا رنگ اتنا گورا نہیں تھا۔ رومن لوگوں کے رنگ گورے تھے۔ اس بوڑھے آدمی نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم مجھے رومن نہیں لگتے۔ کیا تم باہر سے آئے ہو"

ناگ نے کہا۔

"ہاں میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ تاجر ہوں۔ پرانے تاریخی برتنوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ سال میں دو ایک بار روم آنا پڑتا ہے۔"

"خوب! یہاں تم کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو؟"

اب ناگ پریشان ہوا کہ کیا بتائے وہ کس جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے تو کسی محلے کا نام بھی نہیں آتا تھا پھر بھی گول مول سا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"شمالی محلے کی سرائے میں اترا ہوں، میں ہمیشہ وہیں ٹھہرا کرتا ہوں۔"

شاید وہ بوڑھا کچھ اور پوچھتا کہ اندر سڑک پر ایک بگھی دکھائی دی بوڑھے کی توجہ بھی اس طرف ہو گئی۔
گاڑی آ گئی میرا خیال ہے یہ گاڑی تمہیں شمالی محلے میں
دے گی۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں"
ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دل میں پریشان ضرور ہوا
بوڑھا اس کے ساتھ کیوں جا رہا ہے۔ خدا جانے شمالی محلے
جا کر کس مصیبت میں ڈال دے۔ اتنے میں دو گھوڑوں
والی پرانی قسم کی بگھی جو مسافروں کو لاتی لے جاتی تھی۔
درخت کے آگے آ کر رک گئی۔ ایک موٹا بھینسے ایسا رومن
کوچوان منہ سر کمبل میں لپیٹے اوپر بیٹھا تھا۔ اس نے
ہانک کر کہا۔

"جلدی سے سوار ہو جاؤ"

ناگ اور بوڑھا رومن بگھی میں گھس گئے۔ یہاں کتنے
ہی آدمی پہلے ہی سے ٹھنسے ہوئے تھے۔ اس کا دم
گھٹنے لگا۔ وہ اترنے ہی والا تھا کہ بگھی ہوا سے
باتیں کرنے لگی۔ موسلادھار بارش میں بگھی کچے اور
پھر شہر کے پتھریلے راستوں سے ہوتی ہوئی روم شہر
کے گنجان علاقوں سے گزرتی شمالی محلے میں آ کر ایک جگہ
رک گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھے رومن نے کہا۔

"شمال محلہ آگیا ہے"

ناگ چھلانگ لگا کر بگھی سے باہر آگیا۔ بوڑھا بھی اس کے پیچھے اتر پڑا۔ بارش ابھی تک ہو رہی تھی بوڑھا ناگ کو کچھ کہتے ہی والا تھا کہ ناگ لپک کر ایک بازار کے کونے میں مڑ گیا اور سامنے ایک ایسی دوکان نظر آئی۔ جس کے اندر آگ جل رہی تھی اور کچھ رومن لکڑی کے بڑے میزوں کے آس پاس بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور کافی پی رہے تھے۔ سردی یہاں بہت زیادہ تھی۔ ناگ نے سوچا کچھ وقت اس دکان یا ہوٹل یا سرائے میں جا کر گزارنا چاہیے تاکہ دماغ ٹھکانے آئے۔

ناگ نے دوکان کے اندر آکر ایک میز کے ساتھ لگی لکڑی کی بنچ پر بیٹھ گیا۔ دوکان یا ہوٹل کی فضا بڑی خوشگوار اور نیم گرم تھی۔ کچھ لوگوں نے گھوم کر ناگ کو دیکھا کیونکہ اس کا رنگ سانولا تھا اور صاف لگتا تھا کہ مقامی آدمی نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے نوکر نے آکر رومن زبان میں ناگ سے پوچھا۔

"کیا کھاؤ گے؟ کیکڑا۔ بھینسے کی زبان۔ ریچھ کا مغز یا سور کی ران؟" ناگ نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"ان میں سے کچھ بھی نہیں کھاؤں گا، مجھے تو صرف گرم گرم قہوہ کی پیالی لا کر دے دو۔"

رومن نوکر نے نفرت سے منہ دوسری طرف کر لیا اور چلا گیا۔ ناگ کا خیال تھا کہ شاید وہ قہوہ نہیں لائے گا۔ مگر تھوڑی دیر بعد وہ ایک تانبے کے مگ میں قہوہ بھر کر لے آیا۔ ناگ نے جیب سے پیسے نکال کر اُسے دیدیئے کیونکہ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں خریدے ہوئے سودے کے پیسے پہلے ادا کر دیئے جاتے ہیں۔

ناگ بڑے آرام سے قہوہ پینے لگا۔ دکان کی فضا بڑی نیم گرم اور پرسکون تھی۔ باہر سردی تھی مگر یہاں سردی بالکل نہیں تھی۔ گرم گرم قہوے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد ناگ نے اپنے بدن میں سکون محسوس کیا۔ اب اس نے دوسرے گاہکوں کا جائزہ لیا۔ ناگ نے دیکھا کہ دور میز کے ساتھ بیٹھے ہوئے دو ہٹے کٹے رومن سپاہی اُسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں اور آپس میں ہنس بھی رہے ہیں۔ صاف لگتا تھا کہ وہ اس کے رنگ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

ناگ نے زیادہ خیال نہ کیا اور قہوہ پیتا رہا اور سوچتا رہا کہ بارش کے بعد وہ ماریانہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یچا انا طولی کا مکان تلاش کر کے اس کی حویلی میں جائے گا اور اسے کسی طرح سے اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ عنبر کا حکم یہی تھا کہ اسے اغوا کر کے لایا جائے تاکہ اسے بھی آدم خور جزیرے میں چھوڑ دیا جائے۔

ابھی ناگ نے آدھا قہوہ ہی پیا تھا کہ وہی دونوں رومن سپاہی اپنی جگہ سے اُٹھے اور ناگ کی طرف بڑھے۔ ان کے جسموں پر سپاہیوں کی وردی تھی۔ چمڑے کا لباس تھا۔ سینے پر لوہے کی ڈھال چڑھی تھی اور کمر کے ساتھ خنجر لٹک رہے تھے۔ وہ بڑے اونچے لمبے اور ہٹے کٹے تھے۔ بالکل بھینسے لگ رہے تھے۔ موٹی گردنیں تھیں اور بازو ریچھ کے بازوؤں کی طرح لٹک رہے تھے دونوں ناگ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک سپاہی نے جھک کر ناگ کو دیکھا۔ اور کہا۔

"ارے کالے کوّے! کیا تم قبرستان سے آئے ہو؟"

ناگ کو غصہ تو بڑا آیا مگر وہ پی گیا۔ مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں! میں قبرستان سے آیا ہوں۔"

اس پر انہوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر دوسرے سپاہی نے ناگ کے سر پر زور سے ایک چپت لگائی اور کہا۔

"حرامی! قبرستان کے کتے"

ناگ کا خون ایک دم کھول اُٹھا۔ اس نے اُٹھ کر ایک زوردار گھونسہ سپاہی کے منہ پر مارا۔ مگر اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اس نے طیش میں آکر ناگ کو زبردست گالی دی اور خنجر نکال کر ناگ پہ زبردست حملہ کر دیا۔ ناگ اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ دکان کے سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو کر مقابلہ دیکھنے لگے اور اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے لگے۔

"مار ڈالو۔ اس کالے کوّے کو۔ یہ رومی نہیں ہے۔ یہ افریقہ کا کالا بندر ہے۔"

کوئی کہتا ہے۔

"اس کالے غلام کو ختم کر دو"

رومن سپاہیوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ دونوں نے خنجروں سے ناگ پہ حملہ کر دیا۔ اب ناگ کے لیے اپنا بچاؤ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ اس شہر میں فساد نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ایک بڑے اہم مشن پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں آیا تھا اور یہ مشن خاموشی سے انجام دینا چاہتا تھا لیکن یہ بدکردار رومن سپاہی اُسے لڑائی جھگڑے پر اُکسا رہے تھے بلکہ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے۔

ایک سپاہی نے بڑی پھرتی سے خنجر ناگ کی کمر پر مارا۔ اگر ناگ اچھل کر دور نہ ہوتا تو خنجر نے اس کا کام تمام کر ڈالا تھا۔ ابھی وہ سنبھلا ہی تھا کہ دوسرے سپاہی نے خنجر لہرا کر ایک نعرہ لگایا اور بھیڑیے کی طرح ناگ کی طرف دوڑا کہ خنجر اس کے سینے سے پار کر دے۔ اب ناگ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی جان بچا سکے۔ تیزی کے ساتھ اتنی تیزی کے ساتھ کہ دکان میں بیٹھے کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ کیا ہو گیا ہے۔ ناگ نے ریوالور نکال کر نالی کا رُخ سپاہی کی طرف کیا اور فائر کر دیا۔

ایک دھماکہ ہوا اور آگے بڑھتا ہوا رومن سپاہی ایک گینڈے کی طرح جھٹکا کھا کر منہ کے بل گرا اور اس کے سینے سے سرخ خون کا فوارہ نکل پڑا۔ یہ دیکھ کر سب پر دہشت طاری ہو گئی، ہر شخص اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا، کسی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ دھماکہ کس چیز کا تھا اور رومن سپاہی کو کس شے نے زمین

پر گرا دیا اور وہ کیا چیز تھی جس نے اسے خون میں نہلا دیا اس کا ساتھی اپنے دوست کی لاش اور خون دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اس نے ناگ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ ناگ نے ریوالور ہاتھ میں پکڑے رومال میں چھپا رکھا تھا۔ وہ دکان سے باہر نکل رہا تھا کہ سپاہی اس کی طرف جھپٹا۔ ناگ نے ریوالور اٹھا کر سیدھا کیا اور دوسرا فائر کر دیا دوسرا رومن سپاہی بھی سینے کو تھام کر گر پڑا۔ گولی اس کے سینے پر لگی تانبے کی ڈھال میں سے گزر کر اس کے دل کو چیرتی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ وہ گرتے ہی خون میں ڈوب کر تڑپنے لگا۔

"پکڑو پکڑو! قاتل کو پکڑو"

ناگ بازار میں نکل آیا۔ وہ بھاگا۔ لوگ قاتل قاتل پکڑو۔ پکڑو، پکڑو کا شور مچاتے اس کے پیچھے بھاگے۔ بازار میں اب بارش رک گئی تھی، ہر کوئی قاتل کا سن کر ناگ کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ ناگ آگے آگے بھاگ رہا ہے اور لوگوں کا ہجوم اس کے پیچھے پیچھے ہے، کوئی پتھر مار رہا ہے کوئی لکڑی اس پر پھینک رہا ہے۔ ایک دکان میں کچھ سپاہی بیٹھے تھے انہوں نے جو دیکھا کہ ایک قاتل بھاگا جا رہا ہے تو انہوں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسی جگہ سے نیزے ناگ پر اچھالے۔

ناگ گھبرا گیا کہ جان مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ اب یہاں سے فرار ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اس نے پٹ کر لوگوں کی طرف دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔ اسے رکتے دیکھ کر ایک پل کے لیے لوگ بھی اپنی جگہوں پر رک گئے۔ ناگ نے۔ ایک گہرا سانس لیا اور پھر لوگوں نے دہشت بھری نظروں سے دیکھا کہ قاتل ایک دم سے غائب ہو گیا اور اسی جگہ پر سے ایک سیاہ عقاب زناٹے کے ساتھ آسمان کی طرف اڑ گیا۔

”جادوگر تھا۔ جادوگر تھا یہ۔ بھاگو! بھاگو!“

کسی نے چلا کر کہا اور سب لوگ خوف کے مارے وہاں سے بھاگ گئے۔ ناگ اڑتا اڑتا شہر کے شمالی کنارے چلا گیا۔ اب سامنے سمندر کا ساحل تھا جس کے ساتھ ہی وہ بستی شروع ہو جاتی تھی۔ جہاں ماریانہ کے باپ کی حویلی تھی جس پر اس کے سوتیلے بھائی نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ناگ یہاں اتر پڑا۔ وہ ایک جگہ سمندر کے کنارے جھاڑیوں میں اترا اور وہیں سے انسان کی شکل میں آ کر باہر نکلا۔

سمندر میں دور بادبانی جہاز کھڑے تھے۔ کنارے پر ماہی گیروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ دوسری طرف بندرگاہ تھی جہاں کئی ایک کشتیاں اور بادبانوں والے تجارتی جہاز کھڑے تھے۔ زمین پر بارش کی وجہ سے کیچڑ تھا۔ ایک ریڑھا ناگ کے قریب سے گزرا جس پر سامان لدا ہوا تھا۔ ناگ نے شمالی محلے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہاں مکانوں کی قطار کھڑی تھی۔ ایک پتھریلے فرش والی گلی اندر جاتی تھی۔ ناگ ماریانہ کے باپ کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر وہ اس مکان کے باہر پہنچ گیا۔ جس کی چھت پر ایک عورت کا بت لگا تھا جس نے اپنے ایک ہاتھ میں بربط تھام رکھا تھا۔

یہی مکان تھا ماریانہ کے باپ کا۔ ناگ نے اوپر سے نیچے تک مکان کو دیکھا۔ محل کی طرح کا مکان تھا۔ ایک کھلی سنگِ مرمر کے ستونوں والی ڈیوڑھی تھی۔ جس کے دروازے پر ایک رومن پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ اس کے قریب جا کر سلام کر کے کہنے لگا۔

”بھائی میں راستہ بھول گیا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہاں مسافروں کے لیے رات گزارنے کے لیے کوئی سرائے کہاں پر ہے؟“

پہرے دار نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کون ہو اور یہاں کس طرح آ گئے؟"

ناگ نے انکساری سے کہا۔

"بھائی میں سکندریہ کا رہنے والا ہوں۔ یہاں نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ پردیسی ہوں۔ مجھے راستوں کا پتہ نہیں ہے"

اتفاق سے وہ رومن پہریدار بھی سکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ناگ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور بولا۔

"بھائی میں بھی سکندریہ میں پیدا ہوا تھا۔ نوکری کا چکر مجھے یہاں کھینچ لایا۔"

ناگ نے کام بنتا دیکھ کر کہا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بھائی! کیا تم مجھے اس شاندار حویلی میں کوئی کام دلا سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ جس سے میری روٹی کا گزر بسر ہو جائے۔"

پہرے دار نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ مالک باہر گیا ہوا ہے۔ وہ کل آ جائے گا۔ میں اس سے بات کر کے تمہیں کوئی نہ کوئی کام مزد دلا دوں گا۔ آج کی رات تم کو اگر کوئی جگہ نہیں مل رہ تو بے شک میرے ہاں سو جاتا۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ بھائی! تمہارا نام کیا ہے۔"

رومن پہرے دار نے کہا۔

"میرا نام آگسٹس ہے"

"خدا تمہیں سلامت رکھے آگسٹس بھائی! میں بڑی خوشی ے تمہارے ہاں ٹھہروں گا لیکن مجھے اتنی اجازت دو کہ میں بندرگاہ پر رکھی ہوئی اپنی گٹھڑی لے آؤں۔"

"ضرور، ضرور لے آؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ آگسٹس کو سلام کر کے پھر جلدی آنے کا وعدہ کر کے ہو گیا۔ وہاں سے وہ سیدھا اڑتے اڑتے اڑن طشتری میں آیا ار سارے حالات کی خبر دی۔ عنبر ماریا اور ماریانہ اور اس اباپ بڑے خوش ہوئے۔ ناگ نے ایک چھوٹی سی کپڑوں ی گٹھڑی بنائی اور واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانہ بدوش جادوگرنی

رات ناگ نے ماریانہ کی بڑی حویلی میں بسر کی۔
آگسٹس نے ناگ کو کھانا بھی کھلایا۔ ناگ کے ساتھ دو
دیر تک باتیں کرتا رہا۔ دوسرے روز حویلی کا مالک
ماریانہ کا سوتیلا چچا، بھی واپس آگیا۔ آگسٹس نے ناگ کو
ماریانہ کے چچا یعنی اناطولی کے سامنے پیش کیا۔ ناگ
دیکھا کہ ماریانہ کے باپ نے اپنے سوتیلے اور ظالم بھائی
بارے میں جو نشانی بتائی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک تھی۔ اناطولی
کی ایک آنکھ کانی تھی۔ اور اس پر سیاہ چمڑے کا نقاب چڑھا
تھا۔ یہ شکل و صورت سے ایک چالاک اور پتھر دل آدمی
لگتا تھا۔ اس نے ناگ کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور
پوچھا۔

"تم رومن نہیں ہو۔ کیا تم مصری ہو؟"

ناگ اس شخص کی قیافہ شناسی پر بہت حیران ہوا۔

جی ہاں میں مصر میں پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ جڑی

ں کا کاروبار کرتا تھا۔ میں بچپن ہی میں یتیم ہو گیا
اب بے کار تھا۔ سوچا روم چلوں۔ شاید یہاں
کام مل جائے۔"

اناطولی نے آگسٹس کی طرف دیکھ کر کہا۔
اسے اصطبل میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھ لو۔"
ناگ کی طرف منہ کر کے بولا۔
اگر تم نے چوری کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں بھوکے
کے آگے ڈال دوں گا۔ سمجھے"

"آپ بے فکر رہیں جناب میں ایمانداری سے نوکری
وں گا۔"

ناگ کے اس جواب پر اناطولی نے گردن ذرا سی ہلائی
اور پھر باہر نکل گیا۔ ناگ نے آگسٹس کا شکریہ ادا کیا کہ
اس کی وجہ سے اسے کام مل گیا تھا۔ اب ناگ کو اصطبل ہی
میں رات کو سونے کے لیے جگہ مل گئی۔ ناگ شام کے بعد
حویلی سے نکل کر سیدھا اڑن طشتری والی جگہ پر آیا اور
اس نے عنبر کو بتایا کہ نوکری مل گئی ہے۔ اب انہوں نے
سکیم تیار کرنی شروع کر دی کہ کس طریقے سے اناطولی کو
اغوا کیا جائے گا۔

ناگ کو نوکری کرتے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اناطولی کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اغوا کرنا مشکل دکھائی دے رہا تھا کیونکہ اناطولی کسی جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتا تھا۔ ابھی یہاں ہے تو ابھی شہر سے باہر چل پھر رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہر وقت ایک اور خونخوار کتا رہتا تھا۔ جو اس کی حفاظت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک حبشی غلام بھی تلوار سے مسلح ہر وقت اناطولی کے ساتھ رہتا تھا۔

اس کے باوجود ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ دو ایک دنوں میں اناطولی کو اغوا کر کے لے جائے گا خواہ اس کے لیے اسے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ایک رات ناگ گھوڑوں کو چارہ ڈال کر ان کی مالش کر رہا تھا کہ آگسٹس اِدھر سے گزرا۔ وہ مسکرا کر بولا۔

بھائی ناگ! فارغ ہو کر میری طرف آنا۔ تمہیں مصر کا قہوہ پلاؤں گا۔"

"ابھی آیا بھائی آگسٹس"،

ناگ کو اپنے وطن کا قہوہ پینے کا بہت شوق تھا چنانچہ وہ کام سے فارغ ہو کر سیدھا آگسٹس کی کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔ رات خنک تھی۔ مشعلیں روشن تھیں۔ حویلی میں بھی مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ آگسٹس کوٹھڑی کے باہر بیٹھا تھا۔ اس نے گرم فرغل اوڑھ رکھی تھی ناگ اس

س جا کر بیٹھ گیا۔ آگسٹس نے قہوہ بنا کر پلایا۔

پسند آیا"

نے دو ایک گھونٹ پی کر اس کی بہت تعریف کی

ج مجھے اپنا پیارا وطن مصر یاد آ گیا۔ تمہارا بہت شکریہ آگسٹس"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ حویلی کی طرف سے کے زور زور سے بھونکنے کی آواز آئی، یہ اناطولی تے کے بھونکنے کی آواز تھی۔ آگسٹس کے کان کھڑے

ضرور کوئی گڑبڑ ہے یہ کتا اس طرح کبھی نہیں بھونکا

" ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ حویلی کی طرف سے ل کی بلند آواز سنائی دی۔

گسٹس! جلدی یہاں آؤ"

گ بھی آگسٹس کے ساتھ ہی چل دیا۔ حویلی میں جا کر دیکھا اطولی نے تلوار ہاتھ میں تھامی ہوئی ہے۔ دو تین غلام چیزیں لیے کمرے میں اور باہر باغ میں کسی چیز کو تلاش کر رہے ہیں۔ کتا ذرا دور جھاڑیوں کے پاس کھڑا زور زور سے ک رہا ہے۔ آگسٹس نے جاتے ہی پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا حکم ہے آقا؟"

اناطولی بولا۔

"ابھی ابھی یہاں میں نے ایک سانپ دیکھا تھا۔ یا ناگ تھا۔ پھن پھیلائے میری طرف بڑھا۔ اگر میں جلدی سے اُٹھ کر دوسری طرف نہ بھاگتا تو اس نے میرا کام تما کر دیا تھا۔

"کہاں ہے میرے آقا سانپ"

"الو کے پٹھے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے تو تمہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ انہی جھاڑیوں میں کہیں گھس کر غائب ہوگیا ہے۔ اسے تلاش کر کے حا کر دو۔"

پھر اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بھی سانپ کو تلاش کرو۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو

ناگ نے کہا۔

"جو حکم میرے آقا"

اور وہ بھی سانپ کو تلاش کرنے لگا، ناگ کو بھلا سانپ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر سانپ کو اپنے حضور طلب کر سکتا تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ سانپ اگر باغ میں کسی جگہ ہے تو وہ بھی ناگ کی

بودگی سے پریشان ہوگیا ہوگا۔ اس نے سوچا کر اناطولی اپنا اعتبار جانے کا اچھا موقع ہے۔ یوں ہی ادھر ادھر نے کے بعد ناگ ایک طرف کھڑا ہوگیا پھر ولی کی طرف پلٹ کر بولا۔

"میرے آقا اگر آپ حکم دیں تو میں سانپ کو حاضر سکتا ہوں"

اناطولی نے حیرانی سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ناگ بولا

"مجھے ایک ایسا منتر آتا ہے کہ اگر میں اُسے پڑھ کر کوں تو سانپ جہاں کہیں بھی ہوگا نکل کر میرے منے پیش ہو جائے گا۔ اور مجھے سجدہ کرے گا۔"

اناطولی نے جلدی سے کہا

"تو پھر منتر پھونکتے کیوں نہیں۔ جلدی کرو۔ کیا سوچ رہے ہو؟"

ناگ نے ایک گہرا سانس لے کر منہ سے سیٹی کی آواز نکالی اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اصل میں وہ ہوا میں سانپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے آواز دے کر سانپ کو بلایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے آجاؤ۔ سانپ کوبرا تھا اور سمندر کنارے کی دلدل سے اِدھر آگیا تھا۔ وہ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا اس نے بھی ناگ دیوتا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا اور پریشان سا تھا کہ ناگ دیوتا اِدھر کیسے آگیا؟ اب جو اس نے ناگ کی آواز سنی تو جلدی سے نکل کر باہر آگیا۔ سامنے کیا دیکھتا ہے کہ ناگ دیوتا انسانی شکل میں کھڑا ہے۔ سب نے دیکھا کہ سانپ جھاڑی میں سے رینگتا ہوا ناگ کی طرف بڑھا۔ آگسٹس اور دوسرے غلاموں نے سانپ کو ہلاک کرنا چاہا مگر ناگ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں منع کر دیا۔

”خبردار یہ کام نہ کرنا۔“

اناطولی نے بھی انہیں روک دیا۔ کوبرا سانپ پھن اٹھائے ناگ کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ سب لوگ ڈر کر پرے ہٹ گئے کہ سانپ ان کو ڈس نہ دے۔ ناگ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ آگسٹس بھی سہم گیا۔ اناطولی نے دیکھا کہ سانپ بڑا زہریلا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا۔

”یہ تمہیں ڈس دے گا اسے کچل دو۔“

ناگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

”خاموش رہیں میرے آقا“

اناطولی کو غصّہ ضرور آیا کہ اس کا غلام یہ کیسی گستاخی سے اس سے بات کر رہا ہے۔ مگر وہ خاموش رہا کیونکہ اس کی جان پر بنی تھی۔ کوبرا سانپ اب ناگ کے سامنے آچکا تھا۔ اس نے سامنے آتے ہی اپنا پھن سمیٹ لیا اور پھر سب کے سامنے اپنا سر ناگ کے آگے جھکا کر زمین پر لگا دیا۔

اس منظر کو دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ اناطولی تو بہت ہی متاثر ہوا۔ ناگ سانپ سے اس کی زبان میں باتیں کرتا رہا۔ اس نے سانپ کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کرے کیونکہ وہاں اس کی زندگی کو سخت خطرہ تھا۔

”اگر اس وقت میں یہاں پر نہ ہوتا تو یہ لوگ تمہیں ٹکڑے کر ڈالتے۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ اور پھر کبھی اِدھر نہ آنا۔“

”جو حکم میرے عظیم ناگ دیوتا“

سانپ نے سر اٹھا کر ناگ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور سمندر کی طرف رینگنے لگا۔ اناطولی نے سانپ کو جاتے دیکھا تو جلدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسے ہلاک کیوں نہیں کرتے۔ یہ بھاگ رہا ہے"
ناگ نے کہا۔

"نہیں نہیں اسے کوئی کچھ نہ کہے۔ یہ کسی کو اب کچھ نہیں کہے گا۔ یہ یہاں پھر کبھی نہیں آئے گا۔"
اناطولی نے تلوار لہرا کر کہا۔

"تم بکواس کرتے ہو۔ بھلا سانپ بھی کبھی انسان کا دوست ہوا ہے؟ یہ پھر آئے گا۔ اس نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور یہ مجھے ہلاک کر دے گا۔"

ناگ اسے منع ہی کرتا رہا اور اناطولی نے تلوار سے سانپ پر حملہ کر دیا۔ سانپ پہلے ہی چوکنا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گیا لیکن اس کے ساتھ ہی سانپ نے اچھل کر اناطولی پر حملہ کر دیا اور اس کی کلائی پر ڈس دیا اور جھاڑیوں کی طرف رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اناطولی چیخ مار کر گرا اور چلایا۔

"مجھے سانپ نے ڈس لیا۔ مجھے بچاؤ"

ناگ نے سوچا کہ اسے مرنے دے۔ پھر خیال آیا کہ نہیں ابھی اسے ماریانہ کے باپ کے پاس لے جانا ہے اور پھر جائیداد اس سے وصول کرنی ہے۔ ناگ نے اناطولی کو اٹھا کر خوابگاہ میں پہنچا دیا۔

"فکر نہ کریں آقا۔ ابھی زہر جسم سے دور کر دوں گا"

اناطولی کو پسینے آنے لگے تھے۔ زہر نے اپنا اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کریں۔ میں زہر کا ابھی علاج کرتا ہوں"

"نہیں نہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں مر رہا ہوں یہ بڑا خطرناک سانپ تھا۔ اس کا زہر میرے جسم میں چلا جا رہا ہے۔"
ناگ نے کہا۔

"میں زہر کا اثر ختم کر دوں گا آقا! فکر نہ کریں"

اور پھر ناگ نے منتر پڑھ کر اس جگہ پر پھونکنا شروع کر دیا۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ تھوڑی دیر ہی میں زہر کا اثر ختم ہو گیا۔ اور اناطولی بھلا چنگا ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ناگ کی قابلیت پر خوش بھی تھا اور بے حد حیران بھی تھا۔

"تم نے تو کمال کر دیا۔ تم غلام بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے آج سے تم میرے خاص دوست ہو اور میری حویلی کا سارا انتظام تمہارے حوالے ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم میرے وزیر بن گئے ہو۔ کیا تم کو یہ عہدہ منظور ہے؟" ناگ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے اور کیا چاہیئے جناب! آپ کا بہت بہت شکریہ"

اب ناگ کو ہر جگہ چلنے پھرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اناطولی ناگ سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ دو ایک روز میں اناطولی کے ساتھ شکار کے لیے لے جائے گا اور پھر اکرن طشتری کے قریب لا کر اسے قید کرے گا۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ اناطولی کے ہاں اس کی ایک خانہ بدوش واقف عورت کا گزر ہوا۔ یہ عورت زبردست جادوگرنی تھی۔ اس نے آتے ہی ناگ کو دیکھا تو اس کے دل کا سارا حال سمجھ گئی اس نے ناگ سے تو کچھ نہ کہا اور اناطولی کو ساتھ لے کر ایک کمرے میں آگئی اور بولی۔

"یہ شخص ناگ تمہارا دشمن ہے اور تمہیں اغوا کرنے کے لیے آیا ہے"

اناطولی اس خانہ بدوش عورت کا منہ تکتا رہ گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو لی اماں! ناگ تو میرا خاص دوست ہے۔ اس نے میری جان بچائی ہے۔"

عورت بولی!

"ٹھیک ہے۔ وہ تمہیں ابھی مارنا نہیں چاہتا۔ وہ تمہیں یہاں سے اغوا کر کے لے جانا چاہتا ہے۔ میری بات پر اعتبار کرو۔ میرا جادو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔"

اناطولی غضب میں آگیا۔

"میں اس شخص کو ابھی جا کر ختم کر دوں گا۔"

خانہ بدوش نے کہا۔

"اس کیلئے تمہیں بڑی ہوش سے کام لینا ہوگا۔ یہ شخص کون ہے؟ تم نہیں جانتے۔ میں جانتی ہوں۔ میرے جادو نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شخص زبردست طاقت رکھتا ہے اور یہ شاید کسی زمانے میں سانپ تھا اور اب انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے"

اناطولی نے کہا۔

"شاید اسی لیے اس نے میرے زہر کو ختم کر دیا تھا اور سانپ نے اس کے آگے آ کر اسے سجدہ بھی کیا تھا۔"

خانہ بدوش عورت نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک! میرا جادو کبھی غلط نہیں ہو سکتا"

"پھر میں کیا کروں۔ اس شخص کو کیوں کر ہلاک کروں؟"

خانہ بدوش عورت نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ایسا کرو۔ جب رات کو یہ شخص ناگ سو رہا ہو تو اس کے کمرے میں گھس کر اسے قتل کر دو۔ مگر خبردار! اگر تم سے ذرا بھی چوک ہو گئی اور یہ جاگ پڑا تو تمہاری خیر نہیں۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شخص بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے۔"

اناطولی کچھ ڈر بھی گیا کہ خدا جانے ناگ کیا کر دے۔ اسے غصہ بھی بڑا تھا کہ وہ ایک قاتل کو پال رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"فکر نہ کرو بی اماں! میں آج رات ہی اس کا کام تمام کر دوں گا۔"

ناگ نے بھی خانہ بدوش عورت کو شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا کہ یہ عورت کالا علم جانتی ہے مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور اپنے کام میں لگا رہا۔ رات کو وہ آگسٹس کے پاس جا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتا تھا۔ پھر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا وہ بہت تھک گیا تھا۔ اُسے بہت جلد نیند آ گئی۔ آدھی رات کو اناطولی تلوار لے کر اس کے کمرے کی طرف آیا۔ اس نے کھڑکی میں راہ نکالی اور کمرے میں آ گیا۔ طاق میں روغن کا دیا جل رہا تھا۔ اناطولی نے دیکھا کہ ناگ بے سدھ ہو کر بستر پر سو رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کی طرف بڑھا۔ اسے خانہ بدوش جادوگرنی کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ بڑی ہوشیاری سے کام لینا۔ اناطولی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔

خوش قسمتی تھی ناگ کی کہ اسے ٹھیک اس وقت ایک مچھر نے کاٹ کھایا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہاتھ سے مچھر کو مارا۔ اناطولی ایک دم پرے ہو گیا اور پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ ناگ کو ذرا سا احساس ہوا کہ کوئی کمرے میں ہے۔ وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر کمرے میں دیکھا۔ اسے دروازے کا پردہ ہلتا نظر آیا۔ سمجھ گیا کہ کوئی اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ سو رہا ہے۔ بلکہ وہ جھوٹ موٹ کے خراٹے بھی لینے لگا۔

اناطولی نے جب ناگ کے خراٹوں کی آواز سنی تو سمجھا کہ وہ سو گیا ہے۔ پس وہ پردے میں سے نکل کر تلوار لیے ناگ کے پلنگ کی طرف بڑھا۔ اب دیے کی روشنی میں اناطولی نے بھی ناگ کو دیکھ لیا کہ وہ تلوار لیے اس کو قتل کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ وہ چوکس ہو گیا۔ جونہی اناطولی اس کے پلنگ پر حملہ کرنے کے لیے آیا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ اناطول نے بستر پر سے ناگ کو غائب ہوتے دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ۔ کہاں گیا؟ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آدمی بستر پر لیٹے لیٹے اچانک غائب ہو جائے۔ پھر اسے خانہ بدوش عورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بات یاد آ گئی۔ کہ یہ شخص بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ناگ کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر ناگ ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل میں بستر کی چادر کے اندر ہی تھا۔ موقع ملتے ہی وہ پلنگ سے نیچے اتر آیا۔ اب ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اناطولی کو ڈس کر بے ہوش کر دے گا اور پھر آج ہی رات اُسے اغوا کر لے گا۔

اناطولی نے ابھی اپنی حیرانی پر قابو نہیں پایا تھا کہ اُسے دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے محسوس ہوا کہ کسی شے نے اسے ٹخنے پر کاٹا ہے۔ اس نے جھک کر پاؤں کو دیکھا تو اسے چراغ کی روشنی میں ایک چھوٹا سا سانپ نظر آیا جو بستر پر چڑھ رہا تھا۔ اناطولی نے چیخ مارنے کی کوشش کی تا کہ وہ نوکروں کو بلا سکے مگر اس کا حلق خشک تھا۔ اس کے گلے میں سے آواز نہ نکل سکی۔ اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

اتنے میں اس نے ایک بار پھر اسی سانپ کو ناگ کی شکل میں انسان بن کر بستر پر لیٹے دیکھا۔ ناگ اس کی طرف گھور کر اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ناگ بستر سے اٹھ کر اناطولی کے پاس آیا اور اس کے کندھے پر

اتھ رکھ کر بولا۔

میں جانتا ہوں اب تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم انگلی بھی اپنی مرضی سے ہلا سکو۔ لیکن تم نے مجھے ک کرنے کا ارادہ کر کے کوئی اچھی بات نہیں کی۔ میں تمہیں یہاں ہلاک کرنے نہیں آیا تھا۔ اگرچہ ماریانہ اور اس کے پ کو آدم خوروں کے جزیرے میں پھینک کر تم نے ایک گناؤنا جرم کیا ہے کہ تمہیں ہلاک کر دینے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ پھر بھی میں نے تم پر رحم کیا بہرحال اب میں تم کو یہاں سے لے جاؤں گا۔"

اناطولی کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر کر فرش پر پڑی تھی۔ وہ ناگ کی باتیں پوری طرح سن رہا تھا مگر خود نہیں بول سکتا تھا۔ اس کا سارا بدن پتھر بن رہا تھا پھر وہ فرش پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ وہ ناگ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اسے کہاں لے جانا چاہتا ہے مگر نہ پوچھ سکا۔

اناطولی بے ہوش ہو کر گرا تو ناگ نے اسے ایک چادر میں اس طرح لپیٹ دیا کہ وہ لپٹا ہوا قالین لگ رہا تھا پھر وہ اصطبل میں گیا اور ایک گھوڑے کو نکال کر حویلی کے پچھواڑے آ گیا۔ وہ اناطولی کے بے ہوش جسم کو کندھے پر اٹھا کر حویلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ڈیوڑھی سے گزر رہا تھا کہ اچانک پہریدار نے اُسے دیکھ لیا اور شور مچا دیا۔

شور سنکر خانہ بدوش جادوگرنی جھٹ باہر آگئی۔ اسے پہلے ہی فکر تھی کہ اناطولی آج رات ناگ کو قتل کرنے جا رہا ہے۔ کہیں اس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ ناگ نے بیہوش اناطولی کو ایک طرف رکھ دیا اور پہریدار کو گھونسہ مار کر گرا دیا۔ اب جادوگرنی خانہ بدوش عورت بھی وہاں آگئی تھی اس نے ناگ کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ گئی، جلدی سے ایک منتر پھونک کر ناگ پر جادو کر دیا۔

اس جادو کا اثر ناگ پر اتنا ہوا کہ اس کا سر گھومنے لگا۔ سمجھ گیا کہ جادوگرنی نے وار کر دیا ہے۔ اسی وقت ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک منتر پھونک کر ہوا میں ہاتھ ہلایا اور خاص سرگوشی کی زبان میں اس علاقے کے تمام سانپوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ پلک جھپکتے میں ایک درجن ناگ پھن پھیلائے ادھر اُدھر سے نکل کر وہاں آگئے۔ جادوگرنی نے منتر پھونکا اور سارے سانپ پتھر بن گئے۔

ناگ نے اپنا وار خالی جاتے دیکھا تو گہرا سانس لیا اور چمگادڑ بن کر جادوگرنی کی گردن سے چمٹ گیا۔ اس نے جادوگرنی کی گردن میں اپنے تیز دانت گاڑ کر اس کا خون پینا شروع کر

جادوگرنی نے بڑی کوشش کی کسی طرح سے چمگادڑ کو مار کر رے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر اس نے منتر پھونکنا گر ڈر گئی کہ چمگادڑ پر جادو کیا تو اس کی گردن بھی نہ ہی چلی جائے گی۔

چمگادڑ نے اپنے تیز نوکیلے پنجے جادوگرنی کی گردن میں ڑ رکھے تھے اور اس کا خون دھڑا دھڑ پی رہی تھی۔ جادوگرنی غنودگی طاری ہو گئی اور وہ دھڑام سے گر پڑی۔ شور ن کر حویلی کے دوسرے نوکر بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔ انہوں جادوگرنی کی گردن سے چمگادڑ چمٹی دیکھی تو خنجر سے اُسے مارنے کے لیے بڑھے۔ ناگ اس عرصے میں پھر سے انسان بن ر سامنے آگیا اور اس کے ساتھ ہی بارہ کے بارہ سانپ پھر ے زندہ ہو گئے۔

انہوں نے نوکروں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت آگسٹس بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"ناگ! دوست! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس لیے تم میرے معاملے میں دخل مت دینا۔ یہ اناطولی ہے جو بے ہوش پڑا ہے۔ اس نے اپنے سوتیلے بھائی اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بیٹی ماریانہ کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ میں اسے
جا رہا ہوں۔"

نوکروں نے آگے بڑھ کر اپنے مالک کو بچانا چاہا
سانپ پھن اٹھا کر اس کی طرف لپکے۔ نوکر وہاں سے بھاگ
گئے۔ ناگ نے اناطولی کو اٹھایا اور باہر گلی میں آگیا۔ جہاں
گھوڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ نے اناطولی
گھوڑے پر ڈالا۔ پھر خود بھی سوار ہوا اور رات کے اند
میں گلی سے باہر نکل گیا۔

باہر آتے ہی اس نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع
دیا اور تھوڑی دیر بعد شہر سے باہر درختوں کے جھنڈ کے
درمیان ڈھلان پر کھڑی اڑن طشتری میں آگیا۔ عنبر پہرے
پر تھا۔ اس نے ایک گھوڑ سوار کو اڑن طشتری کی طرف آ
دیکھا تو سمجھ گیا کہ ناگ ہے اور بے ہوش اناطولی کو لا رہا
ہے۔ اس نے اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا۔

سوداگر کی بیٹی

طولی کو ہوش آیا تو وہ اڑن طشتری میں بیٹھا تھا۔
س کے سامنے ماریانہ کا باپ اور ماریانہ بھی بیٹھی
نبر ناگ بھی وہاں موجود تھے۔ اناطولی اڑن طشتری
ں دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا۔ عنبر نے اسے سمجھایا کہ وہ
ہلا پر آگیا ہے کہ وہاں سے واپس نہیں جا سکتا۔ ماریانہ
پ نے کہا۔

اناطولی! تو سمجھتا تھا کہ ہم دونوں باپ بیٹی آدم خوروں
راک بن جائیں گے۔ مگر خدا نے ہمیں بچا لیا۔ اب تمہاری
سزا ہے کہ تمہیں آدم خوروں کے اسی جزیرے پر چھوڑ دیا
ئے گا۔ اور میں اپنی جائیداد پر پھر سے قبضہ کر لوں گا۔"
اناطولی نے رحم کی درخواست کی مگر ماریانہ کے باپ نے کہا
جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا اس پر بھی رحم نہیں
ئے گا۔"

اسی روز دوپہر سے پہلے اڑن طشتری اناطولی کو لے
جزیرے کی طرف اڑ گئی۔ اناطولی اڑن طشتری کو ہوا
سمندر کے اوپر اڑتا دیکھ کر غش کھانے والا تھا کہ عنبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اُسے سہارا دیا اور کہا۔

"بہتر ہے کہ تم آدم خور جزیرے میں جا کر غش کھانا کیوں ایک بار تمہیں وہاں بھی غش کھانا ہے جبکہ آدم خور تمہیں کر کھانے کے لیے لے جا رہے ہوں گے۔"

اناطولی کو آدم خور جزیرے میں چھوڑ دیا گیا۔

اڑن طشتری نے اسے درختوں کے پاس سمندر کے کنا چھوڑا اور وہ ہوا میں اُڑ گئی۔ اناطولی حسرت سے اڑن طشر کو اڑتے دیکھتا رہا۔ اب اُسے احساس ہوا تھا کہ جو کسی کے لیے گڑھا کھودتا ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور اس گڑھ میں گرتا ہے۔ اڑن طشتری ابھی نظروں سے اوجھل نہیں تھی کہ اناطولی کو شور سنائی دیا۔ ایک طرف سے آدم خور نیزے لہراتے اس کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ انا ڈر کر بھاگا۔

آدم خور اس کے پیچھے دوڑے اور کچھ دور جا کر اناطولی پکڑ لیا اور پھر اس کے گلے میں رسی باندھ کر اسے اس جھونپڑے کی طرف لے چلے جہاں وہ بھون کر کھانے پہلے اپنے شکار کو رات بھر رکھا کرتے تھے۔

ماریانہ اور اس کا باپ پھر سے اپنی حویلی میں آ گئے ناگ عنبر اور ماریا! وہاں سے اڑن طشتری لے کر آسمانو

رف پرواز کر گئے۔ آسمانوں پر اڑتے اڑتے رات ہو گئی سمان تاروں سے بھر گیا۔ عنبر اور ناگ سکرین کو دیکھ رہے ے۔ جہاں آسمان پر تاروں کے موتی بکھرے ہوئے تھے۔ زمین ہت نیچے رہ گئی تھی، عنبر نے اٹھ کر ایک مشین کو دیکھا جس پر یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کس عہد سے گزر رہے ہیں۔ یہاں زمانہ قبل از مسیح کا عہد نظر آ رہا تھا۔ اچانک مشین تیزی سے چلنے لگی۔ عنبر نے ناگ کو بلایا۔

"ناگ! ذرا اس مشین کو دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے زمانے سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔"

ناگ نے مشین پر جھک کر دیکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبل از مسیح سے آگے نکل آئے ہیں اور اب پانچ برس بعد کا زمانہ آ گیا ہے۔ گویا وہ رومن دور کے آخری عہد میں تھے۔ عنبر بڑا حیران ہوا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وقت ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے۔" ناگ نے کہا۔

"نیچے چل کر دیکھنا چاہیے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بہرحال نیچے چل کر بھی دیکھ لیتے ہیں۔"

انہوں نے اڑن طشتری کو نیچے کرنا چاہا۔ مشین نے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آسنے سے انکار کر دیا۔ اب وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ ساری رات وہ اڑن طشتری کو نیچے لانے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر صبح ہوئی تو وہ کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اڑن طشتری کو زمین کی طرف لانا شروع کر دیا۔ نیچے دیکھا تو ایک خوبصورت شہر کے گنبد نظر آئے۔ اور عمارتیں! جن کی چھتیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

"یہ کون سا شہر ہو سکتا ہے ناگ!"

"یہ تو نیچے جا کر ہی پتہ چلے گا۔"

انہوں نے شہر سے دور ایک صحرا میں کھجوروں کے جھنڈ کے پیچھے جہاں ایک اونچا ٹیلا تھا اڑن طشتری اتار دی۔ یہاں ٹیلے کی اوٹ تھی اور ویران جگہ تھی۔ انہیں یقین تھا کہ اس جگہ کسی کی نظر اڑن طشتری پر نہیں پڑے گی۔ دور انہیں اونٹوں کی ایک قطار جاتی نظر آئی۔ عنبر نے کہا۔

"ہم عرب علاقے میں آ گئے ہیں۔ شاید وہ کوئی قافلہ شہر میں داخل ہو رہا ہے۔"

ناگ نے دیکھا اور کہا۔

"کتنا خوبصورت منظر ہے۔"

ماریا بھی جاگ اٹھی تھی اور اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی:

ہر کو نسے شہر میں آ گئے ہیں؟"

نبر نے مسکرا کر کہا۔

راتوں رات ہم چھ سو برس آگے نکل گئے ہیں ماریا۔ اور یہ عرب علاقہ ہے۔"

چل کر معلوم کرنا چاہیئے" ماریا نے کہا۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ماریا کو شہر میں جا کر حالات معلوم کرنے ہیں کہ یہ کونسا شہر ہے اور کون سا بادشاہ یہاں کومت کر رہا ہے"

ناگ نے کہا۔

"ماریا کی بجائے اگر میں چلا جاؤں تو کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"ماریا کے جانے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ وہ کسی کو نظر نہیں آئے گی اور بڑی آسانی سے ساری معلومات لے کر واپس آجائے گی۔ تم گئے تو لوگ تمہارے لباس کو ہی دیکھنا شروع کر دیں گے۔ کیوں ماریا؟ تمہارا کیا خیال ہے۔"

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

"ایک نئے شہر کی سیر کرنا تو مجھے بے حد پسند ہے۔ میں ہی اس شہر میں جاؤں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑی دیر بعد ماریا اڑن طشتری سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑی۔ صحرا میں کھجوروں کی قطاروں کے نیچے سے ہو کر ایک کچا راستہ شہر کی طرف جاتا تھا۔ ماریا اس راستے پر چلنے لگی۔ اس کے آگے ایک اونٹ بھی جا رہا تھا۔ ایک بدو کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ اونٹ پہ سوکھی لکڑیوں کا گٹھا لدا ہوا تھا۔ ماریا شہر کے قریب پہنچ گئی۔ شہر کا دروازہ کافی بڑا اور اونچا تھا۔ شہر کی دیوار کے اوپر برجیاں بنی تھیں جن میں شاید سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

شہر کا بڑا لکڑی کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ لوگ عربی لباس پہنے آ جا رہے تھے۔ ماریا بھی شہر میں داخل ہو گئی۔ بڑا الف لیلوی شہر تھا۔ بازار تنگ تھے۔ اونچے مکانوں کے خوبصورت جھروکوں کے آگے پردے گرے ہوئے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں۔ خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ ایک سپیرا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا۔ ماریا چلتے چلتے ایک حویلی کے سامنے آ گئی۔ یہاں کچھ لوگ کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حویلی کا دروازہ بند تھا۔ اس کے باہر ایک حبشی غلام اداس کھڑا تھا۔ ماریا قریب جا کر لوگوں کی باتیں سننے لگی۔ وہ عربی اور قبطی زبانوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے ماریا کو معلوم ہوا کہ اس شہر کا نام انطاکیہ ہے

اور ایک مسلمان گورنر وہاں کا انتظام کرتا ہے جو مسلمان خلیفہ کے ماتحت ہے۔ اور اس حویلی میں کوئی امیر تاجر رہتا ہے جس کی اکلوتی بیٹی بستر مرگ پر پڑی ہے اور زندگی کی آخری گھڑیاں پوری کر رہی ہے۔

ایک آدمی نے کہا۔

"وہ چھ روز سے بے ہوش ہے۔ اس کا بچنا بہت مشکل ہے۔"

ماریا کو خیال آیا کہ عنبر اس لڑکی کو اچھا کر سکتا ہے کیوں نہ وہ عنبر کو جا کر بلا لائے۔ تاکہ اس بے چاری لڑکی کی جان بچ جائے۔ عنبر جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے میں ماہر ہے۔ پس ماریا اسی وقت واپس اڑن طشتری میں گئی اور اس نے عنبر کو سارا حال کہہ سنایا۔ عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو میں جا کر اس بچی کا حال دیکھتا ہوں۔"

عنبر اسی وقت اڑن طشتری سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا کے بتائے ہوئے پتے پر وہ بہت جلد حویلی کے باہر پہنچ گیا۔ لوگ اب بھی ادھر ادھر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ہر طرف سوگ کی فضا طاری تھی۔ حبشی غلام بھی سر جھکائے دروازے پر کھڑا تھا۔ عنبر نے اسے جا کر سلام کیا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہارے مالک سے ملنا چاہتا ہوں"

حبشی نے سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر رومن لباس میں تھا۔ اس نے سمجھا کہ شاید کوئی رومی ہے۔ کاروباری بات کرنے اس کے مالک سے ملنے آیا ہوگا۔ اس نے کہا۔

"مالک اس وقت نہیں مل سکتے ان کی بیٹی بیمار ہے بس کوئی دم کی مہمان ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں اس کا علاج کرنے آیا ہوں۔ میرا نام عنبر ہے۔ اور میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔"

حبشی کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

"کیا تم کوئی حکیم ہو۔"

"ہاں میں حکیم ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ وہ میری دوا سے اس بچی کو پھر سے زندگی عطا کر دے گا۔"

حبشی جلدی سے عنبر کو اندر لے گیا۔ ایک سجے ہوئے خوبصورت کمرے میں شاندار پلنگ بچھا تھا جس پر ایک نازک سی لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور وہ بے ہوش تھی۔ سانس اکھڑ رہا تھا۔ حبشی نے مالک کو بتایا کہ یہ صاحب حکیم ہیں اور بی بی کا علاج کرنے آئے ہیں۔ مالک نے

چونک کر عنبر کو دیکھا اور بولا۔

"خدا کے لیے حکیم صاحب! میری بچی کو بچا لیں یہ میری جان کا ٹکڑا ہے اور میری بیوی کی بڑی قیمتی نشانی ہے۔ اگر یہ زندہ نہ رہی تو میں بھی زندہ نہ رہوں گا۔"

عنبر نے دیکھا کہ کمرے میں دو ایک کنیزیں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ عنبر لڑکی پر جھک گیا بولا۔ "بچی کا نام کیا ہے۔؟"

اس کے باپ نے کہا۔

"فاطمہ بن عمر۔ میرا نام عمر ہے اور میری بچی کا نام فاطمہ ہے"

عنبر نے دیکھا کہ فاطمہ کے سانس اکھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس کی آنکھوں کی پلکیں ہٹا کر دیکھا۔ وہ سفید پڑ گئی تھیں اس نے کچھ غور کیا۔ سوچا اور پھر تاجر عمر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"کیا یہاں بازار سے قرطاش درخت کے پتے مل سکتے ہیں؟" تاجر نے کہا۔

"قرطاش درخت تو ہمارے گھر میں اگا ہوا ہے"

اس نے کنیزوں سے کہا کہ جلدی سے قرطاش کے پتے توڑ لائیں پھر عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بھلا اس معمولی درخت کے پتوں سے کیا ہوگا۔ اس شہر کے بڑے سے بڑے حکیم میری بچی کا علاج کر چکے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر مسکرایا۔

"قرطاش کے پتوں کا سوائے میرے کسی کو علم نہیں ہے کہ ان میں شفا ہے اور اس بیماری کا علاج یہی پتے ہیں۔"

اتنے میں کنیزیں ایک طشتری میں قرطاش کے درخت کے سبز سبز پتے ڈال کر لے آئیں۔ تاجر عمر مایوس ہو چکا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ عنبر ان معمولی سے پتوں سے اس کی بچی کا علاج کر سکے گا۔ بہر حال دنیا امید پر قائم ہے اور وہ بھی اس امید میں عنبر کو تکنے لگا کہ شاید اللہ اپنا فضل کر دے۔ عنبر نے پتوں کو لے کر ایک پیالے میں ڈالا۔ پھر انہیں توڑ کر کچل دیا۔ پھر گرم پانی منگوا کر اس میں انہیں بھگو کر دھویا۔ ان میں سیاہ نمک ملایا۔ پھر پانی میں ڈال کر اس کا عرق بنایا اور ایک ایک قطرہ کر کے بچی نائلہ کے ہونٹوں پر ٹپکانے لگا۔

لڑکی کے ہونٹ جڑے ہوئے تھے اور خشک تھے۔ دوائی کا قطرہ جونہی خشک ہونٹوں پر گرتا وہ جذب ہو جاتا۔ اسی طرح آدھی دوائی لڑکی کے ہونٹوں پر ہی جذب ہو گئی۔ کنیزیں اور تاجر عمر بے تابی سے یہ علاج دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے ہونٹ کھل گئے۔ اب عنبر نے دوائی لڑکی کے حلق میں

پلانی شروع کر دی۔ جب ساری دوائی ختم ہو گئی تو لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔

تاجر عمر سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر بجا لایا پھر اس نے عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ جس کی دوائی سے اس کی بچی کی جان بچ گئی۔ نائلہ نے اپنے باپ کو پکارا

"بابا"

"میری بچی!" اور اس کا باپ اپنی بیٹی سے لپٹ گیا اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"اب اسے آرام کی ضرورت ہے۔ دوپہر تک یہ انشاء اللہ تندرست ہو جائے گی۔" تاجر خوشی سے نہال ہو گیا تھا۔ اسے اپنی بچی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی اس وقت سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ روم سے کوئی حکیم آیا ہے۔ جس نے اپنے علاج سے تاجر عمر کی قریب المرگ بچی کو ٹھیک کر دیا ہے۔ تاجر عمر نے اسی وقت غریبوں اور مسکینوں میں اشرفیاں تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ دوپہر کو نائلہ ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔

اسے پھلوں کا رس پلایا گیا اور وہ اپنے باپ سے باتیں کرنے لگی۔

"بابا مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باپ نے کہا۔

"کچھ نہیں بیٹی! تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ انہوں تمہاری جان بچا لی ہے۔"

ناظر نے عنبر کو شکریے بھری نظروں سے دیکھا عنبر نے کہا۔

"میں نے صرف علاج کیا ہے بیٹی! زندگی تمہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔"

تاجر نے دوپہر کے کھانے پر عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس ملک سے آیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"بس یوں سمجھ لیں کہ میں ایک حکیم ہوں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ملک ملک جنگل جنگل گھومتا پھرتا ہوں۔ آج صبح اس شہر میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ ایک بچی بیمار ہے اور حکیم اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس کا علاج کر کے دیکھنا چاہیے۔

تاجر عمر نے کہا۔

"بھائی! مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ اگر آپ کچھ روز میرے غریب خانے پر ٹھہر جائیں۔"

بر نے کچھ سوچ کر کہا

ہم فقیر لوگ ہوتے ہیں اور جنگل جنگل گھومتے رہتے ہیں۔ میں اس وقت شہر سے باہر صحرا کے ایک نخلستان میں ایک عرب بدو کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ہاں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک اس شہر میں ہوں آپ سے روزانہ ملاقات کرنے آیا کروں گا۔"

شام کو عنبر تاجر عمر سے اجازت لے کر واپس اپنی کشتی میں آ کر بیٹھ گیا۔ ماریا اور ناگ نے بیمار لڑکی کے بارے میں پوچھا تو اس نے ساری بات بیان کر دی۔ ماریا کو بڑی خوشی ہوئی کہ لڑکی کی جان بچ گئی۔ عنبر نے کہا۔

اس شہر کا نام انطاکیہ ہے اور اس شہر کا گورنر ایک مسلمان ہے جو خلیفہ وقت کے زیر نگرانی حکومت کرتا ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم مسلمان کے شہر میں ہیں۔" ناگ نے کہا۔

ماریا بولی

"میرا جی چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو جا کر دیکھوں" عنبر نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل میرے ساتھ چل چلنا۔"

"بہت بہتر" ماریا نے کہا۔

دوسرے روز عنبر اور ناگ اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین کو چیک کرنے میں لگ گئے۔

ماریا نے کہا۔ "تم لوگ تو بہت مصروف ہو گئے ہو اس لیے میں اکیلی ہی نائلہ کے گھر جاتی ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "بے شک اکیلی جاؤ مگر جلدی واپس آ جانا۔ دیر ہو گئی تو ہمیں فکر ہو گی۔"

ماریا مسکرا کر بولی۔

"میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔ فکر کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

ماریا اڑن طشتری سے نکل کر سیدھی آ گئی اور تاجر عمر کی حویلی میں داخل ہوئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا باہر حبشی پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کے لیے اتنا کھلا دروازہ کافی تھا۔ وہ ڈیوڑھی سے گزر کر اوپر نائلہ کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ پلنگ پر بیٹھی ہے اور ایک کنیز سے مسکرا کر باتیں کر رہی ہے کنیز کے ہاتھ میں پھلوں کے شربت کا گلاس ہے نائلہ نے گلاس لے کر پیا اور کنیز کو خالی گلاس واپس کرتے

"اب تم جاؤ۔ میں آرام کروں گی۔"

معلوم ہوا کہ اس کا باپ باہر کام کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔ کنیز چلی گئی۔ اب کمرے میں سوائے ماریا اور نائلہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے پلنگ کے قریب آ کر دیکھا۔ نائلہ بڑی پیاری لڑکی تھی۔ وہ ریشمی چادر اوڑھے بڑے سکون سے لیٹی تھی اور اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں شاید سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماریا اسے کچھ دیر پیار سے دیکھتی رہی۔ وہ اسے جگا کر رت زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے سوچا کہ اب اسے واپس جانا چاہیے تاکہ نائلہ آرام کر سکے وہ واپس پلٹی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا ایک کنیز نے جو دروازہ ہلتے دیکھا تو لپک کر وہاں آئی اور دروازہ کھول کر اندر جھانکی اور پھر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

ماریا کو اس کی حرکت کچھ عجیب سی لگی۔ وہ نیچے اترنے لگی۔ ڈیوڑھی میں اس نے پھر اسی کنیز کو دیکھا۔ وہ کونے میں ایک حبشی غلام سے کھسر پھسر کر رہی تھی۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اسے کچھ شک ہوا کنیز ایک طرف بھاگ گئی۔ حبشی باہر نکل گیا۔ ماریا نے حبشی کا تعاقب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا شروع کرا دیا۔ شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہوتے حبشی ایک پرانے مکان میں داخل ہو گیا۔

ماریا کو چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے وہ بھی حبشی کے ساتھ ہی مکان میں چلی گئی۔ مکان کی ڈیوڑھی سے گزر کر سامنے صحن آگیا۔ صحن کے آگے ایک برآمدہ تھا جس میں ایک تخت پر گاؤ تکیہ لگائے ایک طوطے ایسی ناک والا مکار دبلا پتلا آدمی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ حبشی نے جا کر اسے جھک کر سلام کیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

وہ آدمی بولا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے کھل کر بات کرو۔"

حبشی نے عبرانی اور عربی ملی جلی زبان میں کہا

"اے میرے آقا ابن فیروز! ناظرہ اس وقت گھر میں بالکل اکیلی ہے۔"

ابن فیروز نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

"اب عمر سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ میں اس کی بیٹی کو اغوا کر کے اس سے زبردستی شادی کروں گا اسے اس بری طرح ذلیل کروں گا کہ وہ ساری زندگی اسے نہ بھلا سکے گا۔" پھر اس نے حبشی کی طرف اشرفیوں کی ایک تھیلی پھینک کر کہا۔

"اور ناظرہ کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آؤ۔ دیکھنا ہرگز ہرگز کسی کو تمہاری خبر نہ ہو۔"

حبشی بولا۔

"آقا یہ کام رات کے اندھیرے میں ہو سکے گا۔"

"ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو کرو۔ بہرحال رات ناظرہ میری حویلی میں ہونی چاہیئے۔ میں ایک قاضی صاحب کا انتظام کر رکھوں گا۔ آج رات ہی اس سے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

حبشی نے جھک کر کہا۔

"ایسا ہی ہو گا۔"

حبشی اشرفیوں کی تھیلی کمر کے گرد باندھ کر سلام کر کے باہر نکلا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی واپس ہوئی۔ اس خطرناک سازش کا سن کر وہ بڑی حیران ہوئی تھی۔ سمجھ گئی کہ یہ کمینہ شخص ابن فیروز ناظرہ کے باپ کا دشمن ہے اور اس سے دشمنی کر رہا ہے۔ ماریا مسکرائی اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ناظرہ کو اغوا نہیں ہونے دے گی۔ وہ جلدی جلدی ناظرہ کے گھر کی طرف آئی اس خیال سے کہ وہ ناظرہ کو یا اس کے باپ کو کسی طریقے سے باخبر کر دے گی تاکہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج کی رات وہاں سے کہیں چلے جائیں۔ جب ماریا ناظمہ کے مکان میں پہنچی تو حویلی کے باہر تالا پڑا تھا اور پہرے دار غلام باہر پہرہ دے رہا تھا۔

اس وقت وہ نمک حرام حبشی بھی آگیا اس نے پہرے دار سے تالا لگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"آقا اپنی بچی کو لے کر اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں گیا ہے۔"

"کب واپس آئے گا آقا؟" نمک حرام نے پوچھا

"کوئی خبر نہیں"

ماریا بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اب وہ کیا کرے؟ کیا وہاں ناظمہ کی واپسی کا انتظار کرے یا چلی جائے اور شام کو پھر آئے۔

حویلی کی چڑیل

ماریا اس وقت واپس عنبر اور ناگ کے پاس آگئی اس نے ناظمہ کے اغوا کی سازش کا انہیں بتایا تو عنبر نے کہا۔

"وہ بڑی نیک لڑکی ہے اسے ضرور بچانا چاہیے اور یہ کام تم بڑی آسانی سے کر سکتی ہو۔ اگر تم چاہو تو ناگ تمہارے ساتھ چلا جاتا ہے"

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ کام میں اکیلی ہی کرنا چاہوں گی"

ماریا جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ایک بہادر لڑکی تھی اور اس نے بڑے بڑے بہادری کے کام کیے تھے۔ اسی وجہ سے ناگ اور عنبر نے اس کے ساتھ جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی ویسے بھی وہ دونوں اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین کی مرمت میں مصروف تھے۔

ماریا کو اڑن طشتری سے نکلتے نکلتے شام ہو گئی۔ شام کے بعد وہ وہاں سے چلی اور شہر کے اندر عمر کی حویلی کے پاس آ گئی وہاں آئی تو ہر طرف سوگ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی فضا تھی۔ معلوم ہوا کہ تاجر عمر کی اکلوتی بیٹی ناظمہ کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔ ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ نمک حرام حبشی اپنا وار کر گیا تھا۔ ماریا تیزی سے حویلی میں داخل ہو گئی۔ وہاں ہر کوئی پریشان تھا ناظمہ کے باپ کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے ساری کنیزیں اور غلام غم میں سر جھکائے نڈھال تھے۔ ماریا نے اس کنیز کو تلاش کیا جو حبشی سے ساز باز کر رہی تھی۔ وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی شاید وہ اپنا کام کر کے جا چکی تھی۔

ماریا نے ابن فیروز کا مکان دیکھا تھا۔ وہ سیدھی وہاں پہنچی۔ وہاں بھی تالا لگا تھا۔ شاید ابن فیروز جوابی حملے یا بدنامی کے ڈر سے ناظمہ کو لے کر وہاں سے کہیں دوسری جگہ چلا گیا تھا۔ ماریا پریشان ہو گئی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اِدھر اُدھر تلاش کرتی رہ جائے اور وہ بدمعاش ابن فیروز ناظمہ سے شادی کر لے۔

ماریا ابن فیروز کی حویلی سے باہر نکل رہی تھی کہ اس نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس نے یہودی عورتوں جیسا لباس پہن رکھا تھا وہ مکان کے پیچھے دروازے پر آ کر رک گئی اس نے دائیں بائیں دیکھا

اور پھر چابی لگا کر تالا کھولا اور مکان کے اندر چلی گئی۔ ماریا بھی جلدی سے اس کے ساتھ اندر آ گئی۔

ماریا کو اس عورت پر شک پڑ گیا تھا کہ ضرور یہ بھی سازش میں شریک ہے اور کوئی خاص چیز وہاں سے لینے آئی ہے۔ یہودی عورت نے مکان کے اندر جا کر دیکھا شمع روشن کی اور اس کی روشنی میں ایک کمرے میں جا کر ایک صندوق کھولا اور اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگی۔ ماریا اس کے قریب کھڑی ہو کر غور سے دیکھنے لگی۔

یہودی عورت نے صندوق میں سے ایک سیاہ رنگ کی شیشی نکالی۔ اس کا کاک کھول کر دیکھا اور پھر صندوق بند کر کے واپس ہوئی۔ ماریا نے سوچا کہ اس عورت سے جو کچھ حاصل کرنا ہے اسی وقت پوچھا جا سکتا ہے۔ مکان سے باہر جا کر ایسا نہ ہو سکے گا۔ پس ماریا نے پھونک مار کر شمع گل کر دی۔

شمع کے گل ہوتے ہی کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

یہودی عورت سہم گئی۔ ماریا نے اس کے ساتھ ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا اور خاص قسم کی آواز نکال کر کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس حویلی کی چڑیل ہوں بتاؤ ناظمہ کہاں ہے اگر تم نے نہ بتایا تو میں اسی وقت تمہیں ہلاک کر ڈالوں گی۔"

یہودی عورت تھر تھر کانپنے لگی اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔

"دریا کنارے سبز روشنیوں والے مکان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
اور غش کھا کر گر پڑی۔ ماریا نے اسے وہیں چھوڑا اور حویلی سے نکل کر دریا کی طرف روانہ ہو گئی دریا شہر کی دوسری جانب بہتا تھا۔ اب رات ہو گئی تھی اس نے دریا کے کنارے پر پہنچ کر دور سے ایک مکان دیکھا جس کے اوپر والی برجی سے سبز روشنیاں نکل رہی تھیں وہ سمجھ گئی کہ یہ ہی وہ مکان ہے جس کے بارے میں یہودی عورت نے بتایا ہے۔

اس مکان کے سارے دروازے بند تھے۔ کسی کمرے میں کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ ماریا کو آخر ایک کھڑکی میں شمع کی دھیمی سے روشنی نظر آ گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ اس کھڑکی تک کیوں کر پہنچا جائے۔ ماریا نے ادھر ادھر دیکھا۔ دریا میں ایک کشتی جا رہی تھی۔ باقی سب جگہ اندھیرا تھا۔ اتنے میں ماریا کو ایک سایہ مکان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ چوکنی ہو گئی۔ سایہ مکان کے قریب آ کر رک گیا۔

سائے نے اپنے پیچھے دیکھا جب اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا پیچھا کوئی نہیں کر رہا تو وہ مکان کے عقبی دروازے پر آ کر رکا اور اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ ماریا اس سائے کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ وہ سائے کے ساتھ ہی مکان کے اندر چلی گئی اور ہلکی روشنی میں وہی حبشی نمک حرام کھڑا تھا۔ اس نے سائے سے کہا
"بڑی دیر کر دی تم نے۔ جلدی چلو آقا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

سائے نے لبادہ اتار دیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی وہ سیدھی دوسری منزل کی تہ نشین میں پہنچی۔ یہاں ابن فیروز بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عورت کو دیکھ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"خالہ جلدی کرو میں تمہارا انتظار کر رہا تھا وہ کمبخت یہودن ابھی تک بے ہوشی کی دوا لے کر نہیں پہنچی۔ جس طرح بھی ہو ناظمہ کو بے ہوش کرد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بہت شور مچا رہی ہے۔ کم بخت بے ہوش ہو جائے پھر بعد میں مولوی کو بلا کر نکاح بھی پڑھا لیا جائے گا۔"

خالہ نے کہا۔

"میں اسے بے ہوش کیے دیتی ہوں مگر نکاح کے لیے اس کے ہوش میں آنے کی کیا ضرورت ہے نکاح نامہ تیار ہے اس پر ناظمہ کا انگوٹھا لگائیں گے اور پھر بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ابنِ فیروز بولا۔

"تو پھر جلدی سے اسے جا کر بے ہوش کر دو۔ بدبخت نے تہہ خانے میں ادھم مچا رکھا ہے۔"

خالہ کمرے کے ایک دروازے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی سیڑھیاں ایک تہہ خانے میں چلی گئیں۔ اب ناظمہ کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ بار بار اپنے باپ کو آوازیں دے رہی تھی۔ ایک عورت اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تہہ خانے میں مدھم دیا جل رہا تھا۔ ناظمہ کی ایک ٹانگ زنجیر کے ساتھ بندھی تھی۔ خالہ نے جاتے ہی کہا۔

"میری بچی! میں تمہارے باپ کا پیغام لے کر آئی ہوں۔"

ناظمہ نے خالہ کی طرف دیکھا۔

"کیا میرا باپ آ رہا ہے؟ کیا وہ مجھے اس ظالم ابنِ فیروز کے چنگل سے بچا لے گا۔ میں مر جاؤں گی مگر اس سے بیاہ نہیں کروں گی"

خالہ نے ناظمہ کو پچکارتے ہوئے کہا

"گھبرانے کی بات نہیں بیٹی، تم جہاں کہو گی ہم تمہاری شادی وہیں کرائیں گے۔"

اور پھر اس مکار عورت نے ناظمہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک رومال اس کی ناک پر رکھ دیا جو بے ہوشی کی دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔ ناظمہ کو ایک ہچکی سی آئی اور وہ بے ہوش ہو گئی

اس عورت نے دوسری عورت سے کہا۔

"اسے چھوڑ دو۔ اب یہ کچھ نہیں کر سکے گی"

دونوں عورتیں باہر نکل گئیں۔ اب تہہ خانے میں ماریا اور بے ہوش ناظمہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا ماریا جھک کر ناظمہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بے ہوش تھی اس کے منہ سے بے ہوشی کی دوا کی تیز بو آ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا کو معلوم تھا کہ بے ہوشی کی دوا کا توڑ ایک منتر ہے جسے خاص طور پر ناگ نے اسے یاد کرا رکھا تھا یہ منتر اسے ایک جوگی نے آج سے دو ہزار سال پہلے بتایا تھا۔

ماریا نے وہ منتر پڑھ کر ناظمہ کے منہ پر پھونک ماری۔ طاق میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی دھیمی روشنی میں ناظمہ نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا ماریا کو ڈر تھا کہ کہیں یہ لڑکی پھر سے نہ چیخنا چلانا شروع کر دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اوپر سے وہ عورتیں پھر آجائیں گی اور اسے دوبارہ بے ہوش کر دیں گی۔ پس ماریا کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنا آپ ناظمہ پہ ظاہر کر دے اور اسے بتا دے کہ وہ اس کی ہمدرد ہے اور اس کی مدد کرنے آئی ہے ہو سکتا تھا کہ ناظمہ ڈر جائے۔ مگر یہ خطرہ ہر حالت میں ماریا کو مول لینا ہی تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ناظمہ میری آواز سن کر ڈرنا نہیں۔ میں تمہاری طرح ایک لڑکی ہوں۔ جادو کے ذریعے مجھے غائب

کر دیا گیا ہے۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں"

یہ تین جملے ماریا نے جلدی سے ادا کر دیے اور اب ناظمہ کے چہرے پر ان جملوں کے اثر دیکھنے لگی ناظمہ نے گردن گھما کر جدھر سے آواز آئی تھی ادھر دیکھا اور جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ بے ہوش ہو گئی ماریا نے ایک بار پھر منتر پڑھ کر پھونکا۔ ناظمہ کو ہوش آ گیا ماریا نے اس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا۔

"پیاری بہن! دیکھ لو میرا ہاتھ بالکل تمہارے ہاتھ کی طرح ہے۔ یقین کرو میں کوئی بھوت نہیں ہوں کوئی روح بھی نہیں ہوں۔ ایک لڑکی ہوں صرف ایک جادوگر نے مجھ پر جادو کر کے مجھے غائب کر دیا ہے۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے باپ کے پاس لے جاؤں گی۔"

اس پر ناظمہ نے ماریا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"کتنی عجیب بات ہے کہ جن ہاتھوں کو میں نے تھام رکھا ہے وہ مجھے بالکل نظر نہیں آ رہے۔ کیا تم زندہ ہو؟"

ماریا نے ناظمہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگایا۔ "میری پیاری بہن! تم اپنے ہاتھوں

سے مجھے محسوس کر سکتی ہو۔ دیکھ لو میں ایک لڑکی ہوں میرے بال تمہاری طرح لمبے ہیں۔ اب ان باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔"
ناظمہ نے کہا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔ میرے پاؤں میں تو لوہے کی زنجیر پڑی ہے۔"

"فکر نہ کرو میں اسے ابھی توڑتی ہوں۔ تم میرا انتظار کرو اور ہاں اگر کوئی تہہ خانے میں آئے تو اسی طرح پھر سے اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرنا"
یہ کہہ کر ماریا تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی اب اسے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس کی مدد سے وہ لوہے کی زنجیر توڑ سکے۔ آخر اسے ایک کونے میں کلہاڑی پڑی مل گئی۔ وہ کلہاڑی لے کر تہہ خانے میں آ گئی اس نے کلہاڑی کی مدد سے زنجیر کی ایک کڑی اس طریقے سے توڑ ڈالی کر اسے پھر سے بند کیا جا سکے۔

"اب تم آزاد بھی ہو اور گرفتار بھی۔ میں اوپر جا کر تمہارے یہاں سے نکلنے کا انتظام کرتی ہوں گھبرانا بالکل نہیں۔ میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔
ناظمہ نے کہا۔

"بہن! جلدی آ جانا۔ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اچانک وہی وفادار خادمہ تہہ خانے میں داخل ہوئی اور بولی۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہی ہو اور تم ہوش میں کیسے آ گئیں۔"

خالہ بڑی حیران تھی کہ اس نے تو ناظمہ کو بڑی تیز بے ہوشی کی دوا دی تھی۔ کم از کم چار گھنٹے تک ناظمہ کو بے ہوش رہنا چاہیے تھا۔ وہ غور سے ناظمہ کی آنکھوں میں تکنے لگی۔

"تم کیسے ہوش میں آ گئیں"

ناظمہ کے پاس اب اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ پھر سے بے ہوش ہو جاتی کہنے لگی۔

"خواب میں ایک عورت نے آ کر میرے منہ پر پانی ڈالا اور مجھے ہوش آ گیا۔ میں اس سے باتیں کر رہی تھی اس نے کہا ہے کہ وہ میری مدد کرے گی اور مجھے یہاں سے نکال کر لے جائے گی۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکار خالہ نے قہقہہ لگایا۔

"لڑکی اب سب کچھ بھول جاؤ۔ آج سے تم ابن فیروز کی بیوی ہو۔ تمہارا نکاح اس کے ساتھ ہو گیا ہے۔ چلو اوپر چلو۔ تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہیں ہوش میں لا کر اوپر لے جانے کے لیے آئی ہوں"۔ ناظمہ نے چیخ مار کر کہا۔

"ہرگز نہیں! میں اوپر نہیں جاؤں گی۔ میں اس نمک حرام کمینے کی بیوی نہیں ہوں۔"

"بکواس بند کرو"! خالہ نے ایک زوردار چھپڑ مار دیا۔ ناظمہ کے ہونٹوں سے خون نکلنے لگا۔ ناظمہ نے جھک کر چابی سے زنجیر کا تالا کھولنا چاہا تو یہ دیکھ حیران رہ گئی کہ زنجیر کی ایک کڑی پہلے ہی سے کھلی تھی۔

"یہ کس نے زنجیر کھول دی؟ کون آیا تھا یہاں؟" ناظمہ نے کہا۔

"میں کبھی نہیں بتاؤں گی"

"ابھی معلوم ہو جائے گا"

مکار عورت نے زنجیر کھول دی اور تالی بجائی۔ دو حبشی اندر آ گئے۔

"اس لڑکی کو اٹھا کر اوپر لے چلو"

دونوں حبشیوں نے ناظمہ کو پکڑ کر گھسیٹا۔ ایک حبشی نے اسے اپنے کندھے پر بوری کی طرح ڈال لیا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔ اسے جس کمرے میں پلنگ پر پھینک دیا گیا وہاں پہلے سے ابن فیروز موجود تھا۔ حبشی چلے گئے تو ابنِ فیروز نے ہنٹر نکال کر زور سے ناظمہ کے بدن پر مارا اور کڑک کر کہا۔

"اگر تم نے شور مچایا تو میں تمہاری کھال ادھیڑ لوں گا۔ تم اب میری بیوی ہو۔"

◆

ناظمہ کو ماریا نے ابن فیروز کے چنگل سے کس طرح نکالا؟
عنبر اور ناگ وہاں سے اڑن طشتری لے کر کدھر گئے؟
اس کا حال آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زندوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] تہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرناک حسینائیں

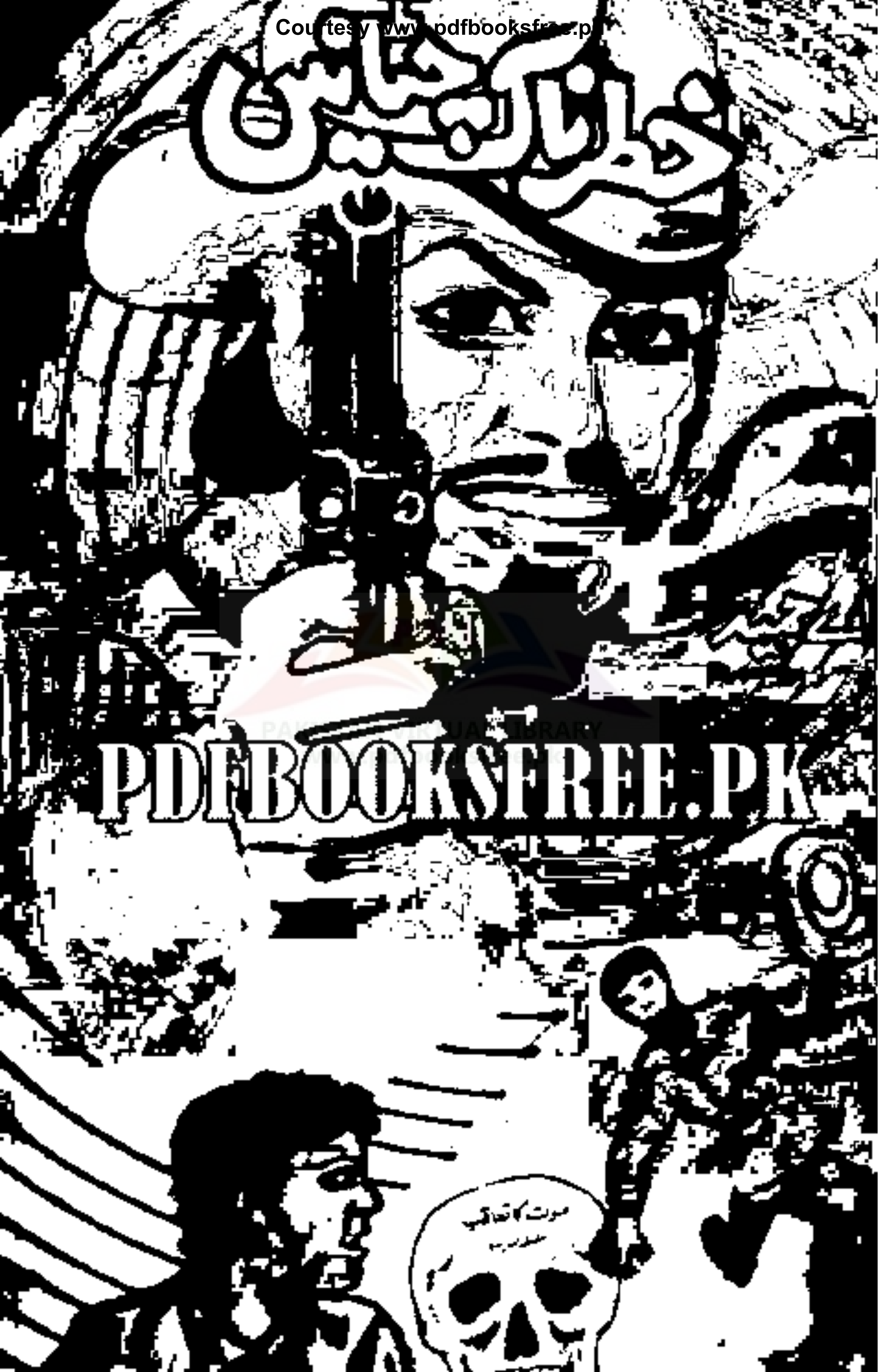
موت کا تعاقب
مظہر کلیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۹۳

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خطرناک چٹانیں

اے حمید

اے حمید

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس میو ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل، ۱۹۷۹ء
قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت،
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
اردو مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست:

شمع بجھ گئی
جوگی کی چڑیا
پراسرار فقیر
عنبر بچھڑ گیا
ناگ کو مار ڈالا
دمشق کا ڈاکو
خطرناک چٹانیں:

پیارے بچو!

آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ناظمہ تاجر کی بیٹی کو ابن فیروز اغوا کر کے اپنی حویلی میں لے گیا تھا۔ اسے زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ ماریا اس حویلی میں پہنچ گئی اور اسے وہاں سے بھگا کر اپنی اڑن طشتری میں لے آئی۔ ابن فیروز اس کی ٹوہ میں نکل کھڑا ہوا۔ اس کا ایک دوست بوڑھی فقیرنی کا بھیس بدل کر اڑن طشتری کے قریب گیا اور اس نے مکاری سے ناظمہ کو پھر سے اغوا کر لیا۔ اب عنبر اور فیروز نے زبردست حملے کی سکیم بنائی۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ابن فیروز کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ناظمہ کو ہر حالت میں واپس لائیں گے۔ ادھر ابن فیروز نے ناظمہ کو بےہوش کر کے گھوڑے پر ڈالا اور ایک قافلے میں شامل ہو کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر اور ناگ بھی اڑن طشتری پر اس کے تعاقب میں نکلے۔ قافلے پر راستے میں ڈاکہ پڑا اور ڈاکوؤں نے ابن فیروز کو قتل کر دیا اور ناظمہ کو اٹھا کر لے گئے۔۔۔ پھر کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

شمع بجھ گئی

ناظمہ نازک سی لڑکی تھی۔

ظالم ابن فیروز کا کوڑا کھا کر نیم جان سی ہو کر پلنگ پہ گر پڑی۔

ابن فیروز اس پہ برس پڑا۔ اسے برا بھلا کہنے لگا۔ ہا۔ ہا۔ یہی کہتا۔ "میں نے تمہارے باپ سے بدلہ لے لیا ہے۔ اب تم کو ساری زندگی میرے اس قید خانے میں میری بیوی بن کر رہنا ہوگا۔ دیکھوں گا کہ کون تمہیں یہاں آ کر میرے پنجے سے چھڑاتا ہے۔"

ابن فیروز نے کمرے کو باہر سے تالا لگایا اور تیسری منزل پہ چلا گیا۔

ادھر ماریا حویلی کے باہر کسی ایسی شے کا بندوبست کرنے گئی تھی کہ جس میں چھپا کر وہ ناظمہ کو وہاں سے لے جائے۔ کہیں سے اسے ایک سیاہ چادر مل گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ ناظمہ کو اس چادر میں لپیٹ کر وہ وہاں سے نکال لے جائے گی۔ جب ماریا سیاہ چادر لے کر تہہ خانے میں آئی تو دیکھتی کیا ہے کہ ناظمہ وہاں پر موجود ہی نہیں۔ تہہ خانہ خالی ہے۔ زنجیر ٹوٹی پڑی ہے۔ اس نے سوچا شاید ناظمہ اکیلی ہی بھاگ گئی ہے اور وہ ماریا کا انتظار نہیں کر سکی۔ یہ اس نے غلطی کی۔ ماریا کو خیال آیا۔ اگر وہ پکڑی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی تو پھر کبھی یہاں سے فرار نہ ہو سکے گی۔

یہی سوچتی ہوئی ماریا تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی منزل میں آگئی۔ وہ ایک کمرے کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اسے اندر سے ابن فیروز کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی کنیز سے کہہ رہا تھا۔

"خبردار! اب اگر ناظمہ اس مکان سے باہر گئی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناظمہ اسی مکان میں ہے۔ ماریا کو یہ بڑا اچھا سراغ مل گیا تھا۔ وہ تو وہاں سے جا رہی تھی۔ اب سوال یہ باقی رہ گیا تھا کہ ماریا کو کس جگہ تلاش کیا جائے؟ ماریا نے حویلی کے کمروں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ آخر وہ اس کمرے میں آئی جس میں ناظمہ نیم بے ہوش پڑی تھی۔ اس نے دروازہ کھولنا چاہا تو اندھیرے میں اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر تالا لگا ہے۔ ماریا کے لئے تالا کھولنا کوئی مشکل نہ تھا۔ اس نے ایک ہاتھ کا زور لگا کر تالا مروڑ دیا۔ تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔

اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔ اسے معلوم تھا کہ ابن فیروز کسی وقت بھی وہاں آ سکتا ہے۔ اس لئے اسے جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ کمرے میں ایک دھیمی سی شمع جل رہی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ ناظمہ ایک پلنگ پر پڑی ہے۔ ماریا نے جاتے ہی اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد ناظمہ کو ہوش

آگیا۔

"ناظمہ! جلدی سے یہ چادر اوڑھ کر میرے ساتھ آؤ۔"

ناظمہ نے گھبرا کر کہا۔

"تم ___ تم کہاں ہو؟"

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔ اس طرف چل پڑو۔ نیچے کی طرف۔"

ناظمہ اگرچہ ادھ موئی تھی مگر وہ اس قید خانے سے جلدی سے جلدی بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس لئے وہ چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی۔ دوسری منزل کی سیڑھیاں اتر کر وہ پہلی منزل پر آگئی۔ یہاں اس نے دیکھا کہ ڈیوڑھی کی طرف جانے والی راہداری میں ایک شمع جل رہی ہے اور ایک حبشی پہرہ دے رہا ہے۔ ناظمہ دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ماریا کہاں ہے۔ کیونکہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ آواز بھی نہیں دے سکتی تھی۔

ماریا کو بھی اس بات کا علم تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں ناظمہ گھبرا کر اسے آواز نہ دے دے۔ پس وہ جلدی سے ناظمہ کے پاس آگئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اب ماریا نے دیکھا کہ حبشی بڑا چوکس تھا۔ جاگ رہا تھا۔ اس کی کمر کے ساتھ خنجر لگا تھا۔ ماریا نے ناظمہ کے کان میں کہا۔

"تم اسی جگہ کھڑی رہو۔ میں اس حبشی کی خبر لیتی ہوں۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا آگے بڑھی۔ حبشی راہداری میں ایک پتھر کے بنچ پہ بیٹھا تھا... اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پاس کھڑا ہے۔ اس نے کسی کے سانس لینے اور قدموں کی چاپ کی آواز سنی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر سوچنے لگا کہ بھلا کون ہو سکتا ہے۔ وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا وہ اپنے وہم پر ہنس پڑا۔ لیکن یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اب ماریا کا حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

حبشی اپنے دھیان میں بیٹھا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن پہ زوردار ہاتھ مارا۔ ہاتھ میں اتنی طاقت تھی کہ وہ بوکھلا گیا۔ ابھی وہ سنبھل کر کمر سے خنجر نکال ہی رہا تھا کہ ماریا نے دوسرا ہاتھ مار دیا۔ حبشی لڑکھڑا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے سرگوشی میں ناظمہ کو آواز دی۔

"جلدی کرو۔ ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف بڑھو۔"

ناظمہ ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف آ گئی مگر دروازے پر آ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت خونخوار کتا اور دو حبشی ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ کتے نے غیبی صورت اور ناظمہ کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ بھونکنے لگا۔ اسے بھونکتا دیکھ کر پہرے دار حبشی چوکنے ہو گئے۔

"یہاں کون ہو سکتا ہے۔"

"کوئی اجنبی ضرور ہے ورنہ کتا کبھی نہ بھونکتا۔"

"تم جا کر دیکھو۔ ادھر راہداری میں کوئی چور تو نہیں آ گیا!"

"چوہے کی موت آئی ہے جو ادھر آئے گا۔"

"تم جا کر دیکھو تو سہی۔"

حبشی کتے کو ساتھ لے کر راہداری کی طرف بڑھا۔ ماریا کے لئے یہ ایک نازک گھڑی تھی۔ اس نے ناظمہ کو پکڑ کر آگے کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کان میں کہا۔

"جلدی سے پیچھے چلو اور کسی کمرے میں چھپ جاؤ۔"

ناظمہ پیچھے کی طرف بھاگی۔ سامنے ایک کوٹھڑی تھی۔ اس کوٹھڑی میں شاید پہرے دار رہتا تھا۔ وہ جا کر کوٹھڑی میں چھپ گئی۔ ماریا اسی جگہ کھڑی رہی کیونکہ اسے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب حبشی اپنے ساتھ کتے کو لے کر راہداری میں اس جگہ نمودار ہوا جہاں طاق میں شمع جل رہی تھی۔ آگے پہرے دار بے ہوش حبشی فرش پہ پڑا تھا۔ ماریا کو معلوم تھا کہ اگر اس نے اپنے بے ہوش ساتھی کو دیکھا تو وہ ایک دم سے شور مچا دے گا۔ ساری حویلی کے لوگ جاگ پڑیں گے اور پھر بڑی مشکل پیش آئے گی۔ ماریا لپک کر بے ہوش حبشی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

دوسرا حبشی کتے کی زنجیر تھامے پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کتا بھونک رہا تھا۔ جونہی وہ بے ہوش حبشی کے قریب آیا تو رک گیا اور جھک کر اپنے ساتھی کو تکنے لگا۔ بس یہی وقت تھا کہ جب ماریا نے پوری طاقت سے ایک ہاتھ حبشی کی گردن پہ مارا۔ وہ بھی اپنے بے ہوش ساتھی کے اوپر گرا اور بے سدھ ہو گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتا اکیلا ہی بھونک رہا تھا۔ اس کا منہ غیبی ماریا کی طرف تھا۔ کیونکہ کتے کو ماریا کی بو آ رہی تھی۔ اس کتے کا منہ بند کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس کی آواز سے ہی سارے گھر والے وہاں آ سکتے تھے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر کتے کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور اوپر اٹھا لیا... کتے کا گلا بند ہوتا گیا اور پھر ماریا نے دو تین زوردار جھٹکے دیئے اور وہ اس کے ہاتھوں میں مردہ ہو کر نیچے گر پڑا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا کوٹھڑی کی طرف بھاگی۔ اس نے ناظمہ کو دیکھا۔ وہ کونے میں کھڑی تھی اور خوف سے کانپ رہی تھی۔

"ابھی باہر مت نکلنا ناظمہ! ابھی ایک پہرے دار حبشی باقی ہے۔"

ماریا تیزی سے کوٹھڑی سے باہر نکلی اور ڈیوڑھی میں آ گئی۔ دوسرا حبشی وہاں کھڑا اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر اس کا ساتھی کتا لے کر گیا تھا اب کتے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو آواز دے کر پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اتنے میں اوپر والی منزل میں ایک شور سا مچ گیا۔ غلاموں اور کنیزوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر ابن فیروز کی آواز گونجی۔

"دروازہ بند کر دو۔ خبردار کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔"

یہ سن کر باقی بچا ہوا پہرے دار حبشی ہوشیار ہو گیا۔ اس نے وہیں سے بلند آواز میں کہا۔

"آقا! دروازہ بند ہے۔"

پھر وہ بھاگ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ابن فیروز دوسرے نوکروں کے ساتھ نیچے آ گیا۔ شمع جلا دی گئی۔ روشنی ہو گئی۔ وہ گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ اس نے کہا۔

"دوسرے پہرے دار کہاں مر گئے؟ ناظمہ غائب ہے۔ دیکھو دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

بہت جلد انہوں نے دونوں بے ہوش حبشی پہرے داروں اور مرے ہوئے کتے کو برآمدے میں پڑا دیکھ لیا۔ وہاں بھی روشنی کر دی گئی۔ اب وہاں ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ حبشیوں کو ہوش میں لایا گیا۔ انہوں نے گردن سہلاتے ہوئے بتایا کہ کسی نے زور سے ان کی گردنوں پر مکا مارا تھا۔ کتا مر چکا تھا۔ ابن فیروز نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نازک لڑکی کے مکا مارنے سے ہٹا کٹا حبشی بے ہوش ہو جائے اور کتا مر جائے۔ ضرور اس کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی بھی ہے۔"

اس نے حکم دیا کہ حویلی کے سارے کمروں کی تلاشی لی جائے ایک دم سے سارے ملازم اور کنیزیں کمروں کی تلاشی لینے لگے ابن فیروز خود حویلی کے بند دروازے کے آگے حبشی غلام کے ساتھ کھڑا تھا۔ گھر میں ہر طرف روشنیاں کر دی گئی تھیں۔ ماریا لپک کر اسی کمرے میں آ گئی تھی جہاں ناظمہ سیاہ چادر میں لپٹی کونے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک صندوق کے پیچھے دبکی بیٹھی تھی۔ ناظمہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

"خبردار! کسی قیمت پہ آواز مت نکالنا۔ میں سارا کام سنبھال لوں گی۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔"

اتنے میں ایک غلام اس کوٹھڑی میں بھی آگیا۔ اس کے ہاتھ میں شمع تھی۔ اس نے ناظمہ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

وہ اس صندوق کی طرف بڑھا جس کے پیچھے ناظمہ چھپی ہوئی تھی۔ اسی وقت ماریا نے غلام کی گردن پہ دونوں ہاتھ مار دیئے۔ ضرب اس قدر شدید تھی کہ غلام کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی او وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شمع اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ گئی۔

ماریا نے ناظمہ سے کہا۔

"تم اسی جگہ چھپی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ خبردار! یہاں ہلنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو سارا بنا بنایا بگڑ جائے گا۔"

ناظمہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کانپتی آوا میں کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

ماریا اس کی طرف سے مطمئن ہو کر کوٹھڑی سے باہر آگئی۔

وہ سیڑھی چڑھ کر اوپر والی منزل میں آئی اور بالکونی میں کھڑی ہو کر نیچے آواز دی۔

"ناظمہ اوپر ہے۔ جلدی سے اوپر آجاؤ میرے آقا!"

ابن فیروز نے سمجھا کہ کوئی کنیز اوپر سے بولی ہے۔ وہ مسکرایا۔

"کم بخت بھاگ کر کہاں جا سکتی تھی۔"

اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ماریا بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگی۔ ابن فیروز اوپر جا رہا تھا۔ ماریا نیچے اتر رہی تھی۔ ابن فیروز نے محسوس کیا کہ کوئی سیڑھیاں اتر رہا ہے۔ اس نے رک کر اوپر سیڑھیوں میں دیکھا روشنی میں اسے سیڑھیاں خالی نظر آئیں۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

ماریا اس کے قریب سے ہو کر نیچے اتر گئی۔ ابن فیروز کو نیچے اترنے کی آواز صاف آئی۔ وہ پیچھے کو مڑا۔ اس نے دیکھا کہ نیچے کی سیڑھیاں بھی خالی تھیں۔ اسے کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی ایسی عورت سیڑھیاں اتر رہی ہے جو نظر نہیں آ رہی۔ وہ اوپر چڑھ گیا۔ اس دوران میں ماریا بھاگ کر ناظمہ کے پاس پہنچ چکی تھی۔

"جلدی سے باہر نکلو اور راہداری میں کھڑی ہو جاؤ۔ میری سیٹی کی آواز پر فوراً دروازے کی طرف لپکنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا کوٹھڑی سے نکل کر حویلی کے بڑے دروازے پر جہاں ابھی تک وہ حبشی خنجر لئے پہرہ دے رہا تھا۔ وقت بہت تھا۔ ماریا اس کے پاس آکر اس کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ ا حبشی نے بھی اپنے قریب کسی انسان کے سانس لینے کی صاف سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"کون ہے؟"

پھر فوراً ہی اپنی حماقت پر ہنس پڑا۔ کیونکہ شمع کی میں وہاں کوئی دوسرا نظر نہیں آرہا تھا۔ اسی وقت ماریا پوری طاقت سے ایک ہاتھ حبشی کی گردن پر مار دیا۔ دھ کی آواز کے ساتھ ہی حبشی کے حلق سے ایک معمولی سی آ نکلی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ماریا نے جھک کر دیکھ حبشی بے ہوش ہو چکا تھا۔ ماریا نے اس کی جیب سے کی چابی نکالی اور بڑا قفل کھول دیا۔ پھر اس نے سیٹی ناظمہ دیوار کے ساتھ لگی اسی سیٹی کا انتظار کر رہی تھی۔ دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ تیزی سے سے باہر نکل گئی۔ اسے اپنے پیچھے ابن فیروز کی اونچی پریشان آوازیں سنائی دیں۔

"پکڑو! پکڑو!! وہ بھاگنے نہ پائے۔ جلدی کرو بدبختو ساتھ دھوکا ہوا ہے۔"

لیکن وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت ناظمہ ماریا کے ساتھ حویلی سے باہر تاریک گلی میں بھاگی جا رہی تھی۔ دریا کنارے آکر وہ رک گئی۔

"ہائے! میں تھک گئی ہوں۔"

ناظمہ کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"تمہیں دریا کے ساتھ ساتھ کھجوروں کے جھنڈ تک بھاگنا ہوگا۔ جلدی کرو۔ نہیں تو وہ لوگ آکر تمہیں پکڑ لیں گے۔"

ناظمہ نے بھاگنا شروع کر دیا۔ کھجوروں کے جھنڈ کے پاس جاکر وہ بے دم ہوکر زمین پر لیٹ گئی اور زور زور سے سانس لینے لگی۔ ماریا نے سوچا کہ اب اسے کس طرح سے لے جایا جائے؟ ابھی کافی راستہ باقی تھا۔ اتنے میں حویلی کی جانب سے گھوڑوں کی سرپٹ دوڑنے کی آوازیں آئیں۔ ماریا نے ستاروں کی روشنی میں دیکھا۔ دور حویلی کی گلی سے گھوڑ سوار نکل رہے تھے اور ٹھیک اسی طرف آرہے تھے جدھر کھجوروں کا جھنڈ تھا۔ ماریا کچھ پریشان ہو گئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوگی کی پڑیا

ماریا نے گھوڑ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ناظمہ سے کہا

"جلدی سے ان جھاڑیوں کے پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ لوگ ادھر کو ہی آرہے ہیں۔"

گھوڑ سوار دریا کنارے کھجوروں کے جھنڈ کی طرف گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے تھے۔ ماریا خموشی سے اندھیرے میں کھجور کے درخت کے پاس کھڑی انہیں قریب آتا دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ ناظمہ جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہے اور وہ لوگ آگے گزر جائیں گے۔ پھر بھی اسے وہم تھا کہ اگر کسی کو شک پڑ گیا تو یہاں ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ اب ایسا ہوا کہ گھوڑ سوار کھجوروں کے جھنڈ کے پاس آکر رک گئے۔ جو گھوڑ سوار سب سے آگے تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"چار آدمی اس جگہ رک جائیں اور گھات لگا کر بیٹھیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے شکار ادھر سے گزرے۔"

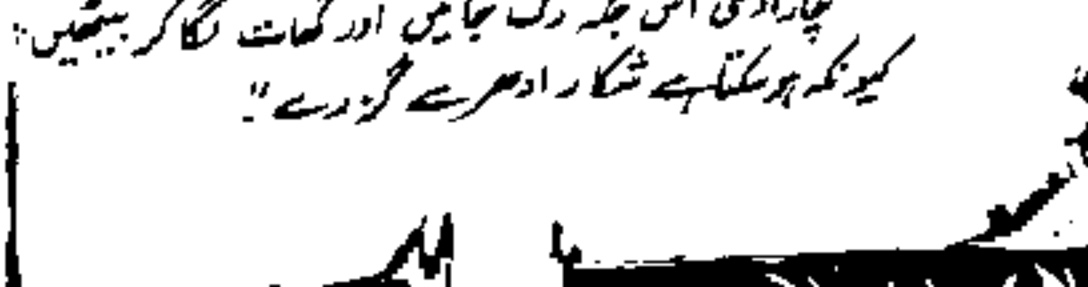

چار گھوڑ سوار اس جگہ رک گئے اور باقی آگے نکل گئے۔ یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی تھی۔ ماریا کے لئے ناظمہ کو لے کر فرار ہو جانا بڑا مشکل ہو رہا تھا۔ چاروں گھوڑ سواروں نے اپنے گھوڑے درختوں میں ایک جگہ باندھے اور خود وہ تلواریں سونت کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور اس راستے کو دیکھنے لگے جدھر گھوڑ سوار گئے تھے۔ وہ جھاڑی ان سواروں کے بالکل پاس ہی تھی جس میں ناظمہ چھپی ہوئی تھی۔ ماریا کو خطرہ تھا کہ اگر ناظمہ نے غلطی سے ذرا سا کھانسا بھی تو اس کی خیر نہیں ہے اور وہ پکڑی جائے گی۔ پھر ہو سکتا ہے ماریا کے لئے بھی ان چار سواروں سے اسے بچانا مشکل ہو جائے۔

وہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی ناظمہ کی جھاڑی کے پاس آگئی۔ اگرچہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا مگر وہاں خشک پتوں پر چلنے پھرنے سے آواز پیدا ہوتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ ماریا کے کھسک کھسک کر چلنے کے باوجود پتوں پر چرچراہٹ سی ہوئی ایک سوار نے پلٹ کر دیکھا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟"

دوسرے نے کہا۔

"آواز میں نے بھی سنی تھی۔"

"مگر یہاں تو کوئی نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہو سکتا ہے کوئی بلی یا لومڑ بھاگ کر گزر گیا ہو!"

رات اب آخری دموں پر تھی۔ ستارے ماند پڑنے لگے تھ آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ ماریا اسی جگہ رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آگے بڑھی اور ناظمہ کے پاس پہنچ کر جلدی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا کہ کہیں وہ اچانک چیخ نہ مار دے۔

خطرہ سر پہ منڈلا رہا تھا۔ ان کم بخت سواروں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام رکھی تھیں۔ ذرا سی غلطی بھی خطرناک ہو سکتی تھی کیونکہ اگرچہ ماریا کسی کو نظر نہیں آتی تھی مگر وہ تلوار کے زخم سے ہلاک ہو سکتی تھی۔ یہ تو صرف عنبر ہی تھا جس پہ کسی قسم کا وار کوئی اثر نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ماریا نے ناظمہ کو بھی بچا کر وہاں سے لے جانا تھا۔

ماریا نے ناظمہ کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"گھبرانا بالکل نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بالکل نہ بولنا۔ میری کسی بات کا جواب دینے کی کوشش نہ کرنا۔ انتظام ہو جاتا ہے۔

ماریا نے سوچنا شروع کر دیا۔ اس کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ صبح کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے وہ ناظمہ کو وہاں سے نکال کر جانا چاہتی تھی۔ دن کی روشنی میں ناظمہ کا وہاں سے جانا سخت

مشکل ہو جائے گا۔ کھجوروں کے جھنڈ میں ابھی اندھیرا تھا۔ ناظمہ کو تسلی دے کر ماریا جھاڑیوں سے نکل کر باہر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ گھوڑے ذرا دور ایک درخت کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ماریا چاہتی تھی کہ کسی طریقے سے ایک گھوڑا کھول کر ناظمہ کو اس پر بٹھا کر وہاں سے لے اڑے اور اڑن طشتری کے پاس پہنچ جائے۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گھوڑوں کے پاس آ گئی۔ اس نے ایک گھوڑے کو آہستہ سے کھول دیا۔ گھوڑا اسی جگہ کھڑا رہا۔ اگرچہ اس کی رسی کھل گئی تھی۔ گھوڑوں نے ایک انسان کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ ذرا سا ہنہنائے۔ اس پر چاروں سواروں نے پلٹ کر گھوڑوں کی طرف دیکھا۔

"وہاں کون ہے؟" ایک نے کہا۔

دوسرا جلدی سے اٹھ کر گھوڑوں کے پاس گیا۔ ماریا جلدی سے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سوار نے آ کر گھوڑوں کو پچکارا۔ ان کی گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ اس سوار کی نظر کھلے ہوئے گھوڑے کی رسی پر نہ پڑی۔ واپس آ کر وہ بولا۔

"وہاں کوئی نہیں۔ سب خیریت ہے۔"

اب وہ چاروں پھر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی! یہاں تو ابھی تک کوئی نہیں آیا۔"

"کیا خیال ہے آگے چل کر دیکھا جائے؟"

"نہیں نہیں۔ سردار کا حکم ہے کہ ہمیں اسی جگہ رہ کر انتظ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بیٹھے رہو۔ مجھے کیا ہے!"

ماریا اب کھسکتی ہوئی بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتی، خشک پتوں سے بچتی، جھنڈ سے نکل کر دریا کی طرف آگئی۔ دریا کے کنارے آ کر اس نے زور سے آواز نکالی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ"

اس آواز پر چاروں سوار چونکے اور جدھر سے آوا آئی تھی ادھر کو لپکے۔ اس عرصے میں ماریا بھی بھاگ کر واپس جھنڈ میں آگئی تھی۔ اس نے جھاڑیوں میں آ کر ناظمہ سے کہا۔

"جلدی سے نکل کر گھوڑوں کی طرف آؤ"

ناظمہ جھاڑی سے نکل کر گھوڑوں کی طرف بھاگی۔ ماریا اس گھو پہ سوار ہو گئی تھی جسے اس نے پہلے ہی کھول دیا تھا۔ یہ گھوڑا اس سے تنگ ہو کر باہر آگیا تھا۔ ناظمہ کو ماریا اس پر سوار نظر نہ آ رہی تھی مگر وہ سوار ہو چکی تھی۔ اس نے کہا۔

"فوراً گھوڑے پہ پیچھے سوار ہو جاؤ!"

ناظمہ ذرا سا اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔ اب اس نے صاف محسوس کیا کہ ماریا بھی گھوڑے پر سوار ہے۔ ناظمہ کے سوار ہوتے ہی ماریا نے ایڑ لگائی۔ گھوڑا ایک دم سے دوڑ پڑا۔ گھوڑے کو دوڑتے دیکھ کر دوسرے سوار ادھر کو بھاگے۔

"ارے وہ بھاگ گئی۔ جلدی سے پیچھا کرو۔"

سواروں نے صبح کی پھیلتی ہلکی ہلکی روشنی میں صاف دیکھ لیا تھا کہ گھوڑے پر ایک عورت سیاہ چادر اوڑھے بیٹھی ہے۔ وہ ماریا کو تو بالکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تینوں سوار ناظمہ کے گھوڑے کے پیچھے لگ گئے۔ ماریا بڑی ماہر گھوڑ سوار تھی۔ ہزاروں سالوں سے وہ گھوڑے دوڑاتی چلی آ رہی تھی۔ اس کا گھوڑا دریا کے کنارے تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ تین گھوڑ سوار بھی اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایک گھوڑ سوار وہیں درختوں میں رہ گیا تھا۔

ماریا کے گھوڑے نے دریا کے کافی آگے جا کر رخ بدل لیا اب وہ کھجور کے درختوں کے درمیان والے کچے راستے پر بھاگا جا رہا تھا۔ سوار برابر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ماریا کا گھوڑا کھجور کے درختوں سے نکل کر اس چٹان کی طرف ہو گیا جس کی اوٹ میں اڑن طشتری کھڑی تھی۔

عنبر اور ناگ رات بھر ماریا کے لیے پریشان رہے تھے۔ اتنا انہیں یقین تھا کہ ماریا ہوشیار لڑکی ہے۔ اسے کچھ نہیں ہو سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر بھی ناگ رات کو حویلی کا ایک چکر لگا آیا تھا۔ مگر وہاں سوائے اندھیرے گھر کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ ناگ جاگ رہا تھا۔ عنبر اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ ناگ نے طلوع ہوتے سورج کی روشنی میں دریا کی جانب ایک سیاہ پوش گھوڑ سوار کو دیکھا جو سرپٹ گھوڑا دوڑاتے اس کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔

ناگ ہوشیار ہو گیا۔ کیونکہ اس کے پیچھے اس نے تین گھوڑ سواروں کو بھی دیکھ لیا جو اس کا تعاقب کرتے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ پینل پر بیٹھ کر تیار ہو گیا اور سکرین آن کر دی۔ سیاہ پوش گھوڑ سوار قریب آ رہا تھا۔ وہ سیدھا اڑن طشتری کی طرف آ رہا تھا۔ تعاقب کرنے والے تینوں گھوڑ سوار اب اس کے قریب آ گئے تھے اور تلواریں لہرا کر اس پر حملہ کرنے والے تھے۔

ناگ نے سوچا ضرور کوئی گڑبڑ ہے اور اگلے گھوڑے پر ضرور ماریا سوار ہو گی ورنہ اسے سیدھا اڑن طشتری کی طرف آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ناگ نے آگ بھسا والے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دشمن گھوڑ سوار اب ماریا کے گھوڑے کے بالکل قریب آ چکے تھے۔ خطرہ تھا کہ اگر ناگ آگ کی شعاع پھینکتا تو ماریا کا گھوڑا بھی بھسم ہو جاتا۔ ناگ نے اڑن طشتری کے لاؤڈ سپیکر پر آواز دی۔

"ماریا! اگر تم ہو تو مجھے حملے کے لئے موقع دو!"

یہ الفاظ اس نے اپنی خفیہ زبان میں کہے تھے۔ ماریا نے ناگ کی آواز سن لی تھی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ایک دم کم کر دی اور دائیں طرف کو گھوم گئی۔ اس طرح سے تعاقب کرنے والے سواروں کو دھوکا ہوا اور وہ آگے نکل گئے۔ اب ان کے درمیان فاصلہ پڑ گیا اور دشمن ناگ کی زد میں آ گئے۔ ماریا کا گھوڑا اڑن طشتری کے قریب آ گیا تھا۔

ناگ نے بٹن دبا دیا۔

گھوڑ سواروں نے دیکھا کہ سامنے ایک عجیب و غریب عمارت جو گول ہے اور چاندی کی طرح چمک رہی ہے، کھڑی ہے۔ ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ اس میں سے ایک سرخ شعاع بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نکل کر ان پر گری۔ دو گھوڑ سواروں سمیت جل کر خاک ہو گئے۔ تیسرے سوار نے جلدی سے گھوڑے کو موڑ لیا اور واپس بھاگا۔

ماریا کا گھوڑا اب اڑن طشتری کے باہر رک گیا تھا اور ہانپ رہا تھا۔ اس نے ناظمہ کو نیچے اتارا۔ خود بھی اتری اور اڑن طشتری میں آ گئی۔ ناظمہ بڑی حیران تھی کہ یہ کیسی جگہ ہے اور کیسی عمارت ہے۔ ناگ نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ماریا نے سرسراہٹ سے موجودگی کا ثبوت دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں آگئی ہوں ناگ بھائی! یہ ناظمہ ہے۔ تاجر عمر کی بیٹی۔" ناگ نے اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے باہر جھانکتے ہو کہا۔

"یہ تو آگئی ہے مگر ایک گھوڑ سوار نے اڑن طشتری دیک لی ہے۔ وہ واپس چلا گیا ہے۔"

اتنے میں عنبر بھی جاگ پڑا۔ وہ بھی باہر تکنے لگا۔ ماریا ساری رات کی کہانی انہیں بیان کی۔ ناظمہ کو انہوں نے بڑ آرام سے ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ ماریا نے دیکھا ناظمہ تعجب سے اڑن طشتری کی چھت، دیواروں، روشنیوں ار مشینوں کو دیکھ رہی ہے۔

"بہن ماریا! یہ —— یہ کون سی جگہ ہے؟"

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"اسے تم نہیں سمجھ سکوگی۔ بہرحال یہ ہمارا گھر ہے۔ عنبر اور نا میرے بھائی ہیں۔"

ناظمہ نے کہا۔

"ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ گھوڑ سوار کہاں گئ"

ماریا بولی۔

"دو جل کر بھسم ہو گئے۔ ایک بھاگ گیا۔"

ناظمہ نے ڈر کر کہا۔

"وہ تو جا کر خبر کر دے گا۔ اب ہماری خیر نہیں۔ ابن فیروز کے آدمی ہمارے اس مکان پر حملہ کر دیں گے۔"

ماریا مسکرائی۔

"فکر نہ کرو۔ اگر وہ آئے تو یہاں سے زندہ واپس نہ جا سکیں گے۔"

پھر ماریا نے ناظمہ کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اسے ناشتہ کروایا اور اڑن طشتری کی سیر کرائی۔ یعنی اڑ کر سیر نہیں کرائی بلکہ اسے اندر کے سارے کمرے اور مشینیں دکھائیں۔ ناظمہ حیرانی سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"اس کا نام کیا ہے ماریا؟ یہ مکان تم نے کب بنوایا؟"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"یہ مکان ہم نے بنوایا نہیں بلکہ اسے دور دیس سے اڑا کر لائے ہیں۔"

"تو —— تو کیا یہ اڑتا ہے؟ کیا یہ اڑن کھٹولہ ہے؟"

"ہاں! یہ اڑن کھٹولہ ہے۔ یہ ہوا میں اڑتا ہے۔ کیا تم اس کی سیر کرو گی؟"

ناظمہ نے خوف سے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نہیں نہیں۔ میں آسمان پر نہیں اڑنا چاہتی۔ مجھے تم میرے باپ کے پاس پہنچا دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے ناظمہ کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہم پہ بھروسہ کرو بہن۔ ہم تمہارے بہن بھائی ہیں۔ بہت جلد تمہیں تمہارے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

ادھر جو گھوڑ سوار بچ گیا تھا اس نے کھجوروں کے جھنڈ سے اپنے ساتھی کو لیا اور بھاگم بھاگ سیدھا ابن فیروز کے پاس پہنچا اور جا کر ساری کہانی بیان کی۔ ابن فیروز کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دس بارہ گھوڑ سوار غلام ساتھ لیے اور بھاگتا ہوا اڑن طشتری والی جگہ پر آ گیا مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، یہاں تو کچھ بھی نہیں۔"

گھوڑ سوار نے کہا۔

"مجھ سے چاہے جس کی قسم لے لیں آقا! اسی جگہ ایک سفید چمکتی ہوئی گول گول شے کھڑی تھی۔ اس کے اندر سے ایک سرخ روشنی نکل کر ہم پر گری تھی جس کی زد میں آ کر میرے ساتھی مارے گئے۔ یہ دیکھیں یہ زمین یہاں سے کالی سیاہ ہے۔ یہ ان گھوڑ سواروں کی لاشوں کے نشان ہیں۔"

ابن فیروز نے دیکھا کہ ریت پر ایک جگہ سیاہ جلا ہوا نشان تھا جیسے کوئی شے وہاں جل کر بھسم ہو گئی ہو۔ اڑن طشتری کی آگ نے گھوڑوں اور سواروں کی ہڈیاں تک نہیں چھوڑی

تھیں۔ ساری جل کر راکھ ہو گئی تھیں۔ بہرحال اسے یقین آ گیا کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اڑن طشتری کہاں چلی گئی؟

"لیکن حملہ کرنے والے کہاں ہیں؟"

"خدا جانے کہاں بھاگ گئے ہیں۔"

ابن فیروز نے کہا۔

"اب تمہارا یہ فرض ہے کہ شام ہونے سے پہلے پہلے ان لوگوں کو تلاش کرو جنہوں نے میرے دو بہترین گھوڑ سواروں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"جو حکم میرے آقا!"

"ابھی جاؤ۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

وہ گھوڑ سوار چلا گیا۔ ابن فیروز بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے واپس ہوا۔

اصل میں ناگ اور عنبر اس خطرے کے پیش نظر کہ لوگوں کو اڑن طشتری کی خبر ہو جائے گی، وہاں سے اڑن طشتری کو کسی دوسری جگہ اڑا کر لے گئے تھے۔ یہ کام انہوں نے زمین سے تھوڑی اوپر اڑ کر کیا تھا تاکہ زیادہ اوپر جانے سے شہر کے لوگوں کو خبر نہ ہو جائے۔ انہوں نے اڑن طشتری کو ایک ویران سی جگہ پہ دریا کی دوسری جانب صحرا میں لے جا کر کھڑا کر دیا تھا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں ایک پرانی عمارت کے کھنڈر تھے۔ اس عمارت کے پہلو پر اڑن طشتری رک گئی۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب ناظمہ کو اس کے باپ کے پاس کر چھوڑ آنا چاہیئے۔"

ناگ بولا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ مکار ابن فیروز دوبارہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسے اغوا کر لے گا۔"

"پھر اس لڑکی کا کیا کریں؟"

ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم اس کے باپ کو یہاں بلوا لیتے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"اس سے کیا ہوگا۔ خواہ مخواہ وہ یہاں آ کر پریشان ہوگا۔ آخر وہ یہاں رہ تو سکتا نہیں۔ ناظمہ کو لے جائے گا اور خطرہ بھی اس کے سر پر منڈلاتا رہے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"تو پھر اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ابن فیروز کو یہاں بلوا کر قید کر دیا جائے اور ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ باقی زندگی سکون سے بسر کر سکے۔"

"ابن فیروز کو قید کر کے ہم اس کا اچار ڈالیں گے؟"

عنبر نے پوچھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"اتنا بڑا مرتبان ہمارے پاس نہیں ہے کہ جس میں ایک آدمی کا اچار ڈالا جا سکے۔ بہرحال ہم اسے کسی ویران جزیرے پر پھینک سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس جزیرے سے بھی کسی نہ کسی طرح واپس آ جائے اور بعد میں ناظمہ کے لئے مصیبت کا باعث بن جائے۔"

یہ بات ماریا نے کہی تھی۔ عنبر نے سوچ کر کہا۔

"تو پھر اسے لے جا کر ہم گہرے سمندر میں گرا دیں گے اس نے بھی تو ناظمہ کی زندگی برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں البتہ ایسا کرنے سے ناظمہ کی زندگی ضرور محفوظ رہ سکتی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ابن فیروز کو یہاں لانے کا کام ناگ انجام دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس بدبخت کو یہاں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے آپ لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکم کریں۔ میں اسے اس کے گھر میں ہی جا کر ختم کر آتا ہوں۔"

عنبر نے تالی بجا کر کہا۔

"ارے اس طرف تو ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ بالکل ٹھیک ہے ناگ! تم آج ہی جاؤ اور ابن فیروز کو جا کر اس کے انجام تک پہنچا آؤ۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے ہماری بہن ناظمہ کی زندگی خطرے میں رہے گی اور اب تو وہ اسے ہرگز نہیں چھوڑے گا۔"

ناگ نے سر جھکا کر کہا۔

"جو حکم میرے آقا!"

اور عنبر اور ماسیا دونوں ناگ کی اس حرکت پر ہنس پڑے۔

ادھر ناگ رخصت ہوا ادھر ابن فیروز اپنے خاص دوست کو لے کر ناظمہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اڑن کھٹولہ جس پہ بٹھا کر کوئی ناظمہ کو لے گیا ہے۔ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ وہ دریا کی دوسری جانب آ گیا اور گھوڑوں پر سوار دونوں دریا کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف نکل گئے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی۔ صحرا میں دور دور تک کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ادھر ناگ سیدھا ناظمہ کے باپ کے گھر پہنچا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ بستر پہ پڑا تھا۔ ناگ نے اپنے آپ کو حکیم عنبر کا بھائی ظاہر کیا اور اسے تاجر عمر کے پاس جانے کی اجازت مل گئی

تاجر عمر نے ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"تم حکیم عنبر کے بھائی ہو؟ خدا کے لئے عنبر کو بلاؤ۔ اسے کہو کہ میرا گھر لٹ گیا ہے۔ میرے پاس آئے۔ میری بچی کو کہیں سے ڈھونڈ کر لائے۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ذرا ان غلاموں اور کنیزوں کو یہاں سے بھجوا دیں۔"

تاجر عمر نے اسی وقت وہاں تخلیہ کروا دیا۔ ناگ نے کہا۔

"ناظمہ ہمارے پاس ہے۔"

اتنا سننا تھا کہ تاجر عمر کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی۔ وہ ناگ سے لپٹ گیا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو بھائی!"

"ہاں بھائی! ناظمہ ہمارے گھر میں ہے اور اسے ہم اس لئے یہاں نہیں لا رہے کہ ابن فیروز سازش کر کے اسے دوبارہ یہاں سے اغوا کروا لے گا۔"

تاجر عمر نے کہا۔

"میں اسے قتل کر دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ شریف آدمی ہیں۔ ایسا نہ کر سکیں گے۔ اس لئے ہم نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اپنی بچی کو تسلی دیں اسے ملیں اور پھر واپس آجائیں۔ اس عرصے میں ہم ابن فیروز کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ وہ مر جائے گا تو سارا کام ٹھیک ہو جائے گا۔"

تاجر نے کہا۔

"اسے ختم کر دو۔ اس بدبخت نے کئی لوگوں کو قتل کروایا ہے۔ اس نے میری زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔"

"تو پھر آپ یہاں انتظار کریں۔ میں ابن فیروز کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔ واپسی پہ آپ کو اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔"

ناگ ناظر کے باپ کو تسلی دے کر وہاں سے نکلا اور سیدھا ابن فیروز کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف ابن فیروز اپنے دوست کے ساتھ صحرا میں اڑن کھٹولے کی تلاش میں چکر لگا رہا تھا کہ اسے ایک درخت کے نیچے ایک جوگی بیٹھا نظر آیا۔ ابن فیروز نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ اس نے ادھر کوئی عجیب سی شے اڑتے یا زمین پر اترتے دیکھی ہے؟ جوگی نے مسکرا کر کہا۔

"بالک! میں نے تو کسی اڑن کھٹولے کو نہیں دیکھا لیکن تیری قسمت مجھے بتا رہی ہے کہ دشمن تیری گھات میں لگا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ابن فیروز گھوڑے سے اتر کر جوگی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دوست بھی وہاں آ بیٹھا۔

"جوگی بابا! کیا تم قسمت کا حال بتا دیتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو پھر بتاؤ کہ جس لڑکی کو میں نے اغوا کیا تھا وہ کہاں ہے؟"

جوگی مسکرایا۔ اس نے ریت پر کچھ نشان بنائے۔ ان کو غور سے تکتا رہا۔ پھر منہ کو اوپر اٹھا کر غور سے ابن فیروز کو دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سنو! جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا تھا وہ ایک نیک پارسا لڑکی ہے۔ تم نے بہت برا کیا۔ اس کی بددعا تم کو لگ گئی ہے۔ وہ لڑکی اس وقت ایسے لوگوں کے اڑن کھٹولے میں ہے جو اس دنیا کے نہیں ہیں اور بڑے کرنی والے لوگ ہیں۔ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ابن فیروز کچھ گھبرا گیا۔

"مطلب یہ کہ ایک آدمی جس کی آنکھیں نسواری ہیں اور جو اصل میں ایک سانپ ہے، جو انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے تمہارے پیچھے لگا ہے۔ وہ تمہیں ہلاک کرنے گھر سے چلا ہے۔ تم

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے نہیں بچ سکو گے۔"

"پھر میں کیا کروں مہاراج؟ مجھے کوئی راستہ بتایئے۔ میں آپ کو جو مانگیں گے دوں گا۔"

ابن فیروز پریشان ہو گیا تھا۔ جوگی نے ریت پر بنے ہوئے نشان دیکھ کر کہا۔

"اس سے بچنا بڑا مشکل ہے۔"

ابن فیروز نے تھیلی سے سونے کی ڈھیر ساری اشرفیاں نکال کر جوگی کے قدموں میں ڈال دیں اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"جوگی مہاراج! میری جان بچا لیجئے میں آپ کا گھر سونے سے بھر دوں گا۔"

جوگی نے سونے کی اشرفیاں دیکھیں تو خوشی سے نہال ہو گیا او ہاتھ اوپر اٹھا کر بولا۔

"بچہ! جا تیرا کلیان ہو گا۔ پر دشمن خطرناک ہے۔ کوئی بات نہیں ہم تمہیں ایک پڑیا دیتے ہیں۔ اسے پانی کے ساتھ کھا لے۔ اس کے بعد تجھ پر سانپ کے زہر کا اثر بالکل نہیں ہو گا۔ تجھے اژدھا کاٹے گا تو کچھ نہیں ہو گا۔ تو زندہ رہے گا۔"

پھر جوگی نے ابن فیروز کو اپنی گٹھڑی میں سے ایک پڑیا نکال کر دی۔ ابن فیروز لوٹے میں سے پانی لے کر اسے کھا گیا۔ جوگی نے کہا۔

"اب آرام سے گھر چلا جا۔ تیرا دشمن سانپ ہے۔ وہ تجھے ضرور کاٹے گا۔ پر تجھ پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔"

ابن فیروز خوشی خوشی گھر واپس آ گیا۔ اس نے اپنے دوست سے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ایک ایسا آدمی اس کا پیچھا کر رہا ہے جو اصل میں ایک سانپ ہے اور انسان کے روپ میں زندہ ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے دوست! کیوں نہ اس آدمی کو قید کر لیا جائے۔"

"اس سے کیا ہو گا۔ سانپ کو بھی کبھی کسی نے گھر میں پالا ہے؟ وہ تو کبھی نہ کبھی ضرور دھوکہ دے جائے گا۔ تمہیں زہر کچھ نہیں کہے گا۔ مگر گھر میں دوسرے لوگ بھی تو ہیں۔ انہیں کچھ ہو گیا تو کون ذمے دار ہو گا؟"

ابن فیروز نے کہا۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ناظمہ کو کہاں تلاش کیا جائے؟" دوست نے کہا۔

"جیسا کہ ہمارے سپاہی نے کہا تھا۔ وہ ایک عجیب سی شے کے اندر چلی گئی تھی جسے ہم اڑن کھٹولہ ہی کہیں گے۔ اب وہ شے دریا کنارے نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ اڑ کر کسی دوسری جگہ چلی گئی ہے۔ وہ ضرور اسی صحرا میں کہیں آس پاس ہو گی۔ ہم کل اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش میں ایک بار پھر نکلیں گے۔"

ابن فیروز نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ صحرا کے مغرب میں ایک کھنڈر ہے۔ ہم نے وہ جگہ نہیں دیکھی۔ بہرحال میری جاسوس عورت ناظمہ کے گھر پر ہی رہتی ہے۔ اگر ناظمہ گھر آگئی تو مجھے فوراً اطلاع ہو جائے گی۔ اسے اس وقت اغوا کر لیا جائے گا۔"

دوست نے کہا۔

"ابھی تو تمہیں اس دشمن کا انتظار ہے جو سانپ ہے۔ لیکن آدمی کی شکل میں زندہ ہے اور تمہیں ہلاک کرنے آ رہا ہے۔"

"ہاں میں اس کا انتظار کروں گا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مجھ پر اس کے زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ انسان کی شکل میں نہیں بلکہ سانپ کے روپ میں کسی وقت یہاں آئے گا اور تمہیں ڈسے گا۔"

"ہاں۔ مگر مجھے کیا پروا ہے اب!"

شام کو ابن فیروز کی جاسوسہ نے آکر اطلاع دی کہ ناظمہ ابھی تک گھر واپس نہیں آئی مگر اس کا باپ بڑا خوش ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اسے اس کی بچی مل گئی ہے۔

ابن فیروز سمجھ گیا کہ ناظمہ کے باپ کو ان لوگوں نے یہ خوش خبری

سنا دی ہوگی کہ ناظمہ زندہ ہے اور ان کے اڑن کھٹولہ میں ہے۔

کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ اور نظر رکھو۔ ناظمہ جیسے ہی گھر آئی، مجھے اطلاع کر دینا۔"

کنیز جاسوسہ چلی گئی۔

پُراسرار فقیر

ناگ نے دوپہر کے بعد بھی ابن فیروز کے گھر کا چکر لگایا۔ اسے یہی اطلاع ملی کہ وہ ابھی نہیں آیا۔ شام کو ناگ پھر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ واپس گھر آگیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو یمن کا ایک نجومی ظاہر کیا اور ابن فیروز سے ملاقات کی۔ ابن فیروز نے ناگ کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔ وہ جوگی کے بتانے کے مطابق نسواری تھیں اور ناگ پلک نہیں جھپکتا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ سانپ ہے۔ ابن فیروز سمجھ گیا کہ اس کا دشمن اس کے گھر میں آگیا ہے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسے ختم کر دے۔ اس سے پہلے کہ وہ سانپ بن کر اسے کاٹے وہ اس کا خاتمہ کر دے۔ یہ سوچ کر ابن فیروز نے ناگ کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا۔

"نجومی صاحب! آپ کا نام کیا ہے۔ آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا نام طلال ہے۔"

ابن فیروز بولا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے طلال صاحب! کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ آپ آج کی رات میرے غریب خانے پر ہی آرام فرمائیں۔"

ناگ تو یہی چاہتا تھا۔ بڑا خوش ہوا۔ ابن فیروز نے کہا۔

"آپ کے سونے کے لئے اوپر کی منزل پہ ایک الگ کمرہ آپ کو دے دیا جائے گا۔ آپ بے فکر ہو کر وہاں آرام کریں۔"

رات کا کھانا کھانے کے بعد ابن فیروز نے یونہی ناگ سے کہا۔

"آپ نجومی ہیں تو میری قسمت کا حال بتائیں کہ میرا مستقبل کیسا ہے؟"

ناگ نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کہا۔

"آپ کی قسمت بڑی اچھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کو کسی کی تلاش ہے۔"

ابن فیروز دل میں ہنسا کہ اس شخص کو یہ ساری باتیں پہلے سے ہی معلوم ہیں۔ کہنے لگا۔

"کیا وہ مجھے مل جائے گا جس کی مجھے تلاش ہے؟"

"ضرور مل جائے گا۔ ضرور مل جائے گا۔"

ابن فیروز مسکرایا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا تو اب آپ آرام کریں۔ کل صبح دوبارہ باتیں ہوں گی۔"
ناگ کو غلام اس کے کمرے میں اوپر والی منزل میں لے گیا یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کھڑکی کے ساتھ بستر لگا تھا مگر کھڑکی بند تھی۔ ناگ نے غلام سے کہا۔

"یہ کھڑکی کھول دو۔ میں تازہ ہوا میں سونے کا عادی ہوں۔"
غلام کو سختی سے حکم تھا کہ کھڑکی نہیں کھولی جائے گی۔ اس نے ادب سے کہا۔

"جناب عالی! یہ کھڑکی تو دیر سے بند ہے۔ کبھی نہیں کھولی گئی۔"
ناگ نے کہا۔

"مگر آج اسے کھول دو۔"
غلام نے جھک کر کہا۔

"حضور! میرے آقا کا حکم ہے کہ کھڑکی نہیں کھولی جائیگی۔"

"یہ بات ہے تو پھر رہنے دو۔ اب تم جاؤ میں آرام کروں گا۔"

"خدا حافظ۔"

غلام چلا گیا تو ناگ کو کچھ شک ہوا۔ اس نے کھڑکی کو دیکھا۔ اس پر تالا لگا تھا اور میخوں سے ایک لکڑی اس طرح سے ٹھونک دی گئی تھی کہ تالا کھل بھی جائے تو کھڑکی نہیں کھل سکتی تھی۔ اس کمرے میں سوائے اس کھڑکی کے باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ روشندان بھی نہیں تھا۔ ناگ نے خطرے کی بُو سونگھی۔ کہیں

ایسا تو نہیں ہے کہ اس شخص کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا ہے اور اب یہ مجھے ہلاک کرنے کی ترکیب کر رہے ہیں۔ ناگ ہوشیار ہو گیا۔

وہ بستر پہ لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا اور سوچنے لگا۔

اسے آج کی رات سونا نہیں تھا۔ اگر سو گیا تو ہو سکتا ہے کہ ابن فیروز کا حملہ کامیاب ہو جائے۔ ناگ آدھی رات تک جاگتا رہا۔ اس کے بعد اسے نیند آنے لگی۔ مگر وہ جاگتا رہا۔ اب اس کے حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سانپ بن کر بستر سے نیچے اتر آیا۔ فرش پہ رینگتا ہوا وہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا کہ اس نے ایک غلام کو دیکھا جو خنجر لئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا غلام کو ناگ نے کچھ نہ کہا۔ ویسے وہ سمجھ گیا کہ ابن فیروز نے اسے ناگ کو ہلاک کرنے کے واسطے بھیجا ہے۔

ناگ خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر ابن فیروز کی بُو لیتا اسکی خواب گاہ میں آ گیا۔ ابن فیروز اپنے بستر پہ لیٹا ہوا تھا۔

سانپ بڑے آرام سے اندر گیا۔ اس نے اس کے پاؤں پر کاٹ دیا۔ ناگ بڑی خوشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہاں غلام اسے نہ پا کر واپس جا چکا تھا۔ اس نے مالک کو جا کر اطلاع دی۔ ابن فیروز جاگ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹخنے کو دیکھا۔ وہاں سانپ کے کاٹنے کا نشان تھا۔ اس نے غلام سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب جاؤ۔ وہ شخص اپنے بستر پہ سویا ملے گا۔ اسے جاتے ہی ہلاک کر دو۔"

غلام چلا گیا۔ ابن فیروز نے اسے یہ بات بالکل نہ بتائی کہ جس شخص کو وہ مارنے جا رہا ہے وہ سانپ بن کر اسے بھی ڈس سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ غلام ڈر جائے گا اور ہلاک کرنے سے باز آ جائے گا۔ اب وہ زہر کا اثر محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر جوگی کی پڑیا بڑی پکی تھی۔ اس پر زہر کا بالکل اثر نہیں ہو رہا تھا۔

دوسری طرف غلام نے دیکھا کہ ناگ بستر پہ لیٹا تھا۔

وہ آرام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں بھی اسے ناگ کا بستر دکھائی دے رہا تھا۔ غلام کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا۔ وہ دبے پاؤں بستر کی طرف آیا اور قریب آ کر رک گیا۔ پھر اس نے ایک دم سے خنجر سوئے ہوئے شخص کے سینے میں بھونک دیا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اندر کوئی انسان نہیں ہے۔ غلام نے جلدی سے لحاف اور کمبل پرے پھینک دیا۔ اس کے اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے گھبرا کر کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے اپنے پاؤں پہ کسی کا نرم نرم لمس محسوس ہوا۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔

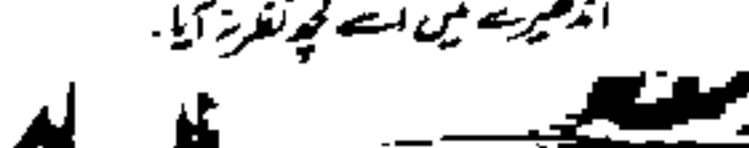

پھر اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پاؤں پر کاٹا ہے۔ اس نے اپنے پاؤں کو جھٹک دیا اور اندھیرے میں پاؤں پر ہاتھ پھیرا۔ وہاں کسی کیڑے کے کاٹنے کا چھوٹا سا نشان تھا۔ کہیں یہ سانپ تو نہیں؟ غلام کے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اسی دوران میں ناگ کے زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ غلام باہر کو بھاگا۔ وہ راہداری میں سے گزر رہا تھا کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ گر پڑا۔

ناگ اس کے جاتے ہی پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور بستر پہ آرام سے کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اس نے ایک ہی رات میں دو ظالموں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ دن چڑھ گیا ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اب اس کے گھر سے رخصت ہونا چاہتا تھا تاکہ ناظمہ کے باپ کو ساتھ لے کر اڑن طشتری میں اس کی بیٹی کے پاس چلا جائے۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر نیچے صحن میں آیا تو ابن فیروز کو ایک پلنگ پہ آرام سے بیٹھا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

آج شاید زندگی میں پہلی بار ناگ خود حیران ہوا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے زہر سے ابن فیروز بچ جائے گا۔ اس نے کافی زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا تھا۔ ابن فیروز بھی ناگ کے ذہن کے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تشریف لائیے نجومی صاحب! ناشتہ ہم آپ کے ساتھ ہی کریں گے۔"

ناگ شرمندہ سا ہو کر اس کی طرف آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے یوں لگا گویا ابن فیروز کو سارے راز کا علم ہو گیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس پر زہر بے اثر کیوں رہا۔ کہیں اس نے کوئی دوائی تو نہیں کھالی جس کی وجہ سے وہ زہر سے بچ گیا ہے ناگ نے سوچا۔ لیکن ایسی دوائی کہاں سے آسکتی تھی؟ ابن فیروز نے اسے غلام کے بارے میں بھی کچھ نہ بتایا کہ وہ مر چکا ہے۔ حویلی کے دوسرے نوکروں کو بھی خبردار کر دیا گیا تھا کہ وہ مرے ہوئے غلام کے بارے میں ناگ سے کوئی بات نہ کریں۔

ناگ نے ابن فیروز کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ابن فیروز ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے ناگ سے کہا۔

"میرے آباؤاجداد ایران سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے وہ بڑے ماہر جنگ باز تھے اور انہوں نے بہترین اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔ اگرچہ میں نے تجارت کا کام شروع کر دیا اور سپہ گری کو خیر باد کہا پر میرے پاس آج بھی اپنے باپ دادا کے وقت کی بہترین تلواریں، ڈھالیں اور نیزے خنجر موجود ہیں۔ ان تلواروں اور خنجروں کے دستے ہاتھی دانت کے ہیں جن پر بڑے قیمتی ہیرے موتی جڑے ہیں۔ میں سوائے اپنے بہترین دوستوں کے اور کسی کو

کبھی اپنا عجائب خانہ نہیں دکھاتا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ عجائب گھر دکھا سکتا ہوں۔"

ناگ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ ابن فیروز اصل میں کون ہے؟ کہیں یہ کوئی زبردست جادوگر تو نہیں؟ کہیں اس کے پاس جادو کی ایسی طاقت تو نہیں کہ جس کی وجہ سے اس پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا؟ وہ یونہی دماغ کو تازہ کرنے کے لئے ابن فیروز کے ساتھ اس کا عجائب خانہ دیکھنے چلا گیا۔

یہ ناگ کی غلطی تھی۔ عجائب خانہ حویلی کی نچلی منزل کے ایک تہہ خانے میں تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ دونوں ایک تہہ خانے میں آگئے۔ یہاں دیواروں پر بڑا قیمتی اسلحہ لگا ہوا تھا۔ تلواریں خنجر، نیزے اور تیر کمان۔ ناگ بڑی دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھنے لگا۔

اس دوران میں ابن فیروز دروازے کی طرف کھسکتا چلا گیا۔ ناگ کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ خبر اسے اس وقت ہوئی جب لوہے کا بڑا مضبوط دروازہ کھڑاک سے بند ہو گیا اور باہر سے تالا لگانے کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ قید کر دیا گیا تھا۔ اس تہہ خانے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا اب ناگ پریشان ہو گیا۔ اسے خیال آیا کہ اس نے تہہ خانے کے عجائب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر میں آکر سخت غلطی کی ہے۔

گھر اب پچھتا دے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! وقت گزر چکا تھا۔ دوسری طرف سے ابن فیروز کی دھیمی سی آواز آئی۔

"ناگ! مجھے معلوم ہے تم ایک سانپ ہو اور انسان کی شکل میں زندہ ہو۔ اب تم ساری زندگی اس قید خانے میں رہو گے اور اگر تم میں اتنی طاقت نہ ہوئی تو اسی جگہ سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔ بہرحال اب تم یہاں سے نکل نہ سکو گے۔ تم مجھے مارنے آئے تھے اور میں نے تمہیں قید کر لیا۔ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ اب ناظمہ کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

ابن فیروز قہقہہ لگا کر غائب ہو گیا۔ اس کی آواز گم ہو گئی۔

اس سرد ویران تہہ خانے میں ناگ اکیلا رہ گیا تھا۔ وہاں سوائے تلواروں، خنجروں اور نیزوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف پر سا پلنگ پڑا تھا۔ ناگ اس پر بیٹھ گیا۔ اور غور کرنے لگا کہ یہاں سے کس طرح باہر جا سکتا ہے۔ دروازہ بڑا مضبوط تھا۔ لو کی کافی موٹی چادر تھی جو اگر وہ ہاتھی بن کر اسے ٹکر مارتا تو وہ نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔

ناگ نے اسی وقت ہاتھی کا روپ بدل لیا اور پوری طاقت دروازے کو ٹکر ماری مگر دروازے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شاید یہ در دیواروں کے پتھروں میں بڑی مضبوطی سے پھنسا دیا گیا تھا۔

پھر سے انسان کے روپ میں آ گیا۔ اب اس نے باریک سانپ بن کر سارے کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا کہ شاید کہیں سے کوئی چھوٹی سی درز یا کوئی سوراخ ہی مل جائے جس میں سے وہ نکل کر باہر چلا جائے مگر دیواروں کے پتھر بڑے زبردست مسالے کے ساتھ ایک دوسرے سے جوڑے گئے تھے۔ کسی جگہ معمولی سی درز بھی نہیں تھی۔ لوہے کا دروازہ بھی دیواروں میں اس طرح سے پھنسا ہوا تھا کہ کسی درز یا سوراخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ناگ ناامید نہیں ہوا تھا مگر وہ پریشان ضرور ہو گیا تھا۔

ادھر جب کافی دن نکل آیا اور ناگ واپس اڑن طشتری میں نہ پہنچا تو عنبر اور ماریا کو فکر ہوئی۔ آخر ناگ کیوں واپس نہیں آیا۔

کہاں چلا گیا؟ عنبر نے کچھ تشویش سے کہا۔

"کہیں اسے کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا؟"

ماریا نے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا۔ پھر آج کیوں کر ہو سکتا ہے۔"

"حادثہ تو کسی وقت بھی پیش آ سکتا ہے ماریا! کیا خبر وہاں اس پہ کسی نے جادو کر دیا ہو۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اس علاقے میں جادوگری کسی زمانے میں اپنے عروج پہ پہنچی ہوئی تھی۔"

ماریا بولی۔

"تو پھر میں جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"تم نے اگر ناگ کو تلاش کر بھی لیا تو تم اس کی زیادہ مدد نہ سکو گی۔ اس صورت میں میرا جانا زیادہ ضروری ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی!"

عنبر نے پستول میں بارہ گولیاں بھریں۔ اسے فرغل کے اندر چھپایا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناظمہ نے عنبر کو جاتے دیکھ کر کچھ پریشان ہو کر ماریا سے پوچھا۔

"ماریا بہن! عنبر بھائی کہاں جا رہے ہیں؟ — ناگ ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ — وہ میرے باپ کو لینے گیا تھا۔"

ماریا نے اسے اصل بات نہ بتائی۔ بس صرف اتنا کہا۔

"عنبر ایک ضروری کام سے جا رہا ہے۔ ناگ میرا خیال ہے کہ آج شام تک تمہارے والد کو لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

مگر ناظمہ کا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اس نے کہا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں ماریا بہن؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ناگ بھائی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو؟"

ماریا ناظمہ کی ذہانت پر بڑی حیران ہوئی کہ کس قدر قیافہ شناس ہے۔ جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں ناظمہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا ناگ کو بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اس میں چھپی ہوئی بڑی طاقتیں ہیں۔"

ناظمہ نے کہا۔

"وہ تو میں جانتی ہوں۔ مگر اس کے باوجود ناگ ابھی تک میرے بابا کو لے کر کیوں نہیں آیا؟"

ماریا نے کہا۔

"تم یونہی فکر کر رہی ہو۔ آرام سے اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

دل میں ماریا بھی پریشان تھی کہ خدا جانے ناگ کے ساتھ کیا حادثہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ناگ پر حملہ ہو سکتا ہے اور وہ کسی مہلک حملے میں ہلاک بھی ہو سکتا ہے کہیں ایسا نہ ہو گیا ہو کہ وہ سانپ بن کر فیروز پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا ہو اور ابن فیروز نے اس پر تلوار کا وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو۔

ماریا کا دل بوجھل ہو گیا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ بھی عنبر کے پیچھے پیچھے ناگ کی تلاش میں نکل جائے۔ لیکن وہ اڑن طشتری کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ناظمہ کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی تھی اور اپنے بابا کو یاد کر کے آنسو بہا رہی تھی۔ ماریا پینل پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھ کر سکرین کو تکنے لگی۔ ٹی وی سکرین پہ باہر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ صحرا میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ دریا کے کنارے کی جانب ایک آدمی اونٹ پہ لکڑیاں لادے شہر کی جانب جا رہا تھا۔

ماریا کو پھر ایک آدمی نظر آیا جو اڑن طشتری والے کھنڈر کی جانب چلا آرہا تھا۔ اس کے ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ پرانے کپڑوں میں تھا اور ہاتھ میں کشکول تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ کوئی فقیر ہے اور بھیک مانگتا پھرتا ہے مگر وہ اڑن طشتری کی طرف کس لیئے آرہا تھا۔ شاید یہ کھنڈر میں آرام کرنے آرہا ہو۔ ماریا غور سے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اب فقیر قریب آگیا تھا اور وہ بھی منہ اٹھا کر اڑن طشتری کو تک رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ حیرت اور دہشت تھی۔

ماسیا نے سوچا کہ یہ شخص خواہ مخواہ ادھر آنکلا ہے۔ فقیر کھنڈر کے پاس آکر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور چھپ کر اڑن طشتری کی جانب دیکھنے لگا۔ ماریا نے ایک بٹن دبایا۔ اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری کے سامنے والے موٹے شیشوں پہ نیلے رنگ کے شیشے آن گرے۔ اب باہر سے کوئی شخص بھی اندر کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اتنے میں فقیر کھنڈر کی دیوار کی اوٹ سے باہر نکل آیا اور اڑن طشتری کے قریب آکر کھڑا ہو

گیا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کوئی عمارت ہے۔ کم از کم ماریا کو یہی خیال آیا۔ کیونکہ اب فقیر نے بھیک مانگنے کے لیئے صدا لگائی تھی۔

”خدا کے نام پہ خیرات دو بابا۔“

ماریا پریشان ہو گئی کہ یہ احمق کہاں سے آگیا۔ اگر وہ دشمن بن کر آتا یا اڑن طشتری پہ حملہ کرتا تو ماسیا اس کو ایک سیکنڈ میں ہلاک کر سکتی تھی۔ مگر وہ تو فقیر بن کر آیا تھا۔ وہ باہر نکل کر اسے بھیک بھی نہیں دے سکتی تھی۔ فقیر اپنی جگہ سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ وہ بار بار بھیک کے لیئے صدا لگا رہا تھا۔

”خدا کے نام پہ بابا!“

ماریا پریشان ہو گئی۔ یہ بلا تو چمٹ ہی گئی تھی۔ اچانک اس نے سوچا کہ کیوں نہ ناظمہ کو بلا کر اس فقیر کو کچھ دینے کے لیئے کہے۔ کم از کم اس طرح سے یہ مصیبت راستے سے تو ہٹ جائے گی۔ ماریا ناظمہ کو جا کر بلا لائی اور سکرین پہ فقیر کو دکھا کر بولی۔

”یہ ایک فقیر ہے جو باہر کھڑا بار بار صدا لگا رہا ہے۔ یہ ہماری اڑن طشتری کو کوئی محل سمجھ رہا ہے۔ جلدی سے جا کر اسے یہ ایک اشرفی خیرات کر آؤ تاکہ یہ اپنی راہ لے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناظمہ نے اشرفی لی اور اڑن طشتری کے پچھلے دروازے سے باہر نکل کر فقیر کے سامنے آگئی۔ فقیر نے ناظمہ کو دیکھا تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ اسی کو تو اغوا کرنے وہاں آیا تھا یہ فقیر ابن فیروز کا ایک خاص دوست تھا اور اسی کے کہنے پر ناظمہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

عنبر بچ گیا

ماریا سکرین پر فقیر کو دیکھ رہی تھی۔

فقیر نے ناظمہ کو دیکھ کر مسکرا کر کچھ کہا جسے ماریا نہ سن سکی۔ ناظمہ نے ہاتھ بڑھا کر اشرفی اسے دی۔ فقیر نے اشرفی لے کر کشکول میں ڈالی اور اس کے ساتھ ہی انتہائی پھرتی سے سیٹی بجائی۔ اس کے ساتھ ہی بجلی ایسی تیزی کے ساتھ کھنڈر سے ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس کے پاس آگیا۔ فقیر نے ناظمہ کو پکڑ کر اچھالا اور پھر خود بھی گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہو گیا کہ ماریا دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس نے اڑن طشتری سے روشنی کی شعاع پھینکی مگر گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا صحرا میں دور نکل چکا تھا۔ ماریا لپک کر باہر آگئی اور گھوڑے کو ناظمہ سمیت صحرا میں غائب ہوتے بے بسی سے دیکھتی رہ گئی۔

اسے اڑن طشتری اڑانی نہیں آتی تھی ورنہ وہ اڑن طشتری لے کر گھوڑے کے سر پر آجاتی اور اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر ناظمہ اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور وہ کچھ نہ کر سکی تھی وہ ہاتھ ملتی رہ گئی۔ پریشان ہو کر اڑن طشتری میں آ کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اب کیا کرے؟

ادھر عنبر سیدھا ناظمہ کے باپ کے ہاں پہنچا۔ وہ ناظمہ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے اسے سارا حال سنایا کہ ناگ غائب ہے اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ تاجر عمر بھی پریشان ہو گیا۔ بولا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ابن فیروز کے غلاموں نے اسے مار ڈالا ہو۔ تم نہیں جانتے ابن فیروز بڑا مکار ہے۔ وہ کئی آدمیوں کو اسی طرح قتل کر چکا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم مجھے ابن فیروز کے گھر کا پتہ بتاؤ۔ میں خود جا کر مع ہوں کہ حالات کیا ہو گئے ہیں؟"

تاجر عمر نے عنبر کو فیروز کی حویلی کا ٹھکانہ بتایا۔ عنبر وہاں سے چل دیا — اب وہ شہر میں ابن فیروز کی حویلی کے باہر کھڑا تھا۔ باہر دروازے پر ایک غلام پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے پہرے دار غلام سے کہا۔

"کیا میں تمہارے مالک سے مل سکتا ہوں؟"

غلام نے پوچھا۔

"تم کون ہو اور میرے آقا سے کس لیے ملنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"اچھا میں پھر آؤں گا۔"

عنبر نے سوچا کہ اس طرح سے ابن فیروز سے ملنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی دوسرے بھیس میں آ کر یہاں ملا جائے۔ پس عنبر وہاں سے سیدھا اڑن طشتری میں آ گیا۔ یہاں آ کر ماریا نے اسے ناظمہ کے اغوا کا قصہ سنایا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اب اسے ناگ کے ساتھ ساتھ ناظمہ کو بھی ڈھونڈ کر لانا تھا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم اڑن طشتری سے ہرگز باہر مت نکلنا۔ اسے اندر سے بند رکھنا۔ میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔ ہو سکتا ہے مجھے دو ایک دن لگ جائیں۔ گھبرانا نہیں۔ میں کامیاب ہو کر واپس آؤں گا۔"

عنبر نے ایک غریب بوڑھے کا بھیس بدلا اور سیدھا ابن فیروز کی حویلی کے باہر آ گیا۔ اس نے پہرے دار سے کہا کہ وہ غریب بے کار ہے۔ کیا اسے نوکری مل جائے گی؟ پہرے دار نے اسے بھگانا چاہا۔ اتنے میں ابن فیروز نے کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے نیچے تم لوگوں نے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہرے دار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر نے جھک کر ابن فیروز کو سلام کیا اور کانپتی آواز میں کہا۔

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ میں بوڑھا ہوں۔ شہر میں بھوکا مارا مارا پھرتا ہوں۔ اگر حضور کے در پہ نوکری مل جائے تو ساری زندگی دعائیں دوں گا۔"

ابن فیروز نے عنبر کے پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھ کر اس پر ترس کھاتے ہوئے پہرے دار سے کہا۔

"اسے کسی کام پر لگا دو۔"

عنبر بڑا خوش ہوا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ اسے باورچی خانے میں برتن دھونے پر لگا دیا گیا۔ شام تک عنبر باورچی خانے میں کام کرتا رہا۔ رات کو وہ ایک کنیز کے ساتھ کھانے کا طشت اٹھا کر ابن فیروز کے کمرے میں گیا۔ ابن فیروز اپنے ایک دوست کے ساتھ بڑے مزے سے دیوان پہ ریشمی گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھا تھا۔ کنیز نے کھانا میز پر رکھ دیا۔ عنبر نے بھی باقی کا طشت قالین پہ رکھ دیا۔

ابن فیروز کے دوست نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بوڑھا کون ہے؟ پہلے تو میں نے اسے یہاں کبھی نہیں دیکھا؟"

ابن فیروز کہنے لگا۔

"یہ ایک غریب آدمی ہے۔ بے چارہ شہر میں بھوکوں مر رہا تھا۔ میں نے سوچا بوڑھا آدمی ہے۔ زندگی کے جو چار دن باقی رہ گئے ہیں میرے ہاں پڑا رہے گا۔"

عنبر نے جھک کر سلام کیا اور دل میں ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔ ابن فیروز کو کیا خبر تھی کہ جس بوڑھے کی زندگی کے وہ چار دن سمجھ رہا ہے وہ پانچ ہزار برس سے زندہ ہے اور جانے ابھی کتنے ہزار برس اسے اور زندہ رہنا تھا۔ عنبر ان دونوں کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ناظمہ کو اغوا کر کے ابن فیروز کا دوست اسی جگہ لائے گا۔

عنبر نے ایک طشت میں کچھ پھل رکھے اور اسی بہانے سے وہ ابن فیروز کے کمرے کی طرف آ گیا۔ دروازے پر آ کر اس نے دائیں بائیں دیکھ کر تسلی کی کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر کان لگا کر اندر ہونے والی باتیں سننے لگا۔ ابن فیروز کا دوست کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔"

ابن فیروز بولا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں دوست! میں نے تمہیں جو دس ہزار سونے کی اشرفیاں دی ہیں یہ تمہارے کام کی اصل قیمت نہیں ہے۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ کبھی نہیں دے سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا دوست ہنسا۔ پھر بولا۔

"مگر یار! وہ جو عجیب سی عمارت ہے اس میں سے ایک تیز روشنی میرے پیچھے نکلی تھی۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ کسی جادوگر کا کام ہے۔"

ابن فیروز بولا۔

"ارے نہیں دوست! میرا خیال ہے کہ روم کے بازی گر اس قسم کے گھر بنا کر رہا کرتے ہیں۔ یہ گھر پہیوں پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے روم یا سپین کے بازی گر وہاں اترے ہوں۔ بہرحال ناظمہ میرے قبضے میں آچکی ہے۔ اب مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

عنبر سمجھ گیا کہ ناظمہ ابن فیروز کے پاس آچکی ہے۔ اب باقی یہ معلوم کرنا تھا کہ ناظمہ کو ان لوگوں نے کس جگہ رکھا ہوا ہے؟ عنبر دروازے سے کان لگائے باتیں سن رہا تھا کہ ادھر سے اچانک ایک کنیز سامنے آگئی۔ عنبر نے جلدی سے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کنیز نے عنبر کی طرف ذرا گھور کر دیکھا اور آگے نکل گئی۔

اندر سے ابن فیروز نے آواز دی۔

"کون ہے باہر؟"

عنبر نے کہا۔

"حضور! پھل لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیش کردوں؟"

ابن فیروز نے اندر سے آواز دی۔

"آجاؤ!"

عنبر پھل کا طشت لئے اندر چلا گیا۔ ابن فیروز کو اس وقت عنبر کا آنا برا لگا۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تم وقت بے وقت ادھر کیوں آتے رہتے ہو؟"

عنبر نے ہکلا کر کہا۔

"نہیں حضور! میں تو آپ کی خدمت کے لئے آتا ہوں۔ یہ پھل بڑے تر و تازہ تھے۔ میں نے سوچا کہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

"اچھا اب دفع ہو جاؤ اور خبردار دوبارہ مت آنا۔"

"بہت بہتر حضور!"

عنبر خاموشی سے سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ اس کا مقصد پورا نہیں ہوا تھا۔ اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ناگ کہاں ہے؟ اور ناظمہ کو کس جگہ قید رکھا گیا ہے۔

عنبر باورچی خانے میں چلا گیا۔ رات کو اس نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور نوکروں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اسے باہر کسی کے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے کان ادھر لگا دیئے۔ آواز دور ہوتی چلی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کو کچھ شک ہوا۔ وہ کوٹھڑی سے باہر نکل کر ایک ستون کے پیچھے جا کر چھپ گیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے؟

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ دور کونے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی وہیں تک محدود تھی۔ اتنے میں ایک کنیز طشت لئے ایک کمرے سے نکلی اور ڈیوڑھی میں آ کر ایک آدمی سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں شمع کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ وہ ابن فیروز کا وہ دوست ہے جو کھانے کے کمرے میں ساتھ بیٹھا تھا۔ عنبر ستون کے ساتھ اور پیچھے لگ گیا۔ اس آدمی نے کہا۔

"تمہیں ن نے دیکھا تو نہیں؟"

کنیز نے کہا۔

"جی نہیں حضور!"

"دھیان سے جانا۔ جاؤ اب۔"

کنیز مکان سے نکل گئی۔ وہ آدمی اوپر چلا گیا۔ عنبر تیزی کے ساتھ ستون کے عقب سے نکلا اور گلی میں آ کر اس نے کچھ فاصلہ رکھ کر کنیز کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ کنیز گلی میں سے نکل کر ایک بازار میں آ گئی۔ ابھی رات کا پہلا حصہ گزر رہا تھا۔ پھر بھی بازار میں رونق نہیں تھی۔ لوگ دکانیں بند کر کے اپنے اپنے گھروں میں جا چکے تھے۔ بازار کے لیمپ دھیمے دھیمے جل رہے

نے عنبر برابر کنیز کا پیچھا کر رہا تھا۔ اب وہ شہر کے دروازے ی طرف آ گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ یہاں سے نکلی تو دریا کے ساتھ اتھ چلنے لگی۔

پھر ایک چار دیواری کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ عنبر جلدی سے پرے ہو کر ایک مکان کی اوٹ میں ہو گیا۔ کنیز اس چار دیواری میں داخل ہو کر اندھیرے میں گم ہو گئی۔ عنبر بھی چار دیواری کے اندر آ گیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے ان کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبرستان تھا پرانی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔ آگے جا کر اسے قبروں کے درمیان ایک چبوترہ نظر آیا۔ جس پر ایک گنبد والی کوٹھڑی بنی تھی۔

عنبر نے کنیز کو اس کوٹھڑی میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ رک گیا اور کنیز کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کنیز واپس آ گئی۔ جب وہ قبرستان سے نکل گئی تو عنبر چبوترے پر آیا۔ وہ کوٹھڑی میں داخل ہونے لگا تھا کہ کسی نے پوری طاقت سے خنجر اس کی پشت میں گھونپ دیا۔

"تعاقب کر رہا تھا کمبخت! اب مزہ چکھ لے۔"

عنبر گر پڑا۔ اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ مر گیا ہو۔ حملہ کرنے والا اس پر جھکا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ زندہ ہے یا مر گیا۔

Courtesy www.pd booksfree.pk

وہ خنجر کمر کے ساتھ لٹکا رہا تھا۔ عنبر نے ایک دم سے اسے پنجے اوپر کھینچ لیا۔ بیتو اسی کا خنجر نکال کر اسے ختم کر دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو گھسیٹ کر ایک پرانی قبر کے سوراخ میں ڈال کر اوپر سے جھاڑیاں ڈال دیں۔

اب وہ کوٹھڑی میں آ گیا۔

اندر ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں عنبر نے ناظمہ کو دیکھا کہ وہ ایک چارپائی پر پڑی ہے اور سسکیاں بھر رہی ہے۔ کھانے کا طشت پاس ہی زمین پر پڑا ہے۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو خوشی سے بولی۔

"عنبر بھائی! تم آ گئے۔"

عنبر نے کہا۔

"بڑی مشکل سے آیا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"باہر حبشی تلوار لیے کھڑا ہے۔"

"وہ اپنی قبر میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔"

عنبر ناظمہ کو لے کر قبرستان سے نکلا اور دریا کنارے آ گیا۔ اب اس نے دریا کے ساتھ ساتھ صحرا کے کھنڈر کی جانب چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کچے راستے پر سے گزر رہے تھے جس کے آگے جا کر کھنڈر کے پاس ان کی اڑن طشتری کھڑی تھی۔ عنبر نے اڑن طشتری کے پاس جا کر خاص طریقے

سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ ماریا اندر جاگ رہی تھی۔ اس نے خاص آواز سنی تو جلدی سے گول سوراخ میں سے جھانکا۔ باہر عنبر اور ناظمہ کھڑے تھے۔ ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے ناظمہ کو اس کے حوالے کر کے کہا۔

"اسے سنبھالو۔ مجھے ابھی ناگ کا پتہ لگانا ہے اور جلدی واپس جانا ہے۔ خبردار! اب ہرگز ہرگز اس طشتری سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر عنبر بڑی تیزی سے باہر نکلا اور واپس شہر میں آ گیا۔ یہاں بازار سنسان پڑے تھے۔ وہ حویلی کے پاس آیا تو خوش قسمتی سے پہرے دار وہاں نہیں تھا۔ عنبر حویلی کے اندر جا کر ڈیوڑھی میں سے گزرتا اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

دن نکلا تو وہ باورچی خانے میں آ گیا اور دوسرے نوکروں کے ساتھ مل کر ناشتہ تیار کرنے لگا۔ وہ ناشتہ لے کر اوپر گیا تو معلوم ہوا کہ ابن فیروز وہاں نہیں ہے۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور اسے پتہ چل گیا ہوگا۔ وہ دوسرے کاموں میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ابن فیروز آ گیا۔ وہ بے حد پریشان تھا۔ اس کا دوست بھی اس کے ساتھ تھا۔ ابن فیروز تیز تیز چلتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اندر دونوں کی تیز تیز باتیں ہونے لگیں جسے سننے کی عنبر کو ضرورت نہ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ناظمہ کے فرار کے بارے میں باتیں کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے۔ اب عنبر ناگ کی تلاش میں تھا۔ دوپہر تک ابن فیروز واپس نہ آیا۔ وہ ناشتہ کئے بغیر اپنے دوست کے ساتھ نکل گیا تھا وہ رات کو آیا اور پہلے سے زیادہ غصے میں تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ ناظمہ کو حاصل نہ کر سکنے اور اس کے فرار سے پریشان ہے۔ سارے گھر کی فضا خراب ہو گئی تھی۔

رات کا کھانا لے کر عنبر کنیز کے ساتھ جانے لگا تو کنیز نے اسے کہا۔

"آج مالک کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"وہ کیوں؟" عنبر نے پوچھا۔

"کہہ جو دیا۔ چپ رہو۔ مالک سخت غصے میں ہیں۔"

عنبر نے باورچی سے باتیں شروع کر دیں۔ اتنے میں ایک غلام نے آ کر کہا۔

"عنبر بوڑھے! تجھے مالک یاد کر رہے ہیں۔"

عنبر گھبرایا کہ ضرور اسے پتہ چل گیا ہے۔ وہ ابن فیروز کے کمرے میں آیا تو وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عنبر نے جا کر جھک کر سلام کیا تو وہ غصے میں اس سے بولا۔

"رات تم میرے کمرے کے باہر کھڑے ہماری باتیں کیوں سن رہے تھے؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے آقا! میں تو پھل لے کر اندر آ رہا تھا۔"

"بکواس کرتے ہو۔ تم جاسوس ہو۔ سچ سچ بتاؤ تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے۔"

"حضور! میں تو ایک غریب و بے بس بوڑھا ہوں۔ آپ نے مجھے پناہ دی ہے۔ آپ کی جان و مال کو دعائیں دے رہا ہوں۔"

"خاموش بوڑھے کتے!"

پھر اس نے تالی بجائی۔ دو ہٹے کٹے غلام اندر آ گئے۔

"اسے لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دو۔"

حبشی گھسیٹتے ہوئے عنبر کو نیچے لے گئے اور ایک تہہ خانے میں لے جا کر اسے بند کر دیا۔ عنبر کے لئے وہ تہہ خانہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اسے تو یہ معلوم کرنا تھا کہ ناگ کہاں ہے؟ ساری رات وہ تہہ خانے میں پڑا رہا۔ صبح کو ابن فیروز اپنے دونوں غلاموں کے ساتھ اندر آیا اور بولا۔

"اگر تم سچ سچ بتا دو کہ میرے غلام کو قتل کرنے کے بعد تم ناظمہ کو کہاں لے گئے ہو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ نہیں تو ابھی تمہاری گردن تن سے جدا کر دی جائے گی۔"

عنبر نے کہا۔

"حضور! مجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابن فیروز نے عنبر کو گالی دی۔ اس پر عنبر نے اپنی بسنائی داڑھی نوچ کر پھینک دی اور ابن فیروز کو گریبان سے پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔

"ذلیل آدمی! تیرا باپ بھی اگر چاہے تو اب ناگ کی ہوا تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حبشی عنبر پہ ٹوٹ پڑے۔

ابن فیروز نے چیخ کر کہا۔

"اس کا قیمہ کر دو۔"

دونوں حبشی تلواریں مار مار کر عنبر کے جسم کو کاٹنے لگے مگر وہاں کوئی اثر ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ تلواریں گویا کسی سخت چٹان سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھیں۔ آخر حبشیوں کی تلواریں ٹوٹ گئیں اور دستے ان کے ہاتھوں میں رہ گئے۔ عنبر نے دونوں حبشیوں کی گردنوں کو پکڑ کر اس زور سے ان کے سر ٹکرائے کہ ان کی کھوپڑیاں پاش پاش ہو گئیں۔ وہ دونوں مر گئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر ابن فیروز باہر کو بھاگا۔

عنبر نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر وہ غائب ہو چکا تھا۔

عنبر نے سارے گھر میں اسے تلاش کیا مگر ابن فیروز کہیں نظر نہ آیا۔ سارے گھر کے نوکر عنبر کے پیچھے پڑ گئے۔ غلاموں نے اس پر حملے کیے مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے ایک غلام

کی گردن توڑ دی۔ دوسرے کا سر کھول دیا۔ تیسرے کی ٹانگیں اٹھا کر پھینک دیں۔ باقی غلام بھاگ گئے۔ کنیزیں سہمی ہوئی کھڑی تھیں اور کانپ رہی تھیں۔ عنبر نے ایک کنیز سے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ بجوی ناگ یہاں کس جگہ قید ہے؟"

اس میں سوائے ابن فیروز کے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ناگ کس جگہ پہ قید ہے۔ عنبر جب ناکام ہو گیا تو اس نے سب نوکروں کو ایک جگہ جمع کر کے کہا۔

"سنو! اب صرف ایک آدمی رہ گیا ہے جس سے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے ابن فیروز کا دوست۔ خبردار اگر کسی نے اس کو بتایا کہ میں ناگ کی تلاش میں یہاں آیا ہوں تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سب نوکروں نے کہا۔

"ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

رات ہوئی تو ابن فیروز کا دوست اندر آ گیا۔ اس نے ابن فیروز کا پوچھا تو عنبر نے کہا۔

"وہ اپنے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

دوست نے کہا۔

"تم کون ہو؟ تمہیں میں نے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا؟"

کیونکہ اب عنبر کی داڑھی نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں آپ کے دوست ابن فیروز کا بھانجہ ہوں۔ آج ہی مصر سے آیا ہوں۔"

ابن فیروز کا دوست بڑبڑاتا ہوا ابن فیروز کے کمرے آگیا۔ کمرہ خالی تھا۔ اتنے میں عنبر بھی وہاں آگیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور اس سے کہا۔

"میری بات غور سے سنو! میرا نام عنبر ہے۔ میں نے ناظمہ کو قبرستان سے اغوا کر لیا ہے۔ میں نے تمہارے پہرے کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اب میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرا دوست ناگ کہاں ہے؟"

وہ شخص ایک دم آگ بھبوکا ہو کر بولا۔

"نمک حرام! میں نے تجھے پہچان لیا۔ تو بوڑھے کے بھیس میں، یہاں جاسوسی کرنے آیا تھا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس شخص نے خنجر نکال لیا۔ عنبر ہنس تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم اپنی موت کو بلا رہے ہو۔ یہ خنجر میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اسے میان میں واپس رکھ لو اور مجھے بتاؤ کہ میرا بھائی ناگ کس جگہ قید ہے؟"

اس شخص نے عنبر پر حملہ کر دیا اور خنجر اس کے پیٹ پر مارا نجر اچٹ کر گر پڑا۔ عنبر نے اس شخص کا گلا پکڑ لیا اور دو تین کے دے کر کہا۔

"بول! ناگ کہاں ہے؟"

وہ شخص تھر تھر کانپنے لگا۔

"مجھے اپنے باپ کی قسم ہے۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ ناگ س جگہ قید ہے۔ میری جان بخش دو۔ میں یہاں سے چلا جاؤں ۔!"

عنبر نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی کوٹھڑی میں آگیا۔ اب اسے یروز کا انتظار تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ حویلی میں ہر طرف وشی چھائی تھی۔ ابن فیروز وہاں سے بھاگ کر سیدھا صحرا میں جوگی کے پاس پہنچا جس نے اسے پڑیا کھلائی تھی۔ جوگی اپنی کٹیا بیٹھا تھا۔ ابن فیروز نے جا کر سارا حال سنا دیا۔ جوگی مسکرایا اور نے لگا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ ان ساتھ لڑائی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ابن فیروز گڑگڑایا۔

"حضور! اب میرے حال پر کچھ کرم کریں۔ میں آپ کی خدمت کے ایک ہزار اشرفیاں لایا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوگی نے کہا۔

"میں جھوٹ بول کر اپنے گورو کو ناراض نہیں کروں گا۔ یہ اشرفی
تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ۔ تمہارے بیٹے میں جو کچھ کر سکتا تھا میں
کر دیا۔ میں تمہیں ناگ کے زہر سے بچا سکتا تھا۔ اس کے آگے
میں مجبور ہوں۔"

ابن فیروز نے ناامید ہو کر کہا۔

"حضور! یہ لوگ ایک عجیب سے مکان میں رہتے ہیں۔ اس
سے روشنی کی ایک شعاع نکلتی ہے۔ جس پر وہ شعاع پڑ جائے
وہ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔"

جوگی بڑے غور سے ابن فیروز کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر مسکرا
کر بولا۔

"بابا! یہ لوگ پرلوک سے آئے ہیں۔ یہ بڑے کرنی والے
ہیں۔ ان سے لڑائی مول نہ لو۔ نہیں تو یہ تمہیں ایسی سزا دیں گے
کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی اس کو فراموش نہ کر سکیں گی۔"

ابن فیروز بولا۔

"مہاراج! آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر میں بھی ڈرنے والا نہیں
ہوں۔ صحرا کا پانی پیا ہے میں نے بھی — میں مقابلہ کروں گا۔
میں اس مکان کو آگ لگا کر راکھ کر دوں گا جس میں یہ لوگ
رہتے ہیں۔"

جوگی مسکرایا۔

"بابا! اب تم جاؤ اور مقابلہ کرو اگر کر سکتے ہو۔ میری تمہیں
اب بھی یہی ہدایت ہے کہ ان سے ٹکر لینے کا خیال دل سے نکال
ڈالو۔"

ابن فیروز واپس ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ کو مار ڈالا

ناگ کو تہہ خانے میں ایک رات اور ایک دن گزر گیا تھا۔ اب وہ پریشان ہو گیا کہ عنبر اور ماریا کیا سوچ رہی ہوں گی۔ بھوک پیاس تو اسے لگتی ہی نہیں تھی۔ یعنی اگر وہ چاہے تو کئی روز تک بغیر کچھ کھائے پیئے گزار سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ سانپوں کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ سانپ وہاں آئیں گے کدھر سے۔ کیونکہ تہہ خانہ لوہے اور پتھر کی دیواروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے باوجود ناگ نے سانپوں کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے دھیان کیا اور سانپوں کو آوازیں دیں۔ اس علاقے میں اردگرد جتنے سانپ تھے وہ بھاگتے ہوئے تہہ خانے کے فرش کے نیچے آ گئے۔ سانپوں نے بل بنانا شروع کر دیئے۔ زمین کھودتے کھودتے آخر وہ تہہ خانے کے فرش پر نکل آئے۔ کوئی پچاس کے قریب چھوٹے بڑے سانپ تھے۔

انہوں نے ناگ کے سامنے آتے ہی سر جھکا دیئے۔ سب سے بڑے سانپ نے کہا۔

"ناگ دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے ملک میں تشریف لائے۔ ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو فرمایئے!"

ناگ نے کہا۔

"اس سامنے والی دیوار میں سوراخ کر دو۔ بس تم لوگوں کی اسی خدمت کی مجھے ضرورت ہے۔"

بڑے سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے حضور! ابھی سوراخ کئے دیتے ہیں۔"

سارے کے سارے سانپ باری باری پتھر میں سوراخ کرنے لگ گئے۔ کوئی ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد پتھر کے بیچ کی جگہ پر انہوں نے ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپوں نے سر جھکا کر خدا حافظ کہا اور باری باری زمین کے سوراخ میں گم ہوتے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ناگ نے فوراً ایک پتلے سے سبز سانپ کا روپ دھارا اور تہہ خانے کی دیوار کے سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تازہ ہوا میں گہرا سانس لیا اور دیوار پر رینگتا ہوا حویلی کی ڈیوڑھی کی طرف چل پڑا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی!

ناگ رینگتا ہوا ڈیوڑھی میں سے گزر رہا تھا کہ اسے عنبر کی بُو محسوس ہوئی۔ وہ رک گیا اور جدھر سے عنبر کی بُو آ رہی تھی ادھر کو چل دیا۔ برآمدے کی دیوار کے پاس ایک کوٹھڑی تھی جس کے اندر سے عنبر کی بُو آ رہی تھی۔ سانپ کوٹھڑی کی درز میں سے اندر چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ عنبر ایک بستر میں سو رہا ہے۔

ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آگیا اور عنبر کو جگا کر بولا۔

"تم یہاں کہاں عنبر بھائی؟"

عنبر آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل پھر سے دیکھی۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ ماریا بھی بے حد پریشان تھی۔"

ناگ نے کہا۔

"ویسے میں تو ایک بڑی مصیبت میں پھنس ہی گیا تھا۔ کم بخت ابن فیروز نے دھوکے سے ایک ایسے تہ خانے میں

بند کر دیا تھا جس کی دیواریں پتھر کی اور دروازہ لوہے کا تھا بس کسی نہ کسی طرح نکل کر آ گیا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ ناظمہ کہاں ہے؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ ناظمہ کو میں نے پھر سے اڑن طشتری میں پہنچا دیا ہے اور اب ابن فیروز کی تلاش میں ہوں کہ اس سے بدلہ لیا جائے کیونکہ اگر ہم ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے کر کے یہاں سے چلے گئے تو وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ان کی حویلی کو آگ لگا دے گا اور ناظمہ کے باپ کو قتل کرا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس کم بخت کو میں نے پورے زور کے ساتھ ڈسا تھا مگر حیرانی ہے کہ پھر بھی زندہ بچ گیا۔ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے اس کے خون میں ایسے اثرات ہوں کہ اس پر زہر کا اثر نہ ہوتا ہو۔ کیونکہ بعض لوگوں کے خون پہ زہر کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ میں نے ایسے آدمی دیکھے ہیں۔"

"بس پھر یہ بھی ان ہی آدمیوں میں سے ہے مگر تم فکر نہ کرو اسے میں کسی دوسرے طریقے سے جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب وہ اس جگہ شاید نہیں آئے گا۔"

"نہیں ——— وہ ضرور آئے گا۔ تم واپس ماریا کے پاس جاؤ۔ میں اس موذی قاتل کا انتظار کروں گا۔"

عنبر واپس اڑن طشتری میں آ گیا۔ ناگ حویلی میں ہی ابن فیروز کا انتظار کرنے لگا۔ سارا دن وہ انتظار کرتا رہا مگر ابن فیروز نہ آیا۔ رات کو ناگ بھی واپس آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ناظمہ کے باپ کو بھی اڑن طشتری میں لے آیا۔ باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر نے تاجر عمر کو سمجھایا کہ ابھی ناظمہ کا گھر واپس جانا ٹھیک نہیں!

"ابن فیروز ایک مکار دشمن ہے۔ وہ اگر زندہ رہا تو مزید وار کرے گا۔ اس لئے جب تک اس کا کام تمام نہیں ہو جاتا ہمارے پاس ہی ناظمہ رہے تو بہتر ہے۔"

ناظمہ کا باپ بولا۔

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی ہو گی ویسا ہی ہم کریں گے۔ ابن فیروز میرا پرانا دشمن ہے۔ وہ میرے گھر کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ ناظمہ اسی جگہ رہے۔ جب میرا دشمن ختم ہو جائے گا تو پھر میں اسے

بلا لوں گا۔"

تاجر عمر واپس اپنے گھر چلا گیا۔

ناگ نے سوچا کہ ابن فیروز کو جب تک یہ خبر ملتی رہے گی کہ ناگ اس کے گھر میں ہے وہ واپس گھر نہیں آئے گا اس لئے یہی بہتر ہے کہ کسی دوسری شکل میں اس کا انتظار کیا جائے پس اس نے ایسا کیا کہ ہر روز صبح و شام ایک سنہری چڑیا کے روپ میں ابن فیروز کی حویلی میں جاتا اور پتہ کرتا کہ وہ ابھی آیا ہے یا نہیں۔ ابن فیروز ایک دوست کے ہاں چھپا ہوا تھا اور جوابی حملہ کرنے کی سازش کر رہا تھا۔

ابن فیروز کے دوست کا نام شہ رخ تھا۔ وہ بڑا چالاک عیار اور مکار جاسوس تھا۔ کسی زمانے میں بادشاہ مصر کا خاص جاسوس رہ چکا تھا۔ بھیس بدلنے میں بڑا ماہر تھا۔ عورت کا روپ اس طرح سے بدلتا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا ــــ

ابن فیروز نے اس سے مدد مانگی اور کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جہاں میرے دشمن کا اڈہ ہے اسے تباہ کر دیا جائے۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارا دشمن کس جگہ رہتا ہے۔"

ابن فیروز نے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ لوگ کوئی جادوگر قسم کے ہیں۔ شہر سے باہر کھنڈر کے پاس انہوں نے ایک جادو کا گھر بنا رکھا ہے۔ اس میں رہتے ہیں۔ اگر تم کسی طرح سے ان کے گھر میں جا کر انہیں تباہ کر سکو تو میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا اور تمہیں منہ مانگا انعام بھی دوں گا۔"

شہ رخ گردن اکڑا کر بولا۔

"میں ان کے جادو گھر کو تہس نہس کر دوں گا۔ مجھ سے وہ بچ نہیں سکتے۔ میں اگر چاہوں تو آسمان کے تارے توڑ کر بھی لا سکتا ہوں۔"

ابن فیروز کو بڑا حوصلہ ہوا۔ اس نے سونے کی اشرفیوں کی ایک تھیلی اسے دے کر کہا۔

"یہ تمہارے ضروری خرچ کے لئے ہے۔ جب تم میرے دشمنوں کو ختم کر دو گے تو میں تمہیں اور دولت دوں گا اور ہاں ۔۔۔ وہاں ناظمہ بھی رہتی ہے۔ اسے ضرور کسی طریقے سے پہلے اغواء کر کے مجھ تک پہنچانا ہو گا۔ پھر اس گھر کو تباہ کرنا ہو گا۔"

"ایسا ہی ہو گا۔"

"تم ناظمہ کو پہچان لو گے نا؟"

"کیوں نہیں۔ میں نے اسے اس کے باپ کے گھر کئی بار

دیکھا ہے۔"

پس شہ رخ نے ضروری تیاری شروع کر دی۔ اس نے ایک ضعیف عورت کا روپ بدلا اور لاٹھی ہاتھ میں لے کر گلے میں منکے مالائیں ڈال کر صحرا میں اس طرف چل پڑا جہاں ابن فیروز نے اسے بتایا تھا کہ جادو گھر یعنی اڑن طشتری ہے۔ شہ رخ بالکل ایک بوڑھی عورت معلوم ہو رہا تھا۔ شہر سے باہر نکل کر وہ کھجوروں کے بیچ میں سے جانے والے کچے راستے پر آ گیا۔ یہاں سے باہر نکلا تو اس کے سامنے ہی صحرا شروع ہو رہا تھا۔ دور ایک جگہ اسے کھنڈر کی ٹوٹی پھوٹی عمارت نظر آئی۔ شہ رخ اس طرف آ گیا کھنڈر کے پاس آ کر اس نے نگاہ ڈالی تو سامنے اسے ایک عجیب سی شے نظر آئی۔ یہ ایک چمکتی ہوئی گول عمارت تھی جس کی گول دیواروں میں گول گول سوراخ تھے جو چمک رہے تھے۔

شہ رخ ایک پل کے لئے اس عجیب وغریب چیز کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر وہ کمر پہ ہاتھ رکھے بوڑھی عورت کی طرح لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا اڑن طشتری کے قریب آیا۔ اس وقت صبح کا پہلا پہر تھا۔ ناشتے کے بعد ناگ عنبر کے ساتھ شہر گیا ہوا تھا۔ ماریا سو رہی تھی اور ناظمہ اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی گول سوراخ میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے جو ایک بوڑھی عورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو لاٹھی ٹیکتے اپنی طرف آتے دیکھا تو اسے غور سے تکنے لگی۔ شہ رخ نے قریب آ کر شیشے کی کھڑکی میں سے ناظمہ کو دیکھ لیا۔ اس کی کامیابی اس کے سامنے تھی۔ اب ذرا مکاری اور ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ شہ رخ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بیٹی! بھوک لگی ہے۔ خدا کے نام پر بوڑھی عورت کو کچھ کھانے کو دو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔"

ناظمہ کو اس عورت کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آیا۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر کھانے کی چیزیں لیں۔ انہیں رومال میں لپیٹا اور اڑن طشتری کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ کیونکہ عنبر نے خاص طور پر منع کر رکھا تھا کہ اڑن طشتری کا دروازہ کبھی نہ کھولا جائے۔ ناظمہ کو بوڑھی عورت پر ترس آ گیا تھا۔ شہ رخ نے ناظمہ کو جادو گھر سے باہر آتے دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ شکار خود بخود اس کے جال میں آ رہا تھا۔ اس نے جیب سے وہ رومال نکال لیا جس میں بے ہوشی کی دوائی پڑی تھی۔

ناظمہ نے کہا۔

"یہ لو مائی۔ کھانا کھا لو۔"

شہ رخ لاٹھی کے سہارے لڑکھڑاتا ہوا ناظمہ کے پاس آیا اور دعائیں دینے لگا۔

"بیٹی! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ تم نے ایک غریب بوڑھی رت کو کھانا دیا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

کھانا لے کر شہ رخ نے اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور پھر ن پھرتی سے جیب سے رومال نکال کر ناظمہ کے ناک پر دیا۔ ناظمہ تڑپی۔ شور مچانے لگی مگر شہ رخ نے اس کا منہ ی طرح ہاتھ سے بند کر رکھا تھا۔ اس دوران میں ناظمہ پر دوائی ے اثر کر دیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ شہ رخ نے اسے ھ کندھے پر ڈالا اور کھنڈر میں لے جا کر ایک طرف چھپا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ ناظمہ کم از کم ایک گھنٹے تک بے ہوش رہے گی۔

وہ بھاگم بھاگ شہر پہنچا اور وہاں سے ایک گھوڑا لے آیا۔ بے ہوش ناظمہ کو گھوڑے پر ڈالا اور اسے دریا کے کنارے کنارے ویران علاقوں سے چل کر اپنے گھر لے آیا۔ وہ اپنی کامیابی پر اتنا خوش تھا کہ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ اس نے بے ہوش ناظمہ کو ایک کمرے میں بند کر کے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا۔ پھر مکان کو باہر سے بند کر کے تالا ڈالا اور ابن فیر کو جا کر خوشخبری سنائی۔ ابن فیروز خوشی سے اچھل پڑا۔ اسی وقت شہ رخ کو سونے کی اشرفیاں دیں اور گھوڑے پر سوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو کر بھاگم بھاگ اس کے گھر آ گیا۔

ناظمہ کو اس وقت ہوش آ چکا تھا۔ اپنے آپ کو قید میں د
تو سر پیٹ کر رہ گئی۔ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ ظلم ہو گیا ہے
ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس نے
بوڑھی عورت پہ اعتبار کر لیا تھا۔ اسے اڑن طشتری سے باہر
نہیں آنا چاہیے تھا۔

اتنے میں ابن فیروز اندر آ گیا۔ اس کو دیکھ کر ناظمہ کانپ
گئی۔ ابن فیروز نے قریب آ کر ناظمہ کو بالوں سے پکڑ کر
جھنجھوڑا اور گرج کر کہا۔

"بول! اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

ناظمہ نے کہا۔

"مجھے مرا [illegible] ضرور
و بوڑھی عو [illegible] خدا تجھ سے بچائے گا۔"

ابن فیروز نے گھمنڈ میں آ کر کہا۔

"دیکھ لوں گا تمہارا خدا تمہیں کیسے مجھ سے بچاتا
ہے۔ میں اب تمہیں اس ملک سے ہی لے جاؤں گا۔ ملک
روم جا کر تم سے شادی کر لوں گا اور پھر تم کبھی اپنے شہر
اپنے گھر کا منہ نہ دیکھ سکو گی۔"

ناظمہ سر جھکا کر چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ابن فیروز دروازے
پہ تالا ڈال دیا اور باہر آ گیا اور شہرخ سے ملک روم جانے کی

رنے لگا۔ شہرخ نے اس کے خیال کو پسند کیا اور کہا۔
میں بھی تمہیں یہی کہوں گا کہ تمہارا اس وقت یہاں رہنا
ب نہیں۔ تم ناظمہ کو لے کر کچھ عرصے کے لئے باہر
جاؤ!"

بن فیروز بولا۔

"میں آج ہی جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہاں سے روم کی
ب قافلہ کب روانہ ہو گا۔"

رخ نے کہا۔

"پرسوں صبح کو ایک قافلہ ملک شام کی طرف جا رہا ہے۔
میں مشورہ دوں گا کہ تم اس قافلے کے ساتھ یہاں سے
جاؤ۔ شام جا کر تم وہاں سے کوئی دوسرا قافلہ پکڑ لینا کیونکہ
سنا ہے روم کو جانے والا قافلہ ابھی اس ہفتے یہاں سے
نہ ہو گا۔"

"ہاں۔ تمہارا یہ خیال مجھے پسند آیا ہے۔ میں تیاری کرتا ہوں
کل صبح میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم ایسا کرو کہ میرے
رے میری کچھ ضروری چیزیں جا کر لے آؤ۔ کیونکہ ناظمہ کی وجہ
میں اپنے گھر نہیں جا سکتا۔"

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تمہارے گھر جا کر تمہاری چیزیں لے
آتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابن فیروز نے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

شہزخ، ابن فیروز کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور ابن فیر
مکان کو تالا لگا کر اوپر والی شہ نشین میں جا کر کھڑکی کے پاس
بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ باہر بھی نگاہ رکھنا چاہ
تھا کہ کوئی شخص ناظمہ کے سراغ میں وہاں نہ پہنچ جائے۔

ماریا یونہی ناشتہ کر کے سو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آنکھ کھلی تو کمرے سے باہر آ کر
اس نے ناظمہ کو آواز دی۔

"ناظمہ بہن! کہاں ہو تم؟"

مگر ناظمہ وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔ ماریا نے سب جگہ اسے
کیا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اب تو ماریا کے ہاتھ پاؤں پھ
گئے۔ باہر دیکھا۔ صحرا میں دھوپ چمک رہی تھی۔ وہ اڑن طشتر
سے باہر آ گئی۔ اس نے ریت پر پاؤں کے نشان دیکھے۔ یہ کئی
ایک نشان تھے۔ سمجھ گئی کہ کوئی دھوکہ ہو گیا ہے اور کسی
ناظمہ کو اغوا کر لیا تھا۔ کیونکہ اڑن طشتری کا دروازہ بھی کھلا
ماریا پریشان ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ اڑن طشتری کو اکیلا چھوڑ کر بھ
نہیں جا سکتی تھی۔

اتنے میں ناگ اور عنبر بھی آ گئے۔

یں اس حادثے کی خبر ہوئی تو وہ بھی پریشان ہو گئے۔ یہ
تھا کہ ناظمہ کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ بھی ایسا
ہے کبھی نہیں ہوا تھا۔ دشمن مکاری اور ہوشیاری میں
ے گیا تھا۔ وہ ماریا کو کیا کہتے۔ اس کا بھی کوئی قصور نہیں
ں نیند آ گئی تھی اسے ۔۔۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ عنبر اور
نے کھنڈر کے پاس جا کر گھوڑے کے سموں کے نشان
یہ نشان کچے راستے سے ہو کر شہر کی طرف جا رہے تھے۔
لے جا کر یہ نشان بھی دوسرے گھوڑوں کے نشانوں میں گڈمڈ
تھے۔ ناگ اور عنبر واپس آ گئے اور سوچنے لگے کہ ناظمہ کو
یا جائے۔ ناظمہ کے باپ کو انہوں نے یہ خبر نہیں
وہ اسے یہ بری خبر سنانا بھی نہیں چاہتے تھے۔

نے کہا۔

شخص ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے۔ اس کا اسی وقت
کر دیتے تو اچھا تھا۔"

ہے یہ اپنے گھر نہیں گیا ہو گا۔ بلکہ کسی خاص جگہ ناظمہ
ر چھپ گیا ہو گا۔"

بولا۔

ہے تو خطرہ ہے کہ کہیں یہ شہر سے نہ نکل جائے۔"

نے ماتھے پر انگلی رکھ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ اچھا خیال ہے۔ ابن فیروز ضرور اس شہر سے بھاگ نکـ
کی سوچ رہا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ کارواں سراؤں میں جا
اسے تلاش کرنا چاہئے۔"

"اس شہر کی ایک ہی کارواں سرائے ہے جہاں سے قا
روم کو جاتے ہیں۔"

ناگ اور عنبر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک دوسری کا
سرائے بھی ہے جہاں سے قافلے ملک شام کو جاتے ہیں۔ اگر
شام کو جانے والے قافلوں کی سرائے میں جاتے تو وہ نا
حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ روم جانے والی کارواں سرا
پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ وہاں سے ایک قافلہ ایک ہفتے
جائے گا۔

ناگ نے کہا۔

"میں اس قافلے پر نظر رکھوں گا۔ اگر ابن فیروز یہاں تک
تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ساری رات عنبر اور ناگ اور ماریا جاگ کر سوچتے رہے کہ
کہاں ناظمہ کو تلاش کیا جا سکتا ہے؟

عنبر نے کہا۔

"میں ابن فیروز کی حویلی کو نگاہ میں رکھوں گا۔ تم رومی کار
سرائے کی دیکھ بھال کرتے رہنا۔ ہم ضرور ناظمہ کو بچانے میں کا

جائیں گے۔"

دوسری طرف رات بسر کرنے کے بعد منہ اندھیرے ابن فیروز
ابن کے دوست نے ناظمہ کو دوا سنگھا کر بے ہوش کیا اور اسے
وڑے پر ڈال کر شام کی کارواں سرائے میں آ گئے۔ لوگوں کو
ہوں نے یہی بتایا کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ بیمار ہے۔ علاج
کے لئے شام جا رہے ہیں۔ قافلہ منہ اندھیرے ہی انطاکیہ سے
روانہ ہو گیا۔ ابن فیروز نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا اور
بے ہوش ناظمہ کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چل پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دمشق کا ڈاکو

ایک ہفتہ گزر گیا۔ ناظمہ کا کہیں سراغ نہ ملا۔

اس کے باپ کو آخر بتانا پڑا کہ ناظمہ دوبارہ اغوا کر لی گئی ہے اور اس کا کھوج لگانے کی پوری کوشش ہو رہی ہے۔ ناظمہ کا باپ سر پیٹ کر رہ گیا۔ غم سے اس کا بُرا حال ہو گیا۔ عنبر اور ناگ نے اسے بڑی تسلی دی مگر وہ پریشان رہا۔

"خدا کے لئے میری بچی کو کہیں سے تلاش کرو۔ وہ میرا دشمن اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"آپ ہمیں صرف ایک ہفتے کی مہلت دے دیں اس عرصے میں ہم ابن فیروز اور ناظمہ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ خواہ وہ زمین کے اندر ہی کیوں نہ چھپا ہوا ہو۔"

تاجر عمر غم سے نڈھال تھا۔ آنکھوں میں آنسو لئے اپنی حویلی میں چلا گیا۔

دوسرے روز ماریا نے ناگ سے کہا۔

روم جانے والا قافلہ کل صبح روانہ ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں آج ہی کارواں سرائے میں جاکر مسافروں کی دیکھ بھال شروع کر دینی چاہئے۔ ابن فیروز اگر اس قافلے سے ... وہ آدھی رات کو کارواں سرائے پہنچ جائے گا۔"

عنبر بولا۔

"ناگ! یہ کام تم کرو۔ تم ابھی چلے جاؤ اور نظر رکھو۔ جونہی ابن فیروز نظر آئے تو اسے وہیں پکڑ کر قابو کر لو خواہ اس کے لئے تمہیں کسی بھوت کا روپ کیوں نہ بدلنا پڑے۔"

ناگ نے کہا۔

"بھوت تو خیر میں نہیں بن سکتا۔ ہاں اسے قابو ضرور کر لوں گا۔"

ناگ کارواں سرائے کی طرف چلا گیا۔ ماریا اڑن طشتری کو اندر سے بند کر کے بیٹھ گئی۔ عنبر ابن فیروز کی حویلی میں آ گیا کہ شاید یہاں سے کوئی سراغ مل جائے۔ کارواں سرائے میں روم جانے والے مسافر تیاریاں کر رہے تھے۔ کیونکہ قافلہ آدھی رات کو روانہ ہونے والا تھا۔ سرائے کی دیوار کے ساتھ ساتھ اونٹوں کی قطار لگی تھی۔

اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ ان پہ سوداگروں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے مسافروں کا مال لادا جا رہا تھا۔ ناگ بھی مسافر کی شکل میں وہاں بھیس بدلے گھوم رہا تھا۔ اس نے داڑھی بڑھا رکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اگر ابن فیروز اسے دیکھ لے تو پہچان نہ سکے۔ سرائے کے صحن میں کچھ عورتیں چادریں اوڑھے بیٹھی تھیں۔ ناگ نے اس طرف جاکر ایک ایک عورت کو تکنا شروع کیا تو ایک آدمی نے آکر غصے سے کہا۔

"کیا سمجھ کر ادھر آگئے ہو؟ چلو بھاگو یہاں سے۔ یہاں پردے دار عورتیں بیٹھی ہیں۔"

ناگ نے مسکرا کر ادب سے کہا۔

"بھائی! میں اپنی بہن کی تلاش میں ہوں۔"

وہ شخص بولا۔

"کسی دوسری جگہ جاکر اسے تلاش کرو۔"

ناگ سلام کرکے دوسری طرف آگیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ان میں ناظمہ ہوتی تو وہ ضرور اسے دیکھ کر آواز دیتی۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ ناظمہ تو اس وقت ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو چکی تھی اور صحراؤں سے گزر رہی تھی۔ آدھی رات کو قافلہ تیار ہوگیا۔ ناگ نے ایک ایک مسافر کو دیکھا۔ ابن فیروز ان میں کہیں نہیں تھا۔ عورتوں میں بھی اسے ناظمہ کہیں دکھائی نہ دی۔

"یاخدا! وہ کہاں گم ہوگئی؟"

ناگ یہی سوچتا رہا۔

قافلہ شہر کی سرائے سے نکل کر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ناگ اسے دیکھتا رہ گیا۔

جب وہ واپس ہونے لگا تو ایک نوجوان بدو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولا۔

"بھائی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی دیر سے لوگوں میں کسی کو تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ کیا تمہارا کوئی گم ہو گیا ہے؟"

ناگ نے آہ بھر کر کہا۔

"بھائی! کیا بتاؤں۔ میرا ایک نوکر میری زندگی بھر کی پونجی ایک ہزار سونے کی اشرفیاں لے کر بھاگ گیا ہے میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ سوچا یہاں آ کر بھی دیکھ لوں کہ کہیں وہ اس قافلے کے ساتھ روم کی طرف نہ فرار ہو رہا ہو۔"

بدو نے کہا۔

"پھر یہاں تمہارا نوکر ملا نہیں؟"

ناگ بولا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ قافلہ چلا گیا ہے اور میں ابھی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے نوکر کی تلاش میں ہوں۔"

بدو نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ ملک شام کی طرف چلا گیا ہو۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر ملک شام کو بھی جاتا تو یہاں سے معلوم ہو جاتا۔"

بدو نے کہا۔

"وہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ ملک شام کو جانے والے قافلے تو دوسری سرائے سے جاتے ہیں۔"

ناگ ایک دم چونک پڑا۔

"کیا کہا؟... کیا یہاں کوئی اور سرائے بھی ہے؟"

بدو نے کہا۔

"بڑے میاں! تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ اس شہر کی دو سرائیں ہیں۔ ایک یہ سرائے ہے جہاں سے ملک روم کو قافلے جاتے ہیں۔ ایک دوسری سرائے اور ہے جہاں سے ملک شام کو قافلے روانہ ہوتے ہیں۔!"

ناگ نے پوچھا۔

"یہ دوسری سرائے کہاں ہے؟"

بدو بولا۔

"وہ سرائے شہر کے مشرق میں شاہی باغ کے پاس ہے۔ مگر ملک شام جانے والا قافلہ تو کل صبح روانہ ہو چکا ہے۔"

ناگ نا امید سا ہو کر بولا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے بھئی؟ مجھے یقین ہے کہ میرا نوکر اسی قافلے کے ساتھ چلا گیا ہے۔"

بدو نے کہا۔

"تم نے غلطی کی بڑے میاں! تمہیں دوسری سرائے میں پہنچ کر شام جانے والے قافلے کی بھی پڑتال کرنی چاہئے تھی۔ خیر! اب کیا ہو سکتا ہے!"

ناگ نے پوچھا۔

"دوسرا قافلہ کب روانہ ہوگا؟"

بدو نے کہا۔

"دونوں سراؤں میں ہر جمعہ کی رات کو قافلے روانہ ہوتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک ہفتے بعد قافلہ چلے گا اور شاہی باغ والی سرائے سے اگلے جمعہ کی رات کو پچھلے پہر قافلہ روانہ ہوگا۔"

"شکریہ بھائی! تمہارا بہت بہت شکریہ!"

ناگ واپس اڑن طشتری میں آ گیا۔ عنبر اور ماریا بھی وہاں موجود تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے کہا۔

"ہم سے غلطی ہو گئی۔ اگر شاہی باغ والی سرائے میں جاکر دیکھتے تو ہو سکتا تھا کہ ناظمہ کا سراغ مل جاتا۔"

عنبر بولا۔

"ویسے ہم اب بھی اس قافلے کو صحرا میں پکڑ سکتے ہیں۔"

اس خیال سے ناگ اچھل پڑا۔

"ارے! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہمارے پاس اڑن طشتری ہے۔ ہم بڑی آسانی سے قافلے کی روٹ کے اوپر اوپر اڑتے ہوئے قافلے کو راستے میں پکڑ سکتے ہیں!"

ماریا بولی۔

"اگر تم اڑن طشتری لے کر قافلے کے اوپر گئے تو وہاں تمہارا تماشہ بن جائے گا۔ وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ محافظ سپاہی تم پر حملہ کر دیں۔"

عنبر نے کہا۔

"حملہ کر کے وہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے ماریا بہن! ہمیں ہر حالت میں ناظمہ کو تلاش کرنا ہے اور ہم ہر خطرہ مول لے کر اسے تلاش کر کے رہیں گے۔"

ماریا بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ معلوم کر لو کہ شام کو جانے والا قافلہ

حرا میں کس طرف سے گزرتا ہے اور ہم اڑن طشتری لے
ر اس کی تلاش میں روانہ ہو جاتے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ناگ! تم شامی کارواں سرائے میں جاکر
علوم کرو کہ صحرا میں یہ قافلہ کن راستوں پر سفر کرتا ہے۔"

ناگ اسی وقت شامی باغ والی سرائے میں آگیا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"شام جانے والے قافلے کا راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"

اس آدمی نے پہلے تو ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر بولا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

کیونکہ عام طور پہ ایسی معلومات ڈاکو حاصل کیا کرتے تھے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی! میں ڈاکو نہیں ہوں۔ میں تو اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ میری ایک بہن اس قافلے میں سفر کر رہی ہے۔ مجھے اسکو ایک ضروری پیغام پہنچانا ہے۔"

اس آدمی نے ناگ کو قافلے کا روٹ بتا دیا۔ ناگ نے واپس آکر اس صحرا کا نقشہ کھول کر عنبر اور ماریا کو اس کے روٹ سے آگاہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے صحرا کے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ قافلہ اگر کل صبح کر چلا ہے تو ابھی تک اس مقام پر ہی پہنچا ہو گا۔"

ماریا بولی۔

"یہ یاد رکھیں کہ یہ قافلے دوپہر کو سفر نہیں کرتے آرام کرتے ہیں۔ زیادہ سفر رات کو کرتے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"اس حساب سے بھی قافلہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہو گا ہم راستے میں اسے پکڑ سکتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"ہمیں آج شام یہاں سے کوچ کر جانا چاہئے۔"

ناگ نے ناظمہ کے باپ کو جا کر اپنی ساری سکیم بتا دی اور کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ اگر ابن فیروز اسی قافلے کے ساتھ ہوا تو ہم ناظمہ کو لے کر ہی واپس آئیں گے۔"

وہ کہنے لگا۔

"خدا تمہارا حامی و مددگار ہو۔ جب تک تم واپس نہیں آؤ گے۔ میری جان سولی پر ٹنگی رہے گی۔ خدا کرے کہ تم میری بچی کو لے کر واپس آؤ۔"

"انشاء اللہ! کوشش تو ہماری یہی ہے۔ اگر اس قافلے میں وہ ہوئی تو وہ ضرور ہمارے ساتھ واپس آئے گی۔"

تاجر عمر نے کہا۔

"میں بے چینی سے اپنی بیٹی کا انتظار کروں گا۔"

عنبر اور ناگ واپس اڑن طشتری میں آ گئے۔

اب وہ شام ہونے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اندھیرے میں اڑن طشتری کو لے کر اڑیں۔ دوسری طرف ملک شام کو جانے والا قافلہ اپنے راستے پر سفر کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت قافلہ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ دیکھ کر رک گیا۔ مسافروں نے اونٹوں سے اتر کر درختوں کے نیچے دریاں بچھا دیں اور آرام کرنے کو لیٹ گئے۔ کچھ کھانا وغیرہ پکانے لگے۔ اونٹ ایک قطار میں بیٹھ کر مزے سے جگالی کر رہے تھے۔ ابن فیروز نے ناظمہ کو بھی ایک طرف لٹا دیا۔ اب اسے ہوش آ گیا تھا۔ ابن فیروز نے خنجر دکھا کر اسے ڈرا دیا تھا کہ اگر اس نے شور مچانے کی کوشش کی تو وہ خنجر مار کر اسے ہلاک کر دے گا۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

ناظمہ سہمی ہوئی تھی۔ اسے [illegible] تھا کہ یہ شخص اسے ضرور مار ڈالے گا۔ اس کے علاوہ یہاں قافلے میں اس کا ہمدرد ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ون تھا۔ وہ اپنی قسمت پر صبر شکر کر کے بیٹھ گئی تھی کہ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ قافلے کا سردار بھی ایک جگہ اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔ اتنے میں دور سے گرد اٹھتی نظر آئی۔ سب ادھر دیکھنے لگے۔ ایک خطرہ سب کے دلوں میں پیدا ہوا کہ کہیں یہ سلطان ڈاکو تو نہیں؟ کیونکہ اس علاقے میں سلطان ڈاکو نے تباہی مچا رکھی تھی۔

مسافر گھبرائے تو سردار نے کہا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سلطان ادھر نہیں آئے گا۔ یہ کوئی قافلہ گزر رہا ہے۔"

لیکن بہت جلد گرد میں سے بے شمار ڈاکو گھوڑوں پہ سوار نمودار ہو گئے۔ ان کے آگے آگے سلطان ڈاکو ننگی تلوار لہراتا گھوڑا دوڑائے چلا آ رہا تھا۔ مسافر گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سردار کا رنگ بھی زرد پڑ گیا۔ اس کے محافظ کم تھے اور پھر وہ سلطان ڈاکو کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خود بھی خوف سے لرزنے لگے تھے۔

سلطان ڈاکو کے آدمیوں نے سارے قافلے کا گھیرا ڈال لیا اور ننگی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔

سلطان ڈاکو نے گرج کر کہا۔

"خبردار! اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو اس کی گردن اتار دی

ٹھ گئی۔"

جلا کسی کی کیا مجال تھی کہ ذرا بھی چوں کرتا۔ ہر ایک کو جان کے لالے پڑے تھے۔ سلطان نے اپنے آدمیوں کو حکم کہ قافلے کا سارا سامان لوٹ لیا جائے۔ ڈاکوؤں نے نعرے ئے اور اونٹوں پہ سارا مال لاد کر اپنے ساتھ کر لیا——

فیروز ایک طرف ناظمہ کو لئے بیٹھا تھا۔ اس نے اس ڈر ے کہ کہیں ڈاکو اسے اغوا نہ کر لیں ناظمہ کے اوپر سیاہ ادر ڈال دی تھی۔ کیونکہ وہ سارے قافلے میں سب سے زیادہ وبصورت تھی۔

سلطان ڈاکو گھوڑے سے اتر آیا اور اس نے دور سے اظمہ کو دیکھا تو قریب آ کر چادر الٹ دی۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسا ہوں! یہ لڑکی تو میری کنیز بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

ابن فیروز نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"حضور! اسے معاف کر دیں۔ یہ بیمار ہے۔"

سلطان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم اس کا دمشق میں علاج کرائیں گے۔"

ابن فیروز نے جب ناظمہ ہاتھ سے جاتی دیکھی تو نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ خنجر نکال کر سلطان ڈاکو پہ حملہ کر دیا۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی موت کی نشانی تھی۔ سلطان ڈاکو کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ دمشق کے سلطان ڈاکو پہ حملہ کرو۔"

اور اس کے بعد سلطان نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور ابن فیروز کی گردن کٹ کر ریت پہ گر پڑی اور اس کا دھڑ الگ ہو کر تڑپنے لگا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ ناظمہ کو یقین آیا ہی نہیں کہ ابن فیروز مر گیا ہے۔ سارے مسافر بھی تھر تھر کانپنے لگے۔

سلطان ڈاکو نے تلوار لہرا کر کہا۔

"کسی نے حملہ کرنے کی جرأت کی تو اس کا انجام بھی یہی ہوگا۔"

اس کے بعد ڈاکوؤں نے سارا مال اونٹوں پہ لادا۔ ناظمہ کو اور دوسری عورتوں کو گھوڑوں پہ بٹھایا اور لے کر دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت ڈاکو دمشق کے باہر صحرائی چٹانوں کے بیچ میں ایک ویران مقام پہ آ کر رک گئے۔ یہاں آ کر ڈاکو سلطان نے ایک چٹان کے پاس آ کر زور سے کہا۔

"کھل جا سم سم!"

چٹان ایک دم سے اپنی جگہ سے سرک گئی۔ سامنے ایک غار نکل آیا۔ ڈاکو گھوڑوں سمیت اس غار کے اندر چلے گئے ان کے

لے کے بعد سلطان ڈاکو نے بلند آواز سے کہا۔

"بند ہو جا سم سم!"

ار کا دروازہ بند ہو گیا۔ چٹان پھر اسی جگہ پہ آ کر رک گئی ؤوں نے مال غنیمت کو ایک جگہ ڈھیر کر دیا اور عورتوں کو الگ جگہ پہ بند کر دیا۔

سلطان نے کہا۔

"ان تمام عورتوں کو کل دمشق کے بازار میں لے جا کر رخت کر دیا جائے۔"

ناظمہ کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔

"اس عورت ناظمہ کو غار میں ہی رہنے دیا جائے۔ یہ ہماری ت کیا کرے گی۔ ہم اسے فروخت نہیں کریں گے۔"

یہ سن کر ناظمہ کی جان ہوا ہو گئی۔ اگر اسے فروخت کر دیا جاتا اسے امید تھی کہ شاید وہاں سے کبھی فرار ہو جائے۔ لیکن کوؤں کے غار سے اس کا نکل کر بھاگ جانا بہت مشکل تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ ڈاکوؤں نے شام ہونے سے پہلے پہلے دمشق ل منڈی میں لے جا کر تمام عورتوں کو دس ہزار اشرفیوں کے رض فروخت کر ڈالا۔ ناظمہ غار کے اندر ہی رہی۔

اب عنبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں۔

شام کا اندھیرا پھیلا تو انہوں نے اڑن طشتری کو اڑا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر کے باہر   سے ہوتے ہوئے وہ دریا کے اوپر سے اڑتے ہوئے صحرا کی جانب مشرق کی سمت کو چلے گئے۔ یہی وہ صحرا تھا جہاں سے ایک راستہ صدیوں سے ملک شام کی طرف جاتا تھا اور اس راستے پر سینکڑوں سالوں سے قافلے سفر کر رہے تھے۔ ابھی آسمان پہ شفق کی سرخی باقی تھی کہ ان کی اڑن طشتری تیز رفتاری کے ساتھ اس مقام پہ آ گئی۔ جہاں انہیں دور صحرا میں مشعلوں کی روشنی میں ایک قافلہ جاتا نظر آیا۔ عنبر نے سکرین پہ اس قافلے کو دیکھ کر کہا۔

"یہی وہ قافلہ ہے۔ میرا خیال ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں اڑن طشتری ان سے ذرا فاصلے پہ جا کر کھڑی کرنی چاہیئے۔"

ماریا بولی۔

"یہ صحرا ہے۔ آپ پیچھے طشتری کھڑی کر کے آگے جائیں گے تو قافلہ آگے نکل چکا ہوگا۔ ہمارے پاس کوئی گھوڑا بھی نہیں ہے کہ جلدی سے بھاگ کر قافلہ پکڑ سکیں۔"

"یہ تو ٹھیک بات ہے۔" ناگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم آگے جا کر کسی جگہ جہاں درختوں کے

ہل۔ اڑن طشتری کھڑی کر دیتے ہیں اور پھر قافلے کا انتظار رتے ہیں؟"

تجویز بڑی اچھی تھی۔ چنانچہ اڑن طشتری کو قافلے سے دور دور ہو کر پہلو سے ہو کر یہ لوگ آگے نکل گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ قافلے والے اڑن طشتری کو دیکھیں۔ آگے بھی صحرا اسی طرح تھا کچھ فاصلے پہ انہیں کھجور اور ببول کے جھنڈ نظر آئے۔ ماریا نے سکرین پہ دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے یہ جگہ بڑی موزوں رہے گی۔ یہاں اڑن طشتری اتار کر ہم قافلے کا انتظار کریں گے۔"

ناگ نے بٹن دبا کر جھنڈوں کا رخ کیا۔ ان درختوں میں جا کر اڑن طشتری زمین پہ اتار لی گئی۔ یہاں بڑی اچھی طرح سے اڑن طشتری اونچے اونچے درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ گئی تھی۔ وہ اڑن طشتری سے باہر نکل آئے اور درختوں سے دور ہٹ کر آنے والے قافلے کی راہ دیکھنے لگے۔ اب رات نے اپنی سیاہ چادر صحرا پہ پھیلا دی تھی لیکن ستاروں نے آسمان پہ نکل کر اپنی ہلکی ہلکی روشنی بکھیرنی شروع کر دی تھی۔

دور سے قافلے والوں کی مشعلیں قریب آ رہی تھیں۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں یہی ظاہر کرنا ہے کہ ہم شام سے واپس انطاکیہ جا رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں اور قافلے کے انتظار میں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ ناگ بولا۔

ماریا اڑن طشتری میں ہی تھی۔ قافلہ اب قریب آگیا تھا۔ قافلے والوں نے دو آدمیوں کو کھجوروں کے درختوں کے پاس کھڑے ہاتھ ہلاتے دیکھا تو سردار نے اونٹ کی مہار ڈھیلی کر دی۔ وہ پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ سوچا شاید دوسری بار ڈاکو آگئے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ سردار نے کہا۔

”کیا بات ہے بھائی؟“

عنبر نے کہا۔

”کیا آپ کے قافلے میں ناظمہ نام کی کوئی عورت سفر کر رہی ہے؟“

سردار نے کہا۔

”بھائی! ہمارے قافلے میں بہت سی عورتیں سفر کر رہی تھیں۔ راستے میں ڈاکہ پڑا۔ سلطان ڈاکو نے ہمارا سارا مال اسباب لوٹ لیا اور ساری عورتیں اغوا کر کے لے گیا۔ اب تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم سب لٹ چکے ہیں۔“

ناگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

”کہاں ڈاکہ پڑا تھا؟“

پچاس میل پیچھے۔ نخلستان کے پاس۔ دوپہر کے وقت۔ جب

آرام کر رہے تھے۔“

ناگ نے پوچھا۔

”کیا نام تھا اس ڈاکو کا؟“

”سلطان ڈاکو۔“

عنبر بولا۔

”کیا اس قافلے میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک کانی آنکھ والا آدمی اس کے ساتھ تھا۔“

سردار نے کہا۔

”ہاں! ایک ایسا آدمی ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بہت خوبصورت عورت بھی تھی۔ جس کو اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ بیمار ہے۔“

ناگ بولا۔

”کیا اس عورت کے گال پر سیاہ تل بھی تھا؟“

”ہاں! سیاہ تل بھی تھا اور اس کے بال گھنگھریالے تھے۔“

”بالکل وہی ناظمہ تھی۔“ عنبر نے کہا۔ ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ ڈاکو کس طرف گئے ہیں؟“

سردار بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کہہ رہے تھے کہ دمشق شہر میں جا کر ان عورتوں کو فروخت کر دیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں دمشق جا کر ناظمہ کو تلاش کرنا ہوگا۔ وہ کسی نہ کسی امیر کے ہاں کنیز بن چکی ہو گی۔ ہم اسے پھر سے خرید لیں گے۔"

سردار نے کہا۔

"ایک بات میں نے تمہیں نہیں بتائی۔"

"وہ کیا؟" عنبر نے پوچھا۔

سردار نے کہا۔

"سلطان ڈاکو نے ناظمہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ اس عورت کو سنبھال کر رکھو۔ اسے میں نے اپنی خدمت کے لئے چن لیا ہے میں اسے اپنی کنیز بناؤں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سلطان ڈاکو کو تلاش کرنا ہوگا۔"

سردار ہنس دیا۔

"مورکھ انسانو! کیا باتیں کر رہے ہو۔ شاید تم سلطان ڈاکو کو نہیں جانتے۔ سلطان ڈاکو اس علاقے کا سردار اور چنگیز خان ہے۔ اس کے لئے کسی کو قتل کرنا ایک معمولی بات ہے۔ سلطان ڈاکو سے دمشق کا بچہ بچہ کانپتا ہے۔ بھلا تم اس سے اپنی عورت کو کس طرح سے برآمد کر سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہماری

رح سے تم بھی صبر شکر کر کے بیٹھے رہو اور اپنی جان کی خیر مناؤ۔"

یہ کہہ کر سردار نے اشارہ کیا۔ قافلہ پھر سے آگے روانہ ہو گیا۔ عنبر اور ناگ وہاں اکیلے رہ گئے۔ جب قافلہ آگے نکل گیا تو وہ اڑن طشتری کی طرف چلے۔ اندر جا کر انہوں نے کہا

"ماریا! ہوشیار ہو جاؤ۔ اب ہمارا مقابلہ دمشق کے سب سے بھیانک اور خونخوار ڈاکو سے ہے۔"

پھر انہوں نے ساری بات ماریا کو سنا دی۔

"سلطان ڈاکو کو اس علاقے کا چنگیز خان کہا جاتا ہے۔ وہ ناظمہ کو اغوا کر کے لے گیا ہے اور اس نے ابن فیروز کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہوئی کہ ایک دشمن مارا گیا ہے۔ اب سلطان ڈاکو باقی ہے۔ خدا نے چاہا تو اس ظالم کے پنجے سے بھی ناظمہ کو رہا کرا لیا جائے گا۔" [redacted]

عنبر نے کہا

"اب ہماری منزل دمشق ہے۔ کہتے ہیں سلطان ڈاکو دمشق کے ارد گرد کے بنجر پہاڑوں میں کسی جگہ رہتا ہے اور سارے علاقے میں ڈاکے مارتا رہتا ہے۔"

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں راتوں رات دمشق پہنچ کر کسی مناسب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ پہ اڑن طشتری کو اتار دینا چاہیئے۔"

اڑن طشتری اس وقت صحرا کے درختوں سے اوپر اٹھی اور اس نے صحرا کے آسمان پہ اڑنا شروع کر دیا۔ نقشے پہ دمشق کی جگہ نشان لگا کر مشین کو ایک جگہ پہ فکس کر دیا گیا تھا۔ اڑن طشتری بڑی تیز رفتاری کے ساتھ دمشق کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد اڑن طشتری دمشق شہر کے اوپر چکر لگا کر باہر کے علاقے میں ایک ویران جگہ پہ کھنڈروں کے درمیان خاموشی سے اتر گئی۔

خطرناک چٹانیں

عنبر اور ناگ اڑن طشتری میں ہی صبح کا انتظار کرتے رہے۔ حرا میں دن کی روشنی پھیلی تو عنبر اور ناگ اڑن طشتری سے باہر نکل آئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے باہر سے اڑن طشتری دیکھا کہ محفوظ جگہ پہ ہے یا نہیں۔ یہ جگہ بڑی چھپی ہوئی تھی اور ہاں کوئی راستہ نہیں آتا جاتا تھا۔ یہ قافلوں کے راستے سے ہٹ کر جگہ تھی۔ اردگرد کھنڈر پھیلے ہوئے تھے جن کے سرخ تون چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ دور سے اڑن طشتری الکل نظر نہیں آتی تھی۔

عنبر نے کہا

"میرا خیال ہے اس جگہ سے بہتر جگہ یہاں اور کوئی نہیں ہے ڑن طشتری اسی جگہ رہے گی اور۔ کیا خیال ہے کہ دمشق کون کون جائے گا۔"

ماریا نے کہا۔

"ظاہر ہے آپ مجھ کو نہیں جانے دیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں بھیجیں گے۔ ضرورت پڑی تو تمہیں ضرور دمشق روانہ کیا جائے گا۔ لیکن اس وقت تو ہم چاہتے ہیں کہ شہر میں جاکر جائزہ لیا جائے کہ شہر کیسا ہے؟ — کیسے لوگ ہیں یہاں کے — اور خاص طور پہ کیا کسی کو معلوم ہے کہ سلطان ڈاکو کن جنگلوں یا صحرا کے کس علاقے میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"اور یہ کام ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی کر سکتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں یہاں آرام کروں گی۔ آپ لوگ جائیں اور شہر کی سیر کر آئیں۔"

عنبر ہنسا۔

"سیر کرنے جاتے تو تمہیں ضرور ساتھ لے جاتے۔ ہم تو ایک مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں ماریا اور دعا کرو کہ ہمیں سلطان ڈاکو کا کچھ اتا پتہ مل جائے۔"

عنبر اور ناگ نے غسل کرنے کے بعد عربی لباس پہنا اور صحرا میں اس طرف روانہ ہو گئے جدھر دمشق کا شہر آباد تھا — اور جس کے سبز گنبد اور کلس دور سے دھوپ میں

ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ایا نے اڑن طشتری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا یشے کی کھڑکی سے لگی عنبر اور ناگ کو صحرا میں جاتے یتی رہی۔ جب وہ دونوں صحرا کے ٹیلوں میں ماریا کی وں سے اوجھل ہو گئے تو وہ اپنے کمرے میں جاکر آرام ے لیٹ گئی۔

عنبر اور ناگ دمشق کے شہر میں داخل ہو گئے۔

یہ ایک بڑا خوبصورت اور پر اسرار شہر تھا جیسا کہ انہوں نے الف لیلے کی کہانیوں میں پڑھا تھا۔ شہ نشینوں والے کان تھے جن کے پیچھے بازار میں باہر کو نکلے ہوئے تھے کانوں پہ ہر قسم کا سامان بک رہا تھا۔ عرب عورتیں خرید روخت کر رہی تھیں۔ گھر صاف ستھرے تھے۔ گلیاں ضرور نگ و تاریک تھیں۔ ان گلیوں میں حویلیوں کی ٹھنڈی ڈیوڑھیاں تھیں جن کے دروازوں پہ دربان تلواریں لئے کھڑے تھے۔

یہ امیروں کے گھر تھے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"پر اسرار شہر ہے۔ دیکھو روغن زیتون اور تیل کس افراط سے بک رہا ہے۔ لوگوں کے چہروں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو کھانے کو بہت ملتا ہے۔"

"ہاں! امیر شہر ہے۔ مگر اِدھر دیکھو فقیر بھی بہت ہیں اور کس طرح سے گڑگڑا گڑگڑا کر بھیک مانگ رہے ہیں۔"

اتنے میں کچھ فقیروں نے عنبر اور ناگ کو بھی گھیر لیا۔ عنبر کو تجربے نے بتایا تھا کہ کسی شہر کے فقیروں کو اس شہر کے بڑے راز معلوم ہوتے ہیں ——— اس نے سوچا کہ کیوں نہ کسی فقیر سے پوچھا جائے کہ سلطان ڈاکو کس مقام پر ہوتا ہے۔ عنبر نے فقیروں کو خیرات دی اور پھر ایک فقیر کو جو ان سب میں سے مکار نظر آتا تھا الگ لے جا کر کہا۔

"میں تمہیں پانچ اشرفیاں دوں گا مگر مجھے میرے ایک سوال کا جواب دو۔"

فقیر نے کہا۔

"کونسا سوال ہے اے امیر!"

عنبر نے کہا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ سلطان ڈاکو یہاں کس جگہ پر رہتا ہے؟"

فقیر نے کہا۔

"ڈاکو کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں رہتا ہے تو خلیفہ کے سپاہی اسے پکڑ کر پھانسی پر نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڑھا دیں۔"

ناگ نے کہا۔

"کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ عام طور پر کس علاقے
گھومتا پھرتا ہے۔"

فقیر بولا۔

"سنا ہے کہ قازان کی چٹانوں میں وہ دیکھا گیا ہے شاید
یں کسی جگہ اس کی کمین گاہ ہے۔"

عنبر نے فقیر کو پانچ اشرفیاں دے کر کہا۔

"تمہارا شکریہ!"

فقیر نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا تم ڈاکوؤں کے ساتھی ہو یا خلیفہ کے سپاہی ہو جو سلطان ڈاکو کو پکڑنے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"ہم خلیفہ کے سپاہی ہیں۔ کسی سے ذکر نہ کرنا۔"

فقیر بولا۔

"اگر تم مجھے ایک اشرفی اور دے دو تو میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔"

عنبر ہنسا اور اس نے ایک اشرفی مزید فقیر کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ پھر وہ ناگ سے بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

"یہ تو پتہ چل گیا کہ سلطان ڈاکو کا ٹھکانہ قازان کی چٹانوں اور کھنڈروں میں ہے۔"
ناگ نے کہا۔

"یہ چٹانیں دمشق سے پچاس میل دور ایک ویران بنجر صحرا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں یہاں سے ایک بار گزرا تھا۔"
عنبر نے پوچھا۔

"تو کیا ہم قازان کی چٹانوں میں چلیں؟"
ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے اس طرح سے تو ہمیں سلطان ڈاکو کی تلاش کافی مہنگی پڑے گی اور مشکل بھی۔ بہتر ہے کہ ہم دمشق شہر میں اور معلومات بھی حاصل کریں۔"
عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس فقیر سے بڑھ کر معلومات ہمیں کوئی نہیں دے گا۔"

"بہرحال ذرا اس شہر کی سیر ہی کر لیں۔ شاید کوئی اور کڑی مل جائے جو ہمیں سلطان ڈاکو تک پہنچانے میں مدد دے سکے۔"

اب انہوں نے دمشق شہر کی گلیوں میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا۔ یہ نیم روشن گلیاں تھیں۔ تنگ بھی اور پراسرار بھی۔

بنی گلیوں پر اوپر چھت پڑی تھی۔ مکانوں کے دروازے محرابی
ے۔ ایک مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے انہوں نے ایک مرد
عورت کی آوازیں سنیں۔ عورت کی آواز میں درد و غم تھا۔
ہہ رہی تھی۔

علی بابا! مجھے کیا معلوم تھا کہ میری غلطی کی سزا میرے
اوند قاسم کو بھگتنی پڑے گی۔ تمہاری بیوی نے جب ترازو
رے گھر سے منگوایا تو میں نے اس کے ایک پلڑے کے
یا موم چپکا دی۔ جب ترازو تمہارے گھر سے واپس آیا
نیچے سونے کی ایک اشرفی موم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔
ریں نے اپنے خاوند قاسم کو بتایا کہ علی بابا کے گھر
نے کہاں سے دولت آگئی ہے کہ وہ اشرفیاں ترازو میں
ارہے ہیں۔ اس نے تم سے بات کی اور معلوم کر لیا کہ یہ
لت تم نے قازان کے غاروں میں کسی ڈاکو کے غار سے
کل کی ہے۔ پس وہ بھی اونٹ لے کر دولت سمیٹنے چلا
کل سے وہ گیا ہے اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

عنبر اور ناگ نے قازان کی چٹانوں کا ذکر سنا تو ان
ان کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے ناگ کو آنکھوں ہی آنکھوں
اشارہ کیا کہ وہ دیوار کے قریب ہو کر کھڑکی کے ساتھ
لو لگا دے۔ ناگ نے ایسا ہی کیا۔ اندر سے کسی مرد کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز آئی۔ شاید وہ علی بابا ہی تھا۔

"بھابی! قاسم نے بڑی غلطی کی کہ ڈاکو سلطان کی غار میں چلا گیا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ویسے اس نے مجھ سے غار کا دروازہ کھولنے کا اسم پوچھ لیا تھا لیکن اسے یہ خطرہ دولت کے لالچ میں مول نہیں لینا چاہئے تھا۔ بہرحال میں جا کر پتہ کرتا ہوں۔"

ایسا لگا جیسے کوئی باہر آ رہا ہے۔ عنبر اور ناگ جلدی سے گلی کی اوٹ میں ہو گئے۔ اس مکان سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی گدھا لے کر باہر نکلا اور گلی میں ایک طرف چل پڑا۔ عنبر اور ناگ نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

عنبر نے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ ہم علی بابا کے دور میں آ گئے ہیں اور قسمت ہمیں علی بابا کے گھر میں لے آئی ہے۔ ہم نے تاریخ میں یہ کہانی پڑھی ہوئی ہے۔ علی بابا کو بالکل معلوم نہیں ہے کہ ڈاکوؤں کے غار میں اسے قاسم کی لاش ملے گی۔"

ناگ مسکرایا۔

"حیرت انگیز بات ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں یہ سوچ کر کہ ہم ماضی میں آ چکے ہیں۔ ر گزرے ہوئے

قعات، گزری ہوئی کہانیاں ایک بار پھر دہرائی جا رہی ہیں ینی اس علی بابا کے گھر میں مرجینا نوکرانی بھی ہوگی۔ ڈاکوؤں ا سردار تیل کے خالی کپّوں میں ڈاکوؤں کو چھپا کر ایک ز ان کی حویلی میں آئے گا اور پھر جیسا کہ کہانی چلتی ہے ہ سارے واقعات دہرائے جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ الف لیلے کی ساری کہانیاں سچی یں۔۔۔؟"

ناگ بولا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہو رہا ہے۔"

عنبر نے چونک کر کہا۔

"ارے! علی بابا تو گلی میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ جلدی سے آگے جا کر دیکھو۔"

ناگ اور عنبر دوڑ پڑے۔ باہر آ کر انہوں نے دیکھا کہ علی بابا زار میں گدھے پر سوار چپ چاپ ایک طرف چلا جا رہا تھا۔

بر نے کہا۔

"کیسا مسکین بن کر چلا جا رہا ہے یہ بڈھا! کیا کوئی یقین ر سکتا ہے کہ اس بڈھے نے جس کے پاس گھوڑا بھی نہیں ہے ڈاکوؤں کا سارا خزانہ اپنی حویلی میں ڈال رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے ۔؟"

ناگ ہنس پڑا۔

"عجیب بات ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اب اس کا برابر پیچھا کرتے رہنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گم ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں سلطان ڈاکو کے اصلی ٹھکانے کا پتہ چل گیا۔"

ناگ نے کہا۔

"بلکہ ایک ایسا آدمی مل گیا جو سلطان ڈاکو کے غار کی طرف جا رہا ہے۔"

"ہاں! کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔ مگر ناگ! شہر سے باہر جاکر یہ گدھے پر سوار ہو جائے گا۔ ہم کیا پیدل ہی اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے؟ کہیں ہم پیچھے نہ رہ جائیں؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں کسی جگہ سے دو گھوڑے خرید لینے چاہئیں۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہم گھوڑے ہی خریدتے رہ جائیں اور علی بابا غائب ہو جائے۔"

"یہ بھی خطرہ ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ وہ کہ یہ آگے نکل گیا تو

میں عقاب بن کر اس کے ساتھ ساتھ اڑوں گا اور سلطان ڈاکو کے غار کو دیکھ کر واپس آکر تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

علی بابا نے یہ کیا کہ شہر سے باہر نکلتے ہی وہ گدھے پر سوار ہو گیا اور اس راستے پر آگیا جو درختوں میں سے گزر کر صحرا میں قازان کی پہاڑی چٹانوں اور کھنڈروں کی طرف جاتا تھا۔ ناگ اور عنبر برابر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ درختوں سے نکلا تو علی بابا نے خدا جانے گدھے کے کان میں کیا بات کہی کہ وہ گھوڑے کی چال چلتے ہوئے دوڑنے لگا۔ کم بخت کافی تیز دوڑنے لگا تھا۔ عنبر اور ناگ بہت پیچھے رہ گئے۔ اب ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! مجبوری ہے۔ تم اسی طرح چلتے چلے آؤ۔ میں عقاب بن کر علی بابا کا پیچھا کرتا ہوں۔ تم اسی راستے پر چلے آنا۔ میں واپس پلٹ کر تمہیں غار کی طرف لے چلوں گا۔"

"اب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم عقاب بن کر اڑ جاؤ۔ میں اسی راستے پر چلا آ رہا ہوں۔"

ناگ نے اسی وقت عقاب کا روپ بدلا اور کافی بلندی پر جاکر علی بابا کے سر کے اوپر اڑنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اسے لی بابا چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔ مگر اس کا گدھا کافی تیز دوڑ رہا تھا۔ اب صحرا شروع ہو گیا تھا۔ دھوپ کافی تیز تھی۔ مگر پھر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ موسم سردیوں کا تھا۔ کھنڈروں ٹیلوں اور خشک بنجر پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں کافی دیر تک سفر کرنے کے بعد سامنے اونچی اونچی خشک سیاہ اور سرخ چٹانیں شروع ہو گئیں۔ عقاب نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہی قازان کی چٹانیں ہیں اور سلطان ڈاکو کا غار آ گیا ہے۔

علی بابا ایک چٹان کے عقب میں جا کر رک گیا۔

وہ گدھے سے اترا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر چٹان کی طرف منہ کر کے "کھل جا سم سم" کہا۔ چٹان کھل گئی۔ علی بابا اندر گیا اندر قاسم کی لاش ٹنگی ہوئی تھی۔ علی بابا پریشان ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ قاسم کا یہی انجام ہو گا۔ اس نے لاش گدھے پر لاد دی۔ مگر قاسم کی ایک جوتی اندر رہ گئی۔ علی بابا لاش لے کر باہر نکلا —— "بند ہو جا سم سم" کہہ کر غار کا دروازہ بند کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔

عقاب نے اوپر سے وہ چٹان دیکھ لی تھی جس کے اندر غار تھا۔ ناگ اڑتا ہوا واپس عنبر کے پاس آ گیا۔ دھوپ اور تھکن کی وجہ سے عنبر راستے میں ہی ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔ ابھی وہ شہر کے پاس ہی تھا۔ ناگ نے آ کر اسے بتایا کہ میں غار کی چٹان دیکھ آیا ہوں۔ ڈاکوؤں کا مسکن وہیں ہے۔ عنبر نے کہا۔

"یار ناگ! سفر کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔ گھوڑا ہمارے پاس نہیں ہے۔ جانے کیوں آج میں بھی تھک گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تم جا کر ذرا غار کا اندر سے جائزہ لو اور یہ معلوم کر کے آؤ کہ ناظمہ اندر ہے کہ نہیں۔ پھر میں بھی چلا چلوں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی! تم واپس چلے جاؤ۔ اڑن طشتری میں جا کر آرام کرو۔ میں ابھی غار کو دیکھ بھال کر آتا ہوں۔"

عنبر وہاں سے واپس ماریا کے پاس چلا گیا "تاکہ اسے بھی جا کر سارا حال سنائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اڑن طشتری میں اکیلی رہے۔ کوئی بھی مصیبت آ سکتی تھی۔ ناگ نے عقاب بن کر اڑان لی اور آسمان کی بلندیوں پر اڑتے اڑتے غار والی چٹان کے سامنے پہنچ گیا۔ اب وہ نیچے اتر آیا۔ چونکہ اس نے علی بابا کی کہانی پڑھ رکھی تھی اس لئے اسے یاد تھا کہ "کھل جا سم سم" کہنے سے غار کا دروازہ کھل جائے گا۔

پس اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کھل جا سم سم!"

ایک گھڑ گھڑ ایسی آواز کے ساتھ غار کا منہ کھل گیا۔ چٹان کھسک کر پرے ہٹ گئی۔ ناگ جلدی سے غار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے پلٹ کر ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"بند ہو جا سم سم!"

غار کا منہ چٹان کی دیوار گرنے سے دوبارہ بند ہو گیا۔ ناگ نے دیکھا کہ غار کے اندر جگہ جگہ خالی صندوق اوندھے پڑے ہیں۔ بوریاں الٹی پڑی ہیں۔ صرف چاندی کے بڑے بڑے برتن اور قیمتی قالین اور ریشمی لباس پڑے ہیں۔ ہیرے جواہرات جس قدر بھی ڈاکوؤں نے لوٹ کر وہاں جمع کر رکھے تھے وہ سارے کے سارے علی بابا لوٹ کر لے گیا تھا یعنی یہ بڈھا ڈاکوؤں کا بھی بڑا سردار نکلا تھا۔ جو ڈاکوؤں کو لوٹ کر لے جائے بھلا اس کی کیا بات ہے۔ ناگ دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اب اسے ناظمہ کی تلاش تھی کیونکہ وہ اسی کی تلاش کے لئے وہاں آیا تھا۔ غار میں آگے کئی ایک کھوہ پہاڑی کی دیوار میں بنے ہوئے تھے۔ ناگ نے ایک ایک کھوہ کو اندر جا کر دیکھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔

اس نے ناظمہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اس کی آواز غار میں گونج اٹھی مگر ناظمہ کی آواز ایک بار بھی جواب میں کسی طرف سے سنائی نہ دی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یا خدا! ناظمہ کہاں گم ہو گئی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ سلطان ڈاکو

اسے یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ لے گیا ہو۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک راستہ اوپر کو جاتا تھا۔ وہ اوپر آیا تو یہاں بھی ایک چھوٹی سی کھوہ بنی ہوئی تھی۔ مگر افسوس! کہ یہ بھی خالی تھی۔ ہاں — یہاں ایک قالین بچھا تھا جس پر ریشمی تکیے لگے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی رہتا تھا۔ ناگ ناامید ہو کر نیچے آگیا۔

ابھی وہ باہر جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دم سے گھڑڑ گھڑڑ کی آواز پیدا ہوئی اور غار کا منہ کھل گیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ ڈاکو آگئے ہیں۔ اس نے غار کی روشنی میں باہر کئی ایک گھوڑوں پر سوار ڈاکوؤں کو دیکھا۔ ناگ جلدی سے ایک طرف ہو گیا۔ ڈاکو گھوڑوں پر سوار ہنستے گاتے قہقہے لگاتے لوٹ کا مال لئے اندر آگئے۔ ان کا سردار سلطان ڈاکو سب سے آگے تھا۔

اچانک ڈاکو نے چھت کی طرف دیکھ کر چیخ ماری۔

"لاش کہاں چلی گئی؟"

غار میں سناٹا چھا گیا۔ ہر کوئی حیرانی سے چھت کو تک رہا تھا۔ سردار نے گرج دار آواز میں کہا۔

"لاش کون لے گیا؟ — تلاش کرو — میرا چور اندر ہو گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکو گھوڑوں سے اتر کر بجلی کی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑے۔ ناگ ابھی سنبھل بھی نہ سکا کہ ڈاکوؤں نے اسے پکڑ کر اس کے دونوں بازو رسی سے باندھ دیئے۔ اب ناگ مشکل میں تھا۔ کیونکہ اگر وہ کوئی جانور بھی بن جاتا تو رسی اس کے ساتھ ہی بندھی رہتی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اس کو سلطان ڈاکو نے دیکھا تو تلوار نکال کر اس کی طرف بڑھا۔

"تم یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمہیں غار کا اسم معلوم ہے تمہیں ضرور معلوم ہے۔ دوسرا کوئی یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔" سلطان ڈاکو نے تلوار لہرائی اور بھوکے شیر کی طرح ناگ کی طرف بڑھا۔ تلوار بجلی کی طرح ناگ کی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی!!

کیا ڈاکو ناگ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا؟

ناظم کا کیوں کر کھوج لگا؟

عنبر اور ماریا پر کیا بیتی؟

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے!!!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس نئی سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا ہے؟

- ● ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- ● حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ● ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ مہمات انشاءاللہ اسی طرح نئی سیریز کی اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک اسٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ● حیدرآباد ● کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ کی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بت کا تعاقب ۱۲
تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی داستان

سانپ کی آواز

اے حمید

[illegible]
[illegible]

غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

[redacted]

[redacted]

- سانپ کی آواز
- چمگاڈر
- ماریا کہاں چلی گئی
- جنگلی لڑکیاں
- مقدس روح
- نئی مصیبت

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر نے ناظر کو کس مشکل کے ساتھ اور کن مصیبتوں میں پڑ کر اس کے باپ کے پاس پہنچایا۔ اس کے بعد وہ اڑن طشتری لے کر آسمان کی طرف اڑ گئے۔ اچانک آسمان پہ بادل کا ایک ٹکڑا آ کر رک گیا۔ پھر اس ٹکڑے میں سے ایک شعاع نکلی اور اڑن طشتری سے ٹکرائی۔ اڑن طشتری کا ایک حصہ اڑ گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا اڑن طشتری سے کود گئے لیکن تیز ہوائیں انہیں کہاں سے کہاں لے گئیں۔ عنبر کسی اور جگہ، ماریا کسی دوسری جگہ اور ناگ کسی اور گھنے جنگل میں جا کر اتر گیا۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بادلوں کی کڑک نے جنگل سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ناگ نے بارش میں ہی جنگل میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ بجلی چمکی تو اسے دور درختوں میں ایک پرانی عمارت دکھائی دی۔ ناگ نے سوچا کہ اس پرانی عمارت میں رات بسر کی جائے۔ کل سوچا جائے گا کہ عنبر اور ماریا کو کس جگہ پر تلاش کریں۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

آگے آپ خود پڑھیے!

[illegible]
[illegible] ملتان

سانپ کی آواز

ناگ کی آنکھوں کے سامنے ڈاکو سلطان کی تلوار چمکی۔ اس خوفناک ڈاکو نے سینکڑوں انسانوں کو قتل کیا تھا اس کے لیے ناگ کی گردن اڑانا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ یہ ایسی ہی آسان بات تھی جیسے کوئی آدمی چاقو سے گاجر کاٹ ڈالے۔ مگر ناگ بھی غافل نہیں تھا۔ جونہی ڈاکو تلوار لہراتا اس کی طرف بڑھا اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک ننھی سی چڑیا بن کر اڑ گیا۔

ڈاکوؤں نے چڑیا کو نہ دیکھا بلکہ یہی دیکھا کہ ناگ غائب ہو گیا ہے۔ سارے کے سارے ڈاکو دنگ رہ گئے۔ سردار تو تلوار کو پکڑے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا کہ وہ آدمی جو ابھی اس کے سامنے کھڑا تھا کہاں چلا گیا۔ اس کے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے۔ سب ڈاکو بت بنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ آخر سردار سلطان چاروں طرف نظریں گھما کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ہے۔ وہ ——— وہ کہاں چلا گیا"

ایک ڈاکو نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"سردار! میں نے ایک چڑیا کو اڑتے دیکھا تھا!"

سردار نے طیش میں آ کر کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ آدمی چڑیا بن کر اڑ گیا مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا یہ جادو ہے خوفناک جادو ہے!"

دوسرا ڈاکو بولا۔

"سردار! یہ کوئی جادوگر تھا۔ یہ جادو کے ذریعے ہی غار میں آیا تھا"

ڈاکو ادھر ادھر چڑیا کو تلاش کرنے لگے۔ سردار بھی گھبرا گیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسا نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ایک آدمی اس کی تلوار کے نیچے سے غائب ہو جائے۔ ناگ چڑیا بن کر اڑ گیا تھا اور غار کی چھت میں ایک جگہ کھوہ میں بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ غار کا دروازہ بند تھا۔ ناظر یہاں نہیں تھی۔ اب وہ یہ چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں کی گفتگو سے یہ معلوم کرے کہ ناظر کہاں ہے مگر سردار ناظر کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اس نے علی بابا کے چچا قاسم کی چھوڑی ہوئی ایک جوتی اٹھا کر کہا۔

"جو غائب ہو گیا ہے اس کو چھوڑو۔ لاش کی ایک جوتی یہاں رہ گئی ہے جو شخص لاش کو یہاں سے نکال کر لے گیا ہے۔ وہی شخص ہمارا لوٹا ہوا مال یہاں سے چرا کر لے گیا ہے!"

پھر اس نے ایک ڈاکو کو آگے بلا کر کہا۔

"عبدل! تم یہ جوتی لے کر شہر جاؤ اور پتہ کرو کہ یہ جوتی جس شخص کی ہے وہ کہاں رہتا تھا!"

عبدل نے جوتی تھیلے میں ڈالی اور کہا

"میں ابھی جاتا ہوں سردار!"

عبدل ڈاکو نے غار کے منہ پر جا کر زور سے آواز دی۔

"کھل جا سم سم!"

غار کا چٹانی دروازہ گڑگڑاہٹ کے ساتھ اپنی جگہ سے کھسک گیا۔ عبدل ڈاکو گھوڑے پر سوار وہاں سے نکل گیا۔ ناگ چڑیا بنا غار کی چھت میں چھپا رہا۔ سردار سلطان اپنے ایک خاص ڈاکو دوست کو ساتھ لے کر غار کے ایک کھوہ میں آ گیا۔ ناگ نے سوچا کہ ضرور سلطان ڈاکو یہاں اپنے دوست سے راز کی باتیں کرے گا پس وہ چھت سے تر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اڑتا ہوا خیمہ کے اندر چلا گیا۔

سلطان ڈاکو نے چڑیا کو نہیں دیکھا تھا سردار ایک طرف چوکی پر بیٹھ گیا اور طشت میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

اس کا ساتھی بولا۔

"اس عورت کے بارے میں اب آپ کا کیا ارادہ ہے سردار؟"

سردار سیب کھاتے کھاتے ہاتھ ہلا کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسے تاجر زید کے ہاتھ بیچ دوں! مجھے امید ہے کہ وہ اس عورت کے بدلے مجھے ایک لاکھ اشرفیاں دے دے گا۔"

"اتنی بھاری رقم وہ شاید نہ دے۔"

"اگر وہ نہیں دے گا تو میں اس کا سر کچل دوں گا۔ وہ کروڑ پتی سوداگر ہے اس نے میری کنیز کو پسند کیا ہے۔ اسی لئے میں اسے زید کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ کل میں اس کے پاس جا کر اپنی رقم لے آؤں گا۔"

ساتھی نے کہا۔

"سردار۔ آپ نہ جائیں۔ میں جا کر لے آؤں گا۔"

"بس۔ ٹھیک ہے۔ تیری مرضی ہو۔"

ناگ سمجھ گیا کہ یہ باتیں جس عورت کے بارے میں ہو رہی ہیں وہ ناظمہ ہی ہے اب وہ سردار کے ساتھی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس ڈاکو کے ساتھ ہی جائے گا تاکہ جہاں ناظمہ بکی گئی ہے وہ جگہ معلوم کی جائے سوال یہ تھا کہ یہ ڈاکو کس وقت جائے گا! ۔۔۔ سردار نے کہا تھا کہ وہ کل جائے گا پھر ناگ کیا کرے! ۔۔۔ کیا اسی جگہ بیٹھ کر دوسرے دن کا انتظار کرے یا چلا جائے؟ ۔۔۔ ناگ نے سوچا کہ مجھے جانا چاہئے۔ ڈاکو کل صبح یہاں آئے گا۔ یہ سوچ کر ناگ اڑ کر غار کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں کوئی ڈاکو نہیں تھا۔ غار کا دروازہ بند تھا۔

چڑیا پھر سے ناگ بن گئی

اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر زور سے کہا۔

"کھل جا سم سم!"

اس آواز کے ساتھ ہی غار میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ڈاکو دروازے کی طرف بھاگے کہ یہ کون ہے جو ان کی اجازت کے بغیر باہر نکل رہا ہے۔ ڈاکوؤں نے دور سے دیکھا کہ وہی آدمی جو ان کے ہاتھوں سے غائب ہو گیا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہے۔ انہوں نے تلوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہی شور مچا دیا اور اس کی طرف نیزے پھینکے — دروازہ آدھا کھل چکا تھا۔ نیزے اور کلہاڑیاں ناگ کے قریب آ کر گریں۔

ناگ نے گہرا سانس لیا اور عقاب بن کر پھڑپھڑاتا ہوا غار سے باہر اڑ گیا۔ سردار سلطان بھی بھاگ کر وہاں آیا اور عقاب کو اڑ کر جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی جادوگر تھا۔

اس نے سوچا۔

"دشمن جادوگر ہمارے سارے راز لے کر بھاگ گیا ہے۔"

سردار سلطان نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"اس جادوگر کو قتل کرنا چاہئے تھا۔"

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناگ جا چکا تھا۔ ڈاکو غار کے دروازے پہ کھڑے پہاڑوں کے اوپر عقاب کو اڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ناگ اڑتے ہوئے اڑن طشتری پر آگیا اس نے ماریا اور عنبر کو سارے حالات بتائے کہ سردار سلطان ڈاکو نے ناظر کو دمشق کے کسی کروڑ پتی تاجر زید کے پاس رکھ چھوڑا ہے اور وہ اس کے ہاتھ ناظر کو ایک لاکھ اشرفیوں کے عوض بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

عنبر نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں زید کا پتہ لگانا ہو گا کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"وہ ایک کروڑ پتی تاجر ہے۔ اس کا پتہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔"

ناگ بولا۔

"سلطان ڈاکو کا ساتھی بھی تو زید کے پاس بچے ناظر کا پیام لے کر جا رہا ہے۔ کیوں نہ میں اس کے ساتھ ساتھ جاؤں"

عنبر نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے۔ کل تمہیں غار کے باہر بیٹھ کر انتظار کرنا ہو گا۔ جونہی ڈاکو باہر نکلے تم اس کا تعاقب کرنا شروع کر دینا اور تاجر زید کے گھر کا پورا پتہ لگا کر واپس آنا۔"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں — ادھر سلطان ڈاکو کا ساتھی جمیل قاسم کی جوتی کا ایک پاؤں لے کر پتہ کرتا کرتا آخر اس موچی کے پاس پہنچ گیا جس نے وہ جوتی بنا کر قاسم کو دی تھی۔ پھر جس طرح کہ آپ علی بابا کی کہانی میں پڑھ چکے ہیں۔ ڈاکو نے علی بابا کے گھر کو نشان لگا دیا اور خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس سلطان ڈاکو کے پاس غار میں آ گیا۔ سلطان اپنے ساتھی کی کامیابی پہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے اسے انعام میں اپنا ہار اتار کر دے دیا۔ دوسرے روز سلطان ڈاکو تو اپنے دو ساتھی لے کر علی بابا کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کا دوست زید تاجر کے گھر کی طرف چلا۔ ناگ صبح سے غار کے باہر ایک چٹان کے اوپر کبوتر کی شکل میں بیٹھا ڈاکوؤں کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جونہی اس نے ڈاکو کو گھوڑے پہ سوار باہر نکلتے دیکھا وہ بھی اس کے سر کے اوپر کافی بلندی پہ اڑنے لگا۔ ڈاکو شہر کے جنوبی دروازے کی جانب سے داخل ہوا۔

اس علاقے میں بڑے خوشنما باغ تھے۔ ان باغوں میں ایک باغ کے اندر بڑی خوبصورت حویلی تھی جو دور سے ایک محل لگتا تھا۔ اس کے کلس چاندی کے تھے جو دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ ڈاکو نے حویلی کے دروازے پر جا کر اپنا نام بتایا اور کہا کہ وہ تاجر زید سے ملنے آیا ہے۔ پہرے دار نے اپنے آقا کو جا کر ڈاکو کا پیغام دیا۔ زید نے اسے بلا لیا۔ ناگ جو کہ ایک کبوتر کی شکل میں زید کے محل کی برجی پہ بیٹھا تھا اب ایک چھوٹی سی چڑیا بن کر نیچے اتر آیا۔ اس نے کوشش کی

کہ وہ محل کے اندر داخل ہو جائے۔ لیکن دروازے اس طرح بند تھے کہ وہ اندر نہ جا سکا۔ بہرحال وہ باہر ہی ایک بارہ دری کی چھت پہ بیٹھ کر ڈاکو کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔

ڈاکو نے اندر جا کر زید کو سلام کیا۔ یہ کروڑپتی تاجر ادھیڑ عمر کا آدمی تھا جس کی ڈاڑھی میں سفید بال آنے شروع ہو گئے تھے۔ تاجر نے ڈاکو کو پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ سلطان کا ہی آدمی ہے۔ ڈاکو نے اپنا تعارف کروایا۔ تاجر نے ایک آنکھ ٹیڑھی کر کے ڈاکو کو دیکھا اور کہا۔

"تمہارے سردار نے کیا پیغام بھیجا ہے؟"

ڈاکو نے کہا۔

"جناب عالی! میرے مالک نے کہا ہے کہ وہ اپنی بھتیجی کنیز کے عوض ایک لاکھ اشرفیوں سے کم پر راضی نہیں ہوں گے۔"

تاجر بولا۔

"کیا یہ ان کا آخری فیصلہ ہے؟"

"جی ہاں! انہوں نے مجھے یہی کہلوا کر بھیجا ہے۔"

تاجر کچھ دیر سر جھکائے غور کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں رقم مل جائے گی ہم اس کنیز کو کسی حالت میں بھی اپنے سے الگ کرنا پسند نہیں کرتے"

اس کے ساتھ ہی تاجر نے تالی بجائی۔ ایک بوڑھا ملازم لمبا سا چغہ پہنے اندر آیا اور سر جھکا کر بولا۔

"حکم میرے آقا!"

تاجر نے کہا۔

"اس شخص کو اسی وقت ایک لاکھ اشرفیوں کی تھیلی ادا کر دی جائے"

"جو حکم میرے آقا"

بوڑھا ملازم اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی پکڑی تھی۔

ڈاکو نے ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی دیکھی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اسے یقین تھا کہ سردار اسے بہت انعام دے گا۔ وہ ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی لے کر تاجر زید کی حویلی سے باہر نکلا۔ اس کے بعد جب اوپر سے ناگ نے دیکھا کہ ڈاکو اکیلا ہی باہر آیا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ ناظرہ اندر تاجر کے محل میں ہی ہوگی۔ پس اب اس کے لئے اندر جانا آسان

تھا وہ بارہ دری سے اڑ کر باغ کے ایک درخت پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس محل کے اندر کس بھیس میں جائے۔ کافی دیر سوچنے کے بعد وہ درخت سے اتر کر جھاڑیوں کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا۔

شاید زندگی میں پہلی بار اس نے ایک بوڑھی عورت کا روپ بدل لیا۔ اس کے گلے میں سبز منکوں کی مالائیں تھیں۔ سر پر عربی رومال بندھا تھا۔ وہ شکل صورت سے خانہ بدوش نجومی عورت لگتی تھی جو قسمت کا حال بتاتی ہیں۔ ناگ نے دیکھا کہ باغ میں ایک بارہ دری کے پاس ایک عورت پھول چن چن کر ٹوکری میں رکھ رہی ہے

ناگ اس کے پاس جا کر مسکرایا۔

"بیٹی! تمہاری قسمت میں بڑی دولت لکھی ہے۔ تمہیں تو کسی بادشاہ کے محل میں راج کرنا چاہئے تھا"

اس عورت نے اپنے سامنے ایک خانہ بدوش نجومی عورت کو دیکھا تو ٹوکری زمین پر رکھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"اماں! میری قسمت کا کچھ اور حال بتاؤ۔ میں تو یہاں ایک باندی بن کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ میری تقدیر میں بادشاہ کے محل میں بھلا راج کرنا کہاں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے اس کا ہاتھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری بچی! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے حالات بڑی جلدی پلٹنے والے ہیں۔ یہاں ایک کسی دوسرے ملک کا شہزادہ آئے گا۔ وہ تمہیں پسند کرکے۔ یہیں سے لے جائے گا۔ پھر وہ اپنے ملک میں جاکر تم سے شادی کرے گا اور تمہیں اپنی ملکہ بنا کر راج کرے گا۔"

ناگ کی چکنی چپڑی باتوں سے مالن اس کی گرویدہ ہوگئی۔ ناگ نے باتوں باتوں میں اس سے محل کے سارے راز معلوم کر لیے مگر وہ یہ نہ بتا سکی کہ اس کے مالک تاجر زبیر نے جو نئی کنیز ناظمہ خریدی ہے وہ کہاں ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ تاجر نے ناظمہ کو کسی خفیہ جگہ پر رکھا ہے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ خدا جانے یہ کروڑپتی تاجر ناظمہ کی موجودگی کو کس لیے راز رکھنا چاہتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ کسی طریقے سے اس محل کے اندر رہنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے تاکہ وہاں رہ کر ناظمہ کا کھوج لگا سکے۔ اس نے مالن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹی! اب میں جاتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔"

مالن نے کہا۔

"اماں! تم رہتی کہاں ہو؟"

ناگ بولا۔

"بیٹی! میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔ یہاں بھلا میرا کون ہے جس کے پاس جاکر ٹھہروں گی۔ بس ایک سرائے کی کوٹھڑی میں پڑی ہوں۔"

ناگ نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا کہ مالن کا شوق تیز ہو اور وہ اسے اپنے ہاں رہنے کی دعوت دے۔

ایسا ہی ہوا۔

مالن بولی۔

"اماں! تم میرے گھر میں کیوں نہیں آجاتیں۔ میں محل کے اندر ہی باغ کے کونے والے مکان میں اکیلی رہتی ہوں۔"

یہی تو ناگ چاہتا تھا۔ بولا۔

"نہیں بیٹی! میں نہیں چاہتی کہ تمہیں تکلیف دوں۔ میرا کیا ہے آج یہاں کل وہاں۔ جہاں سینگ سمائے گا پڑی رہوں گی۔"

مالن نے کہا۔

"نہیں اماں! مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تم میرے ہاں ٹھہرو اور پھر جب وہ شہزادہ آئے گا تو تم مجھے خبر بھی تو کر دو گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں! یہ تو ہے۔ اچھا تم کہتی ہو تو میں تمہارے ہاں ٹھہر جاتی ہوں۔"

ناگ نے مالن کے گھر محل کے اندر باغ میں ٹھکانہ بنا لیا۔ شام کو آکر اس نے عنبر اور ماریا کو ساری بات بیان کر دی اور کہا کہ وہ تاجر زید کی حویلی میں ناظمہ کو نہیں دیکھ رہا۔

عنبر نے تعجب سے کہا۔

"پھر وہ کہاں چلی گئی؟"

ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے کہ تاجر زید نے اسے کسی دوسرے تاجر کو تحفے کے طور پر پیش کر دیا ہو۔ یہ عرب تاجر اکثر ایسا کرتے رہتے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"اب اس کا کیسے پتہ چلایا جائے۔"

ناگ نے کہا۔

"میں پوری پوری کوشش کروں گا کہ ناظمہ کا سراغ مل سکے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم کسی طرح تاجر زید تک رسائی حاصل کرو۔ اس کی

دوستی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس محل میں صرف وہی ایک ایسا آدمی ہے کہ جس سے تمہیں [illegible] مل سکتا ہے۔"

ناگ بولا۔

"میں صبح سب سے پہلے یہی کوشش کروں گا۔ میرے لئے تاجر زید تک پہنچنا کوئی اتنی مشکل بات بھی نہیں ہے۔ میں ایک نجومی عورت کے روپ میں وہاں جاؤں گا اور یہ امیر لوگ نجومیوں کی تلاش میں رہتے ہیں تاکہ انہیں اپنی قسمت اور دولت کے بارے میں حالات معلوم ہوتے رہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر میری ضرورت محسوس ہو تو میں بھی حاضر ہوں۔"

ناگ مسکرا کر بولا۔

"نہیں بہن! ابھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایسا وقت آیا تو میں سب سے پہلے تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

رات شروع ہوئی تو ناگ نے ایک بار پھر نجومی عورت کا بھیس بدلا اور تاجر زید کے باغ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مالن اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نانی۔ تم کہاں چلی گئی تھیں، میں تو پریشان ہو گئی!"
ناگ سے بوڑھی عورت نے دروازے میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی۔ بعد میں کہاں جاؤں گی۔ بس سرائے میں ایک عورت پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ قسمت کا حال پوچھنے لگی تو یہ وقت آ گیا۔"

اس کے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور ناگ نے تاجر زید کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ ناگ کو معلوم ہوا کہ تاجر زید نجومیوں کو بہت پسند کرتا ہے اور ان کی تلاش میں رہتا ہے۔ اس نے مالن سے کہا کہ وہ اس کے بارے میں تاجر زید سے بات کرے۔

"میں اسے آنے والی زندگی کے سارے حالات بتا دوں گی۔"

مالن نے کہا۔

"آج کل میرا آقا ایک بات کے لئے بہت پریشان ہے۔"

"وہ کون سی پریشانی ہے تمہارے آقا کو؟" ناگ نے شوق سے پوچھا۔

مالن کہنے لگی۔

"میرے آقا کا ایک ہی لڑکا ہے جو دس برس کا ہے اس کو ایک بیماری لگ گئی ہے جس نے آقا کو بے حد

پریشان کر رکھا ہے۔"

"کون سی بیماری ہے مجھے بھی تو بتاؤ۔"

مالن بولی۔

"عجب قسم کی بیماری ہے۔ وہ روز بروز سوکھتا جا رہا ہے۔ جو کچھ کھاتا ہے اس کو ذرا نہیں لگتا۔ چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ آنکھیں اندر کو دھنسنے لگی ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"آخر حکیم لوگ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟"

مالن نے کہا۔

"حکیم لوگ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کو ہر تیسرے روز رات کو اندھیرے میں کوئی زہری سانپ آ کر سونگھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔"

ناگ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ تاجر زید تک پہنچنے کا بڑا اچھا موقع اسے ملنے والا تھا۔

اس نے کہا۔

"لوگ اس سانپ کو مارتے کیوں نہیں؟"

"ساری ساری رات پہرہ دیا جاتا ہے مگر پھر بھی خدا جانے کہاں سے سانپ آ کر بچے کو سونگھ جاتا ہے۔ حکیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایسا طاقتور سانپ ہے کہ اگر یہ دور کسی جگہ سے لڑکے کی طرف منہ کر کے بھی سانس اپنی طرف کھینچے تو لڑکے پر اثر ہو جاتا ہے۔"

ناگ مسکرایا۔

"اگر میں اس کا علاج کر دوں تو تمہارا آقا مجھے انعام میں کیا دے گا؟"

مالن تو خوشی سے جھوم اٹھی۔

"اماں! اگر تم میرے آقا کے بیٹے کو ٹھیک کر دو تو وہ تمہیں منہ مانگا انعام دے گا۔"

"بس بس۔"

"تو چلو۔ مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

مالن نے کہا۔

"ایسے نہیں۔ تم مجھے صبح اس سے بات کر لینے دو۔"

دوسرے دن مالن نے کسی طرح سے اپنے آقا سے بات کی تو وہ کہنے لگا۔

"لاکھوں روپیہ اپنے بچے کے علاج پر خرچ کر چکا ہوں۔ کوئی سپیرا، کوئی حکیم، کوئی سنیاسی ایسا نہیں جسے نہ دکھایا ہو۔ ان لوگوں سے علاج نہ ہو سکا تو یہ تمہاری خانہ بدوش نجومی عورت بھلا کیا علاج کرے گی۔"

مالن نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"آقا! مجھے یقین ہے کہ ہمارے شہزادے کا علاج اس نجومی عورت کے پاس ہی ہے۔ وہ ضرور بچے کو اچھا کر دے گی۔ آپ نے جہاں اتنے لوگوں سے علاج کروائے ہیں وہاں اس عورت کو بھی آزما کر دیکھ لیں۔"

تاجر زبید نے سر ہلا کر کہا۔

"اچھا! لے آؤ اسے بھی۔"

مالن خوشی خوشی ناگ کے پاس آئی۔

"اماں! آقا نے تمہیں بلایا ہے۔ دیکھنا اب میری بات کی لاج رکھنا۔ میں نے اس کے سامنے تمہاری تعریفوں کے پل باندھے ہیں۔"

ناگ ہنسا۔

"گھبراؤ نہیں — تمہاری تعریفوں کے سارے پل سلامت رہیں گے۔"

اور ناگ بوڑھی عورت کے روپ میں تاجر کے پاس پہنچ گیا۔ تاجر اس وقت اپنی خواب گاہ میں بچے کے پلنگ کے پاس چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ دو کنیزیں بچے کو پنکھا جھل رہی تھیں۔

تاجر زبید نے ناگ کی طرف بے نیازی سے دیکھا جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے یقین ہو کہ یہ بوڑھی عورت اس کے بیٹے کو ہرگز ہرگز اچھا نہ کر سکے گی۔ ناگ نے آگے بڑھ کر پلنگ پر لیٹے ہوئے بچے کو دیکھا۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ ناگ نے اس کی آنکھوں کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اس کو سانپ آ کر سونگھ جاتا ہے۔ لڑکے کے قریب سے ایسی بُو آ رہی تھی جو سانپ کی بُو تھی اور جسے صرف ناگ ہی محسوس کر سکتا تھا۔

اس نے تاجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ آپ کا بیٹا اچھا ہو جائے گا۔"

تاجر نے نجومی خانہ بدوش عورت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر کیسے اچھا ہوگا؟"

ناگ نے کہا۔

"میں اسے اچھا کروں گی۔"

"کیا تم میرے بیٹے کی بیماری کو سمجھ گئی ہو بڈھی عورت!"

ناگ کو تاجر زبیر کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔ پھر بھی چونکہ اس کی دوستی حاصل کرنا ضروری تھا اور ناگ اسی کام کے لئے وہاں آیا تھا اس لئے صبر سے پی گیا۔

کہنے لگا۔

"آپ کے بچے کو سانپ کے سونگھنے کی بیماری ہے۔"

تاجر نے سر جھکا کر پھر اٹھایا اور بولا۔

"تم نے کوئی نئی بات نہیں بیان کی۔ یہ مرض تو سب حکیموں نے بتا رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بیماری کا علاج کیا ہے؟"

ناگ کہنے لگا۔

"علاج میرے پاس ہے۔"

تاجر زبیر کو اب کچھ امید ہو گئی تھی کہ شاید یہ بوڑھی عورت اس کے بچے کو ٹھیک کر دے۔ بولا۔

"اگر تم میرے بچے کو اچھا کر دو تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ سمجھ لو۔ کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے؟"

"کیا مطلب؟" تاجر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں نے جو انعام آپ سے مانگوں گا وہ آپ مجھے دے دیں گے یا وعدے سے پھر جائیں گے؟"

تاجر کہنے لگا۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بیٹا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تندرست ہو گیا تو تم جو مانگو گی اور وہ میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہیں ضرور دے دوں گا۔"
ناگ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج رات بچے کا علاج کروں گی۔"

رات کو ناگ نے مریض لڑکے کے پلنگ کے اردگرد ایک چاندی کی چوکی رکھ دی۔ اس پر دودھ کا ایک پیالہ رکھ دیا۔ خود ایک طرف بیٹھ گیا۔ پاس ہی اس نے لڑکے کے باپ تاجر زبیر کو بھی بٹھا لیا۔

جب رات آدھی گزر گئی تو ناگ نے محسوس کیا کہ سانپ وہاں نہیں آتا بلکہ دور سے کسی جگہ پر سے اسے سونگھ کر چلا جاتا ہے۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ سانپ کو وہاں بلایا جائے۔ یہ کام ناگ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی۔ اس نے رات کے ٹھیک بارہ بجے آنکھیں بند کر کے تاجر زبیر کو یہ تاثر دیا کہ جیسے وہ کوئی جادو کا منتر پڑھ رہا ہے۔ اصل میں وہ سانپوں کی زبان میں اس خاص سانپ کو آواز دے رہا تھا جو تاجر کے بیٹے کو آ کر سونگھ جاتا تھا۔

وہ سانپ دمشق کے صحرا کا ایک بڑا خطرناک سانپ تھا جس کے سر پر بھی بال تھے۔ یہ سانپ حویلی کے باغ میں

ایک جگہ گلاب کی جھاڑیوں میں بیٹھا تھا۔ بچے تک۔ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے ناگ دیوتا کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہیں:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھلانگ لگا دو

سانپ ایک دم سے ہوشیار ہو گیا۔

اس نے گردن اوپر اٹھائی۔ پھن پھیلایا اور زبان بار بار باہر نکال کر ناگ دیوتا کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے سر کے بال بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ ناگ دیوتا کی آواز صاف آ رہی تھی۔ سانپ جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر کو چل پڑا۔ یہ آواز اسے اسی کمرے میں لے گئی جہاں اس کا شکار پلنگ پر نیم بے ہوش بیٹھا تھا۔ پلنگ کے پاس ہی چاندی کی چوکی پر دودھ کا پیالہ رکھا تھا قریب ہی ناگ بوڑھی عورت کے روپ میں اور لڑکے کا باپ تاجر زید بیٹھے تھے۔ تاجر زید نے جونہی ایک سبز اور سیاہ رنگ کے بھیانک سر والے سانپ کو کمرے میں آتے دیکھا تو وہ خوف سے پرے ہٹ گیا۔ ناگ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔

"سانپ۔ سانپ!"

ایک غلام چلاتا ہوا آیا اور خنجر نکال کر سانپ کو مارنے چلا کہ ناگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"خبردار! اسے مت مارنا۔ اسے آنے دو۔"

سانپ قالین پر رینگتا ہوا بڑے ادب سے آگے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھا اور پھر گردن اس نے ناگ کی طرف منہ کر کے قالین کے ساتھ لگا دی۔ تاجر زید کانپ رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں سانپ اس کو ڈس نہ لے۔ کنیزیں پرے ہٹ گئی تھیں۔ غلام دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ تلواریں اور خنجر ان کے ہاتھوں میں تھے۔ ایک غلام نے کمان میں تیر چڑھا کر سانپ کا نشانہ باندھ رکھا تھا کہ اگر سانپ اس کے آقا پر حملہ کر دے تو وہ سانپ پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دے۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

"کیا تم ہی اس بچے کو آ کر سونگھا کرتے تھے؟"

سانپ نے ادب سے کہا۔

"ہاں! میرے دیوتا!"

ناگ کی بات تاجر سن سکتا تھا مگر سانپ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔

ناگ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا! اب سن لو۔ خبردار آگے سے یہاں قدم نہ رکھنا اور اس بچے کو ہرگز ہرگز تنگ نہ کرنا۔"

سانپ بولا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر میرے آقا!"

ناگ نے تاجر زید سے کہا۔

"سانپ نے کہہ دیا ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گا۔ آپ کے بچے کو آئندہ کبھی نہ چھیڑنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ بچے کے اندر سے اپنا زہر بھی باہر کھینچ لے۔ اس کے لئے میں ابھی سانپ کو حکم دینے ہی والا ہوں کہ وہ بچے کے جسم سے اپنا زہر کھینچ لے۔ اس کے لئے سانپ بچے کی ٹانگ پر منہ رکھ کر سانس واپس کھینچے گا۔ آپ کو ڈرنا نہیں ہے۔ سانپ میرے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ کیا آپ کو منظور ہے؟"

تاجر نے گھبرا کر کہا۔

"کہیں میرے بچے کو سانپ ڈس تو نہ لے گا؟"

ناگ ہنس پڑا۔

"یہ تو آپ وہم بھی نہ کریں۔ سانپ صرف بچے کی ٹانگ پر منہ رکھ کر سانس واپس کھینچے گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا

کہ آپ کے بچے کو ابھی ہوش آ جائے گا اور صبح تک اس کا رنگ جو اب زرد ہے سرخ ہو جائے گا۔"

تاجر زید مجبور ہو گیا کہ وہ ناگ کو اجازت دے دے کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو پوری طرح تندرست دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں اجازت دیتا ہوں۔"

اب ایک خوفناک منظر شروع ہوا۔ کنیزوں اور غلاموں کے چہرے سہم گئے۔

ناگ نے سانپ کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چلو، بچے کے جسم سے اپنا زہر کھینچ لو۔"

سانپ نے سر جھکا کر پلنگ کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ پلنگ کے پاس آ کر وہ رک گیا۔ اس نے گردن اٹھا کر پھن پھیلایا اور پھر اپنا منہ بچے کی ننگی پنڈلی پر رکھ دیا۔ اس وقت تاجر اور دوسرے غلام اور کنیزوں کے اپنے سانس رک سے گئے تھے۔ تاجر زید کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ سانپ نے تھوڑی دیر کے بعد منہ اوپر اٹھایا۔ پھر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا واپس ناگ کے سامنے آ کر گردن جھکا دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے کہا۔

"چلو! اب اپنے حصے کا دودھ پی کر یہاں سے رفوچکر ہو جاؤ۔"

سانپ نے چاندی کی چوکی پر رکھے پیالے میں سے دودھ پینا شروع کر دیا۔ دودھ پی کر اس نے آخری بار سر جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور قالین پر رینگتا ہوا واپس نکل گیا۔

سانپ کے جانے کے بعد ناگ نے کہا۔

"بس اب یہ سانپ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

تاجر زید نے اپنے بچے کو جھک کر دیکھا۔ اسے ہوش آ چکا تھا۔ اس نے اپنی کمزور آنکھوں سے باپ کو دیکھا اور آہستہ سے مسکرا کر کہا۔

"بابا جان!"

"میرے بچے!" تاجر زید نے بچے کو چوم لیا۔

اس نے اپنے بچے کو ایک لمبی مدت کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔ اب اس نے ناگ سے کہا۔

"میں اپنا وعدہ پورا کروں گا میری بہن! مانگو کیا مانگتی ہو۔ اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے اپنی کنیز ناظمہ بخش دو۔ بس یہی میری خواہش ہے اور یہی میرا سوال ہے۔"

تاجر زید نے یہ سوال سن کر اپنا سر پکڑ لیا۔ ناگ نے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ مردوں کی طرح نبھاؤ گے۔"

تاجر زید نے سر اٹھا کر کہا۔

"میری بہن! کاش تم چند روز پہلے مجھ سے یہ سوال کرتیں۔ اس وقت یہ کنیز میرے گھر میں ہی تھی۔ لیکن اب تو میں اسے اپنے ایک گہرے دوست کو دے چکا ہوں۔ تم میری حویلی کی دوسری کوئی بھی کنیز اپنی خدمت کیلئے لے جا سکتی ہو۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ تاجر زید جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یقیناً ناظمہ اس کے گھر میں نہیں تھی۔ الن نے بھی اس سے اس خطرے کا اظہار کیا تھا کہ شاید ناظمہ حویلی میں نہیں ہے۔ اب ناگ کیا کر سکتا تھا۔

اس نے کہا۔

"نہیں میرے بھائی! مجھے اسی کنیز کی ضرورت تھی۔ بہرحال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا دوست کہاں رہتا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ میں کوشش کروں گی کہ وہ اس کنیز کو میرے ہاتھ فروخت کر دے؟

تاجر زید نے ناگ کو بتایا کہ اس کے دوست کا نام جبار ہے اور وہ دمشق میں زیتون کے تیل کا کاروبار کرتا ہے۔

ناگ وہاں سے جبار کے گھر پہنچا۔ وہاں جاکر اسے پتہ چلا کہ جبار کے ہاں سے علی بابا نام کا ایک تاجر ناظمہ کنیز کو خرید کر لے گیا ہے۔ علی بابا وہ شخص تھا کہ جس کے بھائی کی لاش ڈاکو سلطان کے غار میں سے غائب ہو گئی تھی۔

ناگ واپس اشان عشتری میں آگیا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو سارے حالات بیان کئے۔

عنبر بولا۔

”علی بابا کی حویلی دمشق شہر کے اندر ہے۔ یہ آدمی ڈاکوؤں کی دولت سے مالا مال ہوا ہے۔ ناظمہ کو اس کے ہاں سے لانا مشکل ہوگا۔ علی بابا کو دولت کا لالچ نہیں ہے۔ اس لئے وہ ناظمہ کو فروخت نہیں کرے گا۔ اسے ہمیں وہاں سے اغوا کرنا پڑے گا۔“

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں ایک بار کوشش کر کے دیکھ لینی چاہئے۔ میں آج ہی علی بابا کے ہاں جاکر ناظمہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے دیکھ کر وہ فوراً میرے ساتھ بھاگ چلے گی۔“

ماریا نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر ناظمہ کو وہاں سے بھگائیں گے کیسے؟“

عنبر بولا۔

”اسی لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ اسے وہاں سے اغوا کرنا پڑے گا اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ناگ! تم یہ کام نہیں کر سکتے تو میں چلا جاتا ہوں۔“

ناگ نے کہا۔

”بھلا میں یہ کام کیوں نہیں کر سکتا۔ میں ابھی جاکر کرتا ہوں۔ علی بابا کی حویلی میں نے دیکھی ہوئی ہے۔“

ناگ اسی روز علی بابا کی حویلی میں آگیا۔ یہ حویلی بھی بڑی تھی۔ علی بابا کو نئی نئی ڈاکوؤں کی دولت ہاتھ لگی تھی۔ اس نے حویلی کو اندر سے بالکل ایک محل کی طرح سجا رکھا تھا۔ ناگ ایک تاجر بن کر علی بابا کے پاس گیا۔ علی بابا نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کس مال کی تجارت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہے!

ناگ نے کہا

"میں ہندوستان کے گرم مسالے اور خوشبوؤں کا کاروبار کرتا ہوں۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میرا ایک قافلہ ایک ہفتے کے بعد دمشق پہنچنے والا ہے۔ میں اس کا مال آپ کے پاس فروخت کرنے کو تیار ہوں۔"

علی بابا سمجھا کہ ناگ کوئی بہت بڑا تاجر ہے۔ وہ اس سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے اسی وقت غلام کو قہوہ اور خشک میوے لانے کو کہا۔ ناگ کا خیال تھا کہ شاید ناظمہ یہ چیزیں لائے مگر اس کی جگہ وہاں ایک سیاہ فام حبشی خشک میووں کا طشت اٹھائے ہوئے آگیا۔ ناگ کی نگاہیں حویلی میں ناظمہ کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے علی بابا پر کافی اثر ڈال دیا اور دوستی بھی کر لی۔ علی بابا نے رات کو اسے کھانے پر بلا لیا۔ ناگ کو امید تھی کہ کھانے پر شاید ناظمہ سے ملاقات ہو جائے۔

علی بابا نے کھانے پر بڑا تکلف کیا تھا۔ قسم قسم کا بھنا ہوا گوشت اور پلاؤ پکا تھا۔ کنیزیں اور غلام کھانے کے طشت لئے خدمت کر رہے تھے۔ مگر ناظمہ کہیں دکھائی نہیں دے

رہی تھی۔ علی بابا نے ناگ کو دعوت دی کہ وہ رات بھی کے مکان میں سو جائے۔ ناگ یہی چاہتا تھا۔ اس نے علی بابا کی یہ دعوت اسی وقت قبول کر لی۔ اس امید پر کہ شاید رات کو ناظمہ سے ملاقات ہو جائے۔ علی بابا سے پوچھنا وہ مناسب نہیں سمجھتا تھا کیونکہ ہو سکتا تھا اس کو شک ہو جاتا کہ یہ شخص اس کی کنیز کو اغوا کرنے آیا ہے۔

ناگ کو حویلی کی چھت پر دریا کی جانب سلا دیا گیا۔ سونے سے پہلے ایک بوڑھی کنیز دودھ اور شہد لے کر ناگ کے پاس آئی۔ یہ ناگ کی آخری امید تھی۔ اس نے بوڑھی کنیز کے آگے جیب سے اشرفیوں کی تھیلی نکال کر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میری بہن! یہ اشرفیوں کی تھیلی تمہاری ہے مگر مجھے ایک بات بتا دو کہ یہاں ناظمہ نام کی کوئی کنیز بھی ہے؟"

اشرفیوں کی تھیلی دیکھ کر بوڑھی کنیز کی باچھیں کھل گئیں۔ بولی۔

"بھائی! اس نام کی کنیز یہاں کوئی نہیں مگر یہاں جتنی بھی کنیزیں ہیں وہ اپنے اصلی نام سے نہیں پکاری جاتیں۔ ہمارے آقا نے ان کے الگ الگ نام رکھ چھوڑے ہیں اور وہ انہی ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔"

ناگ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی کنیز یہاں پر ہے جو بہت خوبصورت ہو جس کے بال سنہری اور گھنگھریالے ہیں"

بوڑھی کنیز نے کہا۔

"ہاں ایک کنیز اس حلیے کی ضرور ہے۔ اسے چند روز ہوئے مالک نے کسی تاجر سے خریدا ہے۔"

ناگ نے خوشی سے اچھل کر کہا۔

"بالکل یہی کنیز ہے جس کے لئے میں تمہیں کہہ رہا تھا"

بوڑھی کنیز نے کہا۔

"اس کنیز کا نام مرجینا ہے۔ یہ نام ہمارے مالک نے رکھا ہے۔"

ناگ نے بوڑھی کنیز کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"میری بہن! کیا تم کسی طرح مجھے اس کنیز مرجینا سے ملا سکتی ہو۔ میں اس کی تلاش میں بڑی دور سے آیا ہوں بس اسے اس کے ایک بھائی کا پیغام دے کر [illegible] سے [illegible] دوں گا۔ میں اسے یہاں سے دور کرنے نہیں آیا۔ تم مجھ پر یقین کرو اور اگر تم نے مجھے مرجینا سے ملا دیا تو میں تمہیں اتنی ہی اشرفیاں اور دوں گا۔"

سونے کی اور اشرفیاں ملنے کا سن کر بوڑھی کنیز لالچ میں آگئی اور مرجینا کو وہاں بھیجنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

اس نے جاتے ہی مرجینا سے بات کی اور ناگ کا پیغام بھی بتلایا۔ وہ فوراً بھاگی بھاگی ناگ سے ملنے چھت پر آ گئی۔ ناگ نے ناظمہ کو اور ناظمہ نے ناگ کو پہچان لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ بوڑھی کنیز جا چکی تھی۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے تم سے ملاقات ہو گئی میں [illegible] اور دریا تمہاری تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ تمہارے باپ کا تمہاری جدائی میں برا حال ہے۔"

ناظمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میرے باپ نے میرے لئے بڑے غم اٹھائے ہیں۔ میں اب جلد ہی اس کے پاس چلی جاؤں گی۔"

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اس وقت میرے ساتھ نہیں چل سکتیں؟ ہوائی اڑن طشتری شہر سے باہر صحرا میں ایک جگہ رکی ہوئی ہے ہم [illegible] تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

مرجینا [illegible]

[illegible] بڑے احسان ہیں۔ اس نے میرے ساتھ [illegible] سلوک کیا اور مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا ہوا ہے۔ یہ بڑا نیک آدمی ہے۔ اس کو ڈاکوؤں کے غار سے دولت مل گئی ہے جس میں سے اس نے آدھا حصہ خیرات کر دیا ہے۔"

ناگ بولا۔

"ان باتوں کا تمہارے یہاں سے جانے کے ساتھ کیا تعلق ہے ناظمہ؟"

ناظمہ کہنے لگی۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے علی بابا کا گھر دیکھ لیا ہے۔ وہ آج یا کل یہاں حملہ کرنے والے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی بھیس بدل کر یہاں آئیں گے میں اس کڑے وقت میں علی بابا کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ تم مجھے چار روز کی مہلت دے دو۔ اس کے بعد میں تمہارے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی۔ بلکہ مجھے پوری پوری امید ہے کہ آقا علی بابا خود مجھے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دے گا۔"

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم ایسا ہی چاہتی ہو تو ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ ہماری اڑن طشتری دریا کے دوسری طرف نخلستان میں دائیں طرف زیتون کے درختوں کے جھنڈ

میں کھڑی ہے۔"

"فکر نہ کرو میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"ویسے میں بھی چار روز بعد یہاں آ کر تمہارا پتہ کرتا جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔"

ناظمہ چلی گئی۔ رات علی بابا کی حویلی میں بسر کرنے کے بعد اگلے روز ناگ نے اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور مال فروخت کرنے کا وعدہ کر کے وہاں سے سیدھا عنبر اور ماریا کے پاس آ گیا اور انہیں ساری بات سنائی۔

دوسرے روز جیسا کہ آپ کہانی میں پڑھ چکے ہیں ڈاکوؤں کا سردار سلطان ڈاکو ایک تاجر کے بھیس میں اپنے چالیس چوروں کے ساتھ علی بابا کے گھر پر اترا۔ اس نے ان چوروں کو بڑے بڑے تیل کے خالی کپّوں میں چھپا رکھا تھا۔ پھر رات کو مرجینا کو زیتون کے تیل کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ تیل کے ایک کپّے میں سے تیل نکالنے کے لئے گئی تو اسے پتہ چلا کہ اندر تو ڈاکو چھپے ہوئے ہیں۔۔۔۔ بس پھر کہانی میں جس طرح بیان کیا گیا ہے مرجینا نے سارے کے سارے چوروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمبل کے اندر سے ہی ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ڈاکوؤں کے سردار کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

سات روز بعد ناگ نے پھر ناظمہ سے ملاقات کی تو وہ علی بابا سے اجازت لے کر اس کے ساتھ روانہ ہو گئی علی بابا نے مرجینا کو آزاد کر دیا تھا۔

عنبر اور ماریا بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے ناظمہ کو ساتھ لیا اور اڑن طشتری فضا کی بلندیوں میں اڑ گئی۔ دن بھر کے سفر کے بعد اڑن طشتری واپس انطاکیہ پہنچ گئی۔ جہاں عنبر نے ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے کیا وہ بے حد خوش ہوا۔ بیٹی کو دیکھ کر اس کے تن میں پھر سے جان آ گئی تھی۔ انہوں نے ایک ہفتہ انطاکیہ شہر میں ناظمہ کے گھر میں قیام کیا اور پھر ان سے رخصت ہو کر اڑن طشتری پہ سوار اپنے سفر پہ روانہ ہو گئے۔

ان کی کوئی منزل نہیں تھی۔

اڑن طشتری آسمان کی بلندیوں پہ اڑتی چلی جا رہی تھی یہ اس قدر اونچی تھی کہ نیچے سے لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ تین روز اور تین راتیں سفر کرنے کے بعد چوتھے روز عنبر اڑن طشتری کو زمین کی طرف لے آیا۔ زمین کی طرف آتے ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ سکرین پر تیز

روشنی ابھر رہی ہے۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"یہ روشنی کیسی ہے ناگ؟"

ماریا بھی سکرین کو تکنے لگی۔ روشنی ایک بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے سے نکل رہی تھی۔ پھر ان کی اڑن طشتری کو ایک دھچکا لگا اور ماریا گرتے گرتے بچی۔

عنبر نے کہا۔

"اوپر لے چلو۔"

ناگ نے بٹن دبایا اور اڑن طشتری ایک دم فضا میں اوپر ہی اوپر بلند ہوتی چلی گئی۔ روشنی برابر ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ اڑن طشتری آسمان پہ اتنی اونچی چلی گئی تھی کہ نیچے زمین دھندلی نظر آنے لگی تھی۔ ناگ نے ماریا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ روشنی کہاں سے آ سکتی ہے؟"

ماریا کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے جن لوگوں کی اڑن طشتری پر ہم سوار ہیں اور سیریں کرتے پھر رہے ہیں وہی لوگ ہیں اور ہم پہ حملہ کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماریا کا خیال ٹھیک لگتا ہے۔ ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہوگا کیونکہ اگر اڑن طشتری کو دشمن نے تباہ کر دیا تو تم لوگ ہلاک ہو سکتے ہو۔"
ناگ بولا۔

"ہمیں فوراً پیراشوٹ باندھ لینے چاہئیں۔"

انہوں نے اسی وقت پیراشوٹ باندھ لئے۔ اڑن طشتری آگے ہی آگے جا رہی تھی۔ روشنی زیادہ چندھیا دینے والی ہو گئی تھی۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ ایک تیز نیلی شعاع بادلوں میں سے نکل کر اڑن طشتری کے پہلو میں لگی۔ اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری کا ایک حصہ ٹوٹ کر الگ ہوا اور زمین کی طرف گرنے لگا۔ ہوا تیزی سے اندر داخل ہوئی اور اڑن طشتری ایک طرف جھک کر زمین کی طرف گرنے لگی۔ عنبر نے چلا کر کہا۔

"کود جاؤ باری باری۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد ماریا نے چھلانگ لگا دی۔ ناگ نے چھلانگ لگائی تو اس کے پیراشوٹ کی رسی اڑن طشتری میں الجھ گئی۔ وہ اڑن طشتری کے ساتھ لٹکتے ہوئے نیچے جانے لگا۔ ناگ نے حوصلہ نہ ہارا۔ اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں چاقو ہے۔

اس نے بڑی کوشش کے بعد جیب سے چاقو نکال کر رسی کو کاٹ دیا۔ رسی کے کٹتے ہی وہ زمین کی طرف ہوا میں گرنا شروع ہو گیا۔

اس عرصے میں وہ ماریا اور عنبر سے کافی آگے نکل گیا تھا کیونکہ اڑن طشتری کی رفتار کافی تیز تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ناگ کو ایک جھٹکا لگا اور پیراشوٹ کھل گیا۔ ناگ آہستہ آہستہ جھولتے ہوئے پیراشوٹ کے ساتھ زمین کی طرف آنے لگا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ اسے نیچے سوائے درختوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ ناگ نے ماریا اور عنبر کے بارے میں سوچا کہ خدا جانے وہ کس جگہ اترے ہوں گے۔

اتنا ناگ کو معلوم تھا کہ وہ کافی آگے نکل آیا ہے۔ اڑن طشتری کے ٹکڑے خدا جانے کس جگہ گر کر تباہ ہو چکے تھے۔ ناگ اپنی قسمت پر مسکرایا۔ ایک بار پھر ان تینوں میں جدائی پڑ گئی تھی۔ پیراشوٹ آہستہ آہستہ ہوا میں نیچے اتر رہا تھا۔ ناگ کو زمین پر آتے ہوئے کافی دیر لگی۔ کیونکہ وہ کافی بلندی سے گرا تھا۔ آدھے راستے میں ہی ناگ کو بادلوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ کافی اوپر سے بادلوں میں بجلی کو چمکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ بادلوں میں سے گزر کر نیچے آیا تو وہاں بارش ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے دیکھا بادلوں نے چاروں طرف تمبو سا تان رکھا تھا۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بارش کی بوچھاروں نے اس کے کپڑے بھگو دیئے۔ آخر اس کا پیراشوٹ درختوں میں الجھ گیا۔ ناگ درختوں کی شاخوں میں آ کر پھنس گیا۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ زخمی نہ ہوا۔ اس نے چاقو نکال کر رسیاں کاٹیں اور درخت پر سے زمین پر اتر آیا۔

بارش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ چھاجوں پانی برس رہا تھا۔

درختوں کے نیچے بارش کا زور کم تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ وہ ایک گھنا جنگل ہے۔ موٹے موٹے تنوں والے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ جس وقت انہوں نے اڑن طشتری سے چھلانگ لگائی تھی تو اس وقت شام ہو رہی تھی۔ اب جنگل میں آ کر ناگ کو شام کے اندھیرے نے گھیرنا شروع کر دیا۔ وہ ایک موٹے درخت کے تنے سے لگ کر بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ماریا اور عنبر کہاں اترے ہوں گے۔

فضا میں سردی تھی۔ ناگ کے کپڑے بھی بھیگے ہوئے تھے اسے سردی لگنے لگی۔ بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی اندھیرا بھی بڑھ رہا تھا۔ رات چھا گئی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ

آخر وہ کب تک وہاں پڑا رہے گا۔ اس کو ہمت کر کے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ کر رات بسر کر سکے۔ پس وہ اٹھا اور اس نے درختوں میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

جنگل میں اندھیرے اور بارش نے چلنا مشکل کر دیا تھا راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ درختوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک بار بجلی زور سے چمکی۔ اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک عمارت سی ہے۔ بجلی کی تیز چمک میں ناگ اتنا ہی دیکھ سکا۔ بہر حال ناگ کو تسلی ہوئی کہ اسے ایک ٹھکانہ تو مل گیا جہاں وہ بارش سے بچ سکے گا۔ اس نے مکان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اب وہ انتظار کر رہا تھا کہ بجلی دوسری بار چمکے تو وہ راستہ دیکھے۔ بادل گرج رہے تھے۔ اتنے میں کڑاکا ہوا اور بجلی نے جنگل کو روشن کر دیا۔

تیز روشنی ایک پل کے لئے جنگل کو چکا چوند کر گئی۔ اس روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ مکان بالکل سامنے ہی درختوں میں گھرا ہوا تھا۔ ناگ نے جلدی جلدی اس مکان کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ مکان کے پاس آ کر رک گیا اور نظریں اٹھا کر دیکھا۔ بارش اور اندھیرے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجلی کی ہلکی ہلکی چمک میں وہ اتنا ہی دیکھ سکا کہ مکان کی عمارت بہت پرانی تھی۔ وہ کسی پرانے مندر سے ملتی جلتی تھی۔ ناگ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس ملک میں ہے اور کس شہر کے قریب ہے؟

بارش اور سردی سے بچنے کے لئے ناگ ایک دم سے پرانی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ ناگ عمارت کی ڈیوڑھی میں کھڑا ہو کر جائزہ لینے لگا۔ اس کی جیب میں لائٹر پڑا رہ گیا تھا۔ اس نے لائٹر جلا کر دیکھا۔ ڈیوڑھی خالی تھی۔ فرش کے پتھر اکھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف دیوار میں دروازہ تھا جس کے کواڑ غائب تھے۔ ناگ اس دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف آیا۔ وہاں ایک کشادہ دالان تھا جس کے درمیان میں پتھر جوڑ کر ایک چبوترہ سا بنایا گیا تھا۔

ناگ آگے بڑھا تو دیوار میں ایک بت بنا تھا۔ ناگ نے لائٹر کی روشنی میں بت کے قریب جا کر دیکھا۔ یہ کسی حسین عورت کا بت تھا مگر اس کا ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا۔ دوسرے بازو میں ایک تھالی پکڑی تھی جس میں ایک چھوٹا سا ہاتھی تراشا گیا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ کوئی پرانا مندر ہے جو اب اجڑ چکا ہے۔ ناگ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک کونے میں کچھ

لکڑیاں پڑی تھیں۔ ناگ نے لکڑیوں کو اٹھا کر ایک طرف دیوار کے آگے رکھا اور لائٹر سے آگ جلائی۔

آگ کی گرمی میں اس نے باری باری اپنے سارے کپڑے سکھائے۔ خود بھی آگ تاپ کر جسم کو گرم کیا اور اب عنبر اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے محسوس کیا کہ مندر کے باہر جنگل میں بارش تھم چکی ہے مگر رات ابھی ویسی ہی اندھیری تھی۔ ابھی رات کا اندھیرا ویسے ہی چاروں طرف چھایا ہوا تھا جسے گہرے بادلوں نے اور زیادہ گھمبیر بنا دیا تھا۔

ناگ نے کروٹ بدلی اور ایک بار پھر سو گیا۔ ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اچانک اسے کھٹکا سا محسوس ہوا۔ ناگ نے اٹھ کر چاروں طرف اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ آگ بجھ چکی تھی۔ انگارے راکھ میں دبے ہوئے تھے۔ ناگ نے لائٹر نہ جلایا۔ اس لئے کہ کسی آنے والے کو اپنی موجودگی کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ ناگ نے اب کچھ آوازیں سنیں۔ ایسا لگا جیسے باہر کچھ لوگ مندر کے دروازے پہ گھوڑوں سے اترے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں۔

ناگ جلدی سے اٹھ کر اندھیرے میں دیوار کی اوٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گیا۔ اتنے میں اسے روشنی نظر آئی جو آہستہ آہستہ اندر آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ کسی نے مشعل ہاتھ میں تھام رکھی ہے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ اگر وہ انسان کے روپ میں وہاں کھڑا رہا تو ہو سکتا ہے کہ آنے والے اسے دیکھ لیں پس اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک چھوٹے سے سانپ کا بھیس بدل کر دیوار کے ساتھ چپک گیا اور پتھروں کی درز میں چھپ کر دیکھنے لگا کہ یہ آنے والے لوگ کون ہیں ---؟

مشعل کی روشنی اب دالان میں آ چکی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ ایک آدمی نے مشعل ہاتھ میں تھام رکھی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے دو آدمی ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے چلے آ رہے ہیں اور ہنس ہنس کر آپس میں باتیں بھی کر رہے ہیں۔ مشعل دیوار کے ساتھ لگا دی گئی۔ اس آدمی نے جھک کر بجھی ہوئی آگ کو دیکھا اور پھر اسے تلوار کی نوک سے کریدا۔ نیچے سے انگارے چمکنے لگے۔ اس نے چونک کر پیچھے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور جنوبی ہند کی زبان میں بولا۔

"یہاں کوئی آیا تھا۔"

دونوں آدمی بھی وہاں آ کر آگ کو تکنے لگے۔ پھر انہوں

شعل کی روشنی میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی ں۔ اتنے میں پیچھے سے ایک اور آدمی اندر آیا۔ اس ھ میں بھی تلوار تھی اور اس نے اپنے کندھے پر ایک اٹھا رکھی تھی۔ یہ شخص مونچھوں والا بارعب آدمی سر پہ پگڑی باندھ رکھی تھی۔ جب اسے بتایا گیا کہ ے دالان میں کسی نے آگ جلائی تھی تو اس مونچھوں بوری کو زمین پہ ایک طرف رکھا اور جھک کر یکھنے لگا۔

"اس ویران جنگل میں کون آ سکتا ہے؟"

دوسرے نے کہا۔

"و سکتا ہے کوئی جنگلی آدمی ہو راناجی!"

اناجی اسی بارعب آدمی کا نام تھا جو ان کا سردار لگتا تھا۔ نے کہا۔

"جنگلی آدمی اول تو اس جنگل میں کہیں نہیں ہیں۔ ے جنگل کے آدمی اپنی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔۔۔ ں کیا ضرورت ہے کہ آدھی رات کو اس اجاڑ مندر میں آگ جلا کر تاپیں۔"

"تو پھر کون ہو سکتا ہے راناجی؟"

"کوئی بھی ہو۔ جب آئے گا تو اس سے نپٹ لیا جائیگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم بوری کو کھول کر راجکماری کا منہ تو کھول لو۔ کہیں دم نہ جائے۔"

ایک آدمی نے جلدی سے بوری کو کھولا تو اندر ایک خوبصورت نازک سی لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ ا بڑی قیمتی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال کالے اور لمبے مشعل کی روشنی میں صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی کی بیٹی راجکماری ہے۔

مادیا کہاں چلی گئی؟

راناجی نے کہا۔

"راجکماری کے پاؤں زنجیر سے باندھو۔ اس کے آگے ی کا لوٹا اور پھل رکھو —— اور یہاں سے جلدی چلو ابھی ں بہت کام کرنا ہے"

"بہت بہتر راناجی!"

راناجی کے آدمیوں نے بے ہوش راجکماری کے ایک ں میں لوہے کا تنگ کڑا ڈال کر اس کے ساتھ زنجیر ی اور زنجیر کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ ناگ یہ ب کچھ دیکھ رہا تھا۔ دوسرے آدمی نے بے ہوش راجکماری ے قریب پانی سے بھرا ہوا ایک لوٹا اور ایک ٹوکری میں مرود رکھ دیئے۔

رانا بولا۔

"بجلی ہوئی آگ نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ لیکن ے بہتر محفوظ جگہ سارے جنگل میں اور کوئی نہیں ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر یہ ہمارا پرانا ٹھکانہ ہے۔ اس لئے میں چاہ
ہمارا ایک آدمی یہاں چھپ کر پہرہ دے اور راج
خیال رکھے۔ اگر کوئی شخص یہاں آئے تو اسے
کر دیا جائے۔"

ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"رانا جی! میں یہاں پہرہ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم دوپہر تک واپس آنے کی کوشش
اتنا کہہ کر رانا جی نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو
کیا۔ وہ سب دالان سے چلے گئے۔ پھر ناگ نے دیوا
ساتھ چلتے چلتے باہر گھوڑوں کے ہنہنانے اور پھر ان
ٹاپوں کی آوازیں سنیں جو جنگل میں دور ہوتے ہوتے
گئیں۔ خدا جانے یہ لوگ چور تھے۔ ڈاکو تھے۔ باغی
تھے؟ — ناگ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے اتنا ضرور
کہ یہ لوگ اس راجکماری کو کسی محل سے اغوا کر کے
ہیں۔ رانا جی کے آدمیوں کے جانے کے بعد ناگ نے
سے کھسکنا شروع کیا۔

وہ رینگتے رینگتے اس جگہ دیوار پر آگیا جہاں
بے ہوش بیٹھی تھی اور ایک ڈاکو پہرہ دے رہا تھا۔
تک تو ڈاکو ٹہلتا رہا۔ پھر اپنے [illegible] میں سے ایک

اٹھایا اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد وہ بجھی ہوئی
آگ کے پاس بیٹھ گیا۔ راکھ کریدی اور تلوار پاس رکھ کر
آگ تاپنے لگا۔

یہ دیوار وہ تھی جس پر مشعل جل رہی تھی۔ اسکی روشنی
میں راجکماری کے گلے میں پڑا ہوا سونے کا تعویذ چمک رہا
تھا۔ ڈاکو نے تعویذ اتارنے کی ایک دو بار کوشش کی مگر
کامیاب نہ ہو سکا۔ اتنے میں راجکماری کو ہوش آگیا۔ اس نے
بڑی بڑی آنکھیں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر وہ سہم کر
بیٹھ گئی۔ پہرے دار ڈاکو نے ٹوٹے ہوئے دانت نکال کر
ہنستے ہوئے کہا

"اب زیادہ تڑپنے پھڑکنے اور شور مچانے کی ضرورت
نہیں ہے۔ تم ہماری قید میں ہو اور یہاں سے تمہیں کوئی
آزاد نہیں کرا سکتا۔"

راجکماری کے چہرے پر خوف کی زردی تھی۔ اس کی بڑی
بڑی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھے میری راج ماتا کے پاس پہنچا
دو۔ وہ میرے غم میں مر جائے گی"

پہرے دار نے قہقہہ لگایا

"راجکماری جی! ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ تڑ — [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرجائے۔ پھر تیرا بیاہ راج منتری سے کر دیں گے تو مہارانی بن جائے گی اور راج منتری تیرے مرنے کے بعد راجہ بن کر تخت پہ بیٹھ جائے گا۔"

ناگ یہ ساری زبان سمجھ رہا تھا۔ گویا یہ ایک بڑی ہی زبردست سازش کی گئی تھی۔ راج منتری نے اپنے محل کی راجکماری کو ان ڈاکوؤں کے ذریعے اغوا کروا دیا تھا تاکہ وہ زبردستی اس سے شادی کر کے راج گدی پر قبضہ جما سکے۔ ناگ کو راجکماری کی بھولی بھالی صورت پر بڑا ترس آیا۔ وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر پہرے دار ڈاکو سے کہہ رہی تھی۔

"بھگوان کے لئے مجھے محل میں جانے دو۔ میں راج منتری سے بیاہ نہیں کر سکتی۔ میں راج ماتا کے پاس جاؤں گی۔ راج منتری راکھشس ہے۔ اس نے میرے پتا جی کو قتل کروایا اس نے میرے بڑے بھائی کو قتل کروایا۔ وہ قاتل ہے اب وہ میری ماں کی جان کے پیچھے پڑا ہے۔"

ڈاکو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کیا بیکار کی باتیں کر رہی ہے راجکماری! تمہیں اب وہی کرنا ہو گا جو ہماری اور راج منتری کی مرضی ہو گی۔ راج منتری نے ہمارے ماتا جی سے وعدہ کیا ہے کہ اگر ہم تمہیں اغوا کر کے اس کے ساتھ تمہاری شادی کروا دیں اور راج ماتا کو بھی

ہلاک کر دیں تو راج منتری ہمارے ماتا جی کو اپنا خزانہ منتری بنا لے گا۔"

راجکماری نے کہا۔

"بھگوان کے لئے میری ماتا جی پہ رحم کرو۔ اس کو معاف کر دو۔"

ڈاکو بولا۔

"ہماری ماتا جی کسی کو معاف کرنا نہیں جانتی۔ وہ ایک خونخوار آدم خور شیر ہے۔ اسی نے تمہارے باپ کو خنجر سے ہلاک کیا تھا۔ اسی نے تمہارے بھائی کی گردن اڑائی تھی اور اب اس کے لئے تمہاری بوڑھی ماں کو مارنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔"

راجکماری سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ ناگ سے اس کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی مگر وہ خاموش تھا۔ وہ سارے حالات سے باخبر ہو چکا تھا۔ اب وہ موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ راجکماری کو ان درندوں کے چنگل سے ضرور چھڑائے گا۔ اب وہ کھسکتا کھسکتا اس جگہ پہ آ گیا جہاں پہرے دار ڈاکو آگ کے پاس بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ ناگ جھٹ کے پتھر تلے میں آ گیا۔ اب ڈاکو بالکل اکیلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے تھا۔

کیا وہ ڈاکو پر چھلانگ لگا دے؟

ایسا کرنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا کیونکہ ڈاکو کے پاس ہی اس کی تلوار پڑی تھی۔ اگر فرض کیا کہ ناگ چھت پر سے ڈاکو کے اوپر کود کر گرتا ہے تو ڈاکو تیزی سے ہاتھ مار کر اسے پرے پھینک دیتا ہے اور پھر اس سے پہلے کہ ناگ اس پر حملہ کرکے اسے ڈس لے ڈاکو تلوار اٹھا کر پہلے حملہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ناگ کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

ناگ نے سوچا کہ حملہ نیچے اتر کر کرنا چاہئے۔

پس چھت پر سے رینگتا دیوار پر سے ہوتا ہوا نیچے زمین پر آ گیا۔ مشعل کی روشنی میں زمین پہ ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ راجکماری رونے کے بعد تھک کر اب اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر ایک سیاہ سانپ پر پڑی جو آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے ڈاکو کے پیچھے سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ راجکماری ایک دم خوش ہو گئی۔ اس نے سانپ کو دیکھ کر بالکل شور نہ مچایا۔ مگر اس کے چہرے پر گھبراہٹ آ گئی تھی۔ چور نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے جونہی پیچھے [illegible] تڑپ کر اٹھا۔

لیکن اس عرصے میں سانپ نے اچھل کر حملہ کر دیا۔ سانپ نے ڈاکو کے پاؤں پر ڈسا اور بے حد خطرناک زہر اس کے خون میں شامل کر دیا۔ ڈاکو نے تلوار اٹھا کر سانپ پر حملہ کرنا چاہا مگر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پھر سارا جسم لرزنے لگا اور راجکماری کے دیکھتے دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرا اور اس کے منہ سے سیاہ رنگ کا جھاگ نکلنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تڑپا اور پھر مر گیا۔

یہ سارا تماشہ راجکماری خوشی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دشمن اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا۔ وہ خوش ہو رہی تھی کہ آخر بھگوان نے اس کی سن لی اور ایک سانپ کو اس کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ سانپ ڈاکو کو ہلاک کرنے کے بعد خاموشی سے رینگتا ہوا دالان سے نکل گیا۔ راجکماری نے دشمن کے ہلاک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بے بس پایا کیونکہ وہ زنجیر میں جکڑی ہوئی تھی۔ یہ زنجیر مضبوط لوہے کی تھی اور ایک نازک بدن والی ہاتھوں سے اسے توڑ کر آزاد ہونا ایک ناممکن بات تھی۔ اس نے بھگوان کے آگے ہاتھ باندھ کر دعا کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہے بھگوان! تو نے مجھے اس موذی سے بچایا ہے۔ اب مجھے اس زنجیر سے بھی آزاد کر دے۔"

ابھی وہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ کیا دیکھتی ہے کہ ایک سانولا نوجوان اندر داخل ہوا اور اس کے قریب آ کر بولا۔

"بھگوان نے تمہاری دعا سن لی ہے اور مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے۔"

راج کماری نے حیرانی اور خوشی سے ناگ کو دیکھا۔ یہ ناگ ہی تھا۔ جو سانپ کا جسم چھوڑ کر اب اپنی انسانی شکل میں اس کے پاس آیا تھا۔ ناگ نے یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے کسی بات کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اس نے فرش پہ پڑی لاش دیکھ کر کہا۔

"یہ لاش کس کی ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا دشمن تھا اور بھگوان نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

راجکماری بولی۔

"پہلے میرے پاؤں کی زنجیر توڑ دو بھائی! پھر میں تمہیں اپنی درد بھری کہانی سناؤں گی۔"

ناگ نے ایک پتھر اٹھا کر زنجیر کے نیچے رکھا۔ دوسرے پتھر سے ایک ہی ضرب لگائی۔ زنجیر ٹوٹ گئی۔ ناگ نے راج کماری کو پانی پلایا۔ پھر پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟ تم کون ہو اور یہاں یہ لوگ تمہیں کہاں سے لائے ہیں۔"

اگرچہ ناگ کو اس کی ساری کہانی کی خبر تھی مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ راجکماری کو اس پہ شک پڑے کہ وہ سارے حالات جانتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر راج کماری کی زبان سے وہ ساری کہانی سنی جس کی اسے پہلے خبر تھی۔ کہانی سن کر ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔

"تمہارے بھگوان نے تمہاری مدد کے لئے پہلے سانپ کو بھیجا کہ اس ڈاکو کو ہلاک کرے۔ پھر مجھے یہاں بھیج دیا۔"

راجکماری بولی۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"راج کماری کوشلیا جی! ان باتوں کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے تاکہ رانا جی کے یہاں آنے سے پہلے پہلے ہم راتوں رات نکل جائیں۔"

راج کماری بولی۔

"میرا راج محل یہاں سے ایک رات اور ایک دن کے سفر پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ہم پیدل وہاں تک کیسے پہنچیں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"پہلے یہاں سے تو نکلیں۔ پھر اس کے بارے میں بھی غور کریں گے۔"

ناگ راجکماری کو لے کر مندر سے باہر آ گیا۔ اپنے بارے میں ناگ نے کچھ نہ بتایا۔ رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر ابھی تک گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی ہے۔ ناگ نے راجکماری کو ساتھ لیا اور ایک طرف جنگل میں چلنا شروع کر دیا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ راناجی سے لڑنے کی بجائے سب سے پہلے جتنی جلدی ہو سکے راجکماری کو وہاں سے دور لے جائے۔ کیونکہ اس کی اور راناجی کی لڑائی میں راجکماری کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا۔

ناگ کو اس جنگل میں چھوڑ کر اب ہم ذرا عنبر اور ماریا کی خبر لیتے ہیں:

ماریا کا پیراشوٹ اڑن طشتری سے گرتے ہی فضا میں کھل گیا تھا۔ شاید وہ بھی زندگی میں پہلی بار ہوا میں چھلانگ لگا رہی تھی۔ ہوا میں اڑتے ہوئے اسے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اگر کوئی آج کے زمانے میں ماریا کے پیراشوٹ کو دیکھتا تو

مزید حیران ہوتا کہ ایک پیراشوٹ بغیر ہوا باز کے کھلا ہوا نیچے اترتا چلا آ رہا ہے۔

ماریا جس علاقے کے اوپر آئی وہاں بھی جنگل تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا پیراشوٹ ایک کھلی جگہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ وہ بڑے آرام سے نیچے اتر آئی۔ سب سے پہلے تو اس نے یہ کیا کہ پیراشوٹ سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔ اس کی ترکیب عنبر نے ان دونوں کو سمجھا دی تھی۔ ماریا جنگل میں گھاس پر گری تھی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ پیراشوٹ پھینک کر اس نے جنگل کا جائزہ لیا۔ یہ بڑا گھنا سا جنگل تھا۔ دور ایک طرف درختوں میں سے دھواں سا اٹھ رہا تھا جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہاں کوئی آبادی ہے۔

ماریا نے اس طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید عنبر اور ناگ بھی اسی طرف جنگل میں کسی جگہ اترے ہوں گے۔ چلتے چلتے وہ درختوں کے درمیان آ گئی۔ شام ہو رہی تھی۔ دھوپ درختوں پر سے اپنا دامن سمیٹ رہی تھی۔ جھاڑیوں میں رات کے سائے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ماریا بے فکری سے گھاس پر چلی جا رہی تھی۔ اسے ذرا بھی خبر نہ تھی کہ چند قدم پر جنگلی لوگوں نے ہاتھی کو پکڑنے کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک چھوٹا گہرا گڑھا کھود کر اوپر گھاس ڈال رکھی ہے۔

وہ مزے سے چلی جا رہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں گھاس میں دھنسا اور پھر وہ دھڑام سے گھاس کے ساتھ ہی نیچے گڑھے میں گر گئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ گھاس کے ساتھ ہی گری اور بچ گئی۔ ورنہ کسی نہ کسی ہڈی کے ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ ماریا گھاس پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ یہ کافی گہرا گڑھا تھا اور دیواریں بہت بلند تھیں۔ ماریا اگر سارے جسم کی طاقت خرچ کر کے بھی اچھلتی تو اس گڑھے کی دیواروں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

اس گڑھے میں ہی ماریا کو رات ہو گئی۔ جب رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف چھا گیا تو وہ ہاتھی جس کے لئے جنگلیوں نے یہ پھندہ لگایا تھا اپنی جگہ سے نکل کر تالاب کی طرف پانی پینے چل پڑا۔ تالاب کو جانے کے لئے یہی راستہ تھا۔ ہاتھی چلتے چلتے جب اس گڑھے کے پاس آیا جو اس کو پھانسنے کے لئے بنایا گیا تھا تو وہ رک گیا۔ اس نے سونڈ اوپر کر کے زور سے دو تین بار چیخ ماری۔ گویا اس بات کا اعلان کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور آگے روانہ ہو گیا۔

اس کی چیخ ماریا نے سنی تو سہم کر دیوار سے لگ گئی....

دوسری طرف یہی آوازیں جب جنگلیوں نے اپنی جھونپڑیوں میں سنیں تو خوشی سے نعرے لگ [illegible] گڑھے کی طرف بھاگے۔ وہ یہ [illegible] رہے تھے [illegible] ہے۔ اب مزے سے جا کر اس کی [illegible] گے۔ گڑھے کی گھاس والی چھت غائب تھی۔ [illegible] چھے اور گڑھے کے ارد گرد ناچنے لگے۔ [illegible] مشعل کی روشنی میں گڑھے کے اندر دیکھا تو [illegible] رہ گئے گڑھے میں ہاتھی کہیں نہیں تھا۔

جنگلی حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہ [illegible] کیسے ہو سکتا تھا کہ گڑھے کے اوپر ڈالی ہوئی گھاس کی چھت تو گڑھے کے اندر جا گرے اور ہاتھی وہاں نہ ہو۔ زمین پر انہیں ہاتھی کے پاؤں کے نشان نظر آ گئے۔ یہ نشان تالاب کی طرف جا رہے تھے۔ وہ تالاب کی طرف چلے ہی تھے کہ ایک درخت کے پیچھے سے اچانک چیخ مار کر چالاک ہاتھی باہر نکلا اور وحشیانہ انداز میں جنگلیوں کی طرف تیزی سے دوڑا۔ جنگلیوں نے ہاتھی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبرا گئے اور مشعل والے کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ دو تین جنگلیوں نے ہاتھی پر نیزے بھی پھینکے مگر یہ نیزے ہاتھی کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس نے لپک کر دو جنگلیوں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اور دو کو اپنے پاؤں تلے دبا کر کچل دیا۔ سونڈ والوں کو اٹھا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھما کر درخت کے ساتھ اس طرح سے پٹخا کر ان کا کچومر نکل گیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔

یہ ایک آدم خور ہاتھی تھا اور ایک عرصے سے جنگل میں اس نے دہشت پھیلا رکھی تھی۔ انسان کی بُو اسے دور سے آ جاتی تھی۔ جنگلی چیختے چلاتے وہاں سے بھاگ گئے۔ ہاتھی نے جنگل میں کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا اور پھر واپس آگیا۔ گڑھے کے پاس سے گزرتے ہوئے ہاتھی رک گیا۔ اسے گڑھے میں سے انسان کی بو آ رہی تھی۔ اس نے سونڈ جھکا کر گڑھے میں نیچے دیکھا۔

اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا مگر انسان کی بُو برابر وہاں سے آ رہی تھی۔ نیچے دیوار کے ساتھ لگی ماریا نے بھی اوپر ہاتھی کو دیکھا کہ وہ جھک کر گڑھے میں دیکھ رہا ہے۔ وہ ڈر گئی۔ سمجھ گئی کہ یہ آدم خور ہے اور اسے انسان کی بُو آ رہی ہے ابھی ابھی اس نے ہاتھی کی چیخ اور جنگلیوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنی تھیں۔ مرنے والے جنگلیوں کی چیخیں بھی سنی تھیں۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ہاتھی کچھ جنگلیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔

اسے ایک تسلّی تھی کہ ہاتھی گڑھے میں نہیں اتر سکتا۔ وہ تھوڑی دیر وہاں رک کر آگے نکل جائے گا لیکن سوال یہ

ت کہ وہ اس گڑھے میں سے کیسے نکلے گی؟ وہاں ایسی کوئی ورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ رات گزر گئی۔ ماریا گڑھے میں ہی سو گئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو گڑھے میں سورج کی روشنی درختوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اب اس نے باہر نکلنے ی ترکیبوں پر سوچ بچار شروع کر دیا۔

وہ گھاس کا رسہ بنا سکتی تھی۔ مگر رسہ اوپر اچھال کر کیا کرے گی؟ اس کے آگے کوئی ایسا ہک کہاں سے لائے گی جو باہر جا کر کسی درخت سے اٹک جائے۔ یہ خیال بھی بیکار تھا۔ اب ماریا نے اپنے آپ کو خدا کے بھروسے پر چھوڑ دیا کہ جو ہوگا اس کے لیے ٹھیک ہوگا اور خدا اس کے باہر نکلنے کی کوئی نہ کوئی سبیل بنا دے گا۔

دوپہر ہو گئی۔ پھر دھوپ گڑھے میں سے غائب ہو کر باہر نکل گئی۔ گویا شام کی آمد آمد تھی۔ اتنے میں کچھ لنگور گڑھے کے اوپر آ کر نیچے گڑھے میں جھانکنے لگے۔ انہیں کچھ نظر نہ آیا تو پرے ہٹ گئے۔ پھر شام بھی ہو گئی۔ جنگل میں پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا۔ جوں جوں رات ہو رہی تھی۔ پرندے درختوں پر خاموش ہونے لگے تھے۔ پھر رات کا اندھیرا ہو گیا۔ جنگل میں چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ ماریا گڑھے میں کتنی دیر سے قید تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ وہ باہر آنے کیلئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے تاب تھی مگر باہر آنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

شاید آدھی رات گزر رہی تھی کہ ماریا نے کچھ لوگوں کی آواز سنی۔ اس نے کان ان آوازوں پر لگا دیئے۔ شاید یہ جنگلی لوگ تھے جو تیز تیز باتیں کرتے گڑھے کی جانب چلے آ رہے تھے۔ آوازیں گڑھے کے اوپر آ کر رک گئی۔ ماریا میں بھی یہ طاقت تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتی تھی۔ اس نے سنا ایک جنگلی کہہ رہا تھا۔

"گھاس کا چھپر اندر گڑھے میں گرا ہے۔ اسے اندر سے اٹھایا جائے۔"

دوسرے نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ہم نیا بنائیں گے۔"

پھر ایک جنگلی بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ دیر ہو جائے گی۔ میں نیچے جا کر چھپر اٹھا لاتا ہوں۔ تم رسی نیچے کر دو۔"

ماریا خاموشی سے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کے دل میں امید کی ایک کرن چمکی۔ کیونکہ اگر رسی نیچے پھینکی گئی تو وہ بھی رسی کو پکڑ کر باہر نکل جائے گی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ایک جنگلی مشعل لے کر گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ اندر اس کی روشنی آنے لگی مگر چونکہ ماریا غائب تھی اس

لئے وہ کسی جنگلی کو نظر نہ آ سکی۔

اتنے میں ایک موٹا مضبوط رسا گڑھے کے اندر پھینک دیا گیا۔ پھر ایک ناٹے قد کا جنگلی اسی رسے کے ساتھ لٹک کر گڑھے میں آ گیا۔ اس نے بانس کا چھپر جو کہ ایک جگہ سے ٹوٹ گیا تھا، اٹھا کر رسی کے ساتھ باندھ دیا پھر رسے

اور آواز دی۔

"اوپر کھینچو۔"

گڑھے سے باہر نکلنے کا یہ آخری موقع تھا۔ ماریا ایک دم رسے کی طرف گئی۔ اس نے نیچے سے رسے کے سرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے تھامتے ہی اوپر سے رسہ کھینچنے والوں کو ایک جھٹکا لگا اور وزن ایک دم سے بڑھ گیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اب ماریا بھی لٹکی ہوئی تھی اوپر سے جنگلی نے آواز دی۔

"ارے کم بخت! یہ تو نے رسے کے ساتھ کیا باندھ دیا ہے۔

اس کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔"

نیچے سے جنگلی نے کہا

"میں نے کچھ نہیں باندھا"

مگر وہ [illegible] ہوا تھا۔ رسا اس کے ہاتھ میں تھا اسے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے نیچے سے کوئی رسے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھینچ رہا ہے۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ نیچے کوئی بھی نہیں تھا۔ رسے کا دوسرا سرا اسے صاف خالی لٹکتا دکھائی دے رہا

اوپر سے جنگلیوں نے پھر آواز لگائی۔

"ارے! یہ رستا بوجھل کیوں ہے؟"

نیچے والے نے تنک کر کہا۔

"آدم خوروں کی اولادو! کیوں بک بک کر رہے ہو۔ جلدی سے مجھے باہر کھینچو۔ مجھے اندر کسی ہاتھی کی روح کا آسیب لگتا ہے۔"

اوپر والوں نے دو ایک ہاتھ مار کر رستا اوپر کھینچ لیا۔ جنگلی اوپر آ گیا۔ ماریا نے بھی جلدی سے گڑھے کے کناروں کو پکڑ اور وہ باہر آ گئی۔

"ارے تیرا بوجھ ایکدم کیوں بڑھ گیا تھا۔"

"میرا بوجھ اس لئے بڑھ گیا تھا کہ نیچے سے کوئی ہاتھی کی سے کر کھینچ رہی تھی۔ جانے کتنے ہاتھیوں کو ہم نے اس گڑھے میں ڈال کر ہلاک کیا ہے۔"

سب جنگلی ہنسنے لگے۔ ماریا کی کسی کو خبر نہ ہو سکی۔ ما ایک طرف کھڑی ان جنگلیوں کی باتیں سنتی رہی۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے چھپر کو مرمت کیا۔ اس کو گڑھے کے اوپر ڈالا۔ اوپر گھاس بکھیری اور واپس اپنے جھونپڑوں کی طرف چلے گئے۔

انہوں نے ہاتھی کے لئے پھر سے پھندہ تیار کر لیا تھا۔ اب ہاتھی کو تالاب کی طرف آتے ہوئے اس میں گرنا تھا۔

ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ان جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف چلنا چاہئے۔ وہاں ضرور کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے اندھیرے میں ادھر کو روانہ ہوئی جدھر وہ جنگلی گئے تھے۔ جنگل میں اندھیرا تھا۔ درختوں سے اوپر کہیں چاند اپنی روشنی بکھیرنے لگا تھا مگر یہ روشنی نیچے تک نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ نیچے پتوں کا گھی بہت تھا۔

دور درختوں میں ماریا نے جھونپڑوں کے باہر جلتے دیئے دیکھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں جنگلی رہتے تھے۔ ماریا قریب آ گئی۔ جھونپڑوں میں پہنچ کر جنگلی آرام کرنے کے لئے پھر لیٹ گئے تھے۔ باہر چند ایک وحشی نیزے لئے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اب اس تلاش میں تھی کہ وہ جگہ کہاں ہے جہاں ان لوگوں نے کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہیں؟

ایک جھونپڑی کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ اندر ایک تیل کا دیا جل رہا تھا۔ ماریا جلدی سے اس جھونپڑی کے اندر آ گئی۔ کمرے میں امرودوں اور ناریلوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ایک طرف کیلوں کے زرد گچھے پڑے تھے۔ ماریا نے جلدی جلدی کچھ کیلے اور امرود کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی پھر اسی جگہ بانس کی دیوار کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھک [illegible] گئی تھوڑی دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا مگر باہر روشنی بہت کم تھی ماریا نے اٹھ کر آنکھیں ملیں۔ انگڑائی لی اور باہر آ کر دیکھا آسمان کالے سیاہ بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ بڑی سیاہ گھٹا ایسے لگتا تھا [illegible] مگر اب بادلوں سے برسنا شروع کیا تو بارش نہیں رکے گی اور جل تھل ایک کر دے گی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی [illegible] جنگل شاید جنگل میں ہاتھی کی لاش اٹھانے گئے ہوئے تھے [illegible] رات یقیناً [illegible] گڑھے میں گر کر پھنس چکا تھا۔

پیچھے [illegible] کی عورتیں اور بچے ہی رہ گئے تھے کافی عورتیں اپنے خشک [illegible] بچوں کو نہلا دھلا کر [illegible] کھانے کو دے رہی تھیں۔ کچھ عورتیں قریب [illegible] بیٹھی کپڑے دھو رہی تھیں۔

اتنے میں ماریا نے دیکھا کہ کچھ لوگ دریا کی طرف سے جھونپڑوں کی طرف چلے [illegible] ان کے کپڑے بڑے اچھے [illegible] صاف لگتا تھا کہ انگریز ہیں۔ یہ کچھ سات [illegible] انہوں نے تلواریں اور نیزے اٹھا رکھے [illegible] نیزوں والے وحشی تھے۔ یہ وحشی [illegible] تھے کیونکہ انہوں نے [illegible] کے قریب

اگر یہ لوگ جھاڑیوں میں چھپ [illegible]۔ وہ آدمی بھی چھپ گئے ماریا حیران ہوئی کہ یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں اور یہاں کس لئے آئے ہیں۔

عورتیں، لڑکیاں اور بچے ان لوگوں سے بے خبر اپنے اپنے کام میں لگے تھے کہ اچانک جھونپڑوں میں ایک گول سی شے آ کر گری۔ وہ [illegible] معمولی سا دھماکہ ہوا۔ پھر اس گول شے میں سے دھواں نکل کر تیزی سے جھونپڑوں کے اوپر پھیل گیا اس کو سونگھتے ہی عورتیں اور بچے بے ہوش ہو گئے۔

ماریا وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ جب اس دھوئیں کا اثر کچھ کم ہوا تو ماریا نے دیکھا کہ جھونپڑوں میں گہری خاموشی ہے۔ [illegible] بچوں کے رونے اور عورتوں کے چلانے کی آوازیں [illegible]۔ ماریا بھاگ کر جھونپڑوں کی طرف گئی۔ وہاں اس نے یہ نظارہ دیکھا کہ بوڑھی عورتوں نے کچھ بے ہوش اور کچھ نیم بے ہوش بچوں کو اٹھا رکھا تھا۔

عورتوں کی آوازیں سن کر جنگل سے ان کے وحشی آدمی بھی وہاں آ گئے۔ عورتوں نے روتی آوازوں میں انہیں بتایا کہ دریا کی طرف سے سفید لوگ آئے تھے۔ انہوں نے جھونپڑوں میں [illegible] کر دیا جس سے بچے بے ہوش ہو گئے۔ عورتیں بھی [illegible] ہو گئیں [illegible] وہ لوگ ان کی [illegible]

ے گئے ہیں۔

یہ سنتا تھا کہ وحشی جنگلی غصے سے بپھر گئے۔ وہ چ چلاتے دریا کی طرف بھاگے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے بر مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ لوگ ناکام واپس آنے۔ بڑ نڈھال تھے۔ ان کی بہنوں کو اگرچہ سفید فام لوگ اغوا ک کے لے جا چکے تھے!

جنگلی لڑکیاں

جنگلی لوگ رو پیٹ کر چپ ہو گئے

معلوم ہوا کہ سال میں کبھی کبھی شمال سے سفید لوگ آکر ان کی عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر انہیں دوسرے ملکوں میں لے جا کر امیر تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ مشرقی ملکوں میں ماریا اس قسم کی ایک عورتوں کی منڈی دیکھ چکی تھی جہاں دکانوں پر عورتیں بکتی تھیں۔ ماریا کو بڑا صدمہ ہوا کیونکہ جو لڑکیاں اٹھائی گئی تھیں ان کی مائیں رو رو کر برا حال کر رہی تھیں۔ ماریا نے سوچا کہ ان بے چاری سیدھی سادی بے گناہ ماؤں کی مدد کرنی چاہیے۔

اس کو ایک یہ بھی خیال تھا کہ جانے عنبر اور ناگ کس جگہ اترے ہیں؟ یہ خیال آیا کہ چلو نکل چلے۔ شاید اسی طرح عنبر اور ناگ سے بھی ملاقات ہو جائے۔ وہ دریا کی طرف چل پڑی۔ آسمان پہ کالی گھٹا اسی طرح چھائی ہوئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ دریا چڑھاؤ پہ تھا۔ اگرچہ اس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا۔ ماریا نے سوچا کہ سفید لوگ ضرور کسی کشتی یا جہاز پر سوار ہو کر یہاں تک آئے ہیں۔ پھر ان کا جہاز کہاں چلا گیا۔ جتنی دیر میں جنگلی دریا پر گئے وہ غائب ہو چکے تھے۔ ممکن ہے وہ لوگ جنگل کے راستے جا سکے ہیں اور ان کا جہاز یا کشتی دور آگے جا کر کسی جگہ موجود ان کا انتظار کر رہی ہو گی

یہ سوچ کر ماریا نے خدا کا نام لیا اور جنگل میں دریا کے کنارے کنارے چل پڑی۔ چلتے چلتے ابھی وہ [illegible] آخری گھاٹ پر ہی پہنچی تھی کہ ایک دم سے بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک پگڈنڈی جنگل کے اندر چلی گئی تھی۔ ماریا اس پگڈنڈی پر آ گئی۔ اسے سوچا کہ شاید جنگل کے اندر کہیں بارش سے بچنے کو جگہ مل جائے جنگل کے اندر بارش کم تھی۔ بارش کے قطرے درختوں کے گھنے پتوں میں ہی رک رہے تھے۔

ماریا جنگل میں کافی اندر نکل آئی۔ ایک جگہ اس نے بڑی سی چٹان دیکھی جس پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں ہوا ان۔ رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس چٹان کے اندر ایک گڑھا سا بن گیا تھا۔ ماریا اس گڑھے میں جا کر بیٹھ گئی یہ چھوٹا سا [illegible] غار جو چٹان کے پہلو میں بڑا [illegible]

پڑا ہوا تھا

ماریا نے ابھی چٹان کے شگاف میں بیٹھ کر دم ہی لیا تھا کہ جنگل میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بارش اتنی تیز تھی کہ گھنے درختوں کے اندر سے ہو کر نیچے آ رہی تھی۔ ماریا نے ہرنوں کی ایک ڈار کو اپنے گھروں کی طرف بھاگتے دیکھا۔ اس کے بعد ایک ریچھ بھاگتا ہوا آیا۔ اس کو [illegible] اور کوئی جگہ نہ ملی تو وہ سیدھا اس چٹان کی طرف [illegible] جہاں ماریا نے پناہ لے رکھی تھی۔

ماریا ریچھ کو دیکھ کر ایک دم سے پرے ہٹ گئی۔ ریچھ چٹان کی دیوار کے ساتھ آ کر لگ گیا۔ ریچھ چونکہ جنگلی جانور تھا اس لئے اسے انسان کی باقاعدہ بو آ رہی تھی اس نے جدھر سے بو آ رہی تھی ادھر دیکھا مگر وہاں اسے کوئی انسان نہ دکھائی دیا۔ بڑا حیران تھا کہ یہ اتنی تیز بو آ رہی ہے اور انسان بھی نہیں ہے اس نے اس طرف بڑھنا شروع کر دیا جدھر ماریا کھڑی تھی۔ ابھی وہ ایک قدم بڑھا ہی تھا کہ جنگل خوفناک گرج سے گونج اٹھا

ریچھ کا اگلا اٹھا ہوا قدم اسی جگہ رک گیا۔ شیر کی گرج نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ اس نے گردن کر دو تین بار فضا میں تھوتھنی اٹھا کر [illegible] کیا اور پھر ایک طرف کو بھاگ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا ہوا۔ ماریا نے سکھ کا سانس لیا۔ اب اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں شیر صاحب ادھر تشریف نہ لے آئیں۔ اور وہی ہوا۔ یعنی دوسرے ہی لمحے ایک طاقتور جوان شیر درختوں سے نکل کر سامنے آگیا۔ بارش میں وہ بھیگ رہا تھا اور اس نے جب منہ اوپر اٹھا کر ایک گرج دار آواز نکالی تو درختوں میں پناہ لیتے ہوئے پرندے پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔

شیر نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔ اس کی دم بار بار حرکت کر رہی تھی۔ پھر اچانک پیچھے سے "سن" کر کے ایک تیر آیا اور شیر کی گردن میں گڑ گیا۔ شیر اچھلا اور دھاڑتا ہوا بھاگا مگر دو قدم چل کر گر پڑا۔ ماریا سمجھ گئی کہ جو تیر اسے لگا ہے وہ زہریلا تھا۔ اور یہ تیر کسی وحشی نے چلایا ہوگا اب ماریا اس جنگلی وحشی کا انتظار کرنے لگی جس نے تیر چلایا تھا۔

اتنے میں درختوں کے بیچ میں سے دو سفید آدمی اپنے جنگلی ساتھیوں کو لے کر باہر آگئے۔ انہوں نے آتے ہی شیر کی گردن تلوار سے کاٹ کر الگ کر لی۔ شیر کو ڈولی ڈنڈا کر کے جنگلیوں نے اٹھایا اور ایک طرف کو چل پڑے۔ سفید آدمیوں کو دیکھ کر ماریا چونک اٹھی۔ یہ تو وہی آدمی تھے جنہوں نے جنگلیوں کی لڑکیوں کو اغوا کیا تھا۔ ماریا کا خیال

نکلا۔ یہ لوگ ابھی تک جنگل میں ہی چھپے ہوئے تھے وہ اپنے جہاز کا انتظار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ شیروں کی کھالیں اور سر بھی اکٹھے کر رہے تھے۔

ماریا چٹانوں کے شگاف سے نکل کر ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ جنگل میں بارش ہو رہی تھی۔ سفید لوگوں نے لمبے لمبے بھاری چغے سے ڈال رکھے تھے۔ ماریا کا لباس بھیگ گیا تھا۔ آگے جا کر جنگل گھنا ہو گیا جس کی وجہ سے روشنی بھی کم تھی۔ چلتے چلتے یہ سفید فام لوگ ایک طرف کو ہو گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے رہی۔

اب سامنے ایک ٹیلہ آگیا جس کے پاؤں میں ایک سوراخ بنا ہوا تھا۔ سوراخ کا دہانہ اتنا تھا کہ آدمی جھک کر اندر جاتا تھا۔ سفید فام لوگ اور دوسرے جنگلی اس کے اندر جھک کر داخل ہو گئے۔ ماریا بھی کچھ دیر کے بعد اندر چلی گئی۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں نے جنگلی لڑکیوں کو اسی جگہ چھپایا ہوا ہے۔ اندر تیل کا دیا جل رہا تھا اور اندر سے غار کی چھت اونچی ہو گئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک جانب شیر کی کھالوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ دونوں سفید فام ایک طرف بیٹھ کر کچھ پینے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ ان کی باتوں سے ماریا کو بڑی مایوسی ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ایک بادبانی جہاز میں جنگلی رکھوا کر آگے روانہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ اب دوسرے بادبانی جہاز کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے سوچا کہ اسے ان لوگوں کے پیچھے لگا رہنا چاہیے کیونکہ آخر یہ بھی وہیں پہنچیں گے جہاں وہ لوگ اور جنگلی لڑکیاں ہیں۔ دوپہر کے بعد ایک وحشی بھاگتا ہوا اندر آیا اور بولا۔

"مالک! جہاز دریا میں آگیا ہے۔"

یہ سن کر دونوں سفید فام جلدی سے اٹھے۔ شیروں کی کھالیں اور سر وحشیوں کے کندھوں پر لادے اور تلواریں کندھوں پر رکھ کر دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماریا بھی ساتھ ساتھ چلی۔ جنگل میں سے نکل کر وہ دریا پر آئے تو ذرا فاصلے پر ایک چھوٹا بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ اس قسم کے جہازوں کی دو منزلیں ہوتی تھیں اور اندر چھ سات چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوتے تھے۔ ایسے جہاز عام طور پر چھوٹا موٹا سامان ادھر ادھر پہنچانے کے کام آتے تھے۔

آج کل اس قسم کے جہازوں کا کام سٹیمروں سے لیا جاتا ہے۔ جہاز پر لال جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ان سفید فاموں نے ہاتھ ہلائے۔ جہاز پر سے ایک کشتی اتاری گئی۔ اس میں ایک ملاح سوار تھا۔ کشتی دریا کے کنارے آکر لگ گئی۔ دونوں

اس میں سوار ہو گئے۔ ایک وحشی نے اپنے آقا سے ی مانگی تو دوسرے سفید فام نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر ے زمین پر گرا دیا۔ وہ بے چارا ایک پل میں تڑپ کر ر گیا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کا انجام دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ماریا جلدی سے کشتی کے ایک طرف سوار ہو گئی۔ کشتی تیزی سے جہاز کی طرف چلنے لگی۔ جس نے وحشی کو بے گناہ مار ڈالا تھا اس کی ایک آنکھ کانی تھی۔ ماریا نے دل ہی دل میں اس کو کانا سفید کہہ کر یاد کرنا شروع کیا۔ وہ اس سفید کانے کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سفید کانے سے وحشی مزدور کے قتل کا بدلہ ضرور لے گی۔

کشتی تھوڑی دیر بعد بادبانی جہاز کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ وہ دونوں سفید فام رسی کی سیڑھی کی مدد سے اوپر چڑھ گئے۔ اس کے بعد کشتی کو اوپر اٹھا لیا گیا۔

ماریا کشتی کے اندر ہی بیٹھی رہی۔ وہ کشتی کے ساتھ ہی اوپر جہاز پر پہنچ گئی۔ جہاز کا عرشہ یعنی اوپر کا ڈیک مختصر تھا۔ کونے میں لکڑی کے پرانے دو چار صندوق پڑے تھے۔ ایک جگہ پرانے بانس کے گٹھے رکھے تھے۔ اس جہاز پر سات سفید فام کام کرتے تھے۔ صرف دو تین کالے تھے جن کو جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی صفائی کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔

ماریا کشتی سے اتر کر ڈیک یعنی عرشے پر آ گئی۔ کشتی کے اوپر آتے ہی جہاز نے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے تھے۔ بادبانوں میں ہوا کے بھرتے ہی اس نے دریا میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ بارش ابھی تک اسی طرح ہو رہی تھی۔ ماریا عرشے پہ ایک چھپر کے سائے میں کھڑی تھی۔ سب لوگ نیچے تھے۔ صرف اوپر سامنے کی جانب ایک بوڑھا سفید فام ایک بادبان کی رسی باندھ رہا تھا۔ رسی باندھ کر اس نے بادبان کا رخ ایک خاص زاویے پر کر دیا اور ٹوپی آتار کر اسے نچوڑتا ہوا نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر تک تو ماریا وہاں کھڑی رہی پھر وہ تھک گئی۔ سوچا کہ نیچے چلی جائے۔ وہ کب تک یہاں کھڑی رہے گی۔ نہ معلوم ابھی دریا میں کتنا سفر باقی ہے۔ آخر نیچے جانا پڑے گا۔ ماریا عرشے کی سیڑھی پر آ گئی۔ یہ سیڑھی لکڑی کی تھی۔ نیچے بھی جا رہی تھی۔ چھ سات سیڑھیاں اتر کر ہی دوسری منزل آ گئی۔ یہاں تنگ سا راستہ تھا جس کے دونوں جانب چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اب حالت یہ تھی کہ اگر ماریا وہاں کھڑی ہوتی اور کوئی ملاح وہاں سے گزرتا تو اس کا جسم ماریا کے جسم سے رگڑ کھاتا کیونکہ راستہ تنگ تھا۔ ماریا کی سب سے اہم ضرورت اس وقت

کہ وہ کسی کوٹھڑی یعنی کیبن میں چلی جائے۔ اس نے کوٹھڑیوں کے دروازوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ ملاح بیٹھے اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔ کوئی بھی کیبن خالی نہیں تھا۔ کونے والی آخری کوٹھڑی رہ گئی تھی۔ وہاں ماریا نے دیکھا کہ وہاں آدمی تو کوئی نہیں ہے مگر کوٹھڑی آٹے کی بوریوں، خشک میووں اور شیر کی کھالوں سے بھری ہوئی ہے۔ ایک کونے میں جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر تھا۔ ماریا کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

اس نے خشک میووں کی بوریوں کے اوپر ایک طرف اپنے لئے جگہ بنا لی۔ ایک بوری کا منہ ذرا سا کھلا تھا۔ ماریا نے اندر ہاتھ ڈال کر خشک خوبانیوں اور میووں سے بھر کر مٹھی باہر نکالی اور مزے سے کھانی شروع کر دی۔ یہاں دیوار پر چھت کے ساتھ لگا ایک چھوٹا سا سوراخ دیکھا جس پہ لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اس سوراخ میں سے تازہ ہوا بھی اندر آ رہی تھی اور باہر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ماریا نے چہرہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر باہر دیکھا۔

دریا کے کنارے کنارے جنگل پیچھے کو جا رہے تھے۔ جہاز آرام سے آگے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ آسمان پہ بادل ہی بادل تھے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کا پانی لہریں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی صفائی کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔

ماریا کشتی سے اتر کر ڈیک یعنی عرشے پر آ گئی۔ کشتی کے اوپر آتے ہی جہاز نے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے تھے۔ بادبانوں میں ہوا کے بھرتے ہی اس نے دریا میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ بارش ابھی تک اسی طرح ہو رہی تھی۔ ماریا عرشے پر ایک چھپر کے سائے میں کھڑی تھی۔ سب لوگ نیچے تھے۔ صرف اوپر سامنے کی جانب ایک بوڑھا سفید فام ایک بادبان کی رسی باندھ رہا تھا۔ رسی باندھ کر اس نے بادبان کا رخ ایک خاص زاویے پر کر دیا اور ٹوپی اتار کر اسے نچوڑتا ہوا نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر تک تو ماریا وہاں کھڑی رہی پھر وہ تھک گئی۔ سوچا کہ نیچے چلنا چاہیئے۔ وہ کب تک یہاں کھڑی رہے گی۔ نہ معلوم ابھی دریا میں کتنا سفر باقی ہے۔ آخر نیچے جانا پڑے گا۔ ماریا عرشے کی سیڑھی پر آ گئی۔ یہ سیڑھی لکڑی کی تھی۔ نیچے چلی جا رہی تھی۔ چھ سات سیڑھیاں اتر کر ہی دوسری منزل آ گئی۔ یہاں تنگ سا راستہ تھا جس کے دونوں جانب چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اب حالت یہ تھی کہ اگر ماریا وہاں کھڑی ہوتی اور کوئی ملاح وہاں سے گزرتا تو اس کا جسم ماریا کے جسم سے رگڑ کھاتا کیونکہ راستہ تنگ تھا۔ ماریا کی سب سے اہم ضرورت اس وقت

کر وہ کسی کوٹھڑی یعنی کیبن میں چلی جائے۔ اس نے ی کوٹھڑیوں کے دروازوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ ملاح بیٹھے اپنے کام میں لگے تھے۔ کوئی بھی کیبن نہیں تھا۔ کونے والی آخری کوٹھڑی رہ گئی تھی۔ وہاں ماریا نے دیکھا کہ وہاں آدمی تو کوئی نہیں ہے مگر آگ ڑی آٹے کی بوریوں، خشک میووں اور شیر کی کھالوں سے ی ہوئی ہے۔ ایک کونے میں جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر تھا۔ ماریا کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

اس نے خشک میووں کی بوریوں کے اوپر ایک طرف اپنے لئے جگہ بنا لی۔ ایک بوری کا منہ ذرا سا کھلا تھا۔ ماریا نے اندر ڈال کر خشک خوبانیوں اور میووں سے بھر کر مٹھی باہر نکالی مزے سے کھانی شروع کر دی۔ یہاں دیوار پر چھت کے ساتھ لگا ایک چھوٹا سا سوراخ دیکھا جس پر لوہے کی سلاخیں ی تھیں۔ اس سوراخ میں سے تازہ ہوا بھی اندر آ رہی تھی باہر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ماریا نے چہرہ سلاخوں ے ساتھ لگا کر باہر دیکھا۔

دریا کے کنارے جنگل پیچھے کو جا رہے تھے۔ جہا رام سے آگے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر بادل ہی ل تھے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کا پانی لہریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا. ایسا لگتا تھا جیسے سیلاب آ رہا ہو. ماریا بوریوں پر بیٹھ گئی اور اسے نیند نے آ لیا.

وہ ساری رات سوئی رہی. صبح اس کی آنکھ کھلی تو س میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی. ماریا نے خشک کھجوروں سے ناشتہ کیا. اب اسے گرم گرم قہوے ضرورت محسوس ہوئی جو اسے وہاں نہیں مل سکتا تھا. وہ بوریوں سے اتر کر کوٹھڑی کے دروازے پر آ گئی. وہ نہا کر کپڑے بھی تبدیل کرنا چاہتی تھی.

اس نے دیکھا کہ ملاح ایک طرف تولیے کندھوں پہ رکھے جا رہے ہیں. سمجھ گئی کہ ادھر غسل خانہ ہو گا. وہ بھی اس طرف چلی. ماریا ایک طرف کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی کہ غسل خانہ خالی ہو تو وہ بھی اندر جائے. آخر خدا خدا کر کے غسل خانہ خالی ہوا تو وہ اندر جا کر نہانے لگی. نہا کر باہر نکلی تو پرانے کپڑے اس نے پھر پہن رکھے تھے. کپڑے بدلنے کی ضرورت تھی وہ ایک خوبصورت سے کیبن میں آ گئی. یہ جہاز کے کپتان کا کیبن تھا. جو اس وقت وہاں نہیں تھا. ماریا نے اس کے بستر کی چادر اٹھا کر لپیٹی. پرانے کپڑے نچوڑ کر آگ پر سکھائے پھر جب وہ سوکھ گئے تو انہیں دوبارہ پہنا. بستر کی چادر اپنے ساتھ لی تاکہ بوریوں پہ بستر بن جائے اور اسے اپنی

ٹھڑی میں بوریوں کے اوپر ٹیک کر گرم گرم قہوے کی ش میں نکل کھڑی ہوئی. اسے معلوم تھا جہاز کا باورچی خانہ کدھر ہے.

اورچی خانے میں آگ جل رہی تھی. آگ پر ایک بڑی تیلی میں قہوہ ابل رہا تھا. ایک سفید فام موٹا باورچی قہوہ سوں میں ڈال کر ساتھ باجرے کی خشک روٹی اور ہر ایک کو دے رہا تھا. چند ایک ملاح تھے. یہ میزوں کے رد بیٹھے ہوئے آرام سے ناشتہ کر رہے تھے.

ماریا نے ایک خالی گلاس اٹھایا اور باورچی کے پاس جا کھڑی ہو گئی. باورچی کو گلاس نظر نہیں آ رہا تھا. وہ تو ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا تھا. باورچی آرام سے بیٹھا اپنا ناشتہ کر رہا تھا جس پر ماریا نے آگے بڑھ کر وہ ڈونگا اٹھا لیا جس کے ساتھ باورچی قہوہ ڈالتا تھا. باورچی نے جو نظریں گھما کر دیکھا تو ڈونگا غائب تھا. اس دوران میں ماریا نے قہوہ اپنے گلاس میں ڈال لیا تھا. باورچی نے جب دوبارہ اچانک ڈونگے کو اپنی جگہ پر آتے دیکھا تو وہ اچھل پڑا.

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" وہ بول اٹھا.

"کیا ہوا موٹے؟" ایک ملاح نے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باورچی بولا۔

"یہ ڈونگا ابھی ابھی میری آنکھوں سے غائب ہوا تھا۔ پھر اپنی جگہ پر آگیا ہے۔"

سارے ملاح ہنسنے لگے

"موٹا پاگل ہوگیا ہے۔ اسے دریا میں پھینک دو۔"

ایک ملاح نے دور سے ایک امرود پھینکا جو موٹے باورچی کے گنجے سر سے ٹکرا کر دور جا پڑا۔

"ارے موٹے! یہ امرود کھا لے۔ تیری نظر ٹھیک ہو گی۔"

تیسرا ملاح بولا۔

"اس کی نظر نہیں۔ دماغ خراب ہے۔"

"تو پھر اسے بھرتے مار دو دوستو!"

اس پر سارے کے سارے ملاح قہقہہ لگا کر ہنس مگر باورچی برابر ڈونگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سچا تھا نے واقعی تھوڑے کے ڈونگے کو غائب ہوتے اور پھر ظاہر ہوتے دیکھا تھا اور بلاشبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے

"دوستو! تم چاہے جو کہہ لو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میری آنکھوں کے سامنے سے یہ ڈونگا غائب ہوا ہے دوبارہ ظاہر ہوا ہے۔"

ایک ملاح نے اٹھ کر اپنا خالی گلاس ملاح کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے الو کے پٹھے! یہ دیکھ۔ میں اپنا خالی گلاس تیری آنکھوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس سے کہو کہ یہ غائب ہو جائے۔ یہ کیوں غائب نہیں ہوتا؟"

ماریا یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی اور کونے میں ایک طرف بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ اب جو اس نے دیکھا کہ معاملہ دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اور غریب باورچی پر کوئی اعتبار نہیں کر رہا۔ ہر ملاح اس کا مذاق اڑا رہا ہے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باورچی کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ وہی ملاح اپنا خالی گلاس اس کے سامنے رکھے کہہ رہا تھا۔

"ارے الو کی دم! اب اس گلاس کو غائب کر کے دکھا۔"

سارے ملاح وہاں کھڑے موٹے گنجے باورچی کو مذاق مذاق میں مجبور کر رہے تھے کہ وہ گلاس کو غائب کرے ماریا نے بڑے آرام سے ہاتھ آگے بڑھایا اور گلاس اٹھا لیا۔ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ گلاس ان کے سامنے سے ایک دم سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو حیرت سے تکنے لگے۔ باورچی اپنی جگہ سے اچھل کر بھوت بھوت کہتا پرے ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس طرف گلاس دوبارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس پہ ملاح گھبرا کر باہر کو دوڑے۔

"بھوت! بھوت! یہاں بھوت ہے۔"

خبر کپتان کو پہنچی تو وہ جلدی سے باورچی خانے میں گیا۔ اس نے اس گلاس کا معائنہ کیا جو غائب ہو گیا تھا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔

"مجھے تو اس میں غائب ہونے والی کوئی بات نظر نہیں آتی۔"

موٹے باورچی نے کہا۔

"جناب! یہ میری آنکھوں کے سامنے دو بار غائب ہوا ہے۔"

دوسرے ملاح بول پڑے۔

"ہاں جناب! ایک بار غائب ہوتے تو ہم نے بھی دیکھا ہے"

کپتان نے گلاس دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ کر کہا

"تم سب لوگوں نے ضرور بھنگ پی رکھی ہے۔ چلو اپنا اپنا کام کرو۔ بھاگو۔"

ملاح اپنی اپنی جگہوں پر جا کر کام میں لگ گئے۔

اس وقت ماریا ڈیک پر کونے میں ایک جگہ کھڑی دریا کا منظر دیکھ رہی تھی۔ شام ہونے والی تھی۔ آسمان پہ اسی طرح بادل چھائے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے پر ماریا کپتان

کے کیبن کے پاس سے گزری تو اسے اندر باتوں کی آواز آئی۔ وہ راستے میں کھڑی نہیں ہو سکتی تھی اس نے محسوس کیا کہ دروازہ کھلا ہے۔ وہ اندر چلی گئی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ کپتان کے ساتھ وہی دونوں سفید فام جن میں سے ایک کانا تھا، بیٹھے تھے۔ کپتان کہہ رہا تھا۔

"اگر موسم ٹھیک رہا اور ہوا اسی طرح چلتی رہی تو ہم ٹھیک وقت پہ منزل پہ پہنچ جائیں گے۔"

سفید کانا بولا۔

"ابھی کتنے دنوں کا سفر باقی ہے؟"

کپتان مسکرایا۔

"ابھی پورے سات دن لگیں گے۔ ابھی تو ہم دریا میں ہیں پھر پانچ دن کا سمندر کا سفر باقی ہے۔"

یہ سن کر ماریا تو پریشان ہو گئی۔ یہ کم بخت تو سمندر کا سفر بھی کرنے والے تھے۔ خدا جانے کس ملک کو جا رہے تھے۔ عنبر اور ناگ کو وہ کہاں تلاش کرے گی۔ اس کا تو خیال تھا کہ یہ لوگ دریا میں سفر کرتے اسی ملک کے اندر کسی شہر میں جائیں گے جہاں وہ عنبر اور ناگ کو بھی تلاش کرے گی۔ اب نقشہ ہی بدل گیا تھا۔

کانے کے ساتھی نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے۔ خدا کرے کہ موسم ٹھیک رہے"

پھر کاسنے نے کپتان سے پوچھا۔

"تم نے لڑکیاں جن لوگوں کے حوالے کیں وہ اعتبار کے آدمی تھے نا؟"

کپتان بولا۔

"کیوں نہیں جناب! ہم جس کام کی اجرت لیتے ہیں اس کی تکمیل پوری دیانتداری سے کرتے ہیں۔ آپ نے ہمیں چار لڑکیاں دی تھیں۔ میں نے چاروں کی چاروں لڑکیاں اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے تاکید کر دی تھی کہ وہ آپ کے آدمیوں تک پہنچا دیں۔ وہ لوگ ایلبر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

ماریا کو یاد آ گیا کہ ایلبر نام کا جزیرہ بحر اکاہل میں تھا۔ تو کیا یہ لوگ ایلبر جا رہے ہیں؟ ماریا خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلی اور سیدھی اپنی کوٹھڑی میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ اب اس کے سامنے ایک لمبا سمندری سفر تھا۔ شاید آدھی رات کو جہاز سمندر میں داخل ہونے والا تھا!

مقدس روح

جہاز آدھی رات کو سمندر میں داخل ہو گیا۔

ماریا اس وقت سو رہی تھی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو دیوار کے سوراخ میں سے کیا دیکھتی ہے کہ جہاز سمندر میں چلا جا رہا ہے۔ ایک پل کے لئے اس نے سوچا کہ یہ چھوٹا سا جہاز کیا اتنے بڑے سمندر میں سفر کر سکے گا؟ پھر اسے خیال آیا کہ یہ لوگ ناجائز طور پر یہ کاروبار کرتے ہیں اور انہیں اس سمندر میں سفر کا کافی تجربہ ہے۔ یہ لوگ جزیرہ ایلبر پہنچ جائیں گے۔ ویسے بھی سمندر پرسکون تھا۔ کسی طوفان کے آثار نہیں تھے۔ ابھی سمندر میں پانچ دن تک سفر کرنا تھا۔ اگر جہاز بڑا ہوتا تو اس کی رفتار بھی تیز ہوتی اور شاید دو روز میں ہی یہ سفر ختم ہو جاتا مگر یہ جہاز چھوٹا تھا۔

چار روز تک جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ پانچویں روز کا سفید فام کسی کام سے اس کوٹھڑی میں آ گیا جہاں ماریا نے پناہ لے رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی۔ شاید وہ خشک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے آیا تھا۔ اتفاق سے ماریا اس وقت بوریوں سے نیچے اتری ہوئی تھی اور باہر نکلنے والی تھی۔ کانے سفید نے اوپر جا کر بوری کو کھلا دیکھا تو حیران ہوا کہ یہ خشک میوے یہاں سے کون چوری کر رہا ہے۔ اس نے باہر جا کر کپتان کو اطلاع دی۔

"جناب! آپ کے سٹور سے ملاح خشک میوے چراتے ہیں!"

کپتان نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا وہاں سے سونا چوری کریں گے۔ ٹھیک ہے ہمارے ملاحوں کو خشک میووں کا بہت شوق ہے۔"

کانا سفید بڑبڑاتا ہوا واپس آ گیا۔ کوٹھڑی میں آ کر اس نے بوری کو رسی کے ساتھ اچھی طرح سی دیا اور چلا گیا۔ ماریا کو یہ شخص زہر لگتا تھا۔ ویسے بھی یہ بڑا ظالم تھا اور اس نے ایک جنگلی کو اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا تھا۔ ماریا اس جنگلی کے خون کا اس سفید فام کانے سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔

وہ ناشتے کے لئے باورچی خانے میں آ گئی۔ یہاں کچھ ملاح بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ گنجا باورچی اپنی جگہ پر مزے سے بیٹھا تھا اور ہنس ہنس کر ملاحوں سے باتیں کر رہا تھا

انہیں قہوہ پلاتا اور ڈونگوں میں ڈال ڈال کر دے رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسی خالی ڈونگے کی تلاش میں تھی کہ اس نے دیکھا کہ وہی کانا سفید فام ناشتے کے لئے آ رہا ہے۔ ایک میز پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

"میرے لئے ابلی ہوئی مرغی، انڈے اور قہوہ لاؤ۔"

باورچی بے چارہ اس بدخصلت انسان سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ دو منٹ میں معمولی سی بات پر بھی انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس نے کہا۔

"جو حکم جناب!"

پھر ایک نوکر نے پلیٹ میں ابلی ہوئی مرغی کی ٹانگ، دو ابلے ہوئے انڈے اور قہوے کا ڈونگا رکھا اور کانے کے آگے جا کر لگا دیا۔ کانے کی کانی آنکھ پھڑکی۔ مرغی کی ٹانگ اور انڈے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ ماریا کو شرارت سوجھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کانے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

پھر اس نے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر کانے کی پلیٹ میں سے انڈہ اور مرغی کی ٹانگ اٹھا لی۔ کانا سفید فام

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے میں آ گیا۔ اس کی پلیٹ میں سے مرغی اور انڈہ اس کی ایک آنکھ کے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور غصے میں بولا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

باورچی نے دور سے پوچھا۔

"کیا بات ہے جناب!"

اور جب کانے نے بتایا کہ اس کی پلیٹ میں سے مرغی اور ایک انڈہ غائب ہو گیا ہے تو سب لوگ دہشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ انہیں اس روز والا بھوت یاد آ گیا۔ گنجا باورچی بے چارہ تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کہا۔

"حضور: جہاز پر کسی آسیب نے حملہ کر دیا ہے۔ پہلے بھی ایک ڈونگا غائب ہو گیا تھا اور پھر واپس آ گیا تھا!"

کانے نے غرا کر کہا۔

"بکواس بند کرو حرامی گنجے! یہ سب تمہاری شرارت ہے۔ تم نے جادو کے زور سے میری مرغی اور انڈہ غائب کیا ہے۔ میں ابھی تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔"

اور کانا کمر سے خنجر نکال کر باورچی کی طرف بڑھا۔ مایا یہ کس طرح گوارا کر سکتی تھی کہ بے گناہ باورچی کو سزا ملے

ں نے آگے بڑھ کر کانے سفید فام کے آگے ٹانگ رکھ دی۔ وہ الجھ کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ سب ملاح ہنے لگے۔ کانا پریشان ہو گیا۔ غصے میں چلایا۔

"میں تم لوگوں کو سمجھ لوں گا۔ تم سب حرامی پلّے ہو۔ تم و اس گستاخی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا!"

اور کانے نے ایک ملاح کے سینے میں خنجر گھونپ دیا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہاں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اتنے یں کپتان بھی وہاں آ گیا۔ کپتان کانے کو کچھ نہیں کہہ کتا تھا۔ کیونکہ اس نے ہزاروں روپے دے کر جہاز کو رائے پر لے رکھا تھا۔ وہ کانے کو ساتھ لے کر اوپر چلا گیا۔ مایا نے دیکھا کہ زخمی ملاح دم توڑ چکا تھا۔ گویا انے سفید فام نے ایک اور انسان کو ہلاک کر دیا تھا۔ مایا نے فیصلہ کیا کہ اس سفید فام کانے کو اب وہ زندہ نہیں چھوڑے گی۔

کانا سفید فام اب موت سے نہیں بچ سکتا تھا۔

پانچویں روز دور سے جزیرہ نظر آنے لگا۔ ملاحوں اور سفید آدمیوں نے بڑی خوشی منائی۔ جہاز آہستہ آہستہ ہوا کے دوش پر چلتا ہوا جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ جزیرہ کافی وسیع تھا۔ مگر بے آباد تھا۔ صرف چند ایک وحشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبیلے آباد تھے۔ سفید فام بردہ فروشوں نے اس جزیرے کو اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ وہ مختلف علاقوں سے لڑکیوں کو اغوا کرکے یہاں لاکر رکھتے تھے اور پھر وہاں سے دوسرے ملکوں میں لے جاکر فروخت کر دیتے تھے۔ دوپہر کے بعد جہاز جزیرے کے کنارے پر جا لگا۔

ملاح چھلانگیں لگا کر اتر گئے۔ دونوں سفید فام اور جہاز کا کپتان جزیرے میں ایک پتلی سی پگڈنڈی پر ہو لئے جو اندر جنگل کی طرف چلی گئی تھی۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ تھوڑا سا پیچھے رہ کر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ تینوں جنگل میں کافی دور تک چلنے کے بعد ایک کافی بڑی جھونپڑی کے باہر جاکر رک گئے۔ یہ جھونپڑی کیلے کی چھت کی تھی اور اس کا دروازہ بانس کا تھا۔ کانے نے سیٹی بجائی۔ اندر سے ایک کالا حبشی باہر نکلا۔ اس نے دونوں سفید فاموں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ سر جھکایا اور کہا۔

"جناب! اندر تشریف لائیں۔"

دونوں سفید لوگوں نے کپتان کو رخصت کرتے ہوئے کہا

"کپتان! اب تم جا سکتے ہو۔ تمہاری رقم آج شام کو تمہیں مل جائے گی۔ تمہارا واپس جانے کا کب ارادہ ہے؟"

کپتان نے کہا۔

"جس روز آپ چلنے کو کہیں گے چل پڑوں گا۔"

کانا بولا۔

"میرا خیال ہے ہم دو روز بعد یہاں سے لڑکیوں کو لے کر ھو کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ تم پرسوں شام تک جہاز ں خوراک پانی کا ذخیرہ بھر رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔"

کپتان سلام کرکے چلا گیا۔ کانے نے اسے کچھ سونے ی اشرفیاں دے دی تھیں۔ اب دونوں سفید فام جھونپڑے یں چلے گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے گئی۔ اندر جاکر دیکھا کہ جھونپڑا کافی بڑا ہے۔ پہلو میں بانس کا ایک اور دروازہ ہے۔ ظاہر ہے ادھر بھی کوئی کمرہ بنا ہوگا۔ ماریا نے سوچا کہ لڑکیاں ضرور اسی طرف ہوں گی۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔ دونوں سفید فام اور بیٹھے پھل کھا رہے تھے۔ کانا ان میں سب سے آگے تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہی ان کا سردار ہے۔

کانے نے کہا۔

"کل چار لڑکیاں ہیں جو ہم اغوا کر سکے ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باس! کیا کریں۔ ہم نے جس قبیلے پر بھی حملہ کیا وہاں بوڑھی عورتیں تھیں یا بچے تھے۔ جوان لڑکی کہیں بھی نہیں تھی!"

"تم ان بچوں کو ہی اغوا کر لاتے۔ ہم انہیں بصرے کی منڈی میں غلام بنا کر بیچ دیتے۔"

"باس! تم نے تو کہا تھا کہ صرف جوان لڑکیاں ہی اغوا کی جائیں۔"

"الو کے پٹھے! کچھ اپنی عقل سے بھی کام لیا کرو۔ جب کچھ نہ ملے تو پھر جو کچھ ملے اسے اٹھا لینا چاہیئے۔"

"اچھا باس! مگر اب کیا ارادہ ہے؟"

کانے نے سر کھجا کر کہا۔

"پرسوں رات کو میرا خیال ہے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ابھی بصرے پہنچتے پہنچتے بھی چھ روز لگیں گے۔ اس عرصے میں ملاحوں کا خرچہ برداشت کرنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ ہم جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلیں۔ دو روز ملاح یہاں ضرور ٹھہریں گے۔ ویسے تو کپتان کہہ رہا تھا کہ میں کل ہی روانہ ہو جاتا ہوں مگر مجھے معلوم ہے اس کے ملاح دو روز سے پہلے جہاز میں سوار نہیں ہوں گے۔ وہ جزیرے میں آرام کریں گے اور چل پھر کر ٹانگوں کی تھکان کو

کریں گے۔"

"ٹھیک ہے باس! پرسوں رات کو ہی سہی۔ اگر ہم لوگ پرسوں رات کو بھی یہاں سے چل پڑیں تو اگلے ہفتے میں بصرے پہنچ جائیں گے۔ ابھی برساتیں شروع ہونے میں دو ہفتے باقی ہیں۔"

کانا بولا۔

"مگر پہلے تو بڑی بارش تھی۔"

"ہاں باس! کبھی کبھی برسات پہلے شروع ہو جاتی ہے لیکن یہاں ابھی شروع نہیں ہوئی۔ دو ہفتوں کے بعد بارشوں کا موسم ضرور شروع ہو جائے گا۔"

"اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے برساتیں شروع ہونے سے پہلے نکل چلا جائے۔"

"ہم ضرور پرسوں رات کو یہاں سے کوچ کر جائیں گے باس! میں کپتان کو جا کر ابھی خبر دیتا ہوں۔"

ماریا ان کو اسی طرح باتیں کرتا چھوڑ کر بانس کا دروازہ ذرا سا کھسکا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر صرف چٹائی بچھی تھی۔ اس چٹائی پر کونے میں سمٹی ہوئی چار سانولی سانولی رنگت والی جنگلی لڑکیاں سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ماریا کے اندر داخل ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دروازہ ذرا سا کھلا تو کانے کی نظر پڑ گئی۔ اتفاق سے وہ دروازے کو ہی تک کر بات کر رہا تھا۔ اس نے جو دروازے کو کھلتے اور پھر بند ہوتے دیکھا تو چونک کر بولا۔

"یہ اندر کون گیا ہے؟"

"کیا مطلب! یہاں تو ہمارے سوا کوئی نہیں ہے پھر اندر کون جا سکتا ہے!"

کانے کو باورچی خانے والا واقعہ یاد آ گیا۔ باورچی نے کہا تھا اس جہاز پر کوئی بھوت بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ پھر اس کی پلیٹ سے مرغی غائب ہو گئی تھی تو کیا بھوت سفر کرتے کرتے یہاں بھی آ گیا ہے؟ کانا سفید فام بولا۔

"دیکھو! کوئی شخص اندر تو نہیں ہے؟"

اسی وقت باقی تینوں سفید فام لپک کر دروازے کی طرف گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو کر ادھر ادھر تکنے لگے جیسے کسی کی تلاش میں ہوں۔ ان کو آتا دیکھ کر جنگلی لڑکیاں سہم کر اور زیادہ سمٹ گئیں۔ سفید آدمیوں نے کمرے میں چاروں طرف غور سے دیکھا۔ پھر باہر آ کر دروازہ بند کیا اور کانے کے پاس جا کر کہا۔

"جناب! اندر تو سوائے چار لڑکیوں کے اور کوئی بھی نہیں ہے!"

"کیا تم ٹھیک کہتے ہو!"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"لیکن دروازہ میں نے خود اپنے آپ کھلتے اور بند ہوتے دیکھا ہے!"

"ہو سکتا ہے ہوا نے کھول دیا ہو۔"

"یہاں اتنی تیز ہوا کہاں سے آ جائے گی۔ بہرحال ذرا خبردار رہنا۔"

"ضرور باس!"

ماریا دوسرے کمرے میں جنگلی لڑکیوں کے قریب موجود تھی۔ بے چاری لڑکیاں خوف سے پریشان تھیں اور اپنے گھر بار اور ماں باپ کی یاد میں آنسو بہا رہی تھیں۔ ماریا انہیں تسلی دینا چاہتی تھی کہ مت گھبراؤ۔ میں آ گئی ہوں۔ اب میں تم لوگوں کو تمہارے گھروں میں واپس پہنچا کر ہی دم لوں گی۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ یہ لڑکیاں گھبرا کر چلانا یا بھوت بھوت کا شور نہ مچانا شروع کر دیں اور بنا بنایا کام خراب ہو جائے۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ماریا باہر آ گئی۔ اس وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں صرف کانا سفید فام تھا۔ باقی تینوں سفید فام جا چکے تھے۔

ماریا کا اب پروگرام یہ تھا کہ جہاز میں ان چاروں کو سوار کروا کر جہاز کو اغوا کیا جائے اور واپس بندر کے جنوبی ساحل پر سے جا کر ان لڑکیوں کو ان کے گھروں میں پہنچایا جائے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ اوّل تو لڑکیوں کو یہاں سے کس طرح اٹھا کر جہاز پر لایا جائے۔ پھر جہاز کو اغوا کرنا بھی جان جوکھم کا کام تھا۔ مگر ماریا فیصلہ کر چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ یہ کام ضرور کر لے گی۔

ماریا جھونپڑے سے نکل کر باہر جزیرے کے جنگل میں آ گئی۔

وہ سیر بھی کر رہی تھی اور سوچ بھی رہی تھی کہ کونسی ترکیب پر عمل کیا جائے۔ آخر اس کو یہی ترکیب مناسب نظر آئی کہ جب پرسوں سفید فام ان لڑکیوں کو جہاز پر سوار کرا دیں تو جہاز کو اغوا کر لیا جائے۔ یہ بھی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ماریا کے لئے ان بے وقوف جنگلی لڑکیوں کو جھونپڑے سے نکال کر جہاز تک لے جانا زیادہ مشکل نظر آتا تھا۔ اگر وہ اپنے آپ کو ان پر ظاہر کرے تو ہو سکتا تھا کہ وہ گھبرا جائیں اور شور مچا دیں یا پھر رونے اور چیخنے چلانے لگیں۔

بہرحال ماریا یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے پرسوں کا انتظار شروع کر دیا۔ جزیرے پر ملاح سیر و شکار میں مصروف تھے۔ دو روز تک انہوں نے بھی جزیرے کی خوب سیر کی۔ ملاحوں نے لکڑی کے بڑے بڑے ڈرموں میں میٹھا پانی بھر کر جہاز پر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے پھل بھی کافی جمع کر لئے تھے۔ وہ تھی جس رات جہاز کو جزیرے سے کوچ کر جانا تھا۔

ماریا کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں سفید فام آدمی لڑکیوں کو آدھی رات کے وقت جہاز پر سوار نہ کرا دیں کیونکہ پھر اسے جہاز اغوا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور جنگلی لڑکیاں شام کے وقت ہی جہاز پر سوار کرا دی گئیں۔ انہیں رسیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں۔ سفید فام اور ایک حبشی انہیں گھسیٹتے ہوئے جہاز پر لے گئے اور ان کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے باہر موٹا سا تالا لگا دیا۔

ماریا یہی چاہتی تھی۔ ایک طرح سے ان سفید فاموں نے ماریا کا آدھا کام کر دیا تھا۔ اب صرف جہاز کو اغوا کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا کام باقی رہ گیا تھا۔ اس پر ماریا کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ سب سے بڑی مشکل بات یہ تھی کہ یہ جہاز بادبانی تھا۔ یعنی ہوا کی وجہ سے چلتا تھا اس لیے ایک دم سٹارٹ ہو کر جزیرے سے دور نہیں ہو سکتا تھا بلکہ پہلے اس کے بادبانوں میں ہوا بھرتی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کنارے سے دور ہونا شروع ہو جاتا۔ اس سے ملاح جہاز کو اغوا ہوتا دیکھ کر بڑی آسانی سے تیر کر اس پر سوار ہو سکتے تھے۔ پھر وہ کیا کرے؟

کیا جزیرے پر ہی تمام ملاحوں کو ہلاک کر دے؟

ماریا خواہ مخواہ کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتی تھی۔ جہاز آدھی رات کو روانہ ہونے والا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ جب یہ ملاح جہاز کے بادبان کس دیں تو ماریا کسی طرح سے جہاز پر قبضہ کرے اور جہاز کو لے کر چلی جائے۔ سوال یہ تھا کہ قبضہ کیسے کرے۔ جب ملاح بادبان کھولیں گے تو ظاہر ہے سارے ملاح اور سفید فام تلواریں وغیرہ لے کر جہاز پر سوار ہو چکے ہوں گے۔ وقت کم تھا اور مقابلہ سخت۔

سوچتے سوچتے ماریا کا دماغ تھک گیا۔ آخر اس نے سر کو جھٹک کر اپنے آپ سے کہا۔

جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے اتنے اتنے مشکل کام کیے ہیں۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ میرے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

اس خیال نے ماریا کو نئی طاقت دی اور اس کا دماغ تیزی سے چلنا شروع ہو گیا۔ چاروں لڑکیاں جہاز کے ایک کیبن میں سوار ہو چکی تھیں۔ ماریا نے جہاز پر جا کر جائزہ لیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ اس کی لالی سمندر کی لہروں کو سرخ کر رہی تھی۔ کچھ ملاح ادھر ادھر کام میں لگے تھے۔ تینوں سفید فام کنارے پر آگ جلائے بیٹھے تھے اور شکار کا گوشت بھون رہے تھے۔ آخر رات ہو گئی۔ جہاز پر ہر شے لادی جا چکی تھی۔ جب رات گہری ہوئی تو سفید فام کانے نے حکم دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دیئے جائیں۔ دو ملاح ستونوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے بادبان کھول دیئے۔

بادبانوں میں ہوا بھر گئی۔

ہوا خوب چل رہی تھی۔ ماریا عرشے پر کھڑی تھی۔ جہاز کا لنگر اٹھانے کے لیے دو ملاح کنارے پر گئے۔ ان کو لنگر اٹھا کر سمندر میں چھلانگ لگانی اور پھر تیر کر جہاز کی سیڑھی کے ذریعے جہاز پر سوار ہونا تھا۔ ماریا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے اب وقت بہت کم تھا۔ جہاز نے لنگر اٹھتے ہی جزیرے سے ہٹنا شروع کر دیا۔

اس وقت سفید آدمی عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے اور لنگر اٹھا کر سمندر میں چھلانگیں لگانے والے ملاحوں کو دیکھ رہے تھے۔ جہاز کے اوپر مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں دونوں ملاح سمندر میں تیرتے پیچھے آ رہے تھے۔ جہاز کی رفتار بہت کم تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اگر اس وقت سفید آدمیوں کو سمندر میں گرایا گیا تو وہ تیر کر بھی واپس آ سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ جہاز کی رفتار تیز ہو لے اور جہاز کھلے سمندر میں چلا جائے۔

ملاح جہاز کے اوپر آ گئے تھے۔ اب جہاز جزیرے سے دور ہٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جزیرہ کافی دور رہ گیا اور جہاز کھلے سمندر میں آ گیا۔ رات کے اندھیرے میں سمندر کی لہریں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں — سفید فام اب اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر بیٹھ گئے تھے ماریا سوچتی رہی۔ اب وہ صبح کے وقت ہی حملہ کر سکتی تھی!

رات کو وہ اپنی کوٹھڑی میں آ کر بوریوں پر لیٹ گئی۔

یہ جہاز اب بحیرۂ عرب کی طرف جا رہا تھا۔ رات گزر گئی دن نکلا تو ماریا نے باورچی خانے میں جا کر اپنے دستور کے مطابق ناشتہ کیا اور عرشے پر آ کر حالات کا جائزہ لینے لگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دونوں سفید فام جنگلے پر جھکے سمندر میں تیرتی مچھلیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ ماریا کے لئے یہ بڑا نادر موقع تھا۔ وہ قدم قدم چلتی ان کے پیچھے آ کر رک گئی۔

اب زیادہ انتظار کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد ہو سکتا تھا کہ اسے ایسا سنہری موقع نہ ملے۔ ماریا نے ایک زبردست دھکے کے ساتھ دونوں سفید آدمیوں کو سمندر میں گرا دیا۔ ان دونوں کی ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ سمندر کی لہروں میں غوطے کھانے لگے۔ ان کی چیخ ایک ملاح نے سن لی تھی۔ اس نے شور مچا دیا اسی وقت جہاز کے بادبان اتار دیئے گئے اور ملاح کشتی اتارنے لگے تاکہ دونوں آدمیوں کو بچایا جا سکے۔ ماریا نے حملہ شروع کر دیا تھا۔ جو ملاح کشتی اتار رہے تھے ماریا نے ان کو بھی سمندر میں دھکا دے دیا۔ اب وہاں شور مچ گیا کہ دو ملاح بھی سمندر میں گر گئے ہیں اس پر دوسرے ملاح اور کپتان بھی پریشان ہو گیا۔ وہ

جنگلے پر جھک کر ملاحوں کو لہروں پر ہاتھ پاؤں مارتے دیکھنے لگا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"کشتی گراؤ۔ کشتی گراؤ"۔

سفید فام سمندر میں ڈوب رہے تھے کیونکہ انہیں اتنا زیادہ تیرنا نہیں آتا تھا۔ کشتی سمندر میں اتاری جانے لگی تو ماریا نے دو اور ملاحوں کو سمندر میں دھکیل دیا اس کے بعد اس نے پیچھے سے آ کر کپتان کو بھی سمندر میں دھکا دے دیا۔ اب صرف تین ملاح باقی رہ گئے تھے۔ جو ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ سمندر میں کپتان اور دوسرے ملاح ہاتھ اٹھا اٹھا کر شور مچا رہے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہیں۔

"کشتی پھینکو۔ کشتی گراؤ سمندر میں"۔

ماریا اس انتظار میں تھی کہ باقی تین ملاحوں سے بھی چھٹکارا حاصل کرے۔ ان میں سے ایک ملاح بوڑھا تھا اور یہ بڑا تجربہ کار تھا۔ ماریا نے اس کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس کی مدد سے باقی سفر طے کرنا چاہتی تھی۔ موقع دیکھ کر ماریا نے باقی دو ملاحوں کو بھی سمندر میں دھکا دے ڈالا۔ اتنے میں موٹا گنجا باورچی نیچے سے

بھاگ کر اوپر آ گیا۔ اس نے جب سنا کہ کوئی عجیب طاقت باری باری سب کو سمندر میں گرا رہی ہے تو وہ چیخ کر کہنے لگا۔

"میں نے کہا تھا کہ اس جہاز پر کوئی بھوت سوار ہے۔ سب نیچے آ جاؤ۔ مرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنی جانیں بچاؤ"۔

اب باقی صرف بوڑھا ملاح، گنجا باورچی اور کانا سفید آدمی رہ گئے تھے۔ کانا سفید آدمی خوف کی وجہ سے نیچے بھاگ گیا تھا۔ ماریا نے ایک طرح سے جہاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے جہاز کے بادبان کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ کیونکہ جہاز سمندر میں کھڑا ہو چکا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کپتان اور دوسرے ملاح تیر کر ایک بار پھر جہاز کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سفید آدمیوں کو تو سمندر کی موجیں نگل چکی تھیں۔

باورچی اور دوسرے بوڑھے ملاح نے جب جہاز کے بادبانوں کو اپنے آپ کھلتے دیکھا تو وہ خوف سے زرد ہو گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جہاز کے بادبان کھل گئے اور ہوا نے جہاز کو سمندر میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ جہاز اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باورچی کانپ رہا تھا۔ اس کا موٹا پیٹ کانپ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر آسمان کی طرف دیکھا اور گڑگڑا کر کہا۔

"اے خدا! میری جان بچا لے۔ پیچھے گھر میں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مجھ پر رحم کر۔"

بوڑھا ملاح بڑبڑانے لگا۔ وہ بادبانوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اس جہاز پر کسی روح نے قبضہ کر لیا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے۔"

باورچی بولا۔

"روح ہم پر مہربان ہے۔ اس نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔ وہ ہمیں بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہے بابا؟"

بوڑھا ملاح مسکرایا۔

"ہمیں اس کے لئے روح کا شکریہ ادا کرنا چاہئے چیف۔ وہ ہم پر مہربان ہے۔ شاید وہ ہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ مگر وہ کام کیا ہے؟ ہمیں نہیں معلوم۔"

ماریا بوڑھے ملاح کی گفتگو سن رہی تھی۔ ان باقی بچے ہوئے لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کا یہی وقت تھا۔ پس ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"بابا! میں ایک نیک دل روح ہوں۔ ظالم اپنے انجام کو پہنچے۔ ان لوگوں کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی تھی۔"

ماریا کی آواز سن کر باورچی تو سجدے میں گر پڑا اور لرزتے ہوئے بولا۔

"اے مقدس روح! مجھے کچھ نہ کہنا۔ میں تمہارا غلام ہوں۔ میں تم پر اعتقاد رکھتا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ جن لوگوں نے انسانوں پر ظلم کئے تھے ان سے میں نے بدلہ لے لیا ہے۔ تم بے ضرر ہو۔ اٹھو اور میری باتیں تم دونوں غور سے سنو۔"

باورچی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملاح بھی ہمہ تن گوش تھا۔

ملاح نے کہا۔

"اے مقدس روح! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم ہم سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نئی مصیبت

ماریا نے کہا۔

"میں اس وقت سے اس جہاز میں سوار ہوں جب سے یہ بدمعاش سفید فام بے گناہ جنگلی لڑکیوں کو ان کے گھروں سے اغوا کر لائے ہیں۔ میں نے ان لڑکیوں کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ جہاز کا رخ ہندوستان کے ساحل کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ ان لڑکیوں کو ان کے ماں باپ کے پاس پہنچایا جا سکے۔"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"اے مقدس روح! میں ہر حکم کے لیے تیار ہوں۔ ایسا ہی ہوگا۔ میں ابھی جہاز کا رخ ہندوستان کی طرف موڑ دیتا ہوں۔"

اور اس نے بادبانوں کی رسیاں کچھ اس طرح کھینچیں کہ جہاز نے نصف چکر کھایا اور مشرق کی طرف روانہ ہو

گیا۔

موٹے باورچی کی طرف دیکھ کر ماریا نے کہا۔

"تم ایک نیک دل شخص ہو۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اچھے اچھے کھانے پکا کر جنگلی لڑکیوں کو کھلاؤ۔ اور ابھی جا کر ان لڑکیوں کی رسیاں کاٹ ڈالو اور انہیں آزاد کر دو۔ انہیں خوش خبری سناؤ کہ مقدس روح نے انہیں آزاد کر دیا ہے اور اب انہیں ان کے ماں باپ کے پاس لے جایا جا رہا ہے۔"

باورچی ہاتھ باندھ کر بولا۔

"اے مقدس روح! یہاں ابھی آپ کا ایک دشمن باقی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہاں! مجھے یاد آیا۔ ابھی کانا سفید آدمی باقی ہے۔ ٹھیک ہے تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے اسے کسی طرح سے اوپر لے آؤ۔ میں ابھی اس سے بھی نپٹ لیتی ہوں۔"

بوڑھا ملاح جہاز کے چکر کو بڑی مہارت سے گھماتے ہوئے جہاز کو ایک خاص زاویے پر رکھے ہوئے تھا۔ باورچی جلدی سے نیچے چلا گیا۔ کانا سفید آدمی اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا تھا اور سوراخ میں سے سمندر کی طرف دیکھ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس نے موٹے باورچی کو اندر آتے دیکھا تو گھبرا کر بولا۔

"جہاز کا رخ کیوں موڑ دیا گیا ہے؟"

باورچی نے کہا۔

"حضور! نائب کپتان نے کہا ہے کہ ذرا اوپر آئیں اور حکم دیں کہ جہاز کدھر کو لے جایا جائے؟ کیونکہ اب آپ ہی کپتان ہیں۔"

کانا بولا۔

"مگر یہ جہاز کا رخ کس نے موڑا ہے؟"

باورچی نے کہا۔

"حضور! ہوا تیز ہے۔ بادبان کام نہیں کر رہے۔ آپ اوپر تشریف لا کر خود دیکھ لیں اور حکم دیں کہ جہاز کدھر کو ڈالا جائے۔"

کانا سفید آدمی یہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ اسے جہاز کا کپتان بنا دیا گیا تھا۔ ایک طرح سے باقی ساتھیوں کے مرنے پر اسے تسلی بھی ہوئی تھی کہ اب وہ چالیس جنگی لڑکیوں کو فروخت کر کے ساری دولت کا اکیلا مالک ہوگا۔ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آگیا۔ اوپر ماریا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بوڑھے ملاح نے گھوم

کر کانے کی طرف دیکھا۔ باورچی بھی اوپر آکر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ یہ لوگ اس کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ موت اس ظالم کانے کو اوپر کھینچ لائی ہے۔ کانے نے اوپر آتے ہی کہا۔

"جہاز کا رخ مشرق کی بجائے مغرب کی طرف کر دو۔ تم جہاز کو واپس کس لئے لے جا رہے ہو؟"

بوڑھا ملاح کہنے لگا۔

"حضور! چرخی اختیار سے باہر ہوئی جا رہی ہے۔ آپ خود آکر دیکھ لیں۔"

"ہٹو پیچھے۔ میں خود جہاز کو چلاؤں گا۔ میں اب اس جہاز کا کپتان ہوں۔ اگر کسی نے میرا حکم نہ مانا تو میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

باورچی نے دل میں کہا۔

"بیچارے! تم کسی کو کیا موت کے گھاٹ اتارو گے تمہیں تو خود موت اپنے پاس بلا رہی ہے۔"

ماریا چاہتی تھی کہ ذرا کانے سے دو دو باتیں بھی ہو جائیں۔ سب سے پہلا کام ماریا نے یہ کیا کہ نیچے جانے والے راستے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ تالا لگنے کی آواز سن کر کانے نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تالا کس نے ڈال دیا؟"

ماریا نے کہا۔

"میں نے۔"

عرشے پر ایک ایسی عورت کی آواز سن کر جو نظر نہیں آ رہی تھی کالا سفید آدمی ششدر سا ہو کر رہ گیا۔

"یہ — یہ کس کی آواز تھی؟"

اس نے بوڑھے ملاح اور پھر باورچی کی طرف دیکھ کر کہا۔ باورچی سر ہلا کر بولا۔

"میں نے تو کوئی آواز نہیں سنی کپتان صاحب!"

بوڑھا ملاح بھی کہنے لگا۔

"جی ہاں کپتان صاحب! میں نے بھی کوئی آواز نہیں سنی۔ شاید آپ کے کان بج رہے ہیں!"

اب ماریا نے بھی کہا۔

"اور ہاں۔ میں نے بھی کوئی آواز نہیں سنی کپتان صاحب — کالے کپتان صاحب!"

اس پر کالا چکر کھا گیا۔ گھبرا کر گردن ادھر اُدھر گھما کر بولا۔

"یہ — یہ پھر عورت کی آواز آئی ہے۔ کیا تم لوگ نہیں سن رہے ہو؟"

بوڑھے ملاح اور باورچی نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"نہیں کپتان صاحب! ہم نے تو کوئی آواز نہیں سنی — !"

ماریا نے کہا۔

"میں نے بھی کسی عورت کی آواز نہیں سنی۔"

کالا سفید آدمی دہشت سے پیچھے ہٹا۔

ماریا نے کہا۔

"سنو اے قاتل کالے! میں اس جہاز کی مقدس روح ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دو آدمیوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرتے دیکھا ہے۔ میں تمہیں اس جرم کی سزا دوں گی۔ جہاز کے جنگلے کے پاس جا کر سمندر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"نہیں — نہیں۔"

یہ کہہ کر کالا دروازے کی طرف بھاگا۔ نیچے جانے والے دروازے پر تالا لگا تھا۔ اس نے زور سے لات ماری مگر دروازہ نہ ٹوٹ سکا۔

ماریا نے گرجدار آواز میں کہا۔

"اے بدبخت ڈاکو! اب تمہارے لئے سوائے سمندر کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یا تو تم خود ہی سمندر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھلانگ لگا دو اور۔ یا پھر مجھے تمہیں دھکا دینا پڑے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

کانا خوف سے پھیلی ہوئی ایک آنکھ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔

"تم — تم کون ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"میں ایک مقدس روح ہوں۔ مگر اس وقت تمہاری موت کا فرشتہ ہوں۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

کانا عرشے پر بھاگنے لگا۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو کر اس کے بھاگنے دوڑنے کا تماشہ کرنے لگی۔ اسے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں اس بھاگ دوڑ میں اس سے ٹکرا کر وہ خود سمندر میں نہ گر جائے۔ اس لئے اس نے کانے کو جلدی سے جلدی ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور بھاگتے ہوئے کانے کو ایک ایسا دھکا دیا کہ وہ چیخ مار کر سمندر میں منہ کے بل گر پڑا۔

سمندر میں گرتے ہی اس نے ہاتھ پاؤں مارنے اور چیخنا چلانا شروع کر دیا لیکن بہت جلد سمندر کی لہروں نے اسے اپنے اندر دفن کر لیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی جہاز پر ماریا کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ اس نے موٹے

باورچی سے کہا۔

"اب نیچے جا کر جنگلی لڑکیوں کو آزادی کی خوشخبری سناؤ اور انہیں اوپر دھوپ اور کھلی ہوا میں لے آؤ۔"

"جو حکم مقدس روح۔"

باورچی خوش خوش نیچے چلا گیا۔ بوڑھے ملاح نے ادب سے کہا۔

"اے مقدس روح! جب ہم لڑکیوں کو ان کے ماں باپ کے پاس چھوڑ دیں گے تو پھر ہمارے لئے کیا حکم ہوگا۔"

ماریا کہنے لگی۔

"میں اس کے بعد فیصلہ کروں گی۔"

کیونکہ ماریا کو ابھی عنبر اور ناگ کو بھی تلاش کرنا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اس جہاز میں سفر کرنے کی پھر ضرورت پیش آ جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں چاروں لڑکیاں خوش خوش ہنستی مسکراتی اوپر عرشے پر آ گئیں اور دھوپ کی روشنی میں سمندر کی طرف منہ کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔

باورچی نے کہا۔

"تمہیں مقدس روح کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس ۔ مجھ سے ہی تمہیں آزادی ملی ہے۔"

ایک لڑکی نے کہا۔

"مقدس روح کہاں ہے۔ ہم دل و جان سے اس کا شکریہ ادا کریں گی۔"

اب ماریا نے کہا۔

"میں تمہارے پاس ہی کھڑی ہوں۔"

ماریا کی آواز سنتے ہی چاروں لڑکیاں ایک دم سناٹے میں آگئیں اور پھر جھٹ سجدے میں گر پڑیں۔ ماریا نے کہا۔

"نہیں نہیں سر اٹھاؤ۔ سجدہ صرف خدا کے آگے کرنا چاہیئے کسی انسان یا روح کے آگے سجدہ جائز نہیں۔ اٹھو اور میری بات غور سے سنو۔"

چاروں لڑکیوں نے سر اوپر اٹھائے اور جدھر سے ماریا کی آواز آ رہی تھی ادھر کو منہ کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے تم پر اور تمہارے غریب ماں باپ پر ترس آ گیا تھا۔ میں تمہارے ماں باپ کو دیکھ چکی ہوں جو تمہاری جدائی میں رو رہے ہیں۔ اب جب تم ان کے پاس جاؤ گی تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ لیکن خبردار کسی کے آگے

میرا ذکر نہیں کرنا۔ صرف خدا کا شکر ادا کرو کیونکہ خدا کی مرضی اور مہربانی سے تمہیں آزادی ملی ہے۔ میں تو محض ایک بہانہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خدا نے مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے۔"

ایک لڑکی کہنے لگی۔

"اے مقدس روح! ہم تمہاری باتوں پر دل و جان سے عمل کریں گے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتی ہیں جس نے ہم پر رحمت کی بارش کی۔ پھر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہیں کہ تم نے ہمیں ان ظالم درندوں سے نجات دلائی۔"

ماریا نے کہا۔

"بس اب جہاز پر آزادی سے چلو پھرو۔ خوب کھاؤ پیو۔ کیونکہ تمہارے دشمنوں کو خدا نے ان کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔"

لڑکیاں خوشی سے جھوم اٹھیں اور پھر جنگلی انداز میں عرشے پر رقص کرنے لگیں۔ باورچی اور ملاح ان کے خوشی کے رقص کو دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے۔ پھر جب موٹے باورچی نے بھی ان کے ساتھ ہی بھاری کمر مٹکا مٹکا کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ ماریا اسے رقص کرتے دیکھ کر بڑا ہنسی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد باورچی نے دوپہر کے لئے بڑی شاندار مچھلی بنا کر سب کو کھلائی۔

ماریا نے کہا۔

"تھوڑی سی مچھلی مجھے بھی کھلاؤ۔"

باورچی نے کہا۔

"اے مقدس روح! روحیں تو کچھ نہیں کھایا کرتیں۔"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں تمہاری پکائی ہوئی مچھلی ضرور کھاؤں گی۔"

باورچی نے سر جھکا کر کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے مقدس روح۔"

اور اس نے ایک تھالی میں مچھلی کا ایک ٹکڑا رکھ کر میز پر سجا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میز پر سے مچھلی کا ٹکڑا غائب ہو گیا۔ باورچی نے کہا۔

"اے مقدس روح! کیا وہ تم ہی تھیں جس نے میرے ڈونگے ذبح کئے تھے؟"

ماریا ہنس دی۔

"ہاں! وہ میں ہی تھی۔"

باورچی نے پوچھا۔

"کیا تمہیں بھوک بھی لگتی ہے مقدس روح؟"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"نہیں۔ بھوک تو مجھے کبھی نہیں لگتی مگر جب کبھی دنیا میں انسانوں کے درمیان آتی ہوں تو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ پھر میں کبھی کبھی اپنی مرضی کی کوئی شے کھا لیتی ہوں۔"

اس وقت باورچی خانے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ بات جنگلی لڑکیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی کہ ایک روح کو بھوک کیسے لگتی ہے۔"

باورچی نے مسکرا کر کہا۔

"اے مقدس روح! میں کبھی ان سے ذکر تک نہیں کروں گا۔"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم ذرا گرما گرم قہوے کا ایک ڈونگا ادھر کر دو۔"

"جو حکم اے مقدس روح!"

بادبانی جہاز بحر ہند میں سفر کر رہا تھا۔ اس سمندر میں ہر وقت بڑی بڑی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ اس لئے جب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ڈرنے لگا تھا۔ یہ موسم بھی خراب تھا۔ ایک رات خوب بارش ہوئی اور تیز ہواؤں نے سمندر میں طوفان ایسی کیفیت پیدا کر دی۔ لہروں نے چھوٹے سے بادبانی جہاز کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ لڑکیاں گھبرا گئیں۔ ماریا نے انہیں تسلی دی۔

"فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا نے تم لوگوں کی لمبی عمریں لکھی ہیں۔ وہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے گا۔"

باورچی بھی پریشان تھا۔ بوڑھا ملاح عرشے پر بادبان کھول رہا تھا کیونکہ تیز ہوا میں بادبانوں کے پھٹنے اور جہاز کے الٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بادبانوں کو لپیٹ کر وہ نیچے آ گیا۔

ماریا اس کے قریب جا کر بولی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بابا! طوفان جلدی ہی گزر جائے گا۔"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"مقدس روح! طوفان زیادہ ہے اور ہمارے جہاز نے کبھی سمندری طوفانوں میں سفر نہیں کیا۔ ہم تو اسے پرسکون پانیوں میں ایسے موسم میں سے جا سکتے ہیں جب

طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔"

ماریا بولی۔

"پھر کیا ہوا۔۔۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ساری رات طوفان جاری رہا اور جہاز لہروں پر کھلونے کی طرح ڈولتا رہا۔ دن چڑھا تو طوفان ختم ہو چکا تھا۔ سورج کی روشنی نے سمندر کو شیشے کی طرح چمکا دیا تھا۔ ماریا اور باورچی اوپر آ گئے۔ بوڑھا ملاح ان کے پیچھے پیچھے تھا تاکہ بادبانوں کی رسیاں کھول دی جائیں۔ ابھی وہ عرشے پر آئے ہی تھے کہ اچانک ان کی نظر سمندر میں مشرق کی طرف اٹھ گئی۔

ایک جہاز سمندر میں بادبان کھولے ان کی طرف آ رہا تھا۔ بوڑھا ملاح آنکھیں سکیڑے بڑے غور سے جہاز کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ یہ جہاز کون سا ہے؟

ماریا نے پوچھا۔

"بابا! تم کیا دیکھ رہے ہو؟"

بوڑھا ملاح کہنے لگا۔

"کچھ نہیں مقدس روح! کوئی تجارتی جہاز ہے اور ساڑا کے جزیروں کی جانب سے مال لے کر آ رہا ہوگا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باورچی خوش ہو کر بولا۔

"ہمارے قریب سے گزرے گا۔ مسافروں کو سلام کریں گے۔ بڑا مزہ آئے گا!"

جوں جوں جہاز قریب آ رہا تھا۔ بوڑھا ملاح کچھ زیادہ سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ ماریا بھی بڑے غور سے جہاز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ملاح کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بابا! تجارتی جہازوں کے بادبان اتنے لمبے نہیں ہوتے!"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"مقدس روح کا خیال درست ہے۔"

"پھر تمہارے خیال میں یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے!"

"مقدس روح! یہ باتیں تو ہم سے زیادہ تمہیں معلوم ہونی چاہئیں۔ کیونکہ روحیں تو غیب کا حال جان جاتی ہیں!"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"زمین پر بھیجنے کے بعد خدا نے مجھ سے غیب کا حال جاننے کی طاقت عارضی طور پر واپس لے لی ہے۔ اب میں طاقتور تو بہت ہوں مگر غیب کا علم نہیں رکھتی۔ یہ علم تو صرف خدا کو زیب دیتا ہے۔"

ملاح کی نگاہیں ابھی تک اس جہاز پر لگی ہوئی تھیں جو مشرق کی جانب سے برابر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں اس کی تصویر صاف ہو رہی تھی۔ بوڑھے ملاح کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ باورچی اب نیچے چلا گیا تھا۔ اچانک بوڑھے ملاح کا چہرہ اتر گیا۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"خطرہ —— زبردست خطرہ!"

"کیا ہوا؟" ماریا نے پوچھا۔

"یہ تجارتی جہاز نہیں ہے بلکہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے!"

بحری ڈاکوؤں کا نام سن کر ماریا کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ یہ خودسر، سرپھرے، جاہل اور سنگدل بحری ڈاکو ہمیشہ ماریا کے لئے دردسر بنے تھے۔ کم بختوں کو سوائے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے اور کوئی کام نہیں آتا تھا۔ ماریا نے غور سے سمندر کی طرف دیکھا۔ واقعی ایک بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کے اوپر کھوپڑی اور دو ہڈیوں کا سیاہ جھنڈا دور سے پھڑپھڑاتا نظر آ رہا تھا

ملاح نے کہا۔

"اب کیا حکم ہے مقدس روح! کیونکہ یہ ڈاکو تو ہمارے جہاز کو توپیں مار مار کر غرق کر دیں گے اور لڑکیوں کو بھی اغوا کر لیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے ایک پل کچھ سوچ کر کہا۔

"ہم ایک نیک مقصد لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ خدا ہماری حفاظت کرے گا۔ تم ایسا کرو کہ جہاز کے بادبان لپیٹ کر لنگر سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ جہاز اسی جگہ کھڑا ہو جائے۔ پھر نیچے جا کر سب سے نچلے کمرے میں لڑکیوں کو لے جا کر بند کر دو۔ باہر تالا ڈال دو۔ باورچی سے کہو کہ وہ اوپر آنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے۔ تم اوپر آ جانا جلدی کرو۔"

بوڑھے ملاح نے نیچے جا کر ایسا ہی کیا۔ پھر وہ اوپر عرشے پر آ کر بحری لٹیروں کے جہاز کو دیکھنے لگا۔ جو اب قریب آ رہا تھا۔ ماریا نے اسے سمجھا دیا کہ جب بحری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آئے تو وہ ڈاکوؤں کے سردار سے یہی کہے کہ وہ سمندر میں بھٹک گیا ہے اور اس کے پاس کوئی مسافر نہیں۔ صرف خشک میووں کی بوریاں ہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بوڑھا ملاح بڑا تجربہ کار تھا اور اس قسم کے خطروں سے کئی بار گزر چکا تھا۔ ماریا اس سے ذرا ہٹ کر پرے کھڑی تھی اور جہاز کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے تک رہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

بحری ڈاکوؤں کا جہاز اب اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے اور رسّوں سے لٹکے ہوئے ڈاکوؤں کے چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ بڑے خونخوار چہرے تھے ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ ماریا اس قسم کے بڑے ڈاکوؤں سے نپٹ چکی تھی۔ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بحری ڈاکوؤں نے ماریا کے جہاز کے ساتھ کیا
سلوک کیا؟
ناگو پر جنگل میں کیا گزری؟
عنبر پیراشوٹ کے ذریعے کیسے نکلا، اور کس
جنگل پر گرا؟

یہ آپ
اس ناول کی اگلی قسط میں
پڑھ سکیں گے!

اشرف بک ایجنسی
نشتر روڈ۔ کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

پُراسرار اور [illegible] ناول!

ہر ناول میں ایک سنسنی خیز واقعہ اور خوفناک کہانی

○

- بوڑھے کی موت
- پُراسرار پلٹ
- پانچ قدم پر موت
- حاتم کا باپ
- جزیرے کی مخلوق
- فسانۂ آزاد (حصہ اول)
- فسانۂ آزاد (حصہ سوم)
- انوکھی دنیا
- شاہ جنات اور ما
- بادشاہ اور تین قلندر
- ٹیڈی بوائے حصہ اول
- پہلا مجاہد
- جھیل کی شہزادی
- شہزادہ جان عالم
- کالا شیر
- گور کا پھول
- مسلمان
- شاد آباد
- فسانۂ آزاد (حصہ دوم)
- فسانۂ آزاد (حصہ چہارم)
- سڑک کے بچے
- یہ غازی
- محبت کرے انسان تو
- ٹیڈی بوائے (حصہ دوم)
- زمرد محل
- بیگم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

PDFBOOKSFREE.PK

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زندوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ———

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] تہہ خانے کی قبر سے اُٹھی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ———

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں ——— بادشاہ مر جاتے ہیں ——— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ———

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

——— پچاس قسطوں میں ———

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی ——— پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب [illegible]

تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

خونی قبرستان

اے حمید

مکتبہ البدری

[illegible]

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُداس لڑکی

بحری لٹیروں کا جہاز اب بالکل سامنے آگیا تھا۔

ماریا ایک طرف کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ تماشہ ابھی ہو گا۔ خدا جانے یہ ڈاکو بوڑھے ملاح اور باورچی کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ کہیں آتے ہی ان کی گردنیں نہ اڑا دیں۔ ماریا جانتی تھی یہ بحری ڈاکو بڑے وحشی اور خونی ہوتے ہیں۔ انسانوں کو یہ گاجر مولی کی طرح قتل کر دیتے ہیں۔ ڈاکوؤں کا جہاز کافی بڑا تھا اور اس میں ایک پرانی قسم کی توپ بھی لگی تھی یہ توپ انہوں نے شاید اس لیے نہیں چلائی تھی کہ ماریا کا جہاز چھوٹا تھا۔ اور انہوں نے کوئی مقابلہ بھی نہیں کیا تھا۔

بوڑھا ملاح سٹور سے ایک تھال خشک میووں کا بھر کرلے آیا تھا۔ اس تھال میں اس نے لیموں کے شربت کے جگ پہ ایک گلاس بھی رکھا تھا۔ گوپی باورچی خوف سے کانپتے ہوئے ملاح کے پیچھے کھڑا تھا۔ ڈاکو جب

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

باہتمام شیخ نسیم احمد
مطبوعہ پرنٹنگ پریس ۔ جہانگیر روڈ ۔
سے چھپوا کر ۔۔۔۔ سے شائع کیا۔

اشاعت اول : ۱۹۶۹ء

قیمت : ایک روپیہ

مقام اشاعت

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

[illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور خنجر لیے اپنے جہاز پر اپنے سردار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ کئی ڈاکو رسّوں پر چڑھے ہوئے تھے کہ جونہی سردار حملے کا حکم دے تو وہ ماریا کے جہاز میں رسّوں کی مدد سے کود جائیں۔ اتنے میں بحری لٹیروں کا سردار اپنے جہاز کے ڈیک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں لمبی تلوار تھی۔ وہ ہٹا کٹا آدمی تھا۔ سر پر سیاہ رومال بندھا تھا۔ کانوں میں موٹی موٹی سنہری بالیاں تھیں۔ آنکھیں سرخ تھیں اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ وہ بڑی بے رحمی کے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے اشارہ کیا۔

فوراً رسّا اس کی طرف پھینک دیا گیا۔ سردار اپنے تین ڈاکوؤں کے ساتھ ماریا کے جہاز میں کود گیا۔ اب وہ چل کر بوڑھے ملاح کے سامنے آیا اور تھال میں پڑے خشک میووں کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"ساتھیو! کیا ہم اس جہاز پر شادی رچانے آئے ہیں؟"

سارے ڈاکو قہقہے لگانے لگے۔ سردار نے بوڑھے کی آنکھوں میں جھک کر دیکھا اور کہا۔

"کہ میری دلہن کہاں ہے؟"

بوڑھے ملاح نے ادب سے کہا۔

"سردار! ہم آپ سے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔ ہم آپ سے دوستی کے خواہشمند ہیں۔"

سردار نے تلوار سے ڈیک کے فرش پر ٹیک لگا کر کہا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا میں نے پوچھا تھا۔ اگر میں یہاں شادی کرنے آیا ہوں تو میری دلہن اور جہیز کہاں ہے؟"

باورچی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ سردار ابھی ان کی گردنیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ بوڑھے ملاح نے کہا۔

"سردار! ہمارے جہاز میں سوائے کھانے پینے کی چیزوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہم خشک میوے لے کر ہندوستان کو جا رہے ہیں۔"

سردار نے ایک دم غصے میں آ کر کہا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

پھر اس نے ماریا کے دیکھتے دیکھتے تلوار بوڑھے ملاح کے پیٹ میں گھونپ دی۔ میووں کا تھال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہنے سے اپنے آپ دوسرے جہاز پر چلی گئی تھی۔ سردار بھی واپس جہاز پہ آگیا۔

"جہاز کو آگے بڑھاؤ۔" سردار نے چلا کر کہا۔

ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں آگے بڑھا۔ جب ماریا کا جہاز تھوڑا پیچھے رہ گیا تو سردار نے تلوار لہرا کر کہا۔

"اسے آگ لگا دی جائے۔"

جہاز سے ایک توپ چلی۔ جس کا گولہ ماریا کے جہاز کو جا کر لگا۔ ڈاکوؤں نے آگ والے تیر چلا کر بادبانوں کو آگ لگا دی۔ دیکھتے دیکھتے ماریا کا چھوٹا جہاز جلنے لگا اور پھر اسے جلتا چھوڑ کر ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں روانہ ہوگیا۔ اس کی منزل کوئی نہیں تھی۔ بحری قزاق سمندر میں ڈاکے مارتے پھرا کرتے تھے۔ مہینوں بعد جب لوٹ مار کا کافی سامان جمع ہو جاتا تو کسی بندرگاہ پر جا کر وہ لوٹ کا سامان اونے پونے بیچ کر خوراک اور اشرفیاں حاصل کر لیتے تھے۔

ماریا نے اب جہاز کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ بڑا جہاز تھا۔ ڈاکو ستر اسی کے قریب تھے۔ اوپر نیچے کیبن بنے تھے۔ سردار کا کیبن سیڑھیاں اُتر کر ساتھ ہی تھا۔ ماریا جانتی تھی کہ موٹا باورچی نیچے باورچی خانے

میں ہی ہوگا۔ وہ اس کو مل کر اپنی موجودگی کے بارے میں اطلاع دینا چاہتی تھی۔ اس نے سیڑھیاں اُتر کر راہداری میں دیوار کے ساتھ لگ کر بڑی احتیاط سے چلنا شروع کیا۔ باورچی خانہ کونے میں تھا۔ وہاں سے پیاز لہسن اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آ رہی تھی۔

ماریا اندر آگئی۔ باورچی خانہ کھلا تھا۔ مگر بڑا گندا اور دھوئیں سے بھرا ہوا۔ ماریا کی آنکھیں گنجے باورچی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر اس نے اسے دیکھ لیا وہ انگیٹھی کے پاس ایک طرف بنچ پر بیٹھا تھا اور ڈاکو کھانا کھاتے ہوئے اس سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ماریا باورچی کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔ جب ڈاکو اِدھر اُدھر ہوئے تو اس نے جھک کر باورچی کے کان میں کہا

"ایڈگر! میں آگئی ہوں۔ فکر نہ کرنا۔"

باورچی ایڈگر نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"اے مقدس روح اب کیا ہوگا؟"

ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

"جو ہوگا اچھا ہوگا۔ تم یہاں کام کرتے رہو۔ میں نیچے لڑکیوں کے پاس جا کر انہیں تسلی دیتی ہوں۔"

"بہت اچھا۔ مقدس روح! میرے پاس بھی آتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہنا۔

"ضرور آؤں گی۔ میں تمہارے پاس ہی ہوں۔"

اتنے میں ایک ڈاکو نے باورچی کے سر پہ دھپ مار کر کہا۔

"اے حرامی موٹے! یہ کس سے باتیں کر رہا تھا؟"

باورچی ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔

"حضور میں بھلا کس سے باتیں کرتا تھا۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس ذرا اپنے آپ سے باتیں کر کے دل بہلا رہا تھا۔"

"کیا تو پاگل ہے؟"

ایڈگر بولا:

"اصل میں حضور مجھے اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ یہ کوئی نقصان پہنچانے والی عادت تو نہیں ہے۔"

ڈاکو زور سے ہنسا۔

"تو پاگل ہے۔ اگر پھر اپنے آپ سے باتیں کیں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سمجھے!"

باورچی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"[illegible] گا حضور! کبھی نہیں کروں گا۔"

[illegible] کی گدی پہ زور سے ہاتھ مار کر

کہا: "کیا نہیں کرو گے؟"

"اپنے آپ سے باتیں حضور!"

"ایسا کبھو نا۔"

اور ڈاکو چلا گیا۔ باورچی ایڈگر نے ادھر منہ کر کے کہا۔

"مقدس روح! تم میرے پاس ہی ہو کیا؟"

"ہاں۔" ماریا نے آہستہ سے کہا۔

ایڈگر ڈرتے ڈرتے کہنے لگا۔

"یہ لوگ تو میرا حلیہ خراب کر کے رکھ دیں گے۔ کہیں مجھے مار کر سمندر میں نہ پھینک دیں۔"

ماریا نے کہا۔

"ایڈگر حوصلہ کرو ہمت سے کام لو۔ تم مرد ہو ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ان خونی ڈاکوؤں کے چنگل سے نکلنا ہے۔ لڑکیوں کو آزاد کرانا ہے۔"

باورچی ناامیدی کے عالم میں ادھر اُدھر تکنے لگا۔

ماریا نے کہا:

"اچھا میں جا رہی ہوں۔"

ماریا باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔ اب وہ جنگلی لڑکیوں کو تلاش کرنے لگی۔ اس نے کئی کیبن دیکھے۔ کسی جگہ بھی لڑکیاں نہیں تھیں۔ آخر اسے جہاز کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے تیسری منزل میں قید خانے کا سراغ مل گیا۔ وہ ایک کوٹھڑی سی تھی جس کا دروازہ لوہے کا تھا اور بند تھا باہر ایک ڈاکو بیٹھ کر پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کو علم تھا کہ لڑکیوں کے لئے کھانا وغیرہ لے کر کوئی نہ کوئی ڈاکو رات کو ضرور آتا ہوگا۔ ماریا اگر چاہتی تو اس پہرے دار کو وہیں ڈھیر کر کے دروازہ توڑ' اندر جا کر لڑکیوں سے ملاقات کر سکتی تھی۔ لیکن ایسا کرنا مصیبت میں پڑنے کے برابر تھا۔ ابھی اتنی جلدی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ابھی پورے جہاز سے اس نے مقابلہ کرنا تھا۔ وہ لڑکیوں کو قید خانے سے نکال بھی لیتی تو کہاں لے کر جاتی؟ اس نے تو سارے کا سارا جہاز اغوا کرنا تھا یا کسی بندرگاہ پر لڑکیوں کو اتار لینا تھا۔

لڑکیوں سے ملاقات ضروری بھی نہیں تھی کیونکہ وہ جنگلی لڑکیاں تھیں اور مقدس روح کی آواز سن کر ڈر بھی سکتی تھیں۔ اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے مقدس روح سے ملاقات کی ہوئی تھی۔ پھر بھی جنگلی لڑکیاں ڈر کر کچھ نہ جانے کیا کر بیٹھتیں۔ اس لئے ماریا نے سوچا کہ پہلے جہاز سے فرار ہونے یا اس پر قبضہ کرنے کی سکیم پر غور کرنا چاہئے۔ وہ اکیلی تھی۔ بوڑھا ملاح

مر چکا تھا وگرنہ اس سلسلے میں وہ اس کی مدد کر سکتا تھا۔

ماریا نے سب سے پہلے تو اپنے لئے رات بسر کرنے کے ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی۔ اس نے پچھلے بھی بحری جہازوں میں چھپ کر سفر کیا تھا اور ہر بار اس کی [illegible] جہاز کا سٹور روم ہی تکیہ تھا جہاں وہ رات بسر کرتی۔ اس بار بھی وہ سٹور روم کی تلاش میں نکل پڑی۔ سٹور روم میں کبھی کبھار ہی ملاح آتے تھے۔ اس لئے وہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ بحری لٹیروں کے اس جہاز کا سٹور روم بھی تیسری اور نچلی منزل میں تھا۔

سٹور روم کیا بس کباڑ خانہ تھا۔ دنیا جہان کی الا بلا یہاں پھینک رکھی تھی۔ ایک کونے میں لکڑی اور بانس کے بڑے بڑے گول ٹوکرے تھے جن میں ٹوٹا پھوٹا مال بھرا ہوا تھا۔ بوریاں تھیں جن میں آٹا تھا۔ شکر بھی تھی۔ ایک بوری باداموں کی تھی۔ ماریا نے کونے میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔

دوسرے روز ماریا نے موٹے باورچی سے ملاقات کی۔ اسے بتایا کہ وہ فرار کے منصوبے پر غور کر رہی ہے اور جونہی جہاز کسی بندرگاہ پر رکا وہ لڑکیوں کو وہاں سے نکال کر لے جائے گی۔ موٹا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا اے مقدس روح!
ان ڈاکوؤں کے پاس مجھے مت چھوڑ دینا۔"

ماریا نے ہنس کر کہا:

"تم یہاں مزے میں ہو۔ تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کھاتے پیتے رہو گے۔"

باورچی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"ارے نہیں اے مقدس روح! ان ڈاکوؤں کا کیا بھروسہ ہے۔ جانے کس وقت میرے سالن میں نمک کم رہ جائے اور یہ میری گردن قلم کر دیں۔ خدا کیلئے مجھے ان وحشیوں کے پاس مت چھوڑنا۔"

ماریا بولی:

"اچھا کوئی بات نہیں۔ تمہیں ساتھ لیتی جاؤں گی۔ لیکن ابھی تمہیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس جہاز کی اگلی منزل کونسی ہے۔ تم ڈاکوؤں کی باتوں پر دھیان رکھنا میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

"بہت بہتر میں کھوج میں رہوں گا۔"

جہاز کو سمندر میں سفر کرتے تیسرا روز تھا کہ ماریا [illegible] باورچی سے ملنے گئی۔ وہ اکیلا بیٹھا دیگ میں کچھ چلا رہا تھا۔ ماریا نے قریب جاکر اسے بلایا تو وہ

اس سے کہنے لگا:

"مقدس روح میں تمہاری تلاش میں ہی تھا۔"

"کیوں خیریت تو ہے؟" ماریا نے پوچھا۔

باورچی نے اپنے گول گول ڈیلے گھما کر ادھر ادھر دیکھا [illegible] بالکل خالی تھا۔ پھر بھی وہ سرگوشی میں بولا۔

"جہاز آج دوپہر کو ایک جزیرے پہ لگ رہا ہے۔ یہ جزیرہ ڈاکوؤں کا اڈہ ہے۔ یہاں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جہاز یہاں چار روز ٹھہرے گا۔"

باورچی نے کافی معلومات مہیا کر رکھی تھیں۔ ماریا نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش! تم بڑے اچھے جاسوس ہو۔"

اس دوران میں ماریا نے مناسب خیال کیا کہ جنگلی لڑکیوں سے جاکر ملاقات کی جائے اور انہیں تسلی دی جائے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے ڈاکو انہیں یہاں کسی دوسرے بڑے بحری ڈاکو کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ ماریا سیدھی قید خانے میں گئی۔ دروازے پہ ایک ڈاکو پہرہ دے رہا تھا۔ پہرہ کیا دے رہا تھا بس مزے سے زمین پر بیٹھا گنا چوس رہا تھا۔ ماریا چاہتی تھی کہ وہ ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر کے لئے ادھر اُدھر ہو تو اندر جا کر لڑکیوں کو اطلاع

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ڈاکو نے آ کر

"ارے الو کی دم فاختہ تو یہاں کیا کر [illegible] اوپر بھاگ کر جا۔ جہاز جزیرے پہ لگنے [illegible] اوپر ضرورت ہے۔"

وہ کہنے لگا۔ "اور یہاں تیرا باپ پہرہ دے گا؟"

"ارے باپ کے بچے! یہ لڑکیاں بھاگ کر کہاں گی اب؟ چل اوپر اُٹھ!"

دونوں ڈاکو اوپر چلے گئے۔ ماریا وہاں اکیلی رہ بڑا سنہری موقع تھا۔ قید خانے کے دروازے پہ تھا۔ تالا کھولنا ماریا کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا اس نے آگے بڑھ کر تالے کو ہاتھ میں تھاما اور جھٹکا دیا۔ تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ و دروازہ کھول کر اندر گئی اور جاتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لڑکیاں کونے میں [illegible] تھیں۔ انہوں نے دروازہ کھلتے دیکھا تھا۔ اب وہ انتظار کر رہی تھیں کہ کوئی اندر آئے گا [illegible] بھی نہ آیا۔ وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

ماریا نے کہا:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں مقدس شہزادی ہوں اور تمہیں تسلی دینے آئی ہوں کہ فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

لڑکیاں ایک دم خوش ہو گئیں۔ ایک بولی: ہائے کی

"مقدس روح! ہمیں ان لٹیروں سے نجات دلا کر جلدی ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔"

ماریا نے کہا۔

"اسی لئے تو میں تمہارے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہوں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاز آج دوپہر کو ایک جزیرے پہ لگ رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں اس سمندر کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟"

دوسری لڑکی نے کہا۔

"یہ کالا پانی ہے۔ یہاں سے مشرق کو ہمارا ملک ہے۔ بس میں اتنا جانتی ہوں۔"

تیسری لڑکی نے کہا۔

"اپنے ملک کے ساحل پہ پہنچ کر میں آگے راستہ بتا سکتی ہوں۔ ایک دریا ہے جو کالے پانی میں گرتا ہے۔ یہ دریا اندر جا کر گھنے جنگلوں میں بہتا ہماری بستی کے قریب سے گزرتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے کہا:

"ہاں وہاں جاکر تو کچھ مجھے بھی پتہ لگ جائے گا
تم لوگ تسلی رکھو۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی

چوتھی لڑکی بولی:

"مقدس روح یہ ڈاکو کہیں ہمیں اس جزیرے پہ بیچ
تو نہیں دیں گے؟

ماریا نے کہا:

"اگر انہوں نے بیچ بھی دیا تو کوئی پرواہ نہیں۔ میں
تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گی اور تمہیں ہر حالت کا
[illegible] گی۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ اس جزیرے
[illegible] کشتی یا کسی چھوٹے جہاز میں بیٹھ کر
پانی کے مشرقی ساحل کی طرف فرار ہو جائیں گے۔

جب لڑکیوں کو تسلی دے کر ماریا اوپر عرشے پر آئی
[illegible] تھی۔ بڑا پرسکون دن تھا
سمندر کے نیلے پانی میں ہلکی ہلکی موجیں اٹھ رہی
سامنے ایک سرسبز درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ آہستہ
قریب آ رہا تھا۔ جزیرے پہ کچھ لوگ بھی نظر آ رہے
جو شاید جہاز کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے
محسوس کیا کہ ان کے پاس ڈاکوؤں سے مختلف

ں۔ ثابت ہو رہا تھا کہ یہ جزیرہ بھی ڈاکوؤں نے ہی
آباد کر رکھا ہے اور یہاں فراروں، لونڈیوں اور لٹے
ہوئے مال کا سودا ہوتا ہے

تھوڑی دیر بعد بحری ڈاکوؤں کا جہاز جزیرے کے کنارے
لگ گیا۔ جہاز کے کنارے کے ساتھ لگتے ہی وہاں
کے لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ ڈاکو قہقہے لگاتے شور
مچاتے نیچے اترنے لگے۔ سردار نے اپنے خاص آدمیوں
کو اشارہ کیا۔ یہ چاروں آدمی نیچے چلے گئے۔ ماریا
اوپر ڈیک پہ کھڑی جزیرے کو دیکھ رہی تھی کہ یہاں
سے فرار ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جزیرے میں
بڑی رونق تھی۔ کنارے پہ چھوٹی چھوٹی کئی ایک کشتیاں
کھڑی تھیں۔ دو تین چھوٹے جہاز بادبان پھیلائے جزیرے
سے ذرا فاصلے پر سمندر میں تیر رہے تھے۔ صاف معلوم
ہوتا تھا کہ جزیرے پہ سبھی جرائم پیشہ لوگ رہتے ہیں

ماریا جزیرے کا جائزہ لے رہی تھی اور ادھر سردار
کے خاص آدمیوں نے نیچے جاکر چاروں لڑکیوں کو پکڑ کر
رسیوں سے باندھا۔ پھر انہیں لوہے کے ایک سلاخ
دار بڑے پنجرے میں بند کرکے تالا لگایا اور پنجرے کو
[illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ر پنجرے میں قید دیکھا تو پریشان ہوئی کہ یہ لوگ ان کو لے کر کہاں جا رہے ہیں ؟ ڈاکوؤں کے سردار نے پنجرے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

" یہ لونڈیاں میں ایک لاکھ اشرفیوں سے کم پر فروخت نہیں کروں گا۔ سُن لو جزیرے والو! "

کنارے پر کھڑے لوگوں نے تالیاں بجا کر اور ہاتھ لہرا لہرا کر ڈاکوؤں کے سردار کو خوش آمدید کہا۔ پھر پنجرے کو ایک گاڑی پر لاد کر جزیرے کی ایک پکی سڑک پر روانہ کردیا گیا۔ چھ ڈاکو تلواریں اور خنجر لگائے گاڑی کے ساتھ تھے۔ ماریا بھی جہاز سے اتر کر ساتھ ہولی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ جنگلی لڑکیوں کو کس جگہ لے جایا جا رہا ہے۔

گاڑی کو ایک بیل کھینچ رہا تھا۔ ایک ڈاکو گاڑی کے [illegible] پر بیٹھا تھا۔ پانچ ڈاکو گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کچا راستہ ناریل اور پام کے گھنے [illegible] کی طرف گھوم گیا۔ آگے جاکر ایک پتھروں کا بنا مکان آگیا۔ جس کی چھت پر درختوں کی [illegible] جگہ [illegible] تھیں۔ اس مکان کا ایک [illegible] محسوس کیا کہ ان کے لباس ڈاکوؤں سے مختلف

کرتی تھیں۔ اس اصطبل میں لڑکیوں کا پنجرہ داخل کرکے باہر سے اصطبل کا دروازہ بند کرکے تالا لگا دیا گیا۔ ڈاکو گاڑی لے کر واپس چلے گئے۔

ماریا کچھ دیر وہاں کھڑی ڈاکوؤں کو جاتے دیکھتی رہی جب وہ درختوں میں گم ہوگئے تو ماریا نے اصطبل کے دروازے کے پاس جاکر تالا کھولا، اندر گئی اور پنجرے میں قید لڑکیوں سے جاکر کہا۔

" گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ "

لڑکیاں رونے لگیں۔

" مقدس رُوح! خدا کے لئے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ تم مقدس رُوح ہو۔ تم سب کچھ کر سکتی ہو۔ "

ماریا مسکرائی۔ سوچنے لگی۔ ان بے چاریوں کو کیا خبر کہ میں بھی ایک حد تک کچھ کرسکتی ہوں اور میں بھی انسان کی طرح ایک انسان ہوں۔ بس یہی فرق ہے کہ میں نظر نہیں آتی اور مجھ میں طاقت ان لوگوں سے زیادہ ہے۔ بہرحال ماریا نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ وہ فکر نہ کریں۔ جونہی اُسے موقع ملا، وہ انہیں وہاں سے نکال کر لے جائے گی۔ اس کام سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فارغ ہو کر ماریا جزیرے کے اس حصے میں آگئی جہاں آبادی تھی۔

ماریا نے دیکھا کہ مکان ایک منزلہ تھے اور چھتیں ڈھلوانی۔ پرانے خستہ حال گندے مکان تھے۔ لوگ بھی گندے اور اکھڑ قسم کے تھے۔ بازار میں جگہ جگہ دوسرے ملکوں سے سمگل کی ہوئی چیزیں بک رہی تھیں۔ ڈاکو اشرفیاں دے کر چیزیں خرید رہے تھے۔ ایک ریستوران یعنی ہوٹل سا تھا جہاں بڑا شور تھا۔ ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک لڑکی کو میز پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ لوگ اس کے ارد گرد کھڑے اسے مذاق کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ لڑکی اداس تھی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

[redacted]

A2/77 4034270

خونی لٹیرے

ماریا ہوٹل کے اندر آگئی۔

اندر گرمی اور شور تھا۔ ماریا نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس کا لباس عربوں ایسا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ لڑکی مسلمان ہے اور کسی اچھے گھرانے کی ہے۔ لڑکی کی بولی دی جا رہی تھی۔ ایک موٹا سا آدمی سٹول پر کھڑا پکار رہا تھا۔

"دس ہزار۔ دس ہزار ایک۔ پندرہ ہزار پندرہ ہزار"

لوگ بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ ایک لنگڑے اور بوڑھے سے ادھیڑ عمر آدمی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بیس ہزار"

اس سے بڑھ کر کسی نے بولی نہ دی۔ بیس ہزار پر لڑکی لنگڑے کے حوالے کر دی گئی۔ لنگڑے نے لڑکی [illegible] بازو سے پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف سے نکال کر ہوٹل کے باہر لے گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے گئی۔ جانے کیوں اُسے لڑکی پر ترس آگیا تھا اور اس نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ٹنگٹے نے لڑکی کو جزیرے کے کونے پر ایک مکان میں بند کردیا۔ وہاں اس کے غلام پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا کچھ دیر وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر واپس ہوئی اور چوک میں آگئی۔ وہاں ڈاکوؤں کا سردار اعلان کر رہا تھا۔

"میرے پاس دنیا کی حسین ترین لونڈیاں ہیں۔ میں کل ان کی نیلامی کروں گا۔ جزیرے والو! کل اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر یہاں آنا۔"

لوگ قہقہے مار کر ہنسنے اور شور مچانے لگے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جنگلی لڑکیوں کو بھی دوسرے دن نیلام کیا جا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ آج رات ان لڑکیوں کو وہاں سے نکال لے جانا چاہئے۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں کہ کل لڑکیاں نیلام ہونے کے بعد کہاں لے جائی جائیں۔ پھر انہیں ایک جگہ اکٹھا کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چل پھر کر کسی ایسی کشتی یا چھوٹے جہاز کا کھوج لگانے لگی جس میں وہ لڑکیوں کو فرار کرا سکے۔ کشتیاں کتنی ہی کھڑی تھیں۔ ایک چھوٹے جہاز پر ماریا کی نظر پڑی۔ جہاز کنارے

سے ہٹ کر سمندر میں ابھری ہوئی ایک چٹان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا لنگر نہیں تھا بلکہ اسے ایک موٹے رسّے سے چٹان کے ساتھ باندھا گیا تھا۔

ماریا کو یہ جہاز فرار ہونے کے لئے موزوں لگا۔

وہ اوپر سے ہو کر چٹان کے پاس آگئی۔ یہاں تک راستہ سمندر میں ابھرے پتھروں کے اوپر سے ہو کر جاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی پتھریلی سڑک بن گئی تھی۔ جہاز کا عرشہ خالی تھا۔ ماریا رسّی کی سیڑھی کی مدد سے اس جہاز پر آگئی۔ جہاز کے کونے میں ایک آدمی بیٹھا رسیوں کے گچھے بنا رہا تھا۔ ماریا نے اس قسم کے چھوٹے بادبانی جہازوں میں کئی بار سفر کیا تھا۔ دروازے سے ایک سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ ماریا نیچے آگئی۔

دوسری منزل میں تین کمرے تھے جو چھوٹے چھوٹے تھے۔ ایک باورچی خانہ تھا۔ اسی میں سٹور روم تھا۔ یہ سارے کمرے خالی تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس جہاز کے ملاح جزیرے پر سیروتفریح کے لئے گئے ہیں۔ ماریا کو یہ جہاز پسند آگیا۔ وہ اوپر آگئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جہاز کے بادبان لپیٹے ہوئے تھے۔ اور بالکل نئے تھے۔ اس قسم کے نئے بادبانوں میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا کافی بھر جاتی ہے اور اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

ماریا کے لئے اب ضروری تھا کہ آدھی رات کو چاروں جنگلی لڑکیوں اور اس کے بعد عرب لڑکی کو اس جہاز میں دیا جائے۔ سب سے مشکل کام عرب لڑکی کو لانے کا تھا۔ کیونکہ اسے ماریا کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر بھی ماریا نے جہاز سے نکل کر اس مکان کا رخ کیا جس میں عرب لڑکی قید تھی۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ مکان کے باہر ایک غلام سٹول پر بیٹھا پہرہ بھی دے رہا تھا اور ہاتھ میں طوطا پکڑے اس سے اپنی زبان میں باتیں بھی کر رہا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ماریا چپکے سے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ اندر سے مکان کافی کھلا تھا۔ ٹنگوا وہاں نہیں تھا۔ صحن میں ناریل کا ایک درخت اگا ہوا تھا۔ سامنے برآمدے میں ایک کمرہ تھا جس پر تالا لگا تھا۔ ماریا نے اس کمرے کے دروازے کے ساتھ لگ کر اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر دروازے میں کوئی سوراخ نہیں تھا۔ اندر سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ ماریا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا ترکیب کی جائے کہ سیڑھیوں میں سے وہی موٹا ٹنگوا آتا دکھائی دیا۔ اس

کے ساتھ غلام بھی تھا۔

ماریا پرے ہٹ گئی۔ موٹے نے غلام سے کہا۔

"لونڈی کو کھانا کھلایا کہ نہیں؟"

غلام بولا: "کھلا دیا تھا میرے آقا۔"

"رات کو اسے دودھ بھی پلا دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دبلی عرب لڑکی کو موٹا تازہ کر کے آگے بیچ دوں۔ پچاس ہزار سے کم پہ فروخت نہیں کروں گا۔" اور موٹا ٹنگوا قہقہے لگاتا اوپر چلا گیا۔ غلام طوطے سے باتیں کرتے باہر نکل کر دروازے پہ بیٹھ گیا۔ ماریا کو پتہ چل گیا کہ عرب لڑکی اس کمرے میں ہے۔ برآمدے میں اب کوئی نہیں تھا۔ دروازے پہ چھوٹا سا تالا لگا تھا۔ ماریا نے قریب جا کر تالے کو کھولا۔ دروازے کا ایک پٹ اندر کو کیا اور خاموشی سے کمرے میں جا کر دروازہ پھر اس طریقے سے بند کر دیا کہ باہر سے کوئی دیکھے تو اسے شک نہ ہو۔

عرب لڑکی ایک پلنگ پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ اس بات پہ حیران تھی کہ دروازہ کھلا، بند ہوا مگر اندر کوئی نہیں آیا۔ کمرے میں ایک شمع دان میں چراغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشن تھا۔ اس کی روشنی میں کمرے کی ہر شے نظر آ رہی تھی۔ عرب لڑکی جلدی سے پلنگ کی پٹی کے ساتھ لگ کر کمرے میں ادھر ادھر آنکھیں کھول کر تکنے لگی۔ پھر خشک سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"کون ـــ کون ہے؟"

ماریا عرب لڑکی کے قریب ہی کھڑی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اس لڑکی سے کس طرح سے گفتگو شروع کرے کہیں وہ ڈر نہ جائے۔ وقت گزر رہا تھا۔ ماریا کو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ چاہے لڑکی ڈر جائے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہارے خاندان کی ہمدرد روح ہوں۔ مجھ سے ڈرنا نہیں۔ میں تمہاری مدد کے لئے یہاں آئی ہوں۔ میں نے ہمیشہ تمہارے خاندان والوں کی مصیبت میں مدد کی ہے۔"

عرب لڑکی نے ایک ایسی عورت کی آواز سنی جو اسے نظر نہیں آ رہی تھی تو وہ ڈر گئی۔ خوف سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ پیچھے ہٹ کر سمٹ کر بیٹھ گئی اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگی۔

"تت ـــ تم ـــ کون۔"

وہ بات پوری نہ کر سکی۔ اس کی آواز بیٹھ گئی۔ وہ بڑی سہمی ہوئی تھی۔ ماریا جلدی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں بہن۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میں ایک مقدس روح ہوں۔ میں نے ہر مشکل وقت میں تمہارے خاندان والوں کی مدد کی ہے۔ میں تمہاری مدد کو بھی آگئی ہوں۔ میں ایک عرصے سے تم لوگوں سے دور تھی۔ اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ اب کس شہر میں رہتے ہو۔"

لڑکی نے کہا۔

"ہمارا گھر بصرے میں ہے۔ میرا باپ بصرے کا تاجر ہے۔ میں ایک روز سہیلیوں کے ساتھ سیر کرنے سمندر کے کنارے آگئی تھی کہ ان ڈاکوؤں نے مجھے اغوا کر لیا اور اب یہاں بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔"

ماریا بولی۔

"قسمت کو بیٹھ کر رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی اور پھر میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں کیا کر سکتی ہوں۔ باہر پہرا بیٹھا ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔ پہرے داروں کو میں سنبھال لوں گی۔ تم ایسا کرو کہ آدھی رات کو میرا انتظار کرنا۔ میں آؤں تو میرے ساتھ چل پڑنا۔ باقی کام میں سنبھال لوں گی۔"

"بہت اچھا۔ میں آدھی رات کو تیار رہوں گی۔"

ماریا چلی گئی۔ بڑی جلدی ایک مسئلہ درست ہو گیا تھا۔ عرب لڑکی ذرا نہ گھبرائی تھی۔ شاید اپنے خالق کی روح سمجھ کر اسے خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ ماریا وہاں سے سیدھی جنگلی لڑکیوں کے پاس گئی اور انہیں بھی خبردار کر دیا کہ وہ آدھی رات کو تیار رہیں۔

"آج رات ہم نے یہاں سے فرار ہو جانا ہے۔ میں نے جہاز دیکھ لیا ہے۔ اس جہاز میں ہم یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

ماریا نے شام کے وقت آ کر جہاز کا ایک بار پھر جائزہ لیا۔ اس کے باورچی خانے میں کھانے پینے کا کافی سامان پڑا تھا۔ اب وہ وہاں سے سیدھا ڈاکوؤں کے جہاز پر گنجے باورچی کے پاس گئی۔ اسے ساری بات سمجھائی اور کہا۔

"تم رات کو اس جہاز سے نکل کر دوسرے جہاز کے پاس چٹانوں کی اوٹ میں میرا انتظار کرنا۔"

گنجے باورچی نے کہا۔

"اے مقدس روح! جہاز کے پہرے دار کا کیا ہوگا؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔"

اور ماریا واپس اسی جہاز کی طرف چل پڑی جسے انہوں نے آج رات اغوا کرنا تھا۔ اب وہاں تین پہریدار یا ملاح موجود تھے جو اِدھر اُدھر کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس لمبے لمبے خنجر تھے جو کمر میں لٹک رہے تھے۔ ماریا کے لئے کام مشکل ہو رہا تھا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور جہاز کی اچھی طرح پڑتال کی کہ بادبان کب اور کس طرف سے کھولے جائیں گے۔ رسہ جو چٹان کے ساتھ بندھا تھا کس جگہ سے کاٹا جائے گا۔

رات پڑتے ہی جہاز چٹان کی اوٹ میں اندھیرے میں گم ہو گیا۔ ملاحوں نے جو شکل و صورت سے ڈاکو لگ رہے تھے جہاز پر چراغ جلا دیئے۔ [illegible] کی [illegible] بڑی مدھم تھی۔ پھر بھی اس میں [illegible] چھپتے چھپتے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے رہے تھے ۔ ماریا عرشے پر ایک طرف خاموش
کھڑی یہ دیکھ رہی تھی کہ دوسرے لوگ کون کون جہاز پر گوشت وغیرہ ڈالنے لگے ۔ وہ آپس میں باتیں
کر آتے ہیں ۔ رات گزرتی چلی گئی ۔ جہاز پر جو تھا وہی کر رہے تھے ۔ ماریا بھی باورچی خانے میں آگئی
کوئی نہ آیا ۔ ماریا نے اب جہاز پر قبضہ کرنے کی ٹھانی ۔ اس نے کونے میں رکھا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا
تیاری شروع کردی ۔ وہ ان ملاحوں کو جہاز کے لے گیا ۔ پیچھے سے آکر بڑے آرام سے اس نے ایک
کمرے میں قید کر دینا چاہتی تھی تاکہ وہ بھاگ کر ملاح کے سر پر ڈنڈا مارا ۔ وہ بے ہوش ہو کر گرا۔
دوسرے لوگوں کو جہاز کے اغوا کی خبر نہ کرسکیں۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا ۔ اس کے سر پر بھی ڈنڈا
اتنے میں ایک بھاری بھرکم ریچھ ایسا آدمی اوپر آیا پڑا اور وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔ تیسرا ملاح
“ارے گدھو! کہاں ہو تم؟” بھاگنے ہی والا تھا کہ اُسے بھی دروازے کے پاس
تینوں ملاح اوپر آگئے ۔ انہوں نے جھک کر اس ماریا نے گرا دیا۔
آدمی کو سلام کیا ۔ وہ آدمی بھالو کی طرح جھوم رہا تینوں ملاح بے ہوش پڑے تھے ۔ ماریا نے جلدی
تھا ۔ اس کی کمر میں ایک ننگی تلوار لٹک رہی تھی۔ جلدی ان کے ہاتھ پاؤں کپڑوں سے باندھ ڈالے۔
“لاؤ کچھ کھانے کو دو ۔ جلدی حرام خورو!” اور منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے ۔ اس کام سے فارغ
“ابھی لائے حضور!” ہو کر اس نے باورچی خانے کا دروازہ باہر سے بند کرکے کنڈی
لگادی ۔ اب اوپر والا آدمی رہ گیا تھا جو مضبوط اور
تینوں ملاح نیچے چلے گئے ۔ ماریا نے سوچا کہ اس طاقتور تھا ۔ مگر ماریا کے لیے اس سے
وقت حملہ شروع کر دینا چاہیئے ۔ اگر دیر کردی تو کام نمٹنا زیادہ مشکل نہیں تھا ۔ ماریا اوپر آگئی ۔ وہ بھالو
خراب ہو جائے گا ۔ پس وہ تینوں ملاحوں کے پیچھے چراغ کی روشنی میں عرشے کے فرش پر بیٹھا کھانے
پیچھے جہاز کے نیچے چلی گئی ۔ تینوں ملاح باورچی کا انتظار کر رہا تھا ۔ جب دیر ہو گئی تو وہ اُٹھ
خانے میں گھس گئے اور لکڑی کی رکابیوں میں ہنٹر ریچھ کو چلا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے اسے پہنچ جانے دیا۔ وہ باورچی خانہ کے دروازے کی کنڈی کھول کر اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اس کے سر پہ ایک زور دار ڈنڈا پڑا اور وہ بےہوش ہو کر دھڑام سے فرش پہ گر پڑا۔ ماریا نے جلدی جلدی اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کا منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ یہ لوگ ہوش میں آنے کے بعد شور نہ مچا سکیں۔

ابھی رات آدھی نہیں گزری تھی۔ لیکن ماریا اب آدھی رات کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ چاروں ملاحوں کو ایک کیبن میں بند کرنے کے بعد ماریا تیزی سے چلتی ہوئی عرب لڑکی کے گھر پہنچی۔ عرب لڑکی ماریا کا انتظار کر رہی تھی۔ غلام پہرے دار طوطا کندھے پر بٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے تو جا کر دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگا اونگھ رہا تھا۔ ماریا نے اس کا طوطا کندھے سے اٹھا کر اڑا دیا۔ غلام کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے طوطے کو اڑتا دیکھا تو اس کے پیچھے بھاگا۔

طوطا باغ کی جھاڑیوں میں جا گھسا۔ غلام اُسے ڈھونڈنے لگا۔ ماریا کو موقع مل گیا۔ وہ جلدی سے

حویلی میں داخل ہو کر عرب شیخ کے کمرے میں آ گئی۔

"جلدی یہاں سے نکل چلو۔"

عرب لڑکی نے مقدس رُوح کی آواز سنی تو دروازے میں آ گئی۔ ماریا نے اُس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یہاں سے سیدھی سمندر کے کنارے مغربی چٹان کی طرف چلو۔ اس چٹان کے پہلو میں ایک چھوٹا جہاز کھڑا ہے۔ اس جہاز پہ سوار ہو جاؤ۔ میں دوسری لڑکیوں کو لیکر آتی ہوں۔"

عرب لڑکی نے کہا۔

"مجھے اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں چلوگی۔ مقدس رُوح!"

"اچھا تو پھر جلدی چلو۔"

ماریا نے عرب لڑکی کو ساتھ لیا اور جلدی جلدی جہاز کی طرف چل پڑی۔ چٹان کے قریب سے گزرتے ہوئے اُسے گنجا باورچی نظر آیا۔ ماریا نے کہا۔

"ابوگر! اس عرب لڑکی کو ساتھ لے کر جہاز پر سوار ہو جاؤ۔ یاد رکھنا۔ نیچے کیبن اور باورچی خانے میں تین ملاح بےہوش پڑے ہیں انہیں وہیں رہنے دینا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے۔"

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا سیدھی چاروں عرب لڑکیوں کے پاس گئی۔ چاروں لڑکیاں آدھی رات کے وقت ماریا کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں ما نے جاتے ہی پہرے دار کو ٹھکانے لگا دیا۔ ا لڑکیوں کو ساتھ لے کر جہاز پر آگئی۔ جزیرے پر خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ انہیں راہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ جہاز پہ آتے ہی ماریا نے گنجے باورچی کو حکم دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دیے جائیں۔ باورچی ایڈگر نے رسّہ کھولا اور ساتھ ہی بادبان بھی کھول دیئے۔ رات کا وقت تھا۔ سمن پہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی اس نے آہستہ جزیرے کے کنارے سے ہٹنا شروع کر دیا۔ ایڈگر نے جہاز کا وہیل سنبھال لیا۔ جہاز جزیرے سے دُور ہوتا گیا۔ اتنے میں ایک ملاح نے جہاز کو دیکھا تو شور مچا دیا۔ جہاز کے ملاح تلواریں لے کر کنارے پر آگئے۔ کچھ ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور تیرتے ہوئے جہاز کی طرف بڑھے۔ مگر اب وقت گذر چکا تھا۔ جہاز کے قریب آکر بھی ملاح اس کے اوپر نہ چڑھ سکے اور جہاز سمندر میں اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ باقی ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو باورچی ملاح ایڈگر عرشے پہ دھوپ میں آگیا۔ اس کو ماریا نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے آواز دی۔

"مقدس رُوح!"

ماریا قریب ہی کھڑی تھی۔

"کیا ہے ایڈگر؟"

"مقدس رُوح! ان چاروں ملاحوں کا کیا کریں؟"

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے ان کے پکوڑے بنا کر ہمیں کھلاؤ۔"

ایڈگر بھی ہنسا۔ اتنے میں عرب لڑکی اور چاروں لڑکیاں بھی اوپر آگئیں۔ وہ دھوپ میں ایک دوسری سے باتیں کرنے لگیں۔ ایڈگر نے ماریا سے کہا۔

"میں نے ناشتہ تیار کرنا ہے اور باورچی خانے میں ڈاکو ملاح قید ہیں۔"

ماریا نے کہا "میرے ساتھ نیچے آؤ۔"

ایڈگر ماریا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ نیچے آکر ماریا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ایڈگر سے کہا۔

"کیبن سے مضبوط رسی لے لو۔"

ایڈگر نے ایک کونے سے رسی لے لی۔ باورچی خانے کا دروازہ کھول کر ماریا نے اندر دیکھا۔ تینوں ملاح بے ہوش پڑے تھے۔ ماریا نے ایڈگر کا ساتھ مل کر ان کی اچھی طرح سے مشکیں کس دیں۔ اس کے بعد انہوں نے ساتھ والے کیبن میں جا کر بڈھے ملاح کو بھی رسی سے جکڑ دیا۔ پھر باری باری ان چاروں کو اوپر عرشے پہ لایا گیا۔ پھر ایک ایک کر کے انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔ چاروں خونی ڈاکو سمندر کی لہروں میں گم ہو گئے۔

بادبانی جہاز مشرق کی جانب ٹھیک سمت پر جا رہا تھا۔ دو روز کے سفر کے بعد آخر انہیں ہندوستان کا مغربی کنارہ نظر آگیا۔ پھر وہ دریا دیکھا گیا جو آگے جا کر جنگلی لڑکیوں کی بستی سے گزرتا تھا۔ جہاز دریا میں داخل ہو گیا۔ ادھر دوپہر کے بعد جنگلی آدمیوں نے ایک چھوٹے بادبانی جہاز کو دریا میں آکر کنارے پر لگتے دیکھا تو انہوں نے اس پہ تیروں کی بارش کر دی وہ سمجھے کہ شاید وہی لوگ حملہ کرنے پھر آ گئے ہیں۔

ماریا نے چاروں جنگلی لڑکیوں کو اوپر بلا لیا۔ لڑکیوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر چیخ کر اپنی زبان میں کہا۔

"ہم تمہاری لڑکیاں ہیں۔ ہم دشمن نہیں ہیں۔"

جنگلیوں نے اپنی عورتوں کو دیکھا تو رک گئے۔ اس کے بعد ماریا نے انہیں ایڈگر کے ساتھ ان کے ماں باپ کے پاس روانہ کر دیا۔ جنگلیوں نے ایڈگر کی خوب آؤ بھگت کی۔ انہیں پھل اور شکر قندی سے لاد دیا۔ رات بھر دریا میں رکنے کے بعد ماریا کا جہاز دوسرے روز صبح صبح سورج نکلنے کے ساتھ ہی عرب لڑکی کو لے کر بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سمندر پُر سکون تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ سمندر کی ہلکی ہلکی موجیں جہاز کے پیندے سے آ کر ٹکرا رہی تھی۔ ایڈگر باورچی خانے میں ناشتہ تیار کر رہا تھا۔ ماریا ناگ اور عنبر کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ خدا جانے وہ کہاں ہوں گے۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ناگ راج کماری کو باغی لیڈروں کی قید سے چھڑا کر اس کے ملک میں راج ماتا کے ہاں لے جا رہا تھا راج ماتا کے منتری نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سازش کر کے راج کماری کو اغوا کروا دیا تھا۔ تاکہ جنگل میں جا کر چھپ کر اس سے بیاہ کر لے اور راج پاٹھ پر قبضہ کر لے۔ ناگ ہندوستان کے گھنے جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ راج کماری اس کے ساتھ تھی دونوں گھوڑوں پہ سوار تھے۔ رات آ گئی۔ ناگ نے ایک جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہاں ایک چٹان نے آگے بڑھ کر سائبان سا تان رکھا تھا۔ ناگ نے راج کماری سے کہا۔

"بہن: تم یہاں آرام کرو۔ میں دور ہٹ کر پہرہ دوں گا:"

راج کماری نے کہا

"بھیا ناگ: اپنی حفاظت کرنا۔ یہ جنگل سانپوں سے بھرا ہوا ہے:"

ناگ مسکرایا۔

"مجھے سانپ کچھ نہیں کہتے۔ ہاں۔ تمہاری حفاظت بھی میں ہی کروں گا۔ سانپ تمہیں بھی کچھ نہیں کہے گا:"

اور اس کے ساتھ ہی راج کماری کو چٹان کے پاس لٹا کر ناگ ذرا دور جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ آج رات وہ نہیں سونا چاہتا تھا۔ اور جاگ

کر راج کماری کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ راج کماری نے کچھ پھل کھا کر پانی پی لیا تھا۔ وہ نرم نرم گھاس پر لیٹی اپنی ماں راج ماتا کو یاد کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ جاتے ہی راج منتری کو دیس نکالا دلوا دے گی۔ پھر اُسے خیال آیا کہ راج منتری بڑا سازشی انسان ہے۔ اس نے سپہ سالار کو بھی ساتھ ملا رکھا ہے۔ وہ طاقت ور ہے اور اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر شہر سے باہر نکلوانا آسان نہیں۔

اس قسم کے خیالات میں کھوئی راج کماری کو جانے رات کے کس لمحے نیند آگئی اور وہ سو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

HA
ل
086 6208

ہاتھی آگیا

رات آدھی گزری تھی کہ آسمان پر بجلی چمکی۔

ناگ جاگ رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا گھنے درختوں کی شاخوں میں اسے آسمان نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھپ اندھیرا تھا۔ بجلی ایک بار پھر چمکی۔ بادلوں کی گرج سنائی دی اور ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی ناگ لپک کر راج کماری کی طرف گیا۔ اس نے راج کماری کو جگا کر کہا۔

"بارش ہونے لگی ہے ہمیں کسی سائے میں چلا جانا چاہئے"

پاس ہی ایک ٹیلے کا کچھ آگے کو بڑھا ہوا تھا وہاں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ناگ نے راج کماری کو ایک محفوظ جگہ بٹھا دیا۔ راج کماری پھر سو گئی۔ ناگ جاگ رہا تھا۔ جانے کیوں اسے خطرے کی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے میں اسے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ناگ چوکنا ہو کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر

دیکھنے لگا۔ دو گھوڑ سوار جنگل میں نظر آئے۔ ٹیلے کے پاس آکر وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔

"اس ٹیلے کے سائے میں بارش سے پناہ مل سکتی ہے"

"چلو۔ وہیں چلتے ہیں"

دونوں نے اپنے گھوڑے درختوں کے نیچے کھڑے کئے اور ناگ سے ذرا فاصلے پہ جھاڑیوں کے پاس آکر پتھروں پہ سائے میں بیٹھ گئے۔ اُن کے حلیے ناگ کو ڈاکوؤں ایسے معلوم ہوتے۔ کاندھوں پہ ڈھالیں تھیں۔ تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اندھیرے میں ان کی شکلیں زیادہ صاف دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

ناگ کو ڈر تھا کہ کہیں راج کماری نیند میں بڑبڑانے نہ لگے یا اٹھ کر نہ بیٹھ جائے۔ وہ ان ڈاکوؤں سے خو مخواہ لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ بجلی کا کڑاکا گرجا تو راج کماری کی آنکھ کھل گئی۔ ناگ نے جلدی سے اُس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اور کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ سے کہا

"آواز بالکل نہ نکالنا۔ پاس ہی ڈاکو بیٹھے ہیں"

راج کماری ڈر گئی اور سہم کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک ڈاکو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملے گا۔

”اگر ہم بارش کے رکنے کا انتظار کرتے رہے تو وقت نکل جائے گا۔ ہمیں اس طوفانی رات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔“

دوسرا ڈاکو بولا: ”تو کیا ہم اس وقت جا کر ڈاکہ ماریں اور لڑکی کو اغوا کر کے لے جائیں؟“

”ہاں۔ ہمیں اس وقت چل کر حملہ کر دینا چاہیے چوکیدار کی جھونپڑی زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی لڑکی کے عوض جاگیردار ہمیں دو ہزار اشرفیاں ضرور انعام میں دے گا۔“

”تو پھر چلو۔“

دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بارش میں بھیگتے جنگل میں روانہ ہو گئے۔ ناگ نے ماج کماری سے کہا

”راج کماری! میرا دل چاہتا ہے کہ میں غریب چوکیدار کی لڑکی کو ان بدمعاش ڈاکوؤں سے بچاؤں اس لیے تم اسی جگہ چٹان کی کھوہ میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں ان ڈاکوؤں کے پیچھے جا رہا ہوں۔“

ماج کماری نے کہا: ”لڑکی کو بچانا بھی اچھی بات ہے۔

مگر وہ ڈاکو تو گھوڑوں پر سوار ہیں۔ تم پیدل چل کر ان کا پیچھا کس طرح سے کر سکو گے؟“

ناگ بولا: ”اس کی تم فکر نہ کرو میں انہیں پکڑ لوں گا تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسی جگہ تمہیں ملوں گی۔“

راج کماری کو چٹان کی کھوہ میں چھوڑ کر ناگ جنگل میں اس طرف چل دیا جدھر دونوں ڈاکو گئے تھے۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ جنگل کے درخت رات کے اندھیرے میں بھوت لگ رہے تھے۔ اور ان کی گھنی جھاڑیوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جب ناگ نے محسوس کیا کہ وہ راج کماری سے کافی دور نکل گیا ہے تو اس نے عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر آسمان میں اڑنے لگا۔

کچھ دور جا کر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو گھوڑے دوڑاتے جنگل کی ایک پکی سڑک پر بھاگے جا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی ندی عبور کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سامنے ٹیلے کی اوٹ میں ایک جھونپڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

"اگر ہم بارش کے رکنے کا انتظار کرتے رہے تو وقت نکل جائے گا۔ ہمیں اس طوفانی رات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

دوسرا ڈاکو بولا: "تو کیا ہم اس وقت جا کر ڈاکہ ماریں اور لڑکی کو اغوا کر کے لے جائیں؟"

"ہاں۔ ہمیں اس وقت چل کر حملہ کر دینا چاہیے چوکیدار کی جھونپڑی زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی لڑکی کے عوض جاگیردار ہمیں دو ہزار اشرفیاں ضرور انعام میں دے دے گا۔"

"تو پھر چلو۔"

دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بارش میں بھیگتے جنگل میں روانہ ہو گئے۔ ناگ نے راج کماری سے کہا

"راج کماری! میرا دل چاہتا ہے کہ میں غریب چوکیدار کی لڑکی کو ان بدمعاش ڈاکوؤں سے بچاؤں اس لیے تم اسی جگہ چٹان کی کھوہ میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں ان ڈاکوؤں کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

راج کماری نے کہا: "لڑکی کو بچانا بڑی اچھی بات ہے۔

مگر وہ ڈاکو تو گھوڑوں پر سوار ہیں۔ تم پیدل چل کر ان کا پیچھا کس طرح سے کر سکو گے؟"

ناگ بولا: "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں پکڑ لوں گا تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسی جگہ تمہیں ملوں گی۔"

راج کماری کو چٹان کی کھوہ میں چھوڑ کر ناگ جنگل میں اس طرف چل دیا جدھر دونوں ڈاکو گئے تھے۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ جنگل کے درخت رات کے اندھیرے میں بھوت لگ رہے تھے۔ اور ان کی گھنی جھاڑیوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جب ناگ نے محسوس کیا کہ وہ راج کماری سے کافی دور نکل گیا ہے تو اس نے عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر آسمان میں اڑنے لگا۔

کچھ دور جا کر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو گھوڑے دوڑاتے جنگل کی ایک کچی سڑک پر بھاگے جا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی ندی عبور کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سامنے ٹیلے کی اوٹ میں ایک جھونپڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنا ہوا تھا۔ ڈاکوؤں نے گھوڑے باہر باندھے اور جھونپڑے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ بوڑھا چوکیدار اور اس کی لڑکی سو رہے تھے۔ شور سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

"کون ہے؟"

ڈاکوؤں نے بوڑھے کو گردن سے پکڑ کر کونے میں پھینک دیا۔ اور لڑکی کو کھینچ کر باہر لے آئے۔ بوڑھا ان کی منتیں کرنے لگا کہ اس کی بیٹی پر رحم کرو۔ مگر ڈاکوؤں کے دل پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ لڑکی بھی رو رہی تھی اور ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے میرے بابا سے جدا نہ کرو۔"

ایک ڈاکو نے لڑکی کے منہ پر زور سے طمانچہ مار دیا۔

"بکواس بند کر۔ نہیں تو تمہارے بابا کی گردن اڑا دوں گا!"

لڑکی سہم گئی۔ ڈاکوؤں نے لڑکی کو زبردستی اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ بادل زور سے گرج اٹھا۔ بجلی چمکی جس کی روشنی میں ڈاکوؤں کو اپنے سامنے درختوں

میں ایک بھیانک ہاتھی کا سایہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھی کی دل ہلا دینے والی چنگھاڑ سے جنگل گونج اٹھا۔

"ہاتھی۔ بھاگو!"

مگر ہاتھی کی چنگھاڑ سن کر گھوڑے بدک کے اور الف ہو گئے۔ دونوں سوار اور لڑکی گھوڑوں پر سے گر پڑے۔ ہاتھی اب ان کے سر پر آ گیا تھا۔ یہ ایک خوفناک لمبے لمبے کانوں اور نوکیلے دانتوں والا پہاڑ ایسا ہاتھی تھا۔ ہاتھی نے آگے بڑھ کر ایک ڈاکو کو اپنی سونڈ میں لپیٹا اور اوپر اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ڈاکو کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ وہیں بے ہوش ہو گیا۔ دوسرا ڈاکو جنگل میں بھاگا۔ ہاتھی گھوم کر مڑا اور بھاگتے ڈاکو کا پیچھا کرنے لگا۔ ہاتھی کی چنگھاڑ سے جنگل لرز رہا تھا۔

ڈاکو آگے آگے اندھیرے جنگل میں بھاگ رہا تھا۔ ہاتھی اس کے پیچھے دوڑا چلا آ رہا تھا۔ ڈاکو نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا تالاب آ گیا۔ ڈاکو نے اس میں چھلانگ لگا دی کہ شاید اسی طرح سے اس کی جان بچ جائے۔ مگر یہی اس کی زندگی کی آخری غلطی تھی کیونکہ اس نے جس تالاب میں چھلانگ لگائی تھی وہ دلدل تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تالاب کی دلدل میں گرتے ہی ڈاکو کے پاؤں کیچڑ میں نیچے اترنے لگے وہ گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے اوپر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کے پاؤں اور زیادہ نیچے دھنس گئے۔ اب دلدل نے اسے نگلنا شروع کر دیا۔ جتنی وہ اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا اتنا ہی دلدل میں دھنستا چلا جاتا۔ آخر دلدل اس کی گردن تک پہنچ گئی۔ ہاتھی کنارے پر کھڑا اس خونی ڈاکو کی موت کا منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ جب دلدل ڈاکو کے منہ تک آئی تو اس نے ایک چیخ ماری۔ چیخ ابھی اس کے ہونٹوں پہ ہی تھی کہ دلدل نے اس کا منہ بھی نگل لیا۔ بجلی چمکی تو ہاتھی نے دیکھا کہ ڈاکو دلدل میں غائب ہو گیا تھا۔ ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور واپس چلا۔

جھونپڑی کے پاس جا کر اس نے دوبارہ ناگ کی شکل بدل لی اور جھونپڑے میں آ کر چوکیدار کو تسلی دی اور کہا

"بابا! اب فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈاکو مارے گئے ہیں۔"

چوکیدار نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا

"اگر خدا میری مدد کو ہاتھی نہ بھیجتا تو یہ ظالم میری بچی کو اغوا کر کے لے جا چکے تھے۔"

ناگ نے ڈاکوؤں کے گھوڑوں کو کھول لیا۔ ایک گھوڑے پہ وہ خود سوار ہوا اور دوسرے گھوڑے کو ساتھ لے کر وہ جنگل میں سے گزرتا اس چٹان کے پاس آ گیا جہاں ج کماری اس کا انتظار کر رہی تھی ناگ کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر اس نے کہا۔

"یہ گھوڑے کہاں سے آ گئے؟"

ناگ نے ساری کہانی بیان کر دی کہ کس طرح جنگل کہاں سے ایک ہاتھی نے نکل کر ڈاکوؤں کو ان کے غار تک پہنچایا۔ حالانکہ ہاتھی وہ خود تھا مگر اس نے ج کماری کو کچھ نہ بتایا۔ اب بارش ختم ہو گئی تھی۔ اور صبح کی روشنی بھی پھیلنے لگی تھی۔ ناگ نے راجکماری کو دوسرے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کے محل کی ت روانہ ہو گیا۔

جنگل سے باہر نکلے تو سامنے ایک سرسبز میدان آگے کھیت تھے۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی ر دور راج کماری کے محل اور شہر کی دیواریں دکھائی ے رہی تھیں۔ راج کماری نے خوش ہو کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہمارا شہر ہے۔ ہمارا محل ہے۔ وہاں میری ماں میری یاد میں رو رہی ہو گی۔ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو گی۔ مگر راج منتری جل جائے گا۔ وہ مجھے ایک بار پھر اغوا کروانے یا قتل کروانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ وہ ہماری راج گدی پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، راج ماتا زندہ ہے وہ اس سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ناگ نے کہا: "راج منتری اپنی ناپاک کوشش میں ہرگز کامیاب نہیں ہو گا۔ راج گدی پہ تم ہی بیٹھو گی اور اپنی مرضی سے شادی کرو گی۔"

راج کماری نے کہا: "جس راج کمار سے میں نے شادی کرنی ہے اُسے بھی راج منتری نے قید خانے میں ڈال رکھا ہے۔"

ناگ بولا: "گھبراؤ نہیں۔ میں اُسے بھی قید خانے سے نجات دلاؤں گا۔"

اسی طرح باتیں کرتے اور گھوڑے دوڑاتے وہ شہر کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پہ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے راج کماری کو دیکھ خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

دم خبر پھیل گئی کہ کھوئی ہوئی راج کماری واپس شہر میں آ گئی ہے۔ محل میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ منتری پریشان ہو کر محل سے باہر آ گیا۔ راج ماتا خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ راج کماری گھوڑے پر سوار بڑی شان سے چلی آ رہی تھی۔ ناگ بھی گھوڑے پہ سوار اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

راج منتری نے منہ دکھانے کے لیے جھوٹ موٹ خوشی کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ راج کماری کی واپسی کی خوشی میں محل میں دو روز تک جشن منایا جائے گا۔ راج کماری کو راج ماتا نے گلے لگا لیا اور اُسے لے کر محل میں چلی گئی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

راج منتری ایک بار پھر پریشان ہو گیا۔ راج کماری جب تک زندہ تھی یا اس کی بیوی نہیں بن جاتی راج گدی پہ قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ رعایا راج کماری کو پسند کرتی تھی۔ راج منتری زبردستی تخت پر قبضہ کر کے رعایا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تب اس نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ پہلا کام تو یہ کیا جائے کہ قید خانے میں قید راج کماری کے منگیتر کو قتل کیا جائے تاکہ ایک دشمن تو ختم ہو۔ اس کے بعد راجہ اور راج کماری کو کھانے میں آہستہ آہستہ زہر دے کر مار دیا جائے۔ راج منتری نے اپنے ایک خاص غلام کو حکم دیا کہ قید خانے میں جا کر راج کمار کو قتل کر دیا جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی رات ناگ بھی راج کماری کے کہنے پر اس کے منگیتر راج کمار کی تلاش میں قید خانے کی طرف گیا۔ راج کماری نے اسے قید خانے کا پورا راستہ بتا دیا تھا۔

محل کی راہداریوں میں چراغ جل رہے تھے۔ جگہ جگہ پہرہ تھا۔ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی۔ پھر ناگ کس طرح سے وہاں جا سکتا تھا۔ ناگ کے پاس تو قید خانے میں جانے کے سینکڑوں ذریعے تھے۔ پس ناگ نے ایک سیاہ رنگ کے سانپ کا روپ بدلا اور راہداریوں کی چھت پر رینگتا ہوا قید خانے کے دروازے پر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ایک آدمی منہ سر لپیٹے چلا جا رہا۔ ناگ نے اس کا کوئی خیال نہ کیا اور راج کماری کے بتائے ہوئے راستے پر رینگتا چلا گیا۔

بائیں جانب گھوما تو سامنے قید خانہ تھا۔ باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سپاہی نے سانپ کو نہ دیکھا۔ وہ رینگتا ہوا قید خانے کی سلاخوں میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی سپاہی کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے ایک انگوٹھی نکال کر سپاہی کو دکھائی۔ یہ راج منتری کی اپنی خاص انگوٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی سپاہی نے سر جھکایا اور وہاں سے چلا گیا۔

وہ آدمی راج منتری کا بھیجا ہوا غلام تھا جو راج کمار کو قتل کرنے آیا تھا۔ غلام نے جیب سے چابی نکالی، قید خانے کا تالا کھولا اور اندر آ گیا۔ راج کمار سر جھکائے کونے میں پتھر کی سِل پر بیٹھا تھا۔ دیوار پر ایک ننھا سا دیا جل رہا تھا۔ کونے میں سانپ بھی دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ راج کمار نے غلام کو آتے دیکھا تو سر اٹھا کر پوچھا۔

"میرے لیے کیا حکم بھیجا ہے راج منتری نے؟"

غلام نے بغل میں سے چھرا نکال کر کہا۔

"اس نے تمہارا سر منگوا بھیجا ہے۔ کیا تم تیار ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہادر راج کمار نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔ لیکن اگر تم مقابلہ کر کے میرا سر لے جاتے تو میرے دل میں کوئی حسرت نہ رہتی۔"

غلام ہنسا۔ "اب یہ حسرت تمہارے دل میں ہی رہ جائے گی۔ دو زانو ہو کر سر جھکا دو تاکہ میں تمہاری گردن سے تمہارا سر الگ کر دوں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

راج کمار نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا

"اے خدا! اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تمہاری مرضی کے آگے سر جھکاتا ہوں۔"

راج کمار نے سر جھکا دیا۔ غلام چھرا ہاتھ میں لے کر آگے بڑھا تاکہ راج کمار کا سر کاٹ کر اتار دے کہ اچانک ایک جانب سے پھنکار کی غضب ناک آواز آئی۔ غلام نے پلٹ کر دیکھا ایک سیاہ ناگ زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا اور اپنی لال لال آنکھوں سے غلام کو گھور رہا تھا۔ غلام پر جیسے سانپ کی آنکھوں نے جادو کر دیا۔ پتھر کا بت بنا کھڑا سانپ کو تکتا رہا۔ راج کمار سہم کر پرے ہٹ گیا۔

سانپ نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا غلام ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر چھرا لہرایا اور زور سے سانپ کی طرف پھینکا۔ سانپ نے گردن ایک طرف کر لی۔ یہ بڑا خطرناک حملہ تھا۔ اس حملے سے ناگ ہلاک ہو سکتا تھا۔ ناگ نے اس قسم کا خطرہ شاید پہلے کبھی مول نہیں لیا تھا۔ بہرحال غلام کا وار خالی گیا تھا اور اب حملہ کرنے کی باری سانپ کی تھی۔ اس نے پھن آگے کو مارا۔ غلام گر پڑا۔ سانپ اس کی گردن پر آ گیا اور جھک کر غلام کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔

غلام کا سارا جسم پسینے میں تر بتر ہو گیا۔

اور پھر راج کمار نے دیکھا کہ سانپ نے بڑی تیزی سے غلام کی گردن پہ دو بار ڈس دیا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ غلام کا جسم سانپ کے زہر سے سُن ہو گیا پھر وہ پتھر بن گیا اور مر گیا۔ راج کمار اٹھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں ناگ انسان کی شکل میں نمودار ہوا اور بولا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ۔ راج کماری نے مجھے تمہیں لانے کے لیے بھیجا ہے۔ جلدی کرو۔ وقت کم ہے۔"

راج کمار کو ناگ نے غلام کے کپڑے پہنا دیے اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھیرے میں اُسے راہداریوں سے گزارتا راج ماتا
کے محل میں لے آیا۔ راج کماری نے اپنے بھائی کو
[illegible] سے نہال ہو گئی۔ ناگ نے کہا:

"ہمارا سب سے بڑا دشمن راج منتری ابھی باقی
ہے جب تک وہ زندہ ہے تم غیر محفوظ ہو اور
اس راج گدی پر خطرہ منڈلاتا رہے گا۔"

راج کمار بولا: "اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو
صبح ہونے سے پہلے پہلے اسے جا کر ختم کر دوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ تمہارا راج کماری اور راج ماتا کے
پاس رہنا بہت ضروری ہے راج منتری کو میں سنبھال لوں گا۔"

راج کمار نے کہا: "میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں
آئی کہ وہ سانپ کہاں سے آ گیا جس نے غلام کو ڈس کر
میری جان بچائی!"

راج کماری بولی: "اسے خدا نے تمہاری مدد کے لیے
بھیجا تھا کنور جی!"

ناگ مسکرایا: "راج کماری ٹھیک کہتی ہے۔ خدا نے تمہاری
مدد کی اور تمہاری جان بچ گئی۔ اب تمہیں راج کماری
کے محل میں ہی راج ماتا کے ساتھ رہنا ہو گا۔ کیونکہ
راج منتری کو جب اپنے نوکر کی موت کی خبر ملی تو وہ غصے

سے دیوانہ ہو جائے گا اور تمہیں قتل کرنے خود آئے گا
پھر جب اُسے تمہارے غائب ہونے کا پتہ چلے گا تو وہ
سارے محل میں تمہیں تلاش کرے گا"

راج کمار بولا: "وہ مجھے ساری زندگی تلاش نہیں کر سکے گا
ناگ بھائی!"

"ٹھیک ہے۔ اس کے باوجود تمہیں یہاں سے باہر
نہیں نکلنا چاہئے۔"

رات گزر گئی۔ دن چڑھا تو راج منتری کو خبر ملی کہ غلام
کو سانپ نے ڈس دیا ہے۔ اور راج کمار قید خانے سے
بھاگ گیا ہے۔ راج منتری غصے سے نیم پاگل ہو گیا۔ اس
نے اپنے خفیہ سپاہیوں کو حکم دیا کہ سارے محل کی تلاشی
لی جائے اور راج کمار جہاں ملے اُسے اسی جگہ ختم کر دیا
جائے اور جس نے اسے پناہ دے رکھی ہو اُسے بھی اسی
وقت قتل کر دیا جائے۔

سپاہی محل کے کونے کونے میں پھیل گئے۔
راج کمار راج ماتا کے محل میں اوپر والے کمرے میں بیٹھا
ہوا تھا۔ سپاہی تلاش کرتے ہوئے وہاں بھی آ گئے [illegible]
وہاں نہیں تھا۔ سپاہیوں نے تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہ
اوپر والے کمرے میں بھی گئے۔ اس کمرے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج ماتا اور راج کماری گھبرا رہی تھیں۔ سپاہیوں نے چابی مانگی تو راج ماتا نے کہا۔

"یہ کمرہ تو کئی سالوں سے بند پڑا ہے۔ اس کی چابی ہمارے پاس نہیں ہے۔"

سپاہیوں نے تالا توڑ دیا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ راج کماری اور راج ماتا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اب راج کمار کو سپاہیوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اتنے میں ناگ وہاں آ گیا۔ راج کماری نے اسے حالات سے باخبر کیا تو ناگ نے جلدی سے کہا۔

"تم دونوں کمرے میں جا کر بیٹھو میں سپاہیوں کی خبر لیتا ہوں۔ خبردار تم میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلے۔"

دونوں ماں بیٹی کو کمرے میں دھکیل کر ناگ اوپر آ گیا۔ اس نے روشندان میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ سپاہی تلاشی لے رہے تھے۔ راج کمار۔ اوپر پرچھتی پر صندوقوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ ایک سپاہی نے اوپر اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں پرچھتی پر بھی تلاش کرو۔"

دو سپاہی گھوڑیاں لے کر اوپر چڑھ گئے۔ صندوقوں کے پیچھے [illegible] باہر نکل آیا اور سلام کر کے بولا

"حضور آگے بڑھے تو اس کی خیر نہیں۔"

راج کمار کے ہاتھ میں ایک لوہے کی سلاخ تھی۔ سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ راج کمار بہادر نوجوان تھا۔ اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اب مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک سپاہی گرا تو راج کمار نے اس کی تلوار چھین کر لڑنا شروع کر دیا۔ مگر سپاہی زیادہ تھے۔ راج کمار اتنے سارے سپاہیوں کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گیا۔ وہ کونے میں جا لگا۔ چاروں سپاہی اس پر تلواروں سے حملے کرنے لگے۔ ناگ تیزی سے اندر آ گیا۔ سپاہی راج کمار پر تلواریں چلا رہے تھے۔ راج کمار ان کے وار بڑی مشکل سے بچا رہا تھا کہ اچانک کمرے میں ہاتھی کی چنگھاڑ گونج اٹھی۔

سپاہیوں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا کہ یہ ہاتھی اس کمرے میں کہاں سے آ گیا۔ لیکن اس دوران میں ہاتھی نے ایک سپاہی کو اٹھا کر چھت پر پھینک دیا تھا اور دوسرے کو پاؤں تلے ڈال کر کچل کر رکھ دیا تھا۔ دوسرے سپاہی باہر کو بھاگے مگر ہاتھی نے انہیں بھی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ سپاہیوں کی تلواریں گھبراہٹ میں گر پڑی تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ ہاتھی کہاں سے آ گیا ہے۔ [illegible] وہ خوفناک ہاتھی جسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا [illegible] کرنے میں لگا تھا کہ جانے اب ہاتھی [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ ہاتھی نے پانچوں سپاہیوں کو ہلاک کیا اور سونڈ ہلاتا باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی راج کنور کی جان میں جان آئی۔ وہ تیزی سے لپک کر نیچے راج ماتا اور راج کماری کے کمرے میں آگیا۔

"اوپر ہاتھی آگیا ہے۔"

راج کماری اور راج ماتا نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

HA 6624229

موت کی سُرنگ

ہاتھی غائب ہو چکا تھا

ناگ نیچے آگیا۔ راج کمار نے اسے بھی ہاتھی کے بارے میں بتایا۔ ناگ نے کہا۔

"ہاتھی آیا تھا۔ چلا گیا ہے۔ اب ہمیں راج منتری ے منت ہے۔ ہاتھی ہماری مدد کرنے آیا تھا۔ اُسے بھول جانا چاہیے۔"

پھر اس نے راج ماتا سے پوچھا کہ محل میں کوئی ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں کچھ دنوں کے لئے راج کمار اور راج کماری کو چھپا دیا جائے؟ راج ماتا نے کہا۔

"ایک خفیہ تہہ خانہ ہے جس کو میری خواب گاہ سے راستہ جاتا ہے۔ اس تہہ خانے میں ان دونوں کو چھپایا جا سکتا ہے۔"

ناگ نے راج کماری سے کہا

"راج کماری! کیا تم دو ایک دن کے لیے وہاں رہ لو گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج کماری نے کہا۔

"کیوں نہیں رہ لوں گی۔ اگر یہ ضروری ہے تو میں ضرور تہ خانے میں رہ لوں گی اور پھر راج کمار بھی تو میرے ساتھ ہی ہوگا۔"

ناگ نے کہا۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ راج ماتا کو بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی جانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راج منتری کوئی سخت قدم اٹھائے۔ کیا خیال ہے راج ماتا آپ کا!"

"تم جس طرح کہو گے ہم اسی طرح کریں گے بیٹا۔ اگر تم اسی میں ہماری بہتری سمجھتے ہو تو میں آج شام کو ہی دونوں بچوں کو لے کر خواب گاہ والے خفیہ تہ خانے میں چلی جاؤں گی۔"

ناگ نے کہا: "بالکل ٹھیک بات ہے۔ آپ لوگ شام ہونے کا انتظار نہ کریں بلکہ ابھی۔ اس وقت وہاں چلے جائیں۔ کیوں کہ راج منتری کے پاس اوپر والے کمرے میں پڑی سپاہیوں کی لاشیں مل گئیں تو وہ غصے میں بپھر جائے گا۔"

اسی وقت راج ماتا۔ راج کماری اور راج کمار شاہی خواب گاہ والے تہ خانے میں چلے گئے۔ یہ تہ خانہ

ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ ناگ انہیں تہ خانے میں چھوڑ کر اوپر آ گیا۔ محل میں وہ بھی تھا۔ راج منتری نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ ناگ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے راج منتری کا کام تمام کر دیا جائے اور وہ اس کام سے فارغ ہو کر مایا اور منیر کی تلاش میں روانہ ہو۔ وہ راج ماتا کے کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑا نیچے محل کے باغ میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ راج منتری بڑے غصے کے عالم میں اوپر کی طرف چلا آ رہا ہے۔ دو سپاہی اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔

ناگ سمجھ گیا کہ سپاہیوں کی موت کی اسے خبر کر دی گئی ہے۔ راج منتری کی نگاہ کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ راج ماتا کے کمرے کی کھڑکی میں ایک اجنبی کو دیکھ کر راج منتری نے اشارے سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"حضور! یہ راج کماری کا بھائی ہے۔"

"کون سا بھائی؟ ہم نے تو آج تک اسے نہیں دیکھا۔"

"حضور! راج کماری اسے اپنا بھائی ہی کہتی ہے۔"

"ملکہ کو بند کرو اور اس شخص کو گرفتار کر کے میرے

سامنے پیش کرو۔"

"جو حکم سرکار۔"

سپاہی تلوار نیام سے نکال کر اوپر کی منزل کی طرف بڑھا۔

ناگ نے یہ سارا کھیل دیکھ لیا تھا۔ وہ پیچھے بر[illegible] گیا اور آنے والے سپاہی کا انتظار کرنے لگا۔ سپاہی نے دھڑاک سے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور تلوار ہاتھ میں لئے اندر آ کر بولا۔

"تم جو کوئی بھی ہو، میرے سامنے آ جاؤ۔ راجہ نے تمہاری گرفتاری کا حکم دیا ہے۔"

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ سپاہی نے ادھر ادھر تلاش کیا۔ آخر کہاں چلا گیا؟ ابھی تو کھڑکی میں کھڑا نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اگر باہر جاتا تو سیڑھیوں پر اُسے مل جاتا۔ پھر یہ نوجوان کہاں رفو چکر ہو گیا؟

ناگ کمرے میں واقعی نہیں تھا۔ وہ ایک ننھی سی چڑیا کی شکل میں وہاں سے اڑ گیا تھا۔ اور اس وقت راج منتری کی بارہ دری کی چھت پر بیٹھا راج منتری کے واپس اپنے محل میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راج ماتا کے محل کے دروازے میں راج منتری نمودار ہوا۔ وہ بے حد غصے میں تھا اور سپاہیوں کو ڈانٹ ڈپٹ رہا تھا۔

"نمک حرامو! تمہارے ہوتے ہوئے راج ماتا، راج کمار اور راج کماری۔ تینوں بھاگ گئے۔ میں تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ کم بخت کہتے ہیں۔ اوپر ہاتھی آ گیا تھا۔ [illegible] خود! ہاتھی اوپر کہاں سے آ سکتا ہے۔"

پھر اس نے کھڑے ہو کر اونچی آواز میں کہا

"اگر آج رات تک تم لوگوں نے راج ماتا راج کماری اور راج کمار کے سر میرے سامنے لا کر نہ رکھے تو میں تم سب کو اندھے کنوئیں میں پھینکوا دوں گا۔"

ناگ چڑیا کے روپ میں بارہ دری کی چھت پر بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا۔ راج منتری اپنے محل میں آ گیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اُس نے اپنے خاص نجومی کو بلوایا اور اس کے آگے اپنی مصیبت بیان کر کے کہا۔

"نجومی جی! بھگوان کے لیے مجھے بتایئے کہ میری قسمت میں راج گدی لکھی ہے کہ نہیں۔ کم بخت یہ راج کمار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور راج ماتا پھر غائب ہو گئے ہیں۔

نجومی نے سر جھکا کر کہا۔

ابھی زائچہ بنا کر بتائے دیتا ہوں مہاراج"

یہ نجومی بڑا تجربہ کار بوڑھا تھا اور اس کی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے اسی وقت زائچہ بنایا اور پھر خاموش ہو گیا۔ راج منتری نے پریشان ہو کر [illegible] گوروجی! آپ خاموش کیوں ہو [illegible]۔

"سرکار! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں"

"ہاں ہاں جلدی کہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ جلدی بتائیے۔ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے؟"

نجومی نے کہا۔

"سرکار میرا زائچہ بتا رہا ہے کہ آپ کی جان سخت خطرے میں ہے۔ آج کی رات آپ پر بہت بھاری ہے۔ اگر آپ اسی محل میں رہے تو آپ زندہ نہیں بچ سکیں گے۔"

راج منتری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں گوروجی؟

ضرور، یہ میں نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میرا زائچہ اور آپ کی قسمت بول رہی ہے۔"

"کوئی علاج؟"

"کچھ نہیں سرکار! زائچہ بڑا صاف صاف بول رہا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آج کی رات راج منتری اگر محل میں رہے تو زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ یہ دیکھئے۔ ایک سیاہ ناگ پھن اٹھائے آپ کے ستارے کے اوپر جھکا ہوا ہے۔"

راج منتری ڈر گیا۔ جلدی سے بولا۔

"تو پھر میں کیا کروں گوروجی؟"

"آپ جیسے بھی ہو راج محل سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔"

"کیا موت اُس جگہ نہیں آ جائے گی۔ یہ سانپ اسی جگہ بھی میرا پیچھا نہیں کرے گا؟"

نجومی بولا۔

"اگر آپ زمین کے نیچے جا کر کسی جگہ چھپ جائیں تو سانپ وہاں آپ کو تلاش نہیں کر سکے گا۔ وہ جگہ محل سے باہر ہونی چاہئے"

راج منتری نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک خفیہ سرنگ کی مدد سے شاہی محل سے
کر پہاڑی کے تہ خانے میں چلا جاتا ہوں۔"
جلدی کریں۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ میں آپ
ڈبے میں کالے ناگ کی پھنکار کی آوازیں سن رہا ہو
یہ آوازیں قریب سے قریب آتی جا رہی ہیں۔"

راج منتری خوف سے اچھل پڑا۔

"مجھے کب تک وہاں رہنا ہوگا؟"

"زیادہ سے زیادہ دو روز تک آپ پہاڑی کے
اندر والے تہ خانے میں رہیں گے۔ اس کے بعد آپ
کے ستارے سے وبال ٹل جائے گا۔"

راج منتری اسی وقت اٹھا اور ایک خفیہ راستے سے
ہو کر اس سرنگ میں آگیا جو شاہی محل کے نیچے
نیچے سے نکل کر محل سے ایک میل دور ایک پہاڑ
کے اندر چلی گئی تھی۔ یہاں ایک تہ خانہ بنایا گیا تھا
جس میں راجہ کے لئے زندگی کی تمام سہولتیں موجود تھیں۔
راج منتری نے اپنے دو وفادار سپاہی ساتھ لئے اور
سرنگ سے ہوتا ہوا تہ خانے میں پہنچ گیا۔

ادھر ناگ نے شاہی محل میں کبھی چڑیا، کبھی بلی اور
کبھی سانپ کی شکل میں راج منتری کی تلاش شروع کر

منتری اسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ
پریشان ہو گیا کہ یہ بدبخت کہاں گم ہو گیا؟ محل میں
سپاہی بھی راج منتری کے بارے میں کھلی بات
نہیں کر رہا تھا۔ ناگ بلی کی شکل میں نیچے والے
تہ خانے کا چکر بھی لگا آیا تھا۔ وہاں بھی راج منتری
نہیں تھا۔

ناگ واپس اوپر آ رہا تھا کہ اس نے دو سپاہیوں
کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ ناگ بلی کی شکل میں
ان کے قریب آ کر پیار سے میاؤں میاؤں کرنے لگا۔
سپاہی نے خوش ہو کر بلی کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔
اور سر پہ ہاتھ پھیر کر پیار کرنے لگا۔

"بڑی پیاری بلی ہے۔ مگر پہلے اسے محل میں کبھی
نہیں دیکھا۔"

دوسرا سپاہی بولا۔ "کہیں باہر سے آ گئی ہو گی۔ آج کل
تو محل میں عجیب عجیب باتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

پہلا سپاہی بولا: "تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ راج منتری
کہاں چلے گئے ہیں؟"

"بھئی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں شام کو شاہی
باورچی کی زبانی سنا تھا کہ راج منتری کا کھانا پہنچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شاہی محل میں ہی ہیں۔"

"مگر شاہی محل میں تو وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"شاید کسی جگہ چھپ گئے ہوں۔"

"کس سے ڈر کر؟"

"راج منتری کے بھی دشمن ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر راج منتری کسی جگہ محل کے اندر ہی چھپے ہوئے ہیں تو وہ سرنگ والے تہ خانے میں ہی ہوں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"کیا تم کبھی اس تہ خانے میں گئے ہو؟"

"ایک مرتبہ گیا تھا جب راج ماتا کو وہاں قید رکھا گیا تھا۔ ویسے تو وہاں آرام کی ہر شے موجود ہے۔ مگر بڑی خوفناک جگہ ہے۔"

"میں وہاں کبھی نہیں گیا۔ اس کا راستہ محل کے نیچے سے جاتا ہے کیا؟"

"ہاں بھئی۔ شاہی حمام کے ساتھ ایک سیڑھی نیچے جاتی ہے۔ بس وہیں سرنگ کا دروازہ ہے۔ ہر وقت پہرہ لگا رہتا ہے وہاں۔"

"[illegible] چھوڑ دیا۔ ہمیں [illegible] دشمن کو بھی وہاں

دیے جائے۔"

ناگ بلی کے روپ میں سپاہی کی گود میں بیٹھا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ بلی کا روپ بدلنا اس کے لیے بڑا فائدہ مند رہا تھا۔ اسے سرنگ کے راستے کا پتہ چل گیا تھا۔ سپاہی نے اٹھتے ہوئے بلی کو پیار کیا تو وہ اچھل کر دور بھاگ گئی۔ اب بلی کو حمام کی تلاش تھی۔ بلی محل کے باغ میں آ گئی۔

یہاں ناگ نے پھر سے انسان کا روپ دھارا۔ اب وہ راج محل کے ایک سپاہی کے بھیس میں تھا اسے دیکھ کر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ باہر کا آدمی ہے۔ محل میں چل پھر کر اس نے آخر حمام کا پتہ لگا لیا۔ حمام میں صرف راجہ کے خاندان کے لوگ ہی نہایا کرتے تھے۔ یہ پرانا حمام تھا۔ اب وہاں کوئی نہیں نہاتا تھا۔ حمام کے ساتھ ہی ایک اندھیری سیڑھیاں نیچے کو جاتی تھیں۔ ناگ نے وہاں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور نیچے اتر گیا۔ اب اس کے سامنے ایک تنگ سا راستہ تھا جو بائیں جانب مڑ گیا۔ آگے دروازہ تھا۔

دروازے پر ایک ہٹا کٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہی نے ایک اور سپاہی یعنی ناگ کو آتے دیکھا تو بولا۔

"تم کس لئے ادھر آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"یار اوپر پھرتے پھرتے تنگ آ گیا تھا۔ سوچا ذرا تمہارے پاس بیٹھ کر گپ شپ ہی کر لوں۔"

پہرے دار نے مشعل کی روشنی میں غور سے ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"میں نے تمہیں پہلے کبھی محل میں نہیں دیکھا۔ تم کون ہو؟"

ناگ نے جلدی سے کہا۔

"اصل میں میں روپ نگر سے کل ہی آیا ہوں۔ راج منتری کے چچا نے مجھے یہاں بھجوایا ہے"

پہرے دار کو کچھ شک سا پڑ گیا۔ بولا۔

"تم ادھر کیوں آئے ہو؟"

"یار کہہ جو دیا۔ ذرا جی بہلانے تمہارے پاس آ گیا ہوں۔"

"میں نے یہاں کوئی کھیل تماشہ تو نہیں لگا رکھا۔ اب تم ایسا کرو کہ جدھر سے آئے ہو ادھر کو

ہی چپ چاپ چلے جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"اچھا میں تمہیں جادو کا تماشہ دکھاؤں؟"

"کیا مطلب؟" پہرے دار نے پوچھا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ناگ مسکرا دیا۔

"یار بات یہ ہے کہ میں نے کچھ عرصہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ وہاں میری ملاقات ایک جادوگر سے ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے جادو سکھا دیا۔ اپنے جادو کا کمال دکھاؤں تمہیں؟"

"تم کس قسم کا جادو چاہتے ہو؟"

ناگ بولا۔ "مثلاً میں ایسا منتر پڑھوں گا کہ جس کے اثر سے اس علاقے کے سارے سانپ زمین سے نکل کر میرے پاس آ جائیں گے۔"

"یہ تو سپیرے جوگی بھی کرتے ہیں۔ اس میں ایسی انوکھی بات کیا ہے۔" پہرے دار نے بے دلی سے کہا۔

ناگ نے کہا۔

"اچھا تو پھر میں تمہیں ایک اور جادو دکھا سکتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ میں خود انسان سے سانپ بن سکتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہرے دار نے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو کیا؟"

ناگ کہنے لگا۔

"ہرگز نہیں۔ تم جس جانور کا نام لو۔ میں وہی جانور بن جاؤں گا۔ ہاتھی۔ شیر۔ گھوڑا۔ بکری۔ لومڑ سانپ مگرمچھ۔ تم نام تو لے کر دیکھو۔"

پہرے دار نے سوچا کہ یہ کوئی پاگل سپاہی ہے جو شاید پہرہ دیتے دیتے دیوانہ ہو گیا ہے اور اب اس کا دماغ خراب کرنے وہاں آ گیا ہے اس نے کہا۔

"تو چلو پھر مگرمچھ بن کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

پہرے دار نے تو مذاق میں کہا تھا۔ مگر ادھر کیا ہوا کہ ناگ نے مسکرا کر آنکھیں بند کیں۔ ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے پہرے دار کی طرف سے چیخ نکل گئی۔ کیونکہ اس کے سامنے فرش پر ایک بھیانک منہ والا مگرمچھ اس کی طرف دیکھ کر غرا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ مگرمچھ پہرے دار کو کچھ کرتا۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں

کر بھاگ گیا۔

ناگ اب اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اوپر جانے کی بجائے ناگ نے انسان کا روپ دھارا اور دروازے کا تالا توڑ کر سرنگ میں داخل ہو گیا سرنگ میں اندھیرا تھا اور راستہ تنگ تھا۔ چھت بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ ناگ آگے بڑھتا چلا گیا۔ کافی دور تک چلنے کے بعد ناگ کو دور ایک روشنی نظر آئی۔

یہاں سے سرنگ دائیں جانب مڑ گئی تھی اور دیوار کے ساتھ ایک چراغ جل رہا تھا۔ ناگ دائیں جانب مڑنے کے بعد کوئی سو قدم چلا ہو گا کہ ایک اور روشنی نظر آئی۔ یہ ایک بڑا چراغ تھا جو دیوار میں لگا تھا۔ ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ لگ کر چل رہا تھا۔ چراغ کی روشنی میں ناگ نے ایک دروازہ دیکھا جو بند تھا۔ ناگ دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔ ایک سوراخ میں سے اس نے اندر دیکھا۔ یہ سجا سجایا کمرہ تھا۔ قالین بچھا تھا۔ مسہری لگی تھی دیوار پر تلواریں سجی تھیں۔

ایک منتری مسہری پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ میں مور کے پر کا قلم تھا۔ سونے کی دوات پاس بھی تھی اور کسی تختی پر وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ناگ کا شکار اُس کے سامنے تھا ابھی وہ اندر جانے کی ترکیب پر غور ہی کر رہا تھا کہ سرنگ میں شور ہوا۔ یوں لگا جیسے سپاہی اندر بھاگے آ رہے ہیں۔ ناگ جلدی سے سانپ بن کر سرنگ کی چھت سے جا لگا۔

اتنے میں چھ سات سپاہی تلواریں لہراتے بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے راج منتری کا دروازہ کھٹکھٹایا راج منتری نے دروازہ کھول کر غصے میں کہا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے؟"

ایک سپاہی نے جھک کر کہا۔

"سرکار ادھر کوئی مگرمچھ تو نہیں آیا؟"

راج منتری نے چونک کر کہا

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ یہاں مگرمچھ کہاں سے آ سکتا ہے"

سپاہی بولا۔

"سرکار: یہ سچ ہے کہ ایک جادوگر سپاہی کی شکل میں آیا تھا۔ پھر وہ مگرمچھ بن کر سرنگ میں اتر گیا ہے۔"

"بکواس بند کرو اور بھاگو یہاں سے" راج منتری نے کہا۔

پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"ٹھہرو۔ دو آدمی یہاں پہرہ دو۔ باقی چلے جاؤ۔"

راج منتری کو نجومی کی پیشگوئی یاد آ گئی تھی کہ آج کی رات اُس پر بھاری ہے۔ سوچا جانے موت مگرمچھ کے روپ میں ہی اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ وہ ڈر گیا تھا۔ اُسے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا تھا کہ موت اس کا برابر پیچھا کر رہی ہے۔ دو سپاہی دروازے کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔ باقی چلے گئے راج منتری نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا لیا مگر اس دوران میں ناگ سانپ کے روپ میں رینگتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

اب رات ہو گئی تھی۔ راج منتری مسہری پر لیٹ گیا لیکن سونے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ جب تھک گیا تو مسہری پر بیٹھ گیا۔ کمرے کی چھت پر فانوس روشن تھا۔ اس کی روشنی میں اچانک جیسے راج منتری کو کچھ نظر آیا اور خوف سے اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپنے اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

اس کے سامنے ایک چھ فٹ لمبا سانپ کنڈلی مارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا پھن پورا کھولے اُسے اپنی لال لال خونی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ سانپ کا چہرہ بڑا ڈراؤنا تھا۔ اس کے ماتھے پر سیاہ بال تھے اور وہ بار بار اپنی دو شاخ زبان باہر نکال رہا تھا۔ سانپ آگے بڑھا۔ راج منتری مسہری پر کھڑا ہو گیا۔ اب اُس نے زور سے چیخ ماری۔ چیخ کی آواز سن کر باہر پہرہ دیتے سپاہی نے زور سے دھکا مار کر دروازے کی کنڈی توڑ ڈالی اور تلوار لہراتا اندر آگیا۔ اس دوران میں سانپ نے راج منتری کو کاٹ لیا تھا۔ وہ مسہری پر گرا تڑپ رہا تھا۔ سپاہی نے سانپ پر تلوار سے وار کیا۔ سانپ اُچھل کر مسہری کی دوسری جانب جا گرا۔ سپاہی نے دوسری طرف آکر وار کرنا چاہا مگر سانپ اچانک غائب ہو گیا۔ اب دوسرا سپاہی بھی تلوار لیے وہاں آگیا تھا۔ راج منتری کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔

"سانپ کو مارو۔ سانپ کدھر چلا گیا؟"

سپاہی نے چلا کر کہا۔ سانپ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ پھر ایک چڑیا مسہری کی چھت پر سے پھڑ پھڑ کرکے اُڑی اور کھلے دروازے میں سے نکل کر سرنگ کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔

* * *

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

AA 89 587720 16

خونی قبرستان

ناگ وہاں سے سیدھا راج ماتا کے پاس آیا۔ اس نے بتایا کہ راج منتری ختم ہو گیا ہے اور اب وہ راج گدی کے مالک ہیں۔ اگلے روز راج کمار اور راج کماری کا بیاہ ہو گیا اور راج ماتا نے راج کمار تخت پر بٹھا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے اجازت لی اور ماریا اور عنبر کی تلاش میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا تھا۔ راج ماتا کے سپاہی اُسے کافی دور تک چھوڑنے آئے تھے پھر ناگ نے ان کو واپس بھیج دیا اور اکیلا ہی جنگل کی طرف چل پڑا۔

وہ ساحل سمندر کی طرف جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں سے کسی جہاز پر سوار ہو کر ملک عراق بصرے یا یمن کی طرف چلا جائے۔ کیوں کہ اس کا دل کہتا تھا کہ ادھر عدن میں اس کی ملاقات ماریا یا عنبر سے ہو جائے گی۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی اس نے گھوڑے کو [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور خود باز کی شکل میں آسمان پر اڑنا شروع کر دیا۔ سارا دن وہ اڑتا رہا۔ رات کو اس نے جنگل ن ایک جگہ آرام کیا اور صبح کو پھر اپنے سفر پر روانہ ہ گیا۔ دوسرے روز دوپہر کے بعد اسے دور سے سم نظر آ گیا۔ اس نے جہازوں کے بادبان بھی دیکھے سمندر دیکھ کر ناگ بڑا خوش ہوا۔ بندرگاہ پر رونق تھ ناگ نے دوبارہ انسان کی شکل بدلی اور پتہ لگایا تو اسے معلوم ہوا کہ ایک جہاز شام کے وقت وہاں سے ملک بصرے کو روانہ ہونے والا ہے۔ ناگ کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔ اس نے سوچا کہ اس طرح سے بغیر کرائے کے جہاز میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

پس وہ بندرگاہ سے دور صحرا میں ایک جگہ درختوں کے پاس چلا گیا۔ اس نے سانس کھینچ کر منتر پڑھا تو ایک سانپ ریت کے ٹیلے میں سے نکل کر اس کے آگے جھک کر بیٹھ گیا۔

"اے ناگ دیوتا! میری خوش قسمتی ہے کہ آپ اس علاقے میں تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔ مجھے آپ کی خدمت کر کے بے حد خوشی ہوگی۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے بصرہ جانا ہے۔ میرے پاس کرائے کے پیسے نہیں ہیں۔ کیا یہاں کوئی خزانہ دفن ہے؟"

سانپ نے کہا۔

"ناگ دیوتا! خزانہ تو اس سارے علاقے میں کہیں نہیں ہے۔ لیکن میرے بل میں ایک عرصے سے سونے کی اشرفیوں کی ایک تھیلی رکھی ہے۔ میں وہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

"جلدی سے لے آؤ۔ مجھے اشرفیوں کی ہی ضرورت ہے۔"

ناگ نے جھٹ خوش ہو کر کہا۔

"جو حکم میرے دیوتا!" اور سانپ چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سانپ واپس آیا تو اس نے منہ میں ایک تھیلی اٹھا رکھی تھی۔ یہ تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سانپ نے تھیلی ناگ کے قدموں میں ڈال کر سر جھکا کر کہا۔

"اسے قبول کرو میرے دیوتا!"

"شکریہ میرے بھائی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ نے جھک کر ناگ کو سلام کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ ناگ نے دیکھا تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھری تھی۔ سب سے پہلے تو ناگ نے بندرگاہ کی دکان پر جا کر اپنے لیے بڑے اچھے اچھے قیمتی کپڑے خرید کر پہنے۔ پھر کرایہ ادا کر کے بحری جہاز میں سوار ہو گیا۔ اپنے کپڑوں سے وہ کوئی سوڈانی تاجر لگتا تھا۔ شام کے وقت جہاز پر چراغ اور مشعلیں روشن کر دی گئیں۔ شام کے بعد ہوا ساحل سے سمندر کی طرف چلنے لگی تو جہاز کا لنگر اٹھا کر اس کے بادبان کھول دیئے گئے۔

جہاد نے سمندر میں سفر شروع کر دیا۔

موسم بڑا اچھا تھا۔ سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا۔ تین دن تک جہاز بڑے سکون کے ساتھ سمندر میں سفر کرتا رہا۔ چوتھے روز آسمان پر اچانک بادل چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی۔ پھر تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں اونچی بڑی بڑی لہروں نے جہاز کو اچھالنا شروع کر دیا۔ جہاز کے بادبان سمیٹ دیئے گئے تھے۔ پھر بھی طوفان اس قدر شدید تھا کہ جہاز الٹ گیا۔

ناگ اس وقت جہاز کے عرشے پر دروازے میں کھڑا تھا کہ ایک پہاڑ ایسی لہر آئی اور جہاز سے ٹکرا گئی۔ لہر نے جہاز کو اٹھا کر ایک قلابازی دی اور پھر اسے مرغے کی طرح اٹھا کر کے سمندر میں پھینک دیا

اسی دوران میں ناگ باز بن کر جہاز سے اڑ چکا تھا وہ آسمان پر چکر لگا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جہاز کچھ دیر تک لہروں پر ہچکولے کھاتا رہا اور پھر سمندر میں غرق ہو گیا۔

اب سمندری لہروں کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔

ناگ نے اندازے کے ساتھ ایک طرف اڑنا شروع کر دیا۔ سارا دن وہ اڑتا رہا۔ پھر وہ تھک لی۔ مگر وہاں بیٹھ کر آرام کرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا۔ مجبور ہو کر ناگ ایک مچھلی بن کر سمندر میں تیرنے لگا۔ ابھی وہ سمندر کی لہروں میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اچانک اپنے پیچھے اسے یوں لگا جیسے لہریں ادھر ادھر ہل رہی ہوں اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نوکیلے دانتوں والی شارک مچھلی اسے ہڑپ کرنے کے لیے چلی آ رہی تھی۔

ناگ نے بہتیرا بچنے کی کوشش کی مگر شارک بڑی بھوکی تھی۔ وہ ناگ کو ہڑپ کرنے کے لیے برابر آگے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ اب ناگ کے لیے اپنی جان بچانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے سمندر میں تیرتے تیرتے ایک [illegible] مچھلی کی شکل بدل لی۔ اور شارک کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پینا۔ شارک نے جو اچانک سمندر میں ایک پہاڑ جیس وھیل مچھلی کو نمودار ہوتے دیکھا تو دُم دبا کر بھاگی

ناگ نے وھیل مچھلی کی شکل میں ہی مغرب کی طرف تیز تیز سفر کرنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ وھیل مچھلی کی ر تیز ہوتی ہے۔ ساری رات ناگ وھیل مچھلی کی شکل میں سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دوسرے روز ناگ نے دُور موجوں پر ایک چھوٹا بادبانی جہاز دیکھا۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ یہ جہاز ماریا کا تھا۔ اس وقت ماریا جہاز کے کیبن میں عرب لڑکی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ باورچی گنجو ایڈگر پانی کی بالٹی لے کر اوپر سمندر میں پھینکنے گیا تو اس کی نظر ایک سیاہ وھیل مچھلی پر پڑی۔ جو طوفانی انجن کی طرح جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے بالٹی وہیں چھوڑی اور نیچے جا کر شور مچا دیا۔

"وہیل! مقدس روح وہیل مچھلی!"

ماریا نے سُنا تو جلدی سے اوپر آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بھاری بھرکم پہاڑ ایسی وھیل مچھلی اس کے جہاز کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ ماریا نے ایڈگر سے کہا۔

"جہاز کا رُخ موڑ دو۔ اس مچھلی سے بچنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ ہماری جہاز سے ٹکرا گئی تو جہاز کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔"

باورچی نے جہاز کا رُخ موڑ دیا۔ اب عرب لڑکی بھی اوپر عرشے پر آ گئی تھی۔ اور خوف زدہ نظروں سے وہیل کو دیکھ رہی تھی۔

ادھر ناگ نے دیکھا کہ جہاز کا رُخ موڑ دیا گیا ہے تو سوچا کہ اسے کوئی پرندہ بن کر جہاز پر جانا چاہئے کیونکہ اگر وہ وہیل کی شکل میں گیا تو جہاز طوفانی موجوں سے اُلٹ جائے گا۔ پس ناگ نے ایک باز کی شکل اختیار کر لی۔

اچانک ایڈگر باورچی خوشی سے چلایا:

"وہیل سمندر میں غائب ہو گئی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہیل سمندر کے نیچے سے آ کر جہاز پر حملہ کر دے۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا۔"

اتنے میں ماریا نے دیکھا کہ ایک سفید عقاب آسمان پر اُڑتا چلا آ رہا ہے۔ وہ عقاب کو غور سے دیکھنے لگی۔ عرب لڑکی نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سمندر میں عقاب کبھی نہیں آتے۔ یہ کہاں سے آگیا؟"

گنجے باورچی نے بھی غور سے عقاب کو دیکھا اور بولا "میں نے زندگی میں کبھی عقاب کو سمندر کے اوپر اڑتے نہیں دیکھا۔"

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ ایک خوشگوار ماحول اس کے دل میں پیدا ہوا۔ کہیں یہ ناگ تو نہیں؟ اب عقاب آ کر جہاز پر بیٹھ گیا۔ ماریا کو ناگ کی اور ناگ کو ماریا کی خوشبو آنے لگی۔ ماریا نے چلا کر کہا۔

"ناگ! کیا یہ تم ہو؟"

گنجے باورچی اور عرب لڑکی نے اچانک دیکھا کہ عقاب غائب ہو گیا۔ اور اس کی جگہ ایک سانولے رنگ کا نوجوان کھڑا ہے۔ عرب لڑکی تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ ماریا نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ناگ بھائی! خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ عنبر کہاں ہے؟"

ناگ بولا۔

"ماریا بہن! میں بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا

ہوں کہ جس نے اپنے فضل سے کام لے کر ایک بچھڑے ہوئے بھائی کو بہن سے ملا دیا۔ لیکن عنبر کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ ہی اڑن طشتری سے چھلانگ لگائی تھی۔ اللہ نے چاہا تو جس طرح تم سے ملاقات ہو گئی ہے اسی طرح ایک روز عنبر بھی مل جائے گا۔"

ایڈگر اور عرب لڑکی ان دونوں کی باتیں حیرانی سے سن رہے تھے۔ اب ماریا نے جو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی کہا۔

"ایڈگر اور میری بہن! غور سے سنو! یہ میرا بھائی ناگ ہے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ غائب ہو کر جس شکل میں چاہے ظاہر ہو جائے اس طرح میں بھی ایک لڑکی ہوں۔ انسان بھی۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہم غائب ہو سکتے ہیں۔ میں آج تم پر یہ راز ظاہر کرتی ہوں کہ میں کوئی روح نہیں ہوں بلکہ ایک انسان ہوں اور جادو کے زور سے مجھے غائب کر دیا گیا ہے۔"

ماریا نے ناگ کا تعارف باورچی، ایڈگر اور عرب لڑکی سے کرایا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "تم تو وہیل مچھلی کو دیکھ کر ضرور ڈر گئے ہو گے [illegible]۔" ایڈگر سر کھجا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جناب! ہمارے تو ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔"

عرب لڑکی نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ایک انسان وھیل مچھلی بھی بن سکتا ہے۔"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"اگر ایک لڑکی غائب ہو سکتی ہے تو ایک انسان مچھلی بھی بن سکتا ہے۔"

ناگ، ماریا عرب لڑکی اور گنجے باورچی کا یہ سفر سمندر میں کچھ روز تک جاری رہا۔ ساتویں روز جہاز بصرے کی بندرگاہ سے کچھ دور سمندر کے کنارے پر لگا۔ ماریا نے ناگ سے کہا کہ وہ عرب لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے باپ کے گھر پہنچا آئے۔ ماریا اور ابڈکر باورچی جہاز پر ہی رہے۔ ناگ عرب لڑکی کو لے کر شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ کھجوروں کے خود رو درختوں اور صحرائی راستوں سے گزرتے دونوں شہر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ عرب لڑکی ناگ کو لے کر اپنے گھر پہنچ گئی۔ اس کے باپ نے اپنی بچی کو دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو

لگے۔ اُسے اپنی بیٹی کے ملنے کی کوئی امید نہیں تھی ناگ نے لڑکی کے باپ کو بتایا کہ اس کی بچی کو بحری اغوا کر لے گئے تھے۔ باپ سجدے میں گر گیا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ اس نے ناگ کا بھی بہت شکریہ ادا کیا۔

"میری خواہش ہے کہ تم رات ہمارے غریب خانے پر ہی بسر کرو اور کل واپس جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"میری بہن ماریا جہاز پہ اکیلی ہے۔ میں رات نہیں ٹھہر سکتا۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی ملاقات ہو گی۔"

ناگ نے اجازت لی اور واپس روانہ ہوا دن کا وقت تھا مگر آسمان پہ بادل چھا رہے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ان علاقوں میں جب بادل آئیں تو وہ بن برسے کبھی واپس نہیں جاتے۔ بارش ہو کر رہتی ہے۔ اسی لیے ناگ جلدی جلدی چل رہا تھا۔ وہ پرانے قبرستان میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں جن کے بیچ میں بے شمار کچی قبریں تھیں۔ قبرستان میں سے گزرتے ہوئے اچانک بجلی چمکی بادل گرجا اور بارش شروع ہو گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارش ایک دم سے موسلا دھار شروع ہو گئی۔ ناگ بارش سے بچنے کے لئے ادھر اُدھر تکنے لگا۔ قریب ہی کھجوروں کا ایک جھنڈ تھا۔ ناگ اس طرف بھاگا۔ کھجوروں کا یہ جھنڈ بڑا گھنا تھا۔ جھاڑیوں نے درختوں کے تنوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ بارش بڑی تیز ہو رہی تھی۔ ناگ پر درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ بارش سے بچا ہوا تھا۔ ویسے تو وہ پرندہ بن کر بھی جا سکتا تھا۔ لیکن موسلا دھار بارش میں پرندوں کو بھی اڑنے میں کافی مشکل پیش آتی ہے اور پھر ناگ کو اتنی جلدی بھی نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تھوڑی دیر انتظار کرے۔ تاکہ بارش گزر جائے۔

بادل سیاہ تھے جن کی وجہ سے وہاں اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ قبرستان کے مغربی پرانے دروازے میں سے ایک جنازہ اندر داخل ہوا۔ جنازے کے ساتھ چھ سات آدمی تھے۔ انہوں نے بارش میں ہی جنازے کو درختوں کے نیچے رکھ دیا۔ جنازہ رکھ کر سوائے دو آدمیوں کے باقی سب چھپ گئے۔ دونوں آدمیوں نے جنازے کے اندر سے ایک ترپال نکال کر جنازے کے اوپر ڈال دی اور درختوں کے پیچھے

چھپ گئے۔

ناگ کو ان کی حرکتیں بڑی پُر اسرار لگ رہی تھیں بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ ناگ جھاڑیوں جھاڑیوں ہوتا ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا کہ وہ دونوں وہاں کیا کر رہے ہیں۔ ناگ نے دیکھا کہ وہ ایک پکی قبر کے پاس بیٹھے اس کے چبوترے کی ایک دیوار کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت جلد ایک چوڑی سِل باہر نکال کر رکھ دی۔ پھر وہ اٹھے اور جنازے کو اس پکی قبر کے پاس لے آئے ترپال اتار کر پرے رکھ دی اور مردے کو کفن سمیت نکال کر قبر کے سوراخ میں داخل کر دیا۔ پھر انہوں نے دیوار کی سِل دوبارہ جوڑی اور جنازے کی چارپائی اٹھا کر قبرستان سے نکل گئے۔

ناگ کے دل میں خیال آیا کہ ان لوگوں نے نئی قبر کھودنے کی بجائے پرانی پکی قبر میں مردے کو کس لئے دفن کیا ہے۔ بارش کی تیزی ختم ہو گئی تھی اور اب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ناگ نے جھک کر قبر کے چبوترے کی دیوار کو کھول دیا۔ سِل اتار کر پرے رکھی اور سر اندر ڈال کر دیکھا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھیرے میں اُسے کفن میں لپٹا ہوا مردہ نظر آیا۔ پاس ہی ایک دوسرے مردے کی ہڈیوں کا پنجر بھی پڑا تھا۔ ناگ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ گردن باہر نکالنے لگا تھا کہ اسے گہرا سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں رُک گیا۔ قبر میں سانس کون لے سکتا تھا؟ کہیں یہ سانس مردے نے تو نہیں لیا؟ تو کیا یہ مردہ زندہ ہے؟ ناگ نے لپک کر تازہ مردے کا کفن اس کے چہرے سے ہٹایا۔ دن کی ہلکی روشنی قبر کے سوراخ میں سے اندر آ رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ کفن کے اندر ایک تیرہ چودہ سال کا ایک معصوم اور خوبصورت لڑکا لپٹا پڑا ہے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ لڑکا ہولے ہولے گہرے سانس لے رہا ہے۔

ناگ بڑا حیران ہوا کہ اس لڑکے کو زندہ کیسے دفن کر دیا گیا؟ پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے مردہ سمجھ کر اٹھا لائے ہوں۔ بہرحال ناگ نے مردے کو قبر میں سے باہر نکال کر ریت پر لٹا دیا۔ لڑکے کے منہ پر بارش کی بوندیں پڑیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ناگ کو دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔

"میں کہاں ہوں؟ تم — تم کون ہو؟"

یہ بات لڑکے نے عربی زبان میں کہی تھی۔ ناگ نے بھی اسی زبان میں کہا۔

"یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کیا تم اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو؟"

لڑکے نے سر ہلاتے ہوئے کمزور سی آواز میں کہا "کوشش کر کے دیکھتا ہوں"

لڑکا کفن میں سے آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے تازہ ہوا میں لمبے سانس لیے اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا؟"

"ہاں۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا تو تم زندہ دفن ہو چکے تھے اور پھر شاید تمہیں یہاں سے کوئی نہ نکال سکتا"

لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ بے شک جسے تو بچانا چاہے اُسے کوئی نہیں مار سکتا"

ناگ نے کہا "میرا خیال ہے کہ تمہیں یہاں سے نکل کر میرے ساتھ چلنا چاہیے۔ کیا میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں نہیں۔ میں اب سمجھ گیا ہوں۔ وہ لوگ مجھے زندہ دیکھ کر دوبارہ قتل کر دیں گے۔ میں گھر نہیں جاؤں گا۔ وہاں میرے بھی دشمن ہیں۔"

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔"

ناگ نے لڑکے کو ساتھ لیا اور قبرستان سے نکل کر سمندر کی طرف چلنے لگا جہاں اس کا جہاز کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ بارش اب رک گئی تھی۔ لڑکا آہستہ آہستہ چل رہا تھا اُسے چلنے میں کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ ناگ نے پوچھا۔

"کیا یہ قبرستان بہت پرانا ہے؟"

لڑکے نے کہا۔

"ہاں: یہ بہت پرانا قبرستان ہے اور اسے خونی قبرستان کہتے ہیں۔"

اندھا کنواں

جہاز پر پہنچ کر لڑکے نے بتایا کہ اس کا نام عدنان ہے۔

"میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرا باپ میرے لئے لاکھوں کی جائیداد چھوڑ گیا ہے۔ ایک بڑی حویلی ہے دو باغ ہیں۔ بے شمار زمینیں ہیں اور ہزاروں اونٹ ہیں۔ میں ان سب کا اکیلا وارث ہوں۔ مگر میرے باپ کا سوتیلا بھائی یعنی میرا چچا میری جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے کئی بار مجھے قتل کرانے کی کوشش کی مگر میرے وفادار نوکر مجھے خبر کر دیا کرتے اور میں بچ جاتا۔ آج صبح اس نے ایک عورت کے ہاتھ سے مجھے انار کا شربت بھیجا۔ میں نے غلطی سے پی لیا اور اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔"

ناگ نے کہا: "اور تمہارے چچا نے اعلان کرا دیا کہ تم مر گئے ہو اور پھر اس کے آدمی تمہیں ایک پرانی قبر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ کر دفنا گئے۔ تاکہ تمہاری قبر کا نشان بھی کسی کو معلوم نہ ہو۔"

"ایسا ہی ہوا۔"

ناگ نے عدنان کا تعارف ماریا سے کروانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس لئے عدنان کی خاطر تواضع کی۔ رات کو جہاز پر ہی اسے رکھا۔ صبح ہوئی تو ناگ نے عدنان سے کہا۔

"اب یہ میرا فرض ہو گیا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں اور تمہیں تمہارا جائز حق واپس دلاؤں۔ تمہارے سوتیلے چچا کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ تمہاری جائیداد پر قبضہ کرے اور تمہیں قتل کرنے کی کوشش کرے بہرحال اسے اس کے کئے کی سزا ضرور مل کر رہے گی۔"

عدنان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولا

"آج اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں اس بدحالی میں کبھی نہ مبتلا ہوتا۔"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھو۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا۔"

عدنان بولا: "آپ میری خاطر اپنی جان مصیبت

ہی کیوں ڈالتے ہیں۔ میرا چچا بڑا خونی ہے۔ اس کے سارے نوکر ڈاکو ہیں۔ کسی انسان کے خون سے ہاتھ رنگنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے وہ ہر وقت مرنے مارنے پر تلے رہتے ہیں۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

عدنان نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں نہیں۔ خدا کے لئے مجھے وہاں نہ لے جائیں آپ بھی میرے ساتھ وہاں نہ جائیں۔ وہ ہم دونوں میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے کہا۔ "تم اٹھو تو سہی۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

عدنان نے کہا: "میرے بزرگ! میں نہیں چاہتا کہ میری خاطر آپ بھی اپنی جان مصیبت میں ڈالیں۔"

"مجھے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ۔ حق دار کو حق مل کر رہے گا۔"

ناگ نے کیبن میں جا کر ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! میں عدنان کو لے کر اس کے گھر جا رہا ہوں اگر مجھے دیر ہو گئی تو میرا انتظار کرنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ناگ بھائی! جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

ناگ نے عدنان کو ساتھ لیا اور شہر کی جانب روانہ ہوا۔

عدنان کی بڑی حویلی شہر سے باہر ایک باغ میں تھی۔ باغ کے دروازے پر حبشی غلام پہرہ دے رہے تھے۔ عدنان نے کہا۔

"آپ مجھے ساتھ نہ لے جائیں۔ میں یہیں کسی جگہ آپ کا انتظار کروں گا۔"

ناگ نے سوچا عدنان کا خیال مناسب ہے۔ اس نے عدنان کو ایک پرانے کھنڈر کی کوٹھڑی میں چھوڑا اور خود حویلی کے باغ پر آ کر رک گیا۔ حبشی غلام نے تلوار آگے کرتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کس سے ملنا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا

"میں یمن کا سوداگر ہوں اور تمہارے آقا ہرمز سے کاروباری سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔"

حبشی غلام نے اندر پیغام بھجوا دیا۔ اندر سے جواب یا کہ سوداگر کو بھیج دو۔

جاؤ۔ حبشی نے گستاخی سے کہا۔

ناگ نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور باغ میں آ گیا۔ با حسین باغ تھا۔ اناروں اور آڑوؤں کے درخت قطار میں کھڑے تھے۔ پھولوں کے تختوں کے بیچ میں شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ ایک رف سنگِ مرمر کی بنی ہوئی شاندار حویلی تھی۔ غلام ور کنیزیں باغوں میں کام کر رہی تھیں۔ ناگ کو حویلی ے سامنے ایک باغ میں ریشمی قالین پر بٹھا دیا گیا۔ اتنے میں عدنان کا سوتیلا خونی چچا ہرمز بھی آ گیا۔ بھاری بھرکم، کرخت چہرے اور سرخ آنکھوں والا آدمی تھا۔ اُس نے اتنے ہی غور سے ناگ کو دیکھا اور بولا۔

"تم تو سوداگر نہیں لگتے۔"

ناگ پریشان سا ہوا کہ کم بخت کی نظر بڑی گہری ہے۔ اس قدر تیز مطالعہ اس کے چہرے کا کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ! مگر میں جواہرات کا سوداگر ہوں اور یمن سے بصرے کی سیر و سیاحت کو آیا تھا۔ آپ کی بڑی تعریف سُنی اور یہاں چلا آیا۔"

"کیا تمہارے پاس جواہرات ہیں؟" ہرمز نے قالین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ناگ نے کہا۔

"جواہرات بڑے قیمتی تھے۔ میں شہر میں اجنبی ہوں۔ اس لیے انہیں ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ابھی جا کر لے آتا ہوں"

"اجازت ہے۔ کیونکہ جب تک جواہرات نہیں ہوں گے ہم کوئی بات نہیں کر سکیں گے!"

ناگ نے جاتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس ایک غلام بھی ہے۔ بڑا خاندانی غلام ہے۔ ابھی کم سن ہے۔ اگر آپ اسے خریدنا پسند فرمائیں تو میں اُسے بھی لیتا آؤں؟"

"اجازت ہے"

ناگ سلام کر کے باغ سے باہر آ گئے۔ کھنڈر کی کوٹھری میں جا کر اُس نے عدنان کو ایک سیاہ چادر اوڑھائی اور ساتھ لے کر حویلی کے باغ میں آ گیا۔ ہرمز ابھی اُسی باغ میں ریشمی قالین پر گاؤ تکیہ لگائے اپنے نوکروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عدنان ڈر رہا تھا کہ یہ شخص اُسے آگ میں دھکیل رہا ہے۔ اُس نے ناگ سے کہا بھی کہ وہ اسے وہاں نہ لے جائے۔ مگر ناگ اُسے لے کر

یں آ گیا۔

اجب عالی! یہ ہے میرا وہ قیمتی غلام جس کی میں ے آپ سے بات کی تھی"

ہرمز نے انگوروں کا گچھا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر ہیرے جواہرات کہاں ہیں۔ ہمیں وہ بھی دکھاؤ"

ناگ نے کہا۔

"یہی میرا سب سے قیمتی ہیرا ہے"

اور اس کے ساتھ ہی عدنان کی چادر کھینچ دی

رمز نے عدنان کو دیکھا تو اس کا رنگ زرد ہو گیا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ایکدم سے اٹھ کر تلوار ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم ـــــ تم ابھی زندہ ہو؟"

ناگ نے عدنان کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"اے شیطان! عدنان زندہ ہے کیوں کہ تم اب مرنے والے ہو"

ہرمز بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر چیخ کر بولا۔

"ان دونوں کو قتل کر دو"

ہرمز کے وفادار غلام تلواریں نکال کر ناگ ۔دہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عدنان کی طرف بڑھے۔ کسی حد تک ناگ کی یہ بے وقوفی تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ عدنان کو نقصان پہنچا سکتے تھے ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیر گرجتا ہوا حملہ کرنے والے نوکروں پر جھپٹا اور ایک سیکنڈ میں ان میں سے چار کی گردنیں مروڑ کر رکھ دیں۔ باقی خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ ہرمز کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ایک آدمی کیسے غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک آدم خور شیر کہاں سے آ گیا؟ کیا یہ شخص کوئی افریقی جادوگر تھا!

اب شیر نے ہرمز پر چھلانگ لگائی۔ ہرمز نے تلوار سے اپنا بچاؤ کرنا چاہا مگر کہاں ایک زبردست آدم خور شیر اور کہاں تلوار۔ شیر ہرمز کے اوپر آ کر گرا۔ ہرمز فرش پر گر پڑا اور اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب اس کے لیے اٹھنا ناممکن تھا۔ شیر پھر سے ناگ کے روپ میں آ گیا۔ اس نے عدنان کے وفادار نوکروں کو جمع کر کے کہا۔

"سنو! مجھے خدا نے عدنان کی مدد کے لیے بھیجا ہے کیوں کہ عدنان حق پر ہے۔ یہ شخص خونی ہے۔ اس

کے دھوکے سے عدنان کو مروا کر اس کی جائداد پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب یہ شخص ساری زندگی بستر پہ ایڑیاں رگڑتا رہے گا۔ کیوں کہ اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور یہ اٹھ نہیں سکتا۔ اس طرح اس کے ظلم کی سزا مل گئی ہے۔"

ناگ نے عدنان کو پھر سے اس کی جائیداد اس کے حوالے کر دی۔ عدنان کے وفادار نوکروں اور غلاموں نے خوشی سے نعرے لگائے اور ہرمز کے ساتھیوں کو چن چن کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ سارا کام دوپہر سے پہلے پہلے ختم ہو گیا۔ دوپہر کے بعد ناگ نے عدنان سے اجازت لی اور واپس جہاز پر پہنچ کر ماریا کو ساری کہانی کہہ سنائی۔ ماریا بڑی خوش ہوئی کہ ایک یتیم بچے کو اس کا حق مل گیا۔

اسی روز ناگ نے جہاز کو سمندر میں ڈال دیا۔

اس خیال سے کہ عنبر کو تلاش کیا جائے۔

اب آئیے ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا گزری اور وہ کہاں زندگی کے دن بسر کر رہا ہے۔

اڑن طشتری سے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگانے کے بعد وہ دیر تک ہوا میں اڑتا رہا۔ کیونکہ اڑن طشتری کافی بلندی پر پرواز کر رہی تھی اس لیے اُسے زمین تک آتے آتے بہت دیر لگی۔ عنبر کی نظریں زمین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ جب فضا صاف ہوئی تو اس نے زمین کی طرف دیکھا۔ اُسے زمین پر ایک دائرہ نظر آیا جس کے اندر دو چوڑی پٹی کے خط ایک دوسرے کو کاٹ کر گزرتے تھے عنبر حیران ہوا کہ یہ شکل کس نے بنائی ہے اور کس غرض کے واسطے بنائی گئی ہے؟

پیراشوٹ عنبر کو لے کر آہستہ آہستہ زمین پر اتر آیا اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ وہ ٹھیک اس دائرے کے اندر آن کر گرا۔ زمین پر چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی تھی۔ عنبر نے اٹھ کر پیراشوٹ کو لپیٹ کر ایک طرف پھینکا اور خود اس دائرے کے باہر نکلنے کے لیے آگے بڑھا اور یہ دائرہ کافی کشادہ تھا۔ وہ ایک چوڑی پٹی پر چل رہا تھا۔ آگے دائرے کی گولائی کا کنارہ آ گیا۔ عنبر نے جونہی دائرے کی لکیر کو پار کرنے کی کوشش کی اسے ایک دھکا سا لگا اور وہ پیچھے گر پڑا۔ اس دھکے کے ساتھ ہی دائرے کی لکیریں سے

ی کا ایک شعلہ بھڑک کر آسمان کی طرف بلند ہوا اور بجھ گیا۔ عنبر زمین پر سے اٹھا اور سوچنے لگا کہ ایسا یوں ہوا ہے؟ پھر اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ اس نے دوسری بار دائرے کی لکیر کو پار کرنے کی کوشش کی تو اسے ایک بار پھر زبردست دھکا لگا۔ اس بار وہ ہوشیار تھا اس لیے اُسے کچھ نہ ہوا۔ دھکا اتنا سخت تھا کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور مر جاتا۔ دھکے کے ساتھ ہی ایک بار پھر پہلے کی طرح لکیریں سے آگ کا شعلہ بلند ہو کر بجھ گیا۔

عنبر کو خیال آیا کہ ضرور یہاں کسی نے جادو ٹونا کر رکھا ہوگا اب اُس نے سوچا کہ لکیر کو پار کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ بھاگ کر آئے اور دوسری طرف چھلانگ لگا دے۔ پس اس نے دوڑنا شروع شروع کر دیا۔ دوڑتے دوڑتے اس نے زور سے چھلانگ لگائی۔ اسے ایک بار پھر اس طرح زور سے دھکا لگا۔ مگر اس دفعہ وہ دھکے کے زور سے دائرے کی دوسری جانب جا کر گر پڑا۔

دائرے کی لکیریں سے اسی طرح شعلہ بلند ہوا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجھ گیا۔

عنبر اب دائرے کی حدود سے نکل چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر دائرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ لکیر گھاس کی بنی تھی۔ آگ کا اس گھاس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ عنبر نے چاروں طرف دیکھا۔ میدان میں جھاڑیاں اگی تھیں۔ دور جنگل کے اونچے اونچے گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ ذرا بائیں جانب ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

عنبر نے اس ٹیلے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ شاید ٹیلے کے پار کوئی بستی ہو جہاں سے وہ معلوم کر سکے کہ وہ کس ملک میں ہے۔ چلتے چلتے عنبر ٹیلے کے پاس آ گیا۔ یہ ٹیلہ کالے پتھر کا تھا اور اس کے اوپر کہیں کہیں کانٹے والی جھاڑیاں اگی تھیں۔ عنبر کو ایک بکری جھاڑیوں میں پتے کھاتی نظر آئی۔ بکری نے بھی تھوتھنی اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور پھر اچھلتی کودتی ایک طرف کو بھاگ گئی۔

عنبر ٹیلے کی دوسری طرف آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پتھریلی عمارت کا گنبد سا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اوپر ایک [illegible] کا مجسمہ بنا ہے۔ عمارت ایک منزلہ تھی اور پرانی معلوم

ہو رہی تھی۔ عنبر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور غور رنے لگا کہ یہ عمارت کس کی ہو سکتی ہے؟ شکل سے ال تھا کہ کوئی پرانی عمارت ہے جس میں آتش پرست آگ کی پوجا کرتے ہوں گے۔

اتنے میں عمارت کے شکستہ دروازے میں سے دو گھوڑ سوار باہر نکلے ان کے حلیے وحشی لوگوں ایسے تھے۔ انہوں نے سروں پر تانبے کے کنٹوپ پہن رکھے تھے۔ عمارت سے باہر آ کر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ں سرپٹ دوڑاتے ٹیلے کی جانب سے آگے نکل گئے نبر ٹیلے کی ایک جھاڑی کے پیچھے ہو گیا تھا۔

عنبر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ آگے جانے یا نہ جانے چانک کسی نے پیچھے سے اس کے گلے میں لوہے کی جیر ڈال کر اسے کسنا شروع کر دیا۔ عنبر نے پلٹ کر کھا۔ وہی دونوں گھوڑ سوار کھڑے اسے غضبناک آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے گردن میں کسی نجیر کو پکڑ لیا اور کہا

"تم کون ہو اور مجھے اس طرح کیوں قید کرتے ہو"

[illegible] عنبر نے عربی زبان میں کہے تھے۔ جسے وہ یں جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی زبان میں ایک دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کہا۔

"کوئی اجنبی جاسوس ہے۔ ضرور حبشہ کے جادوگر زردوشی نے ہمارے عبادت خانے کی جاسوسی کرنے کے لیے اسے بھیجا ہے۔"

ان الفاظ کو عنبر سمجھ گیا تھا۔ مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ ان کی زبان نہیں جانتا۔ وہ دونوں اسے کھینچتے ہوئے عمارت کے اندر لے گئے۔ عنبر نے اس لیے بھی مقابلہ نہ کیا کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ ایک بات کا اسے یقین تھا کہ وہ لوگ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ عمارت اندر سے بھی شکستہ سی تھی۔ پست چھت تھی۔ ایک اندھیرا راستہ آگے کو جا کر مڑ گیا۔ سامنے ایک اور دروازہ آ گیا۔ پھر سیڑھیاں اتر کر ایک اور دروازہ آیا جس کے باہر مشعل روشن تھی۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

"اسے قید کر دو۔ آقا کو ابھی چل کر اطلاع کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ضرور انعام دے گا کہ ہم نے دشمن کے ایک خطرناک جاسوس کو پکڑا ہے۔"

"ہاں چلو۔"

وہ دونوں عنبر کو گھسیٹتے ہوئے اس کمرے میں لے گئے جہاں اندھیرے میں ایک مدھم چراغ روشن تھا۔ اس کی دیوار میں ایک سوراخ تھا۔ انہوں نے عنبر کو اس سوراخ کے اندر دھکیل کر کہا۔

"اب تم قیامت تک یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

سوراخ کے اندر گرتے ہی عنبر کافی نیچے فرش پر جا گرا۔ اس نے اٹھ کر اوپر دیکھا۔ سوراخ اس سے کوئی دس فٹ کی اونچائی پر تھا۔ گویا وہ ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہاں اندھیرا ہے۔ یہ ایک تنگ سی جگہ تھی جہاں زمین پر مٹی کے ڈھیر تھے اور کونے میں گھاس پھونس پڑی تھی۔ عنبر اس گھاس پر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ وہ کہاں آ گیا ہے اور اب یہاں سے کس صورت میں باہر نکلے گا۔ کیونکہ وہ اتنی اونچی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔

نہ جانے وہ کتنی دیر اس اندھے کنوئیں میں پڑا رہا ہو گا کہ اچانک سوراخ میں ہلکی سی روشنی ہوئی۔ پھر کسی نے ایک مشعل ڈال کر نیچے دیکھا۔ عنبر نے اوپر دیکھا۔ ایک رسی کی سیڑھی نیچے لٹکائی گئی۔ اوپر سے کسی نے کہا۔

"اوپر چڑھ آؤ۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ الفاظ حبشہ کی زبان میں کہے گئے تھے۔ عنبر سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا۔ سوراخ کے قریب پہنچا کر ایک آدمی نے جس کی سُرخ آنکھیں اندھیرے میں سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں جلدی سے اس کی گردن میں زنجیر ڈال کر اسے کس دیا۔ اور پھر دونوں آدمی اسے کھینچ کر اوپر لائے اور ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ دو تین اندھیری راہداریوں میں سے گزرنے کے بعد اسے ایک کھلے کمرے میں لایا گیا جہاں دیواروں پر انسان کی کھوپڑیاں اور انگلیوں کی ہڈیوں کے ہار لٹکے ہوئے تھے۔ کہیں تلواریں اور نیزے سجے تھے۔ بیچ میں ایک جگہ آگ روشن تھی۔ آگ کے الاؤ کے پاس ہی ایک پتھر کا چبوترہ بنا تھا جس کے اوپر گدھ کا پتھر کا مجسمہ بنا تھا۔

عنبر کو مجسمے کے قریب لا کر ایک پتھر کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ عنبر نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ یہ کوئی عبادت گاہ لگتی تھی۔ فضا میں عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے آگ میں انسانی گوشت جل رہا ہو۔ گدھ کے مجسمے کی آنکھوں [illegible] پتھر جواہرات کی طرح چمک رہے تھے۔

یہ کافی بڑا مجسمہ تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ عبادت گاہ کا دروازہ کھلا اور سب سے پہلے ایک ایسا شخص داخل ہوا جس نے اپنے جسم کو شیر کی کھال سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال لمبے تھے۔ گردن میں ہڈیوں کا ہار تھا۔ چہرہ سیاہ آنکھیں سرخ اور وحشت ناک تھیں۔ اس کے ہاتھ میں کسی جانور کی ہڈی تھی۔

اس کے پیچھے چھ سات آدمی تھے جنہوں نے اپنے سروں پر تانبے کے خول پہن رکھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ واں میں ٹونا کالا ضرور ہے۔ یہ شیر کی کھال والا شخص کوئی خطرناک جادوگر تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کا سردار یا سب سے بڑا کاہن ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کو گھور کر دیکھا اور اپنی زبان میں کہا۔

"تم کون ہو اور یہاں تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

عنبر نے اسی زبان میں کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں جڑی بوٹیوں کا تاجر ہوں اور جنگلوں میں گھوم پھر کر جڑی بوٹیاں تلاش کرتا ہوں۔"

کاہن جادوگر نے حیران ہو کر عنبر کو دیکھا۔

"تم ہماری زبان بھی جانتے ہو۔ ضرور تم جاسوس ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں ہماری زبان سکھا کر یہاں بھیجا گیا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں ان علاقوں میں اکثر گھومتا رہتا ہوں اور جڑی بوٹیاں تلاش کرتا رہتا ہوں۔ اس لیے مجھے اس علاقے کے لوگوں کی زبان آتی ہے۔"

کاہن نے ہڈی والا ہاتھ ہوا میں اٹھا کر کہا۔

"اسے قید میں ڈال دو۔ اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

دوسرے آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کی گردن میں زنجیر ڈال کر اسے گھسیٹا اور واپس سوراخ میں سے نیچے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔

عنبر وہاں ساری رات اور سارا دن پڑا رہا۔ اس عرصے میں اوپر سے رسی کے ذریعے اسے اُبلے ہوئے چاول اور پانی دیا گیا۔ تین روز کے بعد عنبر کو بادلوں کی گرج کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ باہر بارش ہو رہی ہے اور آسمان پر بادل جمع ہیں۔ پھر اسے اوپر رگلو کے گیت گانے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کوئی جماعت بین کر رہی ہو۔

عنبر چپ چاپ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور

ناگ ماریا کے بارے میں سوچتا رہا کہ خدا جانے ان کے پیراشوٹ انہیں کہاں لے گئے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد اسے اوپر بین کرنے یا مذہبی گیت گانے کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ ایک خاموشی اور سناٹا چھا گیا۔ یہ خاموشی کچھ دیر چھائی رہی۔ پھر اوپر روشنی ہوئی۔ عنبر نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا سوراخ میں سے رسی کی سیڑھی نیچے پھینکی گئی تھی۔ اوپر سے آواز آئی۔

"اس پر چڑھ کر باہر آؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گدھ

اوپر جاتے ہی عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

عنبر کو واپس اسی کھلے کمرے میں یعنی عبادت گاہ میں لایا گیا۔ یہاں اب کئی لوگ دیوار کے ساتھ ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ دیواروں پہ مشعلیں جل رہی تھیں۔ بیچ میں آگ کا الاؤ روشن تھا۔ وہی کاہن جادوگر چبوترے پر دوزانو بیٹھا تھا اور سر جھکا کر گدھ کے بت کے سامنے اشلوک پڑھ رہا تھا۔ عنبر کو ستون کے ساتھ لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

کچھ دیر اشلوک پڑھنے کے بعد کاہن نے اٹھ کر چاروں طرف نظر ڈالی اس کے ہاتھ میں آج انسان کی کھوپڑی تھی کھوپڑی اس نے فضا میں بلند کی اور کہا۔

"اے دیوتا! ہم تیرے نام پہ قربانی کے لیے تیار ہیں تو ہمیں کالا جادو دے۔ ہمارے کھیتوں میں اناج اُگا۔ ہماری بکریوں کو دودھ دے اور ہمارے دشمنوں کو ختم کر دے۔" سب لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر ایک ہی زبان میں کہا

"ایسا ہی ہو اے دیوتا!"

عنبر سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے گدھ کے بت پہ قربان کیا جانے والا تھا۔ عنبر دل میں ہنسا۔ اس نے سوچا کہ ان لوگوں پر اپنی طاقت کا لوہا منوانے کا اس سے اچھا موقع اسے نہیں ملے گا۔ پس وہ قربانی کے لیے تیار ہو گیا۔ کاہن جادوگر نے اپنی سرخ شعلہ بار آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور پھر چیخ مار کر کہا

"قربانی کے لیے تیاری کی جائے۔"

اس وقت دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کی قمیض اتار کر پھینک دی۔ دو آدمی آئے۔ انہوں نے عنبر کے جسم پہ زیتون کا تیل مل دیا۔ پھر ایک آدمی آیا۔ اس نے عنبر کے سر پہ پھولوں کا گجرا باندھ دیا۔ اس کے بعد چار آدمیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو اٹھایا اور گدھ کے بت کے سامنے لکڑی کے تختے پہ لا کر ڈال دیا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے اس طرح سے جکڑ دیے کہ وہ ہل نہیں سکتا تھا۔

اب کاہن جادوگر عنبر کے سر پہ آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیے۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دوسری لڑکی کو لایا جائے:"

اس پر عنبر چونکا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ اس کے پاس ہی دوسرا تختہ کس کے لئے ڈالا گیا تھا۔ گویا یہ لوگ کسی لڑکی کی بھی قربانی دینے والے تھے۔ کاہن کا حکم سن کر دو آدمی جلدی سے ایک طرف کو بھاگے۔ اب وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ الاؤ میں آگ جل رہی تھی۔ کاہن جادوگر منہ ہی منہ میں برابر اشلوک پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی ایک لڑکی کو لایا گیا جس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر رسّی سے بندھے ہوئے تھے اس کے لمبے بال کھلے تھے۔ سر جھکا تھا۔ چہرے پر موت کی مُردنی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ مگر موت کے خوف سے وہ مردہ ٹہنی کی طرح جھکی ہوئی تھی۔

اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ کاہن نے اشلوک پڑھتے پڑھتے اس کی طرف کھوپڑی والے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔

"اسے بھی لٹا دیا جائے:"

دیکھتے دیکھتے کاہن کے آدمیوں نے اس بے کس دوشیزہ

لڑکی کو بھی لکڑی کے تختے پر لٹا کر باندھ دیا گیا۔ لڑکی بے چاری نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ تو خوف سے آدھی پہلے ہی مر چکی تھی۔ اب عنبر کو یہ ڈر تھا کہ کہیں اس لڑکی کو پہلے ہلاک نہ کر دیا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے اس پر حملہ کیا جائے تاکہ اس کی طاقت کا سب کو علم ہو جائے اور لڑکی کی جان بچ جائے۔ اگر انہوں نے لڑکی کو پہلے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو پھر اُسے مقابلے کے لیے رسیاں تڑا کر اٹھ پڑنا ہوگا۔

اتنے میں کاہن نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا

"پہلے اس لڑکی کو دیوتا پر قربان کیا جائے:"

وہی ہوا جس کا عنبر کو ڈر تھا۔ لڑکی کو پہلے قتل کیا جا رہا تھا۔ اب عنبر کے لیے وہاں بے بسی کی حالت میں پڑے رہنا ممکن نہ رہا تھا۔ اس نے آواز دے کر کہا۔

"ٹھہرو اے کاہن: اس لڑکی سے پہلے مجھے قربان کرو تو یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا:"

کاہن نے حقارت سے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے؟ خبردار! اگر پھر آواز نکالی تو میں تمہاری زبان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے تار سے کھینچ دوں گا!"

پھر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

"لڑکی کی قربانی شروع کی جائے!"

اس وقت دو آدمی خنجر لے کر لڑکی کی طرف بڑھے لڑکی نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور ڈر سے کانپنے لگی۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"رحم کرو ظالمو! مجھ پر رحم کرو"

کاہن نے کھوپڑی والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"قربانی شروع کرو!"

ٹھیک اس وقت عنبر نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی ساری رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ کر پرے جا گریں۔ کاہن جادوگر اور دوسرے لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو تلواریں لے کر اس کی طرف بڑھے اور حملہ کر دیا عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ عنبر کے جسم پر جو تلوار لگتی وہ ٹوٹ کر گر پڑتی جبکہ عنبر نے دیکھتے دیکھتے چار آدمیوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اب کاہن نے جادو کا منتر پھونکا اور کھوپڑی عنبر کی طرف پھینکی۔ کھوپڑی عنبر کے سر پہ

آکر آگ کا گولا بن گئی اور اس نے عنبر کو آگ کے شعلوں میں لپیٹ لیا۔

سب پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب عنبر اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ کاہن نے ایک قہقہہ لگایا۔ لوگ نعرے لگانے لگے۔

"کاہن کی جے ہو! کاہن کی جے ہو!"

لیکن تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور عنبر اس میں سے صحیح و سلامت باہر نکل آیا ہے عنبر کو زندہ دیکھ کر جادوگر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے"

عنبر پر تیر برسنا شروع ہو گئے۔ لیکن تیروں کے ساتھ بھی وہی ہوا کہ عنبر کے جسم پر یوں پڑتے جیسے کسی پتھر کی چٹان سے ٹکرا رہے ہوں۔ اس کے جسم سے ٹکرا کر تیر نیچے گر پڑتے تھے۔ اس جادوگری کو دیکھ کر کاہن پریشان ہو گیا۔ اب عنبر نے کہا۔

"مسخرے کاہن! تم اپنا جادو مجھ پر ضائع کر رہے ہو۔ میں مر نہیں سکتا۔ ہاں تمہیں اور تمہارے سارے آدمیوں کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ اس لیے میرے راستے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے تن سے کھینچ دوں گا۔"

پھر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

"لڑکی کی قربانی شروع کی جائے۔"

اس وقت دو آدمی خنجر لے کر لڑکی کی طرف بڑھے لڑکی نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور ڈر سے کانپنے لگی۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"رحم کرو ظالمو! مجھ پر رحم کرو"

کاہن نے کھوپڑی والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"قربانی شروع کرو۔"

ٹھیک اس وقت عنبر نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی ساری رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ کر پرے جا گریں۔ کاہن جادوگر اور دوسرے لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو تلواریں لے کر اس کی طرف بڑھے اور حملہ کر دیا عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ عنبر کے جسم پر جو تلوار لگتی وہ ٹوٹ کر گر پڑتی جبکہ عنبر نے دیکھتے دیکھتے چار آدمیوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اب کاہن نے جادو کا منتر پھونکا اور کھوپڑی عنبر کی طرف پھینکی۔ کھوپڑی عنبر کے سر پہ پھر آگ کا گولا بن گئی اور اس نے عنبر کو آگ کے شعلوں میں لپیٹ لیا۔

سب پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب عنبر اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ کاہن نے ایک قہقہہ لگایا۔ لوگ نعرے لگانے لگے۔

"کاہن کی جے ہو! کاہن کی جے ہو۔"

لیکن تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور عنبر اس میں سے صحیح و سلامت باہر نکل آیا ہے عنبر کو زندہ دیکھ کر جادوگر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے۔"

عنبر پر تیر برسنا شروع ہو گئے۔ لیکن تیروں کے ساتھ ہی وہی ہوا کہ عنبر کے جسم پر یوں پڑتے جیسے کسی پتھر کی چٹان سے ٹکرا رہے ہوں۔ اس کے جسم سے ٹکرا کر تیر نیچے گر پڑتے تھے۔ اس جادوگری کو دیکھ کر کاہن پریشان ہو گیا۔ اب عنبر نے کہا۔

"سنو کاہن! تم اپنا جادو مجھ پر ضائع کر رہے ہو۔ میں مر نہیں سکتا۔ ہاں تمہیں اور تمہارے سارے آدمیوں کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ اس لیے میرے راستے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہٹ جاؤ۔"

جادوگر نے زمین پر سے ایک کنکر اٹھا کر اس پر کچھ پڑھا اور زور سے عنبر کی طرف پھینک دیا۔ کنکر ایک بہت بڑا پتھر بن کر عنبر کے سر پر گرا۔ پتھر کسی انسان کو کچل کر اس کا کچومر نکال سکتا تھا۔ لیکن عنبر کے سر پر گرتے ہی وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔

اب کاہن پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے دوسرا منتر کیا۔ وہ بھی بیکار گیا۔ عنبر نے زمین پر سے خنجر اٹھا کر کاہن کی طرف پھینکا۔ خنجر کاہن کے دل پر لگا اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے سینے سے خون نکلنے لگا اور وہ تڑپنے لگا۔ اس کے ساتھی عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم لوگ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے سردار سے بڑھ کر جادوگر ہوں اور مجھ پر موت کا ہاتھ نہیں بڑھ سکتا۔ تم میں سے کوئی بھی آگے آیا وہ مر جائے گا۔ اس لیے میری اطاعت کرو اور میرا حکم مانو— آج سے میں تمہارا سردار کاہن ہوں گا۔"

لوگ اپنی جگہوں پر رک گئے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر لڑکی کو رسیوں سے آزاد کر دیا اور کہا۔

"بہن! میرے پاس رہنا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری جان بچ گئی۔"

کاہن مر رہا تھا۔ اس نے مرتے مرتے کہا۔

"گدھ والے آئیں گے اور میری موت کا بدلہ تم سے ضرور لیں گے۔"

اتنا کہہ کر کاہن مر گیا۔ عنبر کی سمجھ میں اس کا یہ فقرہ بالکل نہ آیا کہ گدھ والے آئیں گے اور تم سے بدلہ لیں گے سے کیا مراد ہے؟ اس نے لڑکی کو ساتھ لیا اور ٹیلے سے باہر آ گیا۔ سارے آدمی اس کے آگے جھک کر کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے ان سے کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ ٹھہرو۔"

پھر اس نے ایک بوڑھے آدمی کو ساتھ لیا اور ٹیلے سے باہر آ کر ایک درخت کے پاس کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے کہا۔

"بابا! یہ گدھ والے لوگ کون ہیں؟"

بوڑھا خوف زدہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"گدھ والے لوگ آسمانوں سے آتے ہیں۔ جب چاند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی چودھویں تاریخ ہوتی ہے تو ان کا رتھ آسمان سے نمودار ہو کر یہاں اترتا ہے اور وہ اس مندر میں آ کر رہتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔"

عنبر نے سوچا کہ یہ بوڑھا یونہی وہم میں مبتلا ہے اور کدہ والوں کے بارے میں جو باتیں کر رہا ہے وہ کاہن کے جادو کے اثر کے تحت کر رہا ہے۔ اس نے بوڑھے کو واپس مندر میں بھیج دیا اور لڑکی سے پوچھا۔

"بہن تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئی ہو؟"

لڑکی نے کہا

"میرا نام منتالیہ ہے اور میرا گاؤں یہاں سے قریب ہی ہے۔ میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہوں۔ ایک روز جنگل میں بکریاں چرا رہی تھی کہ یہ لوگ مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔ خدا کے لیے مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دو۔ وہ میری یاد میں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہوگی۔"

"ضرور۔ میں ابھی تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔"

عنبر لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے گاؤں میں آ گیا۔ اس کی ماں نے رو رو کر اپنا برا حال کر رکھا تھا۔ اپنی بیٹی [illegible] اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے بیٹی کو [illegible] لگا لیا۔ لڑکی نے بتایا کہ اگر عنبر وہاں نہ آتا تو وہ کبھی [illegible] سلامت اس کے پاس نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ماں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ عنبر ایک رات ان کے ہاں رہا اور دوسرے روز وہاں سے چلنے لگا تو اسے اچانک خیال آیا کہ کہیں کاہن کی بات سچ نہ ہو۔ یعنی کہیں سچ مچ چودہویں [illegible]ات کو آسمان سے کوئی مخلوق نیچے زمین پر نہ اترتی ہو۔

عنبر کو اس دائرے کا خیال آیا جس پر وہ پیرا شوٹ کے ذریعے اترا تھا۔ یقیناً وہ کسی اڑن طشتری کا ہوائی اڈہ معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی آسمانی مخلوق وہاں آتی ہو۔ اس خیال کے ساتھ ہی عنبر نے عورت سے پوچھا۔

"ماں! آج چاند کی کتنی تاریخ ہے؟"

"بارہ تاریخ ہے میرے بیٹے!"

اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دو دن باقی تھے۔ عنبر نے یہ دو دن وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

چاند کی چودہ تاریخ کی شام کو عنبر وہاں سے نکلا اور ٹیلے کی طرف آ گیا۔ وہاں خاموشی تھی۔ اس نے پرانی عمارت میں جا کر دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارے لوگ کہیں چلے گئے ہیں۔ کدہ کا مجسمہ ویسے ہی کھڑا تھا۔ عنبر عمارت سے باہر آ گیا۔ اب شام رات میں بدل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگی تھی۔ چاند آسمان میں چمک رہا تھا۔ رات گہری ہونے لگی۔ چاندنی نے ہر طرف ہلکی ہلکی روشنی کر رکھی تھی عنبر ٹیلے کی اوٹ میں ایک جگہ چھپ گیا۔

یہاں سے اسے وہ میدان دور سے صاف نظر آ رہا تھا جس میں وہ پُراسرار دائرہ بنا تھا۔ جہاں کاہن کے مطابق آسمانی مخلوق چاند کی چودھویں رات کو اترا کرتی تھی وہاں گہری خاموشی تھی۔ دور کسی وقت گیدڑ کی آواز ابھر کر ڈوب جاتی تھی، جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو عنبر کے کانوں میں ایک عجیب سی آواز ٹکرائی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی گول چکر پوری رفتار سے چل رہا ہو یا جیسے کوئی لٹو اس کے پاس ہی گھوم رہا ہو گھوں گھوں کی آواز تھی اور قریب ہوتی جا رہی تھی۔

عنبر نے آسمان کی طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک اس نے آسمان پر ایک ستارے کر دیکھا تو زمین کی طرف چلا آ رہا تھا۔ یہ ستارہ بڑی تیز رفتاری سے نیچے اتر رہا تھا۔ عنبر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ نیچے آ کر اس نے دائرے کی شکل میں چکر لگانا شروع کر دیا۔

ستارہ اب ایک اڑن طشتری کی شکل میں بدل گیا تھا۔ ن طشتری کی شکل کسی گدھ سے ملتی جلتی تھی۔

مگر نیچے سے اس کا پیندا ویسے ہی گول تھا جیسا کہ ہر اڑن طشتری کا تھا۔ اوپر سے اس نے گدھ کی طرح پر پھیلا رکھے تھے۔ اور درمیان میں گدھ کا سر بھی بنا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سے ہلکے سبز رنگ کی دھیمی دھیمی روشنی کبھی جل رہی تھی اور کبھی بجھ رہی تھی۔ عنبر کے لیے اب شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی آسمانی مخلوق ہے جو اس اڑن طشتری کے ذریعے زمین پہ مہینے میں ایک بار چکر لگاتی ہے۔

عنبر ٹیلے کی اوٹ میں چھپ کر بڑے غور سے اڑن طشتری گھور کر دیکھنے لگا۔ اڑن طشتری کی شکل گدھ سے ملتی جلتی تھی یہ اب چکر کاٹ کر اس دائرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جو میدان میں بنا ہوا تھا۔ اس کی آواز بہت ہی کم تھی اور بالکل لٹو کی طرح گھوم رہی تھی بس ایسے لگ رہا تھا جیسے قریب ہی کوئی بڑا لٹو زور سے گھوم رہا ہے جبکہ عنبر والی اڑن طشتری کی آواز اس سے زیادہ تھی۔

اڑن طشتری میدان کے دائرے میں اتر گئی۔

عنبر کو دور سے بہت کم دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ میدان کی طرف سے چار سائے ٹیلے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ چاند کی روشنی میں ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دل پر تانبے کے سرخ خول چمک رہے تھے۔ جب وہ ٹیلے کے قریب آئے تو عنبر نے دیکھا کہ چاروں آدمیوں نے لوہے کے خول سارے جسم پر چڑھا رکھے ہیں۔ ان کے قد عام انسانوں جتنے تھے۔ سر کے اوپر ایک سلاخ باہر نکلی تھی۔ جیسے ریڈیو کا چھوٹا سا ایریل ہوتا ہے۔

وہ آدمی ٹیلے کے قریب سے گزرے تو عنبر کو سگنلوں کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی آدمی ٹرانسمیٹر کے پاس بیٹھا ٹکی کر سگنل دے رہا ہو۔ چاروں آدمی تانبے کی سرخ وردی میں تھے۔ اور ان کے چہرے بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ٹیلے کے پاس سے نکل کر چاروں آدمی پہاڑی عمارت میں داخل ہو گئے۔

ایک بار پھر وہاں خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے سوچا اگر اس کی جگہ وہاں ماریا ہوتی تو وہ اڑن طشتری میں جا کر دیکھتی کہ وہاں کیا ہے یا پھر عمارت میں جا کر معلوم کرتی کہ یہ لوگ اندر کیا کر رہے ہیں؟ عنبر چونکہ نظر آ جاتا تھا اس لیے وہ جا کر پتہ نہیں کر سکتا تھا آخر کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ یہ لوگ عمارت کے اندر کیا کر رہے ہیں۔ پس عنبر ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر چھپ چھپ کر

عمارت کی طرف بڑھا وہ پیچھے کی طرف سے آیا۔ یہاں گھپ اندھیرا تھا۔ عمارت کی پچھلی دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ عنبر نے غور سے دیوار کے ساتھ لگ کر کسی سوراخ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی وہاں کوئی کھڑکی یا سوراخ نہیں تھا۔

وہ واپس آنے کا سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک کھٹکا سا ہوا۔ عنبر تیزی سے پیچھے ہٹ کر مٹی کے ایک ڈھیر کے عقب میں چھپ گیا کیا دیکھتا ہے کہ دیوار ایک جگہ سے تھوڑی سی شق ہو گئی یہ کوئی خفیہ کھڑکی تھی۔ جو کھل گئی۔ اس میں سے ایک تانبے کے سر نے باہر جھانک کر دیکھا اور کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔

عنبر دبے دبے قدم اٹھاتا دیوار کے پاس اس جگہ گیا جہاں کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ یہ ایک خفیہ کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ وہاں کوئی ایسا سوراخ نہیں تھا کہ جس کے ساتھ آنکھیں لگا کر وہ اندر کا نظارہ کر سکتا۔ عنبر ناامید ہو کر واپس ہوا۔ ابھی وہ دیوار کے ساتھ ہی تھا کہ کسی نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ ہاتھ بے حد ٹھنڈا اور سخت تھا۔ عنبر کو یوں لگا جیسے کسی زنبور یا پلاس نے اس کی گردن کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دبے کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے۔ اب وہ گردن کو موڑ نہیں سکتا تھا۔ عنبر اگر چاہتا تو زور لگا کر اس شکنجے کو گردن میں ہی توڑ سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا وہ اڑن طشتری والوں کے راز کو حل کرنا چاہتا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے باریک سی آواز میں کہا: "آگے آگے چلو۔"

یہ الفاظ عنبر کی اپنی زبان میں تھے۔ عنبر کو علم تھا کہ آسمانی مخلوق میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ ہر انسان کی زبان معلوم کر کے اسی زبان میں بات کر لیتے ہیں۔ عنبر خاموشی سے آگے آگے چل پڑا۔ اسے عمارت کے عقبی دروازے میں سے اندر لے جایا گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں چبوترے پر گدھ کا بت بنا ہوا تھا عنبر نے دیکھا کہ کاہن جادوگر کی لاش چبوترے پر رکھی ہے۔ جادوگر کا وہی بوڑھا ساتھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ تانبے کے لباس والے تین خلائی آدمی بھی پاس ہی کھڑے ہیں۔

خلائی انسان جب عنبر کو لے کر اندر آیا تو بوڑھا بولا۔

"اے میرے آسمانی دیوتاؤ! یہی وہ نوجوان ہے جس نے تمہارے پجاری کو پھونک مار کر ہلاک کیا تھا۔"

تانبے کے انسانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی آنکھوں کے سوراخوں میں سے عنبر کو گھورنے لگے۔ عنبر کو چبوترے پہ لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ ایک خلائی انسان نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر

نے بھی دیکھا کہ خلائی انسان کے تانبے کے خول میں سے اس کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں کا رنگ انار کے دانوں کی طرح گہرا سرخ تھا اور وہ بجلی کے چھوٹے سے بلب کی طرح جل رہی تھیں۔ اس کے سوا عنبر کو اس خلائی انسان کا اور کچھ نظر نہ آیا۔

خلائی انسان نے دوسرے انسان کی طرف دیکھ کر کچھ بات کی۔ عنبر صاف صاف یہ زبان بھی سمجھ گیا حالانکہ یہ زبان سخت کھردری تھی اور ایسی آواز آ رہی تھی جس میں کبھی کبھی ریڈیو سے کھڑکھڑ کی کرتی ہے۔ وہ خلائی انسان دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو اس کے جسم سے کچھ عجیب سی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ اس میں تابکاری معلوم ہوتی ہے۔"

دوسرا خلائی انسان عنبر کے قریب آ کر جھکا۔ پھر سیدھا ہو کر اپنے ساتھی کو اسی سگنل کی زبان میں بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں بسنے والوں میں بعض اوقات کچھ ایسے کیمیکل جمع ہو جاتے ہیں جو تابکاری کی شعاعیں پھینکنے لگتے ہیں۔"

"یہ چھپ کر ہمیں کیوں دیکھ رہا تھا؟ ضرور یہ ہماری خبر لینے آیا ہو گا۔ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو یہ جا کر ہمارے بارے میں لوگوں کو خبردار کرے گا اور ہمارے لیے یہاں اپنا کام پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس آدمی کو اب چھوڑنا نہیں چاہیے یہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔"

"کیا اسے ہلاک نہ کر دیں؟"

"نہیں! اس سے بھی کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے خفیہ مشن میں کام آ سکے۔ اسے لے جا کر بند کر دو۔"

[illegible] نے عنبر کی گردن میں اپنے ہاتھ کا شکنجہ ڈال اور [illegible] سے کھینچتا ہوا اڑن طشتری کی طرف چلا۔ یہ ان دیکھے دائرے میں [illegible] ی پیالی میں خاموش کھڑی تھی۔ قریب آ کر عنبر نے دیکھا [illegible] ی نہیں تھی مگر بڑی چمکیلی اور پُراسرار تھی طشتری کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ عنبر کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ دیواریں خالص سٹیل کی تھیں اور کوئی کھڑکی یا دروازہ نہیں تھا۔ دروازہ دیوار کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ عنبر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آگے اس کے ساتھ کیا بیتے گی۔ اور ماریا ناگ سے اب وہ کہاں اور کیسے مل سکے گا۔

عنبر کی دوبارہ ملاقات ناگ اور ماریا سے کہاں ہوئی؟

یہ آسمانی مخلوق زمین پر کیا کرنے آئی تھی؟

عنبر کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا؟

ان سوالوں کے جواب آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

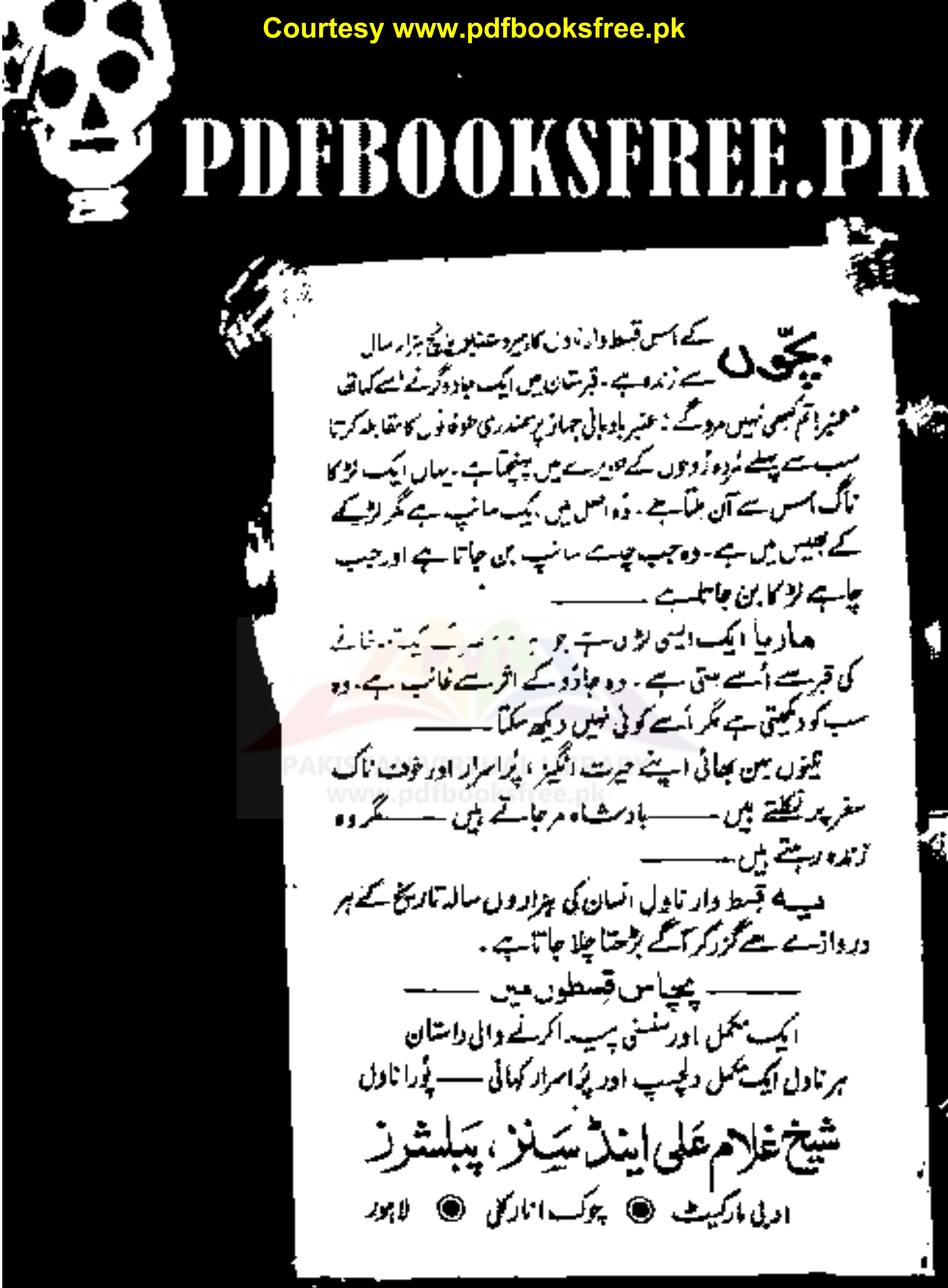

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زندوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادوگر کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

کی کھوپڑی

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۱۱ص

موت کا تعاقب ۹۶
تاریخ کی پُراسرار اور سچّی داستان

ہلتی کھوپڑی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر
جمی پرنٹنگ پریس مطا ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

(1)

[illegible] 1-2

اشاعت اول: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

97-
98

(2
(3

مقامِ اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
قومی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

روشن تختی

●

عنبر اڑن طشتری میں قید کر دیا گیا تھا۔

اُس نے چھوٹے سے کمرے کو غور سے دیکھا بھالا۔ یہ کوئی دس فٹ لمبا اور دس ہی فٹ چوڑا ایک مربع کمرہ تھا۔ اس میں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ فرش، چھت اور دیواریں ایک ہی رنگ کی تھیں۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ چھوٹی سی مشین رکھی تھی جس میں رنگ رنگ کے بٹن لگے تھے۔ عنبر نے دیوار کو ایک جگہ سے ہلانے کی کوشش کی مگر وہ بے حد مضبوط تھی۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آیا اڑن طشتری اڑ رہی ہے یا ایک جگہ پر کھڑی ہے۔ تانبے کے خول والی یہ مخلوق زمین پر کوئی خطرناک منصوبہ لے کر آئی تھی۔ عنبر اس راز کو حل کرنا چاہتا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ آسمانی مخلوق کیا کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ اس قید خانے سے آزاد ہو۔

عنبر نے مشین کے پاس کھڑے ہو کر غور سے اُسے دیکھا۔ اس قسم کی مشین عنبر نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو آواز آئی۔

"مسٹر عنبر اور دوسرا بٹن دبانے کی کوشش نہ کرنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز بڑی صاف تھی اور کمرے کی دیوار میں لگے ہوئے کسی خفیہ لاؤڈ سپیکر سے آ رہی تھی۔ عنبر کے دل میں اب شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دوسرا بٹن بھی دبائے۔ اُس نے دوسرا بٹن بھی دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی آواز پھر اُبھری۔

"مسٹر عنبر! اب بھی وقت ہے باز آ جاؤ۔"

عنبر نے تیسرا بٹن بھی دبا دیا۔ تیسرے بٹن پر آواز نے پھر کہا۔

"مسٹر عنبر! میں تمہیں آخری بار خبردار کر رہا ہوں کہ چوتھے بٹن کو ہرگز ہرگز نہ دبانا۔ نہیں تو تمہاری زندگی ختم کر دی جائے گی اور تم اپنی موت کے خود ذمے دار ہو گے۔"

عنبر ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ آسمانی مخلوق کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ مر نہیں سکتا۔ چنانچہ اُس نے چوتھا بٹن بھی دبا دیا۔ اس بٹن کا دبنا تھا کہ کمرے کا فرش جہاں وہ کھڑا تھا اپنی جگہ سے کھسک گیا۔ فرش اس طرح سے کھسکا کہ عنبر اڑن طشتری کے باہر فضا میں لڑھک گیا۔

اب اسے معلوم ہوا کہ اڑن طشتری فضا میں اڑ رہی تھی۔ عنبر نے ہوا میں گرتے ہی نیچے دیکھا۔ اڑن طشتری شاید ابھی ابھی اپنے اڈے سے اڑی تھی۔ کیونکہ زمین کے پہاڑ اور میدان اور جنگل عنبر کو صاف نظر آ رہے تھے۔ اگر اڑن طشتری خلا میں پرواز کر رہی ہوتی تو اسے سوائے زمین کے گولے کے اور کچھ نظر نہ آتا۔ عنبر ہوا میں نیچے زمین کی طرف تیزی سے گر رہا تھا۔ تیز ہوا کے جھونکے اُس کے جسم کی کھال پر اپنا زبردست دباؤ ڈال رہے تھے۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اُس کی کھال اُتر جاتی اور وہ ہوا میں ہی ہلاک ہو جاتا۔

عنبر نے دیکھا کہ وہ جنگل میں اُتر رہا ہے۔ زمین کے قریب پہنچ کر ہوا کا دباؤ کم ہو گیا تھا۔ عنبر نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیے اس سے اُس کے گرنے کی رفتار کم ہو گئی۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ وہ درختوں میں آن گرا۔ اس کے گرنے سے درختوں کی ٹہنیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ ایک معمولی خراش تک بھی نہ آئی۔ زمین پر کھڑے ہو کر اس نے دیکھا کہ وہ جنگل میں ہے۔ وہ اُس جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں آسمانی مخلوق نے زیرِ زمین اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی تھی۔

عنبر نے ایک طرف اندازے سے چلنا شروع کر دیا۔

اُدھر اڑن طشتری سے اس کے گرتے ہی وہاں خطرے کا الارم بج گیا۔ آسمانی مخلوق نے دیکھا کہ عنبر کے کمرے کا فرش اپنی جگہ سے کھسکا ہوا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ دشمن دنیا والے نے بٹن دبا کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے۔ یہ اڑن طشتری اوپر ایک سیارے پر جا رہی تھی۔ دنیا کی فضا سے نکلتے ہی اڑن طشتری کی رفتار روشنی کی رفتار جیسی ہو گئی۔ یعنی خلا میں پہنچنے کے بعد اڑن طشتری نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرنا شروع کر دیا۔

چند لمحوں میں اڑن طشتری کہکشاں میں تھی اور پھر کہکشاں کے ایک پُراسرار بادلوں اور گیسوں میں ڈوبے ہوئے سیارے پر اتر گئی۔ اس سیارے کی زمین کا رنگ سرخ تھا اور یہاں نہ کوئی درخت تھا اور نہ گھاس۔ ہر طرف چٹیل میدان تھے۔ [illegible] کالے رنگ کے گول گول پہاڑ جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے بڑے بڑے پتھروں کو گول کر کے لڑھکا دیا ہے۔

تانبے کی مخلوق یہاں تانبے کے خول پہنے جگہ جگہ چل پھر رہی تھی۔ اڑن طشتری کا کمانڈر اپنے عملے کے ساتھ اڑن طشتری سے نکل کر سیدھا ایک گول گنبد والے محل میں داخل ہو گیا۔ یہ تانبے کا محل تھا اور [illegible] سیارے کا سب سے بڑا سائنس دان جو [illegible] سیارے کا [illegible] تھا [illegible] لیبارٹری میں تجربہ کر رہا تھا [illegible] خوش [illegible] تھا۔ کمانڈر کو دیکھ کر اس نے کہا

"[illegible] ہو؟"

کمانڈر نے اپنی زبان میں کہا۔

"زمین پر بے پناہ آکسیجن اور فاسفورس ہے۔ ہم ایک ہفتے [illegible] زمین سے ساری آکسیجن اور فاسفورس ایک بڑے

سلینڈر میں جمع کر کے لے آئیں گے۔"

سائنس دان نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! فاسفورس جس قدر زمین کے اندر ہے اور جس قدر انسانوں کی ہڈیوں میں ہے سارے کا سارا سلینڈروں میں بند کر کے یہاں ہفتے کے اندر اندر آ جانا چاہیے۔ نہیں تو اس سیارے کی فضا زہر آلود ہو جائے گی اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

کمانڈر نے کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں جناب عالی! ہم نے زمین پر جو زمین دوز لیبارٹری بنائی ہے اس کی مشین نے زمین کی فضا میں سے آکسیجن اور زمین کے اندر سے فاسفورس اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے۔"

سائنس دان بولا۔

"یہ کام تمہیں بڑی احتیاط سے کرنا ہوگا۔ دنیا والوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ اگر کسی کو پتہ چل جائے تو اسے اسی وقت ہلاک کر کے اس کی ہڈیوں کا بھی سارا فاسفورس کھینچ لو۔"

کمانڈر نے کہا۔

"جناب ایک نوجوان جمیل اڈے کے آس پاس مل گیا تھا۔ اسے ہم نے اڑن طشتری میں قید کر دیا لیکن اس بدنصیب نے [illegible] بٹن دبا دیا اور زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائنس دان نے پوچھا۔

"وہ ضرور دنیا والوں کا کوئی سائنس دان ہوگا کہ جس نے ہمیں دبانے کی کوشش کی۔ بہرحال وہ مرگیا اچھا ہوا۔ آئندہ سے احتیاط برتنا۔ اگر تمہاری زمین دوز لیبارٹری کے آس پاس کوئی بھی دنیا کا انسان چلتا پھرتا نظر آئے اُسے اندر لے جا کر مار ڈالنا اور ہڈیوں کا فاسفورس نکال کر جمع کر لینا۔"

"ایسا ہی ہوگا جناب۔"

"اور ہاں" سائنس دان نے کہا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ہم لوگ مر نہیں سکتے۔ جب تک کہ کوئی شخص ہمارے تانبے کے جسموں کو آگ نہ لگا دے۔ زمین پر ہماری سب سے بڑی دشمن آگ ہے اور ہمارے تانبے کے خول کو آگ لگانا آسان کام نہیں ہے اب تم فوراً واپس جاؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک ہفتے کے اندر اندر زمین پر رہنے والے تمام انسانوں کو ہلاک کر کے اُن کی آکسیجن اور فاسفورس سارے کا سارا اکٹھا کر کے یہاں لے آؤ تاکہ ہم یہاں اپنی زندگی کو تباہی سے بچا سکیں۔ کیونکہ یہاں آکسیجن اور فاسفورس نہ ملا تو ہمارے سیارے پر ایک بھی شخص زندہ نہ رہ سکے گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

کمانڈر نے سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔

کمانڈر نے اپنے عملے کے لوگوں کو ساتھ لیا۔ اڑن طشتری میں

سوار ہوا اور اُسے اڑا کر زمین کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف عنبر جنگلوں میں سے گزرتا آخر اس مقام پر دوبارہ پہنچ گیا جہاں زمین کے اندر آسمانی مخلوق نے ساری دنیا کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا خطرناک منصوبہ شروع کر رکھا تھا۔ زمین دوز لیبارٹری کا خفیہ دروازہ ایک چٹان کے پیچھے جھاڑیوں کے اندر تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ جھاڑیوں کے اندر زمین کھدی ہوئی تھی اور ایک ڈھلوان سامنے لوہے کے بڑے مضبوط دروازے تک چلی گئی تھی جو بند تھا۔ دروازے کے اوپر اور اردگرد جھاڑیاں ڈال کر اسے چھپا دیا گیا تھا۔

اچانک عنبر کو کسی اڑن طشتری کی آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے آسمان پر وہی گنبد والی اڑن طشتری نیچے آتے دکھائی دی۔ عنبر کے دیکھتے دیکھتے اڑن طشتری زمین پر درختوں کے درمیان پوشیدہ مقام پر اتر آئی۔ اُس کا دروازہ کھلا اور وہی کمانڈر جس نے عنبر کو قید کیا تھا باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ اڑن طشتری کے عملے کے چار آسمانی آدمی بھی تھے۔ یہ سارے کے سارے تانبے کے خول میں بند تھے۔

وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتے لیبارٹری کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ کمانڈر نے بائیں جانب ایک مقام پر

ہاتھ رکھ کر کوئی بٹن دبایا۔ دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ سارے لوگ اندر چلے گئے۔ اُن کے اندر جاتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ دروازہ کھلنے کا راز عنبر کو معلوم ہو گیا تھا۔ اب وہ انتظار کر رہا تھا کہ کچھ وقت گزرے تو وہ بھی اندر داخل ہو جائے۔ عنبر جنگل میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ جب کوئی گھنٹہ گزر گیا تو عنبر دروازے کے پاس آ گیا۔ اُس نے بائیں جانب لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔

عنبر کود کر دروازے کے اندر چلا گیا۔ اُس کے اندر جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ عنبر ایک سیاہ سُرنگ میں تھا۔ دُور سُرنگ کی چھت پر ایک دھیما سا بلب روشن تھا۔ عنبر تیزی سے آگے گیا۔ بلب کی روشنی میں اُس نے سُرنگ کو ایک طرف گھومتے دیکھا تو وہ بھی اُدھر کو ہی چلا گیا۔ آگے سیڑھیاں نیچے اُتر رہی تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اُتر گیا۔ اب ایک اور دروازہ آ گیا۔ عنبر نے آہستہ سے ذرا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی ایک الارم زور سے بج اٹھا۔

ساری لیبارٹری میں شور مچ گیا۔

آسمانی مخلوق نکل کر اُس جگہ آ گئی جہاں عنبر کھڑا تھا۔ عنبر کو اُسی وقت گرفتار کر کے کمانڈر کے سامنے لے جایا گیا۔ کمانڈر نے عنبر کو پہچان لیا کہ وہ وہی شخص ہے جس نے اڑن طشتری میں سے چھلانگ لگائی تھی۔ وہ اس بات پر بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص اتنی بلندی سے گرنے کے بعد زندہ کس طرح بچ گیا؟ اس آسمانی مخلوق میں اتنی طاقت اور اہلیت تھی کہ وہ دنیا والوں کی زبان اور آواز میں باتیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ اُن کی آواز باریک اور منمنی سی نکلتی تھی۔ کمانڈر نے قریب آکر عنبر کو تانبے کے سر کے پیچھے سے چمکتی ہوئی اپنی گول گول بغیر پپوٹوں کی آنکھوں سے دیکھا اور پوچھا۔

”تم زندہ کس طرح بچ گئے؟“

عنبر نے کہا۔

”اڑن طشتری ابھی زیادہ بلندی پر نہیں تھی اور پھر میں دریا میں گرا تھا۔“

عنبر ان لوگوں پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ مر نہیں سکتا۔

کمانڈر نے کہا۔

”مگر اب تم نہیں بچ سکو گے۔ تم نے دوسری بار ہماری لیبارٹری میں آنے کی جرأت کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اب تمہیں بڑی آسانی کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا۔ لیکن ہم تمہارے ساتھ ایک رعایت کریں گے۔ یعنی تمہیں اس طرح سے مارا جائے گا کہ تمہیں تکلیف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت کم ہو۔ تمہیں ایک کیپسول میں ڈال کر ایک بھٹی میں ڈالا جائے گا جس میں تم ایک سیکنڈ کے اندر اندر بھسم ہو جاؤ گے تمہاری کھال اور چربی راکھ بن جائے گی اور تمہاری ہڈیوں کا سامان فاسفورس کیپسول میں ایک جگہ جمع ہو جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

کمانڈر نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا تمہیں موت سے خوف نہیں آتا؟"

عنبر نے کہا

"جو چیز اب آنی ہی ہے اس سے کیا ڈرنا؟"

کمانڈر نے کہا۔

"شاباش! تم بڑے بہادر انسان ہو۔ ہم تمہاری ہڈیوں کا فاسفورس اپنے عظیم سائنس دان بادشاہ کو خاص طور پر تحفے کے طور پر پیش کریں گے۔"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا آسمانی مخلوق عنبر کو وہاں سے پکڑ کر لے گئی۔ اُسے ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔ یہ کمرہ بھی چھوٹا سا تھا اور اس قدر مضبوط دھات کا بنا ہوا تھا کہ عنبر کوشش کے باوجود اس کی دیواروں اور دروازے کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا۔ اب وہ صبر کر کے بیٹھ گیا

اُسے آتی شن گن مل چکی تھی۔ یہ لوگ زمین پر انسانوں کو ہلاک کر کے ان کے اجزا وغیرہ جمع کر کے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں عنبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان لوگوں کو ختم کر دے گا۔

کمرے میں سوائے ایک تانبے کی میز کے اور کچھ نہیں تھا عنبر کو وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ وہاں کسی جگہ اُس نے دیوار پر گھڑی نہیں دیکھی تھی۔ کافی وقت گزرنے کے بعد دیوار اپنی جگہ سے ہٹی۔ سامنے تانبے کے خول والے دو آدمی کھڑے تھے۔ انہوں نے عنبر کو ساتھ لیا اور ایک ایسے کمرے میں آ گئے جہاں کمانڈر دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا تھا۔

بیچ میں ایک تانبے کا قد آدم سلینڈر کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ تانبے کی تاریں نکل کر بجلی کے سوئچ بورڈ کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہی وہ بجلی کی بھٹی والا سلینڈر ہے جس کے اندر اُسے ڈال کر بھسم کیا جائے گا۔ یہ بڑی خوفناک موت تھی۔ یعنی کسی زندہ جیتے جاگتے انسان کو تانبے کے سلنڈر میں ڈال کر گیارہ ہزار سے بھی زیادہ وولٹ کی بجلی کی رَو چلا دینا ایک کربناک موت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں [illegible] بجلی سے آدمی تو جل کر ایک سیکنڈ میں راکھ بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا ہے۔

کمانڈر نے اشارہ کیا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر سلنڈر کا دروازہ کھول دیا۔ دوسرے نے عنبر کو سلنڈر کے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ عنبر نے اپنے آپ کو تانبے کی ایک بوتل میں بند پایا۔ اس کے دائیں بائیں تانبے کی بوتل کی دیواروں پر لٹو سے لگے تھے جن میں سے بجلی کی رو آنے کے بعد شعلے نکلنے والے تھے۔

کمانڈر نے آگے بڑھ کر خود سلنڈر کا دروازہ بند کر کے بولٹ لگا دیا۔ پھر سارے لوگ سلنڈر سے کافی دور ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ کمانڈر دیوار کی طرف وہاں گیا جہاں بجلی کا سوئچ بورڈ لگا تھا۔ اس نے جاتے ہی ایک ہتھی کو نیچے کھینچ دیا۔

فوراً ہی ایک زبردست آواز کے ساتھ سلنڈر میں ہزاروں وولٹ بجلی [illegible] آگ اور زبردست دھماکہ بن کر پھیل گئی۔ تانبے کا سلنڈر دیکھتے دیکھتے کانپا اور پھر آگ سے دہک کر سرخ ہو گیا۔ کمانڈر نے جب دیکھا کہ سلنڈر آگ میں تپ گیا ہے اور اب اس کے اندر بند کئے گئے انسان کا سوائے ہڈیوں کے راکھ کے اور کچھ نہیں بچا ہو گا تو اس نے بجلی کی رو بند کر دی۔ کوئی آدھے گھنٹے تک یہ لوگ اسی طرح بیٹھے رہے۔ سلنڈر ٹھنڈا ہو گیا تو کمانڈر نے اشارہ کیا۔ ایک آدمی نے [illegible] کی مدد سے تانبے کی بوتل کا دروازہ کھول [illegible] جلے ہوئے عنبر کی راکھ اور ہڈیوں کا سفوف سا باہر [illegible]

ڈھیر میں گر پڑے۔

لیکن ان لوگوں کی گول گول آنکھیں وحشت سے پھٹ گئیں اور وہ اپنی جگہوں سے اچھل پڑے جب انہوں نے دیکھا کہ سلنڈر کا دروازہ کھلتے ہی عنبر مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ کمانڈر تو دہشت سے پرے ہٹ گیا۔ دوسرے آدمی بھی ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر عنبر کو وحشت زدہ نظروں سے تکنے لگے۔ کمانڈر نے چیخ کر کہا۔

"اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے گرفتار کر کے کیا کرو گے کمانڈر! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔ پچھلی بار بھی میں اپنی مرضی سے قید ہو گیا تھا اور اڑن طشتری سے چھلانگ لگا کر بھی زندہ رہا۔ اس بار بھی میں اپنی مرضی سے قید ہو رہا ہوں۔ تم بے شک مجھے قید کر لو۔"

کمانڈر کے اشارے پر عنبر کو پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اسی وقت کمانڈر نے اپنے سیارے میں عظیم سائنس دان کو وائرلیس پر اطلاع کر کے اس سارے واقعے کی خبر کر دی۔ عظیم سائنس دان نے جب یہ سنا کہ زمین پر ایک ایسا انسان موجود ہے جو مر نہیں سکتا تو اس نے فوراً وائرلیس پر کمانڈر کو خفیہ [illegible]

"اسے ہر حالت میں جس طرح بھی ہو سکے اوپر پہنچا دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمانڈر نے کہا۔

"سر اس کو اوپر پہنچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے ٹیلی وائز کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرو۔ فریکوئنسی میری لیبارٹری کی سیٹ کرنا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"او کے سر۔"

کمانڈر نے اسی وقت فریکوئنسی سیٹ کر دی اور ایک خاص قسم کی مشین کے آگے جا کر بیٹھ گیا۔

عنبر اپنے قید خانے میں بیٹھا ماریا اور ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک کمرے کی فضا روشن ہو گئی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کا سارا جسم سفید ہو گیا۔ پھر اس پر جیسے نیند چھانے لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ وہ ایک تانبے کے میز پر لیٹا ہے اور اس کے اوپر عظیم سائنس دان جھکا ہوا ہے۔

"میں نے تمہیں خاص طور پر یہاں منگوایا ہے۔ فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عظیم سائنس دان نے بھی تانبے کا خول پہن رکھا تھا جس کے سر میں سے دو آنکھیں اُسے دیکھ رہی تھیں۔ عنبر نے کہا۔

"تم نے مجھے اوپر کیوں بلایا ہے؟"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"ہم تمہیں اپنا دوست بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

"کس لئے؟"

"کیونکہ تم ہمیں پسند آ گئے ہو۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھ سے متاثر ہوئے ہو۔ تمہاری سب سے بڑی موت کی مشین کو میں نے شکست دے دی ہے۔"

عظیم سائنس دان ہنسا اور کہنے لگا۔

"تم بڑے ہوشیار انسان ہو۔ اچھا یوں ہی سمجھ لو کہ ہم تم سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس وہ کونسی طاقت ہے جس کے بل پر تم موت سے بچ گئے اور اتنی زیادہ آگ بھی تمہیں جلا کر بھسم نہ کر سکی۔"

عنبر نے کہا۔

"اس کا جواب میں تمہیں اس وقت دوں گا جب تم مجھے واپس میری زمین پر پہنچا دو گے۔"

سائنس دان بولا۔

"اس بات کو بھول جاؤ۔ تم اب واپس اپنی دنیا میں کبھی نہیں جا سکتے۔ اور پھر تم وہاں جا کر [illegible] کیا کرو گے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں۔ کیا وہاں میرا گھر نہیں ہے؟"
عظیم سائنس دان بولا۔

"ایک ہفتے کے بعد تمہاری زمین پر سوائے جلی ہوئی راکھ کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ نہ درخت، نہ جنگل، نہ سمندر، نہ جھیلیں نہ کوئی انسان۔"

"کیا مطلب؟" عنبر نے حیرانی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ....."

اور پھر عظیم سائنس دان نے عنبر پہ سارا راز کھول دیا کہ وہ دنیا سے ساری آکسیجن اور فاسفورس جمع کرنے والے ہیں اور یہ فاسفورس ایک ہفتے کے اندر اندر پیدا ہو جائے گا جس کے بعد دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ کوئی جاندار اور نہ کوئی درخت اور پانی۔ عنبر کانپ کر رہ گیا۔ اُسے پہلے ہی خدشہ تھا کہ یہ لوگ کسی ماری دنیا میں آئے ہیں۔ اب اس کی تصدیق خود عظیم سائنس دان نے کر دی ہے۔ تو کیا دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ماریا اور ناگ بھی ختم ہو جائیں گے؟ کیا دنیا میں لاکھوں بچے مر جائیں گے؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا کبھی نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کو کسی طرح اس بھیانک منصوبے سے روکنا ہوگا۔ مگر یہ اس طرح سے نہیں رکیں گے ان کے ساتھ مل کر کوئی ترکیب چلنی پڑے گی۔
عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں خود دنیا والوں سے تنگ آ چکا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"
عظیم سائنس دان بڑا خوش ہوا۔ اُس نے عنبر کے شانے پہ اپنا تانبے کا ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شاباش میرے دوست! مجھے تم سے اسی عقلمندی کی امید تھی آج سے تم ہمارے دوست ہو۔ اور ہاں یہ ضرور بتاؤ کہ تم نے یہ طاقت کہاں سے حاصل کی ہے کہ آگ بھی تمہیں نہیں جلا سکتی۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ راز میں آہستہ آہستہ تم لوگوں کو ضرور بتا دوں گا۔ اس وقت تو میں تمہاری دنیا کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔"
عظیم سائنس دان نے کہا۔

"ضرور ضرور۔ تم ہمارے دوست ہو۔ تم جہاں چاہو سیر کر سکتے ہو۔ ہمارے ستارے کی زمین اب تمہاری زمین ہے۔"

عنبر لیبارٹری یعنی اس تانبے کے گول گنبد والے محل سے باہر آ گیا اور اس نے دیکھا کہ چاروں طرف گول پہاڑ ہیں۔ گول گنبدوں والے چھوٹے چھوٹے مکان میدان میں بکھرے پڑے تھے۔ سڑکوں پہ تانبے کے خول والے لوگ آجا رہے تھے۔ عنبر کے گلے میں عظیم سائنس دان نے ایک خاص قسم کی تانبے کی تختی لٹکا دی تھی جو چمک رہی تھی اور جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ انسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارا دوست ہے اسے کچھ نہ کہا جائے۔ عنبر کو اس ستارے کی مخلوق غور سے دیکھ رہی تھی مگر کوئی اُسے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

عنبر چلتے پھرتے ایک گول پہاڑی کے پاس آگیا۔ اُس پہاڑی کے اندر غار بنے تھے۔ باہر تانبے کے خول والے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے عظیم سائنس دان کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ اگر کسی چیز سے ڈرتے ہیں تو وہ آگ ہے۔ عنبر کے گلے میں چونکہ تختی تھی اس لئے اُسے یہاں کسی نے نہ روکا۔ عنبر غار میں آگیا۔ یہاں ہر غار میں ایک ایک اڑن طشتری کھڑی تھی مگر یہ اڑن طشتریوں کے ہینگر تھے۔

عنبر ایک اڑن طشتری کے پاس جانے لگا تو اُسے روک لیا گیا۔

"تم یہاں تک ہی آسکتے ہو۔ اس سے آگے نہیں جا سکتے۔"

عنبر نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا اور واپس غار سے باہر نکل آیا۔ غار کے باہر عظیم سائنس دان کھڑا تھا۔ اور عنبر کو گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے عنبر کو ساتھ لیا اور واپس لیبارٹری کی طرف چل دیا۔

راستے میں اس نے عنبر سے کہا۔

"[illegible] تمہارے [illegible] کے ختم کرنے میں یہ خیال ہو، [illegible] تم یہاں سے فرار ہو سکتے ہو تو اسے نکال کر باہر پھینکنا۔

کیونکہ تم کسی بھی اڑن طشتری تک نہیں پہنچ سکو گے اور اگر پہنچ بھی گئے تو اُسے اڑا نہیں سکو گے کیونکہ ہر اڑن طشتری کا خاص سوئچ میری لیبارٹری میں لگا ہوا ہے۔ جب تک اسے نہ آن کیا جائے اڑن طشتری اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکتی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"عظیم سائنس دان! بھلا مجھے ایک ایسی دنیا میں واپس جا کر کیا کرنا ہے جس کی زندگی صرف ایک ہفتہ رہ گئی ہے اور جہاں ایک ہفتے کے بعد سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"شاباش! تم عقلمند بھی بہت ہو۔ میں تم سے یہی امید کرتا ہوں کہ تم عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اب اسی ستارے کو اپنا گھر اور نئی دنیا سمجھو گے اور ہمیں وہ راز بتا دو گے کہ جس کی وجہ سے تم پر آگ اثر نہیں کرتی۔"

عنبر نے یونہی پوچھا۔

"عظیم سائنس دان! تم یہ راز معلوم کر کے کیا کرو گے؟"

عظیم سائنس دان بولا۔

"کیا کروں گا! میں بتاتا ہوں۔ ہمارے ستارے کی مخلوق کے لئے آگ موت ہے۔ ایک خاص عمر تک پہنچ کر ہمارے تانبے کے خول میں اپنے آپ آگ لگ جاتی ہے اور ہم مر جاتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعنی آگ ہمارے لئے موت لے کر آئی ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ ہماری موت آگ کی شکل میں آئی ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کونسی طاقت تمہارے پاس ہے کہ جس کی وجہ سے آگ جسم پر اثر نہیں کرتی تو ہم امر ہو جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں یہ راز بتا دوں تو کیا پھر تم دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے باز آ جاؤ گے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پھر تم لوگوں کو آکسیجن اور فاسفورس دنیا سے لانے کی کیا ضرورت ہوگی جب کہ میں تمہیں ہمیشہ زندہ رہنے کا راز بتا دوں گا۔"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"میرے دوست! تمہارا راز ہمیں بڑھاپے کی موت سے بچا لے گا لیکن آکسیجن اور فاسفورس کی ہمیں اپنی نسل کو آگے چلانے کے لئے ضرورت ہے۔ ہمارے پاس اس کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنے بچوں کو جوان نہیں کر سکتے۔ اگر ہم دنیا سے آکسیجن اور فاسفورس نہ لائے تو ہمارے بچے بڑھاپے تک پہنچ کر رہ جائیں گے اور یہ موت سے بھی زیادہ بھیانک بات ہوگی۔"

عنبر سمجھ گیا کہ [illegible] لوگوں نے تو دنیا کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر

رکھا ہے اور یہ بھی کہ اس خطرناک منصوبے سے باز نہیں آئیں گے

اب وہ تانبے کے گنبد والی لیبارٹری میں پہنچ چکے تھے۔ عنبر کو ایک ایسا کمرہ دے دیا گیا جہاں دنیا کی آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ شاید عظیم سائنس دان نے عنبر کے لئے وہاں کی ہر ضروری شے ٹیلی واٹز کر کے اوپر منگوا لی تھی۔ ٹوتھ برش، کپڑے، تولیے، صابن، دلیئے اور چائے کے ڈبے، دودھ کے ڈبے، پھلوں اور ترکاریوں اور ٹھنڈے گوشت کے ڈبے۔ عنبر ان لوگوں کی ترقی پر بڑا حیران ہوا کہ یہ کس طرح ان چیزوں کو ذرات میں بدل کر دوبارہ اشیا میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ سیارے پر سورج دن میں چھ سات بار طلوع ہو کر غروب ہوتا تھا۔ ساتویں بار سورج غروب ہوتا تو رات پڑ جاتی پھر کوئی چھ گھنٹے کے بعد طلوع ہو جاتا۔ گویا یہاں رات چھ گھنٹوں کی تھی۔

عنبر بستر پہ لیٹ کر غور کرنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لنگر ڈال دو

●

ماریا اور ناگ کا بحری جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ جنجا باورچی بڑے شوق سے کیکڑوں کا شوربہ بنا رہا تھا۔ ناگ نے خاص طور پہ یہ شوربہ بنوایا تھا ماریا کیبن میں سو رہی تھی۔ ناگ جہاز کو ایک خاص رُخ پر ڈال کر عرشے کے پاس کرسی پر بیٹھا سمندر کی نیلی نیلی خوبصورت لہروں کو دیکھ رہا تھا اور عنبر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا اور اس سے اب کس طرح ملاقات ہوگی؟

ان کا جہاز بحر اوقیانوس کے پانیوں میں شمالی بر اعظم کی طرف جا رہا تھا۔ ان کی ویسے تو منزل کوئی نہیں تھی۔ انہیں کسی جگہ بھی پہنچ کر اپنے ساتھی عنبر کو تلاش کرنا تھا۔ ماریا نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ انہیں بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں میں چل کر عنبر کو تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ وہ انہی علاقوں میں پیراشوٹ سے اترا ہوگا۔ ان کے جہاز کو بحر اوقیانوس میں سے نکل کر بحیرہ روم میں داخل ہونا تھا۔

سورج نکلا ہوا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا لہروں کے ساتھ کھیلتی ہوئی چل رہی تھی۔ ناگ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا تھوڑی دیر بعد ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ ہوا بالکل بند ہو گئی ہے اور فضا میں حبس ہو گیا ہے۔

ناگ اٹھ کر نیچے گیا۔ اس نے دیکھا کہ باورچی ایڈگر نے کھانا میز پر لگا دیا تھا۔

"سر کھانا تیار ہے۔ آپ کا پسندیدہ شوربہ حاضر ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہوا بند ہو گئی ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں آندھی وغیرہ نہ آ جائے۔"

ایڈگر یعنی جنجہ باورچی جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے بڑا پرانا ملاح تھا اور اسے جہازرانی کا بڑا تجربہ تھا۔ وہ انجینئر بھی رہ چکا تھا اور جہاز کو طوفانوں میں چلانے کا بھی بڑا ماہر تھا۔ اس نے اوپر جا کر فضا کو دیکھا۔ نیچے آیا اور ناگ سے بولا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ یہ حبس کسی آندھی کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن میرے اندازے کے مطابق جب تک ہم کھانا کھائیں گے آندھی نہیں آئے گی۔"

ناگ نے کہا۔

"تو پھر ماریا کو بھی بلا لاؤ کہ کھانا کھا لے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔

"مس ماریا کو تو آپ ہی بلا سکتے ہیں۔ مجھے تو وہ بی بی نظر نہیں آتی۔ اسے بلاؤں گا کہاں سے؟"

اور ناگ مسکراتا ہوا اوپر ماریا کے کیبن کی طرف چل دیا۔ ماریا کا کیبن کھلا تھا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ کرسی اور پلنگ بھی خالی تھا۔ لیکن ناگ کو معلوم تھا کہ ماریا اندر ہی ہے۔ بہت جلد اس نے دیکھا کہ پلنگ درمیان میں سے اس طرح نیچے ہو چکا تھا جیسے اس پر کوئی سو رہا ہو۔ ناگ نے آواز دی۔

"ماریا؟"

دو تین آوازوں کے بعد ماریا کی آواز آئی۔

"میں جاگ پڑی ہوں ناگ بھیا! کیا بات ہے؟"

"نیچے آکر کھانا کھا لو۔ سمندر میں ہوا بند ہو گئی ہے طوفان کا خطرہ ہے۔ جلدی سے کھانے سے فارغ ہو جائیں تو اچھا ہے"

"آ رہی ہوں"

ماریا نے کیبن کی گول کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سمندر بالکل ساکن تھا۔ جو چھوٹی چھوٹی لہریں پہلے اٹھ رہی تھیں اب وہ بھی نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے بال سمیٹ کر باندھے۔ چادر اوڑھی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے باورچی خانے میں آ گئی۔ ایڈگر اور ناگ میز پہ بیٹھے تھے۔ ماریا

بھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ ناگ کو تو غیبی ماریا کے کپڑوں کی مہک آ گئی تھی۔ ایڈگر نے کہا۔

"بی بی ماریا ابھی تک نہیں آئی کیا وجہ ہے؟"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"وہ آ گئی ہے"

"کہاں ہے؟"

اتنے میں ایڈگر نے دیکھا کہ میز پہ سے شوربے کا پیالہ اپنی جگہ سے خود بخود اٹھا اور دوسری طرف جا کر رک گیا۔ پھر ایک چمچ اپنے آپ شوربہ نکال کر اپنے پیالے میں ڈالنے لگا۔ ایڈگر مسکرا کر کہنے لگا۔

"ارے ہاں! بی بی ماریا تو آ گئی ہے"

ماریا کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"ایڈگر چچا! میں تو کب کی آ کر بیٹھی ہوئی تھی"

"اری بیٹی! ایک تو تمہارے اس غائب ہونے نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ تم کہاں ہو اور کب سے ہو۔ خیر اب جلدی سے کھانا کھا کر اپنے کیبن میں جا کر آرام کرو۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں ہمارے کھانا کھانے تک آندھی شروع ہو جائے"

وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ ابھی انہوں نے مشکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا ختم کیا ہی تھا کہ جہاز نے ڈولنا شروع کر دیا۔ پلیٹ میز پر رکھ کر بولا۔

"سمندر چڑھنا شروع ہو گیا ہے۔ میں اوپر جا رہا ہوں۔"

اور ایڈگر منہ پونچھتا ہوا باورچی خانے سے نکل گیا۔ نے بھی ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کئے اور ماریا سے کہا۔

"ماریا! تم اپنے کیبن میں جا کر آرام کرو۔ باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔"

ماریا بولی۔

"بھیا! ایسی خطرے کی کیا بات ہے بھلا؟"

ناگ بولا۔

"ماریا بہن! میرا ہزاروں سال کا تجربہ کہہ رہا ہے کہ یہ معمولی طوفان نہیں ہے۔"

ماریا ڈر گئی۔ کہنے لگی۔

"ہائے خدایا رحم کرنا۔ ایسی باتیں تم زبان پہ نہ لاؤ"

ناگ نے سر جھٹک کر کہا۔

"آثار کچھ ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔"

اور وہ بھی ایڈگر کے پیچھے پیچھے اوپر چلا گیا۔ ماریا نے کھانا ختم کر کے منہ ہاتھ دھویا اور اپنے کیبن میں جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے کھڑکی کے شیشے میں سے باہر دیکھا۔ سمندر کا پانی اوپر کو ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے بہت بڑے دودھ کے برتن میں اُبال آنے والا ہو۔ اس کی چھٹی حس نے محسوس کر لیا کہ کوئی زبردست طوفان آ رہا ہے۔ وہ پلنگ پہ جا کر لیٹ گئی کہ اگر طوفان آئے بھی تو وہ سوئی ہوئی ہو۔ ان سمندری طوفانوں سے وہ تنگ آ چکی تھی۔

ناگ نے عرشے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا کہ بوڑھا تجربہ کار ایڈگر سگنل ڈالنے والی مشین کے پہلو میں جالی کے پاس کھڑا تھا۔ یہ دوربین کا شیشہ لگائے دور سمندر میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو انکل؟"

ایڈگر اسی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے ناگ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔

"میں دوربین لے آؤں۔"

ناگ نے بھی اس طرف دیکھا جدھر ایڈگر دیکھ رہا تھا۔ اسے سوائے ایک دھندلی لکیر کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اتنے میں انکل ایڈگر دوربین لے آیا اور اسے آنکھوں پر لگا کر دیکھنے لگا۔ ایک منٹ تک وہ بڑے غور سے سمندر کے مشرقی جانب دیکھتا رہا۔ پھر دوربین ناگ کی طرف بڑھا کر کچھ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معاملہ کچھ خطرناک لگ رہا ہے۔"

ٹاگ نے دوربین آنکھوں کے ساتھ لگائی تو ایک بار تو وہ بھی کانپ سا گیا۔ کیونکہ اس نے سمندر میں دور مشرق کی طرف ایک ایسی دھند کا بادل اپنی طرف بڑھتے دیکھا جس میں اسے سمندر کی بلند ترین لہریں اچھل اچھل کر گرتی نظر آ رہی تھیں۔

"انکل ایڈگر! یہ تو کوئی خوفناک طوفان ہے۔"

"ہاں۔ جلدی سے لنگر گرا دو۔"

انہوں نے لنگر سمندر میں پھینک دیا اور انجن بند کر دیئے جہاز ایک جگہ سمندر میں رک گیا۔ سمندر میں اب ہلکا ہلکا طوفان آنا شروع ہو گیا۔ ہوا چلتے چلتے ایکدم سے تیز ہونے لگی تھی۔ ہوا کی سیٹیاں سی سنائی دینے لگی تھیں عرشے پر جس قدر چھوٹا بڑا سامان رکھا تھا اُسے دوسری منزل میں پھینک دیا گیا۔ تمام بڑی ترپالیں اور موم جامے اتار دیئے گئے۔

جہاز اب دائیں سے بائیں ہلنے لگا تھا۔ آسمان پر جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے سورج چمک رہا تھا اب کالی گھٹا جھوم جھوم کر چھانے لگی تھی اور سیاہ بادلوں میں بجلی رہ رہ کر چمک اٹھتی تھی۔ بجلی کے چمکنے کے ساتھ ہلکی ہلکی گرج بھی سنائی

دے رہی تھی۔ پھر بادلوں میں بجلی اتنی روشنی کے ساتھ چمکی کہ سارا جہاز سفید ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبردست دھماکے کے ساتھ بادل گرج اٹھا اور دیر تک اس کی گڑگڑاہٹ سے سمندر لرزتا گونجتا رہا۔

ایکدم سے بارش شروع ہو گئی۔ انکل ایڈگر نے بلند آواز سے کہا۔

"ٹاگ بیٹا! نیچے چلے جاؤ طوفان قریب آ گیا ہے۔"

ٹاگ نے دوربین لگا کر بارش کی چادر میں سے اُس لہر کو دیکھنے کی کوشش کی جو تھوڑی دیر پہلے دور سمندر کے مشرقی کنارے سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اُس وقت وہ لہر ایک بہت عظیم الشان اونچے بلند پہاڑ کی شکل میں جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہواؤں کا شور بادلوں کی گرج اور سمندر کی لہروں کی چیخ و پکار میں ٹاگ نے بلند آواز میں کہا۔

"انکل ایڈگر! طوفانی لہر بہت اونچی ہے وہ ہمارے جہاز کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

انکل آخری ترپال نیچے پھینک کر چیختے ہوئے بولا۔

"جلدی سے نیچے چلے جاؤ ٹاگ! میں برج پر جا رہا ہوں۔"

بارش میں بھیگتے ہوئے ٹاگ نیچے چلا گیا۔ انکل ایڈگر بارش میں تقریباً شرابور ہو چکا تھا۔ سمندر کی بائیں طرف کی قیامت [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ ذرا دیر بارش ہو تو آدمی ہڈیوں تک بھیگ جاتا ہے۔ انکل ایڈگر نے موم جامے کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر تیزی سے برج روم میں آگیا۔ اس کمرے کے چاروں طرف موٹے موٹے شیشے لگے تھے۔ اس کی حیثیت بالکل ہوائی اڈے کے ٹاور کی طرح ہوتی ہے۔ انکل ایڈگر نے ریڈار کی طرف دیکھا۔ ریڈار پر سوائے دھند اور سیاہی کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر اس نے برج ہاؤس کی دوربین لگائی۔ اوپر تک اٹھتی ہوئی لہر اب قریب آگئی تھی۔ انکل ایڈگر نے برج ہاؤس کی سیڑھیاں پھلانگ کر طے کیں اور عرشے پر بارش میں دوڑتا ہوا نچلی منزل میں آکر مشین روم میں پہنچ گیا۔ اس نے بند مشینوں کے درمیان میں سے گزر کر ایک بہت بڑے بورڈ کے پاس جا کر ہتھی نیچے گرا کر جہاز کی ساری بجلی بند کر دی۔ بجلی کی موٹریں ایکدم سے رک گئیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے اور جہاز میں آگ لگ جائے۔

ابھی وہ مشین روم سے واپس ہی مڑ رہا تھا کہ طوفانی لہر جہاز سے ٹکرا گئی۔ ایسے لگا جیسے جہاز کسی پہاڑ سے ٹکرا گیا ہو۔ انکل ایڈگر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ اگر مشین صاف کرنے والی روئی کا ڈھیر سامنے نہ ہوتا تو اس کے باقی بچے ہوئے سارے کے سارے بوڑھے دانت ٹوٹ کر باہر نکل آتے۔

اسی وقت ناگ ماریا کو حالات سے خبردار کرنے اس کے

کیبن میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ جہاز کو ایک زبردست دھکا لگا اور وہ پیچھے کاریڈار میں گر پڑا۔ کیبن سے ماریا کی چیخ سنائی دی۔

"ناگ!"

"ماریا! تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں بھیا! تم ٹھیک ہو کیا؟"

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔ یہ طوفانی لہر تھی۔ کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لو اور باہر ہرگز نہ نکلنا۔"

یہ کہہ کر ناگ اوپر آگیا۔ وہ عرشے میں جا کر انکل ایڈگر کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اتنے میں اُسے نچلی منزل سے آواز آئی۔

"ناگ! میں اوپر آرہا ہوں۔"

یہ انکل ایڈگر کی آواز تھی۔ ناگ وہیں رک گیا۔ اتنے میں انکل ایڈگر اپنی گنجی کھوپڑی پر موم جامے کی ٹوپی جماتے ہوئے اوپر آکر بولا۔

"بڑا خطرناک دھماکہ تھا۔ اگر چھوٹا جہاز ہوتا تو کب کا سمندر کی تہہ میں ڈوب چکا ہوتا۔"

"انکل اوپر کہاں جا رہے ہو؟"

"برج ہیڈ میں جا کر نقصان کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

دونوں اوپر عرشے پر آئے تو دیکھا کہ سمندر کی طوفانی لہر عرشے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر رکھی ہوئی تھی ایک چیزوں کو بہا کر ساتھ ہی لے گئی تھی۔ جنگلے کے دو کھمبے ٹوٹ چکے تھے اور خدا جانے کہاں تھے۔ برج ہیڈ کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ چونکہ وہ موٹی شیشے تھے اس لیئے ٹوٹ کر بھی اپنی جگہ پہ جمے ہوئے تھے۔

ایڈگر اور ناگ زبردست بارش اور بادلوں کی گرج میں سیڑھیاں چڑھ کر برج ہیڈ میں آ گئے۔ مشینیں، وائرلیس اور راڈار ابھی تک صحیح سلامت تھے۔ انکل ایڈگر نے دوربین لگا کر سمندر میں دیکھا اُسے ایک دوسری لہر اٹھتی نظر آئی جو پہلی لہر سے زیادہ بلند تھی اس نے جلدی سے دوربین ہٹا کر کہا۔

"ناگ! جلدی نیچے چلو۔"

اور وہ خود بھی دوربین ہٹا کر نیچے کی طرف بھاگا۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر وہ عرشے پر آئے اور جنگلے اور آہنی سلاخوں اور کھمبوں کو تھام تھام کر وہ پہلی منزل کی سیڑھیوں میں آ گئے۔ جہاز بُری طرح لہروں کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ نیچے وہ سیدھا ماریا کے کیبن میں آ گئے۔

"ماریا!"

"بھیا ناگ!"

"گھبرانے کی بات نہیں ماریا بہن! شاید طوفان ابھی زیادہ شدید ہو۔"

ماریا نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"پریشان کر دیا ہے ان سمندری طوفانوں سے میں تو کہتی ہوں کسی ساحل پر پہنچ کر اس جہاز کو فروخت کر دیں گے اور پھر کسی سمندری سفر کا نام نہیں لیں گے۔"

ابھی اس نے بات ختم ہی کی تھی کہ دوسری لہر جہاز سے ٹکرا گئی۔ یہ دھماکہ پہلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ یوں لگا جیسے کسی نے جہاز کو اٹھا کر سمندر میں پٹخ دیا ہو۔ ایک قیامت خیز چیخ بلند ہوئی اور جہاز کھلونے کی طرح گھومنے لگا۔ انکل ایڈگر نے کہا۔

"لنگر ٹوٹ گیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" ماریا گھبرا گئی تھی۔

"تم لوگ اس کیبن سے باہر مت نکلنا!"

یہ کہہ کر انکل ایڈگر مشین روم کی طرف بھاگا۔ جہاز سمندر کی طوفانی لہروں کے رحم و کرم پر تھا اور ایک کھلونے کی طرح اوپر نیچے اور دائیں بائیں گھوم رہا تھا۔ انکل ایڈگر نے جاتے ہی بجلی کی موٹر چلا دی۔ مشین روم میں اندھیرے کی بجائے روشنی ہو گئی پھر اس نے باری باری دونوں مشینوں کو چلا دیا۔ انجن گڑگڑاہٹ کے ساتھ چلنا شروع ہو گئے۔ انکل ایڈگر یہاں سے لپک کر اوپر آ گیا اور کسی نہ کسی طرح وہ گرتے پڑتے برج ہیڈ میں پہنچ گیا اور اس نے وہیل کو گھماتے ہوئے جہاز کو کنٹرول کرنا شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا۔ جہاز جو ایک سیکنڈ پہلے شتر بے مہار کی طرح طوفان میں چکر کھا رہا تھا اب ایک طرف کو ہو گیا اور اس نے جنوب کی طرف چلنا شروع کر دیا کیونکہ جس وقت انجن چلے تو اس کا رخ جنوب کی طرف تھا۔ انکل ایڈگر نے اس کا رخ موڑنا مناسب نہ سمجھا۔ جہاز ابھرتی ڈوبتی لہروں پر ہچکولے کھاتا طوفان میں ایک مست ہاتھی کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ ماریا کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ کیبن میں پلنگ کو بازوؤں سے تھام کر لیٹی ہوئی تھی۔ ناگ اسے کیبن میں چھوڑ کر اوپر آگیا۔ اس نے گرتی بارش کی جھالر میں ایڈگر کو دیکھا جو برج ہیڈ میں وہیل کو کنٹرول کئے ہوئے تھا۔ طوفانی ہوا چل رہی تھی جہاز کبھی ایک طرف کو ہو جاتا اور کبھی لہریں اسے دوسری طرف جھکا دیتی تھیں۔ ناگ ریلنگ کو پکڑ پکڑ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ بڑا خطرہ تھا کہ کہیں اس کا ہاتھ نہ چھوٹ جائے اور وہ سمندر میں نہ گر پڑے۔ بڑی مشکل سے وہ برج ہیڈ کو جانے والی سیڑھی تک پہنچا۔ اب وہ بارش اور زبردست ہوا کے تھپیڑوں میں اوپر چڑھنے لگا۔ سمندری لہریں جہاز کے ساتھ ساتھ بڑے شور کے ساتھ ٹکراتیں اور پھر پانی اٹھ کر جہاز کو ایک طرف دھکیل دیتیں۔ اوپر سے ایڈگر نے ناگ کو دیکھا تو چیخ کر کہا۔

"ناگ! واپس چلے جاؤ!"

ناگ نے چلا کر کہا۔

"نہیں۔ میں اوپر آ رہا ہوں"

اور وہ اوپر پہنچ گیا۔ وہ پانی میں شرابور ہو چکا تھا۔ برج ہیڈ میں لہروں کا شور اتنا زیادہ نہیں سنائی دے رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی آواز نہ سن سکتے۔ پھر بھی انہیں اونچی آواز میں بات کرنی پڑتی تھی۔

"ہم کس طرف کو جا رہے ہیں ایڈگر؟"

ایڈگر نے بلند آواز میں کہا۔

"جنوب کی طرف"

ناگ نے کہا۔

"یہ سمندری راستہ اجنبی ہے۔ کہیں ہمارا جہاز سمندر کے اندر چھپی ہوئی کسی چٹان سے نہ ٹکرا جائے"

ایڈگر بولا۔

"ہم مجبور ہیں۔ جہاز پر میرا کنٹرول نہیں رہا لہروں کا زور بے پناہ ہے"

"اسے مغرب کی طرف موڑنے کی کوشش کرو"

"اس وقت سے کوشش کر رہا ہوں مگر طوفان کے آگے میری کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو رہی"

گھٹائیں بڑے [illegible] سے برس رہی تھیں۔ بجلی کڑک رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ ہوا آندھی بن کر چل رہی تھی۔ جہاز لہروں کے رحم و کرم پر تھا۔ اتنا خوفناک سمندری طوفان انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ٹاک کو ماریا کی فکر تھی کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ اگر خدا نخواستہ جہاز ڈوب گیا تو وہ تو اڑ کر بچ جائے گا۔ آسمان پر اڑتا ساحل تک پہنچ جائے گا لیکن ماریا اور ایڈگر کو بچا سکے گا۔ انہیں بچانا ہو گا! کیا یہ لوگ سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن سمندر میں جس قدر طوفان برپا تھا اس کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جہاز نہ بچ سکے گا۔

جہاز کی رفتار میں کافی تیزی ہو گئی تھی۔

ایڈگر وہیل پر کھڑا بڑی مشکل اور محنت کے ساتھ جہاز کو بچانے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت اور توجہ خرچ کر رہا تھا۔

جہاز تھا کہ مست ہاتھی بن کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ہر لمحے یہی احساس ہوتا۔ جہاز اب ڈوبا کہ اب ڈوبا۔ یہ حالت تین گھنٹے تک جاری رہی۔

آخر تین گھنٹے کے قیامت خیز طوفان کے بعد بارش اور آندھی کا زور کم ہونا شروع ہو گیا اور آخر طوفان ختم ہو گیا۔ ایڈگر اور ٹاک نے نیچے جا کر ماریا کو آواز دی۔ وہ پلنگ پر نیم جان پڑی تھی۔ ٹاک نے اُسے اٹھا کر گرم گرم کافی پیش کر دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ طوفان ختم ہو گیا۔"

"ہاں ماریا بہن! ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ آج ایڈگر انکل نے کمال کر دیا۔ اگر انکل ایڈگر نہ ہوتا تو اس جہاز کا طوفان سے بچ کر نکل جانا بڑی مشکل بات تھی۔"

ایڈگر نے اپنی ٹوپی اتار کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میرا فرض تھا۔ بہرحال اگر خدا کی مرضی شامل نہ ہوتی تو میرا فرض اور میرا تجربہ بھی اس جہاز کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ کس قدر خطرناک طوفان تھا۔"

ماریا کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی اور اب وہ پلنگ پر دراز ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اُس نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"

ٹاک نے کہا۔

"ہاں! تم آرام کرو ماریا۔"

ایڈگر نے کہا۔

"ٹاک! اوپر چل کر جائزہ لیتے ہیں کہ کیا کیا نقصان ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہیں عرشے کا کوئی تختہ ٹوٹا ہوا ہو تو جلد از جلد مرمت کرنا ہو گا۔"

"ہاں انکل ایڈگر، چل کر دیکھتے ہیں۔"

اور وہ دونوں نچلی منزل کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آ گئے۔ سمندر میں ابھی تک لہریں اٹھ رہی تھیں مگر ان کا وہ زور نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربا تھا۔ بارش ختم چکی تھی۔ ہوا کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ [illegible] عبور کر کے برج ہیڈ پر آ گئے۔

ایڈگر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاز کی رفتار کو کنٹرول کرنے کے لئے وہیل کو ایک مقام پر متعین کر دیا۔ پھر جُھک کر ریڈیو کی مرمت کرنے لگا۔ ناگ نے دُوربین کے ساتھ آنکھیں لگا کر سمندر میں جنوب کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اُسے دور ایک لکیر سی نظر آئی۔ اُس نے ایڈگر سے کہا۔

"ایڈگر! مجھے زمین نظر آ رہی ہے۔"

ایڈگر نے ناگ کے ہاتھ سے دُوربین لے کر غور سے دیکھا اور بولا۔

"بحری نقشے پر اس سمندر کی جانب کسی ملک کی سرزمین نہیں ہے۔"

"تو پھر یہ لکیر کیا ہے؟" ناگ نے سوال کیا۔

ایڈگر کچھ دیر تک بڑے غور سے اس سیاہ لکیر کو دیکھتا رہا جو آہستہ آہستہ اُبھر رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوائے زمین کے یہ لکیر اور کیا ہو سکتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ ملک کونسا ہے؟"

ناگ بولا۔

"ہو سکتا ہے یہ کوئی جزیرہ ہو۔"

ایڈگر نے دُوربین ناگ کو پکڑا دی اور خود ایک نقشے کو کھول کر غور سے جُھک کر دیکھنے لگا۔ اس نقشے پر کمپاس کی مدد سے اُس نے چند ایک نشان بنائے اور پھر چھوٹے چھوٹے نقطوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"یہ اگر کوئی جزیرہ ہے تو کسی بھی سمندری راستے میں نہیں آتا۔ نقشے پر جن جزیروں کے نشان بنے ہوئے ہیں وہ یہاں سے دو ہزار میل دور ہیں۔"

ناگ نے چونک کر کہا۔

"کیا ہم طوفان میں راستے سے بھٹک گئے ہیں؟"

"ایسے ہی لگتا ہے اور پھر یہ ایک قدرتی بات ہے۔ ہمیں ایک بہت بڑے طوفان نے گھیر لیا تھا۔ طوفانوں میں پھنسے ہوئے جہاز اپنے راستے سے کبھی کبھی بہت دُور نکل جاتے ہیں مگر دو ہزار میل دُور نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر ہم کہاں پر ہیں؟"

"ہم جہاں بھی ہیں وہ جگہ عام تجارتی سمندری راستوں سے بہت ہٹ کر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ادھر سے کبھی کوئی جہاز نہیں گزرتا۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس علاقے میں جو جزیرہ بھی آئے گا یا آ رہا ہے وہ غیر آباد ہوگا۔"

غیر آباد جزیرے کا سُن کر ناگ نا امید ہو گیا۔ وہ غیر آباد جزیروں میں زندگی کے دن گزار گزار کر تنگ آ گیا تھا۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوربین میں دیکھا کہ سیاہ لکیر قریب آ رہی ہے۔ اس [illegible] مطلب یہ تھا کہ ان کے جہاز کو سمندر کی لہریں بڑی تیزی سے اس لکیر کی طرف لے جا رہی تھیں۔ دوربین کا [illegible] رکھتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سانس لے کر بولا۔

"ہمیں نئی مصیبتوں کے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیئے کیونکہ ظاہر ہے اگر یہ جزیرہ غیر آباد ہے تو یہاں جنگلی درندے بھی ہونگے"

ایڈگر نے کہا۔

"ہاں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ استوائی علاقہ ہے گرم مرطوب خطہ ہے۔ یہاں کے جزیروں میں گھنے جنگل ہوتے ہیں اور جہاں گھنے جنگل ہوں وہاں جنگلی جانوروں مثلاً سانپ، مگرمچھ وغیرہ کا ہونا لازمی ہوتا ہے"

ناگ نے پوچھا۔

"انکل ایڈگر! کیا ہمارے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ اس جزیرے میں جنگلی جانوروں کا کچھ عرصہ تک مقابلہ کر سکیں؟"

ایڈگر نے ہنس کر کہا۔

"کاش ہمارے پاس جرمن فوج کا اسلحہ ہوتا۔ لیکن بہرحال ہمارے پاس اس وقت دو رائفلیں، ایک مشین گن اور گولیوں کی ایک پیٹی موجود ہے"

"میرے خیال میں یہ ہمارے لئے کافی ہوں گی"

"ہاں! لیکن ساری زندگی بسر کرنے کے لئے کافی نہیں ہوں گی"

ناگ نے چونک کر کہا۔

"تو کیا ہمیں اس جزیرے میں ساری زندگی بسر کرنی ہو گی؟"

ایڈگر بولا۔

"ہمارے پاس جہاز کے انجنوں کے لئے تیل کافی نہیں ہے"

"کیا ہم یہاں سے کسی ملک کی سرزمین کے لئے جہاز کا رُخ نہیں بدل سکتے؟"

"اس طرح ہم بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم کسی سرزمین کی تلاش میں سمندر میں سفر کر رہے ہوں اور بیچ میں تیل ختم ہو جائے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟"

ناگ نے سوچا کہ انکل ایڈگر کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اس نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے انکل! ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

ایڈگر نے ٹوپی اتار کر اپنی گنجی چندیا پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہمیں اس جزیرے میں اتر کر سوچنا ہو گا کہ آگے کیا کریں اور کس طرف جائیں۔ ویسے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ جزیرہ آباد ہو اور یہاں سے ہمیں تیل وغیرہ مل جائے"

ناگ نے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس اسلحہ بھی تو ہے۔ پھر ہمیں ان آدم خوروں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ایڈگر سے باتیں کرتے کرتے ناگ کو ماریا کی خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ ماریا نیچے کیبن سے نکل کر اوپر آگئی ہے۔ ایڈگر کو احساس نہیں ہوا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ماریا! تم تو آرام کر رہی تھیں؟"

ایڈگر نے چونک کر کہا۔

"ارے میاں! یہاں ماریا کہاں ہے جس سے تم باتیں کر رہے ہو؟"

اتنے میں ماریا نے کہا۔

"انکل میں تو کب سے یہاں کھڑی تمہاری باتیں سن رہی ہوں۔"

اس پر ایڈگر نے چونک کر اردگرد دیکھا۔ اُسے ماریا نظر تو نہیں آ سکتی تھی مگر اس نے محسوس ضرور کیا کہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی ہے۔

ماریا بولی۔

"میں آرام کرتے کرتے تھک گئی تھی اس لئے اوپر آگئی۔ کیا کوئی جزیرہ آ رہا ہے! میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ خدا نہ کرے کہ اس جزیرے میں بھی آدم خوروں سے پالا پڑے۔"

ایڈگر نے ہنس کر کہا۔

"پھر کیا ہوا ماریا بیٹی! میں انہیں انسانی گوشت کی بجائے تھری ناٹ تھری کی گولیاں کھلاؤں گا۔ پوری پیٹی بھری ہوئی ہے میگزینوں کی ہمارے پاس۔"

ماریا نے بھی جھٹ کہا۔

"فکر نہ کرو انکل۔ جب تک میں تمہارے پاس ہوں تمہیں اپنی بندوق میں سے تھری ناٹ تھری کی گولی چلانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔"

ایڈگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہاں بھئی یہ بات تو ہم بھی مانتے ہیں۔"

ناگ دوربین لگائے اس پہاڑی سلسلے کو دیکھ رہا تھا جو اب بہت قریب آگیا تھا اور جہاں اُسے ناریل کے درخت واضح طور پر نظر آنے لگے تھے۔ اس نے کہا۔

"انکل یہاں ناریل کے بے شمار درخت ہیں۔"

"اگر ناریل کے درخت ہیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جنگلی قبیلے ضرور ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ آدم خور نہ ہوں۔"

جہاز کی رفتار ایڈگر نے کم کر دی۔ کیونکہ اب جہاز لہروں کی وجہ سے کنارے کے زیادہ قریب ہو رہا تھا۔ جزیرہ اب سامنے ابھر آیا تھا۔ اس کے پہاڑ کافی اونچے تھے اور گھنے جنگلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جہاز ساحل کی طرف برابر بڑھتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلا جا رہا تھا۔ ایڈگر نے مشین روم میں جا کر جہاز کے انجنوں کی رفتار بالکل ہی کم کر دی اور اوپر جا کر لنگر کی مشین کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"جزیرے کے پاس پانی کم ہو گا۔ خطرہ ہے جہاز ریت میں پھنس جائے۔ اس لئے میں جہاز کا لنگر اسی جگہ پھینک رہا ہوں۔"

پھر اس نے برج بیٹھے بیٹھے ایک بٹن دبا کر جہاز کے انجن بند کر دیئے۔ انجن بند ہونے کے باوجود سمندر کی لہریں جہاز کو آہستہ آہستہ جزیرے کی طرف لئے جا رہی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"انکل! سمندر کی گہرائی کا خیال رکھنا۔"

"گھبراؤ نہیں بیٹا! چالیس برس سے سمندر میں جہاز چلا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں جزیرے سے کتنی دور تک پانی گہرا ہوتا ہے اور کس جگہ سے سمندری چٹانوں کے [illegible] ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

اس وقت انکل ایڈگر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی جنگی جہاز کا تجربہ کار کپتان ہے۔ وہ لنگر کی مشین کی ہتھی پر ہاتھ جمائے بڑی گہری نظروں سے جزیرے کے ساحل کی طرف اور کبھی سمندر کی لہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جزیرہ قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ اب اس کا ریتیلا ساحل صاف نظر آنے لگا تھا جہاں [illegible] نہیں تھا۔ اچانک ایڈگر نے بلند آواز میں کہا۔

"لنگر ڈال دو۔"

اس نے اس طرح سے حکم دیا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے جہاز کا کپتان ہو اور اس کے نوکر ملاح اس کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس حکم پر اس نے خود ہی عمل کیا اور لنگر پھینکنے والی ہتھی اوپر اٹھا دی۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ لنگر بڑی تیزی سے سمندر میں اترنے لگا۔ لوہے کی بھاری زنجیر چرخی پر سے گھومتی ہوئی شرارے پھینک رہی تھی۔ لنگر سمندر کی گہرائیوں میں جا کر ریت میں دھنس گیا اور جہاز ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گیا۔ ان کے سامنے اب ایک اور ویران جزیرہ تھا۔

◆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلتی کھوپڑی

●

ماریا کو جہاز میں تنہا رہنے دیا گیا۔

ناگ اور ایڈگر نے جہاز پر سے کشتی سمندر میں اتاری اور اسے کھیتے ہوئے جزیرے کے ساحل کے ساتھ آن لگے۔ کشتی کو انہوں نے کھینچ کر ریتلے ساحل پر کر لیا اور جزیرے کے درختوں کو دیکھنے لگے۔ یہ ناریل کے درختوں کی گھنی قطار تھی جو کنارے کے ساتھ ساتھ نیم دائرے کی شکل میں مشرق سے مغرب تک چلی گئی تھی۔ درختوں میں ناریلوں کے گچھے لٹک رہے تھے اور طوفان کی وجہ سے جگہ جگہ ریت پہ بھی ناریل گرے پڑے تھے۔ کچھ درخت بھی ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے۔ ریت پر سمندر کی طوفانی لہروں نے یہاں سے وہاں تک گھونگھے، سیپیاں اور مرے ہوئے کیکڑے پھیلا دیئے تھے

ساحل دور دور تک بغیر کسی آبادی اور انسان کے تھا۔

ناگ نے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی انسان نہیں رہتا۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

"میرا تجربہ یہی کہتا ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ سبز درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ ہو تو وہاں کوئی جنگلی قبیلہ آباد نہ ہو۔"

ناگ بولا۔

"ہمیں اندر چل کر دیکھنا چاہیئے۔"

"ضرور۔"

ایک بندوق گولیوں سے بھر کر ایڈگر نے اپنے کندھے پر لٹکا رکھی تھی۔ وہ ریت پہ چلتے ہوئے سامنے ناریل کے گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ دن ڈھلنے لگا تھا اور آسمان پر ہلکے ہلکے بادل ابھی تک تیر رہے تھے۔ طوفان کے بعد فضا میں حبس سا ہو گیا تھا۔ یہاں گرمی تھی اور جنگل کے گھنے درختوں میں فضا بڑی بوجھل اور مرطوب تھی۔ وہ دونوں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہے تھے۔ ناگ نے زمین پر اگی ہوئی لمبی گھاس اور درختوں کے تنوں سے لپٹی جھاڑیاں اور بیلوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہاں کوئی چھوٹی سے چھوٹی پگڈنڈی بھی نہیں ہے جس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ ادھر سے کبھی کسی انسان کا گزر نہیں ہوا۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیئے۔ ہم لوگوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نشان وہاں پڑتے ہیں جہاں مہذب انسان رہتے ہوں جنگلی لوگ عام طور پر جھاڑیوں کے پیچھے سے بے ترتیبی کے ساتھ گزرتے ہیں اس لئے ان کے راستے صرف اپنے گھروں کے آس پاس ہی ہوتے ہیں ساحلوں کے قریب نہیں ہوتے۔

"ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ہمیں ہوشیار ضرور رہنا چاہئے"

"میں نے بندوق میں گولیاں بھر رکھی ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی جنگلی درندہ ہی حملہ کر دے؟"

یونہی باتیں کرتے وہ جنگل کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں انہیں ایک عجیب سی شے نظر آئی۔ یہ ایک گول جھونپڑی سی تھی جس کی گول چھت کے اوپر ایک انسانی کھوپڑی بانس کے ساتھ لٹکی تھی۔ جھونپڑی زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کا کوئی دروازہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایڈگر نے ناگ کا بازو کھینچ کر اسے جھاڑیوں کی آڑ میں کر لیا اور بانس پر لٹکی ہوئی کھوپڑی کو دیکھ کر بولا۔

"یہ کیا راز ہے؟"

"انسانی کھوپڑی لگتی ہے مجھے تو!"

"صاف نظر آتا ہے کہ انسانی کھوپڑی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ضرور آبادی ہے۔ کوئی وحشی آدم خور قبیلہ رہتا ہے"

ناگ بولا۔

"ہو سکتا ہے یہ لوگ آدم خور ہوں اور یہ کسی مردے کی کھوپڑی کاٹ کر لٹکا دی ہو"

"وہ کس لئے بھلا؟"

"اس لئے کہ ہو سکتا ہے یہ لوگ مردوں کی کھوپڑیوں کی پوجا کرتے ہوں۔ پھر یہ کسی کی قبر بھی ہو سکتی ہے"

ایڈگر نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ ویران زمینوں کی سیاحت میں گزارا ہے۔ میں نے تو آج تک کسی جزیرے میں اس قسم کی قبر نہیں دیکھی"

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کسی زندہ انسان کا سر کاٹ کر لٹکا دیا گیا ہے؟" ناگ نے پوچھا۔

ایڈگر سر کھجا کر بولا۔

"مگر اب یہ انسان زندہ نہیں ہے"

"میرا تو خیال ہے کہ آگے چل کر دیکھنا چاہئے کہ اس جھونپڑی کے اندر کیا ہے؟"

ناگ آگے جانا چاہتا تھا۔ ایڈگر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"اتنی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا چاہئے"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بانس کے ساتھ لٹکی ہوئی کھوپڑی خود بخود حرکت کرنے لگی۔ وہ دائیں بائیں اوپر نیچے ہل رہی تھی جیسے وہ کسی کی بات پر سر ہلا رہی ہو۔ ایڈگر تو ڈر گیا۔ اس نے زندگی میں اس قسم کی جادوگری کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ناگ! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ میرا وہم ہے"

"کیا؟" ناگ نے یونہی بھولپن سے کہا۔

"ارے یہی۔ وہ دیکھو۔ وہ پھر ہل رہی ہے"

"کیا ہل رہی انکل ایڈگر؟"

دراصل ناگ اپنی لمبی زندگی میں اس قسم کی جادوگریاں بے شمار دیکھ چکا تھا۔ اس نے جادوگری کے علاوہ بھی کھوپڑیوں کو چلتے پھرتے اور اڑتے دیکھا تھا اس لئے وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ ہاں سوچ میں ضرور پڑ گیا تھا کہ یہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اس کے سوال پہ ایڈگر نے اس کا بازو کھینچ کر کہا۔

"کیا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں ناگ! وہ دیکھو سامنے کھوپڑی ہل رہی ہے"

"ہاں وہ؟ ۔ ارے ہاں وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں"

"اور تمہیں کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا؟" ایڈگر نے تعجب سے پوچھا۔

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ظاہر ہے کھوپڑی ہل رہی ہے تو اسے ضرور کوئی ہلا رہا ہوگا۔ اپنے آپ تو ہرگز نہیں ہل سکتی"

ایڈگر نے زچ ہو کر کہا۔

"یار تم بھی کمال کے آدمی ہو۔ ارے میاں دیکھتے نہیں کھوپڑی اپنے آپ ہل رہی ہے"

ناگ نے کہا۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم تھوڑی دیر یہاں بیٹھو۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ اصل قصہ کیا ہے؟"

ایڈگر اگرچہ بڑا پرانا اور تجربہ کار ملاح تھا اور بڑی بڑی مصیبتوں سے گزر چکا تھا لیکن وہ بھوت پریت کے معاملے میں بڑا ڈرپوک تھا۔ اس سے پہلے بھی جب ماریا نے اس کا شوربے کا پیالہ گم کیا تھا تو وہ چیخ مار کر باورچی خانے سے بھاگ گیا تھا۔ اب ناگ جانے لگا تو اس نے کہا۔

"خدا کے لئے جلدی واپس آ جانا۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم بالکل نہ جاؤ۔ یہ خطرہ مول نہ لو تو اچھا ہے۔ کھوپڑی ہلتی ہے تو ہلتی رہے۔ ہمارا کیا بگاڑتی ہے"

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

"میں انسان کی شکل میں نہیں جاؤں گا انکل۔ میں سانپ بن کر جاؤں گا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو بھائی پھر بھی جلدی واپس آ جانا۔"

"انکل ایڈگر ڈرتے کیوں ہو تمہارے پاس تو بھری ہوئی بندوق بھی ہے۔"

"ارے میاں! جنگلی جادوگروں کو تم نہیں جانتے یہ بندوق کی نالی میں گولی جام کر سکتے ہیں۔"

ناگ نے انکل ایڈگر کے کندھے کو دبا کر اسے تسلی دی اور طور جانے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک انہوں نے دو جنگلی وحشیوں کو دیکھا کہ ایک طرف درختوں میں سے نکل کر جھونپڑی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ایڈگر نے ناگ کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔

"شش! وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

ناگ اور ایڈگر شاخوں کے پیچھے چھپ گئے اور جنگلی آدمیوں کو دیکھنے لگے۔ ان کے رنگ گہرے سانولے تھے۔ جسم پر سوائے ایک لنگوٹی کے اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ کندھوں پر تیر کمان تھے۔ ایک نے ہاتھ میں ایک پوٹلی سی پکڑ رکھی تھی۔ وہ کسی زبان میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ ان کی صرف آواز ہی ناگ تک پہنچ رہی تھی۔ جھونپڑی کے پاس جا کر وہ کھڑے ہو گئے۔ سانپوں نے جھونپڑی کی طرف دیکھا جو اب بالکل حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ پھر ایک جنگلی نے

جھونپڑی کی گھاس پھونس کی بنی گول دیوار میں ایک جگہ ہاتھ ڈال کر باہر کو کھینچا تو چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں اس دروازے میں سے اندر داخل ہو گئے۔ ایڈگر نے کہا۔

"یہ اندر کیا کرنے گئے ہیں؟"

"خدا معلوم کیا کرنے گئے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی قبیلہ آباد ہے میرا خیال درست نکلا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ آدم خور ہے یا نہیں۔ مجھے یقین ہے یہ آدم خور ہوگا۔ کیونکہ اوپر لٹکی ہوئی انسانی کھوپڑی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے انکل ایڈگر! ناگ نے ایڈگر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

ایڈگر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ واپس جہاز میں چل کر سوچا جائے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

ناگ نے ایڈگر کا کندھا دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں۔ میں تو جب تک اس کھوپڑی کا راز معلوم نہ کر لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

ایڈگر نے نا امید ہو کر کہا۔

"پھر میں بھی تمہارے ساتھ یہاں رہوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنے میں دونوں وحشی جھونپڑی سے باہر آ گئے۔ اب کے ہاتھ میں بوتل نہیں تھی۔ وہ اندر یہ بوتل کسی کو دے آئے تھے۔ جھونپڑی کے دروازے کو بند کر کے دونوں جنگل واپس چلے گئے۔ ج وہ جنگل میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو ناگ نے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو انکل۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ اندر کون ہے"

ناگ نے انکل ایڈگر کو جھاڑیوں میں چھوڑا اور خود وہاں سے نکل کر سانپ کا روپ بدل کر جھونپڑی کی طرف رینگنے لگا۔ جھونپڑی کے قریب پہنچ کر اس نے ایک چکر لگایا۔ پھر ایک جگہ سے جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلی چیز جو اسے نظر آئی وہ ایک عورت تھی۔ دبلی پتلی پرانے کپڑوں والی گورے رنگ کی عورت جس کے سنہری بال کھلے تھے اندر جو جھونپڑی کے درمیان بانس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ ٹوکری اس کے سامنے کھلی پڑی تھی جس میں سے وہ شکر قندی نکال کر کھا رہی تھی۔

جھونپڑی میں ایک چھوٹا سا تیل کا چراغ جل رہا تھا جس کی روشنی میں عورت کا خوفزدہ چہرہ بالکل سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ اس کی گالوں کی ہڈیاں کچھ کچھ باہر کو نکلی ہوئی تھیں جس کی وجہ محض خوف، وحشت اور فاقہ تھی۔ اس عورت نے جھونپڑی میں سانپ کو داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ناگ

سوچا کہ اگر وہ اس کے سامنے سانپ سے انسان بن گیا دہشت سے اس عورت کا ہارٹ فیل ہو جائے اس ے بہتر یہی ہے کہ باہر جا کر انسان کی شکل بدل جائے اور پھر وہاں آ کر عورت سے بات چیت کی جائے اور پتہ لگایا جائے کہ یہ کون ہے اور یہاں اسے کس لئے قیدی کیا گیا ہے س ناگ اسی طرح رینگ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

باہر جاتے ہی اس نے دوبارہ انسان کی شکل بدلی اور ونپڑی کی دیوار میں سے ٹٹول ٹٹول کر دروازہ تلاش کر لیا۔ س نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ عورت نے ب اپنے جیسے لباس والے انسان کو دیکھا تو ہکی بکی ہو کر اسے تکتی رہ گئی۔

"تم — تم کون ہو؟"

ناگ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور قریب جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بہن! پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہیں یہاں ان لوگوں نے کس لئے قید کر رکھا ہے؟"

عورت نے ایک مہذب نوجوان کو اپنے سامنے ہمدردی کی باتیں کرتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہن! اپنی ساری کہانی جلدی سے بیان کرو تاکہ م تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔"

ناگ نے دیکھا کہ اس عورت کا ایک پاؤں بڑی مض رسّی کے ساتھ باندھ کر جھونپڑی کے بانس سے باندھ دیا تھا۔ ایک چھوٹی سی رسّی بانس کے ساتھ اوپر کونی چھت بھی جا رہی تھی۔ عورت نے کہا۔

"خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جان بچاؤ نہ تو یہ لوگ تمہیں بھی قید کر لیں گے اور آگ پر بھون بھون کھا جائیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"میری بہن! تم میری فکر نہ کرو۔ میرا خدا مالک ہے۔ تم اپنی بات کہو کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

عورت نے کہا۔

"میرا نام الزبتھ ہے۔ میں لندن یونیورسٹی میں جغرافیے کی طالب علم تھی اور ایک پارٹی کے ساتھ افریقہ جا رہی تھی کہ راستے میں ہمارے جہاز کو آگ لگ گئی۔ میں اپنی جان بچا کر کسی طرح اس جزیرے میں پہنچ گئی۔ میرے ساتھ میرے ایک پروفیسر بھی تھے۔ ان جنگلی آدم خوروں نے ہمیں گرفتار کر کے یہاں قید کر لیا۔ دو روز ہوئے انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے

میرے پروفیسر کو آگ پر کھولتے پانی میں ڈال کر ابالا اور پھر اس کے گوشت کو نمک لگا کر کھا گئے۔ تم نے جھونپڑی کے اوپر لٹکی ہوئی کھوپڑی ضرور دیکھی ہوگی؟"

"ہاں ہاں دیکھی ہے۔"

"وہ ہمارے پروفیسر صاحب کی کھوپڑی ہے۔"

"لیکن وہ ہل کیوں رہی تھی؟"

عورت نے کہا

"انہوں نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جس وقت مجھے بھوک لگے میں رسّی کھینچ کر کھوپڑی کو ہلا دیا کروں۔ اس وقت مجھے بڑی بھوک لگی تھی۔ چنانچہ میں نے رسی کھینچ کر کھوپڑی کو ہلانا شروع کر دیا۔ ان کے پہرے دار نے جو یہاں سے قریب ہی ایک درخت پر تیر کمان لئے ہر وقت پہرہ دیتا رہتا ہے، ہلتی ہوئی کھوپڑی کو دیکھ کر اطلاع کر دی اور یہ لوگ میرے لئے شکر قندی لے کر آ گئے۔"

"تمہیں کتنے روز یہاں قید میں ہو گئے ہیں؟"

"آج گیارہواں دن ہے۔"

"یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟"

"میں ان کی زبان نہیں سمجھتی مگر ان کے اشاروں سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ان کا کوئی تہوار آنے والا ہے۔ یہ مجھے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں بھون کر میری ضیافت اڑانا چاہتے ہیں۔"

ایلزبتھ کی آنکھوں میں خوف کے مارے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"خدا کے لئے یہاں سے بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ ان لوگوں کو ذرا بھنک بھی پڑ گئی تو یہ تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں اس جزیرے میں کیسے پہنچا ہوں؟ اور یہ کہ میں کون ہوں؟"

ایلزبتھ بولی۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو کوئی بھی ہو نیک مہذب نوجوان لگتے ہو اور میں نہیں چاہتی کہ تم ان آدم خور وحشیوں کا تر نوالہ بنو۔ اس لئے یہاں سے نکل جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔ میرے لئے اپنی جان خطرے میں مت ڈالو۔ تم اپنی جان بچاؤ۔ میرے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے وہ میری قسمت میں ہی لکھا ہے۔"

ناگ نے الزبتھ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"الزبتھ! تم مجھے اپنی بہن کی طرح عزیز ہو۔ تو پھر تم خود ہی

بتاؤ کیا ایک بھائی اپنی بہن کو تکلیف میں دیکھ کر بھاگ سکتا ہے؟"

الزبتھ لاجواب ہو گئی۔ اسے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا کہ شاید یہ نوجوان اس کی جان بچا سکے۔ اب اُسے روشنی کی ایک ہلکی سی کرن نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"تم کون ہو اور مجھے بچا کر یہاں سے کیسے نکالو گے۔ مجھے تو خود کوئی مصیبت زدہ مسافر لگتے ہو جو طوفان کے باعث اپنا جہاز ڈبو کر اس خونی جزیرے میں پہنچ گیا ہو۔"

ناگ بولا۔

"اس جزیرے پر پہنچ والے طوفان نے ہی مجھے پہنچایا ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ میرا جہاز نہیں غرق ہوا۔ جہاز میرے پاس ہی ہے یعنی سمندر میں کھڑا ہے۔"

"جہاز سمندر میں کھڑا ہے؟"

جہاز کا سن کر الزبتھ خوشی سے نہال ہو گئی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"مجھے اپنے جہاز پر لے چلو۔ خدا نے تمہیں رحمت کا فرشتہ بنا کر میرے پاس بھیجا ہے۔ اب میں لندن میں اپنے ماں باپ کا منہ دیکھ سکوں گی۔"

ناگ نے الزبتھ کے پاؤں کی رسی کھولنے کی کوشش شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دی۔ الزبتھ کے ہلنے جلنے سے وہ رسی بھی جلنے لگی جس کے ساتھ اوپر جھونپڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس جلتی جھونپڑی کو دور درخت میں چھپے وحشی پہرے دار نے دیکھ کر تیر چلا کر جنگل کے دوسرے حصے میں اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی کہ قیدی عورت بلا رہی ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے الزبتھ کو خاص تہوار کے موقع پر قربان کر کے کھانا تھا اس لئے وہ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ تیر وحشیوں کی جھونپڑیوں کے بیچ زمین پر آ کر گرا تو سردار نے اپنے ایک آدمی کو بلا کر کہا۔

"گوری عورت کو کسی شے کی ضرورت ہے۔ جا کر معلوم کرو۔"

جنگلی آدم خور نے سر جھکا کر کہا۔

"اچھا سردار۔"

اور وہ نیزہ ہاتھ میں تھامے درختوں میں ہرن کی طرح ناچتا ہوا سیدھا الزبتھ کے جھونپڑے کے باہر پہنچ گیا۔ اس کے قدموں کی آواز ناگ نے نہیں سنی تھی وہ الزبتھ کے پاؤں کی رسی کھولنے میں لگا ہوا تھا کہ اچانک جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور وحشی اندر آ گیا۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ یہ آدم خور جھونپڑی کے عقب سے آیا تھا اور عنبر سامنے جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا اسے آتے نہیں دیکھا تھا نہیں تو وہ

اسی جگہ سے گولی چلا کر آدم خور کو ہلاک کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جھونپڑی کے اندر اس کا ساتھی ناگ گیا ہوا ہے۔

ناگ الزبتھ کی رسی کھول رہا تھا کہ ایکا ایکی آدم خور اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ آدم خور بھی اندر ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر چکر کھا کر رہ گیا کہ یہ ایک نیا انسان کہاں سے آ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ رسی کھول کر ان کے مقدس شکار کو بھگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ایک بجلی سی چمکی اور خونی نیزہ دھم کی آواز کے ساتھ آدم خور کے ہاتھ سے نکل کر ناگ کے بازو سے رگڑ کھاتا ہوا اس کے پاس ہی زمین میں گڑ گیا۔ آدم خور نے اتنی پھرتی سے وار کیا تھا کہ ایک بار تو ناگ بھی حیران رہ گیا۔ الزبتھ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ آدم خور نے وار خالی جاتے دیکھا تو خنجر نکال کر ناگ پر حملہ کر دیا۔

دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

ناگ نے محسوس کیا کہ آدم خور زیادہ طاقتور ہے اور اگر اس نے اپنا بچاؤ نہ کیا تو وہ اسے خنجر مار کر ہلاک کر دے گا۔ ذرا سی دیر اس کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔ خطرہ مول لینے کا وقت نہیں تھا۔ پس ناگ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر آدم خور کے نیچے سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے جب آدم خور خنجر اٹھا کر ناگ کے سینے میں گھونپنے ہی والا تھا کہ وہ ٹھٹھک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ایک لمحے پہلے اس کے بازوؤں میں جو انسان تھا وہ ایک سیاہ سانپ بن چکا ہے اور اس نے اسے گردن پر ڈس بھی رہا ہے۔

آدم خور کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی لیکن سانپ کے زہر کے اثر کی وجہ سے وہ بلند نہ ہو سکی اور حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔ آدم خور پر زہر نے لرزہ طاری کر دیا۔ وہ کانپنے لگا۔ اس کا جسم دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور وہ مر گیا۔ ناگ اسی وقت واپس انسان کی شکل میں آ گیا۔

یہ حیرت ناک ڈرامہ الزبتھ نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا اور وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ ناگ نے جلدی سے اس کی رسی کھول دی اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میری بہن! میں ایک ایسا جادوگر ہوں جو پلک جھپکنے میں انسان سے سانپ بن جایا کرتا ہوں۔"

الزبتھ اسے ٹکٹکی باندھے تک رہی تھی۔

"[illegible] جاؤ گی۔"

"[illegible] ہمیں اب [illegible] جلد [illegible] میرے ساتھ ساتھ چلو۔"

الزبتھ کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ نوجوان کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس نے کہا۔

"ایک پہریدار درختوں میں بیٹھا اس جھونپڑی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اس نے دیکھ لیا تو اس کے زہریلے تیر سے ہم نہیں بچ سکیں گے۔"

ناگ نے کہا

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ پہلے میں اس کی خبر لیتا ہوں۔"

ناگ الزبتھ کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر سانپ بن گیا۔ الزبتھ نے خوف کے مارے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ ناگ تیزی سے رینگتا ہوا سب سے پہلے ایڈگر کے پاس گیا اور انسان کی شکل میں آ کر اسے جلدی جلدی ساری کہانی سنائی اور کہا۔ اب وہ پہریدار کو ہلاک کرنے جا رہا ہے تاکہ الزبتھ کو جھونپڑی سے نکال کر جہاز تک پہنچایا جائے۔ ایڈگر نے کہا۔

"میں بندوق سے اسے مار دوں گا۔ تم یہیں ٹھہرو۔"

ناگ بولا۔

"نہیں نہیں۔ بندوق کی آواز سے سارا قبیلہ ہوشیار ہو جائے گا۔ میں خاموشی سے یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ واپس ساحل پر جا کر کشتی کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آدم خور ساحل پر پہنچ کر کشتی لے جائے۔ میں الزبتھ کو لے کر تمہارے پاس ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

ٹھیک ہے۔"

ایڈگر جھاڑیوں میں سے نکل کر واپس کشتی کی طرف چلا گیا۔ ناگ نے اسی وقت ایک جنگلی طوطے کا روپ بدلا اور اڑتا اڑتا درختوں میں اس آدم خور کو تلاش کرنے لگا جو کسی درخت پہ بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ آخر اس نے آدم خور کو ایک جگہ دیکھ لیا۔ کم بخت نے بڑی محفوظ جگہ بنا رکھی تھی۔ ایک گھنے درخت کے اندر دو شاخوں پر ایک تختہ ڈال کر وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا اور کمان میں زہریلا تیر چڑھائے جھونپڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ حیران بھی تھا کہ اس کا جو ساتھی ابھی ابھی جھونپڑی میں گیا تھا ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا؟

اتنے میں آدم خور نے دیکھا کہ زرد چونچ والا ایک طوطا اس کے درخت میں ذرا اوپر والی شاخ پر آ کر بیٹھ گیا ہے۔ طوطا بھی آدم خور کی طرف گردن ٹیڑھی کر کے تک رہا تھا۔ آدم خور نے سوچا کہ اس طوطے کو زندہ پکڑنا چاہئے۔ اس نے اٹھ کر طوطے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک کسی طرف سے ایک سیاہ سانپ نے نمودار ہو کر اس کی کلائی پہ کاٹ لیا۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ اس نے خنجر نکال کر سانپ پہ حملہ کرنا چاہا مگر سانپ تو غائب ہو چکا تھا۔ طوطا بھی درخت کی شاخ پہ اب نہیں تھا۔

آدم خور کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس طوطے نے سانپ بن کر

اسے ڈسا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنی کلائی پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا خنجر لگایا۔ خون نکلنے لگا۔ وہ زہر چوس چوس کر نیچے تھوکنے لگا لیکن اس کو پتہ ہی نہیں ہو کہ اسے ایک ایسے سانپ نے ڈسا ہے جس کے زہر کا اثر تو اس کے سارے جسم میں پہنچ چکا ہے چنانچہ وہ درخت پہ بیٹھے بیٹھے لرزنے لگا۔ اور پھر اس کے جسم سے گویا جان نکلنی شروع ہوئی اور وہ ایک بے جان شاخ کی طرح نیچے گر پڑا۔

اس عرصے میں ناگ واپس الزبتھ کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"جلدی نکل چلو الزبتھ۔ راستہ صاف ہے۔ پہرے والا اب وہاں نہیں ہے۔"

الزبتھ ناگ کے ساتھ باہر آ گئی۔ وہ دس گیارہ دنوں سے جھونپڑی میں قید تھی۔ اس سے ٹھیک طرح سے چلا نہیں جاتا تھا۔ لیکن زندہ رہنے کی تڑپ نے اسے اپنے پاؤں پہ کھڑا کر لیا۔ ناگ اسے ساتھ لے کر درختوں میں سے نکل کر سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ الزبتھ نے جلدی سے ناگ کو پیچھے کھینچ لیا۔

"وہاں کون کھڑا ہے؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ اپنا ہی آدمی ہے الزبتھ بہن! بلکہ تمہارے ملک انگلستان کے ایک علاقے ویلز کا رہنے والا پرانا ملاح ایڈگر ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الزبتھ نے ویلز کا نام سُنا تو بولی۔

"کاش میں واپس اپنے وطن پہنچ سکوں"

"ہم تمہیں تمہارے وطن پہنچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے"

ناگ نے الزبتھ کو انکل ایڈگر سے ملایا۔ دونوں انگریزی زبان میں باتیں کرنے لگے اور کشتی جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ الزبتھ نے سمندر میں آتا ہوا جہاز قریب سے دیکھا تو پوچھا۔

"یہ جہاز کس کا ہے"

ناگ نے کہا۔

"یہ انکل ایڈگر کا جہاز ہے"

ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں بیٹی! یہ میرا جہاز ہے۔ میں اس جہاز کا انجینئر بھی ہوں۔ باورچی بھی ہوں اور مالک بھی ہوں"

الزبتھ کے چہرے پر ایک عرصے کے بعد مسکراہٹ آئی تھی

کشتی کو دور سے ماریا نے آتے دیکھ لیا تھا۔ ایک لڑکی کو کشتی میں دیکھ کر وہ بھی تعجب کرنے لگی کہ یہ سفید فام انگریز لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ پھر سوچا کہ شاید یہ اس جزیرے میں پھنس گئی ہو گی اور ناگ اسے بچا کر لا رہا ہے۔ کشتی جہاز کے پاس آ کر رک گئی ناگ نے اوپر منہ کر کے آواز لگائی۔

"ماریا سیڑھی نیچے پھینکو"

الزبتھ نے پوچھا۔

"کیا کوئی ماریا بھی جہاز پر ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ہاں۔ میری چھوٹی بہن ہے"

ایڈگر نے کہا۔

"ہم تمہیں اس سے ملائیں گے"

ناگ مسکرایا۔ الزبتھ نے کہا۔ [redacted]

"کیا بات ہے تم دونوں مسکرا کیوں رہے ہو؟"

ایڈگر بولا۔ [redacted]

"تمہیں اوپر جا کر خود ہی اس ہنسی کا راز معلوم ہو جائے گا میرا مطلب ہے جب تم ماریا سے ملو گی۔ اگر تم مل سکو گی تو!"

اتنے میں اوپر سے رسی کی سیڑھی پھینک دی گئی۔ ساتھ ہی دو رسّے بھی پھینکے گئے۔ الزبتھ نے محسوس کیا کہ رسی اور سیڑھی اوپر سے مزید پھینکی گئی تھی مگر پھینکنے والی ماریا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ جہاز کے جنگلے کے پیچھے کھڑی ہو۔ دونوں رسّوں کے ساتھ کشتی باندھ دی گئی تاکہ اوپر جا کر اسے کھینچا جا سکے۔ سیڑھی پر سب سے پہلے ایڈگر پھر الزبتھ اور اس کے بعد ناگ چڑھنے لگا۔ جہاز کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عرشے پر پہنچ کر الزبتھ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہنے لگی۔

"میں موت کے منہ سے نکل کر آئی ہوں ناگ بھائی! میں جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا۔"

"ہاں الزبتھ! تمہیں خدا کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے"

الزبتھ نے عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگ کر پوچھا۔

"ماریا کہاں ہے انکل ایڈگر؟"

انکل ایڈگر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ گویا پوچھ رہا ہو

"کیوں میاں کیا کہوں اسے؟" ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ماریا ابھی یہیں تھی۔ میرا خیال ہے نیچے کیبن میں چلی گئی ہو نیچے چل کر تمہارا تعارف کرواتے ہیں۔"

انکل ایڈگر اور ناگ رسی کی مدد سے ایک چرخی کو گھما کر کو اوپر کھینچنے لگے۔ الزبتھ عرشے پر ٹہل رہی تھی۔ وہ جہاز کی جانب جنگلے کے پاس چلی گئی۔ اچانک کیلے کا چھلکا اس کے بالکل قریب آ کر گرا۔ الزبتھ چونک کر پرے ہٹ گئی۔ الزبتھ کیلے کے چھلکے کو تکنے لگی کہ یہ کہاں سے آ گیا؟ بات یہ ہوئی تھی کہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی کیلا کھا رہی تھی۔ اس نے کیلا چھیل کر عرشے کے فرش پر پھینک دیا تھا۔ جتنی دیر تو کیلا ماریا کے ہاتھ میں رہا نظر ہی نہ آیا۔ جب چھلکا اس کے ہاتھ سے جدا ہو کر گرا تو نظر آ گیا۔

الزبتھ کچھ ڈر سی گئی تھی۔ اُسے ناگ کی بات یاد آ گئی۔ وہ ان سے سانپ بن گیا تھا اُس کی آنکھوں کے سامنے اور نے کہا تھا کہ وہ جادوگر ہے۔ تو کیا اس جہاز پر بھی جادو کا اثر یا یہاں بھوت پریت رہتے ہیں اور یہ چھلکا کسی بھوت نے کیلا کھا کر پھینکا ہو؟

الزبتھ ابھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اسے کسی عورت کے چھینکنے کی بالکل قریب سے آواز آئی۔ یہ ماریا کی چھینک اُسے اچانک آ گئی تھی۔ اس نے اُسے دبانے کی بہت کوشش کی مگر وہ چھینک ہی کیا جو دب جائے۔ چھینک کی آواز کے ساتھ ماریا کی چھینک نکل گئی اور الزبتھ اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ پھر ناگ اور ایڈگر کی طرف بھاگی جو جنگلے کے ساتھ لٹکی ہوئی کشتی کی باندھ رہے تھے۔ ناگ نے الزبتھ کو خوفزدہ دیکھا تو سمجھ گیا ماریا نے کوئی کرامت دکھائی ہوگی۔

"کیا بات ہے الزبتھ بہن! تم پریشان کیوں ہو؟"

الزبتھ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"وہاں۔ وہاں۔ ابھی ابھی میں نے ایک عورت کی چھینک کی آواز سنی ہے۔"

ناگ نے ایڈگر کی طرف اور ایڈگر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ الزبتھ سے ماریا کا راز کس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح سے چھپایا جائے گا جبکہ ابھی آگے اتنا سفر طے کر کے
میں پہنچنا ہے۔ ناگ نے کھسیانا سا ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں الزبتھ بہن! میں نے تمہیں کہا تھا نا ک
جادوگر ہوں تو یہ ایسا ہے کہ میں ہر وقت چوکنا ر
کوشش کرتا ہوں۔ یہ چینک کسی ایسی جنگلی عورت کی تھی
جزیرے میں ہے مگر میرے جادو کے اثر سے اس کی آواز
تک پہنچ گئی تاکہ میں ہوشیار اور خبردار رہوں۔"

"اچھا!"

الزبتھ حیران و پریشان تھی۔ اس کے چہرے سے صاف
ظاہر تھا کہ اس پر ناگ کی دلیل نے کوئی زیادہ اثر نہیں کیا۔
الزبتھ کو اپنے ساتھ نیچے لے گئے اور ایک کیبن میں آئے
کر تلی ہوئی مچھلی، ککڑیوں کا گرم شوربہ اور پھل کھلایا۔ پھر
نے کہا۔

"بیٹی الزبتھ اب تم غسل کر کے نئے کپڑے پہن لو۔ یہ
نے کپڑے رکھ دیئے ہیں۔"

الزبتھ نے زرد رنگ کا گاؤن اٹھا کر تند دیکھ کر کہا۔

"انکل یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں؟"

"بیٹی یہ ماریا کے ہیں۔"

"مگر ماریا کہاں ہے؟ کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔"

یلی بات یہ ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتی۔"

"کیا مطلب؟" الزبتھ نے چونک کر پوچھا۔

یڈگر نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ آج کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔ بس
باورچی خانے میں مصروف ہوگی۔ تم نہا دھو کر کپڑے بدلو۔
بھی فارغ ہو جائے گی تو تمہیں ملا دیں گے۔"

یڈگر کیبن سے باہر نکل گیا۔ وہ اس الجھن میں تھا کہ الزبتھ
ر نظر آنے والی ماریا سے مل کر کیا اثر ہوگا؟ اگرچہ ناگ
ے بنا رہا تھا کہ الزبتھ نے اسے انسان سے سانپ
یکھ لیا ہے اور وہ اس قسم کے تجربے سے گزر چکی ہے
سے جادوگر سمجھتی ہے۔ پھر بھی جب اس نے محسوس کیا
ایک ایسی لڑکی سے باتیں کر رہی ہے جو نظر نہیں آ رہی
س پر کیا گزرے گی؟

یڈگر کیبن سے نکل کر باورچی خانے کی طرف جا رہا تھا کہ
نے کپتان کے کیبن میں ناگ کو دیکھا جو اکیلا ہی کسی سے
کر رہا تھا۔ ایڈگر کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی اور وہ ماریا
باتیں کر رہا ہے۔ ایڈگر بھی اندر چلا گیا۔ اس نے کہا کہ
تھ بار بار ماریا کا پوچھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ماریا کا
ن کیسے کرایا جائے گا۔ ماریا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"انکل! میرا خیال ہے کہ ہمارا سفر لمبا ہے اس کو دینا چاہیے کہ میں غائب عورت ہوں۔"

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"لیکن کہیں اس کے ذہن پر اس کا بُرا اثر نہ پڑجا

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس راز کو انگلستان پہنچنے تک راز میں ہی رہنے دیں؟"

●

رات کا حملہ

●

ماریا نے کہا۔

"بڑی مشکل ہو جائے گی۔ ہم اس راز کو زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکیں گے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"تو پھر الزبتھ کو بلا کر بتا دیں کہ..."

ایڈگر کہنے لگا۔

"یہ کام میں خود کر لوں گا۔ تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

رات ہو گئی۔ انہوں نے سوائے ماریا کے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ماریا کا کھانا اس کے کیبن میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ایڈگر نے یہ طے کیا تھا کہ وہ دوسرے روز بڑے اطمینان سے پر [illegible] کر کے الزبتھ کو بتائے گا کہ [illegible] ماریا نظر نہیں آئی تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور ان کا سفر کسی دشواری اور ڈرامے کے بغیر گزر جائے اور وہ سکون کے ساتھ الزبتھ کو انگلستان پہنچا دیں۔ ایڈگر خود بھی انگلستان واپس اپنے گھر چلا جانا چاہتا تھا۔ ماریا اور ناگ کا بھی یہی پروگرام تھا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگلستان جاکر اس بحری جہاز کو فروخت کر کے ویلنسٹ [illegible] میں مکان خرید کر رہائش اختیار کر لیں گے اور ماریا کو مکان میں انکل ایڈگر کی دیکھ بھال میں رکھ کر وہ خود عنبر کی تلاش میں نکلے گا۔ الزبتھ کو اس لئے بھی ماریا کا راز بتایا جا رہا تھا تاکہ ویلز میں الزبتھ ماریا کی سہیلی بن کر رہ سکے اور وہ اکیلی بیٹھے بور نہ ہو۔

کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے کیبن میں جاکر سو گئے۔

ادھر [illegible] ہوا کہ جب آدم خور واپس نہ آیا تو سردار نے ایک اور آدمی کو الزبتھ کی جھونپڑی میں بھیجا کہ جاکر معلوم کرو کہ کیا بات ہے اُس نے اتنی دیر کہاں لگا دی۔ یہ آدم خور جب جھونپڑی کی طرف جا رہا تھا کہ سب سے پہلے راستے میں اُسے پہرے دار کی پھولی ہوئی زہر آلود لاش ملی۔ پھر وہ بھاگ کر جھونپڑی میں گیا تو دیکھا کہ وہاں بھی اس کے ایک ساتھی کی پھولی ہوئی زہر آلود لاش پڑی ہے۔ دونوں کو کسی خطرناک سانپ نے ہلاک کیا تھا [illegible] کا مقدس شکار غائب تھا

آدم خور نے وہیں ایک ایسی چیخ ماری کہ سارے قبیلے [illegible] میں خبر ہو گئی۔ سردار بھی دوسرے آدم خوروں کے ساتھ جھونپڑی کے پاس آگیا [illegible] لاشوں کو دیکھ کے [illegible] سردار کرم علیم نے

دیکھا اور اعلان کر دیا کہ سانپوں کا کام ہے۔ سردار نے کہا۔

"ہمارے شکار کی رسّی کو سانپ نہیں کھول سکتا۔ ہمارا مقدس شکار کس نے کھول کر بھگا دیا ہے؟"

یہ بات غور کرنے والی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کسی نے مقدس شکار کو وہاں سے بھگایا ہے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ ابھی شام نہیں ہوئی تھی۔ سورج سمندر میں غروب ہونے والا تھا۔ دھوپ سنہری ہو گئی تھی۔ سردار بڑا ماہر کھوجی تھا۔ اُس نے جھک کر قدموں کے نشان دیکھ لئے۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"زمین پر تین انسانوں کے قدموں کے نشان ہیں۔ ایک انسان جاکر پھر واپس آیا ہے۔ یہ نشان میرے آدمیوں کے ہیں۔ یہ ننگے پاؤں تھے۔ یہ نشان بوٹوں کے ہیں۔ یہ نشان اس عورت کے پاؤں کا ہے جو یہاں قید تھی اور جسے یہ دو آدمی بھگا کر لے گئے۔"

پھر اُس نے اور جھک کر دیکھا تو بولا۔

"جھونپڑی کے اندر سے ایک سانپ باہر نکلا تھا۔ یہاں آکر سانپ ایکدم غائب ہو گیا ہے۔ اُس کے درخت پر چڑھنے کا نشان بھی نہیں ہے۔"

کم بخت نے کھوج پورے کا پورا لگا لیا تھا۔ پھر وہ قدموں کے نشان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ باقی آدم خور بھی تیزی سے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے پُر اسرار انداز میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ پاؤں کے نشان ان لوگوں کو جنگل سے نکال کر باہر سمندر کے کنارے لے آئے۔ یہاں آتے ہی سردار نے جو سمندر کی طرف دیکھا تو دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے پیچھے آنے والوں کو اسی جگہ ک دیا اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو جانے کا حکم دیا۔

سارے آدم خور جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔ سردار نے دیکھا کہ سمندر میں کنارے سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پر ایک بڑا بحری جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ باقی آدم خور بھی منہ کھولے جہاز کو تک رہے تھے کہ یہ جہاز یہاں کدھر سے آ گیا۔ اس طرف جہاز کبھی بھول کر ہی آتے تھے۔ اس سے پہلے کوئی پانچ برس ہوئے کہ ایک جہاز آکر لگا تھا اور وہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کے پندرہ بحری ڈاکو یہ آدم خور اغوا کر کے کھا گئے تھے۔ دوسرے آدم خوروں کو تو یہ خوشی ہوئی کہ اس جہاز کے آدمیوں کو اب وہ مزے لے کر کھائیں گے۔ ان کے لئے گویا خوراک کا جہاز آ گیا تھا۔ مگر سردار کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا مقدس شکار یعنی الزبتھ جس کو انہوں نے مقدس تہوار پر دیوتاؤں کے آگے قتل کر کے بھون کر کھانا تھا اسی جہاز میں لے جایا گیا ہے۔ غصے سے وہ کانپنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے بولا۔

"ہمارا شکار ہم سے چھین لیا گیا ہے وہ اس جہاز پر ہے۔ ہمیں اس جہاز پر حملہ کر کے اسے آگ لگا دینی چاہئے۔ اس کے آدمیوں کو کھا جانا ہے اور اپنے مقدس شکار کو لا کر تہوار کے روز قربان کرنا ہے۔"

سب نے ایک ساتھ نیزے اٹھا کر کہا۔

"ہم حملہ کریں گے!"

سردار نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں! تم احمق ہو۔ سارے کے سارے جنگلی ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ شہر کے لوگ ویسے ہی جہاز میں بیٹھے ہوں گے کہ تم آؤ اور ان کو قابو میں کر کے لے آؤ؟ الو کے پٹھو! ان لوگوں کے پاس گولیوں والے ہتھیار ہوتے ہیں۔ بارود ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں سازش کے ساتھ حملہ کرنا ہو گا۔ ان کی ایک کشتی کنارے پر آکر بھی رکی تھی۔ میں ریت پر قدموں کے نشانوں کے ساتھ کشتی کا نشان بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہاں سے کشتی سمندر میں گھسیٹی گئی تھی۔ واپس میرے ساتھ چلو۔"

اور سردار انہیں واپس جھونپڑوں میں لے گیا۔ سردار تو آدم خور مگر بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جہاز والوں کے پاس بارود کے ہتھیار ہوں گے۔ ایسے ہتھیار اس نے بحری ڈاکوؤں کے پاس دیکھے تھے جن سے ایک گولی نکلتی ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی مر جاتا ہے۔ اس لئے وہ دن کی روشنی میں جہاز پر حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں حملہ کرنا چاہتا تھا۔ جہاز کو اس نے دیکھ لیا تھا کہ کس جگہ پر کھڑا ہے

شام تک آدم خور سردار اپنے حملے کے طریقوں پر غور کر

جب رات نے جزیرے کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیا تو وہ اپنے جانثار آدم خوروں کے ساتھ نکلا۔ یہ لوگ گہرے سانولے رنگ کے تھے اور جسم پر سوائے لنگوٹیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اندھیرے میں وہ بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یہ جنگل سے نکل کر جب ساحل سمندر پر آئے تو جھک جھک کر چلنے لگے۔ بائیں جانب دور ایک جگہ انہوں نے ایک کشتی چھپا رکھی تھی۔ یہ ایک لمبوتری جا کی طرح کی کشتی تھی جس میں پچاس کے قریب آدم خور چھپ کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے تیر کمان، خنجر اور نیزے ساتھ رکھ لئے تھے۔

کشتی آہستہ آہستہ سمندر کے اوپر بہہ کر جہاز کی طرف بڑھنے لگی۔ رات طوفانی دن کے بعد پُرسکون تھی۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ستارے چمکنے لگے تھے۔ ان ستاروں کی ہلکی نیلی روشنی میں جہاز ایک سیاہ، دھبے کی طرح سمندر میں کھڑا تھا۔

آدم خوروں کی کشتی دھیرے دھیرے جہاز کے قریب آ گئی تھی۔ جہاز کے اوپر کوئی لیمپ نہیں جل رہا تھا۔ ناگ اور ڈاکٹر نے اس

ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہر شے پر اندھیرا تھا۔ آدم خور بڑے لیکن بے ساختہ اور بغیر کوئی آواز پیدا کئے کشتی کو جہاز کے پیندے کے ساتھ جس حصے میں لے آئے۔ یہاں انہوں نے لنگر کی موٹی زنجیر کے ساتھ کشتی کو باندھ دیا۔ سردار نے اشارہ کیا اور دیکھتے دیکھتے آدم خور بندروں کی طرح زنجیر کو پکڑ کر جہاز کے اوپر عرشے کے حصے پر پہنچ گئے۔

کشتی میں صرف چھ سات آدم خور رہے۔ باقی اوپر چڑھ گئے۔ سردار بھی اُن کے ساتھ ہی تھا۔ عرشے پر پہنچ کر سردار نے منہ سے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکال کر جو کسی پرندے کی آواز سے ملتی تھی آدم خوروں کو عرشے کے جنگلے کے ساتھ ساتھ بیٹھ جانے کو کہا سارے آدم خور جنگلے کے ساتھ عرشے کے فرش پر لیٹ گئے۔ سردار نے اندھیرے میں غور سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں ہر شے کو صاف صاف دیکھ لینے کی عادی تھیں۔

سردار نے چند آدم خوروں کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ سردار اس سے پہلے بحری ڈاکوؤں کے جہاز دیکھ چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جہاز میں ایک نچلی منزل بھی ہوتی ہے جس کے چھوٹے چھوٹے کمروں میں لوگ رات کو سوتے ہیں۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ سردار نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ اس جگہ آ گئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں ایک ہوادان لگا تھا۔ اس قسم کے ہوادان پرانے گراموفون باجوں کے بھونپو کی طرح کے ہوتے ہیں جو جہاز کے اوپر عرشے پر لگے ہوتے ہیں تاکہ نچلی منزلوں میں تازہ ہوا جا سکے۔ سردار نے [illegible] بولی میں کچھ اشارہ کیا۔ ایک آدم خور نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی رسی کھول کر اس کا ایک سرا کمر کے ساتھ باندھا اور دوسرا سرا باہر ہوادان کے ستون سے باندھا اور ہوادان میں اتر گیا۔ ہوادان میں وہ لٹک گیا تھا اور اندھیرے میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ آخر اس کے پیر فرش پر لگ گئے۔ اس نے کمر سے بندھی رسی کھول کر اوپر پھینک دی۔ رسی کھینچ لی گئی۔ آدم خور نے اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ اصل میں وہ ایک گودام میں نکل آیا تھا۔ کبھی یہاں تیسرے درجے کے مسافر سفر کیا کرتے تھے لیکن اب اسے گودام میں بدل دیا گیا تھا جہاں دنیا جہان کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔

آدم خور ٹٹولتا ٹٹولتا اس دروازے تک آگیا۔ یہاں آدم خور کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ اندر سے جا کر سیڑھیوں کا دروازہ کھول دے تاکہ باقی لوگ نیچے جا کر حملہ کر سکیں۔ انہیں ابھی تک یہ خبر نہیں تھی کہ اس جہاز میں صرف تین انسان سفر کر رہے ہیں جن میں سے ایک مسافر یعنی ماریا نظر نہیں آتی۔ باقی فالتو [illegible] بھی تھی جس کو دوبارہ گرفتار کرنے یہ آدم خور وہاں آئے تھے۔

یہ آدم خور گودام سے باہر کاریڈار میں آگیا۔ یہاں دیوار میں ایک چھوٹا سا چراغ جل رہا تھا۔ اس کی ہلکی روشنی میں آدم خور لکڑی کی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کے آگے بڑھتا چلا گیا۔ سامنے ایک سیڑھی آئی جو تنگ تھی۔ اس سیڑھی نے آدم خور کو جہاز کی دوسری منزل میں پہنچا دیا۔ اس منزل میں وہ کیبن تھے جہاں الزبتھ، ماریا، ناگ اور انکل ایڈگر آرام کر رہے تھے یہاں سے دو سیڑھیاں اوپر عرشے پر جاتی تھیں جس کا دروازہ اس آدم خور نے جا کر کھولنا تھا اور جس کے باہر اس کے ساتھی انتظار کر رہے تھے کہ دروازہ کھلے اور وہ حملہ کر دیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ٹھیک اس وقت ماریا کو کیبن میں بڑی گرمی لگی۔ اس نے سوچا کہ اوپر عرشے پر جا کر ہوا میں سونا چاہیئے طوفان کے بعد حبس بڑھ گیا تھا۔ ماریا پلنگ پر سے اٹھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور کاریڈار میں آگئی۔ اسے اپنے پیچھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا کہ یہ آہٹ کیسی تھی لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی میں اسے ایک کالا سایہ دیوار کے ساتھ لگا دکھائی دیا۔ ماریا ایک طرف ہٹ کر اسے غور سے دیکھنے لگی ایک بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ اپنے آدمیوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ وگرنہ اسے اس طرح چوری چوری آنے کی کیا ضرورت تھی بھلا!

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سایہ اس کے قریب آگیا۔ یہ آدم خور تھا۔ آدم خور کو تو ماریا کبھی نظر ہی نہیں آسکتی تھی اس لیئے وہ اپنی طرف سے بڑے اطمینان کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ماریا کے کیبن کے پاس آکر دروازے کے ساتھ منہ لگا کر شاید کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ پھر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھلا تھا کیونکہ ماریا ابھی ابھی اندر سے باہر نکلی تھی۔

آدم خور کیبن کے اندر چلا گیا۔ اب ماریا نے اسے غور سے دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ جزیرے کا کوئی جنگلی ہے جو آدھی رات کو وہاں یا چوری کی نیت سے آیا ہے اور یا یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ وہ عورت یہاں تو نہیں جس کو انہوں نے قید کر رکھا تھا اور جو اب فرار ہو گئی ہے۔ ماریا کے وہم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جزیرے پہ مسلح آدم خوروں کی ایک پارٹی حملہ کرنے کے لیئے تیار کھڑی ہے اور یہ ان کا جاسوس ہے جو دروازہ کھولنے اور معلومات حاصل کرنے آیا ہے۔

ماریا بھی آدم خور کے پیچھے ہی کیبن میں داخل ہو گئی۔

آدم خور اندھیرے میں ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور اس کی زرد آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ ماریا نے اس قسم کے کئی ایک واقعات سے گزر چکی تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے دیوار

سے قریب کھڑی اس آدم خور کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

آدم خور کے کان بڑے حساس تھے۔ وہ جزیرے کی خاموشی میں پلا بڑھا تھا۔ وہ خاموشی میں ہلکی سے ہلکی آواز کو بھی پہچان لیتا تھا۔ ایک بار جو ماریا نے گہرا سانس لیا تو اس نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر سے سانس لینے کی آواز آئی تھی۔ مگر وہاں تو کوئی انسان ہی نہیں تھا۔ حالانکہ ماریا ٹھیک اسی جگہ کھڑی تھی جہاں پر آدم خور کی نظر پڑی تھی۔ لیکن ماریا آدم خور کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ آدم خور کی چھٹی حس کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا دل اُسے صاف کہہ رہا تھا کہ کیبن میں کسی نے گہرا سانس لیا ہے۔ لیکن انسان وہاں کوئی نہیں تھا اس لیئے آدم خور نے سوچا کہ اب باہر نکل چلنا چاہیئے تاکہ اوپر جا کر دروازہ کھولا جائے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو ماریا نے بھی ٹھیک اسی وقت سوچا کہ اس شخص کو کیبن میں ہی قید کر دینا چاہیئے۔ پھر خیال آیا کہ یہ شور مچائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اسے بے ہوش کر دیا جائے۔

پس ماریا نے پیچھے سے آکر آدم خور کے سر پہ ایک تانبے کا گلدان دے مارا۔ آدم خور چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پہ کس کر باندھ دیئے۔ پھر

پاؤں بھی رسّی سے باندھے اور اُسے پلنگ کے نیچے لاکر ڈال دیا۔ یہاں سے نکل کر وہ سیدھی ناگ اور ایڈگر کے کیبن میں آئی۔ انہیں جگایا اور بتایا کہ ابھی ابھی ایک جنگلی انسان کو وہ بے ہوش کر کے آ رہی ہے۔

"یہ کہاں سے آگیا؟" ناگ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

ایڈگر نے کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ ہم الزبتھ کو لے تو آئے ہیں مگر یہ آدم خور ہمارا تعاقب کریں گے۔ ہم میں سے کسی کو ضرور اوپر پہرے پر ہونا چاہیئے تھا۔ اب پتہ نہیں یہ اندر کہاں سے آیا ہے اور اوپر اس کے ساتھی بھی موجود ہوں گے؟"

"میں اوپر جا کر پتہ کرتی ہوں۔"

"تم دروازہ کھولو گی تو وہ کھلے دروازے میں سے نیچے آکر حملہ کر دیں گے۔ کیا معلوم ان کی تعداد زیادہ ہو۔"

ایڈگر کا خیال ٹھیک تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ہمیں اسلحہ لے کر اوپر جانا چاہیئے اور حملہ کر دینا چاہیئے۔"

ایڈگر بولا۔

"ہم اندھیرے میں انہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ انہوں نے پوزیشن لے رکھی ہوگی۔ اگر ان کا ایک زہریلا تیر بھی ہمیں لگ گیا تو ہم بچ نہ سکیں گے۔ ان کے نشانے غضب کے

ہوتے ہیں۔"

"پھر کیا کریں؟" ناگ نے پوچھا۔

ایڈگر کہنے لگا۔

"میں ابھی بندوق لے کر اوپر جاتا ہوں اور سب کو بھون کر رکھ دیتا ہوں۔"

ناگ بولا۔

"یہ ہماری حماقت ہوگی۔ ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ ان کی تعداد کتنی ہے۔ وہ ہمارے جہاز کو آگ لگا کر ہمیں پریشانی میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اور ماریا باہر جا کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ لوگ کتنی تعداد میں حملہ کرنے آئے ہیں۔"

ماریا اور ناگ عرشے کو اوپر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھے۔

عرشے پر رات کے اندھیرے میں سردار اپنے آدم خور ساتھیوں کو لئے انتظار کر رہا تھا کہ جو حبشی روشندان کی راہ سے نیچے گیا ہے وہ اوپر آکر دروازہ کھولے۔ ناگ سیڑھیوں میں دروازے کے پاس آکر ماریا سے کہنے لگا۔

"میں شکل بدل کر باہر نکلوں گا۔ تم دروازہ کھولو۔ وہ لوگ ضرور دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نے سانپ کی جگہ تبدیل کی اور سیڑھیوں کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ ماریا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ باہر عرشے پر سردار نے دروازہ کھلتے دیکھا تو ہلکی سی سیٹی مار کر اپنے آدمیوں کو خبردار کیا اور آگے بڑھا۔ مگر اسے بڑی حیرانی ہوئی اس کا آدمی دروازہ کھول کر باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سیڑھیوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیڑھیاں اندھیرے میں خالی تھیں۔ اس نے آہستہ سے اپنے آدمی کے لیے سیٹی بجائی۔

نیچے سے کسی نے بھی اس سیٹی کا جواب نہ دیا۔

سردار پیچھے ہٹ آیا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں کو عرشے کے کونے میں جنگلے کے پاس لے گیا اور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا۔

"وہ کہاں چلا گیا؟ کیا کسی نے نیچے اسے قتل کر دیا ہے؟ پھر دروازہ کس نے کھولا ہے؟"

"ضرور یہاں کوئی بدروح آگئی ہے سردار!"

"بدروح؟"

سردار بھی توہم پرست تھا۔ یہ لوگ بدروحوں، چڑیلوں اور آسیب سے بہت خوف کھاتے تھے۔ ماریا نے بھی یہی سوچا کہ بجائے انہیں ہلاک کرنے کے انہیں ڈرا کر بھگا دینا چاہیے۔ ماریا ان آدم خوروں کے بالکل قریب عرشے پر کھڑی تھی۔ سردار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں نیچے جا کر مقدس شکار کو تلاش کرتا ہوں۔"

اور اس سے پہلے کہ ماریا اس کو کسی طریقے سے روکتی سردار اندھیرے میں بڑی تیزی سے عرشے کی سیڑھیاں اتر گیا۔ ماریا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ناگ کہاں سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سوچا نیچے ایڈگر اور الزبتھ ہیں۔ سردار نیزہ اور خنجر لیے ہوئے ہے۔ یہ لوگ بڑے ظالم قسم کے آدم خور ہوتے ہیں۔ کہیں الزبتھ یا ایڈگر کو ہلاک ہی نہ کر دے۔ پس وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ اس کے بھاگنے سے تختے پہ آواز پیدا ہوئی تو آدم خوروں نے سہمی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بدروح!"

"شی۔"

"بھاگ چلو۔"

"سردار نیچے گیا ہے۔"

"بدروح ہمیں ہلاک کر دے گی۔"

"سردار بھی ہمیں بھون کر کھا جائے گا۔"

آدم خور اسی قسم کی باتیں کرتے خاموش ہو گئے اور عرشے پہ ایک طرف چھپ کر بیٹھے رہے۔ ماریا سیڑھیاں اترتی چلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گشتی۔ ناگ اس وقت جہاز کے عقب میں رینگتا ہوا جہاز کے پہلو میں آگیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سمندر میں آدم خوروں کی کشتی کہاں پر ہے؟ اس نے دیکھا کہ جہاز کے لنگر کے ساتھ کشتی بندھی ہوئی ہے اور اس میں سات آٹھ آدم خور نیزے کمانیں اور خنجر لئے چھپ کر بیٹھے ہیں۔ گویا وہ حملے کی پوری تیاری کر کے آئے تھے۔

ناگ واپس ہوا۔ اب اسے ماریا نظر نہیں آرہی تھی۔ یہ کہاں چلی گئی؟ دوسرے آدم خور رات کے اندھیرے میں جنگلے کے ساتھ لگ کر عرشے کے تختے پر بیٹھے تھے۔ نیزے انہوں نے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔

ناگ ماریا کی تلاش میں عرشے پر جنگلے کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ اندھیرے میں ایک سیاہ رنگ کا سانپ بھلا کیسے نظر آسکتا تھا۔ لیکن یہ جنگلی لوگ تھے۔ سانپ بچھو کی بو سونگھ لیتے تھے۔ ایک آدم خور نے بیٹھے بیٹھے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"سانپ کی بو آرہی ہے۔"

دوسرے نے ذرا توجہ دی تو اُسے بھی بُو آنے لگی۔ اب سارے آدم خوروں نے سانپ کی بُو سونگھ لی تھی۔ بُو بڑی تیز تھی۔ انہوں نے جلدی سے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ سانپ وہاں نہیں تھا۔ پھر وہ اٹھے اور جدھر سے بُو آرہی تھی ادھر جب

کر چلنے لگے۔ انہوں نے نیزے تان رکھے تھے تاکہ سانپ کو کچل دیا جائے۔ ناگ سانپ کی شکل میں بڑے مزے سے رینگتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس نے فرش پر اپنے پیچھے انسانی قدموں کی چاپ سُنی۔ اس نے پلٹ کر جو دیکھا تو دو آدم خور وحشی نیزے لئے اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

ناگ اگر ذرا سی غفلت کر جاتا تو مارا گیا تھا۔

بس ایک سیکنڈ کا فرق رہ گیا۔ ادھر نیزہ گرا ادھر ناگ تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔ نیزہ عرشے کے فرش کی لکڑی میں دھنس گیا۔ ناگ بھاگ کر سیڑھیاں اتر گیا۔ آدم خور وحشی اسے نیچے جاتا دیکھتے رہ گئے چونکہ سردار کا حکم نہیں تھا اس لئے وہ عرشے پر ہی رہ گئے۔

نیچے کیا ہو رہا تھا؟ یہ بھی معلوم کرتے ہیں۔

سردار کو اس قسم کے بحری جہازوں کے نقشے کا علم تھا اس نے کاریڈار میں جاتے ہی دائیں بائیں کیبن دیکھنے شروع کر دیئے۔ ایڈگر تو باورچی خانے میں تھا۔ الزبتھ نے غلطی کی تھی کہ اپنے کیبن کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ سردار آندھی کی طرح دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اسے اپنے مقدس شکار کی اندر سے بُو آرہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ الزبتھ پلنگ پر نیم دراز تھی۔ الزبتھ نے آدم خور سردار کو لیمپ کی دھیمی روشنی میں پہچان کر چیخ ماردی۔ چیخ کی آواز پر ایڈگر باورچی خانے سے بھاگا۔ ماریا کیبن میں پہلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت تک سردار الزبتھ کا منہ بند کر کے اس کو بغل میں دبوچ کر اسے گھسیٹ رہا تھا۔ یہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس جہاز پر صرف وہ لوگ نہیں ہیں۔

جونہی وہ دروازے سے نکل کر راہ داری یعنی کاریڈار میں آیا ماریا نے اس کے آگے ٹانگ کر دی۔ سردار منہ کے بل گرا الزبتھ بھی اس کے ساتھ ہی گری۔ وہ حیران ہو کر اٹھا کہ اس کے آگے ٹانگ کس نے رکھ دی تھی۔ اندھیرے میں وہ کچھ نہ دیکھ سکا اتنے میں ایڈگر بھی وہاں آگیا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے بندوق سردار کی گردن پہ رکھ کر کہا۔

"خبردار۔ یہیں رک جاؤ"

ایڈگر ان وحشی لوگوں کی کچھ کچھ بولی جانتا تھا۔ سردار ایک بہادر وحشی تھا۔ وہ بندوق سے بالکل نہ گھبرایا۔ بلکہ اس نے چیتے کی طرح پلٹ کر ایڈگر کے ہاتھ سے بندوق اس طرح چھینی کہ ایڈگر آگے کی طرف فرش پہ منہ کے بل گر پڑا۔ سردار اس کی کھوپڑی پہ بندوق کا دستہ مارنے ہی والا تھا کہ ماریا نے پیچھے سے اس کی بندوق پکڑ کر زور سے کھینچی۔ سردار پیچھے کی طرف گرا اور بندوق ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی۔

ایڈگر فرش پر سے اٹھا۔ الزبتھ بھی سردار کی گرفت سے نکل گئی۔ ماریا نے سردار کی گردن پہ ایک گھونسا مارا کہ وہ

بوکھلا گیا کہ یہ مکے کون برسا رہا ہے۔ اتنے میں ناگ بھی وہاں گیا۔ وہ سانپ کی شکل میں تھا۔ آتے ہی اس نے شیر کی شکل اختیار کر لی اور زور سے دھاڑ مار کر سردار کی گردن پہ اپنا پنجہ رکھ دیا۔ سردار فرش پہ پڑے پڑے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے یہ شیر کہاں سے آگیا ہے۔ اس نے سوچا شاید یہ لوگ شیر پکڑ کر لے جا رہے ہیں اور وہ کھل گیا ہے۔

ایڈگر نے جلدی سے سردار کے ہاتھ پیچھے باندھ ڈالے۔

ماریا ابھی چونکہ الزبتھ پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے وہ کچھ نہ بولی اور پرے کھڑی رہی کہ اگر سردار کوئی حرکت کرے تو وہ پھر حملہ کر دے۔ مگر شیر کی وجہ سے سردار کی جان ہوا ہو چکی تھی۔ ایڈگر [illegible] کو کیبن کے اندر دھکیل کر کیبن کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

ناگ پھر سے انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے الزبتھ سے کہا۔

"تم ٹھیک ہو نا الزبتھ؟"

الزبتھ کا دم خشک ہو چکا تھا۔ سانس لیتے ہوئے بولی۔

"خدا نے مجھے بچا لیا۔ مگر یہ شیر ۔۔۔"

ناگ نے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تمہیں کہا تھا ناکہ میرے پاس جادو ہے جس کے زور سے میں جب چاہوں بن جاتا ہوں۔"

الزبتھ [illegible]۔

"اگر تم نہ آتے تو یہ شخص مجھے اغوا کر کے لے جا چکا تھا۔"

ایڈگر اور ناگ الزبتھ کو دوسرے کیبن میں لے گئے۔ انہوں نے اسے اندر پلنگ پر آرام کرنے اور دروازہ اندر سے بند رکھنے کو کہا اور باہر نکل آئے۔ ماریا باہر کھڑی تھی۔ ماریا بولی۔

"ادھر ان سے آدمی کھڑے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"[illegible] میں ان کی کشتی بھی ہے۔ یہ چھ سات آدم خور حملہ کرنے کے [illegible] ہمارے سگنل کا انتظار کر رہے ہیں۔"

ایڈگر بولا۔

"وہ سگنل تو اب نہیں ملے گا۔ ابھی ان سب کو ختم کر دیتا ہوں۔"

"نہیں ایڈگر اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ماریا نے کہا۔ "ان کو بھگانے کا [illegible] کر لوں گی۔"

یہ کہہ کر ماریا اوپر عرشے پر چلی گئی جہاں آدم خور اپنے سرداروں کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ لوگ ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ماریا نے آسمان کی طرف دیکھا۔ رات گہری ہو چکی تھی اور آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر ایک دردناک لمبی آواز بلند کی جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح جنگل میں رات کو بین کر رہی ہو۔

آدم خوروں نے آواز سنی تو خوف زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ماریا نے دوسری بار ان کے بالکل قریب جا کر آواز پھر سے لگائی۔

"بد روح آگئی۔" ایک آدم خور نے چیخ کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی ان سبھوں نے باری باری سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ ماریا زور سے ہنس پڑی۔ آدم خور تیرتے ہوئے کشتی پر آگئے۔ کشتی میں بیٹھے آدم خوروں نے بھی رونے کی آواز سنی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"بد روح آگئی ہے۔"

اتنا سننا تھا کہ سب آدم خور کشتی لے کر ساحل کی طرف چل دیے۔ ماریا انہیں ستاروں کی روشنی میں جزیرے کی طرف جاتے دیکھتی رہی۔ جب کشتی رات کے اندھیرے میں گم ہو گئی تو وہ نیچے آ گئی اور اس نے ناگ کو بتایا۔

"وہ لوگ بھاگ گئے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے بے ہوش آدم خور لڑکے کو [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں سو طریقوں سے باندھا جا ۔ ور وہ فرار ہو جاتے ہیں

لاش کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ سمندر میں گرتے ہی کامیاب ہو جاتے تھے۔

ہوش آگیا اور اس نے جزیرے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پس سردار نے اپنا کام شروع کر دیا۔

اب جہاز پر صرف سردار رہ گیا تھا۔ سردار کیبن میں اکیلا اس نے ہاتھ پیچھے رکھے ہی رکھے کچھ اس طرح سے فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے ہلائے کہ رسی کی گرہ کھل گئی۔ چند سیکنڈ کے اندر تھے۔ وہ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور کر رہا تھا۔ اندر وہ رسی کھول کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب کیبن سے باہر نکل

ایڈگر ناگ اور ماریا نے الزبتھ کو کیبن میں لے جا کر لٹا دیا۔ اس نے اپنے جیتیوں ایسے گھنے بالوں میں لگا چھوٹا دیا اور تسلی دی کہ سردار قید ہو چکا ہے اور اب وہ بے فکر سا چاقو باہر نکالا۔ اسے کیبن کے تالے میں گھمایا اور تالہ ہو کر سو جائے۔ رات زیادہ گزر گئی تھی۔ ماریا اور دوسرے کھل گیا۔ سردار دبے پاؤں کیبن سے باہر راہداری لوگ بھی اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر آرام کرنے کو لیٹ گئے۔ میں نکل آیا۔

جاتے جاتے ناگ نے سوراخ میں سے اندر دیکھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا مقدس شکار کس جگہ

سردار [illegible] ہوئے ہاتھ پشت پر رکھے اونگھ رہا تھا۔ قید ہے مگر اس وقت وہ اپنی جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا۔

اصل میں سردار اونگھ نہیں رہا تھا بلکہ انتظار کر رہا تھا کہ ان لوگوں کے قدموں کی آوازیں آنا بند ہوں، جہاز پر خاموشی چھا جائے اور وہ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب پر عمل کرے۔ جونہی چاروں طرف جہاز پر خاموشی ہوئی۔ آدم خور سردار ہوشیار ہو گیا۔ آدم خور قبیلے کے سردار یونہی سردار نہیں بنا دیئے جاتے تھے۔ انہیں سردار بننے کے لئے بڑے سخت امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جن میں ایک امتحان یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ قید ہو جائیں، تو وہ کیونکر فرار ہوں۔ نہیں

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دوسری رات آئے گا اور اپنے مقدس شکار کو نکال کر لے جائے گا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آیا۔ وہاں اس کے آدمیوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے سمجھ گیا کہ ان کو بھی بھگا دیا گیا ہے۔ سمندر میں کشتی بھی نہیں تھی۔ اس نے عرشے پر سے بانہیں پھیلا کر چھلانگ لگا دی سمندر میں اس کے گرنے کی آواز کسی نے بھی نہ سنی کیونکہ

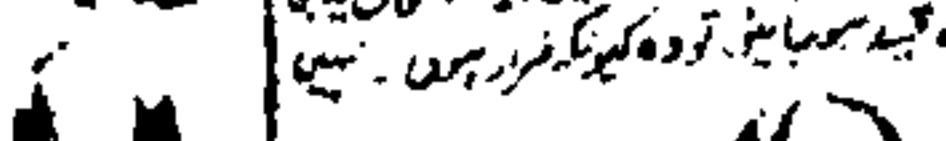

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاز کے کیبن میں سبھی سو رہے تھے۔ سردار تیرتا ہوا جہاز پر پہنچ گیا۔ دوسرے آدم خوروں نے اُسے بتایا کہ جہاز پر بدروح نے حملہ کر دیا تھا۔ سردار نے انہیں ڈانٹ کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔"

پھر اس نے بتایا کہ جہاز پر ایک شیر بھی بند ہے اور یہ لوگ اُسے پکڑ کر کہیں لے جا رہے ہیں۔ بہرحال کل رات ہمیں حملہ کرنا ہوگا۔

"یہ کام میں خود کروں گا۔ دیوتاؤں کا مقدس شکار ہمیں ہر قیمت میں واپس لانا ہوگا۔"

●

آدم خور سردار

●

دوسرے دن آسمان پر کالے بادل چھا گئے۔ نک کا ارادہ تھا کہ جزیرے سے جس قدر جلدی ہو سکے نکل جانا چاہیے۔ ماریا کا بھی یہی خیال تھا مگر ایڈگر نے سیاہ بادلوں اور ہوا کو دیکھ کر کہا کہ اس موسم میں سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

"ہو سکتا ہے سمندر میں طوفان آ جائے اور ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔ کیونکہ جہاز کا ریڈار سسٹم ابھی تک ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا۔"

موسم واقعی خراب ہو رہا تھا۔ تیز ہوا بھی چلنے لگی اور بجلی کڑکنا بھی شروع ہو گئے تھے۔ نک کہنے لگا۔

"تو پھر ہمیں بیکار نہیں بیٹھنا چاہیے اور ریڈار کی مرمت ہی کر دینا چاہیے۔ طوفان کا خطرہ بھی ایک طرف سے ٹلا۔"

ایڈگر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کل تک اگر موسم ٹھیک ہو گیا تو ہم کل شام کو کسی وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ ویسے بھی یہاں ہمیں کوئی زیادہ خطرہ بھی نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے لئے تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں چوکس رہنا ہوگا کیونکہ ایک بریج سے ہم نے جزیرے کے آدم خوروں کا مقدس شکارا اٹھا کر لے آئے ہیں۔"

"آخر وہ کیا کرلیں گے ناگ بھائی؟ ہمارے پاس اسلحہ بارود بازیادہ ہے کہ ہم اس جزیرے کو فتح کرسکتے ہیں۔"

ناگ نے کہا

"ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اور جزیرہ نامعلوم کتنے آدم خوروں سے بھرا پڑا ہے۔"

ہرجیہا کہنے لگی۔

"ایڈگر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی کچھ ناشتہ کا بھی بندوبست ہے؟"

"میں تو بھول ہی گیا۔ کیا الزبتھ بھی جاگ گئی ہے؟"

میں الزبتھ بھی بالوں کو سنوارتی ہوئی عرشے پر آگئی۔ اس نے آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں کو دیکھا تو بولی۔

"موسم خراب ہونے لگا ہے انکل ایڈگر!"

"ہاں بیٹی! اسی لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل روانہ ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے انکل! میں اس جہنم سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

ناگ کہنے لگا۔

"وہ تو ٹھیک ہے الزبتھ مگر خراب موسم میں سفر کرنا درست

نہیں ہوگا۔"

ماریا کچھ کہنے لگی تھی کہ اس خیال سے کہ الزبتھ کو ابھی اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ الزبتھ کچھ ناامید سی ہوگئی۔

ایڈگر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ باورچی خانے میں جا کر ناشتہ کرتے ہیں۔ آج میں تمہیں خالص انگریزی کافی پلاؤں گا۔"

ایڈگر اور الزبتھ نیچے چلے گئے۔ وہاں ماریا اور ناگ رہ گئے۔ ماریا کہنے لگی۔

"عنبر کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ خدا جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"حال تو اس کا اچھا ہی ہوگا ویسے ہمیں پتہ چلنا چاہیئے کہ وہ کہاں پر ہے۔ مجھے امید ہے کہ انگلستان میں الزبتھ اور ایڈگر کو چھوڑ کر ہم یورپ میں ہی کسی جگہ ہمیں مل جائے۔"

ماریا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"چلو پھر ناشتہ کرتے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"تم کیبن میں ہی ٹھہرنا۔ میں تمہارا ناشتہ وہیں لے کر آجاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا جھلا کر بولی۔

"یہ ایک الگ مصیبت ہے۔ آخر ہم کب تک الزبتھ سے اپنا راز چھپائیں گے؟"

"ابھی یہاں سے نکل چلیں تو اس کا تعارف تمہارے ساتھ کروا دیا جائے گا۔"

ماریا اپنے کیبن کی طرف چل دی۔ ناگ باورچی خانے میں آگیا اس نے ایک تھالی میں اپنا اور ماریا کا ناشتہ رکھا اور ماریا کے کیبن میں آگیا۔ الزبتھ نے اسے دو آدمیوں کا ناشتہ لے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے جب ناشتہ کر لیا تو کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ایدگر سے باتیں کرنے لگی۔ موسم زیادہ گہرا ہو گیا۔ بادل جھک آئے تھے۔ الزبتھ اوپر عرشے پر آگئی تو اس نے دیکھا کہ ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور عرشے کا فرش گیلا ہو رہا ہے۔

وہ نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔ راہداری میں ایک کیبن کے قریب سے گزر رہی تھی کہ کیبن کا دروازہ اچانک کھلا اور ماریا کسی کام سے باہر نکلی۔ اس وقت الزبتھ سامنے تھی۔ دونوں کی ٹکر ہو گئی۔ الزبتھ کے منہ سے نکل گیا۔

"معاف کیجیے گا"

مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ کچھ ڈر گئی۔ ماریا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا

تھا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی وہ ایک طرف کھڑی ہو کر الزبتھ کو دیکھنے لگی۔ الزبتھ کچھ حیران سی تھی۔ پھر اس نے کیبن میں جھانک کر دیکھا۔ ناگ اس کی طرف پیٹھ کیے کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ جو حادثہ ہوا تھا اس کو اس کا علم نہیں تھا۔ الزبتھ نے اندر آ کر کہا۔

"ناگ! کیا تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو؟"

ناگ نے چونک کر الزبتھ کو دیکھا۔

"آؤ بیٹھو الزبتھ۔ کیوں خیریت تو ہے؟ آج تمہیں بھوتوں کا خیال کیوں آنے لگا؟"

پھر الزبتھ نے بتایا کہ ابھی ابھی اس کے جسم سے کوئی ہوائی انسان کا جسم ٹکرا گیا ہے۔

ناگ سمجھ گیا کہ ہوائی انسان کون تھا۔ ہنس کر بولا۔

"بھلا ہوائی انسان یہاں کہاں سے آگیا۔ میرا خیال ہے تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"نہیں۔ میں نے اپنے جسم کے ساتھ ایک جسم کو ٹکراتے خود محسوس کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی عورت کا جسم ہے۔"

ناگ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ضرور اس بحری جہاز کے سابق کپتان کی بیوی کی روح ہو گی۔"

"کیا مطلب؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مطلب یہ کہ میں نے سن رکھا ہے کہ اس جہاز کا جو پہلا کپتان تھا اس کی ایک بیوی تھی۔ بڑی سلیقہ مند اور بڑی خوبصورت۔ ایک روز وہ عرشے پہ کھڑی سمندر کی سیر دیکھ رہی تھی کہ اچانک جہاز کو ایک دھچکا لگا اور وہ اچھل کر سمندر میں گر پڑی۔ کسی کو خبر نہ ہوئی اور وہ بے چاری ڈوب گئی۔ کہتے ہیں کئی دنوں تک وہ اس جہاز کے عرشے پہ کھڑی ملاحوں کو دکھائی دیتی رہی۔ پھر لوگوں نے کہا کہ اس کی روح جہاز میں رات کو گشت لگایا کرتی ہے۔"

الزبتھ ڈر گئی۔

"میرے خدا! مجھ تو رات کو اب اکیلے کیبن میں نہیں سو سکوں گی۔ کیا خبر یہ روح مجھے تنگ کرنے پھر آ جائے۔"

ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ روح کسی کو تنگ نہیں کرتی۔ پھر جہاز میں گھومتی پھرتی رہتی ہے۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر ماریا نے دوپہر کے کھانے کے بعد ناگ سے کہہ دیا کہ الزبتھ پہ یہ راز کھول دیا جائے کہ وہ ماریا تھی جس کا غائب جسم اس کے ساتھ ٹکرا گیا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس طرح سے وہ زیادہ ڈرنے لگے گی۔ بہر حال میں ایڈگر انکل سے مشورہ کروں گا۔ اگر اس نے بھی یہی مشورہ دیا تو آج رات کھانے پہ تم دونوں کا تعارف کروا دیا جائے گا۔"

رات کا کھانا باورچی خانے میں ہی لگایا گیا۔ ایڈگر نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا کہ ماریا کا راز الزبتھ پہ ظاہر کر دیا جائے۔ بات ناگ نے شروع کی اور ادھر ادھر کی جادوگری کی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"الزبتھ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ مجھے جادو آتا ہے اور میں جادو کے زور سے کوئی بھی شکل بدل سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ تم سانپ بنے اور پھر شیر بن گئے۔"

ناگ نے کہا۔

"تو اب میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ میری ایک بہن بھی ہے۔"

"بہن! بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر وہ کہاں ہے؟"

"اسی جہاز میں۔"

"اسی جہاز میں؟" الزبتھ نے تعجب سے پوچھا۔ "تم نے آج تک مجھے اس سے ملایا کیوں نہیں۔ کہاں ہے وہ! میں نے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے جہاز میں کہیں نہیں دیکھا۔ انکل ایڈگر نے بھی کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی۔"

ناگ مسکرایا اور کہنے لگا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ میری یہ بہن جو ہے نا اور جس کا نام ماریا ہے اس پر ایک ایسا جادو کر دیا گیا ہے کہ وہ غائب ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ تو سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔"

الزبتھ کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ وہ ٹکٹکی باندھے ناگ کو تک رہی تھی۔

"جادو سے غائب ہے؟ مگر تم تو جادوگر ہو۔ کیا تم اس کے جادو کا توڑ نہیں کر سکتے؟"

"قصہ یہ ہے کہ ماریا پر افریقہ کے ایک بہت بڑے جادوگر نے جادو کر رکھا ہے۔ اس کا علاج اب ایک ہی ہے کہ ایک سال تک میں اس پر منتر پڑھ کر پھونکتا رہوں تو وہ پھر سے انسان کی شکل میں نظر آنے لگے گی۔ اور ابھی صرف دو مہینے گزرے ہیں گویا ابھی ماریا کے نظر آنے میں آٹھ مہینے باقی ہیں۔"

"کہاں ہے وہ؟" الزبتھ نے پوچھا۔

ایڈگر کہنے لگا۔

"صبح کیبن کے سامنے تم جس عورت سے ٹکرا گئی تھی

وہ ماریا ہی تھی۔"

الزبتھ اچھل پڑی۔

"کیا سچ ہے یہ؟ تو کیا وہ بھوت نہیں تھا؟ بحری جہاز کے کپتان کی بیوی کی روح نہیں تھی؟"

"ہرگز نہیں۔" ناگ نے جھٹ کہا۔ "وہ تو میں نے یونہی تمہاری دل لگی کے لئے یا یہ کہ تم سے یہ راز چھپانے کے لئے ایک کہانی بنائی تھی۔ میں تمہیں آرام سے یہ راز بتانا چاہتا تھا۔"

پھر ناگ نے ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ماریا بہن! الزبتھ سے ملو۔"

اب ماریا نے ہنستے ہوئے میٹھے لہجے میں کہا۔

"کیا حال ہے بہن الزبتھ؟"

الزبتھ نے ماریا کی آواز سنی تو ایکدم سے چونک پڑی۔ یہ شیریں آواز اس بائیں جانب والی خالی کرسی سے آئی تھی۔ الزبتھ نے ڈرتے ڈرتے خالی کرسی کی طرف دیکھا اور پھر کھلی کھلی آنکھوں سے کبھی ناگ اور کبھی ایڈگر کی طرف تکنے لگی۔ ایڈگر نے مسکراتے ہوئے اپنی گنجی کھوپڑی کو سہلایا اور بولا۔

"ہاں ہاں بیٹی! اسی کرسی پر ہماری ماریا بیٹھی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ماریا! الزبتھ سے ہاتھ نہیں ملاؤ گی؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الزبتھ نے اچانک محسوس کیا کہ کسی نے اس کا ہاتھ اپنے نرم نرم زنانہ ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ الزبتھ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ ماریا بولی۔

"ڈرو نہیں الزبتھ! میں ماریا ہوں۔ ناگ کی اور تمہاری بہن اس کم بخت افریقہ کے جادوگر کی وجہ سے میں غائب ہوں اور کسی کو نظر نہیں آ رہی۔ ناگ بھیا مجھ پہ منتر پھونک رہا ہے میں اسی سال کے آخر میں پھر سے نظر آنے لگوں گی۔"

ان باتوں سے الزبتھ کی کچھ تسلی ہو گئی تھی۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور اس نے اپنا ہاتھ خالی کرسی کی طرف بڑھایا تو اس کا ہاتھ ماریا کے جسم سے ٹکرا گیا۔ اسے بڑا عجیب لگا کہ وہ ایک ایسی عورت کے جسم کو چھو رہی ہے جو اسے نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے پہلا اور انوکھا تجربہ تھا۔ اس نے ماریا کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کے لمبے ریشمی بالوں کو چھوا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"میں نے کبھی کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی۔"

ناگ ہنس دیا۔

"دیکھی تو تم نے اب بھی نہیں۔"

الزبتھ نے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں آج تک ایسی عورت سے واسطہ نہیں

بڑا جو نظر نہ آ رہی ہو مگر میرے پاس زندہ بیٹھی سانس لے رہی ہو اور میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبا رہی ہو۔"

ماریا اور ایڈگر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس راز پر سے بڑے سکون کے ساتھ اور خیریت کے ساتھ پردہ اٹھ گیا۔ نہیں تو ہمارا خیال تھا پتہ نہیں الزبتھ پہ اس کا کیا اثر ہو۔"

الزبتھ کہنے لگی۔

"تم لوگوں نے کچھ اس طریقے سے یہ راز مجھ پر افشا کیا ہے کہ مجھے کچھ زیادہ عجیب سا نہیں لگا۔"

ایڈگر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں کھانا شروع کر دینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ماریا کے ساتھ یہ کھانا بھی غائب ہو جائے۔"

سب ہنس پڑے اور پھر کھانا کھانے لگے۔

رات کو کھانے کے بعد ماریا اور الزبتھ ایک کیبن میں جا کر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ الزبتھ بڑی خوش تھی کہ اسے جہاز پہ ایک سہیلی مل گئی تھی۔ دوسرے کیبن میں ناگ آرام کر رہا تھا اور ایڈگر ابھی باورچی خانے میں ہی تھا اور اوزار کا ایک پرزہ لا کر اس کی مرمت کر رہا تھا۔

جزیرے پہ رات گہری ہو چکی تھی۔ بادل سمندر پہ جھکے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے اور بارش برابر ہو رہی تھی۔ ہوا اتنی تیز نہیں تھی کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ ہوتا۔ جب رات آدھی گزر گئی اور جہاز میں الزبتھ ملیا، ناگ اور ایڈگر سو گئے تو جزیرے کے ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف روانہ ہوئی۔ اس میں آدم خور سردار اور اس کا ایک وفادار ساتھی سوار تھے۔ ان کے پاس صرف خنجر تھے اور سردار نے ایک مٹی کے آبخورے میں کسی جڑی بوٹی کا تیز عرق ڈال رکھا تھا۔ اس عرق کی بو اس قدر تیز تھی کہ اگر کسی انسان کو سنگھا دی جائے تو وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا تھا۔

کشتی بادلوں والی اندھیری رات میں سمندر میں خاموشی سے جہاز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جہاز پر کہیں بھی روشنی نہیں تھی۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سردار کشتی کو جہاز کے عقب میں جانب لے گیا جہاں جہاز کا لنگر سمندر میں گرا ہوا تھا۔ کشتی بڑے آرام سے لنگر کے پاس لے جا کر رسی کی مدد سے باندھ دی گئی۔ سردار نے اشارے سے اپنے ساتھی کو بتایا کہ وہ اوپر جا رہا ہے۔ اس نے اپنے جسم پر سیاہ رنگ کا کوئی پینٹ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ اندھیرے میں بالکل ہی نظر نہیں آ رہا تھا۔

جہاز کے نشیب و فراز سے سردار واقف ہو چکا تھا۔ وہ ایک بندر کی طرح پھرتی سے آہنی زنجیر سے لٹکتا ہوا جہاز

ے عرشے پر چڑھ گیا۔ مٹی کا آبخورہ اس کے گلے میں لٹک تھا۔ عرشے پر جا کر اس نے جنگلے کے ساتھ ساتھ کھسکتے ئے آگے چلنا شروع کر دیا۔ سیڑھیوں کا دروازہ اس ، بالکل سامنے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ دروازہ بند ہوگا اس ل سے کہ شاید دروازہ کھلا ہو اس نے قریب جا کر اُسے سے اندر کی طرف دبایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا سردار پاس سوچنے کے لئے وقت نہیں تھا۔ وہ سب کچھ پہلے کی طرح چکا ہے۔ اس نے کمر کے گرد لپیٹی ہوئی رسّی کھولی۔ اسے دان کے ساتھ کس کر باندھا پھر اس رسّی کی مدد سے ادان میں داخل ہو کر لٹک گیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ اترنے لگا۔

یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھا۔ لیکن مقدس دیوتاؤں کے شکار واپس لانے کے لئے اسے سب کچھ کرنا ہی تھا خواہ اس کے سردار کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔ وہ آہستہ آہستہ ہوادان اندھیرے میں نیچے اترتا گودام کے اندر پہنچ گیا۔ یہاں تاریکی تھی ں کے پاؤں فرش کے ساتھ لگ گئے۔ رسّی کو وہیں لٹکتے چھوڑ ر سردار احتیاط سے قدم اٹھاتا گودام سے نکل کر راہداری میں ا۔ یہاں ایک دھیما سا لیمپ جل رہا تھا۔ اس نے ایک کیبن باہر لمحہ بھر رک کر کچھ سوچنے کی کوشش کی۔ اندر سے [illegible]

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بُو آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اندر الزبتھ کے علاوہ کوئی دوسرا
عورت بھی سو رہی ہے۔

بدقسمتی دیکھیے کہ رات کو ماریا اور الزبتھ باتوں میں اس
محو ہو گئیں کہ انہیں کیبن کے دروازے کو کنڈی لگانا یاد
نہ رہا۔ آدم خور سردار نے آہستہ سے دروازے کو دبایا تھا۔
وہ اندر کی طرف کھل گیا۔ سردار کی خوشی سے باچھیں کھل
گئیں۔ اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا۔ اندھیرے میں ا
کی آنکھوں نے الزبتھ کو ایک پلنگ پر سوتے ہوئے دیکھ
تھا۔ اس نے دبے پاؤں اس کے قریب جا کر فرش پر
رکھ دیا اور اس کے منہ پر سے ڈھکن کھول دیا۔ پاس
ایک پلنگ خالی تھا۔ یہ سردار کو خالی نظر آ رہا تھا حقیقت
اس پر ماریا گہری نیند سو رہی تھی۔ آبخورے کا ڈھکن
بھی اس میں سے بڑی ہی تیز بو کیبن کی فضا میں شامل ہو
گئی۔ اس کی بو نے بہت جلد الزبتھ اور اس کے ساتھ
ماریا کو بھی بے ہوش کر دیا۔ پانچ منٹ کے بعد آدم خور
اندر آیا۔ اس نے الزبتھ کو ہلا جُلا کر دیکھا۔ وہ مکمل طور
بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ والے پلنگ پر
بھی بے ہوش ہو گئی تھی۔

سردار نے آبخورے کے منہ پر ڈھکن لگا کر ا

سے اپنے گلے میں لٹکایا۔ الزبتھ کو ایک کھلونے کی طرح
اپنے کندھے پر رکھا اور کیبن میں سے نکل کر راہداری
ٹرتا دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کے پاس
دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے بڑی آہستگی کے ساتھ
زے کی کنڈی اتار دی۔ دروازہ کھولا اور باہر عرشے
پھر اس نے سامان میں سے رسّی اوپر کھینچ لی اور
میں جا کر کسی جانور کی ہلکی سی آواز نکالی۔ کشتی میں سوار
ر نے بھی جواب میں اسی قسم کی سیٹی کی آواز منہ سے نکالی
ر نے الزبتھ کی کمر کے گرد رسّی باندھ کر اسے نیچے [illegible]
سردار کا ساتھی کشتی کو جہاز کی دیوار کے بالکل ساتھ لے
بے ہوش الزبتھ کو کشتی میں ڈال کر رسّی کھول دی گئی۔ سردار
طرح لنگر کی زنجیر کو پکڑ کر نیچے کشتی میں اتر آیا۔
نتیجے پر وہ پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کے خیال میں مقدس
بُت نے اس کی مدد کی تھی اس لئے وہ مقدس شکار کو واپس لانے
کامیاب ہو گیا تھا۔ دونوں نے چپو سنبھال لئے اور بڑی تیز رفتاری
سے کشتی کو ساحل کی طرف کھینے لگے۔ یہ جنگلی آدم خور بڑے
ماہر ملاح ہوتے ہیں۔ آن کی آن میں کشتی ساحل کے ساتھ
انہوں نے کشتی کھینچ کر جھاڑیوں میں چھپائی اور بے ہوش

Courtesy www dfbooksfree.pk

بلکہ اگر ہو سکا تو اسے کسی نہ کسی طرح ان آدم خوروں کی تب
سے چھڑا بھی لائے گا۔"

آخر اسی لئے یہ اتفاق کیا گیا کہ ناگ جزیرے پر جائے گا
الزبتھ کو بچا کر کے لائے گا۔ ناگ نے جلدی جلدی تھوڑا بہت
ناشتہ کیا۔ کافی کی ایک پیالی حلق میں انڈیلی اور گرتی بارش میں
عرشے پر آ کر ایک گہرا سانس لیا اور باز کی شکل اختیار کر کے ہوا
میں بلند ہوا اور جزیرے کی طرف پرواز کر گیا۔ بارش میں اگرچہ
اسے اڑنے میں تھوڑی سی دقت ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کے پر گیلے
ہو رہے تھے۔ لیکن چونکہ جزیرہ زیادہ دور نہیں تھا اس لئے وہ
بہت جلد جنگل میں جا کر ایک درخت پر اتر کر اس کی شاخ پر بیٹھ
گیا۔ اس نے جنگل کا جائزہ لیا۔ وہ آدم خوروں کے ٹھکانے سے
کچھ دور تھا۔ وہ پر پھیلا کر اڑا اور اڑتے اڑتے اس جگہ آ گیا جہا
نیچے آدم خوروں کے جھونپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک با
سے اس کی تسلی ہو گئی کہ قربانی کی تیاریاں نہیں ہو رہی تھیں۔ گو
الزبتھ جہاں بھی تھی ابھی زندہ تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کس شکل م
آدم خوروں کے جھونپڑے میں اترے کیونکہ اسے الزبتھ کو تلا
کرنا تھا۔ اگر وہ سانپ بن کر جاتا ہے تو کسی نے دیکھ لیا تو اُ
ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ باز کی شکل میں وہ جھونپڑوں کے
اندر نہیں جا سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ لوگ باز کو دیکھ تیروں سے ما

یسا تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اس بارش میں کوئی بھی شخص
سیر کر کے اپنے کپڑے نہیں بھگو سکتا۔ پھر بھی اس نے ماریا
دی کہ شاید وہ برساتی اوڑھے جنگلے سے ٹیک کر کھڑی ہو
ماریا کو تین مرتبہ پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا۔

اب ایڈگر کو کچھ تشویش ہوئی پھر خیال آیا کہ شاید رات کو ناگ
اندر سے دروازہ بند کرنا بھول گیا ہے۔ اس کی طبیعت بہرحال
کچھ بے چین سی ہو گئی۔ وہ سیڑھیاں اتر کر ناگ کے کیبن میں آیا
اسے جگایا اور پوچھا کہ وہ رات سیڑھیوں والا دروازہ بند کرنا
بھول گیا تھا؟ ناگ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"دروازے کی کنڈی تو میں نے خود لگائی تھی۔"

"تو پھر وہ کس نے کھول دیا؟"

"کیا دروازہ کھلا تھا؟"

"ہاں۔"

ناگ جلدی سے بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھا۔

"جلدی سے الزبتھ کا پتہ کرو۔"

اب ایڈگر بھی پریشان ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی انہیں معلوم
ہو گیا کہ الزبتھ اپنے بستر پر نہیں ہے۔ انہوں نے ماریا کو آوازیں دیں
وہ بھی خاموش تھی۔ ناگ نے اس کے پلنگ کو ٹٹول کر دیکھا ماریا
موجود تھی۔ مگر بے ہوش تھی۔ کیبن میں ایک ناگوار سی بو پھیلی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ بڑی مشکل کے ساتھ ماریا کو ہوش میں لایا گیا۔ وہ کچھ نہ بتا سکی کہ وہ کب اور کس طرح سے بے ہوش ہوئی۔ اصل میں وہ تو سوتے میں ہی بے ہوش کر دی گئی تھی۔ الزبتھ کی گمشدگی کا سن کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"ظاہر ہے جزیرے کے آدم خور رات کو آکر اُسے اٹھا کے لے گئے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"کمال کی بات یہ ہے کہ تم لوگ بھی اپنے کیبن کا تالہ اندر سے لگانا بھول گئے۔"

ماریا نے کہا۔

"بدقسمتی ہو گئی ناگ بھیا! رات ہم باتوں میں اس قدر کھو گئے کہ مجھے نیند نے جکڑ لیا اور ہم تالہ لگانا بھول گئے۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کدھر سے اندر آئے کہ انہوں نے اندر آکر سیڑھیوں کا دروازہ کھول دیا۔"

ناگ بولا۔

"وہ ہوا دان کے ذریعے نیچے گودام میں اترے ہوں گے اور پھر الزبتھ کے کیبن میں آکر کوئی ایسی دوائی انہوں نے سنگھا دی ہوگی جس سے الزبتھ کے ساتھ ساتھ ماریا بھی بے ہوش ہو گئی اور وہ اُسے اٹھا کر لے گئے۔"

ایڈگر نے کہا۔

"ان کے پاس بے ہوش کرنے والی دوائیاں کہاں سے آ گئیں؟"

"ان کے پاس ایسی ایسی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں کہ اگر زخم پر لگا دیں تو اسی وقت زخم مل جائے اور پھر ان جزیروں میں ایسی جڑی بوٹیاں تو عام مل جاتی ہیں کہ جن کے عرق میں سے اس قدر تیز بو نکلتی ہے کہ اگر انسان کچھ دیر اسے سونگھتا رہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے۔"

"الزبتھ کو بھی اس قسم کی کسی بوٹی کا عرق سنگھایا گیا ہوگا۔"

ماریا بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب الزبتھ کو واپس لانے کی ترکیب پر بھی غور کرنا چاہیئے کیونکہ آدم خور تو اب اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"الزبتھ نے مجھے بتایا تھا کہ اسے دیوتا کے تہوار کے دن قربان کیا جائے گا اور تہوار میں ابھی چار روز باقی ہیں۔ کیونکہ یہ تہوار چاند کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے جب چاند کی باریک ہلال آسمان پر شام کے وقت نکلتی ہے اور ابھی چاند نکلنے میں چار دن بچتے ہیں اس طرح سے ہمارے پاس وقت ہے۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الزبتھ کو اٹھا کر جنگل کے اندر لے گئے۔

اسی وقت وہاں سب کو معلوم ہو گیا کہ سردار مقدس منکا لے کر واپس لے آیا ہے۔ آدم خوروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دیوتا ان پر خوش تھے۔ وہ دیوتاؤں کے غصے اور انتقام سے بچ گئے تھے۔ الزبتھ کو اس بار جزیرے میں آدم خوروں کے جھونپڑوں کے درمیان ایک گڑھے کے اندر کھدے ہوئے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا یہ تہہ خانہ ایک قبر کے اندر بنی ہوئی لحد کی طرح تھا۔ اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک انسان بیٹھ سکتا تھا۔ وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اندر پانی کا گھڑا اور کچھ پھل رکھ کر لحد کے منہ پر لکڑی کا جنگلا چڑھا دیا گیا۔ یہ جنگلا اس قدر مضبوط تھا کہ اگر شیر بھی اس پر پنجے مارے تو نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

رات گزری تو بادلوں کی گرج سے سب سے پہلے ایڈگر کی آنکھ کھلی۔ اس نے جاتی لے کر انگیٹھی جلائی اس پر پانی گرم کرنے کے لئے کیتلی رکھی۔ پھر موسم کی خبر لینے اور تازہ ہوا لینے کے لئے کاریڈار میں سے گزرتا سیڑھیاں چڑھ کر عرشے کے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کنڈی کھولنے کی کوشش کی تو دیکھا کہ دروازے کی زنجیر اتری ہوئی تھی۔ حیران ہوا کہ دروازہ اندر سے کس نے کھول دیا۔ سوچا شاید ماریا وغیرہ عرشے پہ تازہ ہوا میں سیر کرنے کو عرشے پہ آ کر

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں سستی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آدم خور الزبتھ کے پھر سے اغوا یا فرار ہو جانے کے ڈر سے اُسے کہیں دور دراز علاقے میں، میرا مطلب ہے جزیرے کے کسی ایسے حصے میں اندر کی طرف لے جائیں کہ ہمیں اس کا سراغ تک نہ مل سکے۔ اس لئے ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرنا چاہیئے۔"

ماریا نے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ کوئی پتہ نہیں یہ آدم خور الزبتھ کو اتنی مہلت نہ دیں۔ ہمیں اس کی زندگی بچانے کے لئے فوراً حرکت میں آ جانا چاہیئے۔ اگر آپ لوگ تیار نہیں ہیں تو میں جا کر الزبتھ کو واپس لانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارا جانا بے کار ہو گا۔ کیونکہ تم الزبتھ کو تو غائب کر نہیں سکو گی۔ ہاں کچھ آدم خوروں کو ہلاک ضرور کر دو گی۔ مگر اس طرح سے ہمارا مقصد حل نہیں ہو گا وہ تو الزبتھ کو پھر بھی مار ڈالیں گے۔"

ایڈگر نے کہا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا الزبتھ کو ہم بھول جائیں؟"

ناگ کہنے لگا۔

"یہ ہم نے کب فیصلہ کیا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اسی جہاز میں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں اور الزبتھ کی خبر لاتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا شکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ باز کے پَر یہ لوگ اپنے سروں پر بڑے شوق سے باندھتے ہیں۔

بلکہ ابھی وہ درختوں کے اوپر اڑ ہی رہا تھا کہ ایک آدم خور کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے تیر چلا دیا۔ کم بخت غضب کے نشانہ باز تھے یہ لوگ۔ زہر آلود تیر ناگ کے بالکل قریب سے ہو کر آسمان کی طرف نکل گیا۔ ناگ بڑی تیزی سے غوطہ کھا کر دوسری طرف نکل گیا۔ پھر وہ ایک گنجان درخت میں اُتر آیا اور سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ سوچتے سوچتے اُسے ایک خیال آگیا۔

کیوں نہ وہ ایک آدم خور کا روپ دھار لے؟ لیکن اس میں ایک مصیبت تھی کہ آدم خور اُسے پہچان جائیں گے کہ یہ کوئی باہر کے قبیلے سے آیا ہے اور یوں اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ سارے آدم خور ایک دوسرے کی شکلوں سے واقف تھے۔ اپنے درمیان ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ شک میں پڑ سکتے تھے اور اس پر حملہ کر سکتے تھے۔ پھر کیا کرنا چاہیئے سوچتے سوچتے ناگ نے آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ اُسے ایک چھوٹا سا پرندہ بن کر نیچے جانا چاہیئے۔ پس وہ ایک چھوٹی سی زرد رنگ کی افریقی چڑیا بن گیا۔ اس قسم کی چڑیاں ان علاقوں میں بہت ہوتی ہیں۔ ناگ چڑیا بن کر آدم خوروں کی جھونپڑیوں کے پاس

ایک بانس پر آکر بیٹھ گیا اور چونچ جھکا کر ان لوگوں کی حرکتوں کا جائزہ لینے لگا۔

اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک آدم خور ایک پیالہ لئے ایک طرف جا رہا ہے۔ ناگ اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔ آدم خور درختوں کے درمیان ایک گڑھے میں اُتر گیا۔ ناگ گڑھے کے کنارے آکر بیٹھ گیا۔ یہی وہ گڑھا تھا جس کے اندر والی کھوہ میں الزبتھ قید تھی۔

•

ناگ نے الزبتھ کو کس طرح آدم خوروں سے بچایا!
عنبر تانبے کی آسمانی مخلوق کے سیارے سے کیسے واپس آیا؟
کیا ماریا اور عنبر دوبارہ مل سکے؟
ان سوالوں کا جواب آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں ملے گا۔

•

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے: عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زدوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

خلائی قبر

اے حمید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

8/-

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی داستان

خلائی قبر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور ● حیدرآباد ● کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

سجاد احمد

باہتمام شیخ نیاز احمد
مطبوعہ [illegible] پرنٹنگ پریس، ہسپتال روڈ لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

SHAD AHMED

اشاعت اول: [illegible]
قیمت: چار روپے

مقامِ اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
نئی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

الزبتھ بچ گئی

ٹنگ جھاڑی کے اوٹ میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ آدم خور پیالہ لے کر گڑھے میں اتر گیا تھا اور اب ڈھلی دیوار کے ساتھ ہی بنی ایک قبر میں [illegible] کے پاس جا کر اس نے پیالہ آگے کر دیا۔ ٹنگ نے دیکھا کہ وہ سے الزبتھ نے ہاتھ باہر کر کے پیالہ تھام لیا۔ شیشے کے پیالے میں دودھ تھا۔ دودھ پی کر الزبتھ نے پیالہ واپس کر دیا۔ آدم خور پیالہ لے کر واپس چلا گیا۔ وہاں دو آدم خور کلہاڑیاں اور نیزے ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہے تھے۔

ٹنگ نے سوچنا شروع کر دیا کہ ان ظالموں کے چنگل سے الزبتھ کو بچانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے!

الزبتھ کو بچانا ضروری تھا اور ٹنگ کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آ رہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو دیوتا ظاہر کرے اور ان کے سامنے آ جائے۔ اس میں ایک خطرہ تھا کہ اگر آدم خوروں کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو وہ اسے اور الزبتھ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر وہ اسے کچھ نہ کہہ سکیں گے تو الزبتھ کو ضرور اسی وقت ہلاک کر دیں گے۔ اس لیے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ ناگ چھپا بنا ابھی تک کھنڈ کے اوپر کنارے پر بیٹھا آدم خوروں کو دیکھ رہا تھا جو وہاں پہرہ دے رہے تھے۔

ان دونوں پہرہ داروں کو ختم کرنا ناگ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس کے بعد الزبتھ کو یہاں سے کیسے نکال کر لے جائے گا؟ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ یہاں سے تو الزبتھ کو نکالا جائے۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر اس نے سانپ کا بھیس بدل لیا اور رینگتا ہوا پہرہ داروں کے عقب میں آ گیا۔

آدم خور بڑے چاق و چوبند ہو کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اس قبر کے آگے کھڑے تھے جس میں الزبتھ قید تھی۔ ناگ رینگتے رینگتے ایک آدم خور کے پیچھے آیا اس نے اچک کر اس کی پنڈلی پر ڈس دیا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ آدم خور زہر کے اثر سے گر پڑا۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا تو ناگ نے اسے بھی ڈس دیا۔ زہر نے ان کے گلے بند کر دیئے تھے اور وہ بول نہ سکتے تھے۔ نہیں تو ہو سکتا تھا کہ وہ چیخ مار کر دوسرے آدم خوروں کو خبردار کر دیتے۔

ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آ گیا اور الزبتھ کو آواز دی۔ الزبتھ قبر سے باہر آ گئی۔

"ناگ بھیا! تم آ گئے؟ مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"جلدی سے اب یہاں سے نکل چلو۔"

آدم خور زمین پر پڑے انہیں وہاں سے بھاگتا دیکھ رہے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ وہ حلق سے آواز نکال سکتے تھے اور نہ اٹھ کر ان پر تیر چلا سکتے تھے۔ ناگ نے الزبتھ کو ساتھ لیا اور جزیرے کے درختوں اور جھاڑیوں کے بیچ سے ہوتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ سامنے سمندر کا کنارہ آ گیا۔ ناگ کو اس جزیرے کے راستوں کا کچھ علم نہیں تھا۔ بدقسمتی سے وہ اس جگہ نکل آیا جہاں آدم خور قربانی کے لیے ایک چبوترہ بنا رہے تھے۔

الزبتھ نے اپنے سامنے آدم خوروں کو دیکھا تو ایکدم سے بولی۔

"ناگ! وہ لوگ......"

اس کی آواز پر آدم خوروں نے چونک کر دیکھا اور الزبتھ کو پہچان کر تیروں کی بارش کر دی۔ سارا کام خراب ہو گیا۔ ناگ نے اسی وقت ایک ہیبت ناک ہاتھی کا روپ بدل لیا اور طوفان کی طرح آدم خوروں کے پاس جا کر انہیں ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ آدم خور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ کئی ایک مارے گئے۔ الزبتھ جھاڑیوں میں سہمی بیٹھی تھی۔ ناگ اس کے پاس آگیا۔

اتنے میں سردار کو بھی خبر ہو گئی کہ لڑکی بھاگ گئی ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں آگیا۔ ناگ انسان کی شکل میں آچکا تھا۔ اس نے الزبتھ سے کہا۔

" الزبتھ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں ان کے دیوتا کا روپ بدلوں اور ان کے سامنے آ جاؤں۔"

پس اس نے ایک ایسی شکل اختیار کی کہ اس کے سر پر لمبے لمبے سینگ تھے اور گلے میں کھوپڑیوں کی مالا اور دونوں ہاتھوں میں انسانی سر تھامے ہوئے تھے۔ اس نے الزبتھ کو ساتھ لیا اور آدم خوروں کے سامنے آکر گرجدار آواز میں بولا۔

" میں دیوتا ہوں۔ سمندروں اور جزیروں کا دیوتا ہوں۔ میں اپنی قربانی کو ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر کسی نے حرکت کی تو میں اسے [illegible] کر بھسم کر دوں گا۔

[illegible] نے جب ایک بھیانک روپ والے دیوتا کو سامنے دیکھا تو ڈر سے پاؤں تک کانپ [illegible] نے ہتھیار پھینک دیئے وہ [illegible] گر گئے [illegible] دیکھ کر دوسرے وحشی بھی سجدے میں گر گئے۔ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی ترکیب کام کر گئی تھی۔ سردار نے [illegible] کہا۔

" [illegible] دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ خود تشریف

لائے۔ آپ کی قربانی حاضر ہے۔"

سردار کی طرف ہاتھ بڑھا کر ناگ نے کہا۔

" میں تم پر بہت خوش ہوں۔ میری دعا ہے اب تمہارے گھر لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں اور تمہارے جزیرے پر پھل خوب لگیں گے۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔"

الزبتھ ناگ کی شکل دیکھ کر ڈر رہی تھی۔ ناگ نے الزبتھ کو اشارہ کیا اور کہا۔

" چلو میرے ساتھ۔"

الزبتھ ناگ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سارے آدم خور پرے پرے ہٹ گئے۔ ناگ نے سوچا کہ وہ اب کدھر جائے گا۔ ایک ہی صورت تھی کہ کشتی میں سوار ہو کر جہاز کی طرف چلا جائے۔ کشتی سمندر کے کنارے رکی ہوئی تھی۔ ناگ اس میں جا کر سوار ہو گیا۔ وہ کشتی میں دیوتا کی طرح کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں انسانی سر پکڑے ہوئے۔ الزبتھ سے اس نے کہا۔

" کشتی کو سمندر کی طرف چلانا شروع کر دو۔"

سردار اپنے آدمیوں کے ساتھ کنارے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ ناگ نے گرج کر کہا۔

" تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ دفع ہو جاؤ نہیں تو میں اس آتش فشاں پہاڑ کا دہکتا ہوا لاوا تم پر گرا دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے ہوم ور ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے سردار بھی چلا گیا۔ وہ ذرا دور درختوں کے پیچھے کھڑے ہو کر ناگ کی طرف دیکھنے لگے۔

ناگ نے کہا۔ "کشتی اور کھلے سمندر میں آگے سے موڑ کر جہاز کی طرف لے آنا"

ربیتو نے کہا۔ "خدا کے لیے اپنی انسانی شکل میں آ جاؤ۔ تمہیں دیکھ کر تو میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "وہ لوگ ابھی تک مجھے دیکھ رہے ہیں اگر میں نے اسی وقت حلیہ بدل لیا تو وہ حملہ کر دیں گے۔"

الزبتھ کشتی کو کھینچتی رہی اور کشتی کھلے سمندر میں آ گئی۔ مگر جہاز ذرا دور کھڑا تھا۔ اب ناگ نے کہا۔

"کشتی کو جہاز کی طرف لے آؤ۔"

جہاز کے اوپر ایڈگر کھڑا تھا۔ ماریا بھی ضرور اس کے پاس ہی کھڑی ہو گی۔ ایڈگر نے جو ایک سینگوں والے دیو کو دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں انسانی سر ہیں اور وہ ربیتو کو کشتی میں لئے جہاز کی طرف بڑھ رہا ہے تو چیخ

مخفی میں جلدی [illegible] ہے۔
[illegible] کے پاس [illegible] لگے گی۔

"گھبراؤ نہیں ایڈگر بھیا! یہ ناگ ہی ہے۔"

"ناگ؟ مگر۔ مگر اس کے سر پہ سینگ ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ ناگ جیسی چاہے شکل اختیار کر سکتا ہے۔"

جہاز کے قریب آ کر ناگ نے اوپر دیکھا اور ایڈگر سے کہا

"ایڈگر بھیا! یہ دو انسانوں کے سر پکڑو۔"

ایڈگر نے اچھل کر کہا

"خدا کے لیے ان کو واپس سمندر میں پھینک کر یہاں آنا۔"

ناگ زور سے ہنسا۔ اس کے ہنسنے سے جہاز ہلنے لگا۔ کیونکہ وہ بہرحال ایک طوفانی دیوتا کے روپ میں تھا۔ الزبتھ نے سہم کر کہا۔

"خدا کے لیے ناگ بھیا اب اپنی شکل میں آ جاؤ۔"

ناگ کہنے لگا۔

"وہ لوگ شاید اب بھی ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ تم شکل بدل لو۔"

ناگ نے گہرا سانس لیا اور دوبارہ اپنی اصل شکل اختیار کر لی۔ الزبتھ نے شکر کا سانس لیا۔ انہوں نے جلدی جلدی جہاز پہ سوار ہو کر کشتی کو اوپر کھینچا۔ سیڑھی کو جنگلے کے ساتھ باندھا اور ناگ نے چلا کر کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لنگر اٹھا کر جہاز کے انجن سٹارٹ کر دو۔

بگل ایڈگر نے اسی وقت لنگر کی کشتی اعلان کر دی۔ زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ جہاز کا لنگر اوپر اٹھنے لگا۔ ایڈگر لپک کر نیچے گیا اور اس نے دونوں انجن چلا دیئے۔ جہاز نے کھلے سمندر کی طرف حرکت شروع کر دی۔ ایڈگر وہاں سے بھاگ کر اوپر برج بیک پر آ گیا اور اس نے وھیل کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا۔ ناگ نے ماریا اور الزبتھ کے ساتھ عرشے پر جا کر دیکھا۔ سارے آدم خور وحشی ساحل سمندر پر کھڑے جہاز کی طرف دیکھ کر زور زور سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔

شاید انہیں احساس ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جہاز کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک ناگ نے کہا۔

"میں ذرا جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

عنبر نے اُسے روکا۔ ماریا نے بھی کہا۔

"اب جانے کی کیا ضرورت ہے ناگ بھیا!"

"میں ذرا تفریح کے طور پر جا رہا ہوں۔"

ناگ نے اسی وقت سفید چڑیا کا روپ بدلا اور

اڑان بھر کر پھرپھر کرتا جزیرے کی طرف اُڑ گیا۔ وہ ہوا میں اُڑتا اُڑتا جزیرے پر پہنچ گیا۔ سردار چند آدم خور وحشیوں کے ساتھ سمندر کے کنارے پر کھڑا غصے میں بول رہا تھا۔ ایک آدم خور کہہ رہا تھا۔

"وہ دیوتا نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔"

سردار کہہ رہا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں نے خود نہیں دیکھا کہ دیوتا کے سر پہ سینگ تھے اور ہاتھ میں انسانی سر تھے۔ کوئی انسان ایسا بھیس بدل سکتا؟"

ناگ اس وقت ان کے سروں کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ وہ درختوں میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے ایک بار پھر اسی دیوتا کا بھیس بدلا اور آدم خوروں کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"کیا تم لوگ مجھ پہ شک کرنے لگے ہو؟ کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ میں تمہارا دیوتا ہوں! جس کو یقین نہیں ہے وہ سامنے آئے تاکہ میں اسے کچا چبا جاؤں۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

"عظیم دیوتا! یہ نادان ہیں۔ بھلا کون ہے جو آپ پر شک کرے گا۔ آپ ہمارے دیوتا ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدم خوروں نے جب دیوتا کو ایک بار پھر اپنے درمیان دیکھا تو ڈر گئے اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔

"دیکھو! میں تمہیں اپنے دیوتا ہونے کا ثبوت دیتا ہوں۔ اب میں شیر کے روپ میں آنے لگا ہوں۔"

اور دوسرے لمحے آدم خوروں نے دیکھا کہ ان کے سامنے دیوتا کی جگہ ایک گھنے بالوں والا شیر کھڑا دھاڑ رہا تھا۔ کئی ایک آدم خور وہاں سے بھاگ اٹھے۔ وہ بے ہوش ہو گئے۔ ناگ نے ایک دم سے شیر کی جگہ ہاتھی کا روپ بدل لیا۔ ہاتھی کو دیکھ کر وحشی لوگ اور زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ ناگ نے ہاتھی کے بعد ایک اژدہا کا روپ بدلا تو سارے آدم خور دیوتا کی جے کے نعرے لگانے لگے اور اژدہا کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔ ناگ اژدہا سے واپس پھر دیوتا کی شکل میں آ گیا اور بولا۔

"اب میں جا رہا ہوں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آج کے بعد سے تم آدم خوری نہیں کرو گے۔ اگر تم نے پھر کسی انسان کو کھایا تو میں اس جزیرے کو سمندر میں غرق کر دوں گا۔"

سردار نے ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

"عظیم دیوتا! ہم تیری قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آئندہ سے ہم کسی انسان کو نہیں کھائیں گے۔"

"بہت خوب۔ لیکن اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی اس وعدے کو توڑا تو مجھے خبر ہو جائے گی اور میں اسی جگہ سے ایسا پتھر پھینکوں گا جو اس جزیرے پر بہت بڑا پہاڑ بن کر گرے گا۔ اور جزیرے کو اپنے ساتھ ہی سمندر میں غرق کر دے گا۔"

سردار نے کہا۔

"عظیم دیوتا! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اب میں جا رہا ہوں۔"

ناگ نے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ سارے آدم خور اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمندر کے اندر داخل ہو گیا۔ جب پانی اُس کے منہ کے پاس آ گیا تو اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور چڑیا بن کر ہوا میں اڑ گیا۔

اُسے چڑیا بن کر اڑتے سردار کے علاوہ دوسرے آدم خوروں نے بھی دیکھا

انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا

"عظیم دیوتا اڑ گیا ہے۔"

جہاز کے عرشے پر ماریا اینگر اور البرٹ کھڑے چڑیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو جہاز کی طرف آتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ البرٹو نے کہا:

"ناگ آ رہا ہے"

ناگ جہاز کے عرشے پر آ کر دوبارہ انسانی شکل میں آ گیا اور مسکرا کر بولا۔

"اب۔۔ وہ کبھی کسی بے گناہ انسان کو ہلاک کر کے نہیں کھائیں گے۔ میں انہیں ایسا ڈرا کر آیا ہوں کہ وہ کبھی انسان کو کھانے کی کبھی جرأت نہیں کریں گے"

ایڈگر نے کہا۔ "یہ بڑا اچھا کام کیا تم نے ناگ! آؤ اب میرے ساتھ برج ہیڈ پر اور ذرا نقشہ دیکھ کر بتاؤ کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں؟"

دونوں برج ہیڈ کی طرف اور البرٹو ماریا کے ساتھ نیچے اپنے کیبن کی طرف آ گئیں۔ ناگ نے نقشہ دیکھا اور پھر جہاز کی سمت معلوم کر کے کہا۔

"[illegible] ایک ڈگری بائیں طرف کو جا رہا ہے"

"مطلب؟" ایڈگر نے پوچھا۔

"[illegible] جہاز کی سمت تھوڑی سی غلط ہے۔ [illegible] طریقے سے [illegible] چلتا رہا تو ہم ایک دو ہفتے کے بعد کسی دوسری جگہ پر پہنچ جائیں گے۔"

ایڈگر نے وہیل کو گھماتے ہوئے کہا۔

"طوفان نے جہاز کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے نیچے جا کر اس کے سٹیئر کو ٹھیک کرنا ہوگا"

ایڈگر نے تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد جہاز کے سٹیئر کو درست کر کے جہاز کی سمت ٹھیک کر دی اور وہ اپنے صحیح راستے پر چلنے لگا۔ جہاز کو ہم اسی جگہ کھلے سمندر میں چھوڑتے ہیں اور واپس چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس عالم میں ہے!

عنبر تانبے کے خول والوں کے ستارے پر لیبارٹری میں اپنے کمرے میں بیٹھا دنیا والوں کے فرار اور دنیا بھر کے انسانوں کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ عظیم سائنس دان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام تک اس کو اپنے زندہ رہنے کا راز بتا دے گا۔ اب عنبر سوچ رہا تھا کہ وہ عظیم سائنس دان کو کیا راز بتائے گا؟ راز صرف اتنا تھا کہ وہ مر نہیں سکتا تھا۔ اور بس ———— اس کا سائنس دان کو کیا فائدہ ہوگا؟ اور وہ کیسے دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے باز رکھے گا؟ عنبر یہی سوچ رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ تانبے کے خول والا سائنس دان [illegible]

"مسٹر عنبر! مجھے امید ہے کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جناب! مجھے یاد ہے۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کو سوائے اس کے کیا بتا سکتا ہوں کہ مجھ پر آگ پتھر اور گولی اثر نہیں کرتی۔"

"پھر اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ تم نے کوئی خاص دوائی پی رکھی ہوگی۔ کوئی خاص انجکشن لگوا رکھا ہوگا۔ بس ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ وہ انجکشن یا دوائی کونسی ہے جس کی وجہ سے تم مر نہیں سکتے اور خاص طور پر آگ تم پر اثر نہیں کر سکتی۔"

سائنس دان کے اس سوال پر عنبر سوچ میں پڑ گیا اس نے سوچا کہ کس طرح ان لوگوں کو دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے روکنا چاہیے اس نے کہا۔

"میں آپ کو دس روز کے بعد بتا سکوں گا۔"

سائنس دان ہنس پڑا۔

"تم دنیا والوں کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو، لیکن میرے دوست! ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تم راز بتاؤ خواہ نہ بتاؤ۔ دنیا والوں کی مکمل بربادی میں صرف چھ روز باقی رہ گئے ہیں۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوچنے لگا۔ یہ کم بخت تو فیصلہ کر چکے ہیں اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل شام کو اپنا راز فاش کر دوں گا۔"

سائنس دان نے کہا۔

"اگر تم نے کل شام تک ہمیں اپنا راز نہ بتایا تو ہم پرسوں ہی دنیا کے سارے انسانوں کو ہلاک کر دیں گے اور یقیناً ان لوگوں میں تمہارے بہن بھائی بھی ہوں گے۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ہم سائنس میں کس قدر ترقی کر چکے ہیں اور ہمارے لئے دنیا کی ساری آکسیجن اور انسانوں کے جسموں سے سارا فاسفورس نکال لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

اتنا کہہ کر سائنس دان چلا گیا۔

عنبر گہری سوچ میں گم گیا۔ رات آ گئی۔ بس رات کیا آئی۔ یونہی باہر ہلکا سا اندھیرا چھا گیا اور بس —— یہ وقت اس ستارے کے لوگوں کے سونے کا وقت تھا۔ وہ وقت دیکھ کر سوتے تھے۔ کیونکہ سورج تو دن میں کئی بار طلوع ہو کر غروب ہوتا تھا۔ عنبر اسی وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ جب اس کے حساب سے رات گہری ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ ستارے کے لوگ گہری نیند میں کھو چکے ہوں گے۔ تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا دیوار کے پاس آیا تو دیوار کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ عنبر خاموشی سے لیبارٹری سے نکل کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

لیبارٹری میں خاموشی تھی۔ شاید عظیم سائنس دان سو گیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر بڑے دروازے سے بھی نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے چاروں طرف دیکھا۔ سورج چمک کر کے ساتویں بار غروب ہو گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد اسے ایک بار پھر مشرق کی طرف سے طلوع ہونا تھا۔ وہ سورج کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

وہ بڑی احتیاط سے چاروں طرف دیکھتا ہوا اس پہاڑی کی طرف روانہ ہوا جس کے غاروں میں اڑن طشتریاں جمع کر رکھی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں سخت پہرہ ہوگا۔ پھر وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھتا چلا گیا۔ پہاڑی کے قریب آ کر اس نے پہرے داروں کو دیکھا جو ہاتھ میں ایٹمی گنیں لیے کھڑے تھے۔ غار کا دروازہ بند تھا۔ عنبر ایک جگہ گول پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ اسے کیا کرنا چاہیئے؟

وقت بہت کم تھا۔ اس نے غور سے جائزہ لیا۔ بائیں جانب سے گول گول پتھروں کی ایک قطار سی پہاڑی کی طرف چلی گئی تھی۔ عنبر نے [illegible] کے پیچھے سے ہو کر پہاڑی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ آخر وہ کمر جھکا کر کھسکتے کھسکتے پہاڑی کے عقب تک پہنچ گیا۔ یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ٹھیک ویسا تھا۔۔۔ وہ بائیں جانب سے ہو کر پہاڑی کی گول دیوار کے ساتھ

ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ دیوار ختم ہوئی تو اسے تانبے کا ایک تار نظر آیا جو دیوار میں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ عنبر نے اسے غور سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ کوئی خفیہ چابی ہے۔ لیکن اس نے تار کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور دیوار جہاں ختم ہوتی تھی وہاں سے آگے جھانکا۔ اُدھر بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ آگے ہوا تو سامنے دو اور تانبے کے خول والے پہرے دار کھڑے تھے۔

ان پہرے داروں کے ہاتھوں میں ایٹمی بندوقیں تھیں۔ ان بندوقوں سے ایک ایسی شعاع نکلتی تھی جو ہر شے کو بھسم کر دیتی تھی۔ عنبر اس بندوق سے نہیں ڈر رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ہر کام خاموشی اور رازداری کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہرے داروں کو دیکھ کر واپس اسی جگہ آ گیا جہاں دیوار میں تانبے کا تار نکلا ہوا تھا۔

◆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلائی قبر

عنبر نے تار کو چھوا۔

اس کا خیال تھا شاید کہیں کوئی خطرے کا الارم بج اٹھے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ رات گزرنے میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا۔ مشکل سے دو گھنٹے باقی تھے پھر سورج نکل آتا تھا۔ اور یہاں سورج ایکدم سے نکل آتا تھا اور آسمان کے بیچ میں آ جاتا تھا۔ عنبر نے تار کو پکڑ کر تھوڑا سا اپنی طرف کھینچا تو بڑی ہی آہستگی سے پتھر کی دیوار ایک جگہ سے ہٹ گئی اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ اڑن طشتریوں کے ہنگروں کی طرف جانے کا کوئی خفیہ راستہ ہو گا۔ اسے بھی کسی ایسے ہی راستے کی تلاش تھی۔ وہ سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ آگے اندھیرا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر اندھیرے میں اسے ایک راستہ نظر آیا۔ یہ تنگ سا راستہ تھا اور پہاڑی کے اندر چلا گیا تھا۔ عنبر نے آگے چلنا شروع کیا۔ راستہ بائیں جانب مڑ گیا۔

اب اسے ہلکی روشنی دکھائی دی۔ عنبر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا روشنی کے زیادہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ سامنے ہال کمرہ ہے اور تین اڑن طشتریاں ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہیں۔ یہ اڑن طشتریاں بڑی خوبصورت اور کافی بڑی تھیں۔ عنبر اڑن طشتریوں کی ایٹمی مشینری سے خوب واقف تھا اور اسے انہیں چلانے کا تجربہ تھا۔ دبے دبے قدم اٹھاتا ہوا وہ ایک اڑن طشتری کے پاس جا کر رک گیا۔

اس نے دیکھا کہ ہر اڑن طشتری کے اوپر پہاڑی کی چھت میں شگاف تھا یہ اس واسطے رکھا گیا تھا تاکہ اڑن طشتری اوپر اٹھ کر پہاڑی سے باہر نکل سکے۔ عنبر نے اڑن طشتری کے دروازے کو جھک کر دیکھا۔ دروازے کے ساتھ ہی زرد رنگ کا ایک ننھا سا بٹن تھا۔ عنبر نے بٹن دبایا۔ دروازہ کھل گیا۔ عنبر اڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔ اس نے گھوم پھر کر اڑن طشتری کی ساری مشینوں کا جائزہ جا کر لیا۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک تھی۔

عنبر نے اس اڑن طشتری میں فرار کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسری اڑن طشتری میں گیا اسے معلوم تھا کہ اڑن طشتری کے کمپیوٹر کنٹرول کے ایک [illegible] سے اگر لال لیا جائے تو اڑن طشتری اڑ نہیں سکتی۔ عنبر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سوراخ میں سے باہر نکل آیا۔ اس نے باہر آ کر تانبے کی تہہ کو دوبارہ کھینچا تو دیوار بالکل مل گئی۔

عنبر واپس لیبارٹری والے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ نقلی کمپیوٹر کنٹرولر اس نے آتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ زمین میں دبا دیئے تھے۔ ایک گھنٹے بعد دن نکل آیا۔ سائنسدان سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔

"ماسٹر عنبر! تمہیں سن کر شاید خوشی نہ ہو کہ تمہاری [illegible] گئے ہونے کا ہمارے آدمیوں نے پرسوں دنیا کے سارے انسانوں پر ایکدم حملے کا پروگرام طے کر لیا ہے۔"

عنبر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس غرض سے اس نے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کے جسموں سے ایکدم سے فاسفورس نکال لیا جائے۔"

شیم سائنسدان ہنسا اور بولا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم لوگ سائنس میں تمہاری دنیا والوں سے بہت آگے ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے زمین پر جو لیبارٹری بنا رکھی ہے اس میں ایک تانبے کی مخروطی مشین لگی ہے۔ اس مشین کا بٹن دبانے سے اس میں سے شعاعیں نکلنی شروع ہو جائیں گی۔ یہ شعاعیں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے ساری دنیا کے انسانوں کے پاس پہنچ کر انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ اور انہیں ہلاک کر کے ان کے جسموں سے سارا فاسفورس نکال کر اسے توانائی میں تبدیل کر کے واپس ہماری لیبارٹری میں پہنچا دیں گی جہاں سے ہم اس توانائی کو فاسفورس میں تبدیل کر کے ایک مشین میں اکٹھا کریں گے۔ اور پھر اسے شعاعوں کی مدد سے اوپر اپنے ستارے پر بیم اپ کر لیں گے۔ کہو اب یقین آیا تمہیں کہ نہیں؟"

عنبر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ سائنس میں ہم سے بہت آگے ہو لیکن اگر کسی حادثے کی وجہ سے تانبے کی مخروطی مشین خراب ہو جائے یا تباہ ہو جائے تو پھر کیا کرو گے؟"

سائنسدان بولا۔

"اول تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ زمین کی لیبارٹری میں اس مشین کی بے حد احتیاط کی جا رہی ہے اور اگر کسی حادثے کی وجہ سے ہماری مشین خراب بھی ہو جاتی ہے تو ہم اوپر سے دوسری مشین نیچے روانہ کر دیں گے۔" عنبر نے کہا۔

"آپ لوگوں کا بیم اپ کرنے والا اسٹیشن تو پہاڑ پر ایک

Courte www. booksfree.pk

عجیب و غریب چیز ہے۔ کاش ہماری دنیا کے سائنسدان آ کر یہاں دیکھیں کہ آپ لوگوں نے سائنس میں کس قدر ترقی کی ہے۔

سائنسدان اپنی تعریف سن کر بے حد خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"ہم نے بڑی محنت کے بعد انسانوں اور سامان کو شعاعوں میں تبدیل کر کے دنیا میں پھینکنے والا سٹیشن بنایا ہے ابھی صرف ایک ہی سٹیشن بن سکا ہے۔ دوسرا سٹیشن اس لئے بھی نہیں بن سکتا کہ اتنی طاقتور شعاعیں اس ستارے پر نہیں ہیں کہ وہ دو سٹیشنوں کو چلا سکیں۔"

عنبر نے بات کو سمجھنا چاہا۔ بولا۔

"فرض کر لیا جائے کہ دوسرے کسی سیارے سے کسی شہاب ثاقب کا ٹکڑا آ کر تمہاری لیبارٹری کے بیم اپ سٹیشن پر گرتا ہے۔ سٹیشن تباہ ہو جاتا ہے تو پھر کیا ہو گا؟"

سائنسدان نے مسکرا کر کہا

"مسٹر عنبر! ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم نے اپنی لیبارٹری کے اوپر دو میل تک ایسی شعاعیں پھیلا رکھی ہیں جو شہاب ثاقب کو اپنی گرمی سے پگھلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس طرح سے ہمارے سٹیشن کو ہرگز ہرگز کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

عنبر نے کہا۔ "نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہو سکتا ہے میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کیا جائے اگر ایسا ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟ کیا آپ پھر بھی اپنے آدمی اور مشینیں نیچے شعاعوں کے ذریعے بھیج سکیں گے؟"

سائنس دان نے کہا۔

"نہیں۔ پھر ہم ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ صرف یہی ایک سٹیشن ہے اور اسی جگہ وہ مشین لگی ہے جو انسان اور سامان کو شعاعوں میں بدل کر انتہائی برق رفتاری کے ساتھ نیچے زمین پر پھینکتی ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی مشین نہیں ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔ "کیا آپ دوسری مشین نہیں بنا سکتے؟"

سائنس دان بولا۔ "بنا سکتے ہیں مگر اس میں بڑی دیر لگے گی۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس مشین میں جو ریڈیم استعمال کیا گیا ہے وہ ایک مشین کے لیے ہی کافی ہے اور یہ ریڈیم ہمارے سیارے کی ساری زمین کا عرق ہے۔ بس اس کے علاوہ ہمارے سیارے پر ریڈیم کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے اور اگر ریڈیم نہیں ہو گا تو دوسری مشین ہمارے لئے بیکار ہو گی۔ کیونکہ ہم اس کے لیے ریڈیم پیدا نہ کر سکیں گے۔ اسی لیے ہمارے آدمی جو زمین پر گئے ہیں انہیں خاص طور پر یہ ہدایت بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی گئی ہے کہ وہ زمین پر سے سارا ریڈیم بھی اکٹھا کر کے لے آئیں۔"

عنبر مسکرایا۔ اس کو جس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی وہ اسے مل چکی تھیں۔ ایک بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ اگر ہیڈ آپ سٹیشن کو تباہ کر دیا جائے تو یہ لوگ تقریباً سائنسی زندگی نہ تو اپنے سیارے سے نیچے ہماری زمین پر ہلاک سکیں گے اور نہ پھر زمین پر گئے ہوئے ان کے آدمی اوپر آ سکیں گے۔ اس وقت عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے تباہ کر کے وہاں سے جائے گا۔

وہ سارا دن اس کس نے ایک انتہائی طاقتور ٹائم بم بنانے میں صرف کر دیا۔ لوہے کا یہ بم چھوٹا سا تھا۔ انتہائی مضبوط اور دس انچ موٹی لوہے کی چادر کے اندر لپٹا ہوا تھا۔ آدھی رات کو اس نے یہ بم ہیڈ آپ شمالی سٹیشن کی خاص ریڈیم والی مشین کے نیچے چھپا کر لگا دیا اور اس کا وقت دو گھنٹے بعد پھٹنے پر مقرر کر دیا۔ گویا اس بم کو دو گھنٹے بعد پھٹ کر سارے سٹیشن کو تباہ و برباد کر کے ان شیطانی لوگوں سے دنیا والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر اس غول پہاڑی کی طرف چلا جہاں اڑن طشتریاں تھیں۔ تانبے کے تار کو کھینچ کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک اڑن طشتری میں جا کر بیٹھ گیا۔ دونوں اڑن طشتریوں کے کچھ کنٹرول اس

نے نکال کر ضائع کر دیئے تھے جن کی وجہ سے اب یہ دونوں اڑن طشتریاں بیکار ہو گئی تھیں اور اڑ نہیں سکتی تھیں۔ عنبر اب جلد سے جلد وہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ ایک بات کا اسے یقین تھا کہ یہ لوگ اڑن طشتری میں بیٹھ کر اس کا تعاقب نہیں کر سکتے۔

اس نے اڑن طشتری میں محسوس کیا کہ وہاں پانی نہیں ہے۔ پانی بنانے والی آکسیجن کی مشین باہر پڑی تھی۔ وہ طشتری سے باہر آ گیا۔ آکسیجن کی مشین کے پاس جا رہا تھا کہ اچانک تانبے کے خول والے پہرے دار کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ کسی کام سے اندر آ گیا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو وہیں سے ریز گن کا فائر کر دیا۔ لیکن عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

عنبر کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ الارم کر کے سب لوگوں کو خبردار نہ کر دے۔ اس نے آگے بڑھ کر پہرے دار کو ایک زوردار دھکا دیا۔ اس دھکے کا پہرے دار پر کوئی اثر نہ ہوا مگر اس کی گن دور جا پڑی۔ عنبر نے تیزی سے لپک کر گن اٹھائی اور فائر کر دیا۔ گن کی شعاعیں پہرے دار پر پڑیں اور اسے جلا کر خاک کر گئیں۔ اس شور کی وجہ سے دوسرا پہرے دار بھی اندر آ گیا۔

اس نے آتے ہی عنبر پر فائر کر دیا۔ ادھر عنبر نے بھی اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا۔ دوسرا پہرے دار بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے پانی بنانے والی آکسیجن اور ہائیڈروجن کی مشین اٹھا اپنی اڑن طشتری میں رکھی۔ دروازہ بند کیا اور پینل پر بیٹھ کر مشین چلا دی۔ بجلی سی آواز کے ساتھ اڑن طشتری زمین پر سے اوپر اٹھی اور بڑے سکون کے ساتھ چھت کے سوراخ میں سے باہر نکل گئی۔ باہر آتے ہی عنبر نے مشین کی رفتار ایک دم تیز کر دی۔

اڑن طشتری ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار کے ساتھ اوپر کو اٹھی۔ ایک زبردست دھکا لگا جس نے عنبر کو اٹھا کر چھت سے چپکا دیا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کی ہڈیوں کا چورا بن جاتا مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ اڑن طشتری نے سیارے کا ایک چکر لگایا۔ اور خلا میں پرواز کر گئی۔

اس کے اڑتے ہی عظیم سائنسدان کو معلوم ہو گیا کہ عنبر فرار ہو گیا ہے۔ اس نے اسی وقت الارم بجا دیا۔ سپاہی عنبر کے تعاقب کے لیے اڑن طشتری کی طرف بھاگے مگر معلوم ہوا کہ دونوں اڑن طشتریاں بیکار ہو چکی ہیں۔ عظیم سائنسدان نے چیخ کر کہا۔

”عنبر کی اڑن طشتری کو راڈار پر تلاش کرو اور شعاعی مشین پہ اس کا زاویہ مقرر کرو۔ میں اس کی طشتری میں جا کر

اسے گرفتار کر کے واپس لاؤں گا۔“

سائنسدان کے ساتھیوں نے ایسا کرنے سے منع کیا۔

”سر آپ ایسا نہ کریں۔ آپ اکیلے اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس پر آگ اثر نہیں کرتی۔“

عظیم سائنسدان نے کہا۔

”میرے پاس بے ہوش کرنے والی دوائی ہے میں اس دوائی کی مدد سے بے ہوش کر کے اڑن طشتری واپس لے آؤں گا۔“

ایسا ہو سکتا تھا۔ بس اسی وقت راڈار پر عنبر کی طشتری کو تلاش کر کے زاویہ مقرر کر دیا گیا۔ سائنسدان بیم اپ والی شعاعی مشین کے سلنڈر میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے سائنسدان نے ٹھیک وقت پر بٹن دبا دیا۔ سائنسدان سیارے سے شعاع بن کر عنبر کی اڑن طشتری میں پہنچ گیا۔ اس وقت عنبر مشین روم میں تھا۔

اچانک اسے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چوکنا ہو گیا اسے احساس ہوا کہ سیارے سے کوئی شعاع بن کر اوپر گیا ہے۔ کیونکہ ابھی شعاعی سٹیشن کے بم کے پھٹنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ عنبر نے اسی وقت ایک آکسیجن ماسک نکال کر چہرے پر پہن لیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جو کوئی بھی سیارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کی طشتری میں آیا ہے۔ وہ اسے بے ہوش کر کے قابو کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور عنبر بے ہوش ہو گا عنبر ہوشیار ہو چکا تھا۔ ادھر عظیم سائنسدان بھی بڑا چالاک تھا اس نے خود بھی ماسک پہن رکھا تھا۔ اور کمرے میں اس نے بے ہوشی کی دوا چھیڑ دی تھی تاکہ عنبر اور [illegible] ہی بے ہوش ہو جائے۔ یہ دوا [illegible] عنبر تیزی سے ایک جگہ مشینوں کے پیچھے چھپ گیا۔

سائنس داں نے جب دیکھا کہ عنبر وہاں نہیں ہے تو اس نے اڑن طشتری کا رخ واپس اپنے سیارے کی طرف موڑ دیا۔ رخ کے مڑتے ہی اڑن طشتری کو ایک دھچکا سا لگا۔ عنبر نے دیوار پر لگی سکرین میں دیکھا کہ اس کی اڑن طشتری واپس مڑ رہی تھی اسے خطرے کا احساس ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ سائنس داں خود اوپر آ گیا ہے اور اس نے اڑن طشتری کا رخ موڑ دیا ہے اب وہ چھپ کر نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔

وہ تیزی سے [illegible] گیا۔

[illegible] سے کر سائنسداں [illegible] کے سامنے کھڑا [illegible] کی [illegible] تھی [illegible] عنبر کو گیس ماسک میں دیکھ کر

سائنس داں کو سخت مایوسی ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر پر حملہ کر دیا تاکہ وہ اس کا گیس ماسک کس طریقے اتار پھینکے۔ مگر سائنس داں بوڑھا تھا۔ اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ عنبر کا مقابلہ کر سکتا۔ عنبر نے اسے اٹھا کر فرش پر دے مارا۔

پھر اس نے جلدی سے بٹن دبا کر اڑن طشتری کا رخ دوبارہ اپنی زمین کی طرف پھیر دیا۔ تب اس نے سائنس داں کو پکڑنا چاہا تو وہ اٹھ کر کمپیوٹر کنٹرول کی طرف بھاگا تاکہ اڑن طشتری کو بیکار کر دے۔ عنبر اچھل کر سائنسداں کے اوپر گرا۔ سائنس داں مگر بچا۔ عنبر نے اسے اٹھا کر دو مشینوں کے درمیان دے مارا۔ سائنسداں وہاں پھنس کر رہ گیا عنبر تانبے کی زنجیر نکال کر سائنسداں کو اسی جگہ جکڑ کر رکھ دیا اس کے بعد عنبر نے ایک خاص بٹن دبایا جس سے اڑن طشتری کی چھت پر ایک سوراخ نمودار ہو گیا۔ یہاں سے تازہ ہوا اندر آنے لگی اور بے ہوشی کی دوائی کا غبار باہر جانا شروع ہو گیا۔ عنبر نے جب دیکھا کہ دوائی کا سارا غبار کمرے سے صاف ہو گیا ہے تو گیس ماسک اتار دیا۔

فضا بالکل صاف ہو چکی تھی۔ عنبر نے چھت کا سوراخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بند کر دیا اور سائنس دان سے کہا۔

"تم انسانیت کے دشمن ہو۔ تم ایک شیطانی دماغ ہو کے طور پر کام کر رہے تھے اور تم نے پوری انسانیت کو تباہ کرنے کا جال پھیلایا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ تم نے انسانوں کو اور زمین کو بچا لیا۔"

سائنسدان نے کہا۔

"عنبر! یہ تمہاری بھول ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ اگر تم نے مجھے ہلاک بھی کر دیا۔ تو میرے ساتھی بیم اپ سٹیشن کی مدد سے شعاعیں پھینک کر تمہاری زمین پہ حملہ کر دیں گے اور تمہاری زمین پہ کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایٹمی شعاعوں سے تمہاری عمارتوں، جھیلوں اور پہاڑوں کو بخارات بنا کر فضاؤں میں اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔ "اور شاید تمہیں بھی یہ علم نہیں ہے کہ تمہارے بیم اپ سٹیشن میں ایک ایسا طاقتور بم لگا آیا ہوں۔ جو آدھ گھنٹے بعد پھٹنے والا ہے اور جو تمہارے سٹیشن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برباد کر کے رکھ دے گا۔"

سائنس دان اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر سنجیدہ آواز میں

"میرے سائنس دان دوسرا سٹیشن بنا لیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس کے لیے ریڈیم کہاں سے لاؤ گے وہ؟ کیا تمہیں

معلوم کہ تمہارے سیارے میں جس قدر ریڈیم تھا وہ سٹیشن تباہ ہو چکا ہے اور اس سٹیشن کے تباہ ہونے کے ساتھ تمہارے سیارے پہ ریڈیم کہیں سے بھی نہیں مل سکے گا۔

سائنس دان خاموش ہو گیا۔ اسے بے بس کر دیا گیا تھا۔ وہ ہو گیا تھا کہ اسے شکست ہو چکی ہے۔ عنبر نے کہا۔

"میں سکرین کھول رہا ہوں۔ تم اس پر اپنے سٹیشن کی باہی کا منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

عنبر نے بڑے ٹیلی ویژن کی سکرین کھول دی اور بٹن دبا سوئی کا رخ سائنسدان کے سیارے کی طرف کر دیا۔ سکرین پر سیارے کی لیبارٹری میں بیم اپ سٹیشن کی تصویر ابھر آئی۔ عنبر بولا۔

"اس تصویر کو پہچانتے ہو نا؟ یہ تمہارے اسی بیم اپ شمالی سٹیشن کی تصویر ہے جس پر تمہیں بڑا فخر ہے۔"

سائنسدان نے دیکھا کہ بیم اپ سٹیشن اس کی لیبارٹری کا تھا اور وہاں اس کے ساتھی سائنسدان بیٹھے کام میں مصروف تھے۔ عنبر نے کہا۔

"ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اسی سٹیشن میں ایک خاص جگہ پر میں نے ایک بڑا ہی طاقتور ٹائم بم لگا رکھا ہے جس کی سوئی بڑی تیزی سے گردش کر رہی ہے۔ اور جب وہ ایک خاص عدد کے بعد جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچے گی تو ایک بھیانک دھماکہ ہو گا۔ اور انسانیت کے دشمن تمہارے سارے منصوبے اور تمہارے سارے شیطانی کے پیچھے سائنسدان ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ اب تم اس سٹیشن کو دیکھتے رہنا۔ کیونکہ بم میں اب صرف ۲۵ منٹ رہ گئے ہیں۔"

عظیم سائنسدان کی عقل جواب دے چکی تھی۔ اسے ہو چکی تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس نے آخری بار عنبر سے اپیل کی اور کہا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم میری جان بخشی کر دو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بعض ایسے قیمتی راز بتا دوں گا کہ تم ساری کائنات پر حکومت کرنے لگو گے۔"

عنبر نے کہا۔

"کائنات پر صرف خدا کی حکومت ہے اور وہی حکومت کے لائق ہے۔ کسی انسان میں اتنا اختیار نہیں ہے کہ کائنات پر حکم چلا سکے اس واسطے تمہاری یہ لالچی باتیں مجھ پر اثر نہیں کر سکتیں۔ تم شیطان کے چیلے ہو بلکہ شیطان ہو۔ اس لیے تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ تم زندہ رہ کر کبھی نہ کبھی ضرور انسانوں کا قتل عام کرنے کے

منصوبے پر عمل شروع کر دو گے۔"

سائنسدان خاموش ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"لیکن مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی آنکھوں سے اپنے سٹیشن کی تباہی کا حال ضرور دیکھ لو"

عنبر نے الٹی گنتی شروع کر دی۔ بم پھٹنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔ سائنسدان کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی تھیں جس پر اس کے شعاعی سٹیشن کی تصویر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھی سائنسدان وہاں مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے اور اپنے بڑے شیطان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ سب شیطانی طاقتوں کے نمائندے ہیں جنہیں بھی اس شیطانی مشین کے ساتھ ہی ختم ہو جانا چاہیے۔"

اب صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔

اب تین منٹ رہ گئے تھے۔

اب صرف ایک منٹ رہ گیا تھا

پھر دس سیکنڈ باقی رہ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"سکرین پر نظریں جمائے رکھنا عظیم سائنسدان بم پھٹنے ہی والا ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ٹھیک جب سوئی بارہ پر پہنچی تو سائنسدان نے دیکھا کہ سکرین پر ابھری ہوئی شمالی سٹیشن کی تصوی ایک ہیبت ناک دھماکہ ہوا جس کی آواز اسے سنائی دیا گر اس نے دیکھا کہ شمالی سٹیشن کی ساری مشین ایک اپنی جگہ سے اچھلیں اور پھر وہاں سوائے گرد اور کے شعلوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ عنبر نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تباہی وبربادی کا یہ آلہ تباہی کا باعث بن گیا۔"

سائنسدان نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور کہا۔ ب میرے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے؟

عنبر نے کہا۔

"فیصلہ میں کر چکا ہوں۔ تمہیں تلبنے سے ایسا میں بند کر کے خلا میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اور پھر ابد تک خلا میں چکر لگاتے رہو گے۔ کسیجن اور کی کمی سے تم اندر ہی ہلاک ہو جاؤ گے لیکن تمہا وش خول میں بند خلاؤں میں بھٹکتی پھرے گی ایک بے عمل روح کی طرح۔

سائنسدان نے کوئی جواب نہ دیا۔ عنبر نے سائنس کو مشینوں کے درمیان سے نکالا۔ الیکٹرک زنجیروں سے کر

یادہ کس دیا۔ پھر اسے لے کر اڑن طشتری کے عقبی ایک چھوٹے سے کمرے میں آگیا۔ جہاں ایک سلنڈر دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ عنبر نے اس کا دروازہ کھول کر کہا۔

"یہ تمہاری خلائی قبر ہو گی۔"

اور پھر شیطانی سائنسدان کو اندر دھکیل کر اس کا دروازہ بند کر کے ویلڈ کر دیا۔ عنبر نے ایک خاص بٹن کو دبا دیا۔ اس بٹن کے دبتے ہی سلنڈر نے اپنی جگہ سے کھسکنا شروع کر دیا۔ عنبر نے دوسری مشین کے پاس جا کر ایک چھوٹے سے لیور کو اوپر کھینچ دیا۔ لیور کے کھنچتے ہی دیوار میں ایک سوراخ نمودار ہو گیا۔ سلنڈر سیدھا ہو کر اس سوراخ کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ سوراخ میں داخل ہو گیا تو عنبر نے ایک سرخ بٹن کو دبا دیا۔ سرخ بٹن کے دبتے ہی سلنڈر میں سے آگ کا نیلا شعلہ بھڑکا ایک دھماکہ ہوا اور سلنڈر راکٹ کی طرح اڑن طشتری کے سوراخ سے نکل کر خلاؤں میں گم ہو گیا۔

عنبر نے چھت کا سوراخ دوبارہ بند کر دیا۔ اس نے انسانیت کے سب سے بڑے قاتل کو ہمیشہ ہمیشہ کے م کر دیا تھا۔ اب وہ کچھ دیر کے بعد سلنڈر کے اندر مر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔ اور پھر اس کی واش سلنڈر کی تہ تک بند خلاؤں
فضا ہونے کب تک بھٹکتی رہے گی۔ عنبر نے اڑن طشتری
کی رفتار اور تیز کر دی۔ وہ روشنی کی رفتار سے آدھی رفتار
پر زمین کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی اڑن طشتری مختلف قسم
کے سیاروں اور ستاروں کے قریب سے گزرتی ہوئی اپنی
منزل کی طرف رواں تھی۔

اڑن طشتری ایک دن اور ایک رات تک سفر کرتی
رہی۔ عنبر پرسوں سے پہلے پہلے زمین پر پہنچ جانا چاہتا تھا
کیونکہ پرسوں شیلاک سائنسدان کے چیلوں نے زمین
[illegible] سے شعاعوں کی طاقتور مشین کے ذریعے سارے انسانوں
کو ہلاک کر دینا تھا دوسرے دن دوپہر کے وقت عنبر نے
[illegible] پر زمین کے گولے کو ابھرتے دیکھا۔ اپنی
پیاری زمین کو دیکھ کر اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی
وہ دیر تک اپنی خوبصورت رنگوں والی زمین کو تکتا رہا جس
کے اوپر نیلے رنگ کے سمندر کی پٹی اور خوبصورت بادل
اور جنگل صرف نظر آ رہے تھے۔

اڑن طشتری بے پناہ رفتار کے ساتھ اڑی جا رہی
تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں ہی زمین کا گولا کافی
بڑا ہو گیا۔ اور اب زمین کے براعظموں کا نقشہ صاف نظر

لگنے لگا تھا۔ اور پھر اڑن طشتری ایک زبردست جھٹکے
کے ساتھ زمین کے مدار میں داخل ہو گئی۔ عنبر نے طشتری
کو کنٹرول کرتے ہوئے اسے اس طرف کر دیا۔ جہاں زمین
کے ایک جنگل میں تانبے کے خول والوں نے جاسوسی کا
سلسلہ قائم کر رکھا تھا اور جہاں خطرناک ہلاکت کی مشین لگی ہوئی

○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایٹمی حملہ

عنبر نے اڑن طشتری کو جنگل میں اتار لیا۔

وہ کافی فاصلے پر اترا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ خلائی سیٹلائٹ پر سیارے کی مخلوق راڈار کے ذریعے اڑن طشتری کو دیکھ لے گی۔ اور اس کا خیال درست تھا۔ خلائی مخلوق نے بھی اڑن طشتری کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید ان کے اپنے آدمی سیارے سے زمین پر آ گئے ہیں۔ وہ اڑن طشتری کی تلاش میں جنگل میں نکل گئے۔ انہیں ایک بات کی بڑی حیرانی تھی کہ اگر یہ ان کے اپنے آدمی تھے تو انہوں نے اڑن طشتری کو خلائی سیٹلائٹ کے قریب کیوں نہیں اتارا؟ یہ انہیں یقین تھا کہ طشتری میں ان کے اپنے آدمی ہی آئے ہوں گے۔ دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ممکن تھا کہ مشین میں خرابی کی وجہ سے وہ خلائی سیٹلائٹ کے قریب نہ اتر سکے ہوں۔

دو خلائی انسان ایٹمی گنیں ہاتھوں میں لیے اڑن طشتری کی تلاش میں جنگل میں نکل آئے تھے۔ وہ کمپیوٹر اور ٹرانسمیٹر کی

مدد سے اڑن طشتری کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر انہوں نے ایک جگہ درختوں کے درمیان طشتری کا سراغ لگا لیا۔ اڑن طشتری کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ طشتری کو چھوا گیا ہے کیونکہ مشین اس حساب سے کام نہیں کر رہی تھیں۔ جس حساب سے ان کے آدمی انہیں چلایا کرتے ہیں۔ ضرور کسی غیر آدمی کے ہاتھ لگے تھے۔ ایک خلائی بولا۔

"یہ زمینی آدمی کی شرارتیں محسوس ہو رہی ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ عنبر ادھر سے اڑن طشتری اڑا کر لے آیا ہے؟"

"ضرور ایسا ہی ہوا ہے۔"

"ہمیں عظیم سائنسدان سے بات کرنی چاہیئے۔"

انہوں نے اسی وقت دوسرے کمرے تک جا کر ٹرانسمیٹر پر عظیم سائنسدان سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں یہ سن کر حیرانی ہوئی کہ عظیم سائنسدان عنبر کی تلاش میں گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔

"تو کیا عنبر فرار ہو چکا ہے؟"

"یہاں بڑی افسوسناک باتیں ہوئی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ عظیم سائنسدان کا پتہ ہے جس کے بارے میں یقین ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے اسے ہلاک کر کے خلا میں پھینک دیا ہے۔ اصل حادثہ یہ ہوا ہے کہ شعاعی مشین بالکل تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس میں عنبر نے ٹائم بم رکھ دیا تھا جس نے پھٹ کر ساری مشینوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب نہ تم لوگ شعاعوں کے ذریعے اوپر آ سکتے ہو اور نہ ہم میں سے کوئی نیچے جا سکتا ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ لیبارٹری میں ایک عجیب قیامت مچی ہے۔ شعاعی مشین کے بغیر ریڈیم یہاں بالکل نہیں ہے اور اگر تم لوگ اڑن طشتری میں ریڈیم لے کر آؤ بھی تو تمہیں کافی دیر لگ جائے گی۔ کیونکہ جس نقطہ سے عنبر اڑن طشتری لے کر نیچے گیا ہے تو اتنی [illegible] [illegible] گے اندر جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

"[illegible] ہمارے بارے میں کیا حکم ہے؟"

"[illegible] لوگ زمینی سٹیشن پر اپنے کام کی رفتار تیز کر دو۔ جو کام تم نے کل کرنا تھا وہ آج ہی کر دو۔ ہم [illegible] سے انتقام لیں گے۔

"[illegible] سے آکسیجن [illegible] مشینوں کے اندر سے [illegible] میں پہنچنے والی مشین [illegible] دو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک

گھنٹے کے اندر اندر زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کا خاتمہ ہو جائے اور تم ایسا کرو کہ سارا فاسفورس آکسیجن اور ریڈیم اڑن طشتری میں رکھ کر اوپر پرواز شروع کر دو۔ رفتار ہرگز ہرگز زیادہ نہ بڑھانا۔ زیادہ سے زیادہ تم ایک پہر میں یہاں پہنچ جاؤ گے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ زمین پر تم لوگ ہلاک کر دیئے جاؤ۔ بس اب جلدی سے اپنا کام شروع کر کے ہمیں اطلاع دو۔"

"یس سر!"

وائرلیس بند کر کے خلائی آدمیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔"

"عنبر کو تلاش کرو۔"

"کہیں وہ اس طشتری میں ہی نہ چھپا ہوا ہو۔"

"تم اسے ڈھونڈو میں خلائی سٹیشن والوں کو وائرلیس پر مشین چلانے کا حکم دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

ایک خلائی آدمی اڑن طشتری کی نچلی منزل کی طرف چلا گیا اور دوسرے نے وائرلیس پر خلائی سٹیشن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد زمین کے خلائی

سٹیشن سے آواز آئی۔

"ہیلو! خلائی سٹیشن نمبر ایک"

"دیکھو! میں تمہیں ایک اہم پیغام دینے والا ہوں میرے حکم کو غور سے سنو!"

"حکم!"

"زمین پر بسنے والے انسانوں کو ہلاک کرنے والی مشین کو . . . ."

ابھی آدھا جملہ ہی اس خلائی مخلوق نے ادا کیا تھا کہ اس کی گردن پر ایک شعاع آ کر چمک گئی۔ ایک دھماکہ ہوا اور خلائی آدمی جل کر راکھ بن گیا۔ وائرلیس پر دوسری طرف سے برابر آوازیں آ رہی تھیں۔

ہیلو! ہیلو! ہیلو!

دھماکے کی آواز پہلی منزل میں دوسرے خلائی آدمی نے بھی سنی تھی۔ وہ سب کام چھوڑ کر اوپر کی طرف بھاگا۔ اس اثنا میں عنبر ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ خلائی آدمی نے اپنے ساتھی کی راکھ دیکھی تو اچھل کر دور ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عنبر وہاں موجود ہے اور اسی نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ چھپنے کی کوشش میں عنبر کے قریب آ گیا۔ اس کی پیٹھ

عنبر کی طرف تھی۔ عنبر کے لیے بڑا آسان نشانہ تھا۔ وہ اس آدمی کو زندہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی گن کا رخ خلائی آدمی کی طرف کر کے بٹن دبا دیا۔

ایک اور دھماکہ ہوا اور دوسرا خلائی آدمی بھی جہنم میں چلا گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر اڑن طشتری سے نکل کر خلائی سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اسے راستے کا علم تھا۔ خلائی سٹیشن کے سارے علاقے سے وہ واقف تھا۔ جنگل کے درختوں میں خلائی سٹیشن کا دروازہ دکھائی دیا جس کا ایک حصہ جنگلی جھاڑیوں کی شاخوں میں نظر آ رہا تھا۔

دروازہ بند تھا۔ عنبر نے بائیں پہلو میں دیوار کے شگاف میں ہاتھ ڈال کر بٹن دبایا۔ دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ عنبر بڑی تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ راہداری نیم تاریک تھی۔ کچھ ایسی دھیمی سی روشنی تھی۔ عنبر جلدی جلدی دبے پاؤں چلتا راہداری کے آگے جا کر بائیں طرف مڑ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ ایک تہہ خانے میں وہ مشین موجود ہے جس کو چلانے سے زمین پر ساری انسانیت ایک منٹ کے اندر اندر تباہ ہو سکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کسی نہ کسی طرح اس [illegible] مشین تک پہنچنا چاہتا تھا۔

تہہ خانے کو جانے والا دروازہ تنگ سا تھا اور اس کے باہر ایک خلائی آدمی سر پر سرخ رنگ کا کولاس پہنے ہاتھ میں ایٹمی گن لیے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کو اس کی ایٹمی گن سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن وہ شور مچا کر سب لوگوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے وہ عنبر کو بے ہوش کرنے والی گیس چھوڑ کر اسے بے ہوش کر سکتے تھے۔ مگر فرض کر لیا کہ وہ گیس ماسک پہن کر بے ہوش ہونے سے بچ جائے تو بھی وہ تیزی سے مشین چلا کر کم از کم اس علاقے میں رہنے والے انسانوں کی زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔

اس لیے عنبر بڑی احتیاط کے ساتھ چل رہا تھا۔

دروازے پر پہرے دیتے خلائی آدمی نے آہٹ سن کر چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ اسی وقت عنبر کی گن کا منہ اس کی طرف اٹھا۔ ایک ہی وقت میں دونوں کی گنوں سے ایٹمی شعاعیں نکل کر ایک دوسرے پر گریں۔ عنبر کے جسم پر گرنے والی ایٹمی شعاعوں نے اس کا کچھ نہ بگاڑا جب کہ عنبر کی گن سے نکلنے والی ایٹمی شعاع نے

[illegible] جسم [illegible] دیا۔

دروازہ تہہ خانے [illegible] جس کی [illegible] مشین میں بنی گئی تھی۔ عنبر [illegible] ہوئے [illegible] دروازے میں سے گزر کر ان سیڑھیوں تک پہنچ گیا تھا جو نیچے تہہ خانے کی مشین کی طرف جا رہی تھیں۔ سیڑھیوں میں ایک بلب جل رہا تھا۔ عنبر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے میں آگیا جس کے وسط میں تباہی کی مشین لگی ہوئی تھی۔

مشین پر سبز بلب جل رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر مشین کی دوسری طرف سے دو خلائی انسان ایٹمی گنیں لے کر اس کے سامنے آگئے اور انہوں نے اپنی زبان میں کہا۔

"کون ہو تم؟"

اور اس سے پہلے کہ عنبر جواب دیتا دوسرے نے گن فائر کر دی۔ ایٹمی شعاع عنبر کے سر پر پڑی اور بجھ گئی۔ دوسرے خلائی انسان نے بھی گن فائر کی مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عنبر نے باری باری دو فائر کیے اور دونوں خلائی آدمی اچھلے، گرے اور پھر دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ بن گئے۔ عنبر نے تیسرا فائر تباہی کی مشین پر کر دیا۔ ایٹمی شعاع مشین سے ٹکرائی تو ایک زبردست دھماکے کے ساتھ نیلا شعلہ بلند ہوا اور مشین نے دھڑا دھڑ جلنا شروع کر دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے خلائی سٹیشن کے خطرے کے الارم بجنے لگے۔ ہر طرف ایک بھگدڑ پڑ گئی۔ خلائی انسان ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ تہہ خانے میں آگ لگ چکی تھی اور اس میں سے نیلے رنگ کا گاڑھا دھواں اوپر آ رہا تھا۔ سب خلائی آدمیوں نے گیس ماسک پہن لیے تھے۔ مگر یہ دھواں عنبر کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا اور اوپر بھی شعلے بھڑک رہے تھے۔ گویا سیڑھیاں آگ میں گھر چکی تھیں۔ چاروں طرف نیلے رنگ کی آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

عنبر ان شعلوں میں سے بڑے آرام سے گزرتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اسے بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے سٹیشن کو تباہ کر کے پوری دنیا کے انسانوں کو تباہی سے بچا لیا تھا۔ خلائی آدمیوں نے آگ میں سے عنبر کو آتے دیکھا تو خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے کیونکہ آگ ان کے لیے موت تھی جبکہ یہ شخص آگ میں سے بڑے آرام سے چلتا باہر آ رہا تھا۔

"اسے گرفتار کر لو۔"

سٹیشن کے خلائی کمانڈر نے حکم دیا۔ اس کے نائب نے کہ

"سر! شاید آپ نہیں جانتے کہ یہ عنبر ہے۔ اس پر کوئی شے اثر نہیں کرتی۔ ہاں اگر کسی طرح اس پر کلوروفارم کی گیس پھینکی جائے تو یہ بے ہوش ہو سکتا ہے۔"

"تو کلوروفارم کی گیس لاؤ۔"

اتنے میں عنبر ان کے قریب آ گیا تھا اور اس نے اپنی ایٹمی گن میں سے دو فائر کر کے دونوں کو بھی جلا کر بنا کر گرا دیا۔ باقی خلائی انسان بھاگ کھڑے ہوئے۔ راہداریوں میں سے بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ رہے۔ سارے کمروں میں آگ پھیل رہی تھی۔ پلاسٹک سٹیل کی دیواریں آگ سے دہک کر پگھلنے لگی تھیں۔

عنبر چاہتا تھا کہ وہ سٹیشن کے دروازے کو بند کر دے تاکہ ان شیطانوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکل سکے۔ اتنے میں اسے ایک پہرے دار نے دیکھا۔ لیکن وہ فوراً جل کر بھسم ہو گیا۔ عنبر دروازے سے نکل کر باہر آ گیا اور سامنے درختوں میں جا کر نشانہ باندھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور خلائی آدمی باہر کو لپکے۔ عنبر اسی انتظار میں تھا۔ اس نے ایٹمی گن کا بٹن دبا دیا۔ گن میں سے شعلوں کی بارش دروازے پر شروع ہو گئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے دیکھتے کتنے ہی خلائی انسان جل کر راکھ بن گئے۔ دروازے کو آگ لگ گئی وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ اردگرد کے پتھر دھماکوں سے اڑ گئے۔ عنبر لپک کر دروازے کے سامنے آ گیا اور اس نے راہداری میں ایٹمی گن فائر کرنی شروع کر دی۔ راہداری میں دھماکے سے آگ لگ گئی۔ راہداری کی آگ آگے بڑھ کر تہہ خانے کی آگ سے مل گئی۔

اب ایک بھیانک دھماکہ ہونے والا تھا۔

عنبر دوڑتا ہوا جنگل میں آ کر اڑن طشتری میں گھس گیا اور اسے چلا دیا۔ اڑن طشتری زمین پر سے بلند ہوئی اور اس نے فضا میں جا کر جنوب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ ابھی عنبر تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ زمین پر جس جگہ جہاں خلائی سٹیشن تھا ایک نیلے رنگ کا شعلہ بھڑک کر آسمان کی طرف بلند ہوا۔ جیسے کوئی بہت بڑا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اور پھر ایک دھماکے کی آواز آئی جس کی لہروں نے اڑن طشتری کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ خلائی شیطانوں کا خلائی سٹیشن تباہ ہو چکا تھا اور اس کے اندر کام کرنے والے سارے کے سارے انسانیت کے دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

عنبر اڑن طشتری کو لے کر آسمان کی جنوب کی طرف نکل گیا۔ وہ کافی بلندی پر جا کر پرواز کرنا چاہتا تھا تاکہ لوگوں کو اڑن طشتری کا علم نہ ہو سکے۔ لیکن زیادہ بلندی پر جانے سے اسے زمین کے نقشے اور جگہوں کو پڑھنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کہاں اور کس علاقے پر پرواز کر رہا ہے۔ آخر اس نے زمین کے قریب آنے کا خطرہ مول لے ہی لیا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ جدید سائنس کے دور میں آ چکا تھا جبکہ جیٹ ہوائی جہاز اڑتے تھے اور مختلف ملکوں کے ماڈرن سکرین ان کی سرحدوں پر لگے ہوئے تھے۔

اس وقت عنبر سپین کے ملک کے اوپر سے گزر رہا تھا کہ جبرالٹر کی چٹانوں پر لگے ہوئے ماڈرن سکرین نے اس کی اڑن طشتری کو دیکھ لیا۔ سپین کی فضائیہ میں کھلبلی مچ گئی کہ یہ کیا شے ان کے ملک کے اوپر پرواز کر رہی ہے۔ اسی وقت سپین کی فضائیہ کے دو زبردست طاقت والے جیٹ طیارے فضا میں بلند ہوئے اور انہوں نے اڑن طشتری کی طرف پرواز شروع کر دی۔ دوسری طرف عنبر نے بھی اپنی سکرین پر دیکھ لیا کہ دو بھیانک جیٹ طیارے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عنبر مسکرایا۔ وہ ان لوگوں سے ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھیل تماشہ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اڑن طشتری کی رفتار تیز کر کے اس کا رُخ اوپر کی طرف کر دیا۔ اڑن طشتری دیکھتے دیکھتے۔ جیٹ ہوابازوں کے سکرین سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے نیچے کنٹرول سے کہا۔

"اڑن طشتری غائب ہو گئی ہے۔ وہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہی ہے"

نیچے سے آواز آئی

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ضرور یہیں کہیں ہو گی اسے تلاش کرو۔ وہ ہمارے ملک کی سلامتی کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"

"او کے سر"

مگر جیٹ میں بھلا اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ پچاس ساٹھ ہزار میل فی منٹ کی رفتار سے اڑنے والی اڑن طشتری کا مقابلہ کر سکتے۔ چند لمحے ہی بھٹکنے کے بعد انہوں نے کنٹرول کو اطلاع دی کہ اڑن طشتری کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔

"تلاش جاری رکھی جائے"

اب عنبر اڑن طشتری کو نیچے جھکا کر کے جیٹ طیاروں سے اوپر لے آیا۔ ہوابازوں نے ایک دوسرے کو وائرلیس پر اڑن طشتری کی اطلاع دی اور کنٹرول سے کہا۔

"وہ چیز نظر آ گئی ہے۔ وہ ہمارے بالکل اوپر ہے۔ ہم خطرے میں ہیں۔"

"اسے تباہ کر دو۔"

یہ کنٹرول والوں کا ایک اعتماد حکم تھا۔ ہوابازوں نے جیٹ کا منہ اوپر کر کے اڑن طشتری پر فائر کیا۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اڑن طشتری جس دھات سے بنائی گئی تھی اس پر آگ یا بارود اثر نہیں کرتا تھا۔ راکٹ اڑن طشتری کے پیندے سے ٹکرا کر پلٹا اور فضا میں بکھر گیا اور اڑن طشتری ویسے ہی اڑتی رہی۔ ہوابازوں نے دوسرا تیسرا اور چوتھا راکٹ چھوڑ دیا

ان راکٹوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ اب وہ گھبرا گئے کہ اگر اڑن طشتری نے حملہ کر دیا تو شاید وہ زندہ نہ بچ سکیں گے۔ انہوں نے نیچے کنٹرول کو اطلاع کر دی کہ ہمارے راکٹ اڑن طشتری کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ کنٹرول روم نے کہا۔

"فوراً نیچے آ جاؤ"

جیٹ ہوائی جہاز فوراً نکلنے لگے تو اڑن طشتری سے ایک شعاع نکلی جس نے دونوں ہوائی جہازوں پر گر کر ان کے ایک ایک انجن کو تباہ کر دیا جہاز ڈگمگائے۔ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکل سے کنٹرول کر لیا۔ عنبر نے اوپر وائرلیس پر ہوا بازوں سے کہا۔

"تم لوگ احمق ہو۔ میں کوئی خلائی انسان نہیں ہوں بلکہ تمہاری زمین کا ایک انسان ہوں۔ مجھ سے بات کرنے کی بجائے تم نے مجھے ہٹ کرنے اور میری اڑن طشتری کو تباہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ تم کتنے احمق ہو۔ میں تمہارے ایک ایک جہاز کو تباہ کر سکتا ہوں بلکہ تمہاری زمین کا بلاسے ہے میں چاہتا تو تمہارے جہازوں کے ٹکڑے بھی اڑا سکتا تھا۔ لیکن میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلتا پھروں۔"

ہوا باز نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"کہہ جو دیا کہ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔"

"یہ طشتری کہاں سے لائے ہو؟"

"یہ سب میں نیچے آ کر تمہیں بتاؤں گا۔ میں یہاں آ کر سپین کی سرزمین پر پہنچ بجو ماما اور بھائی بیگ کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نیچے اتر رہا ہوں۔"

ہوا باز نے کہا۔

"ہو سکتا ہے تم ہماری زمین کے لیے خطرناک ثابت ہو۔ اس لئے میں کنٹرول سے اجازت لئے بغیر تمہیں نیچے تک

یہ اترنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"میں تمہاری اور تمہارے کنٹرول والوں کی اجازت کے بغیر بھی نیچے اتر سکتا ہوں۔"

"ہم تمہیں اڑا دیں گے۔"

"وہ تم اڑانے کی کوشش کر چکے ہو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے گولے اور راکٹ مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہے۔"

"ہم تمہاری طشتری پر آگ کی بارش کر دیں گے۔"

"اس طرح سے یہ اڑن طشتری تباہ ہو جائے گی۔ میں نہیں مر سکتا۔ یہ اڑن طشتری ایک سائنس کی حیرت انگیز ایجاد ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا کنٹرول ٹاور اتنا احمق نہیں ہے کہ وہ سائنس کی اتنی قیمتی شے برباد کر دے۔"

کنٹرول والوں سے بات کی گئی تو انہوں نے کہا۔

"اڑن طشتری کو اترنے کی اجازت دے دو۔"

عنبر نے کہا

"شکریہ! دوستو! میں نیچے آ رہا ہوں۔"

دونوں جیٹ ہوائی جہاز عنبر کے راستے سے ہٹ گئے۔ کنٹرول ٹاور نے عنبر کی رہنمائی شروع کر دی۔ اصل میں وہ اڑن طشتری کو اپنی مرضی کے مطابق اتارنا چاہتے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ جگہ تھی ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنی ہوئی تجربہ گاہ جہاں ان
سپین میں ایٹمی راکٹوں پر تحقیق ہو رہی تھی۔ عنبر نے اس
کوئی احتیاط نہ کی اور اس نے اڑن طشتری پہاڑی کے
ایک بند چاردیواری کے اندر اتار دی۔

اڑن طشتری کو سپاہی مسلح آدمیوں نے گھیرے میں لے
لیا۔ انہوں نے مشین گنیں اٹھا رکھی تھیں۔ اور ان کا رخ اڑن
طشتری کی طرف تھا۔ اڑن طشتری کا دروازہ کھلا اور اس میں
سے عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے فوجی مشین گنیں
سیدھے اس کو گھیرے میں لیے کھڑے ہیں تو اسے بڑا غصہ
کہ یہ کم بخت کیا حرکت کر رہے ہیں۔ اچھا انہیں سبق
سکھایا جائے۔ نہیں انہیں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

یہ سوچ کر عنبر نے باہر آ کر ایک میجر سے کہا۔

"السلام علیکم! کیا یہ سپین کا ملک ہے؟"

میجر نے کہا۔

"ہاں! کیا تم مسلمان ہو؟"

"ہاں میں مسلمان ہوں اور ایک ایسے سیارے سے
آیا ہوں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے۔"

میجر نے اپنے فوجیوں کی طرف دیکھا اور عنبر سے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو رسمی طور پر ہم حراست

لے رہے ہیں۔"

دراصل اوپر والی کمانڈ سے انہیں حکم دیا گیا کہ فوراً
طشتری کا معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی
ہتھیار ہو جس سے جو کوئی بھی اڑن طشتری سے نکلے
اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آیا جائے۔ بس حراست
میں لیا جائے۔

عنبر نے سوچا کہ ابھی ان سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ کیپ
دوست پڑی ہے۔ وہ تو سپین میں ہے۔ وہ آگ ا کوشش
کرنے آیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کی کیا
ہے۔ عنبر نے یہ سوچ کر کہا۔

عجیب بات ہے آپ لوگ بے حکومت میں سے سکتے ہو لیکن
اس اڑن طشتری کی کوشش نہیں سکتے۔ میں نے دروازہ
کر دیا ہے۔ اب اس دروازے کو تمہاری ساری
کی ساری گولیاں بھی نہیں کھول سکتیں تم اس کے دروازے
کو توڑ کر اندر جا سکتے ہو لیکن یاد رکھو کہ میں نے اندر
ایک بٹن ایسا رکھ دیا ہے کہ دروازہ کھلنے یا ٹوٹنے سے
ہی پھٹ کر تمہارے ملک کی آدھی آبادی کو ایک سیکنڈ
کے اندر اندر بلاک کر کے رکھ دے گا۔"

اس دھمکی کا بڑا اثر ہوا۔ میجر نے حکم دے دیا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اڑن طشتری کے قریب بھی نہ جایا جائے۔ اس [illegible] سلسلے میں ہائی کمانڈ کو بھی اطلاع کر دی۔ اوپر سے یہی حکم آیا کہ اڑن طشتری کو حفاظت میں لے لیا جائے اور اس کے دروازے کے قریب کسی کو نہ جانے جانے۔ عنبر کو حراست میں لے کر اسی پہاڑی کے زیریں قلعے کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ان لوگوں کو ابھی عنبر کی طاقت کے بارے کچھ علم نہیں تھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی۔ کہ عنبر سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ دو میجر عنبر کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور انہوں نے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔

عنبر ان کے سوالوں کے ہنس ہنس کر جواب دے رہا تھا۔

"تمہارا نام؟"

"عنبر"

"کیا تم مسلمان ہو؟"

"ہاں"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"آسمان کے ایک سیارے سے جہاں بھی مسلمان آباد ہیں"

اس پر دونوں میجر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے گویا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ عنبر سچ بول رہا ہے۔ لیکن

طشتری اس بات کا بیّن ثبوت تھا کہ وہ آسمان سے آیا ہے۔ ایک میجر نے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ تمہارے جہاز میں ایٹم بم لگا ہوا ہے کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تم ایک انتہائی خطرناک ایٹم بم لے کر ہمارے ملک میں آئے ہو کیا یہ جرم نہیں ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "میں خود نہیں اترا بلکہ اتارا گیا ہوں۔"

اس پر وہ دونوں میجر لاجواب سے ہو گئے۔ عنبر نے کہا "ایٹم بم میری اڑن طشتری میں لگا ہوا ہے وہ اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک کہ میرے علاوہ کوئی اس کا دروازہ نہیں کھولتا۔ اسی لئے میں نے آپ لوگوں کو خبردار کر دیا ہے کہ کوئی شخص بھی میری اڑن طشتری میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔"

اچانک ایک میجر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم کسی سیارے سے نہیں آئے بلکہ تم دشمن کے جاسوس ہو اور ایک ہوائی جہاز کو اڑن طشتری کی شکل دے کر ہمارے علاقے کی جاسوسی کرتے پھر رہے تھے اور ہمارے فوجی اڈوں کی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تصویریں اُتار رہے تھے۔ کیوں نہ اس جرم میں تمہیں
سے اڑا دیا جائے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"کیا مطلب؟" میجر نے حیرانی سے پوچھا۔ "یعنی تم مر جاؤ گے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟"

عنبر نے کہا۔ "میں مروں گا تو فرق پڑے گا نا۔ اگر میں مروں ہی نہ تو پھر!"

میجر پریشان ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ایک چالاک شخص ہے اور انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ میجر نے عنبر کے ساتھ تشدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ شخص تشدد کے بعد سارا راز اگل دے گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کس ملک کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس وقت عنبر کو لفٹ کے ذریعے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں انسانوں کو اذیت دینے کا سارا سامان لگا ہوا تھا۔ شکنجے تھے۔ کانٹے دار تختے تھے اور بجلی کا جھٹکا دینے والی مشینیں تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ ان لوگوں کے ارادے کیا ہیں۔ وہ دل میں اُن کی عقل پر ہنسا کہ احمق آدمیوں کو کچھ تو سوچ

مجھ پر اس قسم کی اذیتوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اس
سوچا کہ چلو تھوڑی دیر کے لیے تماشہ ہی سہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر کی لاش

ہسپانوی فوج کا ایک جنرل آکر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

دونوں مجرمس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ عنبر کو ایک چوکی پر بٹھا دیا گیا۔ دو جلاد اس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ جنرل نے کہا۔

"میں تمہیں ایک بار پھر موقع دیتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوچھنا چاہتے ہیں اس کے صحیح صحیح جواب ہمیں دے دو۔ نہیں تو خواہ مخواہ سخت تکلیف اٹھا کر بھی تم بک پڑو گے"

عنبر نے بڑے اطمینان سے کہا

"آپ لوگ میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے، مگر میرا خیال ہے کہ آپ اپنے سارے ہتھیار مجھ پر استعمال کر کے دیکھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی آپ کو اپنی شکست تسلیم کرنی پڑے گی۔"

جنرل نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد نے عنبر کی گردن کے گرد اور دونوں کلائیوں کے گرد [illegible] باندھ دیں۔ اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جب [illegible] تب جلاد نے سوئچ آن کر دیا۔ بجلی کی تیز [illegible] نکل کر ننگی تاروں میں سے ہوتی عنبر کے جسم سے ٹکرائی۔ عنبر خاموش بیٹھا مسکراتا رہا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ جنرل نے جلاد کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"سوئچ بورڈ ٹھیک کرو۔ بجلی فیل ہو گئی ہے۔"

جلاد نے اسی وقت لپک کر بجلی کو چیک کیا۔ بجلی کی رو برابر تاروں میں آ رہی تھی۔

"سر! بجلی ٹھیک آ رہی ہے"

"پھر اس پر اثر کیوں نہیں ہو رہا" جنرل چلایا۔

جلاد نے دوبارہ سوئچ کو آن کیا۔ بجلی تیزی سے عنبر کے جسم سے ٹکرائی اور اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جلاد نے جنرل کی طرف دیکھا۔ جنرل بھی حیران تھے کہ معاملہ کیا ہے۔

جنرل اٹھ کر عنبر کے قریب آیا۔

"بجلی بند کر دو"

بجلی کی رو کاٹ دی گئی۔ جنرل نے [illegible]

"دوسری تانبے کی تاریں گیلی کر کے اس شخص کے جسم سے باندھی جائیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی وقت دوسری تاریں وہیں لائی گئیں اور جنرل کے سامنے عنبر کے سارے جسم پر باندھ دی گئیں۔ اور جنرل نے اپنی نگرانی میں کروا کر پھر سے چیک کرایا اور پلگ لگا کر کہا۔

"اب آن کر دو۔"

سب پیچھے ہٹ گئے۔ بٹن دبا دیا گیا۔ پلگ میں سے ایک ننھا سا شعلہ نکلا۔ جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ بجلی کی رو آ گئی ہے مگر عنبر اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھا مسکراتا رہا۔ کہنے لگا۔

"جی آپ کچھ اور تماشے بھی دیکھیں گے میں تو محض تماشہ دیکھنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔ آپ کو جو کرنا ہے پہلے کر لیں۔ اس کے بعد میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔"

جنرل نے میجروں کی طرف دیکھ کر اپنی زبان میں کہا

"ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

ایک میجر بولا۔ سر! ڈاکٹر کو بلا کر اس کا جسمانی معائنہ کرایا جائے۔

اسی وقت فوجی ڈاکٹر کو بلا لیا گیا۔ ڈاکٹر نے عنبر کے سارے جسم کو چیک کیا۔ پھر بولا۔

"ہر شے اپنی جگہ پہ ٹھیک کام کر رہی ہے۔"

"پھر اس پر بجلی کے کرنٹ کا اثر کیوں نہیں ہو رہا؟"

ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔

"اس کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔ یہ تو خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔"

جنرل نے چیخ کر کہا۔

"تم لوگ احمق ہو۔ ہٹ جاؤ یہاں سے۔"

پھر اس نے جلاد کو حکم دیا۔ کہ عنبر کے دونوں پاؤں شکنجے میں جکڑ کر اس کے ٹخنے توڑ دیے جائیں۔ عنبر مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک امتحان اور سہی۔"

جلاد نے موٹی رسی عنبر کے دونوں ٹخنوں میں باندھی اور اس کا سرا شکنجے کی مشین کے ساتھ باندھ دیا۔ جنرل نے حکم دیا اور مشین کا بٹن دبا دیا گیا۔ مشین کی چرخی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ رسی اس کے اردگرد لپٹتی جا رہی تھی۔ عنبر کے ٹخنوں کے گرد رسی کسی جانے لگی۔ جب رسی خوب تن گئی اور ایسا لگ رہا ہے کہ بس اب ایک سیکنڈ میں عنبر کے دونوں ٹخنے کڑاک کی آواز ساتھ ٹوٹ جائیں گے جنرل نے کہا۔

"میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ بتاؤ تم کس ملک سے آئے ہو اور تمہارے دوسرے ساتھی سپین میں کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناں کام کر رہے ہیں؟

عنبر نے کہا۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

عنبر نے یونہی مذاق میں ایسا کہہ دیا تھا۔ وہ جنرل کو غصہ دلانا چاہتا تھا کہ وہ اپنا آخری ہتھیار بھی اس پر استعمال کرے تاکہ بعد میں عنبر اس کا بدلہ لے سکے۔

جنرل نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ جلاد نے مشین کو چلا دیا۔ چرخی آہستہ آہستہ الٹے رخ گھومنے لگی۔ وہاں جو لوگ کھڑے تھے وہ ٹکڑے ٹکڑنے کی آواز کا انتظار کرنے لگے بس اب ہڈیاں ٹوٹی کہ ٹوٹیں۔

کڑاک کی آواز آئی۔ سب نے ایک سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کر لیں دوبارہ آنکھیں کھولیں تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ ان کے سامنے عنبر بڑے سکون سے بیٹھا تھا اور چرخی کی رسی ٹوٹ چکی تھی۔ یہ آواز عنبر کے ٹخنوں کے ٹوٹنے کی نہیں بلکہ رسی کے ٹوٹنے کی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چرخی بے حد مضبوط تھی۔ رسی بھی بے حد مضبوط تھی۔ ان کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایسا کیوں کر ہو گیا۔ جنرل نے قریب آ کر عنبر کے ٹخنوں کو غور سے دیکھا۔ [illegible] بھی اس کی ہڈیوں کا [illegible] مگر وہاں تو

رسی کا ہلکا نشان بھی نہیں تھا۔

ٹخنے کی ہڈیاں اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک سلامت تھیں۔ وہ چکرا کر رہ گیا اس نے اذیت کا تیسرا طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے حکم سے جلاد نے عنبر کو ایک ستون کے ساتھ خوب کس کر باندھ دیا پھر ایک سپاہی رائفل لے کر تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے جنرل کے حکم سے عنبر کی ران کا نشانہ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ عنبر کی ران کو گولی مار کر زخمی کر دیا جائے تاکہ اسے تکلیف بھی ہو اور وہ مرے بھی نہ۔

عنبر یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس نے اتنا کہا:

"جنرل! تم اپنی گولی ضائع کرو گے۔"

جنرل نے کہا۔

"اس بار ایسا نہ ہو سکے گا۔ مسٹر عنبر! میں اگر چاہوں تو یہ گولی تمہارے دل کے پار ہو سکتی ہے؟"

عنبر نے قہقہہ لگایا۔

"جنرل تم لوگ میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں [illegible] نے نو سو سال تک حکومت کی ہے۔ میں ان کی [illegible] یادگاروں کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں سے میرا اس طرف وقت ضائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ تک تمہاری شاندار گاڑی میں بیٹھ کر اب قرطبہ اور غرناطہ کے خوبصورت علاقوں کی سیر کروں گا۔

جنرل نے ہاتھ کا اشارہ کر دیا۔ سپاہی نے ٹریگر دبا دیا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ رائفل میں سے گولی نکلی اور سیدھی عنبر کی ران پر جا لگی سب نے دیکھا کہ گولی عنبر کی ران کے ساتھ لگ کر اچھلی اور ساتھ والی دیوار سے ٹکرا کر ایک میز کے کنارے کو توڑتی ہوئی فرش میں جا گھسی۔

جنرل اور ڈاکو بھاگ کر عنبر کے پاس گئے اور انہوں نے غور سے اس کے زخم کو تلاش کرنا شروع کیا جو دراصل کہیں بھی نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گولی اس کی ران میں سے نکل کر دیوار سے ٹکراتی ہوئی فرش تک پہنچی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ گولی عنبر کی ران کے گوشت سے اچٹ کر دیوار تک گزری ہے۔ یہ واقعہ ڈاکو کو حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے سرنج سے کہ اس کی سوئی عنبر کی ران میں داخل کرنے کی کوشش کی مگر عنبر کا

جسم تو گویا ربڑ کا بن گیا تھا۔ سوئی ٹوٹ کر رہ گئی۔

ڈاکو نے جنرل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جنرل! یہ میں خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھ رہا ہوں۔ میرا علم یہاں بے بس ہو گیا ہے۔"

جنرل نے بھی جھک کر عنبر کی ران کو دیکھا۔ گولی کا زخم و نشان تک نہ تھا۔ البتہ سرنج کی ٹوٹی ہوئی سوئی ڈاکو کے ہاتھ میں پکڑی رہ گئی تھی۔ میجر بھی تعجب کر رہے تھے۔ آخر عنبر نے کہا۔

"جنرل! بہتر یہی ہے کہ اب تم لوگ میری طاقت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کر لو۔ کیونکہ اب اگر میں چاہوں تو تم سب کو ہلاک کر سکتا ہوں لیکن تمہاری گولیاں دستی بم اور ہتھیار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیا خیال ہے۔"

جنرل نے پستول نکال لیا۔

"میں کبھی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ میں تمہیں اپنے پستول سے شوٹ کر دوں گا۔"

اور جنرل نے پستول کی ساری گولیاں باری باری عنبر کے سینے پر ختم کر دیں۔ اس کے بعد بھی عنبر مسکرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملا۔ اسے کچھ نہ ہوا تھا۔ اب عنبر سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا زور لگا کر رسی جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا توڑ دیا آزاد ہو کر سامنے آ گیا اس نے جنرل کے ہاتھ سے پستول لے کر اسے یوں مروڑ دیا جیسے وہ گتے کا کوئی کھلونا ہو اور اسے توڑ مروڑ کر زمین پر پھینک کر بولا۔

"میں اگر چاہوں تو تمہاری حکومت کو تہس نہس کر سکتا ہوں مگر میرا یہ مقصد نہیں ہے میں ہسپانیہ کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس کی فضاؤں میں سے مجھے ابھی تک مسلمانوں کی اذانوں کی آواز سنائی دے رہی ہے"

اور عنبر کمرے سے باہر نکل گیا۔ کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب وہ حوالات خانے سے باہر آ کر سڑک کی دھوپ میں نکل آیا تو پیچھے سے جنرل نے اسے آواز دی۔

"مسٹر عنبر!"

عنبر نے مڑ کر دیکھا۔ جنرل تیز تیز قدموں سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ عنبر رک گیا۔ جنرل کے پیچھے پیچھے دو ڈاکٹر بھی تھے۔ جنرل نے آتے ہی اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور کہا۔

"میں تمہاری طرف سپین کی حکومت کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو میں تمہیں سپین کی تاریخی عمارتوں کی سیر کراؤں گا"

جنرل نے عنبر کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ پھر اسے شہر کی تاریخی یادگاروں کی سیر کرانے لے گیا۔ یہاں غرناطہ کے جیسی قرطبہ کی مسجد تو نہیں تھی البتہ قصر الحمرا کے خوبصورت باغ تھے لیکن پھر بھی وہاں مسلمانوں کی پرانی یادگاریں باقی تھیں۔ کھانے کے بعد جنرل نے عنبر سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ اس کی طاقت کا راز کیا ہے؟ اصل میں جنرل سے ملٹری کمانڈر نے ساری بات بتا دی تھی اور اوپر سے اسے حکم ملا تھا کہ عنبر کے ساتھ دوستی ڈال کر اس سے راز معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ عنبر بھی احمق نہیں تھا۔ سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"جنرل! میری طاقت کا راز یہ ہے کہ میں کدو کا شوربہ کھاتا ہوں"

جنرل نے کہا۔

"وہ تو میں بھی کھاتا ہوں"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے تم حلوہ کدو کا شوربہ کہتے ہو گے"

"نہیں میں صرف کدو کا شوربہ بھی کھاتا ہوں"

"تو پھر آج سے حلوہ کدو کھایا کرو"

جنرل نے کہا۔

عنبر! تم میرے دوست ہو۔ مجھ سے مذاق نہ کرو میں تمہارا مداح ہوں اور ایک طرح سے تمہارا مرید ہو گیا ہوں۔ کیا تم اپنے مرید کو اپنی طاقت کا راز نہیں بتاؤ گے۔

"ضرور بتاؤں گا مگر ابھی نہیں مسٹر جنرل"

"پھر کب؟"

"وقت آنے پر"

"وہ وقت کب آئے گا؟"

"جب وہ وقت آئے گا"

اور عنبر زور سے ہنس دیا۔ جرنیل نے کھسیانا سا ہو کر کہا۔

"تم بڑے مزاحیہ نوجوان ہو۔ تمہاری ظرافت سے میں بڑا خوش ہوا ہوں لیکن ...... لیکن ایک بات ضرور ہے کہ تمہاری اس دھرتی کے ایٹم بم کے بارے میں میری حکومت بہت پریشان ہے"

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مسٹر جرنیل! حکومت کو پریشان رہنے دو۔ حکومتیں پریشان ہی رہیں تو اچھا ہے"

"نہیں میرے دوست! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا اگر تم مجھے ایٹم بم کے بارے میں بتا دو"

عنبر کو یہ علم تھا کہ اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ اس دھرتی میں ایٹم بم نہیں ہے تو یہ لوگ اسی وقت اس دھرتی پر قبضہ کر لیں گے۔ اس نے کہا۔

"وقت آنے پہ وہ بھی بتا دوں گا"

بات آئی گئی ہو گئی۔ شام کو جرنیل ڈاکٹر کو ساتھ لے کر ہیڈ کوارٹر اس معاملے کی پوری رپورٹ دینے گیا۔ وہاں وزارت دفاع کا سیکرٹری بھی تھا۔ دو جرنیل بھی تھے۔ وہ یقین نہیں کر رہے تھے کہ ایک آدمی میں اتنی طاقت بھی ہو سکتی ہے کہ اس پر گولی اثر نہ کرے۔ سیکرٹری نے کہا۔

"تم نے ایک حربہ ابھی تک نہیں آزما کر دیکھا"

"وہ کونسا جناب؟ ہم نے تو سارے طریقے آزما کر دیکھ لیے ہیں؟"

سیکرٹری نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا عنبر پہ کلوروفارم بھی کچھ اثر نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے کہ اگر اسے بے ہوش کر دینے والی دوائی سنگھا دی جائے تو کیا وہ بے ہوش نہیں ہو جاتا۔"

ڈاکٹر اور جرنیل ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ طریقہ واقعی انہوں نے ابھی تک نہیں آزمایا تھا۔ [illegible] نے کہا۔

"جاؤ اور عنبر کو بے ہوش کر کے دیکھو اگر وہ بے ہوش ہو جائے تو مجھے اطلاع دو۔"

ڈاکٹر اور جرنیل اسی رات واپس آ گئے۔ ڈاکٹر نے کلوروفارم کی شیشی جیب میں رکھی اور جرنیل کو ساتھ لے کر عنبر کے مکان میں آ گیا۔ عنبر ایک کمرے میں پلنگ پر لیٹا ہوا اور ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک جرنیل کے ساتھ ڈاکٹر اندر آ گیا۔

"گڈ ایوننگ مسٹر عنبر!"

عنبر مسکرایا۔

"کیا کوئی اور طریقہ سوجھا ہے آپ لوگوں کو؟"

"نہیں مسٹر عنبر! ہم تو تمہارے ساتھ یہ طے کرنے آئے ہیں کہ [illegible] نیا پروگرام ہے۔"

"بہت خوب! آؤ بیٹھو اور کل کا پروگرام طے کرتے ہیں۔ میں سب سے پہلے غرناطہ جا کر الحمرا کے باغات دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔"

عنبر جرنیل کے ساتھ مل کر باتیں کرنے لگ گیا۔ ڈاکٹر اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ وہ کھسک کر ذرا آگے [illegible]۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کلوروفارم کی شیشی نکال کر سارا کلوروفارم اپنے سفید رومال پر انڈیلا اور شیشی بند کر دی پھر ایک ہی جست کے ساتھ اس نے رومال عنبر کی ناک کے ساتھ لگا دیا۔ کلوروفارم اس قدر تیز تھا کہ عنبر نے تھوڑی سی جدوجہد کی مگر اس کا ایک ہی سانس عنبر کو بے ہوش کرنے کے لیے کافی تھا عنبر بے ہوش ہو کر بستر پر گر پڑا۔

جرنیل نے اسی وقت سیکرٹری کو فون پر بتایا کہ عنبر کلوروفارم سونگھنے سے بے ہوش ہو گیا ہے۔

"بہت خوب ہم آ رہے ہیں۔"

اسی رات کو سیکرٹری دفاع اور دوسرا جرنیل بھی وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے بے ہوش عنبر کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل بے ہوش تھا۔ ڈاکٹر نے اسے اور کلوروفارم سنگھا دیا۔ تاکہ عنبر کو اچانک ہوش نہ آ جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جبرنیل نے سیکرٹری سے کہا۔

"آپ بے ہوش کر کے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

سیکرٹری نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے آدمی کا زندہ رہنا ہمارے لیے بے حد خطرناک بات ہو گی یہ اگر ہوش میں آ گیا تو ہمارا تختہ الٹ سکتا ہے اور سارے سپین پہ اور سارے یورپ پر قبضہ کر سکتا ہے اس لیے اسے ختم کر دیا جائے اور اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ بے ہوش ہونے کے بعد اس کے منہ میں انتہائی مہلک زہریلی گیس چھوڑ دی جائے۔ پھر یہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔"

جبرنیل بولا۔

"کیا ہم اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے؟"

"کر سکتے ہیں مگر اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے ہم اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ کوئی شخص اس کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ کل کو اگر یہ ہمارے خلاف بھی ہو گیا۔ تو پھر ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ اور پھر یہ مسلمان ہے جس کے ملک پر ہم نے قبضہ

رکھا ہے یہ ہم نے کبھی دیکھی ضرور ہیں دھوکہ ہوئے جائے گا اور ہم سے بدلہ لے گا اس لیے میرا خیال یہی ہے کہ اسے جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیا جائے"

جبرنیل غور کرنے لگا۔ اس نے اپنے دونوں فوجی افسروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد فیصلہ دے دیا کہ عنبر کو زہریلی گیس سے ہلاک کر دیا جائے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر زہریلی گیس سے بھی نہیں مر سکتا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ زہریلی گیس سے عنبر بے ہوش ہو سکتا ہے تو وہ ہلاک بھی ہو سکتا ہے۔ جبرنیل نے ڈاکٹر کو اشارہ کر کے اپنے قریب بلایا اور کہا کہ عنبر کو زہریلی گیس سے ہلاک کر دیا جائے۔

ڈاکٹر نے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ اسے نیچے لیبارٹری میں لے جایا جائے۔ وہاں ہمارے پاس سب سے خطرناک زہر سائنائیڈ موجود ہے ہم اس کے حلق میں سائنائیڈ زہر کی گیس ڈالیں گے۔"

اسی وقت بے ہوش عنبر کو سٹریچر پر ڈال کر قلعے کے ہسپتال کے نیچے بنی ہوئی لیبارٹری میں پہنچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا گیا۔ سیکرٹری دفاع، جرنیل اور دونوں فوجی افسر ایک طرف سٹریچر کے پاس ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر نے نرسوں وغیرہ کو وہاں سے بھجوا دیا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک الماری میں سے سائنائیڈ زہر کی شیشی نکال کر ایک نلکی کے ذریعے بوتل میں ڈالی جس میں کوئی سیال شے پہلے ہی موجود تھی۔ زہر بوتل میں گیا تو وہاں گیس پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر نے شیشے کی نلکی عنبر کے منہ کے اندر حلق میں اتار دی۔

ڈاکٹر نے جرنیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

"یہ زہریلی گیس اس کے حلق میں چھوڑنے لگا ہوں یہ زہر ایسی ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ تالاب میں ڈال دیا جائے تو سارا شہر وہ پانی پینے سے ہلاک کیا جا سکتا ہے"

سیکرٹری نے کہا۔

"جلدی سے اپنا کام ختم کرو ڈاکٹر۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ زہر کس قدر خطرناک ہے"

"یس سر!" ڈاکٹر نے سر جھکا کر کہا۔

پھر اس نے زہریلی گیس بھری بوتل کو اوپر کر دیا اور ایک بٹن کو دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی زہریلی گیس

ے نکل کر شیشے کی نلکی میں سے گزر کر عنبر حلق میں جانا شروع ہو گئی وہاں بیٹھے ہوئے ی عنبر کو غور سے دیکھ رہے تھے جب ری زہریلی گیس عنبر کے جسم میں پھیل گئی تو ڈاکٹر نلکی الگ کر لی اور عنبر کے دل کا معائنہ کیا ے دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تجربہ کامیاب سر! عنبر مر چکا ہے"

جرنیل نے ڈاکٹر کو شاباش دی اور سیکرٹری کی ف دیکھ کر کہا۔

"لاش کا کیا کیا جائے؟"

"سر میرا خیال ہے کہ لاش کو سمندر میں پھینک جائے"

کہہ کر

یہ سیکرٹری کا خیال تھا۔ اس نے جرنیل سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کی لاش کو ایسی پھینکا جائے جہاں سے اس کی ایک ہڈی بھی مت نہ رہے"

"تو پھر اسے کفن میں بند کر کے پہاڑی کی میں دفن کر دیا تو بہتر ہے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔ کوہ اماوٹ کے غار میں ہم اسے دفن کر سکتے ہیں۔"

"تو دیر کس بات کی ہے۔ لاش کو اٹھایا جائے۔"

* * *

خوفناک ڈاکہ

عنبر کی لاش کو لکڑی کے صندوق میں بند کر دیا گیا۔ صندوق کے اوپر چھوٹی کیلوں سے اچھی طرح سے ٹھونک دیا گیا۔ اُسے خفیہ گاڑی میں رکھ کر قلعے کے جنوب میں کوہ اراوٹ کے تاریک اور پُرپیچ دشوار گزار غار میں لایا گیا۔ سیکرٹری، جرنیل اور دونوں فوجی افسر وہاں موجود تھے۔ سخت زمین بڑی کوشش اور محنت کے بعد کھود کر قبر بنائی گئی۔ اور اس کے اندر عنبر کی لاش والا صندوق اُتار کر اوپر سے پتھر اور مٹی ڈال کر قبر کو بند کر دیا گیا۔

جرنیل نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

"ہم نے اپنے دشمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔"

وہ لوگ عنبر کی لاش کو دفن کرنے کے بعد واپس غار سے نکل کر قلعے میں آ گئے۔ جرنیل نے ہیڈ کوارٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو اطلاع کر دی کہ عنبر کو ہلاک کر کے زمین کے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دبا دیا گیا ہے۔ ہیڈ کوارٹر نے جرنیل سیکرٹری دفاع اور ڈاکٹر کے لئے خدمت کے خاص تمغے دینے کا اعلان کیا۔ یہ لوگ بڑے خوش ہوئے۔ مگر تقدیر ان کی مسرتوں پر مسکرا رہی تھی۔

آدھی رات کو آسمان بادلوں میں چھپ گیا۔ بجلی چمکنے اور بادل گرجنے لگے۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ کوہ الموت کے غار میں گہری تاریکی تھی۔ ایک گیدڑ بارش سے بچنے کے لئے غار میں آ گیا اور منہ اوپر اٹھا کر شور مچانے لگا۔ پھر شاید اپنی ہی آواز سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گیا۔

اس بارش اور طوفان میں ایک جیپ غار کے دروازے پر آ کر رکی۔ اس جیپ میں سے دو آدمی ایک چھوٹا سا صندوق لے کر اترے ان کا تیسرا ساتھی جیپ میں ہی بیٹھا رہا۔ اس نے جھک کر کہا۔

"کیا میں بھی آؤں؟"

"نہیں۔ تم جیپ میں ہی رہو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

یہ مختلف ملک کے نامی گرامی چور تھے۔ صبح انہوں نے شہر میں ایک بہت بڑے بینک کو لوٹا تھا اور اس دولت کو لے کر اب غار میں کسی جگہ دفن کرنے آئے

تھے تاکہ جب معاملہ رفع دفع ہو جائے تو اپنی دولت وہاں سے نکال کر کسی دوسرے ملک کی راہ لیں۔ دونوں چوروں نے چمڑے کی جیکٹیں پہن رکھی تھیں۔ صندوق میں کم از کم دو کروڑ ڈالر کے کرنسی نوٹ اور سونا بھرا ہوا تھا۔ صندوق کو اٹھائے وہ غار میں آ گئے۔

ایک چور آگے آگے تھا اور ٹارچ سے روشنی کر رہا تھا۔

ٹارچ کافی طاقتور تھی۔ جس کی روشنی میں غار کے پتھر اور سنگ ریزے صاف صاف نظر آ رہے تھے۔ غار کا موڑ گھوم کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ انہیں غار میں ایک قبر نظر آئی۔

"یہ کس کی قبر ہے؟" ایک چور نے پوچھا

دوسرے نے کندھے اچکا کر کہا

"خدا جانے کس کی قبر ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرانے زمانے کا کوئی مسلمان دفن ہے۔ اسے اسی طرح پڑا رہنے دو اور اس سے ذرا پرے ہٹ کر گڑھا کھودتے ہیں۔"

انہوں نے کندھے پر سے دولت سے لدا ہوا صندوق اتار کر نیچے رکھ دیا اور بیلچے سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ زمین سخت تھی۔ لیکن انہیں کھودتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو سے وقت ہو رہی تھی۔ باہر بادلوں کی ہلکی ہلکی گرج سنائی دے رہی تھی۔ جب گڑھا کھد گیا تو دونوں چوروں نے صندوق اُس کے اندر دفن کر کے اوپر پتھر وغیرہ بکھیر دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر دونوں جلد غار سے باہر آگئے اور گرتی بارش میں جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد بارش زیادہ تیز ہوگئی۔

عنبر کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ زہریلی گیس کا اثر بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک صندوق میں بند ہے۔ اس کے سر کے اوپر لکڑی کا تختہ ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے مردہ سمجھ کر یا مردہ کرنے کے بعد صندوق میں بند کر کے دفن کر دیا گیا ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ زندہ دفن ہو جائے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر لکڑی کے تختے کو اکھاڑنا چاہا مگر اس کے اوپر پتھروں اور مٹی کا وزن لدا ہوا تھا۔ عنبر کو دشواری پیش آئی۔

اس نے پہلو میں سے تختے کی لکڑی کو اکھاڑ دیا۔ کیونکہ پہلوؤں کی جانب ریتلی مٹی ذرا نرم تھی۔ اب اس نے زمین کو کھودنا شروع کیا۔ جب سوراخ بڑا ہوا تو وہ

کفن سے باہر نکل آیا اور اُس نے سوراخ میں رینگنا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ وہ ہاتھوں سے زمین کھودتا بھی جاتا تھا۔ مٹی کو الگ الگ ہٹاتا جا رہا تھا۔ جس طرح کوئی انسان سمندر میں تیرتا ہے۔ ویسے بھی مٹی بڑی نرم تھی۔ اصل میں یہ مٹی ساتھ والے دوسرے گڑھے کی تھی جس میں ابھی ابھی چور خزانے کا صندوق دفن کر کے گئے تھے۔

عنبر کا ہاتھ ایک اور صندوق سے ٹکرایا۔ اُس نے دیکھا۔ صندوق چھوٹا اور لکڑی کا تھا وہ مٹی ہٹاتا ہوا صندوق کے اوپر آگیا۔ صندوق کے اوپر مٹی کافی نرم تھی۔ چنانچہ وہ بڑی آسانی سے سوراخ کو زیادہ بڑا کرتا گڑھے سے باہر آگیا۔ اس نے صندوق کو غور سے دیکھا۔ صندوق بند تھا۔ عنبر نے صندوق کو کھولا تو اس کے اندر سونے کی چھ سات اینٹیں اور امریکی ڈالروں کے نوٹوں کی گڈیاں رکھی تھیں۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ کارنامہ کسی چور کا ہے جو کہیں ڈاکہ ڈالنے کے بعد دولت اس جگہ چھپا گیا ہے۔ عنبر نے گڑھے میں مٹی بھر کر اسے دوبارہ اسی طرح سے بند کر دیا اور غار میں سے نکال کر باہر آگیا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ آسمان اندھیرے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ رات خدا جانے کتنی گزر چکی تھی۔ سردی بھی کافی ہو رہی تھی۔ عنبر غار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفر پر تھا ایک جگہ بیٹھ کر بارش کے رُکنے کا انتظار کرنے لگا۔

آخر خدا خدا کرکے بارش رُکی تو عنبر وہاں سے چلا۔ یہ ایک پہاڑی سلسلہ تھا اور ایک سڑک پہاڑی کے ساتھ ساتھ شہر کو جا رہی تھی۔ راستے میں ایک جانب اُس نے وہ قلعہ دیکھا جس کے اندر اُسے اذیت دی گئی تھی۔ عنبر وہاں سے گزر گیا اور شہر میں داخل ہوا۔ بارش اور سردی اور رات کی وجہ سے شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سڑکیں گیلی ہو رہی تھیں۔

اُسے ایک ہوٹل میں روشنی نظر آئی تو وہاں آ گیا۔ عنبر نے اُس صندوق میں سے کچھ ڈالر نکال کر جیب میں رکھ لیے تھے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔ جنگل تھی [illegible] میں جانے سے پہلے وہ کافی کا ایک گرم گرم پیالہ پینا چاہتا تھا۔ یہ ہوٹل رات کا ہوٹل تھا۔ [illegible] دو تین بوڑھے ٹھک بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ عنبر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ قریب ہی گیس کا ہیٹر جل رہا تھا۔ ہوٹل کی اندر کی فضا گرم تھا۔ بیرا آیا تو عنبر نے کافی کا ایک پیالہ منگوایا اور پینے لگا۔ کافی پی کر جب وہ خوب گرم ہو گیا تو اُس نے ڈالر نکال کر بیرے کو دیا۔

بیرے نے ڈالر لے جا کر کاؤنٹر پر کھڑے مالک کو دیا تو اس نے اُسے غور سے دیکھا۔ پھر ایک کاپی نکال کر اس میں لکھے ہوئے نمبر کو ڈالر کے نمبر سے ملایا۔ پھر عنبر کو دیکھا جو آرام سے بیٹھا باہر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے کبھی کبھی کوئی کار گزر جاتی تھی۔

ہوٹل کے مالک نے نیچے جھک کر فون پر پولیس کو رپورٹ کر دی۔ عنبر نے سوچا کہ بیرا ابھی تک ریزگاری واپس لے کر کیوں نہیں آیا؟ اُس نے بیرے کو بلانے کے [illegible] میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ بیرے نے آ کر ریزگاری عنبر کے حوالے کر دی۔ عنبر اُٹھ کر باہر جانے لگا تو [illegible] دروازے پر پولیس کے آدمیوں نے اُسے گھیر لیا۔

پولیس افسر نے آگے بڑھ کر عنبر سے کہا۔

"تم کون ہو اور سو ڈالر کا جو نوٹ تم نے ابھی ابھی [illegible] ہے وہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

اب عنبر بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ خواہ مخواہ ایک نئے جھنجھٹ میں پھنس گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ ڈالر کا نوٹ چوروں نے بینک سے چرایا تھا جس کا سیریل نمبر پولیس نے شہر کے تمام دکانداروں اور ہوٹل والوں کو دے رکھا ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے پولیس افسر سے کہا

"میں ایک جگہ آرام سے بیٹھ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔"

پولیس افسر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ لوگ چلے گئے۔ پولیس افسر نے عنبر کو ساتھ لیا اور برتھ ایک خالی کیبن میں جا کر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر: معلوم کرنا چاہتا تھا کہ [illegible] نے ڈالر کس جگہ سے چوری کیے ہیں۔

پولیس افسر نے بتایا کہ

"یہ رقم ایک بینک میں ڈاکہ ڈال کر حاصل کی گئی ہے اس کے ساتھ سونے کی اینٹیں بھی ہیں۔ سپین کا یہ سب سے بڑا ڈاکہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سیدھے سیدھے بتا دو کہ تمہارے ساتھی کہاں پر ہیں اور یہ رقم تم نے کس جگہ سے حاصل کی ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں مصر کا رہنے والا ہوں اور سپین میں روزگار کی تلاش میں آیا ہوں۔ آج صبح ریلوے سٹیشن پر مجھے ایک آدمی ملا جس نے کہا کہ اسے ایک مزدور کی ضرورت ہے۔ میں اس کے ساتھ ہو [illegible] ہوائی اڈے پر

مد ہے ایک اٹیچی کیس میرے حوالے کرکے کہا کہ میں ریلوے سٹیشن پر موجود اُس کے ساتھی کو پہنچا دوں [illegible] نے یہ کام کر دیا تو اُس نے مجھے سو ڈالر کا یہ نوٹ کے حوالے دیا۔ بس اُس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

پولیس آفیسر عنبر کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

"مسٹر تمہارا نام کیا ہے؟"

"عنبر"

"مسٹر عنبر! مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے اگر تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اب میں تمہیں تھانے لے جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تھانے میں ہمارے پاس ایسا انتظام ہے کہ تم سچی بات بتانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ کیا خیال ہے؟"

عنبر سمجھ گیا کہ تھانے میں لے جا کر اس پر تشدد کیا جائے گا۔ اور خواہ مخواہ پھر وہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا کہ وقت ضائع ہوگا۔ اس نے کہا۔

"آفیسر! ایک بات میں تم سے بڑی صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے تھانے چھوڑ کر جہنم میں بھی لے جاؤ گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصل میں عنبر دولت کے صندوق کو ان لوگوں سے
چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ یہ دولت
اپنے ملک سے جاتے اور اسے غریبوں میں تقسیم کر دے
آفیسر نے پستول پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

مجھے افسوس ہے کہ اگر تم میرے ساتھ چلنے پر
راضی نہ ہوئے تو پھر مجھے..

عنبر وہاں لوگوں کے سامنے تماشہ نہیں دکھانا چاہتا
تھا۔ اس نے کہا۔

چلو — میں چلنے پر تیار ہوں۔

پولیس آفیسر عنبر کو ساتھ لے کر تھانے میں آ گیا۔
تھانے کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اسے نیند
آ رہی تھی۔ بارش کا طوفان تھم گیا تھا۔ وہ سونے
ہی والا تھا کہ آفیسر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا
سپاہیوں نے آتے ہی عنبر کی پیٹھ پر زور سے ڈنڈے برسانے
شروع کر دیئے۔ مگر ایسا ہوا کہ دونوں سپاہی اپنے
ہاتھ پکڑ کر زمین پر بیٹھ کر درد سے تلملانے لگے۔
آفیسر نے حیرانی سے کہا
کمبختو! یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟
ایک سپاہی نے کہا۔

سر: اس شخص کی کھال پتھر کی طرح سخت ہے۔
آفیسر نے اٹھ کر عنبر کو بالوں سے پکڑ کر نیچے گرانے
کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ تڑپ کر
ہٹا اور عنبر کو گھورنے لگا۔ عنبر کے بالوں کو
چھوتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس
نے کانٹے دار تاروں کو پکڑ لیا۔ اس نے عنبر کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔
تم کون ہو؟
آدمی — عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
سپاہی اور آفیسر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ آفیسر
نے حکم دیا۔
اسے بند کر دو۔ صبح انسپکٹر جنرل کو اطلاع دی
جائے گی۔
عنبر کو کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔
پچھلا پہر ابھی باقی تھا۔ سپاہی چلے گئے تو عنبر نے
دیکھا کہ جس کمرے میں اسے بند کیا گیا تھا وہ ایک
ایسا کمرہ تھا اور چھت کے ساتھ ایک کمزور روشنی والا
[illegible] تھا۔ دیوار کے اوپر صرف ایک روشندان تھا۔
[illegible] سے فرار ہونا چاہتا تھا تاکہ جلدی سے جلدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک اڑن طشتری تک پہنچ جائے۔ مگر فرار ایسی ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ اس سوچ بچار میں دن چڑھ گیا۔ دروازہ کھلا اور آفیسر اپنے ساتھ کوتوال کو لے کر اندر آ گیا۔ انہوں نے عنبر کا غور سے معائنہ کیا۔ عنبر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں ڈاکوؤں کے ٹھکانے پر لے جاؤں تو کیا تم لوگ میری جان چھوڑ دو گے؟"

کوتوال نے مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا۔

"ہاں! اگر تم ٹھیک ٹھکانے پر ہمیں لے جاؤ" تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

"تو پھر میرے ساتھ چلیں۔ ابھی"

کوتوال نے دو سپاہیوں کو ساتھ لیا۔ گاڑی میں اپنے درمیان عنبر کو بٹھایا اور کار نے عنبر کی ہدایت کے مطابق شہر سے باہر جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ عنبر انہیں اس مقام پر لے گیا جہاں ڈھلانی علاقے کے جنگل میں ایک جگہ اس کی اڑن طشتری تھی۔ کوتوال اور سپاہی پستول کا رخ عنبر کی طرف کئے بیٹھے تھے۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ کوتوال نے کہا۔

"مسٹر! تم ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہم اس علاقے رہتے ہیں کے چپے چپے سے واقف ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"مجھے دھوکہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" کار اس کی سامنے والی پہاڑی کی ڈھلان کے قریب روک لیا۔ اور ایک جگہ چھوٹی سی چٹان کے ساتھ اگے ہوئے جھاڑی برگد درخت کی جھاڑیوں میں روک دی گئی۔ آسمان پر بادل سے گھرے ہوئے تھے۔ سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا جس کی وجہ سے دن کی روشنی بہت کم تھی۔ کوتوال نے کہا۔

"پہلے تم اترو"

عنبر مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھ پر شک نہ کرو کوتوال صاحب! میں تمہیں ٹھیک جگہ لایا ہوں جہاں رات میں نے ڈاکوؤں کو نوٹوں سے بھرا ہوا صندوق لے کر جاتے دیکھا تھا اور انہوں نے مجھے ایک سو ڈالر دیئے تھے۔

کوتوال نے پستول تان کر کہا۔

"تم آگے آگے چلو"

عنبر انہیں لے کر اڑن طشتری کے پاس آ گیا۔ اور جھاڑیوں میں سے اڑن طشتری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہاں ڈاکو داخل ہوئے تھے" وہ اس مکان کے اندر

اڑن طشتری کو دیکھ کر کوتوال اور سپاہی حیرت میں ڈوب گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ـــــ یہ کیا شے ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"ڈاکوؤں کی کمین گاہ ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اندر لئے چلتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی ڈاکوؤں کے ساتھی ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"تم ایسا ہی سمجھ لو۔ اب تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا۔ ڈاکو میرے ساتھی ہیں۔ مگر میں ان کے ڈاکوں سے تنگ آ گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ لوگ انہیں گرفتار کر لیں۔"

کوتوال بولا۔

"شاباش! تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں خفیہ دروازے سے اس کمین گاہ کے اندر جاؤں گا اور پھر اشارہ کروں گا۔ میرے اشارے پر تم لوگ بھی اندر آ جانا۔"

یہ کہہ کر عنبر اس طشتری کی طرف بڑھا۔ اس نے بٹن دبا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ اس کے پیچھے بند ہو گیا۔ اندر جاتے ہی عنبر نے تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ بٹن دبایا اور پھر اشارہ کر کے پولیس کو اندر آنے کی دعوت دی۔

کوتوال اور سپاہیوں نے ریوالور تان لیے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے اس طشتری میں داخل ہو گئے۔ اندر آتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ عنبر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"شی! ڈاکو ساتھ والے کمرے میں نوٹ گن رہے ہیں۔"

کوتوال نے آہستہ سے کہا۔

"ہم انہیں رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتے ہیں۔"

عنبر سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"میں تمہیں ایک کمرے میں لے جاتا ہوں۔ وہاں سے میں ایک دیوار کی خفیہ الماری کھول دوں گا۔ جو اس کمرے کو جاتی ہے جہاں اس وقت ڈاکو بیٹھے نوٹ گن رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" کوتوال خوش ہو کر بولا۔ "مسٹر عنبر! میں حکومت کو تمہارے انعام کی خاص طور پر سفارش کروں گا۔"

عنبر مسکرایا۔

"میری خواہش ہے کہ یہ انعام تم حاصل کر لو۔ اب میرے ساتھ آؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کوتوال اور دونوں سپاہیوں کو ساتھ لیا پھر اڑن طشتری کے نیچے والے ایک کمرے میں انہیں لے آیا۔ اس کمرے میں جب وہ لوگ داخل ہو گئے تو عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ اسی جگہ ٹھہریں میں باہر سے جا کر سامنے والی دیوار کا خفیہ دروازہ کھولتا ہوں۔"

کوتوال اور سپاہی ابھی جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ عنبر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا اور ساتھ ہی بجلی کا تالا بھی لگ گیا۔ یہ اس قدر مضبوط تالا تھا کہ اسے دنیا کا کوئی انسان نہیں کھول سکتا تھا۔ پولیس کے آدمیوں کو بالکل احساس نہ ہوا کہ وہ ایک انتہائی مضبوط اڑن طشتری میں قید ہو چکے ہیں جہاں سے اب وہ عنبر کی مرضی کے بغیر کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ جب عنبر کو گئے دیر ہو گئی اور خفیہ دروازہ نہ کھلا تو کوتوال کو پریشانی نے گھیر لیا۔ کہنے لگا۔

"کہیں ہمارے ساتھ دھوکہ تو نہیں کیا گیا؟"

ایک سپاہی بولا۔

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے سر۔"

"مجھے بھی۔" دوسرے نے اس میں ہاں ملا دی۔

کوتوال ابھی جواب دینے ہی والا تھا کہ کمرے میں لگے ہوئے کسی خفیہ لاؤڈ سپیکر سے عنبر کی آواز آئی۔

"مسٹر کوتوال! تم اب اس کمرے سے قیامت تک نہیں نکل سکتے۔ ہاں اگر میں چاہوں تو انہیں آزاد کر سکتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔"

کوتوال اور سپاہی اپنی جگہوں سے اچھل پڑے۔ [illegible]ال نے کہا

"تم — تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"اسی اڑن طشتری سے!"

"اڑن طشتری؟" کوتوال کی آواز سہمی ہوئی تھی۔

عنبر کی آواز آئی۔

"ہاں مسٹر پولیس آفیسر! تم اس وقت ایک ایسی عجیب و غریب اڑن طشتری میں قید ہو جو تمہاری دنیا سے اربوں نوری سال کے فاصلے پر ایک سیارے سے آئی ہے۔"

"کیا — کیا کہہ رہے ہو؟ ہمیں باہر جانے دو۔"

عنبر کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے تمہیں ہمارے سیارے کی سیر کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں لے کر دنیا سے اُڑ کر اپنے سیارے پہ جاؤں گا۔ جہاں سے تم بوڑھے ہو کر بھی واپس نہ آسکو گے۔"

اب تو کوتوال اور سپاہی سچ مچ گھبرا گئے۔ ایک سپاہی نے پستول نکال کر کہا۔

"سر! یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یقین کریں اس کمرے کو ہم توڑ کر باہر نکلتے ہیں۔"

ان کی باتیں عنبر سن رہا تھا۔ اس کی آواز پھر آئی

"تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں، تو بے شک طاقت آزما کر دیکھ لو۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔

کوتوال نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ دروازہ گویا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ سپاہیوں کے کندھے زخمی ہو گئے مگر دروازہ اپنی جگہ سے ایک انچ کا ہزارواں حصہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ اب وہ پریشان ہو گئے انہیں محسوس ہوا کہ عنبر ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ وہ یقیناً

اس آسمانی اُڑن طشتری میں قید ہو چکے ہیں اور اب باہر نکلنا ان کے بس میں نہیں ہے۔ کوتوال نے کہا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم وعدہ کرو کہ ہمیں آزاد کر دو گے تو ہم تمہاری ہر شرط تسلیم کرنے پہ تیار ہیں۔

عنبر کی آواز آئی۔

"کیا تم اس کیس کے سلسلے میں میرا پیچھا کرنا چھوڑ دو گے"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ ڈاکے کے بارے میں پھر کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ بلکہ تمہارا کہیں نام تک بھی نہیں لوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ یہاں سے نکل کر تم کسی سے اُڑن طشتری کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے؟

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اُڑن طشتری کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر میں تمہیں ابھی آزاد کیے دیتا ہوں۔"

اس گفتگو کے دو منٹ بعد کمرے کا دروازہ ایک طرف ہٹ گیا اور عنبر مسکراتا ہوا اندر آیا۔

"تم آزاد ہو مسٹر آفیسر"

الفاظ ابھی اس کے منہ میں ہی تھے کہ کوتوال نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پستول کا فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے سر پہ لگی۔ سپاہیوں نے بھی عنبر پہ پستول میں سے ایک ایک گولی فائر کر دی۔ یہ دونوں گولیاں بھی عنبر کے سینے میں آ کر لگیں۔ کوتوال اور سپاہی بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ گولیاں ٹھیک نشانے پہ لگی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اب عنبر کی دش فرش پر تڑپ رہی ہوگی۔ مگر ہوا یہ کہ تینوں گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑیں اور عنبر اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر وہ غصے کے ساتھ بولا۔

"تم لوگ جھوٹے ہو۔ تم نے اپنے وعدے کا خیال نہیں کیا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب میں تمہیں زیادہ نہیں چھوڑوں گا۔"

کوتوال نے اشارہ کیا اور اس کے سپاہیوں نے دھڑا دھڑ عنبر پر فائرنگ شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے اپنے پستول کی ساری گولیاں عنبر پہ خالی کر دیں مگر عنبر پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

گرینگو

عنبر نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ کم بخت پستولوں کی گولیاں ہلاک نہیں کر سکیں۔"

اس نے زمین پر گری ہوئی ساری گولیاں اٹھا کر کوتوال کے منہ پر دے ماریں۔

"ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لو۔"

کوتوال اور سپاہی تھر تھرا رہے تھے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عنبر نے جو کہا تھا کہ میں جن ہوں تو ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ یقیناً جن تھا۔ وہ انسان نہیں تھا۔ اور پھر کسی آسمانی ستارے کی مخلوق تھا۔ جس پر گولی بھی اثر نہیں کرتی تھی۔ کوتوال نے ہاتھ لیے اور ڈری ہوئی رحم طلب آواز میں بولا۔

"ہماری جان بخشی کر دو اے عظیم جن۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور کسی سے ساری زندگی تذکرہ نہیں کریں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ آج دوپہر کے کھانے پر میں تم لوگوں کی ہڈیوں کا شوربہ بنا کر پی جاؤں۔ کیوں؟ کیا خیال ہے تمہارا؟"

عنبر نے آگے بڑھ کر کوتوال کی موٹی توند پر انگلی رکھ کر دباتے ہوئے کہا۔ کوتوال کی ٹانگیں خوف سے کانپنے لگیں۔

"خدا کے لیے میرے چھوٹے چھوٹے بچوں پر ترس کھاؤ۔

میری جان بخش دو۔ میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔"

عنبر نے دوسرے سپاہیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک صندوق میں بند کر دوں۔ پھر اڑن طشتری کو خلا میں لے جا کر صندوق کو باہر پھینک دوں۔ خدا کی قسم تم سیارہ بن کر جب تک یہ دنیا قائم ہے آسمان کی وسعتوں میں سیر کرتے رہو گے۔"

کوتوال عنبر کے قدموں پر گر کر رونے لگا۔

"اے عظیم جن! ایسا نہ کرنا۔ میرے بچے بلک کر مر جائیں گے۔ میری بیوی زندہ درگور ہو جائے گی۔ رحم کرو۔ رحم کرو ہم پر۔"

عنبر زور سے ہنسا

"بڑے بزدل ہو تم پولیس آفیسر! اچھا میں تمہارے بال بچوں کا خیال کرتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر نے ان تینوں پولیس والوں کو ساتھ لیا اور اڑن طشتری کے دروازے پر آ کر بولا۔

"میرے پاس ایک ایسی مشین ہے کہ جو تمہارا پیچھا کرے گی۔ میرے راڈار پر تمہاری آواز ہمیشہ آتی رہے گی۔ اگر تم لوگوں نے کسی سے میری اڑن طشتری کے بارے میں بات کی تو مجھے یہاں خبر ہو جائے گی پھر میں تمہیں جہاں کہیں بھی تم ہو گے۔ ایٹمی شعاع سے جلا کر بھسم کر دوں گا۔"

کوتوال نے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم کسی سے کبھی بھی تمہارا اور تمہاری اڑن طشتری کا ذکر نہیں کریں گے بھلا ہمیں موت کے منہ میں جانے کی کیا پڑی ہے! کیا ہمیں ہمارے بچے عزیز نہیں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقی دونوں سپاہیوں نے بھی کہا۔

"ہمیں معاف کر دو جن! یقین کرو ہم یہاں سے جاتے ہی سب کچھ بھلا دیں گے"

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید ہے۔ مگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اس کا خمیازہ تمہیں ہر حالت میں بھگتنا پڑے گا۔ اب تم جا سکتے ہو!"

اور وہ لوگ دروازے سے کود کر باہر نکلے اور جنگل میں غائب ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد عنبر نے آرام کیا۔ شام کو وہ اڑن طشتری کو اڑا کر پہاڑیوں میں اس جگہ لے گیا۔ جہاں غار کے اندر سونے اور ڈالروں سے بھرا ہوا صندوق دفن تھا۔ اڑن طشتری اس نے چٹان کی اوٹ میں کھڑی کر دی اور خود غار میں داخل ہو گیا۔ پھاوڑا اس نے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ اپنی پرانی قبر کے پاس جا کر زمین کھودی اور صندوق کو باہر نکال کر اسے غار کے دروازے تک گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ پھر اس نے صندوق کو کندھے پہ اٹھایا اور غار سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ اچانک کسی نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ گر گیا اور صندوق پرے جا پڑا۔

اس کے ساتھ ہی پستول کا فائر ہوا اور گولی عنبر کے کندھے کے اوپر سے گزر کر پیچھے پتھر سے جا لگی جہاں سے ٹکڑے اڑ گئے۔

عنبر نے دیکھا۔ اس کے سامنے دو آدمی چمڑے کی جیکٹوں میں ملبوس پستول لیے کھڑے تھے۔ یہ وہ چور تھے جنہوں نے بنک میں ڈاکہ مار کر یہ خزانہ لوٹا تھا۔ اور وہ عنبر کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے ماتھے پر زخم کا لمبا نشان تھا اس نے غرا کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"گریگو! اسے ختم کر دو۔ تمہارا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔ پھر یہ گولی اسے کیوں نہیں لگی۔؟"

گریگو نے اپنے زرد دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"سوری باس! اس بار نشانہ خطا نہیں جائے گا"

اور گریگو نے پستول کا نشانہ لے کر عنبر کے سینے پر گولی مار دی۔ گولی ٹھیک اس جگہ سینے پہ لگی۔ جہاں عنبر کا دل دھڑک رہا تھا۔ عنبر نے جھوٹ موٹ زور سے چیخ مار کر دل پہ ہاتھ رکھا اور اوندھے منہ زمین پہ گر پڑا۔ گریگو نے ہنس کر پستول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی نلی میں پھونک ماری اور بولا۔

"باس! اب تو تم خوش ہو۔ میں نے اسے مار ڈالا ہے۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش گریگو! تم بڑے اعلیٰ نشانچی ہو۔ میں تمہیں مان گیا ہوں۔ لیکن یہ شخص کہاں سے آ گیا؟ اسے ہمارے خزانے کا کیسے پتہ چلا؟"

گریگو بولا۔

"باس! شاید یہ بدبخت اس وقت ہمارا پیچھا کر رہا تھا جب ہم خزانہ غار کے اندر رکھ رہے تھے"

باس نے عنبر کی لاش کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"چلو اچھا ہوا کہ اس کا کام تمام ہو گیا خود ہی ہمارے دام میں آ گیا۔ اگر ہم ذرا دیر کر دیتے تو یہ تو خزانہ لے اڑا تھا۔ اب صندوق کو اٹھاؤ اور باہر جیپ میں لے جا کر رکھ دو"

گریگو بولا۔

سوری باس! میں اکیلا اسے نہیں اٹھا سکتا۔ تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔

باس نے جھنجلا کر کہا

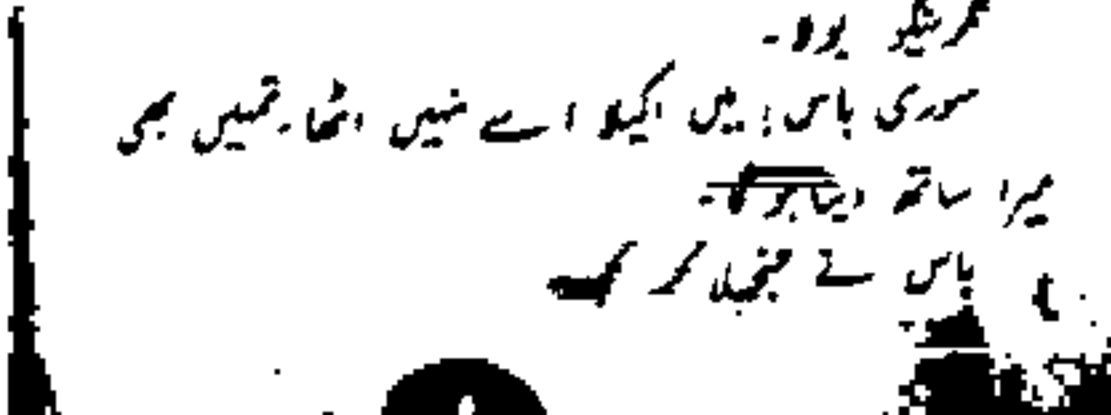

"بڈھے کمینے اور ہڈ حرام ہو تم۔ اٹھاؤ۔ چلو"

اور وہ صندوق کو اٹھانے کے لیے جھکے۔ عنبر نے یہ سارا ڈرامہ محض تفریح کے لیے کھیلا تھا۔ مگر اب پانی سر سے گزرنے والا تھا۔ اگر وہ ذرہ دیر پڑا رہتا تو دونوں ڈاکو خزانہ لے جا چکے ہوتے۔ اس لیے اب وقت آ گیا تھا کہ وہ ان پہ اپنا آپ ظاہر کر دے۔ پس جس وقت چلو گرینگو صندوق اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تو عنبر نے زرا سا کھنس کر ایسی آواز نکالی جیسے کوئی بکرا بول رہا ہو اس کی آواز پر گریگو ڈر کر اچھلا اور پرے جا گرا۔ اس کے باس نے بھی پلٹ کر عنبر کی لاش کو دیکھا۔ عنبر ابھی تک مذاق کرنے کے موڈ میں تھا۔ باس نے گرینگو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ آواز کس کی تھی گریگو؟"

"اس لاش کی تھی"

"کیا یہ بدبخت ابھی زندہ ہے؟"

"تو پھر آواز تمہارے باپ نے نکالی تھی"

"کسی بکرے کی آواز تھی یہ تو"

"بکرا یہاں کہاں سے آ گیا؟ اس وقت تو بے تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بڑبڑا رہے ہو"

"باس! یہ تو مرا ہوا ہے"

گرنیگو نے پستول جیب سے نکال کر اوپر تلے تین گولیاں عنبر کے جسم پر فائر کر دیں اور ہنس کر بولا۔

"باس! کیوں میری گولیاں ضائع کروا رہے ہو۔ یہ تو مردہ ہے مردہ ....."

"چلو اٹھاؤ صندوق"

وہ صندوق اٹھانے کے لیے جھکے تو عنبر نے ایک آنکھ کھول کر دونوں چوروں کو دیکھا اور کہا۔

"کہاں لیے جا رہے ہو اس صندوق کو؟"

اس آواز پر دونوں گھبرا کر وہیں بیٹھ گئے انہوں نے تڑپ کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر اسی طرح مرا ہوا نظر آیا۔

"یہ کون بول رہا ہے؟ یہ تو مردہ ہے کیا اس کا بھوت یہاں آگیا ہے؟"

عنبر نے آنکھیں کھول کر ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔ بلکہ میں خود ہوں"

اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر دونوں چور اسے سہمی ہوئی آنکھوں سے تکنے لگے۔

"تم ..... تم مردہ نہیں ہو؟"

"میں مردہ ہوں" عنبر یہ کہہ کر مسکرانے لگا۔

گرنیگو نے چیخ کر کہا

"باس! اسے ختم کر دو۔ معلوم ہوتا ہے گولیاں نشانے پر نہیں لگیں"

اب عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے گرنیگو کے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"احمق! اپنی گولیاں ضائع نہ کرو"

باس نے زور کی چیخ کے ساتھ لٹکا ہوا خنجر نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ دو وار اس نے سیدھے عنبر کے سینے پر کیے اور ایک وار اس کی گردن پر کیا۔ عنبر کو تو کچھ نہ ہوا مگر باس کے ہاتھ سے خنجر ٹوٹ کر گر پڑا۔ اور اس کا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔

"گرنیگو اسے قتل کر دو"

گرنیگو نے چاقو نکال کر عنبر کی پیٹھ میں گھونپنا چاہا مگر چاقو تو جیسے کسی چٹان سے ٹکرایا تھا۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ میں ہی چاقو کا پھل ٹوٹ گیا اور گرینگو کے ہاتھ سے خون نکلنے لگا۔ اب وہ خوف زدہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ ان کا پالا کسی زمینی مخلوق سے نہیں ہے۔ عنبر نے ایک زور دار ہاتھ باس کی گردن پر مارا۔ ہاتھ اس قدر زبردست تھا کہ باس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ اور وہ گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ گرینگو نے اپنے باس کا انجام دیکھا تو ہاتھ باندھ کر گڑگڑا کر بولا۔

"مسٹر بھوت! مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخشی کر دو"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"تم تو مجھے قتل کر رہے تھے"

گرینگو اس کے قدموں پر گر پڑا۔

"غلطی ہو گئی مسٹر بھوت! مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں"

عنبر نے ٹھوکر سے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اٹھو اور اس صندوق کو اپنے سر پہ اٹھا کر میرے ساتھ آؤ"

گرینگو نے بڑی مشکل سے صندوق اٹھا کر اپنے

سر پر رکھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے وہاں سے باہر آیا۔ غار کے ایک پہلو میں ان کی جیپ کھڑی تھی عنبر نے کہا۔

"اس طرف چلو۔ میری جیپ ادھر کھڑی ہے"

اور عنبر گرینگو کو لے کر چٹان کی اوٹ میں اس مقام پر آ گیا جہاں اس کی اڑن طشتری کھڑی تھی اڑن طشتری کو تو گرینگو دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا۔ اس نے زندگی میں کبھی اس قسم کا ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر بٹن دبایا۔ اڑن طشتری کا دروازہ کھل گیا۔ عنبر نے کہا۔

"صندوق اندر لے آؤ"

گرینگو صندوق اٹھائے اندر آ گیا۔ اس نے صندوق ایک طرف دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اڑن طشتری کی مشینوں اور کمپیوٹروں اور ڈائلوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی پریشانی اور حیرانی دیکھ کر عنبر نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کیا ہے؟"

گرینگو نے سر ہلا کر کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھے

مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ
رہا ہوں۔ تم ایک ایسے انسان ہو جس پر چاقو
خنجر اور گولی اثر نہیں کرتی۔ یہ ایسا براقی جہاز ہے
جس کی مثال ساری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

گرینگو! تم ایک سنگدل مگر سیدھے سادے آدمی
ہو۔ کیا تم میرے ساتھ رہو گے؟" "ہاں

"تم کون ہو اور کہاں جانے والے ہو"

عنبر نے کہا۔

"میں جہاں بھی گیا تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا

"کیا تم کسی دوسری دنیا میں جانے کا ارادہ رکھتے ہو"

"شاید۔ کیا تم میرے ساتھ دوسری دنیا میں چلو گے"

گرینگو نے کہا۔ "میں اس دنیا سے تنگ آ گیا
ہوں۔ پولیس ایک سال سے میرا پیچھا کر رہی ہے۔ اس
نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ
تم جہاں بھی لے جاؤ گے چلا جاؤں گا۔ لیکن
میں زندہ رہوں گا"

"کیوں نہیں۔ تم ضرور زندہ رہو گے۔ مگر فی الحال
میں دوسری دنیا میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا

اس لئے بے فکر ہو جاؤ۔"

عنبر نے گرینگو کو اپنی اڑن طشتری کی سیر کرائی۔
وہ خوف زدہ بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔ سوچ
رہا تھا کہ جانے کس دنیا سے [illegible]
گیا ہے۔ عنبر نے کہا۔

"میں یہ دولت یہاں کے غریب لوگوں میں تقسیم
کرنا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر مسلمانوں میں کیا تم بتا
سکتے ہو یہاں مسلمان کہاں [illegible]

گرینگو نے کہا۔

"جناب! اس ملک [illegible]
کسی دوسرے ملک میں جا کر آپ مسلمانوں کی امداد کر
[illegible]

[illegible]

"خیر کوئی بات نہیں۔ یہ اس ملک کی دولت
ہے اور اس ملک کے انسانوں کا حق ہے اس لیے
میں یہاں کے ضرورت مند لوگوں میں اس دولت
کو بانٹوں گا خواہ وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہوں۔"

رات کو عنبر کے پاس بیٹھ کر گرینگو نے چین
کے غریب علاقوں کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیصلہ کیا کہ وہ صبح ان لوگوں کی بستی میں جا کر دولت تقسیم کر دیں گے۔ لیکن گرینکو ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی [illegible] کی دولت لے کر وہاں سے فرار [illegible] نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ وہ رات کے اندھیرے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ وہاں سے وہ رات کے اندھیرے میں ہی فرار ہو سکتا تھا

[illegible]

رشید جمال [illegible] کی تحریر

کیا گرینکو اپنے خطرناک منصوبے میں کامیاب ہو سکا

[illegible] نے [illegible] میں [illegible] دیا ہے [illegible]

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

مسلسل

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زندوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو [illegible] کی قربت سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوفناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ● چوک انارکلی ● لاہور

Courtesy … pk

عنبر اور خونی جزیرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

84/13

موت کا تعاقب سیریز

تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی داستان

عنبر اور خونی جزیرہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
[illegible] ○ [illegible] ○ [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

باہتمام شیخ نسیم محمد ظفر
[illegible] پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

- آگ کا بھوتنا
- شاہی ہار
- سمندری طوفان
- آگ میں پھینک دو
- عنبر اور خونی جزیرہ

اشاعت اول: ۱۹۸۴ء
قیمت: -/۴ روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

عنبر اڑن طشتری میں بیٹھ کر خلائی مخلوق کی سرزمین سے فرار ہو کر زمین کے ایک جنگل میں اتر گیا ہے۔ خلائی مخلوق نے زمین کو تباہ کرنے کی جو خوفناک سکیم بنائی تھی عنبر اسے تہ و بالا کر چکا ہے۔ وہ جنگل میں جا رہا تھا کہ ڈاکو گرینگو سے ان کا مقابلہ ہو گیا۔ گرینگو کے ساتھی مارے گئے۔ عنبر نے ڈاکو گرینگو کو قید کر کے اڑن طشتری میں ڈال دیا۔ گرینگو اڑن طشتری کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے ایک خطرناک سکیم بنائی۔ آدھی رات کو جب عنبر اپنے کیبن میں سو رہا تھا تو ڈاکو گرینگو اٹھا اور اس نے . . . .

اس سے آگے خود پڑھیں تو زیادہ لطف آئے گا

آگ کا بھوتنا

ڈاکو گرینگو نے ایک خطرناک سکیم تیار کی تھی۔

جب رات آدھی گزر گئی تو گرینگو اپنے بستر سے اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ عنبر اڑن طشتری کے اوپر والے کمرے میں سونے گیا تھا۔ عنبر کو اگرچہ نیند کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی یہ سوچ کر کہ رات بیہودہ جاگ کر کیا کرے گا۔ یونہی لیٹ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ گرینگو ڈاکو بڑے آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتے اڑن طشتری کی اوپر والی منزل پر آ گیا۔ اس نے عنبر کو دیکھا کہ سو رہا ہے۔ خزانے کا صندوق اس کے پاس ہی پڑا ہوا تھا۔ گرینگو نے دیوار پر لگا ہوا سرخ پمپ اور سلنڈر اٹھا لیا۔ اس سلنڈر میں آگ بجھانے والی گیس بھری ہوئی تھی۔ یہ گیس اگر آدمی کے اندر چلی جائے تو وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ گرینگو نے خود ماسک پہن لیا۔ اور گیس کو چھوڑ دیا۔ کمرے میں ایک دم سے گیس بھر گئی۔ عنبر ہڑبڑا کر اٹھا مگر گیس اس کے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ وہ نیم بے ہوش سا ہو کر ایک طرف گیا کہ بٹن دبا کر کھڑکی کھول دے مگر گرینگو نے گیس کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ عنبر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

گرینگو یہی چاہتا تھا۔ وہ صندوق کو گھسیٹتا ہوا اڑن طشتری کے دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرے آیا۔ پھر اسے دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور خود بھی اس کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اڑن طشتری کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ گریگو جنگل کے اندر بھی صندوق کو گھسیٹتا ہوا کافی دور تک لے گیا۔ پھر اس نے اسے کسی نہ کسی طرح اپنے سر پر اٹھا لیا اور جنگل میں روانہ ہو گیا۔ یہاں اسے ایک درخت کی کھوہ دکھائی دی۔ اس میں کافی گہرا سوراخ تھا۔ گریگو نے صندوق میں سے سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں نکال کر اس کھوہ کے اندر بھر دیں اور اوپر مٹی وغیرہ ڈال کر اوپر درخت کی شاخیں اور پتے بکھیر دیئے۔

اب کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس درخت کے اندر کروڑوں روپے کا خزانہ دبا ہوا ہے۔ گریگو نے اپنے لئے کچھ ڈالر رکھ لئے تھے۔ اب وہ شہر کی طرف جا رہا تھا۔ شہر وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ بڑی سڑک پر آ گیا۔ ایک ٹرک نے اسے لفٹ دے دی۔ شہر میں آ کر وہ ایک گمنام سے ہوٹل میں کمرہ لے کر رہ گیا۔ ادھر جب عنبر کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ گریگو اپنے آپ غائب ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے اس نے صندوق کو تلاش کیا۔ خزانے کا صندوق غائب تھا۔ سمجھ گیا کہ ڈاکو گریگو اسے لے کر بھاگ گیا ہے۔ وہ اڑن طشتری سے باہر نکل کر جنگل میں آ گیا۔ اس نے جنگل کا کونا کونا تلاش کیا مگر اسے گریگو کہیں نہ ملا۔ خزانہ بھی کہیں نہ ملا۔ عنبر شہر کی طرف چل پڑا۔ دن کے وقت وہ شہر میں آ گیا۔ لوگ سڑکوں پر کاروں اور سکوٹروں اور بسوں میں سوار دفتروں کی طرف جا رہے تھے۔ عنبر ان میں گریگو کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے بڑا افسوس تھا کہ یہی خزانہ کہ جو صدیوں تک بادشاہ چھپاتا رہا تھا وہ

کر نکل آیا۔

دوپہر کو وہ ایک ہوٹل میں آ گیا۔ اس نے یہاں نہانے کے بعد اپنی تھوڑی دیر بیٹھنے کے لئے کھانا کھایا۔ قہوہ پی کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ شام ہو گئی مگر گریگو کہیں نظر نہ آیا۔ عنبر مایوس ہو کر واپس جنگل کی طرف چل پڑا کہ اپنی اڑن طشتری میں سوار ہو کر ناگ اور ماریا کی تلاش میں جائے۔ وہ خزانے سے مایوس ہو چکا تھا۔

جنگل میں آتے آتے رات کا اندھیرا چھا گیا۔ ادھر گریگو بھی ایک جیپ لے کر جنگل میں خزانہ لینے آ چکا تھا۔ وہ جنگل میں اسی درخت کے قریب ہی جیپ سے اتر کر کھڑا تھا جس کے اندر خزانہ دبا ہوا تھا۔ اس کو جب یقین ہو گیا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے تو اس نے درخت کے اندر سے نوٹ اور سونے کی اینٹیں نکال نکال کر جیپ میں لادنی شروع کر دیں۔ جب سارا خزانہ لادا جا چکا تو جیپ سٹارٹ کی اور جنگل میں سے واپس روانہ ہوا۔

عنبر کو جیپ کی آواز سنائی دی تو چونک گیا۔ مگر وہاں درخت اتنے تھے کہ جیپ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بھاگ کر اڑن طشتری میں آ گیا۔ اس نے اڑن طشتری کے دروازے بند کئے اور بٹن دبا دیا۔ اڑن طشتری فضا میں بلند ہو کر درختوں کے اوپر آ گئی اور آہستہ آہستہ اڑنے لگی۔ ادھر گریگو نے بھی اڑن طشتری کی آواز سن لی تھی۔ اس نے جیپ کی سپیڈ تیز کر دی اور جنگل سے باہر نکل کر شہر کو جانے والی سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر آ کر اس کی جیپ دوڑنے لگی۔ عنبر بھی اڑن طشتری لے کر جنگل سے باہر آ گیا۔ اس نے اوپر ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گریٹلو کی جیپ دیکھی، گرا اندھیرے میں روشنیاں بجھانے شہر کی طرف بھاگی جا رہی ہے۔

عنبر اڑن طشتری کو گریٹلو کی جیپ کے اوپر لے آیا۔ عین اوپر لا کر اس نے اڑن طشتری میں سے مقناطیسی شعاعیں نیچے پھینکنا شروع کیں۔ گریٹلو کی جیپ کا انجن جام ہو کر بند ہو گیا۔ اور پھر مقناطیسی شعاعوں نے اسے زمین پر سے اوپر اٹھا لیا۔ جب جیپ زمین سے بیس تیس گز بلند ہو گئی تو گریٹلو نے ڈر کر چھلانگ لگا دی۔ وہ پتھروں پر گرا اور اس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

عنبر جیپ کو اڑن طشتری کے اندر لے آیا۔ اس نے اب گریٹلو کو بھلا دیا تھا۔ جیپ میں سے سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں نکال کر اس نے جیپ کو اڑن طشتری سے باہر نیچے پھینک دیا۔ اور خود اڑن طشتری کو لے کر شہر کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک چوڑے ٹیلے پر درختوں کے درمیان اتر گیا۔ باقی رات اس نے وہیں اڑن طشتری میں گزار دی۔ صبح ہوتے ہی اس نے سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں تھیلوں میں بھریں اور پہاڑی سے اتر کر شہر کی طرف چلا۔ راستے میں اسے غریب لوگوں کے جہاں جہاں گھر نظر آئے وہ وہاں وہاں چپکے سے نوٹوں کی گڈیاں ڈالتا چلا گیا۔

دوپہر تک اس نے ساری دولت غریب لوگوں کے گھروں میں تقسیم کر دی۔ سونے کی اینٹیں بھی اسی طرح وہ لوگوں کے گھروں میں ڈالتا چلا آیا تھا۔ یہ علاقہ بے حد غریب لوگوں کا تھا اور یہاں ایسے لوگ رہتے تھے جن کو دو وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ واپس اپنی اڑن طشتری کی طرف آیا کہ اس کے لیے کسی اگلے [illegible] کی تلاش میں نکلے۔

عنبر اڑن طشتری میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اسے اسٹارٹ کیا اور پہاڑی کے اوپر سے ایک چکر لگا کر اس کا رخ سمندر کی طرف پھیر دیا۔

عنبر کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ناگ ماریا سے اس کی ملاقات کہیں سمندر میں ہی ہو جائے۔ نہیں تو وہ انگلینڈ کی طرف نکل جائے گا۔ اڑن طشتری کو وہ زمین سے اتنی بلندی پر لے آیا کہ یہاں کوئی ہوائی جہاز اس کا پیچھا نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ سمندر کے اوپر آ گیا۔ ادھر سیارے کی لیبارٹری میں اس نے جو ٹائم بم لگایا ہوا تھا وہ اپنے وقت پر پھٹ پڑا۔ اس کے پھٹتے ہی ساری کی ساری فضا میں جل کر راکھ ہو گئی۔ تمام سائنس دان جو دنیا کو تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے اس آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔ لیبارٹری کے بھسم ہوتے ہی اس کی شعاعیں سیدھی خلا میں سے ہو کر اڑن طشتری سے آ کر ٹکرائیں۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ اڑن طشتری میں آگ لگ گئی۔

عنبر نے گھبرا کر پیراشوٹ کے ذریعے باہر چھلانگ لگا دی۔ اڑن طشتری فضا میں ہی جل کر خاک ہو گئی۔ عنبر پیراشوٹ کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ نیچے چاروں طرف سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اسے سمندر تک آنے میں کافی دیر لگی۔ وہ سمندر میں آ کر گرا۔ سمندر کی بلند موجوں نے اسے اپنے اندر چھپا لیا۔ عنبر اپنے زور میں سمندر کے نیچے تک چلا گیا۔ پھر ابھر کر اوپر آ گیا۔ اس نے اپنا پیراشوٹ اتار کر سمندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک جھٹکا دیا اور اس کی لہروں پر لیٹ گیا۔ وہ ڈوب نہیں سکتا تھا علاوہ ازیں لہریں اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگیں۔

ناگ، ماریا اور البرٹا بھی اپنے چچا ڈیگر کے جہاز میں اسی سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ایک روز دن کی روشنی میں ماریا اور البرٹا جہاز کے عرشے پر کھڑی لہروں کا نظارہ کر رہی تھیں کہ ماریا کو دور سمندر میں کوئی شے تیرتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے ناگ کو متوجہ کر کے کہا

"دیکھو وہ کیا شے لہروں میں تیر رہی ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"کوئی ٹوٹا ہوا درخت لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین قریب ہی ہے کیونکہ درخت زمین کی نشانی ہوتے ہیں۔"

اتنے میں چچا ڈیگر بھی وہاں آ گئے۔ ماریا نے انہیں وہ شے دکھائی تو انہوں نے بھی کہا کہ کوئی درخت لگتا ہے۔ ٹارزن نے بھی دور سے جہاز کو دیکھا تھا۔ مگر وہ دور دکھائی دیتا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ اس جہاز میں ناگ اور ماریا سفر کر رہے ہیں۔ اتنے میں بادل گھر گھر کر آ گئے۔ وہ تیز ہوا چلنے لگی۔ سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں جن کی وجہ سے ٹارزن کا وہ درخت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اس دن سمندر میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان آ گیا۔ رات کو طوفان ختم ہو گیا۔ شام ہوتی ہے تو [illegible] جہاز سمندر میں کہیں سے کہیں نکل چکا تھا جزیرہ ان سے بہت دور رہ گیا تھا۔ اگر اس وقت ناگ ماریہ

کی بات کا یقین کر لیتے کہ اگر سمندر کا ایک چکر لگا لیں تو وہ جزیرہ مل سکتا تھا۔

مگر تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ان کا جہاز دور سے چلتے ہوئے ساحل کے ساتھ جا لگا۔ ڈیگر نے جہاز کا لنگر ڈال کے [illegible] پھر ماریا اور البرٹا اور ناگ کو ساتھ لے کر البرٹا کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی مگر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر البرٹا کے مکان پر پہنچ گئے۔ البرٹا کے ماں باپ نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے گلے لگا لیا۔ ناگ اور ڈیگر کے دونوں ہاتھ چومتے ان کا شکریہ ادا کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ ماریا کو کسی نے نہ پہچانا بلکہ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔

لیکن ماریا بڑی خوش تھی کہ اس کی سہیلی البرٹا اتنی مصیبتوں کے بعد اپنے گھر ماں باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اسی روز شام کو ماریا نے البرٹا سے اجازت لی۔ ناگ اور ڈیگر نے البرٹا کے ماں باپ کو خدا حافظ کہا اور وہ البرٹا کے گھر سے نکل کر جہاز کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ڈیگر نے ناگ سے پوچھا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے؟ ناگ نے کہا

"ہم دوبارہ جزیرے کی تلاش میں جا کر ٹارزن کو تلاش کریں گے۔ آپ اگر چاہیں تو جا سکتے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"چچا ڈیگر آپ ساتھ چلیں۔ ہم اب گھر سے تب ہی جائیں گے جب ٹارزن یار آ گئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پھینک دیا اور اس کی لہروں پر لیٹ گیا۔ وہ ڈوب نہیں سکتا تھا۔ لہریں اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگیں۔

ناگ اور ماریا اور الزبتھ بھی اپنے چچا ایڈگر کے جہاز میں اسی سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ایک روز دن کی روشنی میں ماریا اور الزبتھ جہاز کے عرشے پر کھڑی لہروں کا نظارہ کر رہی تھیں کہ ماریا کو دور سمندر میں کوئی شے تیرتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے ناگ کو بلا کر کہا۔

"دیکھو وہ کیا شے لہروں میں تیر رہی ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"کوئی ٹوٹا ہوا درخت لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین آ رہی ہے کیونکہ درخت زمین کی نشانی ہوتے ہیں۔"

اتنے میں چچا ایڈگر بھی اوپر آ گیا۔ ماریا نے اسے وہ شے دکھائی تو اس نے بھی یہی کہا کہ کوئی درخت لگتا ہے۔ عنبر نے بھی دور سے جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ مگر اسے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس جہاز میں ناگ اور ماریا سفر کر رہے ہیں۔ اتنے میں بادل گھر گھر کر آ گئے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں جس کی وجہ سے عنبر جہاز سے کافی دور چلا گیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سارا دن سمندر میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان آتا رہا۔ شام ہوئی تو طوفان ختم ہو گیا۔ اتنی دیر میں عنبر سمندر میں کہیں سے کہیں نکل چکا تھا۔ لہریں اسے اس جہاز سے بہت دور لے گئی تھیں۔ اگر اس وقت ناگ ماریا

کی بات کا یقین کر کے اوپر سمندر کا ایک چکر لگاتا تو وہ عنبر کو مل سکتا تھا۔ مگر تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ان کا جہاز دو دن بعد قسطنطنیہ کے ساحل کے ساتھ جا لگا۔ ایڈگر نے جہاز کا ٹیکس ادا کر کے اسے بندرگاہ پر کھڑا کیا اور الزبتھ اور ناگ کو ساتھ لے کر الزبتھ کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر الزبتھ کے مکان پر پہنچ گئے۔ الزبتھ کے باپ اور ماں نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔ ناگ اور ایڈگر سے ہاتھ ملایا۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ ماریا کو کسی نے نہ پوچھا۔ پوچھتے بھی کیسے وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔ لیکن ماریا بڑی خوش تھی کہ اس کی سہیلی الزبتھ اتنی مصیبتوں کے بعد اپنے گھر ماں باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اسی روز شام کو ماریا نے الزبتھ سے اجازت لی۔ ناگ اور ایڈگر چچا نے الزبتھ کے ماں باپ کو خدا حافظ کہا اور وہ الزبتھ کے گھر سے نکل کر اپنے جہاز کی طرف چل پڑے۔ جہاز پر آ کر ایڈگر نے ناگ سے پوچھا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے؟ ناگ نے کہا۔

"میں اور ماریا تو عنبر کو اس ملک میں رہ کر تلاش کریں گے۔ آپ اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"چچا ایڈگر تمہارے ساتھ بڑے اچھے دن گزرے ہیں۔ تم ہمیں بہت یاد آؤ گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایڈگر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کہنے لگا۔

"ماریا بیٹی! اگرچہ میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے ایسے لگتا ہے کہ تم ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہو مجھے تم سے اپنی بیٹی کی طرح پیار ہو گیا تھا۔ کاش میں تمہارے ساتھ رہ سکتا لیکن میں ملاح ہوں سمندر کا مسافر ہوں خشکی پر زیادہ دیر نہیں ٹک سکتا!"

ایڈگر کو ناگ اور ماریا نے بھیگی آنکھوں سے الوداع کہا۔ وہ اپنا جہاز لے کر سمندروں کی طرف نکل گیا۔ ناگ اور ماریا بندرگاہ سے شہر کے ریلوے سٹیشن پر آ گئے۔ یہاں انہوں نے فرسٹ کلاس ویٹنگ روم کے غسل خانے میں خوب مزے سے غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر ریلوے سٹیشن کے کھانے والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ انگریزوں کی ترقی کا زمانہ تھا۔ انگریز کا بڑا رعب ہوا کرتا تھا۔ یہاں بیرے اگرچہ انگریز تھے مگر وہ کالے آدمیوں کے ساتھ بڑا برا سلوک کرتے تھے۔ کالا آدمی آرڈر دیتا تو بڑی بے دلی سے آرڈر لیتے۔ کتنی دیر تک اسے پوچھتے ہی نہیں تھے۔

ناگ کا رنگ بھی سانولا تھا۔ عنبر کی طرح وہ بھی مصر کا رہنے والا تھا۔ صورت ہی سے لگتا تھا کہ وہ انگریز نہیں ہے۔ ماریا اگرچہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی مگر اسے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انگریز بیرے نے ناگ کو دیکھ لیا تھا مگر اس کے پاس جان بوجھ کر نہ آیا۔ جب ناگ نے اسے آواز دی تو وہ بڑی ہی ملائمی کے ساتھ مسکرا کر بولا۔

"آ گیا سر!"

لیکن اس کے بعد پھر بھول گیا اور دوسرے انگریز گاہکوں کی خدمت میں لگا رہا۔ ماریا نے کہا

"یہ بڑا مغرور انگریز بیرا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"پھر کوئی مفت خورے تو نہیں ہیں۔ یہاں آئے ہیں تو بل بھی ادا کریں گے"

ماریا بولی۔ "مگر وہ تو تمہیں شاید مفت خورہ سمجھ رہا ہے۔"

ناگ نے کہا: "تو پھر میرا خیال ہے اسے سبق سکھانا چاہیے۔"

"تھوڑا سا۔ کیا خیال ہے؟"

"اچھا خیال ہے" ماریا نے کہا۔

ناگ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو پھر تم ہی کوئی کام دکھاؤ اس وقت ——"

ماریا نے محسوس کیا کہ ذرا قریب ایک میز پر بیٹھے دو بوڑھے انگریز بار بار ناگ کی طرف تک رہے تھے کہ یہ اکیلا کس سے باتیں کر رہا ہے۔ ماریا نے کہا۔

"یہ دو آدمی تمہیں شاید پاگل سمجھ رہے ہیں"

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

"ان سے ہم بعد میں نمٹ لیں گے پہلے تم اس انگریز بیرے کی اولاد کو تو مزہ چکھاؤ۔ کم بخت ابھی تک ہمارے پاس آرڈر لینے نہیں آیا"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماریا نے دیکھا کہ انگریز بیرا ٹرے میں کھانے کی پلیٹیں سجائے بڑی شان سے ایک میز کی طرف جا رہا تھا جہاں ایک لال لال منہ والا کوئی بڑا امیر انگریز گاہک بیٹھا کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ماریا اٹھ کر اس میز کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ انگریز بیرا بڑی شان سے اٹھلا اٹھلا کر چلتا ایک ہاتھ میں کھانے سے سجا ہوا ٹرے سنبھالے چلا آ رہا تھا۔ جونہی وہ میز کے قریب آیا ماریا نے اپنی ٹانگ آگے کر دی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ماریا اپنے ارادے سے جس وقت چاہے اپنے جسم کو محسوس بنا سکتی تھی۔ ورنہ عام طور پر اس کا جسم ہوا کی طرح کا ہوتا تھا کہ جس کو کوئی نہیں چھو سکتا تھا۔ انگریز بیرا ماریا کی ٹانگ سے ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا۔ ٹرے الٹ کر سیدھا انگریز گاہک کے کپڑوں پر جا پڑا اور اس کے شاندار کپڑے شوربے اور سالن میں تر ہو گئے۔

بس پھر کیا تھا۔ اس انگریز کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے سارا کمرہ سر پر اٹھا لیا۔ منیجر بھاگا بھاگا آ گیا۔ وہ بھی بیرے کو گالیاں دینے لگا کہ اُو کے پٹھے تمہیں ذرا تمیز نہیں کہ شریف گاہکوں کے آگے کھانا کیسے لے جاتے ہیں۔ انگریز بیرا بار بار کہہ رہا تھا کہ جناب کسی نے میرے آگے ٹانگ کر دی تھی۔ منیجر نے کہا۔

"یہاں تو آس پاس کوئی گاہک نہیں۔ پھر کس نے ٹانگ اڑا دی؟"

گاہک چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"میں اس ریسٹورنٹ روم کو بند کرا دوں گا۔ میرے کپڑے ابھی ڈرائی کلین کرائے جائیں۔"

منیجر بڑی مشکل سے انگریز گاہک کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔ تاکہ اس

اس کے کپڑوں کو فوراً ڈرائی کلین کروانے کا انتظام کیا جا سکے۔

انگریز بیرا شرمندہ سا ہو کر خالی ٹرے میں زمین پر سے پلیٹیں اٹھا اٹھا کر رکھنے لگا۔ وہ بار بار آس پاس دیکھ رہا تھا کہ آخر وہ کون شخص تھا جس نے اس کے آگے ٹانگ رکھ کر گرا دیا تھا۔

دوسری بار وہ باہر نکلا تو ناگ نے اُسے اپنی طرف بلایا۔ انگریز بیرا پہلے ہی غصے میں تھا۔ اوپر سے ایک کالے آدمی نے بلایا تو نفرت سے منہ دوسری طرف کر کے ساتھ والی میز پہ جا کر آرڈر لینے لگا۔ ماریا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ ابھی اس کا دماغ ٹھکانے نہیں آیا۔ ایک حملہ اور کرنا چاہیے۔ ماریا اب اسی میز کے پاس چلی گئی۔ جہاں انگریز بیرا کاپی میں انگریز گاہک عورتوں کا آرڈر لکھ رہا تھا۔ اس کے لمبے کوٹ کی دُم پیچھے لٹک رہی تھی۔ ماریا نے میز پر سے سگریٹ لائٹر اٹھا کر اسے روشن کیا اور انگریز بیرے کے کوٹ کی دُم کو آگ لگا دی۔ پہلے تو بیرے کو پتہ نہ چلا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ دھواں کہیں سے اٹھ رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے چیخ ماری۔ کیوں کہ آگ اس کے آدھے کوٹ کو لگ چکی تھی۔ وہ آگ والے بھوتنے کی طرح وہاں سے بھاگ کر اندر چلا گیا۔

ماریا اور ناگ زور سے ہنس پڑے۔

وہ بڈھے انگریز جو پہلے بھی ناگ کو اکیلے ہی اکیلے کسی سے باتیں کرتے سن چکے تھے اب جو انہوں نے اس کے ساتھ ایک لڑکی کے قہقہے کی آواز سنی تو ان پر خوف سا چھا گیا۔ ناگ کو وہ کوئی بھوت پریت سمجھتے ہوئے وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اٹھے اور ہوٹل سے باہر نکل گئے۔

ناگ نے ماریا سے کہا

"انگریز میرا تو اب یہاں نہیں آئے گا۔ کیوں کہ وہ تو اس وقت تک ہسپتال جا چکا ہوگا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ تم خود ہی اندر جا کر کچھ کھانے کو لے آؤ۔"

ماریا نے کہا

"اچھا میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں اندر سے؟"

اور ماریا ناگ کے سامنے والی کرسی سے اٹھ کر جدھر باورچی خانہ تھا اُدھر چلی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ادھر ہی گئی ہوگی۔ کیوں کہ اُسے تو وہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میز پر اکیلا رہ گیا۔

ایک انگریز جھومتا جھامتا اندر داخل ہوا اور اس کی میز پر اس کرسی پر آکر بیٹھ گیا جس پر ماریا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ناگ سے اجازت بھی نہ لی۔ ناگ نے اس کو کہا کہ اس کرسی پر ایک دوست بیٹھا ہوا ہے۔

"آپ دوسری میز پر چلے جائیں۔ میرا دوست ہاتھ روم تک گیا ہے۔"

انگریز نے کہا۔

"کوئی بات نہیں وہ آئے گا تو میں چلا جاؤں گا۔"

ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جس کی یہ کرسی ہے وہ خود اُسے اٹھا لے گی۔ وہ انگریز ادھر ادھر کی بڑھکیں مارنے لگا۔ اور

ہندوستانی کالوں کے بارے میں نفرت اُگلنی شروع کر دی۔ ناگ کو بڑا غصہ آیا ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ اس انگریز کو مزا چکھا دے۔ لیکن خاموش رہا اور غصے کو پی گیا۔

اتنے میں اسے ماریا کی تیز خوشبو آئی۔ سمجھ گیا کہ ماریا آگئی ہے اس نے اونچی آواز میں کہا

"دوست! تم آگئے ہو؟"

ماریا نے ناگ کے کان میں کہا: "ہاں"

بددماغ انگریز نے ناگ کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"تم کس سے باتیں کر رہے ہو کیا تم پاگل خانے سے بھاگ کر آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"جس دوست کی یہ کرسی ہے وہ آگیا ہے۔"

بددماغ انگریز ادھر ادھر تکنے لگا۔ پھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"تم ضرور کسی پاگل خانے سے بھاگ کر آئے ہو۔ یہاں تو تمہارا دوست کہیں نظر نہیں آتا۔"

ناگ نے کہا "کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟"

انگریز بولا۔

"ہاں ذرا ملاؤ تو سہی اپنے غیبی دوست سے تاکہ میں اس کے بعد پاگل خانے والوں کو ٹیلی فون کر دوں کہ تمہارا ایک پاگل بھاگ کر یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا ہے اسے آ کر لے جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"بہت اچھا۔ اب میرے دوست سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اور اس نے آواز دے کر کہا "دوست! ان سے بولو۔"

اس کے ساتھ ہی ایک زوردار طمانچہ انگریز کے منہ پر آ کر لگا۔ چٹاخ کی آواز آئی۔ لوگوں نے ناگ کی میز کی طرف دیکھا۔ بد دماغ انگریز منہ پر ہاتھ رکھے کانپ رہا تھا۔

ناگ نے کہا

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ یہاں میرا ایک دوست بیٹھا تھا۔ اچھا ذرا تعارف اور کرائے دیتا ہوں۔"

اس نے ماریا سے کہا۔ "ذرا ایک بار پھر ہاتھ ملاؤ۔"

اور ماریا نے دوسرا طمانچہ بھی جڑ دیا۔ انگریز تو چیخ مار کر اٹھا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ ماریا اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اس نے سینڈوچز اور کبابوں والی پلیٹ میز پر رکھ دی پلیٹ جب تک اس کے ہاتھ میں تھی غائب تھی جونہی میز پر آئی ظاہر ہو گئی۔

ناگ مزے لے کر کباب اور سینڈوچ کھانے لگا ماریا بھی کباب کھانے لگی۔ لوگ اب ناگ کو شک کی نظر سے تک رہے تھے۔ کیوں کہ ایک بار اس کے قریب سے لوگ ڈر کر بھاگ گئے تھے اور وہ ہوا میں باتیں کرتا ہوا بھی سنا گیا تھا ایک گاہک نے منیجر سے جا کر شکایت کر دی۔ منیجر جلدی سے باہر آیا

اس نے بیروں سے پوچھا کہ جس میز پر ناگ بیٹھا کباب اور سینڈوچ کھا رہا ہے اس کا آرڈر کس نے سپلائی کیا ہے۔ سب بیروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ انہوں نے ناگ کا کوئی آرڈر نہیں لیا۔

"تو پھر وہ کباب کہاں سے لا کر کھا رہا ہے؟"

منیجر غصے میں آ کر ناگ کی میز کے پاس آ گیا۔ اگرچہ وہ سخت غصے میں تھا لیکن پھر بھی چہرے پر بڑی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"آپ کا بیرا کون ہے؟"

ناگ نے کہا "میرا بیرا میرے سامنے بیٹھا ہے۔"

ماریا نے زور سے ناگ کے پاؤں پر پاؤں مارا۔ ناگ پاؤں پکڑ کر اوئی اوئی کرنے لگا۔ منیجر نے کہا۔

"مسٹر میرے ساتھ مذاق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے یہ نہ بتایا کہ یہ کباب سینڈوچز تم نے کہاں سے لئے ہیں تو میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا۔ کیوں کہ تم نے یہ کباب ہمارے ہوٹل سے چرائے ہیں"

ناگ نے کہا

"مسٹر منیجر میں نے کہہ دیا ہے کہ میرا بیرا جس نے مجھے یہ کباب لا کر دیئے ہیں میرے سامنے بیٹھا ہے اگر تم کہو تو میں تمہارا تعارف کروائے دیتا ہوں۔"

ناگ نے ماریا سے کہا۔

"اے میرے بیرے! اس منیجر سے بھی ذرا ایک ہاتھ ملاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چٹاخ کی آواز کے ساتھ ماریا کا ایک زوردار تھپڑ منیجر کے منہ پر جا پڑا۔ وہ اچھل کر پیچھے جا گرا۔

"یہ... یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔"

وہ فون کی طرف جاتا ہی تھا کہ ماریا نے آگے ٹانگ کر دی۔ منیجر اٹک کر منہ کے بل گر پڑا۔ اس کا سر میز سے ٹکرایا اور وہ زخمی ہو گیا بیرے اسے اٹھا کر اندر لے گئے۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہاں سے کافی زخمی ہسپتال پہنچائے جا چکے ہیں اب ہمیں واپس جانا چاہیے کیا خیال ہے تمہارا؟"

ماریا نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے۔"

دونوں ریلوے اسٹیشن کے باہر آ گئے۔

یہ ۱۹۳۵ء کا سن تھا اور دوسری جنگ شروع ہونے والی ہی تھی ناگ نے ماریا سے کہا

"میرا خیال ہے عنبر ہمیں ملا تو ہم اپنے واپسی کے سفر کی اس سے بات کریں گے۔"

ماریا بولی

"ناگ! میں بھی سفر کرتے کرتے اب تھک گئی ہوں۔ اب ویسے بھی ۱۹۸۰ء آ جائے گا۔ وہاں سے ہمیں واپس لوٹنا ہی پڑے گا۔ ہم اپنے گھروں کو

پانچ ہزار سال پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

ناگ بولا

"بڑا خوبصورت زمانہ پیچھے چھوڑا ہے ہم نے۔ یہ تو بڑا مشینی دور ہے جس میں ہم آ گئے ہیں۔ وہ ہمارے زمانے کا سکون اور خاموشی اور خوبصورتی اس زمانے میں نہیں ہے۔ ہمیں اب واپس چلے جانا چاہیے۔"

ماریا بولی

"عنبر آ گیا تو اس کے ساتھ واپسی کی بات کریں گے۔"

ناگ بولا۔

"اس کے لیے ہمیں کسی پہاڑی غار میں جا کر ایک چلہ کاٹنا پڑے گا دس دن کی عبادت کے بعد ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو جائے گا۔ نہیں تو ہم آگے ہی آگے نکلتے چلے جائیں گے۔"

ماریا نے پوچھا

"اور آگے کہاں جائیں گے۔ یہ دنیا اس وقت ۱۹۸۰ میں سے گزر رہی ہے اور ہم چالیس پچاس سال پہلے کے زمانے میں ہیں یعنی ۱۹۳۵ء میں ہیں۔ ہم ۱۹۸۰ کے زمانے سے آگے تو نہیں جا سکتے۔"

ناگ نے کہا۔

"یہی تو تمہاری بھول ہے۔ ماریا! ہم تو آگے کی طرف چلیں ہی تو آگے ہی آگے چلتے جائیں گے۔ ہم ۱۹۸۰ء سے بھی آگے نکل کر خلائی دور میں داخل ہو جائیں گے۔ اگر ہمیں واپسی کا سفر شروع کرنا ہوگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ہمیں پہاڑی کے اندر جا کر چٹّہ کاٹنا ہوگا۔"

"خدا کے لئے میں تو شاہی زمانے میں بالکل داخل نہیں ہونا چاہتی۔ کہیں سے منبرا جائے تو ہم چٹّہ کاٹ کر واپسی کا سفر شروع کریں ناگ! ہماری واپسی کا سفر تو بڑا ہی دلچسپ ہوگا۔"

"کیوں نہیں۔ اس سفر سے زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز ہوگا کیوں کہ ہم ان واقعات کو ہوتا دیکھیں گے جو پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔ مثلاً جب سلطان صلاح الدین ایوبی یروشلم پر حملہ کرے گا اور عیسائی بادشاہ مل کر اس کے ساتھ جنگ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہوں گے تو سوائے ہمارے وہاں اور کسی انسان کو یہ علم نہیں ہوگا کہ عیسائی بادشاہوں کی فوجیں ہار جائیں گی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو فتح ہوگی۔"

ماریا بڑی خوش ہوئی۔

"اب منبرا آئے تو واپسی کا سفر شروع کریں۔ میں تو یہ دوسری جنگ کی تباہی بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

ناگ نے کہا: "دیکھنا ہی پڑے گا۔ کیوں کہ ہم ۱۹۴۰ء کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ جنگ ایک بار ہو چکی ہے۔ مگر چونکہ ہم پیچھے سے سفر کرتے آگے جا رہے ہیں اس لئے اس جنگ کے واقعات پر سے گزرتے ہوئے ہمیں جنگ کی تباہیوں کو ایک بار پھر دیکھنا ہوگا۔"

وہ باتیں کرتے فٹ پاتھ کے ایک طرف کھڑے تھے۔ لندن میں ت خوشگوار موسم تھا۔ بازار میں رش تھا۔ مگر دوسری جنگ کے سائے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

پڑھ رہے تھے۔ اخباروں میں جنگ کی باتیں لکھی جا رہی تھیں۔ ناگ نے سوچا کہ انہیں لندن میں منبرا کو تلاش کرنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ ان کی تلاش میں وہاں پہنچ چکا ہو۔

"ہمیں رہنا کہاں ہوگا ناگ؟" ماریا نے پوچھا

ناگ کہنے لگا: "میرے خیال میں کسی ہوٹل میں چل کر ڈیرا لگاتے ہیں۔ تم کسی خالی کمرے میں رہ لینا۔ تمہارا تو بل نہیں بنے گا۔ میں بل ادا کر دوں گا۔"

"تمہارے پاس کتنے پونڈ ہیں؟"

ناگ نے جیب میں سے کچھ نوٹ نکال کر کہا۔

"صرف دس پونڈ رہ گئے ہیں۔"

ماریا بولی: "ان سے کیا ہوگا؟ ہمیں کہیں سے کچھ رقم پیدا کرنی ہوگی۔"

ناگ نے کہا: "وہ تو تم کر سکتی ہو۔ ابھی کسی بینک میں چلتے ہیں۔ مدد ـــ"

ماریا نے کہا: "نہیں ناگ! تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی۔"

ناگ ہنس پڑا: "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آخر میں سانپوں کا دیوتا ہوں۔ اور زمین کے اندر پڑے بادشاہوں کے اتنے خزانے ہم سانپوں کے لئے دفن کر گئے ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔"

"تو پھر تھوڑی سی دولت منگوا لو تاکہ تمہارا گزارا ہو جائے۔ کیوں کہ ہمیں ایک مہینہ تو اس شہر میں رہنا ہی پڑے گا۔"

ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ آئے۔ دونوں شہر سے باہر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں سے قبرستان میں آ گئے۔ یہاں ناگ کو یقین تھا کہ سانپ موجود ہو گا اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور منہ سے تیز ہوائیں خارج کیں۔ ایک قبر کے اندر سے سبز سانپ باہر نکل کر ناگ کے آگے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

"حکم میرے ناگ دیوتا"

ناگ نے کہا "کیا اس زمین کے نیچے کوئی خزانہ دفن ہے؟"

سانپ نے ادب سے کہا۔

"عظیم دیوتا! یہاں تو مرے ہی مردے دفن ہیں۔ ہاں سامنے والے پرانے قلعے میں ایک خزانہ زمین کے اندر دبا ہوا ہے۔ اگر آپ حکم کریں تو میں وہ آپ کے لئے یہاں لے کر آ جاتا ہوں۔"

ناگ نے کہا "نہیں۔ مجھے سارے خزانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ اس کے اندر سے سونے کا کوئی ہار یا قیمتی ہیرا لے کر آ جاؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا۔"

سانپ چلا گیا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ سانپ کوئی تاریخی ہیرا یا کسی ملک کا پرانا ہار لے آیا تو اسے فروخت کرتے ہوئے تم پکڑے جاؤ گے۔"

ناگ بولا "دیکھا جائے گا۔ اب کیا کر سکتے ہیں۔"

تھوڑی دیر گزری تھی کہ سانپ واپس آ گیا۔ اس کے منہ میں سونے کا ایک ہار پکڑا ہوا تھا جس پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سانپ نے بڑے ادب سے وہ ہار ناگ کو پیش کر دیا۔ ناگ نے ہار لے لیا اور کہا۔

"تمہارا شکریہ اے سبز سانپ۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ ادب سے سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ کوئی تاریخی ہار لگتا ہے۔ کم بخت سونے کا کوئی ٹکڑا لے آتا تو بہتر تھا۔ اس طرح سے خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع ہو گا۔"

ناگ نے کہا "اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ آؤ شہر چل کر دیکھتے ہیں۔"

ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور قبرستان سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑا۔ قبرستان کا ایک مکار گورکن یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ ناگ کے پیچھے لگ گیا۔ اسے نہ تو ناگ کی طاقت کے بارے میں کچھ خبر تھی اور نہ یہ معلوم تھا کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ہے۔

[illegible]

شاہی ہار

ناگ اور ماریا قبرستان سے باہر نکل آئے۔

شہر کو جانے والی سڑک بالکل سنسان اور ویران تھی۔ ناگ نے سونے کا ہار اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ناگ آہستہ آہستہ اس سے باتیں بھی کر رہا تھا۔ ہٹا کٹا بدمعاش گورکن پیچھے پیچھے درختوں کی اوٹ میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا وہ ناگ کو شہر پہنچنے سے پہلے پہلے اس سڑک کے پاس کسی جگہ قتل کر کے سونے کا ہار اس سے چھین کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ناگ اور ماریا ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سڑک گھنے درختوں کے درمیان سے ہو کر گزرتی تھی۔

جونہی ناگ ماریا وہاں پہنچے گورکن درخت کے پیچھے سے لپک کر آیا اور ناگ پر حملہ کر دیا۔ وار اوچھا پڑا۔ ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ناگ ایک طرف ہو جاؤ۔"

گورکن حیران ہوا کہ وہاں تو ایک ہی آدمی جا رہا تھا یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آ گئی۔ وہ اٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آئی ہے۔ ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر لات ماری خنجر اس کے ہاتھ سے اچھل کر دور جا گرا۔ ناگ نے گورکن کو گردن سے دبوچ لیا۔

"بتا اب تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

ماریا نے کہا: "یہ تمہیں قتل کر کے تمہارا ہار چھیننے آیا تھا۔ تم بھی اسے قتل کر دو۔"

گورکن پر دہشت چھا گئی۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی۔ وہاں تو کوئی لڑکی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی۔ ناگ نے خنجر پکڑ کر اٹھایا تو گورکن ہاتھ باندھ کر گر پڑا۔

"معاف کر دو مجھے بھائی۔ معاف کر دو۔

میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

ناگ نے ماریا سے پوچھا: "کیا خیال ہے تمہارا؟"

ماریا نے کہا: "اس نے چھوٹے چھوٹے بچوں کا نام لیا ہے۔ اسے معاف کر دو۔"

"اچھا جاؤ۔ میں نے تمہیں اپنی بہن کے کہنے پر معاف کر دیا ہے نہیں تو آج تمہاری خیر نہیں تھی۔ اب دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔"

گورکن نے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی تھی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر یوں بھاگا کہ پیچھے بھی مڑ کر دیکھا۔ ماریا نے ہنستے ہوئے کہا "وہ آیا تھا تمہیں لوٹنے۔ ویسے اس کا حملہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔"

"ہاں۔ کم بخت نے ایک بار تو مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں جلدی سے شہر جا کر اس ہار کو فروخت کر دینا چاہیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑی سڑک پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی ٹیکسی مل ہی جائے گی۔

وہ سڑک پر آ گئے۔ ٹیکسی تو نہ آئی مگر ایک بس ناگ کو دیکھ کر رک گئی۔ بس بھری ہوئی تھی۔ ناگ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کہاں ہو ماریا؟"

اس کے آگے کھڑی ایک عورت نے پلٹ کر دیکھا اور غصے میں کہا۔

"خبیث شیطان! تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے کہ میں کہاں ہوں؟"

اصل میں اس عورت کا نام بھی ماریا تھا۔ اس نے شور مچا دیا کہ یہ غنڈہ ہے، اسے پولیس کے حوالے کیا جائے۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ اس عورت نے تو مصیبت کھڑی کر دی تھی۔ ماریا وہاں نہیں تھی بس میں رش دیکھ کر وہ بس کے ڈرائیور کے پاس ہو بیٹھ گئی تھی۔ اس نے جو بس میں شور مچا دیکھا تو فوراً وہاں آ گئی۔ جس عورت کا نام ماریا تھا وہ بار بار ناگ کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہی تھی۔

"اس شیطان نے مجھے چھیڑا ہے۔ میں اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

یہ عورت کچھ زیادہ ہی شور مچا رہی تھی ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ناگ پریشان تھا کہ کس بک بک میں پھنس گیا ہے۔ ماریا نے اس کے کان کے پاس آ کر پوچھا۔

"کیا بات ہوئی ہے؟"

"کیا بات ہوئی ہے؟"

ناگ کے منہ سے ذرا نکل گیا۔

"خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔ میں نے تمہارا نام لیا تھا کہ یہ عورت میرے پیچھے پڑ گئی۔"

وہ عورت چیخ کر بولی۔

"دیکھو! یہ پھر مجھے چھیڑ رہا ہے اور کہہ رہا ہے خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کرو۔"

بس کھڑی ہو گئی۔ لوگ ناگ کے خلاف ہو گئے کیوں کہ وہ کالا انگریز نہیں تھا اور عورت اس کے خلاف شور بھی مچا رہی تھی۔ پھر ان لوگوں کے سامنے ناگ نے یہ جملہ دہرایا تھا:

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئیں۔"

ایک مسافر نے کہا۔ "اسے یہیں اتار دو۔ اس کی یہی سزا بہت ہے۔"

ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ ان کا لندن پہنچنا بھی ضروری تھا۔ وہ راستے ہی میں کیوں اترتے۔ اس نے فوراً جوابی حملہ کر دیا۔ جو عورت شور مچا رہی تھی ماریا اس کے پاس آ گئی۔ عورت کے سر پر پرندے کے پروں والا ہیٹ رکھا تھا۔ ماریا نے اس کا ہیٹ اٹھا کر فضا میں بلند کر دیا۔ عورت نے خوف زدہ ہو کر پہلے ہیٹ کو دیکھا اور کہا۔

"دیکھو۔ یہ شخص مجھ پر جادو بھی کرنے لگا۔"

لوگ بھی عورت کے ہیٹ کو بس کے اندر فضا میں ٹنگا ہوا دیکھ کر حیران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئے۔ ماریا نے ہیٹ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

عورت نے چیخ ماری: "میرا سو پاؤنڈ کا ہیٹ تباہ کر دیا۔"

ناگ نے کہا: "میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا۔ میں تو یہاں کھڑا ہوں۔"

عورت نے کہا: "تم مجھ پر جادو کر رہے ہو؟"

ماریا نے بلند آواز سے کہا: "جادو یہ نہیں کر رہا۔ میں کر رہی ہوں۔"

لوگوں نے چونک کر ماریا کی آواز کو سنا اور دہشت زدہ ہو گئے کیونکہ جس عورت کی آواز آ رہی تھی وہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"تم لوگ مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ میں ایک روح ہوں۔ اب تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاؤ۔"

پھر اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"بس چلاؤ۔"

ڈرائیور پہلے ہی سہما ہوا تھا۔ روح کا حکم سن کر اس نے بس سٹارٹ کر دی اور آگے کو روانہ ہو گئی۔ بس کے اندر سارے مسافر اپنی اپنی جگہوں پر سہم کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ عورت کا برا حال تھا۔ ایک تو اسے اپنے قیمتی ہیٹ کا دکھ تھا۔ دوسرے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں روح اس کا گلا نہ دبا دے۔ لندن شہر کے پہلے سٹاپ پر بس رکی تو ماریا نے کہا

"ناگ آؤ۔ یہیں اتر جاتے ہیں۔"

جونہی ناگ بس سے باہر نکلا باقی سارے مسافر چیخیں مارتے بھوت بھوت کا شور مچاتے بس میں سے باہر نکل کر دوڑ پڑے۔ وہ عورت بھی بھاگ جا

رہی تھی۔

ناگ اور ماریا سڑک کے کنارے کھڑے دیر تک ہنستے رہے۔ پھر ناگ نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھ کر شہر کی بینٹ سٹریٹ میں آ گیا۔ یہاں سونے چاندی کے سوداگروں کی دکانیں تھیں۔ ایک شاندار دکان میں جا کر ناگ نے ہار دکھایا۔ دکاندار نے ہار کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر ناگ کو گھورتا ہوا بولا۔

"یہ تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو بھائی اور یہ بتاؤ کہ تم اس کے کتنے پاؤنڈ دو گے۔ مجھے زیادہ دولت نہیں چاہئے۔ ویسے اس کی قیمت کتنی ہے؟"

دکاندار نے کہا۔

"اس کی قیمت دس لاکھ پاؤنڈ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ مگر میں یہ ہار حکومت کے حوالے کروں گا کیونکہ یہ شاہی خاندان کا پرانا ہار ہے۔ تاریخی ہار ہے۔"

"بھائی آپ مجھے اس کے ایک ہزار پاؤنڈ ہی دے دیں۔ باقی ہار آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ مجھے زیادہ دولت کا لالچ نہیں ہے۔"

دکاندار نے کہا

"مگر سوال یہ ہے کہ یہ تم نے کہاں سے لیا ہے! میں ایک ایماندار شہری ہوں۔ میں اس کی اطلاع پولیس کو دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ناگ نے دیکھا کہ یہ دکاندار بھی اس کے لئے مصیبت بن گیا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"یہ تو پھر سنو۔ یہ ہار مجھے ایک سانپ نے دے دیا ہے۔"

"سانپ نے؟" دکاندار نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں سانپ نے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے۔ تو میں آپ کو تجربہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

دکاندار نے ناگ کو جھوٹا اور چور سمجھا ہوا تھا۔ اس نے کہا

"اندر میرے کمرے میں چل کر تجربہ کرو۔"

ناگ کے پاس ہی ماریا بھی کھڑی تھی۔ اس نے ناگ کے کان میں کہا

"کیوں خطرہ مول لے رہے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "میں اسے سچی بات دکھا رہا ہوں۔"

دکاندار نے کہا۔ "یہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟"

ناگ بولا۔ "جو میرے ساتھ یہ تجربہ کرے گا۔"

ناگ کو لے کر دکاندار ایک کمرے میں گیا۔ اس سے پہلے اس نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ ابھی ناگ نے اپنا تجربہ شروع ہی نہیں کیا تھا کہ وہاں پولیس انسپکٹر بھی سپاہی لے کر آ گیا۔ وہ ناگ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا کہ ناگ نے کہا۔

"میں نے یہ ہار ایک سانپ سے لیا ہے۔ آپ کے سامنے میں اسی سانپ کو بلاتا ہوں۔ اور ہار اسے واپس کئے دیتا ہوں۔"

انسپکٹر ہنس پڑا۔

"تم بڑے چالاک بھی ہو۔ خیر یہ تجربہ بھی پورا کرو۔ بلاؤ سانپ کو۔"

ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور سانپ کو بلایا۔

ایک سیکنڈ کے بعد کمرے کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوئی۔ اور وہی سانپ ظاہر ہو گیا وہ قالین پر رینگتا ہوا ناگ کے سامنے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی زبان میں بولا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا! آپ نے مجھے یاد کیا۔"

ناگ نے کہا

"ان لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ یہ ہار تم نے مجھے دیا ہے۔ انہیں اس طرح یقین دلاؤ کہ اسی قسم کے دوسرے ہار جو خزانے میں ہیں لے کر میرے آگے حاضر ہو جاؤ۔"

سانپ نے سر جھکا کر کہا۔ "جو حکم میرے آقا۔"

سانپ دیوار میں سے واپس نکل گیا۔ انسپکٹر پولیس اور دکاندار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کیا؟ ذرا انتظار کیجئے ابھی سانپ دوسرے ہار جواہرات لے کر آتا ہے۔"

دکاندار نے کہا۔ "تم ... تو کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا تمہیں کہ میں جادوگر ہوں یا اس سے بڑھ کر۔" [illegible] منٹ میں سانپ دوبارہ نمودار ہوا۔ اب کے اس کے منہ میں اسی طرح کے سات ہار پکڑے ہوئے تھے۔ انسپکٹر پولیس اور دکاندار تو یہ ساری چیزیں دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ناگ نے وہ ہار بھی سانپ کو دے دیا اور کہا۔

"اس وقت اسے واپس خزانے میں جا کر رکھ دو۔"

سانپ نے ناگ کے ہاتھ سے ہار لیا اور واپس دیوار میں سے گزر گیا۔ اس کے جاتے ہی دیوار دوبارہ بند ہو گئی۔ دکاندار کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ضد کر کے ہاتھ آیا ہوا مال ضائع کر دیا۔ انسپکٹر کو یقین آ گیا تھا کہ ناگ کوئی چور نہیں ہے۔ بلکہ ایک سپیرا ہے وہ جادوگری بھی جانتا ہے اس کو اس طرح کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ چپ چاپ سیلوٹ کر کے واپس چلا گیا۔ اب وہاں دکاندار اور ناگ اور ماریا ہی رہ گئے۔

دکاندار نے ناگ کے آگے خوشامد شروع کر دی۔ اور کہا کہ اگر وہ سانپ کے ذریعے خفیہ خزانے میں سے ہار لا دے تو وہ ابھی اسی وقت ایک لاکھ پاؤنڈ ادا کر دے گا۔ ناگ نے ہنس کر ماریا سے پوچھا۔

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

اب ناگ کھلے بندوں ماریا سے بات کرنا چاہتا تھا تاکہ دکاندار کو اس کی جادوگری کا پورا یقین ہو جائے۔ ماریا نے کہا۔

"اس سے پہلے ایک ہزار پاؤنڈ ایڈوانس لے لو پھر آئیں گے تو خزانے کے بارے میں بات کریں گے۔ ابھی ہم لندن میں ہی ہیں۔"

دکاندار گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آ رہی ہے سانپ نے کہا۔

"انسپکٹر ہنس کر بولا قبول ہے؟ کیا تم ہمیں ایک ہزار پاؤنڈ ایڈوانس دینے پر تیار ہو؟"

دکاندار تو انگریز تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ کوئی جادوگر ہے اور کوئی دولت جو اس کے قبضے میں ہے لیکن اس نے پوچھے بغیر ہزار پاؤنڈ دینے سے انکار کر دیا۔ اور بولا۔

"اگر تم مجھے ہار لا کر دے دو تو میں ابھی اسی وقت تمہیں دس ہزار پاؤنڈ دینے کو تیار ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "نہیں۔ میں اب یہ کام نہیں کروں گا۔ کیوں کہ وہ خزانہ شورش خاندان کی ملکیت ہے۔ جس کے آباؤ اجداد کو مرے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور اسی خاندان کے لوگ اس وقت بھی برطانیہ پر حکومت کر رہے ہیں۔"

دکاندار نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ناگ مان جائے مگر ناگ نے ایک نہ سنی اور ماریا کو لے کر دکان سے باہر نکل آیا۔ جاتے جاتے ماریا نے اتنا ضرور کیا کہ دکان کے باہر والے شوکیس کے شیشے پر مکا مار کر چھن کے ساتھ شیشہ چکنا چور کر دیا۔ دکاندار اپنا سر پکڑ کر رہ گیا اور افسوس کرنے لگا کہ اس نے زیادہ لالچ کیوں کیا اور کیوں نہ پہلے ہی ہار خرید لیا۔ ناگ اور ماریا وہاں سے نکل کر لندن کے بازاروں میں گم ہو گئے۔ ماریا نے کہا۔

"اب پاؤنڈ کہاں سے ملیں گے ہمیں؟"

ناگ نے کہا: "لندن میں ہندوستان کے مارواڑی ہندو سیٹھ بھی دکانداری کرتے ہیں۔ وہ بڑے کنجوس مکھی چوس ہوتے ہیں۔ اور بڑی مہنگی چیزیں بیچ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاہکوں کو لوٹتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی دکان پر جا کر کچھ ضرورت کے پیسے لے لیتے ہیں۔"

ماریا نے کہا: "نہیں ناگ۔ یہ بھی چوری ہوگی۔ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ غضب ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں دوبارہ ایسا خیال بھی دل میں نہیں ڈالوں گی۔"

"ماریا کیوں نہ ایسا کرتے ہیں کہ لندن کے ہائیڈ پارک میں چل کر لوگوں کو جادو کا تماشا دکھاتے ہیں۔ اس طرح سے جو پیسے لوگ خوش ہو کر ہمیں دیں گے ان کو ہم اپنے کام میں لائیں گے۔"

"ونڈر فل آئیڈیا" ناگ نے کہا۔

ماریا اور ناگ لندن کے ہائیڈ پارک میں آ گئے۔ یہاں بڑی رونق تھی۔ لوگ تفریح کرنے آئے ہوئے تھے۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

"میں یہاں سے ایک درخت کی ٹہنی اٹھا کر اس کا جادو لوگوں کو دکھاؤں گا۔ میں جو کہوں تم وہی کرنا۔"

اس کے ساتھ ناگ ایک جگہ بنچ پر کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو جمع کر لیا۔ لوگ پہلے ہی تفریح کرنے آئے تھے۔ اردگرد کھڑے ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو جادو دکھاؤں گا۔ یہ میرے ہاتھ میں چھڑی ہے۔ یہ ابھی میرے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں کھڑی ہو جائے گی۔ چلو۔ ایک۔ دو۔ تین۔"

اس کے ساتھ ہی ماریا نے ہاتھ سے چھڑی اٹھا کر اوپر کر دی۔ لوگوں نے جب چھڑی کو ہوا میں لٹکتے دیکھا تو زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ ناگ نے کہا۔

"اب میں اس لڑکے کا ہیٹ یہاں اشارے سے اپنے پاس لاؤں گا۔"

ناگ نے اشارہ کیا۔ ادھر ماریا لڑکے کے سر سے ہیٹ اتار کر ناگ کے پاس لے آئی۔ لوگ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ تالیاں پیٹنے لگے۔ اب ناگ نے کہا۔

"میں آپ کے سامنے جیب سے ایک رومال نکالوں گا۔ یہ رومال خالی ہوگا۔"

پھر ناگ نے جیب سے رومال نکال کر جھاڑا اور سب کو دکھا کر کہا۔

"دیکھیں صاحبان! یہ خالی ہے اگر میں اس میں کوبرا سانپ پیدا کر دوں تو کیا خیال ہے؟"

لوگوں نے شور مچایا

"سانپ پیدا کر کے دکھاؤ۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ کبھی نہیں کر سکتے۔"

ناگ نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کے سامنے کوبرا سانپ پیدا کروں گا۔ لیکن اس کے لئے آپ کو ٹکٹ خریدنا ہوگا اور میرا ٹکٹ ہے پچاس پونڈ۔ پچاس پونڈ پورے کر دیں۔ میں آپ کے سامنے سانپ پیدا کروں گا۔"

ایک بوڑھے انگریز نے کہا۔

"اور اگر تم سانپ پیدا نہ کر سکے تو؟"

ناگ نے کہا: "تو آپ کے پیسے آپ کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ کیا منظور ہے؟"

"منظور ہے" سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ ہی لوگوں نے اپنی اپنی پاکٹ سے پاؤنڈ کے نوٹ نکال کر ناگ کو دینے شروع کر دیئے۔ جب پچاس پاؤنڈ ہو گئے تو ناگ نے ساری رقم اپنی جیب میں رکھ لی۔ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی اس نے ناگ کے کان میں کہا۔

"اب یہاں سے بھاگ جاتے ہیں"

ناگ نے مسکرا کر کہا: "نہیں ماریا۔ میں ان لوگوں کو ان کے پیسوں کا پورا حق دوں گا۔ میں انہیں کھیل دکھاؤں گا"

ایک انگریز نے چلا کر کہا: "تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم پاگل ہو"

ناگ نے کہا: "میں سانپ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ آنے پر راضی ہو رہا ہے"

"تو پھر سانپ کو بلاؤ۔ نہیں تو ہمارے پیسے واپس کرو"

ناگ نے بلند آواز میں کہا۔ "صبر کرو اور اس رومال کی طرف غور سے دیکھتے رہو"

ناگ نے رومال کو جھاڑ کر کھڑا کر کے سب لوگوں کے سامنے زمین پر رکھ دیا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر کے سانپ کو آواز دی۔

اور کہا: "اے سیاہ سانپ، تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً میری خدمت میں حاضر ہو جاؤ"

ناگ کو ایک پھنکار کی آواز سنائی دی۔ لوگوں نے دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا رومال آہستہ آہستہ ہلنے لگا ہے۔ وہ ناگ نے آنکھیں کھول کر رومال کو

دیکھا اور کہا۔

"دوستو! سانپ آ گیا ہے"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے رومال اوپر اٹھا لیا۔ نیچے سیاہ سانپ پھن اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ لوگ پہلے تو ڈر کر پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ پھر زور زور سے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ ناگ نے سانپ سے کہا۔

"جھک کر سب کو سلام کرو"

سانپ اپنا پھن گھما کر لوگوں کے آگے جھک گیا۔ لوگ اور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ ناگ نے خود بھی سب کو سلام کیا اور سانپ کے اوپر رومال ڈال کر کہا

"سانپ! اب تم واپس جا سکتے ہو"

دوسری بار ناگ نے جب رومال اٹھایا تو وہ خالی تھا۔ سانپ جا چکا تھا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان لوگوں میں لندن کے ایک ہسپتال میں کام کرنے والی لڑکی بھی تھی۔ وہ ہسپتال میں سانپ کے کاٹے ہوئے لوگوں کے علاج کے لئے سانپوں کا زہر نکال کر اس کے ٹیکے تیار کرتی تھی۔ اس کا نام جیکی تھا۔ وہ ناگ کے پاس آ کر بولی

"مسٹر! تم ہمیں اس طرح کے سانپ لا کر دو تو ہم ان کا زہر نکال کر سانپ واپس کر دیا کریں گے اور تمہیں ہر سانپ کے عوض پیسے دیں گے"

ناگ نے کہا: "شکریہ مس! میں کاروبار نہیں کرتا"

جیکی نے کہا: "یہ کاروبار نہیں یہ تو انسانوں کی خدمت ہے۔ ہمارے پاس ایسے

ر سانپ کے

تے تھے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ وہ ٹیکے ہیں جن سے سانپ کے کاٹے کا علاج ہوتا ہے۔ ہم یہ ٹیکے افریقہ اور ایشیا کے ملکوں کو بھیجتے ہیں۔ جہاں ہر سال سینکڑوں لوگ سانپوں کے ڈسنے سے مر جاتے ہیں۔

ماریا نے کہا "یہ نیک کام ہے ناگ۔" ماریا پھر بولی:

"مگر ماریا میں یہ کام کرنے نہیں آیا۔"

ڈاکٹر پلکی نے چونک کر کہا۔

"میرا نام ماریا نہیں پلکی ہے۔"

وہ یہ سمجھی کہ ناگ اس سے بات کر رہا ہے حالانکہ وہ ماریا سے مخاطب تھا۔ ماریا ہنس پڑی۔ ناگ نے کہا۔

"معاف کرنا ڈاکٹر میں تمہارا نام نہیں جانتا یونہی منہ سے ماریا نکل گیا۔"

ناگ نے حامی بھری کہ وہ ایک دن کے لئے اس کے ہسپتال جا کر کچھ سانپ وہاں منگوائے گا تاکہ وہ ان کا زہر نکال کر زیادہ سے زیادہ مریضوں کے لئے ٹیکے تیار کر سکے۔

"تو پھر چلو۔ میں ہسپتال ہی جا رہی ہوں۔"

ناگ نے الگ ہو کر ماریا سے مشورہ کیا ماریا نے کہا۔

"ہمیں تو جینفر کو یہاں ہر جگہ تلاش کرنا ہے۔ چلو اس ہسپتال میں بھی چلتے ہیں ہو سکتا ہے وہاں اس کا کوئی سراغ مل جائے۔"

ناگ ڈاکٹر پلکی کے ساتھ اس کے ہسپتال روانہ ہو گیا یہ ہسپتال شہر کے اندر ایک دو منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر تھا۔ یہاں ایسے مریض آتے تھے جن

کو سانپ نے کاٹا ہو۔ ان کو ٹیکہ لگا کر ان کا علاج کیا جاتا تھا۔ اور سانپ کے زہر کے ٹیکے افریقہ، ملایا اور ایشیا کے ملکوں کو بھی روانہ کئے جاتے تھے۔ ان ملکوں سے ٹیکوں کی قیمت نہیں لی جاتی تھی۔ ہسپتال کا خرچ حکومت اور ملک کے امیر لوگ پورا کر رہے تھے۔

ناگ نے دیکھا کہ ہسپتال میں رہنے کو جگہ بھی ہے۔ اس نے ماریا سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اس جگہ ڈیرا جما لیا جائے ہوٹل کے خرچ سے بھی بچے رہیں گے اور ہم لندن میں جینفر کی تلاش جاری رکھیں گے۔ ماریا کو یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے ڈاکٹر پلکی سے ذکر کیا تو وہ مان گئی۔ ناگ نے کہا کہ وہ ہر روز کچھ سانپ پیدا کر دیا کرے گا جن کا وہ زہر نکال سکے گی۔ اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں تھی۔ ایک روز بعد سانپ کے اندر پھر زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہیں سانپ پیدا کر کے دے دو۔ ہم تمہیں اپنے ہسپتال میں رکھ لیں گے۔ اس طرح تم روز روز سانپ لانے کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"

ناگ نے اس تجویز کو پسند کیا اور کہا۔

"میں ایسا ہی کر سکتا ہوں۔ میں آج رات ہی تمہیں بہت سے سانپ پیدا کر کے دے دیتا ہوں میں تم سے ان کی قیمت بھی نہیں لوں گا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ چند دن ہمیں لندن میں رہنا ہے ہم اس ہسپتال کے کمرے میں رہیں گے۔ ہمیں اس کی اجازت دی جائے۔"

مگر ڈاکٹر پلکی نے تعجب سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہیں سے کیا مراد ہے تمہاری! کیا تمہارے ساتھ کوئی عورت بھی رہے گی؟"

"وہ جنہیں نہیں۔ میں یونہی کہہ گیا۔ میں اکیلا ہی رہوں گا۔ بالکل اکیلا رہوں گا۔"

ناگ کو ہسپتال میں ایک کمرہ مل گیا۔ اسی کمرے میں ایک طرف رات کو ماریا قالین پر لیٹ کر رات گزار دیتی۔ ناگ نے ہسپتال کی ڈاکٹرنی چنکی کو ایک ہی بار ساتھ ستر سانپ لا کر دے دیئے تھے۔ وہ بڑی خوش تھی۔ ناگ اور ماریا رات کو ہسپتال میں رہتے تھے اور دن بھر وہ شہر میں عنبر کی تلاش کرتے پھرتے۔

سمندر اور طوفان

عنبر کو تلاش کرتے پندرہ دن گزر گئے تھے۔

وہ شہر میں کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عنبر جب خلائی جہاز تباہ ہونے کے بعد سمندر میں گرا تو پہلے تو سمندر کی لہروں کے نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا۔ پھر جب اوپر آیا تو لہروں نے اسے اپنے ساتھ بہانا شروع کر دیا۔ سمندر چڑھا ہوا تھا اور طوفان آنے والا تھا۔ ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔ پھر بڑے زور کی آندھی چلنے لگی۔ لہریں سمندر میں اٹھ اٹھ کر آسمان کو چھونے لگیں۔ عنبر کو لہریں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ نہ اسے زخمی کر سکتی تھیں۔ اور نہ ڈبو سکتی تھیں۔ بس اسے اٹھا اٹھا کر ادھر سے اُدھر پھینک رہی تھیں اور عنبر بھی ایسے مزے لے رہا تھا جیسے جھولا جھول رہا ہو۔ اس طرح وہ سمندر میں ایک دن ایک رات بہتا رہا۔ دوسرا دن آ گیا۔ سمندر میں طوفان ختم ہو چکا تھا لیکن خشکی کا کہیں نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر کو بھی ناگ اور ماریا کی فکر تھی۔ وہ جلد کسی خشکی کے علاقے پر پہنچ کر انہیں تلاش کرنا چاہتا تھا۔ خشکی نظر ہی نہیں آ رہی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرح دوسرا دن بھی گزر گیا۔ جب شام ہونے لگی اور دھوپ ڈھل گئی تو عنبر کو بہروں نے ایک جزیرے کے ساحل پر لا کر پھینک دیا۔ عنبر اٹھا اور ریت پر چلتا درختوں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ بہروں پر بیٹھے بیٹھے وہ تھک گیا تھا۔ اکڑ کر لیٹنے لگا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ جزیرے کے درختوں پر دھوپ اتر رہی تھی

یہ بڑا سرسبز جزیرہ تھا۔ گھنے درختوں کے جھنڈ ہی جھنڈ تھے۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں ضرور کوئی آبادی ہوگی یہاں ہو سکتا ہے دوسرے ملکوں کے جہاز آکر سامان لے جاتے ہوں۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ جزیرے پر کہیں کوئی آبادی نہیں تھی ایک بھی مکان یا جھونپڑی نظر نہ آئی۔ نہ کہیں کسی کشتی کا نشان تھا۔ جب رات ہو گئی تو عنبر ایک جگہ سمندر کے کنارے پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ یہاں سے کس طرح نکلے۔

آخر اس کے دماغ میں یہی ایک ترکیب آئی کہ کسی درخت کو کھوکھلا کر کے ایک کشتی بنا لے اور سمندر میں اتر جائے کبھی نہ کبھی لہریں اسے کسی ساحلی شہر کی بندرگاہ پر پہنچا دیں گی۔ اسی طرح سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ ناگ اور ماریہ کے ساتھ ایک صحرا میں سے گزر رہا ہے۔ بڑے زور کی آندھی چل رہی ہے۔ وہ بچھڑ جاتے ہیں۔ پھر آسمان سے ایک سرخ شعلہ نیچے اترتا ہے اور عنبر کے سامنے آکر ایک عورت کی شکل بن جاتا

ہے اور اسے کہتا ہے۔

"عنبر! اب تم لوگوں کے واپس جانے کا وقت آگیا ہے اب تمہیں واپسی کا سفر کرنا ہوگا۔ کیونکہ تمہیں اپنے وطن سے نکلے پانچ ہزار سال گزر گئے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"میں بھی سفر کرتے کرتے تھک گیا ہوں آخر میں کب تک یونہی دربدر پھرتا رہوں گا؟"

عورت نے کہا۔

"تم بہت جلد واپسی کا سفر شروع کرنے والے ہو۔"

عنبر نے پوچھا

"کیا واپسی کے سفر میں بھی پانچ ہزار سال لگیں گے؟"

عورت نے کہا

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔"

عنبر بولا

"میں اپنے ماں باپ کے شہر جانا چاہتا ہوں میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے مصر کی گلیاں بازار دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس زمانے کا دریائے نیل دیکھنا چاہتا ہوں جب میں بچپن میں وہاں نہایا کرتا تھا۔"

عورت بولی: "تم بہت جلد واپس روانہ ہو جاؤ گے پھر تم اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وطن پہنچ کر آج سے پانچ ہزار سال پہلے کا مصر اور دریائے نیل اور اپنے وطن کے محل کو پھر دیکھ سکو گے۔

عنبر نے پوچھا۔

"ناگ اور ماریا مجھے کب ملیں گے کیونکہ ان کے بغیر میں واپسی کا سفر نہیں کر سکتا۔"

عورت نے کہا۔

"تم بہت جلد ان سے ملو گے اور پھر تم تینوں مل کر اپنے پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔"

عنبر نے پوچھا

"کیا واپسی کا سفر بھی اتنا ہی سنسنی خیز اور دلچسپ ہو گا؟"

عورت نے کہا۔

"نہیں۔ واپسی کا سفر زیادہ دلچسپ، زیادہ حیرت انگیز اور زیادہ سنسنی خیز ہو گا۔"

اتنا کہہ کر عورت پھر شعلہ بن کر غائب ہو گئی۔ صحراؤں میں آندھی تیز ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جزیرے پر رات کی گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ درخت چپ چاپ کھڑے ہیں۔ عنبر خواب کو یاد کر کے خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی واپس اپنے وطن جانا چاہتا تھا۔ اتنی مدت تک سفر کرتے کرتے وہ تنگ آ گیا تھا۔ تھک گیا تھا۔ اب چاہتا تھا کہ

اپنے پانچ ہزار سال کے پرانے سفر پر روانہ ہو جائے [illegible] جب کہ خواب کی عورت نے کہا تھا کہ اس بار واپسی کے سفر میں اسے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز واقعات پیش آئیں گے۔

ایک غراہٹ سی اسے سنائی دی۔ عنبر نے درختوں کے اندھیرے میں دیکھا۔ آواز ادھر سے ہی آئی تھی۔ یہ کسی جنگلی درندے کی آواز تھی۔ عنبر نے کوئی خیال نہ کیا۔ جنگلی درندہ اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا اور واپسی کے سفر کو یاد کر کے خوش ہوتا رہا۔

اس نے سوچا کہ واپس مصر جا کر وہ بیٹے کے قدموں پہ پانچ ہزار سال پرانی مصری زبان میں ایک کتاب لکھے گا جس کا نام وہ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا سفر رکھے گا۔ قدیم زمانے کے لوگ جب آج کے زمانے کی حیرت انگیز باتیں پڑھیں گے تو انہیں یقین نہیں آئے گا کہ کبھی زمانہ اتنا بھی ترقی کر سکتا ہے کہ انسان ہوائی جہاز اور اڑن طشتریوں میں بیٹھ کر خلاؤں میں سفر کرتے پھرے۔

وہی غراہٹ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس دفعہ آواز کے ساتھ ہی کسی عورت کی دبی دبی چیخ بھی سنائی دی۔ عنبر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چلا۔ درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا اور خاموشی چھائی تھی۔ صرف عنبر کی آنکھیں ہی اس اندھیرے میں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ اندھیرے میں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے کہیں کوئی درندہ دکھائی نہ دیا [illegible] ہی والا تھا کہ اچانک وہی غراہٹ ایک بار پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر یہ اس بار آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ یہ کسی چیتے کی آواز تھی۔ عنبر آواز کی طرف لپکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جگہ درختوں کے نیچے گڑھا یا کنواں سا ہے اور ایک چیتا اس کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے غرا رہا ہے۔ عنبر کے پہنچتے ہی چیتے نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اندھیرے میں چیتے کی آنکھیں تو سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ جونہی چیتے نے ایک انسان کو دیکھا وہ گرج کر دھاڑا اور اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر پہلے سے تیار تھا۔ چیتا عنبر کے سر پر گرا۔ عنبر نے اسے لیتے ہی اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ چیتا غصے سے پاگل ہو گیا اور عنبر پر پھر حملہ کیا۔ اس دفعہ عنبر نے اسے دونوں ہاتھوں سے گردن سے پکڑ لیا اور اس کی گردن دبانی شروع کر دی۔ چیتا تڑپ رہا تھا اور اس کے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر عنبر کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عنبر نے چیتے کی گردن دبا کر ہلاک کر دیا۔ چیتے کی لاش ایک طرف پھینک کر وہ گڑھے کی طرف آیا۔ کیونکہ اس کے اندر سے عورت کی دبی دبی رونے اور چیخوں کی آواز آ رہی تھی۔

عنبر نے جھک کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک قدرتی گڑھا تھا جو شاید زمین کے نیچے بیٹھ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ عنبر نے اندھیرے میں دیکھا کہ گڑھا کافی گہرا ہے اور اس کی ایک جانب کوئی عورت سہمی سہمی بیٹھی ہے۔ عورت نے بھی منہ اوپر کر کے ایک انسانی سر دیکھ لیا تھا مگر وہ ڈری ہوئی تھی۔ اس کا خیال [illegible] کا جنگ [illegible]

نہیں چھوڑے گا چیتے سے تو وہ بچ گئی ہے مگر اس جنگلی سے نہ بچ سکے گی۔

عنبر نے آواز دی

"بہن، تم کون ہو؟"

عورت نے ایک مہذب انسان کی آواز سنی تو خوش ہو کر اٹھی اور بولی۔

"میں کون ہوں؟ یہ باہر آ کر بتاؤں گی۔ پہلے مجھے باہر نکالو۔"

عنبر نے کہا

"ذرا ٹھہرو میں کسی درخت کی لمبی شاخ کاٹ کر لاتا ہوں۔"

عورت نے کہا

"نہیں شاخ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نیک اور ہمدرد انسان ہو تو یہاں سے تھوڑی دور دائیں ہاتھ کو درختوں میں چھپا ہوا ایک جھونپڑا ہے۔ اس جھونپڑے میں ایک رسہ پڑا ہے۔ مجھے اس رسے کی مدد سے تم باہر نکال سکتے ہو۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور گڑھے سے ہٹ کر جھونپڑے کی طرف چلا۔ تھوڑی دور درختوں میں اسے یہ جھونپڑا مل گیا۔ یہ ایسا ہی جھونپڑا تھا جیسا کہ جنگلی لوگوں کا ہوتا ہے۔ اندھیرے میں عنبر کو سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ زمین پر پتوں کا بستر بچھا تھا۔ کمرے میں جنگلی پھلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک طرف رسی کا گچھا رکھا تھا۔ عنبر نے رسی کا گچھا اٹھایا اور

گڑھے کے پاس آکر اسے نیچے لٹا دیا۔

"اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔"

عورت نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ عنبر کے لئے اس عورت کو اوپر کھینچنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی پہلوان دھاگے کے ساتھ بندھا ہوا کھلونا اوپر کھینچے۔ پھر بھی عنبر نے اس خیال سے عورت کو آہستہ آہستہ اوپر کھینچا کہ کہیں اسے اس کی غیر معمولی طاقت پر شک نہ پڑ جائے۔ عورت گڑھے سے باہر نکلی تو عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی مگر اس کے جسم پر کپڑوں کی بجائے پتوں کا لباس تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے مگر چہرے سے لگتا تھا کہ پڑھی لکھی خاندانی لڑکی ہے۔ پتوں سے اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ عنبر نے پوچھا

"تم کون ہو بہن اور اس گڑھے میں کیسے گر پڑیں، کیا تم اس جھونپڑی میں رہتی ہو؟"

لڑکی نے کہا۔

"تم نے بہت سے سوال کر دیئے ہیں۔ میرے ساتھ جھونپڑے میں چلو۔ مگر پہلے یہ بتاؤ کہ خونخوار چیتا کہاں ہے۔ کہیں وہ پھر آکر ہم پر حملہ نہ کر دے۔"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔ وہ دیکھو اس کی لاش پڑی ہے۔"

لڑکی نے اندھیرے میں چیتے کی لاش دیکھی تو بڑی حیرانی سے بولی۔

"تم نے بغیر بندوق کے اسے کیسے ہلاک کر دیا؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے پاس ایک ڈنڈا تھا۔ بس وہ ڈنڈا سیدھا چیتے کے سر پہ پڑا۔ کیا کرتا۔ اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔ بس چیتا مر گیا۔"

لڑکی نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے جھونپڑے میں آگئی۔ یہاں آکر اس نے اپنی کہانی یوں بیان کی۔

"میں فرانس کے ایک پروفیسر کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اسکندریہ میں پروفیسر تھا۔ جب وہ ریٹائر ہو کر واپس فرانس جانے لگا تو ہمارا ایک رشتے دار اپنے کنبے کے ساتھ ہمیں ملنے آگیا۔ ان لوگوں نے بحیرہ روم کے ایک جزیرے کی سیر کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ میری طبیعت مچل گئی۔ میں نے اپنے ڈیڈی سے کہا کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بحیرہ روم کے جزیروں کی سیر کروں گی۔ میرا ڈیڈی مجھ سے بڑی محبت کرتا ہے۔ میں اس کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ اس نے مجھے اجازت دے دی۔ چنانچہ ایک روز میرا باپ تو فرانس کو بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو گیا اور ہم بحیرہ روم کے جزیروں کی سیر کو چل پڑے۔ ایک ہفتہ ہم نے خوب سیریں کیں اور پھر واپس روانہ ہوئے۔ آتی دفعہ ہم نے ہوائی جہاز پہ سفر کیا تھا۔ واپسی پہ میرے رشتے دار نے کہا کہ ہم کیوں نہ سمندری جہاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا ہیں۔ ہم جس جزیرے پر تھے وہاں سے چھوٹے سٹیمر چلا کرتے تھے۔ ہم ایک رات سٹیمر پر سوار ہوئے اور وہاں سے دو سو میل کے فاصلے پر بڑے جزیرے کی طرف چل پڑے۔ کیونکہ وہاں سے ہم نے بڑا سمندری جہاز پکڑ کر فرانس کی طرف جانا تھا۔ اس روز موسم بڑا خراب تھا۔ ہمیں سفر پر جانے سے منع بھی کیا گیا مگر ہمارا رشتہ دار نہ مانا۔ سٹیمر میں زیادہ مسافر نہیں تھے۔ جب موسم خراب ہو تو اس طرف کے لوگ سمندر میں سفر نہیں کرتے۔ کیونکہ ان سمندروں میں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔ ہمارا سٹیمر جزیرے سے روانہ ہو گیا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ رات بارہ بجے تک سٹیمر سمندر میں بڑے سکون سے سفر کرتا رہا۔ ہم کھانا کھا کر تاش کھیل رہے تھے۔ پھر ہمیں نیند آنے لگی اور ایک ایک کر کے سب سو گئے۔ رات کے دو بج رہے تھے کہ سمندر میں اچانک طوفان آ گیا اور سٹیمر بری طرح ہچکولے کھانے لگا۔ ہم گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ طوفان بڑھتا ہی چلا گیا۔ سٹیمر میں کہرام مچ گیا۔ ہمارے رشتے دار نے چلا کر کہا اپنے آپ کو رسیوں سے باندھ لو۔ ہم رسیاں تلاش کر رہے تھے کہ سٹیمر بری طرح ڈولنے لگا۔ مجھے ایک ایسا دھکا لگا کہ میں اچھل کر دروازے سے باہر جا گری۔ وہاں سے اٹھنے ہی لگی تھی کہ دوسرا دھکا لگا اور میں ان سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے سمندر میں جا گری اور پہاڑ جیسی لہروں نے مجھے اپنے اندر نگل لیا۔ ضرور وہاں چیخ و پکار اور کہرام مچ گیا ہو گا۔ لیکن میری مدد کو کوئی نہیں

آ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس وقت ہر کسی کو اپنی اپنی جان کی پڑی تھی۔ میں سمندری لہروں کے اندر اتر گئی۔ پھر طوفان نے مجھے اچھال کر دوسری لہر پر پھینک دیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور موت کا انتظار کرنے لگی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا موت چند سیکنڈ کے بعد آ رہی ہے لیکن ابھی میری زندگی باقی تھی۔ میں نے لہروں پر ہچکولے کھاتے سٹیمر کو دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے اس کی روشنی طوفانی سمندر میں کہیں دکھائی نہ دی۔ اوپر سے بارش شروع ہو گئی۔ طوفان اور زیادہ تیز ہو گیا اور سمندری لہریں بپھر بپھر کر شور مچانے لگیں۔ یہ طوفان میرے لئے اچھا ثابت ہوا۔ طوفانی لہریں مجھے ایک دوسری کے حوالے کرتی رہیں اور میں ڈوبنے سے بچ گئی۔ جونہی میں ڈوبنے لگتی ایک طوفانی لہر نیچے سے آ کر مجھے اوپر اچھال کر دوسری لہر کے حوالے کر دیتی۔ ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ جب طوفان تھما تو میں سمندری لہروں پر بہی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی شے پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ میں نے غور سے دیکھا کہ وہ کوئی ناریل کا ٹوٹا ہوا درخت ہے طوفان میں کہیں وہ درخت میرے ہاتھ آ گیا تھا اور میں نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اسے تھام لیا تھا۔ آسمان ابھی تک بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے ہونٹ کھول دیئے۔ بارش کا ٹھنڈا پانی میرے حلق میں اترا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے درخت پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چیخیں

ہم بچے پہلے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے یہی جزیرہ تھا جہاں میں اب بے بس بیٹھی ہوں۔ کسی نہ کسی طرح میں اس جزیرے پہ پہنچ تو گئی تو ساحل پر ہی چھپی رہی کہ کہیں یہاں کے آدم مجھے نہ دیکھ لیں۔ پھر جب بھوک پیاس نے ستایا تو ان درختوں میں چھپ چھپ کر آئی اور گرے پڑے پھل کھا کر پیٹ کی آگ بجھا لی۔ رات بھر تو ساحل کی ریت پہ ہی سو گئی۔ دوسرے روز پھر درختوں کے پھل کھانے اور ناریل توڑ کر اس کا پانی پیا اور پیاس بجھائی۔ اب میں درختوں میں گھومنے لگی تھی۔ میں نے چل پھر کر دیکھا کہ جزیرہ بالکل خالی تھا۔ کوئی آبادی نہیں تھی جنگلی لوگ بھی یہاں نہیں رہتے تھے۔ میں نے اس جگہ درختوں کی شاخیں اکٹھی کر کے اپنے لئے ایک جھونپڑی بنا لی اور رہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ابھی اس جزیرے پر مجھے کتنے دن رہنا پڑے گا۔ ہو سکتا تھا ایک مہینہ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساری زندگی اسی جزیرے پر گزر جائے۔ کیونکہ ادھر سے کبھی کوئی بحری جہاز بھی گزرتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ آج مجھے اس جزیرے پر چوتھا مہینہ جا رہا ہے سب سے زیادہ مجھے اپنے پیارے باپ کا خیال ستاتا ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ میں سمندر میں ڈوب کر مر چکی ہوں وہ کتنا رویا ہوگا میری موت کا سن کر۔ اور سوچتی ہوں اگر اسے معلوم ہو جائے کہ میں زندہ ہوں اور وہ کسقدر خوش نہیں

ہوگا۔ تو اسے کچھ پتہ چل سکتا ہے:

یہی دردناک داستان سنانے کے بعد وہ سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

میری بہن! جس خدا نے تمہیں اتنے خوفناک سمندر سے بچایا ہے وہ تمہیں اس جزیرے سے بھی ضرور نکال دے گا۔ شاید قدرت نے اسی لئے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے؟

پھر عنبر نے اس سے پوچھا کہ یہ چیتا کہاں سے آگیا تھا۔ اس نے کہا۔

میں شام کے وقت درختوں سے پھل توڑنے باہر نکلی ہی تھی کہ اس نے مجھ پر حملہ کر دیا میں گھبرا کر بھاگی۔ آگے ایک گڑھا آگیا میں نے جان بچانے کے لئے اس میں چھلانگ لگا دی اور پھر آدھی رات کو تم آگئے۔

وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

لیکن تم نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ آخر تم اس بدنصیب جزیرے پر کیسے پہنچ گئے۔

عنبر نے کہا۔

'میری داستان غم بھی تم سے ملتی جلتی ہے۔ میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتا ہوں اور ملک ملک کے جنگلوں میں جا کر انہیں تلاش کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہتا ہوں۔ اس طرح بحیرہ روم کے ایک جزیرے کی
طرف جڑی بوٹیوں کی تلاش میں جا رہا تھا کہ سمندر میں
طوفان آگیا۔ جس جہاز میں میں سفر کر رہا تھا وہ غرق
ہوگیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر
پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ رات کو ساحل پر ہی سو گیا کہ کسی
ذات کے چیخنے کی آواز سن کر آنکھ کھل گئی۔ آگے کا حال
تمہیں معلوم ہے۔"

اس لڑکی سے عنبر نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا۔

"میرا نام مینا ہے۔"

عنبر نے کہا

"مینا نام تو ایشیا کے ملکوں میں بھی ہوتا ہے۔"

وہ بولی۔

"ہاں۔ میرے پروفیسر ڈیڈی کو ایشیا سے بڑا لگاؤ ہے۔
انہوں نے اسی لئے میرا ایشیائی نام رکھا تھا۔ ویسے فرانس میں آج
سے ستر برس پہلے لوگ یہ نام رکھا کرتے تھے۔"

پھر وہ اداس ہو کر بولی

"اب ہم کس طرح یہاں سے نکلیں گے بھائی۔ تم نے
اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔"

"میرا نام عنبر ہے اور میں مصری مسلمان ہوں۔"

تم گھبراؤ نہیں۔ اس وقت۔
کریں گے۔ یہاں سے نکلنے اس جزیرے کا ایک چکر لگا کر دیکھتے ہیں کہ
لیں گے۔

عنبر نے لڑکی کو جھونپڑے میں، جس نے ایک بار چکر لگایا تھا۔
پر سو گیا۔ لڑکی نے باہر آ کر کہا۔

"اس پر رات کو زہریلے سانپ ہیں۔ تم یہاں سے کہیں مت جانا!
اندر آ کر سو جاؤ!" مجھے ایک مہینہ ہو گیا ہے۔ میں علاقہ

عنبر نے ہنس کر کہا: "مجھے یہاں کچھ نہیں ہوتا۔ ایک ہی چھتا رہتا تھا۔ اسے
سو جاؤ۔ میں نے اینٹی سیک انجکشن سے رکھا ہے
مینا جھونپڑی میں جا کر سو گئی۔ عنبر کو بھی نیند آ گئی۔ سے گزر کر
شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہوں۔ اس طرح جزیرہ ...

طرف جھاڑی بوٹیوں کی تلاش

چھینک دو

طوفان آگیا۔ جس جہاز میں

ہو گیا۔ میں بڑی مشکل سے

پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

ذات کر چھپنے کی آواز سے۔ درخت کاٹ کر اس کے تنے کو کھوکھلا کر کے

تمہیں معلوم ہے۔ سمندر کو پار کرنے کی کوشش کریں گے مینا نے کہا۔

اس لڑکی سے عنبر نے ... ہم اتنے بڑے سمندر کو کیسے پار کر سکیں گے۔

"میرا خیال ہے ... تو ہم ڈوب جائیں گے۔"

"پھر تمہارے خیال میں کوئی دوسرا طریقہ یہاں سے نکلنے کا ہے؟"

"کوئی نہیں۔" وہ بولی۔ "سوائے اس کے کہ ہم ادھر سے گزرنے والے کسی جہاز کا انتظار کریں۔"

عنبر بولا۔ "لیکن اگر ایک سال تک ادھر سے کوئی جہاز نہ گزرا تو کیا کرو گی؟"

"مجھے یقین ہے بہت جلد کوئی نہ کوئی جہاز ادھر ضرور آئے گا۔ میں روز ساحل پر آگ کا دھواں کرتی ہوں۔"

عنبر کہنے لگا۔ "جیسے تمہاری مرضی۔ میرا خیال ہے ہم ایک مہینہ اور دیکھتے ہیں۔ اگر اس دوران میں کوئی جہاز نہ آیا تو پھر کوئی دوسرا طریقہ سوچیں گے۔"

مینا بھی اس تجویز پر راضی ہو گئی۔

عنبر نے دوپہر کے بعد مینا سے کہا۔

"تم جھونپڑی میں رہنا۔ میں ذرا اس جزیرے کا ایک چکر لگا کر دیکھتا ہوں کہ اس کی دوسری طرف کیا ہے۔"

مینا بولی۔ "ادھر بھی سمندر اور چٹانیں ہیں۔ میں نے ایک بار چکر لگایا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"میں خود بھی ایک چکر لگانا چاہتا ہوں۔ تم یہاں سے کہیں مت جانا۔"

لڑکی کہنے لگی۔ "فکر نہ کرو۔ مجھے یہاں رہتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے۔ میں واقف ہو گئی ہوں اور پھر یہاں کوئی جنگلی آدمی نہیں رہتا۔ ایک ہی چیتا رہتا تھا۔ جسے تم نے ہلاک کر دیا ہے۔"

عنبر نے لڑکی کو جھونپڑے میں چھوڑ کر خود جزیرے کے جنگل میں سے گزر کر اس کے کنارے پر آ گیا۔ اب اس نے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ جزیرہ گول دائرے کی شکل میں تھا۔ اس نے ایک گھنٹے میں جزیرے کا پورا چکر لگا لیا۔ وہ واپس اسی جگہ پر آ رہا تھا جہاں سے وہ چلا تھا کہ اسے درختوں میں کوئی شے بھاگ کر جاتی نظر آئی۔ یہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ کہیں کوئی دوسرا چیتا نہ ہو۔ اگر اسے ہلاک نہ کیا گیا تو وہ لڑکی پر حملہ کر سکتا ہے۔

یہ سوچ کر عنبر جنگل میں داخل ہو کر ان درختوں کی طرف گیا جہاں اس نے کسی چیز کو بھاگ کر چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہاں گھاس بڑی لمبی اگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ کسی کے پاؤں کے نشان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے کئی جگہ جھاڑیوں اور درختوں کی شاخیں ٹوٹی ہوئی ملیں۔ اس نے ایک شاخ کو اٹھا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا یہ شاخ کسی تلوار یا کلہاڑے یا بھالے سے کاٹی گئی تھی۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا "کیا یہاں کوئی دوسرا انسان بھی رہتا ہے؟"

یہ سوچ کر وہ جنگل کے درختوں میں بڑی احتیاط سے چلنے لگا۔ اس نے جنگل کا وہ سارا علاقہ چھان مارا۔ اسے کہیں کسی جگہ بھی کسی دوسرے انسان کا نشان تک نہ ملا۔ وہ جنگل سے نکل کر باہر ایک بار پھر سمندر کے کنارے پر آ گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے جو سمندر کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ چونک پڑا۔ ایک کشتی کنارے سے کھلے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔ یہ کشتی چھوٹی تھی جیسی جنگلی لوگوں کی ہوا کرتی ہے۔ دور سے عنبر کو اس میں تین چار انسانوں کے خاکے سے دکھائی دیئے۔ یہ سائے بڑی تیز تیز چپو چلا رہے تھے۔

عنبر ایک خیال سے کانپ گیا۔ وہ جھونپڑے کی طرف بھاگا۔ آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ جھونپڑا خالی تھا۔ وہاں مینا نہیں تھی۔ وہ جنگلی لوگ اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ عنبر بھاگ کر سمندر کے کنارے آ گیا۔ کشتی اب اتنی دور کھلے سمندر میں جا چکی تھی کہ عنبر کو اس کا ایک چھوٹا سا دھبا دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگا جب وہ مینا کو جھونپڑے میں اکیلا چھوڑ گیا تھا۔

لیکن یہ پریشان ہو کر بیٹھے رہنے کا وقت نہیں تھا۔ اس بدنصیب لڑکی کی جان بچانی تھی۔ کہیں وہ جنگلی آدم خور ہی نہ ہوں۔ اگر وہ آدم خور ہوئے تو مینا کا زندہ بچنا مشکل ہے۔ عنبر کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آئی کہ وہ سمندر میں چھلانگ لگا دے اور تیرتا ہوا سمندر میں کشتی کا پیچھا کرے۔ مگر اس طرح

دیر ہو سکتی تھی۔ عنبر کتنی تیز تیر سکتا تھا۔

عنبر ساحل سمندر پر ٹہلنے لگا۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ کسی وھیل یا ڈولفن مچھلی پر بیٹھ کر جنگلی لوگوں کا پیچھا کرے۔ عنبر نے دیکھا تھا کہ اس سمندر میں ڈولفن مچھلیاں اکثر آتی رہتی تھیں۔ وہ سمندر میں اتر آیا۔ اس نے تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈولفن مچھلی اس کے گرد چکر لگانے لگی۔ عنبر نے اسے پکڑ لیا۔ ڈولفن بھی شاید سمجھ گئی تھی کہ عنبر کس طرف اور کہاں جانا چاہتا ہے۔ کیونکہ ڈولفن مچھلی انسان کی بڑی دوست ہوتی ہے اور وہ سمندر میں انسانوں کی بڑی مدد کرتی ہے۔

عنبر ڈولفن مچھلی کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ڈولفن نے تیزی سے اس طرف تیرنا شروع کر دیا جس طرف کو جنگلی آدمیوں کی کشتی گئی تھی۔ کشتی سمندر میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ڈولفن مچھلی عنبر کو لئے سمندری لہروں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ آخر دور ایک جزیرے کے درخت نظر آنے لگے۔ یہ کوئی دوسرا جزیرہ تھا۔ ڈولفن نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جزیرے کے ریتلے ساحل پر پہنچ کر ڈولفن مچھلی نے عنبر کو اچھل کر قہقہہ لگا کر سلام کیا اور واپس پانی میں ڈبکی لگا کر غائب ہو گئی۔

عنبر نے ہاتھ ہلا کر ڈولفن مچھلی کو خدا حافظ کہا اور جزیرے کے درختوں کو غور سے دیکھا۔ یہاں اونچے اونچے ناریل کے درخت تھے اور جنگل کے اندر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرخ اور سبز چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ عنبر ریت پر چلتا جب جنوبی ساحل کی طرف آیا تو اس نے دیکھا کہ ریت پر انسانوں کے پاؤں اور کشتی گھسیٹنے کے نشان تھے۔ جنگلی یہاں پر اترے تھے اور کشتی گھسیٹ کر جنگل میں لے گئے تھے۔ عنبر ان نشانوں کے پیچھے پیچھے جنگل میں داخل ہو گیا۔

جنگل میں بڑی دہشت ناک خاموشی تھی۔ یہاں تو درختوں پر بیٹھا کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ پتے ایسے چپ چاپ تھے جیسے ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہو۔ زمین پر انسانوں کے پاؤں کے نشان بھی نہیں تھے کہ جن سے کوئی مدد مل جاتی۔ عنبر درختوں کے نیچے جنگل میں کافی آگے نکل آیا۔ عنبر نے ایک خاص بات اس جنگل میں یہ دیکھی کہ یہاں زمین پتھریلی تھی اور اس پتھریلی زمین پر مٹی کی تہہ چڑھی تھی جس پر درخت اور گھاس اُگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں سے زمین کا پتھر باہر نکلا ہوا تھا۔

عنبر نے محسوس کیا کہ یہ جزیرہ کسی آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی کے اوپر بنا ہوا ہے اور آتش فشاں پہاڑ آدھے سے زیادہ سمندر کے اندر ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے جزیرے بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر خاموش رہیں تو سینکڑوں ہزاروں سال تک خاموش رہتے ہیں لیکن وہ کسی وقت بھی پھٹ کر سمندر میں غرق ہو سکتے ہیں۔ شاید اسی لئے اس قسم کے جزیروں پر لوگ آباد نہیں ہوتے۔ بس جنگلی قبیلے رہتے ہیں اور جونہی خطرہ ہو تو وہاں سے کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

ایک کتا بھونکا۔ یہ کتا کہاں سے آ گیا! عنبر نے سوچا اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک اژدھے نے کتے کے گرد اپنا آپ لپیٹ کر اسے دبوچ رکھا ہے۔ کتے کا دم نکلا جا رہا ہے۔ اور آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی ہیں۔ منہ سے چیخنا چاہتا ہے مگر ہلکی سی آواز نکلتی ہے۔

عنبر کو کتے پر بڑا ترس آیا۔ کیونکہ اژدہا اسے دبا کر ہلاک کرنے کے بعد اب اسے کھانے کی فکر میں تھا اور اپنا منہ کھولے اس کی طرف جھک رہا تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اژدہا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اژدہے نے ایک انسان کو اپنا شکار چھیننے کی کوشش کرنے بلکہ جرات کرتے دیکھا تو غصے سے پھنکارا۔ مگر عنبر نے اس قسم کے کئی اژدہا دیکھے تھے اسے کیا پروا پڑی تھی۔

عنبر نے ہاتھ آگے کیا تو اژدہا نے اس کو اپنے منہ میں دبوچ لیا۔ عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اس کمینے اژدہا کی یہ جرات کہ میرا ہاتھ دبوچ لے۔ عنبر نے دوسرے ہاتھ سے اژدہا کی گردن پکڑ کر زور سے دبائی۔ اژدہا کا منہ کھل گیا۔ عنبر نے ہاتھ باہر نکال لیا اور اژدہا کو گردن سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ کتا اس کی گردن کی پکڑ سے آزاد ہو گیا ایک طرف کھڑا ہو کر آہستہ آہستہ بھونکنے لگا۔ وہ عنبر کی طرف محبت بھری نظروں سے تک رہا تھا اور اسے اژدہے سے بچانے کے لئے آگے بڑھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ عنبر نے اژدہا کے تین ٹکڑے کر دیئے تھے۔

کتا عنبر کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ عنبر کو کتوں کے ساتھ بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مگر اتنا وہ جانتا تھا کہ یہ جانور بڑا وفادار ہوتا ہے اور وقت آنے پر اپنے مالک کے لئے جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ کتا ایک طرف منہ کر کے بھونکنے لگا۔ عنبر نے اس طرف دیکھا۔ ادھر درخت ہی درخت تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتا عنبر کی گود سے اچھل کر جنگل میں بھاگ اٹھا۔ عنبر نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔

کتا جنگل میں تھوڑی دور جا کر کھڑا ہو جاتا اور پیچھے مڑ کر عنبر کو دیکھتا۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ اسے اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہہ رہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چل گیا۔ درختوں کے جھنڈ ادھر ادھر ہٹنے لگے۔ پھر سامنے ایک گھاس کا چھوٹا سا میدان آ گیا۔

کتا رک کر زور سے بھونکا۔ پھر وہ میدان میں بنی ہوئی جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف بھاگا۔ ان جھونپڑیوں کی دوسری طرف سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ جیسے وہاں کسی نے آگ جلا رکھی ہو۔ کتا ان جھونپڑیوں کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔ عنبر میدان میں داخل ہونے کی بجائے درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا جھونپڑیوں کی دوسری طرف آ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ جھونپڑیوں کے سامنے ایک جگہ درمیان میں آگ جل رہی ہے۔ اس کے ارد گرد کوئی شخص نہیں ہے۔ جھونپڑیوں کے سامنے کہیں کہیں ایک دو عورتیں خاموش بیٹھی ہیں۔

اتنے میں شور سا اٹھا اور ایک جھونپڑی میں سے جنگلی لوگ شور مچاتے اچھلتے کودتے باہر نکلنے لگے۔ کتا ایک طرف کھڑا اچھل اچھل کر بھونک رہا تھا۔ عنبر خاموشی سے درخت کے پیچھے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب سارے جنگلی باہر آ گئے تو وہ آگ کے گرد گرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اس کے چند سیکنڈ بعد اسی جھونپڑی میں سے وہی لڑکی مینا باہر نکلی۔ وہ لڑکھڑا

رہی تھی۔ چہرے پر دہشت تھی۔ دو جنگلیوں نے اسے تھام رکھا تھا۔ پیچھے پیچھے جنگلیوں کا سردار تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ آدم خور ہیں اور مینا کو آگ میں ڈال کر بھوننے کے لئے لا رہے ہیں تاکہ اسے بھون کر کھا جائیں۔

عنبر سے اب برداشت نہ ہوا۔ کیونکہ دیر کرنے کی وجہ سے مینا کی جان کو خطرہ تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ جنگلی اسے جاتے ہی آگ میں پھینکنے والے تھے۔ سردار نے آگ کے پاس جا کر اونچی آواز میں کہا۔

"اسے یہاں لاؤ۔ اسے آگ میں ڈال دو"

عنبر درخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا۔

جنگلیوں نے ایک اجنبی انسان کو اپنے سامنے دیکھا تو پہلے وہ اسے دیکھتے ہی رہ گئے کہ یہ شخص ان کے جزیرے پر کہاں سے آ گیا۔ پھر وہ چیخنے چلانے لگے۔ سردار کو بھی سخت غصہ آ گیا تھا کہ یہ اجنبی شخص بن بلائے آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس کو پکڑ کر پہلے آگ میں ڈالو"

چار جنگلی عنبر کی طرف بڑھے۔ مینا نے عنبر کو دیکھا تو پہلے وہ خوش ہوئی پھر پریشان ہو گئی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا یہ جنگلی اس کے ساتھ عنبر کو بھی آگ میں ڈال دیں گے۔ اس نے عنبر کو کہا۔

"عنبر! تم یہاں کیوں آ گئے۔ بھاگ جاؤ [illegible] جاؤ۔ خدا کے لئے بھاگ جاؤ"

عنبر نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں مینا۔ یہ لوگ میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر مینا کو یقین تھا کہ عنبر بھی نہیں بچ سکے گا۔ اور اس کے ساتھ وہ بھی آگ میں جل کر کباب ہو جائے گا اور یہ لوگ ان دونوں کو مزے لے لے کر کھا جائیں گے۔ اس ہولناک انجام سے مینا کی روح بھی کانپ اٹھی۔

تھا

سامنے

نے

عنبر اور خونی جزیرہ

جنگلی نیزے لے کر عنبر کے پاس آگئے۔

انہوں نے اسے گھیر لیا اور پھر بانسوں سے کس کر باندھ دیئے اور گھسیٹتے ہوئے سردار کے سامنے لے آئے۔

سردار نے کہا۔ "پہلے اسے آگ میں ڈالو۔"

عنبر نے کہا۔ "تم مجھے نہیں جلا سکتے۔"

سردار نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ دوسرے جنگلی بھی عنبر کا منہ تکنے لگے۔ کیونکہ عنبر نے ان جنگلیوں کی زبان میں بات کی تھی۔ سردار نے کہا۔

"تم ہماری زبان کس طرح جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔ "اس لئے کہ میں تمہارا دیوتا ہوں۔ اس جزیرے کا دیوتا ہوں اور انسان کی شکل میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ نہیں تو میں تمہارے جزیرے کو آگ لگا دوں گا۔"

جنگلی سردار نے نفرت سے تھوکتے ہوئے کہا۔

"یہ بہروپیا ہے۔ یہ کسی ساتھ والے جزیرے میں رہتا ہوگا اور ہماری زبان سیکھ لی ہوگی۔ اسے آگ میں پھینک دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مینا کی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ جنگلی عنبر کو لے کر آگ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا۔ مینا چیخ مار کر آگ کی طرف دوڑی۔ جنگلیوں نے اسے پکڑ لیا۔ مینا اپنے بھائی عنبر کی موت پر خون کے آنسو رونے لگی۔ سردار قہقہے مار کر ہنسنے لگا اور بولا۔

"دیوتاؤں نے ہماری قربانی قبول کر لی۔ جب یہ تھوڑا سا بھن جائے تو اسے باہر نکال لو۔ تاکہ ہم مزے سے کھا سکیں"

آگ میں شعلے ہی شعلے اٹھ رہے تھے۔ عنبر ان شعلوں میں گم ہو چکا تھا اصل میں وہ ان شعلوں کے درمیان جا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر کچھ دیر آگ میں بیٹھا رہنا چاہتا تھا۔ تین چار منٹ ہو گئے تو سردار نے اشارہ کیا کہ آگ میں سے لوہے کی سلاخیں ڈال کر عنبر کو باہر نکالا جائے۔ سب کو یقین تھا کہ عنبر جل کر کباب ہو چکا ہوگا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے کہ عنبر آگ کے شعلوں میں سے اس طرح اٹھ کر کھڑا ہو گیا کہ آگ نے اس کے کپڑوں کو تو کیا اس کے سر کے ایک بال کو بھی نہیں جلایا تھا۔

عنبر نے اس جنگلی کو کھینچ کر آگ میں گرا لیا جس نے عنبر کو آگ میں دھکا دیا تھا۔ جنگلی کی بس ایک چیخ ہی نکلی اس کے بعد وہ جل کر راکھ بن گیا۔ سردار اور دوسرے جنگلیوں پر کپکپی طاری ہو چکی تھی۔ مینا پھٹی پھٹی نظروں سے عنبر کو تک رہی تھی۔

عنبر آگ کے شعلوں میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس کا جسم بالکل ویسا ہی

تھا جیسا آگ میں گرنے سے پہلے تھا۔ سردار اس کے آگے گھٹنوں کے بل جھک گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"عظیم دیوتا مجھے معاف کر دو"

عنبر نے کہا۔ "اب عقل آگئی ہے تمہیں"

سردار نے کہا۔ "اے دیوتا! مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دے۔ ہم پر اپنا عذاب نازل مت کرنا"

عنبر نے کہا۔ "اس لڑکی کو آزاد کر دو"

اسی وقت مینا کو چھوڑ دیا گیا۔ مینا بھاگ کر عنبر کے پاس آگئی اور ہاتھ لگا لگا کر اس کے کپڑوں اور جسم کو دیکھنے لگی۔

"عنبر! تمہارا جسم تو ذرا سا بھی گرم نہیں ہے کیا تم نے اپنے جسم پر کوئی دوائی مل رکھی تھی"

عنبر نے کہا۔ "ہاں مینا! میں نے ایک خاص دوائی اپنے جسم اور کپڑوں پر چھڑک رکھی تھی"

مینا بولی۔ "مگر کوئی دوائی ایسی نہیں ہے جو کسی انسان کو یوں آگ کے شعلوں میں بھی محفوظ رکھ سکے۔ ضرور تم نے کوئی جادو کیا ہے۔ تم جادو جانتے ہو"

عنبر نے کہا۔ "یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے ذرا ان جنگلیوں سے تو نمٹ لیں"

مینا عنبر کے پاس کھڑی ہو گئی۔ عنبر نے سردار سے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ ہمارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا: "جو حکم میرے دیوتا!"

تھوڑی دیر بعد دستر خوان بچھ گیا۔ طرح طرح کے پھل اور بھنے ہوئے مرغ اور جنگلی ہرن سجا دیئے گئے۔ عنبر اور مینا منہ ہاتھ دھو کر گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے وہاں آ کر بیٹھ گئے!

جنگلی لوگ بڑے ادب سے دستر خوان کے اردگرد بیٹھے تھے۔ کھانا شروع ہو گیا۔ عنبر اور مینا نے بڑے مزے لے لے کر بھنے ہوئے مرغ اور ہرن کا گوشت کھایا۔ دعوت ختم ہوئی تو عنبر نے سردار سے کہا۔

"یہ لڑکی ہماری بہن ہے۔ یہ دنیا میں رہتی ہے۔ ہم آسمانوں کے بادلوں میں رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی اپنی بہن سے ملنے دنیا میں آ جاتے ہیں۔ آج اسے ملنے آئے تو پتہ چلا کہ تم لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہو۔ اب ایسا کرو کہ اس لڑکی کے لئے ایک بہت شاندار کشتی تیار کرو تاکہ ہم اسے سوار کروا کر اس کے ملک پہنچا دیں۔"

سردار نے کہا: "عظیم دیوتا! میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ ایک شاندار کشتی تیار کرنی شروع کی جائے۔"

سردار نے حکم دے دیا۔ کشتی تیار ہونے لگی۔ یہ جنگلی لوگ سمندری کشتیاں تیار کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر انہوں نے ایک چھوٹے سٹیمر جتنی کشتی تیار کر لی۔ اس کشتی میں نیچے سونے کی جگہ بھی تھی اور کھانے پینے کا سامان رکھنے کی جگہ بھی بنائی گئی۔ چپوؤں کے ساتھ ساتھ اس پر بادبان بھی لگایا گیا تھا تاکہ تیز ہوا میں کشتی زیادہ رفتار کے ساتھ سفر کر سکے۔ عنبر نے ساتویں روز مینا کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو کر اپنے جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام ہونے سے پہلے وہ اپنے جزیرے میں پہنچ گئے۔ کشتی انہوں نے اوپر کھینچ لی اور اسے اونچی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ عنبر کا خیال تھا کہ اس جزیرے میں دو دن رہ کر وہ کھانے پینے کا سامان یعنی پھل وغیرہ کشتی میں جمع کر لیں اور پھر وہاں سے اپنے سمندری سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔

انہوں نے وہاں بیٹھ کر کافی سوچ بچار کیا۔ مینا نے کہا۔

"اگر ہم شمال مغرب کی طرف سمندر میں سفر شروع کریں تو میرا خیال ہے ایک ہفتے کے بعد ہم بحیرہ روم کی کسی بندرگاہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں کوئی سمندری جہاز بھی ہمیں مل جائے۔"

عنبر نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

دو دن وہ جزیرے سے تازہ ناریل اور پکے پھل اکٹھے کرتے رہے یہ چیزیں انہوں نے کشتی کے اندر جمع کر دیں۔ دن بڑا روشن تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے۔ مینا اور عنبر اس جزیرے کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر باہر نکلے اور سمندر کی طرف چلے۔ ان کی کشتی سمندر میں کھڑی تھی۔ ابھی وہ درختوں سے نکل کر سمندر کے کنارے ریت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر آئے ہی تھے کہ فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے مینا کو ہاتھ سے پکڑ کر درختوں کی طرف کھینچ لیا۔ دو جنگی جہاز نیچی پرواز کرتے درختوں کے اوپر سے گزر گئے۔ مینا نے پوچھا۔

"یہ جہاز کس کے ہیں۔ کہاں سے آ گئے! مجھے تو یہ جنگی جہاز لگتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی ہے۔"

"دوسری جنگ عظیم؟" مینا کا رنگ فق ہو گیا۔

"ہاں۔ مجھے یقین ہے جنگ شروع ہو گئی ہے اور اس علاقے پر جرمن فوجیں اترنے والی ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی جزیرے پر بم گرنے شروع ہو گئے۔ زبردست دھماکے شروع ہو گئے۔ جزیرے کی زمین اوپر تلے ہونے لگی۔ جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ رہے ہوں۔ زلزلہ آ گیا تھا۔ عنبر اور مینا زمین کے ساتھ چپٹے ہوئے تھے۔ اور بمباری کے دھماکے انہیں اوپر نیچے اچھال رہے تھے۔ خدا خدا کر کے بمباری بند ہوئی اور جرمن جہاز واپس چلے گئے۔ وہ اٹھ کر درختوں سے باہر نکلے تو انہوں نے سب سے پہلے جو تباہی دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کی کشتی کے ٹکڑے پانی میں تیر رہے تھے۔

جزیرے میں جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور درخت ٹوٹ کر ادھر ادھر گرے پڑے تھے۔ ساحل کی ریت پر جگہ جگہ گہرے گڑھے پڑ گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہوئی۔ اب ہمارا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

مینا پریشان تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا۔

"کیا ہم جنوبی سمندروں کی طرف نہیں نکل سکتے عنبر!"

عنبر نے کہا۔ "اگر نکل بھی سکتے تو اب کیا سمندر کے اوپر پیدل چل کر جائیں گے۔ ہمارے پاس تو ایک چھوٹی سی کشتی کیا ایک تختہ بھی نہیں ہے۔ اور ویسے بھی اب سمندروں پر دشمنوں کے جہاز گشت کر رہے ہوں گے۔ ہمارا کھلے سمندر میں نکلنا بے حد خطرناک ہو سکتا ہے۔"

مینا نے کہا۔ "تو پھر کیا ہم اس جزیرے میں ساری عمر گزار دیں گے"

"نہیں۔ ہم اس جزیرے میں بھی نہیں رہ سکیں گے۔"

"وہ کیوں؟" مینا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ "اس لئے کہ اس جزیرے پر جرمنوں نے یونہی بمباری نہیں کی۔ تھوڑی دیر بعد ان کے فوجی دستے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر یہاں آ جائیں گے اور پھر اس جزیرے پر قبضہ کر کے وہ یہاں چھاؤنی ڈالیں گے۔ ہوائی اڈے بنائیں گے اور یہاں سے ان کے بمبار جہاز اڑ کر دشمن کے ملکوں میں جا کر بمباری کیا کریں گے۔"

مینا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "میرے اللہ! اب کیا ہو گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔ "اس کے باوجود ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ میرے ساتھ آؤ۔ ابھی کچھ وقت ہے کہ ہم جنوبی سمندروں کی طرف نکل بھاگیں۔"

"مگر ہمارے پاس تو ایک کشتی بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "ہم اپنی ٹوٹی پھوٹی کشتی کو جوڑنے کی کوشش کریں گے۔" "آؤ میرے ساتھ۔"

عنبر نے مینا کو ساتھ لیا اور وہ اس جگہ آگئے جہاں ان کی کشتی کے ٹکڑے کچھ سمندر میں تیر رہے تھے اور کچھ ریت پر بکھرے ہوئے تھے۔ سمندر کے ٹکڑوں کو بھی لہروں نے واپس ساحل پر پھینک دیا تھا۔ انہوں نے ایک ایک ٹکڑے کو دیکھا۔ کشتی بالکل ہی تباہ ہو چکی تھی لکڑی کا ایک بھی ایسا تختہ سلامت نہیں تھا کہ جس پہ بیٹھ کر وہ سمندر میں روانہ ہو سکتے۔

عنبر نے مینا سے کہا۔ "یہ ہمارے کسی کام کی نہیں رہی۔"

"پھر کیا کریں؟"

سمندر کی طرف سے جہاز کے بھونپو کی زور زور سے آوازیں آنے لگیں۔ عنبر نے سر گھما کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر نے مینا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا۔

"جرمن آگئے۔ بھاگو۔"

وہ دونوں جنگل کے اندر بھاگ گئے۔ درختوں پہ جگہ جگہ کی وجہ سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی جھونپڑی بمباری سے بچی ہوئی تھی۔ وہ جھونپڑی میں جا کر گر پڑے۔ عنبر تو خیر بالکل نہیں تھکا تھا اور نہ گھبرایا ہوا تھا۔ مینا بہت پریشان تھی اور عنبر اس کی وجہ سے پریشان تھا۔ مینا نے کہا۔

"پہلے معلوم تو کر لیں کہ یہ جہاز جرمنوں کے ہیں یا نہیں۔ کیا معلوم یہ انگریزوں یا فرانسیسیوں کے جہاز ہوں؟"

عنبر نے کہا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں جو جہاز بم برسانے آئے تھے ان کے پروں پر جرمنوں کا نشان سواستیکا بنا ہوا تھا۔ یہ جنگ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے خلاف جرمنوں نے شروع کی ہے۔ ہٹلر سرپھرا لیڈر ہے تم دیکھ لینا وہ اس قوم کو مروا دے گا۔"

مینا خود فرانس کی رہنے والی تھی۔ وہ اداس ہو کر بولی۔

"خدا جانے میرے ڈیڈی کس حال میں ہوں گے جرمنوں نے پیرس پر بھی ضرور بمباری کی ہوگی۔"

عنبر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ابھی شہروں پر بمباری کا سلسلہ شروع نہ ہوا ہو۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ پہلے تو یہ سوچو کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں۔ کیونکہ جرمن تھوڑی دیر میں اس جزیرے پر پہنچنے والے ہیں اور ان کی ایک پارٹی مشین گن لے کر اس سارے جنگل کی چھان بین بھی کرے گی۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تو یا تو گولی مار دیں گے یا پکڑ کر قید میں ڈال دیں گے۔ اور خدا جانے پھر کتنی مدت تک تمہیں ان جرمنوں کی قید میں رہنا پڑے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو۔"

مینا نے جلدی سے کہا "کیا تم میرے ساتھ نہیں ہو گے۔"

"ہاں ہاں۔ میرا مطلب ہے کہ میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی پکڑا جاؤں گا۔

مینا نے کہا۔ "تو پھر سب سے پہلے تو ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ہم جزیرے کے جنوب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے وہاں ایسی چٹانیں ہیں جن کے اندر غار ہیں۔ ہم ان غاروں میں پناہ لے سکتے ہیں۔"

عنبر کو مینا کی یہ تجویز پسند آئی۔ کیونکہ اس وقت جرمنوں سے بچنے کا سوال تھا۔ وہ کسی جگہ پر چھپ کر ہی وہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا سکتے تھے۔ انہوں نے جھونپڑی کو توڑ پھوڑ دیا۔ تاکہ جرمنوں کو شک نہ پڑے کہ وہاں کوئی رہتا تھا۔ جھونپڑی کو توڑنے پھوڑنے کے بعد وہ درختوں میں سے گزرتے ہوئے جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف روانہ ہوگئے۔

ادھر ساحل پر جرمنوں کا جنگی جہاز آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور جرمن فوجی دستے ساحل پر اترنا شروع ہو گئے تھے۔ ساحل پر اترتے ہی انہوں نے جگہ جگہ مورچے کھودنے شروع کر دیئے۔ بارکیں بنانے کے لئے بنیادیں کھودی جانے لگیں۔ جہاز پر سے فوجی سامان اتارا جانے لگا۔ یہ کوئی ایک ہزار کے قریب فوجی تھے۔ جہاز پر سے چھ ٹینک بھی اتارے گئے۔ بڑی توپیں اتاری گئیں اور طیارہ شکن توپیں ساحل کے ساتھ ساتھ لگا دی گئیں تاکہ اگر دشمن کے جہاز بمباری کرنے آئیں تو انہیں مار گرایا جائے۔

جنگل میں کوئی دو گھنٹے چلنے کے بعد مینا اور عنبر جزیرے کے جنوبی ساحل کی چٹانوں میں پہنچ گئے۔ یہ چٹانیں سمندر میں بھی نکلی ہوئی تھیں اور ساحل کے روز ریت پر بھی جگہ جگہ پھیلی ہوئی تھیں۔ مینا ان چٹانوں میں ایک دو بار آ چکی تھی۔ وہ عنبر کو لے کر ان چٹانوں کے اندر آ گئی۔ یہاں ایک چٹان کے اندر سرنگ بنی ہوئی تھی۔ مینا نے کہا۔ "اس سرنگ میں ہم پناہ لے سکتے ہیں۔" وہ سرنگ میں داخل ہو گئے۔ آگے جا کر سرنگ کی چھت اتنی نیچی ہو گئی کہ انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف دیوار میں گہرا شگاف تھا۔ مینا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

" اس شگاف کے اندر جاکر ہم اپنا ٹھیا بنالیں گے۔ ایک [illegible] میں نے اس شگاف میں رات بسر کی تھی۔ یہاں سانپ بچھو کا ڈر ضرور ہوتا ہے۔ مگر ہم بھی یہیں آگ روشن کریں گے۔"

عنبر نے شگاف کے اندر جاکر دیکھا۔ یہ چھوٹی سی گول دائرے کی شکل کی پتھریلی زمین تھی۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا۔

" ہمیں اب کھانے پینے کے لئے ناریل اور پھل لاکر یہاں رکھنے ہوں گے۔"

مینا کہنے لگی۔ " ہم رات کو جنگل میں جاکر پھل وغیرہ اکٹھے کرکے لے آئیں گے۔"

" نہیں۔ یہ کام ہمیں ابھی کرنا ہوگا۔ تم یہاں بیٹھو میں جاکر کچھ گرے پڑے ناریل اٹھا کر لاتا ہوں۔ ناریل ہماری پیاس بھی بجھا دیں گے اور ہماری بھوک بھی مٹائیں گے۔"

عنبر نے مینا کو چٹان کے شگاف کے اندر چھوڑا اور خود چٹان سے نکل کر ساحل کی ریت پر چلتا جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہاں ساحل پر ناریل کے درخت نہیں تھے۔ ناریل کے درخت جنگل کے اندر جاکر تھے۔ عنبر درختوں میں چلا گیا۔ ناریل کے

درختوں کی تلاش میں وہ جزیرے کے شمالی حصے کی طرف آ گیا۔ یہاں ناریل کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے اور زمین پر بمباری کے دھماکوں کی وجہ سے کئی درخت ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے۔ عنبر ایک جگہ ناریل اکٹھے کرنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ یہاں سے رات کے وقت آکر ناریل کسی چیز میں ڈال کر لے جائے گا۔ ناریلوں کا ڈھیر لگا کر وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اچانک اس کے سامنے چار جرمن فوجی آن کھڑے ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں جن کا رخ عنبر کی طرف تھا۔ انہوں نے سروں پر لوہے کے ہلمٹ پہن رکھے تھے۔

" ہینڈز اپ"

عنبر پہلے تو ان کو تکتا ہی رہ گیا۔ پھر [illegible] کر دیئے۔ وہ مینا کو بچانا چاہتا

وہ [illegible]

آ [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اکیلا ہوں۔ میرا جہاز ڈوب گیا تھا۔ میں دو ہفتے سے اس جزیرے پر اکیلا رہ رہا ہوں۔"

جرمن کپتان نے حیرت سے پوچھا:

"تم جرمن زبان کیسے جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔ "میں برلن میں دو سال رہا ہوں۔"

جرمن مسکرایا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ دو فوجی آگے بڑھے انہوں نے عنبر کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور اسے لے جا کر ایک خندق میں قید کر دیا۔ ابھی ان کی بارکیں نہیں بنی تھیں۔ اس لئے قیدی کو خندق میں ہی رکھا گیا۔ اس نے جرمن کپتان کو کہتے سنا "اگر یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہ بتائے تو اسے گولی مار دینا" عنبر خاموش رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر وہ اسی جگہ قید رہا تو مینا کا کیا بنے گا۔ کہیں یہ لوگ اسے بھی گرفتار نہ کر لیں۔ کیا وہ [illegible] کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن اسے ساتھ میں جا کر کچھ گرے پڑے [illegible] پریشانی میں پھنس گیا تھا۔ اس ناریل ہماری پیاس بھی بجھا دیں گے [illegible] کر لیا تھا بھی مٹائیں گے!

عنبر نے مینا کو چٹان کے شگاف کے اندر چھوڑا اور خود چٹان سے نکل کر ساحل کی ریت پر چلتا جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہاں ساحل پر ناریل کے درخت نہیں تھے۔ ناریل کے درخت جنگل کے اندر جا کر تھے۔ عنبر درختوں میں چلا گیا۔ ناریل کے

آدم خوروں سے فرار

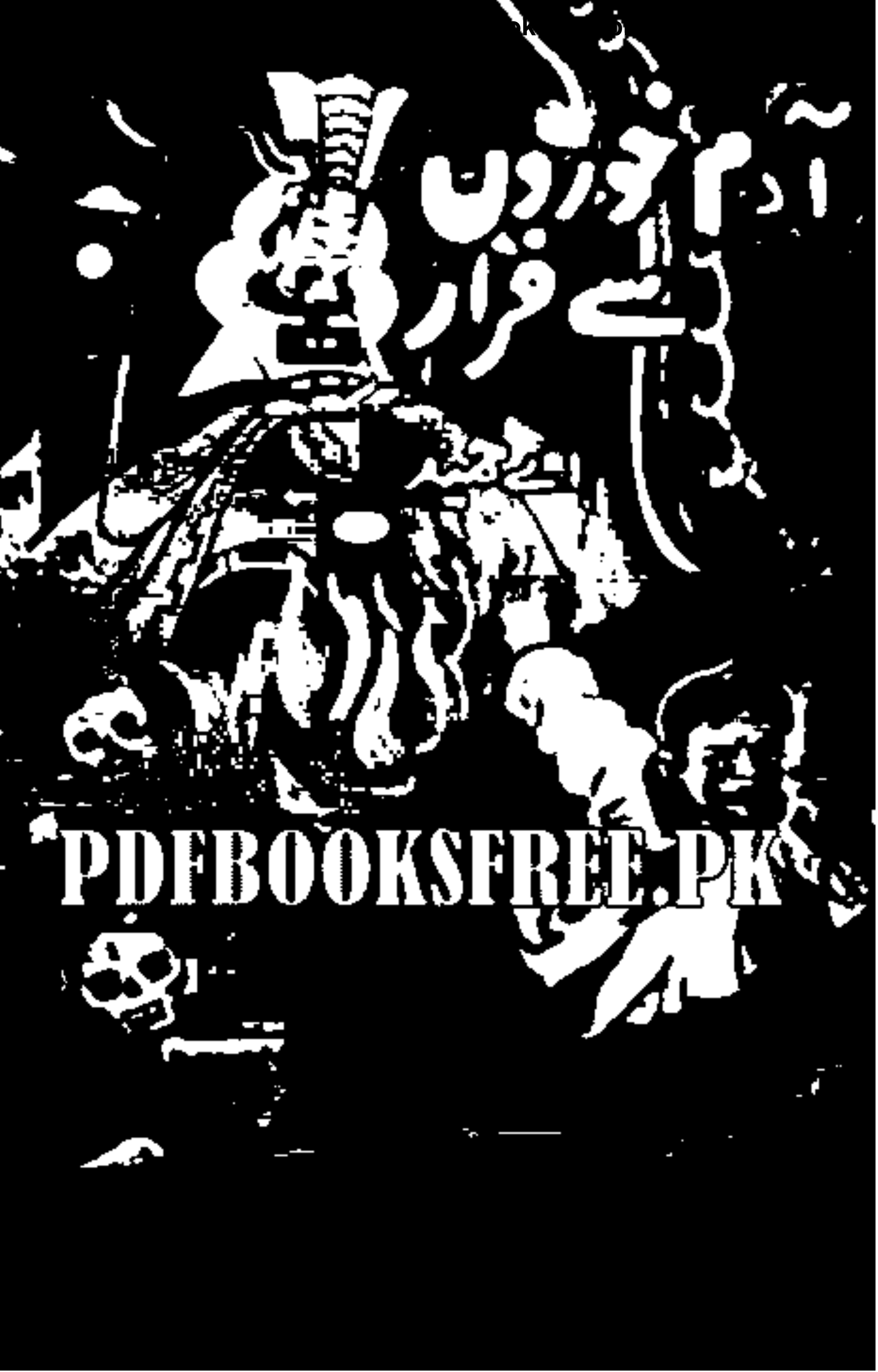

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موت کا تعاقب ۹۹

تاریخ کی پُراسرار اور دلچسپ داستان

آدم خوروں سے فرار

●

اے حمید

مکتبہ الادب لکھنوی
تغلق روڈ، کوٹلہ تولے خان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
[illegible]
SH: GHOLAM ALI &
قیمت : Rs 10.00
[illegible] LAHORE

ناشر
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
[illegible]
ISBN [illegible]

- پراسرار قیدی
- سانپوں کا جزیرہ
- آدم خوروں سے فرار
- چھت پر موت
- سمندری بھوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے بچو!

عنبر کو دشمنوں نے جزیرے کی ایک خندق میں قید کر دیا۔ عنبر کو اپنی نہیں بلکہ اس انگریز لڑکی کی پریشانی تھی جو اس جزیرے کی ایک غار میں چھپی ہوئی عنبر کا انتظار کر رہی تھی۔ دوسری طرف ناگ اور ماریا لندن کے ایک سانپوں کے علاج کے ہسپتال میں عنبر کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ عنبر کو ڈر ہے کہ جرمن سپاہی کہیں انگریز لڑکی کو غار میں نہ تلاش کر لیں۔ عنبر تو بچ سکتا تھا مگر وہ لڑکی اگر ان درندوں کے ہاتھ آ گئی تو زندہ نہیں بچ سکتی تھی۔ پس عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے فرار ہو کر انگریز لڑکی کو ساتھ لے کر جزیرے کے جنوب میں چلا جائے گا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیں گے تو زیادہ لطف اٹھائیں گے۔

عنبر سارا دن خندق میں قید رہا۔

اسے بہت تھوڑا کھانے کو دیا گیا۔ جب رات ہوئی تو اسے خندق سے نکال کر جرمن کیپٹن کی بارک میں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ جرمن کیپٹن غضب ناک نظروں سے عنبر کو گھورتے ہوئے بولا۔

"بلیک سوائن! کالے سور۔ بتاؤ تمہارے ساتھ اور کون کون ہے اور تم کب سے اس جزیرے میں انگریزوں کی جاسوسی کر رہے ہو؟"

عنبر کو پہلے تو بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے مگر پھر مینا کا خیال آ گیا اور وہ اپنے غصے کو پی گیا۔ اگر وہ جزیرے پر اکیلا ہوتا تو ابھی اس جرمن کیپٹن کو مزا چکھا دیتا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ اس کے ساتھ برس کے پروفیسر کی اکلوتی بیٹی مینا بھی جزیرے میں تھی جو جہاز کے ڈوب جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح اس جزیرے پر پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی تھی اور جس کو عنبر جزیرے کی جنوبی چٹانوں کی سرنگ میں چھپا کر ادھر آیا تھا کہ پکڑا گیا۔ جزیرے پر جرمن فوج نے آ کر قبضہ کر لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ عنبر نے بڑے حوصلے سے کہا۔

“میرے ساتھ یہاں کوئی نہیں ہے اور میں کسی بھی ملک کا جاسوس نہیں ہوں۔ ایک سمندری جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ جہاز طوفان میں پھنس کر غرق ہو گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے میں آ گیا۔ بس اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔”

“بکواس کرتے ہو!”

جرمن کیپٹن نے اٹھ کر عنبر کو زور سے لات ماری۔ مگر پھر وہ خود اپنی ٹانگ بھی سہلانے لگا۔ کیونکہ عنبر کو لات مارنے سے اسے بھی پاؤں کو دھچکا سا لگا تھا۔ مگر وہ اس بات کو سمجھ نہ سکا۔ بلکہ غصہ کھا کر عنبر کے سر پر پستول مار کر بولا۔

“اگر تم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہ بتایا تو تمہیں گولی مار دوں گا۔ بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں چھپے ہیں۔”

جرمنوں کو یہ خطرہ تھا کہ اگر عنبر کے ساتھی اس جزیرے میں کہیں

چھپے ہوئے ہیں تو کہیں وہ رات کو چھاپہ مار کر گولہ بارود کے ذخیرے کو آگ نہ لگا دیں۔ جب عنبر نے کچھ نہ بتایا تو جرمن کیپٹن نے اپنے پاس کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا اور خود اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ عنبر کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے باندھ کر ان میں ہتھکڑی ڈال دی گئی تھی۔ سپاہی نے عنبر کو آگے دھکا دے کر کہا۔

“چلو باہر درختوں کے پاس۔”

عنبر نے یونہی پوچھا۔

“وہاں لے جا کر کیا کرو گے؟”

سپاہی نے کہا۔

“گولی سے اڑا دوں گا۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہیں گولی سے اڑا دوں۔ نہیں تو اب بھی اپنے ساتھیوں کا ٹھکانہ بتا دو۔ ابھی چند منٹ تمہاری زندگی کے باقی ہیں۔”

عنبر نے کہا۔

“اچھا۔ میں صرف تمہیں بتاؤں گا اور کسی کو نہیں۔”

سپاہی بڑا خوش ہوا۔ کیونکہ اس طرح سے اس کی ترقی ہو سکتی تھی۔ اس نے عنبر سے کہا۔

مجھے بتا دو میں کیپٹن سے سفارش کر کے تمہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جزیرے میں آزاد کرا دوں گا۔ تم یہاں آزادی سے گھوم پھر سکو گے۔ لیکن تمہیں سچ بولنا ہوگا۔ اور اپنے ساتھیوں کو گرفتار کروانا ہوگا۔"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں انہیں گرفتار کرا دوں گا پہلے تم باہر درختوں کے پاس چلو۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے یہاں کوئی سن لے گا اور وہ میرے ساتھی مجھے غداری کی وجہ سے اسی وقت گولی مار دیں گے تمہیں نہیں معلوم وہ ہر جگہ میری حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔"

جرمن سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر فوجی بارک سے ذرا دور درختوں کے پاس آ گیا۔ یہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر جرمن سپاہی کو بارکوں سے کچھ فاصلے پرے جا کر اپنا حملہ شروع کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ گولی بھی نہ چلا سکے اور شور بھی نہ مچا سکے اور اگر کوئی آواز نکالے بھی تو بارکوں میں سوئے ہوئے فوجی یا پہرے دار اس کی مدد کو نہ آ جائیں۔

درختوں کے اندھیرے میں آتے ہی جرمن سپاہی نے رائفل تان لی اور عنبر سے کہا۔

"بتاؤ اپنے ساتھیوں کے نام۔ نہیں تو ابھی گولی سے اڑاتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"یار پہلے میری ہتھکڑی تو کھولو۔"

جرمن سپاہی غرایا۔

"ہرگز نہیں۔ میں ہتھکڑی نہیں کھولوں گا پہلے اپنے ساتھی جاسوسوں کے نام بتاؤ۔"

عنبر کو معلوم تھا کہ ایک گولی چلنے تک وہاں کوئی جرمن سپاہی نہیں آئے گا۔ کیونکہ جرمن کپتان نے سپاہی کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ عنبر کو گولی سے اڑا دے۔ جب گولی چلے گی تو بارک میں جرمن کپتان یہ ہی سمجھے گا کہ عنبر کو گولی سے اڑا دیا گیا ہے۔ بس اسی ایک گولی کے بعد عنبر جرمن سپاہی پر قابو پا لینا چاہتا تھا۔

جرمن سپاہی کے جواب میں عنبر نے کہا۔

"میرے قریب آؤ میں تمہیں اپنے ساتھیوں کے نام اور ان کا ٹھکانہ بتاتا ہوں۔"

اتنی دیر میں ذرا سا دور لگا کر عنبر نے اپنے ہاتھوں کی ہتھکڑی پیچھے ہی پیچھے توڑ ڈالی اور ہتھکڑی ایک ہاتھ میں پکڑ لی۔ جرمن سپاہی نے بندوق کا رخ عنبر کے سینے کی طرف کیا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وُہ آگے آیا تو عنبر نے اس کی بندوق کی نالی کو ہاتھ سے پکڑ کر آگے کھینچا۔ سپاہی نے بندوق چلا دی۔ دھماکہ ہُوا اور گولی عنبر کی ہتھیلی سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر اب نہیں چاہتا تھا کہ جرمن سپاہی شور مچائے۔ کیوں کہ اس کے شور سے بارکوں کے سارے فوجی جمع ہو سکتے تھے اور عنبر کی سکیم لیٹ ہو جاتی۔ اسے خواہ مخواہ ایک بار پھر یہی کام کرتا پڑتا۔ اس نے جرمن سپاہی کی رائفل کی نالی کو دہرا کر دیا تھا۔ عنبر کی اتنی طاقت دیکھ کر جرمن سپاہی کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ عنبر نے اسے زیادہ حیران رہنے کا موقع نہ دیا اور اس سے پہلے کہ وُہ شور مچاتا عنبر نے اسے گردن سے دبوچ کر اپنے قریب کر لیا۔

جرمن سپاہی کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ عنبر نے جرمن زبان میں کہا۔

"میں بھوت ہوں۔ بہت زیادہ طاقت ور بھوت ہوں۔ میں نے تمہارے رائفل کی اتنی مضبوط فولاد کی نالی کو دوہرا کر دیا ہے۔ تمہارے سامنے اب میں تمہیں بھی دہرا کر دوں گا۔"

اور اس سے پہلے کہ جرمن سپاہی شور مچاتا یا وہاں سے

بھاگ جاتا اس نے اس کی گردن کو اس وقت چھوڑا جب اس کی روح اس کے جسم اور اس کی وردی سے نکل کر خدا جانے کہاں پرواز کر رہی تھی۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد عنبر رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگ کر سیدھا سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ اس جگہ جرمنوں نے کچھ مورچے بنا رکھے تھے عنبر ان مورچوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا چٹان کے پاس آ گیا۔ جب وہ غار میں داخل ہُوا تو مینا اس کے انتظار میں خوف سے زرد ہو رہی تھی۔ عنبر نے اسے سارا واقعہ سنایا مگر اسے یہ نہ بتایا کہ گولی نے اس پر اثر نہیں کیا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہی کہ وہ بڑی مشکل سے جرمنوں سے جان بچا کر بھاگا ہے۔ مینا نے کہا۔

"اب ہمارا یہاں اپنا رہنا مناسب نہیں ہے۔ جرمن فوج تمہاری تلاش میں ان چٹانوں میں بھی آئے گی اور یہاں آنسو گیس یا زہریلی گیس بھی پھینک سکتی ہے تاکہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہاں سے نکل آئیں۔"

عنبر بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جرمن فوج جب اس کی تلاش میں نکلے گی تو پھر چٹانوں کا یہ غار ان سے چھپ نہیں سکے گا۔ باقی رات وُہ یہی سوچتے رہے کہ وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکل کر کہاں جائیں ۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ وہ سمندر میں آسانی سے سفر کر سکتے ۔ اس کے علاوہ جنگ شروع ہو چکی تھی اور سمندر میں دشمن فوج کے جہاز اور آبدوزیں عام پھر رہی تھیں ۔ وہ کسی جگہ بھی گرفتار ہو سکتے تھے ۔ یا پھر لڑاکا طیارے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیتے ۔ عنبر نے مینا سے پوچھا ۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم دن نکلنے سے پہلے پہلے اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جزیرے کے اندر جنگل میں جا کر چھپنے کے لئے کوئی خفیہ جگہ بنائیں ۔ کیونکہ یہاں ہم جرمنوں سے بچ نہیں سکیں گے ۔"

"تو پھر ابھی نکل چلتے ہیں ۔"

عنبر اور مینا رات کے اندھیرے میں ہی چٹان کے غار میں سے نکل کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئے ۔ وہ سمندر سے ہٹ کر سامنے والے درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے ۔ رات ڈھلنے لگی تھی ۔ کوئی دم میں صبح ہونے والی تھی ۔ ایک جگہ سے پتلی سی پگڈنڈی جنگل میں داخل ہوتی تھی ۔ عنبر نے مینا کو ساتھ لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا ۔ جنگل میں کافی آگے جا

کر درخت جھکے جھکے تھے اور ان کے تنے کافی بڑے تھے ۔ ان میں ہی ایک جگہ کچھ درختوں نے ایک گول دائرہ سا بنا لیا تھا ۔ اس دائرے کے اندر چھوٹا سا ٹیلہ بنا ہوا تھا ۔ اس ٹیلے پر گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں ۔ دن کی روشنی جنگل میں آنا شروع ہو گئی تھی ۔ اس ٹیلے کے پیچھے درختوں کے قریب ہی ایک اور مٹی کا ٹیلہ تھا جو بہت بڑی قبر کی طرح اوپر کو اُبھرا ہوا تھا ۔ اس ٹیلے میں ایک جگہ کسی جنگلی درندے نے پنجوں سے کھود کھود کر اندر ایک کھوہ سی بنا رکھی تھی ۔

عنبر نے مینا کو باہر ہی چھوڑا اور خود اس کھوہ کے اندر جھک کر داخل ہو گیا تاکہ اگر اندر کوئی سانپ وغیرہ ہو تو وُہ اس کا پہلے ہی سے صفایا کر دے ۔ کھوہ اندر سے کافی کھلی تھی ۔ اگرچہ اندر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا ۔ کیونکہ چھت نیچی تھی ۔ زمین صاف تھی ۔ عنبر نے مینا کو اندر بلا لیا ۔

"یہ مجھے کسی درندے کا بھٹ لگتا ہے ۔" مینا نے ڈرتے ہوئے کہا ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہوگا۔"

عنبر نے کہا

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں ناریل لا کر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں بے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔ ہاں۔ تم جلدی واپس آ جانا۔ زیادہ دور نہ جانا۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔ اگر جرمن سپاہی ادھر بھی آ نکلیں گے"

اور جو انھوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

"میں اس کے آگے [illegible]

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے۔"

عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر کتنے ہی ناریل زمین پہ گرے پڑے تھے۔ عنبر نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آسکے تھے بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آگیا۔ پھر عنبر نے بہت ہی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل عنبر نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی رگوں کو تروتازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی انھوں نے ناریل ہی کھائے اور ان کا پانی پی لیا۔ رات سر پہ آگئی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا نے عنبر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہوگا؟" عنبر نے کہا

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں ناریل لاکر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا ہوں۔" مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں بے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔ ہاں۔ تم جلدی واپس آ جانا۔ زیادہ دور نہ جانا۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔ آج جرمن سپاہی ادھر بھی آئیں گے۔"

اور جو انہوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

"میں اس کے آگے [illegible]

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے۔"

عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر کتنے ہی ناریل زمین پہ گرے پڑے تھے۔ اُس نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آسکتے تھے بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آگیا۔ پھر عنبر نے بہت ہی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل انہوں نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی رگوں کو تر و تازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی انھوں نے ناریل ہی کھائے اور ان کا پانی پی لیا۔ رات سر پر آگئی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا نے عنبر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکل کر کہاں جائیں۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ وہ سمندر میں آسانی سے سفر کر سکتے۔ اس کے علاوہ جنگ شروع ہو چکی تھی اور سمندر میں دشمن فوج کے جہاز اور آبدوزیں عام پھر رہی تھیں۔ وہ کسی جگہ بھی گرفتار ہو سکتے تھے۔ یا پھر لڑاکا طیارے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیتے۔ عنبر نے مینا سے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم دن نکلنے سے پہلے پہلے اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جزیرے کے اندر جنگل میں جا کر چھپنے کے لئے کوئی خفیہ جگہ بنائیں۔ کیونکہ یہاں ہم جرمنوں سے بچ نہیں سکیں گے۔"

"تو پھر ابھی نکل چلتے ہیں۔"

عنبر اور مینا رات کے اندھیرے میں ہی چٹان کے غار میں سے نکل کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر سے ہٹ کر سامنے والے درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ کوئی دم میں صبح ہونے والی تھی۔ ایک جگہ سے پتلی سی پگڈنڈی جنگل میں داخل ہوتی تھی۔ عنبر نے مینا کو ساتھ لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل میں کافی آگے جا

کر درخت جھکے جھکے تھے اور ان کے تنے کافی بڑے تھے۔ ان میں ہی ایک جگہ کچھ درختوں نے ایک گول دائرہ سا بنا لیا تھا۔ اس دائرے کے اندر چھوٹا سا ٹیلہ بنا ہوا تھا۔ اس ٹیلے پر گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ دن کی روشنی جنگل میں آنا شروع ہو گئی تھی۔ اس ٹیلے کے پیچھے درختوں کے قریب ہی ایک اور مٹی کا ٹیلہ تھا جو بہت بڑی قبر کی طرح اوپر کو اُبھرا ہوا تھا۔ اس ٹیلے میں ایک جگہ کسی جنگلی درندے نے پنجوں سے کھود کھود کر اندر ایک کھوہ سی بنا رکھی تھی۔

عنبر نے مینا کو باہر ہی چھوڑا اور خود اس کھوہ کے اندر جھک کر داخل ہو گیا تاکہ اگر اندر کوئی سانپ وغیرہ ہو تو وُہ اس کا پہلے ہی سے صفایا کر دے۔ کھوہ اندر سے کافی کھلی تھی۔ اگرچہ اندر کھڑا نہیں ہُوا جاتا تھا۔ کیونکہ چھت نیچی تھی۔ زمین صاف تھی۔ عنبر نے مینا کو اندر بلا لیا۔

"یہ مجھے کسی درندے کا بھٹ لگتا ہے۔" مینا نے ڈرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہوگا؟" عنبر نے کہا

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں ناریل لا کر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا ہوں" مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں ویسے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔ ہاں۔ تم جلدی واپس آجانا۔ زیادہ دور نہ جانا"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔ [illegible] جرمن سپاہی ادھر بھی [illegible] گے"

اور جو انہوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

"میں اس کے آگے [illegible]

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے"

عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر کتنے ہی ناریل زمین پر گرے پڑے تھے۔ عنبر نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آسکتے تھے بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آگیا۔ پھر عنبر نے بہت سی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل انہوں نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی رگوں کو تروتازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی انہوں نے ناریل ہی کھانے اور ان کا پانی پی لیا۔ رات سر پر آگئی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا نے عنبر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جرمن آ رہے ہیں۔ وُہ ہماری تلاش میں ادھر آ رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"خدا کا شکر کرو کہ یہاں وہ اپنے سراغرساں کتے ساتھ نہیں لائے۔ اگر کتے ساتھ لائے ہوتے تو ہمارا بچنا ناممکن تھا۔"

مینا کہنے لگی۔

"لیکن اب جو وُہ ادھر آ رہے ہیں اس کا کیا کریں۔ وہ اندر آ گئے تو ہمیں گولیاں مار کر یہیں بھون دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم یہیں چھپی رہو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں؟"

مینا اسے روکتی ہی رہ گئی مگر عنبر باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے جھاڑیاں اسی طرح کھوہ کے منہ پر رکھ دیں اور خود اس طرف کو چل پڑا جدھر سے جرمن سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندھیرے میں اسے وہ دکھائی نہیں دے رہے تھے لیکن ان کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ عنبر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے تین سپاہی اندھیرے میں سے نکلتے دیکھے انہوں نے رائفلیں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں اور جھاڑیوں درختوں میں اِدھر اُدھر رائفلوں کے آگے تلی ہوئی سنگینیں مارتے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب وُہ آگے نکل گئے تو عنبر ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر تو انہوں نے خفیہ ٹھکانے کو نہ دیکھا اور آگے نکل گئے تو وُہ انہیں کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اگر انہوں نے کھوہ کا سراغ لگا لیا اور مینا کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تو وہ حملہ کر دے گا۔ جرمن سپاہی قدم قدم پر جھاڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتے ان میں سنگین گھونپتے آگے بڑھ رہے تھے۔ عنبر ان سے کوئی دس قدم پیچھے تھا اور پاؤں دبا دبا کر چل رہا تھا کہ اس کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہ دے جائے۔ جرمن سپاہی اب خفیہ ٹھکانے کے پاس پہنچ گئے تھے۔ دو سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے نکل گئے۔ اچانک ایک سپاہی وہیں رک گیا۔ یہاں کھوہ کے منہ کے آگے عنبر نے ابھی جھاڑیاں رکھی تھیں۔

اس جرمن سپاہی نے سنگین چلائی تو جھاڑیاں اوپر کو اٹھ گئیں۔ سپاہی نے جھانک کر دیکھا تو اسے ایک سوراخ نظر آیا۔ وہ اندر جانے ہی لگا تھا کہ عنبر نے پیچھے سے ایک جھاڑی کو زور سے یوں ہلا کر آواز پیدا کی جیسے کسی نے درخت کے اوپر سے نیچے چھلانگ لگائی ہو۔ ساتھ ہی اس نے "آہ" کی آواز بھی نکال دی۔

دو جرمن سپاہی پیچھے کو بھاگے۔ جو سپاہی خفیہ کھوہ میں جھانک رہا تھا وہ بھی جدھر سے جھاڑی پر کسی انسان کے چھلانگ لگانے کی آواز آئی تھی ادھر کو بھاگا۔ عنبر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ اندھیرا بہت تھا۔ مگر جرمن سپاہیوں نے اب ٹارچیں نکال کر روشن کر لیں۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کا مفرور قیدی یہیں کسی جھاڑی میں چھپا ہوا ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے ٹارچ کی روشنی بالکل نہیں کی تھی۔

روشنی عنبر کے درخت پر بھی پڑی۔ مگر وہ اس کے پیچھے چھپا رہا۔ اس کی سکیم یہ تھی کہ جب آخری سپاہی اس کے قریب سے آگے کو گزرے گا تو وہ اسے پیچھے سے دبوچ لے گا اور آواز پیدا کیے بغیر اس کا گلا دبا کر ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ عنبر نہیں چاہتا تھا کہ جنگل میں گولیاں چلنے کی آواز پیدا ہو اور پیچھے جرمن فوج کے دستے خبردار ہو کر ادھر آ جائیں۔ ایک آدھ گولی چلنے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر صرف بینا کی خاطر بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

لیکن ایک جرمن سپاہی نے درخت کے پیچھے عنبر کی کہنی دیکھ لی جو ذرا باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ مفرور قیدی درخت کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ تینوں سپاہی دونوں طرف سے درخت کی طرف بڑھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بے خبری میں عنبر کو جا کر پکڑ لیں گے۔ عنبر اگرچہ بے خبر تھا مگر اسے پکڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

تینوں سپاہی ایک دم سے اچھل کر درخت کے

سامنے آگئے اور تینوں نے رائفلوں کا رخ عنبر کی طرف کر دیا۔

"ہینڈز اپ"

عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ اس کی [illegible] سے حملہ کرنے کی سکیم ناکام ہو گئی تھی۔ سپاہیوں نے عنبر کو آگے چلنے کو کہا۔ عنبر نے کہا۔

"میرا ایک ساتھی سامنے والے درخت کے پیچھے ایک غار میں چھپا ہوا ہے۔ اسے بھی ساتھ لے لو۔ بعد میں جو تم مجھے اذیت دے کر پوچھتے پھرو گے۔"

ایک سپاہی نے کہا۔ "تم اتنی اچھی جرمن زبان بول لیتے ہو۔ تم بڑے پکے جاسوس ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر میں جاسوس ہوتا تو تمہارے سامنے کبھی جرمن زبان نہ بولتا۔ بلکہ گونگا بن جاتا۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ جہاز کے غرق ہو جانے سے اس جزیرے پر آکر پھنس گیا ہوں۔ میں مصر کا سوداگر ہوں جڑی بوٹیوں کا کام کرتا ہوں۔"

تیسرے جرمن سپاہی نے رائفل کی سنگین عنبر کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور آگے چلو۔"

عنبر نے کہا۔

"کم از کم میرے ساتھی کو تو غار کے اندر سے نکال لاؤ۔ میرے بغیر وہ بھوکا مر جائے گا۔ میں ہی تو جنگل میں جا کر اس کے لیے ناریل جمع کر کے لاتا تھا۔ وہ بے چارا چل نہیں سکتا۔"

تینوں سپاہیوں نے ایک طرف دیکھا اور پھر ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

"تم ادھر جا کر دوسرے جاسوس کو پکڑ لاؤ۔"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں غار نہیں مل سکے گی۔ مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے تو غار کا سراغ ملے گا۔"

"تو پھر چلو آگے۔"

عنبر آگے آگے جنگل کی دوسری طرف چل پڑا۔ وہ انہیں اپنے خفیہ ٹھکانے سے زیادہ دور لے چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ فوجی بارکوں سے بھی لوگ کچھ اور دور نکل آئیں۔ جب وہ جنگل میں کا آگے نکل آئے تو ایک سپاہی نے کہا

"کہاں ہے وہ غار؟ ابھی تک آئی ہی نہیں؟" عنبر نے کہا۔

"بس چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔ آنے ہی والی ہے۔"

چند قدم اور آگے جا کر جرمن سپاہی رک گئے انھوں نے عنبر کے ہاتھوں کو پیچھے رسی کے سا باندھ ڈالا اور دھکا دے کر کہا۔

"تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ چلو فوجی بارک کی طرف۔ تم پہلے بھاگ گئے تھے۔ اب ہم تمہیں کیپٹن کے پاس لے جاتے ہی گولی مار دیں گے۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ یہ پھر بھاگ جائے۔ اس لئے اسے یہیں گولی مار دیتے ہیں اور کیپٹن کے پاس اس کا سر کاٹ کر لے جاتے ہیں۔"

"اچھا خیال ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

تیسرے نے پیٹی کے ساتھ لگا ہوا لمبا خنجر نکال لیا اور بولا۔

"اسے گولی مارنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ خواہ مخواہ ایک گولی ضائع ہو گی اس کو زمین پر لٹاؤ۔ میں خود اس کا سر کاٹتا ہوں۔"

ایک بات پر ان سب سپاہیوں کو کچھ حیرانی سی تھی کہ عنبر پر موت کا ذرا سا بھی ڈر نہیں تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ پہلا سپاہی بولا۔

"ابھی تمہاری ساری مسکراہٹ ختم کرتا ہوں"

جب اسے دونوں سپاہی پکڑ کر زمین پر لٹانے لگے تو عنبر نے کہا۔

"کیوں میرا اور اپنا وقت ضائع کرتے ہو تم میرا سر نہیں کاٹ سکو گے۔"

"شٹ اپ"

اور دونوں سپاہیوں نے عنبر کو نیچے گرا دیا۔ انھوں نے کیا گرانا تھا۔ عنبر خود ہی ذرا ڈرامہ پیدا کرنے کے لیے نیچے گر کر لیٹ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خنجر والا سپاہی نیچے جھک کر بیٹھ گیا اور خ عنبر کی گردن پر رکھ کر اس طرح چلانے لا جس طرح قصائی بکرے کی گردن پر چھری چلا ہے۔ مگر وہ پریشان ہونے لگا۔ کیونکہ ایک ت گلا نہیں کٹ رہا تھا۔ دوسرے خنجر چلنے کی آواز اس طرح کی آ رہی تھی جیسے وہ خنجر پتھر کی سل پر چلا رہا ہو۔

دونوں سپاہیوں نے ٹارچیں روشن کر رکھی تھیں۔ سپاہی نے خنجر کی دھار دیکھی۔ وہ پتھر پر رگڑے جانے سے کند ہو گئی تھی۔ اس نے جھک کر عنبر کی گردن کو دیکھا۔ پھر ہاتھ لگا کر ٹٹولا کہ کہیں اس شخص نے گردن کے گرد لوہے کا کوئی پٹہ تو نہیں ڈال رکھا۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ عنبر کی گردن باقاعدہ گوشت کی بنی ہوئی تھی اور نرم تھی۔ مگر جب وہ خنجر اس پر رکھ کر چلانے لگتا تھا تو وہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتی تھی۔

پہلے، دوسرے اور تیسرے سپاہی نے باری باری خنجر چلا کر دیکھ لیا۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا

اور عنبر کی گردن پر ایک ذرا سی لکیر تک بھی نہ پیدا ہو سکی۔ اب سپاہی نے خنجر عنبر کے پیٹ پر زور سے مارا۔ خنجر کا پھل ٹوٹ گیا اور سپاہی کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ لو اب تیار ہو جاؤ۔ اب میری باری ہے۔"

اور عنبر نے ایک ہلکے سے جھٹکے سے اپنے ہاتھوں کی رسیاں توڑ ڈالیں۔

سانپوں کا جزیرہ

●

عنبر نے اچانک حملہ کر دیا۔

اس نے اچھل کر اوپر والے دو جرمن سپاہیوں کی رائفلیں چھین لیں اور انہیں نیچے گرا لیا۔ تیسرے سپاہی نے عنبر پر دھڑا دھڑ اوپر تلے چار گولیاں چلا دیں۔ پانچویں گولی عنبر کی رائفل سے نکلی اور تیسرے سپاہی کی کھوپڑی کے اندر جا کر اس کے دماغ سے ہاتھ ملاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ گولی سے ہاتھ ملانے کے بعد سپاہی کا دماغ پاش پاش ہو گیا تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے عنبر کو پکڑ کر زمین پر گرانے اور اس سے اپنی رائفلیں چھیننے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ کسی چٹان کو نیچے گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عنبر اب اپنی پوری طاقت میں آ چکا تھا۔ اب اسے گرانا محال تھا۔ عنبر نے دونوں سپاہیوں کو گردن

سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ پھر انہیں زمین سے یوں اوپر اٹھا لیا جیسے وہ کوئی چوہے ہوں۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

جرمن سپاہی ششدر تھے اور کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اتنا طاقت والا انسان آج تک نہیں دیکھا تھا انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عنبر پر ابھی ابھی چار گولیاں چلی ہیں اور چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کے سینے پر لگی تھیں مگر اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے کوئی بھوت سمجھنے لگے تھے اور ان کی اپنی طاقت جواب دے گئی تھی۔ پھر بھی ایک سپاہی نے زور سے چیخ مار دی۔ اس خیال سے کہ اس کی چیخ اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے اور وہ اس کی مدد کو آئیں۔ عنبر بھی اس فریب کو سمجھ گیا۔ اس نے سپاہی کو دوسری چیخ نکالنے کی مہلت ہی نہ دی۔ وہیں زمین سے اوپر اٹھائے اٹھائے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ عنبر نے اسے نیچے پھینک دیا۔ تیسرا سپاہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ عنبر نے اسے وہیں زمین پر ڈال دیا اور تینوں رائفلیں لے کر اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہشت کے مارے بے چاری انگریز لڑکی مینا کا بڑا حال ہو رہا تھا۔ عنبر نے رائفلیں اس کے آگے رکھ کر کہا۔

"تین جرمن سپاہی آئے تھے۔ دو تو مر گئے ہیں۔ تیسرا بے ہوش ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے پوری کی پوری جرمن فوج کی کمپنی ادھر آ جائے۔ پھر شاید میں تمہاری حفاظت نہ کر سکوں گا۔"

مینا نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں سے جائیں گے کدھر؟ سارے جزیرے میں اس قسم کا خفیہ ٹھکانہ تو شاید ہی ہمیں ملے۔"

عنبر نے کہا۔

"ٹھکانہ ملے نہ ملے مگر یہاں ہم نہیں رہ سکتے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں خفیہ غار سے نکل کر درختوں میں سے ہوتے سمندر کے جنوبی کنارے کی طرف چل پڑے۔ تاریک رات میں جنگل ایک بار پھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ گولیوں کے دھماکوں سے جنگل ایک بار گونج کر خاموش ہو گیا تھا۔

دونوں چلتے چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں جزیرے کے اس کنارے کی طرف سے گولی چلنے کی آواز آئی جدھر جرمن فوج نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ عنبر نے کہا

"معلوم ہوتا ہے جرمن دستہ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے روانہ ہو پڑا ہے۔"

"اب کیا ہو گا عنبر! وہ تو ہمیں جنگل میں ہی پکڑ لیں گے۔"

"مینا گھبرا رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ سچی تھی۔ بے چاری کو ایک پل کا چین نہیں ملا تھا۔ جب سے جرمن فوج جزیرے میں داخل ہوئی تھی وہ عنبر کے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھی۔ جزیرے میں اب درختوں کا وہ حصہ آ گیا تھا۔ جہاں دلدل ہوتی ہے یہاں زمین کہیں کہیں نرم تھی عنبر نے مینا کو اپنے پیچھے کر لیا کہ کہیں وہ بے خیالی میں کسی دلدل میں نہ پھنس جائے۔ وہ کافی آگے نکل گئے جنگل یہاں اتنا گھنا نہیں رہا تھا۔ ایک جگہ انہوں نے گھاس کے چھوٹے سے ٹکڑے کے کنارے چھ سات جھونپڑیاں بنی ہوئی دیکھیں۔ مینا نے تعجب سے ان جھونپڑیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے آج تک اس جزیرے میں کبھی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھونپڑیاں نہیں دیکھی تھی۔ یہ کہاں سے آ گئیں؟"

عنبر نے کہا۔

"ہو سکتا ہے تم ادھر نہ آئی ہو۔ بہرحال یہ جنگلی لوگ ہی ہوں گے۔"

مینا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے آدم خور ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر آدم خور ہوں گے تو میں ان کا دیوتا بن جاؤں گا۔"

مینا نے چڑ کر کہا۔

"تم مذاق کے موڈ میں ہو کیا؟ یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہے۔"

عنبر بولا۔

"خدا کی قسم میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں سچ کہتا ہوں۔ دعا کرو کہ یہ آدم خور نکل آئیں۔ پھر میں تمھیں اپنی جادوگری دکھاؤں گا۔"

مینا کہنے لگی۔ "اور اگر یہ آدم خور نہ ہوئے تو پھر تم کچھ نہ کر سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں پھر بھی ان کا دیوتا بن سکتا ہوں۔ یہ تو مجھے تمھاری فکر رہتی ہے اگر تم میرے ساتھ نہ ہوتیں تو میں کب کا ان جرمن سپاہیوں کو بھی اپنا غلام بنا چکا ہوتا۔"

مینا ناراض ہو گئی۔

"عنبر! تم ذرا موقع نہیں دیکھتے اور مذاق پر مذاق کیے جاتے ہو۔ خدا کے لیے کوئی عقل کی بات کرو اور دیکھو ان جھونپڑیوں میں کون ہو سکتا ہے۔ کیا ہمیں یہاں پناہ مل سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ جنگلی ہیں تو یہ ہماری بات کیا سمجھیں گے۔ اگر یہ جرمنوں کے خلاف بھی ہوتے تو انہیں کیسے سمجھائیں گے کہ ہم ان کے دوست ہیں اور دشمن نہیں ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"میں ان کی زبان جانتا ہوں۔"

مینا غصے سے بولی۔

"تم نے پھر مذاق شروع کر دیا۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جھونپڑیوں کے پیچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف نکل آیا تھا۔ اس نے ایک جھونپڑی کے اند چراغ کی ہلکی روشنی دیکھ لی تھی۔ وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک چار جنگلیوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے چمک رہے تھے اور کندھوں پر زہر میں بجھے ہوئے تیر اور کمانیں لٹک رہی تھیں۔ وہ نیزے آگے کرکے عنبر اور مینا کو لے کر اس جھونپڑی کی طرف بڑھے جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ابھی تک کسی جنگلی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ جھونپڑی کے باہر آکر ایک جنگلی نے اپنی زبان میں دوسرے سے کچھ کہا۔ عنبر نے اس کے جواب میں کہا۔

"مجھے سردار کے سامنے ابھی پیش کرو۔"

اصل میں اس جنگلی نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ اس نئے شکار کو صبح سردار کے آگے پیش کرکے انعام لیں گے۔ کیونکہ بڑی دیر بعد ایک سفید عورت ہاتھ لگی تھی۔ اور سردار سفید عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ جب عنبر نے انہیں ان کی زبان میں کچھ کہا تو وہ پلٹ کر اپنی وحشی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگے۔

"یہ تو ہماری زبان جانتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے باپ داداؤں کی باپ داداؤں کی بھی زبان جانتا ہوں اور تمہارے سردار کو اگر سفید عورت کا گوشت پسند ہے تو مجھے بھی تمہارے سردار کا گوشت بہت پسند ہے۔ چلو مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔"

چاروں جنگلی عنبر اور مینا کو لے کر سردار کی جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ مینا بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عنبر کو تک رہی تھی کہ اس کو جنگلیوں کی زبان کہاں سے آگئی۔ وہ عنبر کو کوئی غیر معمولی طاقت کا انسان بلکہ جادوگر سمجھنے لگی تھی۔ سردار بھی باہر شور سن کر جاگ پڑا تھا۔ اس نے عنبر اور ایک گوری لڑکی کو دیکھا تو بستر پر سے خوشی کے مارے بغلیں بجاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ عنبر نے دیکھا کہ سردار کالا بھجنگ جنگلی تھا اور اتنا موٹا کہ اس کا گول پیٹ پھول کر کپا بن رہا تھا۔ سردار نے چیخ کر ایسی آواز میں کہا۔

"ان کو کہاں سے لاتے ہو؟"

عنبر نے سردار کی زبان میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ان سے کیا پوچھتے ہو میں تمہیں بتاتا ہوں تمہارے جزیرے پر جرمن فوجوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور وہ تمہاری جھونپڑیوں کو آگ لگانے اور تمہارے آدمیوں اور عورتوں کو گولیوں سے اڑانے ادھر ہی چلے آ رہے ہیں۔ ہم ایک جہاز کے غرق ہونے کے بعد اس جزیرے پر آ گئے تھے۔ جرمن سپاہی ہماری بھی تلاش میں ہیں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟"

سردار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی غیر آدمی ان کی زبان اتنی اچھی طرح سے بول سکتا ہے۔ لیکن آخر وہ اس جزیرے کا سردار تھا۔ خواہ اس جزیرے میں اس کے ڈیڑھ سو آدمی ہی رہتے تھے۔ اس نے مینا کی طرف ہاتھ کر کے اشارے سے بلایا۔

"ادھر آؤ میری سفید مرغی! آج صبح میں تمہارا ناشتہ کروں گا۔ میں سفید گوشت کو ترس گیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"خبردار مینا! اپنی جگہ سے مت ہلنا۔"

سردار کو طیش آ گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے عنبر کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی کھا جاؤں گا مجھے سانولا گوشت بھی بہت پسند ہے۔"

عنبر نے بھی سردار کو گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تمہارا گوشت تمہارے ہی جنگلی آدم خوروں کے آگے پھینک دوں گا اور تمہارے آدمی ہی تمہارا گوشت بھون بھون کر کھائیں گے۔"

اب تو دوسرے جنگلی بھی غصے میں آ گئے۔ ان میں سے ایک جنگلی کو سردار نے چٹکی بجا کر اشارہ کیا۔ وہ جنگلی نیزہ لے کر آگے بڑھا اور مینا کے سینے میں نیزہ گھونپنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے ایک ہاتھ سے اوپر اٹھا لیا عنبر زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا۔ وہ جلد سے جلد ان لوگوں کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک تو پیچھے جرمن سپاہی چلے آ رہے تھے۔ دوسرے اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کسی طرف سے کوئی آدم خور جنگلی مینا پر زہریلا تیر نہ چلا دے۔ عنبر نے جنگلی کو اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا۔ وہ ایسا گرا کہ اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ایک بڈی پسلی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ دوسرا جنگلی اس کی طرف نیزہ لے کر بڑھا۔ عنبر نے سینہ آگے کر دیا۔

"آؤ چلاؤ نیزہ"

جنگلی نے نیزہ پوری طاقت سے عنبر کے سینے پر مارا۔ نیزہ ٹیڑھا ہو گیا۔ اب سردار بھی اس کی طاقت سے خوف کھا گیا۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

"سنو۔ میں تمہارے جزیرے کا دیوتا ہوں تم کو میرا حکم ماننا پڑے گا"

سردار نے اپنا سر جھکا دیا۔ دوسرے جنگلیوں نے بھی اپنے اپنے سر جھکا دیئے۔ عنبر نے کہا۔

اس جزیرے پر جرمن فوج اتر آئی ہے۔ اس نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ لڑکی انگریز ہے۔ جرمن سپاہی اس کے پیچھے لگے ہیں۔ وہ مجھے تو کچھ نہیں کہہ سکتے مگر اس لڑکی کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس لڑکی کو ان کے ظلم سے بچانا ہے۔ بتاؤ تم ہماری کیا مدد کرو گے؟

سردار نے کہا۔

"میں اسے اپنی عورتوں کا بھیس بدلا کر ان میں

شامل کر دوں گا۔ وہ نہیں پہچان سکیں گے"

عنبر کو یہ ترکیب پسند آئی۔ اسی وقت مینا نے چہرے پر ایک قسم کا سیاہ رنگ مل کر اس کو جنگلی لباس پہنا دیا گیا وہ جنگلی معلوم ہونے لگی۔ اس میں اور دوسری عورتوں میں کوئی فرق نہ رہا۔ عنبر نے کہا۔

"اب تم ان عورتوں کی طرح ہو گئی ہو مگر تم بولنا مت۔ کیونکہ تم ان کی زبان نہیں جانتیں تم گونگی بن جانا"

مینا نے کہا۔

"ایسا ہی کروں گی"

اتنے میں گولی کی آواز آئی۔ مینا کو جنگلی عورتوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں بھیج دیا گیا۔ سردار نے عنبر سے کہا۔

"تم کہاں چھپو گے، اے دیوتا!

عنبر نے کہا۔

"دیوتاؤں کو چھپنے کی ضرورت نہیں ہوتی"

سامنے کے درختوں سے جرمن فوج کا ایک دستہ نمودار ہوا یہ چھ سات فوجی تھے اور رائفلیں لیے مفرور قیدی عنبر کی تلاش میں چلے آ رہے تھے۔ عنبر اور سردار اور دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگلی وہیں کھڑے رہے۔ جرمن دستے کا کمانڈر جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو چیخ کر بولا۔

”یہی ہے مفرور قیدی۔ اسے گرفتار کر لو۔“

عنبر نے کہا۔

”تم مجھے نہیں پکڑ سکتے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اسی جگہ سے واپس چلے جاؤ۔“

کمانڈر نے رائفل اٹھا کر دھائیں سے فائر کر دیا۔ گولی سیدھی عنبر کے سینے پر آ کر لگی اور اس کے سینے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر نے زمین پر سے گولی اٹھا کر کمانڈر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

”تم جتنی گولیاں چلاؤ گے۔ ساری کی ساری تمہارے منہ پر مار دوں گا۔ مگر جب میں نے رائفل پکڑی تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔“

کمانڈر سمجھا کہ عنبر نے قمیض کے اندر فولادی صدری پہن رکھی ہے۔ اس نے دوسری گولی عنبر کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ یہ گولی بھی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

جنگلی اندان کا سردار خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ وہ عنبر کو اب سچ مچ ایک دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ دوسری جھونپڑی کے دروازے کے پیچھے سے مینا بھی یہ انوکھا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ کمانڈر نے تیسرا فائر کیا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ دوسرے جرمن سپاہی بت بنے کھڑے تھے۔

کمانڈر نے کہا۔ ”اسے پکڑ کر ہیڈ کواٹر لے چلو:“

اب عنبر نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے کہا

”ہیڈ کواٹر تو اب تم میں سے ایک بھی نہیں جائے گا۔“

اور اس کے ساتھ ہی اس نے سردار کو ان کی جنگلی زبان میں کہا کہ زمین پر لیٹ جاؤ۔ جرمن سپاہی کچھ نہ سمجھے کہ عنبر نے جنگلی لوگوں کو کیا کہا ہے۔ وہ عنبر کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے تو عنبر نے لپک کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔ دوسری جنگ عظیم کی رائفلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ آٹھ دس گولیاں فائر ہوا کرتی تھیں۔ عنبر نے رائفل ہاتھ میں لیتے ہی جرمن فوجیوں پر دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دی۔ جنگلی سارے کے سارے زمین پر لیٹ گئے تھے۔ سب سے پہلی گولی جرمن کمانڈر کو لگی۔ وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ دوسرے سپاہیوں نے بھی عنبر پر فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں عنبر کے سارے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور نیچے گر رہی تھیں۔ اسے ذرا سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ہر گولی ایک جرمن کو ہلاک کر رہی تھی۔

سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی زبردست جادوگر کھڑا ہے تو وہ پیچھے کو بھاگے۔ عنبر نے ان پر پیچھے سے گولی چلا کر ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ساتوں سپاہیوں کی لاشیں کمانڈر کے آس پاس بکھر گئیں۔ عنبر نے رائفل پھینک دی اور سردار سے کہا۔

”اب تم لوگ اٹھ سکتے ہو“

سردار اور جنگلی آدمیوں نے ایک بار پھر عنبر کو سجدہ کر دیا۔ عنبر نے کہا۔

”سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں“

سردار نے کہا۔ ”تم جزیرے کے دیوتا ہو تم مر نہیں سکتے۔ تم عظیم دیوتا ہو“

عنبر نے اسی وقت مینا کو بلا لیا۔ مینا بھی عنبر سے بڑی متاثر ہوئی تھی اور اسے کوئی زبردست جادوگر خیال کرنے لگی تھی۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

”اب ہو سکتا ہے پوری کی پوری جرمن فوج کی ایک یونٹ یہاں آ جائے۔ اس لئے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تم لوگوں کا بھی یہاں رہنا ٹھیک نہیں کیا تم کسی دوسری محفوظ جگہ پر ہمیں لے جا سکتے ہو؟“

سردار نے کہا۔

”اس جزیرے سے تین میل دور۔ ایک اور جزیرہ ہے۔ وہاں ہم کبھی کبھی جنگلی خرگوشوں کا شکار کرنے چلے جاتے ہیں۔ مگر وہاں سانپ بڑے ہیں۔“

عنبر نے کہا۔

”سانپوں کا علاج میں کر لوں گا تم وہاں چلنے کی تیاری کرو“

سردار نے اسی وقت سب کو حکم دیا کہ وہ جھونپڑے خالی کر کے سمندر کی طرف چل پڑیں۔ پندرہ بیس عورتوں اور جنگلی آدمیوں کا یہ قافلہ عنبر اور مینا کو ساتھ لے کر جھونپڑیاں خالی کر کے جنگل میں ایک خفیہ راستے سے سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردار سب سے آگے تھا اور عنبر اور مینا اس کے ساتھ تھی۔ وہ جنگل کے ایک چھوٹے سے چھوٹے راستے سے ہوتے ہوئے آدھے گھنٹے کے بعد سمندر پر پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے درختوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نیچے اپنی کشتیاں چھپا رکھی تھیں۔ یہ کل چھ چھوٹی کشتیاں تھیں۔ جنگلی انہیں کھینچ کر سمندر میں لے آئے۔ سب اس میں سوار ہو گئے اور کشتیاں سمندر میں مشرق کی طرف چل پڑیں۔

تین چار میل سمندر میں سفر کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے جزیرے پر پہنچ گئے۔ جہاں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور اونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ یہاں کہیں کہیں اکا دکا کانٹے دار درخت نظر آ رہے تھے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سردار نے کہا۔

"یہاں بڑے زہریلے سانپ ہوتے ہیں، ہم جب بھی یہاں آتے ہیں اپنے ساتھ آگ ضرور لاتے ہیں جو نیزوں کے آگے جلا کر انہیں زمین پر ٹیکتے ہوئے شکار کرتے ہیں۔

مینا ڈر گئی، کہنے لگی۔

"میں آگے نہیں جاؤں گی۔"

عنبر نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ تمہیں سانپ کچھ نہیں کہے گا۔"

سردار نے کہا۔ "عظیم دیوتا! یہاں کا سانپ اتنا

زہریلا ہے کہ کسی کو ڈس دے تو اس کے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "میں اس سانپ کے جسم میں آگ لگا سکتا ہوں۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ دیوتا ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

مگر مینا کہنے لگی۔

"میں آگے نہیں جاؤں گی۔ مجھے سانپوں سے بڑا خوف آتا ہے۔"

دوسرے جنگلی بھی وہیں رک گئے تھے۔ آگ کے بغیر وہ بھی سانپوں کی بستی میں آگے جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اس چھوٹے سے جزیرے کو سانپوں سے آزاد کرا دینا چاہیے کیونکہ کچھ پتہ نہیں ابھی اسے مینا کو لے کر وہاں کتنے دن اور رہنا پڑے۔

عنبر تے کہا۔

"اچھا میں ان سانپوں کا بندوبست کرتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"تم کیا کرو گے۔ ان پر تمہارا جادو نہیں چلے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عنبر نے کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ ابھی جزیرے کے سارے کے سارے سانپ جزیرے سے نکل کر سمندر میں اتر جائیں گے اور پھر کبھی اس طرف نہیں آئیں گے۔"

مینا بولی۔

"کاش تم ایسا کر سکو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں ابھی تمہیں کر کے دکھاتا ہوں۔ اب جبکہ تم پر میرا بھید کھل گیا ہے تو پھر میری یہ جادوگری بھی دیکھ لو۔"

اس نے تمام لوگوں کو کہا کہ وہ پیچھے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جائیں۔ ساری جنگلی عورتیں اور مرد سردار کے ساتھ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ مینا بھی ان کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔ عنبر ریت پہ جزیرے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خیال ہی خیال میں ناگ کو یاد کر کے اپنے ذہن سے سانپوں کی زبان میں لہریں چھوڑیں یہ لہریں اس قدر طاقت ور اور زبردست تھیں کہ جزیرے میں جتنے بھی سانپ تھے ان میں ہل چل مچ گئی۔ ہر

سانپ اپنے بل سے تڑپ کر باہر نکل آیا اور بے چین ہو کر عنبر کی طرف دوڑنے لگا۔ جنگلی سردار اور دوسرے جنگلی عورتیں اور آدمی اور بچے اور مینا۔ سب خاموش کھڑے عنبر کی طرف تک رہے تھے۔ اچانک عورتوں نے چیخیں ماریں۔ مردوں نے دیکھا کہ سانپوں کی ایک پوری جماعت رینگتی ہوئی عنبر کی طرف آ رہی ہے۔ جنگلی مرد، عورتیں اور مینا بھاگ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ عنبر اپنی جگہ کھڑا رہا سارے سانپ عنبر کے سامنے ایک ہجوم بن کر کنڈلی مار کر بیٹھ گئے۔ ہر سانپ نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ ہزاروں سانپ تھے۔ عنبر بھی حیران رہ گیا کہ اس جزیرے پر اتنے سانپ کہاں سے آ گئے تھے۔ شکل سے بھی وہ بڑے زہریلے لگتے تھے۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر سانپوں کی زبان کی تیز لہر چھوڑ کر ان کی زبان میں کہا۔

"میں تمہارے دیوتا ناگ کا بھائی ہوں۔"

ایک سانپ جو سب سے بوڑھا تھا اور اژدہا بن چکا تھا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا عنبر کے سامنے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور سر جھکا کر بولا۔

"اے ہمارے آقا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

عنبر نے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس جزیرے پر کچھ دیر کے لیے رہنے آیا ہوں۔ تم لوگ کچھ دنوں کے واسطے اس جزیرے کو خالی کر کے کسی دوسرے جزیرے پر چلے جاؤ۔"

سردار اژدہا نے کہا۔

"جو حکم میرے آقا۔ ہم ابھی یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ جب آپ حکم دیں گے واپس آ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں بہت جلد تمہیں واپس بلا لوں گا۔ لیکن جب تک میں تمہیں آواز نہ دوں ہرگز ہرگز یہاں مت آنا۔"

"ایسا ہی ہو گا میرے آقا۔"

سردار اژدہا نے سر جھکایا۔ پھر آہستہ آہستہ رینگتا ہُوا واپس اپنے سانپوں کے ہجوم کے پاس جا کر انہیں بتایا کہ عظیم ناگ دیوتا کے بھائی کا حکم ہے کہ ہم ابھی اس جزیرے کو خالی کر کے دوسرے جزیرے پر چلے جائیں۔

سب سانپوں نے ایک زبان ہو کہا۔

"ان کا حکم سر آنکھوں پر۔"

اور پھر جنگلی سردار اور مینا اور دوسرے جنگلی آدمیوں اور عورتوں نے دیکھا کہ ہزاروں سانپ سمندر کی طرف رینگ رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین پر کالے رنگ کا ایک بادل ہے جو سمندر کی طرف کھسک رہا ہے۔ سانپ پانی میں اترنے لگے اور پھر سارے کے سارے سانپ سمندر میں اتر کر اس کی لہروں پر تیرتے ہوئے ایک طرف کو چل دیئے اور لہروں نے انہیں اپنے پیچھے چھپا لیا۔ سردار اور جنگلی آدمی نعرے لگا کر ٹیلے سے اتر آئے اور عنبر کے آگے جھک گئے۔ مینا بھی عنبر کو تعجب کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدم خوروں سے فرار

●

جنگلیوں نے جزیرے پر جھونپڑیاں بنانی شروع کر دیں۔ خشک جھاڑیاں کاٹ کر انہوں نے ایک دن کے اندر اندر جزیرے پر ایک ٹیلے کے پیچھے جھونپڑیاں کھڑی کر دیں۔ یہاں خرگوش کا شکار بہت زیادہ تھا۔ ایک قسم کا پھل بھی عام مل جاتا ہے۔ جو تربوز کی طرح میٹھا تھا یہاں ایک چشمہ بھی بہتا تھا جس کا پانی بڑا خوشگوار تھا۔ عنبر اور مینا بھی ان جنگلیوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہنے لگے۔ چار دن گزر گئے۔ اس دوران عنبر نے سردار سے مشورہ کیا کہ اگر وہ یہاں سے نکلنا چاہیں تو کیسے نکلیں؟ سردار نے کہا۔

"یہ سمندر بہت چوڑا ہے اور اس میں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔ ہماری کشتی آپ کے لیے کافی نہیں ہوگی۔ خطرہ ہے کہ اگر آپ اس میں بیٹھ کر سمندر میں اُترے تو یہ طوفان

برداشت نہ کر سکے گی اور سمندر میں ڈوب جائے گی۔"

"تو پھر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔ مینا کو اس کے گھر بھی پہنچانا ہے۔"

سردار نے کہا۔

"ایک بات بتائیں۔ کیا ان جرمن فوجیوں کے پاس بھی کشتیاں ہیں؟"

عنبر چونکا۔ اچھا خیال تھا۔ جرمن فوجیوں کی کشتیاں بڑی طاقت ور تھیں۔ وہ طوفان کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ اس نے کہا۔ "ہاں ضرور ہیں۔ مگر ــــ"

سردار نے کہا۔

"میرے آدمی بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں۔ وہ جرمن فوج کی ایک کشتی بڑی آسانی سے اڑا کر لا سکتے ہیں۔ آپ اس کشتی میں بیٹھ کر نکل جائیں میرا خیال ہے وہ کشتی راستے میں آپ کو دھوکہ نہیں دے گی۔ کیا خیال ہے؟

عنبر نے کہا۔

"مجھے یہ تجویز پسند آئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر میں اپنے آدمیوں کو حکم دیتا ہوں وہ آج رات ہی ان کی ایک کشتی اڑا کر لے آئیں گے۔"

عنبر نے آتے ہی مینا کو اسکیم بتائی۔ وہ پہلے ہی وہاں سے تنگ آ چکی تھی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ سمندر میں سفر کرتے رہیں۔ کم از کم یہ امید تو ہوگی کہ کبھی نہ کبھی کسی ملک کے ساحل کے ساتھ جا لگیں گے۔ اس نے فوراً کہا۔

"میں تیار ہوں۔ ہم کشتی میں پانی اور کھانے کے لئے یہاں کا پھل رکھ لیں گے۔"

اس رات چار جنگلی اپنی چھوٹی سی کشتی لے کر رات کے اندھیرے میں اپنے جزیرے سے نکل کر سمندر میں بہتے ہوئے جرمن فوجوں کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جرمن فوجوں کی بارکوں میں رات کو بلیک آؤٹ ہوتا تھا اور روشنی نہیں کی جاتی تھی۔ جنگلی آدمیوں نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اسی سمندر کے رہنے والے تھے۔ ایک ایک لہر کو جانتے تھے۔ ایک ایک موج ان کو جانتی تھی۔ وہ مگرمچھوں کی طرح کشتی کھیتے ہوئے جزیرے میں اس طرف آ گئے جہاں

فوج کی کشتیاں ریت پر پڑی تھیں۔ انہوں نے اپنی کشتی وہیں چھوڑی اور ریت پر رینگ رینگ کر چلتے ایک فوجی کشتی کے پاس آ گئے۔

انہوں نے کشتی کو بڑے آرام کے ساتھ پیچھے سمندر کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ کشتی بھاری تھی۔ مگر چار آدمیوں نے اسے مل کر اسے کھینچا اور وہ آہستہ آہستہ گیلی ریت پر پیچھے کو کھسکنے لگی۔ کوئی ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ فوجی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کشتی کو اپنی کشتی کے ساتھ باندھا اور اندھیرے میں واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ جرمن پہرے دار ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔ اندھیرے میں انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ان کی ایک کشتی سمندر میں اتر کر دوسرے جزیرے کی طرف جا رہی ہے۔

جب جنگلی فوجی کشتی لے کر جزیرے پر آئے تو سردار اور عنبر وہاں پہلے سے کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ فوجی کشتی کو ساحل پر کھینچ لیا گیا۔ عنبر نے کشتی میں اتر کر دیکھا کہ وہاں کچھ ٹین اور لکڑی کے چھوٹے بڑے ڈبے بھی پڑے تھے۔ کشتی کافی کھلی تھی اور اس میں چھ سات آدمی بڑے آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ عنبر نے ان ڈبوں کو کھول

کر دیکھا۔ ان میں پٹرول بھرا ہوا تھا۔ لکڑی کے کھوکھے خال تھے۔ عنبر نے پٹرول جنگلی سردار کو دے کر کہا۔

"اس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے یہ تم اپنے پاس رکھو۔ ہو سکتا ہے کبھی تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

دوسرے دن عنبر اور مینا کشتی میں سوار ہو گئے جنگلی سردار نے پانی سے بھرے ہوئے چار چمڑے کے مشکیزے اور پھلوں کا ایک ڈھیر اور خرگوش کا سوکھا ہوا گوشت کشتی میں رکھوا دیا تھا۔ صبح صبح عنبر نے اپنے جنگلی ستوں کو الوداع کہا اور کشتی کے چپو چلاتے ہوئے سمند میں اپنا سفر شروع کر دیا۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کشتی کے اوپر بانس کی چھت سی بنی ہوئی ہے جس پر بارش اور دھوپ سے بچنے کے لئے ترپال ڈال دی جاتی تھی۔ عنبر نے ایک ترپال اٹھا کر اوپر ڈال کر باندھ دی۔ مینا اس کے سائے میں آرام سے بیٹھ گئی۔ عنبر چپو چلا رہا تھا۔ جب وہ تھک جاتا تو مینا چلانے لگتی۔ جب وہ سمندر میں کافی آگے نکل آئے تو اب چپو چلانے کی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ سمندر کی موجیں اپنے آپ کشتی کو آگے لیے جا رہی تھیں

مینا نے پوچھا۔

"کچھ معلوم بھی ہے کہ یہ سمندری لہریں ہمیں کس طرف لئے جا رہی ہیں؟"

عنبر نے سورج کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم یورپ کی طرف جا رہے ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ مجھے سمندروں کے سفر کا تجربہ ہے۔ یہ میرا اس قسم کا پہلا سفر نہیں ہے۔"

مینا نے پوچھا:

"تمہارا جادو تمہیں موت سے تو بچا سکتا ہے مگر ہمیں سمندر سے اٹھا کر ہمارے ملک نہیں پہنچا سکتا؟"

عنبر نے کہا:

"کاش میرا جادو ایسا کر سکتا۔"

"تو پھر تمہارے جادو کا کیا فائدہ ہوا؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"فائدہ تم نے دیکھا نہیں۔ اگر میرا جادو نہ ہوتا تو تم اس وقت کشتی میں آرام سے نہ بیٹھی ہوتیں۔"

مینا بھی ہنس پڑی۔ بولی:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا! یہ جادو مجھے بھی سکھا دو۔ کیا تم نے یہ جادو افریقہ کے کسی جادوگر سے سیکھا تھا؟"

عنبر کہنے لگا۔

"تم یہی سمجھ لو۔"

اسی طرح وہ باتیں کرتے سمندر میں سفر کرتے رہے۔ شام ہو گئی۔ پھر رات آ گئی۔ مینا سو گئی۔ عنبر جاگ رہا اور ستاروں کی طرف دیکھ کر حساب لگاتا رہا کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے کہ نہیں۔ ستارے بتا رہے تھے کہ وہ بحیرہ روم میں داخل ہو چکا ہے۔ بحیرہ روم اس وقت جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے دل میں ایک امید تھی کہ شاید کوئی انگریزی جہاز یا آبدوز مل جائے اور انہیں سمندری مصیبتوں سے نجات مل جائے۔ اسے مینا کی فکر تھی کہ اسے کسی طرح انگلستان اس کے باپ کے پاس پہنچا دے۔ دوسرے اسے ناگ اور ماریا سے بھی ملنا تھا جن کے بارے میں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ انگلستان میں ہی ہوں گے۔

اسی طرح ان کی کشتی کو سمندر میں سفر کرتے ہوئے جب تین دن گزر گئے تو مینا بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔ بے چاری نے زندگی میں کبھی اتنی مصیبتیں نہ

تھیں۔ اگرچہ ان کے پاس پانی اور تربوز قسم کا پھل کھانے کو موجود تھا مگر پھر بھی مینا کا چہرہ اتر گیا تھا اور سمندری تیز دھوپ نے اس کا گورا رنگ سانولا کر دیا تھا۔ عنبر اسے بہت تسلی دیتا اور کہتا کہ بس آج شام تک زمین ضرور نظر آ جائے گی۔ لیکن زمین تو جیسے کہیں گم ہو گئی تھی۔ ان کی کشتی سمندری لہروں پر بہے جا رہی تھی۔

چوتھے دن جب مینا کمزوری کی وجہ سے کشتی میں لیٹ گئی تھی اور عنبر اس کے منہ میں مشکیزے سے پانی نکال کر ٹپکا رہا تھا تو اچانک اس نے کشتی سے تھوڑے فاصلے پر سمندر میں سے کوئی شے ابھرتی دیکھی۔ اس نے مشکیزہ وہیں کشتی میں رکھ دیا اور غور سے اس چیز کو دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی ویل مچھلی ہے اور اگر اس نے کشتی پر حملہ کیا تو عنبر اس کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن یہ ویل مچھلی نہیں تھی۔

یہ انگریزوں کی جنگی آبدوز کشتی تھی جو جرمن جنگی جہازوں کی تلاش میں سمندر کے نیچے ہی نیچے پھر رہی تھی کہ اس کے کپتان جارج نے آبدوز کے کیمرے یعنی پیری سکوپ میں سے دیکھا کہ سمندر کے اوپر ایک کشتی

بھی چلی جا رہی ہے جس میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے آبدوز کو سمندر کے اوپر آنے کا حکم دیا۔

آبدوز ابھر کر سمندر کی سطح پر آ گئی۔

عنبر نے مینا کو بلا کر کہا۔

"مینا! وہ دیکھو آبدوز ہمیں لینے آئی ہے۔"

مینا نے گردن اٹھا کر آبدوز کو دیکھا تو خوش بھی ہوئی مگر ساتھ ہی پریشان ہو کر بولی۔

"کہیں یہ دشمن کی آبدوز نہ ہو۔"

عنبر نے کہا۔ "آبدوز پر جرمن نشان نہیں بنا ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انگریزوں کی آبدوز ہے۔"

ابھی تک امریکہ جنگ میں نہیں کودا تھا اور لڑائی جرمنوں اور انگریزوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ آبدوز کے اوپر کچھ ملاح آ کر کھڑے ہو گئے اور دور بین سے کشتی کو دیکھنے لگے۔ پھر ربڑ کی ایک کشتی سمندر میں ڈالی گئی۔ اس میں دو ملاح بیٹھ گئے اور یہ کشتی عنبر کی کشتی کے قریب آ کر رک گئی۔

انگریز ملاح نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

مینا نے جواب دیا۔

"میں امریکی ایئر ہوسٹس ہوں اور یہ مصر کا رہنے والا نوجوان ہے۔ ہمارا جہاز سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔"

ملاح رسی باندھ کر کشتی کو آبدوز کے پاس لے آیا۔ ایک سیڑھی پھینکی گئی۔ عنبر اور مینا آبدوز کے اندر پہنچ گئے۔ آبدوز دوبارا سمندر میں غوطہ لگا گئی۔ ڈاکٹر نے عنبر اور مینا کو انجکشن دیئے اور گلوکوز لگا کر وٹامن کی گولیاں کھلائیں۔ اتنے میں آبدوز کا انگریز کیپٹن جارج آ گیا۔ اس نے مینا اور عنبر سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں جاسوس نہیں ہیں۔ عنبر نے کیپٹن کو اس جزیرے کے بارے میں بتایا جہاں سے وہ آئے تھے۔ اس نے کہا۔

"جزیرے پر جرمنوں نے قبضہ کر کے اپنی چھاؤنی ڈال دی ہے۔ بہت سا گولہ بارود بھی وہاں رکھا ہے۔"

کیپٹن جارج نے نقشے میں اس جزیرے کی پوزیشن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر نشان لگایا اور ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس پر اطلاع دی کہ اس جزیرے پر بمباری کی جائے۔ انگریزوں کا ایک جنگی طیارہ بردار جہاز اسی سمندر میں گشت لگا رہا تھا۔ اسی وقت اس جہاز پر سے چھ بمبار طیارے اڑے اور کیپٹن کے بتائے ہوئے جزیرے پر جا کر بمباری کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن کو وائرلیس پر کمانڈر نے کہا۔

"تمہاری اطلاع درست نکلی ہے۔ جزیرے پر جرمنوں نے بھاری گولہ بارود جمع کر رکھا تھا جو ہمارے بمبار جہازوں نے تباہ کر دیا ہے۔ جزیرے پر دشمن کے تمام سپاہی ہلاک کر دیے گئے ہیں اور جزیرے پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے۔ تمہاری اطلاع کا شکریہ!

کیپٹن جارج عنبر اور مینا سے بہت خوش ہوا۔ ان کی اطلاع کی وجہ سے کیپٹن کی عزت بڑھ گئی تھی اور اب اس کا عہدہ بھی بڑھنے والا تھا۔ اس نے دونوں کا شکریہ ادا کیا اور انہیں الگ الگ کیبن میں بستر لگا دیے گئے۔

کیپٹن نے کہا۔

"ہماری آبدوز دس دن کے گشت پر ہے۔ گیارہویں روز ہم یہاں سے کوچ کر کے سسلی کے ساحل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ تم سسلی اتر جانا۔ وہاں سے تمہیں کسی فوجی طیارے پر لندن پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ اچھی خبر تھی۔ آبدوز میں مینا اور عنبر کو بڑا آرام ملا تھا۔ مینا کی صحت اچھی خوراک اور دیکھ بھال کی وجہ سے بڑی اچھی ہو گئی تھی۔ اب وہ بہت جلد اپنے گھر اپنے باپ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی جو یہ سمجھے ہوتے تھا کہ اس کی بیٹی جہاز کے ساتھ ہی غرق ہو گئی ہے۔ وہ مینا کو دیکھ کر کس قدر خوش ہو گا۔

مینا یہی سوچ سوچ کر سارا دن خوش رہتی۔

آبدوز کو سمندر میں ساتواں دن تھا۔ ابھی چار دن اسے اور سمندر میں رہنا تھا۔ ایک روز اچانک آبدوز کے اندر الارم بج اٹھے۔ ملاح آبدوز کے تنگ راستوں میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ عنبر کیبن کے باہر کھڑا تھا۔ ساتھ والے کیبن سے مینا بھی گھبرا کر نکل آئی۔

"کیا بات ہوئی عنبر؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معلوم نہیں۔ کسی سے پوچھتا ہوں۔"

اس نے ایک ملاح سے الارم بجنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"دشمن کا جہاز دکھائی دیا ہے۔ ہم اسے تارپیڈو مار کر اڑا دیں گے۔"

عنبر اور مینا کی پریشانی دور ہو گئی۔ عنبر نے مینا سے کہا۔

"تم کیبن میں آرام کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہو تم؟" مینا نے پوچھا۔

عنبر بولا:

"میں دشمن کے جہاز کو تباہ ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مینا اپنے کیبن میں چلی گئی اور عنبر بھی دوسرے ملاحوں کے ساتھ بھاگتا ہوا آبدوز کے آپریشن روم میں آ گیا جہاں کیپٹن جارج سمندر دوربین پر آنکھیں رکھے دشمن کے جہاز کے بارے میں ایک ایک سیکنڈ کی خبر دے رہا تھا۔

"ساؤتھ ویسٹ۔ سولہ ڈگری نارتھ سترہ ڈگری۔"

جوں جوں جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج تارپیڈو

روم میں گولہ چلانے والوں کو ایک ایک سیکنڈ کی پوزیشن بتا رہا تھا تاکہ تارپیڈو کا نشانہ صحیح لگ سکے اور جہاز تباہ ہو جائے۔ سامنے دیوار پر ایک ٹیلی ویژن سائز کی چھوٹی سکرین لگی تھی۔ اس پر دشمن کے جہاز کی پوری تصویر آ رہی تھی۔ وہ آبدوز سے کوئی آدھے میل کے فاصلے پر سمندر کی موجوں کو چیرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر جرمن فوج کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ جنگی جہاز تھا اور اس پر توپیں بھی لگی ہوئی تھیں۔

کیپٹن جارج رک رک کر جہاز کی پوزیشن بتا رہا تھا۔ سب ملاح سانس روکے کھڑے تھے۔ نیچے تارپیڈو روم میں توپ کے اندر گولہ یعنی تارپیڈو ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس کا رخ کیپٹن کی ہدایت کے مطابق پھیرا جا رہا تھا۔ جونہی جہاز درمیان میں آیا۔ کیپٹن جارج نے کہا۔

"فائر"

اس کے ساتھ ہی تارپیڈو روم میں توپچی نے بٹن دبا دیا۔ اب سب کی نظریں ٹیلی ویژن کے سکرین پر لگی تھیں۔ تارپیڈو بم سمندر کے اندر ہی اندر ایک بجلی سی لکیر کھینچتا جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید دشمن کے جہاز والوں نے بھی سمندر کے اوپر تارپیڈو کی لکیر کو اپنی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے دیکھ لیا تھا۔ اس کے الارم زور زور سے بجنے لگے۔ ملاح ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ جہاز کا رخ تیزی سے پھیرا جانے لگا۔ مگر اس دوران میں کافی دیر ہو چکی تھی۔ اب اتنا وقت نہیں تھا دشمن کے پاس۔ جہاز کا رخ ابھی پوری طرح نہیں پھرا تھا کہ تارپیڈو بم ایک دھماکے کے ساتھ دشمن کے جنگی جہاز سے ٹکرا گیا۔

پانی زور سے اچھلا اور جہاز ڈگمگا گیا۔ آبدوز میں ملاح خوشی سے ناچنے لگے۔ تارپیڈو بم نے دشمن کے جہاز میں گھس کر اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پانی جہاز کے اندر تیزی سے گھسنے لگا اور دیکھتے دیکھتے جہاز سمندر میں ڈوبنے لگا۔ جرمن ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہیں نیچے سے شارک مچھلیوں نے دبوچ لیا۔ دس سیکنڈ کے اندر اندر جہاز سمندر کے نیچے پہنچ گیا اور سمندر پر اب کچھ بھی نہیں تھا۔ کیپٹن جارج نے ملاحوں کو مبارک باد دی اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا:

"یہ ہمارا اس گشت کا دوسرا شکار ہے آؤ اس خوشی میں تمہیں کافی پلائیں۔"

کیپٹن جارج عنبر کو ساتھ لے کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

شیشے کے جگ میں سے کافی مگ میں انڈیل کر عنبر کے آگے رکھی۔ ایک مگ بھر کر خود اٹھایا اور وائرلیس پر ہیڈ کوارٹر کو دشمن کے جنگی جہاز کی تباہی کی خبر دے دی۔ پھر وہ مزے سے کافی کے گھونٹ نگلنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"آپ بڑے کامیاب کپتان ہیں۔"

کیپٹن جارج مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ۔ مگر ابھی ایک خطرہ باقی ہے۔"

"وہ کیا؟" عنبر نے کافی پیتے ہوئے پوچھا کیپٹن نے کہا۔

"دشمن کا جہاز جب غرق ہونے لگتا ہے تو وہ ڈوبنے سے پہلے پیچھے وائرلیس پر پیغام دے دیتا ہے کہ وہ سمندر میں اس جگہ پر اتنے ڈگری ساوتھ یا مشرق میں ہے اور اس کے جہاز کو آبدوز نے تارپیڈو مار دیا ہے۔"

عنبر بولا:

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بے شک وائرلیس کر دے۔"

کیپٹن سنجیدہ ہو کر بولا۔

"اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ اطلاع ملتے ہی دشمن کے بمبار ہوائی جہاز اس خاص جگہ پر پہنچ جاتے ہیں اور آبدوز کے اوپر بم برسانے شروع کر دیتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ تو سمندر کے اندر ہیں۔ آپ کو بم کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

کیپٹن نے کہا۔

"آبدوزوں پر جو سمندر کے اندر ہوتی ہیں ایک خاص قسم کے بم برسائے جاتے ہیں۔ یہ بم سمندر کے کافی اندر جا کر پھٹتے ہیں۔ اور آبدوز کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"تو آپ جلدی سے اس علاقے سے نکل جائیں تاکہ دشمن کے بمبار آپ کو تلاش ہی نہ کر سکیں۔"

کیپٹن مسکرا کر کہنے لگا۔

"میرے عزیز! آبدوز کی رفتار بہت سست

ہوتی ہے۔ ہم جتنی بھی کوشش کریں ہماری آبدوز اس سمندر میں پندرہ بیس میل کے اندر ہی اندر رہے گی اور اتنی دیر میں دشمن کے بمبار ہمارے سر پر پہنچ جائیں گے۔"

یہ بات کیپٹن جارج کے منہ میں ہی تھی کہ چانک آبدوز کے الارم ایک بار پھر چیخ اٹھے۔ کیپٹن نے کانی کا مگ وہیں رکھ دیا اور یہ کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

"دشمن کے بمبار آگئے ہیں۔"

عنبر سیدھا مینا کے کیبن میں چلا گیا۔ خطرے کے الارم پر وہ ایک بار پھر پریشان تھی۔ عنبر نے کہا

"ہم نے دشمن کا جنگی جہاز تباہ کر دیا تھا لیکن اب دشمن کے بمبار بم برسانے آگئے ہیں تم گھبراتا نہیں۔ کیپٹن بڑا تجربہ کار ہے وہ آبدوز کو خطرے سے نکال کر لے جائے گا۔"

لیکن مینا کا رنگ دہشت کے مارے اڑ چکا تھا۔ عنبر نے اسے بستر پر لیٹ جانے کو کہا اور خود آپریشن روم میں آ گیا۔ یہاں راڈار پر دشمن کے جنگی طیاروں کو دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ کل چار بمبار طیارے تھے اور جہاں آبدوز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ سمندر میں بالکل اسی جگہ کی طرف چلے آ رہے تھے
کیپٹن کو اس کے اسسٹنٹ نے مشورہ دیا۔

سر! ہمیں سمندر کے اوپر آ کر طیارہ شکن توپوں سے ان طیاروں کو مار گرانا چاہیئے۔

کیپٹن نے کہا۔

"لیکن طیاروں سے جو بم گریں گے ان کا ہم کیا علاج کریں گے"۔

پھر اس نے حکم دیا کہ آبدوز کو سمندر کے بالکل نی
سے جایا جائے۔ ایک بار پھر گھگھو بجنے لگے اور آبدو
نے سمندر کے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ عین اس وقت
طیاروں نے بم پھینکنا شروع کر دیئے۔ یہ خاص
قسم کے بم آبدوز کے دائیں بائیں آ کر زبردست دھ
سے پھٹ رہے تھے۔ ان کے پھٹنے سے سمندر میں
ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ سمندر کی طاقت ور موجیں
اندر ہی اندر آبدوز سے ٹکرا کر اسے کھلونے کی
طرح ادھر ادھر دھکے دے رہی تھیں۔ خطرہ تھا کہ
کہیں کوئی بم آبدوز کے بالکل قریب یا اس کے او
آ کر نہ پھٹ جائے۔ کیونکہ پھر آبدوز کو تباہ ہونے
سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ آب دوز نیچے

رہی تھی۔ اور بم اس کے چاروں طرف گر کر
پھٹ رہے تھے اچانک آب دوز کو یہ
جھٹکا سا لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھت پر موت

•

دھماکے کے ساتھ ایک کھڑاک بھی آیا تھا۔ جیسے کوئی شے آبدوز کی چھت سے ٹکرائی ہو۔ آبدوز سمندر کی تہہ کے ساتھ آ کر لگ گئی۔ بم کافی اوپر پھٹ رہے تھے۔ آبدوز خطرے سے باہر نکل چکی تھی۔ ملاح خوش تھے کہ خطرہ ٹل گیا۔ لیکن کیپٹن جارج ابھی تک پریشان تھا کہ آبدوز کے ساتھ کس چیز کے ٹکرانے سے کھڑاک پیدا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے اس کا وہم ہو۔ اس نے تمام ملاحوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے زیادہ بات نہ کریں تاکہ آکسیجن زیادہ خرچ ہونے سے بچائی جا سکے۔ عنبر کیپٹن کے پاس ہی کھڑا وہ بڑے غور سے راڈار کی سکرین کو دیکھ رہا وہاں اب کسی طیارے کا سبز نشان نہیں ابھر رہا

۔ دشمن کے طیارے اپنے سارے بم پھینک کر واپس جا چکے تھے۔

کیپٹن نے نائب کپتان سے کہا۔

"راجر! ہم آدھ گھنٹے بعد یہاں سے اوپر اٹھیں گے۔ میں ذرا کیبن میں جا رہا ہوں۔"

وہ عنبر کو لے کر اپنے کیبن کو جانے ہی لگا تھا کہ پھر کھڑاک سنائی دیا۔ یہ آواز آبدوز کے اوپر سے آ رہی تھی اور ایسی تھی جیسے آبدوز کی چھت کے ساتھ لوہے کی بھاری شے اِدھر اُدھر لڑھک رہی ہے۔ کیپٹن وہیں رک گیا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" اس نے اپنے نائب سے پوچھا۔

راجر نے کہا:

"سر! شاید اوپر کا جنگلا کسی بم کے دھماکے سے ٹوٹ گیا ہے اور اب سمندر کی موجوں کے ساتھ اِدھر اُدھر لڑھک رہا ہے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"غوطہ خوروں کو کہو کہ وہ جا کر دیکھیں یہ کیا چیز ہے اور رپورٹ کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آئی آئی سر!"

اسی وقت نائب کیپٹن کے حکم سے دو غوطہ خور آکسیجن نقاب پہن کر آبدوز کے پچھلے دروازے سے نکل کر آبدوز کے باہر سمندر میں آ گئے۔ غوطہ خوروں کے منہ کے آگے چھوٹے چھوٹے مائیکروفون لگے [illegible] ایک بات کی پوری پوری رپورٹ دے رہے تھے۔ انہوں نے آبدوز کا ایک چکر لگایا اور پھر سے اوپر آ گئے۔ اوپر آتے ہی ان کے منہ سے نکل گئی۔

"سر! آبدوز کے اوپر ایک بم پڑا ہے۔"

یہ خبر ایسی بجلی بن کر ہم سب پر گری [illegible] کا رنگ اڑ گیا۔ ملاحوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ جرمن طیاروں نے جو بم برسائے تھے وہ آ کر سمندر میں سب کے سب پھٹ گئے ایک آبدوز کے اوپر چھت پر جنگلے کے ساتھ کر رک گیا تھا اور پھٹا نہیں تھا۔ لیکن وہ کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ آبدوز موت کے منہ پر تھی۔ سب ملاحوں کی زندگیاں موت کے کنوئیں لٹک رہی تھیں۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ کب ذرا

ہلنے پر بم پھٹ جائے اور آبدوز کے پرخچے اڑ جائیں۔ کیپٹن نے اسی وقت حکم دیا۔

"تمام ملاح اپنی اپنی جگہ پتھر بن جائیں کوئی اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلے۔"

آبدوز میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ ہر کسی کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی زہریلا سانپ پھن اٹھائے ڈسنے کو تیار ان کے منہ کے آگے بیٹھا پھنکار رہا ہے۔ غوطہ خور پانی میں ہی گم سم سمندر کی تہ میں ریت پر بیٹھے ایک بڑے لوہے کے کنستر جتنے فولادی بم کو خوف بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ کیپٹن کیانے کہا۔

"کیا بم کسی طرح آبدوز کی چھت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ رپورٹ کرو۔"

غوطہ خور آہستہ سے ریت پر سے اٹھے اور ہولے ہولے تیرتے ہوئے آبدوز کے اوپر آ گئے اور بم کو غور سے تکنے لگے۔ انہوں نے رپورٹ کی۔

"بم کا کنڈا آبدوز کے جنگلے میں پھنس گیا ہوا ہے۔ اس کو صرف اٹھا کر ہی نکالا جا سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیپٹن نے کہا۔

"فوراً واپس آ جاؤ۔"

غوطہ خور دھیمے دھیمے پاؤں چلاتے آبدوز میں آ گ

کیپٹن نے چیف انجینئر سے مشورہ کیا کہ بم کو کیسے آبدوز سے الگ کیا جائے۔ انجینئر نے کہا۔

"بم بہت وزنی ہے۔ اگر دو غوطہ خور بھی سمندر میں جا کر اسے ہٹانے کی کوشش کریں تو نہیں اٹھا سکتے۔ تین آدمیوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو بم کے پھٹنے کا خطرہ ہے۔ بم پھٹ گیا تو آبدوز کے ٹکڑے اڑ جائیں گے اور کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔"

کیپٹن نے کہا۔

"پھر اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا پایا جائے۔"

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیپٹن! مجھے اجازت دی جائے۔ میں پانی میں جا کر بم کو اٹھا کر آبدوز سے دور لے جا کر سمندر کی تہہ میں رکھ آؤں گا۔"

کیپٹن نے کہا۔

"جس بم کو تین آدمی نہیں اٹھا سکتے اسے تم اکیلے کیسے اٹھا سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"سر! میں اٹھا سکتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو ساری کی ساری آبدوز کو اٹھا کر بم کے نیچے سے نکال سکتا ہوں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"مسٹر! ہماری جان پر بنی ہے اور تم مذاق کرنے کے موڈ میں ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ آبدوز کو اور اس کے تمام ملاحوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اس جگہ میری طاقت کو آزما کر دیکھ لیں۔"

کیپٹن جارج عنبر کی طاقت غور سے تک رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"تمہاری طاقت کس طرح آزمائی جا سکتی ہے؟"

عنبر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلیاں آگے کرتا ہوں میری ایک ایک ہتھیلی پر ایک ایک ملاح کھڑا ہو جائے۔“

سب ملاح، چیف انجینئر اور کیپٹن۔ عنبر کی باتوں کو حیرانی سے سن رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص عنبر پاگل ہو گیا ہے۔ لیکن عنبر فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہتھیلیاں آگے پھیلا دیں اور کہا۔

”میری ایک ایک ہتھیلی پر ایک ایک ملاح کھڑا ہو جائے۔“

کیپٹن نے دو ملاحوں کو اشارہ کیا۔ دونوں ملاح عنبر کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے نہ کوئی آواز نکالی۔ نہ زور لگایا۔ بلکہ بڑے آرام سے انہیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے اس کے ہاتھ پر دو انسان نہیں بلکہ پلاسٹک کے ہلکے پھلکے کھلونے کھڑے ہیں۔ سب نے حیرت سے منہ میں انگلیاں داب لیں۔ اتنی طاقت والا انسان انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ ایک پل کے لیے بھی اس کا سانس نہیں پھولا تھا۔ کیپٹن جارج حیران آنکھوں سے تک رہا تھا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں کیپٹن! اب تو آپ کو یقین آ گیا ہوگا کہ میں بم اٹھا سکوں گا۔“

کیپٹن نے کہا۔

”ہاں۔ انہیں اتار کر غوطہ خوروں کا لباس پہن لو اور میرے انجینئر کے ساتھ سمندر میں اتر جاؤ۔“

عنبر نے ملاحوں کو نیچے اتار کر ہتھیلی رومال سے پونچھی اور غوطہ خوروں کا لباس پہن لیا۔ چیف انجینئر بھی لباس پہن کر اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں آبدوز کے پچھلے گول دروازے سے سمندر کے پانی میں داخل ہو گئے۔ ایک [illegible] کیمرہ باہر لگا دیا گیا تھا جو آبدوز کے اندر ٹی وی کی سکرین پر بم کا سارا منظر دکھا رہا تھا۔ کیپٹن غور سے آبدوز کی چھت پر جنگلے کے ساتھ چپکے ہوئے بم کو دیکھ رہا تھا۔ باقی ملاح بھی بے حس و حرکت کھڑے سکرین پر نگاہیں باندھے تک رہے تھے۔

پھر غوطہ خور آہستہ آہستہ پانی میں پاؤں مارتے بم کی طرف [illegible] دکھائی دیئے۔ ان میں ایک چیف انجینئر تھا اور دوسرا عنبر تھا۔ عنبر آگے آگے تھا۔ آبدوز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیپٹن جارج کو پسینہ آگیا۔ ملاحوں نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ بس ابھی ایک دھماکہ ہوگا اور ان کے جسموں کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

چیف انجینئر نے کیپٹن سے کہا۔

"کیپٹن! تیزاب پھٹ گیا ہے۔ یہ بم کے اندر کسی بھی وقت بارود کو آگ لگا دیگا اور بم پھٹ کر ہم سب کو تباہ کر دے گا۔ میں بھاگ کر آبدوز سے دور جا رہا ہوں۔ آپ بھی غوطہ خوری کا لباس پہن کر باہر آ جائیں۔"

کیپٹن نے کہا:

"میں اپنے عملے کے ساتھ جان دوں گا۔"

عنبر کی آواز آئی۔ "کیپٹن خدا پر بھروسہ رکھیں۔"

سب کی نظریں ٹیلی ویژن سکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ بم میں سے ایک پتلی سی گیس کی دھار نکل کر پانی میں اوپر سمندر کی سطح کی طرف جا رہی تھی۔ بم اب کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ عنبر نے بم کو نیچے سے اٹھا لیا۔ وہ اسے آہستہ آہستہ اوپر لے آیا۔ پھر بائیں طرف کو جھک کر اسے آبدوز کی چھت

کی چھت کے پاس آکر چیف انجینئر نے عنبر کو ہاتھ سے اشارہ کرکے بم کی ایک طرف آنے کو کہا۔ عنبر اس طرف آگیا۔ ابھی وہ بم کے قریب ہی پہنچا تھا کہ سمندر کی ایک موج آئی اور بم گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا کرتا ایک طرف کو ڈھلک کر اوندھے منہ ہوگیا۔ سارے کے سارے سانس روک کر رہ گئے۔ کیپٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ غوطہ خور دم رک کر رہ گئے۔ کیونکہ اس طرح حرکت کرنے سے بم کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ مگر بم نہ پھٹا۔

عنبر آہستہ آہستہ بم کے قریب آگیا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور بم کے نیچے ڈال دیئے۔ عنبر بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اسے اپنی جان کی تو فکر ہی نہیں تھی۔ اگر فکر تھی تو دوسرے ملاحوں کی تھی۔ اس نے نیچے ہاتھ ڈال کر جونہی بم کو اوپر اٹھایا کہ اس کے کنڈے کو جنگلے میں سے نکال دے کہ بم میں سے گیس کی ایک لکیر تیزی سے نکلنے لگی۔ چیف انجینئر نے چلا کر کہا۔

"اسے چھوڑ دو۔ یہ پھٹنے والا ہے اس کے تیزاب کی نلکی پھٹ گئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کٹنے میں سے نکال دیا۔ اب بم جبر کے سینے کے ساتھ لگا تھا اور اس نے اپنے دونوں بازو اس کے گرد لپٹا رکھے تھے۔ چیف انجینئر کچھ دور پانی میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج اور دوسرے ملاح دم سادھے چپ پتھر بنے کھڑے تھے۔

عنبر بم کو لے کر پانی میں تیرنے لگا۔ وہ آبدوز سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اب وہ آبدوز سے بیس گز دور ہو گیا تھا۔ اس نے مائیکرو فون پہ کہا۔

"کیپٹن میں بم کو ایک میل دور جا کر ریت پہ پھینک دوں گا۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ اسے پھینکنا مت۔ یہ پھٹ جائے گا۔ ہم زندہ نہیں بچ سکے۔ اسے آرام سے سمندر کی تہہ میں رکھ دینا۔"

کیپٹن نے کہا

"جبر! اپنا خیال کر۔ بم کو پھینکنا مت۔"

جبر نے کہا۔

"آپ میری زندگی [illegible] کر [illegible] مجھے بتانا [illegible] آؤں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"آدھے میل پر جا کر اسے ریت پر رکھ کر واپس آ جاؤ۔ وہاں اگر یہ پھٹ بھی گیا تو آبدوز پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔"

عنبر بم کو لے کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا گیا۔ اس کے دونوں پاؤں ہولے ہولے چل رہے تھے۔ وہ سمندر کی گہرائیوں اور اندھیرے میں دور ہوتا جا رہا تھا۔ سب لوگ اسے سکرین پر سانس روکے دیکھ رہے تھے۔ چیف انجینئر بھی آبدوز کے اندر آ گیا تھا۔ اور پھر اچانک بم پھٹ گیا۔ عنبر کے سینے سے لگا لگا بم پھٹ گیا۔ پانی میں ایک دھماکہ ہوا پانی کا ایک طوفان اوپر کو اٹھا اور کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔ کیپٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ملاحوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بم اتنی دور جا کر پھٹا تھا کہ آبدوز کو سوائے ایک بڑا سا دھچکا لگنے کے اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ چیف انجینئر نے آنسو بھری آواز میں سسکی لی اور کہا

"اس نے ہم سب کے لیے اپنی جان دے دی۔"

کیپٹن نے کہا۔ "وہ ہمارا ہیرو بن گیا۔ میں اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کتھے میں سے نکال دیا۔ اب بم عنبر کے سینے کے ساتھ لگا تھا اور اس نے اپنے دونوں بازو اس کے گرد لپٹا رکھے تھے۔ چیف انجینئر کچھ دور پانی میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج اور دوسرے ملاح دم سادھے چپ پتھر بنے کھڑے تھے۔

عنبر بم کو لے کر پانی میں تیرنے لگا۔ وہ آبدوز سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اب وہ آبدوز سے بیس گز دور ہو گیا تھا۔ اس نے مائیکروفون پر کہا۔

"کیپٹن میں بم کو ایک میل دور جا کر ریت پر پھینک دوں گا۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ اسے پھینکنا مت۔ یہ پھٹ جائے گا۔ تم زندہ نہیں بچو گے۔ اسے آرام سے سمندر کی تہہ میں رکھ دینا۔"

کیپٹن نے کہا۔

"عنبر! اپنا خیال کرو۔ بم کو پھینکنا مت۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ میری زندگی [illegible] کریں۔ صرف مجھے یہ بتائیے کہ کتنی [illegible] جلدی آؤں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"آدھے میل پر جا کر اسے ریت پر رکھ کر واپس آ جاؤ۔ وہاں اگر یہ پھٹ بھی گیا تو آبدوز پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔"

عنبر بم کو لے کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا گیا۔ اس کے دونوں پاؤں ہولے ہولے چل رہے تھے۔ وہ سمندر کی گہرائیوں اور اندھیرے میں دور ہوتا جا رہا تھا۔ سب لوگ اسے سکرین پر سانس روکے دیکھ رہے تھے۔ چیف انجینئر بھی آبدوز کے اندر آ گیا تھا۔

اور پھر اچانک بم پھٹ گیا۔ عنبر کے سینے سے لگا لگا بم پھٹ گیا۔ پانی میں ایک دھماکہ ہوا پانی کا ایک طوفان اوپر کو اٹھا اور کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔ کیپٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ملاحوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بم اتنی دور جا کر پھٹا تھا کہ آبدوز کو سوائے ایک ہلکا سا دھچکا لگنے کے اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ چیف انجینئر نے آنسو بھری آواز میں سسکی لی اور کہا۔

"اس نے ہم سب کے لیے اپنی جان دے دی۔"

کیپٹن نے کہا۔ "وہ ہمارا ہیرو بن گیا۔ میں اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگ کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ دینے کی سفارش کروں گا۔ وہ ایک عظیم انسان تھا۔“

سب نے عنبر کی موت کے غم میں آنکھیں بند کر لیں۔ سر جھکا دیا اور اس کی مغفرت کی دعا کرنے لگے۔ اچانک ایک ملاح کی نظر ٹی وی سکرین پر پڑ گئی۔ وہ چیخ اٹھا۔

”عنبر زندہ ہے۔“

سب نے گردنیں اٹھا کر ٹی وی سکرین پر دیکھا۔ عنبر ویسے کا ویسا ہی تھا۔ اور بڑے مزے سے پاؤں مارتا پانی کے اندر تیرتا آبدوز کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ پھر اس کی آواز آئی۔

”کیپٹن! آبدوز کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔“ کیپٹن نے بے تابی سے کہا۔ ”تم ـــــ تم زندہ ہو ناں؟“

”ہاں کیپٹن! میں زندہ ہوں۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میری زندگی کی تم فکر نہ کرو۔“

”او میرے خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“ انجینئر چلایا۔

ملاحوں نے سکھ کا سانس لیا۔ عنبر آبدوز کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے غوطہ خوری کا لباس اتارا تو ملاحوں نے اسے باری باری چومنا اور خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔ کیپٹن اور چیف انجینئر نے اسے گلے لگا لیا۔ مینا اپنے کیبن میں خاموش بیٹھی تھی اسے پتہ چل گیا تھا کہ آبدوز کی چھت پر بم آن پھنسا ہے اور عنبر اسے اٹھانے گیا ہوا ہے۔ اسے ایک طرح سے تسلی تھی کہ عنبر کو کچھ نہیں ہو سکتا وہ بھی کیبن سے نکل کر عنبر کے پاس آ گئی۔ اس نے عنبر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”میں جانتی تھی تم زندہ رہو گے۔“

عنبر نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ان سب لوگوں میں صرف تمہیں ہی یقین تھا کہ میں نہیں مروں گا۔“

کیپٹن، چیف انجینئر اور دوسرے ملاح اس بات پر زبردست حیران تھے کہ اتنا طاقتور بم عنبر کی چھاتی کے ساتھ لگا لگا پھٹ گیا تھا۔ پھر وہ زندہ بچے رہا۔ یہ راز کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب عنبر کو کوئی پراسرار جناتی انسان سمجھنے لگے تھے۔ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر ہی اندر اس سے خوف کھانے لگے تھے۔

تین دن بعد آبدوز سسلی کی بندرگاہ پر پہنچ گئی۔ سسلی پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ وہاں کیپٹن جارج نے عنبر کو بحیرہ روم کی سمندری فوج کے انگریز کمانڈر ان چیف سے ملایا اور اسے بتایا کہ عنبر نے کس طرح بم کو آبدوز سے ہٹا کر سارے عملے کی جان بچائی۔ کمانڈر ان چیف کو کیپٹن نے خفیہ رپورٹ پہلے ہی بھیج دی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ عنبر کسی خفیہ طاقت کا مالک ہے اور ہم اس کی خفیہ طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کمانڈر ان چیف نے عنبر سے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ پھر اسے بتایا کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے بھرے ہوئے دو جہاز سسلی سے ہندوستان کی طرف روانہ کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ جنگ سے بچے رہیں۔

"لیکن جرمن جنگی جہاز بحیرہ عرب میں مسافروں کے جہازوں کو بھی توپ باری کر کے ڈبو دیتے ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ جرمن جنگی جہاز یا ان کی آبدوزیں ان جہازوں کو ڈبو

دیں گی اور ہزاروں معصوم بچے بے گناہ عورتیں اور بوڑھے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ ان کے ساتھ ساتھ حفاظتی جہاز کیوں نہیں روانہ کر دیتے؟ اور پھر اوپر بمبار طیارے بھی اڑا دیں۔"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔ "مسٹر عنبر! ہمارے پاس ابھی اتنے جہاز نہیں ہیں کہ ہم ہر مسافر جہاز کی حفاظت کے ساتھ ایک سکواڈرن روانہ کر سکیں۔ اور پھر جرمن آبدوزوں کا کیسے پتہ لگ سکے گا۔ وہ تو سمندر کے اندر سے تارپیڈو مار کر عورتوں بچوں کے جہازوں کو غرق کر دیں گی۔"

عنبر نے کہا۔ "تو پھر یہ بتائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

کیپٹن جارج نے کہا۔ "کمانڈر ان چیف کی خواہش ہے کہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تم عورتوں بچوں سے بھرے ہوئے ان دونوں جہازوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمن سے بچا لو۔"

عنبر نے کہا۔ "میں تیار ہوں لیکن میرے ساتھ میری ایک بہن مینا بھی ہے۔ مجھے اسے لندن چھوڑنے جانا ہے۔"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔ "آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں۔ ہمارا سٹاف خود اپنی نگرانی میں خاص طیارے میں بٹھا کر مس مینا کو اسی کے گھر چھوڑ آئے گا۔"

اب عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اگرچہ اس کا دل ماریا اور ناگ سے ملنے کو بہت چاہ رہا تھا جو لندن کے ایک سانپوں کے ہسپتال میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن انسانی ہمدردی کے خیال سے عنبر نے حامی بھر لی۔ عنبر نے کمانڈر ان چیف سے کہا۔

"آپ میرا ایک کام کر دیں۔ لندن کے اخباروں میں ماریا اور ناگ کے نام میرا ایک پیغام چھپوا دیں کہ میں ایک ضروری مشن پر ایک جگہ جا رہا ہوں۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں میرا انتظار کریں۔"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔

"میں آج ہی یہ پیغام لندن بھجوائے دیتا ہوں کل کے اخباروں میں یہ پیغام چھپ گیا ہوگا یہ ماریا اور ناگ کون ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر عنبر! ہم آپ کے نہایت شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری خاطر یہ ذمے داری قبول کر لی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں نے ان ہزاروں بچوں عورتوں اور بوڑھوں کی خاطر یہ ذمے داری قبول کی ہے جن کی زندگیوں کو جرمن بمباری سے خطرہ ہے۔"

عنبر اٹھ کر واپس آ گیا۔ کیپٹن جارج اس کے ساتھ تھا۔ جارج نے بھی عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ عنبر نے مینا کو کیپٹن جارج کے حوالے کر دیا جو اسے لے کر کمانڈر ان چیف کے پاس چلا گیا۔ عنبر کیپٹن جارج کے فوجی ہوٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں ہی ٹھہرا ۔ اسی روز رات کو عنبر کو ایک خا ہوائی جہاز میں بٹھا کر بحر ہند کی طرف روانہ کر گیا جہاں جرمن جنگی جہاز اور آبدوزیں اپنے شکا تلاش میں سمندر کے اوپر اور اندر گھوم رہی تھیں ہوائی جہاز کے اندر سے عنبر کو وہ دو سمندری جہ دکھائے گئے جو عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے بھرے ہوئے تھے ۔ یہ بہت بڑے جہاز تھے اور اتنے بچ عورتیں اور بوڑھے ان میں بھرے ہوئے تھے کہ ت دھرنے کو جگہ نہیں تھی ۔ عنبر نے سوچا اگر اس جہاز کو جرمن بم مار کر تباہ کر دیں تو ان میں سے ایک بچ بوڑھا ، بچہ اور عورت نہ بچ سکے گی ۔ چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا ۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا وہ ان جہازوں کو ہر حال میں غرق ہونے سے بچ ئے گا ۔

یہاں عنبر کو ڈوبنے سے بچنے والی جیکٹ پہنا گئی ۔ کیونکہ وہاں کسی کو معلوم نہ تھا کہ عنبر ڈوب نہیں سکتا ۔ یہ راز صرف کیپٹن جارج اور کمانڈر انچیف کو ہی معلوم تھا جو عنبر کے ساتھ نہیں تھے ۔ پھر عنبر نے پیراشوٹ کے ذریعے سمندر میں چھلانگ لگا

دی ۔ اسے اس حساب سے گرایا گیا تھا کہ وہ بچوں کے جہازوں میں سے اگلے جہاز کے قریب سمندر میں گرا ۔

اس جہاز کے کپتان کو وائرلیس پر پوری اطلاع دے کر بتا دیا گیا تھا کہ بحیرہ روم میں بحری فوج کے کمانڈر ان چیف کا خاص آدمی جہازوں کی حفاظت کے لئے آ رہا ہے اس کو ہر قسم کی سہولت پہنچائی جائے ۔ اور وہ جو مانگے اسے فوراً مہیا کر دیا جائے ۔ اور یہ ہدایت عنبر کی طرف سے خاص طور پر کر دی گئی تھی کہ اس سے ہرگز کوئی سوال نہ پوچھا جائے ۔ عنبر کے لئے جہاز کے کپتان نے فوراً ایک کشتی روانہ کر دی اور اسے سمندر سے اٹھا کر جہاز پر بڑی عزت کے ساتھ لایا گیا ۔ جہاز اس وقت بحیرہ ہند کے خطرناک علاقے میں داخل ہو چکے تھے ۔ یہاں خطرہ تھا کہ جرمن آبدوز سمندر کے اندر سے کسی وقت بھی تارپیڈو بم مار کر جہاز کو غرق کر سکتی ہے ۔ کپتان اور ملاحوں کے چہرے اترے ہوئے تھے ۔ ان کے جہاز پہ کوئی توپ نہیں تھی کہ جس سے وہ ایک آدھ گولہ ہی سمندر میں پھینک دیتے ۔

کپتان دن بھر وہیں بیٹھے برج پہ عنبر کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا سمندر میں دیکھتا رہتا کہ کہیں آس پاس کوئی آبدوز یا جرمن جنگی جہاز تو نہیں ہے ۔ لیکن اس وقت تین جرمن تباہ کن آبدوزیں سمندر کے اندر ہی اندر ان دونوں جہازوں کی طرف بڑھ رہی تھیں ۔ جہاز کے راڈار سکرین پر جب ایک ہی وقت میں تین جرمن آبدوزوں کے نقطے ابھرے تو وہاں کھلبلی مچ گئی ۔ کپتان کا رنگ زرد ہو گیا ۔ اسے اپنی زندگی کا نہیں بلکہ ان ہزاروں بچوں ، عورتوں اور بوڑھوں کی زندگیوں کا خیال تھا جو اس کے جہاز اور دوسرے جہاز پر سوار تھے اور جن کا بچنا اب مشکل نظر آتا تھا ۔ کیونکہ جرمن آبدوزوں کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا اور وہ جہاز کو ایک سیکنڈ میں نشانہ بنا کر ڈبو دیتی ہیں ۔ کپتان نے عنبر کو آبدوزوں کے متعلق بتایا اور کہا کہ وہ ان کے جہازوں کی طرف مغرب سے ایک تکون کی شکل میں بڑھ رہی ہیں ۔ عنبر نے سکرین پر آبدوزوں کے نقطے غور سے دیکھے اور کپتان سے کہا ۔

" مجھے غوطہ خوری کا لباس دیا جائے ۔ "

بڑے زبردست قسم کے طاقتور ٹائم بم عنبر سسلی

سے اپنے ساتھ لایا تھا ۔ یہ بم جہاز کے پیندے سے چپک جاتے تھے اور وقت پر بھیانک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر جہاز کے پرخچے اڑا دیتے تھے ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمندری بھوت

عنبر نے غوطہ خوری کا لباس پہنا۔

یہ لباس وہ جہاز والوں کو دکھانے کے لیے پہن رہا تھا۔ ورنہ اسے اس کی بھی ضرورت نہیں تھی اور وہ سمندر میں بغیر ہوا کے بھی جتنی دیر چاہے زندہ رہ سکتا تھا۔ اس نے چھوٹا ٹائم بم اپنے ساتھ پلاسٹک کے تھیلے میں رکھ لیے اور جہاز کے پچھلے حصے سے سمندر میں رسی کے ذریعے اتر گیا۔ جہاز پر سوار عورتیں بچے اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک ملاح سے عورت نے پوچھا۔

"یہ سمندر میں کیا کرنے جا رہا ہے؟"

اس ملاح نے عورت کو یہ تو نہ بتایا کہ وہ ان کی زندگیاں بچانے جا رہا ہے بلکہ یہ کہا:

"وہ مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہے۔"

سمندر میں اترنے کے بعد عنبر نے رسی کھول دی۔ رسی جہاز پر کھینچ لی گئی۔ عنبر کے شیشے کے نقاب

کے اندر ایک چھوٹا سا وائرلیس مائیکروفون لگا ہوا تھا جس کی مدد سے وہ جہاز کے کپتان سے بات کر سکتا تھا۔ اسے خاص طور پہ ہدایت کی گئی تھی کہ جب وہ دشمن کی آبدوز یا جنگی جہاز کے پھندے کے قریب پہنچے تو وائرلیس پر گفتگو نہ کرے کیونکہ دشمن اس کے سگنل پکڑ لے گا۔ اور وہ عنبر کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا لیکن وہ ہو سکتا ہے بھاگ جائے یا اپنا رخ بدل لے۔

عنبر کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک بار دشمن کا جنگی جہاز یا آبدوز اسے نظر آ گئی تو پھر چاہے وہ لاکھ رخ بدلے عنبر سے بچ کر نہیں جا سکے گی۔ عنبر نے سمندر کے اندر شمال مغرب کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پانی کے اندر بہت کم روشنی تھی لیکن اس کے باوجود عنبر دور تک دیکھ سکتا تھا۔ رنگ برنگی مچھلیاں اس کے منہ کے آگے آ کر شیشے میں سے اسے دیکھتیں اور پھر دوسری طرف غوطہ لگا کر بھاگ جاتیں۔

عنبر ابھی تک جہاز کے کپتان سے بات کر رہا تھا۔ دوسرے جہاز کا کپتان بھی اس سے کوئی بات کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور عنبر کو ہدایت کرتا کہ وہ دشمن کے راڈار سے بچ کر سمندر میں چلے۔ دوسرے کپتان کو بھی عنبر کی خفیہ طاقت کا علم نہیں تھا۔ یہ سمندر بڑا گہرا تھا۔ عنبر نے دو ایک بار پلنگ کے اندر تیرتے تیرتے نیچے دیکھا تو اسے اندر نیچے پانی میں ڈوبی ہوئی پہاڑیوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔ اس سمندر کے اندر پہاڑیاں ڈوبی ہوئی تھیں۔ عنبر کو جہاز کے کپتان نے کہا۔

"عنبر! ہیلو! تم ٹارگٹ کے قریب پہنچ گئے ہو۔ کیا تم ٹارگٹ دیکھ رہے ہو؟"

عنبر نے جواب دیا:

نہیں۔ ابھی میں نہیں دیکھ رہا۔

"ہیلو! تمہارے بائیں جانب 75 ڈگری پر ایک جرمن آبدوز سمندر کی تہہ میں آہستہ آہستہ ہمارے جہاز کو نشانہ بنانے چلی آ رہی ہے۔"

عنبر نے بائیں طرف دیکھا۔ اسے دور ایک سیاہ دھبا سا پانی کے اندر ہلتا دکھائی دیا۔ اس نے وائرلیس پہ کہا،

"ہیلو! کیپٹن! میں ٹارگٹ کو دیکھ رہا ہوں"

"ہیلو عنبر! اوکے! اب سگنل مت دینا اسے تباہ کرنے کی کوشش کرو۔"

عنبر نے وائرلیس پر گفتگو بند کر دی اور بائیں طرف سیاہ دھبے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سمندر میں اور زیادہ گہرائی میں اتر گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سامنے کے رخ جائے۔ کیونکہ اس طرح سے دشمن اسے اپنے راڈار پر دیکھ سکتا تھا۔ وہ دشمن کی آبدوز کے پیچھے کی طرف سے پانی میں تیرتا نیچے ہی نیچے سے اس کے پیندے کے نچلے رخ پر آ گیا۔ آبدوز نے اپنی رفتار ہلکی کر لی تھی۔ وہ جہاز کو نشانہ بنا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنا رخ بدل رہی تھی۔ شاید اسے جہاز کو نشانہ بنانے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ کپتان بچوں کے جہاز کو کبھی دائیں کبھی بائیں کر رہا تھا تاکہ آبدوز نشانہ نہ لگا سکے۔

عنبر نے پلاسٹک کے تھیلے میں سے ایک ٹائم بم نکال لیا اور آبدوز کے پیندے کے پاس آ کر اسے چپکا دیا اور بٹن دبا کر اسے چالو کر دیا۔ ٹائم بم کی گھڑی چلنے لگی تھی اور پورے پچیس منٹ کے بعد اسے پھٹ جانا تھا۔ اب عنبر دوسری آبدوز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف بڑھا۔ وہ تکونی زاویے کے حساب سے پانی میں چلا جا رہا تھا۔ دو فرلانگ چلنے کے بعد اس نے دوسری آبدوز کو بھی دیکھ لیا۔ اس نے وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو پیغام دیا۔

"ہیلو راجر! نمبر ایک ٹارگٹ مار لیا ہے۔ نمبر دو ٹارگٹ نظر آ گیا ہے۔"

"او کے راجر!"

"جہازوں کے رخ تبدیل کرتے رہیں اور انہیں گول چکر میں گھماتا شروع کر دیں دوسرے جہاز کے کپتان کو بھی خبر کر دیں۔"

"او کے۔"

"اب میں وائرلیس نہیں کروں گا۔"

"او کے راجر!"

عنبر نے وائرلیس بند کر دیا اور بڑی تیزی سے دوسری آبدوز کی طرف چلا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس لیے دوسری آبدوز کے نیچے بھی ٹائم بم لگا دیا اور اب تیسری آبدوز کو نشانہ بنانے کے لیے اس کی طرف پوری رفتار سے تیرنے لگا وہ کسی تیز رفتار شارک مچھلی کی طرح سمندر کے اندر

موجوں کو چیرتا ہوا تیسری آبدوز کے نیچے آ گیا اور جلدی سے ٹائم بم لگا کر اس سے دور ہٹ گیا اور وائرلیس پر دونوں جہازوں کے کپتانوں کو اطلاع کر دی کہ ٹارگٹ مار لیے گئے ہیں۔ جہازوں کو دور لے جاؤ۔ دونوں جہازوں کے کپتانوں نے جہازوں کی سپیڈ تیز کر کے ان کا رخ مشرق کی طرف کر دیا۔ عنبر نے پانی کے اندر ہی اپنی گھڑی دیکھی۔ بم پھٹنے میں صرف سات منٹ رہ گئے تھے۔

وہ بھی اپنے جہازوں کی طرف تیرنے لگا۔

جب بم پھٹنے میں صرف دو منٹ رہ گئے تو عنبر نے سر پانی سے باہر نکال لیا۔ اسے اپنے دونوں جہاز مشرق کی طرف بڑی تیزی سے جاتے نظر آئے۔ دشمن کی تینوں آبدوزیں ابھی تک سمندر کے اندر تھیں اور انہوں نے ایک ایک تارپیڈو بم جہازوں کی طرف فائر کر دیا تھا۔ تینوں بم سمندر کے اوپر تین سفید لکیریں چھوڑتے جہازوں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ عنبر نے وائرلیس پر کیپٹن کو خبردار کیا کہ جہازوں کے رخ بدل لو۔ بم آ رہے ہیں۔ دس سیکنڈ کے بعد عنبر نے دیکھا کہ دونوں جہازو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے رخ بدل کر جنوب کی طرف کر لیے۔ اس کے ساتھ ہی تینوں خطرناک تارپیڈو بم جہازوں کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئے۔

جہاز بچ گئے تھے۔ اب آبدوزیں دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے مگر جو ٹائم بم عنبر ان کے نیچے لگا آیا تھا۔ انھوں نے مہلت نہ دی۔ وہ مہلت دے ہی نہیں سکتے تھے۔ وقت پورا ہو گیا تھا۔ بموں کے پھٹنے کا بھی اور آبدوز کے اندر بیٹھے دشمن کے آدمیوں کا بھی۔ ایک ہی وقت میں سمندر کے نیچے تین دھماکے ہوئے اور تین جگہوں پر سے سمندر کا پانی ایک پہاڑ کی طرح اوپر کو اچھلا۔ تینوں بم پھٹ گئے تھے اور آبدوزوں کے پرخچے اڑ کر ملاحوں سمیت سمندر کی تہہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

دونوں جہازوں کے الارم زور زور سے بجنے لگے۔ یہ فتح کی خوشی کا اعلان تھا۔ عنبر جہاز کی طرف تیرنے لگا۔ کپتان نے جہاز روک لیے تھے۔ عنبر کو ایک کشتی کے ذریعے سمندر میں سے اٹھا لیا گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ اسی وقت پیچھے ہیڈ کوارٹر میں کمانڈر ان چیف کو وائرلیس پر خوش خبری سنا دی گئی

کہ دشمن کی تینوں آبدوزیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ کمانڈ ن چیف نے وائرلیس پر عنبر کو بے حد مبارک باد دی تھی تین آبدوزوں کو تباہ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک آبدوز کو غرق کرنے کے لیے بمبار جہازوں کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یہ دشمن کا بہت بڑا نقصان تھا۔ اگرچہ بم اچانک پھٹ گئے تھے لیکن شاید کسی آبدوز کے کپتان کو غرق ہونے سے چند سیکنڈ پہلے بم کا کسی طرح پتہ چل گیا تھا اور اس نے اپنے جنگی جہاز کو خبر کر دی تھی کہ میری آبدوز کے نیچے بم لگا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آبدوز دھماکے سے پھٹ گئی۔

لیکن جرمن جنگی جہاز کے کپتان کے لیے اتنی اطلاع ہی کافی تھی۔ اس نے اپنا رخ بحیرہ ہند کی طرف کر لیا۔ بہت جلد اسے وائرلیس پر خبر مل گئی کہ دشمن کی کوئی آبدوز سمندر کے اندر ہے جس کے گوریلوں نے ان کی تین آبدوزوں کو غرق کر دیا ہے۔

"اس آبدوز اور بچوں سے بھرے ہوئے دونوں جہازوں پر اتنی گولہ باری کرو کہ وہ غرق ہو کر سمندر میں ڈوب جائیں"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ حکم تھا جو جرمن ہائی کمانڈ کی جانب سے جرمن جنگی جہاز ک دیا گیا۔ جرمن جنگی جہاز کے کیپٹن نے اپنی رفتار اتنی تیز کر دی کہ آدھ گھنٹے کے بعد وہ بحیرۂ ہند کے سمندر میں آگیا۔ اس نے اپنے راڈار پر عورتوں بچوں سے بھرے ہوئے د جہازوں کو دیکھ لیا۔ دوسری طرف عنبر نے بھی راڈ جرمن جنگی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ کیپٹن نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ جنگی جہاز ہے۔ اس پر چھ توپیں لگی ہیں ان کے گولے ہمارے جہازوں کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"ہمیں اپنے بمبار ہوائی جہازوں کو بلا لینا چاہیئے۔"

کیپٹن بولا:

"جتنی دیر میں ہمارے بمبار آئیں گے ہم سب اپنے جہاز کے ساتھ سمندر میں غرق ہو چکے ہوں گے۔"

عنبر نے پوچھا:

"پھر آپ کے خیال میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"صرف موت کا انتظار کر سکتے ہیں۔"

کیپٹن نے آہ بھر کر کہا۔ کیپٹن ناامید ہو چکا تھا اس نے ڈیک پر بیٹھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو دیکھا اور اپنے سر کو ایک طرف جھکا لیا۔ عنبر ناامید نہیں تھا۔ اس نے کیپٹن کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں ان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بے گناہ نہیں مرنے دوں گا۔ میں جرمن جنگی جہاز پر جاؤں گا۔"

کیپٹن جانتا تھا کہ اگر عنبر کسی طرح جرمن جنگی جہاز پر پہنچ جائے تو وہ ان کی توپوں کو خاموش کر سکتا ہے۔ لیکن اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ عنبر کو دشمن کے جہاز تک کیسے پہنچائے۔ اتنی دیر میں دشمن کا جنگی جہاز سمندر کی سطح پر دور ابھر آیا۔ اور اس نے پہلا گولہ فائر کیا۔ جو جہاز سے سو گز آگے جا کر سمندر میں گر کر پھٹ گیا۔ عورتوں، بچوں میں شور مچ گیا۔ بچے رونے لگے۔ فوراً تمام عورتوں اور بچوں وغیرہ کو کیپٹن کے حکم سے جہاز کے نیچے پہنچا دیا گیا۔

ایک اور گولہ سمندر میں گر کر دھماکے سے پھٹا۔ سمندر کی موجوں نے جہاز کے ایک طرف دھکیل دیا۔ عنبر نے کہا

"میں جا رہا ہوں۔"

اور عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا۔ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا دشمن کے جہاز کے قریب جا پہنچا۔ اس نے پلاسٹک کے تھیلے سے بم نکال کر لگانا چاہا مگر وہ دھک سے رہ گیا۔ پلاسٹک کا تھیلا پانی کی موجوں کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اور تینوں بم سمندر میں کہیں گر گئے تھے عنبر پریشان ہو گیا۔ اب کیا کرے؟ آخر وہ سمندر کی سطح پر آ گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی جرمن ملاحوں نے اسے دیکھ لیا اور اس پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر عنبر برابر جہاز کی طرف تیرتا چلا آیا۔ جرمن کیپٹن کے حکم سے عنبر کو جہاز کے اوپر اٹھا کر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ عنبر کو کوئی گولی نہیں لگ سکی۔ حالانکہ اسے بے شمار گولیاں لگی تھیں مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ جرمن کیپٹن نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور پوچھا کہ وہ کس لئے ادھر آیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

"میں سمندر میں موتی تلاش کر رہا تھا کہ میرا

گیس ماسک خراب ہو گیا اور سطح پر آنا پڑا۔"

جرمن کیپٹن نے ایک زوردار طمانچہ عنبر کو مارا۔ عنبر کو تو کچھ بھی نہ ہوا لیکن کیپٹن کے ہاتھ کو سخت چوٹ لگی۔ اس نے سمجھا شاید عنبر کے جبڑے کی ہڈی اسے لگی ہے۔

عنبر عرشے پر کھڑا تھا اور سامنے چھ توپیں گولے برسا رہی تھیں۔ عنبر کو اور تو کچھ نہ سوجھی وہ چھلانگ لگا کر توپوں کے پاس چلا گیا۔ اس نے جرمن کیپٹن کے دیکھتے دیکھتے تین توپوں کو دھکے دے کر سمندر میں گرا دیا۔ وہ چوتھی توپ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جرمن سپاہیوں نے اس پر اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ عنبر کے جسم سے گولیاں ٹکرا کر نیچے گر رہی تھیں۔ اس نے باقی دو توپوں کو بھی سمندر میں پھینک دیا۔ توپچی بھی ہلاک کر دیئے۔

جرمن کیپٹن چلایا۔

"اسے پکڑو۔ اسے ہلاک کر دو۔"

سپاہیوں نے عنبر کو پکڑ لیا۔ مگر عنبر کی طاقت کا بھلا وہ کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ عنبر نے ایک ہی جھٹکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تین سپاہیوں کی گردنیں توڑ ڈالیں اور تین کو ہوا میں اچھال کر سمندر میں گرا دیا۔ اس کے بعد اس نے چھٹی توپ کو بھی دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب جہاز کی دوسری طرف کی توپیں رہ گئی تھیں۔ وہ بھی چھ توپیں تھیں۔ عنبر کسی کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ جرمن کیپٹن نے بالکل قریب جا کر عنبر کے ماتھے پر پستول کی چھ گولیاں فائر کر دیں۔ چھ کی چھ گولیاں عنبر کے ماتھے سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گئیں مگر عنبر اسی طرح کھڑا رہا۔ سارے جہازی سپاہی اور کیپٹن حیران و پریشان تھے کہ یہ کس قسم کا انسان ان کے جہاز پر آگیا ہے کہ جس نے آناً فاناً ان کی چھ توپوں کو اٹھا کر سمندر میں اچھال دیا ہے اور جس پر گولی کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ توپیں اتنی بھاری تھیں کہ صرف کرین کے ذریعے سے اوپر اٹھائی جاتی تھیں۔

عنبر چھلانگ لگا کر جہاز کی دوسری طرف آگیا۔ اب اس پر چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی ایک سپاہی نے دستی بم بھی اس پر پھینک دیا۔ بم عنبر کے پاؤں میں آکر دھماکے سے پھٹ گیا۔ عنبر کو تو کچھ نہ ہوا لیکن جہاز کے عرشے پر گہرا سوراخ ہو گیا۔ جرمن

کیپٹن نے چلا کر کہا،

"ہینڈ گرینیڈ مت مارو۔ اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرو۔"

لیکن عنبر کو اس حالت میں زندہ پکڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنی پوری طاقت میں آچکا تھا۔ اس کی طرف چھ جرمن سپاہی چھرے لے کر بڑھے۔ وہ اس پر چھروں سے حملے کرتے رہے اور ان کے چھرے ٹوٹ گئے اور عنبر نے اس دوران میں دو توپیں اکھاڑ کر سمندر میں پھینک دیں۔ جرمن کیپٹن نے فوراً پیچھے ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس کیا کہ ایک عجیب و غریب بھوت انسان ان کے جہاز پر آگیا ہے اس پر نہ گولی اثر کرتی ہے نہ خنجر اور اس نے بھاری توپیں تباہ کر دی ہیں۔ وہ کسی کے قابو میں بھی نہیں آرہا۔ جہاز کو سخت خطرہ ہے۔ کمک روانہ کی جائے۔ جب عنبر نے دوسری طرف کی بھی چھ توپوں کو سمندر میں پھینک دیا تو وہ جرمن کیپٹن کی طرف آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"کیپٹن! میں نے ہی تمہاری تین آبدوزوں کو سمندر میں بم مار کر غرق کیا ہے۔ میں تمہارے جہاز کو بھی بم لگانے آیا تھا کہ بم سمندر میں گر گئے۔ بچوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھوں اور عورتوں کے جہازوں پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک ہونا چاہیے۔ تم نے میری طاقت کو دیکھ لیا ہے۔ اب تم خاموشی سے واپس چلے جاؤ اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو کہہ دو کہ بچوں کے جہاز کی طرف بری آنکھ سے مت دیکھیں نہیں تو میں تمہارے سارے جہاز سمندر میں غرق کر دوں گا۔“

جرمن کیپٹن نے اپنی مجبوری آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

عنبر نے کہا:

”میں یونانی دیو ہوں۔ یولی سیز۔ سمندر کا جن تمہاری ساری فوج مل کر بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتی میں تمہاری ساری فوج کو تباہ کر سکتا ہوں۔ لیکن تاریخ مجھے ایسا کرنے سے روکتی ہے۔ کیونکہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ سات سال بعد تمہیں زبردست ذلت والی شکست ہوگی اور میں تاریخ میں دخل نہیں دے سکتا۔ خدا حافظ۔“

اتنا کہہ کر عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ جرمن کپتا

اور دوسرے سپاہی اسے دیکھتے رہ گئے۔ کچھ سپاہیوں نے گولیاں چلائیں مگر کیپٹن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

”اپنی گولیاں ضائع نہ کرو۔ وہ کوئی بھوت ہے اسے چلے جانے دو۔“

اور عنبر سمندر میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

جب جرمن جنگی جہاز کی توپوں نے گولہ باری بند کر دی تو جہاز کا کپتان سمجھ گیا کہ عنبر نے کسی نہ کسی طریقے سے توپوں کو خاموش کر دیا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے وہم میں بھی نہیں تھی کہ عنبر نے توپوں کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سمندر میں پھینک ڈالا ہے۔ جنگی جہاز بم کے دھماکے سے بھی نہیں پھٹا تھا۔ اتنے میں اسے عنبر سمندر میں تیر کر جہاز کی طرف آتا دکھائی دیا۔ فوراً کشتی اتار دی گئی۔ عنبر جہاز کے عرشے پر آیا تو کپتان نے پوچھا۔

”توپوں کا منہ کیسے بند ہو گیا؟“

عنبر نے کہا:

”میں نے ان کے منہ میں لڈو ڈال دیئے ہیں۔“

پھر اس نے کیپٹن کو بتایا کہ جنگی جہاز کی ساری توپیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ اب جہازوں کو سیدھے راستے پر ڈال دیا جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہازوں کا رخ ہندوستان کی طرف کر دیا گیا۔ اب جہاز ہندوستان کے قریب آ گئے تھے اور ہندوستان میں ان دنوں انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں کے دو جنگی جہاز بچوں کے جہازوں کی حفاظت کے لیے سمندر میں آ گئے اور دونوں جہاز دن کے گیارہ بجے بمبئی کی بندرگاہ کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے وہیں سے سسلی میں کیپٹن جارج اور کمانڈر ان چیف سے وائرلیس پر گفتگو کی اور کہا:

”میں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا ہے۔ اب میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں کیا لندن میں ناگ ماریا کے واسطے میں نے جو اشتہار دیا تھا وہ چھپ گیا تھا۔

کمانڈر ان چیف نے کہا:

”دوسرے روز چھپ گیا تھا۔ مگر تم واپس لندن نہیں آؤ گے؟“

”کیا آپ میری واپسی کا کوئی انتظام کر سکتے ہیں؟“

عنبر نے پوچھا۔ جس کے جواب میں کمانڈر نے اسے بتایا کہ جنگ کی وجہ سے ہوائی جہازوں کی پروازیں بند ہو

چکی ہیں اور سمندری سفر بھی لمبا اور خطرناک ہو گیا ہے۔

”لیکن میں آپ کے لیے کسی فوجی طیارے میں جگہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہندوستان سے سامان جنگ لے کر طیارے ہفتے میں ایک پرواز کرتے ہیں۔ آپ اس میں سوار ہو کر لندن پہنچ سکتے ہیں۔“

عنبر نے کہا، ”میں تیار ہوں۔“

کمانڈر نے کہا۔

”تم فوراً بمبئی کے برٹش ایر فورس کے ایئر کموڈور فلپ سے ملو۔ میں اسے وائرلیس کر دوں گا۔“

عنبر اسی روز شام کو ایئر کموڈور فلپ سے ملا جو ایک انگریز تھا۔ تین دن بعد عنبر کو ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں سوار کرا دیا گیا جو بمبئی کے سانتا کروز ایئر پورٹ سے بلیک آؤٹ میں رات کے ۲ بجے لندن کی طرف پرواز کر گیا۔ راستے میں چونکہ جرمن لڑاکا طیاروں کے حملے کا خطرہ تھا اس لیے طیارے کے سارے عملے نے اپنے جسم کے ساتھ پیراشوٹ باندھ رکھے تھے۔ عنبر نے بھی پیراشوٹ باندھ لیا تھا۔ طیارہ خیریت سے دوبئی پہنچ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے اس نے پٹرول لیا اور یورپ کی طرف اڑ گیا۔ طیارہ جرمنی کی سرحد سے دور دور پرواز کر رہا تھا۔ مگر رات کے چار بجے تین جرمن لڑاکا ہوائی جہازوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ ٹرانسپورٹ طیارے میں اگرچہ چھوٹی مشین گنیں لگی ہوئی تھیں مگر وہ ہلکے پھلکے لڑاکا طیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جرمن طیاروں نے دھڑا دھڑ گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ ٹرانسپورٹ طیارے کے انجن کو آگ لگ گئی۔ جہاز کے اندر خطرے کا سگنل دے دیا گیا اور سرخ بتی جلنے بجھنے لگی۔

"چھلانگیں لگا دو۔ جہاز پھٹنے والا ہے۔"

طیارے کا بڑا دروازہ باہر گرا دیا گیا اور عملے کے آدمیوں نے باہر چھلانگیں لگا دیں۔ عنبر بھی تاریک اندھیری سرد رات میں کود گیا۔ اس کا پیراشوٹ کھل گیا تھا اور وہ فضا میں نیچے کی طرف اتر رہا تھا۔ اس کے پاؤں پانی میں جا کر ڈوب گئے۔ وہ کسی پہاڑی نالے میں گرا تھا۔ نالے کا پانی گھٹنوں تک تھا۔ عنبر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا پیراشوٹ اتار کر پھینک دیا۔ پھر نالے سے باہر نکل آیا اندھیرے میں اسے اپنے آس پاس چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے دکھائی دیئے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جس علاقے

میں گرا ہے وہ دشمن کا علاقہ ہے یا کسی دوست ملک کا علاقہ ہے۔ عنبر نے نالے کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ بڑی تیز سرد ہوا چل رہی تھی۔ ہر طرف تاریکی پھیلی تھی۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ شاید بلیک آؤٹ کی وجہ سے اندھیرا تھا۔ یا وہاں کوئی آبادی ہی نہیں تھی۔ عنبر چلتے چلتے نالے کے پل پر آ گیا۔ یہاں اسے اندھیرے میں پل پر ایک سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔

◆

وہ سایہ کس کا تھا؟

عنبر نے یہ سفر کیسے طے کیا؟

اس کی ملاقات ماریا اور ناگ سے کہاں پر ہوئی؟

یہ معلوم کرنے کے لیے اسی سیریز کی آخری اور اگلی قسط منتظ پڑھیے جہاں سے ان تینوں دوستوں کا واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے۔

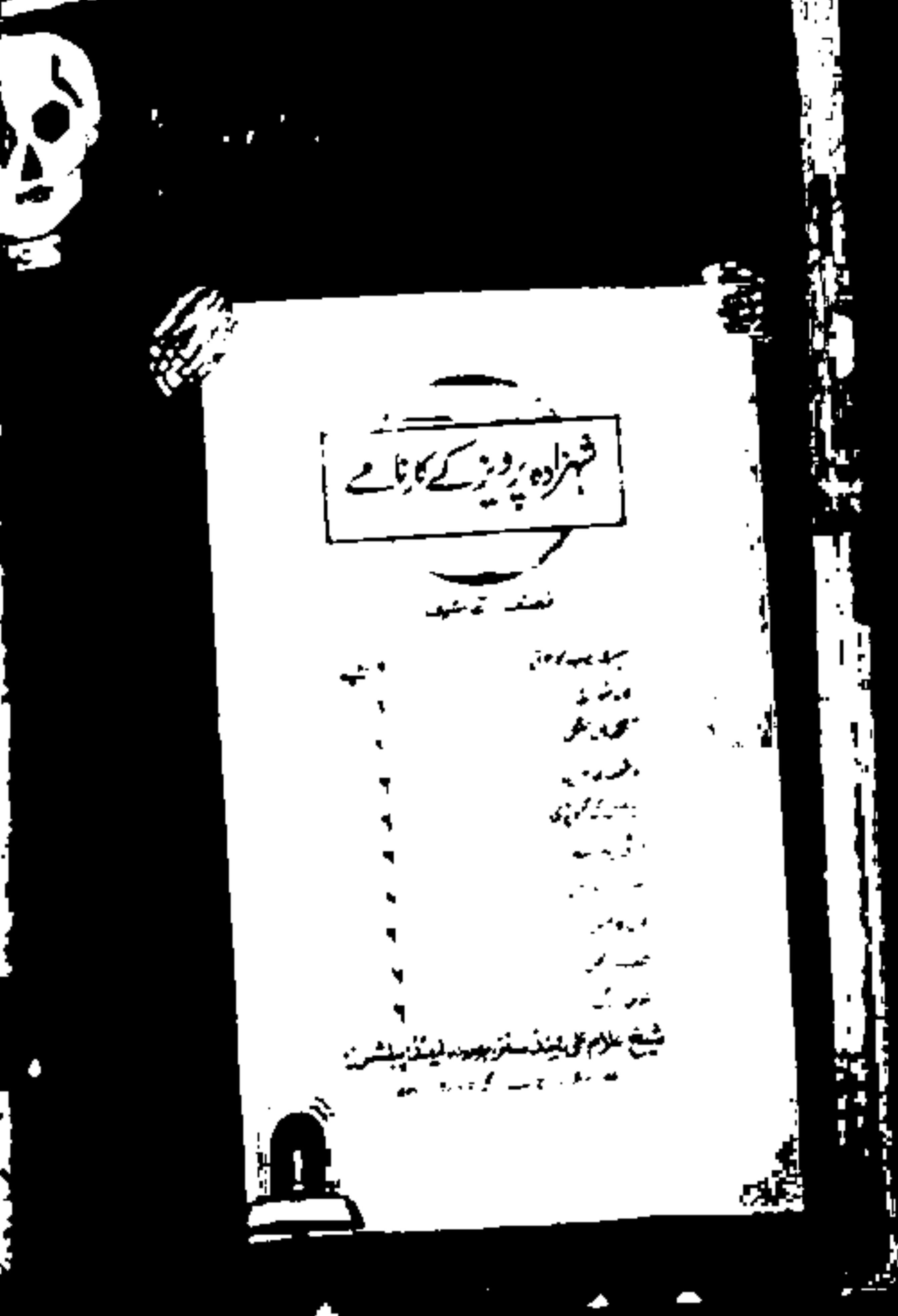

شہزادہ پرویز کے کارنامے

مصنف [illegible]

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز

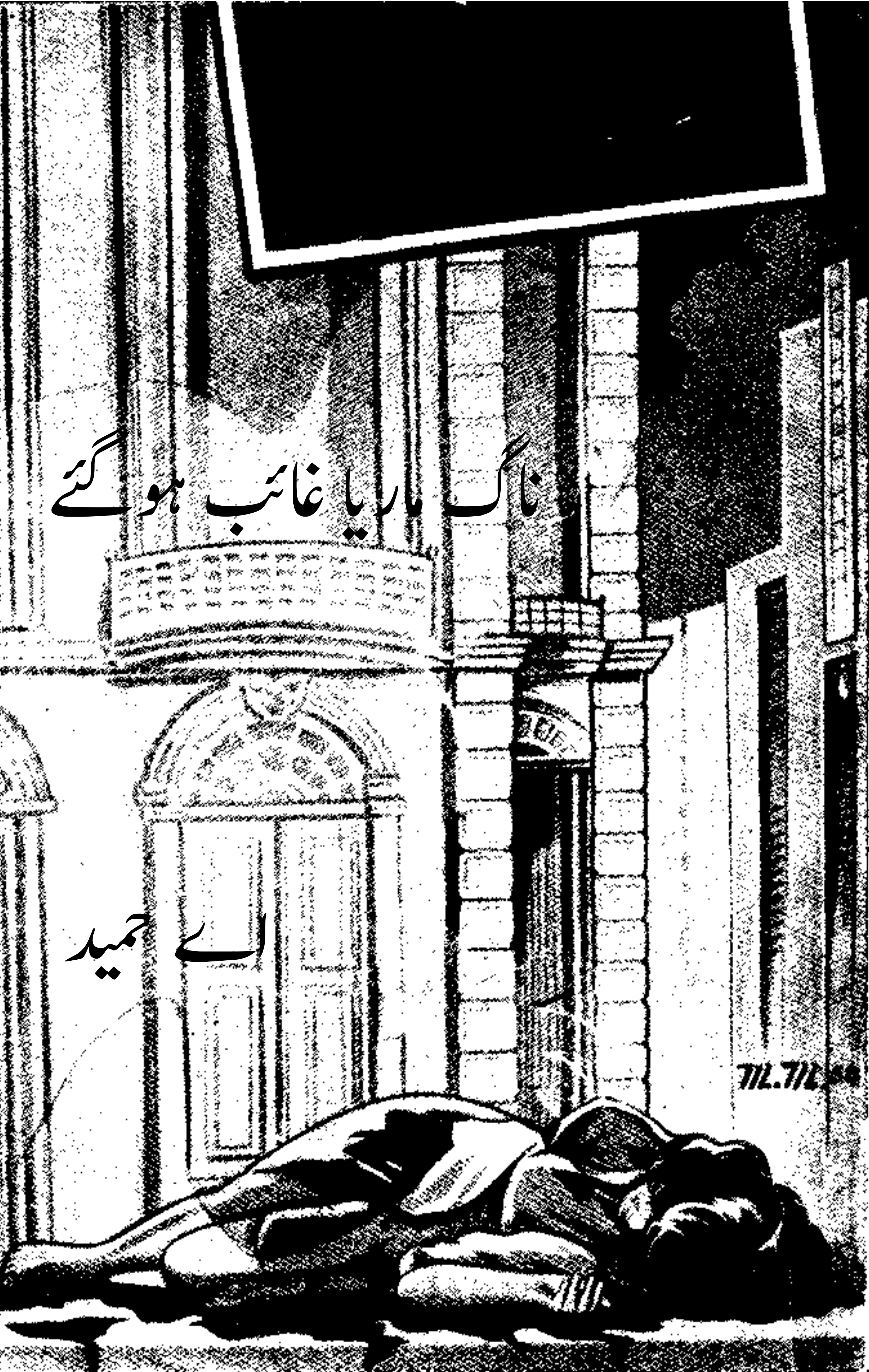

ناگ ماریا غائب ہوگئے

اے حمید

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

ناگ ماریا غائب ہو گئے

اے حمید

مجلس الادب لائبریری
[illegible]

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر : شیخ نصیب احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، ایبک روڈ، لاہور

- سپر مین
- واپسی کا لرزہ خیز سفر
- آبدوز کی تباہی
- ناگ ماریا غائب ہو گئے
- عنبر کی واپسی

LAM ALI
16.00
[illegible]

ملنے کا پتہ :
شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پیارے بچو!

لیجیے آپ کے پسندیدہ ناول "موت کا تعاقب" کی آخری اور ۱۰۰ ویں قسط آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اسے پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔ یہاں آکر عنبر ناگ ماریا کا پانچ ہزار سالہ پرانا تاریخی سفر ختم ہوتا ہے۔ یہاں ناگ اور ماریا ایک ایک کر کے تاریخ کے اندھیروں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ عنبر سے بچھڑ جاتے ہیں۔ اسے الوداع کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ عنبر اکیلا رہ جاتا ہے۔ وہ بھی واپسی کے سفر کا انتظار کر رہا ہے۔ کیوں کہ دیوی زلالہ نے پیشین گوئی کی ہے کہ یہ تینوں دوست واپسی کے سفر میں کسی نہ کسی مقام پر کسی سنسنی خیز موڑ پر ایک دوسرے سے ایک بار پھر آن ملیں گے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے سارے ناولوں کو شوق اور محبت سے پڑھا۔ آج تک اردو ادب میں بچوں کے لیے کسی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے ۱۰۰ قسطیں نہیں لکھیں اور یہ محض اس لیے میں بھی لکھ سکا کہ آپ نے انہیں پسند کیا تھا اور میری حوصلہ افزائی کی تھی۔ آپ کی حوصلہ افزائی مجھے آگے بڑھاتی گئی اور میں عنبر ناگ ماریا کے دلچسپ سفر اور ان کی پراسرار کہانی سناتا چلا گیا اس دوران مجھے بے شمار دوستوں نے محبت، پیار اور تنقید کے خطوط لکھے جن کے جواب میں برابر لکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں ان دوستوں کے خطوط کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر کسی دوست کو اس کے خط کے جواب میری سستی کی وجہ سے نہ ملا ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ آخر میں میں ایک بار پھر اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی محبت اور حوصلہ افزائی کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

انشاءاللہ اب آپ کے لیے ایک دلچسپ سفرنامہ لے کر جلد ہی حاضر ہوں گا۔ وہ بھی اتنا ہی دلچسپ اور پراسرار ہوگا جتنا کہ یہ سلسلہ آپ نے پسند کیا ہے۔

خدا حافظ!

مخلص اے حمید

سپرمین

●

رات کے اندھیرے میں عنبر کو ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ عنبر کے سامنے پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر چاند کہیں نہیں تھا۔ صرف ستارے چمک رہے تھے عنبر جس طیارے میں سفر کر رہا تھا اسے جرمن لڑاکا طیاروں نے مار گرایا تھا اور عنبر پراشوٹ کے ذریعے نیچے کود گیا تھا۔ اس نے پراشوٹ ایک ندی میں پھینک دیا تھا۔ عنبر بمبئی سے ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں لندن جا رہا تھا جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہوگا۔ عنبر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا۔ اس کی چمکیل سوئیاں رات کے ۳ بجا رہی تھیں۔ جس وقت ان کا طیارہ جرمن لڑاکا طیاروں نے

گویا وہ یورپ کے کسی ملک کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ یوگوسلاویہ میں گرا ہے جس پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ عنبر کو ایک بار پھر سایہ نظر آیا۔ اس بار یہ سایہ سامنے وادی میں ایک پگڈنڈی پر سے گزر کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ عنبر نے غور سے دیکھا یہ ایک عورت کا سایہ تھا جس کے سر کے بال کھلے تھے اور رات کی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس عورت نے لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ عنبر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے یہ سایہ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

اچانک سایہ ہوا میں اڑنے لگا اور پھر عنبر کے سامنے آ کر زمین پر اتر آیا۔ اب عنبر نے اسے صاف پہچان لیا۔ سایہ قدیم مصری دیوی اور عنبر کی دوست اور ہمدرد دیوی زلالہ کا تھا۔ زلالہ کی آنکھوں سے ستاروں کی طرح تیز روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے عنبر! تمہارا لمبا سفر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اب ختم ہو رہا ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "خدا تمہاری بھی حفاظت کرے دیوی زلالہ! یہ بتاؤ کیا میں اب واپس اپنے پانچ ہزار سال پرانے وطن واپس چلا جاؤں گا؟"

دیوی زلالہ نے کہا: "ہاں تم اپنے وطن ضرور واپس جاؤ گے۔ لیکن ایک دم سے نہیں، بلکہ تمہاری واپسی کا سفر اسی طرح ہو گا۔ جس طرح تم موت کے تعاقب میں سفر کرتے کرتے یہاں تک پہنچے ہو۔ یہ بھی ایک ہنگامہ خیز اور حیرت انگیز سفر ہوگا۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا یہ سفر میں اکیلا کروں گا یا اس سفر میں ماریا اور ناگ بھی میرے ساتھ ہوں گے؟

دیوی زلالہ نے کہا۔

"نہیں۔ تم تینوں ہی واپسی کا سفر طے کرو گے تم واپسی کے اس انوکھے اور سنسنی خیز سفر میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہو گے۔

عنبر نے پوچھا۔

ہمارا واپسی کا سفر کب اور کس جگہ سے شروع ہو گا؟

دیوی زلالہ نے کہا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ یہ ایک راز ہے مجھے یہ راز فاش کرنے کا حکم نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اے دیوی! کیا تم یہ بھی نہیں بتا سکتیں کہ ناگ اور ماریا اس وقت کس ملک میں اور کس جگہ ہیں؟

دیوی زلالہ بولی:

"مجھے صرف اتنا بتانے کا حکم ہے کہ وہ دونوں اس وقت لندن میں ہیں۔ کہاں ہیں اور کس جگہ پر ہیں۔ یہ میں نہیں بتا سکتی۔

اتنا کہہ کر دیوی زلالہ غائب ہو گئی۔

رات اسی طرح خاموش اور ویران تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے وادی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے پگ ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ خدا جانے اس کا واپسی کا سفر کب اور کہاں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے شروع ہوگا۔ اس نے اپنے آپ کو تیار کر شروع کر دیا۔ عنبر خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اب اسے واپسی کا سفر شروع کر دینا چاہیے۔ ایک بات کی اسے خوشی ہوئی تھی کہ ناگ اور ماریا لندن میں تھے۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے یہ معلوم کرےگا کہ وہ کس علاقے میں پراشوٹ کے ذریعے اترا ہے اور پھر یہاں سے کسی طرح لندن جانے کی کوشش کرے گا۔

جنگ نے اس کے راستے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ سفر مشکل اور ناقابل اعتبار ہو گیا تھا۔ جہازوں کی سروس ختم ہو چکی تھی۔ بحری جہازوں میں سفر کرنا خطرناک تھا۔ عنبر کے لیے خطرناک نہیں تھا مگر دیر لگ سکتی تھی۔ عنبر چلتا گیا۔ وادی ختم ہو گئی۔ یہاں کوئی چھوٹا سا دیہاتی مکان بھی اسے دکھائی نہ دیا۔ ہر طرف خاموشی اور ویرانی تھی۔ آسمان پر ستارے مدھم ہونے لگے اور صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔

عنبر وادی سے نکل کر ایک چھوٹے سے درے میں گزر رہا تھا کہ اچانک اس پر کسی طرف سے فائر

ہوا۔ ٹھائیں کی آواز سے ساری وادی گونج اٹھی گولی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں سے بھاگنا فضول ہے۔ کیونکہ دشمن اسے دیکھ چکا ہے اگر وہ بھاگا تو خواہ مخواہ اسے پریشانی ہوگی۔ بھاگنے سے فائدہ بھی کوئی نہیں تھا۔ پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دشمن کون ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے ذریعے یہاں سے نکل کر لندن جانے کا کوئی وسیلہ بن جائے۔

دوسری گولی عنبر کی گردن کو چھو کر نکل گئی۔

عنبر رک گیا۔ پھر اسے قدموں کے بھاگنے دوڑنے کی آواز سنائی دی اور دو آدمی اندھیرے سے نکل کر اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور سروں پر انہوں نے رومال باندھ رکھے تھے۔ اندھیرے میں ان کے چہرے بڑے خوف ناک لگ رہے تھے۔ انہوں نے جس زبان میں عنبر کو پوچھا کہ وہ کون ہے وہ زبان یوگو سلاوی تھی۔ عنبر یہ زبان بھی جانتا تھا مگر اس نے ظاہر یہی کیا کہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھا۔ عنبر نے انگریزی میں کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"میں مصری سوداگر ہوں۔ بمبئی سے ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں لندن جا رہا تھا کہ جرمنوں نے طیارہ مار گرایا۔ میں پراشوٹ کے ذریعے یہاں آن گرا ہوں۔"

دونوں آدمیوں نے عنبر کو آگے آگے لگایا اور ایک پہاڑی غار میں لے گئے جہاں پہلے ہی چھ سات آدمی بیٹھے تھے۔ ان سب نے سروں پر سرخ رومال باندھ رکھے تھے اور رائفلیں ان کے کندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یوگو سلاویہ پر تو جرمنوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور یہ لوگ یوگوسلاوی محب وطن ہیں جو جرمنوں کو اپنے وطن سے نکال باہر کرنے کے لیے چھپ کر گوریلا جنگ کر رہے ہیں۔ ان آدمیوں میں سے ایک کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ غار میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ چراغ کی روشنی میں اس آدمی کا چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے عنبر کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور کہا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیسے آگئے؟"

عنبر نے وہی کہانی سنا دی جو اس نے پہلے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دو آدمیوں کو سنائی تھی۔ اس آدمی نے کہا۔

"میرا نام مانیٹگو ہے۔ میں آدمی کی شکل دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتا ہوں۔ تم جرمن جاسوس ہو اور یہاں ہمارے خلاف جاسوسی کرنے آئے ہو۔"

عنبر مسکرایا۔ کہنے لگا۔ "مسٹر مانیٹگو! اگر تم انسان کی شکل دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتے ہو تو پھر یہاں تم نے بڑا سخت دھوکہ کھایا ہے۔ کیونکہ میں جرمن جاسوس نہیں ہوں۔"

مانیٹگو نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اونچی آواز میں چیخ ماری۔ "تم بکواس کرتے ہو۔"

پھر اس نے اپنے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے اذیت پہنچا کر اس سے دل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ عنبر نے دل کا حال بیان کر دیا تھا مگر وہ مانتے ہی نہیں تھے۔ دو آدمی خنجر نکال کر عنبر کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ مانیٹگو بولا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم نے اب بھی ہمیں نہ بتایا

کہ تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارے دوسرے جاسوس ساتھی کہاں ہیں تو میں ان دونوں کو اشارہ کروں گا اور یہ اپنے خنجر تمہاری گردن میں گھونپ دیں گے۔"

عنبر کو مانیگو کی احمقانہ حرکتوں پر بڑا غصہ آیا مگر وہ غصے کو پی گیا۔ اس نے بڑے اخلاق کے ساتھ کہا:

"مسٹر مانیگو! تم کیوں نہیں مانتے کہ میں جرمن جاسوس نہیں ہوں۔"

"اس لیے کہ تم جرمن جاسوس نہیں ہو،" مانیگو نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی عنبر کو گالی دے ڈالی۔ بس دنیا میں یہی ایک بات ایسی تھی جو عنبر سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کسی کی زبان سے گالی نہیں سن سکتا تھا۔ اسے ایک دم طیش آ گیا۔ اس کا خون کھول اٹھا اس نے اپنے دائیں بائیں کھڑے آدمیوں میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر نیچے گرا لیا عنبر پر گولیوں کی بوچھاڑ گرنے لگی۔ ہر طرف سے اس پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ غار میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو عنبر پر گولیاں نہ چلا رہا ہو۔ لیکن کوئی بھی گولی ایسی نہیں تھی جو عنبر کو لگ رہی ہو۔ گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گر رہی تھیں۔ عنبر نے خنجر ہاتھ میں لے لیا تھا اور اپنے اوپر برستی گولیوں کی بارش سے بے نیاز خنجر لے کر مانیگو کی طرف بڑھا۔ کیونکہ مانیگو نے اسے گالی دی تھی۔ مانیگو نے اپنی برین گن کی گولیاں اس پر خالی کر دیں۔ وہ سامنے سے عنبر کے چہرے اور چھاتی پر فائرنگ کر رہا تھا مگر یہ دیکھ کر حیران تھا کہ کوئی ایک بھی گولی عنبر کے جسم میں نہیں گھس رہی تھی اور خون کا ایک قطرہ بھی کہیں گرتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس کے ساتھ عنبر مانیگو کے قریب آ گیا اور اس کی گردن پر اپنا لوہے ایسا مضبوط ہاتھ ڈال کر اسے ایک جھٹکا دے کر نیچے گرا لیا۔ مانیگو کو یوں لگا جیسے کسی چٹان نے اسے نیچے گرا دیا ہو۔ اس کے ساتھی خنجر نکال کر عنبر پر ٹوٹ پڑے اور دھڑا دھڑ اس پر خنجر چلانے لگے۔ لیکن سب کے خنجر عنبر کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ ان کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ سب پریشان تھے۔ اب ان کے چہروں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پر خوف چھا گیا۔ وہ عنبر کو کوئی بھوت سمجھنے لگے تھے۔ عنبر نے اپنا خنجر مانیٹگو کی گردن پر رکھ کر کہا۔

”تم نے مجھے گالی دی ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

مانیٹگو بھی دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکا جرمن جاسوس نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں کوئی جرمن جاسوس ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی گولی اثر نہ کرے اور کوئی خنجر اس کے جسم میں داخل نہ ہو سکے۔ اس نے کہا۔

”میرے دوست! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنی گالی واپس لیتا ہوں۔“

عنبر کا خنجر والا ہاتھ رک گیا۔ اس نے مانیٹگو کو معاف کر دیا۔ وہ پرے ہٹ کر غار کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے خنجر سامنے پھینک دیا۔ چراغ کی روشنی میں غار کے فرش پر جگہ جگہ برین گن کی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ مانیٹگو عنبر کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے غار کے باہر جانے کا حکم دیا۔ سارے ساتھی باہر چلے گئے۔ غار میں اب صرف عنبر اور مانیٹگو

ہی رہ گئے۔ عنبر کا اندازہ درست نکلا۔ مانیٹگو یوگوسلاوی محب وطن گوریلا تھا اور یہ لوگ اپنے ملک پر قبضہ کرنے والی جرمن فوجوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ یہ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے جرمن فوجی دستوں۔ ٹرکوں۔ بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں پر حملے کر کے انہیں تباہ کر دیتے تھے۔ جرمن فوجی بھی ان کی تلاش میں رہتے۔ جہاں کہیں انہیں ان کا کوئی گوریلا مل جاتا وہ اسے وہیں گولی مار دیتے تھے۔ مانیٹگو نے اپنے گروہ کے بارے میں عنبر کو سب کچھ بتا دیا۔ کیونکہ وہ عنبر کو کوئی سپر مین سمجھ رہا تھا جو کسی دوسرے سیارے سے ان کی دنیا میں آ گیا تھا۔ عنبر سے اس نے پوچھا کہ وہ کس سیارے کا سپر مین ہے۔ عنبر کو دل میں ہنسی تو بہت آئی۔ پھر اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو اس غلط فہمی میں رہنے دیا جائے۔ کہنے لگا:

”میں سیارہ مریخ کا سپر مین ہوں۔ لیکن اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے کیونکہ میں لندن جانا چاہتا ہوں اور مجھے یہاں سے لندن تک کے راستے کی خبر نہیں ہے۔“

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہاں سے میں لندن کیونکر جا سکتا ہوں؟"

مانٹیگو نے کہا:

"اے سپرمین! یہاں سے لندن تو ہم تمہیں پہنچا دیں گے لیکن کیا تم ہماری مدد نہیں کرو گے؟"

جنبر نے پوچھا!

"تم مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہو۔"

مانٹیگو کہنے لگا۔

"ہمارے ملک پر جرمنوں نے زبردستی حملہ کر کے قبضہ کر لیا ہے۔ وہ ہمارے بھائی بہنوں پر سخت ظلم کر رہے ہیں۔ ہم ان کے قبضے سے اپنا ملک آزاد کرانا چاہتے ہیں۔"

جنبر نے کہا۔

"ملک آزاد کرانا تو تمہاری فوج کا کام ہے۔ میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر تمہاری فوج ہتھیار ڈال کر اپنا وطن جرمنوں کے حوالے کر سکتی ہے۔ تو پھر

جرمنوں کو تمہارے وطن پر قبضے کا حق حاصل ہے۔ ہاں اگر تم لوگ کسی دوسری جگہ پہنچنا چاہتے ہو۔ اور میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

مانٹیگو نے کہا:

"ہم اپنی پہاڑیوں میں بیٹھ کر یہاں سے گزرنے والے جرمن قافلوں پر حملہ کر کے انہیں تباہ کرتے ہیں۔ کاش تم ہماری مدد کر سکتے۔"

جنبر نے کہا۔

"میں اس سے زیادہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں سے لندن شہر کو میں کہاں سے اور کس طرف سے جاؤں؟"

مانٹیگو کہنے لگا۔

"انگلستان جانے والے سیاح جنگ سے پہلے یوگو سلاویہ سے ہو کر جاتے تھے۔ مگر اب جنگ لگی ہوئی ہے۔ یوگوسلاویہ سے اگر تم گزر سکتے ہو تو آگے تم آسٹریا میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

داخل ہو جاؤ گے۔ مگر وہ بھی جرمنوں کے قبضے میں ہے تم یوگوسلاویہ سے نکل کر یونان کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں سے ہو سکتا ہے کوئی جہاز تمہیں اٹھا کر انگلستان لے جائے۔

عنبر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور غار سے باہر نکل آیا۔ باہر سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔ عنبر نے ایک پہاڑی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے جب اسے دوپہر ہو گئی تو سامنے سے اسے ایک جرمن ٹرک آتا دکھائی دیا۔ ٹرک قریب سے گزرتے گزرتے رک گیا۔ اس کے اندر سے ایک جرمن افسر نے سر باہر نکال کر عنبر سے پوچھا:

" تم کون ہو؟ تمہارا رنگ یوگوسلاوی لوگوں ایسا نہیں ہے۔ تم ایشیائی ہو؟

عنبر نے کہا۔

" یس سر میں مصر کا رہنے والا ہوں...."

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ساری بات سچ سچ بتا دی کہ اس کے ہوائی جہاز کو جرمنوں نے مار گرایا تھا۔ جرمن افسر نے چیخ کر کہا۔

" ہمارے جہاز نے تمہارے جہاز کو مار گرایا

ہے تو پھر تم ضرور ہمارے دشمن ہو گے۔

اس جرمن افسر نے اپنے ڈرائیور سپاہی کو حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر ٹرک میں لے آؤ۔ جرمن سپاہی عنبر کی طرف آیا۔ عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ چپ چاپ ٹرک میں بیٹھ گیا۔ عنبر نے سوچا کہ اس طرح اگر وہ سفر کرتا رہا تو جگہ جگہ جرمن اسے ملیں گے اور پوچھ گچھ کریں گے۔ اس کے لیے سفر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر کیوں نہ وہ اس ملک میں سفر کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈے کہ اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ اس نے ایک ترکیب سی لی اور ٹرک پر آ کر بیٹھ گیا۔

ٹرک روانہ ہوا تو عنبر نے آس پاس غور سے دیکھا۔ ٹرک میں وہ اکیلا تھا۔ اگلی دونوں سیٹوں پر سپاہی اور جرمن فوجی افسر بیٹھے تھے۔ بیچ میں ایک سوراخ تھا جس میں سے عنبر کو فوجی افسر صاف نظر آ رہا تھا۔ ٹرک کا پچھلا دروازہ زور سے بند کر دیا گیا تھا۔ جب ٹرک تھوڑی دور آگے نکل گیا تو عنبر نے سوراخ میں سے ہاتھ ڈال کر جرمن افسر کی گردن پکڑ لی۔ جرمن افسر نے جیب سے ریوالور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نکال کر عنبر پر فائر کر دیا۔ مگر بھلا فائر سے کیا ہوتا تھا۔ گولی عنبر کے ماتھے سے ٹک کر نیچے گر پڑی۔ جرمن سپاہی نے وہیں ٹرک روک لیا۔ عنبر اتنی دیر میں جرمن افسر کی گردن دبا کر اسے ہلاک کر چکا تھا۔

جرمن سپاہی نے عنبر پر برین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک کے کنارے جرمن سپاہی اور جرمن افسر کی لاشیں پڑی تھیں اور عنبر نے جرمن افسر کی وردی پہن رکھی تھی۔ ان دنوں جرمن فوج میں شمالی سسلی کے کچھ لوگ بھی بھرتی ہو گئے تھے۔ جن کا رنگ زیادہ گورا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے جب عنبر ایک جرمن فوجی چھاؤنی کی سڑک سے ٹرک لے کر گزرا تو کسی کو اس پر شک نہیں ہوا۔ وہ چھاؤنی سے نکل کر سرحد کی طرف جانے والی سڑک پر آ گیا۔ عنبر یہاں سے یونان کی سرحد میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

یونان کی سرحد پر زبردست فوجی سرگرمیاں نظر آئیں۔ جرمن ٹینک سرحد پر جگہ جگہ کھڑے تھے۔ جیسے یونان پر حملہ کرنے ہی والے ہوں۔ عنبر نے ٹرک پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور اب پیدل جھاڑیوں

میں سے چل کر سرحد کے اوپر آ گیا۔ ایک ٹینک میں سے جرمن سپاہی نے نکل کر عنبر کو سیلوٹ کیا۔ عنبر نے سیلوٹ کا جواب دیا اور یونان کی سرحد کی طرف دوڑ پڑا۔

اسے دوڑتا دیکھ کر پیچھے سے اس پر رائفل اور ٹینک کے گولے برسنے لگے۔ گولے گولیاں عنبر کے چاروں طرف بلکہ اس کے اوپر پھٹ رہے تھے مگر عنبر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اور وہ برابر یونان کی سرحد کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اب یونان کی سرحد کی طرف سے اس پر گولیاں آنے لگیں۔ عنبر پریشان سا ہو گیا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ایک آدمی کے اتنے خلاف کیوں ہو گئے ہیں۔ اسے ایک جگہ کھڈ میں دریا بہتا دکھائی دیا۔ عنبر نے کھڈ کے اوپر سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان پہاڑ کی اتنی اونچائی سے چھلانگ لگاتا تو اس کی ہڈیاں سرمہ بن جاتیں مگر عنبر ایسے دریا میں گرا جیسے کوئی آدمی نہانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگاتے۔ دریا کا بہاؤ بڑا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تیز تھا۔ پانی کی لہریں شور مچاتی، پتھروں سے ٹکراتی گزر رہی تھیں۔ عنبر لہروں کے ساتھ ساتھ آگے بہنے لگا۔ یہ دریا آگے جا کر یونان اور روم کی سرحد پر بنے ہوئے ایک پل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اس پل پر ایک جانب یونانی اور دوسری جانب اطالوی سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

انہوں نے عنبر کو دریا میں بہتے دیکھا تو اوپر سے گولیاں برسان شروع کر دیں۔ عنبر کو سخت غصہ آیا۔ اسے کوئی نقصان تو پہنچ نہیں سکتا تھا مگر یہ لوگ اسے خواہ مخواہ پریشان کر رہے تھے۔ وہ پل کے نیچے آیا تو اس پر گولیاں زیادہ برسنے لگیں۔ کئی گولیاں عنبر کے سر اور بازوؤں سے ٹکرا ٹکرا کر دریا میں گر رہی تھیں۔ اوپر کھڑے سپاہی بڑے حیران تھے کہ گولیوں کا اثر کیوں نہیں ہو رہا۔ عنبر پل کے نیچے سے گزر گیا۔

دریا آگے جا کر وادی میں داخل ہو جاتا تھا۔ مگر اس سے پہلے ایک آبشار آتی تھی۔ یہ آبشار پہاڑی کے اوپر سے نیچے وادی میں گرتی تھی۔ اصل میں یہ دریا تھا جس میں عنبر بہتا چلا آ رہا تھا۔ اب وہ روم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے ملک میں داخل ہو چکا تھا۔ آبشار قریب آئی تو پانی کا بہاؤ بہت تیز ہو گیا۔ عنبر پانی کے ساتھ ہی آبشار میں چکر کھاتا نیچے گر گیا۔ کافی آگے جا کر وہ دریا سے باہر نکل آیا۔

وہ ابھی تک جرمن فوجی وردی میں تھا جو گیلی ہونے کی وجہ سے دریا میں اوپر والے جرمن اور اطالوی فوجیوں سے پہچانی نہیں گئی تھی۔ لیکن سوکھنے کے بعد اسے فوراً پہچان لیا جاتا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام اس وردی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ کسی آدمی کے کپڑے لے کر اسے اپنی وردی دے دے۔ عنبر دریا سے باہر نکلا تو اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔ دن نکل آیا تھا اور دھوپ بھی نکل آئی تھی۔ عنبر درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا ایک ٹیوب ویل کے پاس آ کر رک گیا۔

ایک دیہاتی اپنا ٹریکٹر ٹھیک کر رہا تھا۔ عنبر اس کے قریب آیا تو وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ روم پر بھی جرمن قبضہ کر چکے تھے۔ مگر روم کے لوگ اندر ہی اندر جرمنوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ عنبر

نے اسے اطالوی زبان میں کہا۔

"مجھے ایک پتلون اور ایک جیکٹ چاہیے۔"

کسان بھاگا بھاگا کوٹھڑی میں گیا اور ایک پرانی پتلون اور جیکٹ لے آیا۔ عنبر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کوٹھڑی میں جا کر جرمن وردی اتار دی اور پتلون جیکٹ پہن کر باہر آ گیا۔ پستول پہلے بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ کسان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اس جرمن افسر نے کس لیے وردی تبدیل کی ہے۔ عنبر نے کسان سے پوچھا کہ روم کو کونسی شاہراہ جاتی ہے۔ کسان نے عنبر کوکہ بڑی سڑک وہاں سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ عنبر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بڑی سڑک پر آ کر عنبر کنارے پر رک گیا۔ ایک گاڑی آئی۔ عنبر نے ہاتھ دیا۔ اس میں ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی کار چلا رہی تھی۔ لڑکی نے کار روک دی۔ وہ عنبر کو کوئی غریب کسان سمجھ رہی تھی۔ کیونکہ عنبر کے کپڑے ہی ایسے تھے۔

"کہاں جاؤ گے تم؟" لڑکی نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ "روم کے ایئرپورٹ پر۔"

لڑکی سمجھی کہ یہ کوئی مستری ہے جو روم کے ہوائی اڈے پر کام کرتا ہے۔ اس نے عنبر کو گاڑی میں بٹھا لیا۔ راستے میں عنبر نے بھی اسے یہی بتایا کہ وہ ہوائی اڈے پر کام کرتا ہے۔ اس زمانے میں ہر آدمی کے پاس شناختی کارڈ ہونا بہت ضروری تھا۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ شہر میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ وہاں سے نکل سکتا تھا۔ چنانچہ جب لڑکی نے عنبر کو روم کے ہوائی اڈے پر اتار دیا تو عنبر کو شناختی کارڈ کی فکر ہوئی۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ ہوائی اڈے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اور عنبر کا پروگرام یہ تھا کہ وہ کسی کمرشل یا فوجی جہاز کے ذریعے اس ملک سے باہر نکل جائے لیکن ہوائی اڈے پر جا کر عنبر کو پتہ چلا کہ وہاں سے لندن جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ وہاں سے بمبار طیارے ہی بمباری کرنے لندن جاتے تھے۔

●

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

واپسی کا لرزہ خیز سفر

وہ رات عنبر نے ہوائی اڈے پر بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

آدھی رات کو ایک طیارہ کچھ جرمن افسروں کو لے کر برلین جا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ وہ کسی طرح اس جہاز میں سوار ہو کر برلین پہنچ جائے۔ پھر وہاں سے وہ کسی نہ کسی طرح لندن جانے کا انتظام کرے گا۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی عنبر رات کے اندھیرے میں کھیتوں میں رینگتا ہوا ہوائی اڈے میں اس جگہ پہ آ گیا جہاں برلین جانے والا فوجی طیارہ کھڑا تھا۔ اس طیارے میں سامان لادا جا رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اس کا نچلا حصہ کھلا تھا اور اس میں جرمن افسروں کا سامان اور کچھ فوجی صندوق بھرے جا رہے تھے۔ اطالوی مزدور کام کر رہے تھے۔ وہ دوسرا سامان لینے ذرا فاصلے پر کھڑے ٹرک کی طرف گئے تو عنبر بھاگ کر جہاز کے نچلے سامان رکھنے والے حصے میں آ کر اوپر چڑھ گیا اور ایک صندوق کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ سامان کے ساتھ ایک آدمی بھی اندر سوار ہو گیا ہے۔ سامان رکھنے کے بعد جہاز کا نچلا حصہ بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کے انجن سٹارٹ ہو گئے انجن کا شور بلند ہوا اور پھر جہاز رن وے پر دوڑنے لگا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ہوا میں اوپر اٹھ گیا اور اس نے اپنا رخ برلین کی طرف کر لیا۔ تین گھنٹے کی اڑان کے بعد جہاز رات کے تین بجے برلین کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ عنبر سامان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جہاز رکا تو نچلا حصہ ایک بار پھر کھل گیا اور سامان نیچے اتارا جانے لگا۔ عنبر ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔

موقع پا کر وہ طیارے سے باہر نکل آیا اور اندھیرے میں رینگتا ہوا ہوائی اڈے کے باہر کھیتوں میں آ گیا۔ یہاں جرمن سپاہی جگہ جگہ پہرہ دے رہے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھے۔ عنبر ان کی آنکھ بچا کر کسی نہ کسی طرح اس علاقے سے باہر آ گیا۔ اب وہ ایک سڑک پر تھا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے برلین کا شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ عنبر نے سڑک پر شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس شہر میں وہ پہلے بھی دو تین بار ناگ، ماریا کے ساتھ آ چکا تھا۔ جنگ کی وجہ سے شہر پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کئی عمارتیں بمباری سے گری ہوئی تھیں۔

عنبر چلتے چلتے شہر میں داخل ہو گیا۔ سڑکوں پر کوئی آدمی نہیں تھا۔ مکانوں میں بھی اندھیرا تھا اور جنگ کی وجہ سے سہمے ہوئے لوگ سو رہے تھے۔ عنبر سڑک کے کنارے بنے ہوئے فٹ پاتھ پر جا رہا تھا کہ اسے بھاری فوجی بوٹوں کی آواز سنائی دی۔ عنبر ایک خندق میں گھس گیا۔ یہ خندق بمباری سے بچنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ جب فوجی گزر گیا تو عنبر باہر نکل آیا۔

اب اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ اس شہر میں کہاں رہے اور کس جگہ بیٹھ کر وہاں سے لندن فرار ہونے کا پروگرام بنائے۔ یہ

شہر دشمن کا شہر تھا۔ ہر طرف جرمن لوگ رہتے تھے وہ ایک چوک کراس کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن کو دبوچ لیا۔ عنبر کا رنگ سانولا تھا۔ صاف پتہ لگ جاتا تھا کہ وہ جرمن نہیں بلکہ ایشیائی ہے۔ عنبر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک جرمن فوجی اس کے سر پر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے جرمن زبان میں عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

عنبر نے بھی جرمن زبان میں کہا۔

میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ جرمنی میں محنت مزدوری کرتا ہوں۔ کئی سالوں سے برلین میں رہ رہا ہوں۔"

جرمن سپاہی نے کہا۔

"اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

بس یہی ایک سوال تھا جس کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ اس کا شناختی کارڈ گم ہو گیا ہے۔ سپاہی نے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔"

سپاہی نے عنبر کو ساتھ لیا اور ایک قریبی پولیس سٹیشن پر آ کر اسے حوالات میں بند کر دیا۔ عنبر نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سوچا کہ چلو اس طرح آرام سے بیٹھ کر غور کرنے کا موقع تو مل گیا۔ وہ حوالات میں کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ لندن فرار ہونے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

رات گزر گئی۔ دوسرے دن عنبر کو جرمن فوجی افسروں کے سامنے پیش کیا گیا انہوں نے عنبر پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ عنبر کے پاس ان میں سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں تھا۔ عنبر کو سخت اذیت دی جانے لگی۔ عنبر کو ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ مگر وہ یونہی ہائے وائے کرنے لگا جیسے بڑی سخت تکلیف میں ہو۔ وہ ان پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو دن تک عنبر کو سخت اذیت دی گئی۔ تیسرے دن اسے قیدیوں کے کیمپ میں ڈال دیا گیا۔

یہ کیمپ شہر سے دو سو میل دور ایک جنگل میں درخت صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ ارد گرد کانٹے دار تار کی باڑ لگی تھی۔ اونچے مچانوں پر جرمن سپاہی مشین گنیں لیے پہرہ دیتے تھے۔ ایک سرچ لائٹ رات کو تھوڑی دیر بعد روشن کر دی جاتی تھی۔

عنبر کے ساتھ کوٹھڑی میں ایک انگریز قیدی بھی تھا۔ اس کا نام ایڈورڈ تھا۔ وہ برطانیہ کی ہوائی فوج کا ہوا باز تھا۔ برلین پر بمباری کرنے وقت اس کے جہاز کو گولہ لگا تھا۔ وہ پراشوٹ سے کود گیا اور بعد میں جرمن سپاہیوں نے پکڑ کر اسے قید کر لیا۔ اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ انگریز نہیں پھر اسے کیوں پکڑا گیا ہے؟ عنبر نے کہا۔

"میں مصری ہوں اور برلین کے ایک کارخانے میں جنگ سے پہلے کام کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے میرا شناختی کارڈ گم ہو گیا۔ جرمنوں نے مجھے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہے۔"

عنبر نے اس انگریز ہوا باز کو اصل بات بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایڈورڈ خاموش ہو گیا عنبر نے اسے کہا کہ کیا یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب ہو سکتی ہے؟ انگریز ہوا باز ایڈورڈ نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتی ہے مگر اس میں جان کا خطرہ ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے ترکیب بتاؤ۔ میں یہاں سے فرار ہو کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لندن جانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں"

انگریز ہوا باز نے کہا:

"اگر تم اتنے بہادر ہو تو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اب میں تجھے ترکیب بتاتا ہوں"

انگریز ہوا باز نے عنبر کو بتایا کہ قیدیوں کے کیمپ کے پیچھے پہاڑی علاقے میں دریا بہتا ہے۔ اس دریا کے پار ایک گھنا پہاڑی جنگل ہے جس کے آگے فرانس کی سرحد آ جاتی ہے۔ ابھی فرانس پر جرمنوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا اور وہ ایک آزاد ملک تھا۔

"اگر ہم کسی طرح فرانس پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہمارے لیے لندن پہنچنا کوئی مشکل بات نہیں ہوگی۔ فرانس میں ہم آزاد ہوں گے" اس کے لیے کانٹے دار تار کاٹنے ہوں گے اور ہمارے پاس تار کاٹنے والا کوئی اوزار نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

"تار میں کاٹ دوں گا۔ میں تاریں کاٹنے میں بڑا ماہر ہوں"

"کیا تم ہاتھ سے تار کاٹو گے؟ بالکل [illegible] عنبر! اس کے لیے ہمیں ایک پلاس کی ضرورت ہے جو یہاں ملنا مشکل ہے۔ پھر بھی اس کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

عنبر نے انگریز ہوا باز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بھائی تم یہاں سے فرار ہونے کی تاریخ اور وقت مقرر کرو۔ میں تار تمہارے سامنے کاٹ ڈالوں گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو"

انگریز ہوا باز ایڈورڈ نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم کل رات ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔ میری بات غور سے سنو۔ رات کو آخری گنتی بارہ بجے ہوتی ہے۔ اس کے بعد کیمپ میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ پہرے دار ہر پندرہ منٹ کے بعد ہماری کوٹھڑیوں کے آگے چکر لگاتے ہیں۔ اس عرصے میں ہم اپنی کوٹھڑی سے نکل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسا اوزار حاصل کیا جائے جو بھاری کوٹھڑی کا تالہ توڑ سکے۔ یہ تالا دروازے کے اندر لگا ہوا ہے اور تار ڈال کر بھی کھولا جا سکتا ہے۔

پھر ایڈورڈ نے عنبر سے کہا۔

"اگر تم کانٹے دار تار کاٹ سکتے ہو تو پھر تالا بھی کھول سکتے ہو گے۔ پہلے یہاں اپنی طاقت دکھاؤ۔ اسی جگہ تم کو آزما لوں گا اگر تم نے کوٹھڑی کا تالا کھول لیا تو پھر تم کانٹے دار تار بھی کاٹ سکتے ہو۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کل رات تمہیں یہ تماشا بھی دکھا دوں گا۔"

دوسری رات جب بارہ بجے قیدیوں کی گنتی ہو گئی تو سارے قیدی کیمپ میں خاموشی چھا گئی۔ ہر طرف خاموشی اور بلیک آؤٹ کا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں کسی وقت ایک دو سیکنڈ کے لیے سرچ لائٹ کی روشنی کا گول دائرہ قیدی کیمپ کے اندر کوٹھڑی کے آگے گھوم جاتا تھا۔ پہرے داروں کی ٹولی ہر دس پندرہ منٹ کے بعد

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوٹھڑیوں کے آگے سے بھاری بھاری بوٹوں کی آواز پیدا کرتی گزر جاتی تھی۔ جب ایک بار ٹولی گزر گئی تو عنبر سے ایڈورڈ نے کہا۔

"لو اب تالا کھول کر دکھاؤ۔"

عنبر نے تالے کی جگہ جو سوراخ تھا اس میں انگلی ڈالنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ کر سکا۔ انگریز ہوا باز عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر تالا کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ پھر بھی وہ دیکھ رہا تھا کہ عنبر کیا کرتا ہے۔ عنبر نے لوہے کے دروازے کی اوپر والی سلاخ دار طاقچی میں ہاتھ ڈال کر تھوڑا سا اپنی طرف کھینچا تو دروازہ کھل گیا۔ انگریز ہوا باز ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی آگے تم ہکے بکے ہو گے۔ اب بتاؤ دروازہ کھل گیا ہے۔ کیا کریں؟"

ایڈورڈ نے کہا۔

"اسے جلدی سے بند کر دو۔ کیونکہ پہرے دار آنے ہی والے ہیں۔ جب وہ یہاں سے ایک بار ہو کر گزر جائیں گے تو پھر

ہم یہاں سے فرار ہوں گے؟"

عنبر نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ کوٹھڑی میں خاموشی سے آ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں پہرے دار جسری فوجیوں کے بوٹوں کی آوازیں پھر سنائی دیں اور ٹولی ان کی کوٹھڑی کے آگے سے گزر گئی۔ ایک فوجی نے سلاخوں والی کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا۔ عنبر اور ایڈورڈ پہلے ہی کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ جیسے گہری نیند سو رہے ہوں۔ پہرے داروں کی ٹولی آگے نکل گئی تو ایڈورڈ نے عنبر کو کہنی سے بلاتے ہوئے کہا۔

"عنبر! اٹھو اب ہمیں یہاں سے بھاگنا ہے۔ جلدی سے میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔"

ایڈورڈ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ عنبر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ باہر اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں بھی قیدی کیمپ کی کوٹھڑیاں اور برآمدے اور مچان دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جھک جھک کر چلتے کیمپ کے پیچھے کانٹے دار تاروں کی دیوار کے پاس آ کر رک گئے۔ ایڈورڈ

نے آہستہ سے کہا۔

"اب تاروں کو کاٹو۔ اگر تم تار کاٹنے میں ناکام رہے تو ہم زندہ نہیں بچیں گے۔ واپس کوٹھڑی میں پہنچتے ہی جرمن ہمیں گولی سے اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اندھیرے میں ہی اس نے کانٹے دار تاروں کو ہاتھ لگایا تو اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کے ساتھ ہی مچان پر خطرے کا الارم بج اٹھا۔ بجلی کی کرنٹ نے بتا دیا تھا کہ کوئی قیدی بھاگ رہا ہے۔ خطرے کے الارم کی آواز نے ایڈورڈ کو پریشان کر دیا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ عنبر کو تاروں کے چھونے سے بڑا زبردست جھٹکا لگا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ سوچنے کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ وہ کوٹھڑی کی طرف واپس بھاگنے ہی لگا تھا کہ عنبر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"واپس نہیں جائیں گے۔ ہم یہاں سے فرار ہونے کے لیے آئے ہیں اور اب فرار ہوں گے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ہاتھ مار کر تاروں کو تو
اور انہیں الگ کر کے اتنا راستہ بنا دیا کہ جس
سے تین چار آدمی آسانی سے گزر سکتے تھے۔

"آؤ میرے ساتھ"

عنبر نے ایڈورڈ سے کہا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ
بار بھی عنبر کو بجلی کے کئی ایک جھٹکے لگے تھے
اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ عنبر کے پا
پیچھے کیمپ کی تاروں کے راستے میں سے نکل کر
کھڑا ہوا۔ دونوں رات کے اندھیرے میں بھا
ہوئے سامنے جنگل میں آ گئے۔ ان کے پیچھے
وتت کی روشنی پڑی مگر وہ جنگل کے اندھیر
میں گم ہو چکے تھے۔ اب جاسوس کتے ان کی
میں بھونکتے ہوئے نکل آئے تھے۔ جس و
سپاہی کتے لے کر جنگل میں داخل ہوئے اس و
ایڈورڈ اور عنبر دریا کے کنارے پہنچ گئے تھ
رات کے اندھیرے میں دریا خاموشی سے بہہ
تھا۔

انہوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور دو
کنارے کی طرف تیرنے لگے۔ پانی بہت ٹھنڈا

تیز تھا۔ پھر بھی وہ تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر
آ گئے۔ ان پر پیچھے سے گولیوں برسائی جا رہی تھیں
مگر وہ خطرے سے کافی دور نکل آئے تھے۔ لیکن
ابھی ایک بہت بڑا خطرہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔
ادھر پہاڑیوں میں بھی جرمنوں کی ایک فوجی چوکی
تھی۔ اس چوکی کو فون پر خبر ملی کہ دو قیدی بھاگ
گئے ہیں اس چوکی پر سے جنگل میں فائرنگ ہونے
لگی۔

عنبر کو خطرہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھی انگریز
ہوا باز ایڈورڈ کو گولی نہ لگ جائے۔ وہ اسے
اپنے پیچھے رکھے ہوئے تھا۔ ایڈورڈ نے عنبر
سے کہا۔

"اس طرح تمہیں گولی لگنے کا خطرہ ہے۔

عنبر بولا۔

"تم میری فکر نہ کرو"

وہ پہاڑی راستے پر سے گزر کر اس جنگل میں
آ گئے جہاں سے نکل کر انہیں فرانس کی سرحد
میں داخل ہونا تھا۔ جاسوس کتے اب بہت پیچھے
رہ گئے تھے۔ مگر دریا کے دوسرے کنارے والی فوجی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چوکی کے جرمن فوجی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ عنبر اور انگریز ہوا باز کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے اس آخری جنگل سے بھی باہر نکل آئے۔ مگر سامنے موت کھڑی تھی۔ چار جرمن سپاہی رائفلیں تانیں ان کے سامنے آ گئے۔

"ہینڈز اپ"۔

انہوں نے گرج کر کہا۔ عنبر نے ہاتھ کھڑے کر دیئے ایڈورڈ نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جرمن سپاہیوں نے انہیں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور آگے آگے چلاتے ایک ٹرک کے پاس لے آئے۔ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ عنبر نے ایڈورڈ کے کان میں انگریزی میں کہا۔

"میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ تم زمین پر لیٹ جانا۔"

ایڈورڈ کا خوف سے رنگ زرد ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت حملہ کرنا سخت حماقت تھی۔ کیونکہ وہ نہتے تھے اور ان کے مقابلے میں چار جرمن سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ لیکن ایڈورڈ کو کیا خبر تھی کہ عنبر کیا سوچ رہا ہے۔ ایڈورڈ نے آہستہ سے کہا۔

"ایسا مت کرنا۔"

لیکن عنبر حملہ کر چکا تھا۔ اس نے سب سے پہلے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھوڑا سا زور لگا کر اپنی ہتھکڑی توڑ ڈالی۔ پھر اچھل کر ایک جرمن سپاہی کی رائفل چھین لی۔ ایڈورڈ فوراً زمین پر لیٹ گیا۔ تینوں جرمن سپاہی عنبر پر گولیاں چلانے لگے۔ مگر کسی گولی کا عنبر پر ذرا اثر نہ ہوا۔ عنبر نے رائفل ہاتھ میں لیتے ہی تین بار فائر کیا اور تین سپاہی وہیں ڈھیر کر دیئے۔ پھر چوتھی گولی چوتھے جرمن فوجی کو ماری۔ وہ بھی اچھل کر نیچے گرا اور مر گیا۔ ایڈورڈ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا اور عنبر گولی لگنے سے مرا کیوں نہیں؟

عنبر نے کہا۔

"اب بتاؤ ہم کس جگہ سے سرحد پار کر سکتے ہیں؟"

انگریز ہوا باز نے کہا۔ اس ٹرک میں بیٹھ جاؤ۔

عنبر ٹرک میں بیٹھ گیا۔ اس نے ایڈورڈ کی بھی ہتھکڑی توڑ ڈالی اور پھر اس کے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایڈورڈ نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔ وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ٹرک کو لے کر سرحد کی طرف بڑھا۔ پیچھے سے اس پر خدا جانے کدھر سے گولیاں آنے لگیں مگر ٹرک دوڑتا چلا گیا۔ آخر ایک جگہ سے

وہ سرحد پار کر گئے۔

فرانس کی سرحد کے اندر داخل ہوتے ہی ایڈ نے ٹرک کا رخ ایک کچے راستے پر کر دیا اور فو ہو کر بولا۔

تھینک گاڈ! ہم فرانس میں داخل ہو چکے ہیں۔

دن نکل آیا تھا جب انہوں نے ٹرک ایک جگہ دیا۔ کیونکہ وہ جرمن ٹرک تھا اور ان پر شک ہو سکتا تھا۔ ایڈورڈ اور عنبر نے بڑی سڑک پر ایک کار لفٹ لی اور پیرس شہر پہنچ گئے۔ ایڈورڈ اپنے سا عنبر کو بھی برطانوی سفارت خانے لے گیا جہاں انہو نے سفیر کو بتایا کہ وہ جرمن قیدی کیمپ سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ اسی روز انہیں ایک خاص فوجی طیارے میں سوار کروا کے لندن پہنچا دیا گیا۔ لندن پہنچ کر ایڈورڈ عنبر کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ جہاں ا کی ماں اور بہن رہتی تھی۔ اس کا باپ مر چکا تھا۔ عنبر نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر ناگ او ماریا کی تلاش میں شہر میں نکل آیا۔

لندن شہر جرمنوں کی بمباری کی وجہ سے کھنڈر بنا ہوا تھا۔ جگہ جگہ ملبے کے ڈھیر لگے تھے۔ عمارتیں گرا

ہوئی تھیں۔ عنبر حیران تھا کہ اس ویران شہر میں ناگ اور ماریا اسے کہاں ملیں گے۔ لیکن اسے دیوی زہرہ کی بات پر اعتبار تھا جس نے کہا تھا کہ ناگ اور ماریا لندن میں ہی ہیں اور یہاں سے ان کا واپس کا سفر شروع ہونے والا ہے۔ سارا دن عنبر شہر کے بازاروں میں گھومتا پھرا مگر اسے نہ تو ناگ کہیں دکھائی دیا اور نہ اسے ماریا کی خوشبو آئی۔ رات کو وہ ایڈورڈ کے گھر آ گیا۔

دوسرے روز شہر پر جرمن طیاروں نے بمباری کی جس کی وجہ سے شہر کے کئی علاقوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ ایڈورڈ کا مکان شہر سے باہر تھا۔ بمباری ختم ہوئی تو عنبر شہر میں آ گیا۔

ایک بم اس ہسپتال کے قریب ہی گرا تھا جس میں ناگ اور ماریا اپنی لیڈی ڈاکٹر دوست کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بم کے دھماکے سے ہسپتال کی عمارت گر پڑی جس میں بے چاری لیڈی ڈاکٹر بھی ہلاک ہو گئی۔ ناگ اور ماریا گری ہوئی عمارت میں سے نکل کر باہر آ گئے۔ عمارت کا ملبہ اٹھایا جا رہا تھا۔ ناگ نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"ماریا! تم میرے قریب ہو ناں؟

ہاں ناگ۔ ماریا نے کہا۔

ناگ بولا۔

"لیڈی ڈاکٹر زندہ نہیں بچی ہو گی۔ وہ ہسپتال کے تہہ خانے میں کام کر رہی تھی"

ماریا نے کہا۔

"میں اس ملبے کے اندر جا کر پتہ کرتی ہوں۔

ناگ وہیں کھڑا رہا۔ ماریا ملبے کے اندر سے گزر کر عمارت کے تہہ خانے میں چلی گئی۔ اس تہہ خانے کی چھت ٹوٹ کر گر چکی تھی۔ اور اس کے نیچے آکر لیڈی ڈاکٹر ہلاک ہو چکی تھی۔ اس کی لاش کنکریٹ کے بھاری ستونوں کے نیچے دبی پڑی تھی۔ ماریا کو اپنی سہیلی کی موت پر بڑا گہرا صدمہ ہوا۔ مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ عمارت کے ملبے سے باہر آ کر اس نے ناگ کو بتایا کہ لیڈی ڈاکٹر مر چکی ہے۔ ناگ نے کہا۔

"اب تمہاری کیا رائے ہے۔ عنبر کو تلاش کرتے ہیں۔ اتنے دن ہو گئے ہیں۔ لندن شہر تباہ ہو رہا تھا۔ شاید عنبر ادھر کا

رخ نہ کرے۔ میرے خیال میں تو ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔

ماریا کہنے لگی۔

"کل اس کے بارے میں سوچیں گے:

اس رات بھی لندن شہر پر جرمنی کے جہازوں نے بم برسانے شروع کر دیئے۔ یہ بڑا زبردست حملہ تھا۔ ناگ اور ماریا دریا کے کنارے پل کے پاس ایک مکان کی چھت کے نیچے سو رہے تھے کہ بمباری شروع ہو گئی۔ ایک بم مکان کے پاس ہی آ کر گرا۔ ناگ عقاب بن کر اڑ گیا۔ ماریا بھی وہاں سے اڑ کر دریا کے پل پر آ گئی۔

جب بمباری ختم ہو گئی تو شہر میں چاروں طرف آگ لگی تھی۔ ناگ اور ماریا دریا کے پل سے گزر کر دوسری طرف ایک گرجا گھر کے باغیچے میں آ گئے یہاں اندھیرا تھا اور سرد رات کی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ گرجا گھر کی عمارت بڑی پرانی تھی اور قلعہ لگ رہی تھی۔ اچانک انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"تم نے قدموں کی چاپ سُنی؟

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہ آواز ناگ نے بھی سن لی تھی۔ کہنے لگا۔

"ہاں۔ مگر یہ کس کی آواز ہے؟ یہاں کوئی انسان تو دکھائی نہیں دیتا۔"

"یہ آواز دھند کے بادل سے آ رہی ہے۔"

ماریا نے کہا۔ ناگ نے دھند کے بادل کی طرف دیکھا جو گرجا گھر کی چھت سے نیچے اتر کر ان کے سامنے باغ میں آ کر رک گیا تھا۔ ماریا اور ناگ اس دھند کے بادل کو دیکھنے لگے۔ دھند میں سے آہستہ آہستہ ایک عورت کی شکل ابھرنے لگی۔ اس عورت کے لمبے اور سنہری بال کھلے تھے۔ سر پر ایک سرخ موتیوں کا تاج رکھا تھا۔ ہاتھ میں چاندی کی چھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے نیلی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"ناگ! تم دیکھ رہے ہو اس عورت کو؟"

ناگ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے۔ میں اسے پہچان بھی رہا ہوں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ تو دیوی زوالہ کی روح ہے!"

اتنا کہنا تھا کہ دھند کے بادل میں ایک کڑاکا پیدا ہوا۔ جیسے بڑے زور سے بادل گرجتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیوی زوالہ کی آواز سنائی دی۔

"سنو! اے ناگ اور ماریا! میں زوالہ بول رہی ہوں۔ میں پانچ ہزار سال پیچھے سے چل کر تمہارے پاس یہ کہنے آئی ہوں۔ کہ تمہارا یہ سفر اب ختم ہونے والا ہے اب تمہارا واپسی کا سفر شروع ہوگا۔ جو اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز اور بھیانک ہوگا۔"

ناگ اور ماریا سہم کر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

آبدوز کی تباہی

دیوی زلالہ کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تم حیران ہوتے ہو خوش ہوتے ہو۔ تمہاری تقدیر میں جو لکھا ہے۔ وہ ہو کر رہے گا۔ سنو اے ٹگ ماریا! تمہاری واپسی کا سفر عجیب وغریب جگہ سے شروع ہوگا۔ اور تم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ گے اور پھر سنسنی خیز حالات میں ایک دوسرے سے ملو گے۔"

ماریا نے کہا۔

"اے دیوی زلالہ! ہم تمہارے حکم کے پابند ہیں۔ تو کبھی تم۔ ایسا ہی ہوگا۔ ہمیں واپسی کا سفر قبول ہے۔ لیکن بتاؤ کہ کیا عنبر بھی ہمارے ساتھ ہی واپسی کا سفر شروع کرے گا"

دیوی زلالہ نے کہا۔

"لیکن وہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ تم تینوں الگ الگ جگہ سے اپنا اپنا سفر شروع کرو گے تم الگ الگ حالات میں پھنس جاؤ گے اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی مدد نہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر سکے گا۔"

ٹگ نے پوچھا۔

"اے دیوی! میں بھی ماریا اور عنبر سے بچھڑ جاؤں گا؟"

"ہاں" دیوی نے کہا۔ "تم بھی بچھڑ جاؤ گے۔ تم زمین کے اندر واپس اپنی سانپوں کی دنیا میں چلے جاؤ گے۔"

"اور میں کہاں جاؤں گی؟" ماریا نے پوچھا۔

دیوی زلالہ نے کہا۔ "تم بھی غائب ہو جاؤ گی۔"

ماریا نے کہا۔ "میں تو پہلے ہی غائب ہوں۔"

دیوی نے کہا۔ "اس طرح غائب رہ کر تم لوگوں کو دیکھ سکتی ہو۔ لیکن اب جب تم واپسی کے سفر کے لیے غائب ہوگی تو پھر نہ تمہیں لوگ دیکھ سکیں گے اور نہ تم لوگوں کو دیکھ سکو گی۔"

ماریا کانپ اٹھی۔ "تو کیا میں مر جاؤں گی؟"

دیوی زلالہ نے کہا۔ "ہاں" "کچھ وقت کے لیے تم مر جاؤ گی۔ ٹگ بھی مر جائے گا۔ لیکن اس کے بعد تمہیں خدا کے حکم سے پھر زندہ کیا جائے گا۔ تم ٹگ اور عنبر عجیب جگہوں پر ایک دوسرے سے دور سنسنی خیز حالات میں الگ الگ زندہ ہو کر اٹھو گے اور اپنا واپسی کا سفر شروع کرو گے۔ وہ عنبر ٹگ۔ ماریا کی واپسی کا سفر ہوگا۔ یہ ایک نیا لرزہ خیز سنسنی خیز اور حیرت انگیز سفر ہوگا جس کے واقعات

اتنے دلچسپ اور لرزہ دینے والے ہوں گے کہ کبھی کبھی تمہیں بھی خوف آنے لگے گا۔

ماریا نے کہا۔

"اے دیوی! کیا یہ ہو کر رہے گا؟"

دیوی کہنے لگی۔

"ہاں یہ ہو کر رہے گا۔ ایسا تمہاری قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ تم واپسی کے سفر سے بچ نہیں سکتے۔ تمہیں پانچ ہزار سالوں کا سفر طے کرکے دوبارا واپس اپنی دنیا تک جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر تمہارا یہ حیرت انگیز سفر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر کیا ہو گا؟ کیا پھر ہم مر جائیں گے؟

دیوی زالا نے کہا۔

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گی جب تم پانچ ہزار سال کا واپسی کا سفر طے کرکے قدیم فرعونوں کے مصر میں پہنچو گے؟

ماریا نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ دیوی کہ عنبر کہاں

ہے؟"

دیوی نے کہا۔

"وہ اسی لندن شہر میں ہے اور صبح تم سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔ تم لوگ واپسی کے سفر کے لیے، مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

دھند کا بادل زور سے کڑکا۔ اس کی چمک آسمان تک گئی اور پھر اندھیرا چھا گیا اور دھند کا بادل غائب ہو چکا تھا۔ ناگ نے کہا۔ "ماریا! کیا تم واپسی کے سفر کے لیے تیار ہو؟"

ماریا نے آہ بھر کر کہا۔

"اس میں ہماری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہم مجبور اور بے بس ہیں۔ تقدیر ہمیں جو دکھا رہی ہے ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہمیں جہاں لیے جا رہی ہے ہم چلے جا رہے ہیں۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے فرعونوں کے زمانے میں ہم تینوں ایک دوسرے سے ملے تھے۔ ہم نے اتنا لمبا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ اب واپسی کا سفر بھی ساتھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ساتھ مل کر کریں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"دیوی زلالہ نے کہا ہے کہ ہمارا واپسی کا سفر بہت زیادہ خطرناک لرزا دینے والا اور سنسنی خیز ہو گا۔ اور قدم قدم پہ ہمیں موت سے سامنا کرنا پڑے گا کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟"

ماریا مسکرائی۔

اگرچہ اسے مسکراتا ناگ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"ناگ بھائی۔ جو ہماری تقدیر میں لکھا ہے ہمیں قبول کرنا ہی پڑے گا۔ ہم تاریخ کے مسافر ہیں۔ ہماری اپنی کوئی مرضی نہیں ہے۔"

ناگ نے آہ بھر کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ دیوی زلالہ نے یہ خبر عنبر کو بھی ضرور سنا دی ہو گی۔"

ماریا کہنے لگی۔

"ہاں۔ اگر وہ ہمیں مل سکتی ہے تو عنبر کو بھی مل سکتی ہے۔ اس نے ضرور عنبر کو بھی خبردار کر

دیا ہو گا کہ وہ واپسی کے سفر کے لیے تیار رہے مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ عنبر کے ساتھ کیا گزرے گی۔ میرا مطلب ہے کہ وہ تو مر نہیں سکتا۔ پھر وہ کیسے گم ہو گا؟

ناگ بولا:

"میرا اندازہ ہے کہ وہ زندہ رہے گا۔ صرف ہم اس سے جدا ہو جائیں گے۔"

ماریا نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولی۔

"خدا خیر کرے۔ خدا ہمارا واپسی کا سفر مبارک کرے۔

ناگ نے کہا:

"میری خدا سے یہی دعا ہے کہ واپسی کے سفر میں بھی ہم اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور مصیبتوں میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔"

ماریا نے کہا:

خداوند نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔

ناگ بولا۔

اب ہمیں عنبر کو ڈھونڈنا چاہیے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماریا کہنے لگی:

"ڈھونڈھنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ دیوی زلالہ نے کہہ دیا ہے کہ عنبر صبح ہمیں مل جائے گا۔

اسی طرح باتیں کرتے اور گرجا گھر کے باغیچے میں بیٹھے بیٹھے دن نکل آیا۔ رات بھر کی بمباری نے شہر کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ لوگ خدا کی عبادت کرنے گرجا گھر کی طرف آ رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"دیکھو! یہ لوگ کتنے نیک ہیں۔ اس مصیبت اور افراتفری میں بھی اپنے خدا کو نہیں بھولے اور گرجا میں اس کی عبادت کرنے آ رہے ہیں۔

ماریا نے کہا:

خداوند! ان کی زندگیوں پر رحمت کے پھول نچھاور کرے۔"

ناگ کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ "آمین"

دن کی روشنی میں ناگ اور ماریا شہر کی طرف چل پڑے کہ شاید وہاں ان کی عنبر سے ملاقات ہو جائے شہر میں جگہ جگہ عمارتوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور آگ بجھانے والے انجن آگ بجھا رہے تھے۔ ناگ اور ماریا پھرتے پھراتے ایک باغ میں آ گئے۔ یہاں بھی لوگ کہیں کہیں گھاس پر بیٹھے اپنے مکانوں کی تباہی پر باتیں کر رہے تھے۔

اچانک ایک جگہ ناگ کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔ اس نے ماریا سے کہا۔ "ماریا! وہ دیکھو عنبر!"

ماریا نے عنبر کو دیکھا تو اڑ کر ایک ہی چھلانگ میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ عنبر چلتے چلتے رک گیا اسے ماریا کی بڑی تیز خوشبو آئی تھی۔ اس نے کہا

"ماریا! کیا یہ تم ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی۔ میں بھی ہوں اور ناگ بھی ہے۔"

اتنے میں ناگ بھی آ گیا۔ تینوں دوست تینوں بہن بھائی ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ ان سب نے ایک جگہ بیٹھ کر الگ اپنی اپنی داستان سنائی۔ آخر میں ماریا نے عنبر کو بتایا کہ دیوی زلالہ نے واپسی کے سفر کے بارے میں کیا کہا ہے۔ عنبر نے کہا۔

"دیوی زلالہ نے مجھے بھی خبردار کر دیا ہے کہ ہماری واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ مجھے اپنے واپسی کے سفر کے لیے قاہرہ کے اہرام میں ملکہ نفرتیتی کے مقبرے پر ہدایت لینے جانا ہوگا۔

ناگ نے کہا:

"تم خوش قسمت ہو کہ واپسی کا سفر زندہ رہ کر شروع کرو گے۔ ہمیں تو زلالہ نے کہا ہے کہ میں اور ماریا غائب ہو جائیں گے۔ میں زمین کے اندر واپس اپنے ساتھیوں کی دنیا میں چلا جاؤں گا اور ماریا غائب ہو جائے گی۔"

"غائب تو وہ اب بھی ہے" عنبر نے کہا۔

ماریا بولی۔

"اب تو میں لوگوں کو دیکھ سکتی ہوں۔ پھر میں لوگوں کو نہ دیکھ سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔ یہی زلالہ نے کہا ہے۔

"پھر کیا ہوگا؟" عنبر نے فکر مند ہو کر پوچھا

ماریا نے کہا:

"پھر ایک خاص مدت گزرنے کے بعد میں اور

ناگ پھر سے زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آ جائیں گے اور الگ الگ جگہوں پر عجیب و غریب حالات میں ابھریں گے اور ایک دوسرے سے ملیں گے۔"

ناگ کہنے لگا:

دیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارا واپسی کا سفر اس سفر سے بہت زیادہ خطرناک لرزا دینے والا اور سنسنی خیز ہوگا۔

ماریا بولی:

"خدا خیر کرے۔ میرا تو دل ابھی سے ہول کھانے لگا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ اب تاریخ کی کتاب میں اس طرح واپس ہو جائیں گے جس طرح سے کوئی لڑکا تاریخ کی کتاب کو پیچھے الٹ کر دیکھتا ہے۔ حالات کتنے بھی خطرناک اور لرزہ خیز ہوں۔ ہم انشاء اللہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہر خطرناک وقت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"ایک عرصے کے بعد ہم تینوں دوست اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔"

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"یہ مت بھولو کہ ہم جدا ہونے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔"

عنبر کہنے لگا:

"پھر کیا ہوا ماریا بہن! ہم اس انوکھے سفر میں ملتے اور جدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

ماریا بولی:

"لیکن اس بار دیوی زلاز نے کہا ہے کہ ہمارا واپسی کا سفر بہت خطرناک اور سنسنی خیز ہوگا۔ خدا جانے ہمارے ساتھ کس قسم کے خطرناک حالات پیش آئیں۔ میرا تو دل یہ سوچ کر ابھی سے ڈر رہا ہے۔"

عنبر بولا: "نہیں ماریا۔ تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔

خطرے تو ہماری زندگی کے ساتھ ہی ہیں۔ اور پھر جس خطرناک راستے سے ہمیں ہر حالت میں گزرنا ہی پڑے گا اس سے ڈرنا کیا!"

ناگ بولا:

"اچھا بھئی ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب ہمیں کس جگہ چلنا چاہیئے۔ یہ شہر تو تباہ ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں ہندوستان کی طرف نکل جانا چاہیئے۔"

عنبر نے کہا:

"دل میرا بھی چاہتا ہے کہ ہم ہندوستان کی طرف ہی چلیں۔ تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟"

ماریا نے کہا:

"میرا تو دل جیسے گواہی دے رہا ہے کہ میں ہندوستان ابھی نہیں پہنچ سکوں گی۔"

"وہ کیوں؟" عنبر نے کہا۔ "ماریا دل چھوٹا نہ کرو تمہارے واپسی کے سفر میں میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" اسی طرح باتیں کرتے تینوں دوست، بہن بھائی اور انوکھے تاریخی سفر کے مسافر لندن کے دریا والے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

علاقے میں نکل آئے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ ایڈ
نام کے ایک پائیلٹ کے مکان پر رہتا ہے۔
"تم لوگ بھی میرے ساتھ وہیں چلو۔ وہاں سے
ہم ہندوستان جانے کا بندوبست کریں گے
جنگ کا زمانہ ہے۔ سمندری جہاز کبھی کبھی
یہاں سے جاتے ہیں۔"

عنبر اپنے دوستوں ماریا اور ناگ کو لے کر ایڈورڈ
گھر آ گیا۔ اس نے ایڈورڈ سے ناگ کا تعارف کر
ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا اس لیے اس
تعارف کروانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔
نے ایڈورڈ کو بتایا کہ وہ اپنے دوست ناگ ک
ساتھ ہندوستان جانا چاہتا ہے۔ ایڈورڈ نے:

"ہوائی جہاز میں جانے کا تو اس جنگ کے
زمانے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں
سمندری جہاز میں تمہارے لیے کوشش
کروں گا۔ میرا خیال ہے انڈیا سٹیم شپ
کمپنی کا ایک جہاز کچھ جنگی سامان لے کر
انڈیا جانے والا ہے۔"

ایڈورڈ نے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ سمندری

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جہاز اتوار کی رات کو بندرگاہ سے روانہ ہونے والا
ہے۔ عنبر نے اپنا اور ناگ کا ٹکٹ لیا اور اتوار
کو جہاز پر سوار ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی
تھی۔ ایڈورڈ انہیں چھوڑنے بندرگاہ تک آیا اور گلے
ل کر عنبر اور ناگ کو الوداع کہا۔ جہاز میں بلیک آؤٹ
تھا۔ سارے شہر اور بندرگاہ پر بلیک آؤٹ تھا۔
کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ اسی اندھیرے میں سمندری
جہاز اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

سمندر میں یہ بیس بائیس روز کا سفر تھا۔
دنوں جہاز اتنی زیادہ رفتار سے نہیں چلا کرتے تھے۔
سکندریہ تک جہاز خیریت سے پہنچ گیا۔ نہر سویز سے
نکل کر جہاز بحیرہ عرب میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے
جہاز کو سب سے پہلے کراچی کی بندرگاہ پر جانا تھا۔
بحیرہ عرب میں جہاز کو سفر کرتے دوسرا روز ہوا
تھا کہ ایک رات جہاز پر خطرے کا الارم بج اٹھا
عنبر ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر آ گئے۔
جہاز کے مسافروں کو نیچے جانے کی ہدایت کی
جا رہی تھی۔ عنبر نے ایک جہازی سے پوچھا کیا
ات ہے۔ اس نے غصے میں کہا:

تمہیں کیا بتائیں کہ کیا ہے۔ چلو۔ نیچے چلو۔ نہیں تو مارے جاؤ گے۔

عنبر ناگ کی طرف دیکھ کر ہنس دیا اور دونوں ماریا کو لے کر جہاز کے نیچے آ گئے۔ یہاں پہلے ہی جہاز کے بہت سے مسافر جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے جہاز بمباری کرنے آ رہے ہیں۔ جرمنوں کو پتہ چل گیا تھا کہ ایک برطانوی جہاز جنگی سامان اور مسافر لے کر ہندوستان کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے مشرق میں جاپانیوں کے حملے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور جاپانیوں نے آسام کی ایک سڑک پر قبضہ کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بمبار طیاروں کی آواز سنائی دی اور پھر بم گرنے لگے۔ اندھیرے اور بلیک آؤٹ کی وجہ سے ایک بھی بم جہاز پر نہ گر سکا۔ یہ مسافروں کی خوش قسمتی تھی جرمن طیارے واپس چلے گئے۔ جہاز کے پچھلے حصے کو تھوڑا سا نقصان پہنچا تھا۔ جو دوسرے دن صبح مرمت کر دیا گیا۔ لیکن دشمن نے جہاز کو دیکھ لیا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ دوبارہ حملہ کرنے آئے گا۔ چنانچہ چوتھے روز جہاز کے راڈار نے بتایا کہ ایک جرمن ڈبکی کشتی یعنی آبدوز

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ن کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ آبدوز کا کام یہ ہوتا ہے کہ سمندر کے اندر ہی اندر وہ ایک بڑا طاقتور ب یعنی تارپیڈو چھوڑتی ہے جو سمندر کے نیچے سے آکر جہاز کے پیندے سے ٹکراتا ہے اور پھٹ کر جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔ جہاز کو ایک بار تارپیڈو لگ جائے تو پھر اس کا بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

جہاز کے کپتان نے فوراً جہاز کا رخ ایک غیر آباد جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ یہ جزیرہ بحیرہ عرب میں ایک ایسی جگہ سمندر میں تھا جہاں کبھی کوئی نہیں گیا تھا۔ کپتان نے وائرلیس پر اپنی بحری اور ہوائی فوج کی مدد مانگی ادھر سے جواب آیا کہ ہمارے پاس اتنے طیارے نہیں ہیں کہ ہم اتنی دور آ کر تمہاری مدد کریں۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو خود ہی کرو۔ جہاز کا کپتان پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اس کے جہاز پر صرف دو طیارہ شکن یعنی طیاروں کو مار گرانے والی توپیں لگی تھیں اور یہ آبدوز کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ جہاز جزیرے کے ساحل کے قریب سمندر میں کھڑا کر دیا گیا۔

کپتان اور اس کے عملے کے دوسرے لوگ سمندری راڈار پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ راڈار ظاہر کر رہا

تھا کہ ایک آبدوز ان کی طرف چلی آ رہی ہے۔ پھر ایک سبز نقطہ بن کر راڈار پر ایک جگہ رک گئی۔ کپتان نے اپنے نائب سے کہا۔

”دشمن کی آبدوز رک گئی ہے۔ اب وہ حملہ کرنے والی ہے۔“

جہاز پر خطرے کا الارم بجا دیا تھا۔ تمام مسافر جہاز سے اتر کر جزیرے پر آ گئے تھے۔ ناگ اور ماریا بھی جزیرے پر آ گئے تھے۔ صرف عنبر جہاز پر تھا۔ جب ایک جہازی نے اسے بھی جزیرے پر جانے کو کہا تو اس نے کہا:

”میں تمہارے کیپٹن سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”کس لیے؟ تم کون ہو؟“ جہازی نے پوچھا۔

عنبر بولا:

”میں ایک مسافر ہوں اور آبدوز کو تباہ کر سکتا ہوں۔“

جہازی ہنسا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

”جلدی سے کشتی میں بیٹھ کر جزیرے پر پہنچ جاؤ۔“

مگر عنبر کشتی پر بیٹھنے کی بجائے کیپٹن کے کیبن کی طرف چل پڑا۔ وہ جہاز کو بچانا چاہتا تھا تاکہ مسافر اطمینان سے اپنے گھروں کو پہنچ جائیں۔ کیونکہ

ڈوب جاتا ہے تو جرمن وہاں آ کر ان سب کو پکڑ لیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان سارے مسافروں کو گولیوں سے اڑا دیں۔ اس لیے کہ اس زمانے میں جرمنوں نے کئی مسافر جہازوں کو بھی سمندر میں ڈبو دیا تھا جن کے ساتھ سارے مسافر ہلاک ہو گئے تھے۔

جہاز کا کیپٹن پریشان تھا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ارد گرد جمع تھے اور غور سے راڈار پر ابھرتے سبز نقطے کو تک رہے تھے۔ وہ جہاز کو خشکی پر نہیں لے جا سکتے تھے۔ جہاز کو سمندر میں ہی کھڑا رہنا تھا اور جرمن آبدوز اس کو تارپیڈو مار کر تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ جہاز کے کیپٹن کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے اس کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا جرمن آبدوز سمندر میں پہنچ چکی ہے۔ اسے سمندر میں اتر کر اسے تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ بیک خطرہ ٹل جائے اور مسافر امن و امان سے اپنی منزل پر پہنچ سکیں۔

عنبر کیپٹن کے کیبن کے قریب جاتے جاتے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ایک یعنی عرشے پر آ گیا۔ یہاں اسے پھر وہی انگریز ملاح ملا۔ اس نے عنبر کو ڈانٹ کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"تم پھر اوپر آ گئے؟"

عنبر نے کہا:

"میں ذرا سمندر کے نیچے سیر کرنے جا رہا ہوں اد

اس کے ساتھ ہی عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی انگریز ملاح ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے شور مچا دیا کہ ایک مسافر سمندر میں گر پڑا ہے۔ اسی وقت سمند میں لائف بیلٹ پھینکی گئی مگر عنبر سمندر کی لہروں سے نہ ابھرا۔ وہ سمندر کے نیچے پہنچ چکا تھا۔ یہ سمندر بہت گہرا تھا۔ ہزاروں مچھلیاں اس کے قریب سے ہو کر نکل رہی تھیں۔ اس کے دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ تھے جن پر سمندری جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سبز کی کرنیں سمندر کے اندر مدھم سبز روشنی پھیلا رہی تھیں عنبر سمندر کے اندر ہی اندر بھاری پانی میں تیرتا جرمن آبدو کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

جہاز پر کیپٹن اور اس کے عملے کے افسر راڈار پر جھکے ہوئے تھے۔ موت کا خوف ان کے چہروں پر تھا کسی وقت بھی جرمن آبدوز میں سے ایک تارپیڈو نکل کر ان کے جہاز کو تباہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ انہوں نے ایک خاص قسم کا رنگ پانی میں پھینک دیا تھا جس کی وجہ سے

جہاز کے اردگرد کا سمندری پانی سرخ ہو گیا تھا۔ اس جا ے جرمن آبدوز کو نشانہ باندھنے میں دقت ہو سکتی تھی۔ گر وہ بچ نہیں سکتے تھے۔ اتنے میں کیپٹن نے دیکھا کہ ایک سبز نقطہ جرمن آبدوز کے نقطے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"یہ کیا ہے؟" کیپٹن نے حیران ہو کر پوچھا۔

جہاز کے دوسرے افسر بھی اس سبز نقطے کو غور سے تکنے لگے جو جرمن آبدوز کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" کیپٹن نے پھر سوال کیا۔

"کوئی بہت بڑی وہیل مچھلی ہے میرے خیال میں" ایک افسر نے کہا۔

"وہیل مچھلی اس سمندر میں کبھی نہیں پائی گئی" کیپٹن نے کہا۔ اتنے میں انگریز ملاح نے آ کر بتایا کہ ایک مسافر نے ابھی ابھی سمندر میں چھلانگ لگائی تھی کہیں یہ وہی مسافر نہ ہو۔ کیپٹن نے کہا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ بھلا کوئی عام آدمی سمندر میں آکسیجن ماسک کے بغیر اندر ہی اندر اتنی دور تک جا سکتا ہے۔ دیکھو وہ برابر آگے بڑھ رہا ہے"

تمام نظریں سبز نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ عنبر تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر نے آبدوز کو دیکھ لیا تھا۔ ادھر جرمن آبدوز ک
کپتان نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ آبدوز کے ان
سے گولیاں برسائی جانے لگیں۔ گولیاں پانی کی چا
کو چیرتی ہوئی عنبر کو آ کر لگیں۔ مگر عنبر برابر آگ
بڑھتا گیا۔ اس نے اپنا رخ بدل لیا جرمن آب
کا کپتان بھی حیران تھا کہ کوئی انسان ہے یا ج
جو سمندر میں بغیر آکسیجن ماسک کے غوطے لگا
چلا آ رہا ہے۔ عنبر آبدوز کے پیچھے پہنچ گیا تھا
اس نے وہ سوراخ دیکھا جہاں سے تارپی
چھوڑا جاتا ہے جرمن آبدوز میں تارپیڈو بھر
گیا تھا۔ کپتان نے نشانہ باندھ کر فائر کا حکم
دیا۔ یہ تارپیڈو سیدھا جہاز کے پیندے سے
کر ٹکراتا تھا اور اسے تباہ کر دیتا تھا۔ عنبر سوراخ
کے بالکل قریب تھا۔ اس نے تارپیڈو کے چلنے
کی آواز سن لی تھی۔ جونہی بم سوراخ کے
اندر سے نکلا عنبر لپک کر اس کے اوپر سوار
ہو گیا اور پوری طاقت سے اس کا رخ دوسری
طرف پھیر دیا۔ نشانہ بدل گیا تھا۔ اب تارپیڈو
جہاز سے نہیں ٹکرا سکتا تھا۔ آبدوز نے دوسرا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور پھر تیسرا تارپیڈو چھوڑ دیا۔ عنبر نے اس کے
رخ بھی پھیر دیئے۔

جرمن آبدوز کا کپتان اس سپرمین کو دیکھ کر
دنگ رہ گیا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ یہ آدمی ہے یا کوئی سمندری جن ہے۔ جب
آبدوز سے چوتھا تارپیڈو پھینکا گیا تو عنبر اس
کے اوپر سوار ہو گیا۔ اس نے تارپیڈو کو آگے
جا کر رخ پھیر کر اس کا منہ آبدوز کی طرف کر دیا۔
یہ بڑی خطرناک چال تھی۔ تارپیڈو اب جہاز کی
بجائے جرمن آبدوز کی طرف جا رہا تھا۔

جرمن کپتان نے دوربین سے اپنا ہی تباہ کن تارپیڈو
اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل
گئی۔ خطرے کا الارم بجا دیا گیا۔ آبدوز میں افراتفری
مچ گئی۔ فوراً اس کی مشین چلا دی گئی تاکہ اسے
اوپر لایا جا سکے۔ مگر آبدوز بڑی بھاری تھی اور
تارپیڈو کی رفتار بڑی تیز تھی۔ عنبر نے تارپیڈو
کے اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ تارپیڈو سیدھا
آبدوز سے جا کر ایک قیامت خیز دھماکے سے ٹکرا
گیا۔ سمندر کے اندر پانی میں طوفان آ گیا اور تارپیڈو کے

پرخچے اڑ گئے۔ عنبر سمندر میں دور تیرتا ہوا تباہی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آبدوز ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اور اس کے ٹکڑے سمندر کی تہہ میں چلے جا رہے تھے۔ عنبر نے واپس جہاز کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ جہاز کا کپتان اور دوسرے افسروں نے آبدوز کو تباہ ہوتے دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ راڈار نے انہیں صاف دکھایا تھا کہ جو تارپیڈو آبدوز سے نکلا تھا اسی نے گھوم کر اسے تباہ کر دیا تھا۔ یہ بڑی ان ہونی بات تھی۔

ناگ ماریا غائب ہو گئے

عنبر سمندر کی سطح پر آیا۔ جہاز پر سب لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے تالیاں بجا کر عنبر کا استقبال کیا۔ کپتان اسے اپنے کیبن میں لے گیا اور اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا پھر اس نے عنبر کو نیا جوتا پہننے کو دیا گرم گرم کافی پلائی اور پوچھا کہ یہ کام اس نے کیسے کیا؟ کیا وہ جادوگر ہے یا کوئی جن ہے؟ عنبر مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"کیپٹن! تم یہی سمجھ لو کہ میں جادوگر ہوں میرے پاس ایک ایسا جادو ہے جو مجھے سمندر میں بھی زندہ رکھتا ہے اور اس کی مدد سے میں نے تارپیڈو کا رخ آبدوز کی طرف موڑ دیا۔ اب تم جلدی سے جہاز کو کراچی کی طرف لے چلو۔"

کپتان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ عنبر جادوگر ہے۔ یا کوئی ولی ہے۔ جہاز پر سب مسافر آ کر بیٹھ گئے۔ دریا اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ناگ بھی آ گئے۔ جس انگریز ملاح نے عنبر کو سمندر میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا اور اسے ایک بار جہاز پر آنے سے منع کیا تھا وہ جب عنبر کے قریب سے گزرا تو اس نے جھک کر عنبر کو سلام کیا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "کیا میرے ساتھ سمندر کے نیچے چل کر سیر کرو گے"

انگریز ملاح دم دبا کر بھاگ گیا۔

جہاز نے اندھیرا ہوتے ہی لنگر اٹھا دیا اور کراچی کی طرف روانہ ہو گیا کراچی ابھی چار دن کے سفر پر تھا یہ سفر خیریت سے کٹ گیا جہاز کراچی پہنچا تو دن ڈوب رہا تھا۔ شہر پر شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ جہاز کے رکتے ہی عنبر نے ناگ اور ماریا کو ساتھ لیا اور بندرگاہ پر اتر کر بڑی سڑک پر آ گیا۔ یہ ۱۹۴۱ء کا زمانہ تھا۔ ابھی پاکستان بننے میں چھ سال رہتے تھے انہوں نے رات گزارنے کے لیے ایک ہوٹل میں بڑا کمرہ لے لیا۔ رات اسی کمرے میں انہوں نے بسر کی۔

دوسرے روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے عنبر ابھی سو رہا تھا۔ ناگ نے اسے جگا کر اٹھایا اور کہا۔

"عنبر: ہم ذرا شہر کی سیر کو جا رہے ہیں آ کر اکٹھے ناشتہ کریں گے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر نے نیند میں ہی کروٹ بدل کر کہا "جلدی آ جانا۔"

ناگ اور ماریا ہوٹل سے نکل کر ایک ٹرام میں بیٹھ کر شہر کی سڑکوں کی سیر کرنے لگے۔ کیماڑی سے نکل کر شہر کے دوسرے کنارے پر آ گئے۔ ۱۹۴۱ء میں کراچی اتنا پھیلا ہوا شہر نہیں تھا۔ ایک جگہ ٹرام سے اتر کر وہ پیدل ہی شہر سے باہر نکل گئے۔ یہاں ریت کے ٹیلے بنے ہوئے تھے۔ ان ٹیلوں میں انہیں ایک پرانا قبرستان دکھائی دیا۔ ماریا نے قبروں پر لکھی ہوئی پرانی تحریر پڑھ کر کہا۔

"ناگ! یہ ایک ہزار سال پرانی قبریں ہیں۔"

وہ قبروں کو دیکھنے لگے جن کے چبوتروں پر بڑے خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ماریا کو کچھ تھکن سی محسوس ہونے لگی اسے ایسے لگا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہو۔ اصل میں واپسی کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"میرا سر چکرا رہا ہے کہیں سے پانی لا دیجیے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم اسی جگہ بیٹھو میں پانی تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

ماریا ایک قبر کے چبوترے پر بیٹھ گئی اور ناگ اس کے لیے پانی لینے چلا گیا۔ ماریا کی آنکھوں میں دھند پھیلنے لگی۔ اسے

قبروں کے چبوترے اور ان پر بنے ہوئے بیل بوٹے دھندلے دکھائی دینے لگے وہ اٹھ کر بیٹھنے لگی اس کے پاؤں بھاری ہوتے گئے اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا وہ دوبارہ چبوترے پر بیٹھ گئی۔ ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر سے جان نکل جا رہی ہے اس کی طاقت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اٹھنے لگی تو اس سے اٹھا نہ گیا۔ اس کی آنکھوں کی دھندلی ہو گئی تھی اور اب اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے ناگ کو آواز دی۔ اتنے میں ایک قبر پھٹی اور اس کے اندر سے دیوی زلالہ کا چہرہ ابھرا۔

"اے ماریا: تیری آواز سننے والا یہاں کوئی نہیں۔ تیری آواز ناگ تک نہیں پہنچ سکتی۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا تم دیوی زلالہ ہو؟"

"ہاں۔" دیوی نے کہا "میں زلالہ ہوں۔ میں تمہیں یہ پیغام دینے آئی ہوں۔ کہ تمہارا واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے۔ تمہارا یہ پانچ ہزار سالہ سفر ختم ہو رہا ہے اب تم غائب ہونے والی ہو۔"

ماریا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کیا ناگ اور عنبر بھی غائب ہو جائیں گے؟"

دیوی نے کہا۔

"ہاں۔ مگر تم انہیں غائب ہوتا نہ دیکھ سکو گی۔"

"دیوی!" ماریا نے کہا "ہم کب ایک دوسرے سے ملیں گے؟ ناگ تو میرے لیے پانی لانے گیا ہے۔"

"وہ پانی لے کر اب تمہارے پاس نہیں آئے گا" اور میں نہیں بتا سکتی کہ تم کہاں اور کس زمانے میں دوبارہ ایک دوسرے سے ملو گے"

ماریا نے کہا۔

"کیا ناگ اور عنبر کو میری حالت کی خبر ہے؟"

دیوی نے کہا۔

"نہیں۔ تم میں سے کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہیں ہے۔ سب الگ الگ اپنی اپنی جگہوں پر غائب ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج سے تمہارا یہ پانچ ہزار سال کا تاریخی سفر ختم ہوتا ہے۔ خدا حافظ! میں پھر کسی عہد میں کسی نامعلوم جگہ پر تم سے ملاقات کروں گی۔"

"سنو دیوی زلالہ!" ماریا نے چیخ کر کہا

مگر دیوی زلالہ غائب ہو چکی تھی وہ قبر کے اندر چلی گئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور قبر پھر ہل گئی ۔ ماریا نے اٹھ کر بھاگنا چاہا ۔ مگر وہ قبر کے چبوترے سے نہ اٹھ سکی ۔ اس کی نظر غائب ہو گئی تھی ۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا ۔ پھر وہ سچ مچ غائب ہو گئی ۔ اس کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو بھی غائب ہو گئی اب ماریا وہاں نہیں تھی ادھر ناگ پانی کی تلاش میں تھا

وہ ٹیلے کے پیچھے آیا تو ایک جگہ ریت اور پتھروں میں اسے پانی رس رس کر نکلتا نظر آیا وہ پانی پینے کے لیے جھکا ۔ اس نے دو تین جنگلی پتے لے کر ان کا دونا بنا رکھا تھا جونہی وہ چشمے پر جھکا اس نے دیکھا کہ چشمہ غائب ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ایک بہت بڑا سوراخ بن گیا ہے اور اس سوراخ سے سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے وہ کانپ کر پیچھے ہٹا ۔ کیونکہ یہ اس کی وہ دنیا تھی جہاں سے وہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے نکل کر انسان بن کر اوپر انسانوں کی دنیا میں آیا تھا

کیا میں واپس اپنی دنیا میں جا رہا ہوں اس نے سوچا ۔ کیا ہمارا یہ سفر ختم ہو رہا ہے ! ناگ کو اپنے پیچھے

ایک پھنکار سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا اس کے پیچھے دیوی زلالہ ناگن دیوی کے روپ میں کھڑی تھی ۔ اس کا منہ عورت کا اور باقی جسم سانپ کا تھا اس کے سر پر سونے کا تاج تھا ۔ اس نے سانپ کی طرح چمکیلی آنکھوں سے دیکھ کر کہا ۔

"سن اے ناگ ! جن سانپوں کو تو زمین کے اندر دیکھ رہا ہے ۔ یہ تمہاری دنیا کے سانپ ہیں آج سے پانچ ہزار سال پہلے تو اسی سانپوں کی دنیا سے نکل کر انسان بن کر زمین کے اوپر آیا تھا اور تم نے ماریا اور عنبر کے ساتھ مل کر اپنا تاریخی سفر شروع کیا تھا لیکن آج تمہارا یہ سفر ختم ہو رہا ہے ۔ تم عنبر اور ماریا سے بچھڑ رہے ہو"

ناگ کو ایک بار تو پسینہ آ گیا بولا

"دیوی زلالہ ! کیا عنبر اور ماریا کا سفر بھی ختم ہو رہا ہے"

"ہاں" دیوی نے کہا "تم تینوں کا یہ موت کا تعاقب کا سفر ختم ہو رہا ہے"

ناگ نے پریشان ہو کر پوچھا ۔

"لیکن ماریا کو تو میں قبرستان میں چھوڑ کر آ رہا ہوں ۔ اسے پیاس لگی تھی میں اس کے لیے پانی لینے آیا تھا"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیوی نے کہا۔

"اب اس کے لیے پاتال لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے"

"کیا؟" ناگ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

دیوی نرملا بولی۔

"فکر نہ کرو۔ وہ مری نہیں زندہ ہے مگر وہ اپنی نظروں سے بھی غائب ہو کر ایک ایسی دنیا میں چلی گئی ہے جہاں نہ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکے گی اور نہ کوئی اسے دیکھ سکے گا جہاں نہ وہ کسی کی آواز سن سکے گی اور نہ اپنی آواز سن سکے گی وہ ماضی کے اندھیرے خلا میں گم ہو چکی ہے اور اسی طرح تم بھی اپنی دنیا میں واپس جانے کے لیے تیار ہو جاؤ"

ناگ بولا۔

"کیا — کیا عنبر بھی؟"

دیوی نے کہا۔

"ہاں، اس کا یہ سفر بھی ختم ہو جائے گا"

ناگ نے پوچھا

"کیا ہماری اب کبھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہوگی؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیوی نے کہا

"اب تمہارا واپسی کا سفر شروع ہوگا۔ کہاں! کب! کیسے یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ تم ایک دوسرے سے ملوگے ضرور مگر یہاں نہیں۔ اس صدی میں نہیں۔ وہ کوئی اور زمانہ ہوگا۔ کوئی اور صدی ہوگی۔ تم چلتے جاؤ گے۔ اور بڑے رونگٹے کھڑے کر دینے والے حالات میں ایک دوسرے سے ملو گے وہ تمہاری یعنی ناگ عنبر ملیا کی واپسی کا سفر ہوگا یہ سفر تمہارے اس سفر سے زیادہ بھیانک اور خوفناک ہوگا۔"

ناگ نے کہا۔

"کیا میں آخری بار ماریا اور عنبر سے ملاقات نہیں کر سکتا"

دیوی نرملا نے کہا۔

"نہیں۔ وقت گذر چکا ہے۔ اب تم واپسی کے سفر میں ہی ایک دوسرے سے ملو گے ابھی تمہارا یہ سفر ختم ہو گیا ہے جب واپسی کا سفر شروع ہوگا تو پھر تم ایک دوسرے سے ملاقات کر سکو گے لیکن یہ حالات ایسے ہیں کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ اب اپنی دنیا میں اتر جاؤ"

ناگ کا ذہن ایک دم بند ہونے لگا اس کے۔

کانوں میں شاں شاں کی آواز آنا شروع ہو گئی وہ ایک دم انسان سے اپنے آپ بغیر اپنی مرضی کے سانپ بن گیا۔ دیوی زنالہ نے اسے اٹھا کر سوراخ میں پھینک دیا۔ ناگ زمین کے اندر گرتا چلا گیا اور پھر بہت نیچے جا کر ہزاروں لاکھوں سانپوں کے درمیان جا کر گر پڑا۔ ناگ کا پانچ ہزار سالہ سفر ختم ہو گیا تھا۔

عنبر سو کر اٹھا تو دن کی روشنی کھڑکی میں سے ہوٹل کے کمرے میں آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ آسمان پر بادل ہی بادل تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی عنبر نے گھڑی دیکھی صبح کے نو بج رہے تھے۔ ناگ اور ماریا ابھی تک نہیں آئے تھے۔ عنبر کو خوب کی طرح یاد تھا کہ انہوں نے جاتے ہوئے اسے بلا کر جگانے کی کوشش کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ جلدی واپس آ جانا۔ لیکن ناگ اور ماریا ابھی تک نہیں آئے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ کراچی شہر کی سیر کرتے دور نکل گئے ہوں۔ عنبر غسل خانے میں گھس گیا۔ نہا دھو کر اس نے کپڑے بدلے ناشتہ کیا اگرچہ اسے اس کی ضرورت کبھی بھی

محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر چونکہ موسم خوشگوار تھا اس لیے اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ ناشتہ کرکے ادھر چلے چائے پینے کے بعد وہ ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ سڑک پر لوگ آجا رہے تھے دکانیں کھل گئیں ان دنوں جبکہ پاکستان ابھی نہیں بنا تھا کراچی کی سڑکوں پہ شور اور رش نہیں ہوا کرتا تھا۔ نہ رکشا نہ سکوٹر نہ ٹرک اور نہ موٹر گاڑیوں کی بھرمار لوگ کہا کرتے تھے کہ کراچی بڑا مختصر اور صاف ستھرا شہر ہے۔ عنبر شہر کی سڑکوں پر بوندا باندی میں ہی سیر کرتا رہا۔ دوپہر کے بارہ بجے وہ واپس ہوٹل آیا۔ ناگ ماریا ابھی تک نہیں آئے تھے۔ وہ پریشان ہونے لگا وہ کہاں تک گئے؟ اب تک انہیں آجانا چاہیے مگر پھر بھی [illegible] ناگ ماریا نہ آئے۔

جب سہ پہر کے پانچ بج گئے تو عنبر کو فکر ہوئی اس وقت باہر ہلکی بارش بھی رک گئی تھی۔ عنبر نے برساتی پہنی اور ناگ ماریا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا وہ چلتا چلتا شہر سے باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے ایک بگھی کرائے پر لی۔ اور کوچوان سے کہا کہ سمندر کی طرف چلو عنبر کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے دونوں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سمندر کی سیر کر رہے ہوں اور اب وہاں کسی ہوٹل میں بیٹھے کافی پی رہے ہوں۔ سمندر کے کنارے ویرانی اور خاموشی تھی آج کی طرح اس زمانے میں لوگ یونہی گھروں سے گھبرا کر باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ سمندر کا کنارہ دور تک سنسان تھا۔ وہاں کوئی کیفے نہیں تھا کوئی ریڑھی بھی نہیں کھڑی تھی۔ شاید اس لیے کہ بارش ہو رہی تھی۔

عنبر اکیلا ہی سمندر کی ریت پر چلتا گیا کافی دور جا کر ایک چٹان آگئی جس کے اندر ایک چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔ عنبر نے وہاں جا کر ناگ اور ماریا کو آوازیں دیں اندر سے ماریا کی آواز آئی۔

"عنبر! اندر آجاؤ میں یہاں ہوں۔"

عنبر بھاگ کر اندر آگیا اندر جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک جگہ دیوار میں روشنی کی لکیر چمک رہی ہے عنبر نے کہا

"ماریا! تم کہاں ہو؟"

عنبر نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ اسے ماریا کی خوشبو بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اتنے میں دیوار کی لکیر چوڑی ہو گئی اور اس کے اندر سے دیوی نرالا کا چمکتا ہوا چمکیلی آنکھوں والا چہرہ نمودار ہوا اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے ہاتھ میں ترشول تھا اس نے ترشول کا اشارہ مصر کی طرف کر کے کہا۔

"عنبر! یہ میں ہوں ماریا نہیں میں نے ہی تمہیں یہاں بلایا ہے

سن! میری بات غور سے سن! ماریا اور ناگ اب اس دنیا میں نہیں ہیں ان کا سفر ختم ہو گیا ہے تمہارا سفر بھی ختم ہونے والا ہے مگر تمہیں مصر میں ملکہ مصر نفرتیتی کے اہرام میں جا کر اس سے اجازت حاصل کرنی ہوگی۔

عنبر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیوی نرالا کی شکل دیکھ رہا تھا دیوی کی آنکھوں میں ایک دبدبہ رعب و جلال تھا۔ عنبر نے کہا۔

کیا اب ماریا اور ناگ سے کبھی ملاقات نہیں ہو گی؟

دیوی نے کہا۔

"ہو گی۔ ضرور ہو گی مگر اس وقت جب تک تمہاری واپسی کا سفر شروع ہو گا"

عنبر نے پوچھا۔

ہماری واپسی کا سفر کب شروع ہو گا؟ کہاں سے شروع ہو گا؟ ان سوالوں کے جواب میرے پاس

نہیں ہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہاری واپسی کا سفر اس پانچ ہزار سالہ سفر سے زیادہ ہولناک اور پراسرار و ہیبتناک ہوگا۔ تم واپسی کے سفر میں تاریخ کے ان صحراؤں، جنگلوں، آسیبی قلعوں، اندھے کنوؤں اور گرمچھوں سے بھری ہوئی دلدلوں اور سانپوں کے جنگلوں سے گزرو گے جہاں سے کسی انسان کا آج تک گزر نہیں ہوا

عنبر نے گہرا سانس بھرا اور کہا۔

"دیوی زلالہ! ناگ اور ماریا سے میری جدائی کب تک کیلئے ہے"

دیوی نے کہا۔

"یہ بتانے کی مجھے اجازت نہیں ہے دو ماہ بعد جب شمال کی گرم ہوائیں اہرام مصر کے پتھروں سے ٹکرائیں گی تو تمہیں اس شہر سے کوچ کر کے مصر کی طرف روانہ ہو جانا ہوگا۔ تاکہ ملکہ نفریتی کے اہرام میں پہنچ کر تمہیں بھی واپسی کے سفر کی اجازت مل سکے۔ خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر دیوی زلالہ کی شکل روشنی کی لکیر میں گم ہو گئی لکیر دیوار میں غائب ہو گئی اور غار میں اندھیرا پھیل گیا عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ ناگ اور ماریا کی جدائی کے خیال سے سخت اداس ہو رہا تھا۔ بارش بہت ہلکی ہو گئی تھی سمندر کی لہریں دور دور سے آکر ساحل

سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ عنبر کتنی ہی دیر وہاں کھڑا سمندر کی لہروں کو دیکھتا رہا۔ بادلوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی عنبر نے ایک موٹر لانچ کی آواز سنی۔ بائیں طرف دیکھا تو پرانی قسم کی موٹر لانچ پھٹ پھٹ کرتی سمندر میں چلی آ رہی تھی عنبر نے اسے دیکھتا رہا۔ یہ موٹر لانچ کنارے کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھی پھر وہ کنارے سے ہٹ گئی اور عنبر کے تھوڑے فاصلے پر سے گزر گئی۔

عنبر نے موٹر لانچ میں دو تین آدمیوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں عنبر حیران سا ہوا کیونکہ ایسی موٹر لانچوں میں ہتھیاروں والے آدمی کبھی نہیں ہوا کرتے۔ مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور آگے ریت پر چل پڑا موٹر لانچ اس کی نظروں سے غائب ہو گئی تو عنبر تھوڑی ہی دور گیا ہوگا اس نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے ریت پر ایک عورت بے ہوش پڑی ہے عنبر نے جھک کر اسے ہلایا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے عورت کا لباس غریب عورتوں جیسا تھا اس نے آنکھیں کھولے بغیر چیخ کر کہا۔

"میرا لال۔ میرا بچہ۔ وہ لے گئے۔"

عنبر نے جلدی سے پوچھا "بہن! تمہارا بچہ کون لے گئے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"وہ ڈاکو۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی جھونپڑی میں جا رہی تھی وہ آئے اور میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر لے گئے۔ ہائے میرا لال۔ میرا بچہ!"

عنبر ساری بات سمجھ گیا اس علاقے میں پاکستان بننے سے پہلے بچوں کو اغوا کر لیا جاتا تھا اور انہیں دوبئی اور قطر لے جا کر غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا اس علاقے میں ان لڑکوں کو تیل کی کھدائیوں کی جگہوں مٹی ڈھونے پر لگا دیتے تھے اور ساری زندگی وہ جانوروں کی طرح مٹی ڈھوتے رہتے تھے۔ اور وہیں مر جاتے تھے یہ کام عام طور پر جرائم پیشہ ڈاکو کرتے تھے عورت نے بتایا کہ اس کے بیٹے کا نام بلاول ہے اور اس کی عمر گیارہ بارہ سال ہے اور وہ اسے بے ہوش کر کے لے گئے ہیں عنبر نے جس موٹر لانچ کو سمندر میں جاتے دیکھا تھا اس عورت کے بیٹے کو ڈاکو اسی لانچ میں اغوا کر کے لیے جا رہے تھے عنبر نے عورت کو اس کے جھونپڑے میں پہنچایا اور کہا۔

"بہن تم یہاں ٹھہرو۔ میں تمہارے بچے کو لے کر واپس آتا ہوں"

عورت آخر ماں تھی اور جس ماں کا نوجوان بچہ

اس کی آنکھوں کے سامنے اس سے چھین لیا جائے اس کا برا حال ہوتا ہے بڑی مشکل سے اسے جھونپڑی میں لٹا کر عنبر وہاں سے نکلا اور سمندر کے کنارے آ گیا جہاں اس نے موٹر لانچ جاتی دیکھی تھی۔ اب وہاں سوائے سمندر کی لہروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ عنبر کنارے کنارے مغرب کی طرف چل پڑا۔ کوئی دو میل کے فاصلے پر جا کر اس نے ایک چھوٹی سی کشتی ریت پر کھڑی دیکھی۔ عنبر اس کو کھینچ کر سمندر میں لے آیا اور اس میں سوار ہو کر ادھر کو روانہ ہوا جدھر ڈاکوؤں کی کشتی گئی تھی۔

دن کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔ بارش رک سی گئی تھی۔ بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر تیرنے لگے تھے۔ عنبر بڑی تیزی سے چپو چلاتا سمندر میں آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے پہلے ہی ناگ اور ماریا سے جدا ہونے کا سخت غم تھا اور وہ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ خدا جانے اب ان دونوں سے اس کی کب اور کہاں ملاقات ہو گی کہ یہ ایک نئی مشکل اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے ایک دکھی ماں کی بری حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس کا دل تڑپ اٹھا تھا اور وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ ان ڈاکوؤں کے چنگل سے بچے کو چھڑا کر ہی لائے گا۔ حالانکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ جو لوگ بچے کو اغوا کر کے لے گئے ہیں وہ بہت بڑے بردہ فروش، قاتل، ڈاکو اور سنگ دل بدمعاش ہیں اور جب وہ کسی بچے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں تو پھر ان کے قبضے سے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا اور یہ لوگ کسی کو قتل کرنا معمولی بات سمجھتے تھے۔

عنبر علی کو لے کر جب کنارے سے کافی دور نکل گیا تو اسے موٹر لانچ تو کہیں دکھائی نہ دی۔ لیکن کچھ فاصلے پر اسے ایک چھوٹے سے جزیرے کا ایک ٹیلہ ضرور نظر آیا۔ عنبر اس جزیرے کی طرف کشتی کو لے گیا۔ کراچی سے کچھ فاصلے پر سمندر میں اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے جزیرے ہوا کرتے تھے جو آج کل پاکستان بحریہ کے پاس ہیں اور جہاں جوانوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ لیکن اس زمانے میں ان جزیروں میں ڈر کے مارے کوئی نہیں آتا تھا کیونکہ یہ ڈاکوؤں اور جیلوں سے بھاگے ہوئے قاتلوں کے اڈے تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے کی انڈین پولیس بھی ادھر آتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کیونکہ یہ خونخوار ڈاکو ایک سیکنڈ میں گولی چلا کر قتل کر دیتے تھے اور پھر لاش کو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

غائب کر دیا کرتے تھے۔ کئی پولیس آفیسر ڈاکوؤں اور مفرور قاتلوں کی تلاش میں ادھر آئے اور پھر ان کی لاشیں بھی مل سکیں۔ ان جزیروں کو اس زمانے میں پولیس کے لوگ قاتل جزیرے کہا کرتے تھے۔

عنبر کو ان باتوں کی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو صرف انسانی محبت اور ایک دکھی ماں کی ممتا کا خیال لے کر اس جزیرے کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس جزیرے تک پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ سورج سمندر کے اندر غروب ہو گیا اور آسمان پر جہاں کہیں بادل نہیں تھے وہاں اکا دکا تارے چمکنے لگے۔ عنبر اپنی کشتی جزیرے کے ایک طرف لے آیا۔ یہاں اس نے وہی موٹر لانچ کو دیکھا جو سمندر میں اس کے سامنے سے گزری تھی اور جس میں ڈاکوؤں نے بچے کو اغوا کر کے ڈالا تھا۔ یہ لانچ سمندر میں کھڑی تھی اور لنگر سمندر میں گرا ہوا تھا۔ اس کے اندر دو جگہوں پر مٹی کے تیل کی لالٹینیں جل رہی تھیں دو آدمی لانچ کے اوپر کھڑے پہرہ دے رہے تھے عنبر کی کشتی ایک تو چھوٹی تھی۔ دوسرے سمندر پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس اندھیرے میں پہرے داروں نے عنبر کو نہیں دیکھا تھا۔

عنبر اپنی کشتی ان پہرے دار ڈاکوؤں کی نظروں سے بچا کر ایک طرف نکال کر لے گیا اور تھوڑی دور چٹانوں کے پیچھے ایک جگہ اتر کر ساحل پر آ گیا۔ کشتی اس نے ریت پر کھینچ کر چٹانوں کی اوٹ میں چھپا دی۔

●

عنبر کی واپسی

عنبر سب سے پہلے اندھیرے میں وین کی طرف گیا۔ ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے وین کو دیکھا۔ موٹر وین کے اوپر دو ڈاکو بندوقیں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے سروں پر کالے رومال بندھے تھے اور کانوں میں پیتل کے بالے تھے۔ جو لالٹین کی روشنی میں چمک جاتے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ اور خونخوار تھے۔ عنبر کو خیال آیا کہ اگر موٹر وین پر اتنا زبردست پہرہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اغوا کیا ہوا لڑکا اسی موٹر وین میں قید ہو۔ وہ کوئی ایسی ترکیب نکالنا چاہتا تھا کہ جس سے بچے کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے کیونکہ ظاہر ہے وہ عنبر کو ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بچے کو غصے میں آ کر گولی مار سکتے تھے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دو آدمی دور سے گھوڑے دوڑاتے موٹر وین کی طرف آئے اور وین کے پاس آ کر انہوں نے گھوڑے روک لئے اور ان میں سے ایک نے پہاڑی مکرانی زبان میں کہا۔

"شیر گند۔ سنو! لانچ صبح آ رہی ہے۔ خبردار رہنا۔ نہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو سردار ہم سب کو گولی مار دے گا۔"

پہرےدار جس کا نام جوگندر تھا بولا۔

"فکر نہ کرو"

دوسرے گھوڑ سوار نے کہا۔

"ہم لڑکے کو لے کر صبح آ جائیں گے۔"

اتنا کہہ کر دونوں گھوڑ سوار واپس چلے گئے۔ عنبر سمجھ گیا کہ لڑکا لانچ میں نہیں ہے۔ بلکہ بچہ اس جگہ پر ہے۔ جہاں ان ڈاکوؤں کا سردار رہتا ہے۔ یہ لوگ اس لانچ کا انتظار کر رہے ہیں جو صبح آئے گی اور جس میں اغوا کیے ہوئے بچے کو سوار کروا کر دوسرے ملک میں روانہ کر کے اس کی قیمت وصول کر لی جائے گی۔

عنبر نے موٹر لانچ کا خیال چھوڑ دیا اور اس طرف روانہ ہوا جدھر کو گھوڑ سوار گئے تھے۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس کے آگے ریت کے ٹیلے پھیلے تھے۔ جہاں کہیں کہیں جنگلی پودے اور درخت اُگے تھے۔ عنبر چلتا گیا۔ آخر اسے اس ویران سے بے آباد خوفناک جزیرے میں ایک چھوٹی سی قلعہ نما عمارت دکھائی دی جس کی دیواریں اوپر کو اٹھتی ہوئی اوپر جا کر اہرام مصر کی ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ اس کے نیچے ایک

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جگہ دروازے میں روشنی ہو رہی تھی

عنبر رک کر سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے اگر وہ یونہی ڈاکوؤں کے خفیہ ٹھکانے پر چلا گیا تو اسے بھی پکڑ لیں گے اور گولی مار دیں گے۔ ظاہر ہے عنبر کو کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انہیں ذرا سا بھی شک پڑ گیا کہ عنبر ان کے شکار کو لینے آیا ہے تو وہ بچے کو ضرور قتل کر دیں گے تاکہ پولیس کوئی ثبوت تلاش نہ کر سکے۔ اور عنبر کے پاس سب کچھ کرنے کے لیے صرف ایک رات باقی تھی صبح دوسرے کسی ملک یا جزیرے سے لانچ آنے والی تھی جس میں بچے کو ڈال کر ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا جانے والا تھا۔

سب سے پہلے عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ، اغوا کیا ہوا لڑکا بلال کہاں پر ہے۔ یعنی ان ڈاکوؤں نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے عنبر کو یقین تھا کہ ان ڈاکوؤں کے پاس ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ چھ سات بچے ہیں جن کو انہوں نے کراچی میں جگہ جگہ سے اغوا کیا ہے اور اب کسی بڑے ایجنٹ کے ہاتھوں انہیں فروخت کرنے والے ہیں عنبر کے دماغ میں ایک اسکیم سوچی اور پُر اسرار عمارت کی طرف چل پڑا۔

دروازے کی ایک کھڑکی کھلی تھی جس کے اندر سے لالٹین کی روشنی آرہی تھی عنبر دروازے سے ابھی چند قدم دور ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی گردن پر خنجر رکھ کر کہا۔ "ہاتھ کھڑے کر لو اور آگے آگے چلو"

عنبر نے ٹھیٹھ مکرانی زبان میں کہا۔

"کیوں بے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے سالے اپنے آدمیوں کو بھی نہیں پہچانتا دیکھتا نہیں ہم سیٹھ کے آدمی ہیں سالے صبح لانچ نہیں آرہی کیا؟ مال نہیں دو گے تو تمہیں روپیہ کہاں سے ملے گا؟ چلو ہمیں قید کر لو۔ پھر روپیہ لے لینا کسی دوسرے ایرے غیرے سے۔"

عنبر نے یہ مکالمہ اتنے اعتماد کے ساتھ بولا کہ جس ڈاکو نے اس کی گردن پر خنجر رکھا تھا وہ اس کے سامنے آ گیا اور کھسیانا سا ہو کر مسکرا کر بولا۔

"ارے بابا تم جو آدھی رات کو چوروں کی طرح آرہا ہے تو ہم سمجھا کوئی گورنمنٹ کا جاسوس ہے بولو۔ کیا گڑبڑ ہو"

عنبر نے کہا "سنو! ادھر ہمارا جاسوس نے خبر دیا ہے کہ پولیس کا لوگ سمندری گشت لگایا ہے سمندر سے کچھ ہم لوگوں کو اگر تھوڑا دیر ہو گیا تو گھبرانا نہیں ہم لانچ ضرور لے کر آئے گا۔ تم مال تیار رکھنا۔"

ڈاکو نے کہا

"تم فکر نہ کرو دادا! اگر کوئی ایسا ویسا خطرہ بھی ہو تو ہمارا سردار ساری کی ساری کراچی پولیس کا مقابلہ کر سکتا ہے"

عنبر بولا۔

"نا بابا ایسا نہ کہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا سردار بڑا بہادر آدمی ہے۔ مگر دیکھو ہمیں کیا ضرورت پڑا ہے خواہ مخواہ پولیس سے ٹکر لینے کا اگر ایسی ویسی بات ہو گی تو تھوڑا انتظار کر لے گا اچھا یہ بتاؤ اس بار کتنے بچہ لوگ ہے؟" ڈاکو نے کہا۔

"اس بار تو صرف ایک بچہ ہے۔ دس گیارہ سال کا لڑکا ہے۔ باقی بچہ لوگ ہمارا آدمی پنجاب کی طرف اغوا کرنے گیا ہے وہ آئے گا تو اگلی بار زیادہ بچہ لوگ بھیجے گا۔" عنبر نے کہا۔

"بس صرف ایک بچہ لوگ ہے! بھلا سیٹھ نے تو بڑا مال سمجھ کر ادھر لانچ کو بھیجا ہے۔ اچھا خیر اگلے پھیرے میں پوری کرے گا"

ڈاکو نے کہا۔

"آؤ اندر آ جاؤ نا۔ سردار سے بھی ملو"

عنبر نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شاید وہ سو رہا ہوگا۔ اب جاتا ہوں صبح مل لوں گا پہلے تم ذرا لڑکا مجھے دکھا دو۔ دیکھوں اچھا تندرست مال ہے کہ کمزور ہے سالا "

ڈاکو نے کہا۔

"آؤ۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو "

ڈاکو عنبر کو پُراسرار اہرام نما عمارت کے اندر لے گیا سب سے پہلے ڈیوڑھی میں بندھے ایک کتے نے بھونک کر عنبر کا استقبال کیا ڈاکو نے کتے کو ڈانٹ دیا لڑکا ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں بند تھا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھوں پر خشک آنسوؤں کے نشان تھے۔

ڈاکو نے کہا۔

سالا دو دن میں دبلا ہو گیا ہے غم سے دو ایک روز کھانے پینے گا۔ تو پھر سے موٹا تازہ ہو جائے گا

عنبر نے لڑکے کو غور سے دیکھ کر کہا

"بس ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ ہم جا کر اپنے سیٹھ کو بول دے گا۔ کہ مال تیار ہے "

عنبر نے وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں لڑکا قید تھا۔ یہی وہ دیکھنا چاہتا تھا عنبر نے ڈاکو سے ہاتھ ملایا اور کہا

"اچھا خدا حافظ صبح ملے گا۔ لانچ کے ساتھ "

ڈاکو عنبر کو لے کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ سامنے سے سردار کا خاص آدمی آ گیا۔ اس نے ڈاکو سے کہا۔

"یہ کون ہے "

عنبر نے اس کے سامنے بھی وہی بات کی کہ میں وہی خبر لے کر آیا ہوں اور لانچ صبح پہنچ جانے کی دوسرے ڈاکو کو عنبر پر تھوڑا شک سا پڑ گیا اس نے کہا۔

"سردار کے پاس جا کر یہ خبر دو "

عنبر نے ادھر ادھر کے بہت بہانے بنائے مگر دوسرا ڈاکو اسے ساتھ لے کر سردار کے سامنے آ گیا سردار جاگ رہا تھا۔ اور اپنے دو ڈاکوؤں کے ساتھ دری پر لالٹین جلائے بیٹھا۔ سونے کی تھیلیاں گن گن کر الگ رکھ رہا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عنبر سردار کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا مگر مجبور ہو کر آ گیا تھا عنبر نے وہی بات دہرائی۔ سردار کو شک پڑ گیا اس نے اٹھ کر جیب سے پستول نکال لیا اور عنبر کی طرف تان کر کہا

تمہارے سیٹھ کا نام کیا ہے اور جو لانچ آ رہی ہے اس کا نام کیا ہے؟

عنبر تو سارا کام جھوٹ موٹ کر رہا تھا اس کی بلا جانے کہ سیٹھ کا نام کیا تھا اور لانچ کا نام کیا تھا وہ نام نہ بتا سکا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سردار نے اسی وقت عنبر کو پکڑ لیا اور لات مار کر زمین پر گراتے ہوئے گرجدار آواز میں کہا۔

"کون ہو تم سالے؟"

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اسے لے جا کر کوٹھڑی میں بند کر دو صبح لانچ آنے کے بعد اسے گولی مار دینا۔" ڈاکو عنبر کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں لے گئے اور اسے ڈال کر باہر سے تالا لگا دیا عقلمندی یہی تھی کہ عنبر خاموش رہے وہ خاموشی سے کوٹھڑی کے اندر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ صبح آنے سے پہلے وہ لڑکے کو آزاد کرانے کی کیا سکیم ہو سکتی ہے سوائے اس کے کوئی سکیم اس کے دماغ میں نہیں آ رہی تھی کہ کوٹھڑی توڑ کر لڑکے کو نکال کر لے جائے مگر اس میں لڑکے کی زندگی کو خطرہ تھا اس پر گولیاں برسائی جا سکتی تھیں عنبر نے سوچا کیوں نہ وہ سردار کو اغوا کر لے! عنبر اس سکیم سے بڑا خوش ہوا اس طریقے سے لڑکے کو وہاں سے نکالا جا سکتا تھا۔ رات جب تھوڑی گزر گئی تو عنبر نے کوٹھڑی کے کواڑ پر زور زور سے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے شور سن کر پہرے دار نے باہر سے کہا۔ "کیوں بے کیوں شور مچا رہا ہے تھوڑا انتظار کر صبح تمہیں زندگی سے نجات مل جائے گی۔"

عنبر نے کہا۔ "کوٹھڑی میں سانپ نکل آیا ہے وہ ہماری طرف آ رہا ہے"

اسی وقت پہرے دار نے تالا کھول دیا اور لالٹین کی روشنی اندر ڈال کر بولا۔ "کہاں ہے سانپ؟"

پہرے دار نے رائفل تان رکھی تھی عنبر نے اس کی رائفل کو زور سے اپنی طرف کھینچا پہرے دار تین قلابازیاں کھاتا عنبر کے آگے گر پڑا عنبر نے اس کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا عنبر نے رائفل اٹھائی اور سردار کی کوٹھڑی کی طرف دوڑ کر گیا سردار کی کوٹھڑی کے باہر دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے عنبر نے جاتے ہی ان میں سے ایک ڈاکو کو رائفل کا دستہ مار کر نیچے گرا دیا دوسرے ڈاکو نے فائر کر دیا۔ دھماکہ ہوا۔ گولی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی دھماکے کی آواز سے سردار اٹھ بیٹھا اور پستول پکڑے باہر آ گیا۔ "کیا ہو رہا ہے!" اس نے چلا کر پوچھا۔

عنبر نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر کے کہا۔

"سردار پستول پھینک دو۔"

مگر سردار نے اوپر تلے عنبر پر چار گولیاں چلا دیں چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کو لگیں مگر سردار یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ کسی ایک گولی نے بھی عنبر پر اثر نہ کیا تھا عنبر نے آگے بڑھ کر سردار کو گردن سے پکڑ لیا اور رائفل پھینک کر اس کا دوسرا پستول اس کی پیٹی سے نکال کر تانی اس کی گردن سے لگائی اور کہا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جو میں کہوں وہ کرو۔ نہیں تو تمہیں گولی مار کر اسی وقت ہلاک کر دوں گا۔ یہ تم دیکھ چکے ہو کہ تمہاری گولیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔"

سردار کو بے بس دیکھ کر سارے ڈاکو وہاں آگئے اور کی گردن کے ساتھ لگا رکھا تھا اس نے بلند آواز سے کہا: "اگر کسی نے آگے قدم اٹھایا تو میں تمہارے سردار کو گولی مار دوں گا۔"

سردار نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"پیچھے پیچھے رہو۔ میرے قریب مت آؤ۔"

پھر سردار نے عنبر سے پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"لڑکا تم نے اغوا کر کے دوسری کوٹھڑی میں بند کر رکھا ہے اسے میرے حوالے کر دو۔"

سردار نے عنبر کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"تم پولیس کے آدمی ہو کیا؟"

عنبر نے کہا: "نہیں۔ میں لڑکے کا چچا ہوں جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرو۔ نہیں تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سردار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: "لڑکے کو نکال کر یہاں لے آؤ۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عنبر نے کہا۔

"یہاں نہیں لاؤ۔ بلکہ اسے نکال کر باہر لے چلو۔"

ڈاکو لڑکے کو نکال کر باہر لے آئے۔ اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ہمیں ایک گھوڑا لا کر دیا جائے۔"

سردار کے حکم سے اسی وقت گھوڑا آ گیا۔ عنبر نے لڑکے کو گھوڑے پر بٹھایا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے اس پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ دس بارہ گولیاں پیچھے سے آکر عنبر کے جسم پر لگیں۔ عنبر نے گھوم کر پستول کی پہلی گولی سے ایک ڈاکو کو نیچے گرا دیا دوسری گولی سردار کی گردن میں ماری سردار چکرا کر گرا اور مر گیا۔ اس کے بعد عنبر نے لڑکے کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور فائرنگ کرنے لگا۔

ڈاکو گرتے اور مرتے جا رہے تھے عنبر نے مشین گن اٹھا لی تھی۔ لڑکا زمین پر اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔ عنبر مشین گن سے گھوم گھوم کر چاروں طرف گولیوں کا مینہ برسا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب عنبر نے فائرنگ بند کی تو وہاں ڈاکوؤں کی لاشیں اندھیرے میں بکھری پڑی تھیں عنبر نے لڑکے کو ساتھ لیا سمندر کے کنارے کے پاس

آکر چھپ گئے

اسی جگہ رات کے پچھلے پہر ڈاکوؤں کی وہ لانچ آنے والی تھی۔ جس میں اغوا شدہ لڑکے بلاول کو ڈال کر آگے دوبئی یا قطر کے ملاقوں میں سے جا کر فروخت کرتا تھا بلاول کو اب پتہ چل چکا تھا کہ عنبر اس کا ہمدرد ہے۔ اور اسے ان ڈاکوؤں کی قید سے چھڑانے کے لئے یہاں آیا تھا۔ وہ واپس اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا تھا مگر عنبر نے کہا۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو لانچ تمہیں یہاں سے لینے آ رہی ہے۔ اس میں کہیں کوئی دوسرے اغوا کئے ہوئے بچے تو نہیں ہیں"

اس رات عنبر اور بلاول دونوں چھپ کر لانچ کا انتظار کرتے رہے خالی لانچ ان کے سامنے سمندر میں کھڑی تھی جس پر پہرے دار چل پھر کر چوکیداری کر رہے تھے۔ جب بارہ بجنے لگے تو دور سے لانچ کی سیٹی کی آواز آئی۔ عنبر نے بلاول سے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ ڈاکوؤں کی لانچ آ رہی ہے۔

لانچ دم توڑتی رفتار سے ہلکے ہلکے آہستہ کنارے کے پاس آکر رک گئی۔ اس کے اندھیرے کے پیچھے

ایک مدھم لالٹین روشن تھی۔ اس کے سوا وہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عنبر اور بلاول اسے غور سے دیکھ رہے تھے اتنے میں آنے والی لانچ نے تین بار سیٹی دی خالی لانچ کے پہرے دار کشتی میں اس طرف گئے اور پھر واپس کنارے پر آکر رک گئے وہ اترے اور تیز تیز قدموں سے پراسرار مکان کی طرف غائب ہو گئے

وہ حیران تھے کہ تین بار سگنل دینے کے باوجود پراسرار سے ڈاکو اور سردار نکل کر کیوں نہیں آئے آنے والی لانچ کے ڈاکوؤں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں پولیس نے چھاپہ تو نہیں مار دیا! پہرے دار اپنے سردار اور دوسرے ڈاکوؤں کو لینے پراسرار مکان کی طرف گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھبرائے ہوئے واپس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

عنبر نے بلاول سے کہا۔

"بیٹا تم اسی جگہ ٹھہرو۔ خبردار ادھر ادھر مت ہونا۔ میں ابھی آتا ہوں"

عنبر اندھیرے میں خالی لانچ پر جا کر چڑھ گیا اتنے میں پہرے داروں نے آکر ڈاکوؤں کو بتایا کہ خفیہ ٹھکانے پر حملہ ہو گیا ہے اور سب ڈاکو سردار

سمیت مارے گئے ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ آنے والے ڈاکو بھی گھبرا گئے۔ وہ لانچ سٹارٹ کر کے بھاگنے کی تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ عنبر نے خالی لانچ سٹارٹ کر دی اور تیزی سے اسے ڈاکوؤں کی لانچ کے آگے لے آیا۔ ڈاکو گھبرا گئے اس کے سردار نے چلا کر کہا:

"پولیس آگئی ہے خالی لانچ پر دستی بم پھینکو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر کی لانچ پر اوپر تلے چار دستی بم آکر گرے اور بڑے زور دار دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ لانچ میں آگ لگ گئی اور وہ گڑگڑاتی ہوئی ڈوبنے لگی۔ عنبر اندھیرے میں ایک تختے پر بیٹھ کر اسے لہروں پر بہتا ڈاکوؤں کی لانچ کے پیچھے آگیا تھا۔ وہ ایک لٹکے ہوئے رسے کی مدد سے لانچ کے اوپر چڑھ گیا۔

سارے ڈاکو لانچ کے سامنے والے کونے پر کھڑے عنبر کی ڈوبتی لانچ کو دیکھ رہے تھے اور خوش ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ عنبر سیڑھی اتر کر نیچے آگیا۔ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ ایک کوٹھڑی بند ہے اور باہر تالا پڑا ہے۔ عنبر نے مکا مار کر تالا توڑ دیا۔ دروازہ کھولا تو اندر پانچ لڑکے رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ عنبر کو دیکھ کر وہ رونے لگے۔ عنبر نے انہیں تسلی دی اور کہا:

"گھبراؤ نہیں بچو! میں تمہیں آزاد کرانے آیا ہوں۔"

اور اس نے ان کی رسیاں توڑ ڈالیں اور کہا۔

"خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

عنبر پانچوں لڑکوں کو لے کر لانچ کے اوپر آگیا ڈاکو ابھی تک دوسری طرف منہ کیے کھڑے نعرے لگا رہے تھے۔ عنبر نے باری باری سارے بچوں کو نیچے سمندر کے تختے پر اتار دیا جب وہ خود اترنے لگا تو رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ سمندر میں گرتا اور آواز پیدا ہوتی اس نے اچھل کر پھر سے رسی تھام لی اور یوں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ عنبر بھی تختے پر اتر آیا۔

اندھیرا چھٹ رہا تھا۔ عنبر بڑی تیزی سے تختے کو کنارے پر لے آیا اور اس نے پانچوں بچوں کو ان کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پاس کھوہ میں چھپا دیا۔ اب وہ ڈاکوؤں کو ان کے گناہوں کی سزا دینا چاہتا تھا تاکہ وہ آئندہ کسی ماں کا بیٹا اور باپ کے جگر کا ٹکڑا اغوا نہ کر سکیں۔ عنبر نے بچوں کو اچھی طرح سے سمجھا کر وہیں چھوڑا اور خود ڈاکوؤں کی لانچ کے پاس کنارے پر آ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

وہ تیرتا ہوا جب لانچ کے قریب گیا تو ڈاکوؤں نے اسے دیکھ لیا اور عنبر پر گولیاں برسانی شروع کر دیں مگر عنبر آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ رسی پکڑ کر لانچ کے اوپر آ گیا۔ اس کے جسم سے سینکڑوں گولیاں ٹکرا کر گر چکی تھیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے آگے بڑھ کر پستول تان لیا اور عنبر کو ہاتھ کھڑے کرنے کو کہا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے تمہارے تمام اغوا کیے ہوئے لڑکے غائب کر دیئے ہیں۔ اب تم بھی غائب ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اتنے میں دوسرے ڈاکوؤں نے خبر دی کہ بچے غائب ۔ سردار نے پستول کی ساری گولیاں عنبر پر ختم کر دیں۔ مگر عنبر اپنی جگہ کھڑا مسکراتا رہا۔ پھر آگے بڑھا

اور اس نے سردار کے ہاتھ سے پستول چھین کر نال پستول اتنی زور سے اس کے سر پر مارا کہ آدھا پستول سردار کی کھوپڑی کے اندر دھنس گیا۔ سردار گر پڑا۔ دوسرے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے مگر بے فائدہ۔ کیونکہ چند سیکنڈ گزرے تھے کہ لانچ میں شعلے بھڑک رہے تھے اور بچے اغوا کرنے والے سنگدل ظالم لوگوں کی لاشیں اس میں جل رہی تھیں۔

عنبر تمام بچوں کو کراچی شہر لے آیا اور انہیں پولیس کے حوالے کر دیا بلاول کی ماں کو سب سے پہلے اس کا بچہ دے دیا گیا۔ اس نے عنبر کا ہاتھ چوم کر بے شمار دعائیں دیں اور خوشی خوشی اپنے بچے کو لے کر چلی گئی۔ اسی طرح دوسرے بچے بھی ان کے ماں باپ کے حوالے کر دیئے گئے۔ عنبر کو گولڈ میڈل دیا جانے والا تھا کہ عنبر وہاں سے نکل گیا تھا۔ وہ اپنے اندر ایک آواز آتی سن رہا تھا کہ واپس چلو۔ عنبر واپس چلو۔ تمہاری واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے۔ عنبر کو کراچی سے سیدھا قاہرہ جا کر اہرام مصر میں ملکہ نفرتیتی کے مقبرے میں پہنچ کر اس سے اپنے پانچ ہزار سالہ واپسی کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہولناک، بھیانک اور سنسنی خیز سفر کی ہدایت لینی تھی۔ وہ اب ناگ اور ماریا سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماریا سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ ماریا اور ناگ سے اس کی ملاقات اب واپسی کے سفر میں خدا جانے کہاں اور کس قسم کے خوفناک حالات میں ہو۔ کیونکہ اسے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی واپسی کا سفر موت کے تعاقب سے زیادہ سنسنی خیز لرزہ خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا ہوگا۔ عنبر نے اسی وقت دینا سے کر قاہرہ کی ایک ہوائی ٹکٹ لی اور شہر سے باہر ایک ویران کھنڈر سی عمارت کے پاس آکر ٹھہر گیا۔ یہاں وہ یونہی سیر کرتے کرتے آگیا تھا کہ اچانک بادل گرجے بجلی چمکی اور بارش شروع ہوگئی اس نے سوچا کہ کچھ دیر کے لئے اس عمارت میں رک کر پناہ لے اور جب بارش رکے تو واپس شہر کی طرف روانہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کا جہاز اڑنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اندھیرا گھپ تھا۔ کسی وقت بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں عنبر کو بارش موسلا دھار ہوتی نظر آجاتی بجلی کی کڑک سے دل دہل رہے تھے۔ عنبر نے سوچا

کہ خوامخواہ اس طرف سیر کرتے ہوئے آنکلا۔ لیکن اب اسے بارش کے طوفان کے تھمنے کا ہر حالت میں انتظار کرنا تھا۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بادل یوں گرج رہے تھے جیسے پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ۱۰۰ حصوں کا طویل سفر آج طے ہوا۔

یہ سب آپ کی دعاؤں اور حوصلوں نے مجھے ہمت بخشی اور یہاں تک پہنچایا۔ انشاءاللہ اب آپ ایک دلچسپ سفرنامہ پڑھیں گے۔ وہ قسط وار ہوگا۔ اور موت کا تعاقب کی طرح اتنا ہی پراسرار اور دلچسپ ہوگا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش